تفسیر کمالین

شرح اردو

تفسیر جلالین

تفسیر

علامہ جلال الدین محلیؒ و علامہ جلال الدین سیوطیؒ

شرح

حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندی صاحب

استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند

دارالاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 021-32213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : ایڈیشن جنوری ۲۰۰۸ء

ضخامت : ۶ جلد صفحات ۳۲۲۴

تصدیق نامہ

میں نے ''تفسیر کمالین شرح اردو تفسیر جلالین'' کے متن قرآن کریم کو بغور پڑھا جو کمی نظر آئی اصلاح کردی گئی۔ اب الحمدللہ اس میں کوئی غلطی نہیں انشاء اللہ۔

محمد شفیق (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)
نمبر مجاریہ R.ROAUQ 2002/338
رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف سندھ
23/08/06

﴿........ملنے کے پتے.........﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 دیپ روڈ لسبیلہ کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

www.ahlehaq.org

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd
Cooks Road, London E15 2PW

اجمالی فہرست

جلد اول پارہ نمبر اول تا پنجم

پارہ والمحصنٰت

اجمالی فہرست

جلد دوم، پارہ نمبر ششم تا دہم

اجمالی فہرست

جلد سوم، پارہ نمبر ۱۱ تا ۱۵

اجمالی فہرست

جلد چہارم

فہرست پارہ نمبر ۱۵ ﴿سورۃ الکھف﴾

اجمالی فہرست

پارہ نمبر ۲۱ تا ۲۴

فہرست پارہ ﴿اتل ما اوحی﴾

اجمالی فہرست

جلد ششم وہفتم پارہ نمبر ۲۵ تا ۳۰

فہرست پارہ ﴿الیہ یرد﴾

قال ربنا العلی العلیم ان الابرار لفی نعیم

حرف آغاز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تبارک الذی نزّل الفرقان علٰی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا.

میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ تین سالہ تھکا دینے والی مسلسل علالت کے زمانہ میں ایک تن مردہ میں اس طرح جان ڈالنے کی کوشش کی جائے گی کہ ایک طرف تو اس تفسیری شرح کے مسودات لکھے جا رہے ہوں گے، اور دوسری جانب نظر ثانی کئے بغیر حوالۂ پریس ہو رہے ہوں گے۔

ناچیز کی طرح علامہ جلال الدین سیوطیؒ کے لئے بھی میدانِ صحافت میں یہ پہلا ہی قدم تھا لیکن وہ ایک جلیل القدر امام فن تھے اور ناچیز ان کا دریوزہ گر دکاسہ لیس ہے۔ انہوں نے پچیسویں سن میں یہ شہرہ آفاق علمی شاہکار پیش کر کے دنیائے علم کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ اور یہاں عمر عزیز کی ۴۵ بہاریں لٹ چکی ہیں مگر کاروانِ علم و عمل پھر بھی جادہ پیما نہیں ہوا۔ انہوں نے ''مدت کلیم'' یعنی صرف ایک چلہ میں نصف قرآن کی تفسیر جلیل مکمل کر دی تھی۔ اور یہاں اس مدت میں ان ہی کے نصف پارہ کی لیپ پوت بھی مشکل ہے۔

البتہ بلبل کے لئے اگر ہم قافیۂ گل ہونا بس کرتا ہے تو اس ''بے کمال'' کے لئے ہم ردیف ''جلال'' ہونا یقیناً نجات کے لئے کافی ہے ناچیز اس سلسلہ میں حوالوں کے انبار سے ناظرین کو مرعوب و زیر بار کرنے کی کوشش نہیں کرے گا تاہم جو کچھ اور جیسا کچھ بھی ہے وہ احتیاط کی چھلنی میں چھان کر حاضر خدمت ہے۔ ''انظر الی ماقال ولا تنظر الی من قال'' پر نظر رکھیئے۔

اس تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں کا امکان ہی نہیں بلکہ وقوع اغلب ہے اس لئے عفو و تسامح اور اصلاح کی بھیک مانگتا ہوں اور خدا سے قبولِ عام کے ساتھ اس کے حسنِ اتمام کی دعا: ربنا اتمم لنا نورنا

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه بجاه النبی المصطفٰی وآله المجتبٰی

ابو عبداللہ محمد نعیم ابن حکیم محمد منعم

خادم دار العلوم دیوبند

۲۶/ ذیقعدہ ۸۱ھ یوم الاربعاء، ۱۱ اپریل ۶۲ء

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لاھلہ والصلوۃ لاھلھا

تقریباً چھ سال کے بعد قلم کا درماندہ راہ مسافر پھر تفسیر قرآن کی جادہ پیمائی میں مصروف ہے۔ آسمان بالا سے اس کتاب مبین کو خاکدان ارضی پر اتارنے والے کا یہ انعام کیا کچھ کم تھا کہ قلم کے تعطل کے اس دور میں بھی زبان کو مسلسل تفسیر کے بیان کے لئے کارآمد رکھا۔ گوناگوں مصروفیات، لمبے چوڑے مشاغل، ہجوم افکار اور نت نئی مصائب میں جب کہ کاروان عمر بھی سن شباب سے گذر کر انحطاط کے دور میں داخل ہورہا ہے، یہ بری بھلی خدمت برادر عزیز مختار علی صاحب پروپرائٹر کتب خانہ امدادیہ دیوبند کی فرمائش اور عزیز الاعز مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی ابن الحاج مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے مخلصانہ اصرار پر بن پڑی۔

جلالین شریف کی اس اردو ترجمانی میں زیادہ تر توجہ کتاب کے حل پر کی گئی۔ حل عبارت، تحقیق لغات، ترکیب نحوی، شان نزول اور بیان روابط کا اہتمام کیا گیا۔ واقعات وقصص کی تفصیل پیش نظر رہی اور جابجا جو کچھ لکھا گیا پوری تحقیق کے بعد حل مطالب میں دوسرے اہم وعمودی تفاسیر سے مدد لی گئی اور ورق گردانی کی کائنات اپنی حدود اربعہ کے اعتبار سے وسیع ترین ہے۔ پھر بھی یہ ایک طالب علمانہ کاوش ہے، کوئی مدعیانہ شاہکار نہیں۔ مرقع سہو ونسیان، انسان کے کارنامے سہو ونسیان سے کب خالی ہوسکتے ہیں۔ اگر ستار العیوب اپنی تمام واقفیت کے باوجود پردہ پوشی سے کام لیتا ہے تو ناظرین سے اسی خلق جمیل کی توقع غلط نہ ہوگی۔

عزیز مولوی مظفر الحسن القاسمی نے حوالوں کے بہم پہنچانے، مسودہ کو مبیضہ بنانے میں جو شب وروز محنت کی، اس کا حقیقی صلہ تو خدائے ذوالمنن ہی دے سکتا ہے۔

وللہ عاقبۃ الامور

وانا العبد الاواہ محمد انظر شاہ
خادم التدریس ...... بدارالعلوم دیوبند
۴ مئی ۱۹۷۳ء

سُـــوْرَةُ الْفَـاتِحَــةِ

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ سَبْعُ اٰيَاتٍ بِالْبَسْمَلَةِ اِنْ كَانَتْ مِنْهَا وَالسَّابِعَةُ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اِلٰى اٰخِرِهَا وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ مِّنْهَا فَالسَّابِعَةُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ اِلٰى اٰخِرِهَا وَيُقَدَّرُ فِىْ اَوَّلِهَا قُوْلُوْا لِيَكُوْنَ مَاقَبْلَ اِيَّاكَ نَعْبُدُ مُنَاسِبًا لَهٗ بِكَوْنِهٖ مِنْ مَّقُوْلِ الْعِبَادِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ جُمْلَةٌ خَبَرِيَّةٌ قُصِدَبِهَا الثَّنَاءُ عَلَى اللّٰهِ بِمَضْمُوْنِهَا مِنْ اَنَّهٗ تَعَالٰى مَالِكٌ لِجَمِيْعِ الْحَمْدِ مِنَ الْخَلْقِ اَوْ مُسْتَحِقٌّ لِاَنْ يُّحْمِدُوْهُ وَاللّٰهُ عَلَمٌ عَلَى الْمَعْبُوْدِ بِحَقٍّ **رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱﴾** اَىْ مَالِكُ جَمِيْعِ الْخَلْقِ مِنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلَائِكَةِ وَالدَّوَابِّ وَغَيْرِهِمْ وَكُلٌّ مِّنْهُمْ يُطْلَقُ عَلَيْهِ عَالَمٌ يُقَالُ عَالَمُ الْاِنْسِ وَعَالَمُ الْجِنِّ اِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ وَغُلِّبَ فِىْ جَمْعِهٖ بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ اُولُوا الْعِلْمِ عَلٰى غَيْرِهِمْ وَهُوَ مِنَ الْعَلَامَةِ لِاَنَّهٗ عَلَامَةٌ عَلٰى مُوْجِدِهٖ **الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾** اَىْ ذِى الرَّحْمَةِ وَهِىَ اِرَادَةُ الْخَيْرِ لِاَهْلِهٖ **مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳﴾** اَىِ الْجَزَاءِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَخُصَّ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهٗ لَامِلْكَ ظَاهِرًا فِيْهِ لِاَحَدٍ اِلَّالِلّٰهِ تَعَالٰى بِدَلِيْلِ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ وَمَنْ قَرَأَ مَالِكِ فَمَعْنَاهُ مَالِكُ الْاَمْرِ كُلِّهٖ فِىْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَىْ هُوَ مَوْصُوْفٌ بِذٰلِكَ دَائِمًا كَغَافِرِ الذَّنْبِ فَصَحَّ وُقُوْعُهٗ صِفَةً لِّلْمَعْرِفَةِ **اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۴﴾** اَىْ نَخُصُّكَ بِالْعِبَادَةِ مِنْ تَوْحِيْدٍ وَغَيْرِهٖ وَنَطْلُبُ مِنْكَ الْمَعُوْنَةَ عَلَى الْعِبَادَةِ وَغَيْرِهَا **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۵﴾** اَىْ اَرْشِدْنَا اِلَيْهِ وَيُبْدَلُ مِنْهُ **صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ** بِالْهِدَايَةِ وَيُبْدَلُ مِنَ الَّذِيْنَ بِصِلَتِهٖ **غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ** وَهُمُ الْيَهُوْدُ **وَلَا** وَغَيْرُ **الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾** وَهُمُ النَّصَارٰى وَنُكْتَةُ الْبَدَلِ اِفَادَةُ اَنَّ الْمُهْتَدِيْنَ لَيْسُوْا يَهُوْدًا وَّلَانَصَارٰى وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَاِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَاٰبُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ صَلٰوةً وَّسَلَامًا دَائِمَيْنِ مُتَلَازِمَيْنِ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سورۂ فاتحہ مکّیہ ہے۔ جس میں سات آیات ہیں بسم اللہ سمیت۔ اگر یہ فاتحہ کا جز مانی جائے تو ساتویں آیت صراط الذین سے آخر سورت تک ہوگی اور اس کو جز شمار نہ کیا جائے تو پھر ساتویں آیت غیر المغضوب سے آخر تک ہوگی۔ اور اس سورت کے شروع میں

قولوا مقدر مانا جائے گا۔ تاکہ ایاك نعبد سے پہلی عبارت بھی اس کے مناسب ہو کر پوری سورت بندوں کا مقولہ بن جائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ترجمہ: .... تعریف بس اللہ کے لیے ہے (یہ جملہ خبریہ ہے۔ جس سے مقصود اس کے مضمون سے اللہ کی تعریف کرنا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ مخلوق کی ساری تعریف کا مالک ہے۔ یا یہ معنیٰ ہیں کہ اللہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی تعریف کرو، لفظ اللہ معبود حقیقی کا نام ہے) جو تمام کائنات کا رب ہے (یعنی انسان، جن، فرشتے وغیرہ جانوروں ساری مخلوق کا مالک ہے ان مخلوقات میں سے ہر مخلوق کو عالم کہتے ہیں۔ چنانچہ عالم الانس، عالم الجن وغیرہ بولا جاتا ہے۔ اور عالمین کے یا نون کے ساتھ جمع لانے میں ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غالب کر لیا گیا ہے۔ عالم علاقہ کو کہتے ہیں۔ یہ جہاں بھی پیدا کرنے والے کی پہچان کا ذریعہ ہے) بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے (یعنی رحمت والا ہے۔ جس کے معنیٰ مستحق رحمت کے ساتھ ارادہ خیر کے معنیٰ ہیں) روز جزاء کا مالک ہے (یعنی بدلہ کا جو روز قیامت ہے۔ اس روز کی تخصیص اس لیے کی کہ وہاں بجز اللہ کے کسی کی ملک نہیں رہے گی۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ لمن الملك اليوم لله اور جن قراء نے مالک پڑھا ہے تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ قیامت کے دن وہ ہر چیز کا مالک ہوگا۔ یعنی اللہ ہمیشہ مالک ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے غافر الذنب فرمایا گیا ہے۔ اس لیے مالک کا معرفہ (اللہ) کی صفت بننا قطعاً درست ہے) ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں (یعنی توحید وغیرہ کے ذریعہ ہم صرف آپ کی پرستش کرتے ہیں اور عبادت وغیرہ پر صرف آپ کی اعانت چاہتے ہیں) ہمیں سیدھا راستہ دکھایئے (اس کی طرف رہنمائی کیجئے۔ آگے بدل ہے) ان لوگوں کا رستہ جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے (ہدایت دے کر۔ آگے بدل ہے الذين مع صلہ کا) جو مغضوب نہیں ہوئے (جیسا کہ یہود ہیں) اور جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں (جیسے عیسائی اور بدل میں یہ نکتہ ہے کہ یہود ونصاریٰ ہدایت یافتہ نہیں ہیں۔ والله اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب وصلى الله علىٰ سيدنا محمد واله واصحابه الطيبين الطاهرين صلوة وسلاماً دائمين متلازمين الى يوم الدين والحمد لله رب العلمين.

تحقیق وترکیب: .... الفاتحة، عافية کی طرح اگر یہ مصدر ہے تو بمعنیٰ مفعول ہوگا یا اس کو صفت مانا جائے یعنی ہر چیز کی شروعات تو اس میں تاوصفیت سے اسمیت کی طرف نقل کرنے کے لیے ہوگی۔ پہلی توجیہ کے مقابلہ میں دوسری توجیہ انسب ہے۔ کیونکہ اس وزن پر مصدر کا آنا بہت کم ہوتا ہے اور ''سورۃ الفاتحہ'' میں اضافت شجر الاراک اور ''علم النحو'' کی طرح عام کی اضافت خاص کی طرف ہو رہی ہے اور یہ اضافت اسی وقت جائز ہوتی ہے جب کہ مضاف الیہ کا فرد مضاف ہونا مشہور ہو جیسے انسان زید میں، اس سورت کو ام القرآن بھی کہا گیا ہے اور سورۃ الکنز اور سورۃ الوافیہ اور سورۃ الشافیہ اور سورۂ شفاء، سورۂ الحمد، سورۂ الشکر، سورۂ الدعاء، سورۂ تعلیم المسئلہ اور سبع مثانی وغیرہ نام بھی ہیں۔

مکیه. اکثر کی رائے یہی ہے جس کی دلیل سورۂ حجر کی آیت ولقد اتيناك سبعاً من المثانى جو خود بھی مکی ہے اور جس کی تفسیر خود حضور ﷺ نے سورۃ الفاتحہ کے ساتھ فرمائی ہے۔ لیکن مجاہدؒ اس کو مدنی کہتے ہیں۔ بلکہ طبرانی کی اوسط میں ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ انزلت الفاتحه بالمدينة اور بعض کی رائے ہے کہ مکہ اور مدینہ دونوں جگہ اس کا نزول ہوا ہے۔ تاہم تکرار نزول سے اس کی جزئیت میں تکرار لازم نہیں آتا۔ یعنی آیات فبای الاء ربكما تكذبان وغیرہ کی طرح یہ نہیں کہا جائے گا کہ سورۂ فاتحہ قرآن کریم میں دو مرتبہ ہے۔ اور منشاء اظہار تعظیم ہے۔ اسی لیے اسی کا نماز میں پڑھنا ضروری ہوا۔

سبع ایات. تمام ائمہ کے نزدیک بالاتفاق اس سورت میں سات آیات ہیں۔ البتہ ساتویں آیت کی تعیین میں احناف و شوافع کا اختلاف ہے اور اس کا تعلق بسم اللہ کے جزء فاتحہ ہونے سے ہے۔ اگر اس کو بھی مستقل آیت مانا جائے۔ تب تو بقول مفسرؒ

صراط الذین سے آخر تک ساتویں آیت ہوگی۔ ورنہ پھر ساتویں آیت **غیر المغضوب** سے آخر تک ہوگی۔

علامہ زمخشریؒ یہ کہتے ہیں آیات کا علم توفیقی ہے۔ بسم اللہ کے متعلق ضروری تفصیل یہ ہے کہ آیت سورۂ روم **انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** کے متعلق تو سب کا اتفاق ہے کہ یہ اس سورت کا بھی جزو ہے اور قرآن کا جز بھی ہے۔ اس کے علاوہ بسم اللہ کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کے قرآن کریم کا جز ہونے پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ **مابین الدفتین** جو کچھ ہے اس کے کلام اللہ ہونے کا اجماع ہے۔ نیز قرآن کریم میں اس کا لکھا ہونا بھی اس کے جزوِ قرآن ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ غیر قرآن کو قرآن میں لکھا نہیں جاتا اور اس احتیاط میں یہاں تک مبالغہ کیا گیا ہے کہ لفظ **امین** بھی قرآن میں لکھا نہیں جاتا۔ حالانکہ اس کو سورۂ فاتحہ کے ختم پر پڑھنا مسنون ہے۔ البتہ اسی کے ساتھ مکہ وکوفہ کے قراء وفقہاء اور عبداللہ بن مبارکؒ اور امام شافعیؒ بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ اور تمام سورتوں کا جزو مانتے ہیں۔ حدیث ابوہریرہؓ انہ علیہ الصلوۃ والسلام قال فاتحۃ الکتاب سبع ایات اولھن بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پھر شوافعؒ میں اختلاف ہے۔ بعض بسم اللہ کو مستقل آیت کہتے ہیں۔ حدیث ام سلمہؓ کی رو سے قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفاتحۃ وعدّ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آیت اور بعض شوافع **بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العلمین** کو ایک آیت کہتے ہیں۔ لیکن مدینہ طیبہ، بصرہ شام کے قراء اور فقہاء امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ بسم اللہ کو نہ تو سورۂ فاتحہ کا جزو مانتے ہیں اور نہ کسی دوسری سورت کا بقول قاضی بیضاویؒ امام اعظمؒ سے کوئی تصریح نہیں ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی کسی سورت کا جز نہیں ہے۔

البتہ امام محمد سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا۔ مابین الدفتین کلام اللہ یہ مسئلہ دراصل تجوید وقرات کا ہے، فقہ کا نہیں ہے۔ احناف کی دلیل حدیث ابوہریرہؓ ہے۔ قال اللہ تعالی اقسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی نصفین، یقول العبد الحمد للہ رب العالمین۔ اس میں حضورؐ نے بسم اللہ کو شمار نہیں کیا۔ اسی طرح حدیث انسؓ ہے۔ صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخلف ابی بکر وخلف عمر فلم یجہر احد منھم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس سے جہاں بسم اللہ کی عدم جزئیت ثابت ہوئی۔ وہیں نماز میں عدم جہر بھی ثابت ہوا۔ بسم اللہ دراصل فصل بین السور کے لیے نازل کی گئی ہے وہ کسی سورت کا جز نہیں ہے۔ حدیث ابن عباسؓ ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یعرف فصل السورتین حتی ینزل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

اور شوافع کی حدیث ابوہریرہؓ سے سورۂ فاتحہ کے علاوہ ہر سورت کا جزو ہونا ثابت نہیں ہوتا اور حدیث ام سلمہؓ سے بھی جزئیت ثابت نہیں ہوتی۔ ممکن ہے بسم اللہ کو تبرکاً حضورؐ نے پڑھا ہو۔ رہا شوافع کا **مابین الدفتین** کے کلام اللہ ہونے کو جزئیت کی دلیل میں پیش کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اس سے ہر سورت کا جزو ہونا ثابت نہیں ہوتا اسی طرح بسم اللہ کی کتابت کو جزئیت کی دلیل میں پیش کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اس سے تو قرآن کی سورتوں میں فصل کے لیے ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مفسر علامؒ نے زمخشریؒ اور امام راغبؒ کے مطابق مشورہ دیا ہے کہ **الحمد للہ** سے پہلے **قولوا** مقدر ماننا چاہئے۔ تاکہ **ایاک نعبد** کے مضمون سے تناسب رہے۔ گویا **الحمد للہ** بھی بندہ ہی کا مقولہ ہے۔ ورنہ اگر اللہ کا مقولہ ہوتا تو **الحمد لی** کہنا چاہئے تھا۔ لیکن دوسرے حضرات تقدیر عبارت کی ضرورت نہیں سمجھتے اور **الحمد للہ**، اللہ کا مقولہ ہے بندوں کو تلقین وتعلیم ہے۔ یہ جملہ لفظاً خبریہ ہے اور معنیً انشائیہ ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ حقیقۃً یہ جملہ خبریہ ہے۔ تیسری رائے یہ ہے کہ حقیقۃً انشائیہ تھا۔ مجازاً خبریہ ہوگیا۔ الفاظ حمد، مدح، شکر میں فرق ہے۔ حمد کہتے ہیں۔ اچھے اختیاری کاموں پر کسی کی تعریف کرنا۔ یہ تعریف خواہ اس کے انعام کے جواب میں یا بغیر انعام سے ستائش ہو۔ اور مدح کہتے ہیں مطلقاً کسی کی تعریف کرنا۔ خواہ اختیاری تعریف پر ہو یا غیر اختیاری پر۔ اسی طرح نعمت کے بدلہ میں یا بغیر نعمت کے۔ پہلے قاعدہ کی مثال **حمدت زیداً علی علمہ و کرمہ**۔ اور دوسرے قاعدہ کی مثال **مدحت زیداً علی حسنہ** ہے۔ یہاں **حمدت زیداً علی حسنہ** کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ لیکن بعض حضرات کے نزدیک حمد ومدح دونوں مترادف ہیں اور شکر کہتے ہیں کسی کی نعمت پر تعریف کرنا خواہ

زبان سے ہو یا دل سے اور اعتقاد سے یا اعضاء کے ذریعہ عملی طور پر

افادتکم النعما منی ثلثه بدنی ولسانی والضمیر المحجبا

شکر کی نسبت حمد و مدح کے ساتھ عموم وخصوص من وجہ کی ہے۔ اور چونکہ حمد، شکر کا اعلیٰ درجہ ہے۔ اسی طرح حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ الحمد راس الشکر ما شکر اللّٰہ من لم یحمدہ اور لفظ ذم، حمد کی نقیض ہے اور کفران شکران کی نقیض ہے الحمد لله مبتداء خبر ہے۔ دراصل الحمد پر نصب ہے ایک قرات نصب کی بھی ہے۔ چونکہ حمد کا عموم اور ثبوت ودوام مقصود ہے۔ اس لیے نصب سے رفع کی طرف عدول کرلیا اور حمد ان افعال میں سے جن کا ناصب محذوف ہوا کرتا ہے۔ اس میں الف لام تعریف جنسی کا ہے اور بعض نے اس کو استغراقیہ مانا ہے یعنی بلا واسطہ اور بالواسطہ حمد کے تمام افراد اللہ کے لیے ہیں۔ ایک قرات الحمد لله اور الحمدُ لِلّٰه کی بھی ہے۔ دونوں لفظوں کو ایک کلمہ مان کر ایک کی حرکت دوسرے کے موافق کرلی گئی ہے۔ لفظ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ لفظ عربی یا غیر عربی مشتق ہے یا غیر مشتق۔ غرض بہت سے اقوال ہیں۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے۔ دون صفاته تحير الصفات وضل هنالك تصاريف اللغات۔

قاضی بیضاویؒ نے اس سلسلہ میں چار قول نقل کیے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ اصل میں الا لـه تھا۔ ہمزہ حذف کرکے الف لام اس کے عوض میں آگیا۔ اس لیے یا اللہ، ہمزہ قطعی کے ساتھ کہا جاتا ہے۔ الہ تو ہر معبود کو کہتے ہیں۔ لیکن غالب استعمال معبود حقیقی کے لیے ہے۔ یہ قول اشتقاق کا ہے۔ اس میں پھر کئی رائیں ہیں۔

۱۔ اله الهة الوهة الوهية سے مشتق ہو بمعنی عبدتالہٗ اور استماله بھی اس سے ماخوذ ہے۔

۲۔ الِہَ بمعنٰی تحير سے مشتق ہو۔

۳۔ الهت الی فلان بمعنٰی سكنت اليه سے مشتق ہو۔

۴۔ اله بمعنی فزع سے مشتق ہو۔ پناہ چاہنے والا گھبرا کر اس کی طرف آتا ہے اور وہ حقیقۃً یا اعتقاداً اس کو پناہ دیتا ہے۔

۵۔ اله الفصيل بمعنٰی اولع بامه سے مشتق ہو۔

۶۔ ولـه بمعنٰی تحير سے مشتق ہو۔ اللہ دراصل ولاہ تھا واو پر کسرہ دشوار ہونے کی وجہ سے اس کو ہمزہ سے تبدیل کرلیا گیا ہے۔ پس اعاء اور اشاح کی طرح الاہ ہوگیا۔

لیکن اس قول کو اس لیے رد کردیا گیا کہ اس کی جمع اولهة آنی چاہئے تھی۔ حالانکہ اس کی جمع الهة آتی ہے اور بعض نے اللہ کی اصل لاہ مانی ہے جو لاہ يليه کا مصدر ہے بمعنٰی احتجب وارتفع۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ مشتق نہیں ہے۔ بلکہ یہ اسم ذاتی ہے۔ اسی لیے یہ موصوف بنتا ہے۔ مگر صفت کے طور پر استعمال نہیں ہوتا۔ نیز اس لیے بھی کہ خدا کے لیے کوئی ایسا نام ضروری ہے جس پر صفاتِ باری کا اجراء کیا جائے اور وہ بجز اللہ کے اور کوئی لفظ نہیں ہے۔ نیز اگر لفظ اللہ کو رحمٰن رحیم وغیرہ الفاظ کی طرح صفت مانا جائے تو پھر لا الـه الا الـرحمن کی طرح لا اله الا الله بھی کلمہ توحید نہیں رہے گا۔ حالانکہ بالاتفاق کلمہ توحید ہے۔ پس ان تینوں وجوہ سے ثابت ہوا کہ اللہ علم ذات ہے۔

تیسرا قول سب سے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ لفظ اللہ اصل میں وصف کے لیے تھا۔ لیکن پھر خدا کے لیے خاص طور پر غلبہ استعمال ہوگیا اور الثریا اور الصعق کی طرح علم ہوگیا۔ اب اس کو موصوف بنایا جائے گا۔ مگر بطور صفت استعمال نہیں ہوگا اور نہ اس میں شرکت احتمال رہے گا۔ ورنہ محض اللہ کی ذات کا ادراک بغیر کسی حیثیت کے ناممکن ہے اس لیے کوئی لفظ بھی اس کی تعبیر نہیں کرسکتا۔ نیز لفظ اللہ محض ذات کے مقابلہ میں ہوگا۔ تو آیت وهو الله فی السموات کے کوئی صحیح معنٰی نہیں رہتے۔ امام محمدؒ امام، شافعیؒ اور سیبویہؒ وغیرہ

لفظ اللہ کو علم مانتے ہیں۔

اور چوتھا قول یہ ہے کہ بعض کی رائے یہ ہے کہ اللہ اصل میں لاھا تھا سریانی زبان میں۔لیکن اخیر کا الف حذف کر کے اس پر لام داخل کر دیا گیا ہے۔لفظ اللہ کے لام کو حذف کرنا لحن جلی ہے۔جس کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور بغیر الف کے اللہ کہنے سے صریح قسم بھی منعقد نہیں ہوگی۔البتہ ضرورت شعری کی وجہ سے الف کا حذف جائز ہے۔جیسے الا لا بارک الله فی سهیل اذاما الله بارک فی الرجال:

رب العالمین۔ رب دراصل مصدر ہے بمعنی تربیت۔امام راغبؒ اس کے معنی لکھتے ہیں۔تبلیغ الشیء الی کماله شیئا فشیئا اس کے بعد صوم اور عدل کی طرح بطور مبالغہ اللہ کی صفت ہوگئی اور کہتے ہیں کہ نمّ نیم نمٌّ کی طرح یہ ربَّ یربَ ربٌّ سے ماخوذ ہے۔بہر دوصورت اس کا اطلاق مالک کے معنی میں ہے۔کیونکہ وہ اپنی مملوک چیزوں کی حفاظت وتربیت کرتا ہے۔مطلقاً رب اللہ کے لئے خاص ہے۔دوسرے کے لیے استعمال جائز نہیں۔الاّ یہ کہ مقید کر کے استعمال کیا جائے۔جیسے ارجع الی ربک فرمایا گیا ہے اور عالَم،خاتَم اور قالَب کی طرح اسم آلہ ہے بمعنی ذریعہ علم ہے۔پوری کائنات اللہ کے وجود کی علامت ہے اور اسی لفظ کا جمع لانا مختلف قسم کے عالم کا ارادہ کرنے کے لیے ہے۔مثلاً: عالم انس، عالم جن، عالم ملائکہ وغیرہ اور ذوی العقول کی رعایت کرتے ہوئے یا نون کے ساتھ جمع لائی گئی ہے۔دوسری صفات باری میں بھی اس کی رعایت کی گئی ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ عالم کا اطلاق وصفی صرف انسانوں،فرشتوں،جنات کے لیے ہے۔دوسری مخلوقات تابع کی حیثیت رکھتی ہیں اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں عالمین سے مراد صرف انسان ہیں۔کیونکہ ہر فرد اس کا عالم صغیر ہے۔جو عالم کبیر کا حصہ ہیں۔انسان میں بھی عالم کبیر کی طرح صانعِ عالم کے کمالات معلوم ہوتے ہیں۔اسی طرح قرآن کریم میں عالمِ صغیر اور عالم کبیر دونوں پر نظر کرنے کو برابر کہا گیا ہے۔وفی انفسکم افلا تبصرون ایک قرات میں رب العلمین بطور مدح یا نداء کے منصوب پڑھایا گیا ہے۔لفظ الحمد سے فعل مقدر مان کر بھی اس کا ناصب ہو سکتا ہے۔لفظ اللہ سے ممکنات کا حدوث کے وقت جس طرح محدث کی طرف محتاج ہونا معلوم ہوا۔اسی طرح رب العالمین سے معلوم ہوا کہ عالم اپنے بقاء میں بھی مُبقی کا محتاج ہے۔

الرحمٰن الرحیم۔ یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں جو رحم سے ماخوذ ہیں۔جیسے غضبان،غضب سے اور علیم عالم سے مبالغہ کے آتے ہیں۔رحمة دراصل کہتے ہیں۔قلب کی رقت ومیلان کو فضل واحسان کی جانب،عورت کا رحم بھی بچہ پر منعطف ہوتا ہے۔صلہ رحمی اسی سے ماخوذ ہے۔اسماء الہیہ بلحاظ آیت بولے جاتے ہیں جو افعال کا درجہ ہے بلحاظ مبادی استعمال نہیں ہوتے۔کیونکہ مبادی انفعالات ہوتے ہیں۔اور رحمٰن میں چونکہ ایک حرف رحیم سے زیادہ ہے۔اس لیے مبالغہ میں بھی زیادتی ہو جائے گی۔جیسے قطع،قطّع اور کبار،کبّار میں وزن کی زیادتی سے معانی میں زیادتی ہو رہی ہے اور یہ زیادتی اگر بلحاظ کمیت ہے تو یا رحمن الدنیا ورحیم الاخرة کہا جائے گا۔کیونکہ دنیا میں تو اللہ کی رحمت مومن وکافر سب پر ہوتی ہے۔لیکن آخرت کی نعمت مومنین کے ساتھ ہے۔اور زیادتی بلحاظ کیفیت لی جائے تو کہا جائے گا۔یا رحمٰن الدنیا والاخرة ورحیم فی الدنیا۔ کیونکہ اُخروی نعمتیں سب بڑی ہیں۔لیکن دنیاوی نعمتیں بڑی بھی ہوتی ہیں اور چھوٹی بھی۔البتہ رحمٰن کے لفظ پہلے اور رحیم کا لفظ بعد میں لایا گیا۔اگر چہ ترقی من الادنی الی الاعلیٰ کا قیاس یہ چاہتا ہے کہ ترتیب اس کے برعکس ہونی چاہئے تھی۔یعنی الرحیم الرحمٰن۔ لیکن اول تو دنیا کی رحمت بہ نسبت آخرت کی رحمت کے پہلے ہوتی ہے۔اس لیے لفظ رحمٰن پہلے لایا گیا اور رحیم بعد میں۔دوسرے یہ کہ رحمٰن اللہ کیساتھ خاص ہونے کی وجہ سے گویا علمیت کے درجہ پر آ گیا۔یہ بات رحیم میں نہیں ہے۔کیونکہ رحمٰن اس منعم حقیقی کو کہتے ہیں۔جو رحمت کی انتہا پر پہنچا ہوا ہو۔دوسرا کوئی اگر رحم دلی کرتا ہے تو کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے۔خواہ صلہ اور بدلہ کی توقع ہو یا تعریف وستائش کا لالچ اور بھی کچھ نہیں۔تو انسانی دلسوزی اول سے مال کی محبت دور کرنے کے لیے انسان رحم دلی کرتا ہے۔لیکن اللہ کا رحم ان سب غرضوں سے پاک ہے۔پس گویا ایک طرف لفظ اللہ علم خالص ہے۔دوسری طرف رحیم

خالص صفت ہے۔ درمیان میں رحمٰن ہے جو بمنزلہ علمیت کے اور وصفیت کے ہے۔ دوسری دلیل اللہ کے منعم حقیقی ہونے کی یہ ہے کہ تمام نعمتیں اوران کا وجود اوران پر قدرت اوران سے انتفاع کی قدرت اور وہ قوتیں جن سے یہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں سب چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں دوسرا کوئی ان پر قادر نہیں ہے۔ تیسرا نکتہ رحمٰن کے مقدم لانے کا یہ ہے کہ تمام بڑی نعمتیں اوران کے اصول لفظ رحمٰن میں آ گئے۔ اب جو کچھ نعمتیں چھوٹی موٹی رہ گئیں وہ بطور تمتہ لفظ رحیم میں آ گئیں۔ پس گویا لفظ رحیم تمتہ اور ردیف ہے۔

اور چوتھا نکتہ تقدیم کا یہ ہے کہ رؤسی آیات کی حفاظت کے لیے رحمٰن پہلے اور رحیم بعد میں لایا گیا ہے۔ لفظ رحمٰن میں غیر منصرف ہونا زیادہ واضح ہے۔ اگرچہ اللہ کے ساتھ مخصوص ہونے کی وجہ سے اس کا مونث فعلیٰ یا فعلانۃ کے وزن پر نہیں آتا۔ لیکن فعلان کے وزن پر اکثر الفاظ غیر منصرف آتے ہیں۔

مالک یوم الدین. عاصمؒ، کسائیؒ، یعقوبؒ نے مالک پڑھا ہے۔

۱۔ **یوم لاتملک** سے اس کی تائید ہوتی ہے اور باقی قراء نے **ملک** پڑھا ہے۔ **حرمیین** کی قرات کی وجہ سے یہ اور آیت **لمن الملک** سے اس کی تائید ہے۔ نیز اس لفظ میں زیادہ تعظیم ہے۔

۲۔ **مالک ملک** سے ماخوذ ہے جو اپنی مملوکات میں جو چاہے تصرف اور **ملک مُلک** سے ماخوذ ہے۔ جو حکومت کرنے میں پورے طور پر با اختیار ہو ان دو قراتوں کی طرح اس میں اور قراءتیں بھی ہیں۔

۳۔ **ملک** تخفیف کے ساتھ۔

۴۔ **ملک** ماضی کے ساتھ۔

۵۔ مالکا مدح یا حال کے طریقہ پر منصوب ہو۔

۶۔ مالکٌ رفع اور تنوین کے ساتھ۔

۷۔ **مالک یوم** اضافت کے ساتھ مبتداء محذوف کی خبر۔

۸۔ **ملک یوم** اضافت کے ساتھ رفع اور نصب کی صورت میں **یوم الدین** کے معنی روزِ جزاء کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ **کماتدین تدان.** حماسہ کا یہ شعر بھی اسی معنی پر ہے۔

ولم یبق سوی العدوان. دناهی هم کما دانوا.

مالک یوم میں اسم فاعل کی اضافت ظرف توسعاً ہو رہی ہے۔ مفعول بہ کے درجہ میں قرار دیتے ہوئے جیسے **یاسارق اللیلة اهل الدار** اور معنی یہ ہوں گے۔ **ملک الامور یوم الدین** اس صورت میں اضافت لفظیہ ہوگی۔ لیکن اگر معنی یہ ہوں **له الملک فی هذا الیوم علی وجه الاستمرار** تو پھر اضافتِ حقیقیہ کہلائے گی اور اللہ معرفۃ کی صفت ہو جائے گی۔ دِین کے معنی شریعت اور طاعت کے بھی ہیں۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے۔ **یوم جزاء الدین** اور **مالک** کی اضافت خاص **یوم** کی طرف اس کی تعظیم کی پیش نظر کی گئی ہے اور یا اس لیے کہ اس دن صرف اللہ ہی کی حاکمیت رہ جائے گی۔ ان آیات میں اللہ کی چار صفات کا ذکر ہے۔ پہلی صفت **رب العالمین** ہے۔ جس میں یہ بتلانا ہے کہ اللہ کی تعریف کا سبب اس کی ایجاد و تربیت ہے اور دوسری تیسری صفت رحمٰن و رحیم میں یہ ظاہر کرنا ہے۔ کہ یہ ایجاد و تربیت محض اس کے فضل و اختیار کی وجہ سے ہے۔ اس سے انکا صدور نہ تو بقول فلاسفہ ایجاب بالذات کی وجہ سے ہے اور نہ بقول معتزلہ اللہ پر ایسا کرنا واجب تھا۔

اور چوتھی صفت **مالک یوم الدین** میں یہ واضح کرنا ہے کہ اس دن اللہ ہی کی سلطنت اور مالکیت کا ظہور ہوگا۔ کسی کی اس میں شرکت نہیں رہ جائے گی۔ اور اس صفت میں حاسدین کے لیے وعدہ اور تارکین کے لیے وعید بھی ہے۔ غرض جہاں ان صفات کے

لانے میں یہ تاثیر دینا ہے کہ جس ذات میں یہ چاروں خوبیاں ہوں وہ مستحق حمد ہے اور مفہوم مخالف یہ بھی نکلتا ہے کہ جس میں یہ صفات نہ ہوں وہ مستحق عبادت تو کیا مستحق حمد بھی نہیں ہے۔

ایاك نعبدو ایاك نستعین. اب تک اللہ کا ذکر بصیغہ غائب ہو رہا تھا۔ لیکن جب ان چاروں صفات سے اللہ کا امتیازِ تام اور کامل استحضار ہو گیا تو **ایاك** میں خطاب کی طرف التفات ہو گیا۔ جس سے زیادہ اختصاص ہو گیا اور برہان سے عیان کی طرف اور غیبت سے مشہود کی جانب ترقی ہو گئی۔ اب گویا معلوم محسوس اور معقول مشاہدہ ہو گیا اور غیبت حضور میں تبدیل ہو گئی۔ ان آیات میں پہلے تو عارف کے ابتدائی حالات ذکر، فکر و تامل اسماء اللہ کی نعمتوں میں نظر اور صانع کی عظمت شان اور قہر و غلبہ کو بیان فرمایا گیا ہے۔ اس کے بعد منتہیٰ امر کا بیان ہے یعنی وصول الی اللہ حاصل ہو جانا اور عارف کا صاحب مشاہدہ ہو جانا۔ گویا کہ تجلیاتِ ربانی اس کے سامنے ہیں۔ لفظ ایا ضمیر منفصل ہے جس میں یائے کاف، یا حروف کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ تکلم خطاب اور غیبت کے مواقع پر اور جیسے انت کی تا اور ارتیک کا کاف محل اعراب میں نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ حروف زوائد بھی محل اعراب میں نہیں ہوتے۔ لیکن خلیل نحوی کی رائے ہے کہ لفظ ایّا ان حروف زائد کی طرف مضاف ہے اور استدلال میں عرب کا یہ مقولہ پیش کرتے ہیں۔ **اذا بلغ الرجل ستین فایاہ وایا الشواب**. لیکن جواب دیا جائے گا کہ یہ شاذ ہے لائق استدلال نہیں ہے۔

تیسرا قول کوفیوں کا ہے کہ اصل ضمائر ہوتی ہیں اور ایّا ان کے لیے سہارا ہوتا ہے۔ کیونکہ ضمائر کو عامل سے الگ کرنے کے بعد بولا نہیں جا سکتا۔ اس لیے لفظ ایّا بڑھا دیتے ہیں تا کہ ضمائر اس کی وجہ سے مستقل ہو جائیں۔ اور چوتھا قول یہ ہے کہ لفظ ایاک پورا ضمیر ہے اور ایاک، معیاک بھی پڑھا گیا ہے۔ عبادت کے معنیٰ انتہائی پستی اور ذلت کے ہیں۔ کہا جاتا ہے **طریق معبد** پامال راستہ **ثوب ذوعبدۃ** مستعمل اور خستہ کپڑا۔ اسی لیے عبادت کا لفظ اللہ کے لیے انتہائی خضوع کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے اور استعانت کے معنیٰ مددگار طلب کرنے کے ہیں۔ خواہ ضروری مدد ہو یا غیر ضروری۔ معونت ضروری کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بغیر فعل سرزد نہیں ہوتا۔ ان شرائط ضروری کے فراہم ہونے پر صاحبِ استطاعت کہا جائے گا۔ اور اس کے بعد انسان افعال کا مکلّف ہو جاتا ہے اور مونت غیر ضروری اس کو کہتے ہیں جس سے فعل کا حصول سہل اور آسان ہو جائے۔ جیسے پیدل چلنے پر قدرت رکھنے والے کے لیے سواری کی فراہمی یا فاعل کو فعل سے قریب کر دینے والی ہو اور باعث فعل ہو۔ جس کو قدرتِ میسرہ کہنا چاہئے۔ اس پر تکالیفِ شرعیہ موقوف نہیں ہوتیں۔ یہاں آیت میں ہر قسم کی معونت مطلوب ہو رہی ہے یا ادائیگی عبادات میں اعانت مطلوب ہے۔ اور **نعبد** اور **نستعین** کی ضمیر جمع میں قاری اور اس کے رفقاء مراد ہیں۔ خواہ وہ محافظ فرشتے ہوں یا دوسرے نمازی۔ اس میں اجتماعی عبادت اور نماز با جماعت کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے اور آیت میں مفعول کا مقدم ہونا تعظیم و اہتمام کے لیے ہے اور حصر کے لیے مفید ہے۔ چنانچہ ابن عباسؓ اس کے معنیٰ **نعبد ولا نعبد غیرک** لیتے ہیں۔

اور تیسرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ وجود میں مقدم ہے۔ اسی کو ذکر میں مقدم کیا گیا ہے۔ اور چوتھا نکتہ یہ ہے کہ عابد کی نظر پہلے معبود پر ہونی چاہئے۔ پھر عبادت کی طرف جانی چاہئے۔ اس لحاظ سے نہیں کہ یہ عبادت مجھ سے سرزد ہو رہی ہے۔ بلکہ اس حیثیت سے کہ عبادت کی نسبت اللہ کی طرف ہو رہی ہے اور یہ بندہ اور اللہ کے درمیان ایک علاقہ اور واسطہ کا درجہ رکھتی ہے۔ کیونکہ بندہ جب ہمہ تن اللہ میں مستغرق ہو جاتا ہے اور اسے معبود کے سوا اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہیں رہتا ہے تب اسے وصول میسر آتا ہے۔

یہی فرق مراتب ہے جو حضرت موسیٰ کے مقولہ **ان معی ربی سیھدین** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد **لا تحزن ان اللہ معنا** میں ہے۔ پہلے اول خود پر اور پھر اللہ پر نظر گئی ہے۔ لیکن دوسرے مقولہ میں اس کے برعکس اول اللہ پر پھر خود پر نظر گئی ہے۔ پہلی سیر الی اللہ اور دوسری سیر من اللہ کہلاتی ہے اور ایاک کا تکرار اس طرف مشیر ہے۔ کہ صرف اللہ ہی مستعان ہے اور نعبد کو نستعین سے پہلے لانا یا رؤس آیات کی حفاظت کے لئے ہے اور یا اس لئے کہ حاجت طلب کرنے سے پہلے عبادت کو وسیلہ بنانا اجابت دعا کے لئے زیادہ مفید

ہے یایوں کہا جائے کہ بندہ نے جب عبادت کی نسبت اپنی طرف کی تو اس میں ایک طرح کا ادعا پایا گیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ عبادت بھی بغیر آپ کی توفیق واعانت کے انجام پذیر نہیں ہوسکتی۔ اور بعض نے اس کو واوحالیہ کہا ہے۔ ای نعبد مستعیطین بك ایک قراءۃ میں دونوں الفاظ میں نون مکسور ہے۔ بنوتمیم کے لغت میں یا کے علاوہ مضارع کی علامات میں کسرہ آتا ہے۔ بشرطیکہ مابعد منضم نہ ہو۔

اهدنا الصراط المستقیم یہ معونت مطلوبہ کا بیان ہے۔ گویانستعین کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا کیف اعینکم؟ اس سلسلہ میں بندوں کی درخواست کا بیان ہے کہ سیدھے راستہ کی طرف ہماری رہنمائی فرمادیجئے۔ یایوں کہا جائے کہ اهدنا میں مقصود اعظم کو الگ بیان کرنا ہے۔

ہدایت کہتے ہیں لطف کے ساتھ رہنمائی کرنے کو اسی لئے ہدایت کا استعمال خیر کے مواقع پر ہوتا ہے۔ لیکن آیت فاهدوهم الی صراط الجحیم میں ہدایت بطور تہکم کے ہے۔ ہدیہ بھی اس لئے لیا گیا۔ اس میں محبت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔ اور "هوادی الوحش" بھی اسی سے ہے۔ اس کا تعدیہ لام اور الیٰ کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ لیکن یہاں اهدنا بغیر لام اور بغیر الیٰ کے استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اختار موسی قومه میں اختار بغیر من کے استعمال ہوا ہے تو ہدایت کی انواع بے شمار ہیں۔ لیکن اس کی جنسیں چار ہیں علی الترتیب۔

(۱) ان قوائے ظاہرہ باطنہ کا عطا ہونا جن سے مصالح کی طرف رہنمائی مل سکے۔ جیسے قوت عقلیہ اور حواس باطنہ اور اعضاء ظاہرہ۔

(۲) حق وباطل، صلاح وفساد کے درمیان فرق کرنے والے دلائل کا قائم کرنا۔ چنانچہ آیات وهدیناه النجدین اور فهدیناهم فاستحبوا العمیٰ علی الهدیٰ میں اسی جنس ہدایت کا بیان ہے۔

(۳) انبیاء ورسل کو بھیجنا، کتب الٰہیہ نازل ہونا آیت وجعلنا هم ائمة یهدون بامرنا اوران هذا القرآن یهدی للتی هی اقوم میں اسی کا بیان ہے۔

(۴) قلوب کے لئے کشف سرائر ہو جائے اور وحی، الہام، سچے خوابوں کے ذریعہ اشیاء کا ادراک کما ھی ہو جائے۔

ہدایت کی یہ قسم انبیاء، اولیاء کے لئے مخصوص ہے۔ چنانچہ آیت اولئک الذین هدی الله فبهداهم اقتده اور الذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا میں اسی کا ذکر ہے۔ لہٰذا دعائے ہدایت کا منشا یا تو موجودہ ہدایت میں ثبات وزیادتی ہوگی۔ یا ان مراتب عالیہ حصول ہوگا۔ چنانچہ عارف واصل جب یہ دعا کرے گا تو مقصد یہ ہوگا کہ سیر فی اللہ میں رہنمائی فرمایئے۔ تاکہ ظلمات احوال محو ہو جائیں اور حجابات بدن اٹھ جائیں تو انوار قدس سے منور ہو کر نور الٰہی جلوہ گر ہو جائے۔ امر اور دعاء لفظاً ومعنی متشارک ہیں۔ مگر اس لحاظ سے متفاوت بھی ہیں کہ امر میں استعلاء ہوتا ہے۔ اور دعاء میں تسفل یا واقعی دونوں میں رتبہ کا فرق ہوتا ہے۔

الصراط یہ سرط الطعام سے ماخوذ ہے۔ یعنی کھانا نگل لیا۔ ایسے ہی راستہ کو سراط کہتے ہیں۔ گویا وہ راہگیر کو نگل جاتا ہے۔ اسی لئے لقمہ بھی راستہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ السراط کا سین صاد سے بھی تبدیل کرلیا جاتا ہے۔ اور صاد کو زاء کی آواز میں اشمام کرکے بھی پڑھا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن کثیرؒ بروایت قنبلؒ اور رویسؒ بروایت یعقوبؒ اصل کے ساتھ اور ہمزہ اشمام کے ساتھ اور باقی قراء صاد کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ قریش کا لغت یہی ہے اور مصحف عثمانی میں بھی یہی لکھا ہے۔ سراط کی جمع سرط ہے جیسے کتاب کی جمع کتب ہے اور سراط اور طریق دونوں مذکر مؤنث استعمال ہوتے ہیں۔

المستقیم بمعنی مستوی طریق حق مراد ہے اور بعض نے ملت اسلامیہ مراد لی ہے۔

صراط الذین انعمت علیهم یہ بدل الکل ہے۔ الصراط المستقیم سے جو تکرار عامل کے حکم میں ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ مقصود دراصل بدل ہی ہوتا ہے اور بدل کا فائدہ تاکید ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں کا راستہ ہی استقامت کی راہ ہے اور بعض نے کہا

ہے کہ الذین انعمت علیھم سے مراد انبیاء ہیں اور بعض نے اصحاب موسیٰ وعیسیٰ مراد لئے ہیں جب تک وہ صحیح راہ پر رہے۔ ایک قراءت میں صراط من انعمت علیھم ہے۔ انعام کے معنی نعمت پہچانے کے ہیں۔ دراصل انعام اچھی حالت کو کہتے ہیں۔ پھر لذیذ نعمت پر بھی بولنے لگے۔ یوں تو انعامات الٰہی بے شمار ہیں۔ وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها تاہم انعام کی دو جنسیں ہیں۔ دنیوی، اخروی۔ دنیوی کی دو قسمیں ہیں وہبی اور کسبی۔ پھر وہبی کی دو قسمیں ہیں روحانی جیسے روح کا بدن میں سرایت کرنا۔ عقل وفہم، فکر ونطق سے اس کو روشن کر دینا اور جسمانی جیسے بدن کا پیدا کرنا اور اس میں مختلف قوتیں ودیعت کر دینا اور عارضی کیفیات تندرستی اور کمال اعضاء کا دیا جانا۔ اسی طرح کسبی نعمت جیسے نفس کا تزکیہ رذائل سے اخلاق فاضلہ اور ملکات باطنہ سے آراستہ پیراستہ کر دینا۔ اور بدن کی آراستگی بہترین ہیئت اور نفیس لباس سے اور جاہ ومال کا حاصل ہونا۔ اور اخروی نعمتیں کوتاہیوں کی بخشش اللہ کی خوشنودی، ملائکہ مقربین کے ساتھ اعلیٰ علیین میں ہمیشہ کے لئے ہمنشینی میسر آنا۔ آیت میں اخروی نعمتیں مراد ہیں۔ کیونکہ دنیوی نعمتوں میں تو مؤمن وکافر سب شریک ہیں۔

غیر المغضوب علیھم ولا الضالین یہ الذین سے بدل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ منعم علیھم وہ لوگ ہیں جو غضب الٰہی اور گمراہی سے محفوظ رہے ہوں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو الذین کی صفت مانا جائے۔ خواہ صفت بیانیہ ہو یا مقیدہ۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ حضرات دو نعمتوں کے جامع ہیں۔ ایک نعمت ایمان، دوسرے غضب وضلال سے سلامتی کی نعمت۔ ممکن ہے غیر کو الذین کی صفت بنانے پر کوئی یہ شبہ کرے کہ غیر میں انتہائی ابہام ہونے کی وجہ سے اضافت کے باوجود معرفہ کی صفت نہیں بن سکتا؟ اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ جس طرح غیر مبہم ہے۔ اسی طرح الذین بھی جب کہ معین افراد مراد نہ ہوں مبہم ہے۔ پس صفت موصوف دونوں میں یکسانیت ہوگئی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ غیر چونکہ ایسی چیز کی طرف مضاف ہو رہا ہے جس کی طرف ایک ضد ہے۔ اس لئے غیر مبہم نہیں رہا بلکہ معرفہ ہو گیا۔ حاصل یہ کہ صفت موصوف میں یکسانیت ہے اس لئے صفت بنانا صحیح ہو گیا۔

ابن کثیر غیر کو حال کی وجہ سے منصوب پڑھتے ہیں۔

علیھم کی ضمیر مجرور ذوالحال ہے اور انعمت عامل ہے یا اعنی مضمر مان کر منصوب مانا جائے یا استثناء کی وجہ سے منصوب مانا جائے۔ بشرطیکہ نعمتوں سے عام نعمتیں مراد ہوں۔ جو مسلم وکافر دونوں کو شامل ہوں۔

الغضب غضب کہتے ہیں انتقام کے ارادہ سے نفس کا بھڑک جانا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہونے کی وجہ سے منتہیٰ اور غایت مراد ہوگی۔ پہلا علیھم تو محل نصب میں ہے۔ لیکن دوسرا علیھم نائب فاعل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہو جائے گا۔

لا زائد ہے غیر کے معنی نفی کی تاکید کے لئے گویا عبارت اس طرح ہوگی۔ لا المغضوب علیھم ولا الضالین یہی وجہ ہے کہ انا زیدا غیر ضارب کہنا جائز ہے۔ کیونکہ غیر ضارب انا کی خبر ہے۔ اور زیدا مفعول مقدم ہے ضارب کا۔ اور غیر لا کے معنی میں ہے گویا اضافت نہیں ہے۔ لیکن انا زیدا مثل ضارب کہنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں مثل مضاف ہے ضارب کی طرف۔ پس مضاف الیہ ضارب کے معمول زیدا کا مقدم کرنا لازم آئے گا۔ مضاف یعنی غیر پر جو صحیح نہیں ہے۔ ایک قراءت غیر الضالین بھی ہے۔ الضلال. ضلال کہتے ہیں دانستہ نادانستہ صحیح راستہ چھوڑ دینے کو گمراہی کے بے شمار درجے ہیں اعلیٰ، ادنیٰ۔ مغضوب علیھم کا بعض حضرات کے نزدیک یہود ہیں اور ضالین کا مصداق نصاریٰ ہیں۔ حدیث میں بھی یہی تفسیر آئی ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ عام رکھا جائے۔ مغضوب علیہ سے سرکش، نافرمان مراد ہوں۔ خواہ یہود ہوں یا دوسرے۔ اور ضالین سے مراد اللہ کے مرتبہ سے ناواقف، غلط کار، خواہ نصاریٰ ہوں یا دوسرے بہرحال پہلا درجہ بڑھا ہوا ہے بہ نسبت دوسرے درجہ کے۔ کیونکہ منعم علیھم میں دو باتیں ملحوظ ہیں۔ ایک اللہ کی معرفت، دوسرے عمل خیر۔

بدعمل شخص مغضوب علیہ ہوگا۔ اور علم سے کورا گمراہ کہلائے گا۔ ایک قراءت ولا الضالین ہمزہ کے ساتھ بھی ہے۔ ان لوگوں کی لغت پر جو التقاء ساکنین سے بچتے ہیں۔

امین اسم فعل ہے بمعنی استجب این کی طرح مبنی علی الفتح ہے۔ التقاء ساکنین سے بچنے کے لئے الف ممدودہ کے ساتھ اور الف مقصورہ کے ساتھ دونوں طرح استعمال ہے۔ پہلے کی مثال ویرحم اللہ عبدا قال امینا اور دوسرے کی مثال جیسے امین فزاد اللہ ما بیننا بعدا ابن عباسؓ نے حضورؐ سے اس کے معنی دریافت کئے فرمایا۔ افعل. امین بالاتفاق قرآن میں داخل نہیں ہے۔ مگر سورت کے خاتمہ پر اس کا پڑھنا مسنون ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے علمنی جبریل امین عند فراغی من قراءۃ الفاتحۃ اور فرمایا کہ انہ کالختم علی الکتاب حضرت علیؓ کا ارشاد ہے امین خاتم رب العالمین ختم بہ دعا عبدہ شوافع وائل بن حجرؓ کی روایت کان صلی اللہ علیہ وسلم اذا قرء ولا الضالین قال امین ورفع بھا صوتہ کی روسے آمین بالجہر کے قائل ہیں۔ لیکن حنفیہ ابن مفضل اور انس کی روایتوں کی وجہ سے آمین بالسر کے قائل ہیں۔ آیت ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ بھی حنفیہ کی مؤید ہے اور حدیث اذاقال الامام ولا الضالین فقولوا امین فان الملائکۃ تقول امین فمن وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ سے بھی آمین بالسر کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر جہری آمین ہوتی تو آپ یہ فرماتے اذا قال الامام امین قولوا امین.

نیز روایات سے ثابت ہے کہ ثناء، تعوذ، تسمیہ، تامین سب میں اخفاء کیا جاتا تھا۔ اور حدیث وائل کا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ ہے کہ حضورؐ نے تعلیم کے لئے زور سے آمین کہی ہوگی۔ یا ممکن ہے ابتداء میں جہری آمین کہی ہو لیکن بعد میں نماز کے سلسلہ میں جہاں بہت سی اصلاحات ہوئیں انہی میں جہری آمین بھی ہو۔ اور یہ اختلاف جواز عدم جواز کا نہیں بلکہ اولیٰ غیر اولیٰ کا ہے۔ لہٰذا آمین بالجہر اور آمین بالسر کو بہانہ بنا کر معرکہ آرائی کرنا تفرقہ بازی کہلائے گا۔

ربط آیات وشان نزول: .... قرآن کریم کی صرف ترتیب تدوینی ہی کے لحاظ سے یہ سورت پہلے نہیں ہے۔ بلکہ نزول کے لحاظ سے بھی سب سے اول۔ اسی لئے اس کا نام فاتحۃ الکتاب ہے۔ گویا قرآن کا سرنامہ، دیباچہ اور عنوان ہے۔ معتبر روایات سے واضح ہے۔ سب سے پہلی مکمل سورت جو آنحضرتؐ پر نازل ہوئی وہ یہی سورت ہے۔ اس سے پہلے متفرق آیات نازل ہوئیں۔ سورۂ علق، سورۂ مزمل، سورۂ مدثر وغیرہ میں۔ لیکن بحیثیت سورت اولیت کا شرف اسی کو حاصل ہے۔ ممکن ہے بعد میں مدینہ میں بھی اس کی تجدید کردی گئی ہو۔ اس لئے اس کو مثانی کہا گیا۔ یا نماز میں ہر رکعت میں پڑھنے کی وجہ سے مثانی کہا گیا ہو۔ اب وہ پڑھنا چاہیئے حقیقۃ ہو یا حکما ہو۔

﴿ تشریح ﴾: .... الحمد للہ سورۂ فاتحہ دراصل ایک دعاء ہے۔ دعا کا ادب یہ ہے کہ جس سے دعا مانگ رہے ہو پہلے اس کی تعریف، خوبی اور احسانات بیان کر کے اس کے مرتبہ کا اعتراف کرو اور پھر اس سے مانگو۔ یہ کوئی تہذیب کی بات نہیں کہ منہ کھولتے ہی جھٹ اپنا مطالب پیش کردو۔ شائستگی یہی ہے کہ اول اس کی حمد وثنا کرو۔ جس کے آگے دست سوال دراز کر رہے ہو کہ وہ مائل بہ کرم پوری طرح متوجہ ہو جائے۔

قرآن کریم کی سب سے پہلی سورت: .... معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ سب سے پہلی وہ سورت ہے جو مکمل طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔ جہاں تک صرف متفرق آیات کا تعلق ہے جیسے سورۂ علق، سورۂ مزمل، سورۂ مدثر وہ اگر چہ اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں۔ لیکن بحیثیت مکمل سورت کے یہی پہلی سورت ہے۔ دراصل کسی کی تعریف مختلف وجوہ سے

کی جاتی ہے۔ کبھی اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ ہم پر اس کے فضائل کا کیا اثر ہے۔ بجائے خود محض اس کی حسن و خوبی و کمالات کی بنا، پر تعریف کی جاتی ہے اور کبھی اس لئے تعریف کی جاتی ہے کہ وہ ہمارا محسن ہے۔ اس کے احسانات کا تقاضا ہے کہ ہم اعتراف نعمت کے طور پر اس کی خوبی بیان کریں۔ انسان کی قدر شناسی اور احسان مندی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ان دونوں حیثیتوں سے اللہ کی تعریف میں رطب اللسان ہو اور صرف اتنا ہی نہیں کہ اللہ کے لئے تعریف ہے۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ تعریف صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور ہر نعمت کا عطا کرنے والا وہی ہے۔ خواہ براہ راست عطا فرمائے یا بواسطہ۔ اس لئے عمدہ اور اول سے آخر تک سب تعریفیں جو ہوئی ہیں اور جو ہوں گی۔ وہ اللہ ہی کے لئے ہیں۔

تعریف کا مستحق خالق کمال ہے نہ کہ صاحب کمال: .... یہ کہہ کر ایک بڑی حقیقت پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ یعنی دنیا میں جہاں جس چیز اور جس شکل میں بھی کوئی حسن، کوئی خوبی، کوئی کمال ہے تو اس کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ کسی مخلوق کا کمال ہی ذاتی نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کا عطیہ ہے۔ پس اگر کوئی ذات اس کی مستحق ہے کہ ہم اس کے گرویدہ، پرستار، احسان مند اور شکر گزار اور خدمت گار بنیں تو وہ خالق کمال کی ہستی ہے نہ کہ صاحب کمال شخصیت۔ رب کے معنی مالک وآقا، مربی اور حاکم کے ہیں۔ اللہ تینوں معانی کے لحاظ سے رب ہے۔ اور عالم کے معنی مجموعہ مخلوقات کے ہیں۔ لیکن ہر جنس کو مستقلاً شامل کرنے کے لئے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔ رحمن مبالغہ کا صیغہ ہے۔ لیکن اللہ کی رحمت ومہربانی اپنی مخلوق پر اتنی زیادہ ہے کہ اس کے بیان میں بڑے سے بڑا مبالغہ کا لفظ بول کر بھی جی نہیں بھرتا۔ اس لئے مزید رحیم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یوم الدین اس دن کو خاص کرنے کی اول وجہ تو یہی ہے کہ اس میں بڑے بڑے واقعات پیش آئیں گے۔ ایسا خوفناک دن نہ کبھی پہلے ہوا، نہ ہوگا۔ دوسرے اس روز اللہ کی حکومت کے سوا کسی اور کی ظاہری سلطنت بھی نہ ہوگی یعنی اللہ اس دن کا مالک ہوگا۔ جب کہ تمام اگلی پچھلی نسلوں کو جمع کر کے ان کے کارنامۂ زندگی کا حساب کیا جائے گا۔ اور انسان کو اس کے عمل کا پورا صلہ یا بدلہ مل جائے گا۔ رحمن ورحیم کے بعد مالک یوم الدین کہنے سے یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ بڑا مہربان ہی نہیں بلکہ منصف بھی ہے۔ اور منصف بھی ایسا بااختیار کہ پورے اقتدار کا مالک ہوگا۔ نہ اس کی جزاء میں کوئی مانع ہوگا اور نہ سزا میں کوئی مزاحم ہو سکے گا۔ لہٰذا اللہ محض اپنی ربوبیت ورحمت کی بناء پر بھی لائق محبت نہیں۔ بلکہ اس کے انصاف سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ ''فضل کرے تو چھٹیاں، عدل کرے تو لٹیاں''۔

عبادت واستعانت کا نقطۂ اتصال: .... ایاك نعبد عبادت کا لفظ تین معنی میں آتا ہے (۱) پرستش اور پوجا (۲) طاعت وفرمانبرداری (۳) غلامی۔ یہاں تینوں معنی ہو سکتے ہیں۔ یعنی اے اللہ! ہم آپ کے پرستار بھی ہیں اور غلام وفرمانبردار بھی ہیں اور فی الحقیقت یہ خصوصی تعلق تیرے ہی ساتھ ہے۔ کوئی اور اس میں شریک نہیں ہے۔ ایاك نستعین اور یہ خصوصی تعلق محض عبادت ہی کا نہیں ہے۔ بلکہ استعانت کا بھی ہے۔ کیونکہ ساری کائنات کا رب تو وہی ہے اور ساری طاقتوں کا سرچشمہ تیرے ہی ہاتھ ہے اور ساری نعمتوں کا تو اکیلا ہی مالک ہے۔ اس لئے ہم اپنی حاجتوں کی طلب میں تیرا ہی رخ کرتے ہیں۔ تیرے ہی آگے ہمارا ہاتھ پھیلتا ہے۔ اور اس لئے ہم یہ درخواست لے کر حاضر بارگاہ ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے ہاں کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الٰہی سمجھ کر ظاہری استعانت کرے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت وہ اللہ ہی سے استعانت ہے۔ مقبول بندہ تو محض وسیلہ ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم سیدھی راہ دکھلانے کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں خیال، عمل، برتاؤ کا وہ طریقہ ہمیں بتلا جو بالکل صحیح ہو۔ جس میں نہ غلط بینی کا خطرہ ہے اور نہ غلط کاری اور بدانجامی راہ

پاسکے۔ بلکہ وہ راستہ نجات وفلاح کا ضامن ہو۔اے اللہ! آپ ہماری راہنمائی فرمائیں کہ خیالات کی بھول بھلیوں سے نکل کر ہم حقیقت کی شاہراہ پرآ جائیں اور زندگی کی بے شمار پگڈنڈیوں کے درمیان ہمیں سیدھی اور صاف شاہراہ دکھلا۔

انعام حقیقی مطلوب ہے ظاہری انعام صورۃ مہر اور باطنا قہر ہوتا ہے: .... صراط الذین انعمت علیھم جس سیدھی راہ کی درخواست پیش کی جارہی ہے وہ ان لوگوں کا راستہ ہے جس پرآپ کے پسندیدہ اور برگزیدہ لوگ چل کر منزل مقصود تک پہنچ چکے ہیں۔زمانہ قدیم سے لے کر آج تک جولوگ اس بے خطار راستہ پر چلے ہیں۔وہی اس کے انعامات سے سرفراز کئے گئے ہیں۔ان انعامات سے نوازے گئے لوگوں سے مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو بظاہر عارضی طور پر دنیوی نعمتوں سے ہمکنار ہوتے ہیں اور فی الحقیقت اللہ کے غیظ وغضب کے مستحق ہوتے ہیں۔ بلکہ اپنی سعادت وفلاح کی راہ گم کئے ہوئے ہوتے ہیں۔بس سلبی پہلو سے یہ بات بخوبی کھل جاتی ہے کہ انعامات سے ہماری مراد حقیقی اور پائیدار انعامات ہیں جو راست روی اور خدا کی خوشنودی کے صلہ میں ملا کرتے ہیں۔جن کا مصداق انبیاءؑ، صدیقینؓ، شہداءؓ، صالحینؒ کے چار گروہ ہیں۔وہ عارضی اور نمائشی انعامات جو بطور استدراج پہلے بھی فرعونوں اور نمرودوں اور قارونوں کو ملتے رہے ہیں اور آج بھی ہماری آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے ظالموں کو مل رہے ہیں۔وہ مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کا ظاہر آرام ہے اور باطن آلام۔

غوایت وضلالت کا فرق: .... آیات وروایات اس پر شاہد ہیں کہ سیدھی راہ سے محرومی دوطرح سے ہوا کرتی ہے۔جان بوجھ کر غلط راہ اختیار کرنا یا بے خبری میں گمراہ ہوجانا۔اگلا پچھلا کوئی گمراہ فرقہ ان دوقسموں سے باہر نہیں ہوسکتا۔یہود پہلی قسم میں اور نصاریٰ دوسری قسم میں ممتاز رہے ہیں۔اس سورت کے نصف اول میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہے اور نصف آخر میں بندوں کی طرف سے دعا اور استدعا ہے۔اس سورت کے آخر پرآمین کہنا مسنون ہے۔اگر چہ یہ لفظ قرآن سے خارج ہے۔اور نماز میں مقتدیوں کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنے نہ پڑھنے کی بحث مفسرینؒ نے اس سورت کے ذیل میں بیان نہیں کی۔ بلکہ آیات و اذا قریء القراٰن فاستمعوا لہ وانصتوا اور فاقرء وا ما تیسر من القراٰن کے تحت میں بقدر ضرورت یہ بحث گذر چکی ہے۔

خلاصۂ کلام: .... سورۂ فاتحہ کوقرآن پاک کا عنوان سرنامہ اور دیباچہ سمجھنا چاہیئے۔سورۂ فاتحہ کا مضمون دعائیہ ہے بالکل شروع میں اس کے رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے خداوند عالم سے رہنمائی کی درخواست کرو۔تب ہی اس کتاب ہدایت کی راہیں تم پر کھلیں گی۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان کے دل میں جس بات کی طلب وخواہش ہوتی ہے۔وہ اس کی آرزو اور دعا کرتا ہے۔اور ایسی ذات سے کرتا ہے جس کے بارے میں اسے یقین ہوتا ہے کہ یہ مدعا اسی کے قبضۂ قدرت اور اختیار میں ہے۔لہٰذا کتاب ہدایت کی ابتداء میں اس دعا کی تعلیم دے کر گویا انسان کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ وہ اسی نیت اور ارادہ سے قرآن کریم کا مطالعہ اور تلاوت کرے۔کیونکہ صاحب کلام ہی اس پر اپنی مرادات واضح کرسکتا ہے۔پس گویا سورۂ فاتحہ بندہ کی طرف سے دعا ہے اور بقیہ قرآن اس دعا کا جواب ہے۔بندہ پروردگار عالم سے دعا کرتا ہے کہ میری رہنمائی فرما۔حق تعالیٰ کی طرف سے قرآن کی صورت میں اس کی دعا کی قبولیت نمایاں ہوتی ہے۔سورۂ فاتحہ کی جامعیت اور ایجاز پر نظر ڈالی جائے تو نظر آئے گا کہ جس طرح پورے درخت کا وجود اجمالی بیج میں ہوتا ہے۔اس کے پھل پھول، پتے، شاخیں، تنا، ڈالیں سب بیج میں مندرج ہوتی ہیں۔اسی طرح پورے قرآن کریم کے مضامین کا نچوڑ سورۂ فاتحہ میں مضمر ہے الحمد للہ رب العالمین میں ذات وصفات کی طرف اشارہ ہے۔جو مبداء عالم ہونے کے ساتھ بنیاد ہے تمام عقائد اور علم کلام کی جس میں آلاءاللہ اور انعامات الٰہی آجاتے ہیں۔اور مالک یوم الدین سے مابعد الطبیعات اور منتہی عالم، برزخ وقیامت کی طرف

اشارہ ہے اور ایاک نعبد میں عبادت وبندگی کے نظام کی طرف اشارہ ہے۔جس میں علم الاحکام اور فقہ آجاتا ہے اور ایاک نستعین میں سلوک واحسان کی بنیاد فراہم ہو جاتی ہے۔اس طرح عقائد وفقہ وسلوک کے مجموعہ سے شاہراہ ہدایت تیار ہوتی ہے۔جس پر چل کر اور جس سے کٹ کر اربوں انسانوں کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔پس صراط الذین میں ایام اللہ اور اچھی بری پچھلی تاریخ نکل آئی۔جس کی تفصیل قرآن کے تہائی حصہ میں پھیلی ہوئی ہے۔اور قرآن کریم کا تمام تر بنیادی اور مرکزی نقطہ عابد ومعبود کا صحیح ربط تعلق ہے۔یعنی بندہ کی طرف سے بندگی اور نیازمندی اور معبود کی طرف سے اس کی پوری پوری اعانت وتائید ہے۔اور یہ مرہون منت ہے اللہ کی شان ربوبیت کی۔اور ربوبیت پر ابھارنے والی رحمت کی صفت میں۔پس سارے مضامین قرآن کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں آ گیا۔اور سورۂ فاتحہ کا لب لباب بسم اللہ میں آ گیا اور بسم اللہ کا اصل نچوڑ اس کی ب میں ہے۔جو استعانت کے لئے آتی ہے اور حروف متشکلہ میں ب کا امتیاز اس کے نقطہ میں مرکوز ہے۔اس طرح گویا سارا کلام الٰہی ایک نقطہ کی ڈبیہ میں بند ہے۔

فضائل سورۂ فاتحہ:..............عن ابی ہریرۃؓ قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لابی الا اخبرك بسورۃ لم تنزل فی التوراۃ والانجیل والقران مثلھا قلت بلیٰ یا رسول اللّٰہ قال فاتحۃ الکتاب انھا السبع المثانی والقران العظیم الذی اوتیتہ ۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعبؓ سے ارشاد فرمایا۔کہ میں ایسی سورت نہ بتا دوں جو نہ پہلے تورات وانجیل میں اتری اور نہ قرآن میں۔عرض کیا ضرور فرمائیے۔ارشاد ہوا کہ سورۂ فاتحہ جو سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے مجھے عطا ہوئی ہے۔عن ابن عباسؓ قال بینما نحن عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذاتاہ ملك فقال ابشر بنورین اوتیتھما لم یوتھما نبی قبلك فاتحۃ الکتاب وخواتیم سورۃ البقرۃ لن تقرء بحرف منھما الااعطیتہ ثوابا ۔ ترجمہ: ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے۔کہ فرشتہ نے آ کر بشارت دی کہ آپ کو دو نور عطا فرمائے گئے ہیں۔جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے۔سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات جو حرف آپ ان میں سے پڑھیں گے اس کا ثواب ملے گا۔

عن حذیفۃ بن الیمان ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال القوم یبعث اللّٰہ علیھم العذاب حتما مقضیا فیقرء صبی من صبیانھم فی الکتاب الحمد للہ رب العالمین فیسمع اللّٰہ فیرفع عنھم بذلك العذاب اربعین سنۃ ۔ترجمہ: حذیفہ بن الیمانؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کسی قوم پر عذاب نازل فرماتا ہے۔مگر اس قوم کا کوئی بچہ **الحمد للہ رب العالمین** پڑھتا ہے۔اللہ اس کو سن کر ان سے چالیس سال کے لئے عذاب موقوف فرما دیتا ہے۔

لطائف سلوک:..............سالکین کا مقام ایاك نعبد پر تمام ہو جاتا ہے اس کے بعد ایاك نستعین سے وہ مقام تمکین کا طالب ہوتا ہے۔جس کا بیان یہ ہے کہ سالک کا نفس وقلب جب پہلے اللہ کی حمد وثنا سے منور ہو جاتا ہے۔تو پھر اس میں انوار عنایت درخشاں ہو جاتے ہیں۔جن سے مقام ولایت حاصل ہوتا ہے۔پس اس سے نفس مزکی طلب گار مقصود ہو جاتا ہے اور وہ اپنے اوپر انعامات الٰہیہ کے آثار کو کامل اور اس کے الطاف کو لامتناہی دیکھتا ہے۔اور وہ اس پر حمد الٰہی اور ذکر باری کرتا ہے۔جس سے رب العالمین کے ذریعہ حجابات کبریائی مکشوف ہو جاتے ہیں اور وہ ماسوی اللہ کو فنا اور خود کو بقا میں مربی کا محتاج دیکھتا ہے۔اس لئے وہ بے التفاتی کی وحشت اور اغیار کی طرف التفات کی ظلمت سے گلوخلاصی پانے کے لئے ترقی کرتا ہے تو اس پر رحمٰن کے الطاف کے جھونکے چلتے ہیں۔جن سے وہ جمال الٰہی کی چھاؤں میں اور جلال خداوندی کی چمک دمک کی طرف آنا چاہتا ہے حتیٰ کہ ایاك نعبد کہہ کر وہ مقام عبودیت میں پہنچ جاتا ہے جس میں مقام فنا کی طرف اشارہ ہے اور پھر ایاك نستعین سے وہ مقام تمکین کا طلب گار ہوتا ہے اور

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم سے بھی گذشتہ سالکان تمکین کی طرف اشارہ ہے اور پھر غیر المغضوب علیھم و لاالضالین عرض کرکے اہل تلوین کے طریقوں سے پناہ مانگی گئی ہے اور اس طرح سالک عروج ونزول کی منزلیں طے کرلیتا ہے اسی لئے نماز کو معراج المؤمنین کہا گیا ہے۔ نیز اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ صراط مستقیم اس وقت تک میسر نہیں آسکتی۔ جب تک کامیاب اہل طریق کی اتباع اور پیروی نہ کی جائے اور اسکے لئے صرف کتابیں اور اوراق کافی نہیں ہیں۔ نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تشریعی صراط مستقیم مطلوب ہے جو منعم علیہم کے ساتھ خاص ہے۔ تکوینی مطلوب نہیں ہے کہ وہ صرف منعم علیہم کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ساری مخلوق کو عام ہے (ماخوذ من مسائل السلوک محقق التھانویؒ)

الٰہی! تیرے کلام پاک کی ایک نہایت حقیر سی خدمت جو اس ذرۂ خاک نے تیرے نام پاک سے ۱۳۸۱ھ میں شروع کی تھی۔ وہ محض آج تیرے فضل وکرم سے پوری ہورہی ہے۔ جو تیری بارگاہ بے نیاز میں بصد عجز و نیاز پیش ہے۔ الٰہی! تفسیر بالرائے کے خوف سے اس ظلوم وجہول نے کچھ بھی اپنی طرف سے لکھنے کی جرأت نہیں کی۔ البتہ نقول واقوال کے انتخاب یا ان کے سمجھنے میں بلاشبہ رائے کا دخل رہا ہے۔ معلوم نہیں اس میں کتنی خطائیں اس پر تقصیر سے شعوری، غیر شعوری، دانستہ، نادانستہ سرزد ہوئی ہوں گی۔ علام الغیوب ہی خوب جانتا ہے۔ الٰہی! جب تو نے اس بے خود کو بلا استحقاق بود و وجود کی دولت سے مالا مال کیا اور زندگی بھر کی بے شمار نعمتیں بخشیں تو الٰہی! اس بے بہبود کو بہبود عطا فرمانے میں بھی انتظار استحقاق نہ فرما۔ الٰہی تیری شان کریمی سے سیئات بھی حسنات میں تبدیل ہوسکتے ہیں۔ اور ایک نیکی کم از کم دس نیکیوں تک ترقی کرسکتی ہے۔ تو الٰہی اس حقیر سی خدمت کو قبولیت ومقبولیت سے نوازنے میں بھی بس تیرے کرم کی ہی دیر ہے۔ الٰہی قرآن اور علم کے حق شفاعت کی بدولت اس روسیاہ اور اس کے والدین، مشائخ، اساتذہ، اقارب واحباب اور ان کی جنہوں نے اس کو منصۂ شہود پر لانے میں کسی درجہ میں بھی حصہ لیا ہے۔ بلکہ سب مسلمانوں کی نجات ومغفرت فرماکر فردوس بریں سے ہمکنار فرما۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم ۔ سبحان ربك رب العزة عما يصفون

و سلام على المرسلين و الحمد لله رب العالمين

اللهم انس وحشتي في قبري اللهم ارحمني بالقرآن العظيم واجعله لي اماما ونورا وهدى ورحمة اللهم ذكرني منه ما نسيت وعلمني منه ما جهلت وارزقني تلاوته اناء الليل واناء النهار واجعله لي حجة يارب العلمين العبد الاثيم المكنى بابي عبدالله المدعو بمحمد نعيم الديوبندي خادم التدريس العربي بدارالعلوم الديوبنديه

۲۸ جمای الثانیه ۱۳۹۸ھ ۵ جون ۱۹۷۸ء یوم الاثنین، دارالسلام ابوالبرکات دیوبند

﴿الحمد للہ کہ تیسویں پارے کی شرح وتفسیر مکمل ہوئی﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ حَمْدًا مُّوَافِيًالِنِعَمِهٖ مُكَافِيًا لِمَزِيْدِهٖ وَالصَّلٰوةُ والسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَجُنُوْدِهٖ

ترجمہ:...... ہر طرح کی ساری خوبی اور تعریف اللہ کے لئے ہے جو اس کی نعمتوں کے برابر اور اس کے مزید احسان کی مکافات کرنے والی ہو اور صلوٰۃ وسلام نازل ہو ہمارے آقا (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے آل واصحاب اور (مجاہدین) کے لشکر پر۔

﴿تشریح﴾ **حمد کی مکمل تحقیق**:...... قرآن کریم کا افتتاح جس طرح بسم اللہ اور الحمد للہ سے کیا گیا ہے اور عملاً آنحضرت ﷺ نے اپنے تمام تبلیغی مکتوبات کی ابتداء جو مختلف بادشاہوں اور حکام کے نام ارسال فرمائے ہیں، بسم اللہ سے فرمائی ہے۔ اور قولاً بھی ارشاد گرامی ہے کل امر ذی بال لم یبدأ باسم اللہ وفی روایۃ بحمد اللہ فھوا قطع واجزم. یعنی ہر وہ بڑا اور مہتم بالشان کام جس کی ابتداء بسم اللہ اور الحمد للہ کے بغیر ہوگی وہ ناتمام اور بے انجام رہے گا، اس لئے عام مؤلفین ومصنفین نے عملاً اس کا اہتمام والتزام رکھا ہے کہ وہ اپنی کتابوں اور تحریروں کا آغاز بسم اللہ اور الحمد للہ سے کرتے رہے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی الشافعیؒ بھی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر کا افتتاح قرآن وحدیث اور تعامل سلف کا اتباع کرتے ہوئے بسم اللہ اور الحمد للہ سے کر رہے ہیں۔ پھر سلسلہ حمد میں بھی انہوں نے وہ صیغہ اختیار کیا جو سب سے اعلیٰ وافضل ہے یعنی "الحمدللہ" چنانچہ علماء نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص نذر مانے کہ میرا اگر فلاں کام ہو جائے گا تو میں اللہ کی سب سے افضل حمد کروں گا۔ یا اللہ کے تمام محامد بیان کروں گا تو اس کو "الحمدللہ" کہہ لینا چاہئے، اس طرح اس کی نذر پوری ہو جائے گی، یہ بات دوسرے صیغوں میں نہیں ہے۔ باقی الفاظ حمد، مدح، شکر کا استعمالی فرق؟ سو طلباء کو معلوم ہے کہ حمد کہتے ہیں محمود کے اوصاف جمیلہ اختیاریہ بیان کرنا، جیسے حمدت زیدا علی علمه اور مدح کہتے ہیں ممدوح کے اوصاف غیر اختیاریہ بیان کرنے کو جیسے مدحت زید اعلی حسنه نعمت کے بدلہ میں ہو یا بلا نعمت کے مگر صرف زبانی اظہار ہونا چاہئے۔ البتہ شکر صرف اظہار نعمت پر ہوتا ہے زبان سے یا دل اور جوارح سے۔ اس لئے زبانی اظہار کے لحاظ سے حمد ومدح خاص ہیں۔ اور صرف نعمت کے اعتبار سے شکر خاص ہے گویا ان میں عموم خصوص کی نسبت حاصل ہوئی۔

اسلام اور حمد میں چولی دامن کا ساتھ:............ اسلام چونکہ اچھائی پسند مذہب ہے اس کی بنیاد مذمت، نفرت، تبرّ ابازی پر نہیں ہے اس لئے کلام الٰہی کی ابتداء لفظ حمد سے کی گئی ہے۔ پیغمبر اسلام کا نام نامی محمد اور احمد تجویز ہوا، قیامت میں آپ ﷺ کو جو خاص مقامِ شفاعت عطا فرمایا جائے گا اس کا نام مقام محمود ہوگا وہ جھنڈا جس کے نیچے امتِ محمدیہ امتیازی شان کے ساتھ کھڑی ہوگی۔ "لواء الحمد"

کہلائے گا۔ اوراس کے نیچے کھڑے ہونے والے امتی "حمادون" کہلائیں گے۔ اس وقت جو عجیب وغریب ترانۂ حمد آپ ﷺ کی زبانِ نبوت سے ادا ہوگا کہ اولین وآخرین میں سے کسی کے تصور میں بھی نہیں آیا ہوگا۔ فسبحان من یستحق لجمیع محامده.

مفسر محقق کی یہ عبارت اقتباس ہے۔ حدیث نبوی الحمد لله حمدا یوا فی نعمه ویکافی مزیده کا۔

حمد وثناء صلوٰۃ وسلام کی عقلی وجہ: .... منعم حقیقی جل مجدہٗ کی تعریف وتوصیف کے بعد واسطۂ احسان کو بھی محسن شمار کرتے ہوئے علیٰ قدر مراتب مجازی منعمین و محسنین کو کلمات تحسین اور دعائے خیر میں یاد رکھنا تقاضائے احسان شناسی ہے۔ حدیث لولاک لما خلقت الا فلاک. روایتی لحاظ سے پائیدار نہ سہی لیکن مضمون ومفہوم کے اعتبار سے اس کی صحت تکویناً وتشریعاً رسول اللہ ﷺ کے واسطۂ احسان کو چاہتی ہے۔ علیٰ ہذا آپ ﷺ کے آلؑ واصحابؓ جس طرح اس واسطۂ احسان ہونے میں آپ ﷺ کے اتباع ہیں۔ اس ہدیۂ تشکر وامتنان میں بھی وہ آپ ﷺ کے تابع رہیں گے۔ درود وسلام کا ہدیہ درحقیقت امتثال ہے۔ حکم خداوندی یآ ایها الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما کا اس آیت کریمہ سے علماء نے صلوٰۃ وسلام میں سے کسی ایک کے جواز کا استنباط فرمایا، تاہم بہتر یہی ہے کہ اطلاقاً دونوں صیغوں کو جمع کیا جائے جیسا کہ جلال محققؒ نے کیا ہے۔

حکام دنیا اور پیشوایان مذہب: .... دنیا میں جس طرح بادشاہوں اور حکام کے لئے مخصوص القاب وآداب اور خطابات ہوتے ہیں اور ان کو بے محل یا بے موقعہ استعمال کرنا بے ادبی اور گستاخی سمجھا جاتا ہے، اسی طرح مذہبی مقتداؤں اور پیشواؤں کے لئے حسب مراتب مختلف القاب وآداب ہیں۔ نبی ﷺ کا نام نامی آئے تو ادب یہ ہے کہ "صلوٰۃ وسلام" کے ساتھ استعمال کیا جائے۔ دیگر انبیائے کرامؑ کا ذکر خیر آئے تو ان پر سلام بھیجا جائے۔ آپ ﷺ کے اصحابؓ کا تذکرہ آئے تو مبارک ناموں کے ساتھ "رضی اللہ" کہنا چاہئے۔ وفات پائے ہوئے علماء، صلحاء کا نام لیا جائے تو "رحمہ اللہ" اور "قدس سرہٗ" کے الفاظ سے یاد کرنا چاہئے۔ عامۂ مومنین کا نام آجائے تو "مرحوم" کا لفظ استعمال کر لینا چاہئے۔ اس کے خلاف نہیں کرنا چاہئے چنانچہ علماء نے تصریح کی ہے کہ مستقلاً صلوٰۃ وسلام کا استعمال انبیاء کرامؑ کے علاوہ دوسروں کے لئے مناسب نہیں ہے بلکہ جس طرح اصل دین میں وہ تابع ہیں اس میں بھی وہ تابع ہی رہیں گے۔ اصحاب سے مراد خاص آپ ﷺ کے صحابہ ہیں جنہوں نے بحالتِ ایمان شرف زیارت حاصل کیا ہو خواہ حقیقۃً یا حکماً اور ایمان ہی پر ان کی وفات ہوئی ہو۔

علماء امت آل نبی ﷺ ہیں: .... لیکن آل سے مراد اگر صرف اہل بیت کی بجائے تمام اتباع الیٰ یوم القیامۃ ہوں۔ اور جنود سے مراد تمام مجاہدین دین ہوں، خواہ ان کا جہاد، قتال فی سبیل اللہ ہو یا قلمی اور زبانی جہاد بصورتِ خدمات علمی ہوتو سب خدامِ دین اور علمائے ربانیین بھی اس میں داخل ہو جائیں گے۔ باقی لفظ صلوٰۃ آل صحابی کی تحقیق سے طلبہ بے نیاز ہیں۔

اَمَّـا بَعْدُ! فَهٰذَا مَا اشْتَدَّتْ اِلَيْهِ حَاجَةُ الرَّاغِبِيْنَ فِيْ تَكْمِلَةِ تَفْسِيْرِ الْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ الَّذِىْ اَلَّفَهُ الْاِمَامُ الْعَلَّامَةُ الْمُحَقِّقُ الْمُدَقِّقُ جَلَالُ الدِّيْنِ مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ الْمَحَلِّىُّ الشَّافِعِى وَتَتْمِيْمِ مَافَاتَهٗ وَهُوَ مِنْ اَوَّلِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ اِلٰى اٰخِرِ سُوْرَةِ الْاِسْرَاءِ بِتَتِمَّةٍ عَلٰى نَمَطِهٖ مِنْ ذِكْرِ مَا يُفْهَمُ بِهٖ كَلَامُ اللّٰهِ وَالْاِعْتِمَادِ عَلٰى اَرْجَحِ الْاَقْوَالِ وَاِعْرَابِ مَا يُحْتَاجُ اِلَيْهِ وَالتَّنْبِيْهِ عَلَى الْقِرَا ات الْمُخْتَلِفَةِ الْمُشْهُوْرَةِ عَلٰى وَجْهٍ

لَطِيفٍ وَتَعْبِيرٍ وَجِيزٍ وَتَرْكِ التَّطْوِيلِ بِذِكْرِ اَقْوَالٍ غَيْرِ مَرْضِيَّةٍ وَّاَعَارِيبَ مَحَلُّهَا كُتُبُ الْعَرَبِيَّةِ وَاللّٰهَ اَسْأَلُ النَّفْعَ بِهٖ فِي الدُّنْيَا وَاَحْسَنَ الْجَزَاءِ عَلَيْهِ فِي الْعُقْبٰى بِمَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ

ترجمہ:...... حمد وصلوٰۃ وسلام کے بعد یہ ایک کتاب ہے کہ امام، علامہ، محقق، مدقق جلال الدین محمد بن احمد محلی الشافعیؒ کی کتاب تفسیر القرآن کا تکملہ ہے اور جو تفسیر ان سے چھوٹ گئی تھی اس کی تتمیم ہے جس کی شدید ضرورت ہے۔ جو اول سورۂ بقرہ سے شروع ہو کر آخر سورۂ اسراء تک ہے اور علامہ محلیؒ کے طرز پر مندرجہ ذیل خصوصیات کی حامل ہے۔

جلالین کی خصوصیات: .... (۱) اس میں ایسی چیزوں کا ذکر ہے جن سے کلام الٰہی سمجھنے میں مدد ملے۔ (۲) تمام اقوال میں سب سے زیادہ راجح قول پر اعتماد کیا گیا ہے۔ (۳) ضروری اعراب اور مختلف ومشہور قراءات پر لطیف طریقہ اور مختصر عبارت کے ساتھ تنبیہ کی گئی ہے۔ (۴) ناپسندیدہ اقوال اور (غیر ضروری) اعراب کو ذکر کر کے جن کا اصلی محل علوم عربیہ کی کتابیں ہیں تطویل نہیں کی گئی ہے۔ اللہ کے فضل وکرم سے میری درخواست یہ ہے کہ دنیا میں اس کتاب سے نفع پہنچائے اور آخرت میں بہترین بدلہ مرحمت فرمائے۔

﴿تشریح﴾: ...... **صاحب جلالین کے تراجم:** .... جلال الدین نام کے چار حضرات آسمانِ شہرت کے نجوم و کواکب ہوئے ہیں: (۱) جلال الدین رومیؒ صوفیا میں۔ (۲) جلال الدینؒ دوانی مناطقہ میں (۳) جلال الدین محلی شافعی مصریؒ المتولد ۷۹۱ھ والمتوفی ۸۶۴ھ اور (۴) جلال الدین سیوطیؒ الشافعی المتوفی ۹۱۰ھ مفسرین ہیں۔ علامہ محلی کے چھ سال بعد بیس بائیس سال کی عمر میں سیوطیؒ نے سب سے پہلی تصنیف کا یہ تفسیری شاہکار پیش کیا ہے اور صرف ایک چلہ میں۔ اس کے علاوہ ان کی تفسیر اتقان فی علوم القرآن، شہرۂ آفاق تالیف ہے جس میں اسی (۸۰) ابواب ہیں اور تین سو (۳۰۰) سے زائد علوم پر بحث کی گئی ہے اگر اس میں موضوع وضعیف روایات نہ ہوتیں تو کتب خانۂ اسلام کی یہ بے نظیر کتاب سمجھی جاتی۔ ان کی ...... ایک مبسوط تفسیر **الدر المنثور فی التفسیر الماثور** کے نام سے بھی ہے۔

جلالین کا مرتبہ: .... تفسیری کتابیں تین طرح کی ہوتی ہیں۔ اول نہایت مختصر اور وجیز جیسے جلالین کہ متن وتفسیر کے الفاظ تقریباً برابر ہیں یا زاد المسیر علامہ ابن جوزیؒ کی اور وجیز واحدیؒ کی یا تفسیر واضح رازی کی اور شہیر ابی حیانؒ کی دوسرے اوسط درجے کی جیسے تفسیر بیضاوی، مدارک، کشاف، تفسیر قرطبی وغیرہ۔ تیسرے مبسوط ومفصل جیسے امام رازیؒ کی تفسیر کبیر اور تفسیر العلامی کی چالیس مجلدات، تفسیر امام راغبؒ اصفہانی وغیرہ۔

نیز کتب تفسیر کی ایک اور تقسیم بھی ہے (۱) صرف روایات ونقلیات پر مشتمل ہو (۲) صرف درایات وعقلیات پر حاوی ہو۔ (۳) تیسری قسم جو سب سے اعلیٰ ہے یعنی روایت ودرایت دونوں کی جامع ہو۔ جلالین اسی قسم ثالث میں شمار ہے۔

سورۃ فاتحہ کی تفسیر چونکہ علامہ محلیؒ نے کی ہے اس لئے ان کی تفسیر یکجا کرنیکے لئے نصف آخر کے ساتھ اس کو ملحق کر دیا تھا کہ نصف اول علامہ سیوطیؒ کی تفسیر، نصفِ ثانی علامہ محلیؒ کی تفسیر سے علیحدہ ہو جائے۔

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ مِائَتَانِ وَسِتٌّ اَوْسَبْعٌ وَثَمَانُوْنَ اٰيَةً

ترجمہ: ...... سورۂ بقرہ مدنی ہے جس میں ۲۸۶ یا ۲۸۷ آیات ہیں۔

ترکیب: ...... سورة البقرة مبتداء مدنية خبر اول اور مائتان خبر ثانی ہے۔

﴿تشریح﴾ **مسلمانوں کا بے مثل کارنامہ:** ...... مسلمانوں کے حریف اگر ان کے تمام ابواب فضائل وکمالات کا انکار بھی کردیں تب بھی قرآن کریم سے ان کی بے پناہ محبت وعقیدہ، خدمت وعزت اور اس سلسلہ میں ان کی شدید جدوجہد اور سعی ومحنت کا باب ایسا ہے جو یقیناً ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ بلاشبہ بحیثیت ترجمہ کوئی قوم عیسائی قوم کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ لیکن مسلمانوں نے جو جو خدمتیں اور علمی موشگافیاں کرکے نئے نئے ابوابِ علم کھولے ہیں اور قرآن کریم سے اپنی بے پناہ شفقت ومحبت کا علمی ثبوت پیش کیا ہے۔ کیا دنیا کے پاس اس کا بھی کوئی جواب ہے یا کوئی قوم اس کا ایک حصہ بھی پیش کرسکتی ہے مسلمانوں نے قرآن کریم کا ایک ایک نقطہ، ایک ایک شوشہ گن کر رکھ دیا ہے، کتنی سورتیں ہیں، کتنی آیات اور رکوع ہیں، کس قدر زبر، زیر، پیش ہیں وغیرہ وغیرہ سب کھول کر رکھ دیا ہے، مثلاً کل منزلیں ۷، کل اجزاء ۳۰، کل سورتیں ۱۱۴، کل آیات ۶۶۶۶، کل الفاظ ۸۶۴۳۰، کل حروف ۳۲۲۶۷۱، کل زبر ۵۳۲۴۳، کل زیر ۳۹۵۸۲، پیش ۸۸۰۴، اور نقطے ۱۰۵۶۸۲، اور مدات ۱۷۷۱، تشدیدات ۱۲۵۳، کسی چیز کے ناموں کی کثرت اس کی عظمت پر دلالت کیا کرتی ہے اسی لئے اللہ کے صفاتی نام ننانوے (۹۹) ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے صفاتی نام بھی بکثرت ہیں قرآن کریم کے صفاتی نام ۵۵ ہیں، اور اکثر سورتوں کے نام ایک ایک ہیں اور بعض کے ایک سے زائد چنانچہ سورۃ فاتحہ کے نام چوبیس ہیں۔

سورۃ اور آیت کی تحقیق: ...... لفظ سورۃ سور البلد یا سور الاسد سے ماخوذ ہے، اس میں واؤ اصلی ہے تو بمعنی قوت وبلندی اور اگر مہموز الاصل ہو اور قلب کرلیا ہو تو بقية الشئ کے معنی ہوں گے قطعة من القران یعنی قرآن کریم کے ایک مخصوص حصہ کو جس کی ابتداء اور انتہا ہو اور اس میں کم از کم تین آیات ہوں سورت کہتے ہیں۔ اسی طرح لفظ آیۃ اگر بروزن قائلة ہو تو ہمزہ حذف کردی جائے گی اور آیۃ بروزن تمرة ہو تو خلاف قیاس قلب کرلیا جائے گا۔ چند کلمات کے مجموعہ کو آیتِ قرآنی کہا جائے گا تاہم فواتح سور جیسے والفجر، والعصر، والضحیٰ، الم، طٰہٰ وغیرہ اور لفظ مدھامتان باوجود ایک کلمہ ہونے کے بھی آیات کہلائیں گی۔ سورتوں کے نام اور ان کی آیات کی باہمی ترتیب علی الاصح توقیفی ہے یعنی خود آنحضرت ﷺ سے باشارہ جبریل علیہ السلام ثابت ہے۔

قرآن پر ایک سرسری نظر: ...... قرآن کریم کی تمام سورتیں ناسخ ومنسوخ کے لحاظ سے چار قسم پر ہیں۔ قسم اول جن سورتوں میں صرف ناسخ آیات ہوں کل چھ سورتیں ہیں۔ سورۂ فتح، حشر، منافقون، تغابن، طلاق، اعلیٰ۔

دوسری قسم ان سورتوں کی جن میں ناسخ ومنسوخ دونوں طرح کی آیات ہوں کل پچیس (۲۵) سورتیں ہیں سورۂ بقرہ، آلِ عمران، نساء، مائدہ، انفال، توبہ، ابراہیم، مریم، انبیاء، حج، نور، فرقان، شعراء، احزاب، سبا، مومن، ذاریات، طور، مجادلہ، واقعہ، ن، مزمل، مدثر، تکویر، عصر۔

تیسری قسم ان سورتوں کی ہے جن میں صرف منسوخ آیات ہوں وہ کل چالیس (۴۰) سورتیں ہیں۔ انعام، اعراف، یونس، ہود، رعد، حجر، نحل، اسراء، کہف، طٰہٰ، مومنون، نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان، الم سجدہ، فاطر، صافات، ص، زمر، حم سجدہ، شوریٰ، زخرف،

دخان، جاثیہ، احقاف، محمد، ق، نجم، قمر، امتحان، معارج، قیامۃ، انسان، عبس، طارق، غاشیہ، کافرون۔
چوتھی قسم ان سورتوں کی ہے جن میں نہ منسوخ آیات ہوں اور نہ ناسخ، ایسی سورتوں کی تعداد سب سے زیادہ یعنی (۴۳) ہے۔ سورۂ فاتحہ، یوسف، یٰسٓ، حجرات، رحمٰن، صف، جمعہ، تحریم، ملک، حاقہ، نوح، جن، مرسلات، نباء، نازعات، انفطار، مطففین، انشقاق، بروج، فجر، بلد، شمس، لیل، ضحٰی، الم نشرح، قلم، قدر، بینۃ، زلزال، عٰدیات، قارعہ، تکاثر، ہمزہ، فیل، قریش، ماعون، کوثر، نصر، تبت، اخلاص، فلق، ناس۔ کل ۱۱۴ سورتیں ہوگئیں۔

سورتوں کی تفصیل: .... پھر ان سورتوں کو زمان و مکان کے لحاظ سے تقسیم کیا گیا ہے کہ کون سی سورت یا آیت موسم سرما میں نازل ہوئی اور کون سی موسم گرما میں، کون سی سفری ہے اور کون سی حضری، کون سی مکی ہے اور کون سی مدنی۔ مکی یا مدنی ہونے کی تشریحات پھر مختلف ہیں مثلاً یہ کہ جن میں اہل مکہ کو خطاب ہو وہ مکی اور جن میں اہل مدینہ کو مخاطب بنایا گیا ہو وہ مدنی۔ یا یہ کہ جو مکہ اور حوالی مکہ میں نازل ہوئی ہوں مثلاً منیٰ وغیرہ میں وہ مکی اور جو مدینہ یا اس کے قرب وجوار میں نازل ہوئی ہوں وہ مدنی ہیں اور تیسری تشریح جو سب سے اصح ہے یہ ہے کہ جو ہجرت مدینہ سے پہلے نازل ہوئی ہوں وہ مکی، اور جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہوں خواہ مکہ ہی میں وہ مدنی ہیں۔

جلالین کی رائے: .... جلالین کے بیان کے مطابق کل ۲۰ سورتیں قطعی طور پر مدنی اور ۷۷ سورتیں قطعی طور پر مکی ہیں اور ۱۷ سورتیں مختلف فیہا ہیں۔

سورتوں کے نام: .... جس طرح آسانی کے لئے کسی کتاب کو ابواب اور فصل وار تقسیم کر دیا جاتا ہے اور پھر ایک ایک بات کو الگ الگ فقروں میں کر دیا جاتا ہے کہ بے ربط و بے جوڑ باتیں گڈمڈ نہ ہونے پائیں اور باہم متناسب باتیں یکجا رہیں۔ یہی حال قرآن کریم کی سورتوں اور آیات کا ہے پھر ان سورتوں کا باہمی امتیاز قائم رکھنے کے لئے ان کے نام الگ الگ مخصوص کر دیئے گئے ہیں اور ان ناموں میں مختلف باتوں کا لحاظ کیا گیا ہے، کہیں پہلے لفظ کے لحاظ سے سورۃ کا نام رکھ دیا گیا ہے جیسے سورۂ یٰسین، ص، ق، جس کو تسمیۃ الکل باسم اول الجزء کہنا چاہئے۔ اور کہیں سورۃ میں ...... کسی مذکور لفظ کے اعتبار سے نام مقرر کر دیا گیا ہے جس کو تسمیۃ الکل باسم اشہر الجزء کہنا چاہئے۔ جیسے سورۂ محمد، سورۂ ابراہیم وغیرہ۔ اور کہیں واقعہ مذکورہ فی السورۃ کی وجہ سے سورت کا نام تجویز کیا گیا ہے۔ جیسے سورۂ بقرہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ہی میں اس سورت کا یہ نام مشہور ہوگیا تھا اس لئے یہ شبہ کرنا کہ بقرہ نام رکھنے میں سورت کی تحقیر اور اہانت ہے اور یہ تاویل کرنا کہ السورۃ التی تذکر فیہا البقرۃ بے بنیاد اور بے ضرورت ہے۔ لفظ بقرہ میں تا تانیث کی نہیں ہے بلکہ تا جنسیت کی ہے جیسے تمرٌ اور تمرۃٌ میں۔

قرآن کی ترتیب: .... قرآن کی آیات اور سورتوں کی ترتیب دو طرح کی ہے، ایک ترتیب تدوینی کہ سورۃ فاتحہ سے سورۂ ناس تک مابین الدفتین مرتب طور پر جو قرآن ہمارے سامنے ہے یہ ترتیب بھی علی الاصح جبریل امین اور رسول کریم ﷺ کے حکم سے توقیفی ہے ایک مصنف کے زیر نظر جس طرح کتاب کے مختلف ابواب ہوتے ہیں اور وہ موقع محل کے مناسب ہر باب میں اضافات اور تالیفات کرتا چلا جاتا ہے اور سلسلۂ تصنیف بیک وقت مختلف ابواب کا جاری رہتا ہے۔ یہی حال آنحضرت ﷺ کا تھا کہ جوں جوں آیات نازل ہوتی تھیں بامر الٰہی آپ ﷺ ان کو موقع ومحل کے مناسب سورتوں میں جگہ دیتے جاتے تھے اور دوسری ترتیب نزول ہے یعنی جس ترتیب سے واقعی آیات اور سورتوں کا نزول ہوا ہو وہ اس طرح پر ہے۔ سورۂ علق، قلم، مزمل، مدثر، تبت، کورت، اعلیٰ، واللیل، والفجر،

والضحیٰ، الم نشرح، والعصر، والعٰدیٰت، کوثر، تکاثر، ماعون، کافرون، فیل، اخلاص، نجم، عبس، قدر، بروج، تین، قریش، قارعہ، ہمزہ، مرسلات، ق، قیٰمہ، بلد، طارق، قمر، ص، اعراف، جن، یٰسٓ، فرقان، فاطر، مریم، طٰہٰ، واقعہ، شعراء، نمل، قصص، بنی اسرائیل، یونس، ہود، یوسف، حجر، انعام، والصافات، لقمٰن، سبا، زمر، مومن، حم سجدہ، حمعسق، زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، ذاریات، غاشیہ، کہف، نحل، نوح، ابراہیم، انبیاء، مومنون، تنزیل السجدہ، طور، ملک، حاقہ، معارج، عم، نازعات، انفطار، انشقاق، روم، مطففین، عنکبوت یہ ۸۳ سورتیں مکی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سورۂ عنکبوت کو آخری مکی سورت کہتے ہیں اور ضحاکؒ وعطاءؒ، مومنون کو، علیٰ ہٰذا ۳۱ مدنی سورتوں کی ترتیب اس طرح ہے۔ سورۂ بقرہ، انفال، آل عمران، احزاب، ممتحنہ، نساء، زلزال، حدید، محمد، رعد، رحمٰن، دہر، طلاق، لم یکن، حشر، فلق، ناس، نصر، نور، حج، منافقون، مجادلہ، حجرات، تحریم، صف، جمعہ، تغابن، فتح، توبہ، مائدہ، اوربعض نے مائدہ کو توبہ پر مقدم کیا ہے۔ سورۂ فاتحہ کا نزول مکہ اور مدینہ دونوں جگہ ہوا ہے اس لئے اس کو مکی بھی کہہ سکتے ہیں اور مدنی بھی اور بعض سورتیں مختلف فیہ ہیں۔ اہل علم کے پیش نظر اگر یہ نزولی ترتیب بھی رہے تو قرآن کریم کا پس منظر اور ارتقائی تدریجی طرز تخاطب اور طریق اصلاح سمجھنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے اور مختلف علوم کے دروازے کھل سکتے ہیں، غرضیکہ واقعاتی زندگی اور بیتی ہوئی تاریخ کے ساتھ قرآن کی ترتیب نزولی بھی بے حد وجد آفریں اور بہت سے علوم واکتشافات کا باب کھولنے والی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ترجمہ: ...... اللہ کے نام سے جو نہایت رحمت والے اور بے انتہا مہربان ہیں، شروع کرتا ہوں۔

تعوذ وتسمیہ: .... ارشاد ربانی اذا قرأت القراٰن فاستعذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کی وجہ سے ابتداء قرأت تعوذ سے ہونا چاہئے کسی سورۃ سے شروع ہو یا نہ ہو جس کے الفاظ امام ابوحنیفہؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ہیں۔ اور امام احمدؒ کے نزدیک آیتِ مذکورہ اور دوسری آیت فاستعذ باللہ انہ ھو السمیع العلیم کی بناء پر ان الفاظ سے اولیٰ ہے یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. اور امام اوزاعیؒ اور ثوریؒ کے نزدیک افضل اس طرح ہے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَا لسَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ. جمہور کے نزدیک نماز میں تعوذ پڑھنا مسنون ہے اگر اس کا ترک عمداً یا سہواً ہو جائے تو مفسد نماز نہیں۔ اور خارج نماز تعوذ مستحب ہے۔ البتہ عطاءؒ کے نزدیک نماز میں ہو یا خارجِ نماز میں تعوذ پڑھنا مسنون ہے۔ اور ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ عمر بھر میں اگر ایک دفعہ بھی پڑھ لیا جائے تو ادائے واجب کے لئے کافی ہے۔ نیز جمہور اس کا وقت ابتداء قرأت کہتے ہیں اور نخعیؒ وداؤدؒ کی رائے ہے کہ قرأت کے بعد تعوذ ہونا چاہئے۔ اگر ابتداء قرأت وسورۃ دونوں ہو تو تعوذ وتسمیہ دونوں کو جمع کرنا چاہئے ورنہ ایک پر باستثناء سورۃ توبہ کے اکتفاء کیا جائے گا۔ یعنی سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہیں پڑھنی چاہئے۔

ترکیب: .... بسم اللہ کا متعلق محذوف ہے، فعل عام ہو یا خاص مقدم ہو یا مؤخر چاروں صورتیں متعلق کی صحیح ہیں پھر جملہ فعلیہ ہو یا اسمیہ کل آٹھ صورتیں نکلتی ہیں۔ لیکن سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ فعل عام ہو اور بعد میں مقدر مانا جائے تا کہ اللہ کی تقدیم میں اس کی عظمت بھی برقرار رہے اور ہر کام کے ساتھ اس کو لگایا جا سکے۔

فضائل بسم اللہ: .... (۱) مسلمؒ کی روایت ہے کہ جس کھانے پر بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی اس میں شیطان کا حصہ ہوتا ہے۔ (۲) ابوداؤدؒ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ کی مجلس طعام میں کسی صحابیؓ نے بغیر بسم اللہ کھانا شروع کر دیا۔ آخر میں جب یاد آیا تو بسم اللہ من اولہ و آخرہ کہا تو آنحضرت ﷺ کو یہ دیکھ کر ہنسی آ گئی۔ اور فرمایا کہ شیطان نے جو کچھ کھایا تھا ان کے بسم اللہ پڑھتے ہی کھڑے

ہو کر سب قے کر دیا۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں اپنا واقعہ تحریر فرمایا ہے کہ ایک دوست کھانا کھانے لگے تو ان کے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا چھوٹ کر خلاف عادت دور تک لٹکتا چلا گیا جس سے حضارِ مجلس کو تعجب ہوا، اگلے روز محلّہ میں کسی کے سر وہ خبیث آ کر بولا کہ کل ہم نے فلاں شخص سے ایک ٹکڑا چھینا تھا مگر آخر کار اس نے ہم سے لے ہی لیا۔ (۳) ترمذی کی روایت حضرت علیؓ سے ہے کہ بیت الخلاء میں جانے کے وقت بسم اللہ پڑھنے سے جنات وشیاطین کی نظر اس کے ستر تک نہیں جاتی ہے۔ (۴) امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید کے مقابل دشمن میدانِ جنگ میں پر جمائے کھڑے ہیں اور زہر ہلاہل کی ایک شیشی پیش کر کے حضرت خالدؓ کے دین کی صداقت کا امتحان لینا چاہتے ہیں آپ نے پوری شیشی بسم اللہ پڑھ کر پی لی۔ لیکن اس کی برکت سے آپ پر زہر کا معمولی اثر بھی نہیں ہوا۔

لیکن آپ کہیں گے کہ اس قسم کی تاثیرات کا مشاہدہ چونکہ ہم کو نہیں ہوتا اس لئے یہ حکایات وواقعات غلط، بے بنیاد، بلکہ خوش فہمی پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔ سو بات یہ ہے کہ کسی چیز کی تاثیر کیلئے اسباب وشرائط کا مہیا ہونا اور موانع اور رُکاوٹوں کا دور ہونا دونوں باتیں ضروری ہوتی ہیں۔ ازالۂ مرض اور حصول صحت کے لئے صرف دوا کارآمد نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ مضر چیزوں اور بد پرہیزیوں سے بالکلیہ نہ بچا جائے۔ یہاں بھی خلوصِ نیت، صدقِ اعتقاد، تعلق مع اللہ، یقین محکم، ایمان کامل اگر شرائط تاثیر ہیں تو ریا کاری، بدفہمی، توہمات وخیالات بداعتقادی وغیرہ موانع بھی ہیں دونوں ہی ملکر مجموعی طور پر اگر مؤثر ہوتے ہوں تو پھر کیا اشکال رہ جاتا ہے۔ (حقانی)

(۵) ابن مردویہ احمد بن موسیٰ بن مردویہ اپنی تفسیر میں جابرؓ بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ بسم اللہ جب نازل ہوئی تو بادل مشرقی سمت دوڑنے لگے، ہوا رک گئی، سمندروں میں جوش ہوا، جانور کان کھڑے کر کے سننے لگے، شیطان ہنکا دیئے گئے، اور اللہ نے اپنی عزت وجلال کی قسم کھائی کہ بسم اللہ جس چیز پر پڑھی جائے گی، میں اس میں ضرور برکت دوں گا۔

تحریری مواقع پر اگر کہیں بسم اللہ لکھنے میں بے ادبی کا احتمال ہو تو علمائے سلف کے تعامل کی وجہ سے اس کے اعداد ۷۸۶ پر اکتفاء کرنا بھی باعثِ برکت ہے۔

شانِ نزول بسم اللہ: .... ایک موحد کے ہر کام کی ابتداء خدا کے نام سے ہونی چاہئے، مشرکین عرب اپنے اختراعی معبودوں کے نام سے **باسم اللات والعزی** کہہ کر ابتداء کیا کرتے تھے۔

کیا بسم اللہ کے باب میں آپ ﷺ نے دوسرے مذاہب کی تقلید کی ہے؟: .... پارسیوں اور مجوسیوں کے دساتیر میں ہر نامہ کی ابتداء بھی کچھ اسی قسم کے الفاظ سے ہوتی ہے، مثلاً بنام ایزد بخشائندہ بخشائشگر، مہربان دادگر اور موجودہ انجیل کے بعض نسخوں کے افتتاحی الفاظ بھی کچھ اسی طرح کے ہیں جس سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انجیل یا دساتیر سے استفادہ کیا ہوگا اور بسم اللہ سے قرآن کریم کی ابتداء کرنے میں ان کی تقلید کی ہوگی، لیکن اول تو انجیل کے قدیم ترین اور صحیح نسخوں میں ایسا نہیں جس سے برعکس یہ ثابت ہوتا ہے کہ عیسائیوں نے مسلمانوں کی دیکھا دیکھی قرآن کی تقلید کی ہے۔ البتہ پارسیوں کی دساتیر کا جہاں تک تعلق ہے تو نہ کبھی آپ ﷺ ایران تشریف لے گئے اور نہ ہی عرب میں کسی مجوسی عالم یا کتب خانہ اور مدرسہ کا نام ونشان تھا۔ اس زمانے میں تو مجوس کی مذہبی کتابوں کا خود ان کی اپنی قوم اور ملک میں پوری طرح اشاعت اور رواج بھی نہ تھا۔ خاص خاص لوگ بطور تبرک دوسروں کی نظروں سے اپنی مذہبی کتابوں کو چھپا کر رکھتے تھے تاکہ دوسرے لوگ نہ دیکھ لیں۔ ملک عرب تک اس کی نوبت کہاں پہنچتی اور پھر خود اپنی زبان کے لکھنے پڑھنے تک سے واقف نہ تھے کہ نوبت یہاں تک پہنچتی۔ رہا حضرت سلمان فارسیؓ کا معاملہ، سو وہ ایک غلام ہیں کوئی مذہبی عالم نہ تھے، اگر آپ ان سے استفادہ کرتے تو الٹے وہ خود آپ ﷺ کے معتقد کیسے ہوجاتے، اور اپنے مالک کی ہر طرح کی ناقابل

برداشت تکالیف سہہ کر آپ ﷺ کی خدمت میں رہنے کو باعث فخر کیوں سمجھتے ، علاوہ اس کے دوسری بات یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ نے دوسروں کی تقلید میں ایسا بھی کیا ہے تو اس سے آپ ﷺ کے محاسن میں اضافہ ہوجاتا ہے اور اس سے آپ ﷺ کی انصاف پسندی، وسعتِ قلبی ، بلندی فکر کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ میں دوسروں کی اچھائیں اور بھلائیاں سے کنارہ کشی کی بجائے ان کو اپنانے کا جذبہ موجود تھا۔ اور کھلے دل و دماغ سے ان کو قبول کرنے کا دوسروں کو بھی مشورہ دیتے تھے۔ الحکمة ضالة المومن الخ ایک ضدی، متعصب، معاند شخص سے کبھی اس قسم کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے نیز اسلام نے کبھی اپنے اچھوتے اور نئے ہونے کا اعلان نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اپنے پرانے اور قدیم ہونے پر فخر کیا ہے یعنی یہ کہ اس کے تمام اصول قدیم اور پرانے ہیں جن کی تبلیغ ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کرتے چلے آئے ہیں اس میں کوئی نئی بات نہیں ہے بجز اس کے نادانوں نے غلط رسم و رواج کی تہوں اور پردوں میں چھپا کر اصل حقیقت کو گم کردیا تھا اس نے پھر پردے ہٹادیئے اور اصل حقیقت چمکا دیا۔ پس اس طرح اگر خدا کے نام سے افتتاح قدیم زمانہ اور قدیم مذاہب سے چلا آرہا ہو اور اسلام نے بھی اس کی تقلید کرلی تو قابلِ اعتراض بات کیا رہ جاتی ہے۔

﴿تشریح﴾ .... تمام مخلوق اور انسان کی تین حالتیں ہیں اول وجود سے پہلے عدم کی حالت ، دوسرے دنیاوی زندگی کی وجودی حالت ، تیسرے عالم آخرت کی ابدی حالت . بسم اللہ کے ان تین لفظوں میں ان ہی تین حالتوں کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ لفظ اللہ میں پہلی حالت کی طرف اشارہ ہے کہ اس نے ہی تمام موجودات کو اپنے وجود اصلی کے پرتو سے وجود بخشا ہے ورنہ ان میں عدم اصلی تھا۔ لفظ رحمٰن رحیم بروزن فعلان و فعیل دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں لیکن اول میں الفاظ و معنی دونوں زیادہ ہیں۔ چنانچہ رحمت کے مصداقات دنیا میں مسلم و کافر مطیع و عاصی سب ہیں۔ آخرت میں نعمتیں اگر چہ زیادہ اور بڑی ہوں گی مگر محل رحمت یعنی افراد زیادہ نہیں ہوں گے۔ بلکہ صرف مؤمنین ہوں گے گویا دنیا میں مرحومین زیادہ ہیں اور آخرت میں محرومین زیادہ ہوں گے اسی لئے یا رحمن الدنیا ورحیم الاخرة کہا جاتا ہے۔

احکام بسم اللہ: .... امام ابوحنیفہؒ اور فقہائے مدینہ وبصرہ وشام کی رائے ہے کہ بسم اللہ کسی سورت کا جزو نہیں ہے محض تبرکاً اور دوسورتوں میں فصل کرنے کے لئے نازل کی گئی ہے۔ بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اور ابوبکرؓ وعمرؓ الحمدللہ سے نماز شروع فرماتے تھے۔ طبرانی ابن خزیمہ اور ابوداؤد کی روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز میں بسم اللہ پڑھتے تھے۔ اور الحمدللہ جہر سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ یا کسی دوسری سورت کا جزو نہیں ہے ورنہ بعض حصہ کو آپ ﷺ آہستہ اور بعض کو بلند آواز سے کیوں پڑھتے جس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ اس لئے یہ مذہب زیادہ قوی ہے، امام شافعیؒ ،عبداللہؒ بن المبارک اور قراء مکہ وکوفہ بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کا جزو سمجھتے ہیں اور اسی لئے نماز میں پکار کر پڑھتے ہیں دلائل ان حضرات کے پاس بھی ہیں لیکن آنحضرت ﷺ اور خلفائے اربعہ نے اس بارے میں کوئی تصریح نہیں فرمائی۔ بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کا جزو ماننے والے حضرات میں سے بعض کی رائے اس کو پوری آیت ہونے کی ہے اور بعض کہتے ہیں، بسم الله الحمدلله رب العلمين مل کر پوری آیت ہے۔ سورۂ نمل کی آیت وانه بسم الله الرحمن الرحيم اس گفتگو سے خارج ہے۔ وہ بالاتفاق سورۂ نمل کا جزو ہے۔

دوسورتوں کے درمیان بسم اللہ پڑھنے نہ پڑھنے میں چار صورتیں ہوسکتی ہیں ،(۱) وصل کل (۲) فصل کل (۳) فصل اول وصل ثانی یہ تینوں صورتیں جائز ہیں اور چوتھی (۴) یعنی وصل اول فصل ثانی مناسب نہیں ہے۔

الٓـمّٓ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذَالِكَ

ترجمہ:...... الٓـمّٓ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اس کی ان حرفوں سے کیا مراد ہے۔

فضائلِ سورۃ بقرہ:............ (۱) مسند امام احمد میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سورۂ بقرہ بمنزلہ کوہان قرآن ہے۔ (۲) بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ اُسیدؓ بن حضیر رات کو سورۂ بقرہ پڑھ رہے تھے کہ اچانک قریب بندھا گھوڑا بدکا، انہوں نے پڑھنا موقوف کیا تو گھوڑا بھی رک گیا۔ پھر جب پڑھنا شروع کیا تو بدکنے لگا، قریب ہی ان کا یحییٰ نامی صاحبزادہ سورہا تھا ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں بچہ کو نقصان نہ پہنچ جائے اس لئے پڑھنا موقوف کر کے نظر اٹھائی اوپر دیکھا تو ایک نورانی سائبان نظر آیا جس میں مشعلیں روشن تھیں یہ اس کو دیکھنے باہر نکلے تو وہ منظر غائب ہوگیا۔ صبح کو یہ ماجرا بارگاہِ رسالت میں عرض کیا تو فرمایا کہ ملائکہ تمہاری آواز سن کر آئے تھے۔ اگر پڑھتے رہتے تو صبح تک ملائکہ موجود رہتے اور لوگ عیاناً دیکھ لیتے۔ تم سورۂ بقرہ پڑھا کرو۔ (۳) مسلم میں ابوامامہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ زہراوین (سورۂ بقرہ و آل عمران) قیامت کے روز اپنے پڑھنے والوں کے لئے سائبان کا کام دیں گی۔ سورۂ بقرہ پڑھا کرو، اس کے پڑھنے میں برکت اور چھوڑنے میں حسرت ہے۔ اس کی برکت سے مکار کا فریب نہیں چل سکتا۔ (۴) حضرت انسؓ کی روایت مسلم میں ہے کہ صحابہؓ میں سورۂ بقرہ و آل عمران جاننے والوں کی بڑی عظمت و عزت ہوتی تھی۔ چنانچہ مشہور ہے کہ حضرت عمرؓ نے ڈھائی سال میں سورۂ بقرہ کی تکمیل کی اور ختم پر ولیمہ کیا جس میں ایک اونٹ ذبح فرمایا۔

(۵) امام مسلم نے ابوہریرہؓ کی روایت کے الفاظ نقل کئے ہیں **لا تجعلوا بیوتکم مقابر ان الشیطان یفر من البیت الذی تقرأ فیہ سورۃ البقرہ** (۶) ابن عربی فرماتے ہیں کہ سورۂ بقرہ میں ایک ہزار اوامر اور ایک ہزار نواہی ہیں۔ ایک ہزار اخبار اور ایک ہزار احکام ہیں اس سورۃ کی خصوصیت یہ ہے کہ جس طرح سب سے بڑی ہے اسی طرح کثیر الاحکام بھی ہے اور اس کی آیت مداینہ تقریباً ایک بڑے رکوع پر مشتمل سب سے بڑی آیت ہے اس کے نصف اول میں نعمائے الٰہیہ کا بیان زیادہ اور بیان احکام کم اور نصف ثانی میں احکام زیادہ اور بیانِ نعمت کم۔ اس میں آیت الکرسی تمام آیات قرآن کی سرتاج ہے۔

ربط:...... سورت فاتحہ سے اس کا خاص ربط ہے کہ سورۂ فاتحہ میں جس ہدایت کی درخواست کی گئی تھی اس میں اس کی منظوری دیدی گئی ہے یا یوں کہا جائے کہ اس سورت کے تیسرے رکوع سے جو نعمائے الٰہیہ ظاہرہ باطنہ عامہ و خاصہ کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے وہ درحقیقت سب **الحمد للہ رب العلمین** سے مربوط ہیں اسی طرح بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور سزا و توبہ کا بیان، عبادت و بندگی اور شرعی احکام یہ سب **ملك یوم الدین ایاك نعبد و ایاك نستعین** کی تفصیلات ہیں۔ اچھے اور برے لوگوں کی جو تاریخ یا انجام ذکر کیا گیا ہے وہ گویا **اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم و لاالضالین** کے واضح روشن اور جلی عنوانات ہیں۔

شانِ نزول:............ مکی زندگی میں آپ کو صرف دو طرح کے لوگوں سے واسطہ رہا، پورے موافق یا پورے مخالف یعنی ظاہراً یا باطناً یا اطاعت کرنے والے اور پھر کھلے بندوں مخالف اور دشمن۔ لیکن مدینہ طیبہ میں جب آپ ﷺ رونق افروز ہوئے تو ایک نئی اور بدترین تیسری جماعت سے بھی سابقہ پڑا یعنی منافقین جن کا اکثر حصہ یہود پر مشتمل تھا اور سرگروہ عبداللہ بن ابی تھا جو پہلے سے اپنے اقتدار اور سرداری کے خواب دیکھ رہا تھا۔ لیکن آپ ﷺ کے تشریف لانے سے جب اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور خاک پڑ گئی تو

نہایت برہم ہوا۔ بالآخر طاقت مقابلہ نہ پاکر در پردہ جوشِ مخالفت میں اندھا ہوگیا اس سورت میں جہاں مؤمنین وکافرین کا ذکر کیا گیا ہے وہاں اس تیسرے بدباطن دشمنِ اسلام فرقہ کی سازشوں کا پردہ بھی خوب طرح چاک کیا گیا ہے یعنی اول رکوع میں دونوں جماعتوں کا بالاجمال تذکرہ ہے اور دوسرے رکوع کی ۱۳ آیات منافقین کے ذکر سے لبریز ہیں۔

﴿تشریح﴾:...... **مقطعاتِ قرآنیہ کی تحقیق:** الٓـمّٓ اور اس قسم کے جس قدر الفاظ سورتوں کے شروع میں ہیں باتفاقِ محققین ان حروف تہجی کے اسماء ہیں جن سے کلام مرکب ہوا کرتا ہے ابتداء میں ان کے لانے سے مقصد تحدی اور چیلنج کرنا ہے کہ تمہارے کلام کا مادۂ ترکیبی اور ہیولیٰ اگرچہ ایک ہی قسم کا ہے یعنی ۲۸ یا ۲۹ حروف لیکن یہ ہماری حسن ترکیب اور صورت گری ہے کہ تم باوجود ماہر اہل زبان ہونے کے اس طرح کی ایک آیت کا ٹکڑا یا کلمہ بنانے سے بھی عاجز محض ہو۔ حروف مقطعات دراصل ان کو لکھا تو جاتا ہے ملا کر مگر پڑھا جاتا ہے الگ الگ کر کے، اسی پڑھنے کے لحاظ سے ان کو مقطعات قرآنیہ کہا جاتا ہے۔ جہاں تک معنی اور مفہوم کا تعلق ہے ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ متشابہاتِ قرآن میں داخل ہیں اور متشابہ بھی درجہ اول کے، جن کے نہ لغوی معنی اور مفہوم معلوم ہوا اور نہ مراد متکلم کا پتہ، اور کوئی صورت اس دنیا میں معلوم کی نہیں ہے، عالم آخرت میں جب اور حقائق کھلیں گے ان کے حقائق بھی سامنے آجائیں گے۔ البتہ دوسرے درجہ کے متشابہ الفاظ قرآنیہ وہ ہیں جن کے لغوی معنی تو معلوم ہیں مگر نہیں کہا جاسکتا کہ ان سے مراد متکلم کیا ہے جیسے الفاظ ید، ساق، استویٰ کے اطلاقات۔

ہر محکمہ کے مخصوص اسرار اور خاص اصطلاحات ہوتی ہیں:............ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کا ارشاد ہے کہ ہر کتاب میں کچھ اسرار ہوتے ہیں۔ قرآن کریم کے اسرار مقطعاتِ قرآنیہ ہیں۔ یا حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ ہر کتاب میں کوئی نہ کوئی خاص بات ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں خاص بات یہ مقطعات ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اللہ یا اللہ و رسولؐ کے سوا ان کے معانی کسی کو معلوم نہیں ہیں ورنہ خطاب بے مقصد و بے فائدہ ہو جائے گا۔ البتہ علماء کو امتحاناً ان اسرار کے درپے ہونے سے روک دیا گیا ہے تاکہ بے سمجھے ان کے ایمان لانے سے ان کی طاعت و فرمانبرداری کی آزمائش ہو جائے اور بعض کے نزدیک علمائے راسخین بھی اس جاننے میں داخل ہیں۔ **وما یعلم تاویله الا الله والراسخون فی العلم یقولون امنا به** کی تفسیر میں یہ دونوں رائیں اصولی کتابوں میں مذکور ہیں۔

پھر علمائے راسخین کے واقف اور باخبر ہونے میں بھی مختلف رائیں ہیں (۱) بعض اہل علم ان مقطعات کو ان ہی سورتوں کے نام مانتے ہیں جن کے شروع میں یہ الفاظ آئے ہیں اور اس طرح اختصاراً نام رکھنے کا قدیم دستور اہل عرب میں بکثرت رہا ہے جیسے عین سے مراد سونا چاندی، عین سے مراد بادل، نون سے مراد مچھلی، قاف سے مراد ایک مخصوص پہاڑ یہی حال ان سورتوں کے نام رکھنے کا سمجھئے۔

(۲) بعض علماء ان کو اسمائے الٰہیہ کہتے ہیں جن کو تبرکاً شروع میں لایا گیا ہے چنانچہ دعاء کے شروع میں حضرت علیؓ سے یا کٓھٰیٰعٓصٓ، حٰمٓ عٓسٓقٓ منقول ہے (۳) بعض اہل علم کے نزدیک یہ اسمائے الٰہیہ کے اجزاء ہیں۔ چنانچہ سعیدؓ بن جبیر فرماتے ہیں کہ الٓرٰ، حٰمٓ ان کا مجموعہ الرحمٰن ہے۔

(۴) کچھ علماء کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے اسماء ہیں، مکیؒ، سدیؒ، قتادہؒ اس رائے میں شریک ہیں۔ (۵) کچھ علماء کا خیال ہے کہ جس طرح اختصار کے خیال سے جس کو آجکل شارٹ ہینڈ اور مختصر نویسی کا فن کہتے ہیں۔ قدیم اہل عرب میں یہ طریقہ رائج تھا جیسے **قلت لها قفی فقالت لی قاف** میں اشارہ قفت کی طرف ہے اسی طرح ان مفرد حروف سے مرکبات اور جملوں کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔

چنانچہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ الف سے مراد الآء اللہ یعنی خدا کی نعمتیں ہیں اور لام سے مراد جبریلؑ اور میم سے مراد محمدؐ ہوں یعنی کلام اللہ بواسطہ جبریلِ امین آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا۔

(۶) قطرب کی رائے ہے کہ ایک بات ختم کر کے دوسری بات شروع کرنے کیلئے بطور تنبیہ خطبات اور کلام عرب میں یہ حروف لائے جاتے ہیں۔(۷) ابوالعالیہؒ کہتے ہیں کہ بحساب ابجد ان حروف میں اقوام وملل کی تاریخ انکے عروج وزوال کی داستانیں مضمر ہیں چنانچہ بعض یہود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جب حاضر ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کے سامنے الٓمٓ پڑھا تو کہنے لگے کہ جس دین کی کل مدت اکہتر (۷۱) سال ہو اس میں ہم کیسے داخل ہوں؟ یہ سن کر آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور جب آپ ﷺ سے مزید خواہش کی گئی تو آپ ﷺ الٓمٓصٓ اور الٓمٓرٰ پڑھ کر سنایا کہنے لگے کہ ان حروف کے اعداد ۱۶۱۔۲۷۱ پہلے سے بڑھے ہوئے ہیں اس لئے اب معاملہ ہم پر مشتبہ ہو گیا ہم اب کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

غرضیکہ مدعیان فصاحت و بلاغت اور زبانی زور آوروں کو للکارا گیا ہے کہ دیکھو کل حروف تہجی ۲۸ میں سے آدھے ۱۴ حروف ہم لے لیتے ہیں اور ان کو ۲۹ سورتوں کے شروع میں اس کمال کے ساتھ استعمال کرتے ہیں کہ حروف کی بلحاظ صفات جس قدر اقسام ہیں مہموسہ، مجہورہ،، شدیدہ، رخوہ وغیرہ سب میں سے آدھے حروف لے کر ہم اپنا کلام معجز بناتے ہیں اور نصف حروف تمہاری طبع آزمائی اور جولانی دیکھنے کیلئے چھوڑ دیتے ہیں۔ مثلاً کل دس (۱۰) حروف مہموسہ میں سے پانچ اور کل اٹھارہ حروف مجہورہ میں سے نو (۹) اور آٹھ حروف شدیدہ میں سے چار (۴) اور کل بیس (۲۰) حروف رخوہ میں سے دس (۱۰) ہم لے رہے ہیں اور باقی تمہارے لئے چھوڑے دے رہے ہیں۔(بیضاوی)

حاصل اس ساری تفصیل کا یہ نکلا کہ ان حروف کے بارے میں اب تک دو قسم کی آراء سامنے آئیں بعض نے ان کے معانی سے لاعلمی ظاہر کی اور بعض نے معلوم ہونے کا دعویٰ کیا۔ لیکن اس کو نزاع حقیقی نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ یہ نزاع لفظی ہے یعنی جن حضرات نے انکار کیا ہے ان کی مراد قطعیت سے انکار ہے۔ اور جن حضرات نے بیانِ مراد کی کوشش کی ہے اس سے مراد ظنی ہے۔ سو جس چیز کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں کی اور جس بات کی نفی کی ہے اس کا کسی نے اثبات نہیں کیا ہے۔ جلال محقق نے واللہ اعلم کہہ کر اشارہ کر دیا کہ ان حروف کے معانی لوگوں کو نہیں بتائے گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوں، اور آپ ﷺ نے یہ سمجھتے ہوئے کہ نہ بتلانے سے ضروریات دین میں کوئی حرج نہیں ہوتا اس لئے آپ ﷺ نے کچھ صراحت نہیں فرمائی۔ پس نہ آپ ﷺ پر شبہ رہتا ہے اور نہ انکی تفتیش میں پڑھنا چاہئے۔ **واللہ اعلم بحقیقتہ و علمہ اتم و اکمل۔**

ذٰلِكَ اَیْ هٰذَا **الْكِتٰبُ** الَّذِیْ یَقْرَؤُهٗ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **لَارَیْبَ** شَكَّ **فِیْهِ** ۛ اَنَّهٗ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَجُمْلَةُ النَّفْیِ خَبَرٌ مُبْتَدَأُهٗ ذٰلِكَ وَالْاِشَارَةُ بِهٖ لِلتَّعْظِیْمِ

ترجمہ:...... وہ (یعنی یہ) کتاب کہ (جس کو آنحضرت ﷺ تلاوت فرما رہے ہیں) ایسی ہے جو بلاشبہ (اللہ کی طرف سے ہے) اور جملہ نفی "لاریب فیہ" ترکیب کے لحاظ سے لفظ ذٰلک مبتداء کی خبر ہے اور اسم اشارہ (بعید) تعظیم کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

﴿تشریح﴾:...... **کتابِ ہدایت**:............ سورۂ بقرہ مدنی ہے۔ یہاں چونکہ زیادہ تر یہود رہتے تھے جن کی مذہبی کتاب توراۃ میں قرآن کریم کے نزول کی خبر دی گئی تھی جس کو زمانہ بعید گزر چکا تھا۔ اسی موعود کتاب کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اسم اشارہ بعید "ذٰلِكَ" لائے ورنہ لفظ ھٰذا لانا چاہئے تھا۔ جس کی طرف مفسر علام نے اشارہ فرمایا ہے، یا قرآن کریم کے بلند تر رتبہ اور عالی مقام

ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے "ذلک" لائے تنزیلا لبعد الرتبة منزلة بعد المکان و المعقول بمنزلة المحسوس یا یہ کہا جائے کہ جن سورتوں کو سورۂ بقرہ سے پہلے نازل کیا جا چکا تھا اور جن کی تکذیب لوگوں نے کی تھی ان کے لئے کہا جارہا ہے کہ وہ بلاشبہ ہیں نیز "ذلک" سے اشارہ خود سورۂ الٓمٓ کی طرف بھی ہوسکتا ہے اور اسم اشارہ کو مذکر لانا باعتبار لفظ کتاب کے ہوگا۔

قرآن شبہات سے پاک ہے: .... رہی یہ بات کہ اس کو بے شبہ کیسے کہا جارہا ہے جبکہ ہر زمانہ میں لوگوں کو اس میں شبہات پیش آتے رہے ہیں۔ اگر شبہات نہ ہوتے تو سب لوگوں کو مسلمان ہونا چاہئے تھا۔ جلال محققؒ نے اسی شبہ کے ازالہ کیلئے نفی ریب کا متعلق خاص انه من عندالله نکال کر بتلانا چاہا ہے کہ شبہات کی نفی کا دعویٰ کرنا نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ کلام الٰہی ہونا اس کا بلاشبہ ہے۔ اس پر قرآن کا لفظاً ومعناً معجز ہونا شاہد عادل ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عمومی شبہات ہی کی نفی کرنا مقصود ہے کہ فی نفسہٖ قرآن کریم کی باتیں سچی سیدھی بلاشبہ و بے غبار ہیں لوگوں کو شبہات اگر پیش آتے ہیں تو یہ ان کا اپنا قصور وفہم اور کج طبعی ہے۔ قرآن محل شبہ نہیں ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　　چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

هُدًى خَبَرٌ ثَانٍ هَادٍ **لِّلْمُتَّقِينَ** ﴿۲﴾ اَلصَّائِرِيْنَ اِلَى التَّقْوٰى بِامْتِثَالِ الْاَوَامِرِ وَاجْتِنَابِ النَّوَاهِىْ لِاتِّقَائِهِمْ بِذٰلِكَ النَّارَ

ترجمہ: ...... (هدیٰ بمعنی ہادی خبر ثانی ہے، ذلک مبتدا کی) یہ کتاب ایسے متقیوں کے لئے ہدایت کرنے والی ہے (جو اس کے اوامر کی اطاعت اور نواہی سے پرہیز کی طرف میلان رکھنے والے ہوں۔ اس طرح وہ نار جہنم سے بچنے کی وجہ سے متقی کہلانے کے مستحق ہوجاتے ہیں۔

ترکیب: ...... الم مبتداء ذالك خبر موصوف الکتاب اس کی صفت یا الٓمٓ مبتداء محذوف (المولف من هذه الحروف) کی خبر اول اور ذلک خبر ثانی یا بدل اور کتاب صفت ہے۔ لا نفی جنس ریب اس کا اسم اور فیه خبر یا ریب موصوف اور فیه صفت دونوں ملکر اسم اور للمتقین خبر اور هدی حال ہے یا ریب موصوف فیه صفت اور خبر محذوف ہو تو اس صورت میں فیه خبر مقدم ہوجائے گی هدی کی یا کہا جائے کہ ذلك الکتاب مبتدا لاریب فیه جملہ خبر اول اور هدی للمتقین جملہ دوسری خبر اس کے علاوہ اور بھی احتمالات ہوسکتے ہیں لیکن سب سے اچھی ترکیب یہ ہے کہ ان چاروں جملوں کو الگ الگ کرلیا جائے اور ہر بعد والے جملہ کو پہلے جملہ کی دلیل کہا جائے۔ یعنی الم پہلا جملہ اول دعویٰ ہے کہ یہ بے نظیر و بے مثل کلام ہے۔ ذالك الکتاب جملہ ثانی اس کے اعجاز کی دلیل ہے اور فی نفسہٖ دعویٰ بھی ہے "لاریب فیه" تیسرا جملہ اس دلیل کی دلیل ہے یعنی دعویٰ کمال کتاب کی دلیل ہے بشرطیکہ طبیعت انصاف پسند اور ذوق سلیم ہو، تعنت اور تعصب وعناد کی بات دوسری ہے هدی للمتقین چوتھا جملہ پھر اس نفی شک کی دلیل ہے۔ هدی یعنی هاد کہنا مبالغہ کے لئے ایسا ہے جیسے زید عادل بمعنی عادل کہہ دیا جائے یعنی وصف ہدایت میں یہ کتاب ایسی ممتاز اور سراپا ہدایت ہے کہ اس کو مجسم ہدایت مانا جائے تو بجائے "هدی" یعنی ہادی کہہ کر مفسر علامؒ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے ورنہ مصدر کا حمل مبتداء کی ذات پر لازم آئے گا جو ناجائز ہے باقی مصدر کا بمعنی اسم فاعل یا اسم مفعول آنا کلام عرب میں بکثرت شائع ذائع ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... **قرآنی تقویٰ:** .... تشریح ان آیات کی کلام بالا سے ظاہر ہے البتہ یہ شبہ بھی باقی رہ جاتا ہے کہ متقی تو خود ہدایت یافتہ کو کہتے ہیں اس کیلئے قرآن کو ہادی کہنا بے معنی تحصیل حاصل ہے۔ ایک گم کردہ راہ کیلئے کتاب سبب ہدایت ہوسکتی

ہے لیکن منزلِ تقویٰ پر پہنچنے کے بعد ہدایت کے کیا معنی، جلال محققؒ اسی وہم کے ازالہ کے لئے الصائرین الی التقوی سے تفسیر کررہے ہیں یعنی یہاں متقین سے مراد بالفعل متقی نہیں ہیں کہ شبہ وارد ہو بلکہ بالقوۃ مراد ہیں جن میں استعداد تقویٰ اور میلان تقویٰ پایا جاتا ہو۔ قرآن ان کی استعداد کو فضیلت میں لے آئے گا اور وہ بالفعل متقی ہو جائیں گے اس طرح گویا مجازاً بلکہ تفاؤلاً ان کو پہلے ہی سے متقی کہہ دیا گیا ہے۔

درجاتِ تقویٰ:............ نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہدایت اور تقویٰ دونوں کے درجات مختلف ہیں۔ ادنیٰ، اوسط، اعلیٰ، پس قرآن کی وجہ سے ہر نچلے درجہ سے جب اوپر کے درجہ پہنچے گا تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ قرآن متقی کے لئے ہادی بنا یعنی نچلے درجے کے لحاظ سے وہ متقی کہلایا اور اوپر کے درجے کے اعتبار سے اس کو ہدایت ملی مثلاً تقویٰ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کفر وشرک سے بچے اور اوسط درجہ یہ کہ ہر قسم کے چھوٹے بڑے گناہوں سے بچے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مشتبہات بلکہ مباحات اور کل ماسوی اللہ سے پرہیز کرے۔ اول عوام کا تقویٰ دوسرے خواص کا تقویٰ، تیسرے اخص الخواص کا تقویٰ غرضیکہ ہدایت اور تقویٰ دونوں کلی مشکک ہیں جن کے درجات مختلف و متفاوت ہوں اور ہر ماتحت درجہ کی ہدایت اوپر والے درجہ کے لئے ممد و معاون ہو۔ تیسری سادہ توجیہ یہ ہے کہ تقویٰ سے مراد یہاں اصطلاحی اور متعارف معنی نہ لئے جائیں بلکہ لغوی معنی خدا سے ڈرنے کے ہیں جن کا حاصل یہ ہوگا کہ قرآن کریم ان لوگوں کے لئے سبب ہدایت ہے جو خوف خدا رکھتے ہوں۔ لیکن جو شخص بادشاہ سے نہیں ڈرتا وہ قانون کا کیا احترام کرے اور قانون اس کے لئے کیا مفید ہوسکتا ہے پس حصولِ ہدایت کے لئے خشیت خداوندی ایسے ہی شرط ہے جیسے ہضم غذا کے لئے صحت معدہ۔ اگر معدہ خراب ہے تو ہزار غذائیں قوی سے قوی تر کھائیے ضعفِ معدہ اور بڑھے گا نہ کہ قوتِ معدہ لاتصالهم سے مفسرؒ علام متقی کے وجہ تسمیہ کی طرف اشارہ کررہے ہیں یعنی احکام کی پابندی اور ممنوعات سے پرہیز کی وجہ سے چونکہ وہ نار جہنم سے نجات پالے گا اس لئے اس کو متقی کہنا صحیح ہے۔ اور باعتبار نفع کے متقیوں کی تخصیص کی ہے یعنی اپنے خطاب عامہ کے لحاظ سے یہ کتاب سب کے لئے ہادی ہے لیکن نفع اس سے صرف متقی اٹھاتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ يُصَدِّقُوْنَ **بِالْغَيْبِ** بِمَاغَابَ عَنْهُمْ مِنَ الْبَعْثِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ **وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ** اَیْ يَاْتُوْنَ بِهَا بِحُقُوْقِهَا **وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ** اَعْطَيْنَا هُمْ **يُنْفِقُوْنَ** ﴿۳﴾ فِیْ طَاعَةِ اللّٰهِ

ترجمہ:...... جو ایمان لاتے ہیں (یعنی سچا سمجھتے ہیں) غیب کی ان باتوں کو (جو قیامت، جنت، جہنم وغیرہ کی ان سے پوشیدہ ہیں) اور نماز کو قائم رکھتے ہیں (یعنی پورے حقوق کے ساتھ اس کو ادا کرتے ہیں) اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے (جو ہم نے ان کو دیا) خرچ کرتے ہیں (ہمارے راستے میں)

ترکیب و تحقیق:............ الذین موصول۔ یومنون بالغیب جملہ معطوف علیہ۔ یقیمون الصلوۃ جملہ معطوف۔ اور ینفقون فعل ضمیر فاعل، ممارزقنٰھم مفعول مقدم یہ جملہ بھی معطوف۔ تینوں جملے مل کر صلہ ہوئے موصول اپنے صلہ سے مل کر متقین کی صفت بن گئی۔

ربط و شانِ نزول:............ مومنین دو طرح کے ہیں ایک جیسے ابوبکر وعمر، عثمان وعلی رضوان اللہ علیہم اجمعین، اور دوسرے مومنین اہل کتاب جیسے عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ اس آیت میں قسم اول کے مؤمنین کا بیان ہے۔

﴿ تشریح ﴾ .... **مومنین کی قسمیں**: .... تقویٰ کے دو جزو ہوتے ہیں۔ایک اچھی باتوں کو کرنا، دوسرے بری باتوں سے بچنا۔ نیز بعض باتوں کا تعلق سلطان الاعضاء قلب سے ہے اور بعض کا اعضاء وجوارح سے۔ قسم اول کو ایمان کہتے ہیں۔ اعتقادیات، نظریات، ایمانیات کا تعلق قلب سے ہوتا ہے ان فی الجسد الخ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ دوسری قسم کو اعمال کہتے ہیں خواہ وہ بدنی عبادت کے ساتھ ہوں یا مالی عبادت کے ساتھ یقیمون الصلوٰۃ بدنی عبادت اور ومما رزقنٰھم ینفقون سے مالی عبادات مراد ہیں۔ اس طرح یہ متقین گویا قوت نظریہ اور قوت عملیہ دونوں کی تکمیل کرتے ہیں۔ عقائد کی تصحیح کا نام علم کلام اور تصحیح اعمال کا باب فقہ کہلاتا ہے۔ تزکیۂ نفس وتصفیۂ باطن میں علم الاخلاق جس کو تصوف واحسان کہتے ہیں اعلیٰ درجہ کا متقی ان تینوں کا جامع ہوگا۔

ایمان بالغیب: .... ایمان دو طرح کا ہوتا ہے ایک ایمان اجمالی جیسا کہ آیت ذیل میں مراد ہے یعنی جمیع ما جاء به النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر دینا اور دوسرے ایمان تفصیلی کہ تمام جزئیات کی الگ الگ تفصیلی تصدیق کرنا۔ بہر حال ایمان صرف سچا جاننے کو نہیں بلکہ سچا ماننے اور سمجھنے کو کہتے ہیں ایمان ایک علیحدہ چیز ہے اور عمل کرنا ایک دوسری بات ہے اور ایمان بالغیب یہ ہے کہ عقل وحواس سے پوشیدہ اور مخفی باتوں کو محض اللہ اور رسول ﷺ کے فرمانے کی وجہ سے صحیح مان لینا۔ غیب کے معنی دل کے بھی آتے ہیں کیونکہ وہ بھی غائب ہوتا ہے۔ غیب کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ہماری نگاہوں کے سامنے نہ ہو آنکھوں سے غائب ہو جیسے عالم ارواح، عہد الست، خطاب حق، ملائکہ۔ دوسرے یہ کہ وہ خود تو حاضر ہوگا مگر ہم غائب ہوں جیسے غیب الغیب یعنی حضرت حق جل مجدہ، یا یوں کہا جائے کہ ایک غائب وہ ہے کہ جس پر دلائل موجود ہوں جیسے اللہ کی ذات وصفات نبوت وشرائع۔ دوسرے وہ غیب کہ اس پر کوئی دلیل نہ ہو جیسے آیت کریمہ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو میں یہی دوسری قسم مراد ہے۔

ایمان بالغیب کی فضیلت: .... بہر حال کسی بات کو دیکھ کر یا سمجھ کر ماننا اتنا زیادہ قابل تعریف کام نہیں جتنا کہ محض کسی کے فرمانے سے ماننا عمدہ ہے کیونکہ اول صورت میں تو ایک درجہ میں اپنی آنکھ یا سمجھ پر بھروسہ کرنا ہوا، خالص رسول ﷺ پر ایمان لانا تو یہ ہے کہ صرف اس کے کہنے سے مان لے کسی اور چیز کا انتظار نہ کرے۔

(۱) چنانچہ طبرانیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک بار سفر میں قافلہ کے لئے پینے کا پانی تک ختم ہو گیا تھا تلاش کیا تو صرف ایک برتن میں قدرے پانی نکلا۔ آپ ﷺ نے اس میں اپنی انگلیاں ڈال دیں جن کی برکت سے وہ پانی فوارہ کی طرح جوش مارنے لگا اور تمام مجمع کی جملہ ضروریات کے لئے کافی ہو گیا جن کی تعداد سینکڑوں تھی۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے دریافت فرمایا کہ سب سے زیادہ ایمان کن لوگوں کا عجیب تر ہے؟ عرض کیا فرشتوں کا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے اللہ کی بارگاہ میں حاضر رہتے ہیں ان کے احکام کی تعمیل میں لگتے رہتے ہیں وہ کیسے ایمان نہیں لائیں گے۔ عرض کیا پھر آپؐ کے اصحابؓ کا ایمان عجیب تر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اصحابؓ بھی سینکڑوں معجزات خوارق دیکھتے رہتے ہیں ان کے ایمان میں کیا تعجب ہے؟ پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ قابل تعجب ان لوگوں کا ایمان ہوگا جنہوں نے مجھ کو نہیں دیکھا۔ وہ میرے بعد آئیں گے لیکن میرا نام سن کر صدق دل سے مجھ پر ایمان لائیں گے، وہ میرے بھائی ہیں اور تم میرے اصحابؓ۔

(۲) حارث بن قیسؒ ایک تابعی نے ایک صحابیؓ سے عرض کیا کہ افسوس ہم رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے محروم رہ گئے۔ عبداللہ ابن مسعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ یہ صحیح ہے کہ تم اس خاص شرف سے محروم ہو گئے مگر ایک بڑی نعمت تم کو یہ حاصل ہوگئی کہ تم بغیر دیکھے رسول

اللہ ﷺ پر ایمان لا رہے ہو۔ جس نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا اس پر ہزار دلائل سے آپ ﷺ کی نبوت روشن ہوگئی۔ پھر بھی وہ ایمان نہیں لائے گا تو کیا کرے گا؟ ایمان تمہارا ہے کہ بلا دیکھے ایمان لائے ہو۔

(۳) ابوداؤدؒ کی روایت ہے کہ ایک شخص عبداللہ ابن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟ اور اپنی زبان سے آپ ﷺ کے ساتھ بات کی ہے؟ اور اپنے ہاتھوں سے آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی ہے؟ انہوں نے سب باتوں کے جواب میں فرمایا: ہاں۔ یہ سن کر وہ زارزار رونے لگا اور اس پر ایک حالتِ وجد طاری ہوگئی۔ عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا میں تم کو ایک خوشخبری سناتا ہوں جو آنحضرت ﷺ سے میں نے سنی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مجھ کو دیکھ کر ایمان قبول کیا اس کے لئے خوشحالی ہے اور جو بلا دیکھے مجھ پر ایمان لایا اس کے لئے بہت زیادہ خوشحالی ہے۔ ان آثار وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان بالغیب کی بڑی قدر وقیمت ہے۔

حقیقی نماز:............ اعمال کے سلسلے میں "یؤدون الصلوٰۃ" کی بجائے "یقیمون الصلوٰۃ" ارشاد ہے۔ جلال محققؒ اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ محض اداء نماز مراد نہیں ہے بلکہ تمام شرائط ظاہری اور باطنی آداب کے ساتھ بجالانا مراد ہے، جس میں نظیر کامل سنن مستحبات کی تکمیل، باطنی آداب، خشوع وخضوع، حضور واخلاص سب موجود ہوں۔ جو نماز ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشآء والمنکر اور الصلوٰۃ معراج المؤمنین کا مصداق ہو بے حقیقت وبے روح جس کو صورتِ نماز کہنا چاہئے مراد نہیں ہے اس پر فویل للمصلین الخ کی وعید موجود ہے۔

زکوٰۃ کی حقیقت:............ انسان چونکہ بالطبع بخیل ہوتا ہے۔ اپنے گاڑھے خون پسینہ کی کمائی کا ایک پیسہ بھی کسی کو دینا گوارا نہیں کرتا۔ چمڑی چلی جائے، پر دمڑی پر آنچ نہ آئے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے انفاقِ مالی کا عنوان ایسا دلنشین رکھا جس سے یہ قربانی آسان ہو جائے یعنی یہ کہ ہمارا ہی دیا ہوا مال جس کے انفاق کا حکم دیا جارہا ہے، ماں کے پیٹ سے انسان ننگ دھڑنگ ہاتھ خالی آتا ہے، لیکن اگر کسب پر گھمنڈ ہے تو قوائے کسب بھی تو ہمارے ہی دیئے ہوئے ہیں، پھر یہ زعم کیسا؟ سارا مال بھی ہم طلب کر لیتے تو بجا تھا۔

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

ٹیکس مشکل ہے یا زکوٰۃ:............ لیکن ایک خاص قسم کے تجارتی مال میں سے اور وہ بھی جبکہ تمام ضروریات سے سال بھر بچا رہے ایک خاص مقدار کے بعد ڈھائی روپے فی سینکڑہ لیتے ہیں جو حکومتوں کے آئے دن ٹیکسوں کے مقابلہ میں نہایت معمولی مقدار ہے۔ غرضیکہ اس عنوان میں سہولت بھی پیشِ نظر ہے اور اعتدالِ انفاق کی تعلیم دینا بھی ہے کہ نیک کام میں خرچ کرو، فضولیات اور نام و نمود کے مواقع پر خرچ نہ کرو اور اتنا خرچ نہ کر ڈالو کہ کل کو خود محتاج ہو کر مانگنے بیٹھ جاؤ۔ یہ دونوں نکتے من تبعیضیہ سے سمجھ میں آگئے۔ عوام مؤمنین چالیس روپے میں سے صرف ایک روپیہ زکوٰۃ دیتے ہیں اور خواص چالیس میں سے ایک خود رکھتے ہیں اور باقی انتالیس صدقہ کر دیتے ہیں مگر خواص الخواص جان و مال سب فی سبیل اللہ وقف کر دیتے ہیں ان کے نزدیک من تبعیضیہ نہیں بلکہ بیانیہ ہے۔

زکوٰۃ علمی:............ اسی طرح مما رزقنھم کے عموم میں علم ظاہر وباطن کے افاضہ اور فیض رسانی کو بھی داخل کیا ہے یعنی ایک عالم اور شیخ کو بھی دولتِ علم وباطن کی خیرات طالبین پر تقسیم کرنی چاہئے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ اَىِ الْقُرْاٰن **وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ** اَىِ التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَغَيْرِهِمَا **وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ** ﴿۴﴾ يَعْلَمُوْنَ **اُولٰٓئِكَ** اَلْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَاذُكِرَ **عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** ﴿۵﴾ اَلْفَائِزُوْنَ بِالْجَنَّةِ النَّاجُوْنَ مِنَ النَّارِ

ترجمہ: .... اور جو لوگ ایمان و یقین رکھتے ہیں آپ ﷺ پر نازل کردہ (قرآن) اور آپ ﷺ سے پہلے (توراۃ وانجیل وغیرہ) نازل شدہ کتابوں پر اور یہی لوگ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں (یعنی ان کو اس کا علم الیقین ہے) یہ لوگ (جن کا ذکر ہوا) اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ پوری طرح کامیاب ہیں (یعنی جنت بکنار اور بری عن النار)

ترکیب وتحقیق: ...... الذین موصول ثانی۔ ما انزل الیک معطوف علیہ۔ ما انزل من قبلک معطوف۔ دونوں مل کر یومنون کا مفعول ہوئے۔ یہ پورا جملہ ہو کر صلہ ہوا اور پہلے الذین پر عطف ہو گیا۔ اولئک مبتدا، اور علی هدیً من ربهم ظرف لغو خبر ہے۔ اسی طرح اولئک ثانی مبتداء ثانی۔ هم المفلحون اس کی خبر۔ دونوں جملے معطوف ہو گئے۔

ربط: .... یہاں سے مؤمنین اہل کتاب جیسے عبداللہؓ بن سلام کا ذکر ہو رہا ہے جو پہلی کتابوں اور نبی پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی دعوت حق کو بھی قبول کیا۔

﴿تشریح﴾: ...... **انبیاءؑ کی تصدیق:** .... آپ ﷺ پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے وہ وحی متلو (قرآن) ہو یا وحی غیر متلو (حدیث) ہو یا اُن سے استنباط کئے ہوئے احکام فقہیہ وشرعیہ ایک مسلمان کیلئے جس طرح ان سب کا ماننا ضروری ہے اسی طرح یہ یقین رکھنا کہ اپنے اپنے وقت میں جس قدر انبیاءؑ ہدایات وتعلیمات لیکر دنیا میں آئے وہ سب اپنی جگہ سچ اور صحیح تھے بعد میں جو کچھ لوگوں نے اس میں آمیزش کر دی وہ یقیناً غلط اور نادرست ہے۔ تا آنکہ اللہ نے ان وقتی، ہنگامی اور محدود احکام کو ختم کر کے ایک پائیدار، دوامی بلکہ بین الاقوامی قانون (قرآن) دے کر آنحضرت ﷺ کو دنیا میں بھیجا ہے اور ہم کو صرف آپ ﷺ کی اتباع، اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم دیا ہے۔ یہ اسلامی تعلیم کا نچوڑ ہے بہرحال اسلام میں داخل ہونے کے لئے جس طرح آنحضرت ﷺ کی تصدیق ضروری ہے اسی طرح پچھلے تمام ادیان وانبیاء کی تصدیق لازمی اور ضروری ہے کیونکہ تمام انبیاءؑ کا مشن ایک ہی ہوتا ہے اس لئے ایک نبیؑ کی تکذیب دوسرے انبیاءؑ کی تکذیب کے مرادف ہوگی جو خلاف حق ہے۔ مذہب اسلام کی یہ امتیازی خوبی ہے کہ اس کی بنیاد سب کو ماننے پر ہے کسی کی تکذیب وتردید پر نہیں لا نفرق بین احد من رسله برخلاف یہود ونصاریٰ کے، کہ وہ ایک دوسرے کی باہمی تکذیب، تردید بلکہ تکفیر کر کے یہودی یا نصرانی بنتے ہیں۔ وقالت الیهود لیست النصاری علیٰ شئ الخ

دو (۲) نکتے: .... لیکن یہاں دو نکتے پیش نظر رکھنے چاہئیں ...... یہ کہ کتب سابقہ کی تصدیق سے مراد اصلی اور غیر محرف کتابیں ہیں۔ رد وبدل اور تحریف ہونیکے بعد تو وہ دراصل کلام الٰہی ہی نہیں رہیں۔ دوسرے صرف اعتقاد حقیقت کی حد تک یقین رکھنا مقصود ہے۔ عمل درآمد یا اتباع کرانا منظور نہیں ہے کہ وہ صرف مخصوص ہے آنحضرت ﷺ کے ساتھ۔ علیٰ ہذا فقہیات اور سلسلۂ تصوف میں دوسرے سلاسل مشائخ اور ائمہ ہدیٰ کو بھی برحق اور ہدایت وصواب پر سمجھنا چاہئے بشرطیکہ وہ اصل طریق سنت واحسان پر ہوں۔ البتہ اتباع واطاعت صرف اپنے امام اور شیخ کی ہونی چاہئے۔ ہاں اگر مشائخ وعلماء ہوائے نفس، رسوم وبدعات میں مبتلا ہوں تو ان کی تصدیق و

اعتقادِ حقیقت لازم ہے اور نہ اتباع، دلیل اس تمام تقریر کی صحت کی فاروقِ اعظمؓ کی قرأت تو راۃ پر آنحضرت ﷺ کا اظہار ناخوشی ہے۔

متقین کی کھلی پہچان: .... تقویٰ کی خاطر نظری، علمی، جامع مانع تعریف کرنے کے بجائے آسان اور سادہ طریق یہ اختیار کیا کہ اس کے مصداقات بتلائے اور اس کو محسوس کر کے دکھلایا کہ جن میں یہ اوصاف پائے جاتے ہوں وہ متقی ہیں۔ نیز لفظ عـلـیٰ سے ان کے ہدایت پر قابو یافتہ ہونے کو اور مستقیم رہنے کو بتلا دیا کہ جس طرح سوار سواری پر قابو یافتہ ہو جاتا ہے اسی طرح انہوں نے ہدایت کو بمنزلہ اپنی سواری کے کرلیا ہو اس میں ان کے استقلال واستقامت وتمکین کی طرف اشارہ ہے یعنی ہدایت کا اتباع کرتے کرتے وہ اب مدارِ حق اور معیارِ ہدایت ہو گئے۔ ہدایت کی باگ دوڑ جدھر وہ پھیر دیتے ہیں حق اس طرف دائر ہو جاتا ہے۔

معتزلہ کا رد: .... بالاٰخرۃ ھم یوقنون اور ھم المفلحون میں ضمیر فعل سے انحصار کمالِ ہدایت وفلاح کا بتلانا ہے نہ کہ مطلق ہدایت وفلاح کا یعنی یہ کامل الفلاح والیقین ہیں اس لئے ان الفاظ سے معتزلہ کا اپنے مسلک پر استدلال کرنا بجا ہے کہ فلاح و ہدایت صرف ان حضرات کے لئے مخصوص ہے۔ مومن عاصی یا مرتکبِ گناہ اس سے خارج اور مستحقِ جہنم ہے بات یہ ہے کہ یہاں مطلق فلاح کا انحصار بیان کرنا نہیں ہے جس کے دو (۲) فرد ہوتے ہیں (۱) کامل (مؤمن غیر عاصی) اور (۲) ناقص (مؤمن عاصی) بلکہ فلاح مطلق یعنی کمال فلاح کا انحصار کرنا ہے۔ پس مؤمن عاصی کمالِ فلاح سے البتہ خارج اور محروم رہے گا۔ مگر مطلق فلاح کا فرد ناقص پھر بھی رہے گا اور یہی مسلک اہلِ سنت ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَاَبِىْ جَهْلٍ وَاَبِىْ لَهَبٍ وَنَحْوِهِمَا **سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَ اَنْذَرْتَهُمْ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰى وَتَرْكِهٖ **اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾** لِعِلْمِ اللّٰهِ مِنْهُم ذٰلِكَ فَلَا تَطْمَعْ فِىْ اِيْمَانِهِمْ وَالْاِنْذَارُ اِعْلَامٌ مَعَ تَخْوِيْفٍ

ترجمہ: .... بلاشبہ جو لوگ کافر ہو چکے ہیں (جیسے ابوجہل وابولہب وغیرہ) ان کے حق میں یہ بات برابر ہے کہ آپ ﷺ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں (لفظ ء انــذرتھــم میں پانچ قرأتیں اس طرح پر ہیں (۱) تحقیق ہمزتین بلاتوسط الف کے (۲) تحقیق ہمزتین مع توسط الف (۳) تسہیل بلاتوسط الف (۴) تسہیل مع توسط الف (۵) ہمزۂ ثانیہ کو الف کے ساتھ بدل دینا) وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (کیونکہ اللہ کو ان کی اس حالت کا علم ہے اس لئے آپ ﷺ ان کے ایمان کی طمع اور امید نہ رکھئے۔ انذار کے معنی ڈرانے اور خوفناک اطلاع کے ہیں)۔

ترکیب وتحقیق: .... ان حروف مشبہ بالفعل۔ الـذین موصول، کـفـر واصلہ، دونوں ملکر اسم، سوا بمعنی استواء مصدر مابعد مرفوع فاعل یہ سب مل کر انّ کی خبر، تقدیر کلام اس طرح ہوگی ان الـذیـن کـفـروا مستوی عـلـیـھـم انذارک وعدمہ اور لا یومنون بیان ہے اور وادخال میں واوٴ بمعنی مع ہے یعنی تسہیل ہمزۂ ثانیہ کی مع...... توسط الف کے وترکہ کی ضمیر تسہیل کی طرف راجع ہے یعنی ترکِ تسہیل کرنا۔

ربط: .... اب تک ان دو قسم کے حضرات کا بیان تھا جو زبان ودل سے قرآن اور دین کو مانتے ہیں۔ اہل کتاب ہوں یا غیر اہل کتاب اب آگے ان مخالفین کا بیان ہے جو زبان ودل دونوں سے اعلانیہ انکار کرتے ہیں جن کو کافر مجاہر کہا جاتا ہے وبضدھا تتبین الاشیاء

﴿تشریح﴾ ...... **ایک اشکال اوراس کا جواب**: .... جلال محققؒ **کـابـی جهل** ...... الخ کہہ کرایک شبہ کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ شبہ یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ تبلیغ دین کے بعد بہت سے کافر ایمان لے آتے ہیں، بلکہ تمام تر صحابہؓ آپ ﷺ کی تبلیغ کے بعد ہی ایمان لائے ہیں پھر یہ فرمانا کیسے صحیح ہے کہ آپ ﷺ ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ ایمان نہیں لائیں گے؟ حاصل جواب یہ ہے کہ اس سے مراد کافر نہیں ہیں بلکہ مخصوص اور معہود وہ کافر مراد ہیں جن کے لئے علم الٰہی میں طے ہے کہ یہ آخر تک ایمان نہیں لائیں گے۔ بلکہ کفر ہی پر جمے رہیں گے جیسے ابولہب وابوجہل وغیرہ۔ نیز **سواء علیهم** کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اب ان کو احکام سنانے اور تبلیغ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ تو آپ ﷺ کا فرض منصبی ہے چنانچہ اس کے بعد بھی آپ ﷺ نے تبلیغ موقوف نہیں فرمائی مفسر علامؒ اسی کے ازالہ کی طرف **فـلا تـطـمـع** سے اشارہ کررہے ہیں۔ یعنی ترک تبلیغ مقصود نہیں بلکہ ان سے توقع اور امید نہ رکھنے کو کہا جارہا ہے کیونکہ رنج وغم کا حاصل خلاف امید چیز کا پیش آنا ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے قلوب چونکہ شفقت ورحمت سے لبریز ہوتے ہیں وہ اگر غایت محبت و شفقت میں کسی سے ایمان کی امید قائم کرلیں تو پھر اس کا خلاف ہونے سے کس قدر عظیم اور ناقابل برداشت صدمہ ان کو ہوتا ہوگا اس لئے یہاں اعتدال فی التبلیغ کی تعلیم دینا ہے۔

تبلیغ کا فائدہ: .... مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب ان کو تبلیغ بھی نہ کیجئے اور آپ ﷺ کے لئے تبلیغ کرنا بے فائدہ، بے کار اور عبث فعل ہے کیونکہ فعلِ عبث اس وقت کہا جائے گا جبکہ اس میں کسی قسم کا فائدہ نہ ہو۔ حالانکہ آپ ﷺ کے لئے اجر وثواب کا فائدہ برابر اور ہمیشہ کے لئے ہے اسی لئے **سواء علیهم** فرمایا گیا ہے۔ **سواءٌ علیک** نہیں فرمایا گیا حاصل یہ ہے کہ تبلیغ آپ ﷺ کے حق میں مفید ہے مگر ان کے لئے بیکار ہے۔

بے ایمانی کا الزام خدا پر نہیں بندوں پر ہے: .... **لایـؤمـنـون** پر یہ شبہ نہیں کرنا چاہئے کہ جب اللہ ہی نے ان کے ایمان نہ لانے کا فرمادیا ہے تو اس کی خبر کے خلاف ہونا چونکہ ناممکن ہے۔ اس لئے ایمان نہ لانے میں اب ان کو معذور سمجھنا چاہئے اور ان پر کچھ الزام نہیں ہے سو حقیقت یہ ہے کہ یہ فرمانا ایسا ہی ہے جیسے کوئی ڈاکٹر کسی خطرناک مریض کو دیکھ کر اس کے مرنے کی پیشن گوئی کردے اور وہ مریض اس کے کہنے کے مطابق مرجائے تو اس سے ڈاکٹر پر کوئی الزام نہیں آئے گا، یہ نہیں کہا جائے گا کہ ڈاکٹر کے کہنے سے وہ مرگیا، اگر نہ کہتا تو نہ مرتا بلکہ کہا یہی جائے گا کہ خود ڈاکٹر کا یہ کہنا مریض کی حالت کے پیش نظر تھا جو صحیح نکلا۔ اسی طرح یہاں اللہ کے علم وخبر کو ان کی بے ایمانی اور بدحالی کا سبب نہیں کہا جائے گا بلکہ خود ان کی حرکات ناشائستہ اور بدعملی وبے ایمانی کو اللہ کی خبر کا سبب قرار دیا جائے گا یعنی ان کی بدحالی کا اندازہ کرکے اللہ نے یہ خبر دی تھی جو صحیح نکلی۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ طَبَعَ عَلَيْهَا وَاسْتَوْثَقَ فَلَايَدْخُلُهَا خَيْرٌ **وَعَلٰى سَمْعِهِمْ** ؕ اَیْ مَوَاضِعِهٖ فَلَايَنْتَفِعُوْنَ بِمَا يَسْمَعُوْنَهٗ مِنَ الْحَقِّ **وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ** غِطَاءٌ فَلَايُبْصِرُوْنَ الْحَقَّ **وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ** ﴿۷﴾ قَوِیٌّ دَائِمٌ

ترجمہ: .... بند لگادیا ہے خدا نے ان کے دلوں پر (یعنی مہر لگا کر مضبوط کردیا کہ اب اس میں کوئی خیر داخل نہیں ہوسکتی) اور ان کے کانوں پر (کہ حق بات سن کر اس سے نفع نہیں اٹھا سکتے ہیں) اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے (کہ حق کو نہیں دیکھ سکتے ہیں) اور ان کے لئے ایسا دردناک عذاب ہوگا (جو قوی بھی ہوگا اور ہمیشہ رہے گا)۔

ترکیب وتحقیق: .... ختم۔ فعل۔ اللہ فاعل، **علی قلوبھم** معطوف علیہ **علی سمعھم** معطوف، دونوں ملکر مجرور، جار مجرور ملکر ختم کے متعلق پورا جملہ فعلیہ ہوا۔ **غشاوۃ** مبتداء، موخر۔ **علی ابصارھم** ظرف خبر جملہ اسمیہ معطوفہ ہوگیا۔ **عذاب** موصوف **عظیم** صفت دونوں ملکر مبتداء موخر **لھم** خبر مقدم ملکر جملہ اسمیہ ہوا۔

ختم بمعنی کتم، کہیں تو **بل طبع اللہ علیھا** فرمایا اور کہیں **کلا بل ران** فرمایا اس کی اسناد اللہ کی طرف حقیقی ہے لیکن اس کے معنی مجازی مراد ہیں۔ واقعی طور پر ان کے قلوب اور کانوں پر مہر اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا نہیں ہے، جیسا کہ اہل ظاہر کا خیال ہے بلکہ مجازاً خیر کا نہ داخل ہونا اور اس کی بندش مراد ہے۔ قلوب قلب کی جمع ہے بمعنی لوٹ پوٹ ہونا۔ دل بھی چونکہ الٹا لٹکا ہوتا ہے اور متحرک رہتا ہے اس لئے دل کے معنی ہو گئے لیکن اس سے مراد یہاں مضغہ گوشت اور جسم صنوبری نہیں ہے کہ وہ تمام جانوروں میں بھی ہوتا ہے بلکہ قوت عاقلہ لطیفۂ ربانی مراد ہے۔ جو گوشت کے ٹکڑہ سے اس طرح وابستہ ہوتا ہے جیسے آگ کوئلہ کے ساتھ، قلوب کفار کو شئے مختوم کے ساتھ تشبیہ دینے سے استعارہ بالکنایہ ہو گیا **علی سمعھم** کے معنی مفسر علامؒ نے ای **مواضعہ** نکال کر اشارہ کیا کہ ختم کی اسناد سمع کی طرف بتقدیر المضاف ہے یعنی موضع سمع کی طرف ہے اگر چہ سمع کے معنی سننے اور کان دونوں کے آتے ہیں البتہ قلوب اور ابصار کو جمع اور سمع کو مفرد لانا اس کی کئی توجیہات ہو سکتی ہیں ایک توجیہ وہ ہے جس کی طرف مفسر علامؒ لفظ مواضعہ سے اشارہ کر رہے ہیں یعنی یہ مصدر ہے **لا یثنی و لا یجمع** اور بتقدیر المضاف ہے ای مواضع السمع، غشاوۃ میں بھی مجاز اور استعارہ اختیار کیا گیا ہے۔ **عذاب** کہتے ہیں کسی جاندار کو تذلیل وتحقیر کے لئے تکلیف پہنچانا اس لئے معصوم بچوں اور جانوروں کے مبتلائے آلام ہونے کو عذاب نہیں کہا جائے گا۔ **عظیم** کیفت کی شدت کے لئے آتا ہے۔ اس کی ضد حقیر ہے اور کمیت کی زیادتی کے لئے کبیر اور **صغیر** متقابل آتے ہیں۔ لیکن عظیم میں کبیر سے زیادہ مبالغہ ہے جیسا کہ حقیر میں بمقابلہ صغیر زیادہ مبالغہ ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **خدائی مُہر:** .... یہ آیت بھی پہلے جملہ **لا یؤمنون** کی تاکید ہے یعنی ایمان لانے کی ان سے بالکل امید نہ رکھیئے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر اور آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور یہی تین ذرائع علم ہیں۔ قلب تو اصل محل علم و ادراک ہے کان نقلی علوم کا ذریعہ ہیں اور آنکھ سے انسان مشاہدات کرتا ہے لیکن جب کسی کے یہ تینوں ذرائع ماؤف ہو جائیں تو اس کی ہدایت کی کیا امید ہو سکتی ہے یہاں بھی ان اعضاء کو ماؤف کرنے کی نسبت خدا نے اپنی طرف کی ہے جو حقیقی ہے یعنی ان ذرائع واسباب گمراہی کی پیدائش خدا کی طرف سے ہے۔ کسب کے اعتبار سے ذمہ دار اگر چہ بندہ ہے اس لئے جبریہ اور معتزلہ کے لئے اب اس شبہ کی گنجائش نہیں کہ جب اللہ نے ان اعضاء کو ماؤف کر دیا تو بندہ کو معذور سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ مقصد یہ ہے کہ باعتبار خود انہوں نے شرارت عناد وفساد کر کے اپنی تمام صلاحیت واستعداد بالکلیہ برباد کر لی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر مثل نقطہ ایک سیاہ نشان پڑ جاتا ہے اگر اس نے توبہ نہیں کی یا برابر گناہ کرتا رہا تو وہ نشان بڑھتا اور پھیلتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ گناہوں کے اثر سے قلب بالکل زنگ آلود ہو جاتا ہے اور اس میں اچھے اور برے کی تمیز اور احساس نہیں رہتا اور جب احساس زیاں ہی نہ رہا تو ندامت وتوبہ کیسی؟

نیکی اور بدی کا فلسفہ: .... اس سے معلوم ہوا کہ ادویہ اور غذاؤں کی طرح نیکی اور بدی کے اثرات ہوتے ہیں جو ارباب باطن کو باطنی آنکھوں سے مشاہد ومحسوس ہوتے ہیں چونکہ سب چیزوں کا پیدا کرنے والا اللہ ہے اس لئے ختم کی نسبت بھی اپنی طرف کر دی لیکن اس سے کسی طرح بندہ ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ اللہ نے تو ہدایت وگمراہی اور اس کے اسباب پیدا کر دیئے ہیں اور

بندہ کو اختیار تمیزی دے دیا ہے وہ اپنا اختیار وارادہ سے جس راہ کو اختیار کرے گا اسی کا ذمہ دار ہوگا۔ جانوروں میں یا چھوٹے بچوں اور بے عقل لوگوں میں چونکہ اتنا شعور نہیں ہوسکتا کہ ان کو مکلّف بنایا جائے اس لئے وہ اس ذمہ داری سے مستثنٰی ہوتے ہیں۔ رہا یہ کہنا کہ جس طرح کسی برائی کو کرنا برا ہے اسی طرح برائی کو پیدا کرنا بھی برا ہونا چاہئے صحیح نہیں ہے کیونکہ برائیوں کے کرنے میں کوئی معتد بہ مصلحت واقعیہ نہیں ہے بخلاف برائی کی پیدائش کے کہ اس میں ہزار ہا مصالح ہیں جو اگر چہ ہم کو معلوم نہ ہوں لیکن جب اس کے خالق کو ہم حکیم مطلق مانتے ہیں اور **فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ** مسلمہ اصول ہے تو ایک ہی چیز کی پیدائش اچھی اور اس کا استعمال البتہ برا سمجھا جائے گا جس طرح شہد وتریاق کو پیدا کرنا ضروری ہے اسی طرح سانپ، بچھو، زہر ہلاہل کی پیدائش مجموعۂ عالم کے لئے ضروری ہے لیکن سانپ بچھو زہر کے بے موقعہ استعمال سے جو ہلاکت واقع ہوگی اس کو کوئی سمجھدار عاقل اچھا نہیں کہے گا۔

شبہات کا ازالہ: .... اسی طرح ایک شبہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بندہ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ اس کام کو پیدا کر دیتا ہے اس سے واقعی اللہ پر تو کوئی الزام نہیں لیکن اس کام کے ساتھ جو ارادۂ خداوندی کا تعلق ہو وہ بندہ کے ارادہ پر موقوف نہیں بلکہ خود بندہ کا ارادہ اللہ کے ارادہ کے تابع ہے اس لئے پھر ذمہ داری بندہ سے نکل کر خدا پر آ جاتی ہے۔ اس کا جواب وہی ہے کہ اللہ کا ارادہ چونکہ ہزاروں مصالح اور حکمتوں پر مشتمل ہے اس لئے مستحسن ہے اور بندہ کا ارادہ کسی مصلحت واقعیہ پر مبنی نہیں اس لئے قابل ملامت ہے، اس پر یہ شبہ رہ جاتا ہے کہ اس سے ارادۂ خداوندی کا قابل تعریف ہونا تو معلوم ہو گیا مگر ساتھ ہی بندہ کا مجبور بالارادۂ خداوندی ہونا بھی ثابت ہو گیا جو جبریہ کا مذہب ہے نہ کہ اہل سنت کا سو کہا جائے گا کہ ارادۂ خداوندی علی الاطلاق بندہ کے ارادے سے وابستہ نہیں ہے کہ بندہ کا مجبور ہونا لازم آ جائے بلکہ اس تقدیر پر ارادۂ خداوندی ہوتا ہے کہ بندہ اس کام کو باختیار خود کرے گا۔ اس سے تو بندہ کے اختیار وارادہ اور زیادہ تحقق وتاکد ہو گیا نہ کہ نفی۔ بالکل اسی طرح اللہ کا ارادہ اپنے ارادہ سے وابستہ ہوتا ہے تو اس سے اللہ کے ارادہ کی نفی یا اس کا مجبور ہونا لازم نہیں آتا بلکہ اور زیادہ صاحب اختیار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ تحقیق کی اس مقام پر گنجائش نہیں ہے، بہتر اور اسلم راستہ اس جبر وقدر، خلق وکسب کی خار دار وادی کے قطع کرنے کا یہ ہے کہ اللہ کو مالکِ مطلق سمجھے اور مالک کو اپنے مملوک میں ہر طرح تصرف کا حق ہوتا ہے کہ کسی کو مجالِ انکار یا اعتراض نہیں ہوسکتی **لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون**۔

وَنَزَلَ فِی الْمُنَافِقِیْنَ **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ** اَیْ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ لِاَنَّہٗ اٰخِرُ الْاَیَّامِ **وَمَاھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ﴿۸﴾** رُوْعِیَ فِیْہِ مَعْنَی مَنْ وَفِیْ ضَمِیْرِ یَقُوْلُ لَفْظُھَا **یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** بِاِظْھَارِ خِلَافِ مَا اَبْطَنُوْہُ مِنَ الْکُفْرِ لِیَدْفَعُوْا عَنْھُمْ اَحْکَامَہُ الدُّنْیَوِیَّۃَ **وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ** لِاَنَّ وَبَالَ خِدَاعِھِمْ رَاجِعٌ اِلَیْھِمْ فَیَفْتَضِحُوْنَ فِی الدُّنْیَا بِاِطِّلَاعِ اللّٰہِ نَبِیَّہٗ عَلٰی مَا اَبْطَنُوْہُ وَیُعَاقَبُوْنَ فِی الْاٰخِرَۃِ **وَمَا یَشْعُرُوْنَ﴿۹﴾** یَعْلَمُوْنَ اَنَّ خِدَاعَھُمْ لِاَنْفُسِھِمْ وَالْمُخَادَعَۃُ ھُنَا مِنْ وَاحِدٍ کَعَاقَبْتُ اللِّصَّ وَذِکْرُ اللّٰہِ فِیْھَا تَحْسِیْنٌ وَفِیْ قِرَاءَۃٍ وَمَا یَخْدَعُوْنَ

ترجمہ: .... (اور یہ آیات منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں) اور بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن (یعنی قیامت پر کہ وہ دنوں میں آخری دن ہے) حالانکہ وہ بالکل ایمان نہیں لائے ہیں (صیغہ مومنین کے جمع لاتے میں لفظ مَنْ کے معنی کی رعایت کی ہے اور یقول کی ضمیر مفرد لانے میں من کی لفظی حیثیت کی رعایت کی گئی ہے) یہ لوگ اللہ اور مسلمانوں سے

چال بازی کرتے ہیں (اپنے باطنی کفر کے خلاف ظاہر کر کے تاکہ کفر کی دنیاوی پاداش سے محفوظ رہ سکیں) اور واقع میں کسی کے ساتھ بھی چال بازی نہیں کرتے بجز اپنے نفسوں کے (اس لئے کہ اس چالاکی کا وبال بالآخر ان ہی کی طرف لوٹے گا چنانچہ دنیا میں تو اس طرح ذلیل ہوں گے کہ اللہ کے نبی ﷺ ان کی باطنی خباثتوں سے آگاہ کر دیں گے اور آخرت میں سزایاب ہوں گے) اور اس کا شعور اور علم نہیں رکھتے (کہ ان کی چالاکی ان ہی پر اثر انداز ہو رہی ہے اور لفظ مخادعت (باب مفاعلت) اس مقام پر ایک جانب سے مراد ہے جیسے بولتے ہیں عاقبت اللص (میں نے چور کو سزا دی) اور لفظ اللہ کا تذکرہ اس مقام پر صرف تحسین کلام کے لئے ہے۔ دوسری قرأت میں لفظ ومایخادعون ہے۔

ترکیب و تحقیق: ....من موصوف۔ یقول آمنا باللہ جملہ ہو کر صفت و من الناس متعلق ہو کر رافع ہے من کا تقدیر کلام اس طرح ہے ومن الناس ناس۔ پورا جملہ ہو کر پہلے جملہ الذین پر عطف ہوا یا ان الذین کفروا پر عطف ہوا اور من موصول بھی ہو سکتا ہے، ما کا اسم اور بمؤمنین خبر ہے من لفظاً مفرد ہے لیکن معناً مفرد، تثنیہ، جمع سب پر اطلاق ہو سکتا ہے۔ مفسر علام نے مومنین کے صیغہ جمع اور یقول کے مفرد لانے کو یہی کہہ کر حل کیا ہے کہ من میں دونوں باتوں کی گنجائش ہے اس کی لفظی حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئے یقول مفرد لایا گیا اور معنوی جمع کا لحاظ کرتے ہوئے مومنین، ھم، آمنا، جموع استعمال کی گئیں، بعض کے نزدیک من یقول امنا مبتدا ہے اور من الناس اس کی خبر ہے یخادعون اللہ یہ بدل الاشتمال ہے، شعور، ادراک اور علم قریب المعنی الفاظ ہیں اس لئے یشعرون کا ترجمہ مفسر علامؒ نے یعلمون کے ساتھ کر دیا ہے۔ مشاعر حواس، شعر بال، شعار جو لباس بدن سے متصل ہو، نفس کے کئی معنی آتے ہیں ذات کو بھی کہتے ہیں۔ چاہے ذات باری ہو یا جوہر و عرض۔ نفس بمعنی روح و قلب، خون، پانی، رائے۔ مخادعۃ باب مفاعلت ہے جس کی خاصیت شرکت من الجانبین ہے فاعلیت اور مفعولیت کے معنی میں اس لحاظ سے اس پر اشکال ہوگا کہ دھوکہ بازی کی نسبت خدا کی طرف کس طرح صحیح ہوگی۔ کیونکہ مکر و چالاکی اخلاق رذیلہ ہونے کی وجہ سے اوصاف سلبیہ میں ہونے چاہئیں نہ کہ صفات ثبوتیہ میں اس کی توجیہ کی طرف جلال محقق المخادۃ ھھنا سے اشارہ کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ باب مفاعلت سے ہے مگر یہاں شرکت من الجانبین نہیں ہے بلکہ صرف منافقین کی طرف سے چالاکی بیان کرنا ہے اور کلام عرب میں اس کی نظیر موجود ہے کہتے ہیں عاقبت اللص اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ میں نے چور کو سزا دی اور چور نے مجھ کو سزا دی بلکہ صرف ایک جانب سے عقاب مقصود ہوتا ہے یا ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہاں استعارہ تمثیلیہ سے کام لیا گیا ہے کہ ان کی حالت کو مخادع سے تشبیہ دی گئی ہے نیز یہ توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ مجاز عقلی پر محمول کیا جائے کہ اسناد مجازی ہو رہی ہو اصل میں یخادعون رسول اللہ عبارت تھی یا اس کو باب توریہ سے قرار دیا جائے یعنی منافقین کے معاملات کو خداع سے تعبیر کیا ہے۔ قابل نفرت ہونے کی وجہ سے وذکر اللہ الخ یہ بھی ایک شبہ کے ازالہ کی طرف اشارہ ہے تقریر شبہ کی یہ ہے کہ اللہ کو تو سب حقیقت حال کا پتہ ہے۔ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہو سکتی پھر اللہ کے ساتھ ان کی دھوکہ بازی کیسے ہو سکتی ہے؟ جواب کی تقریر یہ ہے کہ اللہ کا نام لینا صرف تحسین کلام کے لئے ہے کہ جمع بین المتضادین ہے مقصود اصلی ہے مسلمانوں کے ساتھ مخادعت ذکر کرنا ہے لیکن اللہ کو شروع میں ویسے ہی ذکر کر دیا ہے جیسے دوسری آیت فان للہ خمسہ وللرسول الخ میں ذکر کیا گیا ہے نیز اس پر بھی تنبیہ کرنا ہے کہ اللہ اور مسلمانوں کا معاملہ ایک ہے ایک کے ساتھ مکر و فریب دوسرے کے مترادف سمجھا جائے چنانچہ اہل اللہ کے ساتھ عداوت کرنا.......... اللہ کی عداوت کو مستلزم ہے من عادی لی ولیاً فقد اذنتہ بالحرب (الحدیث) خداع کے معنی ظاہر کو خلاف باطن کرنے کے ہیں کہتے ہیں ضب خادع جب کہ گوہ ایک سوراخ سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل جائے مخدعان گردن کی پوشیدہ مخصوص رگوں کو کہتے ہیں "مخدع البیت" کوٹھڑی۔

ربط:............ یہاں سے تیسری قسم کے لوگوں کا بیان ہے جن کا ظاہر کچھ تھا اور باطن کچھ، جیسے عبداللہ بن ابی اور معتب بن قشیر...... وغیرہ جن کومنافقین کہا جاتا ہے۔

﴿تشریح﴾:...... **نفاق کی قسمیں**:............ نفاق دوطرح کا ہوتا ہے۔ ایک نفاق فی العمل جس کا وقوع فی زمانا بہت ہے، دوسرے نفاق فی الاعتقاد۔ نفاق فی الاعتقاد کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ دل میں قطعاً آپ ﷺ کے سچے ہونے کا اعتقاد نہیں تھا۔ بلکہ دل قطعاً منکر تھا البتہ بعض دنیاوی مصالح کے پیش نظر اس جذبۂ درون کے برخلاف ظاہر کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ دل میں تردد ہو کہ مسلمانوں کی اچھی حالت دیکھ کر کبھی دل ان کی طرف مائل ہوجاتا ہو لیکن ناگوار حالات پیش آنے پر پھر مسلمانوں کے طرف سے بد عقیدہ ہوجاتا ہو، تیسری صورت یہ کہ دل میں سچائی کی تھوڑی سی کرن تو آئی مگر دنیاوی اغراض نے پھر غلبہ پالیا اور اس کو مخالفتِ اسلام پر آمادہ کردیا۔

اسلام کے بدترین دشمن:............ یہ تینوں قسمیں آنحضرت ﷺ کے دورِ میمون میں موجود تھیں اور یہ لوگ بدترین دشمنِ اسلام اور مارِ آستین ثابت ہوئے تھے ان درپردہ دشمنوں سے اسلام و مسلمانوں کو جس قدر نقصان پہنچا کھلم کھلا دشمنوں سے اتنا نہیں پہنچا۔ اس لئے سورۂ منافقون، سورۂ توبہ اور سورۂ بقرہ کا پورا رکوع اور دوسری بہت سی آیات میں ان کی قلعی کھولی گئی اور ان **المنافقين فى الدرك الاسفل من النار** اور **يا ايها النبى جاهد الكفار و المنافقين** سخت ترین حکم نازل ہوا، جاں نثار صحابہؓ اور مخلصین یہ حکم سن کر اس قدر خائف ہوئے کہ ظاہر و باطن کے ذرا سے تخالف پر ان کو اپنے اندر نفاق کا شبہ ہونے لگا۔ چنانچہ حضرت حنظلہؓ نے ایک روز اس حالت سے متاثر ہوکر **نافق حنظلةؓ** چیخنا شروع کردیا حضرت ابوبکرؓ نے اپنی حالت پر غور کیا تو انہیں اپنے بارے میں بھی یہی شبہ ہوا۔ بالآخر یہ گتھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے ان کی پوری تسلی فرمائی اور کہا کہ اگر ہر وقت تمہاری یہی حالت رہی جو میری مجلس میں کیفیت ہوتی ہے تو ملائکہ تمہارے بستروں پر مصافحے کرنے لگیں لیکن گاہے چنیں گاہے چناں۔

فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ لا شَكٌّ وَنِفَاقٌ فَهُوَ يُمَرِّضُ قُلُوْبَهُمْ اَىْ يُضَعِّفُهَا **فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا** ج بِمَا اَنْزَلَهُ مِنَ الْقُرْاٰنِ لِكُفْرِهِمْ بِهٖ **وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** لا مُؤْلِمٌ **بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ**﴿۱۰﴾ بَالتَّشْدِيْدِ اَىْ نَبِيَّ اللّٰهِ وَ بِالتَّخْفِيْفِ اَىْ فِىْ قَوْلِهِمْ اٰمَنَّا

ترجمہ:............ ان کے دلوں میں (شک ونفاق کا بڑا بھاری) مرض ہے (کہ وہ ان کے دلوں کو روگی اور کمزور بنائے ہوئے ہے) سو اللہ نے ان کا مرض اور بھی بڑھادیا ہے (نازل شدہ قرآن سے کفر کرنے کی وجہ سے) اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا (تکلیف دہ) ان کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے (یکذبون کی قرأت مشدد بھی ہے یعنی اللہ کے نبی ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں اور دوسری قرأت بالتخفیف ہے یعنی اپنے قول آمنا میں جھوٹے ہیں)۔

ترکیب وتحقیق:............ **فى قلوبهم** خبر مقدم۔ **مرض** مبتدا مؤخر۔ جملہ اسمیہ **زادهم الله مرضا**۔ جملہ فعلیہ **عذاب** موصوف۔ **اليم** صفت **بما كانوا يكذبون** جملہ بتاویل مصدر ہوکر صفت موصوف صفات سے مل کر مبتدا۔ **لهم** خبر، مرض، بدن کی غیر طبعی اور غیر اعتدالی حالت مجازاً روحانی خصائل رذیلہ کو بھی کہتے ہیں، یہاں یہی مراد ہے۔ **زاد** کی اسناد ختم کی طرح اللہ نے اپنی

طرف کی ہے۔اس لئے معتزلہ کے لئے مساغ استدلال نہیں ہے۔الیم فعیل کا وزن ہے۔جلال محقق نے اسکے بعد مولم نکال کر اشارہ کردیا کہ اس کو اسم فاعل کے معنی میں بھی لے سکتے ہیں۔عذاب تکلیف دینے والا ہوتا ہی ہے اور بمعنی اسم مفعول بھی لے سکتے ہیں جس سے مقصود مبالغہ ہوگا اس قدر سخت ترین عذاب ہوگا کہ عذاب خود تکلیف میں ہوگا کالنار اذا شدت یا کل بعضہ بعضا کذب خلاف واقع بات کو کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک خلاف اعتقاد اور بعض کے نزدیک خلاف اعتقاد اور خلاف واقعہ دونوں کذب کے لئے شرط ہے علی ہذا اس کی ضد صدق میں بھی یہی تین قول ہوں گے۔قاضی بیضاویؒ اور علامہ زمخشریؒ نے تصریح کی ہے کہ اس سے کذب کا مطلقاً حرام ہونا معلوم ہوا۔لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کذب کی مختلف صورتیں ہیں بعض حرام، بعض مکروہ، بعض مباح، بعض واجب محل استعمال اور موقع کے لحاظ سے فرق رہے گا۔ کمابین فی کتب الفقه .

ربط وتشریح:...... **دل کے روگی** .... مرض کی تفسیر میں ان کی بداعتقادی، بدگمانی، بدزبانی، حسد و اندیشہ سب داخل ہے اور حسد کے باعث روز بروز اسلامی ترقیات ان کے لئے سوہان روح بنی ہوئی ہیں اس لئے دل کے روگوں میں ترقی و اضافہ ہوتا جاتا ہے اس مقام کی فی الجملہ تحقیق گزر چکی ہے۔معاصی پر امراض قلب کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ نیکی اور بدی کا ایک مزاج اور تاثیرات ہوتی ہیں جس سے روح متاثر ہوتی ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَیْ لِهٰؤُلَآءِ **لَاتُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ** بِالْكُفْرِ وَالتَّعْوِيْقِ عَنِ الْاِيْمَانِ **قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ** ﴿۱۱﴾ وَلَيْسَ مَا نَحْنُ عَلَيْهِ بِفَسَادٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی رَدًّا عَلَيْهِمْ **اَلَآ** لِلتَّنْبِيْهِ **اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ** ﴿۱۲﴾ بِذٰلِكَ **وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ** اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ** الْجُهَّالُ اَیْ لَانَفْعَلُ كَفِعْلِهِمْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی رَدًّا عَلَيْهِمْ **اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۱۳﴾ ذٰلِكَ .

ترجمہ:............ اور جب ان (لوگوں) سے کہا جائے کہ تم زمین میں فساد نہ کرو (بوجہ کفر کے اور لوگوں کو ایمان سے روک کر) تو کہنے لگتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں (ہمارا کام فساد کرنا نہیں ہے۔حق تعالیٰ انکے رد وجواب میں فرماتے ہیں کہ) بلاشبہ یہی لوگ فسادی ہیں مگر (اس کا) شعور نہیں رکھتے۔اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان لے آؤ جیسے یہ (اصحاب النبی ﷺ) ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں (خاکم بدہن) کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا یہ بے وقوف جاہل ایمان لے آئے ہیں (یعنی ہم ان جیسا کام نہیں کر سکتے۔حق تعالیٰ اس پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ) خبردار! بلاشبہ یہی لوگ احمق ہیں لیکن (اس جہالت وحماقت کا) علم نہیں رکھتے۔

''لیکن اس قسم کی بے باکانہ گفتگو غالباً غریب مسلمانوں کے روبرو کرتے ہوں گے باوجاہت مسلمانوں کے آگے تو چاپلوسی ہی کرتے تھے اب یہ شبہ بھی نہیں رہا کہ جب منافقین اپنے کفر کو چھپاتے رہتے تو ایسی عریاں گفتگو کیسے کرتے ہوں گے۔''

ترکیب وتحقیق:............ اذا شرطیہ۔قیل کا نائب فاعل لا تفسدوا فی الارض . لهم متعلق قالوا کا فاعل خبر انما نحن مصلحون مفعول جملہ ہو کر خبر۔جملہ شرطیہ............ الا حرف تنبیہ صدر کلام میں لایا جاتا ہے۔ان کا اسم ضمیر۔هم المفسدون جملہ ان کی خبر لکن استدراکیہ،فساد،حد اعتدال سے نکل جانا اس کی ضد اصلاح ہے قیل کے فاعل یا مؤمنین یا رسول اللہ ﷺ یا اللہ تعالیٰ

ہیں۔ بقول ابن عباسؓ وحسنؒ وقتادہؒ فساد سے مراد یہاں گناہ اور معاصی ہیں جن کی وجہ سے ظاہری اور باطنی فساد پیدا ہوتا ہے۔ ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس۔

ربط و ﴿ تشریح ﴾: .... فسادی کون ہے؟ دو غلے شخص سے ہمیشہ فساد ہی متوقع ہوسکتا ہے لیکن اگر کوئی خیر خواہی کے جذبہ سے مجبور ہوکر ان کی خیر اندیشی فہمائش بھی کرتا ہے کہ زمین میں تمہارے اس طرز عمل سے بے چینی اور فساد پھیلتا ہے اس لئے باز آ جاؤ، تو غایت بلادت وحماقت سے اپنے عیوب کو ہنر ظاہر کرتے ہوئے بڑے شدومد سے جواب دیتے ہیں کہ ہمارا کام تو صرف اصلاح کرنا ہے نہ کہ (فساد) اس جہل مرکب اور کساد نظری کا کیا علاج کہ جہل کو علم، فساد کو اصلاح، کڑوے کو میٹھا، سیاہ کو سفید، سمجھنے لگے۔

ہر کس نداند و بداند کہ بداند　　در جہل مرکب ابدالدہر بماند

اس لاعلاج مرض سے بچنے اور نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

وَاِذَا لَقُوا اَصلُہٗ لَقِیُوا حُذِفَتِ الضَّمَّۃُ لِلْاِسْتِثْقَالِ ثُمَّ الْیَاءُ لِاِلْتِقَائِھَا سَاکِنَۃً مَعَ الْوَاوِ **الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ** رُؤَسَائِھِمْ **قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ** فِی الدِّیْنِ **اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُوْنَ** ﴿۱۴﴾ بِھِمْ بِاِظْھَارِ الْاِیْمَانِ **اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ** یُجَازِیْھِمْ بِاسْتِھْزَائِھِمْ **وَیَمُدُّھُمْ** یُمْھِلُھُمْ **فِیْ طُغْیَانِھِمْ** تَجَاوُزِھِمُ الْحَدَّ بِالْکُفْرِ **یَعْمَھُوْنَ** ﴿۱۵﴾ یَتَرَدَّدُوْنَ تَحَیُّرًا حَالٌ **اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْھُدٰی** اِسْتَبْدَلُوْھَا بِہٖ **فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ** اَیْ مَارَبِحُوْا فِیْھَا بَلْ خَسِرُوْا لِمَصِیْرِھِمْ اِلَی النَّارِ الْمُؤَبَّدَۃِ عَلَیْھِمْ **وَمَا کَانُوْا مُھْتَدِیْنَ** ﴿۱۶﴾ فِیْمَا فَعَلُوْا

ترجمہ: .... یہ لوگ جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو (لقوا کی اصل لَقِیُوْا تھی کسرہ کے بعد یا پر ضمہ دشوار تھا اس لئے حذف کر دیا۔ پھر یا اور واو میں اجتماع ساکنین ہوا اس لئے یا بھی گر گئی لقوا ہو گیا) تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہائیوں میں جاتے ہیں اور اپنے شیاطین (یعنی شریر سرداروں) کے پاس (واپس) پہنچتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ بلاشبہ ہم تمہارے ساتھ (ہم مذہب) ہیں۔ ان مسلمانوں سے (اظہار ایمان کر کے) ہم تو صرف دل لگی کر رہے تھے اللہ ہی ان کی ساتھ استہزاء کا معاملہ کر رہے ہیں (یعنی ان کی استہزاء کی سزا دیں گے) اور ان کو ڈھیل دیئے چلے جا رہے ہیں (یعنی ان کو مہلت دے رہے ہیں) ان کی سرکشی (اور حد کفر کی طرف تجاوز کرتے) میں کہ وہ حیران وسرگرداں پھر رہے ہیں۔ (ترکیب میں یہی حال ہے یمدھم سے) یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلہ خرید اہے (یعنی تبدیل کرلیا ہے) لیکن ان کی اس تجارت نے ان کو کوئی نفع نہیں دیا (یعنی یہ اس تجارت میں کامیاب نہیں ہوئے بلکہ خسارہ میں رہے کہ ابدی جہنم ان کا ٹھکانا بنا) اور اس (کاروبار) میں ٹھیک طریقہ پر نہیں چلے۔

ترکیب و تحقیق: .... اذا قیل لھم شرط۔ آمنوا تفسیر۔ کما آمن الناس بتاویل آمنوا ایمانا مثل ایمان الناس مصدر محذوف کی صفت قالوا فعل بافاعل انومن مفعول۔ پورا جملہ جواب شرط۔ الا انھم ھم السفھاء جملہ مستانفہ۔ ولکن لایعلمون جملہ استدراکیہ۔ سفہ ہلکا پن، سفھت الریح کہتے ہیں یعنی ہوا نے اڑا دیا۔ بیوقوفی پر بھی اطلاق ہونے لگا۔ سفیہ بروزن فعیل۔ سفھاء جمع ہے اس کا مقابل لاٗت وتانی اور علم آتا ہے بمعنی سوچنا۔ فساد چونکہ ظاہر اور محسوسات میں سے ہوتا ہے اس

لئے اس کے ساتھ **لا یشعرون** لائے اور ایمان قلبی اور غیر محسوس ہوتا ہے اس لئے یہاں **لا یعلمون** لائے۔ پھر سفاہت اور علم دونوں کو جمع کرنا ہے جو کمال بلاغت ہے۔ اور **یشعرون** اور **لا یعلمون** کے مفعول کو حذف کرنا تعمیم کے لئے ہے **لقوا** میں تعلیل ہوئی ہے دراصل **لَقِیُوْا** تھا یای مضموم ماقبل مکسور ثقل کی وجہ سے ضمہ حذف کر دیا۔ اب یا اور واو دونوں ساکن ہوئے۔ یا کو حذف کر دیا **لَقُوْا** ہوگیا۔ جملہ شرط **الذین آمنوا، لقوا** کا مفعول ہے۔ **قالوا آمنا** جزاء **اذا خلوا الیٰ شیاطینهم** جملہ شرط **قالوا انا معکم** موکد یا مبدل منہ **انما نحن مستهزؤن** بدل یا تاکید دونوں ملکر جواب شرط۔ **الله** مبتداء، **یستهزئ بهم** خبر معطوف علیہ واو عاطفہ۔ **یمدهم** جملہ خبر معطوف **فی طغیانهم** اس کے متعلق **یعمهون** حال ہے۔ استہزاء پر بھی خداع کی طرح اعتراض ہوسکتا ہے کہ اس کی نسبت خدا کی طرف صحیح ہے مفسر علامؒ اس کا ازالہ **یجازیهم** کہہ کر کر رہے ہیں یعنی **جزاء سیئة سیئة مثلها** کے طرز پر مشاکلت صوری کی وجہ سے اللہ کی سزاء کو استہزاء کے لفظ سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ **طغیان** بالضم والکسر۔ حد سے تجاوز کرنا۔ **شیطٰن** اہل لغت کے اس میں دو قول ہیں شیطان بروزن فیعال بمعنی بَعُد یعنی نون اصلی ہے دوسری صورت یہ ہے کہ نون زائد ہو شاط بمعنی باطل، وجہ تسمیہ ظاہر ہے اہل سنت کے نزدیک یہ ابوالجن ہے۔ **یمدهم** میں اسناد حقیقی ہے۔ خلافاً لمعتزلہ **عمه** اور **عمیٰ** میں ایسا ہی فرق ہے جیسی بصیرت و بصارت میں ایک ظاہری دوسرے باطنی، بیع و اشتریٰ دونوں خرید وفروخت، اضداد میں استعمال ہوتے ہیں یہاں مجازاً مطلق استبدال کے معنی میں ہے۔ ہدایت سے مراد یہاں فطری ہدایت ہے **کل مولود یولد علی الفطرة الخ** اور **فطرت الله التی فطر الناس علیها** کے لحاظ سے **فما ربحت تجارتهم** میں استعارۃ ترشیحیہ ہے کہ تجارت مشبہ بہ کے مناسبات استبدال مشبہ کیلئے ثابت کئے گئے ہیں۔ جلال محققؒ نے ای **فما ربحوا** کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ اسناد مجازی ہو رہی ہے یعنی ربح کی اسناد تجارت کی بجائے تاجروں کی طرف ہونی چاہئے۔

ربط وشانِ نزول: .... ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ، عمر فاروقؓ، علی مرتضیٰؓ عبداللہ ابن ابی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم اور تمہارے فقہاء کو ہمارے ساتھ مخلصانہ رہنا چاہئے۔ جواب میں اس نے کہا کہ مرحبا ہو شیخ صدیقؓ، عمر فاروقؓ، علی ابن عم رسولؐ کے لئے۔ اس پر حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا کہ خدا سے ڈر اور نفاق چھوڑ دے۔ اس نے پھر کہا میں یہ بات اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ میں بھی تمہاری طرح مؤمن ہوں۔ اس کے بعد اپنے احباب سے کہنے لگا کہ تم بھی یہی روش اختیار کرو جو میں نے اختیار کی تھی۔ اس پر خوشامدیوں نے تعریف کرتے ہوئے کہا کہ کیوں نہیں آپ جب تک زندہ ہیں ہم پر آنچ نہیں آسکتی۔ اس سلسلہ میں ان آیات کا نزول ہوا چونکہ یہ لوگ اکثر کاروباری تھے اس لئے ان کو تجارت کی تمثیل سے سمجھایا گیا ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... منافقین کی بہادری: .... باوجاہت مسلمانوں کے سامنے آتے تو ان کا یہ رنگ ہوتا اور لیپا پوتی اور للو چپو کرتے رہتے اور جب غریب مسلمانوں کے سامنے آتے تو ان کی صورت دیکھنے کے لئے پچھلی آیت آئینہ ہے۔ منافقین کا یہ قول **آمنا** پہلے تو بیان اعتقاد کے سلسلہ میں نقل کیا گیا تھا اور اب مسلمانوں کے ساتھ بطور ان کے برتاؤ اور معاملہ کے نقل ہوا اس لئے تکرار کا شبہ نہیں کرنا چاہئے جبکہ غرض الگ الگ ہوگئی آگے ان کے استہزاء کا جواب دیا گیا ہے۔

مَثَلُهُمْ صِفَتُهُمْ فِي نِفَاقِهِمْ **كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ** اَوْقَدَ نَارًا فِي ظُلْمَةٍ **فَلَمَّآ اَضَآءَتْ** اَنَارَتْ **مَاحَوْلَهُ** فَاَبْصَرَ وَاسْتَدْفَأَ وَاَمِنَ مِمَّا يَخَافُهُ **ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ** اَطْفَأَهُ وَجَمْعُ الضَّمِيْرِ مُرَاعَاةً لِمَعْنَى الَّذِى **وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ** ﴿۱۷﴾ مَاحَوْلَهُمْ مُتَحَيِّرِيْنَ عَنِ الطَّرِيْقِ خَائِفِيْنَ فَكَذٰلِكَ هٰؤُلَاءِ اٰمَنُوْا بِاِظْهَارِ كَلِمَةِ الْاِيْمَانِ فَاِذَا مَاتُوْا جَاءَهُمُ الْخَوْفُ وَالْعَذَابُ هُمْ **صُمٌّ** عَنِ الْحَقِّ فَلَا يَسْمَعُوْنَهُ سِمَاعَ قَبُوْلٍ **بُكْمٌ** خُرْسٌ عَنِ الْخَيْرِ فَلَا يَقُوْلُوْنَهُ **عُمْيٌ** عَنْ طَرِيْقِ الْهُدٰى فَلَا يَرَوْنَهُ **فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ** ﴿۱۸﴾ عَنِ الضَّلَالَةِ ۔

ترجمہ:............ ان کی حالت (نفاق) اس شخص کی حالت جیسی ہے جس نے (اندھیرے میں) آگ روشن کی اور آگ نے جب اس کے اردگرد سب چیزوں کو روشن کردیا (اور وہ دیکھنے لگا اور خوفناک چیزوں سے اس نے اپنے کو مامون کرلیا) تو اللہ نے ان کی روشنی سلب کرلی (نور ھم میں ضمیر جمع لانا الذی کے معنوی رعایت کی وجہ سے ہوا) اور ان کو اندھیرے میں چھوڑ دیا کہ کچھ دیکھتے بھالتے نہیں (اپنے ماحول کو) راستہ کے بارے میں متحیر اور خائف رہتے ہیں بالکل یہی حال ان منافقین کا ہے کہ زبان سے تو کلمۂ ایمان ظاہر کررہے ہیں مگر مرتے پر عذاب وخوف سامنے آئے گا، یہ لوگ حق سے) بہرے ہیں (کہ اس کو قبولیت کے کان سے نہیں سنتے) اور (ہر بھلی بات سے) گونگے ہیں (کہ اس کو کہہ نہیں سکتے) اور (راہِ ہدایت سے) اندھے ہیں (کہ اس کو دیکھتے نہیں ہیں) سو اب یہ (اس گمراہی سے) واپس نہیں ہوسکتے۔

ترکیب و تحقیق:............ مثل، مثل، مثیل، شبہ، شبہ، شبیہ کی طرح تینوں طریقہ سے آتا ہے تشبیہ کے معنی میں پھر کہاوت اور کسی عجیب وغریب مشہور بات سے تشبیہ دینے کے لئے استعمال ہونے لگا۔ علمائے بلاغت کے نزدیک مثل صرف کلام مرکب میں اور تشبیہ مفرد ومرکب دونوں کے لئے آتا ہے۔ اس سے ایک خیالی اور غیرمحسوس چیز بھی محسوس ہوکر سامنے آجاتی ہے اس لئے تمام بلغاء کے کلام میں اور کتب سابقہ میں بھی قرآن کے اس طرز کی بکثرت امثال ملتی ہیں۔ مفسرؒ نے مثل کے بعد صفت لاکر اس کے ترجمہ کی طرف اشارہ کردیا ہے اور "استوقد" کے بعد "اوقد" نکال کر بتلادیا کہ اس میں سین طلب کا نہیں ہے۔ نار سے نور مشتق ہے اضاءت کے بعد انارت کہہ کر مفسرؒ نے اشارہ کیا کہ اضاء فعل متعدی ہے ضمیر فاعل۔ ماحوله میں، ما موصولہ بمعنی مکان مفعول ہے۔ لفظ صم سے پہلے ھم نکال کر اشارہ کیا کہ یہ مبتدا محذوف ہے عن الضلالة نکال کر اشارہ کیا کہ لا یرجعون فعل لازم ہے اور بعض متعدی کہتے ہیں کہ مفعول محذوف ہے۔ اسی لا یرجعون قولا ذھب کی اسناد یہاں بھی خدا کی طرف حقیقی ہے اس لئے معتزلہ پر رد ہوگیا مثلھم مبتداء مابعد خبر۔ اضاءت فعل متعدی ہے تو ضمیر فاعل اور ماحوله منفعول ورنہ ماحول فاعل ہے اور تانیث اضاء بلحاظ معنی ما ہے مراد اشیاء وامکنہ، ما موصول بھی ہوسکتا ہے، اور موصوفہ یا زائدہ بھی یہ سب مل کر شرط ذھب الله سے دونوں جملے معطوف معطوف علیہ ہوکر جواب لما۔ صم مبتدا محذوف ھم کی خبر ہے اور فھم لایرجعون جملہ مستانفہ ہے۔

ربط و ﴿تشریح﴾:............ یہ تمثیل قسم اول کے ان منافقین کی ہے جو خوب دل کھول کر منافقانہ اور کافرانہ کاروائیاں کرتے تھے نہ ان کی زبان حق کے لئے طاقت گویائی رکھتی تھی اور نہ کان قوتِ شنوائی اور نہ آنکھیں یارائے بینائی۔ بالکلیہ ان کا فطری نور ہدایت اس ظلمت کسب سے تبدیل ہوگیا ہے اب ان کی واپسی کی کوئی امید نہیں۔

اَوْ مَثَلُهُمْ **كَصَيِّبٍ** اَیْ كَاَصْحَابِ مَطَرٍ وَاَصْلُهٗ صَيْوِبٌ مِنْ صَابَ يَصُوْبُ اَیْ يَنْزِلُ **مِّنَ السَّمَآءِ** اَیِ السَّحَابِ **فِيْهِ** السَّحَابِ **ظُلُمٰتٌ** مُتَكَاثِفَةٌ **وَّرَعْدٌ** هُوَ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهٖ وَقِيْلَ صَوْتُهٗ **وَّبَرْقٌ** لَمَعَانُ سَوْطِهِ الَّذِیْ يَزْجُرُهٗ بِهٖ **يَجْعَلُوْنَ** اَیْ اَصْحَابُ الصَّيِّبِ **اَصَابِعَهُمْ** اَیْ اَنَامِلَهَا **فِیْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ** اَجْلِ **الصَّوَاعِقِ** شِدَّةِ صَوْتِ الرَّعْدِ لِئَلَّا يَسْمَعُوْهَا **حَذَرَ** خَوْفَ **الْمَوْتِ** مِنْ سِمَاعِهَا كَذٰلِكَ هٰٓؤُلَآءِ اِذَا نَزَلَ الْقُرْاٰنُ وَفِيْهِ ذِكْرُ الْكُفْرِ الْمُشَبَّهِ بِالظُّلُمَاتِ وَالْوَعِيْدِ عَلَيْهِ الْمُشَبَّهِ بِالرَّعْدِ وَالْحُجَجِ الْبَيِّنَةِ الْمُشَبَّهَةِ بِالْبَرْقِ يَسُدُّوْنَ اٰذَانَهُمْ لِئَلَّا يَسْمَعُوْهُ فَيَمِيْلُوْا اِلَى الْاِيْمَانِ وَتَرْكِ دِيْنِهِمْ وَهُوَ عِنْدَهُمْ مَوْتٌ **وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ** ﴿۱۹﴾ عِلْمًا وَقُدْرَةً فَلَا يَفُوْتُوْنَهٗ **يَكَادُ** يَقْرُبُ **الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ** يَاْخُذُهَا بِسُرْعَةٍ **كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ** اَیْ فِیْ ضَوْئِهٖ **وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا** وَقَفُوْا تَمْثِيْلٌ لِاِزْعَاجِ مَا فِی الْقُرْاٰنِ مِنَ الْحُجَجِ قُلُوْبَهُمْ وَتَصْدِيْقِهِمْ بِمَا سَمِعُوْا فِيْهِ مِمَّا يُحِبُّوْنَ وَوُقُوْفِهِمْ عَمَّا يَكْرَهُوْنَ **وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ** بِمَعْنٰى اَسْمَاعِهِمْ **وَاَبْصَارِهِمْ** الظَّاهِرَةِ كَمَا ذَهَبَ بِالْبَاطِنَةِ **اِنَّ اللّٰهَ** كَانَ **عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ** شَآءَهٗ **قَدِيْرٌ** ﴿۲۰﴾ وَمِنْهُ اِذْهَابُ مَا ذُكِرَ۔

ترجمہ: .... یا ان منافقین کی (مثال) ان لوگوں جیسی ہے جن پر آسمان (یعنی بادل سے) بارش ہو رہی ہو (صیب دراصل صیوب تھا صاب یصوب بمعنی نازل ہونے سے بنایا گیا ہے) اور اس (بادل) میں ظلمتیں ہوں (تہ بہ تہ) اور رعد (فرشتہ ہے جو بادل پر مقرر ہوتا ہے اور بعض کی رائے میں فرشتہ کی آواز کو رعد کہتے ہیں) اور برق جو (اس فرشتہ کا کوڑا ہوتا ہے جس سے وہ بادلوں کو ہنکاتا ہے) یہ اہل بارش اپنی انگلیوں (یعنی ان کی سروں اور پوروں) کو اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہوں۔ کڑک (کی وجہ سے) جو (رعد کی شدتِ آواز سے ہوتی ہے تاکہ وہ اس کو سن نہ پائیں) موت کے اندیشہ سے (جو اس کو سن کر پیدا ہوتا ہے یہی حال ان منافقین کا ہے کہ قرآن جب نازل ہوتا ہے اور اس میں کفر جس کو ظلمات سے تشبیہ دی گئی ہے اور وعید کفر جس کو رعد سے تشبیہ دی گئی ہے اور دلائل واضحہ جن کو برق سے تشبیہ دی گئی ہے یہ چیزیں ہوتی ہیں تو یہ اپنے کان اس لئے بند کر لیتے ہیں کہ اس کو سن نہ سکیں اور کہیں ایمان کی طرف اور ترکِ مذہب کی طرف مائل نہ ہو جائیں جو ان کے نزدیک موت ہے) اور اللہ تعالیٰ نے (اپنے علم وقدرت کے لحاظ سے) کافروں کو گھیرے میں لے رکھا ہے (وہ ان کو چھوڑے گا نہیں) قریب ہے کہ (بجلی) ان کی بینائیوں کو اُچک لے جہاں ان کے لئے بجلی چمکی (اس کی روشنی میں) وہ چلنے لگے اور جب ان پر تاریکی ہوئی پھر کھڑے کے کھڑے رہ گئے (یہ تمثیل اس لئے ہے کہ دلائل قرآنیہ سے ان کے دل کانپ جاتے ہیں یا اپنے مناسب خواہش چیزوں کو سن کر تصدیق کرتے ہیں اور ناموافق چیزوں کو سن کر توقف کرتے ہیں اس کی تصویر کھینچ جائے) اگر اللہ چاہتے تو ان کے (ظاہری) کان اور آنکھیں بھی سلب کر لیتے (جیسا کہ باطنی سلب کر لئے ہیں) بلاشبہ حق تعالیٰ ان چیزوں پر (جو ان کی مشیت کے ماتحت ہوں) قادر ہیں (منجملہ ان کے ان چیزوں کا سلب بھی ہے)۔

ترکیب وتحقیق: .... او میں پانچ اقوال ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ او شک کے لئے نہیں بلکہ مطلقاً تسویہ بین الشیئین کے لئے

ہے جیسے جالس الحسنؒ اوابن سیرینؒ، صیب بروزن فیعل صوب بمعنی نزول سے مشتق ہے۔ بارش بادل کو کہتے ہیں۔ مفسر علامؒ نے کاصحاب مطر نکال کراس طرف اشارہ کیا کہ مضاف محذوف ہے اور صیب کے معنی بادل کے نہیں ہیں بارش کے ہیں۔ اصل میں صیوب تھاواؤیاایک کلمہ میں جمع ہیں اور واؤ مکسور ہے اس لئے یا سے تبدیل کر کے ادغام کیا گیا۔ السماء کے معنی ہیں، افق، بادل، آسمان ہر وہ چیز جواوپر ہو۔ یہاں مؤخر الذکر تینوں معانی حکمۃ ہیں۔ مفسر علامؒ نے بادل کے معنی لئے ہیں۔ رعد بادل کی گرج جوہوا چلنے اور باہمی رگڑ سے پیدا ہوتی ہو۔ برق بادل کی رگڑ سے جو چمک پیدا ہو (بجلی) فیہ ضمیر کا مرجع مفسر نے خلاف ظاہر سحاب کو بتایا ہے لیکن دوسرے مفسرینؒ نے صیب کو بتایا ہے اور فی بمعنی مع ہے اور لفظ السماء مذکر بھی استعمال ہوتا ہے جیسے السماء مفطر به اور مؤنث بھی جیسے اذا السماء انفطرت۔ رعد کے بعد مفسر علامؒ نے الملک الموکل ظاہر کیا ہے چنانچہ امام ترمذیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت بھی نقل فرمائی ہے اسی طرح برق کی جو تفسیر کی ہے وہ ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے۔ اصابعهم کی تفسیر انامل کے ساتھ اس لئے کی ہے تا کہ بطور مجاز نقلی مبالغہ کے لئے کل کا جزو پر اطلاق سمجھ میں آ جائے۔ کذلک هؤلآء سے مفسر علامؒ مشبہ کا حال بیان کر رہے ہیں۔ تا کہ تشبیہ مفرد بالمفرد معلوم ہو جائے اور قاضی بیضاویؒ نے اس تشبیہ کو تشبیہ مفرد و مرکب دونوں پر محمول کرنے کی اجازت دی ہے۔ محیط یہ دراصل محوط تھا حاط یحوط سے۔ کسرۂ واؤ نقل کر کے حا کو دیدیا۔ اور واؤ کو یا سے تبدیل کر دیا محیط ہو گیا۔ فلا یفوتونه نکال کر یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس آیت میں استعارہ تمثیلیہ ہو رہا ہے شاء کا مفعول محذوف ہے جس پر جواب لو دلالت کر رہا ہے ای لوشاء الله ان یذهب بسمعهم و ابصارهم لذهب شیٔ کے بعد شاء ہ سے اس طرف اشارہ ہے کہ لفظ شیٔ جواسم ہے وہ اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ نیز اس سے تمام اشیاء اس طرح مراد نہیں کہ ذات حق بھی اس میں داخل ہو جائے بلکہ ذات خداوندی کو مستثنیٰ کر کے دوسری تمام اشیاء مراد ہوں گی۔ یعنی اللہ اپنی ذات کے علاوہ تمام چیزوں پر قدرت رکھتے ہیں۔ تغیر فی الذات والصفات چونکہ عیب کو مستلزم ہے، اس لئے وہ قدرت سے خارج رہے گا۔ مثلهم مبتداء محذوف۔ کصیب اس کی خبر ہے تقدیر کلام اس طرح ہو گی او مثلهم کمثل اصحاب صیب کاف موضع رفع میں ہے من السماء کائن مقدر سے متعلق ہو کر صیب کی صفت ہے ظلمات و رعد و برق مبتداء مؤخر فیه خبر مقدم جملہ مل کر صیب کی صفت ہے۔ یجعلون فعل بافاعل اصابعهم مفعول فی آذانهم من الصواعق یجعلون کے متعلق اور حذر الموت اس کا مفعول لہ ہے یہ جملہ مستانفہ ہوا اور ضمیر فیه سے حال بھی ہو سکتا ہے۔ والله محیط بالكفرین جملہ معترضہ ہے۔

ربط وتشریح : ...... قرآنی مثالیں : .... یہ تمثیل دوسرے قسم کے منافقین کے متعلق ہے جو مذہب اسلام کو بظاہر تو قبول کر چکے ہیں لیکن دل میں متردد ہیں جب کبھی اسلام اور مسلمانوں کی خوبیاں اور فتوحات دیکھتے ہیں تو کچھ کچھ دلی میلان اسلام کی طرف ہونے لگتا ہے، پھر اغراض نفسانی کا غلبہ یا تکالیف ومصائب کا سامنا جب ہوتا ہے وہ میلان انکار سے بدل جاتا ہے۔ سوجس طرح کوئی طوفان و باد و باراں میں گھر جاتا ہے، کبھی موقع پا کر بجلی چمکنے سے آگے بڑھنے لگتا ہے اور کبھی اندھیری گھور گرج سے خائف ہو کر چلنے سے رک جاتا ہے یہی حال ان منافقین کا ہے کہ نور اسلام کی جھلک جب کبھی دیکھ لیتے ہیں تو حق کی طرف بڑھنے لگتے ہیں مگر خود غرضی، ہوائے نفس کی ظلمت میں پڑ کر پھر حق سے رک جاتے ہیں والله محیط بالكفرین اور لوشاء الله لذهب الخ دھمکی ہے اگر باز نہ آئے تو یاد رکھو ہمارے قبضہ سے باہر نہیں جا سکتے۔

تکوینی اور تشریعی اسباب : .... اس مقام پر ایک اشکال ہے کہ حکماء اور فلاسفہ کے بیان کے مطابق آفتاب کی گرمی جب

پانی اور زمین پر پڑتی ہے تو بخارات آسمان کی طرف اٹھ جاتے ہیں۔ یہ پانی بخارات اگر لطیف ہوکر طبقہ زمہریرہ میں بہت اونچے چلے جائیں تو وہاں کی سردی سے منجمد ہوکر بادل ہو جاتے ہیں ان میں سے جو قطرات ٹپکتے ہیں ان کو بارش کہنا چاہئے یہ قطرات اگر سردی سے جم جائیں تو اولے اور برف کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ لیکن اگر یہ بخارات مائیہ طبقۂ زمہریریہ سے نیچے رہ جائیں تو ان سے شبنم بنتی ہے اسی طرح ان بخارات کے ساتھ اگر اجزاء دُخانیہ بھی شامل ہو جائیں تو وہ بادل کو توڑ پھوڑ کر اوپر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں، جس سے رعد، برق، صاعقہ پیدا ہوتے ہیں حاصل یہ کہ قرآن کا یہ بیان کہ بارش آسمان سے آتی ہے بداہت، مشاہدہ، حکما کے بیان کے خلاف ہے یعنی بارش بادل سے نکلتی ہے اور بادل زمین اور پانی کے اجزاء سے بنتا ہے نہ کہ آسمان سے بارش آتی ہے۔ اسی طرح رعد، برق، صاعقہ، مذکورہ بالا اسباب سے بنتے ہیں نہ کہ فرشتہ یا اس کی آواز اور اس کے کوڑے کو کہتے ہیں اس کے کئی جواب ہیں (۱) ایک تو تطبیق بین القولین کہ دونوں باتیں ہیں یعنی ہمارے سامنے بارش بادل سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے لیکن فی الحقیقت خود بادلوں میں آسمان سے اترتی ہے فلسفہ اسباب قریبہ ظاہرہ کو بیان کرتا ہے اور قرآن وشریعت اسباب بعیدہ حقیقیہ کو۔ (۲) دوسری توجیہ یہ ہے کہ بارش کبھی بادل سے آتی ہو اور کبھی آسمان سے ایک قسم کو یعنی مادی اسباب کو فلسفہ بیان کرتا ہے اور دوسری قسم کے معنوی اسباب کو شریعت بتلاتی ہے اور اسباب میں مزاحمت ہوا نہیں کرتی، ایک چیز کے مختلف ومتعدد اسباب ہو سکتے ہیں۔ بارش کے اسباب بھی متعدد ہیں ایک کو شریعت نے بیان کر دیا، دوسرے کو سائنس نے پہلی توجیہ پر سبب اور سبب السبب کا قول کہا جائے گا۔ اور دوسری توجیہ پر دو برابر کے سبب مانے جاویں گے یا یوں کہا جائے کہ ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک ظاہری دوسرے باطنی، بارش کے ظاہری اور صوری سبب کو فلسفہ بیان کر رہا ہے اور قرآن سبب اصلی وحقیقی کو۔ تیسری توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ بارش صرف بادل سے آتی ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے اور آسمان کے معنی بادل کے لئے جائیں اور لغۃً اس کی گنجائش ہے کیونکہ آسمان ہر اوپر والی چیز کو کہتے ہیں۔

ایک شبہ اور اس کا جواب: .... رہا یہ شبہ کہ سائنس جدیدہ تو نفس آسمان کے وجود کا انکار کرتی ہے۔ اور قرآن سے آسمان بلکہ آسمانوں کا وجود اور تعدد معلوم ہوتا ہے سو جواب میں صرف اس قدر کہنا کافی ہے ھا تو ابرھانکم ان کنتم صادقین

لطیفہ: .... **کلما اضاء لھم** ناقص طالب اور سالک کے لئے بھی یہ تمثیل ہو سکتی ہے کہ حالت بسط میں تو طاعت وعبادت خوب بجالاتا ہے اور حالت قبض میں ان کو چھوڑ بیٹھتا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اَیْ اَهْلُ مَکَّةَ **اعْبُدُوْا** وَحِّدُوْا **رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ** اَنْشَاَکُمْ وَلَمْ تَکُوْنُوْا شَیْئًا وَخَلَقَ **الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ**﴿۲۱﴾ بِعِبَادَتِهٖ عِقَابَهٗ وَلَعَلَّ فِی الْاَصْلِ لِلتَّرَجِّیْ وَفِیْ کَلَامِهٖ تَعَالٰی لِلتَّحقِیْق **الَّذِیْ جَعَلَ** خَلَقَ **لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا** حَالٌ بِسَاطًا یُفْتَرَشُ لَاغَایَةَ لَهَا فِی الصَّلَابَةِ اَوِ اللُّیُوْنَةِ فَلَایُمْکِنُ الْاِسْتِقْرَارُ عَلَیْهَا **وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً** سقفًا **وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ** اَنْوَاعِ **الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ** تَاْکُلُوْنَهٗ وَتَعْلِفُوْنَهٗ بِهٖ دَوَابَّکُمْ **فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا** شُرَکَاءَ فِی الْعِبَادَةِ **وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ**﴿۲۲﴾ اِنَّهٗ الْخَالِقُ وَلَایَخْلُقُوْنَ وَلَایَکُوْنُ اِلٰهًا اِلَّا مَنْ یَّخْلُقُ

ترجمہ: .... اے لوگو (یعنی مکہ والو) عبادت کرو (یعنی توحید بجالاؤ) اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا (حالانکہ تم پہلے

کچھ نہیں تھے) اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ عجب نہیں کہ تم (اس عبادت کی وجہ سے اس کے عذاب سے) بچ جاؤ (لعل دراصل امید کے لئے استعمال کیا جاتا ہے لیکن کلام الٰہی میں تحقیق کے لئے ہے) وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے بنایا (پیدا کیا) تمہارے لئے زمین کو فرش (فراش حال ہے یعنی ایسا بستر جس پر با آسانی لیٹا جا سکے نہ اس میں حد سے زیادہ سختی ہو اور نہ اتنی نرمی کہ اس پر استقرار ممکن نہ ہو سکے) اور آسمان کو بنایا (چھت) اور آسمان سے بارش برسائی کہ جس سے (طرح طرح کے......) پھل...... تمہاری غذا کے لئے (کہ خود بھی کھاتے ہو اور اپنے جانوروں کے لئے چارہ بھی کرتے ہو) اس لئے خدا کے لئے کسی کو ساجھی (یعنی شریک فی العبادت) مت ٹھہراؤ درآنحالیکہ تم خوب جانتے بوجھتے ہو (کہ صرف وہی خالق ہے دوسرا کوئی خالق نہیں ہے اور الٰہ وہی ہوسکتا ہے جو خالق ہو)۔

ترکیب و تحقیق:............ یا حرف ندا۔ ایھا الناس منادی۔ اعبدوا ربکم جملہ موصوف، الذی موصول خلقکم صلہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ الذین من قبلکم ای الذین من خلقھم من قبل خلقھم یہ جملہ معطوف دونوں جملے صفت ہوئے ربکم کی۔ لعل حرف مشبہ بالفعل کم۔ اسم۔ تتقون خبر۔ الذین سے اخیر تک موصول صلہ مل کر دوسری صفت ہوئی رب کی۔ لعل شک و شبہ، تردد وامید کے مواقع پر آتا ہے۔ انداد جمع ندکی جس کے معنی برابر کا مخالف۔ بناء مصدر میمی ہے مکان قبہ، خیمہ، الذی محل نصب میں ہے بنا پر صفت ہے اور محل رفع بھی ہوسکتا ہے۔ بتقدیر المبتداء پہلے تینوں جماعتوں کا الگ الگ حال بیان کر کے اب ان کو اجتماعی خطاب کے ساتھ اسلام کے دو بنیادی اصول یعنی توحید و رسالت کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔

﴿تشریح﴾:...... **عبادت اور احسانات الٰہی**:............ اول توحید کا مضمون ہے جو ایک فطری اور سادہ مؤثر پیرایہ میں بیان کیا جارہا ہے کہ شریف انسان فطرۃً اور طبعاً اپنے محسن کی طرف جھکتا ہے اور محسن بھی وہ کہ جس نے وجود جیسی بڑی دولت بخشی ہے کہ ساری نعمتیں اس کے بغیر ہیچ ہیں اور پھر بقاء وجود کے سارے سامان بخشے ہیں خواہ وہ ظاہری اور جسمانی انعامات ہوں جیسے کھانے پینے کی چیزیں یا روحانی اور باطنی غذائیں ہوں یعنی احکام شریعت جن کا مدار رسالت ونبوت پر ہے۔ یعنی جب یہ مسلم ہے کہ خالق صرف اللہ ہے تو معبود بھی صرف اللہ ہی ہونا چاہئے۔ معبود ہونا صرف خالق کے لئے اور عابد ہونا مخلوق کے شایانِ شان ہے۔

الناس کی تفسیر اہل مکہ سے کرنا سورۂ بقرہ کے منافی نہیں ہے۔ حاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی جو روایت پیش کی ہے کہ الناس سے خطاب اہل مکہ کو اور الذین آمنوا سے خطاب اہل مدینہ کو ہوتا ہے اس سے مقصود بھی قاعدہ کلیہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ضابطہ اکثریہ مراد ہوتا ہے اس لئے یہ روایت بھی اس تفسیر کے خلاف نہیں۔

توحید ہی بنیادِ عبادت ہے:............ اعبدوا کی تفسیر وَحِّدُوْا کے ساتھ اس لئے کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں عبادت کا لفظ آیا ہے اس سے مراد توحید ہے کیونکہ عبادت بغیر توحید کے ممکن نہیں۔ توحید ہی سببِ عبادت ہے، اس لئے توحید کو لفظِ عبادت سے ادا کرنا مجاز ہوا۔ یا یہ معنی لئے جائیں کہ صرف ایک کی عبادت کرو، دوسرے کو اس کا شریک نہ کرو، اور عبادت کے معنی پوجا پاٹ کے نہیں ہیں بلکہ تابعداری اور اطاعت کے معنی ہیں جس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ بھی آ گئے اور نکاح، طلاق، معاملات، خرید وفروخت وغیرہ سب احکام آ گئے۔

شاہی محاورے:............ لعل چونکہ شک اور تردد کے لئے موضوع ہے اس لئے کلام الٰہی میں اس کا استعمال باعثِ اشکال ہے اس کا ازالہ مفسر علامؒ نے للتحقیق کی توجیہ سے کر دیا یعنی قرآن کریم میں اس کو انّ تحقیقیہ کے مترادف سمجھا جائے گا یعنی شک کے

لئے نہیں بلکہ یقین کیلئے ہے۔ لیکن مفسر کا یہ بیان کرنا اکثری لحاظ سے تو صحیح ہے مگر مفید قطعیت نہیں ہے اس لئے بعض نے یہ توجیہ کی ہے کہ **لعل** قرآن کریم میں بمعنی کی تعلیلیہ ہے اور بعض نے **لعل** کو اصل ترجی اور امید کے لئے ہی مانا ہے مگر مخاطبین کے اعتبار سے یعنی کلام الٰہی چونکہ علی عادت الناس ہے جس طرح خبر، انشاء، ماضی، حال، مستقبل وغیرہ احکام کلام انسانی طریقہ سے جاری ہیں اسی طرح **لعل کاد** وغیرہ کلمات بھی ان ہی خصوصیات کے ساتھ کلام باری میں پائے جاتے ہیں اور بعض نے تو یہ توجیہ کی ہے کہ یہ **لعل** تعرض شئے کے لئے ہے یعنی عبارت کی تقدیر اس طرح تھی **اعبدوا ربکم متعرضین لان تتقوا** مگر سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ اس کو شاہی محاورہ پر محمول کرلیا جائے جیسے کہا جائے کہ مابدولت یہ امید رکھتے ہیں کہ تم ہمارے احکام کی خلاف ورزی سے بچو گے اسی طرح ''عجب نہیں'' یہ بھی شاہی محاورہ ہے۔ بڑوں کی ذرا سی امید کی جھلک اور کرن کو دکھلا دینا بھی دوسروں کو ہزار یقین دہانیوں سے بڑھ چڑھ کر ہوتا ہے۔ **کلام الملوک ملوک الکلام۔**

ہر چیز میں حلت اصل ہے: ....**لکم الارض فراشاً** میں علماء نے دو نکتے بیان کئے ہیں اول یہ کہ لام نفع سے اشارہ اس طرف ہے کہ شرعاً تمام چیزوں میں اصل حلت ہے۔ حرمت عارضی اور محتاج دلیل ہوتی ہے علامہ زمخشری اور صاحبِ مدارکؒ نے اس کو ابوبکرؒ رازی اور معتزلہ کا استدلال قرار دیا ہے۔ امام فخرؒ الاسلام نے معارضہ کی بحث میں کہا ہے کہ اباحت اور حرمت کا جب تعارض ہوجائے تو حرمت کو مؤخر اور ناسخ سمجھ کر ترجیح دی جائیگی اور حلت اصل ہونے کی وجہ سے سابق اور مرجوح ہوگی ورنہ حرمت کو اصل ماننے سے دو دفعہ نسخ ماننا پڑے گا۔ مفصل کلام کیلئے مبسوطات کا مطالعہ کیا جائے۔

زمین گول ہے یا چپٹی؟: ....اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ لفظ فراش سے زمین کا کروی الشکل ہونا یا مسطح ہونا لازم نہیں آتا اور نہ یہ فراش ہونا ان میں کسی ایک کے منافی ہے، زمین کا فراش کی صورت میں ہونا اور اس پر اٹھنا بیٹھنا لیٹنا یہ دونوں صورتوں میں حاصل ہوسکتا ہے۔ جس کرہ کا حجم بہت چھوٹا ہو اس پر فراش باعثِ دشواری ہوسکتا ہے مگر جبکہ عظیم الجسم کرہ ہو تو اس پر بے شمار مخلوق گنجائش کے مطابق رہ سکتی ہے۔ چنانچہ سطح سمندر سے بلند زمین کا ایک بہت بڑا حصہ خط استواء سے شمالی جانب اور تھوڑا سا حصہ جنوبی سمت واقع ہے جس میں تمام مخلوق آباد ہے۔ یہ زمین اپنی اصل سے کروی بنائی گئی تھی لیکن بادوباراں اور طوفانی حوادث سے اس میں بلندی اور پستی پیدا ہوگئی اور حقیقی کرویت باقی نہیں رہی۔

قرآن کا موضوع: ....لیکن ان سب تحقیقات کا میدان فلسفہ اور جغرافیہ ہوسکتا ہے؟ زمین گول ہے یا مسطح، زمین متحرک ہے یا ساکن آسمانوں کا وجود ہے یا نہیں، شمس وقمر اور کواکب ونجوم کی رفتار اور پیمائش کے مسائل، غرض یہ کہ جو باتیں قرآن کے موضوع سے خارج ہیں قرآن کو ان کے لئے اکھاڑہ بنانا کہاں کا انصاف ہے۔ یہ تحقیقات تو روزانہ بدلتی رہتی ہیں صحیح بات غلط اور غلط بات صحیح بن جاتی ہے تو کیا کلام الٰہی بھی اسی طرح کی ربڑ ہے کہ جب چاہا اور جتنا چاہا کھینچ لیا اور جب چاہا سکوڑ لیا۔

من انواع الثمرات سے جلال محققؒ نے من کے بیانیہ ہونے کی طرف اشارہ کردیا کہ عام چیزیں مراد ہیں چاہے انسانی خوراک کی ہوں یا جانوروں کا چارہ اور بعض کے نزدیک من تبعیضیہ ہے۔ **ای بعض الثمرات۔**

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ شَكٍّ **مِّمَّانَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا** مُحَمَّدٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ اَنَّهٗ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ **فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ** اَیِ الْمُنَزَّلِ وَمِنْ لِلْبَيَانِ اَیْ هِیَ مِثْلُهٗ فِی الْبَلَاغَةِ وَحُسْنِ النَّظْمِ وَالْاِخْبَارِ عَنِ الْغَيْبِ وَالسُّوْرَةُ قِطْعَةٌ لَهَا اَوَّلٌ وَاٰخِرٌ وَاَقَلُّهَا ثَلَاثُ اٰيَاتٍ **وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ** اٰلِهَتَكُمُ الَّتِیْ تَعْبُدُوْنَهَا **مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَیْ غَيْرِهٖ لِتُعِيْنَكُمْ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿۲۳﴾ فِیْ اَنَّ مُحَمَّدًا اَقَالَهٗ مِنْ عِنْدِ نَفْسِهٖ فَافْعَلُوْا ذٰلِكَ فَاِنَّكُمْ عَرَبِيُّوْنَ فُصَحَاءُ مِثْلُهٗ وَلَمَّا عَجَزُوْا عَنْ ذٰلِكَ قَالَ تَعَالٰى **فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا** مَا ذُكِرَ بِعَجْزِكُمْ **وَلَنْ تَفْعَلُوْا** ذٰلِكَ اَبَدًا لِظُهُوْرِ اِعْجَازِهٖ اِعْتِرَاضٌ **فَاتَّقُوْا** بِالْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَاَنَّهٗ لَيْسَ مِنْ كَلَامِ الْبَشَرِ **النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ** الْكُفَّارُ **وَالْحِجَارَةُ** ۚ كَاَصْنَامِهِمْ مِنْهَا يَعْنِیْ اَنَّهَا مُفْرِطَةُ الْحَرَارَةِ تَتَقِدُ بِمَا ذُكِرَ لَا كَنَارِ الدُّنْيَا تَتَقِدُ بِالْحَطَبِ وَنَحْوِهٖ **اُعِدَّتْ** هُيِّئَتْ **لِلْكٰفِرِيْنَ** ﴿۲۴﴾ يُعَذَّبُوْنَ بِهَا جُمْلَةٌ مُسْتَاْنَفَةٌ اَوْحَالٌ لَازِمَةٌ

ترجمہ: .... اور اگر تم لوگ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے اتاری ہے اپنے خاص بندہ (حضرت محمد ﷺ) پر (اور خلجان قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کے متعلق ہو) تو اچھا پھر بنالاؤ اس کی مانند ایک سورۃ (یعنی قرآن کے مثل اور من بیانیہ ہے یعنی وہ سورۃ، بلاغت، بہترین نظم اور غیبی اطلاعات میں قرآن کی مثل ہو۔ سورۃ ایک چھوٹے سے ٹکڑے کو کہتے ہیں جس کا اول وآخر ہو اور کم از کم اس میں تین آیات ہوں) اور بلالو اپنے حمایتیوں (اور ان معبودوں کو جن کی تم بندگی کرتے ہو) اور خدا سے الگ تم نے ان کو تجویز کر رکھا ہے (اپنی اعانت وحمایت کے لئے) اگر تم اس بیان میں سچے ہو (کہ محمد ﷺ نے خود طبع زاد یہ مضمون بنا رکھے ہیں تو تم بھی طبع آزمائی کر کے دیکھ لو۔ آخر تم بھی محمد ﷺ کی طرح فصیح عرب ہو جب ان سے یہ نہ بن پڑا تو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) پھر اگر تم (مذکورہ) کام نہ کرسکو (اپنے عجز کی وجہ سے) اور ہرگز تم اس کام کو نہیں کرسکو گے (تا قیامت قرآن کے معجز ہونے کی وجہ سے اور یہ جملہ معترضہ ہوا۔ ایمان باللہ کی وجہ سے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے) پھر تو جہنم کی آگ سے بچتے رہنا کہ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے (مثلاً پتھر کے بت یعنی جہنم کی آگ مذکورہ چیزوں سے روشن کرنے کی وجہ سے بے حد شدید ہوگی۔ وہ دنیاوی آگ کی طرح نہ ہوگی جو ایندھن وغیرہ سے جلائی جاتی ہے) اور وہ جہنم کافروں کے لئے تیار کی جاتی ہے۔ (جس میں ان کو عذاب دیا جائے گا یہ جملہ مستانفہ یا حال لازمہ ہے)۔

ترکیب وتحقیق: .... فی ریب میں فی ظرفیہ مبالغہ کے لئے ہے یعنی شک نے ان کا احاطہ ظرفی کر رکھا ہے۔ من مثلہ کی ضمیر اگر ما انزلنا کی طرف راجع ہے جس سے مراد قرآن ہے تو من میں تین احتمال ہیں۔ بیانیہ یا تبعیضیہ یا زائدہ علی رای الاخفش دوسری صورت یہ ہے کہ ضمیر لفظ عبد کی طرف راجع ہو جس سے مراد آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہے اس صورت میں من ابتدائیہ ہوگا یا فاتوا کا صلہ ہوگا۔ دوسری صورت میں چونکہ غیر امی سے قرآن کے صدور کا احتمال وامکان باقی رہتا ہے اس لئے پہلی صورت زیادہ بہتر ہے۔

نزول وتنزیل کا فرق: .... نزلنا، انزال کہتے ہیں ایک دم مجموعی طور پر نازل کرنے کو اور تنزیل کہتے ہیں تھوڑا تھوڑا، آہستہ آہستہ وقت ضرورت اتارنے کو۔ قرآن کی یہ دونوں صفتیں ہیں۔ اس کا نزول اول من اللوح الی سماء الدنیا جملۃ اور بتمامہا ہوا ہے اس لئے بعض جگہ اس کو انزال سے تعبیر کیا گیا ہے اور پوری مدت تبلیغ ونبوت میں یعنی ۲۳ سال میں تھوڑا تھوڑا اترتا رہا............

اس لئے اس کو تنزیل سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ بنیادِ اشتباہ اور منشائے شبہ ان کے لئے یہی ہوا کہ جس طرح شعراء اپنے دیوان، غزل، قصائد کو تھوڑا تھوڑا کر کے پورا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ بھی چونکہ ایسا ہی کرتے ہیں اس لئے کافر سمجھتے ہیں کہ یہ کلام محمد ﷺ ہے۔ کلامِ الٰہی اگر ہوتا تو اس کو پورا اتارنے پر قدرت بھی ہے اور اس کی عادت بھی یہی ہے جیسا کہ توراۃ ایک دفعہ لکھ کر دیدی گئی تھی چنانچہ وہ کہتے تھے **لولا انزل علیه القراٰن جملة واحدة** تحدی میں اسی شبہ کا ازالہ کرنا ہے اس لئے انزلنا کی بجائے نزلنا کہا گیا ہے **عبدنا** میں آپ ﷺ کی ذات کو عبد سے تعبیر کر کے اور اس کو ضمیر متکلم کی طرف مضاف کر کے آپ ﷺ کی تشریف وتوقیر اور اعتدال تعظیم کی طرف اشارہ کر دیا۔ یعنی آپ ﷺ مقام الوہیت میں نہیں ہیں بلکہ آپ ﷺ مقامِ عبودیت میں ہیں جو سب مقامات میں عالی تر ہے اور ہمارے مخصوص بندے ہیں وہ جس کو اپنا کہہ دیں اس کی بندگی کا پھر کیا پوچھنا ہے **من دون الله** یہ **ادعوا یا شهداء** سے متعلق ہے مقصود اس امر سے تعجیز ہے۔ **فافعلوا ذلک** مفسر علامؒ اشارہ کر رہے ہیں کہ یہ **ان کنتم صٰدقین** شرط کی جزاءِ محذوف ہے۔ **وقود** جمہور کے نزدیک بفتح الواؤ قرأت ہے، یعنی ایندھن اور ایک قرأت میں بضم الواؤ بھی ہے آگ جلانا جیسے لفظ وَضُوْء، اور وُضُوْء میں بعینہٖ یہی فرق ہے **فان لم تفعلوا** میں اِنْ کے ساتھ ذکر کرنا تہکماً یا علی عادۃ الناس ہے کیونکہ تامل سے پہلے ان کا عجز محقق نہیں ہوا تھا۔ ورنہ حقیقۃً کلام باری میں اس قسم کے الفاظ شک کا آنا باعثِ اشکال ہوگا۔ **النار** سورہ بقرہ چونکہ مدنیہ ہے اس لئے یہاں معرفہ لانا صحیح ہے۔

اور سورۂ تحریم مکی ہے وہاں اول مرتبہ نار کا ذکر آیا اس لئے نکرہ کے ساتھ ذکر کیا معرف باللام لانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ **فاتقوا** کے بعد جلال محققؒ نے جو عبارت نکالی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تقویٰ کا ذریعہ جس ایمان کو قرار دیا گیا ہے اس کے مؤمن بہ یہ دو ہیں ایک اللہ پر ایمان لانا دوسرے قرآن کا کلامِ الٰہی ہونا اور انسانی یعنی کلام محمدؐ نہ ہونا۔ **اوحال لازمة** اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ **وقودها** کی ضمیر سے اس کو حال نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ ضمیر مضاف الیہ ہے اور مضاف اسم جامد ہونے کی وجہ سے عامل نہیں ہوسکتا۔ "ان کنتم" شرط "فاتوا بسورة" جزاء. **مما نزلنا** بحذف الضمیر موضع جر میں صفت ہے ریب کی ما موصولہ **من مثله** صفت ای بسورة کائنة مثله **وادعوا شهدآء کم** جملہ انشائیہ معطوف ہے **فاتوا** پر **من دون الله شهداء** سے موضع حال میں ہے۔ ای شهداء کم متفردین عن الله **ان کنتم** شرط کا جواب محذوف ہے، "فان لم تفعلوا" شرط اور **فاتقوا** جزاء، **لن تفعلوا** جملہ معترضہ ہے۔ **اعدت للکافرین** موقع حال میں ہے **النار** سے۔ اور عامل **فاتقوا** ہے۔

ربط وشانِ نزول: .... توحید کے بعد یہاں سے نبوت اور رسالت کا بنیادی مسئلہ شروع ہوتا ہے۔ نبوت کی روشن دلیل چونکہ معجزہ ہوتا ہے دیگر انبیاءؑ کو اپنے اپنے زمانہ کے مناسب جس طرح ہزاروں معجزات دیئے گئے ہیں جو ان کے لئے دلیلِ نبوت بنے اسی طرح آنحضرت ﷺ کو بے شمار معجزات عطا ہوئے ان میں سے سب سے بڑا علمی معجزہ قرآن پاک ہے جو آپ ﷺ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے اس کے دلیل ہونے میں مخالفین کو چونکہ یہ شبہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے عام مصنفین کی طرح اس کو خود ہی تھوڑا تھوڑا تصنیف کر لیا ہے جس سے اس کا کلام الٰہی اور معجز ہونا مشتبہ اور محل کلام بن گیا اس لئے دلیل نبوت ہی گویا مشتبہ ہوگئی اس آیت میں اشتباہ کو دلیل سے رفع فرماتے ہیں تا کہ دلیلِ نبوت بے غبار اور صاف ہو جائے۔

﴿ تشریح ﴾: ...... **خدائی چیلنج اور دشمنوں کا اعترافِ شکست**: .... یہ تحدی متعدد مواقع پر بار بار کی گئی ہے جس کی ترتیب علیٰ سبیل التنزیل اس طرح ہے کہ اول آیت میں **قل لئن اجتمعت الانس و الجن علىٰ ان یاتوا بمثل هٰذا القراٰن لایاتون بمثلهٖ ولو کان بعضهم لبعضٍ ظهیراً** سے پورے قرآن کے مثل کا چیلنج دیا گیا لیکن کوئی حرکت نہ ہوئی تو

مطالبہ میں تخفیف کرتے ہوئے کہا گیا فاتوا بعشر سور مثله مفتریٰت وادعوا من استطعتم من دون الله ان کنتم صدقین اس پر بھی جب کوئی نہ سہا تو یہ آیت فاتوا بسورة من مثله کہہ کر جھنجھوڑا گیا لیکن پھر بھی کچھ سانس آواز نہ نکلی تو فلیاتوا بحدیث مثله ان کانوا صدقین فرما کر انتہا کردی۔ تاہم آپ ﷺ نے قرآن کی سب سے چھوٹی آیتوں والی سورۂ کوثر لکھوا کر عرب کے دستور کے مطابق باب کعبہ پر آویزاں کرادی گئی روز برابر لٹکی رہی مگر سب کو گویا سانپ سونگھ گیا بالآخر کسی افصح الشعراء نے اس کے آخر میں ایک جملہ "لیس هذا من طاقة البشر" اضافہ کرکے اپنے عجز کا کھلا اعتراف کرلیا۔ ولن تفعلوا میں چونکہ اخبار بالغیب اور پیشن گوئی ہے اس لئے یہ ایک مستقل دوسرا معجزہ ہوگا کہ مخالفین کے بھرے مجمع میں پہلے ہی قدم پر ان کو ناکامی کی خبر دیدی گئی پھر ہر چند جھنجوڑا گیا، اکسایا گیا، غیرتیں دلائی گئیں، شرمندہ کیا گیا اور یہ سن کر گیا کچھ جوش وخروش نہ ہوا ہوگا، پیچ وتاب نہ آیا ہوگا، جان و مال کی بے انتہا قربانیاں دینے والی پوری قوم جس نے جوان اولاد، مایۂ ناز بہادر اور قیمتی اثاثہ سب کچھ محمد ﷺ کے مقابلہ میں جھونک دیا ہو اور وہ اس قسم کے سنہرے اور بہترین موقعہ کو یوں ہی گنوا سکتی تھی کیا خون کی ہولی کھیلنے والوں نے کوئی دقیقہ اٹھا رکھا ہوگا جبکہ بات محض بات کے ضلع میں آ کر رک گئی۔

معجزاتِ انبیاء: .... چنانچہ ہر زمانے میں پیغمبروں نے ان ہی چیزوں میں لوگوں کو شکست فاش دی ہے جس میں لوگوں کو کمال شہرت اور نام حاصل تھا۔ داؤد علیہ السلام کے لوہے کی صنعت معراج کمال پر تھی لیکن النا له الحدید سے ان کا تفوق ظاہر کیا گیا اس وقت کی ساری دنیا نے گویا ان کا لوہا مان لیا۔ موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ سحر اور ساحروں اور ان کے کرشموں اور کرتبوں سے لبریز تھا، لیکن عصاء موسوی اور ید بیضا کے آگے والقی السحرة ساجدین کا مظاہرہ دنیا نے دیکھ لیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کا دور ڈاکٹری اور علاج وتدبیر کے عروج کا دور تھا۔ مگر لا علاج مریضوں کو بغیر کسی دوا اور علاج بلکہ مردوں تک کو زندہ کر کے تمام ظاہری تدابیر کا ریکارڈ توڑ دیا گیا۔ مگر یہ سب عملی کارنامے تھے جو ایک مخصوص وقت تک رہے مخصوص لوگوں نے دیکھے، بعد میں وہ محض ایک تاریخ ہو کر رہ گئے۔

خدا کے دشمنوں میں کھلبلی: .... مگر آنحضرت ﷺ کا دور میمون آیا آپ ﷺ جس ملک اور قوم میں پیدا ہوئے زورِ کلام اور زبان آوری میں ان کا حال تھا کہ اپنے سامنے وہ ساری دنیا کو گونگی سمجھتے اور کہتے تھے ان کے جوان اور بڑے مرد تو رہے ایک طرف ان کی عورتیں تک آگ لگا دینے والی خطیبہ اور شاعرہ تھیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ کا حال یہ کہ تعلیم وتربیت تو رہی ایک طرف اس کے ظاہری اسباب تک سے آپ ﷺ محروم کردیئے گئے تھے۔ نہ ماں، نہ باپ، نہ بہن، نہ بھائی، دادا، اور چچا بھی ساتھ نہ دے سکے وہ بھی مخالف ہی رہے اندریں حالات آپ ﷺ کا علمی اور کلامی بے مثل وبے نظیر معجزہ پیش کرنا یقیناً اتمام حجت اور برہان قوی ہوگا کہ سب عاجز ہوکر اپنا سامنہ لیکر بیٹھ رہے، یہ قطعی دلیل ہے قرآن کے معجزہ ہونے کی اور یہ بات عادتاً محال ہے کہ کسی نے کچھ لکھا ہو اور وہ ضائع ہوکر رہ گیا ہو۔ کیونکہ آج کی طرح ہر زمانہ میں قرآن کے حامی کم اور مخالف زیادہ رہے ہیں تو قرآن جس کے حامی کم رہے ہوں جب وہ محفوظ چلا آ رہا ہے تو جس مخالف تحریر کے حامی زیادہ رہے ہوں گے وہ کیسے ضائع ہوگئی۔ اس لئے یہ احتمال محض لغو ہے۔ اور جس کا جی چاہے آج بھی طبع آزمائی بلکہ قسمت آزمائی کرکے دیکھ لے، اور جنہوں نے کی ان کو منہ کی کھانی پڑی ہے۔

کوّا چلا ہنس کی چال: .... چنانچہ یمامہ کے ایک شخص مسیلمہ کذاب نے قرآن کے طرز پر چند آیات پیش کرنے کی نامسعود کوشش کی مثلاً (۱) والنساء ذات الفروج (۲) الفیل و مالدراك ما الفیل ذنبه قلیل و خرطوم طویل وانه من خلقة ربك لقلیل تو اس پر اس کے ہم قوم لوگوں نے ہی مذاق اڑایا۔ کہاں کلام نبی ﷺ اور کہاں کلام متنبی؟ اسی طرح بعض علمائے شیعہ نے سورۂ

فاطمہ اور سورۂ حنین بنا کر قرآن میں ملانے کی نامبارک سعی کی، مگر دنیائے علم وادب سے ان کو منہ چڑایا گیا، اور بعض حماقت مآب لوگوں نے مقامات حریری جیسی ادیبانہ کتابوں کو قرآن کے برابر میں لا کر رکھنے کا مشورہ دیا جس کی قیمت مدعی سست گواہ چست سے زیادہ نہیں نکلی واقعہ یہ ہے کہ خدا کے کام جس طرح بے مثل ہیں اسی طرح اس کا کلام بھی بے نظیر ہے۔ ہم گلاب بنا سکتے ہیں اور بہت خوبصورت بنا سکتے ہیں لیکن پانی کا ایک قطرہ جس سے خدائی قدرتی گلاب کی رونق اور شباب دوبالا ہو جاتا ہے ہمارے کاغذی گلاب کا حباب توڑنے کے لئے کافی ہوسکتا ہے۔ یہ کاغذی گلاب ایک قطرۂ شبنم پڑنے سے گھلا جاتا ہے اور قدرتی گلاب اور دمک جاتا ہے اور مہک اٹھتا ہے اس سے اصل اور نقل کا فرق کھل کر سامنے آجاتا ہے یہی حال کلام کا بھی ہے۔ کلام الملوك ملوك الکلام۔

قرآن کی بہارِ تازہ:............ نیز قرآن کا یہ معجزہ دوسرے وقتی اور عملی معجزوں کی طرح نہیں ہے بلکہ یہ ایک عملی اور غیر فانی معجزہ ہے اس کی بہار حسن جو روز اول تھی وہی آج تک باقی ہے، اعدت ماضی کا صیغہ اپنے حقیقی معنی کے لحاظ سے دلالت کر رہا ہے کہ جنت وجہنم دونوں پیدا ہو چکی ہیں پس معتزلہ کا یہ کہنا کہ جزاء وسزاء کے وقت سے پہلے ان کو پیدا کرنا عبث اور بے فائدہ ہے۔ اور بے فائدہ کام کرنے سے اللہ بری ہے یہ استدلال باطل ہے نیز پہلے سے پیدا کرنا لغو بھی نہیں ہے یہ کیا کم فائدہ ہے کہ لوگوں کے لئے ترغیب و ترہیب کا کام لیا جائے جیسے بادشاہ اپنی سلطنت کے استحکام کے لئے پہلے ہی سے جیل خانے بنوا دیتا ہے۔ اس وقت کوئی شبہ نہیں کرتا کہ جب کوئی چوری کرے گا تب جیل خانہ بنوائے، کوئی بغاوت کرے تب پھانسی کا تختہ لٹکانا چاہئے۔

وَبَشِّرِ اَخْبِرْ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** صَدَّقُوْا بِاللّٰهِ **وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** مِنَ الْفُرُوْضِ وَالنَّوَافِلِ **اَنَّ** اَیْ بِاَنَّ **لَهُمْ جَنّٰتٍ** حَدَائِقَ ذَاتَ شَجَرٍ وَمَسَاكِنَ **تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا** اَیْ تَحْتَ اَشْجَارِهَا وَقُصُوْرِهَا **الْاَنْهٰرُ** اَیِ الْمِيَاهُ فِيْهَا وَالنَّهْرُ الْمَوْضِعُ الَّذِیْ يَجْرِیْ فِيْهِ الْمَاءُ لِاَنَّ الْمَاءَ يَنْهَرُهٗ اَیْ يَحْفِرُهٗ وَاِسْنَادُ الْجَرْیِ اِلَيْهِ مَجَازٌ **كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا** اُطْعِمُوْا مِنْ تِلْكَ الْجَنَّاتِ **مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ** اَیْ مِثْلُ مَا **رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ** اَیْ قَبْلَهٗ فِی الْجَنَّةِ لِتَشَابُهِ ثِمَارِهَا بِقَرِيْنَةِ **وَاُتُوْا بِهٖ** جِيْئُوْا بِالرِّزْقِ **مُتَشَابِهًا ؕ** يُشْبِهُ بَعْضُهٗ بَعْضًا لَوْنًا وَيَخْتَلِفُ طَعْمًا **وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ** مِنَ الْحُوْرِ وَغَيْرِهَا **مُّطَهَّرَةٌ ۙ** مِنَ الْحَيْضِ وَكُلِّ قَذَرٍ **وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** ﴿۲۵﴾ مَاكِثُوْنَ اَبَدًا لَا يَفْنُوْنَ وَلَا يَخْرُجُوْنَ

ترجمہ:............ اور خوشخبری (یعنی خبر) سنا دیجئے اہل ایمان کو (جن لوگوں نے اللہ کی تصدیق کی) اور اعمال صالحہ کئے (یعنی فرائض ونوافل ادا کئے) اس بات کی کہ ان کے لئے جنتیں ہیں (یعنی باغات کہ جن میں درخت اور کوٹھی بنگلے بھی) ان کے پائیں میں (یعنی ان درختوں اور محلات کے نیچے) نہریں چل رہی ہوں گی (یعنی جو پانی ان نہروں میں ہوگا وہ جاری ہوگا۔ اور نہر پانی جاری ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں کیونکہ پانی اس جگہ کو کھود کر گڑھا کر دیتا ہے اور جاری ہونے کی نسبت نہر کی طرف کرنا مجازا ہے) جب بھی ان باغات سے ان کو رزق دیا جائے گا (یعنی کھلائے جائیں گے ان باغات کے پھل بطور غذا تو کہیں گے یہ تو بعینہ وہی ہے (یعنی مثل اس کے ہے) جو ہم اس سے پہلے کھا چکے ہیں (یعنی جنت ہی میں اس سے پہلے یہ کہنا پھلوں کے یکساں ہونے کی وجہ سے ہوگا اور قرینہ اُتُوابِہٖ ہے) دیا جائے گا (ان کو رزق) ملتا جلتا (کہ رنگت میں تو ایک دوسرے کے مشابہ ہوگا مگر ذائقہ میں بالکل مختلف) اور ان کے لئے جنت میں بیبیاں ہوں گی (یعنی حوریں وغیرہ) پاک صاف (حیض اور ہر قسم کی گندگی سے) اور وہ لوگ ہمیشہ کے لئے جنت میں بسنے والے ہوں

گے (یعنی ابدی رہنا نصیب ہوگا نہ مریں گے اور نہ نکلیں گے)۔

ترکیب و تحقیق: .... **بشـر** کے بعد **اخبـر** کہہ کر اشکال کے دفعیہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بشارت خبر ومسرت کو کہتے ہیں۔ یہاں تو اس کا محل صحیح اور حقیقی ہے مگر **فبشـر هـم بعذاب اليم** جیسے مواقع پر مجازاً بمعنی **اخبر** لینا پڑے گا یا تہکم اور استہزاء مقصود ہوگا۔ اِنَّ کی تفسیر میں بَانَّ کہنا اس طرف مشیر ہے کہ "بشو" کا معمول بتقد یرحرف الجر ہے جب حذف ہوگیا تو فعل کا عمل بلا واسطہ ہوگیا۔ جنت اس کا مادہ ج ن جہاں بھی ہوگا اس میں پوشیدگی کے معنی ضرور ہوں گے چنانچہ جنـت بھی نگاہوں سے مستور ہے۔ باغ درختوں سے گھنا رہتا ہے جن کو بھی بہ نسبت بشر کے مستور سمجھا جاتا ہے جُنة ڈھال بھی ساتر ہوتی ہے **جنـان** قلب **جنـاح** باز ومناسبت ظاہر ہے **تحتها** کے بعد **اشـجا رها وقصور ها** نکال کر جلال محققؒ ایک شبہ کا دفعیہ کرنا چاہتے ہیں کہ باغ سے نیچے نہر کا جاری ہونا اتنا خوبصورت اور نشاط انگیز نہیں ہوتا جس قدر روح پرور باغ کے اندر نہر کا جاری ہونا ہوتا ہے وجہ دفع ظاہر ہے کہ عبارت بتقد یرالمضاف ہے۔ یعنی باغ کے اندر درختوں اور محلات کے نیچے جاری ہونا مراد ہے۔ **الانهٰر** کے بعد **المـيـاه** کی عبارت سے اس طرف اشارہ ہے کہ نہر جاری میں مجاز عقل اسناد مجازی ہے یعنی مراد ماء النہر جاری ہے آگے نہر کا وجہ تسمیہ بتاتے ہیں چونکہ نہر کے معنی کھودنے کے ہیں پانی کے مسلسل چلنے اور اتار چڑھاؤ سے پکی زمین میں نشیب ہو ہی جاتا ہے اس لئے نہر کہا جانے لگا **من تـلـک الجنات** اس لئے کہا تا کہ **منها** میں من ابتدائیہ ہونا معلوم ہوجائے **هـذا** کے بعد **ای مثـل** سے تفسیر کی اس لئے ضرورت پیش آئی کہ لفظ **هـذا** سے دونوں کھاتوں کا بعینہ ایک ہونا لازم آتا ہے جو خلاف واقع ہے لیکن مراد مماثلت ہے **ای قبله فی الجنة** کہہ کر جلال محققؒ نے کہنا چاہا ہے کہ قبلیت سے مراد قبلیت فی الجنۃ ہے قبلیت دنیاوی مراد نہیں جیسا کہ بعض دوسرے حضرات کی رائے عام رکھنے کی ہے کہ چاہے جنت سے پہلے دنیا میں ہونا مراد ہو یا خود جنت میں عجیب بات یہ ہے کہ آگے مفسر علامؒ اپنی دلیل میں جو قرینہ لفظ **اتـوا** پیش کر رہے ہیں یہی عام کہنے والوں کا متدل بھی ہوسکتا ہے۔ **متشـابهـاً** کی ایک صورت تو یہ ہے کہ صورت اور ذائقہ دونوں یکساں ہوں یہ اتنا عجیب نہیں جتنا کہ رنگت میں یکسانیت اور ذائقہ میں اختلاف حیرت انگیز اور تعجب خیز ہوتا ہے .... **مطهـرة** بہتر یہ ہے کہ عام رکھا جائے کہ ہر قسم کی نجاسات اور احداث سے ظاہری طہارت ہو یا اخلاقِ رذیلہ سے پاک صاف ہوں۔ کیونکہ دونوں باتیں عیب کی ہیں بالخصوص عورتوں میں اخلاق کی دنائت موجب اذیت ہوتی ہے۔ **بشو** فعل بافاعل۔ **الذين آمنوا** جملہ اس کا مفعول **جنت** موصوف **تجری من تحتها الانهٰر** جملہ اس کی صفت اول مل کر اِنَّ کا اسم اور **لهم** خبر مقدم۔ جملہ بتقد یربان متعلق **بشـر** ہوگیا۔ **كـلـمـا رزقوا الخ** جملہ شرطیہ۔ دوسری صفت یا مبتدائے محذوف کی خبر یا جملہ مستانفہ ہے **واتـوا بـه متشابهًا** جملہ معترضہ ہے **ازواج** موصوف۔ **مطهرة** صفت مل کر مبتدا **لهم** خبر مقدم جملہ مستانفہ ہوا۔ **هم** مبتدا **خالدون** خبر۔ **فيها** اس کے متعلق جملہ مستانفہ یا حال ہے **لهم** سے۔

ربط وشانِ نزول: .... پہلی آیت میں منکرین کے لئے جہنم کی وعید بیان کی تھی۔ اس آیت میں تسلیم کرنے والوں کے لئے جنت کی بشارت دی جاتی ہے تا کہ **وبـضـدهـا تتبيـن الاشيـاء** کے قاعدہ سے بات کے دونوں رخ پورے ہوجائیں۔ نیز جلالِ خداوندی سے کہیں فرمانبردار بھی مغموم وملول نہ ہوجائیں اس لئے قرآن کریم کی عام عادت ہے کہ وہ ترغیب وترہیب دونوں کو ہم پلہ رکھتا ہے تا کہ اللہ کی دونوں شانیں جلالی اور جمالی ظاہر ہوتی رہیں۔

﴿تشریح﴾: .... **عالم میں خیر وشر:** .... اور اس عالم میں جس قدر خیر وشر یا نعمت ومصیبت کے افراد ہیں ان سب کو ایک دوسرے کے اثرات ملے ہوئے ہیں ایک چیز ایک لحاظ سے خیر ہے تو دوسرے اعتبار سے وہی چیز شر بھی ہے یا جو چیز ایک وجہ

سے شر اور مصیبت ہے وہی چیز دوسرے لحاظ سے نعمت اور خیر بھی ہے اپنی ذات سے کوئی چیز نہ خیر محض ہے اور نہ شر خالص اس لئے ضروری ہے کہ ان کے لئے ایسے منبع ہوں کہ جہاں خیر ہو اور شر کا وہاں نام ونشان تک نہ ہو۔ اسی طرح شر ہی شر ہو خیر کا وہاں گزر نہ ہو۔ ان ہی دونوں مرکزوں کو لسانِ شرع میں جنت یا جہنم کہا جاتا ہے۔ یہ جنت وجہنم فلاسفہ اور عیسائیوں کی بنائی ہوئی محض خیالی یا روحانی نہیں ہے بلکہ مادی بھی ہے اس عالم کے مادہ اور صورت کو قرار نہ ہو اور وہ حادث ہونے کی وجہ سے بدلتے اور فنا ہوتے رہتے ہوں۔ مگر اس عالمِ ابد کی ہر چیز غیر فانی ہے اس عالم کو اس عالم پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

جنت وجہنم کی حقیقت: .... جنت میں تمام لذائذ، راحت ونعمت کی انتہا ہوگی۔ اور جہنم میں شدائد ومصائب کی۔ حدیث مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا علی قلب بشر خطرت او کمال قال اور آیت کریمہ **وفیھا ماتشتھیه الانفس** سامان عیش کی خبر دے رہے ہیں اس آیت میں بھی کھانے پینے کے لذائذ باغ وبہار اور حسین وخوبصورت بیویوں کے جھرمٹ کی بشارت سنائی جا رہی ہے طرح طرح کے میوے جو رنگت میں یکساں ہوں جن کو دیکھ کر یہ شبہ ہو کر اس سے پہلے ابھی یا دنیا میں ہم کھا چکے ہیں۔ ان کو کھانے میں صرف قند مکرر کا لطف ہوگا مگر جب کھا کر نئی دنیا سامنے آئے گی تو لذت دوبالا ہو جائے گی لطف وسرور کی ایک نئی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

نیچری یا جاہل صوفی: .... لوگوں کا نیچریت زدہ ہونے کی وجہ سے یا جاہلانہ تصوف زدہ ہونے کی بنیاد پر جنت یا لذائذ جنت سے ناک اور بھنویں چڑھانا کوئی صحیح بنیاد نہیں رکھتا۔ البتہ جن خوش قسمت لوگوں کو احسانی تصوف کی ہوا لگ جاتی ہے وہ اس دنیا میں بھی اپنے معارف وکمالات سے ایوانِ جنت کی طرح لذت اندوز ہوتے رہتے ہیں بعض روایات سے جو معلوم ہوتا ہے کہ جنت ایک صاف میدان ہے اعمالِ دنیا نعمائے جنت کی شکلیں اختیار کر لیں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جنت بالفعل خالی ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ عامل کے حق میں تاوقتیکہ وہ اعمال نہیں کرے گا خالی ہے وہ اپنے لئے عمل کر کے بھی جنت سجا سکتا ہے۔

شروع سورت میں بھی ایمان کا ذکر آیا تھا مگر ضمناً اور اجمالاً آیا تھا مقصود اصلی کتاب اللہ کی فضیلت وبزرگی اور کمالِ ہدایت بیان کرنا تھا لیکن اس مقام پر ایمان کے فضائل وثمرات کا بیان بالقصد مدنظر ہے۔ اس لئے حقیقۃً تکرار نہیں رہا۔ باقی ایمان صرف تصدیق قلبی، یقین واذعان کا نام ہے، زبان سے اقرار حقیقی اور عنداللہ ایمان کے لئے شرط نہیں ہے۔ البتہ ایمان ظاہری کے لئے شرط ہے۔ باقی اعمالِ صالحہ ایک علیحدہ چیز ہے ان کو متمم ایمان کہا جا سکتا ہے لیکن ان کو شرط یا شطر ایمان نہیں کہا جائے گا ایمان واسلام کا فرق اور ایمان کا قابلِ زیادت ونقصان ہونا۔ یہ بحث کسی دوسرے مقام پر انشاء اللہ آئے گی۔

وَنَزَلَ رَدًّا لِقَولِ الیَهُودِ لَمَّا ضَرَبَ اللّٰهُ الْمَثَلَ بِالذُّبَابِ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا وَالْعَنْکَبُوْتِ مَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِذِکْرِ هٰذِهِ الْاَشْیَاءِ الْخَسِیْسَةِ **اِنَّ اللّٰهَ لَایَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ** یَجْعَلَ **مَثَلًا** مَفْعُوْلٌ اَوَّلٌ **مَّا** نَکِرَةٌ مَوْصُوْفَةٌ بِمَا بَعْدَهَا مَفْعُوْلٌ ثَانٍ اَیْ اَیَّ مَثَلٍ کَانَ اَوْ زَائِدَةٌ لِتَاکِیْدِ الْخِسَّةِ فَمَا بَعْدَهَا الْمَفْعُوْلُ الثَّانِیْ **بَعُوْضَةً** مُفْرَدُ لِبَعُوْضٍ وَهُوَ صِغَارُ الْبَقِّ **فَمَافَوْقَهَا** اَیْ اَکْبَرَ مِنْهَا اَیْ لَایَتْرُکُ بَیَانَهٗ لِمَا فِیْهِ مِنَ الْحِکَمِ **فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ** اَیِ الْمَثَلُ **الْحَقُّ** الثَّابِتُ الْوَاقِعُ مَوْقِعَهٗ **مِنْ رَّبِّهِمْ وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا** تَمیِیزٌ اَیْ بِهٰذَا الْمَثَلِ وَمَا اِسْتِفْهَامُ اِنْکَارٍ مُبْتَدَأٌ وَذَا بِمَعْنَی الَّذِیْ بِصِلَتِهٖ

خَبَرُهٗ اَیْ اَیُّ فَائِدَةٍ فِیْهِ قَالَ تَعَالٰی فِیْ جَوَابِهِمْ **یُضِلُّ بِهٖ** اَیْ بِهٰذَا الْمَثَلِ **كَثِیْرًا** عَنِ الْحَقِّ لِكُفْرِهِمْ بِهٖ **وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا** مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لِتَصْدِیْقِهِمْ بِهٖ **وَمَا یُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾** الْخَارِجِیْنَ عَنْ طَاعَتِهٖ **الَّذِیْنَ** نَعْتٌ **یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ** مَا عَهِدَهٗ اِلَیْهِمْ فِی الْكُتُبِ مِنَ الْاِیْمَانِ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ** تَوْكِیْدِهٖ عَلَیْهِمْ **وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ** مِنَ الْاِیْمَانِ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالرَّحِمِ وَغَیْرِ ذٰلِكَ وَاَنْ بَدَلٌ مِنْ ضَمِیْرِهٖ **وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ** بِالْمَعَاصِیْ وَالتَّعْوِیْقِ عَنِ الْاِیْمَانِ **اُولٰٓئِكَ** الْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَا ذُكِرَ **هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾** لِمَصِیْرِهِمْ اِلَی النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَیْهِمْ

ترجمہ: ....(یہ آیت یہود کے اس اعتراض کے جواب میں نازل ہوئی کہ جب آیت وان یسلبھم الذباب شیئاً میں حق تعالیٰ نے مکھی کی مثال بیان کی اور دوسری آیت کریمہ کمثل العنکبوت میں مکڑی کی مثال بیان کی تو کہنے لگے کہ اس قسم کی قابل نفرت اور خسیس چیزوں کا ذکر (قرآن میں) کرنے سے اللہ کا مقصد کیا ہوسکتا ہے؟) ہاں واقعی اللہ میاں تو نہیں شرماتے کہ بیان کردیں کوئی مثال (یہ مفعول اول ہے (ما نکرہ موصوفہ مابعد اس کی صفت یہ ملکر مفعول ثانی ہوا ای مثل کان دوسری صورت یہ ہے کہ ما کو زائدہ مانا جائے تاکید خست کیلئے اور اس کا مابعد مفعول ثانی ہو) مچھر کی (بعوضۃ مفرد ہے بعوض کا چھوٹا مچھر) یا اس سے زیادہ بڑھی ہوئی ہو (مافوق سے مراد اکبر ہے اور لایستحی کے معنی یہ ہیں کہ ان مثالوں میں چونکہ حکمت کی باتیں ہیں اس لئے ان کا بیان چھوڑا نہیں جائے گا) سو جو لوگ ایمان لاچکے ہیں وہ تو چاہے کچھ ہو یقین رکھتے ہیں کہ یہ (مثالیں) واقعی بہت موقعہ کی ہیں (یعنی برمحل اور مناسب حال ہیں) ان کے پروردگار کی جانب سے۔ رہ گئے وہ لوگ جو کافر بن گئے وہ تو یوں ہی کہتے رہیں گے (خواہ کچھ بھی ہوجائے) کہ آخر اس مثال کے بیان کرنے سے اللہ کا کیا مقصد ہوسکتا ہے (مثلاً تمیز ہے ای بھذا المثل اور ما استفہام انکاری مبتدا ہے اور ذا بمعنی الذی موصول مع اپنے صلہ کے اس کی خبر ہے۔ ای ای فائدۃ فیہ تقدیر عبارت ہے حق تعالیٰ اس استفہام کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس مثال کی وجہ سے گمراہ کردیتے ہیں بہت سے لوگوں کو (حق سے کفر کرنے کی وجہ سے) اور بہت سوں کو ہدایت دیدیتے ہیں (یعنی مؤمنین کو انکی تصدیق کی وجہ سے) اور اللہ کسی کو گمراہ نہیں کرتے مگر صرف نافرمانوں کو (جو اللہ کی اطاعت سے باہر ہوجاتے ہیں) جو اللہ کے اس عہد کو توڑ دیتے ہیں (جو اللہ نے اپنی کتابوں میں آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کا ان سے عہد لیا تھا) عہد کے پختہ ہونے کے بعد (یعنی تاکید وتوثیق کے باوجود) اور توڑتے رہتے ہیں ان قطعات کو جن کے جوڑنے کا خدا نے حکم فرمایا تھا (یعنی نبی ﷺ پر ایمان لانا اور صلہ رحمی کرنا وغیرہ "ان یوصل" بدل واقع ہورہا ہے بہ کی ضمیر سے) اور زمین میں فساد مچاتے رہتے ہیں (گناہوں کے ذریعہ اور ایمان میں رکاوٹیں پیدا کرکے) یہ لوگ (جن کے احوال پہلے معلوم ہوئے) تو بڑے خسارہ میں پڑنے والے ہیں (کیونکہ ابدی جہنم ان کا ٹھکانا ہے)

ترکیب وتحقیق: ....ضرب المثل، ضرب اللبین، ضرب الخاتم بولتے ہیں اصل میں ایک چیز کو دوسرے پر واقع کرنا حیا انسان کے اس اعتدالی خُلق کو کہتے ہیں جس میں بدنامی اور برائی کے خوف سے نفس میں تغیر واقع ہو۔ خجالت اس سے نچلا درجہ ہے اور وقاحت اس سے اوپر کا وصف کہ انسان برائیوں پر جری اور بے شرم ہوجائے حق تعالیٰ پر اس کا اطلاق حقیقۃً جائز نہیں ہے۔ اسی لئے مفسرؒ نے لایترک بیانہ سے اس کا ترجمہ کیا ہے گویا ملزوم مراد لیا گیا ہے۔ بعوضۃ مشتق بعض سے ہے جس کے معنی قطع کے

ہیں۔ یہ اصل میں مفعول کے وزن پر صفت کے معنی میں تھا۔ یعنی قطوع بعد میں اسمیت غالب آ گئی۔ تـــــا اس میں وحدۃ کی ہے ان یضرب بتقدیر من مجرور ہے۔ عندالخلیل اور سیبویہؒ کے نزدیک منصوب ہے، ما ابہامیہ ہے یا زائدہ ہے۔ **بعوض مثلاً** کا عطف بیان ہے ماذا اراد اللہ میں ما استفہامیہ مبتدا۔ اور ذا۔ بمعنی الذی مع صلہ کے خبر مثلاً منصوب ہے بنا برتمیز کے **فاسقین فَسَقَ** نکلنے کو کہتے ہیں **فسقت الرطبة عن قشرها**۔ چھوارا اپنے پوست سے باہر ہو گیا۔ فاسق چونکہ اطاعت خداوندی سے باہر ہو جاتا ہے۔ مفسر علامؒ نے **الخارجين** کہہ کر وجہ تسمیہ کی طرف اشارہ کر دیا ہے اس کے تین درجے ہوتے ہیں (۱) تغابی یعنی برا سمجھنے کے باوجود گناہ کا ارتکاب کر لینا ہے۔ (۲) انہماک یعنی گناہ کرنے کی عادت پڑ جائے اور کوئی پرواہ نہ کرے۔ (۳) جحود گناہ کی برائی دل سے ہٹ جائے اور اس کا استحسان قائم ہو جائے۔ یہ تیسرا درجہ کفر سے ملا ہوا ہے۔ **اما الذين** یہ متضمن نفی شرط کو ہے اس لئے خبر پر فاء جزائیہ لانا ضروری ہے **یضل** اور **یهدی** میں اسناد حق تعالیٰ کی طرف حقیقی ہے مجازی نہیں ہے اس لئے معتزلہ پر رد ہو سکتا ہے۔ **عهد** قابل حفاظت ورعایت چیز اسی لئے عرب، مکان، قسم، وصیت، تاریخ سب معانی میں استعمال کرتے ہیں۔ **نقض** رسی کے بٹ کھولنے کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں استعارہ تخییلیہ ہے۔

ربط وشانِ نزول: .... پچھلی آیت میں قرآن کریم کا کلام الٰہی ہونا بالدلیل ثابت ہو گیا ہے۔ مدعی کے ذمہ اثبات مدعا کے لئے جس طرح دلیل پیش کرنا ضروری ہوا کرتا ہے۔ مخالفین کے شبہات کا جواب دینا بھی ضروری ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ بعض مخالفین شبہات پیش کرتے تھے کہ اگر یہ کلام الٰہی ہے تو اس کا تقدس اور لطافت و نظافت اس کی متقاضی ہیں کہ اس میں دنی اور خسیس چیزوں کا ذکر بالکل نہیں ہونا چاہئے۔ کیا اللہ کو ان باتوں کے بیان کرنے سے حیا نہیں آتی؟ سو مقتضائے مقام یہ ہے کہ اپنی دلیل قائم کر کے مخالفین کی اس معترضانہ دلیل کا جواب دیا جائے چنانچہ اس کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

﴿ **تشریح** ﴾: ......**مثال کی حقیقت اور اس کا فائدہ:** .... ظاہر ہے کہ مثال سے مطلب ومدعا کی وضاحت کرنی ہوتی ہے اس لئے مثال میں اس چیز کے ساتھ مناسبت تلاش کرنی چاہئے جس کی وہ مثال ہے نہ کہ مثال دینے والے کے ساتھ مثال کا مناسب ہونا ضروری ہوتا ہے مثلاً جب کسی کی کمزوری بتلانی ہو تو عرش و کرسی، آسمان و زمین شیر اور ہاتھی مثال میں نہیں لائے جائیں گے بلکہ چیونٹی اور مچھر کو ذکر کرنا فصاحت و بلاغت ہوگا۔ پس قرآن کریم میں بھی بتوں کے درماندہ ہونے اور بت پرستی کے لچر ہونے کو نمایاں کرنے کے لئے مکڑی اور اس کے تنے ہوئے جالے کو بیان کرنا ہوگا۔ تمام حکماء، انبیاءؑ اور بلغاء کا کلام اس قسم کی مثالوں سے بھرا پڑا ہے اور یہی معنی **انه الحق** کے جن کی طرف جلال محقق نے اشارہ کیا ہے جس طرح **اما الذين آمنو** کے بعد **فيعلمون** کہا گیا ہے **اما الذين كفروا** کے بعد **فلا يعلمون** کہنا چاہئے تھا کہ مقابلہ صحیح ہو جاتا لیکن اس کی بجائے حق تعالیٰ نے **فيقولون** کہا تاکہ اس سے ان کی حماقت و جہالت معلوم ہو جائے۔

عہدِ خداوندی: .... عہد سے مراد عام لیا جائے گا جس میں اللہ اور بندوں کے درمیان جو عہد الست ہوا وہ بھی آ جائے اور انبیائے سابقین سے جو عہد آنحضرت ﷺ کی توثیق ونصرت لیا گیا ہے وہ بھی داخل ہو جائے، یا آپس میں بندوں کے مابین خواہ شرعی ہو جیسے صلہ رحمی وغیرہ یا از خود کیا ہوا جیسے بیع وشراء، اجارہ، عاریت وغیرہ معاملات میں، مخاطب اگر انصاف پسند اور طالب حق ہو تو جواب حکیمانہ ہونا مقتضائے حال ہوتا ہے لیکن جب مخاطب، ضدی، معاند، شریر ہو تو اس کے لئے حکیمانہ جواب کافی اور مفید نہیں ہوگا۔ یہاں بھی واسطہ اور سابقہ ایسے ہی لوگوں سے پڑا ہے اس لئے جواب کا طرز بدل کر طنزیہ لب ولہجہ اختیار کیا گیا ہے کہ تم دانستہ یہ دریافت کرتے

ہو کہ اس مثال کے بیان کرنے سے اللہ کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔ سو سنو! ہمارا مطلب اس سے یہ ہے کہ جواب کی تلخی بتلانے کے لئے ضرر کے پہلو کو نفع کے پہلو پر مقدم کر دیا گیا ہے۔ تاکہ مقام ناگواری کھل جائے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کوڑ مغز کو بار بار سمجھا کر یہ بتلا دیا جائے کہ یہ چیز ہم نے فلاں فلاں مصالح کے لئے بنائی ہے لیکن پھر بھی ہٹ دھرمی سے وہ باز نہ آئے، تو یہی کہا جائے گا کہ تیرے سر مارنے اور جھک مارنے کے لئے ہم نے چیز بنائی ہے۔ یہ آیت اصل ہے مشائخ صوفیاء کی اس عادت کی کہ وہ مثال بیان کرنے میں حیاء عرفی کی پرواہ نہیں کرتے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ يَا اَهْلَ مَكَّةَ **بِاللّٰهِ وَقَدْ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا** نُطَفًا فِي الْاَصْلَابِ **فَاَحْيَاكُمْ** فِي الْاَرْحَامِ وَالدُّنْيَا بِنَفْخِ الرُّوْحِ فِيْكُمْ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّعَجُّبِ مِنْ كُفْرِهِمْ مَعَ قِيَامِ الْبُرْهَانِ وَالتَّوْبِيْخِ **ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ** عِنْدَ انْتِهَاءِ اٰجَالِكُمْ **ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ** بِالْبَعْثِ **ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ** ﴿۲۸﴾ تُرَدُّوْنَ بَعْدَ الْبَعْثِ فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ وَقَالَ تَعَالٰى دَلِيْلًا عَلَى الْبَعْثِ لَمَّا اَنْكَرُوْهُ **هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ** اَيِ الْاَرْضَ وَمَافِيْهَا **جَمِيْعًا** لِتَنْتَفِعُوْا بِهٖ وَتَعْتَبِرُوْا **ثُمَّ اسْتَوٰٓى** بَعْدَ خَلْقِ الْاَرْضِ اَيْ قَصَدَ **اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ** الضَّمِيْرُ يَرْجِعُ اِلَى السَّمَآءِ لِاَنَّهَا فِيْ مَعْنَى الْجَمْعِ الْاٰئِلَةِ اِلَيْهِ اَيْ صَيَّرَهَا كَمَا فِيْ اٰيَةٍ اُخْرٰى فَقَضٰهُنَّ **سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ** ﴿۲۹﴾ مُجْمَلًا وَّمُفَصَّلًا اَفَلَا تَعْتَبِرُوْنَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى خَلْقِ ذٰلِكَ اِبْتِدَاءً وَهُوَ اَعْظَمُ مِنْكُمْ قَادِرٌ عَلٰى اِعَادَتِكُمْ۔

ترجمہ: .... تم اللہ کا انکار کیونکر کر سکتے ہو (اے اہل مکہ حالانکہ) تم بے جان تھے (یعنی باپ کی صلب میں بشکل نطفہ تھے) سو تم کو جاندار بنایا (ماں کے رحم میں روح پھونک کر اور دنیا میں یہاں استفہام کا مقصد ان کے کفر پر اظہار تعجب ہے۔ دلائل قائم ہونے کے باوجود اور زجر و توبیخ کرنا ہے) پھر تم کو موت دیں گے (عمر کے ختم ہونے پر) پھر تم کو جلائیں گے (یعنی قیامت میں زندہ کریں گے) پھر تم خدا ہی کے پاس لے جائے جاؤ گے (یعنی قبروں سے اٹھا کر پیش کئے جاؤ گے تاکہ تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جاسکے۔ آگے حق تعالیٰ منکرین بعث کو دلیل سے سمجھاتے ہیں) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے زمین کی چیزیں (یعنی زمین اور جو کچھ زمین میں ہے) تمام کی تمام تمہارے لئے پیدا کی ہیں (تاکہ تم ان سے نفع اور عبرت حاصل کرو) پھر متوجہ ہوئے (زمین کی پیدائش کے بعد یعنی قصد فرمایا) آسمان کی طرف۔ سو درست کر کے بنا دیا ان کو (ضمیر جمع ھن کی آسمان کی طرف راجع ہے کیونکہ آسمان باعتبار مایؤل الیہ کے معناً جمع ہے یعنی ان آسمانوں کو ٹھیک کر دیا چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہے فقضٰھن سبع سمٰوٰت) اور اللہ سب چیزوں کے جاننے والے ہیں (اجمالاً اور تفصیلاً بھی۔ کیا تم اس بات سے سبق حاصل نہیں کرتے کہ جو تم سے زیادہ اتنی بڑی بڑی چیزوں کو ابتداً پیدا کرسکتا ہے وہ کیا تمہارے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے)۔

ترکیب وتحقیق: .... وکنتم میں جلال مفسرؒ نے لفظ قد مقدر نکال کر اشارہ فرمایا کہ حال اور اس کے تمدہ کی طرف کہ ماضی جب حال ہو تو لفظ قد لانا ضروری ہے۔ ظاہر ہو یا مقدر نفخ الروح کا تعلق صرف الارحام کے ساتھ ہے والدنیا کے ساتھ نہیں ہے۔ استوی بمعنی اعتدال واستقامت استوی العود بولتے ہیں استوی الیہ کالسھم المرسل یعنی کجی وغیرہ نکال کر سیدھا

کر دیا جائے۔ **فسوٰھن** کے معنی بھی یہی ہیں کہ کجی یا ٹوٹ پھوٹ نکال کر درست کر دیا۔ چونکہ ضمیر جمع ہے اور مرجع **السماء** مفرد ہے۔ مفسر علامؒ اس کی توجیہ کرر ہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ لفظ کی حیثیت سے اگر چہ مفرد ہے مگر یہاں مراد مجموعی مصداق کے لحاظ سے جو معنًا جمع ہے یعنی سات آسمان۔ چنانچہ دوسری آیت کو استشہاد میں پیش کیا۔ **کیف** ہمزہ کے معنی میں ہے **کیف تکفرون** ای **اتکفرون باللہ ومعکم مایصرف عن الکفر** یہ ایسا ہی ہے جیسے **اتطیر بغیر جناح و کیف تطیر بغیر جناح فاحیاکم**. صرف ایک جگہ فا اور تین جگہ **ثم** سے تعبیر کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ اول وجود اور عدم میں اتصال ہے اور دوسری حالتوں میں کچھ نہ کچھ انفصال اور وقفہ ہوگا۔ **کیف تکفرون** جملہ استفہامیہ ضمیر انتم ذوالحال اور مابعد کے جملے حال ہیں۔

ربط :............ ابتدأ رکوع **یاَیُّھَا النَّاسُ** میں توحید وعبادت کا بنیادی مضمون مذکور تھا۔ اس کے بعد رسالت اور معجزہ قرآنی کا تذکرہ ہوا۔ شبہات کا ازالہ کیا گیا۔ اب پھر اسی مضمونِ توحید کا اعادہ کیا جاتا ہے اور ایک دوسری طرز کی فطری اور مؤثر دلیل سے اس کو پیش کیا جا رہا ہے تا کہ ابتداء کلام کی یکسانی ہو جائے۔

﴿ تشریح ﴾:............ ابتدأ رکوع میں جس طرح نعمائے عامہ مادی وظاہری انعامات کا تذکرہ تھا اس آیت میں بھی عمومی نعمتوں کا استحضار کرایا جا رہا ہے کہ جب اللہ کا خالق، رازق، مربی اور محسنِ اعظم ہونا اور یکتا ویگانہ ہونا دلائل کی روشنی میں ثابت ہو چکا پھر اس کے ان سارے احسانات کو بھلا کر غیروں کا کلمہ کیوں پڑھ رہے ہو۔

عالم کی چار حالتیں:............ مثلاً ایک دلیل یہ ہے کہ انسان کی چار حالتیں ہیں دو عدمی اور دو وجودی۔ یہ دنیاوی وجود دو عدموں کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ اس کے بعد عالمِ آخرت کا وجود ابدی ہوگا اس پر عدم کی چادر نہیں آسکے گی۔ ان مختلف حالات پر انسان کو نظر ڈالنی چاہئے کہ کون یہ رد و بدل کر رہا ہے اس مالک اور خالق کو پہچانو۔ اور خیر اگر ان دلائل میں غور نہیں کر سکتے کہ ان میں قوتِ عقلیہ کے صرف کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور اتنی محنت کا کام کون کرے۔ تو خیر محسن کا حق ماننا تو طبعی امر ہے۔ یہی سمجھ کر اللہ کی طرف رجوع ہو جاؤ۔ آگے عام اور خاص نعمتوں کا بیان شروع ہوتا ہے۔ کائناتِ عالم کی تمام چیزیں کسی نہ کسی فائدہ کے لئے بنائی گئی ہیں۔ جن میں اکثر کا فائدہ کسی نہ کسی صورت میں کسی نہ کسی انسان کو معلوم ہے اور بالفرض کسی چیز کا فائدہ معلوم نہ بھی ہو تو اس سے اس چیز کا معدوم النفع ہونا لازم نہیں آتا بغیر علم کے ہی اس سے فائدہ پہنچ رہا ہے ہاں اللہ کو سب کا فائدہ معلوم ہے "**خلق لکم**" میں لام نفع کے لئے ہے اس سے علماء نے یہ سمجھا ہے کہ ہر چیز میں اباحت اصلی ہے اور حرمت غیر اصلی یعنی شریعت جس چیز کو مضر سمجھے گی اس کو منع کر دے گی۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:............ اس پر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جب سب چیزیں نفع کی ہیں تو سب ہی حلال ہونی چاہئیں بات یہ ہے کہ کسی چیز کے صرف فائدہ مند ہونے سے اس کا قابلِ استعمال ہونا ضروری نہیں ہے آخر زہر وغیرہ میں کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کے ضرر غالب کے پیش نظر استعمال سے روکتے ہیں یہی حال محرمات شرعیہ کا ہے کہ ان میں کچھ نہ کچھ نفع بھی ہوتا ہے مگر غالب نقصان کے ہوتے ہوئے ان کو ممنوع قرار دیدیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں جس طرح صرف طبیب یا ڈاکٹر کا جاننا کافی ہوتا ہے اسی طرح صرف شارع کا جاننا کافی ہے عوام کا واقف ہونا ضروری نہیں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور عالم کی پیدائش:...... اکثر آیات سے آسمان و زمین اور عالم کی پیدائش چھ (۶) روز میں معلوم ہوتی ہے اور مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں روز جمعہ کو مابین العصر والمغرب حضرت آدمؑ کو پیدا کیا گیا ہے۔ جس سے پیدائش عالم کا سات روز میں مکمل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس اشکال کا حال صرف قاضی ثناء اللہؒ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں اس طرح کیا ہے کہ جمعہ جس میں حضرت آدمؑ کی پیدائش عمل میں آئی ضروری نہیں کہ ان چھ روز کے متصل ہو بلکہ ہوسکتا ہے کہ بہت زمانہ بعد کسی جمعہ کو حضرت آدمؑ کی پیدائش ہوئی ہو۔ پس عالم کی خلقت کے لئے چھ روز رہیں گے۔ اس تحقیق سے ایک اور شبہ کا ازالہ بھی ہوگیا کہ حضرت آدمؑ کی پیدائش سے پہلے اور زمین وآسمان کی پیدائش کے بعد قوم جنات کا زمانہ دراز تک زمین پر رہنا باعث اشکال تھا۔ لیکن اب کہا جائے گا کہ زمین وآسمان کی پیدائش کے بعد قوم جنات پیدا ہوئی اور وہ ہزاروں سال دنیا میں رہی تب کہیں کسی ایک جمعہ کو حضرت آدمؑ کو پیدا کیا گیا۔

آسمان وزمین کی پیدائس کی ترتیب کا بیان قرآن کریم میں تین جگہ آیا ہے۔ ایک اس آیت میں دوسرے حٰمٓ السجدۃ میں تیسرے والنزعات میں۔ ان آیات پر نظر ڈالنے سے کچھ مفہوم کا تخالف بھی معلوم ہوتا ہے بعض علماء نے اس کی بہترین توجیہ یہ کی ہے کہ سب سے پہلے زمین کا مادہ تیار کیا گیا اس کے بعد آسمان کا مادہ جو بشکلِ دخان تھا بنایا گیا اس کے بعد زمین کے مادہ سے اس کو موجودہ ہیئت پر پھیلا دیا گیا اور اس پر پہاڑ، درخت وغیرہ پیدا کئے گئے۔ ازاں بعد اس مادہ سیالہ سے سات آسمان پیدا فرمائے باقی ابتدائے آفرینش کی تفصیل وتشریح شریعت نے اس لئے نہیں بیان کی کہ وہ غیر ضروری تھی۔

وَاذْكُرْ يَا مُحَمَّدُ **اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً** ط يَخْلُفُنِىْ فِىْ تَنْفِيْذِ اَحْكَامِىْ فِيْهَا وَهُوَ اٰدَمُ **قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا** بِالْمَعَاصِىْ **وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ** يُرِيْقُهَا بِالْقَتْلِ كَمَا فَعَلَ بَنُو الْجَانِّ وَكَانُوْا فِيْهَا فَلَمَّا اَفْسَدُوْا اَرْسَلَ اللّٰهُ اِلَيْهِمُ الْمَلٰئِكَةَ فَطَرَدُوْهُمْ اِلَى الْجَزَائِرِ وَالْجِبَالِ **وَنَحْنُ نُسَبِّحُ** مُتَلَبِّسِيْنَ **بِحَمْدِكَ** اَىْ نَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ **وَنُقَدِّسُ لَكَ** ط نُنَزِّهُكَ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِكَ فَاللَّامُ زَائِدَةٌ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ اَىْ فَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْاِسْتِخْلَافِ **قَالَ** تَعَالٰى **اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ** ﴿۳۰﴾ مِنَ الْمَصْلَحَةِ فِىْ اِسْتِخْلَافِ اٰدَمَ وَاَنَّ ذُرِّيَّتَهٗ فِيْهِمُ الْمُطِيْعُ وَالْعَاصِىْ فَيَظْهَرُ الْعَدْلُ بَيْنَهُمْ فَقَالُوْا لَنْ يَّخْلُقَ رَبُّنَا خَلْقًا اَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنَّا وَلَا اَعْلَمَ لِسَبْقِنَا لَهٗ وَرُؤْيَتِنَا مَا لَمْ يَرَهٗ فَخَلَقَ تَعَالٰى اٰدَمَ مِنْ اَدِيْمِ الْاَرْضِ اَىْ وَجْهِهَا بِاَنْ قَبَضَ مِنْهَا قَبْضَةً مِنْ جَمِيْعِ اَلْوَانِهَا وَعُجِنَتْ بِالْمِيَاهِ الْمُخْتَلِفَةِ وَسَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيْهِ الرُّوْحَ فَصَارَ حَيَوَانًا حَسَّاسًا بَعْدَ اَنْ كَانَ جَمَادًا۔

ترجمہ:...........اور (اس وقت کو یاد کیجئے اے محمد (ﷺ)) جب ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں زمین میں ایک نائب خلیفہ ضرور بنانا چاہتا ہوں (کہ جو میری نیابت میں زمین میں میرے احکام کو چلا سکے یعنی آدمؑ) فرشتوں نے عرض کیا کہ آپ زمین میں ایسے لوگوں کو پیدا کرنا چاہتے ہیں جو (نافرمانیاں کرکے) زمین میں فساد پھیلائیں گے اور خوں ریزی کرتے پھریں گے (قتل وغارت کریں گے جیسا کہ قوم جنات نے یہی کچھ کیا جبکہ زمین پر آباد تھے ان کے فساد مچانے پر اللہ نے بذریعہ فرشتوں کے ان کو جزائر

اور پہاڑوں کی طرف ہنکایا) حالانکہ ہم بحمد اللہ برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں (یعنی سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ پڑھتے رہتے ہیں) اور آپ کی پاکیزگی بیان کرتے رہتے ہیں (یعنی جو باتیں آپ کی شایانِ شان نہیں ان سے آپ کی تنزیہ کرتے رہتے ہیں۔ **لک** میں لام زائد ہے اور جملہ حال ہے یعنی ہم مستحق نیابت ہیں) حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جس بات کو تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں (یعنی نیابت آدمؑ اور ان کی اولاد میں بعض کا فرمانبردار ہونا اور بعض کا نافرمان ہونا اس سے ان میں عدل ظاہر ہوگا۔ فرشتے کہنے لگے کہ پروردگار ہم سے زیادہ کسی کو مکرم اور عالم نہیں بنائیں گے کیونکہ ہم پہل کا حق رکھتے ہیں اور ہم نے ایسے عجائباتِ قدرت دیکھے ہیں جو اور کسی نے نہیں دیکھے۔ چنانچہ اس کے بعد حق تعالیٰ نے آدمؑ کو زمین کی مٹی سے پیدا کر دیا یعنی تھوڑا تھوڑا ہر رنگ کی مٹی ملا کر مختلف قسم کے پانیوں سے ملا کر گوندھ دیا اور اس کا پتلہ تیار کر کے اس میں روح پھونک دی چنانچہ ایک بے جان سی چیز جاندار ہو کر حساس بن گئی۔

ترکیب وتحقیق: .... لفظ اذ سے پہلے اذکر مقدر ماننا اس لئے ہے کہ اذ محل نصب میں ہے اور اذکر اس کا فاعل ہے اور بعض نے اس کو مبتدائے محذوف کی خبر کہا ہے ای ابتداء خلقی اذ قال الخ اور بعض کے نزدیک زائد ہے۔ نیز قالوا کی وجہ سے بھی یہ منصوب ہوسکتا ہے۔ ملائکۃ جمع ملائک کی جیسے شمائل جمع ہے شمال کی اور تاء تانیث جمع کے لئے ہے اگر اس کو ملک بمعنی شدت سے مشتق مانا جائے تو ہمزہ زائد ہوگا اور اگر الوکۃ بمعنی رسالۃ سے مشتق کیا جائے تو مألک تھا بعد میں اس کا قلب کرلیا گیا ہے۔ آدمؑ یہ ابوالبشر اور شخص واحد ہیں نیچریوں کی طرح ان کو نوع انسانی کا نام کہنا صحیح نہیں۔ ان کی عمر ۹۲۰ سال ہوئی اور اپنی ایک لاکھ اولاد کو دیکھ کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ قال فعل ربک فاعل انی جاعل فی الارض خلیفۃ جملہ مقولہ ہے یعنی مفعول ہے۔ جاعل بمعنی خالق ہو تو ایک مفعول چاہئے گا جو خلیفہ ہے اور بمعنی مصیر بھی ہوسکتا ہے فی الارض مفعول ثانی ہوگا قالوا کا مقولہ اتجعل فیھا الخ ہے۔ تسبیح اور تقدیس میں لطیف فرق یہ ہے کہ تسبیح مرتبہ طاعت واعمال میں ہوتی ہے اور تقدیس مرتبہ اعتقاد میں، حاصل مجموعہ کا حق تعالیٰ کی تنزیہ لساناً وجناناً وارکاناً ہے۔

ربط: .... پہلی آیت میں مادی اور عام نعمتوں کا بیان تھا۔ یہاں سے معنوی عام نعمتوں کا بیان ہے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو شرافتِ علم بخشی، انکو مسجود ملائکہ بنا کر عزت افزائی فرمائی اور تم کو ان کی اولاد ہونے کا فخر عطا فرمایا۔

﴿تشریح﴾: .... **خلافتِ الٰہی**: .... مقصود "انی جاعل فی الارض خلیفۃ" کی خبر دینے سے حق تعالیٰ کا فرشتوں سے مشورہ کرنا نہیں تھا اور نہ اس کی ضرورت تھی بلکہ اس بارہ میں فرشتوں کی رائے معلوم کرنا تھا۔ اور نیابت الٰہیہ کا منشا یہ تھا کہ اللہ کے احکام شرعیہ کا اجراء ونفاذ دنیا میں کیا جا سکے۔ فرشتوں کے جواب کا حاصل آدم علیہ السلام پر اعتراض یا ان کی غیبت کرنا اور اپنا استحقاق جتلانا نہیں تھا جو ان کی شانِ تقدیس کے خلاف ہے بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کی ترکیبی مادہ پر نظر کر کے یا قومِ جنات کے پیش آمدہ تجربہ کی بنیاد پر قیاس کر کے یہ عرض کرنا چاہا کہ اولادِ آدم میں اچھے اور برے سب طرح کے ہوں گے۔ ممکن ہے ان سے غرض پوری طرح پوری نہ ہو اور ہم پرانے نمک خوار خدام اور مخلص وفادار، فرمانبردار، آقا کے مزاج داں، حضور پر جان قربان کرنے والے موجود ہیں آخر ہم کس مرض کی دوا ہیں اور کس موقع پر کام آئیں گے ہمیں حکم دیجئے حضور کے اقبال سے سب لوگ لپٹ کر اس خدمت کو سرانجام دے لیں گے، غرضیکہ اظہارِ نیازمندی مقصد تھا۔

تخلیق انسان کی حکمت: .... چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جواب الجواب ارشاد فرمایا کہ جو بات تمہارے نزدیک ایجاد آدمؑ نہ

کرنے کی ہے وہی وجہ میرے نزدیک ایجادِ آدم کی ہے۔ تمہاری نظر کی رسائی وہاں تک نہیں ہے جو منشاء خداوندی ہے یہ جواب حاکمانہ ہے کہ تم ان شاہی مصالح کو نہیں جانتے اس لئے خاموش ہو جاؤ اور واقعہ ہے بھی کچھ ایسا ہی کہ فرشتے چونکہ منبع خیر اور خیر محض ہیں جن میں شر کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی نہیں ہے۔ ان میں جب کوئی حد اعتدال سے تجاوز کرنے والا موجود ہی نہیں تو اجرائے احکام و انتظام کی کیا ضرورت۔ اس طرح کا مقصد محض فرمانبرداروں کے جمع ہونے سے نہیں پورا ہوسکتا ہے اسی طرح قوم جنات بھی اس مقصد کے لئے کافی نہیں کیونکہ ان میں فرشتوں کے بالمقابل جذباتِ شر غالب ہیں وہاں خیر کا نام ونشان نہیں اور قابلیت ہدایت واصلاح کا بالکلیہ فقدان ہے تو فرشتوں میں خیر کی وجہ سے انتظام کی ضرورت نہیں اور جنات میں فساد کی وجہ سے صلاح کی قابلیت نہیں اور جو ہے بھی وہ نہایت ضعیف وبعید ہے برخلاف انسان کے کہ خیر وشر دونوں سے اس کا خمیر گوندھ کر تیار کیا گیا ہے اس میں قابلیت اور ضرورت دونوں جوہر ہیں۔ جس طرح آگ اور پانی جب اپنی اپنی جگہ ہوں تو ان کے کمالات نمایاں نہیں ہوتے لیکن دونوں کو ایک دوسرے سے قریب کردیا جائے تو ایک تیسری عظیم طاقت پیدا ہوجائے گی جس کو اسٹیم، بھاپ، برق کہتے ہیں جس سے بڑی بڑی مشینیں حرکت میں آجاتی ہیں اور بڑی طاقت نمایاں ہوتی ہے۔

شبہات اور ان کا حل: .... البتہ یہ سوال کہ ایسی اصلاح ہی کی کیا ضرورت ہے جس میں پہلے فساد ماننا پڑے سو یہ حکمت تکوین کا سوال ہے جس کے ہم مکلف نہیں ہیں۔ بہرحال خدا نے انسان میں یہ جوہر کمال رکھا ہے جس سے وہ فرشتوں پر بازی لے جا سکتا ہے لیکن اگر کوئی بے قدری کر کے اس قوت کو ضائع کر کے شیطانی افعال کرنے لگے تو اس سے قدرت پر الزام نہیں آتا اس نے تو کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے اب آگے انسان کی خوش بختی یا بدبختی۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ اَیْ اَسْمَاءَ **كُلَّهَا** حَتّٰی الْقَصْعَةَ وَالْقُصَيْعَةَ وَالْفَسْوَةَ وَالْفُسَيَّةَ وَالْمِغْرَفَةَ بِاَنْ اَلْقٰی فِیْ قَلْبِهٖ عِلْمَهَا **ثُمَّ عَرَضَهُمْ** اَیِ الْمُسَمَّيَاتِ وَفِيْهِ تَغْلِيْبُ الْعُقَلَاءِ **عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ** لَهُمْ تَبْكِيْتًا **اَنْۢبِـُٔوْنِیْ** اَخْبِرُوْنِیْ **بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ** الْمُسَمَّيَاتِ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿۳۱﴾ فِیْ اَنِّیْ لَا اَخْلُقُ اَعْلَمَ مِنْكُمْ اَوْ اَنَّكُمْ اَحَقُّ بِالْخِلَافَةِ وَجَوَابُ الشَّرْطِ دَلَّ عَلَيْهِ مَاقَبْلَهٗ **قَالُوْا سُبْحٰنَكَ** تَنْزِيْهًا لَكَ عَنِ الْاِعْتِرَاضِ عَلَيْكَ **لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا** اِيَّاهُ **اِنَّكَ اَنْتَ** تَاكِيْدٌ لِلْكَافِ **الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ** ﴿۳۲﴾ الَّذِیْ لَا يَخْرُجُ شَیْءٌ عَنْ عِلْمِهٖ وَحِكْمَتِهٖ **قَالَ** تَعَالٰی **يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ** اَیِ الْمَلٰٓئِكَةَ **بِاَسْمَآئِهِمْ** اَیِ الْمُسَمَّيَاتِ فَسَمّٰی كُلَّ شَیْءٍ بِاسْمِهٖ وَذَكَرَ حِكْمَتَهُ الَّتِیْ خُلِقَ لَهَا **فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ** تَعَالٰی لَهُمْ مُوَبِّخًا **اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** مَاغَابَ فِيْهِمَا **وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ** تُظْهِرُوْنَ مِنْ قَوْلِكُمْ اَتَجْعَلُ فِيْهَا ......الخ **وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ** ﴿۳۳﴾ تُسِرُّوْنَ مِنْ قَوْلِكُمْ لَنْ يَّخْلُقَ رَبُّنَا خَلْقًا اَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنَّا وَلَا اَعْلَمَ وَ اذْكُرْ **اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ** سُجُوْدَ تَحِيَّةٍ بِالْاِنْحِنَاءِ **فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ** هُوَ اَبُو الْجِنِّ كَانَ بَيْنَ الْمَلٰٓئِكَةِ **اَبٰی** اِمْتَنَعَ مِنَ السُّجُوْدِ **وَاسْتَكْبَرَ** تَكَبَّرَ عَنْهُ وَقَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ **وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ** ﴿۳۴﴾ فِیْ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی

ترجمہ: .... اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو علم دیدیا سب ناموں کا (یعنی تمام چیزوں کے نام بتلائے حتیٰ کہ پیالہ پیالی، رتج، پھسکی، یا چمچہ سب کے نام آپؑ کے قلب میں ڈال دیئے) پھران ناموں کو (یعنی ان چیزوں کو اس ضمیر میں عقلاء کی غیر عقلاء پر تغلیب کر لی گئی ہے) فرشتوں کے روبرو کردیا پھر فرمایا (ازروئے عتاب کے) کہ بتلاؤ (خبردو) مجھ کو (ان چیزوں) کے نام اگر تم سچے ہو (اس مضمونِ سابق میں کہ میں اس سے بہتر نہیں پیدا کرسکتا یا تم ہی مستحق خلافت ہو۔ جواب شرط محذوف ہے ماقبل کے دلالت کی وجہ سے) فرشتوں نے عرض کیا کہ آپ تو پاک ہیں (آپ تو اعتراض سے بری ہیں) ہمیں علم ہی نہیں مگر آپ نے جو کچھ ہم کو علم دیدیا بے شک آپ (لفظ انــــت کاف خطاب کی تاکید کررہا ہے) بڑے علم وحکمت والے ہیں (کہ جس کے علم وحکمت سے کوئی چیز بھی باہر نہیں ہے) ارشادفرمایا (حق تعالیٰ نے) کہ اے آدم تم بتلاؤ ان کو (یعنی فرشتوں کو) ان کے نام (یعنی ان چیزوں کے نام چنانچہ ہر چیز کا نام مع اس کی حکمت کے بتلا دیا) سو جب بتلادیئے آدم علیہ السلام نے ان کو ان کے نام۔ ارشادفرمایا (حق تعالیٰ نے ازروئے ناگواری) کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمان وزمین کی تمام پوشیدہ باتوں کو (جو ان میں غائب ہیں) جانتا ہوں اور جن باتوں کو تم ظاہر کررہے ہو ان کو بھی جانتا ہوں (یعنی تمہارا یہ قول اتجعل الخ) اور جن باتوں کو تم چھپارہے ہو (یعنی تمہارا یہ کہنا ہے کہ ہمارا پروردگار ہم سے زیادہ مکرم واعلم مخلوق نہیں بنائے گا) اور (اس وقت کو بھی یاد فرمایئے) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو (مراد سجدہ تحیہ ہے یعنی جھکنا) سو سب سجدہ میں گر پڑے بجز ابلیس کے (یہ ابوالجن تھا جو فرشتوں کے درمیان رہا کرتا تھا) اس نے کہنا نہ مانا (یعنی سجدہ نہیں کیا) اور غرور میں آ گیا (یعنی اس سے تکبر کیا اور کہنے لگا انا خیر منه الخ) اور کافروں میں ہو گیا تھا (علم الٰہی میں)۔

ترکیب وتحقیق: .... عــلّـم تعلیم سے ہے جس میں علۃ فاعلیہ یعنی افاضۂ معلم بھی شرط ہے **اور صلاحیت وقابلیت متعلم بھی** چنانچہ آدمؑ میں قوۃ قابلیہ تھی اور ملائکہ اس سے محروم تھے۔ **اسم** بالکسر والضم وسمہ وسماہ بمعنی علامۃ **مفسر علامؒ نے اسماء المسمیات** نکال کر اشارہ کیا کہ الف لام مضاف الیہ کے بدلہ میں ہے اور مراد مسمیات سے مدلولات ہیں خواہ جوہر ہوں یا عروض ومعانی اللہ نے آدم علیہ السلام کو اسماء اور مسمیات دونوں بتلادیئے اور ملائکہ کو صرف مسمیات بتلائے جس سے آدمؑ کی تفضیل ثابت ہوئی **فیه تغلیب** میں اس شبہ کا جواب دیا ہے کہ ضمیر جمع مذکر کیوں لائی گئی ہے اور وہ بھی مذکر عاقل حالانکہ بہت سی چیزیں مؤنث اور غیر عاقل بھی تھیں۔ جواب یہ ہے کہ اس میں تغلیب عقلاء کی کر لی گئی ہے یعنی سب کو مذکر عاقل فرض کرلیا گیا ہے "**وجواب الشرط**" ماقبل سے مراد انبؤنی ہے یہی دال برجواب ہے یہ مذہب سیبویہ کا ہے "**سبحانک**" بروزن فعلان بغیر اضافۃ اس میں تینوں احتمال ہیں۔ (۱) مصدر جیسے غفران (۲) یا اسم مصدر جیسے کفران (۳) یا علم مصدر جیسے عثمان۔ لیکن اضافت کی حالت میں اسم مصدر ہونا ظاہر ہے **تاکید للکاف** یعنی مسندالیہ کی تقریر کے لئے ہے اور بعض نے اس کو ضمیر فصل تاکید حکم اور قصر کے لئے مانا ہے۔

سجدۂ آدمؑ کی حقیقت: .... **بالانحناء** ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں کہ فرشتوں کو غیر اللہ (آدمؑ) کے سامنے سجدہ کا حکم کیسے دیا گیا؟ حاصل جواب یہ ہے کہ سجدۂ عبادت نہیں تھا جو مخصوص ہے حق تعالیٰ کے ساتھ بلکہ سجدۂ تعظیمی مراد ہے جو لغۃً جھکنے اور آداب بجالانے پر بھی بولا جاتا ہے اور اس قسم کی تعظیم پہلے جائز تھی۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے والدین اور بھائیوں نے سجدہ کیا وہ یہی شاہی آداب تھے جن کے تھوڑے بہت اثرات اب بھی دیسی ریاستوں میں کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔ ہماری شریعت میں اس کے بجائے السلام علیکم نے جگہ لے لی ہے اور بعض مفسرینؒ نے یہ توجیہ فرمائی ہے کہ حضرت آدمؑ مسجود نہیں تھے مسجود تو اللہ تعالیٰ ہی تھے البتہ کعبہ کی طرح جہۃ سجدہ حضرت آدمؑ کو بنایا گیا تھا اس صورت میں لآدم کا لام بمعنی الیٰ ہوگا۔ الی آدم

شیطان کون ہے؟:............ابوالجن جس طرح ابوالبشر آدمؑ ہیں اسی طرح ان کا ازلی دشمن ابلیس ابوالجن ہے اس میں دوقول ہیں ایک تو یہی جو علامہ سیوطیؒ اور علامہ محلیؒ وغیرہ کا ہے یعنی اصل اور خلقت کے لحاظ سے جن تھا فرشتوں میں اپنی طاعت وعبادت کی وجہ سے رہنے سہنے لگا تھا۔ چنانچہ دوسری جگہ **کان من الجن** فرمایا گیا ہے اس صورت میں الا بمعنی لکن استثناء منقطع کے لئے ہوگا جو خلاف اصل ہے اور دوسری رائے بغویؒ، قاضیؒ، واحدی اکثر مفسرینؒ کی ہے یہ نوعاً فرشتوں میں تھا تا کہ الا استثناء متصل کے لئے ہوجائے جو اصل ہے۔ اور افعال کے لحاظ سے جنات میں سے تھا تا کہ **کان من الجن** ہونا بھی درست ہوجائے۔ نیز مخفی ہونے کی وجہ سے ملائکہ کو بھی جن کہا جاسکتا ہے۔ امتنع فرشتے سجدہ میں گئے بلکہ ایک سو یا پانچ سو سال سجدہ میں رہے اور یہ پیٹھ موڑ کر کھڑا ہوگیا۔ آدمؑ کی وفات کے بعد بھی اس کو سجدہ کا حکم ہوا ان کی قبر کی طرف ہی سجدہ کر لے کہنے لگا جب میں نے صاحبِ قبر کو سجدہ نہیں کیا تو قبر کو کیا کروں گا۔

تکبر مفسر نے اشارہ کر دیا کہ ''ست'' اس میں طلب کے لئے نہیں بلکہ مبالغہ کے لئے **فی علم اللہ** ایک شبہ کا ازالہ کیا گیا ہے کہ پہلے تو شیطان مقرب اور عابد تھا پھر یہ انقلاب کیسے ہوگیا؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ علمِ خداوندی میں پہلے ہی سے کافر ہونا تھا یا کان بمعنی صار کیا جائے۔

ربط:............فرشتوں کی طرف سے اس احتمال کی گنجائش نکل سکتی تھی کہ خیر انسان کو پیدا تو کر دیا جائے لیکن اس کی اصلاح اور اتالیقی کی خدمت ہم کو سپرد کر دی جائے آگے اسی کو صاف کرنا ہے کہ انسان جس خاص اسلوب پر پیدا کیا گیا ہے اس کی اصلاح بھی انسان ہی کرسکتا ہے۔ مصلح کے لئے جن مخصوص علوم کی ضرورت ہے وہ فرشتوں کے بس سے باہر ہیں۔

﴿ **تشریح** ﴾:......**انتظامی قابلیت کا معیار**:......حاصل یہ ہے کہ منتظم کے لئے اس کام کی حقیقت اور اس کے نشیب و فراز سے آگاہی ضروری چیز ہے اس کے بغیر کماحقہ انتظام واصلاح ممکن نہیں۔ حضرت انسان کے سپرد جب نیابتِ الٰہی ہوئی تو طبائع کی کیفیات وخصوصیات سے واقفیت۔ اسی طرح انتظام شریعت کے لئے حلال وحرام چیزوں کے مضار ومنافع خواص وآثار کا مطالعہ مختلف لغات اور زبانوں سے واقفیت۔ ان سب باتوں سے انسان جس قدر واقف ہوسکتا ہے جن یا فرشتے اس سے آگاہی نہیں رکھ سکتے۔ فرشتوں میں تو وہ تغیرات ہی نہیں جن سے حالاتِ مختلفہ پیش آتے ہیں۔ فرشتوں کو جب نہ بھوک لگتی ہے اور نہ شہوت ہوتی ہے تو وہ ان کیفیات سے بالکل ناآشنا ہیں جنات میں بے شک یہ تغیرات ہیں، لیکن ان کی طبائع اس قدر شر پسند ہیں کہ انسان کی طرح بھلائی کی خشپش وکشش سے کوسوں دور ہیں۔

نیابتِ الٰہی کا اہل انسان ہے نہ کہ فرشتے:............اس لئے نیابتِ الٰہی کے منصب عظمیٰ کے لائق یہ ظلوم وجہول انسان ہی ٹھہرتا ہے۔ اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ فرشتوں میں جب اس قسم کی صلاحیت ہی نہیں تو وحی کا لانا جو اصلاح کی بنیاد ہے ان کے سپرد کیونکر ہوا؟ جواب یہ ہے کہ ملائکہ کی حیثیت اس میں صرف سفارت کی ہے جس میں مہارت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ انبیاء کرام جن کے سپرد اصلاح ودعوت کا کام ہوتا ہے ان کے لئے مہارت اور متعلقہ کام سے پوری آگاہی ضروری ہے اور وہ ان میں بدرجۂ اتم موجود ہوتی ہے اسی طرح یہ شبہ بھی نہ کیا جائے کہ جس طرح جنات انسان کی اصلاح نہیں کرسکتے اختلافِ مذاق کی بناء پر انسان بھی جنات کی اصلاح کے لئے کافی اور کارآمد نہیں ہوسکتا؟ جواب یہ ہے کہ انسان اور جن میں اس کے باوجود یہ فرق ہے کہ انسان میں جو جامعیت پائی جاتی ہے وہ جن میں موجود نہیں ہے اس لئے اول دوسرے کی اصلاح کرسکتا ہے۔ دوسرا اول کی اصلاح نہیں کرسکتا۔ چنانچہ قوتِ شر، تو

دونوں میں مشترک وصف ہے البتہ وصف خیر میں انسان غالب آ گیا جنات پر۔ پس انسان جنات کی شرارتوں سے واقف ہے اس لئے اس کی اصلاح وتربیت کرسکتا ہے ہاں اگر کسی کو یہ خلجان ہو کہ جس طرح آدمؑ کو اللہ نے علوم بتلا دیئے اوران کو خلافت حاصل ہوگئی اسی طرح فرشتوں کو بھی اگر تعلیم دیدی جاتی تو وہ بھی بمقابلہ آدمؑ کامیاب ہوسکتے تھے اور بارِ خلافت اٹھا سکتے تھے؟ سو جواب یہ ہے کہ اس علم کے لئے جس خاص استعداد کی ضرورت ہے وہ انسان میں تو پیدا کی گئی، لیکن فرشتوں کو نصیب نہیں ہوسکی۔ اس لئے عادۃ اللہ کے مطابق قابلیتِ کمال کو بھی دیکھا جائے گا جو شرطِ اعظم ہے اس لئے اللہ پر الزام نہیں اور تفضیلِ آدمؑ بھی ثابت ہوگئی۔

ازالۂ شبہات: .... اس پر یہ شبہ کرنا کہ پھر وہ خاص قابلیت واستعداد جو نیابتِ الٰہی کا ذریعہ بنی فرشتوں میں کیوں نہ پیدا کردی گئی سو کہا جائے گا کہ وہ استعداد بھی خاصۂ بشر ہے جیسے حس وحرکت کہ خاصۂ حیوان ہے اگر فرشتوں میں اس کو پیدا کردیا جاتا تو فرشتے نہ رہتے بلکہ انسان ہوجاتے جیسے جمادات میں حسِ وحرکت پیدا کردینے سے وہ جمادات کی بجائے حیوان بن جاتے۔ سو دراصل اس سوال کا حاصل دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ اللہ نے ان فرشتوں کو انسان کیوں نہ بنایا؟ اور یہ بے معنی سوال ہے کیونکہ ملائکہ کی تخلیق میں جو حکمت ومصلحت ہوگی وہ اس صورت میں معطل ہوجاتی ہے اسی بے استعدادی اور عدمِ قابلیت کی وجہ سے آدمؑ کی طرح فرشتوں پر ان اسماء کو پیش کرنے کے باوجود بھی وہ امتحان میں ناکام رہے۔ اور انہوں نے صفائی سے اعتراف کرلیا کہ آپ پر کوئی الزام نہیں بلکہ جس قدر ہم میں پیدائشی لیاقت ہے اس کے موافق علوم عنایت فرمائے آپ پر سب طرح کے علوم منکشف ہیں اور آپ حکیم ہیں کہ جو جس کام کے قابل نظر آیا اس کو وہی بخشا۔ انبئھم باسمائھم پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ فرشتوں میں جب اس علمِ خاص کی استعداد وقابلیت ہی نہیں پھر ان کو بتلانے سے کیا فائدہ؟ اور اگر فائدہ ہے تو دعویٰ عدم مناسب غلط ہے۔ بات یہ ہے کہ بعض دفعہ انسان ایک بات کو خود تو نہیں سمجھتا لیکن قرائن وقیافہ سے دوسرے کے متعلق یقین سے یہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ اس میں ماہر ہے اور یہ خوب سمجھ گیا ہے پس یہاں بتلا دو کہ یہ معنی کہ اے آدمؑ فرشتوں کو سمجھا دو یا سکھلا دو، بلکہ معنی یہ ہیں کہ ان کے روبرو اس کا اظہار کردو تاکہ تمہاری مہارت خوب طرح ان پر عیاں ہوجائے اور کم از کم یہ اس قدر سمجھ جائیں کہ آدمؑ اس علم میں ماہر ہیں اور ہم عاجز ہیں انی اعلم الخ یعنی آفاقی اور انفسی تمام حالات کی مجھ کو اطلاع ہے۔ یہ اسی حاکمانہ جواب کی تفصیل ہے۔

دنیا کا سب سے پہلا مدرسہ اور معلم ومتعلّم: .... حق تعالیٰ کا معلم اول ہونا اور حضرت آدم علیہ السلام کا متعلم اول ہونا اور علم اللغات کا اول علم ہونا معلوم ہوگیا اسی طرح علمی امتحان میں آدم علیہ السلام کا کامیاب اور فرشتوں کا ناکام ہونا معلوم ہوا۔ یہ دلیل ہے اس کی کہ مدارِ خلافت علم وفہم ہے بشرطیکہ بدعملی شامل نہ ہو۔ مجاہداتِ عملی مدارِ خلافت نہیں ہیں۔ مشائخ طریقت خلیفہ بنانے میں اسی کی رعایت زیادہ رکھتے ہیں۔

جلسۂ انعامی یا جشنِ تاجپوشی: .... اس کامیابی کا سہرہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے سر بندھ گیا تو انعامی جلسہ ہونا چاہئے جس میں حضرت آدمؑ کے عملی تفوق کا اظہار ہو چنانچہ تختِ خلافت پر بیٹھنے سے پہلے ایک جشن تاجپوشی منعقد کیا گیا جس میں فرشتوں کو براہ راست اور بعض روایات کے مطابق جنوں کو بھی بالواسطہ خاص خاص آدابِ شاہی بجالانے کا حکم دیا گیا بجز ابلیس لعین کے سب نے عملی طور پر آدمؑ کی قیادت وسیادت تسلیم کی۔ عام جنات کا ذکر شاید اس لئے قرآن مجید میں نہیں کیا گیا کہ عقلاء خود ہی سمجھ جائیں گے کہ فرشتوں کی افضل جماعت کو یہ حکم دیا گیا تو جنات جو مفضول ہیں بدرجۂ اولیٰ اس حکم میں داخل ہوں گے۔ تصریح کی

حاجت نہیں ہے شیطان نے حکم عدولی کی اس لئے بالتخصیص اس کا نام لیا گیا ہے بلکہ یہ قرینہ ہے جنات کے شریک حکم ہونے کا۔اس صورت میں استثناء متصل رہے گا۔ شیطان نے چونکہ حکم الٰہی کا مقابلہ تکبر سے کیا اس لئے وہ مردود ازلی ہوا اور اس سے تکبر کی شناعت اور اکبر کبار ہونا بلکہ سارے گناہوں کی جڑ ہونا معلوم ہوا۔اب بھی اگر کوئی شریعت کے حکم کے ساتھ اسی طرح رد وانکار سے پیش آئے گا اس کی تکفیر بھی کی جائے گی۔

قیاس شیطانی اور قیاس فقہی کا فرق: .... تفصیل اس کے تکبر کی دوسری آیات میں بتلائی گئی ہے جس سے اس حکم خداوندی کا خلاف حکمت ومصلحت ہونا متشرح ہوتا ہے جس کا حاصل چند مقدمات سے مرکب قیاس ہے (۱) پہلا مقدمہ یہ ہے کہ خلقتنی من نار و خلقته من طین یعنی مجھ کو آگ سے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔(۲) دوسرا مقدمہ یہ کہ آگ مٹی سے افضل ہوتی ہے۔(۳) افضل کی فرع افضل اور مفضول کی فرع مفضول ہوتی ہے۔(۴) افضل سے مفضول کی تعظیم کرانا خلاف عقل وحکمت ہے نتیجہ یہ کہ مجھ کو آدم کے سامنے سجدہ کا حکم دینا خلاف حکمت ہے۔ تقاضائے حکمت یہ ہے کہ اس کا برعکس حکم ہوتا یعنی آدم کو میری تعظیم کا حکم دینا چاہئے تھا حالانکہ اس کے تمام مقدمات بجز پہلے مقدمہ کے باطل ہیں اس لئے قیاس فاسد ہے پھر نتیجہ کیسے صحیح نکل سکتا ہے۔اس شیطانی قیاس فاسد سے صحیح اور فقہی قیاس کے بطلان پر استدلال کرنا غلط ہے۔

موحد اعظم کون تھا؟: .... بعض شیطان پرست شیطان کے انکار سجدہ کو غایت محبت اور غیرت توحید پر محمول کر کے حق نیابت ادا کرتے ہیں، حالانکہ غایت اطاعت کا تقاضا یہ تھا کہ مالک اور آقاء کے حکم کی کامل فرمانبرداری کی جاتی بالخصوص جبکہ سجدہ حقیقۃً حق تعالیٰ ہی کو کیا جا رہا تھا۔ آدم علیہ السلام تو صرف جہت سجدہ بنے ہوئے تھے جیسے بیت اللہ پس موحد ملائکہ اور آدم ہوئے نہ کہ شیطان اور اس کی ذریت۔

وَقُلْنَا يٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ تَاكِيْدٌ لِلضَّمِيْرِ الْمُسْتَتِرِ لِيُعْطَفَ عَلَيْهِ **وَزَوْجُكَ** حَوَّاءُ بِالْمَدِّ وَكَانَ خَلَقَهَا مِنْ ضِلْعِهِ الْاَيْسَرِ **الْجَنَّةَ وَكُلَامِنْهَا** اَكْلًا **رَغَدًا** وَاسِعًا لَاحَجْرَ فِيْهِ **حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَاتَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ** بِالْاَكْلِ مِنْهَا وَهِيَ الْحِنْطَةُ اَوِ الْكَرْمُ اَوْ غَيْرُهُمَا **فَتَكُوْنَا** فَتَصِيْرَا **مِنَ الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۳۵﴾ الْعَاصِيْنَ **فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ** اِبْلِيْسُ اَذْهَبَهُمَا وَفِيْ قِرَاءَةٍ فَاَزَالَهُمَا نَحَاهُمَا **عَنْهَا** اَيِ الْجَنَّةِ بِاَنْ قَالَ لَهُمَا هَلْ اَدُلُّكُمَا عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَقَاسَمَهُمَا بِاللّٰهِ اِنَّهُ لَهُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ فَاَكَلَا مِنْهَا **فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ** مِنَ النَّعِيْمِ **وَقُلْنَا اهْبِطُوْا** اِلَى الْاَرْضِ اَيْ اَنْتُمَا بِمَا اشْتَمَلْتُمَا عَلَيْهِ مِنْ ذُرِّيَّتِكُمَا **بَعْضُكُمْ** بَعْضُ الذُّرِّيَّةِ **لِبَعْضٍ عَدُوٌّ** مِنْ ظُلْمِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا **وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ** مَوْضِعُ قَرَارٍ **وَّمَتَاعٌ** مَاتَمَتَّعُوْنَ بِهِ مِنْ نَبَاتِهَا **اِلٰى حِيْنٍ** ﴿۳۶﴾ وَقْتَ انْقِضَاءِ اٰجَالِكُمْ **فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ** اَلْهَمَهُ اِيَّاهَا وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِنَصْبِ اٰدَمَ وَرَفْعِ كَلِمَاتٍ اَيْ جَاءَتْهُ وَهِيَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا الْاٰيَةَ فَدَعَابِهَا **فَتَابَ عَلَيْهِ** قَبِلَ تَوْبَتَهُ **اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ** عَلٰى عِبَادِهِ **الرَّحِيْمُ** ﴿۳۷﴾ بِهِمْ **قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا** مِنَ الْجَنَّةِ **جَمِيْعًا** كَرَّرَهُ لِيُعْطَفَ عَلَيْهِ فَاَمَّا فِيْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ

الشَرطِيَة فِي ماالمَزِيدة **يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى** كِتَابٌ وَّرَسُوْلٌ **فَمَنْ تَبِعَ هُدَا**ىَ فَآمَنَ بِيْ وَعَمِلَ بِطَاعَتِيْ **فَلَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ** ﴿۳۸﴾ فِي الْاٰخِرَةِ بِاَنْ يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ** كُتُبِنَا **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** ﴿۳۹﴾ مَاكِثُوْنَ اَبَدًا لَايَفْنُوْنَ وَلَايَخْرُجُوْنَ

ع ۴

ترجمہ: .... اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم رہا کرو تم (ضمیر بارز انـــــــت ضمیر مستتر کی تاکید کے لئے ہے تا کہ اس پر عطف درست ہو سکے) اور تمہاری بیوی (حضرت حوّا مراد ہیں جس کا تلفظ بالمد ہے حق تعالیٰ نے ان کو حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے پیدا فرمایا تھا) اور تم دونوں اس میں سے بافراغت (بلاکسی روک ٹوک کے) جس جگہ سے چاہو کھاؤ پیو لیکن نزدیک نہ جانا اس درخت کے (کھانے کی نیت سے مراد اس درخت سے گیہوں، انگور وغیرہ کا پودا ہوگا) ورنہ تم ہی (ہو جاؤ گے) نقصان اٹھانے والوں (نافرمانوں) میں سے۔ پس شیطان (یعنی ابلیس نے) ان کو پھسلا دیا (یعنی شیطان نے ان دونوں آدمؑ وحوّا کو جنت سے نکال کر چھوڑا۔ اور ایک قرأت میں ازالھما ہے یعنی ان دونوں کو جنت سے دور کر دیا) جنت سے (ان دونوں سے کہنے لگا ھل ادلکما علی شجرۃ الخلد اور وقاسمھما انی لکما لمن الناصحین۔ چنانچہ دونوں نے درخت سے کچھ کھالیا) سو برطرف کر کے رہا ان کو اس عیش سے جس میں وہ دونوں تھے (یعنی نعمتوں سے) اور ہم نے حکم دیا کہ نیچے اترو (زمین کی طرف یعنی تم اور تمہاری آئندہ کی ذریت جو تمہارے ساتھ ہے) تم میں سے بعض (ذریت) بعض کی دشمن ہوگی (یعنی بعض بعض پر ظلم کرے گا) اور تمہارے لئے زمین پر چندے ٹھہرنے کی جگہ ہے اور سامان ہے (یعنی اس کی گھانس پھونس جس سے نفع حاصل کرنا ہے) ایک مقررہ وقت تک (یعنی تمہاری مدت موت تک) بعد ازاں حاصل کر لئے آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے چند کلمات (توبہ، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کلمات کا ان کو الہام فرمایا تھا اور ایک قرأت میں آدمؑ کے نصب کے ساتھ اور کلمات کے رفع کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی وہ کلمات آدمؑ کو حاصل ہوئے یعنی ربنا ظلمنا انفسنا الخ ان کے ذریعے آدمؑ نے دعا مانگی) تو اللہ نے رحمت کے ساتھ ان پر توجہ فرمائی (یعنی ان کی توبہ قبول کر لی) بیشک وہی ہیں بڑے توبہ قبول کرنے والے، بڑے مہربان (اپنے بندوں پر) ہم نے حکم دیا کہ بہشت سے سب نکلو (اس جملہ کو مکرر لائے تا کہ اگلے جملہ کا اس پر عطف صحیح ہو سکے) پھر اگر (اما اصل میں ان ما تھا تو نون ان شرطیہ کو میم بنایا اور میم کو ما زائدہ کے میم میں ادغام کر دیا اما ہو گیا تمہارے پاس میری جانب سے پیغام ہدایت آئے (یعنی کتاب اور رسولؐ) سو جو شخص میری ہدایت پیروی کرے گا (یعنی مجھ پر ایمان لائے گا اور میری عملی اطاعت کرے گا تو اس پر نہ کچھ اندیشہ ہونا چاہئے اور نہ ایسے لوگوں کو غمگین ہونا چاہئے (یعنی آخرت میں کیونکہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے) اور جو اشخاص کفر کریں گے اور ہماری آیات (کتابوں) کی تکذیب کریں گے یہ لوگ جہنمی ہیں اور اسمیں ہمیشہ رہیں گے (ہمیشہ اس حال میں رہیں گے نہ کبھی فنا ہوں گے اور نہ کبھی وہاں سے نکلنا نصیب ہوگا)۔

ترکیب وتحقیق: .... **قلنا** فعل بافاعل **یآدم اسکن انت وزوجک الجنۃ** جملہ معطوف علیہ و **کلا** جملہ معطوف **رغدا** مصدر محذوف کی صفت ہونے کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔ **حیث** ظرف **کلا** عامل ہے اور ممکن ہے جنت سے بدل کر مفعول بہ ہو **ولا تقربا** جملہ **ہذہ** موصوف **الشجرۃ** دونوں مل کر مفعول بہ **فتکونا** جواب نہیں ہے۔ یہ نون جزم کی وجہ سے گر گیا۔ **ازل زلت** بمعنی لغزش بعض نے زوال سے مانا ہے۔ **ھما** مفعول بہ۔ **الشیطن** فاعل۔ **عنھا** ضمیر **شجرۃ** کی طرف راجع ہے۔ **ای مسبب الشجرۃ** اور مفسرؒ **جنۃ** کی طرف راجع کر رہے ہیں **فاخرجھما** جملہ معطوف **مما** بمعنی **الذی ای من نعم. اھبطو ھبوط** بمعنی نزول۔ اگر شیطان کا اخراج ابھی جنت سے نہیں ہوا تھا تو ضمیر جمع سے آدم وحوا وشیطان مراد ہیں، ورنہ آدم وحوا اور ان کی ذریت مراد

ہوگی بعضکم لبعض عدو جملہ موضع حال میں ہے۔اهبطوا سے ای اهبطوا متعادین یہ جملہ مبتدا خبر بھی ہوسکتا ہے اور عدوا کو مفرد لانا یا لفظ بعض کی وجہ سے ہے اور یا مصادر کے ہم وزن ہونے کی وجہ سے جیسے ''قبول'' اور مصادر تثنیہ یا جمع نہیں آتے۔مستقر مصدر میمی اور ظرف دونوں طرح ہوسکتا ہے حین بمعنی وقت موت فتلقی فعل آدم فاعل کلمات مفعول موصوف من ربه صفت ہے لیکن مقدم ہونے کی وجہ سے حال اور منصوب المحل ہے فتاب علیه ۔جملہ انه هو بین ضمیر فصل تاکید متصل اسم التواب الرحیم موصوف صفت خبر۔قلنا کا مقولہ اهبطوا ہے۔کررہ سے جلال محقق اس جملہ کی تکرار کی وجہ۔فاما یاتینکم ۔جملہ کا عطف صحیح ہونا بتلا رہے ہیں۔نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلا حکم تھا اور اس پر عملدرآمد نفاذ کرایا جارہا ہے کیونکہ کریم آقا جب کسی کے اخراج کا حکم دیتے ہیں تو فوراً ہی بوریا بستر باہر نہیں پھنکوادیا کرتے یا صرف تاکید حکم کے لئے مکرر لائے یا ہبوط اول سے مراد جنت سے آسمان دنیا پر اور ثانی ہبوط سے مراد آسمان سے زمین پر آنا ہے فاما یاتینکم ان شرط کی تاکید کیلئے ما آیا ہے اس میں ادغام ہوگیا۔فعل ومفعول ومتعلق جملہ شرطیہ فمن تبع مبتدا متضمن شرط وجزاء فلا خوف علیهم اسکا جواب یہ مل کر جواب ہوا اما کا۔والذین جملہ فمن تبع پر عطف ہے۔

ربط وتشریح: ...... جنت کے شاہی محلات: .... اس اکرام وانعام کے ساتھ آدم علیہ السلام کو مزید اعزاز یہ دیا گیا کہ شاہی محلات (جنت) میں قیام کا حکم دیا گیا اور ان کی دلجمعی کی خاطر ان کی بائیں پسلی سے کچھ مادہ لے کر حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے حواء کی شکل وصورت میں ان کو تحفہ پیش کیا اور جنت کی ساری نعمتیں بے دریغ حاصل کرنے کی اجازت دیدی باستثناء ایک درخت کے کہ کسی مصلحت سے حق تعالیٰ نے اس کے استعمال کی بلکہ اس کے نزدیک جانے کی بھی ممانعت فرمادی اور مالک کو پورا حق اور اختیار ہے کہ وہ غلام کو اپنے گھر کی جس چیز کی چاہے اجازت دیدے اور جس چیز کی چاہے ممانعت کردے۔

شیطان کا تانابانا: .... لیکن شیطان جو انکار سجدہ کے جرم میں مردود وملعون ہوچکا تھا اور یہ سب کچھ آدم علیہ السلام ہی کی وجہ سے ہوا تھا اس لئے ان دونوں کی طرف سے خار کھائے ہوئے تھا اور دونوں کے نکلوانے کی فکر میں۔آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے اگرچہ اس کی دشمنی سے پہلے ہی آگاہ فرمادیا تھا لیکن کچھ تو اس نے اپنی ہمدردی کا یقین دلایا اور کچھ درخت کی خاصیت بیان کرنے میں تلبیس سے کام لیا کہ اس کے کھانے سے حیاتِ ابدی حاصل ہوجاتی ہے،اور چونکہ ممانعت کے وقت جو علتِ ممانعت تھی وہ اب تم میں نہیں پائی جاتی اب ماشاءاللہ تمہاری استعداد حدِ کمال کو پہنچ گئی ہے اس لئے ممانعت بھی اب نہیں ہے بلاتکلف اب تم کھاؤ پیو پھر اس پر قسمیں بھی کھا بیٹھا اور وہ بھی خدا کا نام لے کر جس پر اہل محبت تو گھل ہی جاتے ہیں۔

حضرت آدمؑ وحواءؑ کی سادہ لوحی: .... اور مزید ستم ظریفی یہ کہ اول بیگم صاحبہ کو بھی کسی طرح اپنے قیود میں لے لیا انہوں نے بھی اپنی سادہ لوحی سے اس کی ہاں میں ہاں ملادی ہوگی اور شریف سادہ دلوں پر یہ جادو چل جاتا ہے۔غرضیکہ اس دشمن لعین نے چاروں طرف سے یہ میگزین ایسا تیار کیا کہ آدم علیہ السلام کو یہ خدشہ بھی نہ ہوا کہ یہ وسوسہ کسی بدخواہ دشمن کی طرف سے چلایا ہوا ہے۔یا انظر الی ماقال ولا تنظر الی من قال پر عمل پیرا ہوگئے ہوں اور نمکین تاویل سے متاثر ہوگئے ہوں کچھ بھی ہو اس درخت کو حد ممانعت سے خارج سمجھ کر کھا گئے۔درخت کا کھانا تھا اور سب عیش وآرام کا رخصت ہوجانا۔اسی کو قرآن کریم نے کہیں لغزش اور خطائے اجتہادی سے تعبیر کیا ہے جیسے فازلهما الشیطٰن اور کہیں نسیان اور سہو سے تعبیر کیا ہے۔فنسی ادم ولم نجد له عزما ۔اس لئے خفیف سی یہ غلطی جو اپنے نتائج وثمرات کے لحاظ سے اگرچہ دوررس ہوگئی مگر اپنی حقیقت کے اعتبار سے بہت معمولی تھی۔اس سے حضرت آدم علیہ السلام

کی جلیل القدر پیشانی پر یا مسئلہ عصمتِ انبیاء پر ہلکی سی شکن بھی نہیں پڑتی۔ البتہ قرآن کریم نے کہیں کہیں اس بارے میں ہولناک لب و لہجہ بھی اختیار کیا ہے وعصی ادم ربه فغوی سو یہ بھی حضرت آدم علیہ السلام کے مقام عالی اور تعظیم المرتبہ ہونے کی طرف مشیر ہے "یعنی مقربان رابیش بود حیرانی" جس کا حاصل یہ ہے کہ آدمؑ نے کمال فہم اور خصوصیت کے ہوتے ہوئے زیادہ غور سے کیوں کام نہیں لیا یہ بات ان کی شایانِ شان نہیں تھی۔

شیطانی تأثرات: .... رہی یہ بات کی شیطان جب خارج الجنۃ اور مردود ہو چکا تھا تو اس سے ملاقات کیسے اور کہاں ہوئی کہ اس کو جال پھیلانے کی نوبت آئی تو یا لباس وشکل تبدیل کر کے آ گیا ہوگا جس سے شناخت نہیں ہوسکی یا باب جنت پر ملاقات ہوئی کہ یہ دونوں اندر رہے اور وہ باہر اور یا مسمریزم کی طرح باہر رہتے ہوئے بھی وسوسہ انداز اور اثر رساں ہوسکا حدیث ان الشیطن یجری کمجری الدم اس کی مؤید ہے بہر حال اس غلطی پر ایک سزا تو ظاہری یہ ملی کہ جنت کی عیش وعشرت سے نکال کر دنیا کے غمکدہ میں ڈال دیئے گئے، دوسری باطنی سزا یہ ہوئی کہ اولاد کی باہمی عداوت، نا اتفاقی چپقلش کی اطلاع دی گئی جس سے لطفِ زندگی بہت کچھ کم ہو جاتا ہے اور اولاد کی نا اتفاقی سے والدین کو صدمہ ہوتا ہی ہے۔

اور پھر یہ کہنا کہ دنیا میں جا کر بھی دوام نہ ملے گا بلکہ بعد چندے وہ گھر بھی چھوڑنا پڑے گا۔ آدم علیہ السلام نے یہ خطاب وعتاب کہاں سنے تھے، نہ ایسے سنگدل تھے کہ سہار کر جاتے۔ سن کر بے چین ہی تو ہو گئے اور لگے گڑگڑانے اور بلبلانے حق تعالیٰ نے جوش کرم میں خود ہی ان کو کلمات توبہ تلقین فرمائے اور پھر معاف کر دیا۔ دیکھئے یہ ایک طرف تو ابلیس کا باغیانہ جرم تھا کہ ابدی طوق لعنت گلے میں پڑا اور ایک طرف آدمؑ ہیں کہ خطاء پر نادم ہیں اس لئے خلعتِ معافی سے سرفراز ہو رہے ہیں مگر چونکہ دنیا میں بھیجے جانے کی اور بھی ہزاروں مصالح اور حکمتیں علم خداوندی میں تھیں اس لئے وہ حکم ہوطی تو منسوخ نہیں فرمایا۔ البتہ اس کا طرز کچھ بدل دیا یعنی پہلا حکم حاکمانہ طرز پر تھا اور اب دوسرا حکم حکیمانہ طرز پر دیا جا رہا ہے۔ خوف اور حزن کی نفی سے مراد دنیا کے خوف وحزن نہیں ہیں کہ یہ اشکال کیا جائے کہ ایسے لوگوں کو دنیا میں پریشان، خائف وغمگین دیکھا جاتا ہے۔ اسی طرح آخرت میں بھی طبعی خوف وحزن کی نفی مقصود نہیں بلکہ قانوناً ان کو پیغام امن وامان دیا جا رہا ہے اس لئے عقلی طور پر ان کو خوف وحزن نہیں ہونا چاہئے۔ یہ تو لائق اولاد کا ذکر تھا۔ دوسری آیت میں نالائق اولاد کا حال بیان کیا گیا ہے۔

بیوقوفوں کی جنت: .... معتزلہ اور نیچری جنت کا انکار کرتے ہیں ان کے خیال میں تو عدن یا شام ومصر کا کوئی باغ مراد ہے۔ جہاں کی بہار سے ان دونوں کو باہر کیا گیا ہے اسی طرح جو حضرات جنت سے انکا ہبوط مانتے ہیں اس بارے میں پھر وہ مختلف ہیں کہ اول کہاں نزول ہوا۔ بعض ایران کہتے ہیں اور بعض مصر اور اکثر مؤرخین سرزمین ہند میں مقام سرندیپ کو کہتے ہیں تاہم عرفات میں آدمؑ وحواءؑ کی ملاقات ہوئی اسی لئے اس کو عرفات کہتے ہیں اور وہیں کہیں حضرت حواءؑ کی وفات ہوئی جدہ میں ان کی قبر کا نشان بتلایا جاتا ہے اس شہر کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے۔ یہ قرینہ ہے اس بات کا حضرت آدمؑ بھی حجاز ہی میں کہیں مقیم ہوئے ہوں گے اور وفات پائی ہوگی۔

حفاظتِ حدود: .... آیت ولا تقربا الخ سے مشائخ محققین کی اس عادت کی اصل نکلتی ہے کہ بعض دفعہ وہ مباحات سے بھی روک دیتے ہیں تاکہ غیر مباح کی طرف منجر نہ ہو جائے چنانچہ درخت مذکور کے قریب جانا فی نفسہ برا نہیں تھا بلکہ مباح تھا لیکن کھانے سے بچانے کے لئے اس کو بھی منع کر دیا آیت فازلهما الشیطن الخ میں دلیل ہے اس بات کی کہ منتہی کو بھی شیطانی مکر سے خود کو مامون نہیں سمجھنا چاہئے۔

یٰبَنِیٓ اِسْرَآئِیْلَ اَوْلَادَ یَعْقُوْبَ **اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ** اَیْ عَلٰی اٰبَائِكُمْ مِنَ الْاِنْجَاءِ مِنْ فِرْعَوْنَ وَفَلْقِ الْبَحْرِ وَتَظْلِیْلِ الْغَمَامِ وَغَیْرِ ذٰلِكَ بِاَنْ تَشْكُرُوْهَا بِطَاعَتِیْ **وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیٓ** الَّذِیْ عَهِدْتُّهٗ اِلَیْكُمْ مِنَ الْاِیْمَانِ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ** الَّذِیْ عَهِدْتُّهٗ اِلَیْكُمْ مِنَ الثَّوَابِ عَلَیْهِ بِدُخُوْلِ الْجَنَّةِ **وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ** ﴿۴۰﴾ خَافُوْنِ فِیْ تَرْكِ الْوَفَاءِ بِهٖ دُوْنَ غَیْرِیْ **وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ** مِنَ الْقُرْاٰنِ **مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ** مِنَ التَّوْرٰةِ بِمُوَافَقَتِهٖ لَهٗ فِی التَّوْحِیْدِ وَالنُّبُوَّةِ **وَلَاتَكُوْنُوْآ اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ** مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لِاَنَّ خَلْفَكُمْ تَبَعٌ لَّكُمْ فَاِثْمُهُمْ عَلَیْكُمْ **وَلَاتَشْتَرُوْا** تَسْتَبْدِلُوْا **بِاٰیٰتِیْ** الَّتِیْ فِیْ كِتَابِكُمْ مِنْ نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **ثَمَنًا قَلِیْلًا** عِوَضًا یَسِیْرًا مِنَ الدُّنْیَا اَیْ لَاتَكْتُمُوْهَا خَوْفَ فَوَاتِ مَاتَاْخُذُوْنَهٗ مِنْ سَفَلَتِكُمْ **وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ** ﴿۴۱﴾ خَافُوْنِ فِیْ ذٰلِكَ دُوْنَ غَیْرِیْ **وَلَاتَلْبِسُوا** تَخْلِطُوا **الْحَقَّ** الَّذِیْ اَنْزَلْتُ عَلَیْكُمْ **بِالْبَاطِلِ** الَّذِیْ تَفْتَرُوْنَهٗ **وَ لَا تَكْتُمُوا الْحَقَّ** نَعْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ علیه وسلم **وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** ﴿۴۲﴾ اَنَّهٗ حَقٌّ

ترجمہ: .... اے بنی اسرائیل (اولاد یعقوب) یاد کرو میری ان نعمتوں کو جو میں نے تم پر کیں (یعنی تمہارے آباؤ اجداد پر مثلاً فرعون سے نجات، سمندر کا پھٹنا، بالوں کا سایہ فگن ہونا وغیرہ۔ ان احسانات کا شکر یہ میری اطاعت کر کے کرو) اور میرے عہد کو پورا کرو (جو میں نے تم سے آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کا کیا تھا) میں تمہارا عہد پورا کروں گا (جو میں نے تم سے ثواب اور دخولِ جنت کا کیا ہے) اور صرف مجھ سے ڈرو (بدعہدی میں مجھ سے ڈرو میرے علاوہ کسی اور سے نہ ڈرو) اور ایمان لاؤ جو (قرآن) میں نے نازل کیا ہے اس پر درآنحالیکہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے (یعنی توراۃ کی اصل توحید و رسالت کی تصدیق میں) اور تم سب سے اول اس کے انکار کرنے والے نہ بنو (بہ نسبت اور اہل کتاب کے کیونکہ تمہارے بعد آنے والے تمہارے تابع ہوں گے اور ان کا گناہ بھی تم پر ہوگا) اور نہ خریدو (تبدیل نہ کرو) میری ان آیات کو (جو تمہاری کتابوں میں آنحضرت ﷺ کے حلیہ مبارک کے سلسلہ کی ہیں) حقیر معاوضہ کے بدلہ (دنیا کی حقیر پونجی یعنی ان آیات کو ان منافع کے فوت ہونے کے اندیشہ سے مت چھپاؤ جو تم اپنے عوام سے حاصل کرتے ہو) اور خاص مجھ سے پورے طور پر ڈرتے رہو (تمہارا ڈرنا میرے علاوہ کسی سے نہیں ہونا چاہئے) اور مت ملاؤ اس حق کو (جو میں نے تم پر نازل کیا ہے) اس ناحق کے ساتھ (جو تمہارا من گھڑت ہے) اور اس حق کو بھی (نہ چھپاؤ) جو آنحضرت ﷺ کی توصیف کے سلسلہ میں ہے) درآنحالیکہ تم (اس حق کو) جانتے بھی ہو۔

ترکیب و تحقیق: .... **اسرائیل** جیسا کہ مفسرؒ نے اشارہ کیا یہ لقب ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کا۔ اسراء کے معنی عبد اور بندے کے ہیں اور ایل بمعنی اللہ یعنی عبداللہ عجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے ان کے بارہ میں صاحبزادے ہوئے جن سے نسل چلی اور بڑھی جو بنی اسرائیل کہلائے۔ **بان تشکروھا** سے مفسرؒ علام یہ کہنا چاہتے ہیں یہ نعمتیں یاد تو ان کو بھی تھیں مگر زبانی جمع خرچ سے کیا ہوتا ہے عملی شکر یہ یعنی اطاعت مطلوب ہے۔ جوذ کر حقیقی ہے۔ بنی اسرائیل ترکیب اضافی منادی **اذکروا انعمتی التی** جملہ معطوف علیہ **اوفوا بعھدی اوف بعھدکم** جملہ شرطیہ معطوف۔ **اوف** میں مجزوم ہونے کی وجہ سے یا گر گئی۔ **ایای** منصوب ہے **فارھبونی** محذوف سے **ارھبوا**۔ امر جمع حاضر کا صیغہ ہے۔ ن وقایہ یائے متکلم مفعول تھی۔ وقف کی وجہ سے یا گر گئی۔ نون پر کسرہ بطور علامت

یا باقی رہا یہی تعلیل فاتقون میں ہوگی اور دونوں جگہ تقدیم ماحقه التاخیر یفید التخصیص کے قاعدہ سے حصر ہوگا۔ امنوا معطوف ہے اوفوا پر ماانزلت ای ماانزلته موصول صلہ مل کر مفعول۔ مصدقا حال مؤکد معکم منصوب علی الظرف۔ اس میں فاعل استقرار ہے۔ لا تکونوا بھی امنوا پر معطوف ہے اول سیبویہ کے نزدیک عین کلمہ میں واؤ ہے اس سے کوئی فعل نہیں بنا اس کا مؤنث اولی ہے کافر لفظاً مفرد اور معناً جمع ہے۔ لاتلبسوا فعل با فاعل۔ الحق مفعول جملہ ماقبل پر عطف ہے۔ تکتموا یہ مجزوم اور معطوف ہے تلبسوا پر اسی لئے جلال محقق نے لا نہی پہلے مقدر لیا ہے حق کہتے ہیں واقعہ اور محکی عنہ کا حکایت کے موافق ہونا، باطل اس کی ضد ہے اور صدق کہتے ہیں حکایت کا محکی عنہ کے مطابق ہونا، کذب اس کی ضد ہے غرضیکہ حق وصدق، باطل وکذب میں اعتباری فرق ہے۔ وانتم تعلمون جملہ حال ہے۔

ربط: .... اس سے پہلی آیت میں عمومی اور معنوی نعمت کا بیان تھا۔ یہاں سے خصوصی معنوی نعمتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اہل مدینہ میں بیشتر آبادی چونکہ اہل کتاب کی تھی جن پر پشت ہا پشت سے احسانات اور انعامات کا سلسلہ جاری تھا اور حسب ونسب ریاست وپیرزادگی وصاحبزادگی سے ان کا دماغی توازن حد اعتدال سے باہر ہوگیا تھا اور ان میں طرح طرح کی قابل نفرت برائیاں پیدا ہوگئیں تھیں اسی لئے تفصیلاً اور مکرر سہ کرر اس پر گفتگو مناسب سمجھی گئی۔

﴿تشریح﴾: ...... **بنی اسرائیل پر انعامات کی بارش**: .... چنانچہ اس سورۃ میں دس احسانات اور دس قبائح اور دس انتقامات کی فہرست پیش کی گئی ہے اور اس طرح کہ اول اجمالاً ان نعمتوں کو یاد دلایا گیا ہے پھر دوسرے رکوع سے آخر پارہ کے قریب تک ان کی تفصیلات آئیں گی اس کے بعد ختم پر پھر بالا جمال ان کو دوہرایا جائے گا تاکہ پورے طور پر اس کا اہتمام اور عظیم الشان ہونا واضح ہوجائے۔ قرآن کو مصدق توراۃ وانجیل کہنا اس وجہ سے ہے کہ جگہ جگہ ان کتابوں کی بشرطیکہ محرف نہ ہوں تصدیق کی گئی ہے اور جو حصہ تحریف کا ہے وہ توراۃ وانجیل ہونے ہی سے خارج ہے۔

اول کافر نہ بنو: .... اول کافر ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ قید احترازی ہے یعنی کافر ہونا جائز ہے بلکہ وہی مقصد ہے جس کی طرف مفسر علامؒ اشارہ کررہے ہیں یعنی یہ قید واقعی ہے کہ چونکہ تم لوگ اپنی قوم میں پیشوایانہ حیثیت رکھتے ہو اور بعد میں آنے والوں کے لئے تو یقیناً پیشوا ہو اس لئے من سن سنة سيئة فعليه وزرها ووزر من عمل عليها کے قاعدہ سے تم اول کافر کہلاؤ گے تمہاری دیکھا دیکھی جتنے لوگ انکار کریں گے قیامت تک ان کے انکار کا وبال بھی تمہارے سر رہے گا اور یہ کہا جائے گا کہ مقصود بالنفی قید اولیت نہیں ہے بلکہ اور زیادہ برائی بڑھانے کے لئے یہ قید لگادی ہے یعنی ایک تو کفر برا دوسرا اس میں بھی اولیت یہ تو برائی در برائی ہوگی باقی اولیت حقیقۃً تو ان یہود کو پھر بھی حاصل نہیں ہے کیونکہ ان سے پہلے مشرکین عرب کفر میں مقدم ہوچکے ہیں۔ علی ہذا۔

قرآن فروشی: .... لاتشتروا بایاتی ثمناً قليلا کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ ثمن کثیر کے بدلہ میں اشتراء آیات اللہ جائز ہے جب کہ پوری دنیا کو بھی متاع الدنیا قلیل کہہ دیا گیا ہے بلکہ منشاء یہ ہے کہ ایک تو مذہب کی یہ تجارت نہایت ذلیل حرکت ہے اور پھر وہ چند ٹھیکروں کے پیچھے یعنی برائی در برائی، کریلا اور پھر نیم چڑھا۔

تعلیم اور اذان وامامت پر اُجرت: .... قرآن یا قرآنی علوم کی تعلیم یا اذان وامامت پر اجرت لینے کی ممانعت اس آیت سے سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ علمائے متاخرین نے یہ سمجھتے ہوئے کہ اس طرح کہیں باب تعلیم ہی بند نہ ہوجائے جس سے دین ہی محفوظ

نہ سکے تعلیم پر اجرت لینے کی اجازت دیدی ہے اسی طرح قرآن کے نسخوں کی تجارت بھی ممنوع نہیں ہے کیونکہ وہ اجرت کاغذ، کتابت، طباعت کے مقابلہ میں ہوتی ہے نہ آیاتِ الٰہی کے مقابلہ میں۔

دین فروشی اور فتویٰ نویسی: .... بلکہ اس سے مراد رشوت لیکر غلط فتاویٰ دینا اور مسائل غلط بتلانا ہے۔ احکام شرعیہ کی تبدیلی دو (۲) طرح کی ہوتی ہے اگر بس چل گیا تو ظاہر ہی نہ ہونے دیا جس کو کتمان کہا گیا ہے اور اگر بن نہ پڑا اور کچھ ظاہر ہی ہو گیا تو پھر خلط ملط کرنے کی کوشش کی کبھی سہو کاتب کا بہانہ لے دیا۔ کبھی حقیقت ومجاز محذوف ومقدر ہونے کا افسانہ گھڑ دیا جس کو تلبیس کہا گیا ہے یہ سب باتیں جو علماء یہود کی برائیاں تھیں اگر ہمارے علماء سوء میں بھی پائی جائیں گی تو وہ بھی اسی طرح مستحق شکایت وعتاب ہوں گے۔

ایفاءعہد: .... ایفاءعہد کے مختلف مراتب میں بندوں کی طرف سے ادنیٰ درجہ کلمۂ شہادت کا اقرار اور خدا کی طرف سے جان مال کی حفاظت ہے۔ آخری درجہ بندوں کی جانب سے فناء الفناء ہے اور حق تعالیٰ کی طرف سے صفات واسماء کے انوار سے آراستہ کردینا ہے۔ اور باقی درجات درمیانی ہیں یا یوں کہا جائے کہ بندوں کی طرف سے اول مرتبہ توحید افعال اور اوسط درجہ توحید صفات اور آخری درجہ توحید ذات ہے اور حق تعالیٰ کی جانب سے وہ معارف واخلاق ہیں جو ہر مرتبہ کے مناسب اس مرتبہ کے سالک پر فائض کئے جاتے ہیں۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ صَلُّوْا مَعَ الْمُصَلِّيْنَ مُحَمَّدٍ وَاَصْحَابِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَزَلَ فِيْ عُلَمَائِهِمْ وَقَدْ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاَقْرِبَائِهِمُ الْمُسْلِمِيْنَ اُثْبُتُوْا عَلٰى دِيْنِ مُحَمَّدٍ فَاِنَّهٗ حَقٌّ **اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ** بِالْاِيْمَانِ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ** تَتْرُكُوْنَهَا فَلَا تَاْمُرُوْنَهَا بِهٖ **وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ** ط اَلتَّوْرٰةَ وَفِيْهَا الْوَعِيْدُ عَلٰى مُخَالَفَةِ الْقَوْلِ الْعَمَلَ **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾** سُوْءَ فِعْلِكُمْ فَتَرْجِعُوْنَ فَجُمْلَةُ النِّسْيَانِ مَحَلُّ الْاِسْتِفْهَامِ الْاِنْكَارِيِّ **وَاسْتَعِيْنُوْا** اُطْلُبُوا الْمَعُوْنَةَ عَلٰى اُمُوْرِكُمْ **بِالصَّبْرِ** الْحَبْسِ لِلنَّفْسِ عَلٰى مَا تَكْرَهُ **وَالصَّلٰوةِ** ط اَفْرَدَهَا بِالذِّكْرِ تَعْظِيْمًا لِشَانِهَا وَفِي الْحَدِيْثِ كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَزَنَهٗ اَمْرٌ بَادَرَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَقِيْلَ الْخِطَابُ لِلْيَهُوْدِ لَمَّا عَاقَهُمْ عَنِ الْاِيْمَانِ الشَّرَهُ وَحُبُّ الرِّيَاسَةِ فَاُمِرُوْا بِالصَّبْرِ وَهُوَ الصَّوْمُ لِاَنَّهٗ يَكْسِرُ الشَّهْوَةَ وَالصَّلٰوةِ لِاَنَّهَا تُوْرِثُ الْخُشُوْعَ وَتُنْفِي الْكِبْرَ **وَاِنَّهَا** اَيِ الصَّلٰوةَ **لَكَبِيْرَةٌ** ثَقِيْلَةٌ **اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾** السَّاكِنِيْنَ اِلَى الطَّاعَةِ **الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ** يُوْقِنُوْنَ **اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ** بِالْبَعْثِ **وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾** فِي الْاٰخِرَةِ فَيُجَازِيْهِمْ ع ۵

ترجمہ: .... اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اور عاجزی کرنے والوں کے ساتھ (یعنی نماز پڑھو آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے ساتھ آئندہ آیت ان علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اپنے مسلمان قرابت داروں سے کہا کرتے کہ تم محمدؐ کے دین پر قائم رہو کیونکہ وہ دین حق ہے) کیا غفلت ہے کہ اور لوگوں کو نیک کام کا مشورہ دیتے ہیں (یعنی آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کا) اور خود اپنی خبر نہیں لیتے ہو (اپنے نفس کو بھلا رکھا ہے کہ اس کو اس نیک کام کا حکم نہیں دیتے) حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے رہتے ہو (یعنی

تورات کی جس میں قول بلاعمل پر وعید موجود ہے) کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے (یعنی اپنی بدعملی کونہیں سمجھتے کہ اس سے باز آ جاؤ۔ استفہام انکاری کا دراصل محل جملہ "تنسون" ہے) اور مدد لو (یعنی اپنے کاموں میں مدد حاصل کرو) صبر (نفس کوخلاف خواہش پر مجبور کرنا) اور نماز سے (خاص طور پر نماز کا ذکر تعظیم شان کے لئے ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو نماز کی طرف سبقت فرماتے اور بعض کے نزدیک اس میں یہود کو خطاب ہے جن کو حرص اور ریاست کی محبت نے ایمان سے روکے رکھا ان کو صبر یعنی روزہ کی تلقین کی گئی ہے کیونکہ روزہ شہوت کوتوڑتا ہے اور نماز کا حکم دیا گیا کیونکہ اس سے تواضع پیدا ہوتی ہے اور کبر دور ہوتا ہے) اور یہ نماز بلاشبہ دشوار ضرور ہے لیکن جن کے دلوں میں خشوع ہو (یعنی اطاعت سے جن کو سکون ملتا ہے) اور جو خیال رکھتے ہوں اس بات کا کہ وہ اپنے پروردگار سے (قیامت میں) ملاقات کرنے والے ہیں اور وہ اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں (آخرت میں کہ وہ ان کو بدلہ دے)۔

ترکیب وتحقیق: .... **اقیموا الصلوٰۃ** جملہ انشائیہ معطوف علیہ۔ اقامۃ لفظ مکمل درستگی کے لئے بولا گیا ہے کہ ظاہر و باطن آداب وشرائط سنن وواجبات، فرائض سب کی رعایت اور وقت کی پابندی اور مواظبت کے ساتھ نماز کی ادائیگی مطلوب ہے **اتوا الزکوٰۃ** جملہ انشائیہ معطوف علیہ ...... **ارکعوا مع الراکعین** جملہ انشائیہ ہے رکوع کے معنی جھکنے کے ہیں مفسرؒ علام نے **صلوا** کے ساتھ ترجمہ کر کے اشارہ کردیا ہے کہ تسمیۃ الکل باسم الجزء ہے اور چونکہ یہود کی نماز بلا رکوع وسجود کی تھی) اس لئے کہا کہ مسلمانوں جیسی نماز پڑھو نیز صلوٰۃ الجنازہ میں رکوع وسجود نہیں ہوتا وہ فرض علی الکفایہ ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کے معنی زیادہ ہونے اور بڑھنے کے ہیں جیسے بولتے ہیں **زکوۃ الزرع** کھیتی بڑھ گئی اور بعض کے نزدیک زکاء بمعنی طہارت سے مشتق ہے۔ زکوٰۃ میں برکت اور تطہیر دونوں وصف پائے جاتے ہیں **تامرون الناس بالبر** جملہ معطوف علیہ **وتنسون** میں جو ہمزہ کا مدخول ہے معطوف ہے **انتم تتلون الکتب** جملہ حال ہے **فلا تعقلون** جملہ معترضہ **استعینوا** معطوف علیہ **اذکروا** پر **وانھا لکبیرۃ** جملہ مستثنیٰ منہ **الاحرف استثناء علی الخاشعین** موصوف **الذین** موصول صلہ ملکر اس کی صفت یہ سب ملکر مستثنیٰ **تنسون** کا ترجمہ مفسرؒ **تترکو نھا** سے کررہے ہیں ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کرتے ہوئے **خاشعین** کے معنی **ساکنین** کے ہیں **اصل الخشوع السکون. وخشعت الاصوات ای سکنت** اسی لئے خشوع جوارح کی صفت لائی جاتی ہے اور خضوع قلب کی **یوقنون** کے ساتھ **یظنون** کی تفسیر کر کے اشارہ کرنا ہے کہ ظن یہاں بمعنی یقین ہے اور یہ اس معنی میں کثیر الاستعمال ہے دوسری قرأت جو **لایعلمون** ہے یہ معنی اس کے بھی موافق ہیں۔ اس لفظ سے تعبیر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ آخرت کا ظنی علم بھی جب ان میں خشوع پیدا کرسکتا ہے تو علم الیقین اور جزم تو بدرجۂ اولیٰ خفت صلوٰۃ کا باعث ہوگا۔

ربط: .... یہاں تک اصول ایمان کی دعوت اور کفر سے پرہیز کی تلقین تھی جو ایک درجہ میں اصول ہی ہے اب بعض مہتم بالشان فروعات کا حکم دیا جاتا ہے تاکہ مجموعہ کامکمل ایمان ہونا معلوم ہوجائے۔

﴿تشریح﴾: ...... عبادات اور محبت صالحین کی اہمیت: .... احکام فرعیہ دوطرح کے ہوتے ہیں بعض اعمال ظاہری اور بعض باطنی پھر اعمال ظاہری بھی دوطرح کے ہیں بدنی عبادت یا مالی عبادت ان تینوں کلیوں کی ایک ایک جزئی یہاں ذکر فرمادی۔ نماز بدنی عبادت زکوٰۃ مالی عبادت، خشوع وخضوع باطنی اور قلبی چونکہ اہل باطن ہی کی معیت اس میں مؤثر اور کبریت احمر کا درجہ رکھتی ہے اس لئے اس کو بھی حکم میں شامل کرلیا۔

حب جاہ اور حب مال کا بے نظیر علاج: .... نماز سے حب جاہ اور زکوٰۃ سے حب مال، تواضع سے کبر وحسد جوام الخبائث ہیں کم ہوں گے اس لئے یہ احکام بہت ہی مناسب اور موزوں ہوئے کیونکہ حاصل ان کی بیماریوں کا یہی دو مرض اصل تھے یعنی حب جاہ اور حب مال۔ ان ہی سے حسد و کبر پیدا ہو گیا کہ جب ہم آپ کی اتباع اور غلامی کریں گے تو یہ سب نذرانے شکرانے بند ہو جائیں گے۔ اس لئے صبر و نماز سے ان دونوں کا علاج فرمایا گیا صبر سے مال کی اور نماز سے جاہ کی محبت کم ہوگی۔ اور جب اس کی عادت ہو جائے گی تو حب جاہ جو تمام فتنہ فساد کی جڑ ہے کٹ جائے گی صبر میں چونکہ خواہشات کا ترک ہوتا ہے اور نماز میں اس ترک کے ساتھ بہت سے کاموں کا کرنا بھی ہوتا ہے اور قاعدہ عقلی ہے کہ فعل کی نسبت ترک فعل آسان ہوتا ہے اس لئے نماز کو دشوار تر سمجھا گیا اور اس کی دشواری کو ہلکا کرنے کی تدبیر کی طرف اشارہ فرمایا گیا۔

نماز دشوار کیوں ہے؟: .... چونکہ نماز کی دشواری محض اس لئے ہے کہ انسان کا دل آزادی پسند ہے اور نماز میں ہوتی ہے ہر قسم کی پابندی۔ نہ ہنسو، نہ بولو، نہ کھاؤ، نہ پیو، نہ چلو، نہ پھرو سب آزادی سلب، ہاتھ پیر سب مقید اور اس قید کا اثر قلب پر یہ ہوا کہ وہ تنگ ہوتا ہے اور سبب تنگی قلب کا اس کی حرکتِ فکریہ ہے اس لئے اس کا علاج بالضد سکون سے ہونا چاہئے چنانچہ خشوع وخضوع جس کی حقیقت سکونِ قلب ہے۔ علاج میں مفید اور کارگر ہو سکتا ہے جس کی آسان اور مجرب تدبیر یہ ہے کہ قلب کو کسی مشغلہ میں منہمک کر کے افکار اور خیالات کی ادھیڑ بن سے فارغ کر دیا جائے اور وہ مشغلہ نماز ہے تو حاصل یہ ہے کہ اللہ کی ملاقات اور اس کی بارگاہ کی حاضری کا تخیل مثمر خشوع ہے اور خشوع مسہل نماز اور نماز مزیل حب جاہ۔ اور زوال حب جاہ سے سارے امراض کی جڑ ہی قطع ہو جائے گی کیا ہی مرتب اور باقاعدہ علاج تجویز فرمایا گیا ہے۔ (ملخصاً من البیان)

لطائف آیات: .... نماز و زکوٰۃ کی فرضیت اس قسم کی بکثرت آیات سے ثابت ہے۔ اسی طرح پانچ نمازوں اور ان کے اوقات وشرائط، زکوٰۃ کی مقدار وشرائط کا بیان متعدد آیات میں آیا ہے۔ البتہ ارکعوا مع الراکعین سے قاضی بیضاویؒ نے جماعت کی فرضیت پر استدلال کیا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک جماعت سنتِ مؤکدہ ہی ہے اس لئے اشکال ہوگا تو کہا جائے گا کہ سنت مؤکدہ .... بھی قریب بواجب ہے یا آیت سے تو وجوب ہی مانا جائے لیکن چونکہ اس میں قدرت علی الغیر ماننی پڑتی ہے یعنی جماعت چونکہ امام و مقتدی کی محتاج ہوتی ہے اس لئے ظاہر کتاب کے وجوب کو چھوڑنا پڑے گا۔ نماز جمعہ میں بھی اگرچہ توقف علی الغیر ہوتا ہے لیکن انعقاد جمعہ کی شرائط میں سے جماعت کا پایا جانا ہے اس لئے اس کو فرض وواجب کہا جائے گا۔ علیٰ ہذا قاضی بیضاویؒ نے اپنے مذہب شافعی کے موافق اس آیت سے کفار کے مکلّف بالاحکام والفروع ہونے پر استدلال کیا ہے چنانچہ نماز وزکوٰۃ وغیرہ عبادات کا حکم اہل کتاب کو دیا جا رہا ہے جو کافر ہیں۔ لیکن حنفیہ کی طرف سے صاحبِ مدارک نے کہا کہ اس سے پہلی آیت وامنوا بما انزلت میں ایمان کی دعوت مذکور ہو چکی ہے اس لئے تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ اسلموا واعملوا عمل اهل الاسلام یعنی کفار مواخذۂ اخروی کے لحاظ سے تو اصول وفروع دونوں کے مکلّف ہیں۔ البتہ دنیا میں صرف معاملات وعقوبات واصول کا ان سے مطالبہ ہے عبادات کے وہ مکلّف نہیں تاوقتیکہ وہ ایمان قبول نہ کر لیں۔

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ بِالشُّکْرِ عَلَیْھَا بِطَاعَتِیْ **وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ** اَیْ اٰبَاءَ کُمْ **عَلَی الْعٰلَمِیْنَ** ﴿۴۷﴾ عَالَمِیْ زَمَانِھِمْ **وَاتَّقُوْا** خَافُوْا **یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ** فِیْہِ **نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا** ھُوَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ **وَّلَا یُقْبَلُ** بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ **مِنْھَا شَفَاعَۃٌ** اَیْ لَیْسَ لَھَا شَفَاعَۃٌ فَتُقْبَلُ فَمَالَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ **وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْھَا عَدْلٌ** فِدَاءٌ **وَّلَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ** ﴿۴۸﴾ یُمْنَعُوْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ ۔

ترجمہ: .... اے اولاد یعقوبؑ تم میری اس نعمت کو یاد کرو جس کا میں نے تم پر انعام کیا تھا (یعنی میری اطاعت کر کے اس کی شکر گزاری کرو) اور میں نے تم کو (تمہارے آباء واجداد کو) دنیا والوں پر (تمہارے ابناء زمان پر) فوقیت دی تھی اور ڈرو (خوف کرو) ایسے دن سے کہ نہ تو کوئی شخص کسی کی طرف سے مطالبہ ادا کر سکے گا (روز قیامت میں) اور نہ قبول ہو سکے گی (یقبل میں دو قرأتیں ہیں (۱) یا اور (۲) تا کے ساتھ) کسی کی طرف کوئی سفارش (شفاعت کا وجود ہی کافر کے لئے نہ ہوگا کہ قبولیت کی نوبت آئے۔ دوسری جگہ فمالنا من شافعین اور نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ (فدیہ) لیا جا سکے گا اور نہ ان لوگوں کی طرف داری چل سکے گی (کہ اللہ کے عذاب سے ان کو بچالیا جائے)

ترکیب وتحقیق: .... عالم ماسوی اللہ کو کہتے ہیں اور عالمین جمع میں اور بھی زیادہ تعمیم اور مبالغہ ہوتا ہے **لا تجزی** بمعنی لا تقتضی و لا تغنی اس صورت میں منصوب ہوگا مصدریت کی وجہ سے لا تجزی اگر ہے تو اجزاء عناصر سے ہوگا اسوقت بھی مصدر ہوگا اور جملہ صفت ہے یوم کی اور عائد محذوف ہے جس کی طرف مفسر علامؒ نے اشارہ فرمایا یعنی فیہ نفس اولی سے مراد مؤمن اور نفس ثانی سے مراد کافر ہے۔ای لا تتمنی نفس مومن عن نفس کافرۃ شیئاً۔ عدل مثل کہا جاتا ہے ما اعدل لفلان احد یعنی وہ بے نظیر ہے۔ ھم ضمیر جمع کی نفس منکرہ میں گنجائش ہے شفع ملانا۔ سفارش کنندہ مشفوع لہ کو اپنے ساتھ ملالیتا ہے بنی اسرائیل مضاف مضاف الیہ ملکر منادی اذکروا فعل یا فاعل نعمتی التی انعمت علیکم صفت موصوف ملکر معطوف علیہ۔ وانی الخ جملہ معطوف ملکر نداء اتقوا یوماً جملہ آگے چاروں جملے مل کر یوماً کی صفت اور سب میں عائد محذوف ہے۔

ربط: .... بنی اسرائیل کہ جن میں تقریباً ستر ہزار انبیاء حضرت موسیٰ وعیسیٰ علےٰ نبینا وعلیہم السلام کے مابین بھیجے گئے اور بے شمار بادشاہ اسی ایک خاندان میں پیدا کئے گئے تھے۔ پچھلے رکوع میں اس خاندان پر بالا جمال انعامات کا تذکرہ کیا تھا۔ یہاں سے ان ہی انعامات کی تفصیلی فہرست شروع کی جارہی ہے۔ تیسری یا بنی تک تقریباً چالیس واقعات ذکر کئے جائیں گے جن میں ایک طرف خدا کے انعام کا پہلو ہوگا اور دوسری طرف ان کی نالائقیوں کا۔

﴿تشریح﴾: ...... بنی اسرائیل پر انعامات کی بارش: .... دنیا میں ایسا بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ دین و دنیا کی سیادتیں دونوں کسی ایک جگہ جمع ہو جائیں تو یہ بالکل ہی شاذ و نادر بات ہے کہ ان میں ایسا تسلسل ہو کہ کئی پشتوں اور کئی نسلوں تک چلا جائے۔ لیکن بنی اسرائیل کی صدہا سالہ تاریخ بتلاتی ہے کہ خدا نے اس قوم کی جس قدر ناز برداریاں کی ہیں اتنے طویل زمانہ تک شاید وہ دنیا کی کسی دوسری قوم کو نصیب نہ ہو سکی ہوں۔ اور یہ بھی شاید ان ہی کی تاریخی خصوصیت ہے کہ جتنے بڑے مجرم اور نافرمان یہ لوگ ہوئے ہیں تاریخ اقوام اس کی نظیر پیش کرنے سے بھی عاجز ہے۔ تکوینی طور پر اتنی ناز برداری ہی شاید اس قوم کی تباہی اور بربادی کا باعث ہو تو کیا

تعجب ہے۔اس حقیقت کو قرآن کریم شکایتی لب ولہجہ میں ادا کرتا ہے انی فضلتکم علی العالمین ۔

ایک اشکال اور اس کی سادہ توجیہہ: .... لفظ عالمین میں لوگوں نے بہت زیادہ تکلفات کئے ہیں کہ اس سے مراد سارا عالم ہے جس میں انسان، ملائکہ، جنات چرند پرند سب ہوں پھر اشکال ہوا کہ ملائکہ اور انبیاء کرام بالخصوص حضور ﷺ پر ان کی فوقیت کیسے ثابت ہوگئی۔اسی طرح تمام بنی اسرائیل کی فضیلت کیسے صحیح ہوسکتی ہے جبکہ ان میں بہت سے یقیناً شریر بدمعاش بھی ہوں گے اس لئے جواب میں تخصیصات کی ضرورت پیش آئی۔لیکن اگر بلا تکلف کہہ دیا جائے کہ محاورہ میں ''دنیا'' بول کر اکثر معاصرین اور ہم زمانہ لوگ مراد لئے جاتے ہیں تو بات بالکل سہل ہوجائے۔جلال محققؒ عالمی زمانہم سے یہی توجیہ کرر ہے ہیں۔بلقیس کی نسبت فرمایا گیا ہے اوتیت من کل شیء حالانکہ بہت سی چیزیں بے چاری کے پاس نہیں ہوں گی مگر محاورہ کے لحاظ سے کہنا بالکل صحیح ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جو یہود موجود تھے اگر چہ ان کے ساتھ یہ واقعات پیش نہیں آئے لیکن ان کے آباؤ اجداد کی تکریم ان کے لئے باعث فخر ہے اس لئے ان سے خطاب فرمایا۔

مصیبت سے بچنے کے چار راستے: .... پہلی آیت میں ترغیبی مضمون ہے اور دوسری آیت میں ترہیب فرماتے ہیں کہ دنیا میں کسی مصیبت سے بچ نکلنے کی چار ہی راستے ہوسکتے ہیں (۱) مطالبہ (۲) معاوضہ (۳) شفاعت (۴) نصرت لیکن آخرت میں بغیر ایمان کے تمہارے لئے یہ سب راستے بند ہوں گے۔اس لئے ابھی اس کی فکر کرلو گویا مقصود بحالت موجودہ ان کو مایوس اور ناامید کرنا ہے۔

انکار شفاعت اور اس کا جواب: .... اس تقریر پر معتزلہ کے لئے اب اس آیت سے اور آیت من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ سے نفی شفاعت پر استدلال کی گنجائش نہیں رہتی ہے جیسا کہ مفسر بھی اس طرف اشارہ کرر ہے ہیں کیونکہ اس آیت میں تو ظاہر ہے کہ عام شفاعت کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ خاص طور پر کفار کے لئے شفاعت کا نہ ہونا یا قبول نہ ہونا بیان کیا گیا ہے اور دوسری آیت الحقنا بھم ذریتھم میں مومنین عصاۃ کے لئے شفاعت کا اثبات ہور ہا ہے۔اسی طرح حدیث شفاعتی لاھل الکبائر من امتی بھی مثبت مدعا ہے اور جہاں تک آیت الکرسی کا تعلق ہے اس میں بلا اذن شفاعت کی نفی کی جارہی ہے نہ کہ مطلق شفاعت یا شفاعت مع الاذن کی نفی کی گئی ہے۔رہا معتزلہ کا شفاعت کو عقلی طور پر خلاف انصاف کہنا یا سمجھنا یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ حقوق اللہ تو خود حق تعالیٰ ازروئے جودوکرم معاف فرمادیں گے اور اپنا حق معاف کرنا ظلم نہیں کہلاتا بلکہ سخاوت وکرم اور ابراء کہلائے گا۔البتہ حقوق العباد تو حق تعالیٰ خود معاف نہیں کریں گے بلکہ صاحب حق کو اس درجہ خوش کردیں گے کہ وہ خود راضی ہوکر خوش دلی سے معاف کردے گا۔اس میں معتزلہ کا کیا بگڑتا ہے۔

اصل بگاڑ کی جڑ اور بنیاد: .... بہر حال چونکہ یہود کے دماغ میں صاحبزادگی کی بوتھی اس لئے باطل امیدوں کی جڑ کاٹ دی گئی ہے کہ بغیر ایمان کے کوئی سہارا کام نہیں دے گا۔البتہ ایمان اور اعمال صالح ہوتو تھوڑی بہت کمی پوری ہوسکتی ہے بغیر ایمان و عمل کے محض نسبت پر گھمنڈ رکھنے والے پیرزادوں کو اس آیت سے سبق لینا چاہئے۔اسی لئے شفاعۃ کو یہاں مقدم لایا گیا ہے اور آخری بنی اسرائیل میں اس کو مؤخر لایا گیا ہے تاکہ اس گھمنڈ کا بالکلیہ استحصال ہوجائے۔

وَ اذْكُرُوْا **اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ** اَیْ اٰبَـائَكُمْ وَالْخِطَابُ بِهٖ وَبِمَابَعْدَهٗ الْمَوْجُوْدِيْنَ فِیْ زَمَنِ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُخْبِرُوْا بِمَا اَنْعَمَ عَلٰی اٰبَائِهِمْ تَذْكِیْرًا لَهُمْ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ لِیُؤْمِنُوْا **مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ** يُذِيْقُوْنَكُمْ **سُوْٓءَ الْعَذَابِ** اَشَدَّهٗ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِّنْ ضَمِيْرِ نَجَّيْنٰكُمْ **يُذَبِّحُوْنَ** بَيَانٌ لِمَاقَبْلَهٗ **اَبْنَآءَكُمْ** الْمَوْلُوْدِيْنَ **وَيَسْتَحْيُوْنَ** يَسْتَبْقُوْنَ **نِسَآءَكُمْ** لِقَوْلِ بَعْضِ الْكَهَنَةِ لَهٗ اَنَّ مَوْلُوْدًا يُوْلَدُ فِیْ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ يَكُوْنُ سَبَبًا لِذَهَابِ مُلْكِكَ **وَفِیْ ذٰلِكُمْ** الْعَذَابِ اَوِ الْاِنْجَاءِ **بَلَآءٌ** اِبْتِلَاءٌ وَاِنْعَامٌ **مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ** ﴿۴۹﴾ وَاذْكُرُوْا **اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ** بِسَبَبِكُمُ **الْبَحْرَ** حَتّٰی دَخَلْتُمُوْهُ هَارِبِيْنَ مِنْ عَدُوِّكُمْ **فَاَنْجَيْنٰكُمْ** مِّنَ الْغَرَقِ **وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ** قَوْمَهٗ مَعَهٗ **وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ** ﴿۵۰﴾ اِلٰی انْطِبَاقِ الْبَحْرِ عَلَيْهِمْ **وَاِذْ وٰعَدْنَا** بِالِفٍ وَدُوْنِهَا **مُوْسٰٓی اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً** نُعْطِيْهِ عِنْدَ انْقِضَائِهَا التَّوْرٰةَ لِتَعْمَلُوْا بِهَا **ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ** الَّذِیْ صَاغَهٗ لَكُمُ السَّامِرِیُّ اِلٰهًا **مِنْ بَعْدِهٖ** اَیْ بَعْدَ ذِهَابِهٖ اِلٰی مِيْعَادِنَا **وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ** ﴿۵۱﴾ بِاتِّخَاذِهٖ لِوَضْعِكُمُ الْعِبَادَةَ فِیْ غَيْرِ مَحَلِّهَا **ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ** مَحَوْنَا ذُنُوْبَكُمْ **مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ** الْاِتِّخَاذِ **لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** ﴿۵۲﴾ نِعْمَتَنَا عَلَيْكُمْ **وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ** التَّوْرٰةَ **وَالْفُرْقَانَ** عَطْفُ تَفْسِيْرٍ اَیِ الْفَارِقِ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ **لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ** ﴿۵۳﴾ بِهٖ مِنَ الضَّلَالِ۔

ترجمہ:.........اور (اس وقت کو یاد کرو) جبکہ رہائی دی تھی ہم نے تم کو (تمہارے آباؤاجداد کو اس آیت میں اوراسی طرح مابعد کی آیات میں ان یہود کو خطاب کرکے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے ان کے آباؤاجداد پر کی ہوئی نعمتیں یاددلائی گئیں ہیں تا کہ ان کا خیال کرکے اللہ پر ایمان لے آئیں) فرعونیوں سے جو تم کو ستارہے تھے (چکھارہے تھے) بدترین (شدید ترین) عذاب (یہ جملہ ضمیر نجینکم سے حال واقع ہورہا ہے) ذبح کررہے تھے (یہ ماقبل کا بیان ہے) تمہاری نرینہ اولاد (پیداشدہ) کو اور زندہ رہنے دیتے تھے (چھوڑ دیتے تھے) تمہاری عورتوں کو (بعض کاہنوں کے کہنے سے ایک بچہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والا ہے جو اے فرعون تیری سلطنت کے زوال کا باعث بنے گا) حالانکہ اس میں (واقعہ عذاب ونجات دونوں میں) امتحان (ابتلاء اور انعام) تھا تمہارے پروردگار کی جانب سے بڑا بھاری۔ نیز (یاد کرو) اس کو جب شق کردیا (پھاڑ دیا) تمہارے لئے (تمہاری وجہ سے) دریائے شور تا آنکہ تم اس میں دشمن سے بھاگ کر داخل ہوگئے) پھر ہم نے تم کو بچالیا (ڈوبنے سے) اور ہم نے ڈبودیا فرعونیوں (فرعون اور اس کے ساتھ قوم) کو درآنحالیکہ یہ منظر تم دیکھ رہے تھے (دریا کا ان پر مل جانا) اور اس وقت کو (یاد کرو) جب کہ ہم نے وعدہ کیا تھا (لفظ وعدنا الف کے ساتھ بھی ہے یعنی واعدنا اور بغیر الف بھی ہے) موسیٰ علیہ السلام سے چالیس رات کا (کہ اس مدت کے بعد ہم تم کو توراۃ عطاء کریں گے۔ تمہارے عمل کے لئے) مگر پھر تم نے بنالیا اس گوسالہ کو (جس کو تمہارے لئے موسیٰ سامری نے ڈھالا تھا۔ معبود) ان کے چلے جانے کے بعد (وعدہ کے مطابق ہمارے پاس چلے آنے کے) درآنحالیکہ تم ظلم کررہے تھے (گوسالہ کو معبود بناکر عبادت کو بے محل صرف کرکے) پھر بھی ہم نے تم سے درگذر کیا (تمہارے گناہ مٹاکر) اس (گوسالہ پرستی) کے بعد اس امید پر کہ تم شکرگزاری کروگے (ہماری نعمتوں کی) اور اس وقت کو (یاد کرو) جب کہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (توراۃ) اور فیصلہ کن چیز دی (یہ فرقان کتاب کا عطف تفسیری

ہے بمعنی فارق ہے۔حق وباطل،حلال وحرام کے درمیان) اس توقع پر کہ تم (گمراہی سے) بچتے رہو گے۔

ترکیب و تحقیق: .... ال اصل میں اہل تھا بدلیل تصغیر اُہیل ہا کو ہمزہ یا واؤ سے بدل کر الف سے تبدیل کرلیا گیا یعنی خلاف قیاس ہا کو الف سے بدل لیا گیا ہے۔ ذوی العقول اور ذوی الشرف پر اس کا استعمال ہوتا ہے بخلاف لفظ اہل کے اس کا استعمال دونوں اعتبار سے عام ہے۔ اہل کتاب اور اہل صائغ بولیں گے آل کتاب اور آل صائغ نہیں کہا جائے گا نیز آل سے مراد خود نفس فرعون بھی ہوسکتا ہے اور قبیلۂ فرعون بھی۔ سـوٗ کے معنی برائی کے ہیں مراد شدیت ذبح ابناء کا استحیاء نساء پر مقدم کیا ہے کیونکہ عامۂ اول زیادہ سخت عذاب ہے، بہ نسبت دوسرے کے اگر چہ غیرت مند لوگوں کے نزدیک دوسرا عذاب شدید ترین ہے۔ سوء العذاب کا بیان یذبحون واقع ہو رہا ہے اس کے علاوہ دوسری بیگار بھی ان سے لی جاتی ہے مثلاً پتھر پھوڑنے، لوہا کاٹنے، تعمیر کرنے کی خدمت جوان مردوں سے اور کپڑا بننے اور دوسری خانگی خدمات عورتوں سے اور کمزوروں پر ٹیکس مالی مقرر کیا جاتا تھا۔ استحیاء کے معنی باندی بنانے کے بھی لئے گئے ہیں یا پردۂ حیا اٹھانا، حیا بالکسر بمعنی فرج۔ بلاء اصل میں اختیار کے معنی ہیں آزمائش کبھی نعمت میں ہوتی ہے اور کبھی مصیبت میں۔ واعـدنـا باب مفاعلت سے اگر ہے تو دونوں طرف سے وعدہ ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے حاضری کا وعدہ کیا اور حق تعالیٰ نے کتاب عطا فرمانے کا اور وعـدنـا مجرد ہے تو صرف ایک طرف سے مراد ہے۔ موسیٰ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے مو بمعنی پانی سیٰ بمعنی درخت۔ حضرت موسیٰ عمران کے بیٹے اور قہات کے پوتے ہیں۔ جو حضرت یعقوب کا پوتہ تھا منوچہر بادشاہ ایران کے زمانہ میں ۱۵۷۱ قبل از مسیح پیدا ہوئے تھے۔

نجینکم جملہ من آل فرعون متعلق ہے۔ یسومونکم سوء العذاب جملہ ہو کر حال ہے آل فرعون یا ضمیر نجینکم سے یا دونوں سے یذبحون اور یستحیون دونوں جملے بیان ہیں یسومونکم کے اسی لئے واؤ عاطفہ نہیں لائے۔ فی ذلکم خبر مقدم۔ بلاء من ربکم عظیم، مبتداء مؤخر۔ فرقنا فعل با فاعل بکم مفعول ثانی البحر مفعول اول۔ فانجینکم معطوف علیہ واغرقنا معطوف۔ وانتم تنظرون حال ہے اغرقنا سے موسیٰ مفعول اول ہے وعدنا کا۔ اربعین لیلۃ مفعول ثانی۔ مفعول اول ہے اتخذتم کا۔ الٰھاً مفعول ثانی محذوف انتم ظالمون جملہ حال فاعل ہے من بعد ذلک عفونا سے متعلق ہے۔ موسیٰ مفعول اول اتینا کا اور الکتب والفرقان معطوف معطوف علیہ مل کر مفعول ثانی ہے۔

ربط: .... یہاں سے دوسرے، تیسرے اور چوتھے انعام کی تفصیل کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔

﴿تشریح﴾ قرآن میں مکرر اور غیر مکرر واقعات کا فلسفہ: .... قرآن میں تاریخی واقعات دو طرح کے بیان فرمائے گئے ہیں بعض تو ایسے ہیں کہ پورے قرآن میں صرف ایک دو جگہ بیان کئے گئے جیسے اصحاب کہف یا ذوالقرنین یا لقمان علیہ السلام کے واقعات اور داستان یوسف علیہ السلام اور بعض واقعات ایسے ہیں جن کو بار بار دہرایا گیا ہے جیسے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے واقعات اجمال و تفصیل کے ساتھ ان بیس سورتوں میں دہرائے گئے ہیں۔ سورۂ بقرہ، نساء، مائدہ، انعام، اعراف، یونس، ہود، بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ، مومنین، شعراء، نمل، قصص، صافات، مؤمن، زخرف، دخان، نازعات۔

قرآن کریم اور دوسری آسمانی کتابوں میں اختلاف بیان: .... پھر ان واقعات کے بعض ٹکڑے صرف قرآن کریم میں ملتے ہیں اور بعض حصے صرف توراۃ میں ملتے ہیں۔ کیونکہ اول تو قرآن کریم کی غرض تاریخ نویسی اور داستان سرائی نہیں

ہے اسی لئے وہ بالاستیعاب کسی قصہ کو بجز داستان یوسف کے بیان نہیں کرتا بلکہ اس کا اصل منشاء موعظت وعبرت ہوتا ہے اسی لئے جس موقعہ پر جس قدر ٹکڑا مقصود ہوتا ہے اتنا ہی اٹھالیا جاتا ہے۔ اور واقعات کی ترتیب بھی بسا اوقات بدل دی جاتی ہے تا کہ واقعہ کی نوعیت صرف استدلالی رہے اور محض واقعہ کی حیثیت ملحوظ نہ رہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ایک ہی واقعہ کو دو مورخ بیان کرتے ہیں۔ ایک سے کچھ اجزاء ترک ہوجاتے ہیں اور دوسرے سے کچھ اجزاء چھوٹ جاتے ہیں لیکن بعد کے آنے والے ان کڑیوں کو ملا لیتے ہیں اس لئے قرآن کریم کے بیان کردہ تاریخی اجزاء مشکوک نہیں ہونے چاہئیں۔

بنی اسرائیل کا دورِ غلامی: .... ان تین آیات میں تین واقعات کی طرف بالاجمال اشارہ کیا جارہا ہے۔ پہلا واقعہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے سخت آزمائش کا تھا جس میں ساری قوم مبتلا تھی۔ بنی اسرائیل کی قوم غلامی کی زنجیر میں تو پہلے ہی جکڑی ہوئی تھی۔ رہی سہی کمی اس سخت انتقامی کاروائی نے پوری کردی۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے خطرہ کی پیش بندی کے سلسلہ میں فرعونیوں کی طرف سے ان پر برپا کی گئی تھی۔ ہزاروں معصوم اور بے گناہ بچوں کو صرف موسیٰ علیہ السلام کے شبہ میں قتل کردیا گیا تھا۔ اکبر ظرافت کے لہجہ میں کہتا ہے۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا   افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

صرف یہی نہیں بلکہ غلامی کی زنجیروں کو اور زیادہ کسنے کے لئے لڑکیوں کو اپنی ہوسناکیوں کا شکار بنانے کے لئے زندہ چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ممکن ہے اس کا مقصد سیاسی شکنجوں کو مضبوط تر کرنا ہوتا ہم جن غیور لوگوں کی رگوں میں گرم لہو ہوگا ان کی کمر توڑنے کے لئے کافی سامان کردیا گیا تھا۔

غلامی سے نجات: .... بہرحال خدا نے اس بدترین مصیبت سے قوم کو نجات بخشی، اس کے بعد دوسری آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کران کے آبائی وطن ملک شام میں کنعان کی طرف جو مصر سے چالیس روز کی راہ پر شمالی جانب تھا سفر کررہے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش مبارک کا تابوت بھی ہمراہ تھا کہ دریائے قلزم سامنے آگیا اور فرعون کا عظیم لشکر پیچھے سے تعاقب میں چلا آرہا تھا۔ سخت پریشانی اور انتشار ہوا لیکن موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے اور عصائے موسوی کی کرامت سے بحرِ قلزم میں بارہ خاندانوں کے بارہ راستے خشکی کے رونما کردیئے گئے جن سے بنی اسرائیل تو سلامتی سے پار ہوگئے مگر فرعونیوں کا لشکر عظیم غرقاب ہوکررہ گیا ''خس کم شد جہاں پاک شد'' ظالم دشمن کی تباہی کا اس طرح اپنی آنکھوں سے نظارہ کرنا دوہری نعمت ہے۔

قوم کے دو موسیٰ جن کا نام ایک اور کام مختلف: .... اگلی آیت میں ایک تیسرے واقعہ کا تذکرہ ہے کہ بحرِ قلزم سے نجات اور دشمن کی تباہی کے بعد قوم نے حضرت موسیٰ سے ایک آسمانی کتاب کی درخواست کی چنانچہ درخواست منظور ہوئی اور حضرت موسیٰ چالیس روز کوہِ طور پر شرف ہمکلامی سے مشرف ہوتے رہے اور الواح توراۃ لے کر واپس ہوئے تو موسیٰ سامری نے جوان کا ہم نام تھا اور زرگر تھا۔ قوم کو ایک نئے فتنہ میں مبتلا کردیا یعنی سونے چاندی کا ایک بچھڑا تیار کر کے اس کی پرستش میں لگادیا جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قائم کردہ بنیادِ توحید متزلزل ہوگئی چنانچہ واپسی پر موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ منظر دیکھا تو نہایت برہم ہوئے اور غصہ سے بے قابو ہوگئے۔ فہمائش کے بعد قوم تائب ہوئی۔

دیکھئے قوم میں ایک ہی نام کے دو موسیٰ ہوئے لیکن دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ایک خدا کے برگزیدہ اولوالعزم نبی دوسرا حرامی اور ولدالزنا ءایک کو ان کے دشمن فرعون کے ہاتھوں پلوایا اور دشمن کی نگرانی میں محفوظ رکھا جاتا ہے۔اپنی قدرت اور فرعون کا عجز ظاہر کرنے کے لئے لیکن موسیٰ سامری کی پرورش جبریل امین جیسا مقدس فرشتہ کرتا ہے پھر وہ محروم القسمت رہتا ہے۔معلوم ہوا کہ تربیت بھی اسی وقت کارگر ہوتی ہے جبکہ جوہر قابلیت فطرت میں ودیعت ہو الشقی من شقی فی بطن امہ "تہید ستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل"

اذا لمرء لم یخلق سعیداً من الازل　　فقد خاب من ربی وخاب المومل

فموسیٰ الذی رباہ جبریل کافر　　وموسیٰ الذی رباہ فرعون مرسل

فلق البحر، ایک خرق عادت معجزہ ہے جو قرآن کریم کی نص قطعی سے ثابت ہے اس کے عدم امکان یا امتناع پر کوئی منکر دلیل قائم نہیں کرسکا۔واذ وٰعدنا موسیٰ اربعین اس میں مشائخ کے چلہ کی اصل نکلتی ہے اور حدیث بھی اس بارے میں وارد ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ الَّذِيْنَ عَبَدُوا الْعِجْلَ **يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ** اِلٰهًا **فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ** خَالِقِكُمْ مِنْ عِبَادَتِهٖ **فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ** ؕ اَیْ لِيَقْتُلِ الْبَرِیْءُ مِنْكُمُ الْمُجْرِمَ **ذٰلِكُمْ** الْقَتْلُ **خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ** ؕ فَوَفَّقَكُمْ لِفِعْلِ ذٰلِكَ وَاَرْسَلَ عَلَيْكُمْ سَحَابَةً سَوْدَاءَ لِئَلَّا يُبْصِرَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَيَرْحَمَهٗ حَتّٰى قُتِلَ مِنْكُمْ نَحْوَ سَبْعِيْنَ اَلْفًا **فَتَابَ عَلَيْكُمْ** ؕ قَبِلَ تَوْبَتَكُمْ **اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ** ﴿۵۴﴾ **وَاِذْ قُلْتُمْ** وَقَدْ خَرَجْتُمْ مَعَ مُوْسٰى لِتَعْتَذِرُوْا اِلَى اللّٰهِ مِنْ عِبَادَةِ الْعِجْلِ وَسَمِعْتُمْ كَلَامَهٗ **يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً** عِيَانًا **فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ** الصَّيْحَةُ فَمُتُّمْ **وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ** ﴿۵۵﴾ مَا حَلَّ بِكُمْ **ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ** اَحْيَيْنَاكُمْ **مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** ﴿۵۶﴾ نِعْمَتَنَا بِذٰلِكَ **وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ** سَتَرْنَاكُمْ بِالسَّحَابِ الرَّقِيْقِ مِنْ حَرِّ الشَّمْسِ فِی التِّيْهِ **وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ** فِيْهِ **الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى** ؕ هُمَا التُّرَنْجَبِيْنُ وَالطَّيْرُ السُّمَانٰی بِتَخْفِيْفِ الْمِيْمِ وَالْقَصْرِ وَقُلْنَا **كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ** ؕ وَلَا تَدَّخِرُوْا فَكَفَرُوا النِّعْمَةَ وَادَّخَرُوْا فَقُطِعَ مِنْهُمْ **وَمَا ظَلَمُوْنَا** بِذٰلِكَ **وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ** ﴿۵۷﴾ لِاَنَّ وَبَالَهٗ عَلَيْهِمْ۔

ترجمہ:.........اور جبکہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے (ان افراد سے جنہوں نے گوسالہ پرستی کی تھی) فرمایا اے میری قوم بلاشبہ تم نے گوسالہ پرستی کرکے اپنا بڑا نقصان کیا ہے اس لئے اپنے خالق (کی عبادت کرکے) توبہ کرو پھر تم میں سے بعض بعض کو قتل کرے (یعنی بری مجرم کو قتل کرے) یہ (قتل) تمہارے لئے تمہارے پروردگار کے نزدیک بہتر ہوگا (چنانچہ اللہ نے اس پر عملدرآمد کی تم کو توفیق بخشی اور تم پر ایک ابر سیاہ محیط ہوگیا تاکہ تم ایک دوسرے کو دیکھ کر رحم نہ کھاسکوحتیٰ کہ ستر ہزار تم میں سے قتل کردیئے گئے) اللہ تم پر متوجہ ہوئے (تمہاری توبہ قبول کی) بلاشبہ وہ توبہ قبول فرمالیا کرتے ہیں اور عنایت فرماہیں۔اور وہ وقت بھی یاد کرو جب کہ تم کہنے لگے (درآنحالیکہ تم حضرت موسیٰ کی ہمرکابی میں ہوکر اپنی گوسالہ پرستی کی معذرت کرنے حاضر ہوئے تھے اور تم نے کلام الٰہی سنا تھا) اے موسیٰ ہم ہرگز آپ کے کہنے سے نہ مانیں گے تاوقتیکہ ہم خود علانیہ اللہ کو نہ دیکھ لیں۔چنانچہ آپڑی تم پر بجلی (کڑک کہ تم مرگئے) درآنحالیکہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے (جو بجلی تم پر گری تھی) پھر تم کو اٹھایا (زندہ کیا) تمہارے مرجانے کے بعد اس توقع پر کہ تم شکرگزاری کروگے.....ہماری

اس نعمت کی) اور سایہ فگن کیا تم پر بادل (پتلے بادل کا سائبان لگا دیا تا کہ میدانِ تیہ میں دھوپ کی گرمی سے بچے رہو) اور ہم نے نازل کیا تم پر (اس میدان میں) من وسلویٰ (ترنجبین، بٹیریں، سمانی میم مخفف اور الف مقصورہ کے ساتھ ہے اور ہم نے کہا) کھاؤ نفیس رزق (ذخیرہ نہ کرنا لیکن انہوں نے کفرانِ نعمت کرتے ہوئے ذخیرہ کرنا شروع کر دیا جس سے نعمتوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا) انہوں نے (اس سے) ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا............ لیکن اپنا ہی نقصان کرتے رہے (کہ اس کا وبال خود ان پر پڑا)۔

ترکیب وتحقیق:............ **برئ المریض من مرضه والمدیون من دینه** یعنی نجات پائی اور ابتداء فعل کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ **برئ الله الأدم من طینه** یعنی اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا فرمایا۔ باری وہ جس کی پیدا کردہ مخلوق تفاوت سے بری ہو۔ یہ خالق سے اخص ہے ظاہر ہے کہ توبہ صرف خالق سے ہوتی ہے لیکن مقصود اس کہنے سے اخلاص ہے اور یہ بتلانا ہے کہ معبود ایسا حکیم ہونا چاہئے جس کے کام میں ذرا فرق نہ ہو۔ نہ کہ بیل جس کی حماقت بھی ضرب المثل ہے **ذلکم** کا مشار الیہ **قتل** ہے جو **فاقتلوا** سے مفہوم ہو رہا ہے۔ **فتوبوا** میں فا سببیہ ہے اور **فاقتلوا** میں فا تعقیبیہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ قتل متمم توبہ ہو اور **فتاب** میں فا محذوف سے متعلق ہے ای **ففعلتم فتاب علیکم لك** لام تعلیلیہ ہے تعدیہ کا نہیں ہے اس لئے شبہ نہ کیا جائے کہ ایمان متعدی بنفسہ ہوتا ہے یا بواسطہ با کے۔ لام کے ذریعہ متعدی نہیں ہوتا۔ صیحہ یعنی جبریلی کڑک اور بعض نے آسمانی کڑک مراد لی ہے۔ تیہ شام ومصر کے درمیان ایک نو میل کا میدانِ عظیم ہے جس میں گھاس، دانہ، پانی کا نام ونشان نہیں تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کنعان جاتے ہوئے راہ میں پڑ تا تھا۔ ترنجبین ایک خاص قسم کا ہلکا میٹھا گوند ہوتا ہے۔ سلویٰ کبوتر سے چھوٹا چڑیا سے بڑا جانور جس کو بٹیر کہتے ہیں جو تیتر کی قسم ہوتا ہے۔ یہ جانور بلا تکلف پکڑ کر خود کھالیا کرتے تھے اور یا پکے پکائے مل جایا کرتے تھے۔ کتاب الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے کہ اگر کھانا سڑ کر خراب ہو جائے تو نجس اور حرام ہو جاتا ہے۔ لیکن دودھ گھی اگر بدبودار ہو جائیں تو ان کا استعمال ناجائز نہیں ہے۔ **موسیٰ** **قال** کا فاعل **لقومه** متعلق **یا قوم** اے یا قومی یا تخفیفاً منادی کے موقع پر حذف ہوگئی یہ مقولہ ہے آخر تک باقی ترکیب صاف ہے۔ **قلتم** فعل بافاعل **یموسیٰ** الخ مقولہ **لك** ای **لاجلك جهرةً** مفعول مطلق بھی ہو سکتا ہے اور فاعل یا مفعول سے حال بھی ہو سکتا ہے **ظللنا** فعل بافاعل **الغمام** غمام جنس ہے واحد کے لئے **غمامة** **کلوا** کا مفعول **شیئاً** محذوف ہے اس کا بیان **من طیبات** الخ **طیبات** مضاف۔ **مارزقنکم** مضاف الیہ۔ **انفسهم** مفعول ہے **یظلمون** کا۔

ربط:............ ان آیات میں پانچویں، چھٹے، ساتویں، آٹھویں، نویں انعامات کی طرف اشارے ہیں۔

﴿تشریح﴾:...... **لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے**:............ پانچویں انعام کا حاصل یہ ہے کہ گوسالہ پرستی کی سزا میں سب کو قتل ہونا چاہئے تھا لیکن ہم نے چھ لاکھ میں سے صرف ستر ہزار کے قتل پر بس کیا اور مقتول غیر مقتول سب کو معاف کر دیا اس آیت سے عقیدہ حلول کا بھی بطلان معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ گائے، بیل، بلی، پوجنے والے مصریوں کا یہی عقیدہ رہا ہو۔

بنی اسرائیل چونکہ متشدد قوم تھی اور لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے اس لئے سخت سزائیں تجویز ہوئیں اور طریق توبہ قتل مقرر کیا گیا۔ جیسا کہ خود ہماری شریعت میں بعض جرموں کی سزا باوجود توبہ کے قتل مقرر کی گئی ہے مثلاً قتل عمد کی سزا قصاص اور بعض صورتوں میں زنا کی سزا سنگساری اور راز اس میں یہ تھا کہ شرک کر کے تم نے ابدی حیات کھوئی ہے۔ اس لئے اس کی سزا میں اپنی دنیاوی زندگی مٹاؤ لطائف میں امام قشیری فرماتے ہیں کہ اولیاء امت اب بھی نفس کشی اور قتلِ نفس امارہ کرتے رہتے ہیں۔ چھٹے انعام کے سلسلہ

میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ محمد بن اسحاق جوفن سیرت ومغازی کے امام ہیں ان کی رائے ہے کہ قتل توبہ کا حکم نافذ ہونے سے پہلے بطور معذرت حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر (۷۰) منتخب اولیائے امت لیکر کوہ طور پر حاضر ہوئے، مگر سدیؒ کہتے ہیں کہ قتل توبہ کی تعمیل حکم کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جماعت عباد کو لے کر باریاب ہوئے اور سب نے ملکر کلام الٰہی سنا کہ انی انا اللہ لا الہ الا انا اخرجتکم من ارض مصر بید شدیدۃ فاعبدونی ولا تعبدوا غیری اس پر بالاتفاق ان لوگوں نے عرض کیا لن نومن لک حتیٰ نری اللہ جھرۃ

اللہ کا دیدار اور معتزلہ ونیچری: .... معتزلہ نے فاخذتھم الصاعقۃ سے اللہ کی رؤیت کے محال ہونے پر استدلال کیا ہے یعنی چونکہ محال کی درخواست کی اس لئے ان پر یہ بجلی گری۔ لیکن بات یہ نہیں ہے بلکہ دنیا میں اللہ کی رؤیت عقلاً ممکن ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال رَبِّ اَرِنِیْ اس پر دلالت کرتا ہے البتہ دنیا میں خدا کو دیکھنے کی انسان میں طاقت نہیں ہے۔ اس گستاخی پر کہ اپنی استعداد سے زیادہ انہوں نے بیبا کانہ سوال کردیا ہے اس لئے ان کو یہ سزا ملی ہے۔ باقی نیچریوں کی یہ تاویل کرنا کہ ان کو موت واقع نہیں ہوئی تھی بلکہ بجلی کے صدمہ سے محض بے ہوش ہوگئے تھے اور وہ پہاڑ کوہ آتش فشاں تھا اس میں سے ہر وقت ایسے شرارے نکلتے ہی رہتے تھے۔ یہ اللہ کی تجلی نہیں تھی ناقابلِ التفات خیالات ہیں۔

توکل اور ذخیرہ اندوزی: .... ساتویں آٹھویں انعام کا حاصل یہ ہے کہ اس لق ودق میدان تیہ جہاں نہ کہیں درخت اور سایہ تھا اور نہ پانی کا نام ونشان تھا حق تعالیٰ نے ایک رقیق بادل کو ان پر سایہ فگن فرمادیا جس سے نہ دھوپ کی گرمی چھنتی تھی اور نہ تاریکی کی مصیبت سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ اور کھانے پینے کا بے منت یہ انتظام کیا کہ ایک شیریں گوند اور پرندوں کا غول، لطیف ترین اور لذیذ ترین خوانِ نعمت کی صورت میں مہیا کردیا گیا۔ یہ دونوں چیزیں کماً کیفاً چونکہ خلافِ معمول تھیں اس لئے یہ معجزہ ہوا لیکن ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا گیا کہ ذخیرہ اندوزی کی جو خلافِ شان توکل ہے۔ اس خزانہ غیب کی موجودگی میں ہرگز نہ کرنا۔ ورنہ کفرانِ نعمت ہوگا لیکن انہوں نے ناقدری کرکے حکم کی خلاف ورزی کی اس لئے خدا نے ان سے یہ نعمتیں سلب کرلیں۔

گناہوں کے ساتھ نعمتیں، خدا کی طرف سے ڈھیل ہے: .... آیت کریمہ اس پر دلیل ہے کہ باجود گناہوں کے نعمتوں کا جاری رہنا درحقیقت استدراج ہوتا ہے جو باعثِ خطر وفکر ہونا چاہئے، نہ کہ باعث مسرت وطمانیت، جو لوگ نافرمانی کے باوجود مال وجاہ کی کثرت باعث فخر سمجھتے ہیں وہ نرے خر ہیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لَهُمْ بَعْدَ خُرُوْجِهِمْ مِنَ التِّيْهِ **ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ** بَيْتَ الْمَقْدِسِ اَوْ اَرِيْحَا **فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا** وَاسِعًا لَاحَجْرَ فِيْهِ **وَّادْخُلُوا الْبَابَ** اَىْ بَابَهَا **سُجَّدًا** مُنْحَنِيْنَ **وَّقُوْلُوْا** مَسْأَلَتُنَا **حِطَّةٌ** اَىْ اَنْ تَحُطَّ عَنَّا خَطَايَانَا **نَّغْفِرْ** وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ مَبْنِيًّا لِلْمَفْعُوْلِ فِيْهِمَا **لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ط وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ﴿۵۸﴾** بِالطَّاعَةِ ثَوَابًا **فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** مِنْهُمْ **قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ** فَقَالُوْا حَبَّةٌ فِىْ شَعْرَةٍ وَدَخَلُوْا يَزْحَفُوْنَ عَلٰى اَسْتَاهِهِمْ **فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** فِيْهِ وُضِعَ الظَّاهِرُ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ مُبَالَغَةً فِىْ تَقْبِيْحِ شَانِهِمْ **رِجْزًا** عَذَابًا طَاعُوْنًا **مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴿۵۹﴾** بِسَبَبِ فِسْقِهِمْ اَىْ خُرُوْجِهِمْ عَنِ

الطَّاعَةِ فَهَلَكَ مِنْهُمْ فِي سَاعَةٍ سَبْعُونَ أَلْفًا أَوْ أَقَلُّ

ترجمہ .... اور جب کہ ہم نے کہا (ان سے میدان تیہ سے نکلنے کے بعد) کہ داخل ہو جاؤ اس آبادی (بیت المقدس یا اریحا) میں پھر کھاؤ اس کی چیزوں میں سے جہاں سے چاہو بلا تکلف (بے دریغ اور بے روک ٹوک) اور داخل ہونا اور دروازہ میں (اس کے) جھک کر (جھکتے ہوئے) اور کہتے رہنا (کہ ہماری درخواست) توبہ کی ہے (یعنی ہماری خطائیں معاف فرما دیجئے ہم معاف کر دیں گے (دوسری قرأت میں يُغْفَرْ اور تُغْفَرْ دونوں مجہول صیغے ہیں) تمہاری خطائیں اور مزید براں بھی دیں گے (نیکی پر ثواب) سو بدل ڈالا انمیں سے) ظالموں نے اس بات کو جوان سے کہے ہوئے کلمہ کے برخلاف تھی (بجائے حطّة کے حبة فی شعرة کہنے لگے اور سرین کے بل شہر میں داخل ہوئے) اس لئے ہم نے ظالموں پر اتاری (یہاں اسم ضمیر کی بجائے اسم ظاہر لانے سے ان کی تقبیح شان میں مبالغہ کرنا ہے۔ بلائے (طاعون) آسمانی ان کی نافرمانی کی وجہ سے (ان کے گناہوں یعنی اطاعت سے باہر ہو جانے کی وجہ سے چنانچہ ان میں سے ستر ہزار یا اس سے کچھ کم فوراً ہلاک ہو گئے۔)

ترکیب و تحقیق: .... تیہ باب ضرب سے حیران ہونا، پریشان ہونا، چونکہ یہ خاص میدان نہایت وسیع اور لق ودق تھا جس سے دیکھنے والے کو حیرانی پریشانی ہوتی تھی اس لئے یہ نام پڑ گیا۔ **سجداً** کے بعد **منحنین** کہہ کر مفسرؒ حال ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ **حطة** بروزن فعلة مثل جلسة مبتدائے محذوف کی خبر ہے۔ ای **مسئلتنا حطة** نصب سے رفع کی طرف دوام وثبات کے لئے عدول کیا گیا ہے۔ یہ ان کا کلمہ استغفار تھا لیکن انہوں نے حبة فی شعرة سے بدل دیا۔ یعنی گیہوں کے دانے بالوں میں ہیں **منهم** سے معلوم ہوا کہ سب نے ایسا نہیں کیا۔ **فقالوا** سے مفسرؒ بتلا رہے ہیں کہ قولاً وفعلاً دونوں طرح مخالفت کی۔ **فيه وضع الظاهر** سے یہ کہنا ہے کہ **عليهم** مختصر ضمیر کی بجائے طویل عبارت **الذين ظلموا** اس لئے اختیار کی گئی ہے کہ ان کی برائی کھل کر سامنے آ جائے۔ **رجزا** کی طاعون کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ طاعون کے اسباب مختلف ہوتے ہیں فساد مزاج وبدن، فساد ریح شیطانی لمس کے اثرات اور بعض روایتوں میں آسمانی آگ کا ان پر نازل ہونا بیان کیا گیا ہے۔ **ادخلوا** فعل بافاعل۔ **هذه القرية** موصوف صفت مل کر مفعول **فيه ادخلوا** کا اور **قلنا** کا مقولہ **رغداً** مفعول مطلق ہے یا حال ہے۔ **سجداً** ساجد حال ہے فاعل **ادخلوا** سے ای متواضعین **حطة** خبر ہے مبتدا محذوف کی مجموعہ مقولہ ہے۔ **قولوا** کا **نغفر لكم** مجزوم جواب امر ہے۔ **فبدل** فعل۔ **الذين ظلموا** فاعل **بالذى قيل لهم** مفعول اول محذوف ہے **قولاً** موصوف۔ **غير الذى** صفت۔ مجموعہ مفعول ثانی **من السماء** متعلق ہو کر صفت ہے **رجزاً** کی۔

ربط: .... یہ دسواں اور گیارہواں معاملہ ہے جس کی تفصیل کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **انعام خداوندی کی ناقدری کا نتیجہ:** .... بقول بعض مفسرین یہ واقعہ میدان تیہ کا ہے جب من وسلویٰ کھاتے کھاتے ان کا جی اکتانے لگا تو معمول کے مطابق کھانوں کی درخواست کرنے لگے حکم ہوا یہ شہری کھانے تو شہر ہی میں مل سکتے ہیں اس جنگل بیابان میں یہ چیزیں کہاں؟ اگر درکار ہوں تو سامنے شہر میں جاؤ۔ لیکن داخلہ کے وقت قولی اور فعلی ادب ملحوظ رکھنا، البتہ شہر کے اندر جا کر کھانوں میں توسع کر لینا۔ اور بعض مفسرین نے اس واقعہ کو شہر سے متعلق سمجھا ہے جس پر جہادی مہم سر کرنے کے حکم ہوا تھا۔ چنانچہ چالیس سال تک میدان تیہ میں حیران و سرگرداں پھرتے رہے۔ تقریباً چھ لاکھ کا یہ عظیم لشکر سب یہیں مرگل گیا صرف بیس افراد بچے۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی وفات بھی یہیں ہوئی ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین یوشع بن نون

کی سرکردگی میں یہ جہادی مہم سر کی گئی۔ اور اللہ نے ان کے ہاتھ پر فتح نصیب فرمائی گویا شہر میں داخلہ کا یہ حکم ان کی معرفت ہوا کہ متکبرانہ فاتحانہ ہرگز داخل نہ ہونا بلکہ متواضعانہ، منکسرانہ داخل ہونا ایسا کرنے سے پچھلی خطائیں ہم معاف کردیں گے۔ اور آئندہ اخلاص کے ساتھ اعمال صالحہ کرنے والوں کو مزید انعام دیں گے۔ لیکن نافرمانی کا انجام بدشکل طاعون اور وباء آسمانی چھوٹ گیا۔

بیماریوں اور وباؤں کا حقیقی سبب: .... وباؤں کے جہاں بہت سے اسباب طبی اور مادی ہوتے ہیں جیسا کہ سطور بالا میں گزرا۔ ہوسکتا ہے کہ خدا کی نافرمانی اور معاصی بھی اس کی حقیقی اور معنوی سبب ہوں چنانچہ فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم الخ اور ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس وغیرہ نصوص صراحۃً اس پر دلالت کرتے ہیں اور ازروئے حدیث یہ وبائیں نیکوکاروں کے لئے رحمت اور نافرمانوں کے لئے زحمت ہوتی ہیں۔

وَاذْكُر **اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى** اَیْ طَلَبَ السُّقْیَا **لِقَوْمِه** وَقَدْ عَطِشُوْا فِی التِّیْهِ **فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ** ط وَهُوَ الَّذِیْ فَرَّ بِثَوْبِه خَفِیْفٌ مُّرَبَّعٌ كَرَأْسِ رَجُلٍ رُخَامٍ اَوْ كَذَّانٍ فَضَرَبَهٗ **فَانْفَجَرَتْ** اِنْشَقَّتْ وَسَالَتْ **مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا** ط بِعَدَدِ الْاَسْبَاطِ **قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ** سِبْطٍ مِّنْهُمْ **مَّشْرَبَهُمْ** ط مَوْضِعَ شُرْبِهِمْ فَلَا یُشْرِكُهُمْ فِیْهِ غَیْرُهُمْ وَقُلْنَا لَهُمْ **كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ** ﴿۶۰﴾ حَالٌ مُّؤَكِّدَةٌ لِعَامِلِهَا مِنْ عَثِیَ بِكَسْرِ الْمُثَلَّثَةِ اَفْسَدَ **وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ** اَیْ نَوْعٍ مِّنْهُ **وَّاحِدٍ** وَهُوَ الْمَنُّ وَالسَّلْوٰى **فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُخْرِجْ لَنَا** شَیْئًا **مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ** لِلْبَیَانِ **بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا** حِنْطَتِهَا **وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا** ط **قَالَ** لَهُمْ مُوْسٰى **اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى** اَخَسُّ **بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ** ط اَشْرَفُ اَیْ تَاْخُذُوْنَهٗ بَدَلَهٗ وَالْهَمْزَةُ لِلْاِنْكَارِ فَاَبَوْا اَنْ یَّرْجِعُوْا فَدَعَا اللّٰهَ فَقَالَ تَعَالٰى **اهْبِطُوْا** اِنْزِلُوْا **مِصْرًا** مِنَ الْاَمْصَارِ **فَاِنَّ لَكُمْ** فِیْهِ **مَّا سَاَلْتُمْ** ط مِنَ النَّبَاتِ **وَضُرِبَتْ** جُعِلَتْ **عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ** الذُّلُّ وَالْهَوَانُ **وَالْمَسْكَنَةُ** اَیْ اَثَرُ الْفَقْرِ مِنَ السُّكُوْنِ وَالْخِزْیِ فَهِیَ لَازِمَةٌ لَهُمْ وَاِنْ كَانُوْا اَغْنِیَاءَ لُزُوْمَ الدِّرْهَمِ الْمَضْرُوْبِ لِسِكَّتِه **وَبَآءُوْ** رَجَعُوْا **بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ** ط **ذٰلِكَ** اَیِ الضَّرْبُ وَالْغَضَبُ **بِاَنَّهُمْ** اَیْ بِسَبَبِ اَنَّهُمْ **كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ** كَزَكَرِیَّا وَیَحْیٰى **بِغَیْرِ الْحَقِّ** ط اَیْ ظُلْمًا **ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ** ﴿۶۱﴾ ع یَتَجَاوَزُوْنَ الْحَدَّ فِی الْمَعَاصِیْ وَكَرَّرَهٗ لِلتَّاْكِیْدِ۔

ترجمہ: .... اور (یاد کیجئے) اس وقت کو جبکہ موسیٰ (علیہ السلام) نے پانی کی دعا مانگی (سیرابی طلب کی) اپنی قوم کے لئے (جو پیاسی تھی میدان تیہ میں) سو ہم نے حکم دیا کہ اپنا عصاء پتھر پر ماریئے، (یہ وہ پتھر تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے بھاگا تھا۔ ہلکا چوکور، آدمی کے سر کے برابر، سفید اور نرم تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے عصا اس پر مارا) پس جاری ہوگئے (پتھر پھٹا اور بہنے لگے) اس سے بارہ چشمے (خاندانوں کی تعداد کے مطابق) معلوم کرلیا ہر شخص (خاندان) نے اپنا گھاٹ (پانی پینے کی جگہ اس میں دوسرے کو شریک کرنا نہیں چاہتے تھے اور ہم نے ان سے کہہ دیا کہ) کھاؤ پیو اللہ کے رزق سے اور اعتدال سے نکل کر زمین میں فساد مت پھیلاتے پھرو (یہ

حال مؤکدہ ہے اپنے عامل عثی سے جو بکسر الثاء ہے بمعنی من وسلوی) پر۔ اس لئے اپنے پروردگار سے ہمارے لئے دعا کر دیجئے کہ وہ ہمارے لئے (کچھ) زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں اگائے (من بیانیہ ہے) ساگ، ککڑی، گیہوں، مسور، پیاز، فرمایا (موسیٰ نے ان سے) کیا تم بدلنا چاہتے ہو گھٹیا (کم درجہ) چیزوں کو بہترین چیزوں کے بدلہ میں (خیر بمعنی اشرف یعنی بہترین چیز کے بدلہ گھٹیا چیزیں لینا چاہتے ہو۔ ہمزہ اتستبدلون میں استفہام انکاری ہے۔ غرضیکہ ان لوگوں نے اس بات سے ہٹنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا) جاؤ (شہروں میں سے) کسی شہر میں (اترو) البتہ (وہاں) تم کو وہ چیزیں مل سکیں گی جن کی تم خواہش کر رہے ہو (یعنی سبزیاں، ترکاریاں) اور جم گئی ان پر ذلت (پھٹکار اور نیستی) جس طرح ٹکسالی سکہ کے لئے ٹھپہ لازم ہوتا ہے) اور مستحق ہو گئے (لوٹ گئے) غضب خداوندی کے اور یہ (پھٹکار وغضب) اس لئے (بسبب اس کے ہے) کہ یہ اللہ کے احکام کا انکار کرتے رہے اور قتل انبیاء (جیسے حضرت زکریا و یحییٰ علیہما السلام) کے ناحق (ظلماً) مرتکب رہے نیز یہ اس لئے بھی ہوا کہ ان لوگوں نے نافرمانی کی اور دائرہ اطاعت سے نکلتے رہے (معاصی میں حد سے بڑھ گئے اس جملہ کو تاکیداً مکرر کیا)

ترکیب وتحقیق: .... حجر سے مراد وہ خاص پتھر ہے جس کی طرف مفسر علام نے اشارہ کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی حیاء طبعی اور شرعی کی وجہ سے غسل وغیرہ میں کسی کے سامنے برہنہ نہیں ہوتے تھے۔ لوگ یہ سمجھے کہ ان کو مرض فتق ہے (خصیوں کا بڑھ جانا) حق تعالیٰ نے اس کے ازالہ کا یہ سامان کیا کہ ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام غسل کے لئے چشمے میں گھسے اور کپڑے اتار کر کسی عام پتھر پر یا حضرت شعیب علیہ السلام سے تبرکات میں جو پتھر ان کو پہنچا تھا اس پر رکھ دیئے۔ فراغت کے بعد باہر آئے وہ پتھر کپڑے لے کر اس طرف بھاگا جہاں آبادی کی چوپال میں لوگ حسب معمول جمع تھے۔ موسیٰ علیہ السلام طبعاً تیز مزاج تھے غضبناک ہو کر پتھر کے پیچھے کپڑوں کے لئے برہنہ دوڑے اور وہاں پہنچ گئے جہاں سب نے اپنے وہم کا ازالہ کر لیا۔ حکم ہوا کہ اس پتھر کو محفوظ رکھو کام آئے گا۔ یہ پتھر سفید اور نرم تھا ایک ہاتھ مربع یا اس سے کم ہوگا چوکور چاروں کونوں پر تین تین کنارے ابھرے ہوئے جن سے بارہ چشمے جاری ہو جاتے تھے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ عام پتھر اور یہ بھی اظہار قدرت کے لئے زیادہ مناسب ہے۔

فانفجرت میں فاء فصیحیہ ہے اس لئے اس سے پہلے فضرب به مقدر مانا گیا ہے اس حذف میں نکتہ یہ ہے کہ اس میں ضرب کلیم کو دخل نہیں ہے بلکہ اصل دخل اور مؤثر ہمارا حکم ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد چونکہ بارہ تھی جن سے یہ نسل بڑھی یہاں تک پھیلاؤ ہوا کہ اس وقت چھ لاکھ نفر تھے جو بارہ میل کے ایریے میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے جو آجکل برہمن اور نان برہمن کا سوال کنوؤں اور مندروں پر پیش آ رہا ہے شاید اسی تنگ اور محدود ماحول کی پرچھائیاں ہوں۔

طعام واحد پر چونکہ اشکال یہ ہے کہ کھانا ایک نہیں تھا بلکہ ترنجبین اور بٹیر دو قسم کا کھانا تھا۔ مفسر علام نے اس کا ازالہ کیا ہے کہ مراد نوع واحد ہے یعنی طعام واحد بول کر اہل تلذذ اور اہل تنعم وثروت کا کھانا مراد ہوتا ہے۔ کیونکہ غریب آدمی کو تو جو میسر ہو جاتا ہے اسی پر قناعت کر لیتا ہے اس کے پاس یکسانیت لباس وطعام میں مشکل ہوتی ہے۔ برخلاف دولت کے **کما قال البیضاوی** اور عبدالرحمٰن ابن زید کی رائے یہ ہے کہ **طعام واحد** سے مراد یہ ہے کہ دونوں چیزوں کو ملا کر ایک کھانا بنا لیا کرتے تھے۔ **شیئاً** کالفظ نکال کر اشارہ کر دیا من تبعیضیہ ہے۔ **فوم** کے معنی مفسر نے گیہوں کے لئے ہیں اور بعض اہل لغت لہسن کے معنی لیتے ہیں۔ بعض روایات میں لفظ ثوم بھی آیا ہے اور توراۃ میں لہسن ہی مراد ہے۔ **مصر** سے مراد عام شہر ہے خاص ملک مراد نہیں ہے۔ اریحا ایک نشیبی اور شاداب علاقہ ہے جس میں پیداوار بکثرت ہوتی تھی۔ حضرت یوشع کے ہاتھ پر فتح ہوا تھا۔ اسی لئے **اھبطوا** استعمال کیا گیا ہے۔ **ضربت** اس میں استعارہ تبعیہ تصریحیہ یا استعارہ مکنیہ ہے۔ لزوم الدرہم یہ عبارت برعکس ہو گئی۔ اصل میں اس طرح تھی **لزوم السکة للدرھم**

المضروب بحذف المضاف ای لزوم اثر السکۃ اس کے بعد عبارت کا قلب کرلیا گیا ہے سکہ جس پر سرکاری ٹھپہ لگا ہوتا ہے جمع سلک، جیسے سدرۃ کی جمع سدر آتی ہے۔ واذا استسقی جملہ فاتعقیبیہ قلنا فعل بافاعل۔ اضرب الخ یہ مقولہ ہے انفجرت فعل، اثنتا عشرۃ فاعل ممیز عیناً تمیز۔ مفسدین حال مؤکدہ ہے لاتعثوا سے قلتم فعل بافاعل۔ یا موسیٰ الخ مقولہ مل کر پہلے جملہ پر عطف ربک فاعل یخرج شیئاً محذوف من بیانیہ ما موصولہ تنبت جملہ صلہ من بقلها بیان منصوب المحل علی الحال تقدیرہ مما تنبت الارض کائنا من بقلها یہ سب مل کر شیئاً کا بیان ہوا۔ یخرج جواب امر ہے ادع کا اس لئے مجزوم ہے۔ اتستبدلون الخ پورا جملہ مقولہ ہے قال کا اهبطوا جملہ انشائیہ لکم خبر ہے ان کی۔ ماسئلتم اسم ان ضربت جملہ متانفہ ہے۔ غضب موصوف من اللہ صفت۔ باء وابغضب مبتداء بانهم الخ خبر۔ بغیر الحق منصوب المحل علی الحال من ضمیر۔ یقتلون سے تقدیرہ یقتلونهم مبطلین. ذٰلک مبتداء۔ بماعصوا خبر ہے۔

ربط :............ ان آیات میں بارہویں اور تیرہویں انعامات کی طرف شارات ہیں۔

﴿ تشریح ﴾ :............ **الگ تھلگ رہنے کی کافرانہ ذہنیت** :............ وادی تیہ میں جب سین کا میدان طے کرنے کے بعد رفیدیم میں پہنچے تو پیاس لگی۔ پانی کی تلاش ہوئی، پانی وہاں کہاں اس لئے حضرت موسیٰ نے اپنے معجزہ سے اس ضرورت کو بھی پوری نازبرداری کے ساتھ پورا فرمایا۔ یعنی ان کے بارہ قبیلوں کو انتظامی لحاظ سے الگ الگ رکھا جاتا تھا۔ ان کے لئے افیسران بھی الگ الگ مقرر کئے جاتے تھے اس لئے یہاں بھی ایسا ہی کیا۔ لیکن بد دماغ لوگ اس خوانِ نعمت کی قدر کیا کرتے انہوں نے ان ہی معمولی کھانوں کی فرمائش کردی، کھانے سے مراد من وسلویٰ پینے سے مراد پانی اور نافرمانی احکام کو فتنہ وفساد فرمایا ہے۔

نیچری تاویل :............ بعض نیچریوں کا یہ تاویل کرنا صحیح نہیں ہے کہ ضرب کے معنی چلنا اور حجر سے مراد پہاڑی علاقہ ہے یعنی لکڑی کے سہارے پہاڑ پر چڑھ کر پانی تلاش کرو۔ کیونکہ ضرب کے معنی اگر چلنے کے ہوں تو اس کے صلہ میں فی آتا ہے اور تورات کا حوالہ دینا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اس میں مقام ایلیم کا ذکر ہے اور یہ واقعہ رفیدیم کا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر قاضی بیضاویؒ نے اچھی بات فرمائی کہ بعض مقناطیسی پتھر جبکہ لوہے کو جذب کر سکتے ہیں یا کہربا گھاس کھینچ سکتا ہے تو کیا ایسے پتھر پیدا کرنے پر اللہ کو قدرت نہیں جو پانی کو کھینچ کر اگل دیتے ہوں جیسے آجکل لوہے کے نلوں میں ہوا پانی کو زمین سے کھینچتی ہے اور پھینکتی ہے۔ فی الحقیقت ان منکرین خوارق کی عقلوں پر پتھر پڑ گئے ہیں اور یہ محال کی حقیقت ہی ابتک نہیں سمجھ سکے خلاف عادت عامہ کو محال کہنے لگے۔

یہود کی ذلت :............ منجملہ یہود کی ذلت ومسکنت کے یہ بھی ہے کہ قیامت کے قریب تک ان سے سلطنت چھین لی گئی ہے، اگر کہیں محض لٹیروں کا سا بے ضابطہ شور وشغب کر کے کوئی حصہ گھیر لیں اور وہ بھی دوسری سلطنتوں کے سہارے اور اکسانے پر سیاسی اغراض کے ماتحت۔ تو اس کو کوئی عاقل سلطنت نہیں کہہ سکتا۔ تاہم دنیا کی نظروں سے گرادینا اور مقام عزت ووقار میں بار نہ پاسکنا جو حقیقت ہے ذلت کی وہ پھر بھی باقی رہے گی۔ چنانچہ اس پیشن گوئی کی تکذیب تاریخ اب تک نہیں کرسکی ہے۔

انبیاءؑ کا قتل ناحق :............ قتل انبیاءؑ کے ساتھ ناحق کی قید لگانا احترازی نہیں ہے کہ کوئی قتل حق بھی ہوتا ہے بلکہ یہ قید واقعی ہے یعنی تمام قتل انبیاءؑ کے ناحق ہی ہوتے ہیں یا قید لگانے کا یہ مقصد ہو کہ وہ خود بھی اس قتل کو ناحق ہی سمجھتے ہیں لیکن بُرا ہو ضد اور عناد کا کہ

وہ انسان کو اندھا بنا دیتا ہے۔ چنانچہ ایک ایک دن میں ستر (۷۰) انبیاءؑ کو بنی اسرائیل نے قتل کیا ہے۔ حاصل آیت یہاں بھی یہی ہے کہ معصیت سبب ہے قتلِ انبیاءؑ اور کفر کا۔ اور قتلِ انبیاءؑ اور کفر سبب بنے غضب الٰہی کو دعوت دینے کے اور غضبِ الٰہی سے آسمانی بلائیں اور وبائیں اتر پڑیں۔

عوام وخواص کا فرق:............ عارف کو اس واقعہ سے سبق لینا چاہئے کہ جو لوگ راضی بقضاء نہیں ہوتے اور جو نعمت پر شکر اور مصیبت پر صبر نہیں کرتے کس طرح ان پر ذلت وطغیان مسلط کر کے دنیا کی محبت ان کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے اور یہ کہ متوکلین کو کسب کرنا اور اصحاب کسب کو بلاضرورت ترک کسب کرنا۔ حق تعالیٰ کے معاملہ کو تبدیل کرنا ہے اور اس کی ناخوشی کا باعث ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْاَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلُ **وَالَّذِيْنَ هَادُوْا** هُمُ الْيَهُوْدُ **وَالنَّصٰرٰى وَالصَّابِئِيْنَ** طَائِفَةٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ اَوِ النَّصَارٰى **مَنْ اٰمَنَ** مِنْهُمْ **بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** فِىْ زَمَنِ نَبِيِّنَا **وَعَمِلَ صَالِحًا** بِشَرِيْعَتِهٖ **فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ** اَىْ ثَوَابُ اَعْمَالِهِمْ **عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** ﴿۶۲﴾ رُوْعِىَ فِىْ ضَمِيْرِ اٰمَنَ وَعَمِلَ لَفْظُ مَنْ وَفِيْمَا بَعْدَهٗ مَعْنَاهَا وَ اذْكُرُوْا **اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ** عَهْدَكُمْ بِالْعَمَلِ بِمَا فِى التَّوْرَاةِ وَ قَدْ **رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ** الْجَبَلَ اِقْتَلَعْنَاهُ مِنْ اَصْلِهٖ عَلَيْكُمْ لَمَّا اَبَيْتُمْ قُبُوْلَهَا وَقُلْنَا **خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ** بِجِدٍّ وَّاجْتِهَادٍ **وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ** بِالْعَمَلِ بِهٖ **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** ﴿۶۳﴾ النَّارَ اَوِ الْمَعَاصِىَ **ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ** اَعْرَضْتُمْ **مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ** الْمِيْثَاقِ عَنِ الطَّاعَةِ **فَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ** لَكُمْ بِالتَّوْبَةِ اَوْ تَاْخِيْرِ الْعَذَابِ **لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ** ﴿۶۴﴾ الْهَالِكِيْنَ ۔

ترجمہ:............ ''یہ واقعی بات ہے کہ جو لوگ (پہلے انبیاءؑ پر) ایمان لا چکے ہیں اور جنہوں نے مذہب یہود اختیار کیا (یہودی ہوئے) اور نصرانی اور فرقہ صابی (یہود یا نصاریٰ کی کسی خاص جماعت کا نام ہے) ان میں سے جو لوگ اللہ پر اور قیامت پر ایمان لائیں گے (ہمارے حضور ﷺ کے زمانہ میں) اور اچھی کارگزاری کریں گے (آپ کی شریعت کے موافق) ان لوگوں کے لئے معاوضہ (ثواب اعمال) ہے ان کے پروردگار کے پاس اور ان کے لئے کسی طرح کا اندیشہ نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔ آمن اور عمل کی مفرد ضمیروں میں لفظ من کی رعایت کی گئی اور مابعد کی ضمائر جمع میں اس کے معنی کی رعایت پیش نظر ہے۔ نیز اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ ہم نے تم سے قول وقرار لیا (تورات پر عملدرآمد کا عہد لیا) اور کوہ طور کو تمہارے سروں پر لاکر معلق کر دیا (طور پہاڑ کو اکھاڑ کر تمہارے سروں پر تمہارے انکارِ قبولیت احکام کی وجہ سے لا کھڑا کیا اور حکم دیا کہ) لو تھامو! جو ہم نے تم کو کتاب دی ہے مضبوطی (پوری کوشش) کے ساتھ اور یاد رکھو اُن احکام کو جو اس میں موجود ہیں (ان پر عملدرآمد کر کے) جس سے توقع قائم ہو سکتی ہے کہ تم متقی بن جاؤ (جہنم ومعاصی سے بچ کر) لیکن تم اس قول وقرار کے بعد بھی پھر گئے (اطاعت کی مضبوطی سے منہ موڑ لیا، سو اگر تم پر خدا کا فضل ورحم نہ ہوتا (جو توبہ اور تاخیر عذاب کی صورت میں ہوا) تو یقیناً تم تباہ (ہلاک) ہو چکے ہوتے۔''

ترکیب وتحقیق:............ یہود بنی اسرائل کو کہتے ہیں وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے لیکن قوی تر یہ ہے کہ یہود انامی حضرت یعقوب

کے بڑے صاحبزادے کی طرف یہ منسوب ہیں جوان کے جدِ اعلیٰ ہیں۔ یاھاد بمعنی تاب ہے۔ نصاریٰ عیسائیوں کو کہتے ہیں (وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ناصرہ شام کا ایک گاؤں ہے جہاں حضرت عیسیٰ رہتے تھے اسی کی طرف نسبت ہے نیز ایک خاص فرقہ کلیسائے عرب کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ یا نصران کی جمع نصاریٰ ہے بولتے ہیں رجل نصران، امراء ۃ نصرانۃ. اس میں تا مبالغہ کی ہے چونکہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کی نصرت وامداد کی اس لئے نصرانی کہلائے۔ صابی یہ ایک قدیم ترین فرقہ کا نام ہے۔ شہر بابل ونینوا ے میں یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں رہتے تھے ابتداء تو ان کی معلوم نہیں کب سے ہوئی ہے اوران کی صحیح اور پوری کیفیت کسی کو معلوم نہیں اسی لئے مفسرین کے اقوال میں اضطراب ہے۔ تاہم ان کا اعتقاد تھا کہ خدا چونکہ مجرد محض ہے اورانسان خاص مادی، اس لئے خدا تک رسائی کی کوئی صورت نہیں ہے بجز اس کے کہ مظاہر قدرت، نیرات کی پرستش کی جائے چنانچہ بعض نے آفتاب، ماہتاب، ستاروں کی پرستش کو شعار بنالیا بعض نے اصنام کو نیرات کا مظہر سمجھ کران کی پرستش شروع کردی۔ یونان میں زہرہ وغیرہ ستاروں کے نام سے معبدگاہ بنے ہوئے ہیں۔ آگے چل کر ایران کے آتش پرست، ہندوستان کے وید پرست بھی اس گروہ کی شاخیں ہوگئیں غرضیکہ کسی نے ان کو یہود سمجھا، کسی نے نصرانی، کسی نے مجوسی۔ یہ لفظ صابی اگر عربی ہے تو صباء بمعنی خرج سے ہے یا صبا بمعنی مال سے چونکہ یہ تمام ادیان سے نکل کر اپنے مذہب کی طرف مائل ہوئے اس لئے صابی کہے جانے لگے۔ وقد رفعنا میں لفظ قد کی تقدیر سے اشارہ ہے کہ خذوا منصوب المحل علی الحالیت ہے۔ الذین امنوا موصول صلہ مل کر اسم ان، من شرطیہ مبتداء، امن باللہ خبر، فلھم جملہ جواب پھر یہ ملکر خبر ان. عائد محذوف ہے۔ ای من امن منھم لفظ ذووجہین سے لفظاً مفرد معناً جمع اجر ھم مبتدا۔ فلھم خبر، اخفش کے نزدیک اجرھم جار کی وجہ سے مرفوع ہے اور عند ظرف۔ عامل اس میں استقرار ہے۔ اخذنا فعل بافاعل ومفعول۔ ورفعنا الخ جملہ حال خذوا ما اتینا کم مقولہ ہے قلنا محذوف کا بقوۃ حال اے خذوہ عازمین. فضل اللہ مبتدا محذوف الخبر ای حاضر۔ کوفیوں کے نزدیک لولا کا مابعد اس کا اسم ہوتا ہے۔

ربط: .... ان شرارتوں کے ذکر کے بعد خیال ہوسکتا تھا کہ اب شاید کسی کی معذرت اور ایمان قبول نہ ہوسکے۔ اس لئے پہلی آیت میں ایک قانونِ کلی ارشاد فرما کر اس کا دفعیہ کردیا۔ اور یا قرآن کی عام عادت کے مطابق مجرمین کے تذکرہ کے ساتھ فرمانبرداروں کا ذکر کیا جارہا ہے تا کہ ان واقعات کو سن کر یہ لوگ زیادہ دلگیر نہ ہوجائیں، اس کے بعد اگلی آیت میں پھر سلسلہ سابقہ لحاظ سے چودھواں انعام ذکر کیا جاتا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **ایک شبہ اوراس کے تین جواب:** .... بظاہر یہاں قرآن کریم کے طرزِ کلام پر یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ پہلے ان الذین امنوا کہنے کے بعد پھر من آمَنَ کہنے اور تخصیص بعد التعمیم کے کیا معنی؟ یہ تو تحصیل کے قبیل سے معلوم ہوتا ہے۔ جلال مفسرؒ نے اس کی توجیہ کی طرف فی زمن نبینا سے اشارہ کیا ہے اس کے حل کے سلسلہ میں تین توجیہیں ہوسکتیں ہیں (۱) پہلے الذین امنوا سے مراد عام انبیاءؑ سابقین کے متبعین ہیں خواہ وہ یہودی ہوں یا نصرانی یا اور کوئی پھر اس کے بعد یہود ونصاریٰ کا ذکر تخصیص بعد التعمیم کے طور پر ہے (۲) دوسری توجیہ یہ ہے کہ الذین امنوا سے مراد زمانِ فترۃ کے صحیح راستہ پر چلنے والے موحدین ہیں جیسے حبیب نجار، قیس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، بحیرہ راہب، سلمان فارسی، وفد النجاشی، وغیرہ طالبین حق اور سچائی کے متلاشی حضرات جن میں سے بعض کو حضور ﷺ کی اتباع نصیب ہوسکی ہے اور بعض پہلے ہی واصل بحق ہوگئے۔ اور (۳) تیسری توجیہ یہ ہے کہ الذین امنوا سے مراد وہ عام مسلمان ہوں جو محض کلمہ پڑھنے کی حد تک زبانی مسلمان ہوگئے اور جن کے دل میں اسلام نے ابھی گھر نہیں کیا ان سے اخلاص کا مطالبہ کرنا ہے۔ خلاصہ سب توجیہات کا ایک ہی ہے کہ دونوں جملوں میں فی الجملہ مغائرت ہے کہ تمام

لوگ خواہ پہلے سے حق پرست ہوں یا باطل پرست یا ظاہری طور پر اطاعت کا دم بھرنے والے بغیر سچے دل سے آپ ﷺ کی اطاعت کاملہ کے ان کی نجات ممکن نہیں ہے۔

قانونِ اسلام کی نظر میں سب برابر ہیں:............ غرضکہ قانون کی تعمیم بیان کرنا مقصود ہے کہ ہمارا قانون عام ہے چاہے ہمارے موافق اور اطاعت کا دم بھرنے والے ہوں یا مخالفین سب کان کھول کر سن لیں کہ اب نجات منحصر ہے اطاعت محمدی میں۔ اس سے کلام کی وقعت اور بلاغت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے کہ ہمارے اس قانونِ علم میں ماوشما کا فرق نہیں ہے۔ کالے گورے کی تفریق نہیں ہے، جغرافیائی یا نسلی امتیاز کا کوئی سوال نہیں ہے، ہماری نظر میں سب برابر ہیں کسی سے نہ ذاتی خصوصیت ہے اور نہ ذاتی خصومت جیسے کوئی بادشاہ اعلان کرے کہ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں وزیر ہو یا فقیر، فرمانبردار غلام ہو یا مخالف دشمن، جو قانون کا احترام رکھے گا وہ موردِعنایت ہوگا ورنہ موجب عتاب، اس تقریر کے بعد اگر الذین امنوا سے مراد مخلص مؤمنین بھی ہوں تب بھی عبارت بے تکلف و بے غبار ہو جاتی ہے۔

علمائے سوء اور غلط کار مشائخ:............ نزولِ تورات کے بعد بنی اسرائیل نے بطور تصدیق و اطمینان کے ستر منتخب اولیائے امت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں روانہ طور کیا تھا لیکن انہوں نے باوجود مختلف عجائبات قدرت ملاحظہ کرنے کے قوم کے سامنے آ کر یہ مغالطہ آمیز بیان دیدیا کہ حق تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اگر تم سے اس پر بسہولت عمل ہو سکے کرلو ورنہ خیر او نگھتے ہوئے کو ٹھیلنے کا بہانہ کافی ہوتا ہے۔ کچھ تو ان کی جبلی شرارت کچھ احکام سخت، اس لئے بھاگ نکلنے کا یہ موقعہ غنیمت سمجھا اور صاف انکار کردیا کہ ہم سے اس پر عمل نہیں ہوسکتا، اس لئے پہاڑ کا ٹکڑا ملائکہ نے ان کے سروں پر معلق کر کے دھمکایا کہ فوراً قانون کو مضبوط پکڑ و اور اس پر عمل کرو۔

نیچری تاویل:............ بعض کی رائے یہ ہے کہ حقیقۃً پہاڑ سروں پر نہیں اٹھایا گیا تھا بلکہ ان کو پہاڑ کے نیچے لا کر کھڑا کیا گیا تھا۔ جب زلزلہ سے پہاڑ لرزنے لگا تو وہ ڈر گئے، البتہ پہلی شق پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اس طرح جبر کرنے سے تو صحیح تکلیف شرعی کی صورت باقی نہیں رہتی جس کا بندہ مکلّف بنایا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسا جبر نہیں ہے کہ جس سے بندہ مسلوب الاختیار ہو کر مجبور محض ہو جائے جو مدار ہے شبہ کا بلکہ زیادہ سے زیادہ اکراہ کہہ سکتے ہیں جس سے خوشدلی سلب ہو جاتی ہے یعنی بادلِ ناخواستہ اور ناخوشی سے وہ تیار ہوئے اور طوعاً کی بجائے کرہاً اس کے لئے آمادہ ہوئے۔

جبریہ تبدیلی مذہب:............ لیکن اس پر لا اکراہ فی الدین سے شبہ ہوگا اس کے کئی جواب ہیں (۱) یا تو پہلے مذہب میں یہ اکراہ جائز ہوگا (۲) یا خود آیتِ اکراہ کو حکم جہاد سے منسوخ مانا جائے یعنی شروع اسلام میں زبردستی منع تھی، اب اکراہ ممنوع نہیں ہے کہ اشکال ہو (۳) سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ ابتداءً مذہب قبول کرنے یا نہ کرنے میں آیت لا اکراہ فی الدین کی وجہ سے زبردستی نہیں کی جائے گی مگر جب خوشدلی سے مذہب کو قبول کرلیا جائے تو پھر احکام جزئیہ کی بجا آوری پر ضرور مجبور کیا جائے گا جیسے خاص جرموں پر حدود و قصاص کی سزائیں اور ہوتیں ہیں، اس کی نفی پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں ہے۔

دنیاوی حکومت کا طرزِ عمل:............ چنانچہ سرکاری طور پر پولیس میں بھرتی ہونے کے لئے کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا لیکن از

خود اگر کوئی ملازمت قبول کرے تو ڈیوٹی کی بجا آوری میں ضرور مجبور کیا جائے گا۔ ورنہ مستوجب سزا و تعطل ہوگا اور یہ صورت عین انصاف کہلائے گی۔ رحمتِ عامہ سے دنیا میں مؤمنین کی طرح کفار بھی منتفع ہیں۔ لیکن رحمتِ خاصہ کے مستحق آخرت میں صرف مؤمنین ہوں گے اور فضل ورحمت کا مصداق آنحضرت ﷺ بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ کے وجود باوجود کے صدقہ میں عہد شکن یہود موجودین و دنیاوی عذاب سے بچے ہوئے ہیں۔

وَلَقَدْ لَامُ قَسَمٍ **عَلِمْتُمُ** عَرَفْتُمُ **الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا** تَجَاوَزُوا الْحَدَّ **مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ** بِصَيْدِ السَّمَكِ وَقَدْ نَهَيْنَاكُمْ عَنْهُ وَهُمْ اَهْلُ اَيْلَةَ **فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ ﴿٦٥﴾** مُبْعَدِيْنَ فَكَانُوْهَا وَهَلَكُوْا بَعْدَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ **فَجَعَلْنٰهَا** اَيْ تِلْكَ الْعُقُوْبَةَ **نَكَالًا** عِبْرَةً مَانِعَةً مِنْ اِرْتِكَابِ مِثْلِ مَاعَمِلُوْا **لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا** اَيْ لِلْاُمَمِ الَّتِيْ فِيْ زَمَانِهَا وَبَعْدَهَا **وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾** اللّٰهَ وَخُصُّوْا بِالذِّكْرِ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا بِخِلَافِ غَيْرِهِمْ۔

ترجمہ: ....اور تم جانتے ہی ہو (لقد میں لام قسمیہ ہے) ان لوگوں کا حال جنہوں نے تم میں سے (حد سے) تجاوز کیا تھا ہفتہ کے متعلق (دوبارہ مچھلی کے شکار کے جس سے ان کو روکا تھا یہ لوگ ایلہ کے باشندے تھے) اس لئے ہم نے ان کو حکم دیدیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ (یعنی راندہ چنانچہ وہ مسخ ہوگئے اور تین روز بعد ہلاک ہوگئے) پھر ہم نے اس کو (اس سزا کو) موجب عبرت (اس جیسے کام سے روکنے کے لئے عبرت) بنادیا ان کے معاصرین کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے (ان کے ہم زمانہ لوگوں اور مابعد والوں کے لئے) اور (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لئے موجب نصیحت بنادیا (متقین کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ دراصل یہی نفع حاصل کرنے والے ہیں دوسرے نہیں۔)

ترکیب وتحقیق: ....نکال، بیڑی اور قید کو کہتے ہیں، یہاں مراد لازم یعنی منع کرنا علمتم بمعنی عرفتم فعل بافاعل۔ **الذین اعتدوا الخ** جملہ مفعول منکم حال ضمیر اعتدوا سے فی السبت اس کے متعلق ہے خاسئین، مشتق ارخساء ذلیل ہونا۔ **قردة** کی صفت ہے یا خبر ثانی ہے یا کونوا سے حال ہے۔ نکالاً مفعول ثانی ہے۔

ربط: ....اسی سلسلۂ انعامات کا سولہواں (۱۶) واقعہ ذکر فرمایا جاتا ہے۔

﴿تشریح﴾: ....**مچھلی کا شکار:** ....حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سینکڑوں سال بعد حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ملک شام سمندر کے کنارے ایلہ نام بستی کا یہ واقعہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان لوگوں کو ہفتہ کے روز مچھلی کا شکار کھیلنے کی ممانعت کی اور مذہبی عبادت کے لئے اس روز کو فارغ رکھنے کی ہدایت کی تھی لیکن لوگوں نے یہ حیلہ شروع کر دیا کہ ہفتہ کے روز حوض اور چشموں میں آنے والی نالیوں کے منہ کھول دیئے جاتے اور جب سمندری مچھلیاں اس میں آجاتیں تو اتوار کے روز ان کا شکار کرلیا جاتا تھا کچھ روز بعد اس حیلہ کے بغیر ہی مچھلیاں پکڑی جانے لگیں چنانچہ کسی آفتِ سماوی طاعونی وباء میں مبتلا کر کے ان کی صورتیں مسخ کردی گئیں، چہرے متورم ہوگئے اور تین روز بعد ہزاروں کی تعداد میں مرگئے۔ کتاب سموئیل کے ۲۴ باب میں اجمالاً اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ طاعت شعاروں کے لئے اس قصہ کو موعظت اور نافرمانوں کے لئے نکال فرمایا ہے۔

ڈارون کا نظریۂ ارتقاء: .... فلاسفۂ جدید کے نزدیک بندر کا ترقی کر کے انسان بننا اگر ممکن ہے تو اس کا عکس یعنی انسان کا تنزل کر کے بندر بننا کیوں ممکن نہیں ہے؟ آخر آگ، پانی، ہوا، ان عناصر میں ایک دوسرے کی طرف انقلابِ ماہیت مشاہد اور فلاسفہ کے نزدیک مسلم ہے پھر اس کو محال کہنے کی کیا وجہ ہے۔ رہا دونوں انقلابوں میں آنی اور زمانی ہونے کا فرق، یہ کوئی قابلِ التفات چیز نہیں ہے۔

مسخ معنوی وروحانی: .... اور مفسرینؒ میں مجاہدؒ کی رائے یہ ہے کہ مسخ صوری نہیں ہوا تھا بلکہ مسخ معنوی مراد ہے۔ احمق اور بے وقوف کو جس طرح بیل اور گدھا کہہ دیا جاتا ہے یہی یہاں مراد ہے۔ لیکن بلا ضرورت حقیقی معنی کا ترک مناسب نہیں ہے۔ اربابِ معرفت کا خیال ہے کہ جو شخص اوضاع شرع کی پرواہ نہیں کرتا اس کا نور باطن زائل ہو کر روح مسخ ہو جاتی ہے اور جس جانور کے اوصاف اس میں راسخ ہوں گے اسی کی طبیعت اس میں پیدا ہو جاتی ہے یہ مسخ باطنی ہو جاتا ہے۔

وَاذْكُرْ **اِذْقَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ** وَقَدْ قُتِلَ لَهُمْ قَتِيْلٌ لَايُدْرٰى قَاتِلُهُ وَسَأَلُوْهُ اَنْ يَدْعُوَ اللّٰهَ اَنْ يُّبَيِّنَهُ لَهُمْ فَدَعَاهُ **اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ** مَهْزُوًّا بِنَا حَيْثُ تُجِيْبُنَا بِمِثْلِ ذٰلِكَ **قَالَ اَعُوْذُ** اَمْتَنِعُ **بِاللّٰهِ مِنْ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾** اَلْمُسْتَهْزِئِيْنَ فَلَمَّا عَلِمُوْا اَنَّهٗ عَزْمٌ **قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَاهِيَ ؕ** اَيْ مَاسِنُّهَا **قَالَ** مُوْسٰى **اِنَّهٗ** اَيِ اللّٰهُ **يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّافَارِضٌ** مُسِنَّةٌ **وَّلَابِكْرٌ ؕ** صَغِيْرَةٌ **عَوَانٌ** نصف **بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ** المَذْكُوْرِ مِنَ السِّنَّيْنِ **فَافْعَلُوْا مَاتُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾** بِهٖ مِنْ ذَبْحِهَا **قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَالَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا** شَدِيْدُ الصُّفْرَةِ **تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾** اِلَيْهَا بِحُسْنِهَا اَيْ تُعْجِبُهُمْ **قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَاهِيَ ۙ** اَسَائِمَةٌ اَمْ عَامِلَةٌ **اِنَّ الْبَقَرَ** اَيْ جِنْسَهُ الْمَنْعُوْتَ بِمَاذُكِرَ **تَشٰبَهَ عَلَيْنَا** لِكَثْرَتِهٖ فَلَمْ نَهْتَدِ اِلَى الْمَقْصُوْدَةِ **وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾** اِلَيْهَا فِي الْحَدِيْثِ لَوْلَمْ يَسْتَثْنُوْا لَمَا بُيِّنَتْ لَهُمْ اٰخِرَ الْاَبَدِ **قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّاذَلُوْلٌ** غَيْرُ مُذَلَّلَةٍ بِالْعَمَلِ **تُثِيْرُ الْاَرْضَ** تُقَلِّبُهَا لِلزِّرَاعَةِ وَالْجُمْلَةُ صِفَةُ ذَلُوْلٍ دَاخِلَةٌ فِي النَّفْيِ **وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ** الْاَرْضَ الْمُهَيَّئَةَ لِلزَّرْعِ **مُسَلَّمَةٌ** مِنَ الْعُيُوْبِ وَاٰثَارِ الْعَمَلِ **لَّاشِيَةَ** لَوْنَ **فِيْهَا ؕ** غَيْرَ لَوْنِهَا **قَالُوا الْئٰنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ** نَطَقْتَ بِالْبَيَانِ التَّامِّ فَطَلَبُوْهَا فَوَجَدُوْهَا عِنْدَ الْفَتَى الْبَارِّ بِاُمِّهٖ فَاشْتَرَوْهَا بِمِلْءِ مَسْكِهَا ذَهَبًا **فَذَبَحُوْهَا وَمَاكَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾** لِغَلَاءِ ثَمَنِهَا وَفِي الْحَدِيْثِ لَوْ ذَبَحُوْا اَيَّ بَقَرَةٍ كَانَتْ لَاَجْزَأَتْهُمْ وَلٰكِنْ شَدَّدُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ **وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ** فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الدَّالِ اَيْ تَخَاصَمْتُمْ وَتَدَافَعْتُمْ **فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ** مُظْهِرٌ **مَّاكُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾** مِنْ اَمْرِهَا وَهٰذَا اعْتِرَاضٌ وَهُوَ اَوَّلُ الْقِصَّةِ **فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ** اَيِ الْقَتِيْلَ **بِبَعْضِهَا ؕ** فَضُرِبَ بِلِسَانِهَا اَوْ عَجْبِ ذَنَبِهَا فَحَيِيَ وَقَالَ قَتَلَنِيْ فُلَانٌ

وَفُلَانٌ اِبْنَا عَمِّهٖ وَمَاتَ فَحُرِمَا الْمِيرَاثَ وَقُتِلَا قَالَ تَعَالٰى **كَذٰلِكَ** الْاِحْيَاءُ **يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ** دَلَائِلَ قُدْرَتِهٖ **لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ** ﴿۷۳﴾ تَتَدَبَّرُوْنَ فَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى اِحْيَاءِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ قَادِرٌ عَلٰى اِحْيَاءِ نُفُوْسٍ كَثِيْرَةٍ فَتُؤْمِنُوْنَ ۔

ترجمہ: .... اور وہ زمانہ (یاد کرو) جب کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا (درآنحالیکہ ان میں سے کسی کو قتل کر دیا گیا تھا اور قاتل کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ لوگوں نے حضرت موسیٰؑ سے اس کے ظاہر ہونے کے لئے درخواست کی آپ نے دعا فرمائی) حق تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم ایک بیل ذبح کرو۔ کہنے لگے کہ آپ کیا ہم سے مذاق کر رہے ہیں (مسخرہ بنا رہے ہیں کہ اس طرح کا بے جوڑ جواب دے رہے ہیں) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ نعوذ باللہ (پناہ بخدا) کہ میں جاہلوں میں سے ہوں (جو مذاق کیا کرتے ہیں! جب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ پختگی کے ساتھ فرما رہے ہیں) کہنے لگے اپنے پروردگار سے ہمارے لئے دعا کر دیجئے کہ وہ ہم کو بتلا دے کہ اس کے اوصاف (سن وسال) کیا ہیں (موسیٰؑ نے) فرمایا کہ (حق تعالیٰ) فرماتے ہیں کہ ایسا بیل ہونا چاہئے کہ نہ بالکل بوڑھا ہو (عمر رسیدہ) اور نہ بالکل پٹھا (نوعمر) ہو (ان مذکورہ دونوں سنوں کے) درمیان کا ہو۔ سو کر گزرو جو تم کو حکم دیا گیا ہے (اس کے ذبح کا) کہنے لگے اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ ہمارے لئے اس کا رنگ بھی بتلا دے، حضرت موسیٰ نے کہا حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ بچھڑا کھلے رنگ کا زرد ہونا چاہئے (تیز زرد رنگ کہ دیکھنے والوں کے لئے فرحت بخش ہو (اپنی خوبصورتی کی وجہ سے تعجب خیز ہو) کہنے لگے اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ وہ بتلا دیں کہ اس کے اوصاف کیا کیا ہوں گے (جنگل کا چرنے والا ہو یا لادو ہو) کیونکہ اس بچھڑے میں قدرے اشتباہ ہے (اس کی جنس جو بتلائی گئی ہے کثیر الاشتباہ ہے اس لئے مقصد تک ابھی رسائی نہیں ہوئی) اور ہم ضرور انشاء اللہ ٹھیک سمجھ جائیں گے (حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر وہ انشاء اللہ نہ کہتے تو قیامت تک ان پر پوری بات نہ کھلتی) موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ حق ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ بچھڑا نہ تو ہل چلا ہو (کہ ہل یا تھے کے کام میں) زمین جوتی ہو (کاشت کیلئے زمین ہموار کی ہو۔ جملہ " تثیر الارض " ذلول کی صفت اور منفی ہے) اور نہ اس سے آب پاشی کی گئی ہو زراعت کے لئے (جو زمین کاشت کے لئے تیار کی گئی ہو) صحیح سالم ہو (تمام عیوب اور آثار محنت سے) کوئی داغ (دھبہ) نہ ہو (عام رنگ کے خلاف نشان) کہنے لگے اب آپ نے صاف بات بتلائی ہے (پورے طریقہ پر کھول کر چنانچہ اب تلاش شروع کی اور اس قسم کا بچھڑا ایک نوجوان کے پاس جو اپنی ماں کا فرمانبردار تھا مل گیا لوگوں نے اس کی کھال بھر سونے کی قیمت کے بدلہ میں بچھڑا اس جوان سے خرید لیا) پھر اس کو ذبح کر ڈالا حالانکہ پہلے وہ کرتے ہوئے معلوم نہیں ہو رہے تھے (اس کی گرانی کی وجہ سے اور حدیث میں آتا ہے کہ اول کوئی سا بچھڑا بھی اگر ذبح کر ڈالتے تو کافی ہو سکتا تھا لیکن خود انہوں نے تشدد پسندی کا ثبوت دیا تو اللہ نے بھی ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ فرمایا) اور جبکہ تم نے ایک آدمی کو قتل کیا۔ پھر اس کو ایک دوسرے پر ڈالنا چاہ رہے تھے (فَادّٰرَءْتُمْ میں اصل تَدَارَءْتُمْ تھا تفاعل تھی اس کو دال بنا کر دال میں ادغام کر دیا بمعنی ایک دوسرے سے جھگڑا کرنا) اور اللہ کو اس بات کا ظاہر کرنا منظور تھا (ظاہر کرنا چاہتا تھا) جس کو تم چھپانا چاہتے تھے (معاملہ قتل یہ جملہ معترضہ ہے اور واذ قتلتم الخ قصہ کا شروع حصہ ہے) سو ہم نے حکم دیدیا کہ (مقتول) کو اس بچھڑے کے کسی حصہ سے چھو دو (چنانچہ اس کی زبان یا دم سے چھو دیا اور وہ زندہ ہو گیا۔ اور بیان دیا کہ فلاں فلاں چچازاد بھائیوں نے مجھ کو قتل کیا ہے۔ اور یہ بیان دے کر پھر مر گیا۔ چنانچہ ان دونوں بھائیوں کو اس مقتول کی میراث سے محروم کر دیا گیا۔ اور پھر قصاصاً ان کو بھی قتل کر دیا گیا۔ آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اس (واقعہ جلانے کی طرح) حق تعالیٰ مردوں کو زندہ فرمائیں گے اور وہ اپنے نظائر (دلائل قدرت) تم کو دکھلاتے رہتے

ہیں اس امید پر کہ تم سمجھداری سے کام لیا کرو (غور وفکر کر کے یہ سمجھ جاؤ کہ جو ایک جان جلانے پر قادر ہے وہ سب کے زندہ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے اور اس پر ایمان لے آؤ۔)

ترکیب وتحقیق: .... ھزوا مصدر بمعنی اسم مفعول یا بحذف المضاف ای ذو ھزء یا مبالغۃً مصدر کا حمل ہے۔ زید عدل کی طرح جائز ہے۔ فضول کلام کو کہتے ہیں۔ قرآن کی فصاحت و بلاغت کے چیلنج کے جواب میں کچھ لوگوں نے ڈھونڈ ھ کر صرف دو لفظ قابل اعتراض نکالے ایک لفظ ہزءٌ۔ دوسرے لفظ کبار۔ اتفاق سے ایک فصیح و بلیغ معمر شخص سامنے آتے دکھلائی دیئے لوگوں نے ان کو اس بارہ میں حکم بنانے کا فیصلہ کیا۔ شیخ کی زبان سے تو جوانوں کی صورت دیکھتے ہی جو پہلا جملہ نکلا وہ یہ تھا کہ استھزؤا منا وانا شیخ کبار سب لوگ اس تائید غیبی اور فیصلہ پر دنگ رہ گئے۔ بنی اسرائیل کا منشاء اس کہنے سے یہ تھا کہ سوال اور جواب میں کچھ جوڑ نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ احکام الٰہی کی تبلیغ کے درمیان دل لگی اور مذاق جہل وسفاہت ہوتی ہے۔ **ماھی** یہاں بقرۃ کی حقیقت دریافت نہیں کی جارہی ہے وہ تو مشاہد ہے بلکہ اوصاف دریافت کرتے ہیں جس کے لئے **کیف** آتا ہے۔ لیکن **ما** جو جنسیت کے لئے آتا ہے یہاں **کیف** کے معنی میں ہے **فارض** فرض بمعنی قطع آخر عمر میں گوشت ڈھل ڈھلا اور منقطع سا ہو جاتا ہے۔ **بین** اس کی اضافت امر واحد کی طرف نہیں بلکہ متعدد امور کی طرف ہوتی ہے۔ **ماتؤمرون** ما موصولہ ہے اور عائد محذوف ہے جو اس فعل میں بکثرت محذوف ہوتا ہے **فاقع** مختلف رنگوں کے لئے مختلف تاکیدی الفاظ لائے جاتے ہیں اصفر فاقع اسود حالك وحانك ابیض بقق ولھق احمر قانی ذوریحی اخضر ناظر ومدھام یہ تاکیدی الفاظ ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے جد جدہ وجنونك مجنون ولیلك الیل آخر الابد۔

اس کے معنی قیامت کے ہیں لیکن زمانہ طویل مراد ہے۔ **شیۃ** اس داغ دھبہ کو کہتے ہیں جو عام رنگ کے برخلاف ہو۔ اس کی اصل وشیۃ تھی۔ واؤ حذف ہو گیا۔ **ذھبًا** اول اس کی قیمت صرف تین دینار تھی۔ **ماکادوا** اس فعل مقاربہ نے اس قصیہ کو کاذب ہونے سے نکال دیا۔ یعنی پہلے تو ارادہ ذبح کا نہیں تھا بوجہ بدنامی یا قیمت کے زیادہ ہونے یا بار بار آنے جانے کی پریشانی کی وجہ سے لیکن آخر کار مجبوراً آمادہ ہونا پڑا۔ **کذٰلک** محل نصب نہیں ہے۔ ای یحی اللہ الموتی احیاء مثل ذٰلک الاحیاء ان اللہ یامرکم الخ مقولہ ہے **قال** کاان تذبحوا محلاً منصوب ہے بنزع الخافض اتتخذنا۔ یہ پورا جملہ مقولہ ہے انھا میں ضمیر اسم بقرۃ موصوف لافارض الخ تینوں ملکر صفت۔ **ماتؤمرون** مفعول ہے **فافعلوا** کا۔ **صفراء** صفت اول **بقرۃ** کی **فتح** الخ دوسری صفت **تسر الناظرین** تیسری صفت **ان شاء اللہ** ای ھدایتنا یہ شرط ہے جواب **لمھتدون** ہے۔ اور مبرد کے نزدیک جواب محذوف ہے **بقرۃ** موصوف **لاذلول** صفت **تثیر الارض** ضمیر ذلول سے حال ہے یا بقرہ کی صفت۔ **تسقی الحرث** بقرہ کی صفت اور مبتداء محذوف کی خبر بھی ہو سکتی ہے۔ **علیٰ ھذا مسلمۃ الآن** میں الف لام زائد ہے اور زجاج کے نزدیک مبنی ہے جس کے معنی اشارہ کے ہیں یعنی **ھذا الوقت**.

ربط: .... یہاں سے سترہواں (۱۷)، اٹھارہواں (۱۸) انعام ذکر کیا جاتا ہے یعنی واقعہ ذبح بقرہ جس سے یہ صورت موسوم ہے جس کی تفصیل ابن عباسؓ کی روایت میں موجود ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **نیکی، توکل اور والدہ کی خدمت کی برکت:** .... مقتول بنی اسرائیل میں کوئی مالدار شخص تھا جس کی اولاد نہیں تھی مال کے لالچ میں کسی عزیز نے اس کو قتل کر دیا۔ بچھڑا جس شخص کے یہاں سے مذکورہ صفات کا دستیاب ہوا۔ وہ ایک متوکل اور صالح شخص تھا جس نے اپنے یتیم بچہ اور بیوہ بیوی اور اس بچھڑے کو خدا کی تحویل میں دیا تھا جس کی ابتدائی قیمت صرف

تین دینار تھی اوراب توکل کی برکت سے ساری عمر گزارنے کا انتظام ہوگیا۔ چونکہ اہل مصر گوسالہ پرستی میں منہمک تھے ذبح بقرہ کرا کر فی الجملہ اس افراط تعظیم کی اصلاح بھی کرنی تھی۔

واقعہ کی ترتیب قرآنی:............ واقعہ کی ترتیب قرآن کریم میں برعکس ہے اور مقصد اس تقدیم تاخیر کا واقعہ کی دونوں جزؤں سے الگ الگ نتائج نکالنے ہیں۔ اگر واقعہ مرتب طور پر رہتا توان اہم نتائج اورثمرات کی طرف ذہن منتقل نہ ہوتا، جزواول جوبعد میں مذکور ہوا۔ اس میں اخفاء واردات کی اہمیت اوراحکام خداوندی میں ٹال مٹول کی مذمت بیان کرنا ہے۔ دوسرے اورآخری جزء میں جو اول بیان ہوا۔ احیاء موتی کے مہتم بالشان عقیدہ کی بنیاد مضبوط کرنا ہے۔

حیات بعد الموت:............ زندگی اور روح کی حقیقت ایک بخار لطیف کا قلب کہ پلگ میں محفوظ رہتا ہے اوراگر فیوز ہوجائے توانجینئر (اللہ) کنکشن پھر درست کرسکتا ہے۔ اس واقعہ میں بھی اس کا نمونہ پیش کیا گیا ہے اور یہی حقیقت ہے بعث بعد الموت کی۔ دلیل اس کے استحالہ کی کچھ نہیں ہے۔

دوشبہے اوران کا جواب:............ یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اگر صرف مقتول کا بیان قاتل کے خلاف معتبر ہوسکتا ہے تو سب جگہ ایسا ہونا چاہئے جو خلاف قواعد ہے ورنہ یہاں بھی نہ ہونا چاہئے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں وحی الٰہی بھی چونکہ اس بیان کے ساتھ تائید میں شامل ہے کہ یہ بیان صحیح اورواقعہ کے مطابق ہے اس لئے معتبر ہوگیا اوردوسری جگہ وحی نہیں ہوگی بلکہ صرف ایک بیان ہوگا وہ تنہا معتبر نہیں ہوگا۔ نیز یہ شبہ بھی نہ کیا جائے کہ قاتل کا پتہ چلانے کے لئے خدا کواس خاص طریقہ کے اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی وہ اس کے بغیر بھی ظاہر کراسکتا تھا لان فعل الحکیم المطلق لایخلوعن المصالح والحکم۔

سرمدی زندگی:............ اہل کشف صوفیاء نفس کو بقرہ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں چنانچہ دونوں کا رنگ زردہو یعنی نفس کو بھری جوانی میں اللہ کی راہ میں قربان کروتو اس سے حیات حقیقی اورسرمدی حاصل ہوگی۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ اَيُّهَا الْيَهُوْدُ صَلَبَتْ عَنْ قَبُوْلِ الْحَقِّ **مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرِ مِنْ اِحْيَاءِ الْقَتِيْلِ وَمَاقَبْلَهٗ مِنَ الْاٰيَاتِ **فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ** فِي الْقَسْوَةِ **اَوْاَشَدُّ قَسْوَةً** مِنْهَا **وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ** فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الشِّيْنِ **فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْهَالَمَايَهْبِطُ** يَنْزِلُ مِنْ عُلُوٍّ اِلٰى سِفْلٍ **مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ** وَقُلُوْبُكُمْ لَاتَتَاَثَّرُوَلَاتَلِيْنُ وَلَاتَخْشَعُ **وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ** ﴿۷۴﴾ وَاِنَّمَا يُؤَخِّرُكُمْ لِوَقْتِكُمْ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالتَّحْتَانِيَةِ وَفِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ۔

ترجمہ:............ پھر بھی تمہارے دل سخت ہی رہے (اے یہود قبول حق کے قابل نہیں رہے) ایسے ایسے واقعات (مذکورہ مقتول کوزندہ کرنا وغیرہ) پھرتو اس کی مثال پتھر جیسی ہے (قساوت میں) بلکہ (اس سے) بھی زیادہ سخت اوربعض پتھرتو ایسے ہیں کہ ان سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اوران پتھروں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جوشق ہوجاتے ہیں (یشقق اصل میں یتشقق تھا تاتفعل کوشین سے تبدیل کرکے شین میں ادغام کردیا) پھران سے پانی نکل آتا ہے اوران میں سے بعض ایسے ہیں جولڑھک جاتے ہیں (اوپر سے نیچے گرجاتے

ہیں) اللہ کے خوف سے (لیکن تمہارے دل نہ متأثر ہوتے ہیں نہ نرم ہوتے ہیں نہ ڈرتے ہیں) اور حق تعالیٰ تمہاری کرتوت سے بے خبر نہیں ہے (البتہ دنیا میں مہلت دے رکھی ہے اور ایک قرأت میں تعلمون یائے تحتانیہ کے ساتھ ہے یعنی یعلمون. اس صورت میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات کا نکتہ ہوگا۔)

ترکیب وتحقیق: .... ثم یہاں بُعد زمان کے لئے نہیں ہے بلکہ بعد حال کے لئے ہے یعنی مجازاً استبعاد کے لئے ہے من بعد ذلک بھی اسی کی تاکید کے لئے ہے منھا یعنی قسوۃ منصوب ہے بناء پر تمیز کے اور مفضل علیہ محذوف ہے۔ اقسیٰ بھی اسم تفصیل ہے لیکن یہاں اشد قسوۃ میں زیادہ مبالغہ ہے مادہ اور ہیئت دونوں لحاظ سے لما میں ما موصولہ بمعنی الذی موضع نصب میں ان ہونے کی وجہ سے اور لام تاکید کا ہے۔ او جوشک کے لئے آتا ہے کلام الٰہی میں باعثِ شک ہے اس کے کئی جواب ہیں یا بمعنی واؤ ہے یا تقسیم کے لئے ہے یا بل کے معنی میں ہے۔

ثم استبعاد قساوت کے لئے قست فعل، قلوبکم فاعل، من بعد ذلک متعلق، ہی مبتدا کالحجارۃ متعلق ہو کر خبر یا اس میں کاف تمثیلیہ ہے پھر متعلق کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اشد معطوف ہے کاف پر ای او ھی اشد قسوۃ، تمیز لام تاکید ما موصولہ اسم ان یتفجر جملہ صلہ من الحجارۃ ان کی خبر ہے من خشیۃ اللہ منصوب المحل ہے یھبط سے۔

ربط: .... ان حیرت انگیز واقعات کے باوجود اثر پذیری اور قبولیتِ حق نہ ہونے پر شکایت فرماتے ہیں۔

﴿تشریح﴾: .... **آدمی آدمی انتر کوئی ہیرا کوئی پتھر**: .... یہاں پتھروں کی تاثیر کی ترتیب نہایت لطیف اور افادۂ مقصود میں نہایت بلیغ ہے چنانچہ بعض لوگوں کے دل اجراء نفع میں ایسے ہوتے ہیں جیسے پہاڑی پتھر جن سے پانی کی نہریں نکلتی ہیں۔ اور بعض دل ان سے کم نفع پتھروں جیسے ہوتے ہیں جن سے پانی کم رستا ہے اور بعض بالکل ہی ضعیف الاثار پتھر جیسے ہوتے ہیں جو خوفِ خداوندی سے صرف اپنی جگہ سے ہل جاتے ہیں۔ لیکن کفار کے دل ان تینوں سے خالی ہونے کی وجہ سے پتھر سے بھی زیادہ سخت معلوم ہوتے ہیں جن میں کسی طرح اثر پذیری کا نام ونشان نہیں۔

ایک اشکال اور اس کا حل: .... پتھروں سے کم یا زیادہ پانی کا رسنا تو خیر مشاہد ہے اور اوپر سے نیچے لڑھک جانا بھی مشاہد ہے۔ لیکن گرنے کی علت خوفِ خداوندی بیان کرنا مخلِ کلام معلوم ہوتا ہے کیونکہ گرنے کا سبب فلسفہ تو ثقلِ طبعی بتلاتا ہے ادھر خشیت الٰہی کے لئے عقل وشعور اور حس کا ہونا ضروری ہے جو یہاں نہیں ہے؟ جواب یہ ہے کہ ڈرنے کے لئے عقل کا ہونا ضروری نہیں ہے چنانچہ بے عقل جانوروں میں بھی خوف کا مشاہدہ ہوتا ہے البتہ خوف کے لئے حس کا ہونا ضروری ہے اور حسِ حیات پر موقوف ہے پس ممکن ہے کہ پتھروں میں بھی نباتات وحیوانات کی طرح لطیف اور غیر محسوس حیات ہو اور اسی کی قدر حس بھی اور اسی کے موجب خشیتِ الٰہی ہوتی ہے۔ نیز ہم ہمیشہ گرنے کا سبب خوفِ خداوندی کو نہیں کہتے بلکہ بعض دفعہ قرآن کے بیان کے مطابق ہو اور بعض دفعہ فلسفی طبعی کے کہنے کے موافق یا فلسفہ کا دعویٰ سبب ظاہر کے بارہ میں ہو اور قرآنی دعویٰ حقیقی سب کے متعلق ہو۔ ولا مزاحمۃ فی الاسباب.

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ **اَنْ یُّؤْمِنُوْا** اَیِ الْیَهُوْدُ **لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ** طَائِفَةٌ **مِّنْهُمْ** اَحْبَارُهُمْ **یَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ** فِی التَّوْرٰةِ **ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ** یُغَیِّرُوْنَهٗ **مِنْۢ بَعْدِ مَاعَقَلُوْهُ** فَهِمُوْهُ **وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ**﴿۷۵﴾ اَنَّهُمْ مُفْتَرُوْنَ وَالْهَمْزَةُ لِلْاِنْكَارِ ای لَاتَطْمَعُوْا فَلَهُمْ سَابِقَةٌ فِی الْكُفْرِ **وَاِذَا لَقُوا** ای مُنَافِقُوا الْیَهُوْدِ **الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْآ اٰمَنَّا**ۚ بِاَنَّ مُحَمَّدًا نَبِیٌّ وَهُوَ الْمُبَشَّرُ بِهٖ فِیْ كِتَابِنَا **وَاِذَا خَلَا** رَجَعَ **بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ قَالُوْآ** ای رُؤَسَاؤُهُمُ الَّذِیْنَ لَمْ یُنَافِقُوْا لِمَنْ نَافَقَ **اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ** اَیِ الْمُؤْمِنِیْنَ **بِمَافَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ** ای عَرَّفَكُمْ فِی التَّوْرٰةِ مِنْ نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **لِیُحَآجُّوْكُمْ** لِیُخَاصِمُوْكُمْ وَاللَّامُ لِلصَّیْرُوْرَةِ **بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ** فِی الْاٰخِرَةِ وَیُقِیْمُوْا عَلَیْكُمُ الْحُجَّةَ فِیْ تَرْكِ اِتِّبَاعِهٖ مَعَ عِلْمِكُمْ بِصِدْقِهٖ **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ**﴿۷۶﴾ اَنَّهُمْ یُحَاجُّوْنَكُمْ اِذَا حَدَّثْتُمُوْهُمْ فَتَنْتَهُوْا قَالَ تَعَالٰی **اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ** الْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِیْرِ وَالْوَاوُ الدَّاخِلَةُ عَلَیْهَا لِلْعَطْفِ **اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَایُسِرُّوْنَ وَمَایُعْلِنُوْنَ**﴿۷۷﴾ مَایُخْفُوْنَ وَمَایُظْهِرُوْنَ مِنْ ذٰلِكَ وَغَیْرِهٖ فَیَرْعَوُوْا عَنْ ذٰلِكَ

ترجمہ:.........کیا اب بھی تم امید رکھتے ہو (اے مسلمانو!) کہ یہ ایمان لے آئیں گے (یہودی) تمہارے کہنے سے حالانکہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں (ان کے علماء) کہ وہ اللہ کا کلام سنتے ہیں (تورات میں) پھر اس کو ردوبدل کرڈالتے ہیں (تبدیل کردیتے ہیں) سمجھنے (جاننے) کے بعد ایسا کرتے ہیں حالانکہ یہ جانتے بھی ہیں (کہ یہ افتراء پردازی کررہے ہیں اور "**افتطمعون**" میں ہمزہ استفہام انکاری ہے یعنی ان کے ایمان کی امید نہ رکھو کیونکہ یہ کفر میں بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں) اور جب ملتے ہیں (منافق یہودی) مسلمانوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں (کہ محمد ﷺ نبی ہیں اور ہماری کتابوں میں ان ہی کے لئے بشارت دی گئی ہے) اور جب تنہائی میں ملتے ہیں (جاتے ہیں) ان میں سے بعض بعض کے پاس تو کہتے ہیں (وہ رؤساء جو علانیہ یہود ہیں منافق یہودیوں سے) کہ کیا تم بتلا دیتے ہو (مسلمانوں سے) وہ باتیں جو اللہ نے تم پر منکشف کردی ہیں (یعنی تم کو تورات میں محمد ﷺ کے اوصاف بتلا دیئے ہیں) جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان تم کو حجت میں مغلوب کردیں گے (جھگڑا کرکے تم پر غالب آجائیں گے اس میں لام عاقبۃ کا ہے) تمہارے پروردگار کے سامنے (آخرت میں اور تمہارے برخلاف حجۃ قائم کردیں گے کہ تم نے آپ کی صداقت سے واقف ہونے کے باوجود آپ کا اتباع نہیں کیا ہے) کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے ہو (کہ مسلمان تمہارے خلاف دلیل قائم کررہے ہیں جبکہ تم ان سے ایسی باتیں کہتے ہو اس لئے تمہیں باز آجانا چاہئے۔حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) کیا ان کو اس کا علم نہیں ہے (اس میں ہمزہ استفہام تقریر کے لئے ہے اور اس پر جملہ داخل ہونے والا واؤ عاطفہ ہے) کہ حق تعالیٰ کو سب خبر ہے ان چیزوں کو بھی جن کو یہ چھپا رہے ہیں اور جن کا اظہار کررہے ہیں (اس وقت یا اس کے علاوہ جو کچھ مخفی رکھتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کردیتے ہیں۔لہٰذا اس کوشش اخفاء سے ان کو باز آجانا چاہئے۔)

ترکیب وتحقیق:.........ہمزہ استفہام تین حروف عاطفہ **فا، واؤ، ثم** پر داخل ہوتا ہے۔البتہ اس کی ترتیب میں اختلاف ہے جمہور کی رائے یہ ہے کہ ہمزہ چونکہ صدارت کلام کو چاہتا ہے اس لئے اس کو شروع میں مانا جائے گا اور کسی چیز کو محذوف نہیں مانا جائے گا۔تقدیر عبارت اس طرح ہوگی **فاتطمعون ولا یعلمون وثم اذا ماوقع** علامہ زمخشری کی رائے یہ ہے کہ ہمزہ کا بدل مدخول

محذوف ہوتا ہے، جس پر سیاقِ عبارت دلالت کیا کرتا ہے۔ مثلاً یہاں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی اتسمعون اخبارھم فتطمعون اس کے بعد مفسر علام نے ایھا المومنون نکال کر اشارہ کیا ہے کہ مخاطب آنحضرت ﷺ اور مؤمنین ہیں اور بعض کی رائے میں صرف حضور ﷺ مخاطب ہیں اور صیغہ جمع تعظیماً لایا گیا ہے۔ لکم لام زائد ہے یا لام اجلیہ ہے لیحاجوکم لام صیر ورت کا ہے یعنی لام عاقبت کا ہے جیسے لدو الموت عند ربکم یہ متعلق ہے یحاجوا کے اور قاضی بیضاویؒ نے اس کو ضمیر بہ سے بدل قرار دیا ہے۔ تعقلون کے بعد مفسرؒ نے مفعول محذوف نکالا ہے۔ او لا یعلمون ہمزہ اقرار واعتراف کے لئے ہے، جس میں توبیخ مقصود ہوتی ہے۔ واؤ عاطفہ دراصل اس سے پہلے آنا چاہئے تھا مگر ہمزہ کی صدارت کلام کی وجہ سے اس کو مؤخر کر دیا جاتا ہے۔ تقدیر عبارت میں اس طرح ہے الا یتاملون و لا یعلمون ان یؤمنوا بتقدیر حرف جر ہے ای فی ان یؤمنون، وقد کان جملہ حالیہ ہے منھم موضع رفع میں ہے فریق کی صفت ہے اور یسمعون جملہ کان کی خبر ہے اور فریق اسم ہے اذا حرف شرط لقوا الخ شرط۔ قالوا امنا جوابِ شرط اور اسی طرح اذا خلا بعضھم الخ شرط۔ قالوا الخ جوابِ شرط بما فتح اللہ میں ما موصولہ یا موصوفہ یا مصدریہ ہے۔

ربط: .... یہود کی نالائقیاں ذکر کر کے مسلمانوں کو ان کے ایمان لانے سے ناامید اور مایوس ہو جانے کو بتلانا ہے تاکہ تبلیغی اور اصلاحی سلسلہ میں جو ان کو انتہائی فکر و کوشش سے کوفت و کلفت پیش آتی رہتی ہے اس میں اعتدال پیدا ہو جائے یہ انیسواں اور بیسواں معاملہ ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **یہود کی تین جماعتیں:** .... ان دونوں آیتوں میں یہود کی تین جماعتوں کا ذکر ہے۔ اول جماعت محرفین کی ہے۔ جنہوں نے کلام الٰہی یعنی توراۃ کو انبیاء علیہم السلام سے سننے کے باوجود اس میں ردوبدل اور کانٹ چھانٹ کر دی ہے۔ خواہ تحریف لفظی کی ہو یا معنوی یا دونوں۔ اسی طرح کوہِ طور پر جو ستر آدمیوں نے کلام الٰہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں سن کر اس میں ترمیم کر دی تھی وہ بھی اس میں داخل ہیں اور جن کے اسلاف کا حال یہ ہو اان کے اخلاف کیونکر ان کے خلاف ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ان سب کی اصلاح و ہدایت کی کوئی توقع نہ رکھئے۔ دوسری آیت میں یہود منافقین کا جن کا سرکردہ عبداللہ ابن ابی ہے اور دوسری جماعت علانیہ کفار یہود کا مکالمہ نقل کیا جاتا ہے کہ اگر کبھی خوشامد میں پہلی جماعت کے کچھ لوگ مسلمانوں کے سامنے کبھی ایک دو بات حقیقت کی اگل بھی دیتے ہیں تو رؤسا یہود ان پر عتاب و ملامت اور ان سے مواخذہ و بازپرس کئے بغیر نہیں چھوڑتے۔ پس جن کا حال اس قدر پتلا ہو ان سے امید ہدایت فضول ہے۔ ابتداء سورت میں منافقین کے یہ الفاظ مسلمانوں کے ساتھ معاملاتی حیثیت سے ذکر کئے گئے ہیں اور یہاں ناامیدی ایمان کے ذیل میں ان کو نقل کیا جا رہا ہے چونکہ غرض بدل گئی اس لئے تکرار کا شبہ نہ کیا جائے۔

وَمِنْهُمْ اَیِ الْيَهُوْدِ **اُمِّيُّوْنَ** عَوَامٌّ **لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ** التَّوْرٰةَ **اِلَّآ** لٰكِنْ **اَمَانِيَّ** اَكَاذِيْبَ تَلَقَّوْهَا مِنْ رُؤَسَائِهِمْ فَاعْتَمَدُوْهَا **وَاِنْ** مَا **هُمْ** فِىْ جَحْدِ نُبُوَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهٖ مِمَّا يَخْتَلِقُوْنَهٗ **اِلَّا يَظُنُّوْنَ** ﴿۷۸﴾ ظَنًّا وَلَاعِلْمَ لَهُمْ **فَوَيْلٌ** شِدَّةُ عَذَابٍ **لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ** اَیْ مُخْتَلَقًا مِنْ عِنْدِهِمْ **ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا** مِنَ الدُّنْيَا وَهُمُ الْيَهُوْدُ غَيَّرُوْا صِفَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى التَّوْرٰةِ وَاٰيَةَ الرَّجْمِ وَغَيْرَهَا وَكَتَبُوْهَا عَلٰى خِلَافِ مَا اُنْزِلَ **فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ** مِنَ الْمُخْتَلِقِ **وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ** ﴿۷۹﴾ مِنَ الرُّشٰى

ترجمہ: .... اور بعض (ان یہود) میں سے ناخواندہ (عوام) ہیں جو کتاب (تورات) کا علم نہیں رکھتے۔ البتہ خوش کن باتیں ہیں (غلط بے بنیاد کہ ان کے بڑوں نے بتلادی ہیں اور انہوں نے ان پر اعتماد کرلیا ہے) اور یہ لوگ کچھ نہیں ہیں (نبوت وغیرہ باتوں کے من گھڑت انکار میں) مگر خیالات پکا لیتے ہیں اٹکل کے تیر ہیں ان کے پاس صحیح علم نہیں ہے) بڑی خرابی (سخت ترین سزا) ان لوگوں پر ہوگی جو اپنے ہاتھوں سے کتاب (گھڑ گھڑ کر) لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ غرض یہ ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ کچھ تھوڑا سا نقد وصول کرلیں (قدرے دنیا، مراد یہود ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے اوصاف کو اور آیت رجم وغیرہ کو تورات میں تبدیل کر کے ان کی جگہ برعکس باتیں درج کردیں) ان کو اس کی بدولت جو ان کے ہاتھوں نے من گھڑت لکھا ہے اور بربادی ہوگی اس (رشوت) کی بدولت جس کو وہ وصول کرلیا کرتے تھے۔

ترکیب و تحقیق: .... الا بمعنی لکن یعنی استثناء منقطع ہے کیونکہ امانی اور امیدیں کتاب کی جنس سے نہیں ہیں۔ امانی جمع امنیة بروزن افعولة ۔ انسان دل میں جو خیالات پکاتا ہے اسی لئے کذب اور مایقرء پر بھی اطلاق ہوتا ہے یہاں بھی آنحضرت ﷺ کے اوصاف اور حلیہ مذکورہ فی التورات کو تبدیل کرنا اور خود کو ابناء الله و احباء ہ سمجھنا اور یہ کہ جہنم میں ہم داخل نہیں ہوں گے مگر عارضی۔ اور اللہ ہم سے خطاؤں پر مواخذہ نہیں کرے گا۔ یہ سب بے بنیاد باتیں ہیں۔ الظن اس کا اطلاق کبھی علم الیقین قطعی مع الدلیل کے خلاف پر بھی آتا ہے یعنی علم بلا دلیل یا غیر قطعی دلیل والے علم کو بھی ظن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ویل عربی زبان میں یہ لفظ اظہار ناراضگی کیلئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے تف وغیرہ کلمات۔ امام احمدؒ اور ترمذیؒ ابویعلیٰؒ وغیرہ نے جس روایت سے اس کو جہنم کا کنواں کہا ہے یا ابن جریرؒ نے جہنم کا پہاڑ کہا ہے ان سب میں خدا کی ناراضگی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس لئے سب معانی درست ہیں۔ کتاب مراد توراۃ یا اس کی کتابت یا دونوں معنیٰ ہیں۔ امیون مبتدا موصوف۔ لایعلمون صفت منهم خبر مقدم الا امانی استثناء منقطع فویل للذین جملہ ہے الکتاب مفعول بہ یشترو امتعلق ہے۔ یقولون کے مما کتبت اور مما یکسبون مفعول بہ۔

ربط: .... گذشتہ آیات میں خواندہ لوگوں کا ذکر تھا۔ ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت میں ناخواندہ اور عوام کی حالت کا نقشہ کھینچا جاتا ہے۔ دوسری آیت میں پھر ان کے علماء کی بدحالی بیان کی جارہی ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **خوابوں کی جنت**: .... پہلی آیت میں چوتھی جماعت یعنی عوام کا حال مذکور ہے کہ وہ بے اصل و بے سند خوابوں کی جنت میں آباد ہیں۔ اور یہ برائی بھی دراصل ان کے علماء ہی کی پیدا کردہ ہے کہ علم صحیح سے ان کو آشنا نہیں ہونے دیا بلکہ خیالی ڈھکوسلوں کے سبز باغ دکھلا دکھلا کر اور تخیلات کی شراب کہن پلا پلا کر ان کو اس قدر بدمست کردیا ہے کہ وہ اپنے گردو پیش کے بنے ہوئے سنہری جال سے نکلنے کے لئے کسی طرح بھی آمادہ نہیں ہیں جس کی نظیر آج کل کے پیرزادوں میں پائی جاتی ہے۔

علماء سو کا قصور: .... اور چونکہ یہ ساری توہم پرستی بدعقیدگی، جہالت ان کے علماء کی پیدا کردہ یا ان کی غفلت اور عوام کی حالت سے بے خبری کا نتیجہ ہے اس لئے تمام تر ذمہ داری ان کے علماء پر آتی ہے اس لئے ان پر لتاڑ ڈالی جاتی ہے کہ تمام خرابیوں کی جڑ تم ہو کہ عوام کی رضا جوئی اور اپنے اقتدار کی حفاظت کی خاطر کتاب اللہ تورات میں ہیرا پھیری کرتے رہے ہو۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا حلیہ مبارک تورات میں ان الفاظ کے ساتھ تھا حسن الوجه، جعد الشعر، کحل العین، ربعة (خوبصورت، گھونگھریالے بال، سرمگیں آنکھیں، متوسل قد) اس کو بدل کر طول، ازرق، سبط الشعر (لاتبے، نیلی آنکھیں، سیدھے بال) الفاظ کردیئے گئے اسی طرح زنا

کی سزا رجم یعنی سنگسار لکھی تھی اس کی بجائے جلدوا یعنی کوڑوں سے اور تحمیم یعنی منہ کالا کرنے سے اس کو تبدیل کر دیا۔

کتابتِ قرآن پر اُجرت: .... بعض لوگوں نے اس آیت سے قرآن کی کتابت پر اجرت لینے کو ناجائز کہا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے اسی طرح بعض لوگوں نے اس آیت سے احکام شرع میں ظن کے حجت نہ ہونے پر استدلال کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ آیت میں کفار کے جس ظن (گمان کو امانی میں داخل کیا گیا ہے وہ خاص تخمین ہے جو بلا دلیل ہو بلکہ جس کی بنیاد خلاف دلیل پر ہو لیکن اصولِ شرع میں جس ظن کا اعتبار ہے وہ کسی نہ کسی صحیح دلیل کی طرف مستند ہوتا ہے اس لئے دونوں میں بونِ بعید ہے۔

وَقَالُوْا لَمَّا وَعَدَهُمُ النَّبِي النَّارَ **لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً** قَلِيْلَةً اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا مُدَّةَ عِبَادَةِ اٰبَائِهِمُ الْعِجْلَ ثُمَّ تَزُوْلُ **قُلْ** لَهُمْ يَا مُحَمَّدُ **اَتَّخَذْتُمْ** حُذِفَ مِنْهُ هَمْزَةُ الْوَصْلِ اِسْتِغْنَاءً بِهَمْزَةِ الْاِسْتِفْهَامِ **عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا** مِيْثَاقًا مِنْهُ بِذٰلِكَ **فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ** بِهِ لَا **اَمْ** بَلْ **تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى** تَمَسُّكُمْ وَتَخْلُدُوْنَ فِيْهَا **مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً** شِرْكًا **وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـئَتُهٗ** بِالْاِفْرَادِ وَالْجَمْعِ اَيِ اسْتَوْلَتْ عَلَيْهِ وَاَحْدَقَتْ بِهٖ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ بِاَنْ مَاتَ مُشْرِكًا **فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾** رُوْعِيَ فِيْهِ مَعْنٰى مَنْ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾**

ترجمہ: .... اور (یہود یہ بھی) کہتے ہیں (جبکہ حضور ﷺ ان کو نارِ جہنم سے ڈراتے ہیں) کہ ہرگز ہم کو نہیں چھو سکتی (نہیں پہنچ سکتی) آگ مگر چند روز گنتی کے (مختصر چالیس روز کی مدت جس میں ان کے آباء گوسالہ پرستی کرتے رہے اس کے بعد آگ ہٹالی جائے گی)۔ آپ (اے محمد) ان سے فرما دیجئے کہ کیا تم نے لے لیا ہے (اتخذتم دراصل أ اتخذتم تھا ہمزہ استفہام کی موجودگی کی وجہ سے ہمزۂ وصل حذف کر دی گئی ہے) اللہ سے عہد (اس پر کوئی پیمان) جس میں اللہ تعالیٰ اپنے معاہدہ کے خلاف نہ کریں گے (ایسا نہیں ہے) بلکہ تم لوگ اللہ کے ذمہ ایسی بات لگا رہے ہو جس کی کوئی علمی سند اپنے پاس نہیں رکھتے ہو (بلکہ نار جہنم تم کو چھوئے گی اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے) جو شخص قصداً بری بات کرتا ہے (مراد شرک) اور اس کی خطائیں اس کا احاطہ کر لیں (لفظ خطیئۃ مراد اور جمع کے صیغہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی وہ قصور اس پر چھا جائیں اور اس کو اس طرح ہر طرف سے گھیر لیں) کہ وہ شرک کی حالت میں مر جائے) ایسے لوگ جہنمی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (ضمیر جمع ھم میں معنیٰ من کی رعایت کی گئی ہے) اور جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک کام کریں گے ایسے لوگ بہشتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ترکیب و تحقیق: .... **فلن یخلف** یہ شرط مقدر کا جواب ہے ای ان کنتم اتخذتم عندا للہ عھداً لا ام بل یہاں ام منقطعہ بمعنی بل ہے اور استفہام انکار اتخاذ کے لئے ہے اور بل کے معنی اضراب و انتقال کے ہوں گے اسی لئے مفسر علام نے ہمزہ کا جواب لائے نافیہ سے مقدر کیا ہے مگر ہمزہ کے ماتحت کی نفی اور ام کے ماتحت کا اثبات ہے اور کلام خبری ہے۔ سیئۃ جلال محقق نے سیئۃ کی تفسیر شرک کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ و مجاہدؒ کے موافق کی ہے، قالوا فعل بافاعل، لن تمسنا الخ جملہ مفعول الایام، ایام منصوب علی الظرفیۃ، ایام دراصل ایوام تھا یوم کی جمع۔ واؤ کو یاء کر کے ادغام کر دیا گیا۔ بلیٰ کلمہ ایجاب من مبتدا، اصحاب النار خبر جملہ

جواب شرط، ام ہمزۂ استفہام کے معنی میں ہے ای الامرین کائن اس صورت میں ام متصلہ ہوگا اور یا منقطعہ بمعنی بل ہے۔

ربط : .... پہلی آیت میں ان کے امانی کی تمثیل وتشریح بیان کی گئی ہے گویا یہ ان کی اکیسویں (۲۱) برائی ہے۔ دوسری آیت میں ان کے اس زعم کے ابطال میں ایک ضابطہ ارشاد فرمایا جاتا ہے جس سے ان کے اس پندار کی حقیقت اور قلعی کھل کر رہ گئی ہے۔

﴿تشریح﴾ : .... خیال آفرینیاں : .... یہود نے یہ خیالی ڈھکوسلے اپنے دلوں میں جمار کھے تھے کہ (۱) **نحن ابناء الله و احباء ہ** ہم خدا کے محبوب ومقبول ہیں اسی لئے ہمارے سارے گناہ معاف ہیں (۲) آباؤ اجداد چونکہ انبیاء اور رسول ہیں اس لئے وہ ہم کو دوزخ سے بچالیں گے (۳) بالفرض اگر جہنم میں جانا ہی ہوا تو چند روز ہوگا۔ (۴) مستحق نبوت صرف ہمارا خاندان ہے۔ فی الحقیقت **لن تمسنا الخ** کے عقیدہ کی فاسد بنیاد ان کا یہ گمان تھا کہ وہ دین موسوی کو دائمی اور غیر منسوخ سمجھتے تھے اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لاتے سے خوف کو کافر بھی نہیں سمجھتے تھے اگر کسی گناہ کی پاداش میں دوزخ میں گئے بھی تو بعد چندے نجات ہو جائے گی۔ حالانکہ یہ رائے ان کی **بناء الفاسد علی الفاسد** ہے اس لئے حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے انکار کی وجہ سے ان کو کافر ہی سمجھا جائے گا۔ نیز بعد چندے نجات کا وعدہ کسی آسمانی کتاب میں بھی ان کے لئے موجود نہیں ہے اس لئے ان کا یہ دعویٰ بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

معیار کامیابی : .... آگے جو ضابطہ ارشاد ہے اس کے لحاظ سے بھی یہ اول گروہ میں داخل ہونے کی وجہ سے نار جہنم کے مستحق ٹھہرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ گناہوں نے جس زندگی کو چاروں طرف سے اس طرح گھیر لیا ہو کہ نور ایمان بالکل بجھ گیا ہو تو اس کے اگر کچھ بھلے اور نیک کام بھی ہوں گے ان کو حبط وضبط کر کے اس کو داخل جہنم کر دیا جائے گا اس ضابطہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسے خبطی قابل ضبطی ہوں۔

معتزلہ پر رد : .... معتزلہ کا اس آیت سے گناہ کبیرہ کرنے والے کے لئے ابدی جہنم کے استحقاق پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ بقرینۂ حال یہود، نیز الفاظ **احاطت به خطيئته** پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں صرف کافر کا خلود نار اور مومن کا خلود جنت بیان کیا گیا ہے اور بد عمل مسلمان کا ضابطہ اس آیت میں نہیں ہے۔ دوسری روایات وآیات سے معلوم ہوسکتا ہے کہ مثلاً آیت **ان الله لايغفر ان يشرک به ويغفر ما دون ذلک** سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نجات کا وعدہ ہے اور **من يعمل مثقال ذرة خيرا يره ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره** سے معلوم ہوا کہ نیکی اور بدی کا پھل بھی اس کو ملے گا اور عقل صحیح کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ مومن کامل جس نے ایمان واعمال صالحہ دونوں تقاضے پورے کئے وہ ابدی جنت کا مستحق اور کافر جس نے ایمان وعمل صالح کے دونوں تقاضوں کو فوت کر دیا وہ ابدی جہنم کا مستحق اور بد عمل مومن جس نے ایک تقاضا پورا کیا اور ایک چھوڑ دیا سزاء وجزاء کا مجموعہ ہونا چاہئے۔

وَاذْكُرْ **اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ** فِى التَّوْرٰةِ وَقُلْنَا **لَاتَعْبُدُوْنَ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **اِلَّا اللّٰهَ** خَبَرٌ بِمَعْنَى النَّهْيِ وَقُرِئَ لَاتَعْبُدُوْا **وَ** اَحْسِنُوْا **بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا** بِرًّا **وَّذِى الْقُرْبٰى** الْقَرَابَةِ عَطْفٌ عَلَى الْوَالِدَيْنِ **وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ قَوْلًا حُسْنًا** مِنَ الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالصِّدْقِ فِىْ شَاْنِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالرِّفْقِ بِهِمْ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْحَاءِ وَسُكُوْنِ السِّيْنِ مَصْدَرٌ وُصِفَ بِهِ

مُبَالَغَةٌ وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فَقَبِلْتُمْ ذٰلِكَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اَعْرَضْتُمْ عَنِ الْوَفَاءِ بِهٖ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ وَالْمُرَادُ اٰبَاؤُهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ عَنْهُ كَاٰبَائِكُمْ

ترجمہ: .... اور (وہ زمانہ یاد کیجئے) جب ہم نے بنی اسرائیل سے قول وقرار لیا (تورات میں اور ہم نے کہا) کہ کسی کی عبادت نہ کرنا (لفظ تعبدون کی قرأت تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے) بجز اللہ کے (یہ خبر بمعنی نہی ہے اور دوسری قرأت میں لاتعبدوا پڑھا بھی گیا ہے) اور (احسان کرو) ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک اور رشتہ داروں کے ساتھ (قربیٰ بمعنی قرابۃ اور ذی القربیٰ کا عطف والدین پر ہے) اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور عام لوگوں سے اچھی باتیں کہو (یعنی بھلائی کا حکم کرو اور برائی کی ممانعت کرو اور آنحضرت ﷺ کے بارے میں راست بازی سے کام لو اور لوگوں سے نرمی کرو۔ ایک قرأت میں ضم حاء اور سکون سین کے ساتھ حُسْنًا مصدر پڑھا گیا ہے بطور مبالغہ کے حمل ہوجائے گا) اور نماز کی پابندی رکھنا اور زکوٰۃ ادا کرتے رہنا (اور تم نے ان احکام کو قبول کرلیا تھا) پھر تم پھر گئے (اس قول وقرار کو پورا کرنے سے اعراض کرلیا۔ لفظ تولیتم میں غیبت سے خطاب کی طرف التفات پایا گیا اس سے مراد ان کے آباؤ اجداد ہیں) بجز چند افراد کے اور (اس) اقرار سے بھی تم اپنے آباء کی طرح) پھر گئے۔

ترکیب وتحقیق: .... لاتعبدون اس سے پہلے محققؒ نے قلنا مقدر مان کر اخذنا پر عطف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس میں دو قرأتیں ہیں مشہور قرأت لاتعبدون جملہ خبریہ معنی میں لاتعبدوا نہی کے ہے اور نہی کو بصورت خبر ادا کرنا صریح نہی سے زیادہ ابلغ سمجھا جاتا ہے گویا اس صورت میں اشارہ ہوتا ہے کہ نہی پر عملدرآمد کی اس درجہ رغبت ہے کہ گویا عملدرآمد کر کے خبر دیدی گئی ہے اور دوسری قرأت لاتعبدوا صیغہ نہی صریح کے ساتھ ہے لیکن یہ قرأت شاذ ہے جس کی طرف قرئ صیغہ تمریض سے مفسرؒ علام نے اشارہ کیا ہے اور مفسرؒ کی غالب عادت یہ ہے کہ قرأت متواترہ کو لفظ وفی قراءۃ سے تعبیر کرتے ہیں اور قرأۃ شاذہ کو وقرئ سے احسانا متعلق ہے۔ مضمر کی تقدیر عبارت اس طرح ہے تحسنون او احسنوا احسانا. مسکین بروزن مفعیل مشتق سکون سے ہے گویا فقیر نے اس کو ساکن بنادیا ہے حسنا بضم الحاء وفتح الحاء دونوں صورتوں میں مصدر ہے مبالغہ کے طریقہ پر زید عدل کی طرح ہے۔ تولیتم سے پہلے قبلتم اس لئے مقدر مانا ہے تاکہ اس کا عطف صحیح ہوجائے۔ التفات کا مطلب یہ ہے کہ پہلے کلام .... کی روش میں تبدیلی کردی جائے جس سے نشاط اور التذاذ پیدا ہوجائے اور مخاطب کی اکتاہٹ دور ہوجائے۔ لاتعبدوا الخ جواب قسم ہے جو اخذنا سے مستفاد ہوئی ہے۔ ای احلفنا هم وقلنا لهم یا بحذف ان وتقدیر حرف الجر ہو ای علی ان لا تعبدوا جیسا کہ الا ایهذا الزاجر احضرا لوغی میں ہے اور صیغہ نہی کی تقدیر پر لاتعبدو میثاق سے بدل ہوجائے گا۔ یا بحذف حرفِ جر اس کا معمول ہے۔ نافعؒ، ابن عامر، ابوعمرو عاصم کی قرأت میں لاتعبدون ہے اور باقی قراء نے لایعبدون پڑھا ہے۔

ربط: .... یہاں سے یہود کا بائیسواں (۲۲) معاملہ مذکور ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **اللہ کی بندگی کے بعد والدین کی اطاعت وخدمت**: .... ایک طرف خالق حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں اور دوسری طرف سبب پیدائش بظاہر والدین ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ والدین کا حق الخدمت بھی بتلادیا۔ حق اللہ کی تقدیم کی طرف مشیر ہے کہ اگر دونوں حقوق میں کسی وقت مزاحمت ہوجائے تو مرجح اور مقدم اول ہی رہے گا۔ اسی طرح الاقرب فالاقرب کے قاعدہ سے دوسرے قرابتداروں کے حقوق کی نگہداشت کی بھی تلقین فرمائی گئی ہے حتیٰ کہ

عامۃ الناس بھی تمہاری ہمدردیوں اور خوش اخلاق سے محروم نہیں رہنے چاہئیں۔ لیکن عبداللہ بن سلامؓ جیسے اطاعت شعار اور وفادار لوگوں کے علاوہ عام طور پر دوسرے یہود نے اس عہد کی پاسداری ملحوظ نہیں رکھی اور وفاء عہد سے پھر گئے، یہ عہد اگر چہ یہود کے اسلاف سے لیا گیا تھا چونکہ موجودہ یہود ان کے کارناموں سے متفق ہیں اس لئے خطاب وعتاب میں ان کو بھی شریک سمجھا جائے گا۔

وَ اذْكُرْ **اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ** وَقُلْنَا **لَاتَسْفِكُوْنَ دِمَآءَ كُمْ** تُرِيْقُوْنَهَا بِقَتْلِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا **وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ** لَايُخْرِجُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا مِنْ دَارِهٖ **ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ** قَبِلْتُمْ ذٰلِكَ الْمِيْثَاقَ **وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ﴿۸۴﴾** عَلٰى اَنْفُسِكُمْ **ثُمَّ اَنْتُمْ يَا هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ** يقتل بَعْضُكُمْ بَعْضًا **وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ** فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الظَّاءِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالتَّخْفِيْفِ عَلٰى حَذْفِهَا تَتَعَاوَنُوْنَ **عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ** اَلْمَعْصِيَةِ **وَالْعُدْوَانِ** الظلم **وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى** وَفِيْ قِرَاءَةٍ اَسْرٰى **تُفٰدُوْهُمْ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ تَفْدُوْهُمْ تُنْقِذُوْهُمْ مِنَ الْاِسْرِ بالمالِ اَوْغَيْرِهٖ وَهُوَ مِمَّاعَهِدَ اِلَيْهِمْ **وَهُوَ** اى الشَّانُ **مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ** مُتَّصِلٌ بِقَوْلِهٖ وَتُخْرِجُوْنَ وَالْجُمْلَةُ بَيْنَهُمَا اِعْتِرَاضٌ وَهُوَاَيْ كَمَا حَرَّمَ تَرْكَ الْفِدَاءِ وَكَانَتْ قُرَيْظَةُ حَالَفُوا الاَوْسَ وَالنَّضِيْرُ الْخَزْرَجَ فَكَانَ كُلُّ فَرِيْقٍ يُقَاتِلُ مَعَ حُلَفَائِهٖ وَيُخْرِبُ دِيَارَهُمْ وَيُخْرِجُهُمْ فَاِذَا اُسِرُوْا اَفدوهم وَكَانُوا اِذَا سُئِلُوْا لِمَ تُقَاتِلُوْنَهُمْ وَتَفْدُوْنَهُمْ قَالُوْا اُمِرْنَا بِالْفِدَاءِ فَيُقَالُ فَلِمَ تُقَاتِلُوْنَهُمْ فَيَقُوْلُوْنَ حَيَاءً اَنْ يَّسْتَذِلَّ حُلَفَاؤُنَا قَالَ تَعَالٰى **اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ** وَهُوَ الْفِدَاء **وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ** وَهُوَ تَرْكُ الْقَتْلِ وَالْاِخْرَاجِ وَالْمَظَاهَرَةِ **فَمَاجَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ** هَوَانٌ وَذِلٌّ **فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** وَقَدْخُزُوْا بِقَتْلِ قُرَيْظَةَ ونَفيِ النَّضِيرِ اِلَى الشَّامِ وَضَرْبِ الْجِزْيَةِ **وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَااللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴿۸۵﴾** بالياءِ والتَّاءِ **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ** بِاَنْ اٰثَرُوْهَا عَلَيْهَا **فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴿۸۶﴾** يُمْنَعُوْنَ مِنْهُ.

ترجمہ: ....اور (وہ زمانہ بھی یاد کرو) جب ہم نے تم سے یہ قول وقرار لیا (اور یہ کہا) کہ باہم خونریزی نہ کرنا (ایک دوسرے کو قتل نہ کرنا) اور ایک دوسرے کو بے وطن نہ کرنا (ایک دوسرے کو وطن سے مت نکالنا) پھر تم نے اقرار بھی کرلیا (اس عہد کو قبول کرلیا) درآں حالیکہ تم (اپنے نفوں پر) شہادت دے رہے تھے پھر تم (اے لوگو!) ایک دوسرے کو باہم قتل وقتال بھی کررہے ہو (آپس میں خون خرابہ کرتے ہو) اور ایک دوسرے کو جلاوطن بھی کررہے ہو امداد کرتے ہوئے (**تظاهرون** دراصل **تتظاهرون** تھا تا کو ظاسے بدل کر ظامیں ادغام کردیا اور دوسری قرأت میں دو تاء میں سے ایک محذوف بھی ہے یعنی وہ تعاون کرتے ہیں) اپنوں کے مقابلہ میں گناہ (معصیت اور ناانصافی (ظلم) کے ساتھ اور اگر ان میں سے کوئی گرفتار ہوکر تمہارے پاس آتا ہے (دوسری قرأت میں لفظ **اسری** آیا ہے) تو ان کو کچھ خرچ کر کرا کر رہا کردیتے ہو (دوسری قرأت میں **تفادوهم** کی بجائے **تفدوهم** ہے مال وغیرہ کے بدلہ میں قید سے آزاد کرادینا بھی منجملہ ان سے لئے گئے عہدوں کے تھا) حالانکہ (بات یہ ہے کہ) جلاوطن کرنا بھی تم پر حرام کیا گیا تھا (اس کا تعلق جملہ **تخرجون الخ** سے ہے اور **وان یاتوکم** جملہ۔ ان دونوں جملوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے یعنی ترک فدیہ کی طرح جلاء وطن کرنا بھی ان پر حرام

تھا۔ اس کا واقعہ اس طرح ہے بنوقریظہ قبیلہ اوس کے مخالف تھا اور بنونضیر قبیلہ خزرج کے خلاف تھا۔ اُن میں سے ہر جماعت اپنے حلیفوں سمیت حریفوں سے نبرد آزما رہتی تھی۔ اور ایک دوسرے کے شہروں کو برباد کرتے اور جلا وطن کرتے رہتے تھے۔ البتہ اگر یہ لوگ گرفتار ہوجاتے تو فدیہ دیکر چھڑالیا جاتا تھا۔ ان سے اگر کوئی یہ دریافت کرتا کہ یہ فدیہ کیوں برداشت کرتے ہو تو کہنے لگتے ہیں کہ فدیہ کا ہم کو حکم دیا گیا ہے اور جب کہا جاتا ہے کہ پھر قتل وقتال کیوں کرتے ہو؟ تو جواب دیتے ہیں کہ ہمیں اپنے حلیفوں کی ذلت سے شرم آتی ہے (ارشاد ہوتا ہے) کیا کتاب کے بعض حکم پر ایمان لاتے ہو (فدیہ پر) اور بعض انکار کرتے ہو (یعنی خونریزی، جلاوطنی، پشت پناہی کو چھوڑنا) سو اور کیا سزا ہونی چاہئے تم میں سے ایسے شخص کی جو ایسی حرکت کرے بجز رسوائی (تحقیر وذلت) کے دنیا میں بھی چنانچہ بنوقریظہ قتل ہوکر بنونضیر شام کی طرف جلاء وطن ہوکر اور جزیہ کے تسلط سے ذلیل ہوئے، اور قیامت کے روز سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں گے۔ اور اللہ تمہاری حرکتوں سے بے خبر نہیں ہے۔ (لفظ یعلمون کی قرأت یا اور تا کے ساتھ دونوں طرح ہے) یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے دنیاوی زندگی کو اُخروی زندگی کے عوض لے لیا ہے (دنیاوی زندگی کو پھر اُخروی زندگی پر ترجیح دیدی ہے) سو نہ تو ان کی سزامیں کچھ تخفیف ہوگی اور نہ کوئی ان کی طرفداری کرنے پائے گا (کہ اللہ کا عذاب ان سے روک دے)

ترکیب وتحقیق: .... **دماء کم** ایک دوسرے کے قتل کو مجازاً اپنا قتل کہا گیا ہے یا بطور قصاص کے اپنا قتل مراد ہے اطلاقا للسبب علی المسبب، **اقررتم** کی تفسیر **قبلتم** سے اس لئے کی ہے کہ **تشھدون** اقرار کی محض تاکید نہ ہو بلکہ تاسیس ہوجائے۔ اور قاضی بیضاویؒ نے اس کو تاکید پر محمول کیا ہے۔ **ثم** استبعاد کے لئے ہے۔ بقول بیضاویؒ **انتم** مبتداء، اور اس کی خبر میں تین اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ **تقتلون** خبر ہو، اس وقت لفظ **ھؤلا** بتقدیر **اعنی** موضع نصب میں ہوگا یا پھر منادی ہوگا ای **یا ھؤلاء** لیکن سیبویہ کے نزدیک **ھولاء** منادی مبہم ہوکر حرف نداء کا حذف جائز نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ **تقتلون** صلہ کے ساتھ خبر بن جائے یہ کوفیوں کے نزدیک صحیح ہے لیکن بصری **ھؤلاء** کو **الذی** کے معنی میں جائز نہیں سمجھتے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ بتقدیر المضاف لفظ **ھولاء** خبر ہوای **مثل ھؤلاء** اس صورت میں **تقتلون** حال ہوجائے گا۔ **لا تسفکون** کی تفسیر میں اشارہ ہے کہ ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا ہے کیونکہ قتل کے لئے خون بہنا لازم ہے نیز قتل اخ کو قتل نفس کہنا مجازاً ہے یا تسبب مراد ہے۔ **تظاھرون** ترکیب میں حال ہے **تفادوھم** نافع، عاصم، کسائی کی قرأت الف کے ساتھ ہے باقی کی قرأت بغیر الف کے ہے۔ **محرم** خبر مقدم ہے۔ **اخراجھم** مبتداء مؤخر کی جملہ ہوکر خبر ہوگی۔ **الاوس** یہ دو مختلف عاملوں کے معمولوں کا ایک دوسرے پر اختصاراً عطف ہو رہا ہے۔ اوس وخزرج مدینہ کے دو قبیلے ہیں جو باہم دست وگریبان رہا کرتے تھے اسی طرح بنوقریظہ و بنونضیر بیرون مدینہ کے دو مخالف قبیلے تھے لیکن ان دونوں بیرونی جماعتوں نے علی الترتیب اندرونی جماعت سے حلیفانہ معاملہ کرلیا تھا اور آپس میں ایک دوسرے کے حریف ومخالف رہتے تھے۔

ربط: .... اللہ نے یہود کے جس میثاق کا پہلی آیت میں تذکرہ فرمایا ہے اس آیت میں اسی عہد کا تتمہ ہے اور پھران کی عہد شکنی کا ذکر کیا ہے اور آخر میں ان کی سزا کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **معاہدہ کی بقیہ دفعات**: .... حاصل یہ ہے کہ اس معاہدہ کی تین دفعات مزید یہ تھیں کہ (۱) آپس میں کسی کو قتل نہ کرنا (۲) کسی کو جلاوطن نہ کرنا (۳) اگر کوئی گرفتار ہوجائے تو مالی فدیہ دے کر اس کو رہا کرادینا۔ چنانچہ ان تینوں دفعات میں سہل تر تیسری دفعہ تھی اس پر تو یہ کسی درجہ عامل رہے۔ مگر پہلی دونوں دفعات جو نہایت اہم اور ضروری تھیں ان کو بالکل نظر انداز کردیا اور درخوار اعتناء نہیں سمجھا۔ چنانچہ اوس و بنوقریظہ باہم دوست تھے اور خزرج و بنی نضیر باہم مددگار تھے۔ اوس خزرج میں جب کبھی

جنگ ہوتی تو بنوقریظہ اوس کے اور بنونضیر خزرج کے معاون ومددگار ہوجاتے تھے۔ چنانچہ ان جنگوں میں قتل وجلاوطنی دونوں مصیبتیں پیش آتیں جن سے سب کو دوچار ہونا پڑتا تھا۔ البتہ جنگی قیدیوں کو بڑے شوق سے مالی فدیہ دے کر رہائی دلاتے اور کہتے تھے کہ یہ خدائی حکم ہے۔ لیکن اگر کوئی قتل وغارت گری اور دیس نکالے کے بارے میں کوئی اعتراض کرتا تو اپنے حلیفوں اور دوستوں سے عار کی آڑ لینے کی کوشش کرتے۔ حق تعالیٰ اسی دوغلی پالیسی کی شکایت فرماتے ہیں کہ اس طرح جب تم ایک قبیلہ کی حمایت وہمدردی کرتے تو دوسرے قبیلہ کی مخالفت وضرر رسانی بھی تو لازم آتی ہے اور اس میں حکمِ الٰہی کی پامالی بھی ہے اور بندوں کو آزار رسانی بھی اسی کو **افتؤمنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض** سے تعبیر فرمایا گیا ہے یعنی مالی فدیہ کی پابندی اگر اللہ کا حکم ہونے کی وجہ سے کرتے ہو تو قتل وجلاوطنی نہ کرنا بھی تو خدائی احکام ہیں ان کی تعمیل کیوں نہیں کی جاتی، حکم کے ایک حصہ کو ماننا اور ایک حصہ کا انکار؟ آخر یہ کیا واہیات مذاق ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب: .... کفر سے مراد کفر عملی ہے، کسی بدعملی کو قابل نفرت اور گھناؤنی صورت میں پیش کرنے کے لئے بدترین الفاظ استعمال کردیئے جاتے ہیں۔ اس سے مقصود حقیقت نہیں ہوتی بلکہ مجازی معنی مراد ہوتے ہیں۔ **من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر** میں یہاں معنی مراد ہیں۔ یہاں فرقہ یہود میں اگرچہ اعتقادی کفر بھی پایا جاتا ہے لیکن اس وقت مقصود ان کی اس بدعملی کی برائی ظاہر کرنا ہے۔ پس معتزلہ کے لئے اس آیت سے مرتکب کبیرہ کے دائرہ ایمان سے خارج کرنے اور خوارج کے لئے داخلِ کفر کرنے کے لئے کوئی موقع استدلال نہیں ہے کیونکہ کفر کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں۔

دوسرا شبہ اور اس کا ازالہ: .... **علیٰ ھذا اشد العذاب** پر امام رازیؒ نے جو یہ شبہ کیا ہے کہ یہود زیادہ سے زیادہ کافر تھے، ان کے عذاب کو جب اشد کہا گیا ہے تو دہریے جو ان سے زیادہ جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ سرے سے خدا ہی کے منکر ہوتے ہیں ان کا عذاب کیسے کم ہوگا۔ علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اشدیت سے مراد تفضیل نہیں ہے کہ مفضل اور مفضل علیہ کی ضرورت پیش آئے بلکہ اشدیت سے مراد خلود ودوام عذاب ہے جو کافر ومشرک ودہریہ سب کے لئے ہوگا۔ یا پھر کافر سے کم درجہ لوگوں کے لحاظ سے اضافی اشدیت مراد ہے۔

بہرحال دنیاوی عذاب وذلت ورسوائی کا وقوع یہود پر اس طرح ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ مبارک ہی میں نقضِ عہد کی وجہ سے ۴ھ میں جب آنحضرت ﷺ کے دستِ حق پرست پر اوس وخزرج اسلام لائے تو حضرت سعد بن معاذؓ کے فیصلہ کے مطابق بنوقریظہ کے سات سو نوجوان قتل کئے گئے اور عورتوں اور بچوں کو گرفتار کرلیا گیا۔ بنونضیر ملک شام کی طرف جلاوطن کئے گئے (سورۂ احزاب) اور سورۂ حشر میں ان دونوں واقعات کی روئداد موجود ہے۔ اور آخرت کی وعید کا وقوع آخرت میں ہوگا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ التَّوْرٰۃَ **وَقَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ** اَیْ اَتْبَعْنَاھُمْ رَسُوْلاً فِیْ اَثَرِ رَسُوْلٍ **وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ** اَلْمُعْجِزَاتِ کَاِحْیَاءِ الْمَوْتٰی وَاِبْرَاءِ الْاَکْمَہِ وَالْاَبْرَصِ **وَاَیَّدْنٰہُ** قَوَّیْنَاہُ **بِرُوْحِ الْقُدُسِ** مِنْ اِضَافَۃِ الْمَوْصُوْفِ اِلَی الصِّفَۃِ اَیِ الرُّوْحِ الْمُقَدَّسَۃِ جِبْرَئِیْلَ لِطَھَارَتِہٖ یَسِیْرُ مَعَہٗ حَیْثُ سَارَ فَلَمْ تَسْتَقِیْمُوْا **اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَھْوٰٓی** تُحِبُّ **اَنْفُسُکُمُ** مِنَ الْحَقِّ **اسْتَکْبَرْتُمْ** عَنِ اتِّبَاعِہٖ جَوَابُ کُلَّمَا وَھُوَ مَحَلُّ الْاِسْتِفْھَامِ وَالْمُرَادُ بِہِ التَّوْبِیْخُ **فَفَرِیْقًا مِّنْھُمْ کَذَّبْتُمْ** کَعِیْسٰی **وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ** ﴿۸۷﴾ اَلْمُضَارِعُ لِحِکَایَۃِ الْحَالِ الْمَاضِیَۃِ اَیْ قَتَلْتُمْ کَزَکَرِیَّا وَیَحْیٰی **وَقَالُوْا** لِلنَّبِیِّ اسْتِھْزَاءً **قُلُوْبُنَا**

غُلُفٌ ط جَمعُ اَغْلَفَ اَی مُغَشَّاۃٌ بِاَغْطِیَۃٍ فَلَا نَعِیْ مَاتَقُوْلُ قَالَ تَعَالیٰ **بَلْ** لِلْاِضْرَابِ **لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ** اَبْعَدَهُمْ عَنْ رَحْمَتِهٖ وَخَذَلَهُمْ عَنِ الْقُبُوْلِ **بِكُفْرِهِمْ** وَلَيْسَ عَدْمُ قُبُوْلِهِمْ لِخَلَلٍ فِیْ قُلُوْبِهِمْ **فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ** ﴿۸۸﴾ مَا زَائِدَۃٌ لِتَاکِیْدِ الْقِلَّۃِ اَیْ اِیْمَانُهُمْ قَلِیْلٌ جِدًّا

ترجمہ: .... اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (تورات) عطاء کی اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے پیغمبروں کو بھیجتے رہے (پیغمبر کے بعد پیغمبر برابر بھیجتے رہے) اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو واضح دلائل عطا فرمائے (مردوں کو زندہ کرنا، کوڑھی اور مبروص کو اچھا کردینا جیسے معجزات) اور ہم نے ان کی تائید (تقویت) جبرئیل کے ذریعہ (روح القدس میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے۔ یعنی روح القدس جبرئیل مراد ہیں اپنی پاکیزگی کی وجہ سے ہر جگہ حضرت عیسیٰ کے ساتھ رہتے لیکن پھر بھی ٹھیک نہ ہو سکے (جب بھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام (حق) لائے جن کو تمہارے دل نہیں چاہتے تھے (خواہش نہیں کرتے تھے) تم نے تکبر کرنا شروع کردیا (پیغمبروں کے اتباع سے روگردانی شروع کردی استکبرتم جواب لما ہے۔ دراصل افکلما میں جو ہمزہ استفہام ہے اس کا محل یہی ہے مراد اس استفہام سے دھمکانا ہے) سو بعضوں کو تم نے (ان میں سے جھٹلا دیا (جیسے حضرت عیسیٰ) اور بعض کو قتل کردیتے ہو (تقتلون صیغۂ مضارع حکایت حال ماضیہ کے طریقہ پر ہے بمعنی قتلتم جیسے حضرت زکریا و یحییٰ علیہم السلام کو قتل کیا گیا) اور یہودی (آنحضرت ﷺ سے استہزاء) کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محجوب ہیں (لفظ غلف جمع ہے اغلف کی یعنی جہل کے غلاف میں ہے آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) بلکہ (بل اضراب کے لئے) ان پر خدا کی مار ہے (کہ ان کو اپنی رحمت سے دور کردیا ہے اور ان کو قبولیت سے محروم کردیا ہے) ان کے کفر کی وجہ سے (ان کے دلی نقصان کی وجہ سے قبول کرنا نہیں ہے) سو بہت ہی تھوڑا سا ایمان رکھتے ہیں (قلیلا ما میں ما زائد ہے تاکید قلۃ کے لئے یعنی ان کا ایمان بہت ہی کم ہے)۔

ترکیب وتحقیق: .... قفینا بولتے ہیں قفاہ اذا اتبعہ وقفاہ بہ اتبعہ ایاہ اصل عبارت اس طرح تھی وقفینا موسیٰ بالرسل مفعول حذف کر کے من بعدہ قائم مقام کردیا۔ حضرت موسیٰ کے بعد یوشع، داؤد، سلیمان، زکریا، یحییٰ، الیاس انبیاء علیہم السلام آئے ہیں۔ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کے درمیان انبیاء کرام کثیر تعداد میں آئے ہیں چار ہزار یا ستر ہزار پیغمبر سب بنی اسرائیل تھے اور دین موسوی اور تورات کے مبلغ تھے۔ خواہ وہ انبیاء ایک ہی زمانہ میں متعدد رہے ہوں یا رسول یکے بعد دیگرے آتے رہے ہوں عیسیٰ ابن مریم، عیسیٰ سریانی زبان کا لفظ ہے بمعنی مبارک اور مریم بمعنے خادم۔ روح القدس حاتم الجود اور رجل صدق کی طرح اضافت ہے الروح المقدسۃ جبریل چونکہ پیغام حیات لے کر آتے ہیں تو روح جس طرح حیاتِ ابدان ہوتی ہے اسی طرح جبرئیل باعثِ حیات قلوب ہیں ظاہری اور باطنی آلودگیوں سے پاک صاف ہیں اس لئے مقدس کہا گیا۔ دوسری جگہ رسول کریم فرمایا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی خصوصی معیت یہ حضرت عیسیٰ کی فضیلت جزئی ہے جو آنحضرت ﷺ کی فضیلت کلی میں قادح نہیں ہے۔ فلم تستقیموا مفسرؒ علام نے ظاہر کیا ہے کہ جاء کم کا معطوف علیہ مقدر مانا ہے۔ ہمزہ کا مدخول اور اصل استکبرتم ہے۔ من الحق بیان ہے بما کے موصولہ کا۔ استکبرتم کے بعد تکبرتم اس طرف اشارہ ہے کہ سین زائد ہے مبالغہ کے لئے اصل عبارت اس طرح تھی استکبرتم کلما جاء کم فریقًا مفعول کی تقدیم اس آیت کی رعایت سے ہے۔ کلام میں محذوف ہے ای فریقا منھم کذبتم جیسا کہ مفسرؒ نے ظاہر کیا ہے یہ استکبرتم پر معطوف ہو جائے گا۔ تقتلون حکایت حال ماضیہ کا مطلب یہ ہوتا ہے گویا زمانہ ماضی میں یہ مضارع کی عبارت تیار کرلی گئی تھی اس وقت تو حقیقی معنی کے لحاظ سے اس کا بولنا درست تھا لیکن اب جبکہ وہ

حال ماضی بن گیا ہے بطورِ حکایت کے اسی کو نقل کر دیا گیا ہے۔ قالوا جلال محققؒ نے اشارہ اس طرف کیا ہے کہ یہ مقولہ آنحضرت ﷺ کے معاصر یہود کا ہے چاہے تو تفاخراً ہو یا تحقیراً واستہزاءً۔ غلف دراصل غیر مختون کو کہتے ہیں اگر تفاخراً یہ جملہ کہا ہے تو مقصد یہ ہے کہ ہمارے قلوب محفوظ اور ظروف علم ہیں۔ اگر آپ کی بات کچھ وزنی یا علمی ہوتی تو ضرور ہمارے وجدان اس کو قبول کرتے۔ معلوم ہوا کہ آپ (ﷺ) کی باتیں جب اہل علم ہی کی سمجھ میں نہیں آتیں تو خود وہ اس قابل نہیں ہیں۔ اور اگر منشاء استہزاء کرنا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ کی باتیں تو ضرور صحیح ہوں گی لیکن ہماری سمجھ ہی ذرا موٹی ہے۔ جیسے کوئی صحیح السماعت شخص بطورِ تمسخر کہنے لگے کہ میں ذرا اونچا سنتا ہوں۔ ذرا زور سے بولئے؟ قلیلاً یہ منصوب ہے بنا بر مصدر محذوف کی نعت ہونے کے اور قلت باعتبار مومن یہ یعنی ایمان کے ہے یعنی ایمانا قلیلاً جلال مفسرؒ کی یہی رائے ہے دوسری صورت یہ ہے کہ قلت بلحاظ افراد ہو یعنی عبداللہ بن سلامؓ جیسے کم ہی افراد ایمان قبول کر سکے ہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ صفت ہو زماناً محذوف کی ای فیؤمنون زماناً قلیلاً یعنی کبھی اگر ایمان لے آتے ہیں تو پھر فوراً ہی پھر جاتے ہیں امنوا وجه النهار واکفروا اخره .

ربط: .... یہاں سے ان کے تیئیسویں (۲۳) معاملہ کا ذکر کیا جا رہا ہے اور اس کے بعد آیت وقالوا قلوبنا غلف میں چوبیسویں (۲۴) معاملہ کا تذکرہ ہے۔

﴿تشریح﴾: ......**بغیر توفیق الٰہی خوارق بھی کارآمد نہیں**: .... حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام اور ہزاروں جلیل القدر وعظیم المرتبت انبیاء ورسل جس جماعت میں آ چکے ہوں اور ہزار ہا دلائل ومعجزات اور خدا کی نشانیاں دکھلا چکے ہوں اور پھر وہ لوگ راہ رست پر نہ آ سکے ہوں تو ان کی اصلاح کی کیا امید کی جا سکتی ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تائید جبریلی مختلف اوقات میں ہوتی رہی ہے (۱) اول جب کہ نطفۂ رحم مادر میں حمل قرار پایا (۲) بوقت ولادت شیطانی اثرات سے محفوظ رکھے گئے (۳) ساری عمر دشمن یہودیوں کے حملوں سے بچائے رکھا (۴) حتیٰ کہ آخر میں جب ان کو شہید کرنے کی کوشش کی گئی تو بحکم الٰہی زندہ سلامت ان کو آسمانوں پر پہنچا دیا گیا۔

ایک نکتہ: .... تقتلون صیغۂ حال کے ساتھ بیان کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ اب بھی یہ کوشش قتل سے باز نہیں آتے۔ آنحضرت ﷺ کے قتل کے مساعی میں اب بھی سرگرم عمل ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ حفاظت الٰہی کی وجہ سے کامیاب نہیں ہو پاتے۔ اور ایمان کی قلت سے یہ مراد ہے کہ صرف توحید اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت، قیامت وغیرہ مشترک مسائل میں کچھ متفق نظر آتے ہیں یعنی معنی کی لحاظ سے اس کو ایمان کہہ دیا مطلق یقین کے معنی میں ہے۔ اصطلاحی معنی کے لحاظ سے ایمان مراد نہیں ہے کیونکہ قرآن پاک اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کے منکر تھے اس لئے شرعاً ایمان کہاں؟

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ مِنَ التَّوْرٰةِ هُوَ الْقُرْاٰنُ **وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ** قَبْلَ مَجِيئِهٖ **يَسْتَفْتِحُوْنَ** يَسْتَنْصِرُوْنَ **عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** يَقُوْلُوْنَ اللّٰهُمَّ انْصُرْنَا عَلَيْهِمْ بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ اٰخِرِ الزَّمَانِ **فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا** مِنَ الْحَقِّ وَهُوَ بِعْثَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **كَفَرُوْا بِهٖ** حَسَدًا اَوْ خَوْفًا عَلَى الرِّيَاسَةِ وَجَوَابُ لَمَّا الْاُوْلٰى دَلَّ عَلَيْهِ جَوَابُ الثَّانِيَةِ **فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ** ﴿۸۹﴾ **بِئْسَمَا اشْتَرَوْا** بَاعُوْا **بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ** اَيْ حَظَّهَا مِنَ الثَّوَابِ وَمَا نَكِرَةٌ بِمَعْنٰى شَيْئًا تَمْيِيْزٌ لِفَاعِلِ بِئْسَ وَالْمَخْصُوْصُ بِالذَّمِّ **اَنْ**

يَّكْفُرُوْا اَیْ كُفْرُهُمْ **بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ** مِنَ الْقُرْاٰنِ **بَغْيًا** مَفْعُوْلٌ لَهُ لِيَكْفُرُوْا اَیْ حَسَدًا عَلٰى **اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **مِنْ فَضْلِهٖ** الْوَحْىَ **عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ** لِلرِّسَالَةِ **مِنْ عِبَادِهٖ فَبَآءُوْ** رَجَعُوْا **بِغَضَبٍ** مِنَ اللّٰهِ بِكُفْرِهِمْ بِمَا اَنْزَلَ وَالتَّنْكِيْرُ لِلتَّعْظِيْمِ **عَلٰى غَضَبٍ** اسْتَحَقُّوْهُ مِنْ قَبْلُ بِتَضْيِيْعِ التَّوْرٰةِ وَالْكُفْرِ بِعِيْسٰى **وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ** ﴿۹۰﴾ ذُوْ اِهَانَةٍ **وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ** الْقُرْاٰنِ وَغَيْرِهٖ **قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا** اَیِ التَّوْرٰةِ قَالَ تَعَالٰى **وَيَكْفُرُوْنَ** الْوَاوُ لِلْحَالِ **بِمَا وَرَآءَهٗ** سِوَاهُ اَوْ بَعْدَهٗ مِنَ الْقُرْاٰنِ **وَهُوَ الْحَقُّ** حَالٌ **مُصَدِّقًا** حَالٌ ثَانِيَةٌ مُؤَكِّدَةٌ **لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ** لَهُمْ **فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ** اَیْ قَتَلْتُمْ **اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** ﴿۹۱﴾ بِالتَّوْرٰةِ وَقَدْ نُهِيْتُمْ فِيْهَا عَنْ قَتْلِهِمْ وَالْخِطَابُ لِلْمَوْجُوْدِيْنَ فِیْ زَمَنِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا فَعَلَ اٰبَاؤُهُمْ لِرِضَائِهِمْ بِهٖ

ترجمہ:...........اور جب ان کے پاس کتاب من جانب اللہ پہنچی جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس (تورات) ہے (یعنی قرآن) حالانکہ پہلے (آپ کے تشریف لانے سے پہلے) امداد مانگتے تھے (نصرت طلب کرتے تھے) کفار کے مقابلہ میں (کہا کرتے تھے اے اللہ ہمارے دشمنوں کے مقابلہ میں نبی آخر الزمان کے صدقہ میں ہماری مدد فرما) پھر جب آ پہنچی ان کے پاس وہ (حق بات یعنی آنحضرت ﷺ کی بعثت) جس کو وہ پہنچانتے ہیں تو اس کا انکار کر بیٹھے (بوجہ حسد اور زوالِ ریاست کے اندیشہ سے، دوسرے لما کا جواب پہلے لما کے جواب پر دلالت کر رہا ہے) سو اللہ کی پھٹکار کافروں پر۔ بہت بری ہے وہ حالت جس کو اختیار کر کے (فروخت کر کے) اپنی جانوں کو چھڑانا چاہتے ہیں (یعنی ثواب کے بدلہ میں بئسما میں ما نکرہ بمعنی شیء فاعل بئس کی تمیز ہے۔ آگے مخصوص بالمذمت ہے) کفر کرتے ہیں (یعنی ان ان کا انکار کرنا) ایسی چیز کا جو حق تعالیٰ نے نازل فرمائی (یعنی قرآن) محض اس ضد پر (بغیاً ترکیب میں مفعول لہ ہے لیکفروا کا یعنی حسد اعلیٰ ان ینزل) کہ اللہ نازل فرمائے (ینزل کی قرأت تشدید اور تخفیف کے ساتھ دونوں طرح ہے) اپنے فضل (سے وحی) جس کو چاہے (رسالت کے لئے) اپنے بندوں میں سے سو مستحق ہو گئے (لوٹے) غضب (اللہ کے غصہ کا انکار وحی کی وجہ سے اور غضب میں تنوین تنکیر کی تعظیم کے لئے ہے) بالائے غضب کے (اضاعت تورات اور انکارِ عیسیٰؑ کی وجہ سے وہ پہلے ہی مستحق غضب ہو گئے) اور کافروں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہوگا (جس سے ان کی توہین ہوگی) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لے آؤ اللہ کی نازل کی ہوئی کتابوں (قرآن وغیرہ) پر تو جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تو ایمان لا چکے ہیں (اس کتاب پر جو ہم پر نازل کی گئی ہے یعنی تورات حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) حالانکہ کفر کرتے ہیں (واؤ حالیہ ہے) اس کے علاوہ (وراء بمعنی سوایا بمعنی بعدہ مراد اس سے قرآن ہے) حالانکہ وہ حق ہے (ترکیب میں یہ حال ہے) تصدیق کرنے والی ہے (یہ دوسرا حال مؤکدہ ہے) اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ پھر تم کیوں قتل کرتے ہو (یعنی کیوں قتل کیا ہے تقتلون بمعنی قتلتم ہے) اس سے پہلے اگر تم ایمان لانے والے ہو (تورات پر حالانکہ تم کو تورات میں قتل انبیاءؑ سے روکا گیا تھا۔ اس میں خطاب آنحضرت ﷺ کے معاصر یہود کو ہے جو اپنے آباؤ اجداد کے کرتوت پر رضامند تھے)۔

ترکیب و تحقیق:...........من قبل کا مضاف الیہ محذوف ہے جس کی تقدیر مفسرؒ علام نے نکالی ہے اس لئے یہ مبنی علی الضم ہے

یستفتحون فتح بمعنی نصر بصلہ علیٰ تضمین کر لی گئی ہے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں فتح علیہ اذا علمہ یعنی بیان کرتے تھے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے اتحدثونھم بما فتح اللہ علیکم اس صورت میں سین مبالغہ کے لئے زائد مانا جائے گا کانھم طلبوا بعد طلبہ من انفسھم **فلما جاء ھم** دونوں لما کا مقتضی چونکہ واحد ہے اس لئے پہلے لما کا جواب حذف کر دیا یعنی کفروا بہ اور دوسرے کے جواب کو اس کے قائم مقام کر دیا۔ **باعوا** لفظ بیع وشری دونوں اضداد میں سے ہیں یعنی خرید وفروخت دونوں معنی میں دونوں لفظ استعمال کیئے جاتے ہیں قرینہ کے لحاظ سے ایک معنی لئے جائیں گے۔ **بئسما** میں بئس فعل مذمت ضمیر مستتر فاعل ما یعنی شیئاً اس کی تمیز موصوف اشتروا۔ اس کی صفت بئس الشیئ شیئًا اشتروا الخ ان یکفروا مصدر تاویلی ہے۔ ان کے کفر سابق مضارع صیغہ سے حکایت حال ماضیہ کے طور پر ان کے کفر کی خباثت کو مستحضر کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ **بغیًا** یہ علت ہے لیکفروا کی نہ کہ اشتروا کی ان ینزل اللہ یہ بھی مفعول لہ ہے ای بغوا لان انزل اللہ اور بعض نے تقدیر عبارت اس طرح نکالی ہے بغیًا علی ان انزل اللہ ای حسدًا علی ما خص اللہ بہ نبیہ من فضلہ۔ **من** ابتدائیہ ہے موصوف محذوف کی صفت ہے ای شیئًا کائنا من فضلہ۔ ترکیب میں یہ مفعول ان ینزل کا۔ **وراء** دراصل مصدر ہے بمعنی ظرف، مضاف الی الفاعل ہوتا ہے تو معنی ماتیواری بہ یعنی خلف اور پیچھے کے آتے ہیں اور جب مضاف الی المفعول ہوتا ہے تو معنی مایواری بہ یعنی قدام اور آگے کے آتے ہیں۔ گویا یہ لفظ اضداد میں استعمال ہوتا ہے۔ **مصدقا** یہ حال ثانی ہے مضمون جملہ کی تقریر وتاکید کے لئے لایا گیا ہے اور کفر کو مستلزم ہے اس میں عامل معنی فعل ہیں جو الحق میں ہیں اور اس کی ضمیر مستتر ذوالحال ہوگی۔ **تقتلون** کی تفسیر قتلتم کے ساتھ اس لئے کی ہے کہ قتل کی برائی کا استحضار ہو جائے یا اب بھی آنحضرت ﷺ کے قتل کے مساعی کی طرف تعریض ہو جائے اور یا حکایت حال ماضیہ ہے۔

ربط:......... ان آیات میں ان کے پچیسویں (۲۵) معاملہ کا بیان ہے۔

﴿تشریح﴾:......... **صحیح اور غلط عقیدت کا فرق:**......... آنحضرت ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے تو انکی عقیدت واحترام کا یہ حال تھا کہ ہولناک جنگوں میں آپ کی حرمت ونبوت کا واسطہ دے دے کر نصرت وفتح کی دعائیں مانگا کرتے یا مبشرات تورات کا ذکر خیر کیا کرتے تھے۔ لیکن جب مطلوب ومتمنی سامنے آیا تو بغاوت وحسد کی آگ میں جل گئے گویا اس امید میں تھے کہ نبی آخر الزمان ہمارا ہم قوم ہوگا لیکن بنی اسرائیل کی بجائے بنو اسماعیل میں یہ دولت پہنچی تو اندرونی حسد پھوٹ نکلا اور سابقہ عہد وپیمان سے ہٹ گئے، قرآن کو مصدق تورات اس لئے کہا گیا کہ تورات میں جو پیشن گوئیاں آنحضرت ﷺ اور قرآن پاک کے بارے میں وارد ہوئی تھیں قرآن کے نزول سے ان کی تصدیق ہوگئی اب تورات کو ماننے والا آنحضرت ﷺ یا قرآن کی تصدیق پر مجبور ہے ورنہ خود تورات کی تکذیب لازم آئے گی۔

ایک شبہ کا ازالہ:......... یہاں فلما جاء ھم ما عرفوا پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب یہ لوگ حق مانتے تھے تو پھر کفروا سے ان کو کافر نہیں کہنا چاہئے بلکہ ان کو مومن قرار دینا چاہئے بات یہ ہے کہ اول تو حق کو باطل یا باطل کو حق جاننا جس طرح کفر ہے اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ حق جاننے کے باوجود اس کا انکار بھی کفر ہے جو انہوں نے کیا ہے۔ دوسرے یہ حق جاننا غیر اختیاری کفر اور اضطراری تھا صرف اس جاننے سے انسان مؤمن نہیں ہو جاتا بلکہ ماننے سے مؤمن بنتا ہے جو ایمان اختیاری ہے اور شرعاً معتبر ہے حاصل یہ کہ معرفت کا جو حصہ معتبر ہوتا ہے وہ یہاں موجود نہیں تھا وہ معتبر نہیں اس لئے کفروا کہا گیا ہے۔

مؤمن کی تہذیب اور کافر کا تعذیب: .... عذاب میں مہین کی قید سے معلوم ہوا کہ مومن عاصی اور گنہگار مسلمان کا عذاب توہین کے لئے نہیں ہوگا بلکہ اس کی تطہیر مقصود ہوگی۔ جس طرح میلے کپڑے کو بھی پکاتے ہیں اور آگ میں تپاتے ہیں ڈنڈے لگاتے ہیں لیکن تعذیب کی نیت نہیں بلکہ تہذیب کی نیت سے یہی حال گنہگار مسلمان کا ہے۔

جھوٹ کے پیر نہیں ہوتے: .... یہود کے اس کہنے سے کہ ہم صرف تورات پر ایمان لائیں گے۔ دوسری کتابوں پر ایمان نہیں لائیں گے ان کا حسد وکفر خوب طرح سے واضح ہوگیا۔ حق تعالیٰ اس کی تردید تین طرح فرماتے ہیں۔ اول یہ کہ جب دوسری کتابیں بھی سچی واقعی اور صحیح ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ بلا دلیل ان کا انکار کردیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جب قرآن مصدق تورات ہے تو اس کا انکار فی الحقیقت انکار تورات کو مستلزم ہے جو بقول تمہارے باطل ہونا چاہئے۔ تیسرے اگر ایمان بالتورات میں تم پورے اترتے ہوتو ایک ایک روز میں ستر ہزار انبیاءؑ کا قتل تمہارے ہاتھوں کیسے ہوا؟ حالانکہ یہ احکام تورات کے صریح منافی ہے تمہارے اس عمل نے خود تمہارے قول کی تردید کردی ہے۔ غرضیکہ ہر لحاظ سے تمہاری یہ بات بے بنیاد اور غلط محض ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ اَیِ الْمُعْجِزَاتِ كَالْعَصَا وَالْيَدِ وَفَلْقِ الْبَحْرِ **ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ** اِلٰهًا **مِنْۢ بَعْدِهٖ** اَیْ بَعْدَ ذَهَابِهٖ اِلَى الْمِيْقَاتِ **وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ** ﴿۹۲﴾ بِاتِّخَاذِهٖ **وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ** عَلَى الْعَمَلِ بِمَا فِي التَّوْرٰةِ **وَ** قَدْ **رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ** ؕ الْجَبَلَ حِيْنَ امْتَنَعْتُمْ مِنْ قُبُوْلِهَا لِيَسْقُطَ عَلَيْكُمْ وَقُلْنَا **خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ** بِجِدٍّ وَّاجْتِهَادٍ **وَّاسْمَعُوْا** ؕ مَا تُؤْمَرُوْنَ بِهٖ سِمَاعَ قُبُوْلٍ **قَالُوْا سَمِعْنَا** قَوْلَكَ **وَعَصَيْنَا** ق اَمْرَكَ **وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ** اَیْ خَالَطَ حُبُّهٗ قُلُوْبَهُمْ كَمَا يُخَالِطُ الشَّرَابُ **بِكُفْرِهِمْ** ؕ **قُلْ** لَهُمْ **بِئْسَمَا** شَيْئًا **يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ** بِالتَّوْرٰةِ عِبَادَةُ الْعِجْلِ **اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** ﴿۹۳﴾ بِهَا كَمَا زَعَمْتُمْ اَلْمَعْنٰى لَسْتُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ لِاَنَّ الْاِيْمَانَ لَا يَاْمُرُ بِعِبَادَةِ الْعِجْلِ وَالْمُرَادُ اٰبَاؤُهُمْ اَیْ فَكَذٰلِكَ اَنْتُمْ لَسْتُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ بِالتَّوْرٰةِ وَقَدْ كَذَّبْتُمْ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاِيْمَانُ بِهَا لَا يَاْمُرُ بِتَكْذِيْبِهٖ **قُلْ** لَهُمْ **اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ** اَیِ الْجَنَّةُ **عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً** خَاصَّةً **مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ** كَمَا زَعَمْتُمْ **فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿۹۴﴾ تَعَلَّقَ بِتَمَنِّيْهِ الشَّرْطَانِ عَلٰى اَنَّ الْاَوَّلَ قَيْدٌ فِي الثَّانِيْ اَیْ اِنْ صَدَقْتُمْ فِيْ زَعْمِكُمْ اَنَّهَا لَكُمْ وَمَنْ كَانَتْ لَهٗ يُؤْثِرُهَا وَالْمُوْصِلُ اِلَيْهَا الْمَوْتُ فَتَمَنَّوْهُ **وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا** ۢ **بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ** ؕ مِنْ كُفْرِهِمْ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْتَلْزِمِ لِكَذِبِهِمْ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ** ﴿۹۵﴾ الْكَافِرِيْنَ فَيُجَازِيْهِمْ **وَلَتَجِدَنَّهُمْ** لَامُ قَسَمٍ **اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ** ج **وَ** اَحْرَصَ **مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا** ج الْمُنْكِرِيْنَ لِلْبَعْثِ عَلَيْهَا لِعِلْمِهِمْ بِاَنَّ مَصِيْرَهُمْ اِلَى النَّارِ دُوْنَ الْمُشْرِكِيْنَ لِاِنْكَارِهِمْ لَهٗ **يَوَدُّ** يَتَمَنّٰى **اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ** ع لَوْ مَصْدَرِيَّةٌ بِمَعْنٰى اَنْ وَهِيَ بِصِلَتِهَا فِيْ تَاْوِيْلِ مَصْدَرٍ مَفْعُوْلِ يَوَدُّ **وَمَا هُوَ** اَیْ اَحَدُهُمْ **بِمُزَحْزِحِهٖ**

مُبْعِدِہٖ **مِنَ الْعَذَابِ** النَّارِ **اَنْ یُّعَمَّرَ** فَاعِلُ مُزَحْزِحِہٖ اَیْ تَعْمِیْرُہٗ **وَ اللّٰہُ بَصِیْرٌ بِمَا یَعْمَلُوْنَ**﴿۹۶﴾ بِالْیَاءِ وَالتَّاءِ فَیُجَازِیْھِمْ

ترجمہ: .... اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) تم لوگوں کے پاس صاف صاف دلائل لے کر آئے (یعنی معجزات جیسے عصائے موسوی اور ید بیضا اور دریائے نیل کا پھٹنا) مگر اس پر بھی تم لوگوں نے گوسالہ کو (معبود) بنالیا۔ (بعد حضرت موسیٰؑ کے طُور پر تشریف لے جانے کے) اور تم ستم ڈھا رہے تھے (اس گوسالہ پرستی میں) اور جبکہ ہم نے تم سے قول وقرار لیا (احکام تورات پر عملدرآمد کے لئے) حالانکہ لا کھڑا کیا تھا ہم نے تم پر طُور (پہاڑ جس وقت کہ تم نے ان کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ تم پر گرانے کے ارادہ سے اور ہم نے حکم دیا کہ) لو تھامو! جو کچھ ہم تم کو دے رہے ہیں۔ ہمت (جدوجہد وکوشش) کے ساتھ اور سنو (احکام کو قبولیت کے کانوں سے) کہنے لگے ہم نے سن لیا (آپ کے حکم کی) نافرمانی اور ان کے دلوں میں گوسالہ پیوست ہوگیا تھا (یعنی اس کی محبت ان کے دلوں میں شراب کی طرح پیوست ہوگئی تھی) ان کے کفر کی وجہ سے۔ فرمادیجئے آپؐ (ان سے) بہت بڑے ہیں یہ افعال جن کی تعلیم تم کو تمہارا ایمان (بالتورات) کر رہا ہے (گوسالہ پرستی) اگر تم اہل ایمان ہو (جیسا کہ تمہارا گمان ہے حاصل یہ کہ تم مومن نہیں ہو کیونکہ ایمان گوسالہ پرستی کا حکم نہیں دیتا۔ ان لوگوں سے مراد اصل ان کے آباؤ اجداد ہیں یعنی اس لحاظ سے تم بھی مؤمن بالتورات نہیں ہو کہ تم نے آنحضرت ﷺ کی تکذیب کردی ہے حالانکہ ایمان بالتورات آنحضرت ﷺ کی تکذیب کی اجازت نہیں دیتا) فرمادیجئے آپؐ (ان سے) اگر عالم آخرت (جنت) اللہ کے نزدیک محض تمہارے ہی لئے نافع ہے بلاشرکت غیرے (جیسا کہ تمہارا گمان ہے) تو تم موت کی تمنا کر کے دکھلا دو اگر تم سچے ہو (تمنائے موت کے ساتھ دو شرطیں اس طرح متعلق ہیں کہ اول شرط دوسری شرط کے لئے قید ہے یعنی اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ دار آخرت صرف تمہارے لئے مخصوص ہے اور جس کے لئے اس طرح مخصوص ہوگی وہ اس کو ضرور ترجیح دے گا اور چونکہ اس تک رسائی بذریعہ موت ہوسکتی ہے اس لئے تمنائے موت کر دکھلاؤ) اور وہ ہرگز کبھی موت کی تمنا نہ کریں گے۔ بوجہ اپنی کرتوت کے (یعنی آنحضرت ﷺ سے ان کے کفر کے باعث جو آپ کی تکذیب کو مستلزم ہے) اور حق تعالیٰ کو خوب طرح اطلاع ہے ان ظالم (کافروں کی وہ انکو ضرور سزا دیں گے) اور آپ یقیناً ان کو پائیں گے (اس میں لام موطۂ للقسم ہے) عام لوگوں سے زیادہ حریص دنیاوی زندگانی پر (اور زیادہ حریص) مشرکین سے بھی (جو قیامت کے منکر ہیں کیونکہ ان کے اپنے جہنم رسید ہونے کا یقین ہے۔ اور مشرکین تو قیامت کے ہی قائل نہیں ہیں کہ وہ اس اندیشہ کی وجہ سے طولِ حیات کے متمنی ہوں) ہوس رکھتا ہے (تمنا کرتا ہے) ان میں سے ایک ایک شخص کہ کاش اس کی عمر ہزار برس ہوجائے (لفظ لو مصدریہ ہے اَنْ کے معنی میں اور یہ مع اپنے صلہ کے بتاویل مصدر ہو کر یودُّ کا مفعول ہوگا) اور وہ (ان میں سے وہ شخص) نہیں بچا سکتا (دور نہیں کرسکتا) عذاب (نار) سے معمر ہوجانا (لفظ اَنْ یُّعَمَّرَ مُزَحْزِحِہٖ کا فاعل ہے بتاویل ان مصدریہ ہے یعنی تعمیرہ) اور حق تعالیٰ کے پیش نظر ان کے یا تمہارے سب اعمال ہیں (لفظ یعلمون کی قرأت تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے اس لئے وہ ان کو ضرور بدلہ دیں گے۔

ترکیب و تحقیق: .... مفسرِ علام نے وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ کے بعد بِاتِّخَاذِہٖ نکال کر اس جملہ کی حالیت کی طرف اشارہ کیا ہے جملہ معترضہ بھی ہوسکتا ہے یعنی تمہاری قوم ظلم پیشہ ہے۔ حبہ جلال محققؒ نے واشربوا کی حالیت بتقدیر المضاف قرار دی ہے۔ اس میں استعارہ بالکنایہ ہے گوسالہ پرستی کی محبت کو شراب لذیذ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ وجہ شبہ التذاذ ہے۔ مشبہ بہ کے لوازم شروب کا اثبات استعارہ تخییلیہ ہے۔ مضاف کو حذف کر کے **العجل** کو شراب کی سبت کے لئے قائم مقام بطورِ مبالغہ کے کردیا ہے یَاْمُرُکُمْ بِہٖٓ اِیْمَانُکُمْ ایمان

کی نسبت ان کی طرف اسی طرح امر کا انتساب ایمان کی طرف دونوں میں تہکم مقصود ہے المعنی سے جلال محققؒ قیاس حملی کی شکل اول بنا کر نتیجہ نکال رہے ہیں یعنی اِعْتِقَادُ کُمْ بِاَمْرِ کُمْ بِعِبَادَةِ الْعِجْلِ صغریٰ ہے اور کُلُّ اعْتِقَاد کذٰلِکَ فَھُوَ کُفْرٌ کبریٰ ہے حد اوسط حذف کر کے اعتقاد کم کفرٌ نتیجہ نکلتا ہے۔ خالصۃ جن نحویوں کے نزدیک کان کے اسم سے حال بنانا جائز ہے ان کے نزدیک یہ حال ہوگا کہ الدارا لاٰخرۃ سے ورنہ خبر کی ضمیر مستتر سے حال ہو جائے گا۔ تعلق بتمنیہ حاصل اس قاعدہ کا یہ ہے کہ جہاں دو شرطیں جمع ہو جائیں اور ان کے درمیان جواب آ جائے تو شرط اول دوسری شرط کی قید ہو جائے گی اور جواب دوسری شرط کا ہو جائے گا۔ یہاں تقدیر اس طرح ہوگی اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ فِیْ زَعْمِکُمْ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَکُمْ خاصۃ۔ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ دوسری ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس جواب کو پہلی شرط کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے اور دوسری شرط کا جواب محذوف ہوگا جس پر پہلی شرط کا جواب دلالت کرے گا۔ یہ قیاس استثنائی ہے جس کی نقیض تالی کا استثناء فلن یتمنوہ الخ سے کیا گیا ہے اور المستلزم لکذبھم سے مفسرؒ جلال نقیض مقدم کی طرف اشارہ کر رہے ہیں و احرص نکال کر الذین اشر کوا کے الناس پر معطوف ہونے کا اشارہ کیا ہے حالانکہ ثانی اول میں داخل ہے لیکن عام ملائکہ سے جبریل ومیکائیل کی تخصیص بعد التعمیم جس طرح مصحح عطف ہے ایسے ہی یہاں ہے یہ عطف خاص علی العام یہود کی تقبیح شان کے لئے بھی ہے اور اب یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ مشرکین ان سے زیادہ حریص ہونے چاہئیں یعلمھم سے مفسر جلالؒ بھی اس عطف کا نکتہ بتلانا چاہتے ہیں ما ھو ضمیر کا مرجع یعمر کا مصدر ہے اور ان یعمر اس سے بدل ہے اور یا ضمیر کو مبہم اور ان یعمر کو اس کا بیان کہا جائے یود احدھم یہ ان کی زیادتی حرص کا بیان ہے بطور استیناف کے اور لو تمنائیہ ہے اور یعمر حکایت ہے یود کی اسی لئے یود احدھم کی موافقت میں غائب کے صیغہ سے استعمال ہے ورنہ لو اُعَمَّرَ ہونا چاہئے تھا ان یعمر موضع رفع میں ہے فاعل ہونے کی وجہ سے ای وما الرجل بمزحزحہ تعمیرہ۔

ربط:............ پچھلی آیات میں یہود نے نومن بما انزل علینا کا دعویٰ کیا تھا اس کی تردید کئی وجوہ سے کی گئی ہے اگلی دو آیتوں میں اسی رد کا تتمہ مذکور ہے اور پھر ان کے بعد کی دو آیتوں میں ان کا چھبیسواں (۲۶) معاملہ مذکور ہے۔ یعنی بعض یہود کے اس دعویٰ کا جواب دینا ہے کہ آخرت کی نعمتیں خالص طور پر ہمارے ہی ساتھ مخصوص ہوں گی۔ بینات سے مراد عصائے موسوی، ید بیضا، فلق بحر وغیرہ معجزات ہیں جو تورات سے پہلے حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ پر ظاہر فرمائے تھے۔

﴿تشریح﴾:............ **بد عملی کی انتہاء**:............ حاصل رد یہ ہے کہ گوسالہ پرستی جیسے صریح فعل شرک کے ہوتے ہوئے جس میں ایمان باللہ اور ایمان بموسیٰ دونوں کی تکذیب لازم آ رہی ہے۔ تمہارا دعویٰ ایمان کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ درآنحالیکہ نوبت حق تعالیٰ کی ناراضگی کی یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ تخویف کے لئے کوہ طور تم پر لا کھڑا کرنا پڑا جس سے تمہاری بدحالی تاریخ کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

کلام الٰہی میں تکرار:............ گوسالہ پرستی اور ''رفع طور'' کا تذکرہ اگرچہ اس سے پہلے بھی آ چکا ہے لیکن وہاں ان کے معاملات قبیحہ کے ذیل میں بیان تھا اور یہاں ان کے دعویٰ ایمان کی تردید وتکذیب مقصود ہے اس لئے تاکید تکرار نہیں کہا جائے گا بلکہ تاسیسی فائدہ اور تجدد وتعدد اغراض پر محمول کیا جائے گا۔ رہا یہود موجودین پر رد۔ سو یا تو ان کے حامی اور طرفدار ہونے کی وجہ سے ہے اور یا اس لئے کہ جن کے اسلاف ایسے ہیں ان کے اخلاف خلف کیسے ہوں گے۔ خطاب اور عتاب میں شریک کیا گیا ہے۔

صحیح اور غلط عقیدہ کا فرق: .... یہود کے دعووں کا حاصل یہ تھا کہ (۱) ہم دین حق پر ہیں اس لئے ہماری نجات ضروری ہے (۲) ہم میں جو گنہگار ہیں ان کو چندے سزا ہوگی (۳) اور جو لوگ مرحوم یا تائب ہیں وہ ابتداء جنت میں چلے جائیں گے (۴) جو لوگ مطیع ہیں وہ مثل اولاد واحباب کے خدا کے محبوب ومقرب ہیں۔ دراصل یہ تمام دعوے کسی شخص کے دین حق پر قائم ہونے کی صورت میں اگر چہ فی نفسہٖ صحیح اور صادق ہیں لیکن چونکہ دین موسوی کے منسوخ ہونے کی وجہ سے یہود واقع میں دین حق پر نہ تھے اس لئے حق تعالیٰ نے جا بجا مختلف طریقوں سے ان کی تردید فرمائی ہے۔ منجملہ ان کے ایک طریقہ کی تقریر یہاں مذکور ہے۔

خدائی فیصلہ: .... خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تم لوگ اگر مناظرہ سے فیصلہ نہیں کر سکتے جس میں علم وفہم اور نظر وفکر کی کسی درجہ میں ضرورت پیش آتی ہے تو ہم تمہیں ایک سہل اور آسان راستہ بتلاتے ہیں جس میں صرف زبان ہلانے کی نوبت آئے گی اور اس سے زیادہ تمہیں اور کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔ اگر تم نے اپنی زبان سے موت کی تمنا کر کے دکھلا دی اور یہ کہہ دیا کہ چونکہ دارِ آخرت ہم کو محبوب اور اس کی نعمتیں مرغوب ہیں اور ان تک رسائی کا راستہ صرف موت ہے اس لئے ہم موت کی تمنا کرتے ہیں تو بطریق غیر معتاد اور خرق عادت اگر تم نے اتنا کلمہ کہہ دیا تو ہم ہارے اور تم جیتے۔ اور اگر پھر بھی نہ کہہ سکے تو اس چیلنج کے بعد ہمارا صادق اور تمہارا کاذب ہونا واضح ہو جائے گا۔ لیکن ہم پیشن گوئی کئے دیتے ہیں کہ تم لوگ اس نیت سے ہرگز زبان نہیں ہلا سکتے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ اضطراراً چونکہ یہود اپنا باطل اور کفر پر ہونا اور آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کا ایمان اور حق پر ہونا خوب طرح جانتے تھے اس لئے کچھ ایسی ہیبت چھائی کہ زبان ہی یارائی نہ کر سکی اور کچھ ایسے کھوئے گئے کہ دیوار بولے تو وہ بولیں۔ فی الحقیقت اثباتِ حقانیت اسلام کا یہ ایک بہت ہی بڑا معجزہ ہوا۔ ورنہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام سے جس درجہ عداوت اور مخالفت تھی اس کا تقاضا یہ تھا کہ اس پیشن گوئی پر ان کو بڑا جوش وخروش آنا چاہئے تھا اور ضرور آیا ہوگا لیکن کیا کرتے خود کو موت کے منہ میں دیکھ کر ہاتھ پیر مسل کر رہ گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گائے جس طرح قصائی کے سامنے جانے سے ڈرتی ہے یہی حال ان کا ہوا۔ کہ موت کے بعد کی ہولنا کیوں اور اپنی کرتوت کی پاداش کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا تو موت سے بھاگنے لگے اور ڈرنے لگے پھر اس کے بعد خیر نہیں اس سے ان کے سفید جھوٹ کا پول کھل گیا ہے۔

شبہات اور ان کا جواب: .... یہ احتجاج ہر زمانہ کے یہود کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے یہود سے خطاب ہے اور لفظ ابداً انہی کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔ نیز یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ممکن ہے کہ کسی یہودی نے ایسی تمنا کی ہو اور اس کی اطلاع نہ ہوئی ہو کیونکہ ہر زمانہ میں قرآن کے حامیین سے زیادہ مخالفین رہے ہیں اگر کسی نے تمنا کی ہوتی تو عادۃً قرآن کی نسبت اس کا محفوظ رہنا زیادہ قرین قیاس تھا۔ اس طرح یہ شبہ بھی نہ کیا جائے کہ موت سے تو کراہت طبعی ہوتی ہے یا خوفِ سزا ہوتا ہے اس لئے تمنا نہ کی ہوگی۔ نیز تمنائے موت شرعاً ممنوع ہے اس لئے ان سے پھر کیسے اس کی درخواست کی گئی ہے۔ جواب یہ ہے کہ بلا ضرورت تمنائے موت کی درخواست نہیں کی گئی ہے کہ یہ شبہات متوجہ ہوں بلکہ دلائل عقلیہ وسمعیہ ہونے کے باوجود فیصلہ نہ ہونے پر تمام تر دار ومدار چونکہ حق ناحق کے اظہار کا تمنائے موت ٹھہرتی ہے اس لئے اب شرعاً کراہت نہیں رہی ...... اور طبعی کراہت قابلِ التفات نہیں ہوگی آگے ولتجدنھم میں مشرکین سے بڑھ کر حرصِ زندگانی پر تحیر کا اظہار کیا گیا ہے کہ مشرکین عرب چونکہ منکرِ آخرت کے قائل ہیں بلکہ اس کی تمام تر نعمتوں کے مستحق صرف اپنے کو سمجھتے ہیں اس کے باوجود دنیا میں ہمیشہ رہنے کی آرزو اور موت کی عدمِ تمنا یہ اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اختصاص کا دعویٰ محض زبانی ہے دل میں یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ آخرت میں کیا گت بنے گی۔ اس لئے جب تک جان بچے بچائے جائیں گے۔

علامت ولایت: .... اس سے معلوم ہوا کہ منجملہ علامات ولایت کے ایک علامت حب موت ہے خواہ طبعاً ہو یا عقلاً حسب مراتب واحوال۔

وَسَأَلَ ابْنُ صُوْرِيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَمَّنْ يَّاتِيْ بِالْوَحْيِ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ فَقَالَ جِبْرِءِيْلُ فَقَالَ هُوَ عَدُوُّنَا يَاتِيْ بِالْعَذَابِ وَلَوْ كَانَ مِيْكَائِيْلُ لَاٰمَنَّا لِاَنَّهٗ يَاتِيْ بِالْخِصْبِ وَالسِّلْمِ فَنَزَلَ **قُلْ لَهُمْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ** فَلْيَمُتْ غَيْظًا **فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ** اَيِ الْقُرْاٰنَ **عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ** بِاَمْرِ **اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ** قَبْلَهٗ مِنَ الْكُتُبِ **وَهُدًى** مِنَ الضَّلَالَةِ **وَّبُشْرٰى** بِالْجَنَّةِ **لِلْمُؤْمِنِيْنَ**﴿۹۷﴾ **مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ** بِكَسْرِ الْجِيْمِ وَفَتْحِهَا بِلَاهَمْزَةٍ وَبِهٖ بِيَاءٍ وَدُوْنِهَا **وَمِيْكٰلَ** عَطْفٌ عَلَى الْمَلٰئِكَةِ مِنْ عَطْفِ الْخَاصِّ عَلَى الْعَامِّ وَفِيْ قِرَاءَةٍ مِيْكَائِيْلَ بِهَمْزَةٍ وَيَاءٍ وَفِيْ اُخْرٰى بِلَا يَاءٍ **فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ**﴿۹۸﴾ اَوْقَعَهٗ مَوْقِعَ لَهُمْ بَيَانًا لِحَالِهِمْ **وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ** يَا مُحَمَّدُ **اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ** وَاضِحَاتٍ حَالٌ رَدٌّ لِقَوْلِ ابْنِ صُوْرِيَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاجِئْتَنَا بِشَيْءٍ **وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ**﴿۹۹﴾ كَفَرُوْا بِهَا **اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا** اللّٰهَ **عَهْدًا** عَلَى الْاِيْمَانِ بِالنَّبِيِّ اِنْ خَرَجَ اَوِ النَّبِيَّ اَنْ لَّا يَتَعَاوَنُوْا عَلَيْهِ الْمُشْرِكِيْنَ **نَّبَذَهٗ** طَرَحَهٗ **فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ** بِنَقْضِهٖ جَوَابُ كُلَّمَا وَهُوَ مَحَلُّ الْاِسْتِفْهَامِ الْاِنْكَارِيِّ **بَلْ** لِلْاِنْتِقَالِ **اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ**﴿۱۰۰﴾ **وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ** مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ** اَيِ التَّوْرٰةَ **وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ** اَيْ لَمْ يَعْمَلُوْا بِمَا فِيْهَا مِنَ الْاِيْمَانِ بِالرَّسُوْلِ وَغَيْرِهٖ **كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ**﴿۱۰۱﴾ مَا فِيْهَا مِنْ اِنَّهٗ نَبِيٌّ حَقٌّ اَوْ اَنَّهَا كِتَابُ اللّٰهِ

ترجمہ: .... ابن صوریا یہودی نے آنحضرت ﷺ سے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک دفعہ استفسار کیا کہ فرشتوں میں سے وحی کون فرشتہ لاتا ہے؟ فرمایا کہ جبریلؑ! کہنے لگا کہ وہ فرشتہ تو ہمارا دشمن ہے جو عذاب لے کر آتا رہا ہے۔ اگر میکائیل وحی لاتا تو ہم ایمان لے آتے کیونکہ وہ خوشحالی اور سلامتی لانے والا فرشتہ ہے۔ اس پر آیت نازل ہوئی کہ) فرما دیجئے آپ (ان سے) کہ جو شخص جبریل سے دشمنی رکھتا ہے (اس کو غصہ سے مرجانا چاہئے) کیونکہ انہوں نے اتارا ہے (قرآن پاک کو) آپ کے قلب تک خدا کے حکم سے اس کی حالت یہ ہے کہ یہ تصدیق کر رہا ہے اس چیز کو جو اس کے سامنے ہے (اپنے سے پہلی کتابوں کی) اور رہنمائی کر رہا ہے (گمراہی سے) اور خوشخبری سنا رہا ہے (جنت کی) ایمان والوں کو جو شخص دشمن ہوگا اللہ کا اور اس کے فرشتوں اور پیغمبروں کا اور جبرئیل کا (یہ لفظ جیم کے کسرہ اور فتح کی ساتھ بغیر ہمزہ کے اور مع الہمزہ اور یا اور بغیر یا کے ساتھ آتا ہے) اور میکائیل کا (اس کا عطف ملائکہ پر بطریق عطف خاص علی العام ہے۔ اور دوسری قرأت میں میکائیل ہمزہ اور یا کے ساتھ ہے اور ایک قرأت میں بغیر یا کے ہے) سو اللہ بھی ایسے کافروں کا دشمن ہے (یہ جملہ اسم ظاہر بجائے لھم ضمیر کے استعمال کیا گیا ہے ان کا حال بیان کرنے کے لئے) اور ہم نے تو نازل کئے آپ پر (اے محمد ﷺ) بہت سے کھلے دلائل (واضح ترکیب میں یہ حال ہے اور جواب ہے ابن صوریا کے اس قول کا کہ ''اے محمد! آپ

ہمارے پاس کچھ لے کر نہیں آئے'') اور کوئی انکار نہیں کیا کرتا ان دلائل کا بجز ان لوگوں کے جو عدول حکمی کے عادی ہیں (کیا انہوں نے کفر نہیں کیا) حالانکہ جب کبھی بھی ان لوگوں نے عہد کیا ہوگا (اللہ سے) وعدہ (نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کا اگر آپ مبعوث ہوئے یا خود آنحضرت ﷺ سے معاہدہ کیا ہو کہ ہم آپ کے دشمن مشرکین کی حمایت و مدد نہیں کریں گے) نظر انداز کر دیا ہوگا (پھینک دیا ہوگا) کسی نہ کسی فریق نے ان میں سے (عہد شکنی کر کے۔ یہ کلما کا جواب ہے اور یہی محل استفہام انکاری ہے) بلکہ (یہ لفظ ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف انتقال کے لئے ہے۔ ان میں سے زیادہ لوگ ایسے ہی نکلیں گے جو یقین ہی نہیں رکھتے اور جب ان کے پاس تشریف لائے پیغمبر اللہ کی جانب سے (محمد ﷺ) جو تصدیق کرنے والے ہیں اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے۔ پھینک دیا اہل کتاب میں سے ایک فریق نے کتاب اللہ (تورات) کو اس طرح پس پشت) یعنی تورات میں جو کچھ ایمان بالرسول وغیرہ احکام ہیں ان پر عمل نہیں کیا) کہ گویا اصلاً علم ہی نہیں رکھتے (جو کچھ اس میں آپ کے نبی برحق ہونے اور کتاب اللہ کے باب میں ہے۔)

تحقیق وترکیب: .... ابن صوریا یہ علمائے یہود فدک میں سے تھا۔ عبداللہ نام تھا۔ **او عمر** مفسرؒ علام نے شانِ نزول کی دونوں روایتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زمین چونکہ عوالی مدینہ میں تھی اس لئے جاتے ہوئے کبھی یہود کے مدارس پر آپ کا گزر ہوتا تو امتحاناً اور اسلام میں بصیرت وپختگی حاصل کرنے کے لئے تورات کا کچھ حصہ اور علمائے یہود کا کچھ مذاکرہ سن لیتے جس سے یہود آپ سے مانوس ہو گئے کہنے لگے **یا عمر لقد احبناک** لیکن اس اظہار محبت کے جواب میں حضرت عمرؓ نے حق گوئی سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ بخدا مجھے تم سے محبت نہیں میں تو صرف آنحضرت ﷺ کے بارے میں بصیرتِ قلبی حاصل کرنے کے لئے چلا آتا ہوں۔

ایک مرتبہ جبریلؑ ومیکائیلؑ کے متعلق جب مندرجہ بالا گفتگو ہوئی تو سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے حضرت عمرؓ نے مزید دریافت فرمایا کہ اللہ کے نزدیک جبریلؑ ومیکائیلؑ کا کیا درجہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جبریلؑ اللہ کی دہنی طرف اور میکائیلؑ بائیں جانب رہتے ہیں اور ان کے درمیان عداوت رہتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو اے احمقو! ہرگز ان کے مابین عداوت نہیں ہو سکتی بلکہ جو ان کا دشمن وہ خدا کا دشمن ہے! یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کو بذریعہ وحی اس واقعہ سے پہلے ہی مطلع کیا جا چکا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا **لقد وافقک ربک یا عمر** ۔ **جبریل** اس میں چار قرأتیں ہیں ایک کسرِ جیم کے ساتھ بلا ہمزہ بروزن قندیل۔ دوسری فتح جیم کے ساتھ بغیر ہمزہ بروزن شمویل۔ تیسرے ہمزہ اور یاء کے ساتھ بروزن سلسبیل اور چوتھے ہمزہ کے ساتھ بلا یاء کے بروزن جحمرش۔ غرضیکہ بلا ہمزہ کا تعلق کسرۂ جیم اور فتح جیم دونوں کے ساتھ ہے۔ اور **بہ** کا مرجع صرف فتح جیم ہے نہ کہ کسرۂ جیم۔ خلاصہ یہ کہ چاروں قرأتوں میں سے صرف ایک قرأت کسرۂ جیم کے ساتھ ہے۔ باقی تین قرأتیں فتح جیم کی ہیں۔ **من عطف الخاص** بلاغت کے لحاظ سے اس میں نکتہ فضل وکمال ہوتا ہے گویا تغایر فی الوصف کو بمنزلہ تغائر فی الذات قرار دے لیا جاتا ہے۔ **بیانا لحالهم** چونکہ جزاء کا ترتب شرط کے تمام اجزاء پر الگ الگ ہوتا ہے۔ مجموعہ شرط پر نہیں ہوتا اس لئے معنی یہ ہوئے کہ اللہ ان سے عداوت ان کے کفر کی وجہ سے رکھتا ہے اور ملائکہ کی عداوت کفر ہے۔ انبیاء کی عداوت کفر ہے جو ان کا دشمن وہ خدا کا دشمن۔

ولقد انزلنا یہ قصہ کا قصہ پر عطف ہے۔ **او کلما** سے پہلے مفسرؒ جلال نے **کفروا بها** نکال کر اشارہ کر دیا کہ ہمزہ کا مدخول محذوف ہے اور واؤ عاطفہ ہے اسی محذوف پر **عهدوا** کے بعد لفظ اللہ یا **النبی** اس لئے مقدر مانا ہے کہ **عهداً** منصوب بنا بر مفعول بہ کے اور **عاهدوا** متضمن ہے **اعطوا** کے اور مفعول اول محذوف ہے۔ یا لفظ اللہ یا لفظ نبی دونوں صورتوں میں معاہدہ کا مضمون بدل جائے گا۔ جس کی طرف جلال محقق نے اشارہ فرمایا ہے۔ **وهو محل الاستفهام** تقدیر عبارت اس طرح ہوگی **ما كان ينبغي لهم نبذ**

العھد الخ وراء ظہور کے بعد لم یعملوا اس لئے مقدر مانا گیا ہے کہ یہاں نبذ کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں کہ تورات کو پس پشت ڈال دیا کیونکہ آج تک یہود تورات کی تعظیم کرتے ہیں اور اس کو سر وسینہ سے لگاتے ہیں بلکہ ترکِ عمل مقصود ہے۔

ربط: .... یہاں سے ان کے ستائیسویں (۲۷) معاملہ کا بیان ہے جس کی تفصیل مفسرؒ علام نے بذیل شانِ نزول بیان کردی ہے اور ولقد انزلنا میں اٹھائیسویں (۲۸) معاملہ کا تذکرہ ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **اللہ والوں سے دشمنی کا انجام**: .... حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم جبکہ آسمانی کتاب ہے، تو محض جبریلؑ کی عداوت کی وجہ سے اس کو نہ ماننا بڑی بے وقوفی اور حماقت ہے۔ رہا جبریل کی دشمنی سو چونکہ وہ سفیر محض ہیں۔ ان کی دشمنی بالواسطہ اللہ کی دشمنی کے مترادف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ کے ساتھ دشمنی کرنا اللہ کی دشمنی کا موجب ہے باقی سفارتی تعلق سو اس کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے اول سفیر مامور ہو، دوسرے امین ہو۔ یہود عناد کی وجہ سے بظاہر اگرچہ جبریلؑ کی امانت کے منکر ہوں لیکن فی الحقیقت ان کی امانت کے قائل تھے اس آیت میں اسی ظاہری انکار کی تقدیر پر کلام میں اثبات پر زور دیا گیا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے جو بواسطہ جبریلؑ کے آپ پر نازل کیا گیا ہے اس لئے مامور کی عداوت حاکم کی عداوت کو مستلزم ہے۔

قرآن کے الفاظ ومعانی دونوں کلام الٰہی ہیں: .... دوسری آیت میں علی قلبک کی تخصیص سے یہ شبہ نہیں کرنا چاہئے کہ معانی کا ورود چونکہ قلب پر ہوتا ہے اور الفاظ کا تعلق قلب سے نہیں ہوتا بلکہ کانوں سے ہوتا ہے اس لئے الفاظ من جانب اللہ نہیں ہیں صرف معانی منزل من اللہ ہوں؟ جواب یہ ہے کہ معانی کا ادراک جس طرح قلب سے ہوتا ہے الفاظ کا ادراک بھی دراصل قلب ہی کرتا ہے۔ آنکھ، کان، ناک تو محض آلات ہیں جن سے بغیر قلب کی امداد کے کام نہیں لیا جا سکتا۔ بالخصوص حالتِ وحی میں بظاہر ایک طرح کی بے خودی سی طاری ہوتی ہے اور ظاہری حواس فاعل نہیں رہتے اس وقت بلا واسطہ کان الفاظ بھی قلب ہی پر وارد ہوتے ہیں۔ دوسرے قرآن کریم میں جابجا لسان عربی کے ساتھ نزول کا ذکر موجود ہے اس لئے اس شبہ کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔

معاند کے لئے ہزار دلائل بھی بیکار ہیں: .... آگے ولقد انزلنا میں بھی اسی ابن صوریا کے اس سوال کا جواب ہے کہ آپ پر کوئی ایسی واضح دلیل نازل نہیں ہوئی جس کو ہم پہچان لیتے۔ دراصل جواب یہ ہے کہ ہزاروں دلائل پیش کئے جن کو وہ بھی پہچانتے ہیں لیکن ان کا انکار نہ جاننے سے نہیں بلکہ نافرمانی کی عادت کی بنیاد پر ہے۔ جیسا کہ عہد شکنی ان میں سے بعض کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے اور وہ ہمیشہ اس جرم کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ البتہ بعض انصاف پسند اور اطاعت شعار جیسے عبداللہؓ بن سلام وغیرہ۔ وہ اس فریق سے خارج ہیں۔

وَاتَّبَعُوْا عَطْفٌ عَلٰی نَبَذَ **مَاتَتْلُوا** اَیْ تَلَتِ **الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی** عَھْدِ **مُلْكِ سُلَیْمٰنَ** مِنَ السِّحْرِ وَكَانَ دَفْنَهٗ تَحْتَ كُرْسِیِّهٖ لَمَّا نُزِعَ مُلْكُهٗ اَوْ كَانَتْ تَسْتَرِقُ السَّمْعَ وَتَضُمُّ اِلَیْهِ اَكَاذِیْبَ وَتُلْقِیْهِ اِلَی الْكَهَنَةِ فَیُدَوِّنُوْنَهٗ وَفَشَا ذٰلِكَ وَشَاعَ اَنَّ الْجِنَّ تَعْلَمُ الْغَیْبَ فَجَمَعَ سُلَیْمٰنُ الْكُتُبَ وَدَفَنَهَا فَلَمَّا مَاتَ دَلَّتِ الشَّیَاطِیْنُ عَلَیْهَا النَّاسَ فَاسْتَخْرَجُوْهَا فَوَجَدُوْا فِیْهَا السِّحْرَ فَقَالُوْا اِنَّمَا مَلَكَكُمْ بِهٰذَا فَتَعَلَّمُوْهُ وَرَفَضُوْا كُتُبَ اَنْبِیَائِهِمْ قَالَ تَعَالٰی تَبْرِئَةً لِسُلَیْمٰنَ وَرَدًّا عَلَی الْیَهُوْدِ فِیْ قَوْلِهِمْ اُنْظُرُوْا اِلٰی مُحَمَّدٍ یَذْكُرُ سُلَیْمٰنَ فِی الْاَنْبِیَاءِ وَمَا كَانَ اِلَّا

سَاحِرًا **وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ** اَیْ لَمْ يَعْمَلِ السِّحْرَ لِاَنَّهٗ كُفْرٌ **وَلٰكِنَّ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ** ۚ اَلْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ كَفَرُوْا وَ يُعَلِّمُوْنَهُمْ **مَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ** اَیْ اُلْهِمَاهُ مِنَ السِّحْرِ قُرِئَ بِكَسْرِ اللَّامِ اَلْكَائِنَيْنِ **بِبَابِلَ** بَلَدٌ فِیْ سَوَادِ الْعِرَاقِ **هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ** ؕ بَدَلٌ اَوْ عَطْفُ بَيَانٍ لِلْمَلَكَيْنِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هُمَا سَاحِرَانِ كَانَا يُعَلِّمَانِ السِّحْرَ وَقِيْلَ مَلَكَانِ اُنْزِلَا لِتَعْلِيْمِهٖ اِبْتِلَاءً مِنَ اللّٰهِ لِلنَّاسِ **وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ** زَائِدَةٌ **اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ** لَهٗ نُصْحًا **اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ** بَلِيَّةٌ مِنَ اللّٰهِ لِلنَّاسِ لِيَمْتَحِنَهُمْ بِتَعْلِيْمِهٖ فَمَنْ تَعَلَّمَهٗ كَفَرَ وَمَنْ تَرَكَهٗ فَهُوَ مُؤْمِنٌ **فَلَا تَكْفُرْ** ؕ بِتَعَلُّمِهٖ فَاِنْ اَبٰى اِلَّا التَّعَلُّمَ عَلَّمَاهُ **فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ** ؕ بِاَنْ يُبْغِضَ كُلًّا منهما اِلَى الْاٰخر **وَمَاهُمْ** اَیِ السَّحَرَةُ **بِضَآرِّيْنَ بِهٖ** بِالسِّحْرِ **مِنْ** زَائِدَةٌ **اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ** ؕ بِاِرَادَتِهٖ **وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ** فِی الْاٰخِرَةِ **وَلَا يَنْفَعُهُمْ** ؕ وَهُوَ السِّحْرُ **وَلَقَدْ** لَامُ قَسَمٍ **عَلِمُوْا** اَیِ الْيَهُوْدُ **لَمَنِ** لَامُ اِبْتِدَاءٍ مُعَلِّقَةٌ لِمَاقَبْلَهَا مِنَ الْعَمَلِ وَمَنْ مَوْصُوْلَةٌ **اشْتَرٰىهُ** اِخْتَارَهٗ اَوِاسْتَبْدَلَهٗ بِكِتَابِ اللّٰهِ **مَالَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ** ؕ قف نَصِيْبٌ فِی الْجَنَّةِ **وَلَبِئْسَ مَا** شَيْئًا **شَرَوْا** بَاعُوْا **بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ** ؕ اَیِ الشَّارِيْنَ اَیْ حَظَّهَا مِنَ الْاٰخِرَةِ اَنْ تَعَلَّمُوْهُ حَيْثُ اَوْجَبَ لَهُمُ النَّارَ **لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۱۰۲﴾ حَقِيْقَةَ مَا يَصِيْرُوْنَ اِلَيْهِ مِنَ الْعَذَابِ مَاتَعَلَّمُوْهُ **وَلَوْ اَنَّهُمْ** اَیِ الْيَهُوْدَ **اٰمَنُوْا** بِالنَّبِیِّ وَالْقُرْاٰنِ **وَاتَّقَوْا** عِقَابَ اللّٰهِ بِتَرْكِ مَعَاصِيْهِ كَالسِّحْرِ وَجَوَابُ لَوْ مَحْذُوْفٌ اَیْ لَاُثِيْبُوْا دَلَّ عَلَيْهِ **لَمَثُوْبَةٌ** ثَوَابٌ وَهُوَ مُبْتَدَاءٌ وَاللَّامُ فِيْهِ لِلْقَسَمِ **مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ خَيْرٌ** ؕ خَبَرُهٗ مِمَّاشَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ **لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۱۰۳﴾ ع اَنَّهٗ خَيْرٌ لَمَا اٰثَرُوْهُ عَلَيْهِ ۔

ع ۱۲ / ۱۲

ترجمہ: .... اور یہود نے اتباع کیا (اتبعوا کا عطف نبذ پر ہے) ایسی چیز کا جس کا چرچا کیا کرتے تھے (تتلوا مضارع کا صیغہ بجائے قالت ماضی کے ہے) شیاطین حضرت سلیمان علیہ السلام کے (عہد) سلطنت میں (مراد جادو ہے جس کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے زوالِ سلطنت کے وقت اپنی کرسی کے نیچے دفن کر دیا تھا۔ یا شیاطین آسمانی باتیں چوری چھپے سن لیتے تھے اور خود ساختہ بہت سے جھوٹ اس میں ملا لیتے تھے اور کاہنوں کو سنا دیتے تھے اور کاہن اس کو باقاعدہ مدون و مرتب کر لیا کرتے تھے۔ اسی طریقہ سے یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ جنات غیب کی باتیں جانتے ہیں۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سب کتابوں کو جمع کر کے دفن کر دیا تھا لیکن جب ان کی وفات ہوئی تو شیاطین نے لوگوں کی اس طرف رہنمائی کی دفن شدہ کتابوں کو نکالا گیا تو اس میں سحر نکلا۔ اس سے لوگوں میں چرچا ہونے لگا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اسی جادو کے زور سے تم پر حکومت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ عام لوگوں نے بھی سحر سیکھنا شروع کر دیا اور انبیاءؑ کی تعلیمات اور کتابوں کو چھوڑ بیٹھے۔ حضرت سلیمانؑ کی برأت ظاہر کرتے ہوئے اور یہود کے اس قول کی تردید کرنے کے لئے کہ محمدؐ کو دیکھو سلیمانؑ کا ذکر انبیاءؑ کے سلسلے میں کر رہے ہیں حالانکہ سلیمانؑ محض ایک جادوگر تھے (حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) حضرت سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا (جادو کا عمل نہیں کیا کیونکہ وہ کفر ہے) لیکن (لفظ لکن تشدید و تخفیف کے ساتھ دونوں طرح

پڑھا گیا ہے) شیاطین کفر کیا کرتے تھے درانحالیکہ لوگوں کو سحر کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے (یہ جملہ حال ہے ضمیر کفروا سے) اور لوگوں کو سکھلایا کرتے تھے جو ان دونوں فرشتوں پر نازل کیا گیا (یعنی ان دونوں فرشتوں کو جو سحر بذریعہ الہام بتلایا گیا اور ایک قرأت میں مَلَکَیْنِ کی بجائے مَلِکین بکسر اللام پڑھا گیا ہے وہ فرشے رہنے والے تھے) بابل میں (جو اطراف عراق کا مشہور شہر ہے) ہاروت و ماروت نام کے (ترکیب میں یہ دونوں لفظ بدل ہیں یا عطف بیان مَلَکین کا۔ حضرت ابن عباسؓ کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں جادوگر تھے لوگوں کو سحر کی تعلیم دیا کرتے تھے اور بعض کا خیال ہے کہ دو فرشتے ہیں جو بطور امتحان منجانب اللہ لوگوں کو سحر کی تعلیم دینے کیلئے اتارے گئے تھے) اور وہ دونوں کسی کو نہیں سکھلاتے تھے (من احد میں من زائد ہے) تاوقتیکہ (بطور نصیحت) نہ کہہ دیتے کہ ہمارا وجود بھی ایک طرح کی آزمائش ہے (اللہ کی طرف سے امتحان ہے کہ لوگوں کو اس کی تعلیم کے ذریعے آزمائے جو اس کو حاصل کرے کا فر سمجھا جائے گا۔ اور جو چھوڑ دے مومن شمار کیا جائے گا) اس لئے کافر مت بن جانا (اس کو سیکھ کر۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی سیکھنے پر مصر ہوتا تو اس کو سکھلا دیتے) چنانچہ کچھ لوگ ان دونوں فرشتوں سے ایسا عمل سیکھ لیتے تھے جس سے مرد اور اس کی بیوی میں تفریق ہو جائے (ایک دوسرے میں دشمنی پیدا ہو جائے) حالانکہ یہ (جادوگر) کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے اس (سحر سے) مگر خدا ہی کا حکم (ارادہ) سے اور سیکھتے تھے) ایسی چیزیں جو ان کو نقصان دہ ہوں (آخرت میں) اور ان کے لئے نافع نہ ہوں (مراد سحر ہے) یقیناً (لقد میں لام موطئہ للقسم ہے) اتنا جانتے ہیں (یہود) کہ جو شخص (لمن میں لام ابتدائیہ ہے ماقبل عملوا کے عمل کو لفظاً روک دیا اور من موصولہ ہے) سحر کو اختیار کرتا ہے (سحر کو اختیار کرے یا کتاب اللہ کے تبادلہ میں لے) آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہے (جنت میں حصہ نہیں ہے) اور بلاشبہ بری ہے وہ چیز جس میں وہ خرید رہے ہیں (فروخت کر رہے ہیں اپنی جانوں کو (یعنی جان دینے والے اپنے آخرت کے حصہ کو۔ وہ اس بات کو جان جاتے کہ ان کے لئے نارِ جہنم ہے) کاش ان کو اتنی عقل ہوتی (کہ وہ اس عذاب کی حقیقت کو جان جاتے جس کا ان کو علم ہے) اور اگر وہ (یہود) ایمان لے آتے (آنحضرت ﷺ پر اور قرآن پر) اور ڈرتے (اللہ کے عذاب سے سحر وغیرہ گناہ چھوڑ کر۔ اور لو کا جواب محذوف ہے یعنی لاثیبوا۔ چنانچہ اس جواب پر لمثوبۃ دال ہے تو معاوضہ (ثواب) یہ مبتداء ہے اور لمثوبۃ میں لام مؤطئہ للقسم ہے) اللہ کے یہاں کا بہتر تھا (اس مبتدا کی خبر مما شروا به انفسهم ہے) کاش وہ جانتے (کہ یہ ان کے لئے بہتر ہے تو وہ اس کو ترجیح نہ دیتے)۔

ترکیب و تحقیق: .... تتلوا کے بعد قالت اشارہ ہے حکایت حال ماضیہ کی طرف یہ تلاوت بمعنی قرأت سے مشتق ہے یا تلوٌ بمعنی تابع سے مشتق ہے و اتبعوا کا عطف نبذ پر ہے علی ملك میں علی بمعنی فی ہے اور ملک بمعنی عہد تحت کرسیه یہ اشارہ ہے کہ اس واقعہ کی طرف جس کی تفصیل ابن جریرؒ نے بیان کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حسب عادت اپنی بیوی "جرادہ" کو اپنی انگشتری اتار کر بیت الخلاء جانے کے وقت دی اور جب واپس آ کر طلب فرمائی تو ان کی صورت میں متشکل ہو کر ایک جن نے اس کو حاصل کر لیا تھا۔ اس لئے بیوی نے معذرت چاہی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ اللہ کی جانب سے ایک آزمائش ہوگی۔ **لانه کفر** جادو کو اگر حلال سمجھ کر کرتا ہے تو کفر اعتقادی ہے ورنہ عملی کفر کہا جائے گا **السحر** لطیف اور دقیق چیز کو کہتے ہیں یقال **سحره سحرا** ۔**اذا ابدی له امر یدق علیه و یخفی**۔ **الجملة حال** دوسری صورت اس کے مستانفہ ہونے کی بھی ہو سکتی ہے۔ **وما انزل** میں مفسر علام نے **یعلمونهم** اس لئے نکالا ہے کہ ما کا موصولہ اور محل نصب میں ہونا معلوم ہو جائے۔ سحر پر عطف ہو جائے کیونکہ دونوں کی مراد ایک ہے۔ **ببابل** میں با بمعنی فی ہے انزل کے متعلق ہے۔ وجہ تسمیہ اس شہر کی یہ ہے کہ تبلبل کے معنی تبدل کے ہیں۔ یہاں بہت سی زبانوں کا اختلاف تھا۔ ملکین حسنؒ اور ضحاکؒ نے بکسر اللام پڑھا ہے۔ ابن عباسؓ کے ان کو جادوگر ماننے کا قول بھی اسی تقدیر پر

ہے۔ امیر زادے یا شاہی خاندان کے افراد ہوں گے ایسے مخصوص افراد انسان پر ملک کا اطلاق بھی جائز ہے۔ دوسری مشہور قرأت بفتح اللام ہے حتی یقولا مزید اطمینان کے لئے سات سات مرتبہ لوگوں سے وعدہ لیا کرتے تھے۔ فلا فکر یعنی علم وعمل اس طرح نہ حاصل کرو کہ نوبت بکفر پہنچ جائے۔ مــن زائد یعنی مفعول بہ میں مــن زائد ہے جو تاکید استغراق کے لئے ہے۔ لام ابتداء معلقہ یعنی اس لام نے علموا کالفظاً عمل باطل کردیا۔ منجملہ افعال قلوب کی خاصیات کے ایک خاصیت تعلیق بھی ہے۔ من موصولہ ہے محل رفع میں ہے۔ ابتداء کی وجہ سے اور اشتراہ اس کا صلہ ہے اور مــالــه فی الاخرة جواب قسم ہے ای الشارین سے مفسرؒ نے انفسهم کا بیان کردیا۔ اور حظها سے بدل شرٰی بیان کردیا۔ ان تعلموه بتاویل ان مصدر یہ یہ مخصوص بالذم ہے۔ مماشروابه انفسهم سے مفسرؒ علام نے اشارہ کیا کہ خیر اسم تفضیل ہے۔ مــماشروا اس کا مفضل علیہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو اسم تفضیل کیلئے نہ مانا جائے بلکہ محض فضیلت کے لئے ہو جیسے اصــحاب الجنة اور افــمــن یلقی فی النار خیر میں ہے اس صورت میں مفضل علیہ کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ یہود کو اہل علم مان کر پھر ان سے علم کی تمنا کرنا اس پر مبنی ہے کہ جس علم کے خلاف عمل ہو وہ علم نہ ہونے کے درجہ میں ہے۔

ربط: .... پہلی آیت میں یہود کی عہد شکنی کا بیان تھا۔ اور یہ کہ جن باتوں اور جن لوگوں کی اتباع کرنی چاہئے تھی ان کی اتباع نہیں کرتے۔ ان آیات میں یہ بیان کرنا ہے کہ جن باتوں اور جن لوگوں کی اتباع نہیں کرنی چاہئے تھی ان کی پوری اتباع کرتے رہتے ہیں۔ غرض کہ جس بات سے منع کیا جائے اس کے خلاف ضرور کرتے ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: ...... **بابل کی جادوگری**: .... ایک زمانہ میں بابل اور اس کے آس پاس شہروں میں جادوگری کا بہت رواج اور جادوگروں کا اس قدر چرچا ہوگیا تھا کہ لوگوں نے ان کے مقابلہ میں انبیاءؑ اور ان کی تعلیمات تک کو چھوڑ دیا تھا اور ہمہ تن انہی لایعنی مشاغل میں منہمک ہوگئے تھے حق تعالیٰ کو اس صورتِ حال کی اصلاح منظور ہوئی۔

ہاروت و ماروت کا طریقۂ تعلیم: .... تو بڑے اہتمام سے ہاروت و ماروت نامی دو فرشتوں کو باقاعدہ اس کام کے لئے مقرر کیا۔ انہوں نے بابل کے مرکزی شہروں میں اپنا کام اس طرح شروع کیا کہ سحر کے اصول وفروع اچھی طرح ظاہر کر کے لوگوں کو اس سے بچنے اور جادوگروں سے پرہیز ونفرت کی تلقین کرنے لگے چنانچہ اس مقصد کے لئے لوگوں کی آمد ورفت شروع ہوئی اور بدعملی یا بداعتقادی سے بچنے کے لئے لوگ اس کے اصول وفروع سیکھنے کی درخواست کرتے تھے۔ یہ دونوں فرشتے احتیاطاً لوگوں سے پہلے عہد لیا کرتے اور ان کو آگاہ کرتے کہ دیکھو ہم اور ہمارا آنا خدا کی طرف سے ایک آزمائش ہے کہ کون سحر کی تعلیم حاصل کر کے اس کی آفات وشرر سے بچتا ہے اور کون شیاطین اور غیر اللہ سے استمداد کر کے اپنا ایمان وعقبیٰ برباد کرتا ہے اس تنبیہ وتاکید کے ساتھ اپنا اطمینان کر کے تعلیم جاری کرتے۔ اب اگر کوئی اس عہد وپیماں کو توڑ کر خلق کی ایذا رسانی میں مشغول ہوجاتا تو فاجر بنتا اس سے آگے بڑھ کر بعض کفری طریقوں کا اشتغال کرتا تو کافر ہوجاتا۔

اللہ، فرشتے، پیغمبر الزام سے بری ہیں: .... لیکن اس سے نہ ان فرشتوں پر کوئی الزام کیونکہ انہوں نے ارشاد اصلاحی کا حق ادا کردیا۔ اور نہ حق تعالیٰ پر اعتراض کہ انہوں نے ان اسباب کفر کو کیوں پیدا کیا۔ کیونکہ یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی عمدہ تلوار کسی کو بنا کر دیدے اور اس کو طریقِ استعمال اور محلِ استعمال بھی بتلا دے لیکن وہ پھر بھی بے موقع اور بے جا استعمال کرے تو تمام تر برائی کی ذمہ داری اسی پر عائد ہوگی۔ تلوار بنانے والے دینے والے پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا اسی طرح انبیاءؑ پر بھی کوئی اعتراض نہیں کہ خود

انہوں نے اس فریضہ اور ذمہ داری کو کیوں نہیں سرانجام دیا کیونکہ اول تو انبیاء کرام نے شرائع کے قواعد کلیہ سے جواز وعدم جواز کی حدود اور ضوابط کی تفصیل بیان کردی البتہ جزئیات کی تفصیل احتمال فتنہ کی وجہ سے انبیاءؑ کے ذریعہ نہیں بتلائی گئی کیونکہ انبیاءؑ منبع ہدایت ہوتے ہیں کسی درجہ میں بھی ان سے گمراہی یا سبب گمراہی بننے کا احتمال پسند نہیں کیا گیا۔ بخلاف ملائکہ کے بعض تکوینی مصالح کے پیش نظر ان سے اس قسم کے کام لئے جاتے ہیں۔

نقشِ سلیمانی: .... بہر حال حضرت سلیمان علیہ السلام چونکہ اولوالعزم نبی ہیں اور یہود ان کو ساحر سمجھتے تھے اس لئے حق تعالیٰ نے ان کی برأت اس طرح فرمائی کہ سحر کا مستلزم کفر ہونا بھی معلوم ہو جائے اور دعویٰ مبرہن بھی ہو جائے نبی کا کافر ہونا محال ہے اور ساحر ہونے سے یہ لازم آ رہا ہے اس لئے باطل ہے۔ پس دعویٰ عدم سحر صحیح رہا۔

قصہ زہرہ ومشتری: .... زہرہ کا مشہور قصہ معتبر روایت سے ثابت نہیں اسی لئے جن علماء نے اس کو خلاف قواعد سمجھا ہے قبول نہیں کیا اور بعض علماء نے کچھ تاویلیں کر کے اس کو رد نہیں کیا ہے تاہم آیات کی تفسیر اس پر موقوف نہیں ہے۔

تحقیق سحر: .... باقی سحر کے کفر وفسق ہونے کے متعلق شیخ ابومنصورؒ کی رائے یہ ہے کہ علی الاطلاق سحر کو کفر کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ موجبات ایمان کا اگر خلاف کرنا پڑے تو کفر ہے ورنہ نہیں۔ شرح فقہ اکبر میں ہے کہ سحر کی تعلیم وتعلم کفر نہیں بلکہ اس کو مؤثر سمجھنا کفر ہے اور صاحب روضہ کا قول ہے کہ عمل سحر بالا جماع حرام ہے۔ البتہ اس کی تعلیم وتعلم میں تین قول ہیں۔ اول حرام ہونے کا، دوسرا کراہت، تیسرا مباح ہونے کا۔

نادر تحقیق: .... لیکن سب سے اچھی تحقیق بعض اہل علم محققین نے کی ہے کہ سحر، عزیمت، تعویذ گنڈوں میں سب سے اول الفاظ اور کلمات کو دیکھا جائے گا۔ اگر کلمات کفریہ ہیں جن میں ارواح خبیثہ یا شیاطین وجنات سے امداد طلب کی گئی ہے تو علی الاطلاق حرام اور کفر ہے چاہے غرض محمود ہو یا مذموم۔ اور اگر کلمات مباحہ استعمال ہوتے ہوں تو پھر غرض پر بھی نظر کی جائے گی اگر کسی کو خلاف شرع ضرر اور نقصان پہنچانا ہے تو ناجائز اور فسق ہے اور اگر غرض بھی ناجائز نہیں اور نقصان رسانی کا ارادہ بھی نہیں تو پھر جائز اور مباح ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ الفاظ نامعلوم المعنی اور غیر مفہوم ہوں تو چونکہ احتمال کفری معنی کا ہے اس لئے پھر بھی بچنا ضروری ہے غرضکہ الفاظ غیر مفہوم اور نامشروع نہ ہوں اور غرض بھی مذموم نہ ہو تو اتنی شرطوں کے ساتھ جائز اور ناجائز اور ہر ناجائز پر کفر عملی کا اطلاق صحیح ہے۔

سحر اور معتزلہ: .... معتزلہ سحر کی واقعیت تاثیر کا انکار کرتے ہیں حالانکہ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم ساحرین کے واقعہ کو بار بار دہرایا گیا ہے اور ان آیات میں بھی سحر کی واقعیت کا انکار مشکل ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ پر لبید نامی یہودی کا سحر کرنا اور اس پر معوذتین کا نزول متعدد روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ جن کا انکار مشکل ہے اسی طرح بعض لوگ ان آیات کی وجہ سے یہ سمجھ گئے کہ سحر کا اثر صرف تفریق بین الزوجین وغیرہ ہے۔ دوسری تاثیرات سحر میں نہیں ہوتی، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ تخصیص ذکری نفی ماسوی کو مستلزم نہیں ہوتی۔ اگر کسی خاص وجہ سے یہاں سحر کی ایک خاص تاثیر کا ذکر کیا گیا ہے تو اس سے یہ کیسے سمجھ لیا گیا کہ دوسری تاثیرات بالکل نہیں ہوتیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَقُوْلُوْا رَاعِنَا لِلنَّبِيِّ اَمْرٌ مِنَ الْمُرَاعَاةِ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ لَهٗ ذٰلِكَ وَهِيَ بِلُغَةِ الْيَهُوْدِ سَبٌّ مِنَ الرَّعُوْنَةِ فَسَرُّوْا بِذٰلِكَ وَخَاطَبُوْا بِهَا النَّبِيَّ فَنُهِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ عَنْهَا **وَقُوْلُوا** بَدْلَهَا **انْظُرْنَا** اَيْ اُنْظُرْ اِلَيْنَا **وَاسْمَعُوْا** مَاتُؤْمَرُوْنَ بِهٖ سِمَاعَ قَبُوْلٍ **وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿۱۰۴﴾ مُؤْلِمٌ هُوَ النَّارُ **مَايَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ** مِنَ الْعَرَبِ عَطْفٌ عَلٰى اَهْلِ الْكِتٰبِ وَمِنْ لِلْبَيَانِ **اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ** زَائِدَةٌ **خَيْرٍ** وَحْيٍ **مِّنْ رَّبِّكُمْ** حَسَدًا لَكُمْ **وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ** نُبُوَّتِهٖ **مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ** ﴿۱۰۵﴾

ترجمہ: .... اے ایمان والو! مت کہا کرو لفظ راعنا (آنحضرت ﷺ کی شان میں راع امر کا صیغہ ہے۔ مراعاۃ سے مشتق ہے اور یہود آپ کی جناب میں یہ لفظ استعمال کیا کرتے تھے حالانکہ ان کی زبان میں حماقت کے معنی میں مستعمل ہوتا تھا۔ رعونت سے مشتق کر کے اور آنحضرت ﷺ کو اس سے مخاطب بنا کر خوش ہوتے۔ اس لئے مسلمانوں کو یہ اس کے استعمال سے روکا گیا ہے) اور کہا کرو (اس کلمہ کی بجائے) انظرنا (ہماری مصلحت پر نظر فرمائیے) اور سنو (جو حکم تم کو دیا جا رہا ہے قبولیت کے کان سے) اور ان کافروں کو سزائے دردناک ہوگی (الیم بمعنی مولم، مراد نار جہنم ہے) ذرا بھی پسند نہیں کرتے ہیں اہل کتاب اور نہ مشرکین (عرب مشرکین کا عطف اہل کتاب پر ہے اور من بیانیہ ہے اس بات کو کہ تمہیں کسی قسم کی بہتری نصیب ہو (من خیر میں من زائد ہے) تمہارے پروردگار کی جانب سے (اس کے باعث ان کا تم سے حسد کرنا ہے) اور اللہ اپنی رحمت (نبوت) کے ساتھ جس کو منظور ہوتا ہے مخصوص فرماتے ہیں اور اللہ بڑے فضل والے ہیں۔

ترکیب وتحقیق: .... راعنا یہ امر حاضر کا صیغہ ہے مراعاۃ سے ماخوذ ہے بمعنی راقبنا ضمیر متکلم مفعول بہ ہے مبالغہ فی الرعایت کے معنی ہیں مسلمان تو اسی نیت سے عرض کرتے تھے کہ اے پیغمبر ہماری رعایت سے کلام آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر فرمائیے جو بات ہماری سمجھ میں نہ آئے یا رہ جائے اس کو دوبارہ سمجھا دیجئے لیکن عبرانی زبان میں یہ لفظ فحش گالی سمجھی جاتی تھی۔ رعونت سے مشتق کر کے بمعنی احمق استعمال کرتے تھے۔ یا راعی ...... چرواہے کے معنی میں لیتے تھے گویا ایک لفظ دو زبانوں کے لحاظ سے دو مختلف اور متضاد معانی میں مستعمل تھا۔ مسلمان سادہ لوحی کی وجہ سے یہود کے اس تمسخر اور استہزاء کو نہیں سمجھ سکے تھے۔ راعنا محلاً منصوب ہے بناء بر مفعول کے ولا المشرکین موضع جر میں ہے اہل پر معطوف ہونے کی وجہ سے من خیر میں من زائد ہے اور من ربکم میں من ابتدائیہ ہے۔

ربط: .... پہلی آیت میں یہود کے تیسویں (۳۰) معاملہ کو اور دوسری آیت میں ان کے اکتیسویں (۳۱) معاملہ کو بیان کیا جا رہا ہے۔ جس کے شان نزول کا حاصل یہ ہے کہ:

﴿ تشریح ﴾: .... **لفظی شرارت:** .... یہود از راہ شرارت آنحضرت ﷺ کے لئے راعی کا لفظ استعمال کرتے تھے اور اپنے محاورہ عبرانی کے لحاظ سے احمق اور چرواہے کے معنی لیتے تھے۔ اور مسلمان اچھے معنی کے لحاظ سے بمعنی رعایت اس لفظ کو استعمال کرتے تھے چونکہ مسلمانوں کی سادہ لوحی سے یہود کو شرارت کا موقع مل رہا تھا اس لئے بندش اور اصلاح کرنی پڑی کہ تم اس لفظ کو بدل کر دوسرا لفظ استعمال کیا کرو۔

بعض وقت جائز کام بھی ناجائز بن جاتا ہے:............ اس سے ایک بڑی حکمت کی بات نکل آئی کہ اپنے کسی فعل مباح سے اگر کسی کو برائی اور گناہ کی گنجائش ملتی ہوتو وہ فعل خوداس کے حق میں بھی ناجائز ہو جاتا ہے۔ یہ تو آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہود کی گستاخی اور بے ادبی کا حال تھا۔ دوسری آیت میں خود مسلمانوں کے ساتھ ان کی بدنیتی کو بتلاتے ہیں کہ جہاں تک ان کے دعویٰ افضلیت کا تعلق ہے سواول تو محض بلا دلیل دعویٰ سے کیا ہوتا ہے دوسرے دین اسلام کے ناسخ بن کر آتے سے تمام ادیان کا منسوخ ہونا معلوم ہو گیا اس لئے یہ دعویٰ فضول تھا کہ قابل جواب نہیں تھا البتہ جہاں تک یہود کے دعویٰ ہمدردی اور خیر خواہی کا تعلق ہے وہ اس لئے غلط ہے کہ تم ایک نظر بھی مسلمانوں کو دیکھنا گوارا نہیں کرتے اور اس بارہ میں تم اور مشرکین برابر ہو۔ دونوں میں سرمو فرق نہیں ہے پھر کیا منہ لیکر دعویٰ کرتے ہو۔

اساتذہ اور مشائخ کا ادب:............ اس آیت میں ادب فی الخطاب کی تعلیم ہے کہ جو خدام دین ہیں جیسے اساتذہ اور مشائخ وہ بھی اس خطاب میں تابع رہیں گے۔

وَلَمَّا طَعَنَ الْكُفَّارُ فِي النَّسْخِ وَقَالُوْا اِنَّ مُحَمَّدًا يَامُرُ اَصْحَابَهُ الْيَوْمَ بِاَمْرٍ وَيَنْهٰى عَنْهُ غَدًا نَزَلَ **مَا** شَرْطِيَةٌ **نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ** اَیْ نُزِلُ حُكْمَهَا اِمَّا مَعَ لَفْظِهَا اَوْلَا وَفِيْ قِرَاءَ ةٍ بِضَمِّ النُّوْنِ مِنْ اَنْسَخَ اَیْ نَامُرُكَ اَوْ جِبْرِءِ يْلَ بِنَسْخِهَا **اَوْ نُنْسِهَا** نُؤَخِّرْهَا فَلَانُزِلُ حُكْمَهَا وَنَرْفَعُ تِلَاوَتَهَا او نُؤَخِّرْهَا فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَفِيْ قِرَاءَ ةٍ بِلَا هَمْزَةٍ مِنَ النِّسْيَانِ اَیْ نُنْسِئُهَا وَنَمْحُهَا مِنْ قَلْبِكَ وَجَوَابُ الشَّرْطِ **نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ** اَنْفَعَ لِلْعِبَادِ فِي السُّهُوْلَةِ اَوْ كَثْرَةِ الْاَجْرِ **اَوْ مِثْلِهَا** ط فِي التَّكْلِيْفِ وَالثَّوَابِ **اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۱۰۶﴾ وَمِنْهُ النَّسْخُ وَالتَّبْدِيْلُ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ **اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** ط يَفْعَلُ فِيْهِمَا مَايَشَاءُ **وَمَالَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَیْ غَيْرِهِ **مِنْ** زَائِدَةٌ **وَّلِيٍّ** يَحْفَظُكُمْ **وَّلَا نَصِيْرٍ** ﴿۱۰۷﴾ يَمْنَعُ عَذَابَهُ عَنْكُمْ اِنْ اَتٰكُمْ

ترجمہ:............ (کفار نے جب نسخ کے سلسلے میں آپ پر طعن وتشنیع کی اور کہنے لگے کہ محمدؐ اپنے رفقاء کو آج ایک کام کرنے کا حکم دیتے ہیں اور کل اسی سے منع کر دیتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی) اگر (ما شرطیہ ہے) ہم کسی آیت کا حکم موقوف کر دیتے ہیں (خواہ مع الفاظ کے حکم زائل کریں یا بلا الفاظ کے اور ایک قرأت میں ننسخ بضم النون ہے باب افعال انساخ سے مشتق یعنی ہم یا جبریلؑ اس کے نسخ کا حکم کرتے ہیں) یا اس آیت کو ذہنوں سے فراموش کر دیتے ہیں کہ اس کا حکم زائل نہ ہو بلکہ اس کی تلاوت کو منع کر دیں۔ یا لوح محفوظ ہی میں اس حکم کو مؤخر کر دیں اور ایک قرأت میں ننسی بلا ہمزہ کے نسیان سے مشتق یعنی ہم اس کو مٹا کر آپؐ کے قلب سے محو کر دیتے ہیں اور جواب شرط یہ ہے) تو ہم اس آیت سے بہتر لاتے ہیں (جو بندوں کے لئے سہولت یا کثرۃ اجر کے لحاظ سے زیادہ نافع ہو) یا اس آیت کی مانند (تکلیف وثواب میں) کیا تم کو یہ خبر نہیں کہ حق تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں۔ (منجملہ ہر چیز کے نسخ وتبدیل میں بھی ہے۔ اس میں استفہام تقریری ہے) کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ہی کی حکومت ہے آسمان وزمین میں (جو چاہتے ہیں ان میں کرتے ہیں اور تمہارا حق تعالیٰ کے سوا (علاوہ) کوئی (من زائد ہے) دوست (کہ تمہاری حفاظت کرے) اور مددگار نہیں ہے (کہ اگر تم پر اس کا عذاب آئے تو روک دے۔)

ترکیب وتحقیق: .... ما شرطیہ ہے جس کی وجہ سے ننسخ مجزوم ہے۔ نسخ لغت میں کسی چیز کی صورت زائل کر کے دوسرے میں قائم کردینا جیسے **نسخت الریح اثار القوم۔ نسخ الظل للشمس یا نسخ الکتاب الی کتاب اخر** ۔ اس کی بعد محض نقل کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ اس کی دوصورتیں ہیں منسوخ التلاوت والحکم جسے حضرت عائشہؓ کی روایت **"عشر رضعات یحرمن"** یا صرف مرفوع الحکم ہو جیسے **وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ** اور دوسری قرأت میں **بضم النون** ابن عامرؒ کی ہے **ننساها** ابن کثیرؒ وابوعمروؒ کے نزدیک بالالف نسی بمعنی تاخیر سے ہے یعنی **تاخیر الحکم عن النسخ** جس کا حاصل یہ ہے کہ حکم باقی ہو اور تلاوت منسوخ۔ یہ تیسری قسم کی طرف اشارہ ہوگا جیسے **الشیخ والشیخة اذا زنیا فار جموهما** اور دوسری قرأت میں **ننسی** بضم النون وکسر السین ہے نسیان کا باب افعال، خیر کا ترجمہ مفسرؒ نے انفع کے ساتھ اس لئے کیا کہ کلام اللہ تمام خیر ہی خیر ہے۔ آیات میں خیر وعدم خیر کا فرق نہیں ہے بلکہ انفع غیر انفع کے لحاظ سے فرق مقصود ہے۔ چنانچہ سہولت کے اعتبار سے انفع غیر انفع کا فرق جیسے اول حکم **ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین** بعد میں **الأن خفف الله** سے منسوخ کر کے **ان یکن منکم مائة صابرة یغلبوا مائتین** فرمایا گیا ظاہر ہے کہ ایک کو دس کے مقابلہ میں کرنے کی نسبت ایک کو دو کے مقابل کرنا آسان ہے اور کثرت اجر کے لحاظ سے انفع ہونے کی مثال جیسے اول اسلام میں روزہ اور فدیہ کا اختیار تھا لیکن بعد میں یہ اختیار منسوخ ہو کر صرف روزہ متعین ہوگیا۔ جس میں ثواب کی زیادتی ظاہر ہے اسی طرح تکلیف وثواب میں برابر ہونے کی مثال جیسے ابتداء نماز کے لئے استقبال بیت المقدس شرط تھا۔ بعد میں منسوخ ہو کر استقبال بیت اللہ سے تبدیل ہوگیا۔ دونوں کے حکم اس لحاظ سے برابر ہیں۔ **ولی ونصیر** دونوں میں عام وخاص من وجہ کی نسبت ہے قوی دوست اجتماعی مادہ ہے اور کمزور دوست اور قوی اجنبی مددگار یہ دونوں افتراقی مادے ہیں۔

ربط وشانِ نزول: .... ان آیات میں یہود کے بتیسویں (۳۲) معاملہ کا ذکر ہے۔ شانِ نزول کی طرف خود جلال محقق نے اشارہ کیا ہے کہ یہود کو تحویل قبلہ پر جس کا ذکر عنقریب آتا ہے اعتراض تھا اور مشرکین بھی احکام کی منسوخیت پر معترض تھے کہ اگر یہ خدائی کلام اور احکام ہیں تو یہ روز روز تبدیلی کے کیا معنی؟ اس سے تو حاکم اور متکلم کی سفاہت لازم آتی ہے اور ظاہر ہے کہ خدا بالاتفاق اس عیب سے منزہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کلام الٰہی نہیں اور احکامِ اسلام احکامِ خداوندی نہیں ہیں۔ ان شبہات کے دفعیہ کیلئے آیات ذیل نازل ہوئیں۔

﴿ **تشریح** ﴾: .... **انکارِ نسخ:** .... ابو مسلمؒ بن بحر وغیرہ علماء نے تو نسخ کا بالکلیہ انکار کیا ہے کیونکہ اعتقادیات جو احکام کی بنیاد ہوتے ہیں۔ مثلاً خدا کی ذات وصفات کے مسائل یا فرشتوں اور پیغمبروں، عذاب وثواب برزخ، حشر ونشر جنت جہنم کے متعلق عقائد تو ظاہر ہے کہ یہ ابدی ہیں ان میں کسی نسخ یا تبدیلی کا امکان نہیں ہے۔ رہ گئے احکام ان میں جو اصول شرائع ہیں تمام شریعتوں میں جو متفق علیہ رہے ہیں جیسے بت پرستی اور ظلم وغیرہ کی حرمت، عدل وانصاف، صدق و دیانت وامانت کا مستحسن ہونا ان کی تبدیلی کا بھی کوئی سوال نہیں ہے۔ اب رہ جاتا ہیں صرف احکام جزئیہ تو بقول ابو مسلمؒ ان میں بھی نسخ نہیں ہے کیونکہ نسخ میں اتحاد جہت شرط ہے حالانکہ ناسخ اور جہت سے ہوتا ہے اور منسوخ میں دوسری جہت ہوتی ہے۔ اور دونوں اپنی اپنی جہت سے صحیح ہوتے ہیں اسی طرح ان کی رائے پر آیات میں بھی نسخ نہیں ہے یعنی کوئی آیت منسوخ التلاوۃ نہیں ہے کیونکہ آیت کیلئے متواتر ہونا شرط ہے جو آیات منسوخ ہو چکی ہیں ان میں تواتر نقل ہی نہیں پائی جاتی وہ اخبار آحاد ہوتی ہیں یا موضوع وضعیف یا ادراج راوی کے قبیل سے ہوتی ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو لیا ہی نہیں تو ان کو آیات کس طرح کہا جائے گا۔ آیات قرآنی صرف وہ کہلائیں گی جن کو آپ ﷺ نے محفوظ رکھا، دوسروں کو

حفظ کرایا، کاتبوں سے لکھایا، یعنی موجودہ قرآن جو بین الدفتین ہے بالکل محفوظ متواتر ہے اس میں تغیر کو راہ نہیں ہوتی ہے رہا اس آیت سے نسخ پر استدلال سو اس لئے صحیح نہیں ہے کہ وہ اس سے مراد احکام توراۃ وانجیل لیتے ہیں یعنی ان میں تبدیلی ہوئی ہے اور آیات کا لفظ قرآن کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ احکام پر اس کا اطلاق شائع ذائع ہے۔

بعض مفسرین کی رائے: .... اور بعض مفسرینؒ اس آیت کی تفسیر احکام کی تبدیلی سے نہیں کرتے بلکہ قوموں کے اوصاف عروج وزوال کی تبدیلی مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ ماقبل کی آیت میں بھی اللہ کے فضل وکرم کا کسی قوم کے ساتھ مختص نہ ہونا بتلا کر مشرکین ویہود کے اس خیال کی تردید مخصوص تھی کہ نبوت ورسالت تو ہمارا مخصوص قومی طرہ اور شعار ہے۔ محمدؐ اس کے حقدار کس طرح بن گئے، ان آیات میں بھی اسی مضمون کی تاکید مقصود ہے کہ اللہ کے فضل وکرم میں کسی کی اجارہ داری نہیں ہے بلکہ اس کی موارد ومواقع بدلتے رہتے ہیں ان اللہ لایغیر مابقوم حتیٰ یغیر وا ما بانفسھم اب قوم یہود ونصاریٰ کی بجائے گویا محمدیوں کا دور دورہ ہے۔

عام علماء کی رائے: .... عام علماء نسخ کے قائل ہیں لیکن چند شرائط کے ساتھ۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس مسئلہ سے دو جگہ تعرض کیا گیا ہے۔ ایک اس آیتِ بقرہ ما ننسخ الخ میں دوسرے سورۂ نحل کی آیت واذا بدلنا ایة مکان ایة واللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر بل اکثرھم لایعلمون۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ آیت بقرہ میں لفظ نسخ وانساء استعمال کیا گیا ہے اور آیت نحل میں تبدیل کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ باقی دونوں آیات میں الم تعلم ان اللہ علی کل شئ قدیر اور اللہ اعلم بما ینزل اور بل اکثرھم لا یعلمون فرما کر یکساں طور پر اسرار نسخ پر متنبہ کیا گیا ہے۔

نسخ کے دو معنی: .... بہرحال سب سے پہلے قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ احکام میں تبدیلی دو طرح کی ہوتی ہے کبھی تو اس لئے کہ قانون اور حکم میں پہلے سے کوئی فروگزاشت اور کمی رہ گئی تھی۔ ترمیم کرکے پورا کر دیا گیا ہے، اس قسم کی تبدیلی احکام الٰہیہ میں محال ہے کیونکہ یہ مستلزم سقاہت وعیب مُقَنّن ہے۔ معترضین نسخ کے یہی معنی لے کر اعتراض کرتے تھے اور کبھی احکام میں تبدیلی محکومین میں انقلاب حال کی بناء پر ہوتی ہے۔

نسخہ جات کی طرح احکام میں بھی تبدیلی ضروری ہے: .... یہ تبدیلی ایسے ہی صحیح، جائز بلکہ ضروری ہوتی ہے جیسے حکیم حاذق کے نسخوں میں تبدیلی مریض اور مرض کی تبدیلی کی بناء پر ہوتی ہے جو عقلاً ونقلاً واجب التسلیم ہے اسی لئے علماء اصول نے تصریح کی ہے کہ نسخ ذوجہتین ہوتا ہے حق تعالیٰ کے لحاظ سے انتہاء مدت کا بیان ہوتا ہے اور بندوں کے اعتبار سے بیان تبدیل ہوتا ہے۔ یعنی واقعۃً حکم میں تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ ایک ہنگامی حکم تھا مدت پوری ہونے کے بعد خود بخود ختم ہو گیا۔ البتہ پہلے سے ہم کو یہ بات معلوم نہیں تھی۔ اس لئے بظاہر دیکھنے میں ہمارے لحاظ سے تبدیلی ہوئی ہے جیسے کسی کو اچانک تلوار سے قتل کر دیا جائے تو بظاہر دیکھنے میں اس کی موت قبل از وقت معلوم ہوگی اسی لئے قتل شدید ترین جرم شمار کیا جائے گا لیکن فی الحقیقت اور تقدیر خداوندی کے لحاظ سے مقررہ وقت پر موت مانی جائے گی۔

شرائطِ نسخ: .... اسی لئے فقہاء نے شرائط نسخ کے سلسلہ میں کہا ہے کہ وہ حکم جو محل نسخ بنے واجب لذاتہٖ نہیں ہونا چاہئے جیسے ایمان باللہ اور نہ ممتنع بالذات ہونا چاہئے جیسے کفر وشرک بلکہ فی نفسہٖ محتمل الوجود والعدم ہو۔ اسی طرح وہ حکم موقت یا مؤبد نہ ہو۔ تابید خواہ فصاً

ہو جیسے خالدین فیھا ابدًا کے ساتھ مقید ہونا اور یا تابید دلالۃ ہو جیسے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد شریعت کا نا قابل ردو بدل ہو جانا، یعنی احکام میں تغیر یا ردو بدل کا احتمال آپ کی حیات مبارکہ میں رہتا تھا لیکن آپ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد اب شریعت مؤبد ہوگئی، وحی کا سلسلہ ختم ہوگیا، ترمیم وتغیر کا امکان مسدود ہوگیا، البتہ زمان ومکان کے لحاظ سے جزوی طور پر جو فقہاء کے فتاویٰ میں جواز عدم جواز حلت یا حرمت کا اختلاف اور احکام میں تبدیلی سی معلوم ہوتی ہے اس سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ شریعت کے مؤبد ہونے پر اثر انداز نہیں ہے۔ بہر حال نسخ کا محل ایسا حکم نہیں بنے گا جو پہلے ہی سے وقتی یا ابدی ہو۔ کیونکہ وقتی تو خود بخود وقت پر ختم ہو جائے گا اس کے لئے نسخ بے معنی ہے اسی طرح اگر حکم ابدی ہے تو اس میں نسخ کا مطلب کذب بیانی ہوگی کہ پہلے نا قابل تغیر مان لیا تھا جو بعد تغیر غلط ہوگیا۔

معتزلہ کا اختلاف: ....اسی طرح معتزلہ کے نزدیک ناسخ ومنسوخ کے درمیان اتنا وقت ملنا چاہئے کہ بندہ منسوخ حکم پر عملدر آمد کر لیتا اس کے بعد نسخ صحیح ہوگا لیکن اہل سنت کے نزدیک صرف منسوخ کے متعلق اعتقاد حقیقت کا وقت ملنا کافی ہے عملدر آمد شرط نہیں ہے۔ اور اعتقاد بھی اصالۃً ہو یا نیابۃً جیسے واقعہ معراج میں پچاس نمازیں منسوخ ہوکر صرف پانچ نمازیں رہ گئیں پہلے حکم پر نہ عملدر آمد کا وقت اور نہ اعتقاد حقیقت کا امۃ کو اصالۃً ملا۔ البتہ آنحضرت ﷺ نے اصالۃً اور نیابۃً اعتقاد حقیقت کو سر انجام دے لیا تھا اور وہی سب کے لئے کافی ہوگیا۔

نسخ کی حدود: ....آیت میں چونکہ نات بخیر کی قید ہے اس لئے کتاب اللہ کے لئے قیاس کو ناسخ نہیں مانا جائے گا اور نہ اجماع عندالاکثر ناسخ بن سکتا ہے۔ البتہ کتاب اللہ اور احادیث نبویہ حنفیہؒ کے نزدیک ایک دوسرے کے ناسخ بن سکتے ہیں۔ لیکن شوافع کو اس میں اس لئے تامل ہے کہ معاندین کو گنجائش اعتراض ملتی ہے کہ دیکھئے خدا کی بات کو سب سے پہلے اسی کے نبی نے یا نبی کی بات کو اول خدا نے جھٹلایا مگر حنفیہ اس احتمال کو اس لئے بے وزن سمجھتے ہیں کہ اول تو معاندین سے یہاں بھی چھٹکارا مشکل ہے بلکہ قرآن کی قرآن سے یا حدیث کی حدیث سے منسوخیت پر انہیں اور بھی زیادہ اعتراض کا موقعہ ہے کہ اپنی بات کی خود ہی تردید وتکذیب کردی دوسرے نسخ کے معنی جب بیان مدت کے ہیں پھر محل اعتراض کہاں رہا گویا اللہ نے رسول کے حکم کی اور رسول نے اللہ کے حکم کی مدت کی انتہاء بتلا دی ہے۔ اور چونکہ ناسخ ومنسوخ میں مماثلت یا نسخ کا خیر ہونا بلحاظ سہولت وثواب ہے۔ لفظ کی بہتری یا برابری مراد نہیں ہے اس لئے قرآن وحدیث کا باوجود تفاوت الفاظ کے ایک دوسرے کے لئے ناسخ بننا باعث اشکال نہیں ہونا چاہئے۔ اسی طرح ناسخ کا بغیر بدل ہونا یا منسوخ کے مقابلہ میں ناسخ کا اثقل ہونا بھی لائق اعتراض نہیں ہونا چاہئے کیونکہ نفع وثواب کے لحاظ سے خیریت کے منافی یہ چیزیں نہیں ہیں۔ ناسخ کا بہ نسبت منسوخ اسہل ہونا جیسے پچاس نمازوں کی بجائے صرف پانچ نمازیں، یا میراث بالہجرۃ کا میراث بالقرابۃ سے منسوخ ہونا، یا دن رات کے روزہ کا صرف دن کے روزہ سے منسوخ ہونا، یا جہاد میں ایک مسلمان کا دس کافروں کے مقابل ہونا منسوخ ہوکر ایک کا دو کے مقابلہ میں آنا وغیرہ اور ناسخ ومنسوخ دونوں کے مماثل ہونے کی مثال جیسے استقبال بیت المقدس کا استقبال بیت اللہ سے منسوخ ہونا۔ نسخ بلا بدل کی مثال جیسے فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقۃ اور ناسخ اثقل کی مثال جیسے آیات عفو کا آیت قتال سے منسوخ ہونا یا ابتداء اسلام میں روزہ اور فدیہ کے اختیار کی منسوخیت تعیین روزہ کے ساتھ۔

نسخ کے لئے تاریخ کا تقدم وتاخر: ....اسی طرح تعیین نسخ کے لئے آیات کے نزول کی تاریخ جاننا بھی ضروری ہے تاکہ بعد والی آیت کو ناسخ اور پہلی آیت کو منسوخ کہا جا سکے اس کے لئے سورتوں کے مکی، مدنی، سفری، حضری ہونے کی واقفیت بھی

ضروری ہے تاکہ تقدیم تاخیر کا صحیح اندازہ کیا جاسکے۔ چنانچہ جن سورتوں میں صرف ناسخ آیات ہیں وہ کل چھ (۶) سورتیں ہیں اور جن سورتوں میں ناسخ ومنسوخ دونوں طرح کی آیات ہیں وہ پچیس (۲۵) ہیں اور جن سورتوں میں صرف منسوخ آیات ہیں ان کی تعداد چالیس (۴۰) ہے اور ایسی سورتیں جو ناسخ ومنسوخ سے خالی ہیں تینتالیس (۴۳) ہیں جن کی تفصیلات پہلے گذر چکی ہیں۔

متقدمین متاخرین کی اصلاحات کا فرق:............ اس بارے میں متقدمین ومتاخرین علماء کی اصلاحات میں بھی کچھ فرق ہے۔ متقدمین کے یہاں نسخ میں اس درجہ توسع سے کام لیا گیا ہے کہ ہر ذرا سے تغیر پر انہوں نے نسخ کا اطلاق کردیا اس لئے قدرۃً نسخ کی تعداد ان کے یہاں زیادہ ہوگی اور متاخرین کی اصلاح کا دائرہ نہایت تنگ تر ہے اس لئے ان کے یہاں نسخ کی تعداد بھی کمتر رہ گئی ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ کل پانچ آیت منسوخ مان رہے ہیں حکم ثانی ناسخ کے لئے عقلاً جن باتوں کا ہونا ضروری ہے حق تعالیٰ نے ان آیات میں ان کی طرف اشارہ فرمادیا ہے مثلاً (۱) اس کا مبنی بر مصلحت ہونا (۲) حاکم کا صاحب قدرت ہونا (۳) کسی دوسرے کا مزاحم نہ ہوسکنا (۴) حاکم کا محکومین کے لئے ہمدرد وبہی خواہ ہونا (۵) اگر کوئی ان سے مزاحمت کرے تو ان کی امداد کرنا۔ اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو وارد، سالک کے اختیار کے بغیر زائل یا مغلوب ہوجائے حق تعالیٰ اس سے بہتر یا اس کے مثل عطا فرمادیتے ہیں بندہ کو زائل شدہ چیز پر حسرت نہیں کرنی چاہئے۔

وَنَزَلَ لَمَّا سَأَلَهُ اَهْلُ مَكَّةَ اَنْ يُّوَسِّعَهَا وَيَجْعَلَ الصَّفَا ذَهَبًا **اَمْ** بَلْ **تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى** اَيْ سَاَلَهُ قَوْمُهُ **مِنْ قَبْلُ** مِنْ قَوْلِهِمْ اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً وَغَيْرِ ذٰلِكَ **وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ** اَيْ يَأْخُذُهُ بَدَلَهُ بِتَرْكِ النَّظْرِ فِى الْاٰيَاتِ الْبَيِّنَاتِ وَاقْتِرَاحِ غَيْرِهَا **فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ**﴿۱۰۸﴾ اَخْطَاءَ طَرِيْقَ الْحَقِّ وَالسَّوَاءُ فِى الْاَصْلِ الْوَسْطُ **وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ** مَصْدَرِيَّةٌ **يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا** مَفْعُوْلٌ لَهُ كَائِنًا **مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ** اَيْ حَمَلَتْهُمْ عَلَيْهِ اَنْفُسُهُمُ الْخَبِيْثَةُ **مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ** فِى التَّوْرٰةِ **الْحَقُّ** فِى شَانِ النَّبِىِّ **فَاعْفُوْا** عَنْهُمْ اَيْ اُتْرُكُوْهُمْ **وَاصْفَحُوْا** اَعْرِضُوْا فَلَا تُجَازُوْهُمْ **حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ** فِيْهِمْ مِنَ الْقِتَالِ **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ**﴿۱۰۹﴾ **وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ** طَاعَةٍ كَصَلٰوةٍ وَّصَدَقَةٍ **تَجِدُوْهُ** اَيْ ثَوَابَهُ **عِنْدَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ**﴿۱۱۰﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ

ترجمہ:......... (اہل مکہ نے جب آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ آپ مکہ کو کشادہ کردیجئے اور صفا پہاڑ کو سونے کا کردیجئے تو یہ آیت نازل ہوئی) ہاں کیا (ام بمعنی یعنی منقطعہ ہے) تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے درخواستیں کرو جیسا کہ حضرت موسیٰ سے سوال کیا گیا (ان کی قوم نے ان سے سوال کیا تھا) اس سے پہلے (بنی اسرائیل کی ان سے ارنا اللہ جھرۃ وغیرہ درخواستیں کرنا) اور جو شخص ایمان کی بجائے کفر کرے (یعنی آیات بینات میں نظر ترک کرکے اور دوسری درخواستوں میں لگ کر ایمان کے بدلہ میں کفر اختیار کرلے) بلاشبہ وہ شخص راہ راست سے دور جا پڑا (سیدھی راہ گم کر بیٹھا، ســــواء دراصل وسط کے معنی میں آتا ہے) ان اہل کتاب میں سے بہت سے دل سے چاہتے ہیں کہ (لو مصدریہ ہے) تم کو ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا ڈالیں محض حسد کی وجہ سے (حسدًا مفعول لہ، ہے)

جو خود ان کے دلوں سے ابھرتا ہے (یعنی خود ان کا نفس خبیثہ حسد پر آمادہ کرتا ہے) ان کے لئے (تورات میں) حق واضح ہونے کے بعد (دربارۂ آنحضرت ﷺ) خیر معاف کرد یجئے (ان کو چھوڑ یئے) اور درگزر کیجئے (چشم پوشی کیجئے ان کو کچھ نہ کہئے حتیٰ کہ اللہ اپنا کوئی قانون (ان کے قتال کے بارے میں) بھیجیں بلا شبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور نمازیں پابندی سے پڑھے جایئے اور زکوۃ دیتے رہئے اور جو نیک کام بھی اپنی بھلائی کے جمع کرتے رہو گے (نماز وصدقہ جیسی طاعات) پالو گے اس کو (اس کے ثواب کو) اللہ کے پاس کیونکہ اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ بھال رہے ہیں (چنانچہ تم کو ان کا بدلہ بھی دیں گے۔)

ترکیب وتحقیق: .... باوجود سورت کے مدنی ہونے کے اور ماقبل و مابعد میں یہود سے خطاب کے درمیان میں اہل مکہ کو خطاب کیا گیا ہے اور یہود کی طرف سے بھی یہ اعتراض مراد لیا جا سکتا ہے لو مصدریہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد فعل آئے گا جس سے تمنا کے معنی سمجھے جائیں گے۔ **جسداً** یہ ود کا مفعول ہے کا ئنا سے جلال مفسرؒ نے **من عند انفسھم** کے ظرف مستقر ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے پھر یہ حسد کی صفت ہو جائے گا۔ نیز اس کو **ود** سے متعلق کر کے ظرف لغو بھی قرار دیا جا سکتا ہے یعنی یہ ان کی تمنا خود اپنے نفس سے ابھرنے والی تھی۔ دینداری کے جذبہ سے نہیں تھی **من بعد** یہ بھی **ود** سے متعلق ہے اور **ما** مصدریہ ہے ای **بعد تبین الحق لھم** اس میں ان کی زیادہ تقبیح شان ہے کہ حق کے ظاہر ہونے کے باوجود نہ صرف خود گمراہ ہوئے بلکہ دوسروں کو گمراہ کیا۔ عفو کے معنی ترکِ سزا۔ **اصفحوا** کے معنی ترک ملامت بولتے ہیں **صفحت عن فلان** بالکلیہ اعراض کر لینا، **تجدوہ** کے بعد **ثوابہ** اس لئے نکالا گیا ہے کہ مقصود اصلی ان اعمال سے ثواب ہے اور اسی کا وجدان ہوگا نہ کہ عین اعمال کا **عند اللہ** بہ اس سے مراد عندیت معنوی ہے مراد اس سے محفوظ اور ذخیرہ ہونا ہے۔

ربط وشانِ نزول: .... پہلی آیت میں تینتیسویں (۳۳) معاملہ کا بیان ہے اور دوسری آیت میں چونتیسویں (۳۴) معاملہ کا تذکرہ ہے۔ اول آیت کے شانِ نزول کی طرف خود جلال محققؒ نے اشارہ فرمایا ہے کہ کچھ لوگوں نے محض برائے گفتن کچھ بے ہودہ فرمائشی معجزے طلب کئے اس آیت میں ان کا جواب ہے۔ دوسری آیت **وَدَّ کَثِیۡرٌ** کا شانِ نزول یہ ہے کہ عمار بن یاسر اور حذیفہ بن ایمان رضی اللہ عنہم غزوۂ احد سے واپس ہو رہے تھے کہ یہود کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی۔ جنہوں نے ازراہِ طعن یہ کہا تھا کہ یہودیت مذہب حق ہے۔ محمد ﷺ اگر برحق نبی ہوتے اور اللہ ان کے ساتھ ہوتا تو وہ اپنے ساتھیوں کو اس طرح کیوں قتل کرا بیٹھتے؟ اس پر عمارؓ نے جواب دیا کہ اچھا بتلاؤ بدعہدی کرنے والا تمہارے نزدیک کیسا ہے؟ کہنے لگے کہ نہایت ذلیل! حضرت عمارؓ نے فرمایا کہ ہم نے مرتے دم تک آنحضرت ﷺ سے اتباع کا عہد کیا ہے اس لئے کبھی اس کو نہیں توڑ سکتے۔ یہود نے الزام لگایا کہ تم صابی ہو گئے ہو، حذیفہؓ نے جواب دیا **رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا والکعبۃ قبلۃً والقرآن اماما والمومنین اخوانا** آنحضرت ﷺ کو جب اس واقعہ سے باخبر کیا تو فرمایا **اصبتما الخیر وافلحتما** اور یہ آیت نازل ہوئی۔

اور ابن ابی حاتمؒ نے سعید یا عکرمہؓ کے طریق پر حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ حی بن اخطب اور ابو یاسر بن اخطب دو شخص بدترین یہود تھے عرب دشمنی میں کہ آنحضرت ﷺ بنی اسماعیل میں کیوں مبعوث ہوئے اور ممکنہ حد تک لوگوں کو اسلام سے روکنے میں سرگرم اور مساعی رہتے ان کی تردید میں آیت **وَدَّ کَثِیۡرٌ** نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: .... **فرمائشی اور غیر فرمائشی معجزات کا فرق:** .... کفارِ مکہ اور مشرکین عرب میں کچھ ایسے منچلے جوان بھی تھے جن کا کام محض دفع الوقتی تھا وہ طرح طرح کے فرمائشی معجزات طلب کرتے رہتے جن کی تفصیل سورۂ انعام میں

آئے گی۔

ہر کام کی حکمت ومصلحت چونکہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کسی دوسرے کو تعیین فعل کا حق نہیں ہے اس لئے اس قسم کی درخواستیں ہمیشہ ٹھکرا دی جاتی ہیں اور چونکہ فرمائش کرنے والوں کا منشاء اکثر صحیح نہیں ہوتا۔ ان کی روش معاندانہ ہوا کرتی ہے اس لئے عادت اللہ یہ رہی ہے کہ اس قسم کی فرمائشوں کو رد کر دیا جاتا ہے اور اگر پورا کیا جاتا ہے تو اس شرط کے ساتھ کہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو اتمام حجت کے بعد اللہ کا عذاب آنا یقینی ہوتا ہے۔ یہاں چونکہ آخری امت ہے اس کو ہلاک اور تباہ کرنا منشاء الٰہی نہیں ہے ادھر معاندین کے حق میں ایمان مقدر نہیں ہے اس لئے فرمائشات کا پورا کرنا قرین مصلحت نہیں سمجھا گیا۔

جہاد اور عفو و درگذر:............ چونکہ مسلمانوں کی اس وقت کی حالت کا مقتضیٰ یہی تھا کہ پورے صبر وسکون اور عدم تشدد کے ساتھ وقت کو انگیز کیا جائے مخالفین کی شرارتوں کا علاج مناسب وقت پر قانون امن عامہ یعنی قتل وجزیہ کے ذریعہ کیا جانے والا تھا اس لئے حق تعالیٰ نے تسامح اور چشم پوشی کا مشورہ دیا۔ اور قوم کی حقیقی اور اندرونی قوت وطاقت فراہم کرنے کا اس سے بہتر طریقہ ممکن نہیں ہے کیونکہ ساز گار ماحول اور خلاف مزاج حالات برداشت کرنے کی عادت ڈالنے سے اخلاقی اور روحانی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے اور بڑے بڑے کٹھن اور سنگین حالات خندہ پیشانی سے جھیلنے کی مشق ہو جاتی ہے۔ عین جنگ اور قتل وقتال کی حالت میں بھی ایسی صورتیں پیش آ جاتی ہیں جن میں عفو و درگذر اور تسامح کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے آیت کو وقتی حالات پر محمول کر کے منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ عفو وصفح سے مراد محض عدم قتال نہیں ہے بلکہ عام معنی میں جو جنگ اور عدم جنگ دونوں مصلحت سے روحانی اور اخلاقی طاقت کے سرچشمہ کی طرف رخ پھیرنے کے لئے نماز، روزہ، زکوٰۃ، وغیرہ عبادتی احکام کا پروگرام بتلا دیا کہ فی الحال بدنی اور مالی مشقتیں جھیلنے کا عادی بناؤ تا کہ جنگی احکام کے قابل اپنے کو بنا سکو ورنہ بلا تیاری کے ایک دم جنگی احکام بے سود ہو کر رہ جائیں گے۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا جَمْعُ هَائِدٍ **اَوْ نَصٰرٰى** ط قَالَ ذٰلِكَ يَهُوْدُ الْمَدِيْنَةِ وَنَصٰرٰى نَجْرَانَ لَمَّا تَنَاظَرُوْا بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْ قَالَ الْيَهُوْدُ لَنْ يَّدْخُلَهَا اِلَّا الْيَهُوْدُ وَقَالَ النَّصَارٰى لَنْ يَّدْخُلَهَا اِلَّا النَّصٰرٰى **تِلْكَ** الْمَقُوْلَةُ **اَمَانِيُّهُمْ** ط شَهَوَاتُهُمُ الْبَاطِلَةُ **قُلْ لَهُمْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ** حُجَّتَكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿۱۱۱﴾ فِيْهِ **بَلٰى** ق يَدْخُلُ الْجَنَّةَ غَيْرُهُمْ **مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ** اَيْ اِنْقَادَ لِاَمْرِهٖ وَخَصَّ الْوَجْهَ لِاَنَّهٗ اَشْرَفُ الْاَعْضَاءِ فَغَيْرُهٗ اَوْلٰى **وَهُوَ مُحْسِنٌ** مُوَحِّدٌ **فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ** ص اَيْ ثَوَابُ عَمَلِهِ الْجَنَّةُ **وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** ﴿۱۱۲﴾ فِي الْاٰخِرَةِ

ترجمہ:............ اور یہود ونصاریٰ کہتے ہیں کہ بہشت میں ہرگز کوئی نہ جانے پائے گا بجز ان لوگوں کے جو یہودی ہوں (ہود جمع ہائد کی) یا ان لوگوں کے جو نصرانی ہوں (یہود ونصاریٰ بجز ان کے درمیان جب آنحضرت ﷺ کی مجلس میں مناظرہ ہوا تو یہ کہنے لگے، یعنی یہود نے کہا کہ جنت میں بجز یہود کے کوئی نہیں جائے گا اور نصاریٰ نے کہا کہ بجز نصاریٰ کے جنت میں کوئی نہیں جائے گا) یہ (باتیں) دل بہلانے کی ہیں (بے بنیاد خواہشات ہیں) آپ فرما دیجئے (ان سے) کہ اپنی دلیل لاؤ (اس دعویٰ پر اپنی حجت پیش کرو) اگر تم سچے ہو (اس دعویٰ میں) بلکہ (ان کے علاوہ دوسرے جنت میں جائیں گے) جو شخص بھی اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے (یعنی اس کا فرمانبردار ہو جائے اور لفظ وجہ کی تخصیص اس لئے کہ یہ تمام اعضاء میں اشرف ہے جب اس کو اللہ کے آگے جھکا دیا تو دوسرے اعضاء بدرجۂ اولیٰ

جھکادیئے ہوں گے) درآنحالیکہ وہ مخلص (موحد) بھی ہوتو ایسے شخص کو بدلہ ملے گا پروردگار کے پاس پہنچ کر (اس کے عمل کا ثواب جنت کی صورت میں) اور ایسے لوگوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے (آخرت میں۔)

ترکیب وتحقیق: .... ہود جمع ہائد جیسے عائذ کی جمع عوذ آتی ہے۔ **ھاد یھود۔ اذا دخل فی الیھودیۃ۔ ھائد** بمعنی تائب جیسے **انا ھدنا الیک** یعنی **انا تبنا الیک** دراصل جولوگ گوسالہ پرستی سے تائب ہوئے ان پر اس کا اطلاق کیا گیا تھا بعد میں وجہ تسمیہ میں توسع ہوگیا اور جماعت کا علم بن گیا چونکہ التباس کا کوئی خطرہ نہیں بلکہ سامع پر اعتماد تھا کہ ہر قول کو اس کے قائل کے ساتھ لگالیا جائے گا اس لئے دونوں اقوال کو مجملاً ملفوف کردیا۔

نجران یمن کے ایک شہر کا نام ہے جہاں سے نصاریٰ کا یہ وفد حاضر خدمت اقدس ہوا تھا۔ **رواہ ابن جریرؒ عن ابن عباسؓ**

تلک کا مشارٌ الیہ مفرد ومقولہ قرار دیا۔ اس کی خبر امانی جمع ہے کیونکہ فی الحقیقت وہ بہت سی امیدوں پر مشتمل تھی۔ یا بتاویل **مقولۃ کل قائل علیحدۃ** ہوا اور تیسری توجیہ یہ ہے کہ بتقدیر المضاف عبارت ہو یعنی "**امثال تلک المقولۃ اما نیھم**" **ھاتوا** اصل میں اٰتو تھا ہمزہ کو ہا سے تبدیل کرلیا یہ امر تعجبی کہلاتا ہے بمعنی **احضروا برھان برھۃ**، بمعنی **قطعۃ** سے ماخوذ ہے یعنی فریق مخالف کی بات اس سے قطع ہوجاتی ہے اور یا برہن سے مشتق ہے بمعنی بیان۔ اول صورت میں یہ لفظ غیر منصرف اور دوسری صورت میں منصرف ہوجائے گا **بلی** چونکہ ایجاب نفی کے لئے آتا ہے اسی لئے مفسرؒ علام نے **یدخل الجنۃ غیرھم** عبارت مقدر کی ہے اور اسی لئے **بلیٰ** پر وقف حسن ہے یعنی **مابعد من اسلم** سے کلام مستانف ہے **وجہ** کو اشرف الاعضاء کہنا اس لئے ہے کہ یہ سجدہ گاہ ہے جو اساس اخلاص ہے اور معدن حواس اور فکر وتخیل ہے **فلہ** چونکہ مبتدا متضمن معنی شرط ہے اس لئے خبر پر فا جزائیہ کا لانا درست ہے خواہ من کو شرطیہ کہا جائے یا موصولہ، اور ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ من اسلم، فعل محذوف کا فاعل ہو یعنی **بلی یدخلھا من اسلم** اصل عبارت ہو۔ اب **فلہ اجرہ** کلام معطوف ہوجائے گا **فی الاخرۃ** کی قید جلال محققؒ نے اس لئے لگادی ہے کہ دنیا میں تو "**اشد بلاء الانبیاء ثم الا مثل فالامثل**" کی رو سے مومنین خوف وحزن، رنج وملال میں گھرے رہتے ہیں اگرچہ ان کا اثر قلب حقیقی تک نہ پہنچتا ہو۔

ربط وشانِ نزول و ﴿تشریح﴾: .... ان آیات میں ان کے پینتیسویں (۳۵) معاملہ کا حال مذکور ہے اور شان نزول جلال محققؒ نے خود بیان فرمایا ہے جس میں یہود کے ساتھ نصاریٰ کی شرکت بھی ہے خلاصۂ استدلال یہ ہے کہ بالاتفاق تمام اہل ملل وادیان ساویہ پیش کردہ قانون مسلم ہے۔ اب اس کی روشنی میں صرف یہ دیکھنا ہے کہ یہود ونصاریٰ کے اور مسلمانوں میں کون اس کا حقیقی مصداق ہے کہ وہی اس دعوے کا اصل مستحق ہوگا۔ سو ظاہر ہے کہ کسی قانون کے منسوخ ہوجانے کے بعد اس پر عمل کرنے والا فرمانبردار کہلانے کا مستحق نہیں ہے چنانچہ یہود ونصاریٰ بزعم خود ادیان منسوخہ پر عمل پیرا ہیں اس لئے بقاعدۂ مذکور مستحق نجات نہیں ہیں۔ البتہ مسلمان چونکہ دین ناسخ کے تابعدار ہیں اس لئے اصل فرمانبردار بھی وہی ہیں اور جنت کے مستحق وہی ہوں گے۔ منافقین چونکہ شرعاً کافر اور مستحق نار ہیں اس لئے مخلص کی قید سے ان کو نکال دیا جائے گا۔

پیرزادوں کے لئے دعوتِ فکر: .... آجکل پیرزادے اور اکثر گدی نشین سجادے اور کسب کی بجائے صرف نسب پر گھمنڈ کرنے والے صاحب زادے یہود ونصاریٰ کی اس خیالی جنت سے سبق حاصل کریں اور آیت کریمہ میں غور وفکر کرکے عبرت پکڑیں کہ کسب ان کے لئے مفید ہوگا یا صرف نسب۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ صلے مُعْتَدٍّ بِهٖ وَكَفَرَتْ بِعِيْسٰى **وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ** لا مُعْتَدٍّ بِهٖ وَكَفَرَتْ بِمُوْسٰى **وَّهُمْ** اَيِ الْفَرِيْقَانِ **يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ** ط اَلْمُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ وَفِيْ كِتَابِ الْيَهُوْدِ تَصْدِيْقُ عِيْسٰى وَفِيْ كِتَابِ النَّصَارٰى تَصْدِيْقُ مُوْسٰى وَالْجُمْلَةُ حَالٌ **كَذٰلِكَ** كَمَا قَالَ هٰؤُلَاءِ **قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ** اَيِ الْمُشْرِكُوْنَ مِنَ الْعَرَبِ وَغَيْرِهِمْ **مِثْلَ قَوْلِهِمْ** ج بَيَانٌ لِمَعْنٰى ذٰلِكَ اَيْ قَالُوْا لِكُلِّ ذِيْ دِيْنٍ لَيْسُوْا عَلٰى شَيْءٍ **فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ** ﴿۱۱۳﴾ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ فَيُدْخِلُ الْمُحِقَّ الْجَنَّةَ وَالْمُبْطِلَ النَّارَ۔

ترجمہ: ....اور یہود کہنے لگے کہ نصاریٰ کسی (معتد بہ) بنیاد پر نہیں ہیں (اور حضرت عیسیٰؑ کا انکار کر بیٹھے) اور نصاریٰ کہنے لگے کہ یہود کسی (معتد بہ) بنیاد پر نہیں ہیں (اور حضرت موسیٰؑ کا انکار کرنے لگے) حالانکہ یہ (دونوں فریق) کتابیں پڑھتے ہیں جو ان پر نازل ہوئیں اور یہود کی کتاب میں (بطور پیشن گوئی) حضرت عیسیٰؑ کی تصدیق موجود ہے۔ اسی طرح نصاریٰ کی کتاب میں حضرت موسیٰؑ کی تصدیق پائی جاتی ہے۔ یہ جملہ حالیہ تھا) اسی طرح (جیسا کہ ان لوگوں نے کہا) کہنے لگے وہ لوگ بھی جو بے علم ہیں (مشرکین عرب وغیرہ) ان جیسا قول (یہ ذلک کے معنی کا بیان ہے یعنی ہر فریق دوسرے مذہب کو غلط اور بے اصل بتلاتا ہے) سو اللہ ان سب کے درمیان قیامت کے روز فیصلہ کر دیں گے ان تمام باتوں کا جن میں وہ باہم اختلاف کر رہے ہیں (مذہبی باتوں کا چنانچہ اہل حق کو جنت میں اور باطل پرستوں کو جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔)

ترکیب و تحقیق: ....مفسرؒ علام نے **ھولاء** سے اشارہ کر دیا کہ **کذلک** مصدر محذوف کی صفت ہے۔ "**ای قال المشرکون قولا مثل قولهم**" مشرکین کے ساتھ اہل کتاب کے ملانے میں آنحضرت ﷺ کی دلداری مقصود ہوگی کہ قومی ہمدردی اور تعلق قرابت کے جوش سے اگر آپ کو تکلیف ہو تو یہ خیال کر لیجئے کہ جب لکھے پڑھے لوگ ڈوب رہے ہیں تو یہ تو پھر جاہل محض اور کندہ ناتراش ہیں ان سے کیا امید ہو سکتی ہے۔ اہل کتاب کی دیکھا دیکھی مشرکین کو بھی جوش و خروش ہوا گویا باسی کڑھی کو ابال آیا یا مینڈکی کو زکام ہوا۔ **مثل قولهم** بیان ہے یعنی **کذلک** سے۔ اس طرح **بدل** ہے کہ لفظ **مثل** بیان ہے کاف کا۔ اور لفظ **قولهم** بیان ہے **ذلک** کا اور مقصود اس سے تاکید و تقریر ہے اس لئے تکرار بلا فائدہ نہیں ہے اور یا یہ کہا جائے کہ **کذلک** سے مراد قول معنی مصدری ہے اور **مثل قولهم** سے مراد ان کا مقولہ ہے دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ تشبیہ دینا ہے۔

ربط و شانِ نزول: ....ان آیات میں یہود کے چھتیسویں (۳۶) معاملہ کا ذکر ہے اور اس برائی میں نصاریٰ اور مشرکین عرب بھی شریک ہیں۔

ابن ابی حاتم نے بطریق سعید یا عکرمہ تخریج کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ کچھ یہود و نصاریٰ آپ کی مجلس مبارک میں جمع ہوئے اور مذہبی مباحثہ و مناظرہ کرنے لگے۔ رافع بن خزیمہ نے یہود کی طرف سے دین نصاریٰ کا رد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا اور انجیل کے آسمانی کتاب ہونے کا۔ اسی طرح نصاریٰ نے مذہب یہود کا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور تورات کا کتاب اللہ ہونے کا ابطال کیا۔ حق تعالیٰ نے اس مذہبی تعصب کو نقل کر کے رد فرمایا ہے۔

﴿تشریح﴾:...... **بے جا گروہ بندی کی مذمت**:............ اللہ بچاوے ایسے مذہبی تعصب اور گروہ بندی سے کہ انسان کل حزب بما لدیهم فرحون کا شکار ہوکر رہ جائے اور اپنے سوا دوسروں کی واقعی اچھائیوں کا بھی انکار کردے۔ تعصب کی پٹی جب آنکھوں پر بندھ جاتی ہے تو آدمی اندھا ہوجاتا ہے اپنی برائیاں اچھائیاں بن کر اور دوسروں کی اچھائیاں برائیاں بن کر سامنے آتی ہیں۔ اس تخریب اور گروہ بندہ کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ اذا تعارضا تساقطا یعنی خود ان ہی قول سے دونوں مذہب کا ابطال ہوگیا۔ اور منسوخ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے لحاظ سے ایک درجہ میں اگر چہ یہ بات صحیح بھی ہے کہ یہ دونوں مذاہب فی الحال معمول بہا نہیں ہیں لیکن خود ان کا مقصد اس کہنے سے یہ نہیں تھا بلکہ ان مذاہب کا بے اصل و بے بنیاد ہونا تھا جو تورات وانجیل کی تعلیمات کے اعتبار سے صحیح نہیں تھا۔ لیکن یہ علمی فیصلہ جب اہل علم ہونے کے باوجود ان کے لئے ناکافی ہے تو قیامت میں عملی فیصلہ کر کے دودھ اور پانی الگ الگ کردیا جائے گا اور حق وباطل کی یہ معرکہ آرائی ختم کردی جائے گی۔

مشائخ کے لئے نکتۂ فکر:............ جو مشائخ اور علماء اپنے طریقوں پر اس درجہ مگن اور پھولے ہوئے ہیں کہ دوسرے اہل حق کی تنقیص وتحقیر سے بھی نہیں شرماتے وہ اس آئینہ میں اپنا عکس ملاحظہ فرمائیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ اَیْ لَااَحَدٌ اَظْلَمُ **مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ** بِالصَّلٰوةِ وَالتَّسْبِيْحِ **وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا** بِالْهَدْمِ اَوِ التَّعْطِيْلِ نَزَلَتْ اِخْبَارًا عَنِ الرُّوْمِ الَّذِيْنَ خَرَّبُوْا بَيْتَ الْمَقْدِسِ اَوْ فِي الْمُشْرِكِيْنَ لَمَّا صَدُّوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ عَنِ الْبَيْتِ **اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ** خَبَرٌ بِمَعْنَى الْاَمْرِ اَیْ اَخِيْفُوْهُمْ بِالْجِهَادِ فَلَا يَدْخُلُهَا اَحَدٌ اٰمِنًا **لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ** هَوَانٌ بِالْقَتْلِ وَالسَّبْيِ وَالْجِزْيَةِ **وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ** ﴿۱۱۴﴾ هُوَ النَّارُ

ترجمہ:............ اور اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا (یعنی اس سے زیادہ کوئی ظالم نہیں ہے) جو اللہ کی مسجدوں میں ذکر اللہ (نماز وتسبیح کئے جانے) سے روکتا ہے اور ان کی ویرانی میں کوشاں رہتا ہے (ان کے توڑنے بیکار کرنے میں ساعی رہتا ہو۔ یہ اطلاع ان رومیوں کے بارے میں ہے جنھوں نے بیت المقدس کو برباد کیا تھا یا پھر ان مشرکین کے متعلق ہے جنھوں نے سال حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے روکا تھا) ان لوگوں کو تو بے باکی کے ساتھ مساجد میں قدم بھی نہیں رکھنا چاہئے تھا۔ (یہ خبر امر کے معنی میں ہے یعنی جہاد سے ان کو ڈراؤ کہ امن واطمینان کے ساتھ تم میں سے اب کوئی ان میں داخل نہیں ہوسکے گا۔) ان لوگوں کی دنیا میں بھی رسوائی ہوگی (قتل وقید جزیہ کے ذریعہ ذلیل ہوں گے اور ان کے لئے آخرت میں بھی سزائے عظیم (جہنم) ہوگی۔

ترکیب وتحقیق:............ من استفہامیہ ہے محل رفع میں بنابر ابتداء کے اور اظلم اس کی خبر ہے۔ مفسرؒ نے استفہام انکاری ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس مقام پر ایک مشہور سوال ہے کہ اظلمیت کا اطلاق بصیغہ تفضیل قرآن کریم میں کئی مواقع میں کیا گیا ہے۔ مثلاً (۲) ومن اظلم ممن افترى على الله الكذب (۳) ومن اظلم ممن ذكر بايت ربه (۴) فمن اظلم ممن كذب على الله پس ہر ایک پر اظلمیت کا اطلاق اجتماع ضدین ہوگا اس کی دو توجیہیں کی گئی ہیں ایک توجیہ تو یہ ہے ہر ایک موقعہ کی اظلمیت اس مخصوص مقام اور صلہ کے لحاظ سے کی جائے۔ گویا اظلمیت حقیقیہ نہیں ہوگی بلکہ اضافی اظلمیت مقصود ہوگی۔ مثلاً اس آیت میں

یہ معنی ہوں کہ لا احد من المانعین اظلم ممن منع مساجد اللہ اور دوسری آیت میں تقدیر اس طرح ہو لا احد من المفترین اظلم ممن افتری علی اللہ اور تیسری میں اس طرح ہو لا احد من الکذابین اظلم ممن کذب علی اللہ وغیرہ۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ ان آیات میں مساوات فی الاظلمیت کی نفی مقصود نہیں ہے کیونکہ ان میں دوسری چیزوں سے اظلمیت کی نفی کی گئی ہے۔ لیکن اظلمیت کی نفی سے ظالمیت کی نفی لازم نہیں آتی۔ کیونکہ مقید کی نفی سے مطلق کی نفی نہیں ہوتی۔ تو حاصل یہ ہے کہ دوسری چیزوں کے لحاظ سے تو اظلمیت کی نفی ہوئی لیکن خود ان میں وصف اظلمیت کا اشتراک رہا۔ یعنی اظلمیت میں شریک اور مساوی رہے۔ فلا اشکال.

مساجد باوجودیکہ شان نزول میں مسجد کی تخصیص کی گئی ہے لیکن آیت میں جمع کا لفظ حکم کے عام ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ مسجد کی وجہ تسمیہ میں نماز کے اشرف رکن سجدہ کا لحاظ کیا گیا ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اقرب مایکون العبد من ربہ وھو ساجد. اس میں مفتوح العین ہونا اگرچہ قیاسی ہے لیکن مکسور العین کی سماعت اور روایت ہے ما کان لھم یعنی مسجد کی ہیبت تو بے باکانہ قدم رکھنے سے بھی مانع ہونی چاہئے چہ جائیکہ اس کی بربادی کی یہ لوگ جرأت کریں خبو مفسرؒ علام اس سے ایک شبہ کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں کہ ظاہر آیت کی خبر کا تقاضا تو یہ ہے کہ بیت المقدس میں امن واطمینان سے داخل نہ ہوسکیں حالانکہ نہ صرف یہ کہ وہ مامون ہوکر داخل ہوئے بلکہ سالہا سال وہ مسجد ان کے قبضہ میں رہی حتیٰ کہ سلطان صلاح الدینؒ نے ان سے استخلاص کرایا۔ لیکن جب یہ خبر انشاء کے معنی میں ہے۔ اب شبہ باقی نہیں رہا لھم فی الدنیا یہ اور اس کا مابعد جملہ مستانفہ ہے۔ محل اعراب میں نہیں ہے اس لئے اس کو جملہ حالیہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کی دنیاوی رسوائی کسی حال کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

ربط وشانِ نزول: .... یہ بھی یہود کا مشترک سینتیسواں (۳۷) معاملہ ہے مفسرؒ علام نے آیت کے دو شانِ نزول بیان کئے ہیں۔ اول کا حاصل یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے ایک زمانہ میں یحییٰ بن زکریاؑ کو جب قتل کر دیا تو بخت نصر جو بابل کا مجوسی بادشاہ تھا۔ نصاریٰ کی حمایت میں بیت المقدس پر حملہ آور ہوا۔ اسی طرح طیطس نامی بادشاہ نے بھی مسجد کی تخریب کاری اور بربادی میں حصہ لیا۔ اور نصاریٰ یہود کی تذلیل دیکھ کر خوش ہوتے رہے اور باوجودیکہ بیت المقدس نصاریٰ کا قبلہ حج اور زیارت گاہ تھا لیکن حُب علیؓ کی بجائے بغض معاویہؓ پر عمل پیرا رہے اس لئے حق تعالیٰ نے خطاب اور عتاب میں ان کو بھی شریک رکھا۔ بہر حال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک یہ مسجد ویران رہی۔ فاروق اعظم کے قدوم میمنت لزوم پہنچے تو آباد وشاداب ہوگئی۔ دوسرے واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ ۶ھ میں آنحضرت ﷺ چودہ سو صحابہؓ کی معیت میں عمرہ کی نیت سے مدینہ طیبہ سے داخل بیت اللہ ہونا چاہتے تھے لیکن حدیبیہ (ایک مقام) پر پہنچنے کے بعد جس کو آجکل شمسیہ کہتے ہیں کفارِ مکہ کی طرف سے روک دیئے گئے اور صلح حدیبیہ کا مشہور تاریخی واقعہ عمل میں آیا۔ اس پر اظہار افسوس کیا گیا ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... مساجد کی تخریب: .... جلال محققؒ نے آیت کے شانِ نزول میں جن دو واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے ان سے تو مسجد حرام اور مسجد بیت المقدس کی تخریب کا پہلو نکلتا ہے لیکن تحویلِ قبلہ کے سلسلہ میں یہود کی شرارتوں اور شبہات کو ملایا جائے اور وہ شبہات عام طور پر اگر دلوں میں جاگزیں ہوجاتے تو توحید ورسالت کے ساتھ نماز وروزہ کو بھی لوگ خیر باد کہہ دیتے جس سے مسجد نبوی اور تمام مساجد کی ویرانی ہوجاتی غرضکہ ان مختلف مسائل کا لازمی اثر ونتیجہ عام وخاص مساجد کی تخریب وویرانی ہوتی۔

تعمیر مسجد: .... حالانکہ اللہ والوں کی شان انما یعمر مساجد اللہ ہوتی ہے۔ پس کہاں ان کے اہل حق ہونے کے وہ بلند بانگ دعوے اور ڈینگیں اور کہاں ان کے یہ کرتوت، شرم نہیں آتی۔ غرضکہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین سب ہی کے پوست کندہ حالات

سامنے آ گئے اس لئے دنیا میں تو ان کی رسوائی یہ ہوئی کہ سب ہی سلام کے باجگذار اور مسلمانوں کی رعایا بنے اور آخرت کی بھری محفل میں علاوہ کفر کے ویرانی مساجد کے ذیل میں کچھ ذلت ہوگی وہ مزید برآں ہے۔

مساجد کی قفل بندی: .... مسجد کی تخریب وہدم اور نماز وغیرہ سے لوگوں کو روکنا اگر چہ مسجد مانع کی ملکیت ہو اس آیت کی رو سے ناجائز ہے۔ البتہ سامانِ مسجد کی حفاظت کے لئے قفل بندی ایک علیحدہ بات ہے۔ باقی تخریب وتعمیر مساجد کے مفصل احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ ما کان لهم ان یدخلوها جملہ کی وجہ سے ائمہ میں اختلاف ہے کہ آیا کافر کے لئے مسجد میں داخلہ کی اجازت ہے یا نہیں تو امام مالکؒ کے نزدیک کسی مسجد میں بھی بلاضرورت کافر کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد بیت المقدس، میں علی الاطلاق ناجائز ہے اور ان مساجد ثلثہ کے علاوہ دوسری مساجد میں مسلمانوں کی اجازت سے داخل ہوسکتا ہے اور حنفیہؒ کے نزدیک ادب واحترام کے ساتھ تمام مساجد میں داخلہ کی اجازت ہے۔ یہ آیت حنفیہؒ کے لئے مؤید بلکہ مستدل ہے امام زاہدؒ نے ان یذکر فیها اسمه سے اللہ کے اسم ومسمیٰ کے اتحاد پر استدلال کیا ہے برخلاف معتزلہ کے وہ دونوں میں عدم اتحاد کے قائل ہیں۔

وَنَزَلَ لَمَّا طَعَنَ الْيَهُوْدُ فِي نَسْخِ الْقِبْلَةِ اَوْ فِيْ صَلٰوةِ النَّافِلَةِ عَلَى الرَّاحِلَةِ فِيْ سَفَرٍ حَيْثُمَا تَوَجَّهَتْ **وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ** اَيِ الْاَرْضُ كُلُّهَا لِاَنَّهُمَا نَاحِيَتَاهَا **فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا** وُجُوْهَكُمْ فِي الصَّلٰوةِ بِاَمْرِهٖ **فَثَمَّ** هُنَاكَ **وَجْهُ اللّٰهِ** قِبْلَتُهُ الَّتِيْ رَضِيَهَا **اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ** يَسَعُ فَضْلُهُ كُلَّ شَيْءٍ **عَلِيْمٌ** ﴿۱۱۵﴾ بِتَدْبِيْرِ خَلْقِهٖ **وَقَالُوا** بِوَاوٍ وَدُوْنَهَا اَيِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى وَمَنْ زَعَمَ اَنَّ الْمَلٰئِكَةَ بَنَاتُ اللّٰهِ **اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا** قَالَ تَعَالٰى **سُبْحٰنَهٗ** تَنْزِيْهًا لَهٗ عَنْهُ **بَلْ لَّهٗ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** مِلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا وَالْمِلْكِيَّةُ تُنَافِي الْوِلَادَةَ وَعَبَّرَ بِمَا تَغْلِيْبًا لِمَا لَا يَعْقِلُ **كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ** ﴿۱۱۶﴾ مُطِيْعُوْنَ كُلٌّ بِمَا يُرَادُ مِنْهُ وَفِيْهِ تَغْلِيْبُ الْعَاقِلِ **بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** مُوْجِدُهُمَا لَا عَلٰى مِثَالٍ سَبَقَ **وَاِذَا قَضٰى** اَرَادَ **اَمْرًا** اَيْ اِيْجَادَهٗ **فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ** ﴿۱۱۷﴾ اَيْ فَهُوَ يَكُوْنُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالنَّصْبِ جَوَابًا لِلْاَمْرِ۔

ترجمہ: .... (تحویل قبلہ کے سلسلہ میں یا بحالت سفر نفلی نماز سواری پر بلاتعیین جہت پر یہود نے جب اعتراض کیا یہ آیت نازل ہوئی) اور اللہ ہی کی ملک ہے مشرق ومغرب (مراد پوری زمین ہے کیونکہ مشرق ومغرب اس کی دو سمتیں ہیں سو جس طرف بھی تم لوگ گھماؤ (اپنے چہروں کو نماز میں اس کے حکم کے مطابق) ادھر ہی (ثم بمعنی ہناک) اللہ کا رُخ ہے (اس کا مقرر کردہ قبلہ ہے) بلاشبہ حق تعالیٰ محیط ہیں (اس کا فضل تمام چیزوں کو محیط ہے) کامل العلم ہیں (تدبیر خلق سے واقف ہیں) اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ (قالوا واو کے ساتھ اور بغیر واؤ کے دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ مراد اس سے وہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین ہیں جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے) کہ اللہ اولاد رکھتا ہے (حق تعالیٰ جواباً فرماتے ہیں) سبحان اللہ (اللہ کی ذات اس تہمت وعیب سے بری ہے) بلکہ خاص اللہ کی ملک ہیں آسمان وزمین کی تمام چیزیں (سب اس کے مملوک ومخلوق وغلام ہیں اور ملکیت وولادت میں منافات ہے اور لفظ ما سے تعبیر کرنے میں غیر ذوی العقول کی ذوی العقول پر تغلیب ذکری ہے) سب چیزیں ان کی محکوم ہیں (جس چیز سے وہ جو ارادہ کرتے ہیں وہ اطاعت کرتی ہے۔ اس لفظ قانتون ذوی العقول کی تغلیب کرلی گئی ہے) زمین وآسمان کے ایجاد کرنے والے ہیں (بلا نمونہ سابق ان کے موجد ہیں)

اور جب ارادہ کرتے ہیں (قضیٰ بمعنی اراد ہے) کسی کام کا (اس کی ایجاد کا) تو بس اس کی نسبت فرمادیتے ہیں کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے (تقدیر عبارت فھو یکون ہے اور ایک قرأت میں یکون منصوب ہے جواب امر ہونے کی بناء پر۔)

ترکیب وتحقیق:............... المشرق مفسرؒ اس طرف اشارہ کرنے چاہتے ہیں کہ دو جہت بول کر پوری زمین مراد لیتے ہیں۔ ان دونوں جہتوں کو کبھی مفرد لفظ سے ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی تثنیہ اور جمع کے ساتھ ان کو ذکر کیا جاتا ہے **فاینما تولوا** این اسم شرط بمعنی ان ما زائد ہے۔تولوا مجزوم ہے فثم خبر مقدم اور وجہ اللہ مبتداء مؤخر ہے۔ یہ جملہ جواب شرط ہے اور آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ جس طرف تم رخ کرو گے وہیں اللہ کو پاؤ گے وجوھکم تولوا کا مفعول محذوف ہے۔اینما اس کا ظرف ہے وجه سے مراد جہت ہے، یا اللہ کی ذات۔ مفسرؒ علام نے اول کی طرف اشارہ کیا ہے یسع بیت اللہ کا قبلۂ اسلام مقرر کرنا اور **جعلت لی الارض کلھا مسجدا وطھورا** کی رو سے تمام روئے زمین کا مسلمانوں کے لئے مسجد و تیمم گاہ بنادینا بھی اسی قبیل سے ہے۔**قالوا** سے تینوں جماعتوں کے شرکیہ عقائد کی طرف اشارہ کرنا ہے۔سبحان کا لفظ اہل عرب تعجب کے موقع پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ لفظ مرکب ہے دو لفظوں سے لفظ سب اہل عرب کے یہاں تعجب کے لئے آتا ہے اور حان عجم کے نزدیک دونوں کو جمع کرکے مبالغہ ہو گیا۔ کل اس میں تنوین بعوض مضاف الیہ ہے تقدیر عبارت اس طرح تھی کل مافی السموٰات والارض قانتون جمع مذکر سالم جو واؤ نون کے ساتھ مذکر عاقل کے لئے آتی ہے یہاں تغلیباً ذوی العقول غیر ذوی العقول سب مراد ہیں جیسا کہ لفظ ما میں اس کے برعکس کیا گیا ہے۔قضیٰ اس کے کئی معانی آتے ہیں بمعنی خلق و امر و قدر و اراد۔یہاں آخری معنی مراد ہیں امر بتقدیر المضاف ہے۔ای **ایجاد امر**۔فیکون جمہور کے نزدیک رفع یا یقول پر عطف کی وجہ سے یا استیناف کی وجہ سے ہے۔ای فھو یکون اور نصب بنابر جواب امر کے ضعیف ہے۔ کیونکہ کن حقیقی امر نہیں ہے۔امر کے لئے جس طرح آمر کی ضرورت ہے مخاطب مامور کی بھی ضرورت ہے اور یہاں مخاطب موجود نہیں تھا بلکہ کنایہ ہے سرعۃ تکون سے۔

ربط وشانِ نزول پانچ قول:............ آیت وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ الخ میں یہود کے اڑتیسویں (۳۸) معاملہ کا بیان ہے اور آیت وقالوا میں مشترک طور پر انتالیسویں (۳۹) معاملہ کا تذکرہ ہے۔

وقالوا میں اول آیت کے شانِ نزول کی طرف جلال محققؒ نے اشارہ کیا ہے جس کا حاصل دو قول ہیں۔ یا تحویل قبلہ جس کا بیان دوسرے پارہ کے شروع میں ہے۔ابن عباسؓ کی رائے کے مطابق اول آپ مکہ معظمہ میں بیت اللہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے تھے پھر مدینہ طیبہ میں سولہ سترہ مہینے بحکم الٰہی یہود کی تالیف قلب کے لئے بیت المقدس کا استقبال کیا تو کفار نے طعن کیا اور یہود کی شورش سے یہ مسئلہ نہایت ہنگامہ خیز بن گیا تھا۔اس کے جوابات کی یہ تمہید ہے اور یا پھر نفلی نماز بحالت سفر آپ توسع فرماتے تھے کہ شہر سے باہر جنگل میں سواری جس رخ پر بھی چلتی آپ ؐ اس پر سوار ہو کر نماز پڑھتے رہتے تھے اور کسی ایک جہت کی پابندی نہیں فرماتے تھے۔اس پر یہود نے چہ میگوئیاں شروع کردیں، یہ آیت اسی کے جواب میں ہے یہ رائے ابن عمرؓ کی ہے۔

اور تیسری رائے بعض مفسرینؒ کی ہے کہ بعض لوگوں پر رات کو سمت قبلہ مشتبہ ہو گئی تھی۔انہوں نے تحری کرکے مختلف سمتوں کو رخ کرکے نماز پڑھ لی اور صبح کو حاضر خدمت نبوی ہو کر معذرت پیش کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور چوتھی صورت بعض کے نزدیک یہ ہے کہ اس آیت میں دعاء اور ذکر کیلئے سمتوں کی تعمیم ہے۔نماز کی سمت کا ذکر نہیں ہے۔

اور امام زاہد نے پانچویں وجہ یہ ذکر کی ہے کہ یہ آیت نجاشی کے سلسلہ میں نازل ہوئی جبکہ انہوں نے اسلام قبول کیا، اور مدینہ حاضر

ہوتے ہوئے اثناء راہ میں ان کا انتقال ہوگیا، آپؐ نے باشارۂ جبریلؑ صحابہؓ سے ان کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا کہ نجاشی نے ہمارے قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھی، اس لئے ہم کیسے ان کی نماز جنازہ پڑھیں۔

اور دوسری آیت **وقالوا** کے شانِ نزول کا حاصل یہ ہے کہ یہود حضرت عزیرؑ کو ابن اللہ کہتے تھے اور عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ سمجھتے تھے اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں خیال کرتے تھے غرضکہ شرک کی نجاست سے کوئی بچا ہوا نہیں تھا۔ اس عقیدۂ ابنیت اور شرک کی تغلیط وتردید دلائل سے کی گئی ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ...... **اللہ زمان ومکان نہیں ہے**: .... پہلی بات کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ سارے عالم اور اس کی تمام سمتوں کے مالک ہیں وہ کسی ایک سمت کو اگر یکسوئی پیدا کرنے اور ہئیت واجتماع کی وحدت باقی رکھنے کے لئے متعین کردیں یا ایک سمت کو مصالح کی وجہ سے دوسری سمت سے تبدیل کردیں تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ اللہ کسی ایک مکان یا سمت کے ساتھ اس طرح خاص نہیں ہے کہ وہ اسی میں محدود یا محلول ہوکر رہ جائے گا بلکہ ہر ذرہ میں اس کا جلوہ نمایاں ہے بشرطیکہ دیکھنے والی آنکھ موجود ہو۔ اللہ کی ذات وصفات کا کما حقہ ادراک چونکہ ممکن نہیں ہے اس لئے ایسے مضامین میں زیادہ کھود کرید کی ضرورت نہیں ہے بس اجمالاً ان کو ہی صحیح تسلیم کرلینا چاہئے۔

کعبہ پرستی اور بت پرستی کا فرق: .... اسلامی عبادات میں اصل پرستش تو صرف اللہ کی ذات کی ہوتی ہے کسی مسجد، بیت اللہ یا بیت المقدس کی پرستش مسلمان نہیں کرتے بلکہ عبادت میں یکسوئی قلب ودماغ پیدا کرنے کے لئے جو مطلوبِ حقیقی تک رسائی اور کامرانی کا نہایت مہتم بالشان ذریعہ ہے اور تمام عالمِ اسلام میں اجتماعی ہئیت پیدا کرنے اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو ایک مرکزی نقطہ پر جمع کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے ایک سمت قبلہ متعین فرمادی ہے۔ جو توحید کے مناسب اور مرکز دین کے شایانِ شان ہے۔ رہا سمت کی بالتخصیص تعیین کہ وہ خاص مکہ کی مسجد حرام ہو اس کی حکمت پر کلام آئندہ آرہا ہے۔ بہرحال اس تقریر مصلحت وحکمت سے غیر مسلموں کا یہ اعتراض کہ مسلمان کعبہ پرست ہیں ذرہ برابر اس شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ لیکن اگر کوئی بت پرست اس تقریر کو اپنانے لگے اور اپنی بت پرستی کے جواز میں یہی توجیہ کرنے لگے کہ ہم بھی اصل پرستش خدا کی کرتے ہیں اور بتوں کو روبرو اور پیش نظر رکھنا محض یکسوئی وغیرہ پیدا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔

بت پرستی کا جواز اور اس کے تین جواب: .... تو اول تو اس دعویٰ برأت کے باوجود مسلمانوں پر سے اعتراض علی حالہ مندفع رہا جو مقصود مقام ہے، دوسرے عام مسلمانوں اور عام بت پرستوں کی حالت پر نظر کرنے اور ان کے حالات واحوال کی تفتیش کرنے سے دونوں میں ہر وقت نمایاں فرق ظاہر ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کا دعویٰ توحید اور غیر اللہ کی عدم پرستش میں سچے ہیں اور دوسرے لوگ ناراست گو معلوم ہوتے ہیں اور سب سے آخری درجہ میں تیسری بات یہ ہے کہ کسی حکم اور اس کی مصلحت کی تعیین کیلئے بھی کسی غیر منسوخ اور رائج شریعت کا قانون پیش کرنا ضروری ہے۔ از خود اپنی رائے سے دوسروں کی دیکھا دیکھی یا منسوخ دین کی رو سے کوئی فعل کرنا جائز نہیں سمجھا جائے گا۔ اس لحاظ سے بھی مسلمان ہی اپنا مذہبی قانون پیش کرسکتے ہیں دوسرے ادیان منسوخ ہوچکے ہیں، اس لئے ان کا قانون رائج اور معتبر نہیں ہے اور تعیین قبلہ کی مذکور مصلحت صرف امثالاً پیش کی ہے ورنہ اللہ کی لاتعداد مصالح کا احاطہ اور استقصاء کون کرسکتا ہے۔

آیت کی توجیہات: .... لفظ اینما کو اگر مفعول بہ قرار دیا جائے تو اس آیت کو فول وجھك شطر المسجد الحرام سے منسوخ ماننا پڑے گا جیسا کہ امام زاہدؒ کی رائے ہے کہ قرآن میں سب سے پہلے یہ آیت منسوخ ہوئی ہے۔ صاحب اتقانؒ اور قاضی بیضاویؒ بھی اسی طرف مائل ہوئے ہیں یا اس کی تاویل کر کے صلوٰۃ النفل علی الراحلہ پر یا اشتباہ قبلہ وغیرہ پر محمول کیا جائے گا۔ اور اگر لفظ اینما کو مفعول فیہ برقرار رکھا جائے علی اصلہ تو پھر آیت کو منسوخ یا ماؤل کہنے کی ضرورت نہیں بلکہ باب قبلہ کے لئے موید ہوگی۔

دعویٰ ابنیت اور اس کا رد: .... آیت وقـــالـــوا میں ان کے عقیدہ ابنیت کا ابطال چار طریقوں سے کیا ہے اول لہ مافی السموٰت سے دوسرے کل لہ قانتون سے تیسرے بدیع السموٰت سے چوتھے و اذا قضیٰ امرا سے اور ان چاروں باتوں کو اللہ کے ساتھ خاص ہونا فریق مخالف کے نزدیک بھی مسلم ہے اس لئے اتمام حجت ہو کر دعویٰ ابنیت باطل ہو گیا۔ اللہ کے لئے اولاد کا ہونا عقلاً بھی باطل ہے کیونکہ وہ دو حال سے خالی نہیں، اولاد یا ہم جنس ہوگی یا ناجنس۔ ناجنس اولاد کا ہونا تو عیب ہے اور اللہ عیب سے پاک ہے اس لئے ناجنس اولاد سے منزہ ہے، لفظ سبحانہ میں اسی طرف اشارہ ہے اور اولاد کا ہم جنس ہونا اس لئے محال ہے کہ حق تعالیٰ کا کوئی ہم جنس نہیں ہے کیونکہ اللہ کی صفات کمال جو لازم الذات ہیں وہ حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں دوسروں میں نہیں پائی جاتیں جیسا کہ ابھی ذکر ہوا اور لازم کی نفی ملزوم کی نفی کو چاہتی ہے یعنی کمالات کی نفی ذی کمال واجب کی نفی کی دلیل ہوگی اس لئے اللہ کے سوا کوئی واجب نہ ہوا کہ اس کا ہم جنس یا شریک حقیقت ہوتا اور جب اس کا کوئی مجانس نہیں تو اس کی اولاد بھی نہیں ہے۔

عقیدۂ ابنیت کی اصل: .... دراصل خدا اور بندہ کے تعلق کو سمجھانے کے لئے لوگوں نے ابتداً مختلف تشبیہات اور استعاروں سے کام لیا تھا کہیں باپ بیٹے کے تعلق سے سمجھانے کی کوشش کی گئی تھی، کہیں شوہر اور بیوی کے تعلق کو سامنے رکھ کر اظہار مدعا کیا گیا۔ فلسفی مزاج لوگوں نے علۃ اول اور سبب اول کہا۔ مقصود ان الفاظ سے حقیقی معانی نہیں تھے لیکن جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے بعد کے لوگوں نے ان الفاظ کو حقیقی معانی پہنا دیئے، اور اسی بنیاد پر نحن ابناء اللہ و احباءہ دعاوی اختصاص شروع کر دیئے، اسلام نے ان تمام رخنوں کو بند کرنے کے لئے پوری قوت اور زور استدلال کے ساتھ اصل بنیاد اور جڑوں پر تیر چلایا اور اس عقیدۂ ابنیت کی دھجیاں اڑا دیں۔

مسائل حریت: .... فقہاء نے اس تنافی ملکیت واولاد سے بہت سے مسائل عتق وحریت کے مستنبط کئے ہیں۔ مشہور اس باب میں حدیث من ملک ذارحم محرم عتق علیہ ہے۔ حنفیہؒ کے نزدیک علۃ آزادی کی ملک مع القرابۃ المحرمہ ہے، لیکن حدیث میں علۃ کا آخری جزو ہونے کی وجہ سے عتق کی اضافت ملک کی طرف کر دی گئی ہے۔ کیونکہ حکم کا مدار علۃ کے آخری جزو پر ہوا کرتا ہے، چنانچہ حنفیہؒ کے نزدیک محرم غیر قریب جیسے رضاعی شریک اور اسی طرح قریب غیر محرم جیسے چچازاد بھائی اس علۃ عتق سے خارج ہو جائے گا اس کے مالک ہونے سے آزادی نہیں آئے گی۔ البتہ ولادت واخوت کی قرابت علی حالہ رہیں گی اور امام شافعیؒ کے نزدیک علۃ صرف جزئیت ہے چنانچہ بیٹا باپ پر آزاد ہو جائے گا اور باپ بیٹے پر۔ البتہ بھائی کا بھائی اگر مالک ہو جائے تو جزئیت نہ ہونے کی وجہ سے آزاد نہیں ہوگا۔

تحقیق نادر: .... کُــن کہنے سے مراد اگر مجازاً سرعت اور جلدی سے کسی کام کا ہونا ہے تب تو خیر کوئی شبہ نہیں ہوگا۔ لیکن اگر اس سے مراد یہ ہو کہ حقیقۃً حق تعالیٰ کی یہی عادت ہو کہ کسی چیز کے بنانے سے پہلے یہ لفظ فرماتے ہوں تو اس پر دو شبہے ہو سکتے ہیں، پہلا شبہ

یہ کہ جب وہ چیز موجود ہی نہیں تھی تو لفظ کُن کس کو کہا گیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علم الٰہی میں موجود تھی اسی کو موجود فرض کر کے خطاب فرمایا گیا۔ دوسرا شبہ یہ ہے کہ دوسری چیزوں کی طرح خود لفظ کُن بھی تو حادث ہے تو اس قاعدہ سے کُن کے لئے بھی ایک اور کُن کی ضرورت ہوگی اور دوسرے کُن کے لئے تیسرے کُن کی۔ اس طرح تسلسل لازم آئے گا۔ یعنی ایک کن کے لئے غیر متناہی کن ماننے پڑیں گے ورنہ مکوّن کا قدیم ہونا لازم آ جائے گا اور یہ دونوں صورتیں محال کی ہیں، اس کا جواب دو طرح ہے ایک یہ کہ تمام چیزوں کو لفظ کُن کے ذریعے اور خود کُن کو بغیر دوسرے کُن کے پیدا کر دیا ہوگا اس لئے تسلسل لازم نہیں آئے گا۔ دوسرے یہ کہ اگر صرف لفظ کُن کو قدیم مان لیا جائے اور اس کا تعلق حادث ہوتے کی وجہ سے یہ خود بھی حادث رہے تو قدم مکون لازم نہیں آئے گا۔ رہی اس تعلق کی کیفیت تو چونکہ یہ تعلق لاموجود اور معدوم ہے اس لئے اس تعلق حادث کے لئے کسی دوسرے تعلق حادث کی ضرورت نہیں ہوگی۔ لہٰذا نہ اس تعلق ایجاد کی ضرورت اور نہ اس کے علت ایجاد بننے میں کوئی اشکال رہے گا۔ البتہ اس تعلق کے لئے مرجح حق تعالیٰ کی ذات ہوگی۔ ان کا ارادہ جس کی شان اور صفت ترجیح وتخصیص اختیاری ہے وہ خود مرجح رہے گا اس لئے مزید کسی مرجح یا مخصص کا دریافت کرنا گویا مجعولیت ذاتیہ کو جائز کرنا ہوگا جو ذات اور ذاتی یا لازم وملزوم کے درمیان جعل کا واسطہ ماننا ہے جو اہل معقول کے نزدیک باطل ہے۔ (مسہلا من البیان)

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اَیْ کُفَّارُ مَکَّةَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **لَوْلَا** هَلَّا **يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ** اَنَّكَ رَسُوْلُهٗ **اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ** ؕ مِـمَّا اقْتَرَحْنَاهُ عَلٰی صِدْقِكَ **كَذٰلِكَ** کَمَا قَالَ هٰؤُلَاءِ **قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** مِنْ کُفَّارِ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ لِاَنْبِيَائِهِمْ **مِّثْلَ قَوْلِهِمْ** ؕ مِنَ التَّعَنُّتِ وَطَلَبِ الْاٰيَاتِ **تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ** ؕ فِی الْکُفْرِ وَالْعِنَادِ فِيْهِ تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِیِّ **قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ** ﴿۱۱۸﴾ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا اٰيٰتٌ فَيُؤْمِنُوْنَ بِهَا فَاقْتِرَاحُ اٰيَةٍ مَعَهَا تَعَنُّتٌ **اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ** يَا مُحَمَّدُ **بِالْحَقِّ** بِالْهُدٰی **بَشِيْرًا** مَنْ اَجَابَ اِلَيْهِ بِالْجَنَّةِ **وَّنَذِيْرًا** ۙ مَنْ لَمْ يُجِبْ اِلَيْهِ بِالنَّارِ **وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ** ﴿۱۱۹﴾ اَلنَّارِ اَیِ الْکُفَّارِ مَا لَهُمْ لَمْ يُؤْمِنُوْا اِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِجَزْمِ تَسْأَلْ نَهْيًا **وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ** ؕ دِيْنَهُمْ **قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ** الْاِسْلَامَ **هُوَ الْهُدٰی** ؕ وَمَاعَدَاهُ ضَلَالٌ **وَلَئِنِ** لَامُ قَسَمٍ **اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ** الَّتِیْ يَدْعُوْنَكَ اِلَيْهَا فَرْضًا **بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ** ۙ الْوَحْیِ مِنَ اللّٰهِ **مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ** يَحْفَظُكَ **وَّلَا نَصِيْرٍ** ﴿۱۲۰﴾ يَمْنَعُكَ مِنْهُ **اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ** مُبْتَدَأٌ **يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ** ؕ اَیْ يَقْرَءُوْنَهٗ کَمَا اُنْزِلَ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ وَحَقَّ نُصِبَ عَلَی الْمَصْدَرِ وَالْخَبَرُ **اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ** ؕ نَزَلَتْ فِیْ جَمَاعَةٍ قَدِمُوْا مِنَ الْحَبْشَةِ وَاَسْلَمُوْا **وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ** اَیْ بِالْكِتَابِ الْمُؤْتٰی بِاَنْ يُحَرِّفَهٗ **فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ** ﴿۱۲۱﴾ لِمَصِيْرِهِمْ اِلَی النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِمْ ۔ ع ۹ ۱۴

ترجمہ: .... اور کہتے ہیں جاہل (یعنی کفار مکہ آنحضرت ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں) ہم سے کیوں نہیں اللہ تعالیٰ کلام فرماتے (کہ آپ رسول اللہ ہیں) یا ہمارے پاس اور ہی کوئی دلیل آ جائے (جس کی فرمائش ہم بطور نشان صداقت کے کرتے ہیں) اسی طرح (جیسا کہ انہوں نے کہا) کہتے چلے آئے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں (پچھلے کفار امت اپنے انبیاء سے) ان جیسی باتیں (سرکشی اور طلب معجزات کی) ان سب کے دل ملے جلے ہیں ان لوگوں کو جو یقین چاہتے ہیں (آیات الٰہی کا یقین رکھتے ہیں اور ان کو

مناتے ہیں اس کے باوجود ان کا معجزات کی فرمائش کرنا سرکشی ہے) بلاشبہ ہم نے آپ کو (اے محمد) ایک دینِ حق (ہدایت) دے کر بھیجا ہے کہ خوشخبری سناتے رہئے (ماننے والوں کو جنت کی اور ڈراتے رہئے (نہ ماننے والوں کو جہنم سے) اور آپ سے جہنمیوں کے بارہ میں باز پرس نہیں ہوگی یعنی کفار ایمان کیوں نہیں لائے؟ کیونکہ آپ کا فرض منصبی تو صرف تبلیغ ہے اور ایک قرأت میں لا تسئل بصیغہ نہی مجزوم ہے) اور کبھی خوش نہیں ہوسکتے آپ سے یہود و نصاریٰ حتیٰ کہ آپ ﷺ ان کی ملت (دین) کا اتباع نہ کرلیں۔ آپ فرما دیجئے کہ فی الحقیقت اللہ کی ہدایت کا راستہ (اسلام) ہی ہدایت ہے اس کے سوا گمراہی ہے) اور یقیناً اگر آپ نے پیروی شروع کردی ان کے غلط خیالات کی (بالفرض جن کی طرف وہ آپ کو بلا رہے ہیں) بعد اس کے علم (اللہ کی وحی) آپ کے پاس آچکا ہے تو آپ کو خدا سے بچانے والا یار (جو آپ کی حفاظت کرسکے) اور مددگار (جو اللہ سے آپ کو بچاسکے (نہیں مل سکے گا جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی تھی بشرطیکہ وہ اس کی تلاوۃ کا حق ادا کرتے رہتے (یعنی جس طرح وہ نازل ہوئی تھی ٹھیک اسی طرح پڑھتے اور یہ جملہ حال ہے اور لفظ حق مفعول مطلق ہونے کی بناء پر منصوب ہے اور خبر آگے ہے) یہی لوگ آپ کے اس دین اور وحی پر ایمان لاتے ہیں (یہ آیت ان اہل حبشہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہوئے تھے) اور جو شخص نہیں مانے گا (دی ہوئی کتاب کا انکار اس طرح کرے گا کہ اس میں ردوبدل کردے) ایسے لوگ خود ہی خسارہ میں پڑنے والے ہیں (کیونکہ ابدی جہنم ان کا ٹھکانا ہوگا۔)

تحقیق وترکیب: .... **کفار مکة** ۔ یہ بھی یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی مشترک برائی کا بیان ہے۔ البتہ سورت کے مدنی ہونے کی وجہ سے کفار کا معترض ہونا باعثِ تامل ہوسکتا ہے لیکن ممکن ہے کہ انہوں نے یہود مدینہ کی معرفت یہ اعتراض پیش کردیا ہو یا خود مدینہ حاضر ہوکر پیش کردیا ہو **لولا** کے بعد جلال مفسرؒ کا **ھلا** نکالنا اشارہ ہے کہ **لولا** مثل **ھلا** کے حرف تخصیص ہے چنانچہ خلیل نحوی سے منقول ہے کہ قرآن میں جہاں بھی لولا آیا بمعنی ھلا ہے۔ البتہ **لولا ان رای برھان ربه** اور **فلولا کان من المسبحین** اس سے مستثنیٰ ہیں یہاں تو **لم یکن** کے معنی ہیں۔ **من التعنت** یعنی مقصود کفار سابقین ولاحقین کا قولی اشتراک نہیں ہے بلکہ وجہ مماثلت وسرکشی ہے خواہ اقوال مختلف ہوں **یوقنون ای یطلبون الیقین لاتسئل** اگر نفی کی قرأت ہے جو جلال محققؒ نے اس کے معنی خود بیان کردیئے ہیں لیکن اگر دوسری قرأت نہی کی جو نافعؒ کی ہے ہو تو پھر آپ کو خطاب ہوکر یہ معنی ہوں گے کہ آپ ﷺ غایۃ شفقت سے ان کے بارہ میں درخواست اور سفارش نہ کیجئے۔ یا ان کی برائیاں اور عذابِ آخرت اس درجہ ناقابل بیان ہیں کہ پوچھئے مت فرضاً یعنی یہ اور اس قسم کی تمام آیات جیسے **ولئن اشرکت لیحبطن عملك ولتکونن من الخاسرین** اور **ولو تقول علینا بعض الا قاویل الخ** ان سب میں حقیقی معنی مقصود نہیں ہیں بلکہ بالفرض آپ کو مخاطب فرض کرکے دوسروں کو سنانا ہوتا ہے۔ اس سے جہاں مبالغہ مقصود ہوتا ہے وہیں اسلام کی حقانیت وصداقت پر بھی تیز روشنی پڑتی ہے کہ انسان بالطبع اپنی اچھائی سننے کا عادی ہوتا ہے اور اپنی برائی سننا پسند نہیں کرتا چہ جائیکہ اس قسم کی باتیں دوسروں سے نقل کردینا بالخصوص جب کہ وہ رہتی دنیا تک زندہ جاوید بھی رہیں گی۔ آنحضرت ﷺ اگر وحی کے سلسلہ میں کچھ قطع وبرید کرتے تو اس قسم کے الفاظ کا وجود قرآن کریم میں نظر نہ آتا، اس سے نہ صرف آپ کی سچی دیانت وامانت کا سرچشمہ ابلتا نظر آرہا ہے بلکہ صداقت ونبوت کا دھارا بھی پھوٹ نکلا ہے۔ ایسی آیات دیکھ کر اضطراری طور پر ایمان کی تحریک ہوتی ہے۔

ملة اصل میں **املت الکتاب** بمعنی **املیة** سے ہے اس کے بعد اصول وشرائع دین پر اطلاق ہونے لگا کیونکہ انبیاءؑ ان کا بھی املاء کراتا ہے اس کے بعد توسعاً باطل پر بھی اطلاق کیا جانے لگا یہاں یہود ونصاریٰ دونوں کے دین پر ملت واحدہ کا اطلاق کرنا یا اختصاراً ہے اور یا **الکفر ملة واحدة** کے قبیل سے ہے **مالك من اللہ** یہ جواب قسم ہے جو جواب شرط کے محذوف ہونے پر بھی دلالت کررہا ہے۔

قاعدہ یہ ہے کہ جہاں شرط وقسم جمع ہو جائیں تو ان سے مؤخر کا جواب حذف کر دیا جاتا ہے۔

وحق یہ مصدر محذوف کی صفت بھی ہوسکتی ہے اور خود مصدر ہو کر تلاوت کی صفت بھی بن سکتی ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی یتلو نہ **تلاوۃ حق** مصدر کو حذف کر کے صفت کو اس کے قائم مقام کر دیا اور اس کو مضاف کر دیا۔ بعض نے **یتلو نہ** کو خبر کہا اور بعض نے **اولئک** کو اول صورت میں اولئک جملہ مستانفہ ہو جائے گا۔

ربط وشانِ نزول: .... پہلی آیت میں ان کے چالیسویں (۴۰) مشترک معاملہ کو بیان کیا جارہا ہے۔ دوسری آیت میں آنحضرت ﷺ کو تسکین وتسلی دینا ہے۔ تیسری آیت میں ان مخالفین کے ایمان سے بالکلیہ مایوسی کا اعلان ہے چوتھی آیت میں انصاف پسند اہل کتاب کا مدحیہ تذکرہ ہے۔

اول آیت کے شانِ نزول میں ابن عباسؓ کی رائے یہ ہے کہ یہ مقولہ یہود کا ہے اور مجاہدؒ کی رائے میں نصاریٰ کا قول ہے اور قتادہؒ مشرکین کا قول کہتے ہیں اس لئے یہ بھی مشترک برائی ہوئی۔ آیت **ولن ترضی** کے شان نزول میں معالم کی روایت یہ ہے کہ لوگ آپ سے سوالات کرتے جن کا جواب آپ تو یہ سمجھ کر دیتے کہ کسی طرح انکو ہدایتِ اسلام ہو جائے حالانکہ ان کا منشاء خود آنحضرت ﷺ کو اپنی طرف مائل اور جھکانا ہوتا تھا۔ یا ابن عباسؓ کی رائے یہ ہے کہ آپ جب بیت المقدس کا استقبال کرتے تھے تو یہود اور نصاریٰ نجران کو یہ امید ہوگئی تھی کہ بالآخر آپ ان کا دین قبول کرلیں گے۔ لیکن جب بیت اللہ کی طرف تحویل کا حکم ہوا تو یہ امید ناامیدی سے بدل گئی اور وہ مایوس ہو گئے اور روح المعانی میں یہ لکھا ہے کہ آپ ہر طبقہ کی ملاطفت اور تالیف قلب فرماتے تھے کہ شاید یہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔ اس پر آیت نازل ہوئی اور آیت **الذین یتلو نہ** کا شانِ نزول یہ ہے ایک وفد چالیس افراد پر مشتمل آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں بتیس (۳۲) حضرات حبشہ کے تھے اور آٹھ نفر ملک شام کے راہبوں کے آئے تھے۔ یہ وفد حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی سرکردگی میں آیا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور حضرت علیؓ کے حقیقی برادر تھے اور سب مشرف باسلام ہوئے۔

﴿ تشریح ﴾: ...... **معاندین کی کٹ حجتی:** .... مقصد ان معاندین کا یہ تھا کہ حق تعالیٰ براہ راست ہم سے کلام کریں اور اس طرح احکام دین میں کسی دوسرے رسول کے واسطہ کی حاجت نہ رہے۔ یا پھر علی سبیل التنزل آپ کی نبوت ورسالت ہی کی تصدیق ہم سے کر دیں یا پھر کلام کے علاوہ دوسری کوئی نشانی ہم کو دکھلا دیں جس سے ہم کو اطمینان ہو جائے۔ حق تعالیٰ اس کا رَدّ دو طرح فرماتے ہیں۔ اول یہ کہ محض یہ ایک جاہلانہ بات ہے جس کو ان جیسے اگلے پچھلے بے سوچے سمجھے ہانکتے چلے آرہے ہیں۔ دوسرے یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں ان کے دل ایک دوسرے سے ملے جلے ہوئے ہیں، اب سب ایک طرح کی بات سوچتے ہیں جہاں تک اللہ سے ان کے ہم کلام ہونے کا تعلق ہے وہ تو اس قدر جاہلانہ بات ہے کہ محتاجِ جواب ہی نہیں، البتہ جہاں تک دلیل کا تعلق ہے سو ایک دلیل کو لئے پھرتے ہیں۔ ہم نے بہت سی اطمینان بخش دلیلیں پیش کیں۔ لیکن جب کوئی راہِ حق طلب ہی نہ کرنا چاہے اور محض ضد اور ہٹ دھرمی پر اترائے تو اس کو طمانیت وسکون کہاں نصیب؟ اسی لئے باوجود اہل علم ہونے کے ان کو جاہل کہا کہ علم کا وجود عدم ان کے حق میں برابر ہے۔

الٹی گنگا: .... یہود وغیرہ کی یہ چالیس قباحتیں بتا کر آنحضرت ﷺ کو تسلی وتشفی دیتی ہے کہ جو لوگ اس قدر کج طبع اور کم فہم ہوں کہ آپ ﷺ کی ہمدردی اور سوزش کی قدر کر کے آپؐ سے ہدایت تو کیا حاصل کرتے انکی بلند پروازی ملاحظہ ہو کہ الٹی اپنی راہ آپ کو چلانے کی فکر میں ہر وقت لگے رہتے ہیں۔ اور بعض امور مباحہ میں اسلام لانے کی امیدیں آپ کی ملاطفت وتالیف قلوب کو غلط نظر سے

دیکھ کراپنی اہواء واغراض پورا ہونے کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں اور چونکہ آپ ؐکا ان کی پیروی کرنا امر محال کو مستلزم ہے اس لئے یہ خود محال ہے کیونکہ ان کا موجودہ دین بوجہ منسوخ اور محرف ہونے کے محض ایک باطل کا مجموعہ ہوکر رہ گیا ہے۔ علم قطعی اور وحی آنے کے باوجود آپ ؐ کا اس کی پیروی کرنا گویا حق تعالیٰ کی ناخوشنودی کو دعوت دینا ہے اور نبی کے لئے یہ ایک امر محال ہے اس لئے آپ ﷺ کا ان کی اتباع کرنا بھی محال ہے اور بدون اتباع کے ان کا آپ سے راضی ہونا بھی محال ہے۔

اصلاح وہدایت کے لئے جوہر قابل کی ضرورت:............ نتیجہ یہ کہ آپ ﷺ کو ان کی طرف سے بالکل مایوس اور ناامید ہوجانا چاہئے ہاں البتہ آپ ؐکا اصل کام تبلیغ اور کوشش کرنا ہے اس سے دست کش نہ ہوجایئے۔ جوہر قابل اور لائق عنصر آپ کی آواز پر خود دوڑ کر لبیک کہے گا چنانچہ جو محروم ازلی ہے وہ آپ ﷺ کے قریب رہ کر بھی تہی دست رہتے ہیں اور جو خوش نصیب ہیں وہ دور ہونے پر بھی کھنچے چلے آتے ہیں۔ حافظ شیرازیؒ کہتے ہیں ۔

حسنؒ زبصرہ بلالؓ از حبش صہیبؓ ز روم　　زخاک مکہ ابوجہل این چہ بوالعجبی ست

جس کو خود فکرِ اصلاح نہ ہو اس کے در پے نہیں ہونا چاہئے:.......... لاتسئل عن اصحب الجحیم سے مشائخ محققینؒ کی اس عادت کی اصل نکلتی ہی کہ جو شخص اپنی اصلاح کی فکر نہ کرے اس کے در پے نہیں ہوتے ہیں۔

یٰبَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۲۲﴾ تَقَدَّمَ مِثْلُهٗ **وَاتَّقُوۡا** خَافُوْا **یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ** تُغْنِیْ **نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ** فِيْهِ **شَیۡئًا وَّلَا یُقۡبَلُ مِنۡہَا عَدۡلٌ** فِدَاءٌ **وَّلَا تَنۡفَعُہَا شَفَاعَۃٌ وَّلَا ہُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾** يُمْنَعُوْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ

ترجمہ:............ اے بنی اسرائیل یاد کرو میری ان نعمتوں کو جن کا میں نے تم پر انعام کیا ہے اور میں نے تم کو تمہارے ابناء زمانہ پر فوقیت دی تھی (اس قسم کے جملے پہلے بھی گزر چکے ہیں) اور تم ڈرو (خوف کرو) ایسے دن سے جس میں کوئی شخص کسی کی طرف سے نہ کوئی مطالبہ ادا کرنے پائے گا (تجزی بمعنی تغنی ہے) اور نہ کسی کی جانب سے کوئی معاوضہ (فدیہ) قبول کیا جائے گا اور نہ کسی کیلئے کوئی سفارش مفید ہوگی اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی (کہ اللہ کے عذاب سے ان کو بچالیا جائے۔)

تحقیق وترکیب:............ تمام الفاظ اس آیت میں تقریباً وہی ہیں جو اس سے پہلی یبنی میں گزر چکے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ وہاں شفاعۃ کا ذکر پہلی تھا اور یہاں آخر میں ہے جس کا نکتہ یہ ہے کہ یہود کو نبی زادہ اور پیغمبر زادہ ہونے کی وجہ سے شفاعتِ انبیاءؑ پر زیادہ بھروسہ تھا اور اس اعتماد کی وجہ سے تمام بھلائیوں اور ایمان سے بالکلیہ کنارہ کش اور محروم رہے تو ان دونوں آیات میں اول و آخر اہتمام کے ساتھ اس کی نفی پر زور دیا گیا ہے تاکہ ان کی خام خیالی دور ہوجائے۔

ربط وتشریح:...... **قرآن کا طرز بلیغ اور تکرار:**............ یہود کی قباحتوں اور شناعتوں کا پہلے بالاجمال بیان ہوا تھا اس کے بعد چالیس برائیاں تفصیل وار بیان ہوئیں۔ اس کے خاتمہ پر پھر بالاجمال اپنے انعامات اور ترغیب وترہیب کا مضمون مکرر لاتے ہیں تاکہ جامعیت اور اختصار کے ساتھ ان کلیات کا پوری طرح استحضار ہوجائے تاکہ ان کے نتائج وثمرات اور

جزئیات کا محفوظ رکھنا سہل و آسان ہو جائے اور یہ طرز بلیغ خطابیات میں نہایت اعلیٰ شمار کیا جاتا ہے کہ کسی اہم اور بنیادی اور مرکزی بات کو مجملاً و مفصلاً مکرر سہ کرر بیان کر کے اوقع فی النفس کر دیا جائے۔ مثلاً کہا جائے کہ بے جا غصہ کرنا نہایت بری چیز ہے اور پھر بتلایا جائے کہ اس میں فلاں فلاں خرابیاں اور نقصانات ہیں دس بیس برائیاں گنا کر پھر آخر میں کہہ دیا جائے کہ غرضکہ بے جا غصہ کرنا نہایت قبیح چیز ہے یہ تکرار نہایت کارآمد اور ضروری ہوگا یعنی پوری طرح اس چیز کا حسن و قبح دل میں گھر کر جائے گا۔

وَاذْكُرْ اِذِ ابْتَلٰى اِخْتَبَرَ **اِبْرٰهٖمَ** وَفِي قِرَاءَةٍ اِبْرَاهَامَ **رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ** بِاَوَامِرَ وَنَوَاهٍ كَلَّفَهُ بِهَا قِيْلَ هِيَ مَنَاسِكُ الْحَجِّ وَقِيْلَ الْمَضْمَضَةُ وَالِاسْتِنْشَاقُ وَالسِّوَاكُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَفَرْقُ الرَّأْسِ وَقَلْمُ الْاَظْفَارِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَالْخِتَانُ وَالِاسْتِنْجَاءُ **فَاَتَمَّهُنَّ** اَدَّاهُنَّ تَامَّاتٍ **قَالَ** تَعَالٰى لَهٗ **اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا** قُدْوَةً فِي الدِّيْنِ **قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ** اَوْلَادِيْ اِجْعَلْ اَئِمَّةً **قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي** بِالْاِمَامَةِ **الظّٰلِمِيْنَ﴿۱۲۴﴾** الْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ دَلَّ عَلٰى اَنَّهٗ يَنَالُهٗ غَيْرُ الظَّالِمِ **وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ** الْكَعْبَةَ **مَثَابَةً لِّلنَّاسِ** مَرْجِعًا يَثُوْبُوْنَ اِلَيْهِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ **وَاَمْنًا** مَاْمَنًا لَهُمْ مِنَ الظُّلْمِ وَالْاِغَارَاتِ الْوَاقِعَةِ فِيْ غَيْرِهٖ كَانَ الرَّجُلُ يَلْقٰى قَاتِلَ اَبِيْهِ فِيْهِ فَلَا يُهَيِّجُهٗ **وَاتَّخِذُوْا** اَيُّهَا النَّاسُ **مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ** هُوَ الْحَجَرُ الَّذِيْ قَامَ عَلَيْهِ عِنْدَ بِنَاءِ الْبَيْتِ **مُصَلًّى** مَكَانَ صَلٰوةٍ بِاَنْ تُصَلُّوْا خَلْفَهٗ رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الْخَاءِ خَبَرٌ **وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ** اَمَرْنَا هُمَا **اَنْ** اَيْ بِاَنْ **طَهِّرَا بَيْتِيَ** مِنَ الْاَوْثَانِ **لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ** الْمُقِيْمِيْنَ فِيْهِ **وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴿۱۲۵﴾** جَمْعُ رَاكِعٍ وَسَاجِدٍ الْمُصَلِّيْنَ

ترجمہ: ....اور (یاد کیجئے) جس وقت کہ آزمایا (جانچا) حضرت ابرہیم علیہ السلام کو (اور ایک قرأت میں ابراہام ہے) ان کے پروردگار نے چند باتوں میں (چند اوامر ونواہی کا ان کو مکلف بنایا۔ بعض کی رائے میں وہ احکام حج تھے اور بعض نے ان سے مراد کلی کرنا، غرارہ کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، مسواک کرنا، مونچھیں کترواتا، سر کے بالوں میں مانگ نکالنا، ناخن تراشنا، بغل اور زیر ناف کے بال صاف کرنا، ختنہ اور استنجاء کرنا بیان کیا ہے، پس وہ ان کو پورے طور پر بجالائے (مکمل طور پر ادا کیا) فرمایا حق تعالیٰ نے، کہ میں تم لوگوں کا پیشوا (مقتدائے دین) بناؤں گا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میری اولاد میں سے بھی کسی (اولاد کو امام بنا دیجئے) ارشاد ہوا کہ یہ میرا عہدہ (امامت) نہیں ملے گا خلاف ورزی کرنے والوں کو (جو ان میں سے کافر ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ عہد غیر ظالم کو مل سکتا ہے اور جب کہ بنایا ہم نے بیت اللہ (کعبہ) کو لوگوں کا معبد (ایسا مرجع کہ ہر طرف سے لوگ اس کی طرف سمٹ آئیں گے) اور امن (جو ظلم و غارت گری دوسری جگہ ہوتا ہے اس سے لوگوں کے لئے امن گاہ ہے۔ چنانچہ اپنے باپ کے قاتل کو بھی اگر کوئی وہاں پالیتا ہے تو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا ہے) اور بنالیا کرو (اے لوگو!) مقام ابراہیم کو (وہ ایک پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ تعمیر کعبہ کے وقت کھڑے ہوتے تھے، نماز پڑھنے کی جگہ (نماز گاہ کہ طواف کے بعد دوگانہ اس کے پیچھے کھڑے ہو کر ادا کرلیا کرو اور ایک قرأت میں واتخذوا بجائے امر کے فتح خاء کی ساتھ خبر کی صورت میں پڑھا گیا ہے) اور ہم نے حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام سے عہد لیا (ان کو حکم دیا) کہ میرے گھر کو خوب پاک وصاف رکھا کرنا (بت پرستی سے) بیرونی اور مقامی لوگوں کے لئے (جو وہاں قیام پذیر ہوں) اور رکوع وسجدہ کرنے والے (نمازیوں کے لئے رکع جمع راکع کی اور سجود جمع ساجد کی ہے۔)

تحقیق وترکیب: ....ابراھیم ایک قرأت میں ابراہیم مرفوع اور ربہ منصوب ہے تو ابتلٰی کے معنی دعا کرنے کے ہوں گے اور اتم کی ضمیر اللہ کی طرف ہوگی۔ مراد اس سے عطاء کرنا ہوگا۔ **کلمات** معانی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے بوجہ استقلال کے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ دس احکام جن میں سے اول پانچ چہرے اور سر کے قریب ہیں۔ اور آخری پانچ باقی بدن سے متعلق تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ سب احکام واجب تھے اور ہماری شریعت میں بعض واجب اور بعض سنت ہیں مفسرؒ علام نے کلمات کے مصداق جو دوقول ذکر کئے ہیں اول حضرت ابن عباسؓ کا بطریق تیمی، ابن منذر کا بیان کردہ ہے اور دوسرا قول بھی ابن عباسؓ کا جو بطریق طاؤسؒ حاکمؒ کی تخریج ہے۔ مرد کے لئے سر کے بال منڈوانا اور کٹانا دونوں مسنون ہیں۔ البتہ عورت کے لئے صرف حج میں کچھ بالوں کا کٹانا مسنون ہے۔

قص الشارب حدیث میں ارشاد ہے **جزوا الشوارب واعفوا اللحی** لبوں کو تراشنا اور برابر کرنا مسنون ہے۔ اور مونچھوں کو منڈوانا بعض کے نزدیک ڈاڑھی منڈانے کی طرح بدعت ہے اور بعض نے حلق کو سنت کہا ہے اور اس کی نسبت امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کی طرف کی ہے۔ بغل کے بالوں کا اکھاڑنا اور زیر ناف بال مونڈنا سنت ہے اور چالیس روز سے زیادہ دیر کرنا مکروہ ہے۔ اور ناخن میں ایک ہفتہ سے زیادہ دیر کرنا مکروہ ہے۔

ختان، ولادت کے ساتویں روز مسنون ہے دس سال کی عمر تک۔ اور حد بلوغ تک انتظار کرنا مکروہ ہے، کیونکہ ستر واجب ہے ایک سنت کی وجہ سے اس کا ترک مناسب نہیں۔ نومسلم خواہ کسی عمر کا ہو اس کی ختنہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ امام صاحبؒ نے وقت کے متعلق توقف فرمایا ہے، اور حسنؒ سے بڑی عمر والے نومسلم کے ترک ختان کے متعلق **لا باس بہ** منقول ہے اور ابن عبدالبرؒ کا قول ہے **وعامة اهل العلم على هذا** ہاں البتہ بالغ اگر خود اپنی ختنہ کرسکتا ہو تو اجازت ہے۔

ذریۃ فعلیۃ اور مفعولۃ کے وزن پر ہے تو تیسرے کلمہ کے واؤ کو یاء سے تبدیل کرلیا اور مفعولۃ یافعلیۃ کے وزن پر اگر ہے تو ہمزہ یاء سے تبدیل کرلی گئی ہے۔ ذر سے مشتق ہے بمعنی خلق من تبعیضیہ ہے۔ کیونکہ تمام افرادِ ذریت کا امام بننا ممکن نہیں ہے اور یہ عطف کا ف پر ایسا ہے جیسے کوئی سامرک کہے اور آپ وزیداً کہہ دیں یعنی زید کو بھی اس حکم میں شریک کرلیجئے۔ جلال محققؒ نے اس کے متعلق اور مفعول کا محذوف ہونا ظاہر کردیا ہے۔ **البیت** میں الف لام عہد کا ہے جس سے مراد کعبہ ہے مثابۃ ثوب سے بمعنی رجوع۔ **اتخذوا** اکثر کی قرأت میں صیغۂ امر ہے بتقدیر **قلنا جعلنا** پر معطوف ہوگا۔

مقام ابراھیم یہ جنتی پتھر تھا جس کی خاصیت یہ تھی کہ تعمیر کی بلندی کے مطابق بلند ہوتا اور پیڑ کا کام دیتا اور پھر اترنے کے وقت پست ہو جاتا۔ حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کے نشان اس میں مرکوز ہوگئے۔ یہ پتھر باب کعبہ اور ملتزم سے متصل تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں سیلاب میں بہہ جانے کی وجہ سے دوبارہ اس کو مضبوطی کے ساتھ بیت اللہ سے ذرا فاصلہ پر قدیم باب الاسلام اور ممبر حرم وزمزم کے درمیان نصب کرادیا۔ اور بعض کی رائے ہے کہ حضور ﷺ نے اس کو دوبارہ نصب فرمایا تھا۔ دوگانہ طواف حنفیہؒ اور مالکیہؒ کے نزدیک پڑھنا واجب ہے اور شوافعؒ وحنابلہؒ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔

ربط: .... یہود کی چالیس (۴۰) برائیوں کا بیان مفصل ہو چکا ہے۔ اس میں تحویل قبلہ کے سلسلہ میں انکا شور وشغب اور ہنگامہ اس درجہ بڑھا کہ بعض سادہ لوگ مسلمان بھی ان کے پروپیگنڈہ کا شکار بن کر مرتد ہوگئے۔ اس لئے بھی اور نیز نماز جو اسلام کا رکن اعظم

ہے اور استقبال جو اس کی شرط اعظم ہے۔ ان دونوں مصلحتوں کا تقاضا یہ ہوا کہ اس باب میں ذرا مفصل کلام کیا جائے اس لئے یہاں سے چار رکوع تک پوری شرح وبسط کے ساتھ جس میں تمام پہلوؤں کی رعایت ہو اس مسئلہ پر اس طرح روشنی ڈالی جارہی ہے کہ اول بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت وفضیلت، پھر بنائے کعبہ کی عظمت وفضیلت اور کیفیت بناء مع مضامین مناسبہ کے ذکر کی گئی ہے۔ اس کی تاریخی حیثیت اور پھر اس سلسلہ کے دیگر انبیاءؑ کا اسلام اور آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں سے تعلق ومناسبت پھر تحویل قبلہ کی حاکمانہ اور حکیمانہ مصالح اور پھر امام القبلتین ﷺ کا اپنے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کی مقبول دعاء کا ثمرہ اور نتیجہ تھا جس سے واضح ہوجائے کہ جس بانی کی یہ مقدس بناء ہے اسی کے یہ ابن، وارث وجانشین ہیں اس لئے بھی زیادہ حق دار ہے۔

شانِ نزول: .... آنحضرت ﷺ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے کہ **ھٰذا مقام ابراھیم**۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا **افلا نتخذہ مصلانا** چنانچہ شام نہیں ہونے پائی کہ یہ آیت نازل ہوگئی۔ جس سے حضرت عمرؓ کی اصابت رائے کی تائید ہوئی۔ اسی طرح جابرؓ بن عبداللہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مقام ابراہیم پر دوگانہ ادا کر کے فرمایا **اتخذوا مقام ابراھیم مصلی** یہاں استحبابی حکم مراد ہے وجوبی حکم نہیں ہے یعنی دوگانہ طواف اگرچہ حنفیہؒ کے نزدیک واجب ہے، لیکن خاص مقام ابراہیمؑ پر ضروری نہیں ہے۔ مسجدِ حرام میں جہاں چاہے ادا کرے، البتہ مقام ابراہیمؑ زیادہ افضل ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ...... **خدا کا امتحان:** .... امتحان کا منشاء کبھی تو ممتحن کی استعداد وقابلیت سے واقفیت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ یہ تو حق تعالیٰ کی جناب میں ممکن نہیں ہے کیونکہ وہ علیم وخبیر ہیں۔ البتہ ایک منشاء امتحان کا یہ بھی ہوتا ہے کہ دوسرے ناواقف منعم علیہ کے درجہ ورتبہ اور استحقاق وقابلیت سے باخبر ہوجائیں تا کہ اس کے ساتھ کئے گئے تخصص انعام کو لوگ بے جا اور بے محل نہ سمجھیں اور جس کا امتحان لیا جارہا ہے اگر وہ مجرم ہے تو خود وہ بھی اپنے دل میں انصاف کرلے اور دوسرے بھی اس کے ساتھ کئے گئے معاملہ کو ناانصافی پر محمول نہ کرلیں۔ چنانچہ یہاں قرآنِ کریم پر جہاں بھی حق تعالیٰ کسی کی آزمائش کرنا بیان کیا گیا ہے اس سے یہی مفہوم مراد ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش: .... اور وہ آزمائش یا تو مذکورہ احکام میں تھی کہ دیکھیں کہاں تک ان پر پورے اترتے ہیں یا امتحانِ محبت مراد ہے کہ زندگی میں بڑے سخت موڑ اور کٹھن منزلیں آئی ہیں، بچپن ہی میں توحید کی لگن پیدا ہوئی تو اہل خانہ اور اہل خاندان سے سخت الجھنیں پیش آئیں، پھر بڑے ہونے کے بعد نبوت سے سرفراز ہوئے تو قوم وملک سے آویزش ہوئی اور نمرود کی بے پناہ طاقت سے ٹکر لی۔ جس میں جان تک کی بازی لگادی گئی۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اپنی بیوی اور آبروں پر آنچ آنے لگی، پھر سب سے زیادہ مشکل منزل وہ آئی کہ بڑھاپے میں جان ومال سے زیادہ عزیز وپیاری اولاد اور وہ بھی اکلوتی اور ہونہار جس کو حاصلِ زندگی کہنا چاہئے قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانی پڑگئی، لیکن زمانے کی آنکھ نے دیکھا کہ ایک ایک کر کے سب آزمائشوں میں اللہ کے خلیلؑ پورے اترے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شادی ان کی چچازاد بہن سارہ بنت ہارون سے اور ہاجرہ بنت رقیون شاہِ مصر سے ہوئی بعمر ۹۲ سال ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور بعمر ۱۷۵ سال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات ہوئی اور حضرت سارۃ کے قریب دفن ہوئے۔

امامتِ کبریٰ کے معنی: .... یہ آزمائش اگر نبوت سے پہلے ہوئی تھی تو امامت کبریٰ دیئے جانے کے معنی نبوت سے سرفراز کرنا

ہوں گے۔ گویا پہلے وحی تو آ گئی تھی لیکن اس کی تبلیغ اور کار نبوت کے سرانجام دینے کا حکم اب ہو گیا۔ اور اگر امتحان نبوت کے بعد ہوا تو امامۃ کبریٰ کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ کی نبوت کا دائرہ وسیع تر کر دیا جائے گا۔ آپ کی امت اجابت دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیلے گی اور دوسرے مذاہب کے لوگ بھی عبدیت کی گردنیں آپ کے سامنے جھکا دیں گے۔

معتزلہ اور روافض کا عقیدہ اور استدلال:............ معتزلہ جملہ لا ینال عهدی الظلمین سے فاسق کے نا قابل امامت ہوتے پر استدلال کرتے ہیں۔ اور روافض وشیعہ صاحبان ائمہ اہل بیت کے معصوم ہوتے پر اسی جملہ سے استدلال کرتے ہیں۔ روافض کے نزدیک عقیدہ امامت اللہ تعالیٰ کے صفات افعال میں سے ہے اس لئے عصمت کو لازم مانتے ہیں حالانکہ دونوں باتیں صحیح نہیں، کیونکہ ''امامۃ'' سے مراد اگر معنی متعارف ہیں تب تو ظالم سے مراد کافر ومشرک ہیں اور معنی یہ ہوں گے کہ کوئی کافر مسلمان کا امام و حاکم نہیں ہوسکتا اور امامۃ سے مراد اگر امامۃ کبریٰ یعنی عہدہ نبوت ورسالت لیا جائے تو ظالم اپنے عام معنی میں رہے گا اور اس سے عصمت انبیاءؑ ثابت ہوگی جو متفق علیہ ہے یعنی نبی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ظالم وفاسق ہو۔ یہ تو معتزلہ کے استدلال کا جواب ہے، اور عصمت ائمہ اہل بیت کا جواب یہ ہے کہ لفظ ''عہد'' سے مراد امامۃ کبریٰ ہے حق تعالیٰ نے اس کی اضافت اپنی طرف فرمائی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عہدۂ نبوت ہی ہوسکتا ہے جو خدا کی طرف سے وہبی طور پر تفویض کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد منصب امامت شورائی اگر لیا جائے تو وہ منجانب اللہ نہیں ہوتا بلکہ مجلس شوریٰ کا مقرر کردہ ہوتا ہے۔ غرضیکہ آیت سے مسئلہ عصمتِ انبیاءؑ پر تو روشنی پڑتی ہے لیکن امامت صغریٰ یا کبریٰ بمعنی حکومت وسلطنت کی عصمت اس سے ثابت نہیں ہوتی۔

عصمت انبیاءؑ:............ انبیاءؑ کے لئے ہر قسم کے صغائر وکبائر سے عمداً ہوں خواہ نبوت سے پہلے ہوں یا بعد میں اہل سنت کی طرح معتزلہ بھی عصمت کے قائل ہیں۔ البتہ بعض صغائر کا جواز قبل النبوۃ بعض نے مانا ہے۔ یا زلات اور اجتہادی لغزشیں بعض محققین کے نزدیک ان پر برقرار نہیں رکھا جاتا بلکہ فوراً تنبیہ کے بعد ہٹا دیا جاتا ہے۔ لیکن حیرت وتعجب تو شیعوں کے عقیدہ پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک طرف انبیاءؑ کو تمام گناہوں سے معصوم مانتے ہیں اور دوسری طرف تقیۃً ان کو کفر تک کی اجازت دیتے ہیں۔

عصمت انبیاءؑ کے خلاف واقعات کی توجیہ:............ تاہم جو باتیں بظاہر عصمت انبیاءؑ کے خلاف اور منافی ہوں گی ان میں تین طریقے توجیہ کے جاری کریں گے۔ (۱) اگر وہ اخبار آحاد ہیں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی بیوی کو ایک خاص موقعہ پر بہن کہہ دینا تو عصمت انبیاءؑ کے قطعی عقیدہ کے مقابلہ میں ان کو رد کر دیا جائے گا۔ (۲) اور نقل متواتر کے ساتھ وہ واقعہ ثابت ہو تو اس منصوص عقیدہ کو برقرار رکھنے کے لئے اس کو ظاہری معنی سے پھیر لیا جائے گا۔ (۳) یا خلافِ اولیٰ اور قبل نبوت پر محمول کر لیا جائے گا جیسے حضرت آدمؑ وحواؑ کا ''استعمال شجر ممنوعہ'' کہ وہ اس ممانعت کو شفقۃً ممانعت سمجھ گئے یا نہی تنزیہی پر محمول کر لیا ہو گا یا ان سے نسیاناً ایسا ہو گیا یا نبوت سے پہلے کا یہ واقعہ تھا اس قسم کی تمام ممکنہ توجیہات اس میں ہوسکیں گی۔

یا حضرت ابراہیم کا بل فعله كبير هم اور انی سقيم بعض مواقع پر فرمانا مجازاً یا قبل النبوت پر محمول کر لیا جائے گا۔ یا حضرت موسیٰ کا قبطی کو مار دینا قبل النبوت یا بلا قصد پر محمول کر لیا جائے گا۔ یا حضرت داؤدؑ کا اوریا سے نکاح کرنا مخطوبۃ الغیر پر محمول کیا جائے گا جو فعل مشروع ہے۔ منکوحۃ الغیر سے نکاح مراد نہیں ہوگا۔ یا حضرت سلیمانؑ کی نماز عصر کا ترک نسیان پر محمول کیا جائے گا۔ حضرت یونسؑ کا اپنی قوم پر غضب ناک ہونا یا آنحضرت ﷺ کا حضرت زینب کی طرف سیلانِ قلبی درجۂ غیر اختیاری میں مراد لیا جائے گا جو معاف ہے یا

اس کی صحت کا انکار کیا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

خلافت ارشادی فاسق کو نہ دی جائے:........... **لا ینال عھدی** کے عموم میں یہ بھی داخل ہے کہ خلافتِ ارشادی بدعملی اور فسق کے ساتھ جمع نہیں ہونی چاہئے۔

اللہ کا حریم شاہی اور اس کے احکام:........... ''مقام ابراہیم'' ایک خاص پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر تعمیر فرمائی تھی اب وہ ممبر حرم اور زمزم کے درمیان ایک خاص جگہ پر قبہ میں محفوظ اور نصب ہے وہاں نوافل پڑھنا ثواب ہے اور دوگانہ طواف ادا کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے، اس کو مقام امن دووجہ سے فرمایا گیا ہے۔ ایک تو افعال حج ادا کرنے سے جن میں یہ مقام بھی داخل ہے عذاب آخرت سے امن ہوگا۔ دوسرے دنیاوی امن بھی مراد ہے حدودِ حرم میں کوئی بڑے سے بڑا مجرم اور خونی حتیٰ کہ بقول مفسرؒ اپنے باپ کا قاتل بھی اگر جا داخل ہوگا تو نہ صرف یہ کہ اس کو جان کا امان ملے گا بلکہ اللہ کے اس شاہی حریم اور پناہ گاہ میں جانوروں اور گھاس پھونس تک کو امن ہے۔ قاتل مجرم سے حرم کی حدود میں رہتے ہوئے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ ان کیلئے جان کی معافی ہے البتہ اس کی رسد بالکل بند کردی جائے گی تاکہ وہ از خود باہر نکلنے پر مجبور ہو جائے اس وقت گرفتار کر کے قصاص لیا جائے گا دوسرے مجرموں کے اور احکام ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ تفصیل ہے۔ دوسرے حضرات کے کچھ اور اقوال ہیں جن کی تفصیل آیت وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا میں آئے گی اور مقصود آیت سے قانون امن بیان کرنا ہے۔ اب اگر کسی ظالم نے انصاف کا خون کر کے اور قانون شکنی کر کے کسی وقت امن برباد کیا ہو تو اس سے قانون پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مسجد حرام کے حدود واحکام پر قیاس کر کے بعض حرم مدینہ کے احکام وحدود بھی متعین کئے ہیں جن کی تفصیل کلام اور فقہ کی مراجعت سے معلوم ہو سکتی ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا المَكَانَ **بَلَدًا اٰمِنًا** ذَا اَمْنٍ وَقَدْ اَجَابَ اللّٰهُ دُعَاءَهٗ فَجَعَلَهٗ حَرَمًا لَايُسْفَكُ فِيْهِ دَمُ اِنْسَانٍ وَلَايُظْلَمُ فِيْهِ اَحَدٌ وَلَايُصَادُ صَيْدُهٗ وَلَايُخْتَلٰى خَلَاهُ **وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ** وَقَدْ فَعَلَ بِنَقْلِ الطَّائِفِ مِنَ الشَّامِ وَكَانَ اَقْفَرَلَازَرْعَ بِهٖ وَلَا مَاءَ **مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** ط بَدَلٌ مِنْ اَهْلِهٖ وَخَصَّهُمْ بِالدُّعَاءِ لَهُمْ مُوَافِقَةً لِقَوْلِهٖ لَايَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ **قَالَ** تَعَالٰى **وَ** اَرْزُقُ **مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ فِي الدُّنْيَا بِالرِّزْقِ **قَلِيْلًا** مُدَّةَ حَيَاتِهٖ **ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ** اُلْجِئُهٗ فِي الْاٰخِرَةِ **اِلٰى عَذَابِ النَّارِ** ط فَلَا يَجِدُ عَنْهَا مَحِيْصًا **وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ** ﴿۱۲۶﴾ اَلْمَرْجِعُ هِيَ وَاذْكُرْ **اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ** الْاُسُسَ اَوِ الْجُدُرَ **مِنَ الْبَيْتِ** يَبْنِيْهِ مُتَعَلِّقٌ بِيَرْفَعُ **وَاِسْمٰعِيْلُ** ط عَطْفٌ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ يَقُوْلَانِ **رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا** بِنَاءَنَا **اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ** لِلْقَوْلِ **الْعَلِيْمُ** ﴿۱۲۷﴾ بِالْفِعْلِ **رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ** مُنْقَادَيْنِ **لَكَ وَ** اجْعَلْ **مِنْ ذُرِّيَّتِنَا** اَوْلَادِنَا **اُمَّةً** جَمَاعَةً **مُّسْلِمَةً لَّكَ** ص وَمِنْ لِلتَّبْعِيْضِ وَاَتٰى بِهٖ لِتَقَدُّمِ قَوْلِهٖ لَايَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ **وَاَرِنَا** عَلِّمْنَا **مَنَاسِكَنَا** شَرَائِعَ عِبَادَتِنَا اَوْ حَجِّنَا **وَتُبْ عَلَيْنَا** ج **اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ** ﴿۱۲۸﴾ سَاَلَاهُ التَّوْبَةَ مَعَ عِصْمَتِهِمَا تَوَاضُعًا وَتَعْلِيْمًا لِذُرِّيَّتِهِمَا **رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ** اَيْ اَهْلِ الْبَيْتِ **رَسُوْلًا مِّنْهُمْ** مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَقَدْ اَجَابَ

اللّٰہ دُعَاءَہٗ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ **یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ** الْقُرْآنَ **وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ** الْقُرْآنَ **وَالْحِکْمَۃَ** مَافِیْہِ مِنَ الْاَحْکَامِ **وَیُزَکِّیْھِمْ** یُطَھِّرُھُمْ مِنَ الشِّرْکِ **اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ** الْغَالِبُ **الْحَکِیْمُ** ﴿۱۲۹﴾ فِیْ صُنْعِہٖ ۔

ترجمہ: .... اور جس وقت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اس کو ایک آباد شہر بنا دیجئے (یعنی باامن حق تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو قبول فرما کر حرم قرار دیدیا کہ اب اس میں نہ کسی کو قتل کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی پر ظلم کیا جا سکتا ہے۔ نہ کسی جانور کا شکار کھیلا جا سکتا ہے اور نہ گھاس اکھاڑی جا سکتی ہے) اور اس کے بسنے والوں کو پھل عنایت فرمائیے (چنانچہ طائف کے خطہ کو ملک شام سے یہاں منتقل کر کے اللہ نے اس دعا کو قبول فرما لیا، حالانکہ پہلے یہ جگہ بے آب وگیاہ، چٹیل میدان تھا) ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ان میں سے ایمان رکھتے ہوں (لفظ من بدل واقع ہو رہا ہے اھلہ سے اور دعاء میں مؤمنین کی تخصیص۔ ارشاد خداوندی **لا ینال عھدی الظلمین** کی بنا پر کرنی پڑی) فرمایا (حق تعالیٰ نے) کہ (میں رزق دوں گا) اس شخص کو بھی جو کافر ہو اس کو خوب آرام برتاؤں گا (**امتعه** کی قرأت تشدید وتخفیف کے ساتھ دونوں طرح ہے۔ مراد دنیاوی رزق ہے تھوڑے دن (اس کی زندگی بھر) پھر اس کو کشاں کشاں لے جاؤں گا (**آخرت میں اس کو کھینچوں گا**) جہنم کے عذاب کی طرف (کہ وہاں سے اس کو چھٹکارا نصیب نہیں ہوگا) اور وہ جگہ تو نہایت ہی برا (ٹھکانا) ہے اور (یاد کیجئے) جبکہ اٹھا رہے تھے ابراہیم (علیہ السلام) دیواریں (بنیاد و دیواریں) خانہ کعبہ کی (بناء کرتے ہوئے تو **من البیت** متعلق ہے **یرفع** کے) اور اسماعیل (علیہ السلام) بھی (اسماعیل کا عطف ابراہیمؑ پر ہے درآنحالیکہ یہ دعا کرتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے پروردگار قبول فرمالیجئے ہم سے (ہماری تعمیر کو بلاشبہ آپ خوب سننے والے (بات کے) اور جاننے والے ہیں (کام کے) اے پروردگار ہم کو اپنا فریضہ اور زیادہ فرمانبردار (مطیع) بنالیجئے اور (پیدا کر دیجئے) ہماری ذریت (اولاد) میں ایک ایسی امت (جماعت) جو آپ کی فرمانبردار ہو (**من ذریتنا** میں **من** تبعیضیہ ہے۔ یہاں بھی **لاینال عھدی الظلمین**۔ ارشادِ خدوانری کی وجہ سے اس کا اضافہ کرنا پڑا ہے) اور سکھلا دیجئے (بتلا دیجئے) ہم کو اس احکام حج (عبادت یا حج کے احکام) اور ہمارے حال پر توجہ رکھیئے درحقیقت آپ ہی توجہ فرمانے اور مہربانی فرمانے والے ہیں (دونوں حضرات نے توبہ کی درخواست باوجود معصوم ہونے کے محض تواضعاً اور اولاد کی تعلیم دینے کے لئے کی ہے) اے **پروردگار مقرر فرما** انہی اہل خاندان میں ایک پیغمبر جو انہی میں سے ہو (افراد خاندان میں سے۔ اللہ نے یہ دعا **آنحضرت ﷺ کی صورت میں قبول فرمائی**) جو ان کو آپ کی آیات (قرآن) پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو کتاب (قرآن) کی اور احکام الٰہی (**حکمۃ** سے مراد احکام قرآن ہیں) کی تعلیم دیا کریں اور ان کو (شرک سے) پاک کر دیں بلاشبہ آپ طاقتور (غالب) اور کامل (الانتظام) ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **ھذا بلدا** یہاں اس جگہ کے بلد یا بلد آمن ہونے کی دعا کی اور سورۂ ابراہیم کے الفاظ یہ ہیں **ھذا البلد امنا** جس سے قبل از بلد ہونا معلوم ہوتا ہے ممکن ہے مقدر ذہنی مراد ہو۔ **امنا** موضع امن مفسرؒ علام نے **ذی امن** کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ یہ اھل کی صفت ہے نہ کہ بلد کی اس لئے حرم کی طرف اس کی اسناد مجازاً ہوگی **لا یسفک** اگر حرم میں رہتے ہوئے کسی نے قتل کیا یا زخمی کیا یا باہر سے زخمی کر کے آیا، تو بالاتفاق قصاص اور سزا دی جائے گی لیکن اگر باہر سے قتل کر کے حرم میں داخل ہوا تو امام ابوحنیفہؒ کا یہ مذہب ہے کہ اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ اس کو تنگ کر کے کسی طرح نکلنے پر مجبور کر دیں گے اور حیلہ سے جب باہر نکل جائے گا تو قصاص لے لیں گے۔ امام شافعیؒ کی نزدیک ہر صورت قصاص اور حدود جاری کی جائے گی۔ **لطائف** مشہور یہ ہے کہ یہ بلاد شام واردن یا فلسطین

کے قریب کی آباد و شاداب بستی تھی حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے جبریل کے ذریعہ اس کو منتقل فرما دیا اور اس بستی نے بیت اللہ کا سات دفعہ طواف کر کے مکہ معظمہ سے تین منزل کے فاصلہ پر قیام کیا اسی لئے اس کو طائف کہتے ہیں واللہ اعلم۔ ومن کفر کے درمیان جلال محققؒ نے "ارزق" مقدر مانا ہے اگر یہ واحد متکلم کا صیغہ ہے تو ارزق مقدر پر عطف ہو جائے گا تقدیر عبارت اس طرح تھی "ارزق من امن وارزق من کفر" اور بصیغۂ امر ہو تو امن پر عطف تقلیدی ہو جائے گا ای قل یا ابراھیم ارزق من کفر الخ

قلیلاً یہ ظرف ہے بتقدیر المضاف ای زمانا قلیلاً ومتاعًا قلیلا۔ الجنة اس میں استعارہ کیا گیا ہے، کافر کو بے اختیار کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، یقولان جلال محققؒ نے ربنا الخ جملہ دعائیہ انشائیہ کی صحت حالیت کے لئے مقدر مانا ہے اور صیغہ مضارع حکایت حال ماضیہ کے لئے ہے۔ قاعدہ بمعنی اساس کیونکہ تعمیر پستی سے بلندی کی طرف اس کی وجہ سے اٹھ جاتی ہے اور یا ستون مراد ہے جس پر چھت رکھی جائے اور عمارت بلندی اختیار کرے۔ بناء نا یہ تقبل کے مفعول محذوف کی طرف اشارہ ہے۔ امة جماعة پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے یہاں اور واحد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے "ان ابراھیم کان امةً" ارنا یہاں رویت قلبیہ مراد ہے۔ مناسک جمع منسک بالفتح والکسر بمعنی معبد مراد اس سے شرائع ہیں بحذف المضاف یا تسمیہ الحال باسم المحل، ذبح، حج عام عبادت کے معنی ہیں بمحمد کیونکہ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی اولاد یعنی بنو اسماعیل میں بجز آپ کے کوئی اور نبی نہیں ہوا۔ حضرت اسحاقؑ کی اولاد یعنی بنی اسرائیل میں تو بکثرت انبیاءؑ ہوئے ہیں اس لئے اس کا مصداق صرف آپ کی ذات گرامی ہو سکتی ہے۔ یتلوا یہ موضع نصب میں ہے رسول کی صفت اور یا منھم کی ضمیر سے حال ہے۔ حکمة کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ قتادہؒ کی رائے یہ ہے کہ سنت مراد ہے۔ مجاہدؒ فہم قرآن امام مالکؒ تفقہ فی الدین سے اور بعض محققینؒ اتقان علم و عمل سے تعبیر کرتے ہیں۔

ربط: .... آگے حدود حرم اور اس کے سکان کے لئے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی دعاؤں کا ذکر ہے یہ بھی فضیلت کعبہ کی دلیل ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... دعاء ابراہیمی اور اس کا مصداق: .... ان دونوں بزرگ بانیوں کی چھ دعاؤں کا بناء بیت کے وقت تذکرہ کیا گیا ہے۔ جن میں ایک دعاء وادی غیر ذی زرع کے باامن اور آباد شہر ہونے کی بھی تھی جس میں مسلمان و کافر سب رہیں اور سب کو رزق ملے، چونکہ کافروں کا اطاعت سے خارج ہونا پہلے معلوم ہو چکا تھا اس لئے ادباً حضرت ابراہیمؑ نے دعائے رزق میں ان کو شامل نہیں فرمایا، اگلی دعاؤں میں بناء کعبہ اور بانی کے لئے اخلاص کی دعا اور سب سے آخر میں نبی کریم ﷺ اور آپ کی امت کے لئے خصوصیت سے دعاء فرمائی جس سے کعبہ کے ساتھ آپ کا اختصاص واضح ہے بناء کعبہ میں تابع کی حیثیت سے حضرت اسماعیلؑ بھی شریک رہے خواہ کبھی تعمیر بھی کرتے ہوں یا صرف گارہ پتھر دیتے ہوں۔

ان دعاؤں کا مصداق ایسا ہی شخص ہو سکتا ہے جو دونوں کی اولاد ہونے کا شرف رکھتا ہو۔ بنی اسماعیل میں یہ شرف صرف رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے، اس لئے آپ ہی اس کا مصداق ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں اپنے والد ابراہیمؑ کی دعاؤں کا ظہور ہوں۔

سچا بیٹا، باپ کی دولت کا امین ہوتا ہے: .... اور "امة مسلمة" کے لئے اولاد کی تخصیص، اسی طرح پیغمبر کے

لئے اسی خاندان سے ہونے کی تخصیص کی مصلحت یہ ہے کہ بہ نسبت دوسرے خاندانی شخص کے اپنے خاندانی شخص کے حالات اور اوصاف جمیلہ وجلیلہ سے کماحقہ خاندانی لوگ واقف ہوں گے۔ ان کو اس کے اتباع میں کسی طرح اجنبیت اور استنکاف محسوس نہیں ہو پائے گا اور پھر ایسے لوگوں کی دیکھا دیکھی دوسروں کو بھی طمانیت واطمینان ہوگا اور وہ جلد اتباع وتصدیق کی طرف قدم بڑھا سکیں گے۔ اس طرح گویا اہل خاندان کو اپنے خاندانی شخص کی لاج رکھنے کا خیال بھی پیش نظر ہوگا اور وہ اس کی اتباع میں زیادہ ساعی اور دوسروں کی ہدایت کے لئے اصل ذریعہ ثابت ہوسکیں گے۔

الائمۃ من قریش: .... چنانچہ یہی ہوا کہ پوار جزیرۃ العرب، قریش اور آپ کے خاندان کے ایمان کا منتظر تھا جوں ہی انہوں نے ایمان قبول کیا اور مکہ معظمہ فتح ہوا لوگ جوق در جوق اور فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے اور یہی مصلحت ہے قریش کے خلافت کے لئے خاص ہونے کی کہ ان کو جس قدر ہمدردی اور دل سوزی ہوگی دوسروں کو اس کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہوسکتا۔

حکمۃ سے مراد جلال محققؒ نے احکام قرآن لئے ہیں لیکن اس سے مراد خوش فہمی بھی ہوسکتی ہے۔ اور خوش فہمی کا سلیقہ یہ کہ تفقہ اور اجتہاد حاصل ہو کہ اصل سے فروع کا حکم نکال سکیں۔ اور بات میں سے بات نکالنا اور ایک نظیر کو دوسری نظیر پر اصول صحیحہ کی رعایت کے ساتھ منطبق کرنا آجائے۔ چنانچہ اس امت میں آنحضرت ﷺ کے اتباع کی بدولت بہت سے اکابر وعلماء کو یہ دولت نصیب ہوئی جن کی برکات سے عام مسلمان بلکہ عامۃ الناس متنفع ہورہے ہیں۔ پیغمبر آخر الزماں ﷺ کے اس آیت میں چار اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں۔ کتاب اللہ کی تلاوت کرنا جو پہلا اور ابتدائی درجہ ہے۔ کتاب اللہ کے معانی کی تعلیم دینا جو اس کے بعد دوسرا درجہ ہے، تیسرے حکمۃ کی تعلیم دینا اور اس علم وعمل کے مجموعہ کے بعد آخری درجہ تکمیل یعنی روحانی اور اخلاقی تزکیہ کرنا۔ یہ آپ کی کتاب زندگی کے چار اہم ورق ہیں۔ ومن یؤت الحکمۃ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا

بقاء سلسلہ کی تمنا: .... ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک سے مشائخ کی اس تمنا کی اصل نکلتی ہے کہ جو اپنے سلسلہ کی بقاء کے لئے رکھتے ہیں۔

وَمَنْ اَیْ لَا **یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ** فَیَتْرُكُهَا **اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ** ؕ جَهِلَ اَنَّهَا مَخْلُوْقَةٌ لِلّٰهِ یَجِبُ عَلَیْهَا عِبَادَتُهٗ اَوِ اسْتَخَفَّ بِهَا وَامْتَهَنَهَا **وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ** اخْتَرْنَاهُ **فِی الدُّنْیَا** ۚ بِالرِّسَالَةِ وَالْخُلَّةِ **وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ** ﴿۱۳۰﴾ اَلَّذِیْنَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلٰی وَاذْكُرْ **اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ** ۙ اِنْقَدْ لِلّٰهِ وَاَخْلِصْ لَهٗ دِیْنَكَ **قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** ﴿۱۳۱﴾ **وَوَصّٰی** وَفِیْ قِرَاءَةٍ اَوْصٰی **بِهَاۤ** بِالْمِلَّةِ **اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ** ؕ بَنِیْهِ قَالَ **یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ** دِیْنَ الْاِسْلَامِ **فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ** ﴿۱۳۲﴾ نَهٰی عَنْ تَرْكِ الْاِسْلَامِ وَاَمَرَ بِالثَّبَاتِ عَلَیْهِ اِلٰی مُصَادَفَةِ الْمَوْتِ وَلَمَّا قَالَ الْیَهُوْدُ لِلنَّبِیِّ اَلَسْتَ تَعْلَمُ اَنَّ یَعْقُوْبَ یَوْمَ مَاتَ اَوْصٰی بَنِیْهِ بِالْیَهُوْدِیَّةِ نَزَلَ **اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ** حُضُوْرًا **اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ** بَدَلٌ مِنْ اِذْ قَبْلَهٗ **قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ** ؕ بَعْدَ مَوْتِیْ **قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ**

ابَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ عَدُّ اِسْمٰعِيْلَ مِنَ الْاٰبَاءِ تَغْلِيْبٌ وَلِاَنَّ الْعَمَّ بِمَنْزِلَةِ الْاَبِ اِلٰهًا وَّاحِدًا بَدَلٌ مِنْ اِلٰهَكَ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۱۳۳) وَاَمْ بِمَعْنٰى هَمْزَةِ الْاِنْكَارِ اَىْ لَمْ تَحْضُرُوْهُ وَقْتَ مَوْتِهٖ فَكَيْفَ تَنْسِبُوْنَ اِلَيْهِ مَالَا يَلِيْقُ بِهٖ تِلْكَ مُبْتَدَأٌ وَالْاِشَارَةُ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَيَعْقُوْبَ وَبَنِيْهِمَا وَاُنِّثَ لِتَانِيْثِ خَبَرِهٖ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ سَلَفَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ مِنَ الْعَمَلِ اَىْ جَزَاؤُهٗ اِسْتِيْنَافٌ وَلَكُمْ الْخِطَابُ لِلْيَهُوْدِ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۳۴) كَمَا لَا يُسْئَلُوْنَ عَنْ عَمَلِكُمْ وَالْجُمْلَةُ تَاكِيْدٌ لِمَا قَبْلَهَا

ترجمہ: .... اورکون ہے؟ (یعنی کوئی نہیں ہے) جوملت ابراہیمی سے روگردانی کرے (کہ اس کو چھوڑ بیٹھے) مگر وہی جو اپنی ذات ہی سے احمق ہوگا (جو اس بات سے جاہل ہو کہ وہ اللہ کی مخلوق ہے اور اس پر اللہ کی عبادت فرض ہے یا یہ مراد ہے کہ اس نے اپنے نفس کو ذلیل (حقیر کرر کھا ہے) حالانکہ ہم نے ان کو منتخب کرلیا ہے (چھانٹ لیا ہے) دنیا میں (رسالت اور خالص دوستی کے لئے) اور بلاشبہ وہ آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں شمار کئے جائیں گے (جن کیلئے درجات عالیہ ہوں گے) اور (یاد کیجئے) جبکہ فرمایا ان سے ان کے پروردگار نے کہ تم فرمانبرداری اختیار کرو (اللہ کی اطاعت کرو، اور ان کیلئے دین کو خالص کرلو) عرض کیا میں تو رب العالمین کا فرمانبردار ہوں اور وصیت کر گئے (ایک قرأت میں اوصیٰ ہے) اسی (ملت کی) ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹوں کو اور اسی طرح یعقوب علیہ السلام (اپنے بیٹوں کو فرمانے لگے کہ) اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے، اس دین (دین اسلام) کو اس لئے تم بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا (اس میں ترک اسلام کی ممانعت اور اسلام پر مرتے دم تک ثابت رہنے کا حکم ہے۔ آنحضرت ﷺ سے یہود نے عرض کیا کہ کیا آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے وفات کے وقت اپنی اولاد کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی تھی؟ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی) کیا تم لوگ خود اس وقت موجود (حاضر) تھے۔ جب یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا جس وقت (یہ اذ پہلے اذ سے بدل ہے) انہوں نے اپنے بیٹوں سے دریافت کیا کہ تم لوگ میرے (مرنے کے) بعد کس چیز کی پرستش کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس ذات کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے بزرگ ابراہیم واسماعیل علیہما السلام پرستش فرماتے رہے ہیں (حضرت یعقوبؑ، حضرت اسماعیلؑ کو باپ کہنا یا تغلیبا ہوگا اور یا چچا کے بمنزلہ باپ ہونے کی بناء پر) یعنی وہی معبود جو وحدہ لاشریک ہے (یہ لفظ الٰهك سے بدل ہے) اور ہم اس کی فرمانبرداری پر قائم رہیں گے۔ ام کنتم میں لفظ ام بمعنی ہمزۂ انکار ہے یعنی تم ان کی وفات کے وقت یقیناً موجود نہیں تھے پھر کیسے ان کی طرف غیر شایان شان باتیں منسوب کرتے ہو) یہ (تلك مبتدا ہے اور اس سے حضرت ابراہیمؑ و یعقوبؑ اور ان کی اولاد کی طرف اشارہ ہے اور اس کو مؤنث لانا خبر کے مؤنث ہونے کی وجہ سے ہے) اور ایک جماعت تھی جو گزر چکی ہے (جا چکی ہے) ان کے کام ان کا کیا ہوا (عمل یعنی اس کی جزاء یہ جملہ مستانفہ ہے) آئے گا، اور تمہارے کام (یہود کو خطاب ہے) تمہارا کیا ہوا آئے گا اور تم سے تو ان کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی نہ ہوگی (جیسا کہ ان سے تمہارے کئے ہوئے کی پوچھ پرسش نہ ہوگی۔ یہ جملہ ماقبل کی تاکید ہے۔

تحقیق وترکیب: .... **مـن** کے بعد لا سے اشارہ اس کے انکاری ہونے کی طرف اسی لئے اس کے بعد الاآیا ہے یہ موضع رفع مبتدا اور یرغب ہے جس میں عائد من کی طرف راجع ہے۔ **سفه** یہ جو جہل کے معنی اور اس کی طرح متعدی ہے اور یا سفه فی نفسه تھا۔ جاء حذف کر کے فعل سے ملا دیا اور یا سفه کے اصل معنی خفتہ کے مراد لئے جائیں اصطفیناہ برگزیدہ اور خالص چیز کا انتخاب کرنا۔

وصی دوسرے کے سامنے اصلاحی کام پیش کرنا اصل معنی اس کے وصل کے ہیں بولتے ہیں۔ وصاہ اذا وصلہ او فصاہ اذا فصلہ. گویا موصی اپنے فعل کو موصیٰ کے فعل سے ملاتا ہے۔ عام اس سے کہ وصیت موت کے وقت ہو یا بغیر موت کے قولاً ہو یا دلالۃً۔ اگر چہ مشہور یہی ہے کہ وصیت موت کے وقت قول کو کہتے ہیں۔

فلا تموتن بظاہر تو موت سے نہی ہے جو غیر اختیاری ہے مگر درحقیقت مراد جیسا کہ مفسرؒ علام نے کہا ترک اسلام سے نہی کرنا ہے جیسے کہا جائے **لا تصل الا وانت خاشع** اس میں ترک صلوٰۃ کا حکم نہیں بلکہ ترکِ خشوع سے منع کرنا ہے۔ گویا یہ اشارہ کرنا ہوتا ہے کہ اس حقیقت کے بغیر اس فعل کا وجود وعدم برابر ہوتا ہے۔

اور امام رازیؒ نے یہ توجیہ کی ہے کہ کسی آن بھی چونکہ موت سے اطمینان نہیں ہوتا ہر لمحہ اس کا اندیشہ رہتا ہے اس لئے موت سے پہلے اسلام کی تاکید گویا ہر آن اس پر ثبات قدمی کی تلقین ہوگی۔

ام کنتم میں بیضاویؒ کی رائے یہ ہے کہ ام منقطعہ اور متصلہ دونوں طرح ہوسکتا ہے۔ جلال محققؒ نے اس کی تین وجہ میں سے ایک طرف اشارہ کیا ہے۔ (۱) یا صرف ہمزہ کے معنی ہوتا ہے (۲) یا صرف بل کے معنی میں (۳) اور یا دونوں کے معنی میں ہوتا ہے اور غالب تیسری صورت ہوتی ہے۔ **والٰہ ابائك** لفظ الٰہ کا اعادہ اس لئے کیا گیا ہے کہ ضمیر مجرور پر بلا اعادۂ جار عطف لازم نہ آ جائے۔ **الٰھا واحدا** اول لفظ الٰہ کے تکرار سے جو عدم توحید کا شبہ ہوسکتا تھا اس کے ازالہ کے لئے یہ بدل لائے ہیں۔

ونحن له مسلمون **نعبد** کے فاعل سے حال واقع ہے۔ یہ جملہ معطوف ہے **نعبد** پر یہ جملہ معترضہ مؤکدہ ہے۔ **وانت** جہاں ضمیر کے مرجع اور خبر میں اختلاف ہو تو خبر کی رعایت بہتر ہوتی ہے۔ **لھا ما کسبت** میں مفسرؒ علام نے حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے استیناف دوسری صورت صفت ہونے کی بھی ہوسکتی ہے یا ضمیر خلت سے حال ہوسکتا ہے۔ **ما** موصولہ یا موصوفہ ہے اور عائد محذوف ہے "**ای لھا ما کسبتہ**"

ربط: ....حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ محض حق کا اتباع اور اللہ کی اطاعت تھی۔ آگے ان کی نسل کے تمام اہل حق کا طریق بھی یہی رہا ہے جس کی جامع اور صحیح تعبیر اسلام کے ساتھ ہونی چاہئے۔ ان حضرات کے یہاں نسلی غرور، آبائی فخر، گروہ بندی کوئی چیز نہیں تھی۔ بلکہ سب کا مشرب سچائی کا اتباع تھا اب یہ اطاعت حق منحصر ہے آنحضرت ﷺ کے اتباع میں۔ لیکن قوم یہود جو خود کو اولادِ یعقوب علیہ السلام بتلاتی ہے اور دین ابراہیمؑ کا متبع اپنے آپ کو سمجھتی ہے بالکل اس راہ سے منحرف ہے بلکہ محض ضد بندی سے حضرت ابراہیمؑ وغیرہ انبیائےؑ سابقین کو بھی یہودی ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے حالانکہ یہودیت ان کے بہت بعد شروع ہوئی تھی۔

شانِ نزول: ....لباب النقول میں ہے کہ عبداللہ بن سلام نے اپنے دو بھتیجوں سلمہ اور مہاجر کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم خوب جانتے ہو کہ اللہ نے تورات میں فرمایا ہے کہ بنی اسماعیل میں ایک نبی بھیجنے والا ہوں جن کا نام احمد ہوگا جو شخص آپ پر ایمان لائے گا وہ راہِ ہدایت پر ہوگا۔ اور جو ایمان نہیں لائے گا وہ ملعون ہوگا۔ یہ سن کر سلمہؓ نے تو اسلام قبول کر لیا مگر مہاجر نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿ **تشریح** ﴾: ......**طاعتِ ابراہیمی:** ....حضرت ابراہیمؑ کے جواب کا یہ منشا نہیں ہے کہ میں پہلے فرمانبردار نہیں تھا اب اطاعت کے لئے حاضر ہوں کیونکہ نبی کے لئے کسی وقت بھی نافرمانی اور خلاف ورزی ممکن نہیں ہے۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ زمانۂ کم سنی اور بے شعوری میں وہ شریعت اور اس کی تفصیلات سے خالی الذہن بلکہ ایک درجہ میں بے خبر رہے ہوں جیسا کہ "**ووجدك**

ضـالا'' سے معلوم ہوتا ہے۔اس کو خلاف ورزی یا نافرمانی کہنا یا سمجھنا سراسر غلط ہے کیونکہ مخالف کہتے ہیں حق واضح نہ ہونے کے بعد اس پر عملدرآمد نہ کرنے کو جب تک حق واضح نہیں ہوا خلاف ورزی کا کیا سوال؟ تاہم خالی الذہن ہونے کی حالت میں جب حق ان کے سامنے آیا انہوں نے فوراً اس کو قبول کرلیا۔اسی کو اطاعت اور اسلام سے تعبیر کیا گیا ہے یا بقاءعلی الطاعت کا اظہار کرنا ہے کہ بندہ پہلے کی طرح اب بھی نیازمند ہے جو ارشاد ہو حاضر ہے۔صیغۂ امر جس طرح احداثِ فعل کے لئے آتا ہے ابقاء فعل کے لئے بھی آتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے یا نصرانی یا مسلمان؟:............رہا حضرت ابراہیمؑ ویعقوبؑ کا یہودی ہونا یا دوسروں کو یہودیت اختیار کرنے کی فہمائش کرنا اس کی صحت کے دو(۲) ہی طریقے ہوسکتے تھے۔یا نقل صحیح اور یا مشاہدہ۔یہاں دونوں منتفی ہیں بلکہ عقلی دلیل اس کے برخلاف یہ موجود ہے کہ یہودیت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور نصرانیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے اور حضرت ابراہیم ویعقوب علیہم السلام وغیرہ بہت زمانہ پہلے گزر چکے ہیں۔پھر ان کا یہودی یا نصرانی بننا کس طرح ممکن ہے۔یہی منشاء ہے آیت **ماکان ابراھیم یھودیا ولانصرانیا** اور **لم تحاجون فی ابراھیم وما انزلت التورٰۃ والانجیل الا من بعدہ افلا تعقلون** کا۔مگر بُرا ہو اتحزب اور گروہ بندی کا کہ زمان ومکان کی حدود وقیود کو توڑ کر بالکل ہی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی ہے، البتہ اس پر شبہ ہوسکتا ہے کہ بالمعنی المذکور جب ان کا یہودی یا نصرانی بننا ممکن نہیں ہے تو پھر اسلام کا پیرو ہونا جس کی ابتداء یہودیت ونصرانیت سے بھی بہت بعد میں آنحضرت ﷺ کے وقت سے ہوئی کس طرح صحیح اور درست ہوسکتا ہے۔لیکن اسلام سے مراد یہاں مخصوص طریقہ اور مجموعہ شریعت محمدی نہیں ہے بلکہ صرف اطاعتِ حق مراد ہے جو تمام اہل حق اور پیشوایانِ مذہب کا ہر زمانہ میں شیوہ اور وطیرہ رہا ہے۔اور یہی وہ مشترک مشربِ حق ہے جس کا سب نے اتباع کیا ہے۔یہودیت یا نصرانیت کے معنی اسلام کی طرح تسلیم وانقیاد کے نہیں ہیں بلکہ وہ ایک مخصوص طریقہ اور مسلک کا نام ہے اس میں یہ توجیہ نہیں ہوسکتی تاہم پھر بھی اگر کوئی کھینچ تان کر تاویل کرنے لگے تو ہم کو مضر نہیں اور اس کو مفید نہیں ہے۔

غرورِ نسلی اور آبائی فخر کی برائی:............اہل کتاب میں نسلی غرور اور آبائی فخر کی وجہ سے جو سرگرانی پیدا ہوگئی تھی اور وہ گھن کی طرح قوم کا برادہ چاٹ رہی تھی۔اگلی آیت **تلک امۃ** میں اس آئینہ خود بینی اور شیشۂ غرور کو چکنا چور کردیا گیا ہے کہ یہ بات ''پدرم سلطان بود تراچہ'' کا مصداق ہے۔یعنی قانون الٰہی یہ ہے کہ ہر فرد اور جماعت کو اس کا اپنا کمایا ہوا عمل کارآمد ہوتا ہے نہ تو ایک کی نیکی دوسرے کو بچاسکتی ہے اور نہ ایک کی بدعملی کے لئے دوسرا جوابدہ ہوسکتا ہے لیکن نادان انسان ہمیشہ ماضی کے افسانوں میں گم ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ماضی سے حال اور مستقبل کے لئے کوئی لائحہ عمل اور درسِ عمل تیار نہیں کرتا۔

اچھوں سے انتساب اور رفع تعارض:............اچھوں سے انتساب ان نیک عمل لوگوں کے لئے مفید ہوسکتا ہے جن کے پاس ایمان کی دولت اور نیکیوں کی پونجی ہو تھوڑی بہت کمی اس انتساب سے پوری کردی جایا کرتی ہے(۱) **والذین اٰمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم** (۲) **ان اکرمکم عنداللہ اتقکم** اور حدیث **المرء مع من احب** اور حدیث شفاعت کا یہی مفہوم ہے لیکن جو لوگ عقائد قطعیہ میں مخالف اور عمل میں پورے نافرمان ہوں ان کے لئے محض فخر نسبی کیا کام آسکتا ہے ''نہ اوڑھنے میں نہ بچھانے میں'' آیت **لا انساب بینھم یومئذ ولا یتساء لون** اور حدیث **یا فاطمۃ انقذی نفسک من النار لا اغنی عنک من اللہ شیئا** کا یہی مفہوم ہے اس طرح مختلف نصوص میں تطبیق بھی ہوگئی اور اہل کتاب کا رسالتِ محمدیؐ کے عقیدہ سے جس کے تمام انبیاءؑ مصداق تھے انحراف بھی لازم آگیا۔پھر یہ انتساب ان کے لئے اب کس طرح کام کا اور اب محض لکیر پیٹنے سے کیا فائدہ؟ ہاں دنیا میں نسب کے تفاوت

اور اختلاف کے فوائد ومصالح اپنی جگہ ہیں لیکن اس سے اپنے لئے بے جا فخر اور دوسروں کی تحقیر کا جواز کیسے نکل سکتا ہے۔

معرفت حق، موت اختیاری: .... آیت ومن یرغب سے مشائخ کے اس قول کی اصل نکلتی ہے کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ اور آیت فلا تموتن الا وانتم مسلمون سے اشارہ ہے موت اختیاری کی طرف جس کے متعلق موتوا قبل ان تموتوا فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ حکم کا تعلق کسی فعل اختیاری ہی سے ہونا چاہئے۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ اَوْ لِلتَّفْصِيْلِ وَقَائِلُ الْاَوَّلِ يَهُوْدُ الْمَدِيْنَةِ وَالثَّانِيْ نَصٰرٰى نَجْرَانَ **قُلْ** لَهُمْ **بَلْ** نَتَّبِعُ **مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا** ؕ حَالٌ مِنْ اِبْرَاهِيْمَ مَائِلًا عَنِ الْاَدْيَانِ كُلِّهَا اِلَى الدِّيْنِ الْقَيِّمِ **وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ** ﴿۱۳۵﴾ **قُوْلُوْٓا** خِطَابٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ **اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا** مِنَ الْقُرْاٰنِ **وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ** مِنَ الصُّحُفِ الْعَشْرِ **وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ** اَوْلَادِهٖ **وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى** مِنَ التَّوْرٰةِ **وَعِيْسٰى** مِنَ الْاِنْجِيْلِ **وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ** ۚ مِنَ الْكُتُبِ وَالْاٰيَاتِ **لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ** فَنُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ كَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى **وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ** ﴿۱۳۶﴾ **فَاِنْ اٰمَنُوْا** اَيِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى **بِمِثْلِ** مِثْلُ زَائِدَةٌ **مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا** ۚ **وَاِنْ تَوَلَّوْا** عَنِ الْاِيْمَانِ بِهٖ **فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ** ۚ خِلَافٍ مَعَكُمْ **فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ** ۚ يَا مُحَمَّدُ شِقَاقَهُمْ **وَهُوَ السَّمِيْعُ** لِاَقْوَالِهِمْ **الْعَلِيْمُ** ﴿۱۳۷﴾ بِاَحْوَالِهِمْ قَدْ كَفَاهُ اللّٰهُ اِيَّاهُمْ بِقَتْلِ قُرَيْظَةَ وَنَفْيِ النَّضِيْرِ وَضَرْبِ الْجِزْيَةِ عَلَيْهِمْ **صِبْغَةَ اللّٰهِ** ۚ مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِاٰمَنَّا وَنَصْبُهٗ بِفِعْلٍ مُقَدَّرٍ اَيْ صَبَغَنَا اللّٰهُ وَالْمُرَادُ بِهَا دِيْنُهُ الَّذِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهِ لِظُهُوْرِ اَثَرِهٖ عَلٰى صَاحِبِهٖ كَالصَّبْغِ فِي الثَّوْبِ **وَمَنْ** اَيْ لَا اَحَدٌ **اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً** ۫ تَمْيِيْزٌ **وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ** ﴿۱۳۸﴾

ترجمہ: .... اور کہتے ہیں یہ لوگ تم یہودی ہو جاؤ یا نصرانی ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے (ھودا او نصرٰی میں او تفصیل کے لئے ہے۔ اول جملہ کے قائل یہود مدینہ اور دوسرے کے قائل نصارٰی نجران) آپ ان سے کہہ دیجئے بلکہ (ہم تو اتباع کرتے ہیں) ملت ابراہیمی کا جس میں کجی کا نام نہیں ہے (حنیفا حال ہے ابراہیمؑ سے یعنی تمام ادیان سے کٹ کر دین حق کی طرف مائل ہوئے ہیں) اور ابراہیم (علیہ السلام) مشرک نہیں تھے۔ کہہ دیجئے (مسلمانوں کو خطاب ہے) کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور (قرآن) پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا ہے اور (دس کتابوں) پر جو حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ ویعقوبؑ اور ان کی اولاد (اولاد یعقوبؑ) پر نازل کی گئی ہے اور وہ (تورات) جو حضرت موسٰیؑ کو دی گئی اور (انجیل) جو حضرت عیسٰیؑ کو دی گئی اور جو کچھ (کتابیں اور آیات) انبیاء علیہم السلام کو پروردگار کی طرف سے دی گئی ہیں۔ درآنحالیکہ ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے (کہ بعض کو مانیں اور بعض کا انکار کریں، یہود ونصارٰی کی طرح) اور ہم تو اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ سو اگر (یہود ونصارٰی بھی) ایمان لے آئیں اسی طرح (لفظ مثل زائد ہے) جس طرح تم ایمان لائے ہو تب تو وہ بھی راہ حق پر لگ جائیں گے اور اگر وہ روگردانی کرنے لگیں (ایمان سے) تو وہ لوگ ہمیشہ سے برسر عداوت (تمہاری مخالفت پر) ہیں ہی۔ عنقریب آپ کی طرف سے اللہ نبٹ لیں گے (اے محمدؐ در بارۂ مخالفت) اور اللہ سنتے ہیں (ان کے اقوال) اور جانتے ہیں (ان کے احوال کو چنانچہ اللہ ان سے اس طرح نبٹے کہ بنی قریظہ کو قتل کیا گیا، اور بنی نضیر کو جلاوطن کیا گیا اور ان پر جزیہ "ٹیکس"

مقرر کیا گیا) ہم ایمان لائے اس حال میں کہ اللہ نے ہم کو رنگ دیا ہے (یہ مصدر ہے آمنا کی تاکید کے لئے اور منصوب ہے فعل مقدر "صبغنا اللہ" سے مراد دین فطری ہے کہ جس پر لوگوں کو پیدا کیا گیا ہے کیونکہ اس کا اثر دیندار پر اس طرح پڑھتا ہے کہ جیسے کپڑے پر رنگ) اور دوسرا کون ہے (کوئی نہیں ہے) جس کے رنگ دینے کی حالت اللہ کے رنگ سے بہتر ہو (صبغۃ تمیز ہے) اور ہم اس کی بندگی اختیار کئے ہوئے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... نتبع ۔ یہ ملۃ کا عامل محذوف ہے اور جملہ مقولہ قول محل نصب میں ہے۔ حنیفا جہاں مضاف الیہ کے قائم مقام ہوسکے وہاں مضاف الیہ سے بھی حال بنایا جاسکتا ہے۔ جیسے حنیفا ابراہیمؑ سے حال ہے اور ملۃ سے بھی حال ہوسکتا ہے یا مثلاً رایت وجہ ھند یستلزم رویتھا من الصحف العشر اگر یہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ہے تو دوسروں کی طرف ان کے تابع ہونے کی وجہ سے ان کی نسبت صحیح ہوگی جیسے نزول قرآن کی نسبت ہماری طرف ہے الاسباط جمع سبط جس درخت کی کثیر شاخیں ہوں مراد اولاد۔ صاحب کشافؒ نے اس کے معنی پوتے کے بیان کئے ہیں۔ ما اوتی. ما انزل کی بجائے تجدید کے لئے اس طرح روش کلام میں تبدیل کردی گئی ہے مثل زائدۃ چونکہ مسلمان، جس خدا اور قرآن پر ایمان لائے ہیں ان کا کوئی مثل نہیں ہے اس لئے لفظ مثل کو جلال مفسرؒ زائد فرمارہے ہیں۔ چنانچہ ابن مسعودؓ کی قرأت بما امنتم بہ اس کی مؤید ہے۔ ما موصولہ ہے یا مصدر یہ اور با زائد تاکید کے لئے ہے۔ شقاقا خلاف چونکہ ہر ایک ایک شق پر ہوتا ہے اس لئے وجہ مناسبت ظاہر ہے۔ موسیٰ اور عیسیٰ کی تخصیص کی کیونکہ نزاع ان ہی میں ہورہا تھا۔

صبغۃ بروزن فعلۃ صبغ سے جیسے جبس سے جبسۃ بمعنی رنگت مراد دین اللہ ہے۔ نصاریٰ میں دین میں داخل ہونے کے لئے عمودیہ ایک رسم ادا کی جاتی تھی یعنی زرد رنگ میں اصطباغ کرتے تھے تقاولاً مسلمانوں کی طرف سے اس کا جواب دیا گیا ہے کہ اللہ کا رنگ زیادہ پختہ اور بہتر ہے۔ بعض نے اس کو منصوب علی الاغراء کہا ہے اور بعض کے نزدیک بدل ہے ضمیر قولوا سے یا اتبعوا سے صبغۃ اللہ میں استعارہ اصلیہ تصریحیہ ہے وجہ شبہ جامع تاثیر وظہور ہے جس کی طرف جلال محققؒ نے اشارہ کیا ہے۔

ربط: .... اول آیت میں یہودیت ونصرانیت کی طرف بلانے والوں کا جواب ارشاد ہوتا ہے۔ دوسری آیت قولوا میں ملت ابراہیمی کا خلاصہ اور دین حق کا انحصار، اور تیسری آیت فان امنوا میں اس انحصار پر تفریع اور مخالفین کے قبول حق نہ کرنے پر آنحضرت ﷺ کی تسلی ہے۔ چوتھی آیت صبغۃ اللہ میں اسلام کا مزید شرف ظاہر کرنے کے لئے دین ابراہیم سے بڑھ کر اللہ کی طرف اضافت فرمائی جارہی ہے جس سے توحید کا جو اصل دین ہے مزید اہتمام مقصود ہے کہ دین کی حقیقی اضافت اللہ کی طرف ہے البتہ نبی کی طرف اضافت بواسطہ تعلق تبلیغ کے ہے۔

شانِ نزول: .... ابن ابی حاتم نے بطریق سعیدؓ یا عکرمہؓ حضرت ابن عباسؓ سے لباب النقول میں روایت تخریج کی ہے کہ ابن صوریا نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا ما الھُدٰی اِلاَّ مَا نَحْنُ عَلَیْہِ فَاتَّبِعْنَا یَا مُحمد تَھتَدُوا ۔ نصاریٰ نے بھی اس قسم کے جملے کہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: ...... ملتِ ابراہیمی کا متبع کون ہے؟: .... مشرکین عرب باوجود افعال شرکیہ کے محض ختنہ اور حج کی چند رسوم ادا کر لینے سے خود کو ملتِ ابراہیم کا متبع سمجھتے تھے۔ اسی طرح یہود ونصاریٰ باوجود قالت الیھود عزیز ابن اللہ وقالت النصٰری المسیح ابن اللہ عقائد شرکیہ کی آمیزش کے ملتِ ابراہیمی کا دعویدار قرار دیتے تھے اس لئے ایک ہی جملہ

"وما كان من المشركين" سے سب کا پردہ چاک کر دیا گیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہودیت ونصرانیت کی منسوخیت کے علاوہ تم لوگ شرک کی گندگی سے بھی آلودہ ہو اور ملتِ ابراہیمی ان تمام آلودگیوں سے مبرا اور منزہ ہے۔ وہ تو سب سے کٹ کر صرف حق سے جڑا ہوا ہے جس کو اسلام کے مرادف کہنا چاہئے۔ اسی لحاظ سے آنحضرت ﷺ کو ملت ابراہیمی کا متبع کہا گیا۔ بلکہ تمام انبیائے سابقین کے اتباع کا مشورہ "فبهدا هم اقتده" سے آپ کو دیا گیا ہے حالانکہ آپ مستقل نبی اور صاحبِ شریعت ہیں۔ حاصل یہ کہ تمام اہلِ حق کا مشن چونکہ ایک یعنی صرف اتباع حق رہا ہے اس لئے کہیں اس کو ملتِ ابراہیمی سے تعبیر کیا گیا ہے اور کہیں اسلام سے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:............ رہا یہ شبہ کہ ملت ابراہیمی اور اسلام جب ایک مشترک مذہب ہے تو اس کو موسوی یا عیسوی ملت بھی کہنا چاہئے۔ پھر اس لقب کی تخصیص کیوں کی گئی ہے؟ جواب یہ ہے کہ اول تو ابراہیم علیہ السلام چونکہ سب کے مسلمہ بزرگ تھے، ان خاص تعبیروں میں دوسروں کو ناگواری ہوتی، دوسرے شریعت اسلامیہ اور ملت ابراہیمی میں اصول وفروع جس درجہ مشترک متفق علیہ ہیں یہ اتحاد دوسری ملتوں میں نہیں پایا جاتا ہے بلکہ ان کی فروع میں تو کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ پس ایسا دین جس کی بنیاد سب کی تصدیق اور سب سے عقیدت ومحبت پر ہو اسی کو قبول کرنا چاہئے۔ یہودیت ونصرانیت علاوہ منسوخ ہونے کے ان کی بنیاد چونکہ تفریق وتکذیب پر ہے اس لئے وہ نا قابل قبول ہیں۔

قَالَ الْيَهُوْدُ لِلْمُسْلِمِيْنَ نَحْنُ اَهْلُ الْكِتَابِ الْاَوَّلِ وَقِبْلَتُنَا اَقْدَمُ وَلَمْ يَكُنِ الْاَنْبِيَاءُ مِنَ الْعَرَبِ وَلَوْ كَانَ مُحَمَّدٌ نَبِيًّا لَكَانَ مِنَّا فَنَزَلَ **قُلْ** لَهُمْ **اَتُحَآجُّوْنَنَا** تُخَاصِمُوْنَنَا **فِى اللّٰهِ** اَنِ اصْطَفٰى نَبِيًّا مِنَ الْعَرَبِ **وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ** فَلَهُ اَنْ يَّصْطَفِىَ مِنْ عِبَادِهٖ مَنْ يَّشَآءُ **وَلَنَآ اَعْمَالُنَا** نُجَازٰى بِهَا **وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ** تُجَازَوْنَ بِهَا فَلَايَبْعُدُ اَنْ يَكُوْنَ فِىْ اَعْمَالِنَا مَانَسْتَحِقُّ بِهِ الْاِكْرَام **وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ** ﴿۱۳۹﴾ الدِّيْنُ وَالْعَمَلَ دُوْنَكُمْ فَنَحْنُ اَوْلٰى بِالْاِصْطِفَاءِ وَالْهَمْزَةُ لِلْاِنْكَارِ وَالْجُمَلُ الثَّلٰثُ اَحْوَالٌ **اَمْ** بَلْ **تَقُوْلُوْنَ** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى قُلْ** لَهُمْ **ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ** اَىِ اللّٰهُ اَعْلَمُ وَقَدْ بَرَّأَ مِنْهُمَا اِبْرٰهِيْمَ بِقَوْلِهٖ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَالْمَذْكُوْرُوْنَ مَعَهٗ تَبَعٌ لَّهٗ **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ** اَخْفٰى مِنَ النَّاسِ **شَهَادَةً عِنْدَهٗ** كَائِنَةً **مِنَ اللّٰهِ** اَىْ لَا اَحَدَ اَظْلَمُ مِنْهُ هُمُ الْيَهُوْدُ كَتَمُوْا شَهَادَةَ اللّٰهِ فِى التَّوْرٰةِ لِاِبْرٰهِيْمَ بِالْحَنِيْفِيَّةِ **وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۴۰﴾ تَهْدِيْدٌ لَهُمْ **تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۴۱﴾ تَقَدَّمَ مِثْلُهٗ ـ

ترجمہ:............ (یہود مسلمانوں سے کہنے لگے کہ ہم اول اہل کتاب ہیں، ہمارا قبلہ بھی قدیم ہے، ادھر عرب میں آج تک کوئی نبی نہیں آیا۔ محمدؐ اگر نبی ہوتے تو ان کے بنی اسرائیل میں پیدا ہونا چاہئے تھا اس پر یہ آیات نازل ہوئیں) فرما دیجئے آپؐ (ان سے) کہ کیا تم ہم سے حجت کئے جاتے ہو (مخاصمہ کرتے ہو) حق تعالیٰ کے معاملہ میں (کہ نبی عربی کا اس نے انتخاب کر دیا ہے) حالانکہ وہ ہمارا تمہارا پروردگار ہے (اس لئے اس کو حق ہے کہ جس کو چاہے انتخاب کر لے) ہم کو ہمارا کیا ہوا نفع دے گا (یعنی اس کا بدلہ ملے گا) اور تمہارے لئے تمہارا کیا ہوا کارآمد ہوگا (اس کا بدلہ تم کو ملے گا۔ اس لئے ہمارے بعض اعمال ممکن ہے ہمارے استحقاق اکرام کا

باعث ہوں) اور ہم نے صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے اپنے کو خالص کر رکھا ہے (ہمارا دین وعمل اس کے لئے خالص ہے نہ کہ تمہارا اس لئے اس انتخاب کے ہم ہی مستحق ہیں۔ ہمزہ انکار کے لئے ہے اور تینوں جملے حالیہ ہیں) کیا (ام بمعنی بل) اب بھی کہے جاتے ہو (یقولون تا اور یا کے ساتھ ہے) کہ ابراہیمؑ واسماعیلؑ واسحاقؑ ویعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ یہودی یا نصرانی تھے۔ فرمادیجئے آپ (ان سے) تم زیادہ واقف ہو یا اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ زیادہ باخبر ہیں درآنحالیکہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی یہودیت ونصرانیت سے یہ کہہ کر نفی فرمادی ہے ماکان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا اور مذکورہ دوسرے پیغمبر اس قول میں حضرت ابراہیمؑ کے تابع سمجھے جائیں گے) اور ایسے شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اخفاء کرے (لوگوں سے چھپائے) ایسی شہادت کو جو منجانب اللہ اس کے پاس (پہنچی) ہو (یعنی اس سے زیادہ ظالم کوئی نہیں ہے۔ اس کا مصداق یہود ونصاریٰ ہیں جنہوں نے اللہ کی شہادت کو دربارۂ حنفیت ابراہیمؑ تورات میں چھپایا ہے) حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہاری کرتوت سے بے خبر نہیں ہیں (ان کے لئے یہ دھمکی ہے) یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی ان کا کیا ہوا ان کے کام آئے گا اور تمہارا کیا ہوا تمہارے کام آئے گا۔ اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی نہ ہوگی (پہلے بھی اس جیسی آیت گزر چکی ہے۔)

تحقیق وترکیب: .... فی اللہ ای فی دین اللہ ہمزہ اس میں انکار کے لئے ہے۔ دونکم یعنی آیت میں عبارت مضمر ہے ام یعنی ام متصلہ بمعنی ہمزہ بھی ہوسکتا ہے اور ام منقطعہ بمعنی بل بھی ہوسکتا ہے ہمزہ اضراب کے لئے ہوگا اور ایک توبیخ سے دوسری توبیخ کی طرف انتقال کے لئے ہے چنانچہ ابن عامرؒ حمزہؒ کسائیؒ حفصؒ کی قرأت یقولون اس کی مؤید ہے اس صورت میں صرف منقطعہ کے لئے ہوگا۔ اور بعض نے متصلہ کو بھی جائز کہا ہے جیسے اتقوم یازید ام یقوم عمرو میں متصلہ صحیح ہے۔ ام اللہ مبتدا محذوف الخبر ہے ای اعلم۔ یہاں ام متصلہ ہے اور استفہام انکاری ہے جس کا جواب مفسرؒ جلال نے ای اللہ اعلم سے نکالا ہے من اللہ اس میں براءۃ من اللہ کی طرح من ابتدائیہ ہے۔ کتم بمعنی اخفی ہے یعنی متعدی ہے دو مفعول کی طرف اول محذوف ای اخفی الناس شھادۃ شھادۃ اس کی صفت اول عندہ ہے اور صفت ثانیہ کی تقدیر کائنۃ سے مفسرؒ محقق نے نکالی ہے۔ مجاہدؒ، حسنؒ، ربیعؒ کے نزدیک یہ کتمانِ شہادت دربارۂ حنفیت ابراہیمؑ تھی اور قتادہؒ وابن زیدؒ کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی نعت ونبوت کی شہادت کا اخفاء مراد ہے۔ تلک اس آیت کو اول آیت کی تاکید پر محمول کرلیا جائے یا اول آیت سے مراد انبیائے کرامؑ کی جماعت ہے اور اس آیت میں یہود ونصاریٰ کے دوسرے بزرگ اسلام مراد ہوں۔

ربط: .... اہل کتاب کے دعویٰ اختصاص حق کا ابطال پہلی آیت میں کیا جاچکا ہے تاہم پھر بھی وہ اپنے اس دعویٰ سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں ان آیات میں دوسرے طرز پر جواب کی تعلیم ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **بڑائی کا پندار اور خوابوں کی دنیا:** .... اظہار اخلاص سے مقصود یہاں مسلمانوں کا دعویٰ کمال نہیں ہے بلکہ بسلسلۂ مناظرہ محض اپنے طریقِ حق کا اظہار کرنا ہے اسی طرح چونکہ اہل کتاب نسلی غرور اور پندار میں مبتلا تھے جو ساری خرابیوں کی جڑ تھی۔ اس لئے قرآن کریم نے اس پر ضرب کاری لگانی ضروری سمجھی۔ اور ابتدائی طور پر اول کلام میں بھی یہی جواب دیا گیا ہے اور اب پھر آخری جواب کی حیثیت سے اس کو تلک امۃ میں دہرایا جارہا ہے کہ پرانی لکیر تک پیٹتے رہو گے۔ وہ کاروان عمل جاچکا ہے، اب تم اپنی فکر کرو۔ تم ان کے اعمال کے ذمہ دار تو کیا ہوتے اس بارے میں تم سے انکا تذکرہ تک نہیں کیا جائے گا۔ تم کس خواب وخیال میں ہو۔ ذرا خوابوں کے محل سے نکل کر میدان عمل میں اترو۔

پارہ نمبر ﴿۲﴾

سَيَقُــولُ

پارہ سَیَقُوْلُ

سَیَقُوْلُ السُّفَھَآءُ اَلْجُھَّالُ **مِنَ النَّاسِ** اَیِ الْیَھُوْدِ وَالْمُشْرِکِیْنَ **مَاوَلّٰھُمْ** اَیُّ شَیْءٍ صَرَفَ النَّبِیَّ وَالْمُؤْمِنِیْنَ **عَنْ قِبْلَتِھِمُ الَّتِیْ کَانُوْا عَلَیْھَا** ط عَلٰی اِسْتِقْبَالِھَا فِی الصَّلٰوۃِ وَھِیَ بَیْتَ الْمَقْدِسِ وَالْاِتْیَانُ بِالسِّیْنِ الدَّالَّۃِ عَلَی الْاِسْتِقْبَالِ مِنَ الْاَخْبَارِ بِالْغَیْبِ **قُلْ لِّلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ** ط اَیِ الْجِھَاتُ کُلُّھَا فَیَاْمُرُ بِالتَّوَجُّہِ اِلٰی اَیِّ جِھَۃٍ شَاءَ لَا اِعْتِرَاضَ عَلَیْہِ **یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ** ھِدَایَتَہٗ **اِلٰی صِرَاطٍ** طَرِیْقٍ **مُّسْتَقِیْمٍ**﴿۱۴۲﴾ دِیْنِ الْاِسْلَامِ اَیْ وَمِنْھُمْ اَنْتُمْ دَلَّ عَلٰی ھٰذَا **وَکَذٰلِکَ** کَمَا ھَدَیْنَاکُمْ اِلَیْہِ **جَعَلْنٰکُمْ** یَا اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ **اُمَّۃً وَّسَطًا** خِیَارًا عُدُوْلًا **لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ** یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَنَّ رُسُلَھُمْ بَلَّغَتْھُمْ **وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا** ط اَنَّہٗ بَلَّغَکُمْ **وَمَا جَعَلْنَا** صَیَّرْنَا **الْقِبْلَۃَ** لَکَ الْاٰنَ الْجِھَۃَ **الَّتِیْ کُنْتَ عَلَیْھَآ** اَوَّلًا وَھِیَ الْکَعْبَۃُ وَکَانَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ اِلَیْھَا فَلَمَّا ھَاجَرَ اُمِرَ بِاسْتِقْبَالِ بَیْتِ الْمَقْدِسِ تَاَلُّفًا لِلْیَھُوْدِ فَصَلّٰی اِلَیْہِ سِتَّۃَ اَوْ سَبْعَۃَ عَشَرَ شَھْرًا ثُمَّ حُوِّلَ **اِلَّا لِنَعْلَمَ** عِلْمَ ظُھُوْرٍ **مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ** فَیُصَدِّقُہٗ **مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْہِ** ط اَیْ یَرْجِعُ اِلَی الْکُفْرِ شَکًّا فِی الدِّیْنِ وَظَنًّا اَنَّ النَّبِیَّ فِیْ حَیْرَۃٍ مِنْ اَمْرِہٖ وَقَدِ ارْتَدَّ لِذٰلِکَ جَمَاعَۃٌ **وَاِنْ** مُخَفَّفَۃٌ مِنَ الثَّقِیْلَۃِ وَاسْمُھَا مَحْذُوْفٌ اَیْ وَاِنَّھَا **کَانَتْ** اَیِ التَّوْلِیَۃُ اِلَیْھَا **لَکَبِیْرَۃً** شَاقَّۃً عَلَی النَّاسِ **اِلَّا عَلَی الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ** ط مِنْھُمْ **وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَکُمْ** ط اَیْ صَلَاتَکُمْ اِلٰی بَیْتِ الْمَقْدِسِ بَلْ یُثِیْبُکُمْ عَلَیْہِ لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِھَا السُّوَالُ عَمَّنْ مَاتَ قَبْلَ التَّحْوِیْلِ **اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ** اَلْمُؤْمِنِیْنَ **لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ**﴿۱۴۳﴾ فِیْ عَدَمِ اِضَاعَۃِ اَعْمَالِھِمْ وَالرَّاْفَۃُ شِدَّۃُ الرَّحْمَۃِ وَقُدِّمَ الْاَبْلَغُ لِلْفَاصِلَۃِ ۔

ترجمہ: ....اب تو بے وقوف (جاہل) لوگ (یہود ومشرکین) ضرور کہیں گے کہ کس چیز نے ان کو پھیر دیا۔ (آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو کس چیز نے تبدیل کر دیا) اس قبلہ سے جس کی طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے (نماز میں اس کا استقبال کیا کرتے تھے مراد بیت المقدس ہے اور سین استقبالیہ کا لانا اخبار غیب کی طرف اشارہ ہے) آپ فرما دیجئے مشرق و مغرب سب اللہ کے ہیں (ساری سمتیں اس کی

ہیں، جس طرف چاہے حکم دے سکتا ہے اس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟) خدا جس کو (جس کی ہدایت) چاہیں سیدھی راہ (دین اسلام) بتلا سکتے ہیں (چنانچہ اے مسلمانو! تم بھی انہی میں ہو جیسا کہ اگلا جملہ ''کــذالک'' اس پر دلالت کرتا ہے) اور ہم نے ایسی ہی (جس طرح تم کو ہدایت دی ہے) تم کو بنادیا ہے (اے امت محمد) نہایت اعتدالی جماعت (بہترین عادل) تاکہ تم لوگوں کے مقابلہ میں (قیامت میں) گواہ بن سکو (کہ انبیاء نے اپنی امتوں کو تبلیغ فرمادی تھی) اور تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ گواہ ہوسکیں (کہ آنحضرت ﷺ نے تم کو تبلیغ کردی ہے) اور ہم نے نہیں بنایا تھا (نہیں کیا تھا) قبلہ (آپ کے لئے اس وقت سمت) اس جانب کو جس پر آپ (اس سے پہلے) تھے (یعنی کعبہ کہ آنحضرت ﷺ اس کی سمت نماز پڑھا کرتے تھے لیکن جب آپ نے ہجرت فرمائی تو یہود کی تالیف قلب کے لئے آپ کو بیت المقدس کے استقبال کا حکم دیا گیا تھا۔ چنانچہ سولہ یا سترہ ماہ آپ نے اس طرف رخ کرکے نمازیں پڑھیں پھر تبدیل ہوگئے) مگر محض اس مصلحت سے کہ ہم کو (ظاہر طور پر بھی) معلوم ہوجائے کہ کون رسول کی اتباع (تصدیق) کرتا ہے اور کون پیچھے ہٹ جاتا ہے (یعنی دین میں شک کرتے ہوئے اور یہ گمان کرکے آنحضرت ﷺ دربارہ قبلہ حیرت میں ہیں مرتد ہوجاتا ہے۔ چنانچہ ایک جماعت اس بنیاد پر مرتد بھی ہوگئی) اور یقیناً (ان مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی وانها ہے) تھا (تحویل قبلہ) بڑا دشوار امر (شاق لوگوں پر) بجز ان لوگوں کے کہ خدا نے (ان کو) ہدایت فرمائی اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ تمہارے ایمان ضائع کردیں (یعنی بیت المقدس کی سمت پڑھی ہوئی نمازیں بلکہ تم کو ان پر ثواب عنایت فرمائے گا۔ اس آیت کا سبب نزول تحویل قبلہ سے پہلے وفات شدہ لوگوں کی نمازوں کی بابت دریافت کرنا تھا) واقعی اللہ تعالیٰ لوگوں (مسلمانوں) پر بہت ہی شفیق مہربان ہیں (کہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہونے دیئے، رافة کے معنی شدت رحمت کے ہیں اور باوجودیکہ اس لفظ میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے صرف رعایت فاصلہ کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔ یعنی قیاس کا مقتضی اگرچہ یہ تھا کہ ترقی من الادنیٰ الی الاعلیٰ کے لحاظ سے رحیم پہلے اور رافة بعد میں ہوتا۔)

تحقیق وترکیب: .... سیقول یہ آیت دوسری آیت ''قدنری'' سے نزولاً وتلاوۃً دونوں طرح مقدم ہے یا صرف تلاوۃً مقدم ہے اور نزولاً موخر ہے۔ دونوں قول ہیں۔ اول صورت میں صیغہ مستقبل اپنی اصل پر ہوگا اور مقصود پیشن گوئی ہوگی تاکہ جواب کے لئے آپ اور مسلمان تیار ہوجائیں اور اعتراض زیادہ ناگوار نہ رہے اور دوسری صورت میں مضارع (معنی) میں ماضی ہوگا۔

من الناس حال ہونے کی وجہ سے موضع نصب ہوگا اور یقول عامل ہوگا۔ ماولّٰهم جلال مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ ما استفہامیہ ہے اور ولهم خبر ہے اس کی اصل ولی ہے دوسری چیز کا پہلی چیز کے فوراً بعد حاصل ہونا۔

وسطــا درمیانی درجہ بہتر ہوتا ہے جو کچھ آفات ہوتی ہیں وہ زیادہ تر اطراف اور کناروں تک محدود رہتی ہیں۔ اس لئے وسطاً بمعنی اخیار ہے یا بمعنی عدول ہے کیونکہ وسطانی اور مرکزی چیز سب کناروں سے مساوی البعد ہوتی ہے کسی سے قریب کسی سے بعید نہیں ہوتی۔

الجهة حذف موصوف کی طرف اشارہ ہے جو جعل کا مفعول ثانی ہے اور مفعول اول القبلة ہے اول اوهى الكعبة یہ رائے ابن جریر کی ہے جو ابن عباس سے نقل کی ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ القبلة التى كنت عليها سے مراد بیت المقدس ہو۔ بہرحال اول صورت میں قبلہ سے مراد ناسخ قبلہ ہوگا اور دوسری صورت میں منسوخ قبلہ ہوگا۔ البتہ پہلی صورت میں چونکہ دومرتبہ نسخ ماننا پڑتا ہے اس لئے علامہ ابن حجر نے دوسری صورت کو اختیار کیا ہے۔

عــلــم ظهــور یعنی حق تعالیٰ کا فی نفسہ علم تو قدیم ہے لیکن اس کا ظہور حادث ہوسکتا ہے جو یہاں مراد ہے یا یوں کہا جائے کہ اس علم کا متعلق بھی یعنی بعض کا ایمان لانا اور بعض کا کفر اختیار کرلینا۔ یہ فی الحقیقت حادث ہے مــمــن ينقلب اس میں من فصل کے لئے ہے جیسے والله يعلم المفسد من المصلح ہے چونکہ انسان کا حقیقۃً انقلاب علیٰ عقبیہ ناممکن ہے اس لئے جلال محققؒ نے يرجع الى الكفر

سے معنی مجاز کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ وان کانت. ان مخففہ اور ان نافیہ میں استعمالی فرق یہ ہوتا ہے کہ اول کی خبر پر لام تاکید آتا ہے اور دوسرے کے بعد الا آتا ہے۔ کانت کی ضمیر قبلہ کی طرف ہے۔ یا وما جعلنا القبلة سے جو ردة اور تحولية اور جعلة سمجھی جاتی ہے اس کی طرف راجع ہے۔ ایمانکم کی تفسیر صلوتکم کے ساتھ کرنے کی وجہ بتلانے کے لئے جلال محققؒ نے سبب نزول کا حوالہ دیا ہے۔

رؤف رحیم دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں لیکن اول میں دفع ضرر کے معنی ہیں اور دوسرے میں دفع ضرر اور افضال کے عام معنی ہیں اور دفع ضرر اہم ہوا کرتا ہے اس لئے قرآن کریم میں روف کو رحیم سے پہلے لایا گیا ہے اور جلال مفسرؒ نے دوسرا نکتہ للفاصلة بیان کیا ہے کہ اگرچہ اول بہ نسبت دوسرے کے ابلغ ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ترقی من الادنیٰ الی الاعلیٰ ہونی چاہئے جیسا کہا جائے فلان عالم نحریر لیکن آیت سابق کا فاصلہ میم ہے اسی کی رعایت سے یہاں رحیم کو مؤخر لایا گیا ہے اور فاصلہ کہتے ہیں آیت کے آخری حرف کو جیسے شعر کے لئے قافیہ ہوتا ہے۔

ربط: .... نسخ قبلہ کی تمہید جو آیت ماننسخ سے شروع ہوچکی تھی اور آیت ''واذ ابتلی'' میں اس کے بعض اجزاء پر روشنی ڈالی گئی تھی یہاں سے مستقلاً اس مصالح پر کلام کیا جارہا ہے۔ سب سے پہلے حاکمانہ جواب اور اس کی تمہید میں ان کے جاہلانہ اعتراض کی تصریح ہے اس کے بعد بطور جملہ معترضہ امت محمدیہ کے مدح ومنقبت ہے اور پھر سلسلۂ کلام تحویل قبلہ کی حکمت کی طرف منتقل ہوگیا ہے۔

شانِ نزول: .... امام بخاریؒ نے آیت سیقول کے ذیل میں براءؓ رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے اور سولہ سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے لیکن اصلی دلی رغبت آپ کی اپنے آبائی قبلہ بیت اللہ کی طرف رہی تو حق تعالیٰ نے آیت قد نریٰ تقلب نازل فرمائی اور ابواسحٰق اور عبیدؒ ابن حمید اور ابوحاتم کی روایت میں آیت سیقول السفهاء کا مزید اضافہ بھی ہے۔

اور آیت کذٰلک جعلنا کم کے شانِ نزول میں امام احمد وغیرہ نے ابوسعید سے تخریج کرتے ہوئے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں بعض انبیاءؑ علیہم السلام اس حال میں آئیں گے کہ کسی کے ساتھ ایک دو یا اس سے زیادہ متبعین ہوں گے وہ اپنی قوم سے تبلیغ کی تصدیق چاہیں گے لیکن قوم جب انکار کرے گی تو آنحضرت ﷺ اور امتِ محمدیہ کو اپنی گواہی میں پیش کریں گے چنانچہ یہ امت انبیاءؑ کے موافق گواہی دے گی۔ اصحابِ امت سے دریافت کیا جائے گا کہ تم کو کیونکر معلوم ہوا۔ عرض کریں گے کہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ان واقعات کی اطلاع ہم کو ہوئی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ سے مدعاعلیہ کے انسداد حرج کے لئے گواہوں کے معتبر ہونے کے متعلق سوال ہوگا آپ ان کی تعدیل وتوثیق فرمائیں گے اور معتبر ہونے کی شہادت دیں گے اس پر احکم الحاکمین کے اجلاس سے فیصلہ کردیا جائے گا۔

وما کان الله لیضیع کے شانِ نزول کی طرف جلال مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ حیی بن الاخطب اور اس کے رفقاء یہود نے مسلمانوں کو مغالطہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ بیت المقدس کا استقبال دو حال سے خالی نہیں ہے اگر ہدایت تھا تو اب تم گمراہی کی طرف ہوگئے ہو اور اگر غلط تھا تو پہلے کیوں گمراہ رہے۔ نیز جن مسلمانوں کا انتقال تحویل قبلہ سے پہلے ہوگیا ان کی تمام نمازیں ضائع اور برباد ہوئیں۔ یہ سن کر کچھ مسلمانوں کو بے چینی ہوئی اور آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿تشریح﴾: ...... **تحویل قبلہ کا حاکمانہ جواب:** .... حاصل حاکمانہ جواب کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرق ومغرب

اور تمام سمتوں کے مالک ہیں وہ جس سمت چاہیں قبلہ تجویز کر سکتے ہیں کسی کو کیا حق اعتراض ہے اور وہ جس کو راہ ہدایت دکھلاتے ہیں وہ بے چون و چرا اس کے حکم کو قبول کر لیتا ہے خواہ مخواہ کی علتیں ڈھونڈتا نہیں پھرا کرتا اور فی الحقیقت سلامتی اور امن واطمینان بھی اسی طریقہ میں ہے جس کو ''صراط مستقیم'' کہا گیا ہے۔

صراطِ مستقیم: .... آجکل جونو خیز طبائع احکام کی علتیں ڈھونڈا کرتی ہیں اور ہر حکم کی فلاسفی معلوم کرنے کا جوش طبائع میں موجزن رہتا ہے جن میں سے بعض کی غرض تو احکام شرعیہ کی توہین یا تکذیب اور اس پر اعتراض کرنا ہوتا ہے اور بعض اس حیلہ بہانہ سے عمل کرنے سے جان چرانا چاہتے ہیں اور بعض کی غرض تو بُری اور بد نیتی نہیں ہوتی لیکن کچھ دقیق اور کافی نہ ہونے کی وجہ سے اکثر نتیجہ بد اعتقادی اور بد دینی ہوتا ہے۔ یہ سب اس طریق ہدایت چھوڑنے کا دراصل نتیجہ ہے۔

امت محمدیہ کی شہادت پر تین شبہات: .... کذالک جعلناکم کے سلسلہ میں جو روایت پیش کی گئی ہے بظاہر اس پر تین شبہے وارد ہو سکتے ہیں وہ اور ان کے جوابات نقل کئے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ انبیاء علیہم السلام چونکہ مقدمہ میں فریق کی حیثیت سے ہوں گے اس لئے باوجود افضل اور زیادہ معتبر ہونے کے امت محمدیہ کی شہادت ان کے حق میں معتبر ہوگی اگرچہ امت ان سے کم درجہ اور کم رتبہ ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ امت محمدیہ کی شہادت کو یہ کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا کہ جب انبیاء کی بات نہیں مانی گئی تو تمہاری شہادت کیسے مانی جائے گی کیونکہ اجمالی جرح کا حق گواہوں کے متعلق مدعا علیہ کو حاصل نہیں ہوتا اور یہ دونوں باتیں عدالتی معاملات سے بآسانی سمجھ میں آسکتی ہیں۔

تیسرے یہ کہ امت محمدیہ بہت زمانہ بعد میں آنے کی وجہ سے اگرچہ ان واقعات کا معائنہ کئے ہوئے نہیں ہوگی لیکن شہادت کا مدار اصل صحت و یقین پر ہوتا ہے۔ بغیر مشاہدہ کسی اور ذریعہ سے بھی اگر یقین ہو جائے جیسے فوجداری مقدمات میں ڈاکٹری معائنہ جو بلا مشاہدہ کے محض فنی مہارت کے ذریعہ ہوتا ہے۔ جس میں ضربات شدیدہ خفیفہ کو بیان کیا جاتا ہے اور یہ رپورٹ سرکاری طور پر معتبر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی وحی کی قطعیت سے یقین کا حاصل ہونا مشاہدہ حسی سے بے نیاز بنا رہا ہے۔ اس لئے اس کے نامعتبر ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ باقی آنحضرت ﷺ کی جانب سے اللہ تعالیٰ کی تعدیل وتوثیق صرف انسداد جرح مدعا علیہ کی وجہ سے ہوگی۔

اعتدالِ امتِ محمدیہ: .... امت کا معتدل ہونا بایں معنی ہے کہ یہود ونصاریٰ کی طرح ان میں افراط وتفریط نہیں پائی جاتی۔ علیٰ ہذا ان کو احکام بھی معتدل دیئے گئے ہیں۔ افراط وتفریط سے خالی ہیں۔ نہ زیادہ سخت نہ زیادہ نرم۔ اسی طرح یہاں تحویل قبلہ کے موقعہ پر بھی وہ اعتدال پسند رہے ہیں نہ ایسے عامی اور معمولی سمجھ کے کہ اگر حکم کی مصلحت وحکمت سمجھائی جائے۔ تب بھی نہ سمجھ سکیں اور نہ ایسے فلسفی کہ اگر لم نہ بتلائی جائے تو ایک قدم بھی آگے نہ بڑھیں۔ پس یہ ہر طرح معتدل ہیں۔ اس لئے بڑے اچھے ہیں۔ بہر حال بیت المقدس کا قبلہ ہونا تو عرب پر گراں تھا اور اس کا منسوخ ہونا یہود کو گراں گزرا اور ان کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر بعض سادہ لوح مرتد بھی ہو گئے۔

تحویلِ قبلہ ایک دفعہ ہوئی یا دو دفعہ: .... اور بعض اہل تفسیر کی رائے ہے کہ مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے بھی آپ ﷺ بیت المقدس کا استقبال فرماتے تھے لیکن اس طرح کہ بیت اللہ کو درمیان میں لیتے تھے تاکہ دونوں کا استقبال ہو جائے۔ البتہ ظاہری طور پر لوگوں کو پتہ نہیں چل سکا۔ جب مدینہ تشریف لانا ہوا تو سمتیں مختلف ہونے کی وجہ سے دونوں کا اجتماع نہ ہو سکا۔ اور سولہ سترہ مہینے صرف

بیت المقدس کا استقبال فرماتے تھے۔ مگر دلی منشاء کے مطابق بیت اللہ کے استقبال کے خواہش مندر ہے اور چونکہ حقیقۃً پہلے ہی سے سب باتیں حق تعالیٰ کو معلوم ہوتی ہیں اور بالاجمال اس کا عقیدہ اہل حق رکھتے بھی ہیں لیکن اس واقعہ کے ظہور سے پہلے لوگوں کو علم خداوندی کا حال بالتفصیل معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے علم کے ظہور کی قید کا اضافہ جلال محقق نے فرمادیا ہے کہ اس کے بعد لوگوں پر اس چیز کے علم خداوندی میں ہونے کا حال ظاہر ہوجاتا ہے۔

قَدْ للتَّحقِيقِ **نَرٰى تَقَلُّبَ** تَصَرُّفَ **وَجْهِكَ فِى** جَهةِ السَّمَآءِ **السَّمَآءِ**ۚ مُتَطَلِّعًا اِلَى الْوَحْيِ وَمُتَشَوِّقًا لِلْاَمْرِ بِاسْتِقْبَالِ الْكَعْبَةِ وَكَانَ يَوَدُّ ذٰلِكَ لِاَنَّهَا قِبْلَةُ اِبْرٰهِيْمَ وَلِاَنَّهُ اَدْعٰى اِلٰى اِسْلَامِ الْعَرَبِ **فَلَنُوَلِّيَنَّكَ** نُحَوِّلَنَّكَ **قِبْلَةً تَرْضٰهَا**ۖ تُحِبُّهَا **فَوَلِّ وَجْهَكَ** اِسْتَقْبِلْ فِى الصَّلٰوةِ **شَطْرَ** نَحْوَ **الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ**ط اَىِ الْكَعْبَةِ **وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ** خِطَابٌ لِلْاُمَّةِ **فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ** فِى الصَّلٰوةِ **شَطْرَهٗ**ط **وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ** اَىِ التَّوَلِّىَ اِلَى الْكَعْبَةِ **الْحَقُّ** الثَّابِتُ **مِنْ رَّبِّهِمْ**ط لِمَا فِى كُتُبِهِمْ مِنْ نَعْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَنَّهُ يَتَحَوَّلُ اِلَيْهَا **وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۴۴﴾ بِالتَّاءِ اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ مِنِ امْتِثَالِ اَمْرِهٖ وَبِالْيَاءِ اَىِ الْيَهُوْدُ مِنْ اِنْكَارِ اَمْرِ الْقِبْلَةِ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ** عَلٰى صِدْقِكَ فِى اَمْرِ الْقِبْلَةِ **مَّا تَبِعُوْا** اَىْ لَايَتَّبِعُوْنَ **قِبْلَتَكَ**ۚ عِنَادًا **وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ**ۚ قَطْعٌ لِطَمْعِهٖ فِى اِسْلَامِهِمْ وَطَمْعِهِمْ فِىْ عَوْدِهٖ اِلَيْهَا **وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ**ط اَىِ الْيَهُوْدُ قِبْلَةَ النَّصٰرٰى وَبِالْعَكْسِ **وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ** الَّتِىْ يَدْعُوْنَكَ اِلَيْهَا **مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ**ۙ الْوَحْيِ **اِنَّكَ اِذًا** اِنِ اتَّبَعْتَهُمْ فَرْضًا **لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۱۴۵﴾ **اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ** اَىْ مُحَمَّدًا **كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ**ط بِنَعْتِهٖ فِىْ كِتَابِهِمْ قَالَ ابْنُ سَلَامٍ لَقَدْ عَرَفْتُهٗ حِيْنَ رَاَيْتُهٗ كَمَا اَعْرِفُ ابْنِىْ وَمَعْرِفَتِىْ لِمُحَمَّدٍ اَشَدُّ رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ **وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ** نَعْتَهٗ **وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ** ﴿۱۴۶﴾ هٰذَا الَّذِىْ اَنْتَ عَلَيْهِ **الْحَقُّ** كَائِنًا **مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ** ﴿۱۴۷﴾ الشَّاكِّيْنَ فِيْهِ اَىْ مِنْ هٰذَا النَّوْعِ فَهُوَ اَبْلَغُ مِنْ لَاتَمْتَرِ

ترجمہ: .... یقیناً (قـــد تحقیق کے لئے) ہم دیکھ رہے ہیں بار بار اٹھانا (گھمانا) آپ کے چہرہ کا آسمان کی طرف۔ انتظار وحی اور استقبال کعبہ کے حکم کے شوق میں اور آپ کو یہ اس لئے مرغوب تھا کہ یہ آپ کا آبائی قبلہ تھا اور عرب کے اسلام لانے میں مؤثر ہوتا) اس لئے ہم آپ کو متوجہ کردیں گے (تحویل کا حکم دے دیں گے) اس قبلہ کی طرف جس کے لئے آپ کی مرضی ہے (آپ پسند کرتے ہیں) اب سے اپنا رخ (نماز میں استقبال) مسجد حرام (کعبہ) کی طرف کیا کیجئے۔ اور تم لوگ (خطاب امت کو ہو) جہاں کہیں بھی ہوا کرو کرلیا کرو اپنے چہروں کو (نماز میں) مسجد حرام کی جانب اور یہ اہل کتاب بھی یقیناً جانتے ہیں کہ یہ (تحویل قبلہ کا حکم) بالکل ٹھیک

(ثابت) ہے۔ ان کے پروردگار کی جانب سے (ان کی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کے اوصاف کے سلسلہ میں یہ لکھا ہوا ہے کہ آپ تحویل قبلہ کریں گے) اور اللہ تعالیٰ ان کی کاروائیوں سے کچھ بے خبر نہیں ہیں (یعلمون تا کے ساتھ ہے یعنی مومنین کا امتثال امر مراد ہے اور یا کے ساتھ ہے تو یہود کا انکار قبلہ مراد ہے) اور اگر (اس میں لام قسمیہ ہے) آپ اہل کتاب کے سامنے تمام دلائل پیش کردیں گے (قبلہ کے سلسلہ میں اپنی صداقت پر) جب بھی یہ قبول نہیں کریں گے (تقلید نہیں کریں گے) آپ کے قبلہ کو (عناد کی وجہ سے) اور آپ بھی ان کے قبلہ کی تقلید نہیں کرسکتے (اس میں ان کے اسلام سے آپ کو ناامید کرنا ہے اور ان کی امید کو آپ کے رجوع سے منقطع کرنا ہے) اور ان میں آپس میں بھی بعض ایک دوسرے کے قبلہ کا اتباع نہیں کرتے (یعنی یہود قبلہ نصاریٰ کا اور نصاریٰ قبلہ یہود کا) اور آپ اگر ان کے نفسانی خیالات کی پیروی کرنے لگے (جس کی طرف یہ آپ کو بلارہے ہیں) آپ کے پاس علم (وحی) آجانے کے بعد تو آپ یقیناً اس وقت (کہ بالفرض آپ ان کا اتباع کربیٹھیں) ظالموں میں شمار ہونے لگیں گے۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ (رسول اللہ ﷺ کو) ایسا پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں (آپ کی تعریف سے جو ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔ عبداللہ بن سلام کا بیان ہے کہ میں نے آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا جس طرح اپنے بیٹے کی شناخت کرلیتا ہوں بلکہ آنحضرت ﷺ کی شناخت بیٹے کی شناخت سے بھی بڑھ کر ہے بخاری کی یہ روایت ہے) اور بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ کتمان حق کرتے ہیں (دربارہ آپ کی نعت کے) باوجودیکہ وہ خوب جانتے ہیں (کہ آپ جس طریقہ پر ہیں وہ حق منجانب اللہ (ثابت) ہے۔ سو ہرگز آپ شک وشبہ میں پڑنے والوں سے مت ہوجائیے (اس میں شبہ کرنے والوں سے نہ ہوجائیے۔ یعنی آپ اس قسم میں شمار ہی نہ ہوجائیے اس لئے یہ طرز تعبیر لفظ لا تمتر سے زیادہ بلیغ ہے۔)

تحقیق وترکیب: ....قد یہاں تقلیل کے لئے ماننا صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایک دو دفعہ نگاہ اٹھانے والے کو مقلب البصر نہیں کہا جاتا۔ البتہ قد تحقیقیہ لینا صحیح ہے۔ تولیۃ جب کہ خود متعدی بدو مفعول ہو تو فلنو لینك کے معنی یا فلنملننک کے ہوں گے۔ یا فلنجعلنک تلی جھتھا کے ہوں گے اور اگر متعدی بیک مفعول ہو تو اس کے معنی صرف عن الشیٔ یا صرف الی الشیٔ کے ہوں گے اول حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا پھر اگلے جملہ میں ول سے حکم صادر فرمادیا۔ اس میں دوہری لذت وسرور مقصود ہے۔

شطر بمعنی نصف وجزو شئے اور جہت کے معنی میں آتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے الطھور شطر الایمان.

الکعبۃ مکعب اور چوکور چیز کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ مکان چوکور ہے اس لئے تسمیۃ المحاط باسم المحیط کے طور پر اس کو کعبہ کہنے لگے۔ علامہ زمخشریؒ کی رائے یہ ہے کہ کعبہ کی بجائے ''مسجد الحرام'' کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ قریب رہنے والوں کے لئے تو عین کعبہ کا استقبال ضروری ہے۔ لیکن دور والوں کے لئے یہ توسع کیا گیا ہے کہ اگر بجائے عین کعبہ مسجد حرام کا استقبال کرلیا جائے جس کو جہت کعبہ کا استقبال کہتے ہیں اور وہ پہلے سے زیادہ وسیع ہے تب بھی جائز ہے۔ جس کی شناخت کی آسان صورت یہ ہے کہ مصلی کی نگاہ سے اگر خط مستقیم فرض کیا جائے اور اس پر دوسرا خط مستقیم کعبہ پر سے مرور کرتا ہوا کھینچا جائے تو زوایہ قائمہ بن جائے تو یہ علامت ہوگی درستگی جہت کی۔ یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ کا اور شوافع نے بھی اس کو ترجیح دی ہے اور شرح السنہ میں لکھا ہے کہ مسجد حرام کی مراد میں اختلاف ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اہل مسجد حرام کے لئے بیت اللہ کا مصداق اور اہل حرم کے لئے مسجد حرام اور بیرونی لوگوں کے لئے پورا حرم مسجد حرام ہے۔ اور بعض کی رائے میں مسجد حرام سے مراد صرف کعبہ ہے اور بعض کے نزدیک سب کے لئے پوری مسجد حرام اور بعض کے نزدیک پورا حرم ہے۔ کعبہ اور قبلہ سے مراد فقہاء کے نزدیک اتنے حصے کی فضا اور جو آسمان سے لے کر زمین تک ہے صرف تعمیر اور

دیواروں کا مجموعہ مرادنہیں ہے۔

قطع لطمعهم پہلی دونوں جملوں پران دونوں وجوہ کولف ونشر مرتب کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ولئن اتیت کاعطف وان الذین پر ہےاور وما الله الخ جملہ معترضہ ہے۔الظالمین اس میں اتباع حق پر برانگیختہ کرنا ہےاوراتباع ہوی کرنے والےاورترک دلیل کرنے والے کے لئے سخت دھمکی ہےاوربعض کی رائے ہے کہ بظاہر خطاب آپ ﷺ کو ہے مگر سنانا امت کو ہے۔

کما یعرفون کاف محل نصب میں ہے مصدر محذوف کی نعت ہونے کی وجہ سے یا بناء برضمیر سے حال ہونے کے یہ سیبویہ کا مذہب ہے پہلی صورت میں تقدیرعبارت اس طرح ہوگی معرفة کائنة مثل معرفة ابناء هم اوردوسری صورت میں اس طرح ہوگی یعرفونه المعرفة مماثلة لمعرفتهم ابناء هم اور کمامیں مامصدریہ ہے۔ای کمعرفة ابناء هم علامہ آلوسیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہاں معرفۃ عقلیہ کومعرفت حسیہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہےاور جامع عدم اشتباہ ہے۔یعرفونه کی ضمیرآنحضرت ﷺ کی طرف جلال محققؒ نے راجع کی ہے اگرچہ مرجع کاذکرصراحۃً پہلےنہیں تھالیکن فحوائے کلام سے سمجھ میں آسکتا ہے۔

الحق من ربک جملہ مستانفہ ہے الحق مبتدااور من ربک خبر ہے۔

ربط: .... حاکمانہ جواب کے بعد یہاں سے تین حکیمانہ جوابات کا سلسلہ شروع ہورہا ہے۔اول آیت میں پہلی حکمت کا بیان ہے۔دوسری آیت ولئن اتیت الخ میں اہل کتاب کا عناداً قبلہ کونہ ماننااورتیسری آیت میں اسی طرح عناداً آنحضرت ﷺ کونہ ماننا بیان کیا جارہا ہے۔حالانکہ دونوں باتیں دل سے حق جانتے ہیں۔

شانِ نزول: .... نسائی کی روایت میں ابوسعید بن المعلی سے یہ ہے کہ ایک دفعہ صبح کے وقت فرماتے ہیں کہ ہمارا گذر مسجد نبوی پرہوا تو ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ منبر پرتشریف فرماہیں۔ہم نے خیال کیا کہ ضرورکوئی نئی بات پیش آئی ہے۔چنانچہ آپ نے آیت قد نری تقلب وجهک الخ تلاوت فرمائی۔میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے منبر سے اترنے سے پہلے ہمیں دوگانہ ادا کرلینا چاہئے۔تاکہ سب سے اول تحویل قبلہ کی تعمیل کرنے والے ہم ہوں۔چنانچہ ہم نے دوگانہ ادا کیااورآپ نے اترکر لوگوں کوظہر پڑھائی۔اس باب میں تحویل قبلہ کی جوروایت مشہور ہے کہ آپ نماز ہی کی حالت میں گھوم گئے،تو روح المعانی میں اس کوغیر صحیح لکھا ہے۔بہرحال نصف رجب کو پیر کے دن ہجرت سے چھ ماہ بعدتحویل قبلہ کا حکم ہوااورآیات نازل ہوئیں۔بقول صاحب اتقان ابن عباسؓ کے قول پر یہ آیت پہلی آیت فاینما تولوا کے لئے ناسخ ہوگی اوردوسرے حضرات کے نزدیک ایسانہیں ہے بلکہ دونوں آیات معمول بہاہیں جیسا کہ پہلے گزرچکا ہے۔

﴿ تشریح ﴾:...... تحویل قبلہ کے حکیمانہ جوابات: .... (۱) تحویل قبلہ کی پہلی مصلحت کا حاصل یہ ہے کہ آپ کی خوشنودی مزاج چونکہ ہم کوملحوظ ہے اس لئے اس کی رعایت بھی ہم نے کی ہے۔اس سے آپ کی شان مرادیت کا پتہ چلتا ہے کہ محبوب رب العالمین ہیں۔باقی خودآپ کی اس خوشی کی وجہ یہ ہوگی کہ چونکہ منجملہ علامات نبوت کے ایک علامت آپ کے لئے تحویل قبلہ کا ہونا تھا۔اس لئے طبعاً اس سے رغبت ومحبت آپ ﷺ میں پیدا کردی گئی تھی۔آگے ولئن اتیت الخ میں یہ بتلانا ہے کہ اہل کتاب کا تحویل قبلہ پراعتراض کرنامحض تعصب اورگروہ بندی کا نتیجہ ہے۔اگران میں حق پرستی ہوتی تو خود وہ قبلہ کے بارہ میں اس طرح کیوں دست و گریباں ہوتے کہ یہودی عیسائیوں کا قبلہ نہیں مانتے اورعیسائی یہودیوں کے قبلہ کے منکر ہیں۔اس طرح دونوں کا قبلہ ایک بیت المقدس ہوتے ہوئے بھی گویاایک نہیں ہے۔ایک کی سمت مشرق ہےاوردوسرے کی سمت مغرب ہے۔جب صورت حال یہ ہوتو ایسے

لوگوں کے اتفاق واختلاف سے قطع نظر کر لینی چاہئے جنہوں نے حق سے بالکل ایک قلم کنارہ کشی کر لی ہو۔

آنحضرت ﷺ کی شناخت بیٹوں سے بھی زیادہ ہے: .... الذین اتینھم الخ کے سلسلہ میں مفسر نے جو شان نزول بیان کیا ہے اس میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ بیوی میں تو خیانت کا احتمال بھی ہے جس سے بیٹا ہونے میں شبہ ہوسکتا ہے لیکن آپ ﷺ کی نبوت میں تو اتنا بھی شبہ نہیں ہے۔ اس میں ایک اعتبار سے اہل علم کو اور ایک لحاظ سے غیر اہل علم کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ مشبہ بہ یعنی بیٹا ہونا جب یقینی نہیں ہے تو مشبہ یعنی رسول اللہ کی معرفت کیسے یقینی ہوسکتی ہے؟ کیونکہ مشبہ مشبہ بہ کے مقابلہ میں کمزور ہوا کرتا ہے تو یہاں مشبہ کا یقینی ہونا بہت ہی سست ہوگیا۔ جواب یہ ہے کہ یہاں بیٹے کا بیٹا ہونا ملحوظ نہیں ہے بلکہ بیٹے کی صورت ملحوظ ہے یعنی بیٹے کی صورت دیکھ کر اس کے شناخت کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوگا۔ ہزاروں کے مجمع میں بھی کھڑا ہو صورت دیکھتے ہی شناخت کرلیا جائے گا اور چونکہ بیٹوں سے ربط ضبط بہ نسبت بیٹیوں کے زیادہ ہوتا ہے جو معرفت میں دخیل ہے اس لئے بنات کو ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اپنی ذات سے بھی زیادہ بیٹوں کی معرفت ہوتی ہے کیونکہ نفس ہیولانی کے مرتبہ میں انسان پر ایسا وقت آتا ہے کہ اس کو اپنی خبر نہیں ہوتی۔ بخلاف بیٹوں کے وہاں اس کی نوبت نہیں آتی اس لئے معرفت نفس کو بھی مشبہ بہ نہیں بنایا گیا۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب: .... الحق من ربک کا حاصل یہ ہے کہ کسی بات کا حق ہونا ہی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ حق کی معنی قائم وثابت رہنے کے ہیں اور جو بات خود قائم وثابت رہنے والی ہو اس کے لئے قیام ثبات سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے۔

اور فلا تکونن میں خطاب آپ کو ہے مگر سنانا دوسروں کو ہے یا یوں کہا جائے کہ بعض دفعہ کلام میں مخاطب کی خصوصیت پیش نظر نہیں ہوتی بلکہ مقام کی اہمیت اور خصوصیت جتلانا ہوتا ہے۔ یہاں بھی شک وشبہ کا فی نفسہ قابل اجتناب ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ یا پھر وہی قانون کی خوبی کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی نظر میں عام وخاص سب برابر ہیں۔ یعنی جب ہم آپ تک کو یہ بات کہہ رہے ہیں تو دوسرے کس قطار شمار میں ہیں۔ اس میں مبالغہ پیدا ہوگیا ہے۔

وَلِكُلٍّ مِنَ الْاُمَمِ **وِّجْهَةٌ** قِبْلَةٌ **هُوَ مُوَلِّيْهَا** وَجْهَهُ فِي صَلَاتِهٖ وَفِي قِرَاءَةٍ مُوَلَّاهَا **فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ** بَادِرُوْا اِلَى الطَّاعَاتِ وَقُبُوْلِهَا **اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا** يَجْمَعُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۱۴۸﴾ **وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ** لِسَفَرٍ **فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۴۹﴾ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ تَقَدَّمَ مِثْلُهٗ وَكَرَّرَهٗ لِبَيَانِ تَسَاوِيْ حُكْمِ السَّفَرِ وَغَيْرِهٖ **وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ** كَرَّرَهٗ لِلتَّاكِيْدِ **لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ** الْيَهُوْدِ اَوِ الْمُشْرِكِيْنَ **عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ** اَيْ مُجَادَلَةٌ فِي التَّوَلِّيْ اِلٰى غَيْرِهَا اَيْ لِيَنْتَفِيَ مُجَادَلَتُهُمْ لَكُمْ مِنْ قَوْلِ الْيَهُوْدِ يَجْحَدُ دِيْنَنَا وَيَتَّبِعُ قِبْلَتَنَا وَقَوْلِ الْمُشْرِكِيْنَ يَدَّعِيْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ وَيُخَالِفُ قِبْلَتَهٗ **اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ**

بِالْعِنَادِ فَإِنَّهُمْ يَقُولُونَ مَاتَحَوَّلَ إِلَيْهَا إِلَّا مَيْلًا إِلَى دِينِ آبَائِهِ وَالِاسْتِثْنَاءُ مُتَّصِلٌ وَالْمَعْنَى لَايَكُونُ لِأَحَدٍ عَلَيْكُمْ كَلَامٌ إِلَّا كَلَامُ هٰؤُلَاءِ **فَلَا تَخْشَوْهُمْ** تَخَافُوا جِدَالَهُمْ فِي التَّوَلِّي إِلَيْهَا **وَاخْشَوْنِي** بِامْتِثَالِ أَمْرِي **وَلِأُتِمَّ** عَطْفٌ عَلَى لِئَلَّايَكُونَ **نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ** بِالْهِدَايَةِ إِلَى مَعَالِمِ دِينِكُمْ **وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ** ﴿۱۵۰﴾ إِلَى الْحَقِّ **كَمَآ أَرْسَلْنَا** مُتَعَلِّقٌ بِأُتِمَّ أَيْ إِتْمَامًا كَإِتْمَامِهَا بِإِرْسَالِنَا **فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ** مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيٰتِنَا** الْقُرْآنَ **وَيُزَكِّيكُمْ** يُطَهِّرُكُمْ مِنَ الشِّرْكِ **وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ** الْقُرْآنَ **وَالْحِكْمَةَ** مَافِيهِ مِنَ الْأَحْكَامِ **وَيُعَلِّمُكُمْ مَّالَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ** ﴿۱۵۱﴾ **فَاذْكُرُونِي** بِالصَّلٰوةِ وَالتَّسْبِيحِ وَنَحْوِهِ **أَذْكُرْكُمْ** قِيلَ مَعْنَاهُ أُجَازِيكُمْ وَفِي الْحَدِيثِ عَنِ اللّٰهِ مَنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَمَنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِّنْ مَلَئِهِ **وَاشْكُرُوا لِي** نِعْمَتِي بِالطَّاعَةِ **وَلَاتَكْفُرُونِ** ﴿۱۵۲﴾ بِالْمَعْصِيَةِ

ع ۱۸ ۵ ۲

ترجمہ: .... اور ہر ایک کے لئے (امتوں میں سے) ایک ایک جانب (قبلہ) رہا ہے جس کی طرف وہ پھیرتا رہا ہے (اپنا رخ نماز میں اور ایک قرأت میں مولاھا ہے) اس لئے اے مسلمانو! تم بھی نیک کاموں میں بھاگ دوڑ کرو (نیک کام کرنے اور ان کے قبول کرنے میں تگاپو سے کام لو) تم خواہ کہیں بھی ہو گے اللہ سب کو اکٹھا کرلیں گے (قیامت میں جزائے اعمال کے لئے سب کو جمع کرلیں گے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر کام پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں جہاں کہیں بھی آپ (سفر میں) تشریف لے جائیں تو اپنا رخ مسجد حرام کی طرف رکھا کیجئے اور یہ بالکل صحیح ہے۔ منجانب اللہ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے اعمال سے قطعاً بے خبر نہیں ہیں لا یعلمون کی قرأت تا اور یا کے ساتھ ہے۔ اس جیسی آیت پہلے گزر چکی ہے اور سفر وحضر کا حکم برابر کرنے کے لئے دوبارہ اس حکم کو بیان کیا گیا ہے) اور جہاں کہیں بھی باہر تشریف لے جائیں تو اپنا رخ مسجد حرام کی جانب کرلیا کیجئے اور تم لوگ جہاں بھی ہوں اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کرلیا کرو (مکرر حکم تاکید کے لئے لائے ہیں) تاکہ لوگوں (یہود یا مشرکین) کو تمہارے لئے خلاف حجت کا موقع نہ رہے (دوسری طرف تمہارا رخ پھیرنے پر زور نہ دیں، یعنی اب وہ تمہارے خلاف یہ حجت بازی ہی نہ کرسکیں، کہ یہود کہنے لگیں کہ آپ ہمارے قبلہ کا اتباع کرتے ہیں مگر دین کی مخالفت کرتے ہیں یا مشرکین کو کہنے کا موقع ملے کہ ایک طرف ملت ابراہیمی کے اتباع کا دعویٰ کرتے ہو اور دوسری طرف ان کے قبلہ کا خلاف بھی کرتے ہو) البتہ جو لوگ ان میں بالکل ہی بے انصاف ہیں، ظلم پسند ہیں وہ تو اب بھی کہیں گے آپ محض اپنے آبائی دین کی طرف جانا چاہتے ہیں۔) .... اندیشہ نہ کیجئے (کہ آپ تحویل کے سلسلہ میں ان کی کٹ حجتی کا فکر کرنے لگیں) اور مجھ ہی سے (میرے حکم کی اطاعت کرکے) ڈرتے رہو۔ اور ایک منشاء یہ ہے کہ تکمیل کردوں (لئلایکون پر اس کا عطف ہو رہا ہے) اپنی نعمت کی تم پر (جو دربارہ ہدایت احکام دین کے ہے) اور اس کے لئے (راہ حق کی طرف) تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ جس طرح بھیجا ہم نے (یہ متعلق ہے اتم کے تقدیر عبارت اس طرح ہے اتـم اتـمامـاً کـاتـمامها بارسالنا) تم لوگوں پر ایک رسول (محمد ﷺ) ہیں جو تم ہی میں سے ہیں اور تلاوت کرتے رہتے ہیں تم پر ہماری آیات (قرآن) اور تمہارا تزکیہ (شرک سے پاک صاف) کرتے رہتے ہیں اور تم کو تعلیم دیتے رہتے ہیں کتاب (قرآن) کی اور فہم کی باتوں کی (اس کے احکام کی) اور تم کو ایسی باتیں سکھلاتے رہتے ہیں جن کی تم کو خبر نہیں تھی۔ ان نعمتوں پر مجھ کو یاد کرو (نماز و تسبیح وغیرہ سے) میں تم کو یاد رکھوں گا اور جس نے میرا ذکر اپنی مجلسوں میں کیا میں اس سے بہترین مجلس میں اس کا تذکرہ کروں گا) اور میری (نعمت کی) شکر گزاری (بشکل

اطاعت) کرو اور میری ناشکری (بشکل نافرمانی) نہ کرنا''

تحقیق وترکیب: .... لکل وجهة یہ گویا ماقبل کے دعویٰ کا نتیجہ اور تفصیل ہے کہ قبلہ کے سلسلہ میں خود ان میں آپس کا اختلاف ہے۔ وجهة مصدر بمعنی توجہ یا اسم مکان ہے۔ اس لئے واؤ کا ثابت رہنا قیاسی ہوگا۔ اور جب کہ بروزن عدة اور رقة مصدر ہو تو واؤ خلاف قیاس ہوگا۔ اصل پر دلالت کرنے کے لئے جلال محققؒ نے قبلہ سے تفسیر کرکے اس کے مکان ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ فاستبقوا مفسر علامؒ نے اس کے منصوب بنزع الخافض ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یات بکم یعنی قیامت کے روز حق و باطل اور محق ومبطل کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے اللہ تم سب کو جمع کریں گے یا یہ معنی ہیں کہ تم مختلف سمتوں سے بیت اللہ کی طرف رخ کرکے نمازیں پڑھو گے لیکن حق تعالیٰ شمال، جنوب مشرق، مغرب سب طرف کی نمازوں کو ایک ہی رخ پر تصور فرمالیں گے۔

من حیث میں من ابتدائیہ ہے کیونکہ کہ اصل فعل مشی میں امتداد ہوتا ہے۔ ومن حیث خرجت ای من ای بلد خرجت لسفر. للناس میں الف لام سے یہود و نصاریٰ کی طرف اشارہ ہے۔ حجة کے بعد مجادلہ سے تفسیر کرنا اس طرف مشیر ہے کہ یہ واقعی حجۃ نہیں تھی بلکہ حجۃ کی طرف اس کی کٹ حجتی کو استعمال کریں گے۔ میلا یعنی محض طبعی محبت سے اپنے شہر کی طرف رخ کرنا چاہتے ہیں اگر حق کا اتباع مقصود ہوتا تو قبلہ انبیاء (بیت المقدس) کا اتباع کرتے۔ عطف علی لئلایکون یا اس کا معطوف علیہ محذوف ہو۔ ای وامرتکم اتمام النعمة علیکم یا علۃ مقدرہ پر عطف ہوگا۔ ای اخشونی لحفظکم عنهم ولاتم پہلی صورت میں چونکہ محذوف ماننا نہیں پڑتا۔

کما ارسلنا کاف ماقبل سے متعلق ہے۔ ای ولاتم نعمتی علیکم فی الأخرة بالثواب کما اتممتها علیکم فی الدنیا یا متعلق مابعد بھی ہوسکتا ہے۔ ای کما ذکرتکم بارسال الرسول فاذکرونی بالطاعة اس صورت میں تهتدون پر وقف کیا جائے گا۔ پہلی صورت میں وقف نہیں ہوگا حکمة یہ ذکر خاص بعد العام ہے۔

ربط: .... آیت ولکل الخ میں تحویل کی دوسری حکمۃ کا اور آیت ومن حیث خرجت الخ میں تیسرا حکیمانہ جواب ارشاد ہے اور آیت کما ارسلنا میں دعائے ابراہیمی کا ظہور پذیر ہونا بیان کیا گیا ہے۔ پھر ان تمام نعمتوں پر اظہار تشکر کا حکم دیا جا رہا ہے۔

شانِ نزول: .... لباب النقول میں ابن جریر نے تخریج کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب تحویل قبلہ فرمایا تو مشرکین مکہ کہنے لگے کہ محمد ﷺ دین کے باب میں متحیر معلوم ہوتے ہیں۔ ہمارے قبلہ کی طرف ان کا متوجہ ہونا یہ دلیل ہے۔ اس بات کی وہ ہم کو اپنے زیادہ صحیح راستہ پر سمجھنے لگے ہیں۔ اس لئے امید رکھنی چاہئے کہ وہ ہمارے دین کو بھی اختیار کرلیں گے۔ اس پر آیت لئلایکون للناس الخ نازل ہوئی تو اس روایت پر ظالمین سے مراد یہ لوگ ہوں گے اور جلال محققؒ نے مشرکین اور اہل کتاب دونوں کے اقوال پیش کئے ہیں یعنی دونوں ظالم کا مصداق ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: ...... **تحویل قبلہ کا حکیمانہ جواب (۲):** .... دوسری حکمت کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح ہر قوم کا ایک مذہبی قبلہ رہا ہے۔ مسلمان ایک عظیم الشان قوم کی حیثیت سے بھی اگر صاحب قبلہ ہوں تو وجہ شکایت کیا رہ جاتی ہے اور کوئی اس قدر اہم اور غیر معمولی بات نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ہمہ تن اور ہمہ وقت تم سب اسی دھندہ میں لگے رہو۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ جو حقیقی کارِ خیر ہوں ان کے انصرام واہتمام میں لگ جائیں کہ تمہیں بڑے بڑے کام کرنے ہیں۔

حکیمانہ جواب (۳):............ تیسری حکمت مشتمل ہے کئی پہلوؤں پر مثلاً (۱) اس میں مخالفین کی حجۃ قطع کرنی ہے اور پچھلی کتابوں کی پیشن گوئی کو دربارہ تحویل قبلہ پورا کرنا ہے۔ (۲) اتمام نعمت۔ (۳) تکمیل ہدایت چونکہ قبلہ کا معاملہ نہایت اہمیت اختیار کر چکا تھا اور اس میں مخالفین نے بڑی دلچسپی کا ثبوت دیا تھا اور علاوہ ازیں اس کے بعض جزئی احکام خاصہ میں گنجائش شبہ بھی تھی اس لئے جواب میں طول بیانی سے کام لیا گیا ہے اور حاکمانہ اور حکیمانہ جواب دیا۔ پھر حکیمانہ جواب میں بھی مصلحت در مصلحت کا اظہار ہوا۔ پھر تحویل قبلہ میں بحالت حضر جہت جنوب کی مقصودیت کا شبہ مدینہ طیبہ میں رہ کر ہوسکتا تھا اور سفر کا موقعہ زیادہ شبہ کا تھا کہ ممکن ہے منزل کا حکم اور ہو راہ کا حکم دوسرا۔ یا یہ کہ حکم آپ کے ساتھ خاص ہے یا سب کے لئے عام اسی طرح چونکہ اسلام میں یہ پہلا نسخ تھا جو مسلمانوں کے لئے ایک نئی چیز تھی اور مخالفین کے لئے فتنہ پردازی کا بہانہ، ان چند در چند وجوہ سے کئی کئی پہلوؤں سے اس پر روشنی ڈالی گئی اور حکم کو مکرر سہ کرر بیان کیا گیا۔

عالمگیر نبی کا قبلہ مرکزی اور بین الاقوامی ہے:............ حضرت ابراہیم کا اقوام عالم کی امامت سے سرفراز ہونا۔ ام القریٰ مکہ معظمہ میں عبادت گاہ کعبہ کی تعمیر کرنا اسے مقدس وقت میں امت مسلمہ کے ظہور کی الہامی دعا کرنا خود اپنے اور اپنی اولاد کے لئے ایک مذہب حق اسلام کا انتخاب کر کے اس کی وصیت کرنا وقت موعود پر پیغمبر اسلام کا ظہور اور ان کی تعلیم و تربیت سے ایک بہترین امت کا رونما ہو جانا اور سارے عالم کی ہدایت و تعلیم اس کے سپرد ہونا اور اس کی روحانی ہدایت کے لئے ایک مرکز کا ہونا جو قدرتی طور پر عبادت گاہ کعبہ ہی ہوسکتا تھا۔ کیونکہ یورپ، ایشیاء، افریقہ کا مرکزی حصہ یہی ام القریٰ ہے۔ جس کو کہ ''ناف ارض'' کہا گیا ہے۔ چنانچہ تحویل قبلہ سے اس کی مرکزیت کا اعلان کر دیا گیا اور پیروانِ حق کو بتلا دیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم کے عمل حق نے جو بیج بویا تھا وہ بارآور ہو گیا ہے۔ اب وہ بہترین امت تم ہو اور عالمگیر نبی آنحضرت ﷺ ہیں جن کو بین الاقوامی مشن کی رو سے ایک مرکزی قبلہ دیا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ ان ہی جملہ اوصاف کے حامل ہیں جن خصوصیات کا خاکہ ان کے جد امجد نے کھینچا تھا۔

بنائے ابراہیمی کا حقدار ابن ابراہیمؑ ہی ہوسکتا ہے:............ کعبہ اگر بنائے ابراہیمی ہے تو یہ نبی ابن ابراہیم ہیں۔ اس بناء کے قبول ہونے اور اس ابن کے رسول ہونے کا جو خواب انہوں نے دیکھا تھا آج دنیا اس کی تعبیر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے۔ اس لئے امام عالم کے صاحبزادہ کو امام القبلتین بنایا جارہا ہے۔ اس لئے پیروانِ قرآن کو دعوت عمل دی جارہی ہے کہ ان نعمتوں کا شکر بجالاتے ہوئے سرگرم عمل ہو جاؤ اور جو طالب حق ہو اس کی اصلاح کرو۔ لیکن قرآن سے جب معترض کا معاند ہونا ظاہر ہو جائے تو اس کو جواب دینا اور اس کے درپے ہونا لاحاصل ہے۔ بنائے کعبہ کے لئے کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

اِنَّ الَّذِیْ سَمَکَ السَّمَآءَ بَنٰی لَنَا بَیْتًا   دعــائـمــہ اَعَــزُّ وَاَ طُــوَلُ

قبلہ عشاق:............ آیت ولکل وجھۃ سے بعض عارفین نے لوگوں کے احوال وافعال میں متفاوت ہونے کی حکمت و مصلحت مستنبط کی ہے۔ حدیث کل میسر لما خلق لہ بھی اس کی مؤید ہے۔ یہ سب طرق ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آباد رکھنا چاہتے ہیں ان کے شئون و مراتب مختلف اور مراتب اسماء متفاوت ہیں۔ ان میں سے جو سب سے احسن ہو اس کا اہتمام کرنا چاہئے اور بعض نے اس کی تاویل میں کہا ہے کہ ہر شخص کا قبلہ جدا ہے۔ مقربین کا قبلہ عرش اعظم ہے اور روحانین کا کرسی اور ملائکہ کا بیت المعمور اور انبیائے سابقین کا بیت المقدس اور آنحضرت ﷺ کا جسمانی قبلہ بیت اللہ اور روحانی قبلہ ذاتِ حق ہے۔

سیر سلوک کی انتہاء نہیں ہے:.......... لعلکم تھتدون میں ہدایت یافتہ لوگوں کو خطاب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ترقی کی کوئی انتہاء نہیں ہوتی سیر الی اللہ کے بعد سیر فی اللہ ہے۔

شرفِ صحبت:.......... ویعلمکم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کتاب وحکمت کے بعد ایک باب اور بھی ہے جو صالحین کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔

ذکر کا حقیقی ثمرہ:.......... فاذکرونی اذکرکم ذکر اللہ کا اصلی اور حقیقی ثمرہ یہی ہے کہ حق تعالیٰ ملتفت اور متوجہ ہوں۔ سالک اور ذاکر اگر اس کو پیش نظر رکھے تو تشویش سے محفوظ رہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا عَلَى الْاٰخِرَةِ **بِالصَّبْرِ** عَلَى الطَّاعَةِ وَالْبَلَاءِ **وَالصَّلٰوةِ** خَصَّهَا بِالذِّكْرِ لِتَكَرُّرِهَا وَعَظْمِهَا **اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ** ﴿۱۵۳﴾ بِالْعَوْنِ **وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** هُمْ **اَمْوَاتٌ بَلْ** هُمْ **اَحْيَآءٌ** اَرْوَاحُهُمْ فِيْ حَوَاصِلِ طُيُوْرٍ خُضْرٍ تَسْرَحُ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ حَدِيْثٌ بِذٰلِكَ **وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ** ﴿۱۵۴﴾ تَعْلَمُوْنَ مَا هُمْ فِيْهِ **وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ** لِلْعَدُوِّ **وَالْجُوْعِ** الْقَحْطِ **وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ** بِالْهَلَاكِ **وَالْاَنْفُسِ** بِالْقَتْلِ وَالْاَمْرَاضِ وَالْمَوْتِ **وَالثَّمَرٰتِ** بِالْجَوَائِحِ اَيْ لَنَخْتَبِرَنَّكُمْ فَنَنْظُرَ اَتَصْبِرُوْنَ اَمْ لَا **وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ** ﴿۱۵۵﴾ عَلَى الْبَلَاءِ بِالْجَنَّةِ هُمُ **الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ** بَلَاءٌ **قَالُوْٓا اِنَّا** مِلْكًا وَعَبِيْدًا يَفْعَلُ بِنَا مَا يَشَاءُ **لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ** ﴿۱۵۶﴾ فِي الْاٰخِرَةِ فَيُجَازِيْنَا فِي الْحَدِيْثِ مَنِ اسْتَرْجَعَ عِنْدَ الْمُصِيْبَةِ اَجَرَهُ اللّٰهُ فِيْهَا وَاَخْلَفَ عَلَيْهِ خَيْرًا وَفِيْهِ اَنَّ مِصْبَاحَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَفِيْءَ فَاسْتَرْجَعَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ اِنَّمَا هٰذَا مِصْبَاحٌ فَقَالَ كُلُّ مَا سَاءَ الْمُؤْمِنَ فَهُوَ مُصِيْبَةٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ فِيْ مَرَاسِيْلِهِ **اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ** مَغْفِرَةٌ **مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ** نِعْمَةٌ **وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ** ﴿۱۵۷﴾ اِلَى الصَّوَابِ

ترجمہ:.......... اے ایمان والو! سہارا پکڑو (آخرت کے لئے طاعت اور مصیبتوں پر) صبر کر کے اور نماز کے ذریعہ سے (نماز کی تخصیص اس کے بار بار ہونے اور عظمت کی وجہ سے ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں (مدد کے لحاظ سے) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں جان دیتے ہیں ان کی نسبت یہ بھی نہ کہو کہ (وہ) مردے ہیں، بلکہ (وہ) زندہ ہیں (ان کی ارواح سبز پرندوں کے پپوٹوں میں ہوتی ہیں جنت میں جہاں چاہیں پھرتی ہیں اسی مضمون کی حدیث ہے) لیکن تم ادراک نہیں کر سکتے (نہیں جانتے کہ وہ کس حال میں ہیں) اور ہم تمہارا امتحان ضرور کریں گے (دشمن کے) کسی قدر خوف سے اور فقر و فاقہ (قحط سالی) اور کچھ مالی (نقصان) اور جانی (اتلاف، مرض طبعی کی صورت میں) اور پھلوں کی کمی سے (بذریعہ آفات، یعنی ضرور تمہاری آزمائش کریں گے اور پھر دیکھیں گے کہ صبر کرتے ہو یا نہیں) اور بشارت سنا دیجئے آپ صبر کرنے والوں کو (مصائب پر جنت کی) جن کی حالت یہ ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کی ملک ہیں (یعنی اسی کے مملوک اور بندے ہیں جو چاہے وہ ہمارے ساتھ کریں) اور ہم سب

اللہ ہی کے پاس جانے والے ہیں (آخرت میں وہی ہم کو بدلہ دے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ مصیبت کے وقت جو انا للہ کہے گا اللہ اس کو اجر عنایت فرمائیں گے اور اس مصیبت سے بہتر خلف تجویز کریں گے۔ نیز حدیث میں ہے کہ آپ کا چراغ ایک مرتبہ گل ہو گیا آپ نے انا للہ پڑھا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا صرف چراغ ہی تو ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو چیز مسلمان کے لئے تکلیف دہ ہو وہ مصیبت میں شمار ہے۔ ابوداؤد طیالسی نے اپنی مراسیل میں اس کو روایت کیا ہے) ان لوگوں پر خاص خاص رحمتیں (مغفرت) بھی ان کے پروردگار کی طرف سے اور رحمتِ عامہ (نعمت) ہوگی اور یہی لوگ ہیں جن کی رسائی ہوگئی ہے (راہ صواب کی طرف۔)

تحقیق وترکیب: .... عون مراد معیت ہے۔ جس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک معیت عامہ یعنی عملی اور قدرتی معیت اور دوسری معیت خاصہ یعنی عون ونصرت کی ہے۔ جو متقی، صابر، محسن لوگوں کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اموات اور احیاء دونوں میں مبتداء محذوف ہے۔ ای ھم اموات واحیاء . الشعور الاحساس مشاعر الانسان بمعنی حواس، شعر بال، شعار وہ لباس جو بدن سے متصل ہو۔

حواصل جمع حوصلۃ کی پوٹہ مرغ یا تشریفاً ارواح کے ساتھ کارروائی کی جائے گی۔ جیسے کپڑوں کو صندوق میں رکھا جاتا ہے اور ممکن ہے ارواح کی جب تکمیل ہو جاتی ہے تو ان کا تمثل اس صورت میں کر دیا جاتا ہے جیسے فرشتہ کا تمثل بشکل انسانی۔ جلال محقق کی رائے کے مطابق حیاتِ اخروی ایک مخصوص حیات جسمانی اور روحانی ہے۔ جس کو دنیوی زندگانی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اور قاضی بیضاویؒ کی رائے یہ ہے کہ بقاء روحانی مراد ہے۔ لیکن شہداء کی تخصیص مزید قرب وکرامۃ کی وجہ سے ہے۔ جوائح جمع جائحۃ پھل پر جو آفت وغیرہ پیش آئے۔

الذین مبتداء محذوف ہے مدحاً مرفوع ہے اور یہی صورت بہتر ہے اس میں وجوہ اعراب چار ہیں (۱) صابرین کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہو (۲) منصوب علی المدح ہو (۳) مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو جملہ مستانفہ بن جائے۔ (۴) مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو اولئک خبر ہے اذا اصابتھم . قالوا جواب ہے اذا اور اذا مع جواب کے صلہ ہے الذین کا۔

مراسیل یہ سنن ابوداؤد کی دوسری تصنیف کا نام ہے جس میں مرسل ومنقطع روایات ہیں رحمۃ قرآن کریم میں اس کا استعمال بقول اتقان چودہ معنی پر آیا ہے۔ یہاں مراد نعمۃ ہے۔

ربط: .... جہاں تک تحویل قبلہ کے اعتراض کا مذہب اسلام پر اثر پڑ سکتا تھا اس کا ازالہ تو ماقبل جوابات سے ہو گیا اور جہاں تک مسلمانوں کے دلوں کا مجروح اور زخمی ہونا ہے۔ بالخصوص اس پر اصرار بے جا سے جو رنج وصدمہ ہوا ہے اس کے ازالہ کی تدابیر صبر نماز بتلائی جارہی ہیں۔ اسی طرح قتال مع الکفار اور معرکۂ جہاد پر جو تحویل قبلہ سے زیادہ بڑی مہم ہے اس میں صبر اور صابرین کی مدح فضیلت اور معمولی آزمائشوں میں ثبات واستقلال کی فضیلت بیان کی ہے۔

شانِ نزول: .... ابن منذر نے حضرت ابن عباسؓ سے تخریج کی ہے کہ کہ شہداء بدر کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں ہیں۔ آٹھ انصار اور چھ مہاجر تھے جن کے بارے میں مشرکین ومنافقین کہنے لگے کہ دیکھو یہ بے چارے کس طرح محمد کے کہنے میں آ کر دنیا کی زندگی اور لذات سے محروم رہ گئے۔

﴿ تشریح ﴾:...... **صبر کی طرح نماز سے بھی مصیبت کا اثر دور ہو جاتا ہے**:............ صبر سے رنج کا ہلکا اور جزع فزع اور بے صبری سے مصیبت کا دو چند ہو جانا تو مشاہدہ ہے۔ البتہ نماز اور وہ بھی حضورِ قلب اور خلوص دل کے ساتھ ہو تو اس کا تخفیف حزن میں مؤثر ہونا یا تو ادویہ کی طرح بالخاصہ مفید ہوگا اور یا پھر بالکیفیہ اس طرح مفید ہو کہ تخفیف حزن کا مدار اصلی چونکہ قلب کو غم کے علاوہ دوسری کسی چیز کی طرف متوجہ اور مشغول کر دینے پر ہے۔ اس لئے نماز میں خشوع وخضوع کے ساتھ انہماک اور یکسوئی و توجہ سے یقیناً اس کا دل و دماغ بہلے گا اور اس تدبیر کے بار بار کرنے سے غم انگیز واقعہ کی یاد دماغ سے غائب ہونی شروع ہو جائے گی اور رنج والم کافور ہو جائے گا۔ جس فرد یا جماعت میں یہ دو قوتیں صبر و نماز کی پیدا ہو جائیں گی وہ کبھی ناکام نہیں ہو سکتیں۔

شہداء کو مردہ نہ سمجھو:............ شہید کی نسبت مردہ کا لفظ استعمال کرنا صحیح اور جائز ہے مگر اس کی موت دوسرے عام مردوں کی طرح نہیں سمجھنی چاہئے کیونکہ راہ حق میں موت موت نہیں ہوتی بوہ تو سراسر زندگی اور جاویدگی ہے۔ دوسرے مرنے کے بعد برزخی زندگی اگرچہ سب کو حاصل ہوگی مسلمان ہو یا کافر چنانچہ اسی زندگی سے وہاں کی جزا اور سزا کا احساس ہوگا۔

برزخی زندگی کا فرق:............ لیکن شہید اور غیر شہید کے آثار زندگی میں اسی طرح فرق ہوتا ہے جس طرح دنیاوی زندگانی میں مختلف اعضاء کے درمیان آثار زندگی میں نمایاں فرق محسوس ہوتا ہے کہ ایڑی میں جان اتنی کمزور ہوتی ہے کہ کسی تکلیف کا احساس بھی زیادہ نہیں ہوتا اور ہاتھ کی انگلی میں ایڑی سے زیادہ روح ہوتی ہے تو تکلیف کا احساس بھی زیادہ ہوتا ہے اور دل و دماغ اعضائے رئیسہ میں روح کا سریان اس شدت سے ہوتا ہے کہ ان کو منبع روح کہنا چاہئے۔ چنانچہ زندگی کے اثرات بھی ان میں اس درجہ نمایاں ہوتے ہیں کہ ان کی تکلیف سے زندگی ہی خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ بس یہی حال برزخی زندگانی کے اثرات کے تفاوت کا ہے کہ عامۂ مومنین کی برزخی زندگی چونکہ زیادہ قوی نہیں ہوتی اس لئے اس کے اثرات بھی کمزور اور عالمِ برزخ تک محدود رہتے ہیں۔ عالم ناسوت میں وہ محسوس نہیں ہوتے، اس لئے یہاں کے اعتبار سے اس کو مردہ ہی سمجھا جاتا ہے، لیکن شہید کی برزخی زندگی قوی ہوتی ہے اور اس درجہ قوی کہ عالمِ محسوس تک اس کے اثرات محسوس ہوتے ہیں کہ بنص حدیث اس کا گوشت پوست زمین سے متاثر نہیں ہوتا اور زندوں کی طرح صحیح وسالم رہتا ہے۔ اسی لئے اس کو زندہ سمجھا گیا ہے اور مردہ سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ یعنی وہ عام مردوں کی طرح مردہ نہیں ہوتے۔

انبیاءً کی برزخی زندگی کے آثار:............ انبیاءً علیہم السلام کی برزخی حیاتِ مبارکہ چونکہ سب سے زیادہ قوی ہوتی ہے حتیٰ کہ نہ صرف یہ کہ ان کے اجسامِ مبارکہ اسی طرح تر و تازہ اور سلامت و محفوظ رہتے ہیں۔ جس طرح دنیاوی زندگانی میں تھے بلکہ شہداء سے زیادہ ان کی حیات اور اس کے اثرات کا منصوص درجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے مال میں میراث جاری نہیں ہو سکتی اور ان کی ازواج مطہرات سے کسی دوسرے کو نکاح کی اجازت نہیں ہوتی۔ گویا کہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں غرضکہ سب سے اعلیٰ درجہ کی برزخی زندگی انبیاءً علیہم السلام کی ہوتی ہے جس کے اثرات سب سے زیادہ قوی ہوتے ہیں اور اس سے کم درجہ شہداء کی حیات کا ہے پھر عامۂ مومنین کی۔

کیا اولیا شہداء کی فضیلت میں شریک نہیں؟:............ البتہ آیت میں شہداء کی تخصیص پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ بعض احادیث کی رو سے اولیاء صالحین بھی شہداء کی اس فضیلت میں شریک معلوم ہوتے ہیں کہ ان کو بھی عام مردوں کی طرح نہیں سمجھنا چاہئے۔ پھر آیت میں شہداء کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ اس کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ مجاہدہ نفس سے مرنے والے کشتۂ محبت اور

قتیل ناز اولیاء اللہ کو بھی معناً شہید سمجھا جائے اور ان کو بھی آثارِ شہداء میں شریک سمجھا جائے دوسری توجیہ یہ ہے کہ آیت میں شہداء کی تخصیص حقیقی نہیں ہے کہ دوسرے اس فضیلت میں شریک ہی نہیں ہوسکیں۔ ورنہ انبیاء کی فضیلت بھی باعث اشکال ہو جائے گی۔ بلکہ تخصیص اضافی مراد ہے، یعنی عامۂ مومنین کے لحاظ سے شہداء کی تخصیص کی گئی ہے جو ان سے نیچے درجہ کے ہوں۔ لیکن جو ان کے برابر یا ان سے عالی تر ہوں ان کے اعتبار سے تخصیص نہیں ہے۔

شہداء کی قسمیں اور احکام:............ احکام کے لحاظ سے شہداء کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) اول دین و دنیا دونوں لحاظ سے شہید ہو یعنی بے غسل وکفن صرف نماز جنازہ پڑھ کر حنفیہ کے نزدیک دفن کر دیا جائے اور شوافع کے نزدیک نماز جنازہ کی بھی حاجت نہیں کہ وہ خود ہی مغفور اور پاک صاف ہیں جیسے مخلص مجاہد۔ (۲) صرف آخرت کے لحاظ سے شہید ہو اور احکام دنیا اس پر شہید کے جاری نہ کیے جائیں دریا میں ڈوب مرنے والا، دستوں کے مریض اور تپ دق میں ہلاک ہونے والا، بچہ کی ولادت کے سلسلہ میں بحالت نفاس مرنے والی عورت اخروی شہید کہلائیں گے۔ لیکن مذکورہ دنیاوی احکام ان پر جاری نہیں کئے جائیں گے۔ (۳) صرف احکام دنیا کے لحاظ سے شہید سمجھا جائے لیکن درحقیقت اخروی لحاظ سے شہید نہ ہو اور اس مخصوص درجہ اور ثواب کا مستحق نہ ہو جو شہداء کے لئے ہوتا ہے جیسے غیر مخلص مجاہد۔ (۴) دونوں لحاظ سے شہید کے احکام اس مقتول پر جاری نہ کئے جائیں جیسے حکومت اسلامیہ کے خلاف بغاوت میں قتل ہونے والے یا ڈاکہ زنی میں مارے جانے والے کہ ان مقتولوں پر نہ صرف یہ کہ شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے بلکہ عام مسلمانوں جیسے احکام بھی ان پر جاری نہیں ہوں گے۔ یعنی دوسروں کو عبرت دلانے کے لئے نہ ان کو کفن دیا جائے گا نہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ اگر کسی شہید کی نعش خاک خوردہ اور خراب ہوگئی ہو تو سمجھا جائے گا کہ ممکن ہے کہ اس کی خلوص نیت میں فرق آ گیا ہو جس پر مدار ہے اصلی شہادت کا جس کے یہ آثار ہوتے ہیں۔

آزمائش الٰہی بھی مجاہدہ اضطراری ہے:............ آزمائش سے مراد یہاں بھی وہی ہے جس کا ذکر واذابتلی ابراھیم میں کیا جا چکا ہے اور پہلے سے اطلاع دینے میں یہ فائدہ ہے کہ صبر آسان ہو جائے اور دفعۃً مصیبت پڑنے سے جو نا قابل برداشت صورت ہوتی ہے اس میں سہولت ہو جائے اور نفس صبر چونکہ تمام مصیبتوں میں مشترک ہے اس لئے اس کا صلہ بھی رحمت عامہ ہوگی۔ رہا خصوصیت ہر صابر کی وہ بلحاظ مقدار صبر کے ہوگی۔ آیت ولنبلونکم سے معلوم ہوا کہ مجاہدہ اضطراریہ بھی انسان کے لئے نافع ہوتا ہے اور قالوا انا للہ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال تمام مصائب کا علاج ہے۔ حتیٰ کہ رفع انقباض کے لئے بھی مؤثر ہے۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ جَبَلَانِ بِمَكَّةَ **مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ** اَعْلَامِ دِيْنِهِ جَمْعُ شَعِيْرَةٍ **فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ** اَىْ تَلَبَّسَ بِالْحَجِّ اَوِ الْعُمْرَةِ وَاَصْلُهُمَا الْقَصْدُ وَالزِّيَارَةُ **فَلَاجُنَاحَ** اِثْمَ **عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ** فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِى الْاَصْلِ فِى الطَّاءِ **بِهِمَا** بِاَنْ يَّسْعٰى بَيْنَهُمَا سَبْعًا نَزَلَتْ لَمَّا كَرِهَ الْمُسْلِمُوْنَ ذٰلِكَ لِاَنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَطُوْفُوْنَ بِهِمَا وَعَلَيْهِمَا صَنَمَانِ يَمْسَحُوْنَهُمَا وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ السَّعْىَ غَيْرُ فَرْضٍ لِمَا اَفَادَهُ رَفْعُ الْاِثْمِ مِنَ التَّخْيِيْرِ وَقَالَ الشَّافِعِىُّ وَغَيْرُهُ رُكْنٌ وَبَيَّنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُجُوْبَهُ بِقَوْلِهِ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْىَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِىُّ وَغَيْرُهُ وَقَالَ اِبْدَءُوْا بِمَا بَدَاَ اللّٰهُ بِهِ يَعْنِى الصَّفَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ **وَمَنْ تَطَوَّعَ** وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالتَّحْتَانِيَّةِ

وَتَشْدِيْدِ الطَّاءِ مَجْزُوْمًا وَفِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِيْهَا **خَيْرًا** اَیْ بِخَيْرٍ اَیْ فَعَلَ مَالَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ مِنْ طَوَافٍ وَغَيْرِهٖ **فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ** لِعَمَلِهٖ بِالْاِثَابَةِ عَلَيْهِ **عَلِيْمٌ** ﴿۱۵۸﴾ بِهٖ

ترجمہ: .... بلاشبہ صفا اور مروہ (مکہ میں دو پہاڑوں کا نام ہے) منجملہ خدائی یادگاروں کے ہیں (علامات دین سے ہی شعائر جمع شعیرۃ کی ہے) جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے (یعنی حج وعمرہ سے متلبس ہوا، حج کے اصلی معنی قصد کے اور عمرہ کے معنی زیارت آتے ہیں) اس پر کوئی مضائقہ (گناہ) نہیں ہے طواف کرنے میں (لفظ یطوف میں تاء اصلی کو طاء کرایا اور طاء کو طاء میں ادغام کردیا ہے) ان دونوں پہاڑوں کا (سات دفعہ ان کے درمیان سعی کرے۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی کہ مسلمان اس سعی کو مکروہ سمجھ رہے تھے۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں لوگ ان پہاڑوں کا طواف ایسی حالت میں کرتے تھے کہ ان پر دو بت رکھے ہوئے تھے کہ لوگ ان کو چھوتے تھے اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ سعی فرض نہیں ہے کیونکہ رفع گناہ سے اختیار سمجھ میں آ رہا ہے۔ امام شافعیؒ وغیرہ اس کی رکنیت کے قائل ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کے وجوب کے بارہ میں ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی کو فرض کیا ہے" رواہ البیہقی وغیرہ اور فرمایا کہ جہاں سے خدا نے شروع کیا تم بھی وہیں سے شروع کرو یعنی صفا سے رواہ مسلم) اور جو شخص خوش دلی سے کرتا ہے (ایک قرأت میں یائے تحتانیہ اور طا کی تشدید کے ساتھ مجزوم پڑھا گیا ہے دراصل اس میں تا کا طا میں ادغام ہوا ہے) کسی خیر کو (خیر معنی میں بخیر کے ہے یعنی غیر واجب طواف وغیرہ کرے) تو اللہ تعالیٰ قدردانی کرنے والے ہیں (اس کے عمل پر ثواب دے کر) خوب جاننے والے ہیں (اس کو۔)

تحقیق وترکیب: .... صفا پہاڑ کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ آدم صفی اللہ اس پر قیام پذیر ہوئے اور مروۃ کی وجہ تسمیہ امراۃ آدم حوا علیہا السلام کا قیام پذیر ہونا بتلایا جاتا ہے۔ **اعلام دینه** جلال محققؒ نے لفظ دینہ نکال کر اشارہ کر دیا کہ عبارت بتقدیر المضاف ہے۔ **ای شعائر دین الله، شعائر** جمع **شعيرة** علامت حج وعبادت کے معنی ہیں۔ **علیه** یہ **لا** کی خبر ہے اور ترکیبی لحاظ سے اس میں چند وجوہ ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ **لاجناح** کی خبر محذوف ہو ای **لاجناح فی الحج** اور **علیه** خبر مقدم اس کا مبتداء مؤخر ان **یطوف** ہے۔ بتاویل مصدر مرفوع بنا بر مبتدا کے اور بعض نے ان **یطوف** سے پہلے **لا** مقدر مانا ہے ای **ان لا یطوف بهما**، ضمان، اساف، ونائلہ یہ بت تھے جن کے متعلق مشہور یہ تھا کہ کسی زمانہ میں دونوں مرد وعورت تھے۔ جنہوں نے مسجد حرام میں زنا کا ارتکاب کیا تھا اللہ نے سزاءً ان کو مسخ کر دیا تھا۔ لوگوں نے عبرت کے لئے ان کو ان دونوں پہاڑوں پر رکھ چھوڑا تھا کہ تھوڑے دنوں کے بعد بے وقوفی سے ان کا طواف ہونے لگا۔ دولت اسلام سے جب اللہ نے مشرف فرمایا تو مسلمانوں کو ان کے طواف میں تردد پیدا ہوا لیکن کہا گیا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ طواف شعائر دین میں سے ہے اور گویا حضرت ابراہیمؑ کے افعال کی تقلید ہے۔ لفظ **لاجناح** اور **ومن تطوع** دونوں سے اس سعی کا غیر واجب ہونا معلوم ہوا۔ جیسا کہ امام احمدؒ کی ایک روایت ہے یعنی امام احمدؒ کی رائے اس کے سنۃ ہونے کی ہے اور دوسری روایت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مذہب ان کا رکن اور فرض ہونے کا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے کہ جبر، دم کے ساتھ کیا جائے گا اور مستدل یہی حدیث ہے۔ خبر واحد ہونے کی وجہ سے اس سے رکنیت ثابت نہیں ہوتی۔

بخیر اشارہ ہے کہ منصوب بنزع الخافض ہے۔ ابن عباسؓ کی قرأت اس کی مؤید ہے یا فعل بتضمین معنی اتی خود متعدی بنفسہ ہے۔

شاکر اصل معنی انعام کے ہیں۔ حق تعالیٰ کے لئے یہ معنی چونکہ ممکن نہیں ہے۔ اس لئے مفسر علامؒ نے **بالاثابة** سے مجاز کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ جواب شرط کے قائم مقام علۃ ہے اور اس میں اشارہ ہے ایفاء وعدۂ الٰہی کی طرف۔

ربط: .... چونکہ بنائے ابراہیمی اور دعائے ابراہیمی کا تذکرہ ہو چکا ہے جس میں مناسک حج کی طرف بھی اشارہ تھا۔اس لئے یہاں اس مناسبت سے سعی کا بیان ہورہا ہے۔دوسری قریبی مناسبت یہ ہے کہ آیت ولنبلونکم الخ میں جان ومال کے انفاق کاذکر تھا۔حج وعمرہ میں بدنی اور مالی مجاہدہ کا بیان ہے۔

شانِ نزول: .... لباب النقول میں امام بخاری سے دوروایتوں کی تخریج اسی مضمون کی بیان کی ہے۔جس کا تذکرہ جلال محققؒ نے بیان کیا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... سعی کی سنیت ، وجوب ،فرضیت کی تفصیل مذاہب کا بیان گزر چکا ہے البتہ ابتداء بالصفا تو امام شافعی کے نزدیک واجب ہے۔واؤ سے استدلال کرتے ہوئے۔چنانچہ حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے "نحن نبدء بما بدء الله تعالٰی" تو آیت وحدیث سے واو کی ترتیب سمجھی گئی ہے۔لیکن حنفیہ بھی وجوب کے قائل ہیں۔البتہ واؤ سے استدلال کی بجائے آنحضرت ﷺ کے فعل سے استدلال کرتے ہیں۔چنانچہ دوسری آیت ان یطوف بهما میں بلا واؤ کے حکم ہے۔رہا حدیث کا مفہوم تو تقدیم ذکری سے اہتمام کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

وَنَزَلَ فِي الْيَهُوْدِ **اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ** النَّاسَ **مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى** كَاٰيَةِ الرَّجْمِ وَنَعْتِ مُحَمَّدٍ **مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ** التَّوْرَاةِ **اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ** يُبْعِدُهُمْ مِنْ رَّحْمَتِهٖ **وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾** اَلْمَلَائِكَةُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اَوْ كُلُّ شَيْءٍ بِالدُّعَاءِ عَلَيْهِمْ بِاللَّعْنَةِ **اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا** رَجَعُوْا عَنْ ذٰلِكَ **وَاَصْلَحُوْا** عَمَلَهُمْ **وَبَيَّنُوْا** مَا كَتَمُوْهُ **فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ** اَقْبَلُ تَوْبَتَهُمْ **وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾** بِالْمُؤْمِنِيْنَ **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ** حَالٌ **اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾** اَيْ هُمْ مُسْتَحِقُّوْا ذٰلِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَالنَّاسُ قِيْلَ عَامٌّ وَّقِيْلَ الْمُؤْمِنُوْنَ **خٰلِدِيْنَ فِيْهَا** اَيِ اللَّعْنَةِ اَوِ النَّارِ الْمَدْلُوْلِ بِهَا عَلَيْهَا **لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ** طَرْفَةَ عَيْنٍ **وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾** يُمْهَلُوْنَ لِتَوْبَةٍ اَوْ مَعْذِرَةٍ

ترجمہ:............ (اور یہود کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی) جولوگ چھپاتے ہیں (لوگوں سے) ان مضامین کو جن کو ہم نے نازل کیا ہے جو واضح دلائل اور ہدایت بخش ہیں (جیسے ایت رجم اور آنحضرت ﷺ کی نعت) اس کے بعد کہ ہم ان کو عام لوگوں پر واضح کر چکے ہیں۔کتاب (تورات) میں ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں (اپنی رحمت سے ان کو دور فرمادیتے ہیں) اور لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں (فرشتے، مؤمنین یا ہر چیز کی پھٹکار ان پر ہوتی ہے) البتہ جولوگ توبہ کرلیں (اس سے باز آجائیں) اور اصلاح کرلیں (اپنے اعمال کی) اور ظاہر کردیں (چھپائی ہوئی باتوں کو) ایسے لوگوں پر متوجہ ہوجاتا ہوں (ان کی توبہ قبول کرلیتا ہوں) اور ہماری تو عادت ہے توبہ قبول کرلینا اور مہربانی فرمانا (مسلمانوں پر) البتہ جولوگ اسلام نہ لاویں اور اسی حالت کفر پر مرجاویں (کفار حال ہے) ایسے لوگوں پر اللہ کی اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت پھٹکار (یعنی یہ دین ودنیا میں لعنت کے مستحق ہیں۔الناس سے مراد

یہ عام انسان ہیں خاص مؤمن) وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں گرفتار رہیں گے (یعنی لعنت میں یا نارِ جہنم میں کہ لعنت کا مدلول ہے) ان سے عذاب ہلکا نہ ہونے پائے گا (ایک پل بھر بھی) اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی (توبہ یا معذرت کی)

تحقیق وترکیب: .... **یکتمون** کے مفعول ثانی کے حذف کی طرف مفسر نے اشارہ کیا ہے۔ کتم اور کتمان کے معنی ضروری چیز کو ظاہر کرنا یا وجود داعیہ کے۔ کبھی تو یہ بصورت اخفاء ہوتا ہے اور کبھی ایک چیز کو اپنی جگہ سے ہٹا کر اس کی جگہ دوسری چیز کو رکھنے سے ہوتا ہے۔ **الا الذین** استثناء متصل ہے۔ **هم مستحقوا** یہ تقدیر عبارت شبہ تکرار کو دفع کرنے کے لئے مانی ہے یعنی پہلی لعنت سے مراد بالفعل اور اس لعنت سے استحقاقِ لعنت ہے اور بعض نے اول سے مراد دوام تجدد لعنت اور ثانی سے مراد دوام ثبوتی لیا ہے اور بعض نے اول سے مراد زندگی کی لعنت اور ثانی سے مراد بحالتِ موت لعنت لی ہے۔ غرضیکہ ان سب صورتوں میں تکرار کا شبہ نہیں رہتا۔ **الناس** مفسر جلالؒ نے دو قول نقل کئے ہیں۔ رہا کافر تو وہ مثل انعام **بل هم اضل سبيلا** ہیں۔ اس لئے دائرہ انسانیت سے خارج اور نا قابل شمار ہیں۔

ربط: .... تحویل قبلہ کے ذیل میں **لیکتمون الحق** سے صاحب قبلہ کے سلسلہ میں کتمانِ حق کا بیان ہوا تھا۔ یہاں ان پر وعید کا بیان ہے۔

شانِ نزول: .... ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ معاذ بن جبل، سعد بن معاذ، خارجہ بن زید نے چند علمائے یہود سے تورات کے بعض مضامین کے متعلق دریافت کیا، لیکن انہوں نے چھپایا، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿تشریح﴾: .... کتمان حق سے توبہ کرنے اور اصلاح کا معتبر طریقہ یہ ہے کہ ان کو اسلام قبول کر لینا چاہئے۔ کیونکہ اسلام نہ لانے پر عوام پر یہ حق مخفی رہے گا اور وہ یہی سمجھیں گے کہ اگر آپؐ اور اسلام حق ہوتے تو یہ اہل علم یہود کیوں اس سے دور رہتے، اور مہلت نہ دیئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ مہلت اس وقت دی جایا کرتی ہے کہ مقدمہ میں کچھ گنجائش ہو ورنہ پہلی ہی پیشی پر حکم سزا ہو جایا کرتی ہے۔

علم المعاملہ کا اظہار اور علم المکاشفہ کا نامحرموں سے اخفاء ضروری ہے: .... اس آیت سے محقق عارفین نے علم المعاملہ کے کتمان اور اخفاء کی ممانعت اور علم المکاشفہ کو نامحرموں سے چھپانے کا حکم دیا ہے۔

وَنَزَلَ لَمَّاقَالُوْا صِفْ لَنَا رَبَّكَ **وَاِلٰهُكُمْ** اَيِ الْمُسْتَحِقُّ لِلْعِبَادَةِ مِنْكُمْ **اِلٰهٌ وَّاحِدٌ** لَانَظِيْرَلَهٗ فِيْ ذَاتِهٖ وَلَا فِيْ صِفَاتِهٖ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ** هُوَ **الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴿۱۶۳﴾** وَطَلَبُوْا اٰيَةً عَلٰى ذٰلِكَ فَنَزَلَ **اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** وَمَافِيْهِمَا مِنَ الْعَجَائِبِ **وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ** بِالذِّهَابِ وَالْمَجِيْءِ وَالزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ **وَالْفُلْكِ** السُّفُنِ **الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ** وَلَاتَرْسُبُ مُوْقَرَةً **بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ** مِنَ التِّجَارَاتِ وَالْحَمْلِ **وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ** مَطَرٍ **فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ** بِالنَّبَاتِ **بَعْدَ مَوْتِهَا** يُبْسِهَا **وَبَثَّ** فَرَّقَ وَنَشَرَ بِهٖ **فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ** لِاَنَّهُمْ يَنْمُوْنَ بِالْخِصْبِ الْكَائِنِ عَنْهُ **وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ** تَقْلِيْبِهَا جُنُوْبًا وَّشِمَالًا حَارَّةً وَّبَارِدَةً **وَالسَّحَابِ** الْغَيْمِ **الْمُسَخَّرِ** الْمُذَلَّلِ بِاَمْرِ اللّٰهِ يَسِيْرُ اِلٰى حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ **بَيْنَ**

السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ بِلَاعِلَاقَةٍ لَاٰيٰتٍ دَالَّاتٍ عَلٰى وَحْدَانِيَّتِهٖ تَعَالٰى لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ يَتَدَبَّرُوْنَ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَىْ غَيْرِهٖ اَنْدَادًا اَصْنَامًا يُّحِبُّوْنَهُمْ بِالتَّعْظِيْمِ وَالْخُضُوْعِ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ اَىْ كَحُبِّهِمْ لَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ مِنْ حُبِّهِمْ لِلْاَنْدَادِ لِاَنَّهُمْ لَايَعْدِلُوْنَ عَنْهُ بِحَالٍ مَّا وَالْكُفَّارُ يَعْدِلُوْنَ فِى الشِّدَّةِ اِلَى اللّٰهِ وَلَوْ يَرَى تَبْصُرِيَا مُحَمَّدُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا بِاتِّخَاذِ الْاَنْدَادِ اِذْ يَرَوْنَ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ يُبْصِرُوْنَ الْعَذَابَ ۙ لَرَاَيْتَ اَمْرًا عَظِيْمًا وَاِذْ بِمَعْنٰى اِذَا اَنَّ اَىْ لِاَنَّ الْقُوَّةَ الْقُدْرَةَ وَالْغَلَبَةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ حَالٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ وَفِىْ قِرَاءَةٍ يَرٰى بِالتَّحْتَانِيَّةِ وَالْفَاعِلُ فِيْهِ قِيْلَ ضَمِيْرُ السَّامِعِ وَقِيْلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَهِىَ بِمَعْنٰى يَعْلَمُ وَاَنَّ وَمَا بَعْدَهَا سَدَّتْ مَسَدَّ الْمَفْعُوْلَيْنِ وَجَوَابُ لَوْ مَحْذُوْفٌ وَالْمَعْنٰى لَوْ عَلِمُوْا فِى الدُّنْيَا شِدَّةَ عَذَابِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْقُدْرَةَ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَقْتَ مُعَايَنَتِهِمْ لَهٗ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ لَمَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَنْدَادًا اِذْ بَدَلٌ مِنْ اِذْ قَبْلَهٗ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا اَىِ الرُّؤَسَاءُ مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا اَىْ اَنْكَرُوْا اِضْلَالَهُمْ وَ قَدْرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ عَطْفٌ عَلٰى تَبَرَّاَ بِهِمُ عَنْهُمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ اَلْوُصَلُ الَّتِىْ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِى الدُّنْيَا مِنَ الْاَرْحَامِ وَالْمَوَدَّةِ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً رَجْعَةً اِلَى الدُّنْيَا فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ اَىِ الْمَتْبُوْعِيْنَ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ اَلْيَوْمَ وَلَوْ لِلتَّمَنِّىْ وَفَنَتَبَرَّاَ جَوَابُهٗ كَذٰلِكَ كَمَا اَرَاهُمْ شِدَّةَ عَذَابِهٖ وَتَبَرِّىْ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمُ السَّيِّئَةَ حَسَرٰتٍ حَالٌ نَدَامَاتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ بَعْدَ دُخُوْلِهَا ۔

ترجمہ:............ (اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ مشرکین نے عرض کیا کہ آپ اپنے رب کی توصیف بیان کیجئے) اور جو تم سب کے معبود بننے کا مستحق ہے (یعنی جس کو تم سب کی عبادت کا استحقاق حاصل ہے) ایک ہی معبود ہے (ذات وصفات میں اس کا کوئی نظیر نہیں ہیں) اس کے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں ہے وہی رحمٰن ورحیم ہے (مشرکین نے اس پر نشان طلب کیا تو اس پر آیت نازل ہوئی) بلاشبہ آسمان وزمین کے بنانے (اور اس میں جو کچھ عجائبات ہیں) اور رات دن کے اختلاف (دن رات کی آمد ورفت اور کمی بیشی) اور جہازوں میں جو سمندر میں چلتے پھرتے ہیں (اور باوجود ثقل کے غرق نہیں ہوتے) لوگوں کے سامان نفع لے کر (سامان تجارت وبار برداری) اور خدا نے آسمان سے جو پانی (بارش) برسایا پھر اس سے زمین کو تر وتازہ کیا (گھاس پھونس سے) اس کے خشک ہونے کے بعد اور پھیلا دیئے (متفرق ومنتشر کردیئے) اور ہر قسم کے جانور (کیونکہ جانور اسی سبزی سے پلتے ہیں جس کی پیداوار پانی سے ہوتی ہے) اور ہواؤں کے بدلنے چلنے میں (گرم وسرد ہواؤں کا شمالاً جنوباً پلٹنا) اور ابر (بادل) میں جو زمین وآسمان کے درمیان (بغیر علاقہ کے) معلق رہتا ہے (اللہ کے تابع فرمان رہتا ہے۔ جہاں چاہے چلا دیتا ہے) ان میں دلائل ہیں (جو ان کی وحدانیت پر دلالت کرنے والے ہیں) ان لوگوں کے لئے جو عقلمند (مدبر) ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے علاوہ (غیر اللہ کو) اوروں کو بھی شریک ٹھہراتے ہیں (اصنام کو) ان سے ایسی محبت کرتے ہیں (تعظیم وپستی کے لحاظ سے) جیسے اللہ سے (ان کی) محبت رکھنا ضروری ہونا

چاہئے اور مسلمانوں کو صرف اللہ سے انتہائی محبت ہے (بتوں کے ساتھ ان کی محبت سے بھی زیادہ ہے کیونکہ مسلمان تو کسی حال میں بھی اللہ سے نہیں پھرتے اور کفار سختی میں بتوں کو چھوڑ کر اللہ کی طرف آ جاتے ہیں) اور کیا خوب ہوتا اگر آپ دیکھتے (اے محمدؐ) ان لوگوں کو جو (شرک و بت پرستی سے) ظلم کرنے والے ہیں جبکہ دیکھتے ہیں (یرون کی قرأت معروف اور مجہول دونوں طرح ہے ....) عذاب کو (تو آپ ملاحظہ فرمائیں گے ایک ہولناک معاملہ کو اور اذ بمعنی اذا ہے) اس لئے کہ (ان بمعنی لان) قوت (قدرت وغلبہ) اللہ تعالیٰ ہی کی ہے تمام کی تمام (جمیعًا حال ہے) اور اللہ تعالیٰ کا عذاب نہایت سخت ہے (اور ایک قرأت میں یـــــرى یائے تحتانیہ کے ساتھ ہے اور فاعل کے متعلق بعض کی رائے ہے کہ ضمیر خطاب ہے اور بعض نے خود الـذین ظلموا کو کہا ہے اس صورت میں یری بمعنی یعلم ہوگا اور لفظ ان اور اس کا مابعد مفعولین کے قائم مقام ہو جائے گا اور لو کا جواب محذوف ہوگا اور معنی آیت اس طرح ہوں گے کہ دنیا میں اگر یہ لوگ اللہ کے عذاب کی شدت اور عذاب کے معائنہ کی وقت یعنی قیامت میں تنہا اس کی قدرت کو سمجھ جائیں تو ہرگز اس کے ماسوی کسی کو اس کا شریک معبود نہ بنائیں) جبکہ صاف بچ نکلنے کی کوشش کریں گے وہ لوگ جن کے کہنے پر دوسرے چلتے تھے (خواص ان لوگوں سے جو ان کا کہا مانتے تھے (یعنی ان کے گمراہ کرنے کا انکار کردیں گے) اور سب مشاہدہ کرلیں گے عذاب کا اور قطع ہو جائیں گے (اس کا عطف تبـرا پر ہے) باہم ان میں جو تعلقات تھے (صلہ رحمی اور دوستی کے جو علائق دنیا میں ان کے مابین تھے) اور کہہ رہے ہوں گے عوام کہ کسی طرح ہم سب کو بس ذرا ایک دفعہ جانا مل جائے (دنیا میں واپس ہو جائے) تو ہم بھی ان سے (خواص سے) صاف الگ ہو جائیں گے جس طرح یہ ہم سے صاف الگ ہو بیٹھے (اس وقت اور لو تمنائیہ ہے اور فنتبرأ اس کا جواب ہے) یونہی (جس طرح ان کو شدت عذاب اور ایک دوسرے کی طوطہ چشمی ہم نے دکھلادی ہے) دکھلائیں گے اللہ تعالیٰ ان کے اعمال (بد) کو خالی ارمان کرکے (یہ حال ہے بمعنی ندامت) ان کو اور وہ کبھی دوزخ سے نہیں نکل سکیں گے (داخلہ کے بعد۔)

تحقیق وترکیب: .... ونزل یہ شان نزول باعث اشکال نہیں ہونا چاہئے۔قالوا مشرکین مکہ ۳۶۰ بتوں کے پرستار تھے۔ سورۂ اخلاص اور یہ آیت ان کی رد میں نازل ہوئی۔ای الـمستحق صیغہ جمع میں جو تعدد الٰہ کا وہم ہوتا ہے۔اس کے لحاظ سے وحدت کی توجیہ یہ ہے۔الـٰـہ واحـد لفظ الـٰـہ خبر ہے اور واحـد اس کی صفت اور الاھو مستثنیٰ موضع رفع میں لا الـٰـہ سے بدل واقع ہو رہا ہے اور الرحمٰن بدل ہے ھو سے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے جس کی تقدیر جلال محقق نے کی ہے۔

السمٰوٰت جمع کا صیغہ اس کے تعدد کی طرف مشیر ہے۔دوسری آیت میں تصریح ہے ''خلق سبع سمٰوٰت'' بخلاف زمین کے وہ دیکھنے میں بظاہر ایک معلوم ہوتی ہے۔اگرچہ ومن الارض مثلھن سے اس کا تعدد معلوم ہوتا ہے۔بما ینفع ما موصولہ یا مصدریہ ہے۔ اور بـاملابستہ کے لئے ہے۔وبث جلال محقق نے لفظ احیـا پر اس کے معطوف ہونے کی طرف اشارہ کردیا ہے اور عائد محذوف ہے۔ ای کحبهم اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں ایک معنی یہ کہ یـحبـون الاصـنـام کما یحبون اللّٰہ جس کا حاصل شرک فی المحبت ہے اور دوسرے معنی یہ کہ یـحبـون الاصـنـام کحب المؤمنین اللّٰہ. ولو تری جلال مفسر نے تبصر سے تفسیر کرکے عامرؒ ونافعؒ کی قرأت بالتاء کی طرف اشارہ کردیا۔اذ یـــــرون دراصل اذ ماضی پر داخل ہوتا ہے اور اذا مضارع پر۔یہاں مضارع پر داخل کرکے اشارہ اس طرف ہے کہ حق تعالیٰ کا فعل مستقبل ایسا ہی متعین اور محقق ہے۔جیسا کہ ہماری ماضی لرایت یہ جواب لو ہے۔اس میں آنحضرت ﷺ کو خطاب خاص ہے اور یا ہر مخاطب کو خطاب عام ہے۔ان کو لان کے معنی میں لے کر اس طرف اشارہ کرنا ہے یہ لرایت جواب محذوف کی دلیل ہے اور یعقوب کی قرأت میں ان بکسر ہے جملہ مستانفہ یا باضمار قول۔

جمیعًا حال ہے متعلق جار مجرور کی ضمیر سے تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ان الـقـوة كائنة لله جميعا لما اتخذوا پہلی قرأت

تری کی صورت میں لرأیت جواب کوان القوہ الخ پہلے مقدر مانا گیا ہے اوردوسری قرأت میں یری کی صورت ان القوۃ کو پہلے اور لما اتخذوا جواب کو مؤخر مقدر مانا ہے۔ کیونکہ اول صورت میں جواب کی علت ہے۔ اس لئے جواب مقدم اور علت مؤخر ہونی چاہئے اور دوسری صورت میں ان القوۃ معمول یری ہے گویا اس کا متمم ہے اس کی تکمیل کے بعد جواب لایا گیا ہے۔

اذ تبرء یہ اذ پہلے اذ یرون سے بدل ہو کر ظرف ہوگا۔ وراؤ میں قد کی تقدیر اشارۂ حالیت کے لئے ہے۔ الذین سے حال ہے اور ضمیر جمع۔ تابع اور متبوع دونوں کی طرف راجع ہے اور حال میں عامل لفظ تبرء ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے تبروا فی حال رویتھم۔ بھم اس میں با معنی عن ہے۔ اور سببیت کے لئے بھی ہوسکتی ہے۔ ای انقطعت بسبب کفرھم اسباب النجاۃ اور با ملا بستہ کے لئے بھی ہوسکتی ہے ای انقطعت الا سباب موصولۃ بھم اور با تعدیہ کے لئے بھی ہوسکتی ہے۔ ای قطعت بھم الاسباب کرۃ، مصدر بمعنی رجعۃ اور فنتبرء جواب لو ہے۔ تقدیر اس طرح لیت لنا کرۃ فنتبرء منھم۔ کما میں ما مصدر یہ اور کذالک قائم مقام مفعول مطلق کے ہے۔ یریھم سے اور کذالک کا مشار الیہ ارادۃ ہے۔ حسرات اگر رویت بصریہ ہے تو یہ اس سے حال ہے اور رویت قلبیہ ہے تو یہ اس کا مفعول ثالث ہے بمعنی ندامت شدیدہ اور کمد جس کے معنی قلبی تکلیف کے ہیں۔

ربط:............ پچھلی آیات میں رسالت سے متعلق کتمان حق کا بیان تھا۔ دین میں دو ہی بنیادی اور مرکزی مسئلے ہیں۔ رسالت اور توحید اس لئے آئندہ آیات میں توحید پر روشنی ڈالی جارہی ہے۔ اس کا اثبات بالدلیل، مشرکین کی مذمت اور ان پر عقوبت کا بیان ہے۔

شانِ نزول:............ آیت والٰھکم الخ اوران فی خلق السمٰوٰت کے ذیل میں شان نزول کی طرف مفسر علام نے اشارہ کیا ہے۔ اور لباب النقول میں ہے کہ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں اور فریابی نے اپنی تفسیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں تخریج کی ہے کہ جب والٰھکم الخ نازل ہوئی تو مشرکین کو بڑا تعجب ہوا کہ سارے زمین وآسمان میں صرف ایک رب کیسے ہوسکتا ہے اور اس پر دلیل کا مطالبہ کیا یہ آیات اس مطالبہ کا جواب ہیں۔

﴿ تشریح ﴾:...... **وجود باری کی دلیل عقلی:**............ حاصل استدلال یہ ہوگا کہ آیت میں جن چیزوں کو ذکر کیا گیا ہے وہ تمام ممکن الوجود ہیں۔ بعض کا ممکن ہونا تو بداہتہً مشاہدہ سے معلوم ہے کہ پہلے موجود نہیں تھا بعد میں موجود ہوئیں یا ان میں تغیر اور ردوبدل ہوتا رہتا ہے اور بعض کا ممکن ہونا مرکب ہونے کی وجہ سے یا آپس میں ایک دوسرے کی طرف محتاج ہونے کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے غرضیکہ یہ سب چیزیں ممکن ہیں اور ممکن اپنے وجود میں محتاج ہوتا ہے کسی مرجح کا۔ اب اگر اس کا مرجح بھی ممکن ہے تو اس مرجح کے لئے بھی دوسرے مرجح کی ضرورت ہوگی۔ وھلم جرًا اس طرح تسلسل لازم آئے گا۔ اس لئے بچنے کے لئے کسی واجب پر سلسلہ کو ختم کرنا پڑے گا اور اسی واجب کو شرعی زبان میں اللہ کہا جاتا ہے۔ دوسرے لوگ خواہ اللہ کا نام علۃ اول یا علۃ العلل رکھیں یا کچھ اور کہیں یہ دلیل تو وجود باری کی ہوئی۔

توحید باری کی دلیل عقلی:............ اب رہی اس کے ایک ہونے کی دلیل تو کہا جائے گا کہ اگر واجب الوجود ایک کے بجائے دو مانے جائیں تو ان میں سے کوئی ایک عاجز ہوگا یا دونوں کا قادر ہونا ضروری ہے۔ عاجز ہونا تو وجوب کے منافی ہے، اس لئے پہلی صورت میں تو محال ہے اب قادر ہونے کی دوسری صورت میں ان میں سے کوئی ایک مثلاً بارش برسانا چاہتا ہے تو کیا دوسرا خدا اس کے خلاف یعنی بارش نہ برسانے کا ارادہ کرسکتا ہے یا نہیں اگر نہیں کرسکتا تو دوسرے خدا کا عاجز ہونا لازم آیا جو اس کی خدائی کے منافی ہے

اور اگر کر سکتا ہے تو اس پر اس کی مراد کا ترتب ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری نہیں تو مراد کا تخلف قادر مطلق کے ارادہ سے لازم آیا جو محال ہے اور اگر ضروری ہے تو دو مختلف مرادوں کا اجتماع لازم آیا یعنی بارش کا برسانا اور نہ برسانا اور یہ اجتماع ضدین ہونے کی وجہ سے محال ہے اور مستلزم محال خود محال ہوا کرتا ہے اس لئے تعدد واجب محال ہوا اور توحید باری واجب اور ثابت ہوگئی۔

اسلامی اصول عقلی ہیں فروع کا عقلی ہونا ضروری نہیں ہے:............اسلام کے دونوں اصول توحید و رسالت عقلی ہیں آیت ان فی ذلک لایت لقوم یعقلون اس طرح مشیر بھی ہے۔ البتہ احکام فروعی کا عقلی ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ ان کے لئے تو کسی عقلی دلیل کے خلاف نہ ہونا ہی کافی ہے اس لئے ہر ہر جزئی کا اثبات عقلی دلیل سے بالکل غیر ضروری ہے۔

آسمانوں کے وجود کا سائنسی انکار:............آسمان کا وجود ثابت ہے اگر کوئی دعویٰ نفی کرے تو کہا جائے گا کہ ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین البتہ یہ ممکن ہے کہ طلوع وغروب کے نظام میں آسمانوں کو دخل نہ ہو لیکن اس سے وجود کی نفی لازم نہیں آتی۔

اللہ کی محبت کے ساتھ دوسروں کی محبت:............یحبونھم کحب اللہ الخ گویا شرک فی المحبت بھی ایک طرح کا شرک ہے۔ والذین اٰمنوا اشد حبا للہ میں غیر اللہ کی مطلق محبت کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ بشرطیکہ اللہ کی محبت کے مقابلہ میں غالب نہ ہو اور غور کے لئے مصیبت کے وقت کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ ایسے وقت جب اللہ کی طرف رجوع ہو جاتے ہو اور کسی قدر طبیعت ٹھکانے اور راہ راست پر آنے لگتی ہے اگر صحیح نظر سے کام لو تو ہمیشہ کے لئے راہ حق کھل سکتی ہے اور توحید پر ثبات نصیب ہو سکتا ہے۔

آخرت میں عذاب کی شدت کئی طرح ہوگی اول تو جہنم کا عذاب فی نفسہ شدید ہونا، دوسرے جن لوگوں کے سہارے کی آس تھی ان کا جواب ملنا، تیسرے انتقام سے عاجز ہونا اور محض گھٹ کر رہ جانا اور پھر ان سب پر حسرت کا روحانی عذاب مصیبت بالائے مصیبت سے کم نہیں۔

وماھم بخارجین. دراصل ما انا قلت کے باب سے مفید حصر ہے جس سے گنہگار مؤمنین کا جہنم سے خارج ہو کر نجات پانا معلوم ہوتا ہے۔ خلافاً للمعتزلۃ آیت یریھم اللہ اعمالھم حسرات سے کفار کا مکلف باعمال فرعیہ ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن حنفیہ کی طرف سے تو یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ مراد اعمال سے خاص اعمال شرکیہ وکفریہ ہیں۔

وَنَزَلَ فِيمَنْ حَرَّمَ السَّوَائِبَ وَنَحْوَهَا **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا** حَالٌ **طَيِّبًا** صِفَةٌ مُؤَكِّدَةٌ اَوْ مُسْتَلِذًّا **وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ** طُرُقَ **الشَّيْطٰنِ** اَيْ تَزْيِينَهُ **اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ** ﴿۱۶۸﴾ بَيِّنُ الْعَدَاوَةِ **اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ** الْاِثْمِ **وَالْفَحْشَآءِ** الْقَبِيحِ شَرْعًا **وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ** ﴿۱۶۹﴾ مِنْ تَحْرِيمِ مَالَمْ يُحَرَّمْ وَغَيْرِهِ **وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ** اَيِ الْكُفَّارِ **اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ** مِنَ التَّوْحِيدِ وَتَحْلِيلِ الطَّيِّبَاتِ **قَالُوْا** لَا **بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا** وَجَدْنَا **عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا** مِنْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ وَتَحْرِيمِ السَّوَائِبِ وَالْبَحَائِرِ قَالَ تَعَالٰى اَيَتَّبِعُونَهُمْ **اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا** مِنْ اَمْرِ الدِّينِ **وَّلَا يَهْتَدُوْنَ** ﴿۱۷۰﴾ اِلَى الْحَقِّ وَالْهَمْزَةُ لِلْاِنْكَارِ **وَمَثَلُ** صِفَةُ **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** وَمَنْ يَدْعُوهُمْ اِلَى الْهُدٰى **كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ** يَصُوتُ **بِمَا**

لَایَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً اَیْ صَوْتًا لَایَفْهَمُ مَعْنَاهُ اَیْ هُمْ فِیْ سِمَاعِ الْمَوْعِظَةِ وَعَدَمِ تَدَبُّرِهَا كَالْبَهَائِمِ تَسْمَعُ صَوْتَ رَاعِيْهَا وَلَاتَفْهَمُهُ هُمْ **صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَایَعْقِلُوْنَ** ﴿۱۷۱﴾ اَلْمَوْعِظَةَ

ترجمہ:.......... (جولوگ سائبہ وغیرہ جانوروں کوحرام سمجھتے تھے ان کے متعلق آیت نازل ہوئی) اے لوگو! کھاؤان چیزوں میں سے جوزمین میں موجود ہیں۔حلال (یہ لفظ حال ہے) پاک چیزیں (طیباً صفت مؤکدہ ہے یامحض لذت کے لئے ہے) اورشیطان کے قدم بقدم مت چلو(خطوات بمعنی طرق اورشیطان سے مراداس کی تزئین کے طریقے ہیں) فی الواقع شیطان تمہارا کھلادشمن ہے(ظاہر العداوت ہے) وہ ان ہی باتوں کی تعلیم کرتا ہے جوبری (گناہ کی) اورگندگی (شرعاًبری) ہیں اور یہ کہ اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاؤجس کی تم سندنہیں رکھتے (حلال وحرام کرناوغیرہ) اورجب کوئی ان سے (کفارسے) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جوحکم بھیجا ہے اس پرچلو(یعنی توحیداور پاکیزہ چیزوں کوحلال کرنا) تو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تواس طریقہ پرچلیں گے جس پرہم نے اپنے باپ دادا کوپایا۔(الفینا بمعنی وجدنا یعنی بت پرستی اورسائبہ اوربحیرہ جانوروں کوحرام کرنا۔حق تعالیٰ فرماتے ہیں) کیا(یہ ان کا اتباع کرتے ہیں) اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ سمجھ نہ رکھتے ہوں (دین کے معاملہ کی) اورنہ ہدایت یافتہ ہوں (حق کی طرف۔اس میں ہمزہ استفہام انکاری ہے) اورکیفیت (حالت) کافروں کی (اورجولوگ ان کوہدایت کی طرف بلاتے ہیں) اس کیفیت کی مانند ہے کہ ایک شخص چلارہا ہے(آواز دے رہا ہے) اس (جانور) کے پیچھے جوبجزپکارنے اوربلانے سے کوئی بات نہیں سنتا(یعنی ایسی آواز جس کے معنی سمجھ میں نہ آئیں۔ یعنی یہ کافروعظ سننے اورنہ سمجھنے میں چوپاؤں کی طرح ہیں کہ چرواہے کی صرف آواز سنتے رہتے ہیں مگرسمجھتے کچھ نہیں یہ کفار) بالکل بہرے، گونگے، اندھے ہیں چنانچہ بالکل نہیں سمجھتے (نصیحت کو۔)

تحقیق وترکیب:.......... **السوائب** جمع **سائبة** کی۔وہ اونٹنی جوزمانہ جاہلیت میں بت کے نامزدکردی جاتی تھی۔اس کے دودھ اورگوشت کے استعمال کوحرام سمجھتے تھے۔**بحائر** جمع **بحیرة** جس کاصرف دودھ بتوں کے نام پرنامزد اورممنوع کردیا جائے۔تبحر کے معنی کان شق کرنے کے ہیں۔وجہ تسمیہ یہی ہے کہ ایسے جانورکوبطورعلامت کان شق کردیا کرتے تھے۔بنوثقیف، بنوعامر، خزاعہ، بنو مدلج قبیلوں کےلوگ ایسا کرتے تھے۔اس قسم کے جانوروں کی تحقیق وتفصیل سورۂ مائدہ میں آئے گی۔

ایھا الناس سے اہل مکہ کوخطاب کرنا سورۃ کے مدنی ہونے کے منافی نہیں ہے یااہل مکہ اس لفظ سے مرادہوناکلی قاعدہ نہ سمجھا جائے۔ بلکہ اکثری قاعدہ ہو۔**حلال** حال ہے یامفعول بہ ہے اور**مما فی الارض** حال ہوجائے گا۔**حلالاً** سے نکرہ ہونے کی وجہ سے مقدم کرلیا گیا ہو۔**طیباً** اگرشرعی پاکیزگی مرادہوتو حلال کی صفت مؤکدہ ہے توضیح کرنی مقصود ہے اوراگرلوگوں کامرغوب ہونامرادلیا جائے توصفت مفیدہ یاحال ہوجائے گی۔**تزیینه** یعنی عبارت بتقدیرالمضاف ہے۔ ای **طرق تزیینه** اورتزئین سے مرادوساوس شیطانی ہیں۔**بین** ابان لازم سے مشتق ہے۔متعدی میں یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔**خطوات** جمع خطوۃ، قدم اور مابین القدمین فاصلہ دونوں معنی آتے ہیں۔پھرمطلقاً اقتداء کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

السوء والفحشاء اول منکرعقلی اوردوسرامنکرشرعی۔اسی اختلاف وصفین کی وجہ سے عطف کیا گیا ہے اورامرسے مراد یہاں تزئین شیطانی ہے **اولو کان** ہمزہ کے بعد **یتبعون** کی تقدیرفعل سے اشارہ ہے۔**لو کان** کے مفعول سے حال ہونے کی طرف۔ای **ایتبعونهم فی حال فرضهم غیر عاقلین ولا مهتدین** ہمزہ انکاری رداورتعجب کے لئے ہے۔

اولو میں واؤوصلیہ ہے۔**مثل** چونکہ **الذی ینعق** کے ساتھ کفارکی تمثیل درست نہیں۔اس لئے جلال مفسرنے تقدیرمعطوف علی

المشبہ کی ہے اور مشبہ یا مشبہ بہ کی تقدیر کی جانب مضاف بھی کر سکتے ہیں۔ ای مثل داعی الذین کفروا کمثل الذین ینعق یامثال الکفرۃ کمثل بھائم الذی ینعق اور داعی الی الھدی سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں۔ مفسر علامؒ نے مشبہ فیہ کے محذوف ہونے کی طرف الی الہدیٰ سے اشارہ کیا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ ومثل من یدعوا الذین کفروا الی الھدی کمثل الذین ینعق گویا اس تشبیہ میں راعی یعنی داعی الی الہدیٰ سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں اور یہ کفار مثل بہائم اور غنم کے ہوئے۔

ربط: .... گذشتہ آیات میں مشرکین کے عقیدۂ شرکیہ کا ابطال کیا تھا۔ ان آیات میں ان کے بعض اعمالِ شرکیہ کی تردید کرنی ہے۔

شانِ نزول: .... بقول علامہ آلوسی، ابن جریر وابن عباس کی رائے کے مطابق یہ آیت ان مشرکین کے بارے میں ہے جو بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام وغیرہ خاص قسم کے جانوروں کو اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے۔ یعنی تحریم حلال جو شارع کا حق ہے اس کے مرتکب تھے اس پر آیت ایھا الناس الخ نازل ہوئی۔

قاضی بیضاویؒ کی رائے ہے کہ آیت واذا قیل الخ ان مشرکین کے باب میں نازل ہوئی جن کو آپ نے قرآن کریم وغیرہ آسمانی کتابوں کی طرف دعوت عمل دی تھی تو انہوں نے تقلید آباء کا عذر کیا اور لباب النقول میں ابن ابی حاتم نے سعید یا عکرمہ کے طریق پر حضرت ابن عباس سے تخریج کی ہے کہ آپ نے یہود کو اسلام کی طرف دعوت پیش کی تو رافع بن حرملہ اور مالک بن عوف نے کہا بل نتبع ماوجد ناعلیه اباء نا کیونکہ وہ ہم سے زیادہ بہتر اور واقف کار تھے۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ پہلی روایت نظم قرآنی کے زیادہ قریب اور دوسری روایۃ روایۃً زیادہ قوی ہے اور ممکن ہے آیت دونوں فریق کو شامل ہو کیونکہ الفاظ عام ہیں اور مرض بھی عام ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... **خاص جانوروں کی حرمت وحلت:** .... اس آیت میں مذکورہ جانوروں کو خاص طریقہ پر حرام کرنے کی ممانعت ہے یعنی ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے حرمت ہو جائے یا اس تحریم کی وجہ سے بتوں کی تعظیم ہوتی ہو اور پھر اس عمل کو باعث برکت وتقرب سمجھتے ہوں اور اس سے نفع اٹھانے کو بے ادبی سمجھتے ہوں۔ اسی طرح تحریم کو دائمی اور نا قابل رفع سمجھتے ہوں حالانکہ یہ سب باتیں غلط اور ممنوع اور بے اصل ہیں۔ اس لئے نہ تمہیں ایسا فعل کرنا چاہئے کہ کسی جانور کو غیر اللہ یا بت کے نامزد کرو بلکہ اس کو اپنے حال پر رکھ کر کھاؤ پیؤ اور اس کو حرام نہ سمجھو بلکہ حلال اور مشروع سمجھتے رہو اور اگر لاعلمی یا جہالت سے ایسی غلطی ہو جائے تو ایمان وتوبہ سے اس کی اصلاح کرلو یعنی یہ سمجھو کہ یہ جانور ہمارے لئے حرام نہیں رہا، بلکہ حلال ہو گیا ہے۔ سانڈ، بکرے، مرغے کا کسی بت یا پیر فقیر غیر اللہ کے نامزد کرنے کی حرمت کا بیان آگے آتا ہے۔

تقلید کفار اور تقلید فقہی کا فرق: .... بعض لوگ ناواقفیت سے آیت واذا قیل الخ کو تقلید کی مذمت اور عدم تقلید کی تائید میں پیش کرتے ہیں حالانکہ اگر غور کیا جائے تو اس سے تو اور تقلید مجتہدین کی تائید اور تقویت نکل رہی ہے کیونکہ تقلید دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تقلید صحیح کہ جس شخص کی تقلید کی جائے اس کا قول مستند ہو دلیل شرعی کی طرف۔ وہ دلیل شرعی خواہ نص یعنی کتاب اللہ یا حدیث ہو، جس کو یہاں لفظ ہدایت سے تعبیر کیا گیا ہے اور یا قیاسی شرعی ہو جس میں علۃ حکم قرآن وحدیث مستنبط ہوئی ہے کہ جس کو یہاں عقل سے تعبیر فرمایا گیا ہے پس ایسا شخص شرعاً قابل اتباع اور لائق تقلید ہوتا ہے جب تک اس کے قول کا دلیل صحیح اور صریح سے معارض ہونا معلوم نہ ہو جائے آیت میں اس کی نفی نہیں ہے۔ دوسری صورت تقلید غیر صحیح کی ہوتی ہے جو اس کے برخلاف ہو۔ یعنی جو شخص یا طریقہ ان دونوں باتوں سے عاری ہو کہ نہ اس کی بات کی سند قرآن وحدیث ہو اور نہ قیاس کی تائید اس کو حاصل ہو پھر تقلید بھی ایسی بات میں نہ ہو کہ

جس کے متعلق شرع خاموش ہو بلکہ شریعت میں اس کے برخلاف دلیل موجود ہوتے ہوئے بھی اس کی تقلید کی جائے یہ تقلید جامد اور کورانہ تقلید کہلائے گی جو شیوۂ کفار تھی جس کی تغلیط اس آیت میں کی گئی ہے اس کو تقلید فقہی سے قطعاً مس نہیں ہے۔

اعتدال، اتباع مشائخ ادراکات روحانیہ:............ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ میں غلو فی المجاہدہ سے بچنے اور اعتدال پر رہنے کی تعلیم اور آیت اولو کان میں دلالت ہے بلاتردد اتباع مشائخ کی۔ آیت صُمٌّ بُكْمٌ میں مدرکات روحانی کا اثبات ہو رہا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ حَلَالَاتِ **مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ** عَلٰى مَا اُحِلَّ لَكُمْ **اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ** ﴿۱۷۲﴾ **اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ** اَىْ اَكْلَهَا اِذِ الْكَلَامُ فِيْهِ وَكَذَا مَابَعْدَهَا وَهِىَ مَالَمْ تُذَكَّ شَرْعًا وَالْحِقَ بِهَا بِالسُّنَّةِ مَااُبِيْنَ مِنْ حَيٍّ وَخُصَّ مِنْهَا السَّمَكُ وَالْجَرَادُ **وَالدَّمَ** اَىِ الْمَسْفُوْحَ كَمَا فِى الْاَنْعَامِ **وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ** خُصَّ اللَّحْمُ لِاَنَّهُ مُعْظَمُ الْمَقْصُوْدِ وَغَيْرُهُ تَبَعٌ لَهُ **وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ** اَىْ ذُبِحَ عَلٰى اِسْمِ غَيْرِهِ تَعَالٰى وَالْاِهْلَالُ رَفْعُ الصَّوْتِ وَكَانُوْا يَرْفَعُوْنَهُ عِنْدَ الذَّبْحِ لِاٰلِهَتِهِمْ **فَمَنِ اضْطُرَّ** اَىِ الْجَاَتْهُ الضَّرُوْرَةُ اِلٰى اَكْلِ شَىْءٍ مِمَّا ذُكِرَ فَاَكَلَهُ **غَيْرَ بَاغٍ** خَارِجٍ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ **وَّلَا عَادٍ** مُتَعَدٍّ عَلَيْهِمْ بِقَطْعِ الطَّرِيْقِ **فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ** فِىْ اَكْلِهٖ **اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لِاَوْلِيَائِهٖ **رَّحِيْمٌ** ﴿۱۷۳﴾ بِاَهْلِ طَاعَتِهٖ حَيْثُ وَسَّعَ لَهُمْ فِىْ ذٰلِكَ وَخَرَجَ الْبَاغِىُّ وَالْعَادِىُّ وَيَلْحَقُ بِهِمَا كُلُّ عَاصٍ بِسَفَرِهٖ كَالْاٰبِقِ وَالْمَكَّاسِ فَلَايَحِلُّ لَهُمْ اَكْلُ شَىْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ مَالَمْ يَتُوْبُوْا وَعَلَيْهِ الشَّافِعِىُّ ۔

ترجمہ:............ اے اہل ایمان! کھاؤ ان چیزوں میں سے جو حلال (پاک) چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں اور اللہ میاں کا شکر ادا کرو (ان کو تمہارے لئے حلال فرمادیا ہے) اگر تم خاص ان کی ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف حرام فرمایا ہے مردار کو (یعنی اس کا کھانا حرام فرمایا ہے کیونکہ گفتگو کھانے ہی میں ہو رہی ہے۔ علیٰ ھذا بعد والے الفاظ میتہ، شرعاً غیر مذبوحہ جانور کو کہتے ہیں اور جس زندہ جانور کا کچھ حصہ الگ کاٹ لیا جائے۔ حدیث کی رو سے وہ کٹا ہوا حصہ بھی میتہ کے حکم میں ہے اور حکم میتہ سے مچھلی اور ٹڈی کو خاص کر لیا گیا ہے) اور خون (جو بہتا ہوا ہو جیسا کہ سورۂ انعام میں ہے) اور خنزیر کا گوشت (خنزیر میں گوشت کی تخصیص اس لئے ہے کہ بڑا مقصد اس میں گوشت کا ہی ہوتا ہے۔ دوسری سب چیزیں اس کے تابع ہوتی ہیں) اور جو جانور غیر اللہ کے نامزد ہوں (یعنی غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے جائیں۔ اھلال کہتے ہیں آواز بلند کرنے کو۔ یہ لوگ ذبح کے وقت بلند آواز سے ان کا نام جپا کرتے تھے) پھر بھی جو شخص بے تاب ہو جائے (یعنی ضرورت مجبور کرے ان چیزوں کو کھانے کے لئے اور وہ کھالے) بشرطیکہ نہ تو باغی ہو (مسلمانوں کے خلاف بغاوت پھیلانے والا) اور نہ ظالم ہو (لوٹ مار سے ان پر تعدی کرنے والا) تو ایسے شخص پر کوئی گناہ نہیں ہے (اس کے کھانے میں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ (اپنے دوستوں کی) مغفرت فرمانے والے (اور فرمانبرداروں) پر رحم فرمانے والے ہیں (کہ ان کو ایسے وقت وسعت دیدی ہے اور باغی اور ظالم اس حکم سے خارج ہو گئے ہیں اور ہر وہ شخص جس کا مقصد سفر معصیت اور نافرمانی ہو جیسے بھاگا ہوا غلام یا زبردستی ٹیکس وصول کرنے والا وہ بھی اس حکم میں ان دونوں کو ساتھ شریک ہیں۔ چنانچہ ان کیلئے مذکورہ چیزوں کا کھانا جائز

نہیں ہے تا وقتیکہ توبہ نہ کرلیں۔ امام شافعیؒ کا مذہب یہی ہے)

تحقیق وترکیب: .... یا ایها الذین امنوا میں خطاب اہل مدینہ کو ہوگا اور یا ایها الناس سے خطاب اہل مکہ کو ہوگا اللہ کی تغلیبی عادت کی وجہ سے۔ **انما حرم** یہ حصر اضافی ہے حصر حقیقی نہیں ہے۔ ان کے عقیدہ تحریم سائبہ، بحیرہ، وصیلہ، حام کی نفی کرنا ہے کہ یہ مذکورہ چیزیں حرام نہیں ہیں بلکہ ہم جن کو بتلا رہے ہیں وہ حرام ہیں اکلها چونکہ حلت یا حرمت کا تعلق اعیان اور ذوات سے نہیں ہوتا۔ اس لئے جلال محققؒ کو اکل مقدر ماننا پڑا۔ **بالسنة** ابن ماجہؒ اور حاکمؒ نے ابن عمرؓ سے مرفوعاً تخریج کی ہے اُحِلَّتْ لَنَا مَیْتَتَانِ السَّمَکُ وَالْجَرَادُ وَدَمَانِ اَلْکَبِدُ وَ الطِّحَالُ یہ حدیث مشہور ہے جس سے زیادتی علی الکتاب جائز ہے۔ بخلاف دوسری روایت زکوٰۃ الجنین زکوٰۃ امه کے وہ خبر واحد ہے **وما اهل به لغیر الله** یعنی ماذبح یہ مجاہد، ضحاک، قتادہ کا قول ہے اور ربیع بن انسؓ اور ابن زید عام معنی مراد لیتے ہیں۔ یعنی ماذکر علیه اسم غیر الله اور یہی معنی الفاظ کے زیادہ اوفق ہیں الاهلال آواز بلند کرنا بلال بمعنی چاند بھی اس لئے ہے کہ اس کے نکلنے پر آوازیں بلند کی جاتی ہیں اس کے دیکھنے دکھانے کے لئے۔

استهل المولود پیدائش کے وقت بچہ کا آواز کرنا۔ **تسمیة الشئ باسم صاحبه** ہے۔ **فاکله** اشارہ ہے کہ جملہ اضطر کا معطوف محذوف ہے۔ **غیر باغ** اس کی جو تفسیر جلال مفسرؒ نے کی ہے سعید بن منصورؒ نے مجاہدؒ سے اس آیت کی تفسیر اسی طرح تخریج کی ہے۔ امام احمدؒ کا قول بھی اس بارہ میں وہی ہے جو امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔ لیکن امام اعظمؒ اور جمہور کی رائے میں ان احکام کی رخصت کی تخصیص کسی کے ساتھ نہیں ہے اور وہ ان دونوں لفظوں کی تفسیر اور طرح کرتے ہیں۔ اگر یہ مخمصہ کسی کا دائمی ہو تو نہ صرف یہ کہ اس کو ان چیزوں کے ہی کھانے کی رخصت ہے۔ بلکہ پیٹ بھر کر کھانے کی بھی جمہور کے نزدیک اجازت ہے، البتہ اگر مخمصہ دائمی نہ ہو تو امام مالکؒ کے نزدیک پیٹ بھرائی اور توشہ رکھنا دونوں جائز ہیں اور دوسرے حضرات کے اس بارہ میں دو قول ہیں۔ نیز **میته** اور **ما اهل به لغیر الله** کو ایسی صورت میں خنزیر کے گوشت سے مقدم سمجھا جائے گا یعنی اگر دونوں کسی کے پاس ہوں تو کھانے کی اجازت نہیں اول کو آخر پر ترجیح دی جائے گی۔

ربط: .... پہلی آیات میں حلال چیزوں کے متعلق کفار کی غلطی کا اظہار تھا اور ان کی اصلاح مقصود تھی۔ ان آیات میں مسلمانوں کو اس باب میں ان کی پیروی کرنے سے روکا جا رہا ہے اور ان پر انعام کا اظہار اور اس پر پھر شکر کا مطالبہ ان سے کیا جا رہا ہے۔

شانِ نزول: .... شان نزول تقریباً وہی ہے جو گذشتہ آیات میں گزر چکا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ...... **حلال وطیب کس کو کہتے ہیں؟:** .... طیبات سے مراد یہاں مطلقاً حلال چیزیں ہیں اور بعض نے اس کی تفسیر خاص بحیرہ سائبه وغیرہ جانوروں سے کی ہے یعنی یہ مذکورہ چیزیں حرام نہیں ہیں جن کو تم نے حرام کر رکھا ہے۔ بلکہ میتہ وغیرہ چیزیں حرام ہیں اور بعض نے طیبات سے مراد صرف اونٹ کا گوشت لیا ہے۔ یعنی عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ، بعض اصحاب جو اس سے پرہیز کرتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ یہود کا بحیرہ وغیرہ جانوروں سے پرہیز کرنا صحیح نہیں تھا اور بعض نے حلال کے معنی یہ لئے ہیں کہ مفتی جس کو جائز قرار دے دیں اور طیب وہ جس کی شہادت دل دیدے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُ اور بعض نے حلال وطیب کا مصداق ایسی چیز کو کہا ہے جو دنیا میں بلا مشقت حاصل ہو جائے اور آخرت میں موجب عذاب نہ ہو۔ اس آیت میں چونکہ رزق حلال کھانے کا حکم اس سے معلوم ہوا کہ حلال اور حرام دونوں رزق ہوتے ہیں اول مامور دوسرا ممنوع خلافاً للمعتزله۔

تمام چیزیں اصل میں حلال ہیں: .... اس مضمون کی آیات تین عنوان کے ساتھ مذکور ہیں (۱) یـآیُّهَـا النَّـاسُ کُلُوْا الخ (۲) یـآیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا الخ (۳) یـآیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ الخ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر چیز میں حلت اصل ہے جب تک کوئی دلیل حرمت نہ ہو اور چونکہ اس آیت میں بعض محرمات کو بیان کیا گیا ہے اور بعض محرمات اور دوسری آیت اور کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ اس لئے کہا جائے گا کہ آیت میں حصر اضافی ہے حصر حقیقی نہیں ہے میتہ سے مراد وہ جانور جس کا ذبح ضروری ہو اور بغیر ذبح کے وہ ہلاک ہو جائے یا زندہ جانور کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے یا جس جانور کا ذبح ضرور نہ ہو خواہ وہ ٹڈی یا مچھلی ہو کہ بہرصورت حلال ہے۔

ذبح اضطراری: .... یا ہرن وغیرہ وحشی جانور ہو کہ جس کا ذبح اختیاری نہ ہو تو ذبح اضطراری کافی ہوگا یعنی دور ہی سے بسم اللہ کہہ کر تیر یا کوئی دوسرا تیز ہتھیار مار دیا جائے جس سے جانور زخمی ہو جائے تو اس ذبح اضطراری سے بھی جانور حلال ہو جائے گا۔ البتہ بندوق کی گولی سے محض جانور حلال نہیں ہوگا تاوقتیکہ با قاعدہ اس کو ذبح نہ کیا جائے اور میتہ کا صرف گوشت کھانا حرام ہوگا البتہ اس کے چمڑے کو دباغت کے بعد استعمال کرنا جائز ہے بخلاف امام مالک کے۔ اسی طرح اس کے بال، ہڈی، پٹھے، کھروں سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے۔ حرمۃ کی اضافت یہاں اعیان کی طرف مجازی ہے۔ امام شافعیؒ اس میں اختلاف فرماتے ہیں۔ دم سے مراد بہنے والا خون ہے۔ او دمًا مسفوحًا دوسرے موقعہ پر ارشاد ہے۔ البتہ حدیث احلت الخ کی وجہ سے دو فرد میتہ کے اور دو فرد خون کے جو نہ بہنے والا ہو مستثنیٰ ہیں۔ خنزیر پورا نجس العین ہے اس لئے اس کے تمام اجزاء گوشت، پوست، ہڈی، بال، کھال سب حرام اور نجس ہیں مگر باوجود اس کے گوشت کی تخصیص احترازی نہیں ہے بلکہ معظم منافع کی وجہ سے ان کی تخصیص کی گئی ہے البتہ اس کے بالوں سے موزوں اور جوتوں کے سینے کی اجازت فقہاء نے بضرورت دی ہے۔

مـا اهـل بـه لغیر الله جو جانور غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کر دیا جائے یا بکرا، مرغا، بچھڑا، سانڈ کسی شہید، پیر، فقیر کے مزار پر یا دیوی دیوتا کے نامزد کر دیا جائے تا کہ یہ بزرگ خوش ہو کر مراد پوری کر دیں۔ حاجت برآری کر دیں جیسا کہ جاہل نذر و نیاز میں ایسی باتیں کرتے ہیں۔ تو ایسے جانور اگر چہ اللہ کا نام لے کر ذبح بھی کئے جائیں تب حرام ہی رہتے ہیں اور یہ بھی مـا اهـل میں سمجھے جائیں گے البتہ اس طرح نامزد کرنے کے بعد اگر کسی نے بعد میں توبہ کر لی تو وہ جانور پھر حلال ہو جاتے ہیں۔

غیر اللہ کے نامزد جانوروں کی حرمت: .... بعض لوگ سانڈ وغیرہ کو مـا اهل میں داخل نہیں سمجھتے بلکہ پچھلی آیت کلوا مما فی الارض حلالاً میں داخل کرتے ہیں اور اسکے استعمال کی اجازت دیتے ہیں یا آیت سابقہ کے شان نزول پر خیال کر کے جب سانڈ کی تحریم کی ممانعت کی گئی ہے تو معلوم ہوا کہ وہ حلال ہونا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ جلال محقق اور دوسرے تمام مفسرین نے ما اهل کی تفسیر خاص مـاذبح کے ساتھ کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ صرف مذبوحہ علیٰ اسم غیر اللہ جانور مراد ہے مـاذکـر عـلـی اسم غیر الله جانور اس ذیل میں نہیں آتا۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں۔ کیونکہ اول آیت میں تحریم کا مطلب یہ تھا کہ ایسا فعل کرنا مثلاً سانڈ وغیرہ چھوڑنا جس سے حرمت پیدا ہو جائے صحیح نہیں ہے کیونکہ اول آیت میں تحریم کا مطلب یہ تھا کہ ایسا فعل کر لیا تو خود وہ سانڈ حرام ہو جائے گا۔ نیز کفار کی تحریم تعظیماً تھی جس کی ممانعت کی گئی تھی اور یہ حرمت نجاسۃً ہے۔ نیز کفار اس حرمت کو دائمی سمجھتے تھے اور یہ تحریم توبہ سے اٹھ جاتی ہے یعنی توبہ سے پہلے سانڈ وغیرہ حرام تھا اور بعد توبہ حلال ہو جاتا ہے۔ یہ تو پہلی بات کا جواب ہوا اور دوسرے استدلال کا جواب یہ ہے کہ مـا اهل کے دو فرد ہیں ایک مذبوحہ علیٰ اسم غیر اللہ کہ جاہلیت میں اس کا زیادہ رواج تھا۔ عام مفسرین نے اسی لئے اس کو

ذکر کر دیا۔ دوسرا فرد مذکور التسمیہ ہے مطلق اہلال دونوں فردوں کو شامل ہے۔ بلکہ لغۃً مذکور التسمیہ کے حق میں زیادہ صریح ہے۔

آیت مائدہ سے تائید: .... نیز سورۂ مائدہ کی آیت ما اهل کے بعد ماذبح علی النصب کی تصریح خود بتلا رہی ہے کہ ما اهل سے مراد ماذبح نہیں ہے ورنہ تکرار ہو جائے گا بلکہ ایک فرد ماذبح کو علیحدہ بیان کر دیا گیا ہے۔ اب رہ گیا دوسرا فرد مذکور التسمیہ ما اهل سے مراد صرف یہی فرد ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ مفسرین کے ایک فرد ذکر کرنے سے حصر لازم نہیں آتا بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک فرد کی تخصیص اور دوسرے فرد سے سکوت لازم آتا ہے لیکن مندرجہ بالا وجوہ ودلائل سے یہ عدم ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں چہ جائیکہ ذکر عدم کو مستلزم ہو۔

تفسیر احمدی کا جواب: .... تفسیرات احمدی کے عبارت اس لئے مفید احتجاج نہیں ہے کہ خود ان کے منہیہ کی تصریح کے مطابق صرف ایصال ثواب کی غرض سے وہ اس کی اجازت دیتے ہیں۔ لیکن بغیر ایصال ثواب کے وہ بھی حلال نہیں سمجھتے۔ اب دیکھنا عوام کے فعل کو ہے اس سے بآسانی اس اگر مگر کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ عوام کا حال یہ ہے کہ اگر کوئی اس جانور کو ان سے دوگنی قیمت پر لینا چاہے کہ اس جانور کی بجائے دوگنی رقم کا ایصال ثواب کر دیا جائے تو غالباً وہ اس تبادلہ کو باعث ناراضگی بلکہ باعث تباہی سمجھتے ہوئے اس پر آمادہ نہ ہوں گے۔ اس سے فساد نیت وعقیدہ معلوم ہو گیا۔ اس لئے بقول ملا جیون بھی یہ جانور، حدود جواز سے خارج ہی رہے۔ چنانچہ ردمختار وغیرہ کتب فقہ میں تصریح ہے کہ اگر کسی حاکم کے آتے پر بطور بھینٹ کوئی جانور ذبح کیا جائے اگرچہ اس پر اللہ کا نام لے کر ہی ذبح کیا گیا ہو تب بھی وہ مااهل میں داخل ہو کر حرام ہو جائے گا۔

اضطراری حالت اور شرعی رخصت: .... یہ بیان تو محرمات اختیاریہ کا تھا۔ اب رہی اضطراری حالت کہ انسان ہلاکت کے قریب پہنچ جائے جس کی حد بعض کے نزدیک تین روز ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ حلال کھانا پانی نہ ملنے سے اگر ہلاکت متیقن ہو جائے تو بلاتحدید ان حرام چیزوں کے برتنے کی اجازت ورخصت ہو جائے گی۔ غیر باغ ولا عاد کی تفسیر میں اختلاف رائے نقل کیا جا چکا ہے۔ البتہ اس بارہ میں بھی اختلاف ہے کہ رخصت کی چار قسموں میں سے یہ کس قسم میں داخل ہے۔ امام شافعی کا قول اور امام ابو یوسف کی روایت یہ ہے کہ حالت اکراہ کی طرح اس میں بھی رخصت حقیقیہ ہے۔ یعنی حرمت باقی رہتے ہوئے کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی صبر کر لے اور جان دیدے تو گنہگار نہیں ہوگا بلکہ مَاتَ شَهِيْدًا کا مصداق ہوگا اور اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بھی اسی طرف مشیر ہے۔ کیونکہ مغفرت حرمت پر دلالت کرتی ہے اور اکثر علمائے حنفیہ اس کو رخصت مجازیہ کی دوسری قسم میں داخل کرتے ہیں یعنی رخصت کے بعد اس میں حرمت بالکل نہیں رہتی۔ حتیٰ کہ اگر کوئی اس رخصت سے فائدہ اٹھائے بغیر جان دیدے تو مَاتَ اٰثِمًا کا مصداق ہوگا۔ جیسا کہ آیت وقد فصل لکم ماحرم علیکم الا مااضطرر تم سے یہ سمجھ میں آتا ہے۔ رہا ان الله غفور رحیم تو ممکن ہے کہ اپنے اجتہاد سے اضطرار تجویز کرنے میں اس سے غلطی ہوگئی ہو یا کھانے کی مقدار میں جو بقدر ضرورت اور سدرمق ہونی چاہئے غلطی ہوگئی ہو یا کھانے میں التذاذ ہو گیا ہو۔ ان وجوہ سے مضطر کو اطمینان دلایا گیا اور تسلی دی گئی ہے کہ گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ فی الجملہ یہ کوتاہیاں ہم معاف کر دیں گے۔

لذائذ باعث شکر ہوں تو نعمت ہیں: .... آیت کلوا من طیبات الخ سے معلوم ہوا کہ مستلذات اور طیبات اگر حق تعالیٰ کی محبت اور شکر گزاری کے باعث ہو جائیں تو یقیناً مستحسن ہو جائیں گی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ المُشْتَمِلِ عَلٰی نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُمُ الْیَھُوْدُ **وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا** مِنَ الدُّنْیَا یَأْخُذُوْنَہٗ بَدَلَہٗ مِنْ سَفْلَتِھِمْ فَلَا یُظْھِرُوْنَہٗ خَوْفَ فَوْتِہٖ عَلَیْھِمْ **اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ اِلَّا النَّارَ** لِاَنَّھَا مَآلُھُمْ **وَلَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ** غَضَبًا عَلَیْھِمْ **وَلَا یُزَکِّیْھِمْ** یُطَھِّرُھُمْ مِنْ دَنَسِ الذُّنُوْبِ **وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ** ﴿۱۷۴﴾ مُؤْلِمٌ ھُوَ النَّارُ **اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْھُدٰی** اَخَذُوْھَا بَدَلَہٗ فِی الدُّنْیَا **وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَۃِ** اَلْمُعَدَّۃِ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ لَوْ لَمْ یَکْتُمُوْا **فَمَآ اَصْبَرَھُمْ عَلَی النَّارِ** ﴿۱۷۵﴾ اَیْ مَا اَشَدَّ صَبْرَھُمْ وَھُوَ تَعْجِیْبٌ لِلْمُؤْمِنِیْنَ مِنِ ارْتِکَابِھِمْ مُوْجِبَاتِھَا مِنْ غَیْرِ مُبَالَاۃٍ وَاِلَّا فَاَیُّ صَبْرٍ لَھُمْ **ذٰلِکَ** الَّذِیْ ذُکِرَ مِنْ اَکْلِھِمُ النَّارَ وَمَا بَعْدَہٗ **بِاَنَّ** بِسَبَبِ اَنَّ **اللّٰہَ نَزَّلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ** مُتَعَلِّقٌ بِنَزَّلَ فَاخْتَلَفُوْا فِیْہِ حَیْثُ اٰمَنُوْا بِبَعْضِہٖ وَکَفَرُوْا بِبَعْضِہٖ بِکَتْمِہٖ **وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْکِتٰبِ** بِذٰلِکَ وَھُمُ الْیَھُوْدُ وَقِیْلَ الْمُشْرِکُوْنَ فِی الْقُرْاٰنِ حَیْثُ قَالَ بَعْضُھُمْ شِعْرٌ وَّبَعْضُھُمْ سِحْرٌ وَّبَعْضُھُمْ کَھَانَۃٌ **لَفِیْ شِقَاقٍ** خِلَافٍ **بَعِیْدٍ** ﴿۱۷۶﴾ عَنِ الْحَقِّ ۔

ترجمہ: .... اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب کا اخفاء کرتے ہیں (جو مشتمل ہے آنحضرت ﷺ کے اوصاف جمیلہ پر مراد ان سے یہود ہیں) اور اس کے معاوضہ میں کچھ نفع حاصل کر لیتے ہیں (اس کے بدلہ میں کچھ دنیا کما لیتے ہیں اپنے عوام سے اور ان منافع کے فوت ہو جانے کے اندیشہ سے ان کو ظاہر نہیں کرتے) یہ لوگ اور کچھ نہیں اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں کیونکہ اس برائی کا انجام جہنم کی آگ ہے) اور اللہ میاں نہ تو ان سے قیامت میں کلام فرمائیں گے (ناراضگی کی وجہ سے) اور نہ ان کو پاک (صاف کریں گے گناہوں کے میل کچیل سے) اور ان کو سزائے دردناک ہوگی (الیم بمعنی مولم بصیغہ فاعل ومفعول۔ مراد نار جہنم) یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی مول لے لی ہے (دنیا میں ہدایت کے بدلہ گمراہی خرید لی ہے) اور مغفرت چھوڑ کر عذاب لے لیا ہے (مراد وہ مغفرت ہے جو کتمان نہ کرنے کی صورت میں ان کو آخرت میں ملتی) سو کیسے باہمت ہیں جہنم کی آگ کے لئے (بڑے ہی صبر والے معلوم ہوتے ہیں۔ دراصل مسلمانوں کو بے فکری سے ان کے موجبات نار کے ارتکاب سے تعجب دلانا مقصود ہے ورنہ ان کو صبر کہاں ہے؟) یہ (آگ کا کھانا وغیرہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے) اس وجہ سے ہے کہ (بان ای بسبب ان) کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب کو ٹھیک ٹھیک بھیجا تھا (بالحق کا تعلق نزل کے ساتھ ہے چنانچہ اس حق میں یہود نے اختلاف کیا۔ بعض حصہ کو مانا اور بعض کو چھپا کر رد کر دیا) اور جو لوگ کتاب میں بے راہ روی اختیار کرتے ہیں (اس بارہ میں مراد ان سے یہود ہیں اور بعض کے نزدیک مشرکین کہ قرآن کو بعض نے شعر کہا، بعض نے سحر کہا، بعض نے کہانت قرار دیا) وہ ظاہر ہے کہ ایسے بڑے شقاق میں ہیں جو بہت دور ہے (حق سے۔)

تحقیق وترکیب: .... الا النار یا تو فی الحال کھانا مراد ہے جیسا کہ یا کلون مضارع کی حالیت پر دلالت کرتی ہے مراد شوتیں ہیں جو نار جہنم کا سبب ہوں گی۔ یا استعارۃً ایسا کہا ہے اور یا آخرت میں کھانا مراد ہے یعنی **لا یاکلون فی الاخرۃ الا النار**۔ شیخ اکبر اس قسم کی آیات سے آخرت کی سزا وجزاء کے عین اعمال ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

غـضبا: جلال محقق نے استعارہ عن الغضب کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ حکام ناراضگی کے وقت کلام سے اعراض کیا کرتے ہیں۔ ولھم عذاب یہ اُخروی حالت کا بیان ہے اور اولئک الذین اشتروا سے دنیاوی حالت کا بیان ہے۔ فما اصبرھم تعجب کے لئے دو صیغے وضع کئے گئے ہیں۔ ما افعل اور افعل بہ اس میں ما تامہ مرفوع ہے۔ بنا بر ابتداء کے اور شر اھر ذاناب کی طرح اس میں تخصیص تعلیم کے لئے کرلی گئی ہے یا ما استفہامیہ ہے اور ما بعد اس کی خبر یا صلہ ہے اور خبر محذوف ہے۔ ای شیء عظیم.

تـعـجیب للمؤمنین مفسر علام نے یہ توجیہ اس لئے کردی ہے کہ تعجب کی اسناد حق تعالیٰ کی طرف باعث اشکال نہ ہو۔ الکتب. اول سے مراد تورات اور دوسری سے مراد قرآن کریم ہے۔ اختلفوا ای تختلفوا عن طریق سلوک الحق فیھا.

ربط: .... پہلی آیت میں محرمات حسیہ کا بیان تھا۔ ان آیات میں محرمات معنویہ کا بیان ہے یعنی یہود کا اخفاء حق اور رشوت ستانی کرنا مقصود مسلمانوں کو ان سے بچنے کی تعلیم دینا ہے۔

شانِ نزول: .... لباب النقول میں ثعلبی نے بطریق کلبی ابوصالح ابن عباسؓ سے تخریج کی ہے کہ یہ آیت ان علمائے یہود کے باب میں نازل ہوئی ہے جو اپنے عوام سے رشوتیں وصول کرتے تھے اور یہ امید لگائے ہوئے تھے کہ آنحضرت ﷺ ان میں مبعوث ہوں گے۔ لیکن جب آپ قوم عرب میں مبعوث ہوئے تو اپنے ہدایا اور نذرانوں کی انہیں فکر دامن گیر ہوئی اور لگے آنحضرت ﷺ کے اوصاف مذکورہ فی التوراۃ میں تبدیلی کرنے، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿ تشریح ﴾: ...... تاریخی شہادت یہ ہے کہ فتنہ وفساد کی جڑ ہمیشہ علماء سور ہے ہیں: .... بار بار قرآن مجید میں علمائے یہود کی ان برائیوں کو ذکر کر کے مسلمانوں کو تنبیہ کرنی ہے کہ تمہارے علماء میں یہ خرابیاں نہیں ہونی چاہئیں ورنہ یہ علماء سوء عوام کو لے ڈوبیں گے۔ کیونکہ تمام اصلاح وفساد کی جڑ یہ خواص ہوتے ہیں۔ علمائے کتاب نے حلال وحرام کے بارہ میں طرح طرح کی پابندیاں عائد کردی تھیں۔ کتاب اللہ کے علم وعمل کو ترک کر کے دنیاوی طمع سے احکام الٰہی میں تحریف کر کے حق کوشی اور حق فروشی کرتے تھے۔ عوام اپنے پیشواؤں کی بے سمجھ اندھی تقلید کرتے فی الحقیقت اختلافات ہمیشہ جہالت اور ظن وتخمین سے پیدا ہوتے ہیں۔ جہاں علم الٰہی کی حقیقی روشنی سامنے آجائے وہاں اختلافات کے تمام بادل چھٹ جایا کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ کتاب الٰہی کے نزول کے بعد بھی انہی گروہ بندیوں اور تفرقہ پروری میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور الگ الگ پارٹی بندیاں کر کے اپنی وحدت پارہ پارہ کر بیٹھتے ہیں تو وہ ''شقاق بعید'' میں گم ہو جاتے ہیں یعنی ایسے گہرے اور دور دراز غاروں میں کھو جاتے ہیں جن سے انہیں کبھی نکلنا نصیب نہیں ہوتا۔ بلکہ جس قدر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور زیادہ حقیقت سے دور ہوتے جاتے ہیں۔

لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ فِی الصَّلٰوةِ **قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ** نَزَلَ رَدًّا عَلَی الۡیَهُوۡدِ وَالنَّصَارٰی حَیۡثُ زَعَمُوۡا ذٰلِكَ **وَلٰكِنَّ الۡبِرَّ** وَقُرِئَ الۡبَارَّ **مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ وَالۡكِتٰبِ** اَیِ الۡكُتُبِ **وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَی الۡمَالَ عَلٰی** مَعَ **حُبِّهٖ** لَهٗ **ذَوِی الۡقُرۡبٰی** الۡقَرَابَةِ **وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰكِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ ۙ** الۡمُسَافِرِ **وَالسَّآئِلِیۡنَ** الطَّالِبِیۡنَ **وَفِی الرِّقَابِ ۚ** الۡمُكَاتَبِیۡنَ وَالۡاَسۡرٰی **وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّكٰوةَ ۚ** الۡمَفۡرُوۡضَةَ وَمَا قَبۡلَهٗ فِی التَّطَوُّعِ **وَالۡمُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِهِمۡ اِذَا عٰهَدُوۡا ۚ** اللّٰهَ اَوِ النَّاسَ **وَالصّٰبِرِیۡنَ**

نَصَبٌ عَلَى الْمَدْحِ **فِي الْبَاْسَآءِ** شِدَّةِ الفَقْرِ **وَالضَّرَّآءِ** المَرَضِ **وَحِيْنَ الْبَاْسِ** ۖ وَقْتَ شِدَّةِ الْقِتَالِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ **اُولٰٓئِكَ** الْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَا ذُكِرَ **الَّذِيْنَ صَدَقُوْا** ۖ فِي اِيْمَانِهِمْ اَوْ اِدِّعَاءِ الْبِرِّ **وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ** ﴿۱۷۷﴾ اللّٰهَ۔

ترجمہ: .... کچھ سارا اسی میں نہیں ہے کہ تم اپنا منہ (نماز میں) مشرقی سمت کرلو یا مغربی سمت (یہود ونصاریٰ کا اعتقاد یہی تھا۔ اس کے خلاف یہ آیت نازل ہوئی) لیکن کمال یہ ہے (یعنی کمال والا ایک قرأت میں بر کی بجائے بار پڑھا گیا ہے) کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور تمام کتابوں (کتاب بمعنی کتب) پر اور پیغمبروں پر اور مال دیتا ہو اللہ تعالیٰ کی محبت میں (علیٰ بمعنی مع) رشتہ داروں کو (قربیٰ بمعنی قرابت) اور یتیموں اور محتاجوں، مسافروں، سوال کرنے والوں کو اور گردان (چھڑاتے) میں (مکاتب اور قیدی کی) اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو (زکوٰۃ فرضی مراد ہے اور اس سے پہلے نفلی صدقات تھے) اور جو اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں، جب کہ کوئی عہد کرلیں (اللہ سے یا لوگوں سے) اور مستقل مزاج رہنے والے ہوں (الصبرین منصوب علی المدح ہے) تنگدستی (شدت فقر اور بیماری (مرض) میں اور معرکۂ جہاد میں (قتال فی سبیل اللہ کی شدت کے وقت) یہ لوگ (جو مذکورہ اوصاف کے مالک ہیں) سچے ہیں (ایمان میں یا دعویٰ میں) اور یہی متقی ہیں (اللہ سے ڈرنے والے۔)

تحقیق وترکیب: .... البر پسندیدہ فعل۔ الکتب میں مفسر نے الف لام کے جنسی ہونے کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ علی حبہ موضع حال میں ہے قبل المشرق و المغرب ان دوسمتوں کی تخصیص مقصود نہیں ہے بلکہ تعمیم سمت مراد ہے۔ اور البر میں الف لام جنسی مفید قصر ہے یعنی دین کا تمام کمال کچھ اسی اشتغال بالقبلہ میں منحصر نہیں ہے اس سے بھی بڑے بڑے کام کرتے ہیں۔ ولکن البر میں مفسر نے مضاف محذوف مانا ہے۔ ای ذو البر یا یوں کہا جائے ولکن البر بر من امن الخ له کی ضمیر مال کی طرف راجع ہے یا اللہ کی طرف۔ یا ایتاء کی طرف راجع ہے۔

ذوی القربیٰ عام اس سے کہ قرابت میں مودت ہو یا قرابت میں رحم۔ یتامیٰ بے باپ نابالغ بچہ کو کہتے ہیں اور لغت میں انسان کے بے باپ بچہ کو اور جانوروں میں بے ماں بچہ کو کہتے ہیں۔ مساکین جس کے پاس کچھ نہ ہو سائلین مانگنے والا احتاج ہوں یا نہ ہوں۔ ابن السبیل بمعنی ملازم السبیل مہمان یا مسافر کو کہتے ہیں۔ اتی الزکوٰۃ اس سے پہلے اتی المال میں صدقات نفلی کا بیان ان کے اہتمام شان کے لئے مقدم کیا گیا ہے۔ الصبرین تقدیر عبارت اس طرح تھی امدح و اخص الصابرین یہ جملہ کا عطف جملہ پر ہو جائے گا اور ایسا کرنا مزید اختصاص کے باعث ہوا کرتا ہے جس طرح صفات منقطعہ میں نصب علی المدح ہوتا ہے۔ معطوف میں بھی نصب علی المدح ہوتا ہے اور اس مقدر کا حذف واجب ہوتا ہے۔ الباساء اور فقر مال میں ہوتا ہے ضراء اور مرض نفس میں ہوا کرتا ہے۔ والموفون سابقہ طرز کے مطابق اوفی نہیں کہا۔ وجوب استقرار وفا کی طرف اشارہ کرنے کے لئے۔

حین الباس یہ ترقی من الادنیٰ الی الاعلیٰ ہے۔ کیونکہ صبر علی الفقر سے بڑھ کر علی المرض ہوتا ہے اور صبر علی المرض سے بڑھ کر صبر علی القتال ہوتا ہے۔ اسی لئے باساء اور ضراء کے ساتھ فی ظرفیہ استعمال کیا۔ یعنی جب تک ان دونوں کا اشتغال اور احاطہ ظرفیت کی طرح نہ ہو قابل مدح نہیں۔ تھوڑی بہت تکلیف تو ہر ایک کو ہر وقت ہوتی رہتی ہے البتہ جنگ کی ہولناکیوں پر صبر تھوڑی دیر بھی کافی ہے۔ اس لئے لفظ حین استعمال کیا کیونکہ یہ حالت دائمی نہیں ہوتی۔

ربط: .... سورۂ بقرہ کے نصف اول یعنی سوا پارہ اول میں زیادہ تر روئے سخن منکرین اور مخالفین کی جانب تھی۔ کہیں کہیں مسلمانوں کو بھی خطاب کیا گیا ہے۔ لیکن آئندہ بقیہ نصف سورۃ میں مقصود زیادہ تر مسلمانوں کو اصول وفروع کی تعلیم دینا ہے۔ گوضمناً کہیں خطاب کافروں کو بھی ہوجائے۔ چنانچہ اس آیت میں تمام ابواب بر کا ایک جامع اور اجمالی عنوان قائم کردیا گیا ہے اور پھر آخر سورت تک ان ہی عنوانات کی تفصیلات آتی رہیں گی اور طرز عنوان میں یہ لطافت اور خوبی رکھی ہے کہ گذشتہ مسئلہ تحویل قبلہ پر بھی ہلکی سی تعریض ہوگئی۔

شانِ نزول: .... لباب النقول میں قتادۃؓ سے روایت ہے کہ یہود کا قبلہ مغرب بیت المقدس تھا اور نصاریٰ کا قبلہ مشرق بیت المقدس (اور وہ اسی کو خالص بر اور قابل فخر سمجھتے تھے) اس پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ امام زاہد یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت غزوۂ خندق کے موقعہ پر نازل ہوئی جبکہ مسلمانوں پر یہاں تک تنگ دستی ہوئی کہ مدینہ میں قحط اور سخت گرمی تھی، حتیٰ کہ بعض حضرات کو ایک ایک ہفتہ کچھ کھانا نصیب نہ ہوا۔ باب المدینہ پر لوگ نکل پڑے۔

﴿ تشریح ﴾: ...... **اسلام سے پہلے عالمگیر مذہبی گمراہی:** .... خاص طور پر ان دوسمتوں کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ تحویل قبلہ کے وقت یہود ونصاریٰ کی تمام تر بحث صرف اسی میں رہ گئی تھی۔ بلکہ نزولِ قرآن کے وقت دنیا کی عالمگیر مذہبی گمراہی یہی تھی کہ لوگ سمجھتے تھے کہ دین سے مقصود محض شریعت کے ظواہر ورسوم ہیں اور انہی کے کرنے نہ کرنے پر انسان کی نجات وسعادت کا دارو مدار ہے۔ اس لئے قرآن اعلان کررہا ہے کہ اصل دین خداپرستی اور نیک کرداری ہے۔ شریعت کے ظاہری رسوم واعمال بھی اس لئے ہیں کہ یہ مقصود مکمل طریقہ پر حاصل ہو۔ اس لئے جہاں تک دین کا تعلق ہے ساری طلب مقاصد کی ہونی چاہئے نہ کہ وسائل کی۔ مثلاً کمال نماز ہے استقبال قبلہ اس کے شرائط وتوابع میں سے ہے۔ نماز ہی کی وجہ سے اس میں بھی حسن وخوبی آ گئی ہے، اسی طرح اگر نماز مشروع نہ ہوتی تو کسی خاص سمت منہ کرنے کی فضیلت بھی نہ ہوتی۔ پس یہ کس درجہ حیرت انگیز بات ہوگی کہ نماز کی تو خبر نہیں لیکن سارا زور تمام تر قوت ایک ذیلی اور فروعی مسئلہ پر خرچ کی جارہی ہے۔

سچی خدا پرستی: .... سچی خداپرستی نیک عملی کی زندگی سے حاصل ہوتی ہے۔ اصل شئے دل کی پاکی، عمل کی نیکی ہے۔ باقی دوسری ظاہری چیزیں اسی مقصد کے تابع ہیں۔ چنانچہ شریعت میں کل احکام کا حاصل تین باتیں ہیں۔ عقائد، اعمال، اخلاق، باقی تمام جزئیات ان ہی کلیات اور ابواب کے تحت آجاتے ہیں۔ اس آیت میں ان تینوں اصول کی بڑی بڑی شاخیں ذکر کردی گئی ہیں۔ اس لئے یہ آیت بھی منجملہ ''جوامع الکلم'' ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: مَنْ عَمِلَ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ.

چھ ابواب بر: .... اس آیت میں چھ ابواب بر بیان کئے گئے ہیں اول ایمان ہے جس کے پانچ معنی ہیں۔ (۱) ایمان باللہ (۲) ایمان بالیوم الآخر (۳) ایمان بالملائکہ (۴) ایمان بالکتاب (چار کتابیں مشہو اور سو صحیفے بایں تفصیل کے پچاس حضرت شیثؑ کو، تیس (۳۰) حضرت ادریسؑ کو، دس (۱۰) حضرت آدمؑ کو، اور حضرت ابراہیمؑ کو، یا کل بیس حضرت ابراہیمؑ کو (۵) ایمان بالانبیاء (جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش ہے۔ اسی طرح رسولوں کی تعداد کم وبیش تین سو تیرہ ہے، لیکن اہل کتاب نے ایمان کی ان تمام دفعات کا کھل کر خلاف کیا ہے اور سب باتوں کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ حالانکہ اصل فکر ان اہم اور بنیادی باتوں کی ہونی چاہئے تھی۔

عورتیں رسول اور نبی نہیں ہوتیں: .... باقی رسولوں کی بجائے نبی کا لفظ ذکر کرنے میں تعمیم کی طرف اشارہ ہے یعنی سب پر ایمان لانا خواہ رسول بھی یا صرف نبی اور جمع مذکر سالم کے صیغہ سے استعمال کرنا اس پر مشیر ہوسکتا ہے کہ نبوت مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ بعض نے حضرت حوا اور سارہ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کی والدہ ان چار عورتوں کو نبی مانا ہے۔ یہ آیت ان پر رد ہے چنانچہ وما ارسلنا من قبلک الا رجالا الخ سے اس مسئلہ پر صاف روشنی پڑتی ہے۔

اصل اعتبار معانی کا ہے نہ کہ صورت کا اور بالذات محبت اللہ کی ہونی چاہئے: .... آیت لیس البر الخ کے لطائف میں سے یہ ہے کہ صورت کا اعتبار بدون معنی کے نہیں ہوا کرتا ہے واتی المال علی حبه میں ضمیر کا مرجع اگر مال ہو تو مال کی مطلق محبت کا جواز نکلتا ہے اور مرجع اگر اللہ ہو تو طریق عشاق کی طرف اشارہ ہے کہ مقصود بالذات ان کے نزدیک صرف اللہ کی محبت ہوتی ہے دوسری چیزوں کی محبت اصل نہیں ہوتی صرف عارضی ہوتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ فُرِضَ **عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ** الْمُمَاثَلَةُ **فِي الْقَتْلٰى** وَصْفًا وَفِعْلًا **اَلْحُرُّ** يُقْتَلُ **بِالْحُرِّ** وَلَا يُقْتَلُ بِالْعَبْدِ **وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى** وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ اَنَّ الذَّكَرَ يُقْتَلُ بِهَا وَاَنَّهُ تُعْتَبَرُ الْمُمَاثَلَةُ فِي الدِّيْنِ فَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ وَلَوْ عَبْدًا بِكَافِرٍ وَلَوْ حُرًّا **فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ** مِنَ الْقَاتِلِيْنَ **مِنْ** دَمِ **اَخِيْهِ** الْمَقْتُوْلِ **شَيْءٌ** بِاَنْ تُرِكَ الْقِصَاصُ مِنْهُ وَتَنْكِيْرُ شَيْءٍ يُفِيْدُ سُقُوْطَ الْقِصَاصِ بِالْعَفْوِ عَنْ بَعْضِهِ وَمِنْ بَعْضِ الْوَرَثَةِ وَفِي ذِكْرِ اَخِيْهِ تَعَطُّفٌ دَاعٍ اِلَى الْعَفْوِ وَاِيْذَانٌ بِاَنَّ الْقَاتِلَ لَا يَقْطَعُ اُخُوَّةَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ مُبْتَدَأٌ شَرْطِيَّةٌ اَوْ مَوْصُوْلَةٌ وَالْخَبَرُ **فَاتِّبَاعٌ** اَيْ فَعَلَى الْعَافِي اِتِّبَاعُ الْقَاتِلِ **بِالْمَعْرُوْفِ** بِاَنْ يُطَالِبَهُ بِالدِّيَةِ بِلَا عُنْفٍ وَتَرْتِيْبُ الْاِتِّبَاعِ عَلَى الْعَفْوِ يُفِيْدُ اَنَّ الْوَاجِبَ اَحَدُهُمَا وَهُوَ اَحَدُ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ وَالثَّانِي الْوَاجِبُ الْقِصَاصُ وَالدِّيَةُ بَدَلٌ عَنْهُ فَلَوْ عَفَا وَلَمْ يُسَمِّهَا فَلَا شَيْءَ وَرَجَحَ **وَ** عَلَى الْقَاتِلِ **اَدَآءٌ** لِلدِّيَةِ **اِلَيْهِ** اِلَى الْعَافِي وَهُوَ الْوَارِثُ **بِاِحْسَانٍ** بِلَا مَطْلٍ وَلَا بَخْسٍ **ذٰلِكَ** الْحُكْمُ الْمَذْكُوْرُ مِنْ جَوَازِ الْقِصَاصِ وَالْعَفْوِ عَنْهُ عَلَى الدِّيَةِ **تَخْفِيْفٌ** تَسْهِيْلٌ **مِّنْ رَّبِّكُمْ** عَلَيْكُمْ **وَرَحْمَةٌ** بِكُمْ حَيْثُ وَسَّعَ فِيْ ذٰلِكَ وَلَمْ يَحْتِمْ وَاحِدًا مِنْهُمَا كَمَا حَتَمَ عَلَى الْيَهُوْدِ الْقِصَاصَ وَعَلَى النَّصَارٰى الدِّيَةَ **فَمَنِ اعْتَدٰى** ظَلَمَ الْقَاتِلَ بِاَنْ قَتَلَهُ **بَعْدَ ذٰلِكَ** اَيِ الْعَفْوِ **فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿۱۷۸﴾ مُؤْلِمٌ فِي الْاٰخِرَةِ بِالنَّارِ اَوِ الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ **وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ** اَيْ بَقَاءٌ عَظِيْمٌ **يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ** ذَوِي الْعُقُوْلِ لِاَنَّ الْقَاتِلَ اِذَا عَلِمَ اَنَّهٗ يُقْتَلُ اِرْتَدَعَ فَاَحْيٰى نَفْسَهٗ وَمَنْ اَرَادَ قَتْلَهٗ فَشُرِعَ لَكُمْ **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** ﴿۱۷۹﴾ الْقَتْلَ مَخَافَةَ الْقَوَدِ

ترجمہ: .... اے اہل ایمان! مقرر (فرض) کیا جاتا ہے تم پر قصاص (برابر کا قانون) مقتولین کے بارہ میں (برابری وصف کے لحاظ سے بھی ہو اور فعلاً بھی) آزاد آدمی (قتل کیا جائے) آزاد آدمی کے بدلہ (اور غلام کے بدلہ قتل نہ کیا جائے) اور غلام غلام کے بدلہ

میں اور عورت عورت کے بدلہ میں (اور حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے بدلہ قتل کیا جائے اور یہ کہ دینی مماثلت اور ہم مذہب ہونا بھی شرط ہے۔ چنانچہ مسلمان اگرچہ غلام ہی کیوں نہ ہو کافر کے عوض قتل نہ کیا جائے۔ چاہے کافر آزاد ہی کیوں نہ ہو) ہاں جس کو (قاتلین میں سے) کچھ معافی ہو جائے اس کے بھائی (مقتول کے خون سے) کچھ (اس طرح کہ قصاص سے بچ جائے اور لفظ شیء کی تنکیر سے یہ فائدہ ہوا کہ بعض قصاص اور بعض حصہ دار وارث کی معافی سے بھی قصاص بالکلیہ ساقط ہو جائے گا اور لفظ اخیہ میں معافی پر ابھارنا ہے اور اس پر تنبیہ ہے کہ ارتکاب قتل اخوت ایمانی کا منقطع نہیں کر دیتا اور من مبتدا شرطیہ ہے یا موصولہ اور اس کی خبر لفظ فاتباع ہے) تو مطالبہ ہے (یعنی معافی دینے والے کو قاتل سے مطالبہ کا حق ہے) معقول طریقہ پر (اس طرح کے بغیر زبردستی کئے دیت کا مطالبہ کرے اور معافی پر اتباع کو مرتب کرنے سے یہ فائدہ ہوا کہ امام شافعیؒ کے ایک قول پر ان دونوں باتوں میں سے ایک کا وجوب ہے اور دوسرا قول ان کا یہ ہے کہ قصاص واجب ہے اور دیت اس کا بدل ہے۔ چنانچہ اگر وارث نے قصاص معاف کر دیا اور دیت کی تعیین نہ کی تو قاتل پر کچھ نہیں آئے گا اور یہی دوسرا قول راجح ہے) اور (قاتل مدعا علیہ پر) ادا کرنا (دیت کا) ہے۔ اس (معاف کرنے والے مدعی وارث) کے لئے خوبی کے ساتھ (بغیر ٹال مٹول اور کمی کے) یہ (مذکورہ حکم جواز قصاص اور بدل موت کا) آسانی (سہولت) ہے تمہارے پروردگار کی جانب سے (تم پر) اور ترحم ہے (تمہارے ساتھ کہ اس میں تم کو توسع دیا اور کسی ایک جانب کو واجب قرار نہیں دیا۔ جیسا کہ یہود پر قصاص اور نصاریٰ پر دیت لازم کر دی تھی) پھر جو شخص تعدی کرے (قاتل کو ظلماً قتل کر دے) بعد اس (معافی) کے تو اس کو بڑا دردناک عذاب ہوگا (آخرت میں تکلیف دہ بشکل جہنم یا دنیا میں بصورت قتل) اور تمہارے لئے قصاص میں بڑا بچاؤ (بقاء عظیم) ہے۔ اے فہیم لوگو! (دانشمندو! کیونکہ قاتل کو جب اپنے قتل ہونے کا قانون معلوم رہے گا تو وہ ارتکاب قتل سے بچے گا۔ اس لئے گویا اس نے خود کو بھی بچالیا اور اپنے مقتول کو بھی زندہ رہنے دیا۔ یہ قانون تمہارے لئے مشروع کر کے) ہم امید کرتے ہیں کہ تم لوگ پرہیز رکھو گے (قتل سے خطرۂ قصاص کے ہوتے ہوئے۔)

تحقیق وترکیب: .... کتب اصل معنی لکھنے کے ہیں۔ لیکن بقرینہ علی الزام اور فرض کے معنی ہو جاتے ہیں۔ قصاص ماخوذ ہے قص الاثر سے۔ گویا قاتل ایسا راستہ اختیار کرتا ہے کہ دوسرے اس کا اتباع کرتے ہیں اور اس کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ قصہ کو بھی قصہ اسی لئے کہتے ہیں کہ حکایت محکی عنہ کے تابع اور پیچھے ہوتی ہے اور چونکہ قصاص مماثلۃ کو متضمن ہے اس لئے فی کے تعدیہ سے استعمال ہوا۔ یا فی سببیہ ہو۔ القتلیٰ جمع قتیل بمعنی مقتول اور فعیل بمعنی مفعول بکثرت آتا ہے۔

وصفاً و فعلاً مماثلت اور وصفی کہ دونوں میں اوصاف کے لحاظ سے کوئی کمی بیشی نہ ہو۔ جیسے آزاد غلام میں اوصاف کا فرق ہے اور مماثلت فعلی دونوں کے فعل میں برابری ہو۔ ایک نے تلوار سے قتل کیا تو دوسرا بھی تلوار ہی سے قتل کیا جائے ایک نے غرق کیا تو دوسرا بھی غرق کرے۔ یہ رائے امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی ہے۔ امام اعظمؒ کی رائے اور امام احمدؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ قصاص صرف تلوار کے ذریعہ لیا جائے گا۔ **بینت السنة** چنانچہ صحیحین میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک یہودی کو ایک عورت کے قصاص میں قتل فرمایا۔ **فلا یقتل مسلم**۔ یہ شوافع کی رائے ہے متدل یہ حدیث ہے **لایقتل مؤمن بکافر الخ** اور حنفیہ کے نزدیک کافر ذمی کے بدلے مسلمان کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔ البتہ کافر حربی یا متامن کے بدلہ قتل نہیں کیا جائے گا چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے **قُتِلَ مُسْلِمًا بِذِمِّیٍ**۔

امام شافعیؒ کی پیش کردہ روایت کافر حربی پر محمول ہے۔ سیاق فی حدیث **ولا ذوعھد فی عھدہ** اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ عطف تغایر پر دلالت کیا کرتا ہے۔ **دم اخیہ** بتقدیر حذف المضاف ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ مفسر جلال نے اخ کا مصداق مقتول کو قرار دیا

ہے بتقدیرالمضاف لیکن علامہ زمخشری صاحب کشاف کی رائے میں اخ سے مراد والی دم یعنی وارث مقتول ہے۔

ترک القصاص عفی بمعنی ترک لیا ہے اور شیٔ مفعول بہ ہے چنانچہ بولتے ہیں عَفَوْتُ الشَّیْئَ اِذَا تَرَکْتُهٗ، حَتّٰی یَطُوْل. لیکن علامہ زمخشریؒ کی رائے اس کے خلاف ہے۔ وہ عفی کی بجائے اعفاہ کہتے ہیں۔ اس لئے شی ءمفعول مطلق ہوگا کیونکہ عفالازم ہے پس اس کے معنی ہیں فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ جِهَةِ اَخِیه شَیْءٌ مِنَ الْعَفْوِ چونکہ عفالازم ہے اگر جانی یا جنایت کی طرف متعدی ہوتا ہے تو بواسطہ عن چنانچہ کہا جائے گا عَفَوْتُ لِفُلَانٍ عَمَّا جَنٰی جیسا کہ غفرت له ذنبه، کہا جاتا ہے۔ فاتباع ای فلیکن اتباع.

عنف بمعنی زبردستی۔ **وترتیب الاتباع** یعنی بعض قصاص یا بعض ورثاء کی معافی پر قصاص کی بجائے اتباع دیت کی اجازت کا ملنا بتلا رہا ہے۔ قتل عمد میں صرف قصاص متعین نہیں تھا بلکہ قصاص اور دیت دونوں میں سے ایک واجب ہے ورنہ مطلق معافی کافی نہ ہوتی بلکہ قاتل کی رضامندی بھی ضروری ہونی چاہئے تھی۔ یہ امام شافعیؒ کا قول مرجوح ہے۔ دوسرا قول راجح یہ ہے کہ قصاص علی التعیین واجب ہے اور دیت ابتداءً واجب نہیں بلکہ قصاص کا بدل ہے۔ اصل کے ساقط ہونے کے بعد اس کا نمبر آئے گا۔ نصوص صریحہ بھی اسی پر دال ہیں۔

الدیة یعنی نصاریٰ پر صرف دیت تھی اور بعض کی رائے یہ ہے کہ دیت اور معافی دونوں کا اختیار تھا بہرحال قصاص بالاتفاق ان پر نہیں تھا۔

بالقتل حدیث ابوداؤد میں ارشاد ہے۔ **لاعافی احد اقتل بعد اخذالدیة.** **ولکم فی القصاص.** اس آیت میں اس قدر محاسن ہیں کہ اہل بلاغت سردھنتے ہیں۔ جلال محقق نے جو اس کی تشریح فرمائی ہے صاحب خازن کی رائے یہ ہے کہ قصاص ہی کے ساتھ یہ نوعِ حیات مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام جروح میں بھی بعینہ یہ تقریر جاری ہوگی کیونکہ جارح کو جب اپنی پاداش اور انجام معلوم ہوگا تو یقیناً وہ جارح ہونے سے باز رہے گا اور مجروح بھی محفوظ ہو جائے گا۔ عبارت قرآنی **فی القصاص حیات** بہ نسبت اہل عرب کی عبارت **القتل انفی للقتل** کے وجیز بھی ہے اور بلاتکرار ابلغ بھی اور مشتمل برضدین ہے جس سے کلام کا لطف اور حلاوت بڑھ گئی ہے لفظ حیاۃ میں تنوین تنکیر تعظیم کے لئے ہے۔

ربط : .... "ابواب بر" جن کا اجمالی تذکرہ آیت سابقہ میں آ چکا ہے اس کی تفصیلی جزئیات کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ یہ پہلی جزئی ہے۔

شانِ نزول: .... سعید بن جبیر سے "معالم" میں روایت ہے کہ اوس وخزرج دو قبیلوں میں چشمک رہتی تھی اور ایک خاندان دوسرے خاندان پر فضیلت و برتری رکھتا تھا۔ چنانچہ برتر خاندان کا اگر غلام بھی قتل ہو جاتا تو اس کے بدلہ میں آزاد مرد قتل کر دیا جاتا۔ عورت قتل ہو جاتی تو اس کے عوض مرد قتل کر دیا جاتا اور آزاد مرد قتل ہو جاتا تو اس کے بدلہ میں دو مرد۔ اور دو مرد کے بدلہ چار مرد قتل کئے جاتے۔ غرض اس طرح اپنی برتری کا اظہار کیا جاتا۔ اسلامی مساوات قائم کرنے کے لئے اس آیت میں مماثلت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور امام زاہد نے ان دو خاندانوں کا واقعہ بنونضیر اور بنوقریظہ سے متعلق کیا ہے۔

﴿ **تشریح** ﴾: ...... **نفسِ انسانی کا احترام:** .... اس آیت میں قصاص اور اس کے معافی دونوں کے احکام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جہاں تک اول مسئلہ کا تعلق ہے تو قصاص مخصوص ہے صرف قتل عمد کے ساتھ جس میں کسی تیز یا دھار دار چیز سے جان بوجھ کر اس طرح مارنا ہوتا ہے کہ اس سے گوشت پوست کٹ کر خون بہہ سکے ایسے قتل میں حنفیہ کے نزدیک اصل مساوات ملحوظ رہے گی۔ یعنی مرد کے بدلے مرد یا عورت کے بدلے عورت یا مرد آزاد ہو یا غلام چاہے جانی قصاص ہو یا عضوی اسی طرح مسلمان کا قتل ہو یا

ذمی کافر کا۔ چنانچہ یہ آیت اور اس کا شان نزول بھی اس پر دلالت کررہا ہے نیز آیت مائدہ "ان النفس بالنفس" اور حدیث المسلمون تتکافوا دماء هم اسی کی مؤید ہیں۔ برخلاف امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے وہ اس آیت کے الفاظ پر ظاہری نظر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ غلام کے بدلہ آزاد کو نہ قتل کیے جانے پر حدیث لا یقتل حر بعبد (رواہ الدار قطنی) پیش کرتے ہیں اور کافر و مسلم کے بارہ میں حدیث لا یقتل مومن بکافر پیش کرتے ہیں۔ البتہ مفسر علام کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے بدلہ میں مرد کو قتل کرنے میں حدیث مذکور فی التفسیر کی وجہ سے شوافع حنفیہ کے ساتھ ہیں۔ حالانکہ العبد بالعبد کی طرح آیت میں الانثی بالانثی فرمایا گیا ہے۔ جن کا تقاضا یہ تھا کہ شوافع نے جس طرح اول جملہ میں مفہوم کا لحاظ کیا ہے دوسرے جملہ میں بھی مفہوم کا اعتبار کیا ہوتا اور غلام کے بدلہ میں آزاد کی طرح عورت کے بدلہ میں مرد کے قتل نہ کرنے کو بھی فرماتے۔ چونکہ کفار ذمی مسلمانوں کی طرح حدود و قصاص کے مکلف ہیں اس لئے حنفیہ کے نزدیک ان میں بھی برابری رہے گی۔ جیسا کہ حدیث قتل مسلما بذمی سے معلوم ہوتا ہے اور شوافع نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ کافر حربی کے باب میں ہے، جس میں حنفیہ بھی ان کے ساتھ ہیں۔

گناہ کبیرہ سے انسان نہ ایمان سے خارج ہوتا ہے اور نہ کافر:

............آیت میں یا ایھا الذین امنوا سے خطاب قاتلین کو کیا گیا ہے حالانکہ قتل کا ارتکاب گناہِ کبیرہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معتزلہ کا یہ خیال غلط ہے کہ مرتکب کبیرہ دائرۂ ایمان سے خارج ہوجاتا ہے یا خوارج کا یہ کہنا کہ ایسا شخص کافر ہوجاتا ہے۔ نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ قصاص قتل عمد میں متعین ہے۔ شوافع کا اول تخییر بین العفو والدیت جو جلال محققؒ نے ذکر کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ خود جلالؒ اس کو قول مرجوح قرار دے رہے ہیں۔

قصاص و دیت کی تفصیل:

............دوسرا مسئلہ قصاص کی معافی یا دیت کی تعیین کا ہے۔ معافی کی دو صورتیں ہیں۔ یا تمام قصاص تمام ورثاء کی طرف سے معاف کردیا جائے تب تو قاتل بالکل بری الذمی ہوجائے گا اور اگر نا تمام معافی ہوجائے تو قصاص سے بچ گیا۔ لیکن اسی نسبت سے دیت آجائے گی۔ خون بہا جانوروں کی صورت میں ادا کیا جائے سو (۱۰۰) اونٹ ہوتے ہیں اور نقدی ہو تو ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم ایک درہم سوا چار آنہ سے کچھ زائد ہوتا ہے اور اگر بجائے اس شرعی مقررہ خون بہا کے دوسرے کسی قسم کے مال پر قاتل اور ورثاء مقتول میں باہمی مصالحت ہوجائے جو علاوہ اونٹ، اشرفی، روپیہ کے دوسری کوئی جنس، غلہ، کپڑا، گھوڑا، مکان، دوکان، جائیداد، سائیکل وغیرہ ہو تب بھی قصاص ساقط ہوجائے گا اور یہ طے کردہ مال یا اس مال کی قیمت ادا کرنی پڑے گی خواہ وہ مقررہ خون بہا سے زیادہ قیمت کی ہو یا کم کی سب جائز ہے۔ البتہ اگر بدل صلح وہی تین چیزیں ہوں تو مقدار میں سابقہ عدد کی پابندی کرنی ہوگی، نیز قتل عمد میں دیت یا مال صلح کی ادائیگی صرف قاتل کے ذمہ ہوگی دوسروں کو شریک نہیں کیا جائے گا البتہ مقتول کے تمام وارثوں پر شرعی سہاموں کے لحاظ سے قصاص، و دیت، بدل صلح کی تقسیم ہوگی۔

انسانی مساوات:

............اس آیت میں انسداد جرائم کی رعایت، پھر اس میں بھی حد درجہ اعتدال اور انسانی مساوات کی انتہاء کردی ہے۔ اسلام نے اس بارہ میں شریف ورذیل، اونچ، نیچ، غلام، آزاد، مرد، عورت، مسلم، غیر مسلم اور ذمی کے وہ سارے امتیازات ختم کردیئے ہیں جن کی وجہ سے انسانی حقوق پامال ہورہے تھے۔ انسانیت کے ناطے سب برابر ہیں۔ ہاں اگر ورثاء مقتول خون بہا لینے پر بخوشی رضامند ہوں تو قاتل کی جان بخشی ہوسکتی ہے۔

آیت ولکم فی القصاص الخ میں عرفاء کے لئے "بنادر فنا" کا اشارہ ملتا ہے۔

كُتِبَ فُرِضَ **عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ** اَىْ اَسْبَابُهُ **اِنْ تَرَكَ خَيْرًا** مَالاً **نِ الْوَصِيَّةُ** مَرْفُوْعٌ بِكُتِبَ وَمُتَعَلِّقٌ بِاِذَا اِنْ كَانَتْ ظَرْفِيَةً وَدَالٌّ عَلٰى جَوَابِهَا اِنْ كَانَتْ شَرْطِيَّةً وَجَوَابُ اِنْ مَحْذُوْفٌ اَىْ فَلْيُوْصِ **لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ** بِالْعَدْلِ بِاَنْ لَايَزِيْدَ عَلَى الثُّلُثِ وَلَايُفَضِّلُ الْغَنِىَّ **حَقًّا** مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِمَضْمُوْنِ الْجُمْلَةِ قَبْلَهُ **عَلَى الْمُتَّقِيْنَ** ﴿۱۸۰﴾ اللّٰهَ وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ الْمِيْرَاثِ وَبِحَدِيْثِ لَاوَصِيَّةَ لِوَارِثٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ **فَمَنْ بَدَّلَهُ** اَىِ الْاِيْصَاءَ مِنْ شَاهِدٍ وَوَصِىٍّ **بَعْدَ مَاسَمِعَهُ** عَلِمَهُ **فَاِنَّمَآ اِثْمُهُ** اَىِ الْاِيْصَاءِ الْمُبَدَّلِ **عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهُ** فِيْهِ اِقَامَةُ الظَّاهِرِ مَقَامَ الْمُضْمَرِ **اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ** لِقَوْلِ الْمُوْصِىْ **عَلِيْمٌ** ﴿۱۸۱﴾ بِفِعْلِ الْوَصِىِّ فَمُجَازٍ عَلَيْهِ **فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ** مُخَفَّفًا وَمُثَقَّلاً **جَنَفًا** مَيْلاً عَنِ الْحَقِّ خَطَأً **اَوْ اِثْمًا** بِاَنْ تَعَمَّدَ ذٰلِكَ بِالزِّيَادَةِ عَلَى الثُّلُثِ اَوْتَخْصِيْصِ غَنِىٍّ مَثَلاً **فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ** بَيْنَ الْمُوْصِىْ وَالْمُوْصٰى لَهُ بِالْاَمْرِ بِالْعَدْلِ **فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ** فِىْ ذٰلِكَ **اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ﴿۱۸۲﴾

ترجمہ:.......... مقرر (فرض) کیا جاتا ہے تم پر کہ جب کسی کو موت (اسبابِ موت) آئے۔ بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو۔ وصیت کرنا (وصیۃ مرفوع ہے لفظ کتب سے اور متعلق ہے اذا کا۔ یعنی عامل ہے بشرطیکہ ظرفیہ ہو اور اذا شرطیہ ہو تو یہ دال بر جواب ہے اور ان کا جواب محذوف ہوگا یعنی فلیوص) والدین اور عزیز واقارب کے لئے معقول طریقہ پر (انصاف) کے ساتھ کہ نہ تہائی مال سے وصیت بڑھنے پائے اور نہ مالدار کو ترجیح دی جائے) ضروری ہے (حقا مصدر ہے ماقبل کے مضمون جملہ کے لئے مؤکد ہے خدا کا) خوف رکھنے والوں پر (یہ آیت منسوخ ہے دوسری آیت میراث یوصیکم اللہ سے اور حدیث لاوصیۃ لوارث سے جس کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے) پھر جو شخص تبدیل کردے گا اس (وصیت) کو (خواہ وہ گواہ ہو یا منیجر) اس کے سن لینے (معلوم کر لینے) کے بعد تو اس (تبدیل شدہ وصیت) کا گناہ تبدیل کرنے والوں ہی کو ہوگا (اس جملہ میں اسم ظاہر بجائے ضمیر کے استعمال کیا گیا ہے یعنی **علیھم** کی بجائے **علی الذین** الخ فرمایا ہے) یقیناً اللہ تعالیٰ (وصیت کنندہ کا قول) سن رہے ہیں (منیجر کے افعال سے) باخبر ہیں (ان کو کیے کے مطابق بدلہ ملے گا) ہاں جس شخص کو وصیت کرنے والے کی طرف سے اندیشہ ہو (لفظ موص مخفف اور مشدد دونوں طرح پڑھا گیا ہے) کسی بے عنوانی کا (حق سے خطا کی طرف میلان کا) یا کسی جرم کے ارتکاب کی تحقیق معلوم ہوئی ہو (کہ جان کر ثلث مال سے زائد وصیت کی ہو یا مالدار کی تخصیص ہو۔ مثلاً) پھر یہ شخص ان میں باہم مصالحت کرادے (یعنی وصیت کنندہ اور جس کے لئے وصیت کی گئی دونوں کو انصاف کا مشورہ دے) تو اس پر کوئی گناہ نہیں رہا (اس بارہ میں) واقعی اللہ تو معاف فرمادینے والے ہیں اور رحم فرمانے والے ہیں۔

تحقیق وترکیب:.......... اى سبابہ یعنی عبارت بتقدیر المضاف ہے۔ خیرا اس میں اشارہ ہے کہ مالِ وصیت حلال طیب ہونا چاہئے کیونکہ خبیث مال کی وصیت گناہ ہوگی اور واجب الرد۔ بعض کی رائے ہے کہ خیر سے مراد مالِ قلیل ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اکثر اس معنی میں استعمال ہوا ہے مثلاً (۱) وما تنفقوا من خیر اور (۲) وما انفقتم من خیر (۳) وانه لحب الخیر لشدید۔ لیکن بعض کا خیال ہے کہ مالِ کثیر مراد ہے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ کے ایک غلام کے پاس سات سو درہم تھے۔ اس نے وصیت کا ارادہ کیا تو آپ نے اس کو منع فرمادیا کہ یہ مال کثیر نہیں ہے جس کا حکم آیت میں ہے۔ اسی طرح ایک صحابی کے پاس

تین ہزار روپے تھے، اور عیال بھی کثیر تھی انہوں نے وصیت کرنی چاہی ہوگی تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ یہ مال کثیر نہیں ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مال کی کثرت وقلت اضافی ہے حالات اور اشخاص کی وجہ سے مختلف ہوسکتی ہے۔

الوصیۃ چونکہ مصدر ہے اور فعل وفاعل میں مفعول کا فاصلہ بھی ہوگیا ہے۔ اس لئے تا تانیث کے باوجود فعل کو مذکر لانا جائز ہے اس سے پہلے اذا کے متعلق جلال محقق نے دوصورتیں ذکر فرمائی ہیں (۱) اذا ظرفیہ یعنی متضمن معنی شرط کو نہ ہو۔ ای **کتب علیکم ان یوصی احدکم وقت حضور الموت** (۲) اذا شرطیہ یعنی ظرفیت متضمن معنی شرط ہو۔ اس صورت میں دو شرط جمع ہوں گی اور دونوں کا جواب محذوف ہوگا جس پر لفظ وصیت دال ہوگا دونوں کا جواب **فلیوص** محذوف ہے۔ غرضکہ مفسر علام نے تین باتیں بتلانی چاہی ہیں۔ ایک لفظ **وصیۃ** کا **کتب** سے مرفوع ہونا اور دوسرے اذا کا اس میں عمل کرنا بشرطیکہ ظرفیہ ہو اور اگر شرطیہ ہو تو اس کے جواب پر دلالت کرنا تیسرے جواب ان پر دلالت کرنا۔ **کتب** اور اس کے فاعل **وصیۃ** میں دو جملے شرطیہ معترضہ ہیں۔ **حقا** ماقبل کا مضمون جملہ "**کتب علیکم**" ہے جس میں سوائے حقیقت کے دوسرا احتمال نہیں ہے اس لئے مفعول مطلق مؤکد لنفسہ ہوگیا۔ **ھذا منسوخ** یعنی صرف حکم منسوخ ہے تلاوت منسوخ نہیں ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے جو روایت پیش کی ہے یا دارمی نے حسنؒ وعکرمہؒ وقتادہؒ سے جو روایت کی ہے وہ اس کی مؤید ہیں۔ حدیث **لاوصیۃ لوارث** کے بارہ میں بروایت ابوداؤد، ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ میں نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں آپ ﷺ کی زبان مبارک سے سنے ہیں۔ اور لباب میں دارقطنی کی روایت امام شافعی سے یہ ہے کہ وہ اس متن کو متواتر مانتے ہیں اور صاحب کشف کی رائے بھی یہی ہے کہ یہ روایت متواتر کی قوت میں ہے۔ **جنفا** مطلقا میلان۔ لیکن یہاں غلطی سے میلان مراد ہے۔ بقرینہ مقابل۔ کیونکہ اثم بالقصد گناہ کو کہتے ہیں۔ خوف وہ انقباضی حالت جو متوقع شر کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے اور وہ کبھی معلوم الوقوع بھی ہوتا ہے۔

او تخصیص غنی ریاکاری اور نام ونمود کی وجہ سے زمانۂ جاہلیت میں والدین جیسے اقارب کو لوگ فراموش کردیتے تھے اور اغنیاء اجانب کے بارہ میں وصیت کر جاتے تھے۔ اسی قسم کی دوسری بے اعتدالیاں بھی کرتے تھے۔ اس لئے مفسر محققؒ نے مثلاً کہا ہے۔

ربط: .... پہلی آیت میں جان سے متعلق احکام کا ذکر تھا۔ اس آیت میں مال سے متعلق احکام کا بیان ہے۔

شانِ نزول: .... زمانہ جاہلیت میں ریا اور نام ونمود کے لئے اپنے اموال کی وصیت اجانب اور اغنیاء کے لئے کر کے اقرباء اور والدین کو محروم کر جایا کرتے تھے اس آیتِ وصیت میں اس کی اصلاح کی گئی ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... ترکہ میں رشتہ داروں کے ساتھ سلوک: .... حاصل اس مالی انتظام کا یہ ہوا کہ مرنے والا اپنے تہائی مال سے اپنے رشتہ داروں کے متعلق جتنا جس کو مناسب سمجھے وصیت کر جائے ان کو بالکلیہ محروم کر کے غیر مستحقین کو مال لٹا دینا سخت ناانصافی ہے، ایک تو ان کے مرنے والے عزیز کا صدمہ پھر فی الجملہ اس کی مکافات تھوڑے بہت مال سے ہو جاتی، اس سے بھی محروم کردیئے گئے۔ مصیبت بالائے مصیبت اور مفت خوروں کو بیٹھے بٹھائے مفت کی دولت ہاتھ آجائے یہ کہاں کا انصاف ہے۔ چنانچہ ابتدائے اسلام میں اس حکم پر عملدرآمد رہا لیکن آیت میراث نے ورثاء کا مکمل انتظام کردیا اور ان کے حقوق اور حصے متعین کردیئے۔ اب اس وصیت کی حاجت نہیں رہی۔ بس جہاں تک اولاد کے علاوہ دوسرے اعزہ کے حصص کا مقرر نہ ہونا آیت سے معلوم ہوتا ہے اب وہ آیت میراث سے منسوخ ہوگیا ہے۔ اور جہاں تک ایسے ورثاء کے لئے وصیت کے حکم کا تعلق ہے وہ بھی اب حدیث **لاوصیۃ لوارث** اور اجماع کی وجہ سے وجوباً اور جوازاً بالکل منسوخ ہوگیا ہے۔ وارث کے لئے علاوہ میراث کے مزید مال کی وصیت کرنا بالکلیہ باطل ہے۔ البتہ ثلث

سے زیادہ کی وصیت بغیر رضامندی بالغ ورثاء کے اب بھی ناجائز ہے اس لئے یہ جز ومنسوخ نہیں ہے۔

وصیت ایک مقدس امانت ہے:............ بہر حال مرنے والے میں اپنے پسماندوں کے لئے خیر اندیشی اور خیر سگالی کا جذبہ کارفرما ہونا چاہئے۔ انسان جو کچھ چھوڑ جاتا ہے وہ اگرچہ دوسروں کے قبضہ میں چلا جاتا ہے تاہم مرنے والے کو اس کے ٹھیک ٹھیک خرچ ہونے کی اور اپنے عزیزوں، قریبوں کو فائدہ پہنچانے کی فکر اس کے فرائض زندگی میں سے ہے۔ اس ذمہ داری سے وہ سبکدوش نہیں ہوسکتا۔ نیز اس مرنے والے کی وصیت ایک مقدس امانت ہے جو لوگ اس کے امین ہوں بے کم وکاست اس کی تعمیل کرنا ان کا فریضہ ہے۔ جن کے سپرد اس وصیت کی تعمیل کی گئی ہے وہ اگر خیانت مجرمانہ کرنے لگیں تو وہ خود اس کے لئے جوابدہ ہوں گے۔ وصیت کرنے والے یا مستفید ہونے والے بری الذمہ ہیں۔

ان تــرک خیــرا کی تعبیر سے معلوم ہوا کہ مالدار ہونا شرط ادائیگی حقوق کمال تقویٰ کے منافی نہیں ہے ورنہ اس کو خیر کیوں کہا جاتا البتہ حقوق اگر ادا نہ ہوں تو پھر شر ہی شر ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ فُرِضَ **عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ** مِنَ الْاُمَمِ **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** ﴿۱۸۳﴾ الْمَعَاصِىَ فَاِنَّهٗ يَكْسِرُ الشَّهْوَةَ الَّتِىْ هِىَ مَبْدَؤُهَا **اَيَّامًا** نُصِبَ بِالصِّيَامِ اَوْ بِصُوْمُوْا مُقَدَّرٍ **مَّعْدُوْدٰتٍ** ؕ اَىْ قَلَائِلَ اَىْ مُوَقَّتَاتٍ بِعَدَدٍ مَّعْلُوْمٍ وَهِىَ رَمَضَانُ كَمَا سَيَأْتِىْ وَقَلَّلَهٗ تَسْهِيْلًا عَلَى الْمُكَلَّفِيْنَ **فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ** حِيْنَ شُهُوْدِهٖ **مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ** اَىْ مُسَافِرًا سَفَرَ الْقَصْرِ وَاَجْهَدَهُ الصَّوْمُ فِى الْحَالَيْنِ فَاَفْطَرَ **فَعِدَّةٌ** فَعَلَيْهِ عَدَدُ مَا اَفْطَرَ **مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ** ؕ يَصُوْمُهَا بَدَلَهٗ **وَعَلَى الَّذِيْنَ لَا يُطِيْقُوْنَهٗ** لِكِبَرٍ اَوْ مَرَضٍ لَا يُرْجٰى بُرْؤُهٗ **فِدْيَةٌ** هِىَ **طَعَامُ مِسْكِيْنٍ** ؕ اَىْ قَدْرَ مَا يَأْكُلُهٗ فِىْ يَوْمٍ وَهُوَ مُدٌّ مِنْ غَالِبِ قُوْتِ الْبَلَدِ لِكُلِّ يَوْمٍ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِاِضَافَةِ فِدْيَةٍ وَهِىَ لِلْبَيَانِ وَقِيْلَ لَا غَيْرُ مُقَدَّرَةٍ كَانُوْا مُخَيَّرِيْنَ فِىْ صَدْرِ الْاِسْلَامِ بَيْنَ الصَّوْمِ وَالْفِدْيَةِ ثُمَّ نُسِخَ بِتَعْيِيْنِ الصَّوْمِ بِقَوْلِهٖ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِلَّا الْحَامِلَ وَالْمُرْضِعَ اِذَا اَفْطَرَتَا خَوْفًا عَلَى الْوَلَدِ فَاِنَّهَا بَاقِيَةٌ بِلَا نَسْخٍ فِىْ حَقِّهِمَا **فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا** بِالزِّيَادَةِ عَلَى الْقَدْرِ الْمَذْكُوْرِ فِى الْفِدْيَةِ **فَهُوَ** اَىِ التَّطَوُّعُ **خَيْرٌ لَّهٗ** ؕ **وَاَنْ تَصُوْمُوْا** مُبْتَدَاٌ خَبَرُهٗ **خَيْرٌ لَّكُمْ** مِنَ الْاِفْطَارِ وَالْفِدْيَةِ **اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** ﴿۱۸۴﴾ اَنَّهٗ خَيْرٌ لَّكُمْ فَافْعَلُوْهُ

ترجمہ:............ اے اہل ایمان! مقرر (فرض کیا گیا ہے تم پر روزہ۔ جس طرح تم پر فرض کیا تھا تم سے پہلے (لوگوں) پر اس امید پر کہ پرہیزگار بن جاؤ گے (گناہوں سے۔ کیونکہ روزہ شہوت کو توڑ دیتا ہے جو گناہوں کی جڑ ہے) چند روزہ (ایاما منصوب ہے لفظ صیام یا صـومـوا مقدر سے اور مـعـدودات بمعنی قلیل یعنی رمضان کے گنتی کے چند روز مراد ہیں۔ جیسا کہ اگلی آیت میں آ رہا ہے اور دونوں صورتوں میں روزہ اس کے لئے نقصان دہ ہو تو اس کو افطار کر لینا چاہئے) تو اتنی ہی تعداد (جس قدر روزے افطار کئے ہیں اتنے ہی اس پر واجب ہیں) دوسرے دنوں میں (اس کے بدلے روزے رکھے) اور جو لوگ روزہ کی طاقت (نہ) رکھتے ہوں (بڑھاپے یا کسی بیماری

کی وجہ سے جس کے اچھے ہونے کی توقع نہ ہو) ان کے ذمہ فدیہ ہے کہ (وہ) ایک غریب آدمی کا کھانا ہے (جس قدر ایک روز میں ایک آدمی کھا سکتا ہو جس کی مقدار روزانہ کے لئے ایک مُد غلہ تجویز کی گئی ہے۔ جو غلہ رواجی ہوا اور ایک قرأت میں لفظ فدیہ اضافتِ بیانیہ کے ساتھ آیا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ "یطیقونہ" سے پہلے مقدر نہ کیا جائے۔ ابتداء اسلام میں لوگوں کو روزہ اور فدیہ کے درمیان تھا۔ اس کے بعد یہ منسوخ ہو کر آیت "فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ" کے ذریعہ روزہ کی تعیین ہوگئی۔ حضرت ابن عباسؓ کی رائے ہے کہ اس حکم نسخ سے حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت مستثنیٰ ہے اگر یہ دونوں قسم کی عورتیں بچہ کے خیال سے روزہ افطار کرلیں تو یہ حکم فدیہ ان کے لئے اب بھی باقی اور غیر منسوخ ہے) جو شخص خوشی سے خیر خیرات کرے (فدیہ کی مقدار مقررہ سے زائد خرچ کر ڈالے) تو یہ (نفلی خیرات) کے لئے اور بھی بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا (یہ مصدر ہے جس کی خبر آگے ہے) زیادہ بہتر ہے (بہ نسبت افطار و فدیہ کے) اگر تم کچھ واقفیت رکھتے ہو (کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے تو اس کی تعمیل کرلو۔)

تحقیق وترکیب: ....صوم و صیام دونوں مصادر ہیں من الامم مرادیا بعینہ تشبیہ ہے جیسا کہ ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ پچھلی امتوں پر بھی رمضان کے روزے فرض تھے اور یا نفس صوم میں شرکت مقصود ہے۔ وقت، مقدار، کیفیت، سب میں اشتراک بیان کرنا نہیں ہے جیسے فاذکروا اللہ کذکرکم اٰباءکم یاان مثل عیسٰی عند اللہ کمثل ادم وغیرہ تشبیہات ہیں چنانچہ حضرت آدمؑ پر ایام بیض کے اور قوم موسیٰ پر صرف عاشورہ کا روزہ فرض تھا اور مقصود اس طرز تعبیر سے "مرگ انبوہ جشنے دارد" کے قبیل سے روزہ کی صعوبت کو کم کرنا اور تسلی دینا ہے جیسا کہ ایک ماہ کے روزوں کو "تقلیل" کا عنوان دینا تسہیل کی خاطر ہے آسانی عنوان سے بڑی سے بڑی مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ ایامًا روح المعانی میں صیام کے ذریعہ ایامًا کے منصوب ہونے کا تخطیہ کیا ہے کیونکہ عامل و معمول میں اجنبی کا فاصلہ ہوگیا ہے۔ البتہ صوموا مقدر کے ذریعہ سے صحیح ہے۔

فی الحالین بحالت سفر عجز حقیقی پر مدار نہیں ہے۔ بلکہ بحالتِ سفر مطلقاً رخصت افطار ہے۔ نفس کو قائم مقام مشقت کے مان لیا گیا ہے۔ چاہے حقیقۃً تکلیف ہو یا نہ ہو اس لئے جلال محقق کی رائے سے حنفیہ کو اتفاق نہیں ہے۔ الا یہ کہ عجز تقدیری مراد لیا جائے۔

وعلی الذین اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ اول تو یہ کہ ابتدائے اسلام میں مقیم تندرستوں کے لئے بھی یہ رخصت تخییر تھی کہ چاہے وہ روزہ رکھ لیں یا فدیہ دے دیں۔ اس صورت میں **یطیقونہ** تو اپنی حالت پر رہے گا کسی توجیہ کی ضرورت نہیں۔ علامہ زمخشری کی رائے یہی ہے البتہ اب یہ حکم آیت **فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ** کے ذریعہ منسوخ ہوگیا ہے۔ امام بخاریؒ نے ابن عمر اور سلمہ ابن اکوع سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور جمہور کا قول یہی ہے۔ دوسرا قول اس کو منسوخ نہ ماننے کا ہے۔ اس صورت میں دو توجیہیں ہوسکتی ہیں (۱) لا کی تقدیر جیسے دوسری آیت میں **یبین اللہ لکم ان تضلوا** میں لا کی تقدیر ضروری ہے۔ چنانچہ امام حفصؒ کی قرأت بھی **لایطیقونہ** ہے (۲) یا پھر **یطیقون** باب افعال سے ہے اور اس میں ہمزہ سلب کے لئے ہے۔ **اطاق فلان** جبکہ اس کی طاقت زائل ہو جائے چنانچہ شمس الائمہ سے یہ توجیہ منقول ہے۔ ان دونوں صورتوں میں یہ حکم شیخ فانی کے لئے یا بقول امام شافعی حاملہ اور مرضعہ محتملۃ الضرر کے لئے مخصوص ہوگا اور منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ **او علی سفر** اس کی بجائے فی سفر نہیں کہا اس میں اشارہ ہے کہ اگر کسی نے درمیان دن کے سفر شروع کیا تو اس کو رخصت افطار نہیں ہے البتہ جس نے صبح سے پہلے سفر شروع کر دیا اس کے لئے اجازت ہے **فعدۃ** اس میں ایک شرط اور دو مضاف محذوف ہیں۔ تقدیر عبارت اس طرح تھی **فَعَلَیْہِ صَوْمُ عِدَّۃَ اَیَّامِ الْمَرْضِ وَالسَّفَرِ مِنْ اَیَّامٍ اُخَرَ اِنْ اَفْطَرَ**.

فمن شھد منکم اس خطاب سے مراد عاقل، بالغ، تندرست، ہیں ورنہ بچہ مجنون پر باوجود شہود رمضان کے اور مقیم ہونے کے روزہ

فرض نہیں ہے۔

ربط: .... ابواب بر میں سے تیسرا حکم روزہ سے متعلق ہے۔ تقریباً پورے رکوع میں دور تک اسی کے متعلقات اور احکامات کا بیان ہے۔

شانِ نزول: .... سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت ''**وعلی الذین یطیقونہ**'' نازل ہوئی تو ہم لوگوں کو اختیار تھا چاہے روزہ رکھ لیں اور چاہے فدیہ دے کر افطار کر لیں۔ لیکن جب اس کے بعد والی آیت ''**فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ**'' نازل ہوئی تو پھر یہ اختیار منسوخ ہو کر روزہ متعین ہو گیا۔

﴿تشریح﴾: ...... **روزہ کی اہمیت وعظمت:** .... روزہ روحانی، اخلاقی، اقتصادی، معاشرتی، سیاسی، طبی ہر لحاظ سے ایک بہترین عبادت ہے اور زمانہ قدیم سے مختلف شکلوں اور نوعیتوں کے ساتھ خدا کے حکم سے انسانوں میں مروج رہا ہے۔ اسلام جو ایک جامع اور مکمل مذہب ہے اس عظیم الشان عبادت سے کیسے خالی رہ جاتا۔ روزہ کا مقصد محض فاقہ کرنا اور اپنے جسم کو تکلیف ومشقت میں ڈالے رکھنا نہیں ہے بلکہ نفسِ انسانی کی تہذیب واصلاح، پرہیزگاری اور تقویٰ وطہارت، نفس کی خواہشوں کو قابو میں رکھنے کی مشق کا بہم پہنچنا ہے۔ جس کی طرف **لعلکم تتقون** میں اشارہ ہے یعنی کھانے پینے صحبت سے بہ نیتِ روزہ، دن بھر رُکنا تو روزہ کی صورت ہے لیکن حقیقت وروح کچھ اور ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب: .... تاہم **لعلکم تتقون** سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ تقویٰ اگر کسی اور ذریعہ سے حاصل کر لیا جائے تو پھر روزہ کی کیا ضرورت ہے؟ یا کسی روزہ سے اگر یہ مقصد حاصل نہ ہوتا ہو تو پھر روزہ سے کیا فائدہ۔ سو اول تو یہ روزہ کی علت نہیں ہے کہ اس کے بغیر روزہ ساقط ہو جائے بلکہ روزہ ایک مصلحت اور حکمت ہے پھر حکمت کچھ اس ایک مصلحت میں منحصر نہیں ہے بلکہ ہزاروں مصالح علم الٰہی میں محفوظ ہوں گی۔ وہ بغیر روزہ کے کس طرح حاصل ہو سکیں گی۔ تیسرے تقویٰ خاص جس کا تعلق صرف روزہ کے ساتھ ہو وہ روزہ کے بغیر کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کی صورت مخصوصہ کا فیضان تو روزہ کے ہیولی پر ہی ہوگا غرضکہ ہر عبادت کی روح جس طرح اسی مخصوص جسم عبادت میں سرائیت کئے ہوئے ہوتی ہے یہی حال روزہ کا ہے۔ اگر روزہ کی حکمت روزہ کے بغیر حاصل ہو سکتی تو پھر کسی عبادت کی بھی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ اس لئے فی الحقیقت یہ عبادات سے بچنے کا ایک شیطانی بہانہ اور کید نفس ہے۔

روزہ کے ضروری احکام: .... روزہ کے تفصیلی احکام تو کافی ہیں، ان کے لئے کتب فقہ کی مراجعت ضروری ہے۔ البتہ آیت میں بیمار اور مسافر کے لئے رخصت وقضا کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح فدیہ کا بیان ہوا ہے۔ اس لئے چند باتیں مناسب مقام ملحوظ رہنی چاہئیں۔

۱:...... بیماری سے مراد ہر طرح کی بیماری نہیں ہے بلکہ صرف ایسی بیماری کہ جس میں روزہ بے حد تکلیف دہ ہو۔ یا بیماری کے بڑھنے اور دیر میں اچھا ہونے کا خطرہ ہو اور طبیب حاذق روزہ کو مضر بتلا دے ایسے وقت روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک مطلق بیماری کافی ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک مہلک بیماری ہونی چاہئے۔ اسی طرح سفر سے مراد عام سفر نہیں کہ تھوڑا ہو یا زیادہ بلکہ کم از کم ۴۸ میل کے سفر کا ارادہ ہو۔ شرعی میل انگریزی میل سے ۸/۱ حصہ زائد ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک ۴۵ یا ۵۴ میل اور ۶۰ میل مسافت ہے ایسے مسافروں کے لئے آبادی سے باہر نکلنے سے لے کر منزل مقصود پر پہنچ کر کم از کم پندرہ روز قیام کرنے کی نیت تک روزہ چھوڑنے

کی اجازت ہے تاہم اگر روزہ رکھ سکتا ہو تو روزہ رکھنا ہی افضل ہے۔

۲:...... ایسے مریض اور مسافر اگر روزہ کی نیت کر چکے ہوں تو بلا ضرورت شدیدہ توڑنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر نیت ہی نہ کی ہو اور بیماری یا سفر شروع ہو گیا ہو تو روزہ کا ترک جائز ہے۔ اگر رمضان ختم ہونے سے پہلے ہی بیماری یا سفر ختم ہو جائے تو اول بقیہ رمضان کے روزے رکھے جائیں۔ پھر بعد رمضان چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرنی چاہئے۔ خواہ ایک دم لگاتار یا ایک ایک دو دو کرکے پورے کیے جائیں اور بعض کے نزدیک ابی بن کعب کی قرأت من ایام اخر متتا بعات کی وجہ سے مسلسل قضاء کو لازم کہتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک یہ خبر واحد ہے اس سے زیادتی علی الکتاب کی گنجائش نہیں ہے۔

۳:...... ابتدائے اسلام میں جو فدیہ کی عام اجازت تھی جس کا تذکرہ آیت کے ابتدائی حصہ میں ہے وہ اب منسوخ ہو چکا ہے۔ لیکن فدیہ کی خاص اجازت اب بھی ہے۔ بہت زیادہ بوڑھے یا ایسے بیمار کے لئے جس کے اچھے ہونے کی امید نہ رہی ہو جائز ہے کہ ہر روزہ کے بدلہ ایک غریب کو دو وقت کا کھانا کھلا دیں۔ یا غلہ دینا چاہیں تو اسی تولہ (فی سیر) کے حساب سے ایک روزہ کا بدلہ پونے دو سیر گیہوں دے دیے جائیں۔ یہ ایک مسکین کا غلہ ہے اگر اس کو کئی جگہ تقسیم کیا گیا یا ایک ہی تاریخ میں ایک مسکین کو ایک سے زائد فدیہ دیا گیا تو دونوں صورتوں میں جائز نہیں ہوگا۔ نیز فدیہ ادا کرنے کے بعد بیمار اچھا ہو گیا اور اس میں روزہ کی طاقت آ گئی تو فدیہ روزوں کے حق میں شمار نہیں ہوگا بلکہ روزوں کی قضا کرنی پڑے گی۔ البتہ فدیہ کا ثواب بدستور رہے گا اور کسی معذور میں فدیہ کی بھی سکت نہ ہو تو بجائے روزوں کے استغفار کرتا رہے اور عذر دور ہونے پر روزوں کا عزم رکھے۔

تِلْكَ الْاَيَّامُ **شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ** مِنَ اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ **هُدًى** حَالٌ هَادِيًا مِنَ الضَّلَالَةِ **لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ** اٰيَاتٍ وَاضِحَاتٍ **مِّنَ الْهُدٰى** مِمَّا يَهْدِيْ اِلَى الْحَقِّ مِنَ الْاَحْكَامِ **وَ** مِنَ **الْفُرْقَانِ** ۚ مِمَّا يُفَرِّقُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ **فَمَنْ شَهِدَ** حَضَرَ **مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ** ۭ **وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ** ۭ تَقَدَّمَ مِثْلُهٗ وَكَرَّرَهٗ لِئَلَّا يُتَوَهَّمَ نَسْخُهٗ بِتَعْمِيْمِ مَنْ شَهِدَ **يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ** ۡ وَلِذَا اَبَاحَ لَكُمُ الْفِطْرَ فِي الْمَرَضِ وَالسَّفَرِ وَلِكَوْنِ ذٰلِكَ فِيْ مَعْنَى الْعِلَّةِ اَيْضًا لِلْاَمْرِ بِالصَّوْمِ عَطَفَ عَلَيْهِ **وَلِتُكْمِلُوا** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **الْعِدَّةَ** اَيْ عِدَّةَ صَوْمِ رَمَضَانَ **وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ** عِنْدَ اِكْمَالِهَا **عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ** اَرْشَدَكُمْ لِمَعَالِمِ دِيْنِهٖ **وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** ﴿۱۸۵﴾ اللّٰهَ عَلٰى ذٰلِكَ وَسَاَلَ جَمَاعَةٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقَرِيْبٌ رَبُّنَا فَنُنَاجِيْهِ اَمْ بَعِيْدٌ فَنُنَادِيْهِ فَنَزَلَ **وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ** ۭ مِنْهُمْ بِعِلْمِيْ فَاَخْبِرْهُمْ بِذٰلِكَ **اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ** ۙ بِاِنَالَتِهٖ مَا سَاَلَ **فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ** دُعَائِيْ بِالطَّاعَةِ **وَلْيُؤْمِنُوْا** يُدِيْمُوْا عَلَى الْاِيْمَانِ **بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ** ﴿۱۸۶﴾ يَهْتَدُوْنَ

ترجمہ:............ (یہ زمانہ) ماہ رمضان کا ہے کہ جس میں قرآن کریم نازل کیا گیا ہے (لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر لیلۃ القدر میں) جو ہدایت دینے والا ہے (لفظ ھدیً حال ہے گمراہی سے ہدایت بخشنے والا) لوگوں کو واضح الدلالۃ ہے (یعنی اس کی آیات واضح ہیں)

منجملہ ان کتابوں کے ہے جو ہدایت بخشنے والی ہیں (یعنی ایسے احکام پر مشتمل ہے جو ہدایت الی الحق کرنے والے ہیں) اور فیصلہ کرنے والی ہیں (جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن ہیں) چنانچہ جو شخص اس وقت موجود ہے اس کے لئے اس مہینہ میں روزہ رکھنا ضروری ہے۔ اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اس کو دوسرے دنوں میں شمار سے رکھنے چاہئیں (یہ آیت پہلے بھی گزر چکی ہے اور مکرر ہے اس لئے ذکر کیا گیا ہے تا کہ "مــن شهــد" کی تعمیم سے اس کی منسوخیت کا شبہ نہ ہو جائے) اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے۔ اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں ہے (اسی لئے بیماری اور سفر میں تمہارے لئے افطار جائز کیا ہے اور چونکہ یہ مضمون حکم صوم کی معناً علت بھی ہے اس لئے اس پر اگلا جملہ عطف کر دیا ہے) اور تا کہ تم لوگ پورا کرلیا کرو (تکملوا تخفیف اور تشدید کے ساتھ پڑھا گیا ہے) گنتی کو (یعنی رمضان کے روزوں کی تعداد) اور اس لئے کہ تم اللہ کی بزرگی بیان کرو (اس کے پورا کرنے پر) کہ اس نے تم کو طریقہ بتلا دیا ہے (تم کو اپنے معالم دین سکھلائے) اور اس لئے کہ تم شکریہ ادا کرو (اللہ کا اس انعام پر ایک جماعت نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ ہمارے رب ہم سے قریب ہیں کہ صرف مناجات ہمارے لئے کافی ہو یا دور ہیں کہ پکارنے کی ضرورت پیش آئے۔ اس پر آیت نازل ہوئی) اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارہ میں دریافت کریں تو میں قریب ہی ہوں (اپنے علم کے لحاظ سے ان سے آپ ان کو اس کی اطلاع فرما دیجئے) قبول کرلیا کرتا ہوں، دعا مانگنے والوں کی درخواست جبکہ وہ میرے حضور میں پیش کرتے ہیں (ان کی درخواست منظور کر لیتا ہوں) ان کو چاہئے کہ قبول کرلیا کریں (میرے احکام بجا آوری کے ساتھ) اور مجھ پر یقین رکھنا چاہئے (مجھ پر ہمیشہ ایمان رکھیں) امید یہ ہے کہ وہ لوگ فلاح (ہدایت) حاصل کرسکیں گے۔

تحقیق وترکیب: ....شهر رمضان سے پہلے تلک الایام مبتداء ہے اور الذی اس کی خبر ہے اور بقول ابن عباسؓ اور حسن اور ابو مسلم شهر رمضان سے مراد ایام معدودات ہیں۔ اولاً مطلقاً روزہ کی فرضیت کی اطلاع دی۔ پھر چند روزہ کہہ کر اس کو ہلکا کیا، اس کے بعد شہر رمضان فرما کر بات صاف کردی۔ اس تدریج میں نفس کی گرانی کم ہو جائے گی۔ مـن اللوح اس آیت میں شہر رمضان میں نزول معلوم ہوا۔ انـا انـزلـنٰه فی لیلة القدر و فی ایة فی لیلة مبارکة سے مخصوص ایک شب میں نزول معلوم ہوا۔ حالانکہ نبوت کے بعد سے وفات تک تقریباً ۲۳ سال سلسلۂ وحی جاری رہا۔ تینوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ نزول اول لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا پر ہوا۔ خواہ پورے قرآن کا یا سال بھر جس قدر اتارنا ہوتا یہ نزول تو شب قدر میں ہوا اور شب قدر رمضان میں ہے تو اس طرح نزول فی لیلۃ نزول فی رمضان ہوا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے پاس حسب وقائع اور بقدر ضرورت ایک آیت دو آیت رکوع سورت کی صورت میں کل مدتِ نبوت سلسلہ جاری رہا۔ اول کو نزول یا انزال کہتے ہیں اور دوسری صورت کو تنزیل سے تعبیر کیا جاتا ہے اس طرح پوری تطبیق ہوگئی ہے۔ هـدی و بینات یہ دونوں حال ہیں۔ القران سے اور عامل انزال ہے اور مـن الهـدی و الفرقان صفت ہیں هدی اور بینات کی۔ پس یہ محلاً منصوب ہے۔ ای ان کـان الـقـران هدی وبینات هو من جملة هدی الله و بینـاتـه فـمن شهد منكم الشهر. اس میں الشہر مفعول بہ ہے اور فاء سببیہ تاتعقیبیہ ہے تفصیلیہ نہیں ہے بظاہر اس حکم میں مریض و مسافر، مقیم، تندرست سب کے لئے تعمیم تھی اس لئے آگے مـن کـان مریضا سے اس کی تخصیص کردی اور یہ تکرار بھی اس تخصیص کے لئے فدیہ کا سابقہ حکم جو مـن شهد سے منسوخ ہو گیا ممکن ہے کہ مریض و مسافر بھی اس تعمیم میں داخل ہوں۔ اس لئے اس کو مستثنیٰ کرنے کے لئے دوبارہ ذکر کرنا پڑا۔ یرید الله یہ دو حکموں کی علت ہے جن پر و من کان مریضاً دلالت کررہا ہے۔ یعنی جواز افطار اور توسع فی القضاء جو فعدة من ایام اخر سے سمجھ میں آرہے ہیں۔ مفسر جلال بھی ان دونوں کی طرف اشارہ کررہے ہیں معتزلہ اس آیت سے بندہ کے ارادۂ خداوندی کے خلاف کرنے کے جواز پر استدلال کرتے ہیں کیونکہ مریض و مسافر اگر روزہ رکھ کر مشقت برداشت کریں

تو اللہ کے ارادہ یسر کے خلاف ہوا لیکن جواب دیا جائے گا کہ اللہ کا ارادہ یسر افطار کا مباح کرنا ہے اور وہ اجازت سے حاصل ہو چکا ہے اس کا تخلف نہیں ہوا۔ فلا اشکال ولتکملوا یعنی روزہ کا حکم آسانی کے لئے ہے اور تکمیل مدت کے لئے ہے خواہ مدتِ رمضان ہو اگر مخاطب عام ہو یا مدت قضا کی تکمیل مراد ہو اگر مخاطب خاص یعنی مریض ومسافر ہوں ولتکبروا اللہ اکمال سے مراد اگر اول یعنی اکمال ادا ہو تو تکبیر سے مراد تکبیر عید الفطر ہوگی یعنی روزے پورے کرو۔ اور تکبیر عید یعنی دوگانہ اور تکبیرات ادا کرو۔ اس صورت میں یہ فمن شھد کی علۃ ہوگی اور اکمال سے ثانی یعنی تکمیل قضا مراد ہو تو تکبیر سے مراد خدا کی ثنا ہوگی اور یہ تیسری علت ہوگی اور تکبیر کا تعدیہ علیٰ کی ذریعہ بتضمین معنی حمد ہوگا۔ ای لتکبروا اللہ حامدین علی ماھداکم الیہ ایسے مواقع پر یہ عطف کا لطیف ترین پیرایہ ہے کیونکہ ماقبل کی علتیں ہونے کی وجہ سے مقتضی ظاہر یہ تھا کہ واو ترک کر دیا جاتا۔ لیکن اس میں بلا تکلف احکام سابقہ کی طرف مزید اہتمام شان ہے۔ قریب قرب سے مراد جسمانی یا مکانی قرب نہیں ہے کہ وہ محال ہے بلکہ علمی اور حفاظتی قرب مراد ہے اور صوفیا قرب ذاتی بلا کیف کے قائل ہیں۔ شرح فقہ اکبر کی عبارت ہے فالتحقیق فی مقام التوفیق ان مختار ان الامام قرب الحق من الخلق وقرب الخلق وصفت بلا کیف و ثبتت بلا کشف. فاخبرھم یہ تقدیر عبارت خبر قریب کی تصحیح کے لئے ثانی ہے۔ اجیب استجاب واجاب دونوں کے معنی قطع سوال کے ہیں مراد سے ہمکنار کر دینے کی وجہ سے جوب بمعنی قطع سے ماخوذ فلیستجیبوا لی ای فلیتمثلو اوامری ایمان کو بعد میں اور اطاعت کو پہلے لانے میں اشارہ ہے کہ طاعت ہی مفضی الی نور الایمان کر دیتی ہے۔ یدیموا جلال محقق نے ایک شبہ کے ازلہ کے لئے یہ توجیہ فرمائی ہے کہ استجابت اور ایمان ایک دوسرے سے بے نیاز کرتے ہیں اس لئے دونوں کے اجتماع کی ضرورت نہیں تھی۔ جواب یہ ہے کہ نفس ایمان مراد نہیں ہے بلکہ بقا اور دوامِ ایمان مقصود ہے یا تخصیص بعد التعمیم ہے ایمان کے شرف وفضل ظاہر کرنے کے لئے۔

ربط:............پچھلی آیت میں ایام روزہ کا اجمالی بیان تھا اس آیت میں اس کا تفصیلی بیان ہے ان تمام احکام میں بندوں کی مصالح حق تعالیٰ کے پیش نظر ہیں جن سے حق تعالیٰ کا بندوں پر مہربان اور متوجہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے آیت واذا سالک سے قرب و اجابت کا بیان مناسب مقام ہوا۔

شانِ نزول:............آیت واذا سألك کے شانِ نزول کی طرف خود جلال محقق نے اشارہ فرمادیا ہے کہ بعض اعراب نے آنحضرت ﷺ سے حاضر ہو کر استفتاء کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:......**روزہ کی مشروعیت میں تدریج:**............بالکل ابتداء اسلام میں صرف یوم عاشورہ (دسویں محرم) کا روزہ فرض ہوا تھا۔ اس کے بعد ایام بیض یعنی ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کے روزے فرض رہے۔ اس تدریج کے بعد یہ دونوں حکم منسوخ ہو کر رمضان کے روزے مقرر ہوئے لیکن روزہ اور فدیہ کے اختیار کے ساتھ۔ بعد میں اس آیت کے ذریعہ یہ تخییر بھی منسوخ ہوئی اور ہمیشہ کے لئے ۲۹، ۳۰ دن کے روزے ایک خاص مہینے کے مقرر ہو گئے۔ ریگزار عرب کا ذرہ ذرہ اس وقت تنور کی طرح تپ رہا تھا جب کہ ایک باخدا انسان حراء کی کھو میں سر بزانو اور جمال خداوندی میں کھویا ہوا تھا کہ روزہ کی صورت میں اس کو پیغام محبت ملا۔ رمضان کی وجہ تسمیہ یہی ہے کہ رمض کے معنی شدت حرارت کے ہیں وہ زمانہ سخت ترین گرمی کا تھا۔

روزوں کے لئے ماہ رمضان کی تخصیص:............روزہ کے لئے ماہ رمضان کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ نہ صرف اس میں نزول قرآن ہوا ہے بلکہ تمام آسمانی کتابیں اس ماہ مبارک میں انسانی ہدایت کا سرچشمہ لے کر آئیں ہیں۔ امام احمد اور طبرانی کی

روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابراہیمی صحیفے رمضان کی پہلی شب میں اور تورات رمضان کی چھٹی شب میں اور انجیل تیرہویں شب میں اور قرآن کریم رمضان کی چوبیسویں شب میں نازل فرمائے گئے۔ لیکن اکثر کی رائے یہ ہے کہ شب قدر سے مراد ستائیسویں شب رمضان ہے جس میں قرآن نازل ہوا چنانچہ سورۂ قدر میں لفظ لیلۃ القدر تین دفعہ لایا گیا ہے اور اس مجموعہ کے لفظ نو حروف ہیں اس طرح مجموعہ ستائیس ہوتا ہے۔

قرآن اور رمضان: .... تو اس ماہ کا روزہ کے لئے مخصوص ہونا نزول قرآن کی یادگار ہے اسی لئے تراویح وغیرہ میں بکثرت کلام پاک کی تلاوت کی جاتی ہے اور آنحضرت ﷺ کی سیرت میں بھی یہی خصوصی اہتمام والتزام ملتا ہے۔

رمضان اور قبولیتِ دعاء: .... اسی طرح دعاء، التجاء، تضرع وزاری کو بھی اس ماہ مبارک سے خصوصی ربط اور ایک گونہ علاقہ معلوم ہوتا ہے۔ روزہ جس کے بارے میں **الصوم لی وانا اجزی بہ** فرمایا گیا ہے اس سے یقیناً بندہ کا خدا سے انتہائی قرب معلوم ہوا چنانچہ **یسئلونک عن الاھلۃ** اور **یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ یسئلونک ماذا ینفقون** وغیرہ جس سے اور سوالات قرآن کریم میں صحابہؓ کے نقل کیے گئے ہیں سب میں آنحضرت ﷺ کو ''قل'' کے ذریعہ واسطۂ جواب بنایا گیا ہے۔ مگر جب خود حق تعالیٰ کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو حق تعالیٰ بنفسِ نفیس خود بلاواسطہ جواب عطا کر رہے ہیں یہاں **قل انی قریب** نہیں فرمایا گیا اس سے بے حجابانہ قرب کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ باقی جس طرح حق تعالیٰ کی ذات بے چون وچگون ہے اسی طرح اس کا قرب بھی بلا کیف اور ماوریٰ سمجھنا چاہئے متشابہ الفاظ کے حقائق کے درپے ہونا مناسب نہیں ہے۔

سبب ادا اور سبب قضاء: .... **من شھد** کے عموم اور **من کان منکم مریضاً** الخ کی تخصیص سے معلوم ہوتا ہے کہ شہود رمضان جو اداء روزہ کا سبب ہوتا ہے وہی سبب قضاء روزہ کا بھی ہوتا ہے۔ البتہ جیسا کہ امام فخر الاسلام بزدویؒ کی رائے ہے مسافر ومریض کی حق میں نفس وجوب باقی رہتے ہوئے وجوب ادا مؤخر ہوگیا ہے ورنہ قضا کے لئے اگر سبب جدید کی ضرورت سب کے یا مریض ومسافر کے لئے ہوتی تو قضا کے لئے دوسرے رمضان کا شہود درکار ہوتا۔ تاہم علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا نفس وجوب مطلق شہود شہر یعنی پورا ماہ رمضان دن ورات کا مجموعہ ہوتا ہے یا صرف دن سبب ہوتا ہے یا شہود بعض شہر سبب ہوتا ہے۔ شمس الائمہ اول صورت کے قائل ہیں دوسرے اکثر علماء روزہ کا علیحدہ سبب اس روز کو مانتے ہیں یعنی صبح کا جزو اول مقارن للاداء یا رات کا اخیر جزء علی اختلاف الاقوال اور معیار پورا دن اور ظرف پورا مہینہ ہوجائے گا۔

بیماری یا سفر اور روزہ: .... بعض حضرات مسافر ومریض کے لئے افطار کو فرض وواجب کہتے ہیں۔ **یرید اللہ بکم الیسر** ان پر حجت ہوگی کیونکہ یہ وجوب یسر کے منافی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک بمقابلہ رخصت کے عزیمت پر عمل کرنا بہتر ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ رخصت اسقاط ہے جیسا کہ خمر ومیتہ کی رخصت بحالت اضطرار ہوجاتی ہے۔ چنانچہ بحالت سفر روزہ کو پسندیدہ نہیں سمجھتے۔ آیت یرید اللہ کی وجہ سے نیز مدینہ طیبہ سے بجانب مکہ سفر کرنے والوں کے لئے آپ نے ارشاد فرمایا تھا **اولئک العصاۃ اولئک العصاۃ** لیکن حنفیہ نے سب نصوص پر غور کرکے یہ فیصلہ کیا کہ عزیمت تو روزہ ہی ہے۔ **وان تصوموا خیر لکم** کی وجہ سے تاہم اس عزیمت میں رخصت کا پہلو بھی موجود ہے یعنی سب کے ساتھ روزہ رکھنے کی جو سہولت اس وقت ہوگی وہ بعد میں نہیں رہے گی۔ البتہ افطار میں بھی یسر ہے یعنی دفع مشقت۔ اس لئے یہ رخصت حقیقی کی قسم ثانی ہے۔ رہا روایت **اولئک** الخ وغیرہ وہ سفر جہاد کے

بارہ میں ہے عام سفروں کو اس پر قیاس کرنا مناسب نہیں ہے۔ علیٰ ہذا حنفیہ کے نزدیک یہ شرعی رخصت ہر قسم کے سفر کے بارے میں ہے اچھا سفر ہو یا برا امام شافعیؒ کے نزدیک سفر معصیت اس رخصت سے مستثنیٰ ہے۔ صرف سفر طاعت کے لئے یہ انعام خداوندی مخصوص ہے، لیکن ظاہر ہے کہ سفر کی اچھائی برائی مقاصد کے لحاظ سے ہوسکتی ہے اور مقاصد سے اول تو رخصت کو کوئی تعلق نہیں ہے نفس سفر سے تعلق ہے۔ دوسرے وہ مقاصد بھی کبھی اس سفر پر مرتب ہوتے ہیں اور کبھی اس سفر سے ان مقاصد کی ضد یعنی طاعت حاصل ہوجاتی ہے۔ اس لئے باب رخصت میں سفروں کی تفریق وتخصیص کرنا کچھ مناسب نہیں ہے۔

دعاء کے سلسلے میں اہل سنت اور معتزلہ کا نظریہ:............ **واذا سألك** سے قضاء حاجت اور رد بلا کے سلسلہ میں دعاؤں کا مؤثر ہونا معلوم ہوتا ہے جو عقیدہ ہے اہل سنت کا۔ لیکن معتزلہ اس کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ دعاء تقدیر کے موافق ہوگی یا مخالف؟ اگر موافق ہے تو مقصد کو پورا ہونے میں دعاء کا کیا دخل؟ جو کچھ ہوا تقدیر سے ہوا اور اگر مخالف ہے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے ورنہ "**جف القلم بما هو كائن**" "**مايبدل القول لدى**" کے خلاف لازم آئے گا۔ اہل حق یہ کہتے ہیں کہ تقدیر کے دو درجے ہوتے ہیں۔ ایک تقدیر مبرم، دوسرے تقدیر معلق ہے۔ اول میں تغیر وتبدل ممکن نہیں ہوتا۔ حدیث وآیت مذکورہ اسی سے متعلق ہیں لیکن تقدیر معلق جو غیر مختتم اور غیر حتمی ہوتی ہے اس میں دعا وغیرہ اسباب سے ردوبدل ہوسکتا ہے اور ایک دقیق اور غامض حقیقت ہے جس پر اہل حقیقت کے علاوہ اور کوئی مطلع نہیں ہوسکا۔

قبولیت دعا کے بارہ میں شبہ:............ آیت میں جو قبولیت دعا کا وعدہ اور فی الفور ایفاء کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح دعا کے باب میں مطلقاً وعدہ معلوم ہوتا ہے۔ بظاہر سب باتیں مخدوش ہیں کیونکہ مؤمنین کی بعض دعاؤں کا پورا نہ ہونا مشاہدہ سے اور کافروں کی دعا کا نامقبول ہونا آیت **وما دعاء الكافرين الا فى ضلال** سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح استجابت میں تاخیر بھی اکثر مشاہدہ میں آتی ہے۔ علماء نے اس کی متعدد توجیہات فرمائی ہیں۔

جوابات:............ (۱) اجابت داعی سے مراد ممکن ہے جواب دعا یعنی بندہ جب خدا کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ فوراً جواب دیتے ہیں اس کی پکار بے کار نہیں جاتی۔ یہ توجیہ عاشقانہ ہے چنانچہ یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا جمال مبارک خواب میں دیکھا تو عرض کیا اے اللہ میں نے کتنی دفعہ دعا کی مگر آپ نے منظور نہیں فرمائی۔ جواب ملا کہ ہمیں تمہارا پکارنا اور پکارنے کی آواز ہی پسند ہے۔

(۲) قبولیت دعا کی کچھ شرائط اور کچھ موانع ہوتے ہیں۔ شرائط مثلاً اکل حلال، صدق مقال وغیرہ اور موانع مثلاً قلب لاہی، عدم اخلاص نیت وغیرہ ان میں نقصان باعث حرمان ہوتا ہے اس لئے قبولیت دعاء کا وعدہ مطلق نہیں ہوتا بلکہ مقید ہے۔

(۳) دعاء دراصل اللہ کا فضل ہے اور فضل مشیت الٰہی پر موقوف ہوتا ہے **ان الفضل بيد الله يؤتيه من يشاء** تو قبولیت دعاء بھی مشیت الٰہی پر موقوف ہوتی ہے۔

(۴) اجابت دعا کے معنی خیر مقدر کرنے کے ہیں اگر علم الٰہی میں اس دعاء کا پورا نہ کرنا ہی خیر ہو تو یہی قبولیت کی حقیقت ہوگی۔

(۵) قبولیت دعا کبھی بعینہٖ اس بات کے پورا کرنے سے ہوتی ہے اور کبھی کسی مصیبت خاص کے دفعیہ سے ہوتی ہے اور کبھی اس سے بہتر کوئی خاص نعمت دنیا ہی میں دے دی جاتی ہے اور کبھی آخرت میں رفع تکلیفات یا رفع درجات کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس وقت تو بندہ کو اس کی قدر وقیمت نہیں ہوتی لیکن آخرت میں اس کی قدر ومنزلت ہوگی اور یہ تمنا کرے گا کہ کاش دنیا میں میری کوئی دعاء بھی پوری

نہ ہوئی ہوتی۔

(۶) اذا دعان میں لفظ اذا قضیہ مہملہ قضیہ جزئیہ کے حکم میں ہوتا ہے یعنی ایک دفعہ بھی اگر دعاء قبول ہوگئی تو آیت کا وعدہ صادق ہونے کے لئے کافی ہے۔

(۷) یہ وعدہ مناسب دعاؤں کے متعلق ہے۔ نامناسب دعاؤں کے بارہ میں وعدہ نہیں ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر وہ چیز جو فی الواقع نامناسب ہو اس کا علم بھی دعاء کرنے والے کو ہو جائے۔

بعض دعاؤں کی نامقبولیت کیا بعض احکام کے رد کا باعث ہوسکتی ہے: .... اس سے یہ ملحدانہ شبہ بھی دفع ہو گیا کہ جس طرح حق تعالیٰ ہماری بعض درخواستیں نہیں مانتے ہمارے لئے بھی گنجائش ہے کہ ان کے بعض احکام نہ مانیں۔ کیونکہ ہماری بعض درخواستیں تو نامناسب ہوتی ہیں اور ان کے سارے احکام مناسب ہی ہوتے ہیں اس لئے دونوں برابر نہ ہوئے۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ بِمَعْنَى الْاِفْضَاءِ **اِلٰى نِسَآئِكُمْ** ط بِالْجِمَاعِ نَزَلَ نَسْخًا لِمَا كَانَ فِيْ صَدْرِ الْاِسْلَامِ مِنْ تَحْرِيْمِهٖ وَتَحْرِيْمِ الْاَكْلِ وَالشُّرْبِ بَعْدَ الْعِشَاءِ **هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ** كِنَايَةٌ عَنْ تَعَانُقِهِمَا اَوْ اِحْتِيَاجِ كُلٍّ مِنْهُمَا اِلٰى صَاحِبِهٖ **عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ** تَخُوْنُوْنَ **اَنْفُسَكُمْ** بِالْجِمَاعِ لَيْلَةَ الصِّيَامِ وَقَعَ ذٰلِكَ لِعُمَرَ وَغَيْرِهٖ وَاعْتَذَرُوْا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **فَتَابَ عَلَيْكُمْ** قَبِلَ تَوْبَتَكُمْ **وَعَفَا عَنْكُمْ** ج **فَالْـٰٔنَ** اِذْ اُحِلَّ لَكُمْ **بَاشِرُوْهُنَّ** جَامِعُوْهُنَّ **وَابْتَغُوْا** اُطْلُبُوْا **مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ** ص اَيْ اَبَاحَهٗ مِنَ الْجِمَاعِ اَوْ قَدَّرَهٗ مِنَ الْوَلَدِ **وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا** اللَّيْلَ كُلَّهٗ **حَتّٰى يَتَبَيَّنَ** يَظْهَرَ **لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ** ص اَيِ الصَّادِقِ بَيَانٌ لِلْخَيْطِ الْاَبْيَضِ وَبَيَانُ الْاَسْوَدِ مَحْذُوْفٌ اَيْ مِنَ اللَّيْلِ شَبَّهَ مَا يَبْدُوْ مِنَ الْبَيَاضِ وَمَا يَمْتَدُّ مَعَهٗ مِنَ الْغَبَشِ بِخَيْطَيْنِ اَبْيَضَ وَاَسْوَدَ فِي الْاِمْتِدَادِ **ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ** مِنَ الْفَجْرِ **اِلَى الَّيْلِ** ج اَيْ اِلٰى دُخُوْلِهٖ بِغُرُوْبِ الشَّمْسِ **وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ** اَيْ نِسَاءَكُمْ **وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ** مُقِيْمُوْنَ بِنِيَّةِ الْاِعْتِكَافِ **فِي الْمَسٰجِدِ** ط مُتَعَلِّقٌ بِعٰكِفُوْنَ نَهْيٌ لِمَنْ كَانَ يَخْرُجُ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَيُجَامِعُ اِمْرَأَتَهٗ وَيَعُوْدُ **تِلْكَ** الْاَحْكَامُ الْمَذْكُوْرَةُ **حُدُوْدُ اللّٰهِ** حَدَّهَا لِعِبَادِهٖ لِيَقِفُوْا عِنْدَهَا **فَلَا تَقْرَبُوْهَا** ط اَبْلَغُ مِنْ لَا تَعْتَدُوْهَا الْمُعَبَّرِ بِهٖ فِيْ اٰيَةٍ اُخْرٰى **كَذٰلِكَ** كَمَا بَيَّنَ لَكُمْ مَا ذُكِرَ **يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ** ﴿۱۸۷﴾ مَحَارِمَهٗ **وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ** اَيْ لَا يَاْكُلْ بَعْضُكُمْ مَالَ بَعْضٍ **بِالْبَاطِلِ** الْحَرَامِ شَرْعًا كَالسَّرِقَةِ وَالْغَصَبِ **وَ** لَا **تُدْلُوْا** تُلْقُوْا **بِهَآ** اَيْ بِحُكُوْمَتِهَا اَوْ بِاَمْوَالٍ رِشْوَةٍ **اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا** بِالتَّحَاكُمِ **فَرِيْقًا** طَائِفَةً **مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ** مُتَلَبِّسِيْنَ **بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** ﴿۱۸۸﴾ع اَنَّكُمْ مُبْطِلُوْنَ

ترجمہ: .... تمہارے لئے روزہ کی رات میں مشغول رہنا حلال کر دیا گیا ہے (رفث بمعنی افضاء۔ کنایہ جماع سے ہے) تمہاری

بیویوں سے (جماع کے ساتھ ابتدائے اسلام میں صحبت، کھانے پینے سے عشاء کے بعد جو ممانعت ہوئی تھی اس کو منسوخ کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے) کیونکہ وہ تمہارے لئے بمنزلہ اوڑھنے بچھانے کے ہیں اور تم ان کے لئے بمنزلہ اوڑھنے بچھانے کے ہو (یہ کنایہ ہے دونوں کے معانقہ یا ایک دوسرے کی طرف ضرورت مند ہونے سے) اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر تھی کہ تم خیانت کے گناہ میں خود کو مبتلا کررہے تھے (روزوں کی رات میں جماع کر کے۔ حضرت عمرؓ وغیرہ اس میں مبتلا ہو چکے تھے اور آنحضرت ﷺ سے معتذر ہوئے) خیر اللہ تعالیٰ نے تم پر عنایت فرمائی (تمہاری توبہ قبول فرمالی) اور تم سے گناہ دھودیا۔ سو اب (جبکہ تمہارے لئے حلال کردیا ہے) ان سے ملو ملاؤ (صحبت کرو) اور تلاش (طلب) کرو خدا نے جو تمہارے لئے تجویز کیا ہے (یعنی صحبت جائز کی یا اس سے اولاد مقدر کی) اور کھاؤ پیو (پوری رات) حتیٰ کہ تمہارے لئے واضح (ظاہر) ہوجائے صبح کا سفید خط سیاہ خط سے (صبح سے مراد صبح صادق، من الفجر بیان ہے خیط الابیض کا اور خیط الاسود کا بیان محذوف ہے یعنی من اللیل۔ نور وظلمت جو نمایاں ہوتے ہیں۔ ان کو سفید وسیاہ دو دھاگوں سے درازی میں تشبیہ دی گئی ہے (پھر پورا کرلیا کرو روزہ (صبح سے) رات تک (یعنی غروف آفتاب کے بعد رات آنے تک) اور مباشرت نہ کیا کرو (اپنی بیویوں سے) جس زمانہ میں تم اعتکاف کرنے والے ہو (بہ نیت اعتکاف بیٹھ گئے ہو) مساجد میں (فی المساجد متعلق ہے عاکفون کے۔ جو شخص بحالتِ اعتکاف بیوی سے صحبت کرنے کے لئے نکلے اور پھر واپس مسجد میں آئے اس کے لئے ممانعت ہے، یہ (مذکورہ احکام) خدائی ضابطے ہیں (جو اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمائے ہیں تاکہ وہ اس کی حدود میں رہیں) سو ان سے نکلنے کے نزدیک بھی نہ جاؤ (لفظ لاتقربوا بہ نسبت لا تعتدوا کے جو دوسری آیت میں آیا ہے زیادہ مبالغہ لئے ہوئے ہے) اسی طرح (جیسا کہ تمہارے لئے مذکورہ حکم بیان کیا گیا) اللہ تعالیٰ اپنے احکام لوگوں کے لئے بیان فرمایا کرتے ہیں، اس توقع پر کہ وہ پرہیز رکھیں گے (محارم خداوندی سے) اور آپس میں ایک دوسرے کے مال نہ کھایا کرو (یعنی ایک دوسرے کا مال نہ کھایا کرو) ناحق (جو شرعاً حرام ہو جیسے چوری غصب) اور رجوع نہ کیا کرو (ڈالا نہ کرو) اس کے ذریعہ (یعنی مال طاقت سے یا رشوتِ مالی کے ذریعہ) حکام کے یہاں اس غرض سے کہ کھا جاؤ (زبردستی) لوگوں کے لئے مالوں کا ایک حصہ گناہ سے (آلودہ کرکے) درآنحالیکہ تم جانتے بھی ہو (کہ تم ناحق پر ہو)۔

تحقیق وترکیب: .... لیلة الصیام الرفث. لیلة الصیام منصوب ہے رفث مقدر کے ذریعہ جس پر مذکورہ رفث دال ہے ورنہ رفث مذکور کو عامل بنانے سے مصدر کے معمول کا تقدم مصدر پر لازم آرہا ہے۔ رفث کے معنی بغیر کسی چیز کی حیلولۃ کے اتصال کے ہے۔ یعنی بدن سے ملنا۔ کنایہ جماع سے ہے اور معنی افضاء کی تضمین کی وجہ سے الی کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے اور کنایۃً بیان کرنے میں اس کی تقبیح کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لئے اس کو خیانۃ سے تعبیر کیا ہے۔ بعد العشاء مراد اس سے نوم ہے۔ جیسا کہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بعد العشاء کے لفظ سے اس لئے تعبیر کردیا کہ اس وقت نوم کے غلبہ کا وقت ہوتا ہے۔ چنانچہ ابوداؤد کی روایت ابن عباسؓ سے ہے۔ **کانوا علی عهده صلی الله علیه وسلم اذا صلوا العشاء حرم علیهم الطعام والشراب والنساء. هن لباس لکم.** زن وشوئی کے تعلقات کو لباس کے ساتھ تشبیہ دینے میں تین وجوہ جامعہ پیش نظر ہیں۔ ایک تو دونوں کا معانقہ اور اشتمال جو بمنزلہ لحاف کے ابرہ اور استر کے ہوتا ہے۔ دوسرے ہر ایک دوسرے کے عیوب کے لئے ساتر ہوتا ہے اور گناہوں سے مانع تیسرے ایک دوسرے کے بغیر صبر نہیں کرسکتا اور جدائیگی برداشت نہیں کرسکتا۔ حدیث میں ارشاد ہے۔ **لا خیر فی النساء ولا صبر عنهن یغلبن کریمًا ویغلبهن لئیم فاحب ان اکون کریمًا مغلوبًا ولا احب ان اکون لئیمًا غالبًا.** اور ھن کی تقدیم میں مردوں کی بہ نسبت عورتوں کے احوج ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ **وقع ذٰلک لعمرؓ** چنانچہ ایک روز

عشاء کے بعد مکان پر تشریف لائے تو بیوی کو اچھی حالت میں پایا اور ہمبستر ہو گئے۔ صبح حاضرِ خدمت ہو کر نادمانہ عرض کیا۔ **یا رسول اللہ انی اعتذر الی اللہ الیک مماوقع منی**۔ حضرت عمرؓ کی تائید میں دوسرے لوگوں کی آوازیں بھی آئیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ **فالاٰن** اس کے اصل معنی حال کے ہیں لیکن کبھی مجازاً ماضی قریب اور مستقبل قریب کے لئے بھی آتا ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ **باشروھن**۔ مباشرہ الصاق البشرۃ بالبشرہ کنایہ ہے جماع سے۔ **کتب** سے مراد جماع مباح ہے یا اولاد مقدر۔ اس میں اشارہ ہے کہ مقصد جماع افزائش نسل ہونی چاہئے نہ کہ شہوت رانی، **کلوا واشربوا**۔ حرقہ بن قیس یا صرمہ بن انس غنوی ایک غریب کاشتکار صحابی تھے۔ دن بھر روزہ سے رہے، شام کو مکان پر آئے تو کھانا تیار نہیں تھا۔ تھکے ماندہ سو گئے۔ آنکھ کھلی تو کھانا تیار تھا۔ لیکن ممانعت کی وجہ سے نہ کھا سکے اور اگلے روز بھی روزہ پر روزہ رکھ لیا۔ لیکن آدھا دن نہیں گزرا تھا کہ بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی گئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

خیط الابیض یہ استعارہ نہیں ہے بلکہ تشبیہ و تمثیل ہے کیونکہ دونوں طرفین تشبیہ مذکور ہیں۔ صبح صادق جو افق میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ ظلمۃ لیل کا اتصال ایک خط وہمی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ان دونوں خطوط وہمی کو خطوط محسوس سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور خطِ صبح خطِ لیل پر دلالت کرتا ہے اس لئے اول پر اکتفاء کر لیا۔ اس تقریر کے بعد یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ صبح صادق تو مستطیر ہوتی ہے۔ خط کے ساتھ کیسے اس کو تشبیہ دی گئی ہے کہا جائے گا کہ شروع اور ابتدائی صبح مراد ہے اور وہ خط کی طرح ہوتی ہے بعد میں پھیلتی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح یہ شبہ بھی نہیں رہتا کہ رات کی تاریکیاں تو بہت ہوتی ہیں پھر کیسے ایک خط سے تشبیہ ہو گئی؟ کہا جائے گا کہ سپیدۂ صبح سے متصل جو ظلمت ہے بشکل خط وہمی وہ مراد ہے۔ یعنی واقع میں تو وہ ایک ہی خط جو نور و ظلمت دونوں کا منتہاء اور دونوں کے درمیان مشترک ہے جیسا کہ اہل ریاضی جانتے ہیں لیکن محسوس دو نور ہوتے ہیں۔ ایک خطِ نور، دوسرا خطِ تاریکی۔

غیش بقیہ رات یا آخر شب کی تاریکی **من الفجر**۔ من تبعیضیہ ہے کیونکہ وہ وقت بعض فجر ہوتا ہے۔ لفظ **من الفجر** نازل ہونے سے عدی بن حاتم اپنے پیر میں سفید اور سیاہ ڈورا باندھ کر اس کو دیکھتے رہتے۔ جب نمایاں معلوم ہونے لگتے تو روزہ شروع کر دیتے۔ آنحضرت ﷺ کو جب معلوم ہوا تو فرمایا کہ **انک لعریض القضاء وانما ذلک بیاض النھار و سواد اللیل**۔ اس کے بعد لفظ **من الفجر** بیان نازل ہوا۔ اسی پر فقہاء میں بحث شروع ہو گئی کہ ضرورت کے موقعہ پر تاخیر بیان جائز ہے یا نہیں۔ ابوعلی و ابو ہاشم وغیرہ اکثر فقہاء اور متکلمین تاخیر بیان کو جائز نہیں سمجھتے ہیں۔

فلا تقربوھا۔ کنایہ ہے **نھی عن الباطل** سے اور **لا تعتدوھا** اس معنی میں صریح ہے **والکنایۃ ابلغ من التصریح**۔ **حدود اللہ** سے مراد احکام ہیں یا محارم دین۔ پس جو شخص سرحد کے قریب بھی نہیں جائے گا اس سے باہر نکل جانے کا کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ **لایاکل بعضکم** یعنی یہاں جمع کا مقابلہ جمع کے ساتھ نہیں ہے۔ جیسے **رکبوا دوابھم** میں ہے۔ یعنی ہر ایک کو اپنا مال کھانے کی ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ ایک دوسرے کا مال ناحق کھانا منع ہے۔

لا تدلوا۔ دلوڈول۔ اولاً رسی کنویں میں ڈالنا، پھر مطلق القاء اور توسل کے لئے یہ لفظ مستعار لے لیا اور با اولاء کے صلہ میں ہے یعنی اس مال کو توسل فی الحکام کا ذریعہ مت بناؤ کہ حکومت کے زور سے رشوتیں دو۔ جلال محقق نے **تبھا** کے بعد مضاف محذوف نکال دیا اور اولاء کا ترجمہ القاء بمعنی السراع کیا۔ یعنی حق کو دبانے اور باطل کو ابھارنے کے لئے احکام کو رشوتیں دے دے کر ان کی حکومت کی تائید حاصل نہ کرو **متلبسین** سے اشارہ اس طرح ہے کہ **من اموال الناس** **تاکلوا** کا فاعل ہے۔

ربط: .... ان تین آیات میں مزید تین احکام ابواب برکے اور بیان کیے جا رہے ہیں۔ آیت **احل الخ** میں چوتھا حکم حلتِ

مفطرات سے رمضان کی راتوں میں اور آیت ولا تباشروھن میں پانچواں حکم دوبارہ اعتکاف ہے اور اس کے بعد تعمیل حکم کی تاکید ہے۔ پھر آیت ولا تاکلوا میں حرام مال سے اجتناب اور پرہیز کی تعلیم ہے۔

شانِ نزول:............ جماع اور کھانے پینے کے سلسلہ میں دو (۲) روایتیں جن کی طرف جلال مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے مفصلاً گزر چکی ہیں۔ البتہ مباشرۃ فی الاعتکاف کے بارہ میں لباب النقول کی روایت حضرت قتادۃؓ سے یہ ہے کہ بعض لوگ بحالتِ اعتکاف مسجد سے باہر نکلتے اور مباشرت سے فارغ ہوکر پھر آجاتے اس پر ممانعت کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾:...... **روزہ کی پابندیوں میں اعتدال**:............ یہود کے یہاں چونکہ روزہ کی شرائط اور پابندیاں نہایت سخت اور تکلیف دہ تھیں ابتدائے اسلام میں مسلمان بھی ان کے پابند رہے۔ جن کا ابھی تذکرہ ہوا۔ لیکن بعض لوگ ان کو نبھا نہ سکے اور اپنے فعل کمزوری سمجھ کر چھپانے بھی لگے۔ اس کو خیانت سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ ان آیات کی روشنی میں یہ بتلایا گیا ہے کہ روزہ سے مقصود جسمانی خواہشات کا بالکلیہ ترک کرانا نہیں ہے بلکہ مقصد اصلی ضبط واعتدال ہے۔ اس لئے ان باتوں کی پابندی صرف دن کے حصہ میں محدود رہنی چاہئے۔ رات کو کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ بالخصوص زن وشوئی کے معاملات کوئی ناپاکی نہیں ہے جن کا اس عبادتی مہینہ میں کرنا بالکلیہ جرم ہو۔ وہ مرد عورت کا ایک فطری تعلق ہے وہ اپنے حوائج میں ایک دوسرے سے ہم رشتہ اور وابستہ ہیں۔ اس لئے فطری علاقہ عبارت الٰہی کے منافی کیوں ہو۔ البتہ حد اعتدال سے تجاوز یہ منشائے عبادت کے منافی ہے۔ اس لئے حد بندی کردی گئی ہے۔ نیز تمہارے عمل میں کوئی کھوٹ نہیں ہونا چاہئے۔ ہاں جس کو تم کھوٹ سمجھ رہے ہو اور واقع میں وہ کھوٹ نہیں ہے تو چوری چھپے اس کے کرنے سے واقع میں تو برائی نہیں ہوئی۔ البتہ تمہارے دل کی پاکیزگی میں دھبہ لگ گیا ہے۔

روزہ کی نورانیت اور حرام کمائی سے پیٹ کا خالی رکھنا:............ آگے ولا تاکلوا میں یہ حقیقت واضح کرنی ہے کہ بدنی عبادت وریاضت اس وقت تک زیادہ سودمند نہیں ہوسکتی جب تک مالِ حرام سے خود کو نہیں روکو گے اور بندوں کے حقوق سے لاپرواہی نہیں چھوڑو گے۔ نیکی صرف اس میں نہیں ہے کہ چند روز کے لئے جائز غذا ترک کردو بلکہ نیکی کی راہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہمیشہ کے لئے ناجائز غذا ترک کردو۔ **اذا کان ملبسه حرام ومطعمه ومشربه حرام فاین یستجاب الدعاء** اکل حلال کی ضرورت کا اس طرح تعلق ماقبل کے مسئلہ دعاء سے بھی ہوسکتا ہے۔

آیت کے نکات:............ **علم الله الخ** میں اشارہ ہے معافی کی طرف اور تسلی ہے اور **وابتغوا ما کتب** میں اشارہ ہے کہ مقصد (۱) یا افزائش نسل ہونی چاہئے، تاکہ تکثیر امت ہو۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے **تزوجوا تناکحوا توالد واتناسلوا فانی اباھی بکثرۃ امتی ولو کان سقطًا** اور یا (۲) مباشرۃ مباح کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ حالتِ حیض میں ہم بستری یا لواطت ممنوع ہے اور یا (۳) جائز عورتوں پر اکتفا کرنے اور ناجائز سے پرہیز کرنے کی تلقین کرتی ہے یا (۴) آزاد بیویوں کے سلسلہ میں عزل کی ممانعت کرنی ہے کیونکہ ان ہی کے باب میں نازل ہوئی ہے۔ **حتی یتبین** میں حتیٰ بمعنی الی غایۃ کے لئے ہے اور غایہ مغیا میں داخل نہیں ہے کیونکہ حتیٰ جب افعال پر داخل ہوتا ہے تو اس میں اصل یہی ہے اور **الی اللیل** میں بھی غایۃ مغیا کے تحت میں داخل نہیں ہے اور مباشرۃ کا صبح تک جائز ہونا بتلاتا ہے کہ جنابۃ روزہ کے منافی نہیں ہے۔ نیز غسل میں تاخیر کرنا جائز ہے اور **اتموا الصیام الی اللیل** اس طرف مشیر ہے کہ صوم وصال جائز نہیں ہے۔ نیز روزہ کی نیت دن میں بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ نصف دن سے کم گزرا ہو۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کفارہ جس طرح مباشرت سے واجب ہوتا ہے اسی طرح کھانے پینے سے بھی کفارہ واجب ہوجائے گا۔ کیونکہ مفطرات ہونے میں سب برابر

ہیں۔ بخلاف امام شافعیؒ وہ حدیث اعرابی کی وجہ سے کفارہ کو جماع ہی کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں۔ اس طرح گویا روزہ کی پوری تحدید اس آیت سے ہورہی ہے یعنی الامساک من الاکل والشرب والجماع نھارا بالنیة۔

آیتِ اعتکاف سے مسائل کا استخراج: .... لیکن رمضان کی راتوں میں مباشرت کا جو کچھ توسع دیا گیا تھا آگے معتکفین کو اس سے بھی مستثنیٰ کرلیا گیا ہے۔ اعتکاف کے متعلق آیت سے چند باتیں مستفاد ہوئیں۔

(۱) اعتکاف مردوں کے لئے مسجد کے علاوہ جائز نہیں ہے۔ بعض نے مسجد الحرام، مسجد نبوی، مسجد بیت المقدس کی تخصیص کی ہے اور بعض جامع مسجد کی تخصیص کرتے ہیں۔ لیکن علماء ہر ایسی مسجد جس میں نماز باجماعت کا انتظام ہو اعتکاف کے لئے کافی سمجھتے ہیں البتہ عورتوں کے لئے مسجد البیت کافی ہے۔

(۲) مباشرۃ غیر صحیحہ بوسہ، لمس بشہوۃ اگرچہ بحالت اعتکاف بلا انزال ناجائز ہیں لیکن مبطل اعتکاف نہیں ہیں اور انزال ہوجائے تو اعتکاف باطل ہے۔

(۳) معتکف کے لئے مسجد میں کھانا، پینا، سونا، خرید وفروخت بغیر موجودگی سامان جائز ہے۔

(۴) اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے خواہ رمضان ہو یا غیر رمضان۔

(۵) بحالت اعتکاف مسجد سے نکلنا جائز نہیں ہے۔ البتہ ضروریاتِ شرعی نماز جمعہ یا ضروریات طبعی پیشاب، پاخانہ، غسل وغیرہ کے لئے نکلنا جائز ہے مگر بلاضرورت راستہ میں نہ ٹھہرے۔

مالِ حرام: .... آیت ولا تاکلوا سے معلوم ہوا کہ جو اموال نامشروع طریق پر حاصل ہوں جیسے شراب یا زنا کے ذریعہ یا جو اموال باطلہ ہوں جیسے چوری، غصب، جُوا، عقود فاسدہ، رشوت وغیرہ سب حرام ہیں۔ اگر کسی کو ان کا باطل ہونا بطور خود معلوم ہو پھر خواہ ظاہر کے لحاظ سے اپنا حق ثابت ہی ہوتا ہو تب بھی ایسے اموال کا استعمال بُرا ہوگا۔ جیسا کہ عبدان حضرمی نے امرءالقیس کندی پر ایک قطعہ زمین کا دعویٰ کیا مگر ان کے پاس مدعی ہونے کے باوجود بینہ نہیں تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے حسب قاعدہ مدعا علیہ امراء القیس سے حلف لینا چاہا تو انہوں نے حلف اٹھانے کا ارادہ بھی کرلیا لیکن آپ نے آیت ان الذین یشترون الخ تلاوت فرمائی جس سے ڈر کر نہ صرف یہ کہ انہوں نے قسم کو چھوڑ دیا بلکہ زمین سے بھی دستبردار ہوگئے یا ایک روایت کے مطابق انہوں نے قسم کھالی، بہر صورت اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قضاء قاضی صرف ظاہراً نافذ ہوتی ہے باطناً نہیں ہوتی۔ جیسا کہ امام ابو یوسفؒ ومحمدؒ اور امام شافعیؒ کی رائے ہے البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر طرح قضاء قاضی نافذ ہوتی ہے ظاہراً و باطناً۔

يَسْئَلُوْنَكَ يَا مُحَمَّدُ **عَنِ الْاَهِلَّةِ** جَمْعُ هِلَالٍ لِمَ تَبْدُوْ دَقِيْقَةً ثُمَّ تَزِيْدُ حَتّٰى تَمْتَلِئَ نُوْرًا ثُمَّ تَعُوْدُ كَمَا بَدَتْ وَلَاتَكُوْنُ عَلٰى حَالَةٍ وَاحِدَةٍ كَالشَّمْسِ **قُلْ** لَهُمْ **هِىَ مَوَاقِيْتُ** جَمْعُ مِيْقَاتٍ **لِلنَّاسِ** يَعْلَمُوْنَ بِهَا اَوْقَاتَ زَرْعِهِمْ وَمَتَاجِرِهِمْ وَعِدَّةَ نِسَائِهِمْ وَصِيَامِهِمْ وَاِفْطَارِهِمْ **وَالْحَجِّ** عَطْفٌ عَلَى النَّاسِ اَىْ يُعْلَمُ بِهَا وَقْتُهُ فَلَوِ اسْتَمَرَّتْ عَلٰى حَالَةٍ وَاحِدَةٍ لَمْ يُعْرَفْ ذٰلِكَ **وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا** فِى الْاِحْرَامِ بِاَنْ تَنْقُبُوْا فِيْهَا نَقْبًا تَدْخُلُوْنَ مِنْهُ وَتَخْرُجُوْنَ وَتَتْرُكُوا الْبَابَ وَكَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ وَيَزْعَمُوْنَهٗ بِرًّا

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ اَیْ ذَا الْبِرِّ **مَنِ اتَّقٰی** ۚ اللّٰهَ بِتَرْكِ مُخَالَفَتِهٖ **وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا** ۖ فِی الْاِحْرَامِ كَغَيْرِهٖ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴿۱۸۹﴾** تَفُوْزُوْنَ ۔

ترجمہ:.........بعض لوگ آپ سے تحقیقات کرتے ہیں (اے محمد) چاند کی بابت (اہلہ جمع ہلال کی ہے کہ ابتداء میں کس طرح باریک ہوتا ہے۔ پھر بڑھتے بڑھتے مکمل بدر ہوجاتا ہے۔ پھر اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آتا ہے اور آفتاب کی طرح ایک حال پر نہیں رہتا) آپ فرمادیجئے (ان سے) کہ وہ چاند آلہ شناخت اوقات ہے (مواقیت جمع میقات بمعنی وقت) لوگوں کے لئے (اس کے ذریعہ لوگوں کی کھیتی کے اور کاروبار کے اوقات عورتوں کی عدت، روزوں اور افطار کے اوقات معلوم ہوسکتے ہیں) اور حج کے لئے (اس کا عطف الناس پر ہے یعنی اس کے ذریعہ اوقات صحیح بھی معلوم ہوتے ہیں۔ اگر یہ ایک حال پر رہتا تو بآسانی یہ باتیں معلوم نہ ہوسکتیں) اور اس میں کوئی بہترائی نہیں ہے کہ گھروں میں ان کی پشت کی جانب سے آیا کرو (بحالت احرام خیمہ میں نقب لگا کر آجاؤ اور اس کے اصلی دروازہ کو چھوڑ دو اور پھر اس کو ہنر اور کمال سمجھو) ہاں البتہ نیکی (نیکی والا) وہ ہے جو اللہ سے ڈرے (مخالفت سے بچتے ہوئے) اور داخل ہوا کرو مکان میں ان کے دروازوں سے (بحالتِ احرام بھی غیر احرام کی طرح) اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ امید ہے کہ تم فلاح یاب (کامیاب) ہوجاؤ گے۔

تحقیق وترکیب:............**اھــلة** . ہلال کے معنی آواز بلند کرنے کے آتے ہیں۔ ہلال دیکھتے کے وقت بھی عادۃً عام طور پر آواز سے بتلایا جاتا ہے اور جمع لانا اس نکتہ کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ روزانہ چونکہ کچھ نہ کچھ اختلاف ہوتا ہی رہتا ہے۔ اس لئے گویا روزانہ نیا چاند نکلتا ہے یا ہر مہینہ کا چاند نیا ہوتا ہے۔ مواقیت میقات کہتے ہیں کسی کام کے لئے مقررہ وقت کو اور زمان کہتے ہیں وقت منقسم یعنی ماضی حال مستقبل کو اور مدت کہتے ہیں فلک کی امتداد حرکت کو جو مبتداء سے منتہا تک ہوتی ہے۔ میقات اسم آلہ ہے۔ یعنی آلۂ شناخت اوقات، مقیاس۔ **للناس والحج** عطف مغایرت کو چاہتا ہے۔ اس لئے تعیین دو قسم کی ہوگی "**مواقیت للناس**" میں تو لوگوں کی اختیار کردہ مدت مراد ہے اور **الحج** میں منجانب اللہ کی تعیین وتحدید ہوچکی ہے۔ حج میں چونکہ تحدید وقت کی ضرورت ادا وقضا زیادہ نمایاں ہے اس لئے عبادات میں اس کی تخصیص ذکر کی گئی ہے اور روزوں کے متصل چونکہ وقت صحیح شروع ہوجاتا ہے۔ اس لئے بھی مناسب مقام ہے۔ **لیس البر** پہلے سوال کی طرح صحابہؓ نے یہ سوال بھی کیا تھا **ھل من البر اتیان البیوت من ظھورھا** اس لئے جواب دیا گیا ہے۔ البر مرفوع ہے کیونکہ باء کے مابعد کو خبر بنایا جائے گا جیسا کہ قاعدہ ہے کہ بالیس کے اسم پر نہیں بلکہ خبر پر داخل ہوا کرتی ہے۔

ربط:............اس آیت میں ابواب بر میں سے ساتواں اور آٹھواں حکم بیان کیا گیا ہے۔ ساتواں حکم اختلافِ چاند کی علت یا حکمت کی تحقیق کے سلسلہ میں ایک سوال کا جواب ہے اور آٹھواں حکم حج کی ایک خاص رسم سے متعلق سوال کا اصلاحی جواب ہے۔

شانِ نزول:............لباب النقول میں ابن ابی حاتم نے ابوالعالیہ سے تخریج کی ہے کہ صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے خلقتِ ہلال کا سوال کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سوال کا منشاء حکمت اختلاف ہلال دریافت کرنا تھا۔ چنانچہ جواب اسی سوال کے مطابق نازل ہوا۔ اس لئے علامہ سکاکی کا یہ کہنا کہ سوال عن الحکمت ہونا چاہئے تھا اور جواب کو اسلوب حکم پر محمول کرنا اب اس تکلف کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ البتہ معاذ بن جبلؓ کی جو روایت اس بارہ میں بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا **ما بال الھلال یبدو دقیقًا** جیسا کہ جلال محقق نے اشارہ کیا ہے علامہ آلوسی نے روح المعانی میں اس کی سند کو ضعیف بتلایا ہے۔ تاہم

اس کو بھی سوال عن الحکمۃ پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

بخاری کی روایت براءؓ سے ہے کہ زمانۂ جاہلیت کی رسم یہ تھی کہ حالتِ احرام میں خیمہ کے عام دروازہ سے آنا جانا برا سمجھتے تھے اور ایسے شخص کو فاجر سمجھتے تھے بلکہ لباس کی تبدیلی کی طرح اس آمد و رفت کے طریق میں بھی تبدیلی کرتے تھے۔ یہ آیت اس کی اصلاح کے لئے نازل ہوئی۔ تفسیر احمدی میں مزید اضافہ یہ ہے کہ یہ حکم تمام اعراب کے لئے عام تھا۔ بجز قبیلہ حمس کے جو قریش بنی خزاعہ، بنی عامر، بنی ثقیف پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ اس قانون سے مستثنیٰ سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ اور حضرت رفاعہ انصاریؓ دونوں مکان کے دروازوں سے نکلے تو رفاعہؓ کو لوگوں نے فاجر کہنا شروع کیا۔ آپ نے بھی رفاعہؓ سے فرمایا کہ تم دروازہ سے کیوں برآمد ہوئے۔ حالانکہ تم حمس میں سے نہیں ہو۔ میں چونکہ حمسی ہوں اس لئے قانوناً مجھے حق ہے۔ لیکن حضرت رفاعہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) میں بھی حمسی ہوں۔ کیونکہ آپ ﷺ کا اور میرا دین ایک ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس کا حاصل یہ ہے کہ اول تو یہ کوئی بڑائی یا بھلائی نہیں۔ دوسرے اس میں یہ تفریق اور تقسیم کیسی؟ جو مساواتِ اسلامی کے خلاف ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... **شمسی حساب کے مقابلہ قمری حساب اسلامی ہے:** .... حاصل یہ ہے کہ چاند کے طلوع و غروب اور کمی بیشی سے مہینوں اور مہینوں سے متعلق اختیاری اور غیر اختیاری دینی اور دنیاوی معاملات اور احکام میں حساب لگایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ لوگوں میں جو وہم پرستانہ خیالات رواج پذیر ہیں۔ ان کا تعلق کواکب پرستی سے ہو یا نجومی، عقائد ونظریات سے ان کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اسی طرح مقدس زیارت گاہوں سے متعلق لوگوں نے جو طرح طرح کی بے جا پابندیاں عائد کر لی ہیں اور مفروضہ اجر وثواب کے لئے خود کو مشقتوں اور تکلیفوں میں ڈالتے ہیں یہ کوئی کمال وخوبی کی بات نہیں ہے بلکہ اصل نیکی اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنے میں ہے۔

شمسی حساب کی نسبت قمری حساب باعث سہولت ہے: .... دنیا کی تمام قوموں میں مذہبی یا غیر مذہبی طریقہ سے صرف دو ہی قسم کے حساب رائج رہے ہیں شمسی اور قمری۔ شمسی حساب میں دقت یہ ہے کہ آفتاب کے طلوع وغروب میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی، مطالع ومغارب میں جو کچھ معمولی دقیق فرق ہوتا ہے وہ اس قدر غیر نمایاں اور خفی ہے کہ بجز ماہر اہل ہیئت وریاضی ہر ایک کو معلوم نہیں ہو سکتا اور کسوف دائم یا معین یا ہر جگہ نہیں اس لئے عوام کو عامۃً اس میں سہولت نہیں ہے۔ البتہ قمری حساب میں یہ سب سہولتیں ہیں۔ روزانہ کمی بیشی، اختلافِ مطالع، پھر ہر مہینہ اس ایک مقرر طریق پر نظام عمل متعین۔

بعض احکام میں شمسی حساب جائز نہیں ہے: .... اس لئے شریعت نے اسی عام اور سہل نظام کو اپنایا اور بالاصالۃ احکام کا مدار اس پر رکھا ہے۔ چنانچہ حج، روزہ، زکوٰۃ، رمضان، عیدین، طلاق، وغیرہ جیسے احکام میں تو اس حساب کو لازم کر دیا ہے۔ نظامِ شمسی سے ان احکام کا تعین جائز ہی نہیں ہے۔ البتہ معاملات بیع وشریٰ، رہن، عاریت، وغیرہ میں اگرچہ شمسی حساب کی اجازت ہے لیکن سہولت قمری حساب میں ہے۔ بہر حال چونکہ بہت سے احکام شرعیہ کا مدار قمری حساب پر ہے اس لئے اس کا منضبط ومحفوظ رکھنا فرض علی الکفایہ ہے جو کہ عبادت ہے اور عبادت کی حفاظت کا ذریعہ بھی عبادت ہی میں شمار ہونا چاہئے۔ ویسے بھی مسلمانوں کی ملی اور قومی غیرت کے خلاف ہے کہ وہ اپنا مخصوص قومی شعار چھوڑ کر بلا ضرورت دوسروں کی کاسہ لیسی کریں۔ سرکاری یا نیم سرکاری ضروریات تو خیر ایک مجبوری کا درجہ ہے اس میں بھی دونوں تاریخوں سے دونوں پہلوؤں کی رعایت ہو سکتی ہے لیکن روزمرہ کے عام کاروبار مکاتبت، مراسلت میں تو نری فیشن پرستی ہے۔

دروازہ چھوڑ کر غیر دروازہ سے گھر میں داخل ہونا بے عقلی ہے: .... جہاں تک یہ دوسرے اصلاحی اقدام کا تعلق ہے تو غور کرنے کی بات ہے کہ مکان کے مقررہ دروازوں سے آمد و رفت ایک جائز کام تھا جس کو انہوں نے ایک خاص وقت میں خاص لوگوں کے لئے گناہ سمجھ لیا۔ اسی طرح دروازہ چھوڑ کر کسی دوسرے طریق پر آنا جانا بھی فی نفسہ جائز تھا۔ جس کو انہوں نے اس وقت عبادت وفضیلت سمجھ لیا۔ گویا ان کا یہ طریقہ التزام مالا یلتزم ہوا اور تحریم حلال یا تحلیل حرام کے قبیل سے ہو گیا۔ کیونکہ ایک فعل مباح کو واجب یا حرام سمجھ رہے تھے اس لئے ضرورت اصلاح پیش آئی اس سے ایک بڑی اصل ہاتھ آ گئی جس سے ہزاروں اعمال کا فیصلہ اور حکم سامنے آ گیا۔ جس میں عوام وخواص مبتلا ہیں کہ جو بات شرعاً مباح ہو یعنی اس کا کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہوں ان کی کسی ایک جانب کو اپنی طرف سے مقرر کر کے عملاً یا اعتقاداً اطاعت وعبادت سمجھ لینا یا معصیت اور موجب ملامت و نفرت بنا لینا یقیناً برا اور بدعت ہوگا۔

آیت کے نکات: .... باقی ان دونوں مذکورہ بالا باتوں میں باہمی مناسبت کیا ہے؟ تو کہا جائے کہ دونوں باتیں چونکہ حج سے ہی متعلق ہیں اس لئے ان کو ایک جا بیان کر دیا گیا ہے یا ایک تقدیر پر اختلاف اہلہ کی لم اور علۃ دریافت کرنا علوم نبوت اور منشاء بندگی سے ایسے ہی بے جوڑ ہے جیسے مکان کا دروازہ چھوڑ کر غیر دروازہ سے داخل ہونا غیر معقول کام ہے یا برعکس سوال کرنے پر تنبیہ ہے اور اس کو اس تمثیل سے سمجھایا گیا ہے اور بعض حضرات نے ایتان بیوت من الظہور کو ایتان المرءۃ فی الدبر سے اور ایتان البیوت من الابواب کو ایتان المرءۃ فی الفرج سے کنایہ قرار دیا ہے۔ اس صورت میں روافض اور شیعہ پر رد ہو جائے گا۔ جو تاویل دوبارہ آیت فاتوا حرثکم انی شئتم وہ کرتے ہیں۔

فضولیات کی بجائے ضروریات میں لگنا چاہئے: .... قل ھی مواقیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فضولیات سے احتراز کرنا چاہئے اور ضروریات میں لگے رہنا چاہئے نیز شیخ کو بعض نامناسب سوالات سے منع کر دینے کا یا "ماسأل" کے خلاف جواب دینے کا حق ہے اور لیس البر الخ سے معلوم ہوا کہ اہل باطل کے ساتھ تشبہ اگرچہ رسوم وعادات ہی میں ہو برا ہے۔

وَلَمَّا صُدَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبَيْتِ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ وَصَالَحَ الْكُفَّارَ عَلٰى اَنْ يَعُوْدَ الْعَامَ الْقَابِلَ وَيُخْلُوْا لَهٗ مَكَّةَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَتَجَهَّزَ لِعُمْرَةِ الْقَضَاءِ وَخَافُوْا اَنْ لَاتَفِيَ قُرَيْشٌ وَيُقَاتِلُوْهُمْ وَكَرِهَ الْمُسْلِمُوْنَ قِتَالَهُمْ فِي الْحَرَمِ وَالْاِحْرَامِ وَالشَّهْرِ الْحَرَامِ نَزَلَ **وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اَيْ لِاِعْلَاءِ دِيْنِهٖ **الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ** مِنَ الْكُفَّارِ **وَلَاتَعْتَدُوْا** عَلَيْهِمْ بِالْاِبْتِدَاءِ بِالْقِتَالِ **اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾** الْمُتَجَاوِزِيْنَ مَا حُدَّلَهُمْ وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ بَرَاءَةٍ اَوْ بِقَوْلِهٖ **وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ** وَجَدْتُّمُوْهُمْ **وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ** اَيْ مِنْ مَكَّةَ وَقَدْ فُعِلَ بِهِمْ ذٰلِكَ عَامَ الْفَتْحِ **وَالْفِتْنَةُ** اَلشِّرْكُ مِنْهُمْ **اَشَدُّ** اَعْظَمُ **مِنَ الْقَتْلِ** لَهُمْ فِي الْحَرَمِ وَالْاِحْرَامِ الَّذِيْ اِسْتَعْظَمْتُمُوْهُ **وَلَاتُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** اَيْ فِي الْحَرَمِ **حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ** فِيْهِ **فَاقْتُلُوْهُمْ** فِيْهِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِلَا اَلِفٍ فِي الْاَفْعَالِ الثَّلٰثَةِ **كَذٰلِكَ** الْقَتْلُ

وَالْإِخْرَاجُ **جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ** ﴿۱۹۱﴾ **فَاِنِ انْتَهَوْا** عَنِ الْكُفْرِ وَاَسْلَمُوْا **فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لَهُمْ **رَّحِيْمٌ** ﴿۱۹۲﴾ بِهِمْ **وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ** تُوْجَدَ **فِتْنَةٌ** شِرْكٌ **وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ** الْعِبَادَةُ **لِلّٰهِ** وَحْدَهٗ لَايُعْبَدُ سِوَاهُ **فَاِنِ انْتَهَوْا** عَنِ الشِّرْكِ فَلَاتَعْتَدُوْا عَلَيْهِمْ دَلَّ عَلٰى هٰذَا **فَلَاعُدْوَانَ** اِعْتِدَاءَ بِقَتْلٍ اَوْ غَيْرِهٖ **اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۱۹۳﴾ وَمَنِ انْتَهٰى فَلَيْسَ بِظَالِمٍ فَلَاعُدْوَانَ عَلَيْهِ **اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ** الْمُحَرَّمُ مُقَابِلٌ **بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ** فَكَمَاقَاتَلُوْكُمْ فِيْهِ فَاقْتُلُوْهُمْ فِيْ مِثْلِهٖ رَدٌّ لِاِسْتِعْظَامِ الْمُسْلِمِيْنَ ذٰلِكَ **وَالْحُرُمٰتُ** جَمْعُ حُرْمَةٍ مَايَجِبُ اِحْتِرَامُهٗ **قِصَاصٌ** اَیْ يُقْتَصُّ بِمِثْلِهَا اِذَا انْتَهَكَتْ **فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ** بِالْقِتَالِ فِی الْحَرَمِ اَوِ الْاِحْرَامِ اَوِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ **فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ** سُمِّیَ مُقَابَلَتُهٗ اعْتِدَاءً لِشِبْهِهَا بِالْمُقَابِلِ بِهٖ فِی الصُّوْرَةِ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** فِی الْاِنْتِصَارِ وَتَرْكِ الْاِعْتِدَاءِ **وَاعْلَمُوْآ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ** ﴿۱۹۴﴾ بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ **وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** طَاعَتِهٖ الْجِهَادِ وَغَيْرِهٖ **وَلَاتُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ** اَیْ اَنْفُسَكُمْ وَالْبَاءُ زَائِدَةٌ **اِلَى التَّهْلُكَةِ** الْهَلَاكِ بِالْاِمْسَاكِ عَنِ النَّفَقَةِ فِی الْجِهَادِ اَوْ تَرْكِهٖ لِاَنَّهٗ يُقَوِّیُ الْعَدُوَّ عَلَيْكُمْ **وَاَحْسِنُوْا** بِالنَّفَقَةِ وَغَيْرِهَا **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ** ﴿۱۹۵﴾ اَیْ يُثِيْبُهُمْ ۔

ترجمہ:............(جس وقت سرورِدوعالم ﷺ کو سالِ حدیبیہ میں بیت اللہ کی حاضری سے روک دیا گیا اور آپؐ سے مشرکین مکہ نے اس امر پر صلح کی کہ آپ سالِ آئندہ آئیے۔ آپؐ کے لئے مکہ تین روز تک خالی رکھا جائے گا۔ چنانچہ عمرۃ القضاء کے لئے آپؐ نے تیاری کی تو صحابہ کرامؓ کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں قریش بے وفائی نہ کر بیٹھیں اور قتال کی نوبت نہ آجائے۔ جس کے لئے مسلمان حرم شریف احرام کی حالت شہر حرم ان تین حرمتوں کی وجہ سے ہچکچار ہے تھے تو آیت نازل ہوئی) اور تم بھی اللہ کی راہ میں (یعنی اس کے اعلاء دین کے لئے) لڑو ان لوگوں (کفار) کے ساتھ جو تم سے لڑنے لگیں اور حد سے مت نکلنا (ان پر اقدام جنگ کر کے) بلا شبہ اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے حد سے بڑھنے والوں کو (جو اپنی مقررہ حدود کو پھلانگ جائیں۔ یہ دفاعی جنگ کا حکم آیت براءۃ یا اگلی آیت سے منسوخ ہے) مارو ان کو جہاں پاؤ (قابو ملے) اور ان کو نکال باہر کرو۔ جہاں سے انہوں نے تم کو نکل جانے پر مجبور کیا ہے (یعنی مکہ سے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر یہ منظر ان کے سامنے آیا) اور فتنہ (شرک) تو سخت (عظیم) تر ہے بہ نسبت (ان کے) قتل کے (حرم اور احرام کی حالت میں جس کو تم عظیم سمجھ رہے ہو) اور ان سے قتال مت کرو مسجد حرام کے قریب (یعنی حرم میں) جب تک وہ لوگ تم سے وہاں قتال میں پیش قدمی نہ کریں۔ ہاں اگر وہ خود ہی تم سے (وہاں) لڑنے کا سامان کرنے لگیں تو تم بھی ان کو (وہیں) مارو (اور ایک قرأت میں تینوں افعال میں بغیر الف پڑھا گیا ہے) ایسے ہی (قتل واخراج) کی سزا ہے ایسے کافروں کی۔ پھر اگر باز آجائیں (کفر سے اور اسلام قبول کرلیں) تو اللہ تعالیٰ (ان کی) مغفرت فرمانے والے ہیں اور (ان پر) رحم فرمانے والے ہیں۔ ان سے اس حد تک لڑو کہ نہ رہے (نہ پایا جائے) فسادِ عقیدہ (شرک) اور دین (عبادت) اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو جائے (اس کے علاوہ کسی کی پوجا نہ کی جائے) اور اگر باز آجائیں یہ لوگ (شرک سے تو ان پر تعدی نہ کی جائے۔ اس جزائے محذوف پر اگلا جملہ دلالت کر رہا ہے) تو ان پر (قتال وغیرہ سے) تعدی نہیں ہے مگر ان ہی لوگوں کے مقابلہ میں جو ظلم کرنے والے ہیں (اور جو باز آجائے وہ ظالم نہیں رہا اس لئے اس پر لڑائی بھی نہیں ہے) حرمت

والے (محرم) مہینوں کی رعایت (مقابل ہے) محترم مہینوں کی رعایت کے (اگر وہ تم سے ان میں قتال کریں تو تم بھی اتنی ہی جنگ ان سے کر سکتے ہو یہ جواب ہے مسلمانوں کے اس جنگ کو ناگوار سمجھنے کا) یہ حرمتیں بھی (حرمات جمع حرمۃ کی ہے جس کا احترام ضروری ہو) ادلہ کا بدلہ (یعنی اگر کوئی اس کو توڑے گا تو اس کا بدلہ ویسا ہی دیا جائے گا) پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے (حرم یا احرام یا حرام مہینوں میں ماردھاڑ کر کے) تو چاہئے کہ جس طرح کا معاملہ اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے تم بھی اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرو (اعتداء کے جواب اور بدلہ کو بھی اعتداء سے تعبیر کیا گیا ہے صوری مشاکلت کی وجہ سے) البتہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ (ایک دوسرے کی امداد کرنے میں) اور یہ بات نہ بھولو کہ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کے ساتھی ہیں (مدد اور تائید کے لحاظ سے) اور مال خرچ کرو اللہ کی راہ میں (جہاد وغیرہ طاعت میں) اور نہ ڈال دو اپنے ہاتھوں (جانوں) کو (اس میں باء زائد ہے) ہلاکت میں (جہاد میں اخراجات روک کر یا ترک کر کے تباہی مول نہ لو کیونکہ اس سے دشمن تم پر قوی ہو جائیں گے) اور (انفاق وغیرہ) اچھی طرح کیا کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں سنوار کر کام کرنے والوں کو (یعنی ان کو ثواب عطا فرمائیں گے)

تحقیق و ترکیب: .... حدیبیہ مکہ معظمہ سے قریب ایک مقام ہے جس کو آجکل شمیسہ کہتے ہیں ۶ھ میں آپ ﷺ بہ نیت عمرہ چودہ سو صحابہ کرامؓ کی معیت میں بیت اللہ شریف حاضر ہونا چاہتے تھے۔ لیکن مشرکین نے اپنے لئے خطرہ محسوس کرتے ہوئے آپ کو روک دیا۔ جس کے نتیجہ میں مشہور تاریخی صلح نامہ مرتب ہوا۔ جس کو مسلمانوں کی فتح مبین کہا گیا۔ ۷ھ میں آپ معاہدہ کی دفعہ کے تحت تشریف لائے اور عمرہ قضاء فرمایا۔ وجہ تسمیہ عمرۃ القضاء کی یہی ہے اور یا قضاء بمعنی صلح ہے چونکہ صلح کے مطابق یہ عمرہ ادا کیا گیا اس لئے عمرۃ القضاء کہا گیا۔

شهر الحرام یہاں مراد ذیقعدہ ہے۔ اشہر حرم، شوال، ذیقعدہ، ذوالحجہ، رجب چار مہینے تھے جن میں قتل وقتال ممنوع تھا۔

باية البراءة یعنی **فاذا انسلخ الا شهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجد تموهم. عام الفتح** رمضان ۸ھ میں مکہ فتح ہوا ہے۔ جس میں بعض کفار قتل و جلاوطن ہوئے۔ فتنۃ شرک کو فتنہ اس لئے کہا گیا ہے کہ اس سے **فساد فی الدارین** ہوتا ہے اور قتل سے زیادہ سخت اس لئے کہا گیا ہے کہ قتل میں تو صرف جانی نقصان ہوتا ہے اور شرک میں دین و دنیا دونوں کا نقصان ہے۔ **فيـه** آیت برأت **حيث ثقفتموهم** میں ہر جگہ قتل کی اجازت سمجھ میں آتی ہے لیکن حدود حرم اس سے مستثنٰی اور خاص تھے۔ وہاں قتل جائز نہیں تھا اب اس آیت سے مدافعانہ قتل کا جواز اور اقدامی قتل کا علی حالہ عدم جواز سمجھ میں آرہا ہے (مدارک) اور قتادہؒ کی رائے یہ ہے کہ کفار سے قتال حرم، غیر حرم، اقدامًا، مدافعًا ہر طرح ہر جگہ جائز ہے اور یہ آیت منسوخ ہے۔ آیت **حيث وجدتموهم** کے ذریعہ سے۔

فی الافعال الثلثة یعنی **ولاتقتلوهم** اور **حتى يقتلوكم** اور **فان قتلوكم** مراد ہیں **انتهوا** کا متعلق **عن الكفر** محذوف تھا۔ **لـلـه** لام اختصاص کی طرف اشارہ کرنے کے لئے جلال محقق نے **وحدهٗ** نکالا ہے اور چونکہ اس کے مقابل فتنہ واقع ہے اس لئے اس کی تفسیر شرک کے ساتھ مناسب معلوم ہوئی۔ **الشهر الحرام** مسلمانوں کا اطمینان اور تسلی بخش ہونا مقصود ہے یا مشرکین کے اعتراضات کا دفعیہ کرنا ہے۔ عبارت کی تقدیر مضاف اور متعلق جار کے ساتھ ہے۔ **ای حرمة الشهر الحرام مقابل بالشهر الحرام. قصاص بحذف المضاف ای ذات قصاص.**

سمى مقابلته ایک شبہ کا دفعیہ مفسر علام کرنا چاہتے ہیں کہ ظلم کی سزا کو ظلم کیسے کہا گیا۔ حالانکہ وہ تو عین عدل ہے، حاصل توجیہ یہ ہے کہ مشاکلت صوری کا لحاظ کر کے یہ عنوان اور تعبیر اختیار کی ہے۔ **ولا تـلـقوا** اس کا تعلق حکم قتال اور انفاق دونوں سے ہے۔ جان کو ہاتھ سے تعبیر کرنے میں **تسمية الـكـل بـاسـم الجزء الاهم** کا لحاظ کیا ہے۔ جیسے دوسری آیت **فبـمـا كسبت ايديكم** میں ہے۔ ای

انفسکم چونکہ القی متعدی بنفسہ ہوتا ہے۔اس لئے باز ائد ہوگی۔ چنانچہ فالقی موسی عصاہ میں بغیر جر کے تعدیہ ہوا ہے یا پھر زائد نہ مانا جائے۔ بلکہ مفعول کو محفوظ مانا جائے۔ای لاتلقوا انفسکم بایدیکم۔

التھلکۃ بروزن تفعلۃ مازنی کی رائے یہ ہے کہ کلام عرب میں بجز اس لفظ کے اس وزن پر دوسرا لفظ نہیں آتا ہے۔لیکن ابوعلی نے تردید کرتے ہوئے سیبویہ سے تنصرۃ اورتسترۃ نقل کیا ہے۔ھلاک اصل میں انتہاً فی الفساد کے معنی میں آتے ہیں۔اور القاء کے معنی کسی چیز کو ڈال دینا۔ یہاں انتھاء کے معنی سے تضمین کر کے الی کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ لاتلقوا کے معنی لاتجعلوھا اخذۃ بایدیکم لئے جائیں۔اس وقت لفظ ایدی اپنے معنی پر رہے گا۔اس جامع الکلم اور حکیمانہ جملہ کی ایک وجہ کی طرف تو جلال محققؒ نے لانہ یقوی الخ سے اشارہ کیا ہے کہ کوئی کام بھی بغیر روپے پیسے کے نہیں ہوسکتا۔اس لئے سامان جہاد بغیر روپے کے فراہم نہیں ہوسکتا اور جہاد بغیر سامانِ جہاد کے ممکن نہیں۔اس لئے خرچ نہ کرنے میں اپنی تباہی اور دشمن کی طاقت مضمر ہے اور منشائے الٰہی اسراف فی الانفاق سے بچا کر اعتدال کی تعلیم دینا ہے کہ حد سے زیادہ خرچ کرنا بھی اپنی تباہی کو دعوت دینا ہے۔لیکن امام بخاریؒ نے حضرت حذیفہؓ سے جو روایت نقل کی ہے کہ نزلت فی النفقة فی سبیل الله اس سے اول معنی کی تائید ہوتی ہے۔یحب چونکہ محبت میں میلان قلبی ہوتا ہے جو حق تعالیٰ کی جناب میں محال ہے۔اس لئے حقیقی معنی مراد نہیں لئے جاسکتے۔جلال مفسر نے اس کے لازمی اور مجازی معنی کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ای لایثیبھم

ربط: ....اس آیت میں بھی ابواب بر میں سے نواں اور دسواں حکم بیان فرمایا جارہا ہے یا کہا جائے کہ احکامِ حج سے متعلق ایک خاص وقتی حکم جہاد کی اجازت کا بیان کیا جارہا ہے۔

شانِ نزول: ....شان نزول کی طرف جلال محققؒ اشارہ کرچکے ہیں۔ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی جس کی تفصیل گزرچکی ہے۔اسی طرح آیت وانفقوا فی سبیل الله کے سلسلہ میں حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت نفقہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے اور ابوداؤدؒ وترمذیؒ نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت پیش کی ہے کہ یہ آیت ہم لوگوں انصار کے بارہ میں نازل ہوئی۔اللہ نے اسلام کو عزت وشوکت اور اس کے معاونین کو کثرت ونصرت عطافرمائی تو بعض لوگوں نے مخفی طریقہ پر کہنا شروع کردیا کہ بہت سا مال ہمارا برباد ہوگیا ہے اور اللہ نے اسلام کو عزت بخش دی ہے اس لئے ضائع شدہ مال کی اصلاح واضافہ میں ہم کو لگ جانا چاہئے۔اس پر حق تعالیٰ نے اس خیال کی تردید فرمائی ہے کہ ہلاکت انفاق میں نہیں ہے بلکہ ترک انفاق وجہاد حقیقی تباہی ہے۔

﴿ **تشریح** ﴾:......**مدافعانہ جنگ:**............مشرکین مکہ کے ظلم وتعدی سے جب مسلمانوں پر حج وزیارت کا دروازہ بند ہوگیا تو اس مقام کو ظالموں کے پنجوں سے نجات دلانے کے لئے جنگ ناگزیر ہوگئی تاہم دو اہم باتوں کا پیش نظر رکھنا ضروری سمجھا گیا۔ اول یہ کہ امن کی حالت ہو یا جنگ کی ہر حال میں مسلمانوں کو عدل وراستی کے علاوہ کوئی بات نہ کہنی اور نہ کرنی چاہئے۔دوسرے یہ کہ جنگ اگرچہ کسی درجہ میں برائی ہے لیکن فتنہ اور شرارت کی جڑ اور بنیاد کا قائم رہنا اس سے بھی زیادہ سخت برائی ہے اس لئے ناگزیر ہے کہ فتنہ کے ازالہ کے لئے جنگ کی حالت کو گوارا کرلیا جائے۔ایک بڑی برائی کو ختم کرنے کے لئے ایک ہلکی اور چھوٹی برائی اختیار کرلینا دانشمندی ہے اور انصاف کے خلاف نہیں ہے۔

سببِ جنگ:............کفار مکہ جبر وقہر سے لوگوں کو حق بات کہنے سے روکتے تھے اور حق کو حق نہ سمجھنے پر مجبور کرتے تھے۔دین و

اعتقاد کی آزادی سلب کر رکھی تھی۔ یہ برائی لڑائی کی برائی سے زیادہ ناگوار ہے۔ اس صورت حال کو ختم کرتے اور دین واعتقاد کی آزادی بحال کرنے کے لئے جنگ کی اجازت دی گئی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ دینی معاملہ میں جس کا تعلق صرف اللہ کے ساتھ ہے انسانی ظلم و تشدد کی مداخلت باقی نہ رہے۔

حرمتِ قتال: .... رہا حرمت کا معاملہ اس میں ایک فریق جنگ کی جو روش رہے گی وہی دوسرے فریق کو اختیار کرنی پڑے گی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک فریق تو سب حرمتوں کو بالائے طاق رکھ کر حملہ کردے اور دوسرا فریق حرمت کے خیال سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے۔ اسی طرح جو لوگ جنگی تیاری میں مال خرچ نہیں کرتے وہ اپنے ہاتھوں اپنی جان تباہی کے غاروں میں دھکیل رہے ہیں اور اپنے پاؤں پر کلہاڑا مار رہے ہیں کیونکہ جہاد سے بے پرواہی کا نتیجہ قومی زندگی کی تباہی ہے۔

مسائل ضروری: .... آیت اور مقام کے مناسب چند مسائل ضروری ہیں۔ (۱) جمہور ائمہ کے نزدیک اشہر حرم میں اب قتال جائز ہے اور جن آیات سے ممانعت معلوم ہورہی ہے وہ منسوخ ہیں۔ تاہم افضل یہی ہے کہ ان دونوں میں ابتداء بالقتال نہ کرے علاوہ ان دنوں کے اگر کفار سے کوئی معاہدہ ''ناجنگی'' نہیں ہوا ہے تو اقدامی جنگ کی بھی اجازت ہے۔ یہاں معاہدہ کی وجہ سے اقدامی جنگ سے روکا گیا ہے۔ ہاں معاہدہ باقی رکھنا ہی خلافِ مصلحت ہوتو معاہدہ کے ختم کردینے کی اطلاع کردی جائے یا ابتداء ان کی طرف سے نقضِ عہد ہوگیا ہوتو دونوں صورتوں میں اقدام کی اجازت ہے۔ چنانچہ کفارِ مکہ نے اول نقضِ عہد کیا جس کے نتیجہ میں ۸ھ فتح مکہ کی بشارت لے کر آیا۔

کفارِ عرب کا امتیاز اور خصوصیت: .... (۲) کفار عرب اگر اسلام قبول نہ کریں اور جزیہ نہ دینا چاہیں تو ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے بجز قتل کے یعنی عام کفار کے لئے تو تین راستے ہیں (۱) اسلام، (۲) جزیہ اور (۳) قتل لیکن عرب جو مرکز ہدایت اور دارالاسلام ہے اس کے لئے صرف دو قانون ہیں۔ اسلام یا تلوار۔ بیچ کی راہ نکال کر وہاں کفر کو گنجائش نہیں دینی ہے۔ بہرحال اگر وہ بزور رہنا چاہیں تو حرم کے علاوہ ان کو قتل کردیا جائے گا۔ اور حدود حرم میں اولاً قتل نہیں کیا جائے گا دوسرے طریقوں سے تنگ کرکے وہاں سے ان کو باہر نکلنے پر مجبور کردیا جائے گا۔ باہر نکلنے پر قتل کیا جائے اور کسی طرح باہر نہ نکلیں تو پھر مجبوراً حدود حرم میں قتل کردیا جائے گا۔ بعینہ یہی صورت اس وقت اختیار کی جائے گی جب کوئی قتل وغیرہ جرم کرکے حرم میں پناہ گزیں ہوجائے، اس آیت سے نقضِ عہد نہ کرنے والے سے تعرض نہ کرنا جو سمجھ میں آتا ہے وہ منسوخ ہے یہ رعایت جزیرۂ عرب کے دارالاسلام بننے سے پہلے کی ہے جواب باقی نہیں ہے۔

حفاظتِ جان: .... (۳) لا تلقوا الخ کو علماء نے عام معنی پر محمول کیا ہے جتنی باتیں اختیاری تباہ کن ہیں سب ناجائز ہیں مثلاً اسراف فی الانفاق، ترکِ جہاد وانفاق، بغیر ہتھیاروں کے میدانِ جنگ میں کود جانا، غرق یا حرق کی صورت میں یا زہر خورانی سے اور چاقو وتلوار زنی سے خودکشی کرلینا، طاعون وغیرہ امراض جہاں پھیل رہے ہوں وہاں گھس جانا۔ یہ سب صورتیں اس میں داخل ہوجاتی ہیں جن میں اختیار کو دخل ہے البتہ بلا اختیار وقصد اگر کچھ ہوجائے تو وہ معاف ہے، کیونکہ فی الحقیقت جان اللہ کی ایک امانت ہے۔

معنی کو صورت پر ترجیح: .... بظاہر تو جہاد اور انفاق تہلکہ ہیں۔ فی الحقیقت ان کی اضداد تہلکہ ہیں اسی لئے یہاں گویا صورت پر معنی کو ترجیح دی گئی ہے۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ط اَدُّوْهُمَا بِحُقُوْقِهِمَا **فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ** مُنِعْتُمْ عَنْ اِتْمَامِهِمَا بِعَدُوٍّ اَوْ **فَمَا اسْتَيْسَرَ** تَيَسَّرَ **مِنَ الْهَدْيِ** ج عَلَيْكُمْ وَهُوَ شَاةٌ **وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ** اَىْ لَا تَتَحَلَّلُوْا **حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْىُ** الْمَذْكُوْرُ **مَحِلَّهٗ** ط حَيْثُ يَحِلُّ ذَبْحُهٗ وَهُوَ مَكَانُ الْاِحْصَارِ عِنْدَ الشَّافِعِىِّ فَيَذْبَحُ فِيْهِ بِنِيَّةِ التَّحَلُّلِ وَيُفَرِّقُ عَلٰى مَسَاكِيْنِهٖ وَيَحْلِقُ وَبِهٖ يَحْصُلُ التَّحَلُّلُ **فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ** كَقُمَّلٍ وَصُدَاعٍ فَحَلَقَ فِى الْاِحْرَامِ **فَفِدْيَةٌ** عَلَيْهِ **مِّنْ صِيَامٍ** لِثَلٰثَةِ اَيَّامٍ **اَوْ صَدَقَةٍ** لِثَلٰثَةِ اٰصُعٍ مِنْ غَالِبِ قُوْتِ الْبَلَدِ عَلٰى سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ **اَوْ نُسُكٍ** ج اَىْ ذَبْحِ شَاةٍ وَاَوْ لِلتَّخْيِيْرِ وَاُلْحِقَ بِهٖ مَنْ حَلَقَ بِغَيْرِ عُذْرٍ لِاَنَّهٗ اَوْلٰى بِالْكَفَّارَةِ وَكَذَا مَنِ اسْتَمْتَعَ بِغَيْرِ الْحَلْقِ كَالطِّيْبِ وَاللُّبْسِ وَالدُّهْنِ لِعُذْرٍ اَوْ غَيْرِهٖ **فَاِذَآ اَمِنْتُمْ** قف الْعَدُوَّ بِاَنْ ذَهَبَ اَوْ لَمْ يَكُنْ **فَمَنْ تَمَتَّعَ** اِسْتَمْتَعَ **بِالْعُمْرَةِ** اَىْ بِسَبَبِ فَرَاغِهٖ مِنْهَا وَالتَّحَلُّلِ عَنْهَا بِمَحْظُوْرَاتِ الْاِحْرَامِ **اِلَى الْحَجِّ** اَىِ الْاِحْرَامِ بِهٖ اَنْ يَّكُوْنَ اَحْرَمَ بِهَا فِىْ اَشْهُرِهٖ **فَمَا اسْتَيْسَرَ** تَيَسَّرَ **مِنَ الْهَدْىِ** ج عَلَيْهِ وَهُوَ شَاةٌ يَذْبَحُهَا بَعْدَ الْاِحْرَامِ بِهٖ وَالْاَفْضَلُ يَوْمُ النَّحْرِ **فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ** الْهَدْىَ لِفَقْدِهٖ اَوْ فَقْدِ ثَمَنِهٖ **فَصِيَامُ** اَىْ فَعَلَيْهِ صِيَامُ **ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ** اَىْ فِىْ حَالِ اِحْرَامِهٖ فَيَجِبُ حِيْنَئِذٍ اَنْ يُّحْرِمَ قَبْلَ السَّابِعِ مِنْ ذِى الْحِجَّةِ وَالْاَفْضَلُ قَبْلَ السَّادِسِ لِكَرَاهَةِ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ لِلْحَاجِّ وَلَا يَجُوْزُ صَوْمُهَا اَيَّامَ التَّشْرِيْقِ عَلٰى اَصَحِّ قَوْلَىِ الشَّافِعِىِّ **وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ** ط اِلٰى وَطَنِكُمْ مَكَّةَ اَوْ غَيْرِهَا وَقِيْلَ اِذَا فَرَغْتُمْ مِنْ اَعْمَالِ الْحَجِّ وَفِيْهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ **تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ** ط جُمْلَةٌ تَاكِيْدٌ لِمَا قَبْلَهَا **ذٰلِكَ** الْحُكْمُ الْمَذْكُوْرُ مِنْ وُّجُوْبِ الْهَدْىِ اَوِ الصِّيَامِ عَلٰى مَنْ تَمَتَّعَ **لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** ط بِاَنْ لَّمْ يَكُوْنُوْا عَلٰى مَرْحَلَتَيْنِ مِنَ الْحَرَمِ عِنْدَ الشَّافِعِىِّ فَاِنْ كَانَ فَلَا دَمَ عَلَيْهِ وَلَا صِيَامَ وَاِنْ تَمَتَّعَ وَفِىْ ذِكْرِ الْاَهْلِ اِشْعَارٌ بِاشْتِرَاطِ الْاِسْتِيْطَانِ فَلَوْ اَقَامَ قَبْلَ اَشْهُرِ الْحَجِّ وَلَمْ يَسْتَوْطِنْ وَتَمَتَّعَ فَعَلَيْهِ ذٰلِكَ وَهُوَ اَحَدُ الْوَجْهَيْنِ عِنْدَنَا وَالثَّانِىْ لَا وَالْاَهْلُ كِنَايَةٌ عَنِ النَّفْسِ وَاُلْحِقَ بِالْمُتَمَتِّعِ فِيْمَا ذُكِرَ بِالسُّنَّةِ الْقَارِنُ وَهُوَ مَنْ يُّحْرِمُ بِالْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ مَعًا اَوْ يُدْخِلُ الْحَجَّ عَلَيْهَا قَبْلَ الطَّوَافِ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** فِيْمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖ وَيَنْهٰكُمْ عَنْهُ **وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ** ﴿۱۹۶﴾ لِمَنْ خَالَفَهٗ ۔

۲۴ ع ۸ ۸

ترجمہ: .... اور حج وعمرہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا پورا کرلیا کرو (حقوق کے ساتھ دونوں کو ادا کیا کرو) پھر اگر روک دیئے جاؤ (دشمن کی وجہ سے ان کی ادائیگی پوری نہ کرسکو) تو پھر جیسا کچھ میسر (آسان) ہو۔ ایک جانور کی قربانی (تم پر ہے یعنی بکری کی) اور اپنے سروں کو مت منڈ واؤ (یعنی حلال نہ ہو) تاوقتیکہ قربانی (مذکور) کا جانور اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے (جہاں اس کو ذبح کیا جائے گا اور وہ

رکنے کی جگہ ہے امام شافعیؒ کے نزدیک۔ چنانچہ حلال ہونے کی نیت سے وہیں اس کو ذبح کرکے مساکین پر خیرات کردے اور سر منڈوا ڈالے حلال ہو جائے گا) ہاں اگر کوئی شخص تم میں سے بیمار ہو جائے یا اسے سر کی تکلیف کی وجہ سے کوئی مجبوری ہو (مثلاً جوئیں پڑ جائیں یا دردِ سر ہو جائے اور سر منڈوا ڈالے) تو فدیہ ہے (اس پر) وہ روزے ہیں (تین روزے) یا صدقہ دے (تین صاع غلہ جو وہاں کا اکثر رواجی ہو۔ چھ مسکینوں پر تقسیم کردے) یا جانور کی قربانی کرے (یعنی بکری کی قربانی کرے اور لفظ او اختیار کے لئے ہے اور اس میں وہ صورت بھی لاحق کردی جائے گی۔ اگر کسی نے بلا عذر سر منڈا ڈالا تو بدرجہ اولی اس کو کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ علیٰ ہذا کسی نے حلق کے علاوہ اگر خوشبو یا سلا ہوا لباس یا تیل استعمال کرکے فائدہ حاصل کرلیا عذر ہو یا بلا عذر کے وہ بھی اس حکم میں داخل ہے) پھر اگر تم امن کی حالت میں ہو (دشمن چلا جائے یا نہ رہے) تو جو شخص نفع (فائدہ) اٹھائے عمرہ سے (یعنی عمرہ سے فراغت کے سبب اور ممنوعاتِ احرام جائز ہو جانے سے) اس کو حج کے ساتھ ملا کر یعنی احرام حج کے ساتھ اس طرح ملا دے کہ عمرہ کا احرام یا حج میں باندھ دے) پھر تو جو کچھ قربانی میسر (آسان) ہو (اس پر لازم ہے یعنی احرام کے بعد ایک بکری ذبح کرے جس کے لئے افضل قربانی کا دن ہے) پھر جس شخص کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو (جانور ملنے کی وجہ سے یا قیمت پاس نہیں ہے) تو روزے ہیں (یعنی اس پر) تین روز کے روزے ہیں حج کے زمانہ میں (یعنی بحالتِ احرام تمتع اس لئے ساتویں ذی الحجہ سے پہلے احرام باندھنا اس پر لازم ہے اور بہتر چھٹی تاریخ سے پہلے ہے کیونکہ نویں تاریخ عرفہ کا روزہ حجاج کے لئے مکروہ ہے اور امام شافعیؒ کے اصح قولین پر ایام تشریق میں ان کے لئے روزے جائز نہیں ہیں) اور سات روزے جب کہ حج سے تمہارے لوٹنے کا وقت آ جائے (اپنے وطن مکہ وغیرہ کی طرف اور بعض نے رجعتم کے معنی یہ لئے ہیں کہ جب تم افعالِ حج سے فارغ ہو جاؤ بہرحال اس صیغہ میں غائب سے حاضر کی طرف التفات ہے) یہ کامل دس روزے ہوئے (یہ جملہ ماقبل کی تاکید کے لئے ہے) یہ (مذکورہ حکم متمتع پر قربانی یا روزوں کا) اس شخص کے لئے ہے جس کے اہل مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں (حرم سے ان کا فاصلہ دو مرحلوں (مدتِ سفر قصر) سے کم ہو امام شافعیؒ کے نزدیک اور اگر اتنی مسافت ہو تو اگرچہ تمتع کرلیا ہو تب بھی اس پر قربانی یا روزہ واجب نہیں ہوگا۔ اور اہل کی شرط لگانے میں وطن بنالینے کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ اگر ایام حج سے پہلے کسی نے قیام کیا مگر وطن نہیں بنالیا اور تمتع کی نیت کی تو اس پر قربانی وغیرہ واجب ہوگی۔ امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے اور دوسرے قول میں اس پر واجب نہیں ہے اور اھل کنایہ ہے اپنے نفس سے متمتع مذکورہ کے حکم میں بحکم سنت قارن بھی داخل ہے۔ یعنی جس نے حج وعمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھا ہو یا طواف عمرہ سے پہلے احرام حج باندھ لیا ہو) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (جو احکام تم کو دیئے گئے ہیں اور جن باتوں سے تم کو روکا ہے ان سب میں) اور اس سے غافل نہ رہو کہ اللہ تعالیٰ بلا شبہ سخت سزا دینے والے ہیں (خلاف کرنے والے کو)۔

تحقیق وترکیب: .... **بعدو** یہ امام شافعی کی رائے ہے کہ وہ احصار کو دشمن کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک احصار عام ہے بیماری ہے یا دشمن وغیرہ۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے **من کبرا وعرج فقد حل فعلیه الحج من قابل** اور لغۃً بھی امن کا اطلاق بری **من المرض والعدو** پر آتا ہے۔ تیسر معنی استیسر میں ست طلب کا نہیں ہے **لاتتحللوا** یعنی حلق کنایہ ہے حلال ہونے سے۔ امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ صرف سر منڈانے سے حلال ہو جاتا ہے قربانی سے نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک محصر پر حلق وقصر واجب ہی نہیں ہے وہ صرف ذبح ہی سے حلال ہو جاتا ہے۔ **محله** امام شافعیؒ کے نزدیک **محله** سے مراد محل احصار ہے عام اس سے کہ حل ہو یا حرم۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرم مراد ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ ہدی کا حرم میں پہنچنا جب تک معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک حلال نہ ہو۔ امام شافعیؒ کا مستدل یہی واقعہ حدیبیہ ہے کہ آنحضرت ﷺ محصر تھے۔ آپ نے وہیں قربانی فرمائی اور حدیبیہ حرم سے باہر حل میں داخل ہے لیکن حنفیہ کہتے ہیں حدیبیہ کا بعض حصہ حرم میں داخل ہے۔ چنانچہ علامہ واقدی کہتے ہیں کہ مکہ سے نو میل

کے فاصلہ پر حدیبیہ حرم کا حصہ ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے حرم میں ذبح کرنے کی تصریح بھی زہری کی روایت میں ہے۔ بہر حال امام شافعیؒ کے نزدیک مکان احصار ہی میں حلق وقربانی کی جائے گی اور حنفیہ کے نزدیک حرم میں قربانی ضروری ہے جانور کسی کے ہاتھ بھیج کر تعیین بھی کر لی جائے کہ فلاں وقت قربانی کر دینا اور اندازہ کر کے اسی وقت حلال ہو جائے **ففدیة** ، **فدیة** اور **فما استیسر** اور **فصیام** یہ سب مبتداء محذوف الخبر ہیں۔ای **علیه** اور **بلد** سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ **صدقة** تین صاع گیہوں چھ مسکینوں پر بحساب نصف صاع فی مسکین دیا جائے اور جَو یا کھجور چھ صاع بحساب ایک صاع ہر مسکین کو دیا جائے۔ **بالعمرة** باسببیہ اور تمتع کا تعلق محذوف ہونے کی طرف جلال محققؒ نے اشارہ کیا ہے "**محظورات الا حرام**" اور با کو صلہ تمتع بھی کہا جا سکتا ہے یعنی جو شخص ایام حج میں حج کے نفع حاصل کرنے سے پہلے عمرہ سے نفع حاصل کرے یا تقدیر عبارت ایسے ہو **فمن تمتع بالعمرة مقرونة مضمومة الی الحج** ۔

من الهدی. ادنیٰ درجہ بکری ہے، گائے اور اونٹ بھی جائز ہے اور حنفیہ کے نزدیک دم تمتع دم شکر ہوتا ہے اس کو متمتع خود بھی کھا سکتا ہے اور قربانی کی طرح یوم النحر میں ذبح کرلے۔ لیکن یہ قربانی واجبہ کے قائم مقام نہیں ہو جائے گی۔ وہ علیحدہ کرنی پڑے گی۔ **ما استیسر** کی خبر علیہ محذوف ہے۔ **فصیام** اگر چھ (۶) ذی الحجہ سے روزہ شروع کر دیا جائے گا تو آٹھویں تاریخ کو روزہ کی کراہت سے امام شافعیؒ کے نزدیک محفوظ رہ جائے گا۔ ابوداؤد کی روایت ہے **نهی عن صوم یوم عرفة** لیکن حنفیہ کے نزدیک مطلقاً کراہت نہیں ہے۔ بلکہ صرف اس شخص کے لئے مکروہ ہے جس کو روزہ باعث دشواری اور تکلیف دہ ہو۔ اسی طرح ایام تشریق میں روزوں کی ممانعت حنفیہ اور شوافع کے نزدیک بالاتفاق ہے حدیث ممانعت کی وجہ سے۔ لیکن امام مالکؒ، امام احمدؒ کی رائے اور امام شافعیؒ کا قول قدیم جواز کا ہے۔ دارقطنی کی روایت ابن عمرؓ سے پیش کرتے ہیں جس میں متمتع کے لئے اگر ہدی نہ ملتی ہو تو آپ نے ایام تشریق کے روزوں کی اجازت فرمائی ہے۔

اذا رجعتم اس کی تفسیر علماء کی مابین اختلاف ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک افعال حج سے فراغت کے معنی ہیں چنانچہ مکہ ہی میں یا راستہ میں سات روزے پورے کر سکتا ہے۔ امام شافعیؒ کا قول بھی یہی ہے اور بعض کے نزدیک رجوع سے مراد اہل اور وطن میں پہنچنا ہے۔ امام شافعیؒ کا قول یہی ہے اور ابن عباس سے منقول ہے۔ پھر بعض نے وطن پہنچنے میں توسع کیا ہے کہ راستہ بھی اس میں داخل ہے۔ **تلک عشرة** چونکہ او تخییر اور اباحت کے لئے بھی آتا ہے جو یہاں درست نہیں ہے اس لئے اس احتمال کو منقطع کرنے کے لئے یہ جملہ لایا گیا یا حسابی لحاظ سے یہ نکتہ پیش نظر ہوگا مجموعی ٹوٹل بھی بیان کر دیا جائے تو اجمال وتفصیل کے دونوں پہلو مکمل ہو جاتے ہیں۔ بالخصوص جبکہ عرب کے امیوں کی جماعت حساب وکتاب کے معاملہ میں مبتدی ہو **مائته** اور **الف** سے آگے اعداد کے لئے الفاظ بھی وضع نہ ہوں۔ **ذلک** کا مشار الیہ جلال محققؒ نے اپنے مذہب کی رعایت سے حکم مذکور قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک آفاقی کی طرح مکی کے لئے بھی تمتع اور قران کی اجازت ہے لیکن یہ مکی متمتع حکمی ہوگا اس پر دم تمتع واجب نہیں کہتے اور امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک یہ دونوں حق صرف آفاقی کے لئے ہیں مکی کے لئے صرف حج افراد ہے۔ کیونکہ عمرہ کی سہولتیں اس کو ہر وقت حاصل ہیں۔ باہر کے حجاج کے پاس ایک بہت مختصر اور محدود وقت ہوتا ہے ان کو محروم کرنا یا ان کی مشکلات میں اضافہ کرنا مناسب نہیں ہے اس کے باوجود اگر کسی مکی نے تمتع یا قران کیا تو اس کے دم جنایت دینا پڑے گا۔ اس لئے **ذلک** کا اشارہ تمتع کی طرف ہے اگر اس سے مراد بقول امام شافعیؒ دم ہوتا تو بجائے **ذلک** کے من کہنا چاہئے تھا۔

حاضری المسجد امام مالکؒ کے نزدیک صرف اہل مکہ حضار مسجد ہوں گے۔ امام طحاویؒ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے اور طاؤس کی رائے ہے کہ صرف اہل حرم مراد ہیں اور امام اعظمؒ کے نزدیک مکی اور میقاتی لوگ حاضرین مسجد کہلائیں گے۔ جلال محققؒ نے **جوهو حلتان** کی قید لگائی ہے یہ امام شافعیؒ کی رائے ہے۔ ان کے نزدیک مدت سفر سے کم مسافت پر مکہ سے جو لوگ رہتے ہیں وہ بھی حاضرین میں شمار

ہوں گے۔

ولاھــل مفسر نے اھل کنایہ نفس سے کیا ہے مگر یہ درست نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ یہ اس محرم کے لئے ہے کہ اس کا نفس یعنی وہ خود محرم مسجد حرام کا باشندہ نہ ہو۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اہل سے مراد بیوی بچے لئے جائیں۔

ربط :............ پچھلی آیت میں حرم احرام اشہرحرم میں جنگ چھڑ جائے تو اس گتھی کو سلجھایا تھا۔ اس آیت میں جنگ وغیرہ کی وجہ سے حج وعمرہ میں رکاوٹ پڑ جائے جس کو احصار کہتے ہیں تو کیا کرنا چاہئے؟ حج وعمرہ کا اتمام اوران کا اجتماع جس کو تمتع وقران کہتے ہیں یہ تین مسئلے بیان کئے جارہے ہیں گویا یہ گیارہواں حکم ہے۔

شانِ نزول:............ لباب النقول میں ہے صفوان بن امیہ سے تخریج کی ہے کہ ایک شخص زعفران لگائے ہوئے، جبہ پہنے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عمرہ کے بارہ میں دریافت کیا تو اس پر آیت **واتموا الحج و العمرۃ** نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے عمرہ کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا **ثم ماکنت مانعًا فی حجک فاصنعہ فی عمرتک** اور امام بخاریؒ نے کعب ابن عجرہؓ سے نقل کیا ہے کہ کعبؓ نے **ففدیۃ من صیام** کے بارہ میں دریافت کیا اور ان کے سر میں اس قدر جوئیں تھیں کہ چہرہ پر چل رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں بکری میسر ہے؟ عرض کیا نہیں، آپؐ نے فرمایا کہ تین روزے رکھ لو یا چھ مسکینوں کو فی مسکین نصف صاع غلہ دے دو۔

﴿تشریح﴾:............ عمرہ سنت اور حج فرض ہے:............ حنفیہ کے نزدیک عمرہ سنت مؤکدہ ہے اور صاحب استطاعت پر حج فرض ہے۔ لیکن اگر باوجود فرض نہ ہونے کے حج یا عمرہ شروع کردیا جائے تو پھر بالاتفاق فرض وواجب ہوجاتے ہیں۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک حج وعمرہ، دونوں یکساں فرض ہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل وجوب:............ اور استدلال میں اتموا امر کے صیغہ کو پیش کرتے ہیں جو وجوب کے لئے آتا ہے لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ آیت میں بعد الشروع اتمام کو بیان کیا جارہا ہے اور اس کے ہم منکر نہیں جیسے نفل نماز کا اہتمام شروع کرنے کے بعد واجب ہوجاتا ہے یہی حال عمرہ کا ہے لیکن ابتدأً وجوب اس سے کہاں لازم آیا۔ دوسرے ممکن ہے امر کا تعلق قید کمال وتمام سے ہو یعنی حج وعمرہ مکمل طور پر خالصا لوجہ اللہ کیا کرو، جیسے ارشاد نبوی ہے **بیعوا سواءً** اس میں وجوب بیع نہیں ہے بلکہ بیع میں برابری کرنا واجب ہے۔

حنفیہ کی دلیل عدم وجوب:............ ابتدأً عمرہ کے واجب نہ ہونے کی دلیل حنفیہ کے لئے وہ روایت ہے جو ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے خود آنحضرت ﷺ سے عمرہ کے متعلق دریافت کیا کہ یہ واجب ہے یا نہیں آپ نے فرمایا **لا وان تعتمر واخیر لکم**۔

احصار کی شرح اور اس کے احکام:............ اسی طرح حنفیہ کے نزدیک احصار عام ہے۔ خواہ دشمن کے خوف سے ہو یا راستہ کی بدامنی اور بیماری کی زیادتی سے ہو۔ ہرصورت میں حلال ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی معتبر شخص سے کہہ دے کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت ایک جانور بکری یا گائے یا اونٹ میری طرف سے حرم میں ذبح کردینا۔ اگر حج افراد کی نیت ہو تو ایک جانور اور تمتع اور قران ہو تو دو دو جانور اسی طرح ذبح کرانے کو کہہ دے۔ جب مقررہ وقت آجائے اور گمان غالب یہ ہو کہ اس نے قربانی کردی ہوگی چاہے قربانی کے دنوں سے پہلے ہی کی تاریخ ہو تو مرد اپنا سر منڈا ڈالے یا قصر کرالے اور عورت ہو تو سر منڈانا حرام ہے۔ اس کو ایک ایک انگل بال کاٹ

لینا چاہئیں۔ احرام کی وجہ سے جتنی چیزیں حرام ہوگئیں تھیں اب سب حلال ہو جائیں گی۔ اس کے بعد رکاوٹ دور ہونے پر حج وعمرہ کی قضاء کرنی پڑے گی۔ البتہ اس احصار کے علاوہ کسی دوسری مجبوری سے اس کو سر منڈانا پڑے تو اس کو تین باتوں میں سے ایک بات کرلینی چاہئے۔ (۱) بکری ذبح کر کے خیرات کر دے (۲) تین روزے رکھ لے (۳) ۸۰ تولہ فی سیر کے حساب سے ہر مسکین کو پونے دو سیر گیہوں یا دگنے جو بقدر صدقۃ الفطر چھ مسکینوں کو دے دے۔ حنفیہ کے نزدیک ذبح صرف حرم میں ہوگی۔ البتہ روزہ اور صدقہ کے لئے کوئی جگہ معین نہیں ہے نیز ایک مسکین کو پونے دو سیر ہی دینا چاہئے۔ اگر دو حصے ایک فقیر کو دیئے تو وہ ایک ہی حصہ شمار ہوگا۔

حج کی تین قسمیں اور احکام:............ حج کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) حج افراد کہ ایام حج میں صرف حج کا احرام باندھا جائے، یہ آفاقی اور مکی سب کے لئے جائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک سب سے افضل یہی طریقہ ہے۔ (۲) حج تمتع حج اور عمرہ دو الگ الگ احراموں کے ساتھ ایک ہی زمانہ حج میں ادا کئے جائیں۔ بعض ائمہ کے نزدیک سب سے افضل قسم یہی ہے۔ (۳) حج قران زمانہ حج میں ایک ہی احرام کے ساتھ حج اور عمرہ دونوں کی نیت کی جائے۔ حنفیہ کے نزدیک سب سے افضل قسم یہی ہے۔ کیونکہ مشقت اور کام سب سے زیادہ اس میں ہے۔ تمتع اور قران دونوں حنفیہ کے نزدیک صرف آفاقی کے لئے ہیں جو میقات کی حدود سے باہر کا رہنے والا ہو۔ حدود کے اندر رہنے والے کے لئے اجازت نہیں ہے۔ ذلک لمن لم یکن سے معلوم ہوا کہ جو لوگ شیخ کی خدمت میں پہلے سے حاضر رہتے ہوں ان کو چاہئے کہ دوسرے آنے والے واردین مسافرین کا جو شیخ کے پاس آئیں خیال اور رعایت رکھیں یعنی ان کو موقع دیں۔

اَلْحَجُّ وَقْتُهٗ **اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ** شَوَّالٌ وَذُو الْقَعْدَةِ وَعَشَرُ لَيَالٍ مِنْ ذِى الْحِجَّةِ وَقِيْلَ كُلُّهٗ **فَمَنْ فَرَضَ** عَلٰى نَفْسِهٖ **فِيْهِنَّ الْحَجَّ** بِالْاِحْرَامِ بِهٖ **فَلَا رَفَثَ** جِمَاعَ فِيْهِ **وَلَا فُسُوْقَ** مَعَاصِىَ **وَلَا جِدَالَ** خِصَامَ **فِى الْحَجِّ** وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الْاَوَّلَيْنِ وَالْمُرَادُ فِى الثَّلٰثَةِ النَّهْىُ **وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ** كَصَدَقَةٍ **يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ** فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ وَنَزَلَ فِىْ اَهْلِ الْيَمَنِ وَكَانُوْا يَحُجُّوْنَ بِلَازَادٍ فَيَكُوْنُوْنَ كَلًّا عَلَى النَّاسِ **وَتَزَوَّدُوْا** مَا يُبَلِّغُكُمْ بِسَفَرِكُمْ **فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى** مَا يُتَّقٰى بِهٖ سُؤَالَ النَّاسِ وَغَيْرِهٖ **وَاتَّقُوْنِ يٰاُولِى الْاَلْبَابِ** ﴿۱۹۷﴾ ذَوِى الْعُقُوْلِ **لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِىْ اَنْ تَبْتَغُوْا** تَطْلُبُوْا **فَضْلًا** رِزْقًا **مِّنْ رَّبِّكُمْ** بِالتِّجَارَةِ فِى الْحَجِّ نَزَلَ رَدًّا لِكَرَاهَتِهِمْ ذٰلِكَ **فَاِذَآ اَفَضْتُمْ** دَفَعْتُمْ **مِّنْ عَرَفٰتٍ** بَعْدَ الْوُقُوْفِ بِهَا **فَاذْكُرُوا اللّٰهَ** بَعْدَ الْمَبِيْتِ بِمُزْدَلِفَةَ بِالتَّلْبِيَةِ وَالتَّهْلِيْلِ وَالدُّعَاءِ **عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ** هُوَ جَبَلٌ فِىْ اٰخِرِ الْمُزْدَلِفَةِ يُقَالُ لَهٗ قُزَحُ وَفِى الْحَدِيْثِ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ بِهٖ يَذْكُرُ اللّٰهَ وَيَدْعُوْهُ حَتّٰى اَسْفَرَ جِدًّا رَوَاهُ مُسْلِمٌ **وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ** لِمَعَالِمِ دِيْنِهٖ وَمَنَاسِكِ حَجِّهٖ وَالْكَافُ لِلتَّعْلِيْلِ **وَاِنْ** مُخَفَّفَةٌ **كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ** قَبْلَ هُدَاهُ **لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ** ﴿۱۹۸﴾ **ثُمَّ اَفِيْضُوْا** يَا قُرَيْشُ **مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ** اَىْ مِنْ عَرَفَةَ بِاَنْ تَقِفُوْا بِهَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا يَقِفُوْنَ بِالْمُزْدَلِفَةِ تَرَفُّعًا عَنِ الْوُقُوْفِ مَعَهُمْ وَثُمَّ لِلتَّرْتِيْبِ فِى الذِّكْرِ **وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ** مِنْ ذُنُوْبِكُمْ **اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لِلْمُؤْمِنِيْنَ **رَّحِيْمٌ** ﴿۱۹۹﴾ بِهِمْ **فَاِذَا قَضَيْتُمْ** اَدَّيْتُمْ **مَّنَاسِكَكُمْ** عِبَادَاتِ حَجِّكُمْ بِاَنْ رَمَيْتُمْ جَمْرَةَ

الْعَقَبَةِ وَحَلَقْتُمْ وَطُفْتُمْ وَاسْتَقَرَرْتُمْ بِمِنٰى **فَاذْكُرُوا اللّٰهَ** بِالتَّكْبِيرِ وَالثَّنَاءِ **كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ** كَمَا كُنْتُمْ تَذْكُرُونَهُمْ عِنْدَ فَرَاغِ حَجِّكُمْ بِالْمَفَاخِرِ **اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا** مِنْ ذِكْرِكُمْ اِيَّاهُمْ وَنَصْبُ اَشَدَّ عَلَى الْحَالِ مِنْ ذِكْرِ الْمَنْصُوبِ بِاُذْكُرُوا اِذْ لَوْ تَأَخَّرَ عَنْهُ لَكَانَ صِفَةً لَهُ **فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا** نَصِيْبَنَا **فِي الدُّنْيَا** فَيُؤْتَاهُ فِيْهَا **وَمَالَهُ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ** ﴿۲۰۰﴾ نَصِيبٍ **وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً** نِعْمَةً **وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً** هِيَ الْجَنَّةُ **وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ** ﴿۲۰۱﴾ بِعَدَمِ دُخُوْلِهَا وَهٰذَا بَيَانٌ لِمَا كَانَ عَلَيْهِ الْمُشْرِكُوْنَ وَلِحَالِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْقَصْدُ بِهِ الْحَثُّ عَلٰى طَلَبِ خَيْرِ الدَّارَيْنِ كَمَا وَعَدَ بِالثَّوَابِ عَلَيْهِ بِقَوْلِهٖ **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ** ثَوَابٌ **مِّمَّا كَسَبُوْا** اَجْلِ عَمِلُوْا مِنَ الْحَجِّ وَالدُّعَاءِ **وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ** ﴿۲۰۲﴾ يُحَاسِبُ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ فِيْ قَدْرِ نِصْفِ نَهَارٍ مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا لِحَدِيْثٍ بِذٰلِكَ **وَاذْكُرُوا اللّٰهَ** بِالتَّكْبِيْرِ عِنْدَ رَمْيِ الْجَمَرَاتِ **فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ** اَيْ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ الثَّلَاثَةِ **فَمَنْ تَعَجَّلَ** اَيْ اسْتَعْجَلَ بِالنَّفَرِ مِنْ مِنٰى **فِيْ يَوْمَيْنِ** اَيْ فِيْ ثَانِيْ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ بَعْدَ رَمْيِ جِمَارِهٖ **فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ** بِالتَّعْجِيْلِ **وَمَنْ تَاَخَّرَ** بِهَا حَتّٰى بَاتَ لَيْلَةَ الثَّالِثِ وَرَمٰى جِمَارَهٗ **فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ** بِذٰلِكَ اَيْ هُمْ مُخَيَّرُوْنَ فِيْ ذٰلِكَ وَنَفْيُ الْاِثْمِ **لِمَنِ اتَّقٰى** اللّٰهَ فِيْ حَجِّهٖ لِاَنَّهُ الْحَاجُّ عَلَى الْحَقِيْقَةِ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ** ﴿۲۰۳﴾ فِي الْاٰخِرَةِ فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ

ترجمہ:.......... حج (کا زمانہ) چند مقررہ مہینے ہیں (شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ کی دس راتیں اور بعض کے نزدیک پورا ذی الحجہ) چنانچہ جو شخص مقرر کرلے (اپنے اوپر) ان دنوں میں حج (احرام باندھ کر) پھر نہ کوئی فحش بات (جماع) ہے اور نہ کوئی حکم عدولی (نافرمانی) ہے اور نہ کسی طرح کا جھگڑا (تکرار) ہے۔ حج کے ساتھ (اور ایک قرأت میں رفث اور فسوق میں فتح پڑھا گیا ہے اور ان تینوں لفظوں سے مراد دراصل نہی ہے) اور جو نیک کام (صدقہ وغیرہ) کروگے اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں ہیں (اس لئے وہ تم کو اس کا بدلہ عنایت فرمائیں گے اور اہل یمن جو بلا سروسامان حج کے لئے نکل پڑتے تھے اور لوگوں پر بار بنتے تھے۔ ان کے متعلق حکم نازل ہوا کہ) اور سروسامان ضرور ساتھ لے جایا کرو (سفر میں جو کچھ حاصل ہوتا رہے) کیونکہ سب سے بڑی بات خرچ میں بچا رہنا ہے (لوگوں سے سوال وغیرہ کا پرہیز رکھنا ہے) اور مجھ سے ڈرتے رہو اے دانشمندو! (ذی عقل لوگو! اس میں) تمہارے لئے کوئی گناہ کی بات نہیں ہے کہ تلاش (طلب) کرو اپنے پروردگار کے فضل (رزق) کو (حج میں بذریعہ تجارت جو لوگ اس کو مکروہ سمجھتے تھے ان کے جواب میں یہ حکم نازل ہوا ہے) پس جب واپس ہونے (لوٹنے) لگو عرفات سے (وقوف عرفہ کے بعد) تو اللہ کا ذکر کیا کرو (مزدلفہ میں شب باشی کرکے تلبیہ اور لا الٰہ الا اللہ اور دعا کرتے رہا کرو) مشعر حرام کے پاس (یہ مزدلفہ کے آخر میں پہاڑ ہے جس کو قزح کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس پر قیام فرمایا اور اچھی خاصی صبح ہونے تک ذکر اللہ اور دعا میں مشغول رہے۔ رواہ مسلم) اور اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو بتلا رکھا ہے (احکام دین اور مسائل حج اور کاف کما میں تعلیلیہ ہے) اور فی الحقیقت (ان مخففہ

من المشقلة سے ان نافیہ نہیں ہے) اس (ہدایت سے پہلے) تم بھی ناواقف محض تھے پھر تمہارے لئے ضروری ہے (اے قریش!) کہ اس جگہ ہو کر واپس آؤ جہاں اور لوگ جا کر واپس آتے ہیں (یعنی عرفہ سے۔ اس طرح کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ وقوف بعرفہ کرو۔ قریشی دوسروں کے ساتھ وقوف کرنے سے خود کو بالا سمجھتے ہوئے مزدلفہ میں وقوف کیا کرتے تھے۔ ثـم یہاں ترتیب ذکری کے لئے ہے) اللہ تعالیٰ کے سامنے (اپنے گناہوں سے) توبہ کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف کردیں گے (مؤمنین کو) اور (ان پر) رحم فرمادیں گے۔ پھر جب تم پورے (ادا) کرلیا کرو اپنے اعمال (عبادات حج کو اور جمرہ عقبہ کی رمی اور حلق سے فارغ ہو جاؤ اور طواف کر کے منیٰ میں قیام پذیر ہو گئے ہو) تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو (تکبیر وثنا کی صورت میں) جس طرح تم اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کیا کرتے ہو (چنانچہ حج سے فراغت کے بعد ان کے مفاخر بیان کیا کرتے تھے) بلکہ یہ ذکر اس سے بڑھ کر ہونا چاہئے (یعنی تمہارے اپنے آباؤ اجداد کے ذکر سے اور لفظ اشد منصوب ہے ذکر سے حال ہونے کی بناء پر جواذکـروا کی وجہ سے منصوب ہے اور مقدم اس لئے ہے کہ اگر مؤخر کردیا جاتا تو پھر لفظ اشد ذکر کی صفت بن جاتا) پھر بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو دے دیجئے (ہمارا حصہ) دنیا میں (چنانچہ وہ ان کو دنیا میں دے دیا جاتا ہے اور ایسے شخص کے لئے آخرت میں کچھ حصہ (نصیب) نہیں ہوگا اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو عنایت فرما دیجئے دنیا میں بہتری (نعمت) اور آخرت میں بھی بہتری (جنت) اور ہم کو بچا لیجئے عذاب دوزخ سے (اس میں داخل نہ کیجئے یہ بیان حال ہے مشرکین اور مؤمنین کا اور مقصد اس سے ترغیب دینا ہے خیر دارین کی طلب کی۔ چنانچہ اس پر ثواب کا وعدہ بھی فرمایا جارہا ہے کہ) ایسے لوگوں کو بڑا حصہ (ثواب) ملے گا ان کے اعمال کی بدولت، جو کام حج میں کئے اور دعائیں مانگیں) اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والے ہیں (تمام مخلوق کا حساب دنیا کے آدھے دن کے برابر وقت میں چکا ڈالیں گے۔ جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے) اور ذکر اللہ کرو (رمی جمرات کے وقت تکبیرات پڑھو) گئی روز تک (تین دن تشریق کے) پھر جو شخص جلدی کرنا چاہے (یعنی منیٰ سے جلد رخصت ہونا چاہے) دو روز میں (رمی جمار کے بعد ایام تشریق کے دوسرے روز) اس پر کچھ گناہ نہیں (جلدی کرنے کا) اور جو شخص ان دو دن میں تاخیر کرنا چاہے (حتیٰ کہ ایام تشریق کی تیسری شب بھی گزار دے اور رمی جمار کرے) تو اس پر بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے (اس تاخیر کی وجہ سے یعنی ہر طرح کا لوگوں کو اس میں اختیار ہے اور گناہ نہ ہونا) اس شخص کے لئے جو ڈرتا رہے (اللہ سے حج میں کیونکہ فی الحقیقت حاجی وہی ہے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اس بات سے غافل نہ رہو کہ بلاشبہ تم سب کو اللہ ہی کے پاس جمع ہونا ہے آخرت میں اور وہ تم سب کو تمہارے کئے کی پاداش پر پہنچائے گا)

تحقیق وترکیب: .... الحج بتقدیرالمضاف ای وقت الحج . معلومات شوال، ذیقعدہ، توبالاتفاق اشہر حج ہیں۔ ذی الحجہ میں تین قول ہیں ایک امام شافعیؒ کا جو مفسر جلالؒ نے ذکر کیا یعنی دس راتیں اور دسواں دن ذی الحجہ کا اس میں داخل نہیں ہے کیونکہ احرام کا آخری وقت اس رات تک ہے اس کے بعد نہیں ہے۔ اور شوال سے پہلے بھی احرام جائز نہیں ہے۔ دوسرا قول امام اعظمؒ کا ہے دس دن پورے ذی الحجہ کے ہیں یعنی دسویں تاریخ کا دن بھی اس میں داخل ہے۔ کیونکہ حج کے مناسک اور افعال دن میں بھی کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح شوال سے پہلے احرام مع الکراہتہ جائز ہے مگر افعال حج پہلے ادا نہیں کیئے جائیں گے۔ چنانچہ اگر کسی نے رمضان میں طواف قدوم اور سعی بین الصفا والمروہ کرلی تو یہ کافی نہیں ہوگا۔ بلکہ سعی واجب کا استیناف کرنا پڑے گا۔ نیز وقت کی تحدید کا مطلب امام کے نزدیک یہ ہے کہ ان ایام سے پہلے افعال حج نہ کیے جائیں۔ یہ مطلب نہیں کہ مؤخر بھی نہ کیئے جائیں۔ چنانچہ طواف زیارت دس تاریخ کے بعد آخر ماہ تک جائز ہے اور تیسرا قول امام مالکؒ کا مفسر نے نقل کیا ہے یعنی پورا ذی الحجہ چنانچہ طواف زیارت آخر ماہ تک کرنا جائز ہے۔

بالاحرام امام شافعیؒ کے نزدیک تصحیح احرام کے لئے نیت ضروری ہے اور حنفیہ کے نزدیک تلبیہ یا سوق ہدی سے بھی احرام درست ہوجاتا ہے۔ وفی قراءة ابن کثیر اور ابوعمرو کی قرأت میں اولین کا رفع اور تیسرے کا فتح اور دونوں قراء کے علاوہ کے نزدیک سب کا فتح ہے اور نفی بمعنی نہی مبالغہ کے لئے ہے۔ فی الحج ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لاتے میں اشارہ اس کی اہمیت اور علت حکم کی طرف ہے کہ بیت اللہ کی زیارت اس بات کی متقاضی ہے کہ ان خرافات کو چھوڑا جائے۔

من خیر. شرور سے ممانعت کے بعد خیر کی ترغیب دی گئی ہے اور اسی لئے علم کا تعلق خاص چیز کو فرمایا گیا ہے ورنہ خیر وشر دونوں کا علم خدا تعالیٰ کو ہے۔ ان تبتغوا سے پہلے فی مقدر نکال کر ظرف کی طرف بحذف الجار اشارہ کردیا ہے۔ اِنَّ اور اَنَّ پر قیاس کرتے ہوئے اور اس کا تعلق لاجناح سے ہے۔ افضتم جلال محقق نے افاضہ کے معنی دفع کے لئے ہیں۔ اصل عبارت افضتم انفسکم تھی۔ مفعول کو ترک کردیا گیا ہے۔ کما ھداکم کاف تعلیلیہ۔ ما مصدریہ ای اذکروہ لاجل ھدایتہ ایاکم یا ما کافہ ہے۔ ای اذکروہ ذکرًا حسنا کما ھدٰکم ھدایةً حسنة ثم ترتیب ذکری کے لئے ہے تراخی کے لئے نہیں ہے تاکہ یہ شبہ نہ ہو کہ دفع کا ذکر اللہ سے مقدم ہونا لازم آگیا ہے حالانکہ ذکر اللہ مؤخر ہوتا ہے یا ترتیب ہی کے لئے ہے کہ دونوں افاضوں میں کتنا فرق ہے ایک صحیح اور دوسرا غلط۔

جمرة چھوٹا پتھر جمع جمار، جمرات، جمرۂ اولیٰ، وسطیٰ، عقبیٰ۔ ان کنتم. ای انکم ان مخففہ ہے۔ اسم محذوف ہے متروک العمل ہو گیا ہے اس کے مابعد لام لازم ہے۔ نصب اشد یعنی لفظ حال ہے ذکرًا سے اور اس کے باوجود اس سے مقدم ہے کیونکہ تاخیر کی صورت میں صفت کا شبہ ہوسکتا ہے اور عبارت اس طرح ہوجاتی۔ ذکرًا اشد تو اس صورت میں بلا فاصلہ لفظ ذکر کا تکرار ہوجاتا۔ یعنی فاذکروا اللہ کذکرکم اباء کم او ذکرًا اشد. اس لئے ذکر کو مؤخر کردیا تاکہ کچھ فاصلہ ہوجائے۔

حسنت ای نعمت. مراد برکت وخیر جیسے صحت، بیوی عمدہ، کشادہ مکان، وغیرہ جو چیزیں دین ودنیا میں نافع ہوں۔ حدیث عائشہؓ ہے "سلی العافیة فی الدارین" فمن الناس الخ سے حق تعالیٰ لوگوں کی چار قسمیں بیان فرما رہے ہیں۔ دو قسمیں یہ ہیں اور دو قسمیں آگے آرہی ہیں۔ فی قدر نصف النهار دوسری جگہ انه کلمح البصر آیا ہے۔ مقصود اس سے انتہائی جلدی ہے۔ انسانی سائنس نے جب ایسی مشینری ایجاد کردی ہے کہ بڑی بڑی کمپنیوں کے عظیم حسابات سیکنڈوں میں چیک کرلیتی ہے تو انسان ساز خدا کی قدرت کا کیا ٹھکانہ ہے۔

لحدیث بذلک ابن عباسؓ کی روایت ہے۔ **انما الحساب صخرة لیقیل الاولیاء مع الحور والاعداء مع الشیاطین مقربین.** واذکروا اللہ. تکبیرات تشریق ایام تشریق میں یعنی عرفہ کی نویں تاریخ کی صبح کو نماز کے بعد سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک بقول صاحبین ہر نماز فرض کے بعد مرد، عورت، مقتدی، امام، منفرد پر واجب ہے۔ مردوں پر بلند آواز سے اور عورتوں پر آہستہ۔ نیز اگر امام بھول جائے تو مقتدی پڑھ کر یاد دلادیں اور تینوں جمرات پر ہر مرتبہ رمی کے وقت تکبیر مسنون ہے۔ فی یومین. ای فی ثانی اثنین بتقدیر المضاف۔ چنانچہ دونوں دن نفر نہیں کیا جائے گا۔ ومن تاخر یعنی دونوں دن کے بعد اگر تیسرے روز بھی ٹھہرے اور رمی کرے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ رمی جمرات ثلاثہ کی مشہور وجہ یہ ہے کہ ان مواقع پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو ذبح اسماعیل کے وقت شیطان نے بہکانا چاہا۔ اس پر انہوں نے کنکریوں کی بوچھاڑ کرکے دفع کیا۔ اب عشاق وحجاج کے لئے یہ سنت عاشقانہ رواج پذیر ہوگئی۔ ان ابراهیم کان امة قانتاللہ حنیفا. ھم مخیرون یہ مبتدا محذوف ہے۔ اس کی خبر لمن اتقی ہے یعنی گناہ نہ ہونے میں یہ دونوں صورتیں برابر ہیں اگرچہ تاخیر افضل ہے بمقابلہ تقدیم کے تو یہ فرق افضل مفضول کا ایسا ہی ہے جیسے مسافر کے لئے روزہ وافطار میں اختیار ہے تاہم روزہ افضل ہے لمن اتقی خبر ہے مبتدائے محذوف "ونفی الاثم" کی اور لام اختصاصیہ ہے یا تعلیلیہ یا بیانیہ ہے۔

ربط: .... یہ آیات بھی احکامِ حج کا تتمہ اور تکملہ ہیں جس میں حج کے لئے سروسامان کی تاکید اور وقوف ومزدلفہ ومنٰی کے احکام اور حجاج کے اقسام کا بیان ہے۔

شانِ نزول: .... امام بخاریؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ اہل یمن حج کے لئے بغیر سروسامان نکل کھڑے ہوتے تھے اور خود کو متوکلین علی اللہ کہتے تھے۔ اس پر آیت **وتزودوا** نازل ہوئی۔ **کما بین المفسر العلام** آیت **لیس علیکم** کے ذیل میں امام بخاریؒ نے ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ عکاظ اور مجنۃ اور ذوالمجاز مکہ کے بازار تھے۔ جن میں زمانۂ جاہلیت سے بازار لگتے تھے۔ بسلسلۂ حج لوگوں نے کاروبار میں تامل کا اظہار کیا اور آنحضرت ﷺ سے استفسار کیا اس پر **لیس علیکم جناح ان تبتغوا** نازل ہوئی۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ قریش مزدلفہ میں قیام پذیر ہوتے تھے اور خود کو حمس کہلاتے تھے لیکن عام لوگ عرفات میں جا کر وقوف کرتے۔ اسلام نے آ کر **ثم افیضوا** سے مساوات کا حکم دیا۔

علیٰ ہذا ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ جب لوگ مناسک حج سے فارغ ہوجاتے اور منٰی میں ٹھہرنا ہوتا تو مجالسِ مشاعرہ منعقد ہوتیں اور ان میں آباؤ اجداد کے کارناموں اور مفاخر کا تذکرہ ہوتا۔ اس پر آیت **واذکروا اللہ** کا نزول ہوا۔

علیٰ ہذا ابن ابی حاتم نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ اعراب وقوف کرتے اور یہ دعا پڑھتے **اللّٰھم اجعل لی عام غیث و عام خصب وعام ولاء وحسن** جن میں آخرت کا دھیان تک نہ ہوتا۔ لیکن ان کی جگہ دوسرے مومنین آئے تو یہ دعا کی **ربنا اٰتنا فی الدنیا** الخ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿تشریح﴾: .... **ایام حج:** .... جہاں تک افعال حج کا تعلق ہے ان میں تین باتیں ضروری ہیں۔ (۱) احرام (۲) وقوف عرفہ (۳) طوافِ زیارت۔ احرام کی ابتداء بلا کراہت شوال سے ہوسکتی ہے اور اس سے پہلے مکروہ ہے۔ آخری فعل طوافِ زیارت جو دس ذی الحجہ کو ہوتا ہے اس لئے یہ آخری تاریخ ہوئی۔ بعض واجبات اور بھی بعد کی تاریخوں میں ادا کئے جاتے ہیں۔

احترام حج: .... جو بے حیائی حج سے پہلے جائز تھی جیسے بیوی سے بے حجابی سے پیش آنا جب حج میں اس کی ممانعت ہوگئی تو دیگر فواحش کا کیا محل۔ اسی طرح خوشبو وغیرہ استعمال کرنا، سلے ہوئے کپڑے پہننا، بال کٹانا، یہ باتیں حج سے پہلے بالکل جائز تھیں لیکن جب ان جائز چیزوں کو ناجائز کر دیا گیا تو جو باتیں پہلے ہی سے نافرمانی اور حکم عدولی کی سمجھی جاتی ہیں جیسے تمام معاصی اور گناہ۔ اس موقعہ پر بدرجۂ اولیٰ ان کی ممانعت ہوگئی۔ علیٰ ہذا رفقائے سفر سے لڑائی جھگڑا پہلے ہی برا تھا، حج میں اس کی شدت اور برائی اور بھی بڑھ گئی۔

حقیقی سروسامانِ حج: .... اعمال حق کے لئے سب سے بڑی تیاری یہ ہے کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو، سروسامان کے بغیر ایسے شخص کے لئے حج کو جانا درست نہیں ہے جس میں قوت برداشت نہ ہو اور توکل کی کمی سے اس کو بے صبری اور شکایت میں مبتلا ہوجانے کا اندیشہ ہو، بلکہ خدا پرستی اور دینداری، دنیوی فلاح ومعیشت کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے دونوں میں منافات نہیں ہے۔

کاملِ اور جامع زندگی: .... اسلام ایک ایسی کامل زندگی پیدا کرنا چاہتا ہے جس میں دین ودنیا کی سعادتیں جمع ہوں۔ حج کی مقدس عبادت اس بات سے نہیں روکتی کہ کاروبار تجارت جو اللہ کا فضل ہے اس کو تلاش نہ کرو۔ دنیا کی عالمگیر تباہی یہ تھی کہ اعتدالی راہ سے ہٹ کر افراط وتفریط میں مبتلا ہوگئی تھی۔ ایک طرف دنیا کا انہماک اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ فکر آخرت سے لوگ یک قلم بے پرواہ ہوجاتے تھے۔ دوسری طرف آخرت کے استغراق میں اس قدر غرق اور مدہوش ہوجاتے کہ رہبانیت کی بو آنے لگتی۔ لیکن اسلام کی راہ

حق زندگی کے دوسرے گوشوں کی طرح یہاں بھی وہی اعتدالی رہی ہے کہ صحیح اور جامع زندگی اس کی ہے جو کہتا ہے کہ خدایا دونوں جہان کی بھلائی چاہتا ہوں۔

ازالۂ غلط فہمی:............ البتہ آیت میں دنیا طلبی کے لئے قطعاً گنجائش نہیں ہے اور جامعیت کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ دین کی طرح جس کو ہم دنیا کہتے اور سمجھتے ہیں وہ بھی اس درجہ مطلوب ہو جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ دنیا دنیا باقی نہ رہے اس کو دین میں مدغم کر کے دین بنادیا جائے۔ اس کی حیثیت دنیا باقی نہ رہے بلکہ اس میں روح آخرت کی اور اس پر چھاپ دین کی ہو۔

دنیا مطلوب نہیں ہے:............ چنانچہ آیت میں اٰتنا کا مفعول دنیا نہیں ہے کہ اس کا مطلوب بالذات ہونا سمجھ میں آئے بلکہ مفعول اور مطلوب بالذات حسنہ ہے۔ دنیا تو محل حسنہ اور ظرف ومفعول فیہ ہے یعنی اصل بالذات مطلوب تو افعال حسنہ ہیں مگر صحت، مال، آبرو، جان، کھانا پینا یہ اگر نیکیوں کا ذریعہ ہیں تو مستحسن اور مطلوب بالغرض ہو جائے گی۔ ورنہ دنیا کی طلب میں اگر حلال اور حرام کی حدود شکستہ نہ کی جائیں تو زیادہ سے زیادہ ان کو مباح کہا جا سکتا ہے اور مباح شرعی ہونے سے مطلوب شرعی ہونا لازم نہیں آتا۔

افعالِ حج:............ اب مختصر طور پر حج کا یکجائی بیان مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جس میں آیات سے متعلقہ مسائل واحکام بھی شامل ہوں۔

یوم الترویہ یعنی آٹھویں تاریخ کو مکہ سے تین میل فاصلہ پر منیٰ ہے وہاں جا کر ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور نویں تاریخ کی نماز فجر پانچ نمازیں منیٰ میں ٹھہر کر پڑھنی چاہئیں۔ اس کے بعد منیٰ سے مزدلفہ ہوتے ہوئے جو تین میل پڑتا ہے۔ عرفات پہنچ جانا چاہئے جو مکہ سے تقریباً نو میل اور منیٰ سے چھ میل اور مزدلفہ سے تین میل فاصلہ پر ہے۔ عرفات کا وقوف اصل فرض اور حج کا رکن اعظم ہے اسی پر مدارِ حج ہے۔

جمع بین الصلوٰتین:............ ظہر وعصر یہاں رہ کر پڑھی جائیں۔ اگر شرائط پائی جائیں تو ان کو جمع کیا جائے ورنہ الگ الگ منفرداً یا جماعت سے پڑھ لی جائیں۔ قبیل مغرب یہاں سے مزدلفہ کے لئے واپسی ہوگی اور مغرب وعشاء مزدلفہ ہی میں پہنچ کر جمع کر کے پڑھی جائیں گی۔ اگر کسی نے عرفات یا راستہ میں مغرب پڑھ لی تو واجب الاعادہ ہوگی۔ یہ جمع بین الصلوٰتین مزدلفہ میں واجب ہے۔

مشعر الحرام۔ ایک پہاڑ ہے۔ وادی محسر کو چھوڑ کر سارا مزدلفہ موقف ہے جہاں چاہے ٹھہر جائے۔

قریش کا غرور نسلی:............ قریش غرور نسلی اور نسبی کی وجہ سے تیز تجارت اور کاروبار دنیا کے انہماک کی وجہ سے وہ حج کے لئے عرفات تک جانا بھی اپنے لئے پسند نہیں کرتے تھے بلکہ ''بھاگتوں کی اگاڑی اور مارتوں کی پچھاڑی'' کا مصداق یہیں رہ کر وقوف بعرفہ اور مزدلفہ کر لیتے تھے۔ دوسرے لوگ دور دراز کی مسافت طے کر کے آگے جاتے پھر واپس آتے اس آیت میں اس کی اصلاح فرمائی گئی ہے۔ باقی **کما ھدٰکم** اس لئے کہہ دیا گیا ہے کہ کوئی شخص جمع بین الصلوٰتین پر شبہات نہ کرنے لگے۔

خرید وفروخت اور حج:............ رہی تجارت اور کاروبار اس کو نہ مطلقاً منع کیا گیا ہے اور نہ مطلقاً اس کی ہمت افزائی کی گئی ہے۔ بلکہ دوسرے جائز کاموں کی طرح یہ بھی ایک مباح کام ہے البتہ منافی اخلاص ہونا نہ ہونا اس میں اصل دارومدار نیت پر ہے اگر مقصود اصلی صرف حج ہے تو خواہ تجارت ہو یا نہ ہو۔ تجارت صرف ایک تابع کی حیثیت میں ہے تو نہ صرف یہ کہ اخلاص کے خلاف نہیں ہے بلکہ تجارت کے منافع سے اگر افعالِ حج میں اور ادائیگی مناسک میں اعانت ملتی ہو تو مزید ثواب کا استحقاق اور امید ہے اور اگر اصل منشاء کاروبار ہے حج صرف ایک ذیلی اور ضمنی درجہ رکھتا ہے تو یقیناً یہ صورت منافی اخلاص ہوگی اور دونوں اگر مساوی درجہ ہیں تو مباح اور منافی

اخلاص ہونے میں بھی برابر رہیں گے اور قلب کی کیفیت اور حقیقت حال کی اصل اطلاع اللہ تعالیٰ کو ہے جو عالم السرائر ہیں۔ زبان آوری اور سینہ زوری سے کام نہیں چلے گا۔

وظائف مزدلفہ اور مشاغل منیٰ: .... بہرحال دسویں تاریخ کی نماز فجر مزدلفہ میں ادا کرکے طلوع آفتاب کے قریب منیٰ کے لئے سفر کرے اور منیٰ میں پہنچ کر تین پتھر کچھ فاصلہ سے نصب ہیں ان میں رمی کی جائے گی۔ اس طرح دسویں تاریخ کو صرف جمرۂ عقبیٰ کی رمی کی جائے گی۔ سات کنکریاں مارے اور ہر کنکر پر تکبیر کہنا مستحب ہے۔ اس سے فارغ ہو کر قربانی کرے اور بال کٹوائے، پہلے دن کی رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن دوسرے تیسرے روز یعنی گیارہویں بارہویں تاریخ کی رمی کا وقت بجائے صبح صادق کے زوالِ آفتاب سے شروع ہو جاتا ہے اور دونوں تینوں دن پتھروں کی رمی کی جائے گی اور ہر کنکری پر تکبیر مستحب ہے۔ اب تینوں پتھروں کی رمی سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ جانا چاہے تو اختیار ہے اور اگر تیرہویں شب گزار دی تو پھر تیرہویں کی صبح کو تینوں جمروں کی رمی کرنا ضروری ہو جائے گا۔ البتہ آج کے دن اتنی رعایت ہے کہ پہلے روز کی طرح اس دن بھی رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہو جاتا ہے۔ آیت میں تاخیر و تعجیل کا یہی مطلب ہے۔ حج کا دوسرا ضروری رکن طواف زیارت ہے وہ کرلیا جائے اس کے بعد کافر و مومن کی دعاؤں کا ذکر ہے کہ ؎

فکر ہر کس بقدرِ ہمت اوست

عوام وخواص کا فرق: .... آیت فلا رفث سے معلوم ہوا کہ عوام و خاص کے معاملات میں فرق ہوتا ہے اور حج کو بہ نسبت دوسری عبادات کے ایک خاص قربت حاصل ہے اور فان خیر الزاد سے معلوم ہوتا ہے کہ ضعفاء کے لئے اسباب میں حکمت ہے اور چونکہ توشہ سبب ہے تقویٰ کا اور تقویٰ واجب ہے اور واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے اس لئے سر و سامان کرنا ہی ضروری ٹھہرا۔ لیس علیکم جناح سے معلوم ہوا کہ دنیا اگر دین کی معین بن جائے تو وہ بھی طاعت میں داخل ہے۔ ومن تاخر فلا اثم علیہ سے معلوم ہوا کہ رخصت عزیمت کے مساوی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَايُعْجِبُكَ فِى الْاٰخِرَةِ لِمُخَالَفَتِهٖ لِاعْتِقَادِهٖ **وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَافِىْ قَلْبِهٖ** اَنَّهٗ مُوَافِقٌ لِقَوْلِهٖ **وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ** ﴿۲۰۴﴾ شَدِيْدُ الْخُصُوْمَةِ لَكَ وَلِاَتْبَاعِكَ لِعَدَاوَتِهٖ لَكَ وَهُوَ الْاَخْنَسُ بْنُ شَرِيْقٍ كَانَ مُنَافِقًا حُلْوَ الْكَلَامِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْلِفُ اَنَّهٗ مُؤْمِنٌ بِهٖ وَمُحِبٌّ لَهٗ فَيُدْنِيْ مَجْلِسَهٗ فَاَكْذَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِىْ ذٰلِكَ وَمَرَّ بِزَرْعٍ وَحُمُرٍ لِبَعْضِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاَحْرَقَهٗ وَعَقَرَهَا لَيْلًا كَمَا قَالَ تَعَالٰى **وَاِذَا تَوَلّٰى** اِنْصَرَفَ عَنْكَ **سَعٰى** مَشٰى **فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ** مِنْ جُمْلَةِ الْفَسَادِ **وَاللّٰهُ لَايُحِبُّ الْفَسَادَ** ﴿۲۰۵﴾ اَىْ لَايَرْضٰى بِهٖ **وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ** فِىْ فِعْلِكَ **اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ** حَمَلَتْهُ الْاَنَفَةُ وَالْحَمِيَّةُ عَلَى الْعَمَلِ **بِالْاِثْمِ** الَّذِىْ اُمِرَ بِاتِّقَائِهٖ **فَحَسْبُهٗ** كَافِيْهِ **جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ** ﴿۲۰۶﴾ اَلْفِرَاشُ هِىَ **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ** يَبِيْعُ **نَفْسَهُ** اَىْ يَبْذُلُهَا فِىْ طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى **ابْتِغَآءَ** طَلَبَ **مَرْضَاتِ اللّٰهِ** رِضَاهُ وَهُوَ صُهَيْبٌ لَمَّا اٰذَاهُ الْمُشْرِكُوْنَ هَاجَرَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ وَتَرَكَ لَهُمْ

مَالَهٗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ حَيْثُ اَرْشَدَهُمْ لَمَافِيْهِ رِضَاهُ

ترجمہ: ....اور بعض آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ آپ کو ان کی گفتگو مزیدار معلوم ہوگی، دنیاوی لحاظ سے (لیکن آخرت میں وہ تعجب خیز نہیں معلوم ہوگی بوجہ خلاف عقیدہ ہونے کے) اور وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر بتلاتا ہے اپنے دلی اعتقاد پر (کہ وہ اس کے اقرار کے مطابق ہے) حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے (آپ سے دشمنی ہونے کے سبب آپ کے اور آپ کے خدام کے حق میں سخت لڑاکا ہے۔ یعنی اخنس بن شریق جو کہ منافق ہونے کے ساتھ شیریں کلام بھی ہے اپنی چرب زبانی سے آنحضرت ﷺ کے سامنے قسمیں کھا بیٹھتا کہ وہ مؤمن اور آپ کا عاشق زار ہے۔ چنانچہ مجلس مبارک میں اس کو آگے جگہ مل جاتی۔ حق تعالیٰ اس کی تکذیب فرمار ہے ہیں۔ ایک روز کی بات کہ وہ مسلمانوں کے کھیت اور سواری کے جانوروں پر گزرا تو رات کے وقت کھیتی کو آگ لگادی اور جانوروں کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ چنانچہ ارشاد ہے) جب واپس ہوتا ہے (آپ کی مجلس سے) دوڑ دھوپ کرتا (چلتا پھرتا) ہے تا کہ شہر میں فساد برپا کردے اور مویشی تلف کردے (یہ بھی اس کے فساد کا ایک حصہ ہے) اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتے (خوش نہیں ہوتے) اور جب اس سے کوئی کہتا ہے کہ خدا کا خوف کرو (اپنی حرکتوں کے بارہ میں) تو آمادہ کردیتی ہے اس کو نخوت (ابھار دیتی ہے بڑائی اور عار اس کو) گناہ (کی کاروائی پر جس سے اس کو بچنے کا حکم دیا گیا تھا) سو ایسے شخص کے لئے بس (کافی) ہے جہنم اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ (بستر ہے وہ) اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ اپنی جان تک صرف کر (بیچ) ڈالتے ہیں (یعنی اس کو اللہ کی اطاعت میں خرچ کردیتے ہیں) تلاش (طلب) میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی (رضا جوئی میں اس سے مراد حضرت صہیبؓ ہیں۔ مشرکین نے جب ان کو ستانا شروع کیا تو اپنا سارا مال ان کو دے دلاکر ہجرت فرمائے مدینہ طیبہ ہوگئے) اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حال پر بڑے ہی مہربان ہیں (کہ ان کو اپنی رضا جوئی کو توفیق بخشی ہے)

تحقیق وترکیب: .... **فی الحیوٰۃ الدنیا** اس کا تعلق قول کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے یعنی یہ تمام خوشامدانہ گفتگو دنیاوی غرض سے ہوتی ہے۔ لیکن جلال محققؒ نے **یعجبک** سے اس کا تعلق کیا ہے۔ **الدالخصام** محقق جلالؒ نے شدید الخصومۃ کے ساتھ ترجمہ کرکے اشارہ کردیا ہے کہ **الد** اسم تفضیل نہیں ہے بلکہ صفت کا صیغہ ہے جس کی اضافت مجازاً افاعل کی طرف ہورہی ہے جیسے **جد جدہ** اور علامہ زمخشری اضافۃ بمعنی فی کرتے ہیں۔ اس کے صفت مشبہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کی جمع **لدا** اور مؤنث **لداء** آتا ہے **الخصام المخاصمۃ. اخذتہ العزۃ** کہا جاتا ہے **اخذتہ بکذا اذا حملتہ علیہ و الزمتہ ایاہ**.

اخنس اس کا نام **ابی** یا **وریدا** اور لقب **اخنس** ہے۔ خنس کے معنی پیچھے ہٹنے کے ہیں۔ غزوۂ بدر میں بنی زہرہ کے تین سو (۳۰۰) ساتھیوں سمیت یہ منافق آنحضرت ﷺ سے یہ کہہ کر الگ ہوگیا کہ **ان محمدا ابن اختکم فان یک کاذ باکفا کموہ الناس وان یک صادقًا کنتم اسعد الناس بہ**. سب نے کہا کہ پھر آپ کی کیا رائے ہے اس نے کہا میں تو پیچھے ہٹتا ہوں۔ یہ آیت اس کے متعلق نازل ہوئی یا عام منافقین کے بارہ میں۔

ویھلک الحرث اس کا عطف **لیفسد** پر ہے عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے **من جملۃ الفساد ای ھذا من جملۃ الفساد. الانفۃ والحمیۃ.** انف بمعنی کبر اور حمیت بمعنی ننگ وعار **بالاثم** باملابستہ اور ایتان کے لئے ہے۔ جس کو علماء بدیع تمیم کہتے ہیں۔ **بئس المھاد** اس میں تہکم واستہزاء ہے اور ھی مخصوص بالذات محذوف ہے۔

ربط: .... پچھلی آیت میں کافر اور مومن کی دعاؤں کا تذکرہ آچکا ہے ایک منافق اور مخلص کا تذکرہ ان دو آیات میں کیا جارہا ہے اس طرح چار طرح کے لوگوں کا بیان پورا ہوگیا ہے۔

شانِ نزول:............ آیت ومن الناس من یعجبک کا شانِ نزول جلال محقق مفسر تفصیل سے ذکر فرما چکے ہیں۔ اور آیت ومن الناس من یشری کے شانِ نزول کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ سعید بن مسیبؒ کہتے ہیں کہ صہیبؓ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش ان کے پیچھے لگ گئے اور ان کو سواری سے اتار کر ان کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ انہوں نے کہا اے قریش تمہیں میری تیراندازی معلوم ہے کہ تم میں سے ایک بھی میرے قریب نہیں آ سکتا تھا اور میرے تلوار کے ہاتھ بھی معلوم ہیں۔ تاہم میرا کل مال لے کر میرا راستہ چھوڑ سکتے ہو؟ سب نے کہا ہاں غرضکہ سارا مال حوالہ کر کے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو زبانِ نبوت سے کلماتِ بشارت نکلے کہ "ربح البیع ابا یحیی" یعنی تجارت کامیاب رہی اور یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾:...... **باطل پرست اور اہل حق کا فرق:**............ دنیا پرستی کا غرور انسان کو خدا پرستی اور راست بازی سے روک دیتا ہے اور طاقت حاصل ہونے پر نفس پرستی میں وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جو ظلم پسند انسان کر سکتا ہے اس کے بالمقابل جو لوگ سچے خدا پرست اور اہل حق ہوتے ہیں ان کے پیش نظر نفس پرستی کی بجائے رضائے الٰہی ہوتی ہے۔ ایک دنیا پرست سب کچھ اپنے نفس پر قربان کر دیتا ہے۔ لیکن رضائے الٰہی کے طالب راہِ مولیٰ میں خود اپنے نفس کو بھی قربان کر دیتے ہیں۔ دنیاوی طاقت کے متوالوں سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو ان کا غرور گھمنڈ انہیں اور زیادہ ظلم وطغیان پر آمادہ کر دیتا ہے۔ لیکن شرابِ الٰہی سے سرشار اور بادۂ الست کے مست سب کچھ لٹا کر، مال ومتاع کھو کر ایک کو پانے کی جستجو میں کامرانی حاصل کر لیتے ہیں۔ "فلیتنا فس المتنا فسون"

تکبر اور فنائے نفس:............ واذا قیل لہ اتق اللہ سے معلوم ہوا کہ متکبرین کو وعظ ونصیحت غیر مفید ہوتا ہے اور ومن الناس من یشری اس میں مرتبہ فنائے نفس کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ حاصل اس کا دواعی نفس کا چھوڑنا ہے۔

وَنَزَلَ فِیْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهٖ لَمَّا عَظَّمُوا السَّبْتَ وَكَرِهُوا الْاِبِلَ وَاَلْبَانَهَا بَعْدَ الْاِسْلَامِ **یٰٓاَ یُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ** بِفَتْحِ السِّیْنِ وَكَسْرِهَا الْاِسْلَامِ **كَآفَّةً** ص حَالٌ مِنَ السِّلْمِ اَیْ فِیْ جَمِیْعِ شَرَائِعِهٖ **وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ** طُرُقِ **الشَّیْطٰنِ** ط اَیْ تَزْیِیْنِهٖ بِالتَّفْرِیْقِ **اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ** ﴿۲۰۸﴾ بَیِّنُ الْعَدَاوَةِ **فَاِنْ زَلَلْتُمْ** مِلْتُمْ عَنِ الدُّخُوْلِ فِیْ جَمِیْعِهٖ **مِّنْۢ بَعْدِ مَاجَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ** الْحُجَجُ الظَّاهِرَةُ عَلٰی اَنَّهٗ حَقٌّ **فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ** لَایُعْجِزُهٗ شَیْءٌ عَنْ اِنْتِقَامِهٖ مِنْكُمْ **حَكِیْمٌ** ﴿۲۰۹﴾ فِیْ صُنْعِهٖ **هَلْ مَا یَنْظُرُوْنَ** یَنْتَظِرُ التَّارِكُوْنَ الدُّخُوْلَ فِیْهِ **اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ** اَیْ اَمْرُهٗ كَقَوْلِهٖ اَوْ یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّكَ اَیْ عَذَابُهٗ **فِیْ ظُلَلٍ** جَمْعُ ظُلَّةٍ **مِّنَ الْغَمَامِ** السَّحَابِ **وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ** ط تَمَّ اَمْرُ اِهْلَاكِهِمْ **وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ** ﴿۲۱۰﴾ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ فِی الْاٰخِرَةِ فَیُجَازِیْ

ترجمہ:............ (عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے رفقاء چونکہ اسلام لانے کے بعد بھی سنیچر کے دن کا احترام اور اونٹ کے گوشت اور دودھ سے پرہیز کرتے تھے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی) اے ایمان والو! اسلام میں داخل ہو جاؤ (سلم سین کے فتح اور کسرہ کے ساتھ) پوری طرح (یہ لفظ سلم سے حال ہے یعنی تمام احکامِ دین میں داخل ہو جاؤ) اور نہ چلو شیطان کے قدم بقدم (مراد اس کے وسوسہ اندازی

دربارہ تفریق دین ہے) بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے (ظاہر العداوت) پھر اگر پھسل جاؤ (پورے اسلام میں داخل ہونے سے لغزش میں آجاؤ) تمہارے پاس کھلی دلیلیں آنے کے بعد (دلائل واضحہ اس کے حق ہونے پر) سو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں (تمہارے سے انتقام لینے سے کوئی چیز ان کو باز نہیں رکھ سکتی) حکمت والے ہیں (اپنی کاری گری میں) نہیں انتظار کر رہے ہیں یہ لوگ (دخول فی الاسلام کو چھوڑنے والے منتظر نہیں ہیں) مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے پاس آجائیں (یعنی ان کا حکم آجائے۔ چنانچہ دوسری آیت میں **اویاتی امر ربک** ہے یعنی اللہ کا عذاب) سائبانوں میں (ظلل جمع ظلہ کی) بادل کے اور فرشتے بھی اور سارا قصہ ہی ختم ہو جائے (یعنی ان کی بربادی کا قضیہ پورا ہو جائے) اور یہ تمام مقدمات اللہ ہی کی طرف رجوع کئے جائیں گے۔ (ترجع مجہول اور معروف ہے یعنی آخرت میں کہ اللہ ہی جزادیں گے)

تحقیق وترکیب: .... **فی السلم** س، ل، م، میں صلح کے معنی رکھے ہوئے ہیں۔ بیع سلم استسلام، سلمیٰ، سلمان، سلیمان، مسلمان، سلیم سب میں انقیاد واطاعت کے معنی رکھے ہوئے ہیں۔ کافۃ یہ لفظ حرب کی طرح مؤنث ہے اور سلم سے حال ہے۔ یا **ادخلوا** کی ضمیر سے اور اس میں اشارہ ہے کہ یہ لفظ ذوی العقول کے ساتھ خاص نہیں ہے دراصل یہ صفت ہے **کف یکف** بمعنی منع جملہ کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے اجزاء کے لئے مانع ہوتا ہے تفریق سے تا تانیث ہے یا نقل عن الوصفیۃ الی العلمیۃ کی ہے جیسے **عامۃ خاصۃ** یا مبالغہ کے لئے۔ **ای تزنیہ،** جلال مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ کلام علیٰ حذف المضاف ہے۔ طرق کی تفسیر نہیں ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے **طرق تزئین الشیطان** اور تزئین سے مراد شیطانی وساوس ہیں اور طرق سے مراد ان کے آثار جیسے دودھ گوشت کی حرمت۔ ہفتہ کے روز کا احترام، ھل بمعنی نفی۔ اس لئے اس کے بعد الا آیا ہے **ای امرہ** سے جلال محققؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اتیان کی اسناد اللہ کی طرف مجازی ہے، مراد حکم خداوندی کا آنا ہے۔ دوسری آیت سے اس کی تصریح پیش کردی۔ اسی طرح ایک اور موقع پر فرمایا گیا **ھل ینظرون الا ان یاتیھم الملئکۃ اویاتیھم امر ربک. والملئکۃ** کا عطف اللہ پر ہے۔ فی ظلل یہ اتیان کا ظرف ہے۔ یعنی اللہ کا عذاب بادل کی شکل میں ہوگا دیکھنے والا بارانِ رحمت سمجھے گا لیکن درحقیقت زحمت ہو۔ ظلل جمع ظلۃ کی ہے جیسے **قلل** جمع قلۃ کی جو چیز سایہ فگن ہو جیسے بادل و **قضی الامر** یعنی قضاء بمعنی اتمام ہے اور لام عہد کا ہے۔ **ترجع** اگر متعدی ہے تو مصدر رجع ہے ضرب کی طرح اور اگر لازمی ہے تو مصدر **رجوع** ہے بمعنی رد اور دونوں قرأتوں میں **فی الاخرۃ** متعلق ہے **ترجع** سے۔ **فیجازی** یعنی حق تعالیٰ کا مقصد یہ اطلاع دینا ہے کہ اعمال جزاء اور سزادی جائے گی ورنہ سب چیزوں کا مرجع اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔

ربط: .... پچھلی آیت میں ایک مخلص کا ذکر تھا۔ لیکن بعض دفعہ اخلاص کی زیادتی اور اطاعت کے جذبہ سے اس میں غلو اور افراط ہو جاتا ہے جو بظاہر دیکھنے میں تو غایت اطاعت ہوتی ہے لیکن درحقیقت اور بنظر غائر حدود سنت وشریعت سے تجاوز ہوتا ہے جو بدعت کا حاصل ہے۔ آیتِ ذیل میں اس کی اصلاح فرمائی جارہی ہے۔

شانِ نزول: .... ابن جریرؒ نے عکرمہؓ سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن سلامؓ، ثعلبہؓ، ابن یامینؓ، اسدؓ، اسیدؓ، سعید بن عمروؓ، قیس بن زیدؓ، جو اسلام میں داخل ہوئے تو آنحضرت ﷺ سے ان اشیاء مذکورہ کی حرمت واحترام کی اجازت چاہی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: .... **خلاصۂ دین:** .... خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اسلام کی مکمل اطاعت فرض ہے اور کمالِ اسلام کے لئے جہاں اس کے تمام داخلی اجزاء وارکان اور اسی طرح تمام شرائط کی پابندی ضروری ہے۔ وہیں بیرونی چیزوں سے احتیاط بھی حد درجہ ضروری ہے یعنی اسلام میں جس چیز کی رعایت نہ کی گئی ہو دین ہونے کی حیثیت سے اس کی رعایت نہ کی جائے۔ اگر شروع ہی سے

حفاظتِ اسلام کے سلسلہ میں اس درجہ احتیاط نہ کی جاتی تو کچھ دنوں میں اس تساہل کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اسلام چوں چوں کا مربہ ہو کر رہ جاتا۔ یعنی اول اس کی صورت شخصیہ، نوعیہ، جنسیہ بدلتی، پھر ہیولی بھی تبدیل ہو کر رہ جاتا۔ اس سے احداث فی الدین کی برائی واضح ہے۔ جس کا حاصل بدعت ہے۔

بدعت کے خطرناک نقصانات:............ بدعات کو دین سمجھنا ایک شیطانی لغزش ہوگی اور ظاہری گناہوں کی نسبت اس کا ضرر دوررس اور زیادہ نقصان رساں ہوگا اور اس پر عذاب کا زیادہ گمان اور مظنہ ہوگا۔ اسی لئے اس آیۃ میں اور اس سے زیادہ صریح وعیدیں اور ملامت احادیث میں بیان کی گئی ہے اور علمائے حق نے ہمیشہ اس پر اظہار نفرت و برأت ضروری سمجھا اور حقیقت کے لحاظ سے بدعت نہایت خطرناک چیز ہے کیونکہ اس کا حاصل غیر دین کو دین بنانا ہوتا ہے اور چونکہ دین من اللہ ہوتا ہے تو گویا جو چیز واقع میں خدائی حکم نہیں ہے اس کو یہ اپنے اعتقاد میں خدائی حکم سمجھتا ہے۔

بدعتی اللہ پر بہتان اور نبی پر کذب بیانی کرتا ہے:............ یہ گویا خدا پر اس کی طرف سے ایک قسم کا بہتان ہوا اور صرف یہی نہیں بلکہ ایک درجہ میں نبی کی تنقیص بھی کرتا ہے اور اس پر الزام رکھتا ہے کہ نبی ہونے کے باوجود ایک ضروری چیز اس سے رہ گئی تھی جس کو گویا میں پورا کر رہا ہوں۔ تو ایک لحاظ سے اپنے لئے اس میں ادعاء نبوت بھی ہوا اور ساتھ ہی نبی کی شان میں تنقیص بھی ہوئی۔ اس سے بڑھ کر بدعت کی اور برائی کیا ہوسکتی ہے اور سب سے بدترین اثر بدعت کا یہ ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو توبہ کی توفیق بہت ہی کم نصیب ہوتی ہے۔ کیونکہ جب وہ اس کام کو برا ہی نہیں سمجھتا بلکہ ثواب اور نیکی سمجھتا ہے تو پھر توبہ کیسی، الا یہ کہ اللہ ہی توفیق دے دے اور اس کی آنکھ کھل جائے تو دوسری بات ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ جس درجہ جو شخص بدعات میں گرفتار ہوتا ہے اتنا ہی وہ برکاتِ سنت اور انوار شریعت سے محروم رہتا ہے۔ کیا تصوف اور اسلام کے نادان دوست اس سے عبرت اور سبق حاصل کریں گے؟

مقام تسلیم ورضاء:............ ادخلوا فی السلم کافۃ میں اشارہ ہے مقام تسلیم ورضاء بالقضاء کی طرف۔

دریائے خون:............ الا ان یاتیهم الله فی ظلل عبداللہ بن مسعودؓ اور ابن عباسؓ کی روایتوں میں اللہ تعالیٰ کا بروز قیامت عرش اعظم سے بادل کے سائبانوں میں آنا اور فرشتوں کا گرداگرد جمع ہو کر آنا بیان کیا گیا ہے۔ دراصل یہ متشابہ الفاظ میں سے ہے۔ جس طرح حق تعالیٰ کی ذات وصفات بے چون وچگون ہیں۔ اسی طرح اس کے آنے پر بالاجمال بلاتفصیل کیف ایمان لانا چاہئے بندے اور اس کے علم کی بساط ہی کیا ہے جو اس خون کے سمندر میں گھسنے کی کوشش کرے۔

سَلْ یَا مُحَمَّدُ **بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ** تَبْکِیْتًا **کَمْ اٰتَیْنٰھُمْ** کَمْ اِسْتِفْهَامِیَّةٌ لِسَلْ مِنَ الْمَفْعُوْلِ الثَّانِیْ وَهِیَ ثَانِیْ مَفْعُوْلَیْ اٰتَیْنَا وَمُمَیِّزُهَا **مِّنْ اٰیَةٍ بَیِّنَةٍ** ط ظَاهِرَةٍ کَفَلْقِ الْبَحْرِ وَاِنْزَالِ الْمَنِّ وَالسَّلْوٰی فَبَدَّلُوْهَا کُفْرًا **وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ** اَیْ مَا اَنْعَمَ بِهٖ عَلَیْهِ مِنَ الْاٰیَاتِ لِاَنَّهَا سَبَبُ الْهِدَایَةِ **مِنْ ۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ** کُفْرًا **فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ** ﴿۲۱۱﴾ **زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا** مِنْ اَهْلِ مَکَّةَ **الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا** بِالتَّمْوِیْهِ فَاَحَبُّوْهَا **وَ هُمْ یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** ۘ لِفَقْرِهِمْ کَعَمَّارٍ وَبِلَالٍ وَصُهَیْبٍ اَیْ یَسْتَهْزِؤُنَ بِهِمْ وَیَتَعَالَوْنَ عَلَیْهِمْ بِالْمَالِ **وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا** الشِّرْکَ وَهُمْ هٰؤُلَاءِ **فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ** ط **وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ** ﴿۲۱۲﴾ اَیْ رِزْقًا

وَاسِعًا فِي الْاٰخِرَةِ اَوِ الدُّنْيَا بِاَنْ يَّمْلِكَ الْمَسْخُوْرُ مِنْهُمْ اَمْوَالَ السَّاخِرِيْنَ وَرِقَابَهُمْ **كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً** قف عَلَى الْاِيْمَانِ فَاخْتَلَفُوْا بِاَنْ اٰمَنَ بَعْضٌ وَكَفَرَ بَعْضٌ **فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ** اِلَيْهِمْ **مُبَشِّرِيْنَ** مَنْ اٰمَنَ بِالْجَنَّةِ **وَمُنْذِرِيْنَ** ص مَنْ كَفَرَ بِالنَّارِ **وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ** بِمَعْنَى الْكُتُبِ **بِالْحَقِّ** مُتَعَلِّقٌ بِاَنْزَلَ **لِيَحْكُمَ** بِهٖ **بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ** ط مِنَ الدِّيْنِ **وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ** اَيِ الدِّيْنِ **اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ** الْكِتَابَ فَاٰمَنَ بَعْضٌ وَكَفَرَ بَعْضٌ **مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ** اَلْحُجَجُ الظَّاهِرَةُ عَلَى التَّوْحِيْدِ وَمِنْ مُتَعَلِّقَةٌ بِاخْتَلَفَ وَهِيَ وَمَا بَعْدَهَا مُقَدَّمٌ عَلَى الْاِسْتِثْنَاءِ فِي الْمَعْنَى **بَغْيًا** مِنَ الْكٰفِرِيْنَ **بَيْنَهُمْ** ج **فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ** لِلْبَيَانِ **الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ** ط بِاِرَادَتِهٖ **وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ** هِدَايَتَهٗ **اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ** ﴿۲۱۳﴾ طَرِيْقِ الْحَقِّ وَنَزَلَ فِيْ جُهْدٍ اَصَابَ الْمُسْلِمِيْنَ **اَمْ** بَلْ **حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا** لَمْ **يَاْتِكُمْ مَّثَلُ** شِبْهُ مَا اَتَى **الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ** ط مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنَ الْمِحَنِ فَتَصْبِرُوْا كَمَا صَبَرُوْا **مَسَّتْهُمُ** جُمْلَةٌ مُسْتَانِفَةٌ مُبَيِّنَةٌ لِمَا قَبْلَهَا **الْبَاْسَآءُ** شِدَّةُ الْفَقْرِ **وَالضَّرَّآءُ** الْمَرَضُ **وَزُلْزِلُوْا** اُزْعِجُوْا بِاَنْوَاعِ الْبَلَاءِ **حَتّٰى يَقُوْلَ** بِالنَّصْبِ وَالرَّفْعِ اَيْ قَالَ **الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ** اِسْتِبْطَاءً لِلنَّصْرِ لِتَنَاهِي الشِّدَّةِ عَلَيْهِمْ **مَتٰى يَاْتِيْ نَصْرُ اللّٰهِ** ط اَلَّذِيْ وُعِدْنَاهُ فَاُجِيْبُوْا مِنْ قِبَلِ اللّٰهِ تَعَالٰى **اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ** ﴿۲۱۴﴾ اِتْيَانُهٗ

ترجمہ: .... ذرا پوچھئے (اے محمدؐ) بنی اسرائیل سے (ڈانٹ کر) کہ ہم نے ان کو کتنی (کم استفہامیہ ہے۔ سل کو مفعول ثانی میں عمل دینے سے اس نے روک دیا ہے اور کم فعل آتینا کا مفعول ثانی ہے اور اس کا ممیز ہے من ایۃ) واضح دلیلیں دی ہیں (کھلی جیسے سمندر کا پھٹنا، من وسلویٰ کا نازل ہونا۔ لیکن انہوں نے ان کو کفر سے بدل دیا) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بدلتا ہے (یعنی جن آیات اور دلائل کا اس پر انعام کیا ہے۔ کیونکہ وہ نعمت ہی باعث ہدایت بنتی ہے) اس کے پاس پہنچنے کے بعد (کفر کرکے) تو یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں (ایسے شخص کو) آراستہ پیراستہ معلوم ہوتی ہے کفار (اہل مکہ) کو دنیاوی زندگی (ملمع سازی کی وجہ سے اس لئے اس سے محبت کرتے ہیں) اور یہ (اسی لئے) مسلمانوں سے تمسخر کرتے ہیں (مسلمانوں کی غربت کی وجہ سے جیسے عمارؓ و بلالؓ وصہیبؓ یعنی ان پر بہتان کستے ہیں اور مال کی وجہ سے ان پر رعب جماتے ہیں) حالانکہ جو لوگ بچتے ہیں (شرک سے یہی مسلمان) ان کافروں سے بالا رہیں گے قیامت میں اور روزی تو اللہ جس کو چاہتے ہیں بے اندازہ دیتے ہیں (دین یا دنیا میں کشادہ رزق اس طرح کہ مذاق اڑانے والوں کے مال اور گردنوں کا مالک تمسخر زدہ لوگوں کو بنا دے) پہلے سب لوگ ایک ہی طریقہ پر تھے (یعنی ایمان پر، یعنی کچھ لوگوں نے ایمان اور کچھ لوگوں نے کفر اختیار کرکے اختلاف قائم کردیا) پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو (ان کے پاس) بھیجا جو خوشخبری سناتے تھے (ایمانداروں کو جنت کی) اور ڈراتے رہتے تھے (کافروں کو جہنم سے) اور ان کے ساتھ اتاری کتابیں بھی (کتاب بمعنی کتب) صحیح طریقہ پر (بالحق متعلق ہے انزل کے) اس لئے تاکہ فیصلہ کرسکیں ان کے ذریعہ لوگوں کے (دینی) اختلافات کا اور (دین کے باب میں) کسی نے اختلاف برپا نہیں کیا۔ بجز ان لوگوں کے جن کو (وہ کتابیں) دی گئی تھیں

(چنانچہ بعض لوگ ایمان لا سکے اور بعض نے کفر کیا) ان کے پاس کھلے دلائل پہنچنے کے بعد (توحید پر روشن دلائل قائم ہونے کے بعد اور من متعلق ہے اختلف سے اور یہ من اور اس کا مابعد۔ یعنی بغیا دراصل استثناء سے معنی مقدم تھا) محض (کافروں کی) باہمی ضدا ضدی کی وجہ سے پھر رہنمائی فرما دی اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی اس امر حق کے سبب جس میں لوگ اختلاف کیا کرتے تھے (من بیانیہ ہے) بفضلہ تعالیٰ (مشیت الٰہی سے) اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں (ہدایت دینا) راہ راست (حق کا راستہ) دکھلا دیتے ہیں (مسلمانوں کو جب انتہائی مصیبتیں پہنچنی شروع ہوئیں تو یہ آیت نازل ہوئی) اچھا دوسری بات سنو کیا (ام بمعنی بل یعنی منقطعہ) تمہارا خیال یہ ہے کہ جنت میں جا داخل ہوگے حالانکہ ابھی تو تمہیں ان جیسی عجیب باتیں بھی پیش نہیں آئیں (جو آزمائشیں) تم سے پہلے لوگوں کو پیش آ چکی ہیں (مؤمنین پر مصائب پڑے لیکن انہوں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو) واقع ہوئی ہے ان پر (یہ جملہ مستانفہ ماقبل کا بیان ہے) ایسی ایسی تنگی (انتہائی غربت) اور سختی (بیماری) اور ان کو یہاں تک جنبشیں ہوئیں (طرح طرح کی ہولناکیوں اور شدتوں سے دل دہل گئے) کہ چیخ اٹھے (یقول نصب اور رفع کے ساتھ ہے بمعنی قال) پیغمبر اور ان کے ہمراہی اہل ایمان (امداد الٰہی میں تاخیر اور مصیبت کی انتہائی شدت کی وجہ سے) کہ کب (آئے گی) اللہ تعالیٰ کی امداد (کہ جس کا ہم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ منجانب اللہ ان کو جواب دیا گیا) ہاں بے شک اللہ کی نصرت تم سے نزدیک (آنے والی) ہے۔

تحقیق وترکیب: .... **سل** صیغۂ امر تعلیل شدہ ہے۔ دراصل **اسئل** تھا۔ ہمزہ کا فتح سین کو دے کر ہمزہ حذف کر دیا۔ اول ہمزہ وصل کی ضرورت نہیں رہی اس کو بھی حذف کر دیا سل رہ گیا۔ مراد اس سے آنحضرت ﷺ یا کُلُّ **من سمع** ہے مقصد اس سوال سے تفریع ہے جیسا کہ مفسر علام نے تبکیتا کہا ہے اور اس میں آنحضرت ﷺ کے لئے بڑی تسلی ہے کہ اگر آپ پر ایمان نہیں لائے تو چاہئے تعجب نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتنے معجزات دیئے گئے مگر پھر بھی یہ منکر ہی رہے **معلقة** افعال قلوب کی ایک خصوصیت تعلیق یعنی صرف لفظاً ابطال عمل ہے حقیقۃً عمل باطل نہیں ہوتا۔ سوال اگر چہ افعال قلوب میں داخل نہیں تاہم سبب عمل ہونے کی وجہ سے اس کو بھی فعل قلب شمار کر کے دو مفعولوں کو نصب دینا اور تعلیقِ عمل اس کی تاثیر مان لی گئی ہے۔ اس لحاظ سے جملہ **کم اتینهم** محل نصب میں مفعول ثانی کے قائمقام ہے یا مفعول مطلق کی جگہ ہے۔ **ای سلهم عن السوال** یا منصوب بناً برحال کے ہے **ای سلهم قائلا کم اتيناهم** اور کم کا ممیّز **من اٰية الخ** ہے اگر **کم** اور اس کے ممیّز کے درمیان فاصلہ ہو تو چاہے کم استفہامیہ ہو یا خبریہ۔ بہرصورت من کا داخل کرنا ممیّز پر مستحسن ہے تا کہ مفعول اور تمیز میں امتیاز ہو سکے۔ علامہ رضی نے جو کم استفہامیہ کے ساتھ **من** کے زائد لانے سے انکار کیا ہے وہ بلا فاصلہ کی صورت میں ہے ورنہ فاصلہ کے وقت بھی جواز زیادتی کے قائل ہیں۔ **فبدلوها کفرا** اس میں ضمیر **ها** مفعول اول اور **کفرًا** مفعول ثانی ہے **ای اخذ و ابدل الايمان كفرًا**.

نعمة الله جلال محققؒ نے نعمت اللہ سے مراد دلائل اور آیات لی ہیں۔ کیونکہ آیت سبب ہدایت ہوتی ہے اور ہدایت ہی سب سے بڑا انعام ہے۔ **کفرا** یہاں بھی **بدلوا** کا مفعول اول **نعمة الله** ہے اور **کفرا** مفعول ثانی مفسر علامؒ نے مقدر مانا ہے۔

من بعد ماجاء ته ظاہر ہے کہ اللہ کی نعمت جس سے مراد آیات اللہ ہیں ان میں تبدیلی ان کے آنے کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ پھر اس قید لگانے کا کیا فائدہ؟ سو منشاء اس قید کا ان کی گستاخی اور جرأت بے جا کا اظہار اور اشد عذاب کا استحقاق بیان کرنا ہے کہ اول تو اس تبدیلی کی وجہ سے بھی عذاب کے مستحق ہو چکے تھے لیکن سمجھ چکنے کے بعد جان بوجھ کر اس جرم کا ارتکاب مزید استحقاقِ عذاب کا باعث ہے۔ **لهٗ** جلال محققؒ نے **من یبدل** کی خبر بتانے کیلئے **لهٗ** مقدر مانا ہے اور بعض **من یبدل** کو مبتدا ہونے کی وجہ سے محل رفع میں مانتے ہیں۔ اور عائد ضمیر **یبدل** ہے یا محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہو کہ **شديد العقاب له**. **زين** اس کا فاعل اور خالق حقیقی اللہ تعالیٰ ہے

اور مجازاً مزین شیطان ہے کہ وسوسہ اندازی کرتا ہے۔

وھم ھؤلاء تقدیر مبتداء کی طرف اشارہ ہے اور **والذین** جملہ حالیہ ہے مراد اس سے ضعفاء اور غرباء مؤمنین ہیں۔ **بغیر حساب** قرآن کریم میں لفظ حساب تین معنی میں استعمال ہوا ہے۔(۱) تعب کے معنی میں جیسے **ترزق من تشاء بغیر حساب** (۲) عدد کے معنی میں جیسے **انما یوفی الصّٰبرون اجرھم بغیر حساب** (۳) مطالبہ کے معنی میں جیسے **فامنن اوامسک بغیر حساب**.

کان الناس امة مراد اس سے حضرت آدم ونوح علیہما السلام کے درمیان کا زمانہ ہے جو دس قرن کا اور ہر قرن اسی (۸۰) سالہ تھا۔ اس میں سب لوگ ایمان پر متفق تھے بعد میں اختلافات شروع ہوئے اور شدید تر ہوتے چلے گئے تو ایمان قدیم اور کفر حادث۔ رہا قابیل وغیرہ کا کفر تو وہ بہت اقل قلیل تھا ایسے لوگوں کی تعداد برائے نام تھی اور بعض نے اس کا مقصد برعکس بیان کیا ہے کہ **کان الناس امة واحدة کفارًا فبعث الله النبیّن** یعنی اول کفر متفق علیہ تھا بعد میں ایمان کی وجہ سے اختلاف ہو گیا۔ لیکن علامہ زمخشریؒ نے پہلی صورت کو واجبہ قرار دیا ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت **کان الناس امة واحدة فاختلفوا فبعث الله النبین** رواہ الحاکم اس کی مؤید ہے کہ بعثت انبیاءؑ سے پہلے اختلاف کا ذکر ہے۔ دوسرے کفر پر سب کے اتفاق کا ثبوت کسی زمانہ میں بھی نہیں ہے۔ **الکتاب** الف لام جنس کا ہے یا مفرد جمع کے موقع میں ہے۔ **بالحق** مفسر نے انزل کے متعلق کر کے اس کو ظرف لغو بتایا ہے اور کتاب سے حال بھی ہو سکتا ہے۔

من بعد ماجاء تھم جلال محققؒ اس کو **الا الذین** کی بجائے **اختلف** سے متعلق کر رہے ہیں۔ اس پر اشکال ہو سکتا تھا کہ الّا کا ماقبل اس کے مابعد میں کس طرح عمل کر سکتا ہے اس کو وھی **وما بعد الخ** سے رفع کر دیا۔ جس کا حاصل ہے کہ یہ الا کا مابعد نہیں ہے۔ بلکہ معنًا استثناء پر مقدم ہے اس لئے اختلف کا معمول بننے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ کمالین میں تقدیر عبارت اس طرح لکھی ہے۔ **وما اختلف فیه من بعد مجی البینٰت لاجل البغی احد من الکافرین. الا الذین اوتوا الکتٰب**. اب یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی الا سے دو (۲) چیزیں کیسے مشتق ہو سکتی ہیں اور اچھی صورت یہ ہے کہ **اختلفوا** کی ضمیر سے **وما اختلف فیه الخ** کو بیان مان لیا جائے اور اختلاف سے مراد راستہ دعوت کا اختلاف ہے کہ بعض نے ایمان قبول کر لیا اور بعض کفر پر رہے **بغیًا** منصوب ہے بناً بر مفعول لہ ہونے کے یا حال کے اور **بینھم** صفت ہے **بغیًا** کی یا حال ہے۔ **باذنه** یہ حال ہے **الذین امنوا** سے ای **ماذونًا لھم** اور **ھدٰی** کا مفعول بھی ہو سکتا ہے۔ ای **ھداھم بامرہ**. **ونزل** بعض کی رائے ہے کہ غزوۂ احزاب کے موقعہ پر جب کہ بارہ ہزار مشرکین نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر لیا تھا اور تین سو (۳۰۰) منافقین اندر رہ کر مسلمانوں میں سازشیں کر رہے تھے اور مسلمانوں اور کفار کے درمیان صرف ایک خندق حائل اور رکاوٹ تھی۔ مسلمان انتہاء درجہ سراسیمہ اور پریشان تھے ان آیات کا نزول ہوا اور بعض غزوۂ احد کے موقعہ پر نزول مانتے ہیں اور بعض کے نزدیک مہاجرین جب اموال و جائیداد، مکہ کے مشرکین کے رحم وکرم پر چھوڑ آئے۔ اس وقت بطور تسلی آیات نازل ہوئیں۔ یا مکہ میں رہتے ہوئے مسلمانوں کو حوادث ومصائب کی چکی میں پیسا جا رہا تھا اس وقت ان آیات نے مرہم کا کام کیا۔ غالباً مفسر نے اسی لئے کسی جہت کی تعیین نہیں کی **ام** منقطعہ بمعنی **بل** ہے **ولما** واؤ حالیہ ہے اور **لما** بمعنی **لم** ہے۔ **مثل** بتقدیر المضاف ہے۔ جلال محققؒ نے **شبه** کا لفظ مقدر مانا ہے **من المؤمنین** بیان ہے **الذین** کا اور **من المحن** بیان ہے **ما اتی الذین** کا اور **فتصبروا** کا عطف **لما** کے مدخول پر ہے اس لئے بحذف النون مجزوم ہے اور حیز نفی ہے۔ ای **لم یاتکم مثل ما اتاھم ولم تصبروا** چنانچہ ایک ایک شخص کو آروں سے چیرا گیا، لوہے کی کنگھیوں سے گوشت پوست ادھیڑا گیا اس قسم کے ہولناک اور ناقابل تصور مصائب پہلے لوگوں کو پیش آئے ان ہی سے عبرت دلانی مقصود ہے۔

مبینة لما قبلھا بمعنی **الذین خلوا** کا بیان ہے۔ حالانکہ یہ پہلے بیان کے خلاف ہے۔ کیونکہ مثل کے بعد ''**ما اتی**'' مقدر مانا تھا اسی صورت میں تو یہ **ماتی الذین** کا بیان ہوا۔ فی الحقیقت نہ کہ مثل کا۔ کیونکہ مثل تو **ما اصاب المؤمنین** ہے اور آیت میں جو مذکور ہے

وہ "ما اصاب الذین خلوا" ہے حتی یقول کا مابعد اگر حال ہوتا ہے تو مرفوع ہوتا ہے۔ جیسے مرض فلان حتی لا یرجونہ اور اگر مابعد مستقبل ہو تو منصوب ہوتا ہے جیسے سرت حتی ادخل البلد اور حتی کا مابعد اگر ماضی ہو تو قول مذکور کی طرف دیکھا جائے کہ وہ ماقبل کے لحاظ سے مستقبل ہے تو نصب ہونا چاہئے اور اس کی حکایت حال ماضیہ کی طرف نظر کی جائے تو رفع ہونا چاہئے۔ بہرحال یہاں حتیٰ، الی کے معنی میں ہو اور ان مقدر ہو تو یقول منصوب ہو جائے گا ورنہ یقول ماضی کے معنی میں ہوگا تو مرفوع ہوگا اول صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ "الیٰ ان قال الرسول" اور دوسری صورت میں تقدیر اس طرح ہوگی "وزلزلوا فقال الرسول"

متی نصر اللہ متی منصوب علی الظرف ہے اور محلاً مرفوع ہے بنابر خبر مقدم کے اور نصر مبتدا مؤخر ہے۔ لیکن جلال محققؒ نصر اللہ کو فعل محذوف کا فاعل قرار دے رہے ہیں۔

ربط: .... دلائل واضحہ آ جانے کے بعد حق کی مخالفت کو باعث سزا بتلایا گیا تھا۔ آگے اس کے ثبوت میں بنی اسرائیل کی تاریخ پر نظر ڈالنے کا مشورہ ہے۔ دوسری آیت میں مخالفت حق کی علت یعنی حب دنیا کا بیان ہے۔ تیسری آیت میں بھی ساری خرابی کی جڑ دنیا کی محبت کو قرار دیا گیا ہے، چوتھی آیت میں اہل حق کو تسلی دینا ہے کہ وہ اہل دنیا کی تکالیف سے نہ گھبرائیں۔

شان نزول: .... شان نزول کی تفصیلات کا بیان ابھی گزر چکا ہے۔ یعنی آیت ام حسبتم کو خواہ غزوۂ احزاب سے متعلق کیا جائے یا غزوۂ احد یا قبل الہجرۃ اور بعد الہجرۃ سے۔ جبکہ مسلمانوں کو مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ اس سلسلہ میں ان آیات کا نزول ہوا۔

﴿ تشریح ﴾: .... آیات بینات سے مراد تورات کا عطا ہونا، کلام الٰہی سنانا، فرعونیوں سے نجات بخشنا، من وسلویٰ کا نازل فرمانا وغیرہ ہے کہ جن سے بجائے طاعت کے مزید سرکشی اور طغیانی بڑھی۔

رزق کی فراوانی دلیل مقبولیت نہیں ہے: .... کسی پر رزق کی فراوانی اس کے مقبول ہونے کی دلیل نہیں ہے اور نہ ہی کمال کی علامت ہے بلکہ اگر طاعت کی بجائے معاصی کے ساتھ یہ سب چیزیں جمع ہیں تو یہ سب استدراج اور ڈھیل ہوگی۔ غرضکہ روزی کا اصل بدلہ قسمت پر ہے قبولیت وکمال پر نہیں ہے کہ جو زیادہ مالدار ہو وہ بڑا باکمال بھی ہو اور جو انتہائی غریب ہو تو وہ بے کمال و مردود ہو۔ بلکہ معاملہ برعکس بھی ہو جاتا ہے۔

حضرت آدمؑ وغیرہ کے زمانہ میں توحید دین پر اتفاق ہونا اس لئے تھا کہ دنیا کی آبادی کم تھی۔ حضرت آدمؑ نے جو تعلیم اپنی اولاد کو دی وہ اس پر عمل پیرا رہے لیکن جب اولاد در اولاد کا سلسلہ بڑھا تو اختلاف مذاق وطبائع رنگ لایا۔ بعد مکانی ایک دوسرے کے درمیان حائل ہوا تو ایک عرصہ بعد عقائد واعمال میں اختلاف کی بنیاد پڑ کر خلیج بڑھنی شروع ہوگئی۔

انبیائے کرام علیہم السلام تسلیم ورضا کے پیکر ہوتے ہیں: .... حضرات انبیاءؑ کا متی نصر اللہ کہنا کسی تردد شک کی وجہ سے یا اختلاف رضا وتسلیم نہیں تھا بلکہ امداد الٰہی کا وعدہ جس کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں تھا۔ ادھر شدید ضرورت نے انتظار کی شکل اختیار کرلی اور انتظار نے الحاح وزاری، عرض ومعروض کی صورت حاصل کرلی اور ظاہر ہے کہ الحاح وزاری جس کا حاصل دعا ہے وہ تو عین مطلوب اور حاصل تسلیم ورضا ہے۔ البتہ یہ فرمانا کہ بلا مشقت جنت میں جانا نہیں ہوگا سو یہ اپنے اپنے درجہ کے لحاظ سے صحیح ہے۔ کیونکہ ادنیٰ درجہ مشقت کا یہ ہے کہ ایمان لانے میں نفس اور شیطان کی مخالفت جھیلنی پڑتی ہے۔ جو ہر مؤمن کے لئے ضروری ہے۔ آگے جتنی جتنی مشکلات اور مشقتیں بڑھیں گی اتنے ہی جنت کے بلند درجات میں داخلہ کا مسئلہ حل ہوتا چلا جائے گا۔ اس لئے شبہ بھی نہیں رہتا کہ بعض گنہگار جو محض فضل ربی سے داخل جنت ہوں گے ان کو کیا مشقت ہوگی؟ کہا جائے گا کہ کم از کم ایمان لانے میں یہی تو کچھ نہ کچھ

مشقت ہوتی ہے کہ نفس و شیطان کی مخالفت کرنی پڑتی ہے۔ غرض جیسی مشقت ویسا ہی داخلہ۔

بارگاہ قدوس کی رسائی: .... تاہم ترکِ لذات اور تحمل مجاہدات کے بغیر بارگاہ قدس تک رسائی میسر نہیں ہے جیسے حدیث حفت الجنة بالمکارہ سے اس کی تائید ہو رہی ہے اور حتی یقول الرسول سے معلوم ہوتا ہے کہ طبعی چیزیں کاملین میں بھی پائی جاتی ہیں اور یہ بات منافی کمال نہیں ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ يَا مُحَمَّدُ **مَاذَا** اَيِ الَّذِيْ **يُنْفِقُوْنَ** ط وَالسَّائِلُ عَمْرُو بْنُ الْجَمُوْحِ وَكَانَ شَيْخًا ذَا مَالٍ فَسَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّا يُنْفِقُ وَعَلٰى مَنْ يُنْفِقُ **قُلْ لَهُمْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ** بَيَانٌ لِمَا شَامِلٌ لِلْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ وَفِيْهِ بَيَانُ الْمُنْفَقِ الَّذِيْ هُوَ اَحَدُ شِقَّيِ السُّؤَالِ وَاَجَابَ عَنِ الْمَصْرَفِ الَّذِيْ هُوَ الشِّقُّ الْاٰخَرُ بِقَوْلِهٖ **فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ** ط اَيْ هُمْ اَوْلٰى بِهٖ **وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ** اِنْفَاقٍ وَغَيْرِهٖ **فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ** ﴿۲۱۵﴾ فَمُجَازٍ عَلَيْهِ **كُتِبَ** فُرِضَ **عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ** لِلْكُفَّارِ **وَهُوَ كُرْهٌ** مَكْرُوْهٌ **لَّكُمْ** ج طَبْعًا لِمَشَقَّتِهٖ **وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ج وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ** ط لِمَيْلِ النَّفْسِ اِلَى الشَّهَوَاتِ الْمُوْجِبَةِ لِهَلَاكِهَا وَنُفُوْرِهَا عَنِ التَّكْلِيْفَاتِ الْمُوْجِبَةِ لِسَعَادَتِهَا فَلَعَلَّ لَكُمْ فِي الْقِتَالِ وَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُ خَيْرًا لِاَنَّ فِيْهِ اِمَّا الظَّفَرُ وَالْغَنِيْمَةُ اَوِ الشَّهَادَةُ وَالْاَجْرُ وَفِيْ تَرْكِهٖ وَاِنْ اَحْبَبْتُمُوْهُ شَرًّا لِاَنَّ فِيْهِ الذُّلَّ وَالْفَقْرَ وَحِرْمَانَ الْاَجْرِ **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ** مَا هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ **وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** ﴿۲۱۶﴾ ع ۲۶ ۱۰ ذٰلِكَ فَبَادِرُوْا اِلٰى مَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖ وَاَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلَ سَرَايَاهُ وَاَمَّرَ عَلَيْهَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ جَحْشٍ فَقَاتَلُوا الْمُشْرِكِيْنَ وَقَتَلُوا ابْنَ الْحَضْرَمِيِّ فِيْ اٰخِرِ يَوْمٍ مِنْ جُمَادَى الْاٰخِرَةِ وَالْتَبَسَ عَلَيْهِمْ بِرَجَبٍ فَعَيَّرَهُمُ الْكُفَّارُ بِاسْتِحْلَالِهٖ فَنَزَلَ **يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ** الْمُحَرَّمِ **قِتَالٍ فِيْهِ** ط بَدَلُ اشْتِمَالٍ **قُلْ** لَهُمْ **قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ** ط عَظِيْمٌ وِزْرًا مُبْتَدَأٌ وَخَبَرٌ **وَصَدٌّ** مُبْتَدَأٌ مَنْعٌ لِلنَّاسِ **عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** دِيْنِهٖ **وَكُفْرٌ** **بِهٖ** بِاللّٰهِ وَصَدٌّ عَنِ **الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** ق اَيْ مَكَّةَ **وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ** وَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَخَبَرُ الْمُبْتَدَا **اَكْبَرُ** اَعْظَمُ وِزْرًا **عِنْدَ اللّٰهِ** ج مِنَ الْقِتَالِ فِيْهِ **وَالْفِتْنَةُ** الشِّرْكُ مِنْكُمْ **اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ** ط لَكُمْ فِيْهِ **وَلَا يَزَالُوْنَ** اَيِ الْكُفَّارُ **يُقَاتِلُوْنَكُمْ** اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ **حَتّٰى** كَيْ **يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ** اِلَى الْكُفْرِ **اِنِ اسْتَطَاعُوْا** ط **وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ** بَطَلَتْ **اَعْمَالُهُمْ** الصَّالِحَةُ **فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ** ج فَلَا اعْتِدَادَ بِهَا وَلَا ثَوَابَ عَلَيْهَا وَالتَّقْيِيْدُ بِالْمَوْتِ عَلَيْهِ يُفِيْدُ اَنَّهٗ لَوْ رَجَعَ اِلَى الْاِسْلَامِ لَمْ يَبْطُلْ عَمَلُهٗ فَيُثَابُ عَلَيْهِ وَلَا يُعِيْدُهٗ كَالْحَجِّ مَثَلًا وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ **وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ** ج

هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ وَلَمَّا ظَنَّ السَّرِيَّةُ اَنَّهُمْ اِنْ سَلِمُوْا مِنَ الْاِثْمِ فَلَا يَحْصُلُ لَهُمْ اَجْرٌ نَزَلَ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فَارَقُوْا اَوْطَانَهُمْ وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لِاِعْلَاءِ دِيْنِهٖ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ثَوَابَهٗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ بِهِمْ

ترجمہ: .... آپ سے لوگ دریافت کرتے ہیں (اے محمدؐ) کیا چیز ہے (وہ) کہ خرچ کیا کریں (دریافت کرنے والے عمرو ابن الجموح ایک مالدار بوڑھے شخص تھے جنہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ کیا خرچ کریں؟ اور کن لوگوں پر خرچ کریں؟) فرمادیجئے آپ (ان سے) جو کچھ تمہیں مال خرچ کرنا ہے (من خیر بیان ہے ما کا جو شامل ہے تھوڑے اور بہت مال کو یہ ان کے ایک حصۂ سوال کا جواب تھا۔ یعنی مال منفق رہا۔ دوسرے حصۂ سوال یعنی مصرف کا جواب وہ یہ ہے کہ) اس میں ماں باپ کا حق ہے اور رشتہ داروں کا اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کا حق ہے (یعنی یہ اولیٰ ہیں) اور جو کچھ نیک کام بھی کرو گے (خواہ انفاق ہو یا اور کوئی) تو اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں ہیں (اس پر جزائے عمل مرتب ہوگی) فرض (مقرر) کیا جاتا ہے تم پر جہاد (کفار سے) اور وہ تم کو ناگوار (مکروہ) معلوم ہوتا ہے (طبعاً مشقت کی وجہ سے) اور ممکن ہے کہ تم کسی کام کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز کو تم مرغوب سمجھو اور وہ تمہارے حق میں بُری ثابت ہو) کیونکہ نفس کو شہواتِ مہلک سے رغبت اور تکالیف شرعیہ موجب سعادت سے نفرت ہوتی ہے، اس لئے ممکن ہے کہ جس جہاد کو تم ناگوار سمجھتے رہے ہو، تمہارے لئے اس میں بہترائی موجود ہو کیونکہ دو حال سے خالی نہیں ہے یا کامیابی اور مالِ غنیمت اور پھر یا شہادت واجر اور ترکِ جہاد اگرچہ وہ طبعاً مرغوب ہو لیکن اس میں رسوائی، تنگدستی، محرومی اجر ہوتا ہے) اور اللہ تعالیٰ واقف ہیں (جو تمہارے لئے بہتر ہوتا ہے) اور تم (اس کو) نہیں مانتے ہو (اس لئے تعمیل حکم کی تعجیل کرو۔ آنحضرت ﷺ نے پہلا جہادی دستہ روانہ فرمایا اور اس کی کمان عبداللہ بن جحشؓ کو سپرد فرمائی۔ مشرکین سے معرکہ آرائی ہوئی اور ۳۰ جمادی الثانی کو ابن حضرمی کو قتل کردیا۔ لیکن رجب کی پہلی تاریخ سے لوگوں کو التباس ہوگیا اور کفار نے مسلمانوں پر اس وجہ سے الزام لگایا کہ انہوں نے شہر حرام کی حرمت کو باقی نہیں رکھا یا مال کردیا ہے اس پر آیت نازل ہوئی) آپ سے لوگ محترم مہینوں میں قتال کی بات دریافت کرتے ہیں (قتال فیہ شہر حرام سے بدل اشتمال واقع ہے) آپ فرمادیجئے (ان سے) اس میں خاص قسم کی لڑائی جرمِ عظیم (گناہِ شدید) ہے (مبتداء اور خبر سے مل کر یہ جملہ ہے) اور روک ٹوک کرنا ہے (مبتدا ہے لوگوں کے لئے بندش ہے) اللہ کی راہ (دین) سے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا ہے اور (رکاوٹ ڈالنا ہے) مسجد حرام (یعنی مکہ معظمہ) سے اور وہاں کے باشندوں کو نکال باہر کرنا ہے (مراد اس سے آنحضرت ﷺ اور مؤمنین ہیں۔ مبتداء کی خبر آگے ہے) یہ سب زیادہ (بڑے) جرم ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک (بہ نسبت ان مہینوں میں قتل وقتال کے) اور فتنہ پردازی (تمہارا شرک کرنا) زیادہ شدید وقبیح ہے بہ نسبت (تمہارے خاص) قتل وقتال کے (اس وقت) اور ہمیشہ جاری رکھیں گے یہ (کفار) جنگ وجدال (تم سے اے مؤمنین) حتیٰ کہ (اس لئے کہ) تم کو تمہارے دین سے مرتد بنادیں (کفر کی جانب) اگر ان کو قابو ملے اور جو شخص اپنے دین سے مرتد ہوجائے اور وہ بحالتِ کفر مرجائے تو ایسے لوگوں کے غارت (باطل) ہوجاتے ہیں سارے اعمالِ صالحہ) دنیا وآخرت میں (چنانچہ نا قابلِ لحاظ ہوجاتے ہیں ان پر ثواب نہیں ملے گا اور حج وغیرہ لوٹانا نہیں پڑے گا۔ یہی مذہب امام شافعیؒ کا ہے) اور یہ لوگ جہنمی ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے (اسلامی لشکر کو یہ خیال ہوا کہ یہ مسلمان ہونے والے گناہ سے اگرچہ محفوظ رہیں گے لیکن ممکن ہے اجر سے بھی محروم رہیں۔ اس پر آیت نازل ہوئی) فی الحقیقت جو لوگ ایمان لاچکے ہیں اور جن لوگوں نے ہجرت کی (ترکِ وطن کیا) اور جہاد فی سبیل اللہ (دین اسلام کے

بلند کرنے کے لیئے) کیا ایسے لوگوں کو اللہ کی رحمت (ثواب) کا امیدوار رہنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ (مؤمنین کی) مغفرت فرمانے والے (اور ان پر) رحم فرمانے والے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **ما ذا ینفقون** جلال مفسرؒ نے **ما** موصولہ بمعنی **الذی** لیا۔ یہ اور عائد محذوف ہے۔ اس لئے **یسئلونک** کا عمل اس میں نہیں ہوا۔ **ما** مبتدا **ذا** خبر، جملہ محل نصب میں ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے **یسئلونک ای شی الذی ینفقونه** آیت میں بسلسلۂ سوال مصرف کا ذکر نہیں کیا گیا بوجہ اختصار کے جواب کی دونوں شقوں پر اعتماد کرتے ہوئے کیونکہ جواب سوال کے مطابق ہوا کرتا ہے پھر طرز جواب میں بھی اسلوب کی رعایت ملحوظ رکھی ہے۔ یعنی جس چیز کو صراحۃً دریافت کیا گیا اس کا جواب تو اجمالی دیا گیا یعنی **ما انفقتم من خیر** کہ کم خرچ کرو یا زیادہ اصل نظر مقدار پر نہیں ہے تو وہ حسب مقدرت اور توفیق ہوتی ہے جو چیز قابل التفات اور لائق اعتناء ہونی چاہئے وہ مصارف صحیحہ ہیں جن کو سوال میں ترک کر دیا گیا اس لئے اس کی تفصیل کی گئی ہے **وفیہ** چونکہ بظاہر جواب سوال کے مطابق نہیں ہے کہ سوال میں صرف ایک چیز کا ذکر ہے اور جواب میں دو باتوں کا۔ اس لئے علماء نے اس کی دو توجیہیں کی ہیں۔ ایک توجیہ جلال محققؒ کر رہے ہیں دوسری توجیہ یہ ہے کہ سوال چونکہ غیر اہم تھا اس لئے جواب میں نظر انداز کر دیا گیا اور جس اہم سوال کو ترک کر دیا گیا اس کا جواب ذکر کیا گیا ہے۔

کرہ مصدر ہے مبالغۃً حمل کیا گیا ہے یا فعل بمعنی مفعول ہے جیسے **خبز** بمعنی مخبوز اور لفظ عسیٰ کے ساتھ تعبیر کرنا اس لئے ہے کہ نفس جب مرتاض ہو جاتا ہے تو معاملہ برعکس ہو جاتا ہے۔

واللہ یعلم محقق مفسرؒ نے **یعلم** کے مفعول محذوف کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ یہ متروک نہیں ہے بلکہ اختصاراً حذف لفظی ہے **سرایا** جمع سریہ کی لشکری حصہ جس میں رسول اللہ ﷺ شریک نہ ہوں اور جس میں بہ نفس نفیس شریک رہے ہوں وہ غزوہ کہلاتا ہے۔ شرکائے سریہ کی تعداد پانچ سے لے کر تین سو یا چار سو تک بتائی جاتی ہے۔ **ابن حضرمی** نام عمرو بن عبداللہ بن عاد۔ حضرموت کے رہنے والے تھے **والتبس** علامہ زمخشری کی رائے ہے کہ غزوہ رجب میں واقعہ ہوا اور مسلمان اس کو جمادی الاخری کی آخری تاریخ سمجھ رہے تھے۔ **فعیرھم** یعنی مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو اس فعل پر عار دلائی حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ نے مالِ غنیمت تقسیم کرنے میں بھی وحی کا انتظار فرمایا۔ شہر حرام سے مراد یہاں رجب ہے۔ **قتال فیه** اس سے بدل اشتمال واقع ہو رہا ہے۔ چونکہ ان میں کلیت و جزئیت کے علاوہ علاقہ ملابست ہے اس لئے بدل الکل یا بدل البعض نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ بدل نکرہ موصوفہ ہے اس لئے معرفہ سے بدل بنانا صحیح ہے علاوہ ازیں وصف کا لانا تو بدل الکل میں ضروری ہوا کرتا ہے۔ **فیه** جار مجرور کا تعلق قتال کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور ظرف مستقر اس کی صفت بھی بن سکتی ہے۔ یہاں قتال سے مراد خاص قتال عمد ہے اسی کو کبیر فرمایا ہے۔ ورنہ قتل خطاء جیسا کہ مسلمانوں سے غلطی ہوگئی وہ نادانستگی ہے وہ کبیر کیسے ہو سکتا ہے بہر حال حرمۃ قتال شہر حرام میں آیت برأت **فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم** سے منسوخ ہوگئی ہے۔ قتال موصوف۔ **فیه** صفت۔ مبتداء اور یہ **کبیر** اس کی خبر ہے۔

والمسجد الحرام جلال محققؒ نے لفظ **صد** محذوف نکال کر اشارہ کر دیا کہ **المسجد الحرام** کا عطف **عن سبیل اللہ** پر ہے اور اس پر ذرا سا اشکال ہو سکتا تھا چونکہ صلہ موصول کا متمم ہوتا ہے اس لئے عطف علی الموصول کو عطف علی الصلہ پر مقدم نہیں کر سکتے۔ چنانچہ یہاں **وکفر به** عطف کے لئے مانع ہے لیکن علامہ زمخشریؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ کفر باللہ اور صدعن سبیل اللہ دونوں سے مراد ایک ہی ہے اس لئے ان دونوں کا اتحاد جواز عطف کے لئے کافی ہو گیا **وکفر به** درمیان میں فاصل ہی نہیں ہے یا کہا جائے کہ **وکفر به** دراصل **عن المسجد الحرام** سے مؤخر تھا اس کی اہمیت کے پیش نظر مقدم کر دیا گیا ہے۔ فراءؒ کی رائے یہ ہے کہ المسجد الحرام کا عطف به کی ضمیر پر ہو رہا

ہے ای و کفر به والمسجد الحرام اورنحاۃ کوفہ، اخفش، یونس، ابویعلی ضمیر مجرور پر بلا اعادہ جار بھی عطف جائز سمجھتے ہیں۔

اکبر عند الله یہاں دو چیزیں ہیں ایک عام قتال دوسرے قتل خاص۔ ابن حضرمی نے اول کے ساتھ قید عمد کی ہے۔ یعنی قتال عمد اگر چہ فی الحال بڑا ہے لیکن اللہ کی راہ اور مسجد حرام سے روکنے اور کفر باللہ ان تینوں برائیوں کے مقابلہ میں یقیناً کم درجہ ہے۔ لیکن یہاں تو عمداً قتال نہیں ہوا بلکہ تاریخ کی غلطی سے ہوا اس لئے قطعاً قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ دوسرا شخص واحد کا قتل بلاشبہ بڑا ہے لیکن کفر وشرک کی برائی جس میں تم لوگ آلودہ ہو اس سے یقیناً کم درجہ ہے۔ ان استطاعوا اس کی جزاء محذوف ہے ای فیر دو کم فی سبیل الله جلال مفسرؒ نے اشارہ کردیا کہ فی بمعنی لام تعلیل ہے اور سبیل بمعنی دین ہے عبارت بحذف المضاف ہے۔

ربط: .... یہاں سے پھر سلسلۂ احکام شروع کیا جارہا ہے آیت یسئلونك ماذا ینفقون میں بارہواں حکم انفاق و مصارف کا ہے۔ آیت کتب علیکم القتال میں تیرہواں حکم جہاد کا ہے۔ آیت یسئلونک عن الشهر الحرام میں چودھواں حکم وشہر حرام میں قتال کے بارہ میں ہے اس کے بعد آیت و لایزالون میں دین حق کے ساتھ کفار کی مزاحمت کا بیان ہے اور آیت و من یرتدد الخ میں ارتداد پر وعید اور ان الذین امنوا میں مخلصین کے انجام کا ذکر ہے۔

شانِ نزول............ ابن جریر نے روایت پیش کی ہے کہ مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ سے اپنے اموال کے مصارف دریافت کئے اور ابن حیان کی روایت ہے کہ ہے کہ عمرو بن الجموح نے آنحضرت ﷺ سے جنس انفاق کے متعلق سوال کیا۔ اس پر آیت قل ما انفقتم نازل ہوئی۔ ابن جریر نے جندب بن عبداللہ کی روایت پیش کی ہے کہ جس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو معلوم نہیں ہوسکا کہ جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخ تھی یا رجب کی پہلی۔ اور دوسری روایت ابن جریر کی یہ ہے کہ واقع میں قتال رجب میں ہوا لیکن مسلمان اس کو جمادی الثانیہ سمجھتے رہے۔ تیسری روایت روح المعانی میں زہری کی نقل ہے کہ اس واقعہ کے بعد مشرکین کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شہر حرام کے بارہ میں دریافت کیا اس پر آیت قل قتال الخ نازل ہوئی اور آیت ان الذین امنوا کا شانِ نزول خود مفسرؒ بیان کرچکے ہیں۔

﴿تشریح﴾: ...... **خیرات کے اول مستحقین غریب اقرباہیں**: .... اول آیت میں خیرات کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ کم سے کم خیرات سے بھی نہ چوکو، اس میں بھی تمہارے لئے کچھ نہ کچھ خیر ہے اور مصارف کے سلسلہ میں اس غلطی کا ازالہ کیا گیا کہ خیرات کا مستحق غیروں کو سمجھتے تھے۔ عزیز واقارب کی امداد کو خیرات نہیں سمجھتے تھے لیکن واضح کردیا گیا کہ خیرات کے اولین مستحق عزیز واقارب ہی ہیں بشرطیکہ محتاج ہوں اور زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ اگر ہیں تو والدین مکلف نہیں ہیں اس جیسی آیت آئندہ قریب میں بھی آرہی ہے۔ یہاں سے چھ سوالات اوران کے جوابات کا سلسلہ شروع ہورہا ہے۔ آیت کتب الخ میں دفاعی جنگ کے کچھ احکام بیان کئے جارہے ہیں۔

فلسفۂ جہاد: .... (۱) مثلاً جنگ کی حالت یقیناً طبعی طور پر خوشگوار نہیں ہوسکتی لیکن دنیا میں کتنی ہی ناگواریاں ہیں جن سے خوشگواریاں پیدا ہوتی ہیں اور کتنی ہی خوشگواریاں ہیں جن سے ناگواریاں پیدا ہوتی ہیں اسی طرح جنگ ایک برائی ہے لیکن اپنے سے بڑی بڑی بہت سی برائیوں کو مٹانے کا ذریعہ اگر بن جائے یا مدار اس پر آکر ٹھہر جائے تو اس کے سوا چارۂ کار کیا ہوگا؟

(۲) یہ جنگ شخصی یا جماعتی حیثیت سے ذاتی طور پر نہیں تھی بلکہ اصولی جنگ تھی۔ اہل حق وباطل میں سے کوئی بھی جب اپنے حق سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہے تو بجز اس کے کیا طریقۂ کار رہ جاتا ہے کہ حق وباطل کی معرکہ آرائی اور آویزش ہو اور حق کو باطل سے

اس طرح ٹکرایا جائے کہ فیدمغہ الباطل کا منظر سامنے آ جائے۔

(۳) اس شدید مجبوری میں بھی امن پسند اسلام نے پہل کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ لیکن اگر کوئی خواہ مخواہ آ کر ٹکرا ہی جائے تو پھر بزدل کی زندگی پر بہادری کی موت کو ترجیح دی گئی ہے۔ البتہ جہاں کہیں ضروری یا مصلحت سمجھا جائے تو دفاعی جنگ کی طرح اقدامی جنگ کی اجازت بھی دی گئی ہے اور اس پر بیضاویؒ، روح المعانی کبیر نے اجماع نقل کیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اول تو مسلمانوں نے جنگ کرنے میں کوئی گناہ نہیں کیا اور بالفرض اگر کیا بھی تو تم کس منہ سے اعتراض کرتے ہو؟ "ستر چوہے کھا کر بلی حج کو چلی۔"

مُرتد کی سزا: .... مرتد کے حبط اعمال کے سلسلہ میں اس آیت میں موت علی الکفر کی قید ہے۔ لیکن سورۂ مائدہ کی آیت ومن یکفر الخ میں مطلقاً ارتداد اور کفر کو حابط اعمال کہا گیا ہے جو حنفیہ کا مستدل ہے۔ اس لحاظ سے یہ آیت حنفیہ کے لئے باعث اشکال ہوگی۔ لیکن کہا جائے گا کہ آیت مائدہ میں مطلق ارتداد پر مطلق حبط کو مرتب کیا گیا ہے اور اس آیت میں ارتداد اور موت علی الکفر دو چیزوں پر دو سزائیں علی الترتیب مرتب فرمائی گئی ہیں۔ ایک حبط دوسرے خلود نار۔ اس لئے مطلق کو مقید کرنا بھی لازم آتا اور ایک جرم پر دو سزائیں بھی مرتب نہیں ہوتیں، مرتد کے لئے اعمال کی بربادی دنیاوی لحاظ سے یہ ہے کہ اس کی بیوی نکاح سے خارج ہو جاتی ہے اور اس کا کوئی مسلمان رشتہ دار مرے تو اس کو میراث نہیں ملے گی۔ بحالت اسلام نماز روزہ جو کچھ کیا سب بیکار ہوگیا۔ دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد بشرط استطاعت حج فرض ہوگا اور نماز روزہ زکوٰۃ کا اعادہ ضروری ہوگا اور آخرت کے ثواب سے محروم ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ دونوں باتوں میں خلاف رائے رکھتے ہیں۔ اسی طرح مرتد کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی، اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے سے محروم کر دیا جائے گا اور آخرت میں بالکلیہ ثواب سے محروم کر دیا جائے گا۔

مرتد کافر سے زیادہ مجرم ہے: .... مرتد نے چونکہ کافر اصلی کی نسبت اسلام کی توہین زیادہ کی ہے اس لئے اس کا جرم اور حکم زیادہ سخت شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ کافر اصلی سے بجز عرب کے جزیہ قبول کیا جا سکتا ہے اور اگر وہ کوئی نیک کام کرے تو اس کا ثواب معلق کر دیا جاتا ہے۔ اگر اسلام لے آیا تو اجر و ثواب کا مستحق ہو جائے گا ورنہ کالعدم ہو جائے گا۔ حدیث نبوی اسلمت علی ما اسلفت اس کی مؤید ہے۔ لیکن مرتد سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ مرد کو قتل کر دیا جائے گا اور عورت مرتدہ کو حبس دوام کی سزا دی جائے گی اور آخرت میں بھی امتیازی سلوک کیا جائے گا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط الْقِمَارِ مَاحُكْمُهُمَا **قُلْ** لَهُمْ **فِيْهِمَآ** اَیْ فِیْ تَعَاطِيْهِمَا **اِثْمٌ كَبِيْرٌ** عَظِيْمٌ وَفِیْ قِرَاءَ ةٍ بِالْمُثَلَّثَةِ لِمَا يَحْصُلُ بِسَبَبِهِمَا مِنَ الْمُخَاصَمَةِ وَالْمُشَاتَمَةِ وَقَوْلِ الْفُحْشِ **وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ** بِاللَّذَّةِ وَالْفَرْحِ فِی الْخَمْرِ وَاِصَابَةِ الْمَالِ بِلَاكَدٍّ فِی الْمَيْسِرِ **وَاِثْمُهُمَآ** اَیْ مَا يَنْشَأُ عَنْهُمَا مِنَ الْمَفَاسِدِ **اَكْبَرُ** اَعْظَمُ **مِنْ نَّفْعِهِمَا** ط وَلَمَّا نَزَلَتْ شَرِبَهَاقَوْمٌ وَامْتَنَعَ اٰخَرُوْنَ اِلٰی اَنْ حَرَّمَتْهُمَا اٰيَةُ الْمَائِدَةِ **وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ** ۵ اَیْ مَاقَدْرُهٗ **قُلِ** اَنْفِقُوا **الْعَفْوَ** ط اَیِ الْفَاضِلَ عَنِ الْحَاجَةِ وَلَاتُنْفِقُوْا مَا تَحْتَاجُوْنَ اِلَيْهِ وَتُضَيِّعُوْا اَنْفُسَكُمْ وَفِیْ قِرَاءَ ةٍ بِالرَّفْعِ بِتَقْدِيْرِ هُوَ **كَذٰلِكَ** كَمَا بُيِّنَ لَكُمْ مَا ذُكِرَ **يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ** ﴿۲۱۹﴾ **فِی** اَمْرِ **الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ** ط فَتَأْخُذُوْنَ بِالْاَصْلَحِ لَكُمْ فِيْهِمَا **وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ**

الْیَتٰمٰی ط وَمَا يَلْقَوْنَهُ مِنَ الْحَرَجِ فِي شَأْنِهِمْ فَإِنْ وَاكَلُوْهُمْ يَأْثَمُوْا وَإِنْ عَزَلُوْا مَالَهُمْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَصَنَعُوْا لَهُمْ طَعَامًا وَحْدَهُمْ فَحَرَجٌ **قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ** فِي أَمْوَالِهِمْ بِتَنْمِيَتِهَا وَمُدَاخَلَتِكُمْ **خَيْرٌ** ط مِنْ تَرْكِ ذٰلِكَ **وَإِنْ تُخَالِطُوْهُمْ** أَيْ تَخْلِطُوْا نَفَقَتَهُمْ بِنَفَقَتِكُمْ **فَإِخْوَانُكُمْ** ط أَيْ فَهُمْ إِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمِنْ شَأْنِ الْأَخِ أَنْ يُخَالِطَ أَخَاهُ أَيْ فَلَكُمْ ذٰلِكَ **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ** لِأَمْوَالِهِمْ بِمُخَالَطَتِهِ **مِنَ الْمُصْلِحِ** ط لَهَا فَيُجَازِي كُلًّا مِنْهُمَا **وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَأَعْنَتَكُمْ** ط لَضَيَّقَ عَلَيْكُمْ بِتَحْرِيْمِ الْمُخَالَطَةِ **إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ** غَالِبٌ عَلٰى أَمْرِهٖ **حَكِيْمٌ** ﴿۲۲۰﴾ فِي صُنْعِهٖ

ترجمہ: .... لوگوں سے آپ شراب اور جوئے کی نسبت دریافت کرتے ہیں (میسر جوا ہے۔ یعنی ان دونوں کا حکم دریافت کرتے ہیں) آپ (ان سے) فرمادیجئے کہ ان دونوں چیزوں (کے استعمال کرنے) میں بڑا گناہ ہے۔ (ایک قرأت میں بجائے کبیر کے کثیر ہے۔ شراب و جوا، لڑائی جھگڑے، گالم گلوچ، گندی بکواس کا باعث ہوتے ہیں) اور لوگوں کے لئے اس میں کچھ فوائد بھی ہیں (شراب میں لذت وسرور اور جوئے میں بلا محنت مالی منفعت ہے) اور ان دونوں کا گناہ (یعنی جو خرابیاں ان سے پیدا ہوتی ہیں) بڑھا ہوا ہے ان کے منافع سے (اس آیت کے نزول کے بعد ایک جماعت شراب خوری کرتی رہی اور دوسری جماعت اس سے باز رہی۔ حتیٰ کہ آیت مائدہ نے دونوں کی حرمت صاف ظاہر کردی) اور کچھ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کتنا خرچ کیا کریں (یعنی مقدار خرچ کیا ہونی چاہئے) آپ فرمادیجئے کہ (خرچ کرو) جس قدر آسانی ہو (یعنی ضروریات سے جو زائد ہو۔ لیکن جس کی ضرورت ہو اس کو خرچ کرکے خود کو ہلاک نہ کرو اور ایک قرأت میں العفو رفع کے ساتھ ہے تقدیر ھو کے ساتھ) اسی طرح (جیسا کہ مذکورہ احکام تمہارے لئے بیان کئے ہیں) اللہ تعالیٰ صاف صاف احکام بیان فرماتے ہیں شاید کہ تم دنیا وآخرت کے معاملات میں غور کرسکو (اور اپنے لئے ان دونوں چیزوں میں مفید بات کو حاصل کرسکو) اور آپ سے لوگ یتیم بچوں کی بابت حکم دریافت کرتے ہیں (ان کے بارہ میں جو مشکلات پیش آتی ہیں کہ اگر ان کو اپنے ساتھ کھلائیں پلائیں تو گنہگار ہوتے ہیں اور ان کے مال کو اپنے مال سے علیحدہ کرکے ان کے لئے الگ کھانا بنائیں تو سخت حرج ہوتا ہے) آپ فرمادیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت (ان کے مالی اضافہ کے لئے تمہارا دخل انداز ہونا) زیادہ بہتر ہے (بہ نسبت ترک مصلحت کے) اور اگر تم ان کو اپنے ساتھ خرچ میں شامل رکھو (یعنی ان کا خرچ اپنے میں ملالو) تو (وہ) تمہارے (دینی) بھائی ہیں (اور بھائی اپنے بھائی کا مال ملا ہی لیا کرتا ہے اس لئے تمہارے لئے بھی اس کی اجازت ہے) اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں مصلحت ضائع کرنے والے کو (اپنے مال میں ملاکر) اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو (چنانچہ ہر ایک کو بدلہ دیں گے) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم کو تنگی میں ڈال سکتے تھے (مال ملانے کو حرام کرکے تنگ کردیتے) کیونکہ اللہ تعالیٰ زبردست (غالب الحکم) ہیں اور حکمت والے ہیں (اپنے کام میں)

تحقیق وترکیب: .... الخمر مخامرت میں چھپانے کے معنی ہیں۔ وجہ تسمیہ شراب کی ظاہر ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اس کے مفہوم میں عموم ہے اور حنفیہ کے نزدیک جس شراب کو نجس العین کا درجہ دیا جاتا ہے اور اس کے پینے پر حد جاری ہوتی ہے وہ خاص قسم کی شراب ہے اس کے علاوہ دوسری منشیات کو حد نشہ تک استعمال کرنے کو حرام کہا جائے گا اور اس کے پینے پر حد جاری نہیں ہوگی۔ تعزیر سے یہاں تعیین نہیں ہے۔ المیسر مصدر میمی ہے بمعنی یسر جیسے موعد اور مرجع قمار کو کہتے ہیں وجہ تسمیہ یا تو یسر ہے مال بآسانی حاصل ہوجاتا

ہے اور یا یسار ہے یعنی جس آسانی سے مال حاصل ہوتا ہے اسی طرح سلب بھی ہو جاتا ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ جاہلیت عرب میں دس تیر ہوتے تھے جن میں سے سات پر کچھ خاص نشانات اور علامات ہوتی تھیں اور تین تیر بلا نشان ہوتے تھے۔ نشان زدہ تیروں میں بھی مختلف اعتبارات تھے۔ چنانچہ مشترک داموں سے جانور کو خرید کر ذبح کرتے اور ان تیروں سے ہر شریک کے نام پر فال نکالی جاتی تھی کسی کے نام پر ایک سے زائد حصہ آتا اور کوئی بالکل محروم ہو جاتا۔ اس طرح اس گوشت کو فقراء کا حصہ سمجھتے اور خود استعمال نہیں کرتے تھے اور اس پر اظہار مفاخرت کرتے اور جو اس طریقہ میں ان کا شریک نہ ہوتا اس کو برا سمجھتے اور اس کا نام بھی برم رکھتے۔ قمار کے اس حکم میں چوسر اور شطرنج بھی داخل ہے۔ لیکن امام شافعیؒ شطرنج کو مباح فرماتے ہیں اس سے فقہی چیستان مشہور ہے۔ الشطرنج اباحنی قتی هو الشافعي"

وفي قراءة یہ حمزہؒ اور کسائیؒ کی قرأت ہے۔ **بسببهما** یعنی فی نفسہ اس وقت تک شراب حرام نہیں تھی اس لئے معصیت بھی نہیں تھی۔ بلکہ ان عوارض کے سبب اس سے بچنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ اسی لئے عام طور پر صحابہؓ اس حکم کے بعد بالکلیہ دست کش نہیں ہو سکے۔ **باللذة والفرح** یعنی منافع سے مراد تداوی اور شفا کا فائدہ نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث مسلم کے الفاظ ہیں لیست بدواءٍ ولكنه داء اور حدیث ابوداؤد کے الفاظ ہیں ان الله لم يجعل شفاء كم فيما حرم عليكم اسی لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مطلقاً حرام چیزوں سے تداوی حرام ہے اور امام شافعیؒ کا اصح قول بھی بطور تداوی شراب کی حرمت کا ہے۔ علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں کہ تحریم سے پہلے شراب میں منافع تھے لیکن اب سلب کر لئے گئے ہیں۔

ولما نزلت تحریم خمر کی ترتیب اس طرح پر ہے کہ اولاً ومن ثمرات النخيل والاعناب الخ سورۂ نحل کی آیت نازل ہوئی جس میں بذیل انعامات اس کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ لیکن اس میں ناگواری کا کوئی کلمہ نہیں تھا اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی جس میں نفع ونقصان کے اگرچہ دونوں پہلو دکھلائے گئے لیکن غالب نقصان کو دکھلایا جس سے دیرک اصحابؓ چونک گئے۔ تاہم برائیاں فی حد ذاتہ نہیں بتلائی گئی بلکہ عارضی خرابیوں کی طرف اشارہ کیا گیا جس میں عام لوگوں کے لئے گنجائش کا پہلو رہا۔ اس کے بعد آیت نساء نازل ہوئی لا تقربوا الصلوٰة وانتم سكرى یعنی یہ حالت عبادت کی حالت کے منافی ہے۔ گویا اس سلسلہ کا ایک مؤثر قدم تھا جس سے کافی تنبیہ ہوئی کہ جو چیز مناجات اور تقرب کے منافی ہے ضرور اس میں کوئی خرابی ہے۔ تاہم نیم ممانعت تھی اور ضرورت تھی کہ فیصلہ کن اور آخری قدم اٹھادیا جائے۔ جس کی درخواست حضرت عمرؓ نے پیش کی چنانچہ آیت مائدہ انما الخمر والميسر الخ نازل ہوئی جس میں کھل کر دس (۱۰) خرابیاں گنائی گئی ہیں اور ساتھ ہی ایک دم اس سے رک جانے کی اپیل کی۔ فهل انتم منتهون کہہ کر قرآن نے مستفسرانہ نظر ڈالی تو اطاعت شعاروں کی صفوں میں انتهينا انتهينا کی آوازیں آئیں اور آنحضرت ﷺ نے اطمینان کا سانس لیا درحقیقت اصلاح حال میں اس تدریج کو بڑا دخل ہے۔

اثم كبير سے یہاں ذاتی اور داخلی گناہ مراد نہیں ہے بلکہ عارضی اور خارجی خرابیاں مراد ہیں اس لئے بعض صحابہؓ کے طرز عمل پر بھی شبہ نہیں رہتا اور تحریم کے لئے آیت مائدہ کی ضرورت بھی رہتی ہے۔ **ماذا ينفقون** اس میں ماذا مرکب ہے اور ما اور ذا دونوں مل کر مفعول ينفقون کا ہوگا قرأت نصب پر لیکن قرأت رفع پر لفظ ما مبتداء۔ ذا موصول ينفقون صلہ مل کر خبر ہے "ما اقدره" سے مفسر علام اس آیت کے شبہ تکرار کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ پہلی آیت میں جنس انفاق سے سوال تھا اور یہاں مقدار انفاق کا سوال ہے۔

العفو اس کی نقیض جہد آتی ہے نرم زمین کو بھی اسی لئے عفو کہتے ہیں۔ مراد وہ مال ہے جس کا خرچ سہل ہو باعث تکلیف نہ ہو۔ مال فاضل کو بھی کہتے ہیں چنانچہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انفقوا مافضل من الاهل لفظ عفو کو ابوعمروؒ نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراءؒ نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ اول صورت ماذا کی ترکیب یہ ہوگی کہ ما مبتدا اور ذا بمعنی الذی مع صلہ ينفقون کے

اس کی خبر ہے اور نصب والی صورت میں ماذا ایک اسم منصوب علی المفعولیت ہے ای انفقوا العفو. غرضکہ جواب کا اعراب سوال کے اعراب کے مطابق ہوگا۔

ربط: .... آیت اول میں پندرہواں حکم شراب اور جوئے سے متعلق ہے۔ آیت یسئلونک الخ میں سولہواں حکم مقدار انفاق کے بارے میں ایک سوال کا جواب ہے اور آیت یسئلونک عن الیتمٰی میں سترہواں حکم یتیموں کے مال سے متعلق ہے۔

شانِ نزول: .... امام احمدؒ نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ جب آپ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو لوگ شراب پیتے تھے اور جوئے کا مال استعمال کرتے تھے۔ آپ ﷺ سے سوال کیا گیا تو آیت قل فیھما اثم کبیر نازل ہوئی تو لوگوں کا خیال ہوا کہ ان کی تحریم تو ہوئی نہیں صرف "اثم کبیر" کہا گیا اس لئے شراب پیتے رہے۔ حتیٰ کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دعوت کی اور اس میں شراب کا دور چلا۔ نماز مغرب کا وقت آ گیا حضرت علیؓ کی امامت میں نماز ہوئی۔ سورۂ کافرون پڑھی گئی اور لا اعبد الخ کی بجائے اعبدو ما تعبدون پڑھا گیا تو تنبیہ اور افسوس ہوا آیت لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکٰری نازل ہوئی۔ اس کے بعد آیتِ مائدہ انما الخمر و المیسر الخ اور سخت تشدید فرمائی گئی۔ علیٰ ہذا ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کا جب حکم ہوا تو صحابہؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مقدار انفاق کی بابت دریافت کیا تو آیت قل العفو نازل ہوئی۔ نیز ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب آیت لا تقربوا مال الیتیم الا بالتی اور آیت ان الذین یاکلون الخ نازل ہوئیں تو جن لوگوں کی تربیت میں یتیم بچے تھے ان کا کھانا پینا الگ کر دیا گیا لیکن اس کی وجہ سے سخت دقتیں پیش آئیں اور آپ ﷺ سے حل دریافت کیا گیا اس پر آیت قل اصلاح الخ نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: ...... **ہر چیز کی اچھائی برائی کا معیار:** .... بہت سے لوگوں کا خیال یہ ہوتا ہے کہ شراب سے لڑائی میں مدد ملتی ہے اور حصول مال کا ذریعہ جوئے کو سمجھتے ہیں۔ اس آیت میں ان دونوں غلطیوں کا ازالہ ایک اصولی حقیقت کے ذریعہ کر دیا گیا۔ یعنی یہ صحیح ہے کہ ان میں کچھ منافع بھی ہیں اور اضافی نفع نقصان سے دنیا کی کوئی چیز بھی خالی نہیں ہے۔ لیکن نفع نقصان کو تولنا چاہئے اگر نقصان زیادہ ہے تو اس چیز کو چھوڑ دینا چاہئے۔ اگرچہ تھوڑا بہت کچھ فائدہ کا پہلو بھی اس میں ہو اور جس چیز میں نفع غالب ہو اس کو لے لینا چاہئے۔ گو اس میں کچھ ضرر بھی نکلتا ہو۔

شراب اور جوئے کی خرابی: .... مثلاً شراب سے عقل زائل ہو جاتی ہے جو تمام کمالات کا منبع ہے اور جوئے سے مال کی حرص و محبت بڑھ جاتی ہے جو جڑ ہے تمام خرابیوں کی۔ اگرچہ ان میں کچھ فوائد بھی ساتھ ساتھ لگے ہوئے ہیں تاہم غالب نقصان کا خیال کرتے ہوئے چھوڑ دینا چاہئے۔ مقصود اس مشورہ سے فی نفسہٖ ان کی برائی بیان کرنا نہیں ہے۔ بلکہ دوسری خرابیوں کا ذریعہ اور باعث بتلانا تھا۔ اسی لئے دانا حضرات نے تو یہ سمجھ لیا کہ ان میں نفع حالی اور غیر باقی ہے اور نقصان مالی اور دائمی، اور متعدی ہے۔ اس لئے فوراً باز آ گئے اور بعض نے صریحی حرمت کا انتظار کیا اور جب وہ آ گئی تو انتھینا انتھینا پکار اٹھے۔ اس طرح آپ ﷺ کی حسن تعلیم و تربیت سے ایک ایسی برائی سے جو عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اس عمدگی کے ساتھ نجات مل گئی کہ دنیا نے دیکھ لیا کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہہ رہی تھی اور وہ تمام برتن توڑے جا رہے ہیں جن میں شراب کشید کی جاتی یا رکھی اور پی جاتی تھی۔ شراب بندی کی حرمت اور مکمل بندش ۳ھ میں ہوئی ہے۔

مالی اخراجات کا کلی معیار: .... مالی اخراجات کے سلسلہ میں جو تفکر فی الدنیا والآخرۃ کی تعلیم دی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ (۱) کسی معصیت میں مال خرچ کرنا مطلقاً ناجائز ہے۔ (۲) طاعت میں خرچ کرنا ہے تو اگر وہ طاعت فرض واجب ہے جیسے زکوٰۃ وغیرہ تو خرچ کرنا بھی واجب ہے۔ (۳) اور طاعت اگر نفلی ہے جیسے خیرات تو اگر حقدار کا حق ضائع ہوتا ضائع ہوتا ہو تو ایسا خرچ کرنا ناجائز ہے۔ (۴) اور حق اگر ضائع نہیں ہوتا لیکن خرچ کرنے کے بعد خود پریشان ہوجائے گا تب بھی ناجائز ہے۔ (۵) اگر نہ حق ضائع ہوتا ہے اور نہ خود بے صبری میں مبتلا ہوگا تو پھر خرچ کرنا جائز ہے۔ (۶) اگر وہ موقعہ نہ طاعت کا ہے اور نہ معصیت کا تو جیسی نیت ہوگی ویسا حکم ہوگا مثلاً فواکہ ولذائذ وغیرہ مباحات میں اگر نیت اعانت اطاعت کی ہے تو ثواب اور نیت اعانت معصیت کی ہے تو گناہ۔ ورنہ مباح ہے۔ گذشتہ آیت کی طرح اس آیت میں بھی نفلی صدقات کا بیان ہے یعنی جو کچھ ہمت ہو خرچ کرلیا جائے۔ لیکن یہ بات پھر بھی باقی رہ گئی تھی کہ اگر کوئی سارا مال جوشِ طاعت میں خرچ کرڈالے تو اس کا حکم کیا ہے یہاں اس کی تحقیق مقصود ہے اس لحاظ سے یہ حکم تکرار سے بھی محفوظ رہ گیا۔

مسلم اور غیر مسلم لاوارث ویتیم بچے: .... لاوارث بچوں اور یتیموں کی طرف سے جو کچھ لاپرواہی ہو رہی تھی وہ بھی انسانیت کی پیشانی پر ایک بدنما داغ تھا۔ اسلام نے ان کے متعلق جب سخت ترین وعیدیں سنائیں اور شدید عذاب کی دھمکیاں دی گئیں تو مسلمان ڈر گئے اور اس درجہ احتیاط کرنے لگے کہ کھانے پینے کا پورا انتظام الگ کرنا پڑا۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت بھی دقت طلب اور نہ چلنے والی تھی۔ اس لئے جامع حکم فرما دیا گیا کہ مقصود اصلی تو ان کی اصلاح و درستگی اور خیر اندیشی ہے۔ جس طریقہ سے یہ حاصل ہوتی ہے اس کو اختیار کرو اور تم ان کو اپنا بھائی اور اپنے گھر میں شامل سمجھو۔ جو چیز مثلاً سڑنے گھسنے والی ہو اس میں یتیم کا خرچ اپنے ساتھ رکھو اور جو چیزیں خراب ہونے والی نہ ہوں ان کا حساب کتاب علیحدہ رکھو۔ بھائی کہنے میں ترحم اور شفقت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اس زمانہ میں اکثر یتیم بچے مسلمان ہی تھے۔ لیکن اگر غیر مسلم یتیم بچہ بھی زیر پرورش ہوں تب بھی یہی حکم ہے۔ آیات واحادیث کے عموم الفاظ سے یہی سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ اتنی رعایت مزید اور کرنی ہوگی کہ اس کی مذہبی آزادی پر دست اندازی نہیں کی جائے گی یعنی بالغ ہونے کے بعد اپنی پرورش کا دباؤ ڈال کر اور حق استعمال کر کے اسلام قبول کرنے کے لئے زور ڈالنا جائز نہیں ہوگا آزادانہ رائے قائم کرنے کا اس کو پورا پورا حق ہوگا۔ آیت **قل العفو** میں عدم ادخار کی طرف اشارہ نکلتا ہے۔

وَلَاتَنْكِحُوا تَتَزَوَّجُوا اَيُّهَا الْمُسْلِمُوْنَ **الْمُشْرِكٰتِ** اَيِ الْكَافِرَاتِ **حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ** حُــرَّةٍ لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِهَا الْعَيْبُ عَلٰى مَنْ تَزَوَّجَ اَمَةً مُؤْمِنَةً وَالتَّرْغِيْبُ فِيْ نِكَاحِ حُرَّةٍ مُشْرِكَةٍ **وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ** لِجَمَالِهَا وَمَالِهَا وَهٰذَا مَخْصُوْصٌ بِغَيْرِ الْكِتَابِيَاتِ بِاٰيَةِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ **وَلَاتُنْكِحُوا** تُزَوِّجُوا **الْمُشْرِكِيْنَ** اَيِ الْكُفَّارَ الْمُؤْمِنَاتِ **حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ** لِمَالِهِ وَجَمَالِهِ **اُولٰٓئِكَ** اَيْ اَهْلُ الشِّرْكِ **يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ** بِدُعَائِهِمْ اِلَى الْعَمَلِ الْمُوْجِبِ لَهَا فَلَاتَلِيْقُ مُنَاكَحَتُهُمْ **وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا** عَلٰى لِسَانِ رُسُلِهِ **اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ** اَيِ الْعَمَلِ الْمُوْجِبِ لَهُمَا **بِاِذْنِهٖ ۚ** بِاِرَادَتِهِ فَتَجِبُ اِجَابَتُهُ بِتَزْوِيْجِ اَوْلِيَائِهِ **وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾** يَتَّعِظُوْنَ

ترجمہ: .... اور نکاح نہ کرو (شادی نہ کرواے مسلمانو!) کافر عورتوں کے ساتھ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان عورت، لونڈی، بہتر ہے مشرک (آزاد) عورت سے (کیونکہ آیت کا سبب نزول مسلمان باندی کے نکاح کو عیب بتلانا اور کافر آزاد عورت کے نکاح کی ترغیب ہے) اگرچہ وہ تم کو بھلی معلوم ہوتی ہو (مال و جمال کے لحاظ سے۔ یہ حکم آیت والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب کی وجہ سے مخصوص ہے غیر کتابی کافر عورتوں کے ساتھ) اور نکاح نہ کرو مشرک (کافر) مردوں کے ساتھ (مؤمن عورتوں کا) حتی کہ وہ مرد مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان غلام بہتر ہے کافر سے۔ اگرچہ وہ کافر تم کو بھلا معلوم ہو (مال و جمال کے اعتبار سے) یہ (کافر) دوزخ کی طرف تحریک کرتے ہیں (ایسا فعل کرا کر جو دخول جہنم کا باعث ہو۔ اس لئے ان سے نکاح مناسب نہیں ہے) اور اللہ تعالیٰ (پیغمبر کی زبانی) جنت اور مغفرت کی طرف تحریک کرتے ہیں (یعنی ایسے کام کی جس سے یہ دونوں چیزیں حاصل ہوتی ہوں) اپنے حکم (ارادہ) سے (لہٰذا اس کی تعمیلِ حکم ضروری ہے۔ مسلمانوں سے شادی کر کے) اور اللہ تعالیٰ لوگوں کو احکام بتلا دیتے ہیں۔ اس توقع پر کہ اس سے نصیحت (وعظ) حاصل کریں گے۔

تحقیق وترکیب: .... لاتنکحوا مشہور قرأت فتح تاء کے ساتھ ہے نکاح نہ کرنا اور اعمش کی قرأت شاذ بضم التاء ہے انکاح متعدی ہے نکاح نہ کرانا۔ ولوا عجبتکم واؤ حالیہ ہے اور لو بمعنی ان ہے اور کان اور اس کا اسم اس کے بعد اکثر محذوف ہوتا ہے۔ ای وان کانت المشرکۃ تعجبکم فالمؤمنۃ خیر. زمخشری کے نزدیک یہ واوان اور لو پر داخل ہوتا ہے اور ان ولو تو محض فرض کے معنی میں آتے ہیں۔ ان میں شرطیت کے معنی باقی نہیں رہتے۔ اسی لئے جزاء کی ضرورت نہیں ہوتی اور بعض کے نزدیک مقدر پر عطف کے لئے یہ واؤ ہوتا ہے اور جواب شرط محذوف ہوتا ہے جس پر ماقبل کا جملہ دلالت کرتا ہے۔ ای ولو لم تعجبکم ولوا عجبتکم اور بعض کے نزدیک یہ جملہ معترضہ ہے جو درمیان کلام واقع ہے۔ بہر حال نقیض شرط کی تقدیر پر حکم ہے۔ تاکہ تمام تقادیر پر بدرجۂ اولیٰ حکم ثابت ہو جائے۔ وھذا یعنی لفظ مشرکات اہل کتاب کو بھی شامل تھا۔ جیسا کہ آیت وقالت الیھود عزیر ابن اللّٰہ وقالت النصارٰی المسیح بن اللّٰہ سے دونوں کا مشرک ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن آیت والمحصنٰت الخ سے کتابیہ عورتوں کی تخصیص کر لی گئی۔ اب یہاں صرف غیر کتابیہ کافر عورتیں مراد ہوں گی اور اس کا برعکس اس لئے نہیں کہ سورۂ مائدہ کی آخری آیت سے اس کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ بتزویج اولیائہ اس کا تعلق لاتنکحوا المشرکین ثانی حکم سے ہے اور اگر تزویج کی بجائے تزوج کہا جائے تو اول حکم لا تنکحوا المشرکات سے اس کا تعلق ہو جائے گا۔

ربط: .... اس آیت میں سترہواں حکم نکاح کفار سے متعلق بیان کیا جا رہا ہے۔ ان سب احکام کو قریبی ربط جنگی حکم سے بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی انفاق، خمر و میسر اور یتیموں کی نگہداشت، نکاح کافر یہ سب مسائل اسی ایک مسئلہ سے کھڑے ہو گئے جن کو حل کیا جا رہا ہے۔

شانِ نزول: .... مقاتل سے روایت ہے کہ یہ آیت ابن ابی مرثد الغنوی کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ جبکہ ان کو مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ ایک ضرورت کے لئے آنحضرت ﷺ نے بھیجا تو عناق مشرکہ جو نہایت حسین وجمیل تھی ان پر فریفتہ ہو گئی اور ان سے درخواستِ نکاح کی، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اجازت چاہی تو ولامۃ مؤمنۃ حکم نازل ہوا۔

ابن عباسؓ کی روایت یہ ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن رواحہؓ کے بارہ میں نازل ہوئی۔ ان کی ایک نہایت بدشکل باندی تھی ایک دفعہ کسی بات پر اس کے طمانچہ مار دیا تو اس نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی جس کے نتیجے میں ابن رواحہؓ نے اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح

کرلیا۔ لوگوں نے ایک بدشکل باندی سے شادی کرنے کی وجہ سے ان پر طعن و تشنیع کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ممکن ہے دونوں واقعے سببِ نزول ہوں۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ پہلا واقعہ دو آیات کا سببِ نزول ہوا اس آیت کا اور آیت نور کا بھی۔ اسی طرح دوسرے واقعہ میں لفظ امة پر یہ شبہ کرنا بھی صحیح نہیں ہے کہ ابومرثد کی باندی آزاد ہوگئی تھی۔ پھر اس کو باندی کہنا اور باندی کی توجیہ مطلق عورت کے ساتھ کرنا کیسے صحیح ہوگا؟ کہا جائے گا سابقہ حالت کے لحاظ سے اس کو باندی کہا گیا ہے یا چونکہ لوگ تحقیراً باندی سمجھتے ہیں۔ اس لئے لفظ امة سے تعبیر کیا گیا ہے۔

﴿ تشریح ﴾:...... **کافرہ اور کتابیہ عورتوں سے شادی**:............ اس آیت میں دو حکم فرمائے گئے ہیں۔ (۱) مسلمان مرد کا نکاح کافرہ عورت سے نہ کیا جائے۔ (۲) مسلمان عورت کا نکاح کافر سے نہ کیا جائے۔ اول حکم کی تفصیل یہ ہے کہ غیر کتابیہ سے تو اب بھی مسلمان کا نکاح جائز نہیں ہے۔ البتہ صحیح معنی میں اگر عورت کتابیہ ہو تو اس سے نکاح کا جواز مفسر علام نے آیہ والمحصنت الخ سے ثابت کیا ہے۔ تاہم کتابیہ سے نکاح بہتر اور پسندیدہ نہیں ہوگا۔

دوسرے حکم کی تشریح یہ ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر سے چاہے وہ کتابی ہو یا غیر کتابی جائز نہیں ہے۔ بلکہ پہلے سے بھی اگر نکاح ہوا ہے تو ایک کے کافر اور دوسرے کے مسلمان ہونے کی صورت میں نکاح باقی نہیں رہے گا۔ جس کی دو صورتیں ہیں (۱) مرد عورت دونوں مسلمان تھے۔ مگر بعد میں مرد کافر ہوگیا تو نکاح فوراً ٹوٹ جائے گا اور عورت عدت پوری کرکے، دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے۔ (۲) مرد عورت دونوں کافر تھے۔ مگر پھر عورت مسلمان ہوگئی تو اگر یہ صورت دارالاسلام میں پیش آئے تو مرد سے دریافت کیا جائے گا اگر مرد اسلام قبول کرلے تو نکاح باقی رہے گا ورنہ ٹوٹ جائے گا اور اگر دارالحرب میں یہ واقعہ ہو تو بغیر مرد سے دریافت کئے عدت گزار کر نکاح سے باہر ہو جائے گی اور نکاح سے نکلنے کے بعد بھی پھر عدت ہوگی۔ اکثر لوگ بے احتیاطی سے عدت گزارے بغیر ایسی عورت کا فوراً نکاح کرادیتے ہیں حالانکہ یہ نکاح درست نہیں ہوتا۔

نکاح سے پہلے نوتعلیم یافتہ نوجوانوں کے عقائد کی تحقیق:............ آجکل مادیت اور سائنس کے اثرات سے نہ صرف یہ کہ یہود و نصاریٰ اپنے مذاہب پر باقی نہیں رہے۔ بلکہ بہت سے مسلمان کہلوانے والے یورپ زدہ نوجوان بھی ملحدانہ خیالات اور کافرانہ نظریات کی نذر ہوگئے ہیں۔ ایسے میں بے تحقیق ولایت سے میمیں بیاہ لانا کہ نہ وہ خدا کی قائل نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور انجیل کے کتابِ الٰہی کو تسلیم کرنے والی۔ اسی طرح نیچریت زدہ طبقہ کے نوجوان کہ نہ اللہ و رسول پر ان کو عقیدہ اور نہ احکام شریعت و آخرت کے قائل۔ غرضیکہ دونوں صورتوں میں یہ نکاح درست نہیں ہے اور اگر نکاح کے بعد ایسے عقائد ہو جائیں تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اول ایک دوسرے کے عقائد کی طرف سے اطمینان کرلیا جائے تب نکاح کیا جائے گا اور نکاح کے بعد اگر خاوند کا بے دین ہونا ثابت ہو جائے تو عورتوں پر ان سے کنارہ کشی واجب اور سرپرستوں پر اس سلسلہ میں عورتوں کی امداد ضروری ہے۔

اس مقام پر سوال و جواب کی صورت میں "کبریتِ احمر" سے زیادہ ایک قیمتی تحقیق بیان القرآن میں قابلِ ملاحظہ ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ اَيِ الْحَيْضِ اَوْ مَكَانِهٖ مَاذَا يُفْعَلُ بِالنِّسَاءِ فِيْهِ **قُلْ هُوَ اَذًى** ۙ قَذَرٌ اَوْ مَحَلُّهٗ **فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ** اُتْرُكُوْا وَطْيَهُنَّ **فِي الْمَحِيْضِ** ۙ اَيْ وَقْتِهٖ اَوْ مَكَانِهٖ **وَلَاتَقْرَبُوْهُنَّ** بِالْجِمَاعِ **حَتّٰى يَطْهُرْنَ** ۚ بِسُكُوْنِ الطَّاءِ وَتَشْدِيْدِهَا وَالْهَاءِ وَفِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الطَّاءِ اَيْ يَغْتَسِلْنَ بَعْدَ انْقِطَاعِهٖ

فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ لِلجِمَاعِ **مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ** ط بِتَجَنُّبِهٖ فِي الْحَيْضِ وَهُوَ الْقُبُلُ وَلَاتَعْدُوْهُ اِلٰى غَيْرِهٖ **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ** يُثِيْبُ وَيُكْرِمُ **التَّوَّابِيْنَ** مِنَ الذُّنُوْبِ **وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ**﴿۲۲۲﴾ مِنَ الْاَقْذَارِ **نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ** ص اَيْ مَحِلُّ زَرْعِكُمْ لِلْوَلَدِ **فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ** اَيْ مَحِلَّهٗ وَهُوَ الْقُبُلُ **اَنّٰى** كَيْفَ **شِئْتُمْ** مِنْ قِيَامٍ وَقُعُوْدٍ وَاضْطِجَاعٍ وَاِقْبَالٍ وَاِدْبَارٍ نَزَلَ رَدًّا لِقَوْلِ الْيَهُوْدِ وَمَنْ اَتٰى امْرَاَتَهٗ فِيْ قُبُلِهَا مِنْ جِهَةِ دُبُرِهَا جَاءَ الْوَلَدُ اَحْوَلَ **وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ** ط اَلْعَمَلَ الصَّالِحَ كَالتَّسْمِيَةِ عِنْدَ الْجِمَاعِ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** فِيْ اَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ **وَاعْلَمُوْآ اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ** ط بِالْبَعْثِ فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ **وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ**﴿۲۲۳﴾ اَلَّذِيْنَ اتَّقَوْهُ بِالْجَنَّةِ

ترجمہ:.......... اورلوگ آپؐ سے حیض کا حکم دریافت کرتے ہیں (محیض بمعنی حیض۔ مصدر یا ظرف بمعنی حیض، عورتوں کے ساتھ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے) آپ فرمادیجئے کہ وہ گندی چیز ہے (گندگی سے یا گندگی کی جگہ ہے) تو علیحدہ رہا کرو تم عورتوں سے (ان سے ہم بستری چھوڑ دو) بحالت حیض (یعنی وقت حیض اور یا ظرف بمعنی مکان حیض) اور ان کے نزدیک نہ جاؤ (بارادۂ جماع) جب تک وہ پاک صاف نہ ہوجائیں (یطھرن سکون طاء اور تشدید طاء اور ہا کے ساتھ ہے۔ دراصل تا تفعل کو طاء سے بدل کر طا میں ادغام کردیا ہے۔ یعنی جب تک حیض بند ہونے کے بعد وہ غسل نہ کرلیں) پھر وہ عورتیں جب اچھی طرح پاک ہوجائیں تو ان کے پاس آ جاؤ (ہم بستری کے لیئے) جس موقعہ سے اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے (بحالت حیض بچے رہنے کا یعنی سامنے کی شرمگاہ دوسری طرف رخ نہ کرو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں۔ (ثواب دیں گے اور عزت افزائی کریں گے) توبہ کرنے والوں سے (گناہوں کی) اور محبت کرتے ہیں پاک صاف رہنے والوں کے ساتھ (گندگیوں سے) تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیت ہیں (یعنی اولاد کی پیدائش گاہ) اس لئے اپنے کھیت میں آؤ (یعنی محل حرث میں مراد سامنے کی شرمگاہ ہے) جس طرف سے (انی بمعنی کیف ہے) تم چاہو (بحالت قیام بیٹھنے لیٹنے کے سامنے کی جانب ہوکر یا الٹی طرف ہوکر یہود کے اس خیال کی تردید کے لئے کہ جو شخص اپنی بیوی سے الٹی جانب سے ہم بستری کرے اس کے بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ یہ آیت نازل ہوئی) اور آئندہ کے لئے بھی اپنے واسطے کچھ کرتے رہو (نیک کام مثلاً صحبت کے وقت بسم اللہ الخ پڑھنا) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (کرنے نہ کرنے سے متعلق حکم میں) اور یہ یقین رکھو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں پیش ہونے والے ہو روز قیامت کہ وہ تم کو تمہارے اعمال کی جزا دیں گے) اور ان مسلمانوں کو بشارت سنا دیجئے (جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں جنت کی)

تحقیق وترکیب:.......... المحیض مصدر بھی ہوسکتا ہے۔ جیسے مجیء اور مبیت۔ حدثی معنی اور زمان ومکان کے معنی کی صلاحیت رکھتا ہو۔ حیض کے معنی سیلان خون کے ہیں۔ یہ مصدر ہے۔ چنانچہ وقت اور مکان کے لفظ سے جلال محققؒ نے اشارہ کردیا ہے کہ اس صورت میں تقدیر مضاف کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ سوال میں نہ جواب میں بلکہ حقیقۃً مسئول عنہ **اتیان النساء فی المحیض** ہوگا۔ **قذرا او مکانہ** اول تفسیر مصدری معنی کی صورت میں ہے اور دوسری تفسیر ظرف مکان کی صورت میں ہے۔

فاعتزلوا ولا تقربوا۔ یہ دونوں لفظ کنایہ ہیں ترک جماع سے اور ذات کی طرف اسناد مبالغہ کے لئے ہے اور مطلقاً اعتزال اور عدم قربان کا حکم اس لئے نہیں دیا کہ لفظ اذی سے خود معلوم ہورہا ہے کہ مطلق اعتزال نہیں ہے کیونکہ تمام بدن محل اذی نہیں ہے۔

حتی یطھرن یہ امام شافعیؒ کا مستدل ہے کہ وہ بغیر غسل جماع جائز نہیں فرماتے۔ چنانچہ حمزہ اور کسائی کی قرأت بالتشدید بصیغہ

مبالغہ بھی اس کی مؤید ہے کہ طہارتِ کاملہ کی ضرورت ہے اور فا بھی اس پر دال ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تخفیف اور تشدید کی دو قرأتیں حکم میں دو آیتوں کے ہیں۔ چنانچہ ہم نے صیغہ مبالغہ مادون العشر ہ پر محمول کرلیا ہے اور تخفیف والی قرأت کو دس روز پورے ہونے پر محمول کرلیا ہے اور فـــا صرف ارتباط کے لئے ہے بغیر معنی تاخیر کے۔ نیز ہم اس کو بھی تسلیم نہیں کرتے کہ طہارت صرف غسل ہی سے ہوتی ہے کبھی طہارت بالا یام بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ مقصود بندشِ حیض کا اطمینان ہے اور وہ بلاشبہ پورے دس (۱۰) روز میں ہوجاتا ہے اور بعض کا طہارت کے لفظ سے غسل سمجھنا بھی صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ طہارت کا اطلاق خلاف طمث پر کیا جاتا اور امرأۃ طاھر و نساء طو اھر بولتے ہیں اور مراد منقطع الدم لیتے ہیں۔

محل زرعکم یعنی بحذف المضاف ہے۔ علامہ زمخشریؒ کی رائے پر اس کو مجاز یا استعارہ بالکنایہ کہا جاسکتا ہے انی یہ تین معنی میں استعمال ہوتا ہے بمعنی کیف جیسے انی یحیی ھذہ اللہ اور بمعنی این جیسے انی لک ھذا اور بمعنی متی آیت کی تفسیر تینوں طریقہ پر کی گئی ہے اول کی تخریج ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے کی ہے اور دوسرے کی ربیع بن انسؓ اور تیسرے کی ضحاک سے اور ابن عمرو وغیرہ نے تخریج کی ہے کہ انی بمعنی حیث ہے۔ اس لئے فقہاء نے اس کو مشکل الفاظ میں شمار کیا ہے۔

احول پتلیوں کا پھر جانا جس کو بھینگا کہتے ہیں۔ الحرث زمین میں بیج ڈالنا۔ یہ ماقبل مبتداء کی خبر ہے۔ بحذف المضاف ای مواضع الحرث یا مجازاً یا تشبیہ بلیغ کے طور پر محمول ہے۔ نساء کم حرث لکم یہ جملہ بیان ہے فاتوھن من حیث امر کم اللہ کا۔

ربط: .... اس آیت میں انیسواں (۱۹) حکم حائضہ عورت سے متعلق ہے۔

شانِ نزول: .... امام مسلمؒ وترمذیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ یہود اپنی عورتوں سے بزمانۂ حیض بالکلیہ یکسوئی اختیار کرلیتے تھے۔ ان کے ساتھ کھانا پینا، مجامعت سب ترک کردیتے تھے۔ نصاریٰ کا حال روایات یہود کے برخلاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ سب کچھ علیٰ حالہ کرتے رہتے تھے۔ حالت حیض اور غیر حیض میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ گویا ایک قوم افراط اور دوسری تفریط میں مبتلا تھی۔ ثابت بن الدحداحؓ اور دوسرے صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس صورتِ حال کا ذکر کرکے حکم دریافت کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اصنعوا کل شی الا النکاح ای الوطی.

علیٰ ہذا حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ یہود کا خیال یہ تھا کہ اگر وطی من جانب الدبر کی جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے اس پر آیت نساء کم حرث لکم نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: .... **بحالتِ حیض یہود ونصاریٰ کی معاشرتی بے راہ روی:** .... اسلامی حکم اس بارہ میں کس قدر جامعیت اور تمام پہلوؤں کی رعایت اور اعتدال لئے ہوئے ہے کہ نہ یہود ومجوس کی طرح عورت کو ناپاک ملنے جلنے اور چھونے کے ناقابل سمجھا گیا اور نہ عیسائیوں کی طرح کھلنے ملنے کو روا رکھا گیا۔ بلکہ اس حقیقت کا اعلان کردیا کہ اس زمانہ میں زن وشوئی کے معاملات مضر اور نظافت وطہارت کے خلاف ہوں گے۔ فطرت نے دونوں کے باہم ملنے اور وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کا جو دستور ٹھہرایا ہے اس کی پابندی ہونی چاہئے اس کے علاوہ حق تعالیٰ کسی دوسرے طریقہ کو پسند نہیں فرماتے۔ اس سلسلہ میں لوگوں نے جو طرح طرح کی توہم پرستیاں اور پابندیاں لگا رکھی ہیں ان کی کوئی حقیقت واصلیت نہیں ہے۔ فطری طریقہ پر جس طرح چاہو یہ کاروائی کرسکتے ہو۔

اسلامی معتدل احکام: .... فقہاء نے جو احکام اس حالت کے مناسب آیت سے مستنبط کئے ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ حیض ونفاس کی حالت میں شیخینؒ کے نزدیک ناف سے لے کر زانو تک عورت کے بدن کو ہاتھ لگانا بھی جائز نہیں ہے چہ جائیکہ ہم

بستری۔امام محمدؒ کے نزدیک حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق شعار دم مستثنیٰ ہیں البتہ (۱) حیض کی اکثر مدت دس دن اگر گزر چکے ہوں تو بلا غسل بھی صحبت کی اجازت ہے اور دس (۱۰) دن سے کم میں بندش ہوئی تو اس کی دو (۲) صورتیں ہیں (۲) اگر عادت کے مطابق دن پورے ہو چکے ہیں مثلاً پانچ یا سات روز کی عادت تھی وہ پوری ہوگئی ہے تو بلا غسل بھی صحبت کی اجازت ہے۔ بشرطیکہ ایک نماز کا مکمل وقت گزر چکا ہو (۳) دس (۱۰) روز سے کم اور عادت سے بھی کم دن گزرے ہوں تو عادت کا وقت پوار ہوئے بغیر صحبت جائز نہیں ہے اور پہلی دوصورتوں میں غسل کے بعد بدرجہ اولیٰ صحبت جائز ہوگی۔ اگر غلبۂ شہوت میں کسی سے یہ حرکت ہوگئی ہو تو اس کو خوب اچھی طرح توبہ کرنی چاہئے اور صدقہ بھی کچھ دے دیا جائے تو عمدہ ہے۔ پاخانہ کے مقام سے بیوی سے بھی ہمبستر ہونا قطعاً حرام ہے۔

شیعی معاشرت: ....فقہاء نے لفظ انی کو الفاظ مشکلہ میں شمار کیا ہے۔ اہلسنت نے سیاق وسباق پر نظر کرتے ہوئے اس کو کیف کے معنی میں لیا ہے۔ یعنی تعمیم احوال کے لئے ہے۔ ماتی اور مقام میں تعمیم نہیں کی ہے برخلاف روافض اور شیعہ کے وہ انی کو این کے معنی میں لے رہے ہیں اور تعمیم مکان کا ارادہ کرتے ہیں۔ حالانکہ حرث وطہارت اس کی اجازت نہیں دیتے۔ کیونکہ وہ موضع حرث نہیں ہے جو خلاف نظافت وطہارت ہے اور اجازت دی جارہی ہے موضع حرث کی جس میں افزائش نسل کی طرف اشارہ ہے۔ بہر حال لواطت بیوی سے بھی حرام ہے۔ اسی لئے فقہاء نے کہا ہے کہ لواطت کرنے والے یا حیض میں صحبت کرنے والے کو اگر کوئی قتل کردے تو یہ اتنے بڑے گناہ ہیں کہ قاتل پر قصاص وغیرہ بھی واجب نہیں ہوگا۔ لیکن حرام لغیرہ ہونے کی وجہ سے فقہاء نے ایسے واطی کو محصن کہا ہے اور زوج اول کے لئے اس کو محلل بھی مانا ہے حتیٰ کہ اس کو محصن ہونے کی وجہ سے قابلِ رجم بھی مانا جائے گا اور اس پر جھوٹی تہمت لگانے والے پر حد قذف بھی جاری کی جائے گی۔

لواطت کی برائی اور اس کے احکام: ....بعض علماء نے حرمۃ لواطۃ کو حرمۃ حیض پر قیاس کیا ہے کیونکہ دونوں میں مشترک علت ''اذیٰ'' ہے۔ ممکن ہے اس پر یہ اعتراض ہو کہ قیاس کی اس وقت اجازت ہوتی ہے جبکہ مقیس میں نص موجود نہ ہو اور وطی کے باب میں دوسری آیت موجود ہے **اتاتون الرجال شهوة من دون النسآء** لیکن کہا جائے گا کہ آیت میں صراحۃً جس لواطت کا ذکر ہے وہ لواطت من الرجال ہے۔ اور جس لواطت کو قیاس کیا جارہا ہے وہ لواطت من النساء ہے۔ اسی لئے دونوں میں فرق ہے۔ لواطت من الرجال قطعاً حرام ہے۔ حنفیہ کے نزدیک واجب التعزیر اور شوافع کے نزدیک حد زنا کا مستوجب ہوگا۔ اس کے حلال سمجھنے والے کو کافر کہا جائے گا اور یہی حالت لواطت من الاجنبیۃ کا ہے۔ اسی طرح بیوی سے بحالت حیض صحبت کو حلال سمجھنے والا بھی کافر۔ کیونکہ حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔ البتہ بیوی سے لواطت کا یہ حکم نہیں ہے کہ اس کی حرمت ظنی ہے۔

بعض شبہات کا ازالہ: ....اور چونکہ حرث کا اطلاق مطلق استمتاع کے لحاظ سے نہیں کیا گیا ہے بلکہ صرف ایتان کے لحاظ سے حرث کہا گیا ہے اس لئے **الامناء فی الساق والفخد** پر شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ عرفاً وہ وطی نہیں کہلاتے اور چونکہ انی بمعنی این نہیں ہے۔ جو تعمیم مکان کے لئے آتا ہے اور بلکہ کیف اور متیٰ کے معنی میں ہے۔ اس لئے بھی امناء مذکور پر شبہ کو کوئی تقویت نہیں ملتی۔

اس مقام پر ایک شبہ یہ گزر سکتا ہے کہ جس طرح علت اذی کی وجہ سے وطی بحالتِ حیض ناجائز ہے۔ بحالت استحاضہ بھی اسی وجہ سے ناجائز ہونی چاہئے۔ لیکن کہا جائے گا کہ بعض دفعہ استحاضہ دائمی ہوجاتا ہے۔ اگر اس حالت میں بھی ناجائز کردیا تو سخت حرج واقع ہوجاتا ہے اور شریعت میں حرج مدفوع ہے اس لئے استحاضہ میں اذیٰ کا لحاظ نہیں کیا گیا۔

وَلَاتَجْعَلُوا اللّٰهَ اَیِ الْحَلْفِ بِهٖ **عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ** اَیْ نُصُبًا لَهَا بِاَنْ تُكْثِرُوا الْحَلْفَ بِهٖ **اَنْ لَا تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ** فَتُكْرَهُ الْيَمِيْنُ عَلٰى ذٰلِكَ وَيُسَنُّ فِيْهِ الْحِنْثُ وَيُكَفِّرُ بِخِلَافِهَا عَلٰى فِعْلِ الْبِرِّ وَنَحْوِهٖ فَهِیَ طَاعَةٌ اَلْمَعْنٰى لَاتَمْتَنِعُوْا مِنْ فِعْلِ مَاذُكِرَ مِنَ الْبِرِّ وَنَحْوِهٖ اِذَا حَلَفْتُمْ عَلَيْهِ بَلِ ائْتُوْهُ وَكَفِّرُوْا لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِهَا الْاِمْتِنَاعُ مِنْ ذٰلِكَ **وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ** لِاَقْوَالِكُمْ **عَلِيْمٌ** ﴿۲۲۴﴾ بِاَحْوَالِكُمْ **لَايُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ** اَلْكَائِنِ **فِیْ اَيْمَانِكُمْ** وَهُوَ مَايَسْبِقُ اِلَيْهِ اللِّسَانُ مِنْ غَيْرِ قَصْدِ الْحَلْفِ نَحْوُ لَا وَاللّٰهِ وَبَلٰى وَاللّٰهِ فَلَااِثْمَ فِيْهِ وَلَا كَفَّارَةَ **وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ** اَیْ قَصَدَتْهُ مِنَ الْاَيْمَانِ اِذَا حَنِثْتُمْ **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ** لِمَا كَانَ مِنَ اللَّغْوِ **حَلِيْمٌ** ﴿۲۲۵﴾ بِتَاخِيْرِ الْعُقُوْبَةِ عَنْ مُسْتَحِقِّهَا **لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ** اَیْ يَحْلِفُوْنَ اَنْ لَايُجَامِعُوْهُنَّ **تَرَبُّصُ** اِنْتِظَارُ **اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ** وَرَجَعُوْا فِيْهَا اَوْ بَعْدَهَا عَنِ الْيَمِيْنِ اِلَى الْوَطْیِ **فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لَهُمْ مَا اَتَوْهُ مِنْ ضَرَرِ الْمَرْاَةِ بِالْحَلْفِ **رَّحِيْمٌ** ﴿۲۲۶﴾ بِهِمْ **وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ** اَیْ عَلَيْهِ بِاَنْ لَمْ يَفِيْئُوْا فَلْيُوْقِعُوْهُ **فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ** لِقَوْلِهِمْ **عَلِيْمٌ** ﴿۲۲۷﴾ بِعَزْمِهِمْ اَلْمَعْنٰى لَيْسَ لَهُمْ بَعْدَ تَرَبُّصِ مَا ذُكِرَ اِلَّا الْفَيْئَةُ اَوِ الطَّلَاقُ

ترجمہ: .... اور اللہ کے نام کو مت بناؤ (یعنی اللہ کی قسم کو) حجاب اپنی قسموں کے ذریعہ (یعنی قسموں کو آڑ نہ بناؤ کہ اللہ کے نام کی بکثرت قسمیں کھاؤ) کہ تم نیکی اور تقویٰ اور اصلاحی کام نہ کرسکو (ان باتوں پر قسمیں کھانا مکروہ ہے اور کھالی جائیں تو قسموں کو توڑ کر کفارہ ادا کردینا مسنون ہے اور ان کاموں کے خلاف نیک جانب کو اختیار کرے کہ یہ طاعت ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ان قسموں کی وجہ سے ان نیک کاموں میں رکاوٹ نہ ڈالو۔ بلکہ ان کو کرکے کفارہ ادا کرلیا کرو۔ اس آیت کا سبب نزول ان کاموں سے رکاوٹ ڈالنا تھا) اور اللہ تعالیٰ (تمہارے اقوال) سب کچھ سنتے ہیں (اور تمہارے احوال) سب کچھ جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم پر دارو گیر نہیں فرمائیں گے۔ بیکار باتوں پر جو تمہاری قسموں میں (ہونے والی) ہیں (یمین لغو کہتے ہیں بلا ارادہ زبان پر قسموں کا جاری ہونا۔ جیسے **لا واللہ** اور **بلیٰ واللہ** ان میں نہ گناہ ہوتا ہے اور نہ کفارہ لازم ہے) البتہ دارو گیر فرمائیں گے اس پر جس میں تمہارے دلوں نے ارادہ کیا ہے (یعنی ارادہ سے قسم کھا کر توڑ دیں) اور اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والے ہیں (لغو یمین کی برائی کو) بُردبار ہیں (کہ مستحق کی سزا کو مؤخر رکھا ہے) جو لوگ قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیویوں کے پاس جانے سے (یعنی صحبت نہ کرنے پر حلف کرلیتے ہیں) ان کے لئے چار مہینے کی مہلت (انتظار ہے) چنانچہ اگر یہ لوگ رجوع کرلیں (مدت کے اندر یا بعد حلف سے رجوع کرکے ارادۂ وطی کرلیں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمانے والے ہیں (جو کچھ انہوں نے قسم کھا کر بیوی کو نقصان پہنچایا ہے) ان پر رحم فرمانے والے ہیں اور اگر بالکل ہی چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے (یعنی رجوع نہیں کرنا چاہتے تو ان کو طلاق واقع کردینی چاہئے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ان کی بات) سننے والے (ان کے ارادوں سے) واقف ہیں (حاصل یہ ہے کہ اس انتظار کے بعد ان کے لئے بجز رجوع یا طلاق کے کوئی چارہ نہیں ہے۔)

تحقیق وترکیب: .... العرضة بروزن فعلة بمعنی مفعول مثل قبضة وغرفة باب نصر یا ضرب سے عرض الشيء اذا جعله

معترضا۔

ایمان جمع یمین بمعنی قسم لام تعلیل کا ہے۔ نصبا یعنی مثل علم منصوب کے قابل اعتماد۔

بان تکثروا یہاں مفسر کو لفظ او استعمال کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ یہ دوسری تفسیر کی طرف اشارہ ہے۔ ان تبروا مفسر جلال محقق نے لا مقدر مانا ہے اور دوسرے اکثر مفسرین لا مقدر نہیں مانتے اور لام کی تقدیر کرتے ہیں ای لان تبروا اور یہ لا تجعلوا فعل کا صلہ ہو جائے یا لفظ عرضۃ کا صلہ بن جائے ای لا تجعلوا اللہ حاجزا لاجل حلفکم بہ عن البر والتقویٰ والصلاح۔

علی ذلک یعنی مذکورہ پر قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ اس صورت میں عرضۃ سے مراد یا مایعرض اور ایمان سے مراد امور محلوفہ اور ان تبروا عطف بیان ہے۔ ویسن حدیث مسلم ہے۔ اذا حلفت علی یمین فرایت غیرھا خیرا منھا فکفر عن یمینک فات الذی ھو خیر۔

• وھو مایسبق یمین لغو کی یہ تشریح مفسر نے اپنے شافعی مذہب کی رعایت سے کی ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک یمین لغو کے معنی یہ ہیں کہ زمانۂ ماضی پر کسی بات کو صحیح سمجھتے ہوئے قسم کھالینا اور فی الواقع وہ خبر غلط ہو یا بلا ارادہ جھوٹی قسم زبان سے نکل گئی اور مختار میں زمانۂ حال کا بھی اضافہ کیا ہے یعنی آئندہ بات پر بلا ارادہ قسم نکل گئی اور اس پر نہ گناہ ہے اور نہ کفارہ یعنی ساقط الاعتبار ہے۔

ای قصدتہ یمین غموس اور یمین منعقدہ دونوں ہی ہیں۔ ارادہ ہوتا ہے لیکن یمین منعقدہ میں شوافع اور احناف دونوں کے نزدیک کفارہ اور گناہ دونوں لازم ہوتے ہیں۔ البتہ یمین غموس میں شوافع کے نزدیک کفارہ ہے اور احناف کے نزدیک صرف گناہ ہے کفارہ نہیں ہے۔ یمین منعقدہ کی حقیقت یہ ہے کہ آئندہ کام پر قصداً قسم کھائے اور یمین غموس زمانۂ ماضی پر جھوٹی قسم کھانا۔

یؤلون ۔ ایلاء لغۃً یمین کو کہتے ہیں اور شریعت میں چار مہینے یا اس سے زائد بیوی سے ترکِ صحبت پر قسم کھانے کو کہتے ہیں۔ اور قسم بھی خدایا اس کے نام یا صفت کی معتبر ہوگی۔ لیکن غیر اللہ کی اگر قسم کھالی جائے۔ مثلاً بیت اللہ، کعبۃ اللہ، نبی اللہ، کی تو وہ معتبر نہیں ہیں اور موجب کفارہ نہیں بلکہ ایسی قسمیں مکروہ ہیں۔ امام شافعیؒ تو ایسی قسموں کے بارہ میں معصیت ہونے کا خطرہ ظاہر فرماتے ہیں اور رازیؒ تو کفر کا اندیشہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر عوام کا خیال پیش نظر نہ ہوتا کہ وہ معانی کی طرف ملتفت نہیں ہوتے تو میں اس کو شرک قرار دے دیتا کما فی الحدیث من حلف بغیر اللہ فقد اشرک باللہ۔

لقولھم یعنی قول طلاق کو اللہ تعالیٰ سننے والے ہیں۔ یہ تفسیر امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ کی رائے کے موافق کی ہے ان حضرات کے نزدیک مدت ایلاء گذرنے کے بعد یا طلاق دی جائے گی یا رجوع کیا جائے گا محض مدت گزرنا کافی نہیں ہوگا۔ سمع کا تعلق قول سے ہوتا ہے اور مدت مسموع نہیں ہوا کرتی۔

اور فان فاؤا کی فاتعقیبیہ ہے یعنی رجوع مدت کی ہونا چاہئے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک رجوع مدت کے اندر ہوتا ہے بعد میں سوال ہی باقی نہیں رہتا اور طلاق خود بخود ہو جائے گی واقع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ رہا فاوہ تعقیب ذکری کیلئے ہے جو جملوں پر تفصیل بعد الاجمال کیلئے آتی ہے ای فان رجعوا فی المدۃ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں فان فاءُ وا فیھن بھی اسی کی موید ہے اور سمیع کا تعلق ایلاء کے ساتھ ہے کہ یہ بقصد ضرر ایلاء کیا گیا ہے یا نہیں۔

فَاءُ وا امرنتہ بولتے ہیں یعنی قسم کا کفارادا کیا اور بیوی سے رجوع کیا عن اور الیٰ کے ذریعہ تعدیہ ہوتا ہے یَتَفَیَّؤُا ظِلٰلُہٗ عَنِ الْیَمِیْنِ اور تَفِیْءَ اِلٰی اَمْرِ اللّٰہِ ایسے ہی مفسر علام نے عزموا کے بعد علیہ نکال کر اشارہ کر دیا کہ عزم تعدی علی کے ساتھ ہے۔

ربط:.............. آیت لا تجعلوا میں نیکی سے رُکنے کیلئے قسموں کا بیسوں (۲۰) حکم مذکور ہے۔ آیت لایؤاخذ کم میں جھوٹی قسموں کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ یہ اکیسواں (۲۱) حکم ہے۔ آیت للذین یؤلون میں بائیسواں حکم ایلا سے متعلق ہے۔

شانِ نزول: .... ابن جریرؒ کی روایت یہ ہے کہ آیت لاتجعلوا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت مسطحؓ کی شان میں نازل ہوئی۔ جبکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے واقعۂ افک کے سلسلہ میں حضرت عائشہؓ پر زبان درازی کرنے کی وجہ سے مسطحؓ کے ساتھ نیک سلوک نہ کرنے کی قسم کھالی تھی اور روح المعانی میں اس آیت کو عبداللہ بن رواحہؓ کے متعلق نازل ہونا ذکر کیا گیا ہے جبکہ انہوں نے اپنے بہنوئی نعمان بن بشیر کے بارہ میں قسم کھائی تھی کہ ان سے بات چیت نہیں کریں گے۔

﴿تشریح﴾: ...... **قسم کی اہمیت اور اس کا مقصد:** .... قسم کا مقصد کسی کام سے مؤکد طریقہ پر روکنا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اللہ کے نام کو حجاب کا ذریعہ بنالیا جاتا ہے۔ کسی نیک کام سے رکنا تو ویسے بھی برا تھا چہ جائیکہ اللہ کے نام کو برائی کا ذریعہ بنالیا جائے یہ تو نہایت درجہ قبیح ہوگی۔ حالانکہ اللہ کے نام سے تو اور زیادہ نیک کام کرنے چاہئیں تھے گویا اللہ تعالیٰ کے نام کو اُلٹا استعمال کیا گیا ہے۔

قسم کی قسمیں اور احکام: .... بے معنی اور لغو قسمیں جو گزری ہوئی بات پر بلا ارادہ یا بالا رادہ جھوٹ کو سچ سمجھ کر کھالی جائیں یا آئندہ بات پر کہنا چاہتا تھا کہ کچھ اور زبان سے نکل گئی قسم تو وہ ساقط الاعتبار ہے یعنی ان پر نہ کچھ گناہ اور نہ کفارہ۔ اسی طرح اگر گزری ہوئی بات پر جھوٹی قسم جان بوجھ کر کھالی جائے تو اس پر مواخذہ یعنی گناہ اگرچہ ہے۔ کہ آیت میں ان دونوں جزؤں کو فرمایا گیا ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک ایسی قسم پر کفارہ نہیں ہے۔ اس لحاظ سے اس ''یمین غموس'' کو یمین لغو بھی کہہ سکتے ہیں۔ البتہ قسم کی تیسری قسم یمین منعقدہ ہے کہ زمانہ آئندہ سے لئے کسی کام پر جھوٹی قسم کھا جائے یعنی اس کو پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ اس کا بیان آیت مائدہ میں آئے گا۔ بالاتفاق اس پر گناہ بھی ہے اور کفارہ بھی۔

تین قِسم کی قسم: .... حاصل یہ کہ غموس تو ہمیشہ ماضی پر ہوتی ہے اور منعقدہ ہمیشہ آئندہ کام پر ہوتی ہے اور لغو کبھی ماضی پر ہوتی ہے اور کبھی مستقبل پر۔

دلائلِ طرفین: .... نیز لغو اور منعقدہ کے حکم میں سب کا اتفاق ہے۔ صرف لغو کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ البتہ غموس کے حکم میں حنفیہ اور شوافع کا اختلاف ہے یعنی اس کے گناہ ہونے پر دونوں متفق ہیں۔ البتہ کفارہ کے بارہ میں حنفیہ اس کو لغو میں شمار کرتے ہیں اور گناہ میں منعقدہ کی ساتھ اور شوافع گناہ اور کفارہ دونوں میں اس کو منعقدہ ہی کے ساتھ شمار کرتے ہیں۔ انہوں نے **ولٰکن یؤاخذ کم بما عقدتم** کو یمین غموس اور منعقدہ دونوں پر معمول کیا ہے اور جو سزا آیت مائدہ میں گناہ اور کفارہ کی ہے وہ دونوں میں جاری کی ہے اور حنفیہ اس آیت بقرہ **ولٰکن یؤاخذ کم بما کسبت قلوبکم** کو بھی غموس اور یمین منعقدہ پر محمول کرکے مواخذہ کا حکم دیتے ہیں اور مواخذہ سے مراد عذاب اُخروی ہے تو اس آیت سے دونوں میں گناہ کا ہونا معلوم ہوا۔ اب رہ گئی آیتِ مائدہ اس میں کفارہ کا بیان یمین منعقدہ کے ساتھ مختص ہے اس لئے وہ اس کے ساتھ مخصوص رہے گا۔

ایلاء کی اصلاح: .... آیت ایلاء کے سبب نزول کے سلسلہ میں علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں کسی وجہ سے بیوی کی طرف اگر میلان نہیں ہوتا تھا اور اپنی غیرت کی وجہ سے اس کو چھوڑنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح عورت معلقہ اور ادھر لٹکی رہتی تھی اور اس کی زندگی تنگ رہتی۔ ایلاء میں اس صورت حال کی اصلاح کی گئی ہے اور ہدایہ سے اس کے خلاف مضمون معلوم ہوتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ایلاء کو طلاق معجّل سمجھا جاتا تھا اسلام نے اس کی تاجیل بیان کردی۔

ایلاء کی قسمیں مع احکام: .... ایلاء کی چار قسمیں ہیں۔(۱) چار مہینے سے کم مدت کی قسم کھائے۔ چاہے آدھا دن ہی کم ہو(۲) چار مہینے مدت کی قید لگا کر حلف کرے (۳) چار مہینے سے زیادہ مدت کی تعیین کر کے قسم کھائی جائے (۴) بلا تعیین مدت قسم کھائی جائے۔ اس صورت میں ایلاء شرعی نہیں ہوتا۔ اس صورت میں نہ بیوی ہاتھ سے جائے گی اور نہ کفارہ دینا پڑے گا۔ البتہ اگر قسم توڑے گا تو اس کا کفارہ دینا پڑے گا اور باقی تینوں صورت میں ایلاء ہو جائے گا۔ چنانچہ دو نقصان میں سے ایک نقصان ضرور ہوگا۔ اگر قسم پوری کر لی تو بیوی ہاتھ سے جائے گی اور بیوی کو بچانے کے لئے قسم کو توڑ دیا تو کفارہ دینا پڑے گا۔ بیوی کے علیحدہ ہو جانے کی صورت میں دونوں رضامند ہوں تو بغیر حلالہ دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ اَیْ لِيَنْتَظِرْنَ **بِاَنْفُسِهِنَّ** عَنِ النِّكَاحِ **ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ** تَمْضِیْ مِنْ حِيْنِ الطَّلَاقِ جَمْعُ قَرْءٍ بِفَتْحِ الْقَافِ وَهُوَ الطُّهْرُ اَوِ الْحَيْضُ قَوْلَانِ وَهٰذَا فِی الْمَدْخُوْلِ بِهِنَّ اَمَّا غَيْرُهُنَّ فَلَا عِدَّةَ لَهُنَّ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی فَمَالَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا وَفِیْ غَيْرِ الْاٰيِسَةِ وَالصَّغِيْرَةِ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَالْحَوَامِلُ فَعِدَّتُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ كَمَا فِیْ سُوْرَةِ الطَّلَاقِ وَالْاِمَاءُ فَعِدَّتُهُنَّ قُرْاٰنِ بِالسُّنَّةِ **وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْٓ اَرْحَامِهِنَّ** مِنَ الْوَلَدِ وَالْحَيْضِ **اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ** اَزْوَاجُهُنَّ **اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ** اَیْ بِمُرَاجَعَتِهِنَّ وَلَوْ اَبَيْنَ **فِیْ ذٰلِكَ** اَیْ فِیْ زَمَنِ التَّرَبُّصِ **اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا** بَيْنَهُمَا لَا اِضْرَارَ الْمَرْاَةِ وَهُوَ تَحْرِيْضٌ عَلٰی قَصْدِهٖ لَا شَرْطٌ لِجَوَازِ الرَّجْعَةِ وَهٰذَا فِی الطَّلَاقِ الرَّجْعِیِّ وَاَحَقُّ لَا تَفْضِيْلَ فِيْهِ اِذْ لَا حَقَّ لِغَيْرِهِمْ فِیْ نِكَاحِهِنَّ فِی الْعِدَّةِ **وَلَهُنَّ** عَلَی الْاَزْوَاجِ **مِثْلُ الَّذِیْ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ** مِنَ الْحُقُوْقِ **بِالْمَعْرُوْفِ** ص شَرْعًا مِنْ حُسْنِ الْعِشْرَةِ وَتَرْكِ الضَّرَرِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ **وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ** ط فَضِيْلَةٌ فِی الْحَقِّ مِنْ وُجُوْبِ طَاعَتِهِنَّ لَهُمْ لِمَا سَاقُوْهُ مِنَ الْمَهْرِ وَالْاِنْفَاقِ **وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ** فِیْ مُلْكِهٖ **حَكِيْمٌ** ﴿۲۲۸﴾ فِيْمَا دَبَّرَهٗ لِخَلْقِهٖ

ع ۲۸ / ۱۲

ترجمہ: .... اور طلاق دی ہوئی عورتیں روکے رکھیں (یعنی انتظار کریں) اپنے آپ کو (نکاح سے) تین طہر تک (جو طلاق کے وقت سے شروع ہو قروء جمع ہے قرء کی قاف کی فتح کے ساتھ۔ مراد اس سے طہر ہے یا حیض دو قول ہیں۔ یہ حکم مدخولہ کے بارہ میں ہے اور غیر مدخولہ کی کوئی عدت نہیں ہے۔ آیت فمالکم علیهن من عدة تعتدونها کی وجہ سے: نیز آئسہ اور صغیرہ نہ ہوں کہ ان کی عدت تین تین مہینے ہے۔ نیز حاملہ نہ ہوں کہ ان کی عدت وضع حمل ہے۔ آیت طلاق فعدتهن ان يضعن حملهن کی وجہ سے نیز باندیاں نہ ہوں کہ حدیث کی رو سے ان کی عدت دو (۲) حیض ہیں) اور ان عورتوں کے لئے حلال نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا کیا اس کو پوشیدہ رکھیں (یعنی بچہ یا حیض) اگر وہ عورتیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں اور ان عورتوں کے شوہر (خاوند) ان کے پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں (اگر عورتیں رضامند نہ ہوں تب بھی رجوع کر سکتے ہیں) اس عدت کے اندر (زمانہ انتظار میں) بشرطیکہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں (آپس میں نہ یہ کہ عورت کی ضرر پہنچانے کی نیت سے لوٹانا ہو۔ یہ جملہ اصلاحی ترغیب

کے لئے ہے۔ جواز رجعت کی شرط نہیں ہے اور یہ حکم رجوع طلاق رجعی میں ہے اور احق میں تفضیل مقصود نہیں ہے کیونکہ زمانہ عدت میں خاوند کے علاوہ دوسروں کو رجوع کا حق ہے ہی نہیں) اور ان عورتوں کے حقوق بھی (شوہروں پر) مثل ان حقوق کے ہیں جو مردوں کے عورتوں پر ہیں۔ دستور (شرعی) کے مطابق (کہ خوش معاملگی ہونی چاہئے نقصان پہنچانے کی نیت نہ ہونی چاہئے وغیرہ) اور مردوں کا درجہ عورتوں کے مقابلہ میں کچھ بڑھا ہوا ہے (حق بزرگی کے لحاظ سے کہ عورتوں پر مردوں کی اطاعت مہر وغیرہ اخراجات کی وجہ سے واجب ہے) اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے (اپنے ملک میں) اور حکیم بھی ہیں (مخلوق کی تدبیر میں)

تحقیق وترکیب: .... یتربصن مفسر علامؒ نے اشارہ کردیا ہے کہ خبر معنیٰ میں امر کے ہے۔ مبالغۃً امتثال حکم کیلئے یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے۔

ثلثة قروء ممیز یعنی قروء جمع کثرت ہے قلت کے موقعہ پر استعمال کرلیا گیا ہے چنانچہ جمع قلت وکثرت توسعاً ایک دوسرے کے مواقع پر استعمال ہوتی ہیں اور یا اقراء جمع قلت کی قلیل الاستعمال اور قروء کے کثیر الاستعمال ہونے کی وجہ سے اول کو ترک اور ثانی کو اختیار کیا گیا ہے۔ اور ثلثة منصوب بر بناء مفعولیت ہے بتقدیر مضاف ای یتربصن مضی ثلثة قروء. یا منصوب بناء برظرفیت کے ہے۔ ای یتربصن مدة ثلثة قروء. یہ لفظ مشترک ہے۔ طہر اور حیض دونوں کے معنیٰ آتے ہیں اول قول امام مالکؒ وامام شافعیؒ کا ہے اور ثانی قول امام اعظمؒ، امام احمدؒ کا ہے۔ دلائل طرفین کے پاس ہیں۔

بالسنة ابوداؤد کی روایت ہے طلاق الامة تطليقتان وعدتها حيضتان چنانچہ حدیث مذکور لفظ قرء حیض کے معنی لینے میں حنفیہ کا متدل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے باندی کی عدت صراحۃً حیضتان فرمائی۔ معلوم ہوا کہ آزاد عورت مدخول کی عدت "ثلثة قروء" سے مراد بھی تین حیض ہیں۔ گویا حدیث نے مشترک لفظ کے ایک معنی کی تعیین کی۔ مفسر جلالؒ کیلئے لفظی روایت چونکہ مستحضر تھی اس لئے شاید روایت بالمعنی کردی ہے۔

من الولداو الحيض یعنی اگر حاملہ ہے تو حمل کو اور حائضہ ہے تو حیض کو ظاہر کردے۔ وبعولتهن بعول جمع بعل اور تا زائد ہے اور امثلہ سماعی ہیں۔ ضمیر مؤنث مطلقات رجعی کی طرف راجع ہے۔ قرینہ یہ ہے کہ الطلاق مرتن آگے آرہا ہے۔ گویا ضمیر مطلقہ کے بعض افراد کی طرف راجع ہے۔ ولوا بين کی ضمیر مطلق نساء کی طرف راجع ہے۔ یہاں ضمیر خاص اور مرجع عام ہے۔ احق یعنی اس میں تفضیل کا مفہوم نہیں ہے کہ ایک مفضل دوسرا مفضل علیہ ہے یعنی شوہر کو بھی حق ہو اور شوہر کے علاوہ بیوی وغیرہ کو بھی حق ہو اور زیادہ حق شوہر کا ہو یہ مطلب نہیں ہے بلکہ حق صرف شوہر کا ہے یہ لفظ الشتاء ابرد من الصيف کی طرح ہے۔ یعنی صرف برودت مراد ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ گرمی بھی ٹھنڈی ہوتی ہے مگر موسم سرما موسم گرما کے مقابلہ میں زیادہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔ مبالغۃً صیغہ تفضیل سے بیان کردیا ہے اور یا یہ معنی ہیں کہ انهم احق بالرجعة منهن.

بالاباء. وللرجال. رجل کے لفظ میں غلبہ کے معنی ہونے کی وجہ سے اس کو ذکر کیا ہے اور بجائے ضمیر کے اسم ظاہر لائے تاکہ اس کی مزیت وشرف معلوم ہوجائے۔

ربط: .... اس آیت میں تیسواں (۲۳) اور چوبیسواں (۲۴) حکم مطلقہ کی عدت کے بارہ میں ہے۔

شانِ نزول: .... اسماء بنت یزید بن السکن انصاریہ کہتی ہیں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ان کو طلاق ہوئی اور مطلقہ کے لئے کوئی عدت نہیں تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کی عدت کیلئے والمطلقات يتربصن نازل فرمائی۔

﴿تشریح﴾: ...... **نکاح اور طلاق میں مرد وعورت کی حیثیت**: .... اس آیت میں طلاق کے احکام اور ازدواجی زندگی میں عورت کی حق تلفی جن باتوں سے ہوسکتی ہے ان کا انسداد مقصود ہے۔ مثلاً طلاق کی عدت کا ایک مناسب زمانہ مقرر کرکے نکاح کی اہمیت، نسبت کے تحفظ اور عورت کے نکاحِ ثانی کی سہولتوں کا انتظام کردیا گیا اور یہ بات بھی واضح کی جارہی ہے کہ طلاق کے بعد اگر شوہر رجوع کرنا چاہے تو وہی حقدار ہے کیونکہ شرعاً میل ملاپ مطلوب ہے نہ کہ افتراق۔ نیز یہ اصل عظیم بھی واضح کردی گئی ہے کہ جیسے مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق بھی مردوں پر ہیں۔ البتہ نوعیتِ حقوق میں فرق ہے کہ مرد کی بالادستی عورت پر نا قابلِ انکار حیثیت ہے گویا ساری خانگی زندگی کا نچوڑ ان دولفظوں میں بیان کردیا گیا ہے۔ اگر مرد وعورت کی یہ حیثیتیں پیش نظر نہ رہیں کہ ایک گارڈ ہے اور دوسرا ڈرائیور، تو زندگی کی گاڑی بلا کشاکش کھینچ سکتی ہے۔

احکامِ حیض: .... (۱) آیت میں یہ عدت ایک خاص قسم کی مطلقہ کے لئے بیان کی جارہی ہے۔ جس کی طرف جلال محققؒ نے پورے اشارات کردیئے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک خلوتِ صحیحہ بھی ہمبستری کے حکم میں ہے۔ یعنی جس عورت کو خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق ہوتی ہو اس کی عدت بھی وہی ہے جو مدخولہ مذکورہ کی ہے۔

(۲) جو عورت جوان غیر حاملہ ہو مگر مرض احتباس کی وجہ سے اس کو حیض نہ آتا ہو تو اس کے احکام کتبِ فقہ میں موجود ہیں۔

(۳) شرعی باندی کو اگر پیرانہ سالی یا کم عمری کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہے۔

(۴) عدت کے اندر کسی دوسرے مرد سے نکاح جائز نہیں ہے۔

(۵) مطلقہ پر اپنے حمل یا حیض کا اظہار ضروری ہے تاکہ عدت کے حساب میں گڑبڑ نہ ہو۔

(۶) طلاق رجعی میں رجعت دونوں طریقے سے حنفیہ کے نزدیک ہوسکتی ہے۔ زبان کے کہنے سے بھی کہ ''میں نے اپنی بیوی سے رجعت کی'' اور عمل سے بھی کہ بوس وکنار وغیرہ دواعی جماع یا صحبت کرلی جائے۔ رجعت کے بعد پہلا ہی نکاح قائم رہتا ہے۔ تجدید کی ضرورت نہیں۔

عورت ومرد کے خاص حقوق: .... عورت کے خاص حقوق مرد پر یہ ہیں کہ اپنی حیثیت اور وسعت کے مطابق اس کیلئے کھانے، کپڑے، رہنے کا بندوبست کرے۔ تنگ نہ کرے، مہر ادا کرے، اور عورت کے ذمہ مرد کے خاص حقوق یہ ہیں کہ وہ اس کی اطاعت وخدمت کرے، حکم عدولی، نافرمانی نہ کرے۔ تو جہاں تک نفس حقوق کے واجب ہونے کا تعلق ہے دونوں برابر ہیں۔ البتہ دونوں کی نوعیت کا فرق ان کی تفصیلات ہی سے واضح ہے۔

اَلطَّلَاقُ اَیِ التَّطْلِيْقُ الَّذِیْ يُرَاجِعُ بَعْدَهٗ **مَرَّتٰنِ** اَیْ اِثْنَتَانِ **فَاِمْسَاكٌ** اَیْ فَعَلَيْكُمْ اِمْسَاكُهُنَّ بَعْدَهٗ بِاَنْ تُرَاجِعُوْهُنَّ **بِمَعْرُوْفٍ** مِنْ غَيْرِ ضِرَارٍ **اَوْ تَسْرِيْحٌ** اِرْسَالٌ لَهُنَّ **بِاِحْسَانٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ** اَيُّهَا الْاَزْوَاجُ **اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ** مِنَ الْمُهُوْرِ **شَيْئًا** اِذَا طَلَّقْتُمُوْهُنَّ **اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ** اَیِ الزَّوْجَانِ **اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ** اَیْ لَا يَاْتِيَا بِمَا حَدَّهٗ لَهُمَا مِنَ الْحُقُوْقِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ يُخَافَا بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ فَاَنْ لَا يُقِيْمَا بَدَلُ اِشْتِمَالٍ مِنَ الضَّمِيْرِ فِيْهِ وَقُرِئَ بِالْفَوْقَانِيَّةِ فِی الْفِعْلَيْنِ **فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ** نَفْسَهَا مِنَ الْمَالِ لِيُطَلِّقَهَا اَیْ لَا حَرَجَ عَلَى الزَّوْجِ فِیْ اَخْذِهٖ وَلَا الزَّوْجَةِ فِیْ بَذْلِهٖ **تِلْكَ**

اَلْاَحْکَامُ الْمَذْکُوْرَۃُ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا ۚ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَھَا الزَّوْجُ بَعْدَ الثِّنْتَیْنِ فَلَا تَحِلُّ لَہٗ مِنْۢ بَعْدُ بَعْدَ الطَّلْقَۃِ الثَّالِثَۃِ حَتّٰی تَنْکِحَ تَتَزَوَّجَ زَوْجًا غَیْرَہٗ ؕ وَیَطَأَھَا کَمَا فِی الْحَدِیْثِ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ فَاِنْ طَلَّقَھَا الزَّوْجُ الثَّانِیْ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَآ اَیِ الزَّوْجَۃِ وَالزَّوْجِ الْاَوَّلِ اَنْ یَّتَرَاجَعَآ اِلَی النِّکَاحِ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْعِدَّۃِ اِنْ ظَنَّآ اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ ؕ وَتِلْکَ الْمَذْکُوْرَاتُ حُدُوْدُ اللّٰہِ یُبَیِّنُھَا لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ یَتَدَبَّرُوْنَ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ قَارَبْنَ اِنْقِضَاءَ عِدَّتِھِنَّ فَاَمْسِکُوْھُنَّ بِاَنْ تُرَاجِعُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ مِنْ غَیْرِ ضِرَارٍ اَوْ سَرِّحُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ص اُتْرُکُوْھُنَّ حَتّٰی تَنْقَضِیَ عِدَّتُھُنَّ وَلَا تُمْسِکُوْھُنَّ بِالرَّجْعَۃِ ضِرَارًا مَفْعُوْلٌ لَہٗ لِّتَعْتَدُوْا ۚ عَلَیْھِنَّ بِالْاِلْجَاءِ اِلَی الْاِفْتِدَاءِ اَوِ التَّطْلِیْقِ وَتَطْوِیْلِ الْحَبْسِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ ؕ بِتَعْرِیْضِھَا اِلٰی عَذَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰیٰتِ اللّٰہِ ھُزُوًا ۡ مَھْزُوًّا بِھَا بِمُخَالَفَتِھَا وَّاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ بِالْاِسْلَامِ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ مِّنَ الْکِتٰبِ الْقُرْاٰنِ وَالْحِکْمَۃِ مَافِیْہِ مِنَ الْاَحْکَامِ یَعِظُکُمْ بِہٖ ؕ بِاَنْ تَشْکُرُوْھَا بِالْعَمَلِ بِہٖ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۳۱﴾ لَایَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ انْقَضَتْ عِدَّتُھُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْھُنَّ خِطَابٌ لِلْاَوْلِیَاءِ اَیْ لَاتَمْنَعُوْھُنَّ مِنْ اَنْ یَّنْکِحْنَ اَزْوَاجَھُنَّ اَلْمُطَلِّقِیْنَ لَھُنَّ لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِھَا اَنَّ اُخْتَ مَعْقِلِ بْنِ یَسَارٍ طَلَّقَھَا زَوْجُھَا فَاَرَادَ اَنْ یُّرَاجِعَھَا فَمَنَعَھَا مَعْقِلٌ کَمَا رَوَاہُ الْحَاکِمُ اِذَا تَرَاضَوْا اَیِ الْاَزْوَاجُ وَالنِّسَاءُ بَیْنَھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ شَرْعًا ذٰلِکَ النَّھْیُ عَنِ الْعَضْلِ یُوْعَظُ بِہٖ مَنْ کَانَ مِنْکُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ لِاَنَّہُ الْمُنْتَفِعُ بِہٖ ذٰلِکُمْ اَیْ تَرْکُ الْعَضْلِ اَزْکٰی لَکُمْ وَاَطْھَرُ ؕ لَکُمْ وَلَھُمْ لِمَایُخْشٰی عَلَی الزَّوْجَیْنِ مِنَ الرِّیْبَۃِ بِسَبَبِ الْعِلَاقَۃِ بَیْنَھُمَا وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَافِیْہِ مِنَ الْمَصْلَحَۃِ وَاَنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾ ذٰلِکَ فَاتَّبِعُوْا اَمْرَہٗ ۔

ترجمہ: .... طلاق (یعنی وہ طلاق کہ جس کے بعد رجعت کی گنجائش ہے) دو (۲) ہیں (دو (۲) عدد ہیں) پھر خواہ روک لینا ہے (یعنی پھر تم اس کے بعد رجعت کر کے روک لو) قاعدہ کے موافق (بغیر نقصان کے) اور یا چھوڑ دینا ہے خوش اسلوبی کے ساتھ (ان کو آزاد کر کے) اور تمہارے لئے یہ بات جائز نہیں ہے (اے شوہرو!) کہ وصول کرلو اس مال سے جو تم نے ان کو دیا تھا (یعنی مہر) کچھ بھی (جب کہ تم نے ان کو طلاق دے دی ہے) الا یہ کہ دونوں (خاوند و بیوی) کو یہ احتمال ہو کہ دونوں قائم نہیں رکھ سکیں گے اللہ تعالیٰ کی حدود کو (یعنی جن حقوق کی ان کے لئے ضابطہ بندی ہو چکی ہے وہ ان کو باقی نہیں رکھ سکیں گے اور ایک قرأت میں یخافا مجہول صیغہ کے ساتھ ہے اس صورت میں الایقیما یخافا کی ضمیر تثنیہ سے بدل الاشتمال ہو جائے گا اور ایک قرأت میں یہ دونوں لفظ تخافا اور تقیما پڑھے گئے ہیں) چنانچہ اگر تم لوگوں کو یہ اندیشہ ہو کہ شوہر و بیوی خدائی ضابطوں کو برقرار نہیں رکھ سکیں گے تو ان دونوں کو گناہ نہیں ہوگا کہ

عورت کچھ دے کر چھڑالے (اپنی جان مال کے بدلہ میں طلاق دے کر یعنی شوہر پر اس کے قبول کرنے میں اور بیوی پر اس کے پیش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے) یہ (مذکورہ احکام) اللہ کے حدود ہیں سو ان کو نہ پھلانگنا۔ جو خدائی ضابطوں سے باہر نکلنے کی کوشش کرے گا ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہوتے ہیں۔ پھر اگر طلاق دیدے (دو طلاق کے بعد شوہر) بیوی کو تو وہ بیوی حلال نہیں رہے گی۔ اس شوہر کے لئے بعد (تیسری طلاق کے) حتیٰ کہ نکاح (شادی) کرلے وہ عورت پہلے خاوند کے علاوہ دوسرے سے (اور وہ دوسرا شوہر اس عورت سے ہمبستر ہوجائے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے جس کو شیخین نے روایت کیا ہے) پھر اگر طلاق دیدے (دوسرا شوہر بھی) تو ان دونوں پر اب کوئی حرج نہیں ہے (یعنی عورت اور شوہر اول پر) کہ بدستور پھر مل جائیں (عدت کے بعد دونوں نکاح کرلیں) بشرطیکہ دونوں کو گمان غالب ہو کہ وہ خدائی ضابطوں کو برقرار رکھ سکیں گے اور یہ (مذکورہ احکام اللہ کے حدود ہیں ان کو بیان فرماتے ہیں۔ ایسے لوگوں کیلئے جو اصحاب دانش ہیں (غور کرتے ہیں) اور جب تم نے ان عورتوں کو طلاق دے دی پھر وہ اپنی عدت گزرنے کے بعد قریب ہوجائیں (یعنی ان کی عدت قریب الختم ہو) تو تم روک سکتے ہو (ان سے رجعت کرکے) قاعدہ کے مطابق (نقصان نہ پہنچا کر) یا ان کو رہائی دیدو قاعدہ کے مطابق (ان کو چھوڑ دو کہ ان کی عدت گزر جائے) اور ان کو روکنا نہیں چاہئے (رجعت کرکے) نقصان پہنچانے کی غرض سے (ضراراً مفعول لہ ہے) اس ارادہ سے کہ ظلم کیا کرو گے (ان عورتوں پر۔ فدیہ پر مجبور کرکے یا طلاق دینے اور زیادہ روکنے پر مجبور کرکے) اور جو شخص ایسا کرے گا سو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا (خود کو اللہ کے عذاب پر پیش کرکے) اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو مذاق مت بناؤ (ان کی مخالفت کرکے کھلونا نہ بناؤ) اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جو تم پر (اسلام کی) ہیں ان کو یاد کرو اور اس کتاب کو جو تم پر نازل کی گئی (قرآن) اور حکمت کو (قرآنی احکام) درانحالیکہ اس کی نصیحت تم کو کی جاتی ہے (یہ شکر یہ تمہارے عمل کی صورت میں ہونا چاہئے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں (کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے) اور جب تم طلاق دے دو اپنی بیویوں کو پھر وہ عورتیں اپنی عدت پوری کرچکیں (ان کی عدت ختم ہوجائے) تو تم ان کو مت روکو (یہ خطاب عورتوں کے اولیاء سے ہے یعنی اولیاء کو روکنے کا حق نہیں ہے) نکاح کرنے سے ان شوہروں کے ساتھ (جنہوں نے ان کو طلاق دی تھی۔ چنانچہ سبب نزول اس آیت کا یہ ہے کہ معقل بن یسار کی بہن کو ان کے شوہر نے طلاق دیدی تھی اس کے بعد شوہر نے رجعت کرنی چاہی تو معقل نے بہن کو روک دیا (رواہ الحاکم) جبکہ رضامندی ہوجائے (شوہروں اور بیویوں کی) باہمی حسب دستور (شرعی) اس (ممانعت کی رکاوٹ سے) نصیحت کی جاتی ہے۔ اس شخص کو جو تم میں سے ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے روز پر (کیونکہ دراصل نفع حاصل کرنے والے مؤمنین ہی ہوتے ہیں) یہ (رکاوٹ) دور کردینا) تمہارے لئے زیادہ صفائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے (تمہارے اور ان کیلئے سابقہ علاقہ کی وجہ سے ان میں شبہ کا اندیشہ ہوسکنے کے باعث) اور اللہ تعالیٰ واقف ہیں (اس حکم کی مصلحت سے) اور تم نہیں جانتے ہو (یہ مصلحت اس لئے تعمیل حکم کرو)

تحقیق وترکیب: .... **فان خفتم** بظاہر جلال محققؒ کے طرز سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس لفظ کا مخاطب وہ ازواج کو قرار دے رہے ہیں جیسا کہ اس سے پہلے بھی یہی مخاطب ہیں۔ لیکن علامہ زمخشریؒ کی رائے یہ ہے کہ انہوں نے حکام کو مخاطب مانا ہے اور ماقبل میں ازواج کو اور یہ بھی جائز ہے۔

فان طلقها عام اس سے کہ اس تیسری طلاق سے پہلے دو طلاقیں ایک دم واقع کی ہوں یا علیحدہ علیحدہ مثلاً **انت طالق ثلاثا** کہا ہو یا **انت طالق البتة** بہرصورت تین طلاقوں کے بعد حلالہ کی ضرورت پیش آئے گی یہ متفق علیہ ہے۔ بجز علامہ ابن تیمیہ حنبلیؒ کے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا وہ **طالق ثلاثا** کو ایک ہی طلاق مانتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان ہی کے ہم مذہب علماء نے ان کی سخت تغلیط اور تضلیل کی

ہے۔البتہ امام اشہب مالکیؒ کی طرف اس مسئلہ کا انتساب صحیح نہیں ہے۔ تنکح ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک حلالہ کے محلل بننے کے لئے وطی شرط ہے۔ ابن المسیب اور ابن جبیر کا اختلاف کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ چنانچہ تمیمہ یا عائشہ بنت عبدالرحمٰن بن عتیک القرظیؒ جو امراۃ رفاعۃ القرظیؒ کہلاتی ہیں۔ ان کی روایت میں ہے کہ وہ اپنے چچازاد بھائی رفاعہ بن وہب بن عتیک القرظی سے منسوب ہوئیں اور ان کو وہاں سے طلاق مل گئی۔ پھر عبدالرحمٰن بن الزبیرؓ سے ان کی شادی ہوئی تو ان سے علیحدگی کی درخواست کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ انما معه مثل هدبة الثواب. یہ کنایہ تھا ان کے عنین ہونے کی طرف۔ چنانچہ سن کر آپ مسکرائے اور ان کے دوبارہ رفاعہ سے ملنے کے ارادہ پر فرمایا کہ لاحتی یذوق عسیلتک وتذوقی عسیلته رواه الشیخان یہ حدیث مشہور ہے اس لئے آیت پر زیادتی بالاتفاق جائز ہے۔ نیشاپوریؒ فرماتے ہیں کہ تنکح کے معنی یہاں وطی کے ہیں اور نکاح لفظ زوجاً سے سمجھ آ رہا ہے اس لئے زیادتی علی الکتاب ماننے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔ البتہ تنکح کی اسناد عورت کی طرف تمکین زوج کی طرف مشیر ہے۔

بلغن قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ بلوغ کے معنی دخول شے اور دنوءِ شے دونوں آتے ہیں یہی دوسرے معنی قریب ہونے کے آیت میں مراد ہیں۔ ورنہ عدت ختم ہونے کے بعد امساک کی کوئی صورت نہیں ہے۔ ضــــراراً جس کی صورت یہ ہے کہ عدت جب ختم ہونے کے قریب آ جائے تو مراجعت کرلی جائے تاکہ عدت طویل ہو کر عورت پریشان ہو جائے۔

لتعتدوا لام کا تعلق ضرار کے ساتھ ہے کیونکہ مقصد ضرر کی تقیید ہے یعنی جو امساک بارادۂ ضرر ہو وہ ممنوع ہے اور جو بارادۂ اصلاح ہو وہ مطلوب ہے۔ هزوا مفسر علامؒ مصدر بمعنی مفعول لے رہے ہیں جو شخص کسی کام کا پختگی سے ارادہ نہ رکھتا ہو اس کو کہا جاتا ہے۔ انــما انت هازی مقصد اس سے ہزوکو روک کر اس کی ضد کا حکم ہوتا ہے۔

فبلغن یہاں مفسر جلالؒ نے اشارہ کر دیا کہ لفظ بلوغ اپنے حقیقی معنی میں ہے۔ یعنی مدت کیلئے نہ کہ مجازی معنی کیونکہ انعقادِ نکاح ختم مدت کے بعد بھی ہوسکتا ہے فلا تعضلوهن یہاں تمام مفسرین کے نزدیک مخاطب اولیاء ہیں۔ امام شافعیؒ کی طرف نسبت عضل سے استدلال کرتے ہیں کہ عورتوں کا نکاح اجازتِ اولیاء پر موقوف ہوتا ہے۔ لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ عضل شرعی ہو بلکہ حسی عضل ظلماً بھی ہوسکتا ہے یا دھوکہ دہی کے طریقہ پر۔ اس لئے استدلال صحیح نہیں ہے۔ برخلاف اس کے تنکح کی اسناد عورت کی طرف اس کے استقلال پر دلالت کرتی ہے۔ یؤمن اس تخصیص کا ایک نکتہ تو جلال مفسرؒ نے بیان کیا ہے اور ممکن ہے کہ کفار کے مکلّف بالفروع نہ ہونے کی طرف بھی اشارہ ہو۔

ربط: .... آیت الطلاق میں طلاق رجعی کا بیان پچیسویں (۲۵) حکم کی صورت میں اور آیت لایحل لکم میں چھبیسواں (۲۶) حکم دوبارہ خلع اور آیت فان طلقها میں ستائیسواں (۲۷) حکم حلالہ کا ہے اس کے بعد و اذا طلقتم الخ میں بطور تتمہ اٹھائیسواں (۲۸) حکم۔ تلعب بالا دکام کی ممانعت کا بیان کیا جارہا ہے۔ بعدازاں و اذا طلقتم الخ میں انتیسویں (۲۹) حکم نکاح ثانی کی ممانعت نہ کرنے سے متعلق ہے۔

شانِ نزول: .... حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ شوہر اپنی بیویوں کو طلاق دیتے رہتے تھے اور عدت میں رجوع کرلیا کرتے تھے چاہے سو (۱۰۰) مرتبہ سے زیادہ طلاقوں کی نوبت آ جائے۔ جس سے حد درجہ عورتوں کی مشکلات بڑھی ہوئی تھیں چنانچہ ایک عورت نے آپ ﷺ سے آ کر شکایت کی اس پر الطلاق مرتٰن آیت نازل ہوئی۔

ابن جریرؒ نے روایت نقل کی ہے کہ جیبہ اور ان کے خاوند ثابت بن قیس کے درمیان تعلقات خوشگوار نہیں تھے اور وہ ان سے علیحدہ ہونا چاہتی تھیں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم مہر کا باغ واپس کرسکتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں اسی طرح آپؐ نے ان کے

شوہر سے بلا کر دریافت فرمایا اور اس پر یہ آیت ولا یحل لکم نازل ہوئی جس کا حاصل خلع ہے۔

اسی طرح آیت فان طلقها الخ کے سلسلہ میں امراۃ رفاعہ کے واقعہ کی تفصیل گزر چکی ہے وہ اس کا سبب نزول ہے۔

ابن جریرؒ نے روایت بیان کی ہے کہ ثابت بن یسار انصاریؒ نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور جب عدت گزرنے میں دو تین روز رہ گئے تو انہوں نے بارادۂ اضرار رجوع کر لیا اس پر ولا تمسکوھن آیت نازل ہوئی۔

ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ بعض اشخاص طلاق دیتے اور خرید وفروخت کرتے پھر کہہ دیتے کہ ہم نے بطور مذاق ایسا کہہ دیا تھا۔ اس پر آیت ولا تتخذوا الخ نازل ہوئی۔ امام بخاریؒ وغیرہ نے معقل بن یسارؓ کی روایت پیش کی ہے کہ انہوں نے اپنی بہن کی شادی ایک شخص سے کی۔ انہوں نے ان کو طلاق دے دی اور عدت گزرنے تک رجوع نہیں کیا حتیٰ کہ پھر دوبارہ شادی کی طرف ایک دوسرے کا میلان ہوا تو معقل بن یسارؓ مانع ہوئے۔ اس پر آیت ولا تعضلوھن نازل ہوئی تو معقلؓ کہنے لگے سمعًا لربی و طاعةً اور بہنوئی کو بلا کر کہا اُزَوِّجُکَ و اُکرِمُکَ یہ روایت تو عضل من الاولیاء کی ہے۔ اسی طرح عضل من الزوج الاول اور من غیر الزوجین الاولین کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... **طلاق رجعی، خلع، طلاق مغلظہ کا بیان**: .... یہاں سے طلاقِ رجعی، طلاق مغلظہ، خلع کا بیان ہو رہا ہے۔ قرآن کریم میں احکام طلاق وعدت کی تفصیلات کافی ہیں۔ یہ بات تو ابھی معلوم ہو چکی ہے کہ طلاق کے سلسلہ میں کوئی حد بندی نہیں تھی۔ جس کی وجہ سے سخت الجھنیں پیش آ رہی تھیں۔ اس لئے طلاق رجعی کی تحدید کر دی گئی کہ وہ دو تک ہوسکتی ہے یعنی ایک یا دو طلاق تک خاوند کو رجوع کا حق ہے کہ عدت کے اندر بلا نکاح کے رجوع کرسکتا ہے عدت کے بعد نکاح کی تجدید کرنی پڑے گی آیت کی یہ توجیہ تو حنفیہ اور شوافع کے نزدیک متفق علیہ ہے گویا تقدیرِ عبارت اس طرح ہے الطلاق الرجعی مرتان ای اثنان.

طلاق کی تین صورتیں: .... دوسری صورت صرف حنفیہ کے مذاق کے موافق ہے جس کو صاحب کشاف ومدارک اور فخر الاسلام نے اختیار کیا ہے کہ شرعی طلاق مراد ہے کہ وہ ایک دم نہیں دی جاتی، بلکہ مرةً بعد مرةٍ یعنی علیحدہ علیحدہ دی جاتی ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ الطلاق الشرعی مرة بعد مرة. مثل ثم ارجع البصر کرتین ای کرة بعد کرة کے ہے چنانچہ لفظ مرتان ارشاد فرمایا گیا لفظ اثنان نہیں فرمایا ہے اور یہ صیغہ خبر ہے لیکن مقصود امر ہے اس توجیہ پر تفصیل یہ ہوگی کہ طلاق کی تین صورتیں ہیں (۱) احسن (۲) حسن (۳) بدعی۔ طلاق احسن یہ ہے کہ صرف ایک طلاق دی جائے اور ایسے طہر کی حالت میں صحبت نہ کی ہو۔ اس کے بعد عدت گزرنے دی جائے۔

طلاق حسن یہ ہے کہ تین طلاقیں دی جائیں۔ مگر علیحدہ علیحدہ تین طہروں میں یا تین مہینوں میں دی جائیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک یہ صورت بھی طلاق بدعی کی ہے اور حنفیہ کے نزدیک طلاق کی تیسری صورت طلاق بدعی یہ ہے کہ ایک دم ایک طہر میں دو یا تین طلاقیں دے دی جائیں یا ایک ہی کلمہ سے دے دی جائیں یا بحالت طہر وطی کے بعد طلاق دی جائے یا موطوءۂ عورت کو بحالتِ حیض طلاق دی جائے۔ یہ سب صورتیں بجز طلاق فی الحیض کے شوافع کے نزدیک بھی طلاق بدعت کی ہیں اور بحالتِ حیض ان کے نزدیک طلاق جائز ہے۔ پھر طلاق رجعی کے لئے صریح لفظ کے ساتھ ہونا بھی شرط ہے۔ اگر عدت گزر گئی یا طلاق صریح الفاظ کی بجائے کنایات کے ساتھ دی گئی۔ دونوں صورتوں میں طلاق جائز ہو جائے گی۔ بلا تجدید نکاح کوئی صورت ملنے کی نہیں ہے اور تین طلاقوں کی عدت اگر پوری ہو جائے خواہ طلاقیں صریح الفاظ کے ساتھ ہوں یا کنایات کے ساتھ مال کے عوض میں ہوں یا بلا مال۔ بہر صورت طلاق مغلظہ ہو جائے گی کہ بدوں حلالہ کے اول شوہر سے نکاح بھی درست نہیں ہوسکتا۔

بیوی سے خوش اسلوبی کا سلوک: .... اس آیت میں قاعدہ اور خوش اسلوبی سے مراد یہ ہے کہ اس کا طریقہ بھی شرع کے موافق ہو اور نیت درست ہو کہ رجعت کے بعد ادائیگی حقوق پیش نظر ہو۔ عورت کو تنگ کرنا مقصود نہ ہو، اور چھوڑنے میں خوش اسلوبی یہ ہے کہ دفع نزاع کا ارادہ ہو نہ یہ کہ تذلیل و دل شکنی باعث ہو بلکہ نرمی و دلجوئی ملحوظ رہنی چاہئے۔

طلاق کی تدریج میں شرعی مصلحت: .... غرضکہ رشتۂ نکاح ایسی چیز نہیں ہے کہ جب چاہا بات کی بات میں توڑ کر رکھ دیا اس کے توڑنے کے لئے مختلف منزلوں سے گزرنے، اچھی طرح سوچنے سمجھنے اور کوئی دفعہ اصلاح حال کی مہلت ملنے اور آخر کار صورتحال سے بالکل مایوس ہونے کے بعد آخری قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ اسی لئے ابغض المباحات عند الله الطلاق فرمایا گیا ہے۔

خلع یا مال کے بدلہ طلاق: .... مال کے بدلہ میں عورت کی رہائی کی دو (۲) صورتیں ہیں۔ (۱) خلع (۲) طلاق علی مال۔ خلع یہ کہ مرد سے عورت درخواست کرے کہ اتنے روپے کے بدلہ مجھ سے خلع کر لے۔ ایجاب وقبول ہوتے ہی قطعی طلاق بائن پڑ جائے گی۔ لفظ طلاق کہا ہو یا نہ کہا ہو اور وعدہ کے مطابق مال عورت کو دینا پڑے گا اور طلاق علی مال یہ کہ خلع کا لفظ استعمال نہ کیا جائے بلکہ مرد عورت سے کہے کہ اتنے روپے کے بدلے تجھ کو طلاق۔ عورت کے منظور کرتے ہی طلاق بائن پڑ جائے گی اور روپیہ عورت کے ذمہ واجب ہو جائے گا۔ نامنظور کرنے کی صورت میں نہ طلاق واجب ہوگی نہ مال واجب ہوگا۔

خلع کے احکام: .... (۱) اس سلسلہ میں اگر فی الواقع قصوروار عورت ہے اور پھر خود ہی خلع کی درخواست کر رہی ہے تو گنہگار ہوگی اور مرد کو مال لینے میں گناہ نہیں ہوگا بشرطیکہ مہر سے زیادہ نہ ہو ورنہ مکروہ ہوگا۔

(۲) لیکن اگر قصوروار مرد ہے تو عورت تو مال دینے میں گنہگار نہ ہوگی البتہ مرد کو مال لینا مطلقاً خواہ کم ہو یا زیادہ۔ مہر ہو یا مہر کے علاوہ باعث گناہ ہوگا۔

(۳) لیکن اگر صورت حال کچھ اس طرح کی ہے کہ قصور کسی ایک کا متعین نہیں ہو پاتا۔ مرد تو عورت کا قصور سمجھتا ہے اور عورت مرد کا قصور سمجھتی ہے یعنی ہر ایک دوسرے کو ظالم اور خود کو مظلوم تصور کیئے ہوئے ہے تو دونوں میں سے کوئی گنہگار نہیں ہوگا۔ مرد کو مال لینا اور عورت کو مال دینا دونوں درست ہیں البتہ مہر سے زیادہ مال لینا یہاں بھی مکروہ رہے گا۔ اور آیت میں الا ان یخافا الخ سے جو صورت حلال ہونے کے استثناء کے ساتھ بیان کی ہے اس سے بھی تیسری صورت مراد ہے ورنہ پہلی دو صورتوں میں تو ایک ایک گنہگار ہوا۔ نیز مقصود یہاں حلال ہونے سے حصر حقیقی نہیں ہے بلکہ حصر اضافی ہے یعنی مرد کے ظالم ہونے کی صورت میں مرد کیلئے مال حلال نہیں ہے۔ باقی عورت کے ظالم ہونے کی حالت میں جیسا کہ اول صورت یا مرد کے ظالم ہونے کی صورت میں جیسا کہ تیسری حالت۔ مرد کے لئے مال دونوں طرح حلال رہے گا نیز خلع اور طلاق علی مال دونوں کا حکم یہاں ایک ہی رہے گا، مال کے جائز اور ناجائز ہونے میں۔

امام شافعیؒ کا اختلاف دربارۂ خلع مع دلیل وجوابِ دلیل: .... آیت فان طلقها الخ سے امام شافعیؒ یہ سمجھے ہیں کہ خلع طلاق نہیں ہوتی بلکہ فسخ نکاح ہوتا ہے ورنہ فان طلقها کو چوتھی طلاق ماننا پڑے گا۔ دو طلاقیں الطلاق مرتان میں گزر چکی ہیں اور تیسری طلاق خلع کو مانا جائے۔ پھر فا تعقیبیہ کے بعد ان طلقها میں چوتھی طلاق ماننی ہوگی حالانکہ طلاقوں کا نصاب کل تین ہے۔ لیکن حنفیہ خلع کو طلاق ہی مانتے ہیں جیسے کہ آیت سے ظاہر ہے اور یہی قول شافعیہ کا ہے۔ البتہ فان طلقها کا تعلق الطلاق مرتان

کے ساتھ ہے اور یہ تیسری طلاق ہے۔ جس کے بعد طلاق مغلظہ ہوجائے گی اور درمیان میں خلع کی صورت بطور جملہ معترضہ ذکر کی گئی ہے۔ یعنی طلاق اگر مفت ہوگی تو اس کو طلاق رجعی سمجھا جائے گا۔ جس کا ذکر الطلاق مرتن میں ہوا ہے اور اگر معاوضہ کی نوبت آ جائے تو اس کو خلع یا طلاق علیٰ مال کہتے ہیں۔ درمیان میں اس کو بیان کر کے آگے پھر فان طلقھا سے تیسری طلاق کا ذکر ہو رہا ہے۔ چنانچہ سعید بن المسیبؒ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی خلع کو طلاق ہی قرار دیا ہے۔

ایک نکتۂ نادرہ: .... فیما افتدت میں فدیہ کا مادہ فداء مساوات کے معنی کے لئے موضوع ہے۔ معلوم ہوا کہ بدل خلع نفس کے مساوی ہونا چاہئے اور نفس کی قیمت کو شریعت نے مہر قرار دیا ہے حاصل یہ نکلا کہ بدل خلع مہر سے بڑھنا نہیں چاہئے۔

احکام حلالہ اور حدیث عُسیلہ: .... حلالہ کا مطلب یہ ہے کہ مرد تین طلاقوں کے بعد اس عورت سے نکاح نہیں کر سکتا تاوقتیکہ یہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کر کے ہمبستری کے بعد طلاق حاصل نہ کر لے یا اس کے دوسرے شوہر کا انتقال ہوجائے اور دونوں صورتوں میں یہ عورت عدت طلاق یا وفات نہ گزار لے۔ یہ تین طلاقیں رجعی ہوں یا بائن یا بعض رجعی اور بعض بائن پھر صریح لفظ سے ہوں یا کنایہ کے لفظ سے۔ کنایہ میں نیت کا اعتبار ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ تینوں طلاقیں بدفعات ہوں یا ایک دم۔ ایک ہی کلمہ سے ہوں یا علیحدہ علیحدہ الفاظ کے ساتھ۔ ہر صورت میں حلالہ کی ضرورت ہے نکاح ثانی کے اول نکاح کی محلل بننے کے لئے صحبت کی شرط لگانا حنفیہ کی طرف سے اگرچہ لفظ تنکح سے سمجھ میں آ سکتا ہے تاہم حدیث رفاعہؓ سے جو مشہور ہے نیز ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے شوافع کے لئے گنجائش اعتراض نہیں ہے۔

دین کے ساتھ استخفاف واستہزاء کا انجام: .... آیت لاتتخذوا الخ میں حقیقۃً احکام الٰہیہ کے ساتھ استہزاء مراد نہیں ہے کہ اس سے انسان کافر ہوجاتا ہے۔ فساد عقیدہ کے ساتھ ہو تب تو ظاہر ہی ہے لیکن صحت عقیدہ کے ساتھ بھی اگر ہو تب بھی کفر ہے کیونکہ دین کی تحقیر جو بنیاد کفر ہے دونوں صورتوں میں حاصل ہے بلکہ احکام الٰہیہ پر لاپرواہی کے ساتھ عمل نہ کرنا مراد ہے مجازاً اسی کو استہزاء فرما دیا گیا ہے اور بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ طلاق وغیرہ الفاظ اگر کسی نے براہ ہزل بھی کہہ دیئے تو اس مذاق سے بھی طلاق کے احکام واقعی ثابت ہوجائیں گے۔ ثلاث جدھن جد وھزلھن جد الطلاق والعتاق والنکاح پھر ان کو احکام واقعی نہ سمجھنا اور عورت سے بدستور برتاؤ رکھنا باعث گناہ ہوگا۔

ہزل اور خطا کا فرق: .... ہزل اور خطا میں یہ فرق ہے کہ ہزل میں لفظ کا تو ارادہ ہوتا ہے لیکن اس کے اثر اور معنی کا ارادہ نہیں ہوتا اور خطا میں لفظ ہی کا ارادہ نہیں ہوتا۔ کہنا چاہتا تھا کچھ مگر بے ساختہ نکل گیا طلاق کا لفظ۔ تو شریعت نے بعض احکام میں ہزل کا بھی اعتبار نہیں کیا ہے بلکہ ارادہ سے الفاظ نکل گئے تو ان ہی پر احکام جاری ہوجائیں گے۔ خواہ تاثیر کی نیت ہو یا نہ ہو۔ البتہ طلاق خطاء واقع نہیں ہوگی۔ کیونکہ الفاظ ارادۃً نہیں نکلے۔

نکاح ثانی سے روکنے کی ممانعت: .... آیت فلا تعضلوھن میں خطاب عام ہے خواہ شوہر ہی دوسری جگہ نکاح سے مانع آئے یا عورت کے بھائی بند۔ پہلے خاوند اور عورت کے درمیان آڑے آئے ہوں بہرصورت روکنا مناسب نہیں ہے۔ لیکن عورت کی رضامندی حسب ضابطہ ہو۔ مثلاً مرد غیر کفو نہ ہو، مہر مثل سے کم نہ تجویز کیا گیا ہو، ورنہ ولی کو حق اعتراض ہوگا یعنی نکاح ہونے کے بعد بھی مسلمان حاکم سے فسخ کرا سکتا ہے۔ اسی طرح شرعی گواہوں کے بغیر نہ ہو۔ نابالغہ اجازت ولی کے بغیر نکاح نہ کرے۔ ایسے شخص سے

نکاح نہ کرے جس سے شرعاً ناجائز ہو۔ علیٰ ہذا اگر پہلے خاوند سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو اگر تین طلاقیں نہ دی ہوں تو بغیر حلالہ ورنہ بعد از حلالہ نکاح درست ہوگا ورنہ سب صورتوں میں سب کو نکاح سے روکنے کا حق رہے گا عزیز ہو یا اجنبی۔

آیت میں جو صحت نکاح کے لئے فبلغن سے عدت گزارنے کی شرط لگائی ہے یا دوسرے شوہر کے لحاظ سے ہے یا اول شوہر کے لئے ہی اگر کہا جائے تو اس قصہ متعلقہ آیت میں اتفاق سے عدت ختم ہو چکی تھی گویا اول صورت میں قید احترازی ہوگی اور دوسری صورت میں قید واقعی ہے۔

تقاضائے دُور اندیشی: .... احکام الٰہیہ کی تعمیل اول تو عام طور پر باعث طہارت قلوب ہوتی ہے لیکن مرد کے میلان کے مصالح کو دیکھ کر دُور اندیشی نکاح سے نہ روکنے ہی میں ہے ورنہ فتنہ وفساد کا باعث ہوگا۔ رہا بے قاعدہ نکاح سو وہ درحقیقت نکاح ہی نہیں ہوا اس لئے وہ روکنا اس میں داخل نہیں ہے۔

ازدواجی زندگی کی رُوح: .... غرضیکہ نکاح کی غرض یہ نہیں ہے کہ مرد وعورت کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے کے گلے پڑ جائیں اور نہ عورت کو مرد کی خود غرضانہ کام جوئیوں کا آلہ بنانا ہے بلکہ مقصد اصل یہ ہے کہ دونوں کے ملاپ سے ایک کامل اور خوشحال ازدواجی زندگی پیدا ہو جائے اور یہ جب ہی ہو سکتی ہے کہ آپس میں محبت وسازگاری ہو، اللہ کی حدود کی پاسداری ہو، اگر کسی وجہ سے ایسا نہیں ہے تو نکاح کا حقیقی مقصد فوت ہو گیا اور ضروری ہو گیا کہ دونوں فریق کے لئے تبدیلی کا دروازہ کھول دیا جائے ورنہ انسانی آزادی کا گلہ گھونٹنا ہوگا۔ اس میں حق علیحدگی کے بغیر سچی ازدواجی زندگی کی تابندگی باقی نہیں رہتی، ازدواجی زندگی کا معاملہ نہایت نازک اور اہم ہے اور مرد کی خود غرضیوں اور نفس پرستیوں سے ہمیشہ عورتوں کی حق تلفی ہوئی ہے اس لئے خصوصیت سے یہاں مسلمانوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ نے انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم اور ہدایت وموعظت کے تمام پہلو سمجھا دیئے ہیں۔ اس لئے جماعتی شرف وذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا اور ازدواجی زندگی میں اخلاق وپرہیزگاری کا نمونہ بننا یہ ان کا اپنا فرض ہوگا۔

برائی کا ذریعہ بھی بُرا ہے اور مباح میں تشدد نہیں کرنا چاہئے: .... آیت لاتمسکوھن ضرارًا سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز مفضی الی المذموم ہو وہ بھی مذموم ہوتی ہے اور یہ ایک بہت بڑی اصل ہے۔ اسی طرح آیت فلا تعضلوھن سے معلوم ہوا کہ امر مباح سے منع کرنے میں تشدد نہیں کرنا چاہئے بالخصوص جب کہ اس مباح میں کوئی مفسدہ نہ ہو اور اخص خصوص جبکہ اس کے ترک میں کوئی مفسدہ ہو۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَیْ لِيُرْضِعْنَ **اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ** عَامَيْنِ **كَامِلَيْنِ** صِفَةٌ مُؤَكِّدَةٌ ذٰلِكَ **لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ** ؕ وَلَازِيَادَةَ عَلَيْهِ **وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ** اَيِ الْاَبِ **رِزْقُهُنَّ** اِطْعَامُ الْوَالِدَاتِ **وَكِسْوَتُهُنَّ** عَلَى الْاِرْضَاعِ اِذَا كُنَّ مُطَلَّقَاتٍ **بِالْمَعْرُوْفِ** ؕ بِقَدْرِ طَاقَتِهٖ **لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا** ۚ طَاقَتَهَا **لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢبِوَلَدِهَا** بِسَبَبِهٖ بِاَنْ تُكْرَهَ عَلٰى اِرْضَاعِهٖ اِذَا امْتَنَعَتْ **وَلَا** يُضَارَّ **مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ** ۚ اَیْ بِسَبَبِهٖ بِاَنْ يُكَلَّفَ فَوْقَ طَاقَتِهٖ وَاِضَافَةُ الْوَلَدِ اِلٰى كُلٍّ مِنْهُمَا فِی الْمَوْضِعَيْنِ لِلْاِسْتِعْطَافِ **وَعَلَى الْوَارِثِ** اَیْ وَارِثِ الْاَبِ وَهُوَ الصَّبِیُّ اَیْ عَلٰى وَلِيِّهٖ فِیْ مَالِهٖ **مِثْلُ ذٰلِكَ** ۚ الَّذِیْ عَلَى الْاَبِ لِلْوَالِدَةِ مِنَ الرِّزْقِ وَالْكِسْوَةِ **فَاِنْ**

اَرَادَا اَیِ الْوالِدَانِ **فِصَالًا** فِطَامًا لَہٗ قَبْلَ الْحَوْلَیْنِ صَادِرًا **عَنْ تَرَاضٍ** اِتِّفَاقٍ **مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ** بَیْنَهُمَا لِیَظْهَرَ مَصْلَحَۃُ الصَّبِیِّ فِیْهِ **فَلَاجُنَاحَ عَلَیْهِمَا** فِیْ ذٰلِكَ **وَاِنْ اَرَدْتُّمْ** خِطَابٌ لِلْاٰبَاءِ **اَنْ تَسْتَرْضِعُوْآ اَوْلَادَكُمْ** مَّرَاضِعَ غَیْرَ الْوَالِدَاتِ **فَلَاجُنَاحَ عَلَیْكُمْ** فِیْهِ **اِذَا سَلَّمْتُمْ** اِلَیْهِنَّ **مَّآ اٰتَیْتُمْ** اَیْ اَرَدْتُّمْ اِیْتَاءَهٗ لَهُنَّ مِنَ الْاُجْرَۃِ **بِالْمَعْرُوْفِ** بِالْجَمِیْلِ كَطِیْبِ النَّفْسِ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ** ﴿۲۳۳﴾ لَا یَخْفٰی عَلَیْهِ شَیْءٌ مِّنْهُ ۔

ترجمہ: .... اور مائیں دودھ پلائیں گی (ان کو دودھ پلانا چاہئے) اپنے بچوں کو دوسال پورے (کاملین صفت مؤکدہ ہے حولین کی) یہ مدت اس شخص کیلئے ہے جو شیرخوار کی مدت پوری کرنی چاہے۔ (اس سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے) اور جس کا بچہ ہے (یعنی باپ) اس کے ذمہ ہے ان کا (دونوں کا) کھانا اور ان کا کپڑا دودھ پلانے کی وجہ سے بشرطیکہ مائیں مطلقہ ہوگئی ہوں) ضابطہ کے مطابق (باپ کی طاقت کے مطابق) کسی کو حکم نہیں دیا جاتا۔ مگر اس کی برداشت (طاقت) کے مطابق کسی ماں کو تکلیف نہیں دینی چاہئے اس کے بچہ کی وجہ سے (بچہ کے سبب دودھ پلانے پر مجبور کر کے جب کہ وہ نہیں پلانا چاہتی) اور نہ (نقصان پہنچانا چاہئے) باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے (بچہ کے سبب باپ کی طاقت سے زیادہ بارڈال کر اور دونوں جگہ بچہ کی اضافت ماں کی طرف شفقت مائل کرنے کے لئے ہے) اور وارث کے ذمہ ہے (یعنی باپ کے وارث پر ہے۔ مراد بچہ ہے یعنی بچہ کے ولی پر اس کے مال میں ہے) مثل مذکورہ طریقہ کے (بچہ کی والدہ کا کھانا، کپڑا جو بچہ کے باپ کے ذمہ تھا) اگر دونوں (والدین) دودھ چھڑانا چاہیں (دوسال سے پہلے دودھ چھڑانا چاہیں اور یہ بات طے) رضامندی (اتفاق) باہمی اور دونوں کے مشورہ سے ہوجائے (کہ جس میں بچہ کی مصلحت کھلی ہوئی ہو) تو دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں ہے (اس بارہ میں) اور اگر تم لوگ (باپ کو خطاب ہے) دودھ پلوانا چاہو اپنے بچوں کو والدہ کے علاوہ کسی دوسری انا کا) تب بھی تم پر کوئی گناہ (اس میں) نہیں ہے۔ بشرطیکہ حوالہ کردو (ان دودھیاریوں کے) جو کچھ ان کو دینا چاہتے ہو (یعنی جو کچھ اجرت ان کو دینی ٹھہری ہو) دستور کے مطابق (خوش اسلوبی مثلاً خوش دلی سے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس سے بےخبر نہ رہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے رہتے ہیں (کوئی بات ان سے پوشیدہ نہیں رہتی ہے)

تحقیق وترکیب: .... **والوالدات** مطلقہ ہوں یا غیر مطلقہ حدیث میں تعمیم کی طرف اشارہ ہے۔ **انها احق بها مالم تتزوج.**

لیرضعن یعنی خبر بمعنی امر ہے۔ یہ امر بعض صورتوں میں مفید استحباب ہے اور بعض صورتوں میں مفید وجوب باپ کو استیجار پر قدرت ہو۔ ماں کے علاوہ انا موجود ہو اور بچہ اس کا دودھ بھی قبول کرلے ان تین شرطوں کی موجودگی مفید استحباب ہے۔ ورنہ ماں باپ پر دودھ پلانا واجب ہوگا۔ **کاملین** یعنی حولین کا اطلاق تسامحًا بھی کیا جاسکتا ہے جیسے **اقمت عند فلان حولین ولم یستکملها** لیکن کاملین نے اس احتمال کی تردید کر کے تاکید کردی۔ امام شافعیؒ واحمدؒ وامام ابو یوسفؒ ومحمدؒ جمہور کے نزدیک مدت رضاعت دوسال اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ڈھائی سال ہے۔ **المولود** اس تعبیر میں اشارہ ہے کہ والدہ اولاد کو والد کیلئے جنتی ہے اور اولاد والد کیلئے ہوتی ہے۔ **رزقهن** مرضعہ اگر بیوی یا معتدہ ہو تو اُجرت واجب نہیں ہے بلکہ امام صاحبؒ کے نزدیک بحیثیت دودھ کے اجرت جائز نہیں ہوگی البتہ بیوی ہونے کی جہت سے نان نفقہ ہوگا۔

وعلی الوارث اس کا عطف المولود پر ہے ای **علی وارث الاب** مراد اس سے بچہ ہے۔ یعنی باپ اگر مرجائے تو مرضعہ کی

اجرت باپ کے ولی یعنی بچہ پر ہوگی۔جس تفصیل سے باپ پر تھی۔حاصل یہ ہے کہ اگر بچہ کے پاس مال ہے تو مرضعہ کی اجرت اس میں سے ادا کی جائے۔امام شافعیؒ، امام مالکؒ کا قول یہی ہے۔ابن جریرؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے لیکن بچہ مالدار نہیں ہے تو پھر ماں پر ہے اور بعض نے وارث سے مراد والدین میں سے باقی لیا ہے۔اور بعض نے بچہ کا وارث بلحاظ میراث رشتہ دار مرد وعورت کو قرار دیا ہے۔خواہ بچہ ان کا وارث نہ ہوتا ہو لیکن بچہ کے مال کی میراث ان کو پہنچتی ہو اور حنفیہ کے نزدیک اس سے مراد ذی رحم محرم قرابت دار ہیں۔عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت بھی اس کی مؤید ہے اسی لئے حنفیہؒ کے نزدیک فقیر ذی رحم پر بھی بقدر حق میراث نفقہ بچہ کا واجب ہوگا۔

ان تسترضعوا بحذف المفعول الاول ای المراضع اولادکم اوراولادکم مفعول ثانی ہے۔فعل جب متعدی بیک مفعول ہو۔س،ت طلب یا نسبۃ کا اس میں اضافہ کردیا جائے تو متعدی بدومفعول ہو جائے گا۔زمخشریؒ کی رائے یہی ہے اور جمہور حرف جر کے ذریعہ مفعول ثانی کی طرف متعدی مانتے ہیں۔ای الاولادکم.

اذا سلمتم یہ صحت اجارہ کیلئے شرط نہیں ہے بلکہ اکملیت کا بیان ہے۔پیشگی دینا باعث خوشنودی ہوتا ہے۔

اتیتم . ای ضمنتم والتزمتم مجازی معنی ہیں۔بالمعروف سلمتم کے متعلق ہے۔

ربط:............اس آیت میں تیسواں (۳۰) حکم رضاعت کے بیان پر مشتمل ہے۔

﴿تشریح﴾:......**احکام پرورش**:............والوالدات یرضعن سے معلوم ہوا کہ منکوحہ اور معتدہ پر بلا اجرت دودھ پلانا دیانۃً واجب ہے بشرطیکہ کوئی صحیح عذر نہ ہو البتہ عدت گزرنے کے بعد اس آیت کے عموم کی وجہ سے بلا اُجرت واجب ہونا چاہئے تھا۔ لیکن رزقھن و کسوتھن کی وجہ سے اس وقت اجرت کا مطالبہ جائز ہوگیا۔

پرورش کے اصول:............البتہ ماں اگر کسی مجبوری کی وجہ سے انکار کردے تو اس پر جبر نہیں کیا جائے گا۔نیز ماں اگر دودھ پلانا چاہتی ہے اور اس کے دودھ میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے تو باپ کیلئے جائز نہیں ہے کہ ماں پر دوسری انا کو ترجیح دے۔اسی طرح اگر عدت کے بعد ماں دوسری انا کے برابر اجرت مانگتی ہے تب بھی دوسری انا کو ترجیح دینا جائز نہیں ہے اور یہ سب مسائل لاتضار والدۃ بولدھا سے سمجھ میں آرہے ہیں۔البتہ اگر بچہ دوسری عورت کا دودھ ہی نہیں لیتا اور کسی جانور کا دودھ بھی نہیں پیتا تب ماں کو مجبور کیا جائے گا۔نیز بحالت منکوحہ یا معتدہ اگر عورت اجرت طلب کرتی ہے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے بلکہ قضاءً بھی دودھ پلانے پر اس کو مجبور کیا جائے گا۔ہاں عدت کے بعد دوسری انا (اگر ماں سے کم اجرت مانگتی ہے تو ماں کو مقدم نہیں سمجھا جائے گا اور ماں کا زیادہ اجرت کا مطالبہ جائز نہیں ہوگا۔ البتہ ماں کی درخواست پر دوسری انا) کو اس کے پاس رکھا جائے گا اور یہ سب احکام لامولود لہٗ بولدہٖ سے ثابت ہورہے ہیں۔ماں کا دودھ اگر بچہ کو مضر ہو اور وہ ماں کی بجائے انا سے پلوانا چاہے تو ان تسترضعوا میں اس کی اجازت ہے۔

انا کی اُجرت:............کھانے کپڑے پر کسی کو نوکری رکھنا جائز ہے۔لیکن انا اس سے مستثنیٰ ہے۔تاہم کھانے، کپڑے کی نوعیت، حیثیت تعداد، مقدار وغیرہ اچھی طرح کھول کر بیان کردینی چاہئے۔عدم یقین کی صورت میں اوسط درجہ کا وجوب ہوگا۔اگر نقد معاملہ طے کیا ہے تو اس کی مقدار، مدت وغیرہ بھی صاف صاف بتلادی جائے تاکہ بعد میں جھگڑے کی نوبت نہ آجائے۔جس کا اثر بچہ پر پڑنے لگے۔بالمعروف میں یہ سب باتیں داخل ہیں۔

بچہ کی پرورش کے ذمہ دار:............بچہ کی پرورش کا اصل بار تو باپ پر ہے۔لیکن اس کی موت کے بعد اگر بچہ مالدار ہے تو

اس کے مال میں سے خرچ کرلیا جائے گا ورنہ اس کے ایسے قرابت داروں پر یہ ذمہ داری عائد ہوگی کہ جو ذی رحم محرم ہوں۔ یعنی اس بچہ اور رشتہ دار کو مرد وعورت فرض کیا جائے تو ان میں نکاح جائز نہ ہو اور نیز اس بچہ کی میراث کے مستحق بھی ہوں ان میں ماں بھی داخل ہے۔ سب کو میراث کی نسبت سے حق امانت پہنچے گا۔

دودھ پلانے کی مدت اور اختلاف مع دلائل: .... امام ابوحنیفہؒ ڈھائی سال کی مدت پر آیت حمله و فصاله ثلثون شهرًا سے استدلال فرماتے ہیں۔ حمل سے مراد عورت کا حاملہ ہونا نہیں بلکہ بچہ کا ہاتھوں میں لینا کھلانا مراد ہے یعنی مدت رضاعت مراد ہے۔ رہا آیت حولین کاملین فرمانا تو دو (۲) سال کی مدت تام کہلائے گی اور ڈھائی سال اتم مدت کہلائے گی اور بعض نے یہ توجیہ کی ہے کہ دو سال سے مدت بلا اُجرت مراد ہے اکثر کا فتویٰ اسی پر ہے کہ مدتِ رضاعت (۲) دو سال ہے لیکن اس کے بعد بھی کسی نے ڈھائی سال کے اندر اگر دودھ پلا دیا تو احتیاط یہی ہے کہ حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ يَمُوْتُوْنَ **مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ** يَتْرُكُوْنَ **اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ** اَیْ لِيَتَرَبَّصْنَ **بِاَنْفُسِهِنَّ** بَعْدَهُمْ عَنِ النِّكَاحِ **اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا** مِنَ اللَّيَالِیْ وَهٰذَا فِیْ غَيْرِ الْحَوَامِلِ اَمَّا الْحَوَامِلُ فَعِدَّتُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ بِاٰيَةِ الطَّلَاقِ وَالْاَمَةُ عَلَى النِّصْفِ مِنْ ذٰلِكَ بِالسُّنَّةِ **فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ** اِنْقَضَتْ مُدَّةُ تَرَبُّصِهِنَّ **فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ** اَيُّهَا الْاَوْلِيَاءُ **فِيْمَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ** مِنَ التَّزَيُّنِ وَالتَّعْرِيْضِ لِلْخُطَّابِ **بِالْمَعْرُوْفِ** شَرْعًا **وَاللّٰهُ بِمَاتَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ** ﴿۲۳۴﴾ عَالِمٌ بِبَاطِنِهٖ كَظَاهِرِهٖ **وَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ** لَوَّحْتُمْ **بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ** الْمُتَوَفّٰى عَنْهُنَّ اَزْوَاجُهُنَّ فِی الْعِدَّةِ كَقَوْلِ الْاِنْسَانِ مَثَلًا اِنَّكِ لَجَمِيْلَةٌ وَمَنْ يَّجِدُ مِثْلَكِ وَرُبَّ رَاغِبٍ فِيْكِ **اَوْ اَكْنَنْتُمْ** اَضْمَرْتُمْ **فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ** مِنْ قَصْدِ نِكَاحِهِنَّ **عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ** بِالْخِطْبَةِ وَلَاتَصْبِرُوْنَ عَنْهُنَّ فَاَبَاحَ لَكُمُ التَّعْرِيْضَ **وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا** اَیْ نِكَاحًا **اِلَّآ** لٰكِنْ **اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا** اَیْ مَا عُرِفَ شَرْعًا مِنَ التَّعْرِيْضِ فَلَكُمْ ذٰلِكَ **وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ** اَیْ عَلٰی عَقْدِهٖ **حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ** اَیِ الْمَكْتُوْبُ مِنَ الْعِدَّةِ **اَجَلَهٗ** بِاَنْ يَّنْتَهِیَ **وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَافِیْٓ اَنْفُسِكُمْ** مِنَ الْعَزْمِ وَغَيْرِهٖ **فَاحْذَرُوْهُ** اَنْ يُّعَاقِبَكُمْ اِذَا عَزَمْتُمْ **وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لِمَنْ يَّحْذَرُهٗ **حَلِيْمٌ** ﴿۲۳۵﴾ بِتَاخِيْرِ الْعُقُوْبَةِ عَنْ مُسْتَحِقِّهَا۔

ترجمہ: .... اور جو لوگ وفات پاتے ہیں (مرجاتے ہیں) تم سے اور چھوڑ جاتے ہیں اپنی بیویوں کو تو وہ انتظار کریں گی (یعنی اُن کو رکنا چاہئے) خود کو (شوہروں کے بعد نکاح کرنے سے) چار مہینے دس دن تک (مع راتوں کے۔ یہ عدت غیر حاملہ کی ہے لیکن حاملہ کی وضع حمل ہوگی۔ آیت واولات الاحمال الخ کی وجہ سے اور باندی کی مدت اس سے نصف ہوگی۔ یہ سنت سے ثابت ہے) پھر جب اپنی میعاد ختم کرلیں (ان کے انتظار کی مدت ختم ہو جائے) تو تم کو بھی کچھ گناہ نہ ہوگا (مراد عورت کے ورثاء ہیں) ایسی بات میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لئے کچھ کاروائی کرلیں (آرائش یا شادی کی بات چیت) قاعدہ کے مطابق (شرعی طریقہ) اور اللہ تعالیٰ

تمہارے کاموں سے باخبر ہیں (ظاہر و باطن کے جاننے والے ہیں) اورتم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر کوئی بات اشارۃً (کنایۃً) کہوان عورتوں سے پیغام نکاح کے بارہ میں (جن کے شوہروں کا انتقال ہو چکا ہے۔ درانحالیکہ یہ اشارہ عدت کے اندر ہی ہو مثلاً) کوئی شخص کہنے لگے (۱) انک جمیلة تو بڑی خوبصورت ہے (۲) من یجد مثلک تجھ جیسی عورت کس کو دستیاب ہو سکتی ہے۔ (۳) ورب راغب فیک تیرے خواہاں بہت ہیں) یا پوشیدہ (چھپا ہوا ارادہ رکھو) اپنے دل میں (ان کے نکاح کے بارہ میں) اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں ہیں کہ تم ان عورتوں کا ذکر مذکور کرو گے (پیغام کے ذریعہ اور تم صبر نہیں کر سکو گے اس لئے تم کو تعریض کی اجازت دے دی) لیکن ان سے نکاح کا وعدہ بھی نہ کرو (سرًا سے مراد نکاح ہے) الا یہ کہ کوئی بات قاعدہ کے موافق ہو (یعنی تعریض وغیرہ کی جو شرعی اجازت دی گئی ہے وہ تم کو بھی حاصل ہے) اور تم نکاح کی وابستگی کا ارادہ بھی نہ کرو (یعنی عقد نکاح ہو جانے کا) یہاں تک کہ عدت مقررہ (مفروضہ عدت) اپنے اختتام کو پہنچ جائے یعنی ختم ہو جائے) اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری دلی باتوں (عزم وغیرہ) کا پتہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (کہ تمہارے عزم پر وہ تم کو سزا نہ دے دیں) اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ (اپنے ڈرنے والے کی) مغفرت فرمانے والے ہیں۔ بردبار ہیں (کہ باوجود استحقاق کے تاخیر عذاب فرما دیتے ہیں)

تحقیق وترکیب: .... یتوفون مجہول لفظ کی تفسیر مجہول ہی صیغہ تقبض ارواحھم کے ساتھ ہوتی تو زیادہ اچھا ہوتا۔

الذین یتوفون مبتداء اور یتربصن خبر ہے اور عائد محذوف ہے ای لھم.

منکم محل نصب میں ہے ضمیر مرفوع یتوفون سے حال ہونے کی بناء پر اور عامل محذوف ہے ای حال کونھم منکم اور من تبعیضیہ اور جنسیہ دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ اربعة اشھر وعشرا جلال محققؒ نے من اللیالی سے عدد کی تانیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن روح المعانی کی رائے ہے کہ تذکیر و تانیث کا قاعدہ معدود کے ذکر کے وقت ہوتا ہے اور اگر معدود محذوف ہو تو مطلقاً دونوں طریقے جائز ہیں۔ والامة علی النصف یعنی دو مہینے یا پانچ روز اور یہی حکم نابالغ زوج کی بیوی اور نابالغہ بیوی کا ہوگا۔ اس سے ان لوگوں کو قیاسی گھوڑے دوڑانے کا موقعہ نہیں رہا۔ جو چار مہینے دس دن عدت کی عقلی مصلحت حمل کی طرف سے مطمئن ہونا بتلاتے ہیں کہ اتنی مدت میں حمل کا اظہار یقینی ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مصلحت مطرد نہیں ہے کیونکہ زوج الصغیر یا زوجہ صغیرہ میں استقرار ہی کا احتمال نہیں ہے۔ اس لئے اللہ کے احکام میں لِم اور مصالح کا انتظار نہیں کرنا چاہئے۔

عرضتم تعریض اہل بیان کے نزدیک یہ کہلاتی ہے کہ لفظ حقیقی یا مجازی یا کنائی کے ذکر سے فی الجملۃ ایک چیز مقصود ہو لیکن اس کی دلالت غیر مذکور چیز پر بھی ہو جائے۔ تعریض اور کنایہ میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہوتی ہے۔ خطبة بروزن قعدہ وجلسۃ جو طلب اور استعطاف قولاً یا فعلاً خاطب کی طرف سے پایا جائے یا ماخوذ ہے خطب بمعنی امر ذی شان سے یا خطاب سے ہے مرد وعورت کی طرف سے مذاکرۂ نکاح پر اطلاق کیا جائے گا۔

ولکن لا تواعدوھن یہ عبارت محذوف سے استدراک ہے ای فاذکروھن ولکن لا تواعدوھن.

سرا. جہر کے مقابلہ میں آتا ہے مراد اس سے وطی ہوتی ہے کیونکہ وہ سراً ہوتی ہے۔ پھر مراد عقد نکاح ہے گویا مجاز علی المجاز ہے۔ الا ای لاتواعدوھن سرا مواعدة الا مواعدة معروفة اور جلال محققؒ اس کو لکن کی معنی لے کر استثناء منقطع قرار دے رہے ہیں کیونکہ مستثنیٰ منہ تصریح ہے اور قول معروف تعریض ہے۔

العقدہ مایعقد علیہ یعنی گرہ کو کہتے ہیں عقد النساء میں اضافت بیانیہ ہے الکتب ای ما کتب من العدة.

ربط: .... ان دو آیات میں اکتیسواں (۳۱) حکم زوج کی عدت وفات کا اور بتیسواں (۳۲) حکم عدت کی حالت میں پیغام نکاح

سے متعلق ہے۔

﴿تشریح﴾:.......**عدتِ وفات ابتدائے اسلام میں**:..........اس آیت کے بعد آیت والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیة الخ سے عدتِ وفاتِ زوج کا ایک سال ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن وہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا۔ جو اس آیت سے منسوخ ہوگیا گویا یہ آیت اس آیت سے نزولاً مؤخر اور تلاوۃً مقدم ہے۔ لیکن اس سے عدت کا چار مہینے دس روز ہونا معلوم ہوتا ہے خواہ عورت حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔ البتہ آیت طلاق واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن سے عدت وضع حمل معلوم ہوتی ہے۔ خوہ اعدت طلاق ہو یا وفات۔ گویا مفہوماً ان دونوں آیات میں کچھ تعارض سا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حاملہ غیر متوفی عنہا زوجہا کی عدت بلاشبہ وضع حمل ہے۔ علی ہذا متوفی عنہا غیر حاملہ چار مہینے دس دن ہونی چاہئے لیکن حاملہ متوفی عنہا کے باب میں بظاہر دونوں آیت معارض معلوم ہو رہی ہیں۔

در بارہ عدت صحابہؓ کا اختلاف:.......... چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ آیت طلاق کو آیتِ بقرہ سے مؤخر مانتے ہوئے عدت وضع حمل فرماتے ہیں اور کہتے ہیں من شاء باهلته ان سورة النساء بعد التى فى سورة البقرة حضرت عمر فاروقؓ کا ارشاد گرامی بھی اس کا مؤید ہے کہ خاوند کی نعش اگر تختۂ غسل ہی پر ابھی رکھی ہو کہ وضع حمل ہوجائے تو عدت پوری ہوجائے گی۔ اس لحاظ سے گویا یہ آیت آیتِ طلاق سے منسوخ ہے۔ حضرت علیؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کی رائے اس خاص صورت میں یہ ہے کہ عدت ''ابعد الاجلین'' ہونی چاہئے۔ یعنی وضع حمل اگر چار مہینے دس دن سے زیادہ میں ہو تو اس کو ورنہ چار مہینے دس دن کو عدت سمجھا جائے گا، نیز اس آیت کا مفہوم عموم اگرچہ اس بات کو چاہتا ہے کہ آزاد اور باندی میں فرق نہ کیا جائے۔ لیکن حدیث کی وجہ سے اس کے لئے عدت کی تنصیف کی جائے گی۔

عدت کی حکمت و مصلحت:.......... وفات کی عدت چار مہینے دس دن مقرر کر کے ان مفاسد کی اصلاح کر دی گئی جو اس بارے میں افراط وتفریط کا موجب تھے۔ اگر عورت کو فوراً نکاح کرنے کی اجازت ہوتی تو اس میں نکاح کی بے وقعتی، مرحوم شوہر کے تذکار ومحبت سے بے رخی، نسب میں اشتباہ ہوسکتا تھا۔ ایسے ہی زیادہ مدت تک عورت کو شوہر کا سوگ منانے پر مجبور کرنا بھی ظلم ہوتا۔

عدتِ وفات وطلاق کے احکام:.......... جس کے خاوند کا انتقال ہو جائے یا جس کو طلاق بائنہ ہو جائے عدت کے اندر خوشبو، سرمہ، تیل، مہندی، اور بلاضرورت دوا لگانا، سنگار کرنا، رنگین کپڑے استعمال کرنا، عدتِ وفات میں نکاح ثانی کی گفتگو صریح کرنا، رات کو دوسرے کے مکان میں رہنا، اور معتدۃ البائنہ کو دن میں بھی بلاضرورتِ شدیدہ گھر سے نکلنا درست نہیں ہے۔ امام شافعیؒ بائنہ کے سوگ میں اختلاف کرتے ہیں اور مطلقہ رجعیہ کے لئے شوہر کو مائل کرنے کیلئے آرائش کی اجازت ہے۔

مدتِ عدت کا حساب:.......... شوہر کا انتقال اگر چاند رات کو ہوا ہے تب تو چاند سے حساب لگایا جائے گا، مہینہ ۲۹ دن کا ہو یا ۳۰ دن کا ورنہ درمیان کی کسی تاریخ میں انتقال ہو تو پورے پورے تیس دن کا مہینہ لگا کر ایک سو تیس دن کے چار مہینے دس دن شمار کئے جائیں گے اور جس ساعت میں انتقال ہوا ہو ٹھیک اسی وقت جا کر عدت ختم ہوگی۔

آیتِ عدت اور خطبہ سے معلوم ہوا عدتِ وفات وطلاقِ بائنہ کے دوران ایک فعل زبان کا اور ایک دل کا جائز ہے اور ایک فعل زبان کا اور ایک دل کا ناجائز ہے۔ لاجناح اور قولا معروفا میں اشارۃً زبان سے نکاح کا ذکر اور اکننتم فى انفسكم میں بعد العدت ارادۂ نکاح کا جواز معلوم ہوا۔ لاتواعدوهن میں صراحۃً زبان سے تذکرہ اور لاتعزموا میں ارادۂ نکاح فی العدت کا ناجائز ہونا معلوم

ہو رہا ہے۔ لاجناح سے معلوم ہوا کہ مجاہدات میں طالب کے ضعف کی رعایت ضروری ہے۔

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ وَفِیْ قِرَاءَةٍ تُمَاسُّوْهُنَّ اَیْ تُجَامِعُوْهُنَّ **اَوْ لَمْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً** مَهْرًا اَوْ مَا مَصْدَرِيَّةٌ ظَرْفِيَّةٌ اَیْ لَاتَبِعَةَ عَلَيْكُمْ فِی الطَّلَاقِ زَمَنَ عَدَمِ الْمَسِيْسِ وَالْفَرْضِ بِاِثْمٍ وَلَامَهْرَ فَطَلِّقُوْهُنَّ **وَّ مَتِّعُوْهُنَّ** اَیْ اَعْطُوْهُنَّ مَايَتَمَتَّعْنَ بِهٖ **عَلَى الْمُوْسِعِ** الْغَنِیِّ مِنْكُمْ **قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ** الضَّيِّقِ الرِّزْقِ **قَدَرُهٗ** يُفِيْدُ اَنَّهٗ لَانَظَرَ اِلٰی قَدْرِ الزَّوْجَةِ **مَتَاعًا** تَمْتِيْعًا **بِالْمَعْرُوْفِ** شَرْعًا صِفَةُ مَتَاعًا **حَقًّا** صِفَةٌ ثَانِيَةٌ اَوْ مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ **عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ** ﴿۲۳۶﴾ الْمُطِيْعِيْنَ **وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَافَرَضْتُمْ** يَجِبُ لَهُنَّ وَيَرْجِعُ لَكُمُ النِّصْفُ **اِلَّآ** لٰكِنْ **اَنْ يَّعْفُوْنَ** اَیِ الزَّوْجَاتُ فَيَتْرُكْنَهٗ **اَوْ يَعْفُوَ الَّذِیْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ** وَهُوَ الزَّوْجُ فَيَتْرُكُ لَهَا الْكُلَّ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ الْوَلِیُّ اِذَا كَانَتْ مَحْجُوْرَةً فَلَاحَرَجَ فِیْ ذٰلِكَ **وَاَنْ تَعْفُوْآ** مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ **اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ** اَیْ اَنْ يَتَفَضَّلَ بَعْضُكُمْ عَلٰی بَعْضٍ **اِنَّ اللّٰهَ بِمَاتَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ** ﴿۲۳۷﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ **حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ** الْخَمْسِ بِاَدَائِهَا فِیْ اَوْقَاتِهَا **وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی** هِیَ الْعَصْرُ كَمَافِی الْحَدِيْثِ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ اَوِ الصُّبْحُ اَوِ الظُّهْرُ اَوْ غَيْرُهَا اَقْوَالٌ وَاَفْرَدَهَا بِالذِّكْرِ لِفَضْلِهَا **وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ** فِی الصَّلٰوةِ **قٰنِتِيْنَ** ﴿۲۳۸﴾ قِيْلَ مُطِيْعِيْنَ لِقَوْلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ قُنُوْتٍ فِی الْقُرْاٰنِ فَهُوَ طَاعَةٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَغَيْرُهٗ وَقِيْلَ سَاكِتِيْنَ لِحَدِيْثِ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِی الصَّلٰوةِ حَتّٰی نَزَلَتْ فَاُمِرْنَابِالسُّكُوْتِ وَنُهِيْنَا عَنِ الْكَلَامِ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ **فَاِنْ خِفْتُمْ** مِنْ عَدُوٍّ اَوْ سَيْلٍ اَوْ سَبُعٍ **فَرِجَالًا** جَمْعُ رَاجِلٍ اَیْ مُشَاةٍ صَلُّوْا **اَوْ رُكْبَانًا** جَمْعُ رَاكِبٍ اَیْ كَيْفَ اَمْكَنَ مُسْتَقْبِلِی الْقِبْلَةِ وَغَيْرِهَا وَيُوْمِیْ بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ. **فَاِذَآ اَمِنْتُمْ** مِنَ الْخَوْفِ **فَاذْكُرُوا اللّٰهَ** اَیْ صَلُّوْا **كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ** ﴿۲۳۹﴾ قَبْلَ تَعْلِيْمِهٖ مِنْ فَرَائِضِهَا وَحُقُوْقِهَا وَالْكَافُ بِمَعْنٰی مِثْلٍ وَمَا مَوْصُوْلَةٌ اَوْ مَصْدَرِيَّةٌ

ترجمہ: .... تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اگر بیویوں کو ایسی حالت میں طلاق دے دو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے (اور ایک قرأت میں تماسوھن بمعنی تجامعوھن ہے) اور نہ ان کے لئے کچھ مہر مقرر کیا ہے (اور مامصدر یہ ظرفیہ ہے۔ یعنی تم پر نہ چھونے اور کچھ نہ مقرر کرنے کے سلسلہ میں کوئی بار گناہ یا مہر کا نہیں رکھا جاتا طلاق دینے کی صورت میں۔ چنانچہ تم ان کو طلاق دے سکتے ہو) اور ان کو ایک جوڑا دے دو (جس سے وہ کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھا سکیں) صاحب وسعت (تم میں سے مالدار) پر اس کی حیثیت کے موافق اور تنگدست (غریب) کے ذمہ اس کی حیثیت کے مطابق (معلوم ہوا کہ اس میں بیوی کی حیثیت کا لحاظ نہیں ہے) جوڑا دینا (فائدہ پہنچانا) قاعدہ کے موافق وشرعاً **بالمعروف** صفت ہے متاعاً کی) واجب ہے حقاً صفت ثانیہ یا مفعول مطلق تاکید کے لئے ہے) خوش معاملہ

لوگوں پر (جوفرمانبردار ہیں) اور اگر تم ان بیویوں کو طلاق دینے لگو ہاتھ لگانے سے پہلے اور ان کیلئے کچھ مہر بھی مقرر کر چکے ہو تو جس قدر مہر تم نے مقرر کیا ہے اس سے نصف (ان کو دینا ضروری ہے اور نصف تم واپس لے سکتے ہو) الایہ کہ (لیکن اگر) وہ عورتیں معاف کر دیں (بیویاں کل مہر چھوڑ دیں) یا وہ شخص رعایت کر دے جس کے قبضہ میں معاملۂ نکاح ہے (یعنی شوہر کو وہ پورا مہر بیوی کو دے دے یا بقول ابن عباسؓ مراد ولی ہے جبکہ عورت مجورہ (باکرہ) ہو تب بھی کوئی حرج نہیں ہے) اور تمہارا معاف کر دینا (مبتداء ہے اس کی خبر آگے ہے) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور آپس میں احسان کرنے سے غفلت مت کیا کرو (یعنی ایک دوسرے پر احسان کرو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے ہیں (ان پر تم کو جزاء دیں گے) محافظت کیا کرو تمام نمازوں کی (پانچوں نمازیں اپنے اوقات میں ادا کرو) اور درمیانی نماز کی (مراد عصر ہے جیسا کہ شیخین کی روایت میں ہے یا صبح یا ظہر وغیرہ کی نمازیں مراد ہیں۔ علیٰ اختلاف الاقوال اس کو علیحدہ ذکر کرنا) اس کی فضیلت کی وجہ سے ہے) اور کھڑے ہوا کرو (نماز میں) اللہ کے سامنے عاجز بن کر (بعض کے نزدیک قانتین کے معنی فرمانبردار کے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ قرآن میں جہاں قنوت ہے وہ بمعنی طاعت ہے۔ امام احمدؒ وغیرہ نے اس کو روایت کیا ہے اور بعض نے اس کے معنی خاموش رہنے والے کے بیان کیئے ہیں چنانچہ زید بن ارقمؓ کی روایت ہے کہ ہم لوگ نماز میں باتیں کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی جس میں ہم کو خاموشی کی تعلیم دی گئی اور گفتگو کرنے سے منع کیا گیا رواہ الشیخان) پھر اگر تم کو اندیشہ ہو (دشمن یا سیلاب یا درندہ کا) تو تم کھڑے کھڑے (رجالاً جمع ہے راجل یعنی پیدل نماز پڑھو) یا سواری پر چڑھے چڑھے (رکباناً جمع راکب کی یعنی جس طرح بھی ممکن ہو، خواہ قبلہ کی طرف منہ ہو سکے یا نہ ہو سکے یا رکوع سجدہ کا صرف اشارہ ہی ممکن ہو) پڑھ لیا کرو۔ پھر جب تم کو اطمینان ہو جائے (خوف نہ رہے) تو اللہ تعالیٰ کا ذکر اس طرح کیا کرو (نماز پڑھو) جیسے تم کو سکھلایا ہے جس کو تم جانتے نہیں تھے (نماز کے فرائض وحقوق کی تعلیم سے پہلے اور کاف بمعنی مثل ہے اور ما موصولہ یا مصدریہ ہے)

تحقیق وترکیب: .... **اولم تفرضوا** جلال مفسرؒ نے او کے بعد لم مقدر مان کر اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ **تمسوھن** عطف کی وجہ سے یہ مجزوم ہے اور **ما** مصدریہ ظرفیہ ہے۔ **ای فی مدۃ عدم المسیس**. **لم** احد الامرین کی نفی کیلئے ہوگا یعنی نکرہ تحت النفی واقع ہونے کی وجہ سے مفید عموم ہوگا۔ اس صورت میں او کو معنی میں واؤ کے لینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ **ای مالم یکن منکم مسیس ولا فرض**

فریضۃ بمعنی مفعول اور تا نقل من الوصفیۃ الی العلمیت کے طور پر ہے اور مصدر بھی ہو سکتا ہے۔ **لا تبعۃ ای لاحق وقیل لاوزر**. یعنی شوہر پر ایسی صورت میں طلاق دینے سے نہ مہر واجب ہوگا اور نہ کوئی بدعت وغیرہ کا گناہ۔ **متعوھن** امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا تخمینہ حاکم کی رائے پر ہوگا اور حنفیہ کے نزدیک جہاں تک قمیص، دوپٹہ، چادر تین کپڑوں کا تعلق ہے وہ تو شرعاً متعین ہیں۔ اس میں کسی کی رائے کو دخل نہیں ہے۔ البتہ ان کی قیمت اور کیفیت کی تعیین میں بے شک شوہر کی استطاعت ومقدور کا لحاظ کیا جائے گا۔ بعض ائمہ شوہر کی بجائے اس میں عورت کی حیثیت کا اعتبار کرتے ہیں جیسا کہ کرخیؒ کی رائے ہے لیکن آیت اس کی مؤید نہیں ہے۔

متاعًا کی تفسیر **تمتیعًا** سے اشارہ ہے کہ اسم مصدر مصدر کے معنی میں اور اس کے قائمقام ہے اور **بالمعروف** جار مجرور مل کر صفت ہے متاعًا کی۔ **حقًا** کو اگر مفعول مطلق بنایا جائے تو عامل وجوبًا محذوف ہوگا۔ **ای حق ذلک حقا**. **الا** استثناء منقطع ہے کیونکہ نصف مہر کی معافی جنس استحقاق سے نہیں ہے۔

الذی بیدہ حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، سعید بن المسیب ابن جبیرؒ نے اس کی تفسیر زوج کے ساتھ کی ہے۔ طبرانیؒ کی روایت **انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الذی بیدہ عقدۃ النکاح الزوج** بھی اس کی مؤید ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کی رائے اور امام شافعیؒ کا قول

جدید بھی یہی ہے کیونکہ بقاء نکاح اور طلاق شوہر کے اختیار میں ہوتی ہے۔ لیکن ابن عباسؓ کی دوسری روایت میں یہ ہے کہ اس سے مراد ولی زوجہ ہے۔ امام مالکؒ کا خیال اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ اس صورت میں حاصل یہ ہوگا کہ اگر عورت ثیبہ ہے تب تو خود شوہر کو اپنا حصہ معاف کر سکتی ہے اور باکرہ ہے تو اس کے ولی کو حق معافی ہوگا۔

لا تنسوا الفضل نسیان سے مراد حقیقی معنی نہیں ہیں کہ وہ غیر اختیاری امر ہے بلکہ مراد ترک احسان ہے الفضل بمعنی التفضیل والاحسان۔ **فنصف** ۔ای **فلهن اوفالواجب نصف مافرضتم. الا ان يعفون. ای فلهن هذا المقدار بلا زيادة ولا نقصان فی جميع الاحوال الا الخ او يعفوا الذی** اس کا نام معافی رکھنا یا مشاکلت صوری کی وجہ سے ہے اور یا اس لئے کہ اگر مہر معجّل بیوی کو ادا کر دیا تو طلاق قبل الدخول کی صورت میں نصف کا حق استرداد باقی رہتا ہے اور جب استرداد نہ ہوا تو یہی معافی ہے۔ ان تعفوا میں خطاب خاوند بیوی دونوں کو ہے لیکن لفظوں میں تذکیر کی رعایت صرف اس کے شرف کی وجہ سے کی گئی ہے۔

حافظوا مفاعلت یہاں مجرد کے معنی میں ہے جیسے **عاقبت اللص** اور چونکہ مواظبت کے معنی کو متضمن ہے اس لئے علیٰ کے ساتھ تعدیہ کیا گیا ہے اور علیٰ حالہ اپنے باب سے قرار دیا جائے تو بندہ اور خدا یا بندہ اور نماز کے درمیان محافظت مراد ہوگی۔

الصلوٰة الوسطی امام اعظمؒ اور اکابر صحابہ حضرت عمرؓ و علیؓ و ابن مسعودؓ و عائشہؓ و ام سلمہؓ و حفصہؓ کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد عصر کی نماز ہے کیونکہ مصحف حفصہؓ میں صلوٰۃ الوسطی کے بعد صلوٰۃ العصر کا لفظ موجود ہے۔ نیز غزوۂ احزاب میں جب آنحضرت ﷺ کی نماز عصر فوت ہوگئی تو یہ دعائیہ جملے ارشاد فرمائے **شغلونا عن الصلوٰة الوسطی صلوٰة العصر ملا الله بيوتهم نارًا**۔ نیز حضرت سلیمان علیہ السلام کی نماز عصر بھی ایک دفعہ فوت ہوگئی تھی جس کے بارہ میں ارشاد نبوی ہے **انها الصلوٰة التی شغل عنها سليمان حتی تورات بالحجاب** اور مقتضی قیاس بھی یہی ہے کہ اس کے ایک طرف دو نمازیں نہاری ہیں قصری اور غیر قصری فجر اور ظہر اور اسی طرح دوسری طرف دو نمازیں لیلی ہیں قصری اور غیر قصری یعنی مغرب و عشاء اور نماز عصر ان کے درمیان ہے اور وقت بھی یہ کاروباری مشغولیت اور ہنگامہ آرائی کا ہے اس لئے مزید اہتمام کی ضرورت پیش آئی ہے اور انسؓ بن مالک، معاذ بن جبلؓ، ابوامامہؓ کی رائے یہ ہے کہ مراد اس سے نماز فجر ہے۔ کیونکہ وہ دن رات کی دو دو نمازوں کے درمیان میں ہے یا دو قصری نمازوں کے درمیان میں ہے اور ابن عمرؓ، زید بن اسامہؓ کا قول یہ ہے کہ ظہر کی نماز مراد ہے کیونکہ وسط نہار میں ہے اور ابن عباسؓ کی ایک روایت اور قیصر د بن زبیرؓ کی روایت میں ہے کہ نماز مغرب مراد ہے کیونکہ وہ ایک جہری اور ایک سری نماز کے درمیان ہے یا رکعات کے لحاظ سے دوگانہ اور چہارگانہ نمازوں کے درمیان ہے اور بعض نے نماز عشاء مراد لی ہے کیونکہ وہ دو جہری نمازوں کے مابین ہے۔ جورات کی دونوں سروں پر ہیں اور بعض نے لیلۃ القدر کی طرح اس کو غیر معین کہا ہے۔

وافردها یعنی عطف عام علی الخاص کا نکتہ جلال مفسرؒ ذکر کر رہے ہیں کہ تخصیص ذکری کی وجہ شرف وقت ہے کہ ملائکۃ النہار واللیل کے اجتماع اور ڈیوٹی بدلنے کا یہ وقت ہے۔

قوموا لله یعنی لِلّٰہ کا تعلق **قوموا** سے ہے جس سے مراد قیام صلوٰۃ ہے لفظ قانتین سے متعلق نہیں ہے ورنہ عبارت اس طرح ہونی چاہئے تھی **قوموا فی صلوٰة الله قانتين** کیونکہ عامل اصل میں معمول پر مقدم ہوتا ہے۔ قانتین ابن مسعودؓ اور زید بن ارقمؓ کا قول بھی یہی ہے کہ قنوت کے معنی سکوت کے ہیں۔ **فرجالا** اور **ركبانا** یہ دونوں حال ہیں عامل ان میں صلوا مقدر ہے اسی لئے اس کو مفسر علامؒ نے بھی مؤخر مانا ہے۔ نماز چونکہ معظم ذکر ہے اس لئے تفسیر مناسب ہے۔ باقی امام شافعیؒ کے نزدیک بحالت مشی اور مسابقت بھی نماز پڑھنی واجب ہوگی اور بخلاف امام اعظمؒ کے وہ اس حالت میں مؤخر کرنے کو فرماتے ہیں۔ چنانچہ غزوۂ احزاب میں آنحضرت ﷺ نے بھی ترک فرمادی تھی۔ **كما علمك** تشبیہ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بحالت امن رکوع سجدہ، استقبال قبلہ کی رعایت سے نماز پڑھتے

رہے اسی طرح پڑھو اسی لئے وضع الظاہر موضع المضمر کیا ہے۔

ربط: .... آیت **لا جناح** میں طلاق قبل الدخول کی صورت میں مہر واجب اور غیر واجب کا تینتیسواں (۳۳) حکم مذکور ہے اور آیت **حافظوا** میں چونتیسواں (۳۴) حکم نماز کی محافظت کا ہے۔

شانِ نزول: .... ایک انصاری صحابیؓ نے ایک عورت سے نکاح تفویضا کیا اس کے بعد طلاق قبل الدخول دے دی اس پر عورت نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مرافعہ پیش کیا تب یہ آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا **امتعها ولو بقلنسوة** تک۔

﴿ تشریح ﴾: ...... **مطلقہ عورت کی چار صورتیں:** .... مطلقہ کی دو صورتیں ہیں۔ موطوءہ اور غیر موطوءہ۔ حنفیہ کے نزدیک خلوتِ صحیحہ نکاح کے حکم میں ہے پھر ان کی بھی دو صورتیں ہیں۔ مہر کی تعیین ہو چکی تھی یا نہیں۔ اسی طرح چار صورتیں نکل آئیں۔ (۱) موطوءہ مسمی لہا مہر (۲) موطوءہ غیر مسمی لہا مہر (۳) غیر موطوءہ مسمی لہا مہر (۴) غیر موطوءہ غیر مسمی لہا مہر۔

پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ پورا مہر واجب ہوگا۔ دوسری صورت کا حکم یہ ہے مہر مثل کو حکم بنا کر مہر ادا کیا جائے گا۔ تیسری صورت جو آیت میں دوسرے نمبر پر بیان کی جارہی ہے اس کا حکم یہ ہے کہ نصف مہر کا ادا کرنا مرد پر واجب ہے الا یہ کہ مرد رعایت کر کے پورا مہر عورت کو دیدے یا اس کے پاس ہی رہنے دے۔ اسی طرح عورت اپنے نصف حق کو بھی نہ لے یا لئے ہوئے کو واپس کردے۔ ان چار صورتوں میں نصف مہر کا حکم وجوبی باقی نہیں رہے گا اور استثناء صحیح ہو سکے گا اور چوتھی صورت جس کو آیت میں اول بیان کیا گیا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ مرد کو مہر کے نام سے کچھ دینا نہیں پڑے گا کیونکہ نکاح کی صحت اگرچہ تعیین مہر پر موقوف نہیں ہے۔ بلا ذکر مہر بلکہ عدم مہر کی شرط لگا کر بھی نکاح صحیح ہو سکتا ہے۔ نیز مہر کا نفسِ وجوب صرف عقد نکاح سے ہو جاتا ہے البتہ خلوت وصحبت سے مہر مؤکد ہوتا ہے لیکن اس چوتھی صورت میں جب نہ مہر کی تعیین ہوئی اور نہ خلوت وصحبت سے مہر مؤکد ہوا تو مہر کی تنصیف کیسے کی جائے اور کیوں کی جائے؟

جوڑہ دینے کے احکام: .... البتہ اس مفت کی طلاق سے عورت کو استیحاش ضرور ہوا ہے۔ اسی کی مکافات اس طرح کی جارہی ہے کہ ایک جوڑہ تین کپڑوں کا جس میں کرتہ، ایک سر بند اور ایک سر سے پاؤں تک ستر کیلئے چادر ہو بطور قائمقام مہر کی شوہر پر اس کی مقدور بھر واجب ہے۔ جس کی قیمت پانچ درہم سے کم اور ایسی عورت کے نصف مہر سے زیادہ نہ ہو۔ چنانچہ **علی** اور **متاعًا** کا مصدر مؤکد ہونا اور لفظ **حق** اس وجوب پر دال ہیں۔ امام مالکؒ اس کے استحباب پر لفظ **المحسنین** سے استدلال کرتے ہیں لیکن اس کا ترجمہ خوش معاملگی کے ساتھ کرنے کے بعد استدلال کا موقع ہی نہیں رہتا۔ اس آخری صورت کے علاوہ پہلی تینوں صورتوں میں جوڑے کا وجوب نہیں ہے اور استحباب سے انکار بھی نہیں ہے کیونکہ سب صورتوں میں کچھ نہ کچھ عورت کا جبر ونقصان ہو گیا ہے صرف اس ایک صورت میں آنسو پونچھنے کی ضرورت تھی۔

کسی کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کرنا یا اپنا حق معاف کر دینا بلاشبہ قابلِ استحسان ہے لیکن اگر کسی خاص عارض فقر وتنگدستی کی وجہ سے مثلاً رعایت نہ کرنے کو ترجیح ہو جائے تو اس میں فی نفسہ استحسان اور عارضی غیر استحسان میں کچھ تعارض اور منافات نہیں ہے دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔

معاشرتی احکام کے ساتھ عبادات: .... طلاق وعدت کے احکام کے درمیان نماز کا ذکر اس مصلحت سے ہے کہ مقصود اصلی توجہ الی اللہ ہے۔ معاشرت ومعاملات میں لگ کر کہیں اس سے کسی درجہ غفلت نہ ہو جائے بلکہ خود ان احکام میں بھی ایمان کی

جان جب ہی پڑے گی کہ خدائی احکام سمجھ کران کو کیا جائے نیز حقوق العباد کی ادائیگی باعث تقرب خداوندی ہے ورنہ بارگاہ الٰہی سے دوری اور توجہ الی الحق سے محرومی کا باعث ہوگا۔ اس سے نماز کی اہمیت کا اندازہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایسی شدید حالت میں بھی جبکہ جانوں کی آپادھاپی پڑ رہی ہے نماز مؤخر نہیں کی گئی بلکہ کھڑے کھڑے اشاروں سے پڑھنے کا حکم ہے سجدہ کا اشارہ رکوع کے مقابلہ میں پست کیا جائے گا۔ البتہ اگر کھڑا رہنا بھی ممکن نہ ہو بلکہ چلنا یا بھاگنا ہور ہا ہو تو عمل کثیر کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک نماز مؤخر کردی جائے گی۔ رجالاً کی تفسیر حنفیہ نے کھڑے رہنے کے ساتھ کی ہے۔ امام شافعیؒ اس حالت میں بھی مؤخر نہیں فرماتے بلکہ رجالاً کے معنی پیدل چلنے اور راکبا کے معنی سوار ہوکر چلنے کے لیتے ہیں۔ لیکن رجالاً مشترک معنوی ہے۔ ماشی اور واقف دونوں معنی کے۔ لئے عمل کثیر کے مفسد ہونے کی وجہ سے اور واقعۂ احزاب سے استدلال کرتے ہوئے حنفیہ نے ثانی معنی کو ترجیح دے دی ہے۔

وان تعفوا میں علو ہمت اور ترک اسراف کی تعلیم ہے اور فرجالاً او رکبانا تعداد اور ہئیت اعمال کے لحاظ سے تخفیف کی اصل نکلتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا فَلْيُوْصُوْا **وَّصِيَّةً** وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ اَىْ عَلَيْهِمْ **لِّاَزْوَاجِهِمْ** وَيُعْطُوْهُنَّ **مَّتَاعًا** مَا يَتَمَتَّعْنَ بِهٖ مِنَ النَّفَقَةِ وَالْكِسْوَةِ **اِلَى** تَمَامِ **الْحَوْلِ** مِنْ مَوْتِهِمُ الْوَاجِبُ عَلَيْهِنَّ تَرَبُّصُهٗ **غَيْرَ اِخْرَاجٍ** حَالٌ اَىْ غَيْرَ مُخْرِجَاتٍ مِنْ مَسْكَنِهِنَّ **فَاِنْ خَرَجْنَ** بِاَنْفُسِهِنَّ **فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ** يَا اَوْلِيَاءَ الْمَيِّتِ **فِىْ مَا فَعَلْنَ فِىْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ** شَرْعًا كَالتَّزَيُّنِ وَتَرْكِ الْاِحْدَادِ وَقَطْعِ النَّفَقَةِ عَنْهَا **وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ** فِىْ مِلْكِهٖ **حَكِيْمٌ**﴿۲۴۰﴾ فِىْ صُنْعِهٖ وَالْوَصِيَّةُ الْمَذْكُوْرَةُ مَنْسُوْخَةٌ بِاٰيَةِ الْمِيْرَاثِ وَتَرَبُّصُ الْحَوْلِ بِاٰيَةِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا السَّابِقَةِ الْمُتَاَخِّرَةِ فِى النُّزُوْلِ وَالسُّكْنٰى ثَابِتَةٌ لَهَا عِنْدَ الشَّافِعِىِّ **وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ** يُعْطَيْنَهٗ **بِالْمَعْرُوْفِ** بِقَدْرِ الْاِمْكَانِ **حَقًّا** نَصَبٌ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ **عَلَى الْمُتَّقِيْنَ**﴿۲۴۱﴾ اَللّٰهُ كَرَّرَهٗ لِيَعُمَّ الْمَمْسُوْسَةَ اَيْضًا اِذِ الْاٰيَةُ السَّابِقَةُ فِىْ غَيْرِهَا **كَذٰلِكَ** كَمَا بَيَّنَ لَكُمْ مَاذُكِرَ **يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ**﴿۲۴۲﴾ تَتَدَبَّرُوْنَ ۔

ترجمہ: .... اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جاتے ہیں اور چھوڑ جاتے ہیں بیویوں کو (اس کے ذمہ لازم ہے کہ) وصیت کر جایا کریں (اور ایک قرأت میں لفظ وصیۃ رفع کے ساتھ ہے ای علیهم وصیة) اپنی بیویوں کے لئے (اور ان کو دے جایا کریں) سامان (نفقہ و لباس کہ جس سے وہ نفع اٹھا سکیں) ایک سال (تمام) کے لئے (ان کی وفات کے وقت سے عورتوں پر واجب ہے) اس طرح کہ ان کو گھر سے نہ نکالا جائے (غیر اخراج حال ہے یعنی اپنے مکانوں سے نکالی نہ جائیں) ہاں اگر (خود) نکل جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے (اے ورثائے میت) اس ضابطہ کے مطابق جس کو وہ اپنے لئے تجویز کریں (شرعاً مثلاً آرائش کرنا، سوگ نہ کرنا، نفقہ سے محروم ہوجانا) اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں (اپنے ملک میں) حکمت والے ہیں (اپنی کاریگری میں) وروصیت مذکورہ آیت میراث کے ذریعہ منسوخ ہے اور سال بھر کی عدت منسوخ ہے۔ اس سے پہلی آیت اربعة اشهر و عشرًا کے ذریعہ جو نزولاً مؤخر ہے اور اس کیلئے قیام گاہ بھی لازم ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک (اور تمام مطلقہ عورتوں کے لئے کچھ کچھ فائدہ پہنچانا (کہ جو اس کو دیا جائے گا) دستور کے

مطابق (بقدر امکان) مقرر ہوا ہے (حقا منصوب ہے فعل مقدر کے ذریعہ) ان لوگوں پر جو (اللہ تعالیٰ سے) ڈرنے والے ہیں (اس کو مکرر بیان کیا ہے تاکہ موطوءہ عورت بھی اس حکم میں داخل ہو جائے کیونکہ پچھلی آیت غیر موطوءہ کے باب میں تھی) اسی طرح (جیسے کہ تمہارے لئے پہلے احکام بیان کیئے گئے ہیں) اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بیان فرماتے ہیں اپنے احکام اس توقع کے ساتھ کہ تم سمجھو گے (تدبر کرو گے)

تحقیق وترکیب: .... **والذین یتوفون.** ای یموتون. تسمیة الشئ باسم مایؤل الیه کے طریقہ پر ہے کیونکہ وفات کے بعد وصیت ممکن نہیں ہے۔ **وصیة** کی تقدیر فلیو صوا وصیة ہے ای فلیجب علیهم ان یوصوا لزوجاتهم بثلاثة اشیاء النفقة والکسوة والسکنی دوسری قرأت رفع پر تقدیر علیهم الوصیة ہوگی۔ **الحول** کے بعد مفسرؒ نے جو واجب کہا ہے یہ مجرور ہے حول کی صفت ہونے کی وجہ سے اور الی الحول صفت ہے متاع کی اور تربص سے مراد تربص الحول ہے۔ **ای متاعا منتهیا الی الحول. خرجن** یعنی رہنے نہ رہنے میں اور نفقہ لینے نہ لینے میں عورتوں کو اختیار ہے جیسا کہ امام شافعیؒ کی رائے ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سکنی لازم ہوگا موت اور طلاق دونوں کی عدت میں اختیاری امر نہیں ہے اور معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ اگر سال بھر بعد نکلیں گے تو اب آرائش وغیرہ کی اجازت ہے۔ **الاحداد احدت المرءة** بولتے ہیں خاوند کی وفات کے بعد زیب وزینت چھوڑ دی ہے۔

حقا علی المتقین پچھلی آیت میں جب **علی المحسنین** کا لفظ نازل ہوا تو ایک اعرابی نے بیوی کو طلاق کے بعد متاع نہیں دیا اور کہہ دیا کہ **ان اردت احسنت وان اردت لم احسن** اس پر **حقا علی المتقین** نازل ہوا...... **کررہ** یعنی آیت **وللمطلقات الخ** کا نزول مدخولہ کو داخل کرنے کے لئے ہوا ہے اس میں تین رائیں ہیں (۱) امام شافعیؒ کے نزدیک تمام صورتوں میں متاع واجب ہے بجز غیر مدخولہ مفروض لہا کے۔ (۲) امام مالکؒ کے نزدیک سب صورتوں میں مستحب ہے بجز اس صورت کے۔ (۳) امام ابوحنیفہؒ کی رائے اور امام احمدؒ کی ایک روایت یہ ہے مدخولہ مطلقا اور غیر مدخولہ غیر مسمی لہا مہر کے لئے واجب ہے اور صاحب مدارک نے اس متاع کو نفقۂ عدت پر محمول کیا ہے اس لئے تکرار نہیں رہے گا۔

ربط: .... اس آیت **والذین الخ** میں پینتیسواں (۳۵) حکم بیوہ کیلئے وصیت سکونت سے متعلق ہے اور آیت **وللمطلقات الخ** میں حکم طلاق کا تتمہ بیان کیا جارہا ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... **بیوہ کی عدت:** .... اسلام سے پہلے عدت وفات ایک سال تھی۔ ابتداء اسلام میں بھی جب تک احکام میراث مقرر نہیں ہوئے تھے اور بیوی کا کوئی حصۂ میراث طے نہیں تھا بلکہ سب کا مدار صرف مرنے والے کی وصیت پر تھا۔ عورت کے لئے اتنی رعایت رکھی گئی تھی کہ اگر وہ چاہے تو خاوند کے ترکہ کے مکان میں سال بھر تک رہ سکتی ہے اور اس مدت میں اسی ترکہ سے ان کے نفقہ کا انتظام کیا جاتا تھا۔ مرد کے لئے بھی اس قسم کی وصیت کر جانے کا حکم تھا اور چونکہ یہ حق عورت کا تھا اس لئے اس کے وصول کرنے نہ کرنے، مکان میں رہنے نہ رہنے کا اس کو اختیار تھا۔ ورثاء کے لئے مجبور کرنے کا حق نہیں تھا عدت کے اندر عورت کے لئے باہر نکلنا اور نکاح وغیرہ کرنا گناہ تھا۔ لیکن عدت کے بعد سب چیزوں کی اجازت تھی۔ لیکن جب آیتِ سابقہ **اربعة اشهر وعشرا** نازل ہوگئی تو یہ لمبی عدت چھوٹی عدت سے تبدیل ہوگئی اور جب آیت میراث نازل ہوگئی جس میں گھر بار سب کا ترکہ عورت کو مل گیا تو اب نفقہ بھی منسوخ اور سکنی بھی منسوخ ہے۔ اپنے حصہ میں رہے اور اپنا مال خرچ کرے۔ غرضکہ اس آیت کے سب اجزاء منسوخ ہو گئے ہیں۔

مطلقہ کے احکام: .... پچھلی آیت کے ذیل میں مطلقہ کی چاروں اقسام اور ان کے احکام مذکور ہوئے ہیں ان کی تفصیل سے

معلوم ہوگیا ہوگا کہ ہر ایک کو کچھ نہ کچھ نفع ہوا۔ مثلاً مطلقہ غیر مدخولہ غیر مسمی لہا مہر کے لئے ایک جوڑا غیر مدخولہ مسمی لہا مہر کے لئے نصف مہر دیا جائے گا۔ اسی طرح مدخولہ کی دو قسمیں رہ گئی تھیں وہ اس آیت میں آ گئیں یعنی مسمی لہا مہر اس کے لئے پورا مہر اور غیر مسمی لہا مہر اس کے لئے بعد الدخول مہر مثل۔ یہ ان کا نفع ہوگیا ایک صورت نفع کی یہ تھی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خاص جوڑا مراد لیا جائے تو ایک صورت میں واجب اور تین صورتوں میں مستحب ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ متاع سے مراد نفقہ عدت لیا جائے تو جس طلاق میں عدت ہوگی۔ مثلاً رجعی بائنہ اس میں عدت گزرنے تک واجب رہے گا۔ غرضکہ آیت عموم الفاظ سے سب صورتوں کو شامل ہے اور قاعدہ سے مراد یہی تفصیل ہے وجوب واستحباب کا فرق دلائل سے ثابت ہوتا جائے گا۔ اس صورت میں حقًا کو وجوب کے لئے نہ لیا جائے بلکہ ثابت کے معنی میں لیا جائے گا اور علی الزام کی بجائے صرف تاکد کے لئے ہوگا چاہے استحباب ہی ہو۔

اَلَمۡ تَرَ اِسۡتِفۡهَامُ تَعۡجِيبٍ وَتَشۡوِيقٍ اِلَى اسۡتِمَاعِ مَابَعۡدَهٗ اَىۡ لَمۡ يَنۡتَهِ عِلۡمُكَ **اِلَى الَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَهُمۡ اُلُوۡفٌ** اَرۡبَعَةٌ اَوۡ ثَمَانِيَةٌ اَوۡ عَشَرَةٌ اَوۡ ثَلٰثُوۡنَ اَوۡ اَرۡبَعُوۡنَ اَوۡ سَبۡعُوۡنَ اَلۡفًا **حَذَرَ الۡمَوۡتِ** مَفۡعُوۡلٌ لَهٗ وَهُمۡ قَوۡمٌ مِنۡ بَنِىۡ اِسۡرَآئِيۡلَ وَقَعَ الطَّاعُوۡنُ بِبِلَادِهِمۡ فَفَرُّوۡا **فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوۡتُوۡا** فَمَاتُوۡا **ثُمَّ اَحۡيَاهُمۡ** بَعۡدَ ثَمَانِيَةِ اَيَّامٍ اَوۡ اَكۡثَرَ بِدُعَاءِ نَبِيِّهِمۡ حِزۡقِيۡلَ بِكَسۡرِ الۡمُهۡمَلَةِ وَالۡقَافِ وَسُكُوۡنِ الزَّاىِ فَعَاشُوۡا دَهۡرًا عَلَيۡهِمۡ اَثَرُ الۡمَوۡتِ لَايَلۡبَسُوۡنَ ثَوۡبًا اِلَّا عَادَ كَالۡكَفَنِ وَاسۡتَمَرَّتۡ فِىۡ اَسۡبَاطِهِمۡ **اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ** وَمِنۡهُ اِحۡيَاءُ هٰؤُلَاءِ **وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ** وَهُمُ الۡكُفَّارُ **لَايَشۡكُرُوۡنَ** ﴿۲۴۳﴾ وَالۡقَصۡدُ مِنۡ ذِكۡرِ خَبَرِ هٰؤُلَاءِ تَشۡجِيۡعُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ عَلَى الۡقِتَالِ وَلِذَا عُطِفَ عَلَيۡهِ **وَقَاتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ** اَىۡ لِاِعۡلَاءِ دِيۡنِهٖ **وَاعۡلَمُوۡا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ** لِاَقۡوَالِكُمۡ **عَلِيۡمٌ** ﴿۲۴۴﴾ بِاَحۡوَالِكُمۡ فَيُجَازِيۡكُمۡ **مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يُقۡرِضُ اللّٰهَ** بِاِنۡفَاقِ مَالِهٖ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ **قَرۡضًا حَسَنًا** بِاَنۡ يُنۡفِقَهٗ لِلّٰهِ تَعَالٰى عَنۡ طِيۡبِ قَلۡبٍ **فَيُضٰعِفَهٗ** وَفِىۡ قِرَاءَةٍ فَيُضَعِّفَهٗ بِالتَّشۡدِيۡدِ **لَهٗۤ اَضۡعَافًا كَثِيۡرَةً** مِنۡ عَشۡرٍ اِلٰى اَكۡثَرَ مِنۡ سَبۡعِمِائَةٍ كَمَا سَيَأۡتِىۡ **وَاللّٰهُ يَقۡبِضُ** يُمۡسِكُ الرِّزۡقَ عَمَّنۡ يَشَاءُ اِبۡتِلَاءً **وَيَبۡصُۜطُ** يُوَسِّعُهٗ لِمَنۡ يَشَاءُ اِمۡتِحَانًا **وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ** ﴿۲۴۵﴾ فِى الۡاٰخِرَةِ بِالۡبَعۡثِ فَيُجَازِيۡكُمۡ بِاَعۡمَالِكُمۡ

ترجمہ: .... آپ کو تحقیق نہیں ہوا (استفہام تعجب کے لئے اور مابعد کے شوق دلانے کے لئے ہے یعنی آپ کا علم وہاں تک نہیں پہنچا) واقعہ ان لوگوں کا جو اپنے مکانوں سے نکل گئے تھے۔ حالانکہ وہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں تھے (چار یا آٹھ یا دس یا تیس یا چالیس یا ستر ہزار افراد تھے) موت سے بچنے کے لئے (یہ مفعول لہٗ ہے مراد ان لوگوں سے بنی اسرائیل کی قوم ہے کہ ان کے شہروں میں ایک وبائی مرض پھیلا چنانچہ وہ لوگ وہاں سے بھاگ گئے) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے حکم فرمادیا کہ مرجاؤ (چنانچہ وہ مر گئے) پھر ان کو زندہ کردیا (آٹھ روز یا اس سے زیادہ مدت کے بعد حضرت حزقیل (حا اور قاف کے کسرہ اور سکون زا کے ساتھ) علیہ السلام نبی کی دعا سے چنانچہ وہ ایک عرصہ ایسی حالت میں زندہ رہے کہ ان پر اثر موت تھا کہ جب کوئی کپڑا پہنتے تو کفن کی طرح ہوجاتا اور یہ اثر ان کی نسلوں میں باقی رہا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا فضل فرمانے والے ہیں لوگوں پر (منجملہ فضل کے ان لوگوں کا زندہ کرنا تھا) لیکن اکثر لوگ (یعنی کفار) شکر گزاری نہیں کرتے (مقصد ان لوگوں کے تذکرہ سے مسلمانوں کو جہاد پر دلیر کرنا ہے اسی لئے اس پر عطف ہے) اور اللہ تعالیٰ

کی راہ میں قتال کرو (اعلاء دین کی خاطر) اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں (تمہاری باتوں کو) اور خوب جاننے والے ہیں (تمہارے حالات کو اس لئے کہ تم کو بدلہ دیں گے) کون ہے؟ جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے (اللہ کی راہ میں مال صرف کر کے) بہترین طور پر قرض (کہ اللہ کی راہ میں خوشدلی سے صرف کرے) پھر اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر (اور ایک قرأت میں فیضعفہ تشدید کے ساتھ آیا ہے) بہت سے حصے کر دیں (دس گنا سے لے سو گنا سے بھی زائد جیسا کہ آئندہ آیت میں آ رہا ہے) اور اللہ تعالیٰ ہی کمی کرتے ہیں (جس سے چاہتے ہیں بطور آزمائش رزق روک لیتے ہیں) اور فراخی کر دیتے ہیں (بطور امتحان جس کے لئے چاہیں کشادگی فرما دیتے ہیں) اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے (آخرت میں تم کو تمہارے اعمال کی پاداش کے لئے کھڑا کیا جائے گا۔)

تحقیق وترکیب: .... **تعجبک** یعنی تعجب دلانا، اس سے معلوم ہوا کہ مخاطب کو اس سے، پہلے حصہ کا حال معلوم نہیں تھا اور بعض نے استفہام تقریر پر محمول کیا ہے۔ اس وقت مخاطب واقعہ سے باخبر ہوگا صرف تقریر کے لئے دہرایا گیا ہے۔ قاضی بیضاویؒ کی رائے ہے کہ تعجب اور تقریر ہی ان لوگوں کے لئے جو اہل کتاب میں سے ارباب تاریخ اس قصہ کو سنے ہوئے ہیں اور جو افراد سنے ہوئے نہیں ہیں کبھی ان کو بھی مخاطب بنالیا جاتا ہے۔ تری رؤیتِ علمیہ سے ہے اور متضمن معنی انتہاء کو ہے۔ اسی لئے **الیٰ** کے ساتھ تعدیہ کر لیا گیا ہے۔ **ثم احیاھم** مقدر پر معطوف ہے۔ **ای فماتوا ثم احیاھم** غایت ظہور کی وجہ سے حذف کر دیا ہے۔

حزقیل ان کو ذوالکفل بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ستر (۷۰) انبیاءؑ کا انہوں نے تکفل کیا تھا۔ حضرت کالب کے بعد ان کو نبی بنایا گیا تھا جو جانشین حضرت موسیٰ علیہ السلام یوشع بن نونؑ کے بعد ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کی وفات کے بعد حضرت حزقیل رنجیدہ اور آبدیدہ ہوئے اور عرض کیا یا **رب بقیت وحیدًا** حکم ہوا کہ ان کی زندگی تمہارے سپرد کی چنانچہ انہوں نے **احیوا باذن اللہ** کہا سب زندہ ہو گئے اور اثر موت سے مراد زردی ہے چنانچہ بعض قبائل یہود میں اب تک زرد رنگ چلے آ رہے ہیں۔

قرضًا حسنا مفعول مطلق ہے **ای اقراضًا فیضٰعفہ الضعف المثل. ای جزاءہٗ** بتقدیر امضاف اضعاف ضمیر منصوب سے حال ہے یا مضاعفت کے متضمن معنی تصییر ہونے کی وجہ سے مفعول الثانی ہے یضاعف بشکل مبالغۃ، مبالغہ کے لئے لایا گیا ہے۔

کما سیاتی مراد آیت **مثل الذین ینفقون الخ** ہے۔ **واللہ یقبض** گویا یہ ماقبل کی دلیل ہے۔ یعنی انفاق کی وجہ سے مال کم نہیں ہوتا۔ قابض و باسط تو حق تعالیٰ ہیں وہ دونوں طریقوں سے بندوں کی آزمائش کرتا ہے۔ لیکن تنگی کی بہ نسبت فراخی کا امتحان زیادہ پُرخطر ہوتا ہے۔

ربط: .... مختلف قسم کے پینتیس (۳۵) احکام ابوب بر بیان کیئے گئے ہیں۔ جن میں نماز کی محافظت کا حکم دے کر عبادات کی طرف متوجہ کیا گیا تھا۔ عبادات چونکہ دو طرح کی عبادتیں اکمل وانفع واقوی ہیں۔ ایک بذل نفس دوسرے بذلِ مال اور یہ دونوں فرد ہیں جہاد کی۔ اس لئے آیت مائدہ میں دور تک انہی کے ترغیبی مضامین آ رہے ہیں۔ اس سورت میں پہلے بھی جگہ جگہ ضمناً ان دونوں احکام کا تذکرہ آ چکا ہے اور اب **الم تر الی الذین الخ** اور **الم تر الی الملاء الخ** میں ترغیب **جہاد بالانفس** اور **من ذالذی الخ** میں مالی جہاد کی ترغیب دی جا رہی ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **میدان جنگ اور وبائی شہر سے بھاگنا حرام ہے:** .... بعض حضرات نے اس قصہ کو فرار من الحرب پر محمول کیا ہے۔ اسی لئے جس طرح جہاد سے بھاگنا حرام ہے اسی طرح طاعون وغیرہ وبائی امراض کی جگہ سے بھاگنا بھی حرام ہے۔

مسئلہ تناسخ: .... نیز یہاں مرکر دوبارہ زندہ ہونے سے تناسخ کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ تناسخ کے عقیدہ کا حاصل یہ ہے کہ دوسری زندگی میں پہلی زندگی کی سزا یا جزاء کے طور پر دوسرا بدن دیا جاتا ہے۔ اور یہاں دوبارہ زندگی سزا یا جزا کے طور پر نہیں تھی بلکہ قدرت خداوندی کا اظہار تھا۔ اسی طرح جہاں جہاں کسی معذب قوم کا مسخ ہوا ہے اس پر بھی تناسخ کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ تناسخ میں دونوں زندگیوں کے درمیان موت کا حائل ہونا ضروری مانتے ہیں اور مسخ میں ایسا نہیں ہوتا۔ نیز اس دوبارہ زندہ ہونے کے واقعہ سے ان آیات پر بھی شبہ نہ کیا جائے جن میں قیامت سے پہلے مرکر دنیا میں دوبارہ آنے کی نفی کی گئی ہے کیونکہ مقصود ان آیات کا نفی عادت کی ہے اور یہاں اثبات بطور خرق عادت اور خلاف عادت ہو رہا ہے اس لئے کوئی تعارض نہیں ہے۔

نیچریوں کی تاویل: .... بعض نیچری مردہ ہونے سے مراد بزدلی اور زندہ ہونے سے مراد بہادری لیتے ہیں۔ یعنی بنی اسرائیل نے مدائینوں سے شکست کھا کر بزدلی اختیار کی اور گویا بالکل ہی ختم ہو گئے۔ لیکن ایک زمانہ بعد جدعون نے لوگوں کو جنگ پر آمادہ کیا اور ہمت وشجاعت، بہادری اور دلیری سے پھر لوگوں کو زندہ کر دیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ بلا ضرورت حقیقی معنی چھوڑ کر مجاز اختیار کرنا صحیح نہیں ہے اور اگر خرق عادت ہونے کی وجہ سے بھاگنا ہے تو کہاں کہاں تاویل کی جائے گی۔

قرضۂ جنگ: .... قرضۂ جنگ کو مجازاً قرض کہہ دیا گیا ہے ورنہ ساری چیزیں خدا ہی کی ملک ہیں۔ لیکن جس طرح قرض کی رقم اکثر حالات میں محفوظ سمجھی جاتی ہے اور وہ ماری نہیں جاتی بلکہ اس کی وصول یابی یقینی سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح انفاق فی سبیل اللہ کو سمجھو اور قرضۂ جنگ جس طرح سود در سود کر کے واپس کیا جاتا ہے اور تضاعف میں رعایا کی وفاداری اور خلوص کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ کے یہاں بھی اجر وثواب کی تحدید نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ ایک خرما بھی اگر کوئی اللہ کی راہ میں صرف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو احد پہاڑ کے برابر بڑھا دیں گے۔ ظاہر ہے کہ ایک خرما کا پہاڑ کے ساتھ کیا تناسب ہے۔ اسی طرح دوسری حدیث میں ہے کہ جب آیت مثل الذین ینفقون الخ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے امت کے لئے سات سو گنا سے بھی زیادہ اضافہ کی درخواست پیش کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اضعافاً کثیرًا کو غیر محدود رکھا گیا ہے علی قدر الخلوص۔

واللہ یقبض ویبسط سے معلوم ہوا کہ چونکہ قبض وبسط دونوں کا مرجع اللہ کی ذات ہے اور دونوں موصل الی اللہ اور اس کے ظہور تجلیات کے آئینے ہیں اس لئے دونوں محمود ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ الْجَمَاعَةِ **مِنْۢ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ** مَوْتِ **مُوْسٰى** اَیْ اِلٰی قِصَّتِهِمْ وَخَبَرِهِمْ **اِذْ قَالُوْا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ** هُوَ شَمْوِيْلُ **ابْعَثْ** اَقِمْ **لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ** مَعَهُ **فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** تَنْتَظِمُ بِهِ كَلِمَتُنَا وَنَرْجِعُ اِلَيْهِ **قَالَ** النَّبِيُّ لَهُمْ **هَلْ عَسَيْتُمْ** بِالْفَتْحِ وَالْكَسْرِ **اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا** خَبَرُ عَسٰى وَالْاِسْتِفْهَامُ لِتَقْرِيْرِ التَّوَقُّعِ بِهَا **قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا** بِسَبْيِهِمْ وَقَتْلِهِمْ وَقَدْ فَعَلَ بِهِمْ ذٰلِكَ قَوْمُ جَالُوْتَ اَیْ لَا مَانِعَ لَنَا مِنْهُ مَعَ وُجُوْدِ مُقْتَضِيْهِ قَالَ تَعَالٰى **فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا** عَنْهُ وَجَبُنُوْا **اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ** وَهُمُ الَّذِيْنَ عَبَرُوا النَّهْرَ مَعَ طَالُوْتَ كَمَا سَيَاْتِىْ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ** ﴿۲۴۶﴾ فَيُجَازِيْهِمْ وَسَاَلَ النَّبِيُّ رَبَّهُ اِرْسَالَ مَلِكٍ فَاَجَابَهُ اِلٰى اِرْسَالِ طَالُوْتَ **وَقَالَ**

لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى كَيْفَ يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ لِاَنَّهُ لَيْسَ مِنْ سِبْطِ الْمَمْلَكَةِ وَلَا النُّبُوَّةِ وَكَانَ دَبَّاغًا اَوْرَاعِيًا وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ يَسْتَعِيْنُ بِهَا عَلٰى اِقَامَةِ الْمُلْكِ قَالَ النَّبِيُّ لَهُمْ اِنَّ اللهَ اصْطَفٰهُ اخْتَارَهُ لِلْمُلْكِ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً سَعَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَكَانَ اَعْلَمَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ يَوْمَئِذٍ وَاَجْمَلَهُمْ وَاَتَمَّهُمْ خَلْقًا وَاللهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِيْتَاءَهٗ لَا اعْتِرَاضَ عَلَيْهِ وَاللهُ وَاسِعٌ فَضْلُهٗ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ بِمَنْ هُوَ اَهْلٌ لَهٗ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ لَمَّا طَلَبُوْا مِنْهُ اٰيَةً عَلٰى مُلْكِهٖ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ الصُّنْدُوْقُ كَانَ فِيْهِ صُوَرُ الْاَنْبِيَاءِ اَنْزَلَهُ اللهُ تَعَالٰى عَلٰى اٰدَمَ وَاسْتَمَرَّ اِلَيْهِمْ فَغَلَبَتْهُمُ الْعَمَالِقَةُ عَلَيْهِ وَاَخَذُوْهُ وَكَانُوْا يَسْتَفْتِحُوْنَ بِهٖ عَلٰى عَدُوِّهِمْ وَيُقَدِّمُوْنَهٗ فِي الْقِتَالِ وَيَسْكُنُوْنَ اِلَيْهِ كَمَا قَالَ تَعَالٰى فِيْهِ سَكِيْنَةٌ طَمَانِيَّةٌ لِقُلُوْبِكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ اَيْ تَرِكَاهُ وَهُوَ نَعْلَا مُوْسٰى وَعَصَاهُ وَعِمَامَةُ هَارُوْنَ وَقَفِيْزٌ مِّنَ الْمَنِّ الَّذِيْ كَانَ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ وَرُضَاضُ الْاَلْوَاحِ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ حَالٌ مِّنْ فَاعِلِ يَاْتِيَكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ عَلٰى مُلْكِهٖ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ع فَحَمَلَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ حَتّٰى وَضَعَتْهُ عِنْدَ طَالُوْتَ فَاَقَرُّوْا بِمُلْكِهٖ وَتَسَارَعُوْا اِلَى الْجِهَادِ فَاخْتَارَ مِنْ شُبَّانِهِمْ سَبْعِيْنَ اَلْفًا فَلَمَّا فَصَلَ خَرَجَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَكَانَ حَرًّا شَدِيْدًا وَطَلَبُوْا مِنْهُ الْمَاءَ قَالَ اِنَّ اللهَ مُبْتَلِيْكُمْ مُخْتَبِرُكُمْ بِنَهَرٍ ۚ لِيَظْهَرَ الْمُطِيْعُ مِنْكُمْ وَالْعَاصِيْ وَهُوَ بَيْنَ الْاُرْدُنِ وَفَلَسْطِيْنَ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ اَيْ مِنْ مَّائِهٖ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ اَيْ مِنْ اَتْبَاعِيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ يَذُقْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ بِالْفَتْحِ وَالضَّمِّ بِيَدِهٖ فَاكْتَفٰى بِهَا وَلَمْ يَزِدْ عَلَيْهَا فَاِنَّهٗ مِنِّيْ فَشَرِبُوْا مِنْهُ لَمَّا وَافَوْهُ بِكَثْرَةٍ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَاقْتَصَرُوْا عَلَى الْغُرْفَةِ رُوِيَ اَنَّهَا كَفَتْهُمْ لِشُرْبِهِمْ وَدَوَابِّهِمْ وَكَانُوْا ثَلٰثَمِائَةٍ وَّبِضْعَةَ عَشَرَ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ هُمُ الَّذِيْنَ اقْتَصَرُوْا عَلَى الْغُرْفَةِ قَالُوْا اَيِ الَّذِيْنَ شَرِبُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ اَيْ بِقِتَالِهِمْ وَجَبُنُوْا وَلَمْ يُجَاوِزُوْهُ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ يُوْقِنُوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللهِ ۙ بِالْبَعْثِ وَهُمُ الَّذِيْنَ جَاوَزُوْهُ كَمْ خَبَرِيَّةٌ بِمَعْنٰى كَثِيْرٍ مِّنْ فِئَةٍ جَمَاعَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللهِ ؕ بِاِرَادَتِهٖ وَاللهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ بِالنَّصْرِ وَالْعَوْنِ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ اَيْ ظَهَرُوْا لِقِتَالِهِمْ وَتَصَافُّوْا قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ اَصْبِبْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا بِتَقْوِيَةِ قُلُوْبِنَا عَلَى الْجِهَادِ وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

۳۲ ع ۱۶

﴿۲۵۰﴾ **فَهَزَمُوْهُمْ** كَسَرُوْهُمْ **بِاِذْنِ اللّٰهِ** بِاِرَادَتِهٖ **وَقَتَلَ دَاوٗدُ** وَكَانَ فِي عَسْكَرِ طَالُوْتَ **جَالُوْتَ وَاٰتٰهُ** اَيْ دَاوٗدَ **اللّٰهُ الْمُلْكَ** فِي بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ **وَالْحِكْمَةَ** النُّبُوَّةَ بَعْدَ مَوْتِ شَمْوِيْلَ وَطَالُوْتَ وَلَمْ يَجْتَمِعَا لِاَحَدٍ قَبْلَهٗ **وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ** كَصَنْعَةِ الدُّرُوْعِ وَمَنْطِقِ الطَّيْرِ **وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ** بَدَلُ بَعْضٍ مِنَ النَّاسِ **بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ** بِغَلَبَةِ الْمُشْرِكِيْنَ وَقَتْلِ الْمُسْلِمِيْنَ وَتَخْرِيْبِ الْمَسَاجِدِ **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۲۵۱﴾ فَدَفَعَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ **تِلْكَ** هٰذِهِ الْاٰيَاتُ **اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا** نَقُصُّهَا **عَلَيْكَ** يَا مُحَمَّدُ **بِالْحَقِّ** بِالصِّدْقِ **وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ** ﴿۲۵۲﴾ التَّاكِيْدُ بِاِنَّ وَغَيْرِهَا رَدٌّ لِقَوْلِ الْكُفَّارِ لَهٗ لَسْتَ مُرْسَلًا

ترجمہ: .... کیا تم کو تحقیق نہیں ہو واقعہ قوم (جماعت) بنی اسرائیل کا موسیٰ علیہ السلام (کی وفات) کے بعد (یعنی ان کا قصہ ان کی خبر تم تک نہیں پہنچی ہے) جب کہ انہوں نے اپنے ایک نبی (شمویل) سے کہا کہ آپ بھیجئے (مقرر کر دیجئے) ہمارے لئے ایک بادشاہ کہ ہم (اس کے ساتھ مل کر) اللہ کی راہ میں قتال کریں (جو ہماری تنظیم کر سکے اور ہم اس کو مرجع سمجھیں) فرمایا (پیغمبر نے ان سے) کیا یہ ممکن ہے (لفظ عسیتم فتح سین اور کسر سین کے ساتھ پڑھا گیا ہے) اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے کہ تم جہاد نہ کرو (الا تقاتلوا خبر ہے عسی کی اور استفہام تقریر توقع کے لئے ہے) وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے لئے کیا سبب ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں۔ حالانکہ ہم اپنی بستیوں اور اپنی اولاد سے بھی جدا کر دیئے گئے ہیں (قتل یا قید کی وجہ سے جالوت نے ان کے ساتھ یہ کاروائی کی تھی یعنی جہاد سے کوئی مانع موجود نہیں۔ بلکہ مقتضی موجود ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) پھر جب ان کو جہاد کا حکم ہوا وہ سب پھر گئے (جہاد سے اور بزدلی اختیار کر لی) باستثناء چند لوگوں کے (جنہوں نے طالوت کی معیت میں نہر کو پار کیا تھا جیسا کہ آگے آ رہا ہے) اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتے ہیں (چنانچہ ان کو سزا دیں گے۔ نبی علیہ السلام نے بادشاہ مقرر کرنے کے سلسلہ میں اللہ سے درخواست کی جو طالوت کی صورت میں منظور ہوئی) فرمایا پیغمبر نے ان لوگوں سے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے کہنے لگے کہ ان کو ہم پر حکمرانی کا حق کہاں (کیسے) حاصل ہو سکتا ہے۔ حالانکہ بہ نسبت ان کے حکمرانی کے ہم زیادہ مستحق ہیں (کیونکہ اول تو وہ خاندان شاہی یا نبوت کے گھرانہ سے نہیں ہیں بلکہ رنگ ریز یا چرواہے ہیں دوسرے) ان کو کچھ مالی وسعت بھی نہیں دی گئی۔ ہے (جس کی اعانت سے مہمات ملکی چلا سکیں) فرمایا (پیغمبر نے ان سے) کہ (اولاً تو) اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے مقابلہ میں منتخب فرمایا ہے (سلطنت کے لئے ان کو نامزد کیا ہے) اور (دوسرے) ان کو زیادتی (وسعت) عطا فرمائی ہے علم وحیات میں (اور وہ اس دور میں تمام بنی اسرائیل سے اعلم اور خلقۃً اجمل واتم تھے) اور (تیسرے) اللہ تعالیٰ اپنا ملک جس کو چاہیں عطا فرمائیں (کس کو مجال اعتراض ہے) اور (چوتھے) اللہ تعالیٰ وسعت دینے والے ہیں (اپنے فضل کو) جاننے والے ہیں (کون سلطنت کے لائق ہے) اور فرمایا ان سے ان کے پیغمبر نے (جبکہ لوگوں نے پیغمبر سے اس کی بادشاہت کی علامت معلوم کرنی چاہی) کہ ان کے بادشاہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آ جائے گا (اس صندوق میں انبیاء علیہم السلام کی تصویریں تھیں جن کو خدا نے بھیجا تھا آدم کے پاس اور لوگوں کے پاس یہ صندوق برابر رہا۔ حتیٰ کہ بنی عمالقہ ان لوگوں پر غالب آ گئے اور انہوں نے یہ صندوق ان سے چھین لیا حالانکہ یہ لوگ اس صندوق کی برکت سے دشمنوں پر فتوحات حاصل کرتے تھے۔ میدان جنگ میں اس کو آگے آگے رکھتے اور اس سے تسکین حاصل کرتے جیسا کہ حق تعالیٰ خود

ارشاد فرماتے ہیں کہ) جس میں تسکین (دلوں کی چین) ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام چھوڑ گئے ہیں (یعنی ان دونوں بزرگوں کا متروکہ تبرک ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نعلین مبارک اور عصاء مبارک اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامۂ مبارک اور ایک تھیلہ اس گوند کا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر اتاری تھی اور تورات کی کچھ تختیاں تھیں) اس صندوق کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے (یہ حال ہے یا تیکم کے فاعل سے) اس میں تمہارے لئے مکمل نشانی ہوگی (ان کی سلطنت پر) اگر تم یقین لانے والے ہو (چنانچہ فرشتوں نے اس صندوق کو آسمان وزمین کے درمیان اس طرح اٹھالیا کہ وہ دیکھ رہے تھے۔ حتیٰ کہ طالوت کے سامنے لا رکھا۔ لوگوں نے ان کی حکومت تسلیم کرلی، اور جہاد کی تیاری شروع کردی۔ ستر ہزار نوجوان بہادر منتخب کیئے) پھر جب طالوت فوجوں کو لے کر چلے (بیت المقدس سے سخت گرمی پڑ رہی تھی ان سے لوگوں نے پانی طلب کیا) طالوت کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان کریں گے (آزمائیں گے) ایک نہر کے ذریعہ (تاکہ فرمانبردار اور نافرمان کھل جائیں) اور وہ نہر اُردن و فلسطین کے درمیان تھی) سو جو شخص اس سے پانی پیوے گا (یعنی اس پانی کو پیئے گا) وہ میرے ساتھیوں میں نہیں ہے (یعنی میرے ساتھیوں میں داخل نہیں ہے) اور جو اس کو زبان پر بھی نہ رکھے (نہ چکھے) وہ میرے ساتھیوں میں ہے۔ لیکن جو پیئے گا ایک چلو بھر (غــرفة بفتح الغين والضم) اپنے ہاتھ سے (اور اسی پر اکتفاء کرلے اس سے زیادہ نہ بڑھے وہ بھی میرے ساتھ ہے) سو سب نے اس سے پینا شروع کردیا (جب اس نہر پر پہنچے اکثروں نے بجز چند آدمیوں کے ان میں سے (یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے صرف چلو پر اکتفاء کیا روایت ہے کہ یہی ایک چلو ان کے اور ان کے گھوڑوں کے لئے کافی ہوگیا اور وہ تین سو تیرہ (۳۱۳) تھے) سو جب طالوت اور ان کے مؤمن ساتھی نہر پار اتر گئے (جنہوں نے ایک چلو پر اکتفاء کیا تھا) کہنے لگے (جنہوں نے پیا تھا) آج تو ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ کی طاقت معلوم نہیں ہوتی (یعنی ان سے لڑنے کی اور بزدلی کا مظاہرہ کیا اور آگے نہیں بڑھ سکے) کہنے لگے وہ لوگ کہ جن کو خیال (یقین) تھا کہ اللہ تعالیٰ کے رُوبرو پیش ہوں گے (قیامت کے روز اور ایسے لوگ وہ تھے جو نہر سے پار ہوگئے تھے) کہ اکثر (کم خبر یہ ہے بمعنی کثیر) چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آ گئی ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم (ارادہ) سے اور اللہ تعالیٰ استقلال والوں کا ساتھ دیتے ہیں (اعانت وامداد فرماکر) اور جب جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے میدان میں آئے (جنگ کے لئے تیار ہوگئے اور صف بندی کرلی) تو کہنے لگے اے ہمارے پروردگار انڈیل دیجئے (برسا دیجئے) ہم پر صبر اور ہمارے قدم جمائے رکھیئے (جہاد پر ہمارے دل مضبوط فرماکر) اور ہم کو اس کافر قوم پر غالب کردیجئے۔ چنانچہ طالوتیوں نے جالوتیوں کو شکست دے دی (ان کو توڑ کر رکھ دیا) اللہ تعالیٰ کے حکم سے (ارادہ) اور قتل کردیا داؤد علیہ السلام نے (جو لشکرِ طالوت میں تھے) جالوت کو اور عطا فرمادیا ان کو (داؤد علیہ السلام کو) اللہ نے سلطنت (بنی اسرائیل کی) اور حکمت (نبوت شموئیل اور طالوت کی وفات کے بعد اور یہ دونوں باتیں اس سے پہلے کسی ایک شخص میں جمع نہیں ہوئی تھیں) اور بھی جو اللہ کو منظور ہوا ان کو تعلیم فرمایا (مثلاً مخصوص زرہ سازی اور جانوروں کی بولی سمجھنا) اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ دفع فرماتے رہتے ہیں بعض لوگوں کو (یہ الناس سے بدل البعض ہے) بعض لوگوں کے ذریعہ سرزمین فساد سے لبریز ہوجاتی (مشرکین غالب آ جاتے، مسلمان قتل ہوجاتے، مساجد برباد ہوجاتیں) لیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں اہل جہان پر (چنانچہ بعض لوگوں کے ذریعہ بعض لوگوں کو دبادیا) یہ (آیات) اللہ تعالیٰ کی آیتیں جو ہم پڑھ کر (بیان کرکے) آپ کو سناتے ہیں (اے محمدؐ) صحیح صحیح (سچ کے طریقہ پر) اور بلاشبہ آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں (انّ وغیرہ کی تاکید لاکر قول کفار "لســت مــرسـلا" کی تردید کرنی ہے)

تحقیق وترکیب: .... الـم تـر اس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے اس میں بھی خطاب عام ہے۔ الـمـلاء جماعت جو مشورہ کے

لئے جمع ہو اور بعض کی رائے ہے کہ جماعت اشراف کو کہتے ہیں۔جن کی جلالت سے قلوب لبریز اور ہیبت سے آنکھیں بھری ہوئی ہوں۔ یہ اسم جمع ہے اس کا واحد نہیں ہے جیسے قوم اور املاء بھی جمع آتی ہیں۔شموئیل دوسرے نسخہ میں اول ہمزہ زائد ہے اور یہ لفظ مرکب ہے شمو یعنی اسمع اور ایل بمعنی اللہ یعنی اسمع یا الله دعائی ان کے اور حضرت یوشع کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہوئے اور بعض کی رائے ہے کہ حزقیل اور الیاس اور یسع علیہم السلام کے بعد ہوئے ہیں۔ھل عسیتم عسیٰ اور اس کی خبر کے درمیان شرط فاصل ہوگئی ہے۔ای التوقع جنبکم من القتال ان کتب علیکم ہل کو فعل متوقع پر داخل کر کے استفہام کیا گیا ہے۔تقریر وتثبیت کے لئے تو اس جملہ میں توقع اور متوقع دونوں آ گئے۔وما لنا. ای کالداعی لنا الی ان لا نقاتل. یہ ما کی خبر ہے اس جیسے موقع پر مالنا نفعل یا لانفعل ترکیب شائع ذائع ہے۔جملہ حالیہ اور اخفش کے نزدیک ان زائد ہے۔

وقد اخرجنا واؤ حالیہ ہے قوم جالوت مصر وفلسطین کے درمیان رہا کرتے تھے اور چار سو چار شہزادے ان کے گرفتار کر لئے گئے تھے اسی طرف اس جملہ میں اشارہ ہے۔جالوت قوم عمالقہ کا بڑا سرکش بادشاہ تھا جو عملیق بن عاد کی اولاد سے تھا۔عمالقہ بھی مصر وفلسطین کے درمیان ساحل بحر روم پر رہتے تھے۔فلما کتب عبارت محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے فدعاشمویل ربه بذلک فبعث لهم ملکا و کتب علیهم القتال. فلما کتب الخ اور اس طرز میں زیادہ مبالغہ ہو گیا کہ جب جہاد فرض ہونے کے باوجود انہوں نے روگردانی کی تو فرض نہ ہونے کی صورت میں کس درجہ تساہل کرتے۔قلیلا ان لوگوں کی تعداد ۳۱۳ تھی بدریین کی تعداد کے موافق۔

وسئل النبی چنانچہ ان پیغمبر کو ایک لکڑی پیائش کے لئے دی گئی جس سے وہ لوگوں کے قد پیائش کرتے تھے جس طرح فوجی رنگروٹوں کو بھرتی سے پہلے قد وقامت اور سینہ کی پیائش کی جاتی ہے لیکن سوائے طالوت کے کوئی دوسرا اس پر پورا نہیں اترا۔

ونحن احق کیونکہ خاندان شاہی تو یہود بن یعقوب کی اولاد میں تھا اور سلسلۂ نبوت لاوی بن یعقوب کی نسل میں تھا اور طالوت ان دونوں سلسلوں سے الگ بنیامین بن یعقوب کی اولاد میں تھے جن میں نہ نبوت رہی نہ سلطنت، بلکہ گناہوں اور ادنیٰ کاموں کے عادی تھے اور سلسلۂ نبوت میں بھی صرف شمویل رہ گئے تھے۔جنہوں نے کبرسنی میں تورات حفظ کی اور بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ اعلم ہوئے اللہ نے ان کو نبوت سے سرفراز فرمادیا اور چالیس سال بہترین حال کے ساتھ قوم میں رہے۔سعة وسع بروزن کرم ہے۔ساعة سعة اللّٰهم وسع علینا سعة مصدر ہے اور واسع بمعنی موسع ہے۔التابوت توب سے ہے بمعنی رجع۔بکس میں سے جو چیز نکالی جاتی ہے۔بار بار اس میں پھر رکھی جاتی ہے،صندوق بضم الصاد بروزن فعلوت،شمشاد کی لکڑی کا بنا ہوا،سونے سے ملمع شدہ تھا، تین ہاتھ چوڑا،دس ہاتھ لمبا تھا،تورات کا صندوق کہلاتا تھا اس میں تبرکات کی اصل نکلتی ہے مگر اس میں افراط وتفریط سے ہٹ کر اعتدال ملحوظ رہنا چاہئے۔

مما ترک من بیانیہ ہے بقیه اس لئے کہا کہ ان دونوں بزرگوں کا باقی ماندہ تبرک تھا۔ال موسیٰ لفظ آل تفخیم شان کے لئے بڑھادیا جاتا ہے۔جیسے اللّٰهم صل علی ال محمد. تحمله حقیقی معنی ہیں یا مجازی معنی مراد ہیں جیسے حمل زید متاعی الی مکة، فلما فصل ای فصل نفسه مفعول کا حذف بکثرت ہوتا ہے اس لئے بمنزلہ لازم کے ہوگیا۔

قال ان الله طالوت نے پیغمبر کی جانب سے اطلاع دیتے ہوئے یہ کہا ہوگا۔اُردن وفلسطین دونوں بیت المقدس کے قریب بستیاں ہوں گی۔لم یطعمه اس سے مراد نفس ذوق نہیں ہے بلکہ مایؤدیه الذوق مراد ہے۔ماکول ہو یا مشروب۔طعم المشروب بمعنی ذاق طعمہ کا استعمال بلاتکلف صحیح ودرست ہے یعنی شربه واتخذه طعاما کے تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔

غرفة ابن عامرؒ اور کوفیؒ اس کو بالفتح اور ابوعمروؒ وابن کثیرؒ ونافعؒ بالضم پڑھتے ہیں اور بالفتح مصدر ہے اور بالضم بمعنی چلو پانی۔الا من

اغترف کے بعد مفسر نے اشارہ کر دیا ہے کہ یہ فمن شرب منه فليس منی سے استثناء ہے یا خبر کی ضمیر سے استثناء ہے اور دوسرے جملہ کی تقدیم کا فائدہ یہ ہے کہ اس کو جملہ اولیٰ کا تتمہ بنانا ہے اور یہ کہ اس سے غرض تاکید ہے اور نہی عن الشرب کی من کل الوجہ کی تمیم ہے۔ مؤخر کرنے میں یہ فوائد نہیں تھے۔

وجنوده تقریباً ایک لاکھ یا اس سے زائد ہتھیار بند لشکر تھا اور جالوت کا حال یہ تھا کہ ایک میل لمبا اس کا قد راور تین سو رطل وزن کی خود اس کے سر پر تھی۔ یظنون آخرت کی ملاقات کا یقین اگر چہ ہر مؤمن کیلئے ضروری ہے لیکن یہاں تخصیص کی وجہ شاید یہ ہو کہ ان کو اپنی قریبی شہادت کا یقین ہو گیا ہو کہ اس کے بعد اللہ سے ملاقات ہوگی اور اس ملاقات کا ظن بھی جب موجب طاعت ہے تو یقین محکم اور عزم راسخ تو کیوں باعث اطاعت نہیں ہوگا۔ گویا اس میں مبالغہ ہے اور یا ظن کو یقین کے معنی میں لے لیا جائے۔

کم من فئة میں کم خبریہ ہے لیکن استفہامیہ نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ قاضی بیضاویؒ کی رائے ہے کیونکہ بلا فصل استفہامیہ کی تمیز پر من داخل نہیں ہوسکتا اور فئة بروزن فعة یا فعلة ہے فاء ت راسه بولتے ہیں اذ اشققته فاء بمعنی رجع سے مشتق ہے۔

برزوا کھلی زمین کو براز کہتے ہیں اور بروز کہتے ہیں ایسی زمین میں آنے کو برزوا بمعنی ظهرا ہے۔ وقتل داؤد کہا جاتا ہے کہ طالوت کے لشکر میں ان کے علاوہ چھ نبی اور بھی تھے اور حضرت داؤدؑ ساتویں نبی ہونے والے تھے۔ ابھی کمسن تھے اور بکریاں چراتے تھے کہ شمویل پیغمبر کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا کہ جالوت کو داؤدؑ قتل کریں گے چنانچہ ان کے والد سے اجازت لے کر فوج میں بھرتی کرلیا گیا۔ راستہ میں تین پتھروں نے کلام کیا کہ ہمارے ذریعہ سے جالوت کو مارنا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اور کامیاب ہوئے۔ طالوت نے اپنی بیٹی کے ساتھ ان کی شادی کردی اور بالآخر یہ نبی اور بادشاہ دونوں کے تنہا وارث ہوئے۔ لوہا ان کے ہاتھ میں موم کی طرح نرم کر دیا گیا و النا له الحديد فرمایا گیا ہے۔ بلا آلات اس سے زرہ بنا لیتے تھے اور یا آلات کے ذریعہ بناتے ہوں گے لیکن ایسے بہترین طریقہ سے بناتے تھے کہ جیسے کپڑا سوت سے بنایا جاتا ہے اور پردوں اور بہائم وغیرہ جانوروں کی بولیاں سمجھتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

لولا دفع الله الخ لولا آتا ہے امتناع ثانی کے لئے اول کے وجود کی وجہ سے چنانچہ فساد زمین میں ممتنع ہو گیا۔ دفع بعض الناس بعضهم کی وجہ سے نتلوها یہ حال ہے آیات اللہ سے اور عامل معنی اشارہ ہے یا آیات بدل ہے تلک سے اور نتلوا اس کی خبر ہے۔

ربط: .... جہاد وقتال کی تائید کے لئے طالوت و جالوت کا واقعہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **واقعہ کا پس منظر:** .... حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً گیارہ سو (۱۱۰۰) برس پہلے کی بات ہے کہ حضرت شمویلؑ سے پہلے بنی اسرائیل میں کوئی بادشاہ نہیں ہوتا تھا بلکہ کاہن امام قاضی فصل مقدمات کیا کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً جو انبیاء علیہم السلام ان میں آتے وہ شریعت موسوی اور تورات کے مطابق فتاویٰ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کے تین سو بہتر سال بعد عیدون اسرائیل سردار مر گیا تو بنی اسرائیل نے بت پرستی اور بے دینی اختیار کرلی۔ جس کے نتیجہ میں اہل فلسطین جو نہایت درجہ خالی، بت پرست اور بنی اسرائیل کے سخت دشمن تھے ان پر غالب آ گئے اور چالیس سال ان پر حکومت کرتے رہے یہاں تک کہ شمعون کے عہد میں نجات ملی اور بیس سال شمعون کی سلطنت رہی۔ تا آنکہ پھر اہل فلسطین غالب آ گئے اور بنی اسرائیل کا ابتر حال کر دیا۔ حضرت موسیٰ کے تقریباً چار سو بیالیس سال کے بعد کی بات ہے کہ بنی اسرائیل میں عیلی نام کا ایک کاہن مشہور ہوا۔ اس کے عہد میں کوہستان میں ایقانہ ایک شخص سیلا میں قربانی اور سجدہ کرانے آتا تھا اس کی دو بیویاں فنینہ اور حنینہ نامی تھیں۔ حنینہ کے اولاد نہ ہوتی تھی جس سے وہ غمگین تھی اس نے خدا سے نذر اور دعا کی چنانچہ اس کے بطن سے ایک بچہ ہوا جو شمویل کہلایا۔ عبرانی زبان کا یہ لفظ ہے جس کے معنی ''عطاء اللہ'' یا ''اللہ دیا'' ہیں شمویل کا جب دودھ بڑھا تو والدین کو شہر رامہ سے سیلا میں عیلی کاہن کے پاس لائے جس کی اولاد نالائق تھی مگر انہوں نے

خدمت کر کے بنی اسرائیل میں شہرت واعتبار حاصل کرلیا اور عہدہ نبوت سے سرفراز ہوئے۔

تابوت: ....بنی اسرائیل کے ہاتھ سے جو تابوت جاتا رہا تھا اور فلسطینی اس کو اپنے یہاں لے گئے تھے۔ بنی اسرائیل اور فلسطینیوں میں شدید اور خونریز جنگ ہوئی جس کے نتیجہ میں تیس ہزار بنی اسرائیل مارے گئے تھے۔ اس واقعہ سے تقریباً بائیس سال بعد شمویل نے بنی اسرائیل میں اصلاحی کوششیں کیں اور ان کو بمقام مصفاہ فلسطینیوں کے مقابلہ پر آمادہ کیا اور آخر کار عقرون سے جات تک تمام شہر بنی اسرائیل نے واپس لے لیا اور ان کی فتح ہوئی۔ پھر جب شمویل بوڑھے ہو گئے تو لوگوں نے رامہ میں جمع ہو کر عرض کیا کہ آپ تو بوڑھے ہو گئے ہیں اور آپ کے صاحبزادے یوایل اور ابیاہ تمہاری پیروی نہیں کرتے بلکہ نفع خوری اور رشوت ستانی کر کے غلط فیصلے کرتے ہیں آپ ہمارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کر دیجئے جس کی کمان میں ہم رہیں اور لڑیں۔ چنانچہ ہر ہر فرقہ کے ہزاروں نمائندے جمع ہوئے لیکن قرعۂ فال فرقہ بنیامین کے نام پڑا اور ان میں سے مطری خاندان میں قیس کے بیٹے ساول یعنی طالوت کا نام نکلا جو بنی اسرائیل میں سب سے بلند قد اور خوبصورت ووجیہ اور شہر جبعہ کے رہنے والے تھے۔ تاہم بنی بلیعال نے بنظر تحقیر مخالفت کرتے ہوئے یہ کہا کہ "یہ کس طرح ہم کو دشمنوں سے بچا سکتا ہے" شمویل علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کی سلطنت کی علامت یہ ہے کہ یہ تابوت شہادت تمہارا واپس کرادیں گے۔ چنانچہ ساول کی بادشاہت تسلیم کر لی گئی اور فلسطینیوں سے جنگ جاری رہی اور فلسطینی دبتے چلے گئے اور وہ صندوق جو کبھی نشانِ فتح تھا اب ان کے لئے نشانِ مصیبت بن گیا۔ جہاں اس کو رکھتے مصیبتوں اور بیماریوں اور سخت بلاؤں کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس لئے عاجز آکر سب نے صلاح کی اور اس صندوقِ شہادت کو ایک گاڑی پر رکھ کر اور ایک صندوقچہ میں کچھ سونے کی تصویریں رکھ کر بنی اسرائیل کے سرحدی شہر بیتِ شمس کی طرف ہنکا دیا۔ چنانچہ فرشتوں کی مدد سے وہ گاڑی یشوع نامی ایک شخص کے مکان پر بیتِ شمس میں پہنچ گئی لوگوں کو بڑی خوشی ہوئی اور قریہ یعارم کے لوگوں کو بلوایا وہ اس کو بخوشی اپنے یہاں لے گئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے کارنامے: ....اس عرصہ میں کئی موقعوں پر ساول یعنی طالوت نے حضرت شمویل کی نافرمانی کی جس پر وہ ناراض ہوئے۔ حق تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ بیت لحم میں جاؤ اور یسی کے بیٹوں کو بلاؤ اور جن کو بتلاؤں ان کو منتخب کرلو۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر ان کے سب بیٹوں میں چھوٹے بیٹے کو جو بکریاں چراتے تھے پسند کیا اور ان پر تیل ملا۔ یہ لڑکا داؤد تھا، اس کو لے کر شمویل شہر رامہ آئے اور پھر فلسطینیوں سے صف آراء ہوئے اور فلسطینی یہودا کے شہر شوکہ اور عزیقہ کے درمیان خیمہ زن ہوئے۔ طالوت نے بھی بنی اسرائیل کے لشکر کو مرتب کیا۔ دریائے شورق کے جنوبی جانب فلسطینی اور شمالی جانب بنی اسرائیل تھے۔ متواتر فتوحات سے بنی اسرائیل کے حوصلے بڑھتے رہے اور شوق میں آکر بنی اسرائیل کے عوام وخواص بچے بڑے سب نکل کھڑے ہوئے۔ جنگی اصول کے پیش نظر اس قسم کی بھیڑ عموماً شکست کا باعث بن جایا کرتی ہے۔ اس خیال سے طالوت نے دریا پر پہنچ کر گرمی اور سخت تشنگی کے وقت فوج کا انتخاب کرنا چاہا۔ ان سے پہلے مداینوں کے مقابلہ میں جدعون بھی اس قسم کا انتخاب کر چکا تھا۔ چنانچہ پُرجوش اور سچے مجاہدین امتحان میں بھی پورے اترے اور ان کو اپنی عددی قلت کی فکر نہیں ہوئی۔ دوسری قسم ان رنگروٹوں کی تھی جو امتحان میں پورے اترے۔ لیکن ساتھ ہی قلت و کثرت میں نظر الجھی رہی۔ لیکن کچھ لوگ ایک گھڑی پیاس کی تاب بھی نہ لاسکتے تھے ان کے قدم ریت میں کیسے جم سکتے غرض کہ جنگ کا بگل بجا۔ جالوت پیتل کی زرہ عظیم خود پہن کر آگے بڑھا اور اس زمانہ کے دستور کے مطابق اپنا مقابل طلب کیا ادھر سے داود ہاتھ میں لٹھ لئے اور تین چکنے پتھر اور فلاخن لے کر سامنے آئے۔ جالوت نے کہا کیا میں کتا ہوں کہ لٹھ اور پتھر میرے لئے لایا ہے؟ داؤد نے کہا تو تمام ہتھیاروں سے مسلح ہو کر آیا ہے اور میں رب الافواج کے نام سے تیری طرف آیا ہوں۔ جالوت حملہ آور ہوا۔ داؤد علیہ السلام نے فوراً ایک پتھر فلاخن میں جما کر اور گھما کر ایسا مارا کہ وہ منہ کے بل زمین پر آرہا اور اسی کی تلوار سے سر کاٹ لیا۔ پھر تو فلسطینیوں

میں عام بھگدڑ مچ گئی اور داؤد جالوت کا سر لے کر یروشلم میں آئے جس سے بنی اسرائیل میں ان کی دھوم مچ گئی اور طالوت نے اپنی چھوٹی بیٹی میکل کی شادی داؤد سے کردی۔ لیکن رشک وحسد کی آگ میں جلنے اور داؤد کی قتل کی سازش کرنے لگا آخر الامر طالوت اور اس کے بیٹے فلسطینیوں کی جنگ میں مارے گئے اور پوری سلطنت داؤد کے حصے میں آ گئی۔

واقعات کی یہ تلخیص کتاب شمویل سے ماخوذ ہے قرآن کریم میں بھی ان ہی واقعات کا اجمال ہے۔

پادریوں کے اعتراضات:............ لیکن عیسائی مؤرخ قرآن کریم کے بیانات پر دو اعتراض کیا کرتے ہیں۔ اول یہ کہ تابوت سکینہ طالوت کے بادشاہ بننے سے پہلے آ چکا تھا۔ جیسا کہ کتاب الٰہی شمویل کے حوالہ سے گزرا۔

دوسرے یہ کہ کتاب شمویل میں لشکر کی آزمائش پانی کے ساتھ اور مقابلہ کے وقت دعا کرنا مذکور نہیں ہے پھر ان دونوں باتوں میں قرآن کریم کا بیان کس طرح تسلیم کرلیا جائے۔

پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ کتاب شمویل میں اس کے علاوہ دوسرے مواقع پر بھی تعارض موجود ہے۔ اسی لئے عیسائی مؤرخ خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ واقعہ کی ترتیب میں الٹ پھیر ہوگئی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی تحقیق نہیں کہ کتاب شمویل کس کی تصنیف ہے۔ بعض خود شمویل کی تصنیف مانتے ہیں اور بعض ناتن پیغمبر کی اور بعض یرمیاہ کی مانتے ہیں۔ اس لئے ان حالات میں کتاب شمویل کی ترتیب قرآن کریم کی ترتیب کے مقابلہ میں زیادہ وزن نہیں رکھتی۔ ترجیح قرآن ہی کے بیان کو ہوگی۔

دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ کتاب شمویل میں عدم ذکر سے کسی واقعہ کا معدوم ہونا لازم نہیں آتا۔ بہت سی باتیں بھی کتاب شمویل میں موجود نہیں ہیں حالانکہ دنیا میں ان کا وجود مسلم ہے تو کیا اس اصول سے ان کا بھی انکار کردیا جائے گا۔ اس لئے بھی قرآن ہی کا بیان زیادہ صحیح ہے۔ (حقانی)

واقعہ کے مفید نتائج:............ قرآن کریم اس واقعہ سے مندرجہ ذیل کارآمد نتائج اخذ کرتا ہے۔

(۱) جس جماعت میں صبر واستقلال کی سچی روح نہیں ہوتی، اس میں بسا اوقات سعی وعمل کے پیہم ولولے پیدا ہوتے ہیں لیکن جب آزمائش کا وقت آتا ہے تو راہِ عمل میں ثابت قدم رہنے والے بہت کم نکلتے ہیں۔

(۲) حکومت وقیادت کی قدرتی صلاحیت جن میں ہوتی ہے وہی اس کی اہل ہوتے ہیں۔ اگرچہ مال و دولت، دنیوی حالت وجاہ سے تہی دامن ہوں۔

(۳) صلاحیت کیلئے اصلی جوہر علم وجسم کی قوت وقابلیت ہے۔ یعنی دماغی اور جسمانی صلاحیت نہ کہ مال و دولت، نسل وخاندان کا شرف۔

(۴) جس شخص کو بھی سردار بنایا جائے افرادِ جماعت کا فرض ہے کہ سچے دل سے اس کی اطاعت کریں۔ کسی جماعت میں اگر سمع و طاعت نہیں ہے تو کبھی بھی جماعتی زندگی کی کشاکش کامیاب نہیں ہوسکتی۔

(۵) اس راہ میں اصلی چیز صبر وطاعت ہے جو لوگ ایک گھڑی کی پیاس ضبط نہیں کرسکتے وہ میدانِ جنگ کی مشکلات کیونکہ سہہ سکتے ہیں۔

(۶) کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہوتی ہیں جو بڑی جماعتوں پر غالب آ جاتی ہیں اور کتنی ہی بڑی جماعتیں ہوتی ہیں جو چھوٹی جماعتوں سے شکست کھا جاتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ فتح وشکست کا مدار اصلی افراد کی عددی قلت وکثرت پر نہیں بلکہ دلوں کی قوت پر ہے اور اللہ کی مدد انہی لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو صابر اور ثابت قدم ہوتے ہیں۔

(۷) دعا میں صرف فتح مندی کی طلب نہیں کی گئی ہے بلکہ فتح مندی سے پہلے صبر وثبات کی طلب کی گئی جس سے معلوم ہوا کہ سچی دعا وہ ہے جو سچی استعدادِ عمل کے ساتھ ہو، خدا کی نصرت ان ہی کے حصہ میں آتی ہے جو صبر وثبات کی روح ہو جاتی ہے۔

(۸) اللہ کی حکمتِ بالغہ کا یہ بڑا ہی ایک کرشمہ اور فضل و احسان ہے کہ جب کبھی ایک گروہ ظلم و فساد میں چھوٹ جاتا ہے۔ محرکات دوسرے گروہ کو مدافعت کے لئے کھڑا کر دیتے ہیں اور ایک قوم کا ظلم دوسری قوم کی مقاومت سے رفع ہوتا رہتا ہے۔ لیکن اصل مقصود اہل حق کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ انجام کار ہو کر رہتا ہے۔

قرآنی بادشاہتیں: .... قرآن کریم جن بادشاہتوں کا ذکر کرتا ہے مثلاً یہی قصہ طالوت و جالوت، داستان یوسفؑ، واقعہ ذوالقرنین، فرعونِ مصر کی لائف وغیرہ ان سب میں قدرِ مشترک کی کئی باتیں سامنے آجاتی ہیں۔

(۱) قدیم طرزِ سلطنت شخصی رہا ہے جمہوری نہیں۔

(۲) بادشاہت نام بادشاہ کا ہوتا تھا۔ اسی کی ذات اور اقوال و احوال اصولِ سلطنت سمجھے جاتے تھے۔ گویا بادشاہ سے بادشاہت وابستہ ہوتی۔ بادشاہت سے بادشاہ وابستہ نہیں ہوتا تھا۔ اسی لئے بادشاہوں کے آئینہ سیرت میں ان کے آئین جہانبانی کا رنگ جھلک رہا ہے۔ بادشاہتوں کے جھروکوں سے بادشاہ نہیں جھانک رہے ہیں۔

(۳) سیاست و مذہب دو الگ الگ بنیادیں تھیں۔ قیصر کی حدود الگ تھیں اور کلیسا کی علیحدہ ایک زمانہ تک قدیم دستور کے مطابق طرز حکومت یہی رہا ہے۔

چونکہ قرآن کریم کے اعاظم مقاصد میں سے رسالت محمدیہ ﷺ کا اثبات بھی ہے۔ چنانچہ اس موقعہ پر بھی بجز وحی کے اس قسم کے واقعات کی اطلاع کا کوئی معتبر ذریعہ آپ کے پاس نہیں تھا۔ یہ معجزہ صریح دلیل ہے آپ ﷺ کی نبوتؐ اور صدق دعویٰ کی۔

الحمدللہ تفسیر پارۂ سیقول السفہاء پوری ہوگئی

پارہ نمبر ۳

تِلْكَ الرُّسُلُ

تِلْكَ الرُّسُلُ

تِلْكَ مُبْتَدأٌ **الرُّسُلُ** صِفَةٌ وَالْخَبَرُ **فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ** بِتَخْصِيْصِهٖ بِمَنْقَبَةٍ لَيْسَتْ لِغَيْرِهٖ **مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ** كَمُوْسٰى **وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ** اَىْ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **دَرَجٰتٍ** عَلٰى غَيْرِهٖ بِعُمُوْمِ الدَّعْوَةِ وَخَتْمِ النُّبُوَّةِ بِهٖ وَتَفْضِيْلِ اُمَّتِهٖ عَلٰى سَائِرِ الْاُمَمِ وَالْمُعْجِزَاتِ الْمُتَكَاثِرَةِ وَالْخَصَائِصِ الْعَدِيْدَةِ **وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ** قَوَّيْنَاهُ **بِرُوْحِ الْقُدُسِ** جِبْرَءِيْلَ يَسِيْرُ مَعَهٗ حَيْثُ سَارَ **وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ** هُدَى النَّاسِ جَمِيْعًا **مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ** بَعْدِ الرُّسُلِ اَىْ اُمَمُهُمْ **مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ** لِاخْتِلَافِهِمْ وَتَضْلِيْلِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا **وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا** لِمَشِيْئَةِ ذٰلِكَ **فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ** ثَبَتَ عَلٰى اِيْمَانِهٖ **وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ** كَالنَّصَارٰى بَعْدَ الْمَسِيْحِ **وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا** تَوْكِيْدٌ **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ** ﴿٢٥٣﴾ مِنْ تَوْفِيْقِ مَنْ شَاءَ وَخُذْلَانِ مَنْ شَاءَ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ** زَكٰوتَهٗ **مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِىَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ** فِدَاءٌ **فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ** صَدَاقَةٌ تَنْفَعُ **وَّلَا شَفَاعَةٌ** بِغَيْرِ اِذْنِهٖ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِرَفْعِ الثَّلَاثَةِ **وَالْكٰفِرُوْنَ** بِاللّٰهِ اَوْبِمَا فُرِضَ عَلَيْهِمْ **هُمُ الظّٰلِمُوْنَ** ﴿٢٥٤﴾ لِوَضْعِهِمْ اَمْرَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِىْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ

ترجمہ: .... یہ (مبتداء ہے) حضرات مرسلین (صفت ہے اور خبر آگے ہے) کہ ہم نے ان میں بعض کو بعض پر فوقیت بخشی ہے (ایسی خصوصی منقبت عطا کر کے جو دوسروں میں موجود نہیں ہے) بعض ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے (حضرت موسیٰ) اور بعض کو ان میں سے سرفراز بنایا ہے (یعنی محمد ﷺ کو) بلند درجات کے ساتھ (بہ نسبت انبیائے سابقین کے۔ مثلاً عموم دعوت، ختم نبوت دوسری امتوں کے مقابلہ میں امت محمدیہ کا فائق ہونا۔ کثیر معجزات اور خصائص کبریٰ) اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو صاف اور کھلے معجزات عطا کئے اور ہم نے ان کی تائید (تقویت) روح القدس (جبریلؑ) کے ذریعہ کی (کہ جہاں جاتے وہ ان کے ساتھ رہتے) اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا (سب لوگوں کو ہدایت بخشنا) تو باہمی قتل وقتال نہ کر سکتے ان کے (مرسلین کے) بعد (یعنی ان کی امتیں) اس کے بعد کہ ان کے پاس دلائل پہنچ چکے تھے (ان کے آپس کے اختلاف اور ہر ایک دوسرے کی تضلیل کی وجہ سے) لیکن وہ لوگ باہم مختلف ہو گئے (کیونکہ خدا کی مشیت اس سے وابستہ ہو چکی تھی) سوان میں کوئی تو ایمان لے آیا (اپنے ایمان پر ثابت رہا) اور کوئی کافر رہا (جیسے حضرت مسیح کے بعد عیسائی) اور اگر اللہ میاں چاہتے تو وہ لوگ آپس میں قتل وقتال نہ کر سکتے (یہ ماقبل کی تاکید ہے) لیکن اللہ تعالیٰ جو

چاہتے ہیں کرتے ہیں (جس کو چاہتے ہیں توفیق بخشتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں رسوا کردیتے ہیں) اے اہل ایمان! خرچ کرڈالو ان چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں (مراد زکوۃ دینا ہے) ایسا دن آنے سے پہلے کہ جس میں نہ تو خرید وفروخت ہو سکے گی (مراد فدیہ) اور نہ دوستی ہوگی (نافع دوستی) اور نہ کوئی سفارش چل سکے گی (بلا اجازت یعنی بروز قیامت۔ اور ایک قرأت میں تینوں لفظ "بیع، وخلة، وشفاعة" کا رفع پڑھا گیا ہے) اور (اللہ یا ان کی طرف سے مقررہ فرائض کا) انکار کرنے والے ہی لوگ ظلم کیا کرتے ہیں (خدا کے احکام کو بے محل رکھنے کی وجہ سے)

تحقیق وترکیب: .... تــلــک سے اشارہ ہے آدم علیہ السلام سے لیکر داؤد علیہ السلام تک جماعت رسل کی طرف۔ تلک مبتداء الرسل صفت اور فضلنا الخ خبر ہے من کلم اللہ ای کلمہ اللہ صلہ سے عائد محذوف ہے ای منهم من كلمه الله بلاواسطة درجات ای بدرجات او الی الدرجات. اوفی درجات حرف جر حذف ہونے کے بعد فعل بنفسہ عمل کررہا ہے یا منصوب بنا بر مصدر کے کہا جائے کیونکہ درجۃ معنی میں رفعۃ کے ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تخصیص ذکری آیات عظیمہ اور معجزات کثیرہ کی وجہ سے کی گئی ہے کعموم الدعوۃ چنانچہ آپ ﷺ کا انسان اور جنات ثقلین کی طرف مبعوث ہونا آپ ﷺ کی خصوصیت ہے آپ ﷺ سے پہلے انبیاءؑ کی دعوت خاص جماعتوں کے لئے ہوتی تھی۔ اسی طرح جوامع الکلم سے آپ ﷺ کو سرفراز فرمانا، مال غنیمت کا حلال ہونا، ساری زمین کا مسجد اور طہور بنادینا، قیامت میں شفاعت کبریٰ کا ملنا یہ سب خصائص ہیں۔ چنانچہ علامہ ابوسعید نیشاپوریؒ نے آپ ؐ کے خصائص کبریٰ ساٹھ (۶۰) شمار کرائے ہیں۔ ولــو شــاء الله کے بعد مفسرؒ نے مشیت کے حذف مفعول کی طرف اشارہ کیا ہے اگرچہ تقدیر عبارت بلا مفعول اس طرح بھی ہوسکتی ہے فلو شاء الله عدم اقتتالهم ما اقتتلوا الخ

لا ختلافهم یہ متعلق ہے اقتتل کے ساتھ اور اقتتل کی تفسیر بھی اختلف کے ساتھ ہوسکتی ہے کیونکہ وہ سبب قتل ہوتا ہے۔

ولو شاء الله مااقتتلوا یعنی لو شاء الله ان لا يقتلوا لم يقتلوا اس میں معتزلہ پر بھی رد ہوگیا۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں لو شاء ان لا يقتلوا فاقتتلوا.

انــفقوا مفسرؒ علام نے انفاق واجب کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ ولا بیع جلال محققؒ نے اس کا ترجمہ فدیہ کے ساتھ کیا ہے کیونکہ اس میں بھی نفس کو ہلاکت سے خرید کر گویا بچانا ہوتا ہے۔

صــداقة تنفع جلال مفسر نے نافع کی قید اس لئے لگائی کہ متقین کے لئے خلہ نافعہ ہوگی الاخــلاء يــومئذ بعضهم لبعض عدوٌ الا المتقين سے دونوں باتیں صراحۃً معلوم ہورہی ہیں۔

ولا شــفــاعــة اس میں بھی بلا اذن کی قید اس لئے لگائی کہ انبیاءؑ کی شفاعت کا اثبات حدیث سے ہورہا ہے جیسے انسؓ ایک صحابی ہیں انہوں نے سرکار دوعالم ﷺ سے قیامت میں شفاعت کا سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا انا فاعلٌ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ نیز دوسری آیت میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا الا من اذن له الرحمٰن اس لئے معتزلہ کے لئے آیت سے احتجاع کا موقع نہیں رہا۔ والكفرون جلال نے تفسیر میں کفر کے حقیقی اور مجازی معنی لینے کی طرف اشارہ کردیا ہے۔

ربط: .... پچھلی آیت میں اجمالاً پیغمبروں کے فضائل وکمالات کی طرف اشارہ تھا ان آیات میں صراحۃً بعض کمالات اور خوارق کا نام بنام اثبات کیا جارہا ہے اور اسی کے ضمن میں ان کی امتوں کی ایک خاص حالت کا وجود پذیر ہونا اور پھر اس میں مصالح اور حکمت کا ظہور پیش نظر ہونا مذکور ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ......**انبیاءؑ کی تفضیل جائز ہے تحقیر جائز نہیں ہے**: .... نبوت محمدیہ ثابت بالدلائل ہونے کے باوجود بھی جب منکرین کے لئے قابل تسلیم نہیں تھی تو اس سے آنحضرت ﷺ کو رنج وغم ہوسکتا تھا اس لئے حق تعالیٰ آپ کی تسلی کے لئے ارشاد فرما رہے ہیں کہ آپ ﷺ سے پہلے بھی بلند درجہ انبیاء ومرسلین گذرے ہیں لیکن ایمان کا عام اور ہمہ گیر ہونا کسی کی امت میں بھی نہیں رہا۔ کسی نے موافقت کی اور کسی نے مخالفت اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی چند در چند مصالح اور حکمتیں مضمر ہوتی ہیں جو ہر شخص پر منکشف نہیں ہوئیں۔ مگر خدا چاہتا تو طبیعت انسانی ایسی بنا دیتا کہ اس میں اختلاف ونزاع کا مادہ ہی باقی نہیں رہتا اور وہ ایک حالت معیشت پر مجبور کر دیا جاتا۔ لیکن اس کی حکمت بالغہ کا فیصلہ یہی ٹھہرا کہ انسان کو مجبور ومضطر نہ بنائے بلکہ ہر راہ میں چلنے کی اس کو قدرت دیدے۔ پس کتنے ہی ہیں جو راہ ہدایت اختیار کرتے ہیں اور کتنے ہیں جو گمراہی کو ترجیح دیتے ہیں۔ پس جب تمہارے لئے جنگ کی منزل پیش آ گئی اور سنت الٰہیہ کا مقتضی بھی تھا کہ پیش آئے ظلم وفساد کی مدافعت کے لئے اس منزل سے گذرنا ناگزیر ہے اس لئے اس سے غفلت نہ کرو اور اس کے لئے بڑی تیاری یہ ہے کہ اپنا مال اس راہ میں خرچ کرو۔

قیامت میں ایمان کے بغیر کوئی چیز مفید نہیں ہوگی: .... ایسا وقت آنے سے پہلے کہ نجات کے مدار اصل ایمان وعمل کے تدارک کا جب کوئی موقعہ نہیں رہے گا تدارک کے بعض طریقے تو خود نہ ہوں گے جیسے خرید وفروخت اور بعض عام نہیں ہوں گے جیسے دوستی اور بعض اختیاری نہیں ہوں گے جیسے شفاعت۔ پس اس سے نہ مطلق دوستی کی نفی ہوئی اور نہ مطلق شفاعت کی۔ اگلے ہی جملہ من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ میں اس کا اثبات ہو رہا ہے تاہم خلت وشفاعت کے باوجود بھی آخری درجہ میں تو اعمال خیر کی ضرورت ہوگی۔ جس میں کم از کم ایمان ہی سہی۔ حاصل یہ کہ آخرت میں ان اعمال خیر کا موقعہ نہیں ہوگا کہ وہ دار الجزاء ہے۔ دار العمل تو دنیا ہے اور بعض نے ترک انفاق کی وعید پر اس کو محمول کیا ہے اور انفاق سے مراد زکوٰۃ ہے۔ تارک زکوٰۃ کو کافر کہنا زجراً ہے۔

تلک الرسول فضلنا. اس سے معلوم ہوا کہ بعض اہل اللہ کو بعض اہل اللہ پر محض رائے اور تخمین سے ترجیح نہیں دینی چاہئے البتہ منھم من کلم الخ کی طرح بعض واقعات ذکر کر دینے چاہئیں۔

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اَیْ لَا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ فِی الْوُجُوْدِ **اِلَّا ھُوَ ۚ اَلْحَیُّ** دَائِمُ الْبَقَاءِ **الْقَیُّوْمُ** الْمُبَالِغُ فِی الْقِیَامِ بِتَدْبِیْرِ خَلْقِہٖ **لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ** نُعَاسٌ **وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ** مِلْکًا وَخَلْقًا وَعَبِیْدًا **مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ؕ** لَہٗ فِیْھَا **یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ** اَیِ الْخَلْقِ **وَمَا خَلْفَھُمْ ۚ** اَیْ اَمْرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ **وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ** لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْئًا مِنْ مَعْلُوْمَاتِہٖ **اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ** اَنْ یَعْلَمَھُمْ بِہٖ مِنْھَا بِاِخْبَارِ الرُّسُلِ **وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ** قِیْلَ اَحَاطَ عِلْمُہٗ بِھِمَا وَقِیْلَ مُلْکُہٗ وَقِیْلَ الْکُرْسِیُّ بِعَیْنِہٖ مُشْتَمِلٌ عَلَیْھِمَا لِعَظْمَتِہٖ لِحَدِیْثِ مَا السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ فِی الْکُرْسِیِّ اِلَّا کَدَرَاھِمَ سَبْعَۃٍ اُلْقِیَتْ فِیْ تُرْسٍ **وَلَا یَئُوْدُہٗ** یُثْقِلُہٗ **حِفْظُھُمَا ۚ** اَیِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ **وَھُوَ الْعَلِیُّ** فَوْقَ خَلْقِہٖ بِالْقَھْرِ **الْعَظِیْمُ** ﴿۲۵۵﴾ الْکَبِیْرُ **لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ** عَلَی الدُّخُوْلِ فِیْہِ **قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ** اَیْ ظَھَرَ بِالْاٰیَاتِ الْبَیِّنَاتِ اَنَّ الْاِیْمَانَ رُشْدٌ وَالْکُفْرَ غَیٌّ نَزَلَتْ فِیْمَنْ کَانَ لَہٗ مِنَ الْاَنْصَارِ اَوْلَادٌ اَرَادَ اَنْ یُکْرِھَھُمْ عَلَی الْاِسْلَامِ **فَمَنْ یَّکْفُرْ**

بِالطَّاغُوْتِ الشَّيْطَانِ اَوِ الْاَصْنَامِ وَ هُوَ يُطْلَقُ عَلَى الْمُفْرَدِ وَالْجَمْعِ **وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ** تَمَسَّكَ **بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى** بِالْعَقْدِ الْمُحْكَمِ **لَا انْفِصَامَ** انْقِطَاعَ **لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ** لِمَا يُقَالُ **عَلِيْمٌ** ﴿۲۵۶﴾ بِمَا يُفْعَلُ **اَللّٰهُ وَلِيُّ** نَاصِرُ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ** الْكُفْرِ **اِلَى النُّوْرِ** الْاِيْمَانِ **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ** ذِكْرُ الْاِخْرَاجِ اِمَّا فِيْ مُقَابَلَةِ قَوْلِهٖ يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اَوْ فِيْ كُلِّ مَنْ اٰمَنَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ بِعْثَتِهٖ مِنَ الْيَهُوْدِ ثُمَّ كَفَرَ بِهٖ **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** ﴿۲۵۷﴾۔

ترجمہ:.......... اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق پرستش نہیں ہے (یعنی کوئی معبودِ حقیقی موجود نہیں ہے) وہ زندہ ہے (ہمیشہ باقی رہنے والا) تھامنے والا ہے (تدبیر سے اپنی مخلوق کو بہت سنبھالنے والا ہے یعنی) نہ اس کو اونگھ (ئول) مغلوب کرسکتی ہے اور نہ نیند۔ اسی کی مِلک میں آسمان وزمین کی سب چیزیں (مملوک ومخلوق بندے ہیں) ایسا کون شخص ہے (کوئی نہیں ہے) جو اس کے پاس بلا اس کی اجازت کے سفارش کرسکے (تاوقتیکہ اس کو اذن شفاعت نہ ہو) وہ جانتا ہے کہ تمام حالاتِ موجودہ (مخلوق کے) اور آئندہ (یعنی دنیا و آخرت کے احوال) اور وہ موجودات اس کے معلومات میں سے کسی چیز کو اپنے احاطۂ علمی میں نہیں لاسکتے (یعنی اس کی معلومات میں سے کسی چیز کو نہیں جان سکتے ہیں) مگر جس قدر وہ چاہے (کہ پیغمبروں کے اطلاع دینے سے وہ اس کی معلومات میں سے جان جائیں) اس کی کرسی نے تمام آسمان وزمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے (بعض کہتے ہیں کہ علم الٰہی نے آسمان وزمین کا احاطہ کررکھا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ اس کے مُلک کی وسعت مراد ہے۔ اور بعض بعینہ کرسی کو کہتے ہیں کہ وہ اپنی عظمت کی وجہ سے زمین وآسمان پر مشتمل ہے۔ حدیث میں ارشاد ہے کہ سات آسمان کرسی کے آگے ایسے ہیں جیسے سات درہم ڈھال میں ڈال دیئے جائیں) اور گراں نہیں گذرتی ہے (ناگوار نہیں ہوتی) ان دونوں (آسمان وزمین کی حفاظت اور وہ عالی شان (اپنی مخلوق پر قہراً غالب ہے) عظیم الشان (کبریا) ہے زبردستی نہیں ہے دین میں (داخل ہونے کی) ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہوچکی ہے (یعنی دلائل واضحہ سے یہ بات روشن ہوچکی ہے کہ ایمان ہدایت ہے اور کفر گمراہی ہے یہ آیت ان لوگوں کے بارہ میں نازل ہوئی جبکہ ایک انصاری نے اپنی اولاد کو اسلام لانے پر مجبور کرنا چاہا) سو جو شخص شیطان سے پھر جائے (طاغوت سے مراد شیطان یابُت ہے اس کا اطلاق مفرد اور جمع دونوں پر آتا ہے) اور اللہ کو مان لے تو اس نے تھام لیا ہے (استمسک بمعنی تمسک ہے) بڑا مضبوط حلقہ (بڑی مضبوطی کے ساتھ) جس کو کسی طرح کی شکستگی (ٹوٹنا) نہیں ہوسکتی اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں (جو کچھ کہا جاتا ہے) اور خوب جاننے والے ہیں (جو کچھ کیا جاتا ہے) اللہ تعالیٰ ساتھی (مددگار) ہیں ان لوگوں کو جو ایمان لائے ان کو ظلمات (کفر) سے نکال کر یا بچا کر نور (ایمان) کی طرف لاتے ہیں اور جو کافر ہیں ان کے ساتھی شیاطین ہیں وہ ان کو نور سے نکال کر یا بچا کر تاریکیوں میں لا ڈالتے ہیں (یہاں نکالنے کا ذکر یا تو اخراج من الظلمات کے مقابلہ کی وجہ سے ہے اور یا وہ یہود مراد ہیں جو آپ کی بعثت سے پہلے آپ کو مانتے تھے لیکن تشریف لانے کے بعد کفر اختیار کرلیا) ایسے لوگ جہنمی ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

تحقیق وترکیب:.......... **اللہ لا الٰہ الا ھو** یہ آیت الکرسی ہے جس کو افضل الآیات کہا گیا ہے کیونکہ جس درجہ مکمل توحید کا مضمون اس میں ہے دوسری آیات میں نہیں ہے۔ چنانچہ لفظ حی وقیوم میں اسم اعظم بھی ہے تقدیر آیت **لا الٰہ موجود الا اللہ** ہے یا لا

الہٰ ممکن الا اللہ ہے علی اختلاف الاقوال۔ الحی یعنی جس میں فناء کا شائبہ بھی نہیں ہے حیات ابدیہ کے ساتھ متصف ہے۔

القیوم من قام بالامر اذا حفظہ فعل لازم ہے۔ لا تاخذہ سنۃ چونکہ وجوداً مقدم ہوتی ہے حالت نوم سے اس تقدم خارجی کی رعایت سے تقدم ذکری بھی کردیا گیا۔ ورنہ مبالغہ کا مقتضی تو نوم کی تقدیم اور سنۃ کی تاخیر کا تھا۔ اس توجیہ کی ضرورت اس وقت ہے جبکہ اخذ کو عروض اور اعتراء کے معنی میں لیا جائے لیکن قہر وغلبہ کے معنی میں اگر لیا جائے جیسا کہ امام راغب کی رائے ہے چنانچہ اخذ عزیز مقتدر میں بھی یہی معنی ہیں تو پھر ترتیب بحسب الظاہر رہے گی۔ سنۃ کہتے ہیں سرگرانی کو جو مقدمہ ہوتا ہے نیند کا اور نعاس کہتے ہیں آنکھوں کی نیند کو اور نوم کہتے ہیں قلبی نیند کو۔ یہ جملہ گویا قیوم کی تاکید ہے کیونکہ اس حالت میں نظم عالم کا سنبھالنا ممکن ہی نہیں ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوئی تھی قل الھو لاء انی امسک السموات والارض بقدرتی فلو اخذنی نوم اونعاس لزالتا علم، حیات، قومیت، تین ام الصفات بیان کی گئی ہیں۔ صفات میں ان کو مرکزی اور بنیادی درجہ حاصل ہے ان کے بغیر کوئی دوسری صفت کارگر نہیں ہو سکتی۔

ملکًا بہ نسبت کسرہ کے ضم میم کے ساتھ پڑھنا زیادہ بہتر ہے ورنہ لفظ عبید کے ساتھ تکرار ہو جائے گا۔ من ذالفظًا استفہام اور معنًی نفی کے ہیں چنانچہ اس کے بعد الّا آرہا ہے۔

لایحیطون احاطۂ علمی سے مراد احاطۂ معلومات ہے کیونکہ علم الٰہی تو صفت ذاتیہ قائم بالذات ہے جو تجزی کو قبول نہیں کرسکتی۔ اس لئے علم بمعنی معلوم مصدر بمعنی مفعول کی قبیل سے ہے۔ علمًا سے معلوم ہوا کہ اللہ عالم مع علم ہے یعنی علم اس کی ذات سے وابستہ اور قائم ہے بخلاف معتزلہ کے کہ وہ اللہ کو عالم بلاعلم مانتے ہیں اس میں ان پر رد ہو گیا۔

مابین ایدیھم میں ضمیر جمع مافی السموات الخ کی طرف تغلیب مذکر کے ساتھ راجع ہوگی ما بین ایدیھم وماخلفھم ای ماقبلھم وما بعدھم او امور الدنیا والاٰخرۃ اومایدر کونہ ومالا یدر کونہ.

کرسیہ. مفسرؒ نے اشارہ کردیا کہ کرسی سے مجازی معنی علم اور ملک کے بھی لئے جاسکتے ہیں۔ وجہ مناسبت احاطہ ہوگا اور یا حقیقی معنی لئے جائیں۔

ولایؤدہ الا ود والاید بمعنی قوت یااعوجاج۔ بھاری چیز بھی نیچے کی طرف مائل رہتی ہے الطاغوت طغیان سے ہے فعلوت عین لام کلمہ میں قلب مکانی ہو گیا اصلہ طغیوت ثم طیغوت ثم طاغوت یہ مصدر یا اسم جنس ہے مفرد وجمع مذکر ومؤنث ہر طرح مستعمل ہے۔

استمسک اس میں س ت طلب کا نہیں ہے بلکہ استفعال بمعنی تفعل ہے۔ اور یا طلب الامساک من نفسہ کے معنی بھی ہو سکتے ہیں۔

العروۃ الوثقی اس میں استعارہ تصریحیہ اصلیہ ہے۔ عروۂ ثقی پیالے یا ڈول کے پکڑنے کے حلقہ کو کہتے ہیں۔ یہ کلام تمثیلی بھی ہو سکتا ہے حق کو مضبوط پکڑنے کی ہیئت عقلیہ کو حلقہ کی ہیئت حسیہ پکڑنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور استمساک اور عدم الانفصال مناسبات مشبہ بہ کا اثبات ہے اس لئے استعارۃ ترشیحیہ ہے۔

من الظلمت الی النور واقدیؒ کی رائے ہے کہ قرآن کریم میں جہاں بھی ظلمت اور نور کا ذکر آیا ہے اس سے مراد کفر واسلام ہوتا ہے۔ بجز آیت انعام کے کہ وہاں ظلمت لیل اور نور نہار مراد ہے۔ ذکر الاخراج جلال محققؒ اس شبہ کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ کفار کو پہلے نور حاصل ہی نہیں تھا پھر اس سے ظلمت کی طرف اخراج کے کیا معنی؟ اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ اول ماقبل کی مشاکلت صوری پر محمول کرلیا ہے اور مراد اصل نور سے روکنا ہے دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اخراج حقیقی مراد ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے معتقدانہ آپ ﷺ کے اوصاف سن کر ایمان لے آئے تھے لیکن بعثت کے بعد اس نور سے ظلمت کفر کی طرف خارج ہو گئے۔ نور کو مفرد اور ظلمۃ کو جمع لانے میں یہ نکتہ ہے کہ حق ایک ہوتا ہے اور باطل متعدد یعنی تمام باطل چیزوں کی نفی حق ہے اور وہ ایک ہوتا ہے۔

ربط: .... گذشتہ آیت میں بلا اجازت شفاعت کی نفی کے ذیل میں حق تعالیٰ کی عظمت وقدرت پر بھی دلالت تھی اس آیت الکرسی میں بھی توحید ذاتی اور کمال صفاتی کے ذیل میں عظمت شان کی خوب تصریح وتوضیح ہوگئی۔

فضائل: .... آیت الکرسی کے بارہ میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (۱) ان اعظم اية فی القران اية الكرسی من قرء ها بعث الله ملكا يكتب من حسناته ويمحو من سيئاته الى الغد من تلك الساعة (۲) قال عليه الصلوٰة والسلام ماقرئت هذه الاية فی دار الاحجرتها الشيطان ثلاثين يوما ولا يدخلها ساحر ولا ساحرة اربعين ليلة يا على علمها ولدك واهلك وجيرانك فما نزلت اية اعظم منها (۳) قال عليه السلام من قراء اية الكرسی فی دبر كل صلوٰة مكتوبة لم يمنعه من دخول الجنة الا الموت ولا يواظب الا صديق او عابد ومن قرأ اذا اخذ مضجعه امنه الله على نفسه و جاره و جار جاره والا بيات حواله وغيره وغيره

شانِ نزول: .... ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ آیت **لا اکراہ فی الدین** ایک انصاری صحابی حصینؓ من بنی سالم بن عوف کے بارہ میں نازل ہوئی ہے ان کے دو بیٹے آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے عیسائی ہوگئے اور مدینہ طیبہ میں روغن زیتون کی تجارت کے لئے آئے تو ان کے والد جو مسلمان ہو چکے تھے انہوں نے ان کو بھی جبراً مسلمان کرنا چاہا۔ بات بڑھی اور آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچی، حصین انصاریؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا بعض حصہ نار جہنم میں داخل ہو اور میں دیکھتا رہوں؟ اس پر آیت **لا اکراہ الخ** نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: ...... زبردستی دین سر تھوپا نہیں جاتا: .... جس طرح مضبوط رسی کے ٹوٹ کر گرنے کا خطرہ نہیں ہوتا۔ یوں کوئی رسی ہی کو چھوڑ دے تو اور بات ہے اسی طرح اسلام کو مضبوطی سے تھامنے والے کے لئے گرنے کا کوئی امکان نہیں ہے اور یوں خود کوئی اسلام ہی کو چھوڑ دے تو وہ دوسری بات ہے اور مقصود آیت کا اس اصلِ عظیم کا اعلان کرنا ہے کہ دین واعتقاد کے معاملہ میں کسی طرح کا جبر واکراہ جائز نہیں ہے کیونکہ دین کی راہ دل کے اعتقاد ویقین کی راہ ہے جو دعوت وموعظت سے تو پیدا ہوسکتی ہے نہ کہ جبر واکراہ سے۔ احکام جہاد کے بعد ہی اس کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ واضح ہو جائے جنگ کی اجازت ظلم وتشدد کے انسداد کے لئے دی گئی ہے نہ کہ دین کی اشاعت کے لئے کیونکہ کفار ومشرکین بھی ظلم وجور کے ذریعہ اپنا اعتقاد زبردستی دوسروں کے سر تھوپنا چاہتے تھے۔ قرآن نے اسی زبردستی کے خلاف تلوار اٹھانے کا حکم دیا تھا پھر جس بات کے خلاف اس نے جنگ کا حکم دیا ہے وہ خود اسی کا مرتکب کیونکر ہوسکتا ہے۔ اسلام کی حقانیت کا وضوح اور ثبوت دلائل کی روشنی میں آفتاب سے زیادہ روشن ہو چکا ہے اس لئے اس کے قبول کرانے میں فی نفسہ اکراہ نہیں ہے بلکہ جس بات کا تعلق دل سے ہو اس میں اجبار ہو بھی نہیں سکتا۔

اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا: .... پس اگر حربی کافر یا عام مرتد پر اسلام قبول کرانے میں زبردستی کا حکم ہے تو وہ صورت دین پر اجبار ہوگا حقیقتِ دین پر اکراہ نہیں ہے کہ دل پر کسی کا بس نہیں ہے اور اس کے احوال کی اطلاع کا کوئی ذریعہ نہیں ہے غرضکہ خفاء دلیل کی وجہ سے ان کے حق میں کسی عارض کی وجہ سے اکراہ ہوا جو فی نفسہ نفی اکراہ کے معارض نہیں ہے۔

(۲) اسی طرح نفس جہاد پر بھی شبہ نہیں نہ کیا جائے کہ اس کی مشروعیت عین اکراہ ہے پھر کیسے اس کی نفی کی جارہی ہے؟ جواب یہ ہے کہ جہاد کے ساتھ جزیہ کی مشروعیت خود اس بات کی دلیل ہے کہ ہم نے اس کے لئے آزادی کا راستہ تنگ نہیں کیا اور اس کو قبولِ اسلام پر مجبور نہیں کیا بلکہ اس کو آزادی سے اس کا موقع دیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو بغیر اسلام قبول کئے اپنی جان اور اپنا کفر محفوظ رکھ سکتا ہے۔ جہاد کی

نوبت اور تلوار اٹھانے کا واقعہ تو تیسرے نمبر پر آئے گا۔ اول آزادی سے اسلام کے سمجھنے کا موقعہ دیا جائے گا اس کے بعد اسلام کے غلبہ کو تسلیم کرانا ہوگا یہی حقیقت ہے جزیہ کی ان دونوں پیش کشوں کو ٹھکرانے کے بعد نتیجۃً تلوار پیش کی جائے گی جس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔

حاصل یہ کہ جہاد اسلام قبول کرانے کے لئے نہیں ہے بلکہ غلبۂ اسلام کے لئے ہے خواہ وہ اسلام کو مان کر یا اس کی باجگزار رعایا بن کر زبردستی اگر دنیا سے کفر مٹانا ہوتا یا صرف اسلام کو زبردستی رائج کرنا ہوتا تو جزیہ کی درمیانی راہ نہ ہوتی بلکہ صرف اسلام یا تلوار ہوتی۔

مسلمانوں کو تعمیل احکام پر مجبور کیا جائے گا: .... اور اس نفی اکراہ سے نہی اکراہ بھی لازم آ گئی بطریق ابلغ کیونکہ نہی سے نفی بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ اسی لئے بعض حضرات نے **لا اکراہ** نفی کی تفسیر **لا تکرھوا** نہی کے صیغہ کے ساتھ کی ہے یعنی دین کے قبول کرانے میں زبردستی مت کرو اس پر حدود وقصاص اور تعزیری وتادیبی کاروائیوں پر شبہ نہ کیا جائے کہ ان سزاؤں کے ذریعہ بھی زبردستی دین پر عمل کرانا ہوتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ دین کے زبردستی قبول کرانے کی ممانعت کی جارہی ہے اور جو شخص خوش دلی سے اسلام قبول کر چکا ہو اس پر احکام اور جزئیات قبول کرانے یا ان پر عمل درآمد کرنے میں اجبار کی ممانعت نہیں ہے یا یوں تعبیر کی جائے کہ اصول دین میں زبردستی نہیں لیکن جب کوئی اصول تسلیم کر چکا تو احکام کی تعمیل میں اس کو آزاد نہیں رکھا جائے گا بلکہ جس پابندی کو باختیار خود اس نے اپنے اوپر لاگو کیا ہے اس کی ادائیگی اور پابندی کا مطالبہ کرنا ہوگا اور وہ اجبار قبیح نہیں ہے بلکہ نہایت مستحسن اور انضباطِ نظم کی دلیل ہے۔ چنانچہ کوئی سرکاری ملازمت قبول کرنا اگرچہ ضروری نہیں ہے لیکن ملازم ہو جانے کے بعد ڈیوٹی کی بجا آوری اور قوانین کی پابندی لازم ہوتی ہے ورنہ مستوجب سزا سمجھا جائے گا۔

سچائی ایک روشنی ہے اگر تاریکی چھائی ہوئی ہے تو صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ روشنی موجود ہو جائے روشنی جس طرف بھی رخ کرے گی تاریکی خود بخود دم دبا کر بھاگ جائے گی۔

بعض لوگ اول ہی سے مسلمان یا کافر ہوتے ہیں اور بعض ایک مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لیتے ہیں آیت **اللہ ولی الذین** الخ سب صورتوں کو شامل ہے۔ لا انفصام سے معلوم ہوا کہ نسبت مع اللہ حاصل ہونے کے بعد منقطع نہیں ہوتی اور **اللہ ولی الذین** میں ولایت عامہ کا اثبات ہو رہا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ جَادَلَ **اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ** اَیْ حَمَلَهُ بَطَرُهُ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ الْبَطَرِ وَهُوَ نَمْرُوْدُ **اِذْ** بَدَلٌ مِنْ حَاجَّ **قَالَ اِبْرٰهٖمُ** لَمَّا قَالَ لَهُ مَنْ رَبُّكَ الَّذِیْ تَدْعُوْنَا اِلَیْهِ **رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ** اَیْ یَخْلُقُ الْحَیَاةَ وَالْمَوْتَ فِی الْاَجْسَادِ **قَالَ** هُوَ **اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ** بِالْقَتْلِ وَالْعَفْوِ عَنْهُ وَدَعٰى بِرَجُلَیْنِ فَقَتَلَ اَحَدَهُمَا وَتَرَكَ الْاٰخَرَ فَلَمَّا رَاٰهُ غَبِیًّا **قَالَ اِبْرٰهٖمُ** مُنْتَقِلًا اِلٰى حُجَّةٍ اَوْضَحَ مِنْهَا **فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا** اَنْتَ **مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ** تَحَیَّرَ وَدَهِشَ **وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵۸﴾** بِالْكُفْرِ اِلٰى مَحَجَّةِ الْاِحْتِجَاجِ **اَوْ** رَاَیْتَ **كَالَّذِیْ** اَلْكَافُ زَائِدَةٌ **مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ** هِیَ بَیْتُ الْمَقْدِسِ رَاكِبًا عَلٰى حِمَارٍ وَمَعَهُ سَلَّةُ تِیْنٍ وَقَدَحُ عَصِیْرٍ وَهُوَ عُزَیْرٌ **وَّهِیَ خَاوِیَةٌ** سَاقِطَةٌ **عَلٰى عُرُوْشِهَا** سُقُوْفِهَا لَمَّا خَرَّبَهَا بُخْتُ نَصَرَ **قَالَ اَنّٰى** كَیْفَ **یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا** اِسْتِعْظَامًا لِقُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى **فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ** وَاَلْبَثَهُ **مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ** اَحْیَاهُ لِیُرِیَهُ كَیْفِیَّةَ ذٰلِكَ **قَالَ** تَعَالٰى لَهُ **كَمْ لَبِثْتَ**

مَكَثْتَ هُنَا **قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ** لِاَنَّهُ نَامَ اَوَّلَ النَّهَارِ فَقُبِضَ وَاُحْيِيَ عِنْدَ الْغُرُوْبِ فَظَنَّ اَنَّهُ يَوْمُ النَّوْمِ **قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ** وَقِيْلَ لِلسَّكْتِ مِنْ سَانَيْتُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِحَذْفِهَا **فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ** كَيْفَ هُوَ فَرَاهُ مَيْتًا وَعِظَامُهُ بِيْضٌ تَلُوْحُ فَعَلْنَا ذٰلِكَ لِتَعْلَمَ **وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً** عَلَى الْبَعْثِ **لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ** مِنْ حِمَارِكَ **كَيْفَ نُنْشِزُهَا** نُحْيِيْهَا بِضَمِّ النُّوْنِ وَقُرِئَ بِفَتْحِهَا مِنْ اَنْشَرَ وَنَشَرَ لُغَتَانِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّهَا وَالزَّاي نُحَرِّكُهَا وَنَرْفَعُهَا **ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا** فَنَظَرَ اِلَيْهَا وَقَدْ تَرَكَّبَتْ وَكُسِيَتْ لَحْمًا وَنُفِخَ فِيْهِ الرُّوْحُ وَنَهَقَ **فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ** ذٰلِكَ بِالْمُشَاهَدَةِ **قَالَ اَعْلَمُ** عِلْمَ مُشَاهَدَةٍ **اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۲۵۹﴾ وَفِيْ قِرَاءَةٍ اِعْلَمْ اَمْرٌ مِّنَ اللّٰهِ لَهٗ وَاذْكُرْ **اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ** تَعَالٰى لَهٗ **اَوَلَمْ تُؤْمِنْ** بِقُدْرَتِيْ عَلَى الْاِحْيَاءِ سَاَلَهٗ مَعَ عِلْمِهٖ بِاِيْمَانِهٖ بِذٰلِكَ لِيُجِيْبَ بِمَا قَالَ لَهٗ فَيَعْلَمَ السَّامِعُوْنَ غَرْضَهٗ **قَالَ بَلٰى** اٰمَنْتُ **وَلٰكِنْ** سَاَلْتُكَ **لِيَطْمَئِنَّ** يَسْكُنَ **قَلْبِيْ** بِالْمُعَايَنَةِ الْمَضْمُوْمَةِ اِلَى الْاِسْتِدْلَالِ **قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ** بِكَسْرِ الصَّادِ وَضَمِّهَا اَمِلْهُنَّ اِلَيْكَ وَقَطِّعْهُنَّ وَاخْلِطْ لَحْمَهُنَّ وَرِيْشَهُنَّ **ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ** مِنْ جِبَالِ اَرْضِكَ **مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ** اِلَيْكَ **يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا** سَرِيْعًا **وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ** لَا يُعْجِزُهٗ شَيْءٌ **حَكِيْمٌ** ﴿۲۶۰﴾ فِيْ صُنْعِهٖ فَاَخَذَ طَاؤُسًا وَنَسْرًا وَغُرَابًا وَدِيْكًا وَفَعَلَ بِهِنَّ مَا ذُكِرَ وَاَمْسَكَ رُؤُسَهُنَّ عِنْدَهٗ وَدَعَاهُنَّ فَتَطَايَرَتِ الْاَجْزَاءُ اِلٰى بَعْضِهَا حَتّٰى تَكَامَلَتْ ثُمَّ اَقْبَلَتْ اِلٰى رُءُوْسِهَا۔

ترجمہ:............ کیا آپ کو اس شخص کے واقعہ کی تحقیق نہیں ہوئی جس نے مباحثہ (تکرار) کیا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنے پروردگار کے بابت۔ اس لئے کہ اللہ نے اس کو سلطنت عطاء فرمائی تھی (یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اترانے نے اس کو اس شیخی پر آمادہ کردیا تھا۔ مراد اس سے نمرود ہے) جبکہ (لفظ اذ بدل ہے حاج سے) ارشاد فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے (جواب میں اس شخص کے جس نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ آپ جس رب کی طرف بلا رہے ہیں وہ کون ہے؟) میرا پروردگار ایسا ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے (یعنی اجسام میں زندگی پیدا کرتا ہے اور موت) کہنے لگا (وہ) کہ میں بھی جلاتا ہوں اور مارتا ہوں (قتل کرکے اور معافی دے کر۔ چنانچہ دو آدمی طلب کیئے۔ ایک کو قتل کردیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا چونکہ حضرت ابراہیم نے سمجھ لیا کہ وہ غبی ہے) فرمایا ابرہیم علیہ السلام نے (ایک دلیل سے زیادہ واضح دلیل کی طرف منتقل ہوتے ہوئے) کہ اللہ تعالیٰ تو آفتاب مشرق سے نکالتے ہیں تو نکال کر دکھادے مغرب سے اس پر مبہوت ہو کر رہ گیا وہ کافر (متحیر اور ہکا بکا رہ گیا) اور اللہ تعالیٰ ایسے بے راہوں کو راہ نہیں دکھلایا کرتے (جو کفر سے آلودہ ہوں طریق استدلال کی طرف) یا تم کو اس طرح کا قصہ (معلوم) ہے (کالذی میں کاف زائد ہے) جیسے ایک شخ تھے ایک بستی پر ان کا گذر ہوا (یعنی بیت المقدس پر اپنے حمار پر سوار ہو کر اس حال میں تشریف لائے کہ ان کی ہمراہ انجیروں کا تھیلہ، شیرۂ انگور کا پیالہ تھا حضرت عزیز) درانحالیکہ وہ بستی گری (پڑی ہوئی تھی) اپنی چھتوں پر (جبکہ بخت نصر نے اس کو برباد کردیا تھا) کہنے لگے کیسے (کس طرح) زندہ

کریں گے اللہ تعالیٰ اس بستی کو مر جانے کے بعد (اللہ کی قدرت کا اظہار عظمت کرتے ہوئے) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان صاحب کو وفات دیدی (اور ان کو اسی حال میں ٹھہرائے رکھا) سو (۱۰۰) سال۔ پھر ان کو زندہ کر دیا (حیات بخش دی تا کہ وہ اس کیفیت احیاء کا مشاہدہ کرسکیں حق تعالیٰ نے) ارشاد فرمایا (ان سے) کہ تم کتنی مدت اس حال میں رہے (یہاں کتنے ٹھہرے رہے) عرض کیا ایک روز رہا ہوں گا یا ایک دن سے بھی کم (کیونکہ صبح کے اول وقت ان پر یہ منامی کیفیت طاری ہوئی تھی اور غروب کے وقت زندہ ہو گئے اس سے یہ سمجھے کہ یہ وہی سونے کا دن ہے) (ارشاد ہوا کہ نہیں بلکہ تم سو (۱۰۰) سال رہے ہو ذرا اپنے کھانے (انجیر) پینے (شیرۂ انگور) کو تو دیکھئے کہ ذرا بھی گلے سڑے نہیں۔ (باوجود کافی مدت گذرنے کے اور یتسنہ میں بعض کے نزدیک ہا اصلی ہے سانہت سے ماخوذ ہے اور بعض سانیت سے ماخوذ مان کر ہائے سکتہ کہتے ہیں اور ایک قرأت حذف ہا ہے) اور اپنے گدھے کو دیکھئے (کہ وہ کس حال میں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کو مردہ پایا کہ اس کی ہڈیاں تک سفید ہو چکی تھیں جو صاف چمک رہی تھیں۔ یہ ہم نے اس لئے کیا تا کہ آپ سمجھ جائیں) اور تا کہ ہم آپ کو (دوبارہ زندہ ہوتے کی) ایک نظیر بنادیں لوگوں کے لئے اور ہڈیوں کی طرف نظر کیجئے (اپنے گدھے) کہ ہم اس کو کس طرح پہنائے دیتے ہیں (زندہ کئے دیتے ہیں ضم نون کے ساتھ اور نیز فتح نون کے ساتھ یہ لفظ پڑھا گیا ہے انشز اور نشز دونوں لغت ہیں اور ایک قرأت میں ضم نون وزاء کے ساتھ ہے بمعنی **نحو کھا و نر فعھا**) پھر ہم ان ہڈیوں پر گوشت چڑھائے دیتے ہیں (چنانچہ ان صاحب نے حمار کی طرف نظر اٹھائی تو وہ جڑ چکا تھا اور گوشت کا خول پہن رہا تھا اور اس میں جان ڈالی جارہی تھی اور وہ بولنے لگا) پھر جب یہ سب کیفیت ان صاحب کے مشاہدہ میں آگئی (انہوں نے ملاحظہ کرلیا) تو بول اٹھے کہ میں (مشاہدہ کا علم) یقین رکھتا ہوں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں (اور ایک قرأت میں **اعلم** ہے یعنی خدا نے ان کو یہ امر فرمایا) اور (یاد کیجئے اس واقعہ کو) جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ آپ مردوں کو کس کیفیت سے زندہ فرمائیں گے دریافت فرمایا (حق تعالیٰ نے ان سے) کہ کیا تم یقین نہیں رکھتے ہو (میرے زندہ کرنے کی قدرت پر حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے باوجودیکہ اس پر ان کے ایمان رکھنے کا علم تھا اس لئے دریافت فرمایا تا کہ جو کچھ جواب ابراہیم علیہ السلام دیں سامعین حضرت ابراہیمؑ کی غرض سے واقف ہو جائیں) عرض کیا کیوں نہ (یقین کرتا) لیکن (میری درخواست) اس لئے ہے کہ اطمینان (سکون) ہو جائے میرے دل کو (استدلال کی تائید مشاہدہ سے ہوکر) ارشاد ہوا کہ اچھا لے لو تم چار پرندے، پھر ان کو اپنے پاس ہلا لو (صرھن صاد کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ یعنی اپنی طرف انکو ہلا لو اور ان کے ٹکڑے کر کے گوشت پوست آپس میں ملا لو) پھر ہر ایک پہاڑ پر رکھ (اپنی بستی کے پہاڑوں میں سے) ان کے ایک ایک حصہ کو پھر ان سب کو (اپنی طرف) بلاؤ تو دوڑے چلے آئیں گے وہ تمہارے پاس (جلدی سے) اور خوب یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں (کہ کوئی چیز ان کو عاجز نہیں کرسکتی اور (اپنی صفت میں) حکمت والے بھی ہیں (چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے ایک مور اور کرگس اور کوا اور مرغ لئے اور ان کے ساتھ مذکورہ کاروائی کر کے ان کے سر اپنے پاس رکھ لئے اور ان جانوروں کو آواز دی تو ان کے اجزاء آپس میں اڑ اڑ کر مل گئے اور اپنے اپنے سروں سے آکر جڑ گئے)

تحقیق و ترکیب: ....**الم تر** مفسرؒ نے اکلیل میں لکھا ہے کہ یہ آیت علم مناظرہ کی اصل ہے **ان اتاہ ای حاج لاجلہ شکوا لہ** یہ برعکس نہند نام زنگی کافور کے لحاظ سے ایسا ہے جیسے عربی محاورہ میں **عادیتنی لانی احسنت الیک** یعنی چونکہ میں نے تم پر احسان کیا ہے اس لئے تم مجھ سے عداوت کر رہے ہو۔

نمرود یہ نمرود بن کنعان یا ابن کوش ہے جس نے دنیا میں سے اول تاج سر پر رکھا اور ظلم و جور کو پھیلایا۔ اور ساری زمین کی بادشاہت حاصل کر کے خدائی کا اعلان کیا۔ اس قسم کے جہاں گیر اور عالمگیر بادشاہ چار (۴) گذر چکے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ و ذوالقرنین خدا کے دو

فرمانبردار، اورنمرود و بخت نصر دو کافر فبھت یہ ان افعال میں سے ہے کہ صورۃً مجہول اور معناً معروف ہوتے ہیں اسی لئے مفسرؒ نے تعبیر سے تفسیر کی ہے چنانچہ "الذی کفر" اس کا فاعل ہوگا نہ کہ نائب فاعل البھت الغلبہ والمبھوت المغلوب اول دلیل حضرت ابراہیم نے ایسی پیش کی جس میں حقیقت ومجاز دونوں کا احتمال تھا چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حقیقی معنی اور نمرود نے مجازی معنی مراد لیئے، لیکن نمرود نے جب اس پر مجازاً نقض کرنا چاہا تو بقاعدۂ جدل حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسی دوسری دلیل کی طرف ہو گئے جس میں صرف حقیقی معنی تھے مجاز کا احتمال نہیں تھا۔ البتہ یہ احتمال تھا کہ وہ کہہ دیتا کہ مشرق سے آفتاب نکالنا میرا کام ہے اللہ اگر ہے تو اس سے مغرب سے نکلوا کر دکھلاؤ لیکن اس پر کچھ ایسی ہیبت چھائی اور اس کو ایسا سانپ سونگھ گیا کہ دیوار بولے تو وہ بولے۔

او رایت تقدیر رایت میں اشارہ ہے کہ یہ **الم تر** سابق پر معطوف ہے عطف جملہ علی الجملہ اور چونکہ **لم** نے تری کو معناً ماضی بنا دیا ہے اس لئے تقدیر رایت نکالی ہے اور **الذی حاج** پر اس لئے عطف نہیں کیا کہ کاف پر الی کا داخل کرنا ممتنع ہے اور **کالذی** میں کاف اسمیہ بمعنی مثل ہے **سلة** پھلوں کی ٹوکری یا تھیلہ **تین** بمعنی انجیر **عصیر** بمعنی شیرۂ انگور **عزیز** عزیز بن شرحیا پیغمبر ہیں یا ارمیا ہیں جو خاندان ہارون سے ہیں یا خضر یا حزقیل مراد ہیں۔

علی عروشھا یعنی اولاً چھتیں گریں پھر ان پر دیواریں گر گئیں۔ بخت نصر کا زمانہ حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام سے تقریباً چار سو (۴۰۰) سال پیشتر ہوا ہے یہ اسی وقت کا واقعہ ہے **والبثه** موت چونکہ آناً فاناً ہوتی ہے اس لئے تصحیح کی ضرورت پیش آئی **کم لبثت** کم ظرفیہ ہے ممیز محذوف ہے اور ناصب بثت ہے ای **کم یوم او وقتاً لم یستنه** اس میں اگر ہا اصلی ہے تو یہ **سنة** سے ہے ہا کا اصلی ہونا اس کی تصغیر **سنیه** سے معلوم ہوتا ہے **سانھت النخلة** بولتے ہیں اور اگر ہائے سکتہ ہے تو **سنة** سے ماخوذ ہے جس کی اصل سنوۃ تھی۔ یہاں لازم معنی میں استعمال ہو رہا ہے کیونکہ تسنہ اور تسنی بولتے ہیں یعنی سال گذر گئے اور اتنے زمانہ کے لئے تغیر لازم ہے۔

ولنجعلک کا عطف درست کرنے کیلئے مفسر نے **فعلنا ذلک لتعلم** مقدر مانا ہے **ننشز** اس کے حقیقی معنی **نحرکھا** و **نرفعھا** کے بھی ہو سکتے ہیں اور مجازاً **انحییھا** کے معنی ہو سکتے ہیں اور ابن کثیرؒ و نافع و ابی عمرو یعقوبؒ کی قرأت **ننشز. بالراء انشر الله الموتی ای احیاه** لیکن **ثم نکسوھا لحما** الفاظ پہلی قرأت کے مؤید ہیں۔ کیونکہ احیاء اس کے بعد ہوتا ہے نہ کہ پہلے الا یہ کہ احیاء کے بعد بعض اجزاء کو بعض کے ساتھ جمع کر لئے جائیں تو دونوں قرأتوں کا مفہوم ایک ہی ہو سکتا ہے۔ **انشر** و **انشز** دونوں کے معنی ارتفاع کے ہیں۔ **انشزته فنشزا ای رفعته فارتفع و نشز ایضا** بمعنی **واحد ای الاحیاء نھق** گدھے کی آواز کو کہتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک غیبی آواز بھی اس وقت سنی گئی کہ **ایھا العظام البالیة المتفرقة ان الله یامرک ان ینضم بعضک الی بعض کما کان لحما وجلدا** چنانچہ حمار اسی کے مطابق لباس زندگی سے آراستہ ہو گیا۔

قال اعلم یعنی پہلے علم الیقین کے درجہ میں اعتقاد تھا اور اب عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو گیا ہے حضرت عزیزؑ جس وقت دوبارہ زندہ ہو کر اٹھے تو سر اور داڑھی کے بال اسی طرح سیاہ تھے اور چالیس سالہ عمر کی منزل میں تھے۔ غرضیکہ تلاش کرتے کرتے اپنے مکان پر پہنچے تو زمانہ چونکہ بدل گیا تھا اس لئے لوگوں نے ان کو پہچاننے سے انکار کر دیا۔ ایک بڑھیا کھوسٹ جس نے عزیزؑ کا زمانہ کچھ پایا تھا انہوں نے اس سے تصدیق چاہی تو چونکہ آنکھوں سے معذور تھی اس لئے مکان کے بارہ میں تو تصدیق کر دی مگر خود عزیزؑ کو نہ پہچان سکی۔ اور کہنے لگی کہ عزیزؑ مستجاب الدعا تھے اگر تم واقعی وہی ہو تو میری آنکھوں کے لئے دعا کرو تاکہ میں دیکھ کر پہچان سکوں چنانچہ حضرت عزیزؑ نے اس کے لئے دعا بھی کی اور دست شفاعت آنکھوں پر پھیرا جس سے وہ بینا ہو گئی اور دیکھ کر پہچان لیا۔

بلی کے بعد **امنت** کی تقدیر اس لئے کی ہے کہ **لکن لیطمئن قلبی** کا اس پر ترتب ہو سکے **لیطمئن ای لازداد ایمانا مع ایمانی** یہاں بھی درخواست کا منشاء وہی عین الیقین حاصل کرنا ہے اب یہ حضرت ابراہیمؑ کا حسن ادب اور فضل ومقبولیت عنداللہ ہے کہ فوراً

درخواست پوری کردی گئی اور حضرت عزیرؑ کی درخواست پورا ہونے پر سو سال لگے۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام ذکر کیا گیا۔ حضرت عزیرؑ کا نام نہیں لیا گیا بلکہ خود انہی پر امتحان کیا گیا۔

اربعة من الطير ان جانوروں کی تخصیص اور اس کے نام کسی حدیث سے ثابت نہیں البتہ علماء نے ذکر کئے ہیں چار پرندوں کا عدد اس طرف مشیر ہے کہ انسان بھی عناصر اربعہ کا مجموعہ ہے اور اس کے یہ بسائط جو درحقیقت الگ مرکبات ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور زندگی سے تعبیر ہیں لیکن۔ مرنے کے بعد الگ الگ اپنے حیز میں پہنچ جائیں گے لیکن قیامت کے روز پھر حکم الٰہی سے دوڑ دوڑ کر آئیں گے۔ اسی کی نظیر کا مشاید یہاں کرایا گیا ہے اور پرندکی تخصیص اس لئے ہے کہ انسان سے یہ زیادہ قریب ہیں اور خواص حیوانی کے جامع ہیں۔ اور ان جانوروں کی تعیین میں یہ نکتہ ہے کہ مور میں عجب وخود بینی اور تکبر ہوتا ہے، کرگس میں کھانے پینے کی شہوت، مرغ میں جفتی کی رغبت اور صولت کوے میں شدتِ حرص اور خستِ نفس اور کبوتر ہے تو اس میں ترفع اور سرعت الی الہوٰی ہوتی ہے۔

انسان کو چاہئے کہ ترقی کے درجات اور حیاتِ ابدی چاہے تو ان سب کو قربان کردے۔

ربط: .... پچھلی آیت میں نورِ ایمان اور ظلمتِ کفر کا ذکر ہوا تھا اسی کی نظیر میں تین واقعے نقل کئے جارہے ہیں جن میں ایک طرف حضرت ابراہیم وعزیر جیسے مؤمن ہیں دوسری طرف نمرود جیسا مردود ہے اور احکام جہاد سے بھی ان قصوں کو ایک گونہ مناسبت ہے۔ نیز **لااکراہ فی الدین** سے بھی یہ مناسبت ہے کہ دعوت کی تاثیر وفتح مندی دکھلانے کے لئے حضرت ابراہیمؑ کا واقعۂ مناظرہ کیا گیا ہے وہ ایک ایسے ملک میں جہاں ان کا کوئی ساتھی نہ تھا اور ایک سرکش بادشاہ کے سامنے تن تنہا دعوتِ حق کا حربہ لے کر کھڑے ہوئے اور فتح مند ہوگئے۔

﴿تشریح﴾: .... **پہلا واقعہ:** .... حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ آج سے تین ہزار سال پیشتر کا زمانہ ہے جبکہ یکہ وتنہا شہر بابل میں ان کی خداپرستی اور نیکی وتقدس کی شہرت ہوئی تو نمرود جیسی بے پناہ طاقت کا سامناہ ہوا۔ پہلے زبانی مقابلہ ہوا جس میں اللہ کے خلیل نے اس حقیقت کا اظہار بھی ضمناً کر دکھایا کہ دعوتِ حق تلقین وہدایت کی راہ ہے جدل وخصومت کی راہ نہیں ہے اس لئے داعیِ حق کا شیوہ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ وہ مخاطب کو دلیلوں کے الجھاؤں میں پھنسادے یا بات کی پچ کرے اور کسی خاص دلیل پر اڑ کر اس کا ناطقہ بند کردے بلکہ اس کی اصل کوشش یہ ہونی چاہئے کہ کسی نہ کسی طرح سچائی کو مخاطب کے دل میں اتار دے۔ چنانچہ ایک دلیل سے کام نہ چلا تو انہوں نے فوراً دوسری دلیل پیش کردی نتیجہ یہ نکلا کہ تیر نشانہ پر لگ گیا اور انکار دسرکشی کا دم خم باقی نہیں رہا۔ اس زبانی شکست کے بعد دشمن نے اپنی طاقت وقوت کا مظاہرہ کیا یعنی ان کو ایک ہیبت ناک دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا لیکن حق کے مقابلہ میں اس کی قولی وفعلی دونوں دلیلیں بیکار کردی گئیں۔

دوسرا واقعہ: .... دوسرا واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چھ سو سال پیشتر ملک شام بمقام ایلیا میں پیش آیا۔ شاہ بابل بخت نصر نے یروشلم کو جلاکر خاکستر کردیا تھا اور بیت المقدس بالکل ویران اور تباہ کردیا گیا تھا اور یہودیوں کی قومیت پارہ پارہ کردی گئی تھی۔ ستر ہزار بنی اسرائیل کو گرفتار کرکے ستر سال قید وبندکی تکالیف میں رکھا تھا اس زمانہ میں ایک نبی حضرت عزیر علیہ السلام کا دل بستی کی اس ویرانی کو دیکھ کر بھر آیا اور نہایت حسرت آمیز لہجہ میں زبان سے نکلا کہ اس تباہی کے آبادکاری کی کیا صورت ہوگی؟ حق تعالیٰ نے اس کا جواب تو خود ان پر تجربہ کرکے دکھلادیا۔ جس میں طول زمانہ کا ایک اثر تو یہ ہوا کہ دیر تک رہنے والی چیز یعنی ان کی سواری میں درجہ تغیر ہوا کہ گوشت پوست نابود ہوکر سفید ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا اور دوسری طرف قدرت کی کرشمہ سازی یہ ہوئی کہ جلدی خراب ہونے اور سڑنے والی کھانے

پینے کی چیزوں میں "لم یتسنه" کہہ کر تغیر کی راہ روک دی گئی۔ تھرمالیکس کی ایجاد نے بہت حد تک اس بات کا سمجھنا ہمارے لئے آسان کر دیا ہے۔

اس تاثیری تضاد کی گتھی کو قدرتِ بے پایاں ہی حاصل کرسکی تھی۔ غرضکہ اس عجوبۂ قدرت کے مشاہدہ کے ساتھ شہر کی آبادکاری کا یہ انتظام ہوا کہ اس طویل مدت میں بخت نصر مر گیا۔ اور ایرانی بادشاہوں کا دور دورہ ہوا وقت کے تین بڑے شہنشاہوں سائرس، دارا، ارتخشت کے دل انبیائے بنی اسرائیل عزیرؑ، یرمیاؑ، دانیالؑ کی دعوت سے مسخر ہوگئے اور اس طرح بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر و آبادکاری کا انتظام ہوگیا اور مردہ بستی کی دوبارہ زندگی کا سامان ہوگیا۔ غرضکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چھ سو سال پہلے کی یہ بات ہے جیسا کہ کتاب عزرا کتاب نحمیا سے بھی ثابت ہے۔

قال اعلم کا نعرۂ حق بے ساختہ جوان کی زبان سے نکلا یہ ان کی طبعی اور اضطراری کیفیت کا ترجمان ہے جیسے کسی عجیب و غریب کام کو دیکھ کر بے اختیار زبان سے سبحان اللہ یا اللہ اکبر نکل جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ پہلے متکلم کا یہ اعتقاد نہیں تھا یا اس خیال کا منکر تھا بلکہ اس بے ساختگی میں ایک اضطرابی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے۔ رہا یہ شبہ کہ دوسرے لوگوں نے جب اس کیفیت کا مشاہدہ نہیں کیا بلکہ تنہا نبی کو مشاہدہ کرایا گیا تو لوگوں کے لئے یہ واقعہ کس طرح نمونۂ قدرت بنے گا؟ جواب یہ ہے کہ قرائن خارجیہ سے لوگوں کو بطور علم ضروری کے ان کا صدق بیان معلوم ہوگیا ہوگا۔ جو اطمینان کے لئے کافی ہے جیسا کہ خود نبی کو اس قسم کے قرائن سے ایک زمانہ تک اپنا مردہ رہنا معلوم ہوا تھا۔

تیسرا واقعہ: .... تیسرا واقعہ بابل سے شام کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے احیاءِ موتی کی کیفیت کا مشاہدہ چاہا اور سوال میں عنوان ادب ملحوظ رکھا چنانچہ ان کو فوراً یہ تماشا دکھلا دیا گیا۔ روح المعانی میں حضرت حسنؓ کی روایت پیش کی گئی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واقعی طور پر اس حکم کا امتثال کیا۔ **ادعهن** سے مراد حقیقۃً پکارنا نہیں ہے جس کے لئے مخاطب کا ذی عقل ہونا ضروری ہو بلکہ تکوینی دعوت کے قبیل سے ہے۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے **لیطمئن قلبی** اور حضرت علیؓ کے اس کہنے کو **لو کشف لی الغطاء ما ازددت یقینا** حضرت علیؓ کی افضلیت کا شبہ نہیں کیا جائے۔ کیونکہ اولاً تو اس قول کا ثبوت ہی یقینی نہیں کہ جواب کی ضرورت پیش آئے دوسرے اگر یہ قول ثابت بھی ہو تو یہ ثابت نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایقان میں اس واقعہ سے اضافہ ہوا بلکہ ایک کیفیت خاص کا جماؤ ہوگیا۔ تیسرے اگر اضافہ کو بھی تسلیم کرلیا جائے تو مرتبۂ نبوت کا یقین اور ہے اور مرتبۂ ولایت کا یقین اور نبوت و ولایت میں کمیت و کیفیت کے لحاظ سے زمین و آسمان کا فرق ہے ولایت کے انتہائی اضافہ کا درجہ نبوت کے اصل یقین کے مرتبہ سے بھی بہت کم تر ہے۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اصل یقین بھی حضرت علیؓ کے انتہائی مراتب پر یقین سے بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ حضرت خلیلؑ اس طمانیت صدیقیت کے نہ فاقد تھے اور نہ طالب۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے حضرت شمسؒ تبریز نے مولانا رومیؒ کی رکاب تھام کر دریافت کیا کہ ایک طرف آنحضرت ﷺ کے دعائیہ کلمات "**اللهم زدنی تحیراً فیک**" ہیں اور دوسری طرف بایزید بسطامیؒ ساری عمر اس مقام حریت میں متمکن رہے اس پر مولانا رومیؒ نے اسی قسم کی جوابی تقریر کی تو خواجہ چیخ مار کر ایک نعرۂ مستی لگاتے ہوئے جنگل کو نکل گئے اور خود مولانا پر اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ غلام شمس تبریز ہوگئے اور تمام علمی کروفر چھوڑ دیا۔

اعتراض و جواب: .... پہلے واقعہ پر پادری اعتراض کرتے ہیں کہ چونکہ تورات میں اس واقعہ کا تذکرہ نہیں ہے اس لئے قرآن کا بیان غلط ہے۔ حالانکہ تورات دس بارہ ورق کا ایک مختصر سا مجموعہ ہے اس کے عدم ذکر سے عدم وقوع کیسے لازم آ گیا؟ ہزاروں باتیں اس میں درج نہیں ہیں تو کیا سب کا انکار کیا جاسکتا ہے؟

اسی طرح تیسرے واقعہ کو بعض پادری اس لئے نہیں مانتے کہ دنیا میں مردے زندہ نہیں ہوا کرتے۔ حالانکہ یہ بات بائیبل اور حضرت مسیح کے معجزانہ کارناموں کے اور کتاب حزقیل میں مندرجہ واقعات کا بالکل برخلاف ہے۔ بعض نیچری بھی اس کا انکار کرتے ہیں اور کیف تحی اللہ الموتیٰ کو حقیقی معنی کی بجائے مجازی معنی پر محمول کرتے ہیں اور کالذی کی توجیہ کا نہ مر علی قریۃ سے کرتے ہیں۔ یعنی خواب میں یہ واقعہ دیکھا غرضکہ دونوں واقعوں میں حقیقت کی بجائے مجاز پر حمل کرتے ہوئے جیسا کہ پہلے واقعہ حزقیل کو فرضی اور عام مفسرین کی رائے کو غلط کہہ چکے ہیں حالانکہ اسی طرح ہر جگہ اگر مجازی جاری کیا جائے تو الفاظ سے بالکل ہی امن اٹھ جائے اور ہر لفظ میں یہ امکان واحتمال باقی رہے جو بالکل خلاف عقل ہے پھر آخر کوئی ضرورت بھی ہے غرضکہ استحالہ ان واقعات کا تسلیم نہیں اور خلاف عادت ہونا ناقابل تسلیم نہیں ہے۔ اذ قال ابراھیم سے معلوم ہوا کہ ضرورت دینی کے موقع پر مباحثہ تجرید وتقرید کے منافی نہیں ہے بالخصوص کامل کے لئے نیز مداہنت باطل ہے۔

مَثَلُ صِفَةُ نَفَقَاتِ **الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اَیْ طَاعَتِهٖ **كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ** ؕ فَكَذٰلِكَ نَفَقَاتُهُمْ تَتَضَاعَفُ بِسَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ **وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ** اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ **لِمَنْ يَّشَآءُ** ؕ **وَاللّٰهُ وَاسِعٌ** فَضْلَهٗ **عَلِيْمٌ** ﴿۲۶۱﴾ بِمَنْ يَسْتَحِقُّ الْمُضَاعَفَةَ **اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا** عَلَى الْمُنْفَقِ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِمْ مَثَلًا قَدْ اَحْسَنْتُ اِلَيْهِ وَجَبَرْتُ حَالَهٗ **وَّلَآ اَذًى** ۙ لَهٗ بِذِكْرِ ذٰلِكَ اِلٰى مَنْ لَا يُحِبُّ وُقُوْفَهٗ عَلَيْهِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ **لَّهُمْ اَجْرُهُمْ** ثَوَابُ اِنْفَاقِهِمْ **عِنْدَ رَبِّهِمْ** ۚ **وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** ﴿۲۶۲﴾ فِى الْاٰخِرَةِ **قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ** كَلَامٌ حَسَنٌ وَرَدٌّ عَلَى السَّائِلِ جَمِيْلٌ **وَّمَغْفِرَةٌ** لَهٗ فِىْ اِلْحَاحِهٖ **خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى** ؕ بِالْمَنِّ وَتَعْيِيْرٍ لَهٗ بِالسُّؤَالِ **وَاللّٰهُ غَنِىٌّ** عَنْ صَدَقَةِ الْعِبَادِ **حَلِيْمٌ** ﴿۲۶۳﴾ بِتَاخِيْرِ الْعُقُوْبَةِ عَنِ الْمَانِّ وَالْمُؤْذِىْ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ** اَیْ اُجُوْرَهَا **بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى** ۙ اِبْطَالًا **كَالَّذِیْ** اَیْ كَاِبْطَالِ نَفَقَةِ الَّذِیْ **يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ** مُرَائِيًا لَهُمْ **وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** ؕ وَهُوَ الْمُنَافِقُ **فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ** حَجَرٍ اَمْلَسَ **عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ** مَطَرٌ شَدِيْدٌ **فَتَرَكَهٗ صَلْدًا** ؕ صَلْبًا اَمْلَسَ لَا شَىْءَ عَلَيْهِ **لَا يَقْدِرُوْنَ** اِسْتِيْنَافٌ لِبَيَانِ مَثَلِ الْمُنَافِقِ الْمُنْفِقِ رِيَاءً وَجَمْعُ الضَّمِيْرِ بِاعْتِبَارِ مَعْنَى الَّذِیْ **عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا** ؕ عَمِلُوْا اَیْ لَا يَجِدُوْنَ لَهٗ ثَوَابًا فِى الْاٰخِرَةِ كَمَا لَا يُوْجَدُ عَلَى الصَّفْوَانِ شَىْءٌ مِنَ التُّرَابِ الَّذِیْ كَانَ عَلَيْهِ لِاِذْهَابِ الْمَطَرِ لَهٗ **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ** ﴿۲۶۴﴾.

ترجمہ: .... حالت (خرچ کرنے کی کیفیت) ان لوگوں کو جو اپنے اموال کو اللہ کی راہ (طاعت) میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت جس سے سات بالیں اُگ آئیں ہر بال میں سو (۱۰۰) دانے ہوں (یہی حال ان لوگوں کے انفاق کا ہے سات سو گنا اجر بڑھ سکتا ہے) اور اللہ تعالیٰ بڑھا سکتے ہیں (اس سے بھی زائد) جس کے لئے چاہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے

ہیں (اپنے فضل میں) اور واقف ہیں (کون اضافہ کا مستحق ہے) جولوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو احسان جتلاتے ہیں (جس سے یہ سلوک کیا مثلاً یہ کہہ کر میں نے یہ احسان کیا اور اس کی ٹوٹی پھوٹی حالت درست کی اور نہ اذیت پہنچاتے ہیں اس سلوک کا تذکرہ ایسے شخص کے سامنے کر کے جس کے سامنے سائل اظہار پسند نہیں کرتا۔ اسی قسم کی اور کوئی صورت آزار ہو) ان کے لئے اجر (ان کے انفاق کا ثواب) ہے ان کے پروردگار کے پاس اور ان کو خطرہ نہیں ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے (قیامت کے روز) مناسب بات (کلام شریں اور سائل کو موزوں جواب) کہہ دینا اور درگذر کر دینا (اس کے حد سے زیادہ بڑھے ہوئی اصرار پر) بہتر ہے ایسی خیرات سے جس کے پیچھے تکلیف رسانی لگی ہوئی ہو (احسان جتلا کر یا مانگنے پر پھٹکار کر کے) اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں (بندوں کی خیرات سے) اور بردبار ہیں (کہ احسان جتلانے والے موزی کو ڈھیل دے رکھی ہے) اے اہل ایمان تم برباد مت کرو اپنی خیرات کو (یعنی اس کے ثواب کو) احسان جتلا کر یا آزار پہنچا کر (برباد کرنا) اس شخص کی طرح (یعنی جیسے ضائع ہوگیا خرچ کرنا اس کا جو اپنا مال خرچ کرتا ہے ریاکاری کے طور پر لوگوں کو دکھلانے کے لئے اور اللہ اور یوم آخرت پر یقین نہیں رکھتا (یعنی منافق ہے) چنانچہ اس شخص کی حالت ایسی ہے جیسے ایک چکنا پتھر (صاف پتھر) جس پر کچھ مٹی آ گئی ہو اور پھر موسلا دھار بارش اس پر پڑ جائے (جونہایت زور کی ہو) کہ اس پتھر کو بالکل ہی صاف کر دے (ایسا صاف و چکنا کہ پھر اس پر کوئی چیز بھی باقی نہ رہے) ایسے لوگوں کو ہاتھ نہ لگے گی (یہ جملہ مستانفہ ہے ریاکار منافق منفق کی حالت کا اظہار ہے اور ضمیر جمع کا استعمال کرنا، الذی کی معنوی رعایت سے ہے) ذرا بھی اپنی کمائی (یعنی جس طرح چکنے پتھر پر بارش کی وجہ سے ذرا کسی چیز کا اثر باقی نہیں رہتا اسی طرح آخرت میں ان کے لئے ثواب کا کوئی نشان نہیں ملے گا) اور اللہ تعالیٰ کافروں کو راہ نہیں دکھلائیں گے)

تحقیق وترکیب: ....**مثل** کے بعد مفسر صفت کا اضافہ اس کے معنی بیان کرنے کے لئے کر رہے ہیں اور **نفقات** کی تقدیر اس لئے ہے کہ **الذین ینفقون** کی تشبیہ حبۃ کے ساتھ صحیح ہو جائے کیونکہ منفقین جاندار اور حبۃ بے جان لیکن نفقات کو مشابہ بنانے میں کوئی اشکال نہیں ہے انبتت انبات کی اسناد حق تعالیٰ کی طرف نہیں کی بلکہ ظاہری سبب ہونے کی وجہ سے حبۃ کی طرف اسناد کر دی گئی ہے اور یہ تمثیل فرضی ہے محض انفاق کے اضافہ کو سمجھانے کے لئے اس کا واقعی اور نفس الامری ہونا ضروری نہیں ہے اگرچھوٹے دانوں کے اناج میں بھی زمینوں کے لحاظ سے ایک ایک بال میں اتنی تعداد بھی ممکن ہے۔ **سنبلات** کی بجائے **سنابل** استعمال ایسا ہی ہے جیسے **اقراء** کی بجائے **قروء** کا استعمال **ثم** نفس انفاق اور **من واذی** کے ترک میں فرق ظاہر کرنے کے لئے ہے یعنی صرف ترک **من واذی** بھی انفاق سے بڑھا ہوا ہے۔

ما انفقوا ما مصدریہ ہے **لھم اجرھم** چونکہ مبتدا متضمن معنی شرط کو نہیں ہے اس لئے فا نہیں لائی گئی جیسا کہ آگے **فلھم** میں اسی لئے فا داخل ہے۔ **حلیم** اس میں دھمکی اور عذاب آخرت کی وعید ہے **فمثلہ** فا ماقبل کے ساتھ ربط کے لئے ہے اور یہ جملہ مبتدا خبر ہے۔ اس کی ضمیر منفق مرائی کی طرف لوٹے گی قریب ہونے کی وجہ سے یا منفق مان کی طرف راجع ہوگی۔ ثانی صورت میں گویا احسان رکھنے والے کو دو چیزوں سے تشبیہ دی جا رہی ہے ایک ریاکار منفق سے دوسرے چکنے پتھر سے۔ اور خطاب سے یہ غیبت کی طرف اور جمع سے مفرد کی طرف عدول ہوگا۔ کمثل میں کاف محل نصب میں ہے **علی الحال ای لاتبطلوا صدقتکم مماثلین الذی ینفق**.

صفوان حجر املس ضد خشونت **لا یقدرون** میں **الذی** کی معنوی رعایت ہوئی اور **ینفق** میں لفظ کی رعایت کی گئی ہے یا باعتبار جنس یا فریق کے مفرد لایا گیا **لا یھدی** دنیاوی لحاظ سے اگر ہدایت مراد لی جائے تو مخصوص منافقین مراد ہوں گے یا یہ مراد ہے کہ جب تک وہ اپنے کفر و نفاق پر جمے رہیں ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوگی اور آخرت کی رہنمائی مراد ہو تو کسی تاویل کی ضرورت نہیں رہتی۔

ربط: .... انفاق مالی کا ذکر ترغیب جہاد کے سلسلہ میں چل رہا تھا اسی کا اعادہ کیا جا رہا ہے کہ جو ذات احیاء موتٰی کے ان عظیم واقعات پر قادر ہو وہ انفاق کے اضعاف مضاعفہ کرنے پر کیوں قادر نہیں ہوگی الذین ینفقون سے انفاق صحیح کی شرائط کا بیان ہے اوران کو تمثیل کے ذریعے سمجھایا جا رہا ہے۔

شانِ نزول: .... حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اورعبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیت الذین ینفقون نازل ہوئی جبکہ اول الذکر نے غزوۂ تبوک میں ہزار اونٹ غلہ سے بھرے ہوئے اور ثانی الذکر نے ہزار دینار کی پیش کش کی۔

﴿تشریح﴾: ...... **خیرات کے درجات:** .... دینی یا دنیاوی جماعتی یا شخصی کاموں میں روپیہ پیسہ کی جس درجہ قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے وہ بالکل ظاہر ہے مال کے عشق میں اور پیسے کی محبت میں اگر آدمی مرتا رہے تو وصیت، روزے، اکل حلال، حج، جہاد، نکاح، طلاق، یتیموں کی خبر گیری، عورت کے ساتھ حسنِ سلوک، رضاعت وغیرہ کے تمام احکام برباد ہوجاتے ہیں۔ کما حقہ ان احکام پر جب ہی عمل ہوسکتا ہے جبکہ اللہ کی راہ میں پیسہ خرچ کرنا آسان ہوجائے کسی نیک کام میں پیسہ خرچ کرنے کی تین ہی نیتیں ہوسکتی ہیں (۱) ادنیٰ درجہ کے اخلاص کے ساتھ **الحسنة بعشرا مثالها** کے لحاظ سے اس کو دس گنا ثواب عطا ہوگا۔ (۲) اوسط درجہ کے اخلاصِ نیت کے ساتھ اس آیت کی رو سے سات سو(۷۰۰) گنا اجر کا وعدہ ہے (۳) اعلیٰ درجہ کے اخلاص کے ساتھ **والله یضاعف** کی رو سے بے شمار اجر وثواب کا مستحق ہے اخلاص کی کمی بیشی کے ساتھ مشقت کی کمی بیشی کا اثر بھی تناسب اجر پر پڑے گا۔

خیرات کے لئے گھن: .... علیٰ ہذا انفاق کو خراب کرنے والی چیزیں بھی تین ہیں۔ (۱) ریا کاری، (۲) دل آزاری، (۳) احسان سے زیر باری جہاں تک دکھاوے کی خیرات کا تعلق ہے وہ بالکل ہی اکارت چلی جاتی ہے کیونکہ جو شخص نیکی کو نیکی کے لئے نہیں بلکہ نام ونمود کے لئے کرتا ہے اور خدا کی جگہ انسانوں کی نگاہوں میں بڑائی چاہتا ہے وہ یقیناً خدا پر سچا یقین نہیں رکھتا۔ کسی کو احسان سے زیر بار کرنا چاہے قولاً ہو یا فعلاً اسی طرح آزار پہنچانا زبانی طعن وتشنیع سے ہو غلط برتاؤ سے بہر صورت بُرا ہے سائل اگر بدتمیز ہو کہ لپچڑ ہوکر رہ جائے تو اپنی استطاعت کے ہوتے ہوئے حاجت مند کو نہ دینا یقیناً برا ہے البتہ اگر خود مسؤل عنہ بھی نادار ہو تو سائل کے اصرار پر تلخ وترش جواب کی بجائے شیریں کلامی، خندہ پیشانی، سے پیش آنا یقیناً بہتر اور موجب اجر ہے جس کو خیر فرمایا گیا ہے غرضکہ خوش کلامی کے ساتھ تو نہ دینا بھی بہتر ہے، لیکن آزار رسانی کے ساتھ دینا بھی بدتر، حرام اور موجب گناہ ہے۔

ریا کاری کے صدقہ کی مثال: .... جولوگ دکھاوے کے لئے دیتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے پہاڑ پر چٹان، جس پر مٹی کی معمولی سی تہہ جم گئی ہو اس جگہ جتنی بھی زیادہ بارش ہوگی اتنی ہی جلدی اور اتنی ہی زیادہ وہ جگہ صاف ہوکر رہ جائے گی کبھی بھی سرسبز نہیں ہوسکے گی۔ کیونکہ اس میں پانی سے فائدہ اٹھانے کی استعداد ہی نہیں ہے پانی جب برسے گا ڈھل ڈھلا کر صاف ہوجائے گی۔

معتزلہ پر رَدّ: .... نصوص پر نظر کرنے سے یہ بات واضح ہے کہ جس طرح طاعات کے لئے کچھ شرائط صحت ہوتی ہیں جیسے نماز کے لئے طہارت وغیرہ شرائط یا تمام اعمال کی صحت وقبولیت کے لئے ایمان شرط ہے اسی طرح کچھ شرائط بقاء صحت کے لئے بھی ہوتی ہیں مثلاً یہی ایمان کہ صحتِ اعمال کی طرح بقائے اعمال کے لئے بھی شرط ہے۔ اگر ایمان لانے کے بعد کوئی شخص کافر ہوجائے تب بھی اس کے سارے اعمال حبط وضبط اور بالکل معدوم ہوجائیں گے یا نماز کے شفعہ میں پہلی رکعت کی بقاء کے لئے دوسری شرط ہے۔ بالکل ٹھیک یہی حال انفاق مالی کا ہے کہ علاوہ ایمان کے اخلاص تو اس کی شرط صحت ہے اوراحسان نہ جتلانا یا ایذا رسانی کرنا دونوں شرائط بقا

ہیں چنانچہ ریا کار اور منافق کے صدقہ کو شرط صحت مفقود ہونے کی وجہ سے باطل اور مان اور موذی کے صدقہ کو شرط بقا نہ رہنے کے وجہ سے مبطل کہا گیا ہے اور چونکہ ریاء کا بطلان من واذی کے بطلان سے زیادہ ظاہر وواضح ہے اس لئے اول کو مشبہ بہ اور موخر الذکر کو مشبہ بنایا گیا ہے البتہ مشبہ بہ کے ساتھ نفاق و ریاء کی دو قیدیں جو لگائی گئیں وہ محض مشبہ بہ کی تقویت کے لئے ہیں تا کہ من واذی سے نصرت دلانے میں مبالغہ ہو جائے۔ ورنہ تنہا ایک ایک امر بھی موجب بطلان ہے۔

اس کے بعد معتزلہ کا یہ شبہ صحیح نہیں ہے کہ تمام سیئات کفر کی طرح حابط طاعات ہوتے ہیں کیونکہ کسی خاص سیئہ کا کسی خاص طاعت کے لئے شرط بقاء کے منافی ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ ہر سیئہ ہر حسنہ کے لئے موجب حبط ہو جائے کیونکہ اول تو یہ باطل ہونا سیئہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ شرط بقاء نہ پائے جانے کی وجہ سے ہے دوسرے معتزلہ کا دعویٰ بھی تمام سیئات کے متعلق عام ہے اس کی دلیل یہ خاص خاص اعمال نہیں بن سکتے۔

وَمَثَلُ نَفَقَاتِ **الَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ** طَلَبَ **مَرْضَاتِ اللهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ** اَىْ تَحْقِيْقًا لِلثَّوَابِ عَلَيْهِ بِخِلَافِ الْمُنَافِقِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَهُ لِاِنْكَارِهِمْ لَهُ وَمِنْ اِبْتِدَائِيَّةٌ **كَمَثَلِ جَنَّةٍ** بُسْتَانٍ **بِرَبْوَةٍ** بِضَمِّ الرَّآءِ وَفَتْحِهَا مَكَانٍ مُرْتَفِعٍ مُسْتَوٍ **اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ** اَعْطَتْ **اُكُلَهَا** بِضَمِّ الْكَافِ وَسُكُوْنِهَا ثَمَرَهَا **ضِعْفَيْنِ** ج مِثْلَىْ مَايُثْمِرُ غَيْرُهَا **فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ** ط مَطَرٌ خَفِيْفٌ يُصِيْبُهَا وَيَكْفِيْهَا لِارْتِفَاعِهَا اَلْمَعْنٰى تُثْمِرُ وَتَزْكُوْ كَثُرَ الْمَطَرُ اَمْ قَلَّ فَكَذٰلِكَ نَفَقَاتُ مَنْ ذُكِرَ تَزْكُوْ عِنْدَاللّٰهِ كَثُرَتْ اَمْ قَلَّتْ **وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ**﴿۲۶۵﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ **اَيَوَدُّ** اَيُحِبُّ **اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ** بُسْتَانٌ **مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ** لا **لَهٗ فِيْهَا** ثَمَرٌ **مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ** لا وَقَدْ **اَصَابَهُ الْكِبَرُ** فَضَعُفَ عَنِ الْكَسْبِ **وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ** اَوْلَادٌ صِغَارٌ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلَيْهِ **فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ** رِيْحٌ شَدِيْدَةٌ **فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ** ط فَفَقَدَهَا اَحْوَجَ مَا كَانَ اِلَيْهَا وَبَقِىَ هُوَ وَاَوْلَادُهٗ عَجَزَةً مُتَحَيِّرِيْنَ لَاحِيْلَةَ لَهُمْ وَهٰذَا تَمْثِيْلٌ لِنَفَقَةِ الْمُرَائِىْ وَالْمَانِّ فِىْ ذِهَابِهَا وَعَدَمِ نَفْعِهَا اَحْوَجَ مَايَكُوْنُ اِلَيْهَا فِى الْاٰخِرَةِ وَالْاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى النَّفْىِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ هُوَ لِرَجُلٍ عَمِلَ بِالطَّاعَاتِ ثُمَّ بُعِثَ لَهُ الشَّيْطَانُ فَعَمِلَ بِالْمَعَاصِىْ حَتّٰى اَغْرَقَ اَعْمَالَهٗ **كَذٰلِكَ** كَمَا بَيَّنَ مَاذُكِرَ **يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ**﴿۲۶۶﴾ فَتَعْتَبِرُوْنَ.

ترجمہ: .... اور حالت (خرچ کرنے کی) ان لوگوں کے مال کی جو خرچ کرتے ہیں اللہ کی رضا جوئی (تلاش رضا) کیلئے اور اس غرض سے کہ اپنے نفوس میں پختگی پیدا کریں (یعنی اس پر ثواب محقق کرنے کے لئے بخلاف منافقین کے جن کو منکر ہونے کی وجہ سے امید ثواب نہیں ہے اور من ابتدائیہ ہے) مثل حالت ایک باغ کی ہے جو کسی ٹیلہ پر ہے (لفظ ربوۃ ضم راء اور فتح راء کے ساتھ ہے۔ اونچی اور سپاٹ جگہ) اس پر زور کی بارش پڑی ہو کہ وہ باغ لے آیا (اس نے دیدیا) ہو پھل (لفظ اکل ضم کاف اور سکون کاف کے ساتھ ہے بمعنی پھل) دوگنا (دوسرے باغ کے مقابلہ میں دو چند) اور اگر ایسی زور کی بارش نہ ہو تو ہلکی پھوار بھی اس کے لئے کافی ہو جائے (طل کے معنی ہلکی بارش کے ہیں جس کا ہونا بھی باغ کی بلندی کی وجہ سے کافی ہو جائے، حاصل یہ ہے کہ بارش کم ہو یا زیادہ باغ بہر

صورت پھل جاتا ہے یہی حال ان لوگوں کے نفقات کا ہے کم کم ہوں یا زیادہ عنداللہ موجب اضافۂ حسنات ہیں) اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کوخوب دیکھتے ہیں (چنانچہ تم کو جزا ملے گی) بھلا پسند (مرغوب) ہے تم میں سے کسی کو یہ بات کہ اس کا باغ ہو کھجوروں اور انگوروں جس کے نیچے چلتی ہوں نہریں، اس شخص کے یہاں اس باغ میں بھی ہر قسم کے میوے ہوں درآنحالیکہ اس شخص کا بڑھاپا آ گیا ہو (کہ کمانے کے قابل نہ رہا ہو) اور اس کے اہل وعیال بھی ہوں جن میں قوت نہیں ہے (چھوٹے بال بچے جن میں کمانے کی صلاحیت نہیں ہے کہ اس باغ پر ایک بگولہ آ جائے (تیز وتندلُو) کہ جس میں آگ ہو پھر وہ باغ بھسم ہو جائے (ایسی حالت میں ایسے باغ کا تباہ ہو جانا مالک کو کس قدر زیادہ محتاج بنادے گا وہ اس کی اولاد حیران وپریشان رہ جائے، ان کے لئے کوئی بھی سہارا نہ رہ جائے۔ یہ ایک تمثیل ہے۔ ریاکار اور احسان جتلانے والے کے صدقہ کا آخرت میں باوجود ضروری ہونے کے بیکار اور ضائع ہو جانے کی اور استفہام نفی کے معنی میں ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی رائے ہے کہ یہ تمثیل ایسے شخص کے لئے جو طاعات بجالاتا ہو لیکن شیطان کے غلبہ سے معاصی میں غرق ہو جائے) اسی طرح (جیسا کہ بیان ہو چکا) تمہارے سمجھانے کیلئے اللہ تعالیٰ نظائر بیان فرماتے رہتے ہیں تاکہ تم سوچا کرو (اور عبرت حاصل کرو)

تحقیق وترکیب: .... **من انفسهم** من ابتدائیہ یعنی یہ عقیدہ خود ان کے نفوس میں ہو یا بمعنی لازم ہو۔ **فاتت** مفعول اول محذوف ہے ای صاحبها اور **ضفعین** حال ہے اکل ماکول شئے مراد میوے۔ **ضعفین** ای ضعفًا بعد ضعفٍ تثنیہ سے مقصود ہے تکثیر ہے یا دوچند یا چہار چند ہونا مراد ہے علی اختلاف الاقوال **فطل** مبتداء ہے، خبر محذوف ہے جیسا کہ مفسر نے **يصيبها ويكفيها** کہا ہے۔

ایود یہ دوسری تمثیل ہے مرائی اور مان کی مودت بمعنی محبت۔ لیکن مع تمنائے ملاقات کے۔ **نخيل** اسم جنس جمع ہے واحد نخلةٌ ہے اعناب جمع عنبۃ کی انگور کو کہتے ہیں اہل عرب کے نزدیک دونوں قسم کے باغ نہایت قیمتی ہوتے تھے چہ جائیکہ کسی کے یہاں دونوں مجموعی ہوں بلکہ میووں کی اور اقسام بھی ہوں تو اس کی ثروت ومالداری کا کیا ٹھکانہ۔

فيها من كل الثمرات کے درمیان لفظ ثمر کا اس طرف اشارہ ہے کہ جار مجرور کا متعلق محذوف ہے اور وہ صفت ہے موصوف محذوف کی **له** متعلق ہے محذوف کے خبر ہے ثمر مقدر کی اور **فيها** متعلق ہے محذوف کے اور ضمیر خبر سے حال ہے۔

وقد اصابها مفسر علام نے تقدیر میں اشارہ کردیا ہے کہ واؤ حالیہ ہے معنًا کیونکہ **ان تكون** کا ان مصدریہ اگرچہ **اصاب** ماضی پر داخل ہوسکتا ہے "**عجبت من ان قام**" لیکن مضارع منصوب چونکہ استقبال کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے ماضی کی صلاحیت قطعًا اس میں نہیں رہتی اس لئے **اصاب** کا عطف **تكون** پر درست نہ ہوتا۔ مفسر نے اس اشکال کو حل کرنے کے لئے اشارہ کیا کہ **اصاب** میں واو حالیہ ہے۔ تقدیر قد واؤ عاطفہ نہیں ہے **ذرية** ولد الرجل والنساء۔

ربط: .... آیت گذشتہ میں صدقات مقبولہ کی مثال **فمثله كمثل الخ** سے بیان کی تھی اب آیت **ومثل الذين** میں صدقات مقبولہ کی مثال بیان فرماتے ہیں۔ نیز آیت **ایود** میں صدقات کے انوار وبرکات کی شرط کا بیان ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ...... **صدق دلانہ صدقہ کی تمثیل**: .... یعنی جو لوگ اخلاص کے ساتھ خیرات کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بلند اور موزوں مقام پر باغ ہو کہ جب بارش ہو تو اس کی شادابی دگنی ہو جائے اور اگر زور سے پانی نہ برسے تو ہلکی پھوار بھی اسے شاداب کر سکے گی۔ اگر دل میں اخلاص ہے تو تھوڑی خیرات بھی برکت وفلاح کا موجب ہوسکتی ہے جس طرح بارش کی چند ہلکی بوندیں بھی ایک باغ کو شاداب کرسکتی ہیں۔ عالم مادی اور عالم معنوی کے احکام وقوانین دونوں یکساں ہیں جو بوؤ گے اور جس طرح

بوؤ گے ایسے ہی اور اسی طرح کا پھل پاؤ گے۔

حاصل "تثبیتا من انفسهم" کا یہ ہے کہ جس کام میں ابتداً نفس کو دشواری پیش آتی ہے اس کو بار بار کرنے سے ایک طرح کی عادت ہو جاتی ہے۔ اور وہ دشواری ایک درجہ میں رفع ہو جاتی ہے یہاں تک یہ عادت پھر طبیعت میں ایک ملکۂ راسخہ پیدا کر لیتی ہے جس سے دوسرے اعمال میں بھی ایک طرح کی سہولت اور آمادگی پیدا ہو جاتی ہے اور صفت مزاحمت مغلوب ہو کر ترغیب غالب آ جاتی ہے جو حاصل ہے مجاہدہ کا بس آیت میں اسی کی ترغیب ہے کہ ہر نیک کام کرنے کے وقت نیت بھی رہنی چاہئے کہ اس سے رضائے الٰہی حاصل ہو اور دوسری طاعت کے لئے مشقت رفع ہو کر شوق و عمل کا راستہ ہموار ہو جائے تا کہ ان سے بھی مرضیات الٰہیہ حاصل ہو سکیں ان دونوں غرضوں کی ایک ہی غرض نکلتی ہے یعنی رضائے الٰہی کہ کام شروع میں بھی وہی مقصود ہو اور ثمرہ اور نتیجہ کے درجہ میں بھی اسی پر نظر رہے حالاً اور مآلاً وہی مقصد پیش نظر رہے۔

مراتب اخلاص: .... اور دو طرح کی بارش فرض کرنے میں اشارہ ہے فرق مراتب اخلاص کی طرف۔ صدقات تین طرح کے ہیں ایک وہ جن میں شرائط صحت وبقاء دونوں پائی جائیں جیسا کہ کمثل حبة انبتت اور کمثل جنة بربوة دومثالوں کے ذیل میں گذر چکا ہے۔ دوسرے وہ کہ جن میں شرائط صحت ایمان واخلاص ہی نہ پائی جائیں انفراداً یا اجتماعاً کمثل صفوان میں اس کی تمثیل پیش کی گئی ہے۔ تیسری قسم صدقات کی وہ رہ گئی جس میں شرائط صحت تو ہوں مثلاً ایمان واخلاص مگر شرائط بقاء نہ پائی جائیں یعنی من واذی کا ترک آیت ایود احدکم میں اسی کی تمثیل یعنی تم میں کون ہے جو یہ پسند کرے کہ اپنی ساری عمر ایک باغ لگانے میں صرف کرے اور سمجھے کہ اس کی یہ محنت اور اس کا ثمرہ بڑھاپے میں کام آئے گا لیکن جب بڑھاپا آئے تو دیکھے کہ سارا باغ ویران ہو کر رہ گیا ہے یہی حال اس انسان کا ہے جو ساری عمر دکھاوے کی نیکیاں کرتا رہے اور سمجھتا رہے کہ یہ نیکیاں عاقبت میں کام آئیں گی لیکن جب عاقبت کا دن آئے تو دیکھے اس کی ساری محنت رائیگاں گئی۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس آیت کا مضمون انفاق وغیرہ انفاق تمام طاعات کے لئے عام ہے یعنی اعمال کی کچھ شرطیں انوار و برکات کے لحاظ سے بھی ہوتی ہے مثلاً ہر قسم کے معاصی اور سیئات سے پرہیز کرنا اگر کوئی شخص طاعات کے ساتھ برائیوں میں بھی منہمک ومشغول ہو جاتا تو اس سے دو طرح کے نقصان سامنے آتے ہیں۔ ایک تو خود اس طاعت کی جو حلاوت و بشاشت قلب میں پیدا ہوئی تھی وہ زائل ہونے لگتی ہے اور نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اس طاعت کے سب انوار و برکات سلب ہو جاتے ہیں۔ دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ دوسری طاعات کی توفیق بھی اس برائی کی شامت سے سلب کر لی جاتی ہے اور جو طاعات معمول بہا ہوتی ہیں ان میں کمی، سستی، ناغہ ہونے لگتی ہے اور آخرت میں جو ثمرات و فوائد ان پر مرتب ہوتے ہیں ان سے بالکلیہ حرمان ہو جاتا ہے پس اس آیت میں بھی معتزلہ کا اصطلاحی مشہور "حبط اعمال" مراد نہیں "تثبیتا من انفسهم" سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال سے مقصود جس طرح اجر و ثواب ہوتا ہے اصلاح نفس بھی مقصد ہو سکتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا زَكُّوْا **مِنْ طَيِّبٰتِ** جِيَادِ **مَا كَسَبْتُمْ** مِنَ الْمَالِ **وَمِنْ** طَيِّبٰتِ **مَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ** ۪ مِنَ الْحُبُوْبِ وَالثِّمَارِ **وَلَا تَيَمَّمُوا** تَقْصِدُوْا **الْخَبِيْثَ** الرَّدِيَ **مِنْهُ** اَيْ مِنَ الْمَذْكُوْرِ **تُنْفِقُوْنَ** فِي الزَّكٰوةِ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ تَيَمَّمُوْا **وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ** اَيِ الْخَبِيْثَ لَوْ اُعْطِيْتُمُوْهُ فِيْ حُقُوْقِكُمْ **اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ** ؕ بِالتَّسَاهُلِ وَغَضِّ الْبَصَرِ فَكَيْفَ تُؤَدُّوْنَ مِنْهُ حَقَّ اللّٰهِ **وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ** عَنْ نَفَقَاتِكُمْ

حَمِيدٌ ﴿۲۶۷﴾ مُحْمُودٌ عَلَى كُلِّ حَالٍ **اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ** يُخَوِّفُكُمْ بِهِ اِنْ تَصَدَّقْتُمْ فَتَمْسِكُوا **وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ** ج اَلْبُخْلِ وَمَنْعِ الزَّكٰوةِ **وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ** عَلَى الْاِنْفَاقِ **مَّغْفِرَةً مِّنْهُ** لِذُنُوْبِكُمْ **وَفَضْلًا** ط رِزْقًا خَلْفًا مِنْهُ **وَاللّٰهُ وَاسِعٌ** فَضْلَهٗ **عَلِيْمٌ** ﴿۲۶۸﴾ بِالْمُنْفِقِ **يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ** اَلْعِلْمَ النَّافِعَ الْمُؤَدِّيَ اِلَى الْعَمَلِ **مَنْ يَّشَآءُ** ج **وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا** ط لِمَصِيْرِهٖ اِلَى السَّعَادَةِ الْاَبَدِيَّةِ **وَمَا يَذَّكَّرُ** فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الذَّالِ يَتَّعِظُ **اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ** ﴿۲۶۹﴾ اَصْحَابُ الْعُقُوْلِ **وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ** اَدَّيْتُمْ مِنْ زَكٰوةٍ اَوْ صَدَقَةٍ **اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ** فَوَفَّيْتُمْ بِهٖ **فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ** ط فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ **وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ** بِمَنْعِ الزَّكٰوةِ وَالنَّذْرِ اَوْ بِوَضْعِ الْاِنْفَاقِ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ مِنْ مَعَاصِي اللّٰهِ **مِنْ اَنْصَارٍ** ﴿۲۷۰﴾ مَانِعِيْنَ لَهُمْ مِنْ عَذَابِهٖ **اِنْ تُبْدُوا** تُظْهِرُوْا **الصَّدَقٰتِ** اَيِ النَّوَافِلَ **فَنِعِمَّا هِيَ** ج اَيْ نِعْمَ شَيْءٌ اِبْدَاؤُهَا **وَاِنْ تُخْفُوْهَا** تُسِرُّوْهَا **وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ** ط مِنْ اِبْدَائِهَا وَاِيْتَائِهَا الْاَغْنِيَاءَ اَمَّا صَدَقَةُ الْفَرْضِ فَالْاَفْضَلُ اِظْهَارُهَا لِيُقْتَدٰى بِهٖ وَلِئَلَّا يُتَّهَمَ وَاِيْتَاؤُهَا الْفُقَرَاءَ مُتَعَيَّنٌ **وَيُكَفِّرُ** بِالْيَاءِ وَبِالنُّوْنِ مَجْزُوْمًا بِالْعَطْفِ عَلٰى مَحَلِّ فَهُوَ وَمَرْفُوْعًا عَلَى الْاِسْتِئْنَافِ **عَنْكُمْ مِّنْ** بَعْضِ **سَيِّاٰتِكُمْ** ط **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ** ﴿۲۷۱﴾ عَالِمٌ بِبَاطِنِهٖ كَظَاهِرِهٖ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْهُ.

ترجمہ: .... اے اہل ایمان خرچ کرو (زکوٰۃ ادا کرو) اپنی کمائی (کے مال) میں سے بہترین چیز اور (عمدہ چیز) اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے (دانے اور پھل) اور نیت مت لے جایا کرو (ارادہ نہ کیا کرو) نکمی (ردی) چیز کی طرف کہ اس میں سے (مذکورہ ردی میں سے) تم خرچ کرنے لگو (زکوٰۃ میں یہ حال ہے ضمیر تیمموا سے) حالانکہ خود تم کبھی بھی اس کو لینے کے لئے آمادہ نہ ہو (ردی چیز اگر تمہارے حصہ میں لگادی جائے) ہاں مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اس میں (سرسری طور پر نظر انداز کرتے ہوئے پھر اللہ کا حق کس طرح اس سے ادا کرتے ہو) اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ (تمہارے نفقات کے) محتاج نہیں ہیں (ہر حال میں) تعریف کے لائق ہیں شیطان تم کو محتاجگی سے ڈراتا ہے (کہ اگر تم نے مال خیرات کر دیا تو تم خود محتاج ہو جاؤ گے اس لئے خرچ سے باز رہو) اور تم کو مشورہ دیتا ہے بری باتوں (بخل کرنے اور زکوٰۃ روکنے) کا اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتے ہیں (انفاق پر) اپنی جانب سے (تمہارے گناہ) معاف کرنے کا اور زیادہ عطا کرنے کا (ایسے رزق کا جو صرف شدہ مال کے قائمقام ہو جائے گا) اور اللہ تعالیٰ (اپنے فضل میں) وسعت والے ہیں، خوب جاننے والے ہیں (منفق کو) دین کا فہم (علم نافع جو عمل کے باعث بن جائے) جس کو چاہتے ہیں عطا کر دیتے ہیں اور جس کو دولت حکمت مل جائے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی ہے (کیونکہ انجام اس کا دائمی سعادت ہے) اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں (یذکر دراصل یتذکر تھا تا کو ذال کیا اور ذال کو ذال میں ادغام کر دیا۔ بمعنی یتعظ) جو عقلمند (اصحاب دانش) ہیں اور تم لوگ جو کسی طرح کا خرچ کرتے ہو (زکوٰۃ یا صدقہ ادا کرتے ہو) یا کسی قسم کی نذر مانتے ہو (اور اس کو پورا بھی کر دو) سو اللہ تعالیٰ کو یقیناً سب باتوں کی اطلاع ہے (چنانچہ اس کے مطابق تم کو جزا دیں گے) اور بے جا کام کرنے والوں کا (جو زکوٰۃ و نذر پورا کرنے سے روکتے ہیں یا معاصی میں بے محل انفاق کرتے ہوں) کوئی حمایتی نہیں ہوگا (جو اللہ کے عذاب سے ان کو بچا لے) اگر تم ظاہر کر کے (کھلم

کھلا) صدقات (نافلہ) دوتو بہت اچھی بات ہے (یعنی اس کا اظہار بہترین چیز ہے) اور اگر چھپا کر (پوشیدہ طور) ادا کرو اور فقیروں کو دے دیا کرو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے (بہ نسبت اظہار کے اور مالدار لوگوں کو دینے کے البتہ فرض زکوٰۃ اس میں اظہار ہی افضل ہے۔ دووجہ سے تاکہ دوسرے تقلید کرسکیں اور خود یہ متہم نہ رہے) اور مصارف زکوٰۃ میں فقراء متعین ہیں (بمقابلہ اغنیاء) اور اللہ تعالیٰ دور فرمائیں گے (یکفر یا اورنون کے ساتھ مجزوم پڑھا گیا ہے فھو کے محل پر عطف کرتے ہوئے اور استیناف کے طور پر مرفوع ہے) تمہارے کچھ (بعض) گناہ بھی اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کی خوب خبر رکھتے ہیں (ظاہر کی طرح باطن سے بھی باخبر ہیں ان سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے)

تحقیق وترکیب: .... مااخرجنا بحذف المضاف ای من طیبات ما اخرجنا اوراخرجنا کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ اس میں تفاوت زیادہ ہوتا ہے من الحبوب اشارہ اس طرف ہے کہ اموال تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے۔ تنفقون حال مقدرہ ہے ای مقدرین النفقة اس کا تعلق منہ سے بھی ہوسکتا ہے اور نہی سے بھی ان تغمضوا بحذف الجار ہے ای بان تغمضوا اور ابوالبقاء کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ ان اور اس کا ماتحت منصوب علی الحال ہوں اور عامل لفظ اخذیہ ہو اور مستثنیٰ منہ بھی محذوف ہے ای فی وقت من الاوقات اغماض سے استعارہ کیا گیا ہے تغافل اور تساہل کی طرف یعد کم وعدہ کا اطلاق خیر وشر دونوں پر ہوتا ہے چنانچہ بولتے ہیں وعدہ خیراً وشراً لیکن اگر خیر وشر مفعول محذوف ہوں تو پھر وعدہ کا اطلاق خیر پر اور وعید اور ایعاد کا اطلاق شر پر ہوتا ہے۔

فتمسکوا مفسر علامؒ اگر اس کو مجزوم نہ کرتے بلکہ ثبوت نون کے ساتھ رکھتے تو اس کا "یعد کم الفقر" کا مسبب بننا اور زیادہ واضح ہوتا۔ الفحشاء قرآن کریم میں یہ لفظ جہاں بھی آیا ہے زنا کے معنی میں آیا ہے بجز اس جگہ کے کہ یہاں بخل کے معنی میں ہے خلفامنه یعنی منجاب اللہ ثمرہ عطا ہوگا یا زکوٰۃ میں صرف شدہ مال کا جبر نقصان کر دیا جائے گا۔

من یوت الحکمة حکمت کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں سدی نے نبوت کے معنی لئے ہیں اور ابن عباسؓ معرفت قرآن کے وسیع معنی لیتے ہیں۔ قتادہؒ اور مجاہدؒ حکمۃ کے معنی فہم قرآن کے لیتے ہیں مجاہدؒ قول وعمل کی درستگی کے معنی لیتے ہیں۔ ابن زیدؒ فقہ فی الدین کے معنی لیتے ہیں، مالک بن انسؒ کی رائے ہے کہ دین کی معرفۃ وتفقہ اور اتباع مراد ہے۔ ابن قاسم کی روایت ہے کہ تفکر فی امر اللہ، اتباع، فقہ فی الدین طاعۃ اللہ کے معنی ہیں۔ جامع تفسیر اتقان علم وعمل کے ساتھ ہوسکتی ہے۔ جلال محققؒ نے علم نافع کے ساتھ حکمۃ کی تفسیر کر کے تمام علوم نافعہ حتیٰ کہ علم منطق کی تعمیم کی طرف اشارہ کر دیا ہے بشرطیکہ کتاب وسنت کی ممارست اور حسن عقیدت حاصل ہو اسی لئے عراقی نے منطق کو معیار العلوم شمار کیا ہے مفعول اول یوت کا مؤخر کیا گیا اور مفعول ثانی کو اہتمام کی وجہ سے مقدم لایا گیا ہے اور مبنی للمفعول بھی اس صیغہ کو اسی لئے استعمال کیا گیا ہے کہ مفعول مقصود ہے۔

فنذرتم نذر کہتے ہیں ایسے فعل کا لازم کر لینا جس کی نظیر شروع میں موجود ہو۔ چنانچہ اگر تنہا سجدہ کرنے کی کسی نے نذر مانی ہو تو بجز سجدۂ تلاوت کے امام صاحب اور صاحبینؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہے اور ما انفقتم مبتداء ہے اور من اس کا بیان ہے فان اللہ الخ اس کی خبر ہے بمعنی یجازیکم علیه فو فیتم اس میں اشارہ ہے عطف اور معطوف کے حذف کی طرف۔ کیونکہ نفس نذر پر مجازات مرتب نہیں ہوتی بلکہ ایفائے نذر پر مرتب ہوتی ہے یعلمه کی تفسیر فیجازیکم سے کر کے جملہ تہدیدیہ ہونے کی طرف اشارہ ہے اور ضمیر مفعول کا مفرد لانا اس لئے ہے کہ مرجع میں انفاق ونذر کا عطف او کے ذریعہ سے ہو رہا ہے۔

صدقات اکثر مفسرین اس کو زکوٰۃ فرض پر اور وان تخفوها کو نفلی صدقات پر محمول کرتے ہیں۔ لیکن مفسر علامؒ کے قول کی توجیہ بھی ممکن ہے فالافضل سے آیت کو صرف نفل پر محمول کرنے کا اعتذار کر رہے ہیں کیونکہ اگر عموم مراد ہو تو صدقۂ فرض کی نسبت وان

تخفوها کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ فنعما هي. ہی مخصوص بالمدح ہے بحذف المضاف تاکہ شرط وجزاء میں ارتباط عمدہ ہو جائے۔ فهو خير لكم کی تذکیر بھی اس پر دلالت کرتی ہے ای اخفاء ها صدقہ کے اظہار واخفاء میں فقراء کی تصریح اخفاء کے ساتھ تو کی لیکن ابداء کے ساتھ نہیں کی کیونکہ فقراء پر اغنیاء کی ترجیح کا حالت اخفاء میں زیادہ احتمال تھا۔ اسی طرح دوست اور ملاقاتیوں کی ترجیح بدون تفتیش حال زیادہ امکان تھا برخلاف ابداء کے وہاں لوگوں کی ملامت کے ڈر سے خود ہی محتاط رہے گا۔

من سيئاتكم. من تبعیضیہ ہے کیونکہ توبہ تو تمام گناہوں کے لئے مکفر ہوتی ہے لیکن صدقہ تمام سیئات کے لئے نہیں بلکہ بعض گناہوں کے لئے کفارہ ہوسکتا ہے بما تعملون خبير اى سرّ او جهراً نہ ہر سّر اخلاص پر اور نہ ہر جہر ریا پر دلالت کرتا ہے۔

ربط: .... پچھلی آیات میں آداب انفاق کا ذکر تھا کہ نیت انفاق درست اور صحیح رکھنی چاہئے اس آیت يا ايها الذين الخ میں منجملہ آداب کے خود منفق کے بارہ میں اخلاص پیش نظر رکھنا چاہئے خراب و ردی چیز دینا آداب نفقہ واخلاص کے منافی ہے۔ آیت الشيطٰن اغوائے شیطان سے بچانے کی تلقین وہدایت کرتی ہے آیت وما انفقتم میں شرائط انفاق کی نگہداشت اور حفاظت کی تاکید کرنی ہے اس کے بعد آیت ان تبدوا الخ سے اس کا معیار بتلانا ہے کہ خیرات میں اظہار بہتر ہے یا اخفاء افضل ہے۔

شانِ نزول:

.... لباب النقول میں براءؓ سے روایت ہی کہ ہم لوگ انصار باغات رکھتے تھے اور معمولی ردی کھجوریں بعض لوگ بے رغبتی کے ساتھ لٹکا دیا کرتے تھے اس پر آیت یا ايها الذين الخ نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: ...... عمدہ چیز کی بجائے نکمی چیز کا صدقہ:

.... شان نزول پر نظر کرتے ہوئے طیبات کی تفسیر عمدہ کے ساتھ مناسب معلوم ہوتی ہے بعض علماء نے طیبات کی تفسیر حلال کے ساتھ کی ہے کیونکہ اصل عمدگی تو حلال ہی میں ہوتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جس کے پاس عمدہ چیز ہو اس کے ہوتے ہوئے اللہ کی راہ میں خراب اور نکمی چیزیں دینا بے کار اور ردی چیزوں کو خیرات کے نام سے محتاجوں کو دینا اور پھر یہ سمجھنا کہ تم نے ثواب کما لیا کہاں تک درست ہے؟ اگر تمہیں کوئی ایسی چیز دیدے تو کیا تم اسے پسند کروگے؟ پھر اگر اپنے لئے نکمی چیز لینا پسند نہیں کرتے تو اپنے محتاج بھائیوں کے لئے کیوں پسند کرتے ہو؟ دوسروں کے ساتھ وہی کرو جو تم چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ کیا جائے بالخصوص جب کہ مہدی لہ حق تعالیٰ کی غنی اور بے نیاز ذات ہو کہ ہدیہ کی ظاہری، باطنی، اندرونی، بیرونی کمیت وکیفیت میں مہدیٰ لہ، کی حیثیت وعظمت پیش نظر رہنی چاہئے ہاں اگر کسی کو اچھی اور بہترین چیز ہی میسر اور مہیا نہ ہو تو اس کے لئے حسب حیثیت بری چیز کی خیرات بھی جائز اور باعث ثواب ہے وہ اس ممانعت سے بری اور مستثنیٰ ہے۔

ما كسبتم سے مال تجارت میں زکوٰۃ کی فرضیت مما اخرجنا سے عشری زمین میں عشر کا وجوب علماء نے مستنبط کیا ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک عشر صرف مزارع پر ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک مالک اور مزارع دونوں پر ہے، دونوں کا مستنبط لفظ لكم ہے۔ ایک کے نزدیک ایک قسم اور دوسرے کے نزدیک دونوں کا مجموعہ، غرضیکہ یہ آیت انفاق واجب کے باب میں ہے۔ زکوٰۃ کی فرضیت ۳ھ میں ہوئی اور اسی سنہ میں شراب حرام ہوئی اور غزوۂ اُحد ہوا۔

خیر خیرات اور شیطانی تخیلات:

.... شیطان کے ڈرنے سے مراد اور از کار اوہام اور تخیلات فاسدہ میں مبتلا کرنا ہے کہ میں خرچ کروں گا تو ضروریات کہاں سے پوری ہوں گی گنجائش ہونے پر قبل از مرگ اس واویلا کا اعتبار نہیں اور ایسے اوہام کے جال میں غلط و پیچاں رہنا شیطانی وسوسہ سے ہے ہاں اگر گنجائش نہ ہو بلکہ اسباب محتاجگی موجود ہوں تو شریعت خود ایسے شخص کو نفلی صدقات،

تطوعات، تبرعات سے روکتی ہے اور نہ ایسی صورت میں خرچ نہ کرنے کو بخل کہا جا سکتا ہے۔ اور دین کی فہم اس لئے سب سے بڑی دولت ہے کہ اسی سے عقائد کی درستگی ہوتی ہے اور اس سے اعمال کی اصلاح وتوفیق ہوتی ہے اور یہی دونوں باتیں کنجیاں ہیں سعادت دارین کی۔ انسان میں ایسی سمجھ بوجھ کا پیدا ہو جانا کہ دنیا کے محض ظاہری اور نمائشی فائدوں میں پھنس کر نہ رہ جائے بلکہ حقیقی نفع نقصان کو سمجھ سکے اور اچھائی اور برائی کی راہوں کا شناسا ہو جائے یہ قرآنی حکمت ہے اور جسے حکمت مل گئی اس نے زندگی کی بہت بڑی برکت پالی۔

ما انفقتم کی عموم میں سب طرح کے خرچ آ گئے خواہ ان میں تمام شرائط وبقاء کی رعایت کی گئی ہو یا بعض شرائط کی رعایت ملحوظ ہو یا بالکل شرائط موجود نہ ہوں۔ علی ہذا نذر میں بھی اسی طرح کا عموم ہوگا۔ عبادات مالیہ کی نذر ہو یا بدنیہ کی نذر ہو، نذر مطلق ہو یا کسی امر پر معلق ہو ادا کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو سب کو علم الٰہی میں داخل کر کے ترتیب وترغیب مقصود ہے کہ جس قدر احکام کی رعایت رکھو گے مستحق اجر وثواب ہو گے۔ ورنہ باعث ملامت وعتاب۔ **ظالمین** سے وہی لوگ مراد ہیں جو شرائط ضروریہ اور احکام کی مخالفت کرتے رہتے ہیں اور ان کو صریح وعید سنا دی ہے۔

علانیہ صدقہ بہتر ہے یا مخفی خیرات:.......... صدقات کے علانیہ یا مخفی طریقہ کی افضلیت کے باب میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض کی رائے یہ ہے کہ مزکی اگر مشہور مالدار ہو تو ادائے زکوٰۃ علانیہ افضل ہے اور مالدار ہو مگر مشہور نہ ہو زکوٰۃ میں بھی اخفاء ہی بہتر ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ نفلی صدقات میں علانیہ کے مقابلہ میں اخفاء ستر (۷۰) درجہ افضل ہے اور واجبات وفرائض میں بہ نسبت اخفاء کے اظہار پچیس (۲۵) گنا بڑھا ہوا ہے۔ لیکن راجح قول حسن بصری کا معلوم ہوتا ہے کہ نفلی اور فرضی تمام صدقات میں سب پہلوؤں پر نظر کرتے ہوئے اخفاء ہی افضل ہے۔ دینے والے کی مصلحت اس میں ہے کہ وہ ریاء سے محفوظ رہتا ہے اور لینے والے کی مصلحت کی رعایت یہ ہے کہ ندامت سے محفوظ رہتا ہے۔ دنیاوی مصلحت یہ ہے کہ عام لوگوں کو اس کے مال کے اندازہ اور تخمینہ کا موقع نہیں ملتا اور اس کا مال محفوظ رہتا ہے اور دینی مصلحت ظاہر ہے اور اخفاء کی فضیلت فی نفسہ ہے اس لئے کسی موقع پر رفع تہمت، یا امید تقلید وغیرہ مصالح کی وجہ سے اگر اظہار کو ترجیح ہو جائے تو یہ عارضی فضیلت اصل فضیلت کے منافی نہیں ہوگی۔

اور گناہوں کا کفارہ بننا اخفاء صدقہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ علانیہ صدقہ بھی مکفر سیئات ہوتا ہے لیکن تخصیص ذکری شاید اس نکتہ اور مصلحت کی وجہ سے ہو کہ علانیہ صدقہ سے تو کسی درجہ میں سرور نفس بھی حاصل ہو جاتا ہے اور اخفاء کی صورت میں تو کوئی ظاہری فائدہ چونکہ نظر نہیں آتا اس لئے منقبض ہوتا ہے مگر جب یہ فائدہ عظیم بتلا دیا گیا ہے تو اپنی نظر اسی پر مرتکز رکھے گا۔

واللہ بما تعملون خبیر میں بھی اسی مضمون کی تاکید وترغیب ہے کہ اللہ کو تمہارے اس عمل کی خبر ہے کسی دوسرے کو اطلاع نہ ہونے سے پھر انقباض کیوں ہو اور ایسی طاعات سے صرف صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ کبیرہ گناہوں کے لئے آداب وشرائط کے ساتھ توبہ کرنا یا اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم معافی کے لئے کافی ہو سکتا ہے اور حقوق العباد ہوں تو معافی یا ابراء درکار ہوگا۔

انفقوا میں جس طرح بخل کا علاج عملی بتلایا گیا تھا **الشیطٰن یعدکم** میں علمی علاج بتایا جا رہا ہے **ان تبدوا الصدقٰت الخ** سے معلوم ہوا کہ عمل کا اعلان واخفاء دونوں اختیاری اور مساوی ہیں اظہار یا اخفاء کا خواہ مخواہ تکلف وخود عمل خیر سے مانع اور حاجب نہ بنایا جائے۔ اصل یہ ہے کہ دل میں اخلاص ہونا چاہئے اور اپنی جانب سے دکھاوے اور نمائش کی کوشش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ افضل اخفاء ہی ہے۔

وَلَمَّا مَنَعَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ التَّصَدُّقِ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ لِيُسْلِمُوْا نُزِلَ **لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ** اَيِ النَّاسِ اِلَى الدُّخُوْلِ فِي الْاِسْلَامِ اِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ** هِدَايَتَهُ اِلَى الدُّخُوْلِ فِيْهِ **وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ** مَالٍ **فَلِاَنْفُسِكُمْ** لِاَنَّ ثَوَابَهُ لَهَا **وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ** اَيْ ثَوَابَهُ لَا غَيْرَهُ مِنْ اَغْرَاضِ الدُّنْيَا خَبَرٌ بِمَعْنَى النَّهْيِ **وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ** جَزَاؤُهُ **وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ** ﴿۲۷۲﴾ تُنْقَصُوْنَ مِنْهُ شَيْئًا وَالْجُمْلَتَانِ تَاكِيْدٌ لِلْاُوْلٰى **لِلْفُقَرَآءِ** خَبَرُ مُبْتَدَاٍ مَحْذُوْفٍ اَيِ الصَّدَقَاتُ **الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اَيْ حَبَسُوْا اَنْفُسَهُمْ عَلَى الْجِهَادِ وَنَزَلَتْ فِيْ اَهْلِ الصُّفَّةِ وَهُمْ اَرْبَعُمِائَةٍ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ اَرْصَدُوْا لِتَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ وَالْخُرُوْجِ مَعَ السَّرَايَا **لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا** سَفَرًا **فِي الْاَرْضِ** لِلتِّجَارَةِ وَالْمَعَاشِ لِشُغْلِهِمْ عَنْهُ بِالْجِهَادِ **يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ** بِحَالِهِمْ **اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ** اَيْ لِتَعَفُّفِهِمْ عَنِ السُّؤَالِ وَتَرْكِهِ **تَعْرِفُهُمْ** يَا مُخَاطَبًا **بِسِيْمٰهُمْ** عَلَامَتِهِمْ مِنَ التَّوَاضُعِ وَاَثَرِ الْجُهْدِ **لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ** شَيْئًا فَيُلْحِفُوْنَ **اِلْحَافًا** اَيْ لَا سُؤَالَ لَهُمْ اَصْلًا فَلَا يَقَعُ مِنْهُمْ اِلْحَافٌ وَهُوَ الْاِلْحَاحُ **وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ** ﴿۲۷۳﴾ فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ **اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** ﴿۲۷۴﴾

ترجمہ: .... (آنحضرت ﷺ نے مشرکین پر صحابہؓ کو صدقہ کرنے سے جب اس غرض سے روکا کہ شاید اس طرح مسلمان ہو جائیں تو یہ آیت نازل ہوئی) آپؐ کے ذمہ نہیں ہے ہدایت پر لے آنا ان (لوگوں) کو (داخل اسلام کرنے کے لیئے۔ آپ کے ذمہ صرف تبلیغ ہے) اور لیکن اللہ تعالیٰ جس کی (ہدایت) چاہیں ہدایت پر لے آتے ہیں اور تم جو کچھ خرچ کرتے ہو بہتر چیز (مال) وہ اپنے فائدہ کے لئے خرچ کرتے ہو (کیونکہ اس کا ثواب تم کو ہی ملے گا) اور تم کسی اور غرض سے سے خرچ نہیں کرتے بجز طلب رضائے الٰہی کے (یعنی بجز ثواب کے اور کوئی دنیاوی غرض نہیں ہے لفظاً خبر اور معناً نہی ہے) اور جو کچھ مال خرچ کرر ہے ہو یہ سب پورا کا پورا (ثواب) تم کو مل جائے گا اور تمہارے لئے اس میں ذرا کمی نہیں کی جائے گی کہ کچھ اس میں گھٹا دیا جائے۔ یہ دونوں جملے پہلے جملہ کی تاکید ہیں) اصل حق ان محتاجوں کا ہے (یہ خبر ہے مبتدائے محذوف کی یعنی صدقات) جو گھر گئے ہوں اللہ کی راہ میں (یعنی پابند کر لیا ہو خود کو جہاد کا۔ یہ آیت اہل صفہ کے بارہ میں نازل ہوئی جو چار سو مہاجرین تھے جو تعلیم قرآن اور جہادی مہم کے لئے وقف رہتے تھے) ان میں یہ طاقت نہیں کہ چل پھر سکیں (سفر کر سکیں) کہیں ملک میں (تجارت و معیشت کے لئے جہادی مشغولیت کی وجہ سے) خیال کرتا ہے (ان کے حال سے) ناواقف ان کو تونگر مانگنے سے بچنے کی وجہ سے (یعنی ان کے سوال سے بچنے اور ترک کرنے کی وجہ سے) تم ان کی حالت جان سکتے ہو (اے مخاطب) ان کے چہرے دیکھ کر (انکساری، اثر ضعف کی علامت سے) لوگوں سے وہ سوال نہیں کرتے پھرتے (کسی چیز کا لیچڑ ہو کر) لپٹ کر (یعنی بالکل سوال ہی نہیں کرتے تو پیچھے پڑنے کی نوبت کہاں آئے کہ وہ لپٹتے پھریں) اور جو کچھ مال تم خرچ کرو گے بلا شبہ حق تعالیٰ کو خوب طرح اس کی اطلاع ہے (وہ اس پر بدلہ مرحمت فرمائیں گے) جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنا مال رات دن میں پوشیدہ اور علانیہ، سو ان کو اس کا ثواب ملے گا پروردگار کے حضور میں ان کے لئے نہ تو کسی طرح ڈر ہو گا اور نہ غم۔

تحقیق وترکیب: .... **من خیر** کافر پر صدقاتِ نافلہ خرچ کرنا جائز ہے۔ **خبر بمعنی النهی** مراد **لا تنفقوا** کے معنی میں ہے اس وقت اس کے معطوف **وماتنفقوا** میں بھی تاویل کرنی پڑے گی ورنہ عطف انشاء علی الاخبار لازم آ جائے گی ای **انفقوا ماینفع لانفسکم. والجملتان** یعنی **وماتنفقوا من خیر یوف الیکم** اور **وانتم لا تظلمون** اوراول جملہ سے مراد **وماتنفقوا من خیر فلانفسکم** ہے **للفقراء** یہ جواب ہے سوال محذوف کا ای **قالوا لمن الصدقات** گویا مصارف صدقہ بتلائے گئے۔

الصفه ابن عکرمہ فرماتے ہیں کہ مسجد کے چبوترہ کے مقابل شمالی جانب میں ایک چبوترہ تھا۔ علامہ صاویؒ کی رائے ہے کہ مسجد نبوی کے پیچھے ایک مقام ہے۔ بہرحال مسجد کی توسیع اور ترمیم کی وجہ سے جہتیں بدلتی رہتی ہیں یہ حضرات چار سو سے کم وبیش ہوتے رہتے تھے۔

السرایا سریہ کہتے ہیں وہ جہادی دستہ جو آپ روانہ فرمائیں مگر خود بنفس نفیس شریک نہ ہوں۔ **من التعفف** جار مجرور متعلق ہے **یحسبهم** سے اغنیاء سے متعلق نہیں ہے ورنہ بے معنی عبارت ہو جائے گی۔ چونکہ مفعول لہٗ کے نصب کی شرط یعنی اتحاد فاعل موجود نہیں ہے اس لئے حرف تعلیل سے مجرور کرنا ضروری ہے کیونکہ **حسبان** کا فاعل جاہل ہے اور **تعفف** کا فاعل **فقراء** ہے **لاسوال لهم** یعنی بظاہر نفی قید الحاف کی معلوم ہو رہی تھی جس سے سوال بغیر الحاف معلوم ہو رہا تھا حالانکہ **یحسبهم الجاهل اغنیاء** کے منافی ہے اس لئے جلال محققؒ نے مقید اور قید دونوں کی نفی کر دی جیسے **لاحب یهتدی بمناره** یعنی نہ منارہ ہے اور نہ اہتداء ہے۔ **باللیل** بامعنی فی ہے۔

سرا وعلانیة یہ مصدر ہیں ای **انفاقا سرا وعلانیه** اور سراً کو مقدم کرنے میں اخفاء کی اولویت کو ظاہر کرنا ہے۔

ربط: .... آیت **لیس علیك الخ** میں یہ بتلانا ہے کہ خیر خیرات میں کچھ مسلمانوں ہی کی تخصیص نہیں ہے کافر بھی اگر حاجت مند ہوں تو ان کے ساتھ سلوک کرنے میں بھی گریز نہ کرو بشرطیکہ وہ مسلمانوں کو ضرر پہنچانے پر آمادہ نہ رہتے ہوں۔ یہ تو ضرورت کا بیان تھا۔ لیکن اصل مستحقین خیر خیرات کے وہ لوگ ہیں جن میں خاص صفات ہوں جن کا بیان آیت **للفقراء** میں کیا جارہا ہے حتی الامکان اپنی طرف سے ان احوال کی تفتیش کر کے دینا چاہئے اور ویسے بلا تفتیش کسی کا حاجت مند ہونا معلوم ہو جائے تو یہ اس کے معارض بھی نہیں ہے اسی طرح آیت **الذین ینفقون الخ** میں زماناً انفاق کی تعمیم کرنی ہے کہ جب اور جس حال میں بھی موقع مل جائے خرچ کرنے سے نہ چوکو۔

شانِ نزول: .... ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ بجز مسلمانوں کے دوسروں پر صدقات خرچ کرنے کی ممانعت فرمایا کرتے تھے۔ اور ابن جریرؒ نے تخریج کی ہے کہ بعض انصار صحابہؓ غیر مسلموں کو صدقات اس لئے نہیں دیتے تھے کہ وہ اس طرز عمل سے شاید مسلمان ہو جائیں۔ ابن ابی شیبہؒ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد تھا **لا تصدقوا الا علی اهل دینکم** اس پر آیت **لیس علیکم هداهم** نازل ہوئی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا **تصدقوا علی اهل ادیان کلها** اسی طرح آیت کے متعلق بعض کی رائے ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارہ میں نازل ہوئی جبکہ انہوں نے چالیس ہزار دینار اللہ کی راہ میں صرف کئے دس ہزار رات میں اور دس ہزار دن میں دس ہزار علانیہ اور دس ہزار خفیہ اور بعض کی رائے ہے کہ حضرت علیؓ کی شان میں نازل ہوئی۔ ان کے پاس صرف چار درہم تھے ایک دن میں، ایک رات میں، اسی طرح ایک خفیہ اور ایک علانیہ اللہ کی راہ میں لٹا دیئے، یا حضرت عثمان غنیؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن عوفؓ کے بارہ میں غزوۂ عسرۃ کے موقعہ پر نازل ہوئی ہے بہرحال اعتبار خصوص واقعہ کا نہیں ہے بلکہ عموم الفاظ کے لحاظ سے جہاں جہاں یہ اوصاف ہوں گے وہی ان آیات کا مصداق ہوں گے۔

﴿تشریح﴾: ...... **خیرات میں کن کن باتوں پر نظر رکھنی چاہئے:** .... یعنی جب کہ خیر خیرات کا اصلی اجر و ثواب، رضائے الٰہی ہے اور خیرات خدا پرستی کا قدرتی نتیجہ ہے اور وہ بہر صورت تمہیں حاصل بھی ہے پھر کسی پر احسان جتلانا کسی سے تحسین وتشکر کی توقع رکھنا یا اپنے صدقات کو صرف مسلمانوں ہی کے ساتھ خاص رکھنا ان زوائد پر کیوں نظر کی جائے رہا یہ ارشاد نبوی ﷺ

کہ تمہارا کھانا خاص متقی ہی کھایا کریں اس سے مراد طعام دعوت ہے اور اس آیت میں جس کا ذکر ہے وہ طعام حاجت ہے پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے البتہ کافر حربی کو کسی قسم کا صدقہ دینا یا ذمی کافر کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے ہاں دوسرے صدقاتِ نافلہ واجبہ کافر غیر حربی کو بھی مسلمانوں کی طرح دینا جائز ہیں۔

غرضکہ عارض حاجت کی وجہ سے غیر متقی بلکہ غیر مؤمن بھی مستحق ہوسکتا ہے مثلاً متقی سے زیادہ غیر متقی محتاج اور ضرورت مند ہوں یا یہ خیال ہو کہ متقیوں کی امداد تو دوسرے لوگ بھی کردیں گے مگر ان غیر متقی یا غیر مؤمنین کو کوئی پوچھتا ہی نہیں ہے تو ایسی حالت میں ان کو بھی مستحق ہی سمجھا جائے گا تاہم اصلی شرف اور اصلی استحقاق متقیوں ہی کو حاصل ہے۔

خادمانِ دین کی امداد: .... خیر خیرات کا ایک ضروری مصرف ایسا بھی تھا جس کی ظاہر بین نگاہیں متوجہ نہیں ہوسکتی تھیں۔ یعنی جو لوگ دنیا کا کام دھندہ چھوڑ کر خدمتِ دین کے لئے وقف ہوجائیں نہ انہیں تجارت وزراعت کی مقدرت ہو اور نہ کوئی دوسرا وسیلۂ معاش رکھتے ہوں۔ دن رات دین وملت کی خدمت میں منہمک ومشغول رہتے ہوں ان کی حالت حاجت مندوں کی مگر صورت بے نیازوں اور خودداروں کی ہو ایسے افراد کی خبر گیری جماعتی فرض ہے اس لئے خصوصیت سے اس پر توجہ دلائی گئی۔

فی زمانہ اس آیت کا بہترین مصداق اور صدقات کا سب سے اچھا مصرف وہ طلبہ اور علماء ہیں جو علوم دینیہ کی نشر واشاعت اور مشاغل دینیہ میں مصروف ہوں، اہلِ زمانہ کا ان پر یہ اعتراض کہ وہ بالکل نکمے قوم پر بوجھ ہیں کمانے کے حق میں بیکار ہیں **احصروا فی سبیل اللہ** میں اسی کا دفعیہ کیا جارہا ہے یعنی ایک وقت میں چونکہ نفس پورے کمال کے ساتھ ایک ہی طرف متوجہ ہوسکتا ہے زائد باتوں کی طرف توجہ گویا **طلب الکل فوت الکل** کا مصداق ہوجائے گا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص دو کام نہیں کرسکتا اگر کرے گا تو ایک میں یا دونوں میں نقصان ضرور واقع ہوگا۔ تو جو بات قابلِ اعتراض سمجھی گئی ہے درحقیقت وہی باعثِ کمال ہے اس کا ہونا قابلِ اعتراض نہیں ہے بلکہ نہ ہونا باعثِ اعتراض ہونا چاہئے تھا۔ جو لوگ دینی ذوق رکھتے ہیں اور جن کو علم کا چسکہ لگا ہوا ہے وہ قرآن کی اس بات کی صحت کا اندازہ کرسکتے ہیں کہ ایسے لوگ بالکل ہی گرفتہ ہوکر رہ جاتے ہیں۔

بھکاری، قوم کے لئے ایک بدنما داغ ہیں: .... عام طور پر لوگ خیر خیرات کا مستحق انہی لوگوں کو سمجھتے ہیں جن کا شیوہ بھیک مانگنا ہو، یا پیشہ وارانہ طور طریق اختیار کرکے اس فن میں چاق وچوبند ہوں لیکن ایک خوددار حاجت مند کو کوئی نہیں پوچھتا حالانکہ سب سے زیادہ مستحق ایسے ہی لوگ ہیں جس طرح دینے والوں کو چاہئے کہ وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر دیں۔ اسی طرح لینے والوں کو بھی چاہئے کہ سوال کرکے اپنی خودداری اور عفت کو تاراج نہ کریں۔ ان کی شان یہ ہونی چاہئے کہ بے نیاز رہیں، اور لوگوں کا فرض یہ ہونا چاہئے کہ بے مانگے مدد کریں۔

خیر خیرات میں اخفاء اسی وقت تک افضل اور بہتر ہے جب تک کوئی عارض نہ پیش آجائے، ورنہ پھر علانیہ ہی خرچ کرنا افضل ہوگا مثلاً ایک شخص کا دم نکلا جارہا ہے وہاں اس کا انتظار نہیں کیا جائے گا کہ کب سب لوگ ہٹیں، تخلیہ ہو اور اس کے ساتھ ہمدردی اور سلوک کیا جائے بلکہ جس طرح بھی بن پڑے گا فوری امداد کی سبیل نکالی جائے گی۔

اور لاخوف کا مطلب یہ ہے کہ قیامت میں ان کو کوئی خطرہ کی بات پیش نہیں آئے گی یوں اگر کسی کو طبعی خوف ودہشت ہونے لگے تو اس کے منافی نہیں ہے **لیس علیک ھداھم** سے معلوم ہوا کہ ہدایت کے سلسلہ میں کسی کے زیادہ درپے نہیں ہونا چاہئے اور تدبیر میں زیادہ کوشش نہیں کرنا چاہیئے۔ **وما تنفقوا من خیر الخ** سے معلوم ہوا کہ ارادۂ ثواب اخلاص بوجہ اللہ کی منافی نہیں ہے **للذین احصروا** سے معلوم ہوتا ہے کہ اشغالِ آخرت اور کسبِ معاش میں اگرچہ کچھ منافات نہیں تاہم فقیر مشتغل بالآخرۃ کے لئے اسباب معیشت کا چھوڑ دینا ہی اولیٰ ہے **یحسبھم الجاھل** سے معلوم ہوا کہ خواص کو عوام سے کچھ امتیازی شان نہیں رکھنی چاہیئے۔

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا اَیْ یَأخُذُوْنَهٗ وَهُوَ الزِّیَادَةُ فِی الْمُعَامَلَةِ بِالنُّقُوْدِ وَالْمَطْعُوْمَاتِ فِی الْقَدْرِ اَوِ الْاَجَلِ لَایَقُوْمُوْنَ مِنْ قُبُوْرِهِمْ اِلَّا قِیَامًا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ یَصْرَعُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ الْجُنُوْنِ بِهِمْ مُتَعَلِّقٌ بِیَقُوْمُوْنَ ذٰلِکَ الَّذِیْ نَزَلَ بِهِمْ بِاَنَّهُمْ بِسَبَبِ اَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا فِی الْجَوَازِ وَهٰذَا مِنْ عَکْسِ التَّشْبِیْهِ مُبَالَغَةً فَقَالَ تَعَالٰی رَدًّا عَلَیْهِمْ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ بَلَغَهٗ مَوْعِظَةٌ وَعْظٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰی عَنْ اَکْلِهٖ فَلَهٗ مَاسَلَفَ قَبْلَ النَّهْیِ اَیْ لَایُسْتَرَدُّ مِنْهُ وَاَمْرُهٗٓ فِی الْعَفْوِ عَنْهُ اِلَی اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ اِلٰی اَکْلِهٖ مُشَبِّهًا لَهٗ بِالْبَیْعِ فِی الْحِلِّ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا یَنْقُصُهٗ وَیُذْهِبُ بَرَکَتَهٗ وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ یَزِیْدُهَا وَیُنَمِّیْهَا وَیُضَاعِفُ ثَوَابَهَا وَاللّٰهُ لَایُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ بِتَحْلِیْلِ الرِّبٰوا اَثِیْمٍ ﴿۲۷۶﴾ فَاجِرٍ بِاَکْلِهٖ اَیْ یُعَاقِبُهٗ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا اُتْرُکُوْا مَابَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷۸﴾ صَادِقِیْنَ فِیْ اِیْمَانِکُمْ فَاِنَّ مِنْ شَانِ الْمُؤْمِنِ اِمْتِثَالُ اَمْرِ اللّٰهِ نَزَلَتْ لَمَّا طَالَبَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ بَعْدَ النَّهْیِ بِرِبٰوا کَانَ لَهٗ قَبْلُ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا مَا اُمِرْتُمْ بِهٖ فَاْذَنُوْا اِعْلَمُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لَکُمْ فِیْهِ تَهْدِیْدٌ شَدِیْدٌ لَهُمْ وَلَمَّا نَزَلَتْ قَالُوْا لَایَدَیْ لَنَا بِحَرْبِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ رَجَعْتُمْ عَنْهُ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اُصُوْلُ اَمْوَالِکُمْ لَاتَظْلِمُوْنَ بِزِیَادَةٍ وَلَاتُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ بِنَقْصٍ وَاِنْ کَانَ وَقَعَ غَرِیْمٌ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ لَهٗ اَیْ عَلَیْکُمْ تَاْخِیْرُهٗ اِلٰی مَیْسَرَةٍ بِفَتْحِ السِّیْنِ وَضَمِّهَا اَیْ وَقْتُ یُسْرِهٖ وَاَنْ تَصَّدَّقُوْا بِالتَّشْدِیْدِ عَلٰی اِدْغَامِ التَّاءِ فِی الْاَصْلِ فِی الصَّادِ وَبِالتَّخْفِیْفِ عَلٰی حَذْفِهَا اَیْ تَتَصَدَّقُوْا عَلَی الْمُعْسِرِ بِالْاِبْرَاءِ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ اَنَّهٗ خَیْرٌ فَافْعَلُوْهُ فِی الْحَدِیْثِ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَظَلَّهُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهٖ یَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ تُرَدُّوْنَ وَلِلْفَاعِلِ تَصِیْرُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ هُوَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰی فِیْهِ کُلُّ نَفْسٍ جَزَآءَ مَّاکَسَبَتْ عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ وَّشَرٍّ وَهُمْ لَایُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ بِنَقْصِ حَسَنَةٍ اَوْ زِیَادَةِ سَیِّئَةٍ

ترجمہ: .... جولوگ سود کھاتے ہیں (یعنی لیتے ہیں اور سود وہ زیادتی ہے جو نقدی معاملات اور کھانے پینے کی چیزوں میں بشرطیکہ مقدار اور اجل ہو) وہ نہیں کھڑے ہوسکیں گے (اپنی قبروں سے) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو خبطی (مدہوش) بنادے شیطان لپٹ کر (جنون ان کو لگ جائے من المس کا تعلق یقومون کے ساتھ ہے) یہ (جو کچھ ان پر سزا واقع ہوئی) اس سبب سے ہے (بسبب اس امر کے ہے) کہ کہا کرتے تھے کہ خرید وفروخت سود کی طرح ہے (جائز ہونے میں۔ یہ عکس تشبیہ ہے بطور مبالغہ کے

چنانچہ حق تعالیٰ جواباً ارشاد فرماتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ نے جائز فرمایا ہے خرید وفروخت کو اور ناجائز کردیا ہے سود کو پس جس شخص کے پاس پہنچ چکی ہے (آ چکی ہے) نصیحت (وعظ) پروردگار کی جانب سے اور وہ باز آ جائے (اس کے استعمال سے) تو وہ اسی کا ہے جو کچھ پہلے گذر چکا ہے (ممانعت سے پہلے وہ واپس نہیں کرایا جائے گا) اور اس کا معاملہ (معافی کے بارہ میں) اللہ تعالیٰ کے حوالہ ہے لیکن جو باز نہ آیا (اس کے کھانے سے درآنحالیکہ وہ سود کو حلت میں بیع ہی کے ساتھ تشبیہ دیتا رہا) تو یہ دوزخی گروہ میں سے ہے ہمیشہ عذاب میں رہنے والا۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے رہتے ہیں (اس کو گھٹاتے رہتے ہیں اس کی برکت زائل کرتے رہتے ہیں) اور خیرات کو بڑھاتے رہتے ہیں (ترقی واضافہ کرتے ہیں اور اس کے ثواب کو کئی گنا کردیتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے کو (سود کو حلال سمجھنے والے) کسی گناہ کا کام کرنے والے کو (جو اس کو استعمال کرکے گنہگار ہو یعنی اس کو سزا دیں گے) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ دی بلاشبہ ان کے پروردگار کے حضور ان کا اجر ہے۔ نہ تو ان کے لئے کسی طرح کا ڈر ہوسکتا ہے نہ کسی طرح کی غمگینی۔ مسلمانو! خدا سے ڈرو اور چھوڑ دو (ترک کردو) جس قدر سود مقروضوں کے ذمہ باقی رہ گیا ہے اگر فی الحقیقت تم مؤمن ہو (اپنے ایمان میں سچے ہو کیونکہ مؤمن کی شان حکم الٰہی کی تعمیل ہے۔ سودی کاروبار کی ممانعت کے بعد جب بعض صحابہؓ نے اپنے پیچھے سودی معاملہ کا مطالبہ کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی) پھر اگر تم تعمیل نہیں کرو گے (جو تم کو حکم دیا گیا ہے) تو اعلان سن لو (جان لو) اللہ ورسول سے جنگ کرنے کا (تمہارے ساتھ) اس حکم میں ان کے لئے سخت دھمکی ہے چنانچہ جب یہ حکم نازل ہوا تو عرض کرنے لگے کہ ہم میں اس جنگ کی طاقت نہیں ہے) اور اگر تم توبہ کرتے ہو (اس باغیانہ روش سے باز آ جاتے ہو) تو تمہارے لئے اپنے اصل مال کی اجازت ہے نہ تم کسی پر ظلم (زیادتی) کرنے پاؤ گے اور نہ تم پر کوئی ظلم (نقصان) کرنے پائے گا۔ اور اگر (مقروض واقع ہو) تنگدست تو اس کے لئے مہلت ہے (یعنی تم پر اس کو مہلت دینا لازم ہے) فراخی ہونے تک (میسرہ فتح سین اور ضم سین کے ساتھ یعنی گنجائش ہونے تک) اور یہ بات کہ اس کو معاف ہی کردو (تصدقوا تشدید کے ساتھ ہے تاء اصلی کو صاد بنایا اور صاد کو صاد میں ادغام کردیا اور تخفیف کے ساتھ ہے تو حذف ہوگا یعنی ایسے تنگدست کو بطور خیرات قرض بخش دو) تمہارے لئے اور بھی زیادہ بہتر ہے اگر تم جانتے ہو (اس کے بہتر ہونے کو تو ضرور کر گذر۔ چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر کوئی تنگدست کو مہلت دے یا بالکل ہی معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سایۂ عاطفت ورحمت میں ایسے وقت جگہ دیں گے کہ جب بجز اس کے سایہ کے کہیں سایہ نہیں ہوگا (رواہ مسلم) اور اس وقت سے ڈرو کہ تم لوٹائے جاؤ گے (ترجعون اگر مجہول ہے تو تردون کے معنی میں ہے اور معروف ہے تو تصیرون کے معنی میں ہے) اس روز اللہ تعالیٰ کے حضور (مراد قیامت کا دن ہے) پھر پورا پورا بدلہ ملے گا (اس دن) ہر جان کو (بدلہ) اپنے کئے کا (جو کہ اچھا برا عمل کیا ہوگا) ان میں سے کسی کی بھی حق تلفی نہ ہوگی (نیکی گھٹا کر یا بدی بڑھا کر)

تحقیق وترکیب: .... **یاکلون** کی تفسیر **یاخذون** سے اس لئے کی ہے کہ سودی مال کھانا ہی ناجائز نہیں بلکہ ہر طرح کا استعمال ممنوع ہے چونکہ عام طور پر کھانے پینے میں پیسہ زیادہ کام آتا ہے اس لئے **یاکلون** سے تعبیر کیا ہے۔

المطعومات مذہب شافعیؒ کی رعایت سے مفسر نے مطعومات کی قید لگائی ہے خواہ مکیلی ہوں یا غیر مکیلی جیسے میوے لیکن امام اعظمؒ کے نزدیک مکیلی ہونا شرط ہے۔ اگرچہ غیر مطعوم ہو جیسے چونہ۔ تو پھلوں میں امام صاحبؒ کے نزدیک اور چونہ میں شافعیؒ کے نزدیک ربوا نہیں کہلائے گا **فی القدر والاجل** یہ بدل ہے **فی المعاملة** سے۔

یتخبطه الشیطان الخبط القرب علی غیر استواء کخبط العشواء زمانۂ جاہلیت میں عرب کا خیال تھا کہ شیطان انسان کو خبطی بنا کر مدہوش کردیتا ہے۔ اور یہ بھی خیال تھا کہ جنات انسان کو مس کردیتے ہیں اس لئے اس کو جنون ہو جاتا ہے۔

فراء نحوی لکھتے ہیں کہ مس کے معنی جنون کے اور مسوس کے معنی مجنون کے ہیں۔ یہاں اسی کیفیت ربودگی اور مدہوشی میں تشبیہ دی گئی ہے۔
من المس کا تعلق یقومون کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے اور کما یقوم کے ساتھ بھی۔ اور یتخبطہ کے ساتھ بھی، اول صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی لا یقومون یوم القیٰمۃ من الجنون الا کما یقوم الرجل الذی یتخبطہ الشیطٰن اور دوسری صورت میں اس طرح ہوگی لایقومون یوم القیٰمۃ الا کما یقوم الرجل المصروع من الجنون تیسری صورت میں تقدیر اس طرح ہوگی الا کما یقوم الرجل الذی یتخبطہ الشیطان من الجنون.

من عکس التشبیہ یعنی دراصل ان کو کہنا یوں چاہئے تھا کہ انما الربوا حلال مثل البیع لیکن مبالغۃً اصل کو فرع اور فرع کو اصل کر کے پیش کرتے تھے۔ موعظۃ کی تفسیر وعظ کے ساتھ کر کے فعل جاء کی تذکیر کی توجیہ کردی ہے دوسری توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تانیث غیر حقیقی ہے اس لئے فعل مذکر لانے میں کوئی حرج نہیں ہے و من عاد مفسر علام نے حلال سمجھنے کی جو قید لگائی ہے اس سے معتزلہ کو احتجاج کا موقع نہیں رہا کہ سودخور کا خلود نار آیت سے معلوم ہورہا ہے۔ حاصل توجیہ یہ ہے کہ سودخور نے حرام کو جب حلال سمجھ لیا تو اس کفریہ عقیدہ کے بعد اس کے خلود میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

یربی الصدقات چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے کہ بندہ جب صدقہ کرتا ہے توان اللہ یربیھا لہ کما یربی احدکم فلوہ حتی تکون فی میزانہ کاحدٍ غرضیکہ بظاہر زکوٰۃ ادا کرنے سے مال گھٹتا ہے اور سود سے بڑھتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت دین ودنیا دونوں میں معاملہ برعکس ہے۔

فاذ نوا مد اور قصر کے ساتھ دونوں قرأتیں سبع کی مشہور ہیں۔ اول صورت میں اعلان کے اور دوسری صورت میں یقین کرنے کے معنی ہیں۔ مفسر علام کی عبارت دونوں معانی کا احتمال رکھتی ہے بحرب میں تنوین تعظیم کی ہے فنظرۃ فاء جواب شرط ہے اور نظرۃ مبتداء ہے جس کی خبر محذوف ہے ای فعلیکم نظرۃ اور نظرۃ کے معنی تاخیر کے ہیں اور ترکیب برعکس بھی ہوسکتی ہے ای فالحکم نظرۃ

ان کنتم تعملون کی جزائے محذوف مفسر نے فافعلوہ نکالی ہے۔ واتقوا ابن عباس کی رائے ہے کہ قرآن کریم کی نزولاً یہ آخری آیت ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو یہ بتایا تھا کہ اس آیت کو سورہ بقرہ کی دوسواسی (۲۸۰) آیت کے بعد رکھنا۔ چنانچہ سورۂ بقرہ کی کل آیات دوسو چھیاسی (۲۸۶) ہیں اور اس آیت کے بعد پانچ آیات ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی وفات سے ایک ہفتہ یا صرف تین گھنٹے پہلے نازل ہوئی تھی۔ ترجعون مجہول اگر ہے تو رجع سے ہے اور معروف ہے تو رجوع سے مشتق ہے۔ لازمی اور متعدی کا فرق رہے گا ما کسبت ضمیر مفرد لانے میں نفس کی رعایت لفظی پیش نظر ہے اور وھم لایظلمون جمع لانے میں معنوی رعایت ملحوظ ہے اور لفظی رعایت کو اصل ہونے کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔

ربط: .... دیر اور دور سے مالی احکام اور خیر خیرات کا سلسلہ چلا آرہا ہے آیاتِ آئندہ میں بھی کچھ مالی اصلاح سے متعلق احکام آرہے ہیں مثلاً سودی کاروبار، مقروض کو مہلت دینا، معاملۂ قرض کو لکھوالینا، شہادت، کتاب، رہن سے متعلق احکام۔ گویا سلسلۂ احکام کا چھتیسواں (۳۶) حکم ہے جس میں سود کی حرمت و مذمت میں آیت ان الذین میں مؤمنین کی تعریف کی ہے۔ آیت یا ایھا الذین الخ میں سود کا بقایا سابقہ وصول کرنے کی ممانعت ہے وان کان ذوعسرۃ میں مفلس مقروض کو مہلت دینے کا سینتیسواں حکم ہے۔

شانِ نزول: .... ابن ابی حاتم نے تخریج کی ہے کہ بنی عمرو یعنی مسعود بن عمرو اور ربیعہ بن عمرو اور حبیب بن عمیر وغیرہ آپس میں بھائی برادر تھے بنو المغیرہ ان دونوں جماعتوں میں سے اول جماعت دائن اور دوسری جماعت مدیون تھی۔ اور بنو المغیرہ زمانۂ جاہلیت میں سودی کاروبار پر قرض لیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے بنی ثقیف یعنی بنی عمرو سے مصالحت فرمائی تو انہوں نے بنی مغیرہ

سے اپنے سود کا مطالبہ کرنا چاہا جو ایک بڑی مقدار کی مالیت تھی۔ لیکن بنومغیرہ نے یہ دیکھ کر دینے سے انکار کر دیا کہ جب اسلام میں اللہ اور رسول نے اس کو منع فرما دیا ہے تو ہم ہرگز نہیں دیں گے۔ چنانچہ معاذ بن جبلؓ اور عتاب بن اسیدؓ نے آنحضرت ﷺ کو لکھا کہ بنوعمرو اور بنو عمیر دونوں بنومغیرہ سے اپنے سود کا مطالبہ کر رہے ہیں اس پر آیت یا ایھا الذین امنوا لخ نازل ہوئی۔ چنانچہ آپؐ نے معاذ بن جبلؓ کو لکھ بھیجا کہ یہ آیت ان پر پیش کر دو۔ اگر وہ جان جائیں تو اصل راس المال کے مطالبہ کا ان کو حق ہے لیکن اگر باز نہ آئیں توفاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ سے ان کو خبردار کر دو۔ لیکن بنی ثقیف نے سنا تو کہنے لگے لایدی لنا بحربہ.

﴿ تشریح ﴾: ......**سود خدا کی ایک لعنت اور سود خوار قوم کا دشمن ہے:**............ انفاق فی سبیل اللہ اور نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کا مقصد کہ انسانوں میں باہمی محبت و ہمدردی، انس وانسانیت پیدا ہو پورا نہیں ہوسکتا تھا تاوقتیکہ سود خواری کی ذہنیت جو اس کی پوری ضد ہے اس کو نہ روک دیا جاتا۔ خیرات کا منشاء یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کی حاجت روائی کرے، اس کی ضرورت کو اپنی ضرورت سمجھے۔ لیکن سود خوار اپنے بھائی کو حاجت مند دیکھتا ہے لیکن اس کی مدد کے جذبہ کی بجائے اس کی احتیاج اور بے بسی سے اپنا کام نکالنا چاہتا ہے اور اس کی غربت کو اپنی دولت مندی کا ذریعہ بنانا چاہتا ہے۔ خودغرضی کا یہ جذبہ اگر بے روک ٹوک بڑھتا رہے تو پھر اس میں انسانی ہمدردی کی خُوبُو تک باقی نہیں رہتی وہ ایک بے رحم اور بے پناہ درندہ بن کر رہ جاتا ہے۔ قرآن اسی جنون اور دیوانگی کی حالت کو مرگی کے مرض سے تشبیہ دے رہا ہے یعنی زر پرستی کے جوش میں تمام انسانی احساسات فنا ہو جاتے ہیں اور پیسے کے پیچھے پاگل ہو کر رہ جاتا ہے۔

آخرت میں جو اس کو خاص یہ سزا دی جائے گی جرم اور سزا میں مناسبت یہ ہے کہ اپنی عقلمندی کے زعم میں جو اُس نے بے عقلی کی بات "انما البیع مثل الربوا" کہی تھی حالانکہ خود اس کا علم کے خلاف یہ عمل گویا ناشی ہے بے عقلی سے اس لئے سزا زوالِ عقل کے ساتھ دی گئی ہے آیت سے تو اس جنونی حالت کا مرتب ہونا سود خوار کے قول و فعل کے مجموعہ پر ہوتا ہے لیکن حدیث سے صرف سود کے فعل پر اس سزا کا ترتب معلوم ہوتا ہے الفاظِ حدیث یہ ہیں فمن اکل الربوا بعث یوم القیٰمۃ مجنونا یتخبط ثم قرأ الأیۃ •

سود سے مال گھٹتا ہے اور خیرات سے بڑھتا ہے:............ سود خواروں کے استدلال کا یہ جواب تو حق تعالیٰ نے حاکمانہ دیا ہے جو موقعہ محل کے نہایت مناسب ہے لیکن جہاں تک حکیمانہ اور مصلحانہ جواب کا تعلق ہے اس کی طرف یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقت میں اشارہ ہے یعنی سود خواری کا طریقہ تو دولت کو سمیٹتا ہے سرمایہ داری کی راہوں کو کھولتا ہے لیکن اسلامی مزاج اس کے خلاف ہے وہ سود کو مٹا کر دولت کو پھیلانا چاہتا ہے۔ خیرات کے جذبہ کو ترقی دے کر چاہتا ہے کہ جماعت کا کوئی فرد محتاج و مفلس نہ رہنے پائے، نیز سود کو اموال باطلہ میں داخل کر کے لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل سے ناحق دوسرے کے مال کو ضائع اور برباد کرنے سے بچاتا ہے۔

دراصل مسئلے دو ہیں۔ سود کا اور سود در سود کا۔ سود کے مسئلہ پر اس آیت میں روشنی ڈالی جارہی ہے۔ اور سود در سود سے دوسری آیت یا ایھا الذین امنوا لاتاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ میں تعرض کیا گیا ہے آیت میں بیع کی حلت اور سود کی حرمت کا معلوم ہونا تو ظاہر ہے لیکن دونوں میں مساوات کے ابطال اور تفرقہ کے اثبات میں یہ آیت نص ہے۔ تاہم آیت میں بہت زیادہ اجمال سے کام لیا گیا ہے حدیث الحنطۃ بالحنطۃ والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح والذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ مثلا بمثل ید ابید والفضل ربوا. اس کی تفصیلات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی جب تشفی نہ ہوئی اور انہوں نے اللھم بین لنا بیانا شافیا سے مستجاب درخواست پیش کی تو زبانِ نبوت پر یہ کلمات شافیہ جاری ہو گئے۔

سود کا دائرہ:............ چنانچہ علمائے ظاہر تو ربوا کا دائرہ صرف ان ہی چھ چیزوں تک محدود رکھتے ہیں لیکن علمائے مجتہدین نے علۃ

کے موتی نکالنے کی کوشش کی احناف نے ان اشیاء کے مقابلہ سے اتحادِ جنس اور مماثلت سے مکیل وموزون ہونا سمجھا چنانچہ حال کا ذکر اگرچہ حدیث میں نہیں ہے لیکن دونوں علتیں پائے جانے کی وجہ سے بیع میں مساوات شرط ہوگی کمی بیشی ربوا سمجھی جائے گی۔ یہی حال چونہ اور نورہ کا ہوگا۔ امام شافعیؒ نے مذکور فی الحدیث چار چیزوں سے علت طعم اور نقدین سے ثمنیت دو علتیں مستنبط کی ہیں۔ چونہ اور نورہ میں چونکہ یہ دونوں علتیں نہیں پائی جاتیں اس لئے شوافع کے نزدیک حلال ہوگی قوت اور ذخیرہ نہ ہونے کی وجہ سے حاصل یہ کہ اس پر تو تمام مجتہدین کا اتفاق ہے کہ ان چھ چیزوں کے علاوہ بھی ربوا ہوسکتا ہے اور وہ ناجائز ہوگا اور اس میں بھی اتفاق ہے کہ ماخذ علۃ یہی حدیث ہے لیکن معیار حرمت اور علۃ ممانعت نکالنے میں پھر باہم رائیں مختلف ہوگئیں اس لئے اصولیوں نے اس کو خصوص معلوم اور خصوص مجہول دونوں کی نظیر قرار دیا ہے۔

بداعتقاد و بدعمل لوگوں کے تذکرہ کے بعد نیک کرداروں کا بیان آیت ان الذین الخ میں کیا جارہا ہے چنانچہ انما البیع الخ کو کفری قول کے مقابلہ میں ان الذین امنوا اور ان کے فسق وعمل کے مقابلہ میں عملوا الصلحت اور سودی روپیہ کمانے کے مقابل اتوا الزکوۃ فرمایا گیا ہے جس سے کلام میں حسن وخوبی پیدا ہوگئی ہے۔

سودخور کو خدائی چیلنج: .... فاذنوا بحرب میں جو اعلانِ جہاد کیا جارہا ہے سو اگر سودی کاروبار اعتقادِ حلت کے ساتھ ہے تب تو یہ کافر ہے اور کافر کے ساتھ حکم جہاد ظاہر ہے لیکن اگر سود بیاج کا نہ چھوڑنا صرف عملاً ہے اعتقاداً نہیں ہے تو حاکم اسلام جبراً اس کو روکے گا اگر باز آ گیا فبہا ورنہ اگر مقابلہ سے پیش آتا ہے تو اس کا حکم باغی کا سمجھا جائے گا ایسے مقابلہ کی صورت میں تو فقہاء نے اذان و ختنہ جیسی سنت کے ترک پر بھی جہاد کی مشروعیت کا حکم دیا ہے۔

وان تبتم فلکم رؤس اموالکم کی تفصیلات بھی قریب قریب یہی ہیں کہ توبہ کی صورت میں اصل سرمایہ کی رقم بلاسود بیان کے دلا دی جائے گی لیکن اگر توبہ نہیں اور سود کو حلال سمجھتا ہے تو کافر اور مرتد ہوجائے گا۔ اگر از سرِ نو اسلام قبول کرلے تو فبہا ورنہ اس کا تمام مال اس کی ملک سے خارج ہوگیا۔ یعنی جس قدر مال مرتد ہونے سے پہلے کمایا ہوا ہے وہ اس کے مسلمان ورثاء میں تقسیم کردیا جائے گا۔ اور ارتداد کے بعد کا مال بیت المال میں داخل کرلیا جائے گا۔ اور اگر توبہ نہ کرنا حلال نہ سمجھنے کی صورت میں ہے تو اگر بمقابلہ پیش نہیں آتا تو حاکمِ اسلام کی طرف سے جبراً اس کا کاروبار بند کرادیا جائے گا۔ اور مقابلہ کرتا ہے تو باغی ہے اور باغی کا حکم یہ ہے کہ جو قتل سے بچ جائے تو اس کا مال اس کی ملک سے تو زائل نہیں ہوگا لیکن اس کے قبضہ میں بھی نہیں رہنے دیا جائے گا بلکہ بطور امانت چھین کر بیت المال میں رکھ لیا جائے گا۔ توبہ کرنے اور باز آجانے پر واپس کردیا جائے گا۔

ہمارے دیار کے مسلمانوں کے کنگال ہونے کی وجہ: .... آیت وان کان ذو عسرۃ میں اس رسم کی اصلاح کرنی ہے کہ سودخوار میعاد گذرنے پر مطالبہ کرتے تھے اگر مقروض مزید مہلت مانگتا تو مہلت کے بدلے مزید سود لیتے اور اس طرح غریب مقروض سود در سود کے چکر میں اس طرح پھنستا کہ اس بدنصیب کو عمر بھی اس جنجال سے نکلنا نصیب نہ ہوتا جیسا کہ ہمارے دیار کے تباہ حال مسلمانوں کی تمام زمین، جائیداد، گھر یا ہر مہاجنوں کے اسی چکر کی نذر ہوئی ہے لیکن اسلام نے مفلس مدیون کو مہلت دینا واجب قرار دیا ہے گنجائش ہونے پر پھر مطالبہ کرنے کی اجازت ہے ہاں اگر کسی کا مفلس ہونا ہی محل شبہ میں ہے متیقن نہیں ہے تو حاکم قرض خواہ کی درخواست پر مقروض کو اس وقت تک حوالات کرسکتا ہے جب تک قرائن سے یقین کی حد تک یہ بات واضح نہ ہوجائے کہ اگر واقعی اس کے پاس مال ہوتا تو ضرور اُگل دیتا۔

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ تَعَامَلْتُمْ **بِدَيْنٍ** كَسَلَمٍ وَقَرْضٍ **اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى** مَعْلُوْمٍ **فَاكْتُبُوْهُ**ط اِسْتِيْثَاقًا وَدَفْعًا لِلنِّزَاعِ **وَلْيَكْتُبْ** كِتَابَ الدَّيْنِ **بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ**ص بِالْحَقِّ فِيْ كِتَابَتِهٖ لَايَزِيْدُ فِي الْمَالِ وَالْاَجَلِ وَلَايَنْقُصُ **وَلَا يَاْبَ** يَمْتَنِعُ **كَاتِبٌ** مِنْ **اَنْ يَّكْتُبَ** اِذَا دُعِيَ اِلَيْهَا **كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ** اَيْ فَضَّلَهٗ بِالْكِتَابَةِ فَلَايَبْخَلُ بِهَا وَالْكَافُ مُتَعَلِّقَةٌ بِيَاْبَ **فَلْيَكْتُبْ**ج تَاكِيْدٌ **وَلْيُمْلِلِ** عَلَى الْكَاتِبِ **الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ** الدَّيْنُ لِاَنَّهُ الْمَشْهُوْدُ عَلَيْهِ فَيُقِرُّ لِيَعْلَمَ مَاعَلَيْهِ **وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ** فِيْ اِمْلَائِهٖ **وَلَايَبْخَسْ** يَنْقُصْ **مِنْهُ** اَيِ الْحَقِّ **شَيْئًا**ط **فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا** مُبَذِّرًا **اَوْ ضَعِيْفًا** عَنِ الْاِمْلَاءِ لِصِغَرٍ اَوْ كِبَرٍ **اَوْ لَايَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ** لِخَرَسٍ اَوْ جَهْلٍ بِاللُّغَةِ اَوْ نَحْوِ ذٰلِكَ **فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ** مُتَوَلِّيْ اَمْرِهٖ مِنْ وَالِدٍ وَوَصِيٍّ وَقَيِّمٍ وَمُتَرْجِمٍ **بِالْعَدْلِ**ط **وَاسْتَشْهِدُوْا** اَشْهِدُوْا عَلَى الدَّيْنِ **شَهِيْدَيْنِ** شَاهِدَيْنِ **مِنْ رِّجَالِكُمْ**ج اَيْ بَالِغِي الْمُسْلِمِيْنَ الْاَحْرَارِ **فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا** اَيِ الشَّاهِدَانِ **رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ** يَشْهَدُوْنَ **مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ** لِدِيْنِهٖ وَعَدَالَتِهٖ وَتَعَدُّدُ النِّسَاءِ لِاَجْلِ **اَنْ تَضِلَّ** تَنْسٰى **اِحْدٰىهُمَا** الشَّهَادَةَ لِنَقْصِ عَقْلِهِنَّ وَضَبْطِهِنَّ **فَتُذَكِّرَ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **اِحْدٰىهُمَا** الذَّاكِرَةُ **الْاُخْرٰى**ط النَّاسِيَةَ وَجُمْلَةُ الْاِذْكَارِ مَحَلُّ الْعِلَّةِ اَيْ لِتُذَكِّرَ اِنْ ضَلَّتْ وَدَخَلَتْ عَلَى الضَّلَالِ لِاَنَّهُ سَبَبُهٗ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِكَسْرِ اِنْ شَرْطِيَّةً وَرَفْعِ تُذَكِّرُ اِسْتِيْنَافٌ جَوَابُهٗ **وَلَايَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا** زَائِدَةٌ **دُعُوْا**ط اِلٰى تَحَمُّلِ الشَّهَادَةِ وَاَدَائِهَا **وَلَاتَسْئَمُوْٓا** تَمَلُّوْا مِنْ **اَنْ تَكْتُبُوْهُ** اَيْ مَاشَهِدْتُّمْ عَلَيْهِ مِنَ الْحَقِّ لِكَثْرَةِ وُقُوْعِ ذٰلِكَ **صَغِيْرًا** كَانَ **اَوْ كَبِيْرًا** قَلِيْلًا اَوْ كَثِيْرًا **اِلٰٓى اَجَلِهٖ**ط وَقْتَ حُلُوْلِهٖ حَالٌ مِنَ الْهَاءِ فِيْ تَكْتُبُوْهُ **ذٰلِكُمْ** اَيِ الْكَتْبُ **اَقْسَطُ** اَعْدَلُ **عِنْدَاللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ** اَيْ اَعْوَنُ عَلٰى اِقَامَتِهَا لِاَنَّهٗ يُذَكِّرُهَا **وَاَدْنٰٓى** اَقْرَبُ اِلَى **اَلَّاتَرْتَابُوْٓا** تَشُكُّوْا فِيْ قَدْرِ الْحَقِّ وَالْاَجَلِ **اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ** تَقَعَ **تِجَارَةً حَاضِرَةً** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالنَّصْبِ فَتَكُوْنُ نَاقِصَةً وَاِسْمُهَا ضَمِيْرُ التِّجَارَةِ **تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ** اَيْ تَقْبِضُوْنَهَا وَلَااَجَلَ فِيْهَا **فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ** فِيْ **اَلَّا تَكْتُبُوْهَا**ط وَالْمُرَادُ بِهَا الْمُتَّجَرُ فِيْهِ **وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ**ص عَلَيْهِ فَاِنَّهٗ اَدْفَعُ لِلْاِخْتِلَافِ وَهٰذَا وَمَاقَبْلَهٗ اَمْرُ نُدْبٍ **وَلَايُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَاشَهِيْدٌ**ط صَاحِبَ الْحَقِّ وَمَنْ عَلَيْهِ بِتَحْرِيْفٍ اَوْ اِمْتِنَاعٍ مِنَ الشَّهَادَةِ اَوِ الْكِتَابَةِ اَوْ لَايَضُرُّهُمَا صَاحِبُ الْحَقِّ بِتَكْلِيْفِهِمَا مَالَايَلِيْقُ فِي الْكِتَابَةِ وَالشَّهَادَةِ **وَاِنْ تَفْعَلُوْا** مَانُهِيْتُمْ عَنْهُ **فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ**ط خُرُوْجٌ عَنِ الطَّاعَةِ لَاحِقٌ **بِكُمْ**ط **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** فِيْ اَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ **وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ**ط مَصَالِحَ اُمُوْرِكُمْ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ اَوْ مُسْتَاْنَفٌ **وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ**﴿۲۸۲﴾ **وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ** اَيْ مُسَافِرِيْنَ وَتَدَايَنْتُمْ **وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ فَرُهُنٌ **مَّقْبُوْضَةٌ**ط

تَسْتَوْثِقُوْنَ بِهَا وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ جَوَازَ الرَّهْنِ فِي الْحَضَرِ وَوُجُوْدِ الْكَاتِبِ فَالتَّقْيِيْدُ بِمَا ذُكِرَ لِاَنَّ التَّوَثُّقَ فِيْهِ اَشَدُّ وَاَفَادَ قَوْلُهُ مَقْبُوْضَةٌ اِشْتِرَاطَ الْقَبْضِ فِي الرَّهْنِ وَالْاِكْتِفَاءَ بِهِ مِنَ الْمُرْتَهِنِ وَوَكِيْلِهِ **فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا** اَيِ الدَّائِنُ الْمَدِيْنَ عَلٰى حَقِّهِ فَلَمْ يَرْتَهِنْ **فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ** اَيِ الْمَدِيْنُ **اَمَانَتَهُ** دَيْنَهُ **وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ** ط فِي اَدَائِهِ **وَلَاتَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ** ط اِذَا دُعِيْتُمْ لِاِقَامَتِهَا **وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهُ اٰثِمٌ قَلْبُهُ** ط خُصَّ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهُ مَحَلُّ الشَّهَادَةِ وَلِاَنَّهُ اِذَا اَثِمَ تَبِعَهُ غَيْرُهُ فَيُعَاقَبُ مُعَاقَبَةَ الْاٰثِمِيْنَ **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ** ﴿۲۸۳﴾ لَايَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنْهُ.

ترجمہ: .... اے اہل ایمان جب اُدھار کا (معاملہ) کرنے لگو (مثلاً دین سلم یا مالی قرض) ایک مقررہ میعاد تک (جو معلوم و معین ہو) تو اس کو لکھ لیا کرو (حفاظت ورفع نزاع کی خاطر) اور لکھ دیا کرو (دستاویز) تمہارے آپس میں انصاف (حق) کے ساتھ (مال اور مدت کے لکھنے میں نہ زیادتی کرے نہ کمی) اور انکار (منع) نہ کرے کاتب (اس بات سے کہ) لکھے (جب کہ لکھنے کی اس سے فرمائش کی جائے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سکھلایا ہے (یعنی اس کو کاتب بنا کر فوقیت بخشی اس لئے اس کو بخل نہیں کرنا چاہئے۔ اور کما کا کاف متعلق ہے یاب سے) کاتب کو چاہئے کہ لکھ دیا کرے (یہ تاکید ہے) اور وہ شخص لکھا دیا کرے (کاتب کو) جس کے ذمہ حق واجب ہو (یعنی قرض کیونکہ شہادت اسی پر دلائی جارہی ہے لہٰذا اسی کا اقرار معتبر ہوگا تا کہ اس پر حق واجب کا علم ہو سکے) اور اپنے پروردگار اللہ سے ڈرتا رہے اس تحریر (دستاویز میں) کمی نہ کرے (نہ گھٹائے) ذرہ برابر اس (حق) میں سے پھر جس شخص کے ذمہ حق واجب تھا وہ اگر خفیف العقل (فضول خرچ) ہو یا عاجز ہو (لکھنے سے کم سنی یا کبرسنی کی وجہ سے) یا لکھانے پر قدرت نہ رکھتا ہو وہ خود (گونگے یا غیر زبان ہونے کی وجہ سے یا اس کے علاوہ کوئی عذر ہو) تو لکھوا دیا کرے اس کا کارکن (کارندہ خواہ اس کا والد ہو یا وصی یا منیجر اور ترجمان ہو) ٹھیک ٹھیک طریقہ پر اور گواہ بنا لیا کرو (قرض پر گواہ کرلیا کرو) دو (۲) گواہ (شاہد) مردوں میں سے (یعنی بالغ، مسلمان، آزاد ہونے چاہئیں) پھر اگر میسر نہ ہو سکیں (ایسے دو (۲) گواہ) مردوں میں سے تو ایک مرد اور دو (۲) عورتیں (گواہی دیں) ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو (ان کے دین وعدالت کی وجہ سے اور عورت کا متعدد ہونا اس مصلحت سے ہے کہ) اگر بھول جائے (بھول جائے) ان دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک (گواہی کو عقل وضبط کے کم ہونے کی وجہ سے) تو یاد دلایا کرے (تذکر تخفیف وتشدید کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے) ان میں سے ایک (یاد رکھنے والی) دوسری (فراموش کرنے والی) کو (اور جملہ ''تذکر'' بمنزلہ علة کے ہے یعنی اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے لیکن بنا دیا گیا ہے علت ان تضل کو کیونکہ وہ دراصل سبب علت ہے۔ اور ایک قرأت میں انّ مکسورہ شرطیہ کے ساتھ اور تذکر کے رفع کے ساتھ پڑھا گیا ہے استیناف ہو کر جواب شرط ہو جائے گا) اور گواہوں کو بھی چاہئے کہ انکار نہ کیا کریں جبکہ (اذا ما میں ما زائد ہے) ان کو بلایا جایا کرے (گواہ بننے اور گواہی دینے کے لیئے) اور تم اکتایا نہ کرو (اظہار ملال نہ کیا کرو) لکھنے سے (اس حق کے جس کے تم شاہد بنے ہو بار بار ہونے کی وجہ سے) خواہ چھوٹا (ہو) یا بڑا (تھوڑا ہو یا زیادہ) میعاد تک کے لئے (مدت ختم ہونے تک۔ تکتبوہ کی ضمیر سے یہ حال ہے) یہ (دستاویز) انصاف (عدل) کو زیادہ قائم رکھنے والی ہے اللہ کے نزدیک اور شہادت کو زیادہ صحیح رکھنے والی ہے (یعنی ادائے شہادت میں اس لکھا پڑھی سے مدد مل جاتی ہے کیونکہ اس کو دیکھ کر واقعہ یاد آجاتا ہے) اور زیادہ سزاوار (قریب الامکان) ہے کہ تم کسی شبہ میں نہ پڑو (مقدار حق یا مدت کے بارہ میں شک نہ گذرنے لگے) ہاں اگر ایسا ہو کہ کاروبار لین دین کا نقدا نقدی ہو (ایک قرأت میں تجارۃ حاضرۃ منصوب ہے۔ اس صورت میں ''تکون'' ناقصہ ہو جائے گا اور اس کا اسم ضمیر ہوگی جس کا مرجع تجارت ہے) جسے تم آپس میں لیا دیا کرتے ہو (ہاتھوں ہاتھ کرتے ہو جس میں

مہلت کا کوئی سوال ہی نہیں) تو تم پر کوئی الزام نہیں ہے (اس بارہ میں) کہ لکھا پڑھی نہ کرو (مراد اس سے سامانِ تجارت ہے) اور گواہ کرلیا کرو سودا کرتے وقت (کیونکہ اس طرح اختلاف کی نوبت نہیں آتی۔ یہ اور اس سے پہلے احکام استحبابی ہیں) اور کاتب اور گواہ کسی طرح کا نقصان نہ پہنچائیں (حقدار یا فریق مخالف کو گواہی یا کتابت میں، ترمیم، ردوبدل کر کے یا بالکل انکار کر کے یا یہ مطلب ہے کہ صاحب حق کاتب اور گواہ کو کسی طرح نقصان نہ پہنچائیں۔ کتابت یا گواہی میں نامناسب باتوں کا دباؤ ڈال کر) اور اگر تم نے ایسا کیا (جس بات سے تم کو روکا گیا ہے) تو اس میں تمہارے لئے گناہ کی بات ہوگی (اطاعت سے نکل جانا تمہارے ذمہ لگ جائے گا) اور اللہ تعالیٰ سے (امر ونہی کے احکام) میں ڈرتے رہو اور اللہ تعالیٰ تم کو سکھلاتے ہیں (تمہارے کاموں کے مصالح، یہ حال مقدرہ یا جملہ مستانفہ ہے) اور اللہ ہر چیز کے جاننے والے ہیں اور اگر تم کہیں سفر میں ہو (یعنی مسافر ہو جاؤ اور ادھار کا معاملہ کرنے لگو) اور کوئی کاتب نہ پاؤ تو گرو رکھنے کی چیز (اور ایک قرأت میں "فَرُهُنٌ" ہے) قبضہ میں دیدی جائے (جس سے قرض دینے والوں کو اطمینان ہو جائے اور سنت سے حالتِ حضر اور کاتب کی موجودگی میں بھی رہن کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے یہ دونوں قیدیں صرف اس لئے ہیں کہ اس حالت میں توثیق کی زیادہ کی حاجت پیش آتی ہے اور لفظ مقبوضۃ کی شرط سے یہ فائدہ نکلا کہ رہن میں قبضہ کی شرط معلوم ہوئی۔ اور یہ کہ قبضہ مرتہن یا اس کے وکیل دونوں میں سے کسی ایک کا کافی ہوگا) اور اگر ایک دوسرے کا اعتبار کرلیا جائے (یعنی قرض دینے والا لینے والے پر اظہار اطمینان کرتا ہے اور گروی نہیں رکھتا تو جس شخص کا اعتبار کرلیا گیا ہے (یعنی مدیون کا) اس کو چاہئے کہ دوسرے کا حق (دَین) پورا پورا ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرتا رہے (اس کی ادائیگی کے سلسلہ میں) اور دیکھو ایسا نہ کرو کہ شہادت چھپاؤ (جبکہ تم کو ادائے شہادت کے لئے بلایا جائے) جو کوئی گواہی چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہوگا (دل کا ذکر خصوصیت سے اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ اصل محلِ شہادت ہے۔ دوسرے یہ کہ جب وہ گنہگار ہوگیا تو دوسرے اعضاء اس کے تابع رہیں گے اور ان پر گنہگاروں جیسا عتاب ہوگا) اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں (کوئی چیز ان سے پوشیدہ نہیں ہے)

تحقیق وترکیب: .... **بدین** پورے رکوع کی یہ آیت قرآن کریم کی سب سے لمبی آیت ہے سلم کہتے ہیں **بیع العاجل بالاجل** کو **مع شرائطہ وتفاصیلہ**۔ حنفیہ اور شوافع کے نزدیک دَین اور قرض میں فرق یہ ہے کہ دَین میں مدت کی تعیین ہوتی ہے اور قرض میں نہیں ہوتی۔ اس خاص اصطلاح کے لحاظ سے قرض آیت مداینہ میں داخل نہیں ہوتا لیکن امام مالکؒ کے نزدیک قرض میں بھی مدت کی تعیین ہوسکتی ہے ممکن ہے جلال مفسرؒ نے امام مالکؒ کے مذہب کے مطابق یہاں قرض کو داخل کرلیا ہو۔ عموم آیت پر نظر کرتے ہوئے اور حدیث بخاری پر نظر کرتے ہوئے جس میں حضرت ابن عمرؓ بن عطاء نے آنحضرت ﷺ کے یہاں ایک مہمان کا آنا اور آپ کا ھلال رجب تک ایک یہودی کے یہاں سے ادھار آٹا منگوانا بیان کیا ہے۔ لفظ بدین کی وجہ سے کہا جائے گا کہ **تداینتم** میں تجرید کرلی گئی ہے اور لفظ تداینتم پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ بدین بڑھایا گیا ہے محض اہتمام کے لئے کیونکہ مجازاً مطلق معاملہ کے معنی میں محتمل تھا۔

الی اجل اس کا تعلق تداینتم کے ساتھ ہے **فاکتبوہ** امر ارشادی ہے۔ امتثالِ امر کی نیت سے ہو تو ثواب ہوگا ورنہ نہیں۔

بالعدل متعلق ہے **ولیکتب** کے **کما علمه الله** متعلق ہے **لایاب** سے جیسے **احسن کما احسن الله** میں ہے۔

ولیملل۔ الاملال والاملاء دونوں کے معنی کاتب کو مضمون لکھانے کے ہیں من علیہ الحق سے مراد بالغ ہے **ولیه من علیه الحق** اگر بچہ یا سفیہ ہے تو اس کا ولی باپ ہوگا بڑا ہے تو وصی ہوگا گونگا ہے تو قیم ہوگا جاہل ہے تو مترجم ہوگا اور کاتب اور ولی کے بارہ میں تو **بالعدل** فرما کر زیادتی اور نقصان دونوں کی نفی کردی ہے اور **من علیه الحق** کے بارہ صرف **لایبخس** کہہ کر نقصان کی نفی کی ہے کیونکہ یہاں زیادتی کا احتمال ہی نہیں ہے۔ **رجالکم** بلوغ کی اور حریت کی قید لفظ رجال سے مستفاد ہوئی ہے اور اسلام کی قید رجال کو کاف

خطاب کی طرف مضاف کرنے سے سمجھ میں آتی ہے۔ دراصل آزاد ہی رجل کہلانے کا مستحق ہے۔ غلام تو بہائم کے حکم میں سمجھے گئے ہیں نیز خطاباتِ شرع آزاد ہی کو ہوتے ہیں غلاموں کی طرف عبارت متوجہ نہیں ہوتی۔ تاہم چونکہ مداینہ وغیرہ معاملات کفار کے درمیان بھی پیش آتے ہیں اس لئے حنفیہ کے نزدیک کفار کی شہادت ایک دوسرے کے حق میں معتبر سمجھی گئی ہے۔ **خلافاً للجمهور**

ممن ترضون مراد اس سے وصف عدالت ہے عورتوں میں چونکہ وصف عام طور پر کم ہوتا ہے اس لئے یہاں بالتخصیص قید لگانی پڑی ورنہ ہر قسم کے گواہ کے لئے عدالت ضروری ہے تاہم حنفیہ کے نزدیک فاسق کی گواہی قبول نہیں کرنی چاہئے لیکن اگر قبول کر لی گئی تو جائز ہو جائے گی۔ شوافع کے نزدیک بالکلیہ جائز نہیں ہے **استشهدوا شهيدين من رجالكم** سے معلوم ہوا کہ عادل کو گواہ بنانا چاہئے اگر عادل نہ ہو تو گواہ ہونے سے خارج نہیں ہوگا اس لئے شاہد عام ہوا عادل ہو یا بغیر عادل۔

ان تضل لام تعلیل محذوف ہے اور **ان تضل** بھی محذوف کے متعلق ہے جس کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔ **اى وتعدد النساء الخ** فی الحقیقت علۃ ''تذکیر'' ہے لیکن ضلال کو سبب اور اذکار کو مسبب ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے قائم مقام کر لیا جیسے کہا جائے **عددت السلاح ان يجى عدوٌ فادفعه** تو تقدیر عبارت اس طرح ہوگی **ارادة ان تذكر احدهما الاخر اى ان ضلت الشهادة** اشارہ اس طرف ہے کہ تضل کا مفعول محذوف ہے ''**فتذكر**'' فاعل ضمیر مستتر اور مفعول محذوف ہے **اى لتذكر الذاكرة الاخرى ان ضلت الاخرىٰ. ضلت** ضمیر مستتر اخریٰ کی طرف ہوگی جو مفعول محذوف ہے۔

استيناف یعنی اس صورت میں اداۃ شرط کالفظا کوئی عمل نہیں ہوگا ورنہ ترکیب میں یہ فعل مبتدائے محذوف کی خبر ہوگی اور جملہ محلاً مجزوم ہو کر جواب شرط ہوگا مبتدائے محذوف ضمیر شان یا قید ہوگی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی **القصة تذكر احدا هما وهى المذكرة للاخرى وهى الضالة. صغيرًا او كبيرًا** محذوف کی خبر ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

قليلاً او كثيرًا اس میں اشارہ ہے کہ کپڑوں میں بھی سلم جائز ہے۔ **الىٰ اجله** ضمیر **فاكتبوه** سے حال ہے۔ **اى فاكتبوه بصفة اجله** یعنی مدت سلم کا ذکر کتابت میں ضرور ہونا چاہئے **الى اجله** کو **فاكتبوه** کے متعلق کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ کتابت مستمر الی الاجل نہیں ہوا کرتی۔

اقسط سیبویہ کی رائے یہ ہے کہ اقسط مزید سے اسم تفضیل ہے جیسے **ان الله يحب المقسطين. قسط** مجرد قسطوطاً بمعنی ظلم سے نہیں ہے جیسے **اما القاسطون فكانوا لجهنم الخ** چنانچہ ابن حبان نے نقل کیا ہے کہ **قسط** ظلم وانصاف دونوں معنی میں آتا ہے اور **اقسط** صرف انصاف کے معنی میں آتا ہے اور **قاسط** بمعنی **وقسط** سے بھی اسم تفضیل ہو سکتا ہے جیسے **لابن اور تامر** انتساب کے لئے ہیں یہی حال لفظ ''**اقوم**'' کا ہے اس کے معنی بھی **اشد اقامة** کے ہیں **تجارة.** عاصمؒ کے نزدیک **تكون** کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اسم ضمیر ہے **اى الا ان يكون التجارة تجارة حاضرة** دوسرے قراء رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں اسم ہونے کی وجہ سے اور **تديرونها** اس کی خبر ہے یا **كان تامه** مان لیا جائے۔

واشهدوا یعنی ہاتھوں ہاتھ خرید وفروخت میں گواہ بنانا اور اسی طرح کے دوسرے ماقبل احکام استحبابی ہیں اور بعض کے نزدیک وجوبی حکم ہے۔ **صاحب الحق** اشارہ اس طرف ہے کہ **لا يضار** بکسر الراء معروف ہے کاتب اور شہید اس کے فاعل اور صاحب الحق اور اس کا مابعد مفعول ہے۔

فسوق بكم اى لاحق بكم یعنی ظرف مستقر فسوق کی صفت ہے **فاتقوا الله** یہ تینوں جملوں میں لفظ اللہ استقلال کی وجہ سے مکرر لایا گیا ہے اول تقویٰ کی ترغیب کے لئے دوسرے میں شمار انعام کے لئے اور تیسرے میں تعلیم شان کے لئے **ويعلمكم الله** ضمیر **فاتقوا** سے حال ہے چونکہ مضارع مثبت مقترن بالواؤ ہے اس کا حال بنانا محتاج تاویل ہے اس لئے بہ نسبت جملہ حالیہ کے استینافیہ بنانا زیادہ

ظاہر ہے مفسرؒ کو صرف استیناف پر اکتفاء کرنا چاہئے تھا کیونکہ جملہ حالیہ بنانے میں ضمیر ماننی پڑے گی اور واؤ سے خالی کرنا پڑے گا نیز و اتقوا اللہ پر عطف بھی درست نہیں ہے ورنہ خبر کا عطف انشاء پر لازم آئے گا جو مختلف فیہ ہے یہاں علم سے مراد علم نافع ہے۔

رھان جمع ہے رہن کی۔ رہن مصدر ہے بمعنی مرہون۔ اَمِنَ. امنتہ ای کنت فی امن منہ ضمیر رب الدین یا مدیون کی طرف راجع ہے۔

تستوثقون اشارہ ہے تقدیر خبر کی طرف اور تقدیر عبارت اس طرح بھی ہوسکتی ہے الذی یستوثق بہ یافعلیکم یافلیو خذوا یافا لمشروع رھان مقبوضۃ۔

بینت السنۃ یعنی فی السفر کی قید سے جو تخصیص جواز رہن کا شبہ ہوسکتا تھا مفسرؒ نے اس کے ازالہ کے لئے حدیث کا حوالہ دیا جس میں آنحضرت ﷺ نے بیس (۲۰) صاع گیہوں کے بدلہ میں ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی تھی وجہ تخصیص صرف شدت حاجت ہے کہ عام طور پر باقاعدہ سامان کتابت یا کاتب وشاہد دستیاب نہیں ہوتا اور دین ضائع ہونے کے احتمالات زیادہ ہوتے ہیں۔

امانتہ دین کو امانت اس لئے کہا کہ ترک ارتہان اس پر مبنی ہے محل الشہادۃ یعنی محل کتمان شہادت چونکہ کتمان شہادت فعل قلب ہے اس لئے فعل کی اسناد آلہٗ جارحہ کی طرف ابلغ ہوتی ہے جیسے ابصرتہ بعینی یا سمعتہ باذنی عرفتہ بقلبی نیز قلب سلطان الاعضاء ہے تو اس میں فعل کتمان کی شدت اور قلب کے اصل ہونے کی طرف اشارہ ہے نیز یہ شبہ نہ ہو کہ گناہ صرف زبان کا ہوگا قلب بری رہے گا ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الاوھی القلب۔

ربط: .... آیت یا ایھا الذین الخ سے اڑتیسویں (۳۸) حکم دین کی تفصیلات پیش کی جارہی ہیں جو پانچ افراد پر مشتمل ہیں مثلاً اذا تداینتم میں دستاویز لکھنے کا مشورہ اور لایاب میں کاتب کے لئے انکار کرنے کی ممانعت اور ولیملل الخ میں دستاویز کا مقروض کی جانب سے ہونا آیت استشھدوا میں شاہد بنانے کا مشورہ اور لایاب الشھداء میں انکار شہادت کی ممانعت بیان کی گئی ہے پھر آیت ولا تسئموا میں جزء اول کا تتمہ اور واشھدوا میں چوتھے جزو کا تتمہ اور ولا یضار میں دوسرے اور پانچویں جزو کا تتمہ بیان کیا گیا ہے اسی طرح آیت وان کنتم الخ میں انتالیسویں (۳۹) حکم رہن سے متعلق ہے اور آیت وتکتموا الشھادۃ میں چالیسویں (۴۰) حکم اخفاء سے متعلق ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... **قرض اور بیع سلم کے احکام**: .... (۱) معاملۂ دین کا لکھانا، اور کاتب کے لئے لکھنے کا حکم اور انکار کی ممانعت یہ سب استحبابی احکام ہیں وجوبی نہیں۔ اسی لئے کاتب کے لئے لکھنے کی اجرت لینا جائز ہے۔ ''بیع سلم'' جو ایک طرح کا دین ہوتا ہے یہ ہے کہ مکان یا گیہوں خریدے اور روپیہ فی الحال نہ دے بلکہ سال چھ مہینے کا ادھار کرے یا اس کا برعکس روپیہ فی الحال دیدے اور غلہ کے لئے سال چھ مہینے کا وعدہ کرے۔ دونوں صورتیں صحیح منجملہ شرائط سلم کے صحیح طریقہ پر تعیین میعاد بھی ہے۔ یعنی فلاں مہینہ میں یا اب سے چھ مہینے میں لین دین ہوگا۔ اس طرح کی مدت میں اشتباہ نہ رہے کہ جس سے نزاعی صورت قائم ہوجائے۔ مثلاً اگر یہ کہہ دیا کہ فصل کے موقع پر یہ حجاج کی آمد پر مطالبہ ادا کیا جائے گا تو یہ درست نہیں ہے غرضکہ سلم میں ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار ہوتا ہے لیکن اگر لین دین ہاتھ در ہاتھ ہو مگر معاملہ بڑا ہونے کی وجہ سے مصلحت مقتضی ہو تب بھی بیع نامہ لکھوالینا جائز ہے مثلاً مکان، دکان، زمین، باغ وغیرہ میں اہم چیزوں کی بیع البتہ غیر اہم اور معمولی چیزوں میں بیع نامہ کی چنداں ضرورت نہیں پڑتی۔

(۲) **سفیھًا** سے مراد خفیف العقل ہے خواہ بالکل ہی پاگل ہو یا کچھ خبطی ہو اور ضعیفا سے مراد نابالغ بچہ یا بوڑھا شخص ہے چنانچہ نابالغ، پاگل، خبطی اور بدحواس بوڑھے کی خرید وفروخت اور اقرار تو شرعًا بالکل ناقابل اعتبار ہے۔ باپ، دادا، اور ان دونوں کے وصی، یا حاکم شرعی اس کے ولی ہیں ان کی اجازت کے بغیر ان کے تصرفات صحیح اور نافذ نہیں ہوسکتے۔ تاہم مطالبہ ولی سے ہوگا لیکن ادائیگی خود ان معذورین کے مال سے ہوگی اور ان ہی کو مدیون سمجھا جائے گا۔ بوڑھا شخص اگر بالکل ہی حواس گم ہے تو اس کا بھی یہی حکم ورنہ وہ خود یا اپنے وکیل سے معاملہ کرا سکتا ہے اور اگر صاحبِ معاملہ گونگا ہے، دوسرا فریق اس کے اشارات کو نہیں سمجھتا یا غیر زبان والا ہے تو کسی معتبر آدمی کو ترجمان بنایا جا سکتا ہے غرضکہ لفظ کا رکن ان سب کو شامل ہے۔

ثبوت کا اصل مدار شہادت پر ہے نہ کہ دستاویز یا دستخط پر:............ثبوتِ دعویٰ کا اصل مدار شہادت پر ہوتا ہے کہ نہ دستاویز پر۔ دستاویز تو صرف اس لئے ہوتی ہے کہ اس کو دیکھ کر واقعہ یاد آ جاتا ہے چنانچہ اگر واقعہ یاد نہ ہو تو صرف دستاویز سے اثباتِ دعویٰ نہیں ہوگا۔ وہ تو صرف ایک یادداشت ہے اس کو دیکھ کر اگر واقعہ یاد نہیں آیا تو گواہی دینا درست نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ مدارِ شہادت جب دستاویز پر نہیں ہے تو نہ دستاویز لکھنا ضروری ہے اور لکھی جائے تو اس پر گواہوں کے دستخط ضروری نہیں ہیں۔ صرف دستاویز سُن کر اگر واقعہ یاد ہو تو اس طرح گواہی دی جائے گی کہ فلاں شخص نے اپنا اقرار سنایا یا دوسرے نے سنایا اور فلاں نے اس کی صحت کا اقرار کیا اور واقعہ کا مشاہدہ کیا۔ تو اس طرح گواہی دی جائے گی کہ ہمارے سامنے یہ معاملہ ہوا۔ البتہ دستاویز پر دستخط کر دینا باعثِ سہولت و یادداشت ضرور ہے۔ کیونکہ دستخط دیکھ کر واقعہ یاد آنے میں سہولت ہو جاتی ہے۔ اور مصلحت واحتیاط کے مقتضٰی بھی یہی ہے کہ دستخط کرالئے جائیں لیکن آجکل کے عدالتی دستور کے مطابق مدار شہادت نہ دستاویز پر ہوگا اور نہ دستخط پر گواہ مسلمان، بالغ، آزاد، عادل ہونے چاہئیں۔ مسلمان ہونا الذین امنوا سے اور عادل ہونا ممن ترضون سے مفہوم ہو رہا ہے۔

رہا یہ کہ صرف عدالت ظاہری کافی ہے یا مزید چھان بین کی ضرورت ہوگی یہ مختلف فیہ ہے اور اس قسم کے معاملات چونکہ عاقل ''بالغ'' آزاد لوگوں میں ہوا کرتے ہیں اس لئے یہ شرائط بھی اضافہ کی گئی ہیں گواہ بننے کے لئے اگر بلایا جائے تو گواہ بن جانا مستحب ہے لیکن اس کی ادائیگی بعض صورتوں میں فرض ہوگی۔

دستاویز کے فائدے:............**ذلکم اقسط** الخ سے کتابت کے تین فائدے بیان فرمائے ہیں (۱) ایک دوسرے کے حق کی حفاظت رہے گی، حق العباد ضائع نہیں ہوگا (۲) گواہوں کو سہولت اور آسانی (۳) ایک دوسرے کی طرف سے طبیعت صاف رہے گی۔ دل میں کدورت نہیں ہوگی اس سے بھی کتابت کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح گواہ بنانا مستحب ہے البتہ کاتب یا گواہ کو ضرر پہنچانا مثلاً عرائض نویس اُجرت مانگتا ہو یا گواہ آمدورفت کا خرچ مانگتا ہو اور ان کو مفت کام کرنے پر مجبور کرنا یہ حرام اور فسوق میں داخل ہے۔

لیس علیکم جناح میں دنیاوی نقصان کی نفی مقصود ہے۔ ورنہ گناہ تو کسی معاملہ کے نہ لکھنے میں بھی نہیں ہے۔ چنانچہ نقدا نقدی بیع میں اختلاف ونزاع کا احتمال بھی کم ہوتا ہے اور بکثرت ایسے معاملات ہونے کی وجہ سے اور اکثر خفیف ہوتے ہیں دستاویز اور بیع نامہ کی کوئی خاص ضرورت نہیں سمجھی گئی ہاں کوئی معاملہ اہم اور بڑا ہو اور ادھار نہ ہونے کی صورت میں بھی بیع نامہ احوط ہے۔

رہن یا گروی رکھنا:............آیت رہن سے دو (۲) ضروری مسئلے جلال محققؒ نے مستنبط کئے ہیں (۱) جواز رہن فی السفر والحضر (۲) صحت رہن کے لئے مرتہن یا اس کے وکیل کا قبضہ شے مرہونہ پر شرط ہے کسی معاملہ کو بالکل بیان نہ کرنا جس طرح اخفاء شہادت ہے۔ غلط بیانی کرنا بھی اخفاء میں داخل ہے اور اس میں صرف زبان ہی کا گناہ نہیں ہوگا بلکہ اول ارادہ دل میں پیدا ہوتا ہے اس لئے دل

بھی گنہگار ہے۔ بدون شہادت اگر کسی کا حق ضائع ہونے لگے اور صاحب حق شہادت کے لئے درخواست بھی کرے تو پھر ادائے شہادت سے انکار بھی حرام ہے۔ اور چونکہ ادائے شہادت کتابت کی طرح مستحب نہیں ہے بلکہ واجب ہے اس لئے اس پر اُجرت لینا جائز نہیں ہے البتہ سفر کے ضروری مصارف صاحب معاملہ کے ذمہ ہیں۔ زائد رقم واپس کر دینی چاہیئے، اتفاقی طور پر اگر کسی کو واقعہ کا علم ہو لیکن صاحب معاملہ کو اس کے علم کا علم نہیں ہے کہ وہ اس سے ادائے شہادت کی درخواست کرتا تو بدون شہادت اگر حق ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو شاہد پر صورتحال ظاہر کر دینا واجب ہے۔ پھر بھی واقف ہونے کے بعد صاحب معاملہ اگر ادائے شہادت نہ کرے تو خواہ مخواہ از خود گواہی دیتے پھرنا اس پر واجب نہیں رہتا۔

آیت مُداینہ کی سات دفعات: .... خلاصہ ان احکام کا مندرجہ ذیل دفعات ہیں۔(۱) ہر طرح کے لین دین کے لئے لکھا پڑھی اور گواہی ہونی چاہئے (۲) اگر کوئی فریق نابالغ یا ناسمجھ ہو تو اس کا کارندہ کام سرانجام دے (۳) کاتب کے لئے مناسب ہے کہ دیانتداری کے ساتھ اپنا فرض انجام دے (۴) گواہی دینے سے انکار نہیں کرنا چاہئے اور اس کا چھپانا حرام ہے (۵) اس کا بندوبست کرنا چاہئے کہ کاتب یا گواہ کو اہل معاملہ یا اہل معاملہ کو کاتب یا گواہ نقصان نہ پہنچا سکیں ورنہ نظام شہادت درہم برہم ہو جائے گی۔(۶) گواہی کے لئے اگر دو مرد سلیقہ کے دستیاب نہ ہو سکیں تو ایک مرد اور دو عورتیں جو ایک مرد کے قائمقام سمجھی جائیں شہادت کے لئے کافی ہیں۔(۷) کوئی چیز گروی رکھ کر قرض لینا دینا بھی جائز ہے لیکن مرہونہ چیز مالک کی رہے گی قرض دینے والے کے لئے اس کی واپسی سے انکار جائز نہیں ہے۔

فاکتبوہ سے معلوم ہوا کہ اصلاح معاشرت طریق باطن کے منافی نہیں ہے اور اثم قلبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی مدار قلب پر ہے۔

لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا تُظْهِرُوْا **مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ** مِنَ السُّوْءِ وَالْعَزْمِ عَلَيْهِ **اَوْتُخْفُوْهُ** تُسِرُّوْهُ **يُحَاسِبْكُمْ** يُجْزِكُمْ **بِهِ اللّٰهُ** ؕ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ** الْمَغْفِرَةَ لَهٗ **وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ** ؕ تَعْذِيْبَهٗ وَالْفِعْلَانِ بِالْجَزْمِ عَطْفًا عَلٰى جَوَابِ الشَّرْطِ وَالرَّفْعِ اَيْ فَهُوَ **وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۲۸۴﴾ وَمِنْهُ مُحَاسَبَتُكُمْ وَجَزَآؤُكُمْ **اٰمَنَ** صَدَّقَ **الرَّسُوْلُ** مُحَمَّدٌ **بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ** مِنَ الْقُرْاٰنِ **وَالْمُؤْمِنُوْنَ** ؕ عَطْفٌ عَلَيْهِ **كُلٌّ** تَنْوِيْنُهٗ عِوَضٌ عَنِ الْمُضَافِ اِلَيْهِ **اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ** بِالْجَمْعِ وَالْاِفْرَادِ **وَرُسُلِهٖ** يَقُوْلُوْنَ **لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ** فَنُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ كَمَا فَعَلَ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى **وَقَالُوْا سَمِعْنَا** مَااَمَرْتَنَا بِهٖ سِمَاعَ قَبُوْلٍ **وَاَطَعْنَا** نَسْئَلُكَ **غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ** ﴿۲۸۵﴾ اَلْمَرْجِعُ بِالْبَعْثِ وَلَمَّانَزَلَتِ الْاٰيَةُ الَّتِيْ قَبْلَهَا شَكَا الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ الْوَسْوَسَةِ وَشَقَّ عَلَيْهِمُ الْمُحَاسَبَةُ بِهَافَنَزَلَ **لَايُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا** ؕ اَيْ مَاتَسَعُهٗ قُدْرَتُهٗ **لَهَا مَاكَسَبَتْ** مِنَ الْخَيْرِ اَيْ ثَوَابُهٗ **وَعَلَيْهَا مَااكْتَسَبَتْ** ؕ مِنَ الشَّرِّ اَيْ وِزْرُهٗ وَلَايُؤَاخَذُ اَحَدٌ بِذَنْبِ اَحَدٍ وَلَا بِمَالَمْ يَكْسِبْهُ مِمَّا وَسْوَسَتْ بِهٖ نَفْسُهٗ قُوْلُوْا **رَبَّنَالَا تُؤَاخِذْنَآ** بِالْعِقَابِ **اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا** ۚ تَرَكْنَاالصَّوَابَ لَاعَنْ عَمْدٍ كَمَا اَخَذْتَ بِهٖ مَنْ قَبْلَنَا وَقَدْ رَفَعَ اللّٰهُ ذٰلِكَ عَنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ كَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيْثِ فَسُؤَالُهٗ اِعْتِرَافٌ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ **رَبَّنَا وَلَاتَحْمِلْ**

عَلَيْنَآ اِصْرًا اَمْرًا يَثْقُلُ عَلَيْنَا حَمْلُهٗ **كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا** ۚ اَیْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ مِنْ قَتْلِ النَّفْسِ فِی التَّوْبَةِ وَاِخْرَاجِ رُبْعِ الْمَالِ فِی الزَّكٰوةِ وَقَرْضِ مَوْضِعِ النَّجَاسَةِ **رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ** قُوَّةَ **لَنَا بِهٖ** ۚ مِنَ التَّكَالِيْفِ وَالْبَلَاءِ **وَاعْفُ عَنَّا** ۥ اُمْحُ ذُنُوْبَنَا **وَاغْفِرْ لَنَا** ۥ **وَارْحَمْنَا** ۥ فِی الرَّحْمَةِ زِيَادَةٌ عَلَى الْمَغْفِرَةِ **اَنْتَ مَوْلٰىنَا** سَيِّدُنَا وَمُتَوَلِّیْ اُمُوْرِنَا **فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ** ﴿۲۸۶﴾ بِاِقَامَةِ الْحُجَّةِ وَالْغَلَبَةِ فِیْ قِتَالِهِمْ فَاِنَّ مِنْ شَاْنِ الْمَوْلٰى اَنْ يَّنْصُرَ مَوَالِيَهٗ عَلَى الْاَعْدَآءِ وَفِی الْحَدِيْثِ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَقَرَاَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيْلَ لَهٗ عَقْبَ كُلِّ كَلِمَةٍ قَدْ فَعَلْتُ

ترجمہ:............ اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں آسمان اور زمین کی سب چیزیں اور اگر تم ظاہر کرو گے (کھول دو گے) اپنی دلی باتیں (برائی یا برائی کا عزم) یا چھپاؤ گے (پوشیدہ رکھو گے) تو حساب لیں گے (دریافت کریں گے) تم سے اللہ تعالیٰ (قیامت کے روز) بخش دیں گے جس کے لئے چاہیں گے (اس کی مغفرت) اور سزا دیں گے جس کے لئے منظور ہوگا (سزا دینا، **یغفر** اور **یعذب** دونوں فعل مجزوم ہیں جواب شرط پر عطف کرتے ہوئے اور مرفوع بھی ہیں تقدیر ھو کے ساتھ) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں (منجملہ ان کے تم سے محاسبہ کرنا اور بدلہ دینا ہے) اعتقاد (یقین) رکھتے ہیں رسول (محمد ﷺ) اس پر بات کا آپ کے پروردگار کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا (قرآن مجید) اور دوسرے مؤمنین بھی (اس کا عطف رسول پر ہے) سب کے سب (لفظ کل پر تنوین مضاف الیہ کے بدلہ میں ہے) عقیدہ رکھتے ہیں اللہ پر، اس کے فرشتوں اور کتابوں (لفظ کتب جمع اور مفرد دونوں صیغوں کے ساتھ ہے) اور رسولوں پر (اور یہ کہتے ہیں کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے (کہ بعض پر ایمان لے آئیں اور بعض کا کفر کریں۔ جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا) اور ان سب نے کہا کہ ہم نے سن لیا (آپ کا حکم بارادۂ اطاعت) اور خوشی سے مان لیا (ہم درخواست کرتے ہیں) آپ کی بخشش کی اے ہمارے پروردگار اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے (قبروں سے اٹھنے کے بعد اس سے پہلی آیت ان **تبدوا الخ** جب نازل ہوئی تو صحابہؓ نے وسوسہ پر محاسبہ کے شاق ہونے کی شکایت کی جس پر اگلی آیت نازل ہوئی) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو پابند نہیں بناتے مگر اسی حکم کا جو اس کی طاقت میں ہو (یعنی جس پر اس کو اختیار و قدرت ہو) اس کو ثواب بھی اسی کا ہوتا ہے جو اپنے ارادہ سے کرلے (نیک کام یعنی اس کا ثواب) اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو اپنے ارادہ سے کرے (کوئی بڑا کام یعنی اس کا گناہ نہ تو کوئی ایک دوسرے کے گناہ میں پکڑا جائے گا اور نہ کسی نہ کئے ہوئے ایسے کام پر جو حد وسوسہ سے آگے نہ بڑھا ہو مواخذہ کیا جائے اس طرح کہا کرو) اے ہمارے پروردگار ہم سے داروگیر (عذاب) نہ فرمائیے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں (بلا ارادہ صحیح راہ اگر چھوڑ دیں جیسا کہ آپ نے ہم سے پہلوں پر مواخذہ فرمایا ہے اور جس کو اللہ نے اس امت کے لئے معاف کردیا ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔ تو اس کا سوال درحقیقت اللہ کی نعمت کا اعتراف کرنا ہے) اے ہمارے پروردگار اور نہ بھیجئے ہم پر کوئی سخت حکم (جس کا تحمل ہماری برداشت سے باہر ہو) جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے (یعنی بنی اسرائیل پر، توبہ میں قتل نفس کرنا اور زکوٰۃ میں چوتھائی مال نکالنا، موقع نجاست کا کاٹ پھینکنا) اے ہمارے پروردگار اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالئے جو ہماری طاقت (قوت) سے باہر ہو (تکالیف اور بلائیں) اور درگذر کیجئے ہم سے (ہمارے گناہ معاف فرمادیجئے) اور بخش دیجئے ہم کو اور رحم کردیجئے ہم پر (رحمت مغفرت سے بڑھ کر ہے) آپ ہمارے کارساز ہیں (مالک اور کاموں کو سرانجام دینے والے) سو آپ ہم کو کافروں پر غالب فرمادیجئے (لسانی حجۃ اور سنانی غلبہ کے ساتھ۔ مولیٰ کی شان ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے غلاموں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں امداد کیا کرتا ہے۔ حدیث

میں ارشاد ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے تلاوت فرمائی تو ہر حکم پر اجازت کی بشارت سے آپ کو سرفراز فرمایا گیا)

تحقیق وترکیب: .... وان تبدوا واؤ استینافیہ ہے، مقصد وارادہ کے پانچ مراتب کو بعض نے اس طرح منظوم بیان کیا ہے۔

مراتب القصد خمس هاجس ذكروا	وخاطر فحديث النفس فاستمعا

يليه هم فعزم كلها رفعت	سوى الاخير ففيه الاخذ قدوقعا

والعزم علیه آیت کے الفاظ کو اگر عموم پر محمول کیا جائے تب تو یہ عموم اگلی آیت لا یکلف اللہ سے منسوخ ہے ورنہ اگر مواخذہ برائی اور صرف عزم برائی پر مراد ہو تو آیت کو منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں ہوگی اور مابعد کی آیت اس کی توضیح کردے گی۔

کل تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے ای کلهم اور ضمیر کا مرجع نبی اور مؤمنین ہیں۔ لا نفرق یہ محل نصب میں ہے بتقدیر القول ای قائلین۔ فنزل مشہور یہ ہے کہ اخبار میں نسخ نہیں ہوتا لیکن اخبار مستقبلہ اگر کسی حکم کو متضمن ہوں تو ان میں نسخ ہوسکتا ہے جیسا کہ بیضاویؒ کی رائے ہے اور بیہقی نسخ کو یہاں تخصیص کے معنی میں لیتے ہیں۔ گویا پچھلی آیت میں عموم تھا اس آیت سے معلوم ہوا کہ حدیث النفس وغیرہ جو غیر اختیاری ہیں ان پر مواخذہ نہیں ہے۔

لها ما کسبت کسب کا استعمال خیر کے ساتھ اور اکتساب کا استعمال شر کے ساتھ ہے کیونکہ نفس کی رغبت زیادہ تر شر کی طرف ہوتی ہے اس لئے گویا شر میں زیادہ مساعی ہوتا ہے کلام یہاں بحذف المضاف ہے اول میں لفظ اور دوسرے میں لفظ ثواب مقدر مانا جائے گا۔ لها میں لام نفع کا ہے اور علیها علی ضرر کے لئے ہے وسعها یا وسع بمعنی طاقۃ سے یا سعۃ سے ماخوذ ہے ولا بمالم یکسبہ یعنی محض وسوسہ پر جب تک عملدرآمد نہ ہو قابل مؤاخذہ نہیں ہے۔

فسواله اعتراف مفسر ایک شبہ کا ازالہ کررہے ہیں کہ حدیث کی رُو سے خطاونسیان پر مواخذہ نہیں ہے تو پھر اس کی دعا تحصیل حاصل ہے حاصل جواب یہ ہے کہ کہ مقصود اس دعا سے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا اعتراف واظہار ہے من قبلنا منجملہ دشوار احکام کے یہ بھی ہے کہ بنی اسرائیل پر پچاس نمازیں واجب تھیں نیز مسجد کے علاوہ دوسری جگہ نماز جائز نہیں تھی۔ صرف پانی سے طہارت حاصل ہوسکتی تھی، تیمم وغیرہ کی اجازت نہیں تھی رات کو سونے کے بعد روزوں کے ایام میں کھانے کی ممانعت اور بعض گناہوں کی پاداش میں بعض طیبات کا حرام کردیا جانا، رات کے کئے ہوئے گناہ کا صبح دروازہ پر لکھا ہوا ملنا۔

فان من شان فا چونکہ سببیت پر دلالت کرتا ہے اسی کی تصحیح کے لئے مفسر علام نے یہ تقریر کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ چونکہ آقا اس اور آقا غلاموں کی اعانت کیا کرتے ہیں اس لئے آپ بھی ہماری اعانت فرمائیے۔

ربط: .... پچھلی آیت میں کتمانِ شہادت کو قلب کا فعل شمار کرتے ہوئے اس کی ممانعت اور قلب کو گنہگار کہا گیا تھا۔ آیت للّٰه مافی السمٰوٰت الخ میں مسئلہ کی پوری تحقیق مقصود ہے کہ قلب کی کن برائیوں پر گناہ مرتب ہوگا اور کن پر مواخذہ نہیں ہوگا۔ یہ حکم من وجہ اکتالیسواں (۴۱) مستقل حکم بھی ہوسکتا ہے اور ماقبل کے حکم کے تتمہ بھی جیسا کہ معاملات بنی اسرائیل کے ذیل میں بھی آخری معاملہ ذو وجہین گذرا ہے۔

شانِ نزول: .... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت وان تبدوا الخ نازل ہوئی تو صحابہؓ پر نہایت شاق ہوا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر مؤدبانہ عرض کیا کہ جو اعمال ہمارے حد اختیار میں تھے جیسے نماز، روزہ، جہاد، صدقہ اس کا مکلف تو خیر ہم کو بنایا ہی گیا تھا لیکن یہ آیت ایسے افعال کا پابند بنانا چاہتی ہے جو ہماری طاقت سے بالا ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم پچھلے اہل کتاب کی طرح سے سمعنا و عصینا کہنا چاہتے ہو؟ تمہیں تو سمعنا و اطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر کہنا چاہئے۔ چنانچہ ان حضرات نے ان الفاظ کو ادا کرنا چاہا لیکن زبان لڑکھڑا گئی اور یارائی نہ کرسکی۔ تب آیت امن

الرسول الخ نازل ہوئی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب تعمیل حکم کی تو اس پر آیت لایکلف اللہ الخ نازل ہو کر اس شان حکم کو منسوخ کر دیا۔

﴿تشریح﴾: ...... **اختیاری اور غیر اختیاری کاموں کا فرق**: .... خلاصۂ کلام یہ ہے کہ افعال اختیاریہ مثلاً غلط عقائد جو بُرے اخلاق، گناہ کا عزم ان پر تو عذاب اور مؤاخذہ ہوگا۔لیکن غیر اختیاری اور اضطراری افعال جیسے وساوس وخطرات ان پر گناہ نہیں ہے۔

جس طرح زبان اور دوسرے اعضاء سے متعلق کام دو طرح کے ہوتے ہیں ایک اختیاری جیسے ارادہ سے بولنا مارنا وغیرہ، دوسرے غیر اختیاری جیسے بے اختیار زبان سے کچھ نکل جانا، یا رعشہ والے کے ہاتھ پاؤں کی بے اختیار حرکت ظاہر ہے کہ اول قسم کے کاموں پر مواخذہ ہے اور دوسری قسم معاف ہے۔

اسی طرح دل سے متعلق بھی دو طرح کے کام ہیں ایک اختیاری جیسے جان کر کفریہ عقیدہ رکھنا، شراب وزنا کا ارادہ، دوسرے غیر اختیاری جیسے کسی معصیت یا کفر کا بُرا خیال، خطرہ، وسوسہ خود بخود آ جانا، دونوں قسموں کے احکام بھی وہی ہیں جو پہلی دو قسموں کے ہیں یعنی اول پر مؤاخذہ اور دوسرے پر مؤاخذہ نہیں ہے۔

ماتریدیہ کی رائے: .... چنانچہ ابومنصور ماتریدی اور شمس الائمہ حلوائی اور جمہور کی رائے یہی ہے کہ عزم پر مؤاخذہ ہوگا ان **الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ** اور حدیث عائشہؓ **ماھم العبد بالمعصیۃ من غیر عمل یعاقب علی ذالک بما یلحقہ من الھم والحزن فی الدنیا** اسی کی مؤید ہے البتہ حدیث **ان اللہ عفا عن امتی ماحدثت بہ انفسھم مالم تعمل او تتکلم** اس کو خطرات پر محمول کیا گیا ہے اور جس طرح کفر کے علاوہ اعضاء سے متعلق تمام کاموں میں عذاب اور مغفرت دونوں کا امکان ہوتا ہے اسی طرح دلی ارادوں میں بھی عزم کفر کے علاوہ دیگر بڑے عزائم مغفرت وعتاب دونوں کا احتمال رکھتے ہیں۔ تاہم آیت میں چونکہ اختیاری اور غیر اختیاری کی قید اور یہ تقسیم صریح نہیں تھی اس لئے حضرات صحابہؓ ان الفاظ کا ظاہری عموم دیکھ کر گھبرا گئے اور آنحضرت ﷺ کی نظر بھی کمال خشیت کی وجہ سے الفاظ کی ظاہری عموم تک ہی رہی اس لئے ادباً آپ نے **سمعنا و اطعنا الخ** کی تعلیم پر زور دیا اور انتظار وحی میں خود آیت کی تفسیر نہیں فرمائی۔ چنانچہ آپ کے اور صحابہؓ کی انقیاد واطاعت کو **امن الرسول** میں سراہا گیا ہے اور پھر بات کو **لایکلف اللہ** سے اچھی طرح صاف کر دیا گیا۔ اسی کو بعض حضرات نے نسخ سے تعبیر کر دیا ہے اور سلف کے یہاں نسخ کے مفہوم میں توسع تھا توضیح مراد کو بھی نسخ کہہ دیا کرتے تھے۔

یحاسبکم بہ اللہ میں حساب وکتاب حشر ونشر کی حقیقت معلوم ہوتی ہے اس میں منکرین حشر پر رد ہے۔ اور **امن الرسول** میں اصل مقصد تو صحابہؓ کے ایمان کے مدح وتوصیف ہے لیکن آنحضرت ﷺ کے ایمان کو محض تسلی اور اطمینان کی خاطر ملا دیا گیا ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کا ایمان بلاشبہ مقبول ہے آپ ﷺ کے خدامؓ کا ایمان بھی مقبول ہے اگرچہ دونوں میں کامل واکمل ہونے کا فرق اپنی جگہ ہے۔ اس جملہ معترضہ کے بعد پھر اس مضمون سابق کی توضیح آیت **لا یکلف اللہ** میں پوری طرح کی جارہی ہے۔

دوسرے کے ذریعہ ثواب یا عذاب ہوسکتا ہے یا نہیں؟: .... **لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت** اور آیت نجم **لیس للانسان الا ماسعٰی** اور **لا تزروا زرۃ الخ** میں جو ثواب وعذاب کا حصر کیا جا رہا ہے صرف اپنے ہی کئے کا ثواب و عذاب ہوگا اس سے مراد اول ثواب وعذاب کا حصر ہے۔ مطلقاً ثواب وعذاب کا حصر مقصود نہیں ہے کہ نہ دوسرے کے ذریعہ ثواب ہو سکے اور نہ عذاب کی گنجائش ہو۔ چنانچہ **من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل علیھا ومن سن سنۃ سیئۃ فعلیہ وزرھا و وزر من عمل علیھا** وغیرہ نصوص جن سے دوسرے کے ذریعہ ثواب وعذاب کا ہونا معلوم ہوتا ہے اسی طرح کوئی نیک کام کر کے

اس کا ثواب دوسرے کو بخش دینا اور اس کا ثواب مل جانا یہ سب باتیں اس آیت کے منافی نہیں ہیں اور یہ شبہ کرنا صحیح نہیں ہے کہ ان صورتوں میں دوسرے کے اکتساب سے ثواب وعذاب کیسے ہوگیا۔ حالانکہ اس آیت میں تو اس کی نفی کی گئی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ بلا اکتساب دوسرے کی طرف سے ثواب ملنے میں اس آیت کو سامنے رکھ کر چار جواب ہوں گے اور بلا اکتساب عذاب ہونے میں دو توجیہیں ہوں گی۔

بلا اکتساب ثواب ملنے کی چار توجیہیں یہ ہیں (۱) آیت لھا ما کسبت اور لیس للانسان میں اولی طور پر ثواب مراد ہے اور دوسروں کے ذریعہ سے ثواب مل جانا بالواسطہ اور تسبب کے درجہ میں ہوگا۔ اس لئے ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ ایک میں بلاواسطہ ثواب مراد ہے اور دوسرے میں بواسطہ، دونوں جمع ہوسکتے ہیں یہ مانعۃ الجمع نہیں ہے۔

(۲) تسبب اور دوسروں کے لئے ذریعۂ ثواب بن جانا درحقیقت یہ بھی اپنا ہی فعل اختیاری ہے اور اپنے فعلِ اختیاری پر ثواب کا ملنا اس آیت میں منصوص ہے اس لئے دوسروں کے لئے نیکی کا ذریعہ بن جانا اپنا ہی فعل ہے اور قابلِ ثواب ہے۔

(۳) دوسرے کی طرف سے ثواب کا بخش دیا جانا اگرچہ موہوب لہٗ کے لئے غیر اختیاری فعل ہے لیکن بواسطہ ہبہ کے ثواب مل رہا ہے جو اس آیت کے منافی نہیں ہے کیونکہ آیت حصر ابتداءً ثواب کا ہے جو بالواسطہ ثواب کے منافی نہیں ہے۔

(۴) کہا جائے کہ اس آیت میں اصل مقصد صرف عذاب کی نفی ہے خود اپنے فعل کے ثواب یا دوسرے کے فعل کے ذریعہ ثواب کی نفی کرنا نہیں ہے اس لئے دوسرے کے ثواب بخش دینے سے ثواب کا مل جانا اس آیت کے منافی نہیں ہے۔

اور بلا اکتساب کے لئے برائی کا ذریعہ بن جانا بھی درحقیقت اپنا ہی فعل اختیاری ہے اور فعلِ اختیاری پر عتاب ہوا کرتا ہے اس لئے یہ عذاب بھی باعثِ اشکال نہیں ہونا چاہیئے۔

دعائیہ پیرایۂ بیان: .... افعال قلوب غیر اختیاریہ کا ذکر تو کلیاً اور جزئیاً دونوں طرح ان تبدوا مافی انفسکم الخ اور لایکلف اللہ میں ہوچکا ہے اور افعال جوارح ظاہری کا ذکر بھی کلیۂ قاعدہ کلیہ ہونے کی وجہ سے اس کے تحت ہو چکا ہے لیکن ضرورت تھی کی جزئیاً بھی افعالِ ظاہرہ کا ذکر کیا جائے۔ اس لئے حق تعالیٰ مع مضامین مناسبہ کے دعائیہ پیرایہ میں ان کا ذکر فرماتے ہیں۔ جن چیزوں کا ہونا نہ ہونا دونوں محتمل ہوں اور جن کا کوئی صریحی وعدہ بھی نہ ہو ان کا دعائیہ پیرایہ میں آنا تو ظاہر ہے لیکن جن کا وقوع یقینی ہو اور وعدہ بھی صریحی منقول ہو جیسے "رفعت عن امتی الخطاء والنسیان" سے خطاء ونسیان پر مواخذہ نہ ہونا یقینی ہے پھر ان کا دعائیہ پیرایہ میں لانا زمانۂ نبوت تک تو اس لحاظ سے ہوگا کہ اے اللہ جس طرح اب تک ہم کو اس کا مکلف نہیں بنایا آئندہ بھی مکلف نہ بنائیے اور اس حکم کو منسوخ نہ فرمائیے اور زمانۂ نبوت کے بعد محض تذکیر ہوگی نعمت سابقہ کی کہ ہمارے فضل کو دیکھو کہ کس طرح ہم نے یہ دعا سکھلائی اور اس کو قبول کر کے سابقہ حکم باقی رکھا منسوخ نہیں کیا جیسا کہ مفسر علامؒ اشارہ کررہے ہیں۔

تکلیف مالایطاق عقلاً جائز ہے: .... رہا یہ شبہ کرنا کہ اگر آنحضرت ﷺ کے زمانۂ نبوت میں خطاء ونسیان کا عدم مؤاخذہ منسوخ ہوجاتا تو وہ تکلیف مالایطاق لازم آتی۔ اور وہ عقلاً جائز نہیں ہے جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں لیکن جواب دیا جائے گا کہ عقلاً اس کا محال ہونا مسلّم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے اور وہ مالک ہیں جس طرح چاہیں حکم دے سکتے ہیں البتہ شرعاً تکلیف مالایطاق محال ہے جیسا کہ اشاعرہ کی رائے ہے اور وہ امتناع شرعی نسخ کے ذریعہ اٹھ جاتا۔ البتہ اسی طرح یہ شبہ کرنا کہ جب وہ کام ہو ہی نہیں سکتا پھر مکلف بنانے سے کیا فائدہ؟ یعنی تکلیف مالایطاق قدرت کے تو منافی نہیں ہے البتہ حکمت کے منافی معلوم ہوتا ہے جواب یہ ہے کہ حکمت کچھ عمل ہی میں منحصر نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دنیا میں جس طرح ان پر بعض آثار مرتب ہوئے ہیں مثلاً قتل خطاء پر کفارہ نسیاناً کلام کا مفسد نماز ہونا۔ اسی طرح آخرت میں بھی بعض آثار مرتب ہوتے۔ مثلاً اللہ کا مالک اور بندہ کا مملوک ہونا ظاہر کرنے کے لئے اس پر

محاسبہ کیا جاتا اور پھر معذرت کے بعد معافی ہو جاتی۔ سو یہ عملی افادہ ایک بہت بڑی حکمت ہے اور عملی فائدہ یہ کہ مثلاً خطاء ونسیان اسی طرح وساوس وخطرات کے جتنے مراتب معاف کئے گئے ہیں ممکن ہے بعض ان میں اختیاری ہوں اس لئے ان کے مکلّف بنانے میں کوئی اشکال نہیں تھا۔ چنانچہ حدیث عن امتی کوقید سے پچھلی امتوں کا بعض مراتب میں مکلّف ہونا خود مفہوم ہوتا ہے ورنہ تمام امتوں سے تکلیف مالایطاق کی نفی تو صرف دو لفظ نفساً سے سمجھ میں آ رہی ہے۔

تکلیف مالایطاق سے کیا مراد ہے؟:............ آیت میں زائد از طاقت جن کاموں کی نفی کی گئی ہے ان سے مراد یہ ہیں مثلاً اجتماع الضدین کی تکلیف دی جاتی یا کسی جاندار کو بنانے یا ہوا میں اڑانے کا مکلّف کیا جاتا یا بحالتِ بیماری نماز کے قیام اور وضو پر مجبور کیا جاتا وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح الا وسعھا میں قدرت میسرہ مراد ہے جس کو مدار احکام بنایا گیا ہے قدرت ممکنہ مراد نہیں ہے ورنہ انسان ایک دن میں پانچ نمازوں سے زائد اور سال بھر میں ایک ماہ سے زائد روزوں کی طاقت اور قدرت رکھتا ہے لیکن باعث سہولت نہیں بلکہ دقت کا باعث ہوتی۔ حدیث میں آیا ہے کہ یہ سب دعائیں قبول ہو گئیں بعض کی قبولیت تو ظاہر ہے لیکن بعض کی قبولیت میں اگر شبہ ہو تو یہ خیال کر لینا چاہئے کہ کسی ظاہری یا باطنی مصلحت سے کسی وقت اگر عدم قبولیت ہی نافع ہو تو وہ عدم قبولیت بھی قبولیت ہی ہے کیونکہ خود قبولیت مقصود اصلی نہیں ہے۔ اصل مقصد تو مصلحت ہوتی ہے وہ جس صورت میں بھی ہو قبولیت یا عدم قبولیت کے لحاظ سے جن مضامین سے سورت شروع ہوئی تھی ان ہی مضامین پر سورت کا اختتام بھی ہو رہا ہے۔ کفار کے مقابلہ میں نصرت محاجۂ لسانی، غلبۂ سنانی دونوں میں مطلوب ہے اور یہی حاصل ہے آئندہ سورۂ آلِ عمران کا (ملخصاً من البیان)

ان تبدوا مافی انفسکم میں افعال قلوب کے حکم کی تحقیق ہے لانفرق بین احد انبیاءؑ کی طرح اولیاء میں بھی تفریق نہیں کرنی چاہئے کہ ایک پر اعتقاد رکھے اور دوسرے پر نہ رکھے۔ لا یکلف اللہ میں دلالت ہے کہ مجاہدہ میں سالک کے حال کی رعایت ہونی چاہئے۔ امن الرسول میں باوجود آنحضرت ﷺ کے کامل الایمان بلکہ اکمل الایمان ہونے کے کمال مزید کی ترغیب دینے سے معلوم ہوا کہ ترقی کی کوئی انتہا نہیں ہے لا یکلف اللہ سے معلوم ہوا کہ تجلیات کا ورود بھی بقدر استعداد ہوتا ہے جس سے طالب تنگ دل نہ ہو جائے (مسائل السلوک)

قد تمت سورۃ البقرۃ بحمد اللہ- وتتلیہا سورۃ آل عمران انشاء اللہ

سُوْرۃ اٰل عمرٰن

سورۃ ال عمرٰن مَدنیّۃ وھیَ مائتا ایۃ

ترجمہ: ....سورۃ آل عمران مدنیہ ہے، اس میں دوسو آیات ہیں

تحقیق وترکیب: .... **سورۃ ال عمران** مبتدا ہے اور مدنیۃ خبر اول ہے اور مائتا آیۃ دوسری خبر ہے یعنی ہجرت کے بعد یہ سورت نازل ہوئی ہے خواہ مدینہ کے علاوہ دوسری جگہ نازل ہوئی ہو۔ اور عمران کے مصداق میں علماء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے والد مراد ہیں اور بعض کے نزدیک حضرت مریمؑ کے والد ہیں۔ چنانچہ اس سورت میں حضرت مریمؑ وعیسیٰؑ کا ذکر اس بات کا قرینہ ہے۔ اول صورت میں آل عمران سے مراد حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام ہونگے اور دوسری صورت میں حضرت مریم وعیسیٰ علیہما السلام مراد ہوں گے دونوں عمرانوں کے درمیان اٹھارہ سو سال کا فصل ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ترجمہ: ....شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑے مہربان اور نہایت رحم والے ہیں۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَللّٰہُ اَعلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذٰلِکَ **اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ﴿۲﴾ نَزَّلَ عَلَیْکَ** یَا مُحَمَّدُ **الْکِتٰبَ** الْقُرْآنَ مُتَلَبِّسًا **بِالْحَقِّ** بِالصِّدْقِ فِیْ اَخْبَارِہٖ **مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ** قَبْلَہٗ مِنَ الْکُتُبِ **وَاَنْزَلَ التَّوْرٰۃَ وَالْاِنْجِیْلَ ﴿۳﴾ مِنْ قَبْلُ** اَیْ قَبْلَ تَنْزِیْلِہٖ **ھُدًی** حَالٌ بِمَعْنٰی ھَادِیَیْنِ مِنَ الضَّلَالَۃِ **لِّلنَّاسِ** مِمَّنْ تَبِعَھُمَا وَعَبَّرَ فِیْھِمَا بِاَنْزَلَ وَفِی الْقُرْآنِ بِنَزَّلَ الْمُقْتَضِیْ لِلتَّکْرِیْرِ لِاَنَّھُمَا اُنْزِلَا دَفْعَۃً وَّاحِدَۃً بِخِلَافِہٖ **وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ** بِمَعْنَی الْکُتُبِ الْفَارِقَۃِ بَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَذَکَرَ بَعْدَ ذِکْرِ الثَّلَاثَۃِ لِیَعُمَّ مَاعَدَاھَا **اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ** الْقُرْآنِ وَغَیْرِہٖ **لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ** غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ فَلَایَمْنَعُہٗ شَیْءٌ مِنْ اِنْجَازِ وَعِیْدِہٖ وَوَعْدِہٖ **ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾** عُقُوْبَۃٍ شَدِیْدَۃٍ مِمَّنْ عَصَاہُ لَایَقْدِرُ عَلٰی مِثْلِھَا اَحَدٌ **اِنَّ اللّٰہَ لَایَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ** کَائِنٌ **فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ﴿۵﴾** لِعِلْمِہٖ بِمَایَقَعُ فِی الْعَالَمِ مِنْ کُلِّیٍّ وَجُزْئِیٍّ وَخَصَّھُمَا بِالذِّکْرِ لِاَنَّ

الحِسِّ لايتجاوزُهُما **هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ** مِنْ ذُكُورَةٍ وَاُنُوثَةٍ وبَياضٍ وسَوادٍ وغَيرِ ذلِكَ **لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ** في مُلكِه **الْحَكِيمُ** ﴿۶﴾ في صُنعِه **هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ** وَاضِحاتُ الدَّلالةِ **هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ** اَصلُهُ المُعتَمَدُ عَلَيه في الاَحكامِ **وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ** لايُفهَمُ مَعانِيها كاَوائِلِ السُّوَرِ وجَعلَهُ كُلَّهُ مُحكَمًا في قَولِه تعالٰى اُحكِمَتْ اٰيَاتُهُ بِمَعنٰى اَنَّهُ لَيسَ فيه عَيبٌ ومُتَشابِهًا في قَولِه كِتَابًا مُتَشَابِهًا بِمَعنٰى اَنَّهُ يُشبِهُ بَعضُهُ بَعضًا في الحُسنِ والصِّدقِ **فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ** مَيلٌ عَنِ الحَقِّ **فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ** طَلَبَ **الْفِتْنَةِ** لِجُهّالِهم لِوُقُوعِهم في الشُّبُهاتِ واللَّبسِ **وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ** تَفسِيرِه **وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ** وَحدَهُ **وَالرَّاسِخُونَ** الثّابِتُونَ المُتَمَكِّنُونَ **فِي الْعِلْمِ** مُبتَدأٌ خَبرُهُ **يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ** اَيْ بِالمُتَشابِهِ اَنَّهُ مِن عِندِاللهِ ولانَعلَمُ مَعناهُ **كُلٌّ** مِنَ المُحكَمِ والمُتَشابِهِ **مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ** بِاِدغامِ التّاءِ في الاَصلِ في الذّالِ اَيْ يَتَّعِظُ **إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ** ﴿۷﴾ اَصحابُ العُقُولِ ويَقُولُونَ اَيضًا اِذا رَاَوا مَن يَّتَّبِعُهُ **رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا** تُمِلْها عَنِ الحَقِّ بِابتِغاءِ تاوِيلِه الَّذي لايَليقُ بِنا كَما اَزَغتَ قُلُوبَ اُولٰئِكَ **بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا** اَرشَدتَنا اِلَيه **وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ** مِن عِندِكَ **رَحْمَةً** تَثبِيتًا **إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ** ﴿۸﴾ يا **رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ** تَجمَعُهُم **لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ** شَكَّ **فِيهِ** هُوَ يَومُ القِيٰمةِ فَتُجازِيهِم بِاَعمالِهم كَما وَعَدتَ بِذٰلِكَ **إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ** ﴿۹﴾ مَوعِدَهُ بِالبَعثِ فيه التِفاتٌ عَنِ الخِطابِ ويَحتَمِلُ اَن يَكُونَ مِن كَلامِه تعالٰى والغَرَضُ مِنَ الدُّعاءِ بِذٰلِكَ بَيانُ اَنَّ هَمَّهُم اَمرُ الاٰخِرَةِ ولِذٰلِكَ سَأَلُوا الثُّباتَ عَلَى الهِدايَةِ لِيَنالُوا ثَوابَها رَوَى الشَّيخانِ عَن عائِشَةَ قالَت تَلا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وسَلَّمَ هٰذِهِ الاٰيَةَ هُوَ الَّذِي اَنزَلَ عَلَيكَ الكِتٰبَ مِنهُ اٰيٰتٌ مُحكَمٰتٌ اِلٰى اٰخِرِها وقالَ فَاِذا رَاَيتَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ما تَشابَهَ مِنهُ فَاُولٰئِكَ الَّذِي سَمَّى اللهُ تعالٰى فاحذَرُوهُم ورَوَى الطَّبرانِي في الكَبيرِ عَن اَبي مالِكٍ الاَشعَرِيِّ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وسَلَّمَ يَقُولُ ما اَخافُ عَلٰى اُمَّتي اِلَّا ثَلٰثَ خِلالٍ وذَكَرَ مِنها اَن يُفتَحَ لَهُمُ الكِتٰبُ فَيَاخُذُهُ المُؤمِنُ يَبتَغِي تاوِيلَهُ ولَيسَ يَعلَمُ تاوِيلَهُ اِلَّا اللهُ والرّاسِخُونَ في العِلمِ يَقُولُونَ اٰمَنّا بِه كُلٌّ مِن عِندِ رَبِّنا وما يَذَّكَّرُ اِلّا اُولُو الاَلبابِ الحَدِيثَ۔

ترجمہ: .... الف۔ لام۔ میم (اس کے حقیقی مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے) اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی معبود بنانے کے لائق نہیں ہے اور وہ زندہ اور سب چیزوں کو سنبھالنے والے ہیں۔ انہوں نے آپ کے پاس (اے محمدؐ) کتاب (قرآن) بھیجی ہے

درآنحالیکہ وہ لئے ہوئے ہے) واقعیت (صداقت اخبار) کو اس کیفیت سے کہ وہ تصدیق کرتا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے (کتابیں) نازل ہوچکی ہیں اور اللہ نے نازل فرمائیں تھیں توراۃ وانجیل اس سے پہلے (یعنی نزولِ قرآن سے پہلے) ہدایت کے واسطے (ھدیً حال ہے یعنی ہادی ہیں گمراہی کے لئے) لوگوں کی (جو ان کا اتباع کرلے۔ توراۃ وانجیل کو لفظ انزل سے اور قرآن کریم کو لفظ نـزل سے تعبیر فرمایا ہے جو مقتضی تکرار ہے۔ وجہ یہ ہے کہ توراۃ وانجیل دونوں کتابیں ایک دم نازل ہوئیں۔ بخلاف قرآن کے) اور اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے فیصلہ کُن چیز کو (یعنی جو کتابیں حق وباطل کے درمیان فیصلہ کن ہیں۔ اور تینوں کتابوں کے بعد اس لفظ کا ذکر اس لئے کیا ہے تاکہ ان تینوں کے علاوہ بھی سب کو شامل ہوجائے) بلاشبہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات (قرآن وغیرہ) کے منکر ہیں ان کے لئے سزائیں سخت ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہیں (اپنے کام پر غلبہ والے ہیں ان کو وعدہ وعید کے پورا کرنے سے کوئی چیز روکنے والی نہیں ہے) اور بدلہ لینے والے ہیں (سخت سزا دینے والے ہیں نافرمانوں کو کسی کو ایسی سزا پر قدرت حاصل نہیں ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے خواہ زمین میں ہو یا آسمان میں (عالم میں جو کلی یا جزئی واقعہ ہوتا ہے اس کا علم حق تعالیٰ کو ہوتا ہے۔ زمین وآسمان کی تخصیص اس لئے کی کہ عالم حس ان سے آگے متجاوز نہیں ہے) وہ ایسی ذات ہے کہ تمہاری شکل وصورت بناتا ہے رحم مادر میں جس طرح چاہتا ہے (نریا مادہ سفید یا سیاہ وغیرہ) کوئی لائق عبادت نہیں ہے بجز اس کے۔ وہ غالب ہیں (اپنے ملک میں) حکمت والے ہیں (اپنی کاریگری میں) وہ ایسے ہیں کہ نازل کی آپؐ پر ایسی کتاب کہ جس میں ایک حصہ ایسی آیات کا ہے جو اشتباہ مراد سے محفوظ ہے (واضح الدلالۃ) ہے اور یہی آیات مدار اصلی ہیں (احکام میں ان ہی پر اعتماد کیا جاسکتا ہے) اور دوسری آیات مشتبہ المراد ہیں (کہ ان کے معانی مفہوم ہی نہیں ہوتے جیسے مقطعات قرآنیہ لیکن آیت احکمت ایاته میں پورے قرآن کو بایں معنی محکم کہا گیا ہے کہ اس میں کہیں عیب نہیں ہے۔ اور دوسری آیت کتابا متشابھا میں کل قرآن کو متشابہ کہا گیا ہے یعنی حسن اور صدق میں سب آیات ایک جیسی ہیں) سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی (حق سے اعراض) ہے۔ وہ تو اس کے اس حصہ کی طرف ہو لیتے ہیں جو مشتبہ المراد ہے تلاش (جستجو) کرنے کے لئے شورش کی (شبہات والتباس کی بھنور کہ جس میں وہ مبتلا ہیں) اور اس (مشتبہ المراد) کا مطلب ڈھونڈنے کی غرض سے حالانکہ اس کا مطلب بجز (تنہا) اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ پختہ کار (مضبوط جمے ہوئے) ہیں علم میں (یہ مبتداء ہے اس کی خبر آگے ہے) وہ تو یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں (یعنی متشابہ کے منجانب اللہ ہونے پر اگرچہ ہم اس کے معنی نہیں جانتے) سب آیات (ظاہر المعنی اور خفی المعنی) ہمارے پروردگار کی جانب سے ہیں اور نصیحت کی بات قبول نہیں کرتے (یذکر دراصل یتذکر تھا تا کو ذال کیا اور ذال کو ذال میں ادغام کردیا بمعنی یتّعِظ) بجز دانشمندوں کے جو اربابِ عقل ہیں وہ یوں بھی کہتے ہیں کہ جب کسی کو اس کا اتباع کرتے دیکھتے ہیں کہ) خدایا ہمارے دلوں کو کج نہ ہونے دیجئے (ایسا کہ حق سے پھر جائے نامناسب تاویلیں کرکے جیسا کہ ان یہود کے دل آپ نے پھیر دیئے ہیں) اس کے بعد کہ آپ ہم کو ہدایت کرچکے ہیں اس طریق کی طرف رہنمائی فرماچکے ہیں) اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرمادیجئے (ثابت قدمی) یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوگا۔ (دربارہ قیامت اس جملہ میں خطاب سے غیبوبت کی طرف التفات فرمایا گیا ہے اور ممکن ہے یہ بھی منجملہ کلام الٰہی ہو اور خاص اس دعاء کی غرض یہ ہے کہ آخرت کا ان لوگوں کی غرض اصلی ہونا معلوم ہوجائے۔ اسی لئے ہدایت پر ثبات قدمی کی دعا مانگی ہے تاکہ اس کا ثواب حاصل کرسکیں۔ شیخین (بخاری ومسلم) نے حضرت عائشہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ھُو الذی انـزل علیک الکتٰب منه آیتٌ محکمٰت الی اخرھا تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جب تم لوگوں کو دیکھو کہ وہ متشابہ ایات کے درپے ہورہے ہیں تو سمجھ لو کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر حق تعالیٰ اس آیت میں فرمارہے ہیں اس لئے ان سے بچنے کی کوشش کرو۔ اور طبرانی نے کبیر میں ابو مالک اشعریؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ "میں اپنی امت پر بجز تین باتوں کے کسی بات کا اندیشہ نہیں کرتا

ہوں منجملہ ان کے ایک بات آپؐ نے یہ فرمائی لوگوں کے سامنے قرآن کھولا جائے گا لیکن مسلمان اس کی تاویل کے درپے ہوں گے حالانکہ اس کی تاویل بجز اللہ کے کوئی نہیں جانتا اور راسخین فی العلم تو یہی کہتے ہیں کہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کہ تمام آیات ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت کی بات اہل حق ہی قبول کیا کرتے ہیں۔ (الحدیث)

تحقیق وترکیب: .... بالحق سے پہلے متلبسا اس طرف مشیر ہے کہ بالحق موضع حال میں ہے اور بائسبیہ ہے۔ بین یدیہ یہ لفظ اضداد میں سے ہے سامنے کے معنی ہیں۔ آگے اور پیچھے دونوں زمانوں میں مجازاً اطلاق ہوتا ہے چنانچہ یہاں زمانۂ ماضی کے اخبار مراد ہیں۔ انزل باب افعال اور تفعیل دونوں متعدی کرنے کے لئے مفید ہوتے ہیں۔ لیکن قرآن کے لئے تنزیل اور تورات وانجیل کے لئے انزال یا تو صرف تفنن عبارت کے لئے ہے اور یا اس فرق کے لئے ہے کہ اول مفید تکرار ہوتا ہے اور دوسرا مفید نہیں ہوتا۔ الفرقان تعمیم بعد التخصیص کے طریقہ پر زبور وغیرہ تمام کتابیں مراد ہیں۔ اور یا قرآن ہی کو خصوصی وصف کے ساتھ فرقان کہا گیا ہے لانہ فارق بین الحق والباطل. وبین الحلال و الحرام اور یا ان سے قوت عاقلہ لی جائے کہ اس سے بھی حق و باطل کے درمیان امتیاز ہوتا ہے گویا قرآن قوت فاعلہ ہے اور عقل قوت قابلہ ہے۔ ذو انتقام تنکیر تعظیم کے لئے ہے۔

ان اللہ لایخفی یہ جواب ہے ان کے اس قول کا کہ عیسی اللہ یعلم الامور حاصل جواب یہ ہے کہ الوہیت کے یہ لوازم حضرت عیسیٰؑ میں منتفی ہیں اور انتفاء لوازم مستلزم ہوتا ہے انتفاء ملزوم کو لہٰذا ان کی الوہیت غیر مسلم ہے۔

فی الارض . کائن محذوف کے متعلق ہے اور صفت ہے شئ کی محکمت یعنی جس کی عبارت اجمال واشتباہ سے محفوظ ہو۔ اب اس میں ظاہر، نص، مفسر، محکم اقسام اربعہ داخل ہو جائیں گی ام الکتاب. آیات محکمات جمع ہیں اور ام الکتاب مفرد ہے اشارہ اس طرف ہے کہ مجموعہ آیات بمنزلہ آیت واحدہ کے ہیں۔ اور جلال محقق اسی اشکال کی توجیہ لفظ اصل نکال کر کر رہے ہیں کہ ام کے معنی اصل کے ہیں اور اصل کا اطلاق مفرد اور متعدد دونوں پر ہوتا ہے۔ متشابہات مقصود قرآن کریم کا جب ہدایت وارشاد ہے تو تمام قرآن ہی محکم ہونا چاہئے تھا کوئی حصہ بھی متشابہ نہ ہوتا لیکن قرآن کریم چونکہ اسلوب عرب پر نازل ہوا ہے اور عربی اسلوب میں مجاز، کنایہ، تلمیح وغیرہ کی تعبیریں بھی داخل ہیں اس لئے بعض حصہ کلام متشابہ بھی ہوا۔ مفسر علامؒ نے تین آیات جمع کر کے جو اشکال پیش کیا حاصل اس کا یہ ہے کہ ان تینوں آیات میں بظاہر تعارض ہے ایک آیت میں پورے قرآن کا محکم اور دوسری میں پورے قرآن کا متشابہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور اس آیت میں قرآن کا محکم اور متشابہ دونوں حصوں پر مشتمل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس کی صحت اور تطبیق کا حاصل یہ ہے کہ ان تینوں آیات میں محکم اور متشابہ کے معانی علیحدہ علیحدہ ہیں اس لئے کوئی تعارض نہیں ہے۔

ابن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ قرآن کی آیات چار طرح کی ہیں (۱) کوئی بھی ان سے ناواقف نہیں رہ سکتا جیسے قل هو الله احد (۲) اس کے معانی سمجھنے کے لئے لغات القرآن سے واقفیت کی ضرورت ہے جیسے ھی عصای اتوکؤا علیھا واھش بھا علی غنمی (۳) علمائے راسخین جن کے معانی جانتے ہوں (۴) اس کے معانی صرف اللہ کو معلوم ہیں۔

متشابہ آخر کی دو قسموں میں داخل ہے اور محکم اور متشابہ آیات کے لانے میں حکمت یہ ہے کہ محکم کے معانی اگرچہ مفہوم ہیں لیکن مماثلت لفظی سے لوگوں کا عجز ظاہر ہوتا ہے اور متشابہ لانے میں معنوی اور لفظی دونوں طرح کے عجز پیش نظر ہوتے ہیں۔

الا اللہ اکثر صحابہؓ اور قرأ مثلاً ابن عباسؓ، عائشہؓ، مالک بن انسؒ، حسنؒ، کسائی، ابوحنیفہ رحمہم اللہ۔ اللّٰــــہ پر وقف کرتے ہیں چنانچہ والراسخون کی قرأت واؤ استینافیہ کے ساتھ بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ اور بعض حضرات مثلاً مجاہد، ربیعؒ ابن انسؒ، اکثر معلمین معتزلہ فی العلم پر وقف کرتے ہیں۔ چنانچہ مجاہدؒ وضحاکؒ کی روایت ابن عباسؓ سے یہی ہے اور علامہؒ نے اس کو اصح کہا ہے علامہ ابن حاجبؒ

نے بھی اس کو مختار کہا ہے۔ لیکن امام الحرمینؒ اول تاویل کی طرف مائل تھے اور بعد میں اتباع سلف کرتے ہوئے متشابہ کے معانی سے ترک تعرض کرلیا۔ اور ابن اصلاح نے تو اس طریقہ کا اتباع کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ **علی ذالک مضی صدر الامة وساداتها واختار ائمة الفقهاء والحديث**. **والراسخون** اگر الا اللہ پر وقف کیا جائے تو یہ مبتداء ہے ورنہ یہ حال ہوگا۔ ای **الراسخون يعلمون تاويله حال كونهم قائلين ذلك** اور جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے جو موضح حال ہو۔ بقول شارح جامیؒ **اما الذين في قلوبهم زيغ** کا معطوف اما ثانیہ محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے **واما الذين ليس في قلوبهم زيغ فيتبعون المحكمات**.

من عند ربنا صرف **من ربنا** نہیں کہا بلکہ آیات متشابہ پر ایمان لانا مزید تاکید کا مقتضی تھا اس لئے لفظ **عند** بڑھا دیا۔ **یاربنا** جلال مفسرؒ نے یہاں حرف ندا کا اضافہ اس لئے کردیا کہ معنی دعاء واضح ہوجائیں برخلاف اول کے کہ وہاں پہلے ہی دعائیہ معنی ظاہر تھے امام رازیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ جملہ بھی **راسخون في العلم** کی دعاء کا نتیجہ ہے۔ **انك انت الوهاب** سے قاضی بیضاویؒ نے مستنبط کیا ہے کہ ہدایت وگمراہی دونوں منجانب اللہ ہوتی ہیں۔ اور یہ کہ اللہ کا انعام بندوں پر محض اس کا فضل ہے۔ اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ جیسا کہ معتزلہ کا خیال ہے۔ **فيه التفات** یعنی پہلے **انك جامع** میں خطاب کا صیغہ استعمال کیا تھا اور اب **ان الله** میں اسم صریح استعمال کرلیا جو حکم میں غائب کے ہوتا ہے۔ اور التفات اسی کو کہتے ہیں کہ مقتضی ظاہر کے خلاف عبارت لائی جائے خواہ پہلی تعبیر اس کے برخلاف ہو جیسا کہ جمہور اہل معانی کی رائے ہے یا یہ عام رکھا جائے کہ پہلے کوئی تعبیر ہوئی یا نہ ہوئی جیسا کہ سکا کی کی رائے ہے **ويحتمل ان يكون** یعنی لوگوں کی دعا **انك جامع الناس** کی تصدیق وتاکید کے لئے حق تعالیٰ یہ جملہ ارشاد فرما رہے ہیں اور **والغرض** سے مفسر علام نے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ بظاہر تو یہ محض جملہ خبریہ ہے مگر مقصود دعاء ہے۔

ربط: .... پہلی سورۃ سورۂ بقرہ کو **وانصرنا على القوم الكافرين** پر ختم کیا گیا تھا جس کا حاصل محاجہ لسانی وسنانی میں غلبہ نکلتا تھا۔ اس پوری سورت کا حاصل بھی یہی خلاصۂ مضمون ہے لیکن اس محاجہ کی ضرورت نوبت محض اس لئے آئی کہ دین کے بنیادی مسئلہ توحید میں اختلاف تھا۔ اس لئے مضمونِ توحید ہی سے سورت کا آغاز کیا جارہا ہے۔ اس کے بعد **نزل عليك** میں قرآن کی حقانیت کا اثبات **ان الذين كفروا** میں منکرین کے لئے وعید اور **ان الله لايخفى الخ** میں توحید کا تتمہ اور **هو الذى انزل الخ** میں قرآن اور اس کے سننے والوں کی دو قسمیں پھر آگے **ربنا الخ** سے حق پرستوں کی قولی اطاعت یعنی دعاء کا بیان ہے۔

شانِ نزول:

.... ابن جریرؒ اور محمد بن اسحاقؒ وغیرہ محدثین نے روایت کی ہے اور یہ متعدد روایتیں انفرادی طور پر اگرچہ کچھ کم درجہ ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ نجران جو مدینہ سے چند منزل فاصلہ پر ایک جگہ ہے وہاں سے ساٹھ افراد پر مشتمل نصاریٰ کی ایک جماعت جن کا لاٹ پادری عبدالمسیح اور اس کا وزیر ایہم اور پوپ اعظم ابوحارثہ بن علقمہ تھے۔ اس پوپ کی شاہِ روم کے یہاں بڑی عزت وتوقیر تھی اور کلیسائے عرب کی سیادت بھی اسی کو حاصل تھی۔ غرضکہ یہ جماعت مدینہ طیبہ حاضری کے لئے نکلی کہ ابوحارثہ کے خچر نے ایک ٹھوکر کھائی جس پر اس کے بھائی کرز کی زبان سے نکلا کہ ہم جہاں جارہے ہیں وہ بڑا کمبخت معلوم ہوتا ہے لیکن ابوحارثہ نے اس پر خفگی کا اظہار کیا اور کہنے لگا کہ جس شخص کے پاس ہم جارہے ہیں واللہ وہ نبی ہے جس کی بشارت حضرت موسیٰ نے تورات میں دی اور حضرت مسیح بھی مصلوب ہونے کے وقت اس کی بشارت دے گئے۔ حضرت مسیح اور یوحنا سے لے کر اب تک ان کا انتظار تھا۔

اس پر کرز کہنے لگا کہ پھر آپ اس کے دین کو کیوں نہیں قبول کرلیتے؟ حارثہ کہنے لگا کہ پھر بادشاہ کا تقرب اور عزت و دولت سب

خاک میں مل جائے۔

غرضکہ یہ سب مناظرہ کے لئے حاضر خدمت ہوئے اور چونکہ الوہیت مسیح اور ابنیت مسیح اور تثلیث کے قائل تھے اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان تینوں عقائد کو باطل کرنے کے لئے اور حضرت مسیح کی بندگی ثابت کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ (۱) اللہ اس کی بات سے پاک ہے کہ وہ نو مہینے رحم مادر میں رہ کو خون پیپ سے پرورش پائے، اور پھر پیدائش کے بعد کھائے پیئے اور بقول عیسائی سولی پر لٹکایا جائے اور تڑپ تڑپ کر جان دیدے۔

(۲) باپ بیٹے میں مماثلت ہونی چاہئے حالانکہ کوئی چیز بھی خدا کے مماثل نہیں ہے۔ (۳) اور اگر اب بھی دل میں کچھ کھٹک ہو اور اطمینان نہ ہو تو میں مباہلہ کے لئے تیار ہوں۔ غرضکہ لاجواب ہو کر انہوں نے آپ سے مہلت مانگی اور کہنے لگے کہ بلاشبہ یہ شخص اللہ کا رسول ہے اس سے مباہلہ کا انجام ہمارے حق میں نہایت تباہ کن ہوگا اس لئے آپ سے ایک معتد بہ مقدار جزیہ پر صلح ہوگئی اور اس کو منظور کر کے واپس ہوگئے۔ اسی سلسلہ میں آیات الٓمّٓ اللہ لا الٰہ الا هو الخ نازل ہوئیں۔

نیز اس وفد نے آپ پر یہ اعتراض بھی کیا کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ نہیں کہتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بے شک کہتے ہیں اسی طرح انہوں نے کہا کہ آپ اللہ کے لئے متکلم مع الغیر کے صیغے استعمال کرتے ہیں مثلاً نحن قدرنا اور نحن قسمنا اس سے ہماری باتوں کی صحت ثابت ہوتی ہے چنانچہ اس پر هو الذی انزل الخ سے لے کر تقریباً اسی (۸۰) یا اس سے کچھ اوپر آیات نازل ہوئیں۔

﴿تشریح﴾: .... **عیسائیوں کی تثلیث کا رَدّ:** .... آیت لا الٰہ الا هو الحی القیوم میں عیسائیوں کے مذکورہ تینوں عقیدوں کا ابطال کر دیا گیا ہے کیونکہ توحید حقیقی کے منافی دونوں صورتیں ہیں خواہ مستقلاً مریم، عیسیٰ، اللہ کو اقانیم ثلاثہ مانا جائے یا مرکب کر کے واحد اعتبار قرار دیا جائے۔ بہر صورت یہ عقیدہ وحدت حقیقیہ کے منافی ہے۔ پھر "حی و قیوم" کہہ کر دلیل عقلی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جو چیز ازلاً وابداً موجود نہ ہو بلکہ خود اپنی حفاظت میں بھی دوسروں کی محتاج ہو وہ الوہیت کی عزت سے کیسے ہمکنار ہو سکتی ہے کیونکہ بندگی اور عبادت کہتے ہیں غایت تذلل کو اور غایت تذلل اسی کے سامنے کیا جا سکتا ہے جس کو غایت عزت نصیب ہو۔ اور غایت عزت اسی کا حصہ ہوتا ہے جس میں غایت کمال ہو لیکن حیات اور قیومیت سے محروم ہو کر دوسروں کا محتاج ہونا یہ انتہائی نقص ہے جو انتہائی عزت کے منافی ہے۔ اس لئے ناقص ذات الوہیت کی انتہائی عزت کی سزاوار کس طرح ہو سکتی ہے؟ اثبات توحید کے بعد نبوت ووحی اور قرآن کی حقانیت کا اثبات کیا جارہا ہے۔

پادریوں کا استدلال: .... رہا عیسائیوں کا "کلمۃ اللہ" اور "روح اللہ" وغیرہ الفاظ سے عقیدۂ ابنیت پر استدلال کرنا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ یہ الفاظ خفی المراد ہیں۔ حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی میں مستعمل ہیں۔ چنانچہ بیٹے کا اطلاق جس طرح حقیقی بیٹے پر ہوتا ہے دوسرے شخص کو بھی پیار اور لاڈ میں مجازاً بیٹا کہہ دیا جاتا ہے۔ عیسائی ایسے ہی مجاز کی آڑ لے کر حقیقت کی وادیوں میں بھٹک گئے ہیں لیکن دینی عقائد کا مدار اور مذہبی عمارت کی بنیاد صاف اور صریح الفاظ پر ہوتی ہے جن کو محکمات کہنا چاہئے مبہم اور غیر صریح الفاظ کو ان ہی واضح اور کھلے لفظوں کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ چنانچہ "کلمۃ اللہ" اور "روح اللہ" میں قواعد شرعیہ وعقلیہ پر نظر کرتے ہوئے مجازی معنی یہ لئے جائیں گے ذو روح مسبب وجوده عن امر الله و كلمته اور یہی تاویل حق اور صحیح ہوگی۔

کچی اور پکی سمجھ کے لوگ: .... قرآن کریم کی تعلیم دواصولی قسموں پر مشتمل ہے محکم اور متشابہ۔ اول سے مراد وہ مطالب ہیں جو اصلی بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً توحید، رسالت، اوامرنواہی، حلال، حرام اور متشابہ سے مراد وہ حقائق اور مطالب ہیں جن کا ماوراء عقل سے تعلق ہے اور انسانی حواس ان کا ادراک نہیں کر سکتے۔ مثلاً خدا کی ہستی، اس کی صفات، مرنے کے بعد کی زندگی، آخرت کے احوال واہوال، جب یہ چیزیں انسانی عقل وشعور کی گرفت سے باہر ہیں تو ناگزیر ہے کہ ان کے لئے پیرایہ بیان تشبیہ ومجاز اور ابہام اصل اور ہدایت وعمل کے لئے کافی سمجھتے ہیں متشابہات کے پیچھے نہیں پڑتے۔ متشابہات کو خلاف عقل نہیں مگر ماوراء عقل ضرور ہوتے ہیں۔ انسان ان پر یقین کر سکتا ہے لیکن حقیقت نہیں پا سکتا، کیونکہ انسانی عقل کی پہنچ سے وہ باہر ہوتے ہیں اس لئے وہ اللہ کے کلام پر ایمان لے آتے ہیں اس سے آگے قدم بڑھانا نہیں چاہتے۔ لیکن جن لوگوں کی سمجھ میں کجی ہوتی ہے وہ متشابہ کو اصل سرمایہ سمجھتے ہیں اور ایمان ویقین جیسی محکمات کے لئے فتنہ کا سروسامان کر لیتے ہیں۔

محکم ومتشابہ کی تحقیق: .... محکم احکام سے مشتق ہے۔ مضبوط بنیاد کو کہتے ہیں کتاب احکمت ایاتہ محکم بمعنی ممنوع کہ ایک احتمال متعین کرنے کے بعد دوسرے احتمال کو روک دیا جاتا ہے حاکم جو ظلم سے روکتا ہے۔ حکمت لا یعنی باتوں سے روکتی ہے۔ اور متشابہ کہتے ہیں ہمشکل کو اسی لئے دو چیزوں کے آپس میں ملنے کو بھی کہتے ہیں۔ کتابا متشابھًا یہی لغوی معنی مراد ہیں۔ اصولیوں کے نزدیک محکم ایسے لفظ کو کہتے ہیں جس میں نہ دوسرے معنی کا احتمال ہو اور نہ نسخ کا۔ اور اس کے مقابل کو متشابہ کہتے ہیں۔ گویا ایک ظہور کے انتہائی آخری مقام پر ہوتا ہے اور دوسرا اخفاء کے آخری درجہ پر۔

(۱) اور بعض کی رائے ہے کہ محکم کہتے ہیں جس کی مراد ظہور یا تاویل کے ذریعہ سے معلوم ہو سکے۔ اور متشابہ کی مراد کا پتہ چلنا کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا جیسے قیام قیامت، دجال کا نکلنا، حرف مقطعات۔ (۲) اور بعض کے نزدیک محکم میں صرف ایک تاویل کی گنجائش ہوتی ہے اور متشابہ میں چند وجوہ محتمل ہوتی ہیں۔ (۳) اور بعض کہتے ہیں کہ محکم ناسخ ہوتا ہے۔ اور متشابہ منسوخ کو کہتے ہیں۔ (۴) کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ محکم میں تکرار الفاظ نہیں ہوتا اور متشابہ میں تکرار الفاظ ہوتا ہے۔ (۵) اور بعض کا خیال ہے کہ محکم معقول المعنی اور متشابہ غیر معقول المعنی کو کہتے ہیں۔ مثلاً نماز میں تعداد رکعات یا اوقات مخصوصہ کا ہونا، روزوں کی فرضیت صرف رمضان کے ساتھ مخصوص ہونا۔ (۶) اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ محکم فرائض، وعد اور وعید کو کہتے ہیں اور متشابہ قصص وامثال کو۔ (۷) علی ہذا بعض علماء کے الفاظ یہ ہیں کہ محکم ان احکام کو کہتے ہیں جو اللہ نے تمام کتابوں میں عام طور پر نازل فرمائے ہوں جیسے قل تعالوا اتل ماحرم ربکم الخ یا وقضٰی ربك ان لا تعبدوا الا ایاہ الخ اور متشابہ جو حکم قرآن کے ساتھ مخصوص ہو۔ غرضیکہ علامہ سیوطیؒ نے تفسیر اتقان میں محکم اور متشابہ کے سلسلہ میں سترہ (۱۷) قول نقل کئے ہیں۔

مشتبہ المراد کی دو صورتیں: .... متشابہ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ کہ جن کے معانی نہ لغت سے معلوم ہو سکتے ہیں اور نہ مراد متکلم کا پتہ چل سکتا ہے جیسے مقطعات قرآنیہ۔ چنانچہ کٓھٰیٰعٓصٓ، طٰہٰ، حٰمٓ عٓسٓقٓ، وغیرہ الفاظ کے معانی کا پتہ نہ لغۃً چل سکتا ہے اور نہ مراد متکلم کے جاننے کی کوئی یقینی اور قطعی راہ ہے۔ دوسری قسم ان الفاظ کی ہے جن کے لغوی معانی تو معلوم ہوں لیکن مراد متکلم وتحقیق مشکل ہو۔ مثلاً آیات صفات۔ **الرحمٰن علی العرش استوٰی، ولتصنع علی عینی، کل شیءٌ ھالك الا وجھہ ید اللہ فوق ایدیھم. والسمٰوٰت مطویٰت، علی ما فرطت فی جنب اللہ، یوم یکشف عن ساق، وھو القاھر فوق عبادہ، نحن اقرب الیہ من حبل الورید، وفی انفسکم افلا تبصرون، واللہ بکل شیء محیط، وجاء ربك، یوم یاتی عند**

ربک، من دون اللہ، اینما تولوا فثم وجہ اللہ، وھو معکم اینما کنتم، ونفخت فیہ من روحی، سنفرغ لکم ایھا الثقلان، اللہ نور السموٰت والارض، وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ، یابقول امام رازیؒ وہ آیات بھی جن میں اغراض نفسانیہ، رحمت وغضب حیاء، مکر اور استہزاء وغیرہ بیان کی گئی ہیں۔

معتزلہ اور شوافع کے نزدیک متشابہات کی تاویل راسخون فی العلم کو معلوم ہوتی ہے اسی لئے وہ الا اللہ پر وقف نہیں کرتے۔ بلکہ الراسخون فی العلم پر وقف کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اگر ان کی تاویل کسی کو بھی معلوم نہیں ہوگی تو ناسخ مفسوخ، حلال حرام کی شناخت کیسے ہو سکے گی۔ لیکن اکثر صحابہؓ، اہل سنت حنفیہ کی رائے اس کے خلاف ہے۔

متشابہات کی حکمت: .... اور متشابہات آیات کے نازل کرنے میں حکمت یہ ہے کہ علمائے راسخین کا اس میں امتحان ہے کہ آیا وہ اپنی طبعی رفتار کے مطابق اس میں بھی گھسنے کی کوشش کرتے ہیں یا اپنی خواہش کے خلاف عقلی ہتھیار ڈال کر تسلیم وانقیاد کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی لئے متقدمین کا مذاق ظواہر نصوص کو بلا چون چرا اور بلا تفتیش کیفیت وغیرہ مان لینا ہے لیکن علمائے متاخرین کو فلسفیانہ جدت طرازیوں، اور فساد طبائع کا لحاظ کرتے ہوئے تاویل اور مجاز کا دروازہ کھولنا پڑا ہے تاکہ عوام کے اطمینان اور حفاظتِ ایمان کا سروسامان ہو سکے۔ ظاہر نصوص کے حقیقی معانی سے مجسمہ مشبہ جیسے گمراہ فرقے چونکہ رخنہ انداز ہو چکے ہیں اس لئے مجاز کی ''راہ نجات'' نکالنی پڑی مثلاً نفخت فیہ من روحی کے معنی نفخت فیہ من روح مخلوق اللہ کے لئے اور نور السمٰوات الخ کے معنی منور السمٰوات الخ کے لئے اسی طرح ید اللہ فوق ایدیھم کے معنی قدرت اللہ فوق قدرتھم کے ہیں وجہ اللہ سے مراد ذات اللہ ہے جاء ربک سے مراد جاء امر ربک ہے۔ استویٰ کے معنی استولی کے ہیں فی جنب اللہ سے مراد فی جوار رحمت اللہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

مقطعات کے معانی: .... اسی طرح متاخرین نے مقطعات قرآنیہ میں بھی تاویل مراد کی کوششیں کی ہے اگرچہ یہاں تاویل چھوڑنے سے وہ بات لازم نہیں آتی جو آیات صفات میں ترک تاویل سے لازم آرہی تھی۔ چنانچہ الٓمٓ میں الف سے مراد اللہ اور لام سے مراد جبریل اور میم سے مراد محمد لیا یعنی ''اللہ نے جبریل کو محمد کے پاس بھیجا'' یا الف سے مراد انا اور لام سے مراد اللہ اور میم سے مراد اعلم ہو یعنی ان اللہ اعلم علیٰ ہذا الٓمٓصٓ مخفف ہو انا اللہ افصل بین الحق والباطل کا یا الٓمٓر سے مراد انا اللہ اری اور کٓھٰیٰعٓصٓ میں کاف سے مراد کریم اور ھا سے مراد ہادی اور یا سے مراد حکیم اور عین سے اشارہ علیم کی طرف اور صاد سے اشارہ صادق کی طرف ہو۔ طٰہٰ کے معنی بعض نے یہ بتلائے کہ اس میں طہارت اہل بیت کی قسم کھائی گئی ہے اور بعض نے طا سے طلب عزت، اور ہا سے ہرب کافرین مراد لئے ہیں علیٰ ہذا طٰسٓمٓ میں طا ذی الطول کا مخفف اور سین قدوس کا اور قاف قاہر کا مخفف ہے وغیر ذلک۔

غرضکہ اس طرح آیات صفات اور مقطعاتِ قرآنیہ دونوں میں شوافع کی طرح متاخرین علمائے حنفیہ نے تاویل کی کوشش کی ہے اس طرح اب دونوں میں اختلاف نہیں رہا اور ممکن ہے کہ یہ اختلاف محض لفظی ہو جیسا کہ مقطعاتِ قرآنیہ کی تشریح کے ذیل میں اس سے پہلے گذر چکا ہے۔

فاما الذین فی قلوبھم زیغ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسرار کہ جن کا صدق تو ان کے احوال سے معلوم ہو جائے لیکن ان کی مراد معلوم نہ ہوتی ہو تو ان کے کلام کا انکار نہیں کرنا چاہئے اور نہ اس کلام کے ظاہری معنی پر اعتقاد رکھنا چاہئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ تَدْفَعَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ اَیْ عَذَابِهٖ شَيْئًا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ بِفَتْحِ الْوَاوِ مَايُوْقَدُ بِهٖ دَاْبُهُمْ كَدَاْبِ كَعَادَةِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ مِنَ الْاُمَمِ كَعَادٍ وَثَمُوْدَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ اَهْلَكَهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَالْجُمْلَةُ مُفَسِّرَةٌ لِمَاقَبْلَهَا وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾ وَنَزَلَ لَمَّا اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيَهُوْدَ بِالْاِسْلَامِ فِي مَرْجِعِهٖ مِنْ بَدْرٍ فَقَالُوْا لَهٗ لَايَغُرَّنَّكَ اَنْ قَتَلْتَ نَفَرًا مِنْ قُرَيْشٍ اِغْمَارًا لَايَعْرِفُوْنَ الْقِتَالَ قُلْ يَا مُحَمَّدُ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ الْيَهُوْدِ سَتُغْلَبُوْنَ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ فِي الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالْاَسْرِ وَضَرْبِ الْجِزْيَةِ وَقَدْ وَقَعَ ذٰلِكَ وَتُحْشَرُوْنَ بِالْوَجْهَيْنِ فِي الْاٰخِرَةِ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ فَتَدْخُلُوْنَهَا وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ اَلْفِرَاشُ هِيَ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ عِبْرَةٌ وَذُكِّرَ الْفِعْلُ لِلْفَصْلِ فِيْ فِئَتَيْنِ فِرْقَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ يَوْمَ بَدْرٍ لِلْقِتَالِ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَیْ طَاعَتِهٖ وَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ وَكَانُوْا ثَلٰثَمِائَةٍ وَثَلَاثَةَ عَشَرَ رَجُلًا مَعَهُمْ فَرَسَانِ وَسِتُّ اَدْرُعٍ وَثَمَانِيَةُ سُيُوْفٍ وَاَكْثَرُهُمْ رِجَالَةٌ وَّاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اَیِ الْكُفَّارُ مِّثْلَيْهِمْ اَیِ الْمُسْلِمِيْنَ اَیْ اَكْثَرَ مِنْهُمْ كَانُوْا نَحْوَ اَلْفٍ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ اَیْ رُؤْيَةً ظَاهِرَةً مُعَايَنَةً وَقَدْ نَصَرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَعَ قِلَّتِهِمْ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ يُقَوِّيْ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ نَصْرَهٗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ لِذَوِي الْبَصَائِرِ اَفَلَاتَعْتَبِرُوْنَ بِذٰلِكَ فَتُؤْمِنُوْنَ ۔

ترجمہ: .... بلاشبہ جولوگ کفر کرتے ہیں ہرگز ان کے کام نہیں آسکتے (ان کی طرف سے مدافعت نہیں کرسکتے) ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے (عذاب کے) مقابلہ میں ذرہ برابر بھی اور یہ لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے (وقود فتح واؤ کے ساتھ بمعنی ایندھن ان لوگوں کا ڈھنگ ایسا ہے) جیسا ڈھنگ (معاملہ) فرعونیوں اوران سے پہلے لوگوں کا تھا (قوم عاد وثمود کا) انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی (ان کو تباہ کردیا) ان کی نافرمانی کی وجہ سے (یہ جملہ کــــذبــوا ماقبل کی تفسیر کررہا ہے) اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں (آنحضرت ﷺ نے غزوۂ بدر سے واپسی پر یہود کو جب دعوت اسلام پیش کی تو یہود گستاخانہ کہنے لگے کہ اگر آپ (ﷺ) نے قریش کے چند بیوقوفوں کو مار بھگایا جو جنگ کے ناآزمودہ تھے تو اس سے آپ مغرور نہ ہوجائیں۔ اس سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی) فرمادیجئے (اے محمدؐ) ان کفر کرنے والے لوگوں (یہود) سے کہ عنقریب تم مغلوب کردیئے جاؤ گے (سیغلبون تا اور یا کے ساتھ ہے) دنیا میں قتل وقید وجزیہ کے ذریعہ مغلوب کئے جاؤ گے۔ چنانچہ یہ واقع ہوچکا ہے) اور ہنکادیئے جاؤ گے (آخرت میں، یا اور تا کے ساتھ دونوں طرح ہے) جہنم کی طرف (اس میں دھکیل دیئے جاؤ گے) اور بہت ہی برا ٹھکانہ (جگہ) ہے وہ۔ بلاشبہ تمہارے لئے بڑی نشانی تھی (یعنی عبرت، اور فعل کــــان مذکر لایا گیا ہے فاصلہ ہوجانے کی وجہ سے) ان دونوں جماعتوں (گروہوں) میں جو باہم ایک دوسرے کے مدمقابل ہوئے تھے (بدر کے میدان جنگ میں) ایک گروہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑ رہا تھا (یعنی اس کی فرمانبرداری میں۔ مراد اس سے آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ ہیں جو تین سو تیرہ (۳۱۳) تھے۔) جن کے پاس

صرف دو (۲) گھوڑے، چھ (۶) زرہیں، آٹھ (۸) تلواریں تھیں۔ اکثر لوگ پیدل ہی تھے) دوسرا گروہ منکرین حق کا تھا جنہیں دیکھ رہے تھے (یــرون یا اور تا کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی کفار دیکھ رہے تھے خود کو) مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ (یعنی کفار مسلمانوں سے بہت زیادہ تھے چنانچہ ہزار کے قریب تھے) کھلی آنکھوں (یعنی کھلم کھلا دیکھنا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے باوجود قلت تعداد کے مسلمانوں کی مدد فرمائی) اور اللہ تعالیٰ مددگاری (قوت) پہنچا دیتے ہیں اپنی نصرت سے جس کو چاہتے ہیں (مدد دینا) اس (مذکورہ) معاملہ میں بڑی ہی عبرت ہے دانشمندوں کے لئے (اہل بصیرت کے لئے تو کیا تم اس سے عبرت حاصل کر کے ایمان نہیں لے آتے)

تحقیق وترکیب: .... **لن تغنی عنھم** کے معنی **لن تجزی عنھم** یعنی **لا تکفیھم بدل الرحمۃ والطاعۃ**. **امـوالھم** چونکہ بطور فدیہ اول مال خرچ کیا جاتا ہے اولاد پر بعد میں آنچ آتی ہے۔ اس لئے مال کی تقدیم اولاد پر کی گئی ہے۔ **من اللہ** کے موضع نصب ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ اور **شیئا** اس صورت میں منصوب علی المصدر یا مفعول مطلق ہوگا اور **من** مجاز ابتدائیہ ہوگا لیکن اگر **لن تغنی** کو **اغن غنی وجھک** بمعنی **غیبہ عنی** سے ماخوذ مانا جائے تو **شیئا** مفعول بہ ہو جائے گا۔

وقـود النـار اس میں شدت عذاب کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب ایندھن کافروں کو بنایا جائے گا تو اس سے زیادہ اور کیا شدت ہوسکتی ہے۔ **کذبوا بایٰتنا** یہ کلمہ **کداب ال فرعون** کی تفسیر ہے گویا یہ سوال مقدر کا جواب ہے اس لئے عاطف ترک کر دیا گیا ہے۔

دأب یہ مصدر ہے **دأب فـی العـمل اذا کدح فیہ** سے معنی شان کی طرف منتقل کر لیا گیا۔ **الیھود** ان سے بنو قریظہ، بنو نضیر مراد ہیں اور یہ واقعہ سوق قینقاع میں پیش آیا تھا۔ چنانچہ یہود نے یہ جملہ بھی مزید کہا تھا **لان قاتلنا لعلمت ان نحن الناس**.

اغمارا کی تفسیر **لایعرفون القتال** ہے۔ **وقد وقع ذٰلک** چنانچہ بنی قریظہ قتل کئے گئے اور بنی نضیر جلا وطن ہوئے۔ خیبر فتح ہو گیا اور دوسرے یہود باجگذار اسلام بن گئے۔ **وبئـس المھاد** قاضی کی رائے یہ ہے کہ یہ جملہ بھی منجملہ ان اقوال کے ہوگا جو جہنمیوں سے کہے جائیں گے یا جملہ متانفہ ہے۔ **قد کان لکم** یہ خطاب قریش یا یہود یا مسلمانوں کو ہے **وذکر الفعل** یعنی **قد کانت** کہنا چاہئے تھا لیکن **کان** اور اس کی خبر کے درمیان اسم فاصل ہو گیا اس لئے فعل مذکر لانے کی گنجائش مل گئی ہے **ثلاثمائۃ الخ** ان میں ۷۷ مہاجر اور ۲۳۶ انصار تھے ایک گھوڑا مقداد بن عمرؓ کے پاس اور ایک گھوڑا مرثدؓ بن ابی مرثد کے پاس تھا۔ ۱۷ رمضان ۲ھ کو معرکہ بدر پیش آیا جس سے حق کو فیصلہ کن فتح نصیب ہوئی۔ **یرونھم** نافعؒ تا کیساتھ اور باقی قرأیا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ **رویت بصر** یہ مراد ہے۔ ضمیر فاعل مسلمانوں ہی کی طرف بھی راجع ہوسکتی ہے اور کافروں کی طرف بھی اور ضمیر مفعول کفار کی طرف راجع ہوگی۔ اول صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ مسلمانوں نے کفار کو اپنے سے دو چند دیکھا۔ اور دوسری صورت میں حاصل یہ ہوگا کہ کفار نے خود کو مسلمانوں سے دوگنا دیکھا۔ غرضکہ دونوں ضمیریں دونوں کی طرف متفق اور مختلف صورتوں میں راجع ہوسکتی ہیں۔ اس طرح چار احتمال ہو جائیں گے جیسا کہ ادنیٰ تامل سے ظاہر ہوسکتا ہے۔ **مثلیھم** کا ترجمہ مفسر علامؒ نے اکثر کے ساتھ اس لئے کیا ہے کہ کفار مسلمانوں سے دوگنے نہیں بلکہ تین گنا تھے۔

ربط: .... پچھلی آیات میں محاجہ لسانی کا بیان تھا آیت **ان الــذیــن** میں محاجہ سنانی کا تذکرہ شروع کیا جا رہا ہے یعنی لقمۂ شمشیر واجل ہونے کی دھمکی اور دشمنوں کے زیرنگوں ہونے کی بشارت مذکور ہے۔

شانِ نزول: .... شانِ نزول کی تفصیل خود جلال محققؒ پیش کر چکے ہیں جس کا بیان ابھی گذرا ہے۔

﴿تشریح﴾:.......**آنحضرت ﷺ کے بدخواہوں کا انجام بد**:.......یعنی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آلِ فرعون نے سرکشی جحود کی روش اختیار کی تھی اسی طرح آنحضرت ﷺ کے مقابل قرآن کے ساتھ معاندانہ روش آپ ﷺ کے معاصر کفار اختیار کر رہے ہیں اور وہ وقت دُور نہیں جب ان کے لئے بھی وہی ہوگا جو آلِ فرعون کے لئے ہو چکا ہے اور دنیا دیکھ لے گی کہ آخر فتح مندی کس کا ساتھ دیتی ہے؟

چنانچہ جنگِ بدر کا معاملہ اس معرکہ کارزار کی ابتداء تھی تاہم فیصلہ کن تھی۔ اگر عبرت پذیری کی استعداد فنا نہ ہوگئی ہوتی تو ان لوگوں کو تنبیہ کے لئے کافی سامان کر دیا گیا تھا کہ مسلمانوں نے خالی ہاتھ، اپنے سے تین گنی، سامان میں غرق تعداد کے لشکر سے قوت آزمائی کی اور خدا کی نصرت سے میدان اقلیت کے ہاتھ رہا اور اکثریت کے بت کو شکست وریخت کر دیا گیا۔

مال واولاد کے قیامت میں کارآمد نہ ہونے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کی رحمت وعنایت کی بجائے صرف مال واولاد کافی ہو جاتی دوسرے یہ کہ مال واولاد اللہ کے مقابل ہوکر عذاب سے بچا لیتے ہیں۔ آیت میں ان دونوں صورتوں کی نفی کرنی ہے۔ اور کفار سے مراد خالص وہی کفار ہیں جو جنگ میں مغلوب ہوئے تھے عام کفار مراد نہیں ہیں کہ یہ شبہ کیا جائے کہ بہت سے کفار مغلوب ہونے کی بجائے غالب رہتے ہیں البتہ سزائے آخرت وہ بلاشبہ سب کفار کے لئے عام ہے۔

ایک اشکال اور اس کا حل:.......غزوۂ بدر کے سلسلہ میں سورۂ انفال سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو خواب میں کفار کا عدد کم دکھلایا گیا تاکہ مسلمانوں کی ہمت وحوصلہ بڑھا رہے لیکن جب دونوں گروہ مدّ مقابل ہوئے تو مسلمانوں کو کفار اور کفار کو مسلمان کم معلوم ہوئے تاکہ جوش وخروش سے مقابلہ ہو، تا آنکہ مسلمان غالب ہوگئے۔

اس پر بظاہر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا خواب میں اور مسلمان صحابہؓ کا بیداری میں خلاف واقعہ کفار کو کم دیکھنا کیسے ہوا؟ جواب یہ ہے کہ خلاف واقعہ کہتے ہیں غلط دیکھنے کو لیکن بعض کو دیکھنا اور بعض کو نہ دیکھنا اس کو خلاف واقعہ یا غلط دیکھنا نہیں کہا جائے گا بلکہ کل میں سے بعض کو مصالح مذکورہ کی وجہ سے پوشیدہ کرنا کہا جائے گا جو قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ باقی اس آیت میں کفار کا اپنی جماعت کو مسلمانوں سے کئی گنا زائد دیکھنا اور آیت انفال میں کفار کا مسلمانوں کو کم دیکھنا دونوں کا مفہوم اور ماحصل ایک ہی ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مَاتَشْتَهِيهِ النَّفْسُ وَتَدْعُوا اِلَيْهِ زَيَّنَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى اِبْتِلَاءً اَوِ الشَّيْطَانُ **مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ** اَلْاَمْوَالِ الْكَثِيْرَةِ **الْمُقَنْطَرَةِ** الْمُجْمَعَةِ **مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ** الْحِسَانِ **وَالْاَنْعَامِ** اَيِ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ **وَالْحَرْثِ** ؕ الزَّرْعِ **ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرُ **مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** ۚ يُتَمَتَّعُ بِهٖ فِيْهَا ثُمَّ يَفْنٰى **وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ** ﴿۱۴﴾ الْمَرْجِعِ وَهُوَ الْجَنَّةُ فَيَنْبَغِي الرَّغْبَةُ فِيْهِ دُوْنَ غَيْرِهٖ **قُلْ** يَا مُحَمَّدُ لِقَوْمِكَ **اَؤُنَبِّئُكُمْ** اُخْبِرُكُمْ **بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ** ؕ الْمَذْكُوْرِ مِنَ الشَّهَوَاتِ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ **لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا** الشِّرْكَ **عِنْدَ رَبِّهِمْ** خَبَرٌ مُبْتَدَؤُهٗ **جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ** اَيْ مُقَدَّرِيْنَ الْخُلُوْدَ **فِيْهَا** اِذَا دَخَلُوْهَا **وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ** مِنَ الْحَيْضِ وَغَيْرِهٖ مِمَّا يُسْتَقْذَرُ **وَّرِضْوَانٌ** بِكَسْرِ اَوَّلِهٖ وَضَمِّهٖ لُغَتَانِ اَيْ رِضًى كَثِيْرٌ **مِّنَ اللّٰهِ** ؕ **وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ** ۢ عَالِمٌ **بِالْعِبَادِ** ﴿۱۵﴾ فَيُجَازِيْ كُلًّا مِنْهُمْ بِعَمَلِهٖ **اَلَّذِيْنَ** نَعْتٌ اَوْ

بَدَلٌ مِنَ الَّذِيْنَ قَبْلَهُ **يَقُوْلُوْنَ** يَا **رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا** صَدَّقْنَا بِكَ وَبِرُسُوْلِكَ **فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ** ﴿۱۶﴾ **اَلصّٰبِرِيْنَ** عَلَى الطَّاعَةِ وَعَنِ الْمَعْصِيَةِ نَعْتٌ **وَالصّٰدِقِيْنَ** فِي الْاِيْمَانِ **وَالْقٰنِتِيْنَ** اَلْمُطِيْعِيْنَ لِلّٰهِ **وَالْمُنْفِقِيْنَ** اَلْمُتَصَدِّقِيْنَ **وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ** اللّٰهَ بِاَنْ يَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا **بِالْاَسْحَارِ** ﴿۱۷﴾ اَوَاخِرِ اللَّيْلِ خُصَّتْ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهَا وَقْتُ الْغَفْلَةِ وَلَذَّةِ النَّوْمِ **شَهِدَ اللّٰهُ** بَيَّنَ لِخَلْقِهِ بِالدَّلَائِلِ وَالْاٰيَاتِ **اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ** لَا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ فِي الْوُجُوْدِ **اِلَّا هُوَ** وَشَهِدَ بِذٰلِكَ **الْمَلٰٓئِكَةُ** بِالْاِقْرَارِ **وَاُولُوا الْعِلْمِ** مِنَ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ بِالْاِعْتِقَادِ وَاللَّفْظِ **قَآئِمًا** بِتَدْبِيْرِ مَصْنُوْعَاتِهٖ وَنَصْبُهٗ عَلَى الْحَالِ وَالْعَامِلُ فِيْهَا مَعْنَى الْجُمْلَةِ اَيْ تَفَرَّدَ **بِالْقِسْطِ** بِالْعَدْلِ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ** كَرَّرَهٗ تَاكِيْدًا **الْعَزِيْزُ** فِيْ مُلْكِهٖ **الْحَكِيْمُ** ﴿۱۸﴾ فِيْ صُنْعِهٖ **اِنَّ الدِّيْنَ** اَلْمَرْضِيَّ **عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ الْاِسْلَامُ** اَيِ الشَّرْعُ الْمَبْعُوْثُ بِهِ الرُّسُلُ الْمَبْنِيُّ عَلَى التَّوْحِيْدِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ اَنَّ بَدَلٌ مِنْ اَنَّهٗ الخ بَدَلُ اِشْتِمَالٍ **وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ** اَلْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فِي الدِّيْنِ بِاَنْ وَحَّدَ بَعْضٌ وَكَفَرَ بَعْضٌ **اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ** بِالتَّوْحِيْدِ **بَغْيًا** مِنَ الْكٰفِرِيْنَ **بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ** ﴿۱۹﴾ اَيِ الْمُجَازَاةِ لَهٗ **فَاِنْ حَآجُّوْكَ** خَاصَمَكَ الْكُفَّارُ يَا مُحَمَّدُ فِي الدِّيْنِ **فَقُلْ** لَهُمْ **اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ** انْقَدْتُّ لَهٗ اَنَا **وَمَنِ اتَّبَعَنِ** وَخُصَّ الْوَجْهُ بِالذِّكْرِ لِشَرَفِهٖ فَغَيْرُهٗ اَوْلٰى **وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ** اَلْيَهُوْدِ وَالنَّصٰرٰى **وَالْاُمِّيّٖنَ** مُشْرِكِي الْعَرَبِ **ءَاَسْلَمْتُمْ** اَيْ اَسْلِمُوْا **فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا** مِنَ الضَّلَالِ **وَاِنْ تَوَلَّوْا** عَنِ الْاِسْلَامِ **فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ** التَّبْلِيْغُ لِلرِّسَالَةِ **وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ** ﴿۲۰﴾ فَيُجَازِيْهِمْ بِاَعْمَالِهِمْ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ ۔

ترجمہ:..........خوشنمائی دکھائی گئی ہے لوگوں کے لئے مرغوب چیزوں کی محبت میں (نفس جن چیزوں کی رغبت کرتا ہے اور جن کی طرف بلاتا ہے ان کو اللہ نے مزین کیا ہے آزمانے کے لئے شیطان نے) عورتیں ہوں، بیٹے ہوں، ڈھیر ہوں (مال کثیر کے) لگے ہوئے (جمع شدہ) سونے اور چاندی کے نمبری گھوڑے ہوں (خوبصورت) اور مویشی (یعنی اونٹ، گائے، بکری) ہوں اور کھیتی باڑی (زراعت) یہ سب (مذکورہ چیزیں) استعمال سامان ہے دنیاوی زندگانی (دنیا میں اس سے نفع اٹھایا جاتا ہے پھر فنا ہو جاتا ہے) اور اللہ ہی کے پاس ہے بہترائی انجام کی (وہ ٹھکانہ جنت ہے اسی کی طرف رغبت ہونی چاہئے دوسری طرف نہیں) آپ فرما دیجئے (اے محمدؐ اپنی قوم سے) کیا میں تم کو بتلادوں (جتلادوں) ایسی چیز جو بدر جہا بہتر ہو ان (مذکورہ شہوت کی) چیزوں سے (استفہام تقریری ہے) جو لوگ پرہیز کرتے ہیں (شرک سے) ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس (یہ خبر ہے مبتداء آگے ہے) باغ ہیں کہ جن کے پائیں نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ رہیں گے (یعنی ہمیشگی ان کے لئے مقدر ہوگی) ان باغات میں (جب وہ ان میں داخل ہوں گے) اور پاک بیویاں ہوں گی (جو حیض وغیرہ گندگیوں سے صاف ستھری ہوں گی) اور ان کو خوشنودی حاصل ہوگی (رضوان کسرہ اور ضم را کے ساتھ۔ دونوں

لغت ہیں بڑی رضامندی) اللہ تعالیٰ کی اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھ بھال کرنے والے (عالم) ہیں بندوں کے (چنانچہ ہر ایک کو اس کے کئے کا بدلہ دیں گے) وہ لوگ (یہ نعت یا بدل ہے پہلے الـذیـن سے) جو کہتے ہیں خدایا ہم ایمان لے آئے (آپ کی اور آپ کے نبی کی تصدیق کر چکے ہیں) پس ہمارے گناہ بخش دیجئے اور عذابِ جہنم سے ہمیں بچالی جیو صبر کرنے والے (خیرات دینے والے) ہیں اور طلبگار مغفرت ہیں (اللہ کے حضور میں یعنی اللھم اغفرلنا کہتے ہیں) رات کی آخری گھڑیوں میں (اخیر شب میں۔ اس وقت کی تخصیص اس لئے کی یہ میٹھی نیند اور غفلت کا وقت ہوتا ہے) اللہ نے شہادت آشکارہ کردی (مخلوق کے سامنے دلائل وآیات واضح کردیئے) اس بات پر کہ کوئی پرستش کے لائق نہیں (حقیقی معبود موجود نہیں ہے) بجز ذات یگانہ کے (اور اس کی گواہی) فرشتوں نے بھی (اقرار کرکے) دی ہے اور اہل علم نے (یعنی انبیاء ومؤمنین نے اعتقاد و اقرار کے ذریعہ) اور معبود بھی اس شان کے ہیں کہ انتظام رکھنے والے ہیں (اپنی بنائی ہوئی چیزوں کی تدبیر کرکے یہ منصوب علی الحال ہے اور اس میں عامل جملہ کے معنی ہیں یعنی تفرد) اعتدال (عدل وانصاف) کے ساتھ کوئی معبود نہیں بجز ان کی ذات کے (تاکیداً یہ جملہ مکرر لائے) وہ زبردست ہیں (اپنے ملک میں) اور حکمت والے ہیں (اپنی صنعت میں) بلاشبہ دین (پسندیدہ) اللہ کے نزدیک (وہ) اسلام ہی ہے (یعنی وہ شریعت جس کو لے کر انبیاءً مبعوث ہوئے جومبنی برتوحید ہے اور ایک قرأت میں "ان الـدیـن فتح انّ کے ساتھ "انــہ لاالــہ" سے بدل الاشتمال واقع ہو رہا ہے) اور اہل کتاب نے جو باہمی اختلاف کیا (یہود ونصاریٰ نے جو یہ اختلاف کیا کہ بعض توحید پر رہے اور بعض نے کفر اختیار کرلیا) تو ایسی حالت کے بعد کہ ان کو دلیل (توحید) پہنچ چکی تھی محض (کافروں میں) ایک دوسرے سے بڑھنے اور ضد کے سبب سے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی بلاشبہ حساب لینے میں سست رفتار نہیں ہیں (یعنی اس کو جلد بدلہ دیں گے) پھر بھی اگر یہ لوگ آپ سے حجتیں نکالیں (اے محمدؐ آپ سے کفار دین کے باب میں جھگڑنے لگیں) تو آپؐ (ان سے) فرمادیجئے کہ میں تو اللہ کے آگے سرطاعت جھکا چکا ہوں (میں نے بھی اس کی فرمانبرداری اختیار کرلی) اور میرے پیروں نے بھی (اور ذکر میں وجہ کی تخصیص اس کے شرف کی وجہ سے ہے پس چہرہ کے علاوہ اور اعضاء بدرجۂ اولیٰ مطیع ہوں گے) اور دریافت کیجئے اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) اور (مشرکین عرب کے) اَن پڑھ لوگوں سے کہ تم بھی اللہ کے آگے جھکتے ہو یا نہیں؟ (یعنی تم کو جھکنا چاہیئے) سو اگر وہ لوگ جھک جائیں تو وہ بھی (گمراہی سے مٹ کر) راہِ راست پر آجائیں گے۔ اور اگر روگردانی کریں (اسلام سے) تو پھر آپ کے ذمہ جو کچھ ہے وہ پیامِ حق کا پہنچا دیا ہے (تبلیغ رسالت ہے) اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خود دیکھ رہے ہیں (ان کے کئے کا بدلہ دیں گے یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے)

تحقیق وترکیب: ....ابتــلاءً جلال محققؒ نے ایک شبہ کے دفعیہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اللہ نے دنیا کو آراستہ امتحان اور آزمائش کی غرض سے کیا ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ دنیا کہ یہ آراستگی سعادتِ اخرویہ کا سبب بھی ہوسکتی ہے بشرطیکہ رضائے الٰہی کے مطابق ہو یا بقائے نوعی کی وجہ سے۔ اسبابِ تعیش کو پیدا کیا گیا ہے لیکن آرائش کی نسبت اگر شیطان کی طرف ہو تو کسی توجیہ کی حاجت نہیں رہتی۔

والبنیـن بیویوں کے بعد اولاد ہی کا درجہ ہے فروع ہونے کی وجہ سے اس لئے اموال پر مقدم کیا ہے۔ نیز مالی فتنہ سے بڑھ کر اولاد فتنہ ہوتی ہے اور اولاد ذکور کو ترجیح ہوتی ہے بہ نسبت اُناث کے ان کو شہوات کہنا یا مبالغہ کے طریقہ پر ہے کہ انہماک بہت زیادہ ہے حتیٰ کہ ان اشیاء کی شہوت بھی محبوب ہے جیسے کسی بیمار سے اگر دریافت کیا جائے کہ کیا خواہش رکھتے ہو؟ تو وہ جواب میں کہے اشتہــــی ان اشتھی چنانچہ دوسری آیت میں احببت حب الخیر یا پھر ان اشیاء کی خست بتلانی مقصود ہے کیونکہ حکماء اور عقلاء شہوات کو خسیس سمجھتے ہیں بہرحال جہاں تک ان چیزوں کی محبت کے پیدا کرنے کا تعلق ہے تو اس کا انتساب اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور کسب واکتساب وسوسہ

اندازی کی حیثیت سے شیطان کی طرف انتساب ہوگا۔

قنطار بروزن **فعلال** یا **فنعال** اور **مقنطرة** بروزن **مفعللة** اگر نون اصلی ہو یا **مفنعلة** اگر نون زائد ہو قنطار کی تاکید کے لئے **مقنطرة** جیسے **بدر مبدرة قناطیر مقنطرة** کا اطلاق کم از کم نو پر آنا چاہئے **بالمسومة** اگر یہ لفظ سماء بمعنی حسن سے مشتق ہے جیسا کہ مفسر علامؒ کی رائے ہے تو اس کے معنی حسین وخوبصورت کے ہیں ورنہ مسومۃ کے معنی معلمۃ کے ہیں یعنی علامۃ اور نشانی۔

قل اؤنبئکم یعنی اللہ کا ثواب نعمائے دنیا سے بہتر ہے۔ **الذین یقولون** یہ پہلے **الذین** کی صفت ہوسکتی ہے اور **العباد** کی صفت بھی ہوسکتی ہے علی ہذا الصابرین بھی ہے۔

مقدرین الخلود یعنی داخل ہونے کے بعد جنت کا خلود مقدر ہوگا۔ داخل ہونے کے وقت نہیں **والصادقین** موصوف ان سب صفات کا ایک ہے پھر صفات پر واؤ لاتے کا کیا مطلب؟ سو اس کے دو جواب ہیں۔ علی سبیل التسلیم جواب یہ ہے کہ اگر موصوف ایک ہو تو متعدد صفات کا عطف ایک دوسرے پر واؤ کے ذریعہ جائز ہے۔ دوسرا جواب علی سبیل الانکار یہ ہے کہ موصوف ایک نہیں ہے بلکہ ہر صفت کا موصوف علیحدہ ہے ای **بعضهم صابر بعضهم صادق** الخ اس صورت میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان صفات میں سے ہر صفت مستقلاً مدح کے لئے کافی ہے۔

والملائكة سے پہلے **وشهد** اس لئے مقدر مانا ہے کہ لفظ اللہ پر عطف درست ہوجائے اور یہ کہ فاعل ہونے کی وجہ سے یہ مرفوع ہے اور علیحدہ فعل کی تقدیر اس لئے کہ اللہ اور ملائکہ اور اہل علم کی شہادت معنا فی الجملہ مختلف ہوتی ہے فرق مراتب کے لحاظ سے۔

قائمًا یہ حال ہوگا ضمیر منفصل سے جو اللہ کے بعد کے ہے لہٰذا حال بھی محل شہادت ہوجائے گا۔ گویا وحدانیت اور انصاف پسندی کی شہادت موجود ہے۔ لفظ اللہ سے اگر حال بنایا جائے تو اس صورت میں صرف وحدانیت کی شہادت ہوگی دو چیزوں کی نہیں اس لئے پہلی صورت بہتر ہے اور جملہ سے مراد جملہ **لا اله الا هو** سے اور تفرد معنی جملہ ہیں جو عامل ہیں۔ **العزيز** یہ مرفوع علی الاستیناف ہے ای **هو العزيز** یا ضمیر سے بدل ہے یا فاعل **شهد** کی صفت ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے لفظ **هو** کی صفت نہیں ہوسکتی کیونکہ ضمیر کی صفت نہیں آتی۔ **الذين** مفسر نے اشارہ کردیا کہ الف لام عہد کا ہے اور اسلام سے پہلے لفظ **هو** سے بمعنی حصر کی طرف اشارہ ہے۔

بدل اشتمال یعنی اسلام **لا اله الا هو** سے بدل الاشتمال ہے جبکہ اسلام کی تفسیر شریعت سے کی جائے۔ اور اگر ایمان سے کی جائے تو بدل الکل ہوگا۔ **وما اختلف** یہ اسی سوال مستانفہ کا جواب ہے کہ جب **ان الدين عند الله الاسلام** کی وجہ سے ازم آدم تا این دم دین اسلام کا ایک ہونا معلوم ہوا تو پھر اس میں باہم یہ مذہبی تخالف کیسا؟ **بغيا** مفعول لہ ہے اور عامل اس میں اختلف ہے اور استثناء مفرغ ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ **وما اختلفوا الا للبغي لا لغيره** یا مصدر موضع حال میں بھی ہوسکتا ہے۔

اسلمت وجهي. ای **اخلص لا اشرک به غيره** تو اسلم ماخوذ ہے۔ **سلم الشيء لفلان** سے بمعنی خلص۔ اس سے ہے **رجل سلم لرجل** اور وجہ مستعار ہے ذات کے لیئے۔ **انا ومن** اشارہ اس طرح ہے کہ من محل رفع میں ہے اسلمت کی ضمیر پر عطف کرتے ہوئے اور مفعول کے فاصل ہونے کی وجہ سے یہ جائز ہے۔ **اسلموا** یعنی یہاں استفہام بمعنی امر ہے جیسے **فهل انتم منتهون.** ای **انتهوا**۔

ربط :............ گذشتہ آیت میں اموال واولاد کا آخرت میں کارآمد نہ ہونا بیان کیا تھا۔ ان آیات میں بھی اسی کی تائید ہے اور یہ کہ نعمائے آخرت لائق حصول ہیں اور ان کا طریق ایمان، مناجات، صبر، صدق، قنوت، نفاق واستغفار وغیرہ امور تقویٰ ہیں جو قابل توجہ ہیں۔ آیت **شهد الله** میں توحید کا اثبات، حقانیت اور غلبۂ اسلام کی پیشن گوئی بیان فرمائی جارہی ہے۔

فضائل:............ آیت شھد اللہ کے سلسلۂ فضائل میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس آیت کے تلاوت کرنے والے کو قیامت میں اللہ کے حضور پیش کیا جائے گا۔ کہ میرے اس بندہ کا مجھ پر ایک عہد ہے اور میں ایفائے عہد کا زیادہ مستحق ہوں۔ اس لئے اس بندہ کو جنت میں داخل کر دیا جائے۔

سعید بن جبیرؒ کی روایت ہے کہ خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) بت تھے لیکن جب یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی تو تمام بت سرنگوں ہو گئے اور بعض کی رائے ہے کہ یہ آیت وفد نجران کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ کلبی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں شامی دو عالم آئے۔ انہوں نے دریافت کیا انت محمدؐ؟ آپؐ نے فرمایا نعم. انہوں نے عرض کیا کہ ہم آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتے ہیں اگر آپ ﷺ نے صحیح جواب دیا تو ہم آپؐ پر ایمان لے آئیں گے۔ آپؐ نے اجازت دیدی، انہوں نے کہا کہ بتلایئے کتاب اللہ میں اعظم شہادت کیا ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تو دونوں عالم سن کر مسلمان ہو گئے۔

اور تفسیر مدارک میں ہے کہ سوتے وقت جو شخص اس آیت کی تلاوت کرتا رہے وہ قیامت میں اس فضل کا مستحق ہوا جس کا ذکر اول آیت میں گذرا ہے۔

﴿ تشریح ﴾:............ **حُبّ دنیا اور زُھد**:............ آیت زین للناس حب الشھوات میں دنیا کی تحقیر اور زہد کی ترغیب ہے۔ حدیث میں ہے ظاھر ھا غرۃ و باطنھا عبرۃ یعنی دنیا کی محبت و میلان اکثر موجب فتنہ ہو جاتا ہے جس کو اکثر لوگ نقصان دہ نہیں سمجھتے۔ بلکہ علی الاطلاق اچھا سمجھتے ہیں حالانکہ ڈر کی چیز ہے۔ امنا فاغفر لنا کا حاصل یہ ہے کہ کفر جو مغفرت کے لئے ابدی رکاوٹ ہوتی ہے اس کو ہم دُور کر چکے ہیں اس لئے اب معاف فرما دیجئے۔ اولی یا غیر اولی طور پر اور اخیر شب کی تخصیص اس لئے کی کہ دنیا اس وقت محو خواب و استراحت ہوتی ہے ایسے میں اللہ کے حضور پیش ہونا باعثِ مشقت بھی ہے اور باعثِ عظمت وعزیمت بھی اور ساتھ ہی باعثِ قبولیت بھی۔

نعمت کے تین درجے:............ آنحضرت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ حق تعالیٰ اہل جنت سے ارشاد فرمائیں گے کہ کیا تم راضی اور خوش ہو؟ سب عرض کریں گے کہ آپ نے سب کچھ مرحمت فرمایا۔ پھر ناخوشی کا کیا سوال؟ ارشاد ہوگا کہ کیا ہم اس سے بھی افضل چیز تم کو نہ عطا کریں؟ عرض کیا جائیگا کہ خدایا اس سے بڑھ کر اور کیا چیز ہو سکتی ہے؟ حکم ہوگا احل علیکم رضوانی فلا اسخط علیکم بعدہ ابداً یعنی میں ہمیشہ کے لئے تم سے خوش ہو گیا ہوں اب کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ ان آیات میں حق تعالیٰ نے تین طرح کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے ادنیٰ درجہ کی نعمتیں تو دنیاوی لذائذ، اوسط درجہ کی نعمتیں نعمائے جنت، اعلیٰ درجہ کی کرامت "رضوان من اللہ اکبر" یعنی اللہ کی خوشنودی۔

بدر کی عسرت کے بعد دنیا کی اس چمک دمک کے تذکرہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اصل دولت ایمان وعمل کی دولت ہے جو بحمد اللہ تم کو حاصل ہے دنیاوی بے سرو سامانی سے دل برداشتہ نہ ہوں۔ یہ سرو سامانی تو خود بخود حاصل ہو جائیں گے باقی بیوی بچے، دھن دولت میں دل کا لگاؤ یہ زندگی کے فطری علاقے ہیں۔ خدا کی مرضی یہی ہے کہ اعتدال کے ساتھ قائم رہیں۔ نہ ہوں تو دنیا برباد اور پورا انہماک و اشتغال ہو تو آخرت تباہ ہو جائے۔

دین حق کی شہادت: .... شھد اللہ میں نقلی شہادت بیان کی گئی ہے جو اہل کتاب اور اہل علم کے مقابلہ میں ہے جو اس کے منکر نہیں تھے۔ باقی عقلی دلائل وہ دوسرے مواقع پر بیان کئے گئے ہیں۔ **قائما بالقسط** کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف اپنی ہی تعظیم و عبادت نہیں کراتے بلکہ دوسروں کا کام بھی کرتے ہیں اس لئے ناانصاف نہیں ہیں۔ اللہ کی وحی اور زمین و آسمان کے مدبر ملائکہ اور اصحاب علم وبصیرت تینوں کی گواہیاں اس بات کا اعلان کررہی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اس نے تمام کارخانہ ہستی میزانِ عدل پر استوار کررکھا ہے۔ انسان کو اول ہی دن سے ایک پسندیدہ دین اسلام دے رکھا ہے جس کی تائید وتعلیم تمام رہنمایان عالم کرتے چلے آئے ہیں لیکن تعصب اور ضد کے روگی اصل دین سے انحراف کرکے گروہ بندی کے چکر میں پڑ گئے۔

مناظرہ کا اسلم طریقہ: .... **فقل اسلمت الخ** یہ جواب اور گفتگو خاص ان منکرین کے بارہ میں ہے جو محض ضد اور بے جا عناد کا شکار تھے تمام دلائل سن کر بھی ہٹ دھرمی پر اتر آتے تھے ان سے مزید گفتگو کرنا بیکار ہے۔ بلکہ قطع حجت کے لئے بطور آخری جواب کے یہ کہہ کر الگ ہوجانا چاہئے کہ "تم جانو تمہارا کام جانے ہم نے تو اس راہ کو اختیار کرلیا ہے، ورنہ اس سے الجھنے میں محض اضاعت وقت ہوگی البتہ مطلق منکر کے لئے یہ جواب ناکافی ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ ساری باتیں چھوڑو، یہ بتلاؤ تمہیں خدا پرستی کا اقرار ہے یا انکار۔ اگر اقرار ہے تو سارا جھگڑا ختم، کیونکہ اسلام کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں اور اگر انکار ہے تو پھر ایسے شخص کے لئے مذہبی بحث ومباحثہ کیا سودمند ہوسکتا ہے۔

لطائف: .... **زین للناس** سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان ان چیزوں کی محبت طبعی ہونے کی وجہ سے اس کے ازالہ کا مکلف نہیں ہے اور **قل اؤنبئکم الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کی محبت عقلی ہونے کی وجہ سے انسان کو اس کا مکلف بنایا گیا ہے کہ عملاً اس محبت کو اول محبت پر ترجیح دے۔ اور اخلاقیات میں یہ ایک اصل عظیم ہے۔ جو سالکین قسم اول کے پیچھے پڑ جاتے ہیں وہ ہمیشہ کی ادھیڑبن میں مشوش رہتے ہیں اور جو دوسری قسم کی تحصیل میں لگ جاتے ہیں وہ راحت میں رہتے ہیں **الصابرین الخ** اس میں اولیاء اللہ کی صفات کا بیان ہے۔

فان حاجوک الخ سے اصل نکلتی ہے اہل طریقت کی اس عادت کی کہ حق بالکل واضح کردینے کے بعد بھی اگر مخاطب کی حالت سے اس کا اندازہ ہو کہ یہ قبول نہیں کرے گا تو اس وقت مباحثہ ترک کرکے اعراض کرلیتے ہیں اور ایک طرف ہوجاتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ وَفِیْ قِرَاءَۃٍ یُقَاتِلُوْنَ **النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ** بِالْعَدْلِ **مِنَ النَّاسِ ۙ** وَهُمُ الْیَهُوْدُ رُوِیَ اَنَّهُمْ قَتَلُوْا ثَلٰثَةً وَاَرْبَعِیْنَ نَبِیًّا فَنَهَاهُمْ مِائَةٌ وَسَبْعُوْنَ مِنْ عُبَّادِهِمْ فَقَتَلُوْهُمْ فِیْ یَوْمِهِمْ **فَبَشِّرْهُمْ** اَعْلِمْهُمْ **بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ** ﴿۲۱﴾ مُؤْلِمٍ وَذِکْرُ الْبِشَارَةِ تَهَکُّمٌ لَهُمْ وَدَخَلَتِ الْفَاءُ فِیْ خَبَرِ اِنَّ لِشِبْهِ اسْمِهَا الْمَوْصُوْلِ بِالشَّرْطِ **اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ** بَطَلَتْ **اَعْمَالُهُمْ** مَاعَمِلُوْهُ مِنْ خَیْرٍ کَصَدَقَةٍ وَصِلَةِ رَحِمٍ **فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۫** فَلَا اعْتِدَادَ بِهَا لِعَدَمِ شَرْطِهَا **وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ** ﴿۲۲﴾ مَانِعِیْنَ لَهُمْ مِنَ الْعَذَابِ **اَلَمْ تَرَ** تَنْظُرْ **اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا** حَظًّا **مِّنَ الْکِتٰبِ** التَّوْرٰةِ **یُدْعَوْنَ** حَالٌ **اِلٰی کِتٰبِ اللّٰهِ لِیَحْکُمَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ** ﴿۲۳﴾ عَنْ قُبُوْلِ حُکْمِهٖ نَزَلَ فِی الْیَهُوْدِ زَنٰی مِنْهُمْ اِثْنَانِ فَتَحَاکَمُوْا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

فحکم علیہما بالرجم فابوا فجیء بالتورٰۃ فوجد فیہا فرجما فغضبوا **ذٰلِکَ** التولی والاعراض **بِاَنَّھُمْ قَالُوْا** ای بسبب قولہم **لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ** اربعین یوما مدۃ عبادۃ ابائہم العجل ثم تزول عنہم **وَّغَرَّھُمْ فِیْ دِیْنِھِمْ** متعلق بقولہ **مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ** ﴿۲۴﴾ من قولہم ذٰلک **فَکَیْفَ** حالہم **اِذَا جَمَعْنٰھُمْ لِیَوْمٍ** ای فی یوم **لَّارَیْبَ** شک **فِیْهِ** ھو یوم القیٰمۃ **وَوُفِّیَتْ کُلُّ نَفْسٍ** من اھل الکتٰب وغیرھم جزاء **مَّا کَسَبَتْ** عملت من خیر وشر **وَھُمْ** ای الناس **لَا یُظْلَمُوْنَ** ﴿۲۵﴾ بنقص حسنۃ او زیادۃ سیئۃ ونزل لما وعد صلی اللّٰہ علیہ وسلم امتہ ملک فارس والروم فقال المنافقون ھیہات **قُلِ اللّٰھُمَّ** یا اللّٰہ **مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی** تعطی **الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ** من خلقک **وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ** بایتائہ ایاہ **وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ** بنزعہ منہ **بِیَدِکَ** بقدرتک **الْخَیْرُ** ای والشر **اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ** ﴿۲۶﴾ **تُوْلِجُ** تدخل **الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَتُوْلِجُ النَّھَارَ** تدخلہ **فِی الَّیْلِ** فیزید کل منہما بما نقص من الاٰخر **وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ** کالانسان والطائر من النطفۃ والبیضۃ **وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ** کالنطفۃ والبیضۃ **مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ** ﴿۲۷﴾ ای رزقا واسعا

ترجمہ: .... بلاشبہ جولوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں اور قتل کرتے ہیں (ایک قرأت میں یقاتلون ہے) پیغمبروں کو ناحق اور قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو اعتدال (انصاف) کی تعلیم دیتے ہیں (یہودی لوگ مراد ہیں۔ نقل ہے ۴۳ پیغمبروں کو یہود نے شہید کیا تھا اس پر (۱۷۰) عباد قوم نے ان کو منع کیا تو ان کو بھی اسی وقت شہید کردیا) سو خبر سنا دیجئے (اطلاع دیدیجئے) ایک سزائے دردناک کی (جو تکلیف دہ ہو۔ لفظ بشارت کا استعمال مذاقاً ہے خبر انَّ پر فا اس لئے داخل ہوئی کہ اسم ان جو موصول ہے وہ مشابہ بالشرط ہے) یہ وہ لوگ ہیں کہ اکارت گیا (غارت ہوا) ان کا سارا کیا دھرا (ان کے سب اعمال خیر، صدقہ، صلہ رحمی کے) دنیا و آخرت ان کا کچھ اعتبار نہیں رہا شرط ایمان نہ ہونے کی وجہ سے) اور ان کا کوئی حامی مددگار نہیں ہوگا (کہ جو ان کو عذاب الٰہی سے بچالے) آپ نے کیا ایسے لوگ نہیں دیکھے (ملاحظہ فرمائے؟) کہ جن کو ایک حصہ کتاب (توراۃ) کا دیا گیا درآنحالیکہ بلایا بھی جاتا ہے (یہ حال ہے) اس کتاب اللہ کی طرف سے اس غرض سے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کردے پھر ان میں سے بعض لوگ انحراف کر لیتے ہیں بے رخی کرتے ہوئے) اس کا حکم قبول کرنے سے۔ یہود میں سے دو مرد دو عورت نے زنا کا ارتکاب کیا۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے رجم کا حکم فرمایا لیکن انہوں نے حکم تسلیم نہیں کیا۔ تورات منگوائی گئی تو اس میں بھی وہی حکم نکلا مجبوراً رجم کرنا پڑا۔ جس سے لوگ ناخوش ہوگئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی) یہ (بے اعتنائی اور بے توجہی) اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ یوں کہتے ہیں (یعنی ان کے اس قول کی وجہ سے ہے) کہ دوزخ کی آگ ہمیں کبھی نہیں چھوئے گی۔ اور چھوئے گی بھی تو گنتی کے چند دنوں کے لئے (گوسالہ پرستی کی مدت چالیس روز کے لئے پھر ان سے دُور کردی جائے گی) اور ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے انہیں دین کے بارہ میں (فی دینھم متعلق ہے اگلے قول کے ساتھ) ان کی تراشی ہوئی باتوں نے (اس قسم کے اقوال نے) لیکن اس وقت ان کا کیا (حال) ہوگا جب ہم ان کو اپنے حضور جمع کرلیں گے اس تاریخ (دن) میں جس کے آنے میں ذرا شبہ (شک) نہیں ہے (وہ قیامت کا روز ہے) اور پورا پورا بدلہ مل جائے گا ہر شخص کو (خواہ اہل کتاب میں سے ہو یا دوسرا) جیسا کچھ اس نے کمایا (اچھائی یا برائی) اور ان (لوگوں) کے ساتھ ناانصافی نہیں

ہوگی (نیکی کم کر کے یا بدی بڑھا کر آنحضرت ﷺ نے جب اپنی امت کو فارس و روم کے ممالک فتح ہونے کی بشارت سنائی تو منافقین کہنے لگے ھیھات تو اس پر اگلی آیت نازل ہوئی) آپ یوں کہئے کہ خدایا (اے اللہ) شاہی و جہانداری کے مالک! بخش دے (نواز دے) تو جسے چاہے ملک (اپنی مخلوق میں) اور جس سے چاہے ملک لے لے، جسے چاہے عزت دیدے (ملک عطا کر کے) جسے چاہے ذلیل کر دے (سلطنت چھین کر) تیرے ہی ہاتھ (قدرت) میں ہر طرح کی بھلائی (اور برائی) کا سررشتہ ہے بلاشبہ تیری قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے تو ہی ہے کہ لے آتا ہے (داخل کر دیتا ہے) رات کو دن میں اور لے آتا ہے (داخل کر دیتا ہے) دن کو رات میں (چنانچہ ان میں سے ہر ایک میں دوسرے کی کمی کا اضافہ کر دیتا ہے) اور جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے (جیسے انسان اور پرند کو نطفہ اور بیضہ سے) اور بے جان (جیسے نطفہ اور بیضہ) کو جاندار سے، اور جسے چاہتا ہے بے حساب بخش دیتا ہے (بے شمار روزی)

تحقیق وترکیب: .... **بغیر حق** یہ حال مؤکدہ ہے کیونکہ قتل انبیاءً حق ہو ہی نہیں سکتا۔ **ویقتلون** معلوم ہوا کہ اندیشہ اور خوف قتل کے وقت بھی امر بالمعروف جائز ہے۔ **فبشر** کی تفسیر اعلم کے ساتھ استعارہ تبعیہ ہونے کی طرف مشیر ہے۔ **فبشر** مشبہ اور اعلام عذاب مشبہ بہ اور **انتقال من حال الی حال** دونوں میں وصف جامع ہے **و دخلت** یہ شبہ کا جواب ہے کہ خبر پر فا کیوں داخل کی گئی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مبتداء متضمن معنی شرط ہونے کی وجہ سے خبر مشابہ جزا ہوگئی ای **من یکفر فبشر ھم.**

وھم معرضون کی ترکیب کی طرف مفسر علامؒ نے حالیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور زمخشری جملہ معترضہ کہتے ہیں ای **قوم عادتھم الاعراض** دوسرے اکثر مفسرین اس کو تذییل کہتے ہیں۔

وھم کے بعد مفسر علامؒ نے **الناس** اس لئے نکالا ہے کہ **ھم** کو مذکر اور جمع لانا "**کل نفس**" کے معنی کے پیش نظر ہے **ھیھات** یعنی یہ ممالک محمدؐ کو کہاں اور کیسے حاصل ہو سکتے ہیں۔ **قل اللّٰھم** یعنی اے اللہ جس طرح ان گمراہ لوگوں کو آخرت میں ذلت وخسران نصیب ہوگا دنیا میں بھی ان کو بے نیل ومرام کر کے ہم کو فائز المرام کر دیجئے۔ **اللّٰھم** دراصل **یا اللہ** تھا یا حذف کر کے اس کے عوض میم لے آئے مشدد۔ ای **والشر** یعنی دو ضدوں میں سے ایک ضد ارادۃً اکتفاء کر لیا گیا ہے یا خیر کے مرغوب ہونے کی طرف اشارہ ہے یا نبوت و سلطنت میں کلام ہو رہا ہے۔ اور وہ خیر ہوتی ہے یا اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ خیر مقتضی ذاتی ہے اور شر مقتضی عرضی اس لئے کوئی جزئی شر بھی ایسا نہیں جس میں کلی خیر موجود نہ ہو۔

تولج یہ آیت علم الہیئۃ اور جنتری کے لئے اصل کا درجہ رکھتی ہے۔ ابن ابی حاتمؒ نے ابن مسعودؓ سے تخریج کی ہے کہ **یاخذ الصیف من الشتاء ویاخذ الشتاء من الصیف** ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دن کم ہوتا ہے تو رات بڑھ جاتی ہے اور رات کم ہوتی ہے تو دن بڑھ جاتا ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ کبھی پندرہ (۱۵) گھنٹہ کی رات اور نو گھنٹہ کا دن ہوتا ہے اور شدہ شدہ اس کا برعکس ہو جاتا ہے۔

ابن منذر حسن سے تخریج کرتے ہیں کہ دن رات بارہ بارہ گھنٹے کے ہوتے ہیں لیکن موسموں کے فرق سے بحکم الٰہی ایک دوسرے کی طرف کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ **کالانسان** یا جیسے کھیتی کی پیداوار دانوں سے اور کھجور کی گٹھلی سے، یا مؤمن کی پیدائش کافر سے یا کافر کی مومن سے۔ **بغیر حساب** یہ مصدر محذوف کی صفت بھی ہو سکتی ہے اور مفعول محذوف کی بھی۔ بندوں کے لحاظ سے بے شمار کہا گیا ورنہ اللہ کے شمار سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ حساب کا لفظ قرآن کریم میں تین معنی میں آتا ہے تعب، عدد اور مطالبہ۔

ربط: .... ابتدائے سورت میں روئے سخن صرف نصاریٰ کی طرف تھا پھر **الذین اوتوا الکتب** میں یہود ونصاریٰ کو مشترک خطاب ہوا۔ اب ان آیات میں بالتخصیص یہود کے احوال مذکور ہیں پھر آیت **قل اللّٰھم** میں غلبہ ونصرت کی دعا سکھائی گئی ہے۔

شانِ نزول: .... ابوعبیدہ بن الجراحؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ قیامت میں سب سے زیادہ عذاب کس کو ہوگا؟ فرمایا جس نے نبی کو یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کو قتل کیا۔ پھر آیت ان الذین یکفرون تائیداً پڑھی اور وہی تفصیل ارشاد فرمائی جو جلال محققؒ نقل کر چکے ہیں۔

لباب النقول میں ابن عباسؓ کی تخریج نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دفعہ بیت المدراس میں یہود کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو اسلامی دعوت پیش کی۔ نعیم بن عمرو اور حارث بن زید نے دریافت کیا علی ای دین انت یا محمدؐ آپؐ نے فرمایا علی ملة ابراهیم و دینه انہوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم تو یہودی تھے آپؐ نے فرمایا اچھا تورات لاؤ وہی فیصلہ کرے گی لیکن وہ نہیں لا سکے تب آیت الم تر الی الذین الخ نازل ہوئی اور آیت قل اللّٰھم کے سلسلہ میں جلال محققؒ روایت نقل کر چکے ہیں۔

﴿تشریح﴾: ......**غرورِ نسل اور قبولِ حق:** .... ان آیات سے یہود کی مسخ شدہ ذہنیت کا پتہ اچھی طرح چل جاتا ہے کہ جس کتاب الٰہی کو ماننے کے مدعی تھے جب اس کتاب کی طرف دعوت علم وعمل دی گئی تو انکار کر گئے۔ کیونکہ اس کے احکام پر عمل کرنے کا مطلب اپنی نفسانی خواہشوں اور مطلب برآریوں کے خلاف کرنا تھا جس کے لئے وہ تیار نہ تھے جو لوگ حق وعدالت کے دشمن اور ظلم و فساد کے پرستار ہوں اور جن کے زعم گروہ بندی اور غرور علمی نے ان میں یہ فاسد پندار پیدا کر دیا ہو کہ ہم نجات یافتہ ہیں ہمارے اعمال کیسے ہی کیوں نہ ہوں لیکن ہم جہنم میں نہیں ڈالے جائیں گے ان سے قول حق کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ حالانکہ خدا کا قانونِ نجات صرف ایمان وعمل دیکھتا ہے جس کا جیسا عمل ہوگا ویسا ہی نتیجہ اس کو پیش آئے گا خواہ کسی گروہ، کسی نسل، کسی نسب۔ سے ہو۔ دنیا میں توحبطِ اعمال یہ ہے کہ ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ نہیں کیا جائے گا۔ اور آخرت میں یہ کہ ان کی نجات نہیں ہوگی۔ کسی ناصح کا قتل اگرچہ گناہِ کبیرہ ہے کفر نہیں ہے تاہم یہاں دوسرے اجزائے کفریہ جمع ہیں اس لئے مجموعہ پر کفر کا حکم مرتب ہوگا اور اس پر حبطِ اعمال کا۔ یہ حرکات اگرچہ اسلافِ یہود کی ہیں لیکن اخلاف جب ان پر رضامند ہیں تو یہ بھی شریک خطاب وعتاب سمجھے گئے۔

عزت وذلت: .... قل اللّٰھم میں اشارہ اس طرف ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ دنیا ہی میں حق وباطل کا فیصلہ ہو جائے جسے اٹھنا ہو وہ اٹھ کھڑا ہو جسے گرنا ہے وہ گرا دیا جائے اور یہ نری گرم گفتاری نہیں ہے بلکہ ایسی طاقت کے خزانہ سے آس لگائی ہے جس کے قبضۂ قدرت میں زمان ومکان کی طنابیں ہیں۔ ضعفاء کے لئے اس کو قوت وسلطنت دینا کیا مشکل ہے؟

البتہ بیدك الخیر کی تخصیص اس لئے ہے کہ موقعہ خیر مانگنے کا ہے جیسے کوئی امیدوار ملازمت عرضی میں لکھے کہ یہ جگہ دینا آپ کے اختیار میں ہے اگرچہ ملازمت سے برطرف وبرخاست کرنا بھی حد اختیار میں ہوتا ہے لیکن اس موقعہ پر اس کا ذکر بے محل ہوتا ہے۔

لَایَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ یُوَالُوْنَهُمْ **مِنْ دُوْنِ** اَیْ غَیْرِ **الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ** اَیْ یُوَالِیْهِمْ **فَلَیْسَ مِنَ** دِیْنِ **اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً** مَصْدَرُ تَقَیْتُهٗ اَیْ تَخَافُوْا مَخَافَةً فَلَکُمْ مُوَالَاتُهُمْ بِاللِّسَانِ دُوْنَ الْقَلْبِ وَهٰذَا قَبْلَ عِزَّةِ الْاِسْلَامِ وَیَجْرِیْ فِیْ مَنْ فِیْ بَلَدٍ لَیْسَ قَوِیًّا فِیْهَا **وَیُحَذِّرُکُمُ** یُخَوِّفُکُمُ **اللّٰهُ نَفْسَهٗ** اَیْ اَنْ یَغْضَبَ عَلَیْکُمْ اِنْ وَالَیْتُمُوْهُمْ **وَاِلَی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ** ﴿۲۸﴾ اَلْمَرْجِعُ فَیُجَازِیْکُمْ **قُلْ** لَهُمْ **اِنْ تُخْفُوْا مَافِیْ صُدُوْرِکُمْ** قُلُوْبِکُمْ مِنْ مُوَالَاتِهِمْ **اَوْ تُبْدُوْهُ** تُظْهِرُوْهُ **یَعْلَمْهُ اللّٰهُ وَهُوَ یَعْلَمُ مَافِی**

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾ وَمِنْہُ تَعْذِیْبُ مَنْ وَالَاھُمْ وَاذْکُرْ یَوْمَ تَجِدُ کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۖۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ مُبْتَدأٌ خَبَرُہٗ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَھَا وَبَیْنَہٗٓ اَمَدًا ۢ بَعِیْدًا ؕ غَایَۃً فِیْ نِھَایَۃِ الْبُعْدِ فَلَا یَصِلُ اِلَیْھَا وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ ؕ کَرَّرَہٗ لِلتَّاکِیْدِ وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ ۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوْا مَا نَعْبُدُ الْاَصْنَامَ اِلَّا حُبًّا لِلّٰہِ لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَیْہِ قُلْ لَھُمْ یَا مُحَمَّدُ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ بِمَعْنٰی اَنَّہٗ یُثِیْبُکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ لِمَنِ اتَّبَعَنِیْ مَا سَلَفَ مِنْہُ قَبْلَ ذٰلِکَ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾ بِہٖ قُلْ لَھُمْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فِیْمَا یَاْمُرُکُمْ بِہٖ مِنَ التَّوْحِیْدِ فَاِنْ تَوَلَّوْا اَعْرَضُوْا عَنِ الطَّاعَۃِ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ فِیْہِ اِقَامَۃُ الظَّاھِرِ مَقَامَ الْمُضْمَرِ اَیْ لَا یُحِبُّھُمْ بِمَعْنٰی اَنَّہٗ یُعَاقِبُھُمْ

ترجمہ: .... مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار کو دوست نہ بنائیں (کہ انہیں اپنا رفیق و مددگار بنالیں) مسلمانوں کو چھوڑ کر۔ اور جس کسی نے ایسا کیا (کہ ان سے دوستی رکھی) تو پھر اللہ (کے دین) کو اس سے کوئی سروکار نہیں رہے گا۔ ہاں اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے کہ تم ان کے شر سے بچنے کے لئے اپنا بچاؤ کرنا چاہو (تقیۃ کا یہ مصدر ہے اسی تخافوا مخافۃ ایسی حالت میں صرف زبانی اظہار موالات کی اجازت ہے۔ باقی دلی ترک موالات ہی رہے گی۔ اور یہ اجازت بھی اسلامی سوکت قائم ہونے سے پہلے کی ہے اور ان لوگوں کے لئے ہے جو کسی شہر میں کمزور ہوں) خدا تمہیں اپنے سے ڈرا (خوف دلا) رہا ہے (کہ اگر تم نے ان سے دوستانہ تعلقات رکھے تو تم پر غضبناک ہوگا) اور آخر کار اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (ٹھکانہ وہی ہے اس لئے تم کو بدلہ دے گا) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ تم چھپاؤ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے (ان کی محبت تمہارے قلوب میں ہے) یا ظاہر کرو۔ ہر حال میں اللہ اسے خوب جانتے ہیں اور آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اس پر روشن ہے اس کے احاطہٗ قدرت سے کوئی چیز بھی باہر نہیں ہے۔ (منجملہ اس کے کفار سے دوستی پر سزا دینا بھی ہے) اور یاد کیجئے) اس آنے والے دن کو جب کہ ہر انسان پالے گا اپنے سامنے جو کچھ اس کے نفس نے اچھے کام کئے تھے اور جو کچھ کہ اس نے برائی کی (یہ مبتداء ہے خبر اس کے آگے ہے) تمنا کرے گا کہ اے کاش اس میں اور اس دن میں ایک بڑی مدت حائل ہو جاتی (دور دراز کی مسافت کہ اس تک نہ پہنچتے) اور خدا تمہیں اپنے سے ڈراتا ہے۔ (اس کو مکرر تاکید کے لئے لائے ہیں) اور اللہ تعالیٰ نہایت مہربان ہیں بندوں کے حال پر (جبکہ کفار کہنے لگے کہ بتوں کی پرستش تو ہم اللہ کے تقرب حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں) تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی) فرما دیجئے آپ (اے محمدؐ ان لوگوں سے) اگر واقعی تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو تمہیں چاہئے کہ میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا (یعنی تم کو اجر عطا کرے گا) اور تمہاری خطائیں معاف فرما دے گا اور بڑا ہی بخشنے والا ہے (ان لوگوں کی پچھلی خطائیں جو میری پیروی کرلیں) بڑا ہی رحم فرما ہے (ایسے شخص پر) آپ فرما دیجئے (ان سے) کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کیا کرو اور بارۂ توحید جو حکم تم کو دیا گیا ہے) پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں (طاعت سے پہلو تہی کریں) تو اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتے (اسی جملہ میں اسم ظاہر بجائے ضمیر لایا گیا ہے اصل عبارت لایحبھم تھی یعنی اللہ ان کو سزا دے گا)

تحقیق و ترکیب: .... من دون المؤمنین یہ قید احترازی نہیں ہے کہ مسلمانوں کی دوستی کے ہوتے ہوئے کفار کی دوستی جائز ہو، بلکہ مبالغہ کے لئے قید ہے کہ کفار سے دوستی مطلقاً حرام ہے لیکن اس صورت میں تو اور بھی برا ہے کہ جن سے دوستی ہونی چاہئے تھی ان سے نہیں ہے اور جن سے نہیں ہونی چاہئے تھی ان سے ہے۔

فلیس من اللہ یعنی فلیس من ولایۃ اللہ فی شئ. الا ان تتقوا. یہ استثناء مفرغ ہے مفعول لہ سے یعنی لایتخذ المؤمن الکافر ولیا لشئ من الاشیاء الا لتقاۃ ظاھرا. اور تفسیر مدارک میں ہے کہ اگر کافر کا ایسا غلبہ نہ ہو کہ جان و مال کا خوف ہو تو دوستی کا اظہار اور دشمنی کا اخفاء جائز ہے۔ تقاۃ دراصل وقیۃ تھا لیکن واؤ کو تا کرلیا گیا ہے جیسے تخمۃ اور تھمۃ میں اور پھر یا کو الف سے تبدیل کرلیا گیا ہے۔ تخافوا سے جلال مفسرؒ نے اشارہ کردیا ہے لفظ تقۃ کی ترکیب میں دو وجہوں میں سے ایک وجہ کی طرف یعنی منصوب ہے بنائے مصدریت اور مفعول مطلق کے۔ ھذا کا مشار الیہ اور یحوی کی ضمیر کا مرجع الا ان تتقوا کا استثناء ہے۔ نفسہ بحذف المضاف ہے۔ ای غضب نفسہ جیسا کہ مفسر علامؒ نے ان یغضب بدل الاشتمال نکال کر اشارہ کردیا ہے۔ وھو یعلم میں جلال مفسرؒ نے لفظ ھو ظاہر کرکے اشارہ کیا ہے کہ اس کا عطف جواب شرط پر نہیں ہے بلکہ کلام مستانف ہے لو ان بینھا ای بین النفس و بین السوء.

امدا بعیدا امد غایت شے اور منتہاء شے کو کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک مسافت بعیدہ مراد ہے یہی زیادہ ظاہر ہے یوم کو منصوب مانا جائے گا لفظ تو دکی وجہ سے اور ما عملت من سوء کو جلال محققؒ نے تو جملہ مستانفہ قرار دیا ہے لیکن اکثر مفسرین نے اس کو ما عملت من خیر پر عطف کیا ہے اور محضرا مقدر کو اختصارا محذوف مانا ہے اور لفظ محضرا جو تھویل ہے وہ لفظ حاضر میں نہیں ہے اور بین ہ کی ضمیر اگر یوم کی طرف راجع کی جائے تو اس میں مبالغہ ہوجائے گا قاضی بیضاویؒ کی رائے ہے کہ قل ان تخفوا الخ یہ آیت بیان ہے پہلے ویحذرکم اللہ نفسہ کا یعنی اللہ سے ڈرو کہ وہ علم ذاتی محیط اور قدرت ذاتی عام کے ساتھ متصف ہے۔ لہٰذا اس کی نافرمانی پر جرأت بے جا نہ کرو۔

یحببکم اللہ چونکہ محبت کے معنی میلان نفس کے ہیں اور اللہ کی جناب میں یہ معنی باعث اشکال ہیں اس لئے مفسر علامؒ نے استعارہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یثیبھم کی ساتھ تفسیر کردی۔

ربط: .... گذشتہ آیت میں کفار کی مذمت تھی اس پر بطور تفریع آئندہ آیت میں ان کے ساتھ دوستی کی ممانعت کی جارہی ہے پھر آیت قل ان تخفوا الخ میں اس ممانعت کی تعمیم اور آیت یوم تجد میں اس کی تاکید فرمادی اور آیت قل ان کنتم الخ میں اللہ و رسول کی محبت واطاعت کی تلقین ہے گویا حاصل سب آیات کا محبت صحیحہ کا صحیح محل اور اس کا صحیح معیار بتلانا ہے۔

شان نزول: .... عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے تین (۳۰۰) سو رفقاء بظاہر مسلمانوں میں ملے جلے رہتے لیکن فی الحقیقت دلی رابطہ اور ساز باز کفار سے تھی۔ اس روش کی ناپسندیدگی کے لئے آیت لایتخذا لمؤمنون الخ نازل ہوئی۔

لباب النقول میں حسن سے تخریج ہے کہ ایک جماعت آنحضرت ﷺ سے ادعاء کہتی تھی واللہ یا محمد انا لنحب ربنا اس پر آیت قل ان کنتم تحبون الخ نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: ...... اسلام وکفر میں ملاپ ممکن نہیں: .... پیروان اسلام کو خطاب ہے کہ راہ عمل میں سرگرم ہوجاؤ اور کسی طرح کی کمزوری نہ دکھلاؤ اپنے شخصی علاقوں کو جماعتی علاقوں پر ترجیح نہ دو، دشمنوں کو اپنا رفیق و ہمنوا نہ سمجھو دوست دشمن کی دو صفیں الگ الگ کھڑی ہوگئی ہیں۔ ہر شخص کے لئے ناگزیر ہے کہ اپنے لئے کوئی ایک صفت اختیار کرلے اور جسے اختیار کرلے اسی کا ہورہے یہ نہ ہو کہ اسلام کی برادری میں شریک ہوکر دوسروں سے بھی ساز باز رکھے۔ اس قسم کی آیات قرآن کریم میں متعدد جگہ آئی ہیں جن میں بڑی سختی کے ساتھ کفار سے کھلنے ملنے کو روک دیا گیا ہے۔

آیت ومن یتولھم منکم کے تحت ابوالسعود نے لکھا ہے کہ اس میں ظاہری موالات پر بھی مسلمانوں کے لئے بڑی وعید

شدید ہے۔

قاضی بیضاویؒ بھی ترجمہ یہ کرتے ہیں من والاهم منکم فانه من جملتهم اوراس ذیل میں ارشاد نبوی ﷺ بھی نقل کیا ہے ولا تترا انار اهما اورتفسیر کبیر میں بھی اسی آیت کے ذیل میں ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے۔یرید کانه مثلهم

احکام موالات: .... علماء نے کفار کے ساتھ تین طرح کے معاملات کی تفصیل بیان کی ہے (۱) موالات یعنی قلبی میلان اور دوستی محض کفر یا کافر ہونے کی وجہ سے یہ مطلقاً حرام ہے اور کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے۔ ترک موالات کی تمام آیات و نصوص اس کی شاہد ہیں۔ ہاں رشتہ قرابت کی وجہ سے اگر کسی کی طرف میلان ہو تو وہ اس کے کفر کو اچھا سمجھنے یا اس کے کافر ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔

مدارات کی تفصیلات: .... (۲) مدارات، یعنی محض ظاہری خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی تو اس کی تین حالتوں میں اجازت ہے۔ایک دفع ضرر کے لئے یعنی محض احتمال یاوہم کے درجہ میں نہ ہو بلکہ نقصان کا واقعی اندیشہ ہو پس آیت میں جو الا ان تتقوا الـخ فرمایا گیا ہے اوراس مقام میں جونقصان کے اندیشہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اس سے مراد یہی مدارات ہے جس کوصورۃً اور مجازاً موالات کہہ دیا گیا ہے لیکن آیت سابقہ میں چونکہ حقیقی موالات مراد ہے اس لئے استثناء نہیں کیا گیا ہے۔ دوسرے اس کافر کی دینی مصلحت یعنی بامید ہدایت اچھا برتاؤ کرنا جیسے آنحضرت ﷺ خوش خلقی کا برتاؤ کے ساتھ اسی توقع ہدایت کے لئے فرمایا کرتے تھے۔تیسرے مہمان کے اکرام کے سلسلہ میں خاطر مدارات کرنا جیسا کہ بنی ثقیف کو آنحضرت ﷺ نے مسجد نبویؐ میں قیام کرایا۔البتہ اپنے مالی یا جاہی نفع کے لالچ میں مدارات کی بھی اجازت نہیں ہے۔ بالخصوص دینی نقصان کا پہلو بھی اگر سامنے ہو تو بالکل ہی حرام ہوگا۔ چنانچہ ایبتغون عندهم العزة میں اسی صورت کی ممانعت ہے لہٰذا مسلمانوں کو اس قسم کے مواقع میں خوشامدانہ برتاؤ کرنا بالکل مناسب نہیں ہے۔

مواسات کی اجازت: .... (۳) مواساۃ یعنی ہمدردی وغم خواری، احسان ونفع رسانی تو کافر حربی کے ساتھ یہ بھی ناجائز اور غیر حربی کافر کے ساتھ جائز ہے چنانچہ آیت لاینهـا کم الله الخ میں اس کا بیان ہے اوراس آیت میں مواساۃ کو مجازاً موالات سے تعبیر کیا گیا ہے آیت میں جو احکام موالات، مدارات، مواسات کے بیان کئے گئے ہیں وہ فاسق اور بدعتی کو بھی شامل ہیں۔

شیعوں کا تقیہ: .... الا ان تتقوا منهم تقٰة میں جولفظ تقاۃ فرمایا گیا ہے اس سے مراد شیعوں کا تقیہ نہیں ہے کہ اس کو آیت سے قطعاً تعلق نہیں ہے کیونکہ آیت میں اندیشۂ ضرر کے وقت دوستی کے اظہار اور دشمنی کے اخفاء کی اجازت دی جارہی ہے اور تقیہ متعارفہ میں دوستی کی بجائے کفر کا اظہار اور دشمنی کی بجائے ایمان کا اخفاء کیا جاتا ہے۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے البتہ آیت الا مـن اکـره میں اندیشہ ضرر سے اظہار کفر کی اجازت ہے لیکن اس میں بھی تقیہ شیعہ سے دوطرح کا فرق ہے (۱) اکراہ صرف دفع ضرر کے لئے ہے اور تقیہ جلب منفعت اور دفع مضرت دونوں کے لئے ہوتا ہے۔ (۲) اکراہ میں اندیشہ کا قوی ہونا ضروری ہے اور تقیہ میں نقصان کا احتمال و وہم بھی کافی ہے۔اس لئے دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

قیامت میں تین طرح کے لوگ: .... قیامت میں تین طرح کے لوگ ہوں گے نیک و بد" ملے جلے اعمال والے خالص بداعمال، خالص نیک اعمال۔ آیت یوم تجد میں قسم اول کا ذکر ہے۔ لیکن قسم ثانی والے بدرجہ اولیٰ اس کے متمنی ہوں گے البتہ تیسری قسم والوں کو اس تمنا کی نوبت نہیں آئے گی۔ اور دن کے نہ آنے کی تمنا کرنا نہایت بلیغ ہے کہ تمام مصائب سے دُوری کی تمنا کرنا ہے آیت لایتخذ المؤمنون کی رُو سے مشائخ مریدین کو منکرین کے ساتھ تعلق اور دوستی سے منع کرتے ہیں۔ البتہ ان سے اگر اندیشۂ ضرر ہو تو ظاہر ہے تعلق کی اجازت دیتے ہیں۔ اور یہ ضعفاء کے لئے حکم ہے ورنہ قوی الیقین اور پختہ کار اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

آیت قل ان کنتم میں اس پر دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا محبّ ومحبوب ہونا بجز اتباع محبّ حق کے میسر نہیں ہوسکتا۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اِخْتَارَ **اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ** بِمَعْنٰى اَنْفُسَهُمَا **عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾** بِجَعْلِ الْاَنْبِيَآءِ مِنْ نَسْلِهِمْ **ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ** وُلْدِ **بَعْضٍ** مِنْهُمْ **وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾** اُذْكُرْ **اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ** حَنَّةُ لَمَّا اَسَنَّتْ وَاشْتَاقَتْ لِلْوَلَدِ فَدَعَتِ اللّٰهَ وَاَحَسَّتْ بِالْحَمْلِ يَا **رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ** اَنْ اَجْعَلَ **لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا** عَتِيْقًا خَالِصًا مِنْ شَوَاغِلِ الدُّنْيَالِخِدْمَةِ بَيْتِكَ الْمُقَدَّسِ **فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ** لِلدُّعَاءِ **الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾** بِالنِّيَّاتِ وَهَلَكَ عِمْرَانُ وَهِىَ حَامِلٌ **فَلَمَّا وَضَعَتْهَا** وَلَدَتْهَا جَارِيَةً وَكَانَتْ تَرْجُوْ اَنْ يَكُوْنَ غُلَامًا اِذْ لَمْ يَكُنْ يُحَرَّرُ اِلَّا الْغِلْمَانُ **قَالَتْ** مُعْتَذِرَةً يَا **رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى وَاللّٰهُ اَعْلَمُ** اَىْ عَالِمٌ **بِمَا وَضَعَتْ** جُمْلَةُ اِعْتِرَاضٍ مِنْ كَلَامِهٖ تَعَالٰى وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ التَّاءِ **وَلَيْسَ الذَّكَرُ** الَّذِىْ طَلَبَتْ **كَالْاُنْثٰى** الَّتِىْ وُهِبَتْ لِاَنَّهٗ يُقْصَدُ لِلْخِدْمَةِ وَهِىَ لَا تَصْلُحُ لَهَا لِضُعْفِهَا وَعَوْرَتِهَا وَمَا يَعْتَرِيْهَا مِنَ الْحَيْضِ وَنَحْوِهٖ **وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا** اَوْلَادَهَا **مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾** اَلْمَطْرُوْدِ فِى الْحَدِيْثِ مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ اِلَّا مَسَّهُ الشَّيْطَانُ حِيْنَ يُوْلَدُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا اِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا رَوَاهُ الشَّيْخَانِ **فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا** اَىْ قَبِلَ مَرْيَمَ مِنْ اُمِّهَا **بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا** اَنْشَاَهَا بِخَلْقٍ حَسَنٍ فَكَانَتْ تَنْبُتُ فِى الْيَوْمِ كَمَا يَنْبُتُ الْمَوْلُوْدُ فِى الْعَامِ وَاَتَتْ بِهَا اُمُّهَا الْاَحْبَارَ سَدَنَةَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَقَالَتْ دُوْنَكُمْ هٰذِهِ النَّذِيْرَةُ فَتَنَافَسُوْا فِيْهَا لِاَنَّهَا بِنْتُ اِمَامِهِمْ فَقَالَ زَكَرِيَّا اَنَا اَحَقُّ بِهَا لِاَنَّ خَالَتَهَا عِنْدِىْ فَقَالُوْا لَا حَتّٰى نَقْتَرِعَ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ تِسْعَةٌ وَعِشْرُوْنَ اِلٰى نَهْرِ الْاُرْدُنِ وَاَلْقُوْا اَقْلَامَهُمْ عَلٰى اَنَّ مَنْ ثَبَتَ قَلَمُهٗ فِى الْمَاءِ وَصَعَدَ فَهُوَ اَوْلٰى بِهَا فَثَبَتَ قَلَمُ زَكَرِيَّا فَاَخَذَهَا وَبَنٰى لَهَا غُرْفَةً فِى الْمَسْجِدِ بِسُلَّمٍ لَا يَصْعَدُ اِلَيْهَا غَيْرُهٗ وَكَانَ يَاْتِيْهَا بِاَكْلِهَا وَشُرْبِهَا وَدُهْنِهَا فَيَجِدُ عِنْدَهَا فَاكِهَةَ الشِّتَآءِ فِى الصَّيْفِ وَفَاكِهَةَ الصَّيْفِ فِى الشِّتَآءِ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى **وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا** ضَمَّهَا اِلَيْهِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالتَّشْدِيْدِ وَنَصْبِ زَكَرِيَّاءَ مَمْدُوْدًا وَّمَقْصُوْرًا وَالْفَاعِلُ اللّٰهُ **كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ** الْغُرْفَةَ وَهِىَ

اَشْرَفُ الْمَجَالِسِ **وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى** مِنْ اَيْنَ **لَكِ هٰذَا ۖ قَالَتْ** وَهِيَ صَغِيْرَةٌ **هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۖ** يَاْتِيْنِيْ بِهٖ مِنَ الْجَنَّةِ **اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ** ﴿۳۷﴾ رِزْقًا وَاسِعًا بِلَا تَبِعَةٍ

ترجمہ:.......... اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ چن لیا (منتخب فرمالیا) آدمؑ اور نوحؑ کو اور ابراہیمؑ اور عمرانؑ (آل ابراہیم اور آل عمران سے مراد خود ان کی ذوات ہیں) تمام دنیا میں (انبیاء کو ان کی نسل میں کیا) ان میں سے بعض بعض کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں اور (یاد رکھیئے) جب عمران کی بیوی نے دعا مانگی تھی (ان کا نام حنہ تھا جب وہ سن ایاس کو پہنچ گئیں اور بچہ کی تمنا ہوئی تو اللہ سے دعا کی اور حاملہ ہو گئیں) خدایا میں نذر پیش کرتی ہوں آپ کے لئے (نذر مانتی ہوں کہ تیرے لئے وقف کردوں گی) میرے شکم میں جو بچہ ہے اس کو آزاد کر کے (دنیا کے کام دھندوں سے فارغ کر کے تیرے مقدس ہیکل کے لئے وقف کرتی ہوں) سو میری طرف سے یہ نذر قبول فرمائیے، بلاشبہ آپ (دعا) خوب سننے والے (نیتوں کا حال) خوب جاننے والے ہیں (عمران کی وفات اس حال میں ہوگئی کہ ان کی بیوی حاملہ تھیں) پھر جب ان کے لڑکی پیدا ہوئی (اس بی بی نے لڑکی جنی، حالانکہ ان کو توقع لڑکا پیدا ہونے کی تھی) کیونکہ ہیکل مقدس کی خدمت کے لئے لڑکے ہی وقف ہوا کرتے تھے) تو وہ بولیں (معذرت کے لہجہ میں) خدایا میرے تو لڑکی ہوئی ہے حالانکہ اللہ بہتر جاننے والے (عالم) تھے جو کچھ انہوں نے جنا تھا (یہ جملہ معترضہ من جملہ کلام الٰہی ہے اور ایک قرأت میں ضم تا کے ساتھ بصیغہ متکلم ہے) اور وہ لڑکا (جس کی وہ دعا مانگ رہی تھیں) اس لڑکی کے برابر نہیں تھا (جو ان کو مرحمت کی گئی ہے کیونکہ لڑکے سے مقصود معبد کی خدمت تھی اور لڑکی اپنے ضعف اور عورت ہونے کے عوارض حیض وغیرہ کی وجہ سے اس کام کی نہیں ہوسکتی) میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی نسل (اولاد) کو آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔ شیطان مردود (ملعون) سے (حدیث میں ارشاد ہے کہ کوئی بچہ ایسا نہیں ہوتا کہ پیدائش کے وقت شیطان اس کو نہ چھوتا ہو۔ اور بچہ اس کے چھونے سے نہ روتا ہو۔ بجز مریم اور ان کے صاحبزادے کے رواہ الشیخان) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس لڑکی کو قبول فرمالیا (یعنی مریم کو ان کی والدہ کی طرف سے قبول کرلیا) بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ اور بڑی ہی اچھی نشو ونما دی (یعنی ان کی پرورش عمدہ طریقہ پر ہوئی چنانچہ روزانہ اتنی بڑھتی تھیں۔ جتنا دوسرا بچہ سال بھر میں بڑھتا ہے۔ ان کی والدہ ان کو بیت المقدس کے خدام کی خدمت میں لائیں اور عرض کیا کہ اس نذر کو قبول کرلیجئے۔ چونکہ امام بیت المقدس کی یہ صاحبزادی تھی۔ اس لئے ہر ایک نے چھینے جھپٹنے کی کوشش کی۔ چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام کا کہنا یہ تھا کہ میں اس کا زیادہ حقدار ہوں کیونکہ رشتہ میں اس کا خالو ہوں، لیکن دوسرے خواہش مند قرعہ سے کم کسی بات پر رضامند نہ ہوئے چنانچہ ۲۹ آدمیوں کا یہ قافلہ نہر اُردن پر پہنچا اور اپنے اپنے قلم پانی میں ڈال دیئے اس قرارداد کے ساتھ کہ جس کا قلم پانی میں ٹھہرا رہے گا اور کھڑا رہے گا وہی زیادہ حقدار سمجھا جائے گا۔ اس قرارداد کے مطابق حضرت زکریا کا قلم پورا اترا۔ اس لئے انہوں نے بچی کو حاصل کرلیا اور اس کے لئے مسجد میں زینہ پر ایک بالاخانہ علیحدہ تیار کرادیا کہ جس میں ان کے سوا اور کوئی نہیں جاسکتا تھا اس کے لئے کھانا، پینا، تیل پھلیل آجاتا تھا اور غیر موسمی پھل بھی آپ اس کے پاس دیکھتے کہ سرما کا پھل گرما میں۔ اور ایک قرأت میں تشدید کے ساتھ اور زکریا کے نصب کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ ممدودًا یا مقصورًا۔ اور اللہ فاعل ہوگا) جب کبھی حضرت زکریا علیہ السلام اس کے پاس محراب میں جاتے بالاخانہ میں جو سب سے افضل جگہ تھی) تو اس کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے کی چیزیں موجود پاتے۔ پوچھتے اے مریم یہ چیزیں تجھے کہاں سے مل گئیں؟ وہ کہتی (حالانکہ کم سن تھی) اللہ کے پاس سے (جنت سے میرے پاس آتا ہے) بلاشبہ اللہ جس کو چاہتے ہیں بے حساب رزق عطا فرماتے ہیں (بے اندازہ اور بلا محنت کے)

تحقیق وترکیب: .... ال عـمـران یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد ہیں جو یصہر بن قاہث بن لادی بن یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تھے اور یا مریم علیہا السلام کے والد اور ماثان کے بیٹے ہیں جو یہودا بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں تھے۔ ان دونوں عمرانوں کے مابین تقریباً ایک ہزار آٹھ سو سال کا فصل ہے، دوسرا احتمال سیاق کے زیادہ مناسب ہے یعنی ابو مریم مراد ہوں۔ اس سورت کا نام بھی اسی کی تائید کرتا ہے کہ عمران ثانی کے گھرانہ کا حال اس میں مذکور ہے۔ آل سے مرا نفس ہوتا ہے جیسے بولتے ہیں اکذا، ای نفس کذا۔ یا اس لفظ کو زائد مانا جائے۔

ذریۃ یعنی ولد۔ بروزن فعلیۃ ذر سے ماخوذ ہے یا بروزن فعولۃ ذراء سے ماخوذ ہے۔ ہمزہ کو یا اور یا کو واؤ سے تبدیل کر کے ادغام کر دیا ہے واحد اور جمع دونوں کے لئے آتا ہے۔ ترکیب میں آل سے یا آل اور نوح دونوں سے بدل ہے۔

امـراء ۃ عـمـران حضرت زکریا و عمران دونوں ہم زلف تھے جنہوں نے فاقود کی دونوں بیٹیوں سے شادی کی، اول اشاع ام یحیی سے اور دوسرے نے ان کی بہن حنہ بنت فاقود سے جو ام مریم تھی، تو یحییٰ (یوحنا) اور مریم دونوں خالہ زاد بہن بھائی تھے۔ حنہ کے اولاد نہیں ہوئی، کبر سنی میں ایک دفعہ ایک جانور کو یہ دیکھ کر کہ اپنے بچہ کو چوگہ دے رہا ہے ان کے دل میں تحریک اور بچہ کا شوق پیدا ہو گیا۔ مطلق اولاد سے زیادہ لڑکا مرغوب ہوتا ہے اس لئے دعا میں اس کی تخصیص کی۔ چنانچہ مطلق دعا بلا تخصیص قبول ہوئی اور حاملہ ہو گئیں۔

محررا منصوب علی الحالیۃ ہے۔ ما سے اور عامل لفظ نذرت ہے لک میں لام تعلیلیہ ہے والمراد لخدمۃ بیتک ہے اور محررا سے متعلق ہے جار مجرور کی تقدیم کمال اعتناء کے لئے ہے نیز جار مجرور کا تعلق نذرت سے بھی ہوسکتا ہے ای نـذرت العبادتی ایاک اور وضعت کی ضمیر غائب یا متکلم راجع ہے ما فی بطنها کی طرف اور تانیث اس کے مؤنث ہونے کی وجہ سے ہے۔

و الله اعلم کا بیان ولیس الذکر الخ ہے اور ذکر و انثی میں لام عہدی ہے۔ انی سمیتها مریم ان کی زبان میں مریم کے معنی عابدہ خادمہ کے ہیں گویا اس نام میں اشارہ ہے کہ میں اپنے سابقہ ارادہ پر قائم ہوں گو لڑکا نہیں لڑکی ہے جو خدمت بیت اللہ کے لئے اگرچہ مجاز نہیں ہوسکتی لیکن عبادت کے لئے تو وقف ہوسکتی ہے۔ اور انـی مسند الیہ کی تقدیم اس لئے ہے کہ چونکہ باپ موجود نہیں ہے اس لئے صرف میرا رکھا ہوا نام ہے۔ وفـی الحدیث بظاہر حدیث تمام انبیاءؑ غیر انبیاءؑ کے لئے عام معلوم ہوتی ہے حالانکہ انبیاءؑ معصوم ہیں لیکن کہا جائے گا کہ انبیاءؑ کرام حس اغوائی سے معصوم ہوتے ہیں جو یہاں ثابت نہیں ہے۔ یہاں جسمانی لحاظ سے جس چوکہ کا بیان ہے وہ عصمت پر اثر انداز نہیں البتہ آیت سے صرف حضرت مریم کا حضرت عیسیٰ کے بارہ میں استعاذہ ثابت ہوتا ہے حنہ کا نہیں۔ اور حدیث میں حنہ اور مریم دونوں کا مامون رہنا معلوم ہوا جو انعام خداوندی ہے تاہم آیت کی تفسیر میں حدیث کو لانا مناسب نہیں تھا درآنحالیکہ دوسری روایت میں ہے۔ ان الشیطان کان ایضا الا انه صادف الغشاء.

استهلال رفع صوت عند الہلال کو کہتے ہیں یہاں پیدائش کے وقت بچہ کا رونا مراد ہے۔ بقبول حسن با اس میں کتبت بالقلم کی طرح ہے۔ ماقبل مـایقبل میں بی الشیء جیسے سعـوط مـا یسعط به نباتا حسنا مفعول مطلق من غیر لفظہ ہے اور بعض کے نزدیک تقدیر اس طرح ہے بنبت نباتا بقبول میں با زائدہ بھی ہوسکتی ہے اور یہ معبودیت کی وجہ سے منصوب بھی ہوسکتی ہے اور چونکہ بنو ماثان بنی اسرائیل کے رئیس و سردار ہوتے تھے اس لئے عمران بھی ان کے امام کہلائے۔ اقـلام یہ وہی قلم ہوں گے جن سے تورات لکھی جاتی ہوگی جو ہیکل کے تھے غرفہ اس کے سات دروازے تھے حضرت زکریا کہیں باہر جاتے تو مقفل کر جاتے تھے یہ امام کی محراب تھی۔ کفلها جنہوں نے مدود اً پڑھا ہے انہوں نے نصب ظاہر کر دیا اور قصر کی صورت میں محل نصب میں ہوگا۔

المحراب امام کے کھڑے ہونے کی مخصوص جگہ یا مسجد کا مخصوص حصہ۔ سـمـی لتحارب الناس اوالشیطان فیها. انّ الله

یرزق اس کو کلام مریم پر محمول کرنا اولیٰ ہے بہ نسبت کلام الٰہی کے۔

ربط: .... گذشتہ آیت میں اللہ کی محبت کا ذکر تھا آئندہ آیات میں اللہ سے محبت کرنے والوں کا ذکر ہے نیز جو معاندین مسئلۂ نبوت و رسالت کو مستبعد سمجھتے تھے مختلف انبیاءؑ کے واقعات سے استبعاد کو رفع کرنا ہے۔

﴿تشریح﴾: .... چاروں انجیلوں اور حواریوں کے خطوط میں اگرچہ عمران کے والد اور ان کی بیوی وغیرہ کے ناموں کی تصریح نہیں ملتی لیکن مورخین اسلام نے اپنی تحقیقات سے پتہ لگایا ہے کہ یہ عمران حضرت موسیٰ وہارونؑ کے والد نہیں ہیں۔ بلکہ بقرینہ سیاق ماتان کے بیٹے ہیں اور حضرت مریمؑ کے والد اور حضرت عیسیٰؑ کے نانا ہیں۔ حضرت ہارون کی اولاد میں ہیں حضرت زکریا بن اذن کے ہم زلف ہیں اگر کوئی شخص بچہ کو اللہ کے گھر کا مجاور بنانے کی نذر مانتا تو دستور کے مطابق بچہ کو دودھ چھڑانے کے بعد شہر یروشلم (بیت المقدس) میں لاکر ہیکل اور کلیسا کی نذر کر دیتا اور کاہن (امام) کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا۔ چنانچہ عمران مرحوم کی بیوہ حنہ بھی اپنی بیٹی مریم کو ہیکل میں وقفِ عبادت کرنے کے لئے لائیں تو حضرت زکریا جو مریم کے خالو اور ان کی بہن اشاع یا الیسابات کے شوہر تھے انہوں نے کفالت کی ذمہ داری قبول کرلی۔ پھر حضرت مریم سے کرامات اور خوارق کا صدور دیکھا تو معتقد ہوئے اور اپنے لئے تائید غیبی کا ایک لطیفہ ہاتھ آیا۔

ان آیات میں اکثر الوالعزم انبیاءؑ کا تذکرہ کیا گیا ہے ان میں بھی پھر تخصیص بعد التعمیم کے طور پر بطور خاص آل عمرانؑ مریمؑ وعیسیٰؑ کا اور حضرت زکریاؑ ویحییٰؑ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس نذر کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے ایسی نذر اس وقت مشروع تھی اب مشروع نہیں ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے **لانذر فیما لایملک**۔

چند شبہات کے جوابات: .... ولادت کے وقت شیطان کے جس چھیڑنے کا ذکر حدیث میں ہے اس کی ابھی نوبت نہیں آئی تھی کہ **انی اعیذھا** الخ کی بشارتِ قبولیت ان کو ولادت کے ساتھ ہوگئی تھی۔ اور آیت میں چونکہ ان دونوں کے لئے دعا کی تصریح ہے اس لئے حدیث میں بھی اجابتِ دعا کی تصریح ان دونوں ناموں کے ساتھ ظاہر فرمادی ہے لیکن اس سے اور انبیاءؑ کے لئے نفی لازم نہیں آتی کہ ولادت کے وقت اوروں کو شیطان نے مس کیا ہو۔ یا پھر اس کو فضیلت جزئی پر محمول کرلیا جائے البتہ آنحضرت ﷺ کو تمام انبیاء پر فضیلت کلی حاصل ہے۔ رہا شیطان کو بچہ پر اتنی قدرت دیئے جانے سے بچہ کو ہلاک کردینے کا اندیشہ ہونا؟ سو دو وجہ سے صحیح نہیں ہے اول تو محض چھیڑنے کی قوت سے ہلاک کرنے کی قدرت کا حاصل ہوجانا لازم نہیں آتا۔ دوسرے نگہبانی کے لئے فرشتے بھی موجود رہتے ہیں اس لئے شیطان کا وار اور ہتھیار کارگر نہیں ہوتا۔

لطائف: .... مریم بمعنی عابدہ نام رکھنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ میں اپنے ارادۂ نظر سے نہیں پھری ہوں۔ خدمت کے لئے نہ سہی عبادت ہی کے لئے سہی اس کو پیش کر رہی ہوں۔ چنانچہ حضرت زکریا امام ہونے کی وجہ سے اور عزیز خاص ہونے کی وجہ سے ان کی کفالت کے مستحق تھے۔ لیکن قوم کے مزید اطمینان کے لئے قرعہ سے اور وہ بھی عجیب وغریب طریقہ پر ان ہی کو ترجیح ہوگئی جس سے خدا کی مرضی کا ہونا بھی معلوم ہوگیا۔ اور نشو ونما کے عمدہ ہونے کا مطلب یا تو یہ ہے کہ شروع ہی سے عبادت وزہد کی طرف دھیان رکھا اور یا یہ کہ جسمانی لحاظ سے ظاہری نشو ونما دوسروں کی نسبت بہت جلد ہوا۔ قرعہ اندازی کی یہ صورت خارق عادت تھی جس میں حضرت زکریاؑ کی کامیابی معجزہ تھی۔

قرعہ اندازی کا حکم: .... ہماری شریعت میں حنفیہ کے نزدیک قرعہ کا حکم یہ ہے کہ شرع میں جن حقوق کے اسباب معلوم اور متعین ہوں ان میں قرعہ ناجائز ہوگا اور داخل قمار سمجھا جائے گا۔ البتہ جن حقوق کے اسباب رائے پر محمول ہوں ان میں قرعہ جائز ہے۔ اول کی مثال کہ کسی بچہ کے نسب میں اختلاف ہوا اور اس کا فیصلہ قرعہ سے کرنا چاہے کہ جس کا نام نکل آئے گا وہی باپ سمجھا جائے گا، یہ غلط اور ناجائز ہے۔ یا ایک مشترک چیز جس میں برابر کے حصہ دار ہیں تو اگر ایک شخص قرعہ اندازی کر کے اپنا نام نکلنے پر سب چیز کا مالک بننا چاہے یہ جائز نہیں ہے۔ دوسری کی مثال جیسے کسی مشترک چیز میں اپنے حصہ کی تعیین کہ مکان غربی حصہ فلاں کو اور مشرقی فلاں کو دیدیا جائے یہ بے شک قرعہ سے جائز ہے کیونکہ بلاقرعہ خود آپس کی رضامندی یا قضاء قاضی سے بھی یہ تقسیم اور تعیین جائز تھی۔

وجد عندھا رزقا قول مشہور پر کہ حضرت مریمؑ ولیہ تھیں اس سے کرامات اولیاء کا ثبوت ہوتا ہے۔ خلافاً للمعتزلہ۔

هُنَالِكَ اَىْ لَمَّا رَأَى زَكَرِيَّا ذٰلِكَ وَعَلِمَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلَى الْاِتْيَانِ بِالشَّيْءِ فِىْ غَيْرِ حِيْنِهٖ قَادِرٌ عَلَى الْاِتْيَانِ بِالْوَلَدِ عَلَى الْكِبَرِ وَكَانَ اَهْلُ بَيْتِهٖ اِنْقَرَضُوْا **دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ** لَمَّا دَخَلَ الْمِحْرَابَ لِلصَّلٰوةِ جَوْفَ اللَّيْلِ **قَالَ رَبِّ هَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ** مِنْ عِنْدِكَ **ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً** وَلَدًا صَالِحًا **اِنَّكَ سَمِيْعُ** مُجِيْبُ **الدُّعَآءِ**﴿۳۸﴾ **فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ** اَىْ جِبْرَئِيْلُ **وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّىْ فِى الْمِحْرَابِ** اَىْ الْمَسْجِدِ **اَنَّ** اَىْ بِاَنَّ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالْكَسْرِ بِتَقْدِيْرِ الْقَوْلِ **اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ** مُثَقَّلًا وَمُخَفَّفًا **بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ** كَائِنَةٍ **مِّنَ اللّٰهِ** اَىْ بِعِيْسٰى اَنَّهٗ رُوْحُ اللّٰهِ وَسُمِّىَ كَلِمَةً لِاَنَّهٗ خُلِقَ بِكَلِمَةِ كُنْ **وَسَيِّدًا** مَتْبُوْعًا **وَّحَصُوْرًا** مَنُوْعًا عَنِ النِّسَآءِ **وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ**﴿۳۹﴾ رُوِىَ اَنَّهٗ لَمْ يَعْمَلْ خَطِيْئَةً وَلَمْ يَهُمَّ بِهَا **قَالَ رَبِّ اَنّٰى** كَيْفَ **يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ** وَلَدٌ **وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ** اَىْ بَلَغْتُ نِهَايَةَ السِّنِّ مِائَةً وَعِشْرِيْنَ سَنَةً **وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ** بَلَغَتْ ثَمَانِىَ وَتِسْعِيْنَ **قَالَ** الْاَمْرُ **كَذٰلِكَ** مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ غُلَامًا مِنْكُمَا **اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ**﴿۴۰﴾ لَا يُعْجِزُهٗ عَنْهُ شَيْءٌ وَلِاِظْهَارِ هٰذِهِ الْقُدْرَةِ الْعَظِيْمَةِ اَلْهَمَهُ اللّٰهُ السُّؤَالَ لِيُجَابَ بِهَا وَلَمَّا تَاقَتْ نَفْسُهٗ اِلٰى سُرْعَةِ الْمُبَشَّرِ بِهٖ **قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً** اَىْ عَلَامَةً عَلٰى حَمْلِ امْرَاَتِىْ **قَالَ اٰيَتُكَ** عَلَيْهِ **اَنْ لَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ** اَىْ تَمْتَنِعُ مِنْ كَلَامِهِمْ بِخِلَافِ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى **ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ** اَىْ بِلَيَالِيْهَا **اِلَّا رَمْزًا** اِشَارَةً **وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ** صَلِّ **بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ**﴿۴۱﴾ اَوَاخِرَ النَّهَارِ وَاَوَائِلَهٗ **وَ** اذْكُرْ **اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ** اَىْ جِبْرَئِيْلُ **يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ** اِخْتَارَكِ **وَطَهَّرَكِ** مِنْ مَسِيْسِ الرِّجَالِ **وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ**﴿۴۲﴾ وَاَهْلِ زَمَانِكِ **يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ** اَطِيْعِيْهِ **وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ**﴿۴۳﴾ اَىْ صَلِّىْ مَعَ الْمُصَلِّيْنَ **ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرُ مِنْ اَمْرِ زَكَرِيَّا وَمَرْيَمَ **مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ** اَخْبَارِ مَا غَابَ عَنْكَ **نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ** يَا مُحَمَّدُ **وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ** فِى الْمَاءِ يَقْتَرِعُوْنَ لِيَظْهَرَ لَهُمْ **اَيُّهُمْ يَكْفُلُ** يُرَبِّىْ **مَرْيَمَ**

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ فِیْ كَفَالَتِهَا فَتَعْرِفُ ذٰلِكَ فَتُخْبِرَ بِهٖ وَاِنَّمَا عَرَفْتَهٗ مِنْ جِهَةِ الْوَحْيِ.

ترجمہ: .... اس وقت کا یہ معاملہ ہے (یعنی جبکہ حضرت زکریا نے ان خوارق کاظہور دیکھا اور سمجھا کہ جو ذات بے موسم پھل پیدا کر سکتی ہے کیا وہ بڑھاپے میں اولاد نہیں دے سکتی۔ اس وقت حضرت زکریاؑ کے متعلقین وفات پا چکے تھے) کہ زکریاؑ نے اپنے پروردگار کے حضور دعا مانگی (جس وقت حضرت زکریاؑ نماز تہجد کے لئے کھڑے ہوئے) عرض کی خدایا تو اپنے فضل خاص سے (اپنے پاس سے) مجھے پاک نسل (اولاد صالح) عطاء فرما۔ بلاشبہ آپ دعا سننے والے (قبول فرمانے والے) ہیں پس پکارا ان کو فرشتوں (جبرئیل) نے درآنحالیکہ حضرت زکریاؑ محراب (مسجد) میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ (انّ معنی میں بانّ کے اور ایک قرأت میں ان بکسر الہمزہ ہے بتقدیر القول) اللہ تعالیٰ آپ کو خوشخبری دے رہے ہیں (یہ لفظ تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) یحیٰی کی جو کلمۃ اللہ کے تصدیق کنندہ ہوں گے (یعنی حضرت عیسیٰ کے روح اللہ ہونے کی تصدیق فرمائیں گے کلمۃ اللہ اس لئے کہا گیا کہ وہ کلمۂ کن سے پیدا کئے گئے ہیں) اور مقتدا (سردار) و پارسا (عورتوں سے پرہیز کرنے والے) پیغمبر اور اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہوں گے (روایت ہے کہ انہوں نے نہ کبھی کوئی خطا کی اور نہ اس کا ارادہ کیا) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہوگا۔ حالانکہ مجھ پر بڑھاپا طاری ہو چکا ہے (یعنی ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی عمر کو پہنچ چکا ہوں) اور میری اہلیہ بانجھ ہے (کہ اٹھانوے سال کی عمر کو پہنچ چکی ہے) حکم ہوا (معاملہ) ایسے ہی ہو جائے گا (بحالت موجودہ تم سے بچہ پیدا ہوگا) کیونکہ اللہ تعالیٰ جو کچھ ارادہ کریں اس کو پورا کر دیتے ہیں (ان کو کوئی روک نہیں سکتا) اور اس عظیم قدرت کو ظاہر کرنے ہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سوال الہام کیا تا کہ اسی کے مطابق جواب مرحمت فرمایا جائے۔ جب ان کا دل اس خوشخبری کا زیادہ مشتاق ہوا) عرض کیا کہ خدایا میرے لئے کوئی بات بطور نشانی ٹھہرا دیجئے (یعنی بیوی کے حاملہ ہونے پر کوئی علامت مقرر کر دیجئے) فرمایا تمہارے لئے (اس پر) یہی نشانی ہوگی کہ تم کسی سے بات چیت نہیں کر سکو گے (یعنی لوگوں کی گفتگو سے باز رہو گے۔ البتہ ذکر اللہ جاری رہے گا) تین دن (مع تین راتوں کے) الا یہ کہ اشاروں سے۔ اور اپنے پروردگار کا ذکر بکثرت کیجئے اور صبح وشام اس کی حمد وثناء نماز) میں مشغول رہیئے (پچھلا پہر، اول پہر) اور (وہ وقت یاد رکھنے کے قابل ہے) جب کہ فرشتوں (جبرئیل) نے کہا اے مریم اللہ نے تمہیں چن لیا (برگزیدہ بنادیا) ہے اور پاک صاف رکھا ہے (مردوں کی صحبت سے) اور تمام دنیا (تمہاری ہمعصر) عورتوں پر تم کو فوقیت بخشی ہے۔ اے امریم اب تم اپنے پروردگار کی اطاعت (فرمانبرداری) میں سرگرم ہو جاؤ اور رکوع وسجود کرنے والوں کے ساتھ تم بھی رکوع وسجود میں منہمک رہو (یعنی نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو) یہ (زکریا اور مریم کے مذکورہ واقعات) غیب کی خبروں میں سے ہیں (جو خبریں آپ سے غائب تھیں) جن کی وحی آپ پر (اے محمدؐ) کر رہے ہیں اور آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے نہ تو اس وقت جبکہ وہ جھگڑ رہے تھے آپس میں (مریم کی کفالت کے سلسلہ میں آپ کو اس کی خبر ہوتی اور آپ دوسروں کو اس کی خبر کرتے آپ کو تو صرف بذریعہ وحی یہ باتیں معلوم ہوگئی ہیں)

تحقیق وترکیب: .... لفظ ھھنا ظرف مکان کے لئے آتا ہے اور لام بعد کے لئے ہے اور کاف خطاب کے لئے ہے لیکن کبھی ھنا، حیث، کم ظرف زمان کے لئے بھی مستعار لے لیا جاتا ہے۔ یعنی یہ امور عجیبہ وغریبہ جن میں وہ مکان وزمان بھی داخل ہیں۔ اس دعاء کا باعث اور محرک ذریۃ بمعنی نسل کا اطلاق مفرد، جمع دونوں پر آتا ہے اسی لئے مفسر علامٌ نے ولدا صالحا کہا تذکیر وتانیث کبھی لفظی مراد ہوتی ہے اور کبھی معنوی۔

بتقدیر القول. ای حال کون الملائکة قائلین لہٗ ان اللہ الخ فنادته فا تعقیب کے لئے یعنی فوراً دعا قبول ہوگئی۔ جو

روایت کے سلسلہ میں بیان کی جاتی ہے کہ دعاء اور اجابت میں چالیس سال کا فصل ہوا۔ وہ صحیح نہیں ہے البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ دعا بار بار ہوئی جیسا کہ لفظ **کلما** بھی دلالت کرتا ہے تو اس طرح حمل سے کچھ پہلے بھی دعا ہوئی ہو **الملائکۃ** مراد جبریل ہیں مجازاً تعظیم کے طور پر یا جمع علی حالہ ہو اور جبریل بھی من جملہ مخاطبین ہوں۔

مثقلا و مخففا یعنی **یبشر ک** اور **یبشر ک**. **مصدقا**. حضرت ابن عباسؓ کی رائے ہے کہ حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ سے چھ ماہ بڑے تھے اور سب سے پہلے حضرت عیسیٰ کے نبی اور کلمۃ اللہ ہونے کی تصدیق انہوں نے ہی فرمائی تھی۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ مریم کی طرح ان کی بہن بھی حاملہ تھیں ایک دفعہ کہنے لگیں کہ اے مریم میں دیکھتی ہوں کہ میرے پیٹ میں بچہ تیرے پیٹ کے بچہ کی طرف سجدہ ریز ہوتا ہے۔ **مصدقاً** حال مقدرہ ہے یحییٰ سے **بکلمۃ کن** اور بعض کی رائے میں اس سے مراد قول **کذلک اللہ یخلق الخ** ہے اور بعض کے نزدیک مراد یہ ہے کہ اللہ نے نفخ جبریل کے وقت جبریل کو فرمایا ہے۔ **انی** یہ استبعاد بطور عادت کے مراد ہے نہ بطور شک کے **عاقر** مرد یا عورت جس کے بچہ نہ پیدا ہوتا ہو۔ عقر بمعنی قطع **بلغنی الکبر** بلوغ کی نسبت کبر کی طرف توسعاً کی گئی ہے گویا بڑھاپا طالب ہے اور خود وہ مطلوب۔ **کذالک** جلال محققؒ اس سے پہلے الامر مبتداء محذوف نکالا ہے اور **اللہ یفعل الخ** اس کا بیان ہے یعنی تم میں سے کسی میں تبدیلی نہیں ہوگی بلکہ بحالتِ موجودہ ہماری قدرت کا اظہار ہوگا۔ اور عامل مقدر کر کے اس پر جواب تام بھی کہا جاسکتا ہے یعنی **یکون لک غلام وانت کذالک من الشیخوخۃ و کون امراتک عجوزاً**.

اللھمہ اللہ السول یعنی **انیٰ یکون لی غلام** حضرت یحییٰ کے سلسلہ میں **اللہ یفعل مایشاء** کہا گیا ہے اور آگے حضرت عیسیٰ کے بارہ میں **اللہ یخلق مایشاء** کہا جارہا ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ کی ولادت بلا باپ زیادہ معجزہ ہے بہ نسبت ولادت یحییٰ کے۔

ان لاتکلم اس کی تفسیر میں لفظ تمتنع سے اشارہ کر دیا کہ کسی بیماری سے زبان بند نہیں ہو جائے گی بلکہ اختیاری طور پر زبان بندی ہوگی اور باتیں کرنے کو جی نہیں چاہے گا چنانچہ سورۂ مریم میں **سویا** کا لفظ بھی موجود ہے یعنی تندرست رہو گے۔ اور قاضی بیضاویؒ کی رائے ہے کہ کلام پر قادر ہی نہیں رہو گے **ثلاثۃ ایام** صوفیاء کے یہاں تین دن تین رات ریاضت باعث کامیابی شمار کی جاتی ہے کہ جس میں ذکر اللہ کی کثرت اور دنیا کی باتوں سے بالکلیہ اجتناب ہو اور جواب میں لفظ آیت کا اعادہ جواب کو بلیغ بنا رہا ہے **واحسن احسن الجواب ماکان منتزعًا من السوال**. **العشی**. زوال سے غروب آفتاب تک۔ ابکار طلوع فجر سے لے کر چاشت تک اس سے معلوم ہوگا کہ شریعت میں بھی دو نمازیں قبل طلوع الشمس اور قبل الغروب تھیں۔ اسی لئے صبح کی تفسیر جلال محققؒ نے صل کے ساتھ کی ہے ورنہ تسبیح وذکر کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔

واذ قالت الملئکۃ اس کا عطف **اذقالت امرأۃ عمران** پر ہے وہ ماں کا قصہ تھا یہ بیٹی کا قصہ ہے مناسبت ظاہر ہے۔ اور قصہ زکریاؑ ان دونوں کے درمیان اس لئے ذکر کر دیا کہ اول قصہ ہی اس دعاء کا باعث بنا تھا۔ اور ملائکہ کی تفسیر جبریل کے ساتھ کرنا تسمیۃ الخاص باسم العام ہے تعظیما۔ **وطھرک** یعنی خاص نزاہت مردوں سے علیحدگی اور یکسوئی مراد ہے حیض وغیرہ سے علیحدگی مراد نہیں۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ کی ولادت سے پہلے کہا جاتا ہے ایک دفعہ ان کو حیض آیا ہے۔ **واصطفٰک** اس سے خاص فضیلت جزئی مراد ہے یعنی حضرت عیسیٰ کی والدہ ہونا اس سے حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ کے فضائل کثیرہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ محققین کے نزدیک ان دونوں کو افضل نساء العالمین سمجھا جائے گا۔ **یا مریم** قرآن کریم میں حضرت مریم کے سوا کسی عورت کا نام صراحۃً ذکر نہیں فرمایا گیا اس میں رد ہے ان کو اللہ میاں کی بیوی کہنے والے عیسائیوں پر۔ کیونکہ کوئی آدمی اپنی بیوی کا نام دوسروں کے سامنے لینا پسند نہیں کرے گا۔

واسجدی وارکعی ان کی نماز میں اگر سجدہ پہلے ہوتا تھا اور رکوع بعد میں تو یہ ترتیب واؤ سے نہیں سمجھی جائے گی۔ لیکن اگر ان کی نماز ہماری ہی نماز کی طرح ہے کہ رکوع پہلے اور سجدہ بعد میں ہو تو اس واؤ کا جواب شوافع کے پاس کیا ہوگا جو واؤ کو ترتیب کے لئے مانتے

ہیں ۔البتہ حنفیہ کے لئے معقول استدلال ہوسکتا ہے۔ مع الراکعین بجائے مع الراکعات کے مع الراکعین فرمایا گیا بطور تغلیب کے یا یہ مقصد ہے کہ عورتوں کی طرح گنڈے دار خالی نقل وحرکت کی نماز نہ پڑھو بلکہ پابندی اور خشوع والی مردانہ نماز پڑھا کرو اور نماز پر رکوع کا اطلاق تسمیۃ الکل باسم الجزء ہے اور سجدہ کی تقدیم یا تو ان کی شریعت کے مطابق ہوگی اور یا محض شرف کے لیئے۔

ربط :............ ان آیات میں حضرت زکریاؑ کا واقعہ دعائے ولادت یحییٰ اور حضرت مریمؑ کے واقعہ کا تتمہ بیان کیا جارہا ہے اور ذلک من انباء الغیب میں اس کو دلیلِ نبوت قرار دیا گیا ہے۔

﴿ تشریح ﴾ :........ **بے موسم پھل اور ناوقت اولاد** :............ حضرت زکریا علیہ السلام خدا کے برگزیدہ نبی ہونے کی وجہ سے اللہ کی عظیم قدرت کے معتقد تھے۔ لیکن اسباب عادیہ نہ ہونے کی وجہ سے اس قسم کی درخواست کو جرات بے جا سمجھتے تھے لیکن جب حضرت مریم کے پاس بے موسم پھل آتے دیکھتے تو دل میں ایک خاص قسم کی تحریک ہوئی اور بار بار اس کرامت کے مشاہدہ سے کیفیت نے شدتِ رغبت کی صورت اختیار کر لی۔ تو درخواست پیش کردی کہ اے اللہ مجھے بھی ''بے موسم کا پھل'' عطاء فرما نا ذریۃ کا مطلب یہ ہے کہ بابرکت اور نیک کردار ہو۔ یہ دعا مختلف مواقع میں مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے ممکن ہے مختلف اوقات کے لحاظ سے مختلف الفاظ استعمال کئے ہوں اس لئے کہیں کوئی لفظ نقل کردیا اور کہیں کوئی۔ محراب سے مراد عمدہ اور مخصوص مکان ہے خواہ امام کا مصلی ہو یا وہ مخصوص جگہ جو حضرت مریم کے لئے بنائی گئی تھی۔ حضرت عیسیٰ چونکہ بلاواسطہ سبب عادی یعنی باپ کے پیدا کئے گئے ہیں اس لئے ان کو ''کلمۃ اللہ'' یا ''روح اللہ'' کہا گیا یہ جواب ہے وفد نجران کے شبہ کا۔ حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ کے ہمعصر ہیں اور سب سے پہلے ان کو ماننے والے اس لئے ان کو مصدق کہا گیا ہے۔

مشرب تحیوی :............ اور حصورا میں سب جائز خواہشوں سے رُکنا بھی داخل ہے۔ مثلاً عمدہ کھانا پینا، پہننا، نکاح وغیرہ۔ حالانکہ احادیث سے نکاح کی فضیلت معلوم ہوتی ہے سو جس شخص کی حالت واقعی یہ ہو کہ اس پر فکر آخرت غالب ہو کر اس کو ادائیگی حقوق سے بے توجہ بنادے تو اس کے لئے تجرد ہی بہتر ہے۔ نکاح کی فضیلت میں من استطاع منکم الباءۃ کی قید خود اس کی مؤید ہے۔ اور صالح ہونا ایک کلی مشکک ہے جس سے ادنیٰ درجہ عام مؤمن اور اعلیٰ درجہ انبیاء کو حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے محل مدح میں اس لفظ کا استعمال بے فائدہ نہیں ہے اور بحالت نماز فرشوں کی بات چیت چونکہ پیغام الٰہی تھا اس لئے اس کی مشغولیت عین حضورِ قلب ہے وہ اس میں خلل انداز یا اس کے منافی نہیں ہے۔ انی یکون لی غلام سے مقصود استبعاد نہیں ہے کہ ایک جلیل القدر پیغمبر سے یہ سوال خود مستبعد ہے بلکہ اجابتِ دعا کی کیفیت کے اشتیاق کا اظہار ہے کہ ہم دونوں میاں بیوی بحالت موجودہ بوڑھے رہیں گے یا اس میں کچھ ردّ و بدل کیا جائے گا۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ موجودہ حالت باقی رہے گی کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا۔

نکات :............ اور لڑکے کا تعیین اور اس کا زندہ رہنا یہ بات یحییٰ کے نام سے معلوم ہوگئی تھی اور نشانی کی فرمائش بھی اسی شدت شوق کا نتیجہ تھی یا ادائے شکر کے لئے پہلے سے آمادگی کا اظہار تھا۔ غرضکہ نشانی بڑی لطیف تجویز کی گئی کہ نشانی کی نشانی ہوگی اور مقصود کا مقصود۔ بدرجۂ اتم حاصل ہوگیا کہ ادائے شکر کے سوا کسی دوسرے کام ہی کے نہ رہیں گے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ بہ نسبت عدم کلام اختیاری کے عدمِ کلام اضطراری مراد لینا اوفق ہے کما قال البیضاوی اور دونوں مراد لینا اور بھی جامعیت رکھتا ہے۔ اس آیت میں تین دن اور دوسری آیت سے تین رات معلوم ہوتی ہیں اور دونوں صحیح ہیں اور گو اپنے شوق اور جذبہ کے لحاظ سے وہ خود تین دن تین رات ذکر اللہ

میں مصروف رہتے لیکن بطور استحسان وتاکید حق تعالیٰ نے بھی اس کو ارشاد فرمادیا اور صبح شام سے مراد یا تو مطلق اوقات ہیں مجازاً اور حقیقۃً یہی اوقات مراد ہیں تو ان کی عبادت کو دن کے ساتھ مخصوص کرنا پڑے گا۔

تحقیقات:............ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ میں دو باتیں قابل تحقیق ہیں۔(۱) مطلقاً فرشتوں سے کلام کرنا خواص نبوت سے نہیں ہے۔ خواص نبوت سے وہ کلام ہے جو مامور بالتبلیغ سے کیا جائے گوخود اس کلام کی تبلیغ مقصود نہ ہو۔(۲) لفظ نساء سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت مریم بالغ ہو چکی تھیں اس لئے شاید لفظ اصطفاء مکرر لایا گیا ہے کہ پہلا اصطفاء بچپن میں ہوا اور یہ اصطفاء جوانی میں ہوا غرضکہ دونوں اصطفاء کرامات سے لبریز ہیں۔

لطائف:............ هنالك دعا سے بھی دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو اولاد کا آرزومند ہونا زہد کے منافی نہیں ہے بالخصوص جبکہ کسی دینی مصلحت وغرض سے ہو جیسے حضرت زکریاؑ نے انی خفت الموالی کی مصلحت دوسری آیت میں بیان فرمائی اس سے بقاء سلسلہ کی تمنا اور آرزو کا استحسان بھی معلوم ہوا جیسا کہ مشائخ کی خواہش اور تمنا ہوتی ہے۔

دوسرے یہ کہ اسباب بعیدہ کا سوال منافی ادب نہیں ہے۔ ذرية طيبة کی قید سے معلوم ہوا کہ خلیفہ بنانے کے لئے اُن صفات کی شرط ہے اولاد بنانے کے لئے نہیں کہ وہ تو بہرصورت اولاد ہی ہوگی بعض بزرگوں سے جو اس کی ضد کی تمنا منقول ہے وہ غلبۂ حال پر محمول ہے یا عنداللہ مقدر نہ ہونے پر تفویض ہے اور رب اجعل لی اية میں مزید طمانیت کے لئے دعاء ہے جیسے حضرت ابراہیمؑ کی دعاء دربارۂ احیاء موتیٰ گذر چکی ہے۔

اُذْكُرْ **اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ** اَیْ جِبْرَئِيْلُ **يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ** اَیْ وَلَدٍ **اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ** خَاطَبَهَا بِنِسْبَتِهٖ اِلَيْهَا تَنْبِيْهًا عَلٰى اَنَّهَا تَلِدُهٗ بِلَا اَبٍ اِذْ عَادَةُ الرِّجَالِ نِسْبَتُهُمْ اِلٰى ابَائِهِمْ **وَجِيْهًا** ذَا جَاهٍ **فِي الدُّنْيَا** بِالنُّبُوَّةِ **وَالْاٰخِرَةِ** بِالشَّفَاعَةِ وَالدَّرَجَاتِ الْعُلٰى **وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ** ﴿۴۵﴾ عِنْدَاللّٰهِ **وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ** اَیْ طِفْلًا قَبْلَ وَقْتِ الْكَلَامِ **وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ** ﴿۴۶﴾ **قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ** بِتَزَوُّجٍ وَلَاغَيْرِهٖ **قَالَ** الْاَمْرُ **كَذٰلِكِ** مِنْ خَلْقِ وَلَدٍ مِنْكِ بِلَااَبٍ **اللّٰهُ يَخْلُقُ مَايَشَآءُ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا** اَرَادَ خَلْقَهٗ **فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ** ﴿۴۷﴾ اَیْ فَهُوَ يَكُوْنُ **وَيُعَلِّمُهُ** بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ **الْكِتٰبَ** الْخَطَّ **وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ** ﴿۴۸﴾ وَنَجْعَلُهٗ **رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ** فِي الصِّبَاءِ اَوْ بَعْدَ الْبُلُوْغِ فَنَفَخَ جِبْرَئِيْلُ فِيْ جَيْبِ دِرْعِهَا فَحَمَلَتْ وَكَانَ مِنْ اَمْرِهَا مَا ذُكِرَ فِيْ سُوْرَةِ مَرْيَمَ فَلَمَّا بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَائِيْلَ قَالَ لَهُمْ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ **اَنِّيْ** اَیْ بِاَنِّيْ **قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ** عَلَامَةٍ عَلٰى صِدْقِيْ **مِّنْ رَّبِّكُمْ** هِيَ **اَنِّيْٓ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْكَسْرِ اسْتِيْنَافًا **اَخْلُقُ** اُصَوِّرُ **لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ** مِثْلَ صُوْرَتِهٖ وَالْكَافُ اِسْمُ مَفْعُوْلٍ **فَاَنْفُخُ فِيْهِ** الضَّمِيْرُ لِلْكَافِ **فَيَكُوْنُ طَيْرًا** وَفِيْ قِرَاءَةٍ طَائِرًا **بِاِذْنِ اللّٰهِ** بِاِرَادَتِهٖ فَخَلَقَ لَهُمُ الْخُفَّاشَ لِاَنَّهٗ اَكْمَلُ الطَّيْرِ خَلْقًا فَكَانَ يَطِيْرُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَهٗ فَاِذَا غَابَ

عَنْ اَعْيُنِهِمْ سَقَطَ مَيِّتًا **وَاُبْرِئُ** اَشْفِیْ **الْاَكْمَهَ** الَّذِیْ وُلِدَ اَعْمٰی **وَالْاَبْرَصَ** وَخُصَّا لِاَنَّهُمَا دَآءَ اِنْ اَعْيَيَا الْاَطِبَّاءَ وَكَانَ بَعْثُهٗ فِیْ زَمَنِ الطِّبِّ فَاَبْرَأَ فِیْ يَوْمٍ خَمْسِيْنَ اَلْفًا بِالدُّعَاءِ بِشَرْطِ الْاِيْمَانِ **وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ** بِاِرَادَتِهٖ كَرَّرَهٗ لِنَفْیِ تَوَهُّمِ الْاُلُوْهِيَّةِ فِيْهِ فَاَحْيَا عَازَرَ صَدِيْقًا لَهٗ وَابْنَ الْعَجُوْزِ وَابْنَةَ الْعَاشِرِ فَعَاشُوْا وَوُلِدَ لَهُمْ وَسَامَ بْنَ نُوْحٍ وَمَاتَ فِی الْحَالِ **وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ** تَخْبَاُوْنَ **فِیْ بُيُوْتِكُمْ** مِمَّا لَمْ اُعَايِنْهُ فَكَانَ يُخْبِرُ الشَّخْصَ بِمَا اَكَلَ وَمَا يَاْكُلُ بَعْدُ **اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرِ **لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** ﴿۴۹﴾ وَجِئْتُكُمْ **مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَیَّ** قَبْلِیْ **مِنَ التَّوْرٰةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ** فِيْهَا فَاَحَلَّ لَهُمْ مِنَ السَّمَكِ وَالطَّيْرِ مَالَا صِيْصِيَّةَ لَهٗ وَقِيْلَ اَحَلَّ الْجَمِيْعَ فَبَعْضٌ بِمَعْنٰی كُلٍّ **وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ** كَرَّرَهٗ تَاْكِيْدًا اَوْ لِيَبْنِیَ عَلَيْهِ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ** ﴿۵۰﴾ فِيْمَا اٰمُرُكُمْ بِهٖ مِنْ تَوْحِيْدِ اللّٰهِ وَطَاعَتِهٖ **اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا** الَّذِیْ اٰمُرُكُمْ بِهٖ **صِرَاطٌ** طَرِيْقٌ **مُّسْتَقِيْمٌ** ﴿۵۱﴾ فَكَذَّبُوْهُ وَلَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖ **فَلَمَّآ اَحَسَّ** عَلِمَ **عِيْسٰی مِنْهُمُ الْكُفْرَ** وَاَرَادُوْا قَتْلَهٗ **قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ** اَعْوَانِیْ ذَاهِبًا **اِلَی اللّٰهِ** لِاَنْصُرَ دِيْنَهٗ **قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ** اَعْوَانُ دِيْنِهٖ وَهُمْ اَصْفِيَاءُ عِيْسٰی اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَكَانُوْا اِثْنَیْ عَشَرَ رَجُلًا مِنَ الْحَوَرِ وَهُوَ الْبَيَاضُ الْخَالِصُ وَقِيْلَ كَانُوْا قَصَّارِيْنَ يُحَوِّرُوْنَ الثِّيَابَ اَیْ يُبَيِّضُوْنَهَا **اٰمَنَّا** صَدَّقْنَا **بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ** يَا عِيْسٰی **بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ** ﴿۵۲﴾ **رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ** مِنَ الْاِنْجِيْلِ **وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ** عِيْسٰی **فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ** ﴿۵۳﴾ لَكَ بِالْوَاحْدَانِيَّةِ وَلِرَسُوْلِكَ بِالصِّدْقِ قَالَ تَعَالٰی **وَمَكَرُوْا** اَیْ كُفَّارُ بَنِیْٓ اِسْرَآئِيْلَ بِعِيْسٰی اِذْ وَكَّلُوْا بِهٖ مَنْ يَقْتُلُهٗ غِيْلَةً **وَمَكَرَ اللّٰهُ** بِهِمْ بِاَنْ اَلْقٰی شِبْهَ عِيْسٰی عَلٰی مَنْ قَصَدَ قَتْلَهٗ فَقَتَلُوْهُ وَرَفَعَ عِيْسٰی **وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ** ﴿۵۴﴾ اَعْلَمُهُمْ بِهٖ

ع ۱۳ ۵

ترجمہ:............ (یاد کیجئے) وہ وقت جبکہ فرشتوں (جبرئیلؑ) نے کہا اے مریم اللہ تعالیٰ تمہیں بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ (لڑکے) کی جو منجانب اللہ ہوگا۔ اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا (ان کی نسبت مریم کی طرف کرتے ہوئے ان کو مخاطب بنانا یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ وہ بلا باپ پیدا ہوں گے۔ ورنہ لوگوں کی عادت یہی ہے کہ اولاد کی نسبت باپ کی طرف کی جاتی ہے) وہ باوجاہت (باوقار) ہوں گے دنیا میں (تو نبوت سے سرفراز ہوکر) اور آخرت میں (شفاعت اور مراتب عالیہ سے مشرف ہوکر) اور پہنچے ہوئے ہوں گے (اللہ کے حضور) اور لوگوں سے کلام کریں گے گہوارہ میں (بچپنے میں بولنے کے وقت سے پہلے ہی) اور بڑی عمر میں اعلیٰ درجہ کی شائستہ لوگوں میں سے ہوں گے۔ مریم بولیں خدایا یہ کہاں (کیسے) ہوسکتا ہے کہ میرے لڑکا ہو حالانکہ کسی مرد نے مجھ کو چھوا تک نہیں (نہ نکاحاً نہ غیر نکاح کے طور پر) ارشاد الٰہی ہوا (یہ کارروائی) یوں ہوگی (کہ تم سے بچہ بلا باپ پیدا ہوگا) اللہ جو کچھ چاہتے ہیں پیدا کردیتے ہیں جب وہ کسی کام کو پورا کرنا چاہتے ہیں (اس کو پیدا کرنا چاہتے ہیں) تو اس کو حکم دیدیتے ہیں ہو جا پھر جیسا کچھ انہوں نے چاہا تھا ویسا ہی (وہ کام ظہور پذیر ہوکر رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو علم عطا فرمائیں گے (یہ لفظ نون اور یا کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ یعنی نُعَلِّمُهٗ،

ویُعلّمُهٗ) کتاب (کتابت) اور حکمت تورات وانجیل اور نیز (ہم ان کو بنائیں گے) رسول بنی اسرائیل (بچپن میں یا بالغ ہونے کے بعد۔ چنانچہ حضرت جبرئیلؑ نے حضرت مریمؑ کے گریبان میں پھونک ماردی تو وہ حاملہ ہو گئیں۔ اور کچھ اس کا واقعہ سورۂ مریم میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ حق تعالیٰ نے جب حضرت عیسیٰؑ کو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث فرمایا تو انہوں نے لوگوں کے سامنے جا کر اعلان فرمایا کہ میں تمہارے لئے خدا کا رسول ہوں) دیکھو میں تم لوگوں کے پاس تمہارے پروردگار کی نشانی (اپنی صداقت کا نشان) لے کر آیا ہوں (وہ یہ ہے کہ) میں بلاشبہ (ایک قرأت میں کسر انّ کے ساتھ ہے بطور استیناف کے) بناتا ہوں (مصنوعی شکل) تمہارے لئے گارے کی پرندہ کی سی صورت (پرندگی شکل اور کاف اسم مفعول ہے) پھر اس میں پھونک مار دیتا ہوں (فیہ کی ضمیر کھیئۃ میں کاف مثلیہ کی طرف راجع ہے) جس سے وہ پرندہ بن جاتا ہے اللہ کے حکم (ارادہ) سے (چنانچہ انہوں نے چمگادڑ کی شکل ان کے سامنے بنائی کیونکہ خلقت کے لحاظ سے وہ سب سے مکمل پرندہ ہوتا ہے۔ غرضکہ وہ اڑنے لگا اور سب لوگ اس کا تماشا دیکھتے رہے لیکن جب نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا تو فوراً مر کر گر جاتا۔ اور میں چنگا کر دیتا ہوں (اچھا کر دیتا ہوں) مادرزاد اندھوں (پیدائشی نابیناؤں) کو اور کوڑھیوں کو (ان دونوں بیماروں کی تخصیص اس لئے کہ یہ لاعلاج بیماریاں سمجھی جاتی ہیں کہ جن سے ڈاکٹر عاجز تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کی بعثت طب کے زمانۂ عروج میں ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک دن میں انہوں نے پچاس ہزار بیماروں کو محض دستِ دعاء کی بدولت بشرطِ ایمان بھلا چنگا کر دیا) اور اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیتا ہوں (یعنی اللہ کے ارادہ سے۔ اس جملہ کو اس لئے دوہرایا کہ ان پر شبہ الوہیت کا نہ ہو جائے غرضکہ انہوں نے اپنے دوست عازر کو اور اسی طرح ایک بڑھیا کے لڑکے، اور عشر وصول کرنے والے کی لڑکی کو جلادیا۔ چنانچہ وہ زندہ رہے اور ان کے اولاد پیدا ہوئی۔ اور سام بن نوح کو زندہ کر دیا جو پھر فوراً مر گئے) اور میں تم کو جتلا سکتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم ذخیرہ (جمع) رکھتے ہو اپنے گھروں میں (جن چیزوں کو میں نے دیکھا بھی نہیں چنانچہ آپ ہر شخص کے کھانے کے بعد یا کھانا کھانے سے پہلے ہی بتلا دیتے تھے) بلاشبہ ان (مذکورہ) باتوں میں تمہارے لئے بڑی ہی نشانی ہے۔ واقعی اللہ پر اگر ایمان رکھنے والے ہو (اور میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ) تصدیق کر دوں تورات کی جو میرے سامنے (میرے سے پہلے) ہے اور اس لئے آیا ہوں کہ تم لوگوں کے لئے حلال کر دوں بعض چیزیں جو تمہارے لئے حرام کر دی گئی تھیں (چنانچہ انہوں نے ان کے لئے مچھلی اور وہ پرندہ جس کے چونچ نہیں ہوتی حلال کر دیا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ہر چیز اُن کے لئے حلال کر دی تھی۔ اس صورت میں لفظ بعض کل کے معنی میں ہو جائے گا) اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی نشانی لے کر آیا ہوں (اللہ کی توحید واطاعت جو کچھ میں تم کو حکم دوں) دیکھو اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے سب کے پروردگار ہیں۔ سو ان کی بندگی کرو یہی (اس جملہ کو تاکیداً مکرر لائے ہیں یا اس لئے کہ اگلے جملہ کا عطف اس پر درست ہو سکے۔ اس لئے تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو (اللہ کی توحید واطاعت کا جو کچھ میں تم کو حکم دوں) دیکھو اللہ تعالیٰ نے میرے اور تمہارے سب کے پروردگار ہیں سو ان کی بندگی کرو یہی (جس کی طرف میں تم کو بلا رہا ہوں) دین کا سیدھا راستہ ہے (لیکن ان لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ کو جھٹلایا اور ان پر ایمان نہیں لائے) پھر جبکہ حضرت عیسیٰؑ نے محسوس کر لیا (جان لیا) بنی اسرائیل سے کفر کو (اور ان کے ارادۂ قتل کو) تو پکار اٹھے کون ہے جو میرا مددگار (حمایتی ہو جائے درآنحالیکہ میں اٹھنا چاہتا ہوں) اللہ کے لئے (اس کے دین کی نصرت کے لیئے) اسی پر ان کے چند حواریوں نے عرض کیا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں (دین کے حمایتی ہیں۔ یہ بارہ مخلص ترین افراد تھے جو سب سے اول حضرت عیسیٰؑ کے دستِ حق پر ایمان لائے حواری حور سے مشتق ہے جس کے معنی خالص سفیدی کے ہیں۔ اور بعض کی رائے ہے کہ وہ دھوبی تھے جو کپڑوں کو دھو کر سفید کیا کرتے تھے) ہم اللہ پر ایمان لائے (اس کی تصدیق کی) اور گواہ رہئے (اے حضرت عیسیٰؑ) کہ اس کی فرمانبرداری میں ہمارا سر جھک گیا ہے۔ خدایا جو کچھ آپ نے نازل فرمایا (انجیل) اس پر ہم ایمان لے آئے اور پیروی کر لی رسول (عیسیٰؑ) کی سو ہمارا شمار بھی ان لوگوں میں کر لیجئے جو شہادت دینے والے ہیں (آپ کی وحدانیت کی اور آپ

کے پیغمبروں کی صداقت کی حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) اور خفیہ تدبیریں کیں (کفار بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ کے بارہ میں ایسا شخص تجویز کر کے جوان کو (اچانک قتل کردے) اور اللہ نے بھی مخفی تدبیر کی (ان کے ساتھ کہ حضرت عیسیٰ کے قتل کا ارادہ کرنے والے کو اللہ نے ان کا ہمشکل بنادیا۔ چنانچہ لوگوں نے اس شبہ میں اس کو تو قتل کردیا اور حضرت عیسیٰ کا رفع سماوی ہوگیا) اور یاد رکھو کہ مخفی تدبیریں کرنے والوں میں اللہ سے بہتر کوئی (زیادہ جاننے والا) نہیں ہے

تحقیق وترکیب: ....اسمه المسیح عیسیٰ لفظ عیسیٰ بدل ہے مسیح اور مسیح معرب ہے۔ اصل میں ماشح یا مشیحا عبرانی لفظ تھا بمعنی مبارک۔ معرب ہو کر مسیح ہوگیا۔ اور بعض نے اس کو مسح سے ماخوذ مانا ہے کیونکہ ان کے مسح سے برکت وشفاعت حاصل ہوتی تھی۔ یا زمین کا مسح مراد ہے یعنی ہمہ وقت سیر وسیاحت میں رہنے کی وجہ سے ان کو مسیح کہا گیا۔ اور مسیح الدجال بالاتفاق عربی لفظ ہے اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ ممسوح العین (پچکی ہوئی آنکھ) ہوگا۔ مسیح حالانکہ لقب ہے لیکن اس لئے کہا گیا کہ وہ مسمّیٰ پر علامۃ ہوتی ہے مسیح خبر اول۔

ابن مریم یہ مبتدائے محذوف کی خبر اول ہوگی۔ عیسیٰ کی صفت نہیں ہے اور عیسیٰ خبر ثانی ہے۔ وجیھا ای ذا جاہ منصوب علی الحال المقدرہ ہے لفظ کلمۃ سے باوجود یکہ یہ نکرہ ہے مگر موصوفہ ہے اور تذکیر بحسب المعنی ہے بالشفاعۃ اس سے مراد خاص اپنی امت کی شفاعت ہے جو ہر نبی کو دی گئی یا جائے گا۔ لیکن شفاعتِ کبریٰ عامہ وخاصہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جیسا کہ بعثت عامہ بھی آپ کا خاصہ ہے۔ ومن المقربین یہ معطوف ہے وجیھا پر یعنی ومقربا من المقربین.

ویکلم الناس اس کا عطف حال پر ہے بتاویل اسم فی المھد وکھلا یہ دونوں لفظ مل کر حال ہیں صرف لفظ کھل حال نہیں ہے کیونکہ دونوں زمانوں کی برابری ہے۔ مھد مصدر میمی ہے۔ بچہ کا گہوارہ، تفسیر کبیر میں اس سے مراد ماں کی گود بھی لی گئی ہے۔ عبارت بتقدیر المضاف ہے جس کی طرف جلال محقق نے لفظ طفلا سے اشارہ کیا ہے یعنی فی زمان المھد وملاقه زمانہ کہولت تیس (۳۰) سال کے بعد یا چالیس (۴۰) سال کے بعد ہوتا ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ تیس (۳۰) سال کی عمر میں اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمادیا تھا۔ تیس (۳۰) ماہ یا تین (۳) سال کچھ ماہ کے بعد یہ واقعہ رفع سماوی پیش آ گیا۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک مدت نبوت کا چالیس سال ہونا یہ اکثری ہے کلیہ نہیں ہے۔ حضرت یحییٰ بعمر تیس (۳۰) سال نبی بنادیئے گئے، دوسرے زمانہ کہولت ان کو نہیں ملا۔ اور قرآن کے بیان کا صحیح ہونا ضروری ہے اس لئے دوبارہ تشریف آوری ہوگی اور اس زمانہ کہولت میں کلام ہدایت۔ ارشاد فرمائیں گے۔ اس سے رفع سماوی اور مسئلہ حیات عیسیٰ پر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ روح المعانی میں سعید بن المسیب اور زید بن اسلم کا قول نقل کیا ہے کہ انه رفع الی السماء وھو ابن ثلث وثلثین سنة اور ابن جریر نے ابن زید سے اس آیت کے ذیل میں تخریج کی ہے وسیکلمھم اذا قتل الدجال وھو یومئذ کھلٌ دلت الأیة علی نزوله الی الارض فافھم.

ومن الصالحین یہ تیسرا حال ہے یعلمه یہ مستقل کلام ہے حضرت مریم کی تالیفِ قلب کے لیئے۔ اور غم ملامت کے ازالہ کے لئے لایا گیا ہے۔ الکتاب یا مطلق کتب الٰہیہ مراد ہے زبور وصحائف وغیرہ اور یا بقول مفسرؒ خطاطی اور کتابت مراد ہے۔ کیونکہ اپنے زمانہ میں بہترین اور بے نظیر خطاط تھے۔ تورات اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تھی لیکن کتب سابقہ کے بھی وہ حافظ ہوں گے تورات کے جس حصہ کو انجیل میں منسوخ کردیا گیا ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ ورسولا سے پہلے ونجعله میں اشارہ اس کے منصوب بفعل مضمر ہونے کی طرف اور وہ معطوف ہوگا یعلمه پر فی الصبا تین سالہ عمر میں اور بعد البلوغ سے مراد تیس (۳۰) سال کی عمر ہوگی۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ چالیس (۴۰) سال کی عمر میں نبی بنائے گئے اور اسی (۸۰) سال اس کے بعد رسالت کے فرائض انجام دیتے رہے بعمر

۱۲۰ سال رفع سماوی ہوا۔

ماذکر فی سورۃ مریم یعنی واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اھلھا الٰی ابعث حیًا انی قد جئتکم بایٰۃ لفظ بانی سے اس طرف اشارہ ہے کہ جملہ محل جر میں ہے جیسا کہ خلیل کا مذہب ہے بـایٰۃ ای متلبسًا بایۃ اس میں تنوین تعظیم کی ہے ھی انی لفظ ھی کی تقدیم سے اشارہ ہے کہ اَنَّ بفتح الہمزہ محل رفع میں ہے مبتدائے محذوف کی خبر ہے۔ اخلق. یہ بدل ہے آیۃ سے خلق کی تفسیر تصویر کے ساتھ اس لئے کی تا کہ ایجاد بعد العدم سے شبہ نہ ہو جائے جو اللہ کا خاصۂ فعل ہے۔ لکم. ای لاجلکم یعنی لتحصیل ایمانکم ورفع تکذیبکم ایای کھیئۃ الطیر. بحذف المضاف ہے یعنی ذات ھیئۃ کائنۃ کھیئۃ الطیر اور کاف محذوف کے متعلق ہے جو خلق کے مفعول محذوف کی نعت واقع ہو رہا ہے۔ اور جلال محقق کاف کو مفعول کہہ رہے ہیں بمعنی مثل تقدیر اس طرح ہوگی فاصور لکم من الطین مماثل ھیئۃ الطیر آگے فیہ کی ضمیر کاف کی طرف راجع کر رہے ہیں یعنی فانفخ فی ذلک الشئ المماثل لھیئۃ الطیر.

اکمل الطیر چمگاڈر کے دانت، کان، پستان ہوتے ہیں۔ عورتوں کی طرح حیض آتا ہے بغیر پروں کے اڑتا ہے۔ صبح اور مغرب کے بعد کچھ دیر اس کو نظر آتا ہے باقی اوقات سوجھائی نہیں دیتا۔ نظر سے غائب ہونے کے بعد مر جانا اس لئے ہوتا ہے کہ مصنوعاتِ باری اور مخلوق کی کاریگری میں فرق رہے۔ اور بعض نے ان پرندوں کی عمر صرف ایک روز بتلائی ہے۔

بشرط الایمان کا مطلب یہ ہے کہ گویا اچھا ہونے کی فیس یہ ترغیب الی الایمان تھی ممکن ہے مشن کے ہسپتالوں کا جال عیسائیوں کی طرف سے تمام ملکوں میں پھیلانے کی بنیاد یہی ہو۔

واحی الموتی حضرت عیسیٰ علیہ السلام یاحی یاقیوم پڑھ کر زندہ کر دیتے تھے۔ چنانچہ جالینوس مشہور طبیب کے سامنے لوگوں نے جب یہ بات نقل کی تو کہنے لگا کہ بغیر علاج وہ ایسا کرتے ہیں تو یقیناً وہ نبی ہیں۔ کیونکہ طبیب کا یہ کام نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰؑ سے احیاء موتی کی درخواست کی گئی انہوں نے چار نفوس پر تجربہ کر کے دکھلایا۔ عازر جوان کے دوست تھے، ان کے انتقال پر ان کی ہمشیرہ نے آپ کو اطلاع دی تو حالانکہ ان کو مدفون ہوئے تین روز گذر چکے تھے لیکن آپ ان کی ہمشیرہ کے ہمراہ قبر پر پہنچے اور اللہ سے دعا کی چنانچہ عازر ایسی حالت میں قبر سے نکلے کہ تازہ خون ان کے بدن سے بہہ رہا تھا۔ عرصہ تک یہ زندہ رہے، ان کی اولاد ہوئی اسی طرح ایک بڑھیا کا لڑکا اور ایک عشر وصول کرنے والے شخص کی لڑکی تھی۔ فرمائش پر ان کو بھی زندہ کیا۔ اور چوتھے شخص سام حضرت نوح کے صاحبزادہ کی قبر پر پہنچے ان کو زندہ کیا۔ انہوں نے گھبرا کر دریافت کیا کہ کیا قیامت قائم ہوگئی ہے؟ فرمایا لا لکن دعوتک باسم اللہ الاعظم ان خوارق کو دیکھ کر بھی لوگوں نے یہی کہا کہ یہ سحر ہے کوئی اور کرامت دکھلایئے فرمایا فلاں شخص نے یہ کھایا اور فلاں شخص یہ کام کرے گا۔

مصدقا اس کا عطف لفظ آیۃ کے متعلق مضمر پر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے قد جئتکم متبسا بایۃ ومصدقا ولاحل کا عطف مصدقا پر ہو رہا ہے اگرچہ مصدقاً ترکیب میں حال اور لاحل مفعول لہ ہے تاہم دونوں کو تاویلاً ایک کرنا پڑے گا۔

ای جئتکم لا صدق ولاحل ولاحل لکم علماء کی اس بارہ میں دو رائے ہیں بعض کی رائے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شریعتِ موسوی کے بعض احکام منسوخ کئے اور بعض میں تغیر وتبدل کیا جیسا کہ خود شریعتِ اسلامیہ اور قرآن کریم کے احکام میں تغیر وتبدل نسخ ہوتا رہا ہے۔ اور یہ بات مصدقًا لما بین یدی من التوراۃ کے منافی نہیں ہے اور بعض کی رائے ہے کہ چونکہ ان دونوں جملوں میں تعارض لازم آتا ہے کہ ان کو توراۃ کا مصدق بھی کہا جائے اور پھر ناسخ اور مبدل بھی مانا جائے اس لئے مان لینا چاہئے کہ خود انہوں نے اصل شریعت موسوی میں ترمیم نہیں کہ بلکہ رسوم فاسدہ اور غلط رسوم ورواج کی اصلاح کی تھی لیکن قولِ اول ہی صحیح ہے بہرحال حضرت عیسیٰ وموسیٰ علیہما السلام کے زمانوں میں ۱۹۷۵ سال کا فصل ہے۔ انبیاء بنی اسرائیل میں سب سے اول نبی حضرت یوسفؑ ہوئے ہیں اور

سب سے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

وقیل اھل الجمیع تمام احکام سے مراد زنا اور قتل جیسے افعال نہیں ہیں کہ ان کو بھی حضرت عیسیٰ نے حلال فرما دیا تھا بلکہ صرف وہ تمام افعال جن میں زیادہ تشدد اور سختی تھی۔ ان اللہ ربی اس میں نصاریٰ پر تعریض اور تردید ہے۔ فلما احس اس سے پہلے فکذبوہ ولم یومنوا کی تقدیر اس لئے مانی ہے تاکہ فلما احس کا ترتب اس پر صحیح ہو سکے۔ احساس کے معنی وجدان شے بالحاسہ کے آتے ہیں اس کے بعد علم سے اس کی تفسیر کرنا اس طرف مشیر ہے کہ کفر محسوسات میں سے نہیں ہیں لیکن شدت ظہور سے کنایہ کرنے کے لئے استعارہ کیا گیا ہے الی اللہ سے پہلے ذاھبًا متعلق ظاہر کر دیا اور بعض نے الیٰ کو بمعنی مع یا بمعنی فی یا بمعنی لام لیا ہے اور اس انصاری کے متعلق کر دیا ہے اور مؤخر صورت میں کم تکلف کرنا پڑے گا اگرچہ روح المعانی میں اس تقدیر کو زیادہ بلیغ کہا ہے من ینصرنی منتھیًا نصرہ الی اللہ بہرحال اللہ یا رسول یا دین کی نصرت کا مفہوم معنًا ایک ہی ہے اس لئے سوال و جواب دونوں منطبق ہو گئے۔

الحواریون. حواری الرجل خالۃ من الحور گویا حور کی طرف نسبت ہے اور الف کی زیادتی تغیرات نسب سے ہے اور یا حور بمعنی رجوع ہے ان کے دل اللہ کی طرف راجع ہیں یا روشن تھے اس لئے حواری کہلائے ممکن ہے یہ بارہ حضرات شاہی خاندان کے افراد ہوں جو نہایت سفید کپڑے پہنتے ہوں اور بعض کی رائے ہے کہ یہ دھوبی تھے جو کپڑے دھو کر سفید کرتے تھے۔ قفال کی رائے ہے کہ ان بارہ افراد میں بعض شہزادے اور بعض دھوبی، رنگریز، ماہی گیر تھے ان سب کے مجموعہ کو حواری کہا جاتا ہے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ یہ سب مخلصین صحابہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے۔ ان کو بھوک و پیاس لگی تو حضرت عیسیٰ نے فوراً اپنی کرامت سے ان کو کھلا پلا کر شکم سیر کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے عرض کیا من افضل منا آپ نے ارشاد فرمایا افضل منکم من یعمل بیدہ ویاکل من کسبہ یعنی تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو خود کما کر کھائے اس پر ان سب نے اجرت پر کپڑے دھونے شروع کر دیئے۔ یا غالبًا بچپن میں ایک مرتبہ ان کی والدہ نے ان کو ایک رنگریز کے پاس چھوڑ دیا اس کے پاس رنگنے کے لئے مختلف قسم کے کپڑے آئے ہوئے تھے وہ ان کو کام سمجھا کر کہیں چلا گیا آ کر دیکھا تو تمام کپڑے ایک ہی ماٹ میں ڈال دیئے گئے لیکن جب حضرت عیسیٰ کے فرمانے پر اس نے نکالے تو سب علیحدہ علیحدہ مختلف رنگ کے نکل آئے۔ یہ دیکھ کر اس کو نہایت درجہ حیرت اور سخت تعجب ہوا اور دیکھنے والے ان کے معتقد ہو گئے۔

ومکر اللہ یہ لفظ بھی متشابہات میں سے ہے جس کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔ (۱) مشاکلت صورت کی وجہ سے "جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا" کی طرح ہے یعنی جزائے مکر کو مکر کہہ دیا گیا ہے۔ (۲) اللہ کی طرف سے ان کے ساتھ کی گئی کاروائی مشابہ مکر کے تھی اس لئے اس کو مکر کہا گیا ہے۔ (۳) اس لفظ کو متشابہ نہ کہا جائے بلکہ تدبیر مخفی محکم کے معنی ہیں۔ پھر بعد میں عرفاً شر پہنچانے کی تدبیر کے معنی میں اس کو خاص کر لیا گیا ہے۔ روح المعانی میں امام سے یہ معنی نقل کئے گئے ہیں ایصال المکروہ الی الغیر علی وجہ یخفی فیہ اس لحاظ سے اس کا صدور حق تعالیٰ سے حقیقۃً ممکن ہے۔

ربط: .... حضرت مریمؑ کے واقعات گذشتہ آیات میں بیان ہوئے تھے ان آیات میں بھی اس کا تتمہ یعنی حضرت عیسیٰؑ کا واقعہ بیان کرنا ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... **حضرت مریمؑ و عیسیٰؑ کے واقعات**: .... اصل منشاء تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ ولادت کے سلسلہ میں جو بعد و استعجاب عام طبائع میں پایا جاتا تھا اس کو کم کرنا ہے اور اسی کو ہلکا کرنے کے لئے بطور تمہید حضرت مریمؑ کے خوارق و کرامات کا ذکر چھیڑا گیا ہے۔ ولادت سے لے کر پوری جوانی تک جس کے واقعات زندگی عجائب و غرائب سے لبریز ہوں تو اس

کی فرع بھلائی اصل کے برخلاف کیونکہ ہوسکتی ہے۔ پھران کو بے موسم پھل ملے تو حضرت زکریاؑ کو بے موسم میوۂ خوبانی عطا ہوا غرضکہ جس گھرانے پر خدائی نوازشوں اور کرشموں کی اس طرح بارش ہورہی ہو وہاں "بے باپ بچہ کی پیدائش" انکار کی حد تک عجوبہ نہیں رہنی چاہیئے۔ بہرحال ہوا یہ کہ حضرت یحییٰ بھی اپنی والدہ کے پیٹ میں تھے کہ حضرت مریمؑ ایک دفعہ غسلِ حیض سے فارغ ہوکر اٹھیں تو سامنے فرشتہ کو دیکھا۔ اپنی پاکدامنی اور پاک طینتی کی وجہ سے ایک دم گھبرا گئیں، تعارف کے بعد جب ذرا اطمینان ہوا تو فرشتہ نے بامرالٰہی کچھ دم کردیا جس سے ان کو کچھ امید ہوگئی۔ کچھ دنوں کے بعد اس کا چرچا ہوا ایک کنواری لڑکی کا امید سے ہوجانا کیا کچھ ہنگامہ آرائی کا باعث نہیں ہوا ہوگا۔ اس سے تنگ آکر وہ چچازاد بھائی یوسف کے ساتھ بیت المقدس سے ناصرہ چلی گئیں، اور وہیں بیت اللحم کے کسی گوشہ میں ولادت ہوئی۔ لوگوں نے حضرت زکریاؑ کو متہم کرکے قتل کردیا تھا۔ کچھ لوگوں نے یوسف کو مریمؑ کا شوہر قرار دیا اور اہل کتاب میں بھی یہی بات مشہور ہے۔

حضرت مریم کی پاکدامنی:............ممکن ہے کہ حمل ظاہر ہوجانے کے بعد یا ولادت کے بعد ان سے شادی ہوگئی ہو یا جاہلوں کے طعن سے بچنے کے لئے لوگوں نے شادی کی بات مشہور کردی ہو۔ قرآن نے اس سے تعرض نہیں کیا البتہ اس بے بنیاد الزام سے ان کی نزاہت ونظافت بڑے زوردار الفاظ میں ان اللہ الـخ سے فرمادی گئی ہے کہ جس کو روز اول ہی سے چھانٹ لیا ہو اور باوجود لڑکی ہونے کے اس کو اپنی نیاز اور کلیسا کے لیئے قبول فرمالیا۔ نیز احوال رفیعہ مرحمت فرمائے پاک طبیعت، ستھرے اخلاق ظاہری، باطنی تقدیس سے مالا مال کیا جہاں بھر کی عورتوں پر ایک خاص فضیلت بخشی یعنی ایسی استعدد رکھی کہ بدون مرد وعورت کے تعلقات کے غیر معتاد طریقہ پر ایک جلیل القدر پیغمبر پیدا ہوں۔ یہ امتیاز دنیا میں کسی کو بھی حاصل نہیں ہوسکا۔

عداوتِ مسیح:............بہرحال حضرت مریم وعیسیٰ علیہما السلام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یوسف ان کو مصر لے گئے وہیں حضرت عیسیٰ جوان ہوئے اور پھر ملک شام گئے وہاں حضرت یحییٰ جوان ہوچکے تھے اور ان سے بڑے تھے وہ لوگوں کو نصیحت کرتے اور ان کی نبوت کی تصدیق کرتے۔ آخر بادشاہ نے ان کو قتل کردیا۔ حضرت عیسیٰ یروشلم وغیرہ شہروں میں تبلیغ کرتے رہے اور یہود کو ان کے ساتھ عداوت بڑھتی رہی۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ نے بامرالٰہی دین موسوی کے احکام میں ترمیم کی جس کی تفصیل اناجیل اربعہ سے معلوم ہوسکتی ہے یوم السبت کے سلسلہ میں بڑی پابندیاں تھیں ان کو ہٹایا۔ غرضکہ اس سے یہود مشتعل اور ان کے درپئے آزاد ہوگئے جس سے ان کو اپنے اعوان وانصار سے اعانت طلب کرنی پڑی یہاں ابن مریم کو بطور جزءِ علم استعمال کرکے حضرت مریمؑ کی بزرگی کی طرف اشارہ ہے اور نیز یہ کہ ان کی نسبت باپ کی بجائے تمہاری طرف ہوگی۔ رہا یہ کہ دوسروں کو اس سے شبہ ہوگا مگر اس کا جواب **وجیھا فی الدنیا والاخرۃ** میں دیدیا کہ وہ خود اپنی بزرگی کی وجاہت سے تم کو ان شبہات کے الزام سے بری کردے گا۔ چنانچہ جب لوگوں نے استفسار حال کیا تو آپ نے ہدایت الٰہی کے مطابق بچہ کی طرف اشارہ کردیا۔ حضرت عیسیٰ نے او **یکلم الناس فی المھد** کا پورا پورا ثبوت بہم پہنچادیا۔ اور فرمایا **انی عبداللہ اتانی الکتاب الخ** بعض محرفین نے کہا کہ **ویکلم الناس فی المھد** کے یہ معنی نہیں کہ خاص قسم کا عاقلانہ کلام کریں گے بلکہ مقصد یہ تھا کہ بچہ گونگا پیدا نہیں ہوگا۔ بلکہ عام طور پر بچوں کی طرح بولے گا **استغفر اللہ** حالانکہ قیامت میں لوگ ان کے اس خصوصی وصف کو یہ کہہ کر سراہیں گے **اذ کر نعمتی علیک وعلی والدتک اذ ایدتک بروح القدس تکلم الناس فی المھد و کھلا** کیا کوئی احمق کہہ سکتا ہے کہ وہاں بھی اس کہنے کا منشاء یہی ہوگا کہ لڑکا گونگا نہیں تھا۔ عام لڑکوں کی طرح بولنے والا تھا **لاحول ولاقوۃ الخ**۔

نکات: .... ملائکہ کا اطلاق بصیغہ جمع حضرت جبریلؑ پر ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ اس مسئلہ میں علماء یہ کہتے ہیں اگر چہ ایک ہی عالم کہتا ہو اور یا ممکن ہے کہ دوسرے فرشتے بھی ان کے ہمراہ ہوں گے مگر جبریلؑ اصل ہوں اور دوسرے تابع۔ اور انہوں نے بھی اجمالاً یا تفصیلاً بشارت سنائی ہو یا صرف تائید کی ہو۔

اور کلمۃ اللہ کہنے میں اشارہ ہے کہ جس چیز کو بلا اسباب عادیہ پیدا کیا جاتا ہے اس کی نسبت اللہ کی طرف کی جاتی ہے جیسے وما رمیت اذرمیت ولکن اللہ رمی اور ابن مریم کہنے میں اشارہ ہے بن باپ پیدا ہونے کی طرف۔ ورنہ باپ کی طرف اسناد ہونی چاہئے تھی۔

اذا قضی امرًا اس سے استبعاد اور استعجاب کو رفع کرنا ہے کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اسباب کے ماتحت ہوتا ہے لیکن اللہ کی قدرت اسباب کی محتاج نہیں ہے اول تو خود اسباب ہی انہوں نے پیدا کئے اور سبب اور مسبب علاقہ بھی ان ہی کا پیدا کردہ ہے۔ اس لئے اسباب اور عادات تو اس کے تابع ہیں لیکن وہ ان میں سے کسی کا پابند نہیں۔ دوسرے اگر ہر چیز کو اسباب ہی کا محتاج مانا جائے تو پھر اسباب ہی اسباب کے محتاج ہونے چاہئیں اور وہ اسباب بھی دوسرے اسباب کے۔ اس طرح تسلسل لازم آئے گا جو محال ہے، اور اگر اسباب اپنے اسباب کے محتاج نہ ہوں تو پھر مسبب کا بلا اسباب ہونا ممکن ہوا اور ممکن کی خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں اس لئے یقین واذعان ضروری ہے۔

خاتم الانبیاء ﷺ اور حضرت مسیح علیہ السلام: .... ویعلمہ الکتاب والحکمۃ سے مراد یا تو عام کتب آسمانی اور خصوصاً تورات وانجیل کا علم ہوگا کہ وہ بڑی گہری حکمت کی باتوں کی تلقین کرے گا۔ اور یا مراد قرآن وسنت کا علم ہو کہ وہ دوبارہ نزول کے بعد شریعت محمدیہ کے موافق حکم کریں گے۔ اور یہ جب ہو سکتا ہے کہ پہلے شریعت کا علم ہو۔ انی اخلق محض ظاہری حیثیت سے شکل و صورت بنانا مراد ہے اور اس لحاظ سے غیر اللہ پر اس کا اطلاق جائز ہے۔ خود حق تعالیٰ احسن الخالقین فرما رہے ہیں۔ گویا نبوت سے پہلے بطور ''ارہاص'' اس نمونہ قدرت اور خارق عادت کا اظہار اس طرف اشارہ ہے کہ جب خدا میری ایک پھونک سے مٹی کی بے جان مورتیوں میں جان ڈال سکتا ہے تو کیا وہ ایک نفخۂ جبریلؑ سے ایک پاکباز عورت کے رحم میں روح عیسوی فائض نہیں کرسکتا ہے۔ قدرت کے ان دونوں تماشوں کے بعد کیا تعجب رہ جاتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حضرت مسیح پر کمالات روحانیہ وملکیہ کا غلبہ تھا اسی کے مناسب آثار ظاہر ہوئے تھے۔ لیکن اگر ملک پر بشر کو شرف وفضیلت حاصل ہے اور اس وجہ سے ابوالبشر کو اگر مسجود ملائکہ بنایا گیا ہے تو کوئی شبہ نہیں کہ جس ذات میں تمام کمالات بشریہ یعنی روحانی اور ملکوتی صفات اعلیٰ درجہ کی ہوں اس کو حضرت مسیح سے افضل ماننا پڑے گا۔ پرندوں کی شکل بنانا تصویر میں داخل ہے اور یہ اس وقت کی شریعت میں جائز تھا مگر ہماری شریعت میں ناجائز ہے۔

معجزہ کی عام حیثیت اور غرض: .... ہر زمانہ میں جن باتوں کا رواج زیادہ رہا معجزہ ان ہی باتوں میں نبی کا تفوق ثابت کرنے کے لئے آتا ہے چنانچہ حضرت مسیح کے زمانہ میں سب سے زیادہ مایۂ ناز فن فن طبابت رہا ہے لیکن اللہ نے حضرت مسیح کے ذریعہ لاعلاج مریضوں کو صحت یاب کر کے ان کا تفوق ثابت کر دکھایا اور اگر ان کے علاج کا امکان اسباب طبعیہ کے ذریعہ سے ثابت ہو جائے تو وجہ اعجاز یہ تھی کہ حضرت مسیح نے بلا اسباب ان کو اچھا کر دیا اور مردوں کو زندہ کر دینا فی الحقیقت اللہ کا فعل ہے لیکن تسبب کے درجہ میں حضرت مسیح نے اس کو اپنی طرف منسوب کر دیا ہے۔

رہا یہ کہنا کہ خدا دنیا میں کسی مردہ کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا محض بلا دلیل دعویٰ ہے اور فیمسک التی قضی علیہا الموت سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری:.......... حواری کے سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں مشہور یہ ہے کہ سب سے پہلے دو دھوبی ان کے معتقد ہوئے تو حضرت مسیح نے فرمایا کہ کپڑے کیا دھوتے ہو آؤ میں تم کو دلوں کو دھونا سکھلاؤں۔اس کے بعد سے سب متبعین کا یہی لقب پڑ گیا۔ بارہ (۱۲) حواریوں کے نام یہ ہیں (۱) شمعون (پطرس) (۲) اندریاس برادر شمعون (۳) یعقوب بن زبدی (۴) یوحنا برادر یعقوب (۵) فلپوس (۶) برتھولما (۷) تھوما (۸) متی (۹) یعقوب بن حلفائی (۱۰) تھدی (۱۱) شمعون کنعانی اور (۱۲) یہودا اسکریوتی۔

مکر کہتے ہیں مخفی اور لطیف تدبیر کو اب اگر کسی نیک مقصد کے لئے ہے تو اچھی اور برے مقصد کے لئے ہے تو بری ہے۔اسی لئے "ولا یحیق المکر السیٔ الا باھلہ" میں مکرالسیٔ کہا گیا ہے۔یہاں ایک طرف انسانی تدابیر کا جال بُنا جا رہا تھا۔دوسری طرف قدرت اس کو ادھیڑ رہی تھی۔اور وہ اس کا تار پود کرنے میں کامیاب ہوگئی۔امنا باللہ متضمن ہے ایمان بالرسول کو اس طرح گویا مناجات میں ایمان بالرسول کی تصریح بھی ہوگئی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:.......... رہا یہ کہ اس آیت سے تو حضرت مسیح کا حوارین کی طرف مبعوث ہونا معلوم ہوا۔اور آیت بالا سے بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہونا معلوم ہوا تھا۔دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ حوارین بھی بنی اسرائیل میں داخل ہیں چنانچہ ابن عباسؓ کی روایت میں بنی اسرائیل کا مائدہ کی درخواست کرنا مذکور ہے۔اور آیت مائدہ میں تصریح ہے کہ درخواست کنندہ حوارین تھے دونوں کے مجموعہ سے نتیجہ یہ نکلا کہ ان دونوں لفظوں کا مصداق ایک ہی ہے اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ دونوں جماعتیں علیحدہ علیحدہ قومیں ہوں یعنی اصل بعثت تو حضرت مسیح کی بنی اسرائیل کی طرف ہوگی جیسا کہ ان کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے اور البتہ دوسری قریبی قومیں حوارین وغیرہ جن کی طرف کوئی مستقل اور جدید نبی نہیں آئے وہ بھی آپ ہی کی دعوت کے مخاطب اور مکلّف ہوں گے اس پر بعثت عامہ کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص بھی اصول وفروع کے مجموعہ سے مستثنیٰ نہ ہو۔سو یہ خاصہ ہے آنحضرت ﷺ کا اس میں کوئی نبی آپ کا شریک وسہیم نہیں ہے علیٰ ہٰذا طوفانِ نوحؑ کے عام ہونے سے بھی شبہ عموم بعثت کا نہ کیا جائے کیونکہ وہ عذاب تھا اصول توحید کی مخالفت کا جو سب کے نزدیک واجب الاتباع ہے۔فروع خاصہ کی وجہ سے عذاب نہیں تھا کہ شبہ عموم بعثت کا ہو۔

پادریوں کے اعتراضات سے نیچریوں کی مرعوبیت:.......... اس موقعہ پر عیسائیوں نے انجیلوں کو سامنے رکھ کر قرآن کے بیانات پر کچھ اعتراضات کئے ہیں لیکن اول تو اناجیل موجودہ کی تاریخی حیثیت نہایت درجہ کمزور ہے دوسرے جو کچھ تھیں لیکن محرف ہونے کی وجہ سے قرآن کے مقابلہ میں لائق احتجاج نہیں رہیں۔اسی طرح بعض نیچری اور دھریوں کا حضرت مریمؑ کو ان کی بیوی بتلانا اور یہ کہنا کہ یوسف نے نکاح کے بعد رخصت سے پہلے خلاف دستور ہمبستری کر لی تھی اس لئے وہ مطعون ہوئے اور چونکہ اس مذہب کو یونانیوں میں رواج دینا منظور تھا اور ان کے یہاں ایسی عجوبہ باتیں باعثِ بزرگی سمجھی جاتی تھیں چنانچہ مشہور یونانی فلسفی افلاطون کا بن باپ پیدا ہونا مشہور ومعروف تھا اسی لئے پادریوں نے بن باپ ان کا پیدا ہونا مشہور کر دیا وغیرہ وغیرہ خرافات اور فضول بکواس ہے اور تاریخ کا منہ چڑانا ہے۔

لطائف:.......... واذ قالت الملٰئکۃ سے معلوم ہوا کہ فرشتوں سے بات چیت غیر انبیاء کی بھی ہو سکتی ہے۔انبیاءؑ کے ساتھ جو کلام ملائکہ مخصوص ہے وہ ان کے مامور بالتبلیغ ہونے کی حیثیت سے ہے واُحیی الموتیٰ سے معلوم ہوا کہ بعض مشائخ غلبۂ حال میں جو

افعال مخصوص باری تعالیٰ کو مجازاً اپنی طرف منسوب کر دیتے ہیں اس کے لئے یہ اصل ہے لیکن جو اہل ادب ہیں وہ حضرت مسیح کی طرح باذن اللہ کی قید لگالیا کرتے ہیں و مصدقا الخ اس پورے جملہ سے اس بات کی اصل نکل آئی کہ ایک شیخ کی عدم موجودگی میں اس کے مریدوں کی تربیت دوسرا شیخ اگر کرے اور پہلے شیخ کے اصول کی رعایت رکھتے ہوئے فروع میں کچھ مناسب حال ردّ و بدل کر دے تو مضائقہ نہیں ہے۔

من انصاری اس جملہ سے دو باتیں ثابت ہوئیں (۱) اہل دین کے باب میں مدد طلب کرنے کا جواز اور اس کا منافی توکل نہ ہونا کیونکہ ان کو مظاہر الٰہیہ ہی سمجھ کر مدد طلب کی جاتی ہے۔ (۲) اہل اللہ کے ساتھ جو کچھ معاملہ ہوتا ہے وہ دراصل اللہ کے ساتھ معاملہ کرنا ہے۔

ومکروا ومکر اللہ سے معلوم ہوا کہ ایک ہی بات اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے اچھی اور بندوں کے لحاظ سے بری ہوسکتی ہے۔ کیونکہ بعض باتیں قبیح لذاتہ نہیں ہوتیں بلکہ ان میں کسی مفسدہ کے شامل ہونے یا کسی مصلحت سے خالی ہونے کی وجہ سے برائی آ جاتی ہے۔ غرضکہ اللہ تعالیٰ تو ان تمام مصالح اور حکم کی رعایت فرما سکتے ہیں جہاں بندوں کی نظر بھی نہیں پہنچ سکتی لیکن بندوں کے لئے اس قسم کی رعایت متعذر ہے۔ اس لئے ان کے لحاظ سے اچھی اور بندوں کے اعتبار سے بُری ہوسکتی ہے۔

اُذْكُرْ **اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ** قَابِضُكَ **وَرَافِعُكَ اِلَيَّ** مِنَ الدُّنْيَا مِنْ غَيْرِ مَوْتٍ **وَمُطَهِّرُكَ** مُبْعِدُكَ **مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ** صَدَّقُوْا نُبُوَّتَكَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالنَّصَارٰى **فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا** بِكَ وَهُمُ الْيَهُوْدُ يَعْلُوْنَهُمْ بِالْحُجَّةِ وَالسَّيْفِ **اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾** مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ **فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا** بِالْقَتْلِ وَالسَّبْيِ وَالْجِزْيَةِ **وَالْاٰخِرَةِ** بِالنَّارِ **وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾** مَانِعِيْنَ مِنْهُ **وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ** بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ **اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾** اَىْ يُعَاقِبُهُمْ رُوِىَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَرْسَلَ اِلَيْهِ سَحَابَةً فَرَفَعَتْهُ فَتَعَلَّقَتْ بِهٖ اُمُّهٗ وَبَكَتْ فَقَالَ لَهَا اِنَّ الْقِيٰمَةَ تَجْمَعُنَا وَكَانَ ذٰلِكَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ بِبَيْتِ الْمَقْدِسِ وَلَهٗ ثَلٰثٌ وَثَلٰثُوْنَ سَنَةً وَعَاشَتْ اُمُّهٗ بَعْدَهٗ سِتَّ سِنِيْنَ وَرَوَى الشَّيْخَانِ حَدِيْثَ اَنَّهٗ يَنْزِلُ قُرْبَ السَّاعَةِ وَيَحْكُمُ بِشَرِيْعَةِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَقْتُلُ الدَّجَّالَ وَالْخِنْزِيْرَ وَيَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَفِىْ حَدِيْثِ مُسْلِمٍ اَنَّهٗ يَمْكُثُ سَبْعَ سِنِيْنَ وَفِىْ حَدِيْثِ اَبِىْ دَاوٗدَ الطَّيَالِسِىْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً وَيُتَوَفّٰى وَيُصَلّٰى عَلَيْهِ فَيَحْتَمِلُ اَنَّ الْمُرَادَ مَجْمُوْعُ لُبْثِهٖ فِى الْاَرْضِ قَبْلَ الرَّفْعِ وَبَعْدَهٗ **ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرُ مِنْ اَمْرِ عِيْسٰى **نَتْلُوْهُ** نَقُصُّهٗ **عَلَيْكَ** يَا مُحَمَّدُ **مِنَ الْاٰيٰتِ** حَالٌ مِنَ الْهَاءِ فِىْ نَتْلُوْهُ وَعَامِلُهٗ مَا فِىْ ذٰلِكَ مِنْ مَعْنَى الْاِشَارَةِ **وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾** الْمُحْكَمِ اَىِ الْقُرْاٰنِ **اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى** شَانَهُ الْغَرِيْبَ **عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ** كَشَانِهٖ فِىْ خَلْقِهٖ مِنْ غَيْرِ اَبٍ وَهُوَ مِنْ تَشْبِيْهِ الْغَرِيْبِ بِالْاَغْرَبِ لِيَكُوْنَ اَقْطَعَ لِلْخَصْمِ وَاَوْقَعَ فِى النَّفْسِ **خَلَقَهٗ** اَىْ

ادَمَ اَیْ قَالَبَہٗ **مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ** بَشَراً **فَيَكُوْنُ**﴿۵۹﴾ اَیْ فَکَانَ وَ کَذٰلِکَ عِیْسٰی قَالَ لَہٗ کُنْ مِنْ غَیْرِ اَبٍ فَکَانَ **اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ** خَبَرُ مُبْتَدأٍ مَحْذُوْفٍ اَیْ اَمْرُ عِیْسٰی **فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ**﴿۶۰﴾ اَلشَّاکِّیْنَ فِیْهِ

ترجمہ:............ (وہ وقت یاد رکھنے کے لائق ہے) جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تمہارا وقت پورا کروں گا (تجھ کو وفات دوں گا) اورتم کو اپنی طرف اٹھالوں گا (بلاموت دنیا سے بلاؤں گا) اورتم کو پاک (صاف) کردوں گا تمہارے مخالفین سے اور جن لوگوں نے تمہاری پیروی کی ہے (تمہاری نبوت کی تصدیق کی ہے خواہ مسلمان ہوں یا عیسائی) انہیں برتری دوں گا تمہارے منکروں پر (یعنی یہود پر ان کو برہان وسنان سے غالب کردوں گا) قیامت تک بالآخر سب کو میری طرف لوٹنا ہے۔ اس دن اُن (دینی) باتوں کا فیصلہ کردوں گا جن میں لوگ آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہے ہیں۔ پھر جن لوگوں نے راہِ کفر اختیار کرلی ہے تو انہیں سخت عذاب دوں گا دنیا میں (قتل وقید وجزیہ کے ساتھ) اور آخرت میں (بصورتِ نار) اور کوئی بھی ان کا مددگار نہیں ہوگا (عذاب الٰہی سے بچانے میں) اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اور نیک اعمال کرچکے ہیں تو ان کا اجر انہیں پورا پورا ملے گا (یہ لفظ یا اور نون کے ساتھ ہے) اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتے (یعنی ان کو سزا دیں گے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کی طرف ایک بادل بھیجا جس نے ان کو اٹھالیا ان کی والدہ ان کو پکڑنے لگیں اور رونے لگیں تو کہنے لگے کہ قیامت ہم کو ملائے گی یہ واقعہ لیلۃ القدر میں بمقام بیت المقدس پیش آیا۔ آپ کی عمر ۳۳ سال تھی۔ والدہ ماجدہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد ۶ سال حیات رہیں اور شیخین کی روایت ہے کہ آپ قیامت کے قریب نزول فرمائیں گے اور آنحضرت ﷺ کی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے۔ دجال وخنزیر کو قتل کردیں گے اور صلیب کو توڑ دیں گے، جزیہ کو منسوخ فرمادیں گے اور حدیث مسلم میں ہے کہ سات سال قیام پذیر رہیں گے۔ ابوداؤد طیالسی کی حدیث میں ہے کہ چالیس (۴۰) سال رہیں گے اور آپ کی وفات ہوگی اور آپ کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ ممکن ہے کہ اس سے مراد مجموعی مدت ہو۔ رفع سماوی سے پہلے اور بعد کی ملاکر) یہ (مذکورہ حال حضرت مسیحؑ کا) ہم تمہارے سامنے سنا رہے (بیان کررہے) ہیں (اے محمدؐ) جو منجملہ آیات کے ہے (یہ حال ہے نتلوہ کی ضمیر سے اور اس میں عامل معنی اشارہ اور منجملہ حکمت آمیز مضامین کے ہے (حکم بمعنی محکم مراد قرآن ہے) بلاشبہ عیسیٰؑ کی مثال (شانِ غریب) اللہ کے نزدیک آدمؑ کی حالت کے مشابہ ہے (بغیر باپ کے پیدائش میں یکساں حالت ہے، یہ غریب کی تشبیہ اغرب کے ساتھ ہورہی ہے تاکہ مخالف کے لئے مسکت وقاطع ہو اور اطمینان بخش) کہ ان کو (مراد آدمؑ ہیں یعنی ان کے قالب کو) مٹی سے بنایا پھر ان کو حکم فرمایا کہ ہوجاؤ (انسان) پس وہ ہوگئے (یکون بمعنی کان ہے یہی حال حضرت مسیحؑ کا ہے کہ ان کو بغیر باپ ہونے کا حکم ملا اس لئے وہ ہوگئے) یہ مراد واقعی آپؐ کے پروردگار کی جانب سے ہے (یہ خبر ہے مبتدائے محذوف کی ای امر عیسیٰ) سو آپؐ شک (شبہ) کرنے والوں میں سے نہ ہوجائیے۔

تحقیق وترکیب:............ **اذ قال** یہ مکر کا ظرف ہے یا محذوف کا ظرف ہے۔ جیسا کہ مفسرؒ نے اذکر مقدر کیا ہے۔ انی **متوفیک** اسم فاعل کا صیغہ ہے پورا پورا لے لینا۔ موت پر اسی لئے ابتداءً اطلاق آتا ہے۔ **متوفیک** و **رافعک** دونوں لفظ مستقبل کے لئے ہیں۔ تقدیم تاخیر ہوگئی ہے کیونکہ رفع پہلے ہوا اور وفات بعد میں ہوگی۔ اور بعض نے **ثم متوفیک قابضک بعد النزول** کے معنی لئے ہیں اور بعض نے **قابضک و رافعک من الدنیا الی من غیر موت** کے معنی لئے ہیں اور تفسیر کبیر میں ہے کہ میں تمہارا وقت پورا کروں گا تب تم کو وفات دوں گا اور تم کو ان کے قتل کے لئے نہیں چھوڑوں گا بلکہ آسمان پر اٹھالوں گا۔

یعلونھم چنانچہ نیشاپوری کہتے ہیں کہ دنیا میں کسی یہودی کو بادشاہ نہیں دیکھا گیا۔ اور قاضیؒ کی رائے بھی یہ ہے کہ اب تک کہیں یہود

کا غلبہ سننے میں نہیں آیا یعنی اکثر مواقع اور حالات میں یہود کا غلبہ مسلمانوں یا عیسائیوں پر نہیں ہوا۔

فاعذبهم بصیغہ متکلم ہے اور **یوفیهم** بصیغہ غائب ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ اجر کے پورا دینے میں کسی جدوجہد کی حاجت نہیں کہ وہ مقتضی رحمت ہے لیکن عذاب ایسا نہیں ہے **ذٰلک** مبتداء **نتلوه** خبر۔ **من الأیات** حال ہے اسم اشارہ بعید لانا مشارٌ الیہ کی عظمت شان پر دلالت کرتا ہے اور نتلوہ بصیغہ حال استحضار کے لئے ہے بطور اعتناء شان کے **ذکر الحکیم** صاحب کشاف کے نزدیک مراد قرآن ہے صفت حکیم یا سبب ہونے کی وجہ سے لائی گئی گویا ناطق بالحکمت ہے۔ **فیکون** معنی کان کے ہے جیسا کہ مفسر کی رائے ہے لیکن مضارع کے ساتھ تعبیر کرنے میں یا تو اس صورتِ عجیبہ غریبہ کا استحضار مقصود ہے اور یا اس لئے ہے کہ ماقبل کے لحاظ سے تو یہ مستقبل ہی ہے۔

ثلاث وثلاثین سنة بظاہر سن نبوت چالیس سال مانا گیا ہے جو کمال عقل کا زمانہ ہے جیسا کہ مواہب اور اس کی شرح زرقانی سے سمجھ میں آتا ہے اس لئے بقول زاد المعاد حضرت مسیح کا ۳۳ سالہ ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ شامی اس کو نصاریٰ کی روایت کہتے ہیں اور حدیث کی تصریح رفع سماوی کے وقت ۱۲۰ سال عمر کی ہے۔ زرقانی نے علامہ سیوطی کی اس تشریح پر جو انہوں نے یہاں اور شرح نقایہ میں پیش کی ہے اولاً تو ان کے حفظ واتفاق اور جامع معقول ومنقول ہونے کے باوجود ایسی کمزور بات کہہ دینے پر اظہار تعجب کیا لیکن مرقات الصعود میں ان کا رجوع دیکھ کر ان کو اطمینان ہوا۔

ویضع الجزیة جزیہ کی منسوخی کے بعد حکم **بشر یعتنا** کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ لیکن کہا جائے گا کہ وہ از خود منسوخ نہیں کریں گے بلکہ آنحضرت ﷺ کی یہ خبر اور روایت ان کو پہنچے گی اس کی وجہ سے وہ منسوخ فرمائیں گے تو یہ شریعت کے برخلاف عمل نہ ہوا۔ بلکہ شریعت ہی پر عمل ہوا۔ **یکسر الصلیب** صلیبی نشان بقول نصاریٰ وہ ہے جس شکل کی سولی پر حضرت مسیح کو چڑھایا گیا تھا اور بعض کی رائے ہے کہ وہ ایک مثلث ہے جس کی پرستش نصاریٰ کرتے ہیں۔ **فیحتمل** سے مفسر دونوں روایتوں میں تطبیق دینا چاہتے ہیں۔ **غریب** حضرت مسیح بلا باپ ہونے کی وجہ سے غریب اور حضرت آدم بغیر ماں باپ کے اغرب ہوئے۔ **الحق** خبر ہے امر عیسیٰ مبتدائے محذوف کی اور **من ربک** خبر بعد خبر ہے اور بعض کے نزدیک **الحق** مبتداء **من ربک** خبر ہے ای **الحق المذکور من الله**. **الشاکین فیه** یعنی حضرت مسیح کے واقعہ کے واقعی ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہونا چاہیئے۔

ربط: .... **اذ قال الله** میں حضرت مسیح کے واقعہ کا تتمہ مذکور ہے اور آیت **فاما الذین** میں اختلاف کرنے والوں کے درمیان خدائی فیصلہ کا ذکر ہے۔ **ذٰلک نتلوه** میں اس واقعہ سے آپ ﷺ کے لئے دلیل نبوت کا بیان اور **ان مثل عیسٰی** میں حضرت مسیح کے واقعۂ ولادت پر استدلال مذکور ہے۔

شانِ نزول: .... وفد نجران نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ آپ ﷺ ہمارے نبی (عیسیٰ) کو برا بھلا کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے پوچھا کیسے انہوں نے کہا کہ آپ ان کو اللہ کا بندہ کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں وہ اللہ کے بندہ اور رسول ہیں۔ انہوں نے کہا مخلوق میں بغیر باپ پیدا ہونے کی کوئی مثال ہے؟ اس پر آیت **ان مثل عیسٰی الخ** نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: .... **حضرت مسیح کو سولی یا قتل:** .... ملک شام میں چونکہ کوئی یہودی سلطنت نہ تھی بلکہ رومیوں کی سلطنت تھی۔ اور قیصر روم کی جانب سے ہیرودیس نامی گورنر ہوتا تھا۔ یہود جو حضرت مسیح سے مشتعل اور موقعہ کے متلاشی تھے اتفاق وقت کہ ان کی "عید فطیر"، جس کو "عید فسیح" کہتے ہیں آ پہنچی جس پر حضرت مسیح کے حواریوں میں سے کہا جاتا ہے کہ یہودا نامی ایک شخص مبلغ

تیس روپے لے کر یہود سے مل گیا اور رات کو حضرت مسیحؑ کی پہاڑی قیام گاہ سے جس کو زیتون کی پہاڑی کہتے ہیں ان کو گرفتار کرا دیا۔ آخر الامر لوگ پکڑ کر آپ کو پلاطوس نامی افسر کے پاس لے گئے کہ یہ شخص لوگوں کو قیصر کے محصول سے روکتا ہے اور خود کو مسیح بادشاہ کہتا ہے۔ لیکن آپ نے انکار کیا اس پر اس نے آپ کو ہیرودیس گورنر کے پاس بھیج دیا۔ اس نے بھی چھوڑنا اور پلاطوس کے پاس واپس کرنا چاہا مگر لوگوں نے شور وغل کر کے مزاحمت کی اور سولی دینے پر اصرار کیا۔ اس نے کہا کہ مجھ کو ان کا کوئی قصور نہیں معلوم ہوتا صرف تمہارے اصرار سے سولی دیتا ہوں۔ اس کے نتائج کے ذمہ دار تم اور تمہاری اولاد ہوگی۔ بالاتفاق سب نے مان لیا اس موقعہ پر کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کے تمام حواری بھاگ گئے اور حضرت مسیح پر ایک عجیب وغریب حالت طاری ہوگئی جس میں حق تعالیٰ نے آپ سے مندرجہ آیت ارشادات فرمائے کہ تجھ کو اس طرح صحیح وسالم رکھوں گا کہ تیرا بال بیکا نہ کر سکیں گے بجائے اس کے کہ وہ لے جائیں خدا تجھ کو اپنی پناہ میں لے جائے گا، وہ صلیب پر چڑھانا چاہتے ہیں لیکن خدا تجھ کو آسمان پر چڑھائے گا بالآخر حق تعالیٰ نے اس ایک مقسد شخص شمعون اقرایتی کو جو سب سے زیادہ آپ کا سرگرم مخالف تھا آپ کی ہمشکل بنا دیا اور آپ کو مع جسد وروح زندہ آسمان پر اٹھالیا۔

اللہ تعالیٰ کے پانچ وعدے: .... واقعہ کی تاریخی حیثیت سے قطع نظر آیت سے پانچ بشارتیں اور وعدے معلوم ہوئے۔ (۱) وفات دینا (۲) آسمان پر زندہ اٹھانا (۳) تہمت سے بری کر دینا (۴) متبعین کو غالب اور مخالفین کو مغلوب کر دینا (۵) قیامت میں مذہبی اختلافات کا عملی فیصلہ۔ ان میں سے پہلے دو وعدوں کا حال یہ ہے کہ اول وعدہ بعد میں پورا ہوگا اور دوسرا وعدہ پہلے پورا ہو چکا ہے اور واؤ چونکہ ترتیب کے لئے نہیں ہوتا اس لئے ترتیب ذکری کی تقدیم تاخیر باعث اشکال نہیں ہونی چاہئے۔ نیز اول جملہ دوسرے جملہ کی دلیل ہے اور دلیل رتبۃً مقدم ہوا کرتی ہے دعویٰ سے۔

سولی اور قتل کی تحقیق: .... چونکہ یہود ونصاریٰ اور اہل اسلام کی اس مسئلہ میں تمام تر معرکہ آرائی پہلے اور دوسرے وعدہ سے متعلق ہے اس لئے قدرے اس کی تفصیل ضروری ہے۔

یہود کا خیال یہ تھا کہ حضرت مسیح مصلوب ومدفون ہو گئے اور پھر دوبارہ نہ زندہ ہوئے اور نہ آسمان پر اٹھائے گئے اور عیسائیوں کا دعویٰ یہ ہے کہ مصلوب ومدفون بھی ہو گئے اور زندہ ہو کر آسمان پر بھی گئے۔

لیکن قرآن کریم نے آیت مائدہ میں **وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم** سے ان دونوں خیالوں کی نفی کر دی اور منشاء اس غلطی کا اشتباہی کیفیت کو قرار دیا۔ جو لوگ آپ کی وفات اور مدفن کا دعویٰ کرتے ہیں اور قریب قیامت دوبارہ نزول نہیں مانتے وہ مبنیٰ اپنی دلیل کا دو باتوں کو کہتے ہیں ایک عقلی اور دوسری نقلی، نقلی تو یہی آیت **انی متوفيك** ہے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ ہم آپ کو وفات دیں گے اور آسمان پر بلالیں گے اور عقلی دلیل یہ کہ جسم عنصری کا زندہ آسمان پر جانا چونکہ ممکن ہے اس لئے ان کے متعلق ایسا خیال بھی غلط ہے۔

منکرین حیاتِ مسیح کا جواب (۱): .... جہاں تک نقلی دلیل کا تعلق ہے لفظ **متوفيك** کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں ایک علی سبیل التسلیم دوسری علی سبیل الانکار۔ علی سبیل التسلیم کا ماحصل تو یہ ہے کہ اگر وفات کے معنی موت کے بھی لے لئے جائیں تب بھی یہ کیا ضروری ہے کہ اس کا وقوع ہو چکا ہے۔ یہ لفظ تو اس صورت میں بھی صادق آ سکتا ہے کہ جبکہ اولاً آپ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے ہوں اور پھر دوبارہ جب نزول اجلال فرما کر حیاتِ بقیہ کو پورا کرلیں گے۔ اس وقت معتاد اور طبعی وفات ہوگی۔ اس سے فی الحال موت کا وقوع یا فی الحال حیات کی نفی لازم نہیں آتی بلکہ دلائل رفع اور دلائلِ حیات پر نظر کرتے ہوئے دونوں کا ماننا ضروری ہے۔ رفع آسمانی تو اسی

آیت رفعه الله سے ثابت ہے حقیقی معنی اس کے یہی ہیں کہ زندہ جسم وروح سمیت آسمان پر اٹھا لئے گئے اور بلاضرورت حقیقی معنی چھوڑ کر مجاز مراد لینا جائز نہیں ہے۔

احادیث اوراجماع سے حیاتِ مسیح:............ (۱) ان عيسٰى لم يمت و انه راجع اليكم قبل يوم القيامة (۲) بانه سينزل ويقتل الدجال ثم انه تعالٰى يتوفاه بعد ذلك (۳) لاتقوم الساعة حتى ينزل عيسٰى بن مريم حكمًا مقسطًا واما مًا عادلاً فيكسر الصليب و يقتل الخنزير و يضع الجزيه ويفيض المال حتى لا يقبله احد ﴿ابن ماجه﴾ (٤) وفى ابى داؤد ثم ينزل عيسٰى بن مريم عليهما السلام عند المنارة البيضاء شرقى دمشق ملحض الحديث (٥) وفى حديث المسلم قال انها (اى الساعة) لن تقوم حتى تروا قبلها عشرايات فذكر الدخان والدجال والدابة وطلوع الشمس من مغربها ونزول عيسٰى بن مريم وياجوج ماجوج (٦) وفى المشكوٰة عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ينزل عيسٰى بن مريم الى الارض فيتزوج ويولد ويمكث خمسًا واربعين سنة ثم يموت فيد فن معى فى قبرى............. فاقوم انا و عيسٰى بن مريم فى قبر واحد بين ابى بكر (رضى الله عنه) وعمرؓ اوراجماعِ امت سے بھی آپ کی حیات ثابت ہے چنانچہ سلفاً خلفاً کسی مستند عالم سے اس کا خلاف منقول نہیں ہے۔

جواب (۲):............ اور علی سبیل الانکار جواب کی تقریر یہ ہے کہ متوفيك کے معنی وفات اور موت کے نہیں ہیں بلکہ بحفاظت تمام پورے جسم مبارک کو اٹھا لینے کے ہیں۔ اس صورت میں بناء شبہ ہی ختم ہوگئی کہ جواب کی نوبت نہیں آئے۔ اور یا بقول بعض اول وفات ہوگئی ہو اور پھر حیات بعد الرفع ہوگئی ہو۔ غرض ان دونوں صورتوں میں بھی فی الحال حیات کی نفی لازم نہیں آتی۔ باقی دلیل عقلی کا جہاں تک تعلق ہے تو کہا جائے گا کہ جو چیزیں ممکن ہوں یعنی نہ ممتنع بالذات ہوں اور نہ شرعاً ممتنع ہوں وہ سب باتیں ان الله على كل شىء قدير کی رو سے اللہ کی قدرت کے ماتحت ہیں اور کسی کو زندہ آسمان پر اٹھا لینا ممکن ہے اس پر دلیل امتناع نہ عقلاً ہے اور نہ شرعاً۔ اس لئے اس کے ماننے میں عقلی کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ جیسا کہ واقعۂ معراج میں بھی یہی توجیہ علماء کرتے ہیں۔

نزاہتِ نسب اور دنیاوی غلبہ:............ تیسرا وعدہ جو در بارۂ نزاہت نسب ہے وہ قرآن کریم کی تعدد آیات اور آنحضرت ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ سے پوری طرح ثابت ہو گیا ہے اور چوتھا وعدہ یعنی آپ کے متبعین کا منکرین پر غالب رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی پورا کر دکھایا۔ یہاں متبعین سے پورے متبع مراد نہیں ہیں یعنی صرف نصاریٰ بلکہ جو آپ کو نبی مانتے ہیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا عیسائی۔ اسی طرح منکرین سے مراد آپ کی نبوت کے منکر ہیں جیسے یہود۔ بہرحال مسلمان اور عیسائی دنیا ہی ہمیشہ یہود پر غالب رہی ہے اور ان کو کبھی کبھی باقاعدہ اور باعزت سلطنت کرنے کا موقعہ نہیں مل سکا ہے۔ پانچویں وعدہ کا ایفاء یعنی مذہبی اختلافات کا عملی فیصلہ سو وہ قیامت کے روز ہوگا۔ رہا علمی اور شرعی فیصلہ تو وہ دنیا ہی میں ہو چکا ہے جس کا بیان اوپر گذرا ہے۔

رہا قیامت کے فیصلہ کے ذیل میں اس کہنے کے کیا معنی کہ ہم تم کو دنیا وآخرت میں سزا دیں گے؟ سو حاصل اس کا یہ ہے دنیا میں جو کچھ سزا ہو چکی اس کے ساتھ یہ سزائے اخرت مل کر مجموعہ قیامت کے روز مکمل ہو جائے گا۔ کفار کے حق میں دنیاوی سزا بوجہ ان سے مبغوضیت کے آخرت کی سزا کے لئے کفارہ نہیں ہو سکے گی۔ البتہ اہل ایمان کیلئے ان کی محبوبیت کے باعث دنیاوی مصائب گناہوں کا

کفارہ، تخفیفِ عذاب اور رفعِ درجات کا باعث بن جاتی ہیں۔ واللہ لایحب الظالمین میں اس فرق اور اس کی وجہ کی طرف اشارہ ہے باقی کفار سے مراد یہاں صرف یہودی ہیں۔ یا عام کفار بھی ہوسکتے ہیں جن میں سب فرقے داخل ہوجائیں کہ جن کو آخرت میں بھی سزا ہوگی اور دنیا میں بھی گوشمالی اور سرکوبی ہوتی رہتی ہے۔ مسلمانوں کو دنیا میں اگرچہ یہ واقعات وحوادث پیش آتے رہتے ہیں لیکن وہ بطور سزا یا مغوضیت کے نہیں بلکہ ان کی محبوبیت کے سبب ان کے لئے رحمت ومغفرت کا باعث ہوجاتے ہیں اس لئے کوئی شبہ نہیں ہے۔

الوہیت مسیح بے بنیاد ہے: .... آیت ان مثل عیسیٰ الخ میں عیسائیوں کی اس بدترین گمراہی کا ذکر ہے کہ انہوں نے حضرت مسیحؑ کی الوہیت کا اعتقاد باطل قائم کرلیا تھا۔ حالانکہ تمام بنی آدم کی طرح وہ بھی ایک انسان تھے اور خدا نے ان کو اپنی پیغمبری کے لئے چن لیا تھا۔ لیکن نصاریٰ اس پر آنحضرت ﷺ سے جھگڑتے تھے کہ مسیح اللہ کے بندہ نہیں اللہ کے بیٹے ہیں۔ اور اللہ کے بیٹے اگر نہیں تو بتلاؤ کس کے بیٹے ہیں؟ اس پر آیت نازل ہوئی کہ اگر یہی دلیل الوہیت یا اعتقاد ابنیت کی ہے تو اس حساب سے آدمؑ سب سے زیادہ اس کے مستحق پڑتے ہیں حالانکہ کوئی بھی ان کو الوہیت کا مقام دینے یا ان کو بیٹا ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ ضمناً یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی کیا جارہا ہے کہ اگرچہ مسیحی کلیسا نے صدیوں سے الوہیت مسیح کا خواب دیکھ رکھا ہے اور وہ اس کو دنیا میں پھیلانے کی کوشش کررہے ہیں لیکن قرآن کی حقیقت افروز اور واقعی دعوت کے سامنے یہ خواب کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے گا۔

دنیا میں ولادت کے چار طریقے: .... عنداللہ تجویز ازلی کا مطلب یہ ہے کہ پیدا کرنے سے پہلے علم الٰہی میں یوں ہی طے ہوچکا کہ عیسیٰؑ بغیر باپ کے اور آدمؑ بغیر ماں باپ کے پیدا کئے جائیں گے۔ سو وہ ہوکر رہا اس لئے اس میں تعجب کی کونسی بات ہے کیونکہ تولید کے عقلاً چار ہی طریقے ہوسکتے ہیں۔ (۱) مرد وعورت دونوں کے توسط سے۔ (۲) صرف عورت سے (۳) صرف مرد سے (۴) مرد وعورت دونوں کے بغیر۔

اول صورت تو تمام دنیا کے انسانوں میں رائج ہے۔ دوسری صورت کا اظہار حضرت مسیحؑ میں اور تیسری صورت کا حضرت حواؑ میں اور چوتھی صورت حضرت آدمؑ میں کرکے دکھلادیا تاکہ ہر طریقہ پر اس کی مکمل قدرت نمایاں ہوجائے پس بے باپ پیدا ہونے میں مسیحؑ وآدمؑ شریک اور بے ماں پیدا ہونے میں آدم وحوا شریک ہیں۔ اس لحاظ سے مشبہ بہ زیادہ عجیب وغریب ہے کیونکہ مرد وعورت میں سے صرف ایک خون سے پیدا ہونا اس قدر عجیب نہیں جتنا کہ مٹی سے پیدا ہونا زیادہ عجیب ہے۔ پھر آدمؑ کی عدم الوہیت سب کے نزدیک مسلم پھر الوہیت مسیحؑ کے یہ لوگ کس طرح قائل ہیں۔ افسوس کہ عیسائیوں کے اس عقیدۂ الوہیت کی پرچھائیاں ہمارے جاہل اور گمراہ فقیروں اور نام کے درویشوں پر بھی پڑیں کہ وہ اولیاء اللہ میں بھی اس کی جھلک دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

فلا تکن من الممترین کا منشاء یہ نہیں ہے کہ خدانخواستہ آنحضرت ﷺ کو شک وشبہ تھا جس سے ممانعت کی نوبت آئی بلکہ جس طرح فقط فائدہ مخاطب کی خصوصیت ہوتی ہے کہ اسی کو سنانا یا روکنا ہوتا ہے اسی طرح کبھی مخاطب کے علاوہ دوسرے لوگ اصل مخاطب اور مقصود کلام ہوتے ہیں گویا بظاہر روئے سخن کسی ایک کی طرف فرضی ہوتا ہے اور فی الحقیقت سنانا دوسروں کو ہوتا ہے اور اس کا فیصلہ قرائن ومواقع کو دیکھ کر کیا جاتا ہے۔

فَمَنْ حَآجَّكَ جَادَلَكَ مِنَ النَّصَارٰى **فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ** بِاَمْرِهٖ **فَقُلْ** لَهُمْ **تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ** فَنَجْمَعُهُمْ **ثُمَّ نَبْتَهِلْ** نَتَضَرَّعْ فِي الدُّعَاءِ **فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ** ﴿۶۱﴾ بِاَنْ نَقُوْلَ اَللّٰهُمَّ الْعَنِ الْكَاذِبَ فِيْ شَانِ عِيْسٰى وَقَدْ دَعَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفْدَ نَجْرَانَ لِذٰلِكَ لَمَّا حَاجُّوْهُ فِيْهِ فَقَالُوْا حَتّٰى نَنْظُرَ فِيْ اَمْرِنَا ثُمَّ نَاْتِيْكَ فَقَالَ ذُوْ رَأْيِهِمْ لَقَدْ عَرَفْتُمْ نُبُوَّتَهٗ وَاَنَّهٗ مَا بَاهَلَ قَوْمٌ نَبِيًّا اِلَّا هَلَكُوْا فَوَادَعُوا الرَّجُلَ وَانْصَرِفُوْا فَاَتَوْهُ وَقَدْ خَرَجَ وَمَعَهُ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَفَاطِمَةُ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَقَالَ لَهُمْ اِذَا دَعَوْتُ فَاَمِّنُوْا فَاَبَوْا اَنْ يُّلَاعِنُوْا وَصَالَحُوْهُ عَلَى الْجِزْيَةِ رَوَاهُ اَبُوْنُعَيْمٍ وَرَوٰى اَبُوْدَاوٗدَ اَنَّهُمْ صَالَحُوْهُ عَلٰى اَلْفَيْ حُلَّةٍ النِّصْفُ فِيْ صَفَرٍ وَالْبَقِيَّةُ فِيْ رَجَبٍ وَثَلٰثِيْنَ دِرْعًا وَثَلٰثِيْنَ فَرَسًا وَثَلٰثِيْنَ بَعِيْرًا وَثَلٰثِيْنَ مِنْ كُلِّ صِنْفٍ مِّنْ اَصْنَافِ السِّلَاحِ وَرَوٰى اَحْمَدُ فِيْ مُسْنَدِهٖ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ لَوْ خَرَجَ الَّذِيْنَ يُبَاهِلُوْنَهٗ لَرَجَعُوْا لَا يَجِدُوْنَ مَالًا وَّلَا اَهْلًا وَرَوَى الطَّبَرَانِيُّ مَرْفُوْعًا لَوْ خَرَجُوْا لَاحْتَرَقُوْا **اِنَّ هٰذَا** الْمَذْكُوْرَ **لَهُوَ الْقَصَصُ** الْخَبَرُ **الْحَقُّ** الَّذِيْ لَا شَكَّ فِيْهِ **وَمَا مِنْ** زَائِدَةٌ **اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ** فِيْ مُلْكِهٖ **الْحَكِيْمُ** ﴿۶۲﴾ فِيْ صُنْعِهٖ **فَاِنْ تَوَلَّوْا** اَعْرَضُوْا عَنِ الْاِيْمَانِ **فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ** ﴿۶۳﴾ فَيُجَازِيْهِمْ وَفِيْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضَعَ الْمُضْمَرِ **يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ** الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى **تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ** مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى مُسْتَوٍ اَمْرُهَا **بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** كَمَا اتَّخَذْتُمُ الْاَحْبَارَ وَالرُّهْبَانَ **فَاِنْ تَوَلَّوْا** اَعْرَضُوْا عَنِ التَّوْحِيْدِ **فَقُوْلُوا** اَنْتُمْ لَهُمْ **اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ** ﴿۶۴﴾ مُوَحِّدُوْنَ

ترجمہ: .... پھر جو کوئی تم میں سے اس بارہ میں آپؐ سے جھگڑا کرے (حضرت عیسیٰؑ کے باب میں نصاریٰ میں سے کوئی آپ سے جھک کرنے لگے) حالانکہ علم و یقین تمہارے سامنے آ چکا ہے (دربارۂ عیسیٰ علیہ السلام) تو تم (اس سے) یوں کہو کہ آ ؤ ہم دونوں (فریق اپنے بیٹوں اور اپنی عورتوں کو بلالیں اور خود بھی شریک ہوں (غرض اس طرح سب مل کر) پھر عجز و نیاز کریں (اللہ کے حضور دعا میں گڑگڑائیں) اور التجا کریں کہ جھوٹوں پر خدا کی پھٹکار (یعنی یوں درخواست کریں کہ الٰہی! عیسیٰؑ کے باب میں جھوٹے پر تیری مار۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے وفد نجران کو ان کے محاجہ کرنے پر دعوتِ مباہلہ دے دی لیکن انہوں نے غور کرنے کے لئے مہلت مانگی۔ پوپ اعظم نے ان سے کہا کہ اے لوگو! تم اچھی طرح ان کی نبوت سے واقف ہو اور یہ بھی تم کو معلوم ہے کہ جس قوم نے نبی سے مباہلہ کیا وہ جماعت ضرور ہلاک ہوئی غرضکہ تم لوگ آنحضرت ﷺ سے مصالحت کر کے اپنے وطن واپس چلو چنانچہ اس قرارداد کے مطابق آپ کی طرف نکلے تو آپؐ مع حضرات حسنینؓ اور حضرت علیؓ و فاطمہؓ کے تشریف لا چکے تھے۔ اور آپؐ نے اپنے رفقاء سے فرما دیا تھا کہ جب دعا مانگوں تو تم آمین کہنا لیکن وفد کے لوگ مباہلہ پر آمادہ نہ ہوئے بلکہ جزیہ پر مصالحت کر لی (رواہ ابونعیم) اور ابوداؤد کی روایت ہے کہ وفد نجران نے دو ہزار حلّوں پر مصالحت کر لی کہ نصف کی ادائیگی ماہِ صفر میں اور مابقیہ کی رجب کے مہینہ میں ہوگی۔ اور تیس زرہیں اور تیس

گھوڑے اور تیس اونٹ اور جنگی ہتھیاروں میں سے ہر قسم کے تیس تیس ہتھیار دینے طے ہوئے اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مباہلہ کر کے یہ لوگ اپنے گھر جاتے تو نہ مال پاتے اور نہ اہل و عیال۔ اور طبرانی کی مرفوعاً روایت ہے کہ اگر چلے جاتے تو جل جاتے) یہ (مذکورہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے بلاشبہ (وہ خبر) حق ہے (جس میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے) اور کوئی معبود نہیں (مــن زائد ہے) مگر صرف اللہ کی ذات اور یقیناً اسی کی ذات ہے جو (اپنے ملک میں) سب پر غالب اور حکمت والی ہے (اپنے کاموں میں) پھر یہ لوگ اگر روگردانی کریں (ایمان لانے سے روگردانی کرنے لگیں) تو اللہ مفسدوں کا حال خوب جانتے ہیں (وہ ان سے خود نبٹ لیں گے اس میں بجائے ضمیر کے اسم ظاہر لایا گیا ہے) آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) آؤ ایسی بات کی طرف جو یکساں طور پر مسلم ہے (سواء مصدر بمعنی مستو ہے یعنی مستوامر ہا تقدیر عبارت ہے) ہمارے اور تمہارے دونوں کے لئے (وہ یہ کہ) اللہ کے سوا کسی ہستی کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ ہم میں سے ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے کہ گویا خدا کو چھوڑ کر اسے اپنا پروردگار بنالیا ہے (جیسا کہ تم نے اپنے علماء و مشائخ کو یہ مقام دے رکھا ہے) پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں (توحید سے ہٹنے لگیں) تو تم کہہ دو (ان سے) گواہ رہنا کہ ہم خدا کے ماننے والے (پرستارِ توحید) ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... تعالوا اور تعالیوا امر کا صیغہ ہے یا متحرک ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے اس کو الف سے بدل لیا۔ پھر التقاء ساکنین کی وجہ سے گر گیا۔ تعالوا رہ گیا بمعنی تعلموا۔ نبتهل ابتهال اجتهاد فی الدعاء اور اخلاص دعا کو کہتے ہیں بھل مال قلیل اور نعمت۔ البهلة بالفتح والضم دراصل بمعنی لعنۃ ہے لیکن پھر پُرکوشش دعا میں استعمال ہونے لگا چاہے اس میں لعنت نہ ہو۔ امام راغب اصفہانی کہتے ہیں ببهل الشی والبعیر کے معنی دونوں کو چھوڑ دینے کے ہیں پھر مطلق دعا میں استعمال ہونے لگا۔ نجران یمن کا ایک شہر جو نجران بن زید بن سبا کے نام سے موسوم ہے۔ اس وفد کی تعداد ۶۰ افراد تھی۔ عرفتم نبوته باوجود نبی اور اسلام کی معرفت کے پھر ہدایت قبول نہیں کرتے تھے جس کی وجہ وہ خود بیان کرتے تھے کہ ہم کو شاہ روم کی طرف سے جو وظائف و فتوحات ملتی ہیں ان سے محروم رہ جائیں گے۔ بُرا ہو اس نے حُب دنیا کا کہ آخرت تباہ کر بیٹھے۔ فوادعوا۔ وادع بمعنی صالح۔ الرجل سے مراد آنحضرت ﷺ لیتے ہیں۔ فابوا جب آنحضرت ﷺ اور آپ کے رفقاء کے پاکیزہ اور نورانی چہروں کو دیکھا تو بے ساختہ لاٹ پادری بول اٹھا کہ ان چہروں کو دیکھ کر میرا گمان یہ ہے کہ اگر اللہ سے پہاڑ کے اپنی جگہ سے ہٹنے کی بھی یہ درخواست کریں گے تو مان لی جائے گی اس لئے ہرگز مباہلہ نہ کرو ورنہ زمین پر کوئی نصرانی باقی نہیں رہے گا۔ چنانچہ مصالحت کر لی اس سے آنحضرت ﷺ کی نبوت کی حقانیت اور صداقت ثابت ہوئی کہ للکار کے باوجود کسی میں بھی سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔

ان هٰذا لهو القصص الحق اس جملہ کو کتنی تاکیدات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ان کی شدتِ انکار کا لحاظ کرتے ہوئے القصص یہ خبر ہے یعنی حق بات یہ ہے کہ نصرانیوں کا دعویٰ الوہیت وابنیت غلط ہے۔

من اله الا الله اس میں دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں اور ایک تو من اله مبتداء جس میں من زائد ہے استغراق و عموم کے لئے اور الا الله اس کی خبر ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے ما اله الا الله دوسری صورت یہ ہے کہ خبر مضمر ہو تقدیر اس طرح ہے مامن اله لنا الا الله. من اله چونکہ مبتداء ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے اس لئے الا الله بھی اس سے بدل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہوگا۔

فيه وضع الظاهر یعنی اصل عبارت اس طرح تھی انه علیهم بهم اس میں بهم ضمیر کی بجائے بالمفسدین اسم ظاہر لائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اعراض من التوحید ہی افسادِ دین ہے۔ تعالوا الی کلمة عدی بن حاتمؓ کی روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم تو اپنے علماء و مشائخ کی پرستش نہیں کیا کرتے تھے پھر قرآن میں کیسے کہا گیا؟ آپؐ نے فرمایا کہ کیا ان کے حلال کو تم

حلال اوران کے حرام کو تم حرام نہیں سمجھتے تھے؟ عرض کیا جی حضو (ﷺ)! آپ نے فرمایا بس یہی مقصد ہے کہ ایسی اطاعت کاملہ بجز خدا کے کسی کی جائز نہیں ہے۔

سواء بمعنی مستو یعنی ایسا متفقہ مطالبہ ہے کہ جس میں کسی نبی یا کسی کتاب کا اختلاف نہیں ہے۔

ربط: .... اوپر کی تقریر تو طالبانِ حق کے لئے تھی۔ آگے معاندین سے نبٹنے کا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں جس کو مباہلہ کہتے ہیں اور آیت ان ا میں تاکید اثبات توحید اور قل یا اھل الخ میں توحید کی طرف دعوت عامہ ہے۔

شانِ نزول: .... روح المعانی میں ان آیات کا نزول وفد نجران سے متعلق مانا گیا ہے لیکن قتادہؒ، ربیعؒ، ابن جریجؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہود مدینہ کے بارہ میں ہے۔ اور ابو علی جبائی اس کو اہل کتاب کے دونوں فریق کے متعلق مانتے ہیں محققین نے عموم ہی کو پسند کیا ہے جیسا کہ ترمذیؒ نے عدی بن حاتمؓ کی روایت علماء ومشائخ کے باب میں نقل کی ہے جس کا بیان ماقبل کی سطور میں گذرا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... صداقتِ اسلام کی دلیل: .... آنحضرت ﷺ نے جو مکتوبِ گرامی نصاریٰ نجران کے نام بھیجا تھا اس فرمان کا حاصل تین باتیں تھیں۔ (۱) دعوتِ اسلام (۲) جزیہ (۳) قتال۔ لیکن انہوں نے باہم مشورہ کر کے شرحبیل، عبداللہ، ابن شرحبیل، حیاد بن قفص کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ زیادہ تر مذہبی گفتگو کا رُخ حضرت عیسیٰؑ کی طرف رہا۔ اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ اگر دلیل سے گفتگو ختم نہ ہو تو سب مل کر اللہ کی جناب میں التجا کے ساتھ دعا کرو کہ جو شخص اور فریق اس بارہ میں باطل پر ہو اس پر قہر خداوندی نازل ہو کہ تباہ و برباد ہو جائے جس کو مباہلہ کہتے ہیں پس جو شخص جھوٹا ہوگا وہ اس خمیازہ کے لئے تیار نہیں ہوگا اور اس طرح صادق اور کاذب کا فرق نمایاں اور سچے جھوٹے کا امتیاز کھل جائے گا۔

مباہلہ کی حقیقت: .... اور اس میں اصل تو خود مباحثہ کرنے والوں کا جمع ہو کر مباہلہ کرنا اور بددعا کرنا ہے لیکن اپنے عزیز ترین قرابت داروں کو جس میں اپنی جان سے زیادہ عزیز اولاد اور اہل وعیال ہوں لے کر حاضر ہو جائے تو اس بات کا وثوق اور وزن بڑھ جاتا ہے اور معاملہ کی اہمیت کے لئے آمادہ ہو جائے۔ اس سے اس کے دعویٰ کی راستی یقین واعتماد کا کمال معلوم ہو جاتا ہے۔ اور جس کو ذرا پس وپیش، تامل وتردّد ہوتا ہے اس کے قدم ڈگمگانے لگتے ہیں اور اس کی اندرونی قلعی کھلنے لگتی ہے اور سطح ابھرنے لگتی ہے چنانچہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم تو مع حضرت فاطمہؓ اور حسینؓ اور حضرت علیؓ کے بلا تامل تشریف فرما ہو گئے لیکن وفد کے افراد حیص وبیص میں پڑ گئے اور لگے بچر مچر کرنے۔ مباہلہ کے لئے کسی طرح تیار نہ ہوئے اور بالآخر سالانہ جزیہ پر مصالحت کر کے وطن واپس ہو گئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ لوگ مباہلہ کر لیتے تو وادی ان پر آگ برساتی اور اللہ نجران کا استیصال فرما دیتا اور ایک ہی سال میں تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔

مباہلہ کا انجام: .... قرآن کریم نے یہ نہیں بتلایا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد بھی مباہلہ کی صورت اختیار کی جا سکتی ہے؟ اور یہ کہ مباہلہ کا اثر کیا اب بھی وہی ظاہر ہو سکتا ہے جو آپ ﷺ کے مباہلہ کا اثر ظاہر ہوتا؟ لیکن بعض سلف کے طریق عمل اور فقہاء حنفیہ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اب بھی ضرورت کے وقت مباہلہ کی مشروعیت باقی ہے۔ چنانچہ لعان کا مشروع ہونا خود اس کی مشروعیت کی دلیل واضح ہے۔ مگر صرف ان چیزوں میں جن کا ثبوت بالکل قطعی اور صدق یقینی ہو مباہلہ کی اجازت ہوگی۔ البتہ مسائل اختلافیہ ظنیہ

میں مباہلہ ناجائز ہوگا نیز مباہلہ میں عورتوں کا شریک کرنا ضروری نہیں ہے۔ علیٰ ہذا فریق معاند ہو تو مباہلہ کی اجازت ہوگی۔ رہا مباہلہ کا انجام تو اب مباہلین پر اس قسم کا عذاب آنا ضروری نہیں ہے جیسا کہ پیغمبر کے ساتھ مباہلہ کرنے پر آتا البتہ ان احادیث سے جواز عذاب کا قیاس کیا جاسکتا ہے تاہم ضرر پہنچنے میں کچھ توقف ہو جانا یا نقصان کا ظاہر نہ ہونا موجب اشتباہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ حق و باطل کا فیصلہ تو دلائل سے ہو چکا ہے۔ مباہلہ کی زیادہ غرض تو اتمام حجت و جدال سے الگ ہو جانا اور زبانی جھگڑوں کا سلسلہ منقطع کرنا ہے۔

شیعوں کا غلط استدلال: .... بعض روافض کا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ لفظ انفسنا میں داخل ہونے کی وجہ سے عین رسول اللہ ہیں اس لئے خلافت بلافصل کے مستحق ہوئے کیونکہ پھر اس کے علاوہ آیت میں دو ہی لفظ رہ جاتے ہیں۔ ابناء نا اور نساء نا اور ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ ان دونوں میں سے کسی میں بھی داخل نہیں ہو سکتے ہیں پس اخیر شق متعین ہوگئی۔

لیکن بادنیٰ تامل یہ بات واضح ہوسکتی ہے کہ یہ خیال بناء فاسد علی الفاسد ہے کیونکہ انفسنا سے مراد تو مفرد اہل مباحثہ ہیں اور نساء نا سے مراد خاص زوجہ نہیں بلکہ تمام اہل بیت مستورات ہیں خواہ وہ بیٹیاں ہوں۔ حضرت فاطمہؓ چونکہ سب میں زیادہ لاڈلی تھیں اس لئے آپ ﷺ ان کو لے آئے۔ علیٰ ہذا ابناء نا سے مراد خاص اپنی اولاد نہیں بلکہ عام ہے اولاد کی اولاد کو یا مجازاً داماد کو بھی اولاد ہی میں داخل کرتے ہیں۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ حضرت علیؓ اور حضرت حسنینؓ کو لے آئے پس ان کی اولاد میں داخل کرنے کے بعد انفسنا میں داخل کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں رہ جاتی ورنہ پھر حضرات حسنینؓ کی خلافت بلافصل بھی اس دلیل سے ثابت ہو جائے گی یعنی بیک وقت تینوں باپ بیٹے خلافت بلافصل کے مستحق ہو جائیں گے۔ حضرات شیعہ کے اس استدلال سے جو یہ خانہ جنگی ہوگئی اس کے حل کی کوئی صورت ان کے پاس ہے؟

دوسرے محاورہ میں نفس کا اطلاق متعلقین پر بھی کیا جاتا ہے جیسا کہ تقتلون انفسکم میں مراد آپس کے متعلقین اور عزیز و اقارب ہیں ورنہ خودکشی لازم آئے گی اور پس اس سے بلافصل خلافت ثابت نہیں ہوتی اور اگر ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ بھی قریبی قرابت داروں میں داخل ہیں۔

شرک جلی و خفی: .... تعالوا الی کلمة سواءٍ بیننا و بینکم میں مسئلہ توحید کو مسلمات میں شمار کیا گیا ہے کیونکہ تمام شرائع میں اس کی تعلیم مشترک رہی ہے اور اہل کتاب بھی توحید کی فرضیت اور شرک کی حرمت و کفر کے قائل تھے۔ لیکن اس کے باوجود بھی شرک کی بعض انواع میں وہ اسی طرح مبتلا تھے کہ وہ ان کو خلاف توحید نہیں سمجھتے تھے مثلاً بعض صفات مختصہ الٰہیہ کا اثبات حضرت عیسیٰ و عزیز علیہما السلام کے لئے کرتے تھے جس کو عبادت غیر اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اسی طرح کسی کو مطاع علی الاطلاق اس طرح مان لینا کہ تحریم و تحلیل کا اختیار اس کو حاصل ہو جائے جیسا کہ مشائخ و علماء کے ساتھ ان کا تعامل تھا۔ جس کو آیت میں ربوبیت من دون الله سے تعبیر کیا گیا ہے یہ سب باتیں خواص باری میں سے نہیں۔ لیکن وہ اس میں دوسروں کو بھی بالذات اور بالعرض کا فرق کر کے شریک کر لیتے تھے اور اس کا منافی توحید نہیں سمجھتے تھے حالانکہ یہ فرق صفات غیر مختصہ میں تو صحیح ہے مگر صفات مختصہ میں غیر صحیح ہے، پس اس تقریر میں لطیف تردید ہوگئی، کہ ان کا مسلمہ اصول یاد دلایا جس کے بعد مختلف فیہ جزئیات کا کلیات میں داخل ہونا سہل ہوگیا، غیر اللہ کی اس کامل اطاعت سے ظاہر ہے کہ اول تو احکام الٰہی چھوٹ جاتے ہیں دوسرے جب شرک ہوا تو شرک کے ساتھ دامن توحید بھی چھوٹ جاتا ہے اسی کو خدا کا چھوڑنا فرما دیا گیا ہے۔

اتمام حجت کے بعد اندھی اور صحیح تقلید: .... اور قولوا اشهدوا بانا مسلمون میں اس اصول کی تعلیم دینی ہے کہ وضوح حق کے بعد بھی اگر کوئی نہ مانے تو اتمام حجت کے لئے اپنا مسلک بیان کر کے الگ ہو جانا چاہئے۔

اس آیت میں ایسی جامد تقلید کا ابطال ہوگیا جس میں علماء ومجتہدین اور مشائخ کو مطاع مطلق کا درجہ دے دیا جائے اور سیاہ سفید کا مالک ان کو سمجھ لیا جائے جو شیوہ یہود تھا لیکن فقہائے اسلام کی تقلید ان مسائل ظنیہ میں جو قطعی منصوص یا مجمع علیہ نہ ہوں بلکہ محتملۃ الطرفین ہوں اور اجماع ونصوص کے خلاف نہ ہوں بری نہیں سمجھی جائے گی اور وہ اس بحث سے خارج ہے۔ اس میں علماء ومشائخ کو واسطۂ طاعت بنایا جاتا ہے لیکن مطاع محض صرف شارع کی ذات ہوتی ہے۔

وَنَزَلَ لَمَّا قَالَتِ الْيَهُوْدُ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيٌّ وَنَحْنُ عَلٰى دِيْنِهٖ وَقَالَتِ النَّصَارٰى كَذٰلِكَ **يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ** تُخَاصِمُوْنَ **فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ** بِزَعْمِكُمْ اَنَّهٗ عَلٰى دِيْنِكُمْ **وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ** بِزَمَنٍ طَوِيْلٍ وَبَعْدَ نُزُوْلِهِمَا حَدَثَتِ الْيَهُوْدِيَّةُ وَالنَّصْرَانِيَّةُ **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ**﴿۶۵﴾ بُطْلَانَ قَوْلِكُمْ **هٰۤاَ** لِلتَّنْبِيْهِ **اَنْتُمْ** مُبْتَدَأٌ يَا **هٰۤؤُلَاۤءِ** وَالْخَبَرُ **حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ** مِنْ اَمْرِ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَزَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ عَلٰى دِيْنِهِمَا **فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ** مِنْ شَأْنِ اِبْرَاهِيْمَ **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ** شَانَهٗ **وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ**﴿۶۶﴾ قَالَ تَعَالٰى تَبْرِيَةً لِاِبْرَاهِيْمَ **مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا** مَائِلًا عَنِ الْاَدْيَانِ كُلِّهَا اِلَى الدِّيْنِ الْقَيِّمِ **مُّسْلِمًا** مُوَحِّدًا **وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ**﴿۶۷﴾ **اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ** اَحَقَّهُمْ **بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ** فِيْ زَمَانِهٖ **وَهٰذَا النَّبِيُّ** مُحَمَّدٌ لِمُوَافِقَتِهٖ لَهٗ فِيْ اَكْثَرِ شَرْعِهٖ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** مِنْ اُمَّتِهٖ فَهُمُ الَّذِيْنَ يَنْبَغِيْ اَنْ يَّقُوْلُوْا نَحْنُ عَلٰى دِيْنِهٖ لَا اَنْتُمْ **وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ**﴿۶۸﴾ نَاصِرُهُمْ وَحَافِظُهُمْ وَنَزَلَ لَمَّا دَعَا الْيَهُوْدُ مَعَاذًا وَحُذَيْفَةَ وَعَمَّارًا اِلٰى دِيْنِهِمْ **وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ** لِاَنَّ اِثْمَ اِضْلَالِهِمْ عَلَيْهِمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ لَا يُطِيْعُوْنَهُمْ فِيْهِ **وَمَا يَشْعُرُوْنَ**﴿۶۹﴾ بِذٰلِكَ **يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** الْقُرْاٰنِ الْمُشْتَمِلِ عَلٰى نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ**﴿۷۰﴾ تَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ حَقٌّ **يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ** تَخْلِطُوْنَ **الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ** بِالتَّحْرِيْفِ وَالتَّزْوِيْرِ **وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ** اَيْ نَعْتَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ**﴿۷۱﴾ اَنَّهٗ حَقٌّ

ع ۸ ۱۵

ترجمہ:............ (یہود کہنے لگے کہ حضرت ابراہیمؑ یہودی تھے اور ہم ان ہی کے طریقہ پر ہیں اور نصاریٰ بھی اسی کے مدعی ہوئے تب یہ آیت نازل ہوئی) اے اہل کتاب کیوں حجت (جھگڑا) کرتے ہو ابراہیمؑ کے بارے میں (یہ گمان کرتے ہوئے کہ تم ان کے طریقہ پر ہو) حالانکہ تورات وانجیل نازل نہیں ہوئی تھیں مگر ان کے بہت بعد (زمانہ دراز کے بعد اور ان ہی دونوں کتابوں کے بعد سے یہودیت ونصرانیت چلی ہے) کیا پھر تم سمجھتے نہیں ہو (اپنی بات کا غلط ہونا) دیکھو (ہا تنبیہ کے لئے ہے) تم (یہ مبتداء ہے) وہ لوگ ہو کہ تم نے جھگڑا کیا (یہ خبر ہے) ایسی باتوں میں جن کے لئے کچھ نہ کچھ تم کو واقفیت تھی (حضرت موسیٰؑ وعیسیٰؑ کے باب میں اور اس بارے میں کہ تم ان کے مذہب پر ہو) تو اب اس بارے میں کیوں جھگڑا کرتے ہو جس کے لئے تمہارے پاس کوئی علم نہیں ہے (یعنی دربارۂ

ابراہیمؑ) اللہ تعالیٰ خوب واقف ہیں (ان کے حال سے) اور تم کچھ نہیں جانتے (حق تعالیٰ ابراہیم علیہ السلام کا تبریہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں) ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ تمام گمراہیوں سے ہٹے ہوئے (تمام مذہبوں سے کٹ کر دین قیم سے جڑے ہوئے) اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار (پرستارِ توحید) تھے اور ان کی راہ شرک کرنے والوں کی راہ نہ تھی۔ فی الحقیقت یعنی زیادہ نزدیک (احق) ابراہیم علیہ السلام سے وہ لوگ تھے جو ان کے قدم بقدم چلے (ان کے زمانہ میں) اور یہ نبی (محمد ﷺ اکثر احکام دین میں ان کے موافق ہونے کی وجہ سے) اور وہ لوگ آپ پر ایمان لائے ہیں (یعنی امت محمدیہ۔ ان لوگوں کو واقعی اس کا حق ہے کہ ملت ابراہیمی کے اتباع کا دعویٰ کریں نہ کہ تم کو) اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے مددگار (ناصر وحامی) ہیں (یہود نے حضرت معاذ، حذیفہ، عمار رضی اللہ عنہم کو یہودیت کی دعوت پیش کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی) اہل کتاب میں ایک گروہ اس بات کا آرزومند ہے کسی طرح تمہیں راہِ حق سے بچلا دے۔ لیکن وہ تمہیں نہیں خود اپنے ہی کو گمراہی میں ڈالے ہوئے ہیں (کیونکہ دوسروں کو گمراہ کرنے کا وبال بھی ان پر ہوگا اور مسلمان اس میں ان کی اطاعت نہیں کریں گے) اگرچہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ اے اہل کتاب اللہ کی آیتوں کا تم کیوں انکار کرتے ہو (آیات قرآنی کا جن میں آپ کے اوصاف ہیں) حالانکہ تم اقرار کرتے ہو (جانتے ہو کہ وہ حق ہیں) اے اہل کتاب کیوں ملا جلا کر (مشتبہ کر دیتے ہو) حق و باطل کو (تحریف اور دھوکہ دہی کر کے) اور حق (آنحضرت ﷺ کے اوصاف) کو چھپاتے ہو۔ حالانکہ تم جانتے ہو (کہ وہ حق ہے)

تحقیق وترکیب:......... **زمن طویل** حضرت ابراہیمؑ وموسیٰ کے درمیان ایک ہزار سال کا فصل اور حضرت موسیٰ وعیسیٰ کے مابین دو ہزار سال کا فصل حائل ہے۔ **افلا تعقلون** ہمزہ کا مدخول مقدر ہے ای **اتدعون المحال فلا تعقلون یاا تقولون ذلک فلا تعقلون بطلانه**.

ھا انتم ھؤلاء . ھا حرف تنبیہ۔ انتم مبتدا ھؤلاء خبر ہے **حاججتم** جملہ اولیٰ کا بیان ہے۔ یا جملہ ندائیہ مبتدا خبر کے درمیان معترضہ ہے یا ھو لاء حرف ندا محذوف تھا جس کو مفسر علامؒ نے مذہب کوفی کی رعایت کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے۔ **فیما لکم** ما بمعنی **الذی** یا نکرہ موصوفہ ہے اور علم مبتدا ہے اور **لکم** خبر ہے اور یہ موضع نصب میں ہے بناء بر حال ہونے کے اصل میں علم کی صفت تھی مقدم کر دیا گیا ہے۔

من شان ابراھیم یعنی حضرت ابراہیمؑ کا ذکر نہ تمہاری کتابوں میں ہے اور نہ تم کو ان کے بارے میں معلومات ہیں۔

وما کان من المشرکین مشرکین پر تو اس جملہ میں تعریض ہے ہی لیکن یہود ونصاریٰ پر بھی تعریض ہے کہ حضرت مسیحؑ وعزیرؑ کے بارے میں شرکیہ عقائد رکھتے ہو **الحنف، الاستقامة بابراھیم** یہ متعلق ہے اولیٰ کے جو اسم تفضیل ہے **ولی** بمعنی قرب سے۔ **للذین** میں لام زائدہ تاکید کے لئے ہے یعنی لام ابتداء **لو یضلونکم** لو مصدر یہ ہے بمعنی ان. **اضلالھم** یعنی ان کا مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرنا اور مسلمانوں کا گمراہی کو قبول نہ کرنا کسی کے نقصان کا باعث ہوا ہے۔ **بذلک** یعنی ان کو گمراہ کرنے کا وبال کس پر ہے اس کو وہ نہیں جانتے۔ **تشھدون** اس کی تفسیر علم کے ساتھ کی ہے کیونکہ شہادت کہتے ہیں خبر قطعی کو جس کے لئے علم لازم ہے۔

ربط:........... پچھلی آیات میں حضرت مسیحؑ کے بارہ میں عقیدہ الوہیت وابنیت کی اصلاح کے بعد ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارہ میں اس خیال کی اصلاح کی جارہی ہے کہ ہر جماعت ان کے اتباع کی دعویدار ہے جس کا مقصود اصلی اپنے اپنے طریق کی حقانیت کا اثبات تھا اور اس کا لازمی اثر آنحضرت ﷺ کی رسالت کا ابطال ہوتا ہے کیونکہ شریعت اسلامیہ اُن طرق کو منسوخ بتلا رہی ہے جس کی بقاء مشروعیت کے وہ قائل ہیں۔ تو اس طرح ناسخ ومنسوخ دونوں مشروعیت میں جمع ہو جاتے ہیں جو بداہۃً غلط ہے اس لئے حق تعالیٰ اس کی تردید فرما رہے ہیں۔ یہودیت ونصرانیت اور ابراہیمیت میں اگر مطابقت بھی تسلیم کر لی جائے تب بھی شریعت اسلامیہ کے

بعد آنے اور ناسخ ہونے کی وجہ سے اہل کتاب کے لئے مفید نہیں چہ جائیکہ سرے سے اصل مطابقت ہی بے بنیاد اور غلط ہو تب تو بقاء مشروعیت کا دعویٰ بدرجۂ اولیٰ بداہۃً غلط ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ پہلے مسئلہ توحید کا احقاق مقصود تھا اور یہاں احقاق ہے مسئلۂ رسالت کا۔

شانِ نزول: .... جلال محققؒ نے شان نزول خود فرما دیا ہے جس کی تفصیل ابھی گذری ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اہل کتاب کے نزاع کا فیصلہ:** .... اہل کتاب کا یہ دعویٰ مطابقت اگر عناداً یا لاعلمی اور ناواقفیت کی وجہ سے تھا تب تو ردظاہر ہے لیکن اگر تاویلاً ہو کر ہماری شریعت ان ہی کے موافق ہے تب بھی غلط ہے کیونکہ فروع میں یقیناً اختلاف موجود ہے۔ رہا محض اصول میں اتفاق واتحاد کا ہونا سو یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ یہودیت و نصرانیت تو نام ہے مجموعہ احکام اصلیہ اور فرعیہ ممنوعہ کا جو حضرت ابراہیمؑ کے مقدم ہونے کی وجہ سے یقیناً ان کے زمانہ میں موجود تھی اس لئے یہ دعویٰ کیسے صحیح ہوا؟ اور اس سلسلہ میں اگر کوئی نئی اصطلاح ان کے پیش نظر تھی تو اس کا تعلق الفاظ اور لغت سے تو ہو سکتا ہے لیکن شریعت سے اس کا کیا تعلق؟ پھر اس سے ایک باطل کا ایہام لازم آرہا ہے جو بالکل غلط ہے۔

برخلاف امت محمدیہ کے وہ تمام اصول اور اکثر فروع میں موافقت کی وجہ سے دعویٰ مطابقت میں حق بجانت ہیں نیز اس سے آنحضرت ﷺ کے استقلال نبوت میں بھی کوئی ادنیٰ خلل واقع نہیں ہوتا بلکہ الـذیـن اتبعـوہ سے آپ کی اور آپ کی امت کی مزید خصوصیت ثابت ہوتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ دعویٰ مطابقت وموافقت اہل کتاب کے شایانِ شان نہیں ہے۔ البتہ امت محمدیہ کو زیب دیتا ہے لیکن افسوس کہ اس درجہ اتمام حجت کے بعد بھی قبول حق کے لئے تیار نہیں ہیں۔ خود بھی گمراہ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی فکر میں رہتے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ حضرات صحابہؓ بالکل گمراہ نہیں ہو سکے۔ البتہ مابعد کے لوگوں کے بارہ میں یہ خطرہ بیشک ہے لیکن وہاں بھی ان کے اختیار میں کسی کی گمراہی نہیں ہے۔ یوں خود کوئی تباہ ہونے لگے تو وہ دوسری بات ہے۔ طائفہ سے مراد اگر عام اشخاص اور جہلاء ہوں تب تو یہ فرمانا کہ وہ اس کی اطلاع نہیں رکھتے اپنے ظاہر پر ہے لیکن اس طرف التفات نہیں کرتے اس کا منشاء یہ نہیں کہ جان بوجھ کر کفر کرنا برا ہے اور ناواقفیت ولاعلمی میں برا نہیں ہے بلکہ مقصد اس صورت میں مزید تقبیح اور ملامت کا اظہار ہے۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اَلْيَهُوْدُ لِبَعْضِهِمْ **اٰمِنُوْا بِالَّذِیٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** اَیِ الْقُرْاٰنِ **وَجْهَ النَّهَارِ** اَوَّلَهٗ **وَاكْفُرُوْٓا** بِهٖ **اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ** اَیِ الْمُؤْمِنِيْنَ **يَرْجِعُوْنَ﴿۷۲﴾** عَنْ دِيْنِهِمْ اِذَا يَقُوْلُوْنَ مَا رَجَعَ هٰؤُلَاءِ عَنْهُ بَعْدَ دُخُوْلِهِمْ فِيْهِ وَهُمْ اُولُوْ عِلْمٍ اِلَّا لِعِلْمِهِمْ بُطْلَانَهٗ وَقَالُوْا اَيْضًا **وَلَا تُؤْمِنُوْٓا** تُصَدِّقُوْا **اِلَّا لِمَنْ** اَللَّامُ زَائِدَةٌ **تَبِعَ** وَافَقَ **دِيْنَكُمْ** قَالَ تَعَالٰى **قُلْ** لَهُمْ يَا مُحَمَّدُ **اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ** الَّذِیْ هُوَ الْاِسْلَامُ وَمَا عَدَاهُ ضَلَالٌ وَالْجُمْلَةُ اِعْتِرَاضٌ **اَنْ** اَیْ بِاَنْ **يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ** مِنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ وَالْفَضَائِلِ وَاَنْ مَفْعُوْلُ تُؤْمِنُوْا وَالْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ اَحَدٌ قُدِّمَ عَلَيْهِ الْمُسْتَثْنٰى اَلْمَعْنٰى لَا تُقِرُّوْا بِاَنَّ اَحَدًا يُؤْتٰى ذٰلِكَ اِلَّا مَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ **اَوْ** بِاَنْ **يُحَآجُّوْكُمْ** اَیِ الْمُؤْمِنُوْنَ يَغْلِبُوْكُمْ **عِنْدَ رَبِّكُمْ** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِاَنَّكُمْ اَصَحُّ دِيْنًا وَفِیْ قِرَاءَةٍ ءَاَنْ بِهَمْزَةِ التَّوْبِيْخِ اَیْ اِيْتَاءَ اَحَدٍ مِثْلَهٗ تُقِرُّوْنَ بِهٖ قَالَ تَعَالٰى **قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ** فَمِنْ اَيْنَ لَكُمْ اَنَّهٗ لَا يُؤْتٰى اَحَدٌ مِثْلَ مَا اُوْتِيْتُمْ **وَاللّٰهُ وَاسِعٌ** كَثِيْرُ الْفَضْلِ **عَلِيْمٌ﴿۷۳﴾** بِمَنْ هُوَ

اَهْلُهٗ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ اَیْ بِمَالٍ كَثِيْرٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ لِاَمَانَتِهٖ كَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ اَوْدَعَهٗ رَجُلٌ اَلْفًا وَمِائَتَیْ اُوْقِيَةٍ ذَهَبًا فَاَدَّاهَا اِلَيْهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ لِخِيَانَتِهٖ اِلَّا مَادُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ لَاتُفَارِقُهٗ فَمَتٰى فَارَقْتَهٗ اَنْكَرَهٗ كَكَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ اِسْتَوْدَعَهٗ قُرَشِیٌّ دِيْنَارًا فَجَحَدَهٗ ذٰلِكَ اَیْ تَرْكُ الْاَدَاءِ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا بِسَبَبِ قَوْلِهِمْ لَيْسَ عَلَيْنَا فِی الْاُمِّيّٖنَ اَیِ الْعَرَبِ سَبِيْلٌ ۚ اَیْ اِثْمٌ لِاِسْتِحْلَالِهِمْ ظُلْمَ مَنْ خَالَفَ دِيْنَهُمْ وَنَسَبُوْهُ اِلَيْهِ تَعَالٰى قَالَ تَعَالٰى وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ فِیْ نِسْبَةِ ذٰلِكَ اِلَيْهِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنَّهُمْ كَاذِبُوْنَ بَلٰى عَلَيْهِمْ فِيْهِمْ سَبِيْلٌ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ اَلَّذِیْ عَاهَدَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اَوْ بِعَهْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ مِنْ اَدَاءِ الْاَمَانَةِ وَغَيْرِهٖ وَاتَّقٰى اللّٰهَ بِتَرْكِ الْمَعَاصِیْ وَعَمَلِ الطَّاعَاتِ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾ فِيْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضَعَ الْمُضْمَرِ اَیْ يُحِبُّهُمْ بِمَعْنٰى يُثِيْبُهُمْ وَنَزَلَ فِی الْيَهُوْدِ لَمَّا بَدَّلُوْا نَعْتَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَهْدَ اللّٰهِ اِلَيْهِمْ فِی التَّوْرٰةِ اَوْ فِيْمَنْ حَلَفَ كَاذِبًا فِیْ دَعْوٰى اَوْفِیْ بَيْعِ سِلْعَةٍ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ يَسْتَبْدِلُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اِلَيْهِمْ فِی الْاِيْمَانِ بِالنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَدَاءِ الْاَمَانَةِ وَاَيْمَانِهِمْ حَلْفِهِمْ بِهٖ تَعَالٰى كَاذِبًا ثَمَنًا قَلِيْلًا مِنَ الدُّنْيَا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ نَصِيْبَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ غَضَبًا عَلَيْهِمْ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَرْحَمُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ يُطَهِّرُهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾ مُؤْلِمٌ وَاِنَّ مِنْهُمْ اَیْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَفَرِيْقًا طَائِفَةً كَكَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ اَیْ يَعْطِفُوْنَهَا بِقِرَاءَتِهٖ عَنِ الْمُنَزَّلِ اِلٰى مَا حَرَّفُوْهُ مِنْ نَعْتِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْوِهٖ لِتَحْسَبُوْهُ اَیِ الْمُحَرَّفَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ الَّذِیْ اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَنَّهُمْ كَاذِبُوْنَ۔

ترجمہ:............ اہل کتاب میں ایک گروہ ہے (یہود جو آپس میں ایک دوسرے سے) کہتا ہے کہ ایمان لے آؤ ان مسلمانوں کی کتاب (قرآن) پر صبح کے (اول) وقت اور انکار کردو اس کا (شام کے وقت) اس طرح عجب نہیں کہ وہ (مسلمان) پھر جائیں (اپنے مذہب سے یہ کہتے ہوئے یہ لوگ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اہل علم ہونے کے باوجود پھرے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا بطلان ان پر واضح ہوگیا ہے اور نیز کہتے ہیں کہ) کسی کی بات نہ مانو (یقین نہ کرو) بجزان لوگوں کے جو (لمن میں لام زائدہ ہے) پیروی (اتباع) کریں تمہارے دین کی (حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) کہ فرمادیجئے آپ (ان سے اے محمد ﷺ) ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے (جو کہ دین اسلام ہے اور اس کے علاوہ گمراہی ہے یہ جملہ معترضہ ہے) یہ بات بھی نہ مانو جیسا کچھ دین تمہیں دیا گیا ہے دیسا کسی دوسرے انسان کو ملا ہو (یعنی کتاب وحکمت اور فضائل۔ اور ان یوتی مفعول ہے لا تو منوا کا اور لفظ احد مستثنیٰ منہ ہے جس پر مستثنیٰ

کومقدم کردیا گیا ہے حاصل یہ ہوا کہ اس بات کا اقرار نہ کرو کہ تمہارے ماننے والوں کے علاوہ کسی کو ایسا دین مل سکتا ہے) یا یہ کہ حجت کر سکتے ہیں (یہ مومنین غالب آ سکتے ہیں) تمہارے پروردگار کے حضور) قیامت میں کیونکہ تمہارا دین سب سے زیادہ صحیح ہے اور ایک قرأت میں ااَنْ ہمزہ توبیخ کے ساتھ ہے یعنی کیا اس جیسا کسی کو ملنے کا اقرار کرتے ہو۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) آپ کہہ دیجئے کہ فضل و بخشش تو اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے مالا مال کر دیتا ہے (پس یہ تم کہاں سے کہہ رہے ہو کہ تمہارے جیسا کسی کو نہیں مل سکتا) اللہ تعالیٰ بڑی ہی وسعت رکھنے والے (بڑے مہربان) اور جاننے والے ہیں (کہ کون اس کا اہل ہے) وہ جس کسی کو چاہتے ہیں اپنی رحمت کے لئے چُن لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فضل بڑا ہی فضل ہے اور اہل کتاب میں کچھ آدمی تو ایسے ہیں کہ اگر آپ سونے چاندی کا ڈھیر (کافی مال) بھی ان کے پاس امانت میں چھوڑ دیں۔ تب بھی وہ تم کو ادا کر دیں (اپنی امانت جیسا عبداللہ بن سلامؓ کے پاس کسی صاحب نے دو ہزار درہم دو سو اوقیہ سونا امانت رکھا لیکن انہوں نے اس سب کو ادا کر دیا) مگر ایک گروہ ان میں کا ایسا بھی ہے کہ اگر ایک روپیہ بھی ان کی امانت میں رکھ دو تو وہ بھی تم کو واپس نہ دیں (خیانت کی وجہ سے) جب تک ہر وقت ان کے سر پر کھڑے نہ رہو (کہ ان سے الگ ہونے کا نام نہ لو اور اگر الگ ہوئے تو فوراً انکار کر بیٹھے۔ کعب بن اشرف کے پاس ایک قریشی نے ایک دینار (روپیہ) امانت رکھا تو اس نے دینے سے صاف انکار کر دیا) یہ (بدمعاملگی) اس لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں (یعنی ان کے اس قول کی وجہ سے ہے) اُمیوں (عرب کے لوگوں) سے معاملہ کرنے میں ہمارے لئے کوئی مواخذہ (گناہ) نہیں ہے (کیونکہ وہ اپنے مخالف دین کے ساتھ ظلم کرنے کو جائز سمجھتے ہیں اور اس اجازت کی نسبت خدا کی طرف کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) اور اللہ پر یہ لوگ بہتان باندھتے ہیں (اس قسم کی غلط باتوں کی نسبت ان کی طرف کر کے) حالانکہ وہ بھی جانتے ہیں (کہ وہ جھوٹے ہیں) ہاں کیوں نہیں جو شخص اپنا قول و قرار سچائی کے ساتھ پورا کرتا ہے (جو عہد خدا نے اس سے لیا ہے یا خدا سے کئے ہوئے اس کے عہد کو جو امانت وغیرہ کی ادائیگی سے متعلق ہے) اور ڈرتا ہے (اللہ سے ان کی نافرمانی چھوڑتے ہوئے اور فرمانبرداری کرتے ہوئے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں پرہیزگاروں کو (اس میں ضمیر کی بجائے اسم ظاہر لایا گیا ہے گویا **یحبھم** بمعنی **یثیبھم** ہے یہود نے جب آنحضرت ﷺ کے اوصاف تبدیل کر دیئے حالانکہ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لے لیا تھا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی یا ان لوگوں کے بارہ میں نازل ہوئی جنہوں نے کسی دعوے میں یا سامان فروخت کرنے میں جھوٹی قسم کھائی تھی) یقیناً جو لوگ فروخت کر (بدل) ڈالتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عہد کو (جو ان سے آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کے اور اداء امانت کے بارہ میں لیا گیا تھا) اور اپنی قسموں کو (جو انہوں نے جھوٹی کھائی تھیں) ایک حقیر قیمت کے بدلہ (متاع دنیا سے) یہی وہ لوگ ہیں کہ کوئی حصہ (نصیب) ان کے لئے آخرت میں نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان سے نہ تو کلام کریں گے (ان پر ناراضگی کی وجہ سے) اور نہ ان پر نظر التفات پڑے گی (کہ ان پر رحم کھا لیا جائے) قیامت کے دن اور نہ گناہوں کی آلودگی سے پاک (صاف) کئے جائیں گے اور ان کے لئے دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہوگا۔ اور بیشک ان (اہل کتاب میں سے) ایک گروہ ایسا بھی ہے (جیسے کعب بن اشرف) کہ الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں کتاب اللہ میں (یعنی زبان کو موڑ دیتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی لغت اور دوسرے صحیح مضامین کو غلط کر کے) تاکہ تم خیال کرو (کہ جو کچھ یہ غلط سنا رہے ہیں) وہ کتاب اللہ میں سے (صحیح) ہے حالانکہ وہ قطعاً کتاب اللہ میں سے نہیں ہے اور وہ لوگ کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتا وہ اللہ تعالیٰ کے نام سے جھوٹ بولتے ہیں اور جانتے ہیں (کہ جھوٹ بول رہے ہیں)

تحقیق وترکیب: .... **وجه النهار** جس طرح انسان کے اعضاء میں چہرہ ممتاز ہے اسی طرح دن میں اول حصہ نمایاں ہوتا ہے اس لئے "وجه النهار" کے معنی اول حصہ کے ہیں۔ یا جس طرح اول نظر چہرہ پر پڑتی ہے اسی طرح اول نظر رات کے بعد صبح پر پڑتی

ہے۔ لاتؤمنوا آیت کی دو توجیہوں کی طرف جلال محقق اشارہ کررہے ہیں۔ اول توجیہ کی طرف اللام زائدۃ اور دوسری توجیہ کی طرف المعنی لاتقروا سے۔ اول توجیہ پر لمن میں لام زائد ہوگا کیونکہ ایمان میں اقرار وتصدیق خود متعدی ہے لام تعدیہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اور قل ان الخ یہ جملہ معترضہ ہوگا فعل اور مفعول کے درمیان ان یؤتی احد یہ مستثنیٰ منہ موخر اور لمن تبع مستثنیٰ مقدم ہے۔ معنی یہ ہیں کہ بجز یہودیت کے کسی کو سچا نہ سمجھو اور یقین رکھو کہ تم جیسی نعمتیں کسی کو نہیں دی گئی ہیں۔ اور یہ کہ مسلمان آخرت میں تمہارا مقابلہ نہیں کرسکتے کیونکہ تمہارا دین زیادہ بہتر ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ لام زائد نہ مانا جائے بلکہ اصلی مانا جائے اور تؤمنوا معنی میں تصدقوا کے ہے اور مستثنیٰ منہ محذوف ہو تقدیر عبارت لاحــــد ہو یعنی جس قدر فضائل وکمالات تم کو دیئے گئے ہیں اس کا یقین نہ رکھو وہ کسی دوسرے کو دیئے گئے ہیں بجز اس شخص کے جو تمہارے دین کا تبع ہو۔ اور مقصد اس کا آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار ہے۔ جلال مفسرؒ نے اختصار کرکے دونوں تقریروں کو خلط کردیا ہے۔ اویحاجوکم اس کا عطف ان یوتی پر ہے اور ضمیر لفظ احد کی طرف راجع ہے جو معناً جمع ہے اور استثناء بھی احد کی طرف راجع ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے لاتقربوا بان المسلمین یحاجوکم عند ربکم ویغلبونکم الا لمن تبع دینکم اس صورت میں لام زائد نہیں رہا۔ لانکم اصح دینا یہ دلیل ہے بخیال خویش یہود کے غالب رہنے کی۔

وفی قراء ۃ ااَنَّ اس صورت میں ھو الھدی پر جملہ ختم ہوگیا اور ان یوتی جملہ مستانفہ ہوگا ہمزہ استفہام توبیخی ہوگا اور مستثنیٰ منہ محذوف رہے گا اور ان مصدریہ ہوگا جیسا کہ مفسرؒ نے "ای ایتاء احد" سے اس طرف اشارہ کیا ہے اور یہ مع اپنے مدخول کے مبتدا کی تاویل میں ہے خبر محذوف ہے "تقدرون بہ" مفسر نے مقدر مانی ہے یعنی اپنے دین کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے تمہارا یہ اقرار مناسب نہیں ہے اور ان یؤتی ظرف کو لان یوتی کے معنی میں لے کر متعلق اس کا محذوف مان لیا جائے تو یہ کلام الٰہی ہوجائے گا۔ چنانچہ ابن کثیرؒ کی قرأت ان یؤتی کو استفہام تفریعی پر محمول کرنے کی اس کی مؤید ہے۔

من اھل الکتاب اہل کتاب کی دینی خیانتیں بیان کرنے کے بعد ان کی مالی خیانتوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔ القنطار چالیس اوقیہ سونا یا ایک ہزار دوسو دینار یا ایک ہزار دوسو اوقیہ یا ستر ہزار دینار یا اسی ہزار درہم یا سو رطل سونا یا چاندی یا ہزار دینار یا بیل کی کھال بھر سونا چاندی علی اختلاف الاقوال ایک اوقیہ چالیس درہم یعنی دس روپے کے برابر ہوتا ہے۔ بقنطار میں با بمعنی علی یا بمعنی فی ہے یعنی فی حفظ قنطار۔

من ان تامنہ یہ مبتداء ہے اور ومن اھل الکتٰب خبر ہے اور شرط اور جواب شرط مل کر صفت من نکرہ کی بدینار ایک دینار بیس قیراط کا ہوتا ہے اور ایک قیراط پانچ جو وزن ہوتا ہے فخاص بن عازوراء یہودی کے پاس ایک قریشی نے ایک دینار امانت رکھوایا لیکن ادائیگی کے وقت صاف انکار کردیا۔ اور بعض نے اُمِّیِّیْنَ کا مصداق اہل کتاب میں سے نصاریٰ کو اور خائن کا مصداق یہودیوں کو قرار دیا ہے دونوں میں ان دونوں وصفوں کے غائب ہونے کی وجہ سے مادمت اس میں ما مصدریہ ہے اور استثناء مقدر سے ہے ای وانکرہ بسبب تولیھم یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ ان لوگوں کی تخصیص کیوں کی حالانکہ دوسرے لوگ بھی امی اور خائن ہوئے ہیں۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ ان کی تخصیص شان نزول کی وجہ سے باعتبار واقعہ حال کے ہے۔ سبیل بیان مراد کے لئے مفسرؒ نے بالاثم سے اس کی تشریح کی ہے ورنہ لغت میں مطلق طریق کے معنی ہیں اور یہاں طریق عتاب کے معنی ہیں۔

بلٰی اثبات نفی ماقبل کے لئے ہے زجاج کہتے ہیں کہ میرے نزدیک بلٰی پر وقف تام ہے اور اس کا مابعد استیناف ہے اور اس جملہ کا بیان ہے جس کے قائم مقام بلٰی ہے۔

فیمن حلف کاذبًا اشعث بن قیس اور ایک دوسرے شخص کے درمیان ایک کنویں پر جھگڑا ہوا اور مقدمہ آنحضرت ﷺ کی خدمت

میں پہنچا تو آپ نے گواہ اور قسم کا مطالبہ کیا تو اشعث کا ساتھی جھوٹی قسم کھانے کے لئے تیار ہو گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اسی طرح ''بیع سلعۃ'' کی صورت ہوگی کہ جھوٹی قسم کھانے کے لئے آمادہ ہو گیا ہوگا۔

ولا یکلمھم اللہ سورۂ مومنون میں ہے قال اخسئوا فیھا ولا تکلمون جس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ ان سے کلام فرمائیں گے دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اس آیت میں کلام رضا کی نفی ہے اور سورۂ مومنون میں کلام غضب کا اثبات ہے یا براہ راست کلام کی نفی اور فرشتوں کے توسط سے کلام کا اثبات مراد لیا جائے گا۔ ککعب بن اشرف اور مالک بن حنیف اور حیی بن اخطب وغیرہ مراد ہیں۔

یلوون۔ لیّ کے معنی موڑنے اور کسی چیز کو ٹیڑھا کرنے کے لئے ہیں۔ لویت یدہ بولتے ہیں "التوی الشئ التوی فلان. لوی لسانہ سب محاورات ہیں۔ جملہ یلوون صفت ہے فریقًا کی محل نصب میں ہے اور ضمیر جمع معنی کے لحاظ سے ہے کیونکہ لفظ قوم اور رھط کی طرح یہ اسم جمع ہے یلوون السنتھم سے مراد ایہام ہے یعنی مسلمانوں کو ایہام میں مبتلا کرتے ہیں۔

ربط: .... گذشتہ آیت میں یہود کے اضلال کا بیان تھا۔ آیت وقالت الخ میں ان کی اسی قسم کی ایک اسکیم کا ذکر ہے اور آیت ومن اھل الکتاب میں خیانت فی العلم کی طرح ان کی خیانت مالی کا تذکرہ ہے آیت بلٰی من اوفٰی میں ایفاء وعدہ پر وعدہ اور عدم ایفائے وعدہ پر وعید کا بیان ہے آیت وان منھم الخ میں ان کی خصوصی خیانت تحریف وتزویر کا ذکر ہے۔

شانِ نزول: .... ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ عبداللہ بن صیف عدی بن زید حارث بن عوف ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ صبح کو ہم قرآن پر ایمان لے آیا کریں اور شام تک رجوع کر لیا کریں تو اس طرح دیکھا دیکھی دوسرے مسلمان بھی ایسا کرنے لگیں گے۔ اس پر آیت یا اھل الکتٰب لم تلبسون الحق الخ نازل ہوئی۔ ابن جریر نے تخریج کی ہے کہ یہود نے مسلمانوں سے ان کے اسلام لانے سے پہلے خرید وفروخت کی لیکن مسلمان ہونے کے بعد قیمت کا تقاضہ کیا گیا تو یہود نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ تم نے اپنے دین کو چھوڑ دیا اس لئے ہم کچھ نہیں دیتے اور اس کے حکم الٰہی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس پر آیت ویقولون الخ نازل ہوئی۔ اس کے علاوہ ابن مسعودؓ کی روایت اشعث بن قیس کے متعلق ہے جس کا بیان اوپر گذرا ہے کہ کسی کنویں کے معاملہ میں یہودی قسم کھانے کے لئے تیار ہو گیا تھا تب ان الذین الخ آیت نازل ہوئی عبداللہ بن اوفی کی روایت بخاری وغیرہ نے پیش کی ہے جس کی رو سے آیت کا تعلق بازار میں کاروباری سامان لانے والوں سے معلوم ہوتا ہے جو جھوٹی قسم کھا لیا کرتے تھے۔ ابن جریر نے تخریج کی ہے کہ ابورافع اور لبابہ ابن ابی الحقیق اور کعب بن اشرف کے بارے میں آیت ان الذین نازل ہوئی۔ جنہوں نے تورات کو جلا دیا تھا اور آنحضرت ﷺ کے اوصاف کو ردوبدل کر ڈالا تھا۔ اور اس پر رشوتیں لیتے تھے۔ ممکن ہے کہ اسباب نزول مختلف واقعات ہوں اور بہتر توجیہ یہ ہے کہ سبب نزول تو ایک ہی ہے لیکن کسی مناسبت سے دوسرے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کے آیت تلاوت کرنے سے راوی نے اس کو بھی سبب نزول سمجھ کر روایت کر دی ہو۔

﴿تشریح﴾:...... غلط پندار اور تنگ ذہنی: .... اہل کتاب کی یہ بنیادی گمراہی ہے کہ انہوں نے حق وصداقت کو صرف اپنی نسل اور اپنی جماعت کا ورثہ سمجھ لیا تھا اور یہ کہتے تھے کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ جو شخص ہمارے گروہ سے نہ ہو اور پھر دین وصداقت رکھتا ہو۔ یا کسی فرد و قوم کو ہم سے بہتر دین و دیانت مل سکے۔ جو کچھ ملنا تھا وہ ہمیں مل چکا ہے اور خدا کے خزانۂ فیضان ورحمت پر مہر لگ چکی ہے۔ قرآن اس کی تردید کر رہا ہے ذٰلک بانھم الخ میں ان کی ایک دوسری گمراہی کی طرف اشارہ ہے وہ سمجھتے تھے کہ دین و دیانت

کے جس قدر احکام ہیں وہ سب اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ ہیں۔ وہی ان تمام مراعات اور حسن اخلاق کے مستحق ہیں لیکن دوسرے مذاہب کے لوگوں سے ہر طرح کی بدمعاملگی بددیانتی کو جائز سمجھتے تھے جس طرح بن پڑے اس کے مال کو حلال سمجھتے تھے۔ لیکن قرآن عزیز کہتا ہے کہ دیانت بہر حال دیانت ہے اور خیانت ہر حال میں خیانت ہے۔ ملک وملت کے اختلاف سے دین و دیانت کی حدود نہیں بدل سکتیں، سچائی اور اچھائی کا ہر شخص مستحق ہے۔

امانت داری سب کے لئے ہر طرح مفید ہے: .... بقول حضرت ابن عباسؓ اگر امانت داروں سے مراد نومسلم یہود ہوں جیسے عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ تب تو مدح ظاہر ہے لیکن اگر خاص مسلمان مراد نہ ہوں بلکہ مطلقاً اہل کتاب میں امین وخائن دونوں کا ہونا مذکور ہو تو تعریف کا حاصل مقبولیت عنداللہ نہیں ہے کہ وہ بلا ایمان کے حاصل نہیں ہوتی بلکہ محض اچھی بات ہونے کے لحاظ سے تعریف کرنا چاہئے کافر ہی کی طرف سے ہو۔ دنیا میں اچھی بات کا اثر نیک نامی وغیرہ ہوتا ہے اور آخرت کے لحاظ سے بھی باعث تخفیف عذاب ہوتی ہے یا خاص اسی عذاب کی کمی ہوتی ہے جو اس کی مخالف جانب کے کرنے سے ہوتا۔ آیت ہود سے جو عدم ثواب معلوم ہوتا ہے وہ اس عدم عذاب کے منافی نہیں ہے اس سے اسلام کی انصاف پسندی اور بے تعصبی واضح ہوتی ہے کہ مخالف کے ہنر کی بھی کتنی قدر کی جاتی ہے اور قرار واقعی داد دی جاتی ہے۔

دو نادر نکتے: .... آیت "ویقولون" کے ذیل میں جن واقعات یہود کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کو سامنے رکھ کر شبہ نہیں کرنا چاہئے کہ مسلمان بھی تو حربی کافر کے مال کو مباح سمجھتے ہیں خواہ عقد فاسد ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو لیکن کہا جائے گا کہ وہاں رضامندی اور عدم عذر شرط ہے جو یہود کے یہاں نہیں تھا اس لئے دونوں باتوں میں زمین وآسمان کا فرق ہو گیا۔

علی ہذا مال غنیمت کے حلال ہونے پر بھی شبہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ مال غنیمت نہ تو کوئی حربیوں سے معاہدہ ہوتا ہے اور نہ ان کی طرف سے استیمان ہوتا ہے برخلاف یہود کے وہ امن وعہد کے ہوتے ہوئے بھی بدعہدی اور نقض امن کرتے تھے۔

بدعہدی: .... مخلوق کے ساتھ عہد اگر جائز ہو تو اس کا ایفاء ضروری ہے ورنہ حرام ہے۔ اور چونکہ یہود آنحضرت ﷺ کی رسالت کے منکر تھے اس لئے عہد اللہ میں ایمان الانبیاء کو بھی داخل کیا جائے گا اور دوسری ضروری چیزوں کو بھی عام ہوگا اور **ولا یزکیھم** کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حق تعالیٰ مسلمانوں جیسی ان کی تعریف نہیں کریں گے اور عہد اللہ میں چونکہ ایمان بھی داخل ہے اس لئے یہ شبہ نہیں رہے گا کہ ایفائے عہد پر جو محبت کا وعدہ ہے اس میں ایمان بھی شرط نہیں ہے اور **اولئک لاخلاق** کا خطاب اگر کفار کو ہے تب تو یہ وعیدیں قیامت کے لئے ہیں اور اگر فجار کو بھی کفار کے ساتھ شامل کیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ چند روز وہ ان وعیدوں کے مستحق ہوں گے نہ وقوع یقینی ہے اور نہ ہدایت۔ چنانچہ اہل سنت کے نزدیک معافی بغیر عقوبت بھی درست ہے۔

تحریف لفظی اور معنوی: .... علامہ آلوسیؒ کے بیان کے مطابق یہود تورات میں تحریف لفظی بھی کرتے تھے اور ممکن ہے کہ صرف تحریف معنوی ہی کرتے ہوں لفظی تحریف میں گویا ان الفاظ کے منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ ہوتا ہے اور تحریف معنوی میں تعبیر اور تفسیر غلط کرنی ہوتی ہے اور اسی کو قواعد شرعیہ کی موافق ومطابق ہونے کو کہا جاتا ہے گویا ایک میں صورۃً جزو ہونے کا دعویٰ اور دوسرے میں صرف معنیً جزو ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اس طرح کہ یہ شرع سے ثابت ہے اور جو شرع سے ثابت ہو وہ منزل من اللہ ہے اس لئے یہ بھی منزل من اللہ ہے اہل کتاب کے علاوہ مشائخ کا ایک گروہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہے لیکن ہوائے نفس سے اس کے معانی میں

تحریف کر دیتا۔ عوام یہ سمجھتے کہ کتاب کا بیان ہے حالانکہ وہ خدائی کتاب کا بیان نہ ہوتا بلکہ ان کی افتراء پردازیاں ہوتیں۔

قرآن وحدیث میں تحریف:........... امت محمدیہ میں قرآن میں تحریف لفظی تو نہیں ہوسکی کیونکہ الفاظ قرآنیہ محفوظ من اللہ ہیں البتہ تحریف معنوی کج طبع لوگوں نے تفسیر بالرائے کے ذریعہ کی ہے اوراحادیث میں تحریف لفظی اور معنوی دونوں کی گئی ہیں۔

ولا تؤمنوا سے ان اہل طریقت کی غلطی واضح ہوگئی جو غیر سلسلہ والے شخص سے اپنے طریق کو مخفی کرتے ہیں اوراس پر اپنی اجارہ داری سمجھتے ہیں۔ ان **الذین یشھدون** سے رد ہے ایسے شخص کی حالت پر جو دنیا کی طرف مائل ہواوراس کو مشاہدۂ حق پر ترجیح دیتا ہواور اپنے ظاہر کو اہل اللہ کے لباس سے آراستہ رکھتا ہو مگر حب جاہ کے ساتھ۔ پس ایسا شخص بقاء حقیقی سے محروم اور مخاطبت حق سے دونوں جہاں میں ساقط ہو جائے گا۔

وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ نَصَارٰی نَجْرَانَ اَنَّ عِیْسٰی اَمَرَهُمْ اَنْ یَّتَّخِذُوْهُ رَبًّا اَوْ لَمَّا طَلَبَ بَعْضُ الْمُسْلِمِیْنَ السُّجُوْدَ لَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **مَا كَانَ** یَنْبَغِیْ **لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ** اَیِ الْفَهْمَ لِلشَّرِیْعَةِ **وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ** یَقُوْلُ **كُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ** عُلَمَاءَ عَامِلِیْنَ مَنْسُوْبٌ اِلَی الرَّبِّ بِزِیَادَةِ اَلِفٍ وَنُوْنٍ تَفْخِیْمًا **بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ** بِالتَّخْفِیْفِ وَالتَّشْدِیْدِ **الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾** اَیْ بِسَبَبِ ذٰلِكَ فَاِنَّ فَائِدَتَهٗ اَنْ تَعْمَلُوْا **وَلَا یَاْمُرَكُمْ** بِالرَّفْعِ اِسْتِئْنَافٌ اَیِ اللّٰهُ وَالنَّصْبِ عَطْفًا عَلٰی یَقُوْلَ اَیِ الْبَشَرُ **اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا** كَمَا اتَّخَذَتِ الصَّابِئَةُ الْمَلٰئِكَةَ وَالْیَهُوْدُ عُزَیْرًا وَالنَّصٰرٰی عِیْسٰی **اَیَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾** لَا یَنْبَغِیْ لَهٗ هٰذَا وَاذْكُرْ **اِذْ** حِیْنَ **اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ** عَهْدَهُمْ **لَمَآ** بِفَتْحِ اللَّامِ لِلْاِبْتِدَاءِ وَتَوْكِیْدِ مَعْنَی الْقَسَمِ الَّذِیْ فِیْ اَخْذِ الْمِیْثَاقِ وَكَسْرِهَا مُتَعَلِّقَةٌ بِاَخَذَ وَمَا مَوْصُوْلَةٌ عَلَی الْوَجْهَیْنِ اَیْ لِلَّذِیْ **اٰتَیْتُكُمْ** اِیَّاهُ وَفِیْ قِرَاءَةٍ اٰتَیْنٰكُمْ **مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ** مِنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ وَهُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ** جَوَابُ الْقَسَمِ اِنْ اَدْرَكْتُمُوْهُ وَاُمَمُهُمْ تَبَعٌ لَهُمْ فِیْ ذٰلِكَ **قَالَ** تَعَالٰی لَهُمْ **ءَاَقْرَرْتُمْ** بِذٰلِكَ **وَاَخَذْتُمْ** قَبِلْتُمْ **عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ** عَهْدِیْ **قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا** عَلٰی اَنْفُسِكُمْ وَاَتْبَاعِكُمْ بِذٰلِكَ **وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾** عَلَیْكُمْ وَعَلَیْهِمْ **فَمَنْ تَوَلّٰی** اَعْرَضَ **بَعْدَ ذٰلِكَ** الْمِیْثَاقِ **فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾**

ترجمہ:........... (نصاریٰ نجران نے جب یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ ان کو اپنا رب سمجھیں، یا بعض مسلمانوں نے جب آنحضرت ﷺ کو سجدہ کرنا چاہا تو اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں) سزاوار (مناسب) نہیں ہے کسی انسان کو یہ بات کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب اور حکمت (دین کی سمجھ) اور نبوت مرحمت فرمائیں اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہتا پھرے کہ تم میرے بندے بن

جاؤ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بلکہ (اس کو یہ کہنا چاہئے کہ) اللہ والے بن جاؤ (عالم باعمل۔ ربانی کے معنی الی الرب کے ہیں۔ الف ونون کا اضافہ فخامت کے لئے ہے) اس لئے کہ تم کتاب اللہ کی تعلیم دیتے ہو (تعلمون کی قرأت تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) وہ تم کو یہ حکم نہیں دی گا (رفع کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے یعنی اللہ حکم نہیں دیتا ہے۔ اور نصب کے ساتھ ہے تو یقول پر عطف ہے یعنی وہ ربانی انسان اس کا حکم نہیں دے سکتا ہے) کہ فرشتوں یا نبیوں کو اپنا پروردگار بنالو (چنانچہ فرقۂ صابیہ نے فرشتوں کو، اور یہود نے حضرت عزیرؑ کو، نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو معبود بنالیا ہے) کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ وہ تم کو کفر کرنے کا حکم دے۔ درآنحالیکہ تم مسلمان ہو چکے ہو (ایسی تلقین اس کے شایانِ شان نہیں ہے) اور (اسی کو یاد کرو) جب اللہ نے (عہد) لیا تھا انبیاء علیہم السلام سے کہ (لما لام ابتداء مفتوح کے ساتھ ہے جو معنی قسم کی تاکید کے لئے ہے جو لفظ ''اخذ میثاق'' سے ماخوذ ہے۔ اور لام مکسور بھی ہوسکتا ہے۔ لفظ اخذ کے متعلق ہوگا۔ ان دونوں صورتوں میں ما موصولہ رہے گا یعنی للذی) ہم نے تمہیں کتاب وحکمت مرحمت کی ہے پھر اگر ایسا ہو کہ کوئی رسول تمہارے پاس آئے اس کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے پاس (کتاب وحکمت) ہے (اور وہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہے) تو تم ضرور ماننا اور ان کی تائید کرنا (یہ جواب قسم ہے یعنی اے گروہ انبیاءؑ اگر تم ان کو پاؤ تو ضرور ان کی عقیدت ونصرت کا حق ہوگا ادا کرنا۔ اور ان انبیاءؑ کی امتیں اس حکم میں ان کے تابع تھیں) ارشادِ الٰہی ہوا تھا کہ کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو اور اس کا ذمہ لیتے ہو (قبول کرتے ہو) میرے عہد (وعدہ) کو سب نے عرض کیا تھا بے شک ہم اقرار کرتے ہیں اس پر حکم ہوا کہ تو گواہ رہو (اپنے رب اور اپنے متبعین کی طرف اس پر) میں بھی تمہارے ساتھ اس پر گواہ ہوں۔ (تمہارے اور ان کے لیئے) تو اب بھی جو کوئی روگردانی (اعراض) کرے گا اس (عہد) کے بعد تو یقیناً ایسے لوگ فاسق شمار کئے جائیں گے۔

تحقیق وترکیب: .... ما کان لبشر یعنی مایصح لاحد لفظ بشر لانے میں علۃ حکم کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی بشریت منافی اس حکم ربوبیت کے ہے اور فعل یقول کو ثم کے ذریعے سے منصوب ان پر عطف اس قول کی تعظیم کے لئے کیا ہے یعنی ان دونوں باتوں میں بہت زیادہ بون بعید ہے جب مہلت کے بعد بھی بُعد ہے تو بغیر مہلت بدرجۂ اولیٰ ہوگا۔ ما کان لبشر اور ما کان یعنی ان یکون الخ اور ما کان لکم ان تنبتوا الخ اس قسم کے صیغے نفی عام کے لئے آتے ہیں کہ ان کا ثبوت عقلاً بھی جائز نہیں ہے جیسے صدیق اکبرؓ کا قول ما کان لابن ابی قحافه ان یتقدم فی الصلوۃ بین یدی رسول الله یعنی میری کیا مجال ہے کہ میں ایسا کرسکوں۔ اس لئے قول مفسر میں ینبغی کے معنی یمکن کے ہیں نبی کے لئے دعوت الوہیت ممکن نہ ہونا ہے لفظ ینبغی یا تو لفظ کان کی تفسیر ہے یا کان کی خبر کے متعلق محذوف کا بیان ہے ولکن کے بعد یقول نکال کر تقدیر عبارت کی طرف اشارہ کردیا ای ولکن یقول کونوا الخ

ربانی اس میں دو قول ہیں (۱) یہ لفظ عربی ہے سریانی نہیں ہے منسوب الی الرب جیسے الٰھی منسوب الی الالہ الف نون مبالغہ کے لئے اضافہ کردیا جیسے لحیانی کثیر اللحیه کو کہتے ہیں۔ رقبانی موٹی گردن کو کہتے ہیں شعرانی لمبے گھنے بال، بلا مبالغہ اگر کہنا ہوتو رقبی لحمی شعری کہتے ہیں۔ (۲) اس لفظ کو منسوب الی الربان مانا جائے اور ربان کے معنی معلم الخیر کے ہیں۔ الف نون اس صورت میں مبالغہ فی الوصف کے لئے ہوگا۔ جیسے عطشان ریان یہ نسبت مبالغہ فی الوصف کے لئے ہوگی جیسے احمری تعلمون ابن کثیر ابو عمر نافعؒ تخفیف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ تعلمون بمعنی عالمون اور باقی قراء بالتشدید پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں مفعول ثانی محذوف ہوگا۔ ای کنتم تعلمون الناس الکتاب. ولا یامرکم ابو عمرؒ، ابن کثیرؒ و نافعؒ کی رفع کے ساتھ استینافیہ ہے ابتداء کلام کے لئے ہے یامرکم کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہوگی اور نصب کی صورت میں یقول پر عطف ہوگا۔ ضمیر اللہ کی طرف یا بشر کی طرف راجع

ہے۔ تعلیم کو دراست پر مقدم کرنا شرف کی طرف مشیر ہے یا اول کام رؤسائے یہود کا اور دوسرا کم درجہ لوگوں کا ہے۔

الصائبة یہود کا ایک فرقہ ہے جو دین موسوی سے پھر گئے تھے اور فرشتوں کو بنات اللہ سمجھ کر قابل پرستش مانتے تھے۔

لاینبغی جلال محقق نے استفہام انکاری ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے دوسروں کی حالت سامنے رکھ کر مسلمان پر تعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ **میثاق النبین** یہ عہد انبیاء علیہم السلام سے بنفس نفیس لیا گیا تھا۔ یا مراد ان کی اولاد بنی اسرائیل ہے۔ بحذف المضاف **لما** اکثر قراء کے نزدیک بفتح اللام ہے۔ ابتداء کے لئے جس میں تاکیدی معنی ہیں اس قسم کے لئے جو لفظ میثاق سے ماخوذ ہے **ما** موصولہ یا متضمن معنی شرط بھی ہوسکتا ہے اور **لتومنن** جواب قسم اور جواب شرط دونوں کے قائمقام ہے۔

اتینکم کے بعد مفسر علام نے **ایاہ** نکال کر اشارہ کر دیا ہے کہ عائد موصول محذوف ہے۔ **من الکتاب** اشارہ اس طرف ہے کہ اسم ظاہر قائم مقام ضمیر کے لایا گیا ہے اور عائد کو محذوف بھی مانا جا سکتا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی **ثم جاء کم رسول** جواب القسم یعنی جو قسم لفظ میثاق کے ضمن میں پائی گئی ہے۔ اصری اصر کے معنی قاموس میں عہد گناہ، بوجھ کے لکھے گئے ہیں۔ **سمی العهد اصرا لانه یوصرا ی یشد** مضموم ومفتوح دونوں طرح آتا ہے۔

اقررنا یہ سوال مقدر کا جواب ہے تقدیر عبارت اس طرح تھی۔ **ماذا قالوا حینئذٍ** حق تعالیٰ کو اگر چہ یہ معلوم تھا کہ آنحضرت ﷺ کا زمانہ ان انبیاءؑ کو نہیں مل سکتا تاہم معاہدہ کا فائدہ عزم ایمان واطاعت پر ثواب کا ترتب اور دونوں کا عدم عزم عقاب کا ترتب تھا۔

ربط: .... آیات گذشتہ میں اہل کتاب کے غلط اقوال کی تردید تھی **ما کان الخ** میں ان کے ایک لغو اعتراض کا ابطال اہل وفد نجران کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے جب ان کو دعوت اسلام پیش کی تو ابو رافع قرضی یہودی نے فوراً کہا آپ ﷺ کیا یہ جانتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کی اسی طرح بندگی کریں جس طرح عیسیٰؑ کی پرستش نصرانی کیا کرتے ہیں اس کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ آگے آیت **واذ اخذالله** میں تمام سابقین کی جانب سے اسلام کی توثیق اور آنحضرت ﷺ کی نبوت واطاعت کی تصدیق نقل کی جارہی ہے۔

شانِ نزول: .... ایک روایت تو ابھی مذکور ہو چکی ہے دوسری روایت لباب النقول میں نقل کی گئی ہے۔ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم حضور کو بھی عام طریقہ کے ساتھ سلام کرتے ہیں اگر اجازت ہو تو آپ ﷺ کو سجدۂ تعظیمی کر لیا کریں؟ آپ ﷺ نے منع فرمادیا اور کہا **لکن اکرموا بینکم واعرفوا الحق لاهله** باقی سجدہ اللہ کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں ہے اس پر آیت **ما کان لبشر الخ** نازل ہوئی۔ روح المعانی میں حضرت علیؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت آدمؑ سے لیکر نیچے تک اللہ نے ہر نبی سے آنحضرت ﷺ کے بارے میں عہد لیا ہے کہ **لئن بعث وهو حیٌّ لیؤمنن به ولینصرنه** اور پھر انبیاءؑ اپنی امتوں سے یہ عہد لیتے تھے پھر حضرت علیؓ نے آیت **واذ اخذ الله الخ** تلاوت کی۔

﴿تشریح﴾: .... **علماء ومشائخ سوء کی خدائی:** .... علماء ومشائخ اہل کتاب نے عوام الناس کو اپنا غلام سمجھ رکھا تھا۔ اور بجائے ہدایت کے ان پر خدائی کرنے لگے تھے۔ عوام یہ سمجھتے تھے کہ نیک وبد، حلال وحرام، جنت ودوزخ کا تمام اختیار ان ہی کے قبضہ میں ہے حالانکہ کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ اللہ کے احکام کی جگہ انسان کے گھڑے ہوئے قوانین کی پابندی کرے۔ اللہ نے اگر اپنے کسی بندے کو کتاب نبوت عطا فرمادی تو اس لئے کہ احکام الٰہی کی طرف لوگوں کو دعوت دے اس لئے نہیں کہ اپنی بندگی کرائے۔

ممکن ہے کہ یہ معترض عبادت واطاعت میں براہ عناد فرق نہ کرتا ہو اس لئے اعتراض کر دیا۔ جواب میں اس کی تصریح فرمادی کہ نبی سے عبادت غیر اللہ کا حکم محال ہے البتہ اطاعت کی بات دوسری ہے۔ دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اہل علم کے لئے موحد ہونے

کی علت درس وتعلیم کتاب کوفرمایا لیکن یہ علت محض مقتضی ہے شرط نہیں ہے اور عوام میں دوسرا مقتضی یعنی علم کا موجود ہونا ہے البتہ درس و تعلیم کی تخصیص اقتضائے مقام کی وجہ سے ہے کہ مخاطب اہل علم میں سے تھا۔ دوسرے یہ کہ عوام خواص ہی کے مقلد ہوتے ہیں اس لئے جو مقتضی خواص کے لئے ہوگا وہ عوام کے لئے بھی ضروری ہوگا اور انبیاءؑ وملائکہ کے ملانے سے مقام کی تاکید مزید ہوگئی کہ اس میں کسی کو کوئی تخصیص نہیں ہے نیز دوسرے مشرکین پر بھی تعریض ہوگئی کہ کسی کا عقیدہ درست اور تعلیم نبوت کے موافق نہیں ہے اور چونکہ مخاطب یہود ہیں اس لئے اسلام سے مراد حقیقی اسلام نہیں بلکہ وہ مدعی توحید تھے اس لئے لغۃً اسلام کہہ دیا۔ عام اس سے کہ معترض فی الواقع مسلمان ہو یا نرے زعم میں مبتلا ہو۔

تمام انبیاءؑ کی دعوت اور طریق کار ایک ہی تھا:............ واذ اخــذ الله الــخ میں یہ بتلانا ہے کہ تم اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت کرتے پھرتے ہو حالانکہ ان کی افضلیت کا حال یہ ہے کہ تمام انبیاءؑ اور ان کی امتوں سے ان کو سچا ماننے اور ان کی تائید و نصرت کا عہد لیا گیا تھا پھر تم کس شمار میں ہو۔ اس لحاظ سے انبیائے کرامؑ کا ملت اسلام پر ہونا ثابت ہوگیا کیونکہ اب وہ اطاعت حق منحصر ہے آنحضرت ﷺ کے اتباع میں آپ کی شریعت کے ناسخ الشرائع ہونے کی وجہ سے۔ اس لئے تم لوگوں کا انکار یقیناً احکام الٰہیہ کی اطاعت کے منافی ہے کیونکہ اب اسلام کا اطلاق صرف آنحضرت ﷺ کی شریعت پر ہوگا۔

آنحضرت ﷺ کی افضلیت:............ مسلمانوں کا اجماعی متفقہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام انبیائے کرام سے افضل ہیں۔ اور علمائے عقائد اس عقیدہ کو احادیث کثیرہ اور آیت کــنــتـم خیــر امۃ الـخ سے ثابت کرتے ہیں۔ کیونکہ کسی امت کی خیریت ثابت نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ اس کا نبی خیریت پر نہ ہو۔ پس جب آپ ﷺ کی امت اور آپ کی کتاب تمام امتوں اور کتابوں سے بہتر ہیں تو آپ ﷺ کی افضلیت کیسے ثابت نہیں ہوگی۔ تاہم اس آیت کنتم الخ سے صراحۃً افضلیت ثابت نہیں ہو رہی ہے بلکہ التزاماً افضلیت ثابت ہو رہی ہے لیکن آیت واذ اخـذالله الـخ سے صراحۃً افضلیت ثابت ہوتی ہے کیونکہ سب سے میثاق واقرار کا لینا اور آپ کا خاتم النبیین ہوکر سب کے لئے مصدق بننا اس سے ثابت ہوتا ہے اور جب انبیاءؑ سے قول وقرار ہوگا تو ان کے اتباع اور امتی بدرجۂ اولیٰ اس خطاب کے مکلف ہوئے ہوں گے۔ البتہ متکلمین کو اس آیت سے استدلال کرنے میں شاید اس لئے تامل ہوا ہو کہ اس آیت میں دوسرے معنی کا احتمال بھی ہے کہ "اخذ میثاق" انبیاء سے نہ ہوا ہو بلکہ ان کے متبعین اولاد بنی اسرائیل سے ہوا ہو۔ اور عبارت بتقدیر المضاف اس طرح ہو "واذ اخذالله اولاد النبین" جیسا کہ اگلا جملہ "فـمـن تـولّی بعد ذٰلك فاولٰئك هم الفاسقون" بھی اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ فسق انبیاءؑ سے نہیں ہوسکتا۔ اعراض اور فساق ان کی اولاد بنی اسرائیل ہی سے ہوا ہے۔ اور لفظ نبیین سے ان کو تعبیر کرنا تحکماً ہے کہ وہ خود کو نحن اولی بالنبوۃ من محمد کہا کرتے تھے نیز یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں میثاق من النبیین مراد نہ ہو میثاق النبیین من غیر هم مراد ہو علاوہ ازیں جس طرح آنحضرت ﷺ کے بارہ میں دوسرے تمام انبیاءؑ سے قول وقرار لیا گیا ہے اسی طرح آپ ﷺ کو بھی سب کا مصداق قرار دیا گیا ہے گویا آپ سے بھی میثاق لیا گیا ہے اور غرض جانبین کے قول وقرار کی اس گروہ کا باہم شیر وشکر ہونا اور ایک دوسرے کے ساتھ عداوت ودشمنی نہ رکھنا ہے چنانچہ آیت واذاخــذنـا من النبیین میثاقهم ومنك ومن نوح الخ سے یہ مدعا پوری طرح واضح ہے۔

اللہ کی طرف سے بندوں سے تین عہد:............ اسی لئے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ تین عہد لئے گئے ہیں۔ ایک عہد ربوبیت ہے جو تمام اولاد آدم کو عام ہے سورۂ اعراف کی آیت واذ اخـذ ربك الـخ میں اس کا تذکرہ ہے دوسرا عہد نبوت ہے کہ تمام

انبیاء سے اقامتِ دین اور بغیر تفریق خدمتِ دین کا لیا گیا ہے۔ تیسرا عہد علماء سے لیا گیا ہے کہ کتمان حق کی بجائے اظہار حق اور اعلاء کلمۃ اللہ کریں "وینقضون عهد الله من بعد ميثاقه" میں اسی طرف اشارہ ہے غرضکہ ان وجوہ سے احتجاج میں قطعیت نہیں رہی اس لئے شاید علماء نے آنحضرت ﷺ کی افضلیت کے لئے دوسرے دلائل کی طرف رجوع کیا ہے۔

فانک شمسی والملوک کواکب اذا طلعت لم یبد منهن کوکب

انبیاءکرام سے عہد کا لیا جانا تو صراحۃً قرآن کی اس آیت میں مذکور ہے۔ البتہ ان کی امتوں سے یا تو ان کے ساتھ اسی وقت لیا گیا ہوگا انبیاءؑ علیہم السلام کے توسط سے لیا گیا ہوگا باقی متبوع کے ذکر کے بعد تابع کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی ہوگی۔ یہ عہد یا تو عالم ارواح میں ''عہد الست'' کی طرح لیا گیا ہوگا یا پھر دنیا ہی میں بواسطہ وحی لیا گیا ہوگا۔ اور اہل کتاب کو اتمام حجت کے لئے یہ سب سنایا جارہا ہے۔ تمام انبیاء اصحاب علم تو تھے لیکن بعض اصالۃً صاحب کتاب نہیں تھے اس لئے یہاں کتاب اور حکمت دو لفظ اختیار کئے گئے ہیں تاکہ سب کو شامل ہو جائے اور کتاب کو اگر عام رکھا جائے اصالۃً یا نیابۃً تب بھی سب انبیاءؑ اور دلائل و پیغامات کا تسلسل قائم رکھا گیا ہے البتہ اس عہد سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ جس طرح بھولا ہوا سبق یاد آجاتا ہے اسی طرح انبیاءؑ کی یہ دعوت عقول سلیمہ کے نزدیک غیر مانوس نہیں معلوم ہوتی بلکہ فطری تعلیم معلوم ہوتی ہے۔

ربانی کس کو کہتے ہیں؟: .... میں ارباب الحق کے علوم و اعمال و احوال خاصہ اور ان کے طریق کے دوسروں پر فائض کرنے کی تصریح ہے چنانچہ حضرت علیؓ و ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ربانی فقیہ عالم ہے اور قتادہؒ و سدیؒ عالم حکیم کو۔ اور ابن جبیر حکیم متقی کو کہتے ہیں۔ ابن زید دینی تدبیر کرنے والے کو، اور شیخ شبلی علوم خاصہ حق تعالیٰ سے اخذ کرنیوالے کو کسی بات میں بھی غیر حق کی طرف متوجہ نہ ہوتا ہو ربانی کا مقداق مانتے ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ جو اپنے رب پر کسی کو ترجیح نہ دیتا ہو اور قاسمؒ فرماتے ہیں جو علم و عمل میں اخلاق ربانیہ سے متصف ہو اور بعض کے نزدیک جو اپنے شہود سے اس کے وجود میں محو ہو جائے اور بعض کے نزدیک جس پر حوادث موثر نہ ہوں غرضکہ یہ سب ایک ہی گھاٹ کے پینے والے حضرات ہیں۔

ولا یامرکم اس میں ان لوگوں پر رد ہے جو مشائخ کی تعظیم میں خواہ وہ زندہ ہوں یا وفات یافتہ ہوں حد سے زیادہ غلو کرتے ہیں۔

واذا اخذ اللہ سے معلوم ہوا کہ کسی مقتداء سے علم و عمل میں اگر کوئی دوسرا فائق یا مساوی ہو تو اس سے اس مقتداء کو عار اور استنکاف نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام نبی ایک ہی دین کے داعی تھے۔ اور جب اللہ کا دین ایک ہی ہے اور تمام رہنما ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں تو جو کوئی ان میں تفریق کرتا ہے ایک کو مانتا ہے اور دوسرے کو جھٹلاتا ہے وہ دراصل پورے سلسلۂ ہدایت ہی کا منکر ہے۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ بِالْيَاءِ اَی الْمُتَوَلُّوْنَ وَالتَّاءِ **وَلَهٗٓ اَسْلَمَ** اِنْقَادَ **مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا** بِلَا اِبَاءٍ **وَّكَرْهًا** بِالسَّيْفِ وَمُعَايَنَةِ مَا يُلْجِئُ اِلَيْهِ **وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ** ﴿۸۳﴾ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ وَالْهَمْزَةُ لِلْاِنْكَارِ **قُلْ** لَهُمْ يَا مُحَمَّدُ **اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ** اَوْلَادِهٖ **وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ** بِالتَّصْدِيْقِ وَالتَّكْذِيْبِ **وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ** ﴿۸۴﴾ مُخْلِصُوْنَ فِی الْعِبَادَةِ وَنَزَلَ فِيْمَنِ ارْتَدَّ وَلَحِقَ بِالْكُفَّارِ **وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ** ﴿۸۵﴾ لِمَصِيْرِهٖ اِلَى النَّارِ

الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِ كَيْفَ اَیْ لَا يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَیْ وَشَهَادَتِهِمْ اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ قَدْ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ اَلْحُجَجُ الظَّاهِرَاتُ عَلٰى صِدْقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اَلْكَافِرِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ اَیِ اللَّعْنَةِ اَوِ النَّارِ الْمَدْلُوْلِ بِهَا عَلَيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ يُمْهَلُوْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ عَمَلَهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لَهُمْ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ بِهِمْ وَنَزَلَ فِى الْيَهُوْدِ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعِيْسٰى بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ بِمُوْسٰى ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا بِمُحَمَّدٍ لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ اِذَا غَرْغَرُوْا اَوْ مَاتُوْا كُفَّارًا وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الضَّاۗلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ مِقْدَارُ مَا يَمْلَؤُهَا ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُدْخِلَ الْفَاءُ فِى خَبَرِ اِنَّ لِشِبْهِ الَّذِيْنَ بِالشَّرْطِ وَاِيْذَانًا بِتَسَبُّبِ عَدَمِ الْقُبُوْلِ عَنِ الْمَوْتِ عَلَى الْكُفْرِ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ مُؤْلِمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ مَانِعِيْنَ مِنْهُ

ع ۹ ۱۱ ۱۷

ترجمہ: .... پھر کیا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کا دین چھوڑ کر کوئی دوسری راہ ڈھونڈ نکالیں (یبغون یا کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی متولون بمعنی اعراض کرنے والے۔ اور تا کے ساتھ بھی ہے) حالانکہ سب اس کے حکم کے فرمانبردار ہیں (مطیع) ہیں آسمان وزمین میں جو کچھ بھی موجود ہے خوشی سے (بلا انکار) ہو یا ناخوشی سے (تلوار یا دوسری مجبور کن چیزوں کو دیکھ کر) بالآخر سب اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں (تا اور یا کے ساتھ ہے اور ہمزہ انکار کے لئے ہے) تم کہہ دو (ان سے اے محمدؐ) ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، اولاد یعقوبؑ، پر نازل ہوا اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ نیز جو کچھ موسیٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو خدا کے تمام نبیوں کو اللہ کی طرف سے ملا ہے اس سب پر ایمان لائے ہیں ہم ان رسولوں میں سے کسی ایک کو بھی دوسرے سے جدا نہیں کرتے (کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں) ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں (اخلاص کے ساتھ عبادت گذار ہیں) جو لوگ مرتد ہو گئے اور کفار سے مل گئے ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی کہ) اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کا خواہشمند ہوگا تو وہ کبھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور آخرت کے دن اس کی جگہ ان لوگوں میں ہوگی جو تباہ و نامراد ہوں گے (کیونکہ اس کا ٹھکانہ بدی جہنم کی طرف ہوگا) یہ کس طرح ہوسکتا ہے (یعنی نہیں ہوسکتا) کہ اللہ ایسے گروہ پر کامیابی کی راہ کھول دے جس نے ایمان کے بعد کفر کی راہ اختیار کر لی۔ حالانکہ اس نے گواہی دی تھی (یعنی ان کی گواہی یہ تھی) کہ اللہ کا رسول برحق ہے درانحالیکہ روشن دلیلیں (نبی کریم ﷺ کی صداقت پر واضح حجتیں) اس کے سامنے آ چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والے گروہ (کافروں) پر سعادت کی راہ نہیں کھولا کرتا۔ ان لوگوں کو جو بدلہ ملنے والا ہے تو تو یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی، انسانوں کی، سب ہی کی لعنت برس رہی ہے۔ ہمیشہ گرفتار رہیں گے اس (لعنت یا آگ میں جو لعنت کا مدلول ہوگی) نہ تو کبھی ان کا عذاب کم ہوگا نہ کبھی مہلت (ڈھیل) پائیں گے ہاں جن لوگوں نے اس حالت کے بعد بھی توبہ کر لی اور اپنے کو سنوار لیا (عمل ٹھیک کر لیئے) تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ان کو) بخشنے والے (ان پر) رحم فرمانیوالے ہیں (یہود کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی) جن لوگوں نے کفر کیا (حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ، حضرت موسیٰؑ پر) ایمان لانے کے بعد اور اپنے کفر میں بڑھتے ہی رہے (آنحضرت ﷺ کے ساتھ

کفر کر کے) تو ایسے لوگوں کی پشیمانی ہرگز قبول نہیں کی جائے گی (جبکہ ان کی حالت غرغرہ کی ہو یا کفر پر مر جائیں) اور یہی لوگ ہیں جو راہ سے بھٹک گئے ہیں۔ جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کی اور مرتے دم تک کفر پر جمے رہے تو یاد رکھو کفر اور بدعملی کے بدلے کوئی معاوضہ اگر چہ پورا کرۂ ارضی (یعنی زمین بھر مقدار) بھی سونے سے بھر کر کوئی دیدی تب بھی قبول نہیں کیا جائیگا (انَّ کی خبر پر فا داخل کیا گیا کیونکہ الـذيـن مشابہ بالشرط ہے اور تنبیہ کرنا ہے کہ عدم قبولیت کا سبب موت علی الکفر ہے) یہی لوگ ہیں کہ ان کے لئے دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہے اور کوئی ان کا مددگار نہ ہوگا کہ عذاب سے ان کو بچالے)

تحقیق وترکیب: .... يـبـغـون بغية بمعنی طالب۔ طوعًا و كرهًا منصوب علی الحال ہے ای طـائـعيـن ومكرهين. معاينة ما يلجی اليه یعنی زبردستی کی اور مجبور کن باتیں مثلاً فرعون کو غرق کرنا، یا کوہِ طور کو سر پر مسلط کردینا وغیرہ افغير میں ہمزہ انکاری ہے اس کا مدخول لفظ يبغون ہے۔ تقدیر اس طرح ہے ايـبـغـون غير دين الله کیونکہ .... دراصل افعال وحوادث سے ہوا کرتا ہے۔ غير دين الله مفعول کو فعل يبغون پر اہتماماً مقدم کر دیا گیا ہے اور ہمزہ کو اسی پر داخل کر دیا گیا ہے دينا اس میں تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔ (۱) دين کو فعل يبتغ کا مفعول اور "غير الاسلام" کو حال مانا جائے جو اگر چہ اصل میں صفت تھی لیکن مقدم ہونے کی وجہ سے منصوب علی الحال کرلیا۔ (۲) دين کو لفظ غیر مبہم ہونے کی وجہ سے تمیز مانا جائے۔ (۳) دين کو لفظ غیر سے بدل مانا جائے۔

كيف يهدی یہ تعبیر بطریق بعید ہے جیسے کہا جائے كيف اهـديـک الـی الـطـريق وقد تركته یعنی ان کے لئے کوئی طریق ہدایت نہیں بجز اس کے جوان کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔ کیونکہ جـحـود عـن الـحـق کے بعد گمراہی میں انہماک اور ہدایت سے دوری ہو جاتی ہے نیز تعجب تعظیم وتوبیخ کے لئے بھی مانا جاسکتا ہے۔ جلال محقق نے لامقدر کر کے استفہام انکاری ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

وشهـدوا اس کے بعد وشهـادتهـم مقدر کر کے اشارہ اس طرف ہے کہ یہ فعل معنی میں اسم کے ہے تا کہ اس کا عطف ایمان پر ہو سکے اگر چہ اس کو علی حالہ رکھ کر معنی فعل جو ايمانهم سے مفہوم ہیں ان پر بھی عطف کیا جاسکتا ہے نظیر اس کی "فاصدق واكن" ہے یا قد مضمر کر کے حال بھی بنایا جاسکتا ہے۔

وجاء هم البينات کے درمیان لفظ قد مقدر کر کے اس کی حالت کی طرف اشارہ کر دیا۔ اولئك لفظ والله لايهدی الخ جملہ معترضہ ہے۔ اولئك مبتدا، جزائهم، مبتدائے ثانی ہے۔ ان عـلـيـهـم مبتدائے ثانی کی خبر اور یہ دونوں مل کر خبر ہے مبتداء اول کی اجمعين یہ تاکید ہے تمام معطوفات کی صرف الناس کی تاکید نہیں ہے۔

الـمـدلـول بها عليها۔ بہا کی ضمیر کا مرجع لعنة اور عليها کا مرجع النار ہے الا الذين جیسے حارث بن سوید کہ اولاً مرتد ہو گئے تھے اور مکہ میں کفار سے جا ملے تھے۔ لیکن بعد میں اللہ نے ہدایت دی تو اپنے بھائی کو مدینہ طیبہ آپ کی خدمت میں بھیج کر دریافت کرایا کہ کیا آپ مجھ کو دوبارہ غلامی میں قبول کر سکتے ہیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی چنانچہ پھر صادق الاسلام ہو گئے۔

اذا غرغروا یہ کافر کے حق میں ہے لیکن عاصی کی توبہ اس حالت غرغرہ میں قبول ہو جاتی ہے۔ لشبه الذين یہ بطور حکایت بالمعنی کے مفسر نے کہد یا ورنہ مذکور الا الذين ہے مگر مقصد ایک ہی ہے ايـذا نا یعنی کفر فی نفسہ عدم قبول توبہ کا سبب نہیں ہے بلکہ کفر اور موت علی الکفر دونوں کا مجموعہ سبب ہے۔

ربط: .... آیات گذشتہ میں اسلام کے متعلق ایفائے عہد وعدہ کا وجوب اور اس کے توڑنے کی حرمت بیان کی گئی تھی۔ ان آیات میں اس نقض پر زجر وتوبیخ ہے آیت قـل امـنـا میں حقانیتِ اسلام کا خلاصہ اور ماحصل بیان کرنے کا حکم ہے اور آیت ومـن يـبـتـغ میں اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کا نامعقول ہونا ظاہر کر دیا ہے اور آیت كيف يهـدی الله میں اسلام سے پھرنے والوں کا بیان ہے

خواہ وہ بعد تک مرتد رہے ہوں یا پھر دوبارہ انہیں توفیق ہدایت مل گئی ہو، آگے دونوں کا بیان ہے۔

شانِ نزول: .... ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک انصاری مسلمان ہو کر مرتد ہو گئے لیکن پھر ندامت ہوئی تو آپ ﷺ سے دریافت کرایا کہ آیا میری یہ توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس پر آیت **کیف یھدی اللہ** نازل ہوئی۔ چنانچہ وہ پھر مسلمان ہو گئے۔ اور تفسیر کی روایت ابن عباسؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً دس آدمی اسی طرح کے تھے جن کے باب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: ...... **سچائی کی راہ:** .... آسمان وزمین میں جس قدر مخلوق ہے سب قوانین الٰہی کی اطاعت کر رہی ہے پھر کیا تمہیں اس راہ پر چلنے سے انکار ہے جس پر تمام کارخانۂ ہستی چل رہا ہے۔ نوعِ انسان کے لئے اسلام کی ہدایت ایک عالمگیر راہ ہے مگر لوگوں نے اسے چھوڑ کر اپنی الگ الگ ٹکڑیاں کر لی ہیں ہر گروہ دوسرے گروہ کو جھٹلا رہا ہے لیکن قرآن کہتا ہے کہ سچائی کی راہ یہ ہے کہ تمام رہنمایانِ عالم اور پیشوایانِ مذہب کا یکساں طور پر احترام وتصدیق کرو، سب کی متفقہ مشترکہ تعلیم کو دستور العمل بناؤ۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل: .... اللہ تعالیٰ کے احکام تکوینیہ جو ہمارے اختیار سے باہر ہیں جیسے مارنا، بیمار کرنا وغیرہ ان میں تو ظاہر ہے کہ سارا عالم مسخر ہے، اور **کرھاً** کے یہی معنی ہیں لیکن بہت سی مخلوق احکام تشریعیہ کی بھی پابند ہے جو ہمارے اختیار میں ہے۔ جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ اور **طوعاً** سے یہی مراد ہے غرضکہ تکوینیات کے تو سب پابند ہیں۔ البتہ شرعیات کے بھی پابند ہیں جس سے حاکم کی عظمت واضح ہے بعض انسان جو شرعیات میں خلاف کرتے ہیں تو کیا ان کے نزدیک اللہ سے زیادہ عظمت دوسری اور کوئی ذات ہے جس کی یہ اطاعت کریں گے؟

ایسے لوگوں کی اصلاح وہدایت کی دوبارہ کیا امید ہو سکتی ہے جنہوں نے دین حق کی ہدایت پا کر دیدہ ودانستہ راہِ حق سے منہ موڑ لیا اور سچائی کی کوئی دلیل بھی ان کے لئے عبرت وبصیرت کا سامان نہ بن سکی ہو اور جو آج بھی محض ضد اور عناد سے دعوتِ حق کا معاندانہ مقابلہ کر رہے ہیں ایسے لوگوں کے لئے تو دنیا میں ذلت ورسوائی اور آخرت میں دائمی عذاب کے سوا اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ مرتد ہونے والوں کو خود کو ہدایت یافتہ سمجھنا اور کہنا ایسا ہی ہے جیسے مریض یرقان میں سفید چیزوں کو زرد کہنے لگے یا مارگزیدہ نیم کے پتوں کو میٹھا بتلانے لگے۔ اس سے کہیں نفس الامر یا حقیقتِ واقعہ بدل سکتی ہے؟

قانونِ مکافات: .... قانون مکافات کا لازمی نتیجہ جزا ہے یعنی اچھائی برائی دونوں حالتوں کا ایک ثمرہ اور بدلہ ہے جو لازمی مل کر رہتا ہے لیکن آخرت کا حال دنیا کی طرح نہیں کہ یہاں مجرم مختلف ترکیبوں سے بچ سکتا ہے۔ مگر خدا کے یہاں ایک چھوٹے سے چھوٹے گناہ کا بدلہ پورا کرۂ ارضی سونے سے بھر کر دیدیا جائے جب بھی مجرم اس کی پاداش سے خود کو نہیں بچا سکے گا۔ ہاں سچی توبہ کا صاف وشفاف پانی ایسا ہے جو تمام گناہوں کے داغ دھبوں کو مٹا کر صاف کر دیتا ہے۔ اور حقیقی توبہ بجز اسلام قبول کئے ممکن نہیں اس لئے بغیر اسلام قبول کئے مرتد یا کافر کا توبہ کرنا کوئی وزن نہیں رکھتا۔ ازدیادِ کفر سے مراد دوام کفر یعنی موت علی الکفر ہے۔ چنانچہ آیت **ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار** میں اس کی تصریح بھی کر دی گئی ہے۔

غرض اس آیت سے یہ تین نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ **ولو افتدی** کا عنوان مبالغہ کا فائدہ دے رہا ہے حاصل یہ ہے کہ اس مالی فدیہ کا اقرب طریق یعنی خود سے مال دینا بھی کارآمد نہیں ہوگا چہ جائیکہ طریق بعید بلکہ ابعد کہ مجرم خود دینا نہ چاہے۔ بدون، اس کی رضامندی زبردستی اس سے وصول کر لیا جائے جس میں کوئی دلیلِ معذرت بھی نہیں ہے وہ کیا نافع اور مفید ہو سکتا ہے؟ اور **ملٔ الارض** فرمانا ایسا ہی

ہے جیسے دوسری جگہ ولو ان للذین ظلموا مافی الارض الخ یعنی مبالغہ کے لئے ایسا فرض کرلیا جائے اس کا واقع ہونا ضروری نہیں ہے۔ کہ اعتراض کا موقع نکالا جائے۔

لطائف:............ ومن یبتغ غیر الاسلام سے بعض لوگوں نے اسلام وایمان کے اتحاد پر استدلال کیا ہے کیونکہ اگر دونوں کو غیر مانا جائے تو ایمان کا نامقبول ہونا لازم آتا ہے جو باطل ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں آیت میں غیر سے مراد معارض اسلام ہے۔ مطلقاً مفہوم یا مصداق کے لحاظ سے غیر مراد نہیں ورنہ نماز روزہ بھی ظاہر ہے کہ اس لحاظ سے فی الجملہ اسلام کا غیر ہیں چاہئے کہ یہ اعمال بھی نامقبول ہوجائیں، اس لئے اسلام وایمان میں اتحاد ثابت نہیں ہوا۔

ولہ اسلم الخ کے معنی میں کئی قول روح المعانی میں نقل کئے گئے ہیں مثلاً طوعاً اسلام سے مراد علم علمی اسلام ہے خواہ استدلال والا اسلام ہو جو انسانوں کو حاصل ہے اور یا علم غیر استدلال والا اسلام ہو جیسے ملائکہ کا ایمان ہے اور ''اسلام کرہاً'' سے مراد وہ اسلام ہے جو تلوار یا دوسری مجبور کن چیزوں کے مشاہدہ اور معائنہ سے حاصل ہو۔ علیٰ ہذا بعض صوفیا سے منقول ہے کہ اسلام طوعاً وہ ہے کہ خدائی احکام کی تعمیل بلا مزاحمت نفسائی ہوجائے اور ''اسلام کرہاً'' وہ اسلام ہے کہ جس میں نفسانی معارضہ اور وساوس شیطانی کی آمیزش کے ہوتے ہوئے بھی امتثال امر ہوتا رہے اول قسم کا ایمان بعض اہل اللہ اور ملائکۃ اللہ کو حاصل ہوتا ہے اور دوسری قسم وساوس میں گرفتار اشخاص کو حاصل ہے۔

ان الذین کفروا الخ سے معلوم ہوا کہ جو شخص اہل اللہ کے طریق کی طرف متوجہ ہوکر پھر اس کو معطل کردے یا انکار کی راہ سے اس سے منہ موڑ لے تو اکثر پھر اس کو طریق ہدایت کی طرف عود کی توفیق نہیں رہتی بلکہ مخذول ہوجاتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات پھر اہل طریق سے عداوت ونفرت کی طرف منجر ہوکر دین کے ایک بڑے حصہ سے محروم ہوجاتا ہے۔

الحمدللہ تیسرے پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی

پارہ نمبر (۴)

لَنْ تَنَالُوا

لَنْ تنالُوا

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ اَیْ ثَوَابَهٗ وَهُوَ الْجَنَّةُ حَتّٰی تُنْفِقُوْا تَصَدَّقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ مِنْ اَمْوَالِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾ فَیُجَازِیْ عَلَیْهِ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ الْیَهُوْدُ اِنَّكَ تَزْعَمُ اَنَّكَ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ وَكَانَ لَایَاْكُلُ لُحُوْمَ الْاِبِلِ وَاَلْبَانِهَا كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا حَلَالًا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَاحَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ یَعْقُوْبُ عَلٰی نَفْسِهٖ وَهُوَالْاِبِلُ لَمَّا حَصَلَ لَهٗ عِرْقُ النَّسَا بِالْفَتْحِ وَالْقَصْرِ فَنَذَرَاِنْ شَفٰی لَا یَاْكُلُهَا فَحُرِمَ عَلَیْهِ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ وَذٰلِكَ بَعْدَ اِبْرَاهِیْمَ وَلَمْ تَكُنْ عَلٰی عَهْدِهٖ حَرَامًا كَمَازَعَمُوْا قُلْ لَهُمْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ لِیَتَبَیَّنَ صِدْقُ قَوْلِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فِیْهِ فَبُهِتُوْا وَلَمْ یَاْتُوْا بِهَا قَالَ تَعَالٰی فَمَنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ اَیْ ظُهُوْرِ الْحُجَّةِ بِاَنَّ التَّحْرِیْمَ اِنَّمَا كَانَ مِنْ جِهَةِ یَعْقُوْبَ لَا عَلٰی عَهْدِ اِبْرَاهِیْمَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ الْمُتَجَاوِزُوْنَ الْحَقَّ اِلَی الْبَاطِلِ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فِیْ هٰذَا كَجَمِیْعِ مَااُخْبِرَ بِهٖ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ الَّتِیْ اَنَا عَلَیْهَا حَنِیْفًا ؕ مَائِلًا عَنْ كُلِّ دِیْنٍ اِلٰی دِیْنِ الْاِسْلَامِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾

ترجمہ: ......تم نیکی کا درجہ کبھی حاصل نہیں کر سکتے (نیکی کا اجر جس سے مراد جنت ہے) جب تک تم میں یہ بات پیدا نہ ہو جائے کہ تم خرچ کرو (خیرات کرو) جو کچھ محبوب رکھتے ہو (اپنے مال و دولت میں سے) اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے (لہٰذا وہ اس پر تم کو بدلہ دیں گے۔ یہود نے جب آپؐ پر یہ اعتراض کیا کہ آپؐ دعویٰ کرتے ہیں ملت ابراہیمی کا۔ حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ اونٹ کا گوشت استعمال فرماتے تھے اور نہ اس کا دودھ۔ تب یہ آیت نازل ہوئی) کھانے کی تمام چیزیں بنی اسرائیل کے لئے بھی حلال تھیں۔ ہاں وہ چیزیں جو اسرائیل (حضرت یعقوب علیہ السلام) نے اپنے اوپر حرام ٹھہرالی تھیں (مراد اونٹ ہے۔ جب عرق النساء (بفتح النون وقصر الالف) کا مرض ان کو ہوا تو انہوں نے نذر مان لی کہ خدایا اگر میں صحت یاب ہو جاؤں تو ان کو استعمال نہیں کروں گا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام پر وہ حرام ہو گئیں) تورات نازل ہونے سے پہلے (اور یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہوا۔ ان کے عہد میں یہود کے گمان کے مطابق کوئی چیز حرام نہیں تھی۔ کہہ دیجئے آپؐ (ان سے) تورات لے آؤ اور اس کو پڑھو (تاکہ اس سے تمہارے قول کی صداقت واضح ہو جائے) اگر تم لوگ سچے ہو (اس بیان میں یہ سن کر یہود مبہوت ہو گئے اور تورات نہ لا سکے۔ حق تعالیٰ

ارشاد فرماتے ہیں) پھر جو کوئی اس کے بعد بھی غلط بیانی سے اللہ پر بہتان باندھے (یعنی ظہور حجت کے بعد بھی کہ تحریم حضرت یعقوب علیہ السلام کی جانب سے ہوئی ہے نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے) تو ایسے ہی لوگ واقعی مجرم ہیں (جو حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف پھلانگتے ہیں) کہہ دیجئے آپ (ﷺ) اللہ نے سچائی ظاہر کر دی ہے (تمام باتوں کی طرح اس معاملہ میں بھی، پس ابراہیمؑ کے طریقہ کی پیروی کرو (جس طریقہ پر میں ہوں) جو ہر طرف سے ہٹ کر صرف اللہ ہی کا ہو رہتا ہے (تمام دینوں سے کٹ کر دین اسلام کی جانب مائل ہوتا ہے) اور یقیناً ابراہیمؑ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔

تحقیق وترکیب: .... **تنالوا** نالہ نیلاً۔ نیل بمعنی پانا۔ **البر** ۔ **الخیر** کافر کا صدقہ مقبول نہیں۔ کیونکہ قبولیت کے لئے اسلام شرط ہے۔ **مما تحبون** اس جملہ میں من تبعیضیہ ہے۔ اس کا مفعول شیئاً محذوف ہے اور بعض من بیانیہ کہتے ہیں چنانچہ حسنؒ سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص ایک ثمرہ بھی بوجہ اللہ خرچ کرے گا وہ بھی اس آیت کا مصداق ہوگا۔ نیز بعض قرأت میں لفظ "**بعض ماتحبون**" ہے معلوم ہوا کہ کل مال خیرات کرنا مناسب نہیں ہے اور واسطیؒ کا کہنا ہے کہ جو شخص "**وصول الی البر**" چاہے اس کو بعض پسندیدہ چیزوں کو قربان کرنا پڑے گا۔ لیکن اللہ کا وصول اگر مطلوب ہو تو "کونین" کو قربان کرنا پڑے گا۔ ابوبکر وراقؒ کہتے ہیں کہ وصول رب کے لئے براخوان ضروری ہے۔ عمر بن عبدالعزیز گنے کی گنڈیریاں خرید کر خیرات کیا کرتے تھے۔ لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ پیسے کیوں خیرات نہیں کرتے؟ کہنے لگے جو چیز مجھے محبوب ہے اسی کو دینا چاہئے۔ غرضہ محبوب کی قربانی کے بغیر مطلوب حاصل نہیں ہوسکتا۔ **کل الطعام** اس سے مراد حقیقی عموم نہیں ہے بلکہ جن چیزوں کی حرمت کا انتساب یہود حضرت ابراہیمؑ کی طرف کر رہے تھے وہ اشیاء مراد ہیں اس لئے یہ شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ میتہ اور خنزیر کی اباحت تو ثابت نہیں ہوئی۔

اسرائیل عبرانی زبان کے اس لفظ کے معنی عبداللہ کے ہیں۔ یہ آپ کا نام اور یعقوبؑ کا لقب تھا۔ عقب سے ماخوذ ہے دوسرے بھائیوں کے بعد ان کی ولادت ہوئی۔ چھوٹا بھائی ہونے کی وجہ سے یعقوب کہا گیا۔ جیکب انگریزی میں یعقوب کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ جوزف یوسف کو کہتے ہیں۔ عرق النساء پاؤں کی ایک خاص رگ کے درد کو کہتے ہیں۔ نسا۔ بروزن عصا۔ ران یا سرین کی رگ جو گھٹنے یا ٹخنے تک جاتی ہے **نسوان** تثنیہ ہے اور نسی رضی کے وزن پر ہے۔ بعض نے عرق کی اضافت نساء کی طرف اضافت عام الی الخاص کے قبیل سے جائز مانی ہے دونوں میں لفظی اختلاف اگر چہ ہے اور بعض نے اس اضافت کا انکار کیا ہے۔

فحرم علیہ اللہ نے ان پر اس نذر کی وجہ سے حرام کر دیا یا خود انہوں نے ہی اپنے اوپر تحریم طاری کر لی۔ امام ترمذیؒ نے روایت نقل کی ہے کہ یہود نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ حضرت ابراہیمؑ نے کن چیزوں کو اپنے اوپر حرام کیا اور کیوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ **اشتکی عرق النسا فلم یجد شیئاً یلائمہ الالحوم الابل والبانہا فلذا احرمہا** یہود نے سن کر آپ ﷺ کے بیان کی تصدیق کی۔

ربط: .... آیت گذشتہ میں کافروں کیلئے فدیہ کا نافع نہ ہونا بتلایا تھا۔ اب مسلمانوں کیلئے انفاق کا نافع ہونا **لن تنالوا** میں بتلاتے ہیں اور آیت **کل الطعام** میں یہود کے ایک محاجہ کا ذکر ہے جو درباره حضرت ابراہیمؑ واقع ہوا تھا۔

﴿تشریح﴾: ......ثواب ہر صدقے کا ہے لیکن عمدہ چیز کا ثواب زیادہ ہے: ...... حاصل یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک انفاقِ مالی بلا ایمان کے معتبر نہیں۔ ہاں ایمان کے ساتھ کارآمد ہے تھوڑے بہت ردی اعلیٰ ہر چیز کا ثواب ملتا ہے مگر کمال ثواب محبوب اور پسندیدہ اور پیاری چیز کو اللہ کی راہ میں دینے سے ہوتا ہے۔

یہود کی طرف سے دو اعتراض خصوصیت کے ساتھ کئے گئے تھے (۱) قرآن کی دعوت بھی اگر وہی ہے جو پچھلے نبیوں کی تھی تو قرآن نے بھی پھر ان تمام چیزوں کو حرام کیوں نہیں قرار دیا یا جو یہودیوں کے یہاں حرام سمجھی جاتی تھیں۔

(۲) قرآن کریم کا طریقہ اگر حضرت ابراہیمؑ اور انبیاءؑ کے راستہ سے مختلف نہیں ہے تو ''بیت المقدس'' کی جگہ جو متفقہ طور پر ''قبلۂ انبیاء'' رہا ہے ''خانہ کعبہ'' کو کیوں قبلہ قرار دیا گیا؟

پہلے اعتراض کا جواب: .... یہاں ان دونوں باتوں کو صاف کیا جا رہا ہے۔ پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ تورات کے نازل ہونے سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے ان چیزوں کو حلال سمجھا بجز اونٹ کے گوشت اور دودھ کے کہ وہ بھی حضرت یعقوب (اسرائیل) نے نذراً اپنے اوپر ممنوع کر لیا تھا۔ خدا نے حرام نہیں قرار دیا تھا البتہ تورات کے نازل ہونے کے بعد بعض چیزوں پر پابندی عائد کر دی گئی تھی نہ اس لئے کہ اصلاً وہ چیزیں حرام تھیں۔ بلکہ یہود کی بے لگام طبیعتوں کی روک تھام کے لئے اس قسم کی اصلاح ضروری سمجھی گئی۔ باقی نزول تورات سے پہلے جن چیزوں کو تم ممنوع سمجھتے ہو وہ خدا کی جانب سے ممنوع نہیں تھیں چنانچہ ''اسفار توراۃ'' اس کی شہادت دے رہے ہیں۔ غرضکہ حضرت ابراہیمؑ کی طرف اس تحریم کا انتساب بالکل غلط ہے ہاں توراۃ کے بعد بمصالح بعض چیزیں حرام کی گئی ہیں جن کی قدرے تفصیل سورۂ انعام کی آیت **وعلی الذین ھادوا حرمنا الخ** میں آئے گی۔

حضرت یعقوب کی نذر: .... حضرت یعقوبؑ نے مرض عرق النساء کے سلسلہ میں جو ''احب طعام'' کی تحریم کی نذر مانی تھی۔ شفاء ہونے کے بعد اپنی مرغوب غذا اونٹ کے گوشت اور دودھ کو انہوں نے ترک فرما دیا اور یہ تحریم نذری وحی کے ذریعے سے ان کی اولاد بنی اسرائیل میں بھی رہی اور ان کی شریعت میں نذر سے تحریم ہو جاتی ہوگی۔ جس طرح ہماری شریعت میں نذر سے ایک مباح چیز واجب ہو جاتی ہے۔ تحریم کی نذر ہمارے یہاں جائز نہیں ہے بلکہ کسی نے اگر ایسی نذر کر لی تو ایسی قسم کو توڑ کر کفارہ دینا واجب ہو جاتا ہے۔ **یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ** میں اس کا بیان آ جائے گا۔ (انشاء اللہ)

لن تنالوا البر الخ میں ایک مقدمہ تو یہ ہوا کہ محبوب چیز کے بغیر مطلوب بر حاصل نہیں ہوتا۔ دوسرا مقدمہ بدیہی یہ ہے کہ جان طبعاً انسان کو سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اپنی ہستی کو نذر کیئے بغیر محبوب حقیقی کا قرب و وصل میسر نہیں۔

کل الطعام سے معلوم ہوا کہ اہل محبت کو لذائذ نفس، مرغوب کھانے آخرت کی نعمتوں کے حصول کیلئے ترک کر دینے چاہئیں۔

وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوْا قِبْلَتُنَا قَبْلَ قِبْلَتِكُمْ **اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ** مُتَعَبَّدًا **لِلنَّاسِ** فِي الْاَرْضِ **لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ** بِالْبَاءِ لُغَةٌ فِيْ مَكَّةَ سُمِّيَتْ بِذٰلِكَ لِاَنَّهَا تَبُكُّ اَعْنَاقَ الْجَبَابِرَةِ اَيْ تَدُقُّهَا بَنَاهُ الْمَلٰئِكَةُ قَبْلَ خَلْقِ اٰدَمَ وَوُضِعَ بَعْدَهُ الْاَقْصٰى وَبَيْنَهُمَا اَرْبَعُوْنَ سَنَةً كَمَا فِيْ حَدِيْثِ الصَّحِيْحَيْنِ وَفِيْ حَدِيْثٍ اَنَّهٗ اَوَّلُ مَاظَهَرَ عَلٰى وَجْهِ الْمَاءِ عِنْدَ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ زُبْدَةٌ بَيْضَاءُ فَدُحِيَتِ الْاَرْضُ مِنْ تَحْتِهٖ **مُبٰرَكًا** حَالٌ مِنَ الَّذِيْ اَيْ ذَا بَرَكَةٍ **وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾** لِاَنَّهٗ قِبْلَتُهُمْ **فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ** مِنْهَا **مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ** اَيِ الْحَجَرُ الَّذِيْ قَامَ عَلَيْهِ عِنْدَ بِنَاءِ الْبَيْتِ فَاَثَّرَ قَدَمَاهُ فِيْهِ وَبَقِيَ اِلَى الْاٰنَ مَعَ تَطَاوُلِ الزَّمَانِ وَتَدَاوُلِ الْاَيْدِيْ عَلَيْهِ وَمِنْهَا تَضْعِيْفُ الْحَسَنَاتِ فِيْهِ وَاَنَّ الطَّيْرَ لَايَعْلُوْهُ **وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ** لَايَتَعَرَّضُ لَهٗ بِقَتْلٍ اَوْ ظُلْمٍ اَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ **وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ** وَاجِبٌ بِكَسْرِ الْحَاءِ وَفَتْحِهَا لُغَتَانِ فِيْ مَصْدَرِ حَجَّ بِمَعْنٰى قَصَدَ وَيُبْدَلُ مِنَ النَّاسِ **مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ** طَرِيْقًا فَسَّرَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَغَيْرُهٗ **وَمَنْ كَفَرَ** بِاللّٰهِ اَوْبِمَا

فَرَضَهٗ مِنَ الْحَجِّ **فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ** ﴿۹۷﴾ اَلْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلٰئِکَةِ وَعَنْ عِبَادَتِهِمْ **قُلْ یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ** اَلْقُرْاٰنِ **وَاللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰی مَا تَعْمَلُوْنَ** ﴿۹۸﴾ فَیُجَازِیْکُمْ عَلَیْهِ **قُلْ یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ** تُصْرِفُوْنَ **عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ** اَیْ دِیْنِهٖ **مَنْ اٰمَنَ** بِتَکْذِیْبِکُمُ النَّبِیَّ وَکَتْمِ نَعْتِهٖ **تَبْغُوْنَهَا** اَیْ تَطْلُبُوْنَ السَّبِیْلَ **عِوَجًا** مَصْدَرٌ بِمَعْنٰی مُعْوَجَّةً اَیْ مَائِلَةً عَنِ الْحَقِّ **وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ** عَالِمُوْنَ بِاَنَّ الدِّیْنَ الْمَرْضِیَّ هُوَ الْقَیِّمُ دِیْنُ الْاِسْلَامِ کَمَا فِیْ کِتَابِکُمْ **وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ** ﴿۹۹﴾ مِنَ الْکُفْرِ وَالتَّکْذِیْبِ وَاِنَّمَا یُؤَخِّرُکُمْ اِلٰی وَقْتِکُمْ فَیُجَازِیْکُمْ

ترجمہ:............ (اور جب یہود نے یہ کہنا شروع کیا کہ ہمارا قبلہ تمہارے کعبہ سے پہلے ہے تو یہ آیات نازل ہوئیں) بلاشبہ پہلا گھر جو بنایا گیا ہے (خدا پرستی کا مرکز) انسان کیلئے (روئے زمین پر ہے) وہ یہی ہے، جو مکہ میں ہے (مکہ با کے ساتھ لغت ہے لفظ مکہ میں اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ شہر جابر لوگوں کی گردنیں توڑ دیتا ہے تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے فرشتوں نے اس کو بنایا تھا اس کے بعد پھر مسجد اقصیٰ بنائی گئی۔ ان دونوں کی بناؤں کے درمیان چالیس (۴۰) سال مدت کا فاصلہ ہے جیسا کہ حدیث صحیحین میں موجود ہے اور حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ سب سے پہلے زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت پانی پر ایک سفید جھاگ نمایاں ہوا۔ اس کے نیچے زمین بچھتی چلی گئی) بابرکت ہے (لفظ الذی سے یہ حال ہے یعنی ذی برکة) اور تمام انسانوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ (کیونکہ یہ لوگوں کا قبلہ ہے) اس میں روشن نشانیاں ہیں (از انجملہ) مقام ابراہیمؑ ہے (یعنی وہ پتھر جس پر بنا کعبہ کے وقت حضرت ابراہیمؑ کھڑے ہوئے اور ان کے نشانات قدم اس پر ثبت ہو گئے تھے جو طول زماں اور ہاتھوں کے بکثرت لمس کے باوجود آج تک باقی چلے آرہے ہیں اور منجملہ نشانیوں کے نیکیوں کا وہاں کئی گونہ ہو جانا اور پرندوں کا اس پر سے اڑ کر نہ گزر سکنا) اور جو کوئی اس کے حدود میں داخل ہوا وہ امن وحفاظت میں آ گیا (اس کے ساتھ کوئی قتل یا ظلم وغیرہ کے تعرض نہیں کر سکتا) اور اللہ کی طرف سے لوگوں کے لئے اللہ کے گھر کا حج (واجب ہے۔ لفظ حج مکسور الحاء و مفتوح الحاء دونوں لغت ہیں مصدر حج بمعنی قصد میں اور الناس سے بدل واقع ہو رہا ہے۔ **من استطاع الخ**) بشرطیکہ اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں (سہولت راہ کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح توشہ اور سواری کے ساتھ فرمائی ہے۔ رواہ الحاکم وغیرہ) اور جو شخص اللہ کا منکر ہو (یا حج کے فرائض کا منکر ہو) تو اللہ تعالیٰ کی ذات تمام دنیا سے بے نیاز ہے (انسان جن اور فرشتے اور ان کی عبادات سے) آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب کیا تم اللہ کی آیتوں (قرآن سے انکار کرتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس کے شاہد حال ہیں (وہ تم کو اس پر بدلہ دیں گے) آپ کہئے اے اہل کتاب تم کیوں اللہ تعالیٰ کی راہ (دین) سے روکتے (پھیرتے) ہو اللہ تعالیٰ پر جو ایمان لانا چاہے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور آپؐ کے اوصاف کا کتمان کر کے) چلانا چاہتے ہو اس کو (تلاش کرتے ہو راستہ) ٹیڑھا (**عوجا** یعنی حق سے برگشتہ) درآنحالیکہ تم حقیقت حال سے بے خبر نہیں ہو (تم باخبر ہو کہ پسندیدہ دین صرف دین اسلام ہے جیسا کہ خود تمہاری مذہبی کتابیں اس پر شاہد ہیں) جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہیں (تمہارے کفر تکذیب سے ایک وقت تک کے لئے تم کو مہلت دے رکھی ہے ضرور تم کو بدلہ ملے گا)

تحقیق و ترکیب:............ **بکة** چونکہ با اور میم متقارب المخرج ہیں اس لئے ایک دوسرے کے ساتھ تبدیل کر لیا جاتا ہے۔ جیسے راتب اور راتم، لازب اور لازم۔ جبابرہ اور گردن کشوں کی گردن کشی کرنا۔ جیسا کہ واقعہ فیل میں ابرہہ اور اس کے لشکر کے ساتھ ہوا۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ مکہ اور بکہ کے استعمال میں یہ فرق ہے کہ اول کا اطلاق مطاف اور مسجد حرام اور ثانی کا بلد پر یا اس کا برعکس

ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دوہزار سال پہلے کعبۃ اللہ کی بناء ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے "اول بیت" کے متعلق سوال کیا گیا۔ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا **المسجد الحرام ثم بیت المقدس** پھران دونوں کے درمیان مدت کافرق دریافت کیا۔ **فقال اربعون سنة**. لیکن حضرت ابراہیمؑ کی بناء کعبہ اور مسجد اقصیٰ کی بناء سلیمانی کے مابین ایک ہزار سال سے زیادہ فصل ہے۔

منھا: مفسر علامؒ نے یہ لفظ مقدر کر کے اشارہ کردیا۔ بینات اور نشانیوں کے متعدد ہونے کی طرف۔ مقام ابراہیم عطف بیان ہے "**ایات بینات**" کا اور چونکہ مقام ابراہیم بہت سی نشانیوں پر مشتمل ہے اس لئے باوجود لفظاً مفرد ہونے کے جمع سے بدل واقع ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے ابن وہبؒ نے اپنی موطا میں انسؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس پتھر میں حضرت ابراہیمؑ کے نشاناتِ قدم دیکھے۔

منھا تضعیف الحسنات یہ دوسری خصوصیت ہے جونمایاں ہے۔ زمان ومکان میں اللہ نے بعض شرف رکھے ہیں جو عام زمان و مکان میں نہیں پائے جاتے۔ چنانچہ زمانوں میں جو خصوصیت اور شرف، رمضان المبارک، عشرۂ ذی الحجہ، عاشورہ محرم، جمعہ کے روز کو بالخصوص اس کی ایک خاص ساعت کواورنماز وجہاد کی صفیں جب درست ہونے لگیں۔ ان اوقات میں جو وصف اللہ نے رکھا ہے وہ دوسرے اوقات کو نصیب نہیں۔ اسی طرح مختلف مکانوں میں جو بزرگی بیت اللہ، بیت المقدس، حرم نبویؐ، عام مساجد کواللہ نے بخشی ہے وہ دوسری عام جگہوں کو حاصل نہیں ہے۔ اسی لئے جہاں ان اوقات اور مقامات میں نیکی کاوزن بڑھ جاتا ہے وہیں برائیوں میں قباحت بھی زیادہ آجاتی ہے۔

وان الطیر لایعلوہ بعض دفعہ پرندوں کواس سے اوپر فضا میں اڑتے دیکھاجاتا ہے اور وہ دائیں بائیں کنی کاٹ کرنہیں جاتے تو اس وجہ ان کی کوئی بیماری ہوتی ہے جس سے وہ حصول شفاء کے لئے پرواز کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

ومن دخلہ اس کی مفصل تحقیق سورۂ بقرہ میں گذرچکی ہے۔ یعنی حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی جرم کی وجہ سے مباح الدم ہوکر اندر داخل ہوجائے تو حرم اس کو پناہ دے گا۔ بارادۂ قتل اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ البتہ کھانے پینے سے تنگ کردیا جائے گا اور مکمل بائیکاٹ کردیا جائے گا۔ تاکہ وہ ازخود باہر نکلنے پر مجبور ہوجائے، اس وقت ماخوذ کرلیا جائے گا۔ ہاں اگر کوئی ایسا جرم کرکے باہر سے آیا جس کی سزا قتل کے علاوہ اور کوئی ہو یا اندر رہ کر قتل یا مادون القتل جرم کا ارتکاب کرلیا ہوتو اس کے لئے یہ قانونِ امن نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک سب صورتوں کا ایک ہی حکم ہے کہ "**الحرم لایعیذ**" دوسری آیت **اولم یروا انا جعلنا حرما اٰمنا ویتخطف الناس من حولھم** میں بھی اس قسم کی تفصیلات ہیں۔

اوغیر ذلک بہرحال قتل ظلم وغیرہ جرائم سے حرم کوآمن کہا گیا ہے یا "**اٰمن من الذنوب**" اور "**اٰمن من النار**" مراد ہو اور بعض نے کہا ہے کہ حرمین میں اگر کسی کا انتقال ہوجائے تو قیامت میں حق تعالیٰ اس کو مامون اٹھائیں گے۔ حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص حرم کی تکالیف پر ایک گھنٹہ صبر کرلے حق تعالیٰ جہنم کواس سے دوسوسال کی مسافت پر دور کردیں گے۔ یا ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ثنیۃ المیمون پر تشریف فرما تھے اور اس وقت تک وہاں کوئی مقبرہ نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس جگہ سے اور حرم سے حق تعالیٰ بروز قیامت ستر ہزار ایسے انسان اٹھائیں گے جن کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ پھر ان میں سے ہر آدمی ایسے ہی ستر ہزار آدمیوں کی شفاعت کرلے گا۔

وللہ خبر مقدم ہے اور متعلق ہے محذوف کے جیسا کہ مفسر علامؒ نے واجب مقدر نکالا ہے۔ **علی الناس** بھی اسی کے متعلق ہے۔ **من استطاع** یہ لفظ الناس سے بدل البعض یا بدل الاشتمال واقع ہورہا ہے۔ جیسا کہ مفسر علامؒ نے ویبدل سے اشارہ کیا ہے۔ اس میں ضمیر بہرصورت محذوف ہوگی۔ ای **من استطاع منھم** امام شافعیؒ کے نزدیک، استطاعت کی تفسیر صرف زادوراہ کے ساتھ ہے چنانچہ پیدل حج واجب نہیں ہے اگرچہ قدرت ہو۔ لیکن ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحت بدن اور امن راہ بھی مزید شرط ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک صرف صحت بدن کافی ہے خود چلے گا اور راستہ میں معاش بذریعہ کسب حاصل کرتا رہے گا۔

قل یا اھل الکتاب پہلی آیت میں ضلال پر توبیخ اور دوسری آیت میں اضلال پر توبیخ۔ **شھید** بمعنی مطلع چونکہ اہل کتاب کا کفر ظاہر تھا اس لئے لفظ شہادت کا استعمال اول آیت میں مناسب ہے اور چونکہ اللہ کی راہ سے روکنا در پردہ کید و مکر اور مخفی تدابیر سے ہوتا رہتا ہے اس لئے اس کے مناسب لفظ غفلت ہوا اور خطاب میں اہل کتاب کی تخصیص اس لئے کی کہ ان کا کفر واضح ہے اگر چہ وہ خود کو مومن بالتوراۃ والانجیل سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کو دین سے روکنا یہ ہے کہ آل کتاب کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کوئی صفت یا ان کے باب میں کوئی بشارت ہماری کتابوں میں موجود نہیں ہے اور لم کا تعلق مابعد فعل سے ہے اور من ۱من مفعول ہے۔

ربط: .... آیت ان اول بیست میں یہود کے دوسرے اعتراض کا جواب ہے اور بیت اللہ کے خصائص وفضائل کا بیان ہے اور آیت قل یا اھل الکتاب لم تکفرون میں اہل کتاب کی ضلالت اور آیت لم تصدون الخ میں ان کے اضلال کا بیان ہے۔

شان نزول: .... سعید بن منصورؒ نے حضرت عکرمہ سے تخریج کی ہے کہ جب آیت **ومن یبتغ غیر الاسلام** نازل ہوئی تو یہود کہنے لگے کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے مسلمانوں پر حج فرض کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم پر فرض نہیں کیا ہے اور حج کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت **ومن کفر فان اللہ غنی الخ** نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: ...... یہود کے دوسرے اعتراض کا جواب: .... یہاں سے یہود کے دوسرے شبہ کا جواب دیا جارہا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں سب سے پہلی اللہ کی عبادت گاہ حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر فرمائی تھی وہ بیت المقدس نہیں بلکہ "خانہ کعبہ" ہے۔ قرآن کریم کے متعدد مواقع میں کعبۃ اللہ کے ذکر کے ساتھ بانی کعبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا ذکر خیر کیا گیا ہے اور ان کی غیر فانی یادگار محبت کا حق واقعۃً ہے بھی یہی ...... جہاں تک دونوں کی تاریخی قدامت اور عظمت کا تعلق ہے وہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے۔

بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مختصر تاریخ: ...... حضرت ابراہیم کا مجملاً تاریخی تذکرہ یہ ہے کہ وہ تارخ (آزر) بن ناحور بن ساروغ (سروج) بن رعو بن فالح (فلجم) بن عابر (عبر) بن شالح (سلح) بن ارفخشد (ارفکسد) بن سام بن نوح کے بیٹے ہیں (توارت میں سفر پیدائش باب ۱۱) گویا حضرت ابراہیمؑ نو واسطوں سے حضرت نوحؑ کی اولاد میں ہیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ ایک واسطہ اور زائد ہے۔ یعنی شالح کے باپ قینان اور ارفخشد داد ہیں یعنی قینان کا اضافہ ہے۔

اولاد ابراہیم علیہ السلام: .... حضرت ابراہیمؑ کے آٹھ بیٹے ہوئے۔ سب سے بڑے حضرت اسماعیلؑ ہاجرہ سے۔ پھر ان سے چھوٹے اسحٰقؑ سارہ سے اور قتورہ کنعانہ کے بطن سے۔ زمران، یقان، مدان، مدیان، اسباق، سوخ پیدا ہوئے۔ حضرت اسماعیلؑ مکہ معظمہ میں اور حضرت اسحٰق ملک شام میں رہے۔ دوسرے بیٹے اطراف وجوانب میں اقامت گزین رہے۔ مدیان کی اولاد میں حضرت شعیب اور یقان کی اولاد میں صبا اور ددان پیدا ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ صاحبزادے ہوئے جن میں سب سے چھوٹے قیدار ہوئے جن کی اولاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔ یہ سلسلہ بنی اسماعیل کہلاتا ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کے دوسرے بھائی یعنی حضرت اسحٰقؑ کے بڑے بیٹے عیص اور ان سے چھوٹے حضرت یعقوبؑ ہوئے جن کو اسرائیل بھی کہتے ہیں۔ اُن کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ ان کے بارہ بیٹے ہوئے ان کی بیوی لیاہ کے بطن سے روبن، شمعون، لاوی، یہودا پیدا ہوئے۔ زاں بعد اسکارا، زبولون، متولد ہوئے راحیل کی باندی بلہا سے دان، نفتالی پیدا ہوئے۔ لیاہ کی باندی زلفا سے جاد اور اشیر پیدا ہوئے پھر لیاہ کی چھوٹی بہن راحیل کے بطن سے یوسف، بنیامین پیدا ہوئے۔ اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام بنی اسماعیل (عرب) اور بنی اسرائیل (اہل کتاب) کے جد اعلیٰ اور متفق علیہ

بزرگ تھے۔ اسی لئے سب کی نظر انتخاب آپ پر پڑتی تھی اور کوئی بھی آپ کے وسیع دامن سے الگ ہونے کا تصور نہیں کرسکتا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن: حضرت ابراہیم علیہ السلام قصبہ اہواز میں پیدا ہوئے جو عراق کا ایک حصہ ہے۔ اور بعض خاص بابل، میں پیدائش کہتے ہیں۔ طوفان نوح کے بعد جب حضرت نوحؑ کی اولاد پھیلی تو حضرت سے تقریباً دو ہزار دوسوسنتالیس ۲۲۴۷ سال پہلے شہر بابل کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔ یہ شہر ملک عراق میں دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان دوآبہ میں واقع ہے یا کنارۂ فرات پر ہے اور اس کے قریب لبِ دجلہ پر شہر نینوا تھا۔ جہاں حضرت یونسؑ کی پیدائش ہوئی۔ دونوں شہر عظیم الشان کلدانیوں اور کسدیوں کے تعمیر کردہ اور آباد کردہ تھے۔ مختلف زبانیں یہاں سے پیدا ہوئیں۔

بخت نصر یہاں کا بادشاہ رہا ہے۔ کلدانی مذہباً صابی کہلاتے تھے۔ بت پرستی، آفتاب و ماہتاب .... اور کواکب پرستی ان کا شعار تھا۔ نمرود جو شاہ ضحاک کی طرف سے عراق کا گورنر یا مستقل حاکم تھا۔ نہایت ظالم اور تند مزاج شخص تھا، حضرت ابراہیمؑ کا اس کے ساتھ مقابلہ اور مناظرہ ومباحثہ رہا جس کے نتیجہ میں "تنگ آمد بجنگ آمد" کے اصول پر حضرت ابراہیمؑ کو نذرِ آتش کرنا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ نے خلیلؑ کی برکت سے نار کو گل وگلزار بنا کر نمرود مردود کو ناکام بنادیا۔ تو کچھ لوگ حضرت خلیلؑ پر ایمان لے آئے اور آپ کو منجانب اللہ ہجرت کا حکم ہوگیا۔ اس لئے آپ اپنی بی بی سارہ اور بھتیجے لوط علیہ السلام کو ساتھ لے کر فلسطین ائے اور حران میں ٹھہرے لیکن قحط پڑنے پر وہاں سے مصر پہنچے تو شاہ مصر سارہ کے حسن وجمال پر فریفتہ ہوگیا۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ کی امامت دیکھ کر معتقد ہوگیا اور باعزاز ان تمام کو رخصت کیا اور بقول بعض علمائے محققین اپنی صاحبزادی ہاجرہ آپ کی خدمت میں پیش کی، اس طرح ایک شہزادی کے بطن سے اللہ نے حضرت اسماعیلؑ اور ان کے عظیم خاندان کا سلسلہ قائم فرمایا۔ حضرت ہاجرہ کو باندی اور بنی اسماعیل کو باندی کی اولاد سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

تعمیر بیت اللہ کی تمہید: .... فلسطین میں دوبارہ واپسی اور اقامت ہوئی اور حضرت ہاجرہ کے بطن سے اسماعیل علیہ السلام متوامد ہوئے تو سارہ بڑی بیوی کو رشک ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ کی عمر اس وقت ۸۶ سال تھی۔ ۹۹ سال کی عمر میں آپ نے بحکم الٰہی اپنی اور اپنے جوان سال بیٹے اسماعیلؑ کی بعمر ۱۳ سال ختنہ کی سو سال کی عمر میں اللہ نے حضرت سارہ کی گود بھی اسحٰق علیہ السلام سے بھردی۔ جب ان کے دودھ چھٹنے کی خوشی ہوئی تو سارہ نے کسی بات پر ناخوش ہوکر حضرت ابراہیمؑ کو مجبور کیا کہ وہ اسماعیل اور ہاجرہ کو وارث نہیں ہونے دیں گے۔ اس لئے آپ علیہ السلام کہیں ان کو جنگل میں چھوڑ آئیے۔ حضرت ابراہیمؑ کو پہلے تو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی لیکن پھر بحکم الٰہی ان دونوں کو لے کر اشارات غیبی کے ماتحت "وادی غیر ذی زرع" میں پہنچادیا اور اس مقام پر جہاں "بیر زمزم" ہے ایک درخت کے نیچے بٹھلادیا۔ ایک مشک پانی، کچھ کھجوریں اور روٹیاں حوالہ کر کے جانے لگے تو حد درجہ آبدیدہ ہوئے، دل صدمہ سے چور چور ہوا، مگر اس مقام کی تقدیس کے آثار محسوس ہوئے تو فی الجملہ تسکین ہوئی۔ کیونکہ اچھے لوگ ہمیشہ وہاں، آکر عبادت وریاضت کیا کرتے اور دعائیں کر کے قبولیت کے آثار مشاہدہ کیا کرتے تھے، حضرت کیلئے باعث تسلی ہوئی یہ وہی جگہ تھی جس کا انتخاب تخلیق آدمؑ سے پہلے ہی ہوچکا تھا اور اس کی قسمت کا ستارہ ازل ہی میں چمک چکا تھا۔

دنیا میں سب سے پہلا گھر خدا کا: .... بیہقیؒ نے شعب الایمان میں اور ازرقی نے وہب بن منبہؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت آدمؑ جب بہشت سے کرۂ زمین پر آئے تو تنہائی اور وحشت سے گھبرا کر عرض کیا کہ "خدایا عبادت کیلئے کوئی جگہ بنادے" چنانچہ حضرت جبرئیلؑ نے اس مقام مقدس کی نشاندہی کی، جس پر مقدس ہاتھوں کعبۃ اللہ کی بنیادیں پتھروں سے ٹھہرائیں اور اس پر ایک قبۂ نورانی نصب کیا گیا۔ جو ملاءِ اعلیٰ کے "بیت المعمور" کی محاذات میں تھا۔ حضرت آدمؑ اور ان کی اولاد کیلئے یہی قبلہ عبادات ومناجات بنا رہا۔ طوفان

نوح ہوا تو سب ہی چیزیں بہالے گیا۔طوفان کے فروہونے کے بعد دیکھا گیا کہ یہ جگہ ایک سرخ ٹیلہ کی حیثیت میں نمایاں رہی اوراس کی عظمت وتقدیس دلوں میں قائم رہی۔حتیٰ کہ حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ اور ہاجرہ کے تشریف لانے سے یہ خطہ "بقعۂ نور" بن گیا حضرت ابراہیمؑ کی خلت کے ہاتھ بارگاہ خداوندی میں اٹھے اورزبان پرالہامی رجز جاری ہوا۔ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتك المحرم۔ اورپھرکسی نیک ساعت میں دونوں کے پاکیزہ ہاتھ جریدۂ عالم پرغیرفانی نقش محبت کے ثبت کرنے میں مصروف ہوگئے۔ غرضکہ اس طرح اس بناء مقدس اور "سرزمین انور" سے ان تینوں رہروان عشق ومحبت کی کچھ یادگاریں قائم ہوگئیں۔جن کو صدائے خلیلی واذن فی الناس بالحج یاتوك رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق پرلبیک کہنے والی سعید روحوں نے دوام بخشا۔

حج ان ہی پاکیزہ رسموں کا مجموعہ ہے جو اللہ کے ان سچے عاشقوں کی خاص نقل وحرکت سے وابستہ رہتی ہیں۔ان ابراھیم کان امۃ قانتا للہ حنیفا۔

تاریخ خانۂ کعبہ:............آج سے تقریباً چار ہزار سال پہلے حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ اور مکہ مکرمہ کی بنیاد ڈالی تھی۔مکہ مکرمہ کی آبادی پہلے صرف خیموں میں رہتی تھی۔لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں قصی بن کلاب جب شام سے آئے تو یہاں مکانات بننا شروع ہوئے اور شہر کو برابر ترقی ہوتی گئی۔مکہ مکرمہ وادئ ابراہیم میں واقع ہے اور سطح سمندر سے تقریباً ساڑھے تین سوفٹ بلندی پر ہے۔اس کا عرض البلد۲۱ درجہ شمالی اور طول البلد ۱/۲ ۳۹ درجہ مشرقی ہے۔ساحل سمندر سے ۴۷میل مشرق میں واقع ہے اس وقت تقریباً ۸لاکھ کی آبادی ہے، بکہ مکہ،ام القریٰ،بلدامین اس کے نام ہیں۔یہ شہر مشرق سے مغرب تک تقریباً چار پانچ میل اور عرض میں دومیل پھیلا ہوا ہے۔شمالاً جنوباً دو پہاڑی سلسلہ میں یہ شہر گھرا ہوا ہے جس کو اخشبان کہتے ہیں۔اسی لئے اس میں گرمی زیادہ اور سردی کم ہوتی ہے۔بارش صرف جاڑوں میں ہوتی ہے جس کی سالانہ مقدار چار پانچ انچ سے زیادہ نہیں ہوتی۔

خانہ کعبہ کے انقلابات:............ایک مدت بعد جب حضرات خلیلؑ وذبیحؑ کی بنائی ہوئی عمارت کا نقشہ پہاڑی نالہ کی نذر ہوگیا تو بنی جرہم قبیلہ نے جو ایک خانہ بدوش قافلہ کی صورت میں یہاں ٹھہر گیا تھا اور حضرت اسماعیلؑ کا سسرالی رشتہ اس سے قائم ہوکر باعث ازدیاد نسل ہوچکا تھا۔دوبارہ اسی طرز پر پھراس عمارت کو قائم کیا۔ایک زمانہ بعد عمارت پھر شکستہ اور منہدم ہوئی تو بنوحمیر کے ایک قبیلہ عمالیق نے پھراس کی تعمیر کی۔اس کے بعد عمارت ٹوٹی تو قصی بن کلاب نے اس کو اس شان کے ساتھ بنایا کہ اس کی چھت لکڑیوں سے پاٹ دی اوراس پرسیاہ غلاف ڈالا گیا۔یہ عمارت اور طرز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی تک قائم رہا۔اتفاقاً ایک عورت غلاف کعبہ کے پاس بخور روشن کرنا چاہتی تھی کہ پردہ میں آگ لگ گئی اور تمام عمارت جل گئی یہ زمانہ عرب میں قحط سالی کا تھا قریش نے اس عمارت کو بنانا چاہا لیکن روپیہ کی کمی اور بعض سہولتوں کے پیش نظر سابقہ عمارت میں پانچ ترمیمیں کرنی پڑیں۔

۱:......حطیم کی جانب کئی گز جگہ چھوڑ کر کعبہ کی غربی دیوار اٹھائی گئی جس کی وجہ سے کعبۃ اللہ کا بہت سا حصہ عمارت سے باہر رہ گیا۔

۲:......دروازہ کی چوکھٹ زمین کے ہموار کرنے کی بجائے سطح زمین سے دوگز اونچی لگائی گئی تاکہ ہر شخص بغیر اجازت کے اندر داخل نہ ہوسکے۔

۳:......خانہ کعبہ کے اندر لکڑی کے ستونوں کی دو صفیں قائم کیں ہر لائن میں تین تین ستون رکھے چنانچہ فتح مکہ کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر تشریف لے جاکر نماز ادا کی تو ان ہی ستونوں کے درمیان پڑھی تھی۔

۴:......دیواریں پہلے سے دوچند بلند کردی گئیں۔

۵:......رکن شامی کے قریب کعبہ کی چھت پر چڑھنے کے لئے ایک زینہ بنایا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف تیس (۳۰) پینتیس (۳۵) سال ہوگی جب تعمیر کعبہ کے وقت ''حجر اسود'' کے نصب کرنے کا مسئلہ لاینحل صورت میں پیش ہوا اور ہر شخص کو اس شرف کے اپنانے پر اس درجہ اصرار بڑھا کہ قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل جائیں۔ فیصلہ یہ ٹھہرا کہ جو شخص کل صبح ہی سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہوگا گوئے سبقت وہی لے جائے گا۔لیکن قسام ازل نے یہ سعادت سید الاولین والآخرین کی قسمت کردی تھی چنانچہ ڈھونڈنے والی نظریں سب سے پہلے آفتاب نبوت پر پڑیں تو سب کی باچھیں کھل گئیں۔ یوں بھی تو آپ ''محمد امین'' کے گرانبہا لقب سے معزز تھے۔لیکن آپ کی بے مثل ذہانت اور بے نظیر قوت فیصلہ نے یہ جوہر دکھلایا کہ اپنی رداء مبارک میں دست مبارک سے ''حجر اسود'' اٹھا کر رکھا اور سب طرف سے چادر کے کونے مختلف خاندانوں اور قبیلوں کے سرداروں کو پکڑا دیئے تاکہ سب اس سعادت وشرف میں شریک ہوجائیں سب نے ہنسی خوشی مل کر پتھر اپنے مقام پر نصب کردیا اور آپ ﷺ کی امانت، عدالت، محبت اور صداقت کا نقش دلوں پر جم گیا۔

خانہ کعبہ میں پتھر کی مورتیاں اور بت پہلے سے نصب نہیں تھے۔آنحضرت ﷺ کے عہد سے تقریباً تین سو سال پہلے عمرو بن لحی عرب کے ایک شخص نے یہ بدعت کی کہ حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ اور دوسرے بزرگوں کی مورتیاں لگادی تھیں، جن کی پوجا لوگ کرتے چلے آرہے تھے۔لیکن فتح کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے سب کو نکال پھینکا اور اللہ کے گھر کو غیروں سے پاک کرکے اصل توحید کا مرکز بنادیا۔

آنحضرت ﷺ کے بعد خانہ کعبہ میں تبدیلیاں:............آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ حضرت عائشہؓ سے اپنی خواہش کا اظہار فرمایا تھا کہ تمہاری قوم ابھی نومسلم ہے لیکن اگر میں زندہ رہا تو کعبہ کو بناء ابراہیمی پر قائم کروں گا اور ایک دروازہ کی بجائے دو (۲) دروازے رکھوں گا اور اونچا رکھنے کی بجائے دروازہ نیچے رکھوں گا۔

مگر آپ ﷺ کی عمر نے وفا نہ کی، اس لئے آپ ﷺ کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔تاہم عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی خالہ حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث سنی تو کعبہ کو بناء ابراہیمی پر قائم کرکے رسول اللہ ﷺ کے اس ارادہ کی تکمیل فرمادی۔یہ ستائیس رجب ۶۴ھ کی بات ہے۔ لیکن بنی امیہ کا دور حکومت آیا تو کچھ دنوں بعد ہی حجاج بن یوسف عبدالملک بن مردان کے گورنر نے اس تعمیر زبیری کو شہید کرا کر ازسرنو بناء قریشی پر کعبۃ اللہ کو تعمیر کیا۔یہ ۷۴ھ کی بات ہے۔اس کے بعد بنوعباس کے عہد میں ہارون رشید نے پھر ارادہ کیا بناء ابراہیمی پر بنانے کا۔لیکن غالباً امام مالکؒ اور دوسرے علماء نے اس مصلحت سے روک دیا کہ اس طرح بار بار کی تبدیلیوں سے کعبۃ اللہ کی عظمت وہیبت لوگوں کے دلوں سے نکل جائے گی اور وہ ایک ملعبہ بن کر رہ جائے گا۔چنانچہ وقتاً فوقتاً اس عمارت کی مرمت اور ٹوٹ پھوٹ تو ہوتی رہی لیکن مکمل انہدام کی ہمت پھر کسی کو نہیں ہوئی۔حتیٰ کہ جب اس کی عمارت بالکل بوسیدہ اور شکستہ ہوگئی تو ۱۰۴۰ھ میں سلاطین قسطنطنیہ میں سے سلطان مراد بن احمد خان کی مراد اللہ نے پوری کی۔انہوں نے بجز ''حجر اسود'' والے کونے کے تمام عمارت کو اتروا کر ازنو بناء قریشی پر تعمیر کرایا۔اندر فرش اور دیواروں میں سنگ مرمر لگوایا، عمدہ لکڑی کے چھ ستونوں کی، دولائنیں بنوائیں، چھت پر مخمل، چھت گیری اور اوپر سے گچ ہوئی ہے باہر کی دیواریں سنگ خارا سے چونہ کے ساتھ چنی ہوئی ہیں اوپر سے استرکاری تو نہیں ہوئی لیکن نہایت نفیس ریشمی سیاہ غلاف پورے کعبۃ اللہ پر پڑا رہتا ہے اور ہر سال عید الاضحیٰ کی صبح کو بدل دیا جاتا ہے جو پہلے سلاطین ترکی کی طرف سے، پھر شاہانِ مصر کی طرف سے اور امسال شاہِ حجاز کی طرف سے بارگاہ صمد میں نذر ہوا ہے۔جس پر بہترین سچے کارچوب کا کام، کلمۂ طیبہ، قرآن کریم کی موقعہ محل کے مناسب آیات، سلاطین وقت کا نام بخط جلی لکھا ہوتا ہے۔ہزاروں بجلی کے قمقموں کی روشنی میں کعبۃ اللہ ایک ایسی پُرجلال و جمالی دلہن بنا رہتا ہے کہ نگاہیں خیرہ ہوجاتی ہیں اور عجیب پُرلطف اور مسرت اور مست الست منظر ہوتا ہے۔جس کی کیفیت لفظوں میں ادا

نہیں کی جاسکتی، یہ کام بس نگاہ ودل کا ہے اور روحانی سرمستیوں کا تو پوچھنا ہی کیا؟

شروع ہی سے خدا نے اس کو ظاہری، باطنی، حسی معنوی خوبیوں اور برکات سے مالا مال کیا ہے۔ سارے جہان کی ہدایت کا سرچشمہ ٹھہرایا، روئے زمین پر جہاں کہیں برکت وہدایت پائی جاتی ہے وہ اس بیتِ منور کا عکس و پَرتو سمجھنا چاہئے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کی بعثت یہیں سے ہوئی۔ مناسکِ حج ادا کرنے کے لئے سارے جہان کو دعوت یہیں سے ملی ہے، عالمگیر مذہب اسلام کے پیروؤں کو مشرق، مغرب، شمال اور جنوب میں اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ملا، سارے پیغمبر اور شمعِ توحید کے پروانے ہر طرف سے ہمیشہ اڑ اڑ کر اس کے گرد جمع ہوئے، اس پاک گھر میں جمالِ خداوندی کی تجلی خاص ہے جس کی لگن میں دور دراز مسافتوں سے مصیبتیں اور تکلیفیں جھیل کر پروانہ وار لوگوں کے غول پہنچتے ہیں۔

حرمین شریفین کی حالیہ حیرت انگیز توسیع شاہِ حجاز کی فیاضیوں کی جیتی جاگتی تصویر ہے، خانہ کعبہ اور اس سے متعلق جو چند خاص اور اہم چیزیں ہیں ان کا اجمالی تعارف ضروری ہے۔

مسجدِ حرام:.......... یہ ایک نہایت عالی شان مستطیل مربع عمارت ہے جس کے وسط میں خانہ کعبہ وقع ہے جس کے ایک طرف حطیم ہے، دوسری طرف زمزم، مقامِ ابراہیم، منبر ہے اور چاروں طرف مطاف ہے، مطاف کے چاروں طرف ایک وسیع صحن ہے اس کے بعد جا بجا آگے پیچھے کسی جگہ تین اور کسی جگہ چار بڑے بڑے دالان موجود ہیں اور ہر دو دالانوں کے درمیان ستونوں کی صف موجود ہے، اور چاروں جانب مضبوط ستونوں پر مضبوط ڈاٹ لگائی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مسجد حرام کی حد صرف موجودہ نصف مطاف تک تھی، احاطہ کی دیوار بھی نہ تھی بلکہ چاروں طرف مکانات تھے۔ ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے ان مکانات کو خرید کر مسجد میں شامل کر دیا۔ یہ پہلا اضافہ تھا نیز قدِ آدم سے نیچی ایک چار دیواری بنوادی جس پر چراغ روشن کر کے رکھ دیئے جاتے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں توسیع کی۔ ۹۷۹ھ میں مسجد حرام کا مشرقی دالان گرنے کے قریب ہو گیا اس وقت سلطان سلیم ترکی نے توجہ کی، لکڑی کے بجائے پتھروں کو استعمال کیا چھت قبہ نما ڈاٹوں کی لگائی۔ ۹۸۴ھ میں یہ تعمیر مکمل ہوئی اور اب تک قائم ہے حالیہ توسیع کی وجہ سے اس میں ترمیم ہو رہی ہے اس عمارت کا طول مشرق سے مغرب تک ۲۱۰ گز اور عرض ۱۴۰ گز تھا۔

کعبۃ اللہ:.......... خانہ کعبہ تقریباً مسجد حرام کے درمیان میں واقع ہے اس کی شکل ایک بڑے کمرہ کی سی ہے۔ عمارت اونچی اور تقریباً مربع ہے جس کی بلندی ۱۵ میٹر ہے، کعبہ کے چار رکن ہیں۔ (۱) رکن عراقی شمالی جانب (۲) رکن شامی شمال مغربی جانب (۳) رکن یمانی جنوب مشرقی جانب (۴) رکن حجر اسود مشرقی جانب۔ کعبہ بڑے مضبوط پتھروں سے بنا ہوا ہے، اس کی چھت سنگ مرمر کی سلوں سے بنائی گئی ہے، بیت اللہ کے اندر رکن عراقی کے گوشہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر جانے کے لئے ایک زینہ لگا ہوا ہے۔ بلاضرورت اس پر چڑھنا ادھر ادھر تاکنا جھانکنا خلافِ ادب ہے۔

حجرِ اسود:.......... تقریباً ڈیڑھ دو فٹ چاندی کے مدور حلقہ میں گہرا عنابی سیاہی مائل ایک چکنا پتھر بیضوی شکل کا جس کو عقیق تصور کرنا چاہئے خانہ کعبہ کے شرقی جنوبی کونہ میں باہر کی طرف گز بھر کی بلندی پر نصب ہے۔ ہندوستانیوں کا سجدہ غالباً کچھ اس کی محاذات میں پڑتا ہے کسی وجہ سے اس کے ٹکڑے ہو گئے ہیں ان کو احتیاط کے ساتھ یکجائی جوڑا گیا ہے ایک دس انچ کے بیضوی لاکھ کے پیالہ میں پھر اس لاکھ کے پیالہ پر چاندی کا حلقہ فریم کیا ہوا ہے۔

حدیث شریف میں ارشاد ہے: ان الحجر الاسود نزل من الجنة اشد بیاضا من اللبن فسودته خطایا بنی آدم یہ ایک

باعظمت اور بابرکت پتھر ہے جس کو آنحضرت ﷺ اور بے شمار انبیاءؑ اور صلحاء نے اپنے ہاتھوں اور ہونٹوں سے مس کیا ہے۔ اس لئے استلام کرنا باعثِ قربت خداوندی ہے۔ اس نیت سے اگر ممکن ہو تو اس کو بوسہ دینا چاہئے ورنہ ہاتھ کا اشارہ کرکے ہاتھ کو چوم لینا بھی کافی ہوگا۔ اس پتھر کو نافع یا ضار نہیں سمجھنا چاہئے جیسا کہ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے۔

باب کعبہ:............ بیت اللہ کے مشرقی کونہ سے متصل ایک دروازہ ہے خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونے کا یہی ایک راستہ ہے جو مسجد حرام کے صحن سے قدِ آدم سے زیادہ بلند ہے دروازہ کی جو کرسی ہے وہی خانہ کعبہ کے اندر فرش کی کرسی ہے بغیر سیڑھی کے اس دروازہ کے ذریعہ اندر داخل ہونا مشکل ہے اس لئے اندر جانے کے لئے ناجائز ذرائع نہیں اختیار کرنے چاہئیں۔ حجر اسماعیل یعنی حطیم میں جا کر یہ سعادت حاصل کرلے۔

ملتزم:............ باب کعبہ سے لے کر مشرقی کونہ میں لگے ہوئے حجر اسود تک ڈھائی تین گز کے اس حصہ کو ملتزم کہتے ہیں یعنی لپٹنے کی جگہ۔ لوگ اس سے لپٹ کر دعائیں مانگتے ہیں۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے **سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول مادعى احد بشئ فى هذا الملتزم الااستجيب له.**

حطیم:............ ہلالی شکل کی ایک نصف قدِ آدم دیوار جو کعبہ کی شمالی دیوار کے سامنے ڈیڑھ گز کے فاصلے پر رکن عراقی سے رکن شامی تک نصف دائرہ کی شکل میں بنی ہوئی ہے۔ اس کی فصیل پر منقش پتھر جڑے ہوئے ہیں اس کے اوپر والے حصہ پر ایک عبارت کندہ ہے جس پر قرآن کریم کی بعض آیات بھی ہیں اور ساتھ ہی تعمیر کرنے والے کی تاریخ بھی ہے۔ حطیم کے اندر نماز نفل مسجد حرام کے دوسرے عام حصوں سے افضل ہے۔ طواف کرنے والے کو کعبہ کی طرف اس کو بھی اپنے بائیں کرکے طواف میں لے لینا چاہئے اسے بچا کر طواف نہیں کرنا چاہئے اسی کے اندر خانہ کعبہ کی چھت کا پرنالہ کھلتا ہے جس کو میزابِ رحمت کہتے ہیں جو سونے کا بنا ہوا ہے۔

حجر اسماعیلؑ:............ کعبہ اور حطیم کے درمیان تین گز زمین اور فرش کو حجر اسماعیلؑ کہتے ہیں اس میں سے تقریباً تین میٹر دیوار کعبہ سے متصل فرش دراصل خانہ کعبہ کے اندر کا ایک حصہ ہے۔ جو روپیہ کی کمی کی وجہ سے قریش کی تعمیر سے رہ گیا تھا۔ اس پر خوبصورت پتھر کا فرش ہے اس پر نماز پڑھنا گویا خانہ کعبہ کے اندر ہی نماز پڑھنا ہے، طواف کے وقت اس پر نکلنے سے طواف نہیں ہوتا کیونکہ یہ کعبہ کا اندرونی حصہ ہے۔

مقامِ ابراہیمؑ:............ باب کعبہ کی محاذات میں منبر اور زمزم کے درمیان قدیم باب السلام سے متصل چار کھمبوں پر ایک چھوٹا سا گنبد ہے۔ جس میں اردگرد پتیل کا مربع نما مقصورہ بنا ہوا ہے اور اس کے اندر وہ پتھر نصب ہے جو مقامِ ابراہیم کہلاتا ہے۔ پتھر چاندی سے منڈھا ہوا ہے جس کی بلندی تین بالشت ہے، چوڑائی دو بالشت ہے۔ دونوں قدم اور انگلیوں کے نشانات اس پر واضح ہیں۔ فتح مکہ سے پہلے یہ پتھر دیوار کعبہ کے قریب اس گڑھے میں رکھا تھا جس کو المعجن کہتے ہیں شاید اس مصلحت سے کہ طواف کعبہ میں یہ پتھر بھی شامل ہے اور شمار نہ کرلیا جائے، فتح کے بعد وہاں ہٹا کر موجودہ جگہ پر منتقل کردیا گیا اس کے پاس نماز پڑھنا مستحب ہے۔

مطاف:............ یہ ایک بیضوی صحن ہے جو کعبہ اور حطیم کے اردگرد بنا ہوا ہے۔ جس پر سنگ مرمر بچھا ہوا ہے اس میں سے بیت اللہ کے قریب کا نصف صحن حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں مسجد حرام تھا لیکن اب پورے صحن میں طواف کیا جاتا ہے۔

معجن: .... صحن مطاف میں باب کعبہ کے قریب داہنی اور شمالی جانب ایک مربع شکل کا گڑھا ہے اس کا پھیلاؤ ایک دومیٹر ہوگا اس میں تین آدمی کھڑے ہوکر نماز پڑھ سکتے ہیں نماز جب فرض ہوئی تو حضرت جبرئیلؑ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ اسی جگہ امامت فرمائی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ نے بناء کعبہ کے وقت اس جگہ گارا تیار کیا تھا۔

زمزم: .... خانہ کعبہ کی مشرقی جانب واقع ہے۔ حضرت ہاجرہ حضرت اسماعیلؑ کے لئے پانی کی تلاش میں صفاء ومروہ پر دوڑ کر تھک گئیں تو آواز غیبی پر اس جگہ پانی کی نشاندہی ہوئی اور ان کے لیے پانی برآمد کیا گیا۔ امتداد زمانہ سے یہ کنواں مٹی وغیرہ سے اٹ گیا تھا لیکن آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے کھلوایا، تب سے ہی جاری ہوگیا۔ حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے **ماء زمزم لما شرب له** یا ابن عباسؓ کی روایت ہے خیر ماء علی وجه الارض زمزم طبی اور کیمیائی تحقیقات نے ثابت کردیا ہے کہ زمزم کے پانی میں تمام معدنی مفید اشیاء پائی جاتی ہیں جس کی وجہ سے جگر، معدہ، آنتوں، گردے سب کے لئے مفید ہے کم پینا بھی مفید ہے اور زیادہ پینا مضر نہیں ہے۔

باب بنی شیبہ اور منبر: .... مقام ابراہیمؑ کے سامنے نصف دائرہ کی شکل میں یہ محراب بنی ہوئی ہے۔ اس کا یہ نام آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے ہے اور یہی اس وقت تک باب السلام تھا اور یہی مسجد حرام کی حد تھی۔ بنی شیبہ اور بنی عبد شمس پہلے یہیں رہتے تھے اور طواف قدوم کے لئے حجاج کا پہلا داخلہ اسی دروازہ سے ہوتا ہے گویا یہ کعبۃ اللہ کو سلام کرنا تھا۔ **اللھم انت السلام ومنک السلام** اسی کے قریب سلطان سلیم خان عثمانی کا بنوایا ہوا بڑے سنگ مرمر کا چمک دار منبر ۹۲۶ھ سے رکھا ہے اس کی تیرہ سیڑھیاں ہیں اس کے اوپر چار سنگ مرمر کے ستون ہیں اور ان پر لکڑی کا لمبا گنبد ہے جو چاندی کی تختیوں سے منڈھا ہوا ہے اور اس پر سونے کی پالش ہے صحن مطاف سے منبر کی بلندی بارہ میٹر ہے۔

مسعیٰ: .... سعی کرنے کی جگہ کو مسعیٰ کہتے ہیں یہ صفا ومروہ دو پہاڑیوں کے درمیان ایک راستہ ہے۔ بیت اللہ کے مشرقی جانب، پہلے یہ مسجد حرام سے باہر تھا اب اسی کے ساتھ شامل کردیا گیا ہے یہ پہاڑیاں بھی اب موجود نہیں ہیں کٹ کٹا کر ختم ہوگئی ہیں صرف ان کی جگہیں متعین ہیں اور وہاں چند سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں ان دونوں میں فاصلہ ڈیڑھ فرلانگ کا ہے۔ صفا پہاڑی جبل ابوقبیس کے دامن میں تھی وہیں سے سعی شروع ہوتی ہے اب مسعیٰ دومنزلہ بن گیا ہے اور اوپر جانے کے لئے زینے بنے ہوئے ہیں۔ مسعیٰ کے درمیان کا تھوڑا سا فاصلہ سبز نشانوں سے ممتاز کردیا گیا ہے ان کو "میلین اخضرین" کہتے ہیں جہاں سعی کرنے والے کو ذرا تیز چلنا پڑتا ہے۔

منیٰ، مزدلفہ، عرفات: .... مکہ مکرمہ کے مشرقی جانب جو سڑک، معلاۃ کو جاتی ہے وہی سڑک عرفات تک گئی ہے اس پر منیٰ اور مزدلفہ واقع ہیں۔ منیٰ مکہ مکرمہ سے دوڈھائی میل کے فاصلہ پر ہے یہاں تین جمرات ہیں ان کو حجاج قیام منیٰ کے دوران کنکریاں مارتے ہیں یہاں جب حضرت ابراہیمؑ اللہ کے حکم سے اپنے محبوب بیٹے اسماعیلؑ کو قربانی کے لئے لے جارہے تھے تو شیطان نے وسوسہ اندازی کی تھی انہوں نے کنکریاں ماریں تھیں ان کو جمرات ثلاثہ کہتے ہیں ان میں سے بڑا جمرۃ العقبہ، اس کے بعد جمرۃ الوسطیٰ اور تیسرا جمرۃ الاولیٰ کہلاتا ہے۔ منیٰ حج کے تین دنوں میں بہت آباد رہتا ہے۔ شعائر حج یہیں سے شروع ہوتے ہیں اور یہیں ختم ہوجاتے ہیں۔ ۸ ذی الحجہ کو حجاج آجاتے ہیں، پانچ نمازیں پڑھتے ہیں پھر واپسی پر دسویں، گیارہویں، بارہویں اور بعض تیرہویں تاریخ یہاں گزارتے ہیں۔ رمی جمرات اور قربانی کرتے ہیں منیٰ میں سب سے اہم جگہ مسجد خیف جو چوکور اور کھلے صحن کی ایک کشادہ مسجد ہے۔ درمیان میں ایک

قبہ بنا ہوا ہے جہاں حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ منیٰ کے معنی خون بہانے کے ہیں وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ مزدلفہ، منیٰ اور عرفات کے درمیان ایک وادی ہے، جس کو مشعر حرام کہتے ہیں۔ یہاں بھی ایک مسجد ہے جہاں حجاج عرفات سے واپسی میں نماز مغرب وعشاء پڑھتے ہیں۔ منیٰ میں جمرات کو مارنے کے لئے کنکریاں حجاج یہیں سے چن لیتے ہیں اور صبح ہی یہاں سے منیٰ کے لئے روانگی ہو جاتی ہے اس میں وادی محسر یا بطن محسر ایک گھاٹی ہے وہاں سے تیزی سے گزر جانا چاہئے قیام کی اجازت نہیں ہے۔

اس سے آگے عرفات کا عظیم میدان ہے چونکہ مکہ مکرمہ سے تقریباً ساڑھے پندرہ میل ہے جس میں نہ کوئی آبادی ہے اور نہ کوئی عمارت یا درخت۔ یہ میدان تین اطراف سے پہاڑیوں میں گھرا ہوا ہے درمیان میں شمالی جانب جبل الرحمۃ ہے، جس پر حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ نے اونٹنی پر عظیم تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ نویں ذی الحجہ کو یہ لق و دق میدان اچانک ایک عظیم الشان شہر کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ وجہ تسمیہ کئی ہیں۔ منجملہ ان کے کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم وحوا علیہم السلام کی اول ملاقات جنت کے بعد یہاں ہوئی تھی۔ یہاں کی حاضری حج کا سب سے بڑا رکن ہے۔ یہاں کی عظیم مسجد، مسجد نمرہ کہلاتی ہے یہاں بعض شرائط کے ساتھ ظہر وعصر جمع کر کے پڑھی جاتی ہیں۔ خانہ کعبہ کی اس تفصیلی تاریخی کا ذکر تقاضا ہے کہ بیت المقدس یعنی مسجد اقصیٰ پر روشنی ڈالی جائے لیکن اس کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل میں انشاء اللہ آئے گا۔ اس کے بعد کعبۃ اللہ اور مسجد حرام کا نقشہ اس سارے بیان کی وضاحت کر دے گا۔

خدا کا دنیا میں سب سے پہلا گھر: .... غرضکہ دنیا میں عبادت کے لئے سب سے پہلا اللہ کا گھر ''خانہ کعبہ'' ہے۔ بقول حالی

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا ۔۔۔ خلیل ایک معمار تھا جس بناء کا
ازل سے مشیت نے تھا جس کو تاکا ۔۔۔ کہ اس گھر سے ابلے گا چشمہ ہدیٰ کا

بیت المقدس بھی اگرچہ قبلۂ انبیاءؑ رہا ہے لیکن قدامت اور عظمت میں وہ اس سے بعد کا ہے۔ حدیث صحیحین میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اس لئے افضل خانہ کعبہ ہی ہے اور شرائع سابقہ میں بھی بابرکت اور قابل زیارت رہا ہے۔ آیت میں خانہ کعبہ کی پانچ نشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے چار تشریعی اور صرف ایک تکوینی کو تشریعی آیات کے وسط میں لایا گیا ہے۔ جس سے تشریعی نشانیوں کی عظمت مقصود ہے کہ اول وآخر مطمح نظر یہی تشریعیات ہونی چاہئیں۔ مقام ابراہیم کا نشانی ہونا تو محسوس ہے اور خانہ کعبہ کی طرف اس کا منسوب ہونا اس لئے ہے کہ یہ فضیلت خانہ کعبہ سے تعلق ہی کی وجہ سے اس میں پیدا ہوئی ہے۔ باقی احکام تشریعیہ کا نشان فضیلت ہونا باوجود ان کے غیر محسوس ہونے کے دلائل صحیحہ کی وجہ سے ثابت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایسے عمدہ احکام جن کا ثبوت اور تعلق دلائل سے ہے وہ خانہ کعبہ سے متعلق ہیں۔ بیت المقدس سے ان کا تعلق نہیں ہے اس لئے خانہ کعبہ بیت المقدس سے افضل ہے اور مسلمان اپنے دعوائے افضلیت میں حق بجانب ہیں۔

استطاعت کی تشریح: .... اور استطاعت میں سواری اور توشہ کی شرط روایت کی وجہ سے ہے۔ جس کو خود مفسر پیش کر رہے ہیں لیکن حنفیہؒ کے نزدیک صحت بدن، سلامتی، بینائی عقل، اسلام وحریت کی شرائط دوسرے دلائل سے ثابت ہیں۔ جس طرح مقام ابراہیم کا اثر قلوب پر محسوس طور پر تکویناً ہوتا ہے اسی طرح باقی تشریعی نشانیوں کا تکوینی اثر بھی قلوب پر ایسا ہوتا ہے کہ زمانۂ قدیم اور جاہلیت سے اس کے یہ آثار نمایاں ہیں مثلاً حرم میں امن وامان قائم رکھیں، بلکہ اسی کی وجہ سے خاص مہینوں کی حرمت، اس کے گرد طواف کرنا، دُور دراز سے صعوبتیں اور تکلیف سفر اٹھا کر سر کے بل ذوق وشوق سے آنا وغیرہ وغیرہ۔

وَنَزَلَ لَمَّا مَرَّ بَعْضُ الْيَهُوْدِ عَلَى الْاَوْسِ وَالْخَزْرَجِ فَغَاظَهُ تَاَلُّفُهُمْ فَذَكَّرَهُمْ بِمَا كَانَ بَيْنَهُمْ فِى الْجَاهِلِيَّةِ مِنَ الْفِتَنِ فَتَشَاجَرُوْا وَكَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ **يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ** اِسْتِفْهَامُ تَعْجِيْبٍ وَتَوْبِيْخٍ **وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ** يَتَمَسَّكْ **بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ** بِاَنْ يُّطَاعَ فَلَا يُعْصٰى وَيُشْكَرَ فَلَا يُكْفَرُ وَيُذْكَرُ فَلَا يُنْسٰى فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّقْوِىْ عَلٰى هٰذَا فَنُسِخَ بِقَوْلِهٖ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ **وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾** مُوَحِّدُوْنَ **وَاعْتَصِمُوْا** تَمَسَّكُوْا **بِحَبْلِ اللّٰهِ** اَىْ دِيْنِهٖ **جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا** بَعْدَ الْاِسْلَامِ **وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ** اِنْعَامَهٗ **عَلَيْكُمْ** يَا مَعْشَرَ الْاَوْسِ وَالْخَزْرَجِ **اِذْ كُنْتُمْ** قَبْلَ الْاِسْلَامِ **اَعْدَآءً فَاَلَّفَ** جَمَعَ **بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ** بِالْاِسْلَامِ **فَاَصْبَحْتُمْ** فَصِرْتُمْ **بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا** فِى الدِّيْنِ وَالْوَلَايَةِ **وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا** طَرَفِ **حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ** لَيْسَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الْوُقُوْعِ فِيْهَا اِلَّا اَنْ تَمُوْتُوْا كُفَّارًا **فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ** بِالْاِيْمَانِ **كَذٰلِكَ** كَمَا بَيَّنَ لَكُمْ مَا ذُكِرَ **يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ** الْاِسْلَامِ **وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ** الدَّاعُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ النَّاهُوْنَ **هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾** الْفَائِزُوْنَ وَمِنْ لِلتَّبْعِيْضِ لِاَنَّ مَا ذُكِرَ فَرْضُ كِفَايَةٍ لَا يَلْزَمُ كُلَّ الْاُمَّةِ وَلَا يَلِيْقُ بِكُلِّ اَحَدٍ كَالْجَاهِلِ وَقِيْلَ زَائِدَةٌ اَىْ لِتَكُوْنُوْا اُمَّةً **وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا** عَنْ دِيْنِهِمْ **وَاخْتَلَفُوْا** فِيْهِ **مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ** وَهُمُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى **وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ** اَىْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ** وَهُمُ الْكٰفِرُوْنَ فَيُلْقَوْنَ فِى النَّارِ وَيُقَالُ لَهُمْ تَوْبِيْخًا **اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ** يَوْمَ اَخْذِ الْمِيْثَاقِ **فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ** وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ **فَفِىْ رَحْمَةِ اللّٰهِ** اَىْ جَنَّتِهٖ **هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ** اَىْ هٰذِهِ الْاٰيٰتُ **اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ** يَا مُحَمَّدُ **بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾** بِاَنْ يَّاْخُذَهُمْ بِغَيْرِ جُرْمٍ **وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ** مِلْكًا وَّخَلْقًا وَّعَبِيْدًا **وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ** تَصِيْرُ **الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾**

ترجمہ: .... (کسی یہودی کا جب خاندانِ اوس وخزرج کے لوگوں پر گزر ہوا اوران کی باہمی محبت نے اس کو غیظ وغضب میں مبتلا کردیا جس کی وجہ سے اس نے اوس وخزرج کے زمانۂ جاہلیت کے بعض فتنوں کا ذکر چھیڑ دیا تو یہ لوگ بھبک اٹھے اور قریب تھا کہ تلواریں سونت لی جائیں تو یہ آیات نازل ہوئیں) مسلمانو! اگر تم اہل کتاب میں سے کسی گروہ کی باتوں پر کار بند ہوگئے تو نتیجہ اس کا یہ نکلے گا کہ وہ تمہیں راہ حق سے پھیر دیں گے اور ایمان کے بعد کفر میں مبتلا کردیں گے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم کفر کی راہ اختیار کرو (استفہام تعجب اور

تو بیخ کے لئے ہے) جبکہ تمہارا حال یہ ہے کہ اللہ کی آیتیں تمہیں سنائی جا رہی ہیں اور اس کا رسول تم میں موجود ہے اور جو کوئی مضبوطی (قوت) کے ساتھ اللہ کا ہو رہا تو بلاشبہ اس پر سیدھی راہ کھل گئی۔ ایمان والو! اللہ سے ڈرو، ایسا ڈرنا جو واقعی ڈرنا ہے (اس طرح کہ اللہ کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے۔ اس کا شکر کیا جائے کفران نہ کیا جائے، اس کا ذکر کیا جائے اس کو فراموش نہ کیا جائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ! کون ان باتوں کی طاقت رکھتا ہے؟ چنانچہ اس پر فاتقوا الله مااستطعتم سے یہ حکم منسوخ ہو گیا) اور دنیا سے نہ جاؤ مگر اس حالت میں کہ اسلام پر ثابت قدم (پرستار توحید) رہو اور اللہ (کے دین) کی رسی مضبوط پکڑ لو (تھام لو) سب مل جل کر اور جدا جدا نہ ہو جاؤ (اسلام لانے کے بعد) اور یاد رکھو اللہ نے جو نعمت (انعام) تمہیں عطا فرمائے ہیں (اے اوس وخزرج کے گروہ) تمہارا حال یہ تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے (اسلام سے پہلے) لیکن اس نے ملا دیا (جمع کر دیا) تمہارے دلوں کو (اسلام کے ذریعہ) پس بن گئے (ہو گئے) اس کے فضل وکرم سے آپس میں بھائی بھائی (دین ودوستی کے لحاظ سے) تمہارا حال تو یہ تھا کہ آگ سے بھری ہوئی خندق کے کنارے (ڈھانگ) پر کھڑے ہوئے تھے (تم میں اور خندق میں کچھ دوری اور دیری نہیں تھی بجز موت کے) لیکن اللہ نے تمہیں اس حالت سے نکال لیا (ایمان کی بدولت) اسی طرح (جیسا کہ تمہارے لئے ابھی واضح کر دیا) واضح فرما دیا کرتے ہیں اپنی نشانیاں اور احکام تا کہ تم راہ پالو اور دیکھو ضروری ہے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہو جو بھلائی کی باتوں (اسلام) کی طرف دعوت دینے والی ہو۔ وہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور ایسے ہی لوگ (جو داعی، آمر، ناہی ہوں) کامیابی حاصل کرنے والے ہوتے ہیں (بامراد اور لفظ منکم میں من تبعیضیہ ہے کیونکہ مذکورہ احکام فرض کفایہ ہیں تمام امت پر لازم نہیں ہیں اور نہ ہر آدمی مثلاً جاہل کے لئے سزاوار ہیں اور بعض کے نزدیک من زائدہ ہے۔ یعنی چاہئے کہ تم سب مل کر یہ کام کرو) اور ان لوگوں کی سی چال نہ چلنا جو لوگ الگ الگ ہو گئے (اپنے دین سے) اور اختلاف کر لیا (دین میں) باوجودیکہ روشن دلیلیں ان کے سامنے آ چکی تھیں (یہود ونصاریٰ مراد ہیں) اور یہی لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اس دن کتنے ہی چہرے چمک اٹھیں گے اور کتنے ہی چہرے کالے پڑ جائیں گے (یعنی قیامت کے روز) سو جن لوگوں کے چہرے کالے پڑ جائیں گے (اور وہ کافر ہوں گے نارِ جہنم میں ان کو جھونک دیا جائے گا اور ان سے ڈانٹ کر کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان (عہد میثاق) کے بعد پھر انکارِ حق کی راہ اختیار کر لی تھی تو عذاب کا مزہ چکھ لو اپنی منکرانہ چال کی پاداش میں اور جن لوگوں کے چہرے چمک رہے ہوں گے (اور وہ مؤمن ہوں گے) سو وہ اللہ کی رحمت (جنت) کے سایہ میں ہوں گے۔ ہمیشہ رحمت الٰہی میں رہنے والے یہ (آیات مذکورہ) اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو (اے محمدؐ) فی الحقیقت سنا رہے ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا پر ظلم کرنا چاہیں (اس طرح کہ بلا جرم اپنی مخلوق کو پکڑ لیں) اور آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے (سب اسی کے مملوک، مخلوق، بندے ہیں) اور بالآخر سب باتیں اللہ ہی کی طرف لوٹنے (رجوع ہونے) والی ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **بعض الیھود** شماس بن قیس یہودی نے جنگ بعاث زمانۂ جاہلیت کے واقعات سنا دیئے اور خزرج کی ہجو سے متعلق ایک قصیدہ سنا دیا جس سے لوگوں میں دشمنی کی آگ بھڑک اٹھی۔

یا ایھا الذین امنوا پہلی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے بواسطہ حضور ﷺ کے اہل کتاب کو خطاب فرمایا اور یہاں اہل ایمان کی تکریم و تشریف کی خاطر خود خطاب بلاواسطہ فرمایا۔ لفظ **رد** کے بعد **بعد ایمانکم** بظاہر ضرورت نہیں تھی کیونکہ ارتداد ایمان کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح دونوں مفعول کے درمیان اس کو لانا شناعت کفر بڑھانے کے لئے ہے۔ اور لفظ **کیف** بھی اظہار تعجب کے لئے ہے تلاوت کی اسناد آنحضرت ﷺ کی طرف نہیں کی گئی ہے کیونکہ مقصود تلاوت کا غرض اصلی کے لئے کافی ہوتا ہے۔ تالی کوئی بھی ہو نیز تلاوت اور رسول اللہ ﷺ کی موجودگی دونوں کا بالاستقلال بیان کرنا مقصود ہے۔

فقد ھدی یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے **اذا جئت فلانا فقد افلحت** یعنی اس صورت میں ہدایت کا حصول اس درجہ یقینی ہے کہ

گویا حاصل ہو چکی ہے، جس کی خبر دی جارہی ہے تو دراصل جزاء متیقن کرنا ہے

یا ایھا الذین خطاب میں تکرار تشریفاً ہے اور تکرار میں اہل کتاب کے خطاب کے تکرار کا مقابلہ بھی ہے۔

حق تقٰتہ ضمیر اگر اللہ کی طرف راجع کی جائے تو مراد اکمل تقویٰ ہے جو انبیاءؑ اور خواص مقربین کا تقویٰ ہوتا ہے۔ جس کی تفصیل مفسر علامؒ کررہے ہیں یہی بات صحابہؓ کے لئے باعث اشکال بنی کہ اللہ کے حق کے موافق تقویٰ کون کرسکتا ہے لیکن تقتہ کی ضمیر کا مرجع اگر خود تقویٰ کو قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ تقویٰ کا جو حق ہے اس کو ادا کرو اور اس کی تفسیر **فاتقوا اللہ ما استطعتم** میں کردی گئی ہے۔ حضرات صحابہؓ کے استفسار پر تو جمہور و محققین کی رائے پر اس آیت کو منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں رہتی، البتہ مقاتل کی رائے وہی ہے جو مفسر جلالؒ نے پیش کی ہے کہ اس سورت میں بجز اس آیت کے کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

ولا تموتن مراد دوام علی الاسلام یا بقول کبیر اقامت علی الاسلام ہے کیونکہ موت امر ضروری ہے اس لحاظ سے گویا یہ کہا گیا ہے **داموا علی الاسلام بحبل اللہ** حدیث میں فرمایا گیا ہے **القران حبل اللہ المتین لاتنقضی عجائبہ ولا یخلق عن کثرۃ الرد من قال بہ صدق ومن عمل بہ رشد ومن اعتصم بہ ھدی الی صراط مستقیم** لفظ حبل میں استعارہ کیا گیا ہے جس طرح رسی کا پکڑنا گرنے سے سلامتی کا باعث ہوتا ہے اسی طرح قرآن کا تمسک باعث نجات ہے اور لفظ اعتصام میں ترشیح مجازی ہے، علامہ آلوسیؒ کہتے ہیں کہ مؤمنین کی حالت کو اس رسی کے پکڑنے سے تشبیہ دی گئی ہے جو اوپر سے لٹکی ہوئی ہو۔

یدعون مفعول محذوف ہے ای **یدعون الناس وینھون** منکر کو کہتے ہیں جو عقل و شرع کے خلاف ہو یا معروف کے معنی ایسی چیزیں جو قرآن و سنت کے موافق اور منکر جو ان کے خلاف ہو یا معروف طاعت کو اور منکر معاصی کو کہتے ہیں۔ دعوت الی الخیر عام اور مجمل عنوان ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور مفصل معطوفات ہیں اور من تبعیضیہ ہے یا بیانیہ، کیونکہ محتسب یا جس کو امام نے تبلیغ احکام پر مامور کیا ہے اس پر تو فرض علی العین ہے ورنہ فرض علی الکفایہ ہے من کو تنبیہ ماننے کی صورت میں وجوب علی الکفایہ اس کے معارض نہیں ہوگا کیونکہ عموم خطابات وجوب علی العین کا تقاضا نہیں کرتے چنانچہ جہاد کا خطاب عام ہے حالانکہ خود جہاد واجب علی الکفایہ ہے۔ نیز اس کے مخاطب تمام مؤمنین ہیں جن میں اوس وخزرج بھی اولاً داخل ہیں۔

المفلحون یعنی کامل الفلاح۔ اس لئے ان کے علاوہ دوسروں سے فلاح کی بالکلیہ نفی لازم نہیں آئی البتہ دوسروں پر ان کی فوقیت ثابت ہوئی **خیر الناس من ینفع الناس** حدیث نبوی ہے۔

منھا ضمیر لفظ **حضرۃ** کی طرف راجع ہے۔ گویا شفا سے انقاذ۔ انقاذ من الحضرۃ ہے اس لئے سنت اور احسان کی اضافت انقاذ من الحضرۃ ابلغ اور اوقع ہوگئی۔ **الامۃ** جماعت جس کا قصد کیا جائے، اس کا اطلاق انبیاءؑ کی اتباع پر بھی کیا جاتا ہے کیونکہ سب ایک ہی مقصد پر جمع ہوتے ہیں اور مقتدا کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے کہ **ان ابراھیم کان امۃ** اور دین وملت پر بھی اطلاق آتا ہے جیسے **انا وجدنا اباء نا علی امۃ** اور زمانہ پر بھی اطلاق آتا ہے جیسے **واذّکر بعد امۃ**

ولا تفرقوا یعنی اصول میں تفریق نہ کرو فروع کی تفریق مراد نہیں ہے کہ وہ تو ایک لحاظ سے باعث رحمت ہے ارشاد ہے **اختلاف امتی رحمۃ واسعۃ** اور **من اجتھدا فاصابہ فلہ اجران ومن اخطأ فلہ اجرٌ واحدٌ** بشرطیکہ نصوص واجماع کے مخالف اختلاف نہ ہو **یوم تبیض** منصوب ہے **اذکر** مقدر کی وجہ سے یا **مستقر لھم عذاب** کے عامل کی وجہ سے پہلی صورت میں یہ مفعول بہ اور دوسری صورت میں مفعول فیہ ہوگا۔ **یوم اخذ المیثاق** یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ **اکفرتم بعد ایمانکم** کہنا کس طرح صحیح ہے درآنحالیکہ ان کا ایمان پہلے سے محقق نہیں تھا۔ بلکہ کافر الاصل ہیں حاصل جواب یہ ہے کہ ایمان سے مراد عہد الست ہے جو سب نے کیا تھا۔

رحمۃ اللہ کی تفسیر جنت کے ساتھ مفسر علامؒ نے اس لئے کی ہے کہ دخول جنت کی اصل علت اللہ کی رحمت ہے، جو طاعت وعمل نہیں

ہے گویا حال بول کر محل مرادلیا گیا ہے۔ واما الذین ابیضت ترتیب کا تقاضا تو یہ تھا کہ اما الذین اسودت کا ذکر موخر ہونا چاہئے تھا اور اس کا مقدم لیکن اس نکتہ کی رعایت کی گئی ہے کہ مؤمنین کے ذکر سے کلام کی ابتداء اور انتہاء ہو۔ اول میں ان کی شان اور آخر میں ان کا ثواب۔ تلک مبتداء ایت اللہ خبر نتلوھا حال ہے وما اللہ یرید جب ارادۂ ظلم کی نفی ہے تو ظلم کی نفی بدرجۂ اولیٰ ہوگی للہ مفسر علام نے اس کی تفسیر میں لام ملک کی طرف اشارہ کردیا ہے اور اللہ کے ساتھ اختصاص ظاہر ہے کہ اس کے سوا کوئی خالق نہیں ہے۔

ربط:............ آیت یا ایھا الذین میں مسلمانوں کو فہمائش ہے کہ وہ مخالفین کی کاروائیوں سے محتاط اور چوکنے رہا کریں جیسا کہ اس کا خاص واقعہ میں ذرا سی غفلت سے شیطان نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرلی تھی۔ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ میں بھی اسی فہمائش کی تاکید ہے اور یہ کہ خود مضبوطی سے ہدایت پر قائم رہو اور آیت ولتکن میں دوسروں کو بھی ہدایت پر قائم کرنے کی کوشش کا حکم ہے جیسا کہ اس سے پہلی آیات میں خود گمراہ ہونے اور دوسروں کو گمراہی پر چلانے کی ممانعت کی گئی تھی۔

شانِ نزول:............ ایک اندھے شماس بن قیس کی جنگ بعاث کا قصہ چھیڑ دینے کا واقعہ اور گڑے مُردے اکھاڑنے کا جو نتیجہ ہوا اس کا تذکرہ جلال مفسرؒ کر چکے ہیں۔

﴿تشریح﴾:...... **عرب جاہلیت اور اسلام کا نقشہ:**............ عرب کی بے انتہا برائیوں کا اندازہ صرف اس ایک بات سے کیا جاسکتا ہے کہ آپس میں جنگ وجدال، قتل وغارت، مار دھاڑ ان کا ایک معمولی کھیل اور ہنر تھا جس سے ان کی قوت وسالمیت پارہ پارہ ہورہی تھی۔ اوس وخزرج کے درمیان مشہور جنگ بعاث کا بازار ایک سو بیس سال اس طرح گرم رہا کہ ہر مرنے والا اپنے جانشینوں کو اس آگ کے روشن رکھنے کی وصیت کرکے جاتا تھا۔ جس کو ان کے بڑوں نے لڑائی کی صورت میں سلگایا تھا۔ لیکن یہ اسلام ہی کی برکت تھی کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے دشمنوں کو اس نے باہم شیر وشکر کردیا۔ اور دست وگریبان ہونے والوں کو گلے ملادیا۔ بلکہ وہ عظیم الشان مواخات اور بھائی چارگی قائم کردی جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی صدیوں کے عداوت اور دشمنی کی آگ کو بجھا کر خاکستر بنادیا۔

لیکن اے مسلمانو! یہ کیا اندھیر ہے کہ اندھے نے راکھ کے ڈھیر میں سے ایک ذرا سی چنگاری کو ہوا دینی شروع کی تو پھر سے آگ بھڑکنے کے قریب ہوگئی، نزدیک تھا کہ زبانی سرد جنگ، سیف وسنان کی گرم جنگ میں تبدیل ہوجاتی۔ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں جبکہ اللہ کا کلام بھی اتر رہا ہے۔ آخر یہ شیطان کو بار کیسے مل رہا ہے لیکن خیر مقدم ستائش ہے کہ پیغمبرانہ ایک للکار سے پھر شیطانی جال کے سب حلقے ایک ایک کرکے ٹوٹ گئے۔

اسلام کی برکات:............ اہل کتاب کی محرومیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد پیروانِ اسلام کو بتلانا ہے کہ یہود ونصاریٰ کی گمراہیاں تمہارے لئے درس عبرت ہیں اگر تم نے ان کی گمراہانہ خواہشوں کی پیروی کی تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ راہ ہدایت پاکر پھر گمراہی میں مبتلا ہوجاؤ گے۔ ایمان کی برکتوں کے حصول کے لئے یہی کافی نہیں ہے کہ بس ایمان کا اقرار کرلو۔ بلکہ اصل چیز ایمان کا جماؤ ہے، اس لئے ضروری ہے کہ (۱) جماعت کے تفرقہ سے بچو، اللہ کی رسی مضبوط کرلو، جو چھوٹ تو سکتی ہے لیکن ٹوٹ نہیں سکتی، اللہ کی سب سے بڑی نعمت تم پر یہ ہے کہ تمہاری دشمنی دور کرکے بھائی بھائی بنادیا۔ (۲) دوسروں کے طور طریق سے اپنے دل ودماغ کی حفاظت کرو۔

(۳) تم میں ہمیشہ ایک جماعت ہونی چاہئے جو تقویٰ، اتحاد واتفاق، قومی زندگی، اسلامی مواخات باقی رکھنے کے لئے دعوت وارشاد کا کام کرے۔ جس کا وظیفہ یہ ہے کہ اپنے قول وعمل سے دنیا کو قرآن وسنت کی طرف بلائے، لوگوں کو جب اچھے کاموں میں سست اور

برے کاموں میں چاق و چوبند دیکھے تو مقدور بھر اصلاح کی کوشش کرے، اور ظاہر ہے کہ یہ کام حدود سے واقفیت اور قرآن وسنت کی معرفت کے بغیر کس طرح انجام پاسکتا ہے اس لئے مخصوص شرائط کے ساتھ اس کے لئے ایک جماعت وقف رہنی چاہئے۔

(۴) یہود و نصاریٰ کی طرح نہ بنو۔ ان کی سب سے بڑی گمراہی یہ تھی کہ اللہ کے صاف احکام پہنچنے کے بعد بعض اوہام واہواء کی پیروی کرکے وہ اصول دین میں متفرق اور فروع احکام میں مختلف ہوگئے ہیں جس نے ان کی قومیت اور شیرازہ بندی کو تباہ کردیا اور اس طرح وہ عذاب الٰہی کے نیچے آ گئے۔

لطائف: .... اہل کفر کی پیروی دو طرح ہوتی ہے۔ (۱) اعتقادی پیروی کہ اس سے کفر واعتقاد پیدا ہوجاتا ہے اور (۲) عملی پیروی کہ اس سے کفر عملی پیدا ہوجاتا ہے۔ جیسے یہاں ان کے کہنے میں آ کر مسلمان مشتعل ہوگئے۔ غرضکہ ہر طرح کے کفر اور اس کی پیروی سے بچنا ضروری ہے اور مجازاً کفر عملی پر قرآن وحدیث میں کفر کا اطلاق شائع ذائع ہے **وفیکم رسولہ** کا خطاب اگر صرف صحابہؓ کو ہے تب تو رسول اللہ ﷺ کی موجودگی ظاہر ہے اور بتقاضائے مقام مضمون عام لیا جائے تو آثار وشواہد نبوت کا تا قیامت قائم رہنا بمنزلہ آپ ﷺ ہی کے تشریف رکھنے کے ہے کیونکہ اصل مؤثر آپ ﷺ کے ہادی ہونے میں آپ ﷺ کا وصف نبوت تھا اور اب بھی ہے اور تا قیامت آپ ﷺ کی نبوت رہے گی۔ **حق تقتہ** کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کی عظمت کا جو حق ہے اتنا ڈرو کیونکہ یہ حق کسی سے ادا نہیں ہوسکتا بلکہ منشاء یہ ہے کہ جس قدر حق تمہارے ذمہ واجب کردیا گیا اس کو بجالاؤ یعنی تقویٰ کے ادنیٰ درجہ پر جس کا حاصل صرف کفر وشرک سے بچنا ہے اکتفاء نہ کرنا بلکہ اس کا اعلیٰ درجہ حاصل کرو جس میں معاصی سے بچنا بھی داخل ہے۔

احکام وآداب تبلیغ: .... تبلیغ کے احکام، آداب وشرائط کی تفصیلات تو احکام القرآن ابوبکر رازی میں اور تفسیرات احمدی اور عالمگیری، تاتارخانیہ، خلاصہ وغیرہ میں ملے گی تاہم یہ مسائل ستہ (۶) ضرور پیش نظر رہنے چاہئیں۔

(۱) سب سے پہلی حدیث ابوسعید خدریؓ **من رای منکم منکراً** کے لحاظ سے اس سلسلہ میں قادر اور غیر قادر ہونے کا فرق ملحوظ رکھنا ہے۔ یعنی اگر کسی کو غالب قرائن سے اطمینان ہو کہ دوسرے کو فہمائش ونصیحت کرنے سے اس کو زیادہ نقصان لاحق نہیں ہوگا تو اس کے لئے واجب چیزوں کی تبلیغ واجب اور مستحبات کی تبلیغ مستحب ہوگی۔ (۲) اگر ہاتھ سے اس اچھائی یا برائی کے انتظام اور تغیر کی قدرت ہو تو ہاتھ سے اور زبان سے ہو تو زبان سے قدرت کو کام میں لانا ضروری ہوگا۔ ورنہ دل سے برائی کو برا جاننا ضروری ہوگا جو قدرت کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔ (۳) پھر قدرت کے ساتھ یہ وجوب علی الکفایہ ہے کہ بقدر ضرورت اگر لوگ اس میں لگے ہوں اور کام چل رہا ہو تو دوسرے اصحاب قدرت کے ذمہ سے ساقط ہے ورنہ سب لوگ تارک واجب سمجھے جائیں گے کیونکہ تقسیم کار کا اصول نہایت ضروری ہے دین کے آخر اور ابواب بھی ہیں ان سب کے حدود کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ تدریس، تصنیف، افتاء وغیرہ خدمات کے لئے بھی ایک ایک معتدبہ جماعت کی ضرورت ہوگی اگر سب ایک ہی طرف لگ گئے تو دوسرے کام ادھورے رہ جائیں گے الا یہ کہ خود تبلیغ کے مفہوم میں اس قدر توسع کرلیا جائے کہ یہ سب ابواب ایک ہی کتاب کے اوراق بن جائیں۔ تو پھر بھی انفراداً ہر ورق پر حفاظتی نظر فرض علی الکفایہ رہے گی۔ (۴) ہاتھ کی قدرت کی صورت میں تو کبھی بھی امر ونہی کا ترک جائز نہیں ہوگا زبانی قدرت کی صورت میں البتہ نفع سے مایوسی کے وقت نصیحت چھوڑنے کی اجازت ہوگی مگر ساتھ ہی اگر کوئی مجبوری نہ ہو تو تعلق ومحبت بھی ترک کرنا ضروری ہوگا۔ (۵) قدرت کے علاوہ بقدر ضرورت اس چیز کے متعلق شریعت کا حکم بھی معلوم ہونا ضروری ہے یعنی معروف ومنکر کا علم قرآن وسنت کی معلومات، موقع ومحل شناسی بنیادی چیز ہے ورنہ بہت ممکن ہے کہ ایک جاہل معروف کو منکر اور منکر کو معروف خیال کرکے اصلاح کی بجائے سارا نظام ہی

مخل کر کے رکھ دے یا ایک منکر کے ساتھ ایسا طریقۂ کار اور روش اختیار کرے کہ اس سے اور بھی زیادہ منکرات بڑھ جائیں یا نرمی کی جگہ گرمی اور گرمی کی بجائے نرمی اختیار کر بیٹھے۔ اس طرح مقصد اصلاح و دعوت ہی فوت ہو جائے گا، چنانچہ مستحبات میں مطلقاً نرمی کرنی چاہئے اور واجبات میں اولاً نرمی سے کام نہ چلے تو گرمی برتنی چاہئے۔ (۶) جس شخص کو مذکورہ تفصیل کے ساتھ قدرت نہ ہو اس پر مستحبات تو مستحبات واجبات کی تبلیغ بھی واجب نہیں رہتی البتہ اگر ہمت اور عزیمت پر عمل کرلے تو افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر کے باعث باعثِ ثواب ہوگا۔

لیکن اگر علم سے بے بہرہ اور چیز کی شرعی معلومات سے بے خبر ہو تو "ضلوا فاضلوا" کا مصداق ہوگا۔ خود بھی گنہگار اور دوسرے سننے والوں کو بھی گنہگار کریگا "خفتہ را خفتہ کے کند بیدار" اور "ہر کہ خود گم است کرا رہبری کند" آزمودہ بزرگوں کا مقولہ ہے اس کے علاوہ تصحیح نیت یعنی محض لوجہ اللہ اس کا ارادہ ہونا مامور دین پر شفقت اور خیر اندیشی کا جذبہ ہونا ناصح کا حلیم و بُردبار اور صبور ہونا، فتنہ وفساد کے برپا ہونے کا اندیشہ نہ ہونا، واعظ کا مجلس وعظ ہی میں لوگوں سے سوال نہ کر لینا، اور ذاتی اغراض پیش نہ کر دینا وغیرہ وغیرہ ضروری آدابِ تبلیغ قابل لحاظ ہوں۔

مسئلہ اتحاد واتفاق:............ بذاتِ خود نہ تو اتحاد واتفاق فی نفسہ محمود اور مطلوب ہوتا ہے اور نہ تفریق واختلاف فی حدِ ذاتہ مذموم اور بُرا ہے بلکہ ان کے پیچھے مقاصد کو دیکھنا پڑے گا اگر مقصد محمود ہے تو ذرائع بھی مستحسن شمار ہوں گے خواہ اختلاف ہی کیوں نہ ہوں، اور مقصد اگر مذموم ہے تو پھر وسائل چاہے اتفاق واتحاد ہی کیوں نہ ہوں یقیناً بُرے ہوں گے چنانچہ اصول دین میں اگر اختلاف ہوگا یا فروع دین ہی میں براہ نفسانیت اختلاف ہو تو یقیناً بدترین گناہ ہوگا۔ اہل باطل واہواء اور مبتدعین کا اختلاف اہل سنت والجماعت سے اسی قسم کا رہا ہے جو قابل نفرت وملامت ہے۔ آیت "من بعد ماجاء تهم البينت" میں اسی طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اصول تو تمام واضح ہوتے ہیں لیکن بعض فروع بھی اس طرح واضح نہیں ہوتے ہیں کہ اگر نفسانیت کو دخل نہ ہو تو اختلاف کی گنجائش نہیں رہتی۔ ہاں جن بعض فروع میں کوئی نص نہیں ہوتی یا ہوتی ہے مگر بظاہر معارض اور وجہ تطبیق کچھ کھلی ہوئی نہیں ہوتی پس ایسے فروع غیر ظاہرہ میں اختلاف ہو جانا بعید نہیں ہے اور نہ محلِ ملامت اور قابل مذمت ہے کہ اس کو آیت کے ذیل میں داخل کیا جائے بلکہ امت کے حق میں ایسے اختلاف کو باعثِ سہولت ورحمت کہا گیا ہے جیسا کہ اہل حق کے درمیان مسائل اجتہادیہ میں ہوا ہے کہ وہ اختلاف مخالفت کی حد تک نہیں پہنچتا جو علامت ہوتی ہے نفسانیت اور انانیت کی۔

لطائف:............ اكفرتم کے پیش نظر الذين تفرقوا کے مصداق میں مفسر مختلف ہیں بہتر یہ ہے کہ کفر سے مراد عام معنی لئے جائیں خواہ ان کا توحید ورسالت ہو یا اعتقاد و بدعت ہو۔ کیونکہ وضوح دلائل کے بعد ہی یہ تمام باتیں ہوا کرتی ہیں۔ اب تمام کفار واہل کتاب آیت کا مصداق ہو جائیں گے اور معنی یہ ہو جائیں گے کہ اے صحابہؓ یا عام مسلمانو! تم ان مخالفین کی طرح مت ہو جاؤ پس اس صورت میں مشبہ اور مشبہ بہ میں اگرچہ یہ فرق رہے گا کہ مشبہ میں معصیت عملی اور مشبہ بہ میں معصیت اعتقادی ہوگی اور پھر اس کی وجہ سے وجہ شبہ میں بھی فرق اور اُتنا ہی تفاوت مشبہ اور مشبہ بہ کی وعیدوں میں رہے گا لیکن صحتِ تشبیہ کے لئے طرفین کی مماثلت من كل الوجه ضروری نہیں ہوتی اس لئے کوئی حرج نہیں۔

وما الله يريد الخ میں ظلم کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مالکِ مطلق ہیں وہ اپنی مخلوق کے ساتھ جو کچھ بھی کریں اس کو ظلم ہرگز نہیں کہا جا سکتا، پس جب کوئی ان کا حقیقۃً ظلم نہیں تو اس کی نفی کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ یہاں ظلم کے متبادر معنی مراد

ہیں جن کو عقلاً یا شرعاً بندوں کے نزدیک ظلم کہا جاتا ہے وہ بھی اللہ کی جناب میں نہیں پائے جاتے۔

حق تقتہ یہ آیت طریقت کی مطلوبیت پر صاف دلالت کر رہی ہے کیونکہ طریقت کا حاصل بھی حق تقویٰ کی ادائیگی ہے۔

ولتکن منکم امة اس سے معلوم ہوا کہ مشائخ طریقت میں جو اہل ارشاد ہوتے ہیں وہ غیر اہل ارشاد سے افضل اور بہتر ہوتے ہیں۔

كُنْتُمْ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى **خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ** اُظْهِرَتْ **لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ** بِاللّٰهِ **لَكَانَ** الْاِيْمَانُ **خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ** كَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍؓ وَاَصْحَابِهٖؓ **وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾** اَلْكَافِرُوْنَ **لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ** اَيِ الْيَهُوْدُ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ بِشَيْءٍ **اِلَّآ اَذًى ؕ** بِاللِّسَانِ مِنْ سَبٍّ وَّوَعِيْدٍ **وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ** مُنْهَزِمِيْنَ **ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾** عَلَيْكُمْ بَلْ لَكُمُ النَّصْرُ عَلَيْهِمْ **ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا** حَيْثُمَا وُجِدُوْا فَلَاعِزَّ لَهُمْ وَلَا اعْتِصَامَ **اِلَّا** كَائِنِيْنَ **بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ** الْمُؤْمِنِيْنَ وَهُوَ عَهْدُهُمْ اِلَيْهِمْ بِالْاِيْمَانِ عَلٰى اَدَاءِ الْجِزْيَةِ اَيْ لَاعِصْمَةَ لَهُمْ غَيْرُ ذٰلِكَ **وَبَآءُوْ** رَجَعُوْا **بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ** اَيْ بِسَبَبِ اَنَّهُمْ **كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ** تَاكِيْدٌ **بِمَا عَصَوْا** اَمْرَ اللّٰهِ **وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾** يَتَجَاوَزُوْنَ الْحَلَالَ اِلَى الْحَرَامِ **لَيْسُوْا** اَيْ اَهْلُ الْكِتٰبِ **سَوَآءً ؕ** مُسْتَوِيْنَ **مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ** مُسْتَقِيْمَةٌ ثَابِتَةٌ عَلَى الْحَقِّ كَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍؓ وَاَصْحَابِهٖؓ **يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ** اَيْ فِيْ سَاعَاتِهٖ **وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾** يُصَلُّوْنَ حَالٌ **يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ** الْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَا ذُكِرَ **مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾** وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّيْسُوْا كَذٰلِكَ وَلَيْسُوْا مِنَ الصّٰلِحِيْنَ **وَمَا يَفْعَلُوْا** بِالتَّاءِ اَيَّتُهَا الْاُمَّةُ وَبِالْيَاءِ اَيِ الْاُمَّةُ الْقَائِمَةُ **مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ** بِالْوَجْهَيْنِ اَيْ تُعْدَمُوْا ثَوَابَهٗ بَلْ تُجَازُوْنَ عَلَيْهِ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ** تَدْفَعَ **عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ** اَيْ عَذَابِهٖ **شَيْئًا ؕ** وَخَصَّهُمَا بِالذِّكْرِ لِاَنَّ الْاِنْسَانَ يَدْفَعُ عَنْ نَّفْسِهٖ تَارَةً بِفِدَاءِ الْمَالِ وَتَارَةً بِالْاِسْتِعَانَةِ بِالْاَوْلَادِ **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾**.

ترجمہ:............ (اے محمد کی امت! اللہ کے علم میں) بہترین امت ہو جو ظہور میں آئی (نمایاں ہوئی) ہے لوگوں کی اصلاح کے لئے تم نیکی کا حکم دینے والے، برائی سے روکنے والے اور اللہ پر ایمان رکھنے والے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے (اللہ پر) تو (ایمان) ان کے لئے بہترین بات ہوتی۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ایمان رکھنے والے ہیں (جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے رفقاء) لیکن بڑی تعداد ان ہی لوگوں کی ہے جو اطاعت کے دائرہ سے باہر (کافر) ہو چکے ہیں وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے (یہ یہود اے مسلمانو!) الا یہ کہ تھوڑی بہت کچھ اذیت پہنچادیں (زبانی گالی یا دھمکی دے کر) اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو یاد رکھو کہ انہیں لڑائی میں پیٹھ دکھانی

پڑے گی (شکست کھانی ہوگی) پھر کبھی فتح مند نہ ہوں گے (تمہارے مقابلہ میں بلکہ تمہیں ان کے مقابلہ میں کامیاب کیا جائے گا) ان لوگوں پر ذلت کی مار پڑی جہاں کہیں بھی یہ پائے گئے (جس جگہ بھی ہیں ان کو عزت اور جماؤ نصیب نہیں ہے) ہاں یہ کہ اللہ کے عہد سے پناہ (پانے والے ہوگئے ہوں) یا انسانوں کے عہد سے پناہ مل گئی ہو (یعنی مسلمانوں کی طرف سے اس عہد کی وجہ سے جو ایمان کے سلسلہ میں ادائے جزیہ پر انہوں نے کیا ہو۔ حاصل یہ کہ بجز اس عہد کے اور کوئی صورت ان کے بچاؤ کی نہیں ہے) اور غضب الٰہی ان پر چھا گیا ہے (مستحق ہوگئے) محتاجی میں گرفتار ہوگئے اور یہ اس لئے (یعنی اس سبب سے) ہوا کہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور نبیوں کے قتل ناحق کے مرتکب تھے یہ (ماقبل کی تاکید کے لئے ذلک ہے) اس لئے ہوا کہ (اللہ کے حکم کی) نافرمانی کرنے لگے تھے اور حد سے گزر گئے تھے (کہ حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے لگے تھے) یہ بات نہیں ہے کہ (تم اہل کتاب) برابر ہیں (سواء بمعنی مستو ہے) ان اہل کتاب میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو قائم ہیں (حق پر مستقیم اور ثابت قدم ہیں۔ جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے رفقاء) وہ اللہ کی آیتوں کی تلاوت راتوں میں (رات کی گھڑیوں میں) اٹھ کر کرتے ہیں اور اس کے حضور میں سربسجود رہتے ہیں (نماز میں مشغول رہتے ہیں یہ حال ہے) وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں نیکی کا حکم کرتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں، بھلائی کے کاموں میں پھرتیلے رہتے ہیں اور یہ لوگ (جن کا تذکرہ ہوا) نیک کرداروں میں ہیں (لیکن اہل کتاب میں سے بعض لوگ نہ ایسے ہیں اور نہ شائستہ لوگوں میں شمار ہوتے ہیں) اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو (تفعلوا تا اور یا کے ساتھ ہے یعنی اے امۃ یا امۃ قائمہ) نیک کاموں میں سے ہرگز اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی (دونوں طریقہ پر یہاں بھی ہے۔ یعنی ان کو ثواب سے محروم نہیں کیا جائے گا بلکہ بدلہ دیا جائے گا) اور اللہ تعالیٰ متقیوں کو خوب جانتے ہیں جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کی نہ تو بچا سکے گی (محفوظ رکھ سکے گی) انہیں مال و دولت کی طاقت اور نہ اولاد کی کثرت اللہ (کے عذاب) سے کچھ کی درجہ میں (مال و اولاد کا ذکر بالتخصیص اس لئے ہے کہ انسان کبھی اپنا بچاؤ فدیہ مالی سے کرتا ہے اور کبھی اولاد کے بل بوتہ پر) یہ لوگ دوزخی اور ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... کنتم لفظ کان کبھی لزوم کے لئے آتا ہے جیسے **وکان الانسان اکثر شئ جدلاً** اس کے بعد جلال محققؒ نے "امۃ محمدؐ" سے اشارہ کردیا کہ اس سے خطاب تمام امت کو ہے چنانچہ حدیث صحیح میں ارشاد ہے **وجعلت امتی خیر الامم** لیکن ابن ابی حاتمؒ کی روایت حضرت عمرؓ سے یہ ہے کہ اس سے مراد صرف صحابہؓ ہیں اس لئے **کنتم** بصیغۂ خطاب فرمایا گیا۔ ورنہ اگر دوسرے لوگ مراد ہوتے تو **انھم** ہونا چاہئے تھا اور ابن عباسؓ کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد صرف وہ حضرات صحابہؓ ہیں جنہوں نے آپؐ کے ساتھ ہجرت کی۔

فی علم اللہ زمخشریؒ کہتے ہیں کہ اس میں اشارہ وجود شی فی زمان الماضی کی طرف ہے بطریق ابہام۔ لیکن عدم سابق اور انقطاع لاحق پر اس کی کوئی دلالت نہیں۔ **اخرجت** صفت ہے امۃ کی **الناس، الف لام** سے اشارہ تعمیم کی طرف ہے کہ یہ امت تمام انسانوں کے لئے باعث رحمت وخیر ہے۔ **تامرون** صیغۂ خطاب تشریفاً ہے کہ تمام حجابات اٹھا دیئے گئے ہیں اور تم غایت تقرب سے مرتبۂ حضوری میں پہنچ گئے ہو جملہ مستانفہ ہے خیرات کا بیان ہے۔ **لکان خیرا لھم** یہ خیریت ان کے اپنے گمان کے لحاظ سے ہوتی۔

الاذی سے پہلے مفسرؒ نے **بشئ** استثناء متصل کی طرف اشارہ کرنے کے لئے نکالا ہے۔

ثم لاینصرون ثم تراخی فی الاخبار کیلئے ہے یعنی اخبار تولی سے زیادہ بڑی خبر تسلط خذلان کی خبر ہے اور **لاینصرون** کا عطف جواب شرط پر نہیں ہے ورنہ یہ وہم ہوگا کہ بغیر قتال ان کی امداد ہوسکتی ہے جو غلط ہے یہ جملہ مستانفہ کے سلب نصرۃ کو تمام احوال میں بتلانا ہے۔

الابحبل من اللہ یہ استثناء جمع احوال سے ہے عہد کے لئے لفظ حبل استعارہ ہے کیونکہ دونوں کامیابی اور نجات کا باعث ہوتے ہیں اللہ کا امان تو اداء جزیہ کی صورت میں ان کے جان و مال کی حفاظت ہے اور دوسرا امان امام وقت کی طرف سے مفت ہو یا کسی مخصوص

رقم پر، بہرحال دونوں صورتوں میں مسلمانوں کوان کی پابندی کرنی چاہئے۔

ضربت علیهم الذلة چونکہ آنحضرت ﷺ کے معاصر یہود قتل انبیاءؑ کی آبائی فعل پر رضامند تھے اس لئے ان کو بھی جرم اور پاداش میں شریک کرلیا گیا ہے آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذلت ومسکنت کی علت کفر اور قتل انبیاءؑ ہے اور خود کفر کی علة معاصی ہیں گویا ذلت کا سبب السبب معاصی ہیں۔

کعبد الله ثعلبہ بن سعیدؓ، اسید بن عبیدؓ وغیرہ دوست احباب مراد ہیں جو مسلمان ہوگئے تھے اور بعض کی رائے ہے کہ اس سے مراد چالیس نصاریٰ نجران اور بتیس حبشی اور تین رومی ہیں جو پہلے عیسائی تھے لیکن سب نے آنحضرت کی تصدیق کی اور بعض انصار جیسے اسعد بن زرارہؓ، براء بن معرورؓ، محمد مسلمہؓ، ابوقیسؓ، صرمہ بن انسؓ وغیرہ آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے ہی موحد تھے، غسل من الجنابۃ کرتے اور دین حنیف کی جو باتیں ان کو معلوم تھیں ان کو ادا کرتے، جب آپ ﷺ تشریف لائے تو سب نے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور آپ ﷺ کی تائید ونصرت کی۔ قائمة یہ قام لازم سے ماخوذ ہے بمعنی استفہام ای مستقیمة علی طاعة الله

اناء اللیل انا اس کا واحد انا بروزن عصا ہے اور بعض کے نزدیک معاکی طرح ہے۔ اناء کے معنی ساعات ہیں مراد تہجد ہے اور بعض نے نماز عشاء مراد لی ہے۔ تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب یہ نماز نہیں پڑھتے اور مفسر نے یصلون سے تفسیر اس لئے کی ہے کہ تلاوت قرآن سجدہ میں نہیں ہوتی، اس لئے نماز ہی مراد ہے فاعل یتلون سے حال ہے۔

یسارعون یعنی مبادرۃ اور رغبت کے معنی میں بھی آتا ہے اور مفاعلة سے مبالغہ کے لئے ہے۔ سرعة اور عجلت میں یہ فرق ہے کہ سرعة کہتے ہیں مناسب اور جائز چیز میں جلدی کرنے کو جس کی ضد ابطاء آتی ہے اور عجلت کہتے ہیں نامناسب چیز میں جلدی کرنے کو اس کی ضد اناءۃ ہوتی ہے سرعت محمود اور عجلت مذموم ہوتی ہے فرمایا گیا ہے التعجیل من الشیطان

ومنهم من لیسوا کذلک مفسرؒ نے اشارہ کردیا ہے کہ عادتِ عرب کی طرف کہ اس کی وجہ سے احدالفریقین کے ذکر پر اکتفاء کرلیا گیا ہے اور دوسرے فریق پر منهم لیسوا کذالک کا ذکر نہیں کیا گیا۔

فی الخیرات بجائے الی کے فی استعمال کر کے اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ لوگ اصل غیر میں مستقر ہیں اس سے باہر ہو کر اس کی طرف منتہی نہیں ہیں۔

من الصالحین یہود کے قول کا رد ہے وہ کہا کرتے تھے ما امن به الا اشرارنا. لن یکفروه اصل معنی کفر کے ستر اور چھپانے کے ہیں لیکن معنی منع اور حرمان کے متضمن ہونے کی وجہ سے اس کا تعدیہ دو مفعول کی طرف کرلیا گیا ہے۔

ربط: .... گذشتہ آیات میں ثبات علی الایمان اور معروفات کی ترویج اور منکرات کی تخریب پر زور دیا گیا تھا، آیت کنتم خیر امة میں اسی کی مزید ترغیب وتاکید ہے کہ تمہارا خصوصی وصف اور مبنیٰ خیریت ہے جب تک اس پر قائم رہو گے سمجھو کہ یہ خیریت برہو۔ اس لئے اس میں کمی نہ آنے پائے اس سلسلہ میں تم کو نقصانات اور تکالیف کا خطرہ بھی درپیش ہوگا۔ لن یضروکم میں اس کی طرف سے اطمینان کرایا جارہا ہے بلکہ ضربت علیهم الذلة میں مخالفین اور دشمنوں کے نقصان سے دوچار ہونے کی اطلاع دی جارہی ہے آیت لیسوا سواءً میں بتلایا جارہا ہے کہ مخالفین میں بھی سب یکساں نہیں ہیں کچھ اچھے بھی تھے جو تمہاری طرف آملے۔

شانِ نزول: .... امام زاہدؒ کی رائے یہ ہے کہ آیت کنتم خیر امة مالک بن الضف اور وہب بن الیہود دونوں یہودیوں کے باب میں نازل ہوئی۔ جبکہ ان سے ابن یہود اور ابی بن کعب نے ایک موقعہ پا کر کہا کہ ان دیننا خیر من دینکم ونحن افضل

منکم اس پر توثیقاً یہ آیات نازل ہوئیں۔

ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ عبداللہ بن سلامؓ اور ثعلبہؓ بن شعبہ اور اسیدؓ بن عبید وغیرہ جب ایمان لائے تو بعض علماء یہود اور کفار نے کہاما امن بمحمد وتبعه الا اشرارنا ولو كانوا خيارنا ما تركوا دين آبائهم وذهبوا الى غيره. یعنی یہودیت چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے والے ہم میں سے بدترین افراد ہیں۔ اگر یہ لوگ بہترین ہوتے تو اپنے سابقہ مذہب کو کیوں چھوڑتے اس پر آیت ان الذین کفروا نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: ...... **امت محمد یہ کا خصوصی اور امتیازی وصف**: .... بھلائی کے پھیلاتے اور برائی کے مٹانے کے سلسلہ میں جو بہت آیات ونصوص ہیں یہ آیت بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ قرآن کریم میں معروفات اور منکرات کے حدود اربعہ بتلا کر جامع مانع تعریف کی کوشش نہیں کی گئی کہ وہ ایک محسوس اور بدیہی چیز کو نظری اور غیر محسوس بنا دیتا تھا۔ حالانکہ جن چیزوں کی اچھائی متعارف اور کھلی ہو وہی معروفات میں داخل ہیں۔ اسی طرح بُری چیزیں جو سب کو معلوم ہیں وہ منکرات کہلائیں گی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت جعلت امتی خیر الامم سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کنتم میں تمام امت کو خطاب ہے امر بالمعروف کی تقدیم ایمان پر محض فضل وشرف ظاہر کرنے کیلئے ہے اور ایمان باللہ متضمن ہے تمام اجزائے ایمان کو کیونکہ انتفائے جز مستلزم ہوتا ہے انتفائے کل کو اسی طرح امت کی خیریت مستلزم ہے خیریت نبی کو، جس طرح یہ امت تمام امم سے افضل ہے اسی طرح اس کے نبیؐ تمام انبیاءؑ سے افضل ہیں اور وجہ فضیلت وہی امر مشترک تبلیغ دین ہے۔

لما دعى الله داعينا لطاعته　　　باكرم الرسل كنا اكرم الامم

پھر تمام امت میں حضرات صحابہؓ اول مخاطب ہونے کی وجہ سے سب سے افضل ہیں، اس طرح قصۂ اوس وخزرج سے بھی اس کی مناسبت واضح ہے۔ اس امت کی وجہ خصوصیت وفضیلت متعدد ہیں لیکن آیت میں منجملہ ان کے صرف دو کو بیان کیا گیا ہے ایک اچھائی برائی کا احتساب دوسرے ایمان بظاہر ان دونوں وصفوں میں دوسری امتیں بھی شریک ہیں۔ لیکن یہاں دونوں وصفوں کے اعلیٰ افراد مراد ہیں جو اس امت کے خواص مختصہ ہوں۔ چنانچہ احتساب کا فرد اعلیٰ تو تغیر بالید ہے جو امت محمدؐ کے ساتھ دو وجہ سے خاص ہے۔ (۱) ایک تو مشروعیت جہاد کی وجہ سے ہے کہ وہ دوسری امتوں میں جائز نہیں تھا۔ (۲) دوسرے عموم دعوت جس کی طرف اخرجت للناس میں توجہ دلائی گئی ہے کہ اگر پہلی امتوں میں جہاد مشروع تھا بھی تو عموم دعوت نہ ہونے کی وجہ سے جہاد عام نہیں تھا اور امت محمد یہ میں جہاد اپنی انواع کے لحاظ سے بھی عام ہے کہ زبان وقلم سے ہو یا ہاتھ سے ہو، تیر وتفنگ تلوار سے ہو اور افراد کے اعتبار سے بھی عام ہے غرضکہ یہ صفت جس قدر عموم واہتمام کے ساتھ امت محمد یہ میں پائی گئی ہے، پہلی امتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

اور دوسری وجہ فضیلت ایمان ہے چونکہ شریعت محمد یہ تمام شرائع میں اکمل واتم ہے الیوم اکملت لکم دینکم الخ کی رو سے اس لئے اس پر ایمان لانا بھی ظاہر ہے کہ اکمل ایمان ہوگا۔

بہترین امت: .... امام فخر الاسلام بزدویؒ اور قاضی بیضاویؒ نے اس آیت سے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے کیونکہ یہ بھی منجملہ اثرات خیرات امت کے ہے۔ نیز الف لام استغراق سے ہر معروف کا آمر اور ہر منکر کا ناہی ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ ان کے اتفاق کو باطل نہ قرار دیا جائے۔ حاصل یہ ہے کہ بحیثیت تمام امتوں میں بہترین امت ہونے کے امت محمد یہ کا نصب العین یہ ہونا چاہئے کہ نیکی کی ترویج اور برائی کی تخریب کرنے والے ہوں۔ یہ نہیں کہ طاقت وبرتری کے جماعتی گھمنڈ اور قومی غرور

کا شکار ہوں کیونکہ یہ بات انسانیت امن وسلام، اخوت ومساوات کے منافی اور اس دعوت عمومی کے مزاج کے برخلاف ہے۔صرف خیر اور بہتر ہونے پر زور دیا جا رہا ہے جس کی تمام تر روح اخلاقی معنوی محاسن پر مبنی ہے جس جماعت کا نصب العین یہ ہوگا وہ کبھی اس طرح کے مفاسد میں مبتلا نہیں ہوگی۔

بدترین امت: .... یہود ونصاریٰ سے ایمان وہدایت کی روح مفقود نہ ہوگئی ہوتی تو وہ آج اس نعمت خیریت کے ضرور مستحق ہوتے لیکن دعوت کی مخالفت میں سب سے زیادہ حصہ آج یہود کا ہے۔اس لئے وہ غضب الٰہی کے مستوجب ہو چکے ہیں۔آج دنیا کا کوئی گوشہ نہیں جہاں وہ اپنے بل بوتہ پر زندگی بسر کر رہے ہوں، جہاں کہیں بھی پناہ ملی ہے وہ ذلت و نامرادی کی پناہ ہے یعنی کہیں تو اہل کتاب اور اہل جزیہ ہونے کی وجہ سے ان کو چھوڑ دیا ہوگا جیسا کہ عرب میں اور کہیں حکمران افراد یا قوموں نے محکومیت وطاعت کے قول و قرار پر زندگی کی مہلت دے دی ہے۔جیسے دوسری جگہوں میں پس ایسی حالت میں ان کی مخالفت سے کیا ڈرہو بلکہ وہ وقت دور نہیں جب عرب میں ان کی رہی سہی قوت کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قومی حکومت میں دوسروں کے رحم وکرم پر زندگی بسر کرنے کو قرآن عزیز کس نظر سے دیکھتا ہے۔

اہل کتاب کے حق میں قرآن کی یہ پیشن گوئی صحابہؓ کے زمانہ میں تو اس طرح پوری ہوئی کہ کسی ایک جگہ بھی صحابہؓ کے مقابلہ میں یہ غالب نہیں آسکے بلکہ مغلوب ومخذول رہے۔چنانچہ بعضوں کو قتل کیا اور بعض پر جزیہ مسلط کیا گیا اور بعض جلاوطن کئے گئے۔باقی حضرات صحابہؓ کے بعد بھی اس پیشن گوئی کا ظہور اس طرح رہا کہ کبھی بھی دنیا کی نظروں میں ان کو اعزاز نصیب نہیں ہو سکا ہے اور ''حبل اللہ'' سے اللہ کی پناہ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کتابی صرف عبادت الٰہی میں اس طرح مشغول ہو کہ اس کو مسلمانوں کی لڑائی بھڑائی سے کوئی واسطہ ومطلب ہی نہ ہو تو اس کو جہاد میں قتل نہیں کیا جائے گا۔اگرچہ یہ عبادت آخرت میں اس کے لئے مفید نہ ہو سکے یا نابالغ بچہ ہو یا کتابی عورت ہو۔یہ سب باتیں گویا منجانب اللہ دستاویز اور فی نفسہ موجب امن ہیں اور بعض حبل اللہ سے مراد اسلام لیتے ہیں یعنی مسلمان ہو کر وہ مامون ہو سکتے ہیں۔

اور حبل من الناس کا مطلب یہ ہے کہ ان سے معاہدہ یا صلح مسلمانوں کے ساتھ ہو جائے، اس میں اہل کتاب کی تخصیص نہیں ہے۔تمام معاہد، ذمی، مصالح اور وہ لوگ داخل ہو جائیں گے جو امن پسند ہیں اور کسی سے لڑائی بھڑائی نہیں کرتے۔

اچھائی برائی کا معیار قوم کی اکثریت ہوتی ہے: .... لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام ہی یہود اور اہل کتاب برے ہیں اور کوئی بھی ان میں سے راست باز نہیں ہے کیونکہ سب کا حال یکساں کیسے ہو سکتا ہے؟ اچھے افراد مغلوب اور برے افراد غالب ہی سہی مگر تاہم ان میں کچھ افراد اچھے بھی ہیں۔اگرچہ وہ آٹے میں نمک کے برابر ہی سہی۔دوسری بات یہ ہے کہ کسی جماعت کی نسبت رائے قائم کرنے میں اکثریت کی حالت دیکھی جایا کرتی ہے نہ کہ خال خال افراد کا حال۔چنانچہ یہاں یہود کے باب میں رائے قائم کرنے کے سلسلہ میں بھی یہی اصول پیش نظر ہے۔

اور یہ جو اچھے اوصاف بیان کئے گئے ہیں ان سب کا فرض ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ شب بیداری، تلاوت قرآن پاک، نماز تہجد، خصوصاً یا عموماً یہ سب نوافل ہیں اور مقصد یہ ہے کہ جب یہ لوگ نوافل تک کے اس قدر پابند ہیں تو ضروریات کے تارک کیسے ہو سکتے ہیں؟

مَثَلُ صِفَةُ **مَايُنْفِقُوْنَ** اَیِ الْكُفَّارُ **فِیْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** فِیْ عَدَاوَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ صَدَقَةٌ وَنَحْوُهَا **كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ** حَرٌّ اَوْ بَرْدٌ شَدِيْدٌ **اَصَابَتْ حَرْثَ** زَرْعَ **قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ** بِالْكُفْرِ وَالْمَعْصِيَةِ **فَاَهْلَكَتْهُ** فَلَمْ يَنْتَفِعُوْا بِهٖ فَكَذٰلِكَ نَفَقَاتُهُمْ ذَاهِبَةٌ لَايَنْتَفِعُوْنَ بِهَا **وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ** بِضِيَاعِ نَفَقَاتِهِمْ **وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ** ﴿۱۱۷﴾ بِالْكُفْرِ الْمُوْجِبِ لِضِيَاعِهَا **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً** اَصْفِيَاءَ تَطَّلِعُوْنَهُمْ عَلٰی سِرِّكُمْ **مِّنْ دُوْنِكُمْ** اَیْ غَيْرِكُمْ مِّنَ الْيَهُوْدِ وَالْمُنَافِقِيْنَ **لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا** نُصِبَ بِنَزْعِ الْخَافِضِ اَیْ لَايَقْصُرُوْنَ لَكُمْ جُهْدَهُمْ فِی الْفَسَادِ **وَدُّوْا** تَمَنَّوْا **مَاعَنِتُّمْ** اَیْ عَنَتَكُمْ وَهُوَ شِدَّةُ الضَّرَرِ **قَدْبَدَتِ الْبَغْضَآءُ** ظَهَرَتِ الْعَدَاوَةُ لَكُمْ **مِنْ اَفْوَاهِهِمْ** بِالْوَقِيْعَةِ فِيْكُمْ وَاِطِّلَاعِ الْمُشْرِكِيْنَ عَلٰی سِرِّكُمْ **وَمَاتُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ** مِنَ الْعَدَاوَةِ **اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ** عَلٰی عَدَاوَتِهِمْ **اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ** ﴿۱۱۸﴾ ذٰلِكَ فَلَا تُوَالُوْهُمْ **هٰٓاَ** لِلتَّنْبِيْهِ **اَنْتُمْ** يَا **اُولَآءِ** الْمُؤْمِنِيْنَ **تُحِبُّوْنَهُمْ** لِقَرَابَتِهِمْ مِنْكُمْ وَصَدَاقَتِهِمْ **وَلَايُحِبُّوْنَكُمْ** لِمُخَالَفَتِهِمْ لَكُمْ فِی الدِّيْنِ **وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ** اَیْ بِالْكُتُبِ كُلِّهَا وَلَايُؤْمِنُوْنَ بِكِتَابِكُمْ **وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ** اَطْرَافَ الْاَصَابِعِ **مِنَ الْغَيْظِ** شِدَّةِ الْغَضَبِ لِمَايَرَوْنَ مِنِ ائْتِلَافِكُمْ وَيُعَبَّرُ عَنْ شِدَّةِ الْغَضَبِ بِعَضِّ الْاَنَامِلِ مَجَازًا وَاِنْ لَمْ يَكُنْ ثَمَّ عَضٌّ **قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ** اَیْ اَبْقُوْا عَلَيْهِ اِلَی الْمَوْتِ فَلَنْ تَرَوْا مَايَسُرُّكُمْ **اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** ﴿۱۱۹﴾ بِمَا فِی الْقُلُوْبِ وَمِنْهُ مَايَضْمُرُهُ هٰؤُلَاءِ **اِنْ تَمْسَسْكُمْ** تُصِبْكُمْ **حَسَنَةٌ** نِعْمَةٌ كَنَصْرٍ وَغَنِيْمَةٍ **تَسُؤْهُمْ** تَحْزُنْهُمْ **وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ** كَهَزِيْمَةٍ وَجَدْبٍ **يَفْرَحُوْا بِهَا** وَجُمْلَةُ الشَّرْطِيَّةِ مُتَّصِلَةٌ بِالشَّرْطِ قَبْلُ وَمَابَيْنَهُمَا اِعْتِرَاضٌ وَالْمَعْنٰی اَنَّهُمْ مُتَنَاهُوْنَ فِیْ عَدَاوَتِكُمْ فَلِمَ تُوَالُوْنَهُمْ فَاجْتَنِبُوْهُمْ **وَاِنْ تَصْبِرُوْا** عَلٰی اَذَاهُمْ **وَتَتَّقُوْا** اللّٰهَ فِیْ مُوَالَاتِهِمْ وَغَيْرِهَا **لَايَضُرُّكُمْ** بِكَسْرِ الضَّادِ وَسُكُوْنِ الرَّاءِ وَضَمِّهَا وَتَشْدِيْدِهَا **كَيْدُهُمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَايَعْمَلُوْنَ** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **مُحِيْطٌ** ﴿۱۲۰﴾ عَالِمٌ فَيُجَازِيْهِمْ بِهٖ ۔

ع ۱۲ / ۱۱ / ۳

ترجمہ: .... مثال (کیفیت) اس مال کی جو خرچ کرتے ہیں (یہ کافر) اس دنیاوی زندگی میں (آنحضرت ﷺ کی عداوت میں یا بطور صدقہ خیرات کے) ایسے ہے جیسے اس ہوا کی مثال کہ جس میں پالا یا لو (ٹھنڈی یا سخت گرم ہوا) ہو کہ پہنچ جائے وہ ہوا ایسے لوگوں کے کھیت میں جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے (کفر ومعاصی کر کے) کہ وہ ہوا اس کھیت کو برباد کر کے رکھ دے (لوگ اس سے نفع نہ اٹھاسکیں۔ یہی حال ان کے خرچ کرنے کا ہے کہ بالکل بیکار اور ناقابل انتفاع ہے) اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا ہے (ان کے نفقات برباد کر کے) لیکن یہ خود ہی اپنے کو نقصان پہنچار ہے ہیں (کفر اختیار کر کے جو نفقات ضائع ہونے کا اصل باعث ہے) مسلمانو! ایسا نہ کرو کہ اپنا ہمراز بنالو (معتمد علیہ کہ تمہارے رازوں تک سے واقف ہو) اپنے آدمیوں کے سوا کسی کو (تمہارے علاوہ یہود یا منافقین میں سے کسی کو) یہ لوگ کمی نہیں چھوڑیں گے تمہارے خلاف فتنہ انگیزی میں (یہ منصوب ہے بنزع الجار۔ اصل عبارت اس طرح تھی لا یقصرون لکم

جھدھم فی الفساد) پسند کرتے ہیں (اچھا سمجھتے ہیں) یہ لوگ جس بات سے تمہیں نقصان پہنچے (یعنی تمہاری تکلیف اور ضرر کی شدت) ظاہر ہوئی (ٹپکی) پڑتی ہے دشمنی (عداوت) ان کی باتوں سے (تم میں فتنہ پردازی کرنے اور مشرکین کے واقف اسرار ہونے سے) لیکن جو کچھ دلوں میں (دشمنی) چھپائے ہوئے ہیں وہ تو اس سے بھی بڑھ کر ہے ہم نے علامات تم پر واضح کردی ہیں (ان کی دشمنی کی) بشرطیکہ تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو (اس کی تو ہرگز تم ان سے خصوصیت نہیں برتو گے) دیکھو (ھا تنبیہ کے لئے ہے) تمہارا حال یہ ہے اے (مؤمنین) کہ تم ان سے دوستی رکھتے ہو (ان سے قرابت اور تعلقات کی وجہ سے) لیکن ان کا حال یہ ہے کہ وہ تمہیں دوست نہیں رکھتے (تم سے دینی مخالفت کی وجہ سے) حالانکہ تم اللہ کی تمام کتابوں پر ایمان رکھنے والے (یعنی کل کتابوں پر مگر وہ تمہاری کتابوں کو بھی نہیں مانتے) جب بھی وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان والے ہیں لیکن جب اکیلے ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف انگلیاں (انگلیوں کے سرے) کاٹے لیتے ہیں شدتِ غصہ (جوشِ غضب) میں (تمہارا آپس کا گھلنا ملنا دیکھ کر جوش غضب کو مجازاً "عض انامل" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اگر چہ حقیقتاً انگلیوں کو کاٹنا نہ ہوتا ہو) آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے جوش غضب میں اپنے آپ کو ہلاک کرڈالو (یعنی مرتے دم تک اسی حال میں رہو کہ تمہیں خوشی دیکھنا نصیب نہ ہو) بلاشبہ اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو انسان کے سینوں میں پوشیدہ ہے (جو کچھ دلوں میں ہے منجملہ ان کے ان کے دلی راز سے باخبر ہے) اگر تمہارے لئے کسی قسم کی بھلائی کی بات ہوجائے (تم کو مل جائے ۔ جیسے تائید غیبی اور مال غنیمت کی نعمت) تو انہیں بُرا لگے (رنج پہنچے) لیکن تمہارے لئے اگر کوئی برائی ہوجائے (جیسے شکست یا قحط وتنگی) تو بڑے ہی خوش ہوں (اور دوسرا جملہ شرطیہ پہلے جملہ شرطیہ سے متصل ہے اور ان کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ تمہاری دشمنی کی انتہاء تک پہنچے ہوئے ہیں ۔ پھر تم ان سے دوستی کیوں کرتے ہو تمہیں ان سے بچے رہنا چاہئے) اگر تم صبر کرتے رہے (ان کی تکلیفوں پر) اور ڈرتے رہے (اللہ سے ان سے دوستی وغیرہ کرنے میں) تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے (یضر کسر ضاد اور سکون راء کے ساتھ اور ضم ضاد اور تشدید راء کے ساتھ دونوں طرح ہے) ان کا مکروفریب کچھ بھی ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جیسے کچھ بھی ان کے کرتوت ہیں (یعلمون یا اور تا کے ساتھ ہے) انہیں گھیرے ہوئے ہے (باخبر ہے اس لئے ضرور ان کو کرنے کا پھل ملے گا)

تحقیق وترکیب : .... **مثل** یہ تشبیہ مرکب ہے اس میں مجموعہ اور خلاصہ پیش نظر ہوتا ہے یہ ضروری نہیں کہ اداۃ تشبیہ مشبہ بہ سے متصل ہو ۔ جیسا کہ **مثل الحیوۃ الدنیا کماء** الخ حالانکہ مشبہ بہ حرث ہے منفق کے لئے **ماینفقون** میں **ما** موصولہ اور **ینفقون** صلہ ہے اور عائد محذوف یا **ما** مصدریہ ۔ اول صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہے **مثل المال الذی ینفقونہ** اور دوسری صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی **مثل انفاقھم صر** یہ جملہ مبتداء خبر سے مل کر صفت ہے ریح کی محل جر میں ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ **فیھا** صرف صفت اور **صرٌ** اس کا فاعل اور چونکہ جار موصوف پر اعتماد کررہا ہے اس لئے یہ صورت زیادہ مستحسن ہوگی کیونکہ اوصاف میں افراد ہی اصل ہے ۔ **صر** کے معنی شدۃ برد یا شدۃ حر کے ہیں یعنی پالا یا لُو کی ہوا اور صرصر کہتے ہیں **شدید الصوت والبرد کو**۔

بطانۃ کی تفسیر اصفیاء کے ساتھ کر کے استعارہ تصریحیہ اصلیہ کی طرف اشارہ ہے **بطانۃ الثوب** اور اصفیاء میں جامع وجہ شبہ شدۃ التصاق ہے ۔ بطانہ بالکسر السریرہ اور درمیانی کو کورۃ اور بطانہ کے خلاف کو ظہارہ کہتے ہیں ۔ یعنی بطانہ استر اور ظہارہ ابرا اور درمیانی کورہ **الالو** بمعنی کوتاہی کرنا ۔ یہ لازمی ہے ایک مفعول کی طرف متعدی بالحرف ہوتا ہے اور کبھی دو مفعول کی طرف بھی متعدی ہوجاتا ہے جیسے **لا الوک نصحا ولا الوک جھدا** یتضمین بمعنی منع کے ، خبل کے معنی فساد کے ہیں ۔

نصب بنزع الخافض یعنی **لایالونکم** کا کاف منصوب ہے لام حرف جار کے حذف کے ساتھ اور **خبالا** منصوب ہے فی جارہ کے حذف کے ساتھ اور اس توجیہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ یہ فعل لازمی ہے جو معنی منع کے متضمن ہونے کی وجہ سے متعدی ہوا ۔ **ماعنتم** **ما** مصدریہ ہے اور یہ اور مابعد کے دونوں جملے مستانفہ اور عدم اتخاذ بطانہ کی علت ہیں ۔ اولاء اس سے پہلے یا حرف ندا محذوف ہے ۔ مبتداء اور خبر کے درمیان واقع ہے اور اولاء خبر بھی ہوسکتی ہے یعنی **انتم اولاء المخاطبون** اور **تحبونھم** سے ان کی غلطی کا بیان ہے یا **تحبون** کو اولاء کی خبر مانا جائے اور یہ دونوں مل کر **انتم** مبتداء کے خبر ہو یا حال ہے اور اس میں عامل معنی اشارہ ہے یا اولا

موصول اور تحبو نھم اس کا صلہ ہے اور تؤمنون حال ہے۔

عضوا علیکم نادم اور متاسف عاجز چونکہ یہ فعل کرتا ہے اس لئے محاورہ میں اس کے معنی تاسف اور ندامت کے ہیں۔ جیسے اردو محاورہ میں کہتے ہیں "فلاں مارے غصہ کے بوٹیاں نوچ رہا ہے" **ان تمسسکم** مس کے معنی حس بالید (ہاتھ سے چھونے) کے ہیں لیکن پھر تشبیہاً مطلق چھوڑنے کے معنی میں آتا ہے۔ **حسنه** سے مراد منافع دنیا اور سیئه سے مضار دینا ہے۔

وجملة الشرطية یعنی دوسرا جملہ شرطیہ **ان تمسسکم** پہلے جملہ شرطیہ **واذا لقوکم** سے متصل ہے اور **قل موتوا الخ** درمیان میں جملہ معترضہ ہے **لایضرکم ضار یضیر** سے یضر قرأت ہے ابوعمروؒ، ابن کثیرؒ، نافعؒ کی اور یضرُّ قرأت ہے باقی قراء کی۔

کید کہتے ہیں دوسرے کو کسی ناگوار بات میں مبتلا کرنے کی تدبیر مخفی کو۔ **یعلمون** بصیغہ غائب قراء عشرہ کی قرأت ہے لیکن بصیغہ خطاب تا کے ساتھ قرأت شاذ حسن بصریؒ کی ہے مفسر علامؒ کو اپنی عادت کے مطابق قرأت شاذہ کے لئے قری بصیغہ تمریض کہنا چاہئے تھا۔

ربط: .... گذشتہ آیات میں مسلمانوں کی تعریف کے بعد **ان الذین** سے کافروں کی مذمت بیان کی گئی تھی کہ آخرت میں ان کی اولاد ان کے کام آئے گی اور نہ ان کا خرچ کیا ہوا مال کارآمد ہوگا۔ لیکن کفار کے انفاق فی الصدقات کے بارہ میں شبہ ہوسکتا تھا کہ اگر وہ اتفاق مصرف خیر میں خرچ کریں جیسے مساکین وغرباء وفقراء یا مختلف فیہ مصرف میں خرچ کریں تو کیا حکم ہوگا؟ اس کو ایک تمثیل کے ذریعہ باطل قرار دیا جارہا ہے کیونکہ اس کی شرط قبولیت یعنی ایمان مفقود ہے اس کے بعد مسلمانوں کو ان کے دشمنوں سے باخبر اور چوکنے رہنے کا مشورہ دیا جارہا ہے اور **یاایھا الذین الخ** سے دوستی کی ممانعت کی جارہی ہے۔

شانِ نزول: .... آیت **ان الذین کفروا** یہود قریظہ و بنونضیر یا مشرکین عرب یا عام مشرکین کے باب میں نازل ہوئی۔ آیت **مثل الخ** میں ان ہی کی تمثیل دی جارہی ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ ابن اسحاق وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ سے تخریج کی ہے کہ مسلمان اپنے یہود پڑوسیوں کے ساتھ کچھ تعلقات اور مواصلۃ رکھتے تھے اس پر **یا ایھا الذین** سے تنبیہ کی گئی اور عبد بن حمیدؒ کی تخریج یہ ہے کہ یہ آیت مدینہ کے منافقین کے باب میں نازل ہوئی۔ بہرحال دونوں باتیں ممکن ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: ...... **اختلاف مذہب کے ہوتے ہوئے آخرت میں اولاد کا کارآمد نہ ہونا:** .... آیت **ان الذین الخ** میں اگرچہ مال واولاد دونوں کا بیکار ہونا مذکور تھا۔ لیکن آیت **ومثل الخ** میں صرف مالی صدقات وغیرہ کا ضائع ہونا مکرر ذکر کیا جارہا ہے اولاد کا کارآمد نہ ہونا چونکہ بدیہی تھا ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے اس لئے اس کے اعادہ کو ضروری نہیں سمجھا گیا۔ چنانچہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا اولاد بھی ماں باپ کی طرح کافر ہوگی، تب تو اس کا بے کار محض ہونا بالکل ظاہر ہے، لیکن اگر اولاد مؤمن ہوئی تو کافر ماں باپ کی صریح دشمن ہوگی، اس لئے ان کے حق میں اس کا ہونا نہ ہونا بھی برابر ہی ہوا۔

تکمیل تشبیہ میں جملہ **ظلموا انفسھم** کو اگرچہ دخل نہیں ہے کیونکہ ایسی ہوا سے ظالم اور غیر ظالم دونوں کی کھیتیوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے لیکن مبالغہ کے لئے یہ قید لگادی گئی ہے کہ اگر ظالم نہیں ہوگا یعنی مسلمان ہوگا تو ایسی ہوا سے دنیا ہی میں اس کا کسی قدر نقصان ہوگا تاہم آخرت میں تو فائدہ کی توقع ہے لیکن ظالم اور کافر کے لئے دین ودنیا دونوں تباہ وبرباد ہوجائیں گے۔

اہل کتاب کے شدت غضب کے پیش نظر ان سے چوکنے رہنے کی ضرورت ہے: .... قریش کی طرح اہل کتاب بھی چونکہ مسلمانوں کی مخالفت پر کمربستہ ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ تم ان سے چوکنے رہو ان سے خصوصی برتاؤ کرکے ان کو اپنا رازدار اور کارپرداز نہ بناؤ، ان کی دشمنی اور جوش غضب تو اس سے ہی ظاہر ہے کہ تنہائی میں اگر ہوتے ہیں تو اپنی بوٹیاں نوچے ڈالتے ہیں

اور برسر گفتگو ہوتے ہیں تو غصہ ان کی باتوں سے ٹپکا ہوتا ہے دلوں میں جو کچھ آگ بھری ہوئی ہے اور سوزش دروں ہے وہ تو اس سے بھی کہیں زائد ہے، لیکن اگر تمہارے اندر صبر وتقویٰ کی روح پیدا ہو چکی ہے تو مجال نہیں کہ تمہارے مخالف تم پر فتح مند ہو سکیں اور تمہارا کچھ بگاڑ سکیں اگر چہ یہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ہی کیوں نہ مر جائیں۔ شان نزول آیت کا اگر چہ خاص ہے لیکن عموم الفاظ کا اعتبار کرتے ہوئے حکم عام ہی رکھا جائے گا۔

غیر مذہب والوں سے خصوصیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنا ہمراز نہ بناؤ۔ جیسا کہ بیہقی کی حدیث میں ہے اور نہ ان کو اپنے انتظامات میں دخیل بناؤ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے ایک نصرانی کو کار پرداز دفتر بنانے سے انکار فرما دیا تھا۔

لطائف آیات: .... **قد بدت البغضاء الخ** یعنی ان کے دل میں اس درجہ غبار بھرا ہوا ہے کہ باوجود درجہ احتیاط اور زبان سنبھالنے کے کچھ نہ کچھ زبان پر آ ہی جاتا ہے۔ جوش میں کچھ نہ کچھ ابل ہی پڑتا ہے، تنگ ظرف ہونے کی وجہ سے چھلک ہی جاتے ہیں۔ **قل موتوا** مایوسی کے وقت میں دل خراش کلمہ کہہ کر قطع تعلق کر لینا اخلاقی لحاظ سے نہایت درجہ اثر انداز ہوتا ہے تاہم حدود شرع میں رہ کر اس کی اجازت ہے۔ یہاں بھی خطاب اگر چہ خاص ہے لیکن حکم عام رہے گا۔

ایک اشکال کا حل: .... **لا یضرکم** کے مخاطب اگر صرف حضرات صحابہؓ ہیں تب تو ان کو ان کا نقصان نہ پہنچا سکنا ظاہر ہے لیکن اگر صحابہ وغیر صحابہ سب کو یہ حکم عام ہے تب بھی صبر وتقویٰ کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر کہیں اس شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے ان کا غلبہ ہو گیا ہو تو باعث اشکال نہیں ہونا چاہئے۔ ہاں اگر صبر وتقویٰ کے باوجود کہیں ایسا ہوا کہ مسلمان مغلوب ہو گئے ہوں تو اول تو ایسا بہت ہی کم ہوا ہوگا اور **الشاذ کالمعدوم** دوسرے امتحان وابتلاء کی خاطر دانستہ کیا گیا ہوگا تا کہ مسلمانوں کی استقامت اور عظمت اور عزیمت واضح ہو جائے کہ باوجود شکست کے بھی اس طریق پر مستقیم رہتے ہیں۔ اگر ہمیشہ کامیابی ان کے قدم چومتی رہتی تو لوگ یہ سمجھتے کہ دنیاوی منافع اور کامیابی کی خاطر یہ اس دین سے لگے لپٹے رہتے ہیں۔ صرف شریک دستر خوان رہتے ہیں، رفیق بزم ہیں، شیر رزم نہیں۔ اس سے مسلمانوں کی اصل ثبات قدمی نمایاں نہ ہوگی، تیسرے یہ نقصان اور مغلوبیت محض ظاہری ہوتی ہے حقیقی ضرر مخالفین کے ہونے کی صورت میں بھی نہیں ہوتا۔ یعنی حقیقۃً مسلمان ناکام نہیں ہوتے اور مخالفین کامیاب نہیں ہوتے بلکہ ظاہراً ایسا ہوتا ہے کیونکہ اصل نقصان قلبی تشویش اور دل کی پریشانی کا ہوتا ہے لیکن مسلمان رضاء وتوکل کی وجہ سے کسی حالت میں بھی متوحش اور پریشان نہیں ہوتے۔ پورے سکون ودل جمعی کے ساتھ رہتے ہیں بلکہ اس ظاہری نقصان سے تہذیب اخلاق حاصل ہوتی ہے اور ثواب اور تقرب خداوندی کی توقع قائم ہوتی ہے، غرضکہ دینی اور دنیاوی ان منافع کی موجودگی میں اس معمولی ضرر کے قابل وقعت نہیں سمجھا جائے گا۔ جیسے ایک فاتح جماعت کے ایک دو آدمی مقتول ہو جائیں تو عظیم الشان کامیابی کے مقابلہ میں مقدار قلیل نقصان کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔

کمثل ریح سے ثابت ہوا کہ مقبولین کی مصیبت حقیقی نہیں ہوتی بلکہ محض صوری مصیبت ہوتی ہے۔

ان تصبروا میں بھی یہی مضمون ہے کہ مقصود ضرر حقیقی کی نفی ہے نہ کہ ضرر صوری کی کہ فی الحقیقت وہ ضرر ہی نہیں ہے۔

وَ اُذْكُرْ يَا مُحَمَّدُ **اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ** مِنَ الْمَدِيْنَةِ **تُبَوِّئُ** تُنَزِّلُ **الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ** مَرَاكِزَ يَقِفُوْنَ فِيْهَا **لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ** لِأَقْوَالِكُمْ **عَلِيْمٌ**﴿۱۲۱﴾ بِأَحْوَالِكُمْ وَهُوَ يَوْمُ أُحُدٍ خَرَجَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَلْفٍ أَوْ إِلَّا خَمْسِيْنَ رَجُلًا وَالْمُشْرِكُوْنَ ثَلَاثَةُ اٰلَافٍ وَنَزَلَ بِالشِّعْبِ يَوْمَ السَّبْتِ سَابِعَ شَوَّالٍ سَنَةَ ثَلَاثٍ مِنَ

الْهِجْرَةِ وَجَعَلَ ظَهْرَهُ وَعَسْكَرَهُ اِلَى اُحُدٍ وَسَوّٰى صُفُوْفَهُمْ وَاَجْلَسَ جَيْشًا مِنَ الرُّمَاةِ وَاَمَّرَ عَلَيْهِمْ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ جُبَيْرٍ بِسَفْحِ الْجَبَلِ وَقَالَ اِنْضِحُوْا عَنَّا بِالنَّبْلِ لَايَأْتُوْنَا مِنْ وَّرَائِنَا وَلَاتَبْرَحُوْا غُلِبْنَا اَوْ نُصِرْنَا **اِذْ** بَدَلٌ مِنْ اِذْ قَبْلَهُ **هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ** بَنُوْسَلَمَةَ وَبَنُوْحَارِثَةَ جَنَاحَا الْعَسْكَرِ **اَنْ تَفْشَلَا** تَجْبُنَا عَنِ الْقِتَالِ وَتَرْجِعَا لَمَّا رَجَعَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اُبَيِّ الْمُنَافِقُ وَاَصْحَابُهُ وَقَالَ عَلَامَ نَقْتُلُ اَنْفُسَنَا وَاَوْلَادَنَا وَقَالَ لِاَبِىْ حَاتِمٍ السَّلَمِىِّ الْقَائِلِ لَهُ اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ فِىْ نَبِيِّكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ فَثَبَّتَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَمْ يَنْصَرِفَا **وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا** ط نَاصِرُهُمَا **وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ** ﴿۱۲۲﴾ لِيَثِقُوْا بِهٖ دُوْنَ غَيْرِهٖ وَنَزَلَ لَمَّا هُزِمُوْا تَذْكِيْرًا لَهُمْ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ **وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ** مَوْضِعٌ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ **وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ** ج بِقِلَّةِ الْعَدَدِ وَالسِّلَاحِ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** ﴿۱۲۳﴾ نِعَمَهُ **اِذْ** ظَرْفٌ لِنَصَرَكُمْ **تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ** تُوْعِدُهُمْ تَطْمِيْنًا لِقُلُوْبِهِمْ **اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ** يُعِيْنَكُمْ **رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ** ﴿۱۲۴﴾ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **بَلٰٓى** لا يَكْفِيْكُمْ ذٰلِكَ وَفِى الْاَنْفَالِ بِاَلْفٍ لِاَنَّهُ اَمَدَّهُمْ اَوَّلًا بِهَا ثُمَّ صَارَتْ ثَلٰثَةً ثُمَّ صَارَتْ خَمْسَةً كَمَا قَالَ تَعَالٰى **اِنْ تَصْبِرُوْا** عَلٰى لِقَاءِ الْعَدُوِّ **وَتَتَّقُوْا** اللّٰهَ فِى الْمُخَالَفَةِ **وَيَاْتُوْكُمْ** اَىِ الْمُشْرِكُوْنَ **مِّنْ فَوْرِهِمْ** وَقْتِهِمْ **هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ** ﴿۱۲۵﴾ بِكَسْرِ الْوَاوِ وَفَتْحِهَا اَىْ مُعَلَّمِيْنَ وَقَدْ صَبَرُوْا وَاَنْجَزَ اللّٰهُ وَعْدَهُمْ بِاَنْ قَاتَلَتْ مَعَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ عَلٰى خَيْلٍ بُلْقٍ عَلَيْهِمْ عَمَائِمُ صُفْرٌ اَوْ بِيْضٌ اَرْسَلُوْهَا بَيْنَ اَكْتَافِهِمْ **وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ** اَىِ الْاِمْدَادَ **اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ** بِالنَّصْرِ **وَلِتَطْمَئِنَّ** تَسْكُنَ **قُلُوْبُكُمْ بِهٖ** ط فَلَاتَجْزَعُ مِنْ كَثْرَةِ الْعَدُوِّ وَقِلَّتِكُمْ **وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ** ﴿۱۲۶﴾ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَلَيْسَ بِكَثْرَةِ الْجُنْدِ **لِيَقْطَعَ** مُتَعَلِّقٌ بِنَصَرَكُمْ اَىْ لِيُهْلِكَ **طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** بِالْقَتْلِ وَالْاِسْرِ **اَوْ يَكْبِتَهُمْ** يُذِلَّهُمْ بِالْهَزِيْمَةِ **فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ** ﴿۱۲۷﴾ لَمْ يَنَالُوْا مَارَامُوْهُ وَنَزَلَ لَمَّا كُسِرَتْ رُبَاعِيَّتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشُجَّ وَجْهُهٗ يَوْمَ اُحُدٍ وَقَالَ كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوْا وَجْهَ نَبِيِّهِمْ بِالدَّمِ **لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَىْءٌ** بَلِ الْاَمْرُ لِلّٰهِ فَاصْبِرْ **اَوْ** بِمَعْنٰى اِلٰى اَنْ **يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ** بِالْاِسْلَامِ **اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ** ﴿۱۲۸﴾ بِالْكُفْرِ **وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ** ط مُلْكًا وَّخَلْقًا وَّعَبِيْدًا **يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ** الْمَغْفِرَةَ لَهٗ **وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ** تَعْذِيْبَهٗ **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ** لِاَوْلِيَائِهٖ **رَّحِيْمٌ** ﴿۱۲۹﴾ بِاَهْلِ طَاعَتِهٖ

۱۳ ع ۹ ۴

ترجمہ: ....اور (اے محمدؐ وہ وقت یاد کرو) جب تم صبح سویرے اپنے گھر (مدینہ) سے نکلے تھے، بٹھلا رہے تھے (جمارہے تھے) مسلمانوں کو مورچوں پر (کہ ان اڈوں پر کھڑے رہیں) لڑائی کے لئے اور اللہ تعالیٰ (تمہاری باتوں کو) سننے والے (تمہارے حالات کو) جاننے والے ہیں (یہ جنگ احد کا واقعہ ہے کہ آپ ﷺ ایک ہزار یا ساڑھے نوسو کی جمعیت اور لاؤ لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں

تشریف لے گئے ،مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی ۔ سنیچر کے روز ،شوال ۳ھ کو آپ ﷺ نے شعب میں پڑاؤ ڈال دیا اور مع لشکر کے اپنی پشت پر اُحد کو رکھا اور لشکر کی صفیں آراستہ کردیں اور تیر اندازوں کا ایک دستہ عبداللہ بن جبیرؓ کی سرکردگی میں پہاڑ کی گھاٹی پر بٹھلا دیا اور فرمایا کہ ہمارے مدافعت وحفاظت میں تیراندازی کے جوہر دکھلاتے رہنا تا کہ دشمن ہمارے پیچھے سے حملہ آور نہ ہوجائے ،اور خبردار اپنی جگہ سے نہ ہلنا، چاہے ہم مغلوب ہوں یا غالب) جب (یہ اذا پہلے اذا سے بدل واقع ہورہا ہے) تم میں سے دو جماعتوں نے ارادہ کیا تھا (بنوسلمہ اور بنوحارثہ جو لشکر کے دونوں بازو تھے) کہ ہمت ہار دیں (پست حوصلہ ہونے لگے اور عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں کے پسپا ہوجانے پر اور اس کہنے پر کہ بلاوجہ کیوں ہم خود کو اور اپنی اولاد کو قتل کریں ،خود بھی لوٹنے لگے اور ابوحاتم اسلمیؓ نے جب یہ کہا کہ میں تم کو تمہارے اور تمہارے نبیؐ کے بارے میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں (کہ چھوڑ کر نہ جاؤ) تو ابن ابی نے یہ بھی کہا کہ اگر ہم واقعی اسے باقاعدہ جنگ سمجھتے تو ضرور ہم ساتھ دیتے لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قبیلوں کو جما دیا اور میدان جنگ سے یہ نہیں بھاگے) حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کے مددگار (حامی) تھے ۔ مؤمنین کو چاہئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں (اس کے علاوہ دوسرے پر اعتماد نہ کریں) مسلمانوں کو جب احد میں شکست ہونے لگی تو ان کو بطور اللہ کی نعمت کے یاد دلایا گیا کہ) اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان جنگ میں تمہیں فتح مند کردیا تھا (بدر مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے) حالانکہ تم بڑی ہی گری ہوئی حالت میں تھے (افراد وسامان کی کمی کے باعث) پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم (اس کی نعمت کے) قدر شناس بن جاؤ جب (یہ ظرف ہے نصر کم کا) آپ مسلمانوں سے فرما رہے تھے (ان کے اطمینان قلوب کے لئے وعدہ کرتے ہوئے) کہ کیا تمہارے لئے یہ بات کافی نہیں کہ تمہاری امداد (اعانت) فرمائے تمہارا پروردگار تین ہزار (تازہ دم) اترے ہوئے فرشتوں کے ذریعہ (لفظ منزلین تخفیف وتشدید کے ساتھ ہے) ہاں (تمہارے لئے یہ مقدار کافی ہے۔ سورۂ انفال میں ایک ہزار کا ذکر ہے۔ اولاً اس تعداد سے مدد کی گئی پھر تین ہزار کردیئے گئے ،پھر پانچ ہزار جیسا کہ فرمایا جارہا ہے) اگر تم صبر کرو (دشمن کے مقابل جمے رہو) اور ڈرتے رہو (اللہ کی خلاف ورزی سے) اور چڑھ آئیں (مشرکین) اس دم (فوراً) تو تمہارا پروردگار تمہاری مدد فرمائے گا ۔ پانچ ہزار خاص نشان رکھنے والے فرشتوں سے (لفظ مسومین واؤ کے کسرہ اور فتح کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے بمعنی نشان زدہ ۔ چنانچہ حضرات صحابہؓ نے ثابت قدمی سے کام لیا ۔ اللہ تعالیٰ نے بھی وعدہ پورا فرمایا کہ فرشتے ابلق گھوڑوں پر سوار ،زرد اور سفید عمامے باندھے ہوئے جن کے شملے دونوں مونڈھوں کے درمیان چھٹے ہوئے تھے ان کے ساتھ شریک جنگ ہوئے) اور اللہ تعالیٰ نے (یہ امداد) محض اس لئے کی ہے کہ تمہارے لئے بشارت حاصل ہو (تائید کی) اور تمہارے دل اس کی وجہ سے مطمئن (برقرار) ہوجائیں (کہ تم دشمنوں کی کثرت اور اپنی قلت کی وجہ سے گھبرا نہ جاؤ) اور نصرت جو کچھ بھی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہے ان کی طاقت سب پر غالب اور وہ حکمت والے ہیں (جس کی مناسب سمجھتے ہیں مدد فرماتے ہیں ۔ لشکر کی کثرت پر نہیں ہے) تا کہ بیکار کردے (یہ متعلق ہے لقد نصر کم کے یعنی تمہاری امداد اس مصلحت سے بھی ہے تا کہ برباد کر کے رکھ دے) منکرین حق کا ایک حصہ (قتل وقید کے ذریعہ) یا انہیں اس درجہ ذلیل وخوار کردے (شکست دے کر ذلیل کردے) کہ الٹے پاؤں پھر جائیں (پلٹ جائیں) نامراد (مقصد میں ناکام) ہوکر (آنحضرت ﷺ کا دندان مبارک جنگ احد میں جب شہید اور سر اقدس زخمی ہوا اور آپؐ نے فرمایا کہ وہ قوم کس طرح فلاح یاب ہوسکتی ہے کہ جس نے اپنے نبی کا سر خون سے خضاب آلود کردیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی) اے نبیؐ اس معاملہ میں تمہیں کوئی دخل نہیں (بلکہ معاملہ اللہ کے سپرد ہے تم صبر کرو) حتیٰ کہ (او بمعنی الی ہے) چاہے اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائیں (اسلام کی توفیق بخش کر) اور چاہے تو انہیں عذاب دے دیں کیونکہ یقیناً یہ لوگ ظلم کرنے والے ہیں ۔ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کے لئے ہے (سب اس کے مملوک ،مخلوق ،بندے ہیں ۔ وہ جس کو چاہیں (مغفرت فرمانا) اس کو بخش دیں اور جس کو چاہیں (عذاب دینا) عذاب دے دیں وہ (اپنے دوستوں کو بخشنے والے اور (اپنے فرمانبرداروں پر) رحم فرمانے والے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **اهلك** مراد اس سے حضرت عائشہؓ ہیں جن کے مکان میں آپ ﷺ تشریف لے گئے تھے۔

تُبَوِّئُ بواه منزلاً وفيه انزله ترکیب میں یہ حال ہے قول مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مقصود تذکیر وقت ہے۔ **مقاعد**

بمعنی محل القعود، پھر توسعاً مطلق مکان کے معنی میں آنے لگا خواہ قعود نہ ہو۔ جیسے مقام کے لئے قیام لازم نہیں ہے اور یہاں مقاعد سے تعبیر کرنے میں اشارہ ثبوت اور استقامت کی طرف ہے کہ بس میدان جنگ میں جم جاؤ اور گویا بیٹھ جاؤ ٹلنے کا نام نہ لینا۔ اس لئے مراکز سے مفسر علامؒ نے تشریح کی ہے۔

للقتال یا متعلق بتوئ کے یا فعل محذوف کے جو مقاصد کی صفت میں واقع ہے۔ مقاعد کے متعلق کرنا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ وہ مکان ہے عمل نہیں کرسکتا۔ سمیع علیم یہ دونوں صیغے اگر مبالغہ کے لئے ہیں اسم فاعل کے ساتھ ملحق تب تو لاقوا الکم بیان ہے تقدیر معمول کا اور لام تقویت کے لئے ہے جیسے کہ ان ربی لسمیع الدعا میں اس کو صراحۃً ظاہر کردیا ہے اور اگر یہ دونوں صیغے صفت مشبہ کے ہیں تو پھر مفعول میں ان کا کوئی عمل نہیں ہے۔ سابع شوال یہ مفسر جلالؒ کی رائے ہے۔ روح البیان وغیرہ میں نصف شوال کی تاریخ ہے۔ اذھمت یہ اذ غدوت سے بدل ہے اور مقصود تذکیر کا بیان ہے معصیت کا ارادہ اگر درجہ "ھم" میں ہو تو "کراماً کاتبین" اس کی کتابت نہیں کرتے۔ اس لئے یہاں صحابہؓ پر کوئی الزام نہیں بلکہ "واللہ ولیھما" سے ان کو سراہا گیا ہے۔ لیکن نیکی کا ارادہ اگرچہ "ھم" میں ہو تو اس کو اللہ اپنے فضل وکرم سے نیکی ہی میں لکھوا دیتے ہیں۔ البتہ درجہ عزم ہو تو نیکی اور بدی دونوں لکھ لی جاتی ہیں۔

مراتب القصد خمس ھاجس ذکروا فخاطر فحدیث النفس فاستمعا

یلیه ھم فعزم کلھا رفعت سوی الاخیر ففیه الاخذ قدوقعا

طائفتان بنوسلمہ تو خزرج کی شاخ ہے اور بنوحارثہ قبطیہ اوس کی۔ یہ دنوں قبیلے آپ ﷺ کے دائیں بائیں فوجی دستوں کی شکل میں تھے اور آپ ﷺ قلب فوج میں۔ ان تفشلا متعلق ہے ھمت کے کیونکہ متعدی بالباء ہے اصل عبارت بان تفشلا تھی فشل بمعنی جبن بزدلی، بروزن فرج۔ فشل کسل وضعف تراخی اور بعض کہتے ہیں الفشل فی الرای العجزوفی البدن الاعیاء وعدم النھوض وفی الحرب الجبن والخور تفاشل الماء کے معنی پانی پینے کے ہیں واصحابہ اس کے ساتھ میں تین سو (۳۰۰) منافقین تھے۔

علام نقتل ای علی ای شیء نقتل. یعنی یہ کوئی لڑائی نہیں ہے یہ تو خود کو برباد کرنا ہے۔ لابی حاتم. بعض نسخوں میں لابی جابر، ہے القائل لہ یہ مجرور ہے ابو حاتم یا ابو جابر کی صفت ہے اور لہ کی ضمیر ابن ابی کی طرف راجع ہے۔

انشدکم ای اسالکم یہ ابو حاتم کا مقولہ ہے، اللہ منصوب بنزع الخافض ہے یعنی وباللہ فی نبیکم . ای فی حفظھما وقایتھما. ولقد نصرکم اس میں مقصود تسلی ہے۔ بدر مکہ ومدینہ کے مابین ایک کنواں تھا جس کو بدر نامی ایک شخص نے بنایا تھا۔ یا ایک خاص جگہ کا نام تھا۔ اذلۃ یہ جمع قلت ہے ذلیل کی ذلائل جمع کثرت آتی ہے۔ یہاں جمع کثرت کی بجائے جمع قلت لانے میں اشارہ ہے کہ ذلیل بھی ہیں قلیل بھی ہیں۔ جلال محققؒ نے ذلۃ کی تفسیر قلۃ عدد کے ساتھ اس لئے کی تاکہ آیت وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین کے معارض یہ آیت نہ رہے۔ مسلمان تین سو تیرہ تھے جن میں سے چھتر (۷۶) مہاجرینؓ اور بقیہ انصارؓ تھے اور ایک یا دو گھوڑے اور ساٹھ (۶۰) اونٹ اور کل چھ (۶) زرہیں تھیں۔ حالانکہ کفار کا ایک ہزار کا لوہے میں ڈوبا ہوا لشکر تھا۔

الن یکفیکم لن تاکید یہ اس لئے لائے کہ گویا مسلمان بظاہر اسباب سے بالکل ناامید ہو چکے تھے۔

من فورھم فور مصدر ہے فارت القدر بولتے ہیں ہانڈی کا جوش کرنا، غضب پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے کہ ہانڈی کی طرح آدمی کو کھولا دیتا ہے۔ پھر اول شئ پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ پھر مطلق سرعۃ پر بھی بولا جاتا ہے پھر وہ حال کہ جس میں دیر اور تراخی بالکل نہ ہو یعنی فوراً کے معنی میں آتا ہے بلکہ اردو کا فوراً شاید اسی سے ہے مسومین السومۃ والسیمۃ والسیماء بمعنی العلامۃ ابو عمرؒ اور ابن کثیر کی قرأت تو بکسر الواو ہے اور باقی بفتح الواو پڑھتے ہیں۔ اول صورت میں اسم فاعل ای معلمین انفسھم ای بعمامۃ الصفراء

کما فی تفسیر الکبیر او خیو لھم بعلوق الصوف الابیض فی نواصیھا واذنا بھا. دوسری صورت میں اسم مفعول ہے اور فاعل اللہ ہے۔ای معلمین بالقتال من جھۃ اللہ اور وہ علامات دوسری آیات میں ہیں۔فاضربوا فوق الاعناق واضربوا منھم کل بنان.

بشریٰ لکم بشریٰ مفعول لہ اور استثناء مفرغ ہے۔ای لشیئ من الاشیاء والا للبشارۃ اور لکم میں مسلمانوں کو خطاب محض تشریفاً اور یہ ظاہر کرنا ہے کہ تم اس بشارت کے محتاج ہو اور آنحضرت ﷺ کو حق تعالیٰ کی بے انتہاء عنایات کی موجودگی میں اس کی ضرورت نہیں۔ولتطمئن بشریٰ پر اس کا عطف ہے باعتبار موضع کے لیکن اسم سے فاعل کی طرف عدول کرنا اور حرف تعلیل اس پر داخل کرنا اس نکتہ کے لئے ہے کہ حصول مطلوب طمانیت میں اقویٰ ہے۔

لیقطع اس کا تعلق ولقد نصرکم سے ہے اور ان دونوں کے درمیان اس کی حقیقت کی تحقیق ہے۔ای نصرکم اللہ لیھلک اور یھلک کے ساتھ اس کی تفسیر اس لئے کی کہ قرآن کریم میں یقطع جعل اور اختلف کے معنی میں بھی آتا ہے۔بدر میں ستر (۷۰) صنادید قریش قتل اور ستر (۷۰) قید ہوئے۔او یکبتھم اس میں استخدام ہے کیونکہ مقتول اور منہزم علیحدہ علیحدہ ہیں کبۃ یکبۃ بمعنی صرعہ واخزاہ و کسرہ و اذلہ یہاں لفظ او تردید کے لئے نہیں بلکہ تنویع کے لئے ہے الخائبین خیبۃ ضد ہے ظفر کی۔

ربـــاعیۃ سامنے کے چار دانت، اوپر کے دو ثنایا علیا اور نیچے کے دو ثنایا سفلی کہلاتے ہیں۔ان چاروں میں داہنی طرف کا نیچے کا دانت پورا نہیں بلکہ اس کا ایک کنارہ شہید ہوا تھا۔او یتوب بمعنی الا ان یالی ان ہے۔پس یتوب منصوب ہے، باضمار ان لیقطع پر عطف کی وجہ سے نہیں اور الی متعلق ہے مقدر کے۔اب اس صورت میں کلام کا تعلق لیس لک الخ سے ہو جائے گا۔

ربط: .... پچھلی آیات میں محاجہ لسانی کا بیان تھا۔اب ان آئندہ آیات میں دور تک محاجہ سنانی کا ذکر آ رہا ہے۔اول غزوۂ اُحد کا بیان اذ غدوت میں دوسری غزوۂ بدر کا بیان آیت ولقد نصرکم میں کیا جا رہا ہے پھر آگے چل کر غزوۂ حمراء الاسد کا بیان آیت الذین استجابوا للہ الخ میں آئے گا۔نیز ان تینوں واقعات سے گذشتہ دعویٰ بلیٰ ان تصبروا وتتقوا الخ کی تائید بھی مقصود ہے۔

شانِ نزول: .... جمہور مفسرین کی رائے تو یہ ہے کہ آیت واذ غدوت غزوۂ احد سے متعلق ہے۔لیکن بعض کی رائے میں اس کا تعلق بدر یا احزاب سے ہے تاہم پہلی بات صحیح ہے۔ابن ابی حاتمؒ کی روایت ہے کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ کرز بن جابر مشرکین کی مدد کرنا چاہتا ہے تو اس سے سخت سراسیمگی اور پریشانی پیدا ہوگئی اس پر آیت اذ تقول للمؤمنین الخ نازل ہوئی عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ جنگ اُحد میں آنحضرت ﷺ نے دعا مانگنی شروع کی اللّٰھم العن الحارث بن ھشام. اللّٰھم العن صفوان بن امیۃ تو اس پر آیت لیس لک من الامر نازل ہوئی۔لیکن ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق ''بیر معونہ'' کے واقعہ کے ساتھ ہے۔جو ۴ھ میں غزوۂ اُحد سے چار ماہ بعد پیش آیا۔جب آپ ﷺ نے ستر (۷۰) قراء کو منذر بن عمرو کی سرکردگی میں اس مقام پر روانہ فرمایا اور وہاں دھوکہ سے عامر بن طفیل نے ان سب کو قتل کر دیا تو آنحضرت ﷺ کو سخت رنج و ملال ہوا اور آپ ﷺ نے ایک ماہ تک نام بنام قبیلوں کے لئے بددعائیں فرمائیں .... تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: .... جنگِ اُحد کی تفصیل: .... بدر میں شکست کھا کر انتقام کے جوش میں مشرکین بے تاب تھے۔ ابوسفیان نے عہد کیا تھا کہ جب تک بدر کا انتقام نہیں لوں گا غسل تک نہیں کروں گا۔اسی سلسلہ میں اس نے ذی الحجہ ۲ھ میں مدینہ کے قریب جا کر دو شتر سواروں کے ساتھ دھوکہ سے دو مسلمانوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔آپ ﷺ کو اطلاع ہوئی تعاقب کیا گیا لیکن ابوسفیان نکل

گئے تھے غرضکہ اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتیں پیش آتی رہیں۔ یہاں تک وسط شوال ۳ھ بمطابق ۶۲۵ء میں اُحد کا گرم اور مشہور معرکہ وقوع پذیر ہوا جس کا اثر دُور اور دیر تک رہا۔

واقعہ کی ضروری اور یکجائی تفصیل اس طرح ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل اور دوسرے سرداروں نے ابوسفیان پر زور دیا کہ اگر تم مصارف کا بار اٹھا سکتے ہو تو بدر کا انتقام اب بھی لیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ آمادگی ظاہر ہونے پر زور وشور سے تیاریاں شروع کردی گئیں اور ملک میں عام چندہ کیا گیا۔ کنانہ اور تہامہ کے تمام قبائل بھی ساتھ ہو گئے۔ ابوغرہ شاعر نے تہامہ میں گشت لگا کر جوش وخروش کی آگ لگادی شام کی تجارت کا پچاس ہزار مثقال سونا اور ایک ہزار اونٹ پورا پورا اس چندہ میں شامل کرلیا گیا اور عورتیں بھی تقویت کے ساتھ آئیں اور بڑے ہی سروسامانی کے ساتھ ابوسفیان کمانڈر اعلیٰ بنائے گئے۔ اس طرح مکہ سے روانہ ہو کر ۴ شوال بروز بدھ مدینہ کے قریب پڑاؤ ڈال دیا گیا۔

آنحضرت ﷺ نے صلاح ومشورہ کے لئے انصارؓ ومہاجرینؓ کو جمع کیا۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کی رائے تھی کہ لڑائی کے لئے باہر نہ نکلا جائے بلکہ اندر رہ کر حملہ کو روکا جائے، اور آپ ﷺ کی رائے بھی یہی تھی جس کی تائید ایک خواب سے بھی ہو چکی تھی۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ ابن ابی کی رائے آنحضرت ﷺ کے موافق ہوئی، لیکن صحابہؓ نے پُر جوش طریقہ پر اس رائے کی مخالفت کی اور باہر نکل کر جنگ کرنے پر آمادگی ظاہر کی یہ سن کر بادلِ ناخواستہ آنحضرت ﷺ دولت کدہ (غریب کدہ) میں تشریف لے گئے اور مسلح اور ہتھیار بند ہو کر برآمد ہوئے اور فوج کو مارچ کا حکم دے دیا۔ لوگوں نے عرض بھی کیا کہ غالباً آپ ﷺ کی رائے کے خلاف ہم نے کچھ جرأت سے کام لیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ''نبی کے لئے ہتھیار زیب تن کرنے کے بعد جائز نہیں ہے کہ اس سے پہلے اپنے ہتھیار کھولے کہ اللہ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ کرے'' آخرکار جمعہ کے روز مدینہ سے لشکرِ اسلام حرکت میں آیا اور ابن ابی مع اپنے تین سو (۳۰۰) ساتھیوں کے دبا دبایا ساتھ ہولیا اور موقعہ پا کر کھسک گیا۔ دشمن کی تعداد تین ہزار تھی جن میں دوسو سوار اور سات سو زرہ پوش جوان تھے۔ میمنہ کے رسالدار خالد بن الولید اور میسرہ کا عکرمہ بن ابی جہل تھا اور ناسخ التواریخ کے قول کے مطابق پانچ ہزار کفار کا لشکر تھا جس میں تین ہزار شتر سوار، دوسو اسپ سوار اور سات سو زرہ پوش پیادہ تھے۔ ادھر مسلمان کل سات سو تھے جن میں کل سو زرہ پوش اور صرف دو سوار تھے۔ مدینہ سے تین میل فاصلہ پر اُحد کے دامن میں جنگی صفیں آراستہ ہوئیں۔

آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن جبیرؓ کو پچاس تیراندازوں کیساتھ اُحد کے اس درہ پر تعینات کردیا جو آپ ﷺ کی اور فوج کی پشت پر تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اگر تم دیکھو کہ پرندے مسلمانوں کا گوشت نوچ نوچ کھا رہے ہیں تب بھی اپنی جگہ سے مت ہلنا وانا لن نزال غالبین ما ثبتم مکانکم ۷ یا ۱۵ شوال سنیچر کے روز لڑائی شروع ہوئی۔ اول حضرت زبیرؓ نے اپنے دستہ کو لے کر حملہ کیا اور قریش کے میمنہ کو شکست دے دی پھر عام جنگ ہونے لگی۔ حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہم فوج میں گھس پڑے۔ ان کے مشہور بارہ سرداروں میں سے آٹھ علمبردار حضرت علیؓ نے تہ تیغ کردیئے اور باقی اوروں نے اور ان کی صفیں الٹ دیں۔

جنگ میں مسلمانوں کی ناکامی کی بنیاد:............غرضکہ کامیابی ان کے قدم چومنے لگی تھی کہ کچھ لوگ مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے تیراندازوں نے خیال کیا کہ اب معرکہ ہو چکا، اس لئے وہ بھی لوٹنے میں مصروف ہو گئے اور مورچہ خالی چھوڑ دیا۔ بس مورچہ کا .... چھوڑنا ہی غضب ہو گیا کہ خالد نے جو اس وقت تک حضرت خالد نہیں ہوئے تھے اور اپنے رسالہ کے کماندار تھے دفعۃً نہایت زور وشور کے ساتھ فوج کے عقب سے حملہ کردیا عام مسلمانوں کی توجہ دوسری طرف بٹ چکی تھی اس اچانک حملہ کی تاب نہ لا سکے اور ناگہانی آفت کو نہ روک سکے۔ نقشۂ جنگ میں یہ گھاٹی نہایت اہمیت رکھتی تھی اور گویا میدانِ جنگ کی جان تھی۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے بڑی شدومد سے اس مورچہ کی حفاظت کا حکم دیا تھا۔ لوگ یہ سمجھے کہ مقصد جب حاصل ہو گیا اب بلاضرورت یہاں خالی ہاتھ کھڑے رہنے سے

بہتر ہے کہ مال غنیمت جمع کرنے کا ثواب بھی لگے ہاتھوں حاصل کرلیا جائے کہ ہم خرما وہم ثواب کا مصداق ہو جائے اس لئے دوسری طرف متوجہ ہو گئے۔ صرف عبداللہ بن جبیرؓ اپنے گیارہ ساتھیوں سمیت مورچہ پر ڈٹے رہے لیکن خالد کا ریلہ نہ روک سکے اور مورچہ دشمن کے قبضہ میں چلا گیا۔ اب آگے کفار، پیچھے بھی کفار۔ آنحضرت ﷺ پر تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ ہوئی یہاں تک کہ دندان مبارک ایک ریزہ شہید ہو گیا، پیشانی پر زخم آیا، رخساروں پر مغفر کی کڑیاں گھس گئیں، اور اسی افراتفری میں ایک گڑھے میں گر کر لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اسی غل غپاڑہ میں کسی نے پکار دیا کہ رسول اللہؐ (خاکم بدہن) شہید ہو گئے اس وحشت ناک خبر نے مسلمانوں کے رہے سہے ہوش وحواس اور ثبات واستقلال کو متزلزل کر کے رکھ دیا اور جو جہاں تھا وہیں سراسیمہ ہو کر رہ گیا۔ باستثناء چند حضرات کے سب کے پیر اکھڑ گئے جوان خطرات اور آفات کی موجودگی میں ان حضرات کی جلالت قدر اور عظمت شان کے باوجود ظاہر ہے کہ اسباب کے درجہ میں مستبعد نہیں ہے۔

آڑے وقت کے ساتھی: .... اس موقعہ پر آنحضرت کے ساتھ اخیر دم تک کتنے صحابہؓ ثابت قدم رہے، اس میں اختلاف ہے۔ صحیح مسلم کی روایت حضرت انسؓ سے یہ ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کی ساتھ سات (۷) انصارؓ اور دو (۲) قریشیؓ سعدؓ اور طلحہؓ رہ گئے تھے اور بیہقی اور نسائی میں حضرت طلحہؓ کے علاوہ گیارہ انصار کا ہونا ذکر کیا ہے۔ محمد بن سعدؒ نے چودہ حضرات کا نام لیا ہے اور روایتیں بھی مختلف ہیں حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن وقاصؓ، طلحہ بن عبداللہؓ، زبیر بن العوامؓ، ابوعبید بن جراحؓ وغیرہ حضرات یقیناً آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ان روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ شروع میں مسلمانوں کے سراسیمہ ہونے کی وجہ سے تعداد کم تھی لوگ ادھر ادھر پھیل گئے تھے اور جو جہاں تھا وہیں رہ گیا، لیکن پھر آہستہ آہستہ جوں جوں موقعہ ملتا رہا لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔

جاں نثار صحابہؓ: .... آنحضرت ﷺ کی وفات کی غلط خبر جو گرم ہوئی تو تین طرح کے لوگ ہو گئے۔ کچھ لوگ تو ایسے سراسیمہ ہوئے کہ انہوں نے مدینہ سے ادھر دم نہیں لیا اور کچھ لوگ جان پر کھیل کر لڑتے رہے بعض لوگوں نے مایوس ہو کر سپر ڈال دی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ؟ طبریؒ نے روایت کی ہے کہ اس موقعہ پر جب انس بن نضرؓ نے حضرت عمرؓ اور طلحہؓ اور چند مہاجرینؓ اور انصارؓ کو دیکھا کہ مایوس ہو کر بیٹھ گئے ہیں تو پوچھا کہ بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ ان لوگوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے تو شہادت پالی ہے۔ انسؓ بولے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تم زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ تم بھی ان ہی کی طرح لڑ کر جان دے دو یہ کہہ کر کفار پر حملہ آور ہوئے اور شہادت پالی۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ انسؓ بن نضرؓ اس وقت میرے پاس سے گزرے اور مجھ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ پر کیا گزری؟ میں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ شہید ہو گئے ہیں، انسؓ نے کہا رسول اللہ اگر شہید ہو گئے تو اللہ تو زندہ ہے، یہ کہہ کر تلوار میان سے کھینچ لی اور اس قدر لڑے کہ شہادت حاصل کر لی ابن ہشام میں ہے کہ حضرت انسؓ نے اس واقعہ میں ستر (۷۰) زخم کھائے۔

خالد ایک دستہ فوج لے کر آنحضرت ﷺ کی طرف بڑھے۔ آپ ﷺ اس وقت تیس (۳۰) صحابہ کے ساتھ پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے۔ خالد کو آتا دیکھ کر فرمایا کہ خدایا یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں۔ حضرت عمرؓ نے چند مہاجرینؓ اور انصارؓ کے ساتھ آگے بڑھ کر ان پر حملہ کیا اور ان کو ہٹا دیا۔ ابوسفیان سپہ سالار قریش نے درہ کے قریب پہنچ کر للکارا کہ اس گروہ میں محمد ﷺ ہیں یا نہیں؟ آنحضرت ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے پھر حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کا نام لے کر پکارا کہ یہ دونوں ہیں یا نہیں؟ لیکن جب کسی نے کوئی جواب نہ دیا تو کہنے لگا کہ ضرور یہ لوگ مارے گئے، حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا پکار اٹھے کہ دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں۔ ابوسفیان کہنے لگا

اعل ھبل یعنی اے ہبل بت زندہ باد، آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ جواب دو اللہ اعلیٰ و اجل کہ خدا بلند و برتر ہے۔

بنوسلمہ اور بنوحارثہ کا واقعہ صحابہؓ کی سر بلندی کا ثبوت ہے: .... اذھمت طائفتان میں بنوسلمہ اور بنوحارثہ کے جن گروہوں کا ذکر ہے عبداللہ اور اس کے تین سو ساتھیوں کے میدانِ جنگ سے پسپا ہونے کی وجہ سے ان کے پیر بھی کچھ اکھڑنے لگے تھے اور ان میں پست ہمتی پیدا ہونے لگی تھی۔ اور واپسی کا وسوسہ گزرنے لگا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور وہ وسوسہ دُور کر دیا۔ اس عنایت آمیز عتاب میں بھی کیسی بشارت موجود ہے کہ جُرم کی خفت و لقد ھمت سے بتلائی کہ واپسی نہیں ہوئی بلکہ صرف واپسی کا وسوسہ پیدا ہوا۔ اس لئے ہماری ولایت سے خارج نہیں ہوئے چنانچہ اسی لطف آمیز شکایت کی وجہ سے یہ حضرات اس عتاب سے کبیدہ خاطر یا رنجیدہ نہیں تھے۔ کیونکہ اس کے ساتھ واللہ ولیھما بھی فرمایا گیا ہے وہ جس کو اپنا کہہ دیں اس کی نازش وافتخار کا کیا پوچھنا؟

معرکۂ بدر: .... ولقد نصر کم اللہ میں واقعۂ بدر کے ضمن امداد غیبی اور تائید الٰہی کا تذکرہ ہے۔ یہ مشہور معرکہ ۲ھ بمطابق ۶۲۴ء میں اس طرح پیش آیا کہ ابوسفیان سردارِ قریش مشترک مال تجارت لے کر شام سے واپس آرہے تھے کہ مسلمانوں کے حملہ کی غلط خبر سن کر قریش کے پاس قاصد بھیجا جس سے مسلمانوں کیخلاف تمام مکہ امنڈ آیا۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر تین سو آدمیوں کے ہمراہ مدینہ سے روانہ ہوئے، عام مؤرخین کا خیال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا مدینہ سے نکلنا صرف ابوسفیان کے قافلہ کو لوٹنے کے لئے تھا۔ لیکن واقعہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ ابوسفیان کے ساتھ صرف چالیس آدمی تھے اور وہ نہتے، جنگی ارادہ سے جن کا سفر نہیں تھا کہ ہتھیار بند ہوں ادھر آنحضرت ﷺ تین سو بہادروں کے ساتھ نکلے تھے۔ قرآنِ کریم نے سورۂ انفال میں جہاں اس واقعہ کی تصویر کما اخرجک ربک الخ کے الفاظ کے ساتھ کھینچی ہے وہاں صحابہؓ کے ہچکچانے کو موت کے منہ میں جانے سے تعبیر کیا ہے۔ پس چالیس نہتے آدمیوں کے مقابلہ میں تین سو بہادر صحابہؓ کو موت کے منہ میں جانے سے تعبیر کرنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے معلوم ہوتا ہے ارادہ کچھ دوسرا ہی تھا۔

بہر حال ۸ رمضان ۲ھ کو آنحضرت ﷺ تین سو تیرہ (۳۱۳) اصحابؓ کے ساتھ جن میں تیراسی (۸۳) مہاجرینؓ اور باقی انصارؓ تھے۔ لشکر طالوت جو لشکر جالوت کے مقابلہ میں نکلا تھا اس کا عدد بھی تین سو تیرہ (۳۱۳) تھا۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے قریش کی فوج ساڑھے نوسو (۹۵۰) کی جمعیت تھی جن میں بڑے بڑے سورما شریک تھے۔ مدینہ منورہ سے چھ منزل پر بدر میں ۱۷ رمضان ۲ھ کو یہ پہلا معرکۂ حق و باطل گرم ہوا۔ آپ ﷺ نے دعا کی کہ خدایا اگر یہ مسلمان مارے گئے تو دنیا میں توحید کی منادی کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ چنانچہ کفار کو شکست فاش ہوئی۔ مسلمانوں میں صرف چودہ (۱۴) آدمی شہید ہوئے جن میں چھ مہاجرؓ اور آٹھ انصارؓ تھے۔ قریش کی طرف ستر مقتول اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ مقتولین میں ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ اور بڑے بڑے بہادر تھے جو کام آئے۔ وہ چودہ سردار جو دارالندوہ میں آنحضرت کے قتل کی سازش میں شریک تھے ان میں سے گیارہ مارے گئے۔ تین جو بچے وہ اسلام لے آئے اس طرح مکہ میں کفر کی کمر ٹوٹ گئی اور جو لوگ زندہ گرفتار ہوئے ان کی تعداد بھی کم وبیش ستر (۷۰) تھی۔ جن میں قریش کے بڑے معزز سردار بھی تھے۔ ایک روز پہلے آنحضرت ﷺ نے میدانِ جنگ ملاحظہ فرما کر کہا تھا کہ کل انشاء اللہ فلاں کافر اس جگہ اور فلاں فلاں اس جگہ قتل ہوں گے۔ گرفتار ہونے والے میں حضرت عباس، حضرت عقیل، ابوالعاص بن الربیع، ولید بن الولید تھے۔ ان سرداروں کا اس طرح ذلت کے ساتھ گرفتار ہوکر آنا ایک عبرت انگیز سامان پیدا کر رہا تھا جس سے مسلمانوں کے دل پر اثر ہوا حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کی زوجۂ مبارکہ حضرت سودہؓ کی نظر جب ان قیدیوں پر پڑی تو بے اختیار بول اٹھیں اعطیتم بایدیکم ھلامتم کراماً یعنی گرفتار ہونے سے شریفوں کی طرح مرجانا تمہارے لئے بہتر تھا۔ آپ ﷺ نے ان میں سے بعض سے مالی فدیہ لے کر چھوڑ دیا اور پڑھے لکھے اسیروں

کا تاوان یہ مقرر ہوا کہ وہ انصاری بچوں کو تعلیم دیں اور لکھنا سکھلا دیں جنگ بدر کا نام ''یوم الفرقان'' رکھا گیا ہے۔جس نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے رکھ دیا۔

فرشتوں کی کمک یا غیبی امداد:............ خدائی فوج (ملائکہ) کی امداد کے سلسلہ میں تین وعدے کئے گئے ہیں ایک ہزار کا، تین ہزار کا، پانچ ہزار کا۔سوال تینوں وعدوں کا ایک سبب تو مشترک ہے یعنی صبر وتقویٰ جو آیت بالا بلی ان تصبروا وتتقوا میں بھی بیان کیا گیا ہے لیکن تینوں کے علیحدہ علیحدہ اسباب بھی ہیں۔مثلاً اول کا سبب سورۂ انفال میں استغاثہ اور دعا کا ہونا بتلایا گیا ہے۔ دوسری امداد کا سبب خود جلال محققؒ نے کرز بن جابر محاربی کی طرف سے کمک پہنچنے کی خبر سے مسلمانوں کا سراسیمہ اور پریشان ہونا ذکر کیا ہے اور تیسری امداد کا باعث خود آیت میں صبر وتقویٰ مذکور ہے تاہم اس میں اختلاف ہے کہ آیا تیسرا وعدہ پورا ہوا ہے یا نہیں؟ شعبی کی رائے یہ ہے کہ یہ وعدہ مشروط تھا۔یأتوکم من فورهم کے ساتھ اور چونکہ کرز بن جابر کی طرف سے کمک نہیں پہنچ سکی اس لئے ایفاء وعدہ کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا لیکن جن لوگوں نے اس کو مشروط وعدہ نہیں بلکہ مطلق وعدہ پر محمول کیا ہے تاکید ومبالغہ کے لئے وہ اس کا ایفاء مانتے ہیں۔

تینوں وعدوں کا ایفاء:............ نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ تین ہزار کے وعدہ میں پہلا ہزار اور پانچ ہزار کے وعدہ میں ایک ہزار اور تین ہزار بھی داخل ہیں یا ان کے علاوہ تعداد مراد ہے۔اور لطیفہ اس خاص تعداد میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کافر ایک ہزار تھے۔اس لئے ایک ہزار فرشتے مقرر کئے گئے، پھر مسلمانوں کی نسبت کافروں کے تین گنا ہونے کی وجہ سے یہ عدد تین گنا کر دیا گیا کہ کافروں سے تین گونہ رہے پھر لشکر کے پانچوں حصوں، مقدمہ، میمنہ، قلب، میسرہ، خلف کے لحاظ سے ہر حصہ کے مقابلہ میں ایک ایک ہزار کر دیا گیا۔

عروہ بن زبیرؓ کی روایت ہے کہ مدینہ میں چونکہ حضرت زبیرؓ کا عمامہ زرد تھا اس لئے ملائکہ بھی زرد عماموں کے ساتھ آئے اور ابن عباسؓ کی روایت یہ ہے کہ بدر میں ملائکہ سفید عمائم میں تھے۔جن کے شملے مابین الکتفین پڑے ہوئے تھے۔لیکن دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت جبریلؑ کا عمامہ زرد اور باقی کے سفید ہوں گے اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حمزہؓ کو نعامہ کے پیروں جیسا رنگ معلوم ہوا اور حضرت علیؓ کو سفید صوف کا اور حضرت زبیرؓ کو زرد اور حضرت ابودجانہؓ کو سرخ معلوم ہوا اور احد میں فرشتوں کا امداد کے لئے آنا کسی قوی دلیل سے ثابت نہیں اور یوں حفاظتی طور پر ساتھ رہنا دوسری بات ہے۔

مقصدِ مقام:............ حاصل آیات کا یہ ہے کہ اُحد میں مسلمانوں کی امداد غیبی سے محرومی کے دو سبب ہیں۔ایک غزوۂ بدر میں اساریٰ بدر کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا جو تمہارے تقویٰ کے شایانِ شان نہیں تھا اور جس کے باعث نقصان ہونے کی اطلاع پہلے دے دی گئی تھی۔دوسرے خاص غزوۂ احد میں مورچہ سے ہٹ کر حکم عدولی کرنا اور ڈسپلن قائم نہ رکھنا سبب ہوا غرضکہ بدر میں جس طرح کامل اطاعت اور تقویٰ کی برکت سے منصور ومظفر ہوئے اسی طرح احد میں صبر وتقویٰ میں اختلال سابق ولاحق کی نحوست سے فتح مند نہیں ہوسکے۔

کیفیتِ نصرت:............ فرشتوں کے نزول کی غرض جو آیات سے معلوم ہوتی ہے یعنی مسلمانوں کے دل کو سکون وطمانیت بخشنا قرآن کے اس صریحی بیان کے بعد اس پر کسی طرح کا شبہ واقعہ نہیں ہوتا، رہا یہ کہ طریق سکون بخشی کیا تھا؟ سو ممکن ہے کہ باطنی تصرف سے جیسے کہ ابتداءِ وحی میں آنحضرت ﷺ پر تصرف جبرئیلی کیا گیا تھا اور جیسا کہ بعض مشائخ تصوف کے یہاں یہ تصرف معمول بہا ہوتا ہے۔قلوب مؤمنین میں قوتِ تثبیت پہنچا دی گئی ہو اس لحاظ سے نہ فرشتوں کا نظر آنا ضروری ہے اور نہ یہ شبہ رہتا ہے کہ اس طرح تو ایک

ہی فرشتہ سب کو ہلاک کرسکتا تھا۔ پھر تین ہزار کی کیا ضرورت تھی؟ درآنحالیکہ پھر بھی ملائکہ نے سب کفار کو ہلاک نہیں کیا نیز یہ شبہ بھی نہیں رہتا کہ فرشتوں کے بل بوتہ پر جنگ کرائی گئی تو صحابہؓ کی خوبی اور کمال کیا رہا اور کفار کی شکست کیوں قابل ملامت ہوئی؟

مقصد نصرت: .... کیونکہ قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی غرض فرشتوں کے شریکِ جنگ کرنے سے ان کو شریک قتل کرنا نہیں تھا۔ بلکہ محض دلجمعی اور ڈھارس بندھانے کی خاطر ایسا کیا گیا۔ اس لئے اتنی تعداد رکھی گئی اور اس لئے پہلے سے ان کی آمد کی اطلاع دے دی گئی تاکہ اطمینان وخوشی کی لہر دوڑ جائے اور دل جوش سے لبریز ہوجائیں اور فی الحقیقت تائید ونصرت فرشتوں سے نہیں ہوئی کہ یہ کام دراصل خداوند قدوس کا ہے، وہی کارساز ہیں، انسان چونکہ محسوسات کا عادی ہے اس لئے برائے نام فرشتوں کو بہانہ بنادیا گیا اور اس لئے ایک آدھ فرشتہ ایک آدھ صحابیؓ کو دکھلا بھی دیا گیا اور "اقدم حیزوم" کلماتِ جبریلی ایک آدھ کو سنوا دیئے گئے بلکہ فاضربوا فوق الاعناق کی رو سے ایک آدھ کافر کا سر بھی الگ کر کے دکھلا دیا گیا تاکہ عین الیقین اور دیکھ کر پوری طرح شرح صدر ہوجائے ورنہ اصلی کام فرشتوں کا فثبتوا الذین امنوا ہی تھا۔

فرشتے اور جنات بھی شریک قتال ہوئے یا نہیں؟: .... رہا یہ شبہ کہ جنات بھی شریک جنگ ہوئے یا نہیں؟ اگر تھے تو دونوں کے ساتھ یا ایک کے ساتھ؟ سو تینوں صورتیں ممکن ہیں۔ (۱) کیونکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انسانوں کی طرح جنات بھی چونکہ مؤمن و کافر ہیں اس لئے اور دوسرے احکام کی طرح جہاد کے بھی مکلّف ہوں اور دونوں صفوں میں شریک جنگ وقتال رہے ہوں اور انسانوں نے انسانوں اور جنات نے جنات سے قتل کیا ہو۔ (۲) یا صرف مسلمانوں کے ساتھ مکلّف ہونے کی وجہ سے مؤمن جنات شریک جہاد رہے ہوں۔ مگر ملائکہ کی طرح محض تقویۃ اور تصرف بالحق کے لئے نہ کہ قتال کے لئے اس صورت میں آیات میں ان کا عدم ذکر عدم واقعی کو مستلزم نہیں ہے۔ خطاب میں اصل انسان ہیں جنات ان کے تابع ہیں جیسا کہ اصل خطاب مردوں کو کیا گیا ہے عورتیں ان کے تابع سمجھی گئی ہیں۔ (۳) یہ بھی ممکن ہے کہ کسی طرف بھی جنات شریک نہ ہوئے ہوں۔ رہا ان کے مکلّف ہونے کا معاملہ یا تو وہ احکام جہاد ہی کے مکلّف نہ ہوں اور ہوں بھی تو آپس میں ہوں، انسانوں کے ساتھ یا ان کے مقابلہ پر نہ ہوں۔

لطائف آیت: .... آنحضرت ﷺ کا قبیلہ رعل وذکوان وعصیہ یا دوسرے کفار کے حق میں بددعا فرمانا محض اپنے اجتہاد کی وجہ سے تھا۔ اس سلسلہ میں پہلے کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے عصمت کے بارے میں کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

آیت **لیس لک من الامر** کا منشا یہ ہے کہ جب تک حق تعالیٰ کی طرف سے قطعی طور پر کسی کے کفر کا علم نہ کرا دیا جائے۔ ہر وقت اس کے مسلمان ہونے کا احتمال رہتا ہے چنانچہ اس کے بعد بعض لوگ مسلمان ہوئے بھی اس لئے ایسی صورت میں بددعا کب مناسب ہے، نیز مشیت الٰہی کے بغیر کوئی تدبیر بھی مؤثر نہیں ہے اس لئے اس کی فکر میں نہ پڑنا چاہئے کیونکہ زیادہ فکر اصلاح ہی سے غم وغصہ پیدا ہوجاتا ہے جس کا علاج صبر ہے اور حاصل صبر کا ناگوار بات کو پی جانا ہوتا ہے۔ لیکن جب کفار مسلمان ہوجائیں گے یا ہلاک و برباد ہوجائیں گے تو یہ دونوں صورتیں آپ کے عین منشاء ہیں۔ اس لئے ناگواری ختم ہوکر صبر کی انتہاء ہوجائے گی یعنی اس کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ **اذھمت** الخ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کا وسوسہ حدیث النفس اور ھم کے درجہ میں ولایت کے منافی نہیں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً بِالِفٍ وَدُوْنِهَا بِاَنْ تَزِيْدُوْا فِي الْمَالِ عِنْدَ حُلُوْلِ الْاَجَلِ وَتُؤَخِّرُوا الطَّلَبَ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ بِتَرْكِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ تَفُوْزُوْنَ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اَنْ تُعَذَّبُوْا بِهَا وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا بِوَاوٍ وَدُوْنَهَا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اَيْ كَعَرْضِهِمَا لَوْ وَصَلَتْ اِحْدَاهُمَا بِالْاُخْرٰى وَالْعَرْضُ اَلسَّعَةُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اَللّٰهَ بِعَمَلِ الطَّاعَاتِ وَتَرْكِ الْمَعَاصِيْ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ اَيِ الْيُسْرِ وَالْعُسْرِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ اَلْكَافِّيْنَ عَنْ اِمْضَائِهٖ مَعَ الْقُدْرَةِ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ مِمَّنْ ظَلَمَهُمْ اَيِ التَّارِكِيْنَ عُقُوْبَتَهٗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ بِهٰذِهِ الْاَفْعَالِ اَيْ يُثِيْبُهُمْ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً ذَنْبًا قَبِيْحًا كَالزِّنَا اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا دُوْنَهٗ كَالْقُبْلَةِ ذَكَرُوا اللّٰهَ اَيْ وَعِيْدَهٗ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ اَيْ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا يُدِيْمُوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا بَلْ اَقْلَعُوْا عَنْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اَنَّ الَّذِيْ اَتَوْهُ مَعْصِيَةٌ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ اَيْ مُقَدِّرِيْنَ الْخُلُوْدَ فِيْهَا اِذَا دَخَلُوْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ بِالطَّاعَةِ هٰذَا الْاَجْرُ

ترجمہ: .... مسلمانو! سود کی کمائی سے اپنا پیٹ نہ بھرو۔ دگنا چوگنا کر کے (لفظ مضعفۃ الف کے ساتھ اور بغیر الف کے ہے اس مال کے بڑھنے کی صورت یہ ہے کہ مدت ختم ہونے پر مطالبہ کو تو مؤخر کر دیا جائے اور سودی رقم میں اضافہ کر دیا جائے) اور اللہ سے ڈرو (اس کے چھوڑنے کے سلسلہ میں) توقع ہے کامیاب ہو جاؤ گے (نجات پا جاؤ گے) اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے (کہیں تم کو اس میں عذاب نہ دیا جائے) اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو امید یہ ہے کہ رحمتِ الٰہی کے مستحق ہو جاؤ گے اور دوڑو (یہ واو کے ساتھ اور بغیر واو کے ہے) اپنے پروردگار کی بخشائش کی طرف۔ نیز جنت کی طرف جس کے پھیلاؤ کا حال یہ ہے کہ تمام آسمان وزمین کے برابر ہے (یعنی ان کے پھیلاؤ کے برابر ہے۔ اگر ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کر پھیلا یا جائے اور عرض کے معنی کشادگی کے ہیں) جو متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے (جو اللہ کی طاعات بجالانے والے اور نافرمانی سے بچنے والے ہیں) جن کے اوصاف یہ ہیں کہ خرچ کرنے والے ہیں (اللہ کی طاعت میں) خوشحالی یا تنگ دستی (یعنی سہولت ہو یا تنگی) غصہ کو قابو میں رکھنے والے ہیں (قدرت ہوتے ہوئے اس کے مقتضی پر عمل نہیں کرتے) اور لوگوں کے قصور معاف کر دیتے ہیں (لوگوں پر ظلم کرنے والوں کی سزا سے درگذر فرماتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ نیک کرداروں کو پسند کرتے ہیں (اس طرح کے نیک کام کرنے والوں کو ثواب عطا کرتے ہیں) نیز وہ لوگ ہیں کہ ان سے جب کبھی کوئی سخت برائی کی بات ہو جاتی ہے (زنا جیسی بدترین برائی) یا اپنی جانوں کو آلودہ معصیت کر لیں (فاحشہ سے کم درجہ کی برائی جیسے بوسہ وغیرہ لے لینا) تو فوراً اللہ (کی وعید) کی یاد ان میں جاگ اٹھتی ہے۔ پس اللہ سے وہ اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں اور کون ہے (کوئی نہیں) بجز اللہ کے جو گناہوں کی مغفرت فرماوے اور اصرار (جماؤ) نہیں کرتے جو کچھ ان سے سرزد ہو گیا ہے (بلکہ اس سے ہٹ جاتے ہیں) یہ جان بوجھ کر (کہ جو کچھ ان سے سرزد ہوا ہے وہ معصیت ہے) یہی لوگ

ہیں جن کے لئے ان کے پروردگار کی طرف سے عفو وبخشش کا اجر ہے اور ایسے باغات ہیں جن کے پائیں نہریں جاری ہیں، ہمیشہ وہ ان ہی باغوں میں رہیں گے (جب ان میں داخل ہو جائیں گے **خالدین** حال مقدرہ ہے تقدیر عبارت ایسے ہے **مقدرین الخلود**) اور کیا ہی اچھا بدلہ ہے جو (طاعت کے) کام کرنے والوں کے حصہ میں آئے گا (یہ بدلہ)

تحقیق وترکیب: .... **بواو** و **دونها** یعنی **وسارعوا** جملہ **اطیعوا** پر معطوف ہونے کی صورت میں اور یا صرف **سارعوا** جملہ مستانفہ ہونے کی ترکیب پر **عرضها** عرض کی تخصیص مبالغہ کے لئے ہے کہ جب چوڑائی اتنی ہے تو لمبائی کا کیا پوچھنا۔ اللہ ہی کو معلوم ہے۔ باقی یہ شبہ کہ جب جنت آسمانوں میں ہے تو پھر اس کی چوڑائی کا آسمان وزمین کے برابر ہونے کا کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ جنت آسمانوں کے اندر نہیں ہے بلکہ آسمانوں سے اوپر عرش کے نیچے ہے۔ چنانچہ حدیث میں فردوس کے متعلق ہے کہ **انها فوق السمٰوٰت وتحت العرش** ہاں البتہ باب جنت آسمانوں میں ہونے کی وجہ سے مجازاً جنت کو آسمانوں میں کہہ دیا جاتا ہے۔ **كعرضها** مفسر علامؒ نے اشارہ کر دیا ہے کہ عبارت بحذف المضاف ہے اور ادات تشبیہ بھی محذوف ہے۔ چنانچہ سورۂ حدید میں **عرضها كعرض السماء والارض** ہے اس میں اختلاف ہے کہ تشبیہ حقیقی ہے یا نہیں۔

والعرض السعة یعنی عرض یہاں بمعنی چوڑائی مستعمل نہیں ہے بلکہ بمعنی کشادگی ہے۔ عرب بولتے ہیں **بلاد عريضة** اور بولتے ہیں **هذا دعوىٰ عريضة**. **اى واسعة عظيمة** اب کسی سوال وجواب کی ضرورت ہی نہیں ہے متقی سے مراد اگر اتقاء عن الشرک ہے تو عاقبت کار جنت کا مستحق ہوگا اور اتقاء من المعاصی ہے تو بلا عقوبت مستحق جنت ہوگا۔

والكاظمين. **كظم القربة** کہتے ہیں مشک بھر کر بند کر دی جائے **كظم الغيظ** غصہ کو پی جانا، ضبط کرنا، ارشاد نبویؐ ہے **من كظم غيظًا وهو يقدر على انفاذه ملاء الله قلبه امنًا وايمانًا**.

والعافين اس کا عطف **كاظمين** پر عطف عام علی الخاص کے قبیل سے ہے۔ عفو عام ہے کظم غیظ ہو یا نہ ہو۔

نعم فعل ماضی ہے اور **اجر** فاعل ہے اور مخصوص بالمدح محذوف ہے جس کو مفسر علامؒ نے ذکر کیا ہے۔ یعنی **هذا الاجر الذى هو المغفرة والجنة**.

ربط: .... اُحد میں مسلمانوں کو جو کچھ دھچکہ لگا تھا اس کا باعث ظاہر کسی درجہ میں مالی محبت کی کچھ زیادتی اور تقویٰ اور اطاعت میں کسی حد تک کمی تھی۔ اس لئے ان آیات میں مالی حرص کی ممانعت، تقویٰ، اطاعت، فرمانبرداری، ڈسپلن کی تلقین اور حدود شرح کی پابندی کی تعلیم دینی ہے۔ ابن حبانؒ کی رائے ہے کہ پہلے **لاتتخذوا بطانةً** میں یہود وغیرہ سے ترک تعلقات کا حکم دیا جا چکا ہے ادھر یہودی سودی لین دین کی بندھن ایسی تھی کہ مسلمان ان سے تعلقات رکھنے پر مجبور تھے، اس لئے ترک تعلقات کی رو میں اس سودی لعنت کو بھی بالکلیہ ختم کیا جا رہا ہے۔

شانِ نزول: .... زمانۂ جاہلیت میں سودی لعنت کا طوق جن لوگوں کے گلے میں پڑا ہوا تھا اس کی رسی مہاجنی سود در سود کے ذریعہ اور تنگ کر دی جاتی تھی۔ جس سے غریب مدیون گھٹ گھٹ کر مر جاتا تھا۔ اسلام نے نہ صرف یہ کہ اس رسی کو ڈھیلا کرنا چاہا بلکہ اس طوقِ لعنت ہی کو گلے سے نکالنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔

والذين اذا فعلوا کے متعلق عطا کی رائے یہ ہے کہ ابوسعیدؒ کی دکان پر ایک خوبصورت عورت آئی، عمدہ عمدہ کھجور دکھلانے کے بہانہ اس کو دکان کے اندر لے گئے اور بے اختیاری میں اس کا بوسہ لے لیا۔ اس نے **اتق الله** کہا تو نادم ہوئے اور فوراً چھوڑ دیا اور آنحضرت

ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر واقعہ عرض کر دیا۔اس پر آیت نازل ہوئی اور مقاتلؒ وکلبیؒ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے ایک انصاری اور ثقیف کے ایک شخص کے درمیان مؤاخات کرادی، اتفاقاً ثقفیؓ کسی غزوہ میں تشریف لے گئے اور انصاری بھائی ان کی خانگی دیکھ بھال کرنے لگا۔ایک روز گوشت خرید کرلائے اور ثقفی کی بیوی کو دینے لگے اور اس بہانہ ان کے ہاتھ کو بوسہ دے دیا۔مگر پھر اس قدر ندامت ہوئی کہ سر پر دوہتڑ مارتے پھرے اور کبھی ادھر نہیں پھرے۔حتیٰ کہ ثقفی غزوہ سے واپس آئے تب بھی ملنے نہیں گئے انہوں نے اپنی بیوی سے دریافت حال کیا تو کہنے لگیں کہ نوج ایسا کوئی بھائی ہو اور سارا حال کہہ سنایا۔آخر ثقفی خود ہی ملنے گئے تو دیکھا کہ انصاری پہاڑوں میں چیختے چلاتے پھر رہے ہیں اور توبہ واستغفار میں لگے ہوئے ہیں۔چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں ان کو لایا گیا تو انصاری نے خود ہی کہا کہ میں برباد ہوگیا ہوں۔حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اللہ کو غازی کے بارے میں جس قدر غیرت ہوتی ہے دوسرے کسی کے بارے میں نہیں ہوتی۔حضرت عمرؓ کے پاس آئے انہوں نے بھی یہی کہا۔آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے بھی اسی طرح کے جملے ارشاد فرمائے،اس کے بعد ان کے دل مجروح کی خستگی کا کیا ٹھکانا ہوگا۔لیکن حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر اس غریب کی تسکین فرمائی۔

﴿ تشریح ﴾:......**مہاجنی سُود یا سُود در سُود کی لعنت**:............نفس سود کی حرمت تو آیت بقرہ سے معلوم ہو چکی ہے جیسا کہ عطاء کی روایت سے ثابت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں قبیلہ ثقیف قبیلہ بنی نضیر سے سود کا لین دین کرتے اور میعاد ختم ہونے پر دام بڑھا چڑھا کر مزید مہلت لے لیا کرتے تھے جس کو سود در سود کہنا چاہئے۔یا مجاہدؒ سے مروی ہے کہ لوگ خرید وفروخت کا معاملہ کیا کرتے لیکن جب مدت ختم ہونے پر آتی تو دام بڑھا کر مہلت بڑھالیا کرتے تھے اس طریقہ کی بندش کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔خلاصہ یہ کہ آیت میں اضعافا مضٰعفة کی قید احترازی نہیں ہے بلکہ واقعی ہے کہ واقعہ ایسا ہی ہوتا تھا یا یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی کہے ''میاں مسجد میں گالیاں مت بکو'' اسکا یہ مطلب نہیں کہ مسجد سے باہر گالیوں کی اجازت ہے بلکہ زیادہ قباحت کے لئے یہ قید لگادی گئی ہے۔پس سود کم ہو یا زیادہ بہرصورت ناجائز ہے۔اس کاروبار میں جس قدر لوگ شریک ہوں خواہ دستاویز کی لکھت پڑھت کرنے والے یا دوسرے اعانت کرنے والے ماخوذ اور مستحق لعنت ہوں گے کمپنیوں اور فرموں،بینکوں اور دوسری نئی ایجنسیوں اور کاروباری لائنوں میں پیچ در پیچ صورتیں ایسی آرہی ہیں جن میں سود کی آمیزش اور امتیاز کا فرق ایک بڑا مشکل مرحلہ ہوگیا ہے جس کے لئے مہارت اور حذاقت فن کی ضرورت ہے۔

لطائف آیت:............یـا ایھـا الـذین امنوا سے اہل سنت نے استدلال کیا ہے گناہ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔کیونکہ ظاہر ہے کہ ربوا گناہِ کبیرہ ہے اور اس کے کرنے والوں کو مومن کہا جارہا ہے۔نیز یہ آیت فرقۂ معتزلہ کی طرح فرقۂ مرجئہ پر بھی رد ہے۔ان کا قول ہے کہ اگر کوئی گناہ ایمان کے لئے مضر نہیں اور جہنم کی سزا بالکل نہیں ہوگی۔حالانکہ آیت میں مؤمنین کے لئے وعید فرمائی ہے۔اسی لئے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت قرآن کریم میں سب سے زیادہ خوفناک ہے۔

علامہ تفتازانی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ اعـدت لـلمتقین اور اعـدت لـلکفرین سے معلوم ہوا کہ جنت وجہنم پیدا ہو چکی ہیں اور موجود ہیں کیونکہ اعدت ماضی کا صیغہ ہے جس کو حقیقی معنی پر محمول کرنا اصل ہے۔

معتزلہ کا خیال ہے کہ فی الحال دونوں موجود نہیں۔جیسا کہ آیت تلک الدار الاخرة نجعلھا الخ سے معلوم ہوتا ہے۔لیکن معتزلہ کا یہ استدلال نہایت کمزور ہے کیونکہ متقین کو اس میں داخل کرنا زمانۂ استقبال میں ہوگا اور نہ کہ ان کا مخلوق ہونا مستقبل میں ہوگا۔چنانچہ جعل بمعنی خلق نہیں ہے بلکہ بمعنی تُصیر ہے۔اور ضمیر بارز مفعول اور الذین مفعول ثانی ہے کذا قال الفاضل الخیالی.

تقویٰ کے دو درجے ہیں ایک اعلیٰ درجہ کہ جس کے لحاظ سے بلاعقوبت مستحق جنت ہوں گے۔ دوسرا درجہ ادنیٰ جس کے لحاظ سے عاقبت کار مستحق جنت ہو جائیں گے۔ کظم غیظ کے سلسلے میں امام زین العابدینؒ کا واقعہ سبق آموز ہے۔ ان کی ایک باندی ان کو وضو کرا رہی تھی کہ ہاتھ سے لوٹا چھوٹ کر ان کے سر میں لگ گیا جس سے سر زخمی اور لہولہان ہو گیا۔ آپ نے غصہ سے نظر اٹھا کر دیکھا تو باندی نے کہا والکاظمین الغیظ فرمایا کہ میں نے اپنا غصہ پی لیا اس نے کہا والعافین آپ نے فرمایا میں نے معاف کیا باندی بول اٹھی واللہ یحب المحسنین فرمایا تو میری طرف سے اللہ کے لئے آزاد ہے۔

آیت والکاظمین الخ سے معلوم ہوا کہ طبعی غیظ منافی کمال نہیں ہے۔ آیت ولم یصروا علی مافعلوا سے معلوم ہوا کہ گناہ اگر بغیر اصرار کے ہو تو مرتبۂ کمال احسان کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔

وَنَزَلَ فِیْ هَزِیْمَةِ اُحُدٍ **قَدْ خَلَتْ** مَضَتْ **مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ** طَرَائِقُ فِی الْكُفَّارِ بِاِمْهَالِهِمْ ثُمَّ اَخْذِهِمْ **فَسِیْرُوْا** اَیُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ **فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ﴿۱۳۷﴾** الرُّسُلَ اَیْ اٰخِرُ اَمْرِهِمْ مِّنَ الْهَلَاكِ فَلَا تَحْزَنُوْا لِغَلَبَتِهِمْ فَاَنَا اُمْهِلُهُمْ لِوَقْتِهِمْ **هٰذَا** الْقُرْاٰنُ **بَیَانٌ لِّلنَّاسِ** كُلِّهِمْ **وَهُدًی** مِنَ الضَّلَالَةِ **وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ﴿۱۳۸﴾** مِنْهُمْ **وَلَا تَهِنُوْا** تَضْعُفُوْا عَنْ قِتَالِ الْكُفَّارِ **وَلَا تَحْزَنُوْا** عَلٰی مَا اَصَابَكُمْ بِاُحُدٍ **وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ** بِالْغَلَبَةِ عَلَیْهِمْ **اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴿۱۳۹﴾** حَقًّا وَجَوَابُهٗ دَلَّ عَلَیْهِ مَجْمُوْعُ مَاقَبْلَهٗ **اِنْ یَّمْسَسْكُمْ** یُصِبْكُمْ بِاُحُدٍ **قَرْحٌ** بِفَتْحِ الْقَافِ وَضَمِّهَا جَهْدٌ مِّنْ جُرْحٍ وَّنَحْوِهٖ **فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ** الْكُفَّارَ **قَرْحٌ مِّثْلُهٗ** بِبَدْرٍ **وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا** نُصَرِّفُهَا **بَیْنَ النَّاسِ** یَوْمًا لِّفِرْقَةٍ وَیَوْمًا لِّاُخْرٰی لِیَتَّعِظُوْا **وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ** عِلْمَ ظُهُوْرٍ **الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** اَخْلَصُوْا فِیْ اِیْمَانِهِمْ مِنْ غَیْرِهِمْ **وَیَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ** یُكْرِمُهُمْ بِالشَّهَادَةِ **وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ﴿۱۴۰﴾** الْكٰفِرِیْنَ اَیْ یُعَاقِبُهُمْ مَایُنْعَمُ بِهٖ عَلَیْهِمْ اِسْتِدْرَاجٌ **وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** یُطَهِّرُهُمْ مِّنَ الذُّنُوْبِ بِمَایُصِیْبُهُمْ **وَیَمْحَقَ** یُهْلِكَ **الْكٰفِرِیْنَ﴿۱۴۱﴾ اَمْ** بَلْ اَ **حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا** لَمْ **یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ** عِلْمَ ظُهُوْرٍ **وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ﴿۱۴۲﴾** فِی الشَّدَائِدِ **وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ** فِیْهِ حَذْفُ اِحْدَی التَّائَیْنِ فِی الْاَصْلِ **الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ** حَیْثُ قُلْتُمْ لَیْتَ لَنَا یَوْمًا كَیَوْمِ بَدْرٍ لِنَنَالَ مَانَالَ شُهَدَاءُهٗ **فَقَدْ رَاَیْتُمُوْهُ** اَیْ سَبَبَهٗ وَهُوَ الْحَرْبُ **وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴿۱۴۳﴾** اَیْ بُصَرَاءُ تَتَاَمَّلُوْنَ الْحَالَ كَیْفَ هِیَ فَلِمَ انْهَزَمْتُمْ

ترجمہ: .... (غزوۂ احد کی شکست کے سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی) گزر چکے ہیں (ہو چکے ہیں) تم سے پہلے بھی دستور (کفار کے متعلق چھوڑنے اور پکڑنے کے طریقے) پس تم سیر کرو (اے مسلمانو!) دنیا کی اور دیکھو کہ ان کا انجام کیا ہوا جو جھٹلاتے تھے (پیغمبروں کو یعنی انجام کار وہ ہلاک ہوئے، اس لئے آپ ﷺ ان کے غلبہ کی وجہ سے غمگین نہ ہو جائیے، کیونکہ ہم ان کو مہلت دے رہے ہیں) یہ (قرآن پاک تمام) لوگوں کے لئے بیان اور (گمراہی سے) ہدایت اور نصیحت ہے (ان میں سے) متقیوں کے لئے اور ہمت نہ ہارو (کفار سے جنگ میں بزدلی نہ دکھلاؤ) اور غمگین نہ ہو (غزوۂ احد کی مصیبت پر) تم ہی سب پر سربلند ہو (ان پر غالب ہو) بشرطیکہ تم

مؤمن ہو(سچے ،اس شرط کے جواب پر ماقبل کا مجموعہ دلالت کر رہا ہے)اگر تم نے کھایا ہے (غزوۂ احد کی مصیبت کا) غم (لفظ قرح بفتح القاف والضم ،زخم وغیرہ کی تکلیف کو کہتے ہیں) تو دشمنوں (کفار) کو بھی ویسے ہی زخم (بدر میں) لگ چکے ہیں۔ دراصل یہ اوقات ہیں جنہیں ہم گھماتے ہیں (پھراتے) رہتے ہیں انسانوں کے درمیان (کبھی زمانہ ایک فرقہ کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی دوسری جماعت کا ساتھ دیتا ہے تاکہ لوگ سبق حاصل کریں) اور علاوہ ازیں یہ اس لئے ہوتا تاکہ اللہ تعالیٰ معلوم فرمالیں (کھلم کھلا) مسلمانوں کو (جو اوروں کے مقابلہ میں سچے اور مخلص ہیں) اور اس لئے کہ تم میں سے بعضوں کو دولتِ شہادت دینی تھی (شہادت سے سرفراز کرنا تھا) اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتے ظلم کرنے والے (کافروں) کو (یعنی اس کو سزا دیں گے جو کچھ ان پر انعام ہو رہا ہے وہ استدراج (ڈھیل) ہے۔ نیز پاک کرنا چاہتے تھے اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو (یہ مصیبتیں ان کے گناہوں کو صاف کر دیں) اور نیست و نابود (ہلاک) کر دیں منکرین حق کو کیا (ہاں کیا) تم یہ سمجھتے ہو کہ تم جنت میں یوں ہی داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی تو وہ موقع بھی پیش نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے مجاہدین کو (کھلے طور پر) نمایاں فرمادیتے اور ان کو دیکھ لیتے جو (شدتوں میں) ثابت قدم رہنے والے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ تم تمنائیں کیا کرتے تھے (اصل میں دو تائیں ایک کو حذف کر دیا گیا ہے) مرنے کی موت کا سامنا ہونے سے پہلے (کہا کرتے تھے کاش ہم کو بھی بدر جیسا نصیب ہوتا کہ شہداء بدر جیسی دولت ہم بھی لوٹائیں) لیکن پھر ایسا ہوا کہ موت (یعنی سبب موت جنگ) تمہاری آنکھوں کے سامنے آ گئی ،مگر تم کھڑے تکتے رہے (یعنی دیکھتے رہے حالات میں غور کرتے رہے پھر کیوں شکست کھائی)

تحقیق وترکیب: .... **لوقتهم** یعنی ہلاکت کا مقررہ وقت مقدر۔ **لاتهنوا** یہاں سے تسلی کا مضمون ہے۔

اعلون یا تو اس لئے کہ مسلمان زیادہ مصائب کے باوجود دین پر جمے رہے، اس لئے اعلیٰ حالت میں ہو، یا اس لئے کہ ان کے غزوۂ احد کے مقابلہ میں تم نے بدر میں زیادہ کمایا اور پایا۔ اس لئے کہ انجام اور عاقبت کے لحاظ سے تم ارفع حالت میں ہو گویا یہ ایک طرح کی مسلمانوں کے لئے غلبہ کی بشارت ہے۔ یا اس لئے کہ تمہاری ساری یہ جدوجہد اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہے اور ان کی شیطان ونفس کے لئے ،یا اس لئے کہ تمہارے مقتولین جنت میں ہیں اور ان کے جہنم رسید ہوئے۔

ان کنتم مؤمنین اس کا تعلق **لاتهنوا** کے ساتھ ہے یا **انتم الاعلون** کے ساتھ ہے اور اس کا جواب محذوف ہے جس پر مجموعہ ماقبل دلالت کر رہا ہے یعنی **فسیروا فی الارض، ولاتهنوا ولاتحزنوا الخ قرح** **ضَعف ضُعف** کی طرح اس میں دونوں لغت ہیں۔ اول زخمی کرنا ،ثانی بمعنی مشقت ۔ یا بالفتح زخم اور بالضم اس کے معنی تکلیف کے ہیں **ان یمسسکم** میں **ان** تعلیق کے لئے آتا ہے بغیر ماضی سے مستقبل کی طرف فعل کے منتقل کئے۔ **فقد مس القوم** چونکہ مس زمانۂ مستقبل میں ہوتا ہے اس لئے علت جزاء کو قائم مقام جزا کے قرار دیا گیا ہے۔

تلك الایام اسم اشارہ سے اشارہ مابعد کی طرف ہے۔ جیسا کہ ضمائر مبہم کی تفسیر مابعد ہوتی ہے۔ **ربه رجلا** جس سے مقصود تفخیم و تعظیم ہوتی ہے۔ ایام سے مراد اوقات ہیں۔ عرفی دن مراد نہیں ہیں اور الف لام سے اشارہ کامیابی اور غلبہ کے اوقات کی طرف ہے جو زمانہ و مابعد کے لئے عام ہے جن میں بدر و احد بھی اولیٰ طور پر داخل ہیں اسم اشارہ مبتداء ایام صفت اور **نداولها** خبر ہے اور **بین الناس** **نداولها** کا ظرف ہے۔ **لیعلم** جلال محقق نے یہ معطوف علیہ چاروں معطوفات کے عطف کے لئے مقدر کیا ہے۔ **شهداء** یہ شہید کی جمع بھی ہو سکتی ہے اور شاہد کی جمع بھی بن سکتی ہے۔ ثانی صورت میں **لتکونوا شهداء علی الناس** کے موافق معنی ہو جائیں گے۔

لایحب کا ترجمہ مفسر یعاقب کے ساتھ کر رہے ہیں گویا محبت کی نفی کنایہ ہے بغض سے اور ظالمین کے مقابلہ میں لانے سے تعریف ہوگی ان کے مقابل غیر ظالمین کے ساتھ محبت کرنے کی طرف **ولیمحص** اس کی تفسیر **یطهرهم** کے ساتھ معنی مراد کے طریق پر ہے ورنہ لغت میں محص کے معنی خالص کرنا تمحیص آزمانا ہیں۔ **ام** اس کے بعد لفظ **بل** لانے میں اشارہ ہے۔ **ام** منقطعہ ہونے کی طرف اور ہمزہ

اس میں انکاری ہے۔ای لاتحسبوا ۔

لمایعلم لم کی بجائے **لما** لانے میں اشارہ ہے کہ جہاد ان سے مستقبل میں متوقع ہے چنانچہ سیبویہ کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ **لما** توقع فعل منفی پر دلالت کرتا ہے۔علامہ زمخشریؒ کی رائے بھی یہی ہے۔لیکن اس پر ابوحیان تعقیب کرتے ہوئے اس قاعدہ سے لاعلمی ظاہر کرتے ہیں اور **لم** اور **لما** دونوں میں یہ مشہور فرق بیان کرتے ہیں کہ **لم** صرف نفی فعل ماضی کے لئے آتا ہے اور **لما** زمانہ ماضی میں نفی فعل الی الآن کرتا ہے۔**علم ظهور** گویا نفی علم کو نفی تعلق کی جگہ میں قرار دے دیا جیسے کہا جائے **ماعلم الله فی فلان خیراً** اور معنی ہوں کہ **مافیه خیر حتی یعلمه الصابرین** بجائے **الذین صبروا** کے یہ جملہ لانا یا تو رؤس آیات کی حفاظت کے لئے ہے اور یا استمرار صبر کے لئے بخلاف اول جملہ **الذین جاهدوا** کے اس میں استمرار مقصود نہیں وہ ایک غیر دائمی حالت ہے اور **یعلم** منصوب ہے باضمار ان یا واوحرف کی وجہ سے جیسے **لاتاکل السمک وتشرب اللبن** اس صورت میں گویا تقدیر کلام اس طرح ہوگا۔**ام حسبتم والحال انه لم یتحقق منکم الجمع بینهما** اور مجموعہ کی نفی ایک جزء کے انتفاء سے بھی ہوتی ہے اور دونوں جزؤں کے انتفاء سے بھی اور مقام دونوں صورتوں کا محتمل ہے۔

فقد رایتموه مفسرؒ نے حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے لفظ **سببه** سے کیونکہ موت مرئی نہیں ہوتی ۔اسباب موت نظر آتے ہیں۔ **وانتم تنظرون** یہ فعل متعدی بمنزلہ لازم ہے جس کی طرف لفظ **بصراء** سے مفسرؒ نے تفسیر کر کے اشارہ کردیا ہے کہ مفعول کی ضرورت نہیں ہے اور یہ جملہ تاکید کے لئے ایسا ہی ہے جیسے **رایته ولیس فی عینی علة** بولتے ہیں یعنی **رایته رویة حقیقة لاخفاء فیها ولا شبهة**۔

ربط وشانِ نزول: ....ان آیات میں بھی غزوۂ احد کا تتمہ ہے۔فی الجملہ شکست پر تسلی آمیز کلام کیا جارہا ہے اور شان نزول کی طرف خود مفسر محققؒ اشارہ کر چکے ہیں۔

﴿تشریح﴾: ......**قانونِ الٰہی کی گردش:** ....حاصل ان آیات کا یہ ہے کہ جو کچھ تم کو پیش آیا اس میں کچھ تمہاری تخصیص نہیں ہے۔قانون الٰہی ہمیشہ سے اسی طرح دائر سائر ہے جو جماعت حق پر عمل پیرا ہوتی ہے کامیاب ہوتی ہے اور جورُوگردانی کرتی ہے برباد ہوتی ہے۔دنیا میں چل پھر کر دیکھو کہ برباد شدہ قوموں کے آثار اجڑی ہوئی آبادی کے کھنڈر اور سربفلک محلون کی شکستہ دیواریں زبان حال سے اپنا افسانۂ غم وعبرت سنا رہی ہیں۔پس احد میں جو تمہیں ٹھوکر لگی ہے چاہئے کہ اس سے عبرت پکڑو اور آئندہ کے لئے اپنے اعمال کی نگہداشت کرو۔چنانچہ اس حادثے سے اس قدر متاثر مت ہو کہ آئندہ کے لئے بھی ہمت ہار بیٹھو۔یہ جنگ کا میدان ہے کبھی ایک فریق جیتتا ہے کبھی دوسرے کی باری آتی ہے۔بدر میں تمہارا پالہ رہا اور تم نے ان کے دانت کھٹے کردیئے اب ان کی باری آئی لیکن جماعتی کشمکش کی تاریخ میں ایک دو میدان کی ہار جیت کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔اصل چیز جو سوچنے کی ہے وہ تمہارے دلوں کی ایمانی قوت ہے اگر تمہارے اندر ایمان کی سچی روح موجود ہے تو پھر دنیا میں رفعت وسربلندی صرف تمہارے ہی لئے ہے۔

شکست کا باطنی مصلحتی پہلو: ....علاوہ ازیں یہ حادثہ اگرچہ بظاہر شکست ہے لیکن یہ باطنی چند در چند مصلحتیں اور حکمتیں رکھتا ہے۔منجملہ ان کے کھرے کھوٹے کی آزمائش ہوگئی اور منافق اور کچے دل کے کچھ آدمی اسلامی کیمپ میں آملے تھے۔ان کے چہرے بے نقاب ہوگئے اور منجملہ ان کے لوگوں کو جنگ کے نازک اور فیصلہ کن معاملات کا ذاتی تجربہ ہوگیا۔اس لئے اب تجربہ اور مشاہدہ کے بعد ان کے قدم زیادہ محتاط ہوجائیں گے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بعض مسلمانوں کے دلوں میں کمزوریاں پیدا ہوگئیں تھیں وہ اس ٹھوکر کے لگنے سے دُور ہوگئیں اور ان کا عزم وایمان زیادہ مضبوط اور بے داغ ہوگیا۔صرف اقرار کرلینے سے ایمان کی برکتیں اور کامرانیاں

حاصل نہیں ہوں گی جب تک آزمائشی عمل میں ثابت قدم ہوکر نہ دکھلادو۔

لطائف آیت: .... لاتھنوا الخ اس خدائی آواز نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا اور پژمردہ جسموں میں حیات تازہ پھونک دی نتیجہ یہ ہوا کہ کفار جو بظاہر غالب آ چکے تھے زخم خوردہ مجاہدین کے حملہ کی تاب نہ لاسکے اور سر پر پاؤں رکھ کر میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ ام حسبتم ان تدخلوا الجنة سے مراد دخول اول اور مرتبہ اعلیٰ میں داخل ہونا ہے جو مرتبہ خصوص ہوتا ہے مطلق دخول جنت مراد نہیں ہے جس سے معتزلہ کے لئے دخول جنت بغیر عمل کے امتناع ہو مساغ استدلال مل سکے۔

ولقد کنتم تمنون الموت سے معلوم ہوا کہ مطلق تمنائے موت مذموم نہیں ہے بالخصوص جبکہ اشتیاق شہادت میں ہو تو کیسے مذموم ہوسکتی ہے۔ ہاں اولاً تمنائے شہادت وموت کرنا اور پھر موقعہ آئے تو بزدلی کا مظاہرہ کرنا بلاشبہ یہ مذموم ہے اسی طرح دنیا کے مصائب سے گھبرا کر بےصبری کے ساتھ تمنائے موت کرنا بھی ممنوع ہے۔

وَنَزَلَ فِیْ هَزِیْمَتِهِمْ لَمَّا اُشِیْعَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُتِلَ وَقَالَ لَهُمُ الْمُنَافِقُوْنَ اِنْ کَانَ قُتِلَ فَارْجِعُوْا اِلٰی دِیْنِکُمْ **وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ** کَغَیْرِهٖ **انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ ۗ** رَجَعْتُمْ اِلَی الْکُفْرِ وَالْجُمْلَةُ الْاَخِیْرَةُ مَحَلُّ الْاِسْتِفْهَامِ الْاِنْکَارِیِّ اَیْ مَا کَانَ مَعْبُوْدًا فَتَرْجِعُوْا **وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْهِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیْئًا ۗ** وَاِنَّمَا یَضُرُّ نَفْسَهٗ **وَسَیَجْزِی اللّٰهُ الشّٰکِرِیْنَ** ﴿۱۴۴﴾ نِعَمَهٗ بِالثَّبَاتِ **وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ** بِقَضَائِهٖ **کِتٰبًا** مَصْدَرٌ اَیْ کَتَبَ اللّٰهُ ذٰلِكَ **مُّؤَجَّلًا ۗ** مُوَقَّتًا لَا یَتَقَدَّمُ وَلَا یَتَاَخَّرُ فَلِمَ انْهَزَمْتُمْ وَالْهَزِیْمَةُ لَا تَدْفَعُ الْمَوْتَ وَالثَّبَاتُ لَا یَقْطَعُ الْحَیٰوةَ **وَمَنْ یُّرِدْ** بِعَمَلِهٖ **ثَوَابَ الدُّنْیَا** اَیْ جَزَاءً مِّنْهَا **نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ** مَاقُسِمَ لَهٗ وَلَا حَظَّ لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ **وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۗ** اَیْ مِنْ ثَوَابِهَا **وَسَنَجْزِی الشّٰکِرِیْنَ** ﴿۱۴۵﴾ **وَکَاَیِّنْ** کَمْ **مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ ۙ** وَفِیْ قِرَاءَةٍ قَاتَلَ وَالْفَاعِلُ ضَمِیْرُهٗ **مَعَهٗ** خَبَرٌ مُبْتَدَؤُهٗ **رِبِّیُّوْنَ کَثِیْرٌ ۚ** جُمُوْعٌ کَثِیْرَةٌ **فَمَا وَهَنُوْا** جَبُنُوْا **لِمَآ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ** مِنَ الْجِرَاحِ وَقَتْلِ اَنْبِیَائِهِمْ وَاَصْحَابِهِمْ **وَمَا ضَعُفُوْا** عَنِ الْجِهَادِ **وَمَا اسْتَکَانُوْا ۗ** خَضَعُوْا لِعَدُوِّهِمْ کَمَا فَعَلْتُمْ حِیْنَ قِیْلَ قُتِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ** ﴿۱۴۶﴾ عَلَی الْبَلَاءِ اَیْ یُثِیْبُهُمْ **وَمَا کَانَ قَوْلَهُمْ** عِنْدَ قَتْلِ نَبِیِّهِمْ مَعَ ثَبَاتِهِمْ وَصَبْرِهِمْ **اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا** تَجَاوُزَنَا الْحَدَّ **فِیْٓ اَمْرِنَا** اِیْذَانًا بِاَنَّ مَا اَصَابَهُمْ لِسُوْءِ فِعْلِهِمْ وَهَضْمًا لِاَنْفُسِهِمْ **وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا** بِالْقُوَّةِ عَلَی الْجِهَادِ **وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ** ﴿۱۴۷﴾ **فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْیَا** النَّصْرَ وَالْغَنِیْمَةَ **وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ** اَیِ الْجَنَّةَ وَحُسْنُهُ التَّفَضُّلُ فَوْقَ الْاِسْتِحْقَاقِ **وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ** ﴿۱۴۸﴾ ع ۱۵/۶

ترجمہ: .... (غزوۂ احد میں مسلمانوں کی شکست کے موقع پر بات شائع اور مشہور ہوگئی تھی کہ نبی ﷺ قتل کردیئے گئے ہیں اور منافقین کو یہ کہنے کا موقعہ مل گیا کہ آپ ﷺ ماردیئے گئے تو چلو اپنے پچھلے دین کی طرف لوٹ چلیں اس پر آیت نازل ہوئی) اور محمد اس

کے سوا کیا ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ان سے پہلے بھی اللہ کے رسول گزر چکے ہیں پھر اگر ایسا ہو کہ آپ وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں (جس طرح دوسرے قتل کر دیئے گئے) تو کیا تم الٹے پاؤں راہ حق سے پھر جاؤ گے (کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے۔ اخیر جملہ استفہام انکاری کے موقعہ میں ہے۔ یعنی آپ ﷺ معبود تو نہیں تھے کہ جن کے موجود نہ ہونے سے لوٹ رہے ہو) اور جو کوئی راہ حق سے الٹے پاؤں پھر جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا (اپنا ہی کچھ نقصان کرے گا) وہ وقت دور نہیں جب اللہ تعالیٰ انہیں اجر عطا فرمائیں گے جو (ان کی نعمتوں کی) شکر گزاری پر (ثابت قدم ہیں) اللہ تعالیٰ کے حکم (قضاء) کے بغیر کسی نفس کے لئے مجال نہیں کہ مر سکے یہ ایک وقت ہے (کتابا مصدر ہے یعنی اللہ نے اس کو مقرر فرمادیا ہے) جو ٹھہرا دیا گیا ہے (وقت مقررہ کے لئے نہ مقدم ہو سکتا ہے اور نہ مؤخر پھر کیوں شکست مول لی، آخر کیا شکست موت کا علاج ہے یا میدان میں جمے رہنا باعث موت ہوتا ہے) اور جو کوئی خیال رکھتا ہے (اپنے عمل سے) دنیا کے فائدہ (بدلہ) کا ہم اسے دنیا میں دیں گے (جو اس کی قسمت کا ہوگا لیکن پھر آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوگا) اور جو کوئی آخرت کا ثواب مدنظر رکھتا ہے اسے وہ (ثوابِ آخرت) ملے گا ہم شکر گزاروں کو ان کی نیک عملی کا اجر ضرور دیں گے اور کتنے ہی (لفظ کاین بمعنی کم ہے) نبی ہیں کہ جنگ کی ہے (اور ایک قرأت میں قتل کی بجائے قاتل ہے ضمیر اس میں فاعل ہوگی) ان کے ساتھ ہو کر (یہ خبر ہے مبتداء آگے ہے) بہت سے اللہ والوں نے (بڑی جماعتوں نے) لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ بے ہمت ہو گئے ہوں (بزدلی کی ہو) ان سختیوں کی وجہ سے جو انہیں اللہ کی راہ میں پیش آئی ہوں (زخم اور قتل کی تکالیف جو انبیاءؑ اور ان کے اصحاب کو پیش آئی ہوں) اور نہ ایسا ہوا کہ کمزور پڑ گئے ہوں (جہاد سے) اور نہ انہوں نے بے چارگی کا مظاہرہ کیا (کہ دشمنوں کے سامنے عجز کا اظہار کیا ہو جیسا کہ تمہارے سامنے جب یہ کہا گیا کہ آنحضرت ﷺ قتل کر دیئے گئے تو تم سے یہ بات ظاہر ہوگئی) اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتے ہیں جو ثابت قدم رہتے ہیں (مشکلات پر یعنی ان کو اجر عطا فرمائیں گے) اور ان کی زبان سے کچھ نہ نکلتا تھا انبیاء علیہم السلام کے واقعات قتل کے وقت ثبات وصبر کی حالت میں) اس کے سوا کہ خدایا ہمارے گناہ بخش دیجئے اور ہم سے جو زیادتیاں ہوئی ہوں (حدود سے تجاوز) ہمارے کاموں کے سلسلہ میں (یہ بتلانے کے لئے کہ جو کچھ ہم کو مصیبتیں پہنچی ہیں وہ سب ہماری بدتدبیری کا نتیجہ ہیں یا اپنی کسر نفسی دکھلانے کے لئے) اور جما دیجئے ہمارے قدم (مضبوطی سے جہاد پر) اور فتح مند کر دیجئے منکرین حق کے گروہ پر۔ تو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا ثواب بھی عطا فرمایا (نصرت ونصیحت) اور آخرت کا بہترین ثواب بھی مرحمت فرمایا (یعنی جنت اور اس کا بہتر ہونا استحقاق سے زیادہ ہونے کی وجہ سے) اور اللہ تعالیٰ نیک کرداروں ہی کو دوست رکھتے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **وما محمد الا رسول** یہ قصر قلب ہو رہا ہے یعنی لا رب معبود اور مقصود اس سے منافقین پر رد کرنا ہے جو کمزور مسلمانوں کو مشورے دے رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ قتل ہوئے۔ اب آبائی دین پر لوٹ چلو۔ حاصل جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کوئی معبود نہیں تھے کہ آپ ﷺ کی وفات سے دین وعبادت ختم ہوئے۔ آپ ﷺ ایک رسولؐ تھے۔

جس طرح پہلے رسولوں کی وفات سے دین ختم نہیں ہوا اب بھی کیوں اور کیسے ختم ہو۔ آپ ﷺ کے وجود سے مقصود ہی تکمیل دین تھی اس لئے وفات کے قریبی زمانہ میں **الیوم اکملت الخ** کی بشارت سنائی گئی۔

آنحضرت ﷺ کے دادا عبدالمطلب کا رکھا ہوا نام نامی **محمد** اور آپ کی والدہ ماجدہ کا ایک فرشتہ کی منامی بشارت سے رکھا ہوا نام **احمدؐ** ہوا۔ یہ دونوں لفظ مادہ حمد سے بنے ہوئے ہیں۔ اول سے حمد کی کثرت وکمیت اور دوسرے سے کیفیتِ حمد ظاہر ہو رہی ہے۔ اول میں آپ ﷺ کی محمودیت اس درجہ ظاہر ہے کہ دنیا میں کسی کو اتنا نہیں سراہا گیا جتنا کہ دشمن ودوست موافق، مخالف ہر ایک نے آپ کو دادِ تحسین دی اور دوسرے صیغہ میں آپ ﷺ کی کمال حامدیت ظاہر ہو رہی ہے اللہ کی حمد وثنا جس قدر آپ ﷺ نے کی یا میدانِ حشر میں آپ کریں گے دوسرے کے تصور میں بھی نہیں آ سکتی۔

حضرت حسانؓ کا مشہور شعر ہے

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِ لِيُجِلَّهٗ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَ هٰذَا مُحَمَّدٌ

حدیث میں ارشاد ہے کہ زمین پر میرا نام محمد اور آسمان پر احمد ہے اور توریت میں نام نامی محمدؐ اور انجیل میں اسم گرامی احمد مذکور ہے۔ قرآن کریم میں چار جگہ محمدؐ اور ایک مقام پر احمدؐ حرزِ جان ہوا ہے۔ یہ نام آنحضرت ﷺ سے پہلے دنیا میں کسی کا نہیں رکھا گیا ہے۔

موسم بہار میں ۹ ربیع الاول ۱ عام الفیل (واقعہ فیل سے پچپن روز بعد) مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء یکم جیٹھ ۶۲۸ بکرمی بعد صبح صادق روز دوشنبہ آفتاب نبوت عالمتاب طلوع ہوا۔

ربیع فی ربیع فی ربیع ونور فوق نور فوق نور

آپؐ اپنے والدین کے دُرِّ یتیم اور دُرِّ فرید تھے۔

والجملة الاخيرة یعنی انقلبتم میں ارتداد اور انقلاب عن الدین پر انکار کرنا ہے اور ہمزہ کا مدخول دراصل یہی ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی انقلبتم الخ ای لاینبغی منکم الانقلاب لان محمدًا ماکانا معبودًا.

ومن ینقلب یہاں بھی ارتداد انہزام کے مجازی معنی مراد ہیں۔ فلم انهزمتم یعنی مقصود بقرینہ سیاقِ احد میں شکست کھانے والوں کو زجر و توبیخ ہے۔ ومن یرد ثواب الدنیا احد میں مالِ غنیمت جمع کرنے والوں پر تعریض ہے۔ کاین اس کی اصل ای استفہامیہ ہے جس پر کاف تشبیہ داخل کیا گیا ہے اور اس میں کم خبریہ کے معنی آ گئے ہیں۔ قتل فعل ماضی نائب فاعل ضمیر مستتر ہے جو کاین مبتداء کی طرف لوٹنے والی ہے اور جملہ مبتداء کی خبر ہے اور معروف پڑھنے کی صورت میں بھی ایسے ہی اور مفسرؒ کے قول میں فاعل سے مراد حقیقۃً ہو یا حکمًا تاکہ نائب فاعل کو بھی شامل ہو جائے۔

معه ربیون جملہ مل کر حال ہے۔ قتل کی ضمیر مستتر سے دونوں قرأت پر ایک ترکیب تو یہ ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ لفظ ربیون اول قرأت پر نائب فاعل اور دوسری قرأت پر فاعل ہو جائے۔ ربی منسوب الی الرب جیسا کہ ربانی منسوب الی الرب خلاف قیاس ہے۔ سعید بن منصورؒ اس کا مصداق فقہاء کو کہتے ہیں اور ابن جبیرؒ کی رائے میں یہ منسوب الی الربۃ ہے بمعنی جماعت قاضی بیضاویؒ کہتے ہیں کہ کسرہ تغیرات نسبیہ میں سے ہے۔ وهن ضعف عملی کو کہتے ہیں۔

استکانوا استکن کی اصل سکن ہے۔ عاجز شخص بھی ساکن ہو جاتا ہے اس کے ساتھ جو چاہو کرو۔ الف اشباع فتحہ کی وجہ سے ہو گیا یا استکن کون سے ماخوذ ہو گویا اپنے نفس سے اپنے ساتھ کرنے والے کے لئے تکون کا مطالبہ ہوتا ہے تینوں لفظوں میں فرق ہے۔ (۱) وهن جیسے ترکِ جہاد، (۲) ضعف ارکان عملی میں سستی پیدا کرنا اور سلب قوت۔ (۳) استکانۃ دشمن کے سامنے دبنا، یہاں تک ربانی لوگوں کے محاسن افعال کا بیان تھا۔ آگے وما کان قولهم سے ان کے محاسنِ اقوال کا بیان ہے۔ ان قالوا میں جہت نسبت اور زمان حدث پر زیادہ دلالت ہے اور ثوابِ آخرت کے ساتھ لفظ حسن کے اضافہ میں اس کی فضیلت اور اس کے معتد بہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اور اغفر لنا میں لنا وفور اور رغبت پر دلالت کرتا ہے۔

ربط: .... ان آیات میں بھی غزوۂ احد کے زخموں کے اندمال کے لئے ایک مفید اور بہترین "مرہم شفا" تجویز کیا گیا ہے۔

شانِ نزول: .... بدبخت ابن قمیۃ نے رسول اللہ ﷺ کے ایک پتھر کھینچ مارا جس سے آپ ﷺ کی پیشانی اور ابن ہشام کے پتھر سے آپؐ کا بازو اور عتبہ کے پتھر سے آپؐ کے چاروں دانت یا ایک رباعی دانت کا ریزہ شہید ہو گیا۔ مصعب بن عمیرؓ آنحضرت ﷺ

کے علمبردار تھے آپ کا جھنڈا اٹھائے کھڑے تھے ابن قمیہ نے ان کو رسول اللہ ﷺ سمجھ کر شہید کر دیا اور پھر لوگوں میں اس کی تشہیر کرتا پھرا اور آپ ﷺ برابر پکارتے رہے الی عباد اللہ کچھ دیر بعد لوگ آہستہ آہستہ جمع ہو کر نادم اور معذرت خواہ ہوئے سب سے پہلے کعب بن مالکؓ نے دیکھ کر پہچانا اور لوگوں کو بشارت کا مژدہ سنایا۔ اس سلسلہ میں آیات نازل ہوئیں جن میں مسلمانوں کو پوری تسلی دی گئی ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ...... **وفات سرور عالم ﷺ کی غلط خبر کا اثر اور شہادتِ صحابہ کا منظر:** .... حضرت فاطمہؓ نے یہ وحشت ناک خبر سنی تو دوسری خواتین کے ساتھ دوڑی آئیں۔ آپ ﷺ کے زخموں کو دھویا، پیشانی کا خون رکتا نہیں تھا۔ اس میں چٹائی جلا کر بھری، حضرت علیؓ اپنی ڈھال میں پانی بھر بھر کر لاتے رہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ام سلمہؓ نے مشکیزے سنبھال لئے، زخمیوں کو پانی لا لا کر پلانا شروع کر دیا۔ مصعب بن عمیرؓ جو معلم مدینہ تھے اور جن کے وعظوں سے اوس وخزرج مسلمان ہوئے اور اس واقعہ پر آپ کے علمبردار تھے شہید ہو گئے۔ ایک دھاری دار چادر کا ان کو کفن دیا گیا لیکن چھوٹا ہونے کی وجہ سے پیروں پر گھاس رکھی گئی، ان کی بیوی حمنہ بنت جحش کو اپنے بھائی اور ماموں کی شہادت کی خبر ملی تو رنجیدہ ہوئیں۔ لیکن صرف انا للہ پڑھ کر رہ گئیں مگر جب ان کے خاوند حضرت مصعبؓ کی خبر شہادت ان کو دی گئی تو بے اختیار چیخ ماری۔ تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو اس کے دل میں خاوند کی کس درجہ محبت تھی۔ اسی میں حضرت حمزہؓ کی شہادت اور ان کی نعش کی بے حرمتی اور مثلہ کرنے کا دل سوز واقعہ پیش آیا۔ ہندہ نے ان کا جگر نکال کر چبایا اسی میں سعد بن ربیعؓ کا واقعہ شہادت پیش آیا۔ آپ ﷺ نے ان کو تلاش کرایا تو دم توڑ رہے تھے، کہنے لگے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میرا اسلام عرض کرنا اور کہنا کہ اللہ آپ کو ایسی بہترین جزاء عطا فرمائے جو کسی نبی کو بھی نہ دی گئی ہو اور قوم کے نام میرا پیغام یہ ہے کہ جب تک تمہاری آنکھوں میں دم ہے رسول اللہ تک کسی دشمن کو ہرگز نہ پہنچنے دینا ورنہ اللہ کے سامنے کوئی جواب دہی نہ کر سکو گے۔ عمارہ بن زیادؓ نے اسی موقعہ پر کس مزے سے جان دے دی کہ اپنے رخسار آنحضرت ﷺ کے قدموں اور تلووں سے مل رہے تھے ؎

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیرِ پائے ہے ۔۔۔ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

بنو دینار کی ایک عورت جس کے باپ، بھائی، شوہر اس جنگ میں شہید ہو چکے تھے جب اس کو ان المناک صدموں کی اطلاع دی گئی تو کہنے لگی مجھے تو رسول اللہ ﷺ کی خیریت بتلاؤ، لوگوں نے کہا بفضلِ خدا وہ صحیح وسالم ہیں۔ کہنے لگی مجھے دکھلا دو دور سے جب چہرۂ انور پر نظر پڑی تو بے اختیار کہہ اٹھیں **کُلُّ مُصِیْبَۃٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ** اب ہر مصیبت برداشت ہو سکتی ہے۔

سرور کائنات ﷺ کی وفات شریف کے المناک سانحہ کا اثر: .... آنحضرت ﷺ کی وفات شریف کے موقعہ پر (۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ بوقت چاشت بروز دوشنبہ بعمر ۶۳ سال چار دن بحساب قمری) جبکہ نا قابل تحمل اور ایک دلدوز منظر کی تاب نہ لا کر جانثار صحابہؓ میں سے کوئی جنگل نکل بھاگا، کوئی حیران وششدر جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ کوئی سراسیمہ وحیران پریشان وسرگردان، فاروق اعظمؓ جیسا بہادر انسان بھی بے قابو ہو کر یہ کہہ رہا تھا کل من قال ان محمدًا مات ادمیت عنقہ بسیفی (جو یہ کہے گا کہ محمد کا وصال ہو گیا میں اس کی گردن اڑا دوں گا) حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے مبارک لبوں پر یہ کلمات تھے۔

یا ابتاہ اجاب ربّاہ ۔۔۔ یا ابتاہ الی جنت الفردوس ماواہ ۔۔۔ یا ابتاہ الی جبریل ننعاہ

(پیارے باپ نے دعوتِ حق کو قبول کر لیا اور فردوس بریں میں نزول فرمالیا، آہ اب جبریل کو انتقال کی خبر کون پہنچائے گا)

حضرت عائشہؓ نے بھی بڑے درد وکرب میں ڈوبے ہوئے کلمات کہے جن کے لفظ لفظ سے غم واندوہ ٹپکتا تھا۔

خلافتِ اول کے مستحق: .... لیکن ایسے میں اگر کسی کو قابو حاصل تھا تو وہ آپ ﷺ کے یارِ غار، رفیق الدنیا والآخرۃ، صدیقِ اکبرؓ تھے۔ چہرۂ انور سے چادر مبارک ہٹائی، نورانی پیشانی کو بوسہ دے کر فرمایا اللہ آپ (ﷺ) پر دو موتیں جمع نہیں فرمائے گا

ایک ہی موت تھی جو لکھی جاچکی تھی۔ طبت یا حبیبی حیا ومیتا کنت ولو فداک نفسی ومالی ولکن قال اللہ انک میت وانھم میتون یہ کہہ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے۔ مہاجرینؓ وانصارؓ کے اس عظیم تاریخی تعزیتی غم میں ڈوبے ہوئے مجمع کو خطاب فرمایا۔ اما بعد فمن کان منکم یعبد محمدًا فان محمدًا قدمات ومن کان منکم یعبد اللہ فان اللہ حیٌّ لایموت قال اللہ وما محمدٌ الا رسول الخ اس تعزیتی تقریر کو سن کر صحابہؓ سنبھلے، ہوش میں آئے اور یہ معلوم ہوا کہ آیات گویا ابھی نازل ہوئی ہیں۔ اس سے پہلے اس ہولناک منظر کے لئے کوئی آمادہ اور تیار ہی نہیں تھا۔ اس سے صدیق اکبرؓ کی عظمت اور مقام رفعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب اچھے اچھوں کے قدم ڈگمگا رہے تھے تو یہ مرد خدا کیسا ثابت قدم رہا وفات نبوی کے بعد بعض قبائل مرتد ہوئے تو آپ ہی کی مضبوط طبیعت نے آگے بڑھ کر فتنہ کے اس ریلہ کو روکا گویا افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم میں اس فتنہ کا اشارہ مل چکا تھا اور ابوبکرؓ کی دوررس نگاہ اس کو تاڑ چکی تھی یہ کیسی عجیب بات ہے کہ تاریخ ولادت ہی تاریخ وفات ہے یعنی ۱۲ ربیع الاول صرف سنہ کا فرق رہے گا۔ علی اختلاف الاقوال۔

لطائفِ آیات: .... وسنجزی الشکرین دوجگہ آیا ہے اول میں شاکرین سے مراد نیک اعمال میں ثابت قدم رہنا۔ اور دوسرے سے مراد آخرت کی نیت کرنا ہے اس لئے تکرار نہیں ہے۔

قد خلت من قبلہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ زندہ آسمان پر چلے جانا بھی ایک درجہ میں دنیا سے گزر جانا ہی ہے اور ویسے مقصود کے لحاظ سے بھی یکساں ہے۔ یعنی رنج وافسوس کا ہونا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ بھی اگر زندہ آسمانوں پر تشریف لے جاتے تو حضرات صحابہؓ کو وفات ہی جیسا صدمہ ہوتا۔ کیونکہ نگاہوں سے اوجھل ہوجانا دونوں جگہ برابر ہے۔ وما کان قولھم میں تعریض ہے کہ غزوۂ احد کی مصیبت حکم عدولی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ صحابہؓ اگرچہ سب اللہ والے تھے لیکن بہرحال انسان تھے اور غیر معصوم تھے ...... کچھ نہ کچھ تو اثر ہو ہی جاتا ہے مگر اس سے اللہ والے ہونے میں خلل نہیں آتا۔ بالخصوص جبکہ معذرت بھی فوراً ہی کرلی جائے اور فتح وکامیابی کا سبب دعا اور ثبات ہے لیکن کسی عارض اور مصلحت سے اگر ان اسباب سے فتح مندی کا تخلف ہوجائے تو یہ ان کی سببیت کے منافی نہیں ہے۔

• آیت وما محمد الخ میں ایک بڑی عظیم اصل کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ کوئی شخصیت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو لیکن اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ سچائی کی راہ دکھلانے والی ہے۔ پس اگر کسی وجہ سے شخصیت ہم میں موجود نہ رہے تو ہم سچائی سے کیوں منہ موڑ لیں۔ سچائی کی وجہ سے ...... شخصیت قبول کی جاتی ہے۔ یہ بات نہیں کہ شخصیت کی وجہ سے سچائی سچائی ہو۔ فرض کرو جنگ احد والی بات اگر سچ ہوجاتی تو کیا پھر آپ کی موت کے ساتھ تمہاری خداپرستی پر بھی موت طاری ہوجاتی اگر تم حق کے لئے لڑ رہے تھے تو جس طرح آپ کی زندگی میں حق تھا اسی طرح ان کے بعد بھی حق حق ہے اور ہمیشہ حق رہے گا۔ اسی طرح شیخ ومرشد بھی واسطۂ ہدایت ہوتا ہے، اس کے اٹھ جانے سے متزلزل ہوجانا بھی مشاہدۂ حق کے منافی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْمَا يَأْمُرُوْنَكُمْ بِهٖ **يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ** اِلَى الْكُفْرِ **فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ**﴿۱۴۹﴾ **بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ** نَاصِرُكُمْ **وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ**﴿۱۵۰﴾ فَاَطِيْعُوْهُ دُوْنَهُمْ **سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ** بِسُكُوْنِ الْعَيْنِ وَضَمِّهَا اَلْخَوْفَ وَقَدْعَزَمُوْا بَعْدَ اِرْتِحَالِهِمْ مِنْ اُحُدٍ عَلَى الْعَوْدِ وَاِسْتِيْصَالِ الْمُسْلِمِيْنَ فَرُعِبُوْا وَلَمْ يَرْجِعُوْا **بِمَآ اَشْرَكُوْا** بِسَبَبِ اِشْرَاكِهِمْ **بِاللّٰهِ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ**

سُلْطٰنًا حُجَّةً عَلٰی عِبَادَتِهٖ وَهُوَ الْاَصْنَامُ **وَمَاْوٰهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ مَثْوَى** مَأْوٰی **الظّٰلِمِيْنَ﴿۱۵۱﴾** الْكَافِرِيْنَ هِیَ **وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ** إِيَّاكُمْ بِالنَّصْرِ **اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ** تَقْتُلُوْنَهُمْ **بِاِذْنِهٖ** بِإِرَادَتِهٖ **حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ** جَبُنْتُمْ عَنِ الْقِتَالِ **وَتَنَازَعْتُمْ** اِخْتَلَفْتُمْ **فِى الْاَمْرِ** اَیْ اَمْرِ النَّبِیِّ بِالْمُقَامِ فِیْ سَفْحِ الْجَبَلِ لِلرَّمْیِ فَقَالَ بَعْضُكُمْ نَذْهَبُ فَقَدْ نُصِرَ اَصْحَابُنَا وَبَعْضُكُمْ لَا نُخَالِفُ اَمْرَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَعَصَيْتُمْ** اَمْرَهٗ فَتَرَكْتُمُ الْمَرْكَزَ لِطَلَبِ الْغَنِيْمَةِ **مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ** اللّٰهُ **مَّا تُحِبُّوْنَ** مِنَ النَّصْرِ وَجَوَابُ إِذَا دَلَّ عَلَيْهِ مَاقَبْلَهٗ اَیْ مَنَعَكُمْ نَصْرَهٗ **مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا** فَتَرَكَ الْمَرْكَزَ لِلْغَنِيْمَةِ **وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ** فَثَبَتَ بِهٖ حَتّٰى قُتِلَ كَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ جُبَيْرٍ وَاَصْحَابِهٖ **ثُمَّ صَرَفَكُمْ** عَطْفٌ عَلٰی جَوَابِ إِذَا الْمُقَدَّرِ رَدَّكُمْ بِالْهَزِيْمَةِ **عَنْهُمْ** اَيِ الْكُفَّارِ **لِيَبْتَلِيَكُمْ** لِيَمْتَحِنَكُمْ فَيُظْهِرَ الْمُخْلِصَ مِنْ غَيْرِهٖ **وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ** مَاارْتَكَبْتُمُوْهُ **وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۵۲﴾** بِالْعَفْوِ اُذْكُرُوْا **اِذْ تُصْعِدُوْنَ** تُبْعِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ هَارِبِيْنَ **وَلَا تَلْوٗنَ** تُعَرِّجُوْنَ **عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِىْٓ اُخْرٰىكُمْ** اَیْ مِنْ وَّرَائِكُمْ يَقُوْلُ اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ **فَاَثَابَكُمْ** فَجَازَاكُمْ **غَمًّا** بِالْهَزِيْمَةِ **بِغَمٍّ** بِسَبَبِ غَمِّكُمُ الرَّسُوْلَ بِالْمُخَالَفَةِ وَقِيْلَ الْبَاءُ بِمَعْنٰی عَلٰی اَیْ مُضَاعَفًا عَلٰی غَمِّ فَوْتِ الْغَنِيْمَةِ **لِّكَيْلَا** مُتَعَلِّقٌ بِعَفَا اَوْ بِأَثَابَكُمْ فَلَا زَائِدَةٌ **تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ** مِنَ الْغَنِيْمَةِ **وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ** مِنَ الْقَتْلِ وَالْهَزِيْمَةِ **وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴿۱۵۳﴾**

ترجمہ: .... مسلمانو! اگر تم ان لوگوں کے کہنے میں آ گئے جنہوں نے راہ کفر اختیار کی ہے (جن کاموں کا تم کو حکم دیتے رہے ہیں) تو یاد رکھو کہ وہ تمہیں راہ حق سے الٹے پاؤں پھرا دیں گے (کفر کی جانب) اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ نامرادی میں جا گرو گے بلکہ تمہارے کارساز (مددگار) اللہ تعالیٰ ہیں اور ان سے بہتر مددگار اور کون ہو سکتا ہے (لہٰذا دوسروں کی بجائے صرف اسی کی اطاعت کرو) وہ وقت دور نہیں کہ کافروں کے دلوں میں تمہاری ہیبت بٹھا دیں گے (لفظ رعب سکون عین اور ضم عین کے ساتھ بمعنی خوف۔ چنانچہ غزوۂ احد سے واپسی کے بعد پھر کفار نے میدان میں آنے اور مسلمانوں کے استیصال کا ارادہ کر لیا تھا لیکن ان پر کچھ ایسا رعب سوار ہوا کہ نہ آ سکے) یہ اس لئے کہ انہوں نے شریک کیا ہے (ان کے شرک کے سبب) اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیزوں کو جن کے لئے ان سے کوئی سند نہیں اتاری (یعنی ان کی بندگی پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ مراد بت ہیں) ان لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بہت ہی برا ٹھکانا (جگہ) ہے ظالم (کافر) لوگوں کے لئے (وہ) اور یہ واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سچا کر دکھایا تھا اپنا وعدہ (نصرت تمہارے ساتھ) جب کہ تم دشمنوں کو بے دریغ قتل کر رہے (مار رہے) تھے اس کے حکم (مشیت) سے حتیٰ کہ جب تم خود ہی کمزور پڑ گئے (جنگ میں بزدلی کا مظاہرہ دکھانے لگے) اور باہم جھگڑنے لگے (اختلاف کرنے لگے) حکم کے بارہ میں (یعنی رسول اللہ ﷺ کے حکم کے متعلق جو آپ ﷺ نے پہاڑی درہ پر تیر اندازی کے لئے مورچہ بندی کا دیا تھا کہ تم میں سے بعض کی رائے ہوئی کہ مال غنیمت کے لئے ہمیں بھی چلنا چاہئے کیونکہ ہمارے رفقاء غالب آ گئے ہیں اور بعض نے کہا کہ ہم حضورؐ کے حکم کے خلاف نہیں کریں گے) اور بالآخر ان کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے (مال

غنیمت کے پیچھے مورچہ چھوڑ بیٹھے) اس کے بعد کہ (اللہ نے) دکھلا دی تم کو من پسند بات (فتح مندی اور اذا کا جواب محذوف ہے جس پر ماقبل (یعنی ولقد صدقکم اللہ) دلالت کر رہا ہے ای متعکم نصرہ) تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے خواہش مند تھے (کہ انہوں نے مورچہ کو غنیمت کے لالچ میں چھوڑ دیا) اور کچھ تم میں ایسے تھے کہ جن کی نظر آخرت پر تھی (کہ وہ ڈٹے رہے حتیٰ کہ شہید ہو گئے جیسے عبداللہ بن جبیرؓ اوران کے رفقاء) پھر تمہارا رخ پھیر دیا تھا (یہ عطف ہے اذا کے جواب مقدر پر، بچالیا تم کو ہزیمت کے باوجود) دشمنوں سے (یعنی کفار سے) تاکہ تمہاری آزمائش کریں (امتحان لیں کہ مخلص اور غیر مخلص میں امتیاز ہو جائے) بہر حال اللہ تعالیٰ نے تمہارا قصور معاف کر دیا ہے (جو غلطی تم سے سرزد ہو گئی ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ مؤمنین پر بڑا ہی فضل کرنے والے ہیں (معاف فرما کر وہ وقت بھی قابل یاد ہے) جب تم چڑھے چلے جارہے تھے (میدان جنگ سے فرار ہو رہے تھے) اور مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے (گھومتے نہیں تھے) ایک دوسرے کی طرف۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ پیچھے سے پکار رہے تھے (یعنی پیچھے سے کہہ رہے تھے کہ اللہ کے بندو ادھر آؤ ادھر آؤ) سو اللہ نے بھی تم کو (بدلہ کے طور پر) رنج دیا (ہار جانے کا) تمہارے رنج دینے کی وجہ سے (یعنی رسول اللہ کی مخالفت کر کے آپ کو رنج پہنچانے کی وجہ سے اور بعض کے نزدیک با بمعنی علیٰ ہے یعنی مال غنیمت چلے جانے کے رنج پر مزید رنج پہنچایا) تاکہ نہ تو (لکیلا متعلق ہے عفا یا اثابکم کے پاس اس صورت میں لا زائد ہوگا) اس چیز کے لئے غم کرو جو ہاتھ سے جاتی رہے (مال غنیمت) اور نہ اس مصیبت پر غمگین ہو جو آپڑے (قتل وشکست کی) اور اللہ تعالیٰ خبر رکھتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔

تحقیق وترکیب: .... **خاسرین** دنیاوی خسارہ تو یہ کہ دشمن کی اطاعت کرنی پڑے گی اور آخرت کا خسارہ ظاہر ہے کہ حرمان ثواب اور دائمی عذاب ہے۔ **سنلقی** اگر یہ آیت رعب پیدا ہونے سے پہلے نازل ہوئی تب تو سین استقبال ہے ورنہ محض تاکید کے لئے ہے تعریف سے خالی کر کے اور تلقی حکایت حال ماضیہ کے طور پر ہے۔

الرعب ابن عامر اور کسائی کے نزدیک تمام قرآن میں علی الاصل ضم کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور اکثر کے نزدیک سکون عین کے ساتھ ہے۔ رعب کی تصریح میں اشارہ اس طرح ہے کہ جب تک یہ اس حال میں رہیں گے کفار مرعوب اور مسلمان غالب رہیں گے اس میں مسلمانوں کے لئے دائمی بشارت ہے اور یہ کہ کفر سبب ضعف ہے البتہ کسی عارض کی وجہ سے اس کا تخلف سببیت کے منافی نہیں یا کہا جائے کہ سبب ہونا اس کا زمانۂ ماضی میں تھا۔

وقد عزموا اس کی ضمیر ابوسفیان وغیرہ کی طرف راجع ہے **کفروا** کا مطلب یہ نہیں کہ نزول کے وقت جو لوگ کافر تھے وہ ہمیشہ کافر ہی رہیں گے۔ چنانچہ ابوسفیانؓ بعد میں اسلام لے آئے۔ **بما اشرکوا** با سببیہ اور **ما** مصدریہ اور **مالم ینزل** مفعول ہے **اشرکوا** کا اور **مالم ینزل** اس میں انتفاء قید کی وجہ سے انتفاء مقید ہو رہا ہے جیسے کہا جائے کہ سالبہ وجود موضوع کا مقتضی نہیں ہوتا ہے۔ **بئس** اس کا مخصوص بالمذمت محذوف ہے۔ جلال مفسرؒ نے **ھی** اسی لئے مقدر کیا ہے۔

تحسونھم بمعنی قتل واستیصال، حیلہ، یہ لفظ مشترک ہے **فشل** بمعنی کسل، ضعف تراخی عصام کی رائے ہے کہ **فشل** کے معنی ضعف رائے اور جبن کے ہیں۔ **منعکم نصرہ** یعنی جب تم کو شکست ہو گئی تو مدد روک دی گئی۔ **ردکم بالھزیمۃ** یعنی بسبب رد کرنے تمہاری ہزیمت کے ان سے اور زمخشریؒ کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ تمہاری مدد روک دی اس لئے وہ تم پر غالب آ گئے۔

اذ تصعدون اصعاد بمعنی **ذھاب وابعاد فی الارض، صعد فی المیل** اور **اصعد فی الارض** بولتے ہیں **اصعد نامن مکۃ الی مدینۃ** اور زمخشریؒ کہتے ہیں کہ **اصعد فی الارض** بمعنی مضی ہے۔ **تلوون** لوی بمعنی مائل ہونا اور اکثر بمعنی وقف آتا ہے اور بمعنی **لاترجعون** بھی کہا گیا ہے پیچھے مڑ کر دیکھنا پلٹنا۔ **فی اُخرکم** مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ فی بمعنی **الی** اور لفظ اخریٰ بمعنی آخر ہے

بولتے ہیں جاء فلان فی اٰخر الناس و اٰخرتھم و اٰخرھم اذا جاء خلفھم۔

الی عباد اللہ پورا جملہ آپ کا یہ تھا الی عباد اللہ انا رسول اللہ من یکر فلہ الجنۃ. فاثابکم لفظ ثواب اکثر اس کا استعمال خیر کے لئے آتا ہے۔البتہ کبھی شر کے لئے بھی آتا ہے۔ثاب الیہ عقلہ بولتے ہیں بمعنی رجع الیہ اصل معنی ثواب کے یہ ہیں کہ جزائے فعل فاعل کو دینا خواہ خیر ہو یا شر۔ مفسر علامؒ نے مطلق جزاء کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔لکیلا اس میں لا زائدہ ہے اور یا لا زائد ماننے کی ضرورت نہیں اور معنی یہ ہوں گے کہ رنج وغم کے گھونٹ پینے کی مشق کرو، تاکہ منفعت کے فوت ہونے پر رنج و ملال نہ رہے۔

ربط: ....غزوۂ احد کے موقعہ پر منافقین نے مرتد ہونے کے سلسلہ میں جو غلط مشورے دیئے تھے ان کا اتباع نہ کرنے کی تلقین یا ایھا الذین الخ سے بیان کی جارہی ہے۔آگے پھر وہی بطور تتمہ تسلی تشفی کا مضمون ہے اور غلطیوں کی نشاندہی۔

شانِ نزول: ....مورچہ چھوٹ جانے سے مسلمانوں کی فتح شکست سے جب تبدیل ہونے لگی اور افراتفری پھیل گئی اور مسلمان تتر بتر ہونے لگے تو عبداللہ بن ابی کہنے لگا کہ میں نے پہلے کہا تھا کہ محمد نبی نہیں ہیں اب بھی میرا کہا مانو تو ابوسفیان سے کہہ کر امن دلا دوں، اس پر یا ایھا الذین اٰمنو آیات نازل ہوئیں۔

﴿تشریح﴾: ....غزوۂ حمراء الاسد کی تمہید: ....کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب اور ہیبت ڈالنے کی بشارت کا ظہور اس طرح ہوا کہ اول تو بغیر کسی ظاہری سبب کے خود ہی کفار باوجود ایک طرح کے غالب ہونے کے مکہ واپس لوٹ گئے۔لیکن کچھ آگے نکل جانے کے بعد جب اپنی حماقت اور بے وقوفی کا خیال آیا تو دوبارہ مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ ہو گیا مگر کچھ ایسا رعب ان پر چھایا کہ اس طرف بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔بلکہ محض اپنی طفل تسلی کے لئے ایک سستی ترکیب یہ کہ مدینہ جانے والے ایک راہ گیر مسافر اعرابی کو کچھ لالچ دے کر آمادہ کیا کہ تو مدینہ میں پہنچ کر ذرا مسلمانوں کو خوب ڈرا دینا کہ بڑی تیاری کے ساتھ آرہے ہیں۔آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی پہلے ہی اس اسکیم کا علم ہو گیا تو آپ حمراء الاسد تک ان کے تعاقب میں روانہ ہوئے لیکن یہ ایک گیدڑ بھبکی سے زیادہ کچھ نہ نکلا۔

مالم ینزل بہ سلطانا سے مراد لفظی اور معنوی دلیل ہے جس کی صحت کا شریعت نے بھی اعتبار کیا ہے اس میں عقلی دلیل بھی آگئی۔

تمام صحابہؓ مخلص تھے کوئی بھی طالبِ دنیا نہیں تھا: ....آیت ولقد صدقکم اللہ حضراتِ صحابہؓ کا غایب درجہ تقرب معلوم ہوا کہ ایک معمولی سے عتاب میں بھی تسلی کے کتنے پہلو نکال کر رکھ دیئے مثلاً (۱) یہ شکست بطور سزا نہیں تھی بلکہ اس میں بھی تمہاری مصلحت پیش نظر تھی۔(۲) مواخذۂ اخروی سے بے فکر کر دیا، بھلا جو حضرات اس درجہ کے ہوں ان کو طالبِ دنیا کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اس لئے منکم من یرید الدنیا کے یہ معنی نہیں کہ تم دنیا کو مقصود بالذات سمجھتے تھے کیونکہ اگر غنائم نہ بھی جمع کرتے تب بھی حسبِ قواعد جنگ مال غنیمت کے وہ مستحق تھے بلکہ مقصود یہ ہے کہ تم نے مورچہ کی حفاظت اور مال غنیمت دونوں کا ثواب حاصل کرنا چاہا حالانکہ مصلحت وقتی صرف مورچہ کی حفاظت تھی اسی لئے خطائے اجتہادی کی وجہ سے مستحق ستائش نہ ہو سکے۔اگرچہ مجرم و مخالف کہلانے کے بھی مستحق نہیں ہوئے تو گویا حاصل عبارت یہ ہوا منکم من یرید الدنیا للاٰخرۃ و منکم من یرید الاٰخرۃ الصرفۃ.

ایک اشکال کا حل: ....آیت والرسول یدعوکم سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پکارنے کے باوجود مسلمان جمع نہیں ہوئے اور واقعات بالا کے ذیل میں معلوم ہوا کہ حضرت کعبؓ کے پکارنے سے سلمان جمع ہو گئے۔لیکن بقول علامہ آلوسیؒ اول

آنحضرت ﷺ نے پکارا ہوگا جس کو مسلمان نہیں سن سکے، حضرت کعبؓ نے پکارا تو کچھ لوگوں نے سن لیا اور جمع ہو گئے۔ دوسرے آنحضرت ﷺ کے قتل کی خبر سے جو پریشانی تھی جب آنحضرت نے آواز دی تو اس میں پہلی خبر کی تردید یا اس سے کوئی تعرض نہیں تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ آواز نحیف ہو یا پہچانی نہ گئی ہو۔ حضرت کعبؓ کی آواز بلند ہوگی اور اس میں واقعہ قتل کی تردید اور تکذیب تھی اس لئے صحابہؓ سن کر فوراً متوجہ ہو گئے۔ باقی عتاب اس پر ہے کہ آواز صدا بصحرا نہ ہوتی اور آپ کبیدہ خاطر یا ملول نہ ہوتے۔ تاہم آنحضرت ﷺ کے غم سے صحابہ کو جو الم پیش آیا اس میں بھی تہذیب و تربیت خدام مقصود ہے کہ مصائب جھیلنے کی عادت پڑنے سے ثبات و استقلال اور پختگی پیدا ہو جاتی ہے جو بہت بڑی دولت اور حاصل مجاہدات ہے۔ حضرت عثمانؓ کی عدم شرکت پر بعض معاندین نے طعن و تشنیع کی ہے اور اس سے ان کے خلافت کے غیر مستحق ہونے پر استدلال کیا ہے۔ لیکن حق تعالیٰ کی طرف سے اعلان معافی کے بعد جیسا کہ ابن عمرؓ کی رائے ہے اب کسی کو کیا حق اعتراض ہے، رہا خلافت کا معاملہ سو اہل سنت کے نزدیک خلافت کے لئے عصمت شرط نہیں ہے اس لئے شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً اَمْنًا **نُّعَاسًا يَّغْشٰى** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **طَآئِفَةً مِّنْكُمْ** ۙ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ فَكَانُوْا يَمِيْدُوْنَ تَحْتَ الْجُحَفِ وَتَسْقُطُ السُّيُوْفُ مِنْهُمْ **وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ** اَيْ حَمَلَتْهُمْ عَلَى الْهَمِّ فَلَا رَغْبَةَ لَهُمْ اِلَّا نَجَاتُهَا دُوْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابِهٖ فَلَمْ يَنَامُوْا وَهُمُ الْمُنَافِقُوْنَ **يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ** ظَنًّا **غَيْرَ** الظَّنِّ **الْحَقِّ ظَنَّ** اَيْ كَظَنِّ **الْجَاهِلِيَّةِ** ۭ حَيْثُ اِعْتَقَدُوْا اَنَّ النَّبِيَّ قُتِلَ اَوْ لَا يُنْصَرُ **يَقُوْلُوْنَ هَلْ** مَا **لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ** اَيِ النَّصْرِ الَّذِيْ وَعَدْنَاهُ **مِنْ** زَائِدَةٌ **شَيْءٍ** ۭ **قُلْ** لَهُمْ **اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ** بِالنَّصْبِ تَوْكِيْدٌ اَوِ الرَّفْعِ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ **لِلّٰهِ** ۭ اَيِ الْقَضَاءُ لَهٗ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ **يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ** يُظْهِرُوْنَ **لَكَ** ۭ **يَقُوْلُوْنَ** بَيَانٌ لِمَاقَبْلَهٗ **لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا** ۭ اَيْ لَوْ كَانَ الْاِخْتِيَارُ اِلَيْنَا لَمْ نَخْرُجْ فَلَمْ نُقْتَلْ لٰكِنْ اُخْرِجْنَا كُرْهًا **قُلْ** لَهُمْ **لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ** وَفِيْكُمْ مَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْقَتْلَ **لَبَرَزَ** خَرَجَ **الَّذِيْنَ كُتِبَ** قُضِيَ **عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ** مِنْكُمْ **اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ** ۚ مَصَارِعِهِمْ فَيُقْتَلُوْا وَلَمْ يُنْجِهِمْ قُعُوْدُهُمْ لِاَنَّ قَضَاءَهٗ تَعَالٰى كَائِنٌ لَامُحَالَةَ وَفَعَلَ مَافَعَلَ بِاُحُدٍ **وَلِيَبْتَلِيَ** يَخْتَبِرَ **اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ** قُلُوْبِكُمْ مِنَ الْاِخْلَاصِ وَالنِّفَاقِ **وَلِيُمَحِّصَ** يُمَيِّزَ **مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ** ۭ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** ﴿۱۵۴﴾ بِمَا فِي الْقُلُوْبِ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ وَاِنَّمَا يَبْتَلِيْ لِيُظْهِرَ لِلنَّاسِ **اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ** عَنِ الْقِتَالِ **يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ** ۙ جَمْعُ الْمُسْلِمِيْنَ وَجَمْعُ الْكَافِرِيْنَ بِاُحُدٍ وَهُمُ الْمُسْلِمُوْنَ اِلَّا اِثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا **اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ** اَزَلَّهُمُ **الشَّيْطٰنُ** بِوَسْوَسَةٍ **بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا** ۚ مِنَ الذُّنُوْبِ وَهُوَ مُخَالَفَةُ اَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ** ۭ **اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لِلْمُؤْمِنِيْنَ **حَلِيْمٌ** ﴿۱۵۵﴾ لَا يُعَجِّلُ عَلَى الْعُصَاةِ۔

ترجمہ: .... پھر اللہ تعالیٰ نے غم والم کے بعد تم پر بے خوفی کی خود فراموشی طاری کر دی (چھا گئی، یغشی یا اور تا کے ساتھ ہے) یہ

حالت اونگھ میں سے ایک گروہ پر (مسلمان مراد ہیں چنانچہ ڈھالوں کے نیچے نیند کے مارے جھوم رہے تھے اور تلواریں ہاتھ سے چھوٹ چھوٹ کر گر رہی تھیں) اور دوسرا گروہ وہ تھا کہ جسے اس وقت بھی اپنی جانوں ہی کی پڑی ہوئی تھی (یعنی یہی غم ان پر سوار تھا بس انہیں اسی کے بچانے کی فکر تھی۔ نہ آنحضرت ﷺ کی فکر تھی اور نہ آپؐ کے صحابہؓ کا غم، اس لئے ان کو نیند کہاں آتی۔ اس سے مراد منافقین ہیں) یہ لوگ، اللہ تعالیٰ کی جناب میں بھی ناحق گمان اور اوہام رکھتے تھے زمانۂ جاہلیت کے سے (کیونکہ ان کو یقین ہوگیا تھا کہ نبی کریم ﷺ (خاکم بدہن) قتل کردیئے گئے ہیں یا آپؐ کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی) یہ لوگ کہتے تھے کہ ہمارا کیا کچھ اختیار چلتا ہے؟ (جس مدد کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے) آپؐ (ان سے) کہہ دیجئے ساری باتیں (کلمہ نصب کے ساتھ تاکید ہے اور رفع کے ساتھ مبتداء ہے جس کی خبر یہ ہے) اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں (یعنی فیصلہ کا اختیار اسی کو ہے جو چاہے کرسکتا ہے) یہ لوگ چھپاتے ہیں اپنے دلوں میں ان باتوں کو جن کو آپؐ کے سامنے برملا (ظاہراً) نہیں کہہ سکتے، ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے (یہ بیان ماقبل کا) کہ اس معاملہ میں ہمارے لئے اگر کچھ ہوتا تو یہاں آ کر نہ مارے جاتے (یعنی اگر ہمارا بس چلتا تو سرے سے گھر سے نکلنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی کہ قتل تک (نوبت پہنچتی لیکن زبردستی ہم کو نکالا گیا ہے) فرما دیجئے آپؐ (ان سے) اگر تم اپنے گھروں میں بھی بیٹھے رہتے (اور تمہارے بارے میں تقدیر الٰہی قتل کا فیصلہ کرچکی ہوتی) جب بھی ضرور نکلتے (باہر آتے) جن کے لئے مارا جانا (مقدر ہوچکا) تھا (تم میں سے) اپنے مارے جانے کی جگہ (مقتل میں قتل ہوتے اور اپنے گھروں میں بیٹھ رہنا ان کو نہ بچا سکتا۔ کیونکہ قضائے الٰہی لامحالہ ہوکر رہنے والی ہے) اور (احد میں جو کچھ کیا گیا ہے یہ اس لئے تھا کہ) اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ جو کچھ تمہارے سینوں (دلوں) میں ہے (اخلاص ونفاق) اس کے لئے تمہیں آزمائش (امتحان میں ڈالے اور پاک صاف (جدا) کردے ان کدورتوں کو جو تمہارے دلوں میں پیدا ہوگئی تھیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں جو انسان کے دلوں میں پوشیدہ ہوتا ہے (دلوں کی کوئی بات بھی اس پر پوشیدہ نہیں لیکن ابتلاء صرف لوگوں پر واضح کرنے کے لئے ہوتا ہے) تم میں سے جن لوگوں نے اس دن (لڑائی سے) منہ موڑ لیا تھا جس روز دونوں لشکر ایک دوسرے سے مقابل ہوئے (دو جماعتوں سے مراد احد میں مسلمان اور کافر ہیں اور منہ موڑنے والوں سے مراد مسلمان ہیں بجز بارہ افراد کے) ان کی لغزش کا باعث صرف یہ تھا کہ ان کے قدم شیطان نے (اپنے وسوسہ سے) ڈگمگا دیئے تھے (استزلھم بمعنی ازلھم ہے) ان کی بعض کمزوریوں کے سبب جو انہوں نے پیدا کرلی تھیں (یعنی آنحضرت ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کے قصور کی وجہ سے) اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ لغزش معاف فرمادی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (مسلمانوں کو) بخشنے والے بُردبار ہیں (گنہگاروں کو جلد نہیں پکڑتے)

تحقیق وترکیب: ....**من بعد الغم** غم کی قبلیت اور امن کی بعدیت اگرچہ لفظ ثم سے بھی سمجھ میں آرہی ہے لیکن لفظ من بعد سے زیادہ وضاحت اور اس احسان کی عظمت کا مستحضر کرنا ہے۔ امنۃ مفعول بہ ہے اور نعاسًا بدل ہے والاصل **انزل علیکم نعاسًا اذا امنۃ** یا امنۃ حال مقدم ہے یا مفعول لہ، یا ضمیر مخاطبین سے حال ہو بمعنی ذوی امنۃ یہ جمع امن ہے۔ ای **انزل اللہ علیہم الامن وازال الخوف حتی نعسوا وغلبھم النوم** چنانچہ حضرت ابوطلحہؓ سے مروی ہے کہ **غشیتنا النعاس المضاف حتی کان السیف یسقط من یداحدنا فیا خذہ** بخاری کی روایت کے الفاظ ابوطلحہؓ سے یہ ہیں۔ **کنت فیمن تغاشاہ النعاس یوم احد حتی سقط سیفی من یدی مرارًا یسقط واخذہ ثم یسقط واخذہ. وطائفۃ** طائفۃ مبتداء اور جملہ قد اھمتھم اس کی خبر ہے اور باوجود اس کے نکرہ ہونے کے یہ اس لئے جائز ہے کہ موقع تفصیل میں واقع ہورہا ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میدان جنگ کی اونگھ تو امنۃ کہلاتی ہے۔ لیکن نماز میں اونگھ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے کیونکہ میدان جنگ میں تو اس کا باعث وہ بےفکری ہوگی اعتماد علی اللہ اور توکل کی جان ہے جو ظاہر ہے کہ غایت قرب کی دلیل ہے ورنہ خوف کے وقت نیند کا کیا واسطہ؟ لیکن نماز کی حالت

میں خوف وخشیت مطلوب ہے وہاں بے فکری سبب بُعد ہوگا احد میں مخلصین ومنافقین کی حالت اس کا صاف ثبوت ہے۔

یظنون یہ حال ہے ضمیر **اهمتهم** سے نہ کہ طائفہ سے **قد اهمتهم** عربی محاورہ میں اس کا اطلاق خائف پر آتا ہے، جو اپنے ہی نفس میں منہمک رہتا ہو۔ **غیر الحق** صفت ہے موصوف محذوف **ظنا** کی اور مفعول **یظنون** ہے اور **الحق** صفت ہے مصدر محذوف کی جو مضاف الیہ ہے غیر کا اور **ظن الجاهلیة** صفت ثانیہ ہے اور منصوب بنزع الخافض اور معنی یہ ہیں **کظن الجاهلیة** حدیث قدسی ہے **انا عند ظن عبدی بی فلیظن بی ماشاء** جس سے اللہ کے ساتھ حسن ظن کی تعلیم ہے۔ سوء ظنی اور بدگمانی کی ممانعت ہے **ومن یقنط من رحمة ربه الاالضالون** اور **ذلکم ظنکم الذی الخ**

هل لنا هل استفہام انکاری کے لئے ہے ای **مالنا کله** یہ تاکید ہے اور منصوب ہے لفظ اجمع کی طرح۔ **یقولون** یہ ماقبل یعنی **یخفون** کا بیان ہے یا اس سے بدل ہے۔ **قل لو کنتم** اس میں ان کے قول کا رد بطریق مبالغہ ہے کیونکہ **اینما تکونوا یدرککم الموت الخ** اور **فاذاجاء اجلهم الخ** کی وجہ سے نفس قتل پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ زمان ومکان کی تعیین کردی گئی۔

فیقتلوا جس نسخہ میں **فیقتلون** ہے وہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ حذف نون کی بظاہر کوئی وجہ نہیں ہے۔

ولیبتلی الله یہ فعل محذوف کی علت ہے یا علت محذوف پر معطوف ہے جس کی طرف مفسر علامؒ نے ''فعل بافاعل'' سے اشارہ کیا ہے البتہ ان کو **لبرز** کی علت قرار دینا مقتضی مقام کے خلاف ہے کیونکہ مقصود شدت وہول کی مصالح کا بیان ہے نہ کہ بروز مفروض کی حکمت کا بیان۔ **ولیمحص تمحیص** کے معنی تخلیص کے ہیں عیب دار چیز ہے اس کا تعلق اعتقاد کے ساتھ ہوتا ہے اسی لئے قلوب کا لفظ لایا گیا ہے۔

الا اثنی عشر رجلاً تفسیر کبیر میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ چودہ (۱۴) صحابہؓ ثابت قدم رہے۔ سات مہاجرینؓ ابوبکر، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن وقاص، طلحہ بن عبیداللہ، ابوعبیدہ بن جراح اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم اور سات انصار خباب بن منذر، ابو دجانہ، عاصم بن ثابت، حرث بن صمہ، سہل بن حنیف، اسید بن حضیر، اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم اور خطیب بغدادیؒ کے نزدیک تیرہ کی تعداد ہے۔ **استزلهم** اس میں ست زائد ہے طلبیہ نہیں ہے بلکہ تعدیہ کے لئے ہے یا زلہ کی طرف بلانا اور اس پر آمادہ کرنا مراد ہو۔

ربط: .... پچھلی آیت میں تذکرۂ غم تھا اور اس آیت میں اس کے ازالہ کا ذکر ہے۔ ظاہراً بھی کہ نیند کے جھونکے سے تازہ دم ہو گئے اور باطناً بھی معافی کی بشارت سے روحانی راحت حاصل ہوگئی، نیز منافقین کی بدحالی اور نعمتوں سے حرمان کا بیان ہے۔

﴿تشریح﴾: .... آیت **ثم انزل علیکم** اور آیت **محمد رسول الله** کی خصوصیت یہ ہے کہ ان دونوں آیات میں پورے حروف ہجائیہ موجود ہیں۔ واقعۂ احد کی مصالح، ابتلاء، عفو وغیرہ کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے لیکن مسلمانوں کو تسلی دینے کے لئے البتہ یہاں منافقین کے اس خیال کی تردید کرنی مقصود ہے کہ ہماری رائے پر عمل نہ کرنے اور ہمارا کہنا نہ ماننے سے سارے نقصانات ہوئے۔

حقیقی شکست وفتح: .... حاصل رد یہ ہے کہ اس نقصان میں جب اس درجہ منافع اور فوائد ہیں پھر ان کو نقصان کہنا کیسے صحیح ہے البتہ حقیقی نقصان گناہ ہے اس کو معاف کردیا گیا ہے۔ تاہم اس اختلافِ غرض سے تکرار نہ رہا۔ شرکاء احد دو طرح کے لوگ تھے، ایک فریق کو تو آپ ﷺ کی نبوت بلکہ آپ ﷺ کی نصرت پر پورا یقین واعتماد تھا۔ اس لئے یہ حضرات پورے طور پر مطمئن اور بے فکر تھے اور بے فکری ہی مقدمہ ہوتی ہے نیند کا۔ فکر کی حالت میں تو نیند کافور ہوجاتی ہے لیکن دوسرا گروہ منافقین کا تھا جن کے دل ڈانواں ڈول اور غیر مطمئن تھے ان میں سے ہر شخص نفسا نفسی، آپا دھاپی میں پڑا ہوا تھا۔ یہ لوگ صرف غنیمت کے لالچ میں آئے تھے لیکن وہ بھی جب خطرہ

میں نظر آ تا تو سخت بے چین ہوئے۔اس لئے ان کے لئے نیند کہاں؟ مگر آنحضرت ﷺ ان سب سے بالا تھے اس لئے نیند کے معاملہ میں بھی منفرد ہی رہے۔

فاثابکم میں پاداشِ اصلاحی مراد ہے اور حلیم سے مراد یہ ہے کہ سزائے قہری نہیں ہوئی۔اس لئے ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔مصائب کا سبب ببعض ما کسبوا ہے اور لیبتلی اللہ سے مصائب کی حکمتیں بیان کی گئی ہیں اس لئے ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ وجوۂ اسباب مقدم اور حکمت مؤخر ہوا کرتی ہے۔نیز ببعض ما کسبوا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح ایک طاعت سے دوسری طاعت کی توفیق ہوتی ہے اسی طرح ایک گناہ دوسرے گناہ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

لطائف آیت: .... ثم انزل سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات سالک کے قلب پر کوئی وارداونگھ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو وہ سکینہ رحمانیہ ہوتا ہے۔ولیبتلی اللہ سے معلوم ہوا کہ بلاء میں آزمائش ہوتی ہے۔ملکات باطن صدق واخلاص وغیرہ کی قوت سے فعلیت کی طرف اظہار کی اور قلب کی کدورتیں اور آلائشیں بھی اس سے صاف ہوجاتی ہیں۔

انما استزلھم کے ذیل میں آلوسیؒ نے زجاج کا قول نقل کیا ہے کہ شیطان نے صحابہؓ کو بعض گناہ یاد دلادیئے جن کے ہوتے ہوئے ان کو حق تعالیٰ سے ملنا اچھا معلوم نہ ہوا۔اس لئے جہاد سے وہ کنارہ کش ہوگئے تاکہ اصلاح کے بعد پھر ملاقی ہوں۔زجاجؒ کے اسی مقولہ سے شیخ اکبرؒ کے اس قول کی تائید وتصدیق ہوتی ہے جو مشہور ہے کہ تکمیل توبہ کے بعد پھر گناہوں کو یاد کرنا مناسب نہیں ہے کہ یہ اللہ اور بندہ کے درمیان حجاب ہوجاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَیِ الْمُنَافِقِیْنَ **وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ** اَیْ فِیْ شَانِھِمْ **اِذَا ضَرَبُوْا** سَافَرُوْا **فِي الْاَرْضِ** فَمَاتُوْا **اَوْكَانُوْا غُزًّى** جَمْعُ غَازٍ فَقُتِلُوْا **لَّوْكَانُوْا عِنْدَنَا مَامَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا** ج اَیْ لَاتَقُوْلُوْا کَقَوْلِھِمْ **لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ** اَلْقَوْلَ فِیْ عَاقِبَةِ اَمْرِھِمْ **حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ** ط **وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ** ط فَلَایَمْنَعُ عَنِ الْمَوْتِ قُعُوْدٌ **وَاللّٰهُ بِمَاتَعْمَلُوْنَ** بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ **بَصِيْرٌ**﴿۱۵۶﴾ فَیُجَازِیْکُمْ بِهٖ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اَیِ الْجِهَادِ **اَوْمُتُّمْ** بِضَمِّ الْمِیْمِ وَکَسْرِھَا مِنْ مَاتَ یَمُوْتُ وَیُمَاتُ اَیْ اَتَاکُمُ الْمَوْتُ فِیْهِ **لَمَغْفِرَةٌ** کَائِنَةٌ **مِّنَ اللّٰهِ** لِذُنُوْبِکُمْ **وَرَحْمَةٌ** مِنْهُ لَکُمْ عَلٰی ذٰلِكَ وَاللَّامُ وَمَدْخُوْلُھَا جَوَابُ الْقَسَمِ وَھُوَ فِیْ مَوْضِعِ الْفِعْلِ مُبْتَدَأٌ خَبَرُہٗ **خَيْرٌ مِّمَّايَجْمَعُوْنَ**﴿۱۵۷﴾ مِنَ الدُّنْیَا بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **مُّتُّمْ** بِالْوَجْھَیْنِ **اَوْ قُتِلْتُمْ** فِی الْجِهَادِ اَوْ غَیْرِہٖ **لَاْاِلَى اللّٰهِ** لَا اِلٰی غَیْرِہٖ **تُحْشَرُوْنَ**﴿۱۵۸﴾ فِی الْاٰخِرَةِ فَیُجَازِیْکُمْ **فَبِمَا** مَا زَائِدَةٌ **رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ** یَا مُحَمَّدُ **لَهُمْ** اَیْ سَھَّلْتَ اَخْلَاقَكَ اِذْ خَالَفُوْكَ **وَلَوْكُنْتَ فَظًّا** سَیِّئَ الْخُلُقِ **غَلِيْظَ الْقَلْبِ** جَافِیًا فَاَغْلَظْتَ لَھُمْ **لَانْفَضُّوْا** تَفَرَّقُوْا **مِنْ حَوْلِكَ** ص **فَاعْفُ** تَجَاوَزْ **عَنْهُمْ** مَا اَتَوْہُ **وَاسْتَغْفِرْلَهُمْ** ذُنُوْبَھُمْ حَتّٰی اَغْفِرَلَھُمْ **وَشَاوِرْهُمْ** اِسْتَخْرِجْ اٰرَاءَھُمْ **فِي الْاَمْرِ** ج اَیْ شَانِكَ مِنَ الْحَرْبِ وَغَیْرِہٖ تَطْیِیْبًا لِقُلُوْبِھِمْ وَلِیَسْتَنَّ بِكَ وَکَانَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَثِیْرَ الْمُشَاوَرَةِ لَھُمْ **فَاِذَا عَزَمْتَ**

عَلٰی اِمْضَاءِ مَاتُرِیْدُ بَعْدَ الْمُشَاوَرَۃِ **فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ** ثِقْ بِهٖ لَابِالْمُشَاوَرَۃِ **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴿۱۵۹﴾** عَلَيْهِ **اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ** يُعِنْكُمْ عَلٰی عَدُوِّكُمْ كَيَوْمِ بَدْرٍ **فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ** يَتْرُكْ نَصْرَكُمْ كَيَوْمِ اُحُدٍ **فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ** اَیْ بَعْدَ خُذْلَانِهٖ اَیْ لَانَاصِرَ لَكُمْ **وَعَلَى اللّٰهِ** لَاغَيْرِهٖ **فَلْيَتَوَكَّلِ** لِيَثِقَ **الْمُؤْمِنُوْنَ﴿۱۶۰﴾**

ترجمہ:........ مسلمانو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کفر اختیار کیا (مراد منافقین ہیں) اور جو کہنے لگتے ہیں اپنے بھائی بندوں کے لئے (یعنی ان کے حق میں) جب کہ وہ سفر میں گئے ہوں (مسافر ہوں) کسی جگہ (اور ان کا انتقال ہو جائے) یا جہاد میں مصروف ہوں (غزی جمع غازی ہے اور قتل ہو جائیں) کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے تو کاہے کو مرتے یا مارے جاتے (یعنی مسلمانو! تم ان جیسی باتیں نہ کرنا) تا کہ اللہ تعالیٰ بنادیں اس (بات کو آخر کار ان کے لئے) داغ حسرت ان کے دلوں کے لئے اللہ ہی کے ہاتھ زندگی اور موت کا رشتہ ہے (اس لئے گھر میں بیٹھ رہنا موت کے لئے رکاوٹ نہیں بن سکتا) اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو (تا اور یا کے ساتھ پڑھا گیا ہے) اس کی نگاہ میں ہے (لہٰذا وہ تم کو بدلہ دیں گے) اور اگر تم (لام قسم ہے) قتل کر دیئے گئے اللہ کی راہ (جہاد) میں یا اپنی موت مر گئے (بضم المیم، مات یموت اور مات یمات سے ہے یعنی تمہارے پاس آ جائے) تو اللہ کی طرف سے تمہارے (گناہوں کی) مغفرت (ہوگی) اور (تمہارے لئے اس کی) رحمت ہوگی (اس پر اور لام اور اس کا مدخول جواب قسم ہے یہ فعل کی جگہ ہے اور مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) یقیناً وہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن کی پونجی لوگ جمع کر رہے ہیں (دنیا سے تا اور یا دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے) اور اگر (لام قسمیہ ہے) تم اپنی موت مرو یا مارے جاؤ (جہاد وغیرہ میں) بہر حال صرف اللہ تعالیٰ کے حضور (نہ کہ دوسرے کے پاس) جمع کئے جاؤ گے (آخرت میں لہٰذا وہ تم کو بدلہ دیں گے) یہ خدا کی بڑی ہی رحمت ہے (لفظ ما زائد ہے) کہ آپ (اے محمدؐ) اس قدر نرم مزاج واقع ہوئے ان لوگوں کے لئے (یعنی آپؐ کے اخلاق نرم ہیں باوجود ان کی مخالفت کے) اگر آپ تند مزاج (بدخلق) سنگدل ہوتے (اکھڑ طبیعت کے ان پر برہمی کرتے رہتے) تو لوگ بھاگ کھڑے ہوتے (تتر بتر ہو جاتے) آپؐ کے پاس سے۔ پس ان کا قصور معاف کر دیجئے (درگزر کر دیجئے ان سے جو کچھ سرزد ہوا) اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بھی بخشش طلب کیجئے (ان کے گناہوں کی تا کہ ہم بھی ان کو معاف کر دیں) نیز ان سے مشورہ بھی کر لیا کیجئے (ان کی رائے معلوم کر لیا کیجئے) اس قسم کے معاملات میں (یعنی جنگ وغیرہ کے مواقع میں) ان کا دل بھی خوش ہو جائے گا اور آپؐ کی سنت بھی جاری ہو جائے گی چنانچہ آنحضرت ﷺ بکثرت ان سے مشورے فرمایا کرتے تھے) پھر جب ایسا ہو کہ آپؐ کسی بات کا عزم کر لیں (مشورہ کے بعد ارادہ تکمیل کرنا چاہیں) تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے (اس پر اعتماد کیجئے محض مشورہ پر سہارا نہ کیجئے) یقیناً اللہ تعالیٰ ان ہی لوگوں کو دوست رکھتے ہیں جو (ان پر) بھروسہ رکھنے والے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری امداد کریں (تمہارے دشمنوں کے مقابلہ میں جیسا کہ بدر میں ہوا) تو کوئی نہیں جو تم پر غالب آسکے لیکن اگر وہی تم کو چھوڑ بیٹھے (تمہاری مدد نہ کرے جیسے احد میں ہوا) تو بتلاؤ کون ہے جو تمہارا مددگار ہو سکتا ہے اس کے بعد (یعنی اس کے چھوڑ دینے کے بعد حاصل یہ ہوا کہ تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے) صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے (دوسرا کوئی نہیں) پس اسی پر بھروسہ (اعتماد) رکھنا چاہئے ایمان داروں کو۔

تحقیق وترکیب:........ **اذا** یہاں اذا صرف زمان کے لئے ہے اور اذا لانے میں اشارہ ہے کہ یہ ان کی جانب سے محقق ہے۔

فماتوا یہ ان کے قول مـاماتوا سے ماخوذ ہے اور مفسرؒ کا دوسرا قول فقتلوا ماخوذ ہے ان کے قول ماقتلوا سے لیجعل لام کا تعلق ہے لا تکونوا سے ای لا تـکـونـوا کھولاء فی النطق بذالک القول فیجعل اللہ الخ یا اس کا تعلق قالوا کے ساتھ ہے یعنی قالوا ذٰلک واعتقدوہ. اس کے لام عاقبۃ ہونے کی طرف مفسرؒ نے فی عاقبۃ امرھم کہہ کر اشارہ کر دیا جیسے لیکون لھم عدوا وحزنًا میں لام عاقبۃ کے لئے ہے۔ متم باب نصر سے قرأۃ ضم پر مات یموت ہے اور باب خاف یخاف ہے قرأۃ کسر پر مات یمات سے ہے اور فیہ سے مراد فی سبیل اللہ لمغفرۃ یہ جوابِ قسم ہے قائمقام جواب شرط ہے۔

علی ذٰلک علٰی بمعنی لام تعلیل ہے اور مشار الیہ اس کا قتل وموت ہے اور مفسرؒ کے قول و اللام سے مراد لام ابتداء ہے اور اس کا مدخول مبتدا وخبر کا مجموعہ ہے اور لفظ ھو ضمیر مدخول لام کی طرف راجع ہے۔ یـجـمعو ن اس میں التفات پایا جاتا ہے اور ایک قرأت میں تـجـمعو ن بھی ہے۔ ولـئـن قتلتم اول آیت میں قتل کو اور دوسری آیت میں موت کو مقدم کیا گیا ہے کیونکہ غالب جہاد میں قتل ہونا ہے اور غیر جہاد میں اکثر موت ہوتی ہے۔ لا الـــی اللہ یہ لام تاکید کا ہے اس کے ساتھ قرآنی رسم الخط میں الف لکھنے میں فتح لام پر دلالت کرنے کے لئے آتا ہے مگر پڑھنے میں نہیں آتا۔ اس آیت میں تین مقاماتِ عبودیت کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ الـحـشـر بمعنی جمع کرنا فبـما رحمۃ فاعاطفہ ہے، مضاف پر تقدیر عبارت اس طرح ہے خـالـفـوا امر ک لنت لھم برحمۃ من اللہ اور ما زائد ہے تاکید کے لئے ہے فظاًّ الفظاظۃ بحفوۃ فی المعاشرۃ قولاً و فعلاً۔

غلیظ بمعنی متکبر پھر مجازاً عدم شفقت پر بھی محمول کر لیا جاتا ہے۔ بد خلق، قاسی اور درشت کلام کو کہتے ہیں۔

شـاورھم مشاورت کے معنی شہد کی مکھیوں کا شہد نکالنا ہیں۔ صاحبانِ نظر وفکر کا باہم مل کر غور وخوض کر کے کسی بہتر رائے کا حاصل کرنا مراد لیا جاتا ہے وجہ مناسبت ظاہر ہے، حدیث نبوی ہے ماتشاو رقوم الاھدوا الارشد امرھم بولتے ہیں شرت الدابۃ شرت العسل۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں مارایت احدا اکثر مشاورۃ من اصحاب رسول اللہ اس آیت میں اس پر دلالت ہو رہی ہے کہ اجتہاد جائز ہے اور قیاس حجۃ شرعیہ ہے۔ فـاذا عـزمـت یعنی بعد المشورہ جو کچھ رائے میں رجحان پیدا ہوا ہو اس پر عزم کر کے کاربند ہو جاؤ۔ فتوکل توکل نام ترکِ تدبیر کا نہیں ہے اس کو تعطل کہنا چاہئے ورنہ پھر مشورہ کا امر اس کے معارض ومناقض ہو جائے گا بلکہ اسباب ظاہرہ کو اختیار کرتے ہوئے مسبب الاسباب پر بھروسہ کرنے کو توکل کہتے ہیں۔ اگرچہ بقول ذوالنون مصریؒ ایک درجہ توکل کا "خـلـع الارباب وقطع الاسباب" بھی ہے۔

ربط: .... گذشتہ آیت میں منافقین کے غلط مشورے نقل کئے گئے تھے جن سے مسلمانوں میں وسوسہ اندازی کا احتمال تھا اس کے انسداد کے لئے آئندہ آیات میں تنبیہ کی جا رہی ہے۔ نیز آنحضرت ﷺ کے مکارم اخلاق اور نرمی مزاج کو سراہا گیا ہے۔ جس کی بدولت اسلام پھیلا اور صحابہؓ میں بے انتہاء گرویدگی پیدا ہوئی حتیٰ کہ احد جیسے نازک مواقع میں بھی آپ ﷺ نے کسی سے ترش روئی کے ساتھ دار وگیر نہیں فرمائی۔ غرضکہ صحابہؓ کی مزید دلجوئی کی خاطر دینی اہم معاملات میں صحابہؓ سے مشورہ کرنے کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... بہادر مؤمن موت سے جی نہیں چراتا: .... یعنی سچا مومن وہ ہے جو موت سے نہیں گھبراتا اور اس سے ڈر کر کبھی قدم پیچھے نہیں ہٹاتا وہ سمجھتا ہے کہ موت سے جب کسی حال میں مفر نہیں پھر کیوں نہ اس موت کا استقبال کیا جائے جو راہ حق میں اس کو پیش آجائے۔ اور جس کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی بخشائش وخوشنودی ہو۔ البتہ جو لوگ ایمان سے محروم ہیں وہ جب دیکھتے ہیں کہ راہ حق میں لوگوں کو موت پیش آ رہی ہے تو کہنے لگتے ہیں کہ ان لوگوں نے یہ راہ اختیار نہ کی ہوتی تو کیوں یہ انجام دیکھتے، گویا موت صرف

جنگ ہی میں آ سکتی ہے جو آدمی اپنے گھر بیٹھا رہے گا وہ کبھی مرنے والا نہیں ہے۔

اور لاخوانھم سے مراد ہم مشرب لوگ ہیں جیسے کہ منافقین اور ہم نسب مسلمان بھی مراد ہو سکتے ہیں، اگر اول صورت مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اگر اتفاقاً کوئی منافق بھی کبھی دبا دیا یا جہاد میں ساتھ ہو لیتا اور قتل ہو جاتا ہے تو ان کو حسرت وافسوس ہوتا ہے لیکن اگر یہ لوگ اپنا ایمان واعتقاد درست کرلیں تو یہی دینی سفر ان کے لئے مغفرت ورحمت کا موجب ہو سکتا تھا اور ثانی صورت میں ہم نسب مسلمان مراد ہوں تو ان کی وفات یا شہادت سے منافقین کو حسرت وملال اضطراری درجہ میں قرابت داری کی وجہ سے ہوتا ہے یا موت وشہادت پر تو رنج نہیں ہوتا۔ البتہ اپنے اعتقاد فاسد کی وجہ سے اسباب عادیہ کو اس درجہ مؤثر سمجھتے ہیں پس ایسا شخص ہر واقعہ میں اسی طرح حسرت وافسوس کا شکار رہتا ہے اور مغفرت ورحمت کا وعدہ اس صورت میں بالکل ظاہر ہے۔

اور اذا ضربوا فی الارض سے مراد مطلق سفر نہیں ہے بلکہ وقتی دینی سفر مراد ہے۔ جیسا کہ جواب کی عبارت ولئن قتلتم فی سبیل اللہ اس پر دال ہے۔ منافقین کے **قول** لو کانوا عندنا ماماتوا الخ کے دو جواب دیئے ہیں ایک واللہ یحیی ویمیت سے دوسرا ولئن قتلتم سے۔

مشورہ کی اہمیت: .... چونکہ مورچہ بندی کے واقعہ کی ناگواری اور تکدر کا اثر صحابہؓ کی طبائع پر تھا۔ ادھر آنحضرت ﷺ نے اپنی معجزانہ وسعت قلبی اور خوش اخلاقی سے اگرچہ اس پر کسی ملامت اور دُرشتی کا مظاہرہ نہیں فرمایا لیکن اس خیال سے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کے مابین کوئی انقباض اور حجاب نہ رہے اور کلف کا اثر بالکلیہ ڈھل جائے آپ ﷺ کو انبساط کے برقرار رکھنے اور سابقہ تعلقات کے بحال کر لینے کا حکم فرمایا جا رہا ہے۔

آپ ﷺ کے اخلاق اور مشورہ کا دستور العمل: .... اور اس سلسلہ میں آپ کی بعض مہمات وموعظت وامامت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ (۱) آپ ﷺ کی نرمی مزاج ہی ہے جس کی وجہ سے لوگوں کے دل بے اختیار آپ ﷺ کی طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو میدان صاف نظر آتا اور چیونٹی بھی پر نہ مار سکتی۔

کس نہ بنید کہ تشنگان حجاز　　برلب آب شور گرد آیند
ہر کجا چشمۂ بود شریں　　مردم و مرغ و مور گرد آیند

(۲) جنگ اُحد میں ایک گروہ کی لغزش اگرچہ اہم لغزش تھی تاہم آپ ﷺ کی شفقت بے پایاں کا مقتضی یہی ہے کہ عفو ودرگزر سے کام لو۔ (۳) آپ ﷺ کا طریق کار اور طرز عمل یہ ہونا چاہئے کہ صلح وجنگ کا کوئی معاملہ بغیر صلاح ومشورہ کے انجام نہیں پانا چاہئے۔ جس کا دستور العمل یہ ہو کہ پہلے جماعت سے مشورہ لو پھر مشورہ کے بعد کوئی ایک بات ٹھان لو اور اس پر مضبوطی کے ساتھ جم جاؤ۔ شوریٰ اپنے محل اور وقت میں ضروری ہے اور عزم وپختگی اپنے محل اور وقت میں۔ مشورہ سے پہلے فیصلہ اور عزم کا سوال نہیں اٹھتا۔ لیکن جب مشورہ کے بعد عزم کرلیا گیا تو کوئی رائے اور نکتہ چینی یا مخالفت اس کو متزلزل نہیں کر سکتی، امام یا امیر مجلس کے لئے ضروری ہے کہ مجلس شوریٰ سے مشورہ کرے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ وہ صاحب عزم ہو۔

مشورہ طلب امور اور فوائد مشورہ: .... اور وشاورھم فی الامر سے مراد مشورہ طلب وہ خاص خاص باتیں ہیں جن کے متعلق آپ پر کوئی وحی نازل نہ کی گئی ہو۔ ورنہ نزول وحی کے بعد پھر مشورہ کی کیا حاجت؟ مشورہ میں بہت سے فوائد ومنافع اور مصالح ہوتے ہیں مثلاً (۱) آپ ﷺ کے مشورہ سے مخلص خدام اور صحابہؓ کی تالیف اور دلجمعی وخوشنودی، جس کی طرف آیت میں اشارہ کیا گیا

ہے۔(۲) آپ ﷺ کی امت کے لئے یہ سنت جاری ہو جائے گی۔ جیسا کہ بیہقی نے حسن سے نقل کیا ہے اور ابن عدی و بیہقی نے اس کی تائید میں ابن عباسؓ کی روایت پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نزول آیت پر فرمایا کہ اللہ اور رسول کو تو اس مشورہ کی ضرورت نہیں لیکن میری امت کے لئے اللہ نے اس کو رحمت بنایا ہے۔(۳) مشورہ سے اپنی رائے کی مزید تقویت ہو جاتی ہے جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے کہ ابوبکرؓ وعمرؓ جس بات پر متفق ہو جائیں تو میں اس میں خلاف نہ کروں اور دوسری اور تیسری مصلحت میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ اللہ اور رسول کو غالب احوال مشورہ کی حاجت نہ ہو لیکن بعض اوقات تقویت رائے کے لئے مشورہ لیا جاتا ہو اور صدر مجلس شوریٰ کے عزم کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ شوریٰ کے مشورہ کے موافق ہو یا مخالف کیونکہ عزم میں کوئی قید نہیں لگائی گئی اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شورائیت میں نہ تو خالص شخصی استبدادی اور ڈکٹیٹری طریقہ ہونا چاہئے اور نہ محض کثرت رائے اور ووٹوں کی بے اصل جمہوریت پر مدار ہونا چاہئے بلکہ شخصیت و جمہوریت کا ایک مرکب ہونا چاہئے، جس میں اصل مدار کار سربراہ ہو۔ لیکن وہ اپنی تقویت کے لئے شورائیت سے رجحان حاصل کر لیا کرے۔

مشورہ اور توکل: .... اور مشورہ کی تکمیل کے بعد توکل کے حکم سے معلوم ہوا کہ تدابیر منافی توکل نہیں ہیں اور تدبیر کے ساتھ اللہ پر بھروسہ رکھنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے توکل بمعنی ترک تدبیر سو اس کا منضبط ضابطہ یہ ہے کہ دینی تدابیر کا ترک تو بالکل مذموم اور ناجائز ہے اسی طرح دنیاوی تدابیر جو یقینی اور عادی ہوں ان کا ترک بھی ناجائز ہے لیکن اگر ظنی تدابیر ہوں تو قوی القلب شخص کے لئے ان کا ترک جائز اور وہمی ہوں تو ان کا ترک مستحسن ہے۔

آیت ان ینصرکم اللہ میں ازالہ حسرت کا حاصل یہ ہوا کہ کسی کو غالب مغلوب کر دینا اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے چنانچہ بدر میں اپنی رحمت سے تم کو غالب کر دیا اور احد میں اپنی حکمت سے پھر مغلوب کر دیا۔ اس لئے تمہاری قدرت سے یہ چیز پوری طرح باہر ہے پھر اس درجہ اپنے جی کو اس کے پیچھے کیوں ڈالتے ہو جو ہو گیا سو ہو گیا۔ سب ضروریات چھوڑ کر اسی میں کیوں لگ گئے ہو اس میں جو آفت آئی وہ نافرمانی کی وجہ سے آئی اس سے توبہ کرو "گذشتہ را صلوات آئندہ را احتیاط" اور "ہر چہ از دوست میرسد نیکوست" پر عمل پیرا رہنا چاہئے۔

ولئن قتلتم الخ میں قتل اور موت فی سبیل اللہ کی جزاء میں مغفرت ورحمت اور ولئن متم او قتلتم میں موت وقتل کی جزاء "حشر الی اللہ" فرمائی ہے بعض حضرات نے بطریق تاویل دونوں میں یہ فرق ذکر کیا ہے کہ اول آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو جنت وجہنم کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں دوسری آیت میں ان کا ذکر ہے جو "ذات واحد" ہی کو مقصود سمجھ کر عبادت کرتے ہیں اس لئے وہی ان پر متجلی بھی ہوگی۔ وشاورھم الخ یہ آیت اس پر دال ہے کہ بعض اوقات بعض منافع وفوائد تابع سے بھی متبوع کو حاصل ہو جاتے ہیں۔

وَنَزَلَ لَمَّا فُقِدَتْ قَطِيْفَةٌ حَمْرَاءُ يَوْمَ بَدْرٍ فَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ لَعَلَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَهَا **وَمَا كَانَ يَنْبَغِيْ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ** ؕ يَخُوْنَ فِي الْغَنِيْمَةِ فَلَاتَظُنُّوْا بِهِ ذٰلِكَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ اَىْ يُنْسَبُ اِلَى الْغُلُوْلِ **وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ** ۚ حَامِلًا لَهُ عَلٰى عُنُقِهِ **ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ** الْغَالِّ وَغَيْرِهِ جَزَاءَ **مَّا كَسَبَتْ** عَمِلَتْ **وَهُمْ لَايُظْلَمُوْنَ** ﴿۱۶۱﴾ شَيْئًا **اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ** فَاَطَاعَ وَلَمْ يَغُلَّ **كَمَنْۢ بَآءَ** رَجَعَ **بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ** بِمَعْصِيَتِهٖ وَغُلُوْلِهٖ **وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ** ؕ **وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ** ﴿۱۶۲﴾ الْمَرْجِعُ هِيَ لَا **هُمْ دَرَجٰتٌ** اَىْ اَصْحَابُ دَرَجٰتٍ **عِنْدَاللّٰهِ** اَىْ مُخْتَلِفُوا الْمَنَازِلِ فَلِمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ الثَّوَابُ وَلِمَنْ بَاءَ بِسَخَطِهٖ

اَلْعِقَابُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ فَيُجَازِيْهِمْ بِهٖ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ اَىْ عَرَبِيًّا مِثْلَهُمْ لِيَفْهَمُوْا عَنْهُ وَيُشَرَّفُوْا بِهٖ لَامَلَكًا وَلَاعَجَمِيًّا يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ الْقُرْاٰنَ وَيُزَكِّيْهِمْ يُطَهِّرُهُمْ مِنَ الذُّنُوْبِ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ الْقُرْاٰنَ وَالْحِكْمَةَ السُّنَّةَ وَاِنْ مُخَفَّفَةٌ اَىْ اَنَّهُمْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ اَىْ قَبْلَ بَعْثِهٖ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ بَيِّنٍ.

ترجمہ: .... (جنگِ بدر کے غنائم میں ایک سرخ چادر کم نظر آئی تو بعض لوگ کہنے لگے کہ شاید آنحضرت ﷺ نے اس کو پسند فرمالیا ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی) یہ بات ہرگز (مناسب) نہیں ہوسکتی نبیؐ سے کہ وہ کسی طرح کی خیانت کرے (مالِ غنیمت میں خیانت کرنے لگے، اس کے بارے میں ایسا گمان کیوں کرتے ہو اور ایک قرأت میں لفظ یغل مجہول ہے یعنی منسوب الی الخیانت) اور جو کوئی خیانت کرتا ہے تو اس نے جو کچھ خیانت کی ہے اور قیامت کے روز اس کو لانا پڑے گا (اپنی گردن پر لاد کر) پھر ہر نفس کو پورا پورا بدلہ ضرور ملے گا (خواہ خیانت کا مجرم ہو یا اور طرح کا) اس کے (عمل کی) کمائی کا اس کے ساتھ (کسی طرح کی) ناانصافی نہ ہوگی۔ کیا جس شخص نے اللہ کی خوشنودیوں کی راہ اختیار کی (کہ اطاعت کرلی اور خیانت نہ کی) وہ اس آدمی کی طرح ہوسکتا ہے جس نے بٹورا (مستحق ہوا) اللہ تعالیٰ کے غضب کا (اپنی بدعملیوں اور خیانت کی وجہ سے) اور جس کا ٹھکانا جہنم ہے اور (وہ) بہت ہی برا ٹھکانا ہے (ہرگز یہ دونوں شخص برابر نہیں ہوسکتے) یہ لوگ بلند درجات (اہل مرتبہ) ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک (یعنی مختلف مراتب والے ہیں، جس نے اطاعت کی وہ ثواب کا مالک ہوا اور جو نافرمانی کا مرتکب ہوا اس کے لئے سزا ہے) اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے واقف ہیں (لہٰذا وہ ان کو بدلہ دیں گے) بلاشبہ اللہ نے مؤمنین پر بڑا ہی احسان کیا کہ اس نے ایک رسول ان میں بھیج دیئے جو ان ہی میں سے ہیں (یعنی ان کی طرح عربی ہیں تاکہ لوگ ان کی بات سمجھ سکیں اور آپؐ سے شرف حاصل کرسکیں۔ نہ فرشتہ بنا کر بھیجا اور نہ عجمی) وہ آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں (قرآن پاک کی) اور انہیں پاک کرتے ہیں (ہر طرح کی برائیوں سے) ان کو تعلیم دیتے ہیں کہ کتاب (قرآن) اور حکمت (سنت) کی حالانکہ یہ (ان مخففہ ہے یعنی انہم) اس سے (یعنی آپ کی نبوت سے) پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

تحقیق وترکیب: .... ان یغل. غل شیئا من الغنم غلولا اور اغل اغلالاً بولتے ہیں مراد خیانت کرنا چوری چھپے کوئی چیز لے لینا، اغلہ. اذا وجدہ غالاً حاصل یہ ہے کہ خیانت اور نبوت میں منافات ہے۔ خواہ اس کو معروف پڑھا جائے یا مجہول ینسب الی الغلول جیسے بولتے ہیں الکذبة یعنی نسبة الی الکذب ومن یغلل یہ حال بھی ہوسکتا ہے اور تقدیر عبارت فی حال علم الغال بعقوبة الغلول ہے۔ یات یا تو حقیقۃً اسی چیز کو گردن پر لاد کر لائے گا یا اس کے وبال وگناہ کا بار اٹھائے گا۔ افمن اتبع ہمزہ انکاری ہے جس کی طرف مفسرؒ نے لا نافیہ سے اشارہ کردیا ہے۔ فا عاطفہ محذوف پر عطف ہے۔ ای استوی الامر ان مراد اس سے مہاجرینؓ وانصارؓ ہیں۔ درجات یعنی ھم متفاوتون کما تتفاوت الدرجات یا یہ معنی ہیں کہ اہل ثواب وعذاب کے منازل متفاوت ہوں گے یا ثواب وعقاب میں تفاوت بیان کرنا ہے۔

ربط وشانِ نزول: .... بدر کے روز مالِ غنیمت کی ایک چادر گم ہوگئی۔ بعض منافقین یا سادہ لوح اور کم سمجھ لوگ کہنے لگے کہ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پسند فرما کر رکھ لی ہو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپؐ نبی ہونے کی وجہ سے امین کامل ہیں نبوت وامانت میں لزوم اور نبوت وخیانت میں منافات ہے پس جس طرح آپ ﷺ کی نافرمانی کا مضر ہونا پچھلی آیات میں ثابت ہوچکا ہے اسی طرح

آپ ﷺ جیسے امین کے حکم کا نہ ماننا بھی یقیناً ضرر رساں ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... **نبوت وامانت میں تلازم اور نبوت وخیانت میں منافات ہے**: ...... معترض اگر منافق تھا تب تو اس کی بے ہودگی ظاہر ہے لیکن اگر کسی سیدھے سادے اعرابی کا یہ قول تھا تو منشاء بدنیتی نہیں بلکہ آپ ﷺ کا صاحب تصرف ہونا پیش نظر ہوگا۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ چیز حقیقۃً یا صورۃً خیانت ہے اور نبی ﷺ کی شان اس سے بالکل منزہ ہے۔ لفظ غلول چونکہ ہر طرح کی خیانت کو عام ہے خواہ حقیقۃً ہو یا بطور عموم مجاز کے ہر قسم کی خیانت کو شامل ہوگا۔ امانت انبیاءؑ کو یہاں بالدلیل ثابت کیا گیا ہے جس کی تقریر ظاہر ہے البتہ یات بما غل کی تفسیر حدیث ابو ہریرہؓ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں قیامت میں کسی کو اس حال میں نہ دیکھوں گا کہ اس کی گردن پر اونٹ وغیرہ لدا ہوا ہو اور وہ بولتا ہو اور میرے پاس امداد کے لئے آئے اور میں صاف جواب دے دوں کہ اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اس پر کسی نے ابو ہریرہؓ کے سامنے اشکال ظاہر کیا کہ اگر کسی نے سو اونٹ چرائے ہوں تو وہ ان سب کو کس طرح گردن پر لادے گا؟ ابو ہریرہؓ نے جواب دیا کہ جس شخص کی ڈاڑھ اُحد پہاڑ کے برابر ہوں اور ربذہ سے مدینہ تک اس کی سرین ہوں کیا وہ اتنی چیز نہیں اٹھا سکتا؟

حدیث ابو ہریرہؓ عقلیت زدہ لوگوں کے لئے مسکت جواب ہے: .... اس جواب سے آجکل کی فلسفہ زدہ طبائع کو مطمئن ہو جانا چاہئے نیز اللہ کی قدرت کے سامنے اس بڑا ہونے کی توجیہ کی بھی ضرورت نہیں ہے اور کوئی دلیل اس کے خلاف پر قائم نہیں اس لئے حقیقت کا قائل ہونا ضروری ہے۔ تاہم اگر تسکین عقل کا شوق ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ اگر خیانت شدہ چیز اجسام میں سے نہیں ہے تو اس کے لانے کی دو صورتیں ممکن ہیں یا تو مقصود صرف ان کا اظہار و اعلان ہو جیسے کہا جائے کہ کیا خبر لائے ہو، دوسرے ممکن ہے کہ اس عالم میں معانی اور اعراض بھی اجسام کی شکل میں متمثل ہو جاتے ہوں اس لئے اُس عالم کو اِس عالم پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آخرت میں موت کو دُنبہ کی شکل میں لا کر ذبح کر دیا جائے گا یا نیک عمل ایک حسین وجمیل آدمی کی شکل میں آئے گا۔

آیت وما کان لنبی الخ سے معتزلہ کے لئے سزا کے وجوب پر استدلال کا موقعہ نہیں ہے اس قسم کی تمام آیات میں ان وعیدوں سے مراد صرف استحقاقِ عذاب بیان کرنا ہے لامحالہ وقوع بیان کرنا مقصود نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہوتا ہے۔

آنحضرت ﷺ رحمتِ عالم اور نعمت کبریٰ ہیں: .... لقد من اللہ سے آنحضرت ﷺ کی تعظیم واجلال میں اضافہ اور ترقی بیان کرنا ہے کہ صرف یہی نہیں کہ آپ ﷺ امین کامل ہیں اور خیانتِ مجرمانہ سے بری ہیں بلکہ آپ ﷺ کا وجود باوجود سارے انسانوں کے لئے نعمت عظیم ہے۔ امتِ اجابت (مؤمنین) تو آپ ﷺ کی وجہ سے دولت ایمان سے متمتع ہے ہی لیکن کفار بھی آپ ﷺ کی برکت سے خسف ومسخ وغیرہ عذابوں سے عام طور پر محفوظ ہیں۔ من انفسھم میں مفسرین نے تین توجیہیں کی ہیں۔ (۱) من انفسھم بمعنی من قریش (۲) من انفسھم ای من العرب جیسا کہ خود مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے ان دونوں صورتوں کی تقریر تقریباً یکساں ہے جس کا بیان سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے۔ (۳) من انفسھم سے مراد عام انسان ہوں جس کا قرینہ یہ ہے کہ مؤمنین کی صفت عام ہے اور انفسھم کی ضمیر اسی طرف راجع ہے اس لئے عام صفت کے تفسیر کرنا زیادہ بہتر ہوگا جس کا حاصل یہ ہوگا کہ انسان کو بہ نسبت جنات اور فرشتوں کے چونکہ انسان سے زیادہ مناسبت ہے اور یہ مناسبت ہی افادہ اور استفادہ کی شرطِ عظیم ہے اس لئے آپ ﷺ کو انسانوں میں انسان بنا کر بھیجا ہے۔

انسان، ملائکہ، جنات میں مابہ الامتیاز جامعیت ہے:............ رہا یہ شبہ کہ آنحضرت ﷺ تو جنات کے لئے بھی ہیں پھر غیر جنس ہونے کی وجہ سے جنات کیسے آپ ﷺ سے استفادہ کرسکیں گے لیکن انسان چونکہ جامع ہے اس میں ملائکہ اور جنات دونوں سے مناسبت موجود ہے اور یہ جامعیت جنات میں نہیں پائی جاتی۔ اس لئے جنات تو انسان سے بسہولت استفادہ کرسکتے ہیں مگر انسان جنات سے بآسانی استفادہ نہیں کرسکتا یا اس سہولت سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ انسان کے مصالح کو جنات کے مصالح پر مقدم رکھا گیا ہو کسی حکمت و مصلحت الہیہ کے ماتحت۔ اس لئے نبی کا انسان ہونا ضروری سمجھا گیا ہو لیکن اس صورت میں مؤمنین سے مراد صرف انسان مؤمن ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم میں اکثر خطابات انسانوں کو ہیں تاہم اس تخصیص پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ پھر آپ ﷺ کی خصوصیت عموم بعثت باقی نہیں رہتی کیونکہ عموم بعثت دوسرے دلائل سے ثابت ہے اور اگر مؤمنین سے مراد تمام مکلفین بھی ہوں خواہ انسان یا جنات تو جنس سے مراد جنس منطقی ہوگی یعنی انسان اور جن دونوں حیوان کے تحت میں داخل ہوئیں۔ اس سے ملائکہ خارج رہیں گے کہ ان کی طرح مکلف نہیں خواہ حیوان میں داخل ہوں یا نامی کی قید سے خارج ہوجائیں۔ کیونکہ ملائکہ کا نمو ثابت نہیں ہے۔ آیت لقد من اللہ میں فوائد سے مراد اُخروی منافع ہیں کہ وہ مؤمنین کے ساتھ خاص ہیں باقی عمومی فوائد جیسے کہ آپ ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونا!!! سے کفار بھی متمتع اور منتفع ہیں اسی لئے پہلی امتوں جیسے عذاب سے وہ مامون ومحفوظ ہیں۔ (بیان القرآن)

اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَةٌ بِاُحُدٍ بِقَتْلِ سَبْعِیْنَ مِنْکُمْ **قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْهَا** ۙ بِبَدْرٍ بِقَتْلِ سَبْعِیْنَ وَاَسْرِ سَبْعِیْنَ مِنْهُمْ **قُلْتُمْ** مُتَعَجِّبِیْنَ **اَنّٰی** مِنْ اَیْنَ لَنَا **هٰذَا** ؕ اَلْخُذْلَانُ وَنَحْنُ مُسْلِمُوْنَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ فِیْنَا وَالْجُمْلَةُ الْاَخِیْرَةُ فِیْ مَحَلِّ الْاِسْتِفْهَامِ الْاِنْكَارِیِّ **قُلْ** لَهُمْ **هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِکُمْ** ؕ لِاَنَّكُمْ تَرَكْتُمُ الْمَرْكَزَ فَخُذِلْتُمْ **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ** ﴿۱۶۵﴾ وَمِنْهُ النَّصْرُ وَمَنْعُهٗ وَقَدْ جَازَاكُمْ بِخِلَافِكُمْ **وَمَآ اَصَابَکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ** بِاُحُدٍ **فَبِاِذْنِ اللّٰهِ** بِاِرَادَتِهٖ **وَلِیَعْلَمَ** اللّٰهُ عِلْمَ ظُهُوْرٍ **الْمُؤْمِنِیْنَ** ﴿۱۶۶﴾ حَقًّا **وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا** ۚۖ **وَ** الَّذِیْنَ **قِیْلَ لَهُمْ** لَمَّا انْصَرَفُوْا عَنِ الْقِتَالِ وَهُمْ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اُبَیٍّ وَاَصْحَابُهٗ **تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ** اَعْدَاءَهٗ **اَوِ ادْفَعُوْا** ؕ عَنَّا الْقَوْمَ بِتَكْثِیْرِ سَوَادِكُمْ اِنْ لَّمْ تُقَاتِلُوْا **قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ** نُحْسِنُ **قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰکُمْ** ؕ قَالَ تَعَالٰی تَكْذِیْبًا لَهُمْ **هُمْ لِلْکُفْرِ یَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِیْمَانِ** ۚ بِمَا اَظْهَرُوْا مِنْ خُذْلَانِهِمْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَكَانُوْا قَبْلُ اَقْرَبَ اِلَی الْاِیْمَانِ مِنْ حَیْثُ الظَّاهِرِ **یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ** ؕ وَلَوْ عَلِمُوْا قِتَالًا لَمْ یَتَّبِعُوْكُمْ **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یَکْتُمُوْنَ** ﴿۱۶۷﴾ مِنَ النِّفَاقِ **اَلَّذِیْنَ** بَدَلٌ مِنَ الَّذِیْنَ قَبْلَهٗ اَوْ نَعْتٌ **قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ** فِی الدِّیْنِ **وَقَدْ قَعَدُوْا** عَنِ الْجِهَادِ **لَوْ اَطَاعُوْنَا** اَیْ شُهَدَاءُ اُحُدٍ اَوْ اِخْوَانُنَا فِی الْقُعُوْدِ **مَا قُتِلُوْا** ؕ **قُلْ** لَهُمْ **فَادْرَءُوْا** اِدْفَعُوْا **عَنْ اَنْفُسِکُمُ الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ** ﴿۱۶۸﴾ فِیْ اَنَّ الْقُعُوْدَ یُنْجِیْ مِنْهُ وَنَزَلَ فِی الشُّهَدَاءِ **وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا** بِالتَّخْفِیْفِ وَالتَّشْدِیْدِ **فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ** اَیْ لِاَجْلِ دِیْنِهٖ **اَمْوَاتًا** ؕ **بَلْ** هُمْ **اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ** اَرْوَاحُهُمْ فِیْ حَوَاصِلِ طُیُوْرٍ خُضْرٍ تَسْرَحُ فِی الْجَنَّةِ حَیْثُ شَاءَتْ كَمَا وَرَدَ فِی

حَدِيثٍ **يُرْزَقُونَ**﴿۱۶۹﴾ يَأْكُلُونَ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ **فَرِحِينَ** حَالٌ مِنْ ضَمِيرِ يُرْزَقُونَ **بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ** **وَهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ** يَفْرَحُونَ **بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ** مِنْ اِخْوَانِهِمُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَيُبْدَلُ مِنَ الَّذِيْنَ ا اَىْ بِاَنْ **لَّاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ** اَىِ الَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ **وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ**﴿۱۷۰﴾ فِي الْاٰخِرَةِ الْمَعْنٰى يَفْرَحُوْنَ بِاَمْنِهِمْ وَفَرَحِهِمْ **يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ** ثَوَابٍ **مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ** زِيَادَةٍ عَلَيْهِ **وَّاَنَّ** بِالْفَتْحِ عَطْفًا عَلٰى نِعْمَةٍ وَالْكَسْرِ اِسْتِيْنَافًا **اللّٰهَ لَايُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ**﴿۱۷۱﴾ بَلْ يَاْجُرُهُمْ ۔

ترجمہ: .... جب تم پر مصیبت پڑی (غزوۂ اُحد میں تم میں سے ستر آدمی قتل ہوگئے) اور یہ مصیبت ایسی تھی کہ اس سے دوگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں ان پر پڑ چکی ہے (غزوۂ بدر میں ان کے ستر آدمی قتل ہوئے اور ستر قید) تو تم بول اٹھے (اظہار تعجب کرتے ہوئے) کہاں سے (کدھر سے ہم پر) یہ (مصیبت آ پڑی حالانکہ ہم مسلمان ہیں اور رسول اللہ ہم میں تشریف فرما ہیں اور جملہ اخیر استفہام انکاری ہے) کہہ دو (ان لوگوں سے) وہ مصیبت خود تمہارے ہاتھوں آئی (کیونکہ تم نے مورچہ چھوڑ دیا اس لئے کمزور پڑ گئے) یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے (منجملہ اس کے کسی کی مدد کرنا اور نہ کرنا بھی ہے اور تم کو سزا تمہاری مخالفت کی وجہ سے ملی ہے) اور دو گروہوں میں مقابلہ کے دن تمہیں جو کچھ پیش آیا (جنگ احد میں) تو اللہ ہی کے حکم (ارادہ) سے پیش آیا اور اس لئے تاکہ ظاہر ہوجائے (اللہ پر کھلم کھلا) کہ ایمان رکھنے والے کون ہیں (فی الحقیقت) اور نفاق والے کون ہیں (اور وہ لوگ) جن سے کہا گیا (جنگ سے پسپائی کے وقت مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے رفقاء ہیں) کہ آؤ یا تو اللہ کی راہ میں جنگ کرو (اس کے دشمنوں سے) یا دشمنوں کا حملہ روکو (اگر جنگ نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنی بھیڑ بھڑکا سے ان کو پسپا ہی کردو) تو کہنے لگے اگر ہمیں معلوم (محسوس) ہوتا کہ لڑائی ڈھنگ کی ہوگی تو ہم ضرور (ی) تمہارا ساتھ دیتے (حق تعالیٰ ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرماتے ہیں) جس وقت انہوں نے یہ بات کہی تو وہ بمقابلہ ایمان کے کفر سے زیادہ نزدیک تھے) مسلمانوں کی رسوائی ظاہر کرنے کے سبب سے حالانکہ اس قول سے پہلے ظاہر طور پر ایمان سے قریب معلوم ہوگئے تھے) یہ لوگ زبان سے ایسی بات کہتے ہیں جو فی الحقیقت ان کے دلوں میں نہیں ہے (اگر ان کو واقعی اور باقاعدہ جنگ محسوس ہوتی تو ہرگز تمہارے ساتھ نہ رہ سکتے) اور اللہ تعالیٰ زیادہ باخبر ہیں دلوں میں جو کچھ (نفاق) چھپائے ہوئے ہیں جن لوگوں کا حال یہ ہے (پہلے الذین سے بدل یا نعت ہے) کہ اپنے (دینی) بھائیوں کے حق میں کہتے ہیں حالانکہ خود (جنگ سے دم چرا کر) بیٹھ رہے کہ اگر ہماری بات پر چلے ہوتے (شہداء احد یا ہمارے بھائی اس بیٹھ رہنے میں) تو کبھی نہ مارے جاتے کہہ دو (ان سے) اچھا نکال باہر کرنا موت کو جب تمہارے سرہانے آ کھڑی ہو، اگر تم واقعی سچے ہو (اس بارے میں کہ گھر بیٹھ رہنا موت کے منہ میں جانے سے بچا لیتا ہے۔ شہداء کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی کہ) اور جو لوگ قتل ہوئے (قتلوا تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) اللہ کی راہ میں (دین کی خاطر) ان کی نسبت ایسا خیال نہ کرنا کہ وہ مر گئے۔ نہیں بلکہ (وہ) زندہ ہیں اپنے پروردگار کے حضور (ان کی ارواح سبز پرندوں کے پپوٹوں میں بیٹھ کر جہاں چاہیں اڑتی پھرتی ہیں۔ (کمافی الحدیث) اپنی روزی پا رہے ہیں (جنت کے پھل کھاتے ہیں) خوش ہیں (ضمیر یرزقون سے حال ہے) اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اپنے فضل وکرم سے انہیں عطا فرمایا ہے اور (وہ) خوش (فرحاں) ہو رہے ہیں ان کے لئے جو ان سے پیچھے رہ گئے ہیں اور ابھی ان سے ملے نہیں ہیں (اپنے مسلمان بھائیوں سے اور الذین سے بدل ہے) کہ (ان بتقدیر بـــان ہے) نہ تو ان کے لئے کسی طرح کا کھٹکا ہوگا (جو ابھی سابقین سے نہیں ملے) اور نہ کسی طرح کی غمگینی ہوگی (آخرت میں۔ حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ امن وفرح سے خوش ہوں گے) وہ مسرور ہوں گے اللہ تعالیٰ کی نعمت (ثواب) اور فضل (اضافہ) سے نیز

اس بات سے کہ بلاشبہ(ان بالفتح نعمت پرعطف ہے اور بالکسر استینافیہ ہے)اللہ تعالیٰ ایمان رکھنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتے (بلکہ ان کوعطا کرتے ہیں)

تحقیق وترکیب: ....اولما ہمزہ استفہام انکاری لفظ قلتم پر داخل ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے اقلتم ماذکر لما اصابتکم ای ماینبغی لکم ان یصدر عنکم القول المذکور اورلفظ لما شرط کے لئے غیر جازم مہ رابطہ ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ حرف ہے یا ظرف اور مابعد شرط ہے۔ جواب شرط قلتم انی ھذا ہے۔ ہمزہ کے بعد واواستینافیہ ہے قد اصبتم محل رفع میں ہے مصیبۃ کی صفت ہونے کی وجہ سے وما اصابکم ما معنی الذی مبتداء ہے اور خبر فباذن اللہ ہے ای واقع باذن اللہ اور خبر پر فا مبتداء کے مشابہ بالشرط ہونے کی وجہ سے ہے جیسے الذی یاتینی فلہ درھم. ولیعلم اس لام میں دوقول ہیں ایک یہ کہ فباذن اللہ کے معنی پر عطف ہے ایک سبب کا عطف دوسرے سبب پر ہے۔ ایک سبب علت ہے اور دوسرا سبب حکمت اور دوسرا قول یہ ہے کہ محذوف سے متعلق ہے ای وفعل ذلک ای مااصابکم لیعلم تقدیر کلام اس طرح ہو کہ فباذن اللہ لیکون کذا من المحیص او اتخاذ الشھداء ولیعلم المؤمنین الخ۔ ارادۃ اللہ کو اذن اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے لوازم میں سے ہونے کی وجہ سے۔

حقا مفسر علام نے تمیز محذوف کی طرف اشارہ کردیا۔ ہے اور چونکہ یعلم متضمن ہے معنی یظھر کو اس لئے متعدی بیک مفعول ہے تکثیر سواد بول کر تکثیر عدد مراد لیا جاتا ہے ھم یومئذ ضمیر مبتداء ہے اور اقرب خبر ہے اور یومئذ للکفر اور للایمان کے لام کے متعلق ہے اور بعض لوگوں نے اسم تفضیل کے ساتھ لفظاً ومعناً دو متحد حرفوں کا تعلق صحیح اور جائز کہا ہے۔

ولیعلم الذین نافقوا فعل کا اعادہ مؤمنین کے شرف اور منافقین سے الگ کرنے کے لئے ہے۔ وقیل لھم اس کا عطف نافقوا پر ہے۔ قالوا لونعلم یہ استیناف بیانی ہے ای فماصنعوا حین قیل لھم ذلک فقیل قالوا الخ

قاتلوا فی سبیل اللہ مقصود اس میں جزء اول قاتلوا ہے باقی "فی سبیل اللہ" کی قید بلحاظ بعض یا کل کے واقعی ہے۔ مطلق جہاد سے کنایہ ہے گویا بمعنی لوجہ اللہ ہے جس سے منافقین ممتاز ہوجاتے ہیں۔

الذین اس میں وجوہ اعراب متعدد ہیں۔(۱) رفع (۲) نصب (۳) جر، پھر رفع میں تین وجہ ہیں (۱) مبتدائے محذوف کی خبر ہو،ای ھم الذین (۲) یکتمون کی ضمیر سے بدل ہو (۳) مبتداء ہو اور قل فادرء وا اس کی خبر ہو۔ اس صورت میں خبر کی جانب عائد محذوف ماننا پڑے گا۔ اسی طرح نصب میں تین وجوہ جاری ہوسکتی ہیں۔(۱) نصب علی الذم یعنی اذم الذین (۲) الذین نافقوا سے بدل ہو (۳) لھم کی صفت ہو۔ البتہ جر میں دو وجہ جاری ہوں گی۔(۱) بافواھم کی ضمیر سے بدل ہو (۲) فی قلوبھم کی ضمیر سے بدل ہو۔

لاخوانھم دینی یا نسبی بھائی مراد ہیں یا سکونت مکان یا عداوت نبی میں شریک کار لوگ مراد ہیں۔

وقعدوا مفسر علامؒ نے اشارہ کردیا ہے کہ یہ جملہ حال ہے۔ ضمیر قالوا سے فادرءوا چنانچہ مروی ہے کہ ان میں سے ستر منافقین بغیر جنگ میں شریک ہوئے گھر بیٹھے ہی مرگئے۔ عند ربھم یہ اور یرزقون دونوں احیاء کی صفت ہیں اور ضمیر احیاءٌ سے حال بھی ہوسکتے ہیں اور فرحین ضمیر یرزقون سے حال ہے اور من فضلہ عائد محذوف سے حال ہے تقدیر کلام اس طرح ہے اتا ھموہ کائنا من فضلہ اور یستبشرون معطوف ہے فرحین پر اور ضمیر فرحین یا اتاھم سے حال بھی ہوسکتا ہے اور من خلفھم یلحقوا سے متعلق ہے اور حال بھی ہوسکتا ہے اشارہ اس طرف ہے کہ شہداء کو حیاتِ حقیقیہ حاصل ہے، کھاتے پیتے ہیں۔

ان لا اشارہ اس طرف ہے کہ ان اور اس کا مابعد محل خبر میں بدل الاشتمال ہے۔ الذین لم یلحقوا سے کیونکہ مقصود استبشار سے

ان کے اخوان کا حال ہے نہ ان کی ذوات اور حاصل انتفاء حزن وخوف کا دوام ہے نہ ان کے دوام کی نفی۔خوف متوقع غم کو کہتے ہیں اور حزن فوت شدہ نفع اور حاصل شدہ ضرر پر غم کو کہتے ہیں۔**لا یضیع اجر المؤمنین** لفظ اجر باب ضرب اور قتل سے ہے اور آجرہ مد ہمزہ کے ساتھ تیسر الغت ہے۔

ربط:............ اُحد کی شکست کا زخم اور غم چونکہ کاری تھا۔اسی کے اندمال اور تسلی کے لئے حکمت ومصلحت کی طرف توجہ کی باگ پھیری جارہی ہے اور آیت **اولما اصابتکم** میں اسی کا بیان ہے اور منافقین کے اس خیال کی تردید آیت **ولاتحسبن الخ** میں کی جارہی ہے کہ شہداء کی موت لذائذِ دنیا سے حرمان اور ناکامی کا باعث ہوتی ہے۔

شانِ نزول:............ ابن ابی حاتمؒ نے عمر بن الخطابؓ سے لباب النقول میں تخریج کی ہے کہ غزوۂ بدر میں جو اساریٰ بدر کے سلسلہ میں فدیہ قبول کرلیا گیا تھا اس سلسلہ میں مؤاخذہ ہوا اور احد میں ستر صحابہ قتل کئے گئے اور عام اصحاب پسپا ہوئے اور آنحضرت ﷺ کو جسمانی صدمات پہنچے تو اس پر آیت **اولما اصابتکم الخ** نازل ہوئی۔نیز لباب النقول میں امام احمدؒ اور ابوداؤدؒ اور حاکمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شہدائے اُحد کی ارواح کو حق تعالیٰ نے سبز پرندوں کے جوف میں کرکے اس کا موقعہ بخشا ہے کہ وہ جنت کی نہروں پر آئیں اور اس کے پھل کھائیں۔سونے کی قندیلوں میں عرش کے نیچے لٹکی رہیں،اس خوشحالی کی وجہ سے وہ اپنے دوسرے بھائیوں کے بارے میں شوق جہاد اور نفرت عن الفرار کی تمنا کرتی ہیں حق تعالیٰ ان کی اس تمنا کو دوسروں تک پہنچانے کا وعدہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں **ولاتحسبن الخ**۔

﴿تشریح﴾:...... **جنگِ اُحد منافقین اور مخلصین کے درمیان ایک فیصلہ کُن آزمائش تھی**:............ جنگِ احد کا معاملہ ان منافقین کے لئے فیصلہ کن آزمائش تھی جو مسلمانوں کے ساتھ ملی جلی زندگی بسر کررہے تھے اس موقع پر ان کا نفاق پوری طرح کھل گیا۔اول سے آخر تک کوئی ایسا مرحلہ نہیں آیا جس میں اپنی فتنہ پردازی سے یہ لوگ باز رہے ہوں۔ان سے جب کہا گیا شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرو تو یہ کہہ کر لوگوں کو بہکانا شروع کردیا کہ باہر نکل کر لڑنا موت کے منہ میں جانا ہے اور جب کہا گیا کہ اچھا شہر کی مدافعت کرو تب بھی لگے طرح طرح کے حیلے بہانے کرنے،پھر جب لوگوں کی کمزوری اور حکم عدولی سے مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہونے لگی تو انہیں پھر شرارت کا ایک نیا موقع ہاتھ آگیا۔کبھی کہتے ہماری بات نہ ماننے کی وجہ سے ایسا ہوا،کبھی کہتے کہ روز روز کی لڑائی سے کیا فائدہ دشمنوں کو راضی رکھنے میں نجات ہے غرضکہ اس طرح کی بکواس کا حاصل مسلمانوں کے دلوں میں مایوسی اور ہراس پیدا کرنا تھا کہ ان کی کوئی بات بھی ٹھیک طور پر نہ بن سکے۔

صحابہؓ پر دوسروں کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے:............ شکست کے اس واقعہ میں عتاب کے بعد صحابہؓ کو جابجا تسلی دی گئی ہے اس پر دوسرے نافرمانی کرنے والے دھوکہ نہ کھائیں کہ ہمارے گناہ میں بھی یقیناً کوئی نہ کوئی حکمت ومصلحت الٰہیہ ہوگی۔اس لئے کیا غم؟ کیونکہ صحابہؓ کے معاملہ پر خود کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے اول تو ان سے یہ غلطی اجتہاداً اور لغزش خطاً ہوئی تھی۔مخالفت یا نافرمانی کا جذبہ اور داعیہ نہیں تھا دوسرے ان پر جو ندامت وغم کا پہاڑ ٹوٹا ہے وہ توبہ کا اعلیٰ درجہ تھا اس لئے مختلف پیرایوں میں ان کے سنبھالنے کا ساماں کیا گیا ہے لیکن جو شخص دیدہ دانستہ ارادۃً گناہ کرے پھر اس پر دلیری بھی دکھلائے وہ کیا مستحق ملائمت ہوسکتا ہے؟ وہ تو لائق ملامت وعتاب ہونا چاہئے۔

ابن جریرؒ کی روایت وقد وعدھم الفتح ان صبروا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں سے وعدہ فتح کیا گیا تھا۔ اس پر شبہ یہ تھا کہ پھر یہ وعدۂ فتح شکست میں کیوں تبدیل ہوا؟ اس کا جواب ھو من عند انفسکم میں دیا گیا ہے کہ اگر تم رسول اللہ کی اطاعت پر مستمر رہتے تو ضرور وعدہ کا ایفاء ہوتا کیونکہ وعدہ مشروط تھا لیکن اب تو ساری ذمہ داری تمہارے سر پڑ گئی، البتہ بعض موقعوں پر باوجود صبر و استقلال اور اطاعتِ احکام کے پھر مسلمان مغلوب ہوجاتے ہیں تو اس شبہ کا حل یہ ہے کہ وعدہ فتح میں خاص حضرات صحابہؓ مراد تھے۔ یہ وعدہ عام نہیں تھا کہ اس کا کلیہ ہونا ضروری ہو اور پھر کلیہ کے خلاف ہونا باعث شبہ ہو۔

لطائف آیت: .... صحابہؓ کے قول انی ھذا کے کئی جواب دیئے گئے ہیں اول اصبتم مثلیھا دوسرے من عند انفسکم تیسرے فباذن اللہ سے اور بعض حکمتوں کو مجمل چھوڑ دیا گیا ہے جن میں سے بعض کا بیان پہلے ہو چکا ہے اور اخوانھم سے مراد یہاں صرف ہم نسب ہیں اور اس سے پہلے اخوانھم سے مراد عام تھی خواہ نسبی ہوں یا ہم مشرب شہداء کے بارے میں خسارہ کا خیال جو منافقین نے قائم کر رکھا تھا ان آیات میں اس کی تردید بھی ہے اور ان پر تعریض بھی ہے کہ منافقین کے اخوان طریق مقتول فی سبیل اللہ نہیں ہیں اگر یہ شہید ہوتے تو ان کو بھی یہ فضائل حاصل ہوتے۔

لایضیع اجر المؤمنین سے معلوم ہوا کہ اعمال کی قبولیت کی شرط ایمان ہے۔ اسی لئے مقتولین کی بجائے مؤمنین کہا ہے۔

ولاتحسبن الذین الخ معلوم ہوا کہ شہداء مجاہدین جس طرح غیر شہداء مجاہدین کے باب میں اپنے جیسے ہونے کی تمنا کرتے ہیں اسی طرح اہل جہاد اکبر (اہل مشاہدہ عشاق سالکین) اور محجوبین کے درمیان ہے کہ ایک دوسرے کے لئے اپنی حالت پر ہونے کی تمنا کر رہا ہے۔

اَلَّذِیْنَ مُبْتَدَأٌ **اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ** دُعَاءَهٗ بِالْخُرُوْجِ لِلْقِتَالِ لَمَّا اَرَادَ اَبُوْسُفْیَانَ وَاَصْحَابُهُ الْعَوْدَ وَتَوَاعَدُوْا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُوْقَ بَدْرٍ الْعَامَ الْمُقْبِلَ مِنْ یَوْمِ اُحُدٍ **مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ** بِاُحُدٍ وَخَبَرُ الْمُبْتَدَاِ **لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ** بِطَاعَتِهٖ **وَاتَّقَوْا** مُخَالَفَتَهٗ **اَجْرٌ عَظِیْمٌ** ﴿۱۷۲﴾ هُوَ الْجَنَّةُ **اَلَّذِیْنَ** بَدَلٌ مِنَ الَّذِیْنَ قَبْلَهٗ اَوْنَعْتٌ **قَالَ لَهُمُ النَّاسُ** اَیْ نُعَیْمُ بْنُ مَسْعُوْدِ الْاَشْجَعِیُّ **اِنَّ النَّاسَ** اَبَاسُفْیَانَ وَاَصْحَابَهٗ **قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ** الْجُمُوْعَ لِیَسْتَأْصِلُوْاكُمْ **فَاخْشَوْهُمْ** وَلَاتَأْتُوْهُمْ **فَزَادَهُمْ** ذٰلِكَ الْقَوْلُ **اِیْمَانًا** تَصْدِیْقًا بِاللّٰهِ وَیَقِیْنًا **وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ** كَافِیْنَا اَمْرَهُمْ **وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ** ﴿۱۷۳﴾ الْمُفَوَّضُ اِلَیْهِ الْاَمْرُ هُوَ وَخَرَجُوْا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَوَافَوْا سُوْقَ بَدْرٍ وَاَلْقَى اللّٰهُ الرُّعْبَ فِیْ قَلْبِ اَبِیْ سُفْیَانَ وَاَصْحَابِهٖ فَلَمْ یَأْتُوْا وَكَانَ مَعَهُمْ تِجَارَاتٌ فَبَاعُوْا وَرَبِحُوْا قَالَ تَعَالٰی **فَانْقَلَبُوْا** رَجَعُوْا مِنْ بَدْرٍ **بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ** بِسَلَامَةٍ وَرِبْحٍ **لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ** مِنْ قَتْلٍ اَوْ جُرْحٍ **وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ** بِطَاعَتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ فِی الْخُرُوْجِ **وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ** ﴿۱۷۴﴾ عَلٰی اَهْلِ طَاعَتِهٖ **اِنَّمَا ذٰلِكُمُ** الْقَائِلُ لَكُمْ اِنَّ النَّاسَ ...... الخ **الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ** كُمْ **اَوْلِیَآءَهٗ** الْكُفَّارَ **فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ** فِیْ تَرْكِ اَمْرِیْ **اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ** ﴿۱۷۵﴾ حَقًّا **وَلَا یَحْزُنْكَ** بِضَمِّ الْیَاءِ وَكَسْرِ الزَّایِ وَبِفَتْحِهِمَا وَضَمِّ الزَّایِ مِنْ حَزَنَهٗ لُغَةٌ فِیْ اَحْزَنَهٗ **الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ** یَقَعُوْنَ

فِیْهِ سَرِیْعًا بِنُصْرَتِهٖ وَهُمْ اَهْلُ مَکَّةَ اَوِ الْمُنَافِقُوْنَ اَیْ لَاتَهْتَمَّ لِکُفْرِهِمْ **اِنَّهُمْ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْئًا** بِفِعْلِهِمْ وَاِنَّمَا یَضُرُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ **یُرِیْدُ اللّٰهُ اَلَّا یَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا** نَصِیْبًا **فِی الْاٰخِرَةِ** اَیِ الْجَنَّةِ فَلِذٰلِكَ خَذَلَهُمْ **وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ** ﴿۱۷۶﴾ فِی النَّارِ **اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ** اَیْ اَخَذُوْهُ بَدَلَهٗ **لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ** بِکُفْرِهِمْ **شَیْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ** ﴿۱۷۷﴾ مُؤْلِمٌ

ترجمہ: ....جن لوگوں نے (یہ مبتدا ہے) اللہ اور رسول کی پکار کا جواب دیا (دعوت جہاد کو مان لیا جبکہ ابوسفیان اور اس کے رفقاء نے میدان جنگ میں دوبارہ آنے کا ارادہ کیا اور احد سے اگلے سال کے لئے مقام بدر میں آنے کا آنحضرت ﷺ سے وعدہ کرلیا) باجودیکہ زخم کھا چکے تھے (غزوۂ احد میں مبتداء کی خبر یہ ہے) ان لوگوں میں سے جو نیک ہیں (اپنے کردار کے لحاظ سے) اور ڈرتے ہیں (آپ کی نافرمانی سے) ان کے لئے بہت بڑا اجر (جنت) ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں (پہلے الـذین سے یہ بدل ہے یا نعت) جن سے بعض آدمی (نعیم بن مسعود اشجعی) کہتے تھے کہ دشمن لوگوں (ابوسفیان اور ان کے رفقاء) نے بہت بڑا گروہ اکٹھا کرلیا ہے (تا کہ تمہاری بیخ کنی کرسکیں) اس لئے تم کو چاہئے کہ ان سے ڈرتے رہو (اور ان کے قریب بھی نہ پھٹکو) لیکن (اس قول نے) ان کا ایمان (اللہ کی تصدیق و یقین) اور زیادہ مضبوط کردیا اور وہ بول اٹھے کہ ہمارے لئے اللہ کا سہارا کافی ہے (ان کا حکم ہمارے لئے بس ہے) اور کیا ہی اچھا کارساز ہے (تمام باتوں کا چارہ ساز ہے وہ چنانچہ صحابہؓ آنحضرت ﷺ کی ساتھ مل کر نکلے اور مقام بدر میں پہنچ گئے لیکن اللہ نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے دل میں اس قدر رعب جمادیا کہ وہ نہیں آسکے۔ مسلمانوں کے پاس جو کچھ سامان تجارت تھا اس کو خرید وفروخت کر کے خوب نفع کمایا حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) پھر واپس آگئے (بدر سے لوٹ گئے) اللہ کی نعمت اور فضل (سلامتی اور منافع) کے ساتھ کوئی گزند (قتل وزخم) انہیں نہیں چھوسکا وہ اللہ کی خوشنودی (اس کی راہ میں نکلنے کے لئے اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت کر کے) کی راہ میں گامزن ہوئے اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل رکھنے والے ہیں (اپنے فرمانبرداروں پر) اور یہ (مخبر جو تمہیں کہہ رہا تھا ان الـنـاس الخ) اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ شیطان تھا جو تمہیں اپنے ساتھیوں (کفار) سے ڈرا رہا تھا تو تم شیطان کے ساتھیوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو (میرا کہنا نہ ماننے میں) اگر تم ایمان رکھنے والے ہو (بالیقین) اور اے پیغمبر آپ آزردہ خاطر نہ ہوجایئے (یـحـزنـک ضم یا اور کسر زا کے ساتھ ہے یا فتح یا اور ضم زا کے ساتھ ہے حـزنـہ سے مشتق ہے جو احـزنـہ کا ایک لغت ہے) ان لوگوں کی حالت سے جو کفر کی راہ میں دوڑ رہے ہیں (کفر کی ....کر کے جو جلد اس میں پڑ جاتے ہیں۔ مراد اس سے اہل مکہ یا منافقین ہیں حاصل یہ ہے کہ آپ ان کے کفر کو اہم نہ سمجھئے) یقین رکھو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے (اپنی حرکتوں سے بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ ان کے لئے کوئی حصہ (نصیب) نہ رہے آخرت (جنت) میں (اسی لئے ان کو رسوا کیا گیا ہے) اور بالآخر ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے (جہنم میں) جن لوگوں نے ایمان دے کر کفر کا سودا چکایا ہے (کفر ایمان کے بدلہ میں لے لیا ہے) وہ اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے (اپنے کفر کی وجہ سے) اور ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔

تحقیق وترکیب: ....الـذیـن استجابوا جلال محققؒ کا کلام اس مقام پر غلط ہوگیا ہے کیونکہ دعـاءہ بـالـخـروج سے مراد غزوہ ''حمراء الاسد'' ہے جو روز یکشنبہ کو غزوۂ احد سے ایک روز بعد پیش آیا غزوۂ احد بنیچر شوال ۳ھ میں پیش آیا اور الـذین استجابوا بھی حمراء الاسد ہی کی طرف اشارہ ہے اور مفسر علامؒ کا قول وتـواعـدوا اشارہ ہے غزوۂ بدر صغریٰ کی طرف جو تیسرا غزوہ شعبان ۴ھ میں

احد سے ایک سال بعد پیش آیا اور الذین قالوا الخ سے اشارہ بھی اسی کی طرف ہے غزوہ کہتے ہیں خروج للقتال کو اگرچہ قتال نہ ہوا ان چند رکوع میں چار غزوات کا بیان ہے۔ غزوہ بدر کبریٰ، غزوہ احد، احد سے اگلے روز غزوۂ حمراء الاسد، غزوۂ بدر صغریٰ جو احد سے ایک سال بعد ہوا۔ منھم یہاں من تبیین کے لئے ہے جیسے وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت منھم الخ من تبعیضیہ نہیں کیونکہ یہ تمام حضرات ان اوصاف کے ساتھ متصف تھے اجـــر عـظیـم یہ مبتداء ہے اور اس سے پہلے جار مجرور اس کی خبر اور جملہ مل کر الــذیــن استجابوا کی خبر ہے۔

لھم الناس مراد صرف ایک شخص نعیم اشجعی ہے کیونکہ جنس خاص میں داخل ہے جیسے کہا جائے فلان یر کب الخیل. حالانکہ اس کے صرف ایک ہی گھوڑا ہو اور یا دوسرے افراد بھی اس کے ساتھ شریک ہو گئے ہوں۔

فـزادھم ایمانًا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جب ارشاد فرمایا کہ واللہ لاخـرجن ولو لم یخرج معی احد تو ستر صحابہؓ آپؐ کے ساتھ حسبنا اللہ ونعم الوکیل کہتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے۔ فانقلبوا اس کا معطوف علیہ مفسر علامؒ نے وخرجوا مع النبی الخ مقدر نکال دیا ہے لم یمسسھم ضمیر انقلبوا سے حال ہے علی ھذا بنعمۃ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی فرجعوا من بدر منعمین بـریـئیـن من سوء. واتبعوا اس میں دو ترکیبیں ہوسکتی ہیں یا تو انـقلبوا پر اس کا عطف کر لیا جائے یا انـقلبوا کی ضمیر سے حال مان لیا جائے اور لفظ قد اس وقت مقدر ہوگا ای قـد اتبـعوا. یـخـوف جملہ مستانفہ ہے شیطنت کے بیان کے لئے اور شیطان صفت ہے اسم اشارہ کی اور یخوف خبر ہے اس کا مفعول اول محذوف ہے جس کی طرف لفظ کم سے مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے اور اولیاء ہ مفعول ثانی ہے اور بعض کی رائے ہے کہ اولیاء ہ مفعول اول ہے کیونکہ اس سے مراد منافقین ہیں۔ ان کـنـتـم مؤمنین کیونکہ مقتضی ایمان یہ ہے کہ بندہ اللہ کے خوف کو غیر اللہ کے خوف پر ترجیح دے۔ یـقـعـون اس سے مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ لفظ مسارعت جس کا تعدیہ الـی کے ساتھ ہونا چاہئے جیسا کہ وسـارعـوا الـی مغفرۃ الخ میں ہے لیکن یہاں لفظ فی کے ساتھ تعدیہ کر کے بتلا دیا کہ یہ متضمن معنی وقوع کو ہے اور مقصود استقرار فی الکفر اور دوام ہے جیسے دوسری جگہ یسارعون فی الخیرات فرمایا گیا ہے۔

یـریـد اللہ اس سے معلوم ہوا کہ آخرت میں ثواب سے حرمان جو بغیر کفر و معاصی کے نہیں ہوتا وہ کفر و معاصی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادۂ تکوینی سے ہوتا ہے اس سے ارادۂ تشریعی یعنی رضا پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ان الـذیـن الـخ پہلی آیت میں صرف منافقین کا بیان تھا اور اس میں کفار کے لئے بھی تعمیم یا تخصیص ہے یا دونوں آیات کا لفظاً اور معنًی مفہوم یکساں قرار دیا جائے تو پھر دونوں کو منافقین مان لیا جائے۔ شیئـا منصوب علی المصدریت ہے۔ ای شیـئـا مـن الـضـرر. عـذاب الیـم پہلے عذاب کی صفت عظیم لائی گئی اور یہاں الیم لائی گئی ہے۔ کیونکہ کسی چیز کی طرف مسارعۃ اس کی عظمت کا تقاضا کرتی ہے اور کاروبار میں خسارہ کا ہونا باعث الم ہوا کرتا ہے۔

ربط :............ غزوۂ احد سے اگلے ہی روز حمراء الاسد کے نام سے جو غزوہ ہوا ان آیات میں اس کا تذکرہ ہے اور آیت لایحزنک میں قلب نبویؐ کو جو ایذائیں پہنچیں ان کا ازالہ اور تسلی ہے۔

شانِ نزول:............ آیتِ سابقہ سـنـلـقـی فی قلوب الذین کفروا الرعب الخ میں بطور پیشن گوئی جس رعب کا تذکرہ تھا اس کا وقوع غزوۂ احمراء الاسد کی صورت میں ہوا۔ غزوۂ احد میں مسلمان اگرچہ کامیاب نہیں ہوئے تھے لیکن کفار بھی ناکام نہیں ہوئے تھے تاہم تھوڑی دور واپس جانے کے بعد کفار کو سخت افسوس ہوا کہ ناحق ہم واپس آئے فوراً چل کر مسلمانوں کا بھی استیصال کر دینا چاہئے یہ خیال تو آیا لیکن ہمت نے کچھ ایسا جواب دیا کہ واپسی کے لئے قدم نہیں اٹھ سکے بلکہ مکہ ہی کی طرف قدم اٹھتے رہے۔

معبد خزاعی جو اگر چہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہ تھے مسلمانوں کے پاس سے آتے ہوئے مقام روحا میں کفار سے جا ملے۔ مسلمانوں کی بابت کفار نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے واقعہ کی صحیح تصویر اور مسلمانوں کی خداداد شان وشوکت عمدہ پیرایہ میں ظاہر کر دی۔ جس سے رہے سہے حوصلے بھی پست ہو گئے اور قدم جم کر رہ گئے۔ زیادہ سے زیادہ تیر جو اس موقعہ پر چلا سکے یہ تھا کہ اتفاقاً راہ میں قبیلہ عبد القیس مدینہ طیبہ جاتے ہوئے مل گیا ان کفار نے بمنت اس کو اس پر آمادہ کیا کہ تم محمد ﷺ سے مل کر ہماری ہیبت وخوف کسی طرح ان کے دل میں بٹھلا دینا اور یہ کہنا کہ مسلمانوں کے استیصال کے لئے انہوں نے بڑا ساز وسامان کیا ہے اور عنقریب آ کر سب کا کام تمام کر دیں گے لیکن جوں ہی یہ خبر مسلمانوں نے سنی سب نے بالاتفاق پورے استقلال سے حسبنا اللہ الخ کہا غرضکہ آپ ﷺ بامر الٰہی ان کے تعاقب میں حمراء الاسد تک روانہ ہوئے جو مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے اور تین روز دوشنبہ سے چہارشنبہ تک ۱۷ تا ۱۹ شوال قیام پذیر رہے مگر کسی کافر کا نشان تک نہیں ملا۔ اتفاق سے ایک تجارتی قافلہ کا گزر ہوا جس سے آنحضرت ﷺ نے مال تجارت خریدا اور اس میں آپ ﷺ کو بڑا نفع ہوا جس کو آپ ﷺ نے اپنے مسلمان ہمراہیوں پر تقسیم فرما دیا۔

بعض مفسرین نے ان آیات سے متعلق ایک دوسرے قصہ کا ذکر کیا ہے کہ ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں نے احد سے لوٹتے ہوئے کہا تھا **یا محمد موعدنا موسم بدر القابل ان شئت** آنحضرت ﷺ نے جواباً فرمایا **ان شاء اللہ تعالیٰ** چنانچہ اگلے سال اہل مکہ کے ساتھ ابوسفیان آنے لگے۔ مر الظہران ہی تک آنا ہوا کہ دلوں میں خدا نے ایسی ہیبت بٹھلا دی کہ آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ نعیم اشجعی سے ملاقات ہوگئی جو عمرہ کر کے واپس لوٹ رہے تھے ان کو پٹی پڑھائی چنانچہ مدینہ آ کر مسلمانوں کے سامنے بہت بڑھ چڑھ کر باتیں بنائیں جس سے بعض سادہ لوحوں میں سن کر تقاعد بھی پیدا ہو گیا لیکن آپ ﷺ کے عزم کی پختگی دیکھ کر صحابہ بھی تیار ہو گئے۔

﴿تشریح﴾: ......غزوۂ حمراء الاسد کا تذکرہ: ....اس موقعہ پر بھی منافقین نے دشمنوں سے مل کر ہر طرح کی شرارتیں کیں، دشمن چاہتے تھے کہ ڈر جانے کی ذلت ان کے حصہ میں نہ آئے بلکہ مسلمانوں کے حصہ میں آئے، چنانچہ ابوسفیان نے نعیم سے یہ الفاظ کہے تھے **انی واعدت محمدًا ان تلقی بموسم بدر وان ھذا عام جدب ولا یصلح لنا الا عام نرعی فیه الشجر ونشرب فیه اللبن وقد بدا لی ان اخرج الیه واکرہ ان یخرج محمد ولا اخرج انا فیز یدھم ذٰلک جرأۃ ولان یکون الخلف من قبلھم احب الی من ان یکون من قبلی فالحق بالمدینة فثبطھم واعلمھم انی فی جمع کثیر ولا طاقة لھم بنا.** اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کام پر آمادہ کرنے کے لئے نعیم کو رشوت بھی پیش کی۔ **فلک عندی عشرۃ من الابل اضعھا فی ید سھیل بن عمرو ویضمنھا فجاء سھیل فقال له نعیم یا ابایزید تضمن لی ذٰلک وانطلق الی محمد واثبطه فقال نعم** چنانچہ نعیم اپنے منصوبہ کی تکمیل کے لئے اٹھے **فخرج نعیم حتی اتی المدینة فوجد الناس یتجھزون لمیعاد ابی سفیان فقال این تریدون فقالوا واعدنا ابوسفیان بموسم بدر الصغریٰ ان نقتل بھا فقال بئس الرای لانھم اتوکم فی دیارکم وقرارکم فلم یلتفت منکم احد الاشریدًا افتریدون ان تخرجوا وقد جمعوا لکم عندا لموسم واللہ لا یلتفت منکم احد.**

اور یہ جب ہی ہو سکتا تھا کہ مسلمان جنگ کے لئے آمادہ نہ ہوں چنانچہ مسلمانوں کو خوف زدہ کرتے کے لئے مخبر بھیجے گئے، جھوٹی افواہیں مشہور کی گئیں، منافقین انہیں پھیلاتے رہے جن کا مقصد مسلمانوں کو سرگرمی سے باز رکھنا تھا ان تمام باتوں کی طرف آیات میں اشارات ہیں۔ منافقین کو آخری مہلت دی گئی کہ اپنی منافقانہ روش سے باز آ جائیں۔ ورنہ وقت آ گیا ہے کہ اللہ ان کے چہروں سے

نفاق کا پردہ اٹھادے۔ ان آیات میں منافقین کی جونفسیاتی حالت دکھلائی گئی ہے وہ کوئی مخصوص صورت حال نہیں ہے بلکہ جماعت کے کمزور اور مذبذب افراد ہمیشہ ایسی ہی صورت حال پیدا کر دیا کرتے ہیں۔

لطائفِ آیت: .... الذین استجابوا میں اللہ و رسول کی طرف نسبت کرنا اس لئے ہے کہ آپ ﷺ کا فرمانا درحقیقت اللہ کے حکم سے ہوتا ہے اور للذین احسنوا فرمانا بطور قید احترازی کے نہیں ہے بلکہ بطور قید واقعی اور مدح کے ہے کیونکہ تمام صحابہؓ ایسے ہی تھے اور اس سے ان کے استحقاق مدح واجر کی علت بھی معلوم ہوگئی۔

آیت ولا یحزنک میں حاصل مضمون تسلی یہ ہے کہ آپ ﷺ کو ان کی سازشوں اور تدبیروں سے دین کے نقصان وضرر کا اندیشہ رہتا ہے جو باعث سوہان روح ہوتا ہے لیکن جب معلوم ہوگیا کہ ان سے دین کو کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا پھر آپ ﷺ کیوں مغموم ہوں اور اگر یہ خیال ہو کہ دین اسلام کو اگرچہ صدمہ نہیں پہنچے گا لیکن خود ان کا اپنا نقصان تو ضرور ہو رہا ہے کہ یہ اپنی عاقبت برباد کر رہے ہیں۔ لیکن جب یہ بتلادیا گیا کہ یہ امر مقدر ہے جو کہ ہو کر رہے گا۔ پھر رنج کیسا؟ کیونکہ رنج ہوا کرتا ہے خلاف امید پیش آنے سے اور جب امید ہی نہ رکھی جائے تو ملال کیسا؟

انما ذلکم الشیطٰن جیسا کہ بعض اہل اللہ سے منقول ہے کہ شیطان ان کے سامنے متمثل ہوا انہوں نے اعوذ باللہ پڑھی اور فرمایا کہ میں تجھ سے ڈر کر تعوذ نہیں کر رہا ہوں بلکہ محض امتثال حکم کے لئے پڑھ رہا ہوں ورنہ تجھ کو پرکاہ کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔

وَلَايَحْسَبَنَّ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ** اَيْ اِمْلَاءُ نَا **لَهُمْ** بِتَطْوِيْلِ الْاَعْمَارِ وَتَاخِيْرِهِمْ **خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ** ؕ وَاَنَّ وَمَعْمُوْلُهَا سُدَّتْ مَسَدَّ الْمَفْعُوْلَيْنِ فِيْ قِرَاءَةِ التَّحْتَانِيَّةِ وَمَسَدَّ الثَّانِيْ فِي الْاُخْرٰى **اَنَّمَا نُمْلِيْ** نُمْهِلُ **لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا** ۚ بِكَثْرَةِ الْمَعَاصِيْ **وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ** ﴿۱۷۸﴾ ذُوْ اِهَانَةٍ فِي الْاٰخِرَةِ **مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ** لِيَتْرُكَ **الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ** اَيُّهَا النَّاسُ **عَلَيْهِ** مِنْ اِخْتِلَاطِ الْمُخْلِصِ بِغَيْرِهٖ **حَتّٰى يَمِيْزَ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ يُفَصِّلَ **الْخَبِيْثَ** اَلْمُنَافِقَ **مِنَ الطَّيِّبِ** ؕ اَلْمُؤْمِنِ بِالتَّكَالِيْفِ الشَّاقَّةِ الْمُبَيِّنَةِ لِذٰلِكَ فَفَعَلَ ذٰلِكَ يَوْمَ اُحُدٍ **وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ** فَتَعْرِفُوا الْمُنَافِقَ مِنْ غَيْرِهٖ قَبْلَ التَّمْيِيْزِ **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ** يَخْتَارُ **مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ** ۪ فَيُطْلِعُهٗ عَلٰى غَيْبِهٖ كَمَا اَطْلَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى حَالِ الْمُنَافِقِيْنَ **فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا** النِّفَاقَ **فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ** ﴿۱۷۹﴾ **وَلَايَحْسَبَنَّ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ** اَيْ بِزَكَاتِهٖ **هُوَ** اَيْ بُخْلُهُمْ **خَيْرًا لَّهُمْ** ؕ مَفْعُوْلٌ ثَانٍ وَالضَّمِيْرُ لِلْفَصْلِ وَالْاَوَّلُ بُخْلُهُمْ مُقَدَّرًا قَبْلَ الْمَوْصُوْلِ عَلَى الْفَوْقَانِيَّةِ وَقَبْلَ الضَّمِيْرِ عَلَى التَّحْتَانِيَّةِ **بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ** ؕ **سَيُطَوَّقُوْنَ مَابَخِلُوْا بِهٖ** اَيْ بِزَكَاتِهٖ مِنَ الْمَالِ **يَوْمَ الْقِيٰمَةِ** ؕ بِاَنْ يُّجْعَلَ حَيَّةً فِيْ عُنُقِهٖ تَنْهَشُهٗ كَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيْثِ **وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** ؕ يَرِثُهُمَا بَعْدَ فَنَاءِ اَهْلِهِمَا **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **خَبِيْرٌ** ﴿۱۸۰﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ ع ۱۸ ۹

ترجمہ:............ اور یہ نہ سمجھیں (یا اور تا کے ساتھ ہے) وہ لوگ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے کہ ہمارا ڈھیل دینا (ہماری مہلت) ان کے لئے (عمر دراز کر کے اور ان کو ڈھیل دے کر) ان کے لئے بہتر ہے (اور ان اور اس کا معمول مفعولین کے قائم مقام ہے یائے تحتانیہ والی قرأت میں اور دوسری قرأت میں مفعول ثانی کے قائم مقام ہے) ہم انہیں ڈھیل (مہلت) دے رہے ہیں کہ اپنے گناہوں میں اور زیادہ ہو جائیں (قصوروار) اور بالآخر ان کے لئے عذاب ہے رُسوا کن (ذلت آمیز آخرت میں) ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ چھوڑ دے (ڈالے) رکھیں مؤمنین کو ایسی حالت میں جس میں (اے لوگو!) تم آجکل ہو (یعنی مخلص اور غیر مخلص رلے ملے ہیں) یہاں تک کہ الگ کر دے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ یعنی جدا کر دے گا) ناپاک (منافق) کو پاک (مؤمن سے سخت تکالیف کے ذریعہ جو اس کو نمایاں کر دے چنانچہ غزوۂ احد میں ایسا کر دیا گیا) اور اللہ تعالیٰ کے کاموں کا یہ ڈھنگ بھی نہیں کہ وہ تم کو غیب کی خبریں دے دیا کریں (کہ جس سے منافق اور غیر منافق کو چھانٹنے سے پہلے ہی پہچان جاؤ) لیکن ہاں وہ اپنے رسولوں میں سے جس کسی کو چاہتا ہے چن لیتا (چھانٹ لیتا) ہے (اور اپنے غیب پر مطلع کر دیتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کو منافقین کے حال سے باخبر کر دیا) پس اب تمہیں چاہئے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لے آؤ۔ اگر تم ایمان لے آئے اور (نفاق) سے بچے رہے تو یقین کرو تمہارے لئے اجر عظیم ہے اور خیال نہ کریں (تاء اور یاء کے ساتھ ہے) جو لوگ بخل کرتے ہیں اس مال کے خرچ کرنے میں جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو مرحمت فرمایا (بسلسلۂ زکوٰۃ) کہ ایسا کرنا (بخل) ان کے لئے بھلائی کی بات ہے (یہ مفعول ثانی ہے اور ضمیر ھو فصل کے لئے ہے اور مفعول اول لفظ بخلھم مقدر ہے الذین موصول سے پہلے تحسبن کی قرأت فوقانیہ کی صورت میں اور ضمیر سے پہلے مقدر ہے قرأت تحتانیہ کی صورت میں) نہیں وہ تو ان کے لئے بڑی ہی بُرائی ہے قریب ہے کہ یہ مال کہ جس کی (زکوٰۃ میں) وہ بُخل کر رہے ہیں ان کے گلوں میں طوق بنا کر پہنا دیا جائے قیامت کے روز (سانپ بنا کر ان کے گلے کا ہار کر دیا جائے کہ وہ ان کو ڈستا رہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے) اور آسمان وزمین جو کچھ ہے سب اللہ ہی کی میراث ہے (ان کے باشندوں کے فنا ہونے کے بعد وہی ان کا وارث رہے گا) اور تم جو کچھ کرتے ہو (تا اور یا کے ساتھ ہے) اللہ تعالیٰ باخبر ہیں (اس لئے وہ تم کو بدلہ دیں گے)

تحقیق وترکیب:............ **لا یحسبن** اس کی دونوں قرأتیں مشہور ہیں تاء خطاب سے مراد آنحضرت ہیں یا عام مخاطب **الذین کفروا** مفعول اول ہوگا **تحسبن** کا اور **انما نملی الخ** مفعول ثانی کے محل میں ہوگا یا بدل الاشتمال اور دوسری قرأت پر **الذین کفروا** فاعل ہوگا مرفوع اور **انما نملی الخ** قائم مقام مفعولین کے ہوگا۔ **یحسبن** اور **ما** مصدریہ ہے قیاس کے خلاف متصل لکھا جائے گا۔ قرآن کا رسم الخط توقیفی ہونے کی وجہ سے خلاف قیاس امر کی پابندی بھی کی جائے گی مفسر علامؒ نے بھی ترکیب پر کلام کیا ہے۔

انما نملی املاء کے معنی دراصل **اطالۃ المدت** کے آتے ہیں اور ملاء وقت طویل کو کہتے ہیں ملوین لیل ونہار مع طول تعاقب اس جملہ میں دو صورتیں ہوسکتی ہیں ایک جملہ ماقبل کی تعلیل ہو کر مستانفہ ہو گویا سوال ہوا مابالھم **یحبون الاملاء خیر الھم** اس کا جواب ہے **انما نملی لھم لیزدادوا اثما** اس صورت میں ان مکفوفہ ہے ما کافہ سے اور کتاب میں متصل علی الاصل ہے ما کو موصولہ اسمیہ یا حرفیہ ماننا صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ ما لام کے مبتداء کی خبر واقع نہیں ہوا کرتا۔ دوسری صورت اس جملہ کی یہ ہے کہ اول جملہ کی تاکید اور تکرار ہو۔

لیذر کان کی خبر محذوف کے متعلق ہے اور بصریوں کی رائے کے مطابق مابعد فعل ان وغیرہ کے ذریعہ منصوب ہے ای **ما کان اللہ مرید الان یذر المؤمنین** اور کوفیوں کے نزدیک لام زائدہ ہے تاکید کیلئے اور فعل کے لئے بنفسہا ناصب ہے اور خبر فعل ہے اور اس کا زائد ہونا عمل کے لئے خارج نہیں ہے جیسا کہ حروف جر زائدہ عامل ہوسکتے ہیں اس لحاظ سے یہ مذہب بھی ضعیف نہیں ہے۔ **بز کاۃ**

تقدیر مضاف کی طرف اشارہ ہے۔ والاول یعنی مفعول اول مقدر ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے ولاتحسبن بخل الذین یبخلون تاہم قرأت فوقانیہ پر مضاف اور مضاف الیہ کا مجموعہ مقدر ماننا تکلف ہے۔ صرف لفظ بخل کی تقدیر کافی ہے ضمیر کی تقدیر کی حاجت نہیں ورنہ اضافة الشئ مرتین لازم آئے گی۔ البتہ قرأت تحتانیہ پر مجموعہ مضاف مضاف الیہ کی تقدیر درکار ہے۔ تقدیر عبارت تحتانیہ کی صورت میں اس طرح ہوگی لایحسبن الذین یبخلون بخلهم هو خير لهم مفعول اول کے حذف کی صحت کا مدار قرینہ پر ہے۔ قرینہ اگر ہوگا تو حذف جائز ہے ورنہ نہیں اور ضمیر هو فصل بین المفعولین کے لئے ہے۔ خیرؐ مفعول ثانی ہے۔

مانجلوا به عطاء خداوندی کو اس عنوان سے بیان کرتے میں ان کی بدعملی میں مبالغہ کا اظہار اور بل هو شر لهم میں اس کی تنصیص و تصریح ہوگئی اور ساتھ ہی مبالغہ بھی فی الحدیث ارشاد ہے۔ من منع زکوٰة ماله يصير حية ذلا اقرع له نابان فيطوق فی عنقه فتنهشم ويد فعه الى النار.

ولله ميراث میراث مصدر ہے جیسے میعاد مراد مایتوارث یعنی زمین وآسمان اور کل عالم ہلاک ہوجائے گا تو بجز اللہ کے کچھ باقی نہیں رہے گا۔ ابن انباریؒ کہتے ہیں ورث فلان علم فلان جب کہ کسی کام میں شرکت کے بعد تنہا رہ جائے جیسا کہ وورث سليمان داؤد میں کہ اول دونوں ملک میں شریک تھے بعد میں صرف حضرت سلیمانؑ رہ گئے، اسی طرح عالم میں کسی درجہ میں ملک صورۃً یا مجازاً کسی کی ہوتی بھی ہے تو فناء عالم کے بعد یہ پردہ مجاز بھی ہٹ جائے گا اور فی الحقیقت اللہ ہی کی مِلک رہ جائے گی لمن الملك اليوم لله الواحد القهار

ربط:............ آیاتِ گذشتہ میں کفار کا استحقاقِ عذاب معلوم ہوا ہے لیکن اپنی دنیاوی آسائش سے وہ مغالطہ میں رہتے تھے کہ اس سے ہمارا مقبول عند اللہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور جب یہاں یہ حال ہے تو آخرت اگر واقعی کوئی چیز ہے تو یار لوگ وہاں بھی مزے کریں گے اور مسلمان جس طرح یہاں تکلیف میں ہیں وہاں بھی تکالیف سے دوچار رہیں گے ان آیات میں اس کا دفعیہ کرنا ہے آیت لايحسبن الذين الخ میں پھر عود ہے مضمون سابق انفاق فی سبیل اللہ کا ترہیبی صورت میں۔

شانِ نزول:............ کفار آسائش دنیاوی سے آسائش اخروی پر استدلال کرتے تھے جیسا کہ لو شاء الله مااشركنا ولئن رجعت الى ربى ان لى عنده للحسنىٰ. اللهم ان كان هذا هو الحق من عندك فامطر علينا حجارة من السماء وغیرہ آیات سے معلوم ہوتا ہے آیت ولا يحسبن الذين كفروا الخ میں اس کی تغلیط ہے اور ما كان الله الخ میں مؤمنین کی دنیاوی تکالیف کی حکمت بتلائی گئی ہے اسی طرح آیت من ذا الذى يقرض الله قرضا حسنا نازل ہوئی تو کفار از راہ تمسخر واستہزاء کہنے لگے کہ نعوذ باللہ کیا آپ ﷺ کا رب مفلس ہوگیا؟ اس پر آیت ولايحسبن الذين يبخلون الخ نازل ہوئی جس میں اول بخل مالی کی مذمت اور پھر آیت لقد سمع الله سے ان کی گستاخی اور بے ادبی پر تنبیہ کی گئی ہے۔

﴿تشریح﴾:...... درازیٔ عمر فرمانبرداری کیلئے ازدیادِ اجر کا باعث ہے اور نافرمانوں کیلئے ڈھیل:......

بظاہر انما نملى لهم ليزدادوا اثما سے معلوم ہوتا ہے کہ منجانب اللہ مہلت اور ڈھیل کی وجہ گناہوں کے زیادہ کرنے کے لئے ہے پھر ان پر عذاب کیسا؟ لیکن کہا جائے گا کہ اصل مقصود ڈھیل کا کفار کے لئے زیادہ سزا کا ارادہ ہے۔ لیکن بقاعدہ بلاغت اس سبب کے سبب یعنی گناہوں کی زیادتی کو قائم مقام کرکے بیان کردیا گیا ہے اور مہلت کا غیر مفید ہونا خاص ہے کفار کے ساتھ۔ کیونکہ مسلمان کو باقتضاء اسلام جس قدر عمر زیادہ ملے گی اس کو زیادہ طاعت وعبادت کا موقعہ ملے گا اور وہ مستحق درجات ہوگا۔

ہاں اسلام کے اس اقتضاء ہی پر کوئی اگر عمل نہ کرے تو بات دوسری ہے تاہم مسلمانوں کیلئے بحیثیت مسلمان مہلت مفید ہے اور کافر کے لئے بحیثیت کفر باعث ضرر۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی خاص اقتضائے کفر پر عمل پیرا نہ ہو بلکہ ایمان وتوبہ کی دولت سے مشرف ہو جائے۔

آیت **ما کان اللہ** میں مسلمان کے مبتلائے مصائب ومشکلات ہونے کی حکمت کا بیان ہے۔اللہ تعالیٰ کے ہر کام کی طرح اس میں بھی یقیناً حکمتیں بے شمار ہوں گی۔جن کی تفتیش کی چنداں ضرورت نہیں۔لیکن ایک کھلی ہوئی مصلحت وحکمت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ کچے پکے اور اچھے برے کا اختلاط جو بہت سے مفاسد لئے ہوئے ہوتا ہے اس کا امتیاز وانسداد اگر صرف وحی کے ذریعہ کیا جاتا تو وہ مکمل طریقہ پر نہ ہوتا۔کیونکہ ظاہری اختلاط تو پھر بھی رہتا جو مفاسد کثیرہ کا باعث ہوتا ہے کہ بن کر اگر کسی طریقہ سے الگ الگ کرنے کی کوشش بھی کی جاتی تو ان پر کوئی معقول حجت قائم نہ ہوتی اور ان کو مخلص کہنے اور سمجھنے کا موقعہ ملتا۔لیکن واقعات کی قینچی ایسی ہے کہ اچھے برے کو پوری طرح چھانٹ کر رکھ دیتی ہے اور مصائب ومشکلات کی بھٹی کھرے سونے کو الگ کر کے رکھ دیتی ہے جو لوگ کم ہمتی سے بھاگ کھڑے ہوں ان کا منہ ہی نہیں رہتا کہ وہ دعویٰ اخلاص کر سکیں اس طرح دنیا اپنے پرائے میں امتیاز اور فرق کر لیتی ہے۔

علم غیب:.......... جو علم غیب خصائص باری میں سے ہے اس کا ذاتی اور محیط الکل ہونا ضروری ہے۔لیکن یہاں آیت میں رسولوں کے لئے جس علم کا اثبات ہے وہ ذاتی تو اس لئے نہیں کہ بذریعہ وحی ہے یعنی عطائی ہے اور چونکہ بعض خاص امور مراد ہیں اس لئے علم کلی محیط بھی نہیں۔غرضکہ علم غیب بالمعنی الاعم مراد ہے۔بالمعنی الاخص مراد نہیں اور آنحضرت ﷺ پر ایمان کے ساتھ تمام رسولوں پر ایمان لانا اس لئے ضروری قرار دیا کہ دعوت سب کی ایک ہے لہٰذا تصدیق وتکذیب بھی سب کی ایک ہوگی یعنی ایک کی تکذیب سے سب کی تکذیب ہو جائے گی۔

آیت **سیطوقون** میں طوق پہنانے کی کیفیت حضرت ابوہریرہؓ کی روایت بخاری میں موجود ہے۔جس میں حضور ﷺ نے تائیداً اس آیت کو بھی پڑھا تھا۔نیز حدیث میں زکوٰۃ کی تخصیص صرف تمثیلاً ہے حصر مقصود نہیں ہے چنانچہ ایک روایت میں ذی رحم محرم کو نہ دینے پر بھی اسی قسم کی وعید مذکور ہے پس مقصود حقوق واجبہ ہیں۔

بظاہر آیت کا عموم یہ بتلا رہا ہے کہ یہود بھی اس میں داخل ہیں حالانکہ کفار فروع اعمال کے مکلف نہیں ہوتے جواب یہ ہے کہ کفار کا بخل دراصل ناشی ہوگا ان کے کفر بالآیات سے اور جزاء وآخرت کی تکذیب سے۔پس فی الحقیقت گویا معنیٰ کفر پر یہ وعید ہوئی جس کے ترک کے یہود اور کفار مکلف ہیں۔نفس زکوٰۃ اور واجبات پر وعید نہ ہوئی۔

ولا یحسبن الذین کفروا الخ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر گناہوں کے ساتھ بھی حالت بسط رہے تو اس پر مغرور نہ ہونا چاہئے تاہم خیر ایسی حالت میں قبض ہی میں ہے کیونکہ احتمالاً اسباب قبض میں سے معصیت بھی ہے تو شاید اس پر متنبہ ہو کر توبہ کی توفیق ہو جائے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ وقف لازم وَهُمُ الْيَهُوْدُ قَالُوْهُ لَمَّا نَزَلَ مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا وَقَالُوْا لَوْ كَانَ غَنِيًّا مَا اِسْتَقْرَضْنَا **سَنَكْتُبُ** نَاْمُرُ بِكَتْبِ **مَا قَالُوْا** فِىْ صَحَائِفِ اَعْمَالِهِمْ لِيُجَازُوْا عَلَيْهِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالْيَاءِ مَبْنِيًّا لِلْمَفْعُوْلِ **وَ** نَكْتُبُ **قَتْلَهُمُ** بِالنَّصَبِ وَالرَّفْعِ **الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ** ۙ **وَّنَقُوْلُ** بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ اَىِ اللّٰهُ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَلٰى لِسَانِ الْمَلٰٓئِكَةِ **ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ** ﴿۱۸۱﴾ النَّارِ

وَيُقَالُ لَهُمْ إِذَا أُلْقُوا فِيهَا **ذٰلِكَ** الْعَذَابُ **بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ** عَبَّرَ بِهِمَا عَنِ الْإِنْسَانِ لِأَنَّ أَكْثَرَ الْأَفْعَالِ تُزَاوَلُ بِهِمَا **وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ** أَيْ بِذِي ظُلْمٍ **لِلْعَبِيدِ ﴿۱۸۲﴾** فَيُعَذِّبُهُمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ **الَّذِينَ** نَعْتٌ لِلَّذِينَ قَبْلَهُ **قَالُوا** لِمُحَمَّدٍ **إِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ إِلَيْنَا** فِي التَّوْرٰةِ **أَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُولٍ** نُصَدِّقَهُ **حَتّٰى يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ** فَلَا نُؤْمِنُ لَكَ حَتّٰى تَأْتِيَنَا بِهِ وَهُوَ مَا يُتَقَرَّبُ بِهِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ نَعَمٍ وَغَيْرِهَا فَإِنْ قُبِلَ جَاءَتْ نَارٌ بَيْضَاءُ مِنَ السَّمَاءِ فَأَحْرَقَتْهُ وَإِلَّا بَقِيَ مَكَانَهُ وَعُهِدَ إِلٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ ذٰلِكَ إِلَّا فِي الْمَسِيحِ وَمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَعَالٰى **قُلْ** لَهُمْ تَوْبِيخًا **قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنٰتِ** بِالْمُعْجِزَاتِ **وَبِالَّذِي قُلْتُمْ** كَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى فَقَتَلْتُمُوهُمْ وَالْخِطَابُ لِمَنْ فِي زَمَنِ نَبِيِّنَا وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ لِأَجْدَادِهِمْ لِرِضَاهُمْ بِهِ **فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿۱۸۳﴾** فِي أَنَّكُمْ تُؤْمِنُونَ عِنْدَ الْإِتْيَانِ بِهِ **فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنٰتِ** الْمُعْجِزَاتِ **وَالزُّبُرِ** كَصُحُفِ إِبْرَاهِيمَ **وَالْكِتٰبِ** وَفِي قِرَاءَةٍ بِإِثْبَاتِ الْبَاءِ فِيهِمَا **الْمُنِيرِ ﴿۱۸۴﴾** الْوَاضِحِ هُوَ التَّوْرٰةُ وَالْإِنْجِيلُ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرُوا **كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ** جَزَاءَ أَعْمَالِكُمْ **يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ** بُعِدَ **عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ** نَالَ غَايَةَ مَطْلُوبِهِ **وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا** أَيِ الْعَيْشُ فِيهَا **إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴿۱۸۵﴾** الْبَاطِلِ يُتَمَتَّعُ بِهِ قَلِيلًا ثُمَّ يَفْنٰى **لَتُبْلَوُنَّ** حُذِفَ مِنْهُ نُونُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي النُّونَاتِ وَالْوَاوُ ضَمِيرُ الْجَمْعِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ لَتُخْتَبَرُنَّ **فِي أَمْوَالِكُمْ** بِالْفَرَائِضِ فِيهَا وَالْجَوَائِحِ **وَأَنْفُسِكُمْ** بِالْعِبَادَاتِ وَالْبَلَاءِ **وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ** الْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى **وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا** مِنَ الْعَرَبِ **أَذًى كَثِيرًا ؕ** مِنَ السَّبِّ وَالطَّعْنِ وَالتَّشْبِيبِ بِنِسَائِكُمْ **وَإِنْ تَصْبِرُوا** عَلٰى ذٰلِكَ **وَتَتَّقُوا** اللّٰهَ **فَإِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۱۸۶﴾** أَيْ مِنْ مَعْزُومَاتِهَا الَّتِي يُعْزَمُ عَلَيْهَا لِوُجُوبِهَا

ترجمہ:.......... بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے سن لی ہے ان لوگوں کی بات جنہوں نے کہا کہ اللہ محتاج ہے اور ہم دولت مند ہیں (یہود نے یہ بات کہی تھی جب کہ آیت من ذا الذی یقرض الله الخ نازل ہوئی اور کہنے لگے کہ اللہ اگر غنی ہوتا تو ہم سے قرض نہ مانگتا) سو عنقریب لکھ کر رہیں گے (ہم اس کے لکھ لینے کا حکم دے دیں گے) جو بات انہوں نے کہی ہے (ان کے اعمال ناموں میں تاکہ اس پر ان کو سزا دی جا سکے اور ایک قرأت میں سیکتب یا کے ساتھ مجہول ہے) اور (لکھ لیں گے) ان کا قتل (نصب اور رفع کے ساتھ پڑھا گیا ہے) نبیوں کو ناحق کرنا اور ہم کہیں گے (نون اور یا کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرشتوں کے ذریعہ حکم دیں گے) کہ اب عذاب جہنم کا مزہ چکھو (جہنم میں ڈالتے وقت ان سے کہا جائے گا) یہ (عذاب) نتیجہ ہے ان کرتوتوں کا جو تم اپنے ہاتھوں مہیا کر چکے ہو (ہاتھوں سے تعبیر کرنا اس لئے ہے کہ اکثر کام انسان ہاتھوں ہی سے کرتا ہے)

ورنہ اللہ تعالیٰ تو کبھی ظلم کرنے والے (ناانصاف) نہیں ہوسکتے اپنے بندوں کے لئے (کہ ناحق بلاقصوران کو سزا دے دیں) جو لوگ (یہ پہلے الـذیـن کی صفت ہے) کہتے ہیں (محمد ﷺ سے) کہ اللہ تعالیٰ ہم سے عہد لے چکے ہیں (تورات میں) کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں (تصدیق نہ کریں) جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائیں جسے آگ کھالیتی ہو (چنانچہ ہم آپ پر بھی ایمان نہ لائیں گے تاوقتیکہ آپ ایسا نہ کر دکھلائیں اور وہ چوپاؤں وغیرہ کی بھینٹ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ اگر وہ قبول کرلی جاتی تو ایک سفید آگ آسمان سے آکر اس کو بھسم کرڈالتی ورنہ بھینٹ وہیں دھری رہتی۔ اور انبیاء بنی اسرائیل سے اسی قسم کا عہد لیا گیا تھا بجز حضرت عیسیٰ مسیح اور آنحضرت ﷺ کے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) آپ (ان سے ڈانٹ کر) کہہ دیجئے کہ مجھ سے پہلے اللہ کے کتنے ہی رسول سچائی کی روشن دلیلوں (معجزات) کے ساتھ تمہارے پاس آئے اور اس بات کے ساتھ آئے جس کو تم کہہ رہے ہو (جیسے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام لیکن تم نے ان کو بھی قتل کرڈالا۔ یہ گفتگو آنحضرت ﷺ کے معاصر یہود سے ہے اگرچہ یہ فعل ان کے آباؤ اجداد کا تھا لیکن ان کی رضاء دلی کی وجہ سے ان ہی کے ساتھ شریک شمار کئے گئے) پھر تم کیوں انہیں قتل کرتے رہے اگر تم اپنے قول میں سچے ہو (کہ قربانی لانے کے وقت تم ایمان لے آیا کرتے ہو) یہ لوگ آج تمہیں جھٹلارہے ہیں تو تم سے پہلے کتنے ہی رسول ہیں جو جھٹلائے گئے باوجودیکہ روشن دلیلیں (معجزات) صحیفے (جیسے حضرت ابراہیمؑ کے صحیفے) اور کتاب (اور ایک قرأت میں لفظ زبر و کتاب دونوں باء کے ساتھ ہے) روشن (واضح یعنی تورات وانجیل پس جس طرح انہوں نے صبر کیا ہے آپ بھی صبر کیجئے) ہر جان کے لئے موت کا مزہ چکھنا ہے اور جو کچھ تمہارے اعمال کا بدلہ پورا ملنا ہے (تمہارے کاموں کی پاداش) وہ قیامت ہی کے دن ملے گا۔ جو شخص اس روز دوزخ کی آگ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا تو کامیابی اسی کی ہوئی (اس نے انتہائی مراد حاصل کرلی) اور دنیا کی زندگانی (یعنی اس کی عیش وعشرت) اس کے سوا کچھ نہیں کہ کارخانہ فریب ہے (جھوٹ ہے کہ تھوڑا سا نفع حاصل کرتے ہی ختم ہوجاتی ہے) یہ ضروری ہے کہ تم آزمائشوں میں ڈالے جاؤ (تین نون جمع ہوجانے کی وجہ سے نون رفع حذف کردیا گیا اور التقاء ساکنین کی وجہ سے واؤ ضمیر جمع حذف کردی گئی ہے۔ بمعنی لتـخـتبـرون) اپنے مالوں میں (احکام فرائض اور آفات کے ذریعہ) اور اپنی جانوں میں (عبادات اور مصائب کے ذریعہ) اور یہ بھی ضرور ہونا ہے کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور مشرکین (عرب) سے دکھ پہنچانے والی باتیں (گالم گلوچ، طعن و تشنیع تمہاری عورتوں کا تشبیبی ذکر) بہت کچھ سننی پڑیں گی۔ اگر تم نے صبر کیا (اس پر) اور (اللہ سے) تقویٰ کا شیوہ اختیار کئے رہے تو بلاشبہ بڑے کاموں کی راہ میں بڑے ہی عزم واہمیت کی بات ہوگی (یعنی صبر، دل گردہ والے ان کاموں میں سے ہے جن پر اہل ہمت ضرور سمجھ کر کاربند ہوتے ہیں)

تحقیق وترکیب: .... **لقد سمع الله** لام موطئہ للقسم ہے ای والله **لقد سمع** اللہ تعالیٰ اگرچہ تمام مسموعات کے سمیع ہیں لیکن ان کے قول کی تخصیص کنایہ تلویحیہ ہے وعید سے کیونکہ سماع علم مسموع کے لئے لازم ہے اور علم کے لئے وعید لازم ہے اس موقعہ پر **وهـم اليهـود** منجملہ ان کے فخاص اور کعب بن اشرف اور حیی بن اخطب وغیرہ ہیں۔ **سـنـكـتـب** اسناد مجازی ہے کیونکہ کتابت اعمال ملائکہ کرتے ہیں لیکن خود کتابت کے معنی حقیقی ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ یہ چیزیں ہمارے علم میں محقق اور محفوظ ہیں ہم ان کو مہمل نہیں چھوڑیں گے اس صورت میں اسناد حقیقی اور کتابت مجازی ہوگی اور سین تاکید کے لئے ہے۔ **بـالنصب والرفع** قرأت نون پر نصب اور قرأت باء پر رفع۔ اول صورت میں ما پر عطف ہوگا جو منصوب المحل ہے۔ اور **نـقـول** نون کے ساتھ ہوگا اور دوسری صورت میں موصول پر عطف ہوگا اور **يقول** یا کے ساتھ ہوگا اور بعض کے نزدیک **سنكتب** نون کے ساتھ اور **ماقالوا** اس کی وجہ سے منصوب ہے اور **قتلهم** اس پر معطوف

ہے اور سیکتب یا کے ساتھ اور قتلھم مرفوع بھی پڑھا گیا ہے کیونکہ ماقالو مرفوع المحل پر اس کا عطف ہو جائے گا اور حمزہؒ کے نزدیک سیکتب ضم یا کے ساتھ اور قتلھم رفع لام کے ساتھ اور یقول بصیغہ غائب ہے ای اللّٰہ برتقدیر قرأت یقول کا فاعل اللہ ہے لیکن برتقدیر نقول فاعل نحن ہونا چاہئے تھا لیکن معنیٰ دونوں تفسیروں پر فاعل لفظ اللہ ہو سکتا ہے۔

عذاب الحریق حریق بمعنی محرق اضافۃ بیانیہ ہے یا اضافۃ سببیہ ہے بمنزلہ فاعل کر لینے کے ذوقوا کے معنی دراصل منہ کے ذائقہ تھوڑی سی چیز چکھنے کے ہیں جیسا کہ لفظ اکـــل کثیر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بعد میں توسعًا باقی محسوسات وحالات کے ادراک کے لئے بھی آتا ہے اور نکتہ یہاں یہ ہے کہ بخل علی المال پر عذاب ہے اور انسان کی بیشتر حاجت مالی کھانے پینے سے متعلق رہتی ہے۔ ذلک اسم اشارہ حسیہ لانے میں عذاب کے مشاہدہ محسوس ہونے کی طرف اشارہ ہے اور انسان کو ایــدیکـم سے تعبیر کرنے میں مجاز مرسل ہے تسمیۃ الکل باسم الجزء اور اطلاق الجزء علی الکل کے قبیل سے اور جزء بھی اشہر ہے کیونکہ اکثر کام انسان کے ہاتھوں ہوتے ہیں دوسری توجیہ یہ ہے کہ مراد فاعل ہے لیکن تحقیق وتاکید کے لئے لفظ ایدی کا ذکر کر دیا ہے۔

ظـلام لـلـعبیـد ظلام صیغہ مبالغہ مقتضی تکثیر ہے اس لئے بہ نسبت لفظ ظالم کے اخص ہوگا اور ظاہر ہے کہ نفی خاص سے نفی عام نہیں ہوتی۔ قاضیؒ نے اس شبہ کا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ اگر ظلم کرتا تو اس کا ظلم عظیم اور شدید ہوتا۔ اس کی عظمت کے مناسب اس لئے کہ اس کی نفی بھی علی وجہ المبالغہ کی گئی جس سے نفس ظلم کی نفی ہوگئی یا یوں کہا جائے کہ ظلم بندوں کے مقابلہ میں لایا گیا ہے اور بندے کثیر ہیں۔ اس لئے صیغہ کثیر کا لایا گیا ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ ظلام، تمار، لبان، عطار، بزاز کی طرح محض نسبت کیلئے ہے پس ظلام کے معنی ذی ظلم کے ہوں گے اور کبھی یہ صیغہ اسم فاعل کے معنی کے لئے بھی آتا ہے بغیر مبالغہ کے جیسے طباغ، حداد، صباغ، اور علامہ آلوسیؒ کی توجیہ کا ماحصل یہ ہے کہ ظلم کی کثرت یقینًا قبیح اور حق تعالیٰ سے منتفی ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ تنزہ میں کامل ہیں اس لئے ان کا نفس ظلم بھی ایسا ہے کہ جیسے کثرت ظلم پس کثرت ظلم کی نفی کے معنی نفس ظلم کی نفی کے ہیں۔

الذین قالوا یہ نعت یا بدل ہے الذین سابق سے اور منصوب ہے باضمار اعنی یا مرفوع ہے باضمار ھم۔

جاء ت نار انبیاءِ بنی اسرائیل کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی قربانی لاتا تو وہ اس کے لئے دعا کرتے قربانی اگر مقبول ہوتی تو غیب سے آگ آ کر اس کو چٹ کر لیتی سدیؒ کی رائے یہ ہے کہ تورات میں حضرت مسیح وحضرت محمدؐ کا استثناء ہے حاصل اس کے مضمون کا یہ ہے من جاء کم یزعم انہ نبی فلاتصدقوا حتی یاتیکم بقربان تاکلہ النار الا المسیح ومحمد علیھما السلام فانھما اذا اتیافامنوا بھما یاتیان بغیر قربان تاکلہ النار۔

فان کذبوک جواب محذوف ہے جس کی تقدیر کی طرف فاصبر کما صبروا سے مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے اور فقد کذب الخ یہ دال بر جواب ہے اور جواب شرط اس لئے نہیں ہو سکتا کہ شرط کی نسبت ماضی ہے۔

باثبات الباء یعنی بالزبر و بالکتاب زبر بمعنی کتب جمع کا صیغہ ہے جس کا واحد زبور ہے۔ کتاب حکمت کے معنی ہیں۔ اصل معنی زبر کے زجر کے ہیں گویا اس میں بھی باطل سے زجر ہوتا ہے۔ کـل نـفـس خبر ہے اور نکرہ کو مبتداء بنانا جائز ہے کیونکہ اس میں عموم ہے اس سے معلوم ہوا کہ بدن کی موت سے نفس فنا نہیں ہوتا کیونکہ نفس کو موت کا ذائقہ چکھنے والا کہنا جب ہی صحیح ہو سکتا ہے جب ذائقہ باقی ہو۔ انما توفون دنیا کے دارالعمل ہونے سے لازم آتا ہے کہ کوئی دارالجزاء بھی ہو۔ اسی کو عالم آخرت کہا جاتا ہے۔ متاع الغرور سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں لیکن جو دنیا کی وجہ سے آخرت کے طالب ہوں تو دنیا ان کے لئے متاع بلاغ ہے اور حسنؒ سے مروی ہے کہ دنیا گڑیوں کے کھیل کی طرح لاحاصل ہے۔

لتبلون اصل لتبلوون تھا نون تاکید ثقیلہ اضافہ کیا گیا تین نون جمع ہوگئے نون اعرابی گر گیا۔ و انـفـسکم اس سے معلوم ہوا کہ نفس نے

مراد جسمانی بدن ہے۔ جسم میں جو معنی باطل ہیں وہ مراد نہیں جیسا کہ بعض فلاسفہ اور متکلمین کا خیال ہے و التشبیب قصائد کے تمہیدی اشعار میں لطف کے لئے عورتوں کا ذکر کرنا جس سے سامعین کو دلچسپی پیدا ہو جائے۔ چنانچہ کعب بن اشرف مومن عورتوں کا ذکر اپنے اشعار میں کرتا تھا۔ عـزم الامـور مفسرؒ نے اشارہ کر دیا ہے کہ مصدر معنی میں مفعول کے ہے اور جمع کے ساتھ تفسیر کرنا امور کی طرف اضافت کی وجہ سے ہے۔ اصل میں عزم کے معنی ثباتِ امر کے ہیں۔

ربط:............ آیت لقـد سـمع الله کے ربط کی تقریر گزر چکی ہے آیت الـذیـن قـالوا میں یہود کی دوسری شرارت کا ذکر ہے اور آیت فان کذبوک میں مکذبین کے لئے وعید اور مصدقین کے لئے وعدہ عنوان عام کے ساتھ مذکور ہے آگے لتبلون میں مسلمانوں کو تسلی اور صبر کی تلقین ہے۔

شانِ نزول:............ آنحضرت ﷺ نے جب اسلام میں داخل، نماز، روزہ کے قیام، زکوٰۃ کی ادائیگی، اور اللہ کی راہ میں قرضہ جنگ کی اپیل کی تو یہود میں سے حیی بن اخطب، کعب بن اشرف، فخاض بن عاذ دراء جیسے ممتاز لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پھبتیاں کسنی شروع کیں کہ (معاذ اللہ) اللہ فقیر اور ہم غنی ہو گئے۔ ورنہ قرضہ جنگ کی اپیل کیوں کی جاتی، اس پر آیت **لقد سمع الله** نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾:...... **اللہ تعالیٰ کو فقیر کہنے کا مقصد**:............ بظاہر یہود کا یہ گستاخانہ قول صرف استہزاءً تھا۔ ان کا عقیدہ یہ نہیں تھا بلکہ مقصود اس سے آنحضرت ﷺ اور قرآن کی تکذیب تھی کہ آپ ﷺ کی چندہ وغیرہ کی اپیل کو اگر صحیح مان لیا جائے تو اس سے اللہ کا محتاج اور بندوں کا غنی ہونا لازم آتا ہے اور لازم باطل ہے۔ فالملزوم مثله باطل چنانچہ آیت فان کذبوک الخ سے اسی معنی کی تائید معلوم ہوتی ہے حالانکہ اول تو ان کی طرف سے یہ تکذیب قرآن کفر ہے۔ پھر اس پر استہزاء کفر بالائے کفر ہے اس لئے قابلِ وعید سمجھا گیا۔ اگرچہ مناظرات میں اس قسم کی تقریریں اہل حق کی جانب سے بھی پیش کی جاتی ہیں جن میں بطلانِ لازم سے بطلانِ ملزوم پر استدلال ہوتا ہے لیکن وہاں تکذیب یا استہزاء باطل کے ساتھ متعلق ہوتا ہے امر حق کے ساتھ نہیں ہوتا اور یہاں برعکس ہے۔ اس لئے قیاس صحیح نہیں ہے اور سـنـکتـب میں نامۂ اعمال کے اندراج کی حکمت ومصلحت یہ ہے کہ تحریر عادۃً مجرم پر زیادہ حجت ہوتی ہے اللہ کو ضرورت نہیں بلکہ بندوں کے لئے اتمام حجت کرنی ہے۔ اس لئے ایسی باتوں کا انکار یا تاویل کفر محض یا بدعت ہے اور جو لوگ قتل انبیاءؑ جیسے فعل شنیع کے مرتکب ہوں ان سے نرمی تکذیب رُسلؑ یا استہزاء کیا بعید اور تعجب خیز ہے۔ رہا یہ کہ قتلِ انبیاءؑ کے مرتکب تو ان کے بڑے ہوئے پھر ان معاصرین پر کیوں ملامت کی جا رہی ہے؟ اس کا جواب مفسر علامؒ نے دے دیا ہے کہ آباء کے اس فعل سے یہ لوگ راضی تھے اس لئے ان کو شریک جرم وقرار دے لیا گیا ہے اور یہاں حقیقت ظلم کی نفی کرنی نہیں ہے بلکہ صورت ظلم کی نفی مقصود ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مالک ومختار ہونے کی وجہ سے حقیقۃً تو ظلم ہو ہی نہیں سکتا نیز یہاں صرف ان کی گستاخی پر وعید فرمائی گئی ہے حالانکہ اعتراض کے سارے مقدمات غلط اور خود اعتراض مغالطہ محض ہے کیونکہ انفاق کی ترغیب بندوں کے نفع کے لئے ہے۔ اللہ کا نفع اس میں کیا ہو سکتا ہے؟ البتہ مبالغۃً ایفاء جزاء کے لئے مجازاً قرض کا لفظ بول دیا گیا ہے۔

یہود کے غلط اقوال کی تردید:............ قول یہود ان الله عهـد الخ کے دو جزء ہیں ایک جزء صریح یعنی ان الله عهـد الیـنا الـخ اور دوسرا جز اس سے لازم آ رہا ہے یعنی اگر آپ قربانی کا معجزہ ظاہر فرما دیتے تو ہم ضرور ایمان لے آتے پہلے جزء کا جواب یہ ہے کہ

تم اس کے مدعی ہو ھاتوا بر ھانکم ان کنتم صادقین حالانکہ یہ تمہارا افترائے محض کیونکہ بعض انبیاءؑ کے معجزہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام انبیاءؑ پر ایمان لانے کے لئے بھی کوئی خاص معجزہ شرط ہو۔ تاہم مطلق معجزہ یا مصدق نبوت کسی علامت ونشان کا ہونا کافی ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس میں یہ دونوں باتیں علی وجہ الکمال موجود ہیں۔ اس جواب کو غایت ظہور کی وجہ سے ذکر نہیں کیا گیا۔ صرف دوسرے جزء کے جواب پر آیت میں اکتفاء کیا گیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم اپنے بیان میں واقعی سچے ہو تو پھر ان انبیاءؑ پر ایمان کیوں نہیں لائے۔ جن میں بقول تمہارے خاص یہ معجزہ موجود تھا حتیٰ کہ تکذیب سے بڑھ کر تم نے ان کو قتل تک کر دیا رہا یہ شبہ کہ حضور ﷺ بھی اگر یہ معجزہ ظاہر فرما دیتے تو بہتر ہی ہوتا لیکن اولاً تو مدعی نبوت کے ذمہ مطلق دلیل کافی ہے کسی خاص دلیل کا پابند بنانا ضروری نہیں۔ دوسرے اگر خاص فرمائشی دلیل پیش بھی کی جائے تو وہ معاند اور ضدی لوگوں کے لئے مفید اور کارآمد نہیں ہوتی۔

لطائف آیت: .... آیت **فمن زحزح عن النار** سے مراد عام ہے خواہ ابتداءً ہی بچالیا جائے یا سزا کے بعد نکال لیا جائے اس طرح تمام مسلمان اس میں آجاتے ہیں تو خواہ عاصی ہوں یا غیر عاصی۔ اسی طرح **وادخل الجنة** سے مراد پورا کامیاب ہونا ہے اور اس کے مقابل پورا ناکام ہونا مراد ہوگا جو کفار کے ساتھ خاص ہوگا۔ دنیا کو **متاع الغرور** سب کے لئے نہیں کہا گیا۔ بلکہ تشبیہ سے مقصود یہ ہے کہ دنیا مقصود اصلی بنانے کے قابل نہیں ہے۔ یوں کوئی کریم النفس انسان اچھے داموں اگر خریدنے لگے تو اس کے سودے سے دل نہیں لگانا چاہئے بلکہ اعمال صالحہ اور مالک کی خوشنودی مزاج کا ذریعہ اس کو بنالینا چاہئے **لتبلون** سے مراد حقیقی آزمائش اور امتحان نہیں کہ حق تعالیٰ اس سے منزہ ہیں بلکہ مجازاً واقعات سے دوچار کرنا مراد ہے اور صبر سے مراد یہ ہے کہ واقعات وحوادث سے دل تنگ نہ ہو۔ نہ یہ کہ تدابیر بھی نہ کرو اور مواقع جنگ یا انتقام میں جنگ نہ کرو، انتقام نہ لو پس یہ آیت آیاتِ قتال کے منافی اور معارض نہیں کہ نسخ کی ضرورت پیش آئے نیز صدیق اکبرؓ کا اس گستاخانہ گفتگو پر فنحاص یہودی کے منہ پر طمانچہ مار دینا اور تادیباً غضب وغصہ کا مظاہرہ کرنا بھی صبر کے منافی نہیں ہے نیز پہلے سے مصائب وحوادث کی اطلاع دینے میں آمادگی کی سہولت دینی ہے کہ مشکل آسان ہو جائے۔ **الذين قالوا ان الله الخ** سے معلوم ہوا کہ اعتقاد کا معیار خوارق وکرامات نہیں ہونی چاہئے۔

فمن زحزح سے معلوم ہوا کہ بعض مدعیانِ تصوف کا جنت وجہنم سے دعویٰ استغناء صحیح نہیں ہے البتہ مغلوب الحال معذور سمجھا جائے گا۔

وَاذْكُرْ **اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ** اَيِ الْعَهْدَ عَلَيْهِمْ فِي التَّوْرٰةِ **لَتُبَيِّنُنَّهٗ** اَيِ الْكِتَابَ **لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ فِي الْفِعْلَيْنِ **فَنَبَذُوْهُ** طَرَحُوا الْمِيْثَاقَ **وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ** فَلَمْ يَعْمَلُوْا بِهٖ **وَاشْتَرَوْا بِهٖ** اَخَذُوْا بَدَلَهٗ **ثَمَنًا قَلِيْلًا** مِنَ الدُّنْيَا مِنْ سَفْلَتِهِمْ بِرِيَاسَتِهِمْ فِي الْعِلْمِ فَكَتَمُوْهُ خَوْفَ فَوْتِهٖ عَلَيْهِمْ **فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾** شِرَاؤُهُمْ هٰذَا **لَا تَحْسَبَنَّ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا** فَعَلُوْا مِنْ اِضْلَالِ النَّاسِ **وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا** مِنَ التَّمَسُّكِ بِالْحَقِّ وَهُمْ عَلٰى ضَلَالٍ **فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ** بِالْوَجْهَيْنِ تَاكِيْدٌ **بِمَفَازَةٍ** بِمَكَانٍ يَنْجُوْنَ فِيْهِ **مِّنَ الْعَذَابِ** فِي الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ فِيْ مَكَانٍ يُعَذَّبُوْنَ فِيْهِ وَهُوَ جَهَنَّمُ **وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾** مُؤْلِمٌ فِيْهَا وَمَفْعُوْلَا يَحْسَبُ الْاُوْلٰى دَلَّ عَلَيْهِمَا مَفْعُوْلَا الثَّانِيَةِ عَلٰى قِرَاءَةِ التَّحْتَانِيَّةِ وَعَلَى الْفَوْقَانِيَّةِ حُذِفَ الثَّانِيْ فَقَطْ **وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** خَزَائِنُ الْمَطَرِ وَالرِّزْقِ

وَالنَّبَاتِ وَغَيْرِهَا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ وَمِنْهُ تَعْذِيْبُ الْكَافِرِيْنَ وَاِنْجَاءُ الْمُؤْمِنِيْنَ.

ع ۱۹ ۹ ۱۰

ترجمہ: .... اور (یادرکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ جن لوگوں کو کتاب دی گئی (یعنی ان سے تورات میں عہد لیا گیا) تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لیا تھا کہ اس (کتاب) کو لوگوں پر واضح کرتے رہنا اور ایسا نہ کرنا کہ چھپانے لگو (دونوں فعلوں میں تا اور یا کے ساتھ قرأت ہے) لیکن انہوں نے اس کو پست پشت ڈال دیا (عہد کو نظر انداز کر دیا) اور (اس پر عمل درآمد نہ کر سکے) اور فروخت کر ڈالا (اس کا عوض لے کر) تھوڑے داموں پر (اپنی سیادتِ علمی کی وجہ سے کمتر لوگوں سے کچھ دنیا حاصل کرنے کے لئے کتمان علم کرتے تھے کہ کہیں ان کے منافع فوت نہ ہو جائیں) پس کیا ہی بری ہے (ان کی یہ خرید وفروخت) جو انہوں نے دام حاصل کئے ہیں اے پیغمبرؐ! تم ہرگز ایسا نہ سمجھنا (تا اور یا کے ساتھ قرأت ہے) جو لوگ اپنی کرتوتوں پر خوش ہو رہے ہیں (لوگوں کو گمراہ کرنے کے سلسلہ میں جو انہوں نے کی ہیں) اور چاہتے ہیں کہ ان کاموں کے لئے سراہے جائیں جو انہوں نے کبھی نہیں کئے (گمراہ رہتے ہوئے ان کا حق پر جماؤ) تو تم ہرگز نہ سمجھنا (یہ بھی دونوں مذکورہ طریقہ پر تاکید کے لئے ہے) کہ وہ بچے رہیں گے (نجات کی جگہ میں ہوں گے) عذاب سے (آخرت میں بلکہ وہ عذاب کی جگہ یعنی جہنم میں ہوں گے) یقیناً ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا (جہنم میں تکلیف دہ۔ پہلے یحتسب کے دونوں مفعول محذوف ہیں دوسرے یحتسب کے دونوں مفعول ان پر دال ہیں یائے تحتانیہ کی قرأت پر لیکن تائے فوقانیہ کی قرأت پر صرف مفعول ثانی محذوف ہوگا) اور آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لئے ہے (بارش اور رزق اور گھاس چارہ وغیرہ کے خزانے) اور اللہ کے احاطۂ قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں (منجملہ اس کے کافروں کو عذاب اور مؤمنین کی نجات ہے)

تحقیق وترکیب: .... **لتبیننه** یہ جواب میثاق ہے کیونکہ میثاق معنی قسم کو متضمن ہوتا ہے۔ ابن کثیرؒ و ابو عمرؒ نے **لیبیننه** یا کے ساتھ پڑھا ہے اور علماء نے اس کو حلف کے موقعہ پر بھی استعمال کیا ہے۔ اس علئے اس میں تین وجوہ ہو سکتی ہیں (۱) لفظ غائب کے ساتھ ہو گویا کسی سے یقینی بات کہہ رہے ہو۔ **استحلفته لیقومن** (۲) حاضر کے صیغہ کے ساتھ اس لفظ کو مراد لیا جائے جس کے کہنے کا ارادہ ہو مثلاً **استحلفته لتقومن** یعنی میں نے لتقومن کہا (۳) صیغہ متکلم کے ساتھ کہا جائے جیسے **استحلفته لاقومن** (روح المعانی)

اوتوا الکتاب یہ تعبیر یا تو اس لئے اختیار کی کہ مدارِ اختلاف انہوں نے کتاب اللہ کو بنا رکھا تھا اور تمام اختلافات کی اسناد اپنے زعم فاسد میں کتاب اللہ کی طرف کرتے تھے یا پھر مقصد اس جرم کی عظمت ہو کہ جن لوگوں سے اس کی توقع نہیں ہونی چاہئے تھی۔ ان ہی سے یہ شدید جرم سرزد ہو رہا ہے۔ حالانکہ کتاب اللہ ان کے لئے خود زاجر ہونی چاہئے تھی۔

فنکتموہ حدیث میں ارشاد ہے **من کتم علمًا عن اھله الجم بلجام من النار. فبئس ماشروا** مفسر علامؒ نے بئس کا فاعل **شراؤھم** اور مخصوص بالمذمت **ھذا** محذوف نکالا ہے **بما اتوا** اتیان اگرچہ عطاء کے معنی میں بھی آتا ہے لیکن مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ یہاں فعل کے معنی میں ہے۔

فلاتحسبنھم. یحسبن اول کا فاعل **الذین الخ** ہے اور دونوں مفعول محذوف "**انفسھم بمفازۃ**" ہیں اور **تحسبن** فوقانیہ کی صورت میں فاعل ضمیر مخاطب اور **الذین الخ** مفعول اول اور ثانی **بمفازۃ من العذاب** محذوف ہوگا۔ زجاج کہتے ہیں کہ بات اگر لمبی ہو جائے تو لفظ حسب وغیرہ کا اعادہ تاکیداً مناسب رہتا ہے تاکہ ذہول نہ ہو جائے بلکہ سابق کلام کے ساتھ اتصال رہے جیسے کہا جائے **لاتظنن زیدا اذا جاء ک وکلمک بکذا وکذا فلاتظنه صادقًا** فا اس میں زائد ہوتی ہے **مفازۃ** مصدر میمی بمعنی **فوز** اور تاء وحدۃ کے لئے نہیں ہے۔

ربط: .... یہود کے قبائح کا بیان چل رہا ہے۔ آیت واذ اخــذ الله میں ان کے ایک خاص قبیحہ "نقض عہد" کا ذکر ہے جو ان سے اظہار احکام اور عدم کتمان حق کا لیا گیا تھا۔ اس نقض عہد پر ان کو پشیمان ہونا چاہئے تھا لیکن اس کے برعکس وہ اظہار فخر کرتے ہیں۔ لاتحسبن الذین الخ میں اسی پر وعید ہے۔ آگے آیت للّٰہ میں اپنی بے پناہ قدرت کا اظہار ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ...... **کتمانِ حق جائز اور ناجائز**: .... کتمانِ حق دنیوی غرض سے مذموم وممنوع ہے لیکن اگر کوئی مصلحت دینی داعی ہو مثلاً مسئلہ دقیق ہو اور مخاطب بدفہم یا کم فہم ہو کہ اس کے لئے فتنہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو اور اس مسئلہ کی کوئی خاص ضرورت بھی نہ ہو تو نہ صرف اخفاء جائز بلکہ بعض مواقع پر ضروری ہوگا۔ ورنہ خواہ مخواہ فتنہ عام، یا خاص ہوگا جس کی اجازت کسی طرح نہیں دی جاسکتی ہے۔

لیکن علمائے یہود اپنے دنیاوی منافع فوت ہونے کے خطرہ سے آنحضرت ﷺ کے باب میں سابقہ پیشگوئیوں کا اخفاء کرتے تھے اور ایمان وتصدیق جیسی ضرورات کا کتمان کرتے تھے۔ اسی طرح ناکردہ محاسن پر امید مدح سرائی رکھتے تھے۔ مثلاً حق کا اظہار نہیں کیا لیکن دوسروں کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہم اظہار حق بلکہ حق کا بول بالا کرنے والے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھی انہوں نے اسی قسم کی جرأت آمیز حرکت کی تاکہ ان کا خداع معلوم نہ ہوسکے۔ یہود ومنافقین غزوات کے موقعہ پر عام طور سے اس طرح کی چالاکیاں کرتے رہتے تھے غرض کہ آیت اپنے عموم الفاظ کی وجہ سے دوسروں کو بھی شامل ہے جو ایسی باتوں کا ارتکاب کرنے والے ہوں۔

نیک نامی پر سرورِ طبعی: .... تاہم مقصود آیت کا دراصل معصیت پر فرحت اور اہتمام مدحت ہے۔ البتہ نیکی پر خوشی یا ناکردہ نیکی پر خوشی اگر طبعاً ہو تو مضائقہ نہیں لیکن اگر اس میں بھی اہتمام مدح ہو تو یقیناً مذموم ہے۔ یہود کی دنیاوی رسوائی قتل وجلاوطنی ہے اور منافقین کی رسوائی بدنامی ہے۔ آیت وللّٰہ میں چونکہ اللہ تعالیٰ سلطان حقیقی ہیں اور قادر مطلق ہیں نیز یہ صفات ان کے ساتھ مختص ہیں اور انہوں نے اس سزا کی خبر دی ہے اس لئے سب پر ان کے احکام کا ماننا ضروری ہے اور نافرمانی جرم ہے وہ سزا دے سکتے ہیں اور دیں گے اور ان کی دی ہوئی سزا سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

علمائے حق کا فرض: .... اس آیت سے معلوم ہوا کہ علماء پر حق کا اظہار واجب اور کتمانِ حق حرام ہے۔ بالخصوص دنیاوی اور نفسانی اغرض کے لئے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے **ما اخذ الله علی اهل الجهل ان يتعلموا حتى اخذ على اهل العلم ان يعلموا** حاصل یہ ہے کہ علماء پر علم ضروری ہے تاکہ عوام کے لئے عمل ممکن ہو اور بقول فخر الاسلام کے آیت سے یہ معلوم ہوا کہ خبر واحد حجت ہوتی ہے حق عمل میں اگرچہ اعتقاد کے لئے ضروری نہ ہو۔

لاتحسبن الذين يفرحون سے ایسے مدعیان تصوف مشائخ کی مذمت معلوم ہوئی جن کی مجالس کے تذکروں کا زیادہ حصہ ایسے کمالات کی مدح سرائی کی امید پر مشتمل ہوتا ہے جن سے وہ یکسر کورے ہوتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ موجودہ کمالات کی مدح سرائی جائز اور محمود ہوگی وہ بھی نامحمود اور مذموم ہے کیونکہ **بمالم يفعلوا** میں قید احترازی نہیں بلکہ قید واقعی ہے خصوصی واقعہ نزول سبب ہے۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِمَا مِنَ الْعَجَائِبِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ بِالْمَجِيْءِ
وَالذَّهَابِ وَالزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ لَاٰيٰتٍ دَلَالَاتٍ عَلٰى قُدْرَتِهٖ تَعَالٰى لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ لِذَوِي الْعُقُوْلِ
الَّذِيْنَ نَعْتٌ لِمَا قَبْلَهٗ اَوْ بَدَلٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ مُضْطَجِعِيْنَ اَيْ فِيْ كُلِّ حَالٍ
وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يُصَلُّوْنَ كَذٰلِكَ حَسْبَ الطَّاقَةِ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ
لِيَسْتَدِلُّوْا بِهٖ عَلٰى قُدْرَةِ صَانِعِهِمَا يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا الْخَلْقَ الَّذِيْ نَرَاهُ بَاطِلًا ۚ حَالٌ عَبَثًا بَلْ
دَلِيْلًا عَلٰى كَمَالِ قُدْرَتِكَ سُبْحٰنَكَ تَنْزِيْهًا لَكَ عَنِ الْعَبَثِ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ
تُدْخِلِ النَّارَ لِلْخُلُوْدِ فِيْهَا فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ اَهَنْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ الْكَافِرِيْنَ فِيْهِ وُضِعَ الظَّاهِرُ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ
اِشْعَارًا بِتَخْصِيْصِ الْخِزْيِ بِهِمْ مِنْ زَائِدَةٌ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ اَعْوَانٍ يَمْنَعُوْنَهُمْ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا
مُنَادِيًا يُّنَادِيْ يَدْعُو النَّاسَ لِلْاِيْمَانِ اَيْ اِلَيْهِ وَهُوَ مُحَمَّدٌ اَوِ الْقُرْاٰنُ اَنْ اَيْ بِاَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ بِهٖ
رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ غَطِّ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا فَلَا تُظْهِرْهَا بِالْعِقَابِ عَلَيْهَا وَتَوَفَّنَا اِقْبِضْ اَرْوَاحَنَا مَعَ فِيْ
جُمْلَةِ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ الْاَنْبِيَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ رَبَّنَا وَاٰتِنَا اَعْطِنَا مَا وَعَدْتَّنَا بِهٖ عَلٰى اَلْسِنَةِ رُسُلِكَ مِنَ الرَّحْمَةِ
وَالْفَضْلِ وَسُؤَالُهُمْ ذٰلِكَ وَاِنْ كَانَ وَعْدُهٗ تَعَالٰى لَا يُخْلَفُ سُؤَالُ اَنْ يَجْعَلَهُمْ مِنْ مُسْتَحِقِّيْهِ لِاَنَّهُمْ لَمْ يَتَيَقَّنُوْا
اِسْتِحْقَاقَهُمْ لَهٗ وَتَكْرِيْرُ رَبَّنَا مُبَالَغَةٌ فِي التَّضَرُّعِ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾
اَلْوَعْدِ بِالْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ دُعَاءَهُمْ اَنِّيْ اَيْ بِاَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ
ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ كَائِنٌ مِّنْ بَعْضٍ ۚ اَيِ الذُّكُوْرُ مِنَ الْاِنَاثِ وَبِالْعَكْسِ وَالْجُمْلَةُ مُؤَكِّدَةٌ لِمَا قَبْلَهَا
اَيْ هُمْ سَوَاءٌ فِي الْمُجَازَاةِ بِالْاَعْمَالِ وَتَرْكِ تَضْيِيْعِهَا نَزَلَتْ لَمَّا قَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَا اَسْمَعُ اللّٰهَ
ذَكَرَ النِّسَاءَ فِي الْهِجْرَةِ بِشَيْءٍ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ مَكَّةَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا
فِيْ سَبِيْلِيْ دِيْنِيْ وَقٰتَلُوا الْكُفَّارَ وَقُتِلُوْا بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَقْدِيْمِهٖ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ
سَيِّاٰتِهِمْ اَسْتُرُهَا بِالْمَغْفِرَةِ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مَصْدَرٌ مِنْ مَعْنٰى
لَاُكَفِّرَنَّ مُؤَكِّدٌ لَهٗ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ التَّكَلُّمِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ اَلْجَزَاءِ۔

ترجمہ:............ بلاشبہ آسمان وزمین (اور جو کچھ عجائبات ان کے درمیان ہیں ان) کی تخلیق میں اور رات دن کے مختلف ہونے
میں (یکے بعد دیگرے آنے جانے اور زیادتی اور کمی میں) بڑی ہی نشانیاں ہیں (اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالتیں ہیں) ارباب دانش
(عقلمندوں) کے لئے وہ اہل دانش (یہ ماقبل کی صفت ہے یا بدل ہے) اللہ کی یاد میں لگے رہتے ہیں۔ کھڑے ہوں یا بیٹھے ہوں، لیٹے

ہوں (کروٹ کے بل، یعنی ہر حال میں۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان تینوں حالات میں حسب طاقت نمازیں پڑھتے ہیں) اورغور وفکر کرتے ہیں آسمان وزمین کی پیدائش میں (تاکہ اس سے ان کے صانع کی قدرت پر استدلال کرسکیں درآنحالیکہ پکار اٹھتے ہیں کہ) خدایا جوآپ نے پیدا کیا ہے کہ سب کچھ (مخلوق جس کو ہم دیکھ رہے ہیں) بلاشبہ عبث وبے کار نہیں ہے (ترکیب میں باطلاً حال ہے یعنی عبث نہیں۔ بلکہ آپ کی کمال قدرت پر دلیل ہیں) آپ کی ذات اس سے پاک ہے (بے کار کام کرنے سے منزہ ہے) پس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالیجئے۔ خدایا جس کو آپ دوزخ میں ڈال دیں (ہمیشگی کی نیت سے) بلاشبہ آپ نے اس کو بڑی ہی خواری میں ڈال دیا (رسوا کردیا) اور ظلم کرنے والوں کے لئے (کافروں کے لئے اس میں اسم ظاہر کی بجائے ضمیر لائی گئی۔ رسوائی کی تخصیص ان کے ساتھ ظاہر کرنے کے لئے) کوئی (مـــن زائد ہے) مددگار نہیں (کہ اللہ کے عذاب سے مدد کر کے ان کو بچاسکے) خدایا ہم نے ایک منادی کرنے والے کی منادی سنی (جو لوگوں کو بلا رہا تھا) ایمان کی طرف (للایمان بمعنی الی الایمان ہے اور مراد اس سے محمد ﷺ یا قرآن پاک ہے) وہ کہہ رہا تھا (ان معنی میں بان کے ہے لوگو!) ایمان لاؤ اپنے پروردگار پر۔ تو ہم ایمان لے آئے (اس پر) پس خدایا ہمارے گناہ بخش دیجئے اور مٹادیجئے (محو کردیجئے) ہماری برائیاں (کہ ان پر سزا ہو کر ان کا اظہار نہ ہوجائے) اور ہماری موت (قبض ارواح) نیک کرداروں (انبیاءؑ اور صالحینؒ) کے ساتھ ہو خدایا عنایت فرما (عطا کر) وہ سب کچھ ہم کو (جس کا) آپ نے وعدہ فرمایا ہے اپنے رسولوں (کی زبان) سے (یعنی رحمت وفضل۔ حق تعالیٰ کا وعدہ اگرچہ خلاف نہیں ہوتا لیکن سوال کا منشاء یہ ہے کہ آپ ہمیں اپنے وعدہ کے مستحقین میں شمار فرمالیجئے، کیونکہ استحقاق وعدہ کا یقین تو نہیں ہے اور لفظ ربـــنـــا کا تکرار انتہائی عاجزی کے لئے ہے) اور ہمیں رسوائی نہ ہو قیامت کے دن بلاشبہ آپ ہی ہیں کہ آپ کا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوسکتا (مراد بعث وجزاء کا وعدہ ہے) پس ان کے پروردگار نے (ان کی دعائیں) قبول فرمالیں۔ یقیناً میں (انّ معنی بـــانّ کے ہے) کبھی کسی عمل کرنے والے کا عمل اکارت نہیں کیا کرتا۔ مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے کے جنس (سے) ہو (یعنی مرد عورت سے اور عورت مرد سے اور یہ جملہ ماقبل کی تاکید ہے۔ یعنی عورت ومرد سب عمل کے بدلہ اور اکارت نہ ہونے میں برابر ہیں)

(حضرت ام سلمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے جب عرض کیا یارسول اللہ ہجرت کے سلسلہ میں ہم کہیں عورت کا ذکر قرآن پاک میں نہیں سنتے؟ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی) پس جن لوگوں نے ہجرت کی (مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی جانب) اور اپنے گھروں سے نکالے گئے، میری راہ (دین) میں ستائے گئے اور (کفار سے) لڑے اور قتل ہوئے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے اور ایک قرأت میں قتلوا کی تقدیم قـــاتـــلـــوا پر ہے) تو یقیناً میں ان کی خطائیں معاف کردوں گا (مغفرت سے چھپالوں گا) اور انہیں جنت کے باغات میں پہنچادوں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، یہ ثواب ہوگا (لاکـفـرن کا معنی یہ مفعول مؤکد ہے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (متکلم کے صیغہ سے یہاں التفات ہے) اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہترین ثواب (بدلہ) ہے۔

تحقیق وترکیب: .... **فـی کل حـال** یعنی آیت سے عموم مراد ہے۔ غالب حالات کی وجہ سے ان تین احوال کی تخصیص کی ہے ورنہ تمام ہیئتیں اور کیفیتیں مراد ہیں۔ **یـصـلـون کـذلک** یعنی احکام نماز اسی ترتیب کے ساتھ ہوں گے۔ چنانچہ قیام پر قدرت ہوتے ہوئے قعود جائز نہیں اور قعود پر قدرت ہوتے ہوئے اضطجاعاً نماز جائز نہیں۔ البتہ ذکر اللہ کے لئے کوئی خاص حالت اعتقاداً ضروری نہیں اس میں توسع اور عموم ہے کرنے میں بھی اور نہ کرنے میں بھی یوں تجربہ سے کوئی خاص ہیئت کا مفید ہونا ثابت ہوجائے تو وہ دوسری بات ہے اور حسب الطاقۃ کی قید نماز کے ساتھ اس لئے لگادی ہے کہ حدیث عمران بن حصینؓ میں تصریح ہے **صـل قـائماً فان لم تستطع فقاعدًا فان لم تستطع فعلی جنب. یقولون.** تقدیر عبارت کی طرف اشارہ ہے۔

باطلا یہ حال ہے **ھذا** مفعول بہ سے تقدیر عبارت اس طرح ہے **ماخلقت ھذا خالیًا عن الحکمۃ. فقنا** اس میں فاء جزائیہ ہے۔ای **اذا تنزھناک فقنا. للخلود فیھا** اس میں معتزلہ کے لئے بھی اس قید کے بعد اجتماع کا موقعہ نہیں رہا دوسرے آیت **یوم لایخزی اللہ النبی الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام مؤمنین غیر مخزی رہیں گے۔ادھر عصاۃ مؤمنین کا جہنم میں داخل ہونا بھی صحیح ہے اور اس آیت سے جہنم میں داخل ہونے والوں کا رُسوا ہونا معلوم ہوتا ہے۔اس تعارض کے رفع کے لئے مفسر علامؒ نے یہ قید لگائی ہے کہ آیت مطلقاً جہنم میں داخل ہونے والوں کے لئے عام نہیں ہے بلکہ صرف کفار مراد ہیں جن کا داخلہ دائمی رہے گا۔**الیہ** یعنی لام بمعنی **الی** ہے جیسے **الحمد للہ الذی ھدانا لھذا** میں ہے اور **منادیًا** اور **ینادی** دونوں لفظ لانے میں منادی کی عظمتِ شان کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ منادیٔ ایمان سے بڑھ کر اور کون منادی ہوسکتا ہے اگر منادی سے مراد آنحضرت ﷺ ہوں تو اسناد حقیقی ہے اور قرآن مراد ہو تو اسنادِ مجازی ہے یعنی ''منادی بہ''

ان امنوا مصدر یہ محل نصب میں ہے بحذف حرف الجر اور ان تفسیر یہ بھی ہوسکتا ہے ای **امنوا**.

ذنوبنا حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ذنوب سے مراد کبائر اور سیئات سے مراد صغائر ہیں۔ذنب کے معنی دامن کے ہیں اور **سیئتہ** سوء سے ہے اس لئے اس میں خفت ہے البتہ مغفرۃ اور تکفیر میں اہل لغت سے فرق منقول نہیں ہے اجتناب کبائر کے بعد کفارۂ سیئات ہوسکتا ہے **وتوفنا** چونکہ دفات میں تقدیم تاخیر ہوتی رہتی ہے معیت نہیں ہوتی اس لئے مفسرؒ نے فی جملۃ الابرار کہہ کر توجیہ کردی ہے بطور کنایہ ہم مسلک ہونا مراد ہے۔

ابرار جمع بر جیسے ارباب جمع رب کی **السنۃ رسلک** یعنی **واسئل القریۃ** کی طرح بتقدیر المضاف **ان یجعلھم یعنی انما العبرۃ بالخواتیم** کی وجہ سے مدار انجام عاقبت پر ہے اور وہ معلوم نہیں یا امتثال امرین کوتاہی کے خیال سے یا تعبد وخشوع میں مبالغہ کے لئے اس کی دعا سکھلائی گئی ہے۔**وتکریر ربنا** ان آیات میں پانچ مرتبہ لفظ **ربنا** آیا ہے تضرع کے لئے نیز یہ اسم اعظم ہے چنانچہ امام جعفر صادقؒ کا ارشاد ہے کہ جس کو کوئی ہولناک امر پیش آئے تو پانچ دفعہ **ربنا** کہنے سے اللہ مراد پوری فرمادیں گے اور اس حادثہ سے نجات مل جائے گی جیسے ایک معصوم بچہ بار بار ابا، ابا، اماں پکارتا ہے آخر کار ماں باپ کو پیار آہی جاتا ہے اور اس کی فرمائش پوری کردی جاتی ہے۔**میعاد** بمعنی وعد مصدر ہے ظرف نہیں ہے۔

انی ای بانی اس میں باسببیہ ہے **فالذین ھاجروا** یہ مبتداء ہے **لاکفرن** خبر ہے **واخرجوا** اس میں اشارہ ہے کہ ان کا اخراج قہراً وجبراً ہے وہ خوشدلی سے نہیں نکلے بظاہر چاہے طوعًا ہو مگر بباطن کرہًا ہے کیونکہ جنم بھومی سے ہر شخص کو طبعًا لگاؤ ہوتا ہے **استرھا** اشارہ اس طرف ہے کہ لغوی معنی مراد ہیں **ثوابًا** یعنی **لاکفرن ای لاثیبنھم بالتکفیر اثابۃ** تو ثواب بجائے اثابۃ کے لایا گیا ورنہ دراصل عطاء کی طرح ثواب بولا جاتا ہے **لما یثاب** کے لئے اور بعض کی رائے ہے کہ جنات سے یا ضمیر مفعول سے حال ہے۔ای **مثابین** یا جنات سے بدل ہے اور غیبت سے تکلم کی طرف التفات ہے **عندہ حسن الثواب** لفظ عند کا اطلاق صرف قریب اور نزدیک ہی کے لئے نہیں آتا بلکہ اختصاص اور ملکیت کے لئے بھی آتا ہے چاہے اس کے پاس نہ ہو یہاں بھی اختصاص ہی مراد ہے کہ ثواب دینے پر بجز اللہ کے کوئی قادر نہیں ہے اگر **حسن الثواب** مبتداء مؤخر نہ بھی کیا جاتا تب بھی لفظ **عندہ** سے اختصاص اور حصر مفہوم ہورہا ہے۔

ربط:..........آیت **للہ الخ** کے اختصاص سے توحید مفہوم ہوئی۔ان آیات میں اس پر عقلی دلائل کا بیان ہے۔نیز اسی کے ساتھ توحید کے کمال اقتضاء پر عمل پیرا ہونے والوں کی فضیلت بھی مذکور ہے۔اسی طرح پچھلی آیات میں کفار کی ایذاؤں کا بیان تھا۔ان آیات میں بھی کفار کا عناد یہ درخواست کا جواب ہے۔آیت **فاستجاب** میں قبولیت دعا کی بشارت مع سبب اور اس پر تفریع کے مذکور ہے۔

شانِ نزول:........ مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے عناداً یہ درخواست کی کہ آپ ﷺ کوہ صفا کو سونے کا بنا دیجئے تب ہم جانیں کہ آپ ﷺ واقعی نبی ہیں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں کہ دلائل تو بہت سے ہیں بشرطیکہ غور وفکر کرو۔ ابن جریرؒ وغیرہ نے ابن عمرؓ سے تخریج کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک طویل حدیث سنی ہے جس میں یہ بھی تھا کہ حق تعالیٰ قیامت کے روز جنت کو بلائیں گے وہ نہایت آرائش وزیبائش کے ساتھ آئے گی، ارشاد ہوگا کہاں ہیں میرے وہ بندے جنہوں نے میری راہ میں قتال کیا اور وہ ستائے گئے اور انہوں نے جہاد کیا وہ جنت میں داخل ہوجائیں، چنانچہ وہ بلا حساب کتاب داخل ہوجائیں گے اور دوسری روایت ام سلمہؓ کی مفسر علامؒ نے ذکر فرمائی ہے۔

﴿تشریح﴾:........ **دلائل قدرت میں فکر ونظر:**........ حاصل جواب یہ ہے کہ قدرت کی طرف سے دلائل کی کمی نہیں ہے کائنات میں ان کا تو انبار لگا ہوا ہے کمی اگر ہے تو ہماری نظر وفکر کی ہے، کوتاہی اگر ہے تو خود تمہاری اپنی بصیرت وطلب کی ہے۔

ففی کل شئ لہ اٰیۃ تدل علی انہ واحد

اور چونکہ یہ خاص فرمائش محض عناداً ہے اس لئے اس کو پورا کرنے میں کوئی خاص مصلحت وفائدہ نہیں ہے۔ ورنہ ہم اس درخواست کو پورا کردیتے۔ بہرحال حق کی معرفت واستقامت کا سرچشمہ ذکر اللہ اور کائنات خلقت میں تدبر وتفکر ہے۔ ذکر کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کی یاد سے کسی وقت دل فارغ نہ ہو اور فکر کا مقصد یہ ہے کہ آسمان وزمین کی پھیلی ہوئی ساری کائنات کی خلقت وفطرت اور مظاہر قدرت میں غور وخوض کیا جائے، ذکر سے دل کی غفلت دور ہوتی ہے اور فکر سے حقیقت کے دروازے کھلتے ہیں۔ اور اسرار فطرت آشکارا ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کے دل غفلت سے پاک ہوتے ہیں اور کائناتِ خلقت میں تفکر کرتے ہیں ان پر یہ حقیقت نمایاں ہوجاتی ہے کہ یہ تمام کارخانۂ ہستی اور اس کا عجیب وغریب نظام بغیر کسی اعلیٰ مقصد کے نہیں ہوسکتا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان کی اس دنیاوی زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہوتا کہ جو کچھ اس زندگی میں کیا جائے اس کے نتائج وثمرات اس اُخروی زندگی میں سامنے آجائیں۔ اس حقیقت کے کھلنے پر انسانی روح خدا پرستی کے جوش سے معمور ہوجاتی ہے اور وہ خدا کی بارگاہ میں سر نیاز جھکا کر بخشش ورحمت کی طلب گار ہوجاتی ہے۔

قانونِ قدرت:........ اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ کسی انسان کا نیک عمل رائیگاں نہیں فرماتا۔ پس جو لوگ حق پرستی کی راہ میں طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کررہے ہیں وہ یقین رکھیں کہ ان کے اعمال حق اور ان کے ثمرات کبھی ضائع ہونے والے نہیں۔

ان للہ عباداً فطنا طلقوا الدنیا وخافوا الفتنا
نظروا فیہا فلما علموا انہا لیست لحی وطنا
جعلوہا لجۃ واتخذوا صالح الاعمال فیہا سفنا

ان آیات میں پانچ درخواستیں پیش کی گئیں ہیں اور ان کی قبولیت کی بشارت سنائی گئی ہے۔ سمعنا منادیا میں سننے سے مراد عام ہے خواہ بلا واسطہ ہو۔ جیسے حضرات صحابہؓ کا سننا یا بوسائط ہو جیسے عام مسلمانوں کا اور علی رسلک جمع کا صیغہ لانا اس طرف مشیر ہے کہ جس طرح تمام پیغمبر اصول دعوت میں مشترک ہیں۔ اسی طرح وعدہ میں بھی سب متفق ومتحد ہیں چنانچہ ان وعدوں کی ہر زمانہ میں بار بار تجدید ہوتی رہی ہے۔

جامع دعائیں: .... اور منتہاء مقاصد چونکہ دو چیزیں ہیں حصول جنت، نجات جہنم اور دونوں کے لئے دو شرطیں ہیں طاعات کا وجود اور معاصی کا عدم۔ اس طرح کل چار باتیں ہوئیں چنانچہ فقنا عذاب النار میں دوسری چیز کی اور فاغفر لنا میں چوتھی چیز کی اور اتنا ماوعدتنا میں پہلی اور تیسری بات کی درخواست مذکور ہے۔ اس لئے یہ دعائیں نہایت جامع ہیں۔

نکات آیت: .... لاکفرن عنهم سیاٰتهم میں تمام خطائیں مراد ہیں کیونکہ ہجرت اور جہاد وشہادت کا شرف یہاں مذکور ہو رہا ہے اور احادیث سے ان کا تمام گناہوں کے لئے مکفر ہونا معلوم ہے۔ نیز آیات دعا میں استجابت سے جو تکفیر مفہوم ہو رہی ہے اسلام پر اگر اس کو مرتب کیا جائے تو علی الاطلاق اس کا مکفر ہونا بھی وارد ہے اور استغفار کا صلہ اگر دعائے تکفیر کو قرار دیا جائے تب بھی تو یہ کے مکفر ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے اور قابل کفارہ گناہوں سے مراد صرف حقوق اللہ ہیں کیونکہ احادیث میں دین اور قرض کا استثناء آیا ہے۔ ان کے لئے یہ حسنات مکفر نہیں چنانچہ صحاح میں ہے ان الاسلام یهدم ما کان قبله وان الهجرة تهدم ما کانت قبلها. وان القتل فی سبیل الله یکفر کل ذنب الا الدین یعنی اسلام اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ پچھلے تمام گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں بجز قرض کے۔

الذین یذکرون الله سے تین باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ فکر بھی مثل ذکر کے عبادت ہے، دوسرے یہ کہ فکر کا محل مخلوق ہے نہ کہ خالق کی ذات تیسرے ذکر سے مراد یہاں ذکر روحی اور قلبی ہیں کیونکہ سب احوال میں ہونا اسی کی شان ہے۔

ربنا ماخلقت هذا باطلاً سے بعض اکابر نے جو یہ سمجھا ہے کہ ممکنات نے وجود کی بو بھی نہیں سونگھی ہے اگر اس سے مراد اتصاف حقیقی کی نفی ہے جو واسطہ فی الثبوت میں ہوتا ہے تب تو صحیح ہے لیکن اتصاف مجازی جو واسطہ فی العروض میں ہوتا ہے اس کی نفی صحیح نہیں ہے اور کبھی باطل کا اطلاق بمعنی فانی بھی آتا ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

الا کل شیٔ ماخلا الله باطل وکل نعیم لامحالة زائل

لفظ زائل اس کا قرینہ ہے کہ باطل اس کے ہم معنی ہے یعنی اللہ کے سوا ہر چیز فانی اور ہر نعمت ختم ہو جانے والی ہے۔

وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ الْمُسْلِمُوْنَ اَعْدَاءُ اللّٰهِ فِیْمَا نَرٰی مِنَ الْخَیْرِ وَنَحْنُ فِی الْجَهْدِ **لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا** تَصَرُّفُهُمْ **فِی الْبِلَادِ** ﴿۱۹۶﴾ بِالتِّجَارَةِ وَالْكَسْبِ هُوَ **مَتَاعٌ قَلِیْلٌ** قف یَتَمَتَّعُوْنَ بِهٖ فِی الدُّنْیَا یَسِیْرًا وَیَفْنٰی **ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمِهَادُ** ﴿۱۹۷﴾ اَلْفِرَاشُ هِیَ **لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ** اَیْ مُقَدَّرِیْنَ الْخُلُوْدَ **فِیْهَا نُزُلًا** هُوَ مَایُعَدُّ لِلضَّیْفِ وَنَصَبُهٗ عَلَی الْحَالِ مِنْ جَنّٰتٍ وَالْعَامِلُ فِیْهَا مَعْنَی الظَّرْفِ **مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ** مِنَ الثَّوَابِ **خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ** ﴿۱۹۸﴾ مِنْ مَتَاعِ الدُّنْیَا **وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ** كَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهٖ وَالنَّجَاشِیْ **وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ** اَیِ الْقُرْاٰنُ **وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ** اَیِ التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْلُ **خٰشِعِیْنَ** حَالٌ مِنْ ضَمِیْرِ یُؤْمِنُ مُرَاعًی فِیْهِ مَعْنٰی مَنْ اَیْ مُتَوَاضِعِیْنَ **لِلّٰهِ لا لَا یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ** اَلَّتِیْ عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْلِ مِنْ نَعْتِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **ثَمَنًا قَلِیْلًا ط** مِنَ الدُّنْیَا بِاَنْ یَّكْتُمُوْهَا خَوْفًا عَلَی الرِّیَاسَةِ كَفِعْلِ غَیْرِهِمْ مِنَ الْیَهُوْدِ **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ**

اَجْرُهُمْ ثَوَابُ اَعْمَالِهِمْ **عِنْدَ رَبِّهِمْ** يُوْتَوْنَهٗ مَرَّتَيْنِ كَمَا فِي الْقَصَصِ **اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴿۱۹۹﴾** يُحَاسِبُ الْخَلْقَ فِيْ قَدْرِ نِصْفِ نَهَارٍ مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا** عَلَى الطَّاعَاتِ وَالْمَصَائِبِ وَعَنِ الْمَعَاصِيْ **وَصَابِرُوْا** الْكُفَّارَ فَلَايَكُوْنُوْا اَشَدَّ صَبْرًا مِنْكُمْ **وَرَابِطُوْا** اَقِيْمُوْا عَلَى الْجِهَادِ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** فِيْ جَمِيْعِ اَحْوَالِكُمْ **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴿۲۰۰﴾** تَفُوْزُوْنَ بِالْجَنَّةِ وَتَنْجُوْنَ مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ: .... (مسلمانوں نے جب یہ شکایت کی کہ دشمنانِ خدا کو ہم اچھی حالت میں دیکھتے ہیں لیکن خود ہم تکلیف میں رہتے ہیں تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی) اے پیغمبر! آپ کو دھوکہ میں نہ ڈال دے سیر ھگردش کرنا (گھومنا) راہِ کفر اختیار کرنے والوں کا ملکوں میں (تجارت اور کمائی کے لئے یہ جو کچھ ہے) محض تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے (دنیا کا معمولی سا نفع ہے جو بالآخر فنا ہو جائے گا) پھر آخر کار ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور کیا ہی برا ٹھکانا (جگہ) ہے (وہ) لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈریں ان کے لئے باغ بہشت ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ ہمیشہ (درانحالیکہ دوام ان کے لئے مقدر ہو چکا ہے) اسی حالت میں رہیں گے یہ ان کے لئے مہمانی ہوگی؟ (نُزُل وہ کھانا جو خاص مہمان کے لئے اترنے کے ساتھ ہی پیش کیا جائے اور یہ لفظ جنات سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے اور اس میں عامل معنیٰ ظرف ہے) اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے (ثواب) سو وہ اچھائی اور خوبی ہی ہے نیک کرداروں کے لئے (بہ نسبت دنیاوی سروسامانی کے) اور یقیناً اہل کتاب میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان رکھتے ہیں (جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے رفقاء اور نجاشی شاہ حبشہ) اور جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے (قرآن کریم) اور جو کچھ ان پر نازل ہو چکا ہے (توراۃ وانجیل) سب کے لئے ان کے دل میں یقین ہے ان کے دل جھکے ہوئے ہیں (یہ حال ہے ضمیر یومن سے۔ اس میں معنیٰ من متضمن ہے یعنی متواضعین) اللہ تعالیٰ کے آگے وہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں فروخت نہیں کرتے (تورات وانجیل کی وہ آیات جن میں آنحضرت ﷺ کی تعریف ہے) تھوڑے داموں پر (دنیا لیکر اس طرح کہ ان کو چھپا ڈالیں اپنی ریاست چلے جانے کے خوف سے جیسے کہ دوسرے یہود ایسا کرتے ہیں) تو بلاشبہ ایسے لوگوں کے لئے اجر (اعمال کا ثواب) ان کے پروردگار کے حضور ہے (ان کو ڈبل حصہ ملے گا جیسا کہ سورۂ قصص میں ہے) یقیناً اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والے ہیں (کہ دنیا کے آدھے دن میں کل مخلوق کا حساب چکا ڈالیں گے) مسلمانو! صبر کرو (خواہ طاعات پر ہو یا مصائب پر اور یا معاصی سے رُک کر) اور ایک دوسرے کو صبر کی ترغیب دو (کفار کے مقابلہ میں تم سے زیادہ بڑھ کر صبر کسی کا نہیں ہونا چاہئے) اور ایک دوسرے کے ساتھ بندھ جاؤ (جہاد میں پرے جما کر کھڑے ہو جاؤ) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (ہر حال میں) امید کی جاتی ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے (حصول جنت اور نجات جہنم کے ساتھ بامراد ہو سکو گے)

تحقیق وترکیب: .... **لایغرنک** یہ خطاب ہر شخص کو ہے یا صرف آنحضرت ﷺ مخاطب ہیں اور سنانا دوسروں کو ہے۔ رہا خطاب کی تخصیص سو مبالغہ کے لئے ہے کہ آنحضرت ﷺ باوجودیکہ مغرور نہیں ہیں لیکن جب ہم آپ ﷺ سے کہہ رہے ہیں تو دوسرے جن میں یہ احتمال غالب ہے بدرجۂ اولیٰ مخاطب ہیں اور اس قسم کی آیات بکثرت ہیں جن میں بظاہر آپ ﷺ مخاطب ہیں۔

تقلب تصرف فی الامور کو تقلب کہتے ہیں یعنی جس طرح چاہے کرے مراد اس سے حل وعقد کا تصرف ہوتا ہے جس میں نقل مکانی ضروری نہیں ہے۔ اس کا محل ایسی لذیذ چیزیں ہیں جن میں حظ نفسانی ہو۔ **هو** مفسر علامؒ نے **متاع قليل** کے مبتداء محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ای **تقلبهم فی البلاد متاع قليل**.

خالدین ضمیر سے حال مقدرہ ہے اور عامل معنی ظرف استقرار ہے اور اس کی حالیت باعث اشکال نہیں ہونی چاہئے کیونکہ وصف کے ساتھ اس کی تخصیص ہوگئی ہے۔ نزلا کہتے ہیں اول مہمانی کے کھانے کو جنۃ کو نزل کہنا اس لئے ہے کہ بلا انتظار سب سے اول ملے گی یا اس لئے کہ پہلے سے تیار رکھی جائے گی۔ اس میں مہمانوں کا اکرام مقصود ہے۔ خاشعین ابن زیدؒ اس کے معنی متذللین کے کہتے ہیں اور حسنؒ خشوع خوف خداوندی کو کہتے ہیں جو لازم قلب ہو۔

من متاع یعنی لفظ خیر اسم تفضیل ہے جس کا مفضل علیہ محذوف ہے۔ لمن یؤمن ان کے اسم پر لام ابتداء داخل کردیا گیا ہے ظرف کے فاصل ہو جانے کی وجہ سے۔ نجاشی یہ نصرانی بادشاہ حبشہ تھا جس کا نام اصحمہ بمعنی عطاء اللہ تھا مؤمنین اہل کتاب دوہرے اجر کے مستحق اس لئے سمجھے گئے ہیں کہ انہوں نے دونوں مذہبوں پر اپنے اپنے وقت میں عمل کیا۔ سورۂ قصص وحدید میں ہے یؤتون اجرھم مرتین اور یؤتکم کفلین من رحمته. اصبروا حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں نفس کو خلاف طبع باتوں کا اس طرح پابند کرلینا کہ ناگواری اور جزع باقی نہ رہے صبر ہے۔ رابطوا مرابطت کے معنی سرحدوں پر حفاظت کے لئے گھوڑا باندھنا تاکہ جنگ کے لئے آمادہ اور تیار ہو سکیں۔

ربط :............ پچھلی آیت میں مسلمانوں کی تکالیف کا بیان اور ان کا نیک انجام مذکور تھا۔ آئندہ آیت میں کافروں کی عیش وعشرت کا انجام بد مذکور ہے تاکہ اس تقابل سے مسلمانوں کو پوری راحت وتسلی اور طاعات کے لئے آمادگی ہو۔ نیز آیات دعا سے پہلے کفار اہل کتاب کے قبائح کا بیان تھا۔ آیت وان من اھل الکتاب میں نومسلم اہل کتاب کے محامد ومدائح کا تذکرہ ہے۔ گذشتہ آیت لیسوا سواءً چونکہ یہود واہل کتاب کے باب میں تھی اور یہ آیت نصاریٰ اہل کتاب کے باب میں ہے اس لئے تکرار نہیں ہے۔ لیکن دونوں آیتوں کا مصداق اگر ایک ہی قسم کے نومسلم اہل کتاب ہوں تب بھی عنوان کے اختلاف سے تکرار نہیں یا تکرار بھی ہو تو مفید تاکید ہے اور چونکہ یہ صورت محاجہ لسانی وسنانی پر مشتمل ہے اس لئے ایک جامع اور مختصر عنوان پر سورۃ کو ختم کرنے کے لئے آیت یایھا الذین امنوا اصبروا الخ لائی گئی ہے۔

شانِ نزول:............ آیت لایغرنك تقلب کے شانِ نزول کی طرف خود مفسر علامؒ نے اشارہ فرمایا ہے۔ آیت وان من اھل الکتاب کے متعلق ابن عباسؓ وغیرہ کی روایت یہ ہے کہ اصحم نصرانی شاہ حبشہ کے بارہ میں نازل ہوئی ان کے انتقال کی اطلاع جبریل علیہ السلام نے جب آنحضرت ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے صحابہ کو بقیع غرقد میں چل کر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا۔ اس کا جنازہ باوجود بعد مسافت کے آپ ﷺ کے سامنے کردیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے نماز پڑھائی، استغفار کیا منافقین استہزاء کرنے لگے کہ بغیر دیکھے ایک ناواقف شخص کی غائبانہ نماز جنازہ آپ ﷺ پڑھ رہے ہیں حالانکہ وہ آپ ﷺ کا ہم مذہب بھی نہیں ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾:...... **سورۃ کا آغاز اور اختتام:**............ اس سورت کا آغاز جن مضامین سے کیا گیا ان ہی پر اس کا اختتام کیا جارہا ہے۔ اس طرح آغاز و انجام دونوں یکساں ہو گئے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآنی دعوت کے مخالفین کتنی ہی جدوجہد کریں اور بظاہر وہ عارضی طور پر کتنے ہی خوشحال نظر آئیں لیکن انجام کار دعوت قرآنی ہی کامیاب ہوگی۔ اور اہل کتاب کی جو جماعتیں عرب میں دعوت قرآنی کا مقابلہ کر رہی ہیں وہ بالآخر نامراد ہوں گی، البتہ جو لوگ سچائی کی راہ اختیار کرلیں گے ان کے لئے کوئی کھٹکا نہیں ہے وہ اپنی راست بازی اور نیک عملی کا اجر ضرور پائیں گے۔ اللہ کا قانونِ محاسبہ سست رفتار نہیں ہے۔ قرآنی دعوت ماننے والوں کے لئے مختصر دستور

العمل یہ ہے کہ وہ صبر کی راہ اختیار کریں اور ایک دوسرے کے ساتھ گندھ جائیں اور بندھ جائیں اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہیں اس صورت میں کامیابی ضرور ان کے قدم چومے گی۔

اہل کتاب اور مسلمانوں کا امتیازی نشان: .... **خاشعین للّٰہ** کی قید سے مؤمنین کی تخصیص کی وجہ سمجھ میں آ گئی ہے ورنہ اللہ کو اور تورات وانجیل کو تمام اہل کتاب مانتے تھے لیکن ان کا اعتقاد بلا خشوع وخضوع ہونے کی وجہ سے حدود شرعیہ سے متجاوز تھا چنانچہ اللہ کے لئے اولاد تجویز کرنا، احکام میں افتراء کرنا، تورات وانجیل کی آیات کا اشتراء، اسی تجاوز عن الحدود کے ثمرات تھے اس لئے تخصیص کی گئی ہے۔ البتہ قرآن پر اہل کتاب کا بالکل اعتقاد نہیں تھا۔ اس میں نفس اعتقاد ہی امتیاز کے لئے کافی تھا کسی قید کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور **سریع الحساب** کا یہ مطلب نہیں کہ وہ سب سے ضرور حساب لیں گے احادیث میں بہت سے مقبولین کا بلا حساب جنت میں داخل ہونا بیان کیا گیا ہے بلکہ بطور کنایہ بدلہ کا جلد دینا مراد ہے۔ کیونکہ جو شخص جلد حساب کتاب کی فکر کرتا ہے وہ جلد ہی مزدوری چکانے کی بھی کوشش کرے گا اور لوگوں کو ٹال مٹول کی تکلیف میں مبتلا نہیں کرے گا۔

لطائف آیت: .... کفار کا مجاہد لسانی وسنانی جن سے مسلمانوں کو اذیت ہو سکتی ہے اور اس کے ضمن میں جو اقوال وافعال آتے ہیں ان کی چار علتیں ہیں۔ (۱) مقاتلہ (۲) احتمال مقاتلہ (۳) مباحثہ اور (۴) صرف ایذاء رسانی۔ چوتھی صورت میں تو صبر واستقلال کی بطور خود ضرورت ہے اور پہلی صورت یعنی احتمال مقاتلہ میں مرابطت یعنی جنگی تیاری اور مستعدی کی ضرورت ہوتی ہے اور تیسری صورت یعنی مباحثہ میں تقویٰ کی حاجت ہے کہ جوش وغصہ میں کہیں اعتدال کی باگ دوڑ ہاتھ سے نہ چلی جائے۔ جیسا کہ عموماً مناظرات میں ہو جاتا ہے اس لئے چاروں حالتوں کے مناسب ہدایت فرمائی گئی ہیں۔

تاہم تقویٰ کی ضرورت تو سب ہی صورتوں میں پڑتی ہے اس لئے اس کو عام رکھا گیا ہے۔ مرابطت کا اطلاق جس طرح سرحدی حفاظت ونگرانی پر آتا ہے اسی طرح احکام کی پابندی اور مواظبت پر بھی اس کا اطلاق آتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار پر رباط کا اطلاق آیا ہے اور یہ اول معنی کے لحاظ سے بھی تشبیہا کہنا صحیح ہے گویا کہ نفس وشیطان کے مقابلہ کے لئے مستعد رہنا مراد ہے اور یا ثانی معنی کے لحاظ سے حقیقۃً فرمایا گیا ہے کہ یہ تو انتظار خود علامت ہے دوام کی۔ پس آیت بالا اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد کی ایک قسم مجاہدۂ نفس بھی ہے بلکہ وہ جہاد اکبر ہے۔

سُوْرَةُ النِّسَآءِ

سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ مِائَةٌ وَّخَمْسٌ اَوْ سِتٌّ اَوْ سَبْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً

ترجمہ: .... سورۂ نساء مدنی ہے اس میں کل (۱۷۵ یا ۱۷۶ یا ۱۷۷) آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ترجمہ: .... اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم فرما ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَیْ اَهْلُ مَكَّةَ **اتَّقُوْا رَبَّكُمْ** اَیْ عِقَابَهٗ بِاَنْ تُطِيْعُوْهُ **الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ** اٰدَمَ **وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا** حَوَّآءَ بِالْمَدِّ مِنْ ضِلَعٍ مِنْ اَضْلَاعِهِ الْيُسْرٰى **وَبَثَّ** فَرَّقَ وَنَشَرَ **مِنْهُمَا** مِنْ اٰدَمَ وَحَوَّآءَ **رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً** ۚ كَثِيْرَةً **وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ** فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِی الْاَصْلِ فِی السِّيْنِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالتَّخْفِيْفِ بِحَذْفِهَا اَیْ تَسَاءَلُوْنَ **بِهٖ** فِيْمَا بَيْنَكُمْ حَيْثُ يَقُوْلُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ اَسْأَلُكَ بِاللّٰهِ وَاَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ **وَ** اتَّقُوا **الْاَرْحَامَ** ۭ اِنْ تَقْطَعُوْهَا وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْجَرِّ عَطْفًا عَلَى الضَّمِيْرِ فِیْ بِهٖ وَكَانُوْا يَتَنَاشَدُوْنَ بِالرَّحِمِ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا** ﴿۱﴾ حَافِظًا لِاَعْمَالِكُمْ فَيُجَازِيْكُمْ بِهَا اَیْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ وَنَزَلَ فِیْ يَتِيْمٍ طَلَبَ مِنْ وَلِيِّهٖ مَالَهٗ فَمَنَعَهٗ **وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى** الصِّغَارَ الَّاتِیْ لَا اَبَ لَهُمْ **اَمْوَالَهُمْ** اِذَا بَلَغُوْا **وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ** الْحَرَامَ **بِالطَّيِّبِ** ۠ الْحَلَالِ اَیْ تَأْخُذُوْهُ بَدَلَهٗ كَمَا تَفْعَلُوْنَ مِنْ اَخْذِ الْجَيِّدِ مِنْ مَالِ الْيَتِيْمِ وَجَعْلِ الرَّدِیِّ مِنْ مَالِكُمْ مَكَانَهٗ **وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ** مَضْمُوْمَةً **اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ** ۭ **اِنَّهٗ** اَیْ اَكْلَهَا **كَانَ حُوْبًا** ذَنْبًا **كَبِيْرًا** ﴿۲﴾ عَظِيْمًا وَلَمَّا نَزَلَتْ تَحَرَّجُوْا مِنْ وَلَايَةِ الْيَتٰمٰى وَكَانَ فِيْهِمْ مَنْ تَحْتَهُ الْعَشْرُ اَوِ الثَّمَانُ مِنَ الْاَزْوَاجِ فَلَا يَعْدِلُ بَيْنَهُنَّ فَنَزَلَتْ **وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا** تَعْدِلُوْا **فِی الْيَتٰمٰى** فَتَحَرَّجْتُمْ مِنْ اَمْرِهِمْ فَخَافُوْا اَيْضًا اَلَّا تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ اِذَا نَكَحْتُمُوْهُنَّ **فَانْكِحُوْا** تَزَوَّجُوْا **مَا** بِمَعْنٰى مَنْ **طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ** ۚ اَیْ اِثْنَيْنِ اِثْنَيْنِ وَثَلَاثًا ثَلَاثًا وَاَرْبَعًا وَاَرْبَعًا وَلَا تَزِيْدُوْا عَلٰى ذٰلِكَ **فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا** فِيْهِنَّ بِالنَّفَقَةِ وَالْقَسْمِ **فَوَاحِدَةً** اَنْكِحُوْهَا **اَوْ** اقْتَصِرُوْا عَلٰى **مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ** ۭ مِنَ الْاِمَاءِ اِذْ لَيْسَ لَهُنَّ مِنَ الْحُقُوْقِ

مَالِلزَّوْجَاتِ **ذٰلِكَ** اَیْ نِکَاحُ الْاَرْبَعَةِ فَقَطْ اَوِ الْوَاحِدَةِ وَالتَّسَرِّیْ **اَدْنٰٓی** اَقْرَبُ اِلٰی **اَلَّا تَعُوْلُوْا**﴿۳﴾ تَجُوْرُوْا **وَاٰتُوا** اُعْطُوا **النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ** جَمْعُ صَدَقَةٍ مُهُوْرَهُنَّ **نِحْلَةً** مَصْدَرٌ عَطِيَّةٍ عَنْ طِيْبِ نَفْسٍ **فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا** تَمِيْيْزٌ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ اَیْ اِنْ طَابَتْ اَنْفُسُهُنَّ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِنَ الصُّدَاقِ فَوَهَبْتَهُ لَكُمْ **فَكُلُوْهُ هَنِيْٓئًا** طَيِّبًا **مَّرِيْٓئًا**﴿۴﴾ مَحْمُوْدَ الْعَاقِبَةِ لَاضَرَرَ فِيْهِ عَلَيْكُمْ فِی الْاٰخِرَةِ نَزَلَ رَدًّا عَلٰی مَنْ كَرِهَ ذٰلِكَ

ترجمہ: .... اے لوگو! (مکہ والو!) اپنے پروردگار سے ڈرو (یعنی اس کے عذاب سے، اس طرح کہ اس کی اطاعت کرو) وہ پروردگار کہ جس نے تمہیں پیدا کیا ایک اکیلی جان (آدمؑ) سے اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا (حوا علیہا السلام۔ جس کا تلفظ مد کے ساتھ ہوگا۔ ان کی بائیں پسلی سے پیدا کیا) پھر پھیلا دی (متفرق ومنتشر طور پر) ان دونوں آدمؑ وحواؑ) کی نسل سے مردوں اور عورتوں کی کثیر تعداد۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ باہم وگر سوال کرتے ہو (لفظ تسـاء لون میں تا کا ادغام دراصل سین میں ہو رہا ہے اور ایک قرأت میں تخفیف کے ساتھ حذف تا کی صورت میں ہے۔ یعنی تسـاء لـون) جس کے نام پر (باہمی اس طرح کہ ایک دوسرے سے کہتا ہے اسـألک بـاللہ او رانشـدک بـاللہ یعنی اللہ کا واسطہ دیتا ہوں یا اللہ کی قسم کھاتا ہوں، نیز (ڈرتے) رہو) قرابت داری کی معاملہ میں (کہ اس کو کہیں قطع نہ کردو ایک قرأت میں ارحام جر کے ساتھ عطف ہے ضمیر بـہ پر۔ چنانچہ رحمی رشتوں ناطوں کا واسطہ دے کر قسمیں کھائی جاتی تھیں) یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ تم پر نگرانِ حال ہیں (تمہارے اعمال کی نگہداشت فرمانے والے ہیں۔ ان کے لحاظ سے تم کو بدلہ دیں گے یعنی ہمیشہ اس وصف کے ساتھ متصف رہتے ہیں۔ اگلی آیت ایک یتیم کے سلسلہ میں نازل ہوئی جس نے اپنے ولی سے اپنا مال طلب کیا اور انہوں نے دینے سے انکار کردیا) اور حوالہ کرڈالو یتیموں کے (جن چھوٹے بچوں کے باپ نہ رہے ہوں) ان کا مال (جبکہ وہ بالغ ہوجائیں) اور ان کی اچھی (حلال) چیز کو ناکارہ (حرام) چیز سے نہ بدل ڈالو (یعنی اپنی ردی چیز دے کہ ان کی عمدہ چیز لے لو۔ جیسا کہ اب تک تمہارا معمول چلا آرہا ہے کہ یتیم کی بہترین چیزوں سے اپنا گھٹیا چیزوں کا تبادلہ کرلیتے) اور ان کا مال خورد برد نہ کرلیا کرو اپنے مالوں کے ساتھ (ملاکر) یقیناً یہ (کھانا) بڑے ہی گناہ (پاپ) کی بات ہے (اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ لوگ یتیم لڑکیوں کے معاملات میں حرج کرتے تھے اور بعض کے نکاح میں آٹھ یا دس بیویاں تھیں اور ان میں عدل نہیں کرتا تھا پھر نازل ہوئی) اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ انصاف (عدل) نہ کرسکو گے یتیم بچوں کے معاملہ (یعنی ان کے معاملات میں حرج واقع ہونے لگے نیز اگر وہ لڑکیاں ہوں تو ان سے نکاح کرلینے میں انصاف قائم نہ رکھ سکنے کا تمہیں اندیشہ ہو) تو نکاح (شادی) کرلیا کرو ان عورتوں (ما بمعنی من ہے) جو تمہیں پسند آئیں دو دو تین تین چار چار (یعنی تعدد ازواج کی تین صورتیں جائز ہیں۔ اول دو دو عورتوں سے، دوسرے یہ کہ تین تین عورتوں سے تیسرے یہ کہ چار چار عورتوں سے۔ لیکن اس سے زائد کی اجازت نہیں ہے) پس اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ انصاف نہیں کرسکو گے (ان متعدد عورتوں کے ساتھ ان کے حقوق کی ادائیگی اور سب کے ایک ساتھ ایک ہی طرح کا برابر سلوک کرنے میں) تو پھر چاہئے کہ ایک ہی بیوی سے (نکاح میں بس کرو) پھر (اکتفاء کرلو) ان عورتوں پر جو تمہارے ہاتھ لگ گئیں (باندیاں، کیونکہ ان کے اخراجات آزاد عورتوں کے برابر نہیں ہوتے) ایسا کرنا (یعنی محض چار عورتوں سے نکاح صرف ایک آزاد عورت سے یا ایک باندی سے) زیادہ قرین (قریب) ہے اس بات کے کہ تم ناانصافی (ظلم) نہ کرسکو اور ادا کردیا (دے دیا) کرو عورتوں کو ان کے مہر (صدقات جمع صدقۃ کی ہے بمعنی مہر) خوشدلی کے ساتھ (نحلۃ مصدر ہے خوشدلی سے دینے کے معنی میں) ہاں اگر وہ خوشدلی سے تمہارے حق میں کچھ چھوڑ دیں (نفسا تمیز ہے جو دراصل فاعل تھی یعنی اگر ان کا دل خوش ہوجائے کہ اپنے مہروں سے کچھ تم کو ہبہ کردیں) تو تم اسے اپنے کام میں لاسکتے ہو بے کھٹکے (خوشدلی سے) خوشگوار سمجھ کر (کہ انجام کے لحاظ سے بہتر اور آخرت میں ضرر رساں نہ رہے۔ یہ آیت ان لوگوں کی تردید میں نازل ہوئی جو مہر کے مال میں سے کچھ کھانا گناہ سمجھتے تھے)

تحقیق وترکیب: .... **یا ایھا الناس** ان الفاظ سے جہاں خطاب ہوتا ہے اس سے مراد عام طور پر اہل مکہ ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ سورت مدنی ہے کیونکہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے اکثر یہ ہے حواء کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان کو ایک شئے حی اور زندہ چیز سے پیدا کیا گیا ہے اور چونکہ مفسرؒ کی تقدیر کے مطابق ان کی پیدائش معتاد طریقہ سے نہیں ہوئی اس لئے وہ حضرت آدمؑ کی اولاد یا ہماری بہن نہیں کہلائیں گی۔ بلکہ ہماری والدہ اور ان کی بیوی کہلائیں گی اور یہ تخلیق بقول کعب احبار اور وہب اور اسحٰق دخول جنت سے پہلے عمل میں آئی اور ابن مسعودؓ وابن عباسؓ کی رائے کے مطابق دخولِ جنت کے بعد ہوئی ہے۔ جس طرح آجکل سرجری سے پہلے بے حس کر دیا جاتا ہے اسی طرح حضرت آدمؑ پر نیند کی سی مدہوشی طاری کر دی گئی ہوگی اور حوا کو بائیں پسلی کے کسی حصہ سے نکال لیا گیا ہوگا۔ بیدار ہوتے تو بالطبع ان کی طرف میلان اور خواہش جنسی ہوئی لیکن بغیر ادائیگی مہر روک دیا گیا اور آنحضرت ﷺ پر اک دفعہ یا تین مرتبہ یا سترہ بار درود بھیجنے کو مہر قرار دیا گیا۔

نساء کثیرۃ روایت میں آتا ہے کہ حضرت حوا بیس یا چالیس بار حاملہ ہوئیں اور ہر مرتبہ لڑکا اور لڑکی توام پیدا ہوتے تھے اور اختلاف بطن کو اختلاف نسب کے قائم مقام کر کے ایک دفعہ کی لڑکی، دوسری دفعہ کے لڑکے کے ساتھ بیاہ دی جاتی تھی۔ **الارحام** یہ منصوب ہے۔ **علی اللّٰہ** کے محل پر معطوف ہونے کی وجہ سے **مررت بزید و عمرًا** کی طرح ہے۔

ان تقطعوھا اس سے بدل الاشتمال ہے نیز ارحام بتقدیر مضاف ہے یعنی "**قطع مودۃ الارحام**" ڈرو اس سے "صلہ رحمی" کی اہمیت اور "قطع رحمی" کی برائی پر روشنی پڑتی ہے روایات میں اس کی تفصیل ہے۔

ان اللّٰہ کان لفظ **کان** ماضی ہونے کی وجہ سے موہم انقطاع تھا۔ مفسرؒ نے اس کا ازالہ **لم یزل متصفًا** کہہ کر کر دیا کہ ازلاً وابدًا اور دائمًا اس سے متصف ہیں۔ **رقیبًا** بمعنی مطلع مرقب بلند مکان جس سے نیچے جھانکا جائے۔ ابن زید اس کے معنی عالم لیتے ہیں گویا فعیل بمعنی فاعل۔ **الالی** بروزن علی جمع مذکر اسم موصول ہے مع اپنے صلہ "**بلا اب**" کے صفت ہے صغار کی اُلیٰ اسم اشارہ نہیں ہے۔

الخبیث اس سے مراد حرام ہے خواہ عمدہ مال ہو اور طیب سے مراد حلال ہے اگر چہ ردی مال ہو۔ سعید بن المسیبؒ وغیرہ حضرات فرماتے ہیں کہ **کان اولیاء الیتامٰی یاخذون الجید من مال الیتیم ویجعلون مکان الروی الخ**

ای **تاخذوہ** اشارہ ہے کہ تفعل معنی میں استفعال کے ہے جیسے تعجل معنی میں استعجال کے اور تاخر بمعنی استیخار۔

مضمومۃ یہ الی کا متعلق محذوف ہے جو موضع حال میں ہے **الحوب** بڑا گناہ۔ **اتوا الیتمٰی** سے مراد مال یتامٰی سے صرف ترک تعرض نہیں ہے بلکہ صحیح سالم مال کی سپردگی ہے۔ **تقسطوا** اقسط بمعنی عدل ہمزہ سلب کے لئے ہے ای **ازال القسط** قسط بمعنی ظلم اور **واما القاسطون الخ** اور **تقسطوا** بفتح التاء پڑھا گیا ہے قسط بمعنی جار سے۔ اس صورت میں **لا** زائد ہوگا اور زجاج کے نزدیک اقسط بمعنی قسط بھی آتا ہے اور قسط بمعنی عدل جیسے **وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط**۔

فی الیتامٰی یہ جمع ہے یتیم اور یتیمہ کی بخلاف ایتام کے وہ صرف یتیم کی جمع ہے شرعی حیثیت سے اس کے معنی ہیں نابالغ بچہ جس کا باپ نہ ہو لڑکا یا لڑکی۔ لیکن لغوی معنی انسانوں میں بن باپ کا بچہ اور جانوروں میں بن ماں کا بچہ بالغ ہو یا نابالغ۔ **ما طاب ما** بمعنی من صفت کا لحاظ کر کے ما سے تعبیر کیا گیا ہے یا کہا جائے کہ غیر ذوی العقول کے قائم مقام کر لیا گیا ہے جیسے **ماملکت ایمانکم** میں یا مامن کی جگہ استعمال ہو رہا ہے یعنی ذوی العقول ہی مراد ہیں جیسے **ماخلقت بیدی** اور طاب بمعنی بلغ بھی آتا ہے۔ **طابت الثمرۃ** بولتے ہیں ای **ادرکت**. **طاب** اور **نساء** دونوں عورت کے بالغ ہونے کی طرف مشیر ہیں۔ ای **اثنین** یعنی لفظ **مثنیٰ** و **ثلث** و **ربع** میں واؤ عاطفہ نہیں ہے یا اعداد مکروہ سے عدول کی طرف اشارہ ہے۔ یہ اسماء غیر منصرف ہیں **تعولوا** عول بمعنی میل یعنی ظلم۔ **صدقات** مہر کو صدقہ سے تعبیر کرنے میں ادائیگی کی تسہیل کی طرف اشارہ ہے۔ **غلۃ** منصوب مصدر ہونے کی وجہ سے ہے یا حال ہونے کی وجہ سے۔ نحلہ بمعنی عطیہ یہ مصدر من غیر لفظ الفعل ہے جیسا کہا جائے **جلست قعودًا**۔

نفسًا دراصل یہ طبن کا فاعل تھا لیکن یہاں تمیز بنا دیا گیا ہے **ھنیئًا** بمعنی لذیذ **مریئًا** بمعنی آسانی سے ہضم ہونے والا خوشگوار دونوں

لفظ ضمیر مفعول سے حال واقع ہیں۔ طبن کو علی کے ساتھ تضمین معنی تجاوز لایا گیا۔ منہ ضمیر مہر کی طرف راجع ہے اور من سے تقلیل کی طرف اشارہ ہے اگر چہ جائز کل مہر کا ہبہ کرنا بھی ہے۔

ربط: .... آل عمران کو مضمون تقویٰ پر ختم کیا گیا تھا۔ سورۂ نساء کو اسی مضمون تقویٰ سے شروع کیا جارہا ہے۔ لیکن پہلی سورت کے تقویٰ کا محل مخالفین کے معاملات تھے اور اس سورۃ میں تقویٰ کا محل ان کے علاوہ باہمی معاملات بھی ہیں یعنی اس سورت میں تین طرح کے معاملات مذکور ہیں (۱) باہمی معاملات جیسے یتامیٰ، ازواج وغیرہ احکامات۔

(۲) مخالفین کے ساتھ معاملات جیسے احکام جہاد، منافقین کے احوال، مشرکین کے عقائد وغیرہ۔

(۳) معاملات فیما بینہ وبین اللہ یعنی دیانات جیسے توبہ ونماز کے احکام اور مسائل جنابت وطہارت وغیرہ۔ تقویٰ کو مؤثر بنانے کے لئے اللہ کی صفت ربوبیت اور خلق کا واسطہ دیا گیا ہے تا کہ انسانی ناطوں اور رحمی رشتوں میں باہمی استواری پیدا ہو سکے اور سوسائٹی کا نظام انفرادیت کی بجائے اجتماعیت کا رنگ اختیار کر لے۔ نظام معاشرت کے لئے صلہ رحمی کے حقوق کی حفاظت و درستگی ضروری ہے۔

آیت واتوا الیتٰمیٰ سے ان حقوق کی تفصیلات شروع کر دی ہیں۔ اول حکم یتامیٰ کو مالی نقصان نہ پہنچانے سے متعلق ہے مگر عموماً اور آیت وان خفتم میں دوسرا حکم یتیموں کو ایک خاص نقصان سے بچانے کے متعلق ہے یعنی احکام نکاح کا بیان ہے۔ آگے آیت واتوا النساء میں تیسرا حکم مہر سے متعلق فرمایا گیا ہے۔

شانِ نزول: .... آیت وان خفتم کے نزول میں روایات مختلف ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ یتیموں کی نگہداشت کے سلسلہ میں جو آیات نازل ہوئیں ان کی وجہ سے لوگ یتامیٰ میں تو حد درجہ احتیاط کرنے لگے لیکن زنا سے احتراز نہیں ہو رہا تھا۔ اس لئے اس سلسلہ میں بطور اصلاح یہ آیت نازل ہوئی اور بعض کی رائے ہے کہ اگر کسی شخص کی تحویل میں کوئی خوبصورت یتیم لڑکی آجاتی تھی تو وہ اسے اپنے ہی پاس روک لیتا تھا اور اس طرح ایک ایک کے پاس دس دس لڑکیاں جمع ہو جاتی تھیں جس سے ان کی حق تلفی کا سوال پیدا ہوا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور بعض کا خیال ہے کہ لوگ مال یتامیٰ کے بارہ میں تو محتاط ہو گئے تھے مگر تکثیر نساء اور تعدد ازواج کے باب میں بے روک ٹوک تھے اس پر پابندی لگانے کے لئے آیت نازل ہوئی۔ ہر صورت پر آیت کی توجیہ الگ الگ ہوگی۔

امام زاہد کلبی سے ناقل ہیں کہ عورت کے اولیاء مہر پر قابض ہو جاتے تھے اور عورت کو دینے نہ دینے میں خود کو مختار سمجھتے تھے چنانچہ صاحب تفسیر حسینی بھی کہتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں لڑکیوں کے مہر پر باپ قابض ہو جاتے تھے جیسا کہ قرآن کی آیت ان تاجرنی ثمانی حجج حضرت شعیب و موسیٰ علیہما السلام کے واقعہ کی حکایت کر رہی ہے لیکن اس آیت نے اس کو منسوخ کر کے لڑکی کا حق قرار دیا۔ اور مقاتل کہتے ہیں کہ مرد عورتوں سے نکاح بلا مہر کر لیتے تھے اس کی اصلاح کے لئے آیت نازل ہوئی۔ اس صورت میں شوہر مخاطب ہوں گے اسی طرح آیت کے دوسرے جزء فان طبن کے متعلق روایت ہے کہ بعض لوگ عورت کے دیئے ہوئے مہر میں سے پیسہ خرچ کرنا گناہ سمجھتے تھے اس کی اصلاح کی گئی کہ اگر خوشدلی سے ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... **خدا کی قدرت اور پیدائش کے تین طریقے**: .... آیت بالا میں پیدائش کے تینوں طریقوں کا ذکر ہے یعنی حضرت آدمؑ ایک جاندار کا بے جان مٹی سے پیدا ہونا۔ حضرت حواءؑ کا حضرت آدمؑ سے یعنی جاندار کا جاندار سے پیدا ہونا مگر توالد و تناسل کے معتاد اور متعارف طریقہ کے خلاف پیدا ہونا۔ عام انسانوں کی پیدائش یعنی دونوں جاندار اور طریقہ بھی متعارف۔ جیسے

آدمؑ سے تااین دم عورت مرد کی عام پیدائش کا سلسلہ جاری ہے۔ بہر حال فی نفسہٖ عجیب ہونے میں یہ تینوں صورتیں برابر ہیں اور اللہ کی قدرت کے آگے عجیب نہ ہونے میں بھی تینوں حالتیں یکساں ہیں اس لئے خاص طور پر حضرت حواءؑ کی پیدائش بطریق مذکور کا انکار کرنا صحیح نہیں ہے۔ باقی یہ شبہ کہ اس خاص صورت کے تجویز کرنے میں کیا خاص مصلحت وحکمت تھی؟ سو اللہ کے کسی کام کی حکمت واسرار جاننے کا نہ کسی کو دعویٰ ہے اور نہ اس کی کوئی ضرورت۔ درآنحالیکہ ایک مصلحت ظاہر و باہر بھی ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے سب طریقوں پر اظہار قدرت مقصود ہو علاوہ ازیں آخر معتاد طریق ہی میں کیا مصلحت ولم ہے؟ بہر حال ہمیں نہ یہ معلوم نہ وہ معلوم۔

ازالۂ شبہات:......... باقی بائیں پسلی سے حضرت حواءؑ کے بننے کا یہ مطلب نہیں کہ پوری پسلی ہی حضرت آدمؑ کی غائب ہوگئی تھی اول تو اس لازم کے ماننے میں بھی کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔ زیادہ سے زیادہ ایک ہڈی کا کم ہونا لازم آئے گا جس میں کسی محال کا لزوم نہیں ہے لیکن مراد اس سے ہڈی کا بعض حصہ ہے کہ ایک قلیل مقدار کو اصل بنا کر اپنی قدرت سے اس کو بڑھا دیا۔ رہا یہ سوال کہ ایسا آپریشن کرنے میں ان کو تکلیف ہوئی ہوگی؟ سو عمل جراحی کے اس ترقیاتی دور میں یہ سوال کوئی وزن نہیں رکھتا نیز ان سب شبہات کا شافی جواب ان اللہ علی کل شیءٍ قدیر میں موجود ہے۔

آگے یتامیٰ کی مالی نگہداشت اور حفاظت کے بارہ میں ہدایت ہے کہ ان کے مال سے ایسا تبادلہ نہ کرو جو ان کے لئے باعث نقصان ہو اور وہ ہاتھ تلے ہونے کی وجہ سے اس کے دفعیہ سے عاجز ہوں یا یتیم خوبصورت مالدار لڑکی کو کم مہر اپنے نکاح میں دبالیا کہ اس کی داد فریاد کرنے والا کون ہوگا۔ اس کا حاصل انتظام یہ ہے کہ یا اس کو پورا مہر دو یا پھر دوسری عورت ڈھونڈ لو ایسا نہ ہو کہ یتیم لڑکی کی دولت پر قبضہ کرنے کے لئے اس سے نکاح کرلو اور اسے نقصان پہنچاؤ۔ سرپرست اور محافظ کو اس بارہ میں بے لاگ رہنا چاہئے۔

ایک نادر نکتہ:......... الفاظ مثنیٰ وثلاث وربٰع دو جگہ آئے ہیں ایک بیان تعدد ازواج کے مسئلہ میں دوسرے ملائکہ کے بیان میں۔ اولی اجنحۃ مثنیٰ وثلاث وربٰع لیکن دونوں جگہ الگ الگ معنی ہیں۔ ماطاب کے حال ہونے کی وجہ سے اور ان الفاظ کے مفہوم میں تکرار ہونے کی وجہ سے ان اقسام کے ساتھ تقیید حکم کے لئے مفید ہے یعنی فانکحوا جو اس حال میں عامل ہے اس کی اباحت اس اقسام مذکورہ کے ساتھ مخصوص ہوگئی۔ ان صورتوں کے علاوہ اباحت نہیں ہونی چاہئے کیونکہ یہ قید احترازی ہے بخلاف آیت فاطر کہ وہاں تقیید کی کوئی دلیل نہیں اس لئے اطلاق باقی رہے گا۔ ان دونوں عبارتوں کا فرق ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ یہ سیب اور اخروٹ چار چار تقسیم کردو ظاہر ہے کہ اس کا مطلب زیادہ کی نفی کرنا ہے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ جلالین کا چاہے ایک ورق دیکھو یا دو ورق دیکھو یا چار ورق سب کا طرز یکساں ملے گا اس جملہ کا منشاء نہ تقسیم ہے اور نہ زیادہ کی نفی ہے۔

دوسرا نکتہ:......... رہا یہ شبہ کہ اس آیت سے پانچ عورتوں سے نکاح کا جس طرح عدم جواز مفہوم ہو رہا ہے ایک عورت کے ساتھ نکاح بھی مذکورہ صورتوں کے علاوہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہونا چاہئے ظاہر ہے کہ سیاق کلام اور اجماع امت اس پر دلالت کر رہا ہے چونکہ مقام توسع ہے اس لئے مثنیٰ سے کم درجہ کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ نکاح یتامیٰ سے استغناء کی ایک صورت میں بھی حاصل ہو جائے گا۔

تعدد ازواج کی حد:......... باقی اس توسع کو اتنا بھی نہ بڑھایا جائے کہ چار سے بھی تجاوز ہو جائے کیونکہ نکاح یتامیٰ سے بچاؤ چار کے اندر رہ کر بھی پورا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جن نو مسلم صحابہؓ کے نکاح میں چار سے زائد بیویاں تھیں آپ ﷺ نے زائد سے علیحدگی کرادی تھی اور ازواج مطہرات کا چار سے زیادہ ہونا آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔ اجماع امت بھی چار سے زیادہ کی حرمت پر ہے جن لوگوں سے خلاف منقول ہے اول تو انعقاد اجماع کے بعد خلاف ہوا جس کا اعتبار نہیں دوسرے کسی قابل اعتبار دلیل پر

مبنی نہیں ہے اس لئے لائق لحاظ نہیں ہے۔

چار عورتوں تک توسع آزاد مرد کے لئے ہے لیکن غلام کے لئے (جس کا آجکل ہندوستان میں وجود نہیں) صرف دو عورتوں کے جمع کرنے کی اجازت ہے۔ بلوغ سے پہلے یتیم لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت سے جائز ہے۔

فان خفتم میں اسی حکم کا تتمہ اور دوسرا رخ بتلانا ہے یعنی اگر اندیشہ ہو کہ تعدد ازواج کی صورت میں سب کے ساتھ یکساں سلوک اور انصاف نہیں کرسکو گے تو پھر بھی کئی عورتوں سے نکاح کرنا شرعاً صحیح ہے لیکن ایسا کرنے سے گنہگار ہوگا اس لئے بہتر ہے کہ ایسی صورت میں یا صرف ایک نکاح پر اکتفاء کرے کہ جب تعدد نہیں ہوگا تو برابری کی نوبت کہاں آئے گی یا صرف لونڈی پر بس کرلے کہ اس کے حقوق بھی بی بی سے کم ہیں۔ مثلاً مہر نہیں، حق صحبت نہیں، اس لئے حقوق تلف ہونے کا اندیشہ کم ہے۔ ہندوستان میں چونکہ باندی نہیں پائی جاتی اس لئے کسی عورت سے لونڈی کا سا معاملہ کرنا اور جبری الخدمت یا اس کی خرید وفروخت حرام ہوگی۔

تعدد ازواج پر شبہ اور اس کا ازالہ: .... رہا یہ شبہ کہ تعدد ازواج کی اجازت موقوف ہے عدل پر اور عدل کے باب میں دوسری آیت ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء میں ارشاد ہے کہ عدل انسانی طاقت سے باہر ہے تو دونوں مقدمات کا حاصل یہ نکلا کہ تعدد ازواج ممکن نہیں ہے۔

جواب یہ ہے کہ دونوں آیات میں عدل سے مراد ایک نہیں بلکہ الگ الگ ہے۔ چنانچہ یہاں آیت نساء میں عدل فی المعاملہ مراد ہے اور آیت ثانی میں عدل فی المحبت ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ عدل معاملہ چونکہ اختیاری ہے اس لئے واجب الرعایت ہے اور عدل محبت غیر اختیاری ہے اس لئے باعث ملامت نہیں تاہم **فلا تمیلوا کل المیل** کے لحاظ سے بالکلیہ میلان قلبی اور دل کا جھکاؤ ایک ہی طرف نہ کرلو کہ اختیاری ہوجانے کی وجہ سے قابل ملامت ہے۔

عورت کی طرف سے کل یا بعض مہر کی معافی یا واپسی: .... دیئے ہوئے مہر میں سے عورت نے اگر کل یا بعض مہر کا ہبہ شوہر کو کردیا یا بغیر دیئے ہوئے مال میں سے کل یا بعض مہر کا ابراء خاوند کو کردیا تو آیت میں دونوں صورتوں کی اجازت دی جارہی ہے۔ البتہ جبریہ طور پر مہر عند اللہ معاف نہیں ہوتا اسی طرح عموم الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کے اولیاء بھی اس کی منشاء کے بغیر مہر میں تصرف نہیں کرسکتے۔

لطائف آیت: .... فانکحوا الخ مجموعہ آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ جس کو افراط وتفریط میں پڑنے کا خطرہ نہ ہو، اس کے لئے مباحات التذاذ بلکہ اس میں کسی درجہ توسیع بھی جائز ہے۔ ورنہ قدر ضرورت پر اکتفاء کرنا ہی اس کے لئے اسلم ہوگا۔ دوسرے آیت فان طبن الخ سے معلوم ہوا کہ اپنے سے کم درجہ شخص سے ہدیہ قبول کرنے میں عار محسوس نہیں کرنی چاہئے۔

وَلَاتُؤْتُوا اَیُّهَا الْاَوْلِیَاءُ **السُّفَهَآءَ** الْمُبَذِّرِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالصِّبْیَانِ **اَمْوَالَكُمُ** اَیْ اَمْوَالَهُمْ **الَّتِیْ** فِیْ اَیْدِیْكُمْ اَلَّتِیْ **جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا** مَصْدَرُ قَامَ اَیْ تَقُوْمُ بِمَعَاشِكُمْ وَصَلَاحِ اَوْلَادِكُمْ فَیُضَیِّعُوْهَا فِیْ غَیْرِ وَجْهِهَا وَفِیْ قِرَاءَةٍ قِیَمًا جَمْعُ قِیْمَةٍ مَاتَقُوْمُ بِهِ الْاَمْتِعَةُ **وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا** اَطْعِمُوْهُمْ مِنْهَا **وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا** ﴿۵﴾ عِدُوْهُمْ عِدَةً جَمِیْلَةً بِاِعْطَائِهِمْ اَمْوَالَهُمْ اِذَا رَشَدُوْا **وَابْتَلُوا** اِخْتَبِرُوْا **الْیَتٰمٰی** قَبْلَ الْبُلُوْغِ فِیْ دِیْنِهِمْ وَتَصَرُّفِهِمْ فِیْ اَحْوَالِهِمْ **حَتّٰٓی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ** اَیْ صَارُوْا اَهْلًا لَهُ بِالْاِحْتِلَامِ اَوِ السِّنِّ وَهُوَ اِسْتِكْمَالُ خَمْسَ عَشَرَةَ سَنَةً عِنْدَ الشَّافِعِیِّ **فَاِنْ اٰنَسْتُمْ** اَبْصَرْتُمْ **مِّنْهُمْ رُشْدًا**

اِصۡلَاحًا فِیۡ دِیۡنِهِمۡ وَمَالِهِمۡ **فَادۡفَعُوۡۤا اِلَیۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ ۚ وَلَا تَاۡكُلُوۡهَاۤ** اَیُّها الۡاَوۡلِیَاءُ **اِسۡرَافًا** بِغَیۡرِ حَقٍّ حَالٌ **وَّبِدَارًا** اَیۡ مُبَادِرِیۡنَ اِلٰی اِنۡفَاقِهَا مَخَافَةَ **اَنۡ یَّكۡبَرُوۡا ؕ** رُشۡدًا فَیَلۡزَمُكُمۡ تَسۡلِیۡمُهَا اِلَیۡهِمۡ **وَمَنۡ كَانَ** مِنَ الۡاَوۡلِیَاءِ **غَنِیًّا فَلۡیَسۡتَعۡفِفۡ ۚ** اَیۡ یَعُفُّ عَنۡ مَالِ الۡیَتِیۡمِ وَیَمۡتَنِعُ مِنۡ اَكۡلِهٖ **وَمَنۡ كَانَ فَقِیۡرًا فَلۡیَاۡكُلۡ** مِنۡهُ **بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ** بِقَدۡرِ اُجۡرَةِ عَمَلِهٖ **فَاِذَا دَفَعۡتُمۡ اِلَیۡهِمۡ** اَیۡ اِلَی الۡیَتٰمٰی **اَمۡوَالَهُمۡ فَاَشۡهِدُوۡا عَلَیۡهِمۡ ؕ** اَنَّهُمۡ تَسَلَّمُوۡهَا وَبَرِئۡتُمۡ لِئَلَّا یَقَعَ اِخۡتِلَافٌ فَتَرۡجِعُوۡا اِلَی الۡبَیِّنَةِ وَهٰذَا اَمۡرُ اِرۡشَادٍ **وَكَفٰی بِاللّٰهِ** اَلۡبَاءُ زَائِدَةٌ **حَسِیۡبًا﴿۶﴾** حَافِظًا لِاَعۡمَالِ خَلۡقِهٖ وَمُحَاسِبَهُمۡ ـ

ترجمہ:............ اور مت حوالہ کردیا کرو (اے رشتہ داروں) کم عقل آدمیوں کے (جو مردوں، عورتوں، بچوں میں سے فضول خرچ ہوں) اپنا مال متاع (یعنی ان کا مال جو سرِ دست تمہارے قبضہ میں ہے) جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے قیام کا ذریعہ بنایا ہے (قیاما مصدر ہے قام کا یعنی تمہاری معیشت اور اولاد کی اصلاح اس سے وابستہ ہے۔ اگر ٹھیک طریقہ پر مال خرچ نہ ہوا تو وہ مصالح ضائع ہوجائیں گے اور ایک قرأت میں قیما جمع قیمۃ کی ہے وہ چیز کہ جس سے سروسامان ہوسکے) ایسا کرو کہ ان کے مال میں ان کے کھانے کا انتظام کردیا کرو (اس میں سے کھانے کو دے دیا کرو) اور کپڑے کا انتظام کردیا کرو اور نیکی اور بھلائی کی بات انہیں سمجھا دی جائے (مناسب انداز میں انہیں سمجھا دو کہ سمجھ دار ہونے کے بعد تمہارا روپیہ تمہارے حوالہ کردیا جائے گا) اور آزماتے (جانچتے) رہا کرو یتیموں کی حالت پر نظر رکھ کر (بالغ ہونے سے پہلے ان کی دینی حالت اور عام لین دین میں) یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں (یعنی نکاح کے قابل ہوجائیں خواہ بالغ ہونا احتلام سے معلوم ہو یا عمر کے ذریعے جس کی حد امام شافعیؒ کے نزدیک پندرہ سال ہے) پھر اگر تم محسوس کرو (پاؤ) ان میں صلاحیت (دین اور مال کی بہترائی کا سلیقہ) تو ان کا مال ان کے حوالہ کردو۔ اور کھاپی کر اڑا نہ ڈالو ان کا مال (اے اولیاء) فضول خرچی کرکے (ناحق یہ حال ہے) اور جلد جلد (یعنی تیزی سے اڑا ڈالو اس اندیشہ سے کہ) بڑے ہوجائیں (سیانے ہوجائیں کہ پھر ان کا مال تم کو واپس دینا پڑے) اور (اولیاء میں سے) جو صاحبِ مقدور ہو اسے چاہئے کہ پرہیز کرے (یعنی یتیم کے مال سے بچا رہے اور اس کے کھانے سے پرہیز رکھے) اور جو حاجت مند ہو وہ (اس میں سے) لے سکتا ہے مگر دستور کے مطابق (بقدر اجرت کارکردگی) پھر جب ان کے حوالہ کرنے لگو (یعنی یتیموں کے) ان کا مال تو اس پر لوگوں کو گواہ کرلیا کرو (کہ تم نے مال ان کی سپردگی میں دے دیا اور تم بری ہوگئے۔ تاکہ اختلاف کی نوبت پیش نہ آئے کہ گواہوں کی جانب رجوع کرنا پڑے اور یہ حکم استحبابی مشورہ کے درجہ میں ہے) اور اللہ کافی ہے (اس میں باء زائد ہے) محاسبہ کرنے کے لئے (مخلوق کے اعمال کا نگران کار اور محاسب ہے)

تحقیق وترکیب:............ **السفھاء** جمع سفیہ سفہ بمعنی خفت۔ مراد خفتِ عقل ہے۔ **امو الکم** اموال کی اضافت اولیاء کی طرف ادنیٰ ملابست کی وجہ سے کردی گئی ہے **جعل اللہ ای جعلہ اللہ**. **و ارزقوھم فیھا** لفظ **فیہ** کے ساتھ تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ مال دینے میں خیر خواہی پیش نظر رہے رأس المال محفوظ رہنا چاہئے اور منافع میں اس کا خرچ پورا کرنا چاہئے۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا کہ **فــی** بمعنی **من** ہے۔

و ابتلوا امام صاحبؒ کے نزدیک کچھ پیسے دے کر بازار سے سودا سلف منگوا کر دیکھنا چاہئے۔ اسی لئے صاحب نسفی نے آیت سے سمجھ دار بچہ کے لئے اذن فی التجارۃ کا جواز مستنبط کیا ہے۔

حتی اذا بلغوا امام صاحبؒ کے نزدیک لڑکے کے لئے اٹھارہ سال اور لڑکی کے لئے سترہ سال عمر حدِ بلوغ ہے اور امام صاحبؒ کا

ایک قول اور صاحبین کا مفتیٰ بہ قول دونوں کے لئے پندرہ سال ہے کیونکہ لوگوں کی عمریں کم ہوتی جارہی ہیں۔

فان انستم شرط جزاء سے مل کر جواب ہے۔اذا بلغوا کا جو متضمن معنی شرط ہے۔ انستم کی تفسیر ابصرتم کی بجائے علمتم سے بہتر ہے۔لیکن ممکن ہے علاماتِ رُشد کا محسوس ہونا بتلانا مقصود ہو اسرافًا حال ہے یا مفعول لہ ہے۔

ان یکبروا بتقدیر المضاف مفعول لہ ہے۔بالمعروف بقدر اُجرت ومزدوری کفاف لینے کا حق ہے اور بعض کے نزدیک صرف بقدر ضرورت روزینہ لے سکتا ہے اور بعض کے نزدیک بطور قرض خرچ کرے۔

وھذا امر ارشاد امر ارشادی کا درجہ صرف دنیوی مصلحت اور مشورہ کا ہوتا ہے وہ شرعی حکم نہیں ہوتا۔

ربط وشانِ نزول: .... یتیموں کے سلسلہ میں چونکہ زیادہ کوتاہیاں ہورہی تھیں اور وہ بے زبان دادفریاد بھی نہیں کر سکتے تھے اس لئے ان کی تفصیلات سے تعرض کیا جارہا ہے چنانچہ چوتھا حکم ان کو مال کی سپردگی کی مدت سے متعلق ہے اور اس کی تاکید مزید ہے۔ آگے آیت ولا تاکلوا الخ میں بطور تتمہ پانچواں حکم فضول خرچی کی بندش سے متعلق ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... یتیموں کا مال اور ہدایتی دفعات: .... یہاں مال یتامیٰ سے متعلق چند ہدایتی دفعات کا بیان ہورہا ہے۔

(۱) چونکہ معیشت اور زندگی کا سروسامان ہے اس لئے یتیم بچے جب تک عاقل بالغ نہ ہوجائیں اور اپنے مفاد کی حفاظت خود نہ کرنے لگیں اور نفع ونقصان کی ان کو خبر نہ ہو مال ومتاع ان کے قبضہ میں نہ دو۔

(۲) اس خیال سے کہ یتیم کہیں بالغ ہوکر مطالبہ نہ کر بیٹھیں، مال ودولت کو فضول خرچی میں اڑا دینا نہایت پاپ (گناہ) ہے یہ مال بہرحال امانت ہے دیانتداری سے اس کی حفاظت تمہارا فرض ہونا چاہئے۔

(۳) سرپرست اور نگران کار اگر صاحب حیثیت اور خوشحال ہوں تو اپنے اخراجات کا باریتیم کی امانت پر نہیں ڈالنا چاہئے ہاں محتاج ہوں تو بقدرِ ضرورت لے سکتا ہے۔

(۴) حقدار کا جب حق دینے لگو تو اس پر گواہ کرلیا کرو۔

یتیم کے لئے سمجھ بوجھ کا معیار: .... سودا سلف کرانے کے بعد خرید وفروخت کا سلیقہ اگر آجائے جس کو تمیز کہتے ہیں تو یتیموں کا مال ان کے حوالہ کردیا جائے گا اور یہ سلیقہ نہ آئے جس کو سفاہت کہتے ہیں اس صورت میں مال ان کے حوالہ نہیں کیا جائے گا۔ پھر خواہ طبعیت میں سلیقہ ہی نہ آیا ہو یا سلیقہ تو ہے مگر اس سے کام نہیں لینا چاہتا بلکہ ویسے ہی مال اڑانا چاہتا ہے تب بھی روپیہ نہیں دیا جائے گا۔سفیہ کے ایسے تصرفات کہ جن میں دوسرے کو چیز دے دی جائے باطل ہیں۔جیسے ہبہ وصدقہ وغیرہ اور جو تصرفات زبانی نافذ ہوجاتے ہوں وہ سب صحیح ہیں جیسے خرید وفروخت،نکاح،طلاق وغیرہ اور جس ولی کے قبضہ میں مال ہو اس کو تکمیل کا پابند کیا جائے گا۔مثلاً بیع نامہ کی صورت میں قیمت اور مال کی سپردگی یا نکاح میں ادائیگی مہر سفیہ کے بارہ میں امام صاحبؒ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ پچیس سال تک انتظار کیا جائے گا اس کے بعد بہرصورت مال حوالہ کردیا جائے گا۔خواہ اس کو تمیز آئے یا نہ آئے۔

بظاہر آیت فان انستم منھم رشدا کی قید سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ بغیر رُشد کے مال بالکل حوالہ نہ کیا جائے۔جیسا کہ شوافع کا خیال ہے لیکن کہا جائے گا کہ مال کی تفویض میں جس سفاہت کو مانع سمجھا گیا ہے وہ خاص قسم کی سفاہت ہے۔جسے بچپن کا اثر کہنا چاہئے مطلق سفاہت مراد نہیں ہے لیکن پچیس سال میں کم از کم مدت بلوغ اور حمل کی اگر فرض کی جائے تو یہ شخص دادا بن سکتا ہے اس کو بچپن کہنا چاہئے نہ کہ بچپن۔غرض کہ اتنی عمر میں بھی اگر اس کو مال سے .... محروم رکھا گیا تو گویا مالکانہ تصرف بلکہ انسانیت سے بالکلیہ اس کو محروم کردیا

گیا ہے۔ تاہم بعض تصرفات اس صورت میں بھی اگر چہ نافذ ہیں لیکن اکثر اتلاف مال تبرعات میں ہوا کرتا ہے اس لئے ان ہی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے پس معاملہ گویا بین بین رہا نہ بالکل نافذ التصرف، نہ بالکل ممنوع التصرف اور اس کی حالت کے پیش نظر صرف اسی قدر فائدہ کافی ہے۔ البتہ اگر کسی کے دماغ میں اس درجہ فتور آ گیا ہو جس کو جنون یا عتہ کہتے ہیں تو ایسا شخص ساری عمر نابالغ کی طرح محروم التصرف بلکہ مرفوع القلم رہے گا۔

یتیم کے کارندہ کی تنخواہ:............ یتیم بچہ کے محتاج کارندہ کو حوائج ضروریہ کے مطابق اپنے حق الخدمت کے طور پر خرچ کرنا جائز ہے اور صاحب مقدور کارکن کے لئے ناجائز اور یتیم کو مال حوالہ کرتے وقت مصالح مذکور کی وجہ سے گواہ کر لینا مستحب ہے ورنہ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ محاسب ہیں اگر خیانت نہیں کی تو گواہوں کا نہ ہونا بھی آخرت کے لحاظ سے مضر نہیں اور اگر فی الواقع خیانت کی ہے تو مصنوعی گواہوں کا ہونا کچھ نافع نہیں ہوگا۔

ولا تؤ توا السفهاء سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز نااہل کو سپرد نہ کی جائے اس میں مناصب اور عہدے بھی داخل ہیں اور طالبین کی تعلیم وتربیت کی خدمت کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا۔ یعنی تاوقتیکہ آزمائش اور امتحان نہ کر لیا جائے خلافت ارشادی یا اور کوئی منصب عہدہ کسی کے حوالہ نہ کیا جائے۔

وَنَزَلَ رَدًّا لِمَا كَانَ عَلَيْهِ الْجَاهِلِيَّةُ مِنْ عَدَمِ تَوْرِيْثِ النِّسَاءِ وَالصِّغَارِ **لِلرِّجَالِ** اَلْاَوْلَادِ وَالْاَقَارِبِ **نَصِيْبٌ** حَظٌّ **مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ** اَلْمُتَوَفُّوْنَ **وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ** اَيِ الْمَالِ **اَوْ كَثُرَ** جَعَلَهُ اللّٰهُ **نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا﴿۷﴾** مَقْطُوْعًا بِتَسْلِيْمِهِ اِلَيْهِمْ **وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ** لِلْمِيْرَاثِ **اُولُوا الْقُرْبٰى** ذُو الْقَرَابَةِ مِمَّنْ لَايَرِثُ **وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ** شَيْئًا قَبْلَ الْقِسْمَةِ **وَقُوْلُوْا** اَيُّهَا الْاَوْلِيَاءُ **لَهُمْ** اِذَا كَانَ الْوَرَثَةُ صِغَارًا **قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴿۸﴾** جَمِيْلًا بِاَنْ تَعْتَذِرُوْا اِلَيْهِمْ اَنَّكُمْ لَاتَمْلِكُوْنَهٗ اِنَّهٗ لِصِغَارٍ وَهٰذَا قِيْلَ مَنْسُوْخٌ وَقِيْلَ لَا وَلٰكِنْ تَهَاوَنَ النَّاسُ فِيْ تَرْكِهٖ وَعَلَيْهِ فَهُوَ نَدَبٌ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ وَاجِبٌ **وَلْيَخْشَ** اَيْ لِيَخَفْ عَلَى الْيَتٰمٰى **الَّذِيْنَ لَوْتَرَكُوْا** اَيْ قَارَبُوْا اَنْ يَّتْرُكُوْا **مِنْ خَلْفِهِمْ** اَيْ بَعْدَ مَوْتِهِمْ **ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا** اَوْلَادًا صِغَارًا **خَافُوْا عَلَيْهِمْ** الضَّيَاعَ **فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ** فِيْ اَمْرِ الْيَتٰمٰى وَلْيَأْتُوْا اِلَيْهِمْ مَايُحِبُّوْنَ اَنْ يَتَصَدَّقَ بِذُرِّيَّتِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِمْ **وَلْيَقُوْلُوْا** لِلْمَيِّتِ **قَوْلًا سَدِيْدًا﴿۹﴾** صَوَابًا بِاَنْ يَّاْمُرُوْهُ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِدُوْنِ ثُلُثِهٖ وَيَدَعُ الْبَاقِيَ لِوَرَثَتِهٖ وَلَايَتْرُكُهُمْ عَالَةً **اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا** بِغَيْرِ حَقٍّ **اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ** اَيْ مِلْئَهَا **نَارًا** لِاَنَّهٗ يَؤُوْلُ اِلَيْهَا **وَسَيَصْلَوْنَ** بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ يَدْخُلُوْنَ **سَعِيْرًا﴿۱۰﴾** نَارًا شَدِيْدَةً يُحْتَرَقُوْنَ فِيْهَا۔

ع ۱۰ / ۱۲

ترجمہ:............ (زمانہ جاہلیت میں جو عورتوں اور بچوں کو میراث سے محروم رکھنے کا دستور چلا آ رہا تھا اس کی اصلاح کے لئے آیت نازل ہوئی) لڑکوں کا (اولاد اور رشتہ داروں کا) حصہ (مقدار معینہ) ہے ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں (جو وفات پا چکے ہیں) اور

لڑکیوں کا حصہ ہے ماں باپ یا قرابت داروں نے جو ترکہ چھوڑا ہے۔ تھوڑا ہو وہ (مال) یا زیادہ (ٹھہرایا ہے اللہ نے اس کو) حصہ مقررہ (جس کا دینا علی قدر السہام ان کو ضروری ہے) اور جب حاضر ہو جائیں تقسیم (میراث) کے وقت رشتہ دار (دور کے وہ قرابت دار جن کو میراث نہیں ملتی) اور یتیم و مسکین افراد تو چاہئے کہ میت کے مال میں سے انہیں بھی تھوڑا بہت دے دو (تقسیم ترکہ سے پہلے کچھ مال اور کہہ دو (اے اولیاء) ان مانگنے والوں سے (اگر ورثاء کمسن ہوں) اچھے طریقہ پر بات (یعنی ان سے عذر کر دو کہ ہم مالک نہیں ہیں اور وارث چھوٹے بچے ہیں یہ آیت بعض کی رائے پر منسوخ ہے اور بعض کے نزدیک منسوخ نہیں ہے۔ لیکن لوگوں نے سستی کر کے اس کو ترک کر رکھا ہے اور اس قول پر یہ حکم استحبابی اور ابن عباسؓ سے اس کا واجب ہونا مروی ہے) اور ڈرنا چاہئے (یتیموں پر خوف کرنا چاہئے) لوگوں کو کہ اگر وہ خود چھوڑیں (یعنی اپنے پیچھے مرنے کے قریب چھوڑنے لگیں) ناتواں بچوں (چھوٹی اولاد) کو تو انہیں ان کی طرف سے کیسا کچھ (ضائع ہونے کا) اندیشہ ہوتا ہے پس چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں (یتیموں کے معاملہ میں اور ان کے لئے بھی وہی کچھ پسند کریں جو اپنے مرنے کے بعد اپنی چھوٹی اولاد کے بارے میں کیا جانا پسند کرتے ہوں) اور (میت سے) ایسی بات کہیں جو درست اور مضبوط ہو (درست اس طرح کہ میت کو ثلث مال سے کم وصیت کرنے کا مشورہ دیں اور یہ کہ باقی مال کو ورثاء کے لئے رہنے دیں ان کو تنگدست نہ چھوڑ جائیں) جو لوگ یتیموں کا مال خورد برد کر لیتے ہیں ناانصافی سے (ناحق) تو وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اپنے پیٹ میں بھر رہے ہیں (ٹھونس رہے ہیں) آگ کے انگارے (کیونکہ انجام اس قسم کے مال کھانے کا نار ہی ہے) اور عنقریب جھونکے جائیں گے (یہ صیغہ معروف اور مجہول دونوں طرح ہے یعنی داخل کئے جائیں گے) جہنم میں (ایسی سخت آگ میں کہ اس میں جل کر بھسم ہو جائیں)

تحقیق وترکیب: .... **وللرجال** بظاہر لفظ **رجال ونساء** سے متبادر معنی بالغ کے ہوتے ہیں حالانکہ مراد عام اولاد ہے۔ شاید اس طریق تعبیر میں یہ نکتہ ملحوظ ہو کہ اس سلسلہ میں نابالغ بھی حکم میں بالغ کے ہیں۔

والاقربون مراد وارث رشتہ دار ہیں مجوب الارث رشتہ دار مراد نہیں ہیں۔ **مماقل منه**۔ **مماترك** سے بدل ہے اعادہ عامل کے ساتھ اور ضمیر منہ کی ماترک کی طرف راجع ہے۔ **نصيبا مفروضا** مفسرؒ نے پہلے **جعله** مقدر نکال کر اشارہ کر دیا کہ یہ اس کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یا منصوب علی الاختصاص ہے۔ **اي اعني نصيبًا** یا مصدر مؤکد ہے یا حال ہے۔ **اي ثبت لهم مفروضامقطوعا واجبالهم**۔

القسمة مفعول بہ ہے اور مجوث عنہا ہونے کی وجہ سے یا اس لئے کہ فی الواقع بھی تقسیم مقدم ہوتی۔ اس لئے لفظاً بھی مقدم کر دیا ہے۔ **بان تعتذروا** یعنی بالکل نہ دینا اصل ہے جبکہ اولاد صغار ہو۔ یا مراد ہے کہ زیادہ نہ دیا جائے البتہ تھوڑا معمولی طور پر دے دیا جائے۔ **قيل منسوخ** آئندہ آیت میراث سے منسوخ ہے۔ یہی رائے ائمہ اربعہ کی ہے اور دوسرے حضرات محدثین نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔ دوسرا قول استحباب کا ہے گویا ایک یہ آیت اور دوسری آیت **ان اكرمكم عندالله اتقكم** اور تیسری آیت **يا ايها الذين امنوا ليستاذنكم الذين** الخ یہ تینوں آیات منسوخ تو نہیں مگر لوگوں نے تعامل میں تہاون کر رکھا ہے اور تیسرا واجب کا ہے۔ **لوتركوا** لفظ **خافوا** کو چونکہ جزاء بنانا ہے اس لئے **تركوا** کو مفسر نے قرب پر محمول کر لیا ہے ورنہ موت کے بعد خوف کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

للميت اس کی بجائے اگر مفسر **للمريض** فرماتے تو زیادہ بہتر تھا کیونکہ قریب المرگ اور مرض الموت میں گرفتار شخص مراد ہے۔

وليخش اس کا خطاب اولیاء یتامیٰ کو ہے اور بعض نے قریب المرگ کے پاس آنے والوں کو خطاب مانا۔

سعيرا فعیل بمعنی مفعول **سعوت النار** بمعنی **اوقدته**، مفسر علامؒ نے **نارا شديدة** کہہ کر اشارہ کر دیا کہ اس سے مراد جہنم کا مخصوص طبقہ نہیں ہے کہ وہ خاص ہوتا ہے کفار کے ساتھ بلکہ عام معنی عذاب شدید کے ہیں۔

ربط: .... سلسلہ کلام یتامیٰ کے باب میں چل رہا ہے ایک غلط رواج زمانہ جاہلیت میں ان کے بارہ میں یہ قائم ہو گیا تھا کہ یتامیٰ

کو مستحق میراث نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس بُری رسم کی اصلاح مقصود ہے کہ یہ بھی دوسروں کی طرح مستحقین ترکہ ہیں۔ اگلی آیت واذا حضرا لقسمة الخ میں دوسرے بعض غیر مستحقین غرباء کے ساتھ بھی استحباباً مراعات کا حکم دیا جارہا ہے اور آیت ولیخش الخ میں یتیموں کے ساتھ ہمدردی کرنے پر ایک مؤثر پیرایہ میں ابھارا جارہا ہے اس طرح یہ چھٹا حکم ہے۔

شانِ نزول: ....حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں اور یتیم بچوں کو ترکہ سے محروم کرنے کا دستور چلا آرہا تھا۔ کہ اوس بن صامت انصاریؓ کی وفات ہوگئی انہوں نے ایک بیوی ام کحہؓ اور تین بیٹیاں یا دو بیٹے کم عمر اور کافی مال ترکہ میں چھوڑا۔ لیکن ان کے چچازاد بھائیوں سوید یا قتادہ اور عرفجہ نے جو عصبہ تھے۔ سارا مال قبضہ میں لے لیا اور بیوی بچوں کے لئے کچھ نہ چھوڑا۔ ام کحہؓ آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت لے کر حاضر ہوئیں آپ مسجد فضیح میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے انتظار وحی کا مشورہ دیا اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے ان دونوں چچازاد بیٹوں کو مال ترکہ میں تصرف سے منع فرمایا، مگر تعیین حصص نہیں فرمائی تھی تاوقتیکہ یوصیکم اللہ نازل نہیں ہوگئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ام کحہؓ اور بیٹوں کو دو ثلث اور باقی دونوں ابن عم کو مرحمت فرمایا۔

﴿تشریح﴾: ......**بیانِ مراد کی تاخیر:** ....قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خطاب سے بیان کی تاخیر جائز ہے۔ نیز الفاظ نصیباً مفروضاً اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وارث اپنے حصہ سے اگر اعراض بھی کرلے تب بھی اس کا حصہ ساقط نہیں ہوتا۔ امام زاہد کہتے ہیں کہ اس قاعدہ کے عموم میں ذوی القروض، ذوی الارحام عصبات سب آگئے جیسا کہ حنفیہ کی رائے ہے۔

ذوی القربیٰ کا مطلب: ....البتہ اولی القربیٰ سے مراد یہ ہے کہ شرعاً جو ترتیب معتبر ہے اس کے لحاظ سے اقرب ہو اور یہ اقربیت ظاہر ہے کہ جانبین سے ہوگی اس لئے میراث پانے کا مستحق وہی ہوگا جو قریب اور نزدیک ہوگا پھر جہاں شرع سب کو اقرب قرار دے اگر اسباب اقربیت مختلف ہوں وہاں سب کو وارث سمجھا جائے گا۔ اور جہاں ایک اقرب اور ایک ابعد سمجھا گیا ہے وہاں اقرب ہی مستحق میراث ہوگا ابعد نہیں۔ نیز عصبات میں میراث مقرر ہونے سے مراد یہ ہے کہ شرع نے حصص مقرر کردیئے ہیں اور ذوی الارحام میں قطعی ہونے کا مطلب عملاً قطعی ہونا ہے جس کو فرض عمل کہا جاتا ہے اب کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔

لطائفِ آیت: ....فارزقوھم کا حکم ابتداءً اگر واجب تھا تو اس کا وجوب منسوخ ماننا پڑے گا ورنہ شروع ہی سے مستحب کہا جائے اور یہ خیر خیرات کی اجازت بالغ ورثاء کے حصہ میں سے ہوگی۔ نابالغ میں کسی کو تصرف جائز نہیں ہے۔ عموماً اس مسئلہ میں بے احتیاطی کی جاتی ہے وارث خواہ یتیم ہو یا غیر یتیم۔ نیز مالِ یتامیٰ کا مطلقاً برتنا حرام ہے خواہ خود کھائے یا دوسروں کو کھلائے اور آیت ولیخش الخ کا حاصل یہ ہے کہ جو بے دردی اپنے بچوں کے لئے پسند نہیں وہ دوسرے یتیم بچوں کے لئے کیوں پسند کرتے ہو اور یہ باب اخلاق کی اصل عظیم ہے اور "قولِ سدید" کا مطلب مطلقاً نرمی نہیں ہے بلکہ مقصود اصلاح و تربیت ہونی چاہئے "نرمی و گرمی" تو ذرائع ہیں نہ کہ مقاصد۔ حصول مقاصد کے لئے جو طریقہ مناسب ہو وہ اختیار کرنا چاہئے۔ ان الذین یاکلون الخ وغیرہ آیات کو شیخ محی الدین ابن عربیؒ اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ عالم آخرت میں جزاء عین اعمال ہوگی۔ مثلاً جنت میں نماز روزہ کا ثواب حور وقصور اگر ہوگا تو وہ بعینہ وہی نماز روزہ ہے جس کو دنیا میں بندہ ادا کرتا رہا۔ موطن کے لحاظ سے صورت شکل کا فرق ہوگیا۔ یہی نماز روزہ آخرت میں بصورت شکل حور وقصور ہوگئے اور جنت کی یہ نعمتیں دنیا میں بشکل نماز روزہ پائی جاتی ہیں۔ علیٰ ہذا مال یتیم کی شکل دنیا میں لذائذ حسی کی صورت میں ہے لیکن آخرت میں اسی کو جہنم کے انگاروں کی صورت دے دی جائے گی گویا مالِ یتیم کھانے والا درحقیقت اپنے پیٹ میں آگ بھر رہا ہے۔

يُوصِيكُمُ يَامُرُكُمُ **اللّٰهُ فِيٓ** شَانِ **اَوْلَادِكُمْ** بِمَا يُذْكَرُ **لِلذَّكَرِ** مِنْهُمْ **مِثْلُ حَظِّ** نَصِيبِ **الْاُنْثَيَيْنِ** إذَا اِجْتَمَعَتَا مَعَهُ فَلَهُ نِصْفُ الْمَالِ وَلَهُمَا النِّصْفُ فَإِنْ كَانَ مَعَهُ وَاحِدَةٌ فَلَهَا الثُّلُثُ وَلَهُ الثُّلُثَانِ وَإِنْ انْفَرَدَحَازَ الْمَالَ **فَإِنْ كُنَّ** اِيِ الْاَوْلَادُ **نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَاتَرَكَ** اَلْمَيِّتُ وَكَذَا الْإِثْنَتَانِ لِاَنَّهُ لِلْاُخْتَيْنِ بِقَوْلِهٖ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّاتَرَكَ فَهُمَا اَوْلٰى وَلِاَنَّ الْبِنْتَ تَسْتَحِقُّ الثُّلُثَ مَعَ الذَّكَرِ فَمَعَ الْاُنْثٰى اَوْلٰى وَفَوْقَ قِيْلَ صِلَةٌ وَقِيْلَ لِدَفْعِ تَوَهُّمِ زِيَادَةِ النَّصِيْبِ بِزِيَادَةِ الْعَدَدِ لِمَا فُهِمَ اِسْتِحْقَاقُ الْاُنْثَيَيْنِ الثُّلُثَيْنِ مِنْ جَعْلِ الثُّلُثِ لِلْوَاحِدَةِ مَعَ الذَّكَرِ **وَإِنْ كَانَتْ** الْمَوْلُوْدَةُ **وَاحِدَةً** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ فَكَانَ تَامَّةٌ **فَلَهَا النِّصْفُ وَلِاَبَوَيْهِ** اَيِ الْمَيِّتِ وَيُبْدَلُ مِنْهُمَا **لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّاتَرَكَ اِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ** ذَكَرٌ اَوْ اُنْثٰى وَنُكْتَةُ الْبَدَلِ اِفَادَةُ اَنَّهُمَا لَا يَشْتَرِكَانِ فِيْهِ وَأُلْحِقَ بِالْوَلَدِ وَلَدُ الْاِبْنِ وَبِالْاَبِ اَلْجَدُّ **فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗ اَبَوٰهُ** فَقَطْ اَوْ مَعَ زَوْجٍ **فَلِاُمِّهِ** بِضَمِّ الْهَمْزَةِ وَبِكَسْرِهَا فِرَارًا مِنَ الْاِنْتِقَالِ مِنْ ضَمَّةٍ اِلٰى كَسْرَةٍ لِثِقَلِهٖ فِي الْمَوْضِعَيْنِ **الثُّلُثُ** اَيْ ثُلُثُ الْمَالِ اَوْ مَا يَبْقٰى بَعْدَ الزَّوْجِ وَالْبَاقِيْ لِلْاَبِ **فَاِنْ كَانَ لَهٗ اِخْوَةٌ** اَيْ اِثْنَانِ فَصَاعِدًا ذُكُوْرًا اَوْ اِنَاثًا **فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ** وَالْبَاقِيْ لِلْاَبِ وَلَا شَيْءَ لِلْاِخْوَةِ وَاِرْثُ **مِنْ** ذُكِرَ مَعَ ذُكِرَ مِنْ **بَعْدِ** تَنْفِيْذِ **وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ** بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ **بِهَآ اَوْ** قَضَاءِ **دَيْنٍ** عَلَيْهِ تَقْدِيْمُ الْوَصِيَّةِ عَلَى الدَّيْنِ وَاِنْ كَانَتْ مُؤَخَّرَةً عَنْهُ فِي الْوَفَاءِ لِلْاِهْتِمَامِ بِهَا **اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ** مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ **لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا** فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَظَانٌّ اَنَّ ابْنَهٗ اَنْفَعُ لَهٗ فَيُعْطِيْهِ الْمِيْرَاثَ فَيَكُوْنُ الْاَبُ اَنْفَعَ وَبِالْعَكْسِ وَاِنَّمَا الْعَالِمُ بِذٰلِكَ اللّٰهُ فَفَرَضَ لَكُمُ الْمِيْرَاثَ **فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا** بِخَلْقِهٖ **حَكِيْمًا﴿۱۱﴾** فِيْمَا دَبَّرَهٗ لَهُمْ اَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ ۔

ترجمہ: .... وصیت فرماتے (حکم دیتے) ہیں اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے (معاملہ کے) متعلق (ابھی آگے آتا ہے) کہ لڑکے کے لئے (ان میں سے) دو لڑکیوں کے (حصہ کے) برابر ہے (چنانچہ دو لڑکیاں اگر ایک لڑکے کے ہمراہ میراث ہوں تو لڑکے کے لئے نصف اور نصف باقی ان دونوں لڑکیوں کیلئے ہوگا اور صرف ایک لڑکی اگر اس کے ساتھ ہو تو ایک ثلث لڑکی کا اور دو ثلث لڑکے کے ہوں گے اور تنہا لڑکا ہو تو سارے مال کا وارث ہو جائے گا) پھر اگر ایسا ہو کہ (وہ اولاد) صرف لڑکیاں ہوں دو سے زیادہ تو ترکہ میں ان کا حصہ دو تہائی ہوگا (میت کے۔ علیٰ ہذا دو لڑکیاں وارث ہوں تب بھی دو ثلث ترکہ ہوگا کیونکہ یہی حال دو بہنوں کا ہے۔ آیت ''**فلهما الثلثان مما ترك**'' کی وجہ سے اس لئے لڑکیاں بدرجۂ اولیٰ اس کی مستحق ہوں گی نیز لڑکی لڑکے کے ساتھ ایک ثلث پانے کی مستحق ہوتی ہے تو جب دونوں لڑکیاں ہی ہوں تب بھی بدرجۂ اولیٰ اس حصہ کی مستحق ہوں گی اور لفظ فوق بعض کی رائے میں زائد ہے اور بعض کے نزدیک اس شبہ کے دفعیہ کے لئے ہے کہ شاید لڑکیوں کا عدد زائد ہونے سے سہام بھی بڑھیں گے۔ کیونکہ دو ثلث کا مستحق دو لڑکیوں کو اور ایک ثلث کا مستحق ایک لڑکی کو بمعہ ایک لڑکے کے قرار دیا گیا ہے) اور اگر (لڑکی) اکیلی ہو (ایک قرأت میں واحدۃ رفع کے ساتھ ہے اس صورت میں کان تامہ ہوگا) تو اسے آدھا ملے گا

اور (میت کے) ماں باپ میں سے ہر ایک کو (لفظ ابویہ سے لکل الخ بدل واقع ہو رہا ہے) ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا۔ بشرطیکہ میت کے اولاد ہو (لڑکا یا لڑکی اور بدل لانے میں نکتہ یہ ہے کہ والدین دونوں مل کر سدس میں شریک نہیں ہیں اولاد میں پوتہ اور والدین میں دادا بھی داخل ہیں) اور اگر میت کے اولاد نہ ہو اور وارث ماں باپ ہی ہوں (صرف یا میاں بیوی میں سے بھی کوئی ساتھ ہو) تو ماں کے لئے (لفظ ام ضم ہمزہ اور کسرہ کے ساتھ ہے دونوں جگہ ضمہ سے کسرہ کی طرف نقل کی دشواری کے باعث) تہائی حصہ ہے (یعنی پورے مال کا تہائی، یا میاں بیوی کے حصہ کے بعد مابقیہ کا تہائی، اور باقی مال باپ کے لئے ہوگا) لیکن اگر میت کے لئے ایک سے زیادہ بھائی بہنیں ہوں (یعنی دو ہوں یا دو سے زیادہ، بھائی ہوں یا بہنیں) اس صورت میں ماں کا چھٹا حصہ ہوگا (اور باقی مال باپ کا ہے بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا، مذکورہ لوگوں کی میراث حسب ذیل ہوگی) مگر (تنفیذ) وصیت کے بعد ہوگی جو کچھ کہ وصیت کر دی ہو (لفظ یوصی معروف ہے اور مجہول) مال کی یاد (ادائیگی) قرض کے بعد (جو کچھ اس پر تھا وصیۃ کا بیان قرض سے پہلے کرنا اگرچہ ادائیگی میں مؤخر ہوتی ہے وصیت کی اہمیت کے پیش نظر ہے) تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد ہیں (یہ مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) لیکن تم نہیں جانتے کہ کون سا رشتہ سب سے زیادہ نزدیک ہے۔ نفع رسانی کے لحاظ سے (دنیا و آخرت میں چنانچہ کسی کو گمان ہوتا ہے کہ بیٹا چونکہ زیادہ کارآمد ہوگا لہٰذا اس کو میراث زیادہ ملنی چاہئے لیکن باپ زیادہ کارآمد ثابت ہو جاتا ہے اسی طرح اس کا برعکس۔ دراصل حقیقی علم ان تمام باتوں کا صرف اللہ ہی کو ہے اس لئے تمہارے لئے میراث اسی نے مقرر کی ہے) اللہ تعالیٰ نے میراث کے حصے ٹھہرا دیئے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جاننے والے ہیں (اپنی مخلوق کو) اور حکمت رکھنے والے ہیں (جو کچھ تدبیریں ان کے حق میں کرتے ہیں۔ ہمیشہ اس صفت کے ساتھ متصف رہتے ہیں)

تحقیق وترکیب: ...... یوصیکم دوسرے کو ایسا کام بتلانا جو نصیحت پر مشتمل ہو۔ اس لئے حکم کرنے کے معنی کر لئے جاتے ہیں اور لفظ وصیت کو امر پر ترجیح دینا اہتمام اور حصول بسرعت پر دلالت کرتے کے لئے ہے اس لئے یہ زیادہ بلیغ ہے للذکر مثلاً اگر کوئی شخص ایک لڑکا اور ایک لڑکی وارث چھوڑتے تو لڑکے کو دو سہام اور لڑکی کو ایک سہام دیا جائے گا۔ اس حکم پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ عورت مرد کے مقابلہ میں ضعیف ہوتی ہے۔ نیز عورت جب مرد کے ساتھ مخلوط ہوتی ہے تو مساوی سمجھی جاتی ہے پس میراث میں اس کے ضعف کا لحاظ کرتے ہوئے اس کا حصہ مرد سے زائد یا کم از کم مساوی ہونا چاہئے۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے؟ جواب یہ ہے کہ مرد چونکہ اخراجات اور مؤنث کا ذمہ دار ہے نیز عورت ناقص العقل اور کثیر الشہوت ہوتی ہے علیٰ ہذا مرد کو بہ نسبت عورت کے مصارف خیر کے مواقع زیادہ پیش آتے ہیں ان سب وجوہ سے مرد ہی کے حصہ کو ترجیح ہونی چاہئے۔

للذکر مثل الخ کی ترکیب الثمن منوان بدرھم کی طرح یعنی منھم محذوف ہے جیسا کہ مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے۔ منھما اولی یہی مذہب جمہور اور ائمہ اربعہ کا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کا حکم ایک ہی کا حکم ہے اور آیت میں دو ثلث دو سے زائد لڑکیوں کا حصہ بیان کیا گیا ہے۔ مفسر علام وفوق قیل صلۃ سے ابن عباسؓ کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ لفظ فوق آیت میں زائد ہے لہٰذا دو لڑکیوں کا حکم دو ثلث ہے ولابویہ خبر مقدم اور السدس مبتداء مؤخر اور "لکل واحد" بدل ہے لابویہ سے۔ مفسر علامؒ نے بدل کا جو نکتہ بیان کیا ہے اس پر شبہ ہو سکتا ہے کہ اگر لکل واحد من ابویہ السدس کہہ دیا جاتا تو بدل کی ضرورت بھی پیش نہ آتی اور مقصد بھی حل ہو جاتا۔ جواب یہ ہے کہ تفصیل بعد الاجمال کا جو فائدہ بدل کی صورت میں ہو رہا ہے پھر وہ حاصل نہ ہوتا۔ اسی طرح "ولابویہ السدسان" کہنے میں سدس کے برابر تقسیم کا وہم رہتا اور اس کے خلاف معنی کا بھی رہا یہ سبہ کہ والدین کا حق بمقابلہ اولاد زیادہ ہے۔ لیکن ترکہ میں حصہ اولاد کو زیادہ دلایا جا رہا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ظاہراً اولاد کے مقابلہ میں والدین کی عمر کم رہ جانے کی وجہ سے مال کی حاجت بھی کم رہ جاتی ہے اس لئے میراث بھی کم رکھی گئی ہے۔ مع زوج زوج کا اطلاق خاوند بیوی دونوں پر فصیح اور زوجہ کا غیر فصیح ہے۔

فوارًا یہ صرف کسرہ ہمزہ کی دلیل ہے فی الموضعین یعنی لفظ ام یہاں اور اس کے بعد دونوں جگہ فلامہ الثلث اور فلامہ السدس ای ثلث المال یعنی اگر صرف والدہ وارث ہو تو ثلث مال میراث ہوگی اور میاں بیوی میں سے بھی کوئی ہو تو اس کا حصہ نکالنے کے بعد مابقیہ میں سے ثلث مال وراثت ہوگی۔ بقول صاحب رحبیہؒ ۔

وان یکن زوج وام واب ۔۔۔ فثلث الباقی لها مرتب

وھکذا مع زوجة فصاعدًا ۔۔۔ فلا تکن عن العلوم قاعدًا

جمہور کی رائے یہی ہے اور ابن عباسؓ کے نزدیک دونوں صورتوں میں کل مال کا ثلث میراث ہوگی اور باقی مال باپ کا ہوگا۔ ذوی الفروض اور عصبہ ہونے کی وجہ سے غرضکہ پھر مال دونوں کے درمیان ثلثا ثلث رہے گا اسی لئے باپ کے حصہ کے ذکر کی چنداں ضرورت نہیں سمجھی کہ جب دو ہی وارث ہیں اور ایک کا حصہ بیان کر دیا گیا ہے تو ظاہر ہے مابقیہ باپ کا ہوگا گویا عبارت اس طرح ہوئی فلهما ماترک اثلاثا.

ای اثنان فصاعدًا حدیث میں ارشاد ہے اثنان فما فوقها جماعة والباقی للاب یعنی دو ثلث باپ کے لئے ہے اور بھائی محروم رہیں گے بلکہ ماں کے حق میں حاجب نقصان ہو جائیں گے یعنی بجائے ثلث کے سدس ملے گا۔

وفیهم فی الحجب امر عجب ۔۔۔ لکونهم قد حجبوا وحجبوا

جمہور کی رائے یہی ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ماں کے لئے جس سدس کے حاجب بنے ہیں وہ بھائیوں کو ملے گا۔ وارث من یہ مبتداء مقدر ہے اور خبر من بعد ہے جو متعلق ہے محذوف کے ای استقر ذلک الانصباء من بعد وصیة ورثاء مذکورہ ماقبل کے ساتھ ای وراثتکم بهذه الدرجة انما هی بعد مایبقی من اداء وصیة المورث او دینه. اودین لفظ او ترتیب کے لئے نہیں ہے بلکہ اباحة شیئین کے لئے آتا ہے جاء نی زیدا وعمروا اور جاء نی عمروا و زید کے معنی تساوی کے ہیں یعنی بلا ترتیب ان دونوں میں سے کوئی ایک آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ تقدیر عبارت من بعد دین او وصیة نکالنا صحیح نہیں ہے البتہ دین ووصیت اگر دونوں مجتمع ہوں تو ان میں ترتیب قائم ہوگی یعنی دین اور قرض مقدم ہوگا شرعاً لیکن تقدیم ذکری اہمیت کے پیش نظر ہے۔

اٰباء کم مبتداء ہے لاتدرون خبر ہے۔ ایهم مبتداء ہے اور اقرب اس کی خبر ہے انما العالم یہ جملہ معترضہ ہے۔ نفرض یہ تقدیر اس لئے کی ہے کہ فریضة کے منصوب علی المصدریت پر اشارہ ہو جائے له علی الف درهم اعترافًا کی طرح ہے۔ لم یزل یعنی اللہ کی جناب میں ماضی، حال، استقبال برابر ہیں۔ دوسری توجیہ یہ بھی ممکن ہے کہ لفظ کان زائد ہو یا الاٰن کما کان کی طرح ہو بہرحال اللہ تعالیٰ زمانہ اور زمانیات سے بالا ہیں۔

ربط : .... گذشتہ آیات میں چھٹا حکم ترکہ کے حصص کا اجمالاً مذکور ہوا تھا۔ اگلی آیات میں اسی کی تفصیلات ہیں۔

شانِ نزول: .... حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ سعدؓ بن ربیع کی بیوی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ان دونوں بیٹیوں کے باپ سعدؓ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے لیکن ان کے چچا نے اپنے بھائی کے تمام مال پر قبضہ کر لیا ہے اور ان کو کچھ نہیں دیا۔ بغیر پیسے کے ان کی شادی کس طرح ہو سکتی ہے؟ سن کر آپ ﷺ نے انتظار وحی کا مشورہ دیا، چنانچہ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے لڑکیوں کے چچا کو بلا کر فرمایا کہ سعدؓ کی صاحبزادیوں کو دو ثلث اور ان کی بیوی کو آٹھواں حصہ دے کر باقی خود رکھ لو۔ غرضکہ آپ ﷺ سے استفتاء تو صرف اولاد اور بھائی بہنوں کے باب میں کیا گیا تھا لیکن چونکہ ماں باپ اور زوجین کے ہونے نہ

ہونے سے اولاد کے حصص میں فرق پڑ جاتا ہے اس لئے درمیان میں ان دونوں کے احکام بھی ذکر کر دیئے گئے۔ نیز اگر اس کا لحاظ بھی کر لیا جائے کہ اولاد کے ساتھ استفتاء میں زوجہ بھی تھی تو وجہ ارتباط اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... ترکہ میں دو سے زائد لڑکیوں کی تخصیص کی وجہ: .... شبہ دولڑکیوں کے حصص میں نہیں تھا کیونکہ جب تنہا ایک لڑکی کا حصہ ایک ثلث ہے تو دولڑکیوں کا دوثلث ہونا چاہئے پھر ایک لڑکی کے ساتھ اگر لڑکا ہوتو تب بھی ایک تہائی سے نہ گھٹتا پس جب دوسری بھی لڑکی ہو تب تو دو تہائی سے کسی طرح کم نہیں ہونا چاہئے اور دونوں لڑکیاں یکساں حالت میں ہونی چاہئیں یعنی ہر ایک کا حصہ ایک تہائی اور دونوں کا مل کر دو تہائی ہوگا۔ البتہ دو سے زائد لڑکیوں میں شبہ ہوسکتا تھا کہ مذکورہ قاعدہ سے ان کو تین تہائی یعنی کل مال لینا چاہئے اس لئے فرمایا گیا کہ دولڑکیوں سے زائد ہوں تو دوثلث ملے گا۔ اس سے دولڑکیوں کا حصہ دوثلث بدرجہ اولیٰ سمجھ میں آ گیا اس آیت میں لڑکیوں کی چار حالتوں کا حکم معلوم ہوگیا۔ (۱) اول یہ کہ لڑکے لڑکیاں سب ہوں۔ (۲) دوسرے یہ کہ صرف دولڑکیاں ہوں۔ (۳) تیسرے یہ کہ دولڑکیوں سے زائد ہوں۔ (۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ لڑکی صرف ایک ہو اس وقت للذکر مثل حظ الانثیین کے قاعدہ سے کل ترکہ کا نصف ملے گا اور ان تینوں صورتوں میں بچا ہوا مال دوسرے خاص رشتہ داروں کو حسب فرائض دے دیا جائے گا اور اگر کوئی نہ ہو تو پھر عول کی صورت میں پورا مال ان ہی کو مل جائے گا۔

باغ فدک اور حضرت فاطمہؓ کی میراث: .... احادیث اور اجماع اہل حق سے ثابت ہے کہ اولاد کی میراث کا حکم انبیاء علیہم السلام کے لئے نہیں ہے۔ نحن معاشر الانبیاء لانورث الخ باغ فدک وغیرہ کی تقسیم صدیق اکبرؓ نے اسی لئے نہیں فرمائی۔ لیکن حدیث پر اگر خبر واحد ہونے کا اندیشہ ہو تو صدیق اکبرؓ نے چونکہ براہ راست آپ ﷺ سے سنا ہے اس لئے کہ آپ ﷺ کے حق میں وہ حدیث قرآن کی طرح قطعی ہوگی۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ حدیث سے تو انبیاءؑ کے مال کا وقف ہونا ثابت ہوا اور وقف کی صحت کے لئے خبر واحد کافی ہے۔ البتہ وقف کا ناقابل میراث ہونا بالاجماع ہے۔

والدین کی تین حالتیں اور اولاد بہن بھائی کی تعمیم: .... آیت میں ماں باپ کی تین صورتیں مذکور ہیں نیز اولاد سے مراد عام ہے لڑکا ہو یا لڑکی، ایک ہو یا زیادہ بیٹا ہو یا پوتہ اسی طرح بھائی بہن سے مراد عام ہے۔ عینی، علاتی، اخیافی، ماں باپ کی تیسری صورت میں بھائی بہنوں کی وجہ سے ماں کا حصہ دوسری صورت کے مقابلہ میں کم ہوگیا۔ مگر باپ کی وجہ سے خود بھائی بہنوں کو بھی نہیں ملے گا نیز ان سب مسائل میں ترکہ کی تقسیم، تجہیز وتکفین، قرض کی ادائیگی، تہائی مال میں سے وصیت کی تنفیذ کے بعد ہوسکے گی۔ شرع کے موافق وصیت کی تنفیذ کے لئے ضروری ہے کہ اس میں سے وارث کو کچھ نہ دیا جائے اور وصیت تہائی مال سے زائد کی نہیں ہونی چاہئے۔ ورنہ وصیت میراث سے مقدم نہیں ہوگی قرض اور وصیت میں قرض مقدم ہوتا ہے لیکن قرآن نے یہ سمجھ کر کہ قرض کو نہ قرض خواہ مرنے دیتے ہیں اور نہ قرض دار، سب ہی اس کی ادائیگی کا لحاظ رکھتے ہیں البتہ وصیت میں تبرع ہونے کی وجہ سے احتمال کوتاہی ہے اس لئے ذکراً اس کو مقدم کر دیا تا کہ اس کا اہتمام کیا جائے۔

احکام شرع شرعی مصالح پرمبنی ہیں: .... لاتدرون الخ میں احکام شریعت کی حکمت ومصلحت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان اپنی رائے پر اگر مدار تقسیم ترکہ رکھتا تو اس کا معیار دینی یا دنیاوی نفع رسانی کو بناتا۔ لیکن خود اس مدار کے یقین کا چونکہ اس کے پاس کوئی ذریعہ قرار واقعی نہ ہوتا اس لئے اس کا مدار تجویز ٹھہرانا ہی غلط اور بے جا ہوجاتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کا علم چونکہ واقعی اور صحیح ہے اس لئے

اس کا تجویز فرمودہ طریق بھی واقع کے مطابق ہوگا، انسان دنیاوی لحاظ سے ایک شخص کو اپنے لئے نافع ور خدمت گزار سمجھتا ہے لیکن خلاف امید وہ دغا دے جاتا ہے اور جس سے توقع نہیں ہوتی وہ مخلصانہ حق محبت ادا کر دیتا ہے۔ اسی طرح اخروی اعتبار سے ایک شخص سے ایصال ثواب یا شفاعت کی توقع زیادہ ہوتی ہے اس لئے جی چاہتا ہے کہ میراث میں مالی منفعت اس کو زیادہ پہنچ جائے، مگر واقعہ برعکس ہو جاتا ہے غرضکہ احکام میراث کا مدار ہمارے اپنے خود ساختہ منافع اور مضار پر نہیں ہے بلکہ شارع نے اپنے مصالح اور حکم پر رکھا ہے جس کے نہ جاننے کا کسی کو دعویٰ ہے اور نہ بتلانے کا ذمہ۔ جس طرح ایک ماہر معالج یا قابل بیرسٹر کی تقلید محض اس کی حکمت و دانائی پر بھروسہ کر کے کی جاتی ہے اسی طرح شارع علیہ السلام پر کامل اعتماد پوری اطاعت کا متقاضی ہے۔

میراث نہ سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف ہے اور نہ کمیونزم کے موافق:............جن مدعیان عقل و دانش نے میراث کے خلاف زبان وقلم کو جنبش دی ہے اول تو اہل حق ارباب بصیرت نے خوب طرح ان کے منہ میں لگام دی ہے اور میراث کے بے حد منافع شمار کر کے رکھ دیئے ہیں۔ دوسرے آیت نے اس باب میں ہماری رائے کو مدار کار ہی قرار نہیں دیا بلکہ اپنی حکمت و مصلحت پر موقوف رکھا ہے۔

نیز ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مرنے والے کی وصیت کو ورثاء اپنے حق میں نقصان دہ نہ سمجھیں کہ ان کا حصہ اس وصیت کی وجہ سے گھٹ گیا ہے اگر وصیت نہ کرتا تو مال زیادہ ہاتھ آتا۔ یہ نفع دنیاوی لحاظ سے معمولی اور سرسری ہے لیکن انہیں کیا معلوم کہ اخروی اعتبار سے اس وصیت میں کس قدر نفع مضمر ہے۔ اس لئے حقیقت وصیت میں ورثاء کو قطعی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے ہاں ابتدائے اسلام میں تدریج کے خیال سے سب کے حصے وصیت کنندہ کی رائے پر تھے۔ لیکن جب احکام میراث مقرر ہو گئے تو رائے اور اختیار بھی اٹھ گیا اور پورے اختیارات خود شرع نے سنبھال لئے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ مِنْكُمْ اَوْ مِنْ غَيْرِكُمْ **فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ** ۗ وَأُلْحِقَ بِالْوَلَدِ فِيْ ذٰلِكَ وَلَدُ الْاِبْنِ بِالْاِجْمَاعِ **وَلَهُنَّ** اَيِ الزَّوْجَاتِ تَعَدَّدْنَ اَوْلَا **الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ** ۚ **فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ** مِنْهُنَّ اَوْ مِنْ غَيْرِهِنَّ **فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ** ۗ وَوَلَدُ الْاِبْنِ كَالْوَلَدِ فِيْ ذٰلِكَ اِجْمَاعًا **وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ** صِفَةٌ وَالْخَبَرُ **كَلٰلَةً** اَيْ لَا وَالِدَ لَهٗ وَلَا وَلَدَ **اَوِ امْرَاَةٌ** تُوْرَثُ كَلٰلَةً **وَّلَهٗٓ** اَيْ لِلْمَوْرُوْثِ الْكَلَالَةِ **اَخٌ اَوْ اُخْتٌ** اَيْ مِنْ اُمٍّ وَقَرَأَبِهِ اِبْنُ مَسْعُوْدٍ وَغَيْرُهٗ **فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ** ۚ مِمَّا تَرَكَ **فَاِنْ كَانُوْٓا** اَيِ الْاِخْوَةُ وَالْاَخَوَاتُ مِنَ الْاُمِّ **اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ** اَيْ مِنْ وَاحِدٍ **فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ** يَسْتَوِيْ فِيْهِ ذُكُوْرُهُمْ وَاِنَاثُهُمْ **مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ** ۙ **غَيْرَ مُضَآرٍّ** ۚ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ يُوْصٰى اَيْ غَيْرَ مُدْخِلِ الضَّرَرِ عَلَى الْوَرَثَةِ بِاَنْ يُّوْصِيَ بِاَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ **وَصِيَّةً** مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِيُوْصِيْكُمْ **مِّنَ اللّٰهِ** ۗ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ** بِمَا دَبَّرَهٗ لِخَلْقِهٖ مِنَ الْفَرَائِضِ **حَلِيْمٌ** ﴿۱۲﴾ بِتَاخِيْرِ الْعُقُوْبَةِ عَمَّنْ خَالَفَهٗ وَخَصَّتِ السُّنَّةُ تَوْرِيْثَ مَنْ ذُكِرَ بِمَنْ لَيْسَ فِيْهِ مَانِعٌ مِنْ قَتْلٍ اَوِ اخْتِلَافِ دِيْنٍ اَوْ رِقٍّ **تِلْكَ** الْاَحْكَامُ

الْمَذْكُوْرَةُ مِنْ اَمْرِ الْيَتٰمٰى وَمَا بَعْدَهٗ **حُدُوْدُ اللّٰهِ** شَرَائِعُهُ الَّتِىْ حَدَّهَا لِعِبَادِهٖ لِيَعْمَلُوْا بِهَا وَلَا يَعْتَدُوْهَا **وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ** فِيْمَا حَكَمَ بِهٖ **يُدْخِلْهُ** بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ اِلْتِفَاتًا **جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ** بِالْوَجْهَيْنِ **نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ** فِيْهَا **عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾** ذُوْ اِهَانَةٍ وَرُوْعِىَ فِى الضَّمَائِرِ فِى الْاٰيَتَيْنِ لَفْظُ مَنْ وَفِىْ خٰلِدِيْنَ مَعْنَاهَا۔

ع ۴ / ۱۳

ترجمہ: .... اور تمہارا حصہ آدھا ہے، تمہاری بیویاں جو کچھ ترکہ میں چھوڑ جائیں اگر ان سے اولاد نہ ہو (نہ تم سے نہ تمہارے غیر سے) اور اگر اولاد ہو تو چوتھائی حصہ ان کے ترکہ سے ملے گا۔ مگر یہ تقسیم اس کے بعد ہوگی جو کچھ وصیت کر گئی ہوں اس کی تعمیل ہو جائے یا جو کچھ ان پر قرض ہو ادا کر دیا جائے (اس پارہ میں بیٹے کے حکم میں بالاجماع پوتہ بھی کر دیا گیا ہے) اور ان کے لئے (یعنی بیویوں کا حصہ کئی ہوں یا ایک) چوتھائی ہوگا۔ جو کچھ تم ترکہ چھوڑ جاؤ۔ بشرطیکہ تم سے اولاد نہ ہو اور اگر اولاد ہو (خواہ مرنے والی بیویوں سے یا دوسری بیویوں سے) تو ان کے لئے آٹھواں حصہ ہوگا۔ تمہارے ترکہ سے جو کچھ تم وصیت کر جاؤ اس کی تعمیل یا جو کچھ تم پر قرض رہ گیا ہو اس کی ادائیگی کے بعد (پوتہ یہاں بھی بالاجماع بیٹے کے حکم میں ہے) اور اگر کوئی مرد ترکہ چھوڑ جائے (یورث صفت ہے اور خبر کان کی کلالۃ ہے) اور وہ کلالۃ ہو (یعنی نہ اس کا باپ ہو نہ بیٹا) یا ایسی عورت ہو (کہ ترکہ چھوڑ جائے اور کلالۃ ہو) اور اس کے لئے (یعنی اس میت موروث کلالۃ کے لئے) ایک بھائی یا بہن ہو (یعنی مال میں شریک ہوں۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں یہ لفظ بھی ہے) تو بھائی بہن میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہوگا (ترکہ میں سے) اور اگر (ماں میں شریک یہ بھائی بہن) اس (ایک سے) زیادہ ہوں تو پھر ایک تہائی میں سب برابر کے شریک ہوں گے (مرد عورت برابر) لیکن اس وصیت کی تعمیل کے بعد جو میت نے کر دی ہو۔ نیز اس قرض کی ادائیگی کے بعد جو میت کے ذمہ رہ گیا ہو۔ بشرطیکہ نقصان پہنچانے کا ارادہ نہ ہو (غیر مضار ترکیب میں حال ہے ضمیر یوصی سے۔ یعنی ورثاء کو نقصان پہنچانے کی نیت نہ ہو۔ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کر کے) یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (لفظ وصیۃ مفعول مطلق ہے یوصیکم کا) اور اللہ تعالیٰ جاننے والے ہیں (جو کچھ اپنی مخلوق کے لئے احکام فرائض مقرر کر رہے ہیں) بہت بُردبار ہیں (کہ مخالفین کو سزا دینے میں مہلت دیتے رہتے ہیں اور سنت نے مذکورہ لوگوں کی میراث کو خاص کر دیا ہے اس شخص کے ساتھ جس میں قتل یا مذہبی اختلاف یا غلامی کا کوئی مانع موجود نہ ہو) یہ (مذکورہ احکام یتیموں سے متعلق اور اس کے بعد کے) اللہ تعالیٰ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیاں ہیں (وہ احکام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے تاکہ وہ ان پر عمل پیرا ہو سکیں اور ان سے تجاوز نہ کر سکیں) جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرے گا (احکام میں) تو اللہ تعالیٰ اس کو داخل کریں گے (یا اور نون کے ساتھ ہے۔ اس میں التفات ہوگا) ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یہ عظیم الشان کامیابی ہے جو انہیں حاصل ہوگی۔ لیکن جس کسی نے اللہ و رسولؐ کی نافرمانی کی اور اس کی حد بندیوں سے باہر نکل گیا تو وہ ڈالا جائے گا (اس کی قرأت بھی دونوں طرح ہے) عذاب نار میں وہ ہمیشہ اسی حالت میں رہے گا اور اس کے لئے (اس میں) رُسوا کن عذاب ہوگا (توہین آمیز، ان دونوں آیتوں کی ضمیروں میں تو لفظ من کی رعایت کی گئی ہے مگر خالدین میں معنی کی رعایت ملحوظ رہی ہے)

تحقیق وترکیب: .... منهن او من غيرهن بہتر یہ تھا کہ مفسر علامؒ اس کو مقدم کر کے ان لم يكن لكم ولد کے متصل کر دیتے جیسا کہ اس سے ماقبل ان لم يكن لهن ولد میں کہا ہے و ولد الابن یعنی پوتے اور پوتیاں شوہر کے لئے حاجب بنیں گے نواسے اور نواسیاں حاجب نہیں بنیں گے بقول جعفری۔

بنونا بنوا بناتنا وبناتنا بنوهن ابناء الرجال الاباعد

کللة دراصل یہ مصدر ہے الکلال بمعنی الاعیاء. اس کا اشتقاق کلت الرحم بین فلان و فلان اذا تباعدت القرابة بینهما سے ہے اسی لئے بعید قرابت پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔ مفسر علامؒ نے کلالہ کی بہترین تفسیر کی ہے یعنی اوت بنوت جس کے آگے پیچھے کچھ نہ ہو۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ او امرأت اس کے بعد تورث کلالۃ کی تقدیر سے اشارہ ہے کہ یہ کان کے اسم پر معطوف ہے اور صفت اور ضمیر کو حذف کر دیا گیا ہے۔

للمورث اس سے مرادمیت ہے مرد ہو یا عورت۔ ثلاثی مجرد سے اس کے لئے ''موروث'' اور مزید سے مورث استعمال کیا جائے گا۔ وقرأ به ابن مسعودؓ یعنی وله الخ او اخت من ام ابن مسعود، سعد بن وقاص، ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کی قرأت میں ہے فهم شرکاء فی الثلث چونکہ ماں کا حصہ ثلث سے زائد نہیں ہے اس لئے ان ''ماں جاؤں'' کو زائد کیسے مل سکتا ہے۔ یہاں للذکر مثل حظ الانثیین نہیں ہوگا غیر مضار یہ حال ہے یوصی معروف کے فاعل مذکور سے اور مجہول کی صورت میں فاعل مدلول علیہ سے تہائی مال سے زائد کی وصیت کرنا ورثاء کے لئے ضرر رساں ہوگا۔ اس لئے یہ وصیت نافذ نہیں ہوگی۔ وصیة یہ مفعول مطلق ہے اس کا عامل محذوف مان لیا جائے تو بہتر ہوگا۔ ای وصی بها وصیة من الله. وصفت السنة روایات حسب ذیل ہیں۔

(۱) القاتل لایرث رواه الترمذی (۲) لایرث المسلم من الکافر و الکافر من المسلم. اخرجه الشیخان

لیعملوها و لا یعتدوها اللہ کی حدود دو طرح کی ہیں ایک وہ کہ بالکل ممنوع العمل ہوں جیسے زنا وغیرہ دوسرے وہ کہ جن میں صرف تعدی اور تجاوز عن الحدود نا جائز ہو۔ جیسے چار عورتوں سے زیادہ نکاح کرنا کہ خود نکاح تو حرام نہیں مگر ایک دم چار عورتوں سے زائد نکاح ممنوع ہے۔ خلدین مراد مکث طویل ہوگا۔ اگر موت علی الاسلام ہوئی ورنہ اپنے حقیقی معنی میں رہے گا۔ جنت کے بیان میں لفظ جمع کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے کہ ایک تو جنت کی نعمتیں پھر اس پر دوستوں کا اجتماع لطف بالائے لطف ہوگا برخلاف جہنم کے۔ وہاں اگر اجتماع ہوتو ''مرگ انبوہ جشنے دارد'' کے لحاظ سے کسی درجہ میں کچھ کلفت کم ہو جائے لیکن غربت اور تنہائی کی وحشت نے جہنم کی تکالیف کی شدت کو اور زیادہ کر دیا۔

ربط: .... ان آیات میں زوجین اور کلالہ کے ترکہ کے احکام بیان کئے جا رہے ہیں۔

شانِ نزول: .... حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ وہ ایک دفعہ شدید بیمار ہوئے۔ آنحضرت ﷺ اور ابوبکرؓ بنی سلمہ میں دونوں ان کی عیادت اور مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے ان پر کچھ مدہوشی کی سی کیفیت تھی کہ آنحضرت ﷺ نے وضو فرمایا اور بچے ہوئے پانی کے چھینٹے ان پر دیئے جس سے ان کو افاقہ ہو گیا اور انہوں نے اپنے ترکہ کے بارہ میں دریافت کیا تو آیت یوصیکم اللہ نازل ہوئی۔ حالانکہ ابتداء رکوع میں اس آیت کا نزول سعید بن الربیعؓ کے قصہ میں بھی معلوم ہو چکا ہے۔ سو ممکن ہے وہاں بیٹوں کے متعلق حکم ہونے کی جہت سے اول حصہ کا نزول ہوا ہو اور آخری حصہ کا نزول کلالہ ہونے کی حیثیت سے جابرؓ کے باب میں ہوا ہو۔

﴿ تشریح ﴾: .... شوہر اور بیوی سے متعلق دو دو صورتیں ہیں اولاد ہونے نہ ہونے کے لحاظ سے اور دونوں کو اولاد ہونے کی صورت میں کم اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں زیادہ حصہ ملے گا۔ نیز عورت کا حصہ کم اور مرد کا حصہ زیادہ رہے گا۔ للذکر مثل حظ الانثیین کی ایک صورت یہ بھی ہے۔ ان چاروں صورتوں میں مابقیہ ترکہ دوسرے ورثاء کو ملے گا۔

کلالہ کے احکام اور اخیافی بھائی بہن کی تخصیص کے وجوہ: .... کلالہ یعنی جس کے نہ اصول موجود ہوں اور نہ فروع اس کے جس قدر بھائی بہن اخیافی ہوں ان سب کو تہائی مال میں شریک سمجھا جائے گا۔ مرد عورت میں کوئی تفریق نہیں ہوگی سب کو

یکساں برابر حصہ تقسیم کردیا جائے گا۔ اور باقی ترکہ دوسرے ورثاء کو دیا جائے گا۔ لیکن اگر دوسرا وارث کوئی نہیں تو پھر ان ہی پر عول آئے گا۔ بھائی بہنوں میں اخیافی کی قید ابن مسعودؓ وغیرہ کی قرأت سے معلوم ہورہی ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے خود آنحضرت ﷺ سے بطور تفسیر یہ قید سنی ہوگی۔ نیز اس پر اجماع امت بھی ہے، علاوہ ازیں ان کو تہائی اور چھٹے حصہ کا مستحق سمجھا جارہا ہے اور یہی دونوں حصے پہلے ماں کے بھی گزر چکے ہیں۔ یہ بات بھی اس کا قرینہ ہے کہ یہاں اخیافی بھائی بہن مراد ہیں رہے عینی یا علاتی بھائی بہن ان کا حکم بالاتفاق قطعی طور پر اس سورت کے ختم پر آئے گا۔ یہ بھی قرینہ مرجحہ ہے کہ یہاں اس کے علاوہ معنی مراد ہیں۔ البتہ تہائی اور چھٹے حصہ کے قرینہ کی وجہ سے یہاں "من الام" کی قید اور ختم سورت پر للذکر مثل حظ الانثیین کے قرینہ سے من الاب یا من الابوین کی قید نہیں لگائی گئی ہے کیونکہ اس قید سے معلوم ہوتا ہے کہ عصبہ بنفسہ یا عصبہ بغیرہ بننے کی جس میں صلاحیت ہو وہاں اس کا تذکرہ مقصود ہے اور وہ عینی یا علاتی ہی ہوسکتے ہیں کیونکہ اخیافی تو کبھی عصبہ نہیں ہوتا۔ امام صاحبؒ کے نزدیک اصول میں باپ کی طرح دادا بھی داخل ہے یعنی دونوں جگہ کی وجہ سے بہن بھائیوں کا حصہ ساقط ہوجائے گا۔ صحابہؓ اور علماء میں یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے۔

معتزلہ کے لئے اس آیت سے استدلال مفید نہیں ہے:............ آیت ومن یطع اللہ اور ومن یعص اللہ میں صرف مؤمن کامل اور کامل نافرمان یعنی کافر کا تذکرہ ہے۔ اس لئے معتزلہ کے احتجاج کے لئے یہ آیت مفید نہیں ہے۔ رہی بیچ کی قسم جو نہ کامل فرمانبردار اور نہ مکمل نافرمان۔ بلکہ ایمانیات میں فرمانبردار ہو اور عملیات میں نافرمان۔ یا کہا جائے کہ اعتقاداً مطیع ہو اور عملاً قصور وار، خطاکار، اس کا ذکر اس آیت میں نہیں ہے بلکہ دوسری آیات میں اس کا حکم بین بین موجود ہے جو اس کی بین بین حالت کے مناسب ہے۔ یعنی اس کو اچھائی کا ثواب اور برائی کا عذاب ہونا چاہئے۔ اب رہا یہ کہ پہلے کون ہو؟ عقلاً دونوں احتمال ہیں لیکن شرعاً اصل ایمان کی وجہ سے اخیر میں نجات کا یقین ہے اسی طرح یہ احتمال عقلی بھی باطل ہے کہ کوئی اگر صرف عمل صالح کرے بلا اعتقاد کے تو اس کا حکم کیا ہونا چاہئے؟ کیونکہ عمل صالح کے لئے اعتقاد شرط ہے۔ تاوقتیکہ عقیدہ نہیں ہوگا عمل کا تحقق ممکن ہی نہیں اس لئے جزاء میں بھی یہ صورت واقع نہیں ہوگی کہ اول ثواب مل جائے پھر عذاب ہوتا رہے۔

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ اَلزِّنَا **مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ** ۚ اَيْ مِنْ رِجَالِ الْمُسْلِمِيْنَ **فَاِنْ شَهِدُوْا** عَلَيْهِنَّ بِهَا **فَاَمْسِكُوْهُنَّ** اِحْبِسُوْهُنَّ **فِي الْبُيُوْتِ** وَامْنَعُوْهُنَّ مِنْ مُخَالَطَةِ النَّاسِ **حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ** اَيْ مَلٰئِكَتُهُ **اَوْ** اِلٰى اَنْ **يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا** ﴿۱۵﴾ طَرِيْقًا اِلَى الْخُرُوْجِ مِنْهَا اُمِرُوْا بِذٰلِكَ اَوَّلَ الْاِسْلَامِ ثُمَّ جَعَلَ لَهُنَّ سَبِيْلًا بِجَلْدِ الْبِكْرِ مِائَةً وَتَغْرِيْبِهَا عَامًا وَرَجْمِ الْمُحْصَنَةِ وَفِي الْحَدِيْثِ لَمَّا بُيِّنَ الْحَدُّ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوْا عَنِّيْ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا رَوَاهُ مُسْلِم **وَالَّذٰنِ** بِتَخْفِيْفِ النُّوْنِ وَتَشْدِيْدِهَا **يَاْتِيٰنِهَا** اَيِ الْفَاحِشَةَ اَلزِّنَا اَوِ اللِّوَاطَةَ **مِنْكُمْ** اَيْ مِنَ الرِّجَالِ **فَاٰذُوْهُمَا** ۚ بِالسَّبِّ وَالضَّرْبِ بِالنِّعَالِ **فَاِنْ تَابَا** مِنْهَا **وَاَصْلَحَا** اَلْعَمَلَ **فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا** ۭ وَلَا تُؤْذُوْهُمَا **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا** عَلٰى مَنْ تَابَ **رَّحِيْمًا** ﴿۱۶﴾ بِهٖ وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِالْحَدِّ اِنْ اُرِيْدَ بِهِ الزِّنَا وَكَذَا اِنْ اُرِيْدَ بِهَا اللِّوَاطَةُ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ لٰكِنَّ الْمَفْعُوْلَ بِهٖ لَا يُرْجَمُ عِنْدَهٗ وَاِنْ كَانَ مُحْصَنًا بَلْ يُجْلَدُ وَيُغَرَّبُ وَاِرَادَةُ اللِّوَاطَةِ اَظْهَرُ بِدَلِيْلِ تَثْنِيَةِ الضَّمِيْرِ وَالْاَوَّلُ قَالَ

اَرَادَ الزَّانِی وَالزَّانِیَۃَ وَیَرُدُّہٗ تَبْیِیْنُھَا بِمَنِ الْمُتَّصِلَۃِ بِضَمِیْرِ الرِّجَالِ وَاِشْتِرَاکِھِمَا فِی الْاَذٰی وَالتَّوْبَۃِ وَالْاِعْرَاضِ وَھُوَ مَخْصُوْصٌ بِالرِّجَالِ لِمَا تَقَدَّمَ فِی النِّسَاءِ مِنَ الْحَبْسِ **اِنَّمَا التَّوْبَۃُ عَلَی اللّٰہِ** اَیِ الَّتِیْ کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہٖ قَبُوْلَھَا بِفَضْلِہٖ **لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ** الْمَعْصِیَۃَ **بِجَھَالَۃٍ** حَالٌ اَیْ جَاھِلِیْنَ اِذَا عَصَوْا رَبَّھُمْ **ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ** زَمَنٍ **قَرِیْبٍ** قَبْلَ اَنْ یُغَرْغِرُوْا **فَاُولٰٓئِکَ یَتُوْبُ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ** یَقْبَلُ تَوْبَتَھُمْ **وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا** بِخَلْقِہٖ **حَکِیْمًا** ﴿۱۷﴾ فِیْ صُنْعِہٖ بِھِمْ **وَلَیْسَتِ التَّوْبَۃُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ** الذُّنُوْبَ **حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ** وَاَخَذَ فِی النَّزْعِ **قَالَ** عِنْدَ مُشَاھَدَۃِ مَا ھُوَ فِیْہِ **اِنِّیْ تُبْتُ الْئٰنَ** فَلَا یَنْفَعُہٗ ذٰلِکَ وَلَا یُقْبَلُ مِنْہُ **وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَھُمْ کُفَّارٌ** اِذَا تَابُوْا فِی الْاٰخِرَۃِ عِنْدَ مُعَایَنَۃِ الْعَذَابِ لَا یُقْبَلُ مِنْھُمْ **اُولٰٓئِکَ اَعْتَدْنَا** اَعْدَدْنَا **لَھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا** ﴿۱۸﴾ مُؤْلِمًا

ترجمہ: .... اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بدچلنی (زنا) کی مرتکب ہوں تو ان پر گواہ کرلو اپنے چار آدمیوں میں سے (یعنی چار مسلمان مرد) اگر چار آدمی گواہی دے دیں (ان عورتوں کے خلاف زنا کی) تو پھر ایسی عورتوں کو گھروں میں بند (محبوس) رکھو (اور لوگوں سے ملنے رلنے سے روک دو) یہاں تک کہ موت (ملائکہ موت) ان کا خاتمہ کردے یا (او بمعنی الی ان) اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی در) راہ پیدا فرما دیں (جو اس سے نکلنے کی ہو یہ حکم ابتداء اسلام میں دیا گیا تھا بعد میں ان کے لئے باکرہ کو سو کوڑے مارنے اور ایک سال کے لئے جلاوطن کرنے اور محصنہ کو سنگسار کرنے کی راہ نکال دی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے حد بیان فرمائی تو ارشاد فرمایا کہ مضبوطی سے اس کو تھام لو، عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے موعود راہ نکال دی ہے رواہ مسلم) اور جو نسے دو شخص (تخفیف نون اور تشدید نون کے ساتھ ہے) بدچلنی کے مرتکب ہوں (یعنی وہ فاحشہ خواہ زنا ہو یا لواطت) تم میں سے (یعنی تمہارے مردوں میں سے) تو ان دونوں کو اذیت پہنچانی چاہئے (سخت کلامی اور جوتہ کاری سے) پھر اگر وہ دونوں توبہ کرلیں (اس بدفعلی سے) اور اصلاح (عمل بھی) کرلیں تو انہیں چھوڑ دو (ان کی پٹائی موقوف کردو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے ہی توبہ قبول فرمانے والے ہیں (جو شخص تائب ہوجائے) اور (اس پر) رحم کرنے والے ہیں (فاحشہ سے مراد اگر زنا ہو تو یہ حکم حد زنا سے منسوخ ہے۔ علیٰ ہذا امام شافعیؒ کی رائے پر اگر غلام مراد لیا جائے تب بھی حد زنا سے منسوخ ہے البتہ ان کے نزدیک صرف فاعل پر رجم کیا جائے گا۔ مفعول بہ پر اگرچہ محصن ہو رجم نہیں آئے گا۔ بلکہ کوڑوں اور جلاوطنی کی سزا دی جائے گی۔ بہ نسبت زنا کے لواطت کے معنی زیادہ مناسب رہیں گے۔ کیونکہ والذین الخ میں سب ضمیریں تثنیہ کی استعمال کی گئی ہیں اگر اول معنی کے قائل کہتے ہیں کہ ضمیر تثنیہ سے مراد زانی اور زانیہ ہیں۔ لیکن دوسری توجیہ کرنے والے اس کی تردید من بیانیہ سے کرتے ہیں۔ جو ضمیر رجال پر داخل ہے۔ پھر ان دونوں کی اذیت اور توبہ واعراض میں شرکت بھی ہے حالانکہ یہ تینوں چیزیں مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں عورتوں کے بارہ میں تو حبس کی سزا کا تذکرہ ابھی گذر چکا ہے) البتہ توبہ کی قبولیت اللہ تعالیٰ کے حضور (یعنی انہوں نے بجواز روئے فضل وکرم خود لازم قرار دی ہے) وہ ان ہی لوگوں کے لئے ہے جو برائی (گناہ) کی کوئی بات نادانی میں کرلیتے ہیں (یہ حال ہے یعنی بے خبری کی حالت میں کیونکہ اگر اپنے پروردگار کی وہ نافرمانی کربیٹھتے ہیں) پھر فوراً ہی توبہ کرلیتے ہیں (قریب زمانہ میں غرغرہ کی حالت سے پیشتر) پس ایسے ہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی ان پر لوٹ آتے ہیں (توبہ قبول فرمالیتے ہیں) اور وہ یقیناً سب کچھ جاننے والے ہیں (اپنی مخلوق کو) اور حکمت رکھنے والے ہیں (ان کے ساتھ کارگزاری میں) لیکن ان

لوگوں کی توبہ تو بہ نہیں ہے جو بُرائیاں (گناہ) برابر کرتے رہے لیکن جب ان میں سے کسی کے آگے موت آ کھڑی ہوئی (اور نزع شروع ہوگیا) تو کہنے لگا (ان حالات پیش آمدہ کا مشاہدہ کر کے) اب میری توبہ نہ یہ اس کے لئے نافع ہوگی اور نہ قبول کی جائے گی) اسی طرح ان لوگوں کی توبہ بھی توبہ نہیں ہے جو دنیا سے کفر کی حالت میں جاتے ہیں (آخرت میں معائنہ عذاب کے وقت اگر وہ توبہ کر بھی لیں تب بھی وہ توبہ قبول کہاں ہوگی) ان تمام لوگوں کے لئے ہم نے تیار کر رکھا ہے تکلیف دہ یا سخت ترین عذاب (الیم بمعنی مؤلم یا مؤلم)

تحقیق وترکیب: .... ای مـلائـکـة اشارہ ہے حذف مضاف کی طرف اور اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ توفی کے معنی بھی موت کے ہیں اس کی اضافت موت کی طرف اضافۃ الشئ الی نفسہ ہوگی۔ لیکن تقدیر مضاف کے بعد یہ اشکال باقی نہیں رہتا۔ ای الـزنـا والـلـواطـة اول قول جمہور کا ہے اور مجاہدؒ سے لواطت کے معنی منقول ہیں۔ ابو مسلمؒ بھی اس کے قائل ہیں نیز بعض علماء سورۂ نور کی آیت حدِ زنا سے اس سزا کی منسوخیت کے قائل ہوئے ہیں لیکن ابوسلیمان خطابیؒ منسوخ نہیں مانتے ان کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت مجمل ہے اور اس سبیل کا بیان حدیث واقع ہو رہی ہے۔ بـل یـجـلـد امام شافعیؒ کے نزدیک مفعول کے لئے کوڑوں اور جلاوطنی کی سزا پر اکتفاء کیا جائے گا لیکن امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک دونوں کو رجم کیا جائے گا خواہ محصن ہوں یا غیر محصن۔

والاول یعنی قائلین لواطت نے جو تثنیہ سے اپنی رائے پر استدلال کیا تھا اس کا جواب قائلین زنا یہ دیتے ہیں کہ تثنیہ زانی اور زانیہ کے لحاظ سے ہے۔ لیکن یہ بات کہ صرف ''منکم'' کہا گیا ہے ''منکم ومنھن'' نہیں کہا گیا۔ یہ دلیل تو دوسرے قائلین کے حق میں جاری ہے نیز ان دونوں کا اشتراک اذیت توبہ، اعراض میں یہ دلیل بھی ان ہی کے حق میں جاری ہے کیونکہ اگر زنا مراد ہوتی تو عورت کے لئے یہ سزائیں نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے لئے حبس کی سزا دی گئی ہے اور حسنؒ کی رائے یہ ہے کہ دوسری آیت جس میں اذیت کا بیان ہے مقدم ہے اور پہلی آیت جس میں حبس کا بیان ہے نزولاً مؤخر ہے۔

علـی اللہ گناہ کے بعد توبہ کا ذکر بہت مناسب ہے۔ نیز یہ وجوب اللہ تعالیٰ پر محض تفضلاً ہے۔ معتزلہ کے خیال کے مطابق وجوب مراد نہیں ہے اور لفظ علیٰ تحقیق وتثبیت کے لئے مستعمل ہے۔ بـجـهـالـة صحابہؓ کا اجماع ہے کہ اللہ کی نافرمانی عمداً ہو یا خطاً وہ جہالت ہی سے ہوئی ہے کیونکہ گناہ کا ارتکاب علم کا مقتضیٰ نہیں ہوتا۔ جہالت ہی سے ناشی ہوتا ہے خواہ رسمی علم موجود ہو۔ ثـم یـتـوبـون لفظ ثم سے تعبیر کرنے میں عفو ورحمت کی وسعت کی طرف اشارہ ہے۔ مـن قـریـب من تبعیضیہ ہے یعنی گناہ اور توبہ کے درمیان بہت تھوڑا زمانہ گزرتا ہے کہ فوراً توبہ کر لیتے ہیں۔ یتوب اللہ یہ ایفاء وعدہ ہے اور اولاً وعدہ تھا۔ اس لئے تکرار نہیں ہوا۔

السیئات جمع لانا تمام انواع کے ارادہ سے نہیں ہے بلکہ تکرار وقوع کے لحاظ سے ہے۔ خواہ حقیقی ہو یا حکمی، یعنی گناہ پر اصرار کرنا۔

ربط وشانِ نزول: .... اسلام سے پہلے جس طرح یتامیٰ اور میراث کے سلسلہ میں بہت سی زیادتیاں ہو رہی تھیں۔ اسی طرح عورتوں کے معاملات میں بھی طرح طرح کی کوتاہیاں اور بے اعتدالیاں پائی جاتی تھیں ان کو ایذائیں دی جاتی تھیں تنگ کیا جاتا تھا محرمات سے نکاح کر لیتے تھے۔ ان آیات میں ان معاملات کا اصلاحی بیان ہے۔ البتہ خطاً وقصور پر تنبیہ وتادیب کی اجازت ہے۔ چنانچہ تادیب سے یہ مضمون شروع ہو کر ''الرجال قوامون'' تک چلا گیا اور پھر تادیب ہی پر ختم کر دیا گیا ہے۔ یہ آٹھواں حکم ہے۔

﴿تشریح﴾: ......**زانی کی تعمیم اور سزائے زنا کی تعیین:** .... آیت میں زانی سے مراد عام ہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، مرد ہو یا عورت، چاروں کی تادیب کی اجازت دی گئی ہے۔ اگرچہ ذکر میں تنہا عورت کی تخصیص کی گئی ہے۔ تاہم حاکم وقت کی رائے پر تعزیر پر محمول ہوگی۔ زبان سے ہاتھ سے جس طرح بھی مناسب ہو زجر وتوبیخ کرے بعد میں اس سزا کی تعیین کر دی گئی۔ جس کو آپ ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ غیر شادی شدہ کے لئے سو کوڑے اور شادی شدہ کیلئے سنگساری۔ مفسر علامؒ نے ایک سال کی جلاوطنی کو شافعیؒ مذہب کی رعایت سے ذکر کیا ہے۔ جس کا جواب احناف کی طرف سے کتب اصول میں یہ دیا گیا ہے کہ یہ زیادتی علی کتاب اللہ ہے جو قابل اعتبار نہیں۔ رہا حدیث کا معاملہ سو ممکن ہے کہ تعزیر مراد ہو جو سیاسۃً حاکم وقت کی رائے پر محمول ہوتی ہے۔ چنانچہ حنفیہ کے نزدیک حکام کے علاوہ دوسروں کو ان سزاؤں کے اجراء کا حق نہیں ہوتا۔ آیت **فاستشهدوا** اس کا قرینہ ہے کیونکہ گواہوں کی ضرورت حاکم کے پاس مرافعہ لے جانے ہی میں ہو سکتی ہے ورنہ خود خاوند کو گواہ بنانے کی کیا حاجت؟ اور شوہر کے لئے بیوی کو گھر میں روکنے کا حق فی نفسہ بھی ہے۔ لیکن وہ سیاسۃً نہیں ہوتا۔ اب بطور تعزیر و سیاست کے ہے اس لئے سزا ہوگئی اور توبہ کے بعد تعرض نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ملامت نہ کرو توبہ کے بعد سزا نہ دینا مراد نہیں اور نہ وہ توبہ کے منافی ہے۔ بلکہ جیسا ہو اعادہ جرم کے بعد دوبارہ سزا کا استحقاق حاصل ہے۔ اسی طرح توبہ کے بعد بھی حق سزا ہے بخلاف غیر تائب کے اس کو سزا بھی ہوگی اور ملامت بھی۔ لفظ **منکم** سے خطاب جن حضرات صحابہؓ کو کیا گیا ہے ان کی خصوصیات پر نظر کرتے ہوئے فقہاء نے زنا کو چار گواہوں میں مسلمان، عاقل، بالغ، آزاد مرد ہونا شرط قرار دیا ہے۔ **یعملون السیئات** میں برابر گناہ کرنے سے مراد عام ہے خواہ گناہ کو بار بار کیا جائے یا ایک ہی گناہ پر اصرار ہو کہ وہ بھی بار بار کے حکم میں ہے۔

تحقیق انیق: .... نیز موت کے قریب دو قسم کی حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک یاس کی حالت کہ زندگی سے نا امیدی ہو جائے، مگر برزخی احوال شروع نہ ہوئے ہوں۔ اس حالت میں ایمان لانا یا توبہ کرنا مقبول و معتبر ہوتے ہیں۔ دوسری حالت یاس کی ہوتی ہے کہ مایوسی سے بڑھ کر آگے کے احوال بھی نظر آنے لگیں اور غرغرہ شروع ہو جائے۔ محققین کے نزدیک اس حال کا ایمان و توبہ دونوں نامقبول ہیں۔ **بجهالة** کی قید احترازی نہیں بلکہ قید واقعی ہے کہ گناہ ہمیشہ حماقت ہی سے ہوتا ہے جس کو اپنے سود و زیاں ہی کی خبر نہیں۔ اس سے بڑھ کر بے وقوف اور کون ہوگا؟ **سوء** اور **سیئات** سے ہر قسم کی بدعملی مراد ہے۔ کفر بھی اس میں داخل ہو جائے گا قبولیت و عدم قبولیت ایمان اگرچہ قانون کلی کے طریقہ پر معلوم ہوگئی تھی لیکن کفار کی جانب سے توبہ میں لاپرواہی اور دیری کی مزید برائی واضح کرنے کے لئے پھر صراحۃً کفار کے ایمان بحالت یاس کا غیر نافع ہونا ظاہر کر دیا گیا ہے۔ اور قبول نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مغفرت کا وعدہ نہیں یوں وہ اگر کسی پر فضل کرنا چاہیں تو انہیں کون روک سکتا ہے؟ آیت **ولا الذین الخ** کی رو سے جو شخص حالت کفر میں مر جائے اور کفری حالت کے ہوتے ہوئے کسی گناہ سے توبہ کرنا چاہے تو شرط قبولیت ایمان نہ ہونے کی وجہ سے اس کی توبہ بھی مقبول نہیں ہے۔

لطائف آیت: .... **فان تابا و اصلحا الخ** سے معلوم ہوا کہ توبہ و اصلاح کے بعد طعن و تشنیع نہیں ہونی چاہئے کہ یہ بھی ایذاء میں داخل ہے بلکہ بعض دفعہ شرور کا دروازہ کھلنے کا باعث ہو جاتا ہے۔

انما التوبة الخ سے معلوم ہوا کہ جو کام عاقل کی شایان شان نہ ہو اس کو جہالت سے تعبیر کرنا گو وہ علم و عمل کے باوجود ہوا ہو دلیل ہے۔ صوفیاء کی اس تفسیر کی جو وہ یقین کے معنی کی تعبیر اعتقاد و جازم واقع کے مطابق مع غلبۂ حال کرتے ہیں کیونکہ اس کے نہ ہونے کو قرآن کریم میں جہالت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ اَىْ ذَاتَهُنَّ **كَرْهًا** بِالْفَتْحِ وَالضَّمِّ لُغَتَانِ اَىْ مُكْرِهِيْهِنَّ عَلٰى ذٰلِكَ كَانُوْا فِى الْجَاهِلِيَّةِ يَرِثُوْنَ نِسَاءَ اَقْرِبَائِهِمْ فَاِنْ شَاءُوْا تَزَوَّجُوْهَا بِلَا صُدَاقٍ اَوْ زَوَّجُوْهَا وَاَخَذُوْا صَدَاقَهَا اَوْ عَضَلُوْهَا حَتّٰى تَفْتَدِىَ بِمَا وَرِثَتْهُ اَوْ تَمُوْتَ فَيَرِثُوْهَا فَنُهُوْا عَنْ ذٰلِكَ **وَلَا اَنْ تَعْضُلُوْهُنَّ** اَىْ تَمْنَعُوْا اَزْوَاجَكُمْ عَنْ نِكَاحِ غَيْرِكُمْ بِاِمْسَاكِهِنَّ وَلَا رَغْبَةَ لَكُمْ فِيْهِنَّ ضِرَارًا **لِتَذْهَبُوْا**

بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ مِنَ الْمَهْرِ **اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ** بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا اَيْ بَيِّنَتٍ اَوْ هِيَ بَيِّنَةٌ اَيْ زِنًا اَوْ نُشُوْزًا فَلَكُمْ اَنْ تُضَارُّوْهُنَّ حَتّٰى يَفْتَدِيْنَ مِنْكُمْ وَيَخْتَلِعْنَ **وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ** اَيْ بِالْاِجْمَالِ فِي الْقَوْلِ وَالنَّفَقَةِ وَالْمَبِيْتِ **فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ** فَاصْبِرُوْا **فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا** ﴿۱۹﴾ وَلَعَلَّهٗ يَجْعَلُ فِيْهِنَّ ذٰلِكَ بِاَنْ يَرْزُقَكُمْ مِنْهُنَّ وَلَدًا صَالِحًا **وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ** اَيْ اَخْذَهَا بَدْلَهَا بِاَنْ طَلَّقْتُمُوْهَا وَقَدْ **اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ** اَيِ الزَّوْجَاتِ **قِنْطَارًا** مَالًا كَثِيْرًا صَدَاقًا **فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا** ظُلْمًا **وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا** ﴿۲۰﴾ بَيِّنًا وَنَصَبُهُمَا عَلَى الْحَالِ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّوْبِيْخِ وَلِلْاِنْكَارِ فِيْ **وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ** اَيْ بِاَيِّ وَجْهٍ **وَقَدْ اَفْضٰى** وَصَلَ **بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ** بِالْجِمَاعِ الْمُقَرِّرِ لِلْمَهْرِ **وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا** عَهْدًا **غَلِيْظًا** ﴿۲۱﴾ شَدِيْدًا وَهُوَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ مِنْ اِمْسَاكِهِنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحِهِنَّ بِاِحْسَانٍ **وَلَا تَنْكِحُوْا مَا** بِمَعْنٰى مَنْ **نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا** لٰكِنْ **مَا قَدْ سَلَفَ ؕ** مِنْ فِعْلِكُمْ فَاِنَّهٗ مَعْفُوٌّ عَنْهُ **اِنَّهٗ** اَيْ نِكَاحَهُنَّ **كَانَ فَاحِشَةً** قَبِيْحًا **وَّمَقْتًا ؕ** سَبَبًا لِلْمَقْتِ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ اَشَدُّ الْبُغْضِ **وَسَآءَ** بِئْسَ **سَبِيْلًا** ﴿۲۲﴾ طَرِيْقًا ذٰلِكَ۔

ترجمہ: ....مسلمانو! تمہارے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ عورتوں کو میراث سمجھ کر (ان کی ذوات پر) زبردستی قبضہ کرلو (لفظ کرھًا فتح اور ضمہ کے ساتھ دونوں لغت ہیں۔ تقدیرعبارت اس طرح ہے **مکرھین علی ذلک** زمانۂ جاہلیت میں لوگ اپنے عزیزوں کی عورتوں پر بطور میراث قبضہ کرلیا کرتے تھے پھر اس کے بعد اگر چاہتے تو بلا مہر ان سے نکاح کر لیتے۔ یا دوسری جگہ ان کی شادی کرادیتے اور ان کے مہروں پر قبضہ کرلیتے۔ یا زبردستی کہیں بھی ان کو شادی نہ کرنے دیتے۔ حتیٰ کہ بطور فدیہ میراث میں پایا ہوا مال وہ ازخود اس مرد کو نہ دے دے۔ یا اس کے مرجانے پر میراث میں اس کا مال جب تک نہ مل جائے۔ غرضکہ زبردستی کی ان سب صورتوں سے منع کیا جارہا ہے) اور نہ انہیں روکے رکھو (دوسروں کے ساتھ نکاح کرنے سے ان کو منع مت کرو (ان کو روک کر۔ جبکہ خود سے نکاح کرنے کی رغبت نہ ہو محض نقصان پہنچانے کے خیال سے) تاکہ ان سے لے نکلو کچھ مال دیئے ہوئے (مہروں) میں سے الا یہ کہ وہ علانیہ بدچلنی کے مرتکب ہوئی ہوں (لفظ مبینہ فتح یا اور کسر یا کے ساتھ ہے۔ تقدیرعبارت بینت یاھی بینة ہے مراد اس سے زنا ہے یا نافرمانی۔ اب ایسے وقت تمہارے لئے اجازت ہے کہ تم ان کو کچھ تکلیف دو۔ یہاں تک کہ وہ تم کو کچھ فدیہ دے ڈالیں یا خلع کرلیں) اور عورتوں کے ساتھ معاشرت کرنے میں نیکی اور انصاف کا خیال رکھو (یعنی بات چیت، اخراجات اور شب باشی میں خوبصورتی سے کام لو) پھر اگر وہ عورتیں تمہیں ناپسند ہوں (تو صبر کرو) اس لئے کہ عجب نہیں کہ ایک بات تم ناپسند کرتے ہو اور اسی میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بہت کچھ بہتری رکھ دی ہو (اور ممکن ہے اس بہتری رکھنے کی صورت یہ ہو کہ ان ناپسند بدعورتوں سے تم کو اولاد (صالح عطا فرمادے) اور اگر تم ارادہ کرلو کہ ایک بیوی کو چھوڑ کر اس کی جگہ دوسری کروگے (یعنی پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری کرلو) اور (ان بیویوں میں سے) پہلی کو ایک ڈھیر بھی (بطور مہر مال کثیر کا) دے دیا ہو تو بھی نہیں چاہئے کہ اس میں سے کچھ واپس لے لو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنا دیا ہوا مال بہتان لگا کر ظلماً اور کھلم کھلا گناہ کے مرتکب ہو کر واپس لے لو (مبین بمعنی بین ہے اور لفظ بہتان اور اثم مبین کا منصوب ہونا بنا

بر حال کے ہے اور اس میں استفہام توبیخ کے لئے ہے لیکن اگلے جملہ میں استفہام انکاری ہوگا) اور پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم اسے واپس لےلو (یعنی کس طریقہ سے آخر لے سکتے ہو) حالانکہ ملاقات (وصول) کر چکے تم میں سے ایک دوسرے کے ساتھ خاوند بیوی کے طریقہ پر (جماع کر کے جو مہر لازم کر چکا ہے) اور تمہاری بیویاں تم سے قول وقرار (عہد) پکا (مضبوط) لے چکی ہیں (یعنی اس خدائی حکم کے ماتحت کہ بیویوں کو یا حسن سلوک کے ساتھ اپنے پاس رکھو ورنہ خوبصورتی کے ساتھ آزاد کردو) اور ان عورتوں کو نکاح میں نہ لاؤ (ما بمعنی من) ہے جنہیں تمہارے باپ نکاح میں لا چکے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا (تمہارا وہ فعل معاف ہے) یہ (ان عورتوں سے نکاح کرنا) بڑی ہی بے حیائی کی (بُری) بات تھی اور نہایت مکروہ ومردود بات تھی (جو اللہ کی ناراضی کا باعث ہے یعنی سخت غصہ کا) اور بہت ہی برا دستور (طریقہ) تھا (یہ)۔

تحقیق وترکیب: .... النسآء یہ مفعول ثانی ترثوا کا یعنی وہ عورتیں موروثات بنیں اور یا ترثوا مفعول اول ہے یعنی ان کا مال بطریق میراث لو۔ یعنی عورتوں سے میراث لو۔ یہ بات تمہارے لئے جائز نہیں ہے۔ مفسر علامؒ نے ذاتھن نکال کر اشارہ کر دیا کہ میراث مالی کی ممانعت مقصود نہیں۔ بلکہ خود عورتوں کی ذوات پر قبضہ کر لینا مراد ہے جو جاہلیت کا دستور تھا۔ کــرھــا اشارہ اس طرف ہے کہ ضمیر تـرثوا سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور صاحب کشاف نے النساء سے حال بنایا ہے۔ اسی کــارھــات پھر آگے مفسر لفظ مکرھین سے اشارہ کرتے ہیں کہ مصدر بمعنی اسم فاعل ہے و لاتعضلوا اس کا عطف ان ترثوا پر ہے اور لا کا اعادہ تاکیداً کیا گیا ہے۔ یہ خطاب ان مردوں کو ہے جو اپنی عورتوں کو تنگ کرتے اور ان سے روپیہ وصول کرنے کے لئے دوسری جگہ بھی شادی نہ کرنے دیتے۔

تمنعوا ازواجکم کہہ کر مفسرؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ضمیر بطور استخدام نساء کی طرف راجع ہے۔ صریح لفظ نساء سے مراد دوسروں کی عورتیں اور ضمیر سے مراد خود تمہاری بیویاں ہیں۔ عضل کے معنی دراصل حبس اور روکنے کے آتے ہیں عضلت المرأة بولدھا بولتے ہیں جبکہ رحم تنگ ہو جائے کہ بچہ کا بعض حصہ باہر نکل آیا اور بعض حصہ برآمد نہیں ہوسکا۔

مـن المهر اس میں اشارہ ہے کہ لاتـعـضلوھن کا خطاب شوہروں کو ہے اگر چہ آیت میں خطاب ورثاء کو ہو رہا ہے اس پر تفتازانی نے مطول میں اعتراض کیا ہے کہ ایک ہی کلام میں دو شخصوں کو مخاطب بنانا صحیح نہیں ہوتا تاوقتیکہ ندا کا اعادہ نہ کیا جائے اس لئے قم یا زید واقعد یا عمرو تو کہنا صحیح ہے مگر قـم واقـعد زیدو عمرو کہنا صحیح نہیں ہے جواب یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کو مخاطب واحد کے حکم میں قرار دے لیا گیا ہے یا کہا جائے کہ یہاں بھی خطاب ورثاء ہی کو ہے۔

الاان یاتین یہ استثناء اعم احوال واوقات سے ہے یا اعم علل سے یعنی لا یحل لکم عضلھن فی وقت اولعلة الا فی حال وقـت اولاجـل اتیانھن بھا الخ فاصبروا. اشارہ ہے جزائے مقدر کی طرف اور فعسیٰ الخ دال بر جزاء ہے۔ قنطاراً بمعنی مال کثیر۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا لاتـغـالـوا بـصـدقات النساء ایک عورت برجستہ بولی کہ ہم آپؐ کے فرمان کا اتباع کریں یا اللہ تعالیٰ کے حکم و اتیتم احدٰھن قنطاراً کا۔ حضرت عمرؓ لاجواب ہو گئے اور فرمایا تزوجو اعلیٰ ماشئتم. بھتان اس کی تفسیر مجازاً ظلم کے ساتھ کی گئی ہے۔ ابن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ وقد افضیٰ یہ آیت حنفیہ کے لئے خلوت صحیحہ کے موکد مہر ہونے پر حجت ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ نے خلوت ہی کے ساتھ اس کی تفسیر کی ہے کیونکہ وصـول بمعنی اللغوی وصول خاص پر موقوف نہیں ہے۔ اس لئے کہ عام خاص کے لئے مستلزم نہیں ہوتا۔ امام شافعیؒ کی روایت سے مفسر جماع کے ساتھ تفسیر کر رہے ہیں واخــذن اخذ کی اسناد عورتوں کی طرف مجاز عقلی ہے ورنہ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ آخذ ہیں۔ لاتـنـکـحـوا اس صورت کو آئندہ محرمات کے ذیل میں داخل کرنے کی بجائے علیحدہ بیان کرنے کی وجہ سے مبالغہ فی الزجر ہے۔ مــا بمعنی مــن یہ توجیہ تفتازانیؒ کی اختیار کردہ ہے اور بعض کی رائے ہے کہ

عورتیں ناقص العقل ہونے کی وجہ سے غیر ذوی العقول کے درجہ میں شمار کی گئی ہیں یا مراد اس سے صفت ہے۔ الا بمعنی لکن چونکہ مستقبل سے ماضی مستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے مفسرؒ نے استثناء منقطع پر محمول کرلیا ہے۔ دوسری صورت استثناء متصل کی ہے اس وقت دو معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ نکاح کو وطی پر محمول کرلیا جائے یعنی باپ کی موطوءہ سے وطی حرام ہے دوسرے معنی یہ ہوں کہ **لا تنکحوا مثل نکاح** ابائکم فی الجاهلية الا ماقد سلف منکم. المقت بمعنی البغض. مصدر بمعنی الممقوت مبالغہ کے لئے۔

ساء یہ قائم مقام بئس کے ہے اس میں ضمیر ہے جس کی تفسیر مابعد ہے اور سبیلاً تمیز اور مخصوص بالمذمت محذوف ہے یعنی ذلک اور یہ بھی ممکن ہے کہ ساء کی ضمیر ماقبل کی طرف راجع ہو اور سبیلاً تمیز منقول عن الفاعل ہو ای **ساء سبیلا** گویا **وحسن اولئك** رفیقا کی طرح ہے۔

ربط: .... یہاں سے عورتوں کے باب میں پرانی کوتاہیوں کا سد باب ہے۔ مثلاً **یا ایها الذین** الخ میں بطور میراث عورتوں پر قبضہ جمالینا، یا بیویوں کے حقوق غصب کرلینا یا آیت وان اردتم میں بغیر نافرمانی عورتوں سے مہر واپس لے لینا ہے۔ یہ نواں حکم ہے۔ آیت و لاتنکحوا میں نکاحِ مقت کی ممانعت، غرضکہ مختلف معاشرتی مظالم سے روکا جارہا ہے۔ یہ دسواں حکم ہے۔

شانِ نزول: .... ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں اگر کوئی مرد مرجاتا اور اس کی جوان بیوی رہ جاتی تو اس پر رشتہ داروں میں سے کوئی کپڑا ڈال دیتا اور خوبصورت ہونے کی صورت میں خود اس سے شادی کرلیتا اور بدشکل ہونے کی صورت میں اس کو محبوس رکھا جاتا تا آنکہ وہ مرجاتی اور اس کی میراث پر یہ قرابت دار قبضہ کرلیتا۔ نیز بخاری اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر مرجاتا تو اس کے عزیز عورت کے رشتہ داروں کی نسبت نکاح اور عدم نکاح کے زیادہ حقدار سمجھے جاتے اس کی اصلاح کے لئے یہ آیت نازل ہوئی اور عکرمہ کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت کبشہ بنت معن بن عاصم اوسی انصاری کے بارہ میں نازل ہوئی کہ ان کے شوہر ابوقیس بن اسلتؓ کا انتقال ہوگیا ان کے صاحبزادہ نے حسب دستور ان پر چادر ڈال دی۔ لیکن بعد میں نہ خود حقوق زوجیت ادا کئے اور نہ دوسرے سے شادی کرنے دی۔ جس کی شکایت کبشہ نے آنحضرت ﷺ سے کی آپ ﷺ نے وحی کے انتظار کا مشورہ دیا یہ آیت نازل ہوئی۔ اسی طرح ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ مرد جب اپنی بیوی کو ناپسند کرتے تو مہر کو معاف کرانے یا اس سے کچھ مال وصول کرنے کے لئے اس کو تنگ کیا کرتے۔ **ولا تعضلوهن** سے اس کی بندش کی جارہی ہے محمد بن کعبؓ سے مروی ہے کہ جب کسی شوہر کا انتقال ہوجاتا تھا تو اس کا بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے .... نکاح کرنے کا زیادہ حقدار سمجھا جاتا۔ اس کی اصلاح کے لئے آیت **ولا تنکحوا** الخ نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: ......**عورتوں کی جان و مال پر قبضہ**: .... حاصل آیت **لایحل لکم ان ترثوا النساء** یہ ہے کہ جبراً عورتوں کی جانوں پر قبضہ کرسکتے ہو اور نہ مال پر قبضہ کی اجازت۔ مالی قبضہ کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) عورت کے حقِ میراث پر خود قبضہ کرلیا جائے، (۲) عورت کو دوسری جگہ نکاح نہ کرنے دیا جائے، تا آنکہ وہ مال از خود نہ دے دے یا اس کے مرنے پر زبردستی قبضہ نہ کرلیا جائے۔ (۳) شوہر بلاوجہ عورت کو مجبور کرکے مال لے اور پھر اس کو چھوڑے۔ ان میں سے پہلی اور تیسری صورت میں اگر مال عورت نے خوشدلی سے دیا ہے تو بے تکلف حلال ہوگا البتہ دوسری صورت میں زبردستی کا تعلق دراصل نکاح سے ہے۔ جس کی غرض مال وصول کرنا تھی، اس لئے لفظوں میں اس سے متعلق کردیا ہاں اگر خود بھی نکاح پر تیار اور رضامند نہیں ہے تو پھر اس صورت میں بھی گناہ نہیں بلکہ جواز رہے گا۔ البتہ اگر مرنے والے کی عورت پر زبردستی قبضہ کی صورت ہے تو

اس میں جبراً کی قید احترازی نہیں بلکہ واقعی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ایسا ہی ہوتا تھا چنانچہ اگر عورت رضامند بھی ہو تب بھی اس کی ذات میراث نہیں بن سکتی۔

عضل کی صورتیں اور احکام: ....علیٰ ہذا ولا تعضلوھن میں بھی تین صورتیں داخل ہیں۔(۱) میت کی بیوی کو وارث نکاح سے روک دے تا کہ اس سے کچھ وصول ہو سکے۔(۲) خود شوہر بیوی سے کچھ لے کر چھوڑ دے۔(۳) طلاق دینے کے باوجود شوہر کچھ وصول کرنے کے لئے دوسری جگہ عورت کو نکاح نہ کرنے دے۔ان تینوں صورتوں میں سے پہلی صورت اوپر کی دوسری صورت کا ایک حصہ ہے اور دوسری صورت بعینہ اوپر کی تیسری صورت ہے البتہ یہاں کی تیسری صورت اور اوپر کی اول صورت علیحدہ علیحدہ ہیں۔

اسی طرح الاان یاتین میں بھی تین صورتیں ہیں۔(۱) فاحشہ سے مراد شوہر کی نافرمانی اور اس کے ساتھ بدخلقی سے عورت کا پیش آنا لیا جائے۔(۲) فاحشہ سے مراد زنا ہو۔اس پر خاوند بطور جرمانہ اپنا دیا ہوا مہر واپس لے لے اور عورت کو نکال دے۔(۳) فاحشہ سے مراد زنا ہو۔اس پر بطور سزا عورت کو گھر میں محبوس کر دیا جائے،پہلی صورت میں شوہر کو خلع کی اجازت ہے لیکن بدل خلع دیئے ہوئے مہر سے زیادہ نہ ہو۔دوسری صورت کا حکم یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں ایسا کرنے کی اجازت تھی لیکن اب یہ حکم منسوخ ہو گیا۔زنا سے مہر کا وجوب ساقط نہیں ہوتا گویا ان دونوں صورتوں میں مال لینے کی اجازت ہے۔تیسری صورت کا حکم یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں اسے مقید رکھنے کی اجازت تھی اب یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا۔وصولی مال کی غرض سے یہ حبس نہیں بلکہ بطور سزا کے ہو گا۔حاصل یہ کہ استثناء مطلق عضل سے ہو گا۔

پرانی بیوی کے ساتھ غلط کاروائی کر کے نئی شادی رچانا: ....آیت وان اردتم الخ میں ایک خاص ظلم کی اصلاح کی جارہی ہے یہ تو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ جن صورتوں میں عورت قصوروار ہو تو اس سے مال لے کر اس کو چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ بدل خلع مہر سے زیادہ نہ ہو۔اس میں ہوتا یہ رہا ہے کہ اگر شوہر کی پہلی بیوی سے رغبت نہیں رہی اور وہ نئی بیوی سے شادی رچانا چاہتا تو اس کے لئے جواز کا بہانہ اس حیلہ سے نکالتا کہ پرانی بیوی سے مال وصول کرنے کے لئے اس پر تہمت قائم کرتا یا ویسے ہی پریشان کرتا رہتا اور پھر اس وصول شدہ رقم سے نئی شادی رچالیتا۔یہ بہتان طرازی کبھی تو صراحۃً ہوتی اور کبھی زبردستی مال وصول کر کے دلالۃً ہوتی کہ دوسروں کی نظروں میں اس کو نافرمان اور ذہنوں میں بدکار قرار دینا ہوتا۔عورت کی رضامندی کی صورت میں تو مال کا وصول کرنا ظلم ہے ہی لیکن بطیب خاطر عورت کی طرف سے ہبہ کی صورت میں بھی ظلم ہی رہے گا۔کیونکہ موانع ہبہ میں سے زوجیت بھی ہے اور اسی سے بہتان بھی لازم آتا ہے کہ واپس لینا گویا یہ ظاہر کرنا ہے کہ یہ میری بیوی نہ تھی گویا عورت کو دعویٰ زوجیت میں کاذبہ اور معاشرت میں فاسقہ ٹھہراتا ہے اس لئے اس کا بہتان ہونا ظاہر ہے اس مقام پر بیوی سے مال وصول کرنے کے چار موانع بیان کئے جارہے ہیں۔(۱) بہتان (۲) ظلم (۳) بدل اور مبدل منہ یعنی مہر اور ملک بضعہ دونوں کا اجتماع شوہر کی ملک میں۔(۴) زن وشوئی کا عہد وپیمان۔غرضکہ ان چار موانع کے ہوتے ہوئے مال کی واپسی نہایت مذموم ہے۔

فوائد قیود: ....ان اردتم الخ سے معلوم ہوا کہ شوہر کی طرف سے اگر ناموافقت ہے تو مہر کی واپسی پر مجبور کرنا ناجائز ہوگا اور اتاخذونہ سے معلوم ہوا کہ عورت کی بدمزاجی اگر سبب ہے تو ردمہر جائز ہوگا۔لیکن اگر کسی طرف سے فی الحال زیادتی نہیں ہوئی مگر آئندہ قرائن کے لحاظ سے ناموافقت کا خطرہ ہے اس خطرہ کے پیش نظر مرد خلع کرنا چاہتا ہے اور عورت بھی بخوشی مہر واپس کرنے پر رضامند ہے تو دوسرے مانع کی رو سے اس کی اجازت ہے۔نیز تیسرے مانع سے معلوم ہوا کہ بغیر میاں بیوی کے تعلقات یا خلوت صحیحہ کے چونکہ پورا مہر مؤکد نہیں ہوتا ایسی حالت میں طلاق دینے سے نصف مہر آتا ہے۔اب اگر اس حالت میں خلع ہوا تو نصف مہر تو طلاق قبل الدخول کی

وجہ سے ساقط ہوا آدھا رہ گیا تھا وہ خلع کی وجہ سے ساقط ہوگیا۔ اسی طرح چوتھے مانع سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ بلامہر نکاح کرنے سے چونکہ مہرمثل آتا ہے لیکن اس کا کوئی جزوصرف نکاح سے مؤکدنہیں ہوجاتا۔ پس ایسی حالت میں طلاق دینے سے صرف متعہ یعنی جوڑا دینا پڑتا ہے ہاں البتہ بیوی کو اگر کوئی چیز ہبہ مع القبض کردی جائے تو پھر اس کی واپسی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ زوجیت ایک نا قابل ارتفاع مانع ہے۔ اور تاخذونہ سے مراد عام ہے خواہ حقیقۃً ہو جیسی حسی واپسی یا حکماً ہو جیسے معاف کرنا۔

اشکال اور حل: .... اور آیت بالا سے مہر کی زیادہ مقدار کا صرف جواز بمعنی صحت ونفاذ معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن حدیث میں جو تقلیل مہر کی تاکید آئی ہے اس سے مراد مطلق اباحت اور عدم کراہت کی نفی ہے اس لئے دونوں میں تعارض نہیں ہے اور حضرت عمرؓ کا جو واقعہ اوپر مذکور ہوا اس میں زیادہ مہر کا جواز مان لینا محض اس لئے تھا کہ لوگ اس کو حرام نہ سمجھنے لگیں اس سے عدم کراہت ثابت نہیں ہوتی اس لئے اب مقام بالکل بے غبار ہوگیا ہے۔

سوتیلی ماں اور دو حقیقی بہنوں اور متبنّٰی کی بیوی سے نکاح: .... منجملہ برائیوں کے ایک غلط رواج قائم ہوگیا تھا کہ سوتیلی ماں سے یا ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی حقیقی بہن سے نکاح کو جائز اور متبنّٰی کی بیوی سے نکاح کرنا بیٹے کی بیوی کی طرح ناجائز سمجھتے تھے یعنی حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھتے تھے۔ آیت ولا تنکحوا الخ میں اس کا سدباب کیا جارہا ہے اور اسی ذیل میں وہ باندی جس کا شوہر دارالحرب میں زندہ موجود ہو بعض مسلمانوں کو اس کی حلت میں شبہ تھا۔ ضمناً اس کو بھی صاف کردیا ہے۔

نکاحِ مقت اور مقتی اولاد: .... اور چونکہ یہ نکاح مقت شائستہ لوگوں کے نزدیک پہلے بھی نہایت قبیح رہا ہے حتیٰ کہ ایسی اولاد کو بھی مقتی کہا جاتا تھا۔ اس لئے زجراً حق تعالیٰ نے اس حکم کو اگلی آیت کے محرمات سے الگ بیان کیا ہے۔ گویا عرفاً یہ نکاح مقت کہلایا اور عقلاً بے حیائی اور شرعاً نہایت براطریقہ ہوا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی ایجاب وقبول بھی کرلے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا باطل ہی رہے گا۔ چونکہ نکاح شرعی وطی کے حکم میں ہوتا ہے پس جب باپ کی منکوحہ یعنی حکمیہ موطوءہ سے نکاح بالاتفاق حرام ہے تو بقول امام ابوحنیفہؒ حقیقی موطوءہ سے اگرچہ بلا نکاح ازروئے زنا ہو بدرجہ اولیٰ بیٹے کے لئے نکاح حرام ہونا چاہئے اسی طرح اور جہاں جہاں بھی نکاح سے تحریم مؤبد ہوجاتی ہو زنا سے بھی مؤبد ہوجائے گی۔

لطائفِ آیت: .... فان کرھتموھن الخ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی تجویز کے سامنے اپنی رائے کو فنا کردینا چاہئے۔

وان اردتم الخ سے معلوم ہوا کہ بہتان کبھی صراحۃً ہوتا ہے اور کبھی دلالۃً اسی لئے ارباب باطن جس طرح موجب سے بچتے ہیں اسی طرح موہم سے بچنے کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ ولاتنکحوا الخ سے معلوم ہوا کہ تائب کی گذشتہ غلطیوں پر تشدد اور ان کا تذکرہ نہیں ہونا چاہئے اور نہ اس شخص کی تحقیر۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَشَمَلَتِ الْجَدَّاتُ مِنْ قِبَلِ الْاَبِ اَوِ الْاُمِّ **وَبَنٰتُكُمْ** وَشَمَلَتْ بَنَاتُ الْاَوْلَادِ وَاِنْ سَفَلْنَ **وَاَخَوٰتُكُمْ** مِنْ جِهَةِ الْاَبِ اَوِ الْاُمِّ **وَعَمّٰتُكُمْ** اَيْ اَخَوَاتُ اٰبَائِكُمْ وَاَجْدَادِكُمْ **وَخٰلٰتُكُمْ** اَيْ اَخَوَاتُ اُمَّهَاتِكُمْ وَجَدَّاتِكُمْ **وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ** وَتَدْخُلُ فِيْهِنَّ بَنَاتُ اَوْلَادِهِنَّ **وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ** قَبْلَ اِسْتِكْمَالِ الْحَوْلَيْنِ خَمْسَ رَضَعَاتٍ كَمَا بَيَّنَهُ الْحَدِيْثُ **وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ**

الرَّضَاعَةِ وَيُلْحَقُ بِذٰلِكَ بِالسُّنَّةِ الْبَنَاتُ مِنْهَا وَهُنَّ مَنْ اَرْضَعَتْهُنَّ مَوْطُوْءَتُهٗ وَالْعَمَّاتُ وَالْخَالَاتُ وَبَنَاتُ الْاَخِ وَبَنَاتُ الْاُخْتِ مِنْهَا لِحَدِيْثٍ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَايَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ **وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ** جَمْعُ رَبِيْبَةٍ وَهِيَ بِنْتُ الزَّوْجَةِ مِنْ غَيْرِهٖ **الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ** تَرَبُّوْنَهَا صِفَةٌ مُوَافِقَةٌ لِلْغَالِبِ فَلَامَفْهُوْمَ لَهَا **مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ** اَيْ جَامَعْتُمُوْهُنَّ **فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ** فِيْ نِكَاحِ بَنَاتِهِنَّ اِذَا فَارَقْتُمُوْهُنَّ **وَحَلَآئِلُ** اَزْوَاجُ **اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ** بِخِلَافِ مَنْ تَبَنَّيْتُمُوْهُمْ فَلَكُمْ نِكَاحُ حَلَائِلِهِمْ **وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ** مِنْ نَسَبٍ اَوْ رَضَاعٍ بِالنِّكَاحِ وَيُلْحَقُ بِهِنَّ بِالسُّنَّةِ الْجَمْعُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ عَمَّتِهَا وَخَالَتِهَا وَيَجُوْزُ نِكَاحُ كُلِّ وَاحِدَةٍ عَلَى الْاِنْفِرَادِ وَمِلْكُهُمَا مَعًا وَيَطَاءُ وَاحِدَةٌ **اِلَّا** لٰكِنْ **مَاقَدْ سَلَفَ** فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ نِكَاحِكُمْ بَعْضُ مَاذُكِرَ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْهِ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا** لِمَا سَلَفَ مِنْكُمْ قَبْلَ النَّهْيِ **رَّحِيْمًا﴿۲۳﴾** بِكُمْ فِيْ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: ....حرام کردی گئیں تم پرتمہاری مائیں (ان سے نکاح کرنا، یہ حکم دادیوں اور نانیوں کوبھی شامل ہے) اورتمہاری بیٹیاں (یہ حکم پوتیوں اور پرپوتیوں کوبھی شامل ہے) اورتمہاری بہنیں (خواہ علاتی ہوں یا اخیافی) اورتمہاری پھوپھیاں (خواہ باپ کی بہنیں ہوں یا دادا کی) اورتمہاری خالائیں (ماں کی بہنیں ہوں یا دادی کی) اور بھتیجیاں اور بھانجیاں (ان کی اولاد بھی ان میں داخل ہیں) اورتمہاری دودھ پلانے والی مائیں (دوسال کی مدت پوری ہونے سے پہلے پانچ گھونٹ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے) اورتمہاری دودھ شریک بہنیں (اوران ہی کے ساتھ دودھ شریک بیٹیوں کوبھی بذریعہ سنت شامل کردیا گیا ہے یعنی وہ لڑکیاں مراد ہیں جن کواس شخص کی موطوءہ نے دودھ پلایا ہو۔ اسی طرح دودھ شریک پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں بھی اس میں داخل ہوگئیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ دودھ کی شرکت سے تمام رشتے حرام ہوجاتے ہیں۔ جونسب سے حرام ہیں۔ رواہ البخاری ومسلم) اورتمہاری بیویوں کی مائیں اورتمہاری بیویوں کی اولاد (ربائب جمع ربیبۃ کی ہے بیوی کے دوسرے شوہر سے جولڑکی ہو) جوتمہاری گودوں میں پرورش پاتی ہیں (جن کی تم نے تربیت کی ہو یہ ایک ایسی حالت ہے جواکثر حالات میں ایسے ہی ہوتی ہے اس لئے اس کوقید احترازی نہیں سمجھا جائے گا) اورایسی بیویوں سے ہوکہ جن سے تم نے زن وشوئی کے تعلقات قائم کرلئے ہوں (یعنی ان سے صحبت کرلی ہو) لیکن اگرابھی ان کی ماؤں سے ایسے تعلقات قائم نہ ہوئے ہوں توپھران لڑکیوں سے نکاح کرلینے میں کوئی پکڑنہیں ہے (یعنی ان سے علیحدگی کے بعدانکی لڑکیوں سے شادی کرسکتے ہو) اورتمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں (بخلاف اپنے متبنّٰی کی بیوی کے کہ ان سے تمہیں نکاح کرنے کا حق ہے) نیزتم پرحرام کردیا گیا ہے دو بہنوں کوجمع کرنا (نکاح میں خواہ دونوں نسبی بہنیں ہوں یارضاعی اوراز روئے حدیث ان ہی میں شامل کردیا گیا ہے بیوی کی پھوپھی اور خالہ کوبھی۔ البتہ انفرادی طورپران عورتوں سے نکاح جائز ہے اسی طرح ان عورتوں کوملک میں جمع کرنا بھی جائز ہے۔ تاہم صحبت کی اجازت ایک سے رہے گی) ہاں اگرپہلے جوکچھ ہوچکا سوہوچکا۔ زمانۂ جاہلیت میں تم نے جوبعض مذکورہ عورتوں سے نکاح کرلیا تھااس کا گناہ تم پرنہیں ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخش دینے والے ہیں (ممانعت سے پہلے جوکچھ ہوگیا) رحمت رکھنے والے ہیں (تم پراس بارہ میں)

تحقیق وترکیب: ....حرمت مفسرؒ نے اشارہ کردیا کہ حرمت کی اسناد اگرچہ ذوات کی طرف ہورہی ہے لیکن مراداس سے

تحریم نکاح ہے۔ جیسا کہ تحریم شراب سے مراد قربِ شراب ہوتی ہے۔ **واخواتکم** مفسرؒ نے علاتی اوراخیافی کوذکر کیا ہے حالانکہ حقیقی اور عینی بدرجہ اولی اس میں داخل ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ **قبل استکمال الحولین** ائمہ اربعہؒ اور جمہور کا مذہب یہی ہے کہ دوسال بعد رضاعت کا اعتبار نہیں ہوگا۔ حدیث **انما الرضاعة من المجاعة** اس پر شاہد ہے لیکن حضرت عائشہؓ کی رائے اس کے خلاف ہے۔ **خمس رضعات** یہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی رائے ہے۔ لیکن امام اعظمؒ اور امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ ایک گھونٹ بھی کافی ہے۔ حدیث **یحرم من الرضاع مایحرم من النسب** عام اور مطلق ہے اس میں قلیل وکثیر کا کوئی فرق نہیں ہے۔ نیز حدیث عائشہؓ میں **عشر رضعات** کا لفظ بھی آیا ہے جس وجہ سے شوافع کے نزدیک وہ حدیث منسوخ ہے، اسی وجہ سے احناف کے نزدیک **خمس رضعات** والی حدیث بھی منسوخ ہوگی۔

واخوتکم عام اس سے کہ یہ رضاعی بہن رضاعی ماں کی حقیقی بیٹی ہو یا دوسرے کی لڑکی ہو۔ مگر دونوں عورتوں میں اس لڑکے کے ساتھ دودھ شریک ہوگئی ہو۔ **ویلحق** حاصل یہ ہے کہ یہ پانچوں قسمیں حرمت رضاعت میں بطریق الحاق شریک کردی گئی ہیں۔ **ربائب** یہ لفظ تربیت سے ہے وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ **فلامفهوم لها** یعنی یہ قید واقعی ہے احترازی نہیں ہے کہ اگر پرورش میں نہ رہی ہو تو بہر صورت لڑکی جائز ہو جائے گی۔ داؤد ظاہری کے علاوہ تمام ائمہؒ کی رائے یہی ہے۔

دخلتهم بهن ابن عباسؓ نے یہی تفسیر کی ہے اس میں با تعدیہ کی ہوگی۔ بمعنی مصاحبت یا با بمعنی مع ہے۔ کنایہ جماع سے ہے یہ امام شافعیؒ کی رائے ہے لیکن امام اعظمؒ کے نزدیک لمس بشہوۃ بھی اس حکم میں داخل ہے۔

حلائل جمع حلیلة وجہ تسمیہ یہ ہے کہ شوہر کے ساتھ ایک کپڑے میں حلول کرتی ہے۔ زوج کو اسی لئے حلیل کہتے ہیں اس کا ترجمہ مفسر نے ازواج کے ساتھ کیا ہے مراد اس سے زوجات ہے۔ **من اصلابکم** آنحضرت ﷺ نے اپنے متبنی حضرت زیدؓ کی بیوی زینبؓ سے نکاح کرلیا تھا جس پر بڑی چہ میگوئیاں ہوئیں اس کی تردید مقصود ہے۔

وان تجمعوا بین الاختین صاحب ہدایہ کی عبارت یہ ہے۔ **ولا یجمع بین الاختین نکاحًا ولا بملک یمین وطئًا لقوله تعالیٰ وان تجمعوا بین الاختین الخ ولقوله علیه السلام من کان یؤمن بالله والیوم الأخر فلا یجمعن ماء ه فی رحم اختین.** اس مقام پر صاحب توضیح اور فخر الاسلام نے اعتراض کیا ہے کہ اس آیت سے جمع بین الاختین کا عدم جواز اور **ماملکت ایمانهم** کے عموم سے جواز معلوم ہوتا ہے اس لئے دونوں آیات میں تعارض ہوگیا۔ لیکن صاحب تلویح نے اس پر مناسب کلام کیا ہے کہ آیت **ان تجمعوا الخ** سے حرمت وطی ملکا بطریق دلالت معلوم ہوئی۔ کیونکہ جب نکاحًا جمع کرنا ناجائز ہے جو مفضی الی الوطی ہوتا ہے تو وطیًا جمع کرنا بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہوگا اور **ماملکت** سے جواز بطریق عبارت معلوم ہو رہا ہے اس لئے کوئی تعارض نہیں ہے۔

بین عمتها وخالتها ابوہریرہؓ کی روایت ہے **لایجتمع بین المرأة وخالتها** اور ابوداؤدؒ کی روایت جامع ہے **نهی النبیؐ ان تنکح المرأة علی عمتها او العمة علی بنت ابنها والمرأة علی خالتها والخالة علی بنت اختها لا تنکح الصغریٰ علی الکبریٰ ولا الکبریٰ علی الصغریٰ.**

ربط وشانِ نزول: .... یہ آیات بھی دسویں حکم کا تتمہ ہیں ان میں محرمات کا بیان ہے۔ حضرت عطاؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے متبنی زید بن حارثہؓ کی مطلقہ بیوی حضرت زینبؓ سے شادی کرلی تو مشرکین نے ایک ہنگامہ برپا کردیا۔ اس پر آیت **وحلائل ابناء کم الذین من اصلابکم** نازل ہوئی اسی طرح ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ نے تخریج کی ہے کہ فیروز دیلمیؓ جب مسلمان ہوئے تو ان کے نکاح میں دو حقیقی بہنیں تھیں تو آپ ﷺ نے ان سے کسی ایک کو طلاق دینے کے لئے فرمادیا۔ اگرچہ فیروز دیلمیؓ کا یہ واقعہ

سببِ نزول آیت کا تو نہیں ہے لیکن اس سے بھی تائید اور اثبات ہوتا ہے حقیقی بہنوں کے نہ جمع کر سکنے کا۔

﴿تشریح﴾: ......**تین قسم کے محرمات کا ذکر**: .... ان آیات میں تین طرح کے محرمات کا ذکر ہے۔ اول **حرمت علیکم امھٰتکم** سے محرماتِ نسبیہ کا، دوسرے **و امھٰتکم التی ارضعنکم** سے محرماتِ رضاعیہ کا، تیسرے **و امھٰت نساء کم** سے محرمات صہر (دامادی) کا۔ قسم اول میں تمام اصول وفروع خواہ بالواسطہ ہوں یا بلا واسطہ سب آ گئے۔ اسی طرح بہنوں، پھوپھیوں، خالاؤں، بھتیجیوں، بھانجیوں میں سب طرح کی آ گئیں۔ عینی، علاتی، اخیافی علیٰ ہذا دوسری قسم میں انسا سے نکاح حرام ہے اور ان رضاعی بہن بھائی کا نکاح حرام ہے۔ جنہوں نے ایک دوسرے کی حقیقی یا رضاعی ماں کا دودھ ایک وقت میں یا مختلف اوقات میں پیا ہو۔ تیسری قسم میں بیوی اور مزنیہ کے تمام اصول وفروع سے نکاح حرام ہوگا۔ ہاں بغیر مساس یا ہمبستری کی ہوئی بیوی کی لڑکی سے شادی کی اجازت ہے اسی طرح اولاد ذکور کی بیویوں سے (بہوؤں سے) جس میں تمام فروع آ گئے نکاح ناجائز ہوگا۔ البتہ لے پالک اس سے مستثنیٰ ہے۔ متبنّٰی اور منہ بولے بیٹے کی بیوی بہو نہیں کہلائے گی۔

﴿الحمدللہ پارہ نمبر۴ کی شرح تمام ہوئی﴾

پارہ نمبر ﴿۵﴾

وَالْمُحْصَنٰتُ

وَالْمُحْصَنٰتُ

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ **الْمُحْصَنٰتُ** اَىْ ذَوَاتُ الْاَزْوَاجِ **مِنَ النِّسَآءِ** اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ قَبْلَ مَفَارَقَةِ اَزْوَاجِهِنَّ حَرَائِرَ
سْلِمَاتٍ كُنَّ اَوْلَا **اِلَّا مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ** ج مِنَ الْاِمَاءِ بِالسَّبْيِ فَلَكُمْ وَطْؤُهُنَّ وَاِنْ كَانَ لَهُنَّ اَزْوَاجٌ فِى
ارِ الْحَرْبِ بَعْدَ الْاِسْتِبْرَاءِ **كِتٰبَ اللّٰهِ** نَصَبٌ عَلَى الْمَصْدَرِ اَىْ كُتِبَ ذٰلِكَ **عَلَيْكُمْ** ج **وَاُحِلَّ** بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ
الْمَفْعُوْلِ **لَكُمْ مَّاوَرَآءَ ذٰلِكُمْ** اَىْ سِوٰى مَاحُرِّمَ عَلَيْكُمْ مِنَ النِّسَآءِ لِ **اَنْ تَبْتَغُوْا** تَطْلُبُوا النِّسَآءَ
اَمْوَالِكُمْ بِصُدَاقٍ اَوْ ثَمَنٍ **مُّحْصِنِيْنَ** مُتَزَوِّجِيْنَ **غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ** ط زَانِّيْنَ **فَمَا** فَمَنِ **اسْتَمْتَعْتُمْ** تَمَتَّعْتُمْ **بِهٖ**
نْهُنَّ مِمَّنْ تَزَوَّجْتُمْ بِالْوَطْيِ **فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ** مُهُوْرَهُنَّ الَّتِىْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ **فَرِيْضَةً** ط **وَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ**
يْمَا تَرٰضَيْتُمْ اَنْتُمْ وَهُنَّ **بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ** ط مِنْ حَطِّهَا اَوْ بَعْضِهَا اَوْ زِيَادَةٍ عَلَيْهَا **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ**
عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴿۲۴﴾ فِيْمَا دَبَّرَهٗ لَهُمْ **وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا** غِنًا لِ **اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ** الْحَرَائِرِ
لْمُؤْمِنٰتِ هُوَ جَرْىٌ عَلَى الْغَالِبِ فَلَامَفْهُوْمَ لَهٗ **فَمِنْ مَّامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ** يَّنْكِحُ **مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ** ط
اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ط فَاكْتَفُوْا بِظَاهِرِهٖ وَكِلُوْا السَّرَائِرَ اِلَيْهِ فَاِنَّهٗ الْعَالِمُ بِتَفَاصِيْلِهَا وَرُبَّ اَمَةٍ تَفْضُلُ الْحُرَّةَ
يْهِ وَهٰذَا تَانِيْسٌ بِنِكَاحِ الْاِمَاءِ **بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ** ج اَىْ اَنْتُمْ وَهُنَّ سَوَاءٌ فِى الدِّيْنِ فَلَا تَسْتَنْكِفُوْا مِنْ
كَاحِهِنَّ **فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ** مَوَالِيْهِنَّ **وَاٰتُوْهُنَّ** اَعْطُوْهُنَّ **اُجُوْرَهُنَّ** مُهُوْرَهُنَّ **بِالْمَعْرُوْفِ** مِنْ غَيْرِ
طْلٍ وَنَقْصٍ **مُحْصَنٰتٍ** عَفَائِفَ حَالٌ **غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ** زَانِيَاتٍ جَهْرًا **وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ** ج اَخِلَّاءٍ
زْنُوْنَ بِهَا سِرًّا **فَاِذَآ اُحْصِنَّ** زَوَّجْنَ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ تَزَوَّجْنَ **فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ** زِنًا **فَعَلَيْهِنَّ**
صْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ اَلْحَرَائِرِ الْاَبْكَارِ اِذَا زَنَيْنَ **مِنَ الْعَذَابِ** ط اَلْحَدِّ فَيُجْلَدْنَ خَمْسِيْنَ وَيُغَرَّبْنَ
صْفَ سَنَةٍ وَيُقَاسُ عَلَيْهِنَّ الْعَبِيْدُ وَلَمْ يُجْعَلِ الْاِحْصَانُ شَرْطًالِوُجُوْبِ الْحَدِّ بَلْ لِاِفَادَةِ اَنَّهٗ لَا رَجْمَ عَلَيْهِنَّ
صْلًا **ذٰلِكَ** اَىْ نِكَاحُ الْمَمْلُوْكَاتِ عِنْدَ عَدَمِ الطَّوْلِ **لِمَنْ خَشِىَ** خَافَ **الْعَنَتَ** اَلزِّنَا وَاَصْلُهٗ الْمُشَقَّةُ

سُمِّيَ بِهِ الزِّنَا لِاَنَّهُ سَبَبُهَا بِالْحَدِّ فِي الدُّنْيَا وَالْعُقُوْبَةِ فِي الْاٰخِرَةِ **مِنْكُمْ** ط بِخِلَافِ مَنْ لَايَخَافُهُ مِنَ الْاَحْرَارِ فَلَايَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا وَكَذَا مَنِ اسْتَطَاعَ طَوْلَ حُرَّةٍ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ وَخَرَجَ بِقَوْلِهِ مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ الْكَافِرَاتِ فَلَايَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا وَلَوْ عَدَمَ وَخَافَ **وَاَنْ تَصْبِرُوْا** عَنْ نِكَاحِ الْمَمْلُوْكَاتِ **خَيْرٌ لَّكُمْ** ط لِئَلَّايَصِيْرَ الْوَلَدُ رَقِيْقًا **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ﴿۲۵﴾ بِالتَّوْسِعَةِ فِيْ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: .... اور (وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں) جو دوسرے (مردوں) کے نکاح میں ہوں۔ یعنی ان عورتوں سے (نکاح حرام قرار دیا گیا ہے۔ ان کے شوہروں کے چھوڑنے سے پہلے آزاد مسلمان عورتیں ہوں یا نہ ہوں) ہاں جو عورتیں تمہارے قبضہ میں آ گئی ہوں (باندیاں گرفتار ہو کر آئی ہوں ان سے ہمبستری جائز ہے۔ استبراء رحم کا انتظار کر کے۔ اگرچہ ان کے شوہر دارالحرب میں زندہ ہوں) اللہ تعالیٰ کا ٹھہرایا ہوا قانون ہے (یہ منصوب علی المصدر ہے یعنی یہ اللہ کا مقرر کیا ہوا حکم ہے) تمہارے لئے اور جائز کی گئی ہیں (معروف و مجہول دونوں طرح ہے) تمہارے لئے ان عورتوں کے علاوہ دوسری عورتیں (یعنی بجز محرمات مذکورہ کے۔ تاکہ) تم حاصل کر سکو (زوجیت میں لے سکو عورتوں کو) اپنے مال کے ذریعہ (بیوی کا مہر ہو یا باندی کی قیمت) اس طرح کہ تم نکاح کے بندھن میں رکھنا چاہو (شادی کرنا چاہو) محض مستی ہی نکالنا مقصود نہ ہو۔ پھر جس (ما بمعنی من ہے) طریق سے تم نے نفع اٹھایا ہو۔ (استمتعتم بمعنی تمتعتم ہے) ان عورتوں سے (جن سے تم نے نکاح کر کے ہمبستری کی ہے) سو چاہئے کہ ان کے حوالہ کر دو ان کا مہر (جو تم نے ان کے لئے مقرر کیا ہے) مقررہ اور کوئی مضائقہ نہیں ہے تمہارے لئے اس میں کہ کوئی بات اگر بطور رضامندی (تمہارے درمیان) ٹھہر جائے مہر مقرر کرنے کے بعد (پورے کا یا کسی ایک جزء کا گھٹانا یا بڑھانا) بے شک اللہ تعالیٰ (اپنی مخلوق کو) جاننے والی (اپنی تدبیروں میں) حکمت رکھنے والے ہیں اور تم میں جو شخص اس کا مقدور (توسع) نہ رکھتا ہو کہ نکاح کر سکتا ہو۔ آزاد مسلمان بیبیوں سے (یہ قید غالب الوقوع ہونے کے لحاظ سے لگائی گئی ہے۔ اس لئے اس کو احترازی نہیں سمجھنا چاہئے) تو ان عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے جو قبضہ میں آئی ہوں اور مومن ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمانوں کا حال بہتر جاننے والے ہیں (اس لئے ظاہری سرسری ایمان پر اکتفا کرو۔ باطن کا حال اللہ کے سپرد کر دو۔ کیونکہ تفصیلات سے وہی واقف ہیں۔ کتنی ہی باندیاں ہیں جو آزاد عورتوں سے بہتر ہوتی ہیں۔ اس میں باندیوں سے شادی کی نفرت دور کرنا ہے) اور تم سب ایک دوسرے کی ہم جنس ہو (یعنی تم اور وہ دونوں دین کے لحاظ سے برابر ہیں۔ اس لئے ان کے نکاح سے عار محسوس نہ کرو) پس نکاح میں لے آؤ ایسی عورتوں کو اس کے سرپرستوں (آقاؤں) کی اجازت سے اور حوالہ کر دو (دے دو) ان کا مہر دستور کے مطابق (ٹال مٹول اور کم کئے بغیر) البتہ وہ نکاح کے بندھن میں رہنے والی (شریف زادیاں) ہوں (یہ حال ہے) بدکار (کھلم کھلا حرام کار) نہ ہوں اور چوری چھپے بدچلنی کرنے والی نہ ہوں (کہ در پردہ آشنائی کر کے حرام کاری کرتی ہوں) پھر قید نکاح میں آنے کے بعد (مجہول صورت میں یہ لفظ زوجن کے معنی میں ہے اور ایک قرأت میں احصن معروف ہے بمعنی تزوجن) اگر ایسا ہو کہ بدکاری (زنا) کی مرتکب ہوں تو ان کے لئے آزاد اور غیر شادی شدہ عورتوں کی سزا سے (آزاد ہونے کے ساتھ ناکتخدا بھی ہوں تو زنا کی صورت میں ان کو جو سزا ہوئی اس کا) نصف سزا ہوگی (مراد حد ہے۔ چنانچہ پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور چھ مہینے جلا وطن کیا جائے گا۔ ان باندیوں پر غلام کو قیاس کیا جائے گا اور حد واجب ہونے کے لئے احصان شرط نہیں ہے بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ ان کو بالکل رجم نہیں کیا جائے گا) یہ حکم (یعنی باندیوں سے نکاح کرنا آزاد عورتوں سے گنجائش نہ ہونے کی صورت میں) ان لوگوں کے لئے ہے جنہیں اندیشہ (ڈر) ہو برائی (زنا) میں مبتلا ہو جانے کا (اصل میں معنی عنت کے مشقت کے

ہیں۔ وجہ تسمیہ زنا کی یہ ہے کہ وہ بھی سبب مشقت ہوتی ہے۔ دنیا میں حد لگائی جاتی ہے اور آخرت میں عذاب ہوگا) تم میں سے (برخلاف ان آزاد لوگوں کے جن کو زنا میں پڑنے کا خطرہ نہ ہو۔ ان کے لئے نکاح حلال نہیں ہے۔ علی ہذا جس کو آزاد عورت سے نکاح کرنے کی سکت ہو۔ اس کے لئے باندی لونڈی سے نکاح جائز نہیں۔ یہی مذہب ہے امام شافعیؒ کا اور "من فتیاتکم المؤمنات" کی قید سے کافر عورتیں نکل گئیں کہ ان سے بہرصورت نکاح جائز نہیں۔ اگرچہ آزاد عورت کے نکاح سے عاجز ہو اور مبتلائے زنا ہو جانے کا اندیشہ بھی ہو) اور تمہارا ضبط کرنا (لونڈیوں کے نکاح سے بچے رہنا) تمہارے لئے کہیں بہتر ہے (ورنہ تمہاری اولاد غلام پیدا ہوگی) اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحمت والے ہیں (کہ اس بارے میں گنجائش دے دی۔)

تحقیق وترکیب:............ **والمحصنٰت** ۔ احصان کے معنی یہاں تزوج کے ہیں اور حریت کے معنی میں آتے ہیں۔ جیسے **ومن لم یستطع الخ** میں اور اسلام کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے **فاذا احصن الخ** اور عفت کے معنی بھی ہوتے ہیں۔ جیسے **محصنات غیر مسٰفحٰت** ماقبل کے محرمات پر اس کا عطف ہے۔ شوہر والی عورتیں مراد ہیں۔ رجم کی حد جاری کرنے میں جو احصان شرط ہے جس میں اسلام، تکلیف، حریت، وطی کا ہونا ضروری ہے یا حد قذف میں عفت عن الزنا صرف وہ یہاں مراد نہیں ہے۔ کیونکہ حرمت نکاح میں یہ چیزیں موثر نہیں ہیں۔ اس میں تو منکوحۃ الغیر ہونا موثر ہوگا۔ البتہ قید ہونے کی صورت میں وہ مانع مرتفع ہو جائے گا اور نکاح کی اجازت ہو جائے گی اور استبراء رحم کی شرط دوسری روایت سے ثابت ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک جواز نکاح کے لئے محض قید ہونا کافی ہے اور حنفیہ کے نزدیک اختلاف دارین کی وجہ سے یہ اجازت ہوگی۔

ماوراۗء ذٰلکم ۔ یہ عام مخصوص البعض ہے۔ کیونکہ بعض اور قسمیں بھی محرمات میں داخل ہیں۔ مثلاً بیوی اور اس کی پھوپھی یا خالہ کو نکاح میں جمع کرنا، معتدہ عورت سے نکاح کرنا وغیرہ وغیرہ جن کی حرمت سنت سے ثابت ہے۔

ان تبتغوا ۔ یہ بدل اشتمال یا مفعول لہ ہے۔ اے لان بتقدیر اللام اور **تبتغوا** کا مفعول محذوف ہے۔ ای **النساء** اور لفظ **محصنین** اور **غیر مسافحین** دونوں حال ہیں فاعل **تبتغوا** سے۔ **سفح** بمعنی صب۔ گرانا، زانی کے پیش نظر بھی صرف اراقت ماء ہوتی ہے۔ افزائش نسل مقصود نہیں ہوتی۔

فاٰتوھن اجورھن ۔ مفسرؒ نے ان لوگوں کے رد کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو اس کو متعہ پر محمول کرتے ہیں۔ حالانکہ ائمہ اربعہؒ متعہ کی حرمت پر متفق ہیں۔ صاحب ہدایہ نے جو امام مالکؒ کی طرف اس کے جواز کی نسبت کی ہے وہ صحیح نہیں ہے اور فرقہ امامیہ کا خلاف قابل اعتبار نہیں ہے۔ نیز حضرت علیؓ کی روایت اس کی حرمت پر دال ہے اور حضرت ابن عباسؓ کا قول اباحت سے رجوع ثابت ہے۔

فلا مفهوم له ۔ یعنی چونکہ آزاد کتابی عورتوں کا حکم بھی یہی ہے۔ اس لئے مومنات کی قید احترازی نہیں ہے۔

من فتیاتکم ۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کتابیہ باندی سے نکاح جائز نہیں ہے۔ خواہ شوہر آزاد ہو یا غلام، حنفیہ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ وصف بمنزلہ شرط کے ہے۔ پس انتفاء شرط سے جس طرح انتفاء مشروط نہیں ہوتا۔ اسی طرح انتفاء وصف سے انتفاء موصوف نہیں ہوتا۔ اسی طرح انتفاء وصف سے انتفاء موصوف نہیں ہونا چاہئے۔ صاحب مدارک نے باندی کے حق میں قید ایمان کو استحباب پر محمول کیا ہے۔ جیسے آزاد کتابیہ میں بالاتفاق ایمان شرط نہیں۔ اسی طرح یہاں بھی نہیں ہونا چاہئے۔

محصنٰت ۔ یہ **فانکحوھن** کے مفعول سے حال ہے۔ یہ شرط بھی استحبابی ہے۔ ورنہ زانیہ باندی سے بھی نکاح جائز ہے۔

فعلیھن نصف ۔ حنفیہ کے نزدیک جلاوطنی نہ آزاد عورت کی سزا میں داخل ہے نہ باندی میں۔ رہا یہ شبہ کہ باندی کی سزا تنصیف کا کیا فائدہ؟ تو فائدہ یہ ہے کہ ان کے لئے رجم کی سزا بالکل نہیں ہے۔ نیز چونکہ باندی کے لئے شادی سے پہلے کی حد معلوم تھی، البتہ

شادی کے بعد کتنی ہوگی اس کو صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ولم یجعل الاحصان ۔چونکہ احصان کے معنی تزوج کے لئے ہے۔اس لئے سوال وجواب کی نوبت آئی ورنہ دوسرے مفسرین کی طرح اگر اسلام کے معنی لئے جائیں تو پھر ضرورت ہی نہیں رہتی اور تنصیف کے حکم سے معلوم ہوگیا کہ ان کی حد رجم نہیں ہے کیونکہ رجم کی تنصیف نہیں ہوتی اور جب بحالت احصان رجم نہیں تو عدم احصان کی صورت میں بدرجہ اولیٰ رجم نہیں ہوگا۔

من لایخافہ ۔اس کی ضمیر سے "**من الحرائر**" حال ہے۔امام شافعیؒ کے نزدیک یہ نکاح جائز نہیں۔لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔اگر آزاد عورت نہیں ہے۔علیٰ ہذا آزاد عورت سے شادی کی گنجائش ہوتے ہوئے باندی سے نکاح امام شافعیؒ ،امام مالکؒ ،امام احمدؒ کے نزدیک ناجائز ہے۔لیکن امام اعظمؒ کے نزدیک اگرچہ بالفعل آزاد بیوی موجود نہیں ہے۔تاہم قدرت ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کی اجازت ہے اور مدارِ اختلاف اس اصول پر ہے کہ وصف اور شرط کا وجود وعدم دونوں حکم کے وجود وعدم میں موثر ہوتے ہیں یا نہیں۔جیسا کہ اصولی کتابوں میں بالتفصیل مذکور ہے۔اسی طرح حنفیہ کے نزدیک مسلمان باندی ہو یا کتابیہ دونوں سے جائز ہے۔ ایمان کی قید افضلیت کے لئے ہے۔

ربط:............گذشتہ آیت میں محرمات کی تین قسموں کا بیان ہو چکا ہے۔آیت **والمحصنٰت** میں چوتھی قسم مذکور ہے اور **واحل لکم الخ** میں سابق حکم کا تتمہ ہے۔یعنی حلت نکاح مع شرائط اس ذیل میں **ومن لم یستطع** سے باندی سے نکاح کے احکام شروع کردیئے اور **فاذا احصن** میں گیارہواں حکم کنیز کی حد زنا سے متعلق ہے۔

شانِ نزول:............حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جنگ اوطاس میں ایسی عورتیں قید ہوکر آئیں جن کے شوہر اپنے وطن میں زندہ موجود تھے۔اس لئے ان سے نکاح کرنے میں لوگوں کو تامل ہوا تو انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا۔اس پر آیت **والمحصنٰت** نازل ہوئی۔ابن جریرؒ نے معمر بن سلیمان کی روایت بیان کی ہے کہ لوگ مہر مقرر کرلیا کرتے تھے۔لیکن پھر تنگی اور افلاس کی وجہ سے اس کو کم کرنا چاہتے تو اس پر آیت **لاجناح علیکم فیھا تراضیتم** نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾......**ایک شبہ کا ازالہ**:............**واحل لکم ماوراء** پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ مذکورہ اقسام اربعہ کے علاوہ بہت سی اور عورتیں بھی حرام ہیں۔پھر سب کو حلال کیسے کہا گیا ہے۔کیونکہ اول تو بہت سی عورتیں ان الفاظ کے عموم میں داخل ہوگئیں۔لغۃً یا عرفاً اس لئے وہ **ماوراء** میں داخل ہوکر حرمت سے مستثنیٰ نہیں ہوں گی۔البتہ ان کے ماسوا جو عورتیں بچیں گی وہ **ماوراء** کے عموم میں داخل ہوسکتی ہیں۔لیکن دوسرے دلائل شرعیہ احادیث واجماع، آثار وقیاس کی وجہ سے لفظ **ماوراء** اپنے عموم پر باقی نہیں رہے گا۔ان سب دلائل پر نظر کرکے بقیہ محرمات کا استثناء کیا جائے گا۔اس لئے اب تحلیل حرام یا تحلیل حلال کا اشکال لازم نہیں آئے گا۔

مہر کا بیان:............**ان تبتغوا باموالکم** سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے کہ مہر کے لئے مال ہونا شرط ہے اور جس روایت میں **زوجتک بما معک من القران** فرمایا گیا ہے۔یعنی غیر مال کا مہر ہونا معلوم ہوتا ہے تو وہاں باسببیہ سے قرآن کو مہر نہیں بنایا گیا۔مہر مال ہی ہوگا۔بداہۃً معلوم ہونے کی وجہ سے اس کو ذکر نہیں کیا گیا۔نیز یہاں مقررہ مہر کی ادائیگی کے لئے دو شرطیں فرمائی گئی ہیں۔ایک اس کا مقرر ہونا۔لفظ "**من بعد الفریضۃ**" سے دوسرے صحبت یا خلوت صحیحہ کا ہونا۔لفظ "**فمااستمتعتم**" سے۔چنانچہ ان میں سے اگر ایک شرط بھی اٹھ گئی تو یہ حکم نہیں رہے گا۔مثلاً طلاق قبل الدخول ہوا اور مہر وغیرہ مقررہ ہو تو صرف ایک جوڑا کپڑوں کا دیا جائے

گا۔ نیز چونکہ مہر کے معاف یا کم کرنے میں مرد کے لئے شبہ کی گنجائش تھی۔ اسی طرح زیادہ کر دینے میں عورت کے لئے شبہ کی گنجائش تھی کہ شاید یہ جائز نہ ہو۔ لیکن کمی بیشی کی اجازت دے کر دونوں شبہوں کو صاف کر دیا گیا ہے۔

متعہ کی حلت اور حرمت:.......... رہا متعہ تو ابتدائے اسلام میں خیبر سے پہلے حلال تھا، خیبر کے بعد حرام ہوگیا۔ مگر فتح مکہ کے موقعہ پر یوم اوطاس میں تین روز کے لئے حلال کیا گیا تھا پھر حدیث **مسلم** کی رو سے ابداً آباد تک کے لئے حرام کر دیا گیا ہے۔ **غیر مسافحین** سے بھی اس کی حرمت ہی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت بھی اس پر دال ہے اور بعض حضرات سے جو اس کی حلت منقول ہے شاید اس کو نسخ کی اطلاع نہ پہنچی ہو اور حضرت عمرؓ کی طرف سے جو اس کی تحریم منسوب ہے۔ اس کا مقصد اثبات حرمت نہیں بلکہ اظہار حرمت ہے اور ابن عباسؓ سے جو اباحت کی رائے منقول ہے اول تو وہ مطلق حلت کے قائل نہیں بلکہ اضطرار اور مجبوری کی حالت میں ہے۔ دوسرے امام ترمذیؒ نے ابن عباسؓ سے مطلق حرمت کا قول نقل کر دیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے حلت کے قول سے رجوع فرمالیا ہے۔ چنانچہ تمام اہل حق کا متعہ کی حرمت پر اجماع ہے۔ اس لئے شیعوں کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں ہے۔ لفظ **فما استمتعتم** سے مراد یہ متعارف متعہ نہیں ہے۔ ورنہ صرف **ومن لم یستطع منکم الخ** پر اکتفاء نہ کیا جاتا۔ بلکہ **ومن لم یستطع النکاح ولا استمتاع** کہنا چاہئے تھا۔ یا یوں کہا جاتا۔ **ومن لم یستطع النکاح فلیستمتع اولینکح الفتیات۔**

مسلمان یا کتابیہ باندی سے نکاح:.......... امام اعظمؒ کے نزدیک مسلمان اور کتابیہ باندی سے نکاح کی بہر صورت اذنِ مولیٰ کے بعد اجازت ہے۔ خواہ آزاد مسلمان سے نکاح کی گنجائش ہو یا نہ ہو۔ ان قیود کے ساتھ اس درجہ سے بلاضرورت اپنی اولاد کو غلام بنانا پڑے گا۔ اولویت پر محمول کرتے ہیں کیونکہ آزاد اور غلام بننے میں اولاد ماں کے تابع سمجھی جاتی ہے۔ دوسرے بیوی کے مملوکہ ہونے کی صورت میں یوں بھی بے لطفی رہے گی کہ وہ غریب دو طرف کی کشاکش میں رہے گی۔ تیسرے خدمتگاری کے سلسلہ میں عورت کو بے پردہ بھی ہونا پڑے گا۔ بازار آنا جانا ہوگا جو غیور آدمی کے لئے تکلیف دہ ہے۔ چوتھے آزاد عورت کی طرح اس کو خانہ داری کا کما حقہ سلیقہ بھی نہیں ہوگا۔ ان وجوہ کی وجہ سے ایک درجہ میں کراہت شرعیہ پیدا ہو سکتی ہے۔ اس لئے بےضرورت اس کا ارتکاب خلاف اولیٰ ہے۔ البتہ ضرورت ہو تو محض کراہت عرفی یعنی عار کی وجہ سے بچنے کی ممانعت ہے۔

باندی سے نکاح میں شوافعؒ اور حنفیہؒ کا اختلاف:.......... البتہ امام شافعیؒ وغیرہ باوجود دونوں قیدوں کو احترازی ماننے کے پہلی قید کی دوسری صفت کو احترازی نہیں فرماتے۔ یعنی غیر مسلمان آزاد عورت کی گنجائش ہوتے ہوئے کنیز سے نکاح کی اجازت نہیں دیتے۔ اس پر حنفیہ الزاماً کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے نزدیک تمام قیود کا یہی حال ہے جو آپ کے نزدیک صرف ایک قید کا ہے اور بالمعروف کی قید لگانے سے یہ فائدہ ہوا کہ دین مہر کو بھی عام قرضوں کی طرح سمجھنا چاہئے۔ اس کو ہلکا سمجھ کر ادائیگی میں لاپروائی سے کام لینا وسعت کے ہوتے ہوئے ٹالنے اور پریشان کرنے کی اور وعدہ خلافی کی کوشش کرنا قطعاً مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ شاذ و نادر ادائیگی مہر کی نوبت آتی ہے اور وہ بھی حکومت وغیرہ کے دباؤ سے۔

حنفیہ کے مویدات:.......... **فان اتین بفاحشة** سے زنا پر جس سیاست کا ذکر ہے وہ باندی اور غلام دونوں کے لئے عام ہے، لیکن باندی کی تخصیص ذکری شاید اسی نکتہ کے پیش نظر ہو کہ کام کاج کی وجہ سے اس کو بازار آنا جانا غیروں سے بے حجاب و بے تکلف ملنا پڑے گا۔ جس سے زنا وغیرہ فواحش میں مبتلا ہونے کا امکان زیادہ ہے۔ اس لئے بھی بلاضرورت اس کی طرف رغبت نہیں ہونی چاہئے بلکہ حتی

الامکان ایسے نکاح سے بے زاری رہنی چاہئے۔ سزائے زنا کی تفصیل یہ ہے کہ شادی شدہ آزاد مرد وعورت کو ثبوت جرم کے بعد سنگسار کیا جائے گا اور کنوارے اور کنواری کے سو سو کوڑے مارے جائیں گے اور غیر شادی شدہ کنیز یا غلام سے یہ حرکت ہو جائے تو پچاس پچاس کوڑے لگائے جائیں گے۔ چنانچہ زید بن خالد جہنی کی روایت صحیحین میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غیر منکوحہ لونڈی کے لئے تازیانوں کا حکم دیا۔ نیز غلام کی حد پر جمہور ائمہ کا اجماع ہے۔ غرضیکہ باندی کی تخصیص ذکری، احترازی اور تقییدی ہے کہ غلام کے لئے نفی ہو جائے۔ لفظ "نصف" سے معلوم ہوا کہ غلام و باندی پر رجم نہیں۔ کیونکہ اس کی انتہاء جان لینے پر ہوتی ہے۔ جس کی تنصیف ممکن نہیں۔

وان تصبروا خیر لکم سے اس امر کے ارشادی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ غفور سے بھی اس نکاح کے مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہونے کی طرف اشارہ ہے جس پر مواخذہ تو نہیں ہوتا اور نجات کے لئے بھی نافع نہیں ہوتا۔ مگر خواص کی شان کے خلاف ضرور ہوتا ہے۔ البتہ شوافع چونکہ بعض صورتوں کی اجازت اور بعض کی ممانعت کرتے ہیں۔ اس لئے وہ مغفرت کے معنی یہ لیتے ہیں کہ صورت جواز کے لحاظ سے تو مواخذہ نہیں، لیکن حقیقت معصیت کے اعتبار سے قابل مواخذہ ہے۔

لطائف آیات: .... واللّٰہ اعلم بایمانکم بعضکم من بعض میں کبر ونخوت کی جڑ کاٹ دی گئی ہے۔ جس کے لئے مشائخ بڑا اہتمام فرماتے ہیں۔ فعلیھن نصف سے معلوم ہوا کہ درجات کے فرق سے سیاست میں بھی فرق ہونا چاہئے۔ حکمائے معلمین ضرور اس کی رعایت رکھتے ہیں۔ ذلک لمن خشی الخ اس سے معلوم ہوا کہ دینی مصالح اگر فوت نہ ہوتی ہوں تو ان کے ساتھ دنیاوی مصالح کی رعایت کرنا خلاف زہد نہیں ہے۔ بشرطیکہ حب جاہ اس کا داعی نہ ہو جیسا کہ جامع محققین کا یہی مسلک اور مذاق ہوتا ہے کہ وہ انسب اور اوفق کی رعایت رکھتے ہیں۔

یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ شَرَائِعَ دِیْنِکُمْ وَمَصَالِحَ اَمْرِکُمْ **وَیَھْدِیَکُمْ سُنَنَ** طَرَائِقَ **الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ** مِنَ الْاَنْبِیَاءِ فِی التَّحْلِیْلِ وَالتَّحْرِیْمِ فَتَتَّبِعُوْھُمْ **وَیَتُوْبَ عَلَیْکُمْ** ط یَرْجِعُ بِکُمْ عَنْ مَعْصِیَتِہٖ الَّتِیْ کُنْتُمْ عَلَیْھَا اِلٰی طَاعَتِہٖ **وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ** بِکُمْ **حَکِیْمٌ** ﴿۲۶﴾ فِیْمَا دَبَّرَہٗ لَکُمْ **وَاللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْکُمْ** قف کَرَّرَہٗ لِیُبْنٰی عَلَیْہِ **وَیُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّھَوٰتِ** الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی وَالْمَجُوْسُ اَوِ الزُّنَاۃُ **اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا** ﴿۲۷﴾ تَعْدِلُوْا عَنِ الْحَقِّ بِارْتِکَابِ مَا حُرِّمَ عَلَیْکُمْ فَتَکُوْنُوْا مِثْلَھُمْ **یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ** ج فَیُسَھِّلَ عَلَیْکُمْ اَحْکَامَ الشَّرْعِ **وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا** ﴿۲۸﴾ لَا یَصْبِرُ عَنِ النِّسَاءِ وَالشَّھَوَاتِ **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ** بِالْحَرَامِ فِی الشَّرْعِ کَالرِّبٰوا وَالْغَصْبِ **اِلَّا** لٰکِنْ **اَنْ تَکُوْنَ** تَقَعَ **تِجَارَۃً** وَفِیْ قِرَاءَۃٍ بِالنَّصْبِ اَنْ تَکُوْنَ الْاَمْوَالُ اَمْوَالَ تِجَارَۃٍ صَادِرَۃٍ **عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ** قف وَطِیْبِ نَفْسٍ فَلَکُمْ اَنْ تَاْکُلُوْھَا **وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ** ط بِارْتِکَابِ مَا یُؤَدِّیْ اِلٰی ھَلَاکِھَا اَیًّا کَانَ فِی الدُّنْیَا اَوِ الْاٰخِرَۃِ بِقَرِیْنَۃِ **اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا** ﴿۲۹﴾ فِیْ صُنْعِہٖ لَکُمْ مِنْ ذٰلِکَ **وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ** اَیْ مَا نُھِیَ عَنْہُ **عُدْوَانًا** تَجَاوُزًا لِلْحَلَالِ حَالٌ **وَّظُلْمًا** تَاْکِیْدٌ **فَسَوْفَ نُصْلِیْہِ** نُدْخِلُہٗ **نَارًا** ط یَحْتَرِقُ فِیْھَا **وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا** ﴿۳۰﴾ ھَیِّنًا **اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَآئِرَ مَا تُنْھَوْنَ عَنْہُ** وَھِیَ مَا وَرَدَ عَلَیْھَا وَعِیْدٌ کَالْقَتْلِ وَالزِّنَا وَالسَّرِقَۃِ

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ هِيَ اِلَى السَّبْعِمِائَةِ اَقْرَبُ **نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ** الصَّغَائِرَ بِالطَّاعَاتِ **وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا** بِضَمِّ الْمِيمِ وَفَتْحِهَا اَيْ اِدْخَالًا اَوْ مَوْضِعًا **كَرِيْمًا**﴿۳۱﴾ هُوَ الْجَنَّةُ ـ

ترجمہ: .... اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم پر کھول دیں (تمہارے دین کے احکام اور کام کے مصالح) اور تم کو چلائے راہ (طریقہ پر) ان لوگوں کی جو تم سے پہلے ہو چکے (یعنی انبیاء علیہم السلام کے احکام حلال و حرام اس کا تم اتباع کرسکو) اور تم پر توجہ فرمائے (جس گناہ میں تم پڑے ہوئے تھے اس سے ہٹا کر تم کو اپنی طاعت میں لگا دے) اور اللہ تعالیٰ (تم سے) باخبر اور (تمہاری تدبیریں کرنے میں حکمت والے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے حال پر توجہ فرمائیں (اگلے جملہ کی بناء اس پر کرنے کے لئے اس کو مکرر لائے ہیں) اور جو لوگ نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہیں (یہود و نصاریٰ، مجوس یا زنا کار لوگ) وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم راہ اعتدال سے بہت دور جا پڑو (حرام چیزوں کا ارتکاب کر کے حق سے دور جا پڑو اور تم بھی ان جیسے ہو جاؤ) اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تمہارے لئے سہولت و آسانی ہو (شرعی احکام تم پر سہل ہو جائیں) اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے (عورتوں اور خواہشات سے صبر نہیں کرسکتا) مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق ناروا نہ کھاؤ (شرعی طریقہ پر حرام کر کے جیسے سود و غصب) ہاں اگر کاروبار کے طریقہ پر ہو (ایک قرأت میں لفظ تجارۃ نصب کے ساتھ ہے یعنی وہ مال مالِ تجارت ہو جو) آپس کی ملی جلی رضامندی سے ہو (اور خوش دلی کے ساتھ ہو تو اس کا استعمال تمہارے لئے جائز ہے) اور اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرلیا کرو (تباہ کن چیزوں کا ارتکاب کر کے خواہ دنیاوی ہوں یا دینی۔ یہ تعمیم اگلے جملہ کے قرینہ سے ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بڑے ہی مہربان ہیں (کہ تم کو ایسی باتوں سے روک دیا) اور جو شخص ایسا کرے گا (ممنوعہ باتوں کا ارتکاب) شرارت (حلال باتوں سے تجاوز کر کے۔ یہ ترکیب میں حال ہے) اور ظلم سے (یہ تاکید ہے) سو قریب ہے کہ ہم اسے داخل کردیں (ٹھونس دیں) جہنم کی آگ میں (کہ وہ اس میں جل بھن کر رہ جائے اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے (آسان ہے) جن بڑی برائیوں سے تمہیں روک دیا گیا ہے۔ اگر تم ان سے بچتے رہے (اور وہ کبیرہ گناہ وہ ہیں جن پر کوئی وعید آئی ہو جیسے قتل و زنا اور چوری۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کبائر کی تعداد سات سو تک پہنچتی ہے) تو ہم تمہاری لغزشوں کے اثرات تم پر سے ہٹا دیں گے۔ (چھوٹی غلطیوں کی تلافی طاعات سے کردیں گے) اور تمہیں ایسے مقام پر پہنچا دیں گے (یہ لفظ ضم میم اور فتح میم کے ساتھ ہے۔ بمعنی ادخال مصدر یا موضوع ادخال۔ ظرف) جو عزت کا مقام ہوگا (یعنی جنت)

تحقیق و ترکیب: .... لیبین لام زائد ہے اور بتقدیر ان لفظ یبین مفعول ہے۔ ویتوب۔ بعثت سے پہلے احکام نہ ہونے کی وجہ سے اگرچہ معصیت کا تحقق نہیں ہوتا کہ توبہ کی نوبت آئے۔ تاہم صورۃً معصیت کہلائے گی۔ اس لحاظ سے توبہ ہے۔ گویا لغوی معنی کا لحاظ ہوا۔ یہاں ارادہ سے مراد علی حقیقتہا نہیں ہے۔ ورنہ ہر گنہگار کی توبہ سے ارادہ کا تعلق لازم آئے گا بلکہ بندہ کی توبہ کو پسند کرنا مراد ہے۔ اسی لئے قبول توبہ کو واجب کہا جاتا ہے۔

الیھود۔ ان لوگوں کے یہاں علاتی بہن، بھتیجی، بھانجی سے شادی روا تھی۔

لاتاکلوا۔ چونکہ مال کی بڑی منفعت کھانا پینا ہے اس لئے تخصیص کردی ورنہ مطلق استعمال اور لینا دینا ممنوع ہے۔

بینکم یہ حال یا ظرف ہے۔ من اموال سے۔ الا مفسر علامؒ نے استثناء منقطع کی طرف اشارہ کردیا۔ کیونکہ تجارت جنس مال سے نہیں ہے۔ نیز استثناء کا تعلق کون کے ساتھ ہے جو ایک معنی ہے مال نہیں ہے اور تجارت کی تخصیص بھی غالب تصرف کی وجہ سے ہے ورنہ ہبہ، صدقہ، وصیت بھی اسی حکم میں داخل ہیں۔

تـقـع. اشارہ ہے کان تامہ ہونے کی طرف اور لفظ تجارت مرفوع اور نصب پڑھنے کی صورت میں کان ناقصہ ہوگا اور اسم مضمر ہوگا صادرۃ سے اشارہ کردیا کہ عن تراض صفت ہے تـجـارۃ کی۔ یہ آیت بیع تعاطی اور اجازت کے بعد بیع موقوفہ کے جواز پر اور خیار مجلس کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے۔ عـدوانا وظلما یہ حال ہے یا مفعول لہ مدخلا کا مصدر میمی بصورت اسم مفعول ہے جیسے بسم اللّٰہ مجرٖھا ومرسٰھا بمعنی ادخالاً اور یا اسم ظرف مکان ہے۔

ربط: .... مخصوص احکام کے بعد ترغیب کے لئے ان احکام میں منافع ومصالح کی رعایت اور انعام واحسان کا تذکرہ کیا جارہا ہے اور آیت یآیھا الذین الخ میں بطور تتمیم، اموال میں ناجائز تصرف کی ممانعت کا بارہواں حکم بیان کیا جارہا ہے اور ان تجتنبوا الخ میں عام گناہوں سے پرہیز کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ...... **آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال**: .... الذین یتبعون الشھوات کی تفسیر میں جیسا کہ مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے اختلاف ہے۔ سدیؒ کی رائے میں یہود ونصاریٰ مراد ہیں اور بعض کے نزدیک صرف یہود مراد ہیں کہ ان کے یہاں علاتی بہن حلال ہے اور بعض فرقہ مجوس مراد لیتے ہیں جو مسلمان پر معترض تھے کہ خالہ اور پھوپھی زاد بہن کو تو حلال کہتے ہو اور بھانجی اور بھتیجی کو حرام۔ حالانکہ اصول سب کے یکساں حرام مانتے ہو اور ابن زیدؒ کی رائے میں فساق مراد ہیں اور بقول ابن عباسؓ زانی مراد ہیں۔ نیز حرام کو حلال سمجھنا یا بے باکانہ حرام کا ارتکاب کرنا دونوں "میـل عظیم" میں داخل ہیں۔ اول کفار کا اور دوسرا فساق کا شیوہ ہوتا ہے اور گناہ کو گناہ سمجھنا اور اتفاقاً ان کا سرزد ہوجانا "میل خفیف" کہلائے گا۔ یہاں اس کی اجازت مقصود نہیں ہے بلکہ یہ بتلانا ہے کہ تمہارے دشمن تو "میل عظیم" مین مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔

انسان، فرشتے، جنات سب مکلّف ہیں: .... انسان کی طرح جنات اور فرشتے بھی تمام احکام کے مکلف ہوتے ہیں۔ اگرچہ فرشتوں کے لئے ثواب وعذاب نہیں۔ نیز جنات اگرچہ انسان کی طرح کمزور نہیں ہیں لیکن ممکن ہے تسہیل میں اصل رعایت انسان کے ضعف کی ہو اور جنات بھی انسان کے طفیل میں اس سے مستفید ہوں اور جن شہوتوں سے بچانا مقصود ہے وہ وہ ہیں کہ جن سے خدا پرستی فوت ہوتی ہو مباح شہوتیں چونکہ خدا پرستی کے منافی نہیں اس لئے وہ مراد نہیں ہیں۔

قتل کی تین صورتیں اور ان کے احکام: .... غیر مستحق کو قتل کرنے کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں (۱) خطاء فعلی کہ مثلاً شکار کی بجائے گولی آدمی کے لگ جائے۔ (۲) خطائے اجتہادی کہ مثلاً تنقیح مقدمہ کے سلسلہ میں غیر معتبر گواہوں کو معتبر سمجھ کر فیصلہ کردیا جائے۔ (۳) واقعۃً کسی غیر مستحق کا قتل کردینا۔

عدوان کا لفظ تو ان سب صورتوں کو عام ہے۔ لیکن ظلم کہنے سے مراد صرف تیسری صورت ہے کیونکہ دوسری صورت میں تو کچھ گناہ بھی نہیں ہے۔ اول صورت میں البتہ کچھ گناہ ہے جس کے کفارے کا بیان آگے آرہا ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ جو مستحق قتل ہو ولی کے لئے اس کے قصاص کی درخواست جائز ہے اور اس درخواست پر قصاص لینا واجب ہوجائے گا۔ اس کو ممنوع یا گناہ نہیں کہا جائے گا۔

گناہ کبیرہ اور صغیرہ کس کو کہتے ہیں: .... کبیرہ گناہ کی تعریفیں مختلف کی گئی ہیں۔ شیخ الاسلام بارزیؒ کی رائے اس بارے میں نہایت جامع ہے۔ یہ کہ جس گناہ پر کوئی وعید یا حد یا لعنت بیان کی گئی ہو یا اس میں کسی ایسے گناہ کے برابر یا زیادہ مفسدہ ہو جس پر وعید یا حد یا لعنت آئی ہو یا پھر کوئی گناہ دین کو ہیچ سمجھتے ہوئے کیا گیا ہو وہ گناہ کبیرہ ہے اور جس میں یہ بات نہ پائی جاتی ہو وہ

صغیرہ کہلائے گا۔ احادیث میں جو کبائر کی تعداد بیان کی گئی ہے مقصود اس سے حصر نہیں ہے بلکہ موقع محل کی ضرورت اور رعایت سے ان کو ذکر فرمادیا گیا ہوگا۔ بعض حضرات نے کبیرہ اور صغیرہ کے اضافی معنی کئے ہیں کہ ہر گناہ اپنے سے اوپر والے گناہ کے لحاظ سے صغیرہ اور اپنے سے کم درجہ گناہ کے لحاظ سے کبیرہ کہلائے گا۔ لیکن یہ تعریف فی حد ذاتہ کوئی حقیقی تعریف نہ ہوئی۔ اسی طرح اہل محبت اور ارباب عشق صوفیاء کی نظر میں گناہ میں کوئی تقسیم وتفریق نہیں کیونکہ ہر گناہ کی حقیقت محبوب کی نافرمانی ہے جو محبت کی دنیا میں معصیت کہلائے گی۔ محبوب کی یاد کے بغیر ایک سانس کا گذرنا بھی جو لوگ کفر سمجھتے ہوں وہ اس تفریق کو کہاں گوارا کریں گے۔ لیکن نیکی میں جب بداہۃً تفاوت ہے تو بدی میں بھی فرق مراتب لابدی ہوگا۔

گناہ کی تین صورتیں اور ان کے احکام:............صغیرہ گناہ کی تین صورتیں ہیں۔(۱) اول حالت جو آیت ان تجتنبوا میں مراد ہے یہ ہے کہ گناہ صغیرہ تو سرزد ہوگیا لیکن ساتھ ہی کبیرہ گناہ سے بچتا ہے اور پابندی سے طاعات ضرور یہ بھی بجالاتا ہے۔ اس صورت میں وعدہ کیا جارہا ہے کہ صغائر معاف کردیئے جائیں گے (۲) دوسری حالت یہ ہے کہ طاعات ضروریہ کا پابند تو ہو مگر گناہ کبیرہ سے نہیں بچتا۔ (۳) تیسری حالت یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں سے تو بچتا ہے۔ البتہ طاعات نہیں بجالاتا۔ غرض کہ پہلی صورت میں جو دونوں شرطیں پائی جاتی تھیں چونکہ ان میں سے آخر کی ان دونوں صورتوں میں ایک ایک شرط کا فقدان ہے۔ اس لئے دوسری تیسری صورت میں وہ حکم بھی موجود نہیں ہوگا۔ یعنی تکفیر صغائر کا وعدہ اور یوں فضل وکرم کی بات دوسری ہے۔ وہ خود کبیرہ کے ساتھ بھی متعلق ہوسکتا ہے اور چونکہ اس صورت میں وعدہ معافی نہیں، اس لئے آخرت میں احتمال مواخذہ رہے گا۔ کیونکہ اگر معافی یقینی ہوجائے اور سزا کا احتمال نہ رہے تو پھر کبائر سے بچنا نہ بچنا دونوں برابر ہوں گے۔ حالانکہ کبائر سے بچنے کا ضروری ہونا خود قرآن سے صراحۃً معلوم ہورہا ہے۔

گناہوں کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ:............اسی لئے صغیرہ پر مواخذہ کا احتمال اور کبیرہ پر فضل و درگزر کا امکان اہلسنت کا مسلک اور اہل حق کا مشرب رہا ہے۔ ''فضل کرے تو چھٹیاں، عدل کرے تو لٹیاں'' نیز کفارہ سیئات کے لئے حسنات کا قبول ہونا ضروری ہے کیونکہ مقبول حسنات تو بمنزلہ عدم کے ہیں اور جب شرط یعنی قبولیت ہی متیقن نہیں تو مشروط یعنی تکفیر کیسے یقینی کہی جاسکتی ہے۔ اس لئے اجتناب کبائر کے باوجود صغائر پر احتمال عقاب ہے کیونکہ رافع عقاب یعنی تکفیر ہی معلوم نہیں ہے۔ اہل سنت کی رائے کا یہی ماحصل ہے۔

یرید اللّٰہ ان یخفف الخ اس میں مجاہدات میں تشدد نہ کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ بالخصوص جب کہ قوت وطاقت کا دعویٰ ہو اور مظاہرہ منشاء ہو جس سے عجب پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ مِنْ جِهَةِ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ لِئَلَّا يُؤَدِّيَ اِلَى التَّحَاسُدِ وَالتَّبَاغُضِ **لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ** ثَوَابٌ **مِّمَّا اكْتَسَبُوْا** ؕ بِسَبَبِ مَا عَمِلُوْا مِنَ الْجِهَادِ وَغَيْرِهٖ **وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ** ؕ مِنْ طَاعَةِ اَزْوَاجِهِنَّ وَحِفْظِ فُرُوْجِهِنَّ نَزَلَتْ لَمَّا قَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ لَيْتَنَا كُنَّا رِجَالًا فَجَاهَدْنَا وَكَانَ لَنَا مِثْلَ اَجْرِ الرِّجَالِ **وَاسْئَلُوا** بِهَمْزَةٍ وَدُوْنِهَا **اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ** ؕ مَا احْتَجْتُمْ اِلَيْهِ يُعْطِيْكُمْ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا**﴿۳۲﴾ وَمِنْهُ مَحَلُّ الْفَضْلِ وَسُؤَالُكُمْ **وَلِكُلٍّ** مِّنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ **جَعَلْنَا مَوَالِيَ** اَيْ

عَصَبَةٌ يُعْطَوْنَ **مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ** ۚ لَهُمْ مِنَ الْمَالِ **وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ** بِالْفِ وَدُوْنِهَا
اَيْمَانُكُمْ جَمْعُ يَمِيْنٍ بِمَعْنَى الْقَسَمِ اَوِ الْيَدِ اَيِ الْحُلَفَاءُ الَّذِيْنَ عَاهَدْتُمُوْهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ عَلَى النُّصْرَةِ
وَالْاِرْثِ **فَاٰتُوْهُمْ** اَلْاٰنَ **نَصِيْبَهُمْ** ۚ حَظَّهُمْ مِنَ الْمِيْرَاثِ وَهُوَ السُّدُسُ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ**
شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾ مُطَّلِعًا وَمِنْهُ حَالُكُمْ وَهُوَ مَنْسُوْخٌ بِقَوْلِهٖ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ **اَلرِّجَالُ**
قَوّٰمُوْنَ مُسَلَّطُوْنَ **عَلَى النِّسَآءِ** يُؤَدِّبُوْا لَهُنَّ وَيَاْخُذُوْنَ عَلٰى اَيْدِيْهِنَّ **بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى**
بَعْضٍ اَيْ بِتَفْضِيْلِهٖ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ بِالْعِلْمِ وَالْعَقْلِ وَالْوِلَايَةِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا** عَلَيْهِنَّ **مِنْ اَمْوَالِهِمْ** ۚ
فَالصّٰلِحٰتُ مِنْهُنَّ **قٰنِتٰتٌ** مُطِيْعَاتٌ لِاَزْوَاجِهِنَّ **حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ** اَيْ لِفُرُوْجِهِنَّ وَغَيْرِهَا فِيْ غَيْبَةِ اَزْوَاجِهِنَّ
بِمَا حَفِظَ هُنَّ **اللّٰهُ** ۚ حَيْثُ اَوْصٰى عَلَيْهِنَّ الْاَزْوَاجَ **وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ** عِصْيَانَهُنَّ لَكُمْ بِاَنْ ظَهَرَتْ
اَمَارَاتُهٗ **فَعِظُوْهُنَّ** فَخَوِّفُوْهُنَّ مِنَ اللّٰهِ **وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ** اِعْتَزِلُوْا اِلٰى فِرَاشٍ اٰخَرَ اِنْ اَظْهَرْنَ
النُّشُوْزَ **وَاضْرِبُوْهُنَّ** ۚ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ اِنْ لَمْ يَرْجِعْنَ بِالْهِجْرَانِ **فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ** فِيْمَا يُرَادُ مِنْهُنَّ **فَلَا تَبْغُوْا**
تَطْلُبُوْا **عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا** ۚ طَرِيْقًا اِلٰى ضَرْبِهِنَّ ظُلْمًا **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا** ﴿۳۴﴾ فَاحْذَرُوْهُ اَنْ يُّعَاقِبَكُمْ اِنْ
ظَلَمْتُمُوْهُنَّ **وَاِنْ خِفْتُمْ** عَلِمْتُمْ **شِقَاقَ** خِلَافَ **بَيْنِهِمَا** بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ وَالْاِضَافَةُ لِلْاِتِّسَاعِ اَيْ شِقَاقًا بَيْنَهُمَا
فَابْعَثُوْا اِلَيْهِمَا بِرِضَاهُمَا **حَكَمًا** رَجُلًا عَدْلًا **مِّنْ اَهْلِهٖ** اَقَارِبِهٖ **وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا** ۚ وَيُوَكِّلُ الزَّوْجُ حَكَمَهٗ فِيْ
طَلَاقٍ وَقَبُوْلِ عِوَضٍ عَلَيْهِ وَتُوَكِّلُ هِيَ حَكَمَهَا فِي الْاِخْتِلَاعِ فَيَجْتَهِدَانِ وَيَاْمُرَانِ الظَّالِمَ بِالرُّجُوْعِ اَوْ يُفَرِّقَانِ
اِنْ رَاٰيَاهُ قَالَ تَعَالٰى **اِنْ يُّرِيْدَآ** اَيِ الْحَكَمَانِ **اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا** ۚ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ اَيْ يُقَدِّرُهُمَا عَلٰى
مَاهُوَ الطَّاعَةُ مِنْ اِصْلَاحٍ اَوْ فِرَاقٍ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا** بِكُلِّ شَيْءٍ **خَبِيْرًا** ﴿۳۵﴾ بِالْبَوَاطِنِ كَالظَّوَاهِرِ

ترجمہ: .... اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے مقابلہ میں جو کچھ دے رکھا ہے اس کی تمنا مت کرو (دنیاوی لحاظ سے ہو یا دینی اعتبار سے۔ کیونکہ اس سے آپس کے حسد وبغض پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے) مردوں کے لئے حصہ (ثواب) ان کے عمل کے مطابق ہے (جہاد وغیرہ جو اعمال کرتے ہیں ان کے سبب سے ہے) اور عورتوں نے اپنے عمل سے جو کچھ حاصل کیا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ (شوہروں کی اطاعت، شرمگاہوں کی حفاظت، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جس وقت عرض کیا کہ اے کاش ہم بھی مرد ہوتیں کہ مردوں کے شانہ بشانہ شریک جہاد ہو کر ان کی برابر مستحق اجر ہوتیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی) اور طلب گار رہو (یہ لفظ ہمزہ کے ساتھ ہے اور بغیر ہمزہ کے) اللہ تعالیٰ سے اس کی بخشائش کے (کہ تمہاری ضروریات وہی مہیا کرتے ہیں) یقیناً وہ ہر بات کا علم رکھنے والے ہیں (منجملہ ان کے مواقع فضل اور تمہاری درخواستوں کا علم بھی ہے) اور ہر ایک (مرد و عورت کے لئے) ہم نے حقدار ٹھہرا دیئے ہیں (وارث عصبات کہ جن کو دیا جائے گا) ماں باپ اور رشتہ داروں کا ترکہ (مال) نیز جن عورتوں سے تمہارا عہد و

پیمان نکاح ہو چکا ہے (لفظ عاقدت الف کے ساتھ اور بغیر الف پڑھا گیا ہے۔ ایمان جمع یمین کی ہے بمعنی قسم۔ یا داہنا ہاتھ۔ یعنی تمہارے وہ حلیف جن سے تم نے زمانہ جاہلیت میں نصرت ومیراث کا معاہدہ کیا ہے) پس چاہئے کہ (اب) ان کے حوالہ کردو۔ جو کچھ ان کا حصہ ہو (میراث کا چھٹا حصہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ حاضر وناظر ہیں (منجملہ اور چیزوں کے تمہاری حالت پر بھی مطلع ہیں۔ یہ حکم آیت **واولوا الارحام بعضهم اولى ببعض** سے منسوخ ہے) مرد بندوبست کرنے والے (حاکم) ہیں عورتوں پر (ان کو شائستگی سکھلاتے ہیں اور ان کی روک تھام رکھتے ہیں) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت بخشی ہے (یعنی مردوں کو عورتوں کے مقابلہ میں علم وعقل اور ولایت وغیرہ کے لحاظ سے شرف بخشا ہے) نیز اس وجہ سے کہ وہ اپنی کمائی (ان پر) خرچ کرتے ہیں۔ پس جو مستورات (ان میں) نیک ہوں جن کا شیوہ اطاعت (شوہروں کی فرمانبرداری) ہو۔ غائبانہ حفاظت کرنے والی ہوں (شوہروں کی عدم موجودگی میں اپنی عزت وآبرو وغیرہ کی محافظ ہوں) بحفاظت الٰہی (کہ شوہر اس کی تاکید رکھتے ہیں) اور جن بیویوں سے تمہیں اندیشہ سرکشی ہو (تمہاری نافرمانی کے جذبہ کا اظہار علامات سے ہوتا رہتا ہو) تو چاہئے کہ انہیں سمجھاؤ (اللہ سے ڈراؤ) پھر خواب گاہ میں ان سے الگ رہنے لگو (اگر سرکشی کی نوبت آجائے تو کنارہ کش ہو کر اپنی خواب گاہ الگ کرلو) اور انہیں کچھ مار بھی سکتے ہو (اگر کنارہ کش ہونے کی تنبیہ ناکافی ہو تو معمولی طور پر ہلکی سی مار بھی دے سکتے ہو) پھر اگر وہ تمہارا کہا ماننے لگیں (جو کچھ تم ان سے چاہتے ہو) تو ایسا نہ کرو کہ تلاش کرو۔ (ڈھونڈو) ان پر الزام دینے کے بہانے (مارنے پیٹنے کی ظالمانہ طور پر راہیں) اللہ تعالیٰ بڑی رفعت وعظمت والے ہیں (اگر تم نے عورتوں پر ظلم کرنا چاہا تو اس کے انتقام سے بھی ڈرتے رہو) اور اگر تمہیں اندیشہ (خبر) ہو کر تفرقہ (اختلاف) پڑ جائے گا۔ میاں بیوی کے درمیان (**شقاق** کی اضافت بین کی طرف محض توسعاً ہے یعنی **شقاقاً بينهما**) تو چاہئے کہ مقرر کردو (دونوں کی رضامندی سے ان کے درمیان) پنچ (ایک انصاف پسند شخص) مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے کنبہ سے (شوہر اپنے پنچ کو طلاق اور عوض طلاق کی قبولیت کے اختیارات حوالہ کردے اور بیوی اپنے پنچ کو خلع کا اختیار دے دے۔ دونوں منصف مل کر معاملات سمجھنے اور سلجھانے کی جدوجہد کریں اور ظالم کو ظلم سے باز رہنے پر مجبور کریں اور مناسب سمجھیں تو تفریق کرادیں۔ ارشاد الٰہی ہے) اگر دونوں (سرپنچ) چاہیں گے کہ صلح صفائی کرادیں تو اللہ تعالیٰ ضرور موافقت کرادیں گے۔ میاں بیوی کے درمیان (ملاپ یا جدائیگی جو کچھ بہتر ہوگی دونوں کے لئے مقدر فرمادیں گے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ (سب کچھ) جاننے والے (ظاہر وباطن سے) باخبر ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **لاتتمنوا** ۔ مستقبل میں کسی چیز کی امید کو تمنا کہتے ہیں۔ **مما كسبوا** مفسرؒ نے من کے سببیہ تعلیلیہ ہونے کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ علیٰ ہذا **مما اكتسبن** میں من تعلیلیہ ہے۔ **طاعة ازواجهن** چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے۔ **لو امرت لاحد ان يسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها من فضله** چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے۔ **من لم يسال الله من فضله غضب عليه** نیز ارشاد ہے۔ **ان الله ليمسك الخير الكثير من عبده ويقول لااعطى عبدى حتى يسئلنى** ۔

ترك الوالد ان یعنی **تركوه للعصبة** اس صورت میں والدین اور اقربین سے مرادمیت ہوگی اور یہی اصح ہے کیونکہ ابن عباسؓ سے لفظ ما کان کا بیان **من المال** منقول ہے اور بعض نے یہ معنی بھی کئے ہیں۔ **لكل شخص جعلنا ورثة ممن تركهم الميت وهم والده واقرباء** یہاں والدین اور اقربین کے ساتھ اولاد کا لفظ ذکر نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اولاد لغۃً اقربین میں داخل ہے۔ والدین بھی اگرچہ داخل ہیں۔ لیکن عام طور پر والدین کا ترکہ اولاد کو دینے میں لوگ مظالم اور گڑبڑ کرتے ہیں۔ اولاد کے ترکہ میں والدین کے ساتھ گڑبڑ نہیں کی جاتی۔

ايمانكم یمین بمعنی داہنا ہاتھ۔ کیونکہ عقود میں ہاتھ پر ہاتھ مارتے تھے۔ اس لئے عقد کی اضافت اس کی طرف کردی گئی۔ یا

بمعنی قسم بھی ہوسکتا ہےاور لفظ لکل متعلق ہے جعل کےاور مما ترک صفت ہے لکل کی اور عقدت کامفعول محذوف ہے ای عھودھم اور الذین مبتداء ہےاور فاتوھم اس کی خبر ہےاور موصوف صفت کے درمیان فصل جائز ہے۔

و الذین عاقدت اس موصوف کا عائد محذوف ہے الف والی قرأت پر معنی ہوں گے عاقدتھم ایدیکم او اقسامکم اور ثانی صورت میں یہ معنی ہوں گے۔عقدت عھودھم ایمانکم اس سے مراد عقد موالات ہے جو بعض صورتوں میں امام اعظمؒ کے نزدیک اب بھی مشروع ہے۔بعضھم مردوں کو بہ نسبت عورتوں کے عقل،عزم،حزم،عزت وقوت،کمال صوم وصلوٰۃ،نبوت خلافت وامامت، اذان وخطبہ وجمعہ،جماعات وجہاد،تکبیرات تشریق (عندابی حنیفہؒ) حدود وقصاص کی شہادت اور قضاء میراث ہیں۔تضعیف وتعصیب، نکاح وطلاق کا اختیار۔عورت کے لئے بیک وقت ایک شوہر سے زیادہ نہ ہونا۔مدار نسب ان تمام باتوں میں اللہ تعالیٰ نے فضل وشرف عنایت فرمایا ہے۔

فالصّٰلحٰت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے خیر النسآء امرأۃ نظرت الیھا سرتک وان امرتھا اطاعتک و اذاغبت عنھا حفظتک فی مالھا ونفسھا وتلا الایۃ . بماحفظ اللہ یعنی بالسبب الذی احفظھن اللہبہ نشوزھن ۔اصل معنی نشوز کے ارتفاع کے آتے ہیں۔ بیوی کا ناشزہ ہونا یہ ہے کہ شوہر کی اطاعت نہ کرے۔اس سے بغض رکھے۔تکبر کے ساتھ پیش آئے۔جس کی علامات اس کے سامنے بلند آواز سے کلام کرنا اور بلانے پر جواب نہ دینا،بھلے من بات نہ کرنا،کہانہ ماننا۔ فعظوھن تدریجاً تین علاج بتلائے گئے ہیں۔مارنا تو بدرجہ مجبوری بتلایا گیا ہے۔اصل یہ ہے کہ کھلائے چاہے سونے کا لقمہ مگر نظر تیز رکھے شریف عورت کے لئے یہی بس ہے۔مار کی چکھی نہ ڈالے کہ پھر قابو سے باہر ہوجائے گی اور مارنے میں بھی ہڈی پسلی کا خیال رکھے کہ کہیں کانچ کی طرح مول نہ جائے۔

و ان خفتم ۔یہ خطاب حکام واقارب سب کو ہے۔شقاق۔بمعنی اختلاف کیونکہ متخالفین میں ہر ایک ایک شق پر ہوتا ہے۔ظرف کی طرف اس کی اضافت توسعاً ہے۔ای شقاقا بینھما جیسے "مکر الیل والنھار"میں اضافت ہے۔برضاھما امام اعظمؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اور امام شافعیؒ کے ایک قول پر بلا اجازت دونوں کو اپنے اختیارات استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔امام مالکؒ کے نزدیک بغیر رضامندی بھی سرپنچوں کو اقدام کا حق ہےاور ان دونوں کے اہل قرابت میں سے ہونا مستحب ہے۔کیونکہ قرابتدار ہی صحیح حالات اور خاندانی طور طرق سے واقف ہوتے ہیں۔اجازت کا حکم بننا بھی جائز ہے۔

ربط: ......عورتوں اور مردوں کی میراث کے حصص میں جو تفاوت مذکور ہوا ہےاور دوسرے بعض شرعی احکام میں بھی فرق مسلم ہے۔اس پر عورتوں کی تسلی اور ازالہ شبہات کی غرض سے آیت لاتتمنوا الخ میں تیرہواں حکم فرمایا جارہا ہےاور آیت لکل جعلنا الخ میں میراث موالاۃ سے متعلق چودہواں حکم ارشاد فرمایا جارہا ہے جو سلسلہ میراث ہی کی ایک کڑی ہےاور آیت الرجال الخ سے مردوں اور عورتوں کے اجمالی حقوق سے متعلق پندرہواں حکم بیان فرمایا جارہا ہے۔

شان نزول: ....احکام میں مردوں کی بعض خصوصیات اور تخصیص پر نظر کرتے ہوئے ازواج مطہراتؓ میں سے حضرت ام سلمہؓ نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے اعتراضاً نہیں بلکہ بطور اظہار تمنا عرض کیا کہ کاش!ہم مرد ہوتے تو ہمیں بھی مردوں کی طرح میراث ملتی اور دوسرے احکام میں بھی ان کے دوش بدوش ہوتے۔جیسا کہ مفسرؒ علام نے اشارہ کیا ہے یا کسی دوسری عورت نے عرض کیا ہوگا کہ یارسول اللہ مرد کو میراث دوہری ملتی ہےاور عورت کی شہادت بھی مرد سے آدھی ہے۔پس ثواب بھی ہم کو شاید آدھا ہی ملے گا۔

ان آیات میں دونوں باتوں کا جواب ہے۔

بطریق قتادہؓ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عقد موالات اس طرح ہوتا تھا کہ "**بدنی بدنک وحربی حربک وسلمی سلمک وترثنی وارثک**" آیت **ولکل جعلنا الخ** میں اسی عقد موالات کا ذکر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مہاجرینؓ وانصارؓ کے مابین اسی طرح عقد مواخات فرمایا تھا۔ لباب النقول میں ابن ابی حاتمؒ نے حسنؒ سے تخریج کی ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت سے اپنے شوہر کے طمانچہ مارنے کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے اس کو قصاص لینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس پر آیت **الرجال قوامون** نازل ہوئی اور قصاص روک دیا گیا۔

﴿ تشریح ﴾:............حضرت ام سلمہؓ کا جواب تو **ولا تتمنوا** میں اور دوسری صحابیہؓ کی بات کا جواب **الرجال قوامون الخ** میں آ گیا ہے اور اس تقریر سے آیت کا ربط احکام میراث سے اور آیت **ان تجتنبوا الخ** دونوں سے معلوم ہوگیا۔

اعمال اختیاریہ اور احوال غیر اختیاریہ کا فرق:............حاصل آیت **لا تتمنوا الخ** یہ ہے کہ فضائل وہبیہ جو غیر اختیاری ہیں ان کی تمنا لا حاصل ہے۔ البتہ فضائل کسبیہ جو اعمال اختیاریہ ہوتے ہیں ان میں بے شک تمنا اور کوشش ہونی چاہئے۔ اسی طرح وہ فضائل وہبیہ جن میں اعمال کو بھی دخل ہے جیسے احوال واعمال اور کمالات باطنہ ان میں بھی تمنا فضول اور عبث ہیں۔ تاہم اس کا طریقہ بھی یہ نہیں کہ بیٹھے بیٹھے خالی تمنائیں کرلی جائیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے حسن توفیق کی دعا اور درخواست بھی کرنی چاہئے۔ پس نبوت وغیرہ کی تمنا کرنا فضائل وہبیہ محضہ کی تمنا کرنا ہے جو ایسے ہی غلط اور ہوس ہے جیسے کسی عورت کا مرد بننے یا مرد کا عورت بننے کی تمنا کرنا فضول ہے اور دوسری قسم کے فضائل وہبیہ میں اعمال کے بعد دعا اور سوال کرنا چاہئے اور اعمال کسبیہ۔ سو ان میں مرد وعورت سب برابر ہیں۔ سب کو سعی اور دعا کرنی چاہئے۔ باقی عورتوں کا مردوں کے مقابلہ میں نقصان دین جیسا کہ احادیث میں وارد ہے وہ آیت کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ منشاء حدیث کا بلا کسب نفس عمل میں عورتوں کے لئے ایک مانع کا بیان کرنا اور عمل کی کمی ہے اور حاصل آیت کا عمل کرنے کی صورت میں دونوں کے اجر وثواب کا برابر ہونا ہے۔

اسلام کی نظر میں مرد وعورت:............دراصل اسلام سے پہلے عالمگیر نظریہ یہ رہا ہے کہ انسانی وجود کا ظہور کامل صرف مردوں کی جنس میں ہوا ہے۔ عورتوں کی ہستی کوئی مستقل ہستی نہیں ہے۔ وہ صرف مردوں کی کام جویوں کے لئے پیدا کی گئی ہے اور ان کی چاکری اور پرستاری میں فنا ہونے کے لئے بنائی گئی ہیں۔ لیکن سب سے پہلے قرآن کریم نے اس اعتقاد کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ نوع انسانی کو مرد وعورت دو جنسوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ دونوں یکساں طور پر اپنی اپنی ہستی اپنے اپنے فرائض، اپنے اپنے اعمال رکھتے ہیں۔ کارخانہ ہستی ومعیشت کے لئے جس طرح ایک جنس کی ضرورت ہے ٹھیک اسی طرح دوسری جنس کی بھی ضرورت ہے۔ انسان کی معاشرتی زندگی کے لئے یہ دو مساوی عنصر ہیں۔ جو ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک مکمل زندگی بنانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ہاں البتہ ہر گروہ کو دوسرے گروہ پر خاص خاص باتوں میں اللہ تعالیٰ نے فضیلت بخشی ہے۔ چنانچہ مرد عورتوں کے لئے معاشی ضروریات کی فراہمی اور قیام کا ذریعہ ہے۔ اس لئے سربراہی اور کارفرمائی کا مقام قدرتی طور پر ان ہی کے لئے ہوگیا ہے۔ تاہم اس خیال سے عورتیں دلگیر نہ ہوں کہ وہ مرد نہ ہوئیں اور مردانہ کام ان کے حصہ میں کیوں نہ آئے؟ وہ یقین رکھیں کہ عمل و فضیلت کی تمام راہیں ان کے لئے بھی کھلی ہوئی ہیں۔

یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے مہر وغیرہ چونکہ عورت سے فائدہ اٹھانے کا معاوضہ اور بدلہ ہوتا ہے اس لئے انفاق مالی کی وجہ سے مرد کی

بالادستی اور فضیلت کیسے صحیح ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ وہ معاوضہ عورت کے ماتحت رہنے ہی کا ہے۔ اس لئے اس معاوضہ سے تو فضیلت کی اور مزید تاکید ہوگئی۔

عقدِ موالات:............''عقد موالات'' کرنے والے ''مولی الموالاۃ'' کہلاتے ہیں۔ ابتدائے اسلام میں بھی اس پرانی رسم کا اجراء رہا اور آپ ﷺ نے انصارؓ ومہاجرینؓ کے درمیان مواخات قائم فرما کر عقد موالات کرائی۔ اسی کے مطابق میراث سے مستبعد ہوتے تھے۔ لیکن اسلام کے شیوع اور مسلمانوں کی کثرت اور قرابت کے عام ہوجانے کی وجہ سے اولاً اس حکم میں وہ ترمیم ہوئی جو اس آیت میں چھٹے حصہ کی صورت میں بیان کی جارہی ہے اور بقیہ مال دوسرے ورثاء کو دلایا جانے لگا۔ لیکن پھر آیت احزاب **واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض** کی رو سے بتدریج یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ چنانچہ دوسرے ورثاء کے ہوتے ہوئے خواہ وہ ذوالفروض نسبی ہوں یا عصبی ہوں یا ذوی الارحام ہوں، بالاتفاق تمام ائمہؒ کے نزدیک اس مولی الموالات کو کچھ تر کہ نہیں ملے گا۔ البتہ اگر کوئی وارث نہ ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک مولی الموالات کو پوری میراث ملے گی۔ ہاں دوسرے کے دیت ادا کرنے سے پہلے اگر کوئی اس معاہدہ کو فسخ کرنا چاہے تو فسخ بھی کرسکتا ہے۔ نیز یہ بھی جائز ہے کہ یہ عہد ایک ہی جانب سے ہو دوسری طرف سے نہ ہو تو اس وقت ایک ہی جانب سے اس پر عملدرآمد ہوسکے گا۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں اس کا استحباب اور بہ خیر خواہی ہونا بھی منقول ہے۔ پس اس صورت میں منسوخ ماننے کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔

مردوں کی بالادستی اور معاشرتی نظام میں قیم کی حیثیت:..........معاشرتی زندگی میں مردوں کی بالادستی کرلینے کے بعد ان کے حقوق کی نوعیت میں بھی تفوق ماننا پڑے گا۔ چنانچہ ان کے حقوق کے مطالبہ اور ادائیگی کے سلسلہ میں اگر عورتوں کی جانب سے کوئی اڑچن واقع ہوگی تو ان کو سیاست وتادیب کا حق بھی حاصل ہوگا۔ نیک عورتیں وہی کہلائیں گی جو اطاعت شعار، ظاہر و باطن ہر حال میں شوہروں کے مفاد کی خبر گیراں اور محافظ ہوں گی۔ بصورت دیگر اگر عورت حقوق شوہر کی رعایت نہیں کرتی، اطاعت شعاری کے دائرے سے قدم باہر نکالنے کی کوشش کرتی ہے تو اولاً شوہر کو چاہئے کہ نرمی وگرمی سے حسب موقع اس کو سمجھا بجھا کر راہ راست پر لانے کی کوشش کرے۔ لیکن اگر میاں بیوی کے درمیان تفرقہ پڑ جانے کا خطرہ اور اندیشہ ہو تو پھر خاندان کی پنچائیت بٹھلائی جائے۔ جس میں مرد وعورت کے منصف مزاج لوگ سر جوڑ کر باہمی اصلاح حال کی سعی کریں۔ جس کا قصور نکلے اس کو ملزم گردانیں اور اگر سر پنچوں کو طلاق یا خلع کا اختیار بھی دے دیا جائے تو وکالۃً وہ اس کے بھی مجاز ہوسکتے ہیں۔ تاہم آیت میں اس سے تعرض نہیں ہے۔ میاں بیوی اگر حکام سے رجوع کریں تو یہ فیصلہ واجب ہے اور دوسروں کے لئے مستحب ہے اور **من اهله و اهلها** کی قید آیت میں استحباب کے لئے ہے۔

لطائف آیت:..........**ولا تتمنوا الخ** سے معلوم ہوا کہ فضائل غیر اختیاریہ کے درپے ہونا لاحاصل اور باعث تشویش ہوتا ہے جس سے مقصود کی طرف توجہ میں کمی آجاتی ہے اور **واسئلو الله** سے معلوم ہوا کہ مجاہدات پر نظر رکھنے سے عجب پیدا ہوجاتا ہے۔ اس لئے اللہ کے فضل پر نظر رہنی چاہئے۔ **فان اطعنکم الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ محض بغض نفسانی کی بنیاد پر کسی کو سزا دینے کے لئے حیلے بہانے تلاش کرنا غلط ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَحِّدُوْهُ وَلَاتُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ اَحْسِنُوْا بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا بِرًّا وَّلِيْنَ جَانِبٍ وَّبِذِی الْقُرْبٰى الْقَرَابَةِ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى الْقَرِيْبِ مِنْكَ فِی الْجِوَارِ اَوِالنَّسَبِ وَالْجَارِ الْجُنُبِ الْبَعِيْدِ عَنْكَ فِی الْجِوَارِ اَوِالنَّسَبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ الرَّفِيْقِ فِیْ سَفَرٍ اَوْ صَنَاعَةٍ وَقِيْلَ الزَّوْجَةُ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ الْمُنْقَطِعِ فِیْ سَفَرِهٖ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ مِنَ الْاَرِقَّاءِ اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا مُتَكَبِّرًا فَخُوْرًا ﴿۳۶﴾ عَلَى النَّاسِ بِمَا اُوْتِیَ الَّذِيْنَ مُبْتَدَأٌ يَبْخَلُوْنَ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ بِهٖ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ مِنَ الْعِلْمِ وَالْمَالِ وَهُمُ الْيَهُوْدُ وَخَبَرُ الْمُبْتَدَأِ لَهُمْ وَعِيْدٌ شَدِيْدٌ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ بِذٰلِكَ وَبِغَيْرِهٖ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾ ذَا اِهَانَةٍ وَالَّذِيْنَ عَطْفٌ عَلَى الَّذِيْنَ قَبْلَهٗ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ مُرَائِيْنَ لَهُمْ وَلَايُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَابِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ كَالْمُنَافِقِيْنَ وَاَهْلِ مَكَّةَ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا صَاحِبًا يَعْمَلُ بِاَمْرِهٖ كَهٰؤُلَاءِ فَسَآءَ بِئْسَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ هُوَ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ اَیْ اَیُّ ضَرَرٍ عَلَيْهِمْ فِیْ ذٰلِكَ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلْاِنْكَارِ وَلَوْ مَصْدَرِيَّةٌ اَیْ لَاضَرَرَ فِيْهِ وَاِنَّمَا الضَّرَرُ فِيْمَا هُمْ عَلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ فَيُجَازِيْهِمْ بِمَا عَمِلُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَايَظْلِمُ اَحَدًا مِثْقَالَ وَزْنَ ذَرَّةٍ ۚ اَصْغَرَ نَمْلَةٍ بِاَنْ يَّنْقُصَهَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ اَوْ يَزِيْدَهَا فِیْ سَيِّئَاتِهٖ وَاِنْ تَكُ الذَّرَّةُ حَسَنَةً مِنْ مُؤْمِنٍ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ فَكَانَ تَامَّةٌ يُّضٰعِفْهَا مِنْ عَشْرٍ اِلٰى اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِمِائَةٍ وَفِیْ قِرَاءَةٍ يُضَعِّفُهَا بِالتَّشْدِيْدِ وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ مِنْ عِنْدِهٖ مَعَ الْمُضَاعَفَةِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ لَايَقْدِرُهٗ اَحَدٌ فَكَيْفَ حَالُ الْكُفَّارِ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ۭبِشَهِيْدٍ يَشْهَدُ عَلَيْهَا بِعَمَلِهَا وَهُوَ نَبِيُّهَا وَّجِئْنَا بِكَ يَا مُحَمَّدُ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَوْمَ الْمَجِیْءِ يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ اَیْ اَنْ تُسَوّٰى بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ مَعَ حَذْفِ اِحْدَى التَّائَيْنِ فِی الْاَصْلِ وَمَعَ اِدْغَامِهَا فِی السِّيْنِ اَیْ تَتَسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ بِاَنْ يَّكُوْنُوْا تُرَابًا مِثْلَهَا لِعِظَمِ هَوْلِهٖ كَمَا فِیْ اٰيَةٍ اُخْرٰى وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ يٰلَيْتَنِیْ كُنْتُ تُرَابًا وَلَايَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ عَمَّا عَمِلُوْهُ وَفِیْ وَقْتٍ اٰخَرَ يَكْتُمُوْنَهٗ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ۔

ترجمہ: .... اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو (توحید بجالاؤ) اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ (اور اچھا سلوک رکھو) ماں باپ کے ساتھ عمدہ برتاؤ (احسان اور نرمی کے طریقہ پر) اور قرابت داروں (قربیٰ بمعنی قرابۃ ہے) یتیموں، مسکینوں، قرابتدار پڑوسیوں (جو پڑوس یا نسب کے لحاظ سے قریب ہوں) اور اجنبی پڑوسیوں (جو پڑوس یا نسب کے اعتبار سے دور ہوں) نیز پاس کے بیٹھنے والوں کے ساتھ (خواہ وہ رفیق سفر ہوں یا شریک پیشہ اور بعض نے بیوی مراد لی ہے) اور مسافروں (جو اپنے ساتھیوں سے بچھڑ

گئے ہوں) اور جو تمہارے قبضہ میں (لونڈی غلام) ہوں، ان سب کے ساتھ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ڈینگیں مارنے والے (شیخی باز) لوگوں کو پسند نہیں کرتے جو اترانے والے ہوں (لوگوں کے مقابلہ میں اپنی نعمتوں پر) جو (یہ مبتداء ہے) خود بھی بخل کرتے ہیں (ادائے واجب میں) اور دوسروں کو بھی بخل سکھاتے ہیں اور جو کچھ خدا نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے اسے چھپا کر رکھتے ہیں (یعنی علم اور مال و دولت مراد اس سے یہود ہیں۔ مبتداء کی خبر "لھم وعید شدید" ہے) اور ہم نے تیار کر رکھا ہے (اس میں اور دوسری چیزوں میں) ناشکری کرنے والوں کے لئے رسوا کرنے والا (توہین آمیز) عذاب اور ان لوگوں کو بھی دوست نہیں رکھتے (یہ ماقبل کے الــذیــن پر عطف ہے) جو اپنی دولت محض لوگوں کے دکھانے کو (ریاء ونمود کے لئے) خرچ کرتے ہیں اور فی الحقیقت اللہ اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے (جیسے منافقین اور مکہ کے باشی) اور یاد رکھو جس کسی کا ساتھی شیطان ہو (کہ اسی کے ابھارنے پر عمل کرتا ہے جیسے یہ کافر) تو کیا ہی برا ساتھی ہے (یہ شیطان، سـاء بمعنی بـئـس اور مخصوص بالمذمت محذوف ہے یعنی ھو) اور ان لوگوں کا کیا بگڑتا تھا۔ اگر یہ لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے اور جو کچھ خدا نے انہیں دے رکھا ہے اسے خرچ کرتے (یعنی اس میں ان کا کیا نقصان ہوتا۔ استفہام انکاری ہے اور لو مصدر یہ ہے۔ یعنی راہِ مولیٰ میں خرچ کرنے میں نقصان نہیں تھا۔ بلکہ بحالت موجودہ جس پر ہیں اس میں نقصان ہے) اور اللہ تعالیٰ تو ان کی حالت کی پوری خبر رکھتے ہیں (اس لئے وہ ان کے کئے کی سزا ضرور دیں گے) یقیناً اللہ تعالیٰ (کسی پر) ظلم نہیں کرتے۔ ذرہ برابر (چیونٹی سے بھی کم۔ مثلاً ان کی نیکیوں میں سے کچھ گھٹا دیں یا گناہوں میں اضافہ فرما دیں) اگر ذرہ برابر کسی نے نیکی کی ہے (مسلمانوں میں سے اور ایک قرأت میں "حسنة" رفع کے ساتھ ہے۔ اس وقت کان تامہ ہو جائے گا) تو وہ اسے بڑھا چڑھا کر دیتے ہیں (دس گنا سے لے کر سات سو گنا) سے بھی زائد تک اور ایک قرأت میں لفظ یـضـعـفـهـا تشدید کے ساتھ ہے) اور پھر اپنے پاس سے ایسا بدلہ بھی دیں گے (اس بڑھاؤ چڑھاؤ کے باوجود اپنی خصوصی عنایت سے) جو بہت بڑا بدلہ ہوگا (جو کسی کی طاقت میں نہیں ہوگا) پھر کیا (حال ہوگا کفار کا) اس دن ہم ہر امت سے ایک گواہ طلب کریں گے (جو ان کے خلاف عمل کی گواہی دے گا یعنی ان کا پیغمبر) اور ہم آپ ﷺ کو بھی (اے محمد ﷺ) ان لوگوں پر گواہی دینے کے طلب کریں گے۔ سو اس (طلبی کے) دن جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کی ہوگی اور رسولوں کی نافرمانی کی ہوگی۔ یہ حال ہوگا کہ تمنا کریں گے۔ کاش! وہ دھنس جائیں (لو بمعنی ان سے اور تسوی نے معروف و مجہول دونوں طرح ہے۔ دراصل اس میں دو تاتھیں۔ ایک کو حذف کر دیا اور سین کے ادغام کے ساتھ بھی ہے۔ ای تتســوی زمین میں (یعنی مٹی ہو کر زمین میں مل جائیں اور اس کے برابر ہو جائیں۔ قیامت کی دہشت کی وجہ سے جیسے دوسری آیت میں ویـقـول الکفر بالیتنی کنت تراباً اور اس دن وہ اللہ تعالیٰ سے کسی بات کو چھپا نہیں سکیں (جو کام انہوں نے کئے ہوں گے اور دوسرے وقت میں چھپانے کی کوشش کریں گے۔ واللہ ربنا ما کنا مشرکین کہہ کر)

تحقیق وترکیب: .... والـجـار ذی الـقـربیٰ مکان کے لحاظ سے قریبی پڑوسی کی حد امام شافعیؒ کے نزدیک چالیس مکان تک ہے۔ لیکن امام اعظمؒ کے نزدیک اس قدر توسع نہیں ہے بلکہ دونوں مکان ملے جلے ہونے چاہئیں۔ اس لئے حق شفعہ بھی امام اعظمؒ پڑوسی کو دیتے ہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک سب اہل محلّہ اور اہل مسجد کو پڑوسی سمجھا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے۔ الـجـیـران ثـلـثـة جـارلـه ثلث حقوق حق الجوار وحق القرابة وحق الاسلام وجار له حقان حق الجوار وحق الاسلام وجار له حق واحد حق الجوار کالمشرک من اهل الکتاب۔ آنحضرت ﷺ نے پڑوسی کے حقوق کی اس درجہ تاکید فرمائی ہے جس سے ان کے شریک فی المیراث ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے۔

الـجـار الجنب۔ یعنی دوسری قوم کا فرد ہو۔ جنب قرابۃ سے ماخوذ ہے۔ یہاں بھی مکان اور نسب دونوں لحاظ سے اعتبار ہوگا۔ بالجنب کا

متعلق صفت مقدرہ ہے۔ای **الکائن** صاحب۔جنب سے مراد ہمسفر ہے۔ **وھم الیھود** جیسے رفاعہ بن زید اور حیی بن اخطب اور کردم بن زید وغیرہ افراد مراد ہیں جو انصار صحابہؓ کو بخل مشورے دیتے تھے۔ **الذین** مبتداء کی خبر محذوف کی طرف مفسر علامؒ نے **لھم وعید شدید** سے اشارہ کردیا ہے۔

واعتدنا للکافرین ۔اس میں وضع ظاہر موضوع مضمر کیا گیا ہے۔ **اعتدنالھم** کہنا چاہئے تھا۔مگر ارشاد اس طرف ہے کہ ایسا کرنے سے کفران نعمت ہوا اور کافر کی سزا عذاب ہے۔اخفاء نعمت کو بھی کفران نعمت سمجھا گیا ہے۔چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ **اذا انعم اللہ علیٰ عبدہ نعمۃً احب ان یظھر اثرھا علیه (مسند احمد)**

فساء قرینا ۔ضمیر مبہم ساء کا فاعل ہے جس کی تفسیر منسوب کر رہا ہے اور مخصوص بالمذمت محذوف ہے۔ای **الشیطٰین**.

رئاء الناس. مصدر مضاف الی المفعول بمعنی الفاعل ہونے کی طرف مفسر نے اشارہ کیا اور منصوب علی الحال ہے یا مفعول لہٗ بھی ہوسکتا ہے۔

ماذا علیھم. مقصود سوال ضرر ہے بلکہ منافع سے ناواقفیت پر زجر و توبیخ اور تحصیل جواب کی فکر پر آمادہ کرنا ہے اور ایمان کا ذکر پہلی آیت میں اخیر میں اور بعد والی اس آیت میں پہلے کیا گیا۔کیونکہ وہاں بطور تعلیل ماقبل بیان کیا گیا اور یہاں ترغیب کے لئے۔پس دونوں جگہ اہم سے ابتداء کی گئی ہے۔

مثقال. بروزن مفعال۔ثقل سے ہے۔مطلقاً مقدار یا مقدار معلوم مراد ہوتی ہے۔ **ذرۃ** ۔سرخ چیونٹی یا رائی کا دانہ یا روشندان کی دھوپ میں جو غبار کے باریک اجزاء ہوتے ہیں،ان کو کہا جاتا ہے۔مطلقاً ظلم کی نفی مبالغۃً مراد ہے۔کیونکہ جب قلیل ظلم کی نفی ہے تو کثیر کی نفی بدرجہ اولیٰ ہے اور مثقال مصدر محذوف کی صفت کی بناء پر منصوب ہے۔ای **ظلماً وزن ذرۃ**۔

وان تک ۔ضمیر کا مونث ہونا تانیث خبر کی وجہ سے ہے۔یعنی **"الحسنۃ"** یا مثقال کی اضافت مونث کی طرف ہونے کی وجہ سے ہے۔یہ تو اکثر مفسرین کی رائے ہے اور بعض کے نزدیک لفظ ذرۃ کی طرف ضمیر راجع ہے جیسا کہ جلال محققؒ نے بھی یہی کہا ہے۔یہ گفتگو **حسنۃ** کے منصوب ہونے کی تقدیر پر ہے اور مرفوع کی قرأت پر **کان** تامہ ہوگا۔ **فکیف** اس میں فاء فصیحیہ ہے اور تقدیر مبتداء سے مفسر نے اس کے مرفوع علی الخبریت کی طرف اشارہ کیا ہے اور کبھی فعل محذوف کی وجہ سے محلاً منصوب بھی مانا جاسکتا ہے۔ای **فکیف یکونون** اس صورت میں سیبویہؒ کی رائے پر تشبیہ بالمال کی وجہ سے منصوب بھی کہا جاسکتا ہے اور اخفشؒ کی رائے پر تشبیہ بالظرف کی وجہ سے اور یہی عامل اذا ہوگا۔ **یومئذ** اس میں تنوین جملہ مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ **لو تسوی** اس میں لو مصدریہ اور **یود** کا محلاً مفعول ہے۔اس وقت جواب کی ضرورت نہیں **ولا یکتمون** مفسرؒ نے دونوں آیات میں تعارض اٹھا دیا ہے کہ اول اول تو کفار **واللہ ربنا ماکنا مشرکین** کہہ کر چھپانا چاہیں گے۔لیکن **الیوم نختم الخ** کی رو سے جب ان کی زبان بندی ہوجائے تو ہاتھ پیر اعضاء سب خبریں اگل دیں گے۔

ربط :............سلسلہ بیان مختلف حقوق کی طرف چل رہا ہے۔درمیان میں **واعبدوا اللہ الخ** سے یہ بتلانا ہے کہ کما حقہ ان کی ادائیگی ایک مومن کامل ہی کرسکتا ہے۔جس میں بخل و کبر وریاء کی بری خصلتیں نہ ہوں۔ورنہ یہ چیزیں ادائے حقوق میں رکاوٹ بھی بن سکتی ہیں۔بعدازاں ان حقوق کو کچھ تفصیل سے آیت **وما ذا علیھم الخ** میں کفر و بخل و ریاء کی اضداد کی ترغیب دی ہے۔

﴿ تشریح ﴾ :............ **اللہ اور بندوں کے حقوق کی حفاظت** : اللہ اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا جارہا ہے۔ حق اللہ کے سلسلہ میں بنیادی بات توحید کا اقرار اور شرک کی نفی ہے۔یعنی جن صفات کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونا ثابت ہوچکا

ہے۔ مثلاً علم محیط، قدرت تامہ وغیرہ ان کا اعتقاد کسی دوسرے کے لئے نہیں ہونا چاہئے۔ غرضیکہ شرک ذاتی، صفاتی، افعالی سب سے پرہیز کر کے توحید کامل کا حق بجالانا۔

حقوق العباد کے سلسلہ میں ماں باپ کے ساتھ بہتر سلوک، دوسرے قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، پڑوسیوں کا خیال رکھنا، پڑوسی خواہ نزدیک کا ہو یا دور کا، بہر حال اچھے سلوک کا مستحق ہے۔ اسی طرح پاس اٹھنے بیٹھنے والے اور لونڈی غلام سب کے ساتھ محبت واحسان کا سلوک ہونا چاہئے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں ریاء اور بخل نہیں ہونا چاہئے:............ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ رزق ودولت مرحمت فرمایا ہے اس کے بندوں پر خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لو۔ ایک مومن کا ہاتھ انفاق فی سبیل اللہ میں کبھی نہیں رکنا چاہئے۔ البتہ خرچ کرنے میں صرف اللہ کی رضا کی نیت ہونی چاہئے، نام ونمود کی نیت اور شہرت کی فکر۔ یہ ایمان باللہ اور فکر آخرت کے منافی ہے۔ یتیموں کے ساتھ چونکہ زمانہ جاہلیت میں حد سے زیادہ مظالم ہوتے تھے، اس لئے حق تعالیٰ نے ان کی نگہداشت کا حکم مکرر فرمایا۔ پڑوسی اگر غیر مسلم بھی ہوں تب بھی حق جوار ادا کرنا چاہئے اور مسلمان ہو تو دوہری توجہ کا مستحق ہے۔ اسی طرح بخل مالی کی طرف بخل علمی بھی مذموم ہے۔ جس میں کتمان علم بھی داخل ہے۔

ان اللہ لایظلم الخ میں ظاہراً ظلم کی نفی کرنی ہے ورنہ حقیقۃً تو حق تعالیٰ جو معاملہ بھی فرمائیں وہ مالک حقیقی ہیں۔ اس کو کسی طرح بھی ظلم نہیں کہا جاسکتا اور **من لدنہ** کا منشاء یہ ہے کہ اجر مقررہ کے علاوہ بھی مرحمت فرمائیں گے۔ پھر چونکہ وہ اجر بظاہر مسبب من العمل ہوگا۔ اگرچہ بمقابلہ عمل نہ ہو اور عادۃً کام کرنے والے ہی کو انعام ملا کرتا ہے۔ اس لئے اس کو اجر فرمادیا۔

قرآن کریم میں مطلقاً کفر اور عصیان رسول ﷺ سے مراد عام طور پر کافر ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے "**یود الذین کفروا الخ**" سے مراد کافر ہی ہوں گے اور چونکہ اس وقت کافر ہی زیادہ تر بخل وریاء وکبر وغیرہ معاصی کے ساتھ متصف تھے اس لئے ان وعیدوں کے ذکر میں کفار ہی کی تخصیص کی گئی اور انبیاء علیہم السلام کی عدم موجودگی یا وفات کے بعد لوگوں نے جو جرائم کئے ہیں ان کے اثبات کے چونکہ دوسرے طریقے موجود رہے ہیں اس لئے انبیاء کی عدم شہادت مضر نہیں ہوگی۔ جیسا کہ سورۂ مائدہ میں **وکنت علیہم شہید اما دمت فیہم** کے بعد **فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم**۔ حضرت عیسیٰ کا جواب منقول ہے۔

لطائف آیت:............ **والصاحب بالجنب** ۔ میں پیر بھائی اور ہم درس خواجہ تاش بھی داخل ہے۔ ان کے حقوق کی رعایت اور ادائیگی بھی ہونی چاہئے۔ **ان اللہ لایحب الخ** میں اپنے احوال ومقامات سلوک پر فخر ومباہات اور عجب کرنا بھی داخل ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ اَیْ لَاتُصَلُّوْا **وَاَنْتُمْ سُكٰرٰی** مِنَ الشَّرَابِ لِاَنَّ سَبَبَ نُزُوْلِهَا صَلَاةُ جَمَاعَةٍ فِیْ حَالِ السُّكْرِ **حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَاتَقُوْلُوْنَ** بِاَنْ تَصِحُّوْا **وَلَاجُنُبًا** بِاِیْلَاجٍ اَوْ اِنْزَالٍ وَنَصْبُهٗ عَلَی الْحَالِ وَهُوَ یُطْلَقُ عَلَی الْمُفْرَدِ وَغَیْرِهٖ **اِلَّا عَابِرِیْ** مُجْتَازِیْ **سَبِیْلٍ** طَرِیْقٍ اَیْ مُسَافِرِیْنَ **حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا** فَلَكُمْ اَنْ تُصَلُّوْا وَاسْتُثْنِیَ الْمُسَافِرُ لِاَنَّ لَهٗ حُكْمًا اٰخَرَ سَیَاْتِیْ وَقِیْلَ الْمُرَادُ النَّهْیُ عَنْ قِرْبَانِ مَوَاضِعِ الصَّلٰوةِ اَیِ الْمَسَاجِدِ اِلَّا عُبُوْرَهَا مِنْ غَیْرِ مَكْثٍ **وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰی** مَرَضًا یَضُرُّهُ الْمَاءُ **اَوْ عَلٰی سَفَرٍ** اَیْ مُسَافِرِیْنَ وَاَنْتُمْ

جُنُبٌ اَوْ مُحْدِثُوْنَ **اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ** هُوَ الْمَكَانُ الْمُعَدُّ لِقَضَاءِ الْحَاجَةِ اَىْ اَحْدَثَ **اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ** وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِلَا اَلِفٍ وَكِلَاهُمَا بِمَعْنٰى مِنَ اللَّمْسِ وَهُوَ الْجَسُّ بِالْيَدِ قَالَهُ ابْنُ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِىُّ وَاَلْحَقَ بِهِ الْجَسَّ بِبَاقِى الْبُشْرَةِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ هُوَ الْجِمَاعُ **فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً** تَطْهُرُوْنَ بِهٖ لِلصَّلٰوةِ بَعْدَ الطَّلَبِ وَالتَّفْتِيْشِ وَهُوَ رَاجِعٌ اِلٰى مَاعَدَا الْمَرْضٰى **فَتَيَمَّمُوْا** اقْصُدُوْا بَعْدَ دُخُوْلِ الْوَقْتِ **صَعِيْدًا طَيِّبًا** تُرَابًا طَاهِرًا فَاضْرِبُوْا بِهٖ ضَرْبَتَيْنِ **فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ** ط مَعَ الْمِرْفَقَيْنِ وَمَسَحَ يَتَعَدّٰى بِنَفْسِهٖ وَبِالْحَرْفِ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا**﴿۴۳﴾

ترجمہ: ....مسلمانو! نماز کا ارادہ بھی نہ کرو (نماز نہ پڑھو) جس وقت تم نشہ کی حالت میں ہو (شراب کی وجہ سے۔ آیت کا سبب نزول نشہ کی حالت میں جماعت سے نماز پڑھنا ہے) جب تک سمجھنے نہ لگو جس بات کو تم زبان سے کہتے ہو (ہوش میں آ جاؤ) اور نہ ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھ سکتے ہو (خواہ مرد کی شرمگاہ عورت کی شرمگاہ میں صرف داخل کی ہو یا انزال بھی ہو گیا ہو لفظ جنبا کا منصوب ہونا بنا پر حالیت ہے اور اس کا استعمال مفرد اور غیر مفرد دونوں جگہ آتا ہے) ہاں راہ چلتا مسافر ہو (راستہ سے گزرنے والے یعنی مسافر ہوں) تو دوسری بات ہے تاوقتیکہ غسل نہ کرو (اب تمہیں نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی اور مسافر کا استثناء اس لئے کیا گیا ہے کہ اس کے لئے دوسرا حکم ہے جو آگے آرہا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ نماز کے مواضع یعنی مساجد کے قریب جانے سے روکا گیا ہے۔ البتہ بغیر ٹھہرے ایسی حالت میں مسجد سے گزرنے کی اجازت ہے) اور اگر تم بیمار ہو (کہ پانی کا استعمال نقصان دہ ہو) یا سفر میں ہو (یعنی مسافر اور جنابت کی حالت میں ہو یا بے وضو ہو) یا تم میں سے کوئی جائے ضرورت سے فارغ ہو کر آئے (غائط وقضائے حاجت کے لئے تیار کی جائے یعنی بے وضو ہو گیا ہو) یا تم نے بیوی کو چھوا ہو اور ایک قرأت میں لمستم بغیر الف کے ہے اور یہ دونوں بمعنی لمس ہیں۔ یعنی ہاتھ لگانا۔ ابن عمرؓ کی رائے یہی ہے اور یہی مذہب ہے امام شافعیؒ کا اور اسی کے حکم میں باقی بدن سے چھونا بھی ہے اور ابن عباسؓ کے نزدیک جماع کے معنی ہیں) اور تم کو پانی نہ ملے (کہ جس سے نماز کے لئے طہارت حاصل کرلو۔ تلاش وجستجو کے بعد۔ اور یہ پانی نہ ملنے کی قید بیماروں کے علاوہ کے لئے ہے) تو اس صورت میں تمہیں تیمم کر لینا چاہئے (وقت آ جانے کے بعد بہ نیت تیمم کام لو) پاک مٹی سے (پاک زمین پر دو دفعہ ہاتھ ماردو) اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرلو (کہنیوں سمیت اور لفظ مسح خود بھی متعدی ہوتا ہے اور حرف کے ذریعہ سے بھی) بلاشبہ اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والے اور بخش دینے والے ہیں۔

تحقیق وترکیب: ....**وانتم سکاری** ۔ اکثر کی رائے میں شراب کا نشہ مراد ہے اور یہی صحیح ہے۔ لیکن ضحاکؒ کہتے ہیں۔ نیند کا غلبہ اور نیند کا نشہ مراد ہے۔ **بـایـلاج** اس میں تعمیم ہے۔ خواہ مجامعت کی صورت ہو یا لواطت کی، بہر صورت غسل واجب ہے۔ جنباً عطف ہے محل ماقبل ای **لاتقربوا اسکاری ولا جنباً. الا عابری** ۔ یہ استثناء ہے مقدر سے ای **فی حال الخ مواضع الصلوة** ۔ یعنی الصلوۃ سے مراد مساجد لی جائیں۔ چنانچہ دوسری آیت میں یہ اطلاق آیا ہے۔ **وبیع وصلوٰت ای المساجد** ۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک جنبی کے لئے مسجد سے گزرنا جائز ہے ٹھہرنا جائز نہیں ہے اور یہی قول حسنؒ کا ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک گزرنا بھی جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ دوسرا کوئی راستہ نہ ہو یا پانی صرف مسجد میں ہو جس سے طہارت حاصل کی جائے اور بعض اہل علم کی

رائے یہ ہے کہ مرور کے لئے بھی تیمم کر لینا چاہئے۔ باقی مسجد میں بحالت جنابت ٹھہرنے کی عدم اجازت پر حضرت عائشہؓ کی مرفوع روایت ہے وجھوا ھذہ البیوت عن المسجد فانی لااحل المسجد لحائض و لا جنب۔البتہ امام احمدؒ اس روایت کو مجہول اور ضعیف سمجھتے ہوئے مسجد میں ٹھہرنے کی اجازت دیتے ہیں۔عطاء بن یسارؒ کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے قال رأیت رجالاً من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یجلسون فی المسجد وھم یجنبون اذا توضؤوا وضوء الصلوٰۃ۔لیکن امام اعظمؒ روایت انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن اذن لاحد ان یمر فی المسجد و لا یجلس فیہ الا لعلیؓ کی وجہ سے نہ مرور کی اجازت دیتے ہیں اور نہ مکث کی۔

لمستم النسآء۔ ہاتھ لگانا کنایہ ہے جماع سے۔یہی قول حضرت ابن عباسؓ کا اور یہی مذہب امام اعظمؒ کا ہے۔لیکن محض چھونا حضرت ابن عمرؓ اور ابن مسعودؓ کے نزدیک ناقض ہے۔امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔

وھو راجع الی ماعد المرضی۔کیونکہ مریض کے لئے تو پانی کے ہوتے ہوئے بھی تیمم کی اجازت ہے۔اگر اس کے لئے مضر ہو۔لیکن اگر مریض کے حق میں عدم وجدان ہی حکماً سمجھا جائے تو اس توجیہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔

فاضربوا ضربتین ابوداؤد اور حاکمؒ کی روایت میں ایسا ہی ہے۔امام اعظمؒ، امام شافعیؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ لیکن امام احمدؒ حدیث عمارؓ کی وجہ سے ایک ضرب کو کافی سمجھتے ہیں اور امام مالکؒ پہلی ضرب کو فرض فرماتے ہیں۔باقی امام شافعیؒ صعیداً کے معنی اگانے والی مٹی کے لیتے ہیں کیونکہ مٹی کے علاوہ کوئی چیز اگانے والی نہیں ہوتی۔لیکن زجاج صعید کے معنی ''وجہ الارض'' کے لیتے ہیں۔خواہ مٹی ہو یا دوسری چیز، جیسے پتھر بلا غبار کے۔امام اعظمؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔

باقی آیت میں حائض، جنابت کی تخصیص کرنا، حالانکہ غیر متوضی کا حکم بھی نماز کے ناجائز ہونے کا ہے۔محض اس لئے ہے کہ اغتسال کے لئے مغیا صرف حالت جنابت ہی ہوسکتی ہے۔اگر یہ کہا جاتا لا جنباً و لا غیر متوضیین حتی تغتسلوا۔تو کلام صحیح نہ رہتا۔اسی طرح آیت میں مسافر کی تخصیص استثناء میں کرنا باوجودیکہ مریض اور غیر مریض کا حکم بھی پانی نہ ہونے کے وقت یہی ہے۔اس لئے ہے کہ سفر بہ نسبت بیماری کے غالب الوقوع ہے۔نیز آیت کا سبب نزول بھی تیمم مسافر ہے۔البتہ ''جاء احد'' اور ''لامستم النساء'' جو موجبات وضو ہیں ان کا عطف مرض وسفر پر جو مرخصات ہیں باعث اشکال ہوگا۔کیونکہ متعاطفین کے درمیان تناسب شرط ہے۔لیکن کہا جائے گا کہ غیر معذورین کا عطف معذورین پر ہو رہا ہے۔تقدیر کلام اس طرح پر ہے۔وان کنتم مرضی او مسافرین اوغیر مرضی وغیر مسافرین حال کونکم فی جمیع ھذہ الصور محدثین بالاصغر او الاکبر وحال کونکم فی جمیعھا عاجزین عن الماء حقیقۃ کما فی الفقد او حکماً کما اذا خیف الضرر۔اس طرح کل چھ صورتیں نکلیں گی۔ جن میں تیمم کے لئے پانی نہ ہونا شرط ہوگا۔(۱) بیمار بے وضو ہو۔(۲) بیمار بے غسل ہو۔(۳) مسافر بے وضو ہو۔(۴) مسافر ضرورت مند غسل ہو۔(۵) نہ بیمار ہو نہ مسافر ہو۔مگر بے وضو ہو۔(۶) نہ بیمار ہو نہ مسافر ہو مگر ضرورت مند غسل ہو۔

ربط :............اوپر سے اکثر معاملات بینی کا بیان چلا آ رہا ہے۔اب بعض قسم دیانات یعنی اللہ اور بندہ کے درمیانی معاملات کا بیان شروع ہوتا ہے۔اسی طرح دوسرا قریبی ربط یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلے واعبدوا اللہ و لا تشرکوا میں خالص عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔ اب اس کا ایسا انتظام فرماتا ہے کہ بلا قصد اختیار بھی شرک سرزد نہیں ہونا چاہئے۔جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوتا ہے۔

شانِ نزول: .... ابتدائے اسلام میں شراب حلال تھی۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ایک مرتبہ دعوت کی اور شرکاء نے شراب پی۔ اسی میں مغرب کی نماز کا وقت آ گیا۔ حضرت علیؓ نے امامت کی اور اسی نشہ کی حالت میں سورۂ کافرون پڑھتے ہوئے ''لااعبد ماتعبدون'' کی بجائے ''اعبد ماتعبدون'' پڑھ دیا۔ جس میں بلاارادہ خلاف توحید شرکیہ الفاظ ادا ہوگئے۔ بعد میں تنبیہ ہونے پر ندامت ہوئی۔ آنحضرت ﷺ سے عرض حال کیا گیا۔ اس پر آیت لاتقربوا الصلوٰۃ الخ نازل ہوئی۔ جس میں ضمنی طور پر دوسرے مناسب احکام بھی آ گئے۔

نیز غزوہ مریسیع کے موقعہ پر حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہوگیا اور پانی نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کی ضرورت پیش آئی۔ اس سلسلہ میں بھی یہ آیت اور آیت مائدہ نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: .... **اسلام نے مکمل شراب بندی بتدریج کی ہے:** .... (۱) شراب کی حرمت تدریجاً ہوئی ہے۔ جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اس آیت کی رو سے صرف اوقات نماز میں شراب کا پینا حرام معلوم ہوتا ہے۔ لیکن آیت مائدہ سے مطلقاً شراب کی بندش اور حرمت ہوگئی تھی۔ چنانچہ اب نماز اور غیر نماز تمام اوقات میں نشہ بندی کا حکم ہے۔

وضو اور غسل کا تیمم: .... (۱) مرض کے اشتداد کا خطرہ ہو یا امتداد کا اندیشہ ہو۔ دونوں صورتوں میں تیمم کی اجازت ہے۔ (۳) پانی اگر کم از کم ایک شرعی میل ہو جو انگریزی میل سے ۱/۸ حصہ زیادہ ہوتا ہے۔ تب بھی تیمم کی اجازت ہے۔ مسافر ہو یا غیر مسافر۔ (۴) اسی طرح اگر پانی قریب ہو۔ لیکن ڈول رسی وغیرہ آلات نہ ہونے سے، یا کسی قسم کے خوف سے پانی نہ مل سکے۔ بہرصورت تیمم کی اجازت ہوگی اور یہ سب صورتیں فلم تجدوا میں داخل سمجھی جائیں گی۔ (۵) وضو اور غسل دونوں کا تیمم یکساں ہوتا ہے۔ صرف نیت کا فرق ہوتا ہے۔ ایک میں وضو کی قائم مقامی کی اور دوسرے میں غسل کے قائم مقامی کی نیت کرنی ہوتی ہے اور اس کا خیال رہے کہ منہ ہاتھ میں سے کوئی حصہ رہ نہ جائے۔ جہاں ہاتھ نہ پہنچ سکے ورنہ تیمم نہیں ہوگا۔

(۶) تیمم ہر ایسی چیز سے جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہو۔ یعنی جو نہ آگ میں جلے اور نہ گلے۔ لیکن دو چیزیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ چونہ باوجودیکہ آگ میں جل جاتا ہے۔ لیکن اس سے تیمم جائز ہے۔ اور راکھ باوجودیکہ آگ میں نہ جل سکتی ہے اور نہ گل سکتی ہے پھر بھی اس سے تیمم جائز نہیں ہے۔ جہت استثناء دونوں کی الگ الگ ہے۔ تفصیلی بحث کا موقعہ سورۂ مائدہ ہے۔

لطائف آیت: .... لاتقربوا الصلوٰۃ اس سے معلوم ہوا کہ سکر حالی کے آثار اگر محسوس ہونے لگیں تو ذکر کو منقطع کردے۔ اگر قطع نہیں کرے گا تو خود قطع ہوجائے گا اور وہ ترقی جو عمل پر موقوف تھی جب عمل ہی منقطع ہوگیا تو ترقی بھی رک جائے گی۔ چنانچہ استغراق میں بھی ترقی رک جاتی ہے۔

ان اللہ کان عفواً غفوراً۔ اس میں ضعفاء اعمال کے اس وسوسہ کا علاج ہے کہ جب ضعف کی وجہ سے ظاہر اً عمل میں نقصان ہے تو وہ آثار مقصودہ اور اجر وثواب کے نقصان کو مستلزم ہو۔ پس اس شبہ کے ازالہ اور تدبیر کی طرف اشارہ کردیا کہ بالفرض اگر نقصان ہو بھی تو اللہ تعالیٰ معاف فرما کر جبر نقصان کرنے والے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا حَظًّا **مِّنَ الْكِتٰبِ** وَهُمُ الْيَهُوْدُ **یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ** بِالْهُدٰى **وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِیْلَ ﴿۴۴﴾** تُخْطِئُوْا طَرِيْقَ الْحَقِّ لِتَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ **وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآىٕكُمْ** ؕ مِنْكُمْ فَيُخْبِرُكُمْ لِتَجْتَنِبُوْهُمْ **وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِیًّا** ۙ حَافِظًا لَكُمْ **وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِیْرًا ﴿۴۵﴾** مَانِعًا لَكُمْ مِنْ كَيْدِهِمْ **مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا** قَوْمٌ **یُحَرِّفُوْنَ** يُغَيِّرُوْنَ **الْكَلِمَ** الَّذِيْ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِي التَّوْرٰةِ مِنْ نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **عَنْ مَّوَاضِعِهٖ** الَّتِيْ وُضِعَ عَلَيْهَا **وَ یَقُوْلُوْنَ** لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَرَهُمْ بِشَيْءٍ **سَمِعْنَا** قَوْلَكَ **وَ عَصَیْنَا** اَمْرَكَ **وَ اسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ** حَالٌ بِمَعْنَى الدُّعَاءِ اَيْ لَا سَمِعْتَ **وَّ** يَقُوْلُوْنَ لَهٗ **رَاعِنَا** وَقَدْ نُهِيَ عَنْ خِطَابِهٖ بِهَا وَهِيَ كَلِمَةُ سَبٍّ بِلُغَتِهِمْ **لَیًّۢا** تَحْرِيْفًا **بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا** قَدْحًا **فِی الدِّیْنِ** ؕ الْاِسْلَامِ **وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا** بَدَلَ وَعَصَيْنَا **وَ اسْمَعْ** فَقَطْ **وَ انْظُرْنَا** اُنْظُرْ اِلَيْنَا بَدَلَ رَاعِنَا **لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ** مِمَّا قَالُوْهُ **وَ اَقْوَمَ** ۙ اَعْدَلَ مِنْهُ **وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ** اَبْعَدَهُمْ عَنْ رَّحْمَتِهٖ **بِكُفْرِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۴۶﴾** مِنْهُمْ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَّاَصْحَابِهٖ **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا** مِنَ الْقُرْاٰنِ **مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ** مِنَ التَّوْرٰةِ **مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا** نَمْحُوْا مَا فِيْهَا مِنَ الْعَيْنِ وَالْاَنْفِ وَالْحَاجِبِ **فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ** فَنَجْعَلُهَا كَالْاَقْفَاءِ لَوْحًا وَاحِدًا **اَوْ نَلْعَنَهُمْ** نَمْسَخَهُمْ قِرَدَةً **كَمَا لَعَنَّاۤ** مَسَخْنَا **اَصْحٰبَ السَّبْتِ** ؕ مِنْهُمْ **وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ** قَضَاؤُهٗ **مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾** وَلَمَّا نَزَلَتْ اَسْلَمَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ فَقِيْلَ كَانَ وَعِيْدًا بِشَرْطٍ فَلَمَّا اَسْلَمَ بَعْضُهُمْ رُفِعَ وَقِيْلَ يَكُوْنُ طَمْسٌ وَّمَسْخٌ قَبْلَ قِيَامِ السَّاعَةِ **اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ** اَيِ الْاِشْرَاكَ **بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ** سِوٰى **ذٰلِكَ** مِنَ الذُّنُوْبِ **لِمَنْ یَّشَآءُ** ۚ الْمَغْفِرَةَ لَهٗ بِاَنْ تُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ بِلَا عَذَابٍ وَّمَنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِذُنُوْبِهٖ ثُمَّ يُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ **وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا** ذَنْبًا **عَظِیْمًا ﴿۴۸﴾** كَبِيْرًا **اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ** ؕ وَهُمُ الْيَهُوْدُ حَيْثُ قَالُوْا نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّاؤُهٗ اَيْ لَيْسَ الْاَمْرُ بِتَزْكِيَتِهِمْ اَنْفُسَهُمْ **بَلِ اللّٰهُ یُزَكِّیْ** يُطَهِّرُ **مَنْ یَّشَآءُ** بِالْاِيْمَانِ **وَ لَا یُظْلَمُوْنَ** يُنْقَصُوْنَ مِنْ اَعْمَالِهِمْ **فَتِیْلًا ﴿۴۹﴾** قَدْرَ قِشْرَةِ النَّوَاةِ **اُنْظُرْ** مُتَعَجِّبًا **كَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ** ؕ بِذٰلِكَ **وَ كَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۵۰﴾** بَيِّنًا ۔

ترجمہ: .... کیا تم نے ان لوگوں کی حالت نہیں دیکھی جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا۔ (مراد یہود ہیں) کس طرح وہ گمراہی خرید رہے ہیں (ہدایت کے بدلہ میں) اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بہک جاؤ (راہِ حق سے بھٹک کر ان ہی جیسے ہو جاؤ) اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو اچھی طرح جانتے ہیں (بہ نسبت تمہارے اسی لئے انہوں نے تم کو اطلاع دے دی ہے تاکہ تم ان سے پرہیز رکھو) اور اللہ تعالیٰ کی دوستی کافی ہے (تمہاری حفاظت کے لئے) اور ان کی مددگاری کافی ہے (تم تک ان کے مکر رو کنے کے لئے) یہودیوں میں سے (ایک قوم) ایسی ہے کہ وہ لوگ ادلتے بدلتے۔ ردوبدل کرتے رہتے ہیں لفظوں کو (جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی شان

میں تورات میں نازل فرمائے ہیں) ان کی اصلی جگہ سے (جن کے لئے وہ وضع کئے گئے تھے) اور کہتے ہیں (آنحضرت ﷺ سے جب آپ ﷺ ان کو کسی بات کا حکم فرماتے ہیں) ہم نے (آپ ﷺ کی بات) سن لی۔ مگر (آپ ﷺ کا حکم) نہیں مانیں گے اور سنئے درانحالیکہ آپ ﷺ نہ سننے والے ہوں (لفظ "غیر مسمع" ترکیب میں حال بمعنی دعا ہے۔ یعنی خدا کرے آپ کو کوئی بات نہ سنائی جائے) اور (نیز کہتے ہیں) راعنا (حالانکہ اس لفظ سے آپ ﷺ کو خطاب کرنے سے ان کو منع کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ یہ کلمہ ان کی زبان میں برے موقعہ پر استعمال کیا جاتا تھا) توڑ موڑ کر (ہیر پھیر کر) اپنی زبانوں کو اور بطور طعن (تشنیع) دین حق (اسلام) کے خلاف اگر یہ لوگ سمعنا واطعنا (بجائے عصینا) کہتے ہیں اور (صرف لفظ) اسمع اور انظرنا (یعنی انظر الینا بجائے راعنا) کہتے تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا (جو کچھ کہا اس کی نسبت سے) نیز درستگی (میانہ روی) کی بات ہوتی۔ لیکن فی الحقیقت ان پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار پڑ چکی ہے (کہ اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا ہے) ان کے کفر کی وجہ سے۔ پس یہ ایمان نہیں لائیں گے بجز معدودے چند افراد کے (ان میں جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے رفقاء) اے اہل کتاب! جو کچھ ہم نے نازل کیا ہے (قرآن) اس پر ایمان لے آؤ۔ جو (تورات) تمہارے پاس ہے یہ کتاب جو تصدیق کر رہی ہے اس کتاب (تورات) کی جو تمہارے پاس موجود ہے۔ ایسا وقت آنے سے پہلے کہ ہم لوگوں کے چہرے مسخ کر کے (آنکھ، ناک، بھوؤں کے نشانات مٹا کر) پیٹھ پیچھے الٹا دیں (اور گدی کی طرح سامنے کے حصہ کو بھی سپاٹ اور صفاچٹ کر کے رکھ دیں) یا پھٹکار برسا دیں ان پر (بندروں کی شکل میں مسخ کر کے) جس طرح پھٹکار دی (لعنت کر دی) ہفتہ والوں پر (ان میں سے) اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فیصلہ کر دیا ہے (حکم دے دیا ہے) وہ ضرور ہو کر رہے گا (یہ آیت جب نازل ہوئی تو عبداللہ بن سلامؓ مسلمان ہو گئے۔ چنانچہ بقول بعض یہ وعید مشروط تھی۔ لیکن جب بعض لوگوں کے اسلام لانے سے یہ شرط نہ پائی گئی تو وعید بھی مرتفع ہو گئی اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ قیامت سے پہلے ضرور یہ تبدیلی اور مسخ ہوگا) اللہ تعالیٰ کبھی یہ بات بخشنے والے نہیں ہیں کہ ان کے ساتھ شرک کیا جائے (شرک کرنے کی معافی نہیں ہوگی) ہاں اس کے علاوہ (سوا) اور گناہوں (خطاؤں) کی معافی ہو سکتی ہے وہ اگر چاہیں (معاف کرنا تو کسی گنہگار کو بلا عذاب جنت میں داخل کر سکتے ہیں اور چاہیں تو گنہگار مومن کو گناہ پر عذاب کے بعد جنت میں داخل کر سکتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو کسی ہستی کو شریک ٹھہراتا ہے تو یقیناً وہ افتراء پردازی کرتا ہے جرم (گناہ) عظیم (سخت ترین) کی کیا آپ ﷺ نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جو اپنی پاکی کا بڑا گھمنڈ رکھتے ہیں (یعنی یہود جو خود کو "ابناء اللّٰہ و احبائہ" سمجھتے ہیں۔ یعنی مدار ان کی خودستائی پر نہیں ہے) حالانکہ اللہ تعالیٰ پاک (صاف) کر سکتے ہیں جسے چاہیں (ایمان کی بدولت) اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا (ان کے اعمال میں کمی کر کے) رتی یا رائی برابر بھی (چھوارے کی گٹھلی پر جھلی برابر بھی) ملاحظہ فرمائیے (مقصود تعجب ہے) یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر کس طرح صریح بہتان باندھ رہے ہیں (اس بارے میں) اور ان کی آشکارا گنہگاری کے لئے بھی ایک بات کافی ہے (مبیناً بمعنی بیناً ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... نصیبًا من الکتٰب تورات سے چونکہ ان یہود نے صرف حضرت موسیٰؑ کی نبوت معلوم کی تھی آنحضرت کی نبوت کا علم انہوں نے حاصل نہیں کیا تھا۔ اسی لئے اوتوا علم الکتٰب کی بجائے نصیبًا من الکتٰب فرمایا گیا ہے برخلاف عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ مؤمنین یہود کے ان کو دونوں کی نبوت کا علم تھا اس لئے ان کے لئے معھم الکتاب کے الفاظ فرمائے گئے ہیں۔

ان تضلوا السبیل اس میں ترقی تعجب کی گئی ہے۔ عن مواضعہ چونکہ لفظ مواضعہ کی ضمیر الکلم کی طرف راجع ہے جو جمع ہے اس لئے مقتضی قیاس کے بجائے مواضعہ کے مواضعھا ہونا چاہئے تھا لیکن جس جمع کے حروف واحد کے حروف کے مقابلہ میں کم ہوں وہاں ضمیر مؤنث کی بجائے جمع کے لئے ضمیر مذکر بھی لائی جا سکتی ہے۔ سمعنا و عصینا یہ دونوں لفظ بالمشافہ آپ ﷺ کے سامنے کہے

گئے ہوں یا لفظ **سمعنا** ظاہراً اور **عصینا** مخفی طریقہ پر دل میں کہہ لیا ہو۔

اسمع غیر مسمع اگر شری معنی کا ارادہ کیا جائے تو تقدیر عبارت اس طرح ہوگی اسمع حال کونک غیر مسمع کلاماً اصلاً **بصمم او موت** اس صورت میں منصوب علی المفعولیت ہوگا اور معنی خیر پر محمول کیا جائے تو تقدیر عبارت اس طرح ہوگی **اسمع منا غیر مسمع کلاما مکروھا. راعنا** رعایت سے بھی ماخوذ ہوسکتا ہے اور رعونت سے بھی۔ '' **لیاً** '' اس کے معنی موڑنے کے ہیں اور رسی بٹنے کے ہیں۔ یعنی لفظ کو ظاہری معنی سے گھمانا پھرانا۔ اس کی اصل تو یا تھی تعلیل صرفی کی گئی ہے نیز اس میں استعارہ تخیلیہ کیا گیا ہے۔ **الا قلیلا** اس کا نصب باجود قرأ کے اتفاق کے مرجوح ہے اگرچہ علامہ ابن حاجبؒ نے جواز کی اجازت دی ہے چنانچہ علامہ تفتازانیؒ نے اس کو **لعنھم اللہ** سے مستثنیٰ مانا ہے۔ **لایؤمنون** بمنزلہ **یکفرون** ہے یا **الا قلیلا** کا مفہوم یہ ہے کہ صرف چند آیات پر یہ ایمان لائے ہیں جو غیر معتبر ہے۔

نمحو جلال مفسرؒ نے تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ ای **صور وجوہ لوحًا واحدًا** یعنی چہرہ تختی کی طرح صفاچٹ ہوجائے گا جس میں آنکھ ناک وغیرہ کے نشانات مٹ جائیں گے چنانچہ حضرت عکرمہؒ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ مثل گدی کے حصہ کے ہوجائے گا۔ **اسلم عبداللہ** یعنی عبداللہ بن سلامؓ جب شام سے مدینہ آئے اور انہوں نے یہ آیت سنی تو اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہوگئے اور فرمانے لگے کہ میں نہیں چاہتا کہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے اللہ میرا چہرہ مسخ فرمادے۔ اس واقعہ سے ان لوگوں کا جواب ہوگیا جو کہتے ہیں کہ خدا نے مسخ و طمس سے ڈرایا تو تھا لیکن ان میں سے ایک بھی واقع نہیں ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ وعید اس صورت میں تھی جب کہ کوئی بھی ایمان نہ لائے، لیکن جب بعض اہل کتاب ایمان لے آئے تو شرط مرتفع ہوگئی اس لئے وعید بھی مرتفع ہوگئی۔

قبل قیام الساعۃ اور بعض کی رائے ہے عین قیامت کے روز یہ وعید واقع ہوگی۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ فی الحقیقت طمس اور لعنت کی وعید تھی۔ لیکن اس مجموعہ میں اس سے لعنت واقع ہوگئی تو کہا جائے گا کہ مجموعی شرط واقع ہوگی۔ چنانچہ ہر زبان پر ایسے ناہنجار لوگوں کے لئے لعنت پائی جاتی ہے۔ اول قول مجاہدؒ اور مالکؒ کا ہے، دوسرا قول ابن جریرؒ کا ہے اور تیسرا حسن کا ہے۔ **ای لیس الامر** استفہام انکاری کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ کرخیؒ کی رائے ہے۔ صرف نفی داخل ہونے کی وجہ سے مفسر علامؒ نے اگرچہ نفی کے ساتھ تفسیر کی ہے لیکن معنی اثبات کے ہیں۔ اس لئے بقول ابو مسعودؒ استفہام تعجب کے لئے لینا زیادہ بہتر ہے یعنی مخاطب کو تعجب میں ڈالنا ہے اور یہ بتلانا ہے کہ مشرکین کی ان دونوں حالتوں میں بون بعید ہے۔

نیز مفسر علامؒ **لیس الامر** نکال کر اشارہ کررہے ہیں کہ لفظ بل عبارت مقدرہ سے اضراب ہے **قدر قشر النواۃ** اس میں تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ لیکن مفسر علامؒ نے فتیل کی جو تشریح کی ہے وہ فتیل کی تفسیر نہیں ہے بلکہ سبقت قلم سے لفظ **قطمیر** کے معنی لکھے گئے ہیں ورنہ فتیل کہتے ہیں کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں جو باریک جھلی کا دھاگہ ہوتا ہے اس کو عرب ان لفظوں سے کسی کی قلت کو بتلایا کرتے ہیں۔

ربط: .... اب تک مواقع تقویٰ میں سے زیادہ تر معاملات باہمی بیان ہوئے لیکن آئندہ مخالفین کے ساتھ معاملات کا بیان شروع ہورہا ہے چنانچہ مسلمانوں سے تعلقات منقطع کرنے اور ان کو ڈرانے کی نیت سے یہود کے مکر، کتمان حق، تحریف کتاب اور آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے خدام کے ساتھ ان کی عداوت کا بیان نہایت مؤثر انداز میں کیا جارہا ہے۔ اسی طرح آیت **الم تر** الخ ایک گونہ تعلق آیت **یکتمون ما اتاھم اللہ** سے بھی ہوگیا پھر آیت **یا ایھا الذین** الخ میں یہود کو ایمان وتصدیق کی دعوت دی

جارہی ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں ڈرایا جارہا ہے اور آیت ان اللہ لایغفر الخ میں کفر کے باوجود یہود کی امید مغفرت کا جواب دیا جارہا ہے جیسا کہ ان کے قول سیغفر لنا سے معلوم ہوتا ہے۔

اور آیت الم تر الی الذین یزکون میں ان بے شمار قبائح کے ہوتے ہوئے پھر یہود کا اپنے لئے دعوائے پارسائی کرنا اور نحن ابناء اللہ وغیرہ کلمات شیخی کہنا بے ربط و بے جوڑ قرار دیا گیا ہے۔

شانِ نزول: .... لباب النقول میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رفاعہ بن زید بن التابوت یہود کا رئیس اعظم تھا۔ آنحضرت ﷺ سے جب گفتگو کرتا تو زبان کو چبا چبا کر بات کرتا اور کہتا کہ ارعنا سمعک یا محمد حتیٰ نفھمک یعنی کلام میں ہماری رعایت کیجئے تا کہ ہم بھی سمجھ سکیں اور پھر اسلام میں عیب نکالتا اور نکتہ چینیاں کرتا۔ اس پر آیت الم تر الی الذین نازل ہوئی۔ نیز ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ عبداللہ بن حوریا، کعب بن اسد وغیرہ اکابر یہود سے گفتگو کر رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا یامعشر یھود اتقوا اللہ واسلموا فواللہ انکم لتعلمون ان الذین جئتکم بہ لحق اے یہود اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرلو۔ واللہ تمہیں معلوم ہے کہ جو کچھ میں لایا ہوں وہ حق ہے کہنے لگے کہ اے محمدؐ! ہم تو اس سے واقف نہیں ہیں اس پر آیت یایھا الذین اوتوا الکتاب نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: ...... **یہود کی بدتمیزی اور بدتہذیبی، اسلام کی تہذیب اور شائستگی:** .... یہود کے تین کلمات جو نقل فرمائے گئے ہیں ان میں سے ہر ایک کے دو دو معنی ہیں ایک اچھے معنی اور دوسرے برے معنی۔ مثلاً سمعنا و عصینا کے اچھے معنی تو یہ ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کا ارشاد سن لیا ہے اور آپ ﷺ کے مخالف کی بات نہیں مانی اور برے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے آپ ﷺ کی بات سن تو لی مگر ہم مانیں گے نہیں یعنی عمل نہیں کریں گے۔ اسی طرح دوسرے لفظ اسمع غیر مسمع کے اچھے معنی تو یہ ہیں کہ آپ ہماری عرض سنیئے اور خدا کرے کہ اپنے اقبال کی بدولت کبھی کوئی ناگوار بات نہ سنیں بلکہ ہمیشہ موافق اور حسب منشاء کلمات سننے کا اتفاق ہوتا رہے لیکن برے معنی یہ ہوں گے کہ ہماری بات ہوش کے کانوں سنیئے خدا کرے کبھی آپ کو (خاکم بدہن) اور خوش کن بات سننے کا موقعہ نہ ملے۔ بلکہ ہمیشہ رنجیدہ اور اذیت رساں باتیں ہی سنتے رہیں اور مخالف جوابات ہی کان میں پڑتے رہیں۔ تیسرے کلمہ راعنا کے جیسا کہ سورۃ بقرہ میں گزر بھی چکا ہے اچھے معنی تو یہ ہوئے کہ آپ ہماری رعایت فرما کر ذرا کلام فرمایا کیجئے اور برے معنی لعنت یہود کی رو سے دشنام اور گستاخی کے ہیں۔ غرضکہ یہود ان ذو وجہین کلمات کو اپنی کج طبعی اور منافقانہ سرشت کی وجہ سے استعمال کرتے تھے تا کہ خود تو برے معنی مراد لے کر دل خوش کرلیں اور ساتھ ہی دوسرے لوگ ظاہری رو کار کے بہتر ہونے سے دھوکہ میں مبتلا ہوجائیں اور کسی کو ان پر گرفت کا موقعہ نہ مل سکے۔ چنانچہ بعض دفعہ کچھ سادہ لوح مسلمان بھی محض اچھے رخ پر نظر رکھتے ہوئے ان الفاظ کو استعمال کر جاتے، جس میں علاوہ ضلالت کے یہود کا اضلال بھی معلوم ہوا۔ اس لئے ان آیات میں اس کی اصلاح کی جارہی ہے اور مسلمانوں کو بھی اس ضلالت کا شکار ہونے سے روکا جارہا ہے۔

تہذیب اخلاق بہرصورت انسان کے لئے بہتر ہے: .... جن کلمات کی قرآن میں تعلیم دی جارہی ہے ان کا بہتر ہونا ایمان کے ساتھ تو ظاہر ہے کہ آخرت میں اعمال صالحہ باعث ثواب ونجات ہوتے ہیں اور بلا ایمان کے بھی دنیاوی لحاظ سے بہتر ہونا شائستگی اور تہذیب کی وجہ سے ہے کہ ہر ملک وملت کے انسان سے شائستہ گفتگو کرنا بلندیٔ اخلاق کی دلیل ہوتی ہے لیکن یہ تہذیب اور شائستگی کفار کے لحاظ سے آخرت میں بھی فائدہ سے خالی نہیں ہوگی۔ جیسا کہ آیات واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی قسم

کی باتوں سے کفار کے عذاب میں باہم فرق رہے گا یعنی ایک شائستہ کافر کے عذاب میں تخفیف رہے گی بہ نسبت غیر مہذب کافر کے۔

ایک شبہ کا ازالہ: .... لایؤمنون اس میں عام افراد مراد نہیں کہ اشکال ہو بلکہ صرف وہ کفار مراد ہیں جن کا علم الٰہی میں کفر پر مرنا مقدر ہو چکا ہے۔ اس لئے بعض کافروں کے مسلمان ہو جانے سے شبہ نہیں ہونا چاہئے اگر چہ وہ پہلے بے ادبی اور گستاخی بھی کر چکا ہو۔ کیونکہ جب سابقہ نافرمانی سے باز آ گیا تو وہ کالعدم ہو گئی۔ پس بے ادبی کا لعنت کے لئے سبب بن جانا اور لعنت کا کفر کے لئے سبب بن جانا اس میں اب کوئی شبہ نہیں رہا کیونکہ علت اور سبب ہٹ جانے کے بعد معلول اور مسبب کا اٹھ جانا قطعاً باعث اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

قرآن کی پیشن گوئی: .... مفسرینؒ نے اس سوال حل کرنے کے لئے کہ یہ طمس ومسخ کب ہوا ہے؟ مختلف توجیہات کی ہیں اور پھر ان توجیہات میں خدشات پیش آئے تو ان کے جوابات دیئے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ اس میں کسی واقعہ کی خبر اور اطلاع نہیں دی گئی ہے کہ تاریخی طور پر اس کی تلاش کی فکر کی جائے بلکہ صرف درجۂ احتمال میں یہ بتلانا ہے کہ اگر تم نے اللہ کی نافرمانی کی تو یاد رکھو اس بات کا قوی امکان اور احتمال ہے کہ تم پر طمس ومسخ کا عذاب آ سکتا ہے اس کو امکان اور ہمارے دائرۂ اختیار سے باہر نہ سمجھو۔ ہاں اگر کبھی مقتضائے رحمت سے اس امکان کا وقوع نہ ہو۔ تب بھی اشکال نہیں ہونا چاہئے غرضکہ اس سادہ توجیہ کے بعد کسی تکلیف کی ضرورت نہیں رہ جاتی اور مقصد اس احتمال کے بیان کرنے سے اس جرم کا عظیم اور سنگین ہونا ہے۔

ایک شبہ کا حل: .... اور اس آیت میں لفظ قبل ایسا ہی ہے جیسے سورۂ منافقون میں فرمایا گیا ہے وانفقوا مما رزقنکم من قبل ان یاتی احدکم الموت دیکھئے لفظ قبل دو چیزوں پر داخل کیا جا رہا ہے موت کے آنے پر اور قول خاص پر حالانکہ بسا اوقات سکراتِ موت میں مبتلا ہونے والے مدہوش شخص کو اس قول کی نوبت بھی نہیں آتی نہ دل سے اور نہ زبان سے مگر صحیح کلام کے لئے صرف اس احتمال کا ہونا ہی کافی سمجھا جاتا ہے اسی طرح سورۂ نساء کے شروع میں گزر چکا ہے۔ وبدارًا ان یکبروا وہاں بھی لفظ بدار لفظ قبل کا مرادف ہے تو تقدیر عبارت اس طرح ہوئی۔ ای من قبل ان یکبروا حالانکہ بعض یتیموں کو بالغ ہونے کی نوبت بھی نہیں آتی اور مر جاتے ہیں وہاں بھی صرف احتمال ہی پر گفتگو کی گئی ہے یا حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اغتنمتم خمسا قبل خمس شبابک قبل ھرمک و صحتک قبل سقمک وغناک قبل فقرک وفراغک قبل شغلک وحیاتک قبل موتک۔ یعنی پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھو قبل اس کے کہ پانچ باتیں پیش آئیں۔ جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، خوشحالی کو تنگ دستی سے پہلے، فرصت کو مشغول ہونے سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔ حالانکہ اس حدیث میں بھی پہلی چار جگہوں میں قبل کا مضاف الیہ محض احتمالی ہے غرضکہ ان شواہد ونظائر کے ہوتے ہوئے اس توجیہ میں قطعاً غرابت نہیں ہے۔

شرک کی طرح کفر بھی نا قابل معافی جرم ہے: .... آیت ان اللہ لایغفر الخ میں صرف شرک کی بخشش نہ ہونے کا اعلان کیا گیا ہے حالانکہ قرآن وحدیث اور اجماع سے یہ مسئلہ ضروریات دین میں شمار کیا گیا ہے کہ شرک کی طرح کفر بھی نا قابل معافی ہے۔ مگر یہاں صرف شرک کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے باوجودیکہ مقتضیٰ مقام یہ ہے کہ اوپر سے یہود کے کفر کا تذکرہ چلا آ رہا ہے اور وہ کافر ہیں۔

آیت کی توجیہات: .... علماء نے اس کی توجیہات مختلف کی ہیں اور سب لطیف ہیں۔ پہلی توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ شرک کو اپنے اصلی معنی پر رکھتے ہوئے کہا جائے کہ قرآن کریم میں تین طرح کی آیات ہیں۔ بعض میں صرف شرک کا لفظ آیا ہے اور بعض میں

صرف کفر کا لفظ آیا ہے اور بعض میں دونوں۔ پس ہر آیت میں دونوں کا ذکر ضروری نہیں ہے۔ بلکہ مجموعہ آیات سے کفر وشرک دونوں کا نا قابل معافی ہونا معلوم ہوگیا اور وہی مقصود ہے اور چونکہ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے اس لئے وہ مشرک بھی تھے پس اس طرح ان آیات کا یہود کے حسب حال ہونا بھی ثابت ہوگیا۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ شرک کو اپنے معنی پر رہنے دیا جائے اور آیت میں لفظ دون کے معنی ادنیٰ اور کمتر کے لئے جائیں یعنی شرک سے کم درجہ کے جتنے گناہ ہیں وہ سب معاف ہوسکتے ہیں پس کفر کی بعض صورتیں تو شرک ہی ہیں ان کی نسبت تو سوال ہی واقع نہیں ہوتا کہ جواب کی ضرورت پیش آئے البتہ بعض صورتیں کفر کی ایسی ہیں جن کو شرک نہیں کہا جائے گا۔ مثلاً خدا کے وجود کا سرے سے انکار کر دینا کہ یہ شرک تو نہیں لیکن شرک سے بڑھ کر کفر ہے، کیونکہ مشرک خدا کا منکر نہیں ہوتا بلکہ اس کے وجود کے ساتھ دوسرے خدا کو بھی مانتا ہے لیکن دہریہ تو بالکل خدا کے وجود ہی کا منکر ہے پس جب مشرک کی مغفرت نہیں تو اس سے بڑھ کر خدائی انکار کے کفر کی مغفرت کیسے ہوسکتی ہے۔ اسی طرح دلالۃ النص کے طور پر کفر کا نا قابل معافی جرم ہونا ثابت ہوگیا اس صورت میں یہود کے اعتقاد پر اگر شرک کا اطلاق نہ بھی کیا جائے تب بھی ان کے کفر کے نا قابل معافی ہونے کی وجہ سے اقتضائے مقام کے خلاف نہیں ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ شرک کے دو معنی کئے جائیں۔ ایک معنی حقیقی کہ اللہ کے ساتھ دوسروں کو الوہیت میں شریک کیا جائے، دوسرے معنی مطلق کفر کے کئے جائیں جس میں شرک بھی داخل ہو۔ یہ تعمیم کی توجیہ نہایت سہل ہے اس میں کفر وشرک متعارف دونوں داخل ہوجائیں گے اور مقصد یہ ہے کہ کفر وشرک کی آلودگیوں کے ساتھ یہود کا مغفرت کی امید رکھنا نہایت نامعقول خام خیالی ہے۔

مسلک اہل سنت: .... **ویغفر مادون ذٰلک** میں مغفرت سے مراد بلا سزا بخشش ہے۔ اسی لئے اس وعدہ کی مشیت پر معلق فرمایا اور بصورت جرم مغفرت کا اعلان نہیں کیا گیا ورنہ سزا کی بعد مومن کی بخشش کا یقینی طور پر وعدہ کیا گیا ہے۔ گویا اس کے ساتھ مشیت کا تعلق ثابت ہوچکا ہے نیز گناہوں کی مغفرت بلاتوبہ کو مشیت معلق کیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے **من لقی اللّٰہ تعالیٰ لایشرک بہ شیئا دخل الجنۃ ولم یضرہ خطیئۃ** (ترجمہ) ''جو شخص اللہ کے یہاں بلا شرک جائے تو وہ جنت میں داخل ہوجائے گا اور گناہ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے''۔

اور **لمن یشاء** کی قید ایسی ہے جیسے دوسری آیت **اللّٰہ لطیفٌ بعبادہ یرزق من یشاء** میں فرمایا گیا ہے اس سے اس کے عموم پر اثر نہیں پڑتا اسی لئے حضرت علیؓ کا ارشاد ہے۔

مافی القراٰن ایۃ احب الی من ھٰذہ الأیۃ قرآن کریم میں اس سے زیادہ مجھے دوسری آیت محبوب نہیں ہے۔

معتزلہ کا رد: .... معتزلہ اس آیت کو توبہ پر محمول کر رہے ہیں حالانکہ توبہ کے بعد تو کفر وشرک بھی معاف ہوجاتے ہیں پھر دونوں میں کیا فرق رہا۔ حالانکہ منشاء آیت دونوں میں فرق کرنا ہی ہے۔

خودستائی کی ممانعت اور اس کی وجہ: .... آیت **الم تر الی الذین یزکون انفسھم** میں حق تعالیٰ نے نیک کام کرکے اپنے کو مقدس اور پارسا سمجھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ حالانکہ مؤمن کی تقدیس اللہ تعالیٰ نے خود فرمائی ہے۔ سو اس ممانعت کی کئی وجوہ ہیں اول وجہ تو یہ ہے کہ اکثر اپنی تعریف وتوصیف اور خودستائی کا منشاء بڑائی اور کبر ہوا کرتا ہے۔ پس خودستائی سے منع کرنا فی الحقیقت کبر سے روکنا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ **انما العبرۃ بالخواتیم** کی رو سے تقدیس کا مدار انجام اور خاتمہ بالخیر ہونے پر ہے اور کسی کو پہلے سے اپنے انجام کی خبر نہیں ہے اس لئے علی الاطلاق تقدیس کا دعویٰ گویا انجام سے بے فکری، بے خوفی پر دال ہے۔ تیسری

وجہ ممانعت یہ ہے کہ دعویٰ تقدیس سے عوام کو یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ مقدس شخص ہر قسم کے نقائص وعیوب سے خالی ہے حالانکہ ایسا نہیں تو یہ ایک درجہ میں کذب ہوا پھر کبھی اس دعویٰ تقدس سے عجب بھی پیدا ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی میں یہ عوارض اور وجوہ ممانعت نہ پائے جاتے ہوں جس کی تشخیص ایک محقق مبصر ہی کر سکتا ہے تو تحدیث نعمت کے طور پر اس کے لئے اظہار تقدس جائز ہے۔

لطائف آیت: .... واللہ اعلم باعدائکم اعداء کے عموم میں چونکہ شیاطین بھی داخل ہیں اس لئے متوکلین کے لئے شیاطین سے بےخوف وخطر ہونے کی تلقین ہو رہی ہے۔ الم تر الی الذین یزکون اس میں دعوائے تقدیس پر رد ہے جس میں بہت علماء اور مشائخ مبتلا ہیں البتہ اہل فنا کی بات دوسری ہے۔

وَنَزَلَ فِیْ كَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ وَنَحْوِهٖ مِنْ عُلَمَاءِ الْيَهُوْدِ لَمَّا قَدِمُوْا مَكَّةَ وَشَاهَدُوْا قَتْلٰى بَدْرٍ وَحَرَّضُوا الْمُشْرِكِيْنَ عَلَى الْاَخْذِ بِثَارِهِمْ وَمُحَارَبَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ** صَنَمَانِ لِقُرَيْشٍ **وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا** اَبِیْ سُفْيَانَ وَاَصْحَابِهٖ حِيْنَ قَالُوْا لَهُمْ اَنَحْنُ اَهْدٰى سَبِيْلًا وَنَحْنُ وُلَاةُ الْبَيْتِ نَسْقِى الْحَاجَّ وَنَقْرِى الضَّيْفَ وَنَفُكُّ الْعَانِیْ وَنَفْعَلُ اَمْ مُحَمَّدٌ وَقَدْ خَالَفَ دِيْنَ اٰبَائِهٖ وَقَطَعَ الرَّحِمَ وَفَارَقَ الْحَرَمَ **هٰٓؤُلَآءِ** اَیْ اَنْتُمْ **اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا** ﴿۵۱﴾ اَقْوَمُ طَرِيْقًا **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ط وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا** ﴿۵۲﴾ مَانِعًا مِنْ عَذَابِهٖ **اَمْ** بَلْ **لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ** اَیْ لَيْسَ لَهُمْ شَیْءٌ مِّنْهُ وَلَوْ كَانَ **فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا** ﴿۵۳﴾ اَیْ شَيْئًا تَافِهًا قَدْرَ النُّقْرَةِ فِیْ ظَهْرِ النَّوَاةِ لِفَرْطِ بُخْلِهِمْ **اَمْ** بَلْ **اَيَحْسُدُوْنَ النَّاسَ** اَیِ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ج** مِنَ النُّبُوَّةِ وَكَثْرَةِ النِّسَاءِ اَیْ يَتَمَنَّوْنَ زَوَالَهٗ عَنْهُ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ نَبِيًّا لَاشْتَغَلَ عَنِ النِّسَاءِ **فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ** جَدَّهٗ كَمُوْسٰى وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمَانَ **الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ** النُّبُوَّةَ **وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا** ﴿۵۴﴾ فَكَانَ لِدَاوٗدَ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ امْرَاَةً وَلِسُلَيْمٰنَ اَلْفٌ مَّا بَيْنَ حُرَّةٍ وَسُرِّيَّةٍ **فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ** بِمُحَمَّدٍ **وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ** اَعْرَضَ **عَنْهُ ط** فَلَمْ يُؤْمِنْ **وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا** ﴿۵۵﴾ عَذَابًا لِّمَنْ لَّا يُؤْمِنُ **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ** نُدْخِلُهُمْ **نَارًا ط** يَحْتَرِقُوْنَ فِيْهَا **كُلَّمَا نَضِجَتْ** اِحْتَرَقَتْ **جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا** بِاَنْ تُعَادَ اِلٰى حَالِهَا الْاَوَّلِ غَيْرَ مُحْتَرِقَةٍ **لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ط** لِيُقَاسُوْا شِدَّتَهٗ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا** لَا يُعْجِزُهٗ شَیْءٌ **حَكِيْمًا** ﴿۵۶﴾ فِیْ خَلْقِهٖ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ز** مِنَ الْحَيْضِ وَكُلِّ قَذَرٍ **وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا** ﴿۵۷﴾ دَائِمًا لَا تَنْسَخُهٗ شَمْسٌ هُوَ ظِلُّ الْجَنَّةِ **اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ** مَا اُؤْتُمِنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحُقُوْقِ **اِلٰٓى اَهْلِهَا لا** نَزَلَتْ لَمَّا اَخَذَ عَلِیٌّ مِفْتَاحَ الْكَعْبَةِ مِنْ عُثْمَانَ بْنِ طَلْحَةَ الْحَجَبِیِّ سَادِنِهَا قَهْرًا لَمَّا قَدِمَ

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ وَمَنَعَهُ وَقَالَ لَوْعَلِمْتُ اَنَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَمْ اَمْنَعْهُ فَاَمَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَدِّهِ اِلَيْهِ وَقَالَ هَاكَ خَالِدَةً تَالِدَةً فَعَجِبَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَرَأَ لَهُ عَلِيٌّ الْاٰيَةَ فَاَسْلَمَ وَاَعْطَاهُ عِنْدَ مَوْتِهِ لِاَخِيْهِ شَيْبَةَ فَبَقِيَ فِيْ وُلْدِهِ وَالْاٰيَةُ وَاِنْ وَرَدَتْ عَلٰى سَبَبٍ خَاصٍّ فَعُمُوْمُهَا مُعْتَبَرٌ بِقَرِيْنَةِ الْجَمْعِ **وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ** يَاْمُرُكُمْ **اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا** فِيْهِ اِدْغَامُ مِيْمِ نِعْمَ فِيْ مَا النَّكِرَةِ الْمَوْصُوْفَةِ اَيْ نِعْمَ شَيْئًا **يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ** تَادِيَةِ الْاَمَانَةِ وَالْحُكْمِ بِالْعَدْلِ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا** لِمَا يُقَالُ **بَصِيْرًا** ﴿۵۸﴾ بِمَا يُفْعَلُ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي** اَصْحَابِ **الْاَمْرِ** اَيِ الْوُلَاةِ **مِنْكُمْ ۚ** اِذَا اَمَرُوْكُمْ بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ **فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ** اِخْتَلَفْتُمْ **فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ** اَيْ كِتَابِهٖ **وَالرَّسُوْلِ** مُدَّةَ حَيَاتِهٖ وَبَعْدَهُ اِلٰى سُنَّتِهٖ اَيْ اِكْشِفُوْا عَلَيْهِ مِنْهُمَا **اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ** اَيِ الرَّدُّ اِلَيْهِمَا **خَيْرٌ** لَكُمْ مِنَ التَّنَازُعِ وَالْقَوْلِ بِالرَّاْيِ **وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا** ﴿۵۹﴾ مَاٰلًا ۔

ع ۸ ۵

ترجمہ:............ (آئندہ آیات کعب بن اشرف وغیرہ علمائے یہود کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی جب کہ یہ لوگ مکہ معظمہ میں آئے اور ''مقتولین بدر'' کی حالت کا معائنہ کیا اور مشرکین مکہ کو اپنے مقتولین کا بدلہ لینے اور آنحضرت ﷺ سے جنگ کرنے پر ابھارنا چاہا) اے پیغمبر! کیا تم ان لوگوں کا حال نہیں دیکھتے جنہیں کتاب اللہ سے ایک حصہ دیا گیا تھا کہ وہ بتوں کی شریر قوتوں کے معتقد ہو گئے ہیں (جبت اور طاغوت قریش کے دو بت ہیں) اور کافروں کی نسبت کہتے ہیں (ابوسفیان وغیرہ کی نسبت جبکہ انہوں نے علماء یہود سے پوچھا تھا کہ بتلاؤ ہم زیادہ ہدایت یافتہ ہیں درانحالیکہ ہم بیت اللہ کے متولی ہیں، حجاج کرام کو پانی پلانے کی خدمت انجام دیتے ہیں، مہمان نواز ہیں، قیدیوں کو رہائی دیتے ہیں اور اس قسم کے دوسرے اچھے کام کرتے ہیں۔ یا محمدؐ زیادہ صحیح راستہ پر ہیں حالانکہ انہوں نے اپنے آبائی مذہب کے خلاف کیا ہے، قطع رحمی کے مرتکب ہوئے ہیں، حرم کو چھوڑ بیٹھے ہیں، مسلمانوں سے تو کہیں زیادہ یہی لوگ (یعنی تم لوگ) سیدھے راستہ پر ہیں (ہدایت یافتہ ہیں) یقین کرو یہی لوگ ہیں جن پر خدا کی پھٹکار پڑی اور جس پر اس کی پھٹکار پڑی ممکن نہیں تم کسی کو اس کا مددگار پاؤ (کہ اللہ کے عذاب سے اس کو بچالے) پھر کیا بات ہے کہ ان کے قبضہ میں بادشاہت کا کوئی حصہ آ گیا ہے (یعنی ان کو سلطنت کا کچھ حصہ بھی حاصل نہیں ورنہ) تو ایسی حالت میں یہ بالکل نہیں چاہتے کہ لوگوں کو رائی برابر بھی کچھ مل جائے (یعنی معمولی سی چیز بھی جتنی مقدار کہ چھوارے کی گٹھلی کی کمر پر باریک سی جھلی ہوتی ہے اپنے انتہائی بخل کی وجہ سے کسی کو اتنی چیز دینے پر بھی آمادہ نہیں ہیں) یا پھر انہیں لوگوں سے (نبی کریم ﷺ سے) اس بات پر حسد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے (نبوت اور بیویوں کا زیادہ ہونا، یعنی ان نعمتوں کے زوال کی تمنا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ نبی ہوتے تو بیویوں سے بے نیاز ہوتے) اگر یہی بات ہے تو ہم نے خاندان ابراہیم میں (آپؐ کے دادا جیسے حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام کو) کتاب اور حکمت (نبوت) دی تھی اور ساتھ ہی بڑی بھاری سلطنت بھی عطا فرمائی تھی (چنانچہ حضرت داؤدؑ کی ننانوے بیویاں اور حضرت سلیمانؑ کی ایک ہزار آزاد باندیاں تھیں) پھر ان میں سے کوئی تو ایسا ہوا جو ان (محمدؐ) پر ایمان لے آیا اور ان میں سے بعض ان سے روگردان (برگشتہ) ہی رہے (یعنی ایمان نہیں لائے) اور دہکتی ہوئی دوزخ کی آگ ہی بس ہے (عذاب ہے ان لوگوں

کے لئے جو ایمان نہیں لائے) جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا تو عنقریب ہم انہیں جہنم کی آگ میں جھونک دیں گے (داخل کردیں گے کہ وہ اس میں جل بھن کر رہ جائیں گے) جب کبھی ان کی کھال پک جائے گی (جل جائے گی) تو ہم پچھلی کھال کی جگہ دوسری کھال بدل دیں گے (یعنی بغیر جلی ہوئی پچھلی حالت پر ہم اس کو لوٹا دیں گے) تا کہ عذاب کا مزہ چکھ لیں (اور اس کی شدت کا اندازہ کرلیں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہیں (کوئی چیز ان کو ہرا نہیں سکتی) اور دانا ہیں (جو کچھ کرتے ہیں) اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے تو ہم انہیں ایسے باغوں میں رکھیں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، وہ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے ان کی رفاقت کے لئے پاک و پارسا بیویاں ہوں گی (جو ہر قسم کے حیض و گندگی سے پاک و صاف ہوں گی) نیز ہم انہیں بڑے اچھے گنجان سائے میں جگہ دیں گے (جو ہمیشہ رہے گا، آفتاب کی تمازت اس کو نہیں مٹا سکے گی۔ جنت کا سایہ مراد ہے) اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ جس کی امانت ہو (یعنی جو حقوق کسی کے ذمہ ہوں) وہ اس کے حوالہ کردیا کرو (یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ حضرت علیؓ نے کعبہ کی کنجی زبردستی عثمانؓ بن طلحہ حجبی دربان کعبہ سے چھین لی اور آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے وقت تشریف لائے اور عثمانؓ نے کنجی دینے سے انکار کیا اور کہا کہ اگر آپ کو رسولؐ اللہ مانتا تو پھر کنجی دینے سے انکار نہ کرتا، اس پر آپؐ نے حضرت علیؓ کو کنجی واپس کردینے کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ "لو عثمانؓ ہمیشہ کے لئے یہ خدمت تمہارے سپرد ہے" اس پر عثمانؓ اپنے بھائی شیبہؓ کو دے دی ان کی اولاد کے پاس رہی۔ بہر حال یہ آیت اگرچہ خاص سبب کی وجہ سے نازل ہوئی لیکن صیغہ جمع کے قرینہ سے عموم کا اعتبار ہوگا) اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو چاہئے کہ انصاف کے ساتھ کرو۔ کیا ہی اچھی بات ہے (لفظ نعم کے میم کا ادغام ما نکرہ موصوفہ میں ہوگیا ہے بمعنی نعم شیئًا ہے) جس کی اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت فرماتے ہیں (ادائے امانت اور انصاف رانی کے متعلق) بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ (باتیں) سننے والے اور سب کچھ (کاروائی) دیکھنے والے ہیں۔ مسلمانو! اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے با اختیار حکمرانوں کی فرمانبرداری کرو (بشرطیکہ ان کا حکم اللہ و رسولؐ کی مرضی کے مطابق ہو) پھر اگر کسی معاملہ میں باہم جھگڑ پڑو (کسی بات میں تمہارے درمیان کچھ اختلاف ہو جائے) تو چاہئے کہ اللہ (کتاب اللہ کی طرف) اور اللہ کے رسولؐ کی طرف رجوع کرو (پیغمبر کی حیات مبارک میں، لیکن آپ ﷺ کے بعد آپؐ کی سنت کی طرف یعنی کتاب اللہ اور سنتِ رسول کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے) اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اس میں (یعنی ان دونوں کی طرف رجوع کرنے میں) تمہارے لئے بہتری ہے (بہ نسبت جھگڑے بازی اور رائے زنی کے) اور اسی میں انجام کار کی خوبی ہے۔

تحقیق وترکیب: .... **ونــزل** تفسیر خازن میں ہے کہ بدر کی شکست سے کعب بن اشرف سراسیمہ تھا اس لئے ستر یہود کے ساتھ ابوسفیان کے پاس پہنچا ان لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، جنگ کے بارہ میں باہمی تبادلۂ خیالات ہوا تو ابوسفیان وغیرہ نے کعب بن اشرف کے عزائم معلوم کئے جس کے جواب میں ابن اشرف کی طرف سے کہا گیا "**نريد حرب محمدٌ ونقض عهده**" لیکن ابوسفیان نے مزید اطمینان کی خاطر چاہا کہ کعب بتوں کو سجدہ کرے چنانچہ اس بدبخت نے مشرکین کو خوش کرنے کے لئے اس شرک کا ارتکاب بھی کرلیا۔ بلکہ جوش میں آکر تمیں جوانوں کی پیش کش کر کے معاہدہ اور محالفہ بھی کرلیا۔ اس کے بعد ابوسفیان نے کہا کہ تم پڑھے لکھے ہو اور ہم ان پڑھ ہیں۔ اچھا یہ بتلاؤ کہ ہم صحیح راستہ پر ہیں یا محمدؐ؟ کعب نے کہا کہ اپنے دین کی کچھ تفصیلات بیان کرو۔ اس نے جواب دیا کہ:

نحن ننحر للحجيج ونسقيهم الماء ونقرى الضيف ونصل الرحم و نعمر بيت ربنا و نطوف به نحن من اهل الحرم ومحمدٌ فارق دين ابائه والحرم وقطع الرحم و ديننا القديم و دينه حادث

"ہم حجاج کیلئے قربانی کرتے ہیں، ان کو پانی پلاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، بیت اللہ کو آباد کرتے ہیں اور

اس کا طواف کرتے ہیں نیز اہل حرام ہیں برخلاف محمدؐ کے کہ وہ اپنے آبائی مذہب اور حرم دونوں سے الگ ہوگئے اور قطع رحمی کے مرتکب ہیں ہمارا دین پرانا اور ان کا مذہب نیا ہے۔

کعب بن اشرف کہنے لگا کہ انتم واللہ اھدی سبیلاً مماعلیہ محمدٌ خدا کی قسم محمدؐ کے دین کی بہ نسبت تم زیادہ ہدایت یافتہ ہو'' اسی کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بثارھم قاموس میں ہے کہ ثار کے معنی خون طلب کرنا ہیں۔ الجبت مفسر کی رائے کے مطابق مکہ کے کسی خاص قریشی بت کا نام ہے اور بعض کے نزدیک مطلقاً بت کا نام ہے اور طاغوت شیطان ہے جو لوگوں کو صنم پرستی کی طرف لے جاتا ہے اس لحاظ سے ہر بت طاغوت ہے جو لوگوں کو دھوکہ میں مبتلا رکھتے ہیں۔

للذین لام صلہ کا نہیں بلکہ لام اجلیہ ہے نفعل. ای نفعل غیر ماذکر من الامور الجمیلۃ المستحسنۃ اور بعض نسخوں میں نفعل کی بجائے نعقل ہے عقل کے معنی دیت اور خون بہادینے کے ہیں یہاں دونوں معنی ہوسکتے ہیں۔

ای انتم مفسر علامؒ نے اسم اشارہ ھؤلاء کو انتم ضمیر خطاب سے تبدیل کر کے اشارہ کردیا کہ یہ حکایت بالمعنی ہے ورنہ گفتگو بالمشافہ ہونے کی وجہ سے لفظ انتم استعمال کرنا مناسب تھا۔

من الذین اٰمنوا یہ الفاظ اگرچہ کعب کے نہیں ہیں لیکن حق تعالیٰ نے تعریضاً اور مشرکین کا تخطیہ کرنے کے لئے یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ مانعاً مفسر علامؒ اس طرف اشارہ کررہے ہیں کہ لفظ نصیر بمعنی ناصر ہے۔ آیت میں جہاں کفار کا ملعون ومردود ہونا معلوم ہورہا ہے وہیں مسلمانوں کے لئے منصور اور مقرب ہونے کا وعدہ بھی ہے۔ ام اس کے بعد لفظ بل نکال کر یہ بتلانا ہے کہ ام منقطعہ ہے اور ہمزہ انکار کے لئے ہے ام لھم ایسے ہے جیسے عرب بولتے ہیں ان لہ لا بلاً و ان لہ لغنماً. ولو کان یعنی فاذاً میں فاجزائیہ ہے نا عاطفہ نہیں ہے اور لو بمعنی ان ہے اس لئے اب یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ لو کے بعد فا نہیں آنا چاہئے۔ بالخصوص لفظ اذا اور مضارع کی موجودگی میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی لو کان لھم نصیبٌ من الملک فاذاً الخ.

لایؤتون اس میں اذا کا عمل اس لئے نہیں ہوا کہ اذا کے عمل کی شرط جو صدارت ہے وہ عطف کی وجہ سے پائی نہیں گئی لیکن دوسری قرأت میں لایؤتوا الناس پڑھا گیا ہے اس صورت میں صدارت پر نظر کرتے ہوئے عمل کرلیا گیا ہے۔

نافھا ای حقیرًا النقرۃ صراح میں نقرہ کے معنی مغا کچہ کے لکھے گئے ہیں اور جمل میں ہے کہ گٹھلی کا وہ حصہ جس سے کھجور کا درخت اُگتا ہے۔ الناس الف لام جنس کا ہے ناس کا مصداق مفسر علامؒ نے ابن عباسؓ اور حسنؒ ومجاہدؒ کی تفسیر کے مطابق آنحضرت ﷺ کو قرار دیا ہے۔ لاشتغل شغل کے صلہ میں جب عن آئے گا تو اعراض اور بے پرواہی کے معنی ہوں گے۔ جدہ کموسیٰ جدہ کی ضمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اور موسیٰ اور داؤدؑ اور سلیمانؑ سے مراد آل ابرہیم ہیں تسع وتسعون یہ تعداد علاوہ وزیرہ عورت کے ہے ورنہ اس سمیت پوری سو (۱۰۰) بیویاں تھیں۔ صد بمعنی اعراض۔ونضجت بمعنی احترقت وتلاشت وتھرت نضیح اللحم بولتے ہیں۔

منھم ضمیر کا مرجع وہ لوگ ہیں جو آل ابراہیم انبیاء علیہم السلام کے زمانوں میں موجود رہے ہیں کیونکہ وجود انبیاءؑ عادۃً مستلزم ہے وجودِ اُمم کو اور امن بہ کی ضمیر کتاب وحکمت کی طرف راجع ہے جن کا حاصل ایمان بالنبوۃ ہے اور غالباً اسی نکتہ کی وجہ سے اتیناھم کو مکرر لایا گیا ہے کیونکہ کتاب وحکمت تو مؤمن بہ کی جنس سے ہے اور ملک عظیم مومن بہ کی جنس سے نہیں ہے۔

سعیرًا بمعنی مسعورۃ یہ لفظ جھنم سے حال ہے جو لفظ کفی کا فاعل بزیادۃ الفاء ہورہا ہے اور کفار کا حال اس لئے مقدم کیا گیا ہے کہ گفتگو اسی میں ہورہی ہے لیذوقوا لفظ ذوق سے تعبیر کرتے میں عذاب کی تلخی مع الایلام کی طرف اشارہ ہے یا اس کی شدت تاثیر کی

طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ قوت ذائقہ ہی سب سے زیادہ ذکی الحس حاسہ ہے۔

ظلا ظليلا ظلیل صفت مشتقہ ہے لفظ ظل کی تاکید کے لئے اہل عرب کی عام عادت کے مطابق جیسے یوم الیوم اور لیل الیل اور امام مرزوقیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ محض تابع ہے جس کے کوئی معنی نہیں ہوتے جیسے حسن بسن بولتے ہیں مفسر علامؒ دائما لاتنسخه شمس کے ساتھ تفسیر کررہے ہیں صراح میں نسخ کے معنی زائل کرنے کے ہیں نسخت الشمس الظل ای ازالته.

ندخلهم یہ دونوں ادخال صرف عنوانؔ کے لحاظ سے مختلف ہیں ذات کے اعتبار سے نہیں۔ امانات امانۃ مصدر ہے مجازاً مفعول پر اطلاق کیا گیا ہے اس کے معنی عام ہیں حقوق کو بھی شامل ہیں۔ امانت کی تین قسمیں ہیں ایک اللہ کی عبادات میں ہے یعنی فعل مامورات اور ترک منہیات۔ چنانچہ ابن مسعودؓ کا قول ہے الامانة لازمة فی کل شی ء حتی الوضوء والغسل من الجنابة و الصلوٰة والزکوٰة والصوم وسائر انواع العبادات. دوسری قسم امانت مع النفس ہے مثلاً زبان کو جھوٹ، غیبت، چغل خوری، سے محفوظ رکھنا یہ زبان کی امانت ہے، آنکھ کو غیر محارم سے بچانا یہ اس کی امانت ہے۔ اسی طرح تمام اعضاء کا حال ہے۔ تیسری قسم امانت مع عباد اللہ ہے مثلاً جو چیزیں عاریت یا امانت کی ہوں ان کی ادائیگی۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ادا الامانة الی من ائتمنک ولا تخن من خانک پورا تولنا اور ناپنا بھی اس میں داخل ہے اور بادشاہوں کا انصاف، علماء کی نصیحت و ہمدردی بھی اسی میں داخل ہے۔ چنانچہ بغویؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ماخطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم الا قال لا ايمان لمن لاامانة له ولا دين لمن لاعهد له اس کے عموم میں ہر قسم کے حقوق بھی داخل ہیں خواہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد، قولی ہوں یا فعلی اور اعتقادی، واجب ہوں یا مندوب، پھر قابل ضمان ہوں جیسے عاریۃ یا لائق ضمان نہ ہوں جیسے ودیعۃ۔

فامر اس کا عطف اخذ پر ہورہا ہے۔ دراصل کعبۃ اللہ کی کنجی لینے کی درخواست حضرت عباسؓ نے بھی اول پیش کی تھی تاکہ سقایہ اور سدانہ کی دونوں خدمتیں ان کے پاس جمع ہوجائیں لیکن آپ ﷺ نے منظور نہیں فرمائی۔

هاک. ای خذ هذه الخدمة ایک نسخہ میں بجائے ھاک کے ھذا ہے۔ خالدہ بمعنی مستمرۃ تالدہ بمعنی قدیمة متاصلة.

فعجب یعنی تعجب اس پر ہوا کہ حضرت علیؓ سخت آمیز رویہ کے بعد ایک دم غیر متوقع طور پر نرم آخر کیوں پڑ گئے۔ فاسلم مفسر علامؒ بغوی اور زمخشری کی رائے کے مطابق کہہ رہے ہیں لیکن جامع الاصول وغیرہ کتب اسماء الرجال کے بیان کے مطابق صحیح بات یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر عمرو بن العاصؓ کے ساتھ عثمانؓ اسلام لائے۔ عبدالرزاق زہری سے مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے عثمانؓ سے جب چابی مانگی تو ان کی والدہ سلافہ بنت سعید نے منع کیا کہ چابی جانے کے بعد واپس نہیں آئے گی۔ اس لئے عثمانؓ رُکے رہے اور آپ ﷺ منتظر رہے لیکن آپ ﷺ کے اصرار سے مجبور ہوکر انہوں نے چابی پیش کردی آپ ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور پھر باہر نکل کر سقایہ پر تشریف لے گئے اس پر فخریہ لہجہ میں حضرت علیؓ نے کہا:

انا اعطینا النبوة و السقایة والحجابة ما قوم باعظم منا نصیبًا

''یعنی آج ہم سے بڑھ کر کوئی نصیبہ ور ہوسکتا ہے جبکہ ہمارے پاس نبوت، سقایہ اور بیت اللہ کی چوکیداری جیسی اہم چیزیں آگئیں۔''

آپ ﷺ کو یہ باتیں ناگوار ہوئیں آپ ﷺ نے عثمانؓ کو بلاکر کنجی ان کے حوالہ کردی۔

فعمومها معتبر قاعدہ یہی ہے کہ عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوص سبب کا لحاظ نہیں رہا کرتا۔ البتہ اگر کہیں خصوص کے معتبر ہونے کا قرینہ بھی ہو تو پھر اس کا بھی لحاظ کیا جائے گا۔ مثلاً آپ ﷺ نے ایک حربی عورت کو مقتول دیکھ کر عورتوں کو قتل سے منع فرمایا تو اس ممانعت کو صرف حربیہ عورتوں کے قتل پر محمول کیا جائے گا۔ اس میں زانیہ محصنہ اور مرتدہ عورتیں داخل نہیں ہوں گی۔

نعما اس میں اگر ما کو موصوفہ مانا جائے تو نعم کی ضمیر مستتر فاعل سے تمیز ہونے کی بناء پر منصوب ہو جائے گا اور مخصوص بالمدح محذوف ہوگا۔ یعنی تادیۃ الامانۃ والحکم بالعدل لیکن اگر ما کو موصولہ کہا جائے تو پھر نعم کا فاعل ہوگا اور معرف باللام کے معنی میں ہوگا اور اس کا مابعد صلہ ہو جائے گا اور تیسری رائے یہ ہے کہ ما تامہ ہو اور یعظکم محذوف کی صفت ہو لیکن یہ صورت بعید ہے۔ اذا حکمتم ظرف متعلق ہے مابعد ان کے ساتھ اور پھر یہ معطوف ہے ان تؤدوا پر اور جار مجرور اس کے یا محذوف کے متعلق ہو کر حال ہو جائے گا فاعل سے اس آیت میں حکام کو خطاب ہے اور اس کے بعد یاایھا الذین اٰمنوا واجب اطاعت نہیں سمجھتے ان پر رد کرنا ہے اور یہ بتلانا ہے کہ جس قدر استدلال آپ ﷺ کی اطاعت کا ہے دوسروں کا نہیں ہے اسی لئے اولو الامر کے ساتھ اطیعو نہیں کہا گیا ہے اور اولو الامر سے مراد امراء حق ہیں۔ جیسے خلفاء راشدینؓ وغیرہ امراء جور مراد نہیں ہیں کہ دراصل وہ امراء ہی نہیں بلکہ اُچکّے ہیں۔

اسی طرح اولی الامر کے مفہوم میں تعمیم مناسب ہے امام ہو یا سلطان وامیر، حاکم ہو یا عالم، مجتہد قاضی ہو یا مفتی، حسب مراتب سب کی اطاعت مامور ہے۔ نیز خلافتِ کاملہ حضرت علیؓ پر ختم ہو چکی ہے اس کے بعد خلافت ناقصہ رہ گئی تھی۔ جیسے خلفاء عباسیہ کی خلافت۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے الخلافۃ بعدی ثلاثین سنۃ ثم یصیر ملکاً عضوضًا اور امامت بھی معدوم ہوگئی ہے کیونکہ اس کی ابتدائی شرط قریشی ہونا ہے جو فی زمانہ بالکل معدوم ہے البتہ سلطنت وامارت باقی ہے جس قدر بھی وہ منہاج نبوۃ سے قریب ہو غنیمت سمجھنی چاہئے۔ تاویلا اولیٰ سے ہے۔ آل یؤل بمعنی رجع ای عاقبۃ احسن۔

ربط: .... پہلے سے یہود کی برائیوں کا سلسلہ چل رہا ہے آیت الم تر الی الذین اوتو نصیبًا الخ میں بھی یہود کی ایک خاص برائی کا بیان ہے کہ مشرکین مکہ نے جب اپنے مداح اور مسلمانوں کے فرضی قبائح بیان کر کے علماء یہود سے استفتاء کیا تو جواب میں مفتیان یہود نے مسلمانوں کو خاطی اور مشرکین کو ہادی ومہتدی قرار دیا۔ لیکن استفتاء اور فتویٰ دونوں ہی غلط اور بناء فاسد علی الفاسد تھے آیت ام لھم نصیب الخ میں بھی یہود کی بے ہودگیوں کا تذکرہ ہے اور آنحضرت ﷺ کی نو بیویوں پر اعتراض کا جواب ہے۔

آگے فمنھم من اٰمن الخ میں آپ ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے اس کے بعد آیت ان الذین الخ میں بطور ضابطہ کلیہ مطلق مؤمنین اور کفار کی جزاء وسزا کا بیان ہے اس ذیلی تذکرہ کے بعد پھر آیت ان اللہ یامرکم سے سلسلۂ احکام شروع کر دیا گیا ہے یعنی باہمی معاملات کے ذیل میں حکام کو محکومین کے ساتھ عدل وانصاف کا پابند بنایا جا رہا ہے اور محکومین کو حکام کی اطاعت کا حدود کے اندر رہتے ہوئے پابند بنایا جا رہا ہے پھر دونوں کو اللہ ورسولؐ کے حکم کو سمجھنے کی تعلیم دی جا رہی ہے۔

شانِ نزول: .... آیت الم تر الخ کے شان نزول کی طرف ابھی مفسر علامؒ اشارہ کر چکے ہیں اور آیت ام لھم نصیب الخ کا شان نزول ابن ابی حاتم نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہود نے آپ ﷺ پر اعتراض کیا کہ آپ ﷺ اپنے کو متواضع کہتے ہیں حالانکہ آپ ﷺ کی نو بیویاں ہیں جو اچھی خاصی سلطنت ہے اور منافی تواضع ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اول تو زیادہ بیویوں کا ہونا جب کہ باذن الٰہی ہو سلطنت کو مستلزم نہیں اور اگر ہو بھی تو یہ سلطنت تواضع کے منافی اور تکبر کو مستلزم نہیں ہے۔ جیسے حضرت داؤد و سلیمان علیہم السلام کا خود تمہارے نزدیک صاحب سلطنت ونبوت ہونے کے ساتھ بیویوں کی ایک اچھی خاصی تعداد رکھنا مسلم ہے اور چونکہ اصل منشاء اعتراض حسد ہے اس لئے قرآن کریم نے اس پر تیر چلانا ضروری سمجھا ہے آیت ان اللہ یامرکم الخ کا شان نزول تو مفسرؒ نے عثمان بن ابی طلحہؓ کے قصہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اور آیت یاایھا الذین اٰمنوا الخ کا شان نزول بخاری وغیرہ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت عبداللہ ابن حذافہؓ بن قیس کے

بارہ میں نازل ہوئی۔ جبکہ آپ ﷺ نے ان کو ایک سریہ میں روانہ فرمایا تھا جس میں امیر لشکر نے لشکر کو جلتی ہوئی آگ میں کود جانے کو حکم دیا تھا۔ سن کر آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ پس منشاء آیت کا یہ ہوا کہ قرآن ان جیسے احکام میں حکام کی اطاعت کا حکم نہیں دیتا۔

اور ابن جریرؒ کی تخریج سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے باب میں نازل ہوئی تھی جبکہ آنحضرت ﷺ نے خالدؓ کو ایک لشکر کا امیر بنایا اور عمار بن یاسرؓ نے بلا اجازت امیر ایک حربی کو امان دے دی۔ یہ قضیہ جب آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا تو خالد بن الولیدؓ کی تیز کلامی پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

یا خالد کف عن عمارؓ فان من سبّ عماراً ابغضه اللّٰه و من لعن لعنه اللّٰه

''اے خالدؓ! اپنی زبان روکو یاد رکھو جو عمار کو برا بھلا کہے گا وہ خدا کا دشمن ہے اور جو عمار پر لعنت کرے گا وہ خود ملعون ہوگا۔''

پھر تو یہ کیفیت ہوئی کہ حضرت عمارؓ آگے آگے ہیں اور حضرت خالدؓ ان کو منانے کے لئے منت خوشامد کر رہے ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: .... یہود اہل کتاب کو بت پرست اور متبع شیطان اس لئے کہا گیا ہے کہ انہوں نے مشرکین مکہ کے ہدایت یافتہ ہونے پر مہر تصدیق ثبت کی تھی۔ پس یہ تصدیق ان اوصاف کو مستلزم ہوئی۔

دو شبہوں کا ازالہ: .... اگر چہ بظاہر مشرکین کے دین کو علی الاطلاق حق کہنا مقصود نہیں ہوگا ورنہ سائل کو عین جواب کے وقت ہی اس جواب کی صحت پر شبہ ہونا چاہئے تھا کہ جب تم خود ہمارے دین و مذہب کو حق بتلا رہے ہو پھر اس سے دور رہنے کی بجائے خود اس کو کیوں نہیں قبول کر لیتے بلکہ مقصد یہ ہوگا کہ مطلقاً حق تو دونوں میں سے کوئی طریق بھی نہیں ہے تاہم اضافی طور پر دونوں میں سے تمہارا طریق زیادہ قرینِ ہدایت معلوم ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اس تقدیر پر بھی دو وجہ سے کفر لازم آتا ہے ایک تو طریق حق یعنی اسلام کو فی الجملہ باطل سمجھنا، دوسرے طریق باطل یعنی کفر و شرک کو من وجہ حق قرار دینا اور ذوقی طور پر مدار مذمت زیادہ تر دوسری ہی وجہ معلوم ہوتی ہے اس لئے قبائح میں اس کو شمار کیا گیا ہے۔

رہا یہ شبہ کی طریق مشرکین کو بہتر کہنا تو ان مذکورہ محاسن کی وجہ سے تھا پس گویا یہ تعریف و توصیف دراصل ان خدمات کی ہوئی جیسا کہ فی الواقع وہ خدمات اس کی مستحق بھی ہیں۔ اس لئے اس سے یہود کی غلط بیانی ثابت نہ ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ اس تاویل کو اگر صحیح مان بھی لیا جائے تب بھی کسی دین و مذہب کے بعض اجزاء کے بہتر ہونے سے مجموعہ کا بہتر اور خیر ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ان کے ظاہر جواب کی تقریر سے یہ لازم آ رہا ہے اس لئے اس قسم کی تاویل سے یہ کفریہ کلمات دائرۂ کفر سے باہر نہیں ہو جائیں گے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص دو خدا مانتا ہو اور جب اس سے کوئی دریافت کرے تو کہنے لگے کہ میری مراد یہ ہے کہ ایک خدا حق ہے اور دوسرا باطل۔ تو اس تاویل کے باوجود یہ کلمۂ کفر کفر ہی رہے گا۔

یہود کے اعتراض کا قرآنی جواب: .... فقد اتینا ال ابراهیم کا حاصل یہ ہے کہ اولاد ابراہیمؑ میں بہت سے انبیاءؑ بنی اسرائیل صاحب سلطنت بھی گزرے ہیں۔ جیسے حضرت یوسف، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام اور اخیر کے دونوں بزرگ بیویوں کی ایک اچھی خاصی تعداد بھی رکھتے تھے۔ پھر آنحضرت ﷺ کا آل ابراہیمؑ ہونے کے باوجود ان نعمتوں کا جامع ہونا آخر کیوں باعثِ حیرت و انکار بنا ہوا ہے۔ اگر اسکی وجہ محض حسد ہے تو آخر حسد کس بات پر ہے۔ اگر منشاء حسد یہ چیز ہے کہ اے یہود تم صاحبِ سلطنت ہو اور اس طرح تمہاری سلطنت تم سے نکل کر محمد (ﷺ) کے پاس چلی جائے گی، تو بھلا ہی ہوا کہ خدا نے گنجے کو ناخن نہیں دیئے ورنہ وہ کھجا کھجا کر سر زخمی کر لیتا۔ یعنی اچھا ہی ہوا کہ اللہ نے تمہیں ٹھکانے رکھا۔ ورنہ خدانخواستہ اگر کہیں سلطنت مل جاتی تو ایک پھوٹی

کوڑی بھی کسی کو نہ دیتے۔ ہاں البتہ اگر حسد اس بات پر ہے کہ کچھ بھی ہو محمد کو سلطنت کیوں ملے؟ ان کو حکومت وسلطنت سے کیا واسطہ اور علاقہ؟ سو خوب کان کھول کر سن لو کہ آپ ﷺ شاہی خاندان سے ہیں اس لئے سلطنت کبھی اجنبی جگہ نہیں جا رہی ہے بلکہ قدیم موروثی جگہ ہے۔ گھر کی سلطنت گھر ہی میں رہ رہی ہے پس اس میں تمہیں جلنے مرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

دنیا اور جنت کے سایہ میں فرق اور دو شبہوں کا جواب: .... ظلاً ظــلــیـلا کا مطلب یہ ہے کہ جنت کا سایہ دنیا کے سایہ کی طرح نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہاں کے سایہ میں تو دھوپ چھنتی رہتی ہے لیکن جنت میں گنجان اور گھنا سایہ ہوگا جو اتصال اور تسلسل لئے ہوئے ہوگا۔

رہا یہ شبہ کہ سایہ کے لئے آفتاب کا ہونا ضروری ہے اور جنت میں آفتاب کی نفی آیت لایرون فیھا شمسا سے معلوم ہوتی ہے پھر یہ سایہ کے کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ سایہ کے لئے آفتاب کی ضرورت مسلم نہیں بلکہ اس کے لئے کسی بھی نورانی جسم کا ہونا کافی ہے اور جنت میں کسی نورانی جسم کا ہونا کوئی امر عجیب نہیں ہے۔

دوسرا شبہ یہ ہوسکتا ہے کہ جنت میں جب گرمی نہیں تو پھر سایہ سے کیا فائدہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سایہ کے فائدہ کو اسی میں منحصر کر دینا خود بے دلیل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جنت کے تیز نور کو اس سایہ کے ذریعہ لطیف بنانا مقصود ہو جیسا کہ عموماً راحت وآرام، خواب وقیلولہ کے وقت تیز روشنی کو ناگوار اور ہلکی اور مدھم روشنی کو پسند کیا جاتا ہے یا خود اس سایہ کی حقیقت ہی نور ہو جیسے گوہر شب تاب کا سایہ۔ یا بلا ظلمت صرف سایہ ہی ہو جیسے آفتاب نکلنے سے کچھ پہلے کی حالت ہوتی ہے اسی کو دوسری آیت الم تر الی ربک کیف مد الظل میں مشہور تفسیر کے مطابق ظل سے تعبیر کیا گیا ہے اور سایہ کی معرفت دھوپ پر ہونے سے خود سایہ کے وجود کا موقوف ہونا دھوپ پر لازم نہیں آتا۔ فافھم

اللہ ورسول کی اطاعت حاکم اور محکوم دونوں پر واجب ہے: .... اگرچہ آیت ان اللہ یــامـر کـم کا شان نزول خاص ہے لیکن یہ اس کے منافی نہیں کہ اس آیت کے مخاطب حکام ہیں۔ کیونکہ اولاً تو الفاظ کے عموم میں وہ خاص سبب بھی داخل ہوسکتا ہے دوسری آسان توجیہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ من حیث الحکومت مخاطب ہیں اور لفظ امـانـات سب حقوق کو شامل ہے جس میں حقوق اللہ بھی آ گئے۔ اس لئے اللہ ورسول کی اطاعت کا مفہوم بھی اس میں ادا ہو گیا اور اب یہ شبہ نہیں رہا کہ اللہ ورسول کی اطاعت کا حکم محکومین کو تو دیا گیا ہے لیکن حکام کو نہیں دیا گیا البتہ امانت کا عنوان اختیار کرنے میں یہ لطیف نکتہ ہے کہ حکام کی بالا دستی کی وجہ سے شاید ان سے کوئی اپنے حقوق کا مطالبہ نہ کر سکے اور اس طرح لوگوں کے حقوق ضائع ہونے کا احتمال اور امکان رہے لیکن اس عنوان میں تاکید فرما کر اس کوتاہی کی بندش فرما دی اور کعبہ کی کنجی کو امانت فرمانے سے معلوم ہوا کہ اہل اور صالح متولی کو معزول نہیں کرنا چاہئے۔ (بیان القرآن)

آیت سے استنباط مسائل: .... اس آیت سے ودیعت وعاریت کے متعدد مسائل مستنبط ہوسکتے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہیں:
(۱) مستعیر کے لئے مستعار چیز کی دوسرے کے پاس امانت رکھنے کا اختیار نہیں ہے۔ (۲) مال امانت یا نفیس مستعار چیز کو مالک کے مکان پر پہنچا دینا کافی نہیں ہوگا تاوقتیکہ مالک کے ہاتھ میں وہ چیز نہ پہنچ جائے۔ چنانچہ اگر مالک کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی یہ دونوں چیزیں ہلاک ہو جائیں تو امین اور مستعیر دونوں پر ضمان آئے گا ہاں معمولی مستعار چیز ہو یا گھوڑا ہو تو بجائے مالک کے اگر صرف اصطبل میں پہنچا دیا تب بھی عرف ظاہر کی وجہ سے ادائیگی سمجھی جائے گی۔
(۳) امانت کی سپردگی میں مالک کا موجود رہنا شرط نہیں ہے چنانچہ مستعار گھوڑے کو مالک کے نوکر یا سائیں کے حوالہ کر دیا گیا تو یہ مالک ہی کے پاس پہنچنا شمار کیا جائے گا ایسی صورت میں اگر درمیان سے ضائع ہو جائے تو ضمان نہیں آئے گا۔

(۴) انصاف کا ہر حاکم پر واجب ہونا معلوم ہوتا ہے خواہ وہ امام ہو یا قاضی وغیرہ دوسرے حکام۔ اسی طرح ہر قسم کے انصاف کا واجب ہونا معلوم ہوا۔ چاہے دعویٰ میں ہو یا شہادت، قسم ہو یا شہادت یا قسم کے مقدمات۔ پھر معاملہ اجانب سے ہو یا اقارب سے، والدین کے ساتھ ہو یا اپنے نفس کے ساتھ، سب صورتوں میں عدل وانصاف ضروری ہے۔

آیت سے چاروں دلائل شرعیہ کی حجیت: .... آیت یایھا الذین امنوا میں ادلہ اربعہ فقہیہ کی طرف اشارہ ہے چنانچہ اطیعوا اللہ میں کتاب اللہ کی طرف اشارہ ہے اور اطیعوا الرسول میں سنت کی طرف اشارہ ہے اور اولی الامر میں اجماع کی طرف اور فان تنازعتم میں قیاس کی طرف اشارہ ہے اور اجماع میں مطلق اتفاق معتبر نہیں جب تک اتفاق معتبر نہ مانا جائے یعنی قواعد شرعیہ پر منطبق نہ ہو۔ البتہ کسی شرعی امر پر ایک زمانہ کے تمام اہل حق کا اگر اتفاق ہوجائے تو یہ اجماع معتبر ہوجاتا ہے۔ پھر اگر اس اجماع کی سند بھی نہ ملے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ بلکہ اس اجماع کے خلاف اگر کوئی حدیث بھی ہوگی تو اس حدیث کو اس اجماع کی موجودگی میں منسوخ سمجھا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ اہل اجماع کے پاس کوئی ماخذ شرعی ضرور تھا جو کسی وجہ سے ہم تک نہیں پہنچ سکا۔

اجتہاد وتقلید کی بحث: .... فان تنازعتم الخ سے معلوم ہوا کہ نزاعی احکام جو محل اختلاف بنے ہوئے ہیں وہ منصوص نہیں ورنہ براہ راست کتاب اللہ یا سنت کی طرف رجوع کیا جاتا۔ بلکہ ایسے دقیق اور خفی ہیں کہ ان کا مدلول کتاب وسنت ہوتا محل نزاع بنا ہوا ہے اسی لئے کسی واسطہ کی ضرورت پیش آئے گی اور وہ واسطہ آنحضرت ﷺ یا آپ ﷺ کے نائبین علماء مجتہدین سے استفتاء ہی ہوسکتا ہے۔ پھر بعض ادلہ اس درجہ دقیق اور خفی ہوتے ہیں کہ ان پر نصوص منطبق کرنے کے لئے فکر واستدلال کی ضرورت ہوتی ہے جس کو قیاس کہا جاتا ہے۔ نیز حاکم ومحکوم میں سے ہر ایک قادر یا عالم بالاستدلال ہونا ضروری نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ بعض استدلال کے طریقے ان کی فہم سے بالا ہوں اور وہ ان میں دوسرے اہل علم کے فکر واجتہاد کے محتاج ہوں اسی کو تقلید کہتے ہیں ہاں حاکم اگر خود صاحب اجتہاد وبصیرت ہوتو اس کا اجتہاد اس واسطہ کے قائم مقام ہوجائے گا غرضکہ اس آیت سے تقلید کی نفی کی بجائے اس کا مزید اثبات ہورہا ہے۔

لفظ اولوالامر اور ردوہ الی اللہ والرسول سے علماء کی تقلید اور اتباع کی ضرورت معلوم ہوتی ہے بلکہ حکام کی اطاعت سے بھی زیادہ کیونکہ حکام کو خود علماء کا تابع قرار دیا گیا ہے اور چونکہ آیت کا یہ حکم ہر زمانہ کے لئے عام ہے اس لئے مفسر علامؒ نے سنت کو بھی اطاعت رسول میں داخل کردیا۔ ورنہ وفات نبوی ﷺ کے بعد طاعت رسول کی کوئی صورت ہی نہ ہوسکتی۔ البتہ اللہ ورسولؐ کی طرف رجوع کا یہ مطلب نہیں ہے کہ استدلال ہر زمانہ میں ہمیشہ تازہ ہوا کرے بلکہ جو استدلال مدون ہوچکے ہیں ان پر عمل کرنا بھی اسی میں داخل ہے، اس لئے اہل اجتہاد کا ہر وقت موجود ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ (بیان القرآن)

غرضیکہ اس آیت میں خاص طور سے اسلام کی اس اصل عظیم پر زور دینا ہے کہ علی الاطلاق حاکمیت صرف اللہ کے لئے ہے اس لئے اطاعت مطلقہ بھی صرف اللہ ورسولؐ کی ہونی چاہئے۔ حکام کی اطاعت کا حکم صرف اس وقت تک ہے جب تک وہ حق کے پابند رہیں ورنہ لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق کی رو سے ان کی اطاعت کا قلادہ ڈالنے کی اجازت نہیں ہے۔ چنانچہ مسلمہ بن عبدالملک بن مروانؒ نے جب ابوحازمؒ سے کہا کہ الستم امرتم بطاعتنا بقوله تعالىٰ واولوا الامر منكم تو فوراً ابوحازمؒ نے جواب دیا کہ اگر تم خلاف حق چلو گے تو پھر تمہاری اطاعت کا یہ حق سلب بھی کرلیا جائے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے فان تنازعتم فی شیٔ فردوه الی الله.

ایک دقیق شبہ اور اس کا جواب:.......... تاہم اس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ بات اہل سنت کے اس عقیدہ کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ سلطان جائر اور بادشاہ ظالم و جابر کی تقلید و طاعت نہ صرف جائز ہے بلکہ اس کی اطاعت سے باہر نکلنا بھی جائز نہیں ہے حتیٰ کہ حنفیہ کے نزدیک امام جابر اور فاسق معزول بھی نہیں ہوسکتا۔ جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت ہے جب کہ حق کی قضا ممکن ہو۔ لیکن اگر قضائے حق ممکن نہ ہو تو پھر بھی صحیح نہیں ہوگا چنانچہ حق باوجودیکہ حضرت علیؓ کی جانب تھا لیکن صحابہ کرامؓ نے حضرت معاویہؓ کی تقلید کی، اسی طرح تابعینؒ نے ظالم و جابر ہونے کے باوجود حجاج کی تقلید کی۔ امام شافعیؒ کی ایک روایت اگرچہ یہ ہے کہ فسق کی وجہ سے امام معزول کیا جاسکتا ہے لیکن عام کتب شافعیہ میں حنفیہ کے موافق ہی لکھا ہے کہ شورش وفتنہ کے پیش نظر معزول نہیں کرنا چاہئے۔

البتہ سلطان و امام کے برابر قاضی چونکہ پر ہیبت و شوکت نہیں ہوتا اس لئے فسق کی صورت میں اس کے معزول کرنے میں اندیشہ فتنہ نہیں تو اس کی اجازت ہے۔ صاحب کشاف نے معتزلی ہونے کی وجہ سے امام جابر کی عدم طاعت میں زیادہ مبالغہ سے کام لیا ہے۔

منکرین قیاس پر رد:.......... بعض منکرین قیاس نے قیام کی عدم حجت پر اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اس میں صرف کتاب اللہ اور سنت کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے اگر قیاس معتبر ہوتا تو **فردوہ الی اللہ والرسول** کے ساتھ **والقیاس** کہنا چاہئے تھا۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو خود لفظ رد میں قیاس کی حجیت اور اثبات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ مختلف فیہ چیز کو کتاب اللہ اور سنت کی طرف رد کرنا یہی تو قیاس ہے۔ جس کی تقریر اوپر گزر چکی ہے تو گویا احکام تین طرح کے ہوں گے ایک ظاہر کتاب اللہ سے ثابت، دوسرے ظاہر سنت سے ثابت اور تیسرے ان دونوں کی طرف بذریعہ قیاس رجوع کرنے سے یہ دوسری بات ہے کہ پہلی دونوں قسمیں مثبتِ احکام ہوتی ہیں اور قیاس مثبتِ احکام نہیں بلکہ صرف مجتہدین کی ان ہی انفرادی آراء کا مجموعہ خاص شرائط کے ساتھ اجماع کہلائے گا۔

لطائف آیت:.......... فقد اتینا ال ابراھیم الخ اس سے معلوم ہوا کہ کمال باطنی اور سلطنت ظاہری دونوں میں کوئی منافات نہیں دونوں یکجا ہوسکتی ہیں۔ آیت ان اللہ یامرکم الخ میں امانت کے مفہوم میں اگر تعمیم ہو جائے تو مشائخ کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ امانت باطنی اور خلافت ارشادی لائق شخص کے حوالہ کر دیا کریں اور ان کو اجازت دے دیا کریں۔

وَنَزَلَ لَمَّا اخْتَصَمَ يَهُوْدِيٌّ وَمُنَافِقٌ فَدَعَا الْمُنَافِقُ اِلٰى كَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمَا وَدَعَا الْيَهُوْدِيُّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَيَاهُ فَقَضٰى لِلْيَهُوْدِيِّ فَلَمْ يَرْضَ الْمُنَافِقُ وَاَتَيَا عُمَرَ فَذَكَرَ لَهُ الْيَهُوْدِيُّ ذٰلِكَ فَقَالَ لِلْمُنَافِقِ اَكَذٰلِكَ قَالَ نَعَمْ فَقَتَلَهُ **اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ** الْكَثِيْرِ الطُّغْيَانِ وَهُوَ كَعْبُ بْنُ الْاَشْرَفِ **وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ** ؕ وَلَا يُوَالُوْهُ **وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا** ﴿۶۰﴾ عَنِ الْحَقِّ **وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ** فِي الْقُرْاٰنِ مِنَ الْحُكْمِ **وَاِلَى الرَّسُوْلِ** لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ **رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ** يُعْرِضُوْنَ **عَنْكَ** اِلٰى غَيْرِكَ **صُدُوْدًا** ﴿۶۱﴾ **فَكَيْفَ** يَصْنَعُوْنَ **اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ** عُقُوْبَةٌ **بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ** مِنَ الْكُفْرِ وَالْمَعَاصِيْ اَيْ اَيَقْدِرُوْنَ عَلَى الْاِعْرَاضِ وَالْفِرَارِ مِنْهَا لَا **ثُمَّ جَآءُوْكَ**

مَعْطُوفٌ عَلٰی يَصُدُّوْنَ **يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ** مَا **اَرَدْنَآ** بِالْمُحَاكَمَةِ اِلٰى غَيْرِكَ **اِلَّآ اِحْسَانًا** صُلْحًا **وَّتَوْفِيْقًا﴿۶۲﴾** تَالِيْفًا بَيْنَ الْخَصْمَيْنِ بِالتَّقْرِيْبِ فِي الْحُكْمِ دُوْنَ الْحَمْلِ عَلٰى مُرِّ الْحَقِّ **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَافِيْ قُلُوْبِهِمْ** مِنَ النِّفَاقِ وَكِذْبِهِمْ فِيْ عُذْرِهِمْ **فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ** بِالصَّفْحِ **وَعِظْهُمْ** خَوِّفْهُمُ اللّٰهَ **وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ** شَانِ **اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا﴿۶۳﴾** مُؤَثِّرًا فِيْهِمْ اَيْ اِزْجِرْهُمْ لِيَرْجِعُوْا عَنْ كُفْرِهِمْ **وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ** فِيْمَا يَأْمُرُ بِهٖ وَيَحْكُمُ **بِاِذْنِ اللّٰهِ** بِاَمْرِهٖ لَا يُعْصٰى وَيُخَالَفُ **وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ** بِتَحَاكُمِهِمْ اِلَى الطَّاغُوْتِ **جَآءُوْكَ** تَائِبِيْنَ **فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ** فِيْهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ تَفْخِيْمًا لِشَأْنِهٖ **لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا** عَلَيْهِمْ **رَّحِيْمًا﴿۶۴﴾** بِهِمْ **فَلَا وَرَبِّكَ** لَا زَائِدَةٌ **لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ** اِخْتَلَطَ **بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا** ضِيْقًا اَوْ شَكًّا **مِّمَّا قَضَيْتَ** بِهٖ **وَيُسَلِّمُوْا** يَنْقَادُوْا لِحُكْمِكَ **تَسْلِيْمًا﴿۶۵﴾** مِنْ غَيْرِ مُعَارَضَةٍ **وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ** مُفَسِّرَةٌ **اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ** كَمَا كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ **مَّا فَعَلُوْهُ** اَيِ الْمَكْتُوْبَ عَلَيْهِمْ **اِلَّا قَلِيْلٌ** بِالرَّفْعِ عَلَى الْبَدَلِ وَالنَّصْبِ عَلَى الْاِسْتِثْنَاءِ **مِّنْهُمْ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ** مِنْ طَاعَةِ الرَّسُوْلِ **لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا﴿۶۶﴾** تَحْقِيْقًا لِاِيْمَانِهِمْ **وَّاِذًا** اَيْ لَوْ ثَبَتُوْا **لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ** مِنْ عِنْدِنَا **اَجْرًا عَظِيْمًا﴿۶۷﴾** هُوَ الْجَنَّةُ **وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴿۶۸﴾** قَالَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ نَرَاكَ فِي الْجَنَّةِ وَاَنْتَ فِي الدَّرَجَاتِ الْعُلٰى وَنَحْنُ اَسْفَلُ مِنْكَ فَنَزَلَ **وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ** فِيْمَا اَمَرَا بِهٖ **فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ** اَفَاضِلَ اَصْحَابِ الْاَنْبِيَاءِ لِمُبَالَغَتِهِمْ فِي الصِّدْقِ وَالتَّصْدِيْقِ **وَالشُّهَدَآءِ** الْقَتْلٰى فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ **وَالصّٰلِحِيْنَ** غَيْرَ مَنْ ذُكِرَ **وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴿۶۹﴾** رُفَقَاءَ فِي الْجَنَّةِ بِاَنْ يَّسْتَمْتِعَ فِيْهَا بِرُؤْيَتِهِمْ وَزِيَارَتِهِمْ وَالْحُضُوْرِ مَعَهُمْ وَاِنْ كَانَ مَقَرُّهُمْ فِيْ دَرَجَاتٍ عَالِيَةٍ بِالنِّسْبَةِ اِلٰى غَيْرِهِمْ **ذٰلِكَ** اَيْ كَوْنُهُمْ مَعَ مَنْ ذُكِرَ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ **الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ** تَفَضَّلَ بِهٖ عَلَيْهِمْ لَا اَنَّهُمْ نَالُوْهُ بِطَاعَتِهِمْ **وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا﴿۷۰﴾** بِثَوَابِ الْاٰخِرَةِ فَثِقُوْا بِمَا اَخْبَرَكُمْ بِهٖ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ۔

ترجمہ:.......... (ایک دفعہ ایک یہودی اور ایک منافق میں کسی بات پر باہمی جھگڑا ہوا تو منافق فیصلہ کے لئے کعب بن اشرف کے پاس جانا چاہتا تھا اور یہودی آنحضرت ﷺ کے پاس۔ لیکن پھر دونوں آنحضرت ﷺ ہی کے پاس پہنچ گئے۔ آپ نے روئداد مقدمہ سن کر یہودی کے حق میں فیصلہ فرمادیا۔ جس پر منافق رضامند نہ ہوا اور دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آئے، یہودی نے فاروق اعظمؓ

کو یہ سارا قصہ سنادیا۔ آپؐ نے منافق شخص سے اس کی تصدیق چاہی تو اس نے تصدیق کردی آخر کار حضرت عمرؓ نے منافق کو قتل کردیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی) اے پیغمبر! کیا آپؐ نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جن کا دعویٰ یہ ہے کہ جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ تم سے پہلے نازل ہو چکا ہے وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن چاہتے ہیں اپنے جھگڑے قضیے ایک شریر (سرکش کعب بن اشرف) کے پاس لے جائیں، حالانکہ انہیں حکم دیا جا چکا ہے کہ اس سے انکار کریں (اور اس سے تعلقات نہ رکھیں) اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں اس طرح گمراہ کردے کہ (سیدھی راہ سے) بہت دور جا پڑیں۔

اور ان لوگوں کو اللہ کے حکم کی طرف جو اس نے (قرآن میں) نازل کیا ہے اور رسولؐ کی طرف بلایا جاتا ہے (تا کہ ان کا فیصلہ کردیا جائے) تو آپؐ منافقین کو دیکھیں گے کہ آپؐ سے روگردانی (اعراض) کرکے (آپؐ کے مخالف کے پاس) چلے جاتے ہیں پھر یہ اس وقت کیا (کریں گے) جب ان پر مصیبت (آفت) آ پڑے گی۔ ان کے اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے (کفر ومعاصی کے سبب یعنی کیا اس وقت عذاب الٰہی سے بھاگ جانا اور بچ جانا ان کے بس کی بات ہوگی؟ ہرگز نہیں) پھر تمہارے پاس آ کر (یہ معطوف ہے یصدون پر) اللہ کے نام کی قسمیں کھائیں اور کہیں ہم نے جو کچھ کیا تھا (آپؐ کے علاوہ دوسرے کے پاس مقدمہ لے گئے) اس سے مقصود صرف بھلائی (صلح) تھی اور یہ کہ آپس میں میل ملاپ رہے (فریقین کو ایک دوسرے کے قریب کرکے فیصلہ کی طرف سر جھکانا تھا نہ یہ کہ حق بات کو ناگوار سمجھنا تھا) یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ہی جانتے ہیں ان کے دلوں میں جو کچھ چھپا ہوا ہے (نفاق اور جھوٹے بہانے) اس لئے مناسب یہ ہے کہ آپ ان کے پیچھے نہ پڑیئے (درگزر کیجئے) اور انہیں وعظ ونصیحت کرتے رہئے (اللہ سے ڈراتے رہئے) اور تم ان سے (ان کے بارے میں) ایسی باتیں کہو جو ان کے دلوں میں اتر جائیں (ان میں اثر پیدا کریں یعنی ان کو ڈانٹ کر بات کیجئے تا کہ کفر سے باز آ جائیں) اور ہم نے جس کسی کو بھی منصب رسالت دے کر کھڑا کیا تو اسی لئے کہ اطاعت کی جائے (جن باتوں کا وہ حکم دے) اللہ تعالیٰ کے حکم سے (ایسے فرمان سے جس کی خلاف ورزی اور نافرمانی نہیں کرنی چاہئے) اور جب ان لوگوں نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرلیا تھا (شیطان کو حَکَم تسلیم کرکے) تو اگر اسی وقت تمہارے پاس (تائب ہوکر) حاضر ہوجاتے اور خدا سے معافی مانگتے نیز اللہ کا رسولؐ بھی ان کے لئے بخشش کی دعا کرتا (اس میں خطاب سے التفات کیا گیا ہے۔ آپؐ کی تعظیم شان کی خاطر) تو یہ لوگ دیکھ لیتے کہ اللہ تعالیٰ (ان پر) بڑے ہی مہربان اور (ان کے ساتھ) رحمت کا معاملہ فرمانے والے ہیں۔ پھر تمہارے پروردگار کی قسم (اس میں لا زائد ہے) یہ لوگ کبھی ایماندار نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے تمام جھگڑوں قصوں میں تمہیں اپنا حَکَم نہ مان لیں اور پھر ان کے دلوں میں بھی کوئی گھٹن (تنگی یا کھٹک) پائی نہ جائے۔ جو کچھ آپؐ فیصلہ کردیں اور پوری طرح تسلیم کرلیں (آپؐ کے فیصلہ کے آگے گردن جھکادیں) مان لینے کی حد تک (بغیر کسی قسم کے معارضہ کیئے) اور اگر ہم انہیں حکم دے ڈالتے کہ (ان مفسرہ ہے) اپنے آپ کو قتل کردیا اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہو (جس طرح ہم نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا) تو کوئی بھی اس (مقررہ حکم) کی تعمیل نہ کرتا بجز چند آدمیوں کے (لفظ قلیل رفع کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ بدل کی بنا پر اور منصوب بھی ہے استثناء کی وجہ سے) حالانکہ اگر یہ لوگ اس پر عمل کرلیتے جس بات کی انہیں نصیحت کی جارہی ہے (یعنی اطاعت رسولؐ) تو ان کے لئے بہتری بھی تھی اور پوری طرح جمے بھی رہتے (ایمان کے لئے پختگی ہوتی) اور اس صورت میں (جب کہ یہ ثابت قدم رہتے) ضروری تھا کہ ہم انہیں اپنی جانب (پاس) سے بہت بڑا اجر (جنت) عطا کرتے اور سیدھی راہ پر لگادیتے (بعض صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ جنت میں ہم آپ کی زیارت کس طرح کرسکیں گے جبکہ آپؐ مقامات عالیہ میں ہوں گے اور ہم آپؐ سے کمتر درجہ، اس پر یہ آیت نازل ہوئی) جس کسی نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی (جن باتوں کا یہ دونوں حکم دیں) تو بلاشبہ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے اور وہ نبیؐ

ہیں اور صدیق ہیں (انبیاء علیہم السلام کے افاضل صحابہ مراد ہیں انتہائی صدق وتصدیق کی وجہ سے ان کو صدیق کہا گیا ہے) اور شہداء (اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے) اور (ان حضرات کے علاوہ) راست باز اور نیک انسان ہیں۔ یہ ساتھی کیا ہی اچھے ساتھی ہیں (رفیق جنت ہیں کہ ان کے دیدار، زیارت اور شرف حضوری سے ہمکنار ہوں گے گو یہ حضرات اوروں کی نسبت مقامات عالیہ پر فائز ہوں گے) یہ (یعنی مذکورہ حضرات کی معیت، نصیب ہونا ترکیب میں یہ مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) اللہ کی طرف سے بخشش وکرم ہے (جو اللہ نے محض اپنے فضل سے ان کو مرحمت فرمایا ہے یہ نہیں کہ انہوں نے اپنی طاعت وعبادت سے اس کو حاصل کیا ہو) اور اللہ کا علم کفایت کرتا ہے (ثواب آخرت کا اندازہ کرنے کے لئے۔ لہٰذا اس کی خبر پر بھروسہ رکھو کہ اس جیسا باخبر کوئی نہیں ملے گا)

تحقیق وترکیب: .... **یریدون** یعنی طاغوت کے پاس فیصلہ لے جانے کا ارادہ بھی بُرا ہے تو خود تحاکم کس قدر بُرا ہوگا۔

یصدون لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قاموس میں ہے اگر رأیت سے مراد رویت بصریہ لی جائے تو یہ موضع حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا اور رویت علمیہ کی تقدیر پر رایت کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا اور خود **یصدون** کا مفعول محذوف ہوگا۔ ای **غیرهم** اور لفظ منافقین کا اظہار بجائے اضمار کے نفاق اور منافقین کی تسجیل کی غرض سے اور علت حکم بیان کرنے کے لئے ہے۔ مفسر علامؒ نے ظاہر کردیا کہ لفظ صد کے معنی اعراض کے ہیں **صده عن کذا** بمعنی **منعه وصرفه** سے نہیں ہے **عنک** مقتضی ظاہر **عنهما** ہے لیکن ضمیر واحد لاکر اشارہ فرمادیا کہ **اعراض عن الرسول** اور **اعراض عن الله** دونوں ایک ہی ہیں۔

صدودا یہ مصدر تاکید کے لئے ہے **کیف** زجاج کے قول کے موافق یہ محل نصب میں ہے۔ تقدیر عبارت **فکیف تراهم** ہے اور دوسری صورت مبتدائے محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع المحل ہے۔ ای **فکیف صنعهم فی وقت اصابة المصیبة ایاهم** اور مابعد میں لفظ **اذا** اسی مقدر کا معمول ہے۔ اور **بما** میں باسببیہ ہے اور **ما** مصدریہ یا اسمیہ ہے۔ عائد محذوف ہے۔

عقوبة یا عذاب الٰہی مراد ہے یا حضرت عمرؓ کا اس منافق کو قتل کردینا۔ اس کے بعد مفسر علامؒ نے لفظ **لا** مقدر مان کر اشارہ کردیا کیف استفہام انکاری ہے۔

ثم جاؤک حسنؒ اور واحدیؒ کے نزدیک بھی یہی مختار ہے کہ اس کا عطف **یصدون** پر ہوا اور درمیان میں جملہ معترضہ ہوا اس صورت میں حاصل معنی یہ ہوں گے۔ **انهم فی الاول الامر یصدون عنک اشد الصدود ثم بعد ذلک یجیبونک ویحلفون لک کذبًا انهم ما ارادوا بذلک الا الاحسان والتوفیق** اور بعض کے نزدیک اس کا عطف **اصابتهم** پر ہے۔ اس وقت معنی یہ ہوں گے **انهم اذا کانت صدودهم ونفرتهم من الحضور عند الرسول فی وقت السلامة هکذا فکیف یکون نفرتهم اذا اتوا بخیانة خافوا بسببها منک ثم جاؤک کرها یحلفون کذبا ماردنا بتلک الخیانة الا الخیر والمصلحة. فاعرض** یہ شرط محذوف کا جواب ہے۔ ای **اذا کان حالهم کذلک فاعرض عن قبول عذرهم.**

بامره مفسر علامؒ نے اذن کا ترجمہ امر کے ساتھ کر کے اشارہ کردیا کہ یہاں ارادۂ الٰہی مراد نہیں ہے بلکہ حکم الٰہی مراد ہے ورنہ معصیت کی صورت میں ارادۂ خداوندی کا مراد سے تخلف لازم آجائے گا۔

واستغفرلهم مراد آنحضرت ﷺ کی شفاعت ہے اور **اذ** کا عامل ان کی خبر یعنی **جاؤک** ہے اور معنی یہ ہیں۔ **ولو وقع مجیئهم فی وقت ظلمهم مع استغفارهم واستغفار الرسول.** نیز مقتضی ظاہر **استغفرت** ہے اس سے عدول کر کے استغفار کہنے میں آنحضرت ﷺ کی فخامت شان ہے۔ مفسرینؒ نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات اور تدفین کے بعد قبر مبارک پر ایک اعرابی حاضر ہوا اور سر پر دو ہتڑ مار کر عرض کرنے لگا:

ماقلت فسمعناه و كان فيما انزل عليك ولو انهم اذ ظلموا انفسهم الخ وقد ظلمت نفسی و جئتك استغفر الله ذنبی مستغفرلی من ربی۔

''یارسول اللہ! آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا ہم نے سن لیا اسی میں یہ آیت ولو انهم الخ بھی ہے میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اب میں آپ کی خدمت میں استغفار کی نیت سے حاضر ہوا ہوں۔ آپ بھی میرے لئے استغفار فرمائیے''۔

قبر مبارک سے آواز آئی قد غفرلک له یعنی آپ کی برکت سے تمہاری مغفرت ہوگئی ہے۔ فلاوربك لفظ لا میں چار قول ہیں۔ پہلا قول ابن جریر کا ہے کہ اول لا ماقبل کی تردید کے لئے ہے اس صورت میں لا پر وقف تام ہو جائے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ پہلا لا اہتمام نفی کی غرض سے قسم پر لا لایا گیا ہے اور پھر تاکیداً دوبارہ لایؤمنون پر لایا گیا ہے چنانچہ ان دونوں میں سے اول حذف ہوسکتا ہے لیکن یہ دلالت اہتمام فوت ہو جائے گی اور دوسرا بھی حذف ہوسکتا ہے لیکن دلالت علی النفی فوت ہو جائے گی۔ اس لئے دونوں کو جمع کرنا ہی مناسب ہوا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ دوسرے لا کو زائد کہا جائے اس صورت میں نفی اور منفی کے درمیان قسم بطور معترضہ ہو جائے گی۔ ای فلایؤمنون وربک چوتھی صورت یہ ہے کہ اول لا کو زائد اور دوسرے کو غیر زائد مانا جائے گویا تاکید قسم کے لئے یہ زائد ہوگا۔ جیسے لئلا یعلم میں تاکید وجوب علم کے لئے ہے اور لایؤمنون جواب قسم ہے یہ رائے زمخشری کی ہے۔ وربک میں آنحضرت ﷺ کی تفخیم شان ہے۔

حتی یحکموک یہ تینوں شرطیں کمال ایمان کی ہیں۔ شجرا قاموس میں ہے شجر بینهم الامر شجورًا بمعنی تنازعوا فیه اور ما سے مراد امر ہے اور شجر کی ضمیر اس کی طرف راجع ہے۔ مما قضیت لفظ ما یا موصولہ ہے جیسا کہ مفسرؒ کی رائے ہے تقدیر عائد کر کے اور مصدر یہ بھی ہوسکتا ہے قلیل یہ مرفوع ہے بنا بر بدل ہونے کے فعلوہ کی ضمیر سے۔ فعلوه ای المکتوب المدلول علیه بقوله انا کتبنا۔ لو ثبتوا یہ اذا کی تفسیر نہیں ہے بلکہ اذا کے بعد تقدیر لو کی طرف اشارہ ہے اور لاتیناهم اس کا جواب ہے اور اس میں لام لو مقدرہ کا جواب ہے۔ فاولئك جمع باعتبار معنی کے ہے۔

مع الذین معیت سے مراد اتحاد فی الدرجہ نہیں ہے ورنہ فاضل ومفضول میں مساوات لازم آ جائے گی اور نہ مطلق اشتراک فی دخول الجنۃ مراد ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اپنی اپنی جگہ رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے ملاقات ہو سکے گی۔ من النبیین چونکہ مراد آنحضرت ﷺ کی معیت ہے اس لئے صرف مع النبی او الرسول کہنا کافی تھا۔ لیکن اس طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی معیت جملہ انبیاءؑ کی معیت ہے۔

الصدیقین صدیق کے متعلق مفسرینؒ کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک افاضل صحابہؓ مراد ہیں۔ بعض کے نزدیک صدیقؓ وہ شخص ہے جو پورے دین کی تصدیق سچے دل کے ساتھ کرے کہ اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ چنانچہ ارشاد ہے والذین امنوا بالله ورسوله اولئك هم الصدیقون۔ تیسری رائے یہ ہے کہ جو شخص پیغمبر کی تصدیق کرنے میں سب سے اول اور پیش پیش ہو۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ اس وصف میں صدیق اکبر کہلائے۔ رفیقا یہ حال یا تمیز ہے واحد اور جمع اس میں برابر ہیں۔

ربط:............ پچھلی آیت میں سارے معاملات کو اللہ ورسولؐ کے سپرد کرنے کا ذکر تھا۔ آیت الم تر الی الذین الخ میں شریعت کے علاوہ دوسری طرف رجوع کرنے کی مذمت ہے جو منافقین کا طریقہ ہے۔ چنانچہ آیت میں ایک خاص واقعہ کا تذکرہ ہے جس میں نفاق پسند لوگوں کی قلعی کھلی اور آیت وما ارسلنا الخ میں یہ بتلانا ہے کہ اگر کبھی غلطی ہو بھی جائے تو کھلے دل سے اعتراف اور ندامت اظہار ہونا چاہئے نہ یہ کہ لیپ پوت سے کام لیا جائے۔

شانِ نزول: .... آیت الــم تــر الــخ کے شان نزول کی طرف جلال مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ یہ آیت غزوۂ مریسیع میں نازل ہوئی سورۂ منافقون کے نزول کے وقت۔ پس اس صورت میں ان اردنــا الااحسـانــا کے معنی یہ ہوں گے کہ اس غزوہ میں جو ذلت ورسوائی کی مصیبت ہوئی ہے ہم فریقین میں خیر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آیت فــلا وربك کے متعلق لباب میں ابن ابی حاتمؒ اور ابن مردوؒیہ عن الاسودؒ سے روایت ہے کہ یہ واقعہ بشر نامی منافق کا ہے۔ جس کو حضرت عمرؓ نے قتل فرمادیا تھا۔ لیکن لباب ہی میں ائمہ ستہ سے یہ بھی منقول ہے کہ حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ شراج حرہ کے سلسلہ میں لیکن پہلی روایت ہی اوفق بالمقام ہے۔ آیت ولــوانــا کتبنــا کے سلسلہ میں لباب میں یہ ہے کہ یہ آیت جب نازل ہوئی تو ثابت بن قیسؓ بن شماس اور ایک یہودی کے درمیان فخریہ گفتگو ہوئی یہودی نے کہا کہ اللہ نے ہمیں اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا ہم اس امتحان میں کامیاب ہوئے اس پر ثابت بولے اگر ہمارے لئے بھی قتل کا حکم ہو جائے تو ہم بھی اس کی تعمیل کریں گے اس پر لــو انهــم فعلوا کا نزول ہوا اور آیت و من یطع الله کے شان نزول کی طرف خود مفسرؒ اشارہ کررہے ہیں۔

﴿ **تشریح** ﴾: .... بشر نامی ایک منافق کا جھگڑا کسی بات پر ایک یہودی سے ہوا چونکہ منافق ناحق پر تھا اس لئے فیصلہ کے لئے کعب بن اشرف کے پاس مقدمہ لے جانا چاہا۔ لیکن یہود کو انصاف ملنے کی امید تھی اس لئے اس نے آنحضرت کی خدمت میں واقعہ پیش کرنا چاہا۔ چنانچہ یہودی کی سعی کامیاب رہی اور مقدمہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا جس کا نتیجہ یہودی کے حق میں رہا۔ منافق نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ حضرت عمرؓ کفار کے حق میں نہایت سخت اور مسلمانوں کے حق میں بہت رحم دل ہیں میرا مقدمہ وہاں سرسبز ہو جائے گا اور میرا کام بن جائے گا۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ کے یہاں جا کر اپیل کردی۔ یہودی اس لئے مطمئن تھا کہ حضرت عمرؓ اگر چہ متشدد ہیں لیکن ساتھ ہی حق پرست بھی ہیں۔ اسی لئے یہودی آمادہ ہو گیا اور روئداد مقدمہ کے ساتھ یہ بھی عرض کردیا کہ اول یہ مقدمہ سرکارِ نبوی ﷺ میں پیش تھا اور میرے حق میں فیصلہ ہو چکا لیکن بشر مطمئن نہیں ہوا۔ اس لئے یہ آپ کے اجلاس میں اپیل کررہا ہے حضرت عمرؓ نے منافق سے تصدیق چاہی تو اس نے تصدیق کردی۔ فرمایا کہ ٹھہرو! میں ابھی آتا ہوں یہ کہہ کر فاروق اعظمؓ اندر تشریف لے گئے اور تلوار لے کر آئے اور منافق کا کام تمام کردیا اور فرمایا کہ جو اللہ کے رسولؐ کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اس کا فیصلہ یہی ہے۔

فاروق اعظم کے فیصلہ پر احتجاج اور ان پر دعویٰ خون بہا: .... اس پر منافق کے ورثاء میں بڑی شورش ہوئی اور انہوں نے منافق کے قول وفعل کی تاویلات پیش کر کے فاروق اعظمؓ پر قصاص اور خون بہا کا دعوی کرنا چاہا۔ لیکن حق تعالیٰ نے ان آیات میں ان کی قلعی کھول کر رکھ دی جس سے ان کا مطالبہ خون بہا رد کردیا گیا۔ فاعرض عنهم سے تسامح اور چشم پوشی کا حکم اس مصلحت سے دیا گیا ہے کہ منافقین کا کفر چونکہ بالکل عریاں اور عیاں نہیں ہوا تھا ایسی حالت میں اگر ان پر جہاد کے ذریعہ ہزن بول دیا جاتا تو دور رہنے والے ان کی مخفی سازشوں اور شرارتوں سے تو ناواقف ہوتے اور ان کا قتل کھل کھلا ہوتا تو نتیجہ یہ نکلتا کہ رائے عامۃ اسلام کے برخلاف اور شدید ہو جاتی اور لوگ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے کہ اسلام میں خانہ جنگی، انتشار اور بدنظمی ہے اور اس میں پناہ ڈھونڈنے والے اسی طرح کی بدامنیوں کا شکار رہتے ہیں جس سے اسلام کو سخت دھچکہ لگتا اور اس کی تمام تر ترقی رک جاتی۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ سے اس مصلحت پر روشنی پڑتی ہے۔

دعه فان الناس يتحدثون ان محمدا يقتل اصحابه

جانے دو! لوگ یہ کہیں گے کہ محمدؐ نے اپنے دوستوں کو قتل کرنا شروع کردیا۔

بایں ہمہ وہ منافق چونکہ محترم النفس نہیں تھا بلکہ مباح الدم تھا۔ اس لئے اس کا خون ہدر ہو گیا اور حضرت عمرؓ قصاص یا خون بہا سے بری سمجھے گئے۔

ایک اور شبہ کا ازالہ: .... رہا یہ شبہ کہ اس میں بھی تو سلام کی بدنامی ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس میں ایک دوسری بڑی مصلحت پیش نظر تھی کہ ظاہر طور پر منافق چونکہ مسلمان سمجھا جاتا تھا اور دوسری طرف کافر مجاہر تھا۔ تو اس بے لاگ اور غیر جانب دارانہ معاملہ میں جب اس نے دیکھا ہوگا کہ اسلام کے نزدیک انصاف کے مقابلہ میں اپنوں کی بھی رعایت نہیں کی جاتی اور اس حق پرستی کا اظہار اپنے ہم مشرب اور ہم قوم لوگوں کے سامنے کیا ہوگا۔ جس سے اسلامی عدل وانصاف کا سکہ ان کے قلوب پر بیٹھ گیا ہوگا کہ اسلام میں انصاف کا خون کر کے جان بچانے کی پرواہ نہیں کی جاتی غرضکہ اس خاص مصلحت کی وجہ سے اس عام ضابطہ سے اس کو مخصوص کر لیا گیا ہے۔

استغفار کی قید کا فائدہ اور اس کی شرائط: .... فاستغفروا اللہ کا یہ مطلب نہیں کہ منافق رہتے ہوئے توبہ کرنا کافی ہوگا بلکہ مقصد یہ ہے کہ نفاق چھوڑ کر ایمان لے آتے کیونکہ ایمان لانا قبول توبہ کی شرائط میں سے ہے اور استغفار کی صحت موقوف ہے ایمان پر۔ گویا استغفار مستلزم ایمان ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ ثم جآء وك فآمنوا واستغفروا بہر حال استغفار کی ایک شرط تو ایمان ہے۔ دوسری شرط آیت میں سرکار نبوی ﷺ میں ان کی حاضری اور تیسری شرط ان کے لئے آپ ﷺ کا استغفار فرمانا بیان کیا گیا ہے۔ جہاں تک حاضری کا تعلق ہے سو آپؐ کے زمانہ میں جو لوگ مکاناً آپ ﷺ سے قریب تھے عادۃً ان کے لئے اظہار ایمان کا یہی طریق تھا کہ وہ حاضر خدمت ہو کر مسلمان ہوں۔ نیز معصیت کی حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئے توبہ ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ تارک نماز کی توبہ یہ ہے کہ نمازوں کی قضاء کرے اور کھلم کھلا گناہ کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ توبہ اور رجوع بھی کھلم کھلا ہونا چاہئے۔

اسی طرح یہاں منافقین کا قصور غیر حاضری تھی۔ پس اس کا تدارک حاضری سے ہونا چاہئے۔ نیز غیر حاضری سے قلب مبارک کو ایذا پہنچی تھی۔ اس کی تلافی حاضر خدمت ہو کر ازالہ اذیت ہو سکتی ہے۔ باقی خود آپ ﷺ کے استغفار کرنے کی شرط لگانا شاید اس لئے ہو کہ اس سے آپ ﷺ کی خوشنودی معلوم ہوگی یا توبہ کرنے والوں کو خلوص دل سے توبہ کرنے کی توفیق ہو جائے گی۔ جو توبہ کے لئے نہایت ضروری ہے یا یوں کہا جائے کہ اصل مقصد شرائط توبہ بیان کرنا نہیں ہے بلکہ توبہ کے مکملات بیان کرنا ہے۔

حتی یحکموك میں تحکیم شرعی مراد نہیں کہ یہ تو آنحضرت ﷺ کو حاصل ہے ہی بلکہ تحکیم حسی مراد ہے۔ یعنی اپنے تمام مقدمات آپؐ ہی کے پاس لانے چاہئیں۔

چند شبہات کا جواب: .... رہا یہ شبہ کہ غیر اسلامی قانون کو باطل سمجھنے کے باوجود کسی وجہ یا مجبوری سے اس کی طرف رجوع کرنا یا شرعی فیصلہ کو حق سمجھنے کے باوجود کسی وجہ سے دل تنگ ہونا یا شرعی فیصلہ پر عمل کرنا آیت سے ان تینوں صورتوں کا خلاف ایمان و اسلام ہونا معلوم ہوتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ بلا اعتقادِ حلت حرام چیز کا مرتکب گنہگار کہلاتا ہے۔ نہ کہ دائرۂ ایمان سے خارج۔ اسی طرح دل کی تنگی غیر اختیاری چیز ہے اور غیر اختیاری چیز کا انسان مکلف نہیں ہے۔ اسی طرح ترک عمل سے ایمان نہیں جاتا۔ ان تمام شبہات کا جواب یہ ہے کہ تحکیم اور تسلیم اسی طرح عدم حرج کے تین مرتبے ہوتے ہیں۔ (۱) اعتقادی درجہ کہ شرعی قانون کو حق سمجھتا ہے اور عقلی درجہ میں اس کو تسلیم کرتے ہوئے عقلی ضیق سے بھی بچتا ہے۔ (۲) زبانی مرتبہ کہ شرعی امور کے حق ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ (۳) عملی مقام کہ اپنا مقدمہ بھی شرعی عدالت میں لے جاتا ہے اور اس کے فیصلہ کے مطابق بلا ضیق طبعی عمل درآمد بھی کرتا ہے۔ ان تینوں صورتوں کے احکام الگ الگ ہیں۔ اول مرتبہ تصدیق وایمان کا ہے اس کے خلاف کرنا عند اللہ کفر ہے۔ منافقین میں اس مرتبہ کا

فقدان تھا اور دوسرا درجہ زبانی اقرار کا ہے۔ اس کے خلاف کرنا ظاہراً لوگوں کے نزدیک کفر ہے۔ تیسرا مرتبہ صلاح وتقویٰ کا ہے۔ اس کا نہ ہونا فسق کہلاتا ہے اور طبعی تنگی معاف ہے۔ البتہ بقر ...منافقین آیت میں اول مرتبہ مراد ہے۔

نکاتِ آیت: .... **الا قليل منهم** اس میں تمام صحابہؓ داخل ہیں جو بمقابلہ کفار قلیل ہی ہیں۔ **عليهم** کی ضمیر کا مرجع مطلق ناس ہے۔ نہ صرف صحابہؓ کہ بلا دلیل ہے اور نہ صرف منافقین کہ خلاف دلیل ہے بہر حال تمام صحابہ کرامؓ اور مؤمنین کو قلیل میں داخل کرنے کے بعد بنی اسرائیل کا امت محمدیہؐ سے افضل ہونا لازم نہیں آتا اور قتل نفس کے اس مضمون کو درمیان میں لانے کا منشاء آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ منافقین کی حالت سے غم زدہ نہ ہوں۔

اولئك مع الذين اس کا یہ مطلب نہیں کہ جنت میں یہ لوگ بھی ساتھ جائیں گے اور نہ یہ مطلب ہے کہ سب ایک ہی درجہ میں رہیں گے۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ اپنے نچلے درجوں سے اوپر کے درجوں میں جا جا کر مشرف بزیارت ہوتے رہا کریں گے دنیا میں چونکہ ضروری احکام کے درجات مختلف ہوتے ہیں ادنیٰ درجہ سے انسان مؤمن کہلاتا ہے اس سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ انسان دائرہ معصیت سے نکل جاتا ہے اور ظاہری و باطنی تطوعات کا بجالانا اعلیٰ درجہ ہے جو صدیقیت کا مقام ہے پس آیت میں یہ مرتبہ مراد نہیں ہے کیونکہ ان کے ساتھ تو معیت ہوگی۔ اس صورت میں تو متبعین کا متحد ہونا لازم آجائے گا حالانکہ ان کا متحد ہونا ضروری نہیں۔

لطائف آیت: .... آیت **اولئك مع الذين** میں مقامات باطنہ کا اثبات ہو رہا ہے اور یہ کہ ادنیٰ مقام والوں کی رفاقت ومعیت اعلیٰ مقام والوں کے ساتھ ممکن ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ پہنچنا اصالۃً نہیں ہوتا بلکہ طبعاً ہوتا ہے جو لوگ اس حقیقت حال سے باخبر اور واقف نہیں ہوتے وہ ان مقامات کے مکشوف ہونے پر گمراہی سے دعویٰ نبوت تک کر بیٹھتے ہیں۔ جیسا کہ متبنی قادیان نے کیا ہے۔ **اللهم اعذنا منه**۔

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ اَيْ اِحْتَرِزُوْا مِنْهُ وَتَيَقَّظُوْا لَهٗ **فَانْفِرُوْا** اِنْهَضُوْا اِلٰى قِتَالِهٖ **ثُبَاتٍ** مُتَفَرِّقِيْنَ سَرِيَّةً بَعْدَ اُخْرٰى **اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا** ﴿۷۱﴾ مُجْتَمِعِيْنَ **وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ** لَيَتَاَخَّرَنَّ عَنِ الْقِتَالِ كَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ اُبَيِّ الْمُنَافِقِ وَاَصْحَابِهٖ وَجَعَلَهٗ مِنْهُمْ مِنْ حَيْثُ الظَّاهِرِ وَاللَّامُ فِى الْفِعْلِ لِلْقَسَمِ **فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ** كَقَتْلٍ وَهَزِيْمَةٍ **قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا** ﴿۷۲﴾ حَاضِرًا فَاُصَابَ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ** كَفَتْحٍ وَغَنِيْمَةٍ **لَيَقُوْلَنَّ** نَادِمًا **كَاَنْ** مُخَفَّفَةٌ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ كَاَنَّهٗ **لَّمْ تَكُنْ** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ** مَعْرِفَةٌ وَصَدَاقَةٌ وَهٰذَا رَاجِعٌ اِلٰى قَوْلِهٖ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِعْتَرَضَ بِهٖ بَيْنَ الْقَوْلِ وَمَقُوْلِهٖ وَهُوَ **يَا** لِلتَّنْبِيْهِ **لَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا** ﴿۷۳﴾ اٰخُذَ حَظًّا وَافِرًا مِنَ الْغَنِيْمَةِ قَالَ تَعَالٰى **فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** لِاِعْلَاءِ دِيْنِهٖ **الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ** يَبِيْعُوْنَ **الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ** **وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ** يُسْتَشْهَدْ **اَوْ يَغْلِبْ** يَظْفَرْ بِعَدُوِّهٖ **فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا** ﴿۷۴﴾ ثَوَابًا جَزِيْلًا **وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ** اِسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ اَيْ لَا مَانِعَ لَكُمْ مِنَ الْقِتَالِ **فِيْ**

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ فِيْ تَخْلِيْصِ **الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ** حَبَسَهُمُ الْكُفَّارُ عَنِ الْهِجْرَةِ وَاٰذَوْهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كُنْتُ اَنَا وَاُمِّيْ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ **يَقُوْلُوْنَ** دَاعِيْنَ يَا **رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ** مَكَّةَ **الظَّالِمِ اَهْلُهَا** ج بِالْكُفْرِ **وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ** مِنْ عِنْدِكَ **وَلِيًّا** ج يَتَوَلّٰى اُمُوْرَنَا **وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا** ﴿۷۵﴾ يَمْنَعُنَا مِنْهُمْ وَقَدِ اسْتَجَابَ اللّٰهُ دُعَاءَهُمْ فَيَسَّرَ لِبَعْضِهِمُ الْخُرُوْجَ وَبَقِيَ بَعْضُهُمْ اِلٰى اَنْ فُتِحَتْ مَكَّةُ وَوَلّٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَتَّابُ بْنُ اَسِيْدٍ فَاَنْصَفَ مَظْلُوْمَهُمْ مِنْ ظَالِمِهِمْ **اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** ج **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ** الشَّيْطَانِ **فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ** ج اَنْصَارَ دِيْنِهٖ تَغْلِبُوْهُمْ لِقُوَّتِكُمْ بِاللّٰهِ **اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ** بِالْمُؤْمِنِيْنَ **كَانَ ضَعِيْفًا** ﴿۷۶﴾ وَاهِيًا لَا يُقَاوِمُ كَيْدَ اللّٰهِ بِالْكٰفِرِيْنَ ۔

ترجمہ:.........مسلمانو! اپنی حفاظت اور تیاری میں لگے رہو (اپنے دشمنوں کی وجہ سے یعنی ان سے اپنے بچاؤ کا خیال رکھو اور بیداری سے کام لو) پھر مقابلہ کے لئے نکلو (جنگ کے لئے نکل کھڑے ہو) الگ الگ گروہوں میں بٹ کر (کہ یکے بعد دیگرے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں بنا کر نکلو) یا اکٹھے ہو کر (ساتھ مل کر) اور کچھ لوگ تم میں سے ایسے بھی ہیں کہ وہ ضرور قدم پیچھے ہٹائیں گے (جہادی مہم سے پسپائی اختیار کریں گے جیسے عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ہم جولی۔ باقی ان کو مسلمانوں میں شمار کرنا وہ ظاہری لحاظ سے ہے اور لیبطئن میں لام قسمیہ ہے) اور اگر تم پر کوئی آفت پڑ جائے (جیسے قتل ہو جانا یا مات کھا جانا) تو کہنے لگتے ہیں کہ خدا نے ہم پر بڑا ہی احسان کیا کہ ان لوگوں کے ساتھ نہیں تھے (میدان جہاد میں نہیں تھے ورنہ ہم بھی مصیبت میں پھنس جاتے) اور اگر (اس میں لام قسمیہ ہے) تم پر خدا کا فضل وکرم ہوتا ہے (جیسے فتح اور مال غنیمت کا حاصل ہو جانا) تو بول اٹھتے ہیں (ندامت کے ساتھ) گویا کہ (لفظ ان مخففہ من المثقلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی کانہ تھا) نہیں ہے (اس کی قرأت یا اور تا کے ساتھ دونوں طرح ہے) تم میں اور ان میں کوئی علاقۂ محبت (جان، پہچان، دوستی اس جملہ کا تعلق قد انعم الله علی کے ساتھ ہے قول اور مقولہ کے درمیان یہ جملہ معترضہ ہے اور وہ مقولہ آگے ہے) اے کاش! (اس میں یا تنبیہ کے لئے ہے) ہم بھی ان کے ساتھ ہوتے کہ ہم بھی بہت کچھ کامیابی حاصل کر لیتے (یعنی مال غنیمت کی ایک بڑی مقدار مل جاتی۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) سو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے شریک ہونا چاہئے (اس کے دین کو بلند کرنے کی خاطر) ان لوگوں کو جو فروخت کر چکے (بیچ چکے) ہیں دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے تو خواہ قتل (شہید) ہو جائے یا غالب آ جائے (دشمن پر کامیاب ہو جائے) ہم اس کو بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے (عظیم الشان ثواب) اور تمہیں کیا ہو گیا ہے (استفہام توبیخی ہے یعنی جہاد کرنے سے ایسی حالت میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے) کہ راہ مولیٰ میں جہاد نہیں کرتے اور کمزور مردوں، عورتوں، بچوں کے (بچانے یا چھڑانے کے لئے جن کو کفار نے ہجرت کرنے سے روک رکھا ہے اور ان کو ستاتے رہتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں اور میری والدہ بھی ان ہی لوگوں میں تھے) جو فریاد کر رہے ہیں (دعائیں مانگ رہے ہیں) کہ خدایا ہمیں نجات دلا دیجئے اس بستی (مکہ) سے جہاں کے رہنے والوں نے ظلم (کفر) پر کمر باندھ رکھی ہے اور اپنی طرف سے (پردۂ غیب سے) کسی کو ہمارا کارساز (مددگار) بنا دیجئے اور کسی کو مددگاری کے لئے کھڑا کر دیجئے (جو ہمیں

ان سے بچالے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کمزوروں کی پکار سن لی اور کچھ لوگوں کے لئے نکلنے کی راہ پیدا فرمادی۔ البتہ بعض لوگ مکہ فتح ہونے تک پڑے رہے، آنحضرت ﷺ نے اس کے بعد عتاب بن اسید کو مکہ کا گورنر بنادیا انہوں نے ظالم ومظلوم کے درمیان بڑے انصاف سے کام لیا) اہل ایمان کا لڑنا اللہ کی راہ میں ہوتا ہے اور اہل کفر کا لڑنا طاغوت (شیطان) کی راہ میں ہوتا ہے اس لئے تم شیطان کے حمایتیوں سے لڑو (جو اس کے طریقہ کے مددگار ہوں ان پر تم لوگ غالب آجاؤ اللہ کی طاقت کے بل بوتہ پر) بلاشبہ شیطان کا مکر (مسلمانوں کے ساتھ) کمزور ہے (بالکل بودا اللہ کی تدبیر کے مقابلہ میں جمنے والا نہیں ہے)

تحقیق وترکیب: .... **خذوا حذرکم** اہل عرب کے نزدیک **اخذ حذرہ** کے معنی چوکنے رہنے اور خوف سے بچاؤ کے ہیں گویا یہ **حذر** ہی بچاؤ کا آلہ ہے اور بعض نے **حذر** کے معنی ہتھیار کے لئے ہیں۔ پہلی صورت میں **احترزوا من العدو** کے معنی ہوں گے اور دوسری صورت میں **خذو اسلاحکم** کے معنی ہوں گے۔

ثبات جمع ثبۃ دس سے زائد آدمیوں کی جماعت اور بعض کے نزدیک دو سے زیادہ آدمیوں کو کہتے ہیں۔ بروزن **فعلۃ** تھا مثل **حکمۃ** کے۔ لام کو حذف کرکے تا تانیث اس کے عوض میں لے آئے **ثبابتیو** سے ہے یا **ثبیت** سے۔ واوی یا یائی دونوں قول ہیں۔ کشاف، بیضاوی وغیرہ نے یہ معنی لئے ہیں کہ متفرقا یا مجتمعا جس طرح بھی موقعہ ہو شریک جہاد ہو اور زاہدی نے یہ توجیہ کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی اگر معیت ہو تو سب مل کر شانہ بشانہ جہاد اور علم کی ضرورت پوری کرو۔ لیکن بنفس نفیس آپ ﷺ کی شرکت نہ ہو تو پھر بعض لوگ شریک جہاد ہوں اور بعض لوگ شریک درس وتعلم۔ دوسری آیت یہ ہے **وما کان المؤمنون لینفروا** الخ اور **انفروا خفافا وثقالاً** الخ بھی اس معنی کی مؤید ہے۔

سریۃ کم سے کم سو اور زیادہ سے زیادہ چار سو افراد کی جماعت ورقاموس میں ہے کہ پانچ آدمیوں سے لے کر تین سو چار سو افراد پر یہ لفظ صادق آتا ہے یہاں مطلق جماعت مراد ہے۔ **لیبطئن** بطا بمعنی ابطاء یعنی یہ لازم ہے باکے ذریعہ تعدیہ کرکے کہا جاتا ہے۔ **مابطاء بک** اس میں لام قسمیہ ہے جو جواب قسم کی ساتھ مل کر **من** کا صلہ ہوگا۔ پہلا لام ابتدائیہ ہے جو ان کے اسم پر خبر کے فاصلہ کی وجہ سے داخل کردیا گیا ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ **وان منکم لمن اقسم بالله لیبطئن**. **یلیتنی** ابوعلی کی رائے یہ ہے کہ یا فعل اور حرف پر صرف تنبیہ کے لئے داخل ہوتی ہے **هذا** یعنی **کان لم یکن** کا تعلق **قد انعم الله** کے ساتھ ہے اصل عبارت اس طرح تھی۔ **قد انعم الله علی کان لم یکن** الخ لیکن یہ جملہ مؤخر ہو کر قول اور مقولہ کے درمیان معترضہ ہوگیا۔ اس لئے **مودۃ** پر وقف بہتر نہیں ہے۔ **فلیقاتل** اس میں فا شرط مقدر کا جواب ہے۔ ای **ان ابطاء وتاخر هؤلاء عن القتال فلیقاتل**. **فیقتل** یہی دو باتیں مجاہد کے پیش نظر ہونی چاہئیں۔ تیسری بات یعنی صرف مال ودولت کا حصول مقصود نہیں ہونا چاہئے اور نہ فرار ہونا چاہئے بلکہ یا جام شہادت نوش کرلے اور یا کامیاب و غالب ہوکر رہے۔ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے نیز مجاہد کے پیش نظر دوسروں کو قتل کرنا نہیں، بلکہ خود مظلومانہ شہادت حاصل کرنا یا غالب آنا رہنا چاہئے۔ اسی لئے **فیقتل او یغلب** نہیں کہا گیا۔ رہا دوسروں کا قتل وہ بدرجۂ مجبوری ہے۔ **والولدان** مشرکین کے ظلم کی انتہائی بربریت ظاہر کرنا ہے کہ معصوم بچوں پر بھی ان کو ترس نہیں آتا اور **مستضعفین** میں ست مبالغہ کے لئے ہے۔

الظالم اهلها ظلم کی نسبت مکہ معظمہ کی طرف تشریفاً نہیں کی گئی بلکہ اہل مکہ کی جفا بیان کی گئی ہے ترکیب کے لحاظ سے یہ قریہ کی صفت ہے اور الف لام بمعنی **التی** موصولہ اور ظالم کی تذکیر مسند الیہ کے لحاظ سے ہے کیونکہ فعل یا اسم فاعل یا اسم مفعول کی اسناد غیر ماہولہ کی طرف اگر ہوتی ہے تو تذکیر و تانیث میں اسی کا لحاظ ہوتا ہے۔ **فیسر لبعضهم** سلمہؓ بن ہشام، عباسؓ بن ابی ربیعہ، ولیدؓ یہ حضرات

ہجرت سے مستفید ہوگئے تھے۔عتاب فتح مکہ کے موقعہ پر مسلمان ہوئے اور اٹھارہ سال کی عمر میں ان کو آپ ﷺ نے مکہ کا والی بنادیا تھا۔ نیز ان کے والد اسید کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں نے ان کو جنت میں دیکھا ہے۔لیکن انتقال کفر کی حالت میں ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے مراد ان کا بیٹا یعنی عتاب ہیں۔پس اسی طرح عتاب کا مبشر بالجنۃ ہونا بھی معلوم ہوگیا۔

ان کید الشیطن بعض حضرات نے بطور علمی لطیفہ کے یہ بات کہی ہے کہ اس آیت میں کید شیطان کو ضعیف اور سورۂ یوسف کی آیت میں کید نساء کو عظیم کہا گیا ہے۔دونوں کا حاصل یہ نکلا کہ عورتوں کا مکر شیطان کے مکر سے بھی بڑھ کر ہے۔لیکن یہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ یہاں کید شیطان کو اللہ کی تدبیر کے مقابلہ میں ضعیف کہا گیا ہے اور عورتوں کا مکر مردوں کے مقابلہ میں عظیم ہے۔اس طرح دونوں الفاظ کی اضافت بدل گئی ہے۔

ربط: .... تین رکوع پہلے کفار کے قبائح کا ذکر تھا۔اس کے بعد اہل ایمان کے مدائح کا ذکر شروع ہوگیا۔اب پھر روئے سخن کفار ہی کی طرف ہوگیا اور جہادی اسکیم اور اس کے متعلقات کا بیان چھ رکوع تک چلا گیا ہے۔

شانِ نزول: .... ہجرت سے پہلے اگرچہ جہاد کی اجازت نہیں تھی لیکن ہجرت کے بعد اجازت ہوگئی۔تاہم بعض لوگوں کی طرف سے عملاً اس میں تقاعد پیش آیا۔حالانکہ اسباب جہاد کافی موجود تھے اسی سلسلہ میں ان آیات کا نزول ہوا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے بعد ابن عباسؓ اور ان کی والدہ، سلمہؓ بن ہشامؓ، ولید بنؓ الولید اور ابوجندل بنؓ سہل وغیرہ نادار مسلمان مکہ معظمہ میں رہ گئے تھے جن کو حد سے زیادہ ظلم وجور کی چکی میں پیسا جارہا تھا جن میں سے بعض کو تو پہلے ہی رہائی نصیب ہوگئی تھی لیکن فتح مکہ کے بعد اللہ نے سب کی مشکلات حل فرمادیں۔آپ ﷺ نے عتابؓ بن اسید کو مکہ معظمہ کا گورنر بنادیا انہوں نے عدل وانصاف کے شیریں پانی سے سب کی پیاس بجھائی۔

نکات: .... ولی اور نصیر کا مصداق اچھا تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو قرار دیا جائے لیکن حضرت عتابؓ بھی بن سکتے ہیں۔رہا یہ شبہ کہ جب ان مسلمان ضعفاء کی رہائی مقدر ہوچکی تھی پھر مسلمانوں کو جنگی حکم سے کیا فائدہ؟ جواب یہ ہے کہ ان مظلوم اور ستم رسیدہ لوگوں کی دعائیں تو ضرور قبول ہوئیں، لیکن عالم اسباب میں ان کی رُستگاری کا آخر کوئی نہ کوئی سامان تو ضرور ہوتا اور وہ ذریعہ اگر طاقتور اور آزاد مسلمان بن جائیں اور شریک مساعی ہوکر اپنی اخوت وہمدردی کا ثبوت پیش کردیں تو مفت کی دولت ہاتھ آتی ہے اور ہم خرما وہم ثواب کا مصداق ہوجاتے ہیں۔

لطائف آیت: .... وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم اور اہل ایمان سے وعدۂ نصرت کا حاصل یہ ہے کہ مقتضی ایمان تو یہی ہے کہ امداد الٰہی اور تائید غیبی ان کے شامل حال ہو لیکن اگر کسی مانع کی وجہ سے جیسے طاعت کی کمی یا امتحان، آزمائش کی مصلحت سے یہ تقاضا کسی وقت پورا نہ کیا جائے تو باعث اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ عَنْ قِتَالِ الْكُفَّارِ لَمَّا طَلَبُوْهُ بِمَكَّةَ لِاَذَى الْكُفَّارِ لَهُمْ وَهُمْ جَمَاعَةٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ **وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ** فُرِضَ **عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ** يَخَافُوْنَ **النَّاسَ** الْكُفَّارَ اَيْ عَذَابَهُمْ بِالْقَتْلِ **كَخَشْيَةِ** هِمْ عَذَابَ **اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً** مِنْ خَشْيَتِهِمْ لَهُ وَنَصَبَ اَشَدَّ عَلَى الْحَالِ وَجَوَابُ لَمَّا دَلَّ عَلَيْهِ اِذَا وَمَابَعْدَهَا اَيْ فَاجَأَتْهُمُ الْخَشْيَةُ **وَقَالُوْا** جَزَعًا مِّنَ الْمَوْتِ **رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَآ** هَلَّا **اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ قُلْ** لَهُمْ **مَتَاعُ الدُّنْيَا** مَا يُتَمَتَّعُ بِهِ فِيْهَا اَوِ الْاِسْتِمْتَاعُ بِهَا **قَلِيْلٌ** اٰئِلٌ اِلَى الْفَنَاءِ **وَالْاٰخِرَةُ** اَيِ الْجَنَّةُ **خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى** عَذَابَ اللّٰهِ بِتَرْكِ مَعْصِيَتِهِ **وَلَا تُظْلَمُوْنَ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ تُنْقَصُوْنَ مِنْ اَعْمَالِكُمْ **فَتِيْلًا** ﴿۷۷﴾ قَدْرَ قِشْرَةِ النَّوَاةِ فَجَاهِدُوْا **اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ** حُصُوْنٍ **مُّشَيَّدَةٍ** مُرْتَفِعَةٍ فَلَا تَخْشَوُا الْقِتَالَ خَوْفَ الْمَوْتِ **وَاِنْ تُصِبْهُمْ** اَيِ الْيَهُوْدَ **حَسَنَةٌ** خِصْبٌ وَسَعَةٌ **يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ** جَدْبٌ وَبَلَاءٌ كَمَا حَصَلَ لَهُمْ عِنْدَ قُدُوْمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ **يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ** يَا مُحَمَّدُ اَيْ بِشُؤْمِكَ **قُلْ** لَهُمْ **كُلٌّ** مِنَ الْحَسَنَةِ وَالسَّيِّئَةِ **مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ** مِنْ قِبَلِهٖ **فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ** اَيْ لَا يُقَارِبُوْنَ اَنْ يَّفْهَمُوْا **حَدِيْثًا** ﴿۷۸﴾ يُلْقٰى اِلَيْهِمْ وَمَا اِسْتِفْهَامُ تَعَجُّبٍ مِنْ فَرْطِ جَهْلِهِمْ وَنَفْيُ مُقَارَبَةِ الْفِعْلِ اَشَدُّ مِنْ نَفْيِهٖ **مَآ اَصَابَكَ** اَيُّهَا الْاِنْسَانُ **مِنْ حَسَنَةٍ** خَيْرٍ **فَمِنَ اللّٰهِ** اَتَتْكَ فَضْلًا مِّنْهُ **وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ** بَلِيَّةٍ **فَمِنْ نَّفْسِكَ** اَتَتْكَ حَيْثُ ارْتَكَبْتَ مَا يَسْتَوْجِبُهَا مِنَ الذُّنُوْبِ **وَاَرْسَلْنٰكَ** يَا مُحَمَّدُ **لِلنَّاسِ رَسُوْلًا** حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ **وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا** ﴿۷۹﴾ عَلٰى رِسَالَتِكَ **مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى** اَعْرَضَ عَنْ طَاعَتِهٖ فَلَا يُهِمَّنَّكَ **فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا** ﴿۸۰﴾ حَافِظًا لِاَعْمَالِهِمْ بَلْ نَذِيْرًا وَاِلَيْنَا اَمْرُهُمْ فَنُجَازِيْهِمْ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ **وَيَقُوْلُوْنَ** اَيِ الْمُنَافِقُوْنَ اِذَا جَاؤُكَ اَمْرُنَا **طَاعَةٌ** لَكَ **فَاِذَا بَرَزُوْا** خَرَجُوْا **مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ** بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِي الطَّاءِ وَتَرْكِهٖ اَيْ اَضْمَرَتْ **غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ** لَكَ فِيْ حُضُوْرِكَ مِنَ الطَّاعَةِ اَيْ عِصْيَانَكَ **وَاللّٰهُ يَكْتُبُ** يَاْمُرُ بِكَتْبِ **مَا يُبَيِّتُوْنَ** فِيْ صَحَائِفِهِمْ لِيُجَازُوْا عَلَيْهِ **فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ** بِالصَّفْحِ **وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ** ثِقْ بِهٖ فَاِنَّهٗ كَافِيْكَ **وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا** ﴿۸۱﴾ مُفَوَّضًا اِلَيْهِ ۔

ترجمہ: .... کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جنہیں حکم دیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رہو (کفار کو قتل کرنے سے جبکہ مکہ میں رہتے ہوئے لوگوں نے آپ ﷺ سے جنگ کا مطالبہ اور تقاضا کیا تھا کیونکہ کفار نے ان کو ستا رکھا تھا اور اس سے مراد صحابہؓ کی

جماعت ہے) اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ پھر جب ان پر فرض (مقرر) کر دیا گیا جہاد تو یکا یک ان میں کا ایک گروہ اس طرح ڈرنے لگا (خوف کھانے لگا) لوگوں (کفار) سے (یعنی قتل کر کے ان کو عذاب دینے سے) جیسے کوئی اللہ (اللہ کے عذاب) سے ڈر رہا ہو۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ (جتنا خدا سے ڈرنا چاہئے اس سے بھی زیادہ لفظ اشد حال کی وجہ سے منصوب ہے لما کے جواب پر اذا اور اس کا مابعد دلالت کر رہا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے فلما کتب علیھم القتال فاجاء تھم الخشیة) وہ کہتے ہیں (موت سے ڈر کر) اے اللہ آپ نے جہاد کیوں فرض کر دیا ہے کیوں نہ ہمیں تھوڑے دنوں کی اور مہلت دے دی؟ آپ (ان سے) فرما دیجئے دنیا کا سرمایہ (پونجی یا نفع حاصل کرنا) تو بہت ہی تھوڑا ہے (چند روز ہے) اور آخرت (جنت) ہر طرح سے بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو بچتے رہیں (اللہ کے عذاب سے گناہ چھوڑ کر) اور کسی کی حق تلفی ہونے والی نہیں ہے رتی برابر بھی (کھجور کی گٹھلی کے چھلکے بھر بھی۔ لہٰذا جہاد کرو) تم کہیں بھی ہو موت تمہیں پا کر رہے گی۔ اگر چہ تم مضبوط (اونچے) قلعوں (محلوں) میں بھی رہو گے (اس لئے موت کے ڈر سے جہاد سے مت بھاگو) اور ان (یہود) کو جب کوئی بھلائی (خوشحالی، کشادگی) کی باتیں پیش آتی ہیں تو کہنے لگتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو گئی ہے۔ لیکن جب کوئی بری حالت پیش آتی ہے (قحط سالی، آفت جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کے وقت ہوا) تو کہتے ہیں یہ تمہاری طرف سے ہے (اے محمدؐ! یعنی عیاذ اباللہ تمہاری نحوست ہے) آپؐ (ان سے) فرما دیجئے کہ یہ سب کچھ (اچھائی برائی) اللہ تعالیٰ کی طرف (جانب) سے ہے۔ پھر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ہو سمجھ بوجھ کے قریب بھی نہیں پھٹکتے (یعنی جو بات ان کو پیش آتی ہے اس کے سمجھنے کے پاس بھی نہیں جاتے، اور ما استفہامیہ ان کی انتہائی جہالت سے تعجب کے لئے ہے اور قرب فعل کی نفی خود فعل کی نفی سے بڑھی ہوئی ہے) جو کچھ بھلائی (اچھائی) تجھے (اے انسان) پیش آتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (جو اپنے فضل سے اس نے تجھ کو مرحمت فرمائی ہے) اور جو کچھ بدحالی (برائی) پیش آتی ہے وہ خود تمہاری طرف سے ہے (خود تمہاری پیدا کردہ ہے کیونکہ تم نے ہی گناہ کر کے اس کو بلایا ہے) اور ہم نے آپ کو (اے محمدؐ!) تمام لوگوں کی طرف اپنا پیامبر بنا کر بھیجا ہے (لفظ رسولاً حال مؤکدہ ہے) اور اللہ تعالیٰ کی گواہی بس کرتی ہے (آپ کو فرستادہ پیغمبر ہونے پر) جس کسی نے رسول اللہؐ کی اطاعت کی تو فی الحقیقت اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس کسی نے روگردانی کی (اس کی فرمانبرداری سے منہ موڑا تو آپ کو کبیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں ہے) کیونکہ ہم ان پر کچھ آپ کو پاسبان (ان کے اعمال کا نگران کار کر کے) نہیں بھیجا ہے (بلکہ آپؐ صرف ڈرانے والے ہیں باقی ان کا معاملہ ہمارے سپرد ہے ہم خود ان سے نبٹتے رہیں گے یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اور یہ لوگ (منافقین جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں) تو کہنے لگتے ہیں (کہ ہمارا شیوہ) آپؐ کے حکم کی تعمیل ہے لیکن جب آپؐ کے پاس سے اٹھ کر (باہر) جاتے ہیں تو ان میں سے کچھ لوگ راتوں کو مجلسیں جماتے ہیں (بیت کی تا کا ادغام طائفۃ کی طاء میں ہے اور ترک ادغام کے ساتھ بھی ہے یعنی خفیہ مجلسیں کرتے ہیں) اور جو کچھ (آپؐ کے حضور میں طاعت کا اظہار کرتے ہوئے) کہتے ہیں اس کے خلاف مشورے کرتے ہیں (یعنی آپؐ سے بغاوت کے) اور اللہ تعالیٰ لکھتے جاتے ہیں (لکھنے کا حکم فرما دیتے ہیں) جو کچھ وہ راتوں کو مشورے اور سازشیں کرتے ہیں (ان کے نامۂ اعمال میں تاکہ ان کو سزا دی جا سکے) سو آپ چشم پوشی فرماتے ہوئے) ان کی طرف التفات نہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ کے حوالہ کیجئے (ان پر بھروسہ کیجئے وہی آپؐ کے لئے کافی ہیں) اور اللہ تعالیٰ کی کارسازی بس کرتی ہے (ان ہی کے سپرد کیجئے)

تحقیق وترکیب: .... **وھم جماعة** عبدالرحمٰن بن عوفؓ زہری، مقدادؓ بن اسود کندی، قدامہؓ بن مظعون الجمحی، سعد ابن ابی وقاصؓ زہری وغیرہ حضرات صحابہؓ نے مشرکین کے ظلم و جور سے تنگ آ کر اجازت جہاد چاہی تھی۔

اذا فریق اذا مفاجاتیہ ہے۔ اسم زمان یا اسم مکان اور زمخشریؒ کے نزدیک معنی مفاجاۃ اس میں عامل ہیں۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ

یہ بات کسی دوسرے لفظ میں نہیں پائی جاتی اور ابن جزیر اس کوحرف کہتے ہیں۔

اور فریق مبتداء ہے اور منھم کائن محذوف کے متعلق ہے جواس کی صفت ہے اور یخشون الناس خبر ہوکر لما کا جواب ہے۔ای فاجاء فریق منھم ان یخشوا لکفار ان یقتلوھم۔

کخشیۃ اللہ یہ مصدر مضاف الی المفعول ہے فاعل یخشون سے حال ہونے کی بناء پر منصوب المحل ہے۔ای یخشونھم متشبھین بخشیۃ اللہ اور او اشد اس پر معطوف ہے ای اشد خشیۃ من اھل خشیۃ اللہ اور لفظ او تقسیم کے لئے ہے یعنی خشیۃ بعضھم کخشیۃ اللہ وخشیۃ بعضھم اشد منھا یا تخییر کے لئے ہے یعنی ان کی خشیت کو خشیۃ اللہ کے برابر سمجھو یا اس سے زیادہ اور یا لفظ او بمعنی بل ہے۔متاع الدنیا لفظ متاع اسم ہے جو مصدر کے قائمقام ہے۔فائدہ مند چیز یا فائدہ مند چیز سے نفع اٹھانا تو یہ طہور اور اکل کی طرح مصدر اور اسم مصدر دونوں طرح ہوسکتا ہے۔

قدر قشرۃ النواۃ فتیل کی یہ تفسیر مناسب نہیں ہے بلکہ اس کے معنی گٹھلی کی جھلی کی بجائے گٹھلی کے درمیان ایک باریک دھاگہ کے ہیں۔ولو کنتم یہ جملہ اسی جیسے دوسرے جملہ پر معطوف ہے۔ای لولم تکونوا فی بروج ولو کنتم فی بروج اور اس قسم کے مواقع پر وضوح دلالۃ کی وجہ سے بکثرت حذف ہوتا رہتا ہے۔بروج قلعہ۔مشیدہ بمعنی رفیعہ یا محضہ۔شاد النباء اشادہ شیدہ، شید القصر کے معنی محل کو مضبوط اور پلاسٹر کرنے کے ہیں اور لو کا جواب ماقبل کی دلالۃ کی وجہ سے محذوف ہے۔

فمال ھؤلاء ما مبتداء ہے ھؤلاء خبر ہے اور یہ جملہ بیان ومبین کے درمیان معترضہ ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے ان کا جہل اور خراب حال بتلانے کے لئے ہے۔

لایکادون یہ حال ہے ھؤلاء سے اور اس میں عامل معنی ظرف یعنی استقراء ہے۔ما اصابک تمام چیزوں کے فاعل حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہیں۔جیسا کہ کل من عند اللہ سے معلوم ہوتا ہے لیکن برائیوں کی اسناد مجازی انسان کی طرف کردی گئی ہے جیسا کہ فمن نفسک سے معلوم ہوتا ہے تقدیر عبارت اس طرح تھی ما اصابک من سیئۃ فمن اللہ بسبب نفسک عقوبۃ تو تمام کاموں میں خلق کی نسبت تو اللہ کی طرف رہے گی لیکن برائیوں میں صرف ارتکاب کی نسبت بندوں کی طرف ہوگی۔اس طرح مشرکین کا رد ہوگیا۔چنانچہ حدیث عائشہؓ ہے مامن مسلم یصیبہ وصب ولا نصب حتی الشوکۃ یشاکھا وحتی انقطاع شسع نعلہ الابذنب ومایعفو اللہ عنہ اکثر فلا یھمنک یعنی آپ ﷺ ان کی فضول بکواس سے کبیدہ اور رنجیدہ نہ ہوں جیسے مثلاً ایک دفعہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ من احبنی فقد احب اللہ تعالیٰ اس پر منافقین نے طنز کے تیرونشتر چلائے اور کہنے لگے لقد قارف الشرک وھو ینھی عنہ مایرید الا ان نتخذہ ربا کما اتخذت النصاری عیسیٰ اس پر یہ آیت نازل ہوئی بل نذیرًا۔ آپ ﷺ کی شان اگرچہ بشیر اور نذیر دونوں ہیں لیکن مفسر علامؒ نے خصوصیت مقام کی وجہ سے ایک پر اکتفاء کیا۔طاعۃ تقدیر مبتداء کے ساتھ ہے ای امرنا طاعۃ خبر چونکہ مصدر ہے جو فعل کے بدلہ میں ہے اور بدل ومبدل منہ اور عوض ومعوض عنہ کا جمع کرنا خلاف قاعدہ ہوتا ہے اس لئے مبتداء کا ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔اور لفظ طاعۃ مبتداء بھی ہوسکتا ہے۔محذوف الخبر ای مناطاعۃ. بیت چونکہ لفظ طائفۃ مونث غیر حقیقی ہے اس لئے فعل مذکر لایا گیا ہے۔ای عصیانک یہ تفسیر کچھ مناسب نہیں کیونکہ خلاف ورزی کا جذبہ تو یہ لوگ آپ ﷺ کی مجالس میں بھی رکھتے تھے جیسا کہ سمعنا و عصینا سے معلوم ہوتا ہے مجلس سے باہر ہونے پر بالتخصیص اس کو مرتب کرنا صحیح نہیں ہے۔جن حضرات نے تبییت کے معنی راتوں میں سازش کرنے کے لئے ہیں وہ اوضح ہیں۔تقول اگر یہ صیغہ خطاب ہے جیسا کہ اکثر مفسرینؒ نے اختیار کیا ہے تب تو مضارع کی طرف عدول کرنا استحقار واستہزاء کی نیت سے ہوگا۔لیکن شارح علام نے صیغہ غائب ہونے کو ترجیح دی ہے من الطاعۃ یہ بیان ہے الذی تقول کا اور عصیانک منصوب ہے تفسیر کی وجہ سے۔

ربط : .... ان آیات کا تعلق بھی ماقبل کی طرح ترغیب جہاد سے ہے۔

شانِ نزول وتشریح : .... آیت الـم تـر الخ سے بھی جہاد ہی کی ترغیب دینا مقصود ہے۔لیکن ایک لطف آمیز شکایت کے ساتھ کہ مکہ میں تو کفار کے مظالم سے تنگ آ کر بار بار اجازت جہاد کی خواہش کیا کرتے تھے لیکن جب اجازت مل گئی تو پھر اب یہ تقاعد کیسا؟ اور چونکہ یہ مہلت مانگنا بطور اعتراض یا انکار حکم کی نیت سے نہیں تھا بلکہ صرف تمنا کے درجہ میں تھا۔اس لئے زجر وتوبیخ کی نوبت نہیں آئی۔ بلکہ لطیف پیرایہ میں شکایت ہے۔

ایک اشکال کا جواب : .... اور ظاہر ہے کہ کسی محرک کے وقت عادۃً کام زیادہ آسان ہوتا ہے اس لئے مشکلات کے وقت تو طبعًا جوش اٹھتا تھا اور ہجرت کے بعد جب حالات اطمینان بخش اور فضا پرسکون ہوگئی تو اب طبعی مصلحتیں بھی سامنے آنے لگیں اور چونکہ موت وقت سے نہیں ٹلتی جہاد میں جانا ہو یا نہ ہو لیکن بعض منافقین موت وحیات میں اس کو مؤثر جانتے تھے اگر جہاد کی وجہ سے قتل و موت کی نوبت آتی تو آپ ﷺ پر الزام رکھتے کہ دیکھو شرکت جہاد کی وجہ سے موت کا شکار ہوئے۔لیکن اگر کبھی اسباب کے برخلاف کفار پر فتح وغلبہ ہو جاتا اور منافقین پر الزامی استدلال کیا جاتا تو کہنے لگتے کہ یہ فتح تو محض اتفاقی ہے۔غرضکہ کام بگڑنے پر تو آپ ﷺ اور مسلمانوں کو ملزم گردانتے اور کام سنور جاتا تو محبت واتفاق پر محمول کر کے دل کو سمجھا لیتے، مصیبتیں آتیں تو مسلمانوں کے سبز قدم اور نحوستوں کا اثر سمجھتے، کامیابی ہوتی تو اس کا سہرا اپنے سر پر باندھتے اور اپنا کارنامہ شمار کرتے۔

فضل کرے تو چھٹیاں، عدل کرے تو لٹیاں : .... بعض حضرات نے اس مقام کو خلق افعال کی بحث سے حل کرنا چاہا جیسا کہ عنوان تحقیق میں ابھی بیان ہوا ہے کہ ہر اچھائی برائی کے خلق کی نسبت خدا کی طرف ہونی چاہئے۔لیکن برائیوں کے کسب کی نسبت اپنی طرف ہونی چاہئے فی الحقیقت یہاں عدل وفضل کا بیان مقصود ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نعمت تو بلاواسطہ اعمال محض ان کے فضل سے ہوتی ہے اور نقمت ومصیبت بندوں کے اعمال سیئہ کی وجہ سے بتقاضائے عدل ہوتی ہے۔پس مصیبت پہنچنے میں جو آنحضرت ﷺ کا دخل سمجھ رہے ہیں وہ غلط ہے۔صحیح یہ ہے کہ اس میں خود تمہارے برے اعمال کا دخل ہے انسان اگر ذرا بھی غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ خوشحالی سے پہلے کوئی بھی نیکی اس درجہ کی نہیں ملے گی جس کو خوشحالی کا سبب کہا جا سکے بلکہ محض فضل الٰہی باعث ہوگا۔برخلاف اس کے ہر بدحالی سے پہلے کوئی نہ کوئی اپنی برائی سرزد ہوتی ملے گی۔جس کی سزا اس سے بھی کہیں زیادہ ہونی چاہئے تھی اس تقریر پر کوئی اشکال نہیں رہتا۔البتہ خوشحالی کے متعلق من عند اللہ کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ فی الحقیقت یہ ان کا عقیدہ بھی تھا اور وہ بہ نیت حمد ایسا کہہ رہے تھے؟ بلکہ محاورہ کے طریقہ پر مقصود تھا کہ خلاف توقع باتوں کی نسبت اللہ یا تقدیر کی طرف کر ہی دی جاتی ہے اور نہ کہنے کا اصل منشاء یہ تھا کہ یہ خوشحالی آپ کی وجہ سے نہیں ہوئی۔

نکات : .... نیز بدحالی کو صرف بدعمل شخص کے لئے نتیجۂ اعمال کہا جا سکتا ہے ورنہ صلحاء کے لئے تو یہ حوادث وبلیات بھی بطور خود تربیت ورحمت کا سامان ہوتے ہیں اور خوشحالی سے پہلے کسی نیک عمل کا اس خوشحالی کے لئے سبب کے درجہ میں نہ ہونا اس لئے ہے کہ اول تو خود اس نیکی سے پہلے بھی بہت سی نعمتیں ہوں گی جن کی مکافات یہ ایک نیک عمل نہیں کر سکتا۔چہ جائیکہ ثمرۂ جدید کا استحقاق ہو دوسرے خود اس عمل میں شرائط قبولیت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے البتہ بعض مواقع پر اگر اچھے ثمرات کو نیک عمل کا بدلہ فرما دیا گیا ہے تو وہ محض صورت کے لحاظ سے ہے ورنہ حقیقت سبب وہی فضل الٰہی ہے وہ فضل کرتے تو چھٹیاں، عدل کرے تو لٹیاں۔

لطائف آیت: .... وارسلنٰک للناس رسولا میں تمام لوگوں سے مراد جنات اور انسان ہیں پس اس سے آنحضرت ﷺ کی بعثت عامہ ثابت ہوتی ہے جو قرآن وحدیث کی اور نصوص سے بھی ثابت اور اجماعی اور قطعی عقیدہ ہے۔ **فما ارسلنٰک علیھم حفیظا** میں بطور ذمہ داری کے نگرانی کی نفی کرنا ہے ورنہ بطور شفقت ورحمت تو آپ ﷺ ہمیشہ نگرانی فرماتے ہی رہتے اور اصلاحی مساعی جاری رکھتے ہی تھے۔ البتہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کی اصلاح کی توقع نہ ہو اس کے درپے نہیں ہونا چاہئے۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ سے معلوم ہوا کہ مقبول ومقرب اہل اللہ سے معاملہ کرنا ایسا ہے جیسے خود حق تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرنا۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ يَتَأَمَّلُوْنَ **الْقُرْاٰنَ** ؕ وَمَافِيْهِ مِنَ الْمَعَانِي الْبَدِيْعَةِ **وَلَوْكَانَ مِنْ عِنْدِغَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا** ﴿۸۲﴾ تَنَاقُضًا فِيْ مَعَانِيْهِ وَتَبَايُنًا فِيْ نَظْمِهٖ **وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ** عَنْ سَرَايَا النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا حَصَلَ لَهُمْ **مِّنَ الْاَمْنِ** بِالنَّصْرِ **اَوِ الْخَوْفِ** بِالْهَزِيْمَةِ **اَذَاعُوْا بِهٖ** ؕ اَفْشَوْهُ نَزَلَ فِيْ جَمَاعَةٍ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ اَوْ ضُعَفَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ فَتَضْعَفُ قُلُوْبُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَيَتَأَذَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَلَوْرَدُّوْهُ** اَيِ الْخَبَرَ **اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ** اَيْ ذَوِي الرَّأْيِ مِنْ اَكَابِرِ الصَّحَابَةِ اَيْ لَوْ سَكَتُوْا عَنْهُ حَتّٰى يُخْبَرُوْا بِهٖ **لَعَلِمَهُ** هَلْ هُوَ مِمَّا يَنْبَغِيْ اَنْ يُذَاعَ اَوْ لَا **الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ** يَتَتَبَّعُوْنَهٗ وَيَطْلُبُوْنَ عِلْمَهٗ وَهُمُ الْمُذِيْعُوْنَ **مِنْهُمْ** ؕ مِنَ الرَّسُوْلِ وَاُولِي الْاَمْرِ **وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ** بِالْاِسْلَامِ **وَرَحْمَتُهٗ** لَكُمْ بِالْقُرْاٰنِ **لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ** فِيْمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖ مِنَ الْفَوَاحِشِ **اِلَّا قَلِيْلًا** ﴿۸۳﴾ **فَقَاتِلْ** يَا مُحَمَّدُ **فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَاتُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ** فَلَاتَهْتَمَّ بِتَخَلُّفِهِمْ عَنْكَ اَلْمَعْنٰى قَاتِلْ وَلَوْ وَحْدَكَ فَاِنَّكَ مَوْعُوْدٌ بِالنَّصْرِ **وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ** ۚ حُثَّهُمْ عَلَى الْقِتَالِ وَرَغِّبْهُمْ فِيْهِ **عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ** حَرْبَ **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** ؕ **وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا** مِنْهُمْ **وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا** ﴿۸۴﴾ تَعْذِيْبًا مِنْهُمْ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَاَخْرُجَنَّ وَلَوْ وَحْدِيْ فَخَرَجَ بِسَبْعِيْنَ رَاكِبًا اِلٰى بَدْرِ الصُّغْرٰى فَكَفَّ اللّٰهُ بَاْسَ الْكُفَّارِ بِاِلْقَاءِ الرُّعْبِ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَمَنْعِ اَبِيْ سُفْيَانَ عَنِ الْخُرُوْجِ كَمَا تَقَدَّمَ فِيْ اٰلِ عِمْرَانَ **مَنْ يَّشْفَعْ** بَيْنَ النَّاسِ **شَفَاعَةً حَسَنَةً** مُوَافِقَةً لِلشَّرْعِ **يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ** مِنَ الْاَجْرِ **مِّنْهَا** ۚ بِسَبَبِهَا **وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً** مُخَالِفَةً لَهٗ **يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ** نَصِيْبٌ مِنَ الْوِزْرِ **مِّنْهَا** ؕ بِسَبَبِهَا **وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا** ﴿۸۵﴾ مُقْتَدِرًا فَيُجَازِيْ كُلَّ اَحَدٍ بِمَا عَمِلَ **وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ** كَاَنْ قِيْلَ لَكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ **فَحَيُّوْا** اَلْمُحَيِّيَ **بِاَحْسَنَ مِنْهَآ** بِاَنْ تَقُوْلُوْا لَهٗ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ **اَوْ رُدُّوْهَا** ؕ بِاَنْ تَقُوْلُوْا كَمَا قَالَ اَيِ الْوَاجِبُ اَحَدُهُمَا وَالْاَوَّلُ اَفْضَلُ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا** ﴿۸۶﴾ مُحَاسِبًا فَيُجَازِيْ عَلَيْهِ وَمِنْهُ رَدُّ السَّلَامِ وَخَصَّتِ السُّنَّةُ الْكَافِرَ وَالْمُبْتَدِعَ وَالْفَاسِقَ وَالْمُسْلِمَ عَلٰى قَاضِي الْحَاجَةِ وَمَنْ فِي الْحَمَّامِ وَالْاٰكِلِ

فَلَایَجِبُ الرَّدُّ عَلَیْھِمْ بَلْ یُکْرَہُ فِیْ غَیْرِ الْاَخِیْرِ وَیُقَالُ لِلْکَافِرِ وَعَلَیْکَ **اَللّٰہُ لَآاِلٰہَ اِلَّا ھُوَ** ؕ وَاللّٰہِ **لَیَجْمَعَنَّکُمْ** مِنْ قُبُوْرِکُمْ **اِلٰی** فِیْ **یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ لَارَیْبَ** شَکَّ **فِیْہِ** ؕ **وَمَنْ** اَیْ لَااَحَدٌ **اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا**﴿۸۷﴾ قَوْلًا

ع ۱۱ / ۸

ترجمہ:......... پھر کیا یہ لوگ غور (تامل) نہیں کرتے قرآن (اوراس کے عجیب وغریب معانی) میں اگر یہ قرآن کسی دوسرے کی طرف سے ہوتا تو ضروری تھا کہ اس کی بہت سی باتوں میں یہ لوگ اختلاف (ان کے معانی میں تناقض اوراس کی نظم میں تباین) پاتے اور جب ان لوگوں کے پاس کوئی خبر پہنچ جاتی (جو آنحضرت ﷺ کی فوج کشی سے) امن (نصرت) حاصل ہونے کی یا (شکست کا) خوف ہونے کی تو یہ لوگ اسے لوگوں میں پھیلانے لگتے ہیں (پروپیگنڈا کرتے پھرتے ہیں۔ یہ آیت منافقین کی جماعت یا عوام مسلمین کے بارے میں نازل ہوئی جو اس قسم کا پروپیگنڈا کرتے رہتے تھے۔ جس سے مسلمانوں کے قلوب کمزور پڑتے اور آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک کو تکلیف پہنچتی) اگر یہ لوگ (اس خبر کو) پیش کر دیا کرتے رسول اللہ کے اور باگ دوڑ تھامنے والوں کے سامنے (یعنی ذمہ دار صحابہؓ کے سامنے اس طرح خود خاموش رہتے تا آنکہ اکابر صحابہؓ خود اس خبر کو ظاہر کرتے) تو سمجھ لیتے اس کی اصل حقیقت حال (کہ آیا یہ پھیلانے کے لائق ہے یا نہیں) وہ لوگ جو بات کہ تہہ تک پہنچنے کا ارادہ رکھتے ہیں (جو کھوج میں لگے رہتے ہیں اور جستجو میں رہتے ہیں مراد اس سے پروپیگنڈا کرنے والے ہیں) پیغمبرؑ اور اصحابؓ اختیار سے اور اللہ کا فضل اگر تم پر نہ ہوتا (اسلام کی توفیق دے کر) اور اس کی رحمت نہ ہوتی (قرآن بھیج کر) تو تم سب شیطان کے پیچھے لگ لئے ہوتے (جن برائیوں میں وہ تم کو الجھانا چاہتا تھا) بجز معدودے چند افراد کے۔ پس (اے محمدؐ) آپؐ اللہ کی راہ میں جہاد کیجئے کہ آپؐ پر آپ کی ذات کے سوا کسی کی ذمہ داری نہیں ہے (اس لئے آپؐ ان کے غیر حاضر رہنے کو اہمیت نہ دیجئے یعنی تنہا ہی سہی۔ مگر آپؐ جہاد کیجئے آپؐ سے مدد کا وعدہ ہے) اور مسلمانوں کو بھی ترغیب دیجئے (جہاد پر آمادہ کیجئے اور ابھاریئے) عجب نہیں کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ روک دیں زور منکرین حق (کی لڑائی) کا اور اللہ کا زور (ان سب سے) زیادہ قوی ہے اور سزا دینے میں وہ سب سے زیادہ سخت ہیں (ان کا عذاب سب سے بڑھ کر ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں جان ہے کہ میں خود جہاد میں جاؤں گا خواہ مجھے تنہا ہی جانا پڑے۔ چنانچہ ستر سواروں کے ساتھ آپؐ بدر صغریٰ کی طرف تشریف لے گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے کفار کے زور کو توڑ کر مسلمانوں کی ہیبت ان کے دلوں میں ایسی بٹھلا دی کہ ابوسفیان میدان میں نہیں آسکے جیسا کہ آل عمران میں گزر چکا ہے) جو شخص (لوگوں میں) اچھی سفارش کرے (جو شرع کے موافق ہو) تو اس کو حصہ (ثواب) ملے گا اس کام کا (سفارش کی وجہ سے) اور جس شخص نے بُری سفارش کی (جو خلاف شرع ہو) اس کو (گناہ کا) حصہ ملے گا اس (گناہ کی وجہ) سے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں (ایسے قادر ہیں کہ ہر ایک کو اس کے کئے کا بدلہ دے سکتے ہیں) اور جب کبھی تمہیں دعا دی جائے (مثلاً تمہیں السلام علیکم کہا جائے) تو تمہیں بھی جواب دینا چاہئے (سلام کرنے والے کو) اس سے اچھا (مثلاً سلام کے جواب میں کہو وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ) یا ویسے ہی الفاظ کہہ دیا کرو (جو الفاظ سلام میں تمہیں کہے گئے ہیں بعینہ تم بھی ان ہی کو لوٹا دو۔ بہر حال ان دونوں طریقوں میں سے ایک طریقہ ضروری ہے لیکن اول صورت افضل ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والے ہیں (محاسب ہیں کہ ہر عمل کا بدلہ لینے والے ہیں۔ جواب سلام کا بدلہ بھی دیں گے لیکن کافر اور بدعتی، فاسق، قضاء حاجت میں مشغول شخص کو سلام کرنے والے یا حمام اور غسل خانہ میں مشغول ہونے والے، کھانا کھانے والے کو سنت نے جواب سلام سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ لہٰذا ان پر جواب واجب نہیں ہے بلکہ کھانے والے کو چھوڑ کر باقی کے لئے مکروہ ہے۔ کافر کے لئے جواب سلام صرف وعلیک سے دینا چاہئے) اللہ ہی کی ایک ایسی ذات ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں

ہے وہ ضرور تمہیں اکٹھا کریں گے (قبروں سے نکال کر) قیامت کے دن اس میں کوئی شک (شبہ) نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بات کہنے میں کون سچا ہے (یعنی کسی کی بات اس سے زیادہ سچ نہیں ہوسکتی)

تحقیق وترکیب .... اختلافا کثیرا یعنی اگر یہ غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں تناقض معنوی بھی ہوتا کہ کوئی بات صحیح ہوتی، اور کوئی غلط اور اختلاف لفظی بھی کہ بعض کلام فصیح و بلیغ ہوتا اور بعض غیر فصیح، رہا یہ شبہ کہ اختلاف کثیر کی نفی کی گئی ہے لیکن اس سے اختلاف قلیل کی نفی لازم نہیں آتی۔ بلکہ اختلاف قلیل کی گنجائش نکل رہی ہے جواب یہ ہے کہ مقصود مبالغہ ہے کہ چونکہ یہ کلام مختلف اصناف پر مشتمل ہے ہر صنف میں عادۃً اگر ایک ایک دو دو غلطیاں بھی فرض کر لی جائیں تب بھی اغلاط کثیرہ کا مجموعہ ہوجاتا۔ لیکن کلام الٰہی ہونے کی سب سے بڑی کھلی شناخت یہ ہے کہ اس میں اس قسم کی تضاد بیانی اور اختلافات نہیں ہیں اگر ہوتے تو بہت زیادہ ہوتے لیکن اب نہ کم ہیں اور نہ زیادہ پس نفی میں مبالغہ ہوگیا ہے۔

افشوہ کہا جاتا ہے اذاع السر. اذاع بہ اور بعض کی رائے میں باء زائد ہے۔ اذاعۃ متضمن ہے معنی تحدث کو۔ دشمنوں کی فتح و نصرت کی خبروں کی اشاعت تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی پست ہمتی اور احساس کمتری کا باعث ہوگی۔ لیکن خود مسلمانوں کی فتح ونصرت کی بے موقع اشاعت بھی فتنہ وفساد اور مصائب کا باعث ہوجاتی ہے۔ مثلاً بقول ابوالسعود دشمن پہلے سے زیادہ مشتعل ہوکر حملہ آور ہوجاتے ہیں۔ حتی یخبروا یعنی عوام کو از خود خبروں کی اشاعت نہیں کرنی چاہئے بلکہ خواص اصحابؓ کے فکر ورائے کے حوالہ کرنی چاہئے۔ ھل ھو ضمیر کا مرجع امر ہے یا امن ہے یا خوف ہے۔ یستنبطونہ استنباط کے معنی اخراج النبط کے آتے ہیں اور ربط کہتے ہیں کنواں کھودنے کے بعد جو پانی اول نکالا جائے۔ پھر مجازاً امطلقا اخذ وتلقی پر بولا جاتا ہے حاصل یہ ہے کہ خبر اور مصالح خبر کو اپنے محل اور مواقع سے حاصل کرنے چاہئے۔ منھم من ابتدائیہ ہے اور ضمیر کا مرجع رسولؐ اور اولوالامر ہیں اور ظرف یستنبطون کے متعلق ہے الا قلیلا اس سے مراد زین بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل، قیس بن ساعدہ وغیرہ حضرات ہیں جو آنحضرت ﷺ اور قرآن کریم کی آمد سے پہلے بھی راہ راست پر تھے لیکن اس صورت میں لولا فضل اللہ الخ سے استثنیٰ سمجھ میں نہیں آتا۔ الا یہ کہ یوں کہا جائے کہ ان لوگوں نے شیطان کا اتباع نہیں کیا بلکہ اپنی سمجھ اور عقل سے بغیر نور وحی کے ایمان لائے۔

فقاتل اس میں فا جزائیہ ہے اور جملہ جواب شرط مقدر ہے۔ ای ان تثبط المنا فقون وقصر الاخرون و ترکوک وحدک فقاتل انت یا محمد وحدک.

لاتکلف الانفسک یہ جملہ حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ قاتل کی ضمیر فاعل سے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے فقاتل حال کونک غیر مکلف الانفسک وحدھا. عسی طمع کے لئے آتا ہے۔ البتہ اطماع الکریم انفع من انجاز اللئیم بدر الصغری یہ مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر بازار لگتا تھا جس کو "حمراء الاسد" بھی کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے ذیقعدہ میں ابوسفیان سے اس مقام پر تشریف لانے کا وعدہ کیا تھا۔

شفاعۃ حسنۃ جس چیز کی سفارش کی گئی اگر وہ مشروع ہو اور اس کا طریق اور غرض بھی مشروع ہو تو شفاعۃ حسنہ کہلاتی ہے ورنہ شفاعۃ سیئہ ہے۔ مثلاً حقوق اللہ، حقوق العباد کی رعایت ملحوظ ہونی چاہئے، جلب منفعت یا دفع مضرت ہو لیکن غرض اصلی رضائے خداوندی ہونی چاہئے رشوت ستانی نہیں ہونی چاہئے۔ بری سفارش کو مشاکلۃ سفارش کہا گیا ہے۔

نصیب نصیب اور کفل دونوں مرادف ہیں، تخصیص تفنن کی وجہ سے کرلی گئی ہے۔

مقیتا اقامت علی الشی بولتے ہیں بمعنی قدر. مقیت بمعنی مقتدر۔ بتحیۃ اصل میں مصدر ہے حیاک اللہ عمر درازی کی دعا

ہے پھر مطلقًا دعا میں استعمال ہونے لگا اور سلام کے معنی میں آنے لگا۔ **احسن** یعنی جواب سلام۔ سلام سے بڑھا ہوا ہونا چاہئے۔ مثلاً **السلام علیکم** کے جواب میں **وعلیکم السلام ورحمة الله** اور **السلام علیکم ورحمة الله** کے جواب میں **وبرکاته** کا اضافہ کرنا چاہئے، لیکن اگر خود سلام کرنے والے نے یہ تمام الفاظ دہرادیئے اور جواب دینے والے کے لئے اضافہ کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک صحابی نے ایسا ہی کیا تو پھر بلا اضافہ مزید کے ردسلام میں ان ہی الفاظ کو دہرادینا چاہئے گویا اس صورت میں احسن پر تو عمل نہیں ہوسکا لیکن **اوردوھا** پر عمل ہوگیا۔

ردوھا ای ردوا امثلھا۔ واسئل القریة کی طرح بحذف المضاف ہے۔ ورنہ بعینہ ردمحال ہے بہر حال احسن صورت میں جواب سلام افضل ہے۔ ابتداء بالسلام سنت ہے مگر افضل ہے اور جواب سلام واجب ہے مگر مفضول یعنی منفرد کے لئے ابتداء سلام سنت عینی اور جماعت کے لئے سنت کفائی ہے۔ اسی طرح منفرد شخص پر جواب سلام فرض عینی اور جماعت پر فرض کفائی ہے۔ یہ ایک فقہی چیستان بن گئی کہ سنت بمقابلہ واجب افضل ہے۔ آیت مذکورہ سے جواب سلام کا سلام سے بڑھا ہوا ہونا یا برابر ہونا معلوم ہوا۔ جس سے ثابت ہوا کہ جوابِ سلام کا سلام سے کم ہونا جائز نہیں ہونا چاہئے حالانکہ فقہاء اس کی اجازت دیتے ہیں۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ آیت اکملیت پر محمول ہے منجملہ آدابِ سلام کے یہ ہے کہ خط اور قرآن وحدیث پڑھنے مذاکرہ علمی، اذان واقامت کی حالت میں سلام نہیں کرنا چاہئے۔

اور ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ شطرنج وچوسر کھیلنے والے، گویّے اور قضاء حاجت کرنے والے، کبوتر باز، برہنہ شخص کو سلام نہیں کرنا چاہئے۔ گھر میں جانے والا شخص گھر والوں کو اور کھڑے ہونیوالا بیٹھنے والے کو اور سوار رہنے والا پیدل شخص کو، گھوڑا سوار گدھے سوار کو، کم عمر بڑی عمر والے کو سلام کرے، کم افراد زیادہ افراد کو سلام کریں۔

اور بعض کی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کو سلام کا جواب دینا **احسن منھا** میں اور غیر مسلم کو جواب دینا **اوردوھا** میں داخل ہے چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے کہ تمہیں اہل کتاب جب سلام کریں تو صرف **وعلیکم** کہہ دینا چاہئے۔ کیونکہ یہ لوگ **السّام علیکم** کہا کرتے تھے۔ جس کے معنی ہلاکت اور بددعا کے ہیں اس لئے جواب میں صراحۃً بددعائیہ کلمات کہنا تو ایک درجہ میں اخلاق سے گری ہوئی بات ہے اور بالکل اثر نہ لینا ہے بے حسی کہلاتی اس لئے صرف **علیکم** کہنے میں طوقِ لعنت اسی کے گلے میں پہنادیا گیا ہے ''کالائے بد بریش خاوند''۔ نیز ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ **لاغرار فی التسلیم** سلام میں کوتاہی نہ کرو۔ یعنی صرف **علیک** نہ کہو بلکہ **علیکم** کہو تاکہ ملائکہ کاتبین بھی داخل ہوجائیں اور **السلام علیکم** صرف باللام بہتر ہے بمقابلہ **سلام علیکم** نکرہ کہنے کے۔ عموم جنسیت واستغراق کی وجہ سے اور لفظ **سلام** کی تقدیم میں تفائل نیک مقصود ہے جو لفظ **علیکم** مقدم کرنے کی صورت میں ہے حاصل نہ ہوتا بلکہ علی ضرر کے لئے موہم ہوتا البتہ جواب سلام میں چونکہ واؤ عاطفہ پہلے ہے اس لئے سلام پر عطف ہونے کی وجہ سے لفظ **علیکم** مقدم ہونے کے باوجود بددعا اور ضرر کے لئے موہم نہیں ہوسکتا۔

وخصت السنة یعنی یہ لوگ خود سلام کریں تو جواب سلام واجب نہیں۔ بلکہ کھانا کھانے میں مشغول شخص کے علاوہ سب کو جواب دینا مکروہ ہے۔ تو جوان اجنبی عورت کو بھی فتنہ کی وجہ سے سلام نہیں کرنا چاہئے۔ البتہ محارم عورتوں یا بوڑھی عورتوں کو سلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اسی طرح کھانے کا لقمہ اگر منہ میں ہو تو عجز کی وجہ سے سلام مکروہ ہے لیکن چبانے سے پہلے اور بعد میں مکروہ نہیں ہے اور وجیز کردری میں لکھا ہے اگر یہ معلوم ہو کہ کھانے والے ضرور اس کی تواضع کریں گے تو سلام کر لینا چاہئے ورنہ نہیں۔

الله یہ مبتداء ہے **لا اله الاھو** اس کی خبر ہے۔ واللہ مفسر علامؒ نے اس تقدیر سے اشارہ کردیا کہ **لیجمعنکم** محذوف قسم کا جواب ہے **فیه** جملہ حال ہے۔ **الیوم** سے ضمیر اسی کی طرف راجع ہے یا **فیه** کو ریب کی صفت قرار دیا جائے اور ضمیر جمع کی طرف راجع ہو۔ ای

جمعا لا ریب فیه.

ربط : .... پچھلی آیات میں اثبات رسالت تھا۔ آیت افلا یتدبرون الخ میں عجیب وغریب طرز پر حقانیت قرآن کا اثبات ہے جو عظیم ترین دلیل نبوت ہے۔ جس کے وہ ضمناً اور صراحۃً منکر تھے اسی طرح گذشتہ آیات میں منافقین کی مذہبی بے عنوانی کا ذکر تھا۔ آیت اذا جاء ھم الخ میں ان کی انتظامی بدعنوانی کا ذکر ہے جو اسلام کے لئے ضرر رساں ہوئی اور آیت فقاتل الخ میں پھر مضمون جہاد کا بیان ہے۔ نیز ترغیب جہاد چونکہ ایک اچھائی اور بھلائی کی ترغیب ہے اسی مناسبت سے آیت من یشفع میں نیکی اور بدی کی طرف ترغیب کا استحسان اور غیر استحسان بیان کرنا ہے۔ گویا چوبیسواں حکم ہے اور چونکہ بھلائی کی ترغیب میں تالیف قلب ہوتی ہے اس مناسبت سے جواب سلام کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ اس میں بھی تالیف قلب ہوتی ہے۔ نیز حکم شہادت جس طرح جان و مال کی حفاظت کا ذریعہ ہے مجاہدین سلام کرنے کو بھی علامت اسلام سمجھ کر ہاتھ روک لیا کریں۔ یہ گویا اکیسواں حکم ہے۔ ان تمام احکام کی تاکید واہمیت کی خاطر آیت الله لا اله میں اپنی عظمت اور قیامت کا ذکر کر دیا کہ اطاعت وفرمانبرداری پر آمادگی ہو سکے۔

شانِ نزول: .... جنگی خبروں کو جب تک احتیاط کی چھلنی میں صاف نہ کیا جائے پبلک پر ظاہر کر دینا مفادِ عامہ کے خلاف ہوتا ہے۔ منافقین اسی قسم کی حرکتیں کرتے رہتے تھے جس سے عام مسلمان احساس کمتری میں مبتلا ہوتے رہتے تھے۔ ضرورت تھی کہ اس قسم کی خبروں پر سنسر بٹھلایا جائے اس لئے آیت اذا جاء ھم الخ نازل ہوئی اور آیت فقاتل فی سبیل الله کے شان نزول کی طرف خود مفسر علامؒ نے اشارہ کر دیا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم کی بے مثل فصاحت و بلاغت اور گذشتہ تاریخی واقعات کا حرف بحرف صحیح ہونا دراں حالیکہ آپ ﷺ اسی سلسلہ میں ایک حرف نہیں جانتے تھے۔ اسی طرح آئندہ پیشگوئیوں کا بالکل ٹھیک ٹھیک واقعہ کے مطابق اترنا یہ سب باتیں اس کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل ہیں۔ کیونکہ سرمو بھی ان میں فرق نہیں ہوا ہے جو ظاہر ہے کہ قرآن کریم کا سراسر معجزہ ہے اور سنت الٰہی یہ ہے کہ احتمال تلبیس کے وقت جھوٹے مدعی نبوت کی کبھی پھلنے پھولنے اور سرسبز ہونے کا موقعہ نہیں دیا جاتا۔

قرآن کا اعجاز: .... پس فصحاء بلغا کے لئے تو قرآن کریم کی بے نظیر فصاحت و بلاغت وجہ اعجاز ہے اور علماء اور اہل کتاب کے لئے گذشتہ صحیح تاریخی واقعات اور آئندہ کی سچی پیشن گوئیاں وجہ اطمینان ہیں۔ اس طرح یہ استدلال قرآن کریم کے ہر ہر مضمون میں جاری ہو سکے گا اور جب ہر مضمون میں جاری ہو سکے گا اور جب ہر مضمون منجانب الله ہوا تو مجموعہ کا کلام الله ہونا ثابت ہو گیا۔ اور اس آیت میں اختلاف سے مراد نسخوں کا اختلاف بھی ہو سکتا ہے کیونکہ یہ بات لازم عادیہ میں سے ہے کہ انسان کتنی ہی تصحیح کا اہتمام کرلے پھر بھی کچھ نہ کچھ اختلاف اور نامطابقت رہ جاتی ہے۔ لیکن یہ قرآن پاک کی خوبی اور خصوصیت ہے کہ اس میں کسی جگہ اس طرح کا اختلاف نظر نہیں آتا۔

ایک شبہ کا جواب: .... الا قلیلاً کے استثناء پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب یہ معدودے چند افراد اپنی عقل کی روشنی اور سلامت روی سے بغیر وحی اور نور نبوت کے شیطان کے اتباع سے محفوظ رہے تو پھر ان کے حق میں قرآن اور آنحضرت ﷺ کی بعثت اور الله کے فضل کا کیا انعام و احسان ہوا؟ جواب میں یہ کہا جائے گا کہ عقل سے اجمالاً تو بعض احکام کا ادراک ہو سکتا ہے جو کافی نہیں لیکن تفصیلی طور ابواب سعادت و ہدایت میں عقل کا پایہ چوبین بالکل درماندہ اور لنگ محض ہے۔ اول تو بعض نظری امور اس درجہ دقیق، خفی اور مشتبہ ہوتے ہیں کہ ان کا ادراک ہی مشکل ہے۔ چہ جائیکہ صحیح طریق کا اتباع۔ اور ہو بھی جائے تو اشتباہ کی وجہ سے خود یہ اتباع ہی محتمل

ہے۔ دوسری اگر تو عقل کے ذریعہ انسان نقصان سے بھی رہ جائے تو منافع کی تحصیل سے تو ضروری محروم رہے گا۔ جن کا ادراک یقیناً نورِ وحی پر موقوف ہے۔ پس شریعت بیضاء کا یہ کیا کم احسان ہے کہ اس نے خود عقل کو روشنی دکھلائی ہے۔

ایک اور شبہ کا جواب:.......... دوسرا شبہ یہ ہے کہ مؤمنین اور منافقین دراصل ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ پھر اولی الامر جس سے مراد مؤمنین ہیں اور مستنبطین جس سے مراد منافقین ہیں دونوں کو منھم میں کیسے داخل کیا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ منافقین کے اپنے زعم وگمان کے لحاظ سے کہا گیا ہے کہ وہ خود کو مسلمانوں ہی کے زمرہ میں داخل اور شامل سمجھتے تھے۔

اللہ کا **اشد باسا** ہونا دنیا کے اعتبار سے اور اشد تنکیلاً ہونا اخروی لحاظ سے ہوسکتا ہے کیونکہ کفار کو مغلوب کرنے کا سامان کر دینا ہی نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے زورِ جنگ کا اور کفار سے مراد اگر صرف کفارِ قریش ہوں تب تو اس پیشگوئی کا وقوع ظاہر ہے لیکن اگر عام کفار دنیا مراد ہوں تو اس وقت بھی اس کا سچ ہونا مشتبہ نہیں ہے۔ کیونکہ چند روز ہی میں اللہ نے اسلام کا پھریرا ہر طرف لہرا دیا ہے اور مسلمانوں نے سب سلطنتوں کو زیرنگیں کرلیا۔ جلال مفسرؒ نے ان آیات کو ایک خاص واقعہ پر محمول کیا ہے جس کا خلاصہ ابن جریرؒ کی تخریج اور ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ شوال ۳ھ میں معرکہ احد کے بعد ذیقعدہ میں وعدہ کے مطابق آنحضرت ﷺ نے مقابلہ کے لئے بدر میں تشریف لے جانا چاہا تو وہ زخم خوردہ ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں نے تامل کیا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں **فابی علیہ الناس ان یتبعوہ** جس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا **انی ذاھب وان لم یتبعنی احد** چنانچہ آپ ستر صحابہؓ کو لے کر موقعہ پر تشریف لے گئے لیکن میدان صاف تھا پس اس صورت میں بھی کفار سے مراد خاص کفار ہیں اس لئے پیشگوئی کے وقوع میں کوئی شبہ نہیں۔ اسی طرح ایک اچھی توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہ وعدۂ نصرت آنحضرت ﷺ کے تنہا قتال فرمانے کی صورت میں تھا لیکن چونکہ یہ صورت پیش نہیں آئی اس لئے پیشگوئی کے پورا ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں۔

اچھی اور بری سفارش:.......... شفاعت حسنہ وہ ہوتی ہے جس کا طریقہ اور مقصد دونوں مشروع ہوں اور شفاعت سیئہ میں دونوں غیر مشروع ہوتے ہیں۔ کسی غریب کی امداد کے لئے کسی امیر کو ناگواری کی حد تک اگر مجبور کر دیا جائے تو مقصد سفارش تو محمود ہے لیکن طریق سفارش غلط اور مذموم ہے گویا ایک مسلمان کو آرام پہنچانے کے ساتھ دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچانا ہوا اور کسی ظالم کی مدد کے لئے سفارش کی جائے تو مقصد کے برا ہونے کی مثال ہوگی۔ غرضکہ دونوں باتیں صحیح ہوں تو ایسی سفارش عبادت ہے۔ خواہ واجب ہو کر یا مستحب ہو کر اور اس لئے اس پر اجرت لینا حرام ہے۔ کیونکہ عبادت محل اجرت نہیں ہوتی اور بری سفارش پر معصیت ہونے کی وجہ سے اجرت لینا حرام اور رشوت ہے۔ یہ خیال کرنا کہ ہماری کوششوں کے مقابلہ میں یہ اجرت ہے غلط ہے کیونکہ اگر یہ بات صحیح ہوتی کہ کوشش کا یہ ثمرہ ہے تو ایک معمولی اور بے حیثیت شخص اس سے زیادہ کوشش بھی کرلے تب بھی اس کو اجرت نہیں دی جاتی۔ معلوم ہوا کہ یہ اجرت کوشش کے مقابلہ میں نہیں دی گئی بلکہ حیثیت اور اجارہ کے مقابلہ میں پیش کی گئی ہے اور وہ غیر متقوم ہوتی ہے اس لئے رشوت اور حرام ہوئی۔

سلام کرنا اسلامی شعار ہے:.......... حیوا امر کے صیغہ سے اور لفظ حسیبا سے بظاہر وجوب سمجھ میں آتا ہے یہی مذہب ہے فقہاء کا مگر مشروع سلام مراد ہے جو سلام مکروہ ہیں وہ اس سے خارج ہیں جس کی طرف جلال مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ وہ کسی گناہ کی حالت میں مبتلا ہو یا عبادت میں لگ رہا یا طبعاً ناگوار حالت میں ہو جس کی تفصیلات درمختار ہے میں ان حالات میں اگر کوئی غلطی سے سلام کر بھی لے تو جواب اس کے ذمہ نہیں بلکہ بعض حالات میں جواب مکروہ ہے۔ مفرد ہو تو سلام کرنا سنت عینی اور جماعت ہو تو سلام

کرنا سنت کفائی ہوگا۔ اسی طرح جواب سلام منفرد شخص کے لئے واجب علی العین اور جماعت ہو تو وجوب علی الکفایہ ہے۔ نیز نفس جواب سلام واجب ہے البتہ اتنے ہی الفاظ سے یا اس سے بہتر الفساظ سے۔ یا بعض حالات میں اس سے کم الفاظ سے۔ غرضکہ ان سب صورتوں میں اختیار ہے۔ لفظ او جو تخییر کے لئے ہے وہ اسی اعتبار سے ہے اور امر سے جو وجوب مستفاد ہے وہ نفس سلام کے لحاظ سے ہے غرضکہ مقید تو واجب ہے اور قید اختیاری ہے السلام علیکم کے جواب میں علیکم السلام ورحمة الله تو احسن میں اور صرف علیکم السلام کہنا اور ردوھا میں داخل ہونے کی وجہ سے بلاشبہ صحیح ہے۔ لیکن السلام علیکم ورحمة الله کے جواب میں صرف وعلیکم السلام کہہ دینا بھی اجماعاً کافی ہے۔ لفظ حییتم بصیغۂ مجہول ہے اس کا فاعل اجماعاً مسلمان ہو تو احکام مذکورہ جاری ہوں گے سلام کرنے والا اگر غیر مسلم اور کافر ہے تو اگر اس کی طرف سے شرارت کا شبہ ہے تو وہ سلام کی بجائے بددعائیہ جملے کہہ رہا ہے تب تو صرف علیکم کہنا چاہئے ورنہ اس کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں صرف جائز ہے البتہ صرف ضرورت کے مواقع پر ابتداءً سلام کرنا بھی جائز ہے۔ کذا قال صاحب الکشاف وروی ذلک عن النخعی وعن ابی حنیفة وعن ابی یوسف لانسلم ولا نصافحهم واذا دخلت فقلیل السلام علی من اتبع الهدیٰ. جمہور کے نزدیک آیت میں تحیۃ سے مراد سلام ہے اور امام شافعیؒ کا قول قدیم یہ ہے کہ اس سے مراد عطیہ اور ہدیہ ہے۔

کلام الٰہی کی اصدقیت اور قدرت علی الکذب کی بحث: .... ومن اصدق من الله حدیثا کے معنی محاورہ کے اعتبار سے یہ ہیں کہ اللہ سے زیادہ اور اس کے برابر کوئی سچا نہیں ہے یعنی جس طرح اللہ سے بڑھ کر کوئی اصدق نہیں اسی طرح کوئی اس کے مساوی الصدق بھی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی اصدقیت باعتبار کمیت کے بھی ہے اور بلحاظ کیفیت بھی۔ کیونکہ کسی خبر کی اصدقیت کا مدار محکی عنہ کی مطابقت پر ہے اور ظاہر ہے کہ عالم الغیب ہونا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ تمام مخلوق اس سے محروم ہے اس لئے اس کی خبریں پوری طرح محکی عنہ کے مطابق ہوں گی اسی طرح مواعید کا مدار قدرت کاملہ اور علم پر ہے اور حق تعالیٰ میں یہ دونوں کامل ہیں۔ اس لئے اس کا ہر وعدہ پورا اور مخلوق میں چونکہ ناقص ہیں اس لئے اس کا ہر وعدہ ادھورا ہے۔

یہ گفتگو تو اصدقیت کی بلحاظ کمیت ہوئی اور کلام الٰہی کی اصدقیت باعتبار کیفیت اس طرح ہے کہ کلام اللہ کے لئے اصدقیت لوازم کلام میں سے ہے کہ عقلاً اس سے اصدقیت کا الگ ہونا محال ہے لیکن مخلوق کے کلام میں یہ بات نہیں ہے۔ اگرچہ ملزوم کی طرح خود یہ لازم داخلِ قدرت اور مقدور ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی ضد بھی قدرت ہی کے ماتحت ہوگی کیونکہ قدرت کا تعلق ضدین سے ہوا کرتا ہے اور کلام سے مراد بھی کلام لفظی ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات افعال میں سے ہے۔ کلام نفسی جو صفات ذاتیہ میں سے ہے اس کے لئے تو صدق لوازم ذاتیہ میں سے ہوگا۔ اس کے ذاتی وجوب اور امتناع عقلی کی وجہ سے اس کی ضد تحت القدرت نہیں ہوگی۔ غرض کہ کلام لفظی کو صفاتِ افعال میں اور کلام نفسی کو صفات ذات میں شمار کرنے کی وجہ سے امتناع کذب کا معرکۃ الاراء مسئلہ اپنی غلط تعبیر کے باوجود اس طرح بلا اشکال حل ہو جاتا ہے کیونکہ اول صورت میں امتناع عادی حق ہے یعنی انتفاء صحیح ہے لیکن منتفی تحت القدرت بھی ہے اور ثانی صورت میں حق امتناع عقلی ہے یعنی انتفاء ہے۔ لیکن منتفی تحت القدرت داخل نہیں، قدرت کے مطابق نقصان کی وجہ سے نہیں بلکہ محل کی عدم صلاحیت کے باعث اس مشکل اور نازک مسئلہ کی تعبیر میں کچھ اصلاحی الفاظ آ گئے ہیں طلبہ کرام معاف فرمائیں۔

لطائف آیت: .... آیت فحیوا باحسن منها میں مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی تعلیم ہے۔

وَلَمَّا رَجَعَ نَاسٌ مِنْ اُحُدٍ اِخْتَلَفَ النَّاسُ فِيْهِمْ فَقَالَ فَرِيْقٌ اُقْتُلْهُمْ وَقَالَ فَرِيْقٌ لَا فَنَزَلَ **فَمَالَكُمْ** اَيْ مَاشَانُكُمْ صِرْتُمْ **فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ** فِرْقَتَيْنِ **وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ** رَدَّهُمْ **بِمَا كَسَبُوْا** مِنَ الْكُفْرِ وَالْمَعَاصِيْ **اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ** اَيْ تَعُدُّوْهُمْ مِنْ جُمْلَةِ الْمُهْتَدِيْنَ وَالْاِسْتِفْهَامُ فِي الْمَوْضِعَيْنِ لِلْاِنْكَارِ **وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾** طَرِيْقًا اِلَى الْهُدٰى **وَدُّوْا** تَمَنَّوْا **لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ** اَنْتُمْ وَهُمْ **سَوَآءً** فِي الْكُفْرِ **فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ** تُوَالُوْنَهُمْ وَاِنْ اَظْهَرُوا الْاِيْمَانَ **حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** هِجْرَةً صَحِيْحَةً تُحَقِّقُ اِيْمَانَهُمْ **فَاِنْ تَوَلَّوْا** وَاَقَامُوْا عَلٰى مَاهُمْ عَلَيْهِ **فَخُذُوْهُمْ** بِالْاَسْرِ **وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا** تُوَالُوْنَهٗ **وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾** تَنْتَصِرُوْنَ بِهٖ عَلٰى عَدُوِّكُمْ **اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ** يَلْجَاُوْنَ **اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ** عَهْدٌ بِالْاَمَانِ لَهُمْ وَلِمَنْ وَصَلَ اِلَيْهِمْ كَمَا عَاهَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِلَالَ ابْنَ عُوَيْمِرٍ الْاَسْلَمِيَّ **اَوِ الَّذِيْنَ جَآءُوْكُمْ** وَقَدْ **حَصِرَتْ** ضَاقَتْ **صُدُوْرُهُمْ** عَنْ **اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ** مَعَ قَوْمِهِمْ **اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ** مَعَكُمْ اَيْ مُمْسِكِيْنَ عَنْ قِتَالِكُمْ وَقِتَالِهِمْ فَلَا تَتَعَرَّضُوْا اِلَيْهِمْ بِاَخْذٍ وَّلَا قَتْلٍ وَهٰذَا وَمَا بَعْدَهٗ مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ السَّيْفِ **وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ** تَسْلِيْطَهُمْ عَلَيْكُمْ **لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ** بِاَنْ يُّقَوِّيَ قُلُوْبَهُمْ **فَلَقٰتَلُوْكُمْ** وَلٰكِنَّهٗ لَمْ يَشَأْهُ فَاَلْقٰى فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ **فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ** الصُّلْحَ اَيِ انْقَادُوْا **فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾** طَرِيْقًا بِالْاَخْذِ اَوِالْقَتْلِ **سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ** بِاِظْهَارِ الْاِيْمَانِ عِنْدَكُمْ **وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ** بِالْكُفْرِ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ وَهُمْ اَسَدٌ وَّغَطْفَانُ **كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ** دُعُوْا اِلَى الشِّرْكِ **اُرْكِسُوْا فِيْهَا** وَقَعُوْا اَشَدَّ وُقُوْعٍ **فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ** بِتَرْكِ قِتَالِكُمْ **وَلَمْ يُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَلَمْ يَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ** عَنْكُمْ **فَخُذُوْهُمْ** بِالْاَسْرِ **وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ** وَجَدْتُّمُوْهُمْ **وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾** بُرْهَانًا بَيِّنًا ظَاهِرًا عَلٰى قَتْلِهِمْ وَسَبْيِهِمْ لِغَدْرِهِمْ۔

۱۲ ع ۹

ترجمہ: .... (غزوۂ احد سے جب لوگوں کی واپسی ہوئی تو صحابہ کرامؓ ان کے متعلق مختلف الرائے ہو گئے بعض نے کہا ان کو قتل کرنا چاہئے اور بعض نے انکار کیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں) تمہیں کیا ہو گیا ہے (تمہارا کیا حال ہے کہ ہو گئے ہو) منافقین کے بارے میں دو فریق (دو ٹکڑیاں) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں الٹ دیا (لوٹا دیا) ہے ان کی بدعملیوں کی وجہ سے (جو انہوں نے کفر و گناہ کمائے ہیں) کیا تم چاہتے ہو ایسے لوگوں کو راہ دکھاؤ جن کی راہ اللہ تعالیٰ نے گم کر دی (یعنی تم ان کو ہدایت یافتہ لوگوں میں شمار کر رہے ہو؟ دونوں جگہ استفہام انکاری ہے) جس کسی پر اللہ تعالیٰ راہ گم کر دیتے ہیں تو پھر تم اس کے لئے کوئی راہ نہیں نکال سکتے (راہ ہدایت) ان کی دلی تمنا (منشاء) تو یہ ہے کہ جس طرح انہوں نے کفر کی راہ اختیار کر لی ہے تم بھی (اور وہ بھی دونوں) برابر سرابر ہو جاؤ (کفر میں) پس

تمہیں چاہئے کہ ان میں سے کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ (کہ ان سے پینگیں بڑھانے لگو۔ اگر چہ یہ لوگ کھلم کھلا ایمان کا اظہار کریں) جب تک یہ لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں (صحیح ہجرت جو ان کے ایمان کو محقق کردے) اور اگر یہ لوگ روگردانی کریں (اپنی موجودہ منافقانہ حالت پر برقرار رہنے کی کوشش کریں) پس انہیں گرفتار کرلو (قید کردو) اور جہاں کہیں پاؤ قتل کردو۔ نہ تو ان میں سے کسی کو دوست بناؤ (کہ ان سے پینگیں بڑھاتے رہو) اور نہ کسی کو مددگار (کہ اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں ان سے مدد حاصل کرو) ہاں مگر جو لوگ جاملیں (حمایت حاصل کرلیں) ایسی قوم سے کہ تم میں اور اس میں عہد و پیمان ہو چکا ہے (ان سے اور ان کے حلیف لوگوں سے معاہدہ امن ہو چکا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ہلال بن عویمر اسلمی سے معاہدہ کیا تھا) یا (ایسے لوگ ہوں کہ) چلے آئیں وہ تمہارے پاس برداشتہ خاطر (تنگ دل) ہوکر نہ تم سے لڑیں (اپنی قوم کا ساتھ دے کر) اور نہ اپنی قوم سے لڑیں (تمہارا ساتھ دے کر یعنی کسی لڑائی میں بھی شریک نہ ہوں تو تم ان کی گرفتاری اور قتل سے کنارہ کش اور دست کش ہو۔ یہ آیت اور بعد کی آیت سیف حکم جہاد سے منسوخ ہیں) اگر اللہ میاں چاہتے (ان کو تم پر مسلط کرنا) تو ان لوگوں کو تم پر مسلط کردیتے (ان کے دل مضبوط کرکے) کہ تم سے لڑے بغیر نہ رہتے (لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں ہوا اس لئے ان کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھادیا) پس اگر وہ تم سے کنارہ کش ہوگئے اور جنگ نہیں کرتے اور تمہارے پاس پیغام صلح بھیج رہے ہیں (یعنی اطاعت قبول کرلی) تو پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان پر کوئی راہ نہیں رکھی (کہ ایسے لوگوں کو گرفتار یا قتل کرو) ان کے علاوہ کچھ لوگ تمہیں ایسے بھی ملیں گے جو تمہاری طرف سے بھی امن میں رہنا چاہتے ہیں (تمہارے سامنے ایمان کا اظہار کرکے اور اپنی قوم کی طرف سے بھی (جب ان کے سامنے جاتے ہیں کفر ظاہر کرتے ہیں۔ یہ لوگ قبیلۂ اسد وغطفان کے ہیں) لیکن جب کبھی فتنہ وفساد کی طرف لوٹا دیئے جائیں (شرک کی طرف ان کو دعوت دی جاتی ہے) تو اوندھے منہ اس میں گر پڑتے ہیں (پوری طرح اس میں دہک جاتے ہیں) سو اگر ایسے لوگ کنارہ کش نہ ہوجائیں (تم سے لڑائی نہ چھوڑ دیں) اور تمہاری طرف پیغام صلح بہ بھیجیں اور (تمہاری) لڑائی سے ہاتھ نہ روکیں تو انہیں بھی گرفتار کرلو اور جہاں کہیں پاؤ (ملیں) قتل کردو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے برخلاف ہم نے تمہیں کھلی حجت دے دی ہے (ان کی غداری کے پیش نظر ان کے قتل وقید کے جواز کی کھلی دلیل قائم کردی ہے)

تحقیق وترکیب: .... الناس پہلے الناس سے مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے تین سو منافق ساتھی ہیں۔ اور دوسرے الناس سے مراد صحابۂ کرامؓ ہیں جو ان لوگوں کے بارے میں مختلف ہو رہے تھے اور فی الحقیقت عتاب ان لوگوں پر ہے جو ان کو قتل نہ کرنے کے مشورے دے رہے تھے۔ صرتم لفظ فئتین کے مبتداء کی تقدیر کی طرف اشارہ ہے اور فی المنفقین حال ہے فئتین سے یا بقول بصریین لکم کی ضمیر مجرور ہے اور اس میں ... معنی استقرا ہیں یا یہ ظرف لغو ہے اور واللہ ارکسھم حال ہے منافقین سے رکس کے معنی رد الشیء مقلوبًا ہیں۔

من الکفر والمعاصی یعنی ما موصولہ ہے اور عائد محذوف ہے یا ما مصدریہ ہے والا استفہام انکار مع التوبیخ کے لئے ہے ای لاینبغی لکم ان تختلفوا فی قتلھم ولایتبغی لکم ان تعدوھم فی المھتدین جن کی رائے ان کو قتل نہ کرنے کی تھی ان پر عتاب و توبیخ ہے۔ ودوا بمعنی تمنی ہے اور لو مصدریہ ہے۔ ھجرۃ صحیحۃ حضرت عکرمہؓ کی رائے ہے کہ ہجرت کی تین قسمیں ہیں ابتداء اسلام میں مسلمانوں کی ہجرت جو للفقراء میں بیان کی گئی ہے۔ دوسرے منافقین کی ہجرت جو جس کی اصل غرض حصول دنیا تھی یہاں یہی ہجرت مراد ہے اور تیسری ہجرت معاصی اور گناہوں سے ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے المھاجر من ھجر مانھی اللہ. یصلون یعنی ینتسبون الیھم ویتصلون بھم ویدخلون فیھم بالخلدوا لجوار. پناہ گزیں ہونا مراد ہے۔ چونکہ وہ بالواسطہ مامون ہیں۔ اس لئے قتال کی ممانعت کردی گئی ہے اور چونکہ یصلون انتہاء کے معنی کو متضمن ہے اس لئے الیٰ کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے۔

ھلال بن عویمر ان سے آنحضرت ﷺ نے معاہدۂ امن فرمایا تھا ابن عباسؓ کی رائے ہے کہ بنوبکر بن زید مراد ہیں اور مقاتل کہتے ہیں کہ خزاعہ اور خزیمہ بن عبد مناۃ مراد ہیں۔ **او الذین** اس سے بنومدلج مراد ہیں۔ یہ جملہ حالیہ بتقدیر **قد** ہے۔

اية السيف اس سے مراد سورۂ توبہ کی آیت **فاقتلوا المشركين الخ** ہے **ولكنه** اس استدراک سے قیاس کی تکمیل ہوگئی گویا یہ نقیض مقدم جس کا نتیجہ **فالقى فى قلوبهم الرعب** ہے **اسدو عظفان** یہ دونوں نام دونوں قبیلوں کے جدِ اعلیٰ کے ہیں۔

ولم يلقوا اس کا عطف **لم يعتزلوا** پر ہے **الحصر. الضيق. يلقوا اليكم السلم** میں صلح سے استعارہ کیا گیا ہے کیونکہ کسی شے کے سلم کے وقت اس کو مسلم لہ کی طرف ڈال دیا جاتا ہے۔ **فماجعل الله** اس میں مبالغہ ہے بالکل تعرض نہ کرنا ان دونوں آیات میں مقابلات ذکر کئے گئے ہیں۔ **اعتزلوكم** کے مقابلہ میں **لم يعتزلوكم** اور **لم يقاتلوكم** کے مقابلہ میں **ويكفوا** ہے ای **لم يكفوا** اور **القوا اليكم السلم** کے مقابلہ میں **يلقوا اليكم السلم** اور **فما جعل الله الخ** کے مقابلہ میں **اولئكم جعلنا** ہے۔

ربط: .... پچھلی آیات میں جہاد کے احکام کا ذکر تھا۔ اس رکوع میں بھی کفار کے ساتھ بعض حالات کے اعتبار سے قتال وعدم قتال کے بعض احکام مذکور ہورہے ہیں۔

شانِ نزول: .... اس سلسلہ میں بعض روایات کا نقل کرنا ضروری ہے۔ (۱) بعض مشرکینِ مکہ خود کو مسلمان مہاجر ظاہر کرتے ہوئے مدینہ طیبہ آئے اور پھر مرتد ہوکر تجارت کے بہانے آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر مکہ معظمہ واپس ہوگئے اور ایسے گئے کہ پھر آنے کی توفیق ہی نہ ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد ان لوگوں کے بارے میں صحابہؓ کی رائے مختلف ہوگئی۔ بعض نے ان کو کافر سمجھا اور بعض ان کو مسلمان کہتے رہے۔ آیت میں اول رائے کو صحیح مانتے ہوئے ان کو واجب القتل قرار دیا اور ان کو منافق کہنا بایں معنی ہے کہ دعوئے اسلام کے وقت اول ہی سے یہ لوگ منافق تھے۔ خلوصِ دل سے ایمان نہیں لائے تھے اور یہاں چونکہ ان منافقین کا ارتداد کھل گیا ہے اس لئے واجب القتل قرار دیئے گئے ہیں۔ ورنہ منافقین قتل نہیں کئے جاتے تھے اور جن صحابہؓ نے حسنِ ظن کی وجہ سے ان کو مسلمان سمجھا انہوں نے ان کے ارتداد میں کچھ تاویل کرلی ہوگی جو بلا دلیل شرعی ہونے کی وجہ سے غیر معتبر سمجھی گئی۔ مثلاً انہوں نے سمجھا کہ کسی شخص کو محض ترک وطن نہ کرنے سے کافر نہیں کہنا چاہئے۔ لیکن شرعاً چونکہ یہ ہجرت اقرار لسانی اور واجب تھی۔ اس لئے تارکِ اقرار کی طرح تارکِ ہجرت بھی کافر سمجھا گیا۔

(۲) بدر واحد کے بعد سراقہ بن مالک مدلجی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ ہماری قوم مدلج سے صلح کرلیجئے۔ آپ ﷺ نے حضرت خالدؓ کو حسب ذیل دفعاتِ صلح دے کر ان کے ساتھ بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے۔ قریش مسلمان ہوگئے تو تم کو بھی مسلمان ہونا پڑے گا اور جو قومیں ہمارے ساتھ ہوں گی وہ بھی اس معاہدہ میں ہماری شریک ہوں گی۔ اس پر آیت **الا الذين الخ** نازل ہوئی۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ کی رائے ہے کہ آیت **ستجدون الخ** کا مصداق قبیلہ اسد وعظفان ہیں۔ جو مدینہ میں حاضر ہوکر تو اسلام کا دعویٰ کرتے تھے اور اپنی قوم میں جا کر کہتے ہیں کہ بدستور ہم تو بندر اور بچھو پر ایمان لائے ہیں اور ضحاک نے ابن عباسؓ سے یہی حالت قبیلہ عبدالدار کی نقل کی ہے۔ ان تینوں روایتوں میں پہلی دو روایتیں روح المعانی میں ہیں اور تیسری روایت معالم میں ہے۔ البتہ تیسری جماعت کی حالت بھی چونکہ دلیل سے واقع ہوگئی کہ پہلی جماعت کی طرح مسلمان نہیں ہیں اس لئے ان کا حکم بھی عام کفار کی طرح ہوگا کہ صلح کی حالت میں قتال نہ کیا جائے اور مصالحت نہ ہونے کی صورت میں قتال کی اجازت ہے۔

آیت کے مخاطب تین فرقے ہیں اور حکم دو ہیں: .... پس ان آیات میں کل تین فرقوں کا ذکر ہے۔ پہلی اور دوسری آیت فمالکم الخ اور ودوا میں ایک فرقہ کا اور تیسری آیت الا الذین میں ایک فرقہ کا اور چوتھی آیت میں ایک فرقہ کا اور اس موقعہ پر حکم صرف دو قسم کے ہیں۔ یعنی عدم صلح کی حالت میں قتال اور صلح میں عدم قتال۔ رہا یہ کہ مدینہ میں رہنے والے منافقین کا کفر اگرچہ دلائل سے ثابت تھا پھر بھی ان کے لئے امن کا حکم کیوں ہوا؟

اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ان منافقین کی حالت بھی چونکہ عام کفار کی طرح تھی کہ صلح سے رہتے تھے اس لئے بحالت صلح عدم قتال کا حکم مناسب ہوا۔ البتہ روح المعانی میں ان آیات کا منسوخ ہونا آیت برأت **فاذا انسلخ الاشهر الحرم الخ** سے معلوم ہوتا ہے حالانکہ مصالحین سے جنگ نہ کرنے کا حکم اب بھی باقی ہے۔ ممکن ہے ان آیات کے نزول کے وقت صلح کے خواہش مند لوگوں کی درخواست کا منظور کرنا واجب ہو اور اس لحاظ سے اس کو نسخ کہنا صحیح ہو کہ اب یہ وجوب باقی نہیں رہا یا ایک میعاد معین کے بعد اعلان نقض صلح کو صورۃً نسخ سے تعبیر کر دیا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں کلمۂ شہادت کے اقرار کی طرح ہجرت بھی ضروری اور فرض تھی۔ بشرطیکہ ہجرت پر قدرت ہو۔ اس لئے جن منافقین نے قدرت ہجرت کے باوجود مدینہ سے ہجرت نہیں کی اور وہیں رہتے رہے ان کا حکم عام کفار کی طرح ہوگا۔ اسی لئے دوسری آیت میں ان کو دوست نہ بنانے کی غایۃ **حتی یهاجروا** کو فرمایا گیا ہے اور دوست نہ بنانا مرادف ہے ایمان کے غیر مقبول ہونے کو۔ کیونکہ ایمان بھی منجملہ شرائط جواز ولایت ہے اور صحاح کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آیات کا نزول غزوۂ احد سے واپس ہونے والے منافقین کے بارے میں ہوا ہے۔ لیکن ظاہر آیت اس کی تائید نہیں کرتی۔ جن حضرات نے اس روایت کو اختیار کیا ہے انہوں نے ہجرت سے مراد ایک خاص ہجرت لی ہے۔ یعنی جہاد کی طرف خروج کرنا چنانچہ روح المعانی کے تین معنی نقل کئے گئے ہیں۔ ایک ہجرت کے متعارف معنی، دوسرے ترک منہیات، تیسرے جنگ کے لئے نکلنا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اَیْ مَا يَنْبَغِیْ لَهٗ اَنْ يَّصْدُرَ مِنْهُ قَتْلٌ لَهٗ **اِلَّا خَطَأً** مُخْطِئًا فِیْ قَتْلِهٖ مِنْ غَيْرِ قَصْدٍ **وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً** بِاَنْ قَصَدَ رَمْیَ غَيْرِهٖ كَصَيْدٍ اَوْ شَجَرَةٍ فَاَصَابَهٗ اَوْ ضَرَبَهٗ بِمَالَا يُقْتَلُ غَالِبًا **فَتَحْرِيْرُ** عِتْقُ **رَقَبَةٍ** نَسَمَةٍ **مُّؤْمِنَةٍ** عَلَيْهِ **وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ** مُؤَدَّاةٌ **اِلٰۤى اَهْلِهٖۤ** اَیْ وَرَثَةِ الْمَقْتُوْلِ **اِلَّاۤ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا** يَتَصَدَّقُوْا عَلَيْهِ بِهَا بِاَنْ يَّعْفُوْا عَنْهَا وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ اَنَّهَا مِائَةٌ مِّنَ الْاِبِلِ عِشْرُوْنَ بِنْتُ مَخَاضٍ وَكَذَا بَنَاتُ لَبُوْنٍ وَبَنُوْ لَبُوْنٍ وَحِقَاقٌ وَجِذَاعٌ وَاَنَّهَا عَلٰى عَاقِلَةِ الْقَاتِلِ وَهُمْ عَصَبَةُ الْاَصْلِ وَالْفَرْعِ مُوَزَّعَةً عَلَيْهِمْ عَلٰى ثَلٰثِ سِنِيْنَ عَلَى الْغَنِیِّ مِنْهُمْ نِصْفُ دِيْنَارٍ وَالْمُتَوَسِّطِ رُبُعُ كُلَّ سَنَةٍ فَاِنْ لَّمْ يَفُوْا فَمِنْ بَيْتِ الْمَالِ فَاِنْ تَعَذَّرَ فَعَلَى الْجَانِیْ **فَاِنْ كَانَ** الْمَقْتُوْلُ **مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ** حَرْبٍ **لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ** عَلٰى قَاتِلِهٖ كَفَّارَةٌ وَلَادِيَةٌ تُسَلَّمُ اِلٰى اَهْلِهٖ لِحَرَابَتِهِمْ **وَاِنْ كَانَ** الْمَقْتُوْلُ **مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ** عَهْدٌ كَاَهْلِ الذِّمَّةِ **فَدِيَةٌ** لَهٗ **مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖ** وَهِیَ ثُلُثُ دِيَةِ الْمُؤْمِنِ اِنْ كَانَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا وَثُلُثَا عُشْرِهَا اِنْ كَانَ مَجُوْسِيًّا **وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ** عَلٰى قَاتِلِهٖ **فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ** الرَّقَبَةَ بِاَنْ فَقَدَهَا وَمَا يُحَصِّلُهَا بِهٖ

فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ عَلَيْهِ كَفَّارَةٌ وَلَمْ يَذْكُرْ تَعَالَى الْإِنْتِقَالَ إِلَى الطَّعَامِ كَالظِّهَارِ وَبِهِ أَخَذَ الشَّافِعِيُّ فِي أَصَحِّ قَوْلَيْهِ **تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ** مَصْدَرٌ مَنْصُوبٌ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ **وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا** بِخَلْقِهِ **حَكِيْمًا** ﴿۹۲﴾ فِيمَا دَبَّرَهُ لَهُمْ **وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا** بِأَنْ يَّقْصُدَ قَتْلَهُ بِمَا يُقْتَلُ غَالِبًا عَالِمًا بِإِيْمَانِهِ **فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ** أَبْعَدَهُ مِنْ رَّحْمَتِهِ **وَأَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا** ﴿۹۳﴾ فِي النَّارِ وَهٰذَا مُؤَوَّلٌ بِمَنْ يَّسْتَحِلُّهُ أَوْ بِأَنَّ هٰذَا جَزَاؤُهُ إِنْ جُوْزِيَ وَلَا بِدْعَ فِي خُلْفِ الْوَعِيْدِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهَا عَلَى ظَاهِرِهَا وَأَنَّهَا نَاسِخَةٌ لِغَيْرِهَا مِنْ آيَاتِ الْمَغْفِرَةِ وَبَيَّنَتْ آيَةُ الْبَقَرَةِ أَنَّ قَاتِلَ الْعَمَدِ يُقْتَلُ بِهِ وَأَنَّ عَلَيْهِ الدِّيَةَ إِنْ عُفِيَ عَنْهُ وَسَبَقَ قَدْرُهَا وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ أَنَّ بَيْنَ الْعَمَدِ وَالْخَطَأِ قَتْلًا يُسَمّٰى شِبْهَ الْعَمَدِ وَهُوَ أَنْ يَقْتُلَهُ بِمَا لَا يُقْتَلُ غَالِبًا فَلَا قِصَاصَ فِيهِ بَلْ دِيَةٌ كَالْعَمَدِ فِي الصِّفَةِ وَالْخَطَأِ فِي التَّاجِيْلِ وَالْحَمْلُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَهُوَ الْعَمَدُ أَوْلٰى بِالْكَفَّارَةِ مِنَ الْخَطَأِ

ترجمہ: .... اور کسی مسلمان کے لئے سزاوار نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کرڈالے (یعنی مسلمان کے لئے کسی مسلمان کو قتل کرنا زیبا نہیں ہے) الا یہ کہ غلطی سے ہوجائے (قتل خطاء بلا ارادہ) اور جس کسی نے مسلمان کو غلطی سے قتل کردیا ہو (اس طرح کہ کسی شکار یا درخت پر تیر پھینکنا چاہتا تھا لیکن مسلمان کے لگ گیا یا ایسی چیز ماردی جس سے انسان اکثر حالات میں مرتا نہیں (تو چاہئے کہ ایک مسلمان غلام آزاد کردیا جائے اور خونبہا دے دیا جائے (ورثا مقتول کو) الا یہ کہ ورثا مقتول خونبہا معاف کردیں (خون بہا کو اس پر صدقہ کردیں۔ جس سے مراد معاف کرنا ہے اور خون بہا کی تفصیل حدیث میں ہے کہ ایک سو اونٹ ہونے چاہئیں۔ بیس بنت مخاض، اور اتنے ہی بنت لبون مونث و مذکر اور حقے اور جذعے۔ اور نیز یہ دیت قاتل کے خاندان والوں پر ہوگی۔ یعنی عصبات کی اصل وفرع پر تین سال پر اس طرح تقسیم کی جائے گی کہ امیروں پر سالانہ نصف اشرفی اور اوسط درجہ کے لوگوں پر چوتھائی اشرفی اور اگر یہ لوگ کسی وجہ سے ادا نہ کرسکیں تو پھر بیت المال سے اور وہاں سے بھی اگر ادائیگی نہ ہوسکے تو پھر مجبوراً قاتل سے وصول کی جائے گی) اور اگر (مقتول) اس قوم میں سے ہو جو تمہاری (جنگی) دشمن ہے مگر مؤمن بھی ہو تب بھی ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا چاہئے (اور یہ کفارہ صرف قاتل کے ذمہ ہے اور اس صورت میں جو خون بہا مقتول کے ورثاء کو نہیں دلایا جائے گا کیونکہ اس سے جنگ ہورہی ہے) اور اگر (مقتول) ایسی قوم میں سے ہو کہ جس کے ساتھ تمہارا معاہدۂ صلح ہے (جیسے ذمی) تو چاہئے کہ مقتول کے ورثا کو خون بہا بھی دے دے (ذمی اگر یہودی یا نصرانی ہے تب تو مسلمان کے خون بہا کا ایک ثلث دینا پڑے گا اور مجوسی ہو تو خون بہا کے دسویں حصہ کی دو تہائی دینی پڑے گی) اور ایک مسلمان غلام بھی آزاد کرنا چاہئے (صرف قاتل کو) اور اگر غلام دستیاب نہ ہو (خواہ تو غلام ملتا ہی نہ ہو یا اس کے پاس دام نہ ہوں) تو دو مہینے کے لگا تار روزے رکھنے چاہئیں (یہ اس پر کفارہ ہے اور حق تعالیٰ نے مسئلہ ظہار کی طرح یہاں بھی کھانا کھلانے کی طرف منتقل ہونے کو نہیں فرمایا اور امام شافعیؒ نے اپنے اصح قول میں اسی کو اختیار کیا ہے) بطور توبہ کے (توبۃ مصدر ہے فعل مقدر کے ذریعہ سے منصوب ہے) اور اللہ تعالیٰ (اپنی مخلوق کو) جاننے والے حکمت رکھنے والے ہیں (جو کچھ مخلوق کی تدبیریں کرتے رہتے ہیں) اور جو مسلمان کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرڈالے (یعنی اس کے قتل کا ارادہ بھی ہو اور ایسی چیز سے مارا ہو جس سے عموماً آدمی

مرجاتا ہے۔ نیز اس کو مسلمان سمجھتے ہوئے مارا ہو) تو اس کی سزا جہنم ہے۔ جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ غضب ناک ہوں گے اور ان کی پھٹکار پڑے گی (اپنی رحمت سے اس کو دور پھینک دیں گے) اور اس کے لئے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے (جہنم میں آیت کی تاویل یہ ہے کہ یہ سزا اس قاتل کی ہے جس نے کسی مسلمان کو مارنا حلال سمجھا ہو یا یہ مطلب ہے کہ یہ جرم اتنا سنگین ہے کہ اگر اس کی سزا ہو تو یہ ہونی چاہئے اور آیت قرآنی **ویغفر مادون ذلک لمن یشاء** کے سلسلہ میں خلاف وعید ہونے کا اچنبھا نہیں ہونا چاہئے۔ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہر پر ہے اور آیاتِ مغفرت کے لئے یہ آیت ناسخ ہے اور آیتِ بقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قاتل عمد کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔ ہاں اگر قصاص معاف کر دیا جائے تو پھر خون بہا دینا پڑے گا جس کی مقدار پہلے گزر چکی ہے۔ نیز حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل عمد اور قتل خطا کے درمیان ایک قسم قتل کی اور بھی ہوتی ہے جس کو ''شبہ عمد'' کہنا چاہئے وہ یہ کہ ایسے آلہ سے قتل کیا جائے جس سے عام طور پر انسان مرتا نہیں چنانچہ اس میں قصاص تو واجب نہیں ہوگا البتہ خون بہا آئے گا۔ یہ قسم گویا صفت کے لحاظ سے من وجہ قتل عمد کی طرح ہے اور مدت کے اعتبار سے من وجہ قتل خطاء کی طرح ہے اور اس کا خون بہا عاقلہ پر آئے گا اور شبہ عمد اور قتل عمد دونوں بہ نسبت قتلِ خطا کے زیادہ لائق کفارہ ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **من** موصولہ مبتداء ہے اور **قتل** صلہ اور **فتحریر** خبر ہے اور فا مشابہ بالشرط ہے اور یا **من** شرطیہ **قتل** فعل **فتحریر** جواب شرط۔ قتل خطا کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مقتول مؤمن اور ورثا بھی مؤمن، مقتول مؤمن اور ورثاء غیر مسلم، مقتول مؤمن اور ورثاء حربی۔ پہلی دو قسموں میں دیۃ اور کفارہ آئے گا تیسری قسم میں صرف کفارہ ہوگا۔

او ضربه شبہ عمد کو صراحۃً آیت میں داخل کرنے کے لئے جلال مفسرؒ یہ تاویل کر رہے ہیں لیکن اس توجیہ کے بعد پھر مفسر علام کو اس قیاس کی ضرورت نہیں رہتی جو وہ شبہ عمد کو قتل خطاء میں داخل کرنے کے لئے آگے چل کر **وهو العمد والعمد اولى بالكفارة من الخطاء** سے کر رہے ہیں **نسمة** لفظ **رقبة** جز کا اطلاق کل پر کیا گیا ہے لیکن یہ لفظ مملوک کے معنی میں متعارف ہے لفظ **نسمة** تحسین کے ساتھ ہے۔ لفظ **مومنة** کے بعد **عليه** کی تقدیر خبر محذوف کی طرف مشیر ہے۔

و دية اس میں تا واؤ کے عوض میں ہے **عدة** کی طرح اور یہ مصدر ہے خون بہا دینا۔ **الا ان يصدقوا** یہ منصوب ہے استثناء کی وجہ سے **اى فى جميع الاحيان الاحين التصدق.**

وبينت السنة کتاب الدیات میں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک اموال ثلثہ سے حسب ذیل تفصیل کے ساتھ دیۃ ادا کرنی چاہئے۔ سونے کے سکہ سے ایک ہزار اشرفی، چاندی کے سکہ سے حنفیہؒ کے نزدیک دس ہزار روپے اور شوافع کے نزدیک بارہ ہزار روپے اور ایک سو اونٹوں کی تفصیل حنفیہؒ کے نزدیک بیس اونٹ کر کے پانچ قسموں پر منقسم ہوگی۔ ۲۰ بنت مخاض، ۲۰ بنت لبون، ۲۰، ابن مخاض، ۲۰ حقہ، ۲۰ جذع اور امام شافعیؒ کے نزدیک ابن مخاض کی بجائے ابن لبون ہوں گے اور صاحبینؒ کے نزدیک اموال ثلاثہ کے علاوہ سے بھی خون بہا ادا ہو سکتا ہے مثلاً دو سو گائے یا ایک ہزار بکریاں، یا دو سو جوڑے کپڑے۔

یہ تفصیل تو جانی خون بہا کی ہے اور اعضاء کے خون بہا میں زیادہ تفصیلات ہیں۔ تیز خون بہا کی وصول یابی تین میں ہوتی ہے اور ورثاء پر وراثت کی طرح اس کی تقسیم حصۂ رسد تقسیم ہوتی ہے اور دَین کی ادائیگی اور وصیت کی تنفیذ بھی اس سے ہوتی ہے اگر کوئی وارث نہ ہو تو بیت المال میں یہ رقم داخل کی جاتی ہے۔ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ لیکن حنفیہؒ کے نزدیک مسلمان اور ذمی کی دیتیں برابر ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک نصرانی اور یہودی اہل کتاب کی دیت چار ہزار روپے یعنی بارہ ہزار کا ثلث ہے اور مجوسی کا خون بہا کل آٹھ سو روپے ہیں۔ ہماری دلیل حدیث **دية كل ذى عهد فى عهده الف دينار** ہے اور ابن لبون کی بجائے ابن مخاض پر

حنفیہ کی دلیل حدیث ابن مسعودؓ ہے۔

وهم عصبة اصل یہ امام شافعیؒ کی رائے ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسا ہی تھا اور بعد میں اس کے نسخ کی نوبت نہیں آئی۔ نیز یہ ایک قسم کی صلہ رحمی ہے۔ اس لئے قرابت دار ہی اس صلہ کے زیادہ مستحق ہو سکتے ہیں۔ لیکن حنفیہؒ کے نزدیک اگر قاتل دفتری آدمی ہے تو تمام اہل دفتر اس کے عاقلہ شمار کئے جائیں گے۔ جیسا فاروق اعظمؓ نے تمام صحابہؓ کی موجودگی میں اسی طرح کا عمل درآمد کیا تھا اور کسی نے اس پر نکیر نہیں کی۔ البتہ اگر قاتل اہل دیوان میں سے نہیں ہے تو اس کا عاقلہ اس کا خاندان ہوگا۔ من عدد کا کوئی محارب مسلمان ہو جائے اور دارالحرب میں رہتا رہے یا دارالاسلام میں آنے کے بعد کسی ضرورت سے دارالحرب میں اپنے عزیزوں کے پاس چلا جائے اور کسی مسلمان کے ہاتھ سے ایسے میں قتل ہو جائے یہ دونوں صورتیں اس میں داخل ہیں۔

ثلث دية المؤمن یہ امام شافعیؒ کی رائے ہے اس روایت سے استدلال کرتے ہوئی کہ نصرانی اور یہودی کی دیت چار ہزار درہم اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔ چونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک دیت کی رقم دس ہزار کی بجائے بارہ ہزار ہے۔ اس لئے اس کا ثلث چار ہزار اور عشر کی دو تہائی آٹھ سو درہم ہوتے ہیں۔

امام مالکؒ کے نزدیک ذمی کی دیت چھ ہزار درہم ہے اس روایت کی وجہ سے **عقل الكافر نصف عقل المسلم** یعنی ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے آدھی ہونی چاہئے۔ لیکن حنفیہؒ کے نزدیک صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے تعامل کی وجہ سے دونوں کی دیت یکساں ہے۔ **وبه اخذ الشافعیؒ** اس بارے میں حنفیہ اور شوافع دونوں کی رائے متفق ہے کہ اگر دو ماہ کی مسلسل روزوں کی قدرت نہ ہو تو ظہار میں تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے سے کفارہ ادا ہو جائے گا۔ لیکن یہاں کفارۂ قتل میں اس تبدیلی کا اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ **فصیام** کی فا اس پر دلالت کرتی ہے کہ مذکورہ ہی پورا واجب ہے۔ پس بدل کی تجویز محض رائے اور قیاس سے نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ کوئی نص موجود نہ ہو۔

توبة من الله. ای تاب علیکم توبة فجزاؤه ای فجزاؤه ان یدخل جهنم خالدًا فیها. وهذا مؤول یہ اس شبہ کے تین جوابات کی طرف اشارہ ہے کہ ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن قاتل کی سزا ابدی جہنم ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے پہلے جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ حکم اور سزا قتل مؤمن کو حلال سمجھنے والے کے لئے ہے۔ کیونکہ اس عقیدہ کے بعد وہ مؤمن کافر ہو جاتا ہے۔ پس یہ سزا مؤمن کی نہ ہوئی بلکہ فی الحقیقت کافر کی سزا ہوئی۔ دوسرے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ اس شدید جرم کی اصل سزا تو یہی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ عدل وانصاف کی بجائے وہ فضل کے مقتضی پر عمل کرتے ہوئے اس کو جہنم رسید نہ کرے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے مرفوعًا مروی ہے **هو جزاءه ان جازاه.** اگرچہ خلف وعد تو نہیں ہو سکتا چنانچہ حدیث انسؓ میں ہے۔ **من وعده الله علی ثوابًا فهو منجزه له ومن او عده علی عمله عقا بافهو بالخيار.** لیکن اس جواب میں شبہ کی گنجائش پھر بھی باقی رہتی ہے کہ مقتضی عدل تو خلود جہنم ہوا۔ جو اہل سنت کے خلاف ہے۔ جس کا جواب یہ ہے ہو سکتا ہے کہ منشاء محض یہ بتلانا ہے کہ ہمارے یہاں اس جرم کی سزا یہ ہے اس سے یہ کہاں لازم آ گیا کہ ہم اس کو یہ سزا دیں گے گویا نفس سزا کا اعلان ہے۔ سزا دینے کا اعلان نہیں کہ خلف وعید کا اشکال ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے **جزاء سيئة سيئة** فرمایا گیا ہے تجزی **جزاء سيئة سيئة** نہیں فرمایا گیا۔ لیکن بیضاویؒ نے خلود کو مکث طویل پر محمول کر کے بات ختم کر دی ہے۔

تیسرے جواب کی طرف **عن ابن عباسؓ** سے اشارہ ہے کہ جس کا حاصل یہ ہے کہ آیاتِ مغفرت کے لئے یہ آیت ناسخ ہے چنانچہ ابن عباسؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ **لاتقبل توبة قاتل المؤمن عمدًا** غالبًا مقصد اس سے تشدد ہوگا چنانچہ قاضی بیضاویؒ نے ابن عباسؓ سے اس کے برخلاف روایت بھی نقل کی ہے جو بیہقیؒ نے اپنی سنن میں لکھی ہے۔

كالعمد فی الصفة یعنی شبہ عمد کی دیت قتل عمد کی طرح ہے۔ تثلیث میں اور قتل خطاء کی طرح ہے۔ تین سالہ قسط کے لحاظ سے اور صرف قاتل پر لازم ہونے کے لحاظ سے۔ **وهوا العمد** شبہ عمد کو قتل خطاء کی تعریف میں صراحۃ داخل کرنے کے بعد اس قیاس کی

چنداں ضرورت نہیں تھی۔ کفارہ کا حکم امام شافعیؒ کے نزدیک ہے۔ حنفیہؒ کے نزدیک صرف جہنم کی سزا ہے۔ کیونکہ لفظ جزاء کا اطلاق کامل درجہ پر آتا ہے۔ یعنی کسی اور سزا کی ضرورت نہیں ہے۔ رہا قصاص کا ہونا سو وہ سزائے محل ہے سزائے فعل نہیں ہے کہ اشکال ہو۔

ربط: .... اوپر سے قتل وقتال کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ ان آیات میں بھی قتل کی بعض خاص قسموں دانستہ یا نادانستہ کی شناعت اور احکام کا بیان ہے اپنوں کا قتل ہو یا بےگانوں کا۔

شانِ نزول: .... ابن جریرؒ اور ابن المنذرؒ نے سدیؒ سے روایت کی ہے کی عیاش بن ربیعہ مخزومی نے اسلام قبول کر کے آنحضرت ﷺ کی طرف ہجرت کی۔ اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ عیاشؓ چلے جا رہے تھے کہ کنانیؓ سے ملاقات ہوئی جو مسلمان ہو چکے تھے لیکن عیاشؓ کو خبر نہیں تھی اس لئے عیاشؓ نے کنانیؓ کو غلطی سے قتل کر دیا۔ بعد میں جب پتا چلا تو حضور ﷺ سے عرض کیا۔ اس پر آیت **وما کان لمؤمن الخ** نازل ہوئی لیکن ابن جریر ابن زیدؓ سے نقل کر رہے ہیں کہ یہ آیت ابوالدرداءؓ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے غلطی سے ایک ایسے شخص کو جو لا الٰہ الا اللہ کہہ رہا تھا یہ سمجھتے ہوئے قتل کر دیا کہ یہ مسلمان نہیں صرف جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے۔ دوسرے حضرات نے بھی اس کے قریب قریب ہی تخریج کی ہے۔

نیز ابن جبیرؒ کی رائے یہ ہے کہ آیت **فان کان من قوم عدو الخ** مرداس بن عمرو کے بارے میں نازل ہوئی۔ جبکہ اس کو اسامہ بن زیدؓ نے خطاءً قتل کر دیا تھا۔ اسی طرح آیت **ومن یقتل مؤمنا الخ** کا نزول مقیس بن ضبابہ کنانی کے بارے میں ہوا ہے۔ انہوں نے اپنے بھائی ہشام بن ضبابہ کو قبیلہ بنی نجار میں مقتول پایا۔ آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی۔ آپ ﷺ نے بنی فہر کے ایک شخص کو بنی نجار کے پاس بھیجا اور یہ کہلایا کہ اگر تمہیں قاتل معلوم ہو تو اس کو مقتول کے بھائی مقیس کے حوالہ کر دو ورنہ دیت ادا کرو اور حلف کرو۔ چنانچہ انہوں نے دیت بھی پیش کر دی اور ان الفاظ سے حلف بھی لیا۔ **واللہ ماقتلنا ولاعلمنا لہ قاتلا** لیکن مدینہ واپس ہوتے ہوئے باوجود دیت وصول ہو جانے کے مقیس نے نفسانی جذبہ سے مغلوب ہو کر اپنے فہری ساتھی کو قتل کر دیا اور اس کے اونٹ وغیرہ پر قبضہ کر کے راہی مکہ ہو گیا۔ اسی طرح اسلام میں سب سے پہلے یہ شخص مرتد ہوا۔ اس نے اپنی تعریف میں ایک قصیدہ مدحیہ کہا۔ آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو بڑا رنج ہوا۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ ابن منذر نے اسماعیل بن ثوبانؒ سے تخریج کی ہے وہ کہتے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ مسجد اکبر میں بیٹھا ہوا سن رہا تھا کہ جب آیت **ومن قتل مومنا** نازل ہوئی تو مہاجرینؓ وانصارؓ کہتے تھے کہ جس نے مسلمانوں کو قتل کیا اس کے لئے جہنم واجب ہو چکی ہے حتیٰ کہ آیت **ان اللہ لا یغفر ان یشرک** نازل ہوئی یہ سن کر مہاجرینؓ وانصارؓ کہنے لگے اللہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں یہ روایت اہل کے لئے مفید ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **قتل کی اقسام اور احکام:** .... فقہاء نے قتل کی پانچ صورتیں قرار دی ہیں۔ (۱) قتل عمد (۲) شبہ عمد (۳) قتل خطاء (۴) قائم مقام خطاء (۵) قتل سببی۔

قتل عمد یعنی دانستہ قتل، کسی ہتھیار وغیرہ سے بالقصد مار دینا۔ شبہ عمد امام صاحبؒ کے نزدیک ہتھیار کے علاوہ کسی بڑے پتھر یا لاٹھی یا پتھر سے مار دینا جس سے عام طور پر انسان مرتا نہ ہو اور قتل خطاء کی دو صورتیں ہیں۔ ایک خطاء فی القصد دوسرے خطاء فی الفعل۔ مثلاً کسی انسان کو جانور یا مسلمان کو غیر مسلم سمجھ کر مار ڈالنا خطاء قصدی کہلاتا ہے۔ لیکن کسی جانور کے مارتے ہوئے اگر ہاتھ بہک جائے اور نشانہ چوک کر کسی انسان کے لگ جائے یہ خطاء فعل کہلاتی ہے۔ قائم مقام خطاء یہ ہے کہ ایک سوتا ہوا آدمی کسی پر گر جائے جس سے دوسرا آدمی مر جائے اور قتل بالسبب مثلاً غیر مملوکہ زمین میں کنواں کھود دینا بڑا پتھر رکھ دینا جس سے ٹھوکر کھا کر یا گر کر کوئی ہلاک ہو جائے۔

اسی طرح مقتول کی چار صورتیں ہوسکتی ہیں۔ (۱) مؤمن (۲) ذمی (۳) مصالح مستامن (۴) حربی۔ پس اس طرح قتل کی بہت سی قسمیں نکل آئیں جن میں سے قرآن مجید میں دو صورتیں بیان کی جارہی ہیں یعنی نادانستہ قتل اور دانستہ قتل۔ قتل عمد کے بعض دنیاوی احکام سورۂ بقرہ میں گزر چکے ہیں اور بعض کا بیان انشاء اللہ مائدہ میں آئے گا۔ ان آیات میں خطاء کی بعض صورتوں کا حکم اور عمد کی سزاء اخروی کا بیان کیا جارہا ہے اور بعض صورتوں کا حکم پچھلی آیات اور بعض کا احادیث سے معلوم ہورہا ہے چنانچہ دارقطنی نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ذمی کے قتل عمد کے متعلق مسلمان سے قصاص لیا ہے اسی طرح جہاد کی مشروعیت سے حربی کے قتل عمد اور خطاء کا حکم معلوم ہوسکتا ہے۔

خون بہا کی تفصیل: .... آیت میں خطاء سے مراد غیر عمد ہے ..... پس شبہ عمد اور خطاء دونوں کا حکم یہی ہے کہ دیت اور گناہ دونوں لازم ہیں۔ البتہ دونوں کی دیت میں یہ فرق رہے گا کہ شبہ عمد میں سو اونٹ چار قسم کے پچیس پچیس اونٹوں پر مشتمل ہوں گے اور دوسری قسم کی دیت پانچ قسم کے بیس بیس اونٹوں پر مشتمل ہوگی۔ لیکن خون بہا نقد ہو تو دونوں قسموں میں خون بہا یکساں رہے گا البتہ شبہ عمد کا گناہ نسبت قتل خطاء کے زیادہ ہوگا۔ چنانچہ غلام کی آزادی کا وجوب اور لفظ توبہ اس پر دال ہیں۔ قتل کی ان قسموں میں مذکورہ فرق بلحاظ ظاہر اور احکام دنیا کے ہے لیکن اخروی گناہ کا مدار قلب پر ہے جس کا حال اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس اعتبار سے ممکن ہے عمد، غیر عمد، اور غیر عمد، عمد بن جائے۔ نیز آیت میں دیت مبہم اور مجمل ہے۔ مرد، عورت دونوں کو شامل ہے لیکن حدیث بیہقی اس کی تفصیل اور تفسیر ہے۔ ایک دوسرے کے معارض نہیں ہیں کہ اس سے شبہ کی گنجائش ہو۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے **دية المرأة على النصف من دية الرجل** یعنی مقتولہ عورت کا خون بہا مرد مقتول کے خون بہا کا آدھا ہے مسلمان اور ذمی کی دیت بھی حدیث کی رو سے برابر معلوم ہوتی ہے۔ **دية كل ذى عهد فى عهده الف دينار**۔ بظاہر آیت سے بھی اسی کی تائید معلوم ہوتی ہے کیونکہ دیت کا عنوان دونوں جگہ ایک ہے اور عنوان ایک ہونا معنوں کے ایک ہونے کو چاہتا ہے لیکن امام شافعیؒ کہہ سکتے ہیں کہ دلائل سے معنوں کا مختلف ہونا معلوم ہوتا ہے۔

خون بہا میں ورثاء کی شرکت: .... کفارہ یعنی غلام کی آزادی اور روزے تو خود قاتل کے ذمہ ہیں۔ البتہ خون بہا میں دوسرے اعوان وانصار بھی شریک ہوں گے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے **لاولياء الجانى قوموا قدوه** (طبرانی) پس آیت سے تو اصل وجوب قتل پر ہوگا لیکن چونکہ شبہ عمد اور خطاء میں قاتل کا جرم زیادہ شدید نہیں ہوتا اس لئے اتنی بڑی رقم کا تنہا کے سر ڈالنا کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ نیز اس قسم کی بے احتیاطیاں انسان اپنے عاقلہ او جتھ کے زور اور بل بوتہ پر کیا کرتا ہے اس لئے حدیث مذکور کی رو سے عاقلہ کو بھی شریک کار سمجھتے ہوئے قاتل کے قائمقام قرار دیا گیا ہے اور خون بہا میں شریک کیا گیا تاکہ آئندہ اس قسم کے بے احتیاطوں کہ یہ بھی نگرانی رکھیں۔

بہرحال آیت میں اگر دیت کے ساتھ **عليه** و **عليهم** مقدر مانا جائے تب تو آیت ہی سے دونوں پر وجوب ثابت ہوجائے گا لیکن اگر تقدیر عبارت صرف **فالواجب** ہو تب بھی یہ وجود دونوں کو شامل ہوجائے گا اور آیت حدیث سے معارض نہیں رہے گی۔

ایک شبہ کا ازالہ: .... اور چونکہ اس بے احتیاطی کے قتل میں کچھ نہ کچھ کوتاہی اہل نصرت کی بھی رہی۔ جس کی وجہ سے ان کو شریک چندہ سمجھا گیا ہے اس لئے آیت **ولا تزر وازرة** الخ کے معارض بھی یہ حکم نہیں ہے۔

دوسری توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آیت **لاتزر** کا تعلق خاص گناہوں اور معاصی کے ساتھ ہو۔ یعنی ایک شخص دوسرے کے گناہ کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا لیکن دنیاوی سزائیں اور عقوبات واحکام سے اس حکم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس اس توجیہ پر اصل سے کوئی شبہ ہی متوجہ نہیں

ہوسکتا کہ رفع تعارض کی نوبت آئے۔

کفارۂ قتل کی تفصیل: .... کفارۂ قتل میں حنفیہؒ کے نزدیک مؤمنہ کی قید ضروری ہے نص کی وجہ سے لیکن دوسرے کفارات میں کافر کا آزاد کرنا بھی صحیح ہے۔ اطلاق اور عموم نصوص کی وجہ سے برخلاف امام شافعیؒ کے کہ وہ سب جگہ مؤمن کی آزادی ضروری سمجھتے ہیں۔ اول تو شاید قتلِ مؤمن کو تمام واجب الکفارہ جرموں میں سنگین ترین جرم سمجھا گیا۔

دوسرے قاتل نے ایک مومن کو کم کردیا ہے اس لئے آزاد برادری میں ایک مومن کا اضافہ اس کی مکافات سمجھی گئی ہے۔ کیونکہ غلامی آثار کفر میں سے ہوتی ہے اور کفر موت حکمی ہے۔ اس لئے غلام گویا اموات کے درجہ میں ہوتے ہیں۔ البتہ آزاد کردہ غلام صحیح الاعضاء ہونا چاہئے جس کی جنس منفعت فوت نہ ہوگئی ہو۔ لنگڑا، لولا، ٹنڈا، لنجہ، گنجا، اندھا، دیوانہ سے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ اسی طرح مدبر ام ولد۔ اور جس مکاتب نے بعض بدل کتابت ادا کردیا ہو ان کا آزاد کرنا بھی کافی نہیں ہوگا۔ کیونکہ نص میں مطلق رقبۃ آیا ہے اور مطلق سے مراد فرد کامل ہوتا ہے اور مذکورہ افراد ناقص ہیں۔ خواہ ذات میں ناقص ہوں یا وصف غلامی میں نقصان ہو اس لئے کافی نہیں ہوں گے۔ البتہ مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بڑا سب کو آزاد کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ اوصاف ہیں اور مطلق وصف کے لحاظ سے اپنے اطلاق پر باقی رہتا ہے اور حسن بچہ کو آزاد کرنا کافی نہیں سمجھتے۔ آجکل غلام یا باندی کی جنس نایاب ہے تاہم کتابی دنیا میں ان مسائل کا محفوظ رہنا ضروری ہے۔

مقتول کی دیت شرعی ورثاء میں تقسیم ہوگی۔ جو وارث اپنا حصہ معاف کردے گا اتنا ہی معاف ہوجائے گا۔ اور سب معاف کردیں گے تو سب معاف ہوجائے گا چونکہ دیت ایک قسم کا ترکہ ہے۔ اس لئے اگر کہیں شرعی وارث نہیں ہوگا تو ترکہ کی طرح دیت بھی بیت المال میں داخل کردی جائے گی۔ البتہ اگر حربی دارالاسلام میں رہتا ہے تو اس کا خون بہا بھی بیت المال میں داخل کردیا جائے گا ورنہ دارالحرب میں رہنے کی صورت میں بیت المال سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ ہاں اس کا کوئی مسلمان وارث اگر وہاں رہتا ہو تو اس وقت قتل عمد میں صرف گناہ اور قتل خطاء میں صرف کفارہ ہے۔ دیت پھر بھی واجب نہیں ہے معاہدین کے اگر اہل موجود ہوں تو اگر یہ معاہد ذمی ہو تب بھی دیت واجب ہوکر بیت المال میں داخل ہوجائے گی۔ کیونکہ ذمی کا ترکہ بھی بیت المال میں داخل ہوا کرتا ہے ورنہ واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ اس وقت مسلمة الی اهله صادق نہیں آتا۔

آجکل دنیا میں شرعی غلاموں کا رواج نہیں رہا اس لئے کفارہ میں اس کی تلاش کی چنداں ضرورت نہیں ہے: ....

اکثر ممالک میں آجکل چونکہ غلامی کا رواج نہیں رہا۔ اس لئے لم یجد صادق آرہا ہے۔ اس لئے بجائے غلام آزاد کرنے کے روزہ رکھنے کی اجازت ہوگی۔ کسی ملک میں غلام خریدنے کے لئے بلاوجہ روپیہ بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حیض اور رمضان اور ایام تشریق کے علاوہ کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے مسلسل روزے رکھنے میں اگر بچکا لگ جائے تو پھر از سر نو دوبارہ روزے رکھنے پڑیں گے البتہ اگر کسی وجہ سے روزوں پر بھی قدرت نہ رہے تو قدرت ہونے تک توبہ کرنی چاہئے نیز قتل عمد میں چونکہ کفارہ نہیں اس لئے توبہ کرتے رہنا چاہئے۔ (تلک عشرة كاملة)

دانستہ قتل میں کفارہ ہونے پر حنفیہ کا استدلال: .... حنفیہؒ کے نزدیک قتل عمد پر کفارہ نہیں لیکن شوافعؒ کہتے ہیں کہ قتل خطاء پر جب کفارہ ہے تو عمد پر بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہئے لیکن حنفیہؒ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ لفظ جزاء کا استعمال عقوبات کے موقعہ پر کافی معنی میں آتا ہے یعنی سزائے کامل جہنم ہے۔ اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ کفارہ وغیرہ کسی دوسری سزا کی مزید ضرورت نہیں ہے۔ البتہ قصاص سو وہ جزائے محل ہے نہ کہ جزائے فعل۔ اس لئے اشکال واقع نہیں ہوتا اور کفارہ چونکہ من وجہ عبادت ہوتا

ہے اور من وجہ عقوبت اس لئے اس کا سبب بھی ایسا ہونا چاہئے جو ممانعت واباحت دونوں حیثیتیں رکھتا ہو۔ حالانکہ قتل عمد گناہ کبیرہ ہے جس میں صرف ممانعت وحرمت کا پہلو ہے مگر اباحت کا شائبہ تک نہیں۔ پھر اس میں کفارہ کا کیا جوڑ؟

معتزلہ پر رد: .... معتزلہ اس آیت کی دلالۃ خلود سے گناہ کبیرہ کرنیوالے کے کفر پر استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ زمخشریؒ نے اپنے اعتزال کی وجہ سے آیت کو بڑے فخریہ لہجہ میں پیش کیا ہے۔ حالانکہ آیت کا شان نزول بتلا رہا ہے کہ مقیس ایک فہری مسلمان کو مسلمان ہونے کی وجہ سے قتل کر کے مرتد ہوا تھا۔ پس یہ آیت کافر کے بارے میں ہوئی نہ کہ مسلمان فاسق کے لئے جیسا کہ قاضی بیضاویؒ نے تصریح کی ہے لیکن جلال محققؒ نے اس کے تین جواب دیئے ہیں جن کا بیان گزر چکا ہے۔

مزید براں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب کسی مشتق پر حکم لگایا جاتا ہے تو ضابطہ کے مطابق اس کا ماخذ اشتقاق حکم کی علت ہوا کرتا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ جب کسی مؤمن کو کوئی قتل کرے گا تو اس کے ایمان ہی کو علۃ قتل قرار دیا جائے گا۔ جس کی وجہ سے بلاشبہ قاتل کافر ہو جانا چاہئے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں کفار کی سزا کے موقعہ پر ہر جگہ خالدین کے ساتھ لفظ ابداً بھی ضرور استعمال کیا گیا ہے اور مؤمن کی سزا میں صرف خالدین پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے بھی آیت معتزلہ کی بجائے اہل سنت کا مستدل بن سکتی ہے گویا خلود کے معنی صرف مکث طویل کے ہیں اس میں ابدیت ملحوظ نہیں ہے جو معتزلہ کے پیش نظر ہے۔

ابن عباسؓ کا فتویٰ: .... البتہ ابن عباسؓ کا مذہب جو آیت کے ظاہری الفاظ کے موافق مشہور ہے جس سے معتزلہ کو سہارا مل سکتا ہے اس سلسلہ میں روح المعانی نے جو روایت پیش کی ہے اس سے اس کی تردید ہوتی ہے یعنی عام جمہور کی طرح وہ بھی مؤمن کے لئے قبول توبہ کے قائل تھے چنانچہ ایک دفعہ ایک شخص نے آکر آپ سے مسئلہ دریافت کیا کہ یہ تقریر تو آپ کے پہلے فتویٰ کے خلاف تھی؟ فرمایا مجھے یہ شبہ ہوا کہ یہ شخص غصہ میں کسی مسلمان کو قتل کرنا چاہتا ہے چنانچہ تحقیق کے بعد شبہ صحیح نکلا۔

اس سے اندازہ ہوا کہ آپ کا مشہور قول ان مصالح کی بناء پر تھا ورنہ آپ کا اصل مذہب جمہور کے موافق ہی تھا۔ چنانچہ سفیان سے منقول ہے کہ اہل علم سے جب کوئی ابتداً مسئلہ قتل دریافت کرتا تو یہی جواب دیتے کہ اس کی توبہ مقبول نہیں۔ لیکن مبتلا ہو جانے کے بعد پھر اصل حکم بھی سناتے، معلوم ہوا کہ عام طور پر اسلاف کی یہی عادت تھی جو مبنی بر مصلحت تھی۔

وَنَزَلَ لَمَّا مَرَّ نَفَرٌ مِّنَ الصَّحَابَةِؓ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ وَهُوَ يَسُوْقُ غَنَمًا فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ فَقَالُوْا مَاسَلَّمَ عَلَيْنَا اِلَّا تَقِيَّةً فَقَتَلُوْهُ وَاسْتَاقُوْا غَنَمَهُ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ** سَافَرْتُمْ لِلْجِهَادِ **فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْمُثَلَّثَةِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ **وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ** بِاَلِفٍ وَدُوْنِهَا اَيِ التَّحِيَّةَ اَوِ الْاِنْقِيَادَ بِقَوْلِ كَلِمَةِ الشَّهَادَةِ الَّتِيْ هِيَ اَمَارَةٌ عَلٰى اِسْلَامِهٖ **لَسْتَ مُؤْمِنًا** وَاِنَّمَا قُلْتَ هٰذَا تَقِيَّةً لِنَفْسِكَ وَمَالِكَ فَتَقْتُلُوْهُ **تَبْتَغُوْنَ** تَطْلُبُوْنَ بِذٰلِكَ **عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** مَتَاعَهَا مِنَ الْغَنِيْمَةِ **فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ** تُغْنِيْكُمْ عَنْ قَتْلِ مِثْلِهٖ لِمَالِهٖ **كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ** تُعْصَمُ دِمَاؤُكُمْ وَاَمْوَالُكُمْ بِمُجَرَّدِ قَوْلِكُمُ الشَّهَادَةَ **فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ** بِالْاِشْتِهَارِ بِالْاِيْمَانِ وَالْاِسْتِقَامَةِ **فَتَبَيَّنُوْا** اَنْ تَقْتُلُوْا مُؤْمِنًا وَافْعَلُوْا بِالدَّاخِلِ فِي الْاِسْلَامِ كَمَا فُعِلَ بِكُمْ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا** ﴿۹۴﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ **لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** عَنِ

الْجِهَادِ **غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ** بِالرَّفْعِ صِفَةٌ وَالنَّصْبِ اِسْتِثْنَاءٌ مِنْ زَمَانَةٍ اَوْعَمًى وَنَحْوِهِ **وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ** لِضَرَرٍ **دَرَجَةً ۭ** فَضِيْلَةً لِاِسْتِوَائِهِمَا فِي النِّيَّةِ وَزِيَادَةِ الْمُجَاهِدِ بِالْمُبَاشَرَةِ **وَكُلًّا** مِنَ الْفَرِيْقَيْنِ **وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ** الْجَنَّةَ **وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ** لِغَيْرِ ضَرَرٍ **اَجْرًا عَظِيْمًا** ﴿۹۵﴾ وَيُبْدَلُ مِنْهُ **دَرَجٰتٍ مِّنْهُ** مَنَازِلُ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ مِنَ الْكَرَامَةِ **وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ** مَنْصُوْبَانِ بِفِعْلِهِمَا الْمُقَدَّرِ **وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا** لِاَوْلِيَائِهِ **رَّحِيْمًا** ﴿۹۶﴾ بِاَهْلِ طَاعَتِهِ۔

ترجمہ: .... (ایک دفعہ صحابہؓ کا گزر قبیلہ بنی سلیم کے ایسے شخص پر ہوا جو بکریاں چرا رہا تھا۔ اس نے دیکھ کر صحابہؓ کو سلام کیا لیکن صحابہؓ نے یہ سمجھ کر کہ اس نے محض جان بچانے کی خاطر سلام کیا ہے اس کو تہ تیغ کر کے اس کی بکریوں پر قبضہ کر لیا تب یہ آیت نازل ہوئی) مسلمانو! جب تم اللہ کی راہ میں (جہادی) سفر کیا کرو تو خوب تحقیق حال کر لیا کرو (ایک قرأت میں لفظ تبینوا دونوں جگہ تا کے ساتھ یعنی فتبینوا آیا ہے) اور جو شخص تم کو سلام کیا کرے اس کو یوں نہ کہہ دیا کرو (لفظ سلام الف کے ساتھ اور بغیر الف کے ہے یعنی سلام کرنا یا کلمۂ شہادت کی ادائیگی کے ذریعہ اطاعت کرنا جو اس کے مسلمان ہونے کی علامت ہے) کہ تم مؤمن نہیں ہو (تم نے اپنی جان و مال بچانے کے لئے ایسا کہہ دیا ہے اور اس طرح تم اس کو قتل کر ڈالو) کیا تم طلب گار رہوئے ہو (اس کے ذریعہ ڈھونڈتے ہو) دنیا کا سروسامان زندگی (مال غنیمت) اگر یہی بات ہے تو اللہ کے پاس تمہارے لئے بہت سی غنیمتیں موجود ہیں (جو تم کو مال کی خاطر اس قسم کے قتل سے بے نیاز کر دیں گی) تمہاری حالت بھی تو پہلے ایسی ہی تھی (کہ کلمۂ شہادت ادا کر کے تم نے اپنے جان و مال بچائے تھے) پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا (تمہارے ایمان کو شہرت و استقامت بخش دی) لہٰذا ضروری ہے کہ خوب تحقیق حال کر لیا کرو (کہ کہیں مؤمن کو تو قتل نہیں کر رہے ہو اور اسلام میں داخل ہونے والے کے ساتھ اسی طرح معاملہ کیا کرو جس طرح تمہارے ساتھ کیا گیا تھا) جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کی خبر رکھنے والے ہیں (لہٰذا وہ تم کو بدلہ دیں گے) مسلمانوں میں جو لوگ بیٹھے رہتے ہیں (شریک جہاد نہیں ہوتے) بلا عذر (رفع کے ساتھ قاعدون) کی صفت ہے اور استثناء کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی اپاہج، اندھے وغیرہ نہیں ہیں) وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو (عذر سے) بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت بخشی ہے بلحاظ درجہ (مرتبہ) کے (کیونکہ اصل نیت میں تو دونوں برابر ہیں۔ لیکن عمل کی بدولت مجاہد نمبر لے گیا ہے) اور ہر ایک کے لئے (ان دونوں فریق میں سے) اللہ کا وعدۂ نیک (جنت کا) ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو (بلا عذر) بیٹھ رہنے والوں کے مقابلہ میں فضیلت بخشی ہے بڑے اجر کے لحاظ سے (اور اس کا بدل یہ ہے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے درجے ہیں (عزت کے لحاظ سے اوپر تلے کی منزلیں ہیں) اور بخشش و رحمت ہے (فعل مقدر کی وجہ سے دونوں منصوب ہیں اور اللہ تعالیٰ (اپنے دوستوں کو) بخشنے والے (اور اطاعت گزار لوگوں پر) رحم فرمانے والے ہیں۔

تحقیق و ترکیب: .... فتبینوا صحابہؓ سے چونکہ اجتہادی غلطی ہوگئی اس لئے عتاب آمیز تنبیہ کی گئی اور احتیاط کی تعلیم دی گئی۔ یہ تفعل استفعال کے معنی میں ہے جو طلب کے لئے آتا ہے ای اطلبوا بیان الامر فی کل ماتاتون وماتذرون ولا تجعلوا فیه بغیر تدبر دوسری قرأت میں یہ لفظ تثبتوا ہے ای فاطلبوا اثبات الامر دونوں کا حاصل ایک ہی نکلتا ہے۔

لضرر مفسر علامؒ نے زجاج کی تقلید میں یہ تفسیر کی ہے لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک حسب سابق قاعدون غیر اولی الضرر مراد ہیں گویا ان دونوں میں مساوات کی نفی کرنا ہے تاہم مجاہدین دونوں قسم کے قاعدین سے بڑھے ہوئے ہیں۔

وکلا مفعول اول ہے اور الحسنیٰ مفعول ثانی ہے تاکید وعید کے لئے قصر کرتے ہوئے مفعول اول کو مقدم کیا گیا ہے اور مفعول سے حرمان ثواب کے وہم کو دفع کرنے کے لئے یہ جملہ معترضہ لایا گیا ہے۔ ویبدل لفظ درجات کا بدل کل ہے مقصود کیفیت تفضیل ہے۔ درجات پہلے درجہ سے دنیاوی غفلت اور غنیمت ہے اسی لئے مفرد لفظ لایا گیا ہے اور لفظ درجات سے اخروی ثواب مراد ہے جو اضعاف مضاعفہ ہوتا ہے اسی لئے جمع استعمال کی گئی ہے۔

بفعلهما ای غفر الله لهم مغفرة ورحمهم رحمة جلال مفسرؒ نے اس کا عطف درجات پر نہیں کیا دوسرے مفسرینؒ کی موافقت کرتے ہوئے کیونکہ پھر اجر سے بدل بنانے میں تکلیف کرنا پڑتا۔

ربط: .... پچھلی آیت میں قتل مؤمنین کا بیان تھا۔ اب یہ بتلانا ہے کہ صرف ظاہری اسلام پر اکتفاء کرنا کافی ہے ظاہری علامات و قرائن کو دیکھتے ہوئے ایسے شخص کے قتل سے دست کش ہوجانا چاہئے۔ حقیقت حال اور باطن کی جستجو پر مدار نہیں رکھنا چاہئے اور آیت لایستوی الخ میں فضیلت جہاد کو تسلیم کرتے ہوئے یہ بتلانا ہے کہ فی نفسہٖ چونکہ جہاد فرض عین نہیں ہے اس لئے اگر بعض افراد نہ بھی جائیں تو کچھ گناہ نہیں ہے پھر بھی مجاہد کے لئے بڑی فضیلت ہے جو اوروں کے لئے نہیں ہے۔

شانِ نزول: .... مرداس بن نہیکؓ اپنی قوم میں تنہا مسلمان ہوچکے تھے۔ صحابہؓ نے جب ان کی قوم پر لشکر کشی کی تو سب بھاگ کھڑے ہوئے اور صرف مرداسؓ رہ گئے اور اپنی بکریوں کو پہاڑی کے دامن کی طرف ہنکا دیا۔ مسلمانوں نے جب نعرۂ تکبیر بلند کیا تو انہوں نے آکر سلام کیا اور کلمہ پڑھ کر سنایا۔ لیکن اسامہ بن زیدؓ نے ان کو قتل کردیا اور بکریاں قبضہ میں لے لیں۔

آنحضرت ﷺ کو جب علم ہوا تو بڑا افسوس ورنج فرمایا اور اقتلتموہ ارادۃ ما معه کہہ کر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اسامہؓ نے عرض کیا یارسول اللہؐ میری تلوار سے بچنے کے لئے اس نے کلمہ پڑھا تھا فرمایا هلا شققت قلبه عرض کیا اگر اس کا دل چیرتا تو ایک خون کی پھٹک ملتی۔ فرمایا عبر بلسانه مافی قلبه اسامہؓ نے عرض کیا یارسول اللہؐ میرے لئے استغفار کیجئے لیکن آپ ﷺ بار بار یہی فرماتے جاتے فکیف بلا اله الا الله. اسامہؓ کہتے ہیں یہ سن کر مجھ پر بڑا اثر ہوا اور میں چاہتا تھا کہ کاش! میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا۔

غرض آپؐ نے استغفار فرمایا اور غلام آزاد کرنے کو کہا اور اس کے اونٹ بکریاں واپس کرنے کا حکم دیا۔ اسامہؓ کو اپنی اسی غلطی کا اس قدر شدید رنج اور احساس ہوا کہ اسی میں ان کا انتقال ہوگیا اور آخر کار تین دفعہ ان کو دفن کیا گیا۔ مگر ہر دفعہ زمین نے نعش کو باہر پھینک دیا۔ آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا زمین نے تو فرعون ونمرود جیسے بدترین لوگوں کو جگہ دے دی ہے مگر یہاں اللہ تعالیٰ مؤمن کے خون کی قدر وقیمت بتلانا چاہتے ہیں۔ خیر اب جاکر دفن کردو۔ چنانچہ چوتھی بار دفن کیا تو زمین نے قبول کرلیا یہ اسامہ بن زیدؓ آنحضرت ﷺ کے متبنی نہیں ہیں بلکہ دوسرے شخص ہیں۔

جب آیت لایستوی الخ نازل ہوئی تو عبداللہ بن ام مکتومؓ نے حاضر ہوکر عرض کیا یارسول اللہؐ میں تو نابینا ہوں کس طرح شریک جہاد ہوسکتا ہوں؟ اس پر آیت غیر اولی الضرر کا اضافہ نازل ہوا۔ گویا معذورین قاعد نہیں ہوتے بلکہ مقعد ہوتے ہیں اس لئے ان پر ملامت نہیں دوسرے قواعد کلیہ پر نظر کرنے سے بھی اس کا حکم ظاہر تھا۔ اس لئے ان الفاظ کے نزول میں تاخیر مضر نہیں سمجھی گئی اور بعض روایات میں جو آپ ﷺ کا جواب لا ادری منقول ہے وہ بربنائے احتیاط زمانۂ نزول وحی ہونے کی وجہ سے۔

﴿تشریح﴾: ......اسلامی طرز پر سلام کرنا شعارِ اسلام ہے: .... چونکہ غلطی سے قتل کا یہ ارتکاب سفر میں پیش آیا تھا اس لئے سفر کی قید لگادی۔ ورنہ یہ حکم سفر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ سفر، حضر دونوں کو عام ہے۔ البتہ سلام کرنا بطرزِ اسلام ہونا چاہئے تا کہ اذان ونماز کی طرح یہ بھی مسلمان ہونے کی علامت سمجھا جا سکے ورنہ مشرکین کا سلام انعم صباحا اور حیاک اللہ تھا یا جیسے کوئی رام رام اور بندے ماترم کہنے لگے اس کا اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ یہ غیر اسلامی شعائر ہیں، ان سے غیر مسلم ہونے کے شبہ کو تقویت ملتی ہے۔ بہرحال منشاء یہ ہے کہ ابتدائی اور انتہائی حالت کسی کی بھی یکساں نہیں ہوتی اس لئے اپنے اور دوسروں کے ناپنے کا گز پھر یکساں کیوں نہیں ہوتا آج جو اکابر ہیں ان کو سوچنا چاہئے کہ کل وہ بھی اصاغر ہی تھے۔

مجاہد سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں ہے: ...... دوسری آیت کا حاصل یہ ہے کہ بلاشبہ اللہ کے حضور تمام نیک انسانوں کے لئے اجر ہے۔ لیکن تمام نیکیاں یکساں نہیں ہوتیں۔ بلکہ مجاہدین کے درجہ اور رتبہ کو غیر مجاہدین یقیناً نہیں پہنچ سکتے اور مجاہد سے چونکہ بڑے بڑے مجاہدے سرزد ہوتے ہیں جن کی سورۂ براۃ کی آیت **ذلک بانهم لایصیبهم ظمأ ولا نصب ولا مخمصة فی سبیل الله الخ** میں تصریح کر دی گئی ہے پس ان اعمال عظیم کے ہی شایان شان درجات اور مراتب عالیہ بھی ان کو ملنے چاہئیں اور دوسروں پر ان کی تفضیل ہونی چاہئے ان سے اگر گناہ بھی سرزد ہوں تو ان الحسنات یذهبن السیئات کی رو سے دَین اور قرض کے علاوہ کیا عجب ہے کہ رحمت الہیہ سے وہ سب معاف ہو جاتے ہوں۔ ان رحمة الله قریب من المحسنین اور بلاعذر کی قید اس لئے لگادی کہ اگر نیک کام کا پختہ عزم ہو جائے اور کسی عذر کی وجہ سے وہ کام نہ ہو سکے تو حدیث کی رو سے اس کا اجر وثواب بدستور ملتا رہتا ہے۔ گویا عزم وفعل ثواب کی کمیت میں دونوں برابر سمجھے گئے ہیں جو زیادہ تر یہاں مقصود ہے۔ اگرچہ دونوں کی کیفیت میں فرق ہے آیت کا مقصود یہ ہے کہ ظاہری ایمان کے معتبر ہونے کے لئے کلمۂ شہادت کا زبانی اقرار کافی ہے البتہ تصدیق قلبی ایمان کا رکنِ اصلی ہے بلکہ بعض کے نزدیک عین ایمان ہے نیز اس واقعہ میں ایمان مکرہ کی صحت بھی معلوم ہوتی ہے اور یہ کہ مجتہد سے غلطی بھی ہو سکتی ہے اور اس کی غلطی معاف بھی ہو جاتی ہے۔

لطائف آیت: .... آیت و لاتقولوا الخ سے اخلاص فی الدین پر دلالت ہوئی بالخصوص کسی پر کفر کا فتویٰ دینا نفسانی غرض کی بنیاد پر بالکل نہیں ہونا چاہئے آیت لایستوی الخ میں غیر اولی الضرر کی قید لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضعیف اور قوی کے مجاہدوں میں اگرچہ زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے لیکن ضعیف کے لئے کم مجاہدہ وہی کام کرتا ہے جو قوی کے لئے مجاہدہ قوی کرتا ہے۔

وَنَزَلَ فِیْ جَمَاعَةٍ اَسْلَمُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا فَقُتِلُوْا یَوْمَ بَدْرٍ مَعَ الْكُفَّارِ **اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیٓ اَنْفُسِهِمْ** بِالْمُقَامِ مَعَ الْكُفَّارِ وَتَرْكِ الْهِجْرَةِ **قَالُوْا** لَهُمْ مُوَبِّخِیْنَ **فِیْمَ كُنْتُمْ** اَیْ فِیْ اَیِّ شَیْءٍ كُنْتُمْ مِنْ اَمْرِ دِیْنِكُمْ **قَالُوْا** مُعْتَذِرِیْنَ **كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ** عَاجِزِیْنَ عَنْ اِقَامَةِ الدِّیْنِ **فِی الْاَرْضِ** اَرْضَ مَكَّةَ **قَالُوْا** لَهُمْ تَوْبِیْخًا **اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا** مِنْ اَرْضِ الْكُفْرِ اِلٰی بَلَدٍ اٰخَرَ كَمَا فَعَلَ غَیْرُكُمْ قَالَ تَعَالٰی **فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا** ﴿۹۷﴾ هِیَ **اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً** لَا قُوَّةَ لَهُمْ عَلَی الْهِجْرَةِ وَلَا نَفَقَةَ **وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا** ﴿۹۸﴾ طَرِیْقًا اِلٰی اَرْضِ الْهِجْرَةِ **فَاُولٰٓئِكَ عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا** ﴿۹۹﴾ **وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ**

سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا مُهَاجَرًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ فَالرِّزْقِ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فِي الطَّرِيْقِ كَمَا وَقَعَ لِجُنْدُعِ بْنِ ضَمُرَةِ اللَّيْثِيِّ فَقَدْ وَقَعَ ثَبَتَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾

ترجمہ: .... (جولوگ مسلمان تو ہو گئے مگر ہجرت نہ کی اور کافروں کے ساتھ بدر کے مقام پر وہ بھی مارے گئے ان کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں) بلاشبہ فرشتے جب ایسے لوگوں کی جان قبض کرتے ہیں جنہوں نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرلیا ہے (کفار کی ساتھ رہ کر اور ہجرت ترک کر کے) ان سے پوچھیں گے (ڈانٹتے ہوئے) تم کس حال میں تھے؟ (دینی لحاظ سے تمہارا کیا حال تھا؟) وہ کہیں گے (معذرت کرتے ہوئے) ہم دبے ہوئے اور بے بس تھے (دین قائم کرنے میں کمزور تھے) ملک میں (سرزمین مکہ میں) اس پر فرشتے (ان کو جھڑکتے ہوئے پھر) کہیں گے کیا خدا کی سرزمین وسیع نہ تھی کہ دوسری جگہ ہجرت کر کے چلے جاتے (دارالحرب سے کسی دوسری مناسب جگہ منتقل ہو جاتے۔ جس طرح دوسرے لوگ نکل گئے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) غرضیکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے بہت ہی بری (وہ جگہ) مگر جو مرد عورتیں، بچے ایسے مجبور و بے بس ہوں کہ کوئی چارہ کار نہ رکھتے ہوں (نہ ان کو ہجرت پر قدرت ہو اور نہ ان کے پاس پیسہ ہو) اور نہ کوئی راہ پاتے ہوں (دارالحرب چلے جانے کی) تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ تو معاف کر دینے اور بخش دینے والے ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے گا اسے خدا کی زمین میں بہت سی قیام گاہیں (ہجرت کی جگہیں) ملیں گی اور (رزق میں) کشائش ہوگی اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلے اور پھر موت آ جائے (راستہ ہی میں جیسے جندع بن ضمرہ لیثی کا واقعہ پیش آیا) تو اس کا اجر اللہ کے حضور واقع (ثابت) ہو گیا ہے اور اللہ تو بخشنے والے اور رحمت والے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... الملٰئکۃ اس آیت میں اور دوسری آیت توفتہ رسلنا میں وفات دینے کی نسبت فرشتوں کی طرف کی گئی ہے لیکن ایک جگہ **یتوفکم ملك الموت** میں ملک الموت کی طرف اور ایک مقام پر **اللہ یتوفی الانفس** میں حق تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت فرمائی ہے۔ حقیقۃً وفات دینے والے تو حق تعالیٰ ہیں اور ظاہری طور پر ملک الموت لیکن دوسرے فرشتے بھی ان کے مددگار رہتے ہیں اس لئے ان کی طرف بھی انتساب کر دیا گیا ہے۔

لایستطیعون یہ مستضعفین کی صفت ہے غیر موقت ہونے کی وجہ سے نکرہ کے حکم میں ہے۔

لایھتدون سبیلا یہ **لایستطیعون** کی تاکید ہے۔ ہجرت کے لئے دونوں کا مجموعہ شرط ہے بلکہ صرف اول شرط ہے اور ثانی اول میں داخل ہے۔ صاحب تفسیر احمدی کی تحقیق کے مطابق آج بھی ظالموں کے تسلط کی وجہ سے اگر دین کی اقامت ممکن نہ رہے تو ہجرت فرض ہے۔ لیکن روح المعانی میں ہے کہ ہجرت کی فرضیت منسوخ ہو گئی استحباب باقی ہے **مراغمًا** اسم ظرف موضع ہجرت بولتے ہیں **راغمت قومی** ای **ھاجرت** کیونکہ ہجرت لوگوں کے علی الرغم ہوتی ہے رغم کے معنی ذلت کے ہیں اصل معنی رغام کے ناک کا خاک آلود کرنا ہیں۔

ومن یخرج ظاہری ہجرت کی طرح باطنی ہجرت بھی ہوتی ہے۔ منازل نفس اور مقامات قلب سے اللہ تعالیٰ کی طرف سیر سلوک کرنے والے اس کو خوب سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ تفسیر شیخ محی الدین ابن عربیؒ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اسی طرح طلب علم، حج، جہاد وغیرہ کی دینی غرض کے لئے اگر ہجرت کی جائے تو وہ بھی ہجرت الی اللہ ورسولہ ہوگی۔ **جندع بن ضمرۃ** اصابہ میں لکھا ہے کہ اس کے نام میں

اختلاف ہے اور دس قول ہیں منجملہ ان کے ضمرہ بن حفص بھی ہے یہ نابینا اور بوڑھے تھے۔

ربط: .... پچھلی آیات میں جہاد کا وجوب تھا ان آیات میں وجوبِ ہجرت کا ذکر ہے۔ دونوں سے مقصود اقامتِ دین ہوتی ہے ایک میں کفار کے شر سے سب کو بچانے کی کوشش ہوتی ہے اور دوسرے میں صرف اپنی ذات کو محفوظ رکھنے کی سعی ہوتی ہے۔

شانِ نزول: .... اکثر مفسرینؒ کی رائے ہے کہ یہ واقعہ جندبؓ بن ضمرہ کے متعلق پیش آیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ہجرت سے متعلق پچھلی آیات مکہ کے مسلمانوں کے پاس بھجوائیں تو انہوں نے باوجود انتہائی بڑھاپے اور ضعف کے اپنے صاحبزادوں کو بلا کر کہا کہ میں چونکہ غیر مستطیع نہیں ہوں اور نہ راستہ سے ناواقف اس لئے مجھے اٹھاؤ میں آج کی رات مکہ میں نہیں رہنا چاہتا۔ چنانچہ بیٹوں نے تعمیل کی اور ان کی چارپائی اٹھا کر لے چلے، لیکن تنعیم میں پہنچ کر جندب کی حالت غیر ہوگئی۔ ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہنے لگے **اللّٰھم ھٰذہ لک وھٰذہ لرسولک ابایعک علی مابایعک رسولک** اسی میں ان کا انتقال ہوگیا۔ صحابہؓ کو اطلاع ہوئی تو افسوس کے ساتھ کہنے لگے اگر مدینہ پہنچ کر وفات ہوتی تو بڑا اچھا ہوتا۔ مشرکین نے سنا تو وہ بھی طنزاً کہنے لگے کہ مطلب تک رسائی نہیں ہوسکی اور ناکامی اٹھانی پڑھی اس پر آیت نازل ہوئی اور بعض نے کہا قیس بن ولید جیسے چالیس افراد کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جو بدر میں کفار کے ساتھ ملائکہ کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔

﴿تشریح﴾: .... دارالہجرت اور دارالحرب کی تقسیم: .... دشمنانِ اسلام کے ظلم وستم سے تنگ آ کر آنحضرت ﷺ نے جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو قدرتی طور پر ملک عرب دو حصوں میں بٹ گیا دارالہجرت اور دارالحرب۔ دارالہجرت مدینہ طیبہ قرار پایا جہاں شمع اسلام کے پروانے مختلف سمتوں سے آ آ کر جمع ہو رہے تھے اور دارالحرب ملک کے اس حصہ کا نام تھا جو دشمنوں کے قبضہ میں تھا اور جس کا صدر مقام مکہ تھا۔ کسی وجہ سے دارالحرب میں جو مسلمان رہ گئے تھے وہ اعتقاد وعمل کی آزادی سے محروم تھے انہیں ہمیشہ دشمنوں کا ظلم وستم سہنا پڑتا تھا پس انہیں حکم دیا جارہا ہے کہ مکہ سے ہجرت کر جائیں۔ اگر استطاعت کے باوجود وہ ہجرت نہیں کریں گے تو اپنی کوتاہی عمل کے لئے انہیں جواب دینا پڑے گا۔ اسی لئے ابتداء اسلام میں ہجرت فرض تھی۔ جس کا ذکر مختلف طریقوں سے پچھلے تین رکوع میں گزر چکا ہے۔ اس وقت یہ ظاہراً اسلام کے لئے شرط لازم اور مسلمان ہونے کی کھلی علامت تھی۔ البتہ صحیح عذر کے وقت یہ شرط ساقط بھی ہوجاتی تھی بالکل جس طرح کلمۂ شہادت کے تلفظ کی آج تک بھی یہی شان ہے۔ یا عہد نبوی ﷺ میں صحابہؓ کے اقوال سے نماز کی بھی یہی شان معلوم ہوتی ہے۔ بلا عذر ہجرت سے پہلوتہی اور کنارہ کشی کرنا اس دور میں ارتداد کی علامت تھی۔ اسی لئے اول رکوع میں کے شروع میں ایسے لوگوں کو مسلمان سمجھنے سے منع کیا گیا تھا۔ اگرچہ واقع میں بھی وہ لوگ مرتد ہو گئے تھے بہرحال بظاہر وہ مرتد ہی سمجھے جائیں گے یہاں دلی حال کی تحقیق کا حکم نہیں ہے البتہ دوسرے رکوع میں عذر بلکہ احتمالِ عذر کے وقت ہجرت سے شعاریت ساقط ہوجانے کی بناء پر دارالحرب میں کسی مقتول مسلمان کی دیت کا واجب اور سلام کرنے والے کے قتل کا حرام ہونا مذکور ہو چکا ہے۔ صرف اقرار وغیرہ دوسری علامات پر اکتفاء کیا گیا ہے لیکن ہجرت کے فی نفسہٖ فرض ہونے کی وجہ سے تیسرے رکوع میں بلا عذر ہجرت نہ کرنے والوں کو وعید اور عذر کی حالت میں مستضعفین کا استثناء کیا جارہا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ پہلے رکوع کا مضمون ہجرت سے پہلوتہی کی بناء پر ہے اور دوسرے رکوع کا مضمون ہجرت کی شعاریت اور غیر شعاریت کے لحاظ سے ہے اور چونکہ اس شعاریت میں تدبر کی ضرورت ہے اس لئے بعض صحابہؓ کو اس میں اشتباہ واقع ہوگیا تھا جو مدبر کے بعد رفع ہوسکتا تھا اس لئے تنبیہ فرمادی گئی ہے اور شعار ہونا بدل بھی سکتا ہے یعنی ایک چیز کی بجائے دوسری چیز کو شعار قرار دے لیا

جائے جیسے فقہاء نے بعض لباسوں کو شعار کفر قرار دیا ہے۔
ہجرت کی فرضیت تو منسوخ ہو چکی لیکن استحباب اب بھی ہے۔ چنانچہ حدیث مسلم سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ ایک اعرابی نے جو بظاہر دارالاسلام میں نہیں رہتے ہوں گے۔ آنحضرت ﷺ سے ہجرت کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایاان **شان الهجرة لشديد** اور وطن ہی میں رہنے کا مشورہ دیا۔

دوشبہات کا جواب: ....اس مقام پر دوشبہات ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جب مستضعفین گنہگار ہی نہیں پھر معافی کے کیا معنی؟ دوسرے معافی میں لفظ **عسى** کا استعمال کیسا؟ جوتوقع امید اور تردد پر دلالت کرتا ہے۔
پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہ تو ہجرت نہ کرنا گناہ اور معصیت ہے کسی خاص شخص کے حق میں گناہ نہ لکھا جائے۔ یہ دوسری بات ہے پس کسی جگہ اس نہ کہنے کو گناہ نہ ہونا کہہ دیا اور کہیں معافی کا لفظ استعمال کر کے فی نفسہ اس کے گناہ ہونے کو بتلا دیا۔ اس سے بچوں کے متعلق بھی شبہ دفع ہو گیا کہ اگر چہ بچے گنہگار نہیں ہوتے لیکن یہی بتلانا مقصود ہے کہ کام تو فی حد ذاتہ بُرا ہے اور قاضی بیضاویؒ نے ولدان کا لفظ بڑھانے میں یہ نکتہ بتلایا ہے کہ بچوں کی طرح اگر عجز ہو تب ہجرت سے استثناء معتبر ہوگا۔
دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ کریم کا اطماع لئیم اور بخیل کے وعدہ سے بڑھا ہوا ہوتا ہے اور اس عنوان میں نکتہ یہ ہے کہ یہ گناہ اس درجہ شدید اور سخت ہے کہ گناہ نہ ہونے اور معذور ہونے کے باوجود ایسا ہے جیسے گناہ ہو کر معاف کر دیا گیا ہو اور اگر ولـــدان سے مراد مراہق ہوں تو ان کا مکلّف ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔

لطائف آیت: .... ومن يخرج من بيته سے معلوم ہوتا ہے کہ جوسلوک تمام ہونے سے پہلے راہ مولیٰ میں جان دے دے وہ قبولیت اور رتبہ میں سلوک تمام کرنے والے ہی کے برابر ہے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ سَافَرْتُمْ **فِى الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِىْ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ** ۖ بِاَنْ تَرُدُّوْهَا مِنْ اَرْبَعٍ اِلَىٰ اِثْنَتَيْنِ **اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ** اَىْ يَنَالَكُمْ بِمَكْرُوْهٍ **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** ۗ بَيَانٌ لِلْوَاقِعِ إِذْ ذَاكَ فَلَامَفْهُوْمَ لَهٗ وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ اَنَّ الْمُرَادَ بِالسَّفَرِ الطَّوِيْلُ الْمُبَاحُ وَهُوَ اَرْبَعَةُ بُرُدٍ وَهِىَ مَرْحَلَتَانِ وَيُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهٖ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنَّهٗ رُخْصَةٌ لَاوَاجِبٌ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِىُّ **اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا﴿۱۰۱﴾** بَيِّنَ الْعَدَاوَةِ **وَاِذَا كُنْتَ** يَا مُحَمَّدُ حَاضِرًا **فِيْهِمْ** وَاَنْتُمْ تَخَافُوْنَ الْعَدُوَّ **فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ** وَهٰذَا اَجْرٰى عَلٰى عَادَةِ الْقُرْاٰنِ فِى الْخِطَابِ فَلَامَفْهُوْمَ لَهٗ **فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ** وَتَتَاَخَّرُ طَائِفَةٌ **وَلْيَاْخُذُوْٓا** اَىِ الطَّائِفَةُ الَّتِىْ قَامَتْ مَعَكَ **اَسْلِحَتَهُمْ** مَعَهُمْ **فَاِذَا سَجَدُوْا** اَىْ صَلَّوْا **فَلْيَكُوْنُوْا** اَىِ الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰى **مِنْ وَّرَآئِكُمْ** ۠ يَحْرُسُوْنَ اِلٰى اَنْ تَقْضُوا الصَّلٰوةَ وَتَذْهَبُ هٰذِهِ الطَّائِفَةُ تَحْرُسُ **وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ** ۚ مَعَهُمْ اِلٰى اَنْ يَّقْضُوا الصَّلٰوةَ وَقَدْ فَعَلَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذٰلِكَ بِبَطْنِ نَخْلٍ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ **وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ** اِذَا قُمْتُمْ اِلَى

الصَّلٰوۃِ **عَنْ اَسْلِحَتِکُمْ وَاَمْتِعَتِکُمْ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْکُمْ مَّیْلَۃً وَّاحِدَۃً** بِاَنْ یَّحْمِلُوْا عَلَیْکُمْ فَیَأْخُذُوْکُمْ وَهٰذَا عِلَّةُ الْاَمْرِ بِأَخْذِ السَّلَاحِ **وَلَاجُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ کَانَ بِکُمْ اَذًی مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ کُنْتُمْ مَّرْضٰی اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَکُمْ** فَلَا تَحْمِلُوْهَا وَهٰذَا یُفِیْدُ اِیْجَابَ حَمْلِهَا عِنْدَ عَدَمِ الْعُذْرِ وَهُوَ اَحَدُ قَوْلَیِ الشَّافِعِیِّ وَالثَّانِیْ اَنَّهٗ سُنَّةٌ وَّرُجِّحَ **وَخُذُوْا حِذْرَکُمْ** مِنَ الْعَدُوِّ اَیْ اِحْتَرِزُوْا مِنْهُ مَااسْتَطَعْتُمْ **اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا﴿۱۰۲﴾** ذَا اِهَانَةٍ **فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ** فَرَغْتُمْ مِنْهَا **فَاذْکُرُوا اللّٰهَ** بِالتَّهْلِیْلِ وَالتَّسْبِیْحِ **قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ** مُضْطَجِعِیْنَ اَیْ فِیْ کُلِّ حَالٍ **فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ** اَمِنْتُمْ **فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ** اَدُّوْهَا بِحُقُوْقِهَا **اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا** مَکْتُوْبًا اَیْ مَفْرُوْضًا **مَّوْقُوْتًا﴿۱۰۳﴾** مُقَدَّرًا وَقْتُهَا فَلَا تُؤَخَّرُ عَنْهُ وَنَزَلَ لَمَّا بَعَثَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ طَائِفَةً فِیْ طَلَبِ اَبِیْ سُفْیَانَ وَاَصْحَابِهٖ لَمَّا رَجَعُوْا مِنْ اُحُدٍ فَشَکَوا الْجِرَاحَاتِ **وَلَاتَهِنُوْا** تَضْعُفُوْا **فِی ابْتِغَآءِ** طَلَبِ **الْقَوْمِ** الْکُفَّارِ لِتُقَاتِلُوْهُمْ **اِنْ تَکُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ** تَجِدُوْنَ اَلَمَ الْجِرَاحِ **فَاِنَّهُمْ یَاْلَمُوْنَ کَمَا تَاْلَمُوْنَ** اَیْ مِثْلَکُمْ وَلَا یَجْبُنُوْنَ عَنْ قِتَالِکُمْ **وَتَرْجُوْنَ** اَنْتُمْ **مِنَ اللّٰهِ** مِنَ النَّصْرِ وَالثَّوَابِ عَلَیْهِ **مَالَایَرْجُوْنَ** هُمْ فَاَنْتُمْ تَزِیْدُوْنَ عَلَیْهِمْ بِذٰلِكَ فَیَنْبَغِیْ اَنْ تَکُوْنُوْا اَرْغَبَ مِنْهُمْ فِیْهِ **وَکَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا** بِکُلِّ شَیْءٍ **حَکِیْمًا﴿۱۰۴﴾** فِیْ صُنْعِهٖ ۔

ترجمہ: .... اور جب چلو پھرو (سفر کرو) ملک میں تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اگر نماز میں سے کچھ کم کردو (رباعی فرض نماوں کے دوگانہ کرکے پڑھو) اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تمہیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں (یعنی تمہیں کسی ناگوار بات میں مبتلا نہ کردیں) کافر (چونکہ یہ بیان واقعہ ہے۔ اس لئے اس کا مفہوم معتبر نہ ہوگا اور سنت سے یہ ثابت ہے کہ سفر سے مراد مباح ہے اور طویل سفر ہے جو چار فرسخ یعنی دو مرحلے اور منزل ہو اور فلیس علیکم جناح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم رخصت ہے وجوبی نہیں ہے امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے) بلاشبہ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں (جن کی دشمنی واضح ہے) اور جب آپ (اے محمدؐ!) مسلمانوں میں (تشریف فرما) ہوں (اور تم لوگوں کو دشمنوں سے اندیشہ ہو) اور آپؐ ان کو نماز پڑھانا چاہیں (یہ قرآن کے دستور کے مطابق خطاب ہے اس کا مفہوم معتبر نہیں) تو چاہئے کہ ایک گروہ ان کا تمہارے ساتھ کھڑا ہوجائے (اور فوج کا دوسرا دستہ مورچہ کی کمان سنبھالے رکھے) اور لئے رہے (جو دستہ آپؐ کے پیچھے کھڑا ہے) اپنے ہتھیار۔ پھر جب وہ سجدہ کر چکے (ایک رکعت پڑھ لے) تو چاہئے کہ (یہ پہلا دستہ) پیچھے ہٹ جائے (مورچہ کی حفاظت میں لگا رہے نماز پوری ہونے تک۔ اور یہ دستہ مورچہ پر جاکر حفاظت کرے) اور دوسرا دستہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی تھی آکر تمہارے ساتھ نماز میں شریک ہوجائے اور چاہئے کہ پوری طرح ہوشیاری رکھے اور اپنے ہتھیار لئے رہے (حتیٰ کہ نماز پوری ہوجائے۔ نبی کریم ﷺ نے بطن نخلہ میں ایسا ہی کرکے دکھلایا جس کو شیخینؒ نے روایت کیا ہے) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے ان کی دلی تمنا یہ ہے کہ اگر تم ذرا بھی غفلت اختیار کرو (نماز میں مشغول ہوکر) اپنے ہتھیار اور سامانِ جنگ سے تو ایک بارگی تم پر ٹوٹ پڑیں گے (ایک دم تم پر حملہ آور ہوجائیں اور تمہیں گرفتار کرلیں اور ہتھیار بند کرنے کی یہی وجہ ہے) اور اگر تمہیں برسات کی وجہ سے کچھ تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو پھر تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اگر ہتھیار اتار کر رکھ دو (ہتھیاروں سے

لیس نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ عذر نہ ہونے کے وقت ہتھیاروں سے لیس ہونا واجب ہے۔ امام شافعیؒ کا ایک قول یہی ہے۔ دوسرا قول سنت ہونے کا ہے جو راجح ہے) لیکن اپنے بچاؤ سے غافل نہ ہو جانا (دشمن کی جانب سے یعنی جہاں تک ہو سکے دشمن سے بچتے رہو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے منکرین حق کے لئے رسوا کن (ذلت آمیز) عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پھر جب تم نماز پوری کر چکو (نماز سے فارغ ہو جاؤ) تو اللہ کا ذکر کرتے رہو (تسبیح وتہلیل کرتے ہوئے) کھڑے، بیٹھے، لیٹے (یعنی ہر حال میں) پھر جب تم دشمن سے مطمئن (مامون) ہو جاؤ تو نمازیں پڑھنے لگو (قاعدہ کے مطابق ادا کرو) بلاشبہ نماز مسلمانوں پر فرض کر دی گئی ہے (کتاب بمعنی مکتوب یعنی فرض) وقت کی قید کے ساتھ (مقررہ وقت کے ساتھ کہ اس سے ٹل نہیں سکتی۔ نبی کریم ﷺ نے اگر چہ ایک جماعت کو ابوسفیان وغیرہ کی تلاش وجستجو میں اس وقت اٹھانا چاہا جب کہ وہ غزوۂ احد سے لوٹ رہے تھے مگر لوگوں نے تازہ زخموں کی شکایت کی۔ تو یہ آیت نازل ہوئی (اور ہمت نہ ہارو (بزدلی نہ دکھلاؤ) پیچھا کرنے (تلاش کرنے) میں دشمن کے (کفار کو قتل کرنے کے لئے) اگر تمہیں دکھ پہنچا ہے (زخموں کی تکلیف محسوس کر رہے ہو) تو وہ بھی دکھی ہیں جس طرح تم دکھی ہو (یعنی تمہاری طرح ہیں حالانکہ وہ تم سے لڑنے میں بزدلی نہیں دکھلا رہے ہیں) درآنحالیکہ (تم) اللہ تعالیٰ سے ایسی ایسی امیدیں (نصرت اور ثواب کی لگائے ہوئے ہو جو انہیں میسر نہیں (اس لحاظ سے تم ان سے بڑھ گئے ہو۔ اس لئے جہادی مہم میں بھی ان کے مقابلہ میں تمہیں بازی لے جانا چاہیئے) اور اللہ تعالیٰ (ہر چیز) جاننے والے (اپنے ہر کام میں) حکمت رکھنے والے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **من الصلوٰۃ** من زائد اور لام جنس کا ہے۔ **ان یفتنکم** قاموس میں ہے کہ فتنہ کے معنی محنت کے ہیں اور **من الصلوٰۃ** سیبویہ کے نزدیک محذوف کی صفت ہے ای **شیئا من الصلوۃ** اور اخفش کے نزدیک **من** زائد ہے اور **الصلوٰۃ تقصروا** کا مفعول ہے۔

بیان للواقع یعنی یہ صرف اظہار واقعہ ہے کہ آپ ﷺ کا ہر سفر دشمنوں کی کثرت کی وجہ سے پرخطر رہتا تھا۔ اس لئے یہ قید درجۂ شرط میں ضروری نہیں ہے۔ سفر امن وامان کی حالت میں ہو یا پرخطر، احکام رخصت برابر جاری ہوں گے چنانچہ ابن عباسؓ سے مروی ہے **سافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین مکۃ والمدینۃ لایخاف فصلی رکعتین (صحیحین)** یہ آیت قصر کی مقدار اور کیفیت اور قصری نمازوں اور مدت کے بارے میں مجمل ہے۔ احادیث سے تفصیل معلوم ہوتی ہے۔

اربعۃ برد، برد جمع برید ہر برید چار فرسخ اور ہر فرسخ تین میل ہاشمی ہوتا ہے اور ہر میل بارہ ہزار قدم کا ہوتا ہے۔ پس ایک برید بارہ میل ہوتا ہے اور ایک بارہ ہزار قدم، ہر بارہ میل پر منزل کا نشان بنا ہوتا تھا۔ یہ دراصل "برید ہ دم" کا معرب ہے دم کٹا اور لانڈا۔ مراکب اور مسافت پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا۔ یہ مسافت امام شافعیؒ کے نزدیک ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک چھ برد یعنی تین دن رات کی مسافت اوسط درجہ کی چال کے ساتھ بری سفر میں اور معتدل ہوا کے ساتھ بحری سفر میں بادبانی، جہاز یا کشتی سے اور پہاڑی سفر میں وہاں کے مناسب چال کے ساتھ ہونا چاہئے۔ اس کے بعد مسافر کی تیز رفتاری یا سست رفتاری کا اعتبار نہیں ہوگا۔ حتیٰ کہ تین دن کی مسافت ایک دن میں یا ایک دن کی مسافت اگر تین روز میں منقطع کر دی تو اس سے کچھ اثر نہیں پڑے گا۔

ولتات طائفۃ چونکہ ماقبل اس کا ذکر نہیں اس لئے نکرہ لایا گیا ہے **ولیا خذوا اسلحتھم** یہاں دوسرے دستہ کے لئے چونکہ نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے خطرہ کا احتمال تھا اس لئے محتاط رہنے کا حکم دیا گیا۔ برخلاف پہلے دستہ کے کہ وہ مورچہ سنبھالنے اور نماز شروع نہ کرنے کی وجہ سے آمادۂ حرب معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے اس پر اس درجہ کا حملہ کا خطرہ نہیں تھا۔

وھذا یفید الایجاب یہ تو اسلحہ کے متعلق گفتگو تھی لیکن باخبر اور ہوشیار رہنا تو بہرصورت ضروری اور واجب ہے۔

ان اللہ اعد یہ محتاط رہنے کی علت ہے چونکہ ہم نے تمہارے ہاتھوں ان کی رسوائی اور تباہی مقدر رکھی ہے۔ اس لئے تمہیں اسباب اختیار کرنے میں تساہل اور سستی نہیں کرنی چاہئے منجملہ اسباب کے چوکنا رہنا اور ہتھیار بند رہنا ہے۔

فرغتم. یہ تفسیر حنفیہؒ کے مذہب پر ہے کہ محارب کے لئے بحالت حرب نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔ تاوقتیکہ اطمینانی حالت میسر نہ آئے نماز مؤخر رکھے۔ لیکن شوافع کے نزدیک جس حال میں بھی ممکن ہو کھڑے، بیٹھے، لیٹے نماز پڑھنی پڑے گی عین قتال میں بھی پڑھنی ضروری ہوگی۔ موقوتا یعنی فرض موقت یا مقدر کہ حالت خوف میں بھی معاف نہیں اور حضر میں پوری اور سفر میں رخصتی اور قصری نمازیں پڑھنے کا حکم ہے۔ لما رجعوا آل عمران میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

فانتم تزیدون یعنی قتال اور جنگ کے مصائب تو دونوں میں مشترک ہیں لیکن مسلمانوں کا جہاد بوجہ اللہ اور دوسروں کی جنگ بوجہ النفس ہے پس دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

ربط: .... گذشتہ آیات میں جہاد وہجرت کا بیان تھا اور چونکہ ان دونوں میں اکثر سفر بھی پیش آیا کرتا ہے اور سفر میں دشمن کی طرف سے کچھ اندیشے بھی بعض دفعہ پیش آجاتے ہیں اس لئے نماز میں بعض سہولتیں دی جارہی ہیں چوبیسواں حکم قصر صلوٰۃ سے متعلق ہے اور آیت واذا کنت میں پچیسواں حکم صلوٰۃ الخوف سے متعلق ہے۔

شان نزول: .... ابن جریرؒ حضرت علیؓ سے روایت پیش کرتے ہیں کہ بنی نجار نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ ہم سفر میں رہتے ہیں پس نمازوں کا کیا کریں؟ تو اس پر آیت اذا ضربتم الخ نازل ہوئی اس کے ایک سال بعد آپ ﷺ کسی غزوہ میں مشغول تھے۔ نماز ظہر کا وقت آیا تو مشرکین نے مسلمانوں کے انہماک فی الصلوٰۃ کو دیکھتے ہوئے حملہ کے لئے موقعہ کو غنیمت سمجھا اور جب کسی نے یہ کہہ کر توجہ دلائی کہ اسی جیسی ایک اور نماز عصر بھی یہ لوگ پڑھیں گے تو اور بھی منہ میں پانی بھر آیا۔ لیکن حق تعالیٰ نے واذا کنت فیھم الخ صلوٰۃ الخوف کی تدبیر سے ان کی ساری تدابیر خاک میں ملادیں۔

جابر بن عبداللہؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: غزونا مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قوما جهنية فقاتلوا قتالا شديدا فلما صلينا الظهر قال المشركون لوملنا عليهم ميلة لاختطفنا هم ونحن تركنا هم حتى صلوا وندموا على تركهم فقال بعضهم دعوهم فان لهم بعدها صلوٰة هى احب اليهم من ابائهم وابناء هم يعنون العصر فلما اراد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ان يصلى العصر انزل اللّٰه هذه الاية اسی طرح غزوہ میں آپ ﷺ تشریف لے گئے اور قضائے حاجت کے لئے جب آپ ﷺ نظروں سے اوجھل ہوئے تو غورث بن الحارث محاربی نے کفار کو مطلع کردیا کہ موقعہ غنیمت ہے۔ چنانچہ لشکر سے پوشیدہ پہاڑ کے دامن میں ہوتے ہوئے ایک دم آکر آنحضرت ﷺ پر ٹوٹ پڑا اور تلوار سونت کر کہنے لگا محمد من یعصمک منی الأن؟ بے ساختہ آپ کے منہ سے نکلا اللّٰھم اکفنی غورث بما شئت پس جوں ہی مارنے کے لئے غوث آگے بڑھا اوندھے منہ گرا اور تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی جس کو فوراً آپ ﷺ نے اچک لیا اور فرمایا من یمنعک منی الأن.

عرض کیا لا احد آپ نے فرمایا کلمۂ شہادت پڑھ میں تلوار دے دیتا ہوں اس نے عرض کیا کہ کلمۂ شہادت تو خیر نہیں پڑھتا مگر اس کا اقرار کرتا ہوں کہ کبھی آپ ﷺ سے جنگ نہیں کروں گا اور نہ آپ ﷺ کے دشمنوں کی مدد کروں گا آپ ﷺ نے اس کی تلوار واپس کردی اس نے متاثر ہو کر اقرار کیا کہ آپ ﷺ مجھ سے بہتر ہیں جس کی آپ ﷺ نے تائید فرمائی اور لشکر میں واپس آکر صحابہ کو یہ واقعہ سنایا اس پر آیت ودالذین کفروا الخ نازل ہوئی۔

بخاریؒ نے ابن عباسؓ سے تخریج کی ہے کہ آیت ان کان بکم اذى . عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بارے میں نازل ہوئی جبکہ وہ

زخمی تھے اور آیت و لا تھنوا الخ کا نزول روح المعانی میں عکرمہؓ سے غزوۂ حمراء الاسد کے بارے میں نقل کیا گیا ہے۔ جس کا واقعہ آیت الذین استجابوا کے تحت آل عمران میں مذکور ہو چکا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ...... **مسافت اور مدتِ سفر کا بیان**: .... یہ آیت مجمل ہے جس کی حدیث سے تفسیر ہوگئی کہ کم از کم تین منزل سفر کا ارادہ ہونا چاہئے۔ حنفیہ کے نزدیک تین دن رات اوسط چال کے ساتھ، بری سفر میں اور اعتدال ہوا کے ساتھ بحری سفر میں اور مناسب رفتار کے ساتھ پہاڑی سفر میں مسافت کا اعتبار ہوگا۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک ادنیٰ مدت سفر چار برد دو دن کی مسافت ہے اور بقول صاحب ہدایہ ابو یوسفؒ کے نزدیک پورے دو دن اور تیسرے دن کا اکثر حصہ ہے اور ایک قول میں امام شافعیؒ کے نزدیک صرف ایک دن رات مسافت ہونی چاہئے اور بعض حضرات نے اس اختلاف کا اعتبار میلوں کے ذریعہ کیا ہے۔

حنفیہ اور شوافع کا نکتۂ اختلاف: .... نیز امام شافعیؒ کے نزدیک یہ رخصت توفیہ کی قسم ہے یعنی رخصت کامل ہے اور پوری نماز پڑھنا عزیمت ہے اس آیت کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے کیونکہ لفظ لا جناح تخفیف اور رخصت کے موقعہ پر استعمال ہوتا ہے نہ کہ عزیمت کے موقعہ پر ایک اور روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سفر کی حالت میں نمازوں کا اہتمام فرمایا۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے ساتھ عمرہ کرتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے نماز قصر اور اتمام کے ساتھ پڑھی ہے اور میں نے روزہ بھی رکھا اور افطار بھی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "احسنت یاعائشةؓ"، لیکن حنفیہ کے نزدیک یہ رخصت اسقاط یعنی عزیمت پر عمل کرتے ہوئے پوری نماز پڑھنا جائز نہیں ہے چنانچہ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے صلوٰۃ السفر رکعتان تام قصر علی لسان نبیکم نیز حضرت عائشہؓ کے الفاظ ہیں اول مافرضت الصلوٰۃ فرضت رکعتین فاقرت فی السفر وزیدت فی الحضر۔

رہی آیت لاجناح یہ دراصل اس وہم کو دفع کرنے کے لئے ہے کہ نماز قصر میں لوگ حرج اور برائی نہ سمجھنے لگیں تو قصر کرنے والوں کے لئے اطمینان خاطر کے لئے گناہ کی نفی کر دی گئی ہے کہ اس میں قطعاً کوئی حرج اور مضائقہ نہیں ہے۔ پس اس سے عزیمت کی نفی لازم نہیں آتی بلکہ احادیث سے قصر واجب ہے خواہ سفر میں امن واطمینان ہو یا کچھ خوف وخطر بھی ہو۔ ان خفتم کی قید ایسی ہی اتفاقی ہے۔ جیسے ان اردن تحصنًا میں ہے یعنی آیت کے نازل ہونے کے وقت خوف کا زمانہ تھا لیکن بعد میں حدیثوں سے تعمیم ثابت ہوگئی۔

خوارج کے نزدیک ظاہر آیت کے موافق خوف کی شرط ہے ہماری مؤید ابن عمرؓ کی قرأت ہے جس میں صرف ان یفتنکم ہے ان خفتم کی قید نہیں ہے نیز صحابہؓ کا تعامل بھی امن میں قصر پر رہا ہے چنانچہ یعلی بن امیہ نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا:

مابالنا نقصر وقد امنا فقال عجبت بما تعجبت منه فسالت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذالك فقال هذه صدقة تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقة

"حالت امن میں نماز قصر کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ جس چیز سے تم کو تعجب ہو رہا ہے خود مجھ کو اس پر تعجب تھا مگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ اللہ کا صدقہ ہے اس کو قبول کرنا چاہیئے۔"

پس غیر واجب الاطاعۃ شخص کا صدقہ بھی ناقابل رد ہوتا ہے جیسے والی کی طرف سے قصاص کی معافی کہ اس کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ تو حق تعالیٰ کا صدقہ کس طرح رد کیا جا سکتا ہے جو واجب الطاعت ہیں۔

نماز قصر کے لئے خوف کی قید ضروری نہیں:............ اس سے معلوم ہوا کہ نہ قصر کے لئے خوف کا ہونا شرط ہے اور نہ اکمال جائز ہے۔ یہ تقریر تو اس وقت ہے جبکہ قصر سے مراد نماز کا قصر ذاتی ہو یعنی تعداد رکعات کی کمی لیکن اگر قصر اور اوصاف مراد ہوں یعنی قرأت، رکوع، سجود، تسبیحات میں کمی کرنا یا سواری پر اشاروں سے نماز پڑھنا جیسے ابن عباسؓ سے منقول ہے اور فخر الاسلامؒ بزدوی کا مختار ہے تو ہمارے نزدیک بھی پھر یہ شرط علیٰ حالہ رہے گی۔ البتہ اس صورت میں یہ شبہ رہے گا کہ صلوٰۃ الخوف منفرداً سفر کے ساتھ مقید ہو کیونکہ آیت میں سفر اور خوف دونوں کی شرطیں ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ الا یہ کہ یوں کہا جائے کہ دلالۃ اجماع سے اس قید کو ترک کر دیا گیا ہے جیسے کشافؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے۔

وطن اصلی کی طرح وطن اقامت جس میں پندرہ روز سے کم ٹھہرنے کی نیت ہو۔ اس میں پوری نماز پڑھنی چاہئے اور پندرہ روز سے کم ایک جگہ ٹھہرنے کی نیت ہو تو قصر کرتا رہے اگرچہ اتفاقاً سالہا سال ٹھہرنا پڑ جائے قصر میں صرف ظہر، عصر، عشاء کے چار فرض دوگانہ ہو جائیں گے۔ باقی فرائض، وتر، سنن، نوافل بدستور رہیں گے۔

صلوٰۃ الخوف کی بحث:............ نماز خوف باجماعت کا اثبات آیت و اذا کنت الخ سے ہورہا ہے۔ صلوٰۃ الخوف کی کیفیت احادیث سے مختلف معلوم ہوتی ہے۔ بقول صاحب ہدایہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک امام ایک رکعت پڑھا کر منتظر کھڑا رہے حتیٰ کہ پہلا دستہ اپنی نماز پڑھ کر فارغ ہو جائے اور سلام پھیر کر مورچہ سنبھال لے پھر اسی طرح دوسری رکعت امام دوسرے دستہ کو پڑھا کر بیٹھا رہے حتیٰ کہ دوسرا دستہ نماز سے فارغ ہو جائے اور سلام پھیر دے بطن نخلہ میں آنحضرت ﷺ نے اسی طرح پڑھائی ہے۔

لیکن ذات الرقاع میں آپ ﷺ نے دوسری طرح نماز پڑھائی کہ ایک رکعت مقتدی امام کے ساتھ پڑھ لیں اور دوسری رکعت خود وہیں فرادیٰ فرادیٰ پڑھ لیں۔ اسی طرح دوسرا دستہ ایک رکعت امام کے ساتھ اور دوسری رکعت از خود تنہا تنہا پڑھ لے۔ چنانچہ ان سب طریقوں سے نماز جائز ہے۔

صلوٰۃ الخوف میں فقہی اختلافات:............ لیکن حنفیہؒ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ امام دونوں گروہوں کو آدھی آدھی نماز یعنی ایک ایک دو دو رکعت پڑھائے گا ثنائی یا قصری نماز ہے تو ایک ایک رکعت۔ حضری نماز ہے اور رباعی تو دو دو رکعت پڑھانی پڑے گی اور مغرب میں اول گروہ کو دو رکعت اور دوسرے کو ایک رکعت پڑھائے لیکن دونوں جماعتوں کو کچھ دیر کے لئے مورچہ بھی سنبھالنا پڑے گا اور دونوں اپنی اپنی ایک ایک رکعت اسی طرح ادا کریں گے کہ اول دستہ بقیہ نماز لاحق ہو کر بلا قرأت پڑھے گا اور دوسرا طبقہ مسبوق ہو کر مع قرأت بقیہ نماز ادا کرے گا۔ ابن مسعودؓ نے رسول اللہ ﷺ کا یہی طریقہ نقل کیا ہے اور صاحب ہدایہ نے اس آیت کی بجائے روایت ابن مسعودؓ سے اس لئے استدلال کیا ہے کہ روایت میں پوری کیفیت محفوظ ہے۔ باقی قاضی بیضاویؒ کا مذہب حنفیہ نقل کرتے ہوئے یہ کہنا کہ امام کے تنہا سلام پھیر دینے کے بعد دوسرا دستہ اپنی نماز قرأت کر کے پوری کر لے اور پھر مورچہ سنبھال لے اور دوسرا دستہ بلا قرأت آ کر اپنی نماز پوری کر لے اگرچہ سہولت وعجلت کے لحاظ سے مناسب ہے۔ لیکن حنفیہ کے یہاں اس قسم کی کوئی روایت نہیں ملتی چہ جائیکہ ان کا یہ مذہب ہو۔

بہر حال آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بھی باجماعت صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت پر اجماع ہے۔ لیکن ابو یوسفؒ اذا کنت کے خطاب کی تخصیص کے پیش نظر آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں حالانکہ خطاب کا صیغہ اس وقت کی حالت کو سامنے رکھتے ہوئے فرمایا۔ بعد میں جو آپ ﷺ کے قائم مقام ہوں گے وہ اس خطاب میں بھی قائم مقام ہوں گے چنانچہ دوسرے موقعہ پر خذ من اموالھم

میں خطاب خاص ہے مگر بعد کے تمام ائمہ اور خلفاء کے لئے یہی حکم ہے تاہم نماز میں یہ تمام نقل وحرکت اور عمل کثیر اس وقت گوارا کیا جائے گا جب کہ تمام فوجی لوگ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنے پر مصر ہوں ورنہ آسان صورت یہ ہے کہ فوج کے چند حصے کر لیئے جائیں اور سب کو علیحدہ علیحدہ امام نماز پڑھادیں اور عجب نہیں کہ اذا کنت اسی نکتہ کی طرف اشارہ ہو کہ آپ ﷺ کی محبوبیت دوسروں کے پیچھے نماز پڑھنے کو گوارا نہیں کرنے دیتی۔

نیز اس نماز خوف کی اجازت اتنے خوف کی حالت میں ہے کہ نماز کا انتظام ممکن ہو سکے ورنہ اس کا حکم بقرہ میں گزر چکا ہے یعنی عین قتل وقتال کی حالت میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں بلکہ قضاء کردی جائے گی۔

حنفیہؒ کے نزدیک نماز کی حالت میں ضرورت کے مطابق ہتھیار وغیرہ رکھنا مستحب ہے اور اس موقعہ پر **لاجناح** ایسا ہی ہوگا جیسے **لا جناح علیکم ان طلقتم النساء** میں ہے بمعنی لامؤنۃ اور ظاہر ہے کہ ہتھیار اٹھانے میں اتنی مشقت اور تکلیف نہیں جتنا خطرہ ہتھیار ساتھ نہ رکھنے میں ہے۔

نماز کیلئے تو شرائط اور قیود ہیں مگر ذکر اللہ ہر حال اور ہر وقت مطلوب ہے: .... **فاذا قضیتم الصلوٰۃ** کا حاصل یہ ہے کہ نماز کی ہیئت میں اگرچہ تبدیلی کی اجازت خاص اس موقعہ پر دی گئی ہے اور قتل وقتال کے وقت بالکل ہی نماز کی بندش کردی گئی ہے لیکن ذکر اللہ کسی حالت میں بھی منقطع نہیں ہوسکتا۔ حتیٰ کہ عین قتال کے وقت بھی دل سے اور احکام کی ادائیگی کے ذریعہ ذکر اللہ ہوتا رہتا ہے۔ غرضکہ نماز تو ایک وقت میں ختم بھی کردی جاتی ہے مگر ذکر کسی وقت اور کسی حال میں بھی ختم نہیں ہوتا۔ نماز میں گوایک حد تک تخفیف ہوگئی مگر ذکر بحالہ رہا البتہ **ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابًا موقوتًا** سے شبہ ہوسکتا ہے کہ اس علت کا تقاضا تو یہ ہے کہ عین قتال کے وقت بھی نماز مؤخر نہیں ہونی چاہئے تھی بلکہ اس وقت کے مناسب کوئی اور آسان طریقہ اختیار کرلیا جاتا لیکن ظاہر ہے کہ تمام احکام میں امکان عادی کا اعتبار کیا جاتا ہے لیکن جب وہ بھی نہ ہو سکے تو پھر باقی نہیں رکھا جاتا۔ پس عین قتال کیوقت نماز کی بھی یہی حالت ہے کہ اس کی مجموعی ہیئت کسی حد تک بھی باقی نہیں رہتی جو شرعاً مقصود معتبر ہے پس جب اتنا بھی نہ ہو سکے اور اس سے بھی کم درجہ رہ جائے تو وہ نماز ہی نہیں اس لئے مؤخر کردی گئی ہے۔

نکات آیت: .... اس آیت میں کئی معنی کا احتمال ہے۔ تنبیہ ابواللیث میں ہے کہ اس میں بیماروں کی نماز کا بیان ہے کہ اگر قیام پر قدرت نہ رہے تو بیٹھ کر اور بیٹھ کر قدرت نہ رہے تو لیٹ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ اور **فاذا اطمانتم** کے معنی صحت کے ہوں گے یعنی اس وقت مکمل ارکان کے ساتھ نماز ادا کرنی چاہئے گویا اس جملہ کی تخصیص صرف **او کنتم مرضٰی** کے ساتھ کرنی پڑے گی۔ لیکن مریض کی نماز کے بیان میں صاحب ہدایہ نے اس آیت کی بجائے **صل قائمًا فان لم تستطع فقاعد افان لم تستطع فعلی الجنب تومی ایماءً** سے استدلال کیا ہے کیونکہ آیت مجمل اور محتمل المعانی ہے برخلاف حدیث کے کہ وہ محکم اور مفصل ہے آیت اور حدیث میں استلقاء کی بجائے لفظ جنب ان معنی کی طرف مشیر ہے دوسرے معنی وہی ہیں جو پہلے مذکور ہوئے کہ جب یہ ہنگامی یا سفری حالت نہ رہی تو پھر ان عارضی رخصتوں کی بجائے اصلی ہیئت اور مکمل نمازیں ہونی چاہئیں۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ نماز خواہ کسی صورت میں ہو، خوف یا سفر کی حالت ہو یا ان دونوں سے خالی ہو امن وقیام کی حالت بہر حال نماز ایک موقت حکم ہے لیکن ذکر اللہ ہی ایک ایسا وظیفہ ہے جس سے مسلمان کو کسی وقت بھی غفلت یا سستی نہیں کرنی چاہئے۔

ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرائض کی ایک حد مقرر کردی ہے لیکن ذکر اللہ کی کوئی حد بندی نہیں ہے کھڑے، بیٹھے، لیٹے،

دن اور رات سفر وحضر، بحر و بر، غناء وفقر، علانیہ وسر، غرض ہر حالت میں مطلوب ہے اور چوتھے معنی یہ ہیں کہ خوف قتال اور عین قتال دونوں حالتوں میں ممکنہ صورتوں کے ساتھ نمازیں پڑھتے رہو لیکن لڑائی ختم ہونے اور امن چین کے بعد ان نمازوں کی قضاء کرو۔ امام شافعیؒ کے مذہب پر یہ معنی ظاہر ہیں کیونکہ ان کے نزدیک جنگ کرتے ہوئے پیدل اور سوار چلتے ہوئے نماز پڑھنے کا حکم ہے برخلاف احناف کے وہ مشی اور رکوب کو منافی نماز مانتے ہوئے تاخیر کا حکم دیتے ہیں۔

لطائف آیت: .... واذا ضربتم سفر اور خوف کے وقت جب نمازوں میں تخفیف ہوگئی تو عذر کے وقت اوراد ووظائف میں بدرجۂ اولی تخفیف ہونی چاہئے اسی طرح آیت اذا اطمأننتم سے معلوم ہوتا ہے کہ زوال عذر کے بعد پھر اوراد کا اکمال بھی ہونا چاہئے۔

وَسَرَقَ طُعْمَةُ بْنُ اُبَيْرِقٍ دِرْعًا وَخَبَاهَا عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ فَوُجِدَتْ عِنْدَهٗ فَرَمَاهُ طُعْمَةُ بِهَا وَحَلَفَ اَنَّهٗ مَاسَرَقَهَا فَسَأَلَ قَوْمُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُجَادِلَ عَنْهُ وَيُبَرِّئَهٗ فَنَزَلَ **اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ** الْقُرْاٰنَ **بِالْحَقِّ** مُتَعَلِّقٌ بِاَنْزَلْنَا **لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ** عَلَّمَكَ **اللّٰهُ** فِيْهِ **وَلَاتَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ** كَطُعْمَةَ **خَصِيْمًا**﴿۱۰۵﴾ مُخَاصِمًا عَنْهُمْ **وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ** مِمَّا هَمَمْتَ بِهٖ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا**﴿۱۰۶﴾ **وَلَاتُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ** يَخُوْنُوْنَهَا بِالْمَعَاصِيْ لِاَنَّ وَبَالَ خِيَانَتِهِمْ عَلَيْهِمْ **اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا** كَثِيْرَ الْخِيَانَةِ **اَثِيْمًا**﴿۱۰۷﴾ اَيْ يُعَاقِبُهٗ **يَّسْتَخْفُوْنَ** اَيْ طُعْمَةُ وَقَوْمُهٗ حَيَاءً **مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ** يَعْلَمُهٗ **اِذْ يُبَيِّتُوْنَ** يُضْمِرُوْنَ **مَالَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ** مِنْ عَزْمِهِمْ عَلَى الْحَلْفِ عَلٰى نَفْيِ السَّرِقَةِ وَرَمْيِ الْيَهُوْدِيِّ بِهَا **وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا**﴿۱۰۸﴾ عِلْمًا **هٰٓاَنْتُمْ** يَا **هٰٓؤُلَاۤءِ** خِطَابٌ لِقَوْمِ طُعْمَةَ **جَادَلْتُمْ** خَاصَمْتُمْ **عَنْهُمْ** اَيْ عَنْ طُعْمَةَ وَذَوِيْهِ وَقُرِئَ عَنْهُ **فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ** اِذَا عَذَّبَهُمْ **اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا**﴿۱۰۹﴾ يَتَوَلّٰى اَمْرَهُمْ وَيَذُبُّ عَنْهُمْ اَيْ لَا اَحَدَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ **وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا** ذَنْبًا يَسُوْءُ بِهٖ غَيْرَهٗ كَرَمْيِ طُعْمَةَ الْيَهُوْدِيَّ **اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ** بِعَمَلِ ذَنْبٍ قَاصِرٍ عَلَيْهِ **ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ** مِنْهُ اَيْ يَتُبْ **يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا** لَهٗ **رَّحِيْمًا**﴿۱۱۰﴾ بِهٖ **وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا** ذَنْبًا **فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ** لِاَنَّ وَبَالَهٗ عَلَيْهَا وَلَا يَضُرُّ غَيْرَهٗ **وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا**﴿۱۱۱﴾ فِيْ صُنْعِهٖ **وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً** ذَنْبًا صَغِيْرًا **اَوْ اِثْمًا** ذَنْبًا كَبِيْرًا **ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا** مِنْهُ **فَقَدِ احْتَمَلَ** تَحَمَّلَ **بُهْتَانًا** بِرَمْيِهٖ **وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا**﴿۱۱۲﴾ بَيِّنًا بِكَسْبِهٖ **وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ** يَا مُحَمَّدُ **وَرَحْمَتُهٗ** بِالْعِصْمَةِ **لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ** مِنْ قَوْمِ طُعْمَةَ **اَنْ يُّضِلُّوْكَ** عَنِ الْقَضَاءِ بِالْحَقِّ بِتَلْبِيْسِهِمْ عَلَيْكَ **وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ** زَائِدَةٌ **شَيْءٍ** لِاَنَّ وَبَالَ اِضْلَالِهِمْ عَلَيْهِمْ **وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ** الْقُرْاٰنَ **وَالْحِكْمَةَ** مَا فِيْهِ مِنَ الْاَحْكَامِ **وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ** مِنَ الْاَحْكَامِ

وَالْغَيْبِ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ بِذٰلِكَ وَغَيْرِهٖ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اَيِ النَّاسِ اَيْ مَايَتَنَاجَوْنَ فِيْهِ وَيَتَحَدَّثُوْنَ اِلَّا نَجْوٰى مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ عَمَلِ بِرٍّ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرَ ابْتِغَآءَ طَلَبَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ لَاغَيْرَهٗ مِنْ اُمُوْرِ الدُّنْيَا فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ اَيِ اللّٰهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ يُخَالِفِ الرَّسُوْلَ فِيْمَا جَاءَ بِهٖ مِنَ الْحَقِّ مِنْۢ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى ظَهَرَ لَهُ الْحَقُّ بِالْمُعْجِزَاتِ وَيَتَّبِعْ طَرِيْقًا غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيْ طَرِيْقِهِمُ الَّذِيْ هُمْ عَلَيْهِ مِنَ الدِّيْنِ بِاَنْ يَّكْفُرَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى نَجْعَلُهٗ وَالِيًا لِمَا تَوَلَّاهُ مِنَ الضَّلَالِ بِاَنْ نُّخَلِّيَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ فِي الدُّنْيَا وَنُصْلِهٖ نُدْخِلْهُ فِي الْاٰخِرَةِ جَهَنَّمَ ؕ لِيَحْتَرِقَ فِيْهَا وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ مَرْجِعًا هِيَ۔

ترجمہ: ....طعمۃ ابیرق نے ایک ذرہ چرا کر ایک یہودی کے پاس چھپادی، چنانچہ تفتیش کے نتیجہ میں جب اس کے یہاں برآمد ہوئی تو اس نے طعمۃ کا نام لیا لیکن طعمہ نے حلفیہ چوری سے انکار کردیا اور پھر اس کی برادری نے بھی آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ اس کی حمایت کیجئے اور اس کو بری کیجئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی) بلاشبہ ہم نے آپ ﷺ پر کتاب (قرآن) سچائی کے ساتھ (انزلنا کے متعلق ہے) نازل کردی ہے تاکہ جیسا کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بتلایا (سکھلادیا) ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو اور (طعمۃ کی طرح) خیانت کرنے والوں کی طرف داری میں (ان کی حمایت کرتے ہوئے) کوئی بات نہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگئے جو کچھ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں خیال قائم کرلیا تھا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والے رحمت رکھنے والے ہیں اور آپ ﷺ طرفداری نہ کیجئے ان لوگوں کی طرف سے جو اپنے اندر خیانت رکھتے ہیں (گناہوں کی وجہ سے خیانت کے مرتکب ہیں۔ کیونکہ ان کی خیانت کا وبال خود ان ہی کے سر پڑے گا) اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتے جو خیانت میں ڈوبے ہوئے (بہت زیادہ خیانت کے مرتکب) ہوں اور بڑے گنہگار ہوں (یعنی اللہ تعالیٰ ان کو سزا دیں گے) یہ لوگ (طعمہ اور اس کے خاندان والے شرما کر) انسانوں سے تو چھپاتے پھرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے حالانکہ وہ ان کے ساتھ موجود رہتا ہے (جانتا ہے) جب کہ وہ راتوں کو مجلس بٹھا کر ایسی ایسی باتوں کا (چھپا کر) مشورہ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں (یعنی چوری کے انکار پر قسم کھانے کی نیت اور یہودی پر الزام لگا دینا) وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ (کے احاطۂ علم) سے باہر نہیں ہے ہاں تم لوگ (طعمہ کی قوم کو خطاب ہے) ایسے ہو کہ تم نے طرفداری (حمایت) کی ان لوگوں کی طرف سے (یعنی طعمہ اور اس کے حمائتیوں کی جانب سے اور ایک قرأت میں لفظ عنہ ہے) دنیاوی زندگانی میں لیکن قیامت کے دن ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کون جھگڑے گا (جب وہ ان کو سزا دیں گے) یا کون ہے جو ان کا وکیل بنے (ان کی ذمہ داری لے اور ان کی طرف سے مدافعت کرے یعنی کوئی بھی ایسا نہیں کرسکے گا) اور جو شخص کوئی برائی کر بیٹھتا ہے (جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچے جیسے طعمہ کا یہودی پر الزام لگانا) یا اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرلیتا ہے (گناہ کرنے کے بعد اس پر اصرار کرکے) اور پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہے (توبہ کرلیتا ہے) تو وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا اور رحمت والا پائے گا اور جو کوئی برائی (گناہ) کماتا ہے تو اپنی جان ہی کے ضرر کے لئے کماتا ہے (کیونکہ اس کا وبال اسی پر پڑے گا کسی دوسرے کو نقصان نہیں ہوگا) اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے (اپنے کاموں میں) حکمت والے ہیں اور جس کسی سے کوئی خطاء (معمولی گناہ) سرزد ہوجائے یا کسی بڑے گناہ (بڑی نافرمانی) کا مرتکب ہو پھر اسے کسی بے گناہ کے سر تھوپ دے تو اس نے لاد لیا

(اٹھالیا) بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ (تہمت لگا کر اور ارتکاب کر کے) اور اگر آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا (اے محمدؐ) اور اس کی رحمت نہ ہوتی (عصمت کی دولت سے سرفراز کر کے) تو ان لوگوں میں سے (طعمۃ اور اس کے اہل خاندان میں سے) ایک جماعت نے تو پورا ارادہ کر لیا تھا کہ آپ ﷺ کو غلط راستہ پر ڈال دیں (حق فیصلہ کو آپؐ پر مشتبہ کر کے) اور یہ لوگ آپ ﷺ کو غلط راستے پر نہیں ڈال رہے ہیں مگر خود اپنی جانوں کو یہ آپ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے (من زائدہ ہے ان کے گمراہ کرنے کا وبال خود ان ہی پر ہوگا) اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر کتاب (قرآن) اور حکمت (احکام قرآنی) نازل کردیئے ہیں اور جو باتیں (احکام وغیب کی) آپؐ کو معلوم نہیں تھیں وہ آپؐ کو سکھلا دیں اور آپؐ پر اللہ تعالیٰ کا (اس معاملہ میں اور دوسرے معاملات میں) بڑا ہی فضل ہے (ان لوگوں کے پوشیدہ مشوروں میں سے) اکثر مشورے (لوگوں کی) بھلائی کے لئے نہیں ہوتے ہاں جو کسی خیر خیرات کے لئے یا کسی نیک کام (اچھے عمل) کے لئے یا لوگوں کے درمیان صلح صفائی کی خفیہ ترغیب دیتے ہیں اور جو کوئی اس طرح کے کام صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل (طلب) کرنے کے لئے کرتا ہے (دنیاوی منافع میں سے اور کوئی اس کا مقصد نہیں ہوتا) تو ہم اسے بڑا اجر عطا کریں گے (نون تیہ نون اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے معطی اللہ تعالیٰ ہیں) اور جو کوئی رسول اللہ کی مخالفت کرے گا (ان کے لائے ہوئے پیغام حق میں) اس ہدایت کی راہ پر واضح ہو جانے کے بعد (جب کہ معجزات کے ذریعہ اس پر حق کھل چکا ہے) اور مؤمنوں کی راہ (دینی طریقہ جس پر وہ چل رہے ہیں) چھوڑ کر دوسرا راستہ چلنے لگے (کفر اختیار کر کے) تو ہم اس کو اسی طرف لے چلیں گے جس طرف جانا اس نے پسند کر لیا ہے (جس گمراہی کو اس نے اختیار کر لیا ہے ہم اس کو اس کا والی بنادیں گے دنیا میں اس کے لئے آسانیاں اور اسباب فراہم کر کے) اور (آخرت میں) اس کو جہنم رسید کر دیں گے (تا کہ اس میں جل بھن جائے) اور کیا ہی بری جگہ (ٹھکانا) ہے وہ جہنم۔

تحقیق وترکیب: .... طعمۃ ضم طاء اور فتح اور کسر طاء کے ساتھ تینوں طرح لغت ہے ابیرق ہمزہ مضموم اور با مفتوح ہے۔ ان یجادل عنہ کیونکہ چوری کا مال یہودی کے پاس سے برآمد ہوا ہے اس لئے ظاہر حال یہی ہے کہ اس نے چوری کی ہوگی۔ بما ارلٰک ابن عباسؓ کی رائے کے مطابق مراد علم قطعی وحی ہے جس طرح رویت اور مشاہدہ سے یقین ہوتا ہے یہی حال علم وحی کا بھی ہے لیکن دوسرے حضرات وحی اور اجتہاد دونوں مراد لیتے ہیں۔ شیخ ابو منصورؒ نے جو اجتہاد پر اس سے استدلال کیا ہے۔ واستغفر اللہ. حسنات الابرار سیئات المقربین کے قبیل سے ہے۔

لایحب کی تفسیر جلال محققؒ ای یعاقبہ کے ساتھ کر رہے ہیں گویا لازمی مجازی معنی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ خوانا مبالغہ کا صیغہ ہے اشارہ ہے متعدد خیانتوں کی طرف، چوری کرنا، یہودی پر غلط اتہام رکھنا، جھوٹی قسم کھالینا، جھوٹی شہادت۔

یضمرون تبیت کے اصل معنی رات میں تدبیر کرنے کے ہیں۔ مراد پوشیدہ مشورے کرنا۔ ھانتم مفسر علامؒ نے اشارہ کر دیا کہ ھانتم مبتداء ھٰؤلاء خبر ہے اور اول کی ہا تنبیہ کے لئے ہے۔ ام من تفتازانی کی رائے یہ ہے کہ لفظ ام کے بعد جہاں اسم استفہام ہو وہاں ام بمعنی بل ہوتا ہے۔ ام متصلہ یا ام منقطعہ نہیں ہوتا لیکن صاحب معنی کی تحقیق یہ ہے کہ ام منقطعہ کے معنی اضراب کے ہوتے ہیں پھر کبھی صرف اضراب کے لئے ہوتا ہے اور کبھی استفہام انکاری یا طلب کو بھی متضمن ہوتا ہے لا احد یعنی دونوں جگہ استفہام انکاری کے معنی ہیں۔ یستغفر اللہ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو حتیٰ کہ کفر ہو یا دانستہ قتل وغیرہ سب صحیح توبہ کے بعد معاف ہو سکتے ہیں اثما و ثم کے معنی کسر اور توڑنے کے آتے ہیں۔ گناہ بھی چونکہ حابط اعمال ہوتا ہے اس لئے اثم کہلایا۔

لولا فضل اللہ اس میں نفس ھم کی نفی کرنی مقصود نہیں کہ وہ تو واقع ہو چکی تھی بلکہ آپ ﷺ کے اضلال کے اس پر مرتب ہونے کی نفی کرنی ہے۔ من شیٔ من زائد ہے اور مصدر کی وجہ سے موضع نصب میں ہے۔

مـن نـجـوٰهـم مفسر علامؒ نے الـنـاس سے اشارہ کر دیا کہ آیت کا نزول اگر چہ طعمہ وغیرہ کے ساتھ خاص ہے لیکن عموم مراد ہے الانـجـوٰی یعنی استثناء متصل ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ نجوی مصدر ہے صرف مضاف ہور ہا ہے اور بعض نے استثناء منقطع کہا ہے کیونکہ من اشخاص کے لئے آتا ہے تناجی کی جنس سے نہیں ہے اس لئے لکن کے معنی میں ہے۔

او معروف اللہ کی طاعت مراد ہے جس میں تمام نیک کام داخل ہوجائیں گے۔ یہ عطف عام علی الخاص ہے اوراو اصلاح بین الـنـاس کا او مـعـروف پر عطف خاص علی العام ہور ہا ہے مقصود اہتمام ہے اوران تین باتوں کی تخصیص اس لئے ہے کہ عمدہ کا ایصال نفع ہوگیا یا دفع شر۔ پھر ایصال نفع جسمانی ہوگا جیسے صدقات، یا روحانی جیسے امر بالمعروف اور دفع شر کی مثال جیسے اصلاح بین الناس۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے امـش مـیلاً عـد مـریضًا امش میلین اصلح بین اثنین بہر حال کثرت کلام سے مفاسد بھی زیادہ ہوتے ہیں من کثر لغطه کثر سقطه

ارشاد نبوی ﷺ ہے هل یکب الناس فی النار علی وجوههم الا حصائد السنتهم. ومن یشاقق یہاں فک ادغام کے ساتھ ہے اور سورۂ حشر میں یہی لفظ ادغام کے ساتھ ہے کیونکہ الف لام لفظ اللہ کے ساتھ لازم الاستعمال ہے لفظ رسول کے ساتھ لازم نہیں ہے اور چونکہ لزوم میں ثقل ہوتا ہے جو مقتضی تخفیف ہے اس لئے لفظ اللہ کے ساتھ ادغام کیا گیا ہے۔

غیـر سبیل المؤمنین یہ دلیل ہے اجماع کے حجت ہونے پر کتاب وسنت کی طرح سبیـل المؤمنین کا خلاف بھی جائز نہیں ہے کیونکہ غیر سبیل المؤمنین کے اتباع اور شقاق رسولؐ دونوں کی سزا میں شدید وعید بیان کی جارہی ہے پس موالاۃ رسول کی طرح جمہور کا اتباع واجب ہے۔ قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس آیت سے اجماع کی مخالفت کا حرام ہونا معلوم ہوتا ہے کیونکہ وعید شدید سے مخالفت رسولؐ اور مخالفت طریق مؤمنین میں سے یا ہر ایک کی حرمت معلوم ہوتی ہے اور یا کسی ایک کی اور یا دونوں کے مجموعہ کی چونکہ اخیر کے دو احتمال باطل ہیں اس لئے پہلی صورت متعین ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو ایک صورت اور بھی نکل سکتی ہے کہ شقاق رسول بعینہ غیر طریق مؤمنین کا اتباع ہو۔

ربط :............ آیاتِ گذشتہ میں کفار مجاہرین اور غیر مجاہرین یعنی منافقین کا ذکر تھا۔ آئندہ بھی منافقین ہی کے ایک خاص واقعہ کا ذکر ہے جس میں ان کا نفاق کھل گیا تھا۔

شانِ نزول :............ جلال محققؒ نے شان نزول کے سلسلہ میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے ترمذیؒ اور حاکمؒ کے بیان کے مطابق اس کا حاصل یہ ہے کہ بنو بیرق کے ایک شخص بشیر نامی منافق نے حضرت رفاعہؓ کی بخاری سے آٹا اور ہتھیار چرالئے تلاش کے سلسلہ میں لوگوں کو بشیر پر شبہ ہوا تو بنو بیرق نے بشیر کی حمایت اور برأت کی اور چوری میں حضرت لبیدؓ کا نام لے دیا۔ حضرت رفاعہؓ نے اپنے بھتیجے حضرت قتادہؓ کے ذریعہ بارگاہ رسالت میں صورت حال پیش کر دی آپ ﷺ نے تحقیق کا وعدہ فرمالیا۔ بنو بیرق کو خبر ہوئی تو اپنے ایک سردار اسیر کے پاس مشورہ کے لئے جمع ہوئے اور پھر سب مل کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور رفاعہؓ وقتادہؓ کی شکایت کی کہ بلا تحقیق ایک دین دار گھرانہ پر چوری کا الزام لگا رہے ہیں اور اس سے مقصود آپ ﷺ کی طرف داری اور ہمدردی حاصل کرنا تھا سو اس میں تو خیر کامیابی نہیں ہوئی لیکن جب قتادہؓ حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ایسے لوگوں پر بے سند کیوں الزام لگاتے ہو؟ غرضکہ انہوں نے اپنے چچا رفاعہؓ سے جا کر جب یہ باتیں نقل کیں تو وہ اللہ پر بھروسہ کر کے خاموش ہو گئے جس پر یہ دو رکوع کی آیات اجرًا عظیما تک نازل ہوئیں۔ لیکن جب چوری ثابت ہوگئی اور مال مسروقہ برآمد ہوا اور وہ مالک کو دلایا گیا تو بشیر ناراض ہو کر مرتد ہو گیا اور مشرکین مکہ سے جاملا اس پر آیت ومـن یشـاقـق الـخ نازل ہوئی۔ مکہ میں جا کر بھی حسب عادت کسی کے نقب لگایا کہ

اتفاق سے اس پر دیوار گری اور مر گیا۔

﴿ تشریح ﴾ :...... آنحضرت ﷺ کو مقدمات میں سب پہلوؤں کی رعایت اور احتیاط رکھنے کی تعلیم:.......

ولا تکن ولا تجادل وغیرہ آیات کا حاصل یہ ہے کہ فضل الٰہی چونکہ آپ ﷺ کے شامل حال ہے اس لئے آپ ﷺ نے ان میں سے کوئی کام نہیں کیا پس اس طرح ہر غلطی کی نفی ہوگئی اور کسی کام کے منع کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمانۂ ماضی میں یہ کام کیا گیا ہے بلکہ نہی کا اصل فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آئندہ کے لئے حقیقت حال سے آگاہ کرکے بندش کردی جاتی ہے پس حاصل یہ ہوگا کہ جس طرح اب تک ایسی باتوں سے آپ بچے رہے آئندہ بھی پرہیز رکھئے۔ اس لئے یہ انتظام آپ کی عصمت کے منافی نہیں ہے اور علی قدر مراتب چونکہ اس خیانت میں دوسروں کی اعانت بھی شامل رہی اس لئے سب خائن ہوئے اور اسی لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا اور بغیر صحیح دلیل اور معتبر سند کے کسی کو دیندار سمجھنا اگرچہ گناہ نہیں ہے بلکہ فی نفسہٖ حسن ظن کے محمود ہونے کی وجہ سے عجب نہیں کہ کسی درجہ میں مستحسن ہی ہو لیکن چونکہ بنو ابیرق کو آپ ﷺ کے دیندار سمجھنے اور اتنا فرمادینے سے ممکن تھا کہ حقدار اپنے حق کو چھوڑ بیٹھیں چنانچہ رفاعہؓ خاموش ہوکر بیٹھ ہی رہے تھے گویا بالواسطہ ہی سہی مگر یہ بات آپؐ کے شایان شان نہیں ہے۔

اور معروف میں تمام نافع اور مشروع کام داخل ہوگئے۔ خواہ ان میں دنیوی نفع ہو یا دینی اور صدقہ اگرچہ اس میں داخل تھا لیکن نفس پر شاق ہونے کی وجہ سے اس کا علیحدہ اہتمام فرمایا اور چونکہ بشیر نے دوسروں کے مال کی چوری کی اس لئے اس کے مقابلہ میں دوسرے کو مال دینے کی ترغیب اور بھی مناسب مقام ہوئی۔ اسی طرح اصلاح بین الناس بھی اگرچہ معروف میں داخل ہے لیکن نااتفاقی بڑے بڑے مفاسد کی جڑ ہے اور اصلاح میں اس کا انسداد ہے اس لئے اس کی بھی تصریح فرمادی۔

اتباع سنت اور مسلمانوں کے سوادِ اعظم کی پیروی:............ نیز من یشاقق الرسول کے ساتھ اتباع غیر سبیل المؤمنین کا اضافہ دلیل انی کے طور پر ہے کیونکہ رسول اللہ کے طریقہ کا مشاہدہ تو ہر وقت مشکل ہے آپ ﷺ کے زمانہ میں اکثر حضرات کے آپؐ سے غائب ہونے کی وجہ سے اور بعد میں آپ ﷺ کی وفات شریف کی وجہ سے۔ رہا اس طریقہ کا روایتی یا درایتی مشاہدہ منصوص اور غیر منصوص میں۔ سو وہ راویوں اور ائمہ مجتہدین کے واسطہ سے ہوسکتا ہے پس آپ ﷺ کے طریقہ کی موافقت یا مخالفت کا معروف معیار مؤمنین کا اتباع یا عدم اتباع ہی ہوگا۔ اس لئے اس آیت سے اجماع کا وجوب اور حجیت معلوم ہوئی اور اس کی مخالفت کا حرام ہونا معلوم ہوا گویا کتاب وسنت کی طرح اس کے منکر کو بھی کافر کہا جائے گا اور اجماع کو خبر مشہور اور خبر واحد پر مقدم سمجھا جائے گا بشرطیکہ ہر دور میں اس کے نقل پر اجماع ہورہا ہو کیونکہ اس کی نقل میں اگر افراد ہوگا تو پھر خبر واحد ہی کے درجہ میں رہے گا اور اجماع میں عزیمت کا درجہ یہ ہے کہ ہر ایک مجتہد سے قولاً یا عملاً اتفاق کی تصریح ہو اور رخصت کا درجہ یہ ہے کہ بعض کی طرف سے تصریح اور بعض کی طرف سے سکوت ہو اور ایسے مجتہدین کا اجماع معتبر ہوتا ہے جو اہل ہوئی اور فاسق نہ ہوں اور بعض کے نزدیک صرف صحابہ کا اور بعض کے نزدیک صرف اہل مدینہ کا اجماع معتبر ہوتا ہے۔

لطائف آیت:............ آیت واستغفر اللہ صوفیاء کے اس قول کی اصل ہے حسنات الابرار سیئات المقربین نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ کمال خواہ کیسا ہی حاصل ہو جائے لیکن تکالیف شرعیہ کسی وقت اور کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوسکتیں۔ آیت لولا فضل اللہ سے معلوم ہوا کہ کسی کو اپنے علم وعمل پر اعتماد اور تکیہ نہیں کرنا چاہیئے۔

آیت لاخیر فی کثیر الخ جاہل مشائخ کے اس خیال کی تغلیط اور تردید کررہی ہے کہ طریقت، حقیقت، معرفت میں کوئی مخفی

تعلیم شریعت کے خلاف ہوئی ہے یا شریعت اور ہے، طریقت اور یا طریقت وغیرہ کی تعلیم سینہ بسینہ جاری رہتی ہے۔
آیت ومن یفعل ذلک الخ کا منطوق اس پر دلالت ظاہر کر رہا ہے کہ جو مخلص سالک محض رضائے الٰہی کی نیت کرے اور ثواب کی نیت نہ کرے تو اس کو ثواب بھی مل جاتا ہے لیکن اس آیت کا مفہوم اس پر دلالت کرتا ہے کہ تمام ثمرات اعمال رضائے الٰہی کے تابع ہوتے ہیں جب رضاء حاصل کرنے کا قصد ہو تو دوسرے ثمرات بلاقصد عطا ہو جاتے ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا ۢ بَعِيْدًا﴿۱۱۶﴾ عَنِ الْحَقِّ **إِنْ يَّدْعُوْنَ** يَعْبُدُ الْمُشْرِكُوْنَ **مِنْ دُوْنِهٖ** اَیِ اللّٰهِ اَیْ غَيْرِهٖ **إِلَّآ إِنٰثًا ۚ** اَصْنَامًا مُؤَنَّثَةً كَاللَّاتِ وَالْعُزّٰى وَمَنَاةَ **وَإِنْ يَّدْعُوْنَ** يَعْبُدُوْنَ بِعِبَادَتِهَا **إِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾** خَارِجًا عَنِ الطَّاعَةِ لِطَاعَتِهِمْ لَهٗ فِيْهَا وَهُوَ اِبْلِيْسُ **لَّعَنَهُ اللّٰهُ** اَبْعَدَهٗ عَنْ رَّحْمَتِهٖ **وَقَالَ** اَيِ الشَّيْطٰنُ **لَاَتَّخِذَنَّ** لَاَجْعَلَنَّ لِيْ **مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا** حَظًّا **مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾** مَقْطُوْعًا اَدْعُوْهُمْ اِلٰى طَاعَتِيْ **وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ** عَنِ الْحَقِّ بِالْوَسْوَسَةِ **وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ** اُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِهِمْ طُوْلَ الْحَيٰوةِ وَاَنْ لَا بَعْثَ وَلَا حِسَابَ **وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ** يُقَطِّعُنَّ **اٰذَانَ الْاَنْعَامِ** وَقَدْ فُعِلَ ذٰلِكَ بِالْبَحَائِرِ **وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ** دِيْنَهٗ بِالْكُفْرِ وَاِحْلَالِ مَا حُرِّمَ وَتَحْرِيْمِ مَا اُحِلَّ **وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا** يَتَوَلَّاهُ وَيُطِيْعُهٗ **مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَيْ غَيْرِهٖ **فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾** بَيِّنًا لِمَصِيْرِهٖ اِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِ **يَعِدُهُمْ** طُوْلَ الْعُمْرِ **وَيُمَنِّيْهِمْ ۚ** نَيْلَ الْاٰمَالِ فِي الدُّنْيَا وَاَنْ لَّا بَعْثَ وَلَا جَزَاءَ **وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ** بِذٰلِكَ **اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾** بَاطِلًا **اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾** مَعْدِلًا **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ** اَيْ وَعَدَهُمُ اللّٰهُ ذٰلِكَ وَحَقَّهٗ حَقًّا **وَمَنْ** اَيْ لَا اَحَدَ **اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾** قَوْلًا وَنَزَلَ لَمَّا افْتَخَرَ الْمُسْلِمُوْنَ وَاَهْلُ الْكِتَابِ **لَيْسَ** الْاَمْرُ مَنُوْطًا **بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ** بَلْ بِالْعَمَلِ الصَّالِحِ **مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ** اِمَّا فِي الْاٰخِرَةِ اَوْ فِي الدُّنْيَا بِالْبَلَاءِ وَالْمِحَنِ كَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيْثِ **وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَيْ غَيْرِهٖ **وَلِيًّا** يَحْفَظُهٗ **وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾** يَمْنَعُهٗ مِنْهُ **وَمَنْ يَّعْمَلْ** شَيْئًا **مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ** بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ **الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾** قَدْرَ نُقْرَةِ النَّوَاةِ **وَمَنْ** اَيْ لَا اَحَدَ **اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ** اَيِ انْقَادَ وَاَخْلَصَ عَمَلَهٗ **لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ** مُوَحِّدٌ **وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ** الْمُوَافِقَةَ لِمِلَّةِ الْاِسْلَامِ **حَنِيْفًا ۭ** حَالٌ اَيْ مَائِلًا عَنِ الْاَدْيَانِ كُلِّهَا اِلَى الدِّيْنِ الْقَيِّمِ **وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾** صَفِيًّا

خَالِصَ الْمُحَبَّةِ لَهٗ وَلِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ مِلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ عِلْمًا وَقُدْرَةً اَیْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ

ترجمہ: .... اللہ تعالیٰ یہ بات بخشنے والے نہیں کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے سوا جتنے گناہ ہیں وہ جسے چاہیں بخش دیں اور جس کسی نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو وہ بھٹک کر سیدھے (صحیح) راستہ سے بھٹک کر بہت دور جا پڑا یہ نہیں پکارتے (مشرکین پوجا پاٹ نہیں کرتے) اس کے (اللہ کے) سوا (یعنی غیر اللہ کی پرستش نہیں کرتے) مگر بیبیوں کو (جو زنانی قسم کے بت ہیں جیسے لات، منات، عزیٰ) اور نہیں پکارتے ہیں (اپنے طریقوں کے مطابق بندگی نہیں کرتے ہیں) مگر شیطان مردود کو (جو اللہ کی فرمانبرداری سے خارج ہو چکا ہے اور یہ بندگی کرنے میں اس کی اطاعت کرتے ہیں مراد ابلیس ہے) جس پر اللہ لعنت کر چکے ہیں (اپنی رحمت سے دور پھینک چکے ہیں) اور کہنے لگا (یعنی شیطان) میں لے کر رہوں گا (اپنے لئے مخصوص کرلوں گا) تیرے بندوں میں سے ایک حصہ مقررہ (علیحدہ کہ اپنی طاعت کے لئے بلاؤں گا) اور ضرور انہیں بہکاؤں گا (وسوسے ڈال ڈال کر صحیح راستہ سے) اور ضرور آرزوؤں میں انہیں الجھائے رکھوں گا (ان کے دلوں میں لمبی عمر کو اور قیامت وحساب نہ ہونے کو بٹھلاؤں گا) اور ضرور انہیں سکھلاؤں گا جس سے وہ تراشا کریں گے (چیرا کریں گے) چوپاؤں کے کان (چنانچہ بحیرہ جانوروں کے ساتھ وہ ایسی کاروائی کیا کرتے تھے) اور میں ان کو یہ بھی بتلاؤں گا کہ وہ ضرور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑ دیا کریں (اس کے دین کو کفر سے، حلال کو حرام سے، حرام کو حلال سے بدل دیا کریں) اور جو کوئی شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا (کہ جس کی اطاعت کا دم بھرے گا) اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر (یعنی غیر اللہ کو دوست بنائے) تو یقیناً وہ تباہی میں پڑ گیا جو کھلی تباہی ہے (کیونکہ اس کا انجام ہمیشہ کا جہنم ہوگا) شیطان ان سے وعدہ کرتا ہے (درازیٔ عمر کا) اور آرزوؤں میں ڈالتا ہے (دنیا کی امیدیں دلاتا ہے اور یہ کہ قیامت اور جزاء کوئی چیز نہیں ہے) اور شیطان ان سے جو کچھ وعدے کرتا ہے (اس کے بارے میں) وہ فریب (جھوٹ) کے سوا کچھ نہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ اس سے نکلنے کی کوئی راہ (موقعہ) نہیں پائیں گے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام انجام دیئے تو ہم انہیں ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ہمیشہ ان ہی نہروں میں رہیں گے یہ اللہ کا وعدہ حق ہے (یعنی اللہ نے ان سے اس کا وعدہ کیا ہے اور اس نے سچا وعدہ کر دکھایا ہے) اور اللہ سے بڑھ کر بات کہنے میں سچا اور کون ہوسکتا ہے (یعنی کوئی نہیں ہوسکتا اور مسلمان اور اہل کتاب نے جب آپس میں فخریہ گفتگو شروع کی تو یہ آیت نازل ہوئی) نہ تو تمہاری آرزوؤں پر (معاملہ موقوف) ہے نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے کام چلتا ہے (بلکہ اچھے کام پر مدار ہے) جو کوئی برائی کرے گا ضروری ہے کہ اس کا بدلہ پائے (خواہ آخرت میں یا دنیا میں مبتلائے بلا ومصیبت کر کے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے) پھر اللہ کے سوا نہ تو اسے کوئی دوست ملے (جو اس کی حفاظت کرے) اور نہ مددگار (کہ جو اس کو روک سکے) اور جو کوئی (کچھ) اچھے کام کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ ایمان بھی رکھتا ہو سو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے (یدخلون مجہول اور معروف دونوں طرح ہے) اور رائی برابر (چھوارے کی گٹھلی کی جھلی برابر) بھی ان کے ساتھ بے انصافی ہونے والی نہیں ہے اور اس آدمی سے بہتر دین کس کا ہوسکتا ہے (یعنی کسی کا نہیں) جس نے اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دیا (مطیع اور مخلص بن گیا) اور وہ نیک عمل (پرستار توحید) بھی ہو اور اس نے ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کی ہو (جو اسلام کے طریقہ کے مطابق ہے) جس میں کجی کا نام نہیں (یہ حال ہے یعنی تمام مذاہب سے ہٹ کر سیدھے راستہ کی طرف مائل تھے) اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنالیا تھا (برگزیدہ اور سچی محبت والا) اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کی (ملک اور مخلوق اور

بندے) ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہیں (بلحاظ علم وقدرت کے یعنی ہمیشہ ان کمالات وصفات سے متصف رہتے ہیں)

تحقیق وترکیب: .... بعیدا کیونکہ شرک سب سے بڑی گمراہی ہے اور حق سے بہت دور بھی ہے۔ اسی طرح شرک افتراء اور گناہ عظیم بھی ہے الا اناثا اناث جمع انثیٰ کی ہے۔ بعض بت مردانی شکل کے اور بعض زنانی شکل کے بنایا کرتے تھے اور زنانہ لباس اور زیورات بھی پہناتے رہتے تھے۔ لات کو اللہ اور منات کو منان کا اور عزیٰ کو عزیز کا مؤنث سمجھتے تھے جیسے ہندوستان کے ہندو دیوی دیوتاؤں کو اسی طرح بنا کر پوجتے ہیں المرید مرد بمعنی خروج ومجرد فلیبتکن بت بمعنی قطع۔

بالبحائر بحیرۃ کی جمع ہے اونٹنی چار دفعہ کی ولادت کے بعد پانچویں مرتبہ مادہ جنے تو اس کو مشرکین بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے اور دودھ بوند سے انتفاع نہیں کرتے تھے اور بطور نشانی اس کا کان چھید دیا کرتے تھے۔ مصباح میں ہے کہ بحیرہ بمعنی اسم مفعول ہے یعنی کان چھیدا ہوا۔ خلق اللہ مراد دین ہے جیسے لاتبدیل لخلق اللہ ای لدین اللہ ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے اور بعض نے تغیر فطرۃ مراد لی ہے اور مشہور صورت شکل کی تبدیلی ہے انسان کا خصی کرنا، گوندنا سیاہ خضاب کرنا بھی اس میں داخل ہے اور حضرت انسؓ بکرے وغیرہ کے خصی کرنے کو بھی مکروہ سمجھتے تھے لیکن جمہور کے نزدیک جائز ہے ضرورت کی وجہ سے۔

یعدھم یعنی ان دونوں کا مفعول محذوف ہے اور ضمیریں لفظ من کی طرف راجع ہیں اور جمع لانا بلحاظ معنی ہے۔

عنھا محیصا حیص کے معنی عدول اور ہرب کے ہیں یہ متعلق ہے محذوف کے اور پھر محیص سے حال واقع ہو رہا ہے۔ ای کائنا عنھا. یجدون کے متعلق بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ عن کے ذریعہ متعدی نہیں ہوتا اور محیصًا کے متعلق بھی نہیں ہے کیونکہ محیص اگر اسم ظرف ہے تو مطلقًا عامل نہیں ہوگا اور مصدر ہے تو مصدر معمول مقدم پر عمل نہیں کرسکتا لیکن رضی نے ظرف مقدم میں مصدر کا عمل جائز مانا ہے اور متاخرین نے بھی اس کو اختیار کرلیا ہے اور حال بھی ہوسکتا ہے۔

ای وعدھم ان دونوں میں اول مصدر منصوب ہے اور یہ مفعول مطلق تاکید لنفسہ اور دوسرا تاکید لغیرہ ہے۔

ومن اصدق یہ شیطانی جھوٹے مواعید کے مقابلہ میں فرمایا گیا ہے۔ قیلا قول کی طرح مصدر ہے اور ابن السکیت کہتے ہیں کہ قائل اور قیل دونوں اسم ہیں مصدر نہیں ہیں اور منصوب علی التمیز ہیں۔ افتخر المسلمون اہل کتاب کا استدلال تو یہ تھا نبینا قبل نبیکم وکتابنا قبل کتابکم ونحن اولی باللہ منکم اور مسلمان اس کے جواب میں کہتے ہیں نحن اولی منکم نبینا خاتم النبیین وکتابنا یقضی علی الکتب المتقدمۃ (ابن جریر عن مسروق مرسلاً)

لیس بامانیکم اس میں باایسی ہے جیسے زید بالباب میں ہے اور زائد نہیں ہے اور لیس کا اسم مستتر ہے ای لیس الامر اور امر سے مراد ثواب ہے ای لیس ماوعد اللہ من الثواب یحصل بامانیکم ایھا المسلمون ولا بامانی اھل الکتاب مسلمانوں کی امیدیں تو یہ ہیں کہ ایمان لانے کے بعد اللہ میاں ان کے سارے چھوٹے بڑے گناہ معاف فرمادیں گے اور کسی بات پر مؤاخذہ نہیں کریں گے اور اہل کتاب کی بلند پروازیاں تو یہاں تک ہیں کہ وہ کبھی جہنم میں نہیں جائیں گے۔ الا ایاما معدودۃ اور حسنؒ سے مروی ہے کہ ایمان دل کے بہلانے کا نام نہیں ہے بلکہ ایمان دل میں جڑ پکڑتا ہے اور عمل اس کی تصدیق کرتا ہے لیکن کچھ لوگ دنیا سے خالی ہاتھ محض چند تمنائیں لے کر گزر جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں اللہ سے حسن ظن ہے حالانکہ وہ بالکل جھوٹے ہیں اگر انہیں حسن ظن ہوتا تو اس کے ساتھ حسن عمل ہونا چاہئے تھا۔ اور امید تو اسے کہتے ہیں جس کے ساتھ عمل بھی ہو اور بلا عمل تو محض تمنا اور آرزو کہلائی جاتی ہے جو ایک طرح کی موت ہے جس میں عمل ختم ہوجاتا ہے۔ کما ورد فی الحدیث چنانچہ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت جب نازل ہوئی تو ہم لوگ رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے لئے تو اس آیت کے بعد کچھ نہیں رہا فرمایا ابشروا فانہ لایصیب احدا منکم مصیبۃ فی الدنیا

الاجعلها الله له كفارة حتى الشوكة اللتى تقع فى قدمه اسی طرح حضرت ابوبکرؓ نے اس آیت کے نزول کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کون ہے جس نے کوئی برا عمل یا گناہ نہیں کیا بس اس طرح تو کوئی بھی سزا سے نہیں بچ سکے گا؟ فرمایا تم اور تمہارے ساتھیوں کو دنیا ہی میں بدلے ملتے رہتے ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ سے تمہاری ملاقات خطاؤں سے پاک صاف ہو کر ہوگی لیکن دوسروں کے سب معاملات جمع ہوتے رہتے ہیں حتیٰ کہ قیامت میں سب اکٹھی کسر نکل جائے گی اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ پھر کون بچ سکے گا؟ فرمایا کیا تم بیمار نہیں ہوتے اور کیا تمہیں کوئی مصیبت پیش نہیں آتی؟ عرض کیا جی ہاں! فرمایا یہی تو وہ جزاء ہے۔

ومن يعمل شيئًا یعنی من تبعیضیہ ہے کیونکہ کوئی ایک انسان تمام طاعات نہیں کر سکتا۔ من احسن یعنی من استفہام انکاری ہے۔ واتبع یہ لازم کا عطف ملزوم پر ہے یا علت کا معلول پر اور یا حال ثانیہ ہے اور اس سے مقصود مشرکین پر رد کرنا ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو ممدوح مانتے ہوئے ان کے اتباع سے محروم بلکہ خلاف کے مرتکب ہیں۔

حنيفًا یہ ابراہیمؑ سے یا اتبع کے فاعل سے یا ملة سے حال ہو سکتا ہے۔ خليلاً خلة خلال سے ہے محبت جو دل میں پیوست ہو جائے۔ زجاج کہتے ہیں خلیل وہ ہوتا ہے کہ اس کی محبت میں خلل نہ ہو۔ خلة بمعنی دوستی اور ابراہیمؑ کا تکرار تفخیم کے لئے ہے۔ لله یعنی ابراہیمؑ سے اللہ کی دوستی کسی احتیاج اور غرض کی وجہ سے نہیں ہے وہ تو مالک مختار قادر مطلق ہے یا ایسے قادر مطلق کے ہوتے ہوئے بے اختیار چیزوں کی بندگی کیسے مناسب ہے۔

ربط: .... پچھلی آیات میں مخالفین کے ساتھ جہاد سنانی کا ذکر تھا۔ ان آیات میں مخالفین سے محاجہ لسانی کیا جا رہا ہے ان کے لئے بنیادی عقائد اور نظریات وافکار کا انکار اور شرکیہ باتوں کا رد ہے۔ الذين آمنوا الخ سے مسلمانوں کے لئے پیغام بشارت سنایا جا رہا ہے جیسا کہ وعد اور وعید کے سلسلہ میں قرآن کریم کی عادت ہے۔

شان نزول: .... ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ عرب کا ایک بوڑھا شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں گناہوں میں غرق ایک بوڑھا ہوں لیکن میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اللہ کے ساتھ شرک نہیں کیا۔ بلکہ اس پر ایمان لایا ہوں اور اس کے سوا کبھی کسی کو کارساز نہیں سمجھا اور کبھی دلیری سے گناہ نہیں کئے اور میں نے کبھی ایک لحہ کے لئے یہ خیال نہیں کیا کہ میں اللہ سے بچ کر کہیں بھاگ سکتا ہوں بلکہ ہمیشہ نادم وتائب رہا ہوں فرمائیے میرے لئے کیا حکم ہے؟ اس پر یہ آیات ان الله الخ نازل ہوئیں اور آیت ليس بامانيكم کے شان نزول کی طرف جلال محققؒ نے خود اشارہ کر دیا ہے یا وہ دو روایتیں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوبکرؓ کی ہیں جن کا ذکر ابھی کیا گیا ہے۔

﴿تشریح﴾: .... چونکہ توحید عقلاً واجب ہے اور شرک وکفر فی الحقیقت بغاوت اور صانع عالم کی اہانت ہے۔ اس لئے دونوں ناقابل معافی جرم سمجھے گئے ہیں شرک وکفر میں عام خاص کی نسبت ہے اور دوسرے تمام گناہ شرک وکفر سے کم درجہ سمجھے گئے ہیں۔ اس لئے قابل معافی ہیں مشرک وکافر تو حکومت الٰہیہ اور اس کے اقتدار اعلیٰ ہی کو چیلنج کرتا ہے اس لئے لائق گردن زدنی اور ہمیشہ کی سزا کا مستحق ہے۔ برخلاف عام گنہگار کے کہ وہ حکومت الٰہیہ کا وفادار ہوتے ہوئے قصوروار ہے اس لئے مستحق ترحم ہو سکتا ہے۔

مشرکین عرب کے دیوی دیوتا: .... روح المعانی میں حسنؒ سے منقول ہے کہ عرب میں ہر قبیلے کے زنانے بت تھے ان کو انثى بنى فلان کہا جاتا تھا اور آیت میں مردانہ بتوں کی نفی کرنا نہیں ہے بلکہ تخصیص ذکری میں مزید تحمیق کرنی ہے کہ پوجا کرنے بھی

چلئے تو اس میں یہ بے عقلی کی کہ معبود زنانی چیزوں کو بنایا۔ جن میں خود ہی عقلی مادہ کم ہوتا ہے پس حصر مجموعہ کے لحاظ سے ہوگا جس کا ایک جزو دیویوں کی پوجا کرنا اور دوسرا جزو شیطان کی پوجا ہے جس سے مراد اس کا کہنا ماننا ہے چنانچہ محاورات میں شیطان کے کہنے سے غیر اللہ کی عبادت کرنے کو شیطان ہی کی عبادت سمجھا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تقدیر کلام اس طرح ہوگی ان **یدعون الا انا ثا وا لا شیطانا** اب غیر اللہ کی پرستش کی کوئی صورت اس حصر سے خارج نہیں ہوگی آگے شیطان کی تین برائیاں مذکور ہیں متمرد، ملعون، دشمن پھر اس کے چند اقوال اس کی دشمنی ثابت کرنے کے لئے نقل کر دیئے پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ سب باتیں کفر وشرک ہی ہوں بلکہ بعض باتیں ان میں فسق کی بھی ہیں۔

صورت شکل بدلنے یا داڑھی منڈوانے کا قانون: .... اور آیت میں ہر تغیر کی مذمت مقصود نہیں بلکہ جو تغیر باعث فساد ہو وہ مذموم ہے جیسے داڑھی منڈوانا، ورنہ اگر عدم افساد ہو بلکہ اس کے ساتھ کچھ اصلاح بھی ہوتی ہو تو وہ مستحسن ہے جیسے ختنہ کرانا، ناخن تراشوانا اور جس تغیر میں نہ فساد ہو اور نہ اصلاح وہ جائز ہوگا جیسے جانوروں کا خصی کرنا، مقدار مسنون سے بڑھی ہوئی ڈاڑھی ترشوانا لیکن فساد یا اصلاح کے وجود وعدم کا اصل مدار شریعت پر ہوگا نہ کہ عرف پر کیونکہ اول تو عرف شرع کے برابر نہیں دوسرے ہر جگہ کا عرف اور لوگوں کی رائے مختلف ہوتی ہے پس اس رفع تعارض کی کیا صورت ہوگی اور خلق اللہ کی تفسیر تکوینی بھی ہوسکتی ہے یعنی پیدائشی چیزوں میں ردوبدل اور تشریعی خلق بھی مراد ہوسکتا ہے یعنی خدا کی پسندیدہ شکل وصورت وضع قطع اختیار کرو۔

بغیر اطاعت وعمل خالی تمناؤں سے کچھ نہیں ہوتا: .... **لیس بامانیکم** کا حاصل یہ نکلا کہ اہل کتاب کے پاس خالی تمنائیں ہی ہیں اور مسلمانوں کے پاس تمناؤں کے ساتھ عمل بھی ہے اس لئے مسلمان ہی بڑھے رہے۔ ہر نبی کو اس کے مقام و منصب کے لائق مناسب خطابات دیئے گئے ہیں کسی کو کلیم اللہ، کسی کو ذبیح اللہ، کسی کو صفی اللہ، کسی کو نجی اللہ، کسی کو خلیل اللہ علیہم السلام کہا گیا۔ خلیل اللہ نہایت رفیع لقب ہے جو حضرت ابراہیم کو عطا ہوا۔ رہا آنحضرت ﷺ کے بارے میں یہ شبہ کہ آپ کو یہ خطاب کیوں نہیں ملا تو یا فضیلت جزئی پر اس کو محمول کرلیا جائے اور یا کہا جائے کہ آپ ﷺ کو یہ اعزاز بھی نصیب ہوا۔ چنانچہ حضرت جندبؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم کی طرح اللہ نے مجھ کو بھی خلیل بنایا یا مسلم وترمذی کی روایت ہے کہ **وقد اتخذ اللہ صاحبکم حبیبًا** بلکہ حبیب اللہ ہونا آپ ﷺ کے لئے طرۂ امتیازی ہے۔

لطائف آیت: .... **فلیغیرن خلق اللہ** میں چونکہ داڑھی منڈانا بھی داخل ہے اس لئے معلوم ہوا کہ جس طریق میں ڈاڑھی منڈانا شعار بنالیا جائے وہ طریق شیطان ہوگا اگرچہ جہلا نے اس کا نام طریقہ قلندریہ رکھ لیا ہے۔ آیت **لیس بامانیکم** سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ جو صاحب حال ہونے کے مدعی ہوتے ہیں اور خود کو کامل سمجھتے ہیں اور اعمال بد کے مؤاخذہ سے خود کو بری خیال کرتے ہیں وہ سب اس آیت کا مصداق ہیں۔ آیت **ومن احسن الخ** سے معلوم ہوا کہ طریق صوفیا کی حقیقت بھی یہی ہے کہ ظاہری اور باطنی کامل اطاعت جس کو حدیث احسان **ان تعبد اللہ الخ** میں بیان کیا گیا ہے وہ اس کی بنیاد ہوتی ہے اور حنفیت یعنی غیر اللہ سے یک سو ہو کر اللہ میں مشغول ہونا۔ غرضکہ مجموعہ کو احسن طرق کہا گیا ہے پس صوفیاء کا طریق بھی احسن طریق ہوا۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ يَطْلُبُوْنَ مِنْكَ الْفَتْوٰى **فِى** شَانِ **النِّسَآءِ** ط وَمِيْرَاثِهِنَّ **قُلِ** لَهُمْ **اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ** لا **وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ مِنْ اٰيَةِ الْمِيْرَاثِ يُفْتِيْكُمْ اَيْضًا **فِىْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِىْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ** فُرِضَ **لَهُنَّ** مِنَ الْمِيْرَاثِ **وَتَرْغَبُوْنَ** اَيُّهَا الْاَوْلِيَاءُ عَنْ **اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ** لِدَمَامَتِهِنَّ وَتَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّتَزَوَّجْنَ طَمَعًا فِىْ مِيْرَاثِهِنَّ اَىْ يُفْتِيْكُمْ اَنْ تَفْعَلُوْا ذٰلِكَ **وَ** فِى **الْمُسْتَضْعَفِيْنَ** الصِّغَارِ **مِنَ الْوِلْدَانِ** لا اَنْ تُعْطُوْهُمْ حُقُوْقَهُمْ **وَ** يَاْمُرُكُمْ **اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ** ط بِالْعَدْلِ فِى الْمِيْرَاثِ وَالْمَهْرِ **وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا** ﴿۱۲۷﴾ فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ **وَاِنِ امْرَاَةٌ** مَرْفُوْعٌ بِفِعْلٍ يُفَسِّرُهٗ **خَافَتْ** تَوَقَّعَتْ **مِنْ م بَعْلِهَا** زَوْجِهَا **نُشُوْزًا** تَرَفُّعًا عَلَيْهَا بِتَرْكِ مُضَاجِعَتِهَا وَالتَّقْصِيْرِ فِىْ نَفَقَتِهَا لِبُغْضِهَا وَطُمُوْحِ عَيْنِهٖ اِلٰى اَجْمَلَ مِنْهَا **اَوْ اِعْرَاضًا** عَنْهَا بِوَجْهِهٖ **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّصَّالَحَا** فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِى الْاَصْلِ فِى الصَّادِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ يُصْلِحَا مِنْ اَصْلَحَ **بَيْنَهُمَا صُلْحًا** ط فِى الْقَسْمِ وَالنَّفَقَةِ بِاَنْ تَتْرُكَ لَهٗ شَيْئًا طَلَبًا لِبَقَاءِ الصُّحْبَةِ فَاِنْ رَضِيَتْ بِذٰلِكَ وَاِلَّا فَعَلَى الزَّوْجِ اَنْ يُّوَفِّيَهَا حَقَّهَا اَوْ يُفَارِقَهَا **وَالصُّلْحُ خَيْرٌ** ط مِنَ الْفُرْقَةِ وَالنُّشُوْزِ وَالْاِعْرَاضِ قَالَ تَعَالٰى فِىْ بَيَانِ مَا جُبِلَ عَلَيْهِ الْاِنْسَانُ **وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ** ط شِدَّةَ الْبُخْلِ اَىْ جُبِلَتْ عَلَيْهِ فَكَاَنَّهٗ حَاضِرَتُهٗ لَا تَغِيْبُ عَنْهُ الْمَعْنٰى اِنَّ الْمَرْاَةَ لَا تَكَادُ تَسْمَحُ بِنَصِيْبِهَا مِنْ زَوْجِهَا وَالرَّجُلُ لَا يَكَادُ يَسْمَحُ عَلَيْهَا بِنَفْسِهٖ اِذَا اَحَبَّ غَيْرَهَا **وَاِنْ تُحْسِنُوْا** عِشْرَةَ النِّسَاءِ **وَتَتَّقُوْا** الْجَوْرَ عَلَيْهِنَّ **فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا** ﴿۱۲۸﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ

ترجمہ: .... اور آپ (ﷺ) سے لوگ دریافت کرتے ہیں (فتویٰ پوچھتے ہیں) عورتوں کے بارے میں (اور ان کی میراث کے متعلق) آپؐ (ان سے) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ان کے بارے میں حکم دیتے ہیں نیز وہ آیات بھی جو کتاب (قرآن) کے اندر تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں (یعنی آیت میراث بھی تم کو فتویٰ دیتی ہے) جو ان یتیم عورتوں کے بارے میں ہیں جن کو تم ان کا مقررہ حق (میراث) نہیں دیتے ہو اور نفرت کرتے ہو (اے اولیاء) ان سے نکاح کرنے میں (ان کی بدصورتی کی وجہ سے اور دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے سے بھی روکتے ہو ان کی میراث کا لالچ کرتے ہو یعنی تم کو یہ فتویٰ دیا جاتا ہے کہ آئندہ تم یہ کام نہ کرو) اور وہ آیات جو کمزور (چھوٹے) بچوں کے بارے میں ہیں (جن میں تمہیں ان کے حقوق کی ادائیگی کا حکم ہے اور یہ حکم ہے کہ) حق وانصاف کے ساتھ ان کی کارگزاری کرو (میراث اور مہر کے سلسلہ میں عدل سے کام لو) اور تم جو کام بھی بھلائی کے کرو گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو جانتے ہیں (اس لئے وہ ضرور تم کو ان کا بدلہ دیں گے) اور اگر کسی عورت کو (یہ مرفوع ہے ایسے فعل سے جس کی تفسیر آگے ہے) اندیشہ کرتی ہے (خطرہ محسوس کرتی ہو) اپنے شوہر (خاوند) سے بد دماغی کا (کہ وہ سرکشی کرتے ہوئے عورت سے پہلو تہی اور کنارہ کشی اختیار کرلے گا اور اس کے اخراجات اٹھانے میں بھی کوتاہی کرے گا اس سے نفرت یا کسی دوسری خوبصورت عورت سے آنکھ لگ جانے کی وجہ سے) یا بے پروائی (بے رخی) اختیار کرنے کا تو خاوند بیوی دونوں پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ ایک خاص طور پر صلح کرلیں (اس میں دراصل تاء کا ادغام صاد میں ہو رہا ہے اور ایک

قرأت میں یصلحا آیا ہے اصلح سے مشتق ہوگا) باہمی مصالحت کر کے (اپنی باری اور خرچہ کے متعلق اس طرح کہ عورت شوہر کے ساتھ رہنے کی خاطر کچھ مطالبات چھوڑنے پر راضی ہوجائے اگر عورت اس پر تیار ہوجائے فبہا ورنہ شوہر پر لازم ہوگا کہ بیوی کا پورا حق ادا کرے یا اس کو سبکدوش کردے) اور صلح ہی بہتر ہوتی ہے (جدائیگی، کجروی، لاپرواہی کے مقابلہ میں آگے حق تعالیٰ انسان کی جبلت اور عادت بیان کررہے ہیں) اور مال کا لالچ سب ہی میں ہوتا ہے (یعنی انسان کی سرشت میں شدید بخل سمایا ہوا ہوتا ہے گویا ہر وقت وہ اس کے سامنے رہتا ہے کبھی اوجھل نہیں ہوتا۔ حاصل یہ ہے کہ عورت بھی اپنے حصہ کو شوہر کے پاس چھوڑنا نہیں چاہتی اور شوہر بھی دوسری طرف میلان ہونے کی وجہ سے ایثار نہیں چاہتا) اور اگر تم اچھا سلوک کرو (عورت کے ساتھ معاشرت اچھی رکھو) اور احتیاط رکھو (اس پر سختی گیری کرنے سے) تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھنے والے ہیں (لہٰذا وہ تم کو ضرور بدلہ دیں گے)

تحقیق وترکیب: .... فی شان تقدیر مضاف اس لئے لایا گیا ہے کہ عورتوں کی ذات کے متعلق استفتاء نہیں تھا بلکہ احوال کے متعلق تھا سوال اگرچہ عورتوں اور بچوں کے بارے میں تھا لیکن پھر عورتوں کی تخصیص اہمیت کے پیش نظر ہے کہ ان سے مال و جمال دونوں مقصود ہوتے ہیں۔

یفتیکم ای یبین لکم حکمہ افتاء کے معنی سائل پر اظہار شکل کے ہیں۔ **وما یتلی** یہ معطوف ہے اللہ پر یا ضمیر یفتی پر گویا افتاء کی اسناد اللہ کی طرف اور اس کے کلام کی طرف ہورہی ہے اور جمع بین الحقیقت والمجاز کا اعتراض لازم نہیں آتا۔ کیونکہ مجاز عقلی میں یہ جائز ہے اور ایک فعل کے اسناد دو فاعلوں کی طرف مختلف اعتبارات سے کی جاسکتی ہے جیسے **اغنانی زید وعطاؤہ** کیونکہ فی الحقیقت اس میں مسند الیہ صرف ایک ہی ہوتا ہے یعنی معطوف علیہ البتہ دوسری چیز کا اس پر عطف کردیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ اس فعل کا تعلق اس فاعل کے ساتھ اس حالت کی وجہ سے ہے پس یہاں **اللہ یفتیکم** ایسا ہے جیسے **اغنانی زید** اس کو بطور تمہید کے لایا گیا ہے اور **مایتلی علیکم** ایسا ہے جیسے مثال مذکور میں **وعطاؤہ** ہے کہ وہی مقصود بالذکر ہے۔

قرآن کریم میں یتیموں کے متعلق جس آیت کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے اس سے مراد آیت **یوصیکم اللہ الخ** ہے یعنی آیت میراث ہے یا آیت **ان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتٰمی** مراد ہے گویا **وما یتلیٰ** محل رفع میں ہے لفظ اللہ پر عطف کی وجہ سے **فی یتٰمی**. یہ متعلق ہے یتلیٰ کے اور اضافت بمعنی من ہے کیونکہ اضافۃ الشیٔ الی جنسہ ہے **ان تنکحوھن** اس سے پہلے عن کی تقدیر اس لئے ہے کہ اَنْ اور اَنَّ سے جاء کا حذف کرنا شائع ذائع ہے نیز **رغب** کے صلہ میں جب **عن** آتا ہے تو اعراض کے معنی ہوجاتے ہیں اور بعض مفسرینؒ نے لفظ قد مقدر مانا ہے رغب کو بمعنی محبت لے کر ای **تحبون وترغبون فی نکاحھن لمالھن** **لدماتھن** دمامہ بالفتح قبیح المنظر ہونا۔ **ان تفعلوا.** اَن مفسرہ ہے۔

والمستضعفین اس کا عطف یتامیٰ پر ہے ای **یفتیکم فی المستضعفین. ویامرکم** یہ منصوب ہے تقدیر فعل کے ساتھ اور یتامیٰ پر عطف کرتے ہوئے مجرور بھی ہوسکتا ہے اور خطاب یا حکام کو ہوگا یا قوم کو **فیجازیکم** یہاں سبب کو قائم مقام مسبب کے کر کے جزا بنائی گئی ہے۔ خافت تقدیر عبارت اس طرح ہے **وان خافت امرأۃ** یا **وان کانت امرأۃ خافت** سے خوف کو اپنے ظاہر پر بھی رکھا جاسکتا ہے اور بمعنی توقع اور انتظار بھی لیا جاسکتا ہے۔

نشوزا بمعنی سرکشی اور بد دماغی۔ اس کا اطلاق مرد عورت دونوں کے ایک دوسرے سے ناگواری اور بیزاری پر آتا ہے۔

والتقصیر یعنی نفقہ میں تقلیل کرنا ہے یہ نہیں کہ حقوق واجبہ کا ترک مراد ہو کیونکہ حقوق واجبہ کے ترک پر مصالحت جائز نہیں ہے۔

طموح عینہ بولتے ہیں **طمح بصرہ الی الشیٔ** یعنی نگاہ اٹھائی۔ **ان یصلحا** یعنی اصل میں **یتصالحا** تھا تا کو ساکن اور پھر اس کو

صاد سے قلب کر کے ادغام کر دیا گیا۔ والصلح یعنی والصلح خیر من الخیور کما ان الخصومة شر من الشر احضرت یہ فعل متعدی بدو مفعول ہے مفعول اول الانفس ہے جو قائم مقام فاعل کے ہے اور مفعول دوم الشح ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے احضر اللہ الا نفس الشح۔

ربط: .... ابتداء سورت میں عورتوں اور یتیموں کے باب میں کچھ احکام مذکور ہوئے تھے ان آیات میں پھر ان ہی کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

شان نزول: .... زمانۂ جاہلیت میں بعض لوگ عورتوں کو میراث سے محروم رکھتے تھے اور بعض لوگ دوسرے طریقوں سے میراث میں ان کو ملا ہوا مال ہڑپ کر جاتے تھے اور بعض لوگ عورتوں کو مہر نہیں دیتے تھے۔ ابتداء سورۃ میں اسی قسم کی برائیوں کے سدباب کے لئے احکام ذکر کئے گئے تھے۔ اس پر کچھ واقعات پیش آئے مثلاً بعض مسلمانوں کو خیال ہوا کہ عورتوں اور بچوں کو عارضی طور پر شریک میراث کیا جارہا ہے ورنہ فی نفسہ یہ اس کے اہل نہیں ہیں۔ بعض لوگ ان کی منسوخیت کے منتظر رہے اور جب منسوخ نہ ہوئے تو مشورہ ہوا کہ آپ ﷺ سے پوچھنا چاہئے چنانچہ عیینہ بن حصینؓ نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ﷺ لڑکی اور بہن کو نصف حصہ دلاتے ہیں حالانکہ ہمارا پہلا دستور یہ رہا ہے کہ جنگی بہادروں اور سورماؤں کا حق میراث کو سمجھا گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے ایسا ہی حکم ہوا ہے۔ ابن جریرؒ اور ابن المنذرؒ نے ابن جبیرؓ سے اسی قسم کے سوال کے سبب نزول ذکر کیا ہے اسی طرح ابن ابی حاتمؒ نے نقل کیا ہے کہ جابرؓ کی ایک چچازاد بہن بدصورت اور مالدار تھی لیکن نہ ان کو خود اس سے نکاح کی رغبت تھی اور نہ اس کے مالدار ہونے کی وجہ سے دوسری جگہ اس کے نکاح کو پسند کرتے تھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفسار کیا اور منشاء استفسار یہ ہوگا کہ ممکن ہے اس میں کچھ تسہیل کی سبیل نکل آئے۔ اور ہمیں کچھ حق پرورش ہی مل جائے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور بعض لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ یتیم لڑکیوں کے مہر میں کمی نہیں کرنی چاہئے تو آپ ﷺ کی خدمت میں دریافت کرنے کیلئے حاضر ہوئے اور منشاء یہ ہوگا کہ شاید عورت کی رضامندی سے مہر میں کمی کی اجازت مل جائے لیکن چونکہ یہ دباؤ کی صورت تھی اس لئے ظاہری زبانی رضامندی کا اعتبار نہیں کیا گیا اور حکم بدستور باقی رہا درمیان میں کچھ اور ترغیبی اور ترہیبی مضامین آ گئے ہیں جس سے کلام کی تاثیر اور رونق وعظمت میں کئی گونہ اضافہ ہو گیا۔

آیت وان امرأة الخ کے ذیل میں ابن عباسؓ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت سودہؓ کو اپنے بڑھاپے کی وجہ سے اندیشہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کہیں ان کو طلاق نہ دے دیں اس لئے انہوں نے درخواست کی کہ میں حق زوجیت تو ادا نہیں کر سکتی لیکن تاہم مجھے آپ ﷺ اپنے ہی پاس رہنے دیجئے اور میں اپنی باری حضرت عائشہؓ کے حوالہ کرتی ہوں چنانچہ ان کی درخواست منظور کر لی گئی۔

اور سعید بن المسیبؒ نے ذکر کیا ہے کہ محمد بن مسلمہؓ کی لڑکی رافعؓ بن خدیج کے نکاح میں تھیں انہوں نے ان کی کبرسنی یا کسی اور وجہ سے ان کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے اسی قسم کی درخواست کی جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت کے ہاں بچہ ہوا تو اس کے شوہر نے اس کو چھوڑ کر دوسرے نکاح کا ارادہ کیا لیکن عورت نے اسی طرح کی صورت پیش کی اس پر والصلح خیر کا نزول ہوا۔ سعید بن جبیرؓ کی روایت ہے کہ آیت وان امرأة کے نزول کے بعد ایک عورت آئی جو پہلے اس بات پر رضامند تھی کہ اس کا شوہر نہ اس کو طلاق دے اور نہ اس سے میاں بیوی کے معاملات کرے لیکن نفقہ کا مطالبہ کیا اس پر یہ آیت واحضرت الانفس الشح نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: .... **یتیم بچوں اور بیویوں کے حقوق کی نگہداشت**: .... حاصل مقام یہ ہے کہ عورتوں اور یتیموں کے بارے میں جو آیات پہلے آچکی ہیں جن کو تم وقتاً فوقتاً سنتے رہے ہو مثلاً و ان خفتم الا تقسطوا فی الیتامٰی الخ اور ان الذین یاکلون اموال الیتمٰی اور لاتا کلو ھا اسرافا اور للرجال نصیب الخ اور یوصیکم اللہ الخ اور لاتعضلو ھن وغیرہ آیات اب بھی وہی احکام بدستور باقی اور واجب العمل ہیں ان میں سے کوئی حکم تبدیل نہیں کیا جاتا ہے اور نہ کوئی نیا حکم دیا جارہا ہے۔ سابقہ احکام ہی بحال رہیں گے اسی طرح آیت و ان امرأۃ کا حاصل یہ ہے کہ عورت اگر خود اپنے شوہر کے پاس رہنا چاہے جو اس کے پورے حقوق ادا کرنا نہیں چاہتا بلکہ عورت کو چھوڑنا بھی چاہتا ہے لیکن عورت اپنی کسی مصلحت یا ضرورت سے اپنے حقوق نان نفقہ کے چھوڑنے یا کم کرنے پر رضامند ہو جائے اور اپنی باری بھی معاف کردے۔ دوسری طرف مرد بھی یہ دیکھتا ہے کہ میری ہر قسم کی آزادی میں جس کی طبعاً اس کو رغبت ہوتی ہے کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ مفت میں ایک عورت پاس رہتی ہے غرضکہ دونوں طرف کی خاص مصالح نے ان کو باہمی مصالحت پر آمادہ کردیا ہے تو عائلی نظام کو برقرار رکھنے کے لئے ہر قیمت پر اس مصالحت کو بنظر استحسان دیکھا جائے گا۔

ایک نکتۂ لطیف: .... **واحضرت الانفس الشح** کی ایک تقریر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ چند مجبوریوں کے پیش نظر اگرچہ سطحی طور پر لیپا پوتی کی یہ صلح صفائی ہوگئی ہے لیکن نفس چونکہ بندۂ حرص و ہوا ہوتا ہے اس لئے اس کے بقاء کی امید کم ہے ممکن ہے کہ چند روز بعد عورت کو پھر اپنے حقوق کی ہوس کا جوش اٹھے اور مرد بھی کسی نہ کسی درجہ میں اس کو اپنے لئے جنجال سمجھے اور اس طرح پھر اس تانے بانے کے تار پود بکھر کر رہ جائیں اور **لاجناح** فرمانا اس شبہ کو دور کرنے کے لئے ہے کہ دونوں اس صلح میں خود کو گنہگار نہ سمجھیں البتہ صلح میں کسی ناجائز شرط کا اضافہ صلح کو بھی ناجائز بنادیتا ہے۔ مثلاً بیوی سے یہ کہنا کہ اس شرط پر تجھ کو اپنے پاس رکھتا ہوں کہ تیری بہن بھی میرے نکاح میں رہے حرام اور ناجائز ہے۔ عورت اپنے جن حقوق کو بالکل معاف یا کم کردے لیکن آئندہ کے لئے ہر وقت اس کو ان حقوق کے مطالبہ کا حق رہتا ہے مرد بھی آئندہ اس کو رکھنا چاہے تو ان حقوق کی پابندی کرنی پڑے گی۔ زمانۂ ماضی معافی مستقبل کے لئے دست برداری کی ضمانت نہیں ہوگی۔

لطائف آیت: .... آیت **واحضرت الانفس الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ طبعی امور کاملین سے بھی زائل نہیں ہوتے پس اگر کسی کامل شخص میں اس قسم کے کچھ آثار عود کر آئیں تو اس کے کمال کے منافی نہیں سمجھنا چاہئے بشرطیکہ اس کو ان پر اصرار نہ ہو۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا تَسَوُّوْا **بَيْنَ النِّسَآءِ** فِی الْمَحَبَّةِ **وَلَوْ حَرَصْتُمْ** عَلٰی ذٰلِكَ **فَلَاتَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ** اِلَی الَّتِیْ تُحِبُّوْنَهَا فِی الْقَسْمِ وَالنَّفَقَةِ **فَتَذَرُوْهَا** اَیْ تَتْرُكُوا الْمَالَ عَلَيْهَا **كَالْمُعَلَّقَةِ** الَّتِیْ لَاهِیَ اَيِّمٌ وَلَاذَاتَ بَعْلٍ **وَاِنْ تُصْلِحُوْا** بِالْعَدْلِ فِی الْقَسْمِ **وَتَتَّقُوْا** الْجَوْرَ **فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا** لِمَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ مِّنَ الْمَيْلِ **رَّحِيْمًا**﴿۱۲۹﴾ بِكُمْ فِیْ ذٰلِكَ **وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا** اَیِ الزَّوْجَانِ بِالطَّلَاقِ **يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا** عَنْ صَاحِبِهٖ **مِّنْ سَعَتِهٖ** اَیْ فَضْلِهٖ بِاَنْ يَّرْزُقَهَا زَوْجًا غَيْرَهٗ وَيَرْزُقَهٗ غَيْرَهَا **وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا** لِخَلْقِهٖ فِی الْفَضْلِ **حَكِيْمًا**﴿۱۳۰﴾ فِيْمَا دَبَّرَهٗ لَهُمْ **وَلِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ** بِمَعْنَی الْكُتُبِ **مِنْ قَبْلِكُمْ** اَیِ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی **وَاِيَّاكُمْ** يَا اَهْلَ الْقُرْاٰنِ **اَنِ** اَیْ بِاَنِ **اتَّقُوا اللّٰهَ** خَافُوْا عِقَابَهٗ بِاَنْ

تُطِیْعُوْهُ وَ قُلْنَا لَهُمْ وَلَكُمْ اِنْ تَكْفُرُوْا بِمَا وُصِّيْتُمْ بِهٖ فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ خَلْقًا وَمِلْكًا وَعَبِيْدًا فَلَايَضُرُّهٗ كُفْرُكُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا عَنْ خَلْقِهٖ وَعَنْ عِبَادَتِهِمْ حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ مَحْمُوْدًا فِیْ صُنْعِهٖ بِهِمْ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ كَرَّرَهٗ تَاكِيْدًا لِتَقْرِيْرِ مُوْجِبِ التَّقْوٰى وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ شَهِيْدًا بِاَنَّ مَافِيْهِمَا لَهٗ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ يَا اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ بَدَلَكُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ بِعَمَلِهٖ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ لِمَنْ اَرَادَهٗ لَاعِنْدَ غَيْرِهٖ فَلَمْ يَطْلُبُ اَحَدُهُمَا اِلَّا خَسَّ وَهَلَّا طَلَبَ الْاَعْلٰى بِاِخْلَاصِهٖ لَهٗ حَيْثُ كَانَ مَطْلَبُهٗ لَايُوْجَدُ اِلَّا عِنْدَهٗ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا ۢ بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع ۱۹ ۸ ۱۶

ترجمہ:.......... اور یہ بات تمہاری طاقت سے باہر ہے کہ تم برابری (یکسانیت) رکھ سکو سب بیویوں میں (بلحاظ محبت کے) اگر چہ تمہارا کتنا ہی جی چاہے (اس برابری قائم کرنے کے لئے) لیکن ایسا بھی نہ کرو کہ بالکل کسی ایک ہی طرف ڈھلک جاؤ (جس بیوی سے تم محبت کرتے ہو باری اور خرچہ کے متعلق اسی کی طرف نہ جھک جاؤ) اور دوسری کو اس طرح چھوڑ بیٹھو (یعنی جس سے تمہیں دلچسپی نہیں ہے اس کو اس طرح نظر انداز کردو) کہ گویا ادھر میں لٹکی ہوئی ہے (کہ نہ وہ بیوہ کہلائی جاسکتی ہے اور نہ خاوند والی سمجھی جاسکتی ہے) اور اگر تم درستگی پر رہو (باری میں انصاف سے کام لو) اور احتیاط رکھو (ظلم سے) تو اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں (تمہارے دلی میلان کو) اور (اس بارے میں تم پر) رحم فرمانے والے ہیں اور اگر دونوں میاں بیوی جدا ہو جائیں (یعنی طلاق دے کر ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں) تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو (دوسرے سے) بے نیاز کردیں گے اپنی کشائش (فضل) سے (اس طرح ہے کہ ہر ایک کی مناسب جوڑی بل دیں گے) اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں (اپنی مخلوق پر فضل کرنے میں) اور حکمت والے ہیں (مخلوق کی تدبیر کرنے میں) اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کی ملک ہے اور ہم نے حکم دے دیا تھا ان لوگوں کو بھی جن کو تم سے پہلے کتاب (کتابیں) دی گئی (یعنی یہود و نصاریٰ) اور خود تم کو بھی (اے اہل قرآن) کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو (اس کے عذاب سے ڈر کر اطاعت کرو) اور (ہم نے تم سے اور ان سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ) اگر اس کا حکم نہیں مانو گے (جن باتوں کی تم کو تاکید کی گئی ہے) سو یاد رکھو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ ہی کی ملک ہے (اس کے مخلوق اور مملوک بندے ہیں اس لئے تمہارے کفر اور انکار سے ان کا نقصان نہیں ہوگا) اور وہ بے نیاز ہیں (اپنی مخلوق سے اور اس کی بندگی سے) اور ستودہ صفات ہیں (لوگوں کے ساتھ کاروائی کرنے میں بڑے عمدہ ہیں) اور بلاشبہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب ان ہی کی ملکیت ہے (تقویٰ کے مقتضی کی تقویت و تاکید کے لئے اس کو مکرر فرمایا گیا ہے) اور اللہ تعالیٰ کافی وکیل ہیں (گواہ ہیں اس بات پر کہ زمین و آسمان میں سب کچھ ان ہی کا ہے) اگر وہ چاہیں اے لوگو! تم سب کو مٹادیں یا ہٹادیں اور دوسروں کو (تمہاری جگہ) لے آئیں۔ بلاشبہ وہ ایسا کرنے پر قادر ہیں۔ جو کوئی چاہتا ہے (اپنے عمل سے) دنیا کا ثواب تو اللہ کے پاس دنیا و آخرت دونوں کا ثواب موجود ہے (بشرطیکہ کوئی اس کا خواہشمند ہو کسی دوسرے کے پاس نہیں ملے گا پھر اس سے ادنیٰ کیوں مانگا جاتا ہے اور اپنے اخلاص کے ساتھ اعلیٰ درجہ کو کیوں نہیں طلب کیا جاتا حالانکہ اس کا مطلوب بجز اس کے کسی کے پاس نہیں ہے) اور اللہ میاں بڑے سننے والے اور بڑے بینا ہیں۔

تحقیق و ترکیب: .... فی القسم یعنی باری اور خرچہ میں تو سب بیویوں میں مساوات ضروری ہے لیکن محبت اور صحبت میں یکسانیت لازمی نہیں ہے۔ کمافی الہدایہ۔ ایم۔ رانڈ اور بیوہ عورت کو کہتے ہیں اور بعل کے معنی شوہر اور نر کے ہیں۔ بان یرزقھا نیک نیتی کے ساتھ اگر خاوند بیوی میں تفریق کا فیصلہ ہو جائے یا کر دیا جائے تو منجانب اللہ ہر ایک کے لئے ظاہری اسباب کا بندوبست بھی ہو جاتا ہے اور اگر واقعی محبت اور عشق ہو تو سکون دل اور اطمینان کا سامان بھی ہو جاتا ہے۔ اوتوا الکتب اس میں الف لام جنس کا ہے۔ ان اتقوا جلال محقق نے ان مصدریہ ہونے کی طرف اشارہ کر دیا اور چونکہ وصیت قول کے معنی میں ہے اس لئے ان تفسیریہ بھی ہو سکتا ہے ان تکفروا اس سے پہلے و قلنا مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ اس کا عامل محذوف ہے جو وصینا پر معطوف ہوگا اور اس کو جملہ مستانفہ بھی مانا جا سکتا ہے۔ حمیدا یعنی اللہ محمود الذات بھی ہے چاہے کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے اور مستحق حمد بھی ہے چاہے کوئی اس کا کفران کرے اور ہر حال میں محمود الصفات اور محمود الافعال بھی ہے۔

ربط و شان نزول: .... گذشتہ آیت میں نشوز اور بدد ماغی کا ذکر تھا لیکن خاوند بیوی کے باہمی نزاع کے دو ہی پہلو نکل سکتے ہیں یا باہمی مصالحت اور شوہر کی بدد ماغی کا دور ہو جانا جو پچھلی آیت کا مقصود اصلی تھا دوسری صورت نبھاؤ نہ ہونے کی ہے جس کو تفریق کہنا چاہئے یا مرد باز نہ آئے اور اپنی روش بدلنے پر تیار نہ ہو تو یہ آیت ان دونوں صورتوں پر مشتمل ہے۔ آیت لن تستطیعوا میں تو یہ ظاہر کرنا ہے کہ اگر رغبت قلبی پر تم کو بس نہیں ہے تو حقوق اختیاریہ تو ادا کرنے ضروری ہیں چونکہ بسا اوقات پہلی بیوی سے بے رغبتی کا سبب دوسری بیوی کی طرف غلبۂ محبت بھی ہوا کرتا ہے اس لئے اس کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے اور تفریق کا بیان آیت وان یتفرقا الخ میں ہے پھر ان احکام کو مؤثر بنانے کے لئے وللہ ما فی السموات سے بڑے اہتمام کے ساتھ تاکیدات فرمائی گئی ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: .... آیت ولن تستطیعوا الخ کا حاصل یہ ہے کہ جو باتیں غیر اختیاری ہیں جیسے کسی کی طرف میلان قلبی انسان اس کا مکلف نہیں بنایا گیا اور نہ ان پر مؤاخذہ ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جن باتوں پر انسان کو قدرت و اختیار حاصل ہے ان سے بھی کنارہ کش ہو جائے جیسے حقوق اختیاریہ پس مساوات فی المحبت نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ میزان عدل و انصاف بھی ہاتھ سے چھوٹ جائے اور چونکہ تمدن و معاشرت سے متعلق ان احکام کی بجا آوری کے لئے قلب و دماغ کی زمین ہموار کرنا ضروری تھا اس لئے نہایت بلیغ پیرایہ میں اپنی وسعت قدرت اور حکمت و عظمت کا استحضار کرایا گیا۔

اتقوا اللہ میں احکام کی تعمیل اور من قبلکم میں اس کی تسہیل کی طرف توجہ دلائی گئی اور ان تکفروا میں مخالفت سے روکا گیا ہے اور وکفی باللہ وکیلا میں غیر اللہ کا اندیشہ دور کیا گیا جو بعض دفعہ تعمیل احکام میں کوتاہی کا موجب بلکہ مخالفت کا باعث بن جاتا ہے غرضکہ اس طرح اس آیت میں پانچ مضمون اسی اہتمام کے لئے لائے گئے ہیں۔

لطائف آیت: .... ولن تستطیعوا اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر عمل کے کسی اعلیٰ درجہ پر قدرت نہ ہو تو ادنیٰ ہی پر اکتفاء کر لینی چاہئے اور اعلیٰ کے انتظار میں ادنیٰ کو بھی گنوانہیں دینا چاہئے۔ آیت من کان یرید الخ میں دنیا کو اگر اپنے مفہوم کے لحاظ سے عام رکھا جائے کہ ہر غیر مامور بالحصول چیز کو دنیا میں داخل کر لیا جائے تو ثمرات اور کیفیات باطنیہ کو بھی آیت شامل ہو جائے گی۔ یعنی اعمال کی طرح ان ثمرات کو مقصود و مراد نہیں سمجھنا چاہئے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ قائمین **بِالْقِسْطِ** بالعدل **شُهَدَآءَ** بالحق **لِلّٰهِ وَلَوْ** کانت الشهادة **عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ** فاشهدوا علیها بان تقروا بالحق ولاتکتموه **اَوِ** علی **الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ۚ اِنْ یَّكُنْ** المشهود علیه **غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫** منکم واعلم بمصالحهما **فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى** فی شهادتکم بان تحابوا الغنی لرضاه او الفقیر رحمة له ل **اَنْ** لا **تَعْدِلُوْا ۚ** تمیلوا عن الحق **وَاِنْ تَلْوٗٓا** تحرفوا الشهادة وفی قراءة بحذف الواو الاولی تخفیفا **اَوْ تُعْرِضُوْا** عن ادائها **فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۳۵﴾** فیجازیکم به **یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا** داوموا علی الایمان **بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ** محمد وهو القرآن **وَالْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ** علی الرسل بمعنی الکتب وفی قراءة بالبناء للفاعل فی الفعلین **وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۳۶﴾** عن الحق **اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** بموسی وهم الیهود **ثُمَّ كَفَرُوْا** بعبادة العجل **ثُمَّ اٰمَنُوْا** بعده **ثُمَّ كَفَرُوْا** بعیسی **ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا** بمحمد **لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ** ما اقاموا علیه **وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ﴿۱۳۷﴾** طریقا الی الحق **بَشِّرِ** اخبر یا محمد **الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمَا ﴿۱۳۸﴾** مؤلما هو عذاب النار **الَّذِیْنَ** بدل او نعت للمنافقین **یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ** لما یتوهمون فیهم من القوة **اَیَبْتَغُوْنَ** یطلبون **عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ** استفهام انکار ای لایجدونها عندهم **فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ﴿۱۳۹﴾** فی الدنیا والاخرة ولاینالها الا اولیاءه **وَقَدْ نَزَّلَ** بالبناء للفاعل والمفعول **عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ** القرآن فی سورة الانعام **اَنْ** مخففة واسمها محذوف ای انه **اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ** القرآن **یُكْفَرُ بِهَا وَیُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ** ای الکفرین والمستهزءین **حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا** ان قعدتم معهم **مِّثْلُهُمْ ؕ** فی الاثم **اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْكٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعَا ﴿۱۴۰﴾** کما اجتمعوا فی الدنیا علی الکفر والاستهزاء **الَّذِیْنَ** بدل من الذین قبله **یَتَرَبَّصُوْنَ** ینتظرون **بِكُمْ ۚ** الدوائر **فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ** ظفر وغنیمة **مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا** لکم **اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ** فی الدین والجهاد فاعطونا من الغنیمة **وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ ۙ** من الظفر علیکم **قَالُوْٓا** لهم **اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ** نستول **عَلَیْكُمْ** ونقدر علی اخذکم وقتلکم فابقینا علیکم **وَ** الم **نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ** ان یظفروا بکم بتخذیلهم ومراسلتکم باخبارهم فلنا علیکم المنة قال تعالی

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِاَنْ يُّدْخِلَكُمُ الْجَنَّةَ وَيُدْخِلَهُمُ النَّارَ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ طَرِيْقًا بِالْاِسْتِيْصَالِ

ترجمہ:.......... ایمان والو! انصاف پر مضبوطی سے ڈٹ جاؤ (جم جاؤ) گواہی دینے والے (حق کی) اللہ کے لئے ہوجاؤ اگرچہ (یہ گواہی) خود تمہیں اپنے خلاف (دینی پڑے تب بھی دو، حق کا اقرار کرو، اس کو چھپاؤ مت) یا اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف بھی دینی پڑے اگر کوئی شخص (جس کے خلاف گواہی دی جارہی ہے) مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ زیادہ تعلق رکھنے والے ہیں (بہ نسبت تمہارے اور ان کی مصالح سے زیادہ واقف ہیں) پس ہوائے نفس کی پیروی مت کرو (اپنی گواہی دینے میں کہ مالدار کی خوشامد میں لگ جاؤ یا غریب پر ترس آنے لگے تاکہ) تم انصاف سے باز (نہ) رہو (کہ حق سے ہٹ جاؤ) اگر تم گھما پھرا کر کہو گے (غلط بیانی سے اظہار دو گے اور ایک قرأت میں تخفیفاً پہلی واؤ کے حذف کے ساتھ ہے) یا پہلو تہی کرو گے (گواہی دینے میں) تو تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کی خبر رکھنے والے ہیں (لہٰذا وہ تم کو بدلہ دیں گے) مسلمانو! ایمان لاؤ (ایمان پر جمے رہو) اللہ اور اس کے رسولؐ پر اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو ان کے رسولؐ (محمدؐ) پر (قرآن) نازل فرمائی گئی ہے نیز ان کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل کی گئی تھیں (پیغمبروںؑ پر، کتاب بمعنی کتب ہے اور ایک قرأت میں نـزل اور انـزل دونوں فعل معروف ہیں) اور جس کسی نے اللہ سے انکار کیا اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوںؑ اور آخرت کے دن پر اعتقاد نہ رکھا تو وہ بھٹک کر دور جا پڑا (حق سے) جو لوگ ایمان لائے (موسیٰ علیہ السلام سے) اور پھر برابر (آنحضرت ﷺ سے) کفر میں بڑھتے چلے گئے اللہ تعالیٰ انہیں بخشنے والے نہیں ہیں (جب تک یہ لوگ اس حالت پر برقرار رہیں گے) اور نہ انہیں راہ دکھلانے والے ہیں (سچائی کا راستہ) خوشخبری سنا دیجئے (خبر دے دیجئے اے محمدؐ) منافقین کو کہ بلاشبہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے (جو جہنم کی شکل میں تکلیف دہ ہوگا) جن کی حالت یہ ہے (کہ یہ منافقین سے بدل یا نعت ہے) کہ کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں مسلمانوں سے منہ موڑ کر (کیونکہ انہیں کفار کی قوت کا خیال ہے) تو کیا وہ چاہتے ہیں (تلاش کرتے ہیں) کہ ان کے پاس عزت ڈھونڈیں (استفہام انکاری ہے یعنی ان کے پاس عزت نہیں ملے گی) سو عزت جتنی بھی ہے سب کی سب اللہ ہی کے لئے ہے (دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اس کو اللہ والے ہی حاصل کرسکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نازل فرما چکے ہیں (معروف اور مجہول دونوں طرح ہے) تمہارے لئے اپنی کتاب (قرآن سورۂ انعام کے تحت) یہ حکم (ان مخفف ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی انـه تقدیر عبارت ہے) کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں (قرآن) کے ساتھ کفر کیا جارہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جارہی ہے تو ان کے ساتھ مت بیٹھو (یعنی کفر و استہزاء کرنے والوں کے پاس) جب تک کہ وہ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں۔ ورنہ اس وقت تم بھی (اگر تم ان کے ساتھ مجلس میں شریک رہے) ان ہی جیسے ہوجاؤ گے (گناہ میں) یقیناً اللہ تعالیٰ منافقین اور کفار سب کو جہنم میں جمع کردیں گے (جیسے کہ دنیا میں کفر و استہزاء پر ان کو اکٹھا کر رکھا ہے) ان کا شیوہ ہے کہ (پہلے الـذیـن سے بدل واقع ہورہا ہے) کہ وہ تمہاری حالت دیکھتے رہتے ہیں (تم پر افتاد پڑنے کے منتظر رہتے ہیں) پھر اگر تمہیں فتح (کامیابی اور غنیمت) ملتی ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تو باتیں بنانے لگتے ہیں (تمہارے سامنے) کہ کیا ہم بھی تمہارے ساتھ نہ تھے؟ (مذہبی کاموں اور جہاد میں لہٰذا ہم کو بھی مال غنیمت دو) اور اگر کفار کو کچھ حصہ مل جاتا ہے (تمہارے مقابلہ میں فتح مندی کا) تو (ان سے جاکر) باتیں بنانے لگتے ہیں کہ کیا ہم غالب نہ آنے لگے تھے (چھانے لگے تھے) تم پر (اور تمہاری گرفتاری اور قتل پر دسترس حاصل کرچکے تھے لیکن پھر ہم نے تمہیں چھوڑ دیا) اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے بچا (نہیں) لیا (اس بات سے کہ وہ تمہارے مقابلہ میں کامیابی حاصل کرلیں اس طرح کہ ان کو رسوا کیا اور ان کی خبریں تم کو پہنچاتے رہے لہٰذا تم پر ہمارا احسان ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اللہ

تعالیٰ فیصلہ فرمادیں گے تمہارا (اور ان کا) قیامت میں (اس طرح کہ تم کو جنت میں اور انہیں جہنم میں داخل کردیں گے) اور اللہ تعالیٰ ہرگز ایسا نہیں کریں گے کہ کافر مسلمانوں کے خلاف کوئی راہ پاسکیں (مسلمانوں کو نیست و نابود کردینے کا انہیں کوئی گر مل جائے)

تحقیق وترکیب: .... **ولو کانت الشھادۃ** لفظ شہادت کی تقدیر سے اشارہ ہے کہ آیت میں کان مع اسم محذوف اور لو کا جواب بھی محذوف ہے اور شہادت علی النفس کی صورت یہ ہے کہ کتمان حق کی بجائے اظہار حق کردے۔ **اوالوالدین والاقربین** مقابلہ کی وجہ سے اول لفظ او استعمال کیا ہے اور ثانی میں عدم مقابلہ کی وجہ سے لفظ واو آیا ہے۔ **والدین کے برخلاف** گواہی دینا عقوق نہیں ہوگا کیونکہ شرعی حق کا احیاء ہے نیز والدین کے برخلاف گواہی تو معتبر ہوگی لیکن ایک دوسرے کی تائید اور موافقت میں تہمت کی وجہ سے معتبر نہیں ہوگی۔ **اولیٰ بھما** لفظ او سے عطف کے باوجود ضمیر ثانیہ لانا بظاہر اشکال کا باعث ہے جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا غنی اور فقیر کی طرف ضمیر راجع نہیں ہے بلکہ جنس غنی اور فقیر کی طرف راجع ہے جن پر مذکورہ الفاظ ہی دال ہیں چنانچہ ابیؓ کی قرأت **اولیٰ بھم** اسی کی تائید کررہی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ضمیر تو اپنے حال پر ہے لیکن لفظ او فی الحقیقت مشہود لہ اور مشہود علیہ کی تقسیم کررہا ہے کہ چار حال سے خالی نہیں یا دونوں غنی ہوں گے یا دونوں فقیر یا اول غنی دوسرا فقیر یا اس کا برعکس اور تیسرا جواب یہ ہے کہ او بمعنی واو ہے **بـــان تحابوا** یہ منفی کی تصویر ہے نہ کہ نفی کی۔

ل ان لاتعدلوا یہ عدول سے ماخوذ ہے۔ جلال مفسرؒ اس کو نہی پر محمول کررہے ہیں لیکن زمخشریؒ نے **لان تعدلوا او کراھیۃ تعدلوا من الحق** کی تقدیر نکال کر منفی کی علت قرار دی ہے۔ **وان تلوا** جمہور کی قرأت پر اس کی اصل تلویون تھی یا کے ضمہ کو ما قابل یعنی واو کی طرف اس کی حرکت کو سلب کرنے کے بعد منتقل کردیا اس کے بعد سکون کی وجہ سے التقاء ساکنین ہوا اور یا گرگئی اور پھر نون رفع بھی جازم لی وجہ سے حذف ہوگیا۔ لیکن ایک قرأت میں ان تلوا ولایت سے بھی مشتق ہے ای **وان ولیتم اقامۃ الشھادۃ الخ** اور بقول تفسیر کبیر کسی چیز کی ولایت اس کی طرف متوجہ اور مشغول ہونے کے معنی میں ہے گویا حاصل یہ ہوگا کہ شہادت کی طرف متوجہ ہوجاؤ، اس کی تکمیل کردیا اعراض۔ اللہ دانا اور بینا ہے۔ تلوا کے معنی ہیرا پھیری کرنے اور زبان موڑنے کے ہیں۔

فان اللہ جواب شرط تو محذوف ہے اور یہ دال بر جواب ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے **یعاقبکم علیٰ ذلک لان اللہ الخ**.

امنوا یعنی زبانی ایمان کی طرح قلبی ایمان کی دولت سے مشرف ہوجاؤ یا بعض چیزوں پر ایمان لانے کی طرح عام طور پر سب چیزوں پر ایمان لے آؤ۔ **نومن ببعض ونکفر ببعض** کا مصداق نہ بنو یا دوام ایمان اور بقاء ایمان کا مطالبہ مقصود ہے پھر مسلمانوں کو یہ خطاب ہے یا منافقین اور مرتدین کو یا اہل کتاب کو یہ سب اقوال ہیں غرضیکہ ان توجیہات کا منشاء یہ ہے کہ تحصیل حاصل کا اشکال نہ رہے کہ اہل ایمان کو ایمان لانے کی دعوت کیسے دی جارہی ہے۔

فی الفعلین یعنی نزل اور انزل دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ مجہول جیسا کہ متن جلالین میں ہے اور معروف **وھم الیھود** بعض کے نزدیک مخصوص مرتدین مراد ہیں اور ایسے مرتدین کی توبہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت علیؓ کے نزدیک ان کی توبہ مقبول نہیں بلکہ واجب القتل ہیں لیکن اکثر اہل علم قبول توبہ کے قائل ہیں۔ اور مجاہدؒ کی رائے ہے کہ **ثم ازدادوا** کے معنی **ماتوا علی الکفر** کے ہیں۔

لم یکن اللہ کان کی خبر محذوف ہے ای **مرید الیغفرلھم** لیکن یہاں اشکال یہ ہے کہ شرک خواہ پہلی دفعہ ہو غیر مغفور ہوتا ہے پھر اس کہنے کے کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ اسلام لانے سے کفر سابق معاف ہوجاتا ہے لیکن دوبارہ پھر کفر اختیار کرلے تو کفر سابق ناقابل معافی ہوجاتا ہے۔ **بشــر** اس کی تفسیر اخبر کے ساتھ اس طرف مشیر ہے کہ بشارت سے مراد مطلق اخبار ہے لیکن تہکما انذار کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں استعارہ تصریحیہ تبعیہ ہوجائے گا۔

الذین اس کو اگر منافقین سے نعت قرار دیا جائے تو صفت اور موصوف میں فصل ماننا پڑے گا اور یہ جائز ہے یا ندامت کے ارادہ سے محل نصب میں بناء برتقدیر فعل کے یا محل رفع میں بناء برتقدیر مبتداء کے ہوسکتا ہے۔

من دون یہ حال ہے یتخذون کے فاعل سے ای یتخذون الکفرۃ انصارًا متجاوزین فی اتخاذھم اتخاذ المؤمنین.

وقد نزل اس میں منافقین کو بطریق التفات خطاب ہے اور جملہ حال ہے۔ یتخذون کے فاعل سے مشرکین مکہ سے بھی جب اس قسم کی شکایت کی نوبت آئی تو سورۂ انعام کی آیت و اذا رایت الذین الخ نازل ہوئی لیکن مدینہ میں علماء یہود نے اس دنائت کا ثبوت دیا تو اس آیت میں تنبیہ کی جاتی ہے وقد نزل کو اگر مجہول پڑھا جائے تو ان اذا سمعتم نائب فاعل ہو جائے گا یکفر بھا یہ حال ہے اٰیت اللہ سے اور لفظ بھا اور یستھزء محل رفع ہیں فاعلیت کی وجہ سے اور اصل یکفر بھا احد تھی فاعل کو حذف کر کے جار مجرور کو قائم مقام کردیا۔ مقصود تعمیم ہے اور ان دونوں لفظوں میں ضمیر مفرد لانا مرجع کے تثنیہ ہونے کے باوجود اس لئے ہے کفر اور استہزاء دونوں سے مراد ایک ہی چیز ہے اور فی حدیث غیرہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اور حتیٰ غایۃ نہی کے لئے ہے۔

مثلھم من کل الوجوہ تشبیہ مقصود نہیں کیونکہ کافرین کا خوض کرنا تو کفر ہے اور مسلمانوں کا شریک مجلس ہونا معصیت ہے الذین پہلے الذین سے بدل ہے یا منافقین کی صفت ہے یا منصوب علی الذم ہے الدوائر جمع ہے دائرۃ کی یعنی مصیبت و آفت جو سر پر منڈلاتی رہتی ہے۔

فتح مسلمانوں کے لئے فتح کا لفظ اور منافقین کیلئے نصیب کا لفظ لانے میں اول کی تعظیم اور دوسرے کی تحقیر کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ فی الحقیقت مسلمانوں کی کامیابی فتح کہلانے کی مستحق ہے اور کفار کا عروج تو چندے ہوتا ہے پھر زوال ہی زوال ہے۔

نستحوذ اس کے معنی تغلب اور استیلاء کے ہیں۔ استحوذ علیھم الشیطان حاذ اور احاذ دونوں ہم معنی ہیں مصدر حوذ ہے اس کا بغیر تعلیل استعمال فصیح ہے ورنہ استقام اور استبان کا قاعدہ جاری ہونا چاہئے تھا۔

فابقینا علیکم مختار میں ہے کہ ابقی علیٰ فلان بولتے ہیں جبکہ کسی کے ساتھ مراعات و شفقت کی جائے۔

ان یظفروا یہ مؤمنین سے بدل اشتمال ہے ای لم نمنعکم من ظفر المؤمنین اور مراسلتکم کی تقدیر اس طرح ہے مراسلتنا لکم باخبارھم و افرارھم۔

بالاستیصال یہ عبارت اس شبہ کے دفعیہ کے لئے مفسر علامؒ نے بڑھائی ہے کہ بسا اوقات کفار و منافقین مسلمانوں کا قتل عام کرتے رہتے ہیں پھر یہ نفی کیسی؟ حاصل جواب یہ ہے کہ نفس قتل اور نقصان کی نفی مقصود نہیں بلکہ استیصال کی نفی ہے کہ دنیا سے مسلمانوں کو بالکل نیست و نابود کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکے۔

ربط: .... گذشتہ آیات میں مختلف معاملات کا بیان آیا ہے جن میں عدل و انصاف اور اظہار حق اور ادائے شہادت کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔ بالخصوص یتامیٰ اور مستورات کے گذشتہ احکام میں جس درجہ ان احکام کا تعلق ہے وہ ظاہر ہے گویا یہ آیات سابقہ احکام کی مکمل اور مؤکد ہیں۔

نیز پچھلی آیات میں زیادہ حصہ احکام فرعیہ کا گزرا ہے لیکن کہیں کہیں ایمان و کفر کے مباحث بھی درمیان میں آگئے تھے ان آیات میں ان ہی اصولی مباحث کی قدرے تفصیل سورت کے ختم تک چلی گئی ہے چنانچہ سب سے پہلے یاایھا الذین اٰمنوا میں شرعی ایمان کا ذکر ہے اس کے بعد ان الذین اٰمنوا سے کفار کے مختلف فرقوں کی مذمت عقائد کے لحاظ سے بھی اور اعمال کے لحاظ سے بھی جو دراصل فساد عقائد سے ناشی اور ان پر دال ہوتے ہیں مذکور ہے۔ اس کے بعد بشر المنافقین سے ختم پارہ تک منافقین کا ذکر چلا گیا ہے۔

شان نزول: .... ایک انصاری شخص مقیس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے والد پر ایک دینار کسی کا قرض ہے اور میں شاہد ہوں لیکن والد کے افلاس کی وجہ سے شہادت دیتے ہوئے ڈرتا ہوں؟ فرمایا کچھ بھی ہو شہادت سے رکنا نہیں چاہئے امیر ہو یا غریب اپنے نفس کے خلاف ہو یا والدین اور قرابت داروں کے خلاف اس آیۃ میں بھی فرمان نبوی ﷺ کی تائید ہو رہی ہے لیکن ابن جریرؒ نے سدیؒ سے تخریج کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک امیر اور ایک غریب آدمی جھگڑتے ہوئے آئے آپ ﷺ کا میلان خاطر بالطبع یہ سمجھتے ہوئے غریب کی طرف ہوا کہ غریب آدمی امیر پر کیا ظلم و زیادتی کرسکتا ہے؟ مگر آیت میں حق و انصاف کی طرف رجحان کو پسند کیا گیا ہے اس لئے آپ ﷺ رک گئے۔

﴿تشریح﴾: ...... اسلامی عدالتوں اور آجکل کی ظالمانہ عدالتوں کا فرق: .... معاملات میں جب نزاعی اور اختلافی پہلو سامنے آتے ہیں تو فیصلہ کے وقت اظہار حق اور ادائیگی شہادت، عدل و انصاف کی ضرورت پیش آتی ہے اسلام اس سلسلہ میں پیشہ ورانہ عدالتی کاروائیوں، وکیلانہ فنی مہارتوں، کورٹ و مجسٹریٹ اور جیوری کے چکروں کا قائل نہیں ہے جس میں حق و انصاف کا تو خون ہوتا ہے اور روپیہ اور وقت کی بے دریغ قربانی کر کے انسان ظلم و جور کا شکار ہو جاتا ہے۔ آجکل کی مہذب دنیا نے عدل وانصاف کی جس قدر و قیمت وصول کی اسلام اسے نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے آج عدلیہ کے نام پر جتنا خرچ ہو رہا ہے وہ ہمارے اخلاق کا نہایت گھناؤنا اور قابل نفرت رخ ہے۔

اسلام نہ صرف یہ کہ عدل و انصاف کو مفت اور عام کرنا چاہتا ہے بلکہ اس میں عبادت اور بندگی کا رنگ بھرنا چاہتا ہے عدلیہ کے تمام پہلوؤں پر اسلام کی بھرپور نظر ہے اس آیت میں خود اپنے اور والدین واقارب کے خلاف اقرار و شہادت کی مشروعیت اور جواز پر روشنی پڑ رہی ہے بلکہ والدین یا خاوند بیوی، غلام وآقا کے مابین اگر گواہی ایک دوسرے کے مفاد اور موافقت میں ہے تو اس کی اجازت نہیں ہے کیونکہ مشترک مفاد کی وجہ سے شہادت متہم ہوگئی، البتہ جہاں مفاد کا اشتراک نہ ہو جیسے بھائی بھائی یا بہن بھائی، ان میں موافق اور مخالفت دونوں قسم کی گواہیاں جائز ہوں گی۔ نیز آیت سے شہادت عادلہ کا واجب اور شہادت زور، جھوٹی گواہی کا حرام ہونا معلوم ہوتا ہے بلکہ جھوٹی گواہی پر اگر فیصلہ ہو بھی جائے تو فیصلہ تو نافذ ہو جائے گا لیکن حنفیہ کے نزدیک تاوان گواہوں پر لازم ہوگا اس میں امام شافعیؒ کا خلاف ہے نیز شہادت صرف اللہ کے لئے ہونی چاہئے اس میں ریاء و سمع اور لالچ کو بالکل دخل نہیں ہونا چاہئے۔ اس سے شریک تجارت کی گواہی مال شریک میں یا اجیر کی گواہی مستاجر کے حق میں یا شاگرد کی گواہی استاد کے حق میں، باپ کی گواہی اولاد کے حق میں ناجائز معلوم ہوتی ہے۔

ارتداد کفر سے بھی زیادہ جرم ہے اس لئے اس کی سزا بھی بڑھی ہوئی ہونی چاہیئے: .... **ان الذین امنوا الخ** کا حکم عام ہے ارتداد خواہ پہلی بار ہو یا دوسری تیسری بار سب کا ایک ہی حکم ہے کہ اس پر قائم رہنے سے جنت و مغفرت سے محرومی رہے گی۔ آیت میں ارتداد ثانی کی قید اتفاقی ہے کہ اس وقت ایسے ہی واقعہ ہوا تھا۔ اس قید عنوانی کو احترازی نہیں سمجھنا چاہئے۔ منافقین کو جو دھمکی دی گئی ہے اس کی دنیاوی سزا کا رخ جلد ہی دنیا کے سامنے آ گیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں وہ ذلت وخواری نصیب ہوئی جس کا انہیں کبھی تصور بھی نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے کفار کا ساتھ اس توقع پر دیا کہ انہیں اس درجہ خلاف امید انقلاب کی توقع ہرگز نہ تھی باطل پرست لوگوں کی مجالست اگر ان کی کفریات پر رضامندی کے ساتھ ہے تب تو کفر ہے اور اگر کراہت کے ساتھ ہے مگر بلا عذر تو باعث فسق ہے۔ تیسرے دنیاوی ضرورت کے تحت سو وہ مباح ہے۔ چوتھے اضطرار و مجبوری کے ساتھ ہو تو معذوری ہے۔ پانچویں تبلیغ احکام کے لئے ہے تو عبادت ہے۔

الاسلام یَعلی و لایُعلیٰ: .... آیت لن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلا کے معنی اگرابن عباسؓ کی رائے کے مطابق یہ ہوں کہ کفار کو دنیاوی لحاظ سے مسلمانوں پر کبھی غلبۂ حجت حاصل نہیں ہو سکے گا تو اس آیت سے متعدد مسائل مستنبط ہو سکتے ہیں مثلاً مسلمان کے خلاف کافر کی گواہی کا معتبر نہ ہونا، مسلمان کی میراث یا اس کے نکاح کی ولایت کا کافر کو نہ ملنا، یا بقول قاضی بیضاویؒ کافر کے لئے مسلمان کی خریداری کا فاسد ہونا۔ امام شافعیؒ کے مذاق پر استیلاء کافر کی وجہ سے مال مسلم کا مالک نہ ہونا ثابت ہوتا ہے غرضکہ آیت سے بعض احکام حنفیہؒ کے موافق اور بعض شوافعؒ کی تائید میں نکلتے ہیں لیکن بہرصورت ایک مسلمان کے مقابلہ میں کافر کا غلبہ پسند نہیں کیا گیا حتیٰ کہ شہادت جوادنیٰ درجہ کی چیز ہے جب اس کا غلبہ پسند نہیں تو حکومت وسلطنت کا غلبہ کیسے گوارا ہو سکتا ہے؟

لیکن اگر غلبۂ اُخروی مراد ہو جیسا کہ حضرت علیؓ کی رائے ہے تو وہ بلا خلاف صحیح ہے۔ باقی دنیاوی شوکت وغلبہ اگر کبھی کفار کو مسلمانوں پر تکوینی طور پر ہو جائے تو وہ اس کے منافی نہیں اور باعث اشکال نہیں ہونا چاہیئے۔ البتہ فیصلہ فرمانا اگر چہ اختلاف کی صورت میں ہوتا ہے اور نفاق کی وجہ سے اس کی نوبت منافقین بہت ہی کم آنے دیتے تھے تاہم عقائد ونظریات تو مختلف تھے ہی اور وہ اپنے مسلک کو معقول سمجھتے ہوئے اس لئے نازاں تھے کہ ہمیں اس کی بدولت دنیا میں بھی امن وچین ہے اور عاقبت میں بھی عافیت رہے گی اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ دلائل کے لحاظ سے دنیاوی غلبہ تو مسلمانوں کو حاصل ہے لیکن آخرت میں عملاً غلبہ بھی انشاء اللہ مسلمانوں کو حاصل رہے گا۔ جس کی طرف مفسر علامؒ دخولِ جنت وجہنم کہہ کر اشارہ کررہے ہیں۔

لطائف آیات: .... کونوا قوامین آیت کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی غلطی کے اعتراف اور قبول حق میں کسی وقت بھی تامل واستنکاف نہیں ہونا چاہئے اگر چہ اپنے سے کم رتبہ شخص کے سامنے ہو۔ تاویل وتلبیس سے کام نہ لے کہ اس کا منشاء کبر ہوتا ہے۔

ان یکن غنیًا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ناحق غریب پر امیر کو ترجیح نہیں دینی چاہئے اسی طرح غریب کو بلاوجہ امیر پر بھی ترجیح نہیں دینی چاہئے کیونکہ بعض دفعہ امیر متواضع اور متبع حق ہوتے ہیں اور بہت سے فقیر متکبر اور پرستار باطل ہوتے ہیں غرضکہ مدار کسی کی غریبی یا امیری پر نہیں ہونا چاہئے بلکہ اصل نظر عدل وانصاف پر رہنی چاہیئے۔

یـایها الذین اٰمَنوا اٰمِنوا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مراتب ایمان وایقان غیر متناہی اور بے شمار ہوتے ہیں سالک کو کسی حد پر قانع نہیں ہونا چاہیئے۔

ان الذین اٰمنوا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صدق واخلاص کے ساتھ مرتدین ایمان لانا چاہیں تو ان کی مقبولیت اس آیت کے منافی نہیں ہے بلکہ منشاء صرف یہ ہے کہ کفر پر اصرار کرنے سے عادۃً قلب مسخ ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں توفیق ایمان بھی سلب ہو جاتی ہے اور وہ جنت ومغفرت سے بھی محروم رہتا ہے یہی حال اس شخص کا جو طریق کو بار بار اختیار کر کے چھوڑ دے کیونکہ اس طرح ملعبہ بنانے کا نتیجہ خذلان وحرمان ہوتا ہے۔ اللهم اعذنا من الحور بعد الکور - ایبتغون عندهم العزة طلب جاہ کی مذمت آیت سے واضح ہے فلا تقعدوا سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالف طریق کے ساتھ مجالست نہیں کرنی چاہئے بالخصوص جب کہ وہ طریق کی مخالفت کا اظہار بھی کرتا ہو۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ بِاِظْهَارِهِمْ خِلَافَ مَا اَبْطَنُوْهُ مِنَ الْكُفْرِ لِيَدْفَعُوْا عَنْهُمْ اَحْكَامَهُ الدُّنْيَوِيَّةَ **وَهُوَ خَادِعُهُمْ** مُجَازِيْهِمْ عَلٰى خِدَاعِهِمْ فَيَفْتَضِحُوْنَ فِى الدُّنْيَا بِاِطِّلَاعِ اللّٰهِ نَبِيَّهُ عَلٰى مَا اَبْطَنُوْهُ وَيُعَاقَبُوْنَ فِى الْاٰخِرَةِ **وَاِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ** مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ **قَامُوْا كُسَالٰى** مُتَثَاقِلِيْنَ **يُرَآءُوْنَ النَّاسَ** بِصَلَاتِهِمْ **وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ** يُصَلُّوْنَ **اِلَّا قَلِيْلًا﴿۱۴۲﴾** رِيَاءً **مُّذَبْذَبِيْنَ** مُتَرَدِّدِيْنَ **بَيْنَ ذٰلِكَ** الْكُفْرِ وَالْاِيْمَانِ **لَاۤ** مَنْسُوْبِيْنَ **اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ** اَىِ الْكُفَّارِ **وَلَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ** اَىِ الْمُؤْمِنِيْنَ **وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا﴿۱۴۳﴾** اِلَى الْهُدٰى **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ** بِمُوَالَاتِهِمْ **سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا﴿۱۴۴﴾** بُرْهَانًا بَيِّنًا عَلٰى نِفَاقِكُمْ **اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ** الْمَكَانِ **الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ** وَهُوَ قَعْرُهَا **وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا﴿۱۴۵﴾** مَانِعًا مِنَ الْعَذَابِ **اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا** مِنَ النِّفَاقِ **وَاَصْلَحُوْا** عَمَلَهُمْ **وَاعْتَصَمُوْا** وَثِقُوْا **بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ** مِنَ الرِّيَاءِ **فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ** فِيْمَا يُؤْتُوْنَهُ **وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا﴿۱۴۶﴾** فِى الْاٰخِرَةِ هُوَ الْجَنَّةُ **مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ** نِعَمَهُ **وَاٰمَنْتُمْ** بِهٖ وَالْاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى النَّفْىِ اَىْ لَا يُعَذِّبُكُمْ **وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا** لِاَعْمَالِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالْاِثَابَةِ **عَلِيْمًا﴿۱۴۷﴾** بِخَلْقِهٖ ۔

ترجمہ: .... بلاشبہ منافق اللہ سے چال بازی کررہے ہیں (جوکفر دلوں میں چھپا رکھا ہے اس کے برخلاف ظاہر کرکے تاکہ کفر کے دنیاوی احکام سے وہ بچے رہیں) حالانکہ اللہ تعالیٰ انہیں دھوکہ دے رہے ہیں (اس چالبازی کی ان کو سزا دینے والے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی چھپی ہوئی باتوں پر اپنے نبی کو مطلع فرما کر دنیا ہی میں ان کو رسوا کریں گے اور آخرت میں تو سزا ملے گی) اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں (مسلمانوں کے ساتھ) تو بہت ہی تھلے ہارے جی سے کھڑے ہوتے ہیں (پوری کاہلی کے ساتھ) محض لوگوں کو دکھانے کے لئے (اپنی نمازیں) پڑھتے ہیں اور اللہ کا نام نہیں لیتے (نماز نہیں پڑھتے) مگر برائے نام (دکھاوے کے لئے) ڈانوا ڈول (متردد) ہورہے ہیں۔ اس (کفروایمان کے درمیان) نہ تو ادھر ہی کفار کی طرف (منسوب) ہیں اور نہ ادھر (مؤمنین کی طرف) ہیں اور جس پر اللہ ہی راہ گم کردیں تو پھر ممکن نہیں کہ تم اس کے لئے کوئی راہ نکال سکو (ہدایت کی طرف) مسلمانو! ایسا نہ کرو کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق و مددگار بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ تم اپنے اوپر لے لو (ان سے دوستی کرکے) اللہ تعالیٰ کا صریح الزام (اپنے نفاق پر کھلی دلیل) بلاشبہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے (تلی کے) حصہ (درجہ) میں جھونکے جائیں گے اور کسی کو بھی تم ان کا مددگار و رفیق نہیں پاؤ گے (کہ ان کو عذاب سے بچالے) ہاں جن لوگوں نے توبہ کرلی (اپنی دورنگی چال سے) اور سنوار لی (اپنی عملی حالت) اور تھام لیا (مضبوط پکڑلیا) اللہ تعالیٰ کو اور اپنے دین کو اللہ ہی کے لئے خاص کرلیا (ریاء سے) تو ایسے لوگ مؤمنوں کی صف میں ہوں گے (اپنی کاروائی کے لحاظ سے) اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو بہت ہی بڑا اجر عطا فرمائیں گے (آخرت میں یعنی جنت) اللہ تعالیٰ کو تمہیں عذاب دے کر کیا کرنا ہے اگر تم (اس کی نعمت) کا شکر کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے (استفہام بمعنی نفی کے ہے یعنی ایسی حالت میں وہ تم کو عذاب نہیں دے سکتے) اللہ تعالیٰ تو بڑے قدردان ہیں (مسلمانوں کے اعمال کا ثواب عطاء کرکے) اور خوب واقف ہیں (اپنی مخلوق سے)

تحقیق وترکیب: .... کسالی اس کی تفسیر متثاقلین کے ساتھ کی ظاہر ہے سستی اور کاہلی میں طبیعت بوجھل ہوجاتی ہے۔
یر آؤن رایۃ باب مفاعلۃ بمعنی تفعیل جیسے نعم اور ناعم اور یا مفاعلہ مقابلہ کے لئے ہے لایذکرون چونکہ نماز میں ذکر بھی ہوتا ہے اس لئے تسمیۃ الکل باسم الجز کے طور پر جزء کی نفی سے کل کی نفی مقصود ہوگی۔ یعنی نماز میں اکثر غائب ہی ہوتے ہیں اور یا مبالغۃً نماز کی نفی کرنی ہے کہ جن کو ذکر اللہ تک دوبھر ہے وہ نماز کے پاس تو کیسے جائیں گے۔

ریاء بطور مفعول لہ ہے یعنی سامنے تو مجبوراً دکھاوے کی گنڈے دار نماز پڑھ لیتے ہیں لیکن مسلمانوں سے کیا غائب ہوتے ہیں کہ نماز ہی سے غائب ہوجاتے ہیں اسی لئے ریاء کاری کی نماز کو قلیل کہا گیا کہ برائے نام ہی نماز ہے اور بقول ابن عباسؓ اگر بوجہ اللہ اخلاص سے نماز پڑھتے تو یہ قلیل ہی کثیر ہوجاتی اور بیان نفاق کے بعد ان کی منافقانہ نمازوں کا تذکرہ دراصل ان کے بارے میں دعویٰ نفاق کا ثبوت خارجی ہے۔

مذبذبین قاموس میں ہے کہ رجل مذبذب بولتے ہیں یعنی متردد بین امرین ذبذبہ میں معنی تکرار کے ہیں جو لفظ ذب میں نہیں یعنی دونوں جانبوں سے بعید ہوتا کہ نہ ادھر کا ہوا اور نہ ادھر کا رہے یہ منصوب علی الذم ہے۔

لا الی هؤلاء جلال مفسرؒ نے متعلق لا کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ کردیا ہے یا لفظ ضائرون عامل محذوف ہے اسی طرح لفظ بین کی اضافت متعدد کی طرف ہوتی ہے الدرک لفظ درک اور درج دونوں کے معنی طبقہ اور درجہ کے ہیں اول میں ہبوط ونزول، دوسرے میں صعود وعروج، جہنم کے سات طبقوں میں سب سے نچلا طبقہ درک اور ہاویہ کہلاتا ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ تمام درجات متدارک اور متتابع ہوتے ہیں یعنی اوپر تلے چونکہ منافق دنیا میں مامون رہ کر کافر کے مقابلہ میں خود کو زیادہ کامیاب دکھلاتا ہے اور یا اس لئے کہ کفر کے ساتھ اسلام سے عملاً استہزاء کرتا ہے اس لئے سب سے زیادہ سخت عذاب کا مستحق سمجھا گیا۔ بہرحال آیت اپنی حقیقت پر محمول ہے جہنم کا کئی منزلہ ہونا باعث استبعاد نہیں۔

الا الذین میں استثناء ہے لن تجدلهم کی ضمیر مجرور سے اور یا تائبین اسم منصوب سے اس میں صفت مقابلہ ہے چنانچہ توبہ ایمان کے مقابلہ میں اور اصلاح ان کے افساد کے مقابلہ میں اور اعتصام بمعنی وثوق مقابل ہے اتخاذ اولیاء کے اور اخلاص مقابل ہے ریاء کے اور مؤمنین کی معیت مقابل ہے درکِ سفل کے۔ نیز فی الدرك الاسفل سے منافقین کے لئے دو حکم معلوم ہوئے ایک کفار کے ساتھ ان کا جہنم میں اجتماع کیونکہ نار کا اطلاق مجموعہ پر ہوتا ہے۔ دوسرے منافقین کا خاص نچلے درجہ میں ہونا اور تائبین کی معیت مؤمنین کے ساتھ درجات جنت میں مراد ہے۔

یؤت الله یہ لفظ مرفوع ہے لیکن التقاء ساکنین سے گرجانے کی وجہ سے یا کے ساتھ لکھا نہیں جاتا گویا رسم الخط تلفظ کے تابع ہے۔ مایفعل الله ما استفہامیہ بمعنی نفی محل نصب میں ہے یفعل کی وجہ سے۔ صدارت کلام کی وجہ سے اس کو مقدم کیا گیا ہے اس صورت میں با سببیہ اور یفعل سے متعلق ہے۔ ای ان الله لایفعل بعذا بکم شیئا اور یا ما نافیہ ہے اور با زائدہ ای لایعذبکم الله ان شکرتم چونکہ شکر کا استحسان عقلی بہ نسبت ایمان کے زیادہ ظاہر ہے نیز حسی نعمت کا شکریہ ہی داعی ایمان بنتا ہے اس لئے ایمان کے ساتھ شکر کا اضافہ کیا گیا اور شکر کو مقدم ذکر کیا گیا ورنہ صرف ایمان پر اکتفاء ہوسکتا تھا یا تاخیر کافی تھی گویا شکر ہی مدار ایمان ہے۔ من لم یشکر الناس لم یشکر الله.
وآمنتم خاص کا عطف عام پر یا مسبب کا عطف سبب پر ہے کیونکہ شکر ہی سبب ایمان بنتا ہے۔

ربط: .... آیت ان المنفقین میں سابقہ آیات کی طرح منافقین کے قبائح کا ذکر ہے۔ آیت یایها الذین الخ میں سابق

آیت **وقد نزل علیکم** کے مضمون کا تتمہ ہے کہ کفار سے خصوصیت اور تعلق دوستی نہ رکھو۔ اس طرح گویا چھبیسواں (۲۶) حکم ہے۔ پھر آیت **ان المنٰفقین فی الدرک الخ** سے صراحۃً منافقین کی مخصوص سزا کا بیان ہے اور چونکہ سزا کا بیان سلیم الطبع انسان سن کر خوف زدہ اور تائب ہوسکتا ہے اس لئے سزا سے ان کا استثناء بیان کرتے ہوئے ان کی جزائے نیک کا بیان ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... **کسل اعتقادی مذموم ہے کسلِ طبعی قابل ملامت نہیں:** .... نماز میں منافقین کے کسل سے مراد کسل اعتقادی ہے جو مذموم ہے لیکن اعتقاد صحیح کے باجود اگر کسل ہوتو وہ اس میں داخل نہیں ہے بلکہ اگر کسل طبعی بیماری یا تعب یا نیند کے غلبہ وغیرہ کسی عذر سے ہوتو اس میں ادنیٰ قباحت بھی نہیں البتہ بلا عذر ہوتو قابل ملامت ہے توبہ کے ساتھ اصلاح واعتصام اور اخلاص سے مراد اگر ایسی چیزیں ہوں جن کا مفہوم ایمان ہوتو یہ قیدیں نفس معیت یعنی نجات کی موقوف علیہ ہوں گی اور اگر ان قیود کی تفسیر وہ جو مفسر علامؒ نے اختیار کی ہے تو پھر یہ قید کمال معیت کے لئے ہوں گی جن کی خلاف ورزی گناہ ہوگی جو نقصان معیت کا باعث ہوتی ہے۔

لطائف آیت: .... **واذا قاموا الی الصلوٰۃ** ریاء کے ساتھ کسل کو مقید کرنا بتلا رہا ہے کہ کسل اعتقادی مراد ہے لیکن کسل طبعی وہ اس سے خارج ہے اس پر ملامت نہیں ہے۔ پس جو سالکین ناواقفیت سے دونوں میں فرق نہیں کرتے وہ خواہ مخواہ مشوّش رہتے ہیں۔

﴿الحمدللہ پارۂ والمحصنٰت کی شرح ختم ہوئی﴾

لَايُحِبُّ اللّٰهُ

لَايُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ مِنْ اَحَدٍ اَیْ يُعَاقِبُ عَلَيْهِ **اِلَّا مَنْ ظُلِمَ** فَلَا يُؤَاخِذُهٗ بِالْجَهْرِ بِهٖ بِاَنْ يُخْبِرَ عَنْ ظُلْمِ ظَالِمِهٖ وَيَدْعُوَ عَلَيْهِ **وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا** لِمَايُقَالُ **عَلِيْمًا** ﴿١٤٨﴾ بِمَايُفْعَلُ **اِنْ تُبْدُوْا** تُظْهِرُوْا **خَيْرًا** مِنْ اَعْمَالِ الْبِرِّ **اَوْ تُخْفُوْهُ** تَعْمَلُوْهُ سِرًّا **اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ** ظُلْمٍ **فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا** ﴿١٤٩﴾ **اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ** بِاَنْ يُؤْمِنُوْا بِهٖ دُوْنَهُمْ **وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ** مِنَ الرُّسُلِ **وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ** مِنْهُمْ **وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ** الْكُفْرِ وَالْاِيْمَانِ **سَبِيْلًا** ﴿١٥٠﴾ طَرِيْقًا يَذْهَبُوْنَ اِلَيْهِ **اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا** مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِمَضْمُوْنِ الْجُمْلَةِ قَبْلَهٗ **وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا** ﴿١٥١﴾ ذَا اِهَانَةٍ هُوَ عَذَابُ النَّارِ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ** كُلِّهِمْ **وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ** بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ **اُجُوْرَهُمْ** ثَوَابَ اَعْمَالِهِمْ **وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا** لِاَوْلِيَائِهٖ **رَّحِيْمًا** ﴿١٥٢﴾ بِاَهْلِ طَاعَتِهٖ **يَسْئَلُكَ** يَا مُحَمَّدُ **اَهْلُ الْكِتٰبِ** الْيَهُوْدُ **اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ** جُمْلَةً كَمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُوْسٰى تَعَنُّتًا فَاِنِ اسْتَكْبَرْتَ ذٰلِكَ **فَقَدْ سَاَلُوْا** اَیْ اٰبَاؤُهُمْ **مُوْسٰٓى اَكْبَرَ** اَعْظَمَ **مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً** عِيَانًا **فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ** الْمَوْتُ عِقَابًا لَهُمْ **بِظُلْمِهِمْ** حَيْثُ تَعَنَّتُوْا فِى السُّوَالِ **ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ** اِلٰهًا **مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ** الْمُعْجِزَاتُ عَلٰى وَحْدَانِيَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى **فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ** وَلَمْ نَسْتَاصِلْهُمْ **وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا** ﴿١٥٣﴾ تَسَلُّطًا بَيِّنًا ظَاهِرًا عَلَيْهِمْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ بِقَتْلِ اَنْفُسِهِمْ تَوْبَةً فَاَطَاعُوْهُ **وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ** الْجَبَلَ **بِمِيْثَاقِهِمْ** بِسَبَبِ اَخْذِ الْمِيْثَاقِ عَلَيْهِمْ لِيَخَافُوْا فَيَقْبَلُوْهُ **وَقُلْنَا لَهُمُ** وَهُوَ مُظِلٌّ عَلَيْهِمْ **ادْخُلُوا الْبَابَ** بَابَ الْقَرْيَةِ **سُجَّدًا** سُجُوْدَا اِنْحِنَاءٍ **وَّقُلْنَا لَهُمْ لَاتَعْدُوْا** فِیْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الْعَيْنِ وَتَشْدِيْدِ الدَّالِ وَفِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِى الْاَصْلِ فِى الدَّالِ اَیْ لَاتَعْتَدُوْا **فِى السَّبْتِ** بِاصْطِيَادِ الْحِيْتَانِ فِيْهِ **وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا**

غَلِيظًا ﴿۱۵۴﴾ عَلٰى ذٰلِكَ فَنَقَضُوْهُ **فَبِمَا نَقْضِهِمْ** مَا زَائِدَةٌ وَالْبَاءُ لِلسَّبَبِيَّةِ مُتَعَلِّقَةٌ بِمَحْذُوْفٍ اَىْ لَعَنَّاهُمْ بِسَبَبِ نَقْضِهِمْ **مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ** لِلنَّبِىِّ **قُلُوْبُنَا غُلْفٌ** لَاتَعِى كَلَامَكَ **بَلْ طَبَعَ** خَتَمَ **اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ** فَلَاتَعِى وَعْظًا **فَلَايُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا** ﴿۱۵۵﴾ مِنْهُمْ كَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهٖ **وَّبِكُفْرِهِمْ** ثَانِيًا بِعِيْسٰى وَكُرِّرَ الْبَاءُ لِلْفَصْلِ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ مَاعُطِفَ عَلَيْهِ **وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا** ﴿۱۵۶﴾ حَيْثُ رَمَوْهَا بِالزِّنَا **وَّقَوْلِهِمْ** مُفْتَخِرِيْنَ **اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ** فِىْ زَعْمِهِمْ اَىْ بِمَجْمُوْعِ ذٰلِكَ عَذَّبْنَاهُمْ قَالَ تَعَالٰى تَكْذِيْبًا لَهُمْ فِىْ قَتْلِهٖ **وَمَاقَتَلُوْهُ وَمَاصَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ** اَلْمَقْتُوْلُ وَالْمَصْلُوْبُ وَهُوَ صَاحِبُهُمْ بِعِيْسٰى اَىْ اَلْقَى اللّٰهُ عَلَيْهِ شِبْهَهٗ فَظَنُّوْهُ اِيَّاهُ **وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ** اَىْ فِىْ عِيْسٰى **لَفِىْ شَكٍّ مِّنْهُ** مِنْ قَتْلِهٖ حَيْثُ قَالَ بَعْضُهُمْ لَمَّا رَاَوُا الْمَقْتُوْلَ اَلْوَجْهُ وَجْهُ عِيْسٰى وَالْجَسَدُ لَيْسَ بِجَسَدِهٖ فَلَيْسَ بِهٖ وَقَالَ اٰخَرُوْنَ بَلْ هُوَ هُوَ **مَالَهُمْ بِهٖ** بِقَتْلِهٖ **مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ** اِسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ اَىْ لٰكِنْ يَتَّبِعُوْنَ فِيْهِ الظَّنَّ الَّذِىْ تَخَيَّلُوْهُ **وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا** ﴿۱۵۷﴾ حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ لِنَفْيِ الْقَتْلِ **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا** فِىْ مُلْكِهٖ **حَكِيْمًا** ﴿۱۵۸﴾ فِىْ صُنْعِهٖ **وَاِنْ** مَا **مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ** اَحَدٌ **اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ** بِعِيْسٰى **قَبْلَ مَوْتِهٖ** اَىِ الْكِتَابِىِّ حِيْنَ يُعَايِنُ مَلٰئِكَةَ الْمَوْتِ فَلَايَنْفَعُهٗ اِيْمَانُهٗ اَوْ قَبْلَ مَوْتِ عِيْسٰى لَمَّا يَنْزِلُ قُرْبَ السَّاعَةِ كَمَاوَرَدَ فِىْ حَدِيْثٍ **وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ** عِيْسٰى **عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا** ﴿۱۵۹﴾ بِمَا فَعَلُوْهُ لَمَّا بُعِثَ اِلَيْهِمْ **فَبِظُلْمٍ** اَىْ بِسَبَبِ ظُلْمٍ **مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا** هُمُ الْيَهُوْدُ **حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ** هِىَ الَّتِىْ فِىْ قَوْلِهٖ حَرَّمْنَا كُلَّ ذِىْ ظُفُرٍ الْاٰيَةَ **وَبِصَدِّهِمْ** النَّاسَ **عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** دِيْنِهٖ صَدًّا **كَثِيْرًا** ﴿۱۶۰﴾ **وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ** فِى التَّوْرٰةِ **وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ** بِالرُّشٰى فِى الْحُكْمِ **وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا** ﴿۱۶۱﴾ مُؤْلِمًا **لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ** الثَّابِتُوْنَ **فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ** كَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ **وَالْمُؤْمِنُوْنَ** الْمُهَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ **يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ** مِنَ الْكُتُبِ **وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ** نَصْبٌ عَلَى الْمَدْحِ وَقُرِئَ بِالرَّفْعِ **وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ** بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ **اَجْرًا عَظِيْمًا** ﴿۱۶۲﴾ هُوَ الْجَنَّةُ

ترجمہ: .... اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں بری بات زبان پر لانا (کسی کا۔یعنی اس پر سزادیں گے) الا یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو (تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں اگر وہ ظالم کے ظلم کو برملا ظاہر کر کے بددعا کردے) اور اللہ میاں خوب سنتے ہیں (جو بات کہی جائے) اور خوب جانتے ہیں (جو کچھ کیا جاتا ہے) تم کوئی بات کھلم کھلا کرو (ظاہر طور پر کرو) بھلائی (نیکی) یا چھپا کر کرو (پوشیدہ طریقہ پر عمل کرو) یا کسی کی برائی (ظلم) سے درگذر کرو تو اللہ تعالیٰ بھی معاف فرمانے والے، قدرت والے ہیں۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے برگشتہ ہیں

اور چاہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) میں تفریق کر دیں (کہ اللہ کو تو مان لیں اور اور رسولوں کو نہ مانیں) اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں (ان پیغمبروں میں سے) اور (ان میں سے) بعض کو نہیں مانتے، اور اس طرح چاہتے ہیں کہ اختیار کر لیں اس (ایمان وکفر) کے درمیان کوئی راہ (ایسا طریقہ جس کی طرف چل سکیں) تو ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں (لفظ حقاً مصدر ہے پہلے مضمون جملہ کے لئے مؤکد ہے) اور کافروں کے لئے ہم نے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے (توہین آمیز عذاب جہنم) اور جو لوگ اللہ اور اس کے (کل) رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی دوسروں سے جدا نہیں کیا۔ سو ایسے ہی لوگ ہیں کہ ہم عنقریب ان کو عطا کریں گے (نون اور یاء کے ساتھ ہے) ان کے اجر (اعمال کا ثواب) اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں۔ (اپنے دوستوں کو) اور رحمت رکھنے والے ہیں (اپنے اطاعت شعاروں پر) آپ سے درخواست کرتے ہیں (اے محمد (ﷺ)) اہل کتاب (یہودی) کہ آسمان سے کوئی کتاب ان پر نازل کرا دو (پوری کی پوری جس طرح کہ حضرت موسیٰ پر نازل کی گئی ہے۔ ان کا یہ سوال از راہ سرکشی ہے۔ پس اگر ان کی یہ فرمائش آپ کو شاق گذری ہو) تو فرمائش کر چکے ہیں (ان کے آباء واجداد) موسیٰ سے اس سے بھی بڑی بات کا۔ چنانچہ انہوں نے کہا تھا دکھلا دیجئے ہمیں اللہ کھلم کھلا (آشکارا طور پر) تو ان کو پکڑ لیا بجلی نے (موت نے سزاءً) ان کی گستاخی کی وجہ سے (کیونکہ سوال کرتے میں سرکشی کا مظاہر کیا تھا) پھر بچھڑے کو لے بیٹے (معبود بنا لیا) باوجود یہ کہ ان پر روشن دلیلیں واضح ہو چکی تھیں (اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر معجزات آ چکے تھے) پھر بھی ہم نے ان سے درگذر کر دیا تھا (اور ان کو بالکلیہ ختم نہیں کر دیا تھا) اور موسیٰ کو ہم نے بڑا اقتدار دیا تھا (واضح رعب جو ان پر چھایا ہوا تھا۔ چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو قتل توبہ کا حکم دیا تو انہوں نے اس کی تعمیل کر دی) اور ہم نے ان کے سروں پر (کوہ) طور معلق کر دیا تھا۔ ان سے قول وقرار لینے کے لئے (عہد و پیمان لینے کے لئے تاکہ ڈر کر احکام حق قبول کر لیں) اس کے بعد ہم نے انہیں حکم دیا تھا (طور پہاڑ ابھی ان کے سروں ہی پر تھا) کہ دروازہ سے داخل ہونا (شہر کے دروازہ سے) عاجزی سے (تواضع سے جھکتے ہوئے) اور ہم نے انہیں یہ حکم دیا تھا کہ تجاوزمت کرنا۔ (ایک قرأت میں فتح عین اور تشدید دال کے ساتھ ہے اور اس صورت میں اصل تاء کا ادغام دال میں ہو رہا ہے یعنی لا تعتدوا تھا) ہفتہ کے دن (مچھلیوں کا شکار کھیل کر) اور ہم نے ان سے پکے قول وقرار لئے تھے (اس بات پر۔ مگر انہوں اس کو توڑ دیا) سو ہم نے ان کی عہد شکنی (ما زائد ہے اور باسبیہ ہے محذوف سے متعلق ہے یعنی لعنا ھم بسبب نقضھم) اور اللہ کی آیتوں کے جھٹلانے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرنے اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے (نبی سے) کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں (آپ کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں) بلکہ مہر لگا دی (بند لگا دیا) اللہ نے ان کے دلوں پر ان کے کفر کی وجہ سے (اس لئے آپ کا وعظ نہیں سمجھ سکتے) یہی وجہ ہے کہ گنے چنے چند آدمیوں کے سوا سب کے سب ایمان سے محروم ہیں (ان ہی چند آدمیوں میں عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی بھی ہیں) اور نیز اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر اختیار کیا۔ (دوسری مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اور با کو معطوف علیہ اور معطوف میں فصل کرنے کے لئے مکرر لایا گیا ہے) اور مریم کے خلاف ایسی بات کہنے کی وجہ سے جو بڑی ہی بہتان کی بات تھی (کیونکہ ان پر زنا کی تہمت لگائی) اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے (شیخی بگھارتے ہوئے) کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو جو رسول ہیں اللہ کے قتل کر دیا (اپنے زعم میں۔ غرض کہ ان تمام باتوں کی وجہ سے ہم نے ان کو عذاب دیا ہے۔ حق تعالیٰ ان کے دعوئ قتل کی تکذیب کرتے ہوئے فرماتے ہیں (حالانکہ نہ تو انہوں نے قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھا کر ہلاک کیا بلکہ حقیقت حال ان پر مشتبہ ہو گئی (مقتول اور مصلوب۔ جو ان کا رفیق تھا وہ حضرت عیسیٰ کی ہم شکل ہو گیا تھا یعنی اللہ نے مقتول کو بشکل عیسیٰ بنا دیا اور لوگ اس کو عیسیٰ خیال کرنے لگے) اور جن لوگوں نے اس (عیسیٰ علیہ السلام) کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ بلاشبہ وہ شک وشبہ میں پڑے ہوئے ہیں (قتل عیسیٰ کی بات۔ کیونکہ بعض لوگوں نے جب دیکھا کہ اس کا چہرہ تو رخ عیسیٰ سے ملتا جلتا ہے لیکن اس کا جسم ان کے

جسم سے نہیں ملتا تو کہنے لگے کہ یہ شخص وہ نہیں ہے۔ مگر دوسروں کا کہنا یہ تھا کہ یہ تو وہی شخص ہے) ان کے پاس کوئی دلیل نہیں (ان کے قتل کی) بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے (یہ استثناء منقطع ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی **لکن یتبعون فیه الظن الذی تخیلوه**) یقیناً انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا (یہ حال مؤکدہ ہے قتل کی نفی کے لئے) بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب رہنے والے ہیں (اپنے ملک میں) اور حکمت والے ہیں (اپنی صنعت میں) اور اہل کتاب میں سے (کوئی) نہ ہوگا جو تصدیق نہ کر لیتا ہوان کی (عیسیٰ علیہ السلام) کی اپنی موت سے پہلے (یعنی کتابی جب کہ ملائکہ عذاب کو دیکھتا ہے۔ لیکن اس وقت اس کا ایمان لانا مفید نہیں۔ یا حضرت عیسیٰ کی وفات سے پہلے ایمان لانا مراد ہے جب کہ وہ قیامت سے پہلے نزول اجلال فرمائیں گے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے) اور قیامت کے روز وہ (عیسیٰ علیہ السلام) ان پر گواہی دیں گے (جو کچھ ان یہود نے ان کے مبعوث ہونے کے وقت ناشائستہ حرکتیں کی تھیں) سو یہود کے ان ہی بڑے بڑے مظالم کے سبب ہم نے بہت سی پاکیزہ چیزیں جو ان کے لئے حلال تھیں (جن کا ذکر آیت انعام **حرمنا کل ذی ظفر** میں آرہا ہے) ان پر حرام کر دی ہیں اور اس لئے کہ وہ روکتے تھے (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ (دین) سے بہت زیادہ اور ان کے سودی کاروبار کرنے کی وجہ سے۔ حالانکہ ان کو اس سے روکا گیا تھا (تورات میں) اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کا مال ناحق طریقہ سے کھا جاتے تھے (فیصلوں میں رشوتیں لے کر) اور ہم نے ان لوگوں کے لئے جو ان میں سے کافر ہیں دردناک سزا کا سامان تیار کر رکھا ہے۔ (جو تکلیف دہ ہوگا) لیکن ان میں سے جو لوگ پکے (پختہ) ہیں علم میں (جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ) اور جو ایمان لے آنے والے (مہاجرینؓ وانصارؓ) ہیں وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ (ﷺ) پر نازل کی گئی ہے اور آپ (ﷺ) سے پہلی (کتابوں) پر بھی اور نمازوں کی پابندی کرنے والے ہیں (یہ منصوب علی المدح ہے۔ اور ایک قراءت میں مرفوع بھی پڑھا گیا ہے) اور زکوٰۃ دینے والے ہیں۔ اور اللہ اور قیامت کے دن پر یقین واعتقاد رکھنے والے ہیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں۔ جنہیں عنقریب ہم عطا کریں گے (نون اور یا کے ساتھ پڑھا گیا ہے) ثواب عظیم (جنت)۔

تحقیق وترکیب: .... **الجهر** یہ قید احترازی نہیں ہے بلکہ بیان واقع اور شان نزول کی وجہ سے ہے ورنہ مطلقاً غیر محبوب ہے جہراً ہو یا سراً۔ البتہ جہراً فحش ہے۔ **من احد**۔ یہ جہر مصدر کے فاعل کا بیان ہے اور **بالسوء** مفعول ہے اور **من القول** حال ہے سوء کا۔ اور عدم محبت سے مراد سزا دینا ہے تاکہ مظلوم کا استثنا صحیح ہو سکے دوسری صورت تقدیر مضاف کی بھی ہے **ای الا جهر من الظلم**۔ مظلوم کے لئے شکایت یا دوسروں کو بچانے کے لئے اظہار حال کی اجازت ہے اور ظالم متمرد ہو تو بددعا کی بھی اجازت ہے۔

بین احد لفظ بین کو احد پر اس لئے داخل کیا گیا کہ اس میں مذکر مؤنث، واحد، تثنیہ، جمع سب کی گنجائش ہے۔

غفورا رحیما۔ اس میں مرتکب کبیرہ کی عدم تخلید پر معتزلہ کے برخلاف استدلال ہوسکتا ہے نیز صفات افعال کو قدیم نہ کہنے والوں کے خلاف بھی آیت میں استدلال موجود ہے کیونکہ **کان اللہ غفورا رحیما** فرمایا گیا ہے یعنی ازل میں بھی وہ ان صفات کے ساتھ متصف تھے۔ **یسئلک** چونکہ اس قسم کے سوالات تعنت اور عناد کے لہجہ میں ہوتے ہیں اس لئے پورے نہیں کئے جاتے ورنہ استرشاداً جو سوالات ہوتے ہیں وہ قابل منظور سمجھے جاتے ہیں۔

فان استکبرت۔ اس میں اشارہ ہے **فقد سالوا الخ** کی شرط محذوف کی طرف اور ستر ۷۰ نقباء کا سوال یہود موجود کی طرف اس لئے منسوب کیا گیا ہے وہ اپنے آبائی طریقوں پر رضامند تھے **فاطاعوه** چنانچہ ایک ہی دن میں ستر ہزار آدمی مقتول ہو گئے۔

وهو مظل علیهم۔ غالباً جلال المفسر سے سہو ہو گیا ورنہ تاریخی اعتبار سے واقعہ رفع طور واقعہ تیہ سے پہلے ہو چکا تھا۔ اور واقعہ دخول قریہ بہت بعد کا ہے۔ اور قریہ سے مراد ریحا ہے۔

وکرر الباء معطوف علیہ بما نقضھم ہے اور بل طبع اللہ اجنبی فاصل ہے المسیح چونکہ حضرت جبرائیل نے ان کو چھو کر برکت دی یا وہ خود مریضوں کو چھو کر اچھا کر دیتے تھے اس لئے مسیح کہا گیا۔ اول صورت میں مسیح بمعنی ممسوح اور دوسری صورت میں بمعنی ماسح ہے۔ رسول اللہ . یہود نے یا تو استہزاءً یہ لفظ استعمال کیا۔ اور یا خود حضرت عیسیٰ کے زعم اور دعویٰ کے لحاظ سے کہا ہے۔ اور یاء اللہ تعالیٰ نے توصیفی جملہ ارشاد فرمایا۔ پس اس تیسری توجیہ پر اس جملہ کا تعلق حکایت سے ہوگا محکی عنہ سے نہیں ہوگا۔ ولکن شبہ لھم یہود نے جب حضرت مسیح اور ان کی والدہ کو گرفتار کرلیا تو انہوں نے یہود کے حق میں بددعا فرمائی اللھم انت ربی وبکلمتک خلقتنی اللھم العن من سبنی وسب والدتی چنانچہ بددعا کا یہ اثر ہوا کہ انکو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔ اور ایک منافق شخص ططیانوس ان کا شبیہ بنا دیا گیا جو مقتول ومصلوب ہوا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاف بچالئے گئے۔ الا الظن۔ ظن کو اگر علم میں داخل نہ کیا جائے تو استثناء منقطع ہوگا۔ اور علم سے مراد عام لی جائے تو پھر استثناء متصل ہوجائے گا وان من اھل الکتب میں ان نافیہ ہے مخبر عنہ محذوف ہے۔ صفت اس کے قائم مقام ہوگئی ای وما احد من اھل الکتب اور لفظ احد نفی استثناء کی صورت میں عام طور پر محذوف ہوتا ہے۔

الا لیؤمننّ یہ جملہ قسمیہ موصوف محذوف کی صفت ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہے وان من اھل الکتب احد الا لیؤمنن بہ یعنی اپنی موت سے پہلے ان باتوں پر ایمان لاتا ہے مگر غرغرہ کا ایمان فرشتہ موت ظاہر ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں ہوتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں ضمیریں حضرت عیسیٰ کی طرف راجع ہوں یعنی قیامت کے نزدیک وفات عیسیٰ سے پہلے سب ان پر ایمان لائیں گے اور وہ فی الحقیقت اسلام کو ماننا ہوگا۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ سے صحیحین کی روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ نازل ہو کر صلیب توڑیں گے، خنزیر قتل کریں گے، جزیہ موقوف کر دیں گے۔ اور پھر حضرت ابوہریرہؓ نے ثبوت میں اس آیت کو پڑھا۔

الذین ھادوا۔ ھادوا بمعنی تابوا ورجعوا. چونکہ یہود نے گوسالہ پرستی سے رجوع کرلیا تھا اس لئے یہود کہلائے۔

لکن الراسخون۔ یہ استدراک ہے واعتدنا الخ سے، الراسخون مبتداء ہے اور فی العلم اس سے متعلق ہے اور منھم محذوف سے متعلق ہے اور راسخون سے حال ہے اولئک مبتداء ثانی سنؤتیھم اس کی خبر پورا جملہ پھر الراسخون کی خبر ہے والمقیمین بتقدیر مدح المقیمین یا ما انزل پر عطف کرتے ہوئے مجرور بھی ہوسکتا ہے اور رفع کی صورت میں راسخون یا یؤمنون کی ضمیر پر عطف ہوسکتا ہے یا پھر مبتداء مانا جائے اور اولئک سنؤتیھم الخ خبر ہو۔

ربط: .... پچھلی آیات میں کفار ومنافقین کی عداوتوں کا تذکرہ تھا۔ چونکہ عداوت میں اکثر ایذا رسانی بھی ہوتی ہے اور ایذاء رسانی میں شکایت کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ اس لئے آیت لا یحب اللہ الخ میں اس کی حدود پر گفتگو کی جارہی ہے۔ اور ساتھ ہی معافی کی فضیلت بھی مذکور ہے اس کے بعد ان الذین الخ سے اعتدنا لھم عذاباً الیماً۔ تک یہود کی مختلف نالائقیاں اور پھر ان کی پاداش اور سزائیں مذکور ہیں۔ اور لکن الراسخون سے ان کے مقابل اہل ایمان کی مدح سرائی کی جارہی ہے۔

شان نزول: .... ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے تخریج کی ہے کہ کسی شخص نے چند آدمیوں کی دعوت کی انہوں نے کھانا نہیں کھایا تو داعی صاحب ان کی شکایت کرتے پھرے اس پر عتاباً آیت لا یحب اللہ نازل ہوئی۔ اس صورت میں عموم الفاظ کا اعتبار ہوگا نہ کہ خصوص سبب کا۔ اور خازن میں مقاتلؒ سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں نازل ہوئی کہ آنحضرت (ﷺ) کی مجلس میں کسی نے ان کو برا بھلا کہا مگر وہ خاموش رہے اور برا بھلا کہنے والے کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بعد میں صدیق اکبرؓ نے

جب کسی بات کا جواب دیا تو آنحضرت (ﷺ) سن کر کھڑے ہو گئے۔ صدیق اکبرؓ نے شکایتی لہجہ میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ان کی گالیوں کو تو خاموش سنتے رہے لیکن جب میں نے جواب دیا تو آپ کھڑے ہو گئے؟ فرمایا: جب تک تم خاموش تھے فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دے رہا تھا اور جب تم نے خود جواب دینا شروع کیا تو فرشتہ چلا گیا۔ اور شیطان درمیان میں آ گیا اس لئے مجھے بھی اٹھ جانا پڑا۔ اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ آیت **ورفعنا** کے متعلق ابن جریرؒ ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ یہود نے عناداً آنحضرت (ﷺ) سے فرمائش کی کہ آپ منجانب اللہ ہر ایک کے نام نوشتہ بھجوا دیجئے جس میں آپ کے رسول (ﷺ) ہونے کی اطلاع اور تصدیق درج ہو۔ ان خطوط اور پیغامات کے بعد ہم ایمان لا سکیں گے۔ یہ سن کر آنحضرت (ﷺ) کو بڑا رنج ہوا کہ اس قسم کی واہی تباہی فرمائشوں میں اپنا وقت عزیز برباد کرتے ہیں۔ اس پر تسلی کے لئے یہ آیات نازل ہوئیں۔ اور **لکن الراسخون** کا نزول عبداللہؓ بن سلام اور اسید اور ثعلبہؓ وغیرہ کے بارے میں ہوا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **کن مواقع پر برائی کے اظہار کی اجازت ہے اور کہاں نہیں:** .... آیت **لا یحب الله** میں حصر حقیقی نہیں ہے کہ صرف ظالم کے مقابلہ میں شکایت اور اظہار کی اجازت ہے۔ بلکہ حصر اضافی مراد ہے۔ یعنی اس شخص کے لحاظ سے حصر کیا جا رہا ہے جو بلا کسی معتبر اور شرعی مصلحت کے دوسرے کی شکایت زبان پر لائے۔ ورنہ ظالم کے علاوہ بعض اور مواقع بھی ہیں جن میں شریعت برائی کے اظہار کی اجازت دیتی ہے مثلاً: اگر کسی سے کوئی دینی یا دنیاوی نقصان کا اندیشہ ہو تو اس کے حالات سے لوگوں کو باخبر کرنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہوگا۔ غرض کہ بغیر مصلحت وضرورت کسی کی عیب جوئی جائز نہیں ہے۔

ان آیات کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت **ان الذین الخ** خصوصیت سے یہود کے متعلق ہے اگرچہ الفاظ کے عموم کے لحاظ سے نصاریٰ بھی ضمناً داخل ہو سکتے ہیں اور **رفعنا الخ** کا حاصل مضمون یہ نکلا کہ آپ ان کی بے سروپا باتوں سے شکستہ دل نہ ہوں۔ کیونکہ اس قوم سے تو اس سے بھی زیادہ حماقت مآب اور بے تکی فرمائشیں سرزد ہو چکی ہیں کیونکہ دنیا میں پیغامات الٰہی اور وحی ربانی کا سلسلہ برابر جاری ہے اگرچہ غیر انبیاء کے لئے اس قسم کی توقعات بیجا ہیں۔ اور دیدار خداوندی کی دنیا ہی میں درخواست انتہائی درجہ کی جرأت بیجا ہے۔ کیونکہ دنیا میں کبھی رویت الٰہی واقع نہیں ہوئی ...... اگرچہ آخرت میں ضرور اس کا وقوع ہوگا۔ اور اس لحاظ سے گوسالہ پرستی تو اس سے بھی زیادہ بعید ہے کیونکہ یہ محالات عقلیہ اور شرعیہ میں سے ہے کسی زمان ومکان میں اس کا امکان نہیں، چنانچہ لفظ **ثم** اسی استبعاد کو ظاہر کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔ تاخر زمانی مراد نہیں ہے۔ اسی طرح نقض میثاق میں مابعد کا پورا مضمون داخل ہے لیکن زیادہ برائی کے لئے معاملات کی تفصیل بھی کر دی ہے اور ان آیات سے متعلق ضروری بحثیں پہلے گذر چکی ہیں۔

جرائم کی پاداش میں یہود گرفتار سزا ہوئے: .... یہود میں اگرچہ بعض صلحاء ان مذکورہ جرائم سے محفوظ تھے لیکن عادۃ اللہ کے مطابق بہت سی حکمتوں کے باعث جن کی طرف آیت **واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصة** میں اشارہ ہے اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے کہ اس کے غیر ضروری سوال کی وجہ سے زمانۂ وحی میں کوئی چیز سب کے لئے حرام کر دی جائے۔ غرض کہ اس قسم کی مصلحتوں کے پیش نظر یہود میں تحریم عام ہو گئی تھی۔ البتہ شریعت محمدیہ (ﷺ) میں جو چیزیں حرام ہیں وہ کسی جسمانی یا روحانی مضرت کے پیش نظر ہیں پس اس لحاظ سے ان کو غیر طیب سمجھنا چاہئے۔ غرض کہ یہود کے حق میں طیبات نافعہ کا حرام ہونا تو عقوبت وسرزنش ہے لیکن امت محمدیہ کے حق میں غیر طیبات ضارہ کا حرام ہونا باعث حفاظت ورحمت ہے۔

کفار شرعی احکام کے مکلف ہیں یا نہیں: .... بعض حضرات نے آیت **فبظلم** الخ سے کفار کے مخاطب بالشرائع

ہونے پر استدلال کیا ہے کیونکہ تحریم حلال کی وجہ سے ان پر عاجلاً وآجلاً مواخذہ ہوا ہے لیکن یہ استدلال نا قابل اعتبار ہے کیونکہ اختلاف دربارہ عبادات ہے ورنہ کفار کے مخاطب بالمعاملات اور محرمات کے ارتکاب پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہماری طرح ان پر بھی چوری اور زنا اور ڈاکہ زنی اور قذف کی حدود جاری کی جائیں گی۔ بہرحال ربوا اور زنا کا مطلقاً حرام ہونا معلوم ہوا۔ بخلاف شراب وخنزیر کے۔ فان الخمر لھم کالخل لنا والخنزیر لھم کالشاۃ لنا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کفار ایمان، عقوبات، معاملات کے لحاظ سے تو مکلّف ہیں ہی۔ عبادات میں بھی اخروی لحاظ سے مخاطب ہیں البتہ دنیا میں ادائیگی کے مکلّف نہیں ہیں اگرچہ بعض علماء کے نزدیک ادائیگی دنیا کے اعتبار سے بھی مکلّف ہیں۔ اسی طرح جواحکام خود ان کے مذہب میں بھی حرام ہوں بلا اختلاف ان کے مخاطب بھی ہوں گے۔ البتہ نکاح محارم، یا بغیر گواہوں کے نکاح، یا عدت کے اندر نکاح، یا بغیر مہر کے نکاح یا عدم مہر کی شرط پر نکاح، یا مردار جانور، یا شراب یا سور کے بدلہ میں نکاح۔ ان سب احکام کی تفصیل ہدایہ سے معلوم ہوسکتی ہے۔

لطائف آیات:............ آیت لا یحب اللہ الجھر سے انتقام کا جواز معلوم ہوتا ہے جس کی ایک فرد شکایت بھی ہے لیکن آیت ان تبدوا خیرا الخ سے صبر وعفو کا محبوب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اول ضعفاء کی اور دوسرے اہل ہمت وعزیمت کی شان ہے۔ پہلے حکم کی مصلحت سینہ کا کینہ سے صفا ہونا ہے اور دوسرے حکم کی مصلحت عروج القلب الی القرب ہے آیت یسئلک اھل الکتب الخ سے قیاساً ایسے شخص کی مذمت معلوم ہوتی ہے جو برکات ساویہ کو شیخ کے اختیار میں سمجھ کر اس سے درخواست کرے۔ اور آیت فقالوا ارنا اللہ سے ایسے شخص کی مذمت معلوم ہوتی ہے جو دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا معتقد ہو۔ اور آیت فبظلم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ معاصی کے سبب سالک سے واردات کا قبض بھی ہوسکتا ہے۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِبْنَيْهِ **وَيَعْقُوْبَ** ابْنِ اِسْحٰقَ **وَالْاَسْبَاطِ** اَوْلَادِهٖ **وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا** اَبَاهُ **دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾** بِالْفَتْحِ اِسْمٌ لِلْكِتَابِ الْمُؤْتٰى وَالضَّمِّ مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى مَزْبُوْرًا اَيْ مَكْتُوْبًا **وَ** اَرْسَلْنَا **رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ** رُوِيَ اَنَّهٗ تَعَالٰى بَعَثَ ثَمَانِيَةَ الْاٰفِ نَبِيٍّ اَرْبَعَةَ الْاٰفِ مِنْ اِسْرَائِيْلَ وَاَرْبَعَةَ الْاٰفِ مِنْ سَائِرِ النَّاسِ قَالَهُ الشَّيْخُ فِيْ سُوْرَةِ غَافِرٍ **وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى** بِلَا وَاسِطَةٍ **تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا** بَدَلٌ مِنْ رُسُلًا قَبْلَهٗ **مُّبَشِّرِيْنَ** بِالثَّوَابِ مَنْ اٰمَنَ **وَمُنْذِرِيْنَ** بِالْعِقَابِ مَنْ كَفَرَ اَرْسَلْنَاهُمْ **لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ** مَقَالٌ **بَعْدَ** اِرْسَالِ **الرُّسُلِ ؕ** اِلَيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَبَعَثْنَاهُمْ لِقَطْعِ عُذْرِهِمْ **وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا** فِيْ مُلْكِهٖ **حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾** فِيْ صُنْعِهٖ وَنَزَلَ لَمَّا سُئِلَ الْيَهُوْدُ عَنْ نُبُوَّتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْكَرُوْهُ **لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ** يُبَيِّنُ نُبُوَّتَكَ **بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ** مِنَ الْقُرْاٰنِ الْمُعْجِزِ **اَنْزَلَهٗ** مُتَلَبِّسًا **بِعِلْمِهٖ ۚ** اَيْ عَالِمًا بِهٖ اَوْ وَفِيْهِ عِلْمُهٗ **وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ** لَكَ اَيْضًا **وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾** عَلٰى ذٰلِكَ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ **وَصَدُّوْا** النَّاسَ **عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** دِيْنِ الْإِسْلَامِ بِكَتْمِهِمْ نَعْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمُ الْيَهُوْدُ **قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا ۢ بَعِيْدًا** ﴿۱۶۷﴾ عَنِ الْحَقِّ **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** بِاللّٰهِ **وَظَلَمُوْا** نَبِيَّهُ بِكِتْمَانِ نَعْتِهِ **لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا** ﴿۱۶۸﴾ مِنَ الطُّرُقِ **اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ** اَيِ الطَّرِيْقَ الْمُؤَدِّيْ اِلَيْهَا **خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ** مُقَدَّرِيْنَ الْخُلُوْدَ اِذَا دَخَلُوْهَا **اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا** ﴿۱۶۹﴾ هَيِّنًا **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ** اَيْ اَهْلَ مَكَّةَ **قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ** مُحَمَّدٌ **بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا** بِهِ وَاقْصِدُوْا **خَيْرًا لَّكُمْ ۭ** مِمَّا اَنْتُمْ فِيْهِ **وَاِنْ تَكْفُرُوْا** بِهِ **فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ** مِلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا فَلَا يَضُرُّهُ كُفْرُكُمْ **وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا** بِخَلْقِهِ **حَكِيْمًا** ﴿۱۷۰﴾ فِيْ صُنْعِهِ بِهِمْ **يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ** الْاِنْجِيْلِ **لَا تَغْلُوْا** تَتَجَاوَزُوْا الْحَدَّ **فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا** الْقَوْلَ **الْحَقَّ ۭ** مِنْ تَنْزِيْهِهِ عَنِ الشَّرِيْكِ وَالْوَلَدِ **اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ** اَوْصَلَهَا **اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ** اَيْ ذُوْ رُوْحٍ **مِّنْهُ** اُضِيْفَ اِلَيْهِ تَعَالٰى تَشْرِيْفًا لَهُ وَلَيْسَ كَمَا زَعَمْتُمْ اِبْنَ اللّٰهِ اَوْ اِلٰهًا مَعَهُ اَوْ ثَالِثَ ثَلٰثَةٍ لِاَنَّ ذَا الرُّوْحِ مُرَكَّبٌ وَالْاِلٰهُ مُنَزَّهٌ عَنِ التَّرْكِيْبِ وَعَنْ نِسْبَةِ الْمُرَكَّبِ اِلَيْهِ **فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڦ وَلَا تَقُوْلُوْا** الْاٰلِهَةُ **ثَلٰثَةٌ ۭ** اللّٰهُ وَعِيْسٰى وَاُمُّهُ **اِنْتَهُوْا** عَنْ ذٰلِكَ وَاْتُوْا **خَيْرًا لَّكُمْ ۭ** مِنْهُ وَهُوَ التَّوْحِيْدُ **اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ** تَنْزِيْهًا لَهُ عَنْ **اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ** خَلْقًا وَالْمِلْكِيَّةُ تُنَافِي النُّبُوَّةَ **وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا** ﴿۱۷۱﴾ شَهِيْدًا عَلٰى ذٰلِكَ۔

ترجمہ: .... ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ پر اوران کے بعد نبیوں پر وحی بھیجی ہے۔ اور (جس طرح) ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ (دونوں صاحبزادہ ابراہیمؑ ہیں) اور یعقوبؑ (صاحبزادہ اسحاقؑ) اور اولاد یعقوبؑ (یعقوبؑ کی نسل میں جو نبی ہوئے ہیں) اور عیسےؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ، سلیمانؑ پر بھیجی ہے اور ہم نے عطا کی (سلیمانؑ کے والد) داؤدؑ کو زبور (لفظ زبور بالفتح ہے عطا کردہ کتاب کا نام ہے۔ اور بالضم مصدر ہے بمعنی مزبور ومکتوب)۔ اور (بھیجا ہم نے) ایسے پیغمبروں کو جن کا حال ہم اس سے پہلے آپ کو سنا چکے ہیں اور کچھ ایسے رسول جن کا حال ہم نے آپ کو نہیں سنایا ہے (مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی مبعوث فرمائے تھے۔ چار ہزار انبیاء بنی اسرائیل اور چار ہزار اور باقی انسانوں میں شیخ جلال الدین محلیؒ نے سورۂ غافر میں اس کو ذکر کیا ہے) اور کلام فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے (براہِ راست) خاص طور پر۔ ان سب رسولوں کو (پہلے رُسل سے یہ لفظ بدل ہورہا ہے) خوشخبری دینے والے (ایمان لانے والوں کو ثواب کی) اور ڈرانے والے (کفار کو عذاب کا۔ ان کو ہم نے بھیجا ہے) تا کہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی حجت (معذرت) باقی نہ رہے ان پیغمبروں کے (ان کی طرف بھیجنے کے) بعد (چنانچہ یہی کہنے لگیں کہ اے اللہ آپ نے کیوں نہ بھیجا ہمارے پاس اپنا رسول تا کہ ہم آپ کی آیات کی پیروی کرتے اور ایمان لانے والوں میں شمار ہوتے۔ غرض کہ قطع حجت کے لئے ان کے پاس ہم نے اپنے رسول بھیج دیئے) اور اللہ میاں (اپنے ملک میں) غالب اور (اپنی صنعت میں) حکمت رکھنے و

الے ہیں (یہود سے آنحضرت (ﷺ) کی نبوت کے بارے میں کسی نے سوال کیا لیکن جب انہوں نے انکار کردیا تو یہ آیت نازل ہوئی) لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتے ہیں (آپ کی نبوت ظاہر کررہے ہیں) اس کتاب کے ذریعہ جس کو آپ کے پاس بھیجا ہے (قرآن کریم مع اپنے اعجاز کے) اور بھیجا بھی اپنے کمال علم کے ساتھ (متلبس کر کے یعنی اس سے خود واقف ہے یا اس کتاب میں اس کا علم ہے) اور فرشتے بھی تصدیق کررہے ہیں (نیز آپ کی) اور اللہ ہی کی شہادت کافی ہے (اس پر) جولوگ منکر ہیں (اللہ تعالیٰ کے) اور روکتے ہیں (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے (دین اسلام سے۔ نبی کریم (ﷺ) کی صفات کو چھپا کر۔ مراد اس سے یہود ہیں) وہ بھٹک گئے دور دراز کی گمراہیوں میں (حق سے) بلاشبہ جولوگ منکر ہیں (اللہ کے) اور ظلم کررہے ہیں (نبی کریم (ﷺ) پر۔ ان کی خوبیاں چھپا کر) تو اللہ تعالیٰ انہیں کبھی بخشنے والے نہیں ہیں اور نہ انہیں راہ دکھلائیں گے (راہوں میں سے) بجز راہ جہنم کے (یعنی ایسا راستہ جوان کو جہنم رسید کر کے رہے گا) جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے (دوام ان کے حق میں طے ہو چکا ہوگا) اسی جہنم میں (جب ایک دفعہ اس میں داخل ہو جائیں گے) دائمی طور پر۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ معمولی (سہل) بات ہے۔ اے لوگو! (مکہ والو!) بلاشبہ تمہارے پاس رسول (محمد ﷺ) تشریف لا چکے ہیں۔ سچی بات تمہارے پروردگار کی طرف سے لے کر۔ سوتم (ان پر) ایمان لے آؤ (اور اختیار کرو۔ ایسی چیز کو) جوتمہارے لئے بہتر ہو (تمہاری موجودہ حالت سے) اور اگر تم (ان سے) منکر رہے تو آسمان وزمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے (اسی کی ملک، مخلوق اور بندے ہیں لہذا تمہارا کفر کرنا اس کے لئے ضرور رساں نہیں ہوسکتا) اور اللہ پوری طرف سب کچھ جاننے والے ہیں (اپنی مخلوق کا حال) اور کامل حکمت رکھنے والے ہیں۔ (اپنی مخلوق کے تمام کاموں میں) اے اہل کتاب (نصاریٰ) غلومت کرو (حد سے آگے نہ بڑھو) اپنے دین میں۔ اور اللہ تعالیٰ کی شان میں بجز حق (بات) کے اور کچھ نہ کہو (شریک اور اولاد کی براءت کے سوا) مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کے رسول ہیں اور اس کے حکم کا ظہور ہیں جو القاء کیا گیا (ڈالا گیا) تھا مریم پر نیز ایک روح ہیں (جاندار ہیں) جو اللہ کی طرف سے بھیجی گئی تھی (روح کی اضافت حق تعالیٰ کی طرف تشریفاً کی گئی ہے یہ نہیں جیسا کہ تم خیال کرتے ہو کہ وہ اللہ کے فرزند ہیں یا اللہ کے ساتھ شریک الوہیت ہیں یا تین خداؤں میں سے ایک ہیں کیونکہ ہر جاندار چیز مرکب ہوتی ہے اور اللہ کی شان ترکیب سے اور مرکب کی نسبت اس کی طرف کرنے سے بالا ہے) پس چاہئے کہ اللہ پر اور ان کے رسولوں پر ایمان لے آؤ۔ یہ بات نہ کہو کہ (خدا) تین ہیں (ایک اللہ، دوسرے عیسیٰ تیسرے عیسیٰ کی والدہ) باز آجاؤ (ایسی بات کہنے سے اور وہ کام کرو جو) تمہارے لئے بہتر ہو (بہ نسبت تثلیث کے اور وہ توحید ہے) فی الحقیقت اللہ ہی اکیلے معبود ہیں۔ وہ اس سے پاک ہیں (ان کے لئے تنزیہ ثابت ہے) کہ ان کے کوئی فرزند نہ ہو۔ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب اسی کے لئے ہے (اس کی مخلوق اور ملکیت ہے۔ اور ملکیت اور فرزندی میں ایک دوسرے سے تضاد ہے) اور اللہ ہی کافی وکیل ہیں (اس پر نگران ہیں)

تحقیق وترکیب: .... **الیٰ نوح**. حضرت نوحؑ سے ابتداء کرنا یا تو اول نذیر ہونے کی وجہ ہے یا اس لئے ہے کہ ان کی امت سب سے اول معذب ہوئی ہے ان کے بعد بارہ نامور انبیاء جو عرب اور اہل کتاب کے) نزدیک مسلم رہے ہیں۔ ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ **واتینا** جملہ معطوف ہے **اوحینا** پر۔

والاسباط ۔ سبط کی جمع ہے بمعنی قبیلہ۔ یعنی خاندان کی شان۔ وحی کے معنی زجاج کے نزدیک ایماء اور اعلام علی سبیل الاخفاء کے ہیں۔ **زبور** بروزن فعول بمعنی مفعول جیسے۔ **رکوب**. **حلوب**. **زبر** سے ماخوذ ہے زبرتُ بمعنی کتبتُ۔ حضرت داؤد پر جو کتاب نازل ہوئی جس میں ڈیڑھ سوسورتیں تھیں ہر سورت کو زبور کہا جاتا ہے لیکن ان میں کوئی حکم حلال حرام سے متعلق نہیں تھا بلکہ سب مضامین تسبیح تقدیس اور حمد کے ترانوں اور مواعظ ونصائح پر مشتمل تھے۔ لفظ **زبور** کی دوسری قرائت حمزہ کے نزدیک مضموم ہے۔ پس

یہ مصدر یعنی اسم مفرد بروزن مفعول ہوگا جیسا کہ دخول، جلوس، قعود ہیں۔ لیکن اس میں یہ اشکال ہے کہ فعول ضمہ کے ساتھ مصدر لازم آتا ہے نہ کہ متعدی۔ الا یہ کہ محفوظ الفاظ ہوں جیسے لـزوم نهـوک۔ حالانکہ زبور متعدی ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ یہ لفظ جمع ہو زبور بالفتح مصدر کی باب ضرب ونصر سے بمعنی کتب جیسے فلس کی جمع فلوس یا پھر زبور بالکسر کی جمع ہے جیسے حمل حمول، قدر قدور۔ روی حاکم نے روایت کی ہے اور ابو یعلیٰ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے کـان مـن خـلاعـن اخوانی من الانبیاء ثمانیة الا ف نبی ثم کان ابن مریم ثم کنت انا.

اور ابوسعید عن انسؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں بعثت علی اثر ثمانیة الاف من الانبیاء منهم اربعة الاف من بنی اسرائیل. لیکن متعین طور پر انبیاء کی تفصیلی معرفت شرط ایمان نہیں ہے ورنہ سب کا تذکرہ ضروری تھا۔

و کـلـم الله یہ عطف قصہ علی القصہ ہے اور مصدر مؤکد لانے سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ نے حقیقۃً کلام الٰہی سنا قدریہ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ نے کسی چیز میں کلام پیدا فرمادیا تھا اور اس سے موسیٰ علیہ السلام نے سنا۔

لـئـلا یکون اس کا تعلق ارسلنا یامبشرین یامنذرین کے ساتھ ہے یشهد. اللہ کی شہادت اور گواہی یہ ہے کہ انبیاء کے ہاتھ پر خوارق ومعجزات ظاہر فرمائے جو ایک طرح کی تصدیق ہے ورنہ کاذب کے ہاتھ پر خوارق کا ظہور نہیں ہوسکتا۔ بعلمہ اس میں معتزلہ پر رد ہے جو منکر صفات ہیں کیونکہ حق تعالیٰ خود اپنے لئے صفت علم ثابت کررہے ہیں مفسر علامؒ دو توجیہیں کررہے ہیں۔ پہلی توجیہ پر جار مجرور فاعل سے حال ہوگا۔ اور دوسری توجیہ پر مفعول سے حال ہوگا اور جملہ محل تفسیر میں ہوگا ماقبل سے خلدین۔ یہ حال مقدرہ ہے مفعول یهدیهم سے اور ہدایت سے مراد راہ جہنم کی طرف ہدایت ہے۔ یہ دونوں آیات صرف ان کفار کے بارے میں ہیں جن کا ہدایت پر نہ آنا علم الٰہی میں مقدر ہو چکا ہے۔ بالحق ای بالاسلام یا یہ حال ہے ای محقا.

خیرا یہ منصوب ہے فعل مضمر قصدوا کی وجہ سے اور بعض نے لکن الایمان خیر الکم تقدیر مانی ہے لیکن بصری اس کی اجازت نہیں دیتے۔ کیونکہ اس صورت میں کان سے اسم محذوف ماننا پڑے گا۔ نیز شرط وجزا کا حذف کرنا لازم آئے گا جو جائز نہیں ہے۔

فلا یضره اشارہ ہے کہ جواب محذوف ہے اور فان الله حال بر جواب ہے۔ الکتاب. اس کے بعد الانجیل سے اشارہ ہے کہ عام سے مراد خاص ہے۔ پہلے یہود کا ذکر تھا۔ اب نصاریٰ کا ذکر ہے۔ اور بعض نے عام اہل کتاب یہود ونصاریٰ مراد لئے ہیں۔ افراط وتفریط کرکے دونوں ہی غلو میں مبتلا ہوئے۔ ایک گروہ نے خدا بنا کر۔ دوسرے گروہ نے سولی چڑھا کر اور ولد الزنا قرار دے کر۔

انما المسیح۔ یہ مبتدا ہے اور عیسیٰ بدل ہے یا عطف بیان اور ابن مریم اس کی صفت اور رسول اللہ خبر ہے اور و کلمة اس پر معطوف ہے لفظ مسیح عبرانی زبان کا ہے اصل میں مشیحا تھا جس کے معنی مبارک کے ہیں۔ اگرچہ سارے عالم کی تخلیق لفظ کن سے فرمائی گئی لیکن بالوسائط، برخلاف حضرت عیسیٰ کے، وہ والد اور نطفہ کے بغیر لفظ کن سے پیدا ہوئے اور ان کو کلمہ اس لئے کہا گیا کہ جس طرح وہ کلام سے ہدایت حاصل کرتے تھے کلمہ سے بھی ہدایت حاصل کرتے تھے۔ اور چونکہ احیاء موتی کا معجزہ ان کو عطا ہوا تھا اس لئے روح کہا گیا۔ قرآن کریم کو بھی اس لحاظ سے روح کہا گیا ہے و کـذالك اوحینـا الیك روحاً کیونکہ اس سے قلوب زندہ ہوتے ہیں۔ اور لفظ منه تبعیضیہ نہیں ہے جیسا کہ نصاریٰ کا گمراہانہ خیال ہے بلکہ من ابتدائیہ ہے ایک نصرانی طبیب ہارون رشیدؒ کے دربار میں حاضر ہوا اور واقدیؒ سے مناظرہ کا اس نے چیلنج دیا کہ قرآن بھی مسیح کو جزء اللہ مانتا ہے اور استدلال میں یہی آیت پڑھی۔ فوراً واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے چیلنج کا جواب دیتے ہوئے دوسری آیت تلاوت کردی و سخر لکم مافی السمٰوٰت و ما فی الارض جمیعاً منه۔ یہاں بھی لفظ منـه استعمال کیا گیا ہے جس سے لازم آتا ہے کہ کل عالم اللہ کا جزء ہے۔ یہ سن کر نصرانی طبیب مبہوت ہو گیا اور بالآخر اس کو مسلمان ہونا

پڑا جس پر ہارون رشیدؒ نے خوش ہوکر واقدی کو خلعت فاخرہ عطا کیا۔

اللہ کی طرف روح کی نسبت بیت اللہ ناقۃ اللہ کی طرح تشریفاً ہے۔ اور کلام عرب میں روح وریح کے معنی نفخ کے آتے ہیں۔ دونوں لفظ متقارب ہیں گویا نفخ جبریلی سے حضرت عیسیٰ کا تولد ہوا یہ ایسا ہی ہے جیسے دوسری آیت میں ہے فنفخنا فیه من روحنا . لیس کما زعمتم ۔عیسائیوں میں تین مشہور فرقے ہیں۔ یعقوبیہ۔ نسطوریہ۔ ملکانیہ ان میں سے ہر ایک فرقہ کی طرف اشارہ ہے جو تثلیث کا قائل ہے لان ذالروح شکل اول سے مرکب قیاسی ہے۔ عیسیٰ ذوروح وکل ذی روح مرکب۔ نتیجہ یہ ہے کہ عیسیٰ مرکب اس نتیجہ کو پھر دوسرے قیاس کا صغریٰ بنا کر اس طرح شکل ثانی بنائی گئی۔ عیسے مرکب والالٰه لا یکون مو کبا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عیسیٰ لیس باله لا مستقلاً ولا واحداً من الثلاثة ولا ابن الله ۔ثلاثة. یہ خبر ہے الالهة اس سے پہلے مبتدا محذوف ہے۔ انتهوا خیر الکم اول کے متعلق اور ثانی کے عامل محذوف ہونے کی طرف اشارہ کردیا۔ سبحنه . ای سبحه تسبیحا۔ یہ منصوب ہے۔ مصدر یا اسم مصدر یا علم مصدر ہے۔

ربط: .... اہل کتاب چونکہ دوسری قوم کے اتباع میں عار محسوس کرتے تھے نیز عرصہ سے ان میں کوئی نبی نہیں آیا جس کی وجہ سے نبی کے بارے میں طرح طرح کے اوہام اور غلط خیالات کا شکار رہتے تھے۔ کبھی یہود کہتے ان تنزل علیهم کتاباً من السماء الخ جس کا منشاء محض جہل تھا اس لئے آیت انا او حینا الیک سے بارہ مسلم انبیاءؑ کا ذکر کر کے اس کی تردید کی جارہی ہے کہ یہ حضرات بھی مختلف قوموں سے تعلق رکھتے تھے پھر ان کا اتباع کیسے کیا گیا۔ نیز ان میں سے کسی پر بھی پوری کتاب ایک دم نازل نہیں کی گئی ہے۔ پھر آنحضرت (ﷺ) سے یہ بیجا فرمائش کیسی؟ اگر اثبات نبوت ان باتوں پر موقوف ہے تو تمام انبیاءؑ میں اس کا لزوم ہونا چاہئے حالانکہ لازم منتفی ہے پس توقف بھی باطل ہے غرض کہ جس دلیل سے دوسروں کی نبوت مانی ہے اسی دلیل سے آپ (ﷺ) کی نبوت بھی واجب التسلیم ہے۔ اس کے بعد یا ایها الناس الخ سے خطاب عام ہے تصدیق نبوت کے سلسلہ میں۔ اور پھر یا اهل الکتب سے خطاب خاص نصاریٰ کو جس میں ان کے غلو کا ابطال ہے۔

شان نزول: .... یہود میں سے مسکین اور عدی بن زید نے آنحضرت (ﷺ) سے اعتراضاً کہا یا محمد ما نعلم ان الله انزل علی بشر من شئی من بعد موسیٰ ۔ اس پر تردیداً ان آیات کا نزول ہوا ہے۔ اور بعض کی رائے میں ان کا نزول یہود کے قول لن نومن لک حتیٰ تنزل علینا کتاباً کے سلسلہ میں ہوا ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہود کی ایک جماعت جب آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ (ﷺ) نے فرمایا انی واللہ اعلم انکم تعلمون انی رسول اللہ یہود نے جواباً کہا مانعلم ذلک اس پر آیت لکن اللہ یشهد الخ نازل ہوئی۔

دوسری روایت ابن عباسؓ سے یہ ہے کہ جب آیت انا او حینا الخ نازل ہوئی تو یہود نے کہاما نشهد لک اس پر آیت لکن اللہ یشهد الخ نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: .... **تمام مذاہب کی مذہبی تعلیم کا نچوڑ:** .... وحدت دین کی اس اصل عظیم کا اعلان ہے کہ نوع انسانی کے لئے خدائی کی سچائی ایک ہی میں ہے اور تمام رہنماؤں نے اسی کی تعلیم دی ہے۔ لیکن یہ پیروان مذاہب کی بے پرواہی

ہے کہ گروہ بندیاں کر کے الگ الگ دین بنالئے اور ایک دین کے بھی بہتر (۷۲) دین کر لئے اور لگے ایک دوسرے کو جھٹلانے۔ لیکن ہدایت الٰہی مندرجہ ذیل باتوں پر روشنی ڈال رہی ہے۔ (۱) قرآن کریم اگر چہ بعض پیغمبروں کا ذکر کرتا ہے اور بعض کا نہیں کرتا، لیکن تصدیق سب کی کرتا ہے اور سب پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے۔ (۲) کوئی عہد اور کوئی ملک ایسا نہیں جہاں خدا نے پیغمبر نہ بھیجے ہوں۔ (۳) جو لوگ سچے ہیں اور علم حقیقی میں پکے ہیں وہ جس طرح پچھلی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، قرآن کریم پر بھی اسی طرح ایمان رکھتے ہیں۔ اور اب یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ خدائی دین ایک ہے اور جس طرح پہلے بے شمار پیغمبروں پر خدا کی سچائی نازل ہو چکی ہے۔ اسی طرح پیغمبر اسلام پر بھی نازل ہوئی ہے۔ (۴) یہود کا یہ گمراہانہ اعتراض غلط ہے کہ آسمان سے ایک لکھی لکھائی کتاب کیوں نہیں اتار دی جاتی؟ کیونکہ یہ بے شمار نبی جو تورات کی مشہور شخصیتیں ہیں ان میں سے کسی پر بھی ایسی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ ایسا ہونا سنت الٰہی کے بھی خلاف ہے۔ پس جس طرح خدا نے نبیوں کو اپنی وحی سے نوازا ہے، اسی طرح اور اسی قسم کی وحی سے پیغمبر اسلام (ﷺ) کو بھی سرفراز فرمایا ہے۔

اہل مذاہب کا دینی غلو:............ لیکن اہل کتاب بالخصوص نصاریٰ کی ایک بہت بڑی گمراہی دینی غلو ہے۔ یعنی حق واعتدال سے ہٹ کر ادھر ادھر ہو جانا اور میانہ روی کو چھوڑ کر بہت دور نکل جانا۔ اگر کسی کی محبت وتعظیم پر آتے ہیں تو اتنے کہ خدائی کے منصب پر بٹھلا دیتے ہیں۔ اور مخالفت پر آتے ہیں تو اتنے کہ حد انسانیت وشرافت سے بھی گرا دیتے ہیں۔ زہد وعبادت کی راہ چلے تو اتنی دور نکل گئے کہ رہبانیت کی سرحد میں داخل ہو گئے۔ اگر دنیا کے پیچھے پڑے تو اتنے بگٹٹ دوڑے کہ نیک وبد کی تمیز ہی نہ رہی۔ غرض یہ کہ یہود ونصاریٰ دونوں گمراہیوں کا شکار ہوئے، لیکن بالخصوص عیسائی اس درجہ غلو کا شکار ہوئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا دیا اور ایک خدا کی جگہ تین خداؤں کا اعتقاد پیدا کیا۔ جس کا رد علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں خوب لکھا ہے کہ یہودی کا غلو تو یہ تھا کہ وہ ظواہر میں بہت تعمق کرتے اور باطن کی نفی کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مظہر صفات الٰہی ہونے سے انکار کرتے تھے اور نصاریٰ ان کے برعکس بواطن میں زیادہ تعمق کرتے اور ظواہر کے منکر تھے۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو درجہ الوہیت تک پہنچا کر چھوڑا اور یہ بھی لکھا ہے کہ اگر چہ موجودہ عیسائی اس میں سے بعض اقوال کا انکار کرتے ہیں، لیکن ممکن ہے کہ اس زمانہ کی عیسائی انکے قائل ہوں اور یا پھر یہ کہا جائے کہ ان اقوال سے یہ عقائد لازم آتے ہیں اور لازم بین مثل ملزوم ہوتا ہے۔ غرضیکہ ان آیات میں حسن الاستدلال سے کام لیا گیا ہے۔

نصاریٰ میں شرکیہ عقیدہ کا آغاز:............ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا یا ابن اللہ ہونے کا عقیدہ حواریوں کے بعد پولوس کے اشارات سے پیدا ہوا تھا۔ جس کو بہت سے قدیم دیندار جو حواریوں کے معتقد تھے نہیں مانتے تھے۔ چنانچہ آریوس وغیرہ محققین نے اسکندریہ میں اس عقیدے کا بڑے زور وشور سے بطلان کیا۔ ان کے بعد بھی یونی ٹیرین وغیرہ فریق منکر رہے۔ لیکن زیادہ تر گروہ پولوس کے مریدین کا تھا۔ اس لئے دوسری صدی عیسوی میں اس عقیدے نے اکثر کلیساؤں میں بار پیدا کر لیا۔ آنحضرت (ﷺ) کے زمانہ میں بھی کلیسائی دنیا کا یہی عقیدہ تھا۔ جس کی قرآن تردید کر رہا ہے۔

ان کے بالمقابل یہود تھے جو ان کو حرامی اور عیاذاً باللہ ولد الزنا قرار دیتے تھے۔ قرآن نے اس باطل اور خلاف واقعہ بات کی بھی تردید کی۔ کلمۃ اللہ اور روح اللہ اور رسول اللہ کہہ کر دونوں کی تغلیط کر دی۔ یہود کی تو اس طرح کہ وہ ان کو حرامی، جھوٹا، جادوگر سمجھتے تھے۔ تو بتلا دیا کہ یہ باتیں منافی ہیں۔ ان کی رسالت وتقدیس کے بعد اور عیسائیوں کی تردید اس طرح کہ ان میں اوصاف بشریت ہیں

جو منافی ہیں الوہیت کے۔ پس انتفاء لازم مستلزم ہے انتفا ملزوم کو۔

نیچریوں کا اشکال: .... بعض نیچریوں کا خیال یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا قرآن سے ثابت نہیں ہے، لیکن كلمة القها الى مريم وروح منه نص قرآنی اس خیال کی تردید کر رہی ہے۔ دوسری نصوص سے بھی اس آیت کی تائید ہوتی ہے اور عقلاً بھی ممکن بلکہ واقع ہے۔ جیسا کہ حشرات الارض ہیں۔ ان مثل عيسىٰ الخ میں نظیر پیش کر کے اسی کی تقریر کی گئی ہے۔

لطائف آیات: .... آیت ولا تقولوا على الله الا الحق میں توحید محمدی مراد ہے جس میں ظاہر و باطن کو جمع کرنا ہوتا ہے۔ آیت ولا تقولوا ثلاثه سے حلول واتحاد کا بطلان صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے۔ جس سے جاہل صوفیوں کی اور حلولی فرقوں کی تغلیط ہو رہی ہے جو اوتاروں جیسا عقیدہ رکھتے ہیں۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ يَتَكَبَّرَ وَيَأنِفَ **الْمَسِيْحُ** الَّذِىْ زَعَمْتُمْ اَنَّهُ اِلٰهٌ عَنْ **اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ** عِنْدَاللّٰهِ لَايَسْتَنْكِفُوْنَ اَنْ يَكُوْنُوْا عَبِيْدًا وَهٰذَامِنْ اَحْسَنِ الْاِسْتِطْرَادِ ذِكْرٌ لِلرَّدِّ عَلٰى مَنْ زَعَمَ اَنَّهَا اٰلِهَةٌ اَوْ بَنَاتُ اللّٰهِ كَمَارَدَّ بِمَاقَبْلَهٗ عَلَى النَّصَارٰى الزَّاعِمِيْنَ ذٰلِكَ الْمَقْصُوْدُ خِطَابُهُمْ **وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا**﴿۱۷۲﴾ فِى الْاٰخِرَةِ **فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ** ثَوَابَ اَعْمَالِهِمْ **وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ** مَالَاعَيْنٌ رَأَتْ وَلَااُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَاخَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ **وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا** عَنْ عِبَادَتِهٖ **فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا** مُؤْلِمًاهُوَ عَذَابُ النَّارِ **وَّلَايَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَىْ غَيْرِهٖ **وَلِيًّا** يَدْفَعُهُ عَنْهُمْ **وَّلَا نَصِيْرًا**﴿۱۷۳﴾ يَمْنَعُهُمْ مِنْهُ **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ** حُجَّةٌ **مِّنْ رَّبِّكُمْ** عَلَيْكُمْ وَهُوَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا**﴿۱۷۴﴾ بَيِّنًا وَهُوَ الْقُرْاٰنُ **فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِىْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا** طَرِيْقًا **مُّسْتَقِيْمًا**﴿۱۷۵﴾ هُوَ دِيْنُ الْاِسْلَامِ **يَسْتَفْتُوْنَكَ** فِى الْكَلٰلَةِ **قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا** مَرْفُوْعٌ بِفِعْلٍ يُفَسِّرُهٗ **هَلَكَ** مَاتَ **لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ** اَىْ وَلَا وَالِدٌ وَهُوَ الْكَلٰلَةُ **وَّلَهٗٓ اُخْتٌ** مِنْ اَبَوَيْنِ اَوْ اَبٍ **فَلَهَا نِصْفُ مَاتَرَكَ وَهُوَ** اَىِ الْاَخُ كَذٰلِكَ **يَرِثُهَآ** جَمِيْعَ مَاتَرَكَتْ **اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ** فَاِنْ كَانَ لَهَا وَلَدٌ ذَكَرٌ فَلَاشَىْءَ لَهٗ اَوْ اُنْثٰى فَلَهٗ مَافَضَلَ عَنْ نَصِيْبِهَا وَلَوْ كَانَتِ الْاُخْتُ اَوِ الْاَخُ مِنْ اُمٍّ فَفَرْضُهٗ السُّدُسُ كَمَا تَقَدَّمَ اَوَّلَ السُّوْرَةِ **فَاِنْ كَانَتَا** اَىِ الْاُخْتَانِ **اثْنَتَيْنِ** اَىْ فَصَاعِدًا لِاَنَّهَا نَزَلَتْ فِىْ جَابِرٍ وَقَدْ مَاتَ عَنْ اَخَوَاتٍ **فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ** الْاَخُ **وَاِنْ كَانُوْٓا** اَىِ الْوَرَثَةُ **اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ** مِنْهُمْ **مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ** شَرَائِعَ دِيْنِكُمْ لِ **اَنْ لَّا تَضِلُّوْا**

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ وَمِنْهُ الْمِيْرَاثُ رَوَى الشَّيْخَانِ عَنِ الْبَرَاءِ اَنَّهَا اٰخِرُ اٰيَةٍ نَزَلَتْ مِنَ الْفَرَائِضِ ۔

ترجمہ:.......... ہرگز عار (تکبر اور گھمنڈ) نہیں مسیح کو (جنہیں تم خدا بنائے بیٹھے ہو) کہ وہ خدا کے بندے سمجھے جائیں اور نہ فرشتوں کو جو مقرب ہوں (اللہ کے نزدیک اس بات سے ننگ و عار ہے کہ انہیں اللہ کا بندہ سمجھا جائے اور یہ بہترین استطراد ہے۔ ان مشرکین پر رد کرنا ہے جن کا گمان یہ تھا کہ ملائکہ خدا ہیں یا خدا کی بیٹیاں۔ جیسا کہ پہلا جملہ عیسائیوں پر رد تھا جو اس قسم کے گمان باطل میں مبتلا تھے۔ اور مقصود ان ہی کو خطاب کرنا ہے) اور جو کوئی اللہ کی بندگی میں ننگ و عار سمجھے اور گھمنڈ کرے۔ تو وہ وقت دور نہیں کہ اللہ سب کو اپنے حضور (آخرت میں) جمع کریں گے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کئے ہیں تو ان کی نیکیوں کا پورا پورا بدلہ (ان کے اعمال کا ثواب) انہیں دے دیں گے اور اپنے فضل سے اس میں زیادتی بھی فرمائیں گے۔ (اتنی کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوگی اور نہ کسی کان نے سنی ہوگی اور نہ کسی انسان کے دل میں کبھی اس کا خیال گذرا ہوگا) لیکن جن لوگوں نے بندگی کو عار سمجھا اور گھمنڈ کیا (اس کی بندگی سے) تو انہیں دردناک عذاب دیں گے (جو نہایت تکلیف دہ ہوگا یعنی عذاب جہنم) اور انہیں اللہ کے سوا (اللہ کے علاوہ) نہ کوئی رفیق ملے گا (جو اس عذاب کو دفع کر سکے) اور نہ کوئی مددگار ہوگا۔ (جو ان سے عذاب روک سکے) لوگو! تمہارے پاس آ چکی ہے برہان (دلیل) تمہارے پروردگار کی طرف سے (جو تمہارے لئے قائم ہو چکی ہے یعنی نبی کریم ﷺ) اور ہم نے تمہاری طرف چمکتی ہوئی روشنی بھیج دی (جو بالکل واضح ہے یعنی قرآن پاک) پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کا سہارا مضبوط پکڑ لیا تو وہ انہیں عنقریب اپنی رحمت کے سایہ میں داخل کر دیں گے اور ان پر اپنا فضل فرمائیں گے۔ اور انہیں اپنے رب تک پہنچنے کی راہ دکھلائیں گے جو بالکل سیدھی ہے (یعنی مذہب اسلام) لوگ آپ سے (کلالہ کے بارے میں) حکم دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دو اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں حکم دیتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا آدمی (یہ مرفوع ہے جس کی تفسیر آئندہ فعل کر رہا ہے) مر جائے (وفات پا جائے) کہ جس کی اولاد نہ ہو (اور نہ اس کا والد ہو۔ اس کو کلالہ کہتے ہیں) اور اس کے بہن ہو (حقیقی یا علاتی) تو اس کو آدھا ملے گا جو کچھ مرنے والے نے چھوڑا ہے اس میں سے اور خود وہ (بھائی بھی اسی طرح) سب مال کا وارث ہوگا اس بہن کے مال کا اگر بہن کی کوئی اولاد نہ ہو (لیکن اگر بہن کے نرینہ اولاد ہو تو پھر بھائی کا حصہ کچھ نہیں۔ اور لڑکی ہے تو پھر بھائی کو وہ ملے گا جو لڑکی کے حصہ سے بچے گا۔ لیکن اگر بہن بھائی اخیافی ہوں تو ان کا ترکہ چھٹا حصہ ہے جیسا کہ شروع سورت میں گذر چکا ہے) پھر اگر ہوں (بہنیں) دو (یا دو سے زیادہ۔ کیونکہ یہ آیت جابرؓ کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ کئی بہنیں چھوڑ کر انتقال کر گئے تھے) تو انہیں (بھائی کے) ترکہ میں سے دو تہائی ملے گا اور اگر (میراث پانے والے) بھائی بہن کچھ مرد ہوں اور کچھ عورتیں تو پھر (ان میں سے) ایک مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تم سے اس لئے بیان فرما دیتے ہیں (مذہبی احکام تا کہ) تم گمراہ (نہ) ہو اور اللہ تعالیٰ تمام باتوں کا علم رکھنے والے ہیں (منجملہ ان باتوں کے میراث ہے شیخین براءؓ سے روایت کرتے ہیں کہ فرائض کے سلسلہ کی یہ آخری آیت ہے۔)

تحقیق وترکیب:.......... **ولا الملائکۃ** پوری عبارت اس طرح تھی **ولا الملائکۃ المقربون ان یکونوا عباد اللہ** لیکن ایجازاً حذف کر دیا اور اس لئے کہ لفظ عباد اللہ پر دلالت کر رہا ہے۔ اس آیت سے معتزلہ تفضیل پر استدلال کرتے ہیں کیونکہ ترتیب طبعی یہ ہے کہ ترقی من **الادنیٰ الی الاعلیٰ** ہوا کرتی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے **فلان لا یستنکف عن خدمتی ولا ابوہ** یہ نہیں کہا جائے گا **ولا عبدہ** پس **ولا الملائکۃ المقربون** ایسا ہے جیسے **ولا من ھو اعلیٰ منہ قدراً** کہہ دیا۔ چنانچہ لفظ **مقربون** اس پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو اس سے صرف ملائکہ کی تفضیل حضرت عیسیٰؑ پر ثابت ہوئی اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے جیسا کہ بعض اہل سنت اس کے بھی قائل ہوئے ہیں تو اثبات مدعا کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ دعویٰ تو عام ہے کہ تمام ملائکہ تمام انسانوں سے افضل ہیں مگر دلیل خاص نکلی کہ تمام ملائکہ صرف حضرت عیسیٰؑ سے افضل ہیں جو مفید مدعا نہیں۔ دوسرے اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ اگر

ملائکہ کو افضل نہ مانا جائے تو ترقی من الادنیٰ الی الاعلیٰ نہیں رہتی بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اس صورت میں بھی یہ ترتیب طبعی باقی رہتی ہے۔ کیونکہ منشاء یہ ہے کہ اگر بے باپ ہونا بندگی کے منافی ہوتا تو بے ماں باپ ہونا بدرجہ اولیٰ بندگی کے منافی ہونا چاہئے تھا۔ حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ ان دونوں قسموں کو اللہ کی بندگی سے عار نہیں جیسے حضرت عیسیٰ اور ملائکہ مقربین۔ غرض کہ اعجاز ولادت میں ملائکہ حضرت عیسیٰ سے بڑھ گئے۔ اس لئے اہل سنت کا عقیدہ ہی برحال رہا۔ اور اس سے عدول کا کوئی مقتضی نہ ہوا۔

من احسن الا ستطراد. استطراد کہتے ہیں کسی چیز کو کسی مناسبت کی وجہ سے بے محل ذکر کرنا۔ پس یہاں عیسائیوں پر ان کے شرکیہ افعال کے بارے میں رد کیا جارہا ہے اس مناسبت سے مشرکین پر بھی رد ہوگیا کیونکہ جرم تو مشترک ہے۔

ومن یستنکف پوری عبارت اس طرح تھی ومن یستنکف ومن لا یستنکف جیسا کہ عموم جواب **فسیحشرھم** اس پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ حشر تو متکبرین اور غیر متکبرین سب کا ہوگا۔ نیز فاما الذین الخ کی تفصیل بھی اس پر دلالت کر رہی ہے پس تفصیل میں آنے کی وجہ سے ہی اجمال سے حذف کر دیا گیا ہے۔

ویستکبر. استنکاف کہتے ہیں بلا استحقاق بڑائی کو۔ اور تکبر کہتے ہیں استحقاق کے ساتھ بڑائی کو۔ استنکاف تکبر سے بڑھا ہوا ہے۔ اس فرق کی وجہ سے ہی ایک دوسرے پر عطف کیا گیا ہے۔ ما لا عین رأت متعدد تفصیل کی نفی کر رہی ہے ورنہ اجمالاً تو نعمائے جنت کا تذکرہ ہماری زبانوں پر بھی ہوتا ہے اور دلوں میں بھی خطور ہوتا ہے۔

یستفتونک یہاں سے الکلالۃ محذوف ہے جس پر ثانی الکلالۃ دلالت کر رہا ہے جو لوگ کلالہ میں صرف اولاد نہ ہونا کافی سمجھتے ہیں جیسے ابن عباسؓ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ جیسا کہ ابن جریر کی روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے لیکن جمہور کے نزدیک کلالہ کہتے ہیں جس کے نہ اولاد ہو اور نہ باپ دادا۔ جیسا کہ ابوبکر نے ابن ابی شیبہ سے تخریج کی ہے۔ جلال مفسرؒ نے جمہور کی تائید کی ہے اور کلالہ اس وارث کو بھی کہتے ہیں جو نہ میت کے ماں باپ سے ہو اور نہ اولاد میں سے۔ یہ لفظ کل سے مشتق ہے جس کے معنی بوجھ کے ہیں چونکہ ایسے آدمی کو اپنی کفالت اور وراثت میں لینا انسان بار سمجھتا ہے اس لئے کلالہ کہا گیا ہے۔

آیت میں صرف اولاد نہ ہونے پر اس لئے اکتفاء کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ قریب اولاد کے نہ ہونے کی صورت میں جب بھائی میراث سے محروم نہیں تو باپ دادا جو بعید ہیں ان کے نہ ہونے سے بدرجہ اولیٰ محروم نہیں رہنا چاہئے تو گویا انتفاء ولد انتفاء والد پر بدرجہ اولیٰ دلالت کر رہا ہے۔ اس کا اطلاق کبھی ایسے شخص پر بھی کر دیا جاتا ہے جو علاوہ اولاد اور باپ دادا کے میراث سے محروم رہے۔

وقد مات حضرت جابرؓ کی وفات آنحضرت (ﷺ) کے بہت بعد ہوئی۔ حتیٰ کہ تمام صحابہؓ میں وفات کے لحاظ سے ان کو آخری شخص مانا گیا ہے لان لا تضلوا کسائی نے اسی طرح تفسیر کی ہے اور آیت میں لا مبالغہ کی وجہ سے محذوف ہے گویا مفعول لہٗ ہے اور بعض نے تقدیر کراھۃ ان تضلوا نکالی ہے۔ حذف لا کے ساتھ کوفیوں کے نزدیک من الفرائض اس قید سے ابن عباسؓ کی روایت اب معارض نہیں رہی کہ اخرایۃ نزلت ایۃ الربوا ثم سورۃ النسآء.

ربط:............ پچھلی آیت میں توحید کا اثبات اور تثلیث کا ابطال کیا تھا آیت لن یستنکف الخ میں اسی کی تاکید کے لئے ترقی ہے کہ عیسیٰ معبود تو کیا ہوتے وہ اور مقرب فرشتے سب اس کے عبد اور بندے ہیں تو گویا مدعی سُست، گواہ چست کا مضمون ہوگیا اس کے بعد مقرین ومنکرین کی جزا وسزا کا بیان ہے۔ پھر آیت یا ایھا الناس سے خطاب عام کے ساتھ پیغمبر (ﷺ) اسلام اور قرآن کی تصدیق ہے۔ اس کے بعد آیت یستفتونک میں ابتداء سورت کی طرح میراث سے متعلق ایک خاص صورت کا حکم بیان کر کے سورت کو ختم کر دیا گیا تاکہ مضمون کی بلاغت واہمیت بڑھ جائے۔

شانِ نزول:............ حضرت جابرؓ ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے آنحضرت (ﷺ) عیادت کو تشریف لائے تو جابرؓ نے عرض کیا یا

رسول اللہ (ﷺ) میں کلالہ ہوں۔ میرے لئے میراث کے سلسلہ میں کیا حکم ہے؟ لیکن صاحب کشاف نے ایک دوسری روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت (ﷺ) حجۃ الوداع میں تشریف لے جارہے تھے کہ مکہ کے راستہ میں جابرؓ بن عبداللہؓ آئے اور عرض کیا کہ میری ایک بہن ہے مجھے اس کی میراث کتنی ملنی چاہئے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ان دونوں روایتوں میں یہ فرق رہا کہ اول صورت میں تو بہن کا حصہ دریافت کرنا مقصود تھا۔ اور دوسری صورت میں بھائی کا حصہ دریافت کرنا ہوا۔ امام زاہدؒ نے صرف دوسری روایت نقل کرکے کہا ہے کہ بہن کا ترکہ دریافت کررہے تھے مگر بہن سے پہلے خود انتقال کرگئے۔ پس حق تعالیٰ اول بھائی کا حصہ اور بعد میں بہن کا حصہ ذکر فرما کر اس طرف اشارہ کررہے ہیں کہ انسان خود اپنی موت کے لئے تیار رہے نہ، کہ مال کے لالچ میں دوسرے کے مرنے کی فکر میں رہے۔ اور لباب میں ابن مردویہ سے حضرت عمرؓ کا سوال کرنا بھی سبب نزول بیان کیا گیا ہے۔ اور تفسیر اتقان میں لکھا ہے کہ کلالہ سے متعلق پہلی آیت نساء موسم سرما میں اور یہ آخری آیت نساء موسم گرما میں نازل ہوئی ہے۔

﴿تشریح﴾:............ **نبی کے اتباع سے استنکاف گویا اطاعت الٰہی سے استنکاف ہے:**............ بظاہر آیت فاما الذین استنکفوا پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ آنحضرت (ﷺ) کے زمانہ میں ان لوگوں کو نہ اللہ کی عبادت سے استنکاف تھا اور نہ تکبر۔ بلکہ صرف اس مضمون کے من اللہ ہونے یا جزو عبادت ہونے میں کلام تھا۔ پھر استنکاف کا الزام کیوں دیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ ان کے مجموعہ احوال سے یہ ثابت ہے کہ ان پر حق واضح ہوچکا تھا **یعرفون کما یعرفون ابناء ھم**۔ البتہ آنحضرت (ﷺ) کا اتباع ناگوار تھا حالانکہ آپ کا اتباع مامور بہ ہے اور ہر مامور بہ عبادت ہوا کرتا ہے پس آپ کے اتباع سے عار ہونا گویا اللہ کی عبادت سے عار ہے۔ آیت فاما الذین امنوا الخ میں ایمان اور عمل کی جزاء صراط مستقیم اور طریق رضا کی طرف ہدایت بتلائی ہے حالانکہ یہی طریق رضا ایمان وعمل ہے پس اس کو ثمرہ کہنا تحصیل حاصل ہے؟ لیکن کہا جائے گا کہ ایمان وعمل کی دو حیثیتیں ہیں زمانہ ماضی میں یہ دونوں چیزیں سبب تھیں اور زمانہ مستقبل میں یہی دو چیزیں مسبب اور ثمرہ ہوئیں اس طرح تو دونوں میں فی الجملہ مغایرت ہوگئی اس لئے تحصیل حاصل لازم نہیں آیا کیونکہ حاصل یہ ہے کہ اطاعت کی برکت سے اطاعت پر ثبات نصیب ہوتا ہے۔

احکام میراث کے تکرار کا نکتہ:............ ابتداء سورت میں ایک رکوع گذرنے پر میراث ووصیت کے احکام بیان کئے گئے اس کے ایک پارہ بعد پھر احکام میراث کا اعادہ کیا گیا ہے اور اب اختتام سورت پر بھی اس کا اعادہ کیا جارہا ہے۔ اس طرح تین متفرق جگہ احکام میراث بیان کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ اس بارے میں اسلام سے پہلے جوکوتاہیاں عمل میں آرہی تھیں اب وہ نظر انداز ہوجانی چاہئیں اور بہن سے مراد یہاں یا حقیقی بہن ہوگی یا علاتی۔ اخیافی بہن بالا جماع مراد نہیں ہے۔ کیونکہ بھائی عصبہ ہوگیا ہے حالانکہ اخیافی بھائی عصبہ نہیں ہوا کرتا برخلاف اول صورت کی آیت کے وہاں بہن بھائی اخیافی مراد تھے کیونکہ وہاں چھٹا حصہ بیان کیا گیا تھا اور وہ ماں شریک اولاد ہی کے مناسب ہے۔ غرض کہ اس طرح کلالہ کی تینوں صورتوں کا حکم معلوم ہوگیا دو کا یہاں اور ایک کا پہلے۔ یعنی (۱) اگر کسی کی بہن یا بھائی مرے اور اس کے اولاد اور والدین نہ ہوں تو بہن کو نصف اور بھائی کو کل ترکہ ملے گا (۲) اگر لاولد مرنے والے کے دو بہنیں ہوں تو دو تہائی ترکہ ان کو اور بقیہ دوسرے وارثوں کو ملے گا۔ (۳) اور کئی بہن بھائی ہوں یا ایک بہن اور ایک بھائی کلالہ نے چھوڑے ہوں تو بھائی کو دوہرا اور بہن کو اکہرا حصہ دیا جائے گا۔

لطائف آیات:............ لن یستنکف الخ سے معلوم ہوا کہ عبدیت شرف کا سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے۔

سُـوْرَةُ الْمَآئِـدَةِ

سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَعِشْرُوْنَ ايَةً اَوِ اثْنَتَانِ اَوْ ثَلٰثٌ وَسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

ترجمہ: ....سورۂ مائدہ مدنیہ ہے جس میں ایک سو بیس یا بائیس یا تیئس آیتیں علی اختلاف الاقوال ہیں۔ اور سولہ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ الْعُهُوْدِ الْمُؤَكَّدَةِ الَّتِيْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ اللّٰهِ اَوِ النَّاسِ **اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ** اِلْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ اَكْلًا بَعْدَ الذَّبْحِ **اِلَّا مَايُتْلٰى عَلَيْكُمْ** تَحْرِيْمُهٗ فِيْ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ الْاٰيَةَ فَالْاِسْتِثْنَاءُ مُنْقَطِعٌ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ مُتَّصِلًا وَالتَّحْرِيْمُ لِمَا عَرَضَ مِنَ الْمَوْتِ وَنَحْوِهٖ **غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ** اَيْ مُحْرِمُوْنَ وَنَصْبُ غَيْرَ عَلَى الْحَالِ مِنْ ضَمِيْرِ لَكُمْ **اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَايُرِيْدُ** ﴿۱﴾ مِنَ التَّحْلِيْلِ وَغَيْرِهٖ وَلَا اِعْتِرَاضَ عَلَيْهِ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ** جَمْعُ شَعِيْرَةٍ اَيْ مَعَالِمَ دِيْنِهٖ بِالصَّيْدِ فِي الْاِحْرَامِ **وَلَاالشَّهْرَ الْحَرَامَ** بِالْقِتَالِ فِيْهِ **وَلَا الْهَدْيَ** مَا اُهْدِيَ اِلَى الْحَرَمِ مِنَ النَّعَمِ بِالتَّعَرُّضِ لَهٗ **وَلَاالْقَلَآئِدَ** جَمْعُ قَلَادَةٍ وَهِيَ مَاكَانَ يُتَقَلَّدُ بِهٖ مِنْ شَجَرِ الْحَرَمِ لِيَاْمَنَ اَيْ فَلَاتَتَعَرَّضُوْا لَهَا اَوْ لِاَصْحَابِهَا **وَلَآ** تُحِلُّوْا **اٰمِّيْنَ** قَاصِدِيْنَ **الْبَيْتَ الْحَرَامَ** بِاَنْ تُقَاتِلُوْهُمْ **يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا** رِزْقًا **مِّنْ رَّبِّهِمْ** بِالتِّجَارَةِ **وَرِضْوَانًا** مِنْهُ بِقَصْدِهٖ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ بَرَاءَةٍ **وَاِذَا حَلَلْتُمْ** مِنَ الْاِحْرَامِ **فَاصْطَادُوْا** اَمْرُ اِبَاحَةٍ **وَلَايَجْرِمَنَّكُمْ** يَكْسِبَنَّكُمْ **شَنَاٰنُ** بِفَتْحِ النُّوْنِ وَسُكُوْنِهَا بُغْضُ **قَوْمٍ** لِاَجْلِ **اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا** عَلَيْهِمْ بِالْقَتْلِ وَغَيْرِهٖ **وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ** فِعْلِ مَا اُمِرْتُمْ بِهٖ **وَالتَّقْوٰى** بِتَرْكِ مَانُهِيْتُمْ عَنْهُ **وَلَاتَعَاوَنُوْا** فِيْهِ حَذْفُ اِحْدَى التَّائَيْنِ فِي الْاَصْلِ **عَلَى الْاِثْمِ** الْمَعَاصِيْ **وَالْعُدْوَانِ** التَّعَدِّيْ فِيْ حُدُوْدِ اللّٰهِ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** خَافُوْا عِقَابَهٗ بِاَنْ تُطِيْعُوْهُ **اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ** ﴿۲﴾ لِمَنْ خَالَفَهٗ.

ترجمہ: ....مسلمانو! اپنے معاہدے پورے کرو (وہ مضبوط معاہدے جو تم نے اپنے اور اللہ کے۔ یا اپنے اور دوسرے لوگوں

کے درمیان کرر کھے ہیں) تمہارے لئے مویشی جانور حلال کر دیئے گئے ہیں (اونٹ، گائے ، بیل، بھینسیں، بکری، بکرا، بھیڑ وغیرہ کو ذبح کے بعد کھانا) مگر وہ جن کی نسبت آئندہ حکم سنایا جائے گا (اس کی حرمت کا حکم آیت حرمت علیکم المیتة الخ سنایا جارہا ہے اس لحاظ سے یہ استثناء منقطع ہوا اور استثناء متصل بھی ہوسکتا ہے اور تحریم سے مراد موت وغیرہ سے جو چیزیں عارض ہوتی ہیں) لیکن جب احرام کی حالت میں ہو تو پھر شکار کرنا حلال نہ سمجھ لو (یعنی درانحالیکہ تم محرم ہو۔ لفظ غیر منصوب علی الحال لکم کی ضمیر سے) بلاشبہ اللہ جیسا کچھ چاہتے ہیں حکم دے دیتے ہیں (حلال وغیرہ کرنے کا اس پر کچھ اعتراض نہیں کیا جا سکتا) مسلمانو! بے حرمتی نہ کرو اللہ کے شعائر کی (یہ جمع ہے شعیرہ کی یعنی نشانات دین کی بے حرمتی نہ کرو بحالت احرام شکار کھیل کر) اور نہ محترم مہینوں کی (ان میں جنگ و جدال کر کے) اور نہ قربانی کی (جانوروں کی جو ہدی حرم کی طرف روانہ کی جاتی ہے اس سے یا اس کے لے جانے والے سے تعرض نہ کرو) اور نہ ان جانوروں کی جن کی گردنوں میں پٹے ڈال دیئے جاتے ہیں (قلائد جمع قلادہ کی ہے حرم کے درختوں سے بنا کر بطور علامت جو پہنایا جاتا ہے جس کو دیکھ کر جانور سے تعرض نہیں کیا جاتا۔ یعنی نہ اس جانور سے تعرض کرو اور نہ لے جانے والے سے) نیز ان لوگوں کی (بے حرمتی) نہ کرو جو ارادہ (قصد) رکھتے ہیں بیت الحرام کا (اس طرح کہ ان کو مار ڈالو) وہ ڈھونڈتے ہیں فضل (روزی) اپنے پروردگار کا (تجارت کر کے) اور (اس کی) خوشنودی (اپنے گمان کے مطابق بیت الحرام کا قصد کر کے۔ یہ حکم آیت براءت سے منسوخ ہو چکا ہے) اور جب تم (احرام سے) باہر آ جاؤ تو پھر شکار کر سکتے ہو (یہ حکم اباحتی ہے) اور ایسا نہ ہو کہ تمہیں ابھار دے (اکساد ے) دشمنی (فتح نون اور سکون نون کے ساتھ دونوں طرح ہے مراد عداوت ہے) ایک گروہ کی (اس لئے کہ) انہوں نے مسجد حرام سے تمہیں روک دیا تھا اس پر (ان کے ساتھ) زیادتی کرنے لگو (ان کو قتل وغیرہ کر کے) اور تمہیں ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہئے نیکی پر (جس چیز کے تمہیں کرنے کا حکم دیا گیا ہے) اور پرہیزگاری کی ہر ایک بات پر (جس چیز کے چھوڑنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اس کو چھوڑ کر) اور یہ تعاون نہ دو (اس کی اصل میں دو تاءیں سے ایک حذف ہو رہی ہے) گناہ (نافرمانیوں) اور ظلم کی بات (اللہ کے حدود پھلانگنے) میں اور اللہ سے ڈرو (اس کے عذاب سے ڈر کر اس کی اطاعت کرو) یقیناً وہ سخت سزا دینے والے ہیں (جو ان کا خلاف کرتا ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... **اوفوا**. وفاء اور ایفاء کے معنی موجب عقد کو قائم کرنا ہیں۔ اور لفظ عقد میں استعارہ بالکنایہ کیا گیا ہے رسّی کی گرہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس میں تمام احکام دینیہ خواہ عقود امانات ہوں یا معاملات وغیرہ سب آ گئے۔ عہد تین طرح کے ہوتے ہیں۔ اللہ کے بندوں کے ساتھ خود آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ آیت کو عام رکھنا چاہئے حدیث ترمذی میں ہے **اذا وعد الرجل اخاه ومن نيته ان يفى له فلم يف ولم يجى للميعاد فلا اثم عليه**. جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایفاء وعدہ کوئی شرعی قانون نہیں بلکہ ایک ضابطۂ اخلاقی ہے۔ جلال محقق موکدہ کی قید لفظ عقد پر نظر کرتے ہوئے بڑھا رہے ہیں۔

بهيمة الانعام بہیمہ بمعنی چوپایہ خواہ برّی ہو یا بحری۔ اس میں اضافت بیانیہ ہے **ثوب الخز** کی طرح۔ انعام کہتے ہیں اونٹ گائے بکری وغیرہ کو۔ اور بہیمہ سے مراد جنس ہے اس لئے باوجود مفرد کے انعام جمع کے ساتھ لایا گیا ہے۔ اور وہ آٹھ قسمیں ہیں جن کا بیان سورۂ انعام کے آخر میں آرہا ہے۔ **ما يتلى** ۔ آیت حرمت میں دس چیزوں کا بیان آرہا ہے۔ **تحريمه** اصل میں آیۃ تحریمہ تھا مضاف لفظ آیۃ کو حذف کر کے مضاف الیہ کو قائم مقام کیا گیا پھر مضاف الیہ کو بھی حذف کر دیا گیا۔

استثناء منقطع کیونکہ تلاوت مستثنیٰ اور بہیمۃ مستثنیٰ منہ اور دونوں ہم جنس نہیں ہیں لیکن اگر مستثنیٰ منہ حلال اور مستثنیٰ لفظ حرام قرار دیا جائے تو پھر متصل ہو جائے گا۔ **ونحوه** جیسے خنق وقذ، نطح کا ذکر آگے آرہا ہے۔ **حرم** ۔ یہ جمع ہے حرام کی۔ صفت مشبہ بمعنی اسم فاعل ہے لفظ محرمین سے اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور جملہ حال ہے **محلى الصيد** کی ضمیر مستتر سے ای **احلت لكم هذه الا شياء**

الا محلین الصید وانتم حرم .

ان الله یحکم . یہ جملہ گویا ماقبل کی علت ہے۔یعنی اللہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں ان پر کوئی اعتراض نہیں ہے اس میں معتزلہ پر بھی رد ہے جو اللہ پر اصلح کو واجب کہتے ہیں۔شعائر . یہ جمع شعیرۃ کی ہے شعار اور قربانی کو کہتے ہیں اسی طرح مرامی الحجار مطاف ،مسعیٰ وغیرہ افعال حج پر بھی اطلاق آتا ہے۔یبتغون . حال ہے ضمیر امین سے اور بزعمهم صفت ہے رضوان کی ای رضوانا کائنا بحسب زعمهم الفاسدۃ ورنہ کفار کو رضاء الٰہی سے کیا حصہ مل سکتا ہے۔

وھذا منسوخ . ولا الشهر الحرام سے لے کر ولا امین البیت تک چاروں منسوخ ہیں اور ناسخ صرف آیت برأت ہی نہیں بلکہ اس جیسی متعدد آیات ہیں۔اور کبیر میں ہے کہ بعض حضرات اس آیت کو منسوخ اور بعض غیر منسوخ مانتے ہیں۔اور شعبیؒ کہتے ہیں کہ سورۂ مائدہ کی کوئی آیت بجز اس آیت کے منسوخ نہیں ہے۔لیکن مفسرینؒ کی ایک جماعت اس آیت کو غیر منسوخ مانتی ہے۔امر اباحة لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امر ممانعت کے بعد مطلقاً اباحت پر محمول کیا جائے گا۔چنانچہ فاذا انسلخ الا شهر الحرم فاقتلوا المشرکین میں ممانعت کے بعد وجوب پر دلالت کر رہا ہے۔

بفتح النون . فتح کے ساتھ ہی اجود ہے کیونکہ اکثر مصادر ایسے ہی آتے ہیں جیسے ضربان ، میلان ، غلیان ، غثیان ۔ لفظ شنان مضاف الی المفعول ہے۔بمعنی بغض۔

ربط:............ پچھلی سورہ کے ختم پر آیت یبین الله الخ میں فرمایا گیا تھا کہ ہم احکام شرع بیان کرتے ہیں۔اس سورت میں اسی وعدہ کا ایفاء کرتے ہوئے تمام سورتوں سے زیادہ اس سورت میں احکام بیان کر کے اس کے اتباع اور بجا آوری کے لئے آمادہ کیا جارہا ہے گویا خود بھی ایفاء کیا، دوسروں سے بھی اسی کی اپیل ہے یہ مناسبت تو اس کے آغاز اور ماقبل کے انجام میں ہوئی لیکن پوری دونوں کے احکام میں بھی باہمی مناسبت ظاہر ہے۔اسی طرح خود اس سورت کی آیات میں بھی مناسبت نہایت لطیف ہے گویا پہلی آیت بمنزلہ متن کے ہے اور باقی سورت اسی کی شرح ہے۔کیونکہ لفظ عقود پورے احکام شرع پر حاوی ہے چنانچہ آیت احلت الخ سے اسی کلی حکم کی جزئیات بیان کی جارہی ہیں۔پہلا حکم احلت میں چوپاؤں کی حلت وحرمت سے متعلق ہے۔دوسرا حکم لا تحلوا میں شعائر اللہ کی ترک تعظیم کا ہے۔

شانِ نزول:............ آیت یٰایها الذین اٰمنوا الخ کا شان نزول یہ ہے کہ شریح بن حنیفہ مشہور بدبخت۔آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کرتا ہے کہ آپ (ﷺ) لوگوں کو کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ اپنی رسالت کی تصدیق اور اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں۔اور یہی تم سے چاہتا ہوں۔اس نے اپنی قوم سے مشورہ کی مہلت چاہی۔اور مدینہ سے چلتے وقت لوگوں کے جانور ہنکالے گیا۔حالانکہ اس کے آنے سے پہلے آنحضرت (ﷺ) فرما بھی چکے تھے کہ آج ایک ایسا شخص آئے گا جو شیطان کی زبان میں بات کرے گا، کافرانہ آئے گا اور غداری کر کے جائے گا۔اس کے بعد جب آپ (ﷺ) صحابہؓ کی معیت میں مکہ تشریف لے جانے لگے تو صحابہؓ نے شریح کو دیکھ کر پہچان لیا کہ اونٹ لئے جارہا ہے۔تعاقب کرنا چاہا تو یہ آیت نازل ہوگئی۔

ابن جریر کی تخریج کے مطابق یہ آیت لا تحلوا حطم بن ہندی البکر کے متعلق نازل ہوئی جو اسلام لانے کے بعد پھر مرتد ہوگیا تھا اور ذیقعدہ میں جب مسلمانوں کو مکہ میں اس کا جانا معلوم ہوا تو انہوں نے تعاقب کا ارادہ کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔اس آیت کے شان نزول میں مفسرینؒ کا اختلاف ہے بعض صرف مشرکین یا صرف مسلمانوں کے بارے میں اور بعض دونوں کے بارے میں مانتے ہیں جمہور دوسری صورت کو لیتے ہیں۔اور آیت لا یجرمنکم کا نزول بعض مشرکین کے بارے میں ہوا۔جب بارادہ عمرہ مکہ میں

ان کا جانا مسلمانوں کو حدیبیہ کے بعد معلوم ہوا اور انہوں نے تعاقب کا ارادہ کیا جس پر آیت نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: .... **بعض جانوروں کی حلت وحرمت**: .... سورۂ انعام مکی ہے۔ جس میں اس سے پہلے اونٹ وغیرہ اور ان جیسے دوسرے جانور ہرن، نیل گائے وغیرہ جو نہ درندے ہوں۔ اور نہ شکاری۔ نیز دوسرے دلائل شرعیہ حدیث وغیرہ سے مستثنٰی نہ ہو چکے ہوں تمام اہلی اور وحشی بہائم کو حلال کر دیا تھا۔ آیت آئندہ میں اسی کی اطلاع دی جا رہی ہے البتہ بعض جانور باوجود یہ کہ بہیمۃ الانعام میں داخل ہیں اور حدیث وغیرہ دلائل شرعیہ سے مستثنٰی بھی نہیں۔ آئندہ آیت حرمت الخ میں ان کی حرمت بیان کی جا رہی ہے اور ان کو حلال ہونے سے مستثنٰی کیا جا رہا ہے احرام کی حالت میں خواہ حج کا احرام ہو یا عمرہ کا۔ حدود حرم میں ہو یا باہر۔ اور خود اندرون حرم خواہ احرام کی حالت میں ہو یا بلا احرام کے بری وحشی جانور کا شکار ممنوع ہے اور فی الحقیقت دائمی یا ہنگامی حلت وحرمت سب کا اختیار حق تعالیٰ کو ہے۔ حلال پرندوں کا یہاں اگر چہ تذکرہ نہیں ہے لیکن دوسری دلیل شرعی سے چوپاؤں کی طرح ان کی حلت بھی ثابت ہے۔ غرض کہ اونٹ، گائے، بھینس، بکری، بھیڑ حلال ہیں البتہ طبعی موت وغیرہ مخصوص حالتوں میں یہ جانور اور اسی طرح خنزیر جن کا ذکر آگے آ رہا ہے حرام ہیں۔ یا حدیث کی رو سے گدھا حرام ہے اسی طرح درندے بھی حرام ہیں۔ اور ہرن، نیل گائے، گھوڑا وغیرہ وحشی جانور بھی حلال ہیں۔ البتہ ان وحشی جانوروں اور وحشی پرندوں کا شکار احرام اور حرم کی حالت میں ناجائز ہے مگر بحری شکار اس سے مستثنٰی ہے وہ ہر حالت میں حلال ہے۔ اسی طرح غیر محرم کے لئے غیر حرم کا شکار حلال ہے۔

صلح حدیبیہ کا واقعہ، اسی طرح اشہر حرم کا منسوخ ہونا سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے اور **و لا الھدی** سے لے کر **امین البیت الحرام** تک یہ احکام اس وقت کے لئے تھے۔ جب کہ کفار بھی حج وعمرہ کے لئے مسجد حرام میں حاضر ہوتے تھے لیکن اب حج وعمرہ کے لئے ان کو جانے دینا ہی منسوخ ہو چکا ہے۔ اس لئے ان باتوں کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

آیت ذیل کا نسخ: .... اس آیت کے منسوخ ہونے نہ ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ بیضاوی اس کو ناسخ منسوخ نہیں مان رہے ہیں۔ لیکن صاحب مدارک اس سے تعرض ہی نہیں کرتے بلکہ وہ ایسی تفسیر کر رہے ہیں جس سے نسخ لازم ہی نہ آئے یعنی چونکہ ان افعال کی وجہ سے حج میں رکاوٹ پڑتی ہے اس لئے ان سے بچنا چاہئے اور یہ معنی اس لئے بھی مناسب ہیں کہ یہ آخری سورت ہے جس میں نسخ کا احتمال نہیں ہونا چاہئے۔ اور کشاف کی رائے ہے کہ یہ سورت محکم ہے کیونکہ حدیث میں ہے **المائدۃ من اخر القران نزولا فاحلوا حلالھا وحرموا حرامھا**۔ اسی طرح ابن مرہ سے مروی ہے کہ اس سورت میں اٹھارہ فرض احکام ہیں اور ان میں کوئی منسوخ نہیں ہے۔

اور شعائر اللہ اور ہدی دونوں اگر چہ عام ہیں مگر ان کے بعد بعض خاص افراد کا ذکر اسی طرح قلائد کا ذکر صرف اہتمام کے لئے ہے کیونکہ ہدی کبھی ذی قلائد ہوتی ہے اور کبھی غیر ذی قلائد۔ اور چونکہ بعض قاصدین حرم اپنے ساتھ ہدی نہیں لے جائے اس لئے امین کا عطف تغائر کے لئے ہے اور کفار کا امیدوار فضل ورضا ہونا ان کے اپنے خیال کے لحاظ سے ہے اور مقصود حج وعمرہ سے کنایہ کرنا ہے جو فضل ورضائے الٰہی کا سبب ہوتا ہے۔

لطائف آیات: .... **ان اللہ یحکم** الخ میں اسرار احکام کی تفتیش کی ممانعت کی طرف اشارہ ہے۔ آیت **یا ایھا الذین امنوا** الخ سے تبرکات کی تعظیم اللہ تعالیٰ کے تعلق کی وجہ سے مفہوم ہوتی ہے۔ **ولا امین البیت** الخ سے معلوم ہوا کہ طالب رضاء مولیٰ قابل رعایت ہے اگر چہ اس کی راہ میں اس سے خطاء ہی ہوگئی ہو اور **من ربھم** میں ان کی وسعت رحمت کی طرف اشارہ ہے

کہ وہ صرف رب المسلمین نہیں بلکہ رب العالمین ہیں۔ آیت **واذا حللتم الخ** سے معلوم ہوا کہ کسی مباح کے ترک سے اگر اس کے حرام ہونے کا شبہ ہونے لگے تو پھر اس مباح کا کرنا مطلوب ہو جائے گا۔

آیت **ولا یجر منکم الخ** سے معلوم ہوا کہ اگر کسی سے بغض فی اللہ ہو تب بھی اس سے معاملات کے حدود شرعیہ میں تجاوز نہیں کرنا چاہئے۔ آیت **وتعاونوا علی البوا الخ** سے معلوم ہوا کہ اچھائی برائی کے لحاظ سے مقدمات کا وہی حکم ہوگا جو مقاصد کا ہوتا ہے اور مبادی مقاصد ہی کے تابع ہوں گے ارباب تربیت باطن اس کا بہت لحاظ رکھتے ہیں اور تعاون برکو عدم تعاون اثم پر مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ باطنی تحلیہ مقدم ہے تخلیہ پر جیسا کہ محققین مشائخ کا تعامل ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ اَیْ اَکْلُھَا **وَالدَّمُ** اَیِ الْمَسْفُوْحُ کَمَا فِی الْاَنْعَامِ **وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ** بِاَنْ ذُبِحَ عَلٰی اسْمِ غَیْرِہٖ **وَالْمُنْخَنِقَةُ** الْمَیْتَۃُ خَنِقًا **وَالْمَوْقُوْذَةُ** اَلْمَقْتُوْلَۃُ ضَرْبًا **وَالْمُتَرَدِّيَةُ** السَّاقِطَۃُ مِنْ عُلُوٍّ اِلٰی سِفْلٍ فَمَاتَتْ **وَالنَّطِيْحَةُ** اَلْمَقْتُوْلَۃُ بِنَطْحِ اُخْرٰی لَھَا **وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ** مِنْہُ **اِلَّا مَاذَكَّيْتُمْ** اَیْ اَدْرَکْتُمْ فِیْہِ الرُّوْحَ مِنْ ھٰذِہِ الْاَشْیَاءِ فَذَبَحْتُمُوْہُ **وَمَاذُبِحَ عَلَى** اِسْمِ **النُّصُبِ** جَمْعُ نِصَابٍ وَھِیَ الْاَصْنَامُ **وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا** تَطْلُبُوا الْقِسْمَ وَالْحُکْمَ **بِالْاَزْلَامِ** جَمْعُ زَلَمٍ بِفَتْحِ الزَّایِ وَضَمِّھَا مَعَ فَتْحِ اللَّامِ قِدْحٌ بِکَسْرِ الْقَافِ سَھْمٌ صَغِیْرٌ لَا رِیْشَ لَہٗ وَلَا نَصْلَ وَکَانَتْ سَبْعَۃٌ عِنْدَ سَادِنِ الْکَعْبَۃِ عَلَیْھَا اَعْلَامٌ وَکَانُوْا یَجِیْبُوْنَھَا فَاِنْ اَمَرَتْھُمْ اِیْتَمَرُوْا وَاِنْ نَھَتْھُمْ انْتَھَوْا **ذٰلِكُمْ فِسْقٌ** خُرُوْجٌ عَنِ الطَّاعَۃِ وَنَزَلَ بِعَرَفَۃَ عَامَ حَجَّۃِ الْوِدَاعِ **اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ** اِنْ تَرْتَدُّوْا عَنْہُ بَعْدَ طَمْعِھِمْ فِیْ ذٰلِکَ لَمَّا رَاَوْا مِنْ قُوَّتِہٖ **فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ** اَحْکَامَہٗ وَفَرَائِضَہٗ فَلَمْ یَنْزِلْ بَعْدَھَا حَلَالٌ وَلَا حَرَامٌ **وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ** بِاِکْمَالِہٖ وَقِیْلَ بِدُخُوْلِ مَکَّۃَ اٰمِنِیْنَ **وَرَضِيْتُ** اِخْتَرْتُ **لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ** مَجَاعَۃٍ اِلٰی اَکْلِ شَیْءٍ مِمَّا حُرِّمَ عَلَیْہِ فَاَکَلَ **غَيْرَ مُتَجَانِفٍ** مَائِلٍ **لِاِثْمٍ** مَعْصِیَۃٍ **فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لَہٗ مَا اَکَلَ **رَّحِيْمٌ** ﴿۳﴾ بِہٖ فِیْ اِبَاحَتِہٖ لَہٗ بِخِلَافِ الْمَائِلِ لِاِثْمٍ اَیِ الْمُتَلَبِّسِ بِہٖ کَقَاطِعِ الطَّرِیْقِ وَالْبَاغِیْ مَثَلًا فَلَا یَحِلُّ لَہُ الْاَکْلُ **يَسْئَلُوْنَكَ** یَا مُحَمَّدُ **مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ** مِنَ الطَّعَامِ **قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ** اَلْمُسْتَلَذَّاتُ **وَ** صَیْدُ **مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ** اَلْکَوَاسِبِ مِنَ الْکِلَابِ وَالسِّبَاعِ وَالطَّیْرِ **مُكَلِّبِيْنَ** حَالٌ مِنْ کَلَّبْتُ الْکَلْبَ بِالتَّشْدِیْدِ اَرْسَلْتُہٗ عَلَی الصَّیْدِ **تُعَلِّمُوْنَهُنَّ** حَالٌ مِنْ ضَمِیْرِ مُکَلِّبِیْنَ اَیْ تُؤَدِّبُوْنَھُنَّ **مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ** مِنْ اٰدَابِ الصَّیْدِ **فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ** وَاِنْ قَتَلْنَہٗ بِاَنْ لَمْ یَاْکُلْنَ مِنْہُ بِخِلَافِ غَیْرِ الْمُعَلَّمَۃِ فَلَا یَحِلُّ صَیْدُھَا وَعَلَامَتُھَا اَنْ تَسْتَرْسِلَ اِذَا اُرْسِلَتْ وَتَنْزَجِرَ اِذَا زُجِرَتْ

وَتَمْسِكُ الصَّيْدَ وَلَاتَاكُلُ مِنْهُ وَاَقَلُّ مَايُعْرَفُ بِهٖ ذٰلِكَ ثَلٰثُ مَرَّاتٍ فَاِنْ اَكَلَتْ مِنْهُ فَلَيْسَ مِمَّا اَمْسَكْنَ عَلٰى صَاحِبِهَا فَلَايَحِلُّ اَكْلُهٗ كَمَا فِىْ حَدِيْثِ الصَّحِيْحَيْنِ وَفِيْهِ اِنَّ صَيْدَ السَّهْمِ إِذَا اُرْسِلَ وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ كَصَيْدِ الْمُعَلَّمِ مِنَ الْجَوَارِحِ **وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ** عِنْدَ اِرْسَالِهٖ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴿۴﴾ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ** الْمُسْتَلَذَّاتُ **وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ** اَىْ ذَبَائِحُ الْيَهُوْدِ وَالنَّصٰرٰى **حِلٌّ** حَلَالٌ **لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ** اِيَّاهُمْ **حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ** اَلْحَرَائِرُ **مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ** حِلٌّ لَكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ **اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ** مُهُوْرَهُنَّ **مُحْصِنِيْنَ** مُتَزَوِّجِيْنَ **غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ** مُعْلِنِيْنَ بِالزِّنَا بِهِنَّ **وَلَامُتَّخِذِىْٓ اَخْدَانٍ** اَخِلَّاءٍ مِنْهُنَّ تُسِرُّوْنَ بِالزِّنَا مِنْهُنَّ **وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ** اَىْ يَرْتَدَّ **فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ** الصَّالِحُ قَبْلَ ذٰلِكَ فَلَايُعْتَدُّ بِهٖ وَلَا يُثَابُ عَلَيْهِ **وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴿۵﴾** اِذَا مَاتَ عَلَيْهِ

ترجمہ: .... مسلمانو! تم پر حرام کردیا گیا ہے مردار (کا کھانا) اور خون (یعنی بہتا ہوا خون۔ جیسا کہ سورۂ انعام میں ہے) اور سور کا گوشت۔ اور جو جانور غیر اللہ کے نامزد کردیا گیا ہو (غیر اللہ کے نام ذبح کیا گیا ہو اور جو جانور گلا گھونٹ کر مر جائے (گلا گھٹنے سے مر جائے) اور جو کسی چوٹ سے مر جائے (ضرب سے مارا جائے) اور جو کسی بلندی سے گر کر مر جائے (اونچی جگہ سے نیچی جگہ گر کر ہلاک ہوجائے) اور جو کسی ٹکر سے مر جائے (جانور ایک دوسرے کے سینگ مار ڈالے اور مر جائے) اور جیسے درندہ پھاڑ کھائے۔ مگر ہاں جسے تم ذبح کرڈالوں (یعنی ان تمام جانوروں میں سے کسی کی جان بلگ رہی ہو اور تم اس کو ذبح کرڈالو) اور جو جانور کسی بت (کے نام) پر ذبح کیا جائے (نصب جمع ہے نصاب کی یعنی بت) اور یہ بات بھی حرام ہے کہ آپس میں تقسیم کرو (کسی جانور وغیرہ کی تقسیم یا فیصلے کرنا چاہو) تیروں کے پانسوں سے (ازلام جمع زلم کی ہے فتح زا اور ضم زا کے ساتھ مع فتح لام کے۔ قدح بکسر القاف سہم۔ یعنی چھوٹا تیر جس کے پرو پیکان نہ ہوں۔ اور وہ سات تیر کعبہ کے مجاوروں کے پاس رکھے رہا کرتے تھے۔ جن پر کچھ علامات ہوتی تھیں۔ اور یہ ان سے جواب لیا کرتے تھے۔ اگر ان کی طرف سے حکم ملتا تھا تو یہ لوگ تعمیل حکم کرتے تھے۔ اور منع کردیا جاتا تو اس کام سے باز رہتے تھے) یہ گناہ کی بات ہے (نافرمانی ہے اور یہ آیت حجۃ الوداع کے سال عرفہ میں نازل ہوئی ہے) وہ لوگ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی۔ تمہارے دین کی طرف سے آج مایوس ہوچکے ہیں (تم کو دین سے مرتد بنا دینے سے۔ اسلامی شوکت کو دیکھ کر۔ حالانکہ پہلے اس بارے میں وہ پرامید رہتے تھے) پس ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرتے ہو۔ آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا ہے (اس کے احکام و فرائض۔ چنانچہ اس کے بعد کوئی حلال حرام حکم نازل نہیں ہوا ہے) اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی (اسلام کو مکمل کرکے۔ یا بعض لوگوں کی رائے پر امن کے ساتھ مکہ میں داخل کرکے) اور تمہارے لئے پسند (منتخب) کرلیا ہے دین اسلام کو۔ پس جو کوئی بے بس ہوجائے بھوک سے (حرام چیز کے کھانے کی طرف مجبور ہوجائے) یہ بات نہ ہو کہ گناہ کرنا چاہے (کسی گناہ کی طرف میلان نہ ہو) تو اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں (جو کچھ اس نے کھالیا ہے) رحم فرمانے والے ہیں (کہ اس حالت میں اس کے لئے کھانا مباح کردیا۔ بخلاف گناہ کی طرف مائل ہونے والے شخص کے یعنی مرتکب جرم کے جیسے مثلاً: ڈاکو باغی کہ ان کے لئے کھانے کی اجازت نہیں ہے) لوگ آپ سے پوچھتے ہیں (اے محمد (ﷺ)!) کہ کیا کیا چیزیں ان کے لئے حلال ہیں (کھانے کی) کہہ دیجئے جتنی اچھی (لذیذ) چیزیں ہیں سب تمہارے

لئے حلال کر دی گئی ہیں۔ اور (شکار) ان شکاری جانوروں کا جن کو تم نے سدھار کھا ہے (شکاری کتے، درندے، پرندے) اور تم ان کو چھوڑ و بھی (لفظ مکلبین حال ہے۔ کلبت الکلبت مشدد سے ماخوذ ہے یعنی میں نے اس کو شکار پر چھوڑ دیا) اور ان کو تعلیم دو (یہ حال ہے ضمیر مکلبین سے۔ یعنی تم ان کو سدھاؤ) اس طریقہ سے جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے تم کو دی ہے (شکار کے آداب) سو تم کھا سکتے ہو ایسا شکار جس کو یہ شکاری جانور تمہارے لئے پکڑے رکھیں (اگرچہ یہ شکاری جانور شکار کو مار ڈالیں۔ مگر خود اس میں سے کچھ نہ کھائیں بر خلاف غیر سدھائے ہوئے جانوروں کے کہ ان کا شکار حلال نہیں ہے۔ جس کی شناخت یہ ہے کہ جب تم شکار کے پیچھے دوڑاؤ تو دوڑ جائیں اور جب ٹکی بھر کر روکنا چاہو تو رک جائیں۔ اور شکار کو پکڑے رکھیں۔ خود اس میں سے نہ کھائیں۔ اور کم از کم تین مرتبہ ایسے امتحان کر کے معلوم کیا گیا ہو۔ چنانچہ اگر کسی دفعہ پکڑے ہوئے شکار کو خود کھا بیٹھے تو سمجھا جائے گا کہ اس نے مالک کے لئے شکار نہیں کیا ہے۔ لہٰذا ایسے شکار کا کھانا بھی جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث صحیحین میں ایا ہے اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اگر شکار پر بسم اللہ پڑھ کر تیر چھوڑا جائے تو اس کا حکم بھی سدھا ہوئے جانوروں کے شکار جیسا ہوگا) اور اس پر اللہ کا نام بھی (چھوڑنے کے وقت) پڑھا کرو۔ اور اللہ میاں سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ بہت تیزی سے حساب لینے والے ہیں آج تمام اچھی (لذیذ) چیزیں تم پر حلال کر دی گئی ہیں اور ان لوگوں کا کھانا جن کو کتاب دی گئی ہے (یعنی یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ جانور) جائز (حلال) کر دیا گیا ہے تمہارے لئے اور تمہارا ذبیحہ (ان کے لئے) حلال کر دیا گیا ہے۔ نیز مسلمان پارسا بیبیاں اور پارسا (آزاد) عورتیں ان لوگوں کی جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے (تمہارے لئے حلال ہے کہ ان سے نکاح کرلو) بشرطیکہ ان کا معاوضہ (مہر) ان کے حوالہ کر دو۔ مقصود بیوی بنانا (نکاح میں لانا) ہو۔ یہ بات نہ ہو کہ شہوت پرستی ہو (علانیہ بدکاری ہو) یا چوری چھپے آشنائی کی جائے (لک چھپ کر ان سے حرام کاری کی جائے) جو شخص ایمان سے منکر ہوگا (یعنی مرتد ہو جائے گا) تو اس کے سارے کام اکارت جائیں گے (ارتداد سے پہلے جو نیک کام کئے ہوں گے وہ سب کالعدم ہو جائیں گے ان پر کوئی ثواب نہیں ملے گا) اور آخرت میں اس کی جگہ تباہ کاروں میں ہوگی (اگر وہ مرتد ہونے کی حالت ہی میں مر گیا)۔

تحقیق وترکیب: .... لغیر اللہ بہ۔ یہاں لفظ اللہ پہلے لایا گیا ہے کیونکہ اس کے بعد معطوفات ہیں۔ برخلاف سورہ بقرہ کے وہاں فاصل ہے۔ خنق بکسر النون گلا گھونٹنا۔ نطح سینگ مارنا۔

وقذ بمعنی ضرب سادن الکعبۃ۔ یہ تیر خادم کعبہ کے پاس رہتے تھے۔ یاھبل بڑے بت میں رکھے رہتے تھے۔ نصب جمع نصاب بمعنی منصوب جیسے حمر جمع ہے حمار کی۔

استقسام۔ تیروں سے خاص طریقہ سے یہ لوگ تفاول حاصل کرتے تھے چونکہ اس تفاول میں کسی حکم یا خبر پر اعتقاد رکھنا ہوتا تھا اس لئے حرام قرار دیا گیا برخلاف تفاول شرعی کے اس میں اللہ سے امید رکھنا مقصود ہوتا ہے اس لئے جائز ہے۔

ابن جبرؒ کہتے ہیں کہ یہ تیر تین طرح کے ہوتے تھے ایک قسم عام تیروں کی تھی جو سب کے لئے ہوتے تھے اور وہ تین تیر تھے جن پر لفظ امر۔ نہی۔ غفل لکھا ہوتا تھا۔ فال لینے والا اپنا ہاتھ تھیلے میں ڈالتا۔ اگر لفظ امر نکلتا تو اس کام کو کر لیا جاتا۔ لفظ نہی نکلتا تو رک جاتے۔ اور لفظ غفل نکلتا تو پھر ان تیروں کو لوٹا کر فال نکالی جاتی۔ اور سات تیر احکام کے لئے تھے جو کعبہ کے ہر کاہن اور حاکم کے پاس رہتے تھے ایک پر منکم دوسرے پر من غیر کم تیسرے پر ملصق۔ چوتھے پر عقول اور دیتیں لکھے ہوتے تھے۔ اسی طرح تیسری قسم جوئے کے تیروں کی ہوتی تھی جن میں سے سات پر خطوط اور تین پر غفل لکھے ہوتے ان کو گھما کر جوا کھیلتے۔ ازلام جمع زلم کی ہے۔ فلم ینزل یعنی کوئی حکم حلال حرام سے متعلق اس آیت کے بعد نازل نہیں ہوا۔ ورنہ مطلقاً وحی کی نفی نہیں۔ چنانچہ سعید بن جبیرؒ سے مروی ہے کہ

سب سے آخری آیت واتقوا یوماً ترجعون فیه الی الله نازل ہوئی کہ صرف نو روز بعد آپ (ﷺ) کا وصال ہوگیا۔

رضیت ۔ یہ جملہ مستانفہ حال ہے اکملت پر معطوف نہیں ہے ورنہ یہ غلط معنی ہو جائیں گے کہ اسلام سے آج راضی ہوئے اس سے پہلے راضی نہیں تھے ۔فمن اضطر ۔ یہ جملہ حرمت پر متفرع ہے اور الیوم یئس الخ جملہ معترضہ ہے جس میں دین اسلام کا سہل ہونا ظاہر کرنا ہے۔مخمصة ۔ سخت بھوک جو ہلاکت کے قریب پہنچادے ۔غیر متجانف ۔ جلال محقق نے اپنے شافعیؒ مسلک کی رعایت کرتے ہوئے گناہ کی طرف میلان نہ کرنے کی تفسیر کی ہے ورنہ حنفیہؒ کے نزدیک اس کے معنی قدر ضرورت سے زیادہ نہ کھانے کا ہے۔یسئلونك ۔ یہ جملہ حرمت علیکم پر مرتب ہے اور چونکہ یسئلونك میں ضمیر غائب ہے اسی لئے احل لهم میں بھی ضمیر غائب لائی گئی ہے اگر چہ احل لنا بھی ہوسکتا تھا۔طیبات ۔ امام شافعیؒ طیب کا ترجمہ لذیذ کے ساتھ کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک عرب جس چیز کو نجس اور قابل نفرت سمجھتے ہوں وہ حرام ہو جاتی ہے لیکن حنفیہؒ کے نزدیک اس کے معنی شرعاً حلال چیز کے ہیں جس سے طبائع سلیمہ نفرت نہیں کرتی ہیں۔ما علمتم اس کا عطف طیبات پر ہے مضاف محذوف ہے جس کی طرف جلال مفسرؒ نے اشارہ کر دیا ہے صید بمعنی مصید ہے کیونکہ یہی حلال ہے ورنہ جوارح حلال نہیں ہوتے خواہ سدھائے ہوئے ہوں۔الکواسب ۔ جوارح کا ترجمہ ہے جیسے والذین اجترحوا ای اکتسبوا ۔مراد شکاری جانور جیسے کتا، چیتا، شکرہ باز، شاہین وغیرہ درندے ہوں یا پرندے بشرطیکہ ذی ناب ہوں یا ذی مخلب جیسا کہ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی رائے ہے۔

مکلبین ۔ بمعنی معلمین ۔یہ حال ہے ضمیر علمتم سے سبع پر بھی کلب کا اطلاق کیا جاتا ہے جیسے آنحضرت (ﷺ) نے بددعا فرمائی ہے۔اللهم سلط علیه کلباً من کلابک ای سبعاً بولتے ہیں کلبت الکلب یا تو اس لئے اکثر شکار کتے کے ذریعہ ہوتا ہے اور یا اس لئے کہ درندہ کو بھی کتا ہی کہا جاتا ہے ثلاث مرات ۔ امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ معیار ہے اور امام احمدؒ کے نزدیک اور ایک قول امام شافعیؒ کا ہے کہ مطلقاً کھانا جائز نہیں ہے۔جیسا کہ عدیؓ بن حاتم کی روایت میں ہے کہ آپ (ﷺ) نے فرمایا کل مما امسک علیک وان اکل منه فلا تاکل فانما امسک علی نفسه ۔لیکن امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ پرندوں میں یہ شرط نہایت مشکل ہے ان کو اس درجہ نہیں سدھایا جاسکتا۔امام مالکؒ مطلقاً شرط نہیں فرماتے۔جیسا کہ حدیث ابی ثعلبہ میں ہے کہ فکل وان اکل ۔اور حدیث عدی بن حاتم کو نزاہت پر محمول کرتے ہیں۔من الجوارح حدیث میں ہے اذا رمیت بسهمک فاذکر اسم الله فان غاب عنک یوماً فلم تجد فیه غیر اثر سهمک فکل ان شئت ۔

ای ذبائح الیهود ۔ اہل تورات وانجیل کے علاوہ جو اہل کتاب ہیں جیسے صحف ابراہیمؑ کو ماننے والے ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔غرض کہ ذبیحہ کی حلت حلت نکاح کے تابع ہے۔لیکن فتاویٰ عالمگیری میں یہ لکھا ہے کہ عام طور پر جو دین سماوی کے تابع ہوں جیسے صحف ابراہیمؑ اور کتاب شیثؑ اور زبور کو ماننے والے ان کا ذبیحہ اور ان سے نکاح جائز ہوگا۔

وطعامکم ۔ ذبیحہ کھانے کے علاوہ ان سے خرید وفروخت بھی جائز ہے۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار اہل کتاب ہماری شریعت کے بھی مکلف ہیں۔لیکن زجاجؒ کہتے ہیں کہ معنی یہ ہیں ویحل لکم ان تطعموهم ۔یعنی مسلمانوں کو خطاب ہے۔الحرائر امام شافعیؒ کے نزدیک اہل کتاب باندی سے نکاح جائز نہیں ہے لیکن حنفیہؒ کے نزدیک جائز ہے۔اسی لئے صاحب ہدایہ نے محصنات کا ترجمہ عفائف کے ساتھ کیا ہے۔اور ابن عمرؓ اس کا ترجمہ مسلمات کے ساتھ کرتے ہیں۔کیونکہ ان کے نزدیک کتابیہ اور مشرکہ دونوں یکساں ہیں نکاح ناجائز ہونے میں اسی اختلاف کے پیش نظر شاید یہاں لفظ محصنات کی تفسیر کرنی پڑی ورنہ پہلے محصنات کے معنی بالاتفاق عفائف کے ہیں۔

ربط: .... ابتداء سورت میں حلال چوپاؤں میں سے بعض کا استثناء فرمایا تھا۔ آیت حرمت الخ میں اس کی تفصیل ہے گویا یہ تیسرا حکم ہے۔ اس کے بعد آیت الیوم الخ سے اکمال دین اور اتمام نعمت کی بشارت مذکور ہے اور مقصود اس سے تمام اوامر ونواہی کے امتثال کا اہتمام کرنا ہے جن میں اس آیت کے محرمات ومحلات بھی داخل ہیں۔ پھر آیت فمن اضطر الخ میں ان ہی جانوروں کا بحالت اضطرار حلال ہونا مذکور ہے۔ آیت یسئلو نک ماذا احل الخ میں بعض محللات کا ذکر ہے یعنی مخصوص شکار کا حلال ہونا اور اہل کتاب کے ذبیحہ کا حلال اور ان سے نکاح کا جائز ہونا مذکور ہے۔ ذبیحہ کا تعلق اگرچہ مال سے اور نکاح کا تعلق نفس سے ہے۔ تاہم استفادہ دونوں میں مشترک فیہ ہے۔ یہ چوتھا اور پانچواں اور چھٹا حکم ہوا۔

آیت الیوم الخ کے متعلق شیخین کی روایت حضرت عمرؓ سے ہے کہ ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ روز جمعہ عصر کے وقت یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک یہودی نے جب فاروق اعظمؓ اور ابن عباسؓ پر طنز کیا تھا کہ اگر اس قسم کی آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم خوشی میں اس دن کو یادگاری عید کا دن بنا لیتے؟ مقصد یہ تھا کہ تم لوگوں نے کچھ بھی قدر نہ کی۔ مگر فاروق اعظمؓ نے جواب دیا کہ ہمارے لئے تو دوہری عید ہوئی ہے ایک تو یہ کہ عرفہ کا دن تھا۔ دوسرے جمعہ کا دن تھا۔ جو ہمیشہ مسلمانوں کی عیدیں رہیں گی۔

شان نزول: .... جب آیت حرمت نازل ہوئی تو عدی بن حاتمؓ اور زیدؓ بن جبل الطائی نے عرض کیا یارسول (ﷺ) ہم پہاڑی لوگ ہیں جہاں بجز شکاری جانوروں کے شکار کے گوشت کا دستیاب ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اور ایسا موقعہ بہت کم ملتا ہے کہ اس شکار کو ہم صحیح سلامت ذبح کرلیں؟ اس پر آیت یسئلو نک نازل ہوئی۔ امام زاہدؒ نے اسی کے ساتھ ایک اور روایت بھی ابوارفعؓ سے نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ جبرائیل امین آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تھے مگر حاضر نہیں ہوئے اور عرض کیا کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہوتی ہے اس میں ملائکہ کے لئے داخل ہونا زیبا نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرت (ﷺ) نے مدینہ میں عام طور پر کتوں کے قتل کا حکم دے دیا۔ اس پر لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) ہمارے لئے ان کی کوئی چیز حلال بھی ہے یا نہیں؟ تب آیت یسئلو نک الخ نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے شکاری کتوں اور حفاظتی کتوں کے پالنے اور رکھنے کی اجازت دی۔ مگر کٹ کھنے اور کالے کتوں کے مارنے کا حکم بدستور رہا۔

﴿تشریح﴾: .... **بعض مخصوص جانوروں کی حرمت:** .... حرمت کا مدار چونکہ خبیث نیت پر ہوتا ہے جس کا اظہار کبھی قول سے ہوتا ہے جیسے کسی جانور کو غیر اللہ کے نامزد کردینا۔ اور کبھی فعل سے ہوتا ہے کہ ایسے جانوروں کو پرستش گاہوں اور تھانوں پر ذبح کردینا۔ اس لئے یہ دونوں صورتیں حرام ہوئیں میتہ کے عموم میں اگرچہ منخنقۃ وغیرہ ساتوں قسمیں داخل ہیں۔ لیکن زمانہ جاہلیت میں ان جانوروں کے کھانے کی عادت تھی اس لئے تصریح اور مزید تفصیل کرنی پڑی۔ غرض کہ ان صدمات کے ذریعہ دم نکلنے سے پہلے اگر کچھ علامات حیات معلوم ہونے پر جانور کو ذبح کرلیا تو حلال ہوجائے گا ورنہ نہیں۔ جانوروں کو شرعی قاعدہ سے اختیاراً اور اضطراراً ذبح کرنے اور احکام شرعیہ کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

یہاں اگرچہ بہائم کا ذکر ہورہا ہے لیکن ان کا حرام ہونا بہائم ہونے کی خصوصیت سے نہیں ہے بلکہ اصل وجہ ان کا مردار اور منخنقۃ وغیرہ ہونا ہے جو بہائم کی طرح پرندوں میں بھی جاری ہوسکتا ہے اور صحت استثناء کے لئے یہ عموم مضر نہیں ہے بلکہ جیسے جاء نی القوم الا العمیان کہنا صحیح ہے۔ اگرچہ عمیان کا عموم قوم کے عمیان سے زیادہ ہے۔ پس اسی طرح یہاں عام عنوان سے استثناء صحیح ہوگا اور

مذکورہ چوپاؤں کی طرح منخنقہ وغیرہ پرند بھی حرام قطعی ہوں گے۔

قمار اور جوئے کی ایک صورت: .... زمانہ جاہلیت کی ایک رسم یہ بھی تھی کہ پتی ڈال کر ایک جانور خرید کر ذبح کرلیا جاتا۔ لیکن اس کا گوشت داموں کی نسبت سے شرکاء میں تقسیم نہیں کیا جاتا تھا بلکہ چھٹی کے طریقہ پر اس کام کے لئے دس تیر مخصوص کر رکھے تھے جن میں سے سات تیروں پر کچھ نشانات بنے ہوئے ہوتے اور تین سادہ ہوتے اور کچھ خاص اصطلاحات ٹھیرا رکھی تھیں جن کے بموجب گوشت تقسیم کیا جاتا تھا۔ چنانچہ دام دینے والا محروم بھی رہ سکتا تھا۔ اور دام سے زیادہ گوشت بھی اس کے حصہ میں آ سکتا تھا۔ لیکن اسلام اور قرآن نے اس غلط رسم کی اس آیت میں اصلاح کردی۔

قرعہ اندازی کے حدود: .... البتہ اس سے شرعی قرعہ پر کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس کی اجازت تو ایسے مواقع پر ہے جہاں اس کے بغیر بھی باہم اتفاق جائز ہو جیسے کسی مشترک مکان کی تقسیم کو بلا قرعہ بھی اگر دونوں شریک باہمی صلاح اور مشورہ سے یہ طے کرلیں کہ ایک ساجھی ایک طرف کا اور دوسرا ساجھی دوسری طرف کا لے لے تب بھی جائز ہے۔ قرعہ کا حاصل صرف اس قدر ہوتا ہے کہ اس سے دل میں خلش نہیں رہتی بلکہ خدائی اور تقدیری فیصلہ سمجھ کر انسان مطمئن ہو جاتا ہے۔

اسی طرح دو بیویوں سے شرعاً جس کو چاہے سفر میں لے جاسکتا ہے لیکن ان کی تالیف قلب کے لئے قرعہ اندازی کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ حرف شکایت بیویوں کی زبان پر نہیں آ سکتا۔ لیکن چند ساجھی اگر برابر روپیہ لگا کر جانور خرید کر ذبح کریں اور باہمی رضامندی سے یہ طے کرلیں کہ ایک ساجھی کو ایک ثلث اور دوسرے کو دو ثلث ملے گا تو بلا قرعہ جب یہ صورت حرام ہے تو قرعہ اندازی کے بعد بھی یہ صورت ناجائز ہی رہے گی۔

دین اسلام کی تکمیل: .... اور **الیوم** سے مراد خاص نزول ہی کا دن نہیں ہے بلکہ ماقبل ومابعد کا قریبی زمانہ مراد ہے۔ چنانچہ اگر اس کے بعد بھی کسی حکم کا نازل ہونا ثابت ہو جائے تو اس اکمال وتکمیل پر اعتراض لازم نہیں آئے گا۔ اور **رضیت لکم** کی وجہ سے احکام کا منسوخ نہ ہونا عام ہے۔ آپ کی حیات مبارکہ میں بھی اور وفات کے بعد بھی۔ اول تو اس لئے کہ کسی مزید وحی کے ذریعہ نسخ نہیں ہوا۔ اور دوسرے اس لئے کہ آپ کے بعد کوئی نبی من حیث النبوت نہیں آئے گا۔ اور دوسرے دلائل سے احکام کا ثابت ہونا اس اکمال کے منافی نہیں ہے کیونکہ حدیث تو مابہ الاکمال میں داخل ہے ہی۔ رہے قیاس واجماع وہ بھی جب نصوص آیات واحادیث سے مستنبط ہوں گے تو معارض نہیں بلکہ ان ہی کے حکم میں داخل ہوں گے۔ البتہ قیاس واجماع جو قرآن وحدیث سے باہر ہوں وہ دلائل ہی نہیں بلکہ قرآن وحدیث کے مخالف ہونے کی وجہ سے ان کو دلائل شمار نہیں کیا جائے گا۔

شکار کے حلال ہونے کی شرائط: .... آیت **وما علمتم من الجوارح** الخ میں شکاری جانور کی چار شرطیں ذکر کی گئی ہیں اول تعلیم دینا لفظ **ما علمتم** میں دوسرے شکار پر چھوڑنا لفظ **مکلبین** میں۔ تیسرے شکار کا تمہارے لئے شکار کیا جانا جو **مما امسکن** میں ہے۔ اور چوتھے بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑنا جو **واذکروا اسم اللہ** میں ہے۔ اور ایک پانچویں شرط امام اعظمؒ کے نزدیک شکار کو زخمی کرنے کی بھی ہے جس کی طرف لفظ جوارح میں اشارہ ہے جس کے معنی زخمی کرنے کے ہیں۔ شکار کا ایک طریقہ تیر یا بھالہ وغیرہ مارنا بھی ہے جو کچھ شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ آیت میں صرف شکاری جانوروں کا حکم بیان کیا جارہا ہے لیکن جو وحشی جانور نہیں بلکہ اہلی ہیں وہ بدون ذبح شرعی حلال نہیں ہوں گے۔ اسی طرح اگر شکار کے بعد جانور زندہ پکڑ لیا اور ذبح کرنے کا موقعہ مل گیا تب

بھی ذبح کرنا ضروری ہوجائے گا اس کے بعد کتابی کے ذبیحہ حلال ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ایک یہ کہ وہ اصلی کتابی ہو۔اور مسلمان سے مرتد ہو کر کتابی نہ بنا ہو۔البتہ اگر کوئی غیر مسلم کتابی ہو گیا ہو تو اس کا حکم اصل کتابی جیسا ہو گا۔دوسری شرط یہ ہے کہ ذبیحہ پر کتابی اللہ کے سوا کسی کا نام نہ لے ورنہ ذبیحہ حرام ہوجائے گا۔مسلمان یا کتابی عورت اگر پارسا نہ بھی ہو تب بھی اس سے نکاح حلال ہے مگر بہتر نہیں ہے خلاف اولیٰ ہے۔البتہ مسلمان عورت کا نکاح غیر مسلم مرد سے صحیح نہیں ہے خواہ وہ کتابی ہو یا غیر کتابی۔

آج کل عیسائیوں اور یہودیوں کی اکثریت اہل کتاب نہیں ہے:............آج کل اکثر یہودی اور عیسائی برائے نام ہی اہل کتاب ہیں ان کا ذبیحہ اور نکاح اصلی کتابی جیسا نہیں سمجھا جائے گا۔نیز آیت میں وجوب مہر بتلانا مقصود ہے اس کا شرط نکاح ہونا مقصود نہیں۔چنانچہ مہر کا تذکرہ نہ ہو بلکہ عدم مہر کی شرط ہو یا مہر کی ادائیگی نہ کی ہو تب بھی نکاح درست ہوجائے گا۔اس آیت میں اہل کتابی کے ذبیحہ اور کفار کے مطلق کھانے کی اباحت واجازت سے یہ لازم نہیں آتا کہ بلاضرورت ان کی ساتھ مواکلت اور کھانا پینا بھی جائز ہوجائے۔کیونکہ مقصود فی نفسہ مواکلت کی ممانعت نہیں ہے بلکہ بلاضرورت ان سے دوستانہ تعلقات اور موالات کی ممانعت کی جارہی ہے۔کیونکہ نجس اور حرام چیزوں کے اختلاط وغیرہ سے مفاسد کے قوی شبہات ہیں۔دوسرے یہ کیا ضروری ہے کہ اگر ممانعت کی ایک علت نہ پائی جائے تو دوسری علتیں بھی نہ ہوں۔

ایک نکتہ نادر:............اور آیت **ومن یکفر بالا یمان الخ** میں حبط اعمال کی سزا کے علاوہ اس مقام پر ایک فائدہ اور ہے کہ چونکہ اہل کتاب کے ذبیحہ اور عورت سے نکاح کا جواز گذرا ہے تو ممکن ہے جو مسلمان مرتد ہو کر اہل کتاب بن جائیں ان کے ذبیحہ اور نکاح کا حکم بھی یہی سمجھا جائے۔اس لئے اس جملہ میں اس شبہ کو صاف کر دیا ہے کہ جس نے اسلام کی حقانیت کا انکار کر دیا۔یاد رکھو کہ اس کے سب اعمال بالکلیہ اکارت گئے۔حتیٰ کہ اس کا ذبیحہ اور اس سے نکاح بھی بیکار ہو گیا اب اس پر حلت وجواز کا حکم مرتب نہیں ہو سکے گا۔اور خسارہ اخروی اس کے علاوہ رہا۔یا آیت کا یہ مطلب ہو کہ اہل کتاب کو اگر دنیا میں اتنی عزت دے دی کہ ان کا ذبیحہ اور ان کی عورت مسلمانوں کے لئے حلال کر دی گئی تو اس سے کیا ہوتا ہے۔کیونکہ اس طرح وہ اخروی خسارہ سے نہیں بچ سکیں گے۔

لطائف آیات:............آیت **الیوم اکملت الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاءؒ نے جو احکام ظاہر وباطن سے مستنبط کئے ہیں وہ سب دین ہیں اور فقہاء ومشائخ اس بارے میں واجب الاتباع ہیں ورنہ اکمال دین کے بعد اس استنباط واجتہاد کی اجازت اور گنجائش نہ ملتی۔کیونکہ اس سے دین کا غیر مکمل ہونا لازم ہے اور لازم باطل ہے۔**فالملزوم مثلہ**۔

آیت **فمن اضطر** سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کام کی اجازت بضرورت اور مجبوری دی جائے اس سے لذت نفس کا ارادہ نہیں کرنا چاہئے۔مثلاً: حکیم، ڈاکٹر یا گواہ کے لئے بضرورت بدن یا عورت کو دیکھنے کی اجازت دی گئی ہے لیکن اس میں التذاذ نفس کا دخل بالکل نہیں ہونا چاہئے۔پس اس سے قلب کی حفاظت کا بھی خاص اہتمام مفہوم ہوتا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اَیْ اَرَدْتُّمُ الْقِیَامَ **اِلَی الصَّلٰوةِ** وَاَنْتُمْ مُحْدِثُوْنَ **فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ** اَیْ مَعَهَا كَمَا بَیَّنَتْهُ السُّنَّةُ **وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ** اَلْبَاءُ لِلْاِلْصَاقِ اَیْ اَلْصِقُوْا الْمَسْحَ بِهَا مِنْ غَیْرِ اِسَالَةِ مَاءٍ وَهُوَ اِسْمُ جِنْسٍ فَیَكْفِیْ اَقَلُّ مَا یَصْدُقُ عَلَیْهِ وَهُوَ مَسْحُ بَعْضِ شَعْرِهٖ وَعَلَیْهِ

الشَّافِعِيُّ **وَاَرْجُلَكُمْ** بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلٰى اَيْدِيَكُمْ وَالْجَرِّ عَلَى الْجِوَارِ **اِلَى الْكَعْبَيْنِ** اَیْ مَعَهُمَا كَمَا بَيَّنَتْهُ السُّنَّةُ وَهُمَا الْعَظْمَانِ النَّاتِيَانِ فِیْ كُلِّ رِجْلٍ عِنْدَ مَفْصَلِ السَّاقِ وَالْقَدَمِ وَالْفَصْلُ بَيْنَ الْاَيْدِیْ وَالْاَرْجُلِ الْمَغْسُوْلَةِ بِالرَّاْسِ الْمَمْسُوْحِ يُفِيْدُ وُجُوْبَ التَّرْتِيْبِ فِیْ طَهَارَةِ هٰذِهِ الْاَعْضَاءِ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِیُّ وَيُؤْخَذُ مِنَ السُّنَّةِ وُجُوْبُ النِّيَّةِ فِيْهِ كَغَيْرِهٖ مِنَ الْعِبَادَاتِ **وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا** فَاغْتَسِلُوْا **وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى** مَرَضًا يَضُرُّهُ الْمَاءُ **اَوْ عَلٰى سَفَرٍ** اَیْ مُسَافِرِيْنَ **اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ** اَیْ اَحْدَثَ **اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ** سَبَقَ مِثْلُهٗ فِیْ سُوْرَةِ النِّسَاءِ **فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً** بَعْدَ طَلَبِهٖ **فَتَيَمَّمُوْا** اقْصُدُوْا **صَعِيْدًا طَيِّبًا** تُرَابًا طَاهِرًا **فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ** مَعَ الْمَرَافِقِ **مِّنْهُ** بِضَرْبَتَيْنِ وَالْبَاءُ لِلْاِلْصَاقِ وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ اَنَّ الْمُرَادَ اِسْتِيْعَابُ الْعُضْوَيْنِ بِالْمَسْحِ **مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ** ضِيْقٍ بِمَافَرَضَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْوُضُوْءِ وَالْغُسْلِ وَالتَّيَمُّمِ **وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ** مِنَ الْاَحْدَاثِ وَالذُّنُوْبِ **وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ** بِبَيَانِ شَرَائِعِ الدِّيْنِ **لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ**﴿۶﴾ نِعَمَهٗ **وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ** بِالْاِسْلَامِ **وَمِيْثَاقَهُ** عَهْدَهٗ **الَّذِیْ وَاثَقَكُمْ بِهٖ** عَاهَدَكُمْ عَلَيْهِ **اِذْ قُلْتُمْ** لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ بَايَعْتُمُوْهُ **سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا** فِیْ كُلِّ مَا تَاْمُرُ بِهٖ وَتَنْهٰى مِمَّا نُحِبُّ وَنَكْرَهُ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** فِیْ مِيْثَاقِهٖ اَنْ تَنْقُضُوْهُ **اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ**﴿۷﴾ بِمَا فِی الْقُلُوْبِ فَبِغَيْرِهٖ اَوْلٰى **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ** قَائِمِيْنَ **لِلّٰهِ** بِحُقُوْقِهٖ **شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ** بِالْعَدْلِ **وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ** يَحْمِلَنَّكُمْ **شَنَاٰنُ** بُغْضُ **قَوْمٍ** اَیِ الْكُفَّارِ **عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا** فَتَنَالُوْا مِنْهُمْ لِعَدَاوَتِهِمْ **اِعْدِلُوْا** فِی الْعَدُوِّ وَالْوَلِیِّ **هُوَ** اَیِ الْعَدْلُ **اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ**﴿۸﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ **وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** وَعْدًا حَسَنًا **لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ**﴿۹﴾ هُوَ الْجَنَّةُ **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ**﴿۱۰﴾ **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ** هُمْ قُرَيْشٌ **اَنْ يَّبْسُطُوْۤا** يَمُدُّوْا **اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ** لِيَفْتِكُوْا بِكُمْ **فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ** وَعَصَمَكُمْ مِمَّا اَرَادُوْا بِكُمْ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ**﴿۱۱﴾

ترجمہ: .... مسلمانو! جب تم آمادہ ہو (کھڑے ہونے کا ارادہ کرو) نماز کے لئے (اور تم بے وضو بھی ہو) تو چاہئے کہ اپنا منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھولیا کرو (یعنی کہنیوں سمیت جیسا کہ سنت سے ثابت ہے اور سر کا مسح کرلیا کرو (اس میں باالصاق کے لئے ہے یعنی مسح کو سر کے ساتھ ملصق کرو۔ بغیر یعنی بہائے اور لفظ راس اسم جنس ہے۔ لہٰذا کم سے کم درجہ بھی کافی ہے جس پر یہ لفظ صادق آسکے بعض سر کے بالوں کا۔ اور امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے) نیز اپنے پاؤں (نصب کے ساتھ اس کا عطف ایدیکم پر ہے۔ اور اس پر جر بھی ہے مجرور کے قریب ہونے کی وجہ سے) ٹخنوں تک دھولو (یعنی ٹخنوں سمیت جیسا کہ سنت سے ثابت ہے اور اس سے مراد وہ اُبھری ہوئی دو

ہڈیاں ہیں جو ہر پیر پر پنڈلی اور قدم کا درمیانی جوڑ ہوتا ہے۔ اور ہاتھ پاؤں جو اعضائے مغسولہ ہیں ان کے درمیان سر کا ذکر آنا جس پر مسح کیا جاتا ہے۔ اس سے باہمی ان اعضاء کے درمیان ترتیب قائم رکھنا واجب معلوم ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے اور وضو اور دوسری عبادات میں نیت کا وجوب بھی سنت سے ثابت ہے) اور اگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو چاہئے کہ پاک صاف ہو جاؤ (غسل کرلو) اور اگر تم بیمار ہو (ایسا مرض ہو جس میں پانی کا استعمال مضر ہو) یا سفر میں ہو (یعنی مسافر ہو) یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آیا ہو (بے وضو ہو گیا ہو) یا تم نے بیویوں کو چھوا ہو (سورۂ نساء میں بھی ایسی آیت گذر چکی ہے) اور پھر پانی میسر نہ آئے (باوجود تلاش کے) تو ایسی حالت میں تیمم کرلیا کرو (کام لیا کرو) یعنی عمدہ زمین (پاک مٹی سے) اپنے منہ اور ہاتھوں پر (کہنیوں سمیت) مسح کرلیا کرو (دو دفعہ مٹی پر ہاتھ مار کر۔ اس میں با الصاق کے لئے ہے اور سنت سے ثابت ہے کہ ان دونوں اعضاء پر استیعاب کے ساتھ ہاتھ پھیرنا مراد ہے) اللہ میاں کو یہ منظور نہیں کہ تمہیں کسی طرح کی مشقت میں ڈالیں (وضو، غسل، تیمم کے جو احکام فرض کئے ان سے تمہیں تنگی ہو) لیکن یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں پاک صاف رکھیں (میل کچیل اور گناہوں سے) نیز یہ کہ تم پر اپنی نعمتیں مکمل فرمادیں (دینی احکام بیان فرمانا تا کہ تم (ان کی نعمتوں کے) شکر گذار ہو سکو اور اللہ نے تم پر (اسلام کے) جو انعام فرمائے ہیں ان کی یاد سے غافل مت ہو اور ان کے عہد (پیمان) نہ بھولو جو مضبوطی کے ساتھ وہ تم سے ٹھہرا چکے (تم سے معاہدہ کر چکے) جب تم نے کہا تھا (نبی کریم (ﷺ) سے بیعت کرتے وقت) کہ ہم آپ کا فرمان سن چکے اور ہم نے اسے قبول کیا (جن پسندیدہ باتوں کا آپ حکم دیں گے اور جن ناگوار باتوں سے آپ منع کریں گے) اور اللہ سے ڈرو (مضبوط وعدہ کر کے عہد شکنی کرنے میں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ پوری طرح جانتے ہیں جو کچھ سینوں میں چھپا ہوتا ہے (دلوں میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ تو اور چیزوں کو بدرجہ اولیٰ جانتے ہوں گے) مسلمانو! اللہ کے (حقوق کے) لئے مضبوطی سے قائم رہنے والے اور عدل (انصاف) کے لئے گواہی دینے والے بن جاؤ۔ اور ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ تمہیں ابھار دے (آمادہ کردے) دشمنی (عداوت) کسی خاص گروہ کی (یعنی کفار کی) اس بات کے لئے کہ تم ان کی ساتھ انصاف نہ کرو (اور تم ان سے محض ان کی دشمنی کی وجہ سے کچھ حاصل کرلو) انصاف کرو (دشمن اور دوست کے ساتھ) کہ یہی (یعنی انصاف) تقویٰ سے لگتی ہوئی بات ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ وہ تمہارے کارناموں سے باخبر ہیں (وہ ضرور تمہیں بدلہ دیں گے) اللہ کا وعدہ ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے (بہترین وعدہ) ان کے لئے مغفرت ہے اور بہت ہی بڑا اجر (جنت) ہوگا۔ لیکن جن لوگوں نے انکار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو وہ دوزخی ہیں۔ مسلمانو! اپنے اوپر اللہ کا وہ احسان یاد کرو کہ جب ارادہ کرلیا تھا ایک گروہ (قریش) نے کہ تم پر ہاتھ چھوڑ دیں (تمہیں اچانک قتل کرنے کے لئے) تو اللہ نے ان کے ہاتھ تمہارے خلاف بڑھنے سے روک دیئے (اور تمہیں ان کے ارادوں سے محفوظ رکھا) اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور اللہ ہی ہیں جن پر مسلمانوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے۔

تحقیق وترکیب: .... وانتم محدثون ظاہر آیت سے تو ہر نماز کے لئے تازہ وضو کا واجب ہونا معلوم ہوتا ہے خواہ وضو ہو یا نہ ہو جیسا کہ داؤد ظاہریؒ کی رائے ہے۔ یا حضرت علیؓ، عکرمہؓ، ابن سیرینؒ سے مروی ہے لیکن جمہورؒ اس کی کئی توجیہیں کرتے ہیں مثلاً إذا قمتم الخ کے معنیٰ اذا قمتم من النوم کے لیتے ہیں جس کے لئے حدث لازمی ہے اور بعض اس امر کو استحباب وندب پر محمول کرتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ظاہر آیت کے مطابق ابتدائے اسلام میں ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا ضروری تھا۔ پھر احادیث کے ذریعہ اس کا نسخ ہوا۔ چنانچہ عبداللہ بنؓ حنظلہ سے روایت ہے کہ آنحضرت (ﷺ) نے ہر نماز کے لئے وضو کا حکم دیا جو مسلمانوں پر شاق معلوم ہوا۔ پھر آپ (ﷺ) نے تخفیف فرما کر صرف حدث کے بعد ضروری رکھا۔ رہی یہ روایت کہ سورۂ مائدہ تو خود آخری سورۃ ہے فاحلوا حلالھا وحرموا حرامھا۔ تو اول تو عراقی اس کو مرفوع نہیں مانتے بلکہ آخری نزول براءت کا ہوا ہے۔ دوسرے اگر اس روایت کو صحیح

بھی مان لیا جائے تو بلحاظ اکثر صورت ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ یہ آیت اور حکم بھی اس میں داخل ہو۔

وارجلکم نصب اور جر دو قراءتوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے جو حکم میں دو آیتوں کے سمجھی جاتی ہے۔ قراءت نصب تو پاؤں دھونے پر محمول ہوگی اور قراءت جر مسح خفین پر۔ اس طرح پیروں سے متعلق دو حکم ہو جائیں گے۔ اور اگر دونوں قراءتوں کا تعلق ایک ہی حالت سے ہو تو پھر دونوں حکم برابر ہوں گے۔ مگر دھونے کے حکم کو ترجیح سنت کی طرف رجوع کرنے کی بناء پر ہوگی۔ چنانچہ اس بارہ میں اخبار مشہورہ بلکہ اخبار متواترہ وارد ہیں کہ آنحضرت (ﷺ) پاؤں دھویا کرتے تھے اور حدیث **ویل للا عقاب من النار** درجہ شہرت پر پہنچی ہوئی ہے۔

عند مفصل. جمہور اور ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے۔ البتہ جو لوگ پاؤں پر مسح کرنے کے قائل ہیں وہ کعب سے مراد "معقد شراک" تسمہ باندھنے کی جگہ مراد لیتے ہیں حالانکہ وہ حصہ ہر پیر میں ایک ہوتا ہے اس لئے بقاعدہ استعمال **وایدیکم الی المرافق** کی طرح **الی الکعاب** ہونا چاہئے تھا لیکن **الی الکعبین** تثنیہ لانے سے اشارہ ہو گیا کہ ہر پیر میں دو لعب ہونے چاہئیں اور وہ ٹخنے اور گٹے کے معنی لینے ہی سے ہو سکتا ہے۔

وجوب الترتیب. لیکن ہمارے نزدیک جیسا کہ زمخشریؒ نے ذکر کیا ہے اعضاء مغسولہ کے درمیان عضو ممسوحہ کالانا پیروں کے بارے میں جو اسراف سے کام لیا جاتا ہے اس پر تنبیہ کرنا ہے۔ **و بینت** یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ با الصاق کے لئے آتی ہے پس ان دونوں عضو کا عدم استیعاب ثابت ہوا۔ حالانکہ وضو میں استیعاب ثابت ہے پس آیت وضو اور آیت تیمم میں تعارض ہو گیا بلکہ تیمم جو نائب ہے اصل وضو کے برخلاف ہو گیا واضح ہونا چاہئے کہ آیت وضو اور آیت تیمم سات ۷ چیزوں پر مشتمل ہیں۔ دو طہارتیں۔ اصل اور بدل۔ اور اصل بھی دو ہیں مستوعب اور غیر مستوعب۔ پھر غیر مستوعب بلحاظ فعل کے غسل اور مسح ہے اور بلحاظ محل کے محدود اور غیر محدود ہے۔ اور ذریعہ طہارت سیال ہوگا یا جامد۔ اسی طرح موجب طہارت حدث اصغر ہوگا یا حدث اکبر۔ وضو سے تیمم کی طرف آنا۔ مرض کی وجہ سے ہوگا یا سفر کی وجہ سے طہارت کے حصول پر۔ گناہوں سے پاک ہونے اور اتمام نعمت کا وعدہ ہے غرض کہ یہ سب چیزیں دو دو اور جوڑ ہیں۔

منہ. لفظ **صعید** کی طرف ضمیر راجع ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں کو وہم ہو گیا کہ چونکہ من تبعیضیہ ہے اس لئے تیمم کے لئے مٹی پر غبار ہونا شرط ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ من ابتدائیہ ہے۔ یا بقول زجاجؒ کہا جائے کہ صعید سے مراد وجہ ارض ہے خواہ مٹی ہو یا پتھر اور یا کہا جائے کہ ضمیر **منہ** حدث کی طرف راجع ہے۔ **بایعتموہ.** کیکر وغیرہ درخت کے نیچے جو بیعت کا واقعہ ہوا اس کی طرف اشارہ ہے۔

قوامین یہ خبر ہے **کونوا** کی اور **شھداء** خبر ثانی ہے۔

یجر منکم. چونکہ **یجر** من متضمن ہے یعنی **یحملن** کو۔ اسی لئے علی کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے اور **یکسبن** کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے دونوں معنی قریب قریب ہیں۔ اسی لئے جلال مفسرؒ نے اس لفظ کی دونوں جگہ دو تفسیریں کر دی ہیں۔

قوم. اس سے مراد خاص کفار قریش ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو مسجد حرام میں جانے سے روکا تھا جیسا کہ صاحب کشاف کی رائے ہے یا عموم الفاظ کا اعتبار کرتے ہوئے عام افراد مراد لئے جائیں خصوص سبب کا اعتبار نہ کیا جائے۔

فتنا لوا. یہ منصوب ہے جواب نفی کی وجہ سے۔ یعنی قتل اور مال کا لوٹنا جو تمہارا مقصد ہے وہ اس طرح حاصل کرو۔

ربط: .... گذشتہ آیات میں بعض احکام دنیا کا بیان تھا۔ اور آیت **یآ یھا الذین امنوا اذا قمتم الخ** میں بعض دینی احکام کا بیان ہو رہا ہے یعنی ساتواں حکم وضو کے وجوب کا اور آٹھواں حکم وجوب غسل کا ہے اور نواں حکم تیمم کی مشروعیت سے متعلق ہے۔ آیت **مایرید اللہ الخ** میں اس حکم تطہیر کا نعمت ہونا مذکور ہے اور پھر **واذ کروا الخ** میں عام احکام کا نعمت ہونا بتلانا ہے۔ اور آیت **یآیھا الذین امنوا کونوا الخ** میں دسواں حکم عدل وانصاف سے متعلق ہے اور پھر اطاعت شعاروں کے لئے وعدہ اور نافرمانوں کے لئے وعید ہے۔

شانِ نزول: .... امام بخاریؒ کے قول کے مطابق حضرت عائشہؓ کے ہار گم ہونے کا تعلق آیت مائدہ یآیھا الذین امنوا اذا قمتم الخ سے ہے سورۂ نساء سے اس کا تعلق جیسے بعض لوگوں نے سمجھا ہے وہ صحیح میں ہے۔ وضو کا وجوب اس آیت سے نہیں ہوا کیونکہ یہ آیت مدنی ہے اور نماز کی فرضیت، بہت پہلے مکہ میں ہوچکی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ بغیر وضو وطہارت تو آپ نے نماز ہرگز نہیں پڑھی ہوگی۔ آیت میں اس کے اظہار کی حکمت اور اس کی فرضیت کو متلو قرار دینا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **شرائط وضو:** .... ظاہر آیت سے ہر نماز کے لئے تازہ وضو کا وجوب معلوم ہو رہا ہے حالانکہ اجماع اور سنت اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقعہ پر آنحضرت (ﷺ) نے ایک وضو سے پانچ نمازیں پڑھیں تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) آج آپ کو یہ نئی بات کرتے ہم دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا میں نے قصداً ایسا کیا ہے یعنی بیان جواز کے لئے۔ اسی طرح ظاہر آیت سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ ہر نماز قائم ہونے کے وقت وضو کرنا ضروری ہے خواہ نماز کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔ حالانکہ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ ان ہی دونوں شبہات کے ازالہ کے لئے مفسر علامؒ نے قمتم کی تفسیر اذ دتم کے ساتھ کی ہے اور وانتم محدثون کی قید کا اضافہ کیا ہے۔ اور بعض نے قواعد منطقیہ پر یہ توجیہ کی ہے کہ اذا قمتم الخ قضیہ مہملہ ہے جو حکم میں خبریہ کے ہوا کرتا ہے یا دوسرے لفظوں میں اس کی تعبیر اس طرح بھی ہوسکتی ہے کہ کلام رب میں اذا بعض اوقات کے لئے آتا ہے۔ پس عموم کے ساتھ حکم کلی اور دائمی نہ رہا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ طہارت جنابت کے ساتھ جو لفظ ان استعمال کیا گیا ہے وہ اس لئے ہے کہ یہ شرط دائمی نہیں ہے بلکہ دوسری شرط ستر عورت کی طرح صرف نماز کے لئے مخصوص ہے۔

فقہی اختلاف مذاہب: .... بہرحال اعضاء وضو وغیرہ دھونے میں بقول ابو یوسفؒ صرف اتنا پانی بہانا ضروری ہے کہ کم از کم قطرہ در قطرہ ٹپک بھی جائے۔ امام مالکؒ کی طرح وضو یا غسل میں بدن کو ملنا یا مسلسل پانی بہانا حنفیہ کے نزدیک شرط نہیں ہے کیونکہ آیت میں جو لفظ غسل ہے لغۃً یہ دونوں قیدیں اس میں داخل نہیں ہیں۔ اس لئے اس کو زیادتی علی الکتاب سمجھا جائے گا۔ اسی طرح مسح کے معنی بھیگے ہوئے ہاتھ پھیرنے کے آتے ہیں لیکن اگر قطرات ٹپک جائیں یا پانی بہنے لگے تو پھر بجائے مسح کے غسل ہوجائے گا۔ مالکیہ کے نزدیک پورے سر کا اور احناف کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح فرض ہے۔ اور شوافع کے نزدیک ایک دو بال کا مسح بھی کافی ہے۔ امام مالکؒ تو برؤ سکم کی با زائد مانتے ہیں اور احناف وشوافع تبعیض کے لئے کہتے ہیں مگر شوافع یقینی تبعیض کی وجہ سے سر کا ادنیٰ درجہ مراد لیتے ہیں یعنی بال دو بال بھی کافی ہیں احناف کے یہاں بھی تبعیض ہی مراد ہے لیکن با کو الصاقیہ مان کر اور چونکہ با محل پر داخل ہے اس لئے اس کی تبعیض ہوجائے لیکن مطلق اور مبہم طریقہ پر۔ البتہ حدیث ناصیہ کی وجہ سے اس کی تفصیل وتوضیح ہوگئی یعنی چوتھائی سر متعین ہوگیا۔ اور بعض نے تین اُنگل مقدار کو کافی کہا ہے۔

وضو میں پاؤں کا مسح: .... بہرحال آیت سے وضو کے فرائض چہارگانہ معلوم ہوگئے باقی چیزیں مسنون ہیں۔ لفظ ارجلکم کی دونوں قراءتیں مشہور ہیں جو دو آیتوں کے حکم بلکہ اس سے بھی زیادہ متحد المعنی ہونی چاہئیں۔ پس ان میں کسی طرح کا تعارض ہونا محال ہے۔ لیکن قراءت جر پر روافض اس کا عطف رؤ سکم پر مانتے ہیں اور پیروں کے مسح کی فرضیت کے قائل ہوگئے ہیں حالانکہ یہ بات صحابہؓ اور خود آنحضرت (ﷺ) کے عمل کے برخلاف ہے۔ چنانچہ عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ واللہ ماعلمت احد امن اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسح علی القدمین۔ نیز روایت ہے کہ آنحضرت (ﷺ) نے کچھ لوگوں کو پیروں کا مسح

کرتے دیکھا تو ویل للاعقاب من النار فرمایا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے ایک صاحب کو وضو کرتے دیکھا کہ انہوں نے پیروں کا نچلا حصہ چھوڑ دیا تو فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعادہ وضو کا حکم فرمایا۔ لفظ الی الکعبین خود اس کا قرینہ ہے کہ پیروں کا مسح مراد نہیں ہے کیونکہ یہ غایت واقع ہو رہا ہے اور مسح کی شرعاً کوئی غایۃ نہیں ہوتی۔

نیز امام لغت ابوزید انصاری وغیرہ کی تصریح کے مطابق مسح بمعنی غسل آتا ہے چنانچہ مسح الارض المطر بولتے ہیں یعنی بارش سے زمین دھل گئی۔ اور متمسح کے معنی متوضی کے آتے ہیں اس لئے پیر دھونے کے متعلق احادیث صحیحہ اور اجماع کی روشنی میں مسح اور غسل کے ایک ہی معنی مراد لئے جائیں گے اور لفظ امسحوا مقدر مان کر اس کا عطف وامسحوا مذکور پر ہو جائے گا۔ کیونکہ وامسحوا ملفوظ کے ماتحت ماننے سے لازم آئے گا کہ سر کے ساتھ تو اس کے معنی مسح متعارف کے ہوں اور پیر کے ساتھ دھونے کے معنی ہوں اور یہ جمع بین الحقیقت والمجاز ہے اس سے بچنے کے لئے ایک امسحوا مقدر مان لیا جائے گا۔ اور نکتہ اس میں پانی کے اسراف سے بچانا ہے جیسا کہ عام طور پر پیروں پر زیادتی پانی بہانے کی عادت ہے یا پھر جر جوار پر محمول کر لیا جائے۔ جیسا کہ عطف کی صورت میں جر جوار نابغہ کے اس شعر میں ہے۔

لم یبق الا اسیر غیر منفلت　　ومو ثق فی حبال القد مجنوب

لفظ موثق مجرور بھی ہے اور اس کا عطف اسیر پر ہو رہا ہے یا قراءت نصب کو بغیر موزہ پیر دھونے پر محمول کر لیا جائے اور جر کی قراءت کو موزہ پہننے کی حالت میں مسح متعارف پر محمول کر لیا جائے۔ اور بقول کشاف حسنؒ تو وضو میں غسل اور مسح دونوں کو جمع کر لیتے تھے۔

لفظ کعبین سے کیا مراد ہے؟:............ کعبین سے مراد جمہور کے نزدیک گٹا اور ٹخنہ ہے ہشام نے جو مفصل اور وسط قدم کے معنی لئے ہیں وہ مرجوح اور مردود ہیں کیونکہ کلام عرب میں جمع کا مقابلہ جب جمع سے ہوتا ہے تو احاد کا انقسام احاد پر کیا جاتا ہے جیسے اغسلوا وجوھکم وایدیکم کے معنی یہ ہوں گے ہر آدمی اپنے اپنے چہرے اور ہر ہاتھ کو دھوئے۔ لیکن جب تثنیہ جمع کے مقابل لایا جاتا ہے تو یہ معنی نہیں رہا کرتے بلکہ ہر فرد کے مقابلہ میں تثنیہ مراد ہوتا ہے جیسے الی الکعبین میں تثنیہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ ہر پیر میں دو کعب ہوں اور یہ بات بطریقہ جمہور ہی حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ ٹخنہ کی دونوں طرف ابھری ہوئی ہڈیاں ہوتی ہیں۔ ہشام کی رائے پر یہ صورت ممکن نہیں۔ قاعدہ کی خلاف ورزی کرنی پڑے گی۔ رہا یہ شبہ کہ اس قاعدہ کے لحاظ سے تو ایدیکم وارجلکم میں صرف ایک ایک ہاتھ پیر دھونا چاہئے تاکہ فرد کا مقابلہ فرد سے ہو سکے؟ جواب یہ ہے کہ آیت سے تو یہی ثابت ہو رہا ہے یعنی ایک ہاتھ پیر دھونے کا وجوب۔ لیکن دوسرے ہاتھ پیر کا دھونا احادیث متواترہ اور اجماع سے ثابت ہے۔

وضو میں چار فرضوں کے علاوہ دوسری چیزیں مسنون ہیں:............ امام شافعیؒ کے نزدیک وضو میں ترتیب، تسمیہ، تسلسل بھی واجب ہیں لیکن ہمارے نزدیک یہ سب چیزیں مسنون ہیں دلائل اصول میں موجود ہیں۔ حدث اصغر کے ازالہ کے بعد جس کا نام وضو ہے۔ آیت وان کنتم الخ میں حدث اکبر یعنی غسل کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ فاطھروا چونکہ مبالغہ کا صیغہ ہے اسی لئے احناف کے نزدیک غسل میں تین فرض ہوئے۔ (۱) مضمضہ (۲) استنشاق۔ (۳) باقی ظاہری بدن کا دھونا۔ تاکہ کامل طہارت حاصل ہو جائے۔ حالانکہ مضمضہ اور استنشاق وضو میں صرف سنت ہیں اور امام شافعیؒ وضو پر قیاس کرتے ہوئے غسل میں بھی ان کو مسنون ہی کہتے ہیں۔ جنابت کی تفصیلات کتب فقہ میں ہیں۔ اسی کے بعد تیمّم کا بیان ہے اور طہارت ان تینوں صورتوں، وضو، غسل تیمم کو یکجا کرنے کے لئے ہی

شاید سورہ نساء کے بعد مائدہ میں اس آیت کو مکرر لایا گیا ہے۔ سعید بن جبیرؓ کے نزدیک اتمام نعمت سے مراد دخول جنت ہے کیونکہ اس کے بغیر نعمت ناتمام ہے محمد بن کعبؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت (ﷺ) سے جب کوئی حدیث سنا کرتا تو اس کو قرآن پر منطبق کرنے کی کوشش کیا کرتا۔ چنانچہ ابوہریرہؓ سے جب الوضوء یکفر ما قبلہ سنا تو میں نے قرآن میں اس کو تلاش کیا تو سورۂ فتح میں آیت ویتم نعمته علیك مل گئی جس سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد مغفرت ہے۔ پھر آیت مائدہ میں وضو سے اتمام نعمت بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ وضو سے گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے۔

آیت اذهم قوم الخ میں یا تو کفار کے عام حملوں کی طرف اشارہ ہے۔ اور بعض نے خاص واقعات کی طرف اشارہ مانا ہے مثلاً ۵ھ میں آپ (ﷺ) کسی غزوہ سے واپسی پر عسفان میں نماز ظہر پڑھنے لگے تو کفار نے حملہ کا ارادہ کیا۔ مگر وحی سے آپ (ﷺ) کو علم ہوگیا۔ یا یہود بنی نضیر میں ایک دیت کے سلسلہ میں مع چار یاروں کے آپ (ﷺ) تشریف لے گئے لیکن انہوں نے دھوکہ سے آپ (ﷺ) کو ہلاک کرنا چاہا۔ آپ (ﷺ) کو محسوس ہوگیا اور آپ ناراض ہوکر چلے آئے۔ یا بقول مفسر علامؒ واقعہ حدیبیہ کی طرف اشارہ ہو۔

لطائف آیات: .... آیت یا ایها الذین امنوا اذا قمتم الخ کے سلسلہ میں طویل کلام مسائل السلوک میں قابل ملاحظہ ہے آیت مایرید الله الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعی رخصتوں میں نقصان کے شبہ سے تنگ دل نہیں ہونا چاہئے کیونکہ عمل میں اس درجہ غلو بھی حق کی مزاحمت ہے۔ آیت لا یجرمنکم الخ سے معلوم ہوا کہ معاملات میں طبعی تقاضوں پر عمل نہیں کرنا چاہئے کہ یہ بھی ایک بڑا مجاہدہ ہے۔ آیت یا یها الذین امنوا اذا کروا سے معلوم ہوا کہ اللہ کی دینوی نعمتوں کو ہرگز حقیر نہیں سمجھا چاہئے جیسا کہ مبتلائے افراط جاہل درویش کیا کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ بِمَا يُذْكَرُ بَعْدَ **وَبَعَثْنَا** فِيهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ اَقَمْنَا **مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا** مِنْ كُلِّ سِبْطٍ نَقِيْبٌ يَكُوْنُ كَفِيْلًا عَلٰى قَوْمِهِ بِالْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ تَوْثِقَةً عَلَيْهِمْ **وَقَالَ** لَهُمُ **اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ** بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ **اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ** نَصَرْتُمُوْهُمْ **وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا** بِالْاِنْفَاقِ فِيْ سَبِيْلِهِ **لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ** الْمِيْثَاقِ **مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾** اَخْطَأَ طَرِيْقَ الْحَقِّ وَالسَّوَاءُ فِي الْاَصْلِ الْوَسَطُ فَنَقَضُوا الْمِيْثَاقَ قَالَ تَعَالٰى **فَبِمَا نَقْضِهِمْ** مَا زَائِدَةٌ **مِيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ** اَبْعَدْنَاهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا **وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ** لَاتَلِيْنُ لِقَبُوْلِ الْاِيْمَانِ **يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ** الَّذِيْ فِي التَّوْرٰةِ مِنْ نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِ **عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ** الَّتِيْ وَضَعَهُ اللّٰهُ عَلَيْهَا اَيْ يُبَدِّلُوْنَهُ **وَنَسُوْا** تَرَكُوْا **حَظًّا** نَصِيْبًا **مِّمَّا ذُكِّرُوْا** اُمِرُوْا **بِهٖ ۚ** فِي التَّوْرٰةِ مِنْ اِتِّبَاعِ مُحَمَّدٍ **وَلَا تَزَالُ** خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **تَطَّلِعُ** تَظْهَرُ **عَلٰى خَآئِنَةٍ** اَيْ خِيَانَةٍ **مِّنْهُمْ** بِنَقْضِ الْعَهْدِ وَغَيْرِهِ **اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ** مِمَّنْ اَسْلَمَ **فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾** هٰذَا

مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ السَّيْفِ **وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى** مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهٖ **اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ** كَمَا اَخَذْنَا عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَاءِيْلَ الْيَهُوْدِ **فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ** فِى الْاِنْجِيْلِ مِنَ الْاِيْمَانِ وَغَيْرِهٖ وَنَقَضُوا الْمِيْثَاقَ **فَاَغْرَيْنَا** اَوْقَعْنَا **بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ** بِتَفَرُّقِهِمْ وَاخْتِلَافِ اَهْوَائِهِمْ فَكُلُّ فِرْقَةٍ تُكَفِّرُ الْاُخْرٰى **وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ** فِى الْاٰخِرَةِ **بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ** ﴿۱۴﴾ فَيُجَازِيْهِمْ عَلَيْهِ **يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ** الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى **قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا** مُحَمَّدٌ **يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ** تَكْتُمُوْنَ **مِنَ الْكِتٰبِ** التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ كَاٰيَةِ الرَّجْمِ وَصِفَتِهٖ **وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ** مِنْ ذٰلِكَ فَلَا يُبَيِّنُهٗ اِذَا لَمْ يَكُنْ فِيْهِ مَصْلَحَةٌ اِلَّا افْتِضَاحُكُمْ **قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ** هُوَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَّكِتٰبٌ** قُرْاٰنٌ **مُّبِيْنٌ** ﴿۱۵﴾ بَيِّنٌ ظَاهِرٌ **يَّهْدِىْ بِهِ** اَىْ بِالْكِتَابِ **اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ** بِاَنْ اٰمَنَ **سُبُلَ السَّلٰمِ** طُرُقَ السَّلَامَةِ **وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ** الْكُفْرِ **اِلَى النُّوْرِ** الْاِيْمَانِ **بِاِذْنِهٖ** بِاِرَادَتِهٖ **وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ** ﴿۱۶﴾ دِيْنِ الْاِسْلَامِ **لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ** حَيْثُ جَعَلُوْهُ اِلٰهًا وَهُمُ الْيَعْقُوْبِيَّةُ فِرْقَةٌ مِّنَ النَّصَارٰى **قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ** اَىْ يَدْفَعُ **مِنَ** عَذَابِ **اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا** اَىْ لَا اَحَدَ يَمْلِكُ وَلَوْ كَانَ الْمَسِيْحُ اِلٰهًا لَقَدَرَ عَلَيْهِ **وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ** شَاءَهٗ **قَدِيْرٌ** ﴿۱۷﴾ **وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى** اَىْ كُلٌّ مِّنْهُمَا **نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ** اَىْ كَاَبْنَائِهٖ فِى الْقُرْبِ وَالْمَنْزِلَةِ وَهُوَ كَاَبِيْنَا فِى الشَّفَقَةِ وَالرَّحْمَةِ **وَاَحِبَّآؤُهٗ قُلْ** لَهُمْ يَا مُحَمَّدُ **فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ** اِنْ صَدَقْتُمْ فِىْ ذٰلِكَ وَلَا يُعَذِّبُ الْاَبُ وَلَدَهٗ وَلَا الْحَبِيْبُ حَبِيْبَهٗ وَقَدْ عَذَّبَكُمْ فَاَنْتُمْ كَاذِبُوْنَ **بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ** جُمْلَةِ **مَنْ خَلَقَ** مِنَ الْبَشَرِ لَكُمْ مَا لَهُمْ وَعَلَيْكُمْ مَا عَلَيْهِمْ **يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ** الْمَغْفِرَةَ لَهٗ **وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ** تَعْذِيْبَهٗ لَا اِعْتِرَاضَ عَلَيْهِ **وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ** ﴿۱۸﴾ الْمَرْجِعُ **يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا** مُحَمَّدٌ **يُبَيِّنُ لَكُمْ** شَرَائِعَ الدِّيْنِ **عَلٰى فَتْرَةٍ** اِنْقِطَاعٍ **مِّنَ الرُّسُلِ** اِذْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ عِيْسٰى رَسُوْلٌ وَمُدَّةُ ذٰلِكَ خَمْسُمِائَةٍ وَّتِسْعٌ وَّسِتُّوْنَ سَنَةً لِ **اَنْ** لَا **تَقُوْلُوْا** اِذَا عُذِّبْتُمْ **مَا جَآءَنَا مِنْ** زَائِدَةٌ **بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ** فَلَا عُذْرَ لَكُمْ اِذًا **وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۱۹﴾ وَمِنْهُ تَعْذِيْبُكُمْ اِنْ لَمْ تَتَّبِعُوْهُ

ترجمہ: .... اور یہ واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا (جس کا ذکر آ رہا ہے) اور ہم نے مقرر کر دیئے تھے۔ (اس میں صفت التفات غائب کے صیغہ سے ہے اور بعثنا کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے قائم کر دیا) ان میں بارہ سردار خاندان کا ایک سردار ان کی طرف سے وفاء عہد کا ذمہ دار بنا دیا گیا تاکہ ان کی جانب سے اطمینان رہے) اور اللہ نے (ان سے) فرما دیا تھا کہ میں تمہارے

ساتھ ہوں (اعانت اور نصرت سے) اگر (لام قسم ہے) تم نے نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے اور میرے پیغمبر رسولوں پر ایمان لاتے رہے اور ان کی مدد (تائید) کرتے رہے اور اللہ کو قرض نیک دیتے رہے (اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہے) تو میں ضرور تمہاری برائیاں مٹادوں گا اور تمہیں ضرور باغوں میں داخل کردوں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں پھر جس نے اس (عہد و پیان) کے بعد بھی تم میں سے انکار کیا تو یقیناً اس نے سیدھی راہ گم کردی (راہ حق سے ہٹ گیا۔ سواء کے معنی دراصل وسط کے ہیں۔ غرض کہ انہوں نے عہد توڑ دیا۔ اس لئے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) پس اس وجہ سے کہ (ما زائد ہے) ان لوگوں نے اپنا عہد اطاعت توڑ ڈالا ہم نے ان پر لعنت کی (اپنی رحمت سے دور پھینک دیا) اور ان کے دلوں کو سخت کردیا۔ (ایمان قبول کرنے کے لئے نرم نہیں ہوتا) چنانچہ یہ لوگ باتوں کو پھیر دیتے ہیں (اللہ نے تورات میں محمد (ﷺ) کے اوصاف وغیرہ کے سلسلہ میں لکھی ہیں) اپنی اصل جگہ سے (جو اللہ نے ان کے لئے متعین فرمائی ہے۔ اس سے بدل ڈالتے ہیں) اور فراموش کر بیٹھے (چھوڑ بیٹھے) ایک بڑے حصہ (نفع) کو جو کچھ ان کو نصیحت کی گئی تھی (محمد (ﷺ) کی اتباع کے بارے میں جو تورات میں ان کو حکم دیا گیا تھا) اور آپ ہمیشہ (اس میں آنحضرت (ﷺ) کو خطاب ہے) مطلع (واقف) ہوتے رہیں (ورنہ کسی خیانت پر ان کی جانب سے (نقض عہد وغیرہ کی) البتہ بہت تھوڑے سے ایسے لوگ ہیں جو ایسا نہیں کرتے مسلمان ہو چکے ہیں) پس آپ ان سے درگذر کیجئے۔ اور اپنی توجہ ہٹا لیجئے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیک کرداروں ہی کو دوست رکھتے ہیں (معافی کا یہ حکم۔ آیت جہاد سے منسوخ ہو چکا ہے) اور جو لوگ اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں ان سے بھی (اس کا تعلق آئندہ سے ہے) ہم نے عہد لیا تھا (جیسا کہ بنی اسرائیل میں سے یہود سے عہد لیا تھا) پھر ایسا ہوا کہ بھلا دیا انہوں نے بھی اس نصیحت کے ایک بڑے حصہ کو جس کی ان کو نصیحت کی گئی تھی (انجیل میں ایمان وغیرہ کے متعلق۔ لیکن انہوں نے بھی عہد توڑ ڈالا) سو ہم نے بھڑکادی (برپا کردی) قیامت تک کے لئے ان کے درمیان عداوت اور دشمنی کی آگ (مختلف ٹولیوں میں بٹنے اور خواہشات کے اختلاف کی وجہ سے چنانچہ ہر فرقہ دوسرے کی تکفیر کرتا ہے) اور وہ وقت دور نہیں کہ اللہ انہیں حقیقت حال سے خبردار کردیں گے۔ (آخرت میں) جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں (اس پر ان کو سزا ملے گی) اے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) یہ واقعہ ہے کہ ہمارے رسول (محمد ﷺ) تمہارے پاس آ چکے۔ صاف صاف بیان کرتے ہیں بہت سی وہ باتیں جنہیں تم چھپاتے رہتے ہو (مخفی رکھتے ہو) کتاب الٰہی میں سے (جیسے آیت رجم اور آنحضرت (ﷺ) کے اوصاف کا چھپانا۔ تورات وانجیل میں) اور بہت سی باتوں سے درگذر کر جاتے ہیں (ان میں سے جن کے اظہار میں بجز تمہاری رسوائی کے اور کوئی مصلحت اور نفع نظر نہیں آتا ان کو ظاہر نہیں فرماتے) اللہ کی طرف سے تمہارے پاس روشنی آ چکی ہے (نبی کریم ﷺ) اور واضح کتاب (قرآن جو بالکل کھلی ہوئی ہے۔) کھول دیتے ہیں اس (کتاب) کے ذریعہ۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لئے جو ان کی خوشنودی کے تابع ہوں (ایمان قبول کرکے) سلامتی کی راہیں (سلامتی کے طریقے) اور انہیں نکال دیتے ہیں (کفر کی) تاریکیوں سے (ایمان کی) روشنی کی طرف اپنے حکم (ارادہ) سے اور انہیں سیدھی راہ (دین اسلام) پر لگا دیتے ہیں۔ یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ مریم کا بیٹا مسیح ہے (کیونکہ ان لوگوں نے مسیح کے بارے میں الوہیت کا عقیدہ رکھا۔ مراد نصرانیوں کا ایک فرقہ یعقوبیہ ہے) آپ (ﷺ) کہئے۔ کون جرأت کرسکتا ہے۔ (دفع کرسکتا ہے) اللہ (کے عذاب) کو ذرا سا بھی۔ اگر وہ ہلاک کرنے پر اتر آئے مسیح ابن مریم کو اور ان کی والدہ کو اور روئے زمین پر بسنے والی سب چیزوں کو (یعنی کسی میں یہ دم خم نہیں ہے۔ بالفرض اگر مسیح خدا ہوتے تو ان میں ضرور اس کی ہمت ہونی چاہئے تھی) اللہ ہی کی بادشاہت ہے آسمان وزمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان میں بھی جو چاہتے ہیں ان میں پیدا کردیتے ہیں اور اللہ ہر ایسی چیز پر (جس کو وہ چاہیں) قدرت رکھتے ہیں اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں (ان میں سے ہر فرقہ کا دعویٰ ہے) کہ ہم خدا کے بیٹے ہیں (یعنی بیٹوں کی طرح ہیں تقرب اور مرتبہ کے لحاظ سے اور اللہ شفقت و

رحمت کے اعتبار سے ہمارے لئے باپ جیسے ہیں) اوراس کے پیارے ہیں (آپ ان سے) کہئے (اے محمد ﷺ) تو پھر اللہ تمہیں تمہاری بداعمالیوں کی پاداش میں مبتلائے عذاب کیوں کرتے رہتے ہیں (اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو۔ کیونکہ نہ باپ بیٹے کو عذاب دیا کرتا ہے اور نہ دوست دوست کو۔ حالانکہ اس نے تم کو عذاب دیا ہے۔ معلوم ہوا تم جھوٹے ہو) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم بھی انسان ہو منجملہ ان (انسانوں) کے جن کو انہوں نے پیدا کیا ہے۔ (تمہارے لئے وہی نفع ہے جو ان کے لئے ہے اور تمہارے لئے نقصان بھی وہی ہے جو ان کے لئے ہوسکتا ہے) وہ جسے (بخشنا) چاہیں بخش دیں۔ اور جسے (عذاب دینا) چاہیں عذاب دے سکتے ہیں (ان پر کچھ گرفت نہیں ہوسکتی اور اللہ کی سلطانی میں ہے جو کچھ آسمانوں وزمین اور ان کے درمیان ہے اور سب کو ان ہی کی طرف (بالآخر) لوٹنا ہے۔ اے اہل کتاب سچی بات یہ ہے کہ ہمارے رسول (محمد ﷺ) آچکے ہیں جو کھول کھول بیان کررہے ہیں۔ تمہارے لئے (احکام دین) ایسی حالت میں کہ مدتوں سے منقطع (بند) تھا رسولوں کا ظہور (کیونکہ آنحضرت (ﷺ) اور حضرت عیسیٰ کے درمیان اور کوئی نبی نہیں آئے۔ اور یہ زمانہ فترت پانچ سو انہتر ۵۶۹ سال ہوتا ہے۔ تاکہ) تم یہ (نہ) کہو (جب تمہیں عذاب دیا جانے لگے) کہ ہماری جانب کوئی رسول نہیں بھیجا گیا (من زائد ہے) نہ تو بشارت دینے والا اور نہ ڈرانے والا۔ تو اب بشارت دینے والے اور ڈرانے والے پیغمبر (ﷺ) تمہارے پاس تشریف لے آئے ہیں (لہٰذا اب تمہارا کوئی عذر باقی نہیں رہا) اور اللہ ہر بات پر قادر ہیں (اگر تم لوگ پیغمبر کا کہا نہیں مانو گے تو تمہیں عذاب دینا بھی اس کی قدرت میں داخل ہے۔

تحقیق وترکیب:

.... بعثنا. جلال مفسرؒ نے اشارہ کردیا ہے کہ بعث بمعنی ارسال نہیں ہے بلکہ بمعنی اقمنا ہے۔

نقیبا. نقب کے معنی تفتیش احوال کے ہیں نقیب بمعنی منقش چونکہ اولاد یعقوب بارہ قبیلوں میں بٹی ہوئی تھی اس لئے بارہ نگراں سردار مقرر کئے گئے۔ فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل مصر واپس ہوئے تو شام کی سرزمین میں اریحا کی طرف مارچ کرنے کا حکم ملا۔ وہاں کنعانی جبابرہ رہتے تھے۔ ان پر لشکر کشی کا حکم ہوا۔ اسی کی تفصیل ان آیات میں کی جارہی ہے۔ لئن اقتم. لام قسمیہ ای واللہ لئن الخ اور لا کفرن صرف جواب قسم ہے اسی کی وجہ سے جواب شرط حذف کردیا گیا۔

عزرتموهم. عزر بروزن ازر۔ حقیقی معنی تقویت اور معنی کے ہیں اور مجازاً نصرت کے ہیں۔ بولتے ہیں عزرت فلاناً میں نے اس کو گھبرادیا۔ نماز اور زکوٰۃ کو ایمان سے پہلے بیان کیا حالانکہ ایمان اصل ہے اور وہ فروع ہیں یہ بتلانے کے لئے کہ بلا ایمان طاعت معتبر نہیں ہے جیسا کہ اہل کتاب بعض انبیاءؑ کی تکذیب کے باوجود خود کو مطیع سمجھتے تھے۔

واقرضم. انفاق فی سبیل اللہ کو مجازاً قرض کہہ دیا ورنہ حقیقی مالک اللہ ہیں گویا مستحق کو صدقہ دینا بطور قرض ہوا۔ اور زکوٰۃ کے مقابلہ میں اس سے مراد صدقات نافلہ ہیں اس لئے یہ شبہ نہیں کہ زکوٰۃ بھی اقرضتم میں داخل ہے پھر علیحدہ کیوں ذکر کیا۔

فمن کفر. کفر سے مراد صرف حدوث کفر ہی نہیں بلکہ عام مراد ہے۔ استمرار کفر بھی اس میں داخل ہے۔

نسوا. قرآن کریم میں یہ لفظ کئی معنی میں مستعمل ہے۔ مفسر علامؒ نے یہاں ایک معنی کی تعیین کردی۔ خائنة. اس میں تین اعرابی صورتیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ اسم فاعل ہو اور تا مبالغہ کے لئے ہو جیسے راویة اور نسابة مراد شخص خائن ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تاء تانیث لی جائے بمعنی نفس اور طائفۃ تیسری صورت یہ ہے کہ عافیة اور عاقبة کی طرح مصدر ہو جیسا کہ مفسر کہہ رہے ہیں۔

اعمش کی قراءت علی خیانة بھی اس کی مؤید ہے اس کی اصل خاویہ تھی قائمة کی طرح تعلیل ہوگئی۔

الاقلیلا. یہ استثناء ضمیر منهم سے ہے۔ ومن الذین۔ چونکہ بزبان خود اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے تھے جو ایک درجہ میں خودستائی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حکایت کردی اور ومن النصاریٰ نہیں کہا جو اللہ کی طرف منسوب ہوتا۔ اور ومن الذین کا تعلق آئندہ اخذنا کے

ساتھ ہے ای لو اخذ نا من الذین قالوا الخ اور جار مجرور لفظ میثاق پر کردی تا کہ اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبۃً لازم نہ آ جائے نصاریٰ کا مفرد نصران اور نصرانۃ آتا ہے ہمیشہ اس کی یاء نسبتی آتی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نصرۃ شہر کی طرف منسوب ہے جس کا مفرد نصرانی ہے۔

فاغرینا بینھم اس ضمیر کے مصداق میں دو قول ہیں یہود و نصاریٰ مراد ہوں کہ ان میں باہمی عداوت قائم کردی گئی یا صرف نصاریٰ مراد ہوں کہ ان میں مختلف فرقے قائم ہو کر خانہ جنگی رہتی ہے۔ اغریٰ بمعنی لذق ای الق العداوۃ کانہ الزقھا بھم بولتے ہیں غروت الجلد ای الصقۃ بالغراء اغریٰ بول کر القاء عداوت کی طرف کنایہ ابلغ طریقہ سے کیا گیا ہے۔ اس میں فا ترتیب کے لئے ہے۔ فکل فرقۃ نصاریٰ میں تین فرقے ہیں۔ نسطوریہ۔ یعقوبیہ ملکائیہ۔

کـایۃ الرجم یہ مثال کتمان یہود کی ہے۔ باقی کتمان نصاریٰ کی مثال مفسر علامؒ نے نہیں بیان کی لیکن خطیب نیشاٗ پوری وغیرہ نے حضرت عیسیٰؑ کی بشارت دربارۂ آنحضرت (ﷺ) بیان کی ہے۔ قد جاء کم آنحضرت (ﷺ) کی آمد کے منافع اسی میں منحصر نہیں بلکہ بے شمار ہیں۔ سبل السلام کے معنی بعض لوگوں نے دین اللہ کے بھی بیان کئے ہیں سلام سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں اور سلام بمعنی سلامۃ بھی آتا ہے جیسے لذاذۃ اور لذاذ۔

شـاء ہ اس سے مراد ممکنات ہیں۔ اور اللہ کی ذات وصفات اور محالات ممتنعات مراد نہیں ہیں کیونکہ قدرت کا تعلق ان سے نہیں ہوتا۔ نحن ابناء اللہ . دراصل خالق ومخلوق کے تعلق کی نوعیت اور کیفیت کو سمجھانے کے لئے پچھلے مذاہب میں استعارات سے کام لیا گیا ہے۔ کسی نے باپ بیٹے کے تعلق سے تشبیہ دی، کسی نے ماں بیٹے کے تعلق کو سامنے رکھ کر سمجھانا چاہا۔ اور کسی نے میاں بیوی اور زن وشوئی کی محبت وتعلق پر اس کو قیاس کیا۔ کسی نے مخلوق کو اللہ کی عیال اور کنبہ مانا۔ یہ دوسری بات ہے کہ کون سی تعبیر وتشبیہ قریب رہی اور کون سی بعید۔ نیز کون سی اصل شکل وصورت اور روح کے ساتھ باقی رہی اور کون سی کی روح فنا ہوگئی بلکہ مسخ ہو کر محض الفاظ رہ گئے۔ اور کون سی کی شکل اور روح دونوں فنا ہوگئیں چنانچہ ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ یہود نے تورات میں جب یہ الفاظ پائے یا ابناء احباری تو ان کو بدل کر یا ابناء ابکاری کردیا۔ اسلیئے یہود نحن ابناء اللہ کہتے تھے۔ اور بعض نے اس کے معنی ابناء رسل اللہ کہے ہیں۔

فترۃ. دو پیغمبروں کے درمیانی زمانہ کو کہتے ہیں فتر الشئی یفتر فتوراً ای اذا سکت حرکۃ چونکہ اس زمانہ میں احکام شرع نہ ہونے یا ان پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے اعمال میں فتور آ جاتا ہے اس لئے زمانہ فترۃ کہتے ہیں اس کا اور ان تقولوا کا تعلق جاء کے ساتھ ہے۔ حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت (ﷺ) کے درمیانی زمانہ میں اختلاف ہے۔ عثمان نہدی چھ سو ۶۰۰ سال اور قتادہ اور معمر اور کلبی پانچ سو ساٹھ سال بتلاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ اور موسیٰ علیہما السلام کی درمیانی سترہ سو ۱۷۰۰ سالہ مدت میں بہت سے انبیاءؑ آئے لیکن حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت (ﷺ) کے درمیان میں صحیح یہ ہے کہ کوئی دوسرا نبی نہیں آیا البتہ جن چار نبیوں کا نام لیا جاتا ہے منجملہ ان کے خالد بن سنان۔ اور تین کا تعلق بنی اسرائیل سے بتلایا جاتا ہے تو ممکن ہے یہ نبی ہوں مگر رسول نہ ہوں۔ اور اچھا جواب یہ ہے کہ یہ چاروں حضرت عیسیٰؑ سے پہلے ہوئے ہیں۔ لوگوں نے تاریخی اعتبار سے بھی اس کا ثبوت دیا ہے۔

ربط :............ پچھلی آیات میں احکام شرعیہ جو ایک طرح کا معاہدہ الہیہ ہے ان کے امتثال کا حکم فرمایا تھا۔ آیات ولقد اخذ اللہ میں اسی کی مزید اہتمام کے لئے بنی اسرائیل سے معاہدہ لینے اور اس کی خلاف ورزی سے جو ان کو نقصان اور ضرر پہنچا ترغیب طاعت اور ترہیب معصیت کے لئے اس کو نقل فرمایا جا رہا ہے۔ پھر یہود ونصاریٰ کو الگ الگ خطاب کرنے کے بعد دونوں کو یکجائی طور پر آیت یا اھل الکتٰب الخ میں خطاب ہے اور آیت ومن الذین قالوا میں نصاریٰ کا اجمالاً نقض عہد مذکور تھا آیت لقد کفر الذین الخ میں ان کے بنیادی عقیدۂ توحید کی خلاف ورزی کا ذکر ہے پر آیت وقالت الیھود میں دونوں فریق کا کفر ومعصیت کے باوجود خود کو عند

اللہ مقبول ومقرب سمجھنا مذکور ہے۔ آگے آیت یا اھل الکتاب الخ میں دونوں کو مشترک خطاب کے ساتھ آنحضرت (ﷺ) کی آمد کی بشارت سنائی جارہی ہے جس سے زیادہ مقصود قطع عذر ہے۔

شان نزول: .... ابن جریر نے عکرمہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں یہود نے رجم کے بارے میں سوال کیا آپ (ﷺ) نے پوچھا تم میں سے بڑا عالم کون ہے؟ انہوں نے ابن صوریا کی طرف اشارہ کیا آپ (ﷺ) نے ان کو قسمیں دے کر ان سے تورات کا حکم دریافت کیا۔ انہوں نے سو ۱۰۰ کوڑے لگانے اور سر منڈانے کو زنا کی سزا میں ظاہر کیا اس لئے حق تعالیٰ نے ان پر رجم کی سزا مقرر کی آیت یا اھل الکتاب میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **بنی اسرائیل کے بارہ نقیب اور افسر سی آئی ڈی:** .... موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل جب دشت فاران میں پہنچے تو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں کے لئے بارہ سردار اور نقیب مقرر کر کے ان سب کو سرزمین کنعان میں بھیجے جس کے فتح کا وعدہ کیا گیا ہے چنانچہ انہوں نے قبیلہ روبن کے لئے سموع بن ذکور کو۔ اور قبیلہ شمعون کے لئے سفت بن حوری کو اور خاندان یہودا کے لئے کالب بن یغنہ کو۔ اور فرقۂ شکار کے لئے اجال بن یوسف۔ اور فرقہ فرائیم کے لئے ہوسیعہ بن نون کو جن کا نام حضرت موسیٰ نے یوشع رکھا تھا۔ اور قبیلہ بنیامین کے لئے خلتی بن رفو کو اور فرقہ زبلون میں سے جدی ایل بن سودی کو اور گروہ دان کے لئے عمی ایل بن جملی کو اور گروہ آسہ کے لئے ستور بن میکائیل کو اور فرقہ نفتال میں سے نجمی بن دنسی کو اور فرقہ جدین سے جوایل بن ماکی کو اور فرقہ یوسف یعنی منسی میں سے جدی بن سوی کو مقرر فرمادیا اور کنعانیوں کی جاسوسی اور جستجوئے حال کے لئے بھیجا چنانچہ یہ بارہ سردار جبرون تک گئے لیکن اس ملک کی سرسبزی اور شادابی اور وہاں کے باشندوں میں سے بنی اعناق اور عموری اور عمالیق اور حتی اور یبوسی کی بہادری اور قد آوری دیکھ کر گھبرا گئے اور واپس آ کر بجز کالب اور یوشع بن نون کے سب نے اپنی قوم کو ڈرادیا جس کو سن کر لوگوں میں تقاعد اور بزدلی پیدا ہوگئی۔

حضرت موسیٰ کو انقباض اور مشکلات پیش آئیں۔ حق تعالیٰ کا عتابی حکم ہوا کہ اس سرزمین پر بجز ان دو شخصوں کے سب کا داخلہ ممنوع کردیا ہے۔ چنانچہ بیس سال سے زیادہ عمر کے لوگ اسی وادیٔ میں ہلاک کردیئے گئے۔ بعد میں یوشع بن نون کے دور میں جا کر کہیں اللہ نے ان کے ہاتھ پر یہ شہر فتح کرایا۔ اور اقتدار ملنے کے بعد پھر حق تعالیٰ نے احکام شرعیہ کو تازہ اور عہد کو پختہ کرایا۔

ابتدائی آیات میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ آیت میں انفاق فی سبیل اللہ کو مجازاً قرض سے تعبیر کردیا گیا ہے کہ جس طرح قرض واجب الاداء ہوتا ہے اسی طرح یہ صدقہ خیر بھی رائیگاں نہیں جائے گا۔

معتزلہ پر رد: .... نیز آیت میں اس شخص کا حال بیان نہیں کیا گیا جو نہ کفر کرے اور نہ اعمال صالحہ کرے بلکہ ادھر میں رہنے والا ہو قرآن کریم کے اکثر موقعوں میں کامل فرمانبردار اور کامل نافرمان کو بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ طرفین کے حال سے درمیان کا حال خود بخود واضح ہوسکتا ہے کہ جب جرم بھی ہے اور طاعت بھی تو سزا بھی ہونی چاہئے اور جزا بھی جس کی تفصیل احادیث میں پوری طرح آچکی ہے۔

یہود کی تازہ خیانت یہ تھی کہ رجم کا حکم چھپالیا۔ یا آنحضرت (ﷺ) کے دریافت کرنے پر تورات کا حکم ایک دفعہ غلط بیان کردیا جس پر آیت لا تحسبن الذین یفرحون الخ نازل ہوئی۔ اسی طرح کی دوسری غلط بیانیاں جن کا ذکر آیات لن تمسنا الخ لن

بدخل الجنة الخ، نحن ابناء الله میں آ چکا ہے۔ ان سب باتوں کی تردید اس آیت میں کی جا رہی ہے۔

آنحضرت (ﷺ) کی آمد سے متعلق انجیلی بشارات کا اخفاء:............ حضرت عیسیٰ کی معرفت نصاریٰ سے جو عہد لیا گیا انجیل یوحنا کے چودھویں باب میں ہے کہ "اگر مجھے پیار کرتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو" یا آنحضرت (ﷺ) کے بارے میں ارشاد ہے کہ "اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں ہے۔" یا انجیل یوحنا کے چھٹے باب میں فارقلیط کی آمد کی بشارت سنائی گئی جس کا ترجمہ احمد ہے جس کی طرف سورۂ صف میں اشارہ کیا گیا ہے۔ **یاتی من بعدی اسمه احمد**۔ لیکن نصاریٰ باوجود یہ کہ فارقلیط کی آمد کے منتظر تھے عہد شکن بن گئے۔ اور اختلاف وشقاق کا شکار ہو کر باہم ٹکڑیوں میں بٹ گئے۔ نسطوریہ حضرت عیسیٰ کو ابن اللہ اور یعقوبیہ حضرت مسیح کو اللہ۔ اور ملکانیہ۔ اقانیم ثلثہ کے قائل ہوئے۔ ظاہر ہے کہ بنیادی عقیدے کے اس شدید اختلاف کے ہوتے ہوئے باہمی عداوت کا ہونا لازمی ہے اور وہ بھی جب کہ عذاب الٰہی کی شکل میں ہو۔

آج کل عیسائی اور یہودی دنیا کا اتحاد واتفاق آیت کے منافی نہیں ہے:............ البتہ جو شخص ان عقائد کا سرے سے پابند نہ ہو وہ اس بحث ہی سے خارج ہے اس لئے اگر ایسے لوگوں میں باہمی اتحاد واتفاق ہو جائے تو شبہ اور اعتراض کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے جیسا کہ آج کل کے عیسائی برائے نام عیسائی ہیں ان میں کسی بات کے متعلق اگر اتفاق پایا جائے تو آیت کے منافی نہیں ہے۔ ہاں مذہبی لوگوں میں اب بھی عداوت پائی جاتی ہے اور قیامت تک رہے گی۔ مگر اس کے باوجود عیسائی سلطنتوں میں جو کچھ اختلاف اور عداوت پائی جاتی ہے وہ اپنی جگہ ہے۔ تاہم قرآن میں اس کا ذکر نہیں ہو رہا ہے نہ اقرار میں اور نہ انکار میں۔

آنحضرت (ﷺ) نوری ہیں یا خاکی:............ مفسر علامؒ کی تفسیر کے مطابق اگر نور سے مراد ذات نبوی ہو تب بھی مراد نور ہدایت ہے۔ بطور مجاز یہ اطلاق شائع وذائع ہے۔ نیز نور خداوندی کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے جس کے آپ مظہر اکمل اور مصدر اتم تھے لیکن اس سے انکار بشریت سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ آپ (ﷺ) کا جسم مبارک بھی دوسروں کی طرح مادی اور مرکب تھا۔ قرآن کریم یوں تو سب کے لئے ہادی ہے لیکن اس سے انتفاع صرف طالب حق کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اس لئے ان کی تخصیص کر دی گئی ہے۔

قل فمن یملك۔ میں استدلال کا حاصل یہ ہے کہ یہ باتیں لوازم الوہیت میں سے ہیں۔ حضرت مسیح میں ان کا انتفاء ظاہر ہے اور انتفاء لازم انتفاء ملزوم کو مستلزم ہوتا ہے۔ پس اس سے ان کی الوہیت کا ابطال ہو گیا۔ بظاہر عیسائیوں کے تین فرقوں میں سے آیت میں ایک فرقہ یعقوبیہ کا رد معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن معنیٰ یہ دلیل ہر منکر توحید کے مقابلہ میں جاری ہو سکتی ہے۔

نکات آیت:............ اور حضرت مریم کے ذکر کرنے میں یا تو حضرت مسیح کے عجز کی تاکید مقصود ہوگی کہ نہ وہ خود کو بچا سکتے ہیں اور نہ ماں جیسی عزیز وشفیق ذات کو۔ یا پھر اس کا منشاء فرقہ ملکانیہ پر رد کرنا ہو گا جو حضرت مریم کو الوہیت کا ایک ستون سمجھتے تھے۔ اور حضرت مریم کی موت کو فرض کرنا حالانکہ ان کی وفات پہلے ہو چکی تھی۔ یا تو تغلیباً ہے اور یا مقصود تاکید ہے کہ دیکھو اس دلیل کا ایک نمونہ ہم پہلے دکھلا بھی چکے ہیں۔ نیز من فی الارض کے اضافہ سے یا تو تمام معبودان باطل کی الوہیت کا بطلان صراحۃً کرنا ہے اور یا حضرت مسیح کے عجز کی تاکید کرنی ہے کہ ہمارے نزدیک اس لحاظ سے سب برابر ہیں اور یخلق ما یشاء کا منشاء یا تو استدلال ہے توحید پر۔ اور یا منشاء اشتباہ کو اٹھانا ہے کہ اگر حضرت مسیح کے بے باپ پیدا ہونے سے تمہیں الوہیت کا دھوکہ ہوا ہے یا احیاء موتیٰ وغیرہ معجزات سے تم نے مغالطہ کھایا ہے

تو یاد رکھو یہ سب طریقے اللہ کی قدرت میں داخل ہیں۔ انہوں نے زمین و آسمان بے مادہ پیدا کئے اور حضرت آدمؑ کو غیر جنس مٹی سے پیدا کیا۔ اسی طرح ہم جنس مادہ میں صرف مذکر سے پیدا کر سکتے ہیں جیسے حواؑ کی پیدائش آدمؑ سے اور کبھی صرف مادہ کے ذریعہ جیسے ولادت عیسیٰؑ۔ اور کبھی نر و مادہ دونوں سے جیسے دنیا میں اکثری توالد وتناسل کا طریقہ رائج ہے۔ پھر کبھی یہ تصرفات براہ راست کرتے ہیں جیسے اکثر مخلوقات کی پیدائش اور کبھی کسی مخلوق کے واسطہ سے جیسے معجزات وخوارق کا انبیاء واولیاء کے ہاتھوں پر ظاہر ہونا۔

یہود کی طرح قدیم راجپوتوں کا ادعاء:............ یہود ونصاریٰ کا خود کو فرزندان خدا کہنا اگر ہندوستان کے سورج نبیوں اور راجپوتوں کی طرح نہیں جو خود کو چاند سورج کی اولاد بتلاتے ہیں۔ اور خاکی اور زمینی ہونے کے باوجود علو اور ترفع کی خاطر آسمانی اور نوری بننے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ ان کا منشاء مجازاً مقبول ومحبوب بننا ہے تو "**فلم یعذبکم**" سے اس خوش فہمی کی قلعی کھولنی ہے کہ واقعۃً اگر ایسا ہے تو پھر آخرت میں ان کی حرکتوں پر تعذیب کیسے ہوگی۔ آخر اپنی اولاد کو بھی کوئی تعذیب کیا کرتا ہے؟ اور اگر اس کی توجیہ وتاویل تادیب کے ساتھ کرتے ہو تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ مقصد تادیب یہ ہوتا ہے کہ آئندہ پھر یہ حرکت نہ کی جائے۔ لیکن آخرت میں اس کا کیا امکان؟ اور پھر تادیب ہی کا کیا سوال؟ غرض کہ ان کا یہ دعویٰ اختصاص باطل رہا۔ بلکہ عام انسانوں کی طرح تم بھی اس ضابطہ کے ماتحت ہو کہ اللہ جس کو چاہیں گے بخشیں گے اور جس کو نہیں چاہیں گے نہیں بخشیں گے۔ اور تمام ادیان سابقہ اور کتب الٰہیہ سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ مغفرت کی اولین شرط ایمان ہے۔ اور کافر کے لئے ابدی عذاب ہے۔ پس آنحضرت (ﷺ) کی تکذیب کی وجہ سے تم بھی اس ابدی طوق لعنت کے مستحق ہو چکے ہو۔ پس خصوصیت تو گئی گذری ہوئی تم تو معمولی ایمانداروں کے برابر بھی نہ نکلے۔

جاہل پیرزادوں یا صاحبزادوں کی مغرورانہ غلط فہمی:............ افسوس کہ آج کل بعض جاہل پیرزادے اور صاحبزادے بھی اس قسم کے بیجا گھمنڈ میں مبتلا ہیں کہ وہ کچھ بھی کریں مگر اپنے انتساب کی وجہ سے کھڑے کھڑے جنت میں چلے جائیں گے یہ آیات ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت (ﷺ) کے درمیانی زمانہ کو زمانہ فترت کہا جاتا ہے جو بقول سلمانؓ فارسی چھ سو ۶۰۰ سال ہے۔ اس زمانہ میں کوئی نبی نہیں آئے۔ حدیث مشکوٰۃ کے الفاظ ہیں انا اولی الناس بعیسیٰ۔ اور آگے فرمایا گیا ہے۔ ولیس بیننا نبی (متفق علیہ) پس سورۂ یٰسین میں جن رسولوں کا ذکر ہے وہ تو حضرت عیسیٰؑ کے فرستادہ تھے جن کو اہل انطاکیہ کے پاس انہوں نے بھیجا تھا۔ البتہ حضرت خالد بن سنان عربی اگر بقول بعض نبی تھے تو بقول شہات حضرت عیسیٰؑ سے پہلے ہوئے تھے اور بعض تاریخی کتابوں میں ان کی صاحبزادی کا خدمت نبوی میں حاضر ہونا جو مذکور ہے اس سے بلاواسطہ صاحبزادی مراد نہیں بلکہ ان ہی کی نسل اور اولاد سے ہوں گی۔ رہا یہ شبہ کہ تورات وانجیل کی موجودگی میں یہود نے ماجاء نا من بشیر ولا نذیر کیسے کہا تو اس کا جواب مقدمہ تفسیر حقانی میں منقول ہے۔

لطائف آیات:............ آیت وبعثنا منھم الخ سے مشائخ کے اس طریقے کی اصل نکلتی ہے کہ وہ سالکین کی اصلاح اور نگرانی وتربیت کا کام بعض مخصوص جانشین یا خلفاء کی سپرد کر دیتے ہیں۔

آیت فیما نقضھم الخ سے معلوم ہوا کہ بعض دفعہ سالکین کے قبض کا منشاء معاصی ہو جاتے ہیں اور اسی طرح بعض معاصی قبض سے بھی ناشی ہو جاتے ہیں۔ آیت فنسوا حظاً الخ سے معلوم ہوا کہ معاصی جس طرح اخروی عقاب کا سبب ہیں اسی طرح دنیوی عذاب وعقاب کا باعث بھی بن جاتے ہیں مثلاً خانہ جنگی یقیناً ایک دنیوی عذاب ہے۔ جس میں وہ مبتلا کر دیئے گئے تھے۔ آیت

یعفوا عن کثیر الخ سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ عداوت میں بھی نفسانی غیظ کی شفاء کا ارادہ نہیں کرتے اور جب اس میں کوئی دینی مصلحت نہ ہو تو اس غصہ پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔

آیت یھدی بہ اللہ الخ سے معلوم ہوا کہ مقصود اصلی طلب رضاء الٰہی ہونی چاہئے۔ جنت بھی مقصود ہے مگر مقصود اصلی نہیں بلکہ اس کے تابع ہے۔ آیت لقد کفر الذین الخ سے معلوم ہوا کہ حق اور خلق میں اتحاد کا قائل ہونا محض غلو اور غلط ہے۔ آیت قالت الیھود الخ سے معلوم ہوا کہ کسی کو ایسا مقرب اور مقبول سمجھنا کہ اس سے معاصی پر بھی مواخذہ نہ ہو بالکل غلط ہے۔

اذکُرْ اِذْقَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَیْ مِنْکُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا اَصْحَابَ خِدَمٍ وَحَشَمٍ وَّاٰتٰکُمْ مَّالَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۰﴾ مِنَ الْمَنِّ وَالسَّلْوٰی وَفَلْقِ الْبَحْرِ وَغَیْرِ ذٰلِكَ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الْمُطَهَّرَةَ الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰهُ لَکُمْ اَمَرَکُمْ بِدُخُوْلِهَا وَهِیَ الشَّامُ وَلَاتَرْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِکُمْ تَنْهَزِمُوْا خَوْفَ الْعَدُوِّ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۲۱﴾ فِیْ سَعْیِکُمْ قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ مِنْ بَقَایَا عَادٍ طِوَالًا ذَوِیْ قُوَّةٍ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَهَا قَالَ لَهُمْ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ مُخَالَفَةَ اَمْرِ اللّٰهِ وَهُمَا یُوْشَعُ وَکَالَبُ مِنَ النُّقَبَاءِ الَّذِیْنَ بَعَثَهُمْ مُوْسٰی فِیْ کَشْفِ اَحْوَالِ الْجَبَابِرَةِ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا بِالْعِصْمَةِ فَکَتَمَا مَا اطَّلَعَا عَلَیْهِ مِنْ حَالِهِمْ اِلَّا عَنْ مُوْسٰی بِخِلَافِ بَقِیَّةِ النُّقَبَاءِ فَاَفْشَوْهُ فَجَبُنُوْا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ بَابَ الْقَرْیَةِ وَلَاتَخْشَوْهُمْ فَاِنَّهُمْ اَجْسَادٌ بِلَاقُلُوْبٍ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّکُمْ غٰلِبُوْنَ قَالَا ذٰلِكَ تَیَقُّنًا بِنَصْرِ اللّٰهِ وَاِنْجَازِ وَعْدِهٖ وَعَلَی اللّٰهِ فَتَوَکَّلُوْٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّادَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ هُمْ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ عَنِ الْقِتَالِ قَالَ مُوْسٰی حِیْنَئِذٍ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اِلَّآ اَخِیْ وَلَا اَمْلِكُ غَیْرَهُمَا فَاُجْبِرُهُمْ عَلَی الطَّاعَةِ فَافْرُقْ فَافْصِلْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ تَعَالٰی لَهٗ فَاِنَّهَا اَیِ الْاَرْضُ الْمُقَدَّسَةُ مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَا اَرْبَعِیْنَ سَنَةً یَتِیْهُوْنَ یَتَحَیَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَهِیَ تِسْعَةُ فَرَاسِخَ قَالَهٗ ابْنُ عَبَّاسٍ فَلَا تَاْسَ تَحْزَنْ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾ رُوِیَ اَنَّهُمْ کَانُوْا یَسِیْرُوْنَ اللَّیْلَ جَادِّیْنَ فَاِذَا اَصْبَحُوْا اِذَا هُمْ فِی الْمَوْضَعِ الَّذِیْ اِبْتَدَأُوْا مِنْهُ وَیَسِیْرُوْنَ النَّهَارَ کَذٰلِكَ حَتّٰی اِنْقَرَضُوْا کُلُّهُمْ اِلَّا مَنْ لَمْ یَبْلُغِ الْعِشْرِیْنَ قِیْلَ وَکَانُوْا سِتَّمِائَةِ اَلْفٍ وَمَاتَ هٰرُوْنُ وَمُوْسٰی عَلَیْهِمَا السَّلَامُ فِی التِّیْهِ وَکَانَ رَحْمَةً لَهُمَا وَعَذَابًا لِاُولٰٓئِكَ وَسَاَلَ مُوْسٰی رَبَّهٗ عِنْدَ مَوْتِهٖ اَنْ یُّدْنِیَهٗ مِنَ الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْیَةً بِحَجَرٍ فَاَدْنَاهُ کَمَا فِی الْحَدِیْثِ وَنُبِّیَ

ع ۷ ۸

یُوْشَعُ بَعْدَ الْاَرْبَعِیْنَ وَاُمِرَ بِقِتَالِ الْجَبَّارِیْنَ فَسَارَ بِمَنْ بَقِیَ مَعَهٗ وَقَاتَلَهُمْ وَکَانَ یَوْمُ الْجُمُعَةِ وَوَقَفَتْ لَهُ الشَّمْسُ سَاعَةً حَتّٰی فَرَغَ عَنْ قِتَالِهِمْ وَرَوَی اَحْمَدُ فِیْ مُسْنَدِهٖ حَدِیْثَ اَنَّ الشَّمْسَ لَمْ تُحْبَسْ عَلٰی بَشَرٍ اِلاَّ لِیُوْشَعَ لَیَالِیْ سَارَ اِلَی الْبَیْتِ الْمُقَدَّسِ۔

ترجمہ: ....اور (وہ واقعہ یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا۔ اے لوگو! اللہ کا اپنے اوپر احسان یاد کرو۔ اس نے تم میں نبی پیدا کئے۔ اور تمہیں بادشاہ بنایا (مالک جاہ وحشمت) اور تمہیں وہ بات عطا فرمائی جو دنیا میں کسی کو نہیں دی گئی (یعنی من وسلویٰ اور سمندر میں پڑ جانا وغیرہ) لوگو! داخل ہو جاؤ مقدس (پاکیزہ) سرزمین میں جسے اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔ (تم کو اس کے فتح کرنے کا حکم دیا ہے مراد سرزمین شام ہے) اور الٹے پاؤں پیچھے کی طرف نہ ہٹو (کہ دشمن کے خوف سے شکست خوردہ ہو جاؤ) کہ نقصان وتباہی میں پڑ جاؤ گے۔ (اپنی جدوجہد کے سلسلہ میں) کہنے لگے اے موسیٰ اس سرزمین میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو بڑے ہی زبردست ہیں (قد آوری اور طاقت میں قوم عاد کے بقیہ آثار ہیں) جب تک وہ نہیں نکلتے ہم اس سرزمین میں قدم نہیں دھر سکتے ہاں اگر وہ لوگ وہاں سے نکل گئے تو پھر ہم (وہاں) ضرور داخل ہو جائیں گے۔ اس پر (ان سے) ان دو آدمیوں نے کہا جو اللہ سے ڈرنے والوں میں سے تھے (خدائی حکم کی خلاف ورزی کرنے سے یعنی یوشع اور کالب جن کو حضرت موسیٰ نے نقیب بنا کر جبابرہ کی تفتیش حال کے لئے روانہ فرمایا تھا) اور اللہ نے انہیں نعمت عطا فرمائی تھی (دولت عصمت جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے معائنہ کے حالات بجز موسیٰ علیہ السلام کے سب سے چھپائے برخلاف دوسرے نقیبوں کے کہ انہوں نے ان کا افشاء کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں عام بزدلی پھیل گئی) کہ تم ان پر شہر کے دروازہ تک تو چلو (دروازہ سے مراد شہر کا دروازہ ہے اور ان سے گھبراؤ مت کہ وہ محض بے قلب کے قالب ہیں) سو جس وقت تم دروازہ میں قدم رکھو گے تو پھر غلبہ تمہارے ہی لئے ہے (ان دونوں کا یہ کہنا اللہ کی نصرت پر یقین رکھتے ہوئے اور اس کے وعدہ پر بھروسہ کرتے ہوئے تھا) اگر تم ایمان رکھنے والے ہو تو اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ وہ بولے اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں ہم ہرگز اس میں قدم نہیں رکھ سکتے آپ جائیے اور آپ کے اللہ میاں چلے جائیں اور دونوں (ان سے) لڑ بھڑ لیجئے۔ ہم تو یہاں سے سرکتے نہیں (شریک جنگ نہیں ہوتے) (موسیٰ نے) کہا (اب تو) خدایا میں اپنی جان کے سوا اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا (ان کے علاوہ میرا کسی پر بس نہیں کہ میں ان کو طاعت پر مجبور کر سکوں) پس آپ فرق (فیصلہ) فرما دیجئے ہم میں اور ان نافرمان لوگوں میں۔ اللہ کا (ان کو) حکم ہوا کہ اب تو یہ (سرزمین مقدس) ان پر حرام کر دی گئی ہے۔ (ان کا داخلہ اس سرزمین پر روک دیا گیا ہے) چالیس سال کے لئے۔ یہ سرگردان (حیران) رہیں گے اسی بیاباں میں (جو بقول ابن عباسؓ نو میل کا میدان ہے) سو آپ ان نافرمان لوگوں کی حالت پر غمگین (محزون) نہ ہو جئے (روایت ہے کہ بڑی جدوجہد کے ساتھ رات بھر یہ لوگ چلتے رہتے لیکن جب صبح ہوتی تو جہاں سے چلے تھے وہیں ہوتے۔ یہی سلسلہ دن بھر رہتا حتیٰ کہ سب مر گل گئے بجز بیس سال سے کم عمر لوگوں کے اور بقول بعض ان لوگوں کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی وفات بھی اسی میدان تیہ میں ہوئی اور اس واقعہ کے دو پہلو نکلتے ہیں ان دونوں بزرگوں کے حق میں تو یہ رحمت تھا اور ان شریروں کے حق میں عذاب۔ حضرت موسیٰ نے اپنی وفات کے وقت اللہ سے دعا کی کہ مجھے ارض مقدس سے اتنا قریب فرما دے جتنا فاصلہ نشانہ بازی میں پھینکے ہوئے پتھر کا ہوتا ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کی یہ درخواست منظور فرمالی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ پھر چالیس سال بعد حضرت یوشعؑ نبی بنائے گئے اور جبارین پر چڑھائی کا حکم ہوا چنانچہ باقی ماندہ لوگ ان کی کمان میں چلے اور جبابرہ کے ساتھ جہاد کیا۔ یہ واقعہ جمعہ کے دن پیش آیا ایک ساعت کے لئے آفتاب غروب ہونے سے ان کی خاطر

روک دیا گیا۔ حتی کہ جنگ سے فراغت ہوگئی۔ اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حدیث روایت کی ہے کہ آفتاب کسی انسان کے لئے نہیں ٹھیرایا گیا بجز یوشع علیہ السلام کے۔ اس رات میں جب کہ انہوں نے بیت المقدس کی طرف مارچ کیا تھا۔)

تحقیق وترکیب: .... **ملوکا** قتادہؒ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے خدم چشم رکھنے کا دستور ان لوگوں میں ہوا۔ اور ابوسعید خدریؓ آنحضرت (ﷺ) سے نقل کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں جس کے پاس خادم، سواری اور عورت ہوتی تھی وہ ملک کہلاتا تھا۔ ضحاکؒ کہتے ہیں کہ جس کا مکان کشادہ ہوتا اور اس میں نہر جاری ہوتی وہ ملک کہلاتا تھا یہ لوگ ایسے ہی تھے جن کو ہمارے یہاں امیر اور رئیس کہا جاتا ہے۔

ارض المقدس. مراد بیت المقدس ہے یا کوہ طور وغیرہ۔ یا دمشق وفلسطین یا ملک شام مراد ہے۔ اگر چہ ان بلاد میں مارین اور اشرار بھی رہتے تھے لیکن خیر غالب اور شر مغلوب ہونے کی وجہ سے ان مقامات کو مقدس کہا گیا ہے۔ **امر کم بدخولها** مفسر علامؒ نے یہ تفسیر ایک شبہ کے دفعیہ کے لئے کی ہے کہ کتب جس سے داخلہ کا حتمی ہونا معلوم ہوتا ہے وہ **انها محرمة عليهم اربعين سنة** کے منافی ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ کتب سے مراد امر بالدخول ہے دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لوح محفوظ میں اس حکم کی کتابت اس تقدیر پر ہوئی تھی کہ یہ خلاف نہیں کریں گے۔ اور جب خلاف کرلیا تو اس شہر میں داخلہ حرام کردیا گیا۔ **رجلان** ۔ یہ موصوف ہے اور **الذين يخافون** ان کی صفت ہے۔

ادخلوا عليهم الباب دروازہ سے داخلہ کی قید اس لئے لگائی کہ وہ کہیں نکل کر بھاگ نہ سکیں۔

انجاز وعده . جو وعدہ موسیٰ علیہ السلام کی نصرت وفتح اور ان کے دشمنوں کی شکست وذلت کا کیا گیا تھا۔

اذهب انت وربك. چونکہ یہود میں تجسیم کا عقیدہ تھا کہ وہ اللہ کو جسمانی مانتے تھے اس سے ان کا کفر ثابت ہوتا ہے لیکن اگر یہ مقولہ حقیقۃً نہیں بلکہ تاویلاً کہا گیا تھا کہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی مقصود تھی تو پھر یہ فسق ہے اور بعض نے رب سے مراد ہارون علیہ السلام لئے ہیں کیونکہ وہ حضرت موسیٰ سے بڑے اور مربی تھے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ جملہ اللہ کی ذات وصفات سے بے خبری کی بناء پر کہہ دیا گیا تھا۔

الا اخي. یہ منصوب ہے اور نفسی پر معطوف ہے اور **فاجبرهم** جواب نفی کی بناء پر منصوب بھی ہوسکتا ہے اور **املك** پر معطوف ہوکر مرفوع بھی ہوسکتا ہے۔ **فافرق**. چونکہ فرق کئی معنی میں آتا ہے اس لئے بعض نے تبعید مراد لی ہے۔ اور مفسر علامؒ فیصلہ کے معنی لے رہے ہیں۔ **في الارض**. میدان تیہ تیس ۳۰ میل لانبا اور نو میل چوڑا تھا۔ بحر قلزم سے مشرق کی جانب عبور کرکے ایک بیابان ہے جو قادسیہ اور عرب کا شمالی اور مغربی کونہ دریا یردن تک یعنی شام کے کنارہ تک پھیلا ہوا کئی سوکوس کا یہ میدان ہے۔ اس زمانہ میں وہاں کہیں کہیں پہاڑوں اور شاداب جگہوں میں کچھ قومیں بھی رہتی تھیں جن سے بنی اسرائیل کو جنگ وجدال کی نوبت آتی رہتی تھی فلا تاس۔ حضرت موسیٰ اپنی بددعا پر جب کچھ نادم ہوئے تو یہ جملہ فرمایا گیا۔

ومات هارونؑ. پہلے حضرت ہارونؑ کی وفات ہوئی ایک سال بعد حضرت موسیٰ کی وفات ہوئی۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ حضرت موسیٰ ملک شام پر قابض ہوئے اور یوشع ان کے مقدمۃ الجیش میں رہے۔ پھر کہیں ایک زمانہ کے بعد ان کی وفات ہوئی۔ دونوں کی قبروں کا حال معلوم نہیں۔ **ان يدنيه**. اس سے کسی نبی یا ولی کے نزدیک تدفین کی اصل نکلتی ہے۔ لیکن خود ارض مقدس میں دفن کی درخواست نہ کرنا قبر کی تشہیر اور اس سے خوف فتنہ کی وجہ سے ہوا ہو۔

لم تحبس على بشر. یوشعؑ سے پہلے نفی کی گئی ہے اس سے بعد کی نفی لازم نہیں آتی۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ غزوہ خندق کے موقعہ پر جب آپ (ﷺ) کی نماز قضاء ہونے لگی تو آفتاب ٹھیرایا گیا جیسا کہ طحاوی نے ذکر کیا ہے۔ یا لیلۃ الاسراء کی صبح میں

جب کہ آپ (ﷺ) قافلہ (عیر) کا انتظار فرما رہے تھے۔ جس کی آمد کی اطلاع آپ (ﷺ) کو طلوع شمس کے وقت دی گئی تھی۔ یا ایک دفعہ حضرت علیؓ کے زانو پر سر مبارک رکھے ہوئے آپ (ﷺ) سو رہے تھے۔ اور حضرت علیؓ نے نماز عصر نہیں پڑھی تھی۔ بقول قاضی عیاض حبس شمس سے مراد اس کی واپسی ہے یا اس کا وقوف ہے یا بطوء حرکت مراد ہے۔ لیالی ۔ صیغہ جمع اس کا مقتضی نہیں ہے کہ بار بار یہ واقعہ ہوا ہو۔ پس لیالی کو حبس کا ظرف مانا جائے گا۔

ربط: .... پچھلی آیات میں یہود و نصاریٰ کی عہد شکنی کا بیان تھا۔ اس رکوع میں یہود کی ایک خاص عہد شکنی کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... یہ واقعہ فرعون کے غرق ہونے اور بنی اسرائیل کے سلطنت مصر پر قابض ہو جانے کے بعد دشت فاران میں پیش آیا جب کہ حق تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ ان کا آبائی وطن ملک شام بنی عمالقہ سے چھڑا کر ان کے حوالہ کیا جائے جس کی تفصیل سفر عدد چودھویں باب میں مذکور ہے۔ جس کو حقانی نے نقل کیا ہے۔

نکات آیت: .... البقرۃ تیہ کے واقعہ سے متعلق کچھ شبہات اور ان کے جوابات ہیں جن کا تذکرہ یہاں مفید ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے اشکال کے حل کی طرف جلال مفسرؒ نے توجہ کی ہے کہ وادی تیہ میں گرفتاری اور نا کہ بندی اگر سزا تھی تو پھر حضرت موسیٰ اور ہارون کا قیام تا وفات کیسے رہا۔ حاصل جواب یہ ہے کہ اس واقعہ کے دو رخ ہیں۔ ایک لحاظ سے وہ قیام رحمت تھا۔ اور دوسرے اعتبار سے زحمت۔ جیسا کہ جیل خانہ میں قیدی بھی رہتے ہیں اور جیلر وغیرہ بھی قیام پذیر ہوتے ہیں۔ مگر ایک کے لئے جیل زحمت ہے اور دوسرے کے لئے راحت اسی طرح جہنم میں جہنمی بھی داخل ہوں گے اور ملائکہ عذاب بھی آباد ہوں گے مگر ہر ایک کے لئے الگ الگ آثار واحکام ہوں گے۔ وادی تیہ کا حال بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہئے۔ اہل اللہ کے لئے وہ قیام باعث راحت ورحمت۔ مگر نافرمانوں کے لئے اسی آن وہ باعث تکلیف وزحمت باقی علوی اور سفلی علامات چاند۔ سورج ستارے پہاڑ وغیرہ کے ہوتے ہوئے بنی اسرائیل کو راہ نہ ملنا چونکہ موقوف ہوتا ہے قوای مدرکہ کی صحت وسلامتی پر۔ لیکن جب عذاب الٰہی سے عقل وادراک ہی میں فتور آ جائے تو یہ سب نشانات دھرے کے رہ جاتے ہیں۔ جیسا کہ یہاں بھی ایسے ہی ہوا۔

اور چونکہ حضرت موسیٰ اس وقت تنگ دلی سے کلام کر رہے تھے۔ اس لئے استثناء میں صرف خود کو اور اپنے بھائی ہارون کو ذکر کیا اور یوشعؑ اور کالب کو صراحۃً ذکر نہیں کیا اگرچہ دلالۃً وہ اس میں داخل ہو سکتے ہیں اور یا نبی معصوم ہونے کی وجہ سے اپنا اور بھائی کا حال تو چونکہ تیقن کے ساتھ معلوم تھا اس لئے دونوں کا استثناء کر دیا لیکن ان دونوں بزرگوں کی موجودہ مستحسن حالت کے باوجود مستقبل کے بارے میں کوئی اطمینان بخش پیشگوئی نہیں کی جا سکتی تھی اس لئے سکوت اختیار کیا۔

رہا یہ کہ کتب اللہ کے احکام کے مخاطب کون لوگ ہیں جب کہ مفسر علام رحمۃ اللہ علیہ سب کا وفات پانا بیان کر چکے ہیں تو کہا جائے گا کہ اگر اس سے مراد عام قوم کے افراد ہیں تب تو کوئی اشکال ہی نہیں کیونکہ اولاد کو ملک ملنا گویا خود کو ملنا ہے۔ بالخصوص جب کہ بیس ۲۰ سال سے کم عمر افراد مستثنیٰ بھی ہو چکے ہوں۔ لیکن اگر خاص افراد کے لحاظ سے وعدہ کو مانا جائے تب بھی وعدہ کو مشروط ماننا پڑے گا جہاد کے ساتھ۔ پس جب جہاد نہیں کیا تو ایفاء وعدہ کیسا؟ کہ خلف وعدہ کی نوبت آئے۔ بنی اسرائیل کو مقولہ اذھب انت وربک اگر بلا تاویل تھا تب تو کلمہ کفر ہونا ظاہر ہے لیکن مجازاً اگر یہ تاویل کر لی ہو کہ آپ تو لڑیئے اور اللہ آپ کی مدد کرے گا تو حکم جہاد کی خلاف ورزی ہونے کی وجہ سے اس کا فسق ومعصیت ہونا بھی ظاہر ہے۔ بہرصورت حضرت موسیٰ نے قوم سے توبہ کرالی ہوگی جس کا یہاں ذکر نہیں ہے۔

لطائف آیت: .... آیت یا قوم اذکروا الخ سے مفہوم ہوا کہ اہل اللہ کے خاندان سے ہونا بھی اللہ کی ایک نعمت ہے کیونکہ اس تعلق سے ایک گونہ دین سے اس کو مناسبت ہوتی ہے پس اس پر شکر گذار ہونا چاہئے۔ نہ کہ عجب وتفاخر کی روش اختیار کرنا۔ آیت ولا ترتدوا الخ سے معلوم ہوا کہ گناہوں سے کبھی دنیوی مضرتیں بھی پیدا ہوسکتی ہیں۔

آیت لا املك الخ سے معلوم ہوا کہ شیخ اپنے مخلص متبع میں وہی تصرف کرسکتا ہے جو اپنے نفس میں کرسکتا ہے۔

وَاتْلُ یا مُحَمَّدُ **عَلَيْهِمْ** عَلٰی قَوْمِكَ **نَبَاَ** خَبَرَ **ابْنَیْ اٰدَمَ** هَابِیْلَ وَقَابِیْلَ **بِالْحَقِّ** مُتَعَلِّقٌ بِاُتْلُ **اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا** اِلَی اللّٰهِ وَهُوَ کَبْشٌ لِهَابِیْلَ وَزَرْعٌ لِقَابِیْلَ **فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا** وَهُوَ هَابِیْلُ بِاَنْ نَزَلَتْ نَارٌ مِنَ السَّمَاءِ فَاَکَلَتْ قُرْبَانَهٗ **وَلَمْ یُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ** وَهُوَ قَابِیْلُ فَغَضِبَ وَاَضْمَرَ الْحَسَدَ فِیْ نَفْسِهٖ اِلٰی اَنْ حَجَّ اٰدَمُ عَلَیْهِ السَّلَامُ **قَالَ** لَهٗ **لَاَقْتُلَنَّكَ** قَالَ لِمَ قَالَ لِتُقُبِّلَ قُرْبَانُكَ دُوْنِیْ **قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ** ﴿۲۷﴾ **لَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **بَسَطْتَّ** مَدَدْتَّ **اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ** ﴿۲۸﴾ فِیْ قَتْلِكَ **اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ** تَرْجِعَ **بِاِثْمِیْ** بِاِثْمِ قَتْلِیْ **وَاِثْمِكَ** الَّذِیْ اِرْتَکَبْتَهٗ مِنْ قَبْلُ **فَتَکُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ** وَلَا اُرِیْدُ اَنْ اَبُوْءَ بِاِثْمِكَ اِذَا قَتَلْتُكَ فَاَکُوْنَ مِنْهُمْ قَالَ تَعَالٰی **وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ** ﴿۲۹﴾ **فَطَوَّعَتْ** زَیَّنَتْ **لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِیْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ** فَصَارَ **مِنَ الْخٰسِرِیْنَ** ﴿۳۰﴾ بِقَتْلِهٖ وَلَمْ یَدْرِ مَایَصْنَعُ بِهٖ لِاَنَّهٗ اَوَّلُ مَیِّتٍ عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ فَحَمَلَهٗ عَلٰی ظَهْرِهٖ **فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ** یُنَبِّشُ التُّرَابَ بِمِنْقَارِهٖ وَرِجْلَیْهِ وَیُثِیْرُ عَلٰی غُرَابٍ اٰخَرَ مَیِّتٌ مَعَهٗ حَتّٰی وَارَاهُ **لِیُرِیَهٗ کَیْفَ یُوَارِیْ** یَسْتُرُ **سَوْءَةَ** جِیْفَةَ **اَخِیْهِ قَالَ یٰوَیْلَتٰٓی اَعَجَزْتُ** عَنْ **اَنْ اَکُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ** ﴿۳۱﴾ عَلٰی حَمْلِهٖ وَحَفَرَ لَهٗ وَوَارَاهُ **مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ** الَّذِیْ فَعَلَهٗ قَابِیْلُ **کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ** اَیِ الشَّانُ **مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ** قَتَلَهَا **اَوْ** بِغَیْرِ **فَسَادٍ** اَتَاهُ **فِی الْاَرْضِ** مِنْ کُفْرٍ اَوْ زِنًا اَوْ قَطْعِ طَرِیْقٍ وَنَحْوِهٖ **فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَمَنْ اَحْیَاهَا** بِاَنِ امْتَنَعَ مِنْ قَتْلِهَا **فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا** قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مِنْ حَیْثُ اِنْتِهَاكِ حُرْمَتِهَا وَصَوْنِهَا **وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ** اَیْ بَنِیْ اِسْرَاءِیْلَ **رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ** الْمُعْجِزَاتِ **ثُمَّ اِنَّ کَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ** ﴿۳۲﴾ مُجَاوِزُوْنَ الْحَدَّ بِالْکُفْرِ وَالْقَتْلِ وَغَیْرِ ذٰلِكَ

ترجمہ: .... اور (اے محمد ﷺ) ان لوگوں (اپنی قوم) کو آدمؑ کے دو بیٹوں (ہابیل قابیل) کا حال (خبر) سنا دیجئے صحیح طریقہ پر (اتل کے متعلق ہے) جب ان دونوں نے اپنی اپنی قربانیاں چڑھائیں (اللہ میاں کے حضور ہابیل نے مینڈھا اور قابیل نے کھیتی اور اناج) تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کرلی گئی۔ (ہابیل کی قربانی کو آسمانی آگ نے نکل لیا) اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی (مراد قابیل

ہے چنانچہ اس پر وہ غضب ناک ہوا اور حسد کو اپنے دل میں چھپائے رکھا۔ حتی کہ آدم علیہ السلام حج کو تشریف لے گئے) کہنے لگا قابیل (ہابیل سے) کہ میں یقینا تجھے قتل کر ڈالوں گا (ہابیل نے پوچھا کیوں؟ وہ کہنے لگا کہ تیری قربانی تو قبول ہوگئی اور میری نہیں ہوئی) اس نے جواب دیا کہ اللہ صرف متقیوں ہی کی قربانی قبول کرتے ہیں اگر (لام قسمیہ ہے) تو نے دست درازی کی (ہاتھ اٹھایا) میرے قتل پر تب بھی تجھے قتل کرنے کے لئے تجھ پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ میں (تیرے قتل کے سلسلہ میں) اللہ سے ڈرتا ہوں جو ساری دنیا کے پروردگار ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تو سمیٹ لے میرا گناہ (قتل کا گناہ) اور اپنا گناہ (جو اس سے پہلے کیا ہوگا) دونوں اپنے سر۔ اور پھر تو دوزخیوں میں سے ہو جا۔ (میں نہیں چاہتا کہ تجھ کو قتل کر کے تیرا گناہ اپنے سر لوں اور جہنمی بنوں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) ظلم کرنے والوں کو یہی بدلہ ملا کرتا ہے۔ پھر اُبھارا (سبز باغ دکھلایا) اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر۔ آخر اس کو قتل کر کے ہی چھوڑا نتیجہ یہ نکلا کہ تباہ کاروں میں سے ہو گیا (اس کو قتل کر کے یہ نہ سمجھ میں آیا کہ اب اس کا کیا کرے کیونکہ سرزمین پر یہ سب سے پہلا انسانی قتل تھا چنانچہ نعش کو اپنی کمر پر لادے پھرا) اس کے بعد اللہ نے ایک کوا بھیجا اور وہ زمین کریدنے لگا (اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کریدی اور اپنے ساتھ کے دوسرے مردے کوے پر مٹی ڈالتا رہا حتی کہ کوے کی نعش چھپ دی) تاکہ اسے بتا دے کہ کیسے چھپائی (پوشیدہ کرنی) چاہئے، اپنے بھائی کی لاش (مردہ جسم) وہ بول اٹھا افسوس مجھ پر۔ کیا میں اس سے بھی گیا گذرا ہوا کہ اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا۔ کہ اپنے بھائی کی لاش ہی چھپا دیتا۔ غرض کہ وہ بہت ہی پشیمان ہوا (نعش کے اٹھائے اٹھائے پھرنے پر۔ اور ایک گڑھا کھود کر اس میں دفنا دیا) اسی بناء پر (کہ قابیل نے قتل کی کارروائی کی) ہم نے بنی اسرائیل کے لئے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ (ضمیر شان ہے (جس کسی نے کسی جان کو مار ڈالا بجز قصاص لینے کے اور بجز ملک میں لوٹ مار مچانے کی سزا کے (خواہ وہ فساد کفر اور زنا جیسے معاصی کی وجہ سے یا ڈاکہ زنی وغیرہ واقعات کی بنا پر ہو) تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا۔ اور جس کسی نے کسی کی زندگی بچالی (اس کے قتل سے باز رہا) تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی دے دی (ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ حکم حرمت نفس کی پامالی اور حفاظت کے لحاظ سے ہے) اور ان (بنی اسرائیل) کے پاس ہمارے رسول آتے رہے روشن دلیلوں (معجزات) کے ساتھ لیکن اس پر بھی ان میں سے اکثر ایسے نکلے جو ملک میں زیادتیاں کرنے والے تھے (کفر اور قتل وغیرہ کام کر کے حدود کو پھلانگ گئے۔)

تحقیق وترکیب:.......... **واتل**۔ اس کا عطف ماقبل **اذقال موسیٰ** کے فعل مقدر پر ہے ای **اذ کرھا بیل**۔ یہ مقتول کا نام ہے اور جس کے نام کے شروع میں قاف ہے یعنی قابیل اس کو قاتل کہا جائے گا۔ بعض نے **فبعث اللہ غرابا** کے قرینہ سے ان کو حضرت آدمؑ کی صلبی اولاد مانا ہے۔ اور بعض نے **من اجل ذلک کتبنا علی بنی اسرائیل** کے قرینہ سے ان کو بنی اسرائیل میں سے قرار دیا ہے جو اولاد آدم ہی ہیں۔ اول قول صحیح ہے۔ حضرت آدمؑ کے ہبوط دنیا سے ۱۰۰سو سال بعد قابیل پہلا لڑکا ہوا۔ اس کے ایک سال بعد ہابیل پیدا ہوا۔

بالحق۔ یہ صفت ہے مصدر محذوف کی ای **تلاوۃ متلبسۃ بالحق**۔ حج آدمؑ۔ چونکہ سرزمین ہند میں تمام سراندیپ حضرت آدمؑ کا جنت سے ہبوط بتلایا جاتا ہے اس لئے یہاں سے مکہ معظمہ کی جانب روانگی ہوئی۔ اور ان کی غیبوبت میں قابیل نے یہ کارروائی کی۔

انی ارید الخ کسی معصیت یا قتل کا ارادہ بھی معصیت ہے۔ پھر ہابیل نے یہ جملہ کیسے کہا؟ اس کی چند توجیہیں کی گئی ہیں مثلاً یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ قیامت میں ظالم جب مظلوم کو راضی کرنا چاہے گا تو اس کی سیئات اپنے ذمے لے لے گا۔ ہابیل کا منشاء بھی یہی تھا۔ دوسری توجیہ بقول بیضاوی یہ ہوسکتی ہے کہ بھائی کی شقاوت و معصیت کا ارادہ مقصود نہیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ اگر یہ بات مقدر ہو چکی ہے تو میں اپنی گردن میں ڈالنا نہیں چاہتا تیری گردن میں آ جائے تو دوسری بات ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ بھائی کے گناہ کا ارادہ نہ ہو بلکہ اس کے گناہ پر عقاب و عذاب مطلوب ہو اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

باثمی. ہابیل اگر چہ قابیل سے زیادہ طاقتور تھا لیکن اقدام قتل کے ساتھ مدافعت قتل سے خود کو بھی نہ بچایا۔ خواہ تو اس لئے کہ اس وقت تک مدافعت کی اجازت بھی نہیں ہوگی اور یا اس لئے کہ عزیمت اور اولویت پر عمل پیرا ہونا چاہتا تھا۔

فطوعت له ، ای سهلة له ذو وسعة . بولتے ہیں **طاع له المرتع اذآ اتسع.** اس میں لام تاکید تبیین کا ہے۔ **الم نشرح للٰ** کی طرح۔ **سوءة اخيه** ۔ سورۃ بمعنی جسم مردہ۔ اورہ ضمیر قاتل کی طرف راجع ہے **بعث** کی طرف نہیں ہے۔ یہ جملہ **یواری** کا مفعول ہے۔ بجائے خاسر کے۔ **خاسرین** مبالغہ کے لئے کہا گیا ہے **ینبش نبشه نبشاً** باب قتل سے ہے زمین کریدنا کھودنا۔ **نبش الرجل القبر** بولتے ہیں۔ نباش کفن چور۔ **یٰو یلتیٰ** گویا تحسر کرنے والا ویل اور ہلاکت کو طلب کر رہا ہے اور یا الف کے بدلہ میں ہے۔

علی حمله. سال بھر نعش اٹھائے اٹھائے پھرنے پر نادم ہوا۔ **لا جل .** اجل دراصل جنایۃ سے ہے چنانچہ **اجل علیهم شراً** بولتے ہیں جب کہ ان پر جنابت کی جائے لیکن بعد میں تعلیل جنایات کے موقعہ میں یہ لفظ بولا جانے لگا پھر مطلق سبب کے معنی میں **توسعاً** استعمال ہونے لگا۔ بنی اسرائیل کی تخصیص مبالغہ فی الشناعۃ کے لئے ہے کہ باوجود علم کے پھر اس پر اقدام کرتے ہیں ورنہ قصاص کی مشروعیت تو ہر مذہب وملت میں رہی ہے۔

قتلها. تقدیر مضاف کی طرف اشارہ ہے۔ **بغير فساد.** جمہور کی رائے کی طرف اشارہ ہے کہ **او فسادٍ** مجرور کا عطف لفظ جس پر عطف کرتے ہوئے اور غیر اس کی طرف مضاف ہے۔ **قتل الناس** ۔ بقول حسن قاتل کی سزا جہنم اور اللہ کا غضب اور عذاب ہے۔ خواہ ایک نفس کا قاتل ہو یا تمام انسانوں کا اور الف لام عہد کا بھی ہوسکتا ہے مراد صرف وہی لوگ ہوں جو دوسروں کے قتل یا بقاء کا سبب اور باعث بنے ہوں۔ **حديث من سن سنة الخ** کے قاعدہ پر یا ترہیب وترغیب کو بطور مبالغہ ذکر کرنا ہے۔ چنانچہ اس لحاظ سے مشبہ بہ کا اعظم جرم ہونا مضر نہیں ہوگا۔ **اسلمنا** کی بجائے **جاء تهم** کہنے میں وصول رسالت کی تصریح ہوگئی۔ **ثم** تراخی رتبی اور استبعاد کے لئے ہے۔

ربط و ﴿تشریح﴾: .... اہل کتاب کی برائیوں کے ذیل میں **نحن ابناء الله** کا ذکر آچکا ہے آگے اسی گھمنڈ کو چکنا چور کرنے کے لئے ہابیل وقابیل کا واقعہ ذکر فرماتے ہیں کہ باوجود پیغمبر زادہ اور صاحبزادہ ہونے کے عمل کی بجائے ان کے لئے نسبت کار آمد نہ ہوئی بلکہ اصل عمل ہی کی وجہ سے مقبولیت یا مردودیت ہوئی۔ حالانکہ تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر نسبت رکھتے تھے اور باہم برابر تھے مگر آدمؑ کا بیٹا ہونا ان کے کام نہ آیا۔

دریں راہ فلان بن فلان چیزے نیست: .... معلوم ہوا کہ اصل مدار فلان ابن فلان ہونے پر نہیں ہے بلکہ اعمال دیکھے جاتے ہیں۔ اسی واقعہ قتل پر پھر **انما جزاء الذين الخ** سے قتل وغیرہ کے دنیاوی اور اخروی احکام کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ واقعہ کی تلخیص یہ ہے کہ اللہ کی حکمت اور قدرت سے حواء علیہا السلام کے ہر بطن سے توام بچے لڑکا اور لڑکی پیدا ہوتے تھے۔ اور ایک بطن کا لڑکا دوسرے بطن کی لڑکی سے بیاہ دیئے جاتے تھے اس ابتدائی زمانہ کی ضرورت اور مختصر آبادی کے لحاظ سے یہ اختلاف بطن ایسا ہی معتبر سمجھا گیا جیسا کہ بعد کے مذاہب میں اختلاف نسب کا اعتبار کیا گیا ہے غرض کہ اسی ضابطہ کی رو سے قابیل وہابیل دو صاحبزادوں کی بہنیں ایک دوسرے سے منسوب کردی گئیں اب اس کو حسن اتفاق کہئے یا سوء اتفاق کہ قابیل کی بہن جو ہابیل کے حصہ میں آئی وہ خوبصورت اور حسین تھی اور ہابیل کی بہن جو قابیل سے منسوب ہوئی وہ بدشکل وبدصورت تھی۔ لیکن اس شرعی تقسیم پر قابیل رضامند نہیں ہوا۔ بلکہ وہ اپنی

حقیقی بہن کا خواستگار ہوا جو اسی کی توام تھی۔ حضرت آدمؑ نے ہر چند سمجھایا بھی لیکن بیسود۔ آخر کار قطع حجت کے لئے انہوں نے نیاز پیش کرنے کی ترکیب بتلائی کہ جس کی نذر نیاز قبول ہو جائے گی خوبصورت لڑکی اسی کی ہے اور مقصود محض رفع نزاع اور قطع تکرار تھا۔ ورنہ قانون شرعی کے لحاظ سے وہ سمجھتے تھے کہ ہابیل حق پر ہے اور اسی کی نیاز قبول ہوگی قابیل کے لئے حلت کا کوئی احتمال ہی نہیں۔ چنانچہ ہابیل نے نہایت اعلیٰ درجہ کا دنبہ نذر کیا۔ اور قابیل گلہ کے چند خوشے لا کر رہ گیا۔ اور نا قابل ثابت ہوا۔ اسی لئے غیبی آگ ہابیل کی نیاز لے گئی جو اس کے قابل ومقبول ہونے کی علامت تھی۔

قابلیت ومقبولیت ہی اکثر حسد کا باعث بن جاتی ہے:.........لیکن یہی مقبولیت بے چارے کے لئے وبال جاں بن گئی کہ اس کے بعد قابیل ہابیل کی جان کا خواہاں ہو گیا آخر کار اس کی جان لے کر چھوڑی۔

زن، زر، زمین ہمیشہ فتنہ فساد کی بنیاد بن جاتی ہے:.........زن، زر، زمین کے سلسلہ میں کشت وخون کی دنیا میں یہ سب سے پہلی کڑی تھی۔ حدیث سنہ کی رو سے قیامت تک اس سلسلہ میں ہونے والے تمام خونوں کا وبال قابیل کے سر بھی رہے گا۔ ہابیل کی عمر اس وقت صرف بیس ۲۰ سال تھی۔ قابیل کو کچھ تو بھائی کے جانے کا غم اور کچھ اپنی عقلی درماندگی کا ملال کہ دفن جیسی معمولی چیز میں کوے سے بھی گیا گذرا ہوا۔ اور کچھ والدین اور گھر والوں کی لعنت و ملامت۔ غرض کہ بالکلیہ اس کی عقل مسخ ہو گئی اور دل قابو میں نہ رہا اور اسی حال میں مر گیا۔ یہ تو دنیاوی بربادی ہوئی اور اخروی بربادی کی طرف حصن حصین میں حدیث ابن مسعودؓ اشارہ کر رہی ہے کہ قیامت تک جتنے خون ناحق ہوں گے ان سب کا وبال اسی بانی کی گردن پر بھی رہے گا۔ ہابیل کا خود کو متقیوں میں ضمناً شمار کرنا بطور تحدیث نعمت کے تھا نہ کہ تفاخراً۔

اقدام قتل، یا مدافعانہ قتل اور نصوص میں تطبیق:......... ہماری شریعت میں مدافعانہ قتل کا قانون یہ ہے کہ اگر قرائن تو یہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ قاتل کے وار سے بچنے کی کوئی صورت بجز اس کے نہیں کہ خود قاتل کو قتل کر دیا جائے تو مدافعانہ طور پر قاتل کو قتل کر دینا جائز ہے۔ اور اسی حیص بیص میں مارا جائے تو یہ مقتول شہید ہوگا۔ لیکن اگر کوئی مدافعانہ کارروائی بھی نہ کرے اور ہاتھ پیر ہلائے بغیر ہی مارا جائے تب بھی جائز ہے بلکہ ابوداؤد وترمذی کی بعض روایات کے لحاظ سے اس موت مظلومیت ہی کو افضل قرار دیا گیا ہے ہاں اگر کہیں مدافعانہ اور انتقامی کارروائی اسلامی ضرورت ومصلحت سے ہو جیسے کافروں اور باغیوں سے جہاد وقتال کرنا یا حدود وقصاص کا اجراء، تو یہ سب واجب اور ضروری ہوگی اس سے تمام دلائل ونصوص میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ اور ہابیل کا یہ کہنا کہ میرا گناہ بھی تیرے سر رہے اس لئے ہے کہ مظلوم کے تمام گناہ ظالم کے سر ڈال دیئے جائیں گے۔ اور اس طرح ظالم کی سزا سخت۔ اور مظلوم کی ہلکی ہو جائے گی۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

ہر ندامت توبہ نہیں ہوتی:.........اور علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ قابیل مؤمن عاصی تھا اور اس کی اس ندامت کو توبہ پر محمول نہیں کیا جائے گا کیونکہ اول تو یہ ندامت قتل پر نہیں تھی بلکہ مضرات قتل پر تھی مثلاً نعش لئے مارا مارا پھرنا اور دفن کی سبیل سمجھ میں نہ آنا۔ اور کوئی جیسے جانور سے بھی گیا گذرا ہونا۔ یا بقول بعض مفسرین اس کے بدن کا سیاہ پڑ جانا۔ حضرت آدمؑ اور دوسرے عزیزوں کی ناراضی وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے اگر قتل پر بھی ندامت ہو تب بھی ہر ندامت توبہ نہیں کہلاتی بلکہ جس ندامت کے بعد معذرت اور شکستگی کے آثار محسوس ہوں اور تدارک کی فکر ہو وہ توبہ کہلاتی ہے نیز یہ ندامت طبعی تھی جو عقل کے تقاضہ سے پیدا ہو جاتی ہے۔ شریعت یا تقوے کا اس

میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔

ایک آدمی اور تمام انسانوں کا قتل اس لحاظ سے برابر ہے کہ اس میں قانون الٰہی کی خلاف ورزی کر کے مستحق غضب اور دنیا و آخرت کی سزا کا مستوجب بنا، گو شدت اور اشدیت کا فرق ہے اس سے کفر و بغاوت کی وجہ سے قتل اور قصاص وحدود نکل گئے کیونکہ ان پر نہ غضب الٰہی مرتب ہوتا ہے اور نہ دنیاوی اور اُخروی سزا بلکہ بعض صورتوں میں قتل نہ صرف جائز بلکہ واجب ہوتا ہے۔

حسنہ میں تضاعف رحمت ہے اور سیئہ میں مساوات حکمت ہے: .... سیئہ اور حسنہ کے تضاعف میں شرعاً یہ فرق ہے کہ سیئہ میں مطلقاً تضاعف کی نفی ہے اس لئے ایک انسان کا قتل سب انسانوں کے برابر بعض لحاظ سے مانا جائے گا اللہ کی ناراضی اور دنیا و آخرت کی سزا دونوں میں مشترک ہے۔ لیکن حسنہ میں شرعاً مطلق تضاعف ہو سکتا ہے کوئی دلیل مانع تضاعف نہیں ہے۔ رہا یہ شبہ کہ پھر ایک انسان کو بچانے والا اور ہزار کو بچانے والا برابر ہونے چاہئیں۔ جواب یہ ہے کہ ایک حقیقی عمل ہوتا ہے اور ایک عمل حکمی ہوتا ہے۔ دونوں میں اگر کسی لحاظ سے مساوات ہو تو لازم نہیں آتا کہ کیفاً بھی دونوں برابر ہوں بلکہ یہ ممکن ہے کہ کیفاً دونوں میں زمین و آسمان کا فرق اور صورت مفروضہ میں پہلے شخص کا حقیقی عمل ایک ہے اور دوسرے کا ایک سے زیادہ پھر مساوات کیسے رہی۔ دوسری بات یہ ہے کہ دوسرے شخص کو ممکن ہے کہ تمام انسانوں کے مضاعف عدد کا ثواب مل جائے، پھر بھی مساوات کا شبہ نہیں رہا اور اکثر کو فاسق اس لئے کہہ دیا کہ بعض مطیع وفرمانبردار بھی تھے۔

لطائف آیات: .... آیت **انما یتقبل اللہ الخ** سے معلوم ہوا کہ اپنا دینی کمال بارادۂ شکر ظاہر کرنا جائز ہے البتہ بہ نیت فخر جائز نہیں ہے آیت **لئن م بسطت** سے معلوم ہوا کہ جس طرح مدافعانہ قتل کے سلسلہ میں نصوص صریح نہ ہونے کی وجہ سے احتیاطاً ہابیل نے کنارہ کشی اختیار کی تھی اور ان کا ایسا کرنا مستحسن ہوا اسی طرح شبہات سے بچنا بھی مطلوب ومحمود سمجھا جائے گا۔ آیت **فاصبح من النادمین** سے معلوم ہوا کہ ہر ندامت توبہ نہیں بلکہ جس ندامت کے بعد طبیعت میں عذر و انکسار اور آئندہ کے لئے تدارک کا اہتمام ہو اس کو توبہ سمجھا جائے گا۔

وَنَزَلَ فِی الْعُرَنِیِّیْنَ لَمَّا قَدِمُوا الْمَدِیْنَةَ وَهُمْ مَرْضٰی فَاَذِنَ لَهُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّخْرُجُوْا اِلَی الْاِبِلِ وَیَشْرَبُوْا .... مِنْ اَبْوَالِهَا وَاَلْبَانِهَا فَلَمَّا صَحُّوْا قَتَلُوا الرَّاعِیَ وَاسْتَاقُوا الْاِبِلَ **اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ** بِمُحَارَبَةِ الْمُسْلِمِیْنَ **وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا** بِقَطْعِ الطَّرِیْقِ **اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ** اَیْ اَیْدِیْهِمُ الْیُمْنٰی وَاَرْجُلِهِمُ الْیُسْرٰی **اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ** اَوْ لِتَرْتِیْبِ الْاَحْوَالِ فَالْقَتْلُ لِمَنْ قَتَلَ فَقَطْ وَالصَّلْبُ لِمَنْ قَتَلَ وَاَخَذَ الْمَالَ وَالْقَطْعُ لِمَنْ اَخَذَ الْمَالَ وَلَمْ یَقْتُلْ وَالنَّفْیُ لِمَنْ اَخَافَ فَقَطْ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَعَلَیْهِ الشَّافِعِیُّ وَاَصَحُّ قَوْلَیْهِ اَنَّ الصَّلْبَ ثَلَاثًا بَعْدَ الْقَتْلِ وَقِیْلَ قَبْلَهٗ قَلِیْلًا وَیُلْحَقُ بِالنَّفْیِ مَا اَشْبَهَهٗ فِی التَّنْکِیْلِ مِنَ الْحَبْسِ وَغَیْرِهٖ **ذٰلِكَ** الْجَزَاءُ الْمَذْکُوْرُ **لَهُمْ**

خِزْیٌ ذُلٌّ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۳۳﴾ هُوَ عَذَابُ النَّارِ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنَ الْمُحَارِبِیْنَ وَالْقُطَّاعِ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ فَاعْلَمُوْآ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لَهُمْ مَا اَتَوْهُ رَّحِیْمٌ ﴿۳۴﴾ بِهِمْ عَبَّرَ بِذٰلِكَ دُوْنَ فَلَا تَحُدُّوْهُمْ لِیُفِیْدَ اَنَّهُ لَا یَسْقُطُ عَنْهُ بِتَوْبَتِهٖ اِلَّا حُدُوْدُ اللّٰهِ دُوْنَ حُقُوْقِ الْاٰدَمِیِّیْنَ كَذَا ظَهَرَ لِیْ وَلَمْ اَرَ مَنْ تَعَرَّضَ لَهُ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ فَاِذَا قَتَلَ وَاَخَذَ الْمَالَ یُقْتَلُ وَیُقْطَعُ وَلَا یُصْلَبُ وَهُوَ اَصَحُّ قَوْلَیِ الشَّافِعِیِّ وَلَا تُفِیْدُ تَوْبَتُهُ بَعْدَ الْقُدْرَةِ عَلَیْهِ شَیْئًا وَهُوَ اَصَحُّ قَوْلَیْهِ اَیْضًا یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ خَافُوْا عِقَابَهُ بِاَنْ تُطِیْعُوْهُ وَابْتَغُوْآ اُطْلُبُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ مَا یُقَرِّبُكُمْ اِلَیْهِ مِنْ طَاعَتِهٖ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لِاِعْلَاءِ دِیْنِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ تَفُوْزُوْنَ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ ثَبَتَ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهُ مَعَهُ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۳۶﴾ یُرِیْدُوْنَ یَتَمَنَّوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۳۷﴾ دَائِمٌ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ اَلْ فِیْهِمَا مَوْصُوْلَةٌ مُبْتَدَأٌ وَلِشِبْهِهٖ بِالشَّرْطِ دَخَلَتِ الْفَاءُ فِیْ خَبَرِهٖ وَهُوَ فَاقْطَعُوْآ اَیْدِیَهُمَا اَیْ یَمِیْنَ كُلٍّ مِّنْهُمَا مِنَ الْكُوْعِ وَبَیَّنَتِ السُّنَّةُ اَنَّ الَّذِیْ یُقْطَعُ فِیْهِ رُبْعُ دِیْنَارٍ فَصَاعِدًا وَاَنَّهُ اِنْ عَادَ قُطِعَتْ رِجْلُهُ الْیُسْرٰی مِنْ مَفْصَلِ الْقَدَمِ ثُمَّ الْیَدُ الْیُسْرٰی ثُمَّ الرِّجْلُ الْیُمْنٰی وَبَعْدَ ذٰلِكَ یُعَزَّرُ جَزَآءً نُصِبَ عَلَی الْمَصْدَرِ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا عُقُوْبَةً لَهُمَا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِهٖ حَكِیْمٌ ﴿۳۸﴾ فِیْ خَلْقِهٖ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ رَجَعَ عَنِ السَّرِقَةِ وَاَصْلَحَ عَمَلَهُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۹﴾ فِی التَّعْبِیْرِ بِهٰذَا مَا تَقَدَّمَ فَلَا یَسْقُطُ بِتَوْبَتِهٖ حَقُّ الْاٰدَمِیِّ مِنَ الْقَطْعِ وَرَدِّ الْمَالِ نَعَمْ بَیَّنَتِ السُّنَّةُ اَنَّهُ اِنْ عُفِیَ عَنْهُ قَبْلَ الرَّفْعِ اِلَی الْاِمَامِ سَقَطَ الْقَطْعُ وَعَلَیْهِ الشَّافِعِیُّ اَلَمْ تَعْلَمْ اَلْاِسْتِفْهَامُ فِیْهِ لِلتَّقْرِیْرِ اَنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ تَعْذِیْبَهُ وَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ اَلْمَغْفِرَةَ لَهُ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۰﴾ وَمِنْهُ التَّعْذِیْبُ وَالْمَغْفِرَةُ

ترجمہ: .... (آئندہ آیات قبیلہ عرینیین والوں کے بارے میں نازل ہوئیں جب کہ وہ مدینہ طیبہ میں آکر بیمار پڑ گئے اور آنحضرت (ﷺ) نے ان کو صدقہ کے اونٹوں کے دودھ اور پیشاب پینے کی اجازت دی لیکن جب اچھے ہوگئے تو چرواہوں کو قتل کر کے اونٹوں کو اپنے ساتھ ہنکالے گئے) بلاشبہ اُن لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کرتے ہیں (مسلمانوں سے لڑ بھڑ کر) اور ملک میں خرابی پھیلانے کے لئے دوڑتے پھرتے ہیں (لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کرتے ہوئے) یہی سزا ہے کہ قتل کردیئے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں۔ یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں (یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں) یا انہیں جلاوطن کردیا

جائے (اس میں لفظ او ترتیب احوال کے لئے ہے چنانچہ صرف قتل کرنے والے کو قتل کیا جائے گا اور قتل کے ساتھ مال لوٹنے والے کو سولی دی جائے گی اور بغیر قتل صرف مال لوٹنے والے کے ہاتھ پاؤں قطع کئے جائیں گے۔ اور محض ڈراتے دھمکانے والے کو قید و بند کر دیا جائے گا۔ ابن عباسؓ کی یہی رائے ہے جس پر امام شافعیؒ قائم ہیں اور ان کے دو قول میں سے اصح قول یہ ہے کہ قتل کے بعد تین روز تک سولی پر لٹکا رہنے دیا جائے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ قتل سے پہلے کچھ دیر کے لئے سولی پر رہنے دیا جائے۔ اور جلا وطن کرنے ہی میں حبس اور قید و بند جیسی سزاؤں کو بھی شامل کر لیا جائے گا) یہ (مذکورہ سزائیں) ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے عذاب عظیم ہے (عذاب جہنم) مگر ہاں ان میں سے جو لوگ اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ توبہ کر لیں (خواہ وہ حربی کافروں ہوں یا ڈاکو) تو جان لو کہ اللہ (ان کی گذری ہوئی کاروائیوں کو) بخشنے والے اور (ان پر) رحمت رکھنے والے ہیں۔ (**لا تحدوھم** یعنی ان پر حد قائم نہ کرو۔ کی بجائے اس طرح تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی توبہ کر لینے سے حدود اللہ تو معاف ہو سکتے ہیں لیکن انسانی حقوق ساقط اور نظر انداز نہیں ہو سکتے۔ یہ میری اپنی رائے مجھے نہیں معلوم کہ اس سے پہلے کسی نے اس سے تعرض کیا ہے۔ **واللہ اعلم**.

بہر حال اگر قتل اور لوٹ مار دونوں ہوں تو قتل بھی کیا جائے گا اور ہاتھ پاؤں بھی کاٹے جائیں گے مگر سولی نہیں دی جائے گی۔ یہ امام شافعیؒ کا اصح قول ہے۔ اور یہ کہ ڈاکوؤں پر قابو یافتہ ہونے کے بعد ان کی توبہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا یہ بھی امام شافعیؒ کا اصح قول ہے) مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو (اس کے عذاب سے ڈر کر اس کی اطاعت میں لگے رہو) اور تلاش کرو (ڈھونڈو) اس تک پہنچنے کا ذریعہ (یعنی ایسی فرمانبرداری جو تم کو اس کے قریب کر دے) جن لوگوں نے راہِ کفر اختیار کی اگر (بالفرض) ان کے قبضہ میں تمام روئے زمین کا مال و متاع آ جائے اور اتنا ہی اور بھی پالیں پھر یہ سب کچھ قیامت کے روز عذاب سے بچنے کے لئے فدیہ میں دے دیں، جب بھی ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا وہ چاہیں گے (تمنا کریں گے) کہ آگ سے باہر نکل آئیں لیکن اس سے باہر ہونے والے نہیں۔ ان کے لئے تو پائیدار (دائمی) عذاب ہوگا اور جو چور خواہ مرد ہو یا عورت (ان دونوں لفظوں میں الف لام موصولہ مبتدا ہے۔ اور چونکہ مشابہ بالشرط ہے اس لئے اس کی خبر پر فالائی گئی ہے) تو اس کے ہاتھ کاٹ ڈالو (یعنی ان میں سے ہر ایک کا ہاتھ پہنچے پر سے کاٹ ڈالو۔ اور سنت سے ثابت ہے کہ چوتھائی دینار سے زیادہ قیمت کے مال میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ نیز اگر پھر دوبارہ چوری کرتے تو بایاں پاؤں ٹخنے پر سے کاٹا جائے گا پھر تیسری بار بایاں ہاتھ اور چوتھی دفعہ داہنا پیر کاٹا جائے اور پھر بھی چوری کرے تو اور مزید تعزیراً سزا دی جائے (بطور سزا کے ہے۔ (یہ مفعول مطلق کی بناء پر منصوب ہے) جو کچھ انہوں نے کرتوت کیئے ہیں عبرت کی نشانی ہے (ان کے لئے سزا ہے) اللہ کی طرف سے اور اللہ زبردست ہیں (اپنے حکم پر غالب) اور (اپنی مخلوق کے بارے میں) حکمت والے ہیں۔ پھر جس کسی نے اپنے ظلم کے بعد توبہ کر لی (چوری سے باز آ گیا) اور اپنے کو سنوار لیا (عمل ٹھیک کر لئے) تو اللہ اس کے حال پر توجہ فرمائیں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں (پہلے کی طرح یہاں بھی اس طریقۂ تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کے بعد بھی حقوق العباد نظر انداز نہیں ہوں گے یعنی ہاتھ کاٹنا اور مال کی واپسی رہے گی۔ البتہ سنت سے یہ ثابت ہے کہ سرکار میں مقدمہ لانے سے پہلے اگر کسی نے اپنا حق معاف کر دیا تو ہاتھ کاٹنے کی سزا ساقط ہو جائے گی۔ امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے) کیا تم نہیں جانتے کہ (اس میں استفہام تقریر کے لئے ہے) کہ آسمان و زمین کی ساری بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے وہ جسے چاہے (عذاب دینا) دے سکتا ہے اور جسے چاہے (کہ بخش دے تو) اس کو بخش سکتا ہے اور اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت (منجملہ ان کے عذاب و مغفرت بھی ہے)

تحقیق و ترکیب: .... **یحاربون اللہ**، ای یحاربون اللہ اولیاء اللہ و اولیاء رسولہ. تقدیر مضاف کی صورت میں اس سے مراد مسلمان ہیں۔ **یقتلوا** باب تفصیل سے لانے میں اشارہ ہے کہ حق شروع ہونے کی وجہ سے ولی کے معاف کرنے سے بھی

معاف نہیں ہوگا۔ یہی حال اویصلبوا او تقطع الخ دونوں لفظوں کا ہے۔ بیہقی اپنی سنن میں عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج سے نقل کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں لفظ او آیا ہے وہ تخییر کے لئے ہے بجز اس جگہ کے ان یقتلوا اویصلبوا کیونکہ یہاں ترتیب کے لئے ہے تخییر کے لئے نہیں ہے۔ امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ بھی یہی کہتے ہیں۔

والصلب الخ بظاہر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ خواہ اتنے ہی پر اکتفاء کرلے اور یا ہاتھ پاؤں خلاف جانب سے قطع کردے یا قتل اور سولی کی سزا دیدے۔ وعلیہ الشافعی. امام احمدؒ کا بھی یہی خیال ہے لیکن امام مالکؒ او کو تخییر کے لئے مانتے ہیں اپنی اصل وضع کے لحاظ سے۔ چنانچہ اس صورت میں امام کو ان سزاؤں کے اجراء کا اختیار ہوگا۔ لیکن ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک او ترتیب کے لئے ہے البتہ ان سزاؤں کی تفصیل میں فرق کردیا جائے گا۔ پس امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ کے قول میں دو فرق ہوں گے ایک تو یہ کہ او ینفوا سے مراد حنفیہ کے نزدیک جلاوطن کرنا ہے اور شوافع کے نزدیک حبس اور قید کرنا ہے۔ دوسرے یہ کہ جس ڈاکو نے مال بھی لوٹا ہوا اور قتل بھی کیا ہو تو امام شافعیؒ کے نزدیک امام وقت اس کو صرف سولی دے سکتا ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک اس وقت امام کو چار سزاؤں میں سے کسی ایک کے اجراء کا اختیا ہوگا۔ (۱) خواہ ہاتھ پاؤں کٹوا کر قتل کرادے، (۲) خواہ ہاتھ پاؤں کٹوا کر سولی دیدے، (۳) خواہ صرف قتل کرادے، (۴) خواہ صرف سولی دلادے۔ شوافع حدیث ابو ہریرہؓ اسلمی سے استدلال کرتے ہیں جس کا جواب صاحب نوارالانوار نے یہ دیا ہے کہ سولی کا دینا صرف اس صورت کے ساتھ خاص ہے۔ دوسری صورتوں میں اس کا اجراء نہیں ہوگا۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ صورت بھی سولی کے ساتھ مخصوص ہے اور اس صورت میں کسی دوسری سزا کا انضمام جائز نہیں ہے کیونکہ جنایات میں اتحاد اور تعدد ہوسکتا ہے۔

واصح قولیہ. جمل نے منہاج سے نقل کیا ہے کہ تین دن قتل کے بعد سولی پر چڑھا رہنے دیا جائے اور بعض نے کہا ہے کہ قتل سے پہلے کچھ دیر کے لئے سولی پر چڑھا دیا جائے پھر قتل کیا جائے۔

ذلک دنیاوی سزا کے بیان میں صرف رسوائی پر اکتفاء کیا حالانکہ دوسرا عذاب بھی ہے اور اخروی سزا میں صرف عذاب پر اکتفاء کیا حالانکہ وہاں رسوائی بھی ہوگی۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ دنیاوی سزا میں رسوائی بڑھی ہوئی ہوگی اور اخروی سزا میں عذاب بڑھا ہوا ہوگا۔ الا الذین میں استثناء کا تعلق دنیاوی رسوائی کے ساتھ ہے۔ اور اخروی عذاب کے ساتھ بھی ہے پس توبہ سے حدود اور عذاب دونوں ساقط ہوسکتے ہیں کیونکہ رسوائی اور حدود دونوں ایک ہی ہیں لہٰذا رسوائی کے ساقط ہونے سے حد بھی ساقط ہوجائے گی۔

عبر بذلک یعنی لا تحدوھم کی بجائے ان اللہ غفور رحیم فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ توبہ سے حدود اللہ تو ساقط ہوسکتے ہیں مگر حقوق العباد ساقط نہیں ہوں گے یہ بات اگرچہ ظاہر تھی لیکن مفسرؒ نے چونکہ آیت سے اس کو مستنبط نہیں کیا تھا اس لئے مفسر علامؒ نے دعویٰ اختصاص کیا ہے۔

فاذا قتل واخذ المال الخ یقطع ویقتل سے مراد جوازاً ہے وجوباً نہیں کیونکہ حق العباد ہے ولی کے معاف کردینے سے قتل معاف ہوسکتا ہے پس توبہ سے وجوب قتل ساقط ہوجائے گا اور سولی تو باصلہ ساقط ہوجائے گی۔

وھو اصح قولیہ: اس قول کے مقابل انہ یصلب ہے اور سولی توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ بہرحال یہ آیت اس پر دلالت کررہی ہے کہ حدود کفارۂ سیئات نہیں ہوتے بلکہ ساتر معاصی ہوتے ہیں جیسا کہ حنفیہ کی رائے ہے۔

وسیلۃ بروزن فعلیۃ۔ ذریعہ تقرب کو کہتے ہیں یعنی طاعات کی بجاآوری اور معاصی کا ترک۔ لو ان لھم ما. ما موصولہ ان کا اسم ہے اور ظرف خبر ہے۔ استقر کے متعلق ہوکر اور جمیعاً موصول سے حال اور مثلہ موصول پر معطوف ہے اور لیفتدوا متعلق ہے

استقر کے۔ السارق الف لام تعریف کا نہیں ہے بلکہ موصولہ ہے بمعنی الذی جیسا کہ اسم فاعل واسم مفعول کے صیغوں پر آنے کا قاعدہ ہے۔ تفتازانی کی تو رائے یہ ہے کہ اس قسم کے مواقع پر بلا تاویل خبر ہے کیونکہ فی الحقیقت شرط کی جزا ہوتی ہے۔ ای ان سرق احد فاقطعوا لیکن سید السندؒ کے نزدیک انشاء بلا تاویل خبر نہیں ہوا کرتی۔ عام طور پر اگرچہ ہر طبقۂ اناث کو علیحدہ خطاب نہیں کیا جاتا بلکہ مردوں کے ذیل میں ہی خطاب ہوتا ہے لیکن یہاں مزید اعتناء کے لئے ایسا کیا گیا ہے تاکہ مبالغہ فی الزجر ہو جائے اور یہاں سارق کو سارقہ پر مقدم کرنے میں سورۂ نور میں زانیہ کو مقدم کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ چوری کرنا مردانگی کے خلاف ہے اور کم ہمتی پر دال ہے اور زنا کرنا حیا کے خلاف ہے جو عورت کا اصلی زیور ہونا چاہئے کیونکہ مقام شناعت کا ہے اس لئے اشنع کو مقدم کیا گیا ہے۔ یا اس طرف اشارہ ہے کہ چوری کے باب میں مرد کامل ہوتا ہے۔ اور زنا کی تکمیل بغیر عورت کی رضامندی کے نہیں ہو سکتی۔ سیبویہؒ کے نزدیک اس آیت کی تقدیر دو جملوں کے ساتھ ہوگی۔ ای حکم السارق والسارقة فیما یتلی علیکم. لیکن مبرد کے نزدیک ایک جملہ ہے فاجزائیہ متضمن معنی شرط کو ہے۔ بہرحال فا کا مابعد فعل ماقبل فا میں عمل نہیں کر رہا ہے اس لئے اب شبہ نہیں ہو سکتا کہ السارق الخ منصوب ہونا چاہئے تھا فعل مضمر کی وجہ سے جس کی تفسیر آئندہ فعل کر رہا ہے اگرچہ قرأت نصب کی بھی ہے جو صاحب کشاف اور قاضی بیضاوی کے نزدیک مختار ہے۔

یمین. چنانچہ دارقطنی کی روایت ہے کہ صفوان کی چادر جس نے چرائی تھی آنحضرت ﷺ نے اس کا ہاتھ جوڑ پر سے کٹوا دیا تھا۔ ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے۔ اور خوارج کی رائے ہے کہ مونڈھے پر سے ہاتھ کٹوانا چاہئے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مال مسروقہ کم از کم چوتھائی دینار کا ہونا چاہئے، اور امام مالکؒ کے نزدیک تین درہم کا۔ اور امام صاحبؒ کے نزدیک کم از کم دس درہم کا ہونا ضروری ہے۔ پھر حد میں حنفیہ کے نزدیک دو مرتبہ چوری کرتے پر قطع اعضاء کی سزا دی جائے گی۔ اس کے بعد تیسری مرتبہ اگر کسی نے چوری کی تو حنفیہ کے نزدیک قید و بند کی سزا دی جائے گی تاوقتیکہ اس کام سے تائب نہ ہو جائے۔ اور شوافع کے نزدیک چار مرتبہ چوری پر چاروں اعضاء قطع کرائیں گے اس کے بعد مزید تعزیر کی جائے گی۔۔ جزاء مفعول مطلق ہے معنی فاقطعوا سے یا فعل مقدر سے۔ اور یا مفعول لہ ہے اور نکالاً جزاء سے بدل ہوتے ہوئے پس دونوں ایک ہی چیز کی علت ہیں یا قطع کی علت جزاء اور جزاء کی علت نکال قرار دی جائے تو پھر اس کو مفعول کہا جائے۔ حال متداخلہ کی طرح فی التعبیر یعنی بجائے لاتحدوا کے ان اللہ یتوب کہنا اس پر دال ہے کہ توبہ سے حقوق العباد معاف نہیں ہوں گے اور آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدود کفارات نہیں ہوتے جیسا کہ حنفیہ کی رائے ہے۔

قبل الرفع یعنی مقدمہ دائر کرنے سے پہلے اگر صاحب حق معاف کر دے تو حد ساقط ہو سکتی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کے سامنے جب ایک صاحب نے چور کو معاف کرنا چاہا تو آپ نے یہ فرمادیا کہ میرے پاس آنے سے پہلے ایسا کیوں نہ کر لیا۔ شوافع کی طرح حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے کما فی الھدایة. کسی ملحد نے یہ اعتراض کیا تھا کہ ذرا سے مال کے لئے اعضاء انسانی جیسی قیمتی چیزوں کو تلف کرنا اسلام کا ظلم ہے۔ لیکن علم الدین سخاوی نے کیا اچھا جواب دیا کہ بڑے جرم کے مقابلہ میں یہ ایک معمولی سزا دی ہے۔

عزا الامانة اغلاھا وارخصھا ذل الخیانة فافھم حکمة الباری

ربط: .... پچھلی آیات میں قتل ناحق کا بیان ہوا تھا۔ آیت انما جزاء الخ سے قتل حق (قصاص) اور اس کے توابع (حدود) کا بیان ہو رہا ہے۔ یہ گویا گیارھواں اور بارھواں حکم ڈاکو اور چور کے متعلق ہے جس میں فتنہ و فساد جیسے معاصی سے پرہیز اور من احیاھا لخ سے طاعات کا اثبات مقصود تھا۔ اس لئے اگلی آیت یا ایھا الذین الخ میں عام معاصی سے بچنے اور تمام طاقات کے بجالانے کا حکم دیا جا رہا ہے اور آیت ان الذین کفروا الخ میں کفر کا خاص طور پر ضرر بتلانا ہے جس کے تقابل سے خاص طور پر ایمان کا نفع بھی

معلوم ہو جائے گا۔ سرقہ کبریٰ (ڈاکہ زنی) بعد سرقہ صغریٰ (چوری) کی سزا کا بیان آیت السارق سے ہو رہا ہے۔

شانِ نزول: .... انس بن مالکؓ آیت **انما جزاء الخ** کے شان نزول کے سلسلہ میں اصحابِ عرینہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں جیسا کہ مفسر علامؒ کی رائے بھی یہی ہے لیکن ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابو بردہ اسلمی سے معاہدہ فرمایا تھا کہ نہ تم ہماری مدد کرو اور نہ ہمارے خلاف لڑو۔ لیکن اس نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک مورچہ جمالیا۔ آس پاس سے جو لوگ اسلام میں داخل ہونے کے لئے یا تعلیم حاصل کرنے کے لئے مدینہ میں آنا چاہتے تو یہ لوگ ان سے لوٹ مار کرتے اور آمادۂ کشت وخون رہتے۔ اسی سلسلے میں جبریل امین **انما جزاء الدین** سے احکام وہدایات لے کر آئے۔ اور آیت **السارق الخ** ابن اُبیرق کے بارے میں نازل ہوئی جس کا واقعہ پانچویں پارہ کے دوسرے ربع کے اول میں گزر چکا ہے اور یا عام لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک عورت نے چوری کی جس کا ہاتھ کاٹا گیا اور اس پر اس نے عرض کیا یارسول اللہ کیا میرے لئے توبہ کی گنجائش ہے؟ تب آیت **فمن تاب الخ** نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: ...... **ڈاکہ زنی اور اس کی سزا کی چار صورتیں بطور حصر عقلی ہیں:** .... اول آیات میں سزا یابی کی جن چار حالتوں کا بیان ہے ان کا انحصار عقلی ہے کیونکہ توبہ نہ کرنے کی صورت میں چار ہی صورتیں ہوسکتی ہیں: (۱) قتل بھی اور لوٹ مار بھی۔ (۲) نہ قتل ہوا اور نہ لوٹ مار (۳) قتل ہو مگر لوٹ مار نہ ہو۔ (۴) لوٹ مار ہو مگر قتل نہ ہو۔ مذکورہ حد ان ہی چار حالتوں کے مقسم کے ساتھ خاص ہے یعنی عدم توبہ کی صورت میں لیکن اگر توبہ بھی ہو جو اس مقسم کے مقابل کی صورت ہے تو وہ استثنائی صورت آنے ذکر کی جا رہی ہے۔

فقہی اختلاف: .... امام مالکؒ حسنؒ، ابراہیم نخعیؒ جو لفظ او کو اپنی اصل پر تخییر کے لئے مانتے ہیں وہ **او ینفوا من الارض** کو علیحدہ سزا نہیں مانتے بلکہ یہاں او بمعنی واو لیتے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک ان تمام مواقع میں لفظ او بمعنی بل ہے جس طرح محاربہ کی چار صورتیں ہیں۔ اسی ترتیب سے ان کے بالمقابل سزائیں بھی چار ہیں۔ کیونکہ لفظ او جب مختلفۃ الاسباب سزاؤں کے سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے تو وہ تقسیم کے لئے ہوتا ہے جیسے اس آیت میں ہے ورنہ او تخییر کے لئے مانا جاتا ہے جیسے کفارہ یمین میں۔ البتہ قتل اور لوٹ کی صورت میں حنفیہ کے نزدیک سزا کی چار صورتیں تجویز کر کے حاکم وقت کو ان میں سے کسی ایک کے اجراء کا اختیار دے دیا گیا ہے۔ (۱) صرف سولی دینا۔ (۲) صرف قتل کرنا۔ (۳) ہاتھ پاؤں کاٹ کر سولی دینا۔ (۴) ہاتھ پاؤں کاٹ کر قتل کرنا۔ ان میں سے ایک صورت آیت سے اور بقیہ تین صورتیں دوسرے دلائل سے ثابت ہیں۔

نیز امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ڈاکہ زنی کی حد مستامن پر جاری نہیں کی جائے گی۔ البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مسلمان ہو یا مستامن سب پر جاری کی جائے گی۔ نفی ارض سے مراد شوافعؒ کے نزدیک حوالہ جیل کرنا ہے احنافؒ کے نزدیک جلاوطن کرنا ہے۔ پھر جس طرح نص سے ڈاکوؤں کے لئے حکم معلوم ہو رہا ہے۔ اسی طرح دلالۃ النص سے ان کے مددگاروں کے لئے بھی حکم کا عام ہونا معلوم ہوتا ہے .... پھر قتل سے مراد عام ہے خواہ ہتھیار سے کیا ہو یا بغیر ہتھیار کے اور سولی کی صورت یہ ہوتی ہے کہ زندہ انسان کو سولی پر چڑھا کر برچھی وغیرہ سے اس کا پیٹ چاک کر دیا جائے حتی کہ مر جائے اور داہنے ہاتھ اور بائیں پاؤں کو گٹے اور ٹخنے سے کاٹنے کی صورت میں داغ دینا چاہئے تا کہ سارے بدن کا خون نہ نکل جائے۔ اور جیل خانہ بھیجنے سے

پہلے کچھ تعزیری کارروائی بھی کرنی چاہئے۔ اور جیل میں اتنی مدت رکھا جائے کہ قرائن سے سچائی کے ساتھ اس کا تائب ہونا معلوم ہو جائے۔ نیز ان سب حالتوں میں جس جان و مال کو تلف کیا گیا ہے کا مامون اور محترم ہونا شرعاً ضروری ہو جیسے مسلمان یا غیر مسلم ذمی کی جان و مال۔ ابو یوسفؒ کی یہی رائے ہے اگرچہ طرفین کے نزدیک مستامن پر لوٹ مار کرنے سے حد واجب نہیں ہوتی۔

حق اللہ اور حق العباد کا فرق: .... نیز ان چاروں حالتوں کی مذکورہ سزائیں حق اللہ اور حدود کے طریقہ پر ہیں قصاص اور حق العبد کے طور پر نہیں کہ مالک مال یا اولیاء مقتول کے معاف کر دینے سے معاف ہو جائیں۔ ہاں گرفتار ہونے سے پہلے اگر ان لوگوں کا تائب ہونا معلوم ہو جائے تو حق اللہ کی یہ حدود معاف ہو سکتی ہیں لیکن حق العباد پھر بھی معاف نہیں ہوگا۔ یعنی لوٹا ہوا مال واپس کرنا پڑے گا یا اس کا ضمان دینا پڑے گا۔ اور قتل کی صورت میں قصاص دینا پڑے گا۔ البتہ ضمان یا قصاص معاف کرنے کا حق مالک مال یا ولی مقتول کو حاصل رہے گا۔ نیز یہ حد تو توبہ سے معاف ہو سکتی ہے لیکن دوسری حدود جیسے شراب و زنا اور چوری اور قذف کی حدود توبہ سے معاف نہیں ہوں گی۔ ان مذکورہ سزاؤں کے اجراء میں ہر ڈاکو کے جرم کی الگ الگ تفتیش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کے گروہ اور جتھہ میں سے کسی ایک سے بھی اگر کوئی جرم سرزد ہو گیا تو سب کی وہی سزا ہوگی کیونکہ کسی ایک کا جرم بغیر جماعتی طاقت کے نہیں ہوا کرتا جو کچھ ایک نے کیا اس میں سب شریک سمجھے جائیں گے۔ لیکن اگر مذکورہ بالا چاروں صورتوں میں سے کوئی صورت نہ پائی جائے یعنی نہ قتل ہو نہ مال کا لوٹنا ہو بلکہ صرف زخمی کر دیا تو چاروں صورتوں سے خارج ہونے کی وجہ سے اس کا حکم بھی ان سے الگ ہوگا۔ یعنی عام زخموں کی طرح اس کا قصاص یا ارش اور ضمان آئے گا۔ نیز حق العبد ہونے کی وجہ سے اس کی معافی کا حق بھی زخمی کو ہوگا۔ ہاں اگر حق اللہ اور حق العبد دونوں جمع ہو جائیں یعنی لوٹ مار بھی ہو جو حد کا باعث ہوتا ہے اور زخمی کرنا بھی جو قصاص کا سبب ہوتا ہے تو ایسی صورت میں صرف اجراء حد کیا جائے گا۔ شہر یا مضافات شہر میں اگر ڈکیتی ہوئی تو صرف تعزیزی اور قصاص پر عمل درآمد کیا جائے گا حد جاری نہیں ہوگی۔

توسل بزرگان: .... آیت وابتغوا الیہ الوسیلۃ الخ کے ترجمہ سے واضح ہو گیا کہ اس آیت کو توسل متعارف سے کوئی مس نہیں ہے۔ اس لئے اس پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ باقی توسل کے جواز و عدم جواز کی حدود علماء کے کلام اور کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہیں۔

چوری کی حد جاری کرنے سے پہلے اچھی طرح پوچھ تاچھ کی جائے گی کہ چوری کیا ہوتی ہے۔ کس طرح کی اور کب اور کہاں کی ہے؟ اس کے بعد امام صاحبؒ کے نزدیک دو مرتبہ اقرار اور دو آدمیوں کی گواہی ہونی چاہئے۔ داہنا ہاتھ کاٹنے میں ابن مسعودؓ کی قراءت ایھما کی بجائے ایما نھما مؤید ہے۔ نیز حدیث ابو ہریرہؓ کی وجہ سے بھی۔

چوری کی سزا: .... امام شافعیؒ بار بار چوری کرنے پر دونوں ہاتھ پاؤں اور اس کے بعد تعزیر کا حکم دیتے ہیں۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک پہلی بار چوری پر داہنا ہاتھ۔ اور دوسری چوری پر بایاں پاؤں۔ اور تیسری بار چوری کرنے پر مناسب تعزیر کی جائے گی۔ لیکن بایاں ہاتھ یا داہنا پاؤں نہیں کاٹا جائے گا ورنہ اس کی جنس منفعت ہی بالکلیہ فوت ہو جائے گی اور بالکل محتاج ہو کر رہ جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ابن مسعودؓ کی قراءت کی وجہ سے یھما سے بالا جماع داہنا ہاتھ مراد ہے پس جب کہ اس کے علاوہ دوسرا عضو محل قطع باقی ہی نہیں اور داہنا ہاتھ جو محل قطع تھا وہ کٹ چکا تو پھر بایاں ہاتھ آخر کس قاعدہ سے کاٹا جائے؟ نیز سارق اسم افعل کا صیغہ

مصدر پر دلالت کرتا ہے اور مصدر میں تعدد کی بجائے وحدت ہوتی ہے اور چونکہ وحدت کا فرد حقیقی ایک ہوتا ہے اور فرد حکمی کل چوریوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ مگر تاوقت یہ کہ پوری چوریاں سامنے نہ ہوں فرد حکمی کیسے مراد لیا جا سکتا ہے اس لئے فرد حقیقی ایک ہی چوری مراد لی جائے گی۔ اور ایک جرم کی سزا ایک ہی ہوسکتی ہے دو سزائیں نہیں ہوا کرتیں۔ اس لئے بایاں ہاتھ کاٹنے کی کوئی صورت نہیں نکلتی۔

ایک اشکال کا جواب:............ البتہ دوسری مرتبہ کی چوری میں بایاں پاؤں کاٹنے کی صورت بھی اس قاعدہ کے تحت سمجھ میں نہیں آتی حالانکہ حنیفہ اس کے قائل ہیں۔ جواب یہ ہے کہ اس کا ثبوت اگرچہ آیت سے نہیں ہو رہا ہے لیکن سنت سے ثابت ہونے کی وجہ سے قائل ہونا پڑا۔ مال مسروقہ اگر موجود ہے تو چوری کی سزا قطع ید کے ساتھ مال بھی واپس کرنا پڑے گا۔ اور اگر چور نے دانستہ اس کو ہلاک کر دیا ہوگا تب بھی اس کی تعدی کی وجہ سے بالاتفاق چور کو ضمان دینا پڑے گا لیکن اگر مال مسروقہ خود ہلاک ہوگیا تو پھر حنفیہ کے نزدیک ضمان نہیں آئے گا۔ کیونکہ دونوں سزائیں جمع نہیں ہوسکتی۔ باقی مال مسروقہ کی واپسی اس لئے ضروری ہے کہ سرقہ سے مال مالک کی تحویل سے نکل کر اللہ کی ملک میں چلا گیا جو مالک حقیقی ہیں اس لئے ہاتھ کاٹنے کی سزا کامل دے دی گئی ہے اس لئے ضمان نہیں ہونا چاہئے۔ البتہ مال موجود ہو تو ملک ظاہری کی رعایت کرتے ہوئے مالک کو لوٹا دینا چاہئے۔ یا دانستہ تلف کر دینے کی صورت میں تعدی کی وجہ سے ضمان آ جانا چاہئے۔ باقی مالِ مسروقہ سے مالک کی عصمت کا ابطال حنفیہ لفظ جزاء بما کسبا سے ثابت کرتے ہیں نہ کہ لفظ فاقطعوا سے۔ اور لفظ جزاء شرعی اطلاقات کی رُو سے جب عقوبات کے موقعہ پر استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے حق اللہ ہی مراد ہوتا ہے۔ نیز جزاء بمعنی کفی و قضی بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا کامل ہے اور سزائے کامل جرم کامل پر ہوا کرتی ہے اور جرم کامل اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہو اور یہ خلاف ورزی جب ہی شمار ہوگی جب مالک کو اللہ کی ملک میں منتقل مانا جائے۔

ڈاکو اور کفن چور کی سزا:............ آیت سے جو سزا چور کی معلوم ہو رہی ہے ڈاکو اور کفن چور بھی اس میں داخل ہونے چاہئیں لیکن جب غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ کفن چور میں تو سرقہ کے پورے معنی نہیں پائے جاتے بلکہ حفاظت نہ ہونے کی وجہ سے ایک درجہ میں نقصان پایا گیا اس لئے اس سزا میں اس کو داخل نہیں کیا جائے گا۔ البتہ ڈاکو میں چوری سے بھی زیادہ جرم کا ارتکاب پایا جاتا ہے اس لئے سرقہ کبریٰ کو بدرجہ اولیٰ سرقہ صغریٰ کی سزا میں شریک کیا جائے گا۔ چوری سے توبہ کرنا اخروی عذاب سے نجات کا باعث تو ہوسکتا ہے لیکن چوری کی دنیاوی سزا معاف نہیں ہوگی۔ البتہ امام شافعیؒ کے ایک قول کی رو سے معاف ہوسکتی ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ کافر حربی اگر چوری سے تائب ہو جائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ تاکہ یہ معافی اس کو اسلام کی طرف مائل کر دے۔ لیکن مسلمانوں کی اصلاح اور انتظامی مصالح کے لحاظ سے معاف نہیں کی جائے گی۔ آجکل کے یورپ زدہ یا یورپین تہذیب میں سرشار حضرات تاریخی لحاظ سے اس خالص اسلامی معاشرہ اور پاکیزہ نظام پر نظر ڈالیں جس میں ان حدود وقصاص کی بدولت ایک ایسی صاف ستھری فضا پیدا ہوگئی تھی جو اس قسم کے جرائم اور ان کے جراثیم سے یکسر پاک تھی۔ آج کا نیا تمدن باوجود ادعاء تہذیب اور امن و امان کی چیخ وپکار کے اس کا ہزارواں حصہ بھی پیش نہیں کر سکتا۔ اور اس دور کے لوگ اس زمانہ کی امن شکن حرکتوں کو خواب وخیال میں بھی نہیں لا سکے ہوں گے۔

لطائفِ آیات:............ آیت انما جزاء الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اللہ سے معاملہ کرنا ایسے ہی ہے جیسا خود اللہ سے معاملہ کرنا آیت وابتغوا الیہ الوسیلۃ الخ میں توسل بمعنی تقرب کا ذریعہ طاعات کا بجالانا اور گناہوں سے بچنا بتلایا گیا ہے اس کو توسل بالصالحین کے متعارف مسئلہ سے کوئی مس نہیں ہے۔ آیت فمن تاب الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کا معتبر ہونا اصلاح پر موقوف

ہے مثلاً: مسروقہ مال موجود ہوتو اس کی واپسی یا مالک سے معافی اور ابراء اور اگر مالک معلوم نہ ہوتو فی سبیل اللہ اس مال کا صدقہ کر دینا ضروری ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ صُنْعُ **الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ** يَقَعُوْنَ فِيْهِ بِسُرْعَةٍ اَىْ يُظْهِرُوْنَهُ اِذَا وَجَدُوْا فُرْصَةً **مِنَ** لِلْبَيَانِ **الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ** بِاَلْسِنَتِهِمْ مُتَعَلِّقٌ بِقَالُوْا **وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ** ۚ وَهُمْ الْمُنَافِقُوْنَ **وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا** ۚ قَوْمٌ **سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ** الَّذِىْ اَفْتَرَتْهُمْ اَحْبَارُهُمْ سِمَاعَ قَبُوْلٍ **سَمّٰعُوْنَ** مِنْكَ **لِقَوْمٍ** لِاَجْلِ قَوْمٍ **اٰخَرِيْنَ** ۙ مِنَ الْيَهُوْدِ **لَمْ يَاْتُوْكَ** ۭ وَهُمْ اَهْلُ خَيْبَرَ زَنٰى فِيْهِمْ مُحْصِنَانِ فَكَرِهُوْا رَجْمَهُمَا فَبَعَثُوْا قُرَيْظَةَ لِيَسْأَلُوا النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ حُكْمِهِمَا **يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ** الَّذِىْ فِى التَّوْرٰةِ كَاٰيَةِ الرَّجْمِ **مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ** ۚ الَّتِىْ وَضَعَهُ اللّٰهُ عَلَيْهَا اَىْ يُبَدِّلُوْنَهُ **يَقُوْلُوْنَ** لِمَنْ اَرْسَلُوْهُمْ **اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا** الْحُكْمَ الْمُحَرَّفَ اَىِ الْجَلْدَ اَىْ اَفْتَاكُمْ بِهٖ مُحَمَّدٌ **فَخُذُوْهُ** فَاقْبَلُوْهُ **وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ** بَلْ اَفْتَاكُمْ بِخِلَافِهٖ **فَاحْذَرُوْا** ۭ اَنْ تَقْبَلُوْهُ **وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ** اِضْلَالَهٗ **فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا** ۭ فِىْ دَفْعِهَا **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ** ۭ مِنَ الْكُفْرِ وَلَوْ اَرَادَهٗ لَكَانَ **لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ** ۚ ذُلٌّ بِالْفَضِيْحَةِ وَالْجِزْيَةِ **وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ** ﴿۴۱﴾ هُمْ **سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ** ۭ بِضَمِّ الْحَاءِ وَسُكُوْنِهَا اَىِ الْحَرَامِ كَالرُّشٰى **فَاِنْ جَاۗءُوْكَ** لِتَحْكُمَ بَيْنَهُمْ **فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ** ۚ هٰذَا التَّخْيِيْرُ مَنْسُوْخٌ بِقَوْلِهٖ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ الْاٰيَةَ فَيَجِبُ الْحُكْمُ بَيْنَهُمْ اِذَا تَرَافَعُوْا اِلَيْنَا وَهُوَ اَصَحُّ قَوْلَىِ الشَّافِعِىِّ وَلَوْ تَرَافَعُوْا اِلَيْنَا مَعَ مُسْلِمٍ وَجَبَ اِجْمَاعًا **وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا** ۭ **وَاِنْ حَكَمْتَ** بَيْنَهُمْ **فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ** ۭ بِالْعَدْلِ **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ** ﴿۴۲﴾ الْعَادِلِيْنَ فِى الْحُكْمِ اَىْ يُثِيْبُهُمْ **وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ** بِالرَّجْمِ اِسْتِفْهَامُ تَعَجُّبٍ اَىْ لَمْ يَقْصُدُوْا بِذٰلِكَ مَعْرِفَةَ الْحَقِّ بَلْ مَاهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِمْ **ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ** يُعْرِضُوْنَ عَنْ حُكْمِكَ بِالرَّجْمِ الْمُوَافِقِ لِكِتَابِهِمْ **مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ** ۭ التَّحْكِيْمِ **وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ** ﴿۴۳﴾ ع ٦ / ٩ / ١٠

ترجمہ: ....اے رسول تمہیں غمگین نہ کر سکے (کاروائی) ان لوگوں کی جو کفر میں دوڑے دوڑے پھرتے ہیں (کفر میں دوڑ دوڑ گرتے ہیں یعنی جب بھی ان کو کوئی موقعہ ملتا ہے کفر کا اظہار کرتے ہیں) خواہ وہ (مــن بیانیہ ہے) ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں (محض زبانی جمع خرچ ہے۔ بافواھم متعلق ہے قالوا کے) لیکن ان کے دل مؤمن نہیں ہوئے (مراد منافقین ہیں) اور خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو یہودی ہیں (یہ سب لوگ) جھوٹ کے لئے کان لگانے والے ہیں (جو غلط باتیں ان کے علماء گھڑ لیتے ہیں وہ ان کو قبولیت کے کان سے سن لیتے ہیں) کان لگا لگا کر سنتے ہیں (آپ کی) باتیں دوسری قوم

کی خاطر (دوسرے لوگوں کی وجہ سے) جن کا حال یہ ہے کہ وہ آپ کے پاس آئے بھی نہیں (اس سے مراد یہود خیبر ہیں جن میں غیر شادی شدہ جوڑے نے زنا کا ارتکاب کیا مگر یہود سزائے سنگساری ان پر جاری کرنے سے کترائے اس لئے انہوں نے یہود قریظہ کے پاس قاصد بھیجا کہ وہ نبی کریم (ﷺ) سے اس کا حکم معلوم کرلیں یہ کلام کو پھیرتے رہتے ہیں (تورات کی عبرت جیسے آیت رجم) باوجود یہ کہ اس کا صحیح محل ثابت ہو چکا (جس پر اللہ نے اس کو مقرر کیا تھا یعنی اس کو بدل ڈالتے ہیں) یہ کہتے ہیں (جن کو پیغام دے کر بھیجتے ہیں) اگر تم کو یہی حکم دیا جائے (تبدیل شدہ حکم کوڑوں سے متعلق یعنی اگر محمد (ﷺ) تم کو یہی فتوی دیں) تو قبول کر لینا (مان لینا) اور نہ دیں (بلکہ اس کے خلاف فتوی دیں) تو اجتناب کرنا (ماننے سے) جس کسی کے لئے اللہ ہی کو منظور ہو کہ فتنہ (گمراہی) میں پڑے تو اس کے (دفع کرنے کے) لئے اللہ کے ماسوا آپ کا کچھ زور نہیں چل سکتا۔ یہ لوگ وہ ہیں کہ اللہ ہی کو منظور نہیں ہوا ان کے دلوں کو پاک کرنا (کفر سے ورنہ اگر ان کا ارادہ ہوتا تو ضرور ہو جاتا) ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے (بدنامی اور جزیہ کی ذلت) اور آخرت میں بھی ان کے لئے بڑا عذاب ہے (یہ لوگ) جھوٹ کی طرف کان لگانے کے عادی ہو چکے ہیں۔ بُرے طریقوں سے مال کھانے میں بے باک ہیں (لفظ سحت ضم حاء اور سکون حاء کے ساتھ بمعنی حرام جیسے رشوت کا مال) پس اگر یہ آپ کے پاس آئیں (اپنے لئے فیصلہ کرانے) تو آپ ان کے درمیان فیصلہ کر دیجئے یا کنارہ کش ہو جائیے (یہ اختیار آیت و ان احکم بینهم الخ سے منسوخ ہو چکا ہے اس لئے اب فیصلہ ہی کرنا واجب ہے بشرطیکہ وہ اپنے مقدمات ہمارے پاس لائیں۔ امام شافعیؒ کا اصح قول یہی ہے اور اگر مسلمان کے ساتھ معاملہ لے کر ہمارے پاس آئیں تب تو بالاجماع فیصلہ کرنا واجب ہے) اور اگر آپ نے ان کو ٹال دیا تو ان کی مجال نہیں کہ آپ کو ذرا بھی ضرر پہنچا سکیں۔ اور اگر آپ فیصلہ کریں (ان کے درمیان) تو انصاف (عدل) کے ساتھ فیصلہ فرمائیے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں (جو لوگ فیصلہ کرنے میں انصاف سے کام لیتے ہیں ان کو ثواب دیتے ہیں) اور پھر یہ لوگ کس طرح آپ کو منصف بناتے ہیں جب تورات ان کے پاس ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے (رجم کے متعلق۔ کیف استفہام تعجب کے لئے ہے یعنی اس تحکیم سے ان کا مقصود حق کی جستجو نہیں ہے بلکہ اپنے لئے سہولت ڈھونڈنا ہے) پھر روگردانی کرتے ہیں (آپ کے اس حکم سے ہٹ جاتے ہیں جو ان کی کتاب کے موافق رجم کے سلسلہ میں ہے) اس (فیصلہ لانے) کے بعد بھی اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔

تحقیق وترکیب: .... بافواههم. اس کا تعلق قالوا کے ساتھ ہے ای قالوا بافواههم امنا.

سمّٰعون اس سے پہلے لفظ قوم کی تقدیر سے اس طرف اشارہ ہے کہ سمّٰعون بتقدیر موصوف مبتداء ہے اور من الذین هادوا اس کی خبر مقدم ہے۔ نیز یہ بھی جائز ہے کہ الذین قالوا پر عطف ہو اور سمّٰعون کا مرفوع ہونا بر تقدیر وهم سمعون ہے۔ سماع کے معنی قبول کرنے والے کے ہیں جیسے بولتے ہیں الملک یسمع کلام فلان اور سمع الله لمن حمده کے معنی بھی یہی ہیں جیسا کہ زمخشری کی رائے ہے لام کے ساتھ تعدیہ معنی قبول کے متضمن ہونے کے لئے ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ لفظ قبول متعدی بنفسہ بھی آتا ہے۔ ہاں لفظ سماع بمعنی قبول لام بمعنی من کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے چنانچہ سمع الله لمن حمده کے معنی ہیں قبل الله لمن حمده ہے۔ لیکن یہ لام مسموع عنہ پر داخل ہوا کرتا ہے نہ کہ مسمع پر۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ لام کو زائدہ یا علۃ کے لئے مان لیا جائے اور مفعول محذوف ہو ای سماعون کلامک لیکذبوا علیک فیها۔ یا لام کو تاکید اور تقویۃ کے لئے مانا جائے جیسے فعال لما یرید یہاں آیت میں سماع ہونا یہود کا دو لحاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ ایک تو اپنے علماء کی غلط بیانیاں سن کر عوام تک پہنچاتے ہیں تاکہ عوام ان سے معتقد رہیں۔ اور دوسرے حضور (ﷺ) کی حق باتیں سن کر اپنے علماء تک پہنچاتے ہیں کہ وہ اس میں تحریف اور کتر بیونت کر سکیں پس

سماعون لقوم کے معنی یہ ہوئے کہ بنوقریظہ آپ کے اور دوسرے یہود کے مابین واسطہ بننا چاہتے ہیں مفسر علامؒ لام کو تعلیلیہ مان رہے ہیں اور دوسرے حضرات لام اجلیہ یا معنی من لے رہے ہیں۔

من بعد مواضعه۔ اس میں لفظ عن مواضعه سے بھی زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ اس کی تقدیر اس طرح ہوئی یحر فونه عن مواضعه التی وضعه الله فیها بعد ان کان ذا مواضع ۔ پس من بعد مواضعه کے معنی بعد تحقق مواضعه کے ہیں اس صورت میں تحریف کی تصریح ہوگئی اور عن مواضعه میں تصریح نہ ہوئی۔

فتنته اس کی تفسیر اضلال کے ساتھ کی ہے اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو کہتے ہیں کہ اللہ ایمان کا تو ارادہ کرتا ہے مگر کفر کا نہیں کرتا۔ فلن تملك ۔ اس میں معتزلہ پر صاف رد ہے جو کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہوتا ہے اسی طرح آیت **لم یرد الله ان یطهر قلوبهم** بھی معتزلہ پر رد ہے کیونکہ اللہ کو ان کے کفر اختیار کرنے کا علم تھا۔

السحت. سحته اذا استاهله۔ چونکہ حرام کے ارتکاب سے عذاب کے ذریعہ استیصال کر دیا جاتا ہے۔ یا اس لئے کہ حرام مال میں برکت نہیں ہوتی۔ مسحوت البرکۃ ہوتا ہے اور یا اس لئے کہ اس کے طریق حصول میں عار ہوتی ہے جس سے انسان کی مروت ختم ہو جاتی ہے۔

کالرشی ۔ رشی جمع رشوۃ کی ہے حق کو باطل کرنے یا باطل کو حق کی شکل دینے کے لئے رشوت دینا حرام ہے۔ لیکن جان و مال سے دفع ضرر کے لئے رشوت دینا تو جائز ہے لیکن لینا حرام ہے۔ فیجب الحکم ۔ ابن عباسؓ، عمر بن عبدالعزیزؒ عطاؒ، مجاہدؒ، سدیؒ سے بھی یہی مروی ہے ابوجعفر نحاس نے امام اعظمؒ اور ان کے اصحاب سے بھی یہی نقل کیا ہے کہ مقدمہ اسلامی عدالت میں آنے کے بعد انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جانا ضروری ہے۔ امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ محکم ہے حاکم اسلام کو رد و قبول کا اختیار ہے۔ نخعیؒ، شعبیؒ، زہریؒ، حسنؒ سعید بن جبیرؒ، امام احمدؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ اور بظاہر یہی صحیح ہے کیونکہ دونوں میں کوئی تعارض نہیں دونوں باتیں اپنی جگہ صحیح ہیں۔ ایک سے اختیار اور دوسری سے اثبات معلوم ہو رہا ہے۔ و کیف تورات کی موجودگی اور پھر اس سے اعراض یہ دونوں چیزیں مل کر باعث حیرت و استعجاب بنی ہوئی ہیں۔

ربط : .... اس سورت کے تیسرے رکوع سے اہل کتاب کا ذکر شروع ہوا تھا درمیان میں اور مضامین آگئے۔ اب یہاں سے دور تک پھر اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور ان میں سے منافقین کا ذکر مخلوط طور پر چلا گیا ہے۔

شان نزول : .... سبب نزول کی طرف جلال مفسرؒ نے بھی اشارہ فرمایا ہے۔ ابن عباسؓ کے بیان کے مطابق جس کی تخریج احمد، ابوداؤد، ابن جریر نے کی ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ یہود مدینہ کی ایک جماعت کے کسی فرد سے دوسری جماعت کا ایک فرد قتل ہو گیا۔ قاتل کی جماعت نے اپنے غلط دستور کے مطابق کم خون بہا دینا چاہا۔ جس کے لینے سے اولیائے مقتول نے انکار کر دیا۔ اور آنحضرت (ﷺ) سے فیصلہ کی درخواست کی۔ قاتل کے گروہ کو یہ خطرہ تھا کہ آپ صحیح اور حق فیصلہ کریں گے۔ اس لئے انہوں نے کچھ منافقین کو تجسس حال کے لئے آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں بھیجا کہ اگر آپ کی رائے ہمارے موافق ہوگی تب تو آپ (ﷺ) کی عدالت میں مقدمہ خوشی سے رہنے دیں گے۔ ورنہ ہم منظور نہیں کریں گے۔ چنانچہ کچھ دوغلے اور دورخے لوگ اس اسکیم کے ماتحت حاضر خدمت ہوئے۔ ایک واقعہ تو یہ تھا۔ اور جابر بن عبداللہؓ سے ابوداؤد ابن ماجہ کی تخریج کے مطابق۔

دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ فدک کے رہنے والے یہود میں سے ایک نا کتخدا جوڑے نے زنا کیا۔ شریعت موسوی کی رو سے ان کو سنگسار کرنا چاہئے تھا۔ مگر غلط رواج اور دستور کے مطابق اس شرعی حد کی جگہ معمولی تعزیرات نے لے لی۔ چنانچہ خیبر و فدک کے رہنے

والے ان یہود نے مدینہ کے رہنے والے یہود قریظہ کے پاس خط بھیجا۔ اور بعض روایات کے مطابق خود مجرم کو بھی بھیجا اور آپ کی رائے معلوم کرنی چاہی۔ جس کی شکایت ان آیات میں کی جارہی ہے۔ اور چونکہ ان حرکتوں سے آپ (ﷺ) کو نہایت کوفت ہوئی تھی اس لئے آیات کے شروع میں آپ (ﷺ) کی دلدہی کی گئی ہے۔

اور مسلم کی تخریج کے مطابق ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک زانی پر یہود نے اپنی پرانی تعزیر جاری بھی کردی تھی۔ لیکن آپ (ﷺ) کو اطلاع ہوئی تو مناظرہ اور اتمام حجت کے بعد آپ (ﷺ) نے اس پر رجم کی حد جاری کرائی۔ ممکن ہے کہ یہ پہلا ہی قصہ ہو جس کو اول یہود نے خود ہی ختم کرنا چاہا ہو اور بعد میں آپ (ﷺ) کی مداخلت کی ضرورت محسوس کی گئی ہو۔

نیز بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ (ﷺ) نے خود ان کو بلایا اور بعض میں بنفس نفیس ان کے مدرسہ میں آپ (ﷺ) کا تشریف لے جانا مذکور ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دونوں باتیں ہوئی ہوں۔ پہلے آپ (ﷺ) نے بلایا ہو لیکن شاید سب نہ آئے ہوں یا اتمام حجت کی خاطر خود آپ (ﷺ) ان کے مرکز علم میں پہنچے ہوں۔ تاکہ واضح ہوجائے کہ سارا مجمع بھی تن تنہا آپ (ﷺ) کے مقابلہ میں عہدہ برآ نہیں ہوسکا اور ممکن ہے اس مقدمہ کے لانے کا باعث عام طور سے اسلامی احکام کا فی نفسہ شریعت موسوی کی نسبت سہل ہونا ہو۔ اور یہ توقع ہوئی ہو کہ ہمارا مقصد بھی پورا ہوجائے گا کہ رجم سے بچ جائیں گے۔ اور ایک اچھی خاصی آڑ بھی ہاتھ آجائے گی۔ ماننے والے مسلمانوں کے سامنے تو اس حیثیت سے کہ یہ ایک نبی (ﷺ) کا فیصلہ ہے اور نہ ماننے والے غیر مسلموں کے سامنے اس لحاظ سے کہ یہ ایک سلطان وقت کا فیصلہ ہے۔ بہرحال نبی ہونے کے ساتھ آپ (ﷺ) تاجدار مدینہ بھی تھے۔

﴿تشریح﴾: ...... **حنفیہؒ کے نزدیک حد زنا کافر پر جاری نہیں ہوتی**: ...... اس واقعہ میں اگرچہ اس یہودی کافر کو رجم کیا گیا ہے حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ زنا کی وجہ سے کافر کو رجم کرنے کی سزا منسوخ ہوچکی ہے کیونکہ بالاجماع رجم کے لئے احصان شرط ہے حدیث میں ارشاد ہے من اشرک باللہ فلیس بمحصن (اسحاق بن راہویہ عن ابن عمرؓ) یعنی مشرک محصن نہیں ہوتا پس اول تو نصوص کی رو سے یہود بھی من اشرک میں داخل ہیں۔ دوسرے اگر نہ بھی داخل ہوں تب بھی مشرک غیر مشرک تمام کفار کے لئے حکم کا ایک ہونا اجماع مرکب سے ثابت ہے اب خواہ وہ رجم کا حکم ہو یا عدم رجم کا۔ ایسی صورت میں مشرک غیر مشرک میں تفریق کرنا قول بالموجب کہلائے گا۔ اس لئے احصان کے لئے اسلام کا شرط ہونا ثابت ہوگیا۔ البتہ اس موقعہ پر حنفیہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ (ﷺ) نے رجم کا حکم کافر ہونے کی بنیاد پر نہیں فرمایا تھا۔ بلکہ یہ فیصلہ خود ان کی شریعت کی رو سے تھا۔ آپ (ﷺ) نے ایک غلط رواج کو ہٹا کر اصل حکم پر عمل کرایا۔ یا اس وقت آپ (ﷺ) اسی طرح فیصلہ کرنے کے مامور ہوں یا واقعہ کی خصوصیت پیش نظر ہو۔ آخر بہت سے احکام میں خصوصیت واقعہ کا لحاظ کیا ہی گیا ہے۔

یہود کے عوام اور خواص کی خرابیاں: ...... ان آیات میں یہود کے اصل دو وصف بیان کئے گئے ہیں۔ غلط باتیں بتلانا اور غلط باتیں سن کر خوش ہونا۔ باقی اوصاف ان دو کے توابع ہیں عوام میں چونکہ علت کی جستجو نہیں ہوتی اس لئے غلط مسئلے سن کر خوش ہوجاتے تھے۔ لیکن خواص علماء جن کی طبیعت علت کی جویاں اور سرشت حق کی متلاشی ہوا کرتی ہے ان کی جانب سے احکام میں غلط بیانی یا کتمان حق یقیناً باعث صد استعجاب ہونا چاہئے لیکن فی الحقیقت اس خرابی کی اصل جڑ مالی حرص وطمع ہے جس کی لت اور عادت انہیں حرام کمائی اور نذرانے وصول کرنے سے پڑ چکی تھی۔

بقول قاضی بیضاویؒ امام اعظمؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر دو کافر حربی شریعت کے فیصلہ پر راضی ہوں تو اسلامی حکام پر اس مقدمہ

کی سماعت اور اس کا فیصلہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ایک یا دونوں فریق مسلمان یا ذمی ہوں تو پھر بالا جماع فیصلہ کرنا واجب ہوگا۔ چنانچہ ابن حزم کی ناسخ ومنسوخ کے لحاظ سے یہ آیت تخییر آئندہ رکوع کی آیت ان احکم بینھم الخ سے منسوخ ہو چکی ہے۔ پس اگر ان یہود کو اس وقت کی اسلامی حکومت کے لحاظ سے جس کے آنحضرت (ﷺ) سب سے بڑے اور اول سربراہ تھے۔ ذمی تسلیم کر لیا جائے تو پھر بالا جماع سب کے نزدیک اس تخییر کو منسوخ کہا جائے گا۔

نکات آیت: .... اور لفظ فا سے اس تخییر کو مرتب فرمانا اس لئے ہے کہ یہود کے مذکورہ اوصاف سے معلوم ہوا کہ واقع میں ان کو فیصلہ کرانا مقصود نہیں تھا۔ بلکہ صرف آپ (ﷺ) کا عندیہ اور نظریہ معلوم کرنے کے لئے آئے تھے اسی حالت میں غالباً اہل معاملہ آپ (ﷺ) کے فیصلہ پر عمل پیرا نہ ہوئے ہوں گے جس سے فیصلہ کنندہ کو بڑی کوفت ہوتی ہے۔ پس حاصل یہ نکلا کہ آپ (ﷺ) ان حالات میں فضول کوفت کیوں اٹھاتے ہیں۔ آپ (ﷺ) کا جی چاہے فیصلہ کیجئے، جی نہ چاہے نہ کیجئے۔ لیکن پھر آگے چل کر جب اسلام کا پوری طرح تسلط ہو گیا فیصلہ کے نفاذ کی قدرت اور طاقت حاصل ہو گئی اس لئے تخییر کی علت مرتفع ہو جانے کی وجہ سے خود تخییر بھی مرتفع ہو گئی۔ اور دوٹوک فیصلہ کرنا لازمی ہو گیا۔

کیف کے استعجاب سے اس پر استدلال کرنا ہے کہ اپنے پاس حق کے ہوتے ہوئے فیصلہ کے لئے ایسے شخص کے پاس آنا جس کو خود نہیں مانتے اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ آنا بے مطلب اور خالی از علت نہیں ہے۔ تلاش حق اگر مقصود ہوتی تو وہ خود اپنے پاس موجود ہے پھر اس کو چھوڑ کر آنا محض تسہیل نفس کی خاطر ہے۔ چنانچہ اگر یہاں مطلب پورا نہ ہوا تو کھلا ہوا قرینہ ہے کہ پھر یہ لوگ آپ (ﷺ) کے فتوے پر عمل درآمد نہیں کریں گے۔

فیھا حکم اللہ کا مطلب یہ ہے کہ خود ان کو بھی رجم کو اللہ کا حکم ماننے کا دعویٰ ہے پس اب تورات کے غیر محرف ہونے کا شبہ نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ یہ گفتگو خود ان کے مزعوم اور مسلمہ ہونے کے اعتبار سے ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت تک تورات کے یہ خاص احکام محفوظ ہوں۔

لطائف آیات: .... آیت یا ایھا الرسول الخ سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ کو حق سے اعراض کرنے والوں کی بدحالی سے زیادہ دل گیر نہیں ہونا چاہئے۔ آیت یحرفون الکلم الخ سے معلوم ہوا کہ تفسیر بالرائے اور قرآن وحدیث کی نفسانی تاویلات فاسد اور مذموم ہیں۔ لیکن محقق صوفیاء کی تاویلات اس میں داخل نہیں کیونکہ وہ تو ظاہر نصوص تسلیم کرتے ہوئے پھر نکات اور اشارات نکالتے ہیں۔ آیت یقولون الخ سے اس شخص کی مذمت معلوم ہوئی جو محض اپنی مطلب برآری کو علمائے حق کی طرف رجوع کرے۔ جستجوئے حق پیش نظر نہ ہو۔ بلکہ ان کو اپنے لئے آڑ بنانا ہو۔

آیت ومن یرد اللہ الخ سے معلوم ہوا کہ فضل اور توفیق الٰہی کے بغیر شیخ کی شفقت وتوجہ سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔

آیت سمّٰعون الخ میں مبالغے کے صیغوں سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے سرسری خطاؤں پر گرفت نہیں فرمائی۔ جس سے عادۃً کوئی خالی نہیں ہوتا بلکہ اصرار واکثار پر مذمت فرما رہے ہیں جو دلیل رحمت ہے۔ مشائخ اہل تربیت کی شان بھی یہی ہوتی ہے کہ جرات اور استخفاف کا خطرہ نہ ہو تو معمولی لغزشوں کو نظر انداز اور خفیف چیزوں سے تسامح کرتے رہتے ہیں۔

إِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰةَ فِيْهَا هُدًى مِّنَ الضَّلَالَةِ وَّنُوْرٌ بَيَانٌ لِلْاَحْكَامِ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ مِنْ بَنِيْ اِسْرَاءِيْلَ
الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا اِنْقَادُوا اللّٰهَ لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ اَلْعُلَمَاءُ مِنْهُمْ وَالْاَحْبَارُ اَلْفُقَهَاءُ بِمَا اَيْ بِسَبَبِ
الَّذِيْ اسْتُحْفِظُوْا اِسْتَوْدَعُوْهُ اَيْ اِسْتَحْفَظَهُمُ اللّٰهُ اِيَّاهُ مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ اَنْ يُّبَدِّلُوْهُ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ
اَنَّهٗ حَقٌّ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ اَيُّهَا الْيَهُوْدُ فِيْ اِظْهَارِ مَا عِنْدَكُمْ مِنْ نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَالرَّجْمِ وَغَيْرِهِمَا وَاخْشَوْنِ فِيْ كِتْمَانِهٖ وَلَا تَشْتَرُوْا تَسْتَبْدِلُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا مِنَ الدُّنْيَا تَاْخُذُوْنَهٗ
عَلٰى كِتْمَانِهَا وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ بِهٖ وَكَتَبْنَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ
فِيْهَآ اَيِ التَّوْرٰةِ اَنَّ النَّفْسَ تُقْتَلُ بِالنَّفْسِ اِذَا قَتَلَتْهَا وَالْعَيْنَ تُفْقَاُ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ تُجْدَعُ بِالْاَنْفِ
وَالْاُذُنَ تُقْطَعُ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ تُقْلَعُ بِالسِّنِّ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ فِي الْاَرْبَعَةِ وَالْجُرُوْحَ بِالْوَجْهَيْنِ
قِصَاصٌ اَيْ يُقْتَصُّ فِيْهَا اِذَا اَمْكَنَ كَالْيَدِ وَالرِّجْلِ وَالذَّكَرِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ وَمَا لَا يُمْكِنُ فِيْهِ الْحُكُوْمَةُ وَهٰذَا
الْحُكْمُ وَاِنْ كُتِبَ عَلَيْهِمْ فَهُوَ مُقَرَّرٌ فِيْ شَرْعِنَا فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ اَيْ بِالْقِصَاصِ بِاَنْ مَكَّنَ مِنْ نَفْسِهٖ فَهُوَ
كَفَّارَةٌ لَّهٗ لِمَا اَتَاهُ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِي الْقِصَاصِ وَغَيْرِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾
وَقَفَّيْنَا اَتْبَعْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اَيِ النَّبِيِّيْنَ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ قَبْلَهٗ مِنَ التَّوْرٰةِ وَاٰتَيْنٰهُ
الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى مِنَ الضَّلَالَةِ وَّنُوْرٌ بَيَانٌ لِلْاَحْكَامِ وَّمُصَدِّقًا حَالٌ لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰةِ لِمَا فِيْهَا
مِنَ الْاَحْكَامِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَقُلْنَا وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ مِنَ
الْاَحْكَامِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِنَصْبِ يَحْكُمَ وَكَسْرِ لَامِهٖ عَطْفًا عَلٰى مَعْمُوْلِ اٰتَيْنَاهُ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ الْكِتٰبَ الْقُرْاٰنَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِاَنْزَلْنَا مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ قَبْلَهٗ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا شَاهِدًا عَلَيْهِ وَالْكِتٰبُ بِمَعْنَى الْكُتُبِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بَيْنَ اَهْلِ
الْكِتٰبِ اِذَا تَرَافَعُوْا اِلَيْكَ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَادِلًا عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ
جَعَلْنَا مِنْكُمْ اَيُّهَا الْاُمَمُ شِرْعَةً شَرِيْعَةً وَّمِنْهَاجًا طَرِيْقًا وَاضِحًا فِي الدِّيْنِ تَمْشُوْنَ عَلَيْهِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً عَلٰى شَرِيْعَةٍ وَاحِدَةٍ وَّلٰكِنْ فَرَّقَكُمْ فِرَقًا لِّيَبْلُوَكُمْ لِيَخْتَبِرَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ مِنَ
الشَّرَائِعِ الْمُخْتَلِفَةِ لِيَنْظُرَ الْمُطِيْعَ مِنْكُمْ وَالْعَاصِيَ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ سَارِعُوْا اِلَيْهَا اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ
جَمِيْعًا بِالْبَعْثِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ وَيَجْزِيْ كُلًّا مِّنْكُمْ بِعَمَلِهٖ وَاَنِ
احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ لِ اَنْ لَا يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ

اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا عَنِ الْحُكْمِ الْمُنَزَّلِ وَاَرَادُوْا غَيْرَهٗ **فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ** بِالْعُقُوْبَةِ فِي الدُّنْيَا **بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ** الَّتِيْ اَتَوْهَا وَمِنْهَا التَّوَلِّيْ وَيُجَازِيْهِمْ عَلٰى جَمِيْعِهَا فِي الْاُخْرٰى **وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ يَطْلُبُوْنَ مِنَ الْمُدَاهَنَةِ وَالْمَيْلِ اِذَا تَوَلَّوْا اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ **وَمَنْ** اَيْ لَا اَحَدَ **اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ** عِنْدَ قَوْمٍ **يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾** بِهٖ خُصُّوْا بِالذِّكْرِ لِاَنَّهُمُ الَّذِيْنَ يَتَدَبَّرُوْنَهٗ ع ۷ ۱۱

ترجمہ: .... بلاشبہ ہم نے تورات نازل کی اس میں ہدایت (گمراہی سے ہٹانا) اور (بیان احکام کی) روشنی ہے۔ اسی کے مطابق حکم دیتے رہے انبیاء (بنی اسرائیل) جو اللہ کے فرمانبردار (اطاعت شعار) تھے یہودیوں کو۔ نیز (ان میں سے علماء) ربانی اور اہل علم (فقہاء) بھی اس پر کار بند رہے۔ کیونکہ (یعنی اس لئے کہ) وہ محافظ ٹھیرائے گئے تھے۔ (ان سے حفاظت طلب کی گئی تھی۔ یعنی اللہ نے ان کو اس کی نگہداشت کا حکم دیا تھا) کتاب اللہ کے (کہ لوگ اس میں ردو بدل نہ کردیں) اور وہ لوگ اس کے اقراری بھی ہو گئے تھے۔ (کہ یہ برحق ہے) پس لوگوں سے نہ ڈرو (اے گروہ یہود! تمہارے پاس جو محمد الرسول اللہ (ﷺ) کے اوصاف اور احکام رجم وغیرہ کا جو ذخیرہ ہے اس کے اظہار میں ہچکچاؤ مت) اور مجھ سے ڈرو (ان کے چھپانے کے متعلق) اور فروخت (تبادلہ) مت کرو میری آیات کو سستے داموں (دنیا کی جو کچھ منفعت تم اس کے چھپانے پر وصول کرتے ہو) جو کوئی اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہیں دیتا تو ایسے لوگ بالکل کافر ہیں۔ اور ہم نے یہود کے لئے (تورات میں) یہ حکم لکھ دیا (فرض کر دیا) تھا کہ جان کے بدلے جان (قتل کی جائے گی جب کہ دوسری جان نے پہلے جان کو قتل کیا ہو) اور آنکھ (پھوڑی جائے گی) آنکھ کے بدلے میں۔ اور ناک (کاٹی جائے گی) ناک کے بدلے میں۔ اور کان (کاٹا جائے گا) کان کے بدلے۔ اور دانت (توڑا جائے گا) دانت کے بدلے میں (اور ایک قرأت میں چاروں لفظ رفع کے ساتھ پڑھے گئے ہیں) اور زخموں کے بدلے (یہ لفظ بھی رفع نصب کے ساتھ پڑھا گیا ہے) ویسے ہی زخم (یعنی جن زخموں میں برابری ممکن ہوگی تو ان میں قصاص لیا جائے گا۔ مثلاً ہاتھ، پیر، پیشاب گاہ وغیرہ۔ لیکن جن اعضاء میں مماثلت نہ ہو سکے تو ان میں عادلانہ اور منصفانہ فیصلہ کیا جائے گا۔ یہ حکم اگر چہ یہود پر فرض کیا گیا تھا۔ لیکن ہماری شریعت میں بھی یہی حکم برقرار رہا) پھر جو کوئی تصدیق کر دے اپنی جان (قصاص میں قاتل خود کو پیش کر دے) تو یہ اس کے (کئے ہوئے گناہ کے) لئے کفارہ ہو جائے گا۔ اور جو کوئی اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہیں دے گا۔ (قصاص وغیرہ میں) تو ایسے ہی لوگ ستم ڈھانے والے ہوتے ہیں۔ پھر ان ہی (انبیاء) کے نقش قدم پر (پیروں میں) ہم نے عیسیٰ بن مریم کو چلا۔ جو اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والے تھے۔ اور ہم نے انہیں انجیل دی جس میں (گمراہی سے) ہدایت اور (بیان احکام کی) روشنی تھی۔ درآنحالیکہ وہ تصدیق کرنے والی تھی (یہ حال ہے) اپنے سے پہلی کتاب توراۃ کی (اس کے احکام کی) وہ سرتاسر ہدایت اور نصیحت تھی اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے اور (ہم نے حکم دیا تھا کہ) اہل انجیل کو چاہئے کہ اللہ نے جو کچھ اس میں احکام نازل فرمائے ہیں اسی کے مطابق حکم دیا کریں اور ایک قراءت میں لفظ **یحکم** نصب اور کسرہ لام کے ساتھ ہے اور آتیناہ کے معمول پر معطوف ہے) اور جو کوئی اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہیں دے گا تو ایسے ہی لوگ پوری طرح فاسق ہوتے ہیں۔ اور ہم نے آپ کی جانب (اے محمد ﷺ!) کتاب (قرآن) بھیجی ہے سچائی کے ساتھ (یہ انزلنا کے متعلق ہے) جو کتابیں پہلے سے موجود ہیں ان کی تصدیق کرتی ہوئی اور

نگہبان (بطور گواہ) ہے (کتاب بمعنی کتب ہے) سو چاہئے کہ فیصلہ فرمایا کیجئے ان لوگوں کے درمیان (اہل کتاب کے مابین بشرط یہ کہ وہ اپنا مقدمہ آپ (ﷺ) کی عدالت میں لائیں) اللہ کے نازل کئے ہوئے حکم کے مطابق (جو آپ (ﷺ) پر نازل ہوا) اور ان لوگوں کی خواہش کی پیروی نہ کیجئے جو سچائی آپ کے پاس آ چکی ہے (اسے چھوڑ کر) تم میں سے ہر ایک گروہ کے لئے (اے اُمتو!) ایک خاص شرع (شریعت) اور خاص منہاج (واضح طریقت دین میں کہ جس پر تم چل سکو) تجویز کردی ہے اگر اللہ میاں کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتے (ایک شریعت پر) لیکن (اس نے تمہیں الگ الگ جماعتیں بنا دیا) تا کہ تمہاری آزمائش کریں جو کچھ تم کو عطا فرمایا گیا ہے (مختلف شریعتیں جن سے فرمانبردار اور نافرمان میں امتیاز ہو سکے) پس نیکی کی راہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ نکلنے کی کوشش کرو (دوڑو) تم سب کو بالآخر اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے (قیامت کے روز) پھر وہ تم سب کو جتلا دیں گے کہ کن باتوں میں باہم تم اختلاف کرتے رہے تھے (معاملات دین میں اور تم میں سے ہر ایک کو اس کے کاموں کا بدلہ ملے گا) اور نیز ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ اللہ نے جو کچھ تم پر نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ فرمایا کیجئے۔ اور ان کی خواہشوں پر عمل درآمد نہ کیا کیجئے۔ نیز ان سے ہشیار رہو۔ کہیں ایسا (نہ) ہو کہ وہ آپ (ﷺ) کو بچلا دیں (ڈگمگا دیں) اللہ کے بھیجے ہوئے کسی حکم سے۔ پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں (بھیجے ہوئے حکم سے اور ان کی بجائے دوسرا ارادہ ہو) تو یقین کرلو کہ اللہ کو یہی منظور ہے کہ ان پر مصیبت پڑے (دنیا میں سزا ملے) ان کے بعض کرتوت کی وجہ سے (جس کے وہ مرتکب ہوئے منجملہ ان کے روگردانی بھی ہے۔ اور آخرت میں تو خیر سب پر سزا ملے گی) اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے لوگ نافرمان ہیں۔ پھر کیا عہد جاہلیت کا سا حکم چاہتے ہیں (یا اور تا کے ساتھ ہے۔ روگردانی کر کے مداہنت اور میلان چاہتے ہیں۔ استفہام انکاری ہے) اور اللہ سے بہتر حکم دینے والا کون ہو سکتا ہے (کوئی نہیں ہو سکتا) ان لوگوں کے لئے (لقوم بمعنی عند قوم) جو یقین رکھنے والے ہیں (اس پر۔ ان کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہی لوگ اللہ کے حکم میں تدبر کرنے والے ہیں۔)

تحقیق وترکیب: ....التوراۃ اس لفظ کی تعریب کرنے کے بعد اس کے ساتھ تانیث کا معاملہ کیا گیا ہے ہومات اور دودات وغیرہ الفاظ کے ہموزن ہونے کی وجہ سے۔ھدی و نور. اول سے مراد توحید اور ثانی سے مراد عام احکام ہے اس لئے عطف میں مغایرت ہوگئی اور لفظ نور بطور استعارہ تشبیہیہ استعمال کیا گیا ہے۔

للذین لفظ انزل یا یحکم سے متعلق ہے اور لام اجلیہ ہے اس لئے اب یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ احکام یہود کے لئے جس طرح مفید ہیں مضر بھی ہیں۔والربانی. النبیون اور الربانیون دونوں معطوف معطوف علیہ کے درمیان الذی اسلموا کالانا اس لئے ہے کہ اصل انبیاء ہیں اور مشائخ وعلماء تو ان کے نائب ہیں۔ ربانی منسوب الی الرب۔الف نون مبالغہ کے لئے ہے مراد اہل اللہ اور مشائخ تربیت ہیں کہ لوگوں کو اول چھوٹے علوم کا دودھ پلاتے ہیں اور پھر حسب حال بڑے علوم کی غذا دیتے ہیں۔

ھم الکفرون. مقصود یہود کی تہدید ہے جو احکام میں تحریف کرتے رہتے تھے۔عکرمہ کی رائے ہے کہ من لم یحکم سے وہ لوگ ہیں جو زبان اور دل دونوں سے احکام الٰہی کے منکر ہوں لیکن جو لوگ منفرد ہوں البتہ عملاً تارک ہوں وہ آیت صداق نہیں ہوں گے بلکہ وہ فاسق کہلائیں گے۔ضحاکؒ اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ یہ تینوں آیات صرف یہود کے لئے ہیں۔ کہ مخاطب اس امت کے بدکار لوگ نہیں ہیں۔ لیکن تفسیر ابوالسعود میں ہے کہ اس آیت سے مراد صرف یہود مخاطب نہیں بلکہ عام ہیں البتہ یہود مخاطب اول ہوں گے۔ اور قاضی بیضاوی مستہزئین اور متمردین کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور خازن کے نزدیک یہ آیات علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہیں۔ ایک جماعت کفار یہود کے ساتھ خاص کہتی ہیں۔ چنانچہ ابن عباسؓ بنو قریظہ اور بنو نظیر کے بارے میں فرماتے ہیں لیکن ابن مسعودؓ، حسنؒ نخعیؒ سب کے

لئے عام مانتے ہیں۔ بہر حال مسئلہ تکفیر میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ بالخصوص امام اعظمؒ کے مذاق پر کہ ننانوے ۹۹ احتمال بھی کفر کے ہوں اور صرف ایک احتمال ایمان کا باقی ہو تب بھی اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرنی چاہئے۔ **وفی قراءۃ** یعنی قراء سبعیہ میں ان چاروں الفاظ پر رفع بھی پڑھا گیا ہے پس کتبنا کو بمعنی قلنا لے کر سب جملوں کا عطف ان النفس پر کر دیا جائے گا۔

قصاص یہ خبر ہے بتقدیر مضاف ای ذات قصاص۔ **جروح** سے مراد اطراف کے زخم ہیں۔ **مالا یمکن** جن زخموں میں مماثلت ممکن نہ ہو تو ان میں حکومۃ عدل ہوگی جو دیت نفس کا جز ہوتی ہے۔ مثلاً: کسی چیز کی قیمت اگر دس روپے ہو اور زخم ہو جانے کے بعد نو روپے رہ جائے تو ایک روپیہ حکومۃ عدل کہلایا جو دیت نفس یعنی کل قیمت دس روپیہ کا دسواں حصہ ہو۔

فمن تصدق مفسر علامؒ نے اس سے مراد جانی کا اپنے آپ کو حوالہ کرنا لیا ہے۔ لیکن دوسرے حضرات اس کو معافی پر محمول کر رہے ہیں اور ترغیباً اس کو تصدیق سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ پس اس صورت میں اس کا تعلق مجنی علیہ سے ہو جائے گا۔ پہلی حدیث میں گویا قصاص ہی جانی کے لئے کفارہ ہو جائے گا۔ دوبارہ آخرت میں سزا جاری نہیں ہوگی۔ اور دوسری صورت میں جانی صاحب حق کے عام گناہوں کا کفارہ بنے گا۔ **ھم الظّٰلمون** یعنی جن لوگوں نے قصاص کے حکم سے اعراض کیا انہوں نے برابری پر نابرابری کو ترجیح دی۔ یہی تعدی ظلم ہوا۔ **قفینا** متضمن ہے معنی جئنا۔ اس لئے شبہ نہیں ہو سکتا کہ قفینا متعدی بدو مفعول ہونا چاہئے۔ ای **قفینا ھم عیسیٰ**. **فیہ ھدی**. اس سے معلوم ہوا کہ انجیل محض مواعظ پر مشتمل نہیں تھی۔ اور نہ حضرت عیسیٰ صرف احکام تورات کے مقلد تھے۔ بلکہ تورات کی طرح اس میں بھی احکام تھے۔

مصدقاً یہ محل فیہ پر معطوف ہے اور منصوب علی الحال ہے۔ **ولیحکم** اس سے پہلے وقلنا مقدر مان کر قفینا پر عطف کر دیا ہے اور ایک قراءت میں لام کے بعد بتقدیر ان یہ لفظ منصوب ہے اور خود لام کے بعد مکسور ہوگا معمول **اتینا** یعنی ہدی پر عطف ہو جائے گا اور مفعول لہ ہونے کی وجہ سے یہ دونوں منصوب ہوں گے اور عطف درست ہو جائے گا۔ ای **اتیناہ الانجیل للھدیٰ والموعظۃ وحکمھم بہ**. **الفاسقین**۔ فسق کے معنی خروج عن الاطاعت کے ہیں یہ کلی مشکک ہے جس کے درجات مختلف گنہگار مومن سے لے کر کافر، منافق تک یہ لفظ بولا جا سکتا ہے۔ **فاحکم** اس سے بعض حضرات یہ سمجھے ہیں کہ شرائع سابقہ ہمارے لئے لازم نہیں ہیں کیونکہ تورات وانجیل کے ذکر پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ قرآن کے نزول کو بیان کر کے اس کے مطابق منصفانہ فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ **عادلا**. تقدیر حال اس لئے کیا گیا کہ **لا تتبع** کا تعدیہ عن کے ذریعہ سے ہو سکے۔

ربط: .... گذشتہ آیات میں اہل کتاب کی مذمت تھی۔ اس پورے رکوع میں تورات وانجیل سے متعلق احکام نقل کر کے دو بات بتلائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ احکام الٰہی ہر زمانہ میں معمول بہا رہے ہیں۔ آنحضرت (ﷺ) یا قرآن کا دعویٰ کوئی انوکھا دعویٰ نہیں ہے بلکہ تورات وانجیل پر عمل کرنے سے تو اور زیادہ قرآن کے عمل پر آمادگی ہونی چاہئے تھی اور دوسرے یہ بتلانا ہے کہ اہل کتاب کے بد عملی کوئی نئی بات نہیں یہ تو ان کی پرانی جبلت اور عادت ہے اور بالتخصیص احکام قصاص کرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ پہلے سے یہی بیان چلا آ رہا ہے گویا آیت **کتبنا علیھم الخ** میں تیرھواں حکم بیان کیا جا رہا ہے۔

شان نزول: .... آیت **و من لم یحکم الخ** اس وقت نازل ہوئی جب کہ یہود نے تورات کے اصلی حکم کو چھوڑ کر یہ غلط رواج قائم کر لیا کہ شریف آدمی رذیل کے بدلے میں۔ اور مرد عورت کے بدلے میں قتل نہیں کئے جائیں گے۔ چنانچہ بنو نضیر اگر بنو قریظہ کے لوگوں کو قتل کر دیتے تو نصف خون بہا دیتے۔ اور اپنا کوئی آدمی قتل ہو جاتا تو ان سے پورا خون بہا لیتے۔ حالانکہ تورات میں اس

نابرابری اور ناانصافی کا حکم نہیں تھا۔اسی طرح وانزلنا الیک الکتب الخ میں بھی ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔محمد بن اسحاق ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت (ﷺ) کی خدمت اقدس میں کچھ علماء اور رؤسائے یہود حاضر ہوکر عرض کرنے لگے کہ ہماری قوم کے ساتھ ہمارا کچھ مقدمہ ہے اگر آپ ہمارے موافق فیصلہ فرمادیں تو ہم آپ کا اتباع کرلیں گے اور پھر ہماری سب تبعین عوام بھی ہماری تقلید میں آپ کا اتباع اور پیروی کریں گے لیکن آپ نے صاف انکار فرمادیا۔اسی کی تصویب کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿ تشریح ﴾: .... پچھلی آسمانی کتابوں میں تحریف لفظی ومعنوی ہوئی لیکن قرآن میں تحریف لفظی نہیں ہوسکی: .... تورات وانجیل کی حفاظت کا بار چونکہ خود علماء اہل کتاب پر ڈالا گیا تھا جیسا کہ آیت بما استحفظوا سے معلوم ہو رہا ہے اس لئے وہ ضائع اور محرف ہوگئیں۔لیکن قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ بذات خود حق تعالیٰ نے لیا ہے ارشاد ہے:

"انا نحن نزلنا الذکرو انا له لحافظون" اس لئے انشاء اللہ قیامت تک اس کے کسی ایک نقطہ اور شوشہ میں فرق نہیں آسکے گا۔

ترک شریعت گناہ ہے یا کفر: .... آیت ومن لم یحکم الخ سے بعض حضرات کو اشکال ہوا ہے کہ ترک عمل سے تو اہل سنت کے نزدیک فاسق ہونا چاہئے نہ کہ کافر؟ لیکن سہل توجیہ ہے کہ شریعت کے شریعت ہونے کا انکار اگر چہ زبانی ہو وہ بھی کفر ہے۔اور دانستہ اگر ایسا کیا جائے جیسا کہ شیوہ یہود رہا ہے تب تو بدرجہ اولیٰ کفر ہوگا۔اگلی آیات میں ظالموں اور فاسقوں کی توجیہ تو بلا تکلف ہے کیونکہ ان میں کفر کی تصریح نہیں ہے البتہ اگر ان سے مراد بھی کفر ہو تو مذکورہ توجیہ وہاں بھی کرلی جائے گی۔

پچھلی شریعت کے احکام حجت ہیں یا نہیں؟: .... آیت ان النفس الخ مشتمل ہے دو قسم کے احکام پر (۱) قصاص نفس اور (۲) جانی قصاص سے کم درجہ زخم وغیرہ کے قصاص پر۔اور اصولی ضابطہ کلی کی رو سے، سابقہ مذاہب کے یہ دونوں قسم کے احکام ہمارے لئے بھی حجت ہوں گے۔بشرطیکہ انکو نقل کرکے تائید یا سکوت اختیار کیا جائے۔جیسا کہ یہاں ہوا ہے لیکن اگر مذہبی احکام نقل کرکے ان پر نکیر کی جائے تو پھر وہ احکام مسلمانوں کے لئے حجت نہیں رہتے۔

قصاص میں فقہی اختلاف: .... جہاں تک قصاص جانی کا تعلق ہے امام صاحبؒ کے نزدیک یہ آیت ان النفس الخ سورۂ بقرہ کی سابقہ آیت الحر بالحر الخ کے لئے ناسخ ہے اس لئے غلام کے بدلے میں آزاد اور عورت کے بدلے میں مرد کو قصاصاً قتل جائز ہے۔برخلاف امام شافعیؒ کے یا بقول بعض مفسرین کہ بنونضیر خود کو بنوقریظہ سے برتر سمجھتے تھے اس لئے اپنے ایک مقتول کے بدلے میں ان کے دو آدمیوں کو قصاصاً قتل کرتے۔

آیت ان النفس الخ میں اس ناانصافی کا سدباب کیا جارہا ہے۔لیکن بنونضیر اپنے غلام کے بدلے میں بنوقریظہ کے آزاد کو۔اور اپنی عورت کے بدلے میں ان کے مرد کو قتل کرتے اس کو آیت الحر الخ میں اولاً روکا گیا اور پھر اس کو بھی منسوخ کرکے ان النفس الخ سے بالکلیہ مساوات اور برابری کا حکم دیا گیا ہے۔

ایک پیچیدہ اشکال: .... لیکن اس تقریر پر یہ اشکال رہے گا کہ آیت الحر بالحر الخ سے عبارۃ النص کے طور پر تو معلوم ہوا کہ غلام کو اگر آزاد نے اور عورت کو کسی مرد نے قتل کردیا ہو تو قصاصاً آزاد کو اور مرد کو قتل نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ آیت بقرہ میں

صرف آزاد کو آزاد کے بدلہ میں اور غلام کو غلام کے بدلے میں اور عورت کو عورت کے بدلے میں قتل کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ لیکن آیت ذیل ان النفس الخ کی عبارت النص ایک آدمی کے بدلے میں دو آدمیوں کے قتل نہ کرنے پر دلالت کر رہی ہے تاہم اشارۃ النص کے طریقہ پر اس سے غلام کے بدلے میں آزاد کے۔ اور عورت کے بدلہ میں مرد کے قتل کا جواز نکلتا ہے۔ پس اس سے لازم آیا کہ اس آیت ان النفس الخ کی اشارہ النص ناسخ بن گئی۔ آیت الحر بالحر الخ کی عبارت النص کے لئے۔ حالانکہ جمہور فقہا کے نزدیک عبارۃ النص بمقابلہ اشارہ النص راجح ہوتی ہے۔

دوسرا اشکال: .... علی ہذا صاحب کشاف ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عورت کو اگر کوئی مرد قتل کر دیتا تو اس کے بدلہ میں مرد کو قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ اس لئے آیت ان النفس الخ نازل ہوئی جس کی عبارت النص سے صرف عورت کے بدلے میں مرد کے قتل کا جواز معلوم ہوا اس لئے یہ آیت ان النفس لفظ الا نثی بالانثی کے لئے تو ناسخ بن سکتی ہے مگر الحر بالحر و العبد بالعبد الخ کے لئے ناسخ نہیں ہوگی؟

جوابی تقریر: .... جواب یہ ہے کہ اگر تاریخ مجہول ہو تو پھر بلا شبہ عبارت النص اشارۃ النص کے مقابلہ میں راجح ہوتی ہے لیکن اگر تاریخ کی تقدیم و تاخیر معلوم ہو جائے تو پھر اشارۃ النص کے راجح ہونے میں کوئی حرج نہیں خلاصہ جواب یہ ہے کہ مطلقاً عبارۃ النص راجح نہیں ہوا کرتی بلکہ اس تفصیل کے ساتھ ناسخ ہو سکتی ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ دعوئ تنسیخ کے بغیر بھی آیت سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ صاحب مدارک نے ابن عباس کے مذکورہ بالا جملہ کو نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ آیت ان النفس الخ اس پر دلالت کر رہی ہے کہ ذمی کے بدلے میں مسلمان اور عورت کے بدلے میں مرد اور غلام کے بدلے میں آزاد قتل کیا جائے۔ غرض کہ منشاء آیت یہ ہے کہ صغیر و کبیر، شریف و رذیل بادشاہ اور رعیت سب برابر اور یکساں طور پر جان و مال کی امان کے مستحق ہیں۔ اس میں کالے گورے کی یا نسلی اور جغرافیائی تفریق گوارا نہیں کی جائے گی۔ البتہ خود اپنی اولاد کے بدلے میں والدین کو اور اپنے غلام کے بدلے میں آقا کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا۔ نیز خونِ ناحق پر قصاص آئے گا وہ بھی بشرطیکہ عمداً ہو۔ لیکن اگر شرعی حکم کے ماتحت قتل ہو تو وہ قتل ناحق نہیں کہلائے گا۔ اسی طرح اگر قتل خطاء ہو تب بھی قصاص نہیں آئے گا۔ بلکہ دیت لازم ہوگی۔

جانی قصاص کے بعد عضوی قصاص: .... مادون النفس یعنی غیر جانی قصاص کی تفصیل یہ ہے کہ اس باب میں صرف ایک ہی کلیہ ہے جس پر ہزاروں تفریعات ہو سکتی یعنی جن اعضاء یا زخموں میں مماثلت اور حفاظت ممکن ہے وہاں قصاص آئے گا۔ چنانچہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر کسی کی آنکھ پر چوٹ مار کر بینائی سلب کر دی تو اس کا قصاص جیسا کہ صحابہؓ کی ایک جماعت سے ماثور ہے اس طرح لیا جائے گا کہ آئینہ گرم کر کے اور روئی تر کر کے جانی کے چہرے پر اسے رکھ کر گرم آئینہ کو اس کی آنکھ کے بالمقابل کر دیا جائے تو بینائی سلب ہو جائے گی۔ اسی طرح ناک کے اوپر کا جتنا حصہ کاٹا ہوا تنا ہی کاٹ لیا جائے۔ کان جتنا کاٹا ہوا تنا ہی کاٹ لیا جائے۔ دانت اگر توڑا یا ٹھنڈا کر دیا ہو تو دوسرے کا دانت توڑا یا ٹھنڈا کیا جا سکتا ہے۔ ہاتھ پاؤں اگر جوڑ بند پر سے کاٹے ہوں تو قصاص میں جوڑ بند ہی سے کاٹے جا سکتے ہیں خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک زبان اگر جڑ سے کاٹ دی ہو تو جڑ ہی سے کاٹی جا سکتی ہے۔ چھوٹی بڑی کا کوئی فرق نہیں ہے۔ ہونٹ یا عضو تناسل اگر جڑ سے کاٹ دیئے جائیں یا آلہ تناسل سپاری پر سے کاٹ دیا جائے تو مماثلت ممکن ہونے کی وجہ سے قصاص لیا جائے گا۔ پیٹ زخمی کر دینے کے سلسلہ میں امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر آتا کاری

زخم ہو کہ بچنے کی امید نہ ہو تو قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ ان سب صورتوں میں مماثلت ہو سکتی ہے۔

مماثلت کے بغیر عضوی قصاص نہیں بلکہ ارش واجب ہے:............لیکن اگر آنکھ نکال لی۔ یا ناک کا بانسا توڑ دیا یا زبان کا کچھ حصہ کاٹ لیا۔ یا دانت کے علاوہ اور کہیں کی ہڈی توڑ دی۔ یا ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء کا کچھ حصہ کاٹ دیا۔ کاری زخم نہیں لگا تو ان سب صورتوں میں چونکہ مماثلت ممکن نہیں اس لئے قصاص نہیں آئے گا بلکہ حکومۃ عدل آئے گی۔ جس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

مرد وعورت، آزاد وغلام میں باہمی طور پر زخموں اور قطع اعضاء کی صورت میں قصاص نہیں آئے گا لیکن مسلمان اور کافر ذمی کے درمیان ان صورتوں میں بھی قصاص آئے گا۔ البتہ درمختار میں ہے کہ ناقص سے کامل کا قصاص لیا جائے گا۔

قصاص کی معافی:............قتل کی صورت میں تو مقتول کے ولی کو۔ اور دوسری تمام صورتوں میں خود زخمی کو جرم معاف کرنے کا حق ہے۔ نیز اگر مقتول کے اولیاء کئی شخص ہوں اور ان میں سے کوئی ایک معاف کر دے تو قصاص معاف ہو جائے گا۔ البتہ اگر دوسرے اولیاء چاہیں گے تو دیت لے سکتے ہیں۔

آیت لکل جعلنا الخ کا حاصل یہ ہے کہ بالطبع چونکہ انسان کو نئے کام سے ایک گونہ وحشت ہوتی ہے جس سے بسا اوقات مخالفانہ اقدام کی نوبت بھی آ جاتی ہے ہاں عقل سلیم اور انصاف سے کام لے تو حقیقت واضح ہو کر اتباع حق کی توفیق بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ پس یہ ایک طرح کا امتحان عظیم ہوتا ہے جس میں خوش نصیب ہی پورے اترتے ہیں۔

نئی شریعت آنے سے لوگوں کا امتحان مقصود ہوتا ہے:............اسی اصول سے ساری دنیا کے لئے اگر از اول تا آخر صرف ایک ہی شریعت ہوتی تو ابتداء میں تو نیا ہونے کی وجہ سے لوگوں کا امتحان ہو جاتا لیکن جب ایک ڈگر قائم ہو جاتا تو پھر بعد کے آنے والوں کے لئے خلاف طبع اور غیر مانوس نہ ہونے کی وجہ سے کوئی امتحان اور آزمائش نہ رہتی۔ لیکن اب اس صورت میں ہر امت کا امتحان ہو گیا۔

نیز انسان کو جس چیز کے کرنے یا نہ کرنے سے روکا جاتا ہے تو انسانی سرشت کے لحاظ سے اسی کی طرف رغبت ہوتی ہے اس لحاظ سے بھی شریعت کے متعدد ہونے کی صورت میں آزمائش زیادہ ہے بہ نسبت ایک شریعت کے کیونکہ اول صورت میں منسوخ سے روکا جاتا ہے جس پر ایک زمانہ تک عمل درآمد ہو چکا ہے جو بالطبع شاق گذرتا ہے برخلاف دوسری صورت کے اس میں اگرچہ گناہوں سے منع کیا جاتا ہے لیکن ان کو پہلے ہی سے برا سمجھنے کی وجہ سے رکنے میں سہولت رہتی ہے۔ غرض کہ اس طرح دونوں قسم کے امتحانوں کا مجموعہ امت کے اسلاف واخلاف کے لئے عام ہو گیا۔

ایک شبہ کا ازالہ:............رہا یہ شبہ کہ اس آیت سے ہر امت کے طریقہ کا علیحدہ ہونا اور دوسری آیات مثلاً آیت شوریٰ شرع لکم من الدین الخ سے سب کا ایک ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ تعارض ہے جواب یہ ہے کہ دونوں حکم صحیح ہیں شرائع کا الگ الگ ہونا بلحاظ فروع واعمال کے ہے اور سب کا ایک ہونا باعتبار اصول وعقائد کے ہے۔

لطائف آیات:............آیت فمن تصدق الخ میں عفو کی ترغیب ہے اور اہل اللہ کے اخلاق اسی کے مقتضی ہوتے ہیں آیت، لکل جعلنا الخ میں مشائخ کے اس مقولہ کی اصل نکلتی ہے طرق الوصول الی اللہ بعدد الانفاس الخلائق.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ تُوَالُوْنَهُمْ وَتُوَادُّوْنَهُمْ **بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ** لِاتِّحَادِهِمْ فِي الْكُفْرِ **وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ** مِنْ جُمْلَتِهِمْ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾** بِمُوَالَاتِهِمُ الْكُفَّارَ **فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ** ضَعْفُ اِعْتِقَادٍ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُبَيٍّ الْمُنَافِقِ **يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ** فِيْ مُوَالَاتِهِمْ **يَقُوْلُوْنَ** مُعْتَذِرِيْنَ عَنْهَا **نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ** يَدُوْرُ بِهَا الدَّهْرُ عَلَيْنَا مِنْ جَدْبٍ اَوْ غَلَبَةٍ وَلَا يَتِمُّ اَمْرُ مُحَمَّدٍ فَلَا يَمِيْرُوْنَا قَالَ تَعَالٰى **فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ** بِالنَّصْرِ لِنَبِيِّهٖ بِاِظْهَارِ دِيْنِهٖ **اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ** بِهَتْكِ سَتْرِ الْمُنَافِقِيْنَ وَافْتِضَاحِهِمْ **فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ** مِنَ الشَّكِّ وَمُوَالَاةِ الْكُفَّارِ **نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَقُوْلُ** بِالرَّفْعِ اِسْتِئْنَافًا بِوَاوٍ وَدُوْنِهَا وَبِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلٰى يَاْتِيَ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا** لِبَعْضِهِمْ اِذَا هَتَكَ سَتْرَهُمْ تَعَجُّبًا **اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ** غَايَةَ اِجْتِهَادِهِمْ فِيْهَا **اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ** فِي الدِّيْنِ قَالَ تَعَالٰى **حَبِطَتْ** بَطَلَتْ **اَعْمَالُهُمْ** الصَّالِحَةُ **فَاَصْبَحُوْا** فَصَارُوْا **خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾** الدُّنْيَا بِالْفَضِيْحَةِ وَالْاٰخِرَةَ بِالْعِقَابِ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ** بِالْفَكِّ وَالْاِدْغَامِ يَرْجِعْ **مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ** اِلَى الْكُفْرِ اِخْبَارٌ بِمَا عَلِمَ تَعَالٰى وُقُوْعَهٗ وَقَدِ ارْتَدَّ جَمَاعَةٌ بَعْدَ مَوْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ** بَدَلَهُمْ **بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ** قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمْ قَوْمُ هٰذَا وَاَشَارَ اِلٰى اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِيْ صَحِيْحِهٖ **اَذِلَّةٍ** عَاطِفِيْنَ **عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ** اَشِدَّاءَ **عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ** فِيْهِ كَمَا يَخَافُ الْمُنَافِقُوْنَ لَوْمَ الْكُفَّارِ **ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرُ مِنَ الْاَوْصَافِ **فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ** كَثِيْرُ الْفَضْلِ **عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾** بِمَنْ هُوَ اَهْلُهٗ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ ابْنُ سَلَامٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ قَوْمَنَا هَجَرُوْنَا **اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾** خَاشِعُوْنَ اَوْ يُصَلُّوْنَ صَلٰوةَ التَّطَوُّعِ **وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** فَيُعِيْنُهُمْ وَيَنْصُرُهُمْ **فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾** لِنَصْرِهٖ اِيَّاهُمْ اَوْقَعَهٗ مَوْقَعَ فَاِنَّهُمْ بَيَانًا لِاَنَّهُمْ مِنْ حِزْبِهٖ اَيْ اَتْبَاعِهٖ

ع ۸ ۱۲

ترجمہ: .... مسلمانو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق و مددگار نہ بناؤ (کہ ان سے دوستی اور پینگیں بڑھانے لگو۔) وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں (کفر میں متفق ہونے کی بناء پر) اور تم میں جو شخص انہیں رفیق مددگار بنائے گا تو وہ ان ہی میں سے سمجھا جائے گا (ان ہی میں داخل شمار ہوگا) اللہ اس گروہ پر راہ ہدایت نہیں کھولتے جو ظلم کرنے والا ہے (کفار سے دوستی کی پاداش میں) پھر تم دیکھو گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے (کمزوری اعتقاد جیسے عبداللہ ابن ابی منافق ہے) وہ دوڑے جارہے ہیں ان لوگوں کی (دوستی کی) طرف یہ کہتے ہوئے (معذرت خواہ ہوتے ہوئے) کہ ہم ڈرتے ہیں کسی مصیبت کے پھیر میں نہ آجائیں (گردش زمانہ ہم پر قحط سالی۔ یا

شکست کی آفت نہ ڈال دے۔ اور محمد (ﷺ) ناکام ہو گئے تو یہ لوگ ہماری رسد ہی روک دیں گے۔ حق تعالیٰ جواب دے رہے ہیں کہ) وہ وقت دور نہیں جب اللہ میاں فتح دیں گے (دین غالب کر کے اپنے نبی (ﷺ) کو کامیاب کر دیں گے) یا ان کی جانب سے اور کوئی بات ظاہر ہو جائے گی۔ (منافقین کی پردہ دری اور رسوائی ہو جائے) کہ پھر اس وقت یہ لوگ ان باتوں پر جو انہوں نے اپنے دلوں میں چھپائے رکھی ہیں (شک وشبہ اور کفار سے دوستی) شرمندہ ہوں گے اور کہیں گے (رفع کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے خواہ واؤ کے ساتھ ہو یا بغیر واؤ کے اور قراءت نصب کی صورت میں لفظ یاتی پر عطف ہوگا) اہل ایمان (آپس میں ان کی تھکا فضیحتی دیکھ کر تعجب کرتے ہوئے) کیا یہی لوگ ہیں جو اللہ کی پکی پکی قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے (مبالغہ آمیز قسمیں کھا کر) کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں (دینی لحاظ سے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) اکارت گئیں (بیکار ہو گئیں) ان کی ساری کارروائیاں (نیک کام) اور بالآخر یہ لوگ تباہ و نامراد ہو کر رہ گئے (دنیا میں جو تھکا فضیحتی ہوئی وہ الگ اور آخرت میں جو کچھ سختی ہوگی وہ رہی الگ) مسلمانو! جو کوئی پھر جائے گا۔ (لفظ یرتد بلا ادغام اور ادغام کے ساتھ ہے بمعنی یرجع) تم میں سے اپنے دین سے (کفر کی جانب۔ اللہ نے اپنے علم کے مطابق پہلے ہی اس واقعہ کی پیش گوئی فرمادی جو ہونے والا تھا۔ چنانچہ آنحضرت (ﷺ) کی وفات کے بعد کچھ لوگ مرتد ہو گئے تھے) تو قریب ہے کہ اللہ ایک ایسا گروہ پیدا فرمادے (ان کے بدلہ میں ایسے لوگ) جنہیں اللہ دوست رکھتا ہو اور وہ بھی اللہ کو دوست رکھتے ہوں۔ (آنحضرت (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ یہ ہیں۔ ابوموسیٰ اشعریؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔ حاکم نے اس کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے) نہایت نرم (جھکے ہوئے ہیں مؤمنین کے سامنے۔ لیکن تیز (نہایت سخت) ہوں گے دشمنوں کے مقابلہ میں۔ اللہ کی راہ میں جان لڑا دیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ بھی نہیں کریں گے (اللہ کے بارے میں۔ جس طرح کہ منافقین کفار کی ملامت سے گھبراتے رہتے ہیں) یہ (مذکورہ صفات) اللہ کا فضل ہے جس کو وہ چاہیں عطا فرمادیں اور اللہ بڑی ہی وسعت رکھنے والے (بڑے مہربان) اور بڑے علم والے ہیں (کہ کون کس کام کا اہل ہے۔ عبداللہ بن سلامؓ نے جب آنحضرت (ﷺ) سے شکایتی درخواست کی کہ یا رسول اللہ (ﷺ) ہماری قوم نے ہمارا بائیکاٹ کر دیا ہے تو یہ آیات نازل ہوئیں) تمہارا مددگار دوست اگر کوئی ہے تو اللہ ہے اور اس کے رسول (ﷺ) ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں جن کا شیوہ یہ ہے کہ نماز قائم رکھتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں (فروتنی کرتے ہیں یا نوافل پڑھتے ہیں) اور جس کسی نے اللہ کو اور اس کے رسول (ﷺ) کو اور ایمان والوں کو اپنا مددگار دوست بنایا (ان کی اعانت اور مدد کی) سو بلاشبہ اللہ ہی کا گروہ غالب رہنے والا گروہ ہے (کیونکہ اللہ ان ہی کی تائید کرتے ہیں۔ جملہ "فان حزب اللہ ھم الغلبون." فانھم کی جگہ سمجھنا چاہئے یہ بتلانے کے لئے کہ یہ لوگ اللہ کی پارٹی اور تابعداروں میں سے ہیں۔)

تحقیق وترکیب: ....فتری. رویت عینیہ یا قلبیہ ہے اور یسارعون اس کے مفعول ثانی سے حال ہے۔

دائرۃ. مصائب زمانہ۔ کیونکہ صاحب مصیبت کے لئے وہ محیط ہوتے ہیں۔ یہ ان صفات میں سے ہے جن کا موصوف اکثر مذکور نہیں ہوتا۔ ویقول. اگر مرفوع اور واؤ کے ساتھ ہے تو نحوی طور پر اور علم بیان کے اعتبار سے استیناف ہوگا اور بغیر واؤ کے ہے تو صرف بیان کے اعتبار سے استیناف ہوگا۔ اور نصب کی قراءت ہو تو پھر معنوی اعتبار سے لفظ یاتی پر عطف ہو جائے گا۔ کیونکہ لفظی اعتبار سے تو ان یاتی عسیٰ کی خبر ہے اور معطوف بھی اسی حکم میں ہونا چاہئے اس لئے ضمیر کی ضرورت پیش آئے گی جو اسم عسیٰ کی طرف راجع ہو حالانکہ یقول میں ضمیر نہیں ہے۔ البتہ معنوی اعتبار سے عطف کرنے میں اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جھد ایمانھم یہ دراصل مصدر ہے اور منصوب علی الحال۔ بتقدیر تسموا باللہ یجتھدون جھدایمانھم فعل کو محذوف کر کے مصدر کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے اسی لئے اس کے معرفہ ہونے میں کچھ حرج نہیں ہے یا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے بھی منصوب ہو سکتا ہے کیونکہ بمعنی اقسموا ہے۔

حبطت اعمالھم ۔اس سے پہلے قال تعالیٰ اس لئے مقدر مانا گیا ہے تا کہ معلوم ہو جائے یہ مقولہ باری تعالیٰ ہے مؤمنین کا مقولہ نہیں کیونکہ کسی کے اعمال حبط ہونے کا حال کسی کو بھی معلوم نہیں ہو سکتا ہے۔ **من یرتد**۔ نافعؒ اور ابن عامرؒ فک ادغام کے ساتھ پڑھتے ہیں یعنی اول دال مکسور اور دوسری مساکن بغیر تعلیل کے اپنی اصل پر اور باقی قراء ادغام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔دال ثانی مفتوح ہے۔اس صورت میں تخفیف ہے۔ یہ دونوں قراءتیں مدنی اور شامی مصاحف میں ہیں۔

اذلة. جمع ذلیل کی ہے۔ **ذل بالضم** ۔عز کی ضد ہے چونکہ اس کے صلہ میں علی نہیں آیا بلکہ لام آیا ہے اس لئے عاطفین کہہ کر اشارہ کر دیا کہ یہ متضمن ہے معنی عطف کو۔ **اذلة** اور **اعزة** میں عطف ترک کر دیا گیا ہے۔ استقلال مدح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ دونوں وصف مستقل ہیں۔ **ولا یخافون** واؤ حالیہ بھی ہو سکتا ہے ای **یجاھدون** اور واؤ عاطفہ بھی ہو سکتا ہے۔ **ای من صفتھم المجاھدة**.

لومة لائم ۔اس میں تادراصل وحدت کی ہے لیکن وہ مراد نہیں ہے ورنہ بلاغت فوت ہو جائے گی۔اور معنی یہ ہو جائیں گے کہ ایک ملامت کی پرواہ نہیں کرتے حالانکہ مطلق جنس ملامت کی نفی ہورہی ہے۔البتہ یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ جنس ملامت مؤمنین کے نزدیک ایسی نا قابل التفات ہے جیسے ایک ملامت۔ **انما ولیکم** . **ای لا تتخذوا اولئک اولیاء لان بعضھم اولیاء بعض ولیس ابا ولیاء کم انما ولیکم الخ** اور ولی کا لفظ مفرد لایا گیا ہے حالانکہ موقعہ جمع لانے کا تھا۔اشارہ اس طرف ہے کہ اصل ولایت اللہ کی ہے دوسروں کی ولایت تابع ہے۔ **الذین یقیمون** ۔یہ مرفوع ہے **الذین امنوا** سے بدل ہونے کی وجہ سے یا منصوب علی المدح ہے **وھم راکعون** یہ حال ہے **یقیمون** اور **یوتون** کے فاعل سے۔اوقعہ موقع یعنی وضع الظاہر موضع المضمر ہوا ہے۔اظہار اور ترغیب ولایت کے لئے۔

ربط: ....اوپر سے اہل کتاب کا ذکر چلا آ رہا ہے۔آئندہ آیات میں منافقین کے محض وہمی منافع اور مضار کے خیال سے ان سے دوستی کرنے کو ناپسند کیا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو اس سے روکا جا رہا ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ ان سے دوستی نہ کرنے میں ضرر نہیں ہے بلکہ دوستی کرنے میں ضرر ہے اور دوستی نہ کرنے میں ضرر تو کیا ہوتا خود ان کے مرتد اور کافر بن جانے سے اسلام کا کوئی نقصان نہیں ہو سکا۔پس اگر دوستی کرنی ہی ہے تو اللہ ورسول (ﷺ) اور مسلمانوں سے سچی دوستی کر کے اس کا نفع دیکھو غرض کہ آیت **یا ایھا الذین الخ** میں چودھواں حکم کفار کی موالات سے نہی کے متعلق ہے۔

شان نزول: ....غزوۂ احد میں مسلمانوں کو ظاہراً شکست ہوئی تو منافقین میں کھلبلی پڑی اور انہیں اپنے پیروں تلے سے زمین سرکتی نظر آئی کسی نے کسی یہودی کو پناہ میں چلے جانے کا منصوبہ بنایا کسی نے کسی نصرانی کی گود میں چلے جانے کا خواب دیکھا (ابن جریر، ابن حاتم) نیز یہود بنی قینقاع جب مسلمانوں سے حرب وضرب پر آمادہ ہوئے تو ابن ابی منافق نے در پردہ ان سے ساز باز کر لی اور ان کی حمایت پر آمادہ ہو گیا۔اور کہنے لگا (**انی رجل اخاف الدوائر**) (ابن ابی شیبہ) لیکن عبادہ بن صامتؓ باوجود یہ کہ اس قبیلہ کے حریف تھے مگر اس موقعہ پر انہوں نے صاف طور پر اپنا علاقہ ان سے منقطع کر لیا۔ (ابن اسحاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم، بیہقی) عبداللہ بن سلامؓ کے جواب میں جب آیت **انما ولیکم الله الخ** نازل ہوئی تو بول اٹھے **رضینا بالله ورسوله وبالمؤمنین اولیاء** ۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نماز کے رکوع میں تھے کہ کسی سائل نے آ کر سوال کیا۔انہوں نے اپنی کن انگلی سے مرجان کی انگوٹھی اتار کر اس کی طرف پھینک دی ان کی مدح میں **وھم راکعون** کے الفاظ نازل ہوئے۔اس صورت میں حضرت علیؓ

کے عمل کو فعل قلیل کہا جائے گا۔ جو نماز کی منافی نہیں ہوتا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک تو فعل کثیر بھی نماز کے لئے مفسد نہیں ہوتا۔ نیز نماز میں صدقہ دینے کا جواز معلوم ہوگا۔

آیت اذا نادیتم الخ کے سلسلہ میں مروی ہے کہ مؤذن کو جب اذان کہتے سنتے تو کفار کہا کرتے تھے۔ قد قاموا لا قاموا وقد صلوا لا صلوا یا ایک روایت میں ہے کہ جب اذان ہوتی تو مدینہ کا ایک نصرانی اشھدان محمد رسول اللہ سن کر کہا کرتا احرق اللہ الکاذب۔ چنانچہ ایک رات اس کی خادمہ کمرہ میں آگ لائی۔ گھر والے سو رہے تھے۔ ہوا کا جھونکا آیا جس سے پتنگے اڑ کر سامان میں جا پہنچے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے خس کم شد جہاں پاک شد ہو گیا۔

﴿ تشریح ﴾ .... **منافقین کا جلد ہی بھرم کھل گیا**: .... زیادہ تر ان منافقین کی دوستی، کفار مکہ اور یہود مدینہ سے تھی۔ لیکن اللہ نے عسی اللہ ان یاتی بالفتح کی پیش گوئی کو اس طرح پورا فرمایا کہ مکہ معظمہ جلد ہی مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح ہو گیا اور یہود مدینہ کا تھوڑی ہی مدت میں قلع قمع ہو گیا۔ منافقین کا نفاق اکثر واقعات میں کھلتا رہتا تھا لیکن فتح عام کے بعد تو کھلم کھلا معلوم کرا دیا گیا۔ باقی یہ شبہ کہ نفاق پسند لوگوں کے نادم ہونے کی اطلاع دی گئی ہے جس سے ان کا تائب ہونا معلوم ہوتا ہے حالانکہ فوراً ہی حبط اعمال کی اطلاع دی گئی ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہر ندامت تو بہ نہیں ہوتی بلکہ جس ندامت کے پیچھے اعتراف و شکستگی ہو وہ شرعاً توبہ کہلائے گی۔ اور ان لوگوں کے لئے اس کا ثبوت نہیں ورنہ مخلص مسلمان ہی نہ سمجھے جاتے۔ جو لوگ مرتد ہوئے ان کے بارے میں بھی صدیق اکبرؓ کی خلافت کے دور میں جلد ہی پیش گوئی کا ظہور ہو گیا کہ ان کا استیصال کر دیا گیا اور کچھ لوگ تائب ہو کر مخلص مسلمان بن گئے اس طرح اسلام کو کچھ نقصان یا ضعف نہیں پہنچ سکا۔

دوسرے شبہ کا جواب: .... رہا یہ شبہ کہ نقصان پہنچنا تو اس صورت میں تھا کہ سب مرتد ہو جاتے اور جب یہ نہیں تو پھر وہ بھی نہیں جواب یہ ہے کہ اول تو دوسری نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ عموم ارتداد مراد نہیں دوسرے اگر اس سے صرف نظر کر لی جائے تو مقصد اصلی یہ ہے کہ اسلام کو حقیقی ضرر نہیں پہنچ سکتا اور یہ دونوں صورتوں میں ہوسکتا تھا۔ سب کے مرتد ہونے سے بھی۔ اور بعض کے مرتد ہونے سے بھی زیادہ کم فرق رہتا لیکن اللہ نے جس طرح ایک صورت پیش آنے کے باوجود اسلام کو ضرر سے محفوظ رکھا۔ دوسری صورت میں بھی محفوظ رکھتا۔ تمام یا بعض مریض مل کر اگر اصول علاج وصحت چھوڑ دیں تو اس میں ان اصول کا کیا نقصان۔ جو کچھ ضرر ہے وہ خود مریضوں ہی کا ہوسکتا ہے۔

شیعوں پر رد: .... بعض اسباب نزول کی بنیاد پر شیعوں نے آیت انما ولیکم اللہ الخ سے حضرت علیؓ کی آنحضرت (ﷺ) سے متصلاً ولایت عامہ پر استدلال کیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ سیاق وسباق کی رو سے یہاں ولایت سے مراد محبت ہے نہ کہ ولایت تصرف۔ اس لئے عموم ولایت پر کوئی دلیل نہ ہوئی اور اگر عموم ولایت تسلیم بھی کر لی جائے تب بھی اس کا اتصال ثابت نہیں نیز ضمیر جمع کا اطلاق واحد پر لازم آئے گا جو خلاف ظاہر ہے آیت فان حزب اللہ ھم الغلبون پر اگر کسی کو شبہ ہو کہ مسلمان جو حزب اللہ کہلاتے ہیں اکثر کفار سے مغلوب رہتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ یہ وعدہ کمال ولایت وایمان کے ساتھ ہے۔ پس اکثر مواقع پر تو اسی شرط کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے وعدہ کا خلاف ہوتا ہے اور بعض مواقع پر کمال ایمان وولایت کے باوجود بھی اگر مغلوبیت حاصل ہو تو مختلف مصالح کے پیش نظر وہ محض ظاہری مغلوبیت ہوتی ہے۔ حقیقی اور معنوی طور پر تو غالبیت ہی رہتی ہے۔ واقع میں ارفع واعلیٰ اھل اللہ اور مؤمنین ہی

ہوتے ہیں کسی کے عارضی اور چندروزہ غلبہ سے دھوکہ میں نہیں آنا چاہئے۔

حضرت ابن عباسؓ کی توجیہ:............ حضرت ابن عباسؓ اسی مفہوم کو دوسرے آسان لفظوں میں اس طرح ادا کرتے ہیں ان لم ینصروا فی الدنیا ینصروا فی الا خرۃ یعنی دنیا میں اگر اس غلبہ کا ظہور کسی مصلحت سے نہیں ہوا تو آخرت میں ضرور ہوگا۔ اور جن آیات میں مثل انالننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا ویوم یقوم الا شھاد ۔اس توجیہ کے بعد ان میں بھی اشکال نہیں رہتا۔ کیونکہ حقیقی غلبہ تو ہمیشہ حق اور اہل حق ہی کو ہوتا ہے اگر چہ کسی وقت مصالح کی وجہ سے اس کا ظہور نہ ہو۔ نیز مجموعہ قوم کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو دنیاوی غلبہ کا ظہور بھی ہوتا ہے۔ البتہ ہر فرد کے لحاظ سے غلبہ کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ حاکم اور افسر ہر جگہ افسر ہی ہوتا ہے گو بیت الخلاء جاتے وقت یا کسی دوسری حالت میں اس کا ظہور نہ ہو مگر اس وقت بھی حاکم ہی ہوتا ہے معزول نہیں ہو جاتا۔ اس کا حاکم ہونا قانون اور حجت سے ہوتا ہے اسی لئے علماء نے بھی اہل حق کے غلبہ کو بالحجۃ والعواقب کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ اور ایک آسان توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہاں عادت اللہ کا بیان کرنا مقصود ہے اور وہ اکثریت سے بھی پوری ہوسکتی ہے اور اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

آیت اذ نا دیتم الخ میں اذان کی مشروعیت اور فضیلت پر واضح دلیل ہے جیسا کہ مفسرین کی رائے ہے اگر چہ فقہاء اذان کی مشروعیت عبداللہ بن زیدؓ کی حدیث منام سے ثابت کرتے ہیں۔ فقہاء نے احکام اذان بالتفصیل بیان کئے ہیں۔ مثلاً: پانچ وقت۔ اور جمعہ کے لئے اذان کا مسنون ہونا۔ اور طہارت، استقبال قبلہ اور قیام کا مستحب ہونا۔ نیز وقت سے پہلے اذان جائز نہیں ہے ورنہ واجب الاعادہ ہے۔ اور اذان میں لحن اور ترجیع نہیں ہونی چاہئے ترجیع میں امام شافعیؒ کا خلاف ہے۔ نہایت خاموشی اور توجہ سے اذان سن کر قولاً وعملاً اذان کی اجابت ہونی چاہئے۔

لطائف آیات:............ آیت فسوف یاتی اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اللہ کا طریق اور مذاق یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی محبت میں ملامت گروں کی پرواہ نہیں کیا کرتے۔ آیت ویو تون الز کوٰۃ سے یہ بات بھی ماخوذ ہوسکتی ہے کہ اگر ذکر اللہ میں کوئی چیز مشوش ہو رہی ہو تو پہلے قلب کو اس سے فارغ کر لینا چاہئے تا کہ ذکر میں یکسوئی اور یکجہتی پیدا ہو جائے۔ آیت فان حزب اللہ میں غلبہ کی تفسیر اگر قوت قلب سے کی جائے تو بات اور بھی سہل الفہم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اہل اللہ پر اسباب مغلوبیت کا خواہ کتنا ہی ہجوم ہو مگر تعلق مع اللہ میں کوئی ضعف اور کمزوری نہیں آتی اس میں وہ قوی اور غالب ہی رہتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا مَهْزُوًّا بِهٖ **وَّلَعِبًا مِّنَ** لِلْبَيَانِ **الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ** اَلْمُشْرِكِيْنَ بِالْجَرِّ وَالنَّصْبِ **اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ** بِتَرْكِ مَوَالَاتِهِمْ **اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** ﴿۵۷﴾ صَادِقِيْنَ فِيْ اِيْمَانِكُمْ **وَ** الَّذِيْنَ **اِذَا نَادَيْتُمْ** دَعَوْتُمْ **اِلَى الصَّلٰوةِ** بِالْاَذَانِ **اتَّخَذُوْهَا** اَيِ الصَّلٰوةَ **هُزُوًا** مَهْزُوًّا بِهٖ **وَّلَعِبًا ۭ** بِاَنْ يَّسْتَهْزِءُ وْا بِهَا وَيَتَضَاحَكُوْا **ذٰلِكَ** الْاِتِّخَاذُ **بِاَنَّهُمْ** بِسَبَبِ اَنَّهُمْ **قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ** ﴿۵۸﴾ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَتِ الْيَهُوْدُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْ تُؤْمِنُ مِنَ الرُّسُلِ فَقَالَ بِاللّٰهِ وَمَا

اُنزِلَ اِلَيْنَا الْاٰيَةُ فَلَمَّا ذَكَرَ عِيْسٰى قَالُوْا لَا نَعْلَمُ دِيْنًا شَرًّا مِنْ دِيْنِكُمْ **قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ** تُنْكِرُوْنَ **مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ** اِلَى الْاَنْبِيَاءِ **وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ**﴿۵۹﴾ عَطْفٌ عَلٰى اَنْ اٰمَنَّا اَلْمَعْنٰى مَاتُنْكِرُوْنَ اِلَّا اِيْمَانَنَا وَمُخَالَفَتَكُمْ فِيْ عَدَمِ قُبُوْلِهِ اَلْمُعَبَّرُ عَنْهُ بِالْفِسْقِ اللَّازِمِ عَنْهُ وَلَيْسَ هٰذَا مِمَّا يُنْكَرُ **قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ** اُخْبِرُكُمْ **بِشَرٍّ مِّنْ** اَهْلِ **ذٰلِكَ** الَّذِيْ تَنْقِمُوْنَهُ **مَثُوْبَةً** ثَوَابًا بِمَعْنٰى جَزَاءً **عِنْدَ اللّٰهِ** هُوَ **مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ** اَبْعَدَهُ عَنْ رَحْمَتِهِ **وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ** بِالْمَسْخِ **وَ مَنْ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ** الشَّيْطَانَ بِطَاعَتِهِ وَرُعِيَ فِيْ مِنْهُمْ مَعْنٰى مَنْ وَ فِيْمَا قَبْلَهُ لَفْظُهَا وَهُمُ الْيَهُوْدُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ بَاءِ عَبُدَ وَاِضَافَتِهِ اِلٰى مَا بَعْدَهُ اِسْمُ جَمْعٍ لِعَبْدٍ وَ نَصْبُهُ بِالْعَطْفِ عَلَى الْقِرَدَةِ **اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا** تَمِيْزٌ لِاَنَّ مَاوٰهُمُ النَّارُ **وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ**﴿۶۰﴾ طَرِيْقِ الْحَقِّ وَاَصْلُ السَّوَاءِ الْوَسَطُ وَذِكْرُ شَرٍّ وَاَضَلُّ فِيْ مُقَابَلَةِ قَوْلِهِمْ لَانَعْلَمُ دِيْنًا شَرًّا مِنْ دِيْنِكُمْ **وَاِذَا جَآءُوْكُمْ** اَيْ مُنَافِقُوا الْيَهُوْدِ **قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا** اِلَيْكُمْ مُتَلَبِّسِيْنَ **بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا** مِنْ عِنْدِكُمْ مُتَلَبِّسِيْنَ **بِهٖ** وَلَمْ يُؤْمِنُوْا **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ**﴿۶۱﴾ مِنَ النِّفَاقِ **وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ** اَيِ الْيَهُوْدِ **يُسَارِعُوْنَ** يَقَعُوْنَ سَرِيْعًا **فِي الْاِثْمِ** اَلْكِذْبِ **وَالْعُدْوَانِ** اَلظُّلْمِ **وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ** اَلْحَرَامَ كَالرُّشٰى **لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ**﴿۶۲﴾ عَمَلُهُمْ هٰذَا **لَوْلَا** هَلَّا **يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ** مِنْهُمْ **عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ** اَلْكِذْبَ **وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ**﴿۶۳﴾ تَرْكَ نَهْيِهِمْ **وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ** لَمَّا ضُيِّقَ عَلَيْهِمْ بِتَكْذِيْبِهِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ اَنْ كَانُوْا اَكْثَرَ النَّاسِ مَالًا **يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ** مَقْبُوْضَةٌ عَنْ اِدْرَارِ الرِّزْقِ عَلَيْنَا كَنَوْا بِهِ عَنِ الْبُخْلِ تَعَالٰى عَنْ ذٰلِكَ قَالَ تَعَالٰى **غُلَّتْ** اَمْسَكَتْ **اَيْدِيْهِمْ** عَنْ فِعْلِ الْخَيْرَاتِ دُعَاءٌ عَلَيْهِمْ **وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ** مُبَالَغَةٌ فِي الْوَصْفِ بِالْجُوْدِ وَثَنَّى الْيَدَ لِاِفَادَةِ الْكَثْرَةِ اِذَا غَايَةُ مَا يَبْذُلُهُ السَّخِيُّ مِنْ مَالِهِ اَنْ يُعْطِيَ بِيَدَيْهِ **يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ** مِنْ تَوْسِيْعٍ وَ تَضْيِيْقٍ لَا اِعْتِرَاضَ عَلَيْهِ **وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ** مِنَ الْقُرْاٰنِ **طُغْيَانًا وَّكُفْرًا** لِكُفْرِهِمْ بِهٖ **وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ** فَكُلُّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ تُخَالِفُ الْاُخْرٰى **كُلَّمَاۤ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ** اَيْ لِحَرْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **اَطْفَاَهَا اللّٰهُ** اَيْ كُلَّمَا اَرَادُوْهُ رَدَّهُمْ **وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا** اَيْ مُفْسِدِيْنَ بِالْمَعَاصِيْ **وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ**﴿۶۴﴾ بِمَعْنٰى اَنَّهُ يُعَاقِبُهُمْ **وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا** بِمُحَمَّدٍ **وَاتَّقَوْا** الْكُفْرَ **لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ**﴿۶۵﴾

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ بِالْعَمَلِ بِمَا فِيْهِمَا وَمِنْهُ الْاِيْمَانُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِنَ الْكُتُبِ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ بِاَنْ يُوَسِّعَ عَلَيْهِمُ الرِّزْقَ وَيُفِيْضَ مِنْ كُلِّ جِهَةٍ مِنْهُمْ اُمَّةٌ جَمَاعَةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ تَعْمَلُ بِهِ وَهُمْ مَنْ اٰمَنَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهِ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ بِئْسَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾

ع ۹/۱۰ ۱۳

ترجمہ: .... مسلمانو! جن لوگوں نے تمہارے دین کو ہنسی (ہزو بمعنی مہزو ہے) کھیل بنا رکھا ہے۔ خواہ وہ (من بیانیہ ہے) تم سے پہلے کے اہل کتاب ہوں یا کفار (مشرکین ہوں۔ جر اور نصب دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے) تم انہیں اپنا دوست نہ بناؤ۔ اور اللہ سے ڈرو (ان سے دوستی چھوڑو) اگر فی الحقیقت تم ایماندار ہو (اپنے ایمان میں سچے ہو) اور (وہ لوگ) کہ جب تم اذان دیتے ہو (بلاتے ہو) نماز کے لئے (اذان کے ذریعہ) تو یہ لوگ بنا لیتے ہیں اس (نماز) کو تماشہ (ہزو بمعنی مہزو ہے) اور اس کی ہنسی اڑاتے ہیں (آپس میں ہنسی مذاق، مسخرا پن کرتے ہیں) یہ (ٹھٹھ بازی کرنا) اس لئے (اس وجہ سے) ہے کہ یہ لوگ سمجھ بوجھ سے یک قلم بے بہرہ ہیں (اور اگلی ایت اس وقت نازل ہوئی جب یہود نے آنحضرت (ﷺ) سے دریافت کیا کہ آپ پیغمبروں میں سے کس پر ایمان رکھتے ہیں؟ آپ نے بـاللّٰه ومـا انـزل الينا پوری آیت پڑھی۔ جب حضرت عیسیٰ کا ذکر آیا تو کہنے لگے کہ پھر تو تمہارے دین سے بدتر دین اور کوئی نہیں ہے) کہئے کہ اے اہل کتاب اس کے سوا ہمارا قصور کیا ہے جس کا تم انتقام لینا چاہتے ہو (انکار کرتے ہو) کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور جو کچھ ہم پر نازل کیا ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم سے پہلے (انبیاء پر) نازل ہو چکا ہے۔ اور یہ کہ تم میں اکثر آدمی نافرمان ہو گئے ہیں (وان اكثركم کا عطف ان امنا پر ہے یعنی تمہارا انکار صرف ہمارے ایمان لانے پر ہے۔ اور تم سے ہماری مخالفت۔ ایمان قبول نہ کرنے کی بناء پر ہے جس کو فسق سے تعبیر کیا گیا ہے جو ایمان قبول نہ کرنے کو لازم ہے حالانکہ یہ باتیں انکار کے قابل نہیں ہیں) فرما دیجئے کیا میں تمہیں بتلاؤں (خبر دوں) کہ ان (لوگوں کی نسبت جن پر تم عیب لگا رہے ہو) کون زیادہ بدتر ہے از روئے ثواب (مثوبة بمعنی ثوابا مراد بدلہ) اللہ کے حضور (وہ) وہ شخص ہے جس پر اللہ نے لعنت کی (اپنی رحمت سے اس کو دور پھینک دیا) اور اس پر اپنا غضب نازل کیا اور ان میں سے کتنوں ہی کو بندر اور سور بنا دیا (مسخ کر کے) اور وہ جنہوں نے شیطان کی پرستش کر لی (شیطان کا کہنا مانا اور لفظ منهم میں معنی من کی رعایت کی گئی ہے اور اس سے پہلے من کی لفظی حیثیت پیش نظر رہی۔ مراد یہود ہیں۔ اور ایک قراءت میں عبد کی با مضموم اور بعد والے لفظ کی طرف اس کی اضافت ہے۔ یہ لفظ عبد کی جمع ہے اور اس کا نصب قردة پر عطف کی وجہ سے ہے) یہی لوگ ہیں جو سب سے بدتر درجہ میں ہیں (مکـانـاً تمیز ہے) ان کا بدتر ہونا ان کے جہنمی ہونے کی وجہ سے ہے) اور سب سے زیادہ سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں (حق راستہ سے۔ اصل میں سـواء بمعنی وسط ہے۔ اور لفظ شر اور اضـل ان کے اس قول لا نـعـلـم ديـنـا شر من دينكم کے جواب میں ہے) اور جب یہ لوگ (منافقین یہود) تمہارے پاس آتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ وہ آئے (تمہارے پاس ایسی حالت میں کہ آلودہ تھے) کفر کے ساتھ اور وہی کفر لئے ہوئے واپس گئے (تمہارے پاس سے اس آلودگی کو لئے ہوئے اور ایمان لا کر نہیں دیئے) اور اللہ خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں (نفاق) اور آپ (ﷺ) ان میں سے بہتوں کو ملاحظہ فرمائیں گے (یہود کو) کہ تیز گام ہیں (دوڑے دوڑے پڑتے ہیں) گناہ (جھوٹ) اور ظلم (ناانصافی) اور مال حرام کمانے میں (جیسے رشوت خوری) کیا ہی برے کام ہیں جو یہ لوگ کر رہے ہیں (ان کی یہ بدعملی) کیا ہو گیا ہے (کیوں نہیں) ان کو منع نہیں کرتے (ان کے) پیر اور عالم جھوٹ بولنے (غلط بیانی) اور

حرام خوری سے کیا ہی بری کارگذاری ہے جو یہ کر رہے ہیں (نصیحت کو ترک کر دینا) اور یہودیوں نے کہا (جب کہ ان پر تنگدستی مسلط ہوگئی۔ آنحضرت (ﷺ) کی تکذیب کے صلہ میں حالانکہ پہلے یہ لوگ بڑے مالدار تھے) اللہ کا ہاتھ بند گیا ہے (ہم پر روزی اتارنے سے رک گیا ہے اور کنایہ بخل سے کرتے تھے، حالانکہ اللہ اس سے برتر ہے۔ جواباً حق تعالیٰ فرماتے ہیں) بندھ گئے ہیں (رک گئے ہیں) ان ہی کے ہاتھ (نیک کام کرنے سے۔ یہ جملہ ان کے حق میں بددعائیہ ہے) جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس کی وجہ سے ان پر لعنت پڑی ہے۔ اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہیں (وصف سخاوت میں یہ مبالغہ کا طریقہ ہے اور لفظ یــــد بطور تثنیہ ذکر کرنا افادہ کثرت کے لئے ہے کیونکہ سخی جب بہت زیادہ مال کسی کو دیتا ہے تو دونوں ہاتھوں سے بھر کر دیا کرتا ہے) وہ جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں (خواہ کشادگی کریں یا تنگی۔ کسی کو ان پر حق اعتراض نہیں ہے) اور اللہ کی طرف سے جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے (قرآن) ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کو اور زیادہ بڑھاوے گا (کیونکہ انہوں نے قرآن کا انکار کیا ہے) اور ہم نے ان کے درمیان عداوت اور کینہ ڈال دیا ہے، جو قیامت تک مٹنے والا نہیں ہے۔ (چنانچہ ان میں سے ہر فرقہ دوسرے کی مخالفت کرتا ہے) جب کبھی لڑائی کی آگ سلگانا چاہتے ہیں (آنحضرت (ﷺ) سے لڑنا چاہتے ہیں) تو اللہ اسے بجھا دیتے ہیں (یعنی جب بھی وہ لڑائی کا ارادہ کرتے ہیں اللہ ان کو ناکام بنا دیتے ہیں) یہ لوگ ملک میں گڑ بڑ کرنا چاہتے ہیں (گناہوں سے فساد پھیلانا چاہتے ہیں) اور اللہ میاں ایسے فسادیوں کو پسند نہیں فرماتے (یعنی ان کو سزا دیں گے) اور اگر اہل کتاب ایمان رکھتے (محمد (ﷺ) پر) اور بچتے (کفر سے) تو ہم ضرور ان کی خطائیں محو کر دیتے اور ضرور ان کو نعمتوں کی جنت میں داخل کر دیتے۔ اور اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے (جو کچھ ان میں احکام ہیں ان پر عملدرآمد کرتے منجملہ ان کے آنحضرت (ﷺ) پر ایمان لانا بھی ہے) اور جو کچھ ان پر (کتابیں) نازل ہوئی ہیں ان کے پروردگار کی جانب سے تو ضروری تھا کہ یہ لوگ خوب فراغت کے ساتھ اوپر سے بھی کھاتے اور نیچے سے بھی (ہر طرف سے ان کے لئے رزق میں کشادگی اور وسعت پیدا کردی جاتی) ان میں سے ایک گروہ (جماعت) میانہ رو ہے (اسی میانہ روی پر عمل کرتی ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو آنحضرت (ﷺ) پر ایمان لے آئے۔ جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور ان کی رفقاء) لیکن زیادہ تر ایسے ہی ہیں کہ جو کچھ کرتے ہیں برائی ہی برائی ہے۔

تحقیق وترکیب: .... **لاتتخذوا.** اس کا مفعول اول **الـذین اتخذوا الخ** ہے۔ اور **اولیاء** مفعول ثانی ہے اور ثانی **اتخذو** کا مفعول اول **دینکم** اور **هزوا ولعباً** مفعول ثانی ہے اور **من الذین الخ** حال کی وجہ سے منصوب ہے۔ **اتخذوا** کے فاعل سے حال ہے یا پہلے **الـذیـن** سے **هـزوا** مصدر ہے۔ بمعنیٰ مفعول باعتبار افعال ظاہرہ کے استہزاء کیا اور ان کے عقائد باطلہ کے لحاظ سے **لعباً** کا اطلاق کیا گیا۔ **الکفار** ابوعمرو اور کسائی کی قرأت میں تو مجرور ہے۔ ثانی **الذین** مجرور پر عطف کرتے ہیں اور باقی قراء کے نزدیک پہلے **الذین** پر عطف کرتے ہوئے منصوب ہے۔ اس میں **والـکـفار** کا عطف تو اس پر دلالت کرتا ہے کہ اہل کتاب کفار نہیں ہیں لیکن آیت **لـم یـکـن الـذیـن کـفـروا من اهل الکتب** سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب بھی کافر ہیں۔ اس میں تطبیق اس طرح ہوسکتی ہے کہ مشرکین کا کفر اہل کتاب کے کفر سے بڑھا ہوا ہے اور یہاں کفار سے مراد غیر اہل کتاب ہیں۔ تخصیص زیادتی کفر کی وجہ سے کی گئی ہے۔

هل تنقمون اصل نقم کی یہ ہے کہ **علی** کے ذریعہ اس کا تعدیہ ہونا چاہئے۔ کہا جاتا ہے کہ **نقمت علیه بکذا** (لیکن یہاں معنیٰ کراہت وانکار کے ساتھ تضمین کی وجہ سے **من** کے ذریعہ تعدیہ کیا گیا ہے اور **نقمت الشئی** اور **نقمته** بولتے ہیں۔ **ای انکرته الاان.** اس کا مستثنیٰ منہ محذوف ہے۔ **ای شیئا. فاسقون** ۔ دراصل **وان اکثرهم لایومنون** کہنا چاہئے تھا لیکن لازم یعنی فسق بول کر ملزوم یعنی عدم قبول ایمان مرد لیا ہے۔ **بشر من ذلک** بطور بمقابلہ یہود کے اس قول کے جواب میں کہا گیا ہے۔ **لانعلم دینا شرا من دینکم الذی تنقمونه** ۔ تقدیر عبارت اس طرح کی گئی ہے کہ **من لعنه الله** کا شرامت ہونا صحیح ہوسکے اور **من لعنه الله** سے پہلے

بھی تقدیر مضاف ہوسکتی ہے ای من لعنہ اللّٰہ۔

مثوبہ. یا تو مطلق جزاء کے معنی میں ہے خیر ہو یا شر اور یا تہکما عقوبت کے معنی میں ہے۔ فبشرھم بعذاب الیم کی طرح یا منصوب علی التمیز ہے ھو یعنی من مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے اور غضب علیہ بتقدیر مضاف بشر سے بدل ہو رہا ہے۔ای بشر من اھل ذٰلک من لعنہ او بشر من ذٰلک دین من لعنہ اللّٰہ ممکن ہے یہ دونوں طرح کا مسخ ہوا ہو، جو اولاً بندر اور بندر سے خنزیر بنادیئے گئے ہوں۔ جس طرح جرائم میں تفاوت رہا ہے اسی طرح سزاؤں میں بھی فرق مراتب رکھا گیا ہے۔ اول مرتبہ لعنت ہے۔اس کے بعد غضب، اس کے بعد مسخ ہے۔

و من عبد . جمہور کی قرأت پر عبد ماضی ہے۔اس کا عطف لعنہ پر ہے۔لفظ لعنہ اور غضب علیہ دونوں میں مفرد ضمیریں لفظ من کی لفظی رعایت کی وجہ سے ہے اور لفظ منھم میں ضمیر جمع معنی من کی رعایت کرتے ہوئے ہے۔ جس سے مراد یہود ہیں۔ دوسری قرأت حمزہ کی لفظ عبد اسم جمع کی صورت میں طاغوت کی طرف مضاف ہے۔ یہ حقیقۃً عبد کی جمع نہیں ہے کیونکہ اس وزن میں جمع نہیں آتی بلکہ مفرد ہے جس سے مراد جمع لی گئی ہے۔اس صورت میں طاغوت کا نصب قردۃ پر عطف سے ہوگا اور قرار اس کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں جعل منھم القردۃ و من عبد الخ گویا موصول محذوف ہے۔ وذکر شر یہ ایک شبہ کا جواب ہے کہ اس سے تو مسلمانوں کا بھی شر میں شریک کفار ہونا معلوم ہوتا ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ علیٰ سبیل التنزیل بر تقدیر تسلیم جواب دیا گیا ہے اور متاخرین نے یہ جواب دیا ہے کہ آخرت میں کفار کی حالت مسلمانوں کی دنیاوی حالت سے بھی زیادہ بدتر اور گئی گذری ہوگی اور بیضاوی کی رائے یہ ہے کہ مطلق زیادتی مراد ہے مسلمانوں کی نسبت سے اضافی زیادتی مراد نہیں ہے۔

وقد دخلوا بالکفر وھم قد خرجوا بہ ۔ یہ دونوں جملے قالوا کے فاعل سے حال ہیں اور بالکفر حال ہے۔ دخلوا کے فاعل سے اور بہ حال ہے خرجوا کے فاعل سے۔ لولا یہ تحضیض مع توبیخ کے لئے ہے۔ لبئس پہلی آیت عوام کے متعلق تھی اور یہ آیت علماء یہود کے حق میں ہے۔ ابن عباسؓ کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت قرآن کریم میں سب سے زیادہ سخت ہے کیونکہ اس میں منکرات سے نہ روکنے والے کو مرتکب منکرات کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ ان افعال کی تخصیص اس لئے ہے کہ جھوٹ زبانی گناہ ہے اور ظلم بدنی گناہ ہے اور رشوت خوری مالی گناہ ہے۔ اس طرح تمام اقسام آ گئے۔

کنوا بہ عن البخل. کنایہ کے لئے معنی حقیقی کا فی نفسہ تصور کافی ہے۔ اگرچہ خصوصیت محل نہ ہو۔ ولعنوا. یہ بطور بددعا کے فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ دنیا میں بدترین بخیل اور بنیا صفت قوم یہود ہے اور یا غلت سے مراد تغل فی جھنم ہے۔ گویا کہ ان کے ہاتھ بندھ گئے ہیں۔ بل یداہ بتقاضائے مقام مقدر پر عطف ہے۔ ای لیس الامر کذلک بل ھو فی غایۃ الجود اور لفظ ید الفاظ مشابہ میں سے ہے۔ العداوۃ ۔ ابوحیانؒ کہتے ہیں کہ عداوت بغض سے اخص ہے۔ ہر عدو مبغض ہوتا ہے۔ بدون العکس من الکتب جیسے شعیاء کی کتاب یا دانیال پیغمبر کی کتاب یا رمیاء کی کتاب یا داؤدؑ کی زبور وغیرہ اور بعض نے ماانزل سے قرآن پاک لیا ہے۔

ربط :............سابقہ آیات میں اہل کتاب سے دوستی کو منع کیا گیا ہے۔ ان آیات میں بھی اسی کا تتمہ ہے کہ اہل کتاب کی طرح کفار سے بھی دوستی مت کرو جو دین کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں۔ آگے قل یاھل الکتب الخ سے یہ بتلانا ہے کہ اسلامی طریقے اور اپنے طریقوں میں موازنہ کر کے دیکھو کہ کونسا طریقہ قابل استہزاء ہے۔ آیت اذا جاء و کم الخ سے منافقین کی خاص حالت بیان کر کے ان کی دوستی سے روکا جا رہا ہے۔ اور آیت وتریٰ کثیر الخ سے پھر یہود کے مذموم احوال شروع کر دیئے ہیں۔ پھر آیت ولو ان اھل الکتاب میں اخروی برکات سنا کر ایمان کی ترغیب ہے۔

شان نزول: .... کلبی کہتے ہیں کہ مؤذن جب اذان کہتا اور مسلمان نماز کے لئے کھڑے ہونے لگتے تو یہود از راہ شرارت کہتے قدقاموا لاقاموا وصلوا لا صلوا ۔ اور استہزاء کرتے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ کفار منافقین اذان سن کر آنحضرت (ﷺ) کے پاس آتے اور کہتے **یا محمد لقد ابتدعت شیئا لم یسمع بمثله فیما مضی من قبلک من الامم فان کنت تدعی النبوة فقد خالفت الانبیاء قبلک ولو کان فیه خیر الکان اولی الناس به الانبیاء فمن این لک صیاح العیر فما اقبح هذا الصوت وهذا الامر** ۔ اس پر یہ آیت **اذانا دیتم الی الصلوة الخ** اور آیت **ومن احسن قولاً ممن دعا الخ** ۔ نازل ہوئیں ۔ نیز ابن حبان ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رفاعہ بن زید بن تابوت اور سوید بن حارث نے منافقانہ اسلام قبول کیا ہے ۔ ان سے کسی مسلمان کی دوستی تھی ۔ اس پر آیت **یاایها الذین امنوا لاتتخذا الیهود الخ** نازل ہوئی ۔ اسی طرح ابوالیسر بن اخطب اور نافع بن ابی نافع اور غازی بن عمرو وغیرہ باقی یہود آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ (ﷺ) سے سوال کیا کہ کن پیغمبروں پر ایمان لائے ۔ آپ نے آیت **باللّٰہ وماانزل الی ابراهیم واسمٰعیل الخ** پڑھی جب عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا تو کہنے لگے نہ ہم عیسیٰ پر ایمان لا سکتے ہیں اور اس کے ماننے والے پر ایمان لا سکتے ہیں ۔ اس موقعہ پر یا دوسرے موقعہ پر یہود نے یہ جملہ بھی کہا **لانعلم دینا شرا من دینکم** اس پر آیت **قل یا اهل الکتاب الخ** نازل ہوئی ۔ اسی طرح نباش بن قیس اور فنحاص یہودی اور قینقاع نے بقول ابن عباسؓ آنحضرت (ﷺ) کی تکذیب کی جس کی پاداش میں تنگدستی اور قحط کے عذاب میں مبتلا ہوئے اور اللہ کی شان میں گستاخانہ جملے کہے تو آیت **قالت الیهود الخ** نازل ہوئی ۔ چونکہ دوسرے یہود بھی ان کے ہم خیال تھے اس لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے ۔

﴿ **تشریح** ﴾ .... **اہل کتاب کا کفر:** .... آیت میں یہود کے سب حالات صحیح بیان کئے گئے ہیں ۔ چنانچہ گوسالہ پرستی کا کفر شرک یہود میں رہا اور احبار و رہبان اور حضرت مسیح علیہ السلام کی پرستش نصاریٰ کرتے رہے ہیں ۔ اسی طرح اصحاب السبت کا بندر بن جانا امت موسویہ میں اور اہل مائدہ کا بندر وخنزیر بن جانا امت عیسویہ میں ہوا ہے اور معاہدوں کی خلاف ورزی اور انبیاء کی تکذیب کی نتیجہ میں مبتلائے غضب خداوندی ہونا مشہور آیات و احادیث سے جابجا ثابت ہے اور اکثر کی قید اس لئے لگائی کہ بعض لوگ ہر زمانے میں اچھے اور ایماندار رہا کرتے ہیں ۔

فرقہ یہود میں پھوٹ: .... آیت **والقینا الخ** سے جن آثار و اعراض کا ذکر کیا گیا ہے وہ اعراض لازمہ غیر منفکہ نہیں ہیں کہ اشکال ہو بلکہ اعراض عامہ منفکہ سمجھنے چاہئیں ۔ پس اگر یہ آثار کبھی مرتب نہ ہوں یا کفار کے علاوہ دوسرے لوگوں میں بھی پائے جائیں تو کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے ۔ غرضیکہ ان اعمال اور آثار میں سبب اور مسبب کا علاقہ ہے علت و معلول کا نہیں اور یہود کے یہ اقوال اگرچہ اعتقاد کے ساتھ نہ ہوں تب بھی کلمات تو کفر ہی کے ہیں ۔ اس لئے **ولعنوا بما قالوا** فرمایا ہے **بما اعتقدوا** نہیں فرمایا ہے ۔ اسی طرح آیت **لاکلوا من فوقهم الخ** میں بھی جو دنیوی برکات بیان کی گئی ہیں اگر کوئی مسلمان تنگی میں ہو یا کوئی کافر وسعت رکھتا ہو تو کوئی اشکال لازم نہیں آنا چاہئے ۔ کیونکہ نہ تو اشخاص و احوال کے عام ہونے کی کوئی دلیل ہے اور نہ ایمان و عمل کے خاص ہونے کی کوئی دلیل ہے ۔ جیسا کہ سابقہ آیت کے ذیل میں کہا گیا ہے ۔

تورات پر صحیح عمل کا نتیجہ تصدیق محمدی ہے: .... اور **ولوانهم اقاموا التوراة والانجیل** سے مراد یہ ہے کہ اگر

پوری طرح ان کتابوں کے صحیح مضمون اور تعلیمات پر عمل کرتے جس پر آنحضرت (ﷺ) کی رسالت کی تصدیق بھی آجاتی ہے، لیکن احکام محرفہ اور منسوخہ نکل جاتے ہیں۔ کیونکہ ان پر عمل کرنا کسی کتاب کا حکم بھی نہیں ہے بلکہ اس پر عمل کرنے کی ممانعت ہے۔ پس یہ شبہ نہیں رہا کہ اس آیت سے تو آج بھی پوری تورات اور انجیل پر عمل کرنے کا جواز نکلتا ہے اور قرآن کے ذکر کے بعد تورات وانجیل کا ذکر اس لئے بڑھا دیا ہے کہ اہل کتاب کو یہ بتلانا ہے کہ آنحضرت (ﷺ) کی تکذیب سے توریت وانجیل کی تکذیب اور آپ (ﷺ) کی تصدیق سے ان کتابوں کی تصدیق لازمی ہے۔

لطائف آیات:............ آیت **لاتتخذوا** سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اہل اللہ اور ان کے طریق کے ساتھ تمسخر کرے اس سے ترک تعلق کر دینا چاہئے۔ آیت **من لعنه الله** سے معلوم ہوا کہ دینی مصلحت کے پیش نظر مخالف دین کی مذمت خوب طرح ظاہر کرنی چاہئے اور ایسا کرنا صبر وتحمل کے منافی نہیں ہوگا۔ آیت **وترٰی کثیرا الخ** میں رذیلہ گناہ کا تعلق قوت نطقیہ سے اور رذیلہ عدوان کا تعلق قوت غضبیہ سے۔ رذیلہ حرام خوری کا تعلق قوت شہویہ سے معلوم ہوتا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ افعال کے مصادر ملکات ہوتے ہیں اور حسب بیان روح المعانی میں جو فعل محض ارادہ سے سرزد ہو وہ عمل ہے اور جو عادت، مزاولت کی بدولت حاصل ہوتا ہے وہ صنع کہلاتا ہے۔ اس لئے سابقہ آیت میں **یعلمون** کی نسبت اس آیت میں **یصنعون** کا لفظ زیادتی پر دلالت کر رہا ہے۔ پس آیت **لولا ینھاھم الخ** سے معلوم ہوا کہ جو شیخ اور مقتدا باوجود اثر اور نفع کی امید کے پھر کسی برائی سے دوسروں کو نہ روکے تو وہ اصل مجرم سے زیادہ بدحال ہے، کیونکہ مجرم کے لئے داعی تو صرف شہوت عارضی ہے، لیکن شیخ مداہن کے لئے داعی حب دنیا ہوئی جو ملکہ راسخہ کے درجہ تک پہنچ گئی ہے اور ظاہر ہے کہ حب دنیا شہوت کی نسبت زیادہ بری چیز ہے۔ آیت **ولو انھم الخ** سے معلوم ہوا کہ سالک بھی اگر پوری طرح طریق پر کاربند ہو تو اس پر رزق معنوی فیوض وبرکات کا افاضہ ضرور رہتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ جَمِيْعَ **مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ** ۭ وَلَا تَكْتُمْ شَيْئًا مِنْهُ خَوْفًا اَنْ تُنَالَ بِمَكْرُوْهٍ **وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ** اَيْ لَمْ تُبَلِّغْ جَمِيْعَ مَااُنْزِلَ اِلَيْكَ **فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ** ۭ بِالْاِفْرَادِ وَالْجَمْعِ لِاَنَّ كِتْمَانَ بَعْضِهَا كَكِتْمَانِ كُلِّهَا **وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ** ۭ اَنْ يَّقْتُلُوْكَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحْرَسُ حَتّٰى نَزَلَتْ فَقَالَ اِنْصَرِفُوْا عَنِّيْ فَقَدْ عَصَمَنِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى رَوَاهُ الْحَاكِمُ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ** ﴿۶۷﴾ **قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰي شَيْءٍ** مِنَ الدِّيْنِ مُعْتَدٍّبِهٖ **حَتّٰي تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ** ۭ بِاَنْ تَعْمَلُوْا بِمَا فِيْهِ وَمِنْهُ الْاِيْمَانُ بِيْ **وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ** مِنَ الْقُرْاٰنِ **طُغْيَانًا وَّكُفْرًا** ۚ لِكُفْرِهِمْ بِهٖ **فَلَا تَاْسَ** تَحْزَنْ **عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ** ﴿۶۸﴾ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِكَ اَيْ لَا تَهْتَمَّ بِهِمْ **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا** هُمُ الْيَهُوْدُ مُبْتَدَأٌ **وَالصّٰبِـُٔوْنَ** فِرْقَةٌ مِنْهُمْ **وَالنَّصٰرٰى** وَيُبْدَلُ مِنَ الْمُبْتَدَأِ **مَنْ اٰمَنَ** مِنْهُمْ **بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** ﴿۶۹﴾ فِي الْاٰخِرَةِ خَبَرُ الْمُبْتَدَأِ وَدَالٌّ عَلٰي خَبَرِ اِنَّ **لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي**

الْاِیْمَان بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَاَرْسَلْنَآ اِلَیْھِمْ رُسُلًا ؕ کُلَّمَا جَآءَ ھُمْ رَسُوْلٌ ۢ مِنْھُمْ بِمَا لَا تَھْوٰٓی اَنْفُسُھُمْ ۙ مِنَ الْحَقِّ کَذَّبُوْہُ فَرِیْقًا مِنْھُمْ کَذَّبُوْا وَفَرِیْقًا مِنْھُمْ یَقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾ کَزَکَرِیَّا وَیَحْیٰی وَالتَّعْبِیْرُبِہٖ دُوْنَ قَتَلُوْا حِکَایَۃٌ لِلْحَالِ الْمَاضِیَۃِ لِلْفَاصِلَۃِ وَحَسِبُوْٓا ظَنُّوْا اَلَّا تَکُوْنَ بِالرَّفْعِ فَاَنْ مُخَفَّفَۃٌ وَالنَّصْبِ فَھِیَ نَاصِبَۃٌ اَیْ تَقَعُ فِتْنَۃٌ عَذَابٌ بِھِمْ عَلٰی تَکْذِیْبِ الرُّسُلِ وَقَتْلِھِمْ فَعَمُوْا عَنِ الْحَقِّ فَلَمْ یُبْصِرُوْہُ وَصَمُّوْا عَنِ اسْتِمَاعِہٖ ثُمَّ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ لَمَّا تَابُوْا ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا ثَانِیًا کَثِیْرٌ مِّنْھُمْ بَدَلٌ مِنَ الضَّمِیْرِ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ ۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ فَیُجَازِیْھِمْ بِہٖ لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ ؕ سَبَقَ مِثْلُہٗ وَقَالَ لَھُمْ الْمَسِیْحُ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ ؕ فَاِنِّیْ عَبْدٌ وَلَسْتُ بِاِلٰہٍ اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فِی الْعِبَادَۃِ غَیْرَہٗ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ مَنَعَہٗ اَنْ یَّدْخُلَھَا وَمَاْوٰہُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ زَائِدَۃٌ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾ یَمْنَعُوْنَھُمْ مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ اٰلِھَۃٍ ثَلٰثَۃٍ اَیْ اَحَدُھَا وَالْاٰخَرَانِ عِیْسٰی وَاُمُّہٗ وَھُمْ فِرْقَۃٌ مِنَ النَّصَارٰی وَمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّآ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ یَنْتَھُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ مِنَ التَّثْلِیْثِ وَلَمْ یُوَحِّدُوْا لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَیْ ثَبَتُوْا عَلَی الْکُفْرِ مِنْھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ مُؤْلِمٌ ھُوَ النَّارُ اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰہِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَہٗ ؕ مِمَّا قَالُوْہُ اِسْتِفْھَامُ تَوْبِیْخٍ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ لِمَنْ تَابَ رَّحِیْمٌ ﴿۷۴﴾ بِہٖ مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مَضَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ ؕ فَھُوَ یَمْضِیْ مِثْلَھُمْ وَلَیْسَ بِاِلٰہٍ کَمَا زَعَمُوْا وَاِلَّا لَمَّا مَضٰی وَاُمُّہٗ صِدِّیْقَۃٌ ؕ مُبَالَغَۃٌ فِی الصِّدْقِ کَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ کَغَیْرِھِمَا مِنَ الْحَیْوَانَاتِ وَمَنْ کَانَ کَذٰلِکَ لَا یَکُوْنُ اِلٰھًا لِتَرْکِیْبِہٖ وَضُعْفِہٖ وَمَایَنْشَأُ مِنْہُ مِنَ الْبَوْلِ وَالْغَائِطِ اُنْظُرْ مُتَعَجِّبًا کَیْفَ نُبَیِّنُ لَھُمُ الْاٰیٰتِ عَلٰی وَحْدَانِیَّتِنَا ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰی کَیْفَ یُؤْفَکُوْنَ ﴿۷۵﴾ یُصْرَفُوْنَ عَنِ الْحَقِّ مَعَ قِیَامِ الْبُرْھَانِ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَیْ غَیْرِہٖ مَا لَا یَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰہُ ھُوَ السَّمِیْعُ لِاَقْوَالِکُمْ الْعَلِیْمُ ﴿۷۶﴾ بِاَحْوَالِکُمْ وَالْاِسْتِفْھَامُ لِلْاِنْکَارِ قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ الْیَھُوْدِ وَالنَّصَارٰی لَا تَغْلُوْا تُجَاوِزُوا الْحَدَّ فِیْ دِیْنِکُمْ غُلُوًّا غَیْرَ الْحَقِّ بِاَنْ تَضَعُوْا عِیْسٰی اَوْتَرْفَعُوْہُ فَوْقَ حَقِّہٖ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَھْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ بِغُلُوِّھِمْ وَھُمْ اَسْلَافُھُمْ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا مِنَ النَّاسِ وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ﴿۷۷﴾ طَرِیْقِ الْحَقِّ وَالسَّوَاءُ فِی الْاَصْلِ الْوَسْطُ

ترجمہ: .... اے پیغمبر! آپ پہنچا دیجئے (تمام وہ باتیں) جو آپ کے پروردگار کی جانب سے آپ (ﷺ) پر نازل کی گئی ہیں (ان میں سے کسی ایک معمولی بات کو بھی اس ڈر سے چھپانے کی کوشش نہ کیجئے کہ کہیں ان کی طرف سے آپ (ﷺ) کو کوئی ناگوار چیز

پیش نہ آجائے) اگر آپ (ﷺ) نے ایسا نہ کیا (یعنی تمام احکام جو آپ (ﷺ) پر نازل کئے گئے ہیں، آپ (ﷺ) نے نہ پہنچائے) تو آپ نے اللہ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا (لفظ رسلتہ مفرد اور جمع دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ کیونکہ بعض احکام کا چھپانا ایسا ہی ہے جیسے تمام احکام کا چھپانا) اور اللہ آپ (ﷺ) کو لوگوں سے محفوظ رکھیں گے۔ (آپ ﷺ) کو جان سے نہیں مار سکیں گے۔ اس سے پہلے آنحضرت (ﷺ) کا حفاظتی پہرہ دیا جاتا تھا لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو فرمایا کہ ہٹ جاؤ! اللہ نے میری حفاظت فرمادی ہے۔ (حاکم) یقیناً اللہ ان لوگوں پر راہ نہیں کھولتے جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ آپ (ﷺ) فرمادیجئے اے اہل کتاب تمہارے پاس ٹکنے کے لئے کچھ بھی نہیں (کوئی معتبر مذہب نہیں ہے) جب تک تم تورات اور انجیل کو اور جو کچھ تمہارے پروردگار کی جانب سے تم پر نازل ہوا ہے اس کو قائم نہ کرو (جو کچھ ان میں لکھا ہے اس پر عمل نہ کرو۔ منجملہ ان کے مجھ پر ایمان لانا بھی ہے) جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے (قرآن) وہ اور زیادہ ان کی سرکشی اور انکار بڑھادے گا (کیونکہ یہ لوگ اس کا کفر کرتے رہتے ہیں) تو آپ (ﷺ) ان کافروں کی حالت پر غم نہ کیا کیجئے (اگر یہ لوگ آپ (ﷺ) پر ایمان نہ لائیں۔ یعنی ان کو زیادہ اہمیت نہ دیجئے) جو لوگ ایمان لائے ہیں، نیز جو لوگ یہودیت اختیار کئے ہوئے ہیں (یعنی یہود، یہ مبتداء ہے) اور صابی (جو یہودی کا ایک فرقہ ہے) اور نصاریٰ (یہ مبتداء سے بدل ہے) خواہ ان میں سے کوئی ہو لیکن (ان میں سے) جو شخص بھی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھے گا اور کام اچھے کرے گا تو اس کے لئے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہوگا اور نہ کسی طرح کی غمگینی (آخرت میں یہ مبتداء کی خبر ہے۔ نیز ان کی خبر پر دال بھی ہے) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا (اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لانے کا) اور ان کے پاس بہت سے پیغمبر (ﷺ) بھیجے مگر جب کبھی کوئی رسول (ان میں سے) ایسا حکم ان کے پاس لے کر آیا جس کو ان کا جی نہ چاہتا ہو (حق بات میں سے تو انہوں نے اس کی تکذیب کی) بعضوں کو (ان پیغمبروں میں سے) انہوں نے جھٹلایا اور بعض کو (ان پیغمبروں میں سے) قتل ہی کر ڈالتے (جیسے زکریا اور یحییٰ علیہا السلام اور لفظ قتلوا کی بجائے یقتلون سے تعبیر کرنا حکایت حال ماضیہ کے طریق پر، فاصلہ آیت کی اس رعایت سے ہے) وہ سمجھتے ہیں (گمان کرتے ہیں) کہ نہیں ہوگی (تکون رفع کے ساتھ ہو ان مخففہ ہوگا۔ اور نصب کے ساتھ ہو تو ان ناصبہ ہوگا بمعنی تقع، کوئی سزا (انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور قتل کی وجہ سے ان کو کچھ عذاب) اس لئے اور بھی اندھے ہو گئے (حق کے دیکھنے سے کہ وہ اس کو دیکھتے ہی نہیں) اور بہرے بن گئے (حق بات سننے سے) پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی (جبکہ انہوں نے توبہ کرلی) مگر پھر بھی اسی طرح اندھے بہرے بنے رہے (دوبارہ بھی) ان میں سے بہتیرے (یہ ضمیر سے بدل ہے) اور اللہ انہیں دیکھ رہے ہیں جیسے کچھ ان کے کرتوت ہیں (ان کو ان کے کئے کی سزا دیں گے) یقیناً وہ لوگ کافر ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ یہی مسیح مریم کا بیٹا تو ہے (اس جیسی آیت پہلے بھی گذر چکی ہے) حالانکہ خود مسیح علیہ السلام نے (ان سے) فرمایا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرنا جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے۔ (پس میں بندہ ہوں نہ کہ آلہ) بلاشبہ جس کسی نے اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرایا (غیر اللہ کی پرستش کی) سو اس پر اللہ نے جنت حرام کردی ہے (اس میں داخل ہونے سے روک دیا ہے) اس کا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہے اور ایسے ظلم کرنے والوں کا کوئی (من زاید ہے) مددگار نہ ہوگا (کہ اللہ کے عذاب سے ان کو بچالے) بلاشبہ وہ لوگ بھی کافر ہیں جو کہتے ہیں خدا تین (الٰہ) میں کا ایک ہے (یعنی ایک اللہ ہے، دوسرے عیسیٰ علیہ السلام اور تیسری ان کی والدہ۔ یہ بھی نصاریٰ کا ایک فرقہ ہے) حالانکہ ایک معبود کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اگر یہ لوگ اس کہنے سے باز نہ آئے (تثلیث سے نہ رکے اور توحید قبول نہ کی تو ان میں سے جن لوگوں نے حق کا انکار کیا ہے (کفر پر جمے رہے ہیں) انہیں دردناک عذاب پیش آئے گا جو تکلیف دہ ہوگا۔ یعنی (آتش دوزخ) انہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی طرف سے نہیں لوٹتے اور اس سے بخشش طلب نہیں کرتے (جو کچھ اللہ کی شان میں گستاخی ہے یہ استفہام توبیخی ہے) حالانکہ اللہ

بخشنے والا ہیں (جوان سے توبہ کرلے) اور رحم فرمانے والے ہیں (اس پر مریم کے بیٹے مسیح علیہ السلام اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کے ایک رسول ہیں، ہوچکے (گذر چکے) ہیں ان سے پہلے بھی کتنے ہی رسولؑ (وہ بھی ان کی طرح گذر جائیں گے۔ وہ خدا نہیں جیسا کہ لوگوں کا گمان ہے ورنہ ان کو گذرنا نہیں چاہئے) اور ان کی والدہ ایک ولی بی بی ہیں (یہ صیغہ مبالغہ ہے صدق کا) یہ دونوں کھاتے پیتے تھے (عام جانداروں کی طرح اور جس کی ترکیب اور ضعف جسمانی اور اس سے پیدا ہونے والے پیشاب پاخانہ کی یہ حالت ہو وہ کیا معبود اور خدا ہوسکتا ہے) دیکھو (منظر استعجاب) کس طرح ہم ان لوگوں کے لئے دلیلیں واضح کردیتے ہیں (اپنی وحدانیت کے متعلق) اور پھر دیکھو کس طرح (انی بمعنی کیف ہے یہ لوگ پھرے جارہے ہیں (دلائل موجود ہوتے ہوئے پھرحق سے کیسے منہ موڑ رہے ہیں) فرمادیجئے کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی ہستیوں کی پوجا کرتے ہو جن کے اختیار میں نہ تو تمہارا نقصان ہے نہ نفع۔ اور اللہ تو سننے والے ہیں (تمہاری باتوں کو) اور علم رکھنے والے ہیں (تمہارے احوال کا اور استفہام انکاری ہے) کہہ دیجئے اے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) غلو (حدود سے تجاوز) نہ کرو اپنے دین میں ناحق (کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حد سے زیادہ گرادو یا اٹھادو) اور ان لوگوں کی خواہش کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے گمراہ ہوچکے ہیں (اپنے غلو کی وجہ سے مراد موجودہ اہل کتاب کے اسلاف ہیں) اور گمراہ کرچکے ہیں بہت سے (لوگوں) کو اور وہ لوگ راہ راست سے دور ہوگئے (سیدھی راہ سے اور سواء کے معنی وسط اور درمیان کے ہیں۔

تحقیق وترکیب:............ **ماانزل**. اس سے پہلے لفظ جمیع نکال کر اس طرح اشارہ ہے کہ ما موصولہ بمعنی الذی ہے۔ ما نکرہ موصوفہ مراد نہیں ہے کیونکہ آپ (ﷺ) تمام احکام کی تبلیغ کے لئے مامور ہیں نہ کہ بعض کے اور نکرہ سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس سے مراد احکام اور متعلقات احکام ہیں۔ رہے اسرار مخصوصہ ان کی تبلیغ جائز نہیں ہے۔ **وان لم تفعل**. ای ان لم تبلغ فما بلغت ۔ پس اس صورت میں شرط و جزاء کا اتحاد لازم آتا۔ اس کے جواب کی طرف **لان کتمان الخ** سے مفسر علامؒ اشارہ کررہے ہیں۔ حاصل جواب یہ ہے کہ اگر آپ (ﷺ) نے تبلیغی باتوں میں سے کچھ بھی چھوڑا تو وہ ایسا ہی سمجھا جائے گا جیسے سب باتوں کو چھوڑ دیا۔ کیونکہ کتمان بعض کتمان کلی کے حکم میں ہے۔ گویا اس صورت میں شرط اور جزاء میں تغایر معنوی ہوا۔ لیکن اگر بلا تاویل ظاہر قرآن کے الفاظ رکھے جائیں تب بھی شرط و جزاء کے درمیان لفظاً و معناً تغایر رہتا ہے۔ **یعصمك** اس کے بعد ان **یقتلوك** نکال کر اشارہ کردیا کہ مطلق ضرر کی نفی کرنی نہیں ہے بلکہ صرف قتل کی نفی ہے اور یہ وعدہ اور پیش گوئی صادق رہی۔

لستم علی شیء ۔ مطلق شیئیت کی نفی مقصود نہیں کیونکہ باطل ہونا بھی تو ایک شے ہے جس پر وہ برقرار ہیں، بلکہ قابل اعتبار دین کی نفی کرنی ہے۔ **فریقاً** اس سے پہلے **کذبوہ** نکال کر شرط کی جزاء محذوف کی طرف اشارہ کردیا، جس پر مابعد دلالت کررہا ہے اور ایک **فریقاً کذبوہ** کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور دوسرا **یقتلون** کا مفعول ہونے کی بناء پر اور تقدیم اہتمام کے لئے ہے نہ کہ حصر کے۔ لئے اور لفظ **منھم** عائد محذوف نکال کر اشارہ کردیا کہ جملہ شرطیہ **رسل** کی صفت ہے اور **یقتلون** مضارع حالیہ کے ساتھ حکایت حال ماضیہ کے طور پر لایا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ واقعہ ماضیہ کو فی الحال فرض کرکے متکلم صیغہ حال استعمال کرتا ہے۔

للفاصلة اگر یہ لفظ واؤ کے ساتھ **وللفاصلة** ہے تب تو **یقتلون** لانے کی دو علتیں ہوئیں۔ ایک حکایت حال ماضیہ دوسرے رؤس آیات کی رعایت۔ لیکن اگر بغیر واؤ ہو تو **للفاصلة** صرف ایک علت ہوگی اور حکایۃ للحال جملہ معترضہ ہوجائے گا۔

الا تکون. ابوعمرو اور حمزہ و کسائی کے نزدیک مرفوع ہے۔ اسلئے ان مخففہ ہوگا جس کا اسم ضمیر شان محذوف ہوگی اور لا نافیہ ہوگا۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی **انہ لاتکون** اور باقی قراء کے نزدیک **تکون** نصب کے ساتھ ہے۔ اس وقت ان ناصبہ ہوگا اور مسند امسند الیہ دونوں مل کر قائم مقام دونوں مفعول کے ہوجائے گا اور **تکون** دونوں قرأتوں پر تامہ ہوگا اور **فتنہ** اس کا فاعل ہے۔ **فعموا**

وصموا اس کا عطف حسبوا پر ہے۔اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد گمراہی کے واقعات کی طرف اشارہ ہے اور ثم عموا سے آنحضرت (ﷺ) کے عہد مبارک میں ان کی گمراہیوں کی طرف اشارہ ہے اور کثیر کہنے کی وجہ ظاہر ہے کہ ان میں سے اہل کتاب مسلمان بھی ہو گئے تھے اور یہ بدل البعض ہے ضمیر فاعل سے خود فاعل نہیں ہے یا خبر ہے مبتدا محذوف کی۔اسی اولئک کثیر منھم لفظ عمی کے بعد بصیر لاتے میں جو لطف ہے وہ ظاہر ہے۔

ان اللہ ھو المسیح۔ یہ فرقہ یعقوبیہ کا عقیدہ تھا۔حرم۔تحریم تکوینی مراد ہے تحریم تشریعی مراد نہیں ہے۔

ثالث ثلثة۔ یہ عقیدہ فرقہ نسطوریہ کا ہے۔لیکن متکلمین نصاریٰ سے نقل کرتے ہیں کہ جوہر ایک ہے جس کے تین اقانیم ہیں۔ باپ، بیٹا، روح القدس جس طرح لفظ شمس۔قرص آفتاب حرارت اور شعاع کو شامل ہے اسی طرح باپ سے مراد ذات باری ہے اور بیٹے سے مراد کلمہ اور روح سے مراد حیات ہے اور کہتے ہیں کہ کلمہ سے کلام اللہ ہے۔جس طرح پانی دودھ میں مل جاتا ہے اسی طرح کلام اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مخلوط ہو گیا اور یہ کہ باپ الٰہ ہے اور بیٹا الٰہ ہے اور روح الٰہ ہے اور کل الٰہ واحد ہے۔غرضیکہ ایک میں تین اور تین میں ایک کا گورکھ دھندہ آج تک عیسائی دنیا میں عقدۂ لاینحل بنا ہوا ہے۔اکبر الٰہ آبادی اسی پر طنز و مزاح کرتے ہیں:

تثلیث کے قائل نے بھی خالق کو کہا ایک
تھی تین پر سوئی میری ہیئت سے بجا ایک

عیسائی مناظرین جب مسلمانوں کی بوچھاڑ سے گھبرا جاتے ہیں تو اپنی جان بچانے کے لئے مقطعات قرآنی کی طرح کے نام دیتے ہیں۔من الٰہ، من استغراقیہ ہے افلا یتوبون توبہ افعال قلوب میں سے ہے اور استغفار زبان کا فعل ہے۔پس جس طرح تصدیق کے ساتھ ایمان کے لئے اقرار ضروری ہے اسی طرح توبہ کے لئے استغفار ضروری ہوا۔

ما المسیح۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وصف خاص رسالت اور ان کی والدہ کا وصف خاص صدیقیت بیان کرکے بعد میں وصف عام بیان کردیا ہے۔جس میں صرف انسان ہی نہیں، بلکہ سب جاندار برابر کے شریک ہیں۔غرضیکہ کھانا احتیاج کو مستلزم ہے اور الٰہ میں یہ لازم منتفی ہے۔پس الوہیت بھی منتفی ہوئی۔دوسرے یہ کہ جب منفعت اور دفع مضرت پر بھی حضرت مسیح قادر نہیں ہیں پھر مستحق الوہیت کیسے ہو سکتے ہیں۔غیر الحق۔ اس سے غلو حق نکل گیا ہے جیسے صائم الدہر قائم اللیل ہونا کہ یہ حرام اور گمراہی نہیں ہے اور ناحق غلو کی مثال جیسے یہود نے تو ان کو عیاذاً باللہ حرام زادہ کہا اور نصاریٰ نے تخت خدائی پر بٹھلا دیا۔اھواء جمع ہوی کی ہے۔شرارت نفس شعبیؒ کہتے ہیں کہ قرآن میں ہوائی کا استعمال مذمت کے موقعہ پر ہوا ہے۔ابوعبیدہ کی رائے بھی یہی ہے۔ فلان ھوی الخیر کہنا غلط ہے فلان یحب الخیر بولا جائے گا۔

ربط:............ سابقہ آیات میں مخالفین کا ذکر کیا گیا ہے۔خواہ کفار ہوں یا منافقین۔چاروں طرف دشمنوں کی یہ کثرت جو اکثر کم فاسقون سے بھی مفہوم ہوتی ہے موہم ضرور ہو سکتی تھی۔اسی لئے آیت یاایھا الرسول الخ سے ان خطرات سے بےفکر کرکے تبلیغی مشاغل و انہماک کو پسند کیا جا رہا ہے۔اس کے بعد سابقہ مضمون اہل کتاب کو خطاب کی طرف رجوع کیا گیا ہے اور یااھل الکتب لستم الخ سے ان کے موجودہ طریق کے بیہودہ اور نکمے ہونے کو بتلایا جا رہا ہے۔آگے آیت ان الذین الخ سے سب کو خطاب عام سے نوازا جا رہا ہے۔پھر آیت لقد اخذنا سے اہل کتاب کی عام بدعہدیوں اور برائیوں کا ذکر کرکے آیت ما المسیح الخ سے ابطال الوہیت کی دلیل بیان کی جا رہی ہے۔اس کے بعد آیت قل اتعبدون میں مسیح کی پرستش کرنے والوں کو توبیخ اور آیت یااھل الکتب لاتغلوا الخ سے اپنے اسلاف کے غلو میں اتباع سے روکا جا رہا ہے۔

شان نزول:............ حسنؒ سے مروی ہے کہ ابتدائے رسالت میں آنحضرت (ﷺ) مخالفین میں تبلیغ کرنے سے طبعی طور پر کچھ گھبرائے اور اس پر آیت **یاایھا الرسول** نازل ہوئی جس میں آپ (ﷺ) کو تسلی دی گئی ہے اور مجاہدؒ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ (ﷺ) نے حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ **یارب کیف اصنع وانا وحدی یجتمعون علی** تو اس پر آیت **وان لم تفعل فما بلغت رسالته** نازل ہوئی اور بعض ضعیف روایات سے اس کا نزول حضرت علیؓ کے باب میں آیا ہے لیکن پھر بھی اس سے ان کی افضلیت اور خلافت بلافصل لازم نہیں آتی اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رافع اور سلام بن مشکم اور مالک بن صیف حاضر خدمت ہوئے اور کہنے لگے کیا اے محمد! تمہارا دعویٰ اتباع ملۃ ابراہیم کا نہیں ہے؟ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تم ہمارے دین پر ہو۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا جہاں تک اتباع ابراہیمؑ کا تعلق ہے صحیح ہے، لیکن تم نے اس میں نئی نئی باتیں ایجاد کر دی ہیں اور اصلی باتوں کو کم کر دیا ہے اور جن باتوں کے اعلان کا تم کو حکم ملا تھا تم ان کو چھپاتے ہو، کہنے لگے جو کچھ ہمارے پاس ہے، ہم اسی کو حق سمجھ کر اختیار کرتے ہیں۔ اس پر آیت **یااهل الکتب لستم الخ** نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾:............ **طبعی خوف منافی کمال نہیں ہے:**............ مادی اسباب کے پیش نظر بشری اور طبعی تقاضہ سے خطرات سے دوچار ہونا کمال اور رسالت کے منافی نہیں ہے۔ ہر چند کہ آپ (ﷺ) غزوات میں زخمی بھی ہوئے اور بعض مصائب کا سامنا بھی ہوا۔ زہر بھی دیا گیا۔ راستے میں کانٹے بھی بچھائے گئے، اوپر سے پتھر بھی لڑھکائے گئے، نیچے سے گڑھے کھودے گئے۔ مگر سب ہی تدبیریں ناکام گئیں اور کوئی آپ (ﷺ) کو قتل نہ کر سکا اور فی الحقیقت یہ پیش گوئی آپ (ﷺ) کے لئے معجزہ اور دلیل نبوت ہے۔ چنانچہ ترمذی کی روایت کے مطابق آپ (ﷺ) نے اس آیت کے نزول کے بعد یہ کہہ کر اپنا پہرہ ہٹا دیا تھا کہ تم سب ہٹ جاؤ، اللہ نے میری حفاظت کر لی ہے اور یہ بھی دلیل نبوت ہے کیونکہ اس درجہ اعتماد بلاوحی نہیں ہوسکتا۔

ابتداء میں نئی شریعت اجنبی معلوم ہوا کرتی ہے:............ جن پیغمبروں کی پوری شریعت یا بعض احکام تورات کے بعد نئے آئے ان کا خلاف ہوئی ہونا تو بلحاظ اعتقاد بھی ہوسکتا ہے، لیکن جو انبیاء علیہ السلام بنی اسرائیل بعینہ تورات ہی کی تعلیم دیتے تھے ان کا خلاف خواہش ہونا بلحاظ ناگواری عمل ہوسکتا ہے کہ ان پر عمل درآمد ان کو شاق گذرتا تھا۔ اور نافرمانوں کو ہر زمانہ میں مختلف سزائیں ملتی رہی ہیں۔ کبھی طاعون وغیرہ عام وباؤں کی صورت میں اور کبھی قتل، کبھی ذلت وقید اور کبھی مسخ وغیرہ کی شکل میں۔ غرضیکہ اس طرح یہ وعیدیں پوری ہوتی رہیں۔ آیت **انه من یشرك الخ** اور **ماللظالمین من انصار** کلام الٰہی بھی ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ بقول حقانی انجیل کے بیان سے ثابت ہے اور دونوں جملے کلام عیسوی ہیں، لیکن ممکن ہے یہ بیان انجیل میں نہ آیا ہو اور آیا بھی ہو تو بقول حقانی محفوظ نہ رہا ہو۔

غیر اللہ کی الوہیت باطل ہونی کی دلیل:............ آیت **ماالمسیح الخ** کے استدلال کا حاصل یہ ہے کہ کھانا پینا، آنا جانا، چلنا پھرنا، سب چیزیں مادہ کے خصائص میں سے ہیں اور مادیت کے لئے امکان لازم ہے اور اس سے الوہیت کا بطلان ظاہر ہے۔ اسی لئے بالاستقلال کا ذکر ضروری نہ ہوا۔ اور چونکہ ان لوگوں سے اسی میں کلام تھا اس لئے یہاں غیر مادیات سے استدلال کا ذکر بھی ضروری نہیں سمجھا گیا ہے۔ آیت **قل اتعبدون** میں جن نصرانیوں کا ذکر ہے وہ یا تو فی الواقع حضرت مسیح علیہ السلام کی پرستش کرتے ہوں گے اور یا

چونکہ عبادت کا اعلیٰ درجہ اعتقادات اور عقائد ہیں اس لئے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عقیدہ الوہیت کو عبادت قرار دیا گیا ہے۔

لطائف آیات: .... آیت لستم علی شئی الخ سے معلوم ہوا کہ اتباع شریعت کے بغیر کوئی کمال معتبر نہیں ہے آیت فلاتاس الخ سے معلوم ہوا کہ حق وصداقت سے اعراض کرنے والوں کے ساتھ زیادہ تعرض نہیں کرنا چاہئے۔ آیت کلما جاء هم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کبائر کی اصل اتباع ہوئی ہے۔ اسی لئے مشائخ اس کے استیصال کی جدوجہد کرتے ہیں۔ آیت وحسبوا ان لا تکون الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہوں پر اصرار کرنے سے فطری استعداد بھی مضمحل ہو جاتی ہے۔ جس کو بطلان استعداد کہتے ہیں۔ آیت لقد کفر الذین الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ حلول والحاد باطل محض ہے۔ جس کے بعض جاہل صوفیاء معتقد ہیں۔ آیت قل اتعبدون الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اللہ کو مستقل طور پر تکوینیات میں متصرف سمجھنا باطل ہے جیسا کہ بعض جاہلوں کا عقیدہ ہے۔ آیت ولا تتبعوا اهواء الخ سے معلوم ہوا کہ خلاف شرع رسومات باطل ہیں۔ اگرچہ وہ مشائخ کی طرف منسوب ہیں۔ البتہ اس قسم کی خلاف شرع رسوم اگر محققین کی طرف منسوب ہوں گی تو یا تو ان کی نسبت ہی کی تغلیط کی جائے گی اور یا پھر کسی صحیح عذر پر محمول کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ بِاَنْ دَعَا عَلَيْهِمْ فَمُسِخُوْا قِرَدَةً وَهُمْ اَصْحَابُ اَيْلَةِ **وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ** بِاَنْ دَعَا عَلَيْهِمْ فَمُسِخُوْا خَنَازِيْرَ وَهُمْ اَصْحَابُ الْمَائِدَةِ **ذٰلِكَ** اَللَّعْنُ **بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ** اَيْ لَا يَنْهٰى بَعْضُهُمْ بَعْضًا **عَنْ** مُعَاوَدَةِ **مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾** فِعْلُهُمْ هٰذَا **تَرٰى** يَا مُحَمَّدُ **كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ** مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ بُغْضًا لَكَ **لَبِئْسَ مَاقَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ** مِنَ الْعَمَلِ لِمَعَادِهِمْ اَلْمُوْجِبِ لَهُمْ **اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ** مُحَمَّدٍ **وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ** اَيِ الْكُفَّارَ **اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾** خَارِجُوْنَ عَنِ الْاِيْمَانِ **لَتَجِدَنَّ** يَا مُحَمَّدُ **اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ** مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ لِتَضَاعُفِ كُفْرِهِمْ وَجَهْلِهِمْ وَانْهِمَاكِهِمْ فِيْ اتِّبَاعِ الْهَوٰى **وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ** اَيْ قُرْبُ مَوَدَّتِهِمْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ **بِاَنَّ** بِسَبَبِ اَنَّ **مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ** عُلَمَاءَ **وَرُهْبَانًا** عُبَّادًا **وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾** عَنْ عِبَادَةِ الْحَقِّ كَمَا يَسْتَكْبِرُ الْيَهُوْدُ وَاَهْلُ مَكَّةَ

ترجمہ: .... بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر ہوئے ان پر داؤد علیہ السلام کی زبانی لعنت کی گئی (چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان کے حق میں بددعا فرمائی جس کی وجہ سے ان کی صورتیں بگڑ گئیں۔ مراد اصحاب ایلہ ہیں) اور عیسیٰ بن مریم کی زبانی

(انہوں نے ہی ان کے حق میں بدعا فرمائی تو سور بنا دیئے گئے۔ اس سے مراد اصحاب مائدہ ہیں۔) اور یہ (لعنت) اس لئے ہوئی کہ یہ لوگ نافرمانی کرتے تھے اور وہ حد سے گذر گئے تھے۔ وہ آپس میں منع نہیں کرتے تھے (ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے) جن برائیوں میں وہ پڑ جاتے تھے۔ یقیناً وہ بڑی ہی برائی تھی جو وہ کیا کرتے تھے (ان کے یہ کام) آپ ملاحظہ فرمائیں گے (اے محمد (ﷺ)) کہ ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو محبت اور تعلق رکھتے ہیں کفر کرنے والوں سے (مکہ کے باشندوں سے آپ (ﷺ) کی دشمنی میں) کیا ہی بُری تیاری ہے جو اُن کے نفسوں نے ان کے لئے مہیا کردی ہے (ان کی دشمنی کے کام) کہ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ اور یہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں اور یہ لوگ اللہ پر اور اس کے نبی (محمد ﷺ) پر اور جو کتاب ان پر نازل کی گئی ہے اس پر ایمان رکھتے تو کبھی نہ بناتے (کفار کو) دوست لیکن ان میں زیادہ تر ایسے ہی ہیں جو سچائی کی حدوں سے باہر ہو گئے ہیں (ایمان سے خارج ہو گئے ہیں) یقیناً پائیں گے آپ (اے محمد (ﷺ)!) ایمان والوں کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہودیوں کو نیز مشرکین کو (مشرکین مکہ مراد ہیں کیونکہ کفر و جہالت اور خواہشات نفسانی کی پیروی میں یہ سب سے بڑھے ہوئے تھے) اور اہل ایمان کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پائیں گے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں۔ (یہ ان کا مسلمانوں کی دوستی سے قریب تر ہونا) اس لئے ہے (اس وجہ سے ہے کہ) ان میں پادری (علماء) اور رہبان (عابد) ہیں اور اس لئے کہ ان میں گھمنڈ اور خود پرستی نہیں ہے (اللہ کی بندگی سے تکبر نہیں کرتے جیسا کہ یہودی اور مشرکین مکہ تکبر کرتے ہیں۔)

تحقیق وترکیب:............ **لعن** یہود پر حضرت داؤد علیہ السلام نے اور نصاریٰ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لعنت فرمائی ہے، جیسا کہ لفظ **لسان** سے ظاہر ہے اور **لسان** سے مراد کتاب بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی ان دونوں پیغمبروں کی کتابوں میں ان پر لعنت کی گئی ہے۔ اصحاب ایلہ سے مراد ساحلی علاقہ طبریہ کے باشندے ہیں جنہوں نے داؤد علیہ السلام کے زمانے میں سنیچر کے روز احکام الٰہی کے برخلاف مچھلی کا شکار کھیل کر جسمانی یا روحانی مسخ کے عذاب میں مبتلا ہوئے جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بددعا فرمائی۔ **اللّٰھم العنم و اجعلھم قردۃ** اور اصحاب مائدہ سے مراد جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک خاص معجزہ کی درخواست کی جس کا ذکر اسی سورت کے آخر میں آ رہا ہے اور جب انہوں نے ناشکری اور خلاف ورزی کی، حضرت مسیح علیہ السلام نے بددعا فرمائی۔ **اللّٰھم العنھم کما لعنت اصحاب السبت**۔ چنانچہ تیر نشانہ پر لگا اور ان کو خنزیر کی شکل میں مسخ کر دیا گیا۔ **لایتناھون تنا ھی** باب تفاعل ای **لایمنعون و لا ینتھون**۔ پس تناہی بمعنی انتہا ہے۔ یعنی باز نہیں رہتے۔ **عن معاودۃ** تقدیر مضاف اس شبہ کے دفعیہ کے لئے ہے کہ جس منکر اور برے کام کو کرلیا گیا ہے پھر اس کو روکنے کے کیا معنی؟ جواب یہ دیا ہے کہ مراد دۃ سے منکر کی نہی مراد ہے۔ **لبئس** نہی عن المنکر کے ترک کی برائی اس سے واضح ہے۔ لفظ **ما** فاعل ہے **بئس** کا اور **ان سخط** بتقدیر مضاف مخصوص بالمذمت ہے ای **موجب سخطه تعالیٰ من العمل** یہ بیان ہے لفظ **ما** کا اور **معاودتھم** اس کی پہلی صفت اور **الموجب لھم** اس کی دوسری صفت ہے۔ جس کا معمول **ان سخط** ہے۔ **الیھود** یہ **لتجدن** کا مفعول ثانی ہے اور **علاوۃ** تمیز ہے اسی طرح **لتجدن** کا مفعول ثانی **اقربھم** ہے اور **الذین قالوا** مفعول اولیٰ ہے اور **مودۃ** تمیز موصوف اور **الذین** اس کی صفت یا اس سے متعلق ہے۔ **قسیسین** بقول قطرب۔ رومی زبان میں قس اور قسیس کے معنی عالم کے ہیں۔

لایستکبرون معلوم ہوا کہ علم اور تواضع اور فکر آخرت نہایت مستحسن چیزیں ہیں۔ اگرچہ پادری اور راہب لوگوں کی طرف سے ہو۔

ربط:............ پچھلی آیات سے اہل کتاب کا ذکر چلا آ رہا ہے ان آیات میں بھی لعن الذین سے یہود ونصاریٰ کی برائیاں مذکور ہیں۔ اور پھر تریٰ کثیراً سے موجودہ یہودیوں کی مذمت کی جا رہی ہے اور پھر مسلمانوں کی نسبت اہل کتاب کا تقابلی جائزہ لے کر یہ بتلانا ہے کہ یہود ونصاریٰ میں سے کون زیادہ تعصب کی لپیٹ میں آیا ہوا ہے، جس سے قرآن کی بے تعصبی واضح ہے۔

شان نزول:............ سعید بن المسیبؒ وغیرہ حضرات سے مروی ہے کہ آنحضرت (ﷺ) نے عمروؓ بن امیہ ضمری کو ایک فرمان دے کر نجاشی کے پاس روانہ فرمایا۔ نجاشی نے فرمان مبارک پڑھ کر جعفرؓ بن ابی طالب اور ان کے ساتھ آنے والے مہاجرین کو دربار میں بلوایا اور کچھ سوالات اور جوابات کے بعد ان سے قرآن سُنانے کی فرمائش کی۔ انہوں نے آیات مریم کی تلاوت فرمائی جن کو سن کر نجاشی اور دوسرے نیک دل لوگوں کی آنکھیں بہنے لگیں اور آنسو جاری ہو گئے۔ اس پر آیت لتجدن الخ نازل ہوئی۔ سعیدؓ بن جبیر کی روایت یہ بھی ہے کہ پھر نجاشی نے اپنے تیس منتخب درباریوں کو بھی بارگاہ نبوت (ﷺ) میں بھیجا اور جب ان کے سامنے سورۃ یٰسین پڑھی گئی تو ان کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

﴿تشریح﴾:............ **سب سے پہلے جبشہ میں مسلمانوں کو پناہ ملی**:............ یہاں نصاریٰ سے مراد جماعت حبشہ ہے جن میں یہود کی نسبت تعصب کم اور قبول حق کی صلاحیتیں زیادہ تھیں۔ جنہوں نے ہجرت حبشہ کے وقت مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی اور رواداری کا برتاؤ کیا تھا اور قبول حق کے بعد نجاشی کے دربار میں اور آنحضرت (ﷺ) کی بارگاہ نبوت میں قرآن سن کر زار و زار رونا شروع کر دیا تھا بلکہ تیس افراد سرور عالم (ﷺ) کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ دوسرے نصرانیوں میں اگر یہ اوصاف پائے جائیں تو ان کا حکم بھی یہی ہوگا۔

عیسائیوں کا تعریفی پہلو:............ آیت میں لفظ قیس درمیان سے اشارہ علت فاعلیہ کی طرف ہے اور تواضع اور عدم استکبار سے اشارہ علت قابلہ کی طرف ہے اور یہ دونوں علتیں نصاریٰ میں تو پائی جاتی ہیں، لیکن یہود ان سے محروم ہیں بلکہ ان کی اضداد سے متصف ہیں۔ یعنی محب دنیا اور متکبر ہیں اگر چہ ان میں بھی بعض علماء حقانی اسلام سے مشرف ہو چکے تھے لیکن ان کی اکثریت اس شرف مدح سے محروم رہی بلکہ مسلمانوں کی عداوت کا شکار رہی اور مشرکین بھی جب تک عداوت اور اسلام دشمنی میں مبتلا رہے اسلام سے محروم رہے۔ جب عناد نکل گیا مسلمان ہونا شروع ہو گئے۔

قرآن کریم میں نہ تو ایک طرف سے تمام عیسائیوں کی تعریف ہے اور نہ ہی خاص لوگ مراد ہیں:............ غرض کہ عیسائیوں کا درویش عالم ہونا اور متکبر نہ ہونا اور مسلمانوں سے قریب ہونا وغیرہ اوصاف پر نظر کرتے ہوئے۔ نیز سبب نزول اور لفظ قالوا بصیغہ ماضی اور لتجدن بصیغہ خطاب کا لحاظ کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ آیت میں تمام دنیا کے نصرانی مراد نہیں ہیں بلکہ وہ خاص عیسائی مراد ہیں جن میں یہ اوصاف پائے جاتے ہیں اور نہ ہی آیت میں اتنا خصوص مراد ہے کہ صرف نومسلم عیسائی پیش نظر رہے ہوں گے۔ اگر چہ سبب نزول اور آئندہ و اذا سمعوا پر نظر کرتے ہوئے بعض مفسرین اس طرف بھی گئے ہیں۔ پس آیت میں نہ مطلقاً عموم مراد ہے اور نہ مطلقاً خصوص بلکہ عموم خصوص من وجہ لینا بہتر ہے۔ چنانچہ اس کا شان نزول بھی عموم من وجہ کے منافی نہیں ہوگا۔

اخلاق حسنہ کی تعریف اور اسلام کی عالی ظرفی:............ جہاں ایک طرف یہ معلوم ہوا کہ اخلاق حمیدہ خواہ کسی قوم میں

ہوں وہ حمیدہ ہی رہیں گے، وہیں اسلام اور قرآن کی عظیم الشان رواداری اور کشادہ قلبی، وسیع النظر بھی معلوم ہوتی ہے کہ دوسروں کی اچھائیوں کے سراہنے میں بھی وہ بخل سے کام نہیں لیتا۔ کیونکہ سچائی سچائی ہے۔ حق وصداقت حق وصداقت ہے، خواہ وہ کہیں بھی ہو۔ تو یہ تعریف دراصل ان اوصاف کی ہے نہ کہ افراد کی۔

نیز تثلیث پرست نصرانیوں کا کفروشرک ذات وصفات الٰہیہ میں ہے۔ البتہ بعض یہود بھی حضرت عزیز علیہ السلام کو ابن اللہ کہہ کر کفر کے مرتکب ہوئے لیکن عام یہودیوں کا کفر رسالت ونبوت سے متعلق ہے جو اگرچہ عیسائیوں کے کفر سے کم درجہ ہے اور عیسائیوں کا کفر بہ نسبت یہود کے شدید ترین ہے۔ لیکن دونوں جماعتوں کے اخلاق تفاوت کی وجہ سے یہود پر زیادہ ملامت کی گئی ہے پس یہی حال مسلمانوں میں مبتدع فرقوں کا سمجھنا چاہئے۔

نکات: ....آیت میں مطلقاً رہبانیت کی مدح سرائی نہیں کی جارہی ہے کہ اس کی تمام خصوصیات قابل ستائش ہوں، بلکہ اس کے صرف ایک جز یعنی ترکِ محبت دنیا کے اعتبار سے تعریف ہے۔ نیز آیت قرب مودت سے مراد کامل قریب نہیں بلکہ قرب اضافی ہے۔ الذین اشــــر کــــو ا بصیغہ ماضی اس کا قرینہ ہے کہ یہ حکم عداوت تمام دنیا کے اور ہر زمانہ کے مشرکین کے لئے عام نہیں ہے۔ اس لئے اگر کسی جگہ کے مشرک دوسروں کی نسبت مسلمانوں سے زیادہ قربت رکھتے ہوں یا غیر متعصب ہوں تو قرآن اس کی نفی نہیں کر رہا ہے۔ اسی طرح اگر کہیں یہود بھی مسلمانوں سے نفرت کی بجائے الفت رکھتے ہوں تو الیہود میں الف لام عہد کا لے لیا جائے گا۔ جس سے خاص یہود مراد ہوں گے۔ نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس قسم کے تمام احکام بلحاظ اکثریت کے لگائے جاتے ہیں کچھ افراد کا نکل جانا قادح نہیں ہوا کرتا، یہ حکم ان نصاریٰ کے لئے جو فی الواقع عیسائی ہوں ورنہ محض مردم شماری یا نام کے اعتبار سے جو عیسائی کہلاتے ہوں وہ اس حکم سے خارج ہیں۔ اسی طرح آیت میں عیسائیوں کے مسلمانوں سے قریب ہونے کی اطلاع دی گئی ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مسلمان بھی عیسائیوں کے قریب ہوجائیں۔

لطائف آیات: ....آیت ذٰلک بــــانھــم الــخ سے معلوم ہوا کہ علوم واخلاق کو اعمال میں بہت زیادہ دخل ہے۔ مشائخ علوم واخلاق کا اہتمام اعمال سے زیادہ کرتے ہیں۔

﴿الحمد للہ کہ پارہ نمبر ٦ کی تفسیر وشرح تمام ہوئی﴾

پارہ نمبر ﴿۷﴾

وَاِذَا سَمِعُوْا

فہرست پارہ ﴿وَاِذَا سَمِعُوْا﴾

وَاِذَا سَمِعُوْا

نَزَلَتْ فِیْ وَفْدِ النَّجَاشِیِّ اَلْقَادِمِیْنَ مِنَ الْحَبَشَةِ قَرَأَ عَلَیْهِمْ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُوْرَةَ یٰسٓ فَبَکَوْا وَاَسْلَمُوْا وَقَالُوْا مَا اَشْبَهَ هٰذَا بِمَا کَانَ یَنْزِلُ عَلٰی عِیْسٰی قَالَ تَعَالٰی **وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ** مِنَ الْقُرْاٰنِ **تَرٰۤی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا** صَدَّقْنَا بِنَبِیِّكَ وَکِتَابِكَ **فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ﴿۸۳﴾** اَلْمُقِرِّیْنَ بِتَصْدِیْقِهِمَا وَقَالُوْا فِیْ جَوَابِ مَنْ عَیَّرَهُمْ بِالْاِسْلَامِ مِنَ الْیَهُوْدِ **وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ** الْقُرْاٰنِ اَیْ لَا مَانِعَ لَنَا مِنَ الْاِیْمَانِ مَعَ وُجُوْدِ مُقْتَضِیْهِ **وَنَطْمَعُ** عَطْفٌ عَلٰی نُؤْمِنُ **اَنْ یُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ﴿۸۴﴾** اَلْمُؤْمِنِیْنَ الْجَنَّةَ قَالَ تَعَالٰی **فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ﴿۸۵﴾** بِالْاِیْمَانِ **وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ﴿۸۶﴾** وَنَزَلَ لَمَّا هَمَّ قَوْمٌ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ اَنْ یُّلَازِمُوا الصَّوْمَ وَالْقِیَامَ وَلَا یَقْرَبُوا النِّسَآءَ وَالطِّیْبَ وَلَا یَاْکُلُوا اللَّحْمَ وَلَا یَنَامُوْا عَلَی الْفِرَاشِ **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا** تَتَجَاوَزُوْا اَمْرَ اللّٰهِ **اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ﴿۸۷﴾ وَکُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا** مَفْعُوْلٌ وَالْجَارُ وَالْمَجْرُوْرُ قَبْلَهٗ حَالٌ مُتَعَلِّقٌ بِهٖ **وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴿۸۸﴾**

ترجمہ: .... نجاشی کی جانب سے حبشہ سے جب ایک وفد آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ (ﷺ) نے ان کو سورہ یٰسین کی آیات پڑھ کر سنائیں تو وہ رونے لگے اور اسلام قبول کر کے کہنے لگے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر جو وحی نازل ہوئی۔ یہ قرآن اس سے کس قدر مشابہ ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اور جب یہ عیسائی کلام سنتے ہیں، جو اللہ کے رسول (ﷺ) پر نازل ہوا ہے (قرآن پاک) تو آپ دیکھیں گے کہ جوش گریہ سے ان کی آنکھیں بہنے لگتی ہیں۔ کیونکہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔ وہ بول اٹھتے ہیں خدایا ہم ایمان لائے (آپ کے نبی (ﷺ) اور کتاب کی تصدیق کرتے ہیں) پس ہمیں گواہی دینے والوں میں لکھ لیجئے (جو آپ کے نبی (ﷺ) اور کتاب کی تصدیق کا اقرار کرنے والے ہیں اور جو لوگ یہود میں سے اسلام قبول کرنے پر ان کو عار دلاتے ہیں، ان

کے جواب میں کہتے ہیں) ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم اللہ پر اور اس کلام پر جو سچائی کے ساتھ ہمارے پاس آیا ہے ایمان نہ لائیں (قرآن پر۔ یعنی ایمان لانے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے بلکہ مقتضی ایمان موجود ہے) اور اللہ سے اس کی توقع رکھیں (اس کا عطف نومن پر ہے) کہ وہ ہمیں نیک کرداروں کے زمرہ میں داخل فرمادیں (مومنین کے ساتھ جنت میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں) تو اللہ نے ان کے اس کہنے کے صلہ میں جنتیں عطا فرمائی ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ ہمیشہ ان جنتوں میں رہیں گے۔ ایسا ہی بدلہ نیک کرداروں کے لئے مقرر کیا گیا ہے (جو اہل ایمان ہیں) لیکن جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخی ہیں (اگلی آیات اس وقت نازل ہوئیں جب کہ صحابہؓ کی ایک جماعت نے ہمیشہ روزے رکھنے اور رات بھر کھڑے رہنے اور بیویوں اور خواہشوں سے پرہیز کرنے اور گوشت نہ کھانے اور بستر پر نہ سونے کا ارادہ کرلیا) مسلمانو! اللہ نے جو اچھی چیزیں تم پر حلال کردیں ہیں انہیں اپنے اوپر حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو (اللہ کے حکم سے آگے نہ نکلو۔ اللہ حد سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں کرتے اور جو کچھ اللہ نے تمہیں رزق دے رکھا ہے، اس میں سے اچھی اور حلال چیزیں کھاؤ (حلالاً طیباً مفعول ہے اور اس سے پہلے جو ممارزق جار مجرور ہے وہ اس سے متعلق ہو کر حال ہے) اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔

تحقیق وترکیب: .... **واذا سمعوا** اس سے پہلے **قال تعالیٰ** نکال کر اشارہ استیناف کی طرف کردیا ہے ورنہ بعض حضرات نے اس کا عطف **لایستکبرون** پر کیا ہے۔ یعنی عیسائیوں کی قرب موت دووجہ سے ہے۔ متکبر نہ ہونے کی وجہ سے اور اس لئے کہ حق بات سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں جو علامت ہے تاثر قلبی کی۔ **تفیض** یہ عبارت تینوں درجہ کی عبارت سے ابلغ ہے۔ اولیٰ عبارت یہ ہے **فاض دمع عینه** دوسری عبارت **فاضت عینه دمعاً** ہے اور تیسرے درجہ کی جو سب سے اعلیٰ ہے **تفیض من الدمع** ہے۔ تفصیل روح المعانی میں ہے۔ **مما** ، اس میں من ابتدائیہ ہے **من الحق** من بیانیہ ہے یا تبعیضیہ **ومالنا** اس سے انکار سبب اور مسبب دونوں کی طرف متوجہ ہے۔ جیسا کہ آیت **ومالی لااعبد** میں ہے۔ صرف سبب کی طرف انکار متوجہ نہیں ہے کہ مسبب محقق ہو جیسے کہ **فما لہم لایؤمنون** وغیرہ میں ہے۔

بما قالوا . لفظ قول جب کہ خلو اعتقاد سے مقید نہ ہو تو اس سے مراد قول مع الاعتقاد ہوتا ہے۔ جیسے کہا جائے **هذا قول فلان** اور بعض نے مجازاً قول کو رائے اور اعتقاد کے معنی میں لیا ہے جیسے **هذا قول ابو حنیفة هذا مذهبه واعتقاد**. **کذبو** ۔ اس کا عطف **کفروا** پر کیا گیا ہے۔ حالانکہ تکذیب کفر میں داخل ہے تا کہ بالقصد تکذیب کی مذمت ہو جائے۔ **ممارزقکم** اس میں من تبعیضیہ یا ابتدائیہ ہوسکتا ہے۔ نیز **حلالاً** حال بھی ہوسکتا ہے اور جار مجرور اس صورت میں مفعول اور من تبعیضیہ ہو جائے گا۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات میں غیر متعصب اور انصاف پسند عیسائیوں کا ذکر تھا۔ آیت **واذا سمعو** میں اسلام قبول کرنے والے عیسائیوں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد آیت **یاایها الذین الخ** سے پھر احکام فرعیہ کا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے۔ چونکہ پہلے رہبانیت اور ترک دنیا کی تعریف گزر چکی ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی اس سے ترک لذات پر دھوکہ سے استدلال کرلے۔ اس لئے تحریم حلال کی ممانعت کا بیان زیادہ مناسب معلوم ہوا۔ یہ پندرہواں (۱۵) حکم ہے۔

شان نزول: .... ترمذی وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دعوت کے موقعہ پر یا ویسے ہی آنحضرت (ﷺ) نے ایک مرتبہ قیامت کے اندوہناک حالات پر مشتمل وعظ کیا۔ اس سے متاثر ہو کر عثمان بن مظعونؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، مقداد بن اسودؓ، سالم مولیٰؓ، ابوحذیفہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابوبکرؓ، معقل بن مقرنؓ، سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم نے آپس میں وہ عہد کیا جس کا تذکرہ مفسر علامؒ کررہے ہیں۔

﴿تشریح﴾: ...... **تحریم کی تین صورتوں کے احکام**: ...... تحریم تین طرح کی ہوتی ہے۔ ایک اعتقادی، دوسرے قولی، تیسرے عملی۔ اول صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر حلال قطعی کو حرام سمجھا گیا ہے تب تو کافر ہو جائے گا۔ دوسری قسم کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم کے الفاظ سے تحریم کی گئی ہے۔ مثلاً: فلاں چیز مجھ پر حرام ہے یا میں اس کو حرام کرتا ہوں یا فلاں چیز اگر کھاؤں یا فلاں کام کروں تو سور کھاؤں، حرام کھاؤں وغیرہ۔ تو ان میں اول صیغوں سے قسم ہو جائے گی اور اخیر صیغوں کا حکم یہ ہے کہ جہاں ان الفاظ سے قسم کا رواج ہوگا قسم ہو جائے گی۔ ورنہ قسم نہیں ہوگی۔ لیکن معصیت ہونے کی صورت میں اس قسم کا توڑنا اور کفارہ دینا واجب ہے۔ ہاں اگر الفاظ یمین استعمال نہیں کئے تو پھر یہ قسم لغو ہے۔ اس کا کچھ اثر نہیں ہے اور تیسری قسم یعنی عملاً تحریم بمعنی ترک حلال اس کا حکم یہ ہے کہ یہ بدعت و رہبانیت ہے جس کا خلاف کرنا واجب ہے لیکن اس سے کفارہ لازم نہیں ہوتا۔

بعض اعمال واشغال میں ترک حیوانات کا حکم: ...... البتہ اگر جسم ونفس کی عارضی مصلحتوں کی خاطر طباً یا علاجاً کسی چیز کو ترک کر دیا ہے تو یہ جائز ہے۔ مذکورہ تحریم میں داخل نہیں۔ بزرگوں سے اکثر مجاہدات اسی قبیل سے منقول ہیں۔ ان پر اعتراض کرنا نادانی ہے۔ ہاں ناواقف عاملوں میں جو ترک حیوانات وغیرہ خاص قسم کے طریقے مروج ہیں۔ ان میں بلاشبہ شائبہ شرک ہوتا ہے۔ وہاں حسن ظن کی چنداں ضرورت نہیں بلکہ اصلاح واجب ہے۔

اور **اتقوا اللہ** کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تقویٰ حلال چیزوں سے پرہیز پر موقوف نہیں بلکہ حرام اور معصیت سے بچنا اصل تقویٰ ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ عام تقوے کے معنی کی رو سے تو تقویٰ کا توقف عدم تحریم پر ہوا لیکن اس معنی کے لحاظ سے تقوے کا عدم توقف تحریم پر ہوگا۔

لطائف آیات: ...... آیت **تریٰ اعینھم الخ** حالت وجد کے اثبات کی طرف اشارہ ہے۔ آیت **وما لنا لانومن الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ طمع بلا عمل معتبر نہیں ہے۔ آیت **یاایھا الذین الخ** سے معلوم ہوا کہ بعض جاہل صوفیاء اور ناواقف عاملوں میں جو ترک حیوانات اعمال واشغال میں رائج ہے وہ نہ صرف یہ کہ بے اصل ہے بلکہ خلاف اصل اور باطل بھی ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ الْكَائِنِ **فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ** هُوَ مَا يَسْبِقُ اِلَيْهِ اللِّسَانُ مِنْ غَيْرِ قَصْدِ الْحَلْفِ كَقَوْلِ الْاِنْسَانِ لَا وَاللّٰهِ وَبَلٰى وَاللّٰهِ **وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ عَاقَدْتُّمُ **الْاَيْمَانَ** عَلَيْهِ بِاَنْ حَلَفْتُمْ عَنْ قَصْدٍ **فَكَفَّارَتُهٗٓ** اَىِ الْيَمِيْنِ اِذَا حَنِثْتُمْ فِيْهِ **اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ** لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ مُدٌّ **مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ** مِنْهُ **اَهْلِيْكُمْ** اَىْ اَقْصَدُهٗ وَاَغْلَبُهٗ لَا اَعْلَاهُ وَلَا اَدْنَاهُ **اَوْ كِسْوَتُهُمْ** بِمَا يُسَمّٰى كِسْوَةً كَقَمِيْصٍ وَعَمَامَةٍ وَاِزَارٍ وَلَا يَكْفِىْ دَفْعُ مَا ذُكِرَ اِلٰى مِسْكِيْنٍ وَاحِدٍ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِىُّ **اَوْ تَحْرِيْرُ** عِتْقُ **رَقَبَةٍ** مُؤْمِنَةٍ كَمَا فِىْ كَفَّارَةِ الْقَتْلِ وَالظِّهَارِ حَمْلًا لِلْمُطْلَقِ عَلَى الْمُقَيَّدِ **فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ** وَاحِدًا مَاذُكِرَ **فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ** كَفَّارَتُهٗ وَظَاهِرُهٗ اَنَّهٗ لَا يُشْتَرَطُ التَّتَابُعُ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِىُّ **ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرُ **كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ** وَحَنِثْتُمْ **وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ** اَنْ تَنْكُثُوْهَا مَالَمْ تَكُنْ عَلٰى فِعْلِ بِرٍّ اَوْ

اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ كَمَا فِي سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ **كَذٰلِكَ** اَيْ مِثْلُ مَا بُيِّنَ لَكُمْ مَا ذُكِرَ **يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** ﴿۸۹﴾ عَلٰى ذٰلِكَ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ** اَلْمُسْكِرُ الَّذِيْ يُخَامِرُ الْعَقْلَ **وَالْمَيْسِرُ** اَلْقِمَارُ **وَالْاَنْصَابُ** اَلْاَصْنَامُ **وَالْاَزْلَامُ** قِدَاحُ الْاِسْتِقْسَامِ **رِجْسٌ** خَبِيْثٌ مُسْتَقْذَرٌ **مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ** اَلَّذِيْ يُزَيِّنُهٗ **فَاجْتَنِبُوْهُ** اَيِ الرِّجْسَ الْمُعَبَّرَ بِهٖ عَنْ هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ اَنْ تَفْعَلُوْهُ **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** ﴿۹۰﴾ **اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ** اِذَا اَتَيْتُمُوْهُمَا لِمَا يَحْصُلُ فِيْهِمَا مِنَ الشَّرِّ وَالْفِتَنِ **وَيَصُدَّكُمْ** بِالْاِشْتِغَالِ بِهِمَا **عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ** خَصَّهُمَا بِالذِّكْرِ تَعْظِيْمًا لَهُمَا **فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ** ﴿۹۱﴾ عَنْ اِتْيَانِهِمْ اَيِ انْتَهُوْا **وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا** اَلْمَعَاصِيَ **فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ** عَنِ الطَّاعَةِ **فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ** ﴿۹۲﴾ اَلْاِبْلَاغُ الْبَيِّنُ وَجَزَاؤُكُمْ عَلَيْنَا **لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا** اَكَلُوْا مِنَ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قَبْلَ التَّحْرِيْمِ **اِذَا مَا اتَّقَوْا** اَلْمُحَرَّمَاتِ **وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا** عَلَى التَّقْوٰى وَالْاِيْمَانِ **ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا** اَلْعَمَلَ **وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ** ﴿۹۳﴾ بِمَعْنٰى اَنَّهٗ يُثِيْبُهُمْ

ترجمہ: .... اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں فرماتے۔ تمہاری لغو (ہونے والی) قسموں پر (کہ جن کی طرف بلا ارادہ قسم زبان سبقت کر جائے۔ جیسے واللہ باللہ کے الفاظ بے ساختہ زبان پر جاری رہتے ہیں) البتہ تم سے مواخذہ ہوگا۔ ان پر کہ تم نے مستحکم کر دیا ہو (لفظ عقد تم تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور ایک قرأت میں عاقدتم ہے) جن قسموں کو (ارادہ کر کے قسمیں کھائی ہوں) تو ان کا کفارہ (جس قسم کو کھا کر توڑ دیا ہو) دس مسکینوں کو کھانا دینا ہے۔ (ہر فقیر کو ایک مدوزن غلہ دینا ہے) درمیانی درجہ کا جیسے کہ تم کھلاتے ہو (وہ کھانا) اپنے بیوی بچوں کو (اوسط درجہ کا نہ اعلیٰ اور نہ ادنیٰ) یا ان کو کپڑا پہنا دینا (جو پورا لباس کہلائے۔ مثلاً: کرتہ، پاجامہ، عمامہ اور یہ تمام جوڑے ایک ہی فقیر کو دینا کافی نہیں ہوگا۔ یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے) یا ایک (مومن) غلام آزاد کرنا (کفارہ قتل وظہار کی طرح مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے) اور اگر (یہ سب کچھ) میسر نہ آئے تو پھر تین دن تک روزے رکھنے چاہئیں (بطور کفارہ۔ اور ظاہراً اس میں پے در پے ہونا شرط نہیں ہے۔ یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے) یہ (مذکورہ) کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب کہ تم قسم کھا بیٹھو (اور توڑ دو) اور چاہئے کہ تم اپنی قسموں کی نگہداشت کرو (ان کو توڑو مت۔ تاوقتیکہ وہ قسمیں کسی نیک کام یا اصلاحی سلسلہ کے برخلاف نہ ہوں۔ جیسا کہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے) اسی طرح (یعنی جیسا کہ مذکورہ حکم پر واضح کیا جا چکا ہے) اللہ تم پر اپنی آیتیں واضح کرتے رہتے ہیں تاکہ تم شکر گزار ہو سکو (ان باتوں پر) مسلمانو! بلاشبہ شراب (نشہ آور جو عقل کو بدمست کر دیتی ہے) اور جوا اور بت اور پانسے (جن سے قسمت کا حال معلوم کیا جاتا تھا) گندگی (ناپاک پلیدی) ہے شیطانی کارروائی کی (جو اس نے بنا سنوار کر پیش کر دیئے) لہٰذا ان سے بچو (جس گندگی کو ان عنوانات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اگر تم ان سے بچتے رہے تو) امید ہے کہ تم کامیاب ہو سکو گے۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ سراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان عداوت اور کینہ ڈال دے (اگر تم نے یہ کام کر لئے کیونکہ شراب اور جوئے سے شرارت اور فتنے پھوٹ پڑتے ہیں) اور تمہیں روک دے (ان کاموں میں لگا کر) اللہ کی یاد اور نماز سے (بالتخصیص ان دونوں اعمال کا ذکر ان کی عظمت کے پیش نظر ہے) پھر اب بھی باز آؤ گے (ان دونوں کاموں کے ارتکاب سے۔ یعنی باز آ جانا چاہئے) اور اللہ کی

اطاعت کرو اور اللہ کے رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرو اور بچتے رہو (گناہوں سے) پھر اگر تم نے روگردانی کی (کہا ماننے سے) تو یاد رکھو کہ ہمارے پیغمبر (ﷺ) پر تو صرف صاف صاف پیغام پہنچا دینا ہے (کھلے بندوں تبلیغ کر دینا ہے۔ رہا تمہیں بدلہ دینا سو وہ ہمارے سپرد ہے) جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ جو کچھ کھا پی چکے ہیں اس کے لئے ان پر کچھ گناہ نہیں ہے (جو انہوں نے تحریم کا حکم آنے سے پہلے شراب نوشی اور جوئے بازی کی ہو) جبکہ وہ پرہیزگار رہے (حرام چیزوں سے) اور ایمان لے آئے اور اچھے کام کئے اور برے کاموں سے رک گئے اور ایمان لائے (تقوے اور ایمان پر برقرار رہے) پھر پرہیز کیا اور بہترین کام (عمل) کئے اور اللہ نیک کرداروں کو دوست رکھتے ہیں (یعنی ان کو ثواب عطا فرمائیں گے)۔

تحقیق وترکیب: .... **باللغو**. ہمارے نزدیک خلاف واقعہ کسی بات کے متعلق گمان کر کے قسم کھانے کو یمین لغو کہتے ہیں۔ جیسا کہ مجاہد کی رائے ہے کہ صحابہؓ نے لذائذ کے ترک پر قربت سمجھتے ہوئے قسم کھائی تھی۔ جب ممانعت کا حکم آیا تو کہنے لگے۔ **کیف بایماننا** اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور امام شافعیؒ کے نزدیک حضرت عائشہؓ کے قول کے بموجب یمین لغو کی تفسیر وہ ہے جو مفسر علامؒ نے ذکر کی کہ تکیہ کلام کے طریق پر بے ساختہ عوام کی زبان پر قسمیں جاری رہتی ہیں۔ **فی ایمانکم** اس کا تعلق یا لغو کے ساتھ ہے۔ لغا فی یمینہ کہتے ہیں۔ یا مقدر کے متعلق ہے۔ **ای کائنا فی ایمانکم**۔

عقدتم. مامصدریہ ہے۔ تعقید بمعنی توثیق، حمزہ، کسائی، ابوبکر تخفیف کے ساتھ پڑھتے ہیں اور باقی قراء تشدید کے ساتھ اور ابن ذکو ان کی قرأت **عاقدتم** ہے۔ یعنی فاعل بمعنی فعل، شوافع کے نزدیک یمین غموس اور منعقدہ دونوں میں قصد ہوتا ہے۔ اس لئے دونوں میں کفارہ ہوگا لیکن احناف کے نزدیک عقد کے معنی عزم علی الوفاء کے ہیں جو صرف یمین منعقدہ میں پائے جاتے ہیں۔ یمین غموس میں نہیں ہوتے۔

فکفارته. کفارہ بروزن فعلۃ معنی مصدری ہے جس سے گناہ محو ہو جاتے ہیں۔ اس میں تا نقل یا مبالغہ کے لئے ہے۔ آیت میں چار چیزیں بطور کفارہ ذکر کی گئی ہیں۔ تین اول میں تخییر اور چوتھی صورت روزوں میں ترتیب ہے کہ جب پہلی تین صورتوں پر قدرت نہ ہو اس وقت روزوں سے کفارہ دلایا جائے گا۔ اللہ کی ذات وصفات کی قسم اگر کھائی، تب تو کفارہ کے لئے حانث ہونا شرط ہے، لیکن اگر غیر اللہ کی قسم کھائی، کعبہ کی یا نبی (ﷺ) کی تو اس میں حنث ہی نہیں ہے بلکہ اگر شرعاً قابل احترام چیز کی قسم کھائی تو بعض کے نزدیک مکروہ اور بعض کے نزدیک حرام ہے ورنہ ممنوع ہے۔ حدیث میں ہے **من کان حالفاً فلیحلف باللّٰہ او لیصمت**۔

مد ایک مد و رطل شرعی کے برابر ہوتا ہے اور ایک رطل بیس استار کا اور ایک استار ساڑھے چھ درہم وزنا کا ہوتا ہے۔ یہ مقدار امام شافعیؒ کے نزدیک ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک ہر فقیر کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو دینی ضروری ہے۔

کسوتهم جو کپڑا ستر کے لئے کافی ہو۔ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ازار، قمیص یا چادر وغیرہ ہونی چاہئے۔

مسکین واحد. احناف کے نزدیک ایک فقیر کو دس روز تک کھانا دیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ اشارۃ النفس سے ثابت ہے۔

رقبة احناف کے نزدیک مسلمان اور کافر غلام دونوں کو یہ مطلق لفظ شامل ہے۔ شوافع کا ظہار وقتل پر قسم کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ **لان المطلق یجری علی اطلاقه والمقید علی تقییده**۔

ثلثة ایام. امام شافعیؒ کے نزدیک روزوں کا مسلسل ہونا شرط نہیں ہے اور احناف کے نزدیک ابن مسعودؓ، ابن عباس، ابی بن کعبؓ کی قرأت متتابعات کی وجہ سے پے در پے ہونا ضروری ہے۔

اذا حلفتم. امام شافعیؒ اس لفظ سے استدلال کرتے ہیں کہ حلف کے بعد حانث ہونے سے پہلے کفارہ دینا جائز ہے۔ احناف کی طرف سے جواب یہ ہے کہ پہلے مواخذہ کا عنوان ذکر ہوا ہے جو وجوب کا مرادف ہے، جس کے تحت یہ کفارہ داخل ہوگا۔ پس

گویا حانث ہونے سے پہلے کفارہ دینا واجب ہے۔ حالانکہ بغیر حنث کے بالاجماع کفارہ کا وجوب نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ وجوب کفارہ کے لئے حنث کی قید ضروری ہے۔

الخمر۔ مفسر علامؒ نے شافعی ہونے کی رعایت سے عام مسکر کے ساتھ ترجمہ کیا ہے اور احناف کے نزدیک صرف انگور کا کشید کیا ہوا کچا شیرہ جو گاڑھا اور جھاگ دار ہو۔ چنانچہ قاموس میں ہے۔ **مااسکر من عصیر العنب او عام**۔ اول قول احناف کا اور ''او عام'' سے دوسرا قول شوافع کا موید ہے۔

المیسر۔ اس سے مراد اگرچہ خاص قمار ہے، لیکن عبارت النفس سے شطرنج و چوسر، کیرم، اور ہر ایسی بازی ہے جس میں دو طرف سے شرط لگائی ہونا جائز ہے۔ البتہ اگر ایک طرف سے شرط لگائی جائے تو اس میں فقہاء نے گنجائش دی ہے۔ غرضیکہ نرد بالاتفاق حرام اور شطرنج بشرطیکہ نماز وغیرہ ضروریات دین میں حارج نہ ہو۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مباح ہے۔ اس سے فقہی چیستان مشہور ہے۔ **الشطرنج ابا حنیفتی و ھو الشافعی**۔

رجس۔ اصل میں یہ مصدر ہے۔ اسی لئے ایک قول پر اس کو متعدد چیزوں کی خبر بنانا باوجود واحد ہونے کے صحیح ہے۔ البتہ تقدیر مضاف اگر کی جائے تو پھر اس تاویل کی ضرورت نہیں رہتی۔

فاجتنبوہ۔ ضمیر مذکور کی طرف بھی راجح ہوسکتی ہے اور شیطان کی طرف لوٹانا اقرب ہے۔

العداوۃ۔ ضد صداقت ہے۔ جیسا کہ بغض ضد حب ہے۔ یعنی عداوت ظاہر اور بغض باطن ہوتا ہے۔

انتھوا۔ جلال مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ استفہام بمعنی امر ہے بلکہ اس سے بھی ابلغ ہے۔ **لیس الخ** خطیب کی رائے ہے کہ پہلے ایمان وعمل صالح سے مراد دوام وثبات اور **اذ ما اتقوا** سے مراد تحریم خمر کے بعد اس سے بچنا ہے اور دوسرے **امنوا** سے مراد اس تحریم پر ایمان لانا ہے اور تیسرے **اتقوا** سے مراد عام معاصی سے پرہیز پر مداومت اور **احسنوا** سے مراد اعمال صالحہ کا اشتغال ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اول تقویٰ سے مراد کفر سے پرہیز اور دوسرے سے مراد کبائر ہے۔ اور تیسرے سے مراد صغائر سے پرہیز ہے۔

ربط آیات:............ تحریم طیبات کبھی قسم کے ذریعہ سے بھی ہوا کرتی ہے۔ اس لئے آیت **لایؤاخذکم الخ** سے یمین ہی کے اقسام واحکام پر گفتگو کی اجا رہی ہے جو ترک حلال کی ممانعت سے متعلق سولھواں حکم ہے۔ اس کے بعد آیت **انما الخمر الخ** سے سترہویں حکم میں بعض حرام چیزوں کے استعمال کی ممانعت کی جارہی ہے اور آیت **اطیعوا اللّٰہ** سے عام اطاعت کی ترغیب دی جارہی ہے اور پھر آیت **لیس علی الذین الخ** سے یہ بتلانا ہے کہ جو لوگ ممانعت کا حکم آنے سے پہلے شراب اور جوئے کے مرتکب ہو چکے ہیں وہ گناہگار اور نافرمان نہیں کہلائیں گے۔

شان نزول:............ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قسموں کے متعلق جب حکم نازل ہوا تو صحابہؓ نے عرض کیا **کیف نصنع بایماننا اللتی حلفنا علیھا**۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ نیز ابن عباسؓ سے ابن حذیفہؓ کے سوال کے جواب میں مرفوعاً روایت ہے جس کے الفاظ **ثلثۃ ایام متتابعات** ہیں اور ابن مسعودؓ، ابی ابن کعبؓ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ دو انصاری قبیلے کسی ضیافت میں جمع ہوئے۔ شراب نوشی شروع ہوئی اور بھائی بھائی ہونے کے باوجود نشہ کی حالت میں ایک دوسرے کا منہ کالا کیا گیا اور بری طرح بدمزگی پیدا ہوئی۔ دلوں میں نفرت کے جذبات ابھرے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ سورہ بقرہ میں گذر چکا ہے کہ اس سلسلہ میں جب تدریجی آیات اور احکام نازل ہوئے تو بات صاف اور مکمل نہ ہونے کی وجہ سے حضرت عمرؓ کو دعا کرنی پڑی۔ **اللّٰھم بین لنا بیانا شافیاً** یہ دعا قبول ہوئی اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ جن میں بھرپور طریقے سے برائی کا پہلو واشگاف کیا گیا۔

جب آخر میں **فھل انتم منتھون** فرمایا گیا تو حضرت عمرؓ بول اٹھے۔ **یارب انتھینا** اور مٹکوں میں جس قدر شراب تھی وہ سب گرادی گئی۔ حتیٰ کہ مدینہ شریف کی گلیوں اور نالیوں میں بہتی پھر رہی تھی۔ صحابہؓ نے شراب کے برتن تک توڑ دیئے کہ کہیں پھر اس کی ناپاک یاد تازہ نہ ہو جائے۔

اسی طرح حضرت ابوبکرؓ وغیرہ صحابہؓ نے ان آیات کو سن کر عرض کیا کہ ہمارے ان گزرے ہوئے بھائیوں کا کیا بنے گا جنہوں نے تحریم سے پہلے شراب اور جوئے کا شغل کیا؟ روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔ **فقال ناس من المتکلمین عن رجس وھی فی بطن فلان وقتل قتل یوم احد** تو اس پر آیت **لیس علی الذین الخ** نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: .... **قسم کی قسمیں**: .... لغو کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ جس پر گناہ کا اثر مرتب نہ ہو۔ دوسرے جس پر کفارہ کا اثر مرتب نہ ہو۔ اس آیت میں یہی دوسرے معنی مراد ہیں۔ کیونکہ اس کے مقابلہ میں یمین منعقدہ کا ذکر ہے۔ جس میں کفارہ واجب ہوتا ہے اور پہلے معنی کا بیان سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ یمین منعقدہ کہتے ہیں ائندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق قسم کھانا اور یمین لغو اس کے مقابل وہ ہے جس میں یہ بات نہ پائی جائے۔

قسم اور کفارہ: .... یمین منعقدہ میں قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا نہیں ہو سکتا۔ نیز فقراء کو کھانا دینے میں اختیار ہے۔ خواہ دس آدمیوں کو دونوں وقت بٹھلا کر پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیا جائے یا ایک آدمی کو دس روز تک دو وقت کھلا دیا جائے۔ لیکن کوئی فقیر نہ تو شکم سیر ہو اور نہ کمسن بالغ ہو۔ اسی طرح ہر مسکین کو صدقہ فطر کے برابر غلہ یا اس کی قیمت بھی دی جا سکتی ہے نیز یہ مسکین ایسے ہوں جن کو زکوٰۃ دینا درست ہو۔ کپڑوں کے متعلق جلال محقق تفصیل کر چکے ہیں۔ روزے رکھے ہوں تو متواتر رکھنے چاہئیں۔ اگر دو چار روزے رکھنے کے بعد کوئی کھانا یا لباس دینے پر قادر ہو گیا۔ یعنی صاحب نصاب ہو گیا تو روزوں سے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ قسم جان کر توڑے یا بھول کر ٹوٹ جائے دونوں صورتوں میں کفارہ واجب ہوگا۔ حلف کی تفصیلی بحث سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

آیت میں صرف شراب اور جوئے کی برائی مقصود ہے: .... یہاں شراب، جوئے، بت، پانسہ کے تیروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن مقصود شراب و جوئے کا ذکر معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ لوگ شراب و جوئے کے عادی تھے۔ اسی لئے اس آیت میں صرف شراب و جوئے کی حکمت تحریم پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ ازلام تو جوئے ہی میں داخل ہے اور بتوں کا تذکرہ محض شراب و جوئے کی مذمت کے لئے کیا گیا ہے کہ یہ دونوں بت پرستی کے درجہ کی ناپاک اور کفر کے قریب کی چیزیں ہیں۔

مختلف کھیلوں کا حکم: .... شراب و جوئے کو جس حکمت سے حرام کیا گیا ہے وہ شطرنج، چوسر، کریم، برج، تاش وغیرہ میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اسی لئے یہ لہو ولعب بھی ناجائز ہونے چاہئیں۔ لاٹری اور معمے اس فیشن زدہ اور ترقی یافتہ دور کے جوئے ہیں اور کچھ طلبائے دین علمی تاش کا شغل رکھتے ہیں۔ اگر ضروریات میں حارج نہ ہو تو خیر ورنہ قابل ترک ہے۔

حرام ہونے سے پہلے شراب پینے والوں کا حکم: .... آیت **لیس علی الذین الخ** کا حاصل یہ ہے کہ صاحب ایمان وتقوے اور نیکوکار رہتے ہوئے یہ بات مرحومین صحابہؓ سے بعید تھی کہ اگر ان باتوں سے ان کو روکا جاتا تو وہ باز نہ رہتے۔ ان کی باعمل زندگی تو اس کی شاہد ہے کہ اس حکم کے سامنے بھی حسب دستور وہ سر جھکا دیتے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور ان کو اس حکم کے سننے اور اس کی تعمیل کرنے کا موقعہ قسمت سے فراہم نہ ہو سکا۔ اندریں صورت ان کو نافرمان کس طرح شمار کیا جا سکتا ہے وہ فرمانبرداری کے زمرہ ہی میں شامل ہیں۔

لطائف آیت: .... آیت انما یرید الشیطن الخ سے معلوم ہوا کہ گناہوں سے جس طرح اخروی مضرتیں ہوتی ہیں دنیاوی مضرتیں بھی اسی طرح پیش آتی ہیں۔ آیت لیس علی الذین الخ میں ایمان اور تقوے کو بار بار لانے سے اس طرح اشارہ ہوا کہ ان دونوں کے درجات مختلف اور بے شمار ہیں۔ ایک دوسرے سے متفاوت ہیں جن میں سالک ترقی کرتا رہتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ لَيَخْتَبِرَنَّكُمُ **اللّٰهُ بِشَيْءٍ** يُرْسِلُهُ لَكُمْ **مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ** اَيِ الصِّغَارَ مِنْهُ **اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ** اَلْكِبَارَ مِنْهُ وَكَانَ ذٰلِكَ بِالْحُدَيْبِيَّةِ وَهُمْ مُحْرِمُوْنَ فَكَانَتِ الْوَحْشُ وَالطَّيْرُ تَغْشَاهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ **لِيَعْلَمَ اللّٰهُ** عِلْمَ ظُهُوْرٍ **مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ** حَالٌ اَيْ غَائِبًا لَمْ يَرَهُ فَيَجْتَنِبُ الصَّيْدَ **فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ** اَلنَّهْيِ عَنْهُ فَاصْطَادَهُ **فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿۹۴﴾ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ** مُحْرِمُوْنَ بِحَجٍّ اَوْ عُمْرَةٍ **وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ** بِالتَّنْوِيْنِ وَرَفْعِ مَابَعْدَهُ اَيْ فَعَلَيْهِ جَزَاءٌ هُوَ **مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ** اَيْ شِبْهُهُ فِي الْخِلْقَةِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِاِضَافَةِ جَزَاءٍ **يَحْكُمُ بِهٖ** اَيْ بِالْمِثْلِ رَجُلَانِ **ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ** لَهُمَا فِطْنَةٌ يُمَيِّزَانِ بِهَا اَشْبَهَ الْاَشْيَاءِ بِهٖ وَقَدْ حَكَمَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَعُمَرُ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ فِي النَّعَامَةِ بِبُدْنَةٍ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَاَبُوْ عُبَيْدَةَ فِيْ بَقَرِ الْوَحْشِ وَحِمَارِهٖ بِبَقَرَةٍ وَابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَوْفٍ فِي الظَّبْيِ بِشَاةٍ وَحَكَمَ بِهَا ابْنُ عَبَّاسٍ وَعُمَرُ وَغَيْرُهُمَا فِي الْحَمَامِ لِاَنَّهٗ يُشْبِهُهَا فِي الْعَبِّ **هَدْيًا** حَالٌ مِنْ جَزَاءٍ **بٰلِغَ الْكَعْبَةِ** اَيْ يَبْلُغُ بِهِ الْحَرَمَ فَيُذْبَحُ فِيْهِ وَيَتَصَدَّقُ بِهٖ عَلٰى مَسَاكِيْنِهٖ وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يُذْبَحَ حَيْثُ كَانَ وَنَصْبُهُ نَعْتًا لِمَا قَبْلَهُ وَاِنْ اُضِيْفَ لِاَنَّ اِضَافَتَهُ لَفْظِيَّةٌ لَا تُفِيْدُ تَعْرِيْفًا فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لِلصَّيْدِ مِثْلٌ مِنَ النَّعَمِ كَالْعُصْفُوْرِ وَالْجَرَادِ فَعَلَيْهِ قِيْمَتُهُ **اَوْ** عَلَيْهِ **كَفَّارَةٌ** غَيْرُ الْجَزَاءِ وَاِنْ وَجَدَهُ هِيَ **طَعَامُ مَسٰكِيْنَ** مِنْ غَالِبِ قُوْتِ الْبَلَدِ مِمَّا يُسَاوِيْ الْجَزَاءُ لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ مُدٌّ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِاِضَافَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَعْدَهُ وَهِيَ لِلْبَيَانِ **اَوْ** عَلَيْهِ **عَدْلُ** مِثْلُ **ذٰلِكَ** الطَّعَامِ **صِيَامًا** يَصُوْمُهُ عَنْ كُلِّ مُدٍّ يَوْمًا وَاِنْ وَجَدَهُ وَجَبَ ذٰلِكَ عَلَيْهِ **لِّيَذُوْقَ وَبَالَ** ثِقَلَ جَزَاءِ **اَمْرِهٖ** اَلَّذِيْ فَعَلَهُ **عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ** مِنْ قَتْلِ الصَّيْدِ قَبْلَ تَحْرِيْمِهٖ **وَمَنْ عَادَ** عَلَيْهِ **فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ** غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ **ذُو انْتِقَامٍ** ﴿۹۵﴾ مِمَّنْ عَصَاهُ وَاُلْحِقَ بِقَتْلِهٖ مُتَعَمِّدًا فِيْمَا ذُكِرَ الْخَطَاءُ **اُحِلَّ لَكُمْ** اَيُّهَا النَّاسُ حَلَالًا كُنْتُمْ اَوْ مُحْرِمِيْنَ **صَيْدُ الْبَحْرِ** اَنْ تَاْكُلُوْهُ وَهُوَ مَالَا يَعِيْشُ اِلَّا فِيْهِ كَالسَّمَكِ بِخِلَافِ مَا يَعِيْشُ فِيْهِ وَفِي الْبَرِّ كَالسَّرْطَانِ **وَطَعَامُهٗ** مَا يَقْذِفُهُ اِلَى السَّاحِلِ مَيِّتًا **مَتَاعًا** تَمْتِيْعًا **لَّكُمْ** تَاْكُلُوْنَهُ **وَلِلسَّيَّارَةِ** اَلْمُسَافِرِيْنَ مِنْكُمْ يَتَزَوَّدُوْنَهُ **وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ** وَهُوَ مَايَعِيْشُ فِيْهِ مِنَ الْوَحْشِ الْمَاْكُوْلِ اَنْ تَصِيْدُوْهُ **مَا دُمْتُمْ حُرُمًا** فَلَوْ صَادَهُ حَلَالٌ فَلِلْمُحْرِمِ اَكْلُهُ كَمَا بَيَّنَتْهُ السُّنَّةُ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ**

اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ الْمُحرِمَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ يَقُوْمُ بِهٖ اَمَرَ دِيْنِهِمْ بِالْحَجِّ اِلَيْهِ وَدُنْيَاهُمْ بِاَمْنِ دَاخِلِهٖ وَعَدَمِ التَّعَرُّضِ لَهٗ وَجَبْيُ ثَمَرَاتِ كُلِّ شَيْءٍ اِلَيْهِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ قِيَمًا بِلَا اَلِفٍ مَصْدَرُ قَامَ عَيْنُهٗ مُعْتَلٌّ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ بِمَعْنَى الْاَشْهُرِ الْحُرُمِ ذُوالْقَعْدَةِ وَذُوالْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمِ وَرَجَبَ قِيَامًا لَهُمْ بِاَمْنِهِمْ اَلْقِتَالَ فِيْهَا وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ قِيَامًا لَهُمْ بِاَمْنِ صَاحِبِهِمَا مِنَ التَّعَرُّضِ لَهٗ ذٰلِكَ الْجَعْلُ الْمَذْكُوْرُ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ فَاِنَّ جَعْلَهٗ ذٰلِكَ لِجَلْبِ الْمَصَالِحِ لَكُمْ اَوْ دَفْعِ الْمُضَارِ عَنْكُمْ قَبْلَ وُقُوْعِهَا دَلِيْلٌ عَلٰى عِلْمِهٖ بِمَا فِي الْوُجُوْدِ وَمَا هُوَ كَائِنٌ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ لِاَعْدَائِهٖ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لِاَوْلِيَائِهٖ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ بِهِمْ مَاعَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ اَلْاِبْلَاغُ لَكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ تُظْهِرُوْنَ مِنَ الْعَمَلِ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ تُخْفُوْنَ مِنْهُ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ اَلْحَرَامُ وَالطَّيِّبُ اَلْحَلَالُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ تَرْكِهٖ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تَفُوْزُوْنَ

ع ۱۳ / ۷ / ۳

ترجمہ: .... مسلمانو! تمہارا امتحان (آزمائش) کریں گے اللہ تعالیٰ ایک حد تک شکار سے (تمہارے پاس بھیج کر) کہ پہنچیں گے (ان میں سے چھوٹے جانوروں تک) تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے (بڑے جانوروں تک۔ یہ واقعہ حدیبیہ میں پیش آیا، جبکہ لوگ احرام میں تھے اور وحشی جانور اور پرندے کجاووں کے آس پاس جھنڈ کے جھنڈ آرہے تھے) تاکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جائے (کھلم کھلا) کہ کون غائبانہ اس سے ڈرتا ہے (یہ حال ہے یعنی غائبانہ اللہ کے دیکھے بغیر کون شکار سے بچتا ہے) پھر اس کے بعد کوئی حد سے گزر جائے گا (ممانعت کے بعد شکار کھیلے گا) تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ مسلمانو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ کھیلو (خواہ حج کا احرام ہو یا عمرہ کا) اور جو کوئی تم میں سے جان بوجھ کر جانور مار ڈالے گا تو اس کا بدلہ (لفظ جزاء تنوین کے ساتھ ہے اور اس کا مابعد مرفوع ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ فعلیہ جزاءٌ ھو) مارے ہوئے جانور کے مثل جو پایہ ہونا چاہئے (یعنی خلقت کے لحاظ سے یہ بدلہ شکار کے مانند ہونا چاہئے اور ایک قرأت میں لفظ جزاء اضافت کے ساتھ ہے) اس کا فیصلہ (یعنی برابری کا فیصلہ دو آدمی) منصف تم میں سے کریں گے (جن کو شکار کے اشبہ بدلہ تجویز کرنے کی سمجھ بوجھ ہو۔ ابن عباسؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ نے شتر مرغ کے بدلہ میں اونٹ اور ابن عباسؓ اور ابوعبیدہؓ نے گورخر اور جنگلی گدھے کے بدلے میں گائے بیل، اور ابن عمرؓ اور عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے ہرن کے بدلہ میں بکری اور ابن عباسؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہ نے کبوتر کے بدلہ میں بکری کا فیصلہ فرمایا ہے۔ کیونکہ بکری اور کبوتر دونوں جانور گھونٹ گھونٹ کر کے پانی پیتے ہیں) بشرطیکہ نیاز کے طور پر (یہ حال ہے جزاء سے) کعبہ تک پہنچائی جائے (یعنی حرم میں لے جا کر اس کی قربانی کی جائے اور پھر فقیروں پر اس کو خیرات کر دیا جائے۔ یہ نہیں کہ جہاں جی چاہے جانور ذبح کر لے اور بالغ الکعبہ کا منصوب ہونا اضافت کے باوجود ماقبل کی صفت ہونے کی وجہ سے ہے، کیونکہ اضافت لفظیہ ہے جس سے اسم معرفہ نہیں بنتا۔ لیکن اگر کسی شکاری جانور کی مانند کوئی چوپایا نہ ہو جیسے چڑیا، ٹڈی، تو وہاں پھر اس شکار کی قیمت لی جائے گی) یا (اس پر) کفارہ ہے (علاوہ جزاء کے۔ اگرچہ جزاء پائی جائے تب بھی کفارہ) مساکین کو دے دیا جائے (جس دیس میں جو غلہ زیادہ استعمال ہوتا ہے اس سے بدلہ کا تخمینہ کر کے ہر فقیر کے ایک مد غلہ دے دیا جائے اور ایک قرأت میں لفظ کفارۃ مابعد کی طرف مضاف ہے۔ اضافت بیانیہ کے ساتھ) یا (اس

پر) اس (غلہ) کے برابر (مانند) روزے ہوں گے (ہر مد غلہ کے بدلہ میں ایک دن کا روزہ رکھ لے اور غلہ اگر موجود ہوتو پھر وہی واجب ہو جائے گا) تا کہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ (بدلہ) چکھے (جو کام اس نے کیا ہے) اللہ نے درگزر کیا اس سے۔ پہلے جو کچھ ہو چکا ہے (تحریم سے پہلے جو شکار کھیلا ہے) لیکن جو کوئی پھر کرے گا (شکار) تو اللہ میاں اس سے بدلہ لیں گے، اور اللہ غالب ہیں (اپنے کام میں زبردست) اور انتقام لے سکتے ہیں (نافرمانوں سے اور عمداً شکار کے مذکورہ حکم میں نادانستہ شکار بھی شریک ہے) تمہارے لئے حلال ہے (بغیر حرام کی حالت میں ہو یا احرام کی حالت میں) سمندری اور دریائی شکار (اس کو کھا سکتے ہو۔ دریائی جانور کی تعریف یہ ہے کہ جو پانی کے بغیر نہ رہ سکتا ہو جیسے مچھلی۔ برخلاف اس جانور کے جو تری اور خشکی دونوں میں رہ سکتا ہو۔ جیسے سرطان) اور اس کا کھانا (جس کو سمندر نے مردہ ساحل پر پھینک دیا ہو) تا کہ تمہیں اس سے نفع (فائدہ) پہنچے (تم اس کو کھا سکو) اور اہل قافلہ بھی فائدہ اٹھائیں (تمہارے ساتھ مسافر اس کو توشہ بنالیں) لیکن تم پر حرام کر دیا گیا ہے خشکی کا شکار (جو وحشی جانور خشکی میں رہتے سہتے ہوں، ان کا شکار ممنوع ہے) جب تک تم احرام کی حالت میں ہو (تاہم اگر بلا احرام کسی شخص نے اس کو شکار کر لیا ہو تو محرم کے لئے اس کا کھانا روا ہے۔ جیسا کہ سنت سے معلوم ہوتا ہے) پس اللہ سے ڈرو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کر کے لے جاؤ گے۔ اللہ نے کعبہ کو جو حرمت (احترام) کا گھر ہے۔ لوگوں کے لئے قیام کا ذریعہ بنادیا ہے (جو حج جیسے دینی کام کی ادائیگی کی جگہ اور دنیاوی لحاظ سے بھی اس میں داخل ہونے والے کے لئے امن ہے اور کوئی نگاہ بھر کر بھی اس کی طرف نہیں دیکھ سکتا۔ نیز ہر قسم کے پھل پھول وہاں مہیا کر دیئے گئے ہیں اور ایک قرأت میں لفظ قیماً بغیر الف کے ہے۔ قام کا مصدر ہے جس کا عین کلمہ معتل ہے) اور محترم مہینوں کو (شہر حرام بمعنی اشہر حرم ہے۔ ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب کے مہینے ہیں جو لوگوں کے لئے جنگ سے رکاوٹ کے باعث زندگی برقرار رکھنے کا ذریعہ بن گئے) اور قربانی کو اور ان جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں (اُن کے لئے قیام کا ذریعہ بنادیا ہے ان کے مالکوں سے تعرض نہ ہونے کی وجہ سے) یہ مذکورہ قرارداد) اس لئے ہے تا کہ تم جان لو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ سب کا حال جانتے ہیں اور وہ ہر بات کا علم رکھنے والے ہیں۔ (تمہارے لئے منافع حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کے لئے اسی قسم کی قرارداد کو منظور فرمانا اس کی دلیل ہے کہ پچھلی اگلی باتوں کا انہیں علم ہے) جان لو! کہ اللہ سخت سزا دینے والے (اپنے دشمنوں کو) اور بخشنے والے (اپنے دوستوں کو) اور (ان پر) رحم فرمانے والے ہیں۔ رسول اللہ (ﷺ) کے ذمہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ پیغام پہنچادے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں جو کچھ تم کھلے طور پر کرتے ہو (ظاہراً عمل کرتے) اور جو کچھ چھپا کر کرتے ہو (پوشیدہ طریقہ سے۔ چنانچہ سب پر تمہیں بدلہ ملے گا۔ اے پیغمبر (ﷺ)! ان سے فرمادیجئے کہ ناپاک (حرام) اور پاک (حلال) چیز برابر نہیں ہوسکتی۔ اگرچہ تمہیں گندی چیز کا بہت ہونا اچھا لگے۔ پس اللہ سے ڈرو۔ (اس کے چھوڑنے میں) اے ارباب دانش: تا کہ تم فلاح یاب ہوسکو (کامیاب بن سکو)۔

تحقیق وترکیب: ....**الصید** . یہ امتحان ایسا ہی تھا جیسے **اصحاب السبت** کا مچھلیوں کے سلسلہ میں ہوا۔ مگر امت محمدیہ کامیاب ہوئی۔ اس لئے دین ودنیا کی عزت کی مستحق ہوئی اور قوم موسیٰ علیہ السلام ناکام رہی۔ اس لئے مسخ کا شکار بنی۔ یہاں وحشی جانور بری مراد ہے۔ ماکول اللحم ہوں یا غیر ماکول اللحم، لیکن امام مالکؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک صرف ماکول اللحم مراد ہے۔ تاہم کٹ کھنا کتا، کوا، بچھو، چوہا، چیل، بھڑ اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ حدیث **خمس من الفواسق الخ** کی وجہ سے۔ البتہ مچھر، چیچڑی، ٹڈی، چیونٹی، کچھوا ہمارے نزدیک معاف ہیں برخلاف امام زفرؒ کے۔

ایدیکم ورماحکم. ہاتھ سے مراد عام ہے۔ جال، پھاند وغیرہ آلات سب داخل ہو جائیں گے۔ اسی طرح رماح سے مراد بھی عام آلات ہیں۔ خواہ تیر ہو یا بندوق وغلیل اور شی ءٍ پر تنوین تحقیر کی ہے۔

حدیبیہ مکہ معظمہ سے نو میل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے جس کو آج کل شمیسہ کہتے ہیں۔

المعنی یعنی **لیبلونکم** سے جو ممانعت شکار مفہوم ہو رہی ہے۔ مثل امام شافعیؒ، امام محمدؒ کی رائے اور قول مشہور پر امام مالکؒ کی

رائے تو وہی ہے جو مفسر علامؒ نے بیان کی۔لیکن شیخین کے نزدیک صرف مثل معنوی یعنی قیمت مراد ہے۔یعنی دوذی رائے شخص مقامی یا غیر مقامی قرب وجوار کے لحاظ سے اس جانور کی قیمت کا تخمینہ کرلیں۔اس کے بعد تین باتوں کا اختیار ہے۔خواہ اس قیمت سے جانور خرید کرفدیہ میں ذبح کرڈالیں یا غلہ خرید کر صدقۃ الفطر کی مقدار ہر فقیر کو دے ڈالیں یا ہر فقیر کے حصہ کے بدلہ روزہ رکھ لیں اور جو غلہ آخر میں صدقۃ الفطر سے کم مقدار میں بچ جائے اس کو خیرات کردیا جائے یا اس کے بدلہ پورے دن کا روزہ رکھ لیا جائے اور صحابہؓ کے مثل صوری واجب کرنے کا جواب بقول صاحب ہدایہ یہ ہوگا کہ ان کی مراد بھی تخمینہ اور اندازہ ہی ہے نہ کہ علی التعیین ایجاب۔اس لئے حنفیہ کے خلاف نہیں۔

بالغ الكعبة۔ چونکہ ھدیاً نکرہ موصوف ہے اور بالغ الکعبۃ اضافت کی وجہ سے معرفہ ہوگیا تو صفت موصوف کے درمیان تطابق نہ رہا؟ جلال محققؒ اسی کے دفعیہ کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ اضافت لفظیہ غیرحقیقیہ ہے جو مفید تعریف نہیں ہوتی بلکہ صرف تخفیف لفظ کا فائدہ دیتی ہے کہ تنوین ساقط ہوجایا کرتی ہے۔غرض یہ کہ موصوف بھی نکرہ اور صفت بھی نکرہ۔گودیکھنے میں بظاہر معرفہ ہے **فاندفع الاشكال**۔ کعبہ بلند اور مربع ہونے کی وجہ سے کعبہ کہلاتا ہے۔اہل عرب ہر مکعب اور مربع چیز کو کہہ دیتے تھے۔

وان وجده اشارہ اس طرف ہے کہ اوتخییر یہ ہے اور یہ لفظ مبالغہ کے لئے ہے۔یعنی اگر جزاء نہ پائی جائے تو کفارہ بدرجہ اولی ہوگا۔او عدل بمعنی مساوی بولتے ہیں۔ **عندی غلام عدل غلامک**۔

والحق بقتله۔ بظاہر نص اگرچہ عمداً شکار کے ساتھ خاص ہے۔کیونکہ **ومن قتله منكم متعمداً**۔شرط ہے اور عدل شرط مستلزم عدم جزاء کو ہوا کرتی ہے۔نیز لفظ انتقام بھی قتل عمد کی تائید و تاکید کررہا ہے۔اسی طرح لفظ عود "**ومن عاد**" میں بھی عمد ہی پر دلالت کررہا ہے۔لیکن جمہور خطاء شکار کو بھی اسی میں داخل کرتے ہیں۔کیونکہ "**حرم عليكم صيد البر ما دمتم حرماً**" فرمایا گیا ہے۔یعنی احرام کی وجہ سے شکار ممنوع ہے۔پس دانستہ اور نادانستہ یکساں ہونا چاہئے۔خطاء یا لاعلمی کی وجہ سے حکم ساقط نہیں ہونا چاہئے۔جیسا کہ حلق راس میں ہے۔نیز حدیث "**فی الضبع كبش**" "**اذا قتله المحرم**" اور صحابہؓ کا قول "**فی الظبی شاة**" بھی مطلق ہے۔اس میں عمد کی کوئی قید نہیں ہے۔اور زاہدی سے منقول ہے کہ آیت سے عمداً کا حکم اور سنت سے خطاء شکار کا حکم معلوم ہورہا ہے۔بقول صاحب جمل کے خطاء پر گناہ نہیں اور عمد پر گناہ بھی ہوگا۔

صيد البحر۔ امام شافعیؒ کے نزدیک تمام دریائی جاندار چیزیں حلال ہیں۔خواہ خشکی کے غیر ماکول حیوان کی شکل پر ہوں جیسے دریائی انسان، کتا، خنزیر وغیرہ۔البتہ بقول قاضی بیضاویؒ حنفیہ کے نزدیک صرف مچھلی حلال ہے اور فتاویٰ حمیدیہ نے کنز العباد سے نقل کیا ہے کہ جھینگہ مچھلی کے دو قول ہیں۔بعض حرام کہتے ہیں۔کیونکہ یہ مچھلی کی قسموں میں داخل نہیں اور بعض کے نزدیک حلال ہے۔کیونکہ اس کو "جھینگہ مچھلی" کہا جاتا ہے۔معلوم ہوا یہ بھی مچھلی کی قسم ہے۔لیکن ایسی صورت میں احتیاط نہ کھانے ہی میں ہے۔

كالسرطان۔ بمعنی کیکڑہ۔مینڈک اور نا کو بھی اسی حکم میں ہیں۔**بالحج اليه**۔چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے۔**ينزل من الماء كل يوم وليلة مائة وعشرون رحمة. ستون للطائفين واربعون للمصلين وعشرون للناظرين**.

القلائد۔ اگر ہدیٰ سے مراد قربانی کا جانور اور قلائد سے مالک جانور ہوں۔تب تو عطف تغایر کے لئے ہے اور قلائد سے مراد ذوات القلائد یعنی بدنہ لیا جائے تو پھر عطف خاص علی العام ہوجائے گا۔

اعجبك۔ قاموس میں اعجاب کے دو معنی لکھے ہیں۔عجب کے اور سرور کے لیکن خبیث چیز سے سرور تو عاقل کی شان سے بعید ہے۔البتہ خفاء حق کی وجہ سے عجب ہوسکتا ہے۔اس میں واؤ عطف شرطیہ کے لئے ہے یا حال کے لئے ہے "**ای لو لم يعجبك ولو اعجبك**" ثانی جملہ کی موجودگی میں اول جملہ کو حذف کردیا ہے اور جواب تو محذوف ہے۔جس پر ماقبل دال ہے۔

الخبيث۔ اس کی تقدیم اس لئے ہے کہ عدم مساوات خبیث کے ناقص ہونے کی وجہ سے ہے۔

ربط آیات:............ابتداء سورت میں بحالت احرام شکار کی ممانعت بتلائی تھی۔آیت **يا ايها الذين الخ** میں اسی کی کچھ

تفصیل ہے یا کہا جائے کہ ابھی تحریم حلال کا بیان چل رہا تھا۔ اس مناسبت سے فرماتے ہیں کہ بعض حلال چیزوں میں ہم تحریم بھی کر سکتے ہیں۔ یہ گویا اٹھارواں حکم ہے جو شکار سے متعلق ہے۔ آگے آیت **احل لکم الخ** سے بری اور بحری شکار کی تفصیل کر کے اسی حکم کا تتمہ بیان کر دیا۔ آگے آیت **جعل اللّٰہ الکعبۃ الخ** میں ممانعت شکار کے حکم کی گرانی کم کرنے کے لئے بیت اللہ کی عظمت اور اس سے متعلق منافع اور مصالح کی تفصیل بیان فرمادی۔ اور آیت **اعلموا الخ** میں ان مختلف احکام کے امتثال کی ترغیب اور خلاف ورزی پر ترہیب بیان کی جارہی ہے۔

شانِ نزول: .... ابن ابی حاتم سے مروی ہے کہ **یاایھا الذین امنوا الخ** عمرۃ الحدیبیہ کے موقعہ پر نازل ہوئی۔ جب آنحضرت (ﷺ) کے ساتھ چودہ سو ۱۴۰۰ اصحابہؓ ہمرکاب تھے۔ ذوالحلیفہ سے احرام باندھا گیا اور حضرت عثمان غنیؓ سفارت پر اہل مکہ کے پاس تشریف لے گئے تو بکثرت جانور صحابہؓ کے خیموں کے آس پاس جھنڈ کے جھنڈ آنے لگے۔ لیکن احرام کی وجہ سے پکڑنے کی ممانعت کردی گئی اور حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت (ﷺ) نے تحریم شراب کا ذکر فرمایا تو ایک اعرابی نے کھڑے ہوکر عرض کیا کہ میں اس کی تجارت کرتا ہوں۔ پس اس میں سے کچھ مال اللہ کے نام پر نکال کر دیا کروں تو کیا میرے لئے نافع ہوگا؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا۔ **ان اللّٰہ لایقبل الاالطیب** چنانچہ آیت **لایستوی الخبیث الخ** آپ (ﷺ) کی تائید کے لئے نازل ہوئی۔ یہ روایت اگر چہ جمہور مفسرین نے قبول نہیں کیا اور ان ہی کی رائے اولیٰ ہے، تاہم اگر روایت صحیح مان لی جائے تو اعرابی کے تساہل پر محمول کیا جائے گا۔ نیز آپ (ﷺ) کا اس آیت کو تلاوت فرمانا استشہاداً ہوگا جس کو راوی نے اس موقعہ پر نازل ہونا سمجھ لیا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **حکم نازل ہونے سے پہلے خلاف ورزی جرم نہیں کہلائے گی**: .... آیت **عفا اللّٰہ عنہ** کے ایک معنی یہ بھی ہوئے کہ آیت کے نازل ہونے یا اسلام سے پہلے حرم یا احرام کے احترام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شکار کیا ہے۔ وہ اگر چہ پہلے مقررہ قواعد کی رُو سے بُرا تھا، لیکن چونکہ اسلام لانے سے پہلے یا حکم نازل ہونے سے پہلے تھا، اس لئے قابل عفو ہے۔ تاہم آئندہ اگر کوئی اس مماعت کی خالف ورزی کرے گا تو اس ارتکاب کو پہلے جرم کے لحاظ سے عود ہی سمجھا جائے اس لئے مستحق انتقام قرار دیا جائے گا۔

حرم اور احرام سے متعلق احکام شکار: .... جس طرح بحالت احرام شکار کے یہ احکام ہیں، اس طرح حرم کے جانوروں کے لئے بھی یہی احکام ہیں۔ البتہ احرام کی حالت میں جنایت کرنے سے روزوں کا حکم بطور کفارہ ہے وہ بغیر احرام کے کافی نہیں ہوگا۔ شکاری جانور خواہ ماکول ہو یا غیر ماکول، ان کے لئے وحشی ہونا ضروری ہے کیونکہ صید کا مفہوم ہی یہ ہے۔ اس لئے گھریلو اور پالتو جانور بھیڑ، بکری، گائے، بیل، بھینس، اونٹ وغیرہ اس میں داخل نہیں۔ ان کا کھانا حلال ہے کہ وہ شکار ہی نہیں ہیں۔ البتہ چیل، کوا، بھیڑیا، سانپ، بچھو، کٹ کھنا کتا اور حملہ آور درندہ، خشکی کے یہ چند موذی جانور احادیث سے مستثنیٰ ہوں گے اور الصید میں الف لام عہد کا ماننا پڑے گا۔ اسی طرح آیت کی وجہ سے دریائی شکار کو مستثنیٰ کیا جائے گا۔ احرام وحرم کے بغیر اگر کوئی حلال جانور شکار کیا جائے۔ بشرطیکہ اس کے شکار میں محرم کی کسی طرح کی اعانت وشرکت شامل نہ ہو۔ اس کا کھانا محرم کے لئے حلال ہے۔ چنانچہ آیت میں **لاتقتلوا** فرمایا گیا ہے **لاتاکلوا** نہیں فرمایا گیا۔

جزائے فعل اور جزائے محل: .... دانستہ شکار میں جس طرح جزاء واجب ہے اسی طرح خطاونسیان سے شکار کرنے میں بھی جزاء آئے گی۔ البتہ اول صورت میں جزائے فعل سمجھی جائے گی۔ اور **متعمداً** کی قید کا یہی فائدہ ہوگا اور دوسری غیر دانستہ صورت میں جزائے محل ہوگی۔ نیز پہلی مرتبہ شکار میں جس طرح جزاء واجب ہوگی بار بار شکار میں بھی اسی طرح جزاء آئے گی۔ البتہ گناہ پر

اصرار چونکہ ایک درجہ میں گستاخی اور جرأت سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے اخروی انتقام کا باعث بھی ہوگی۔

شاہی حرم کے شکار کا تاوان: .... جانور کی قیمت کا تخمینہ دو معتبر اور ذی رائے شخص یا ایک شخص کرلے، پس اگر شکار غیر ماکول جانور ہے تب تو یہ قیمت کسی حال میں ایک بکری کی قیمت سے زیادہ واجب نہیں ہونی چاہئے۔ ہاں ماکول جانور ہے تو جس قدر تخمینہ بھی ہوجائے اس کی تین صورتیں ہوں گی۔ خواہ اس قیمت سے کوئی جانور قربانی کی شرائط کے مطابق خرید کر حدود حرم میں ذبح کرکے فقیروں کو خیرات کردیا جائے یا غلہ خرید کر ہر فقیر کو صدقۃ الفطر کے برابر اسّی تولہ فی سیر کے حساب سے پونے دو سیر کے قریب اور آج کل کے نئے اوزان کے لحاظ سے تقریباً ایک کلو چھ سو تینتیس گرام گیہوں اور اس سے دوگنے جو وغیرہ ہوتے ہیں دے دے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ فی نصف صاع ایک ایک روزہ رکھ لے اور اگر نصف صاع سے کم غلہ بچے یا کسی جانور کا تخمینہ ہی اتنا ہو تو دونوں صورتوں میں خواہ وہ غلہ فقیر کو دے دیا جائے یا اس کے بدلے پورے دن کا روزہ رکھ لیا جائے، البتہ غلہ کی تقسیم میں اور روزے رکھنے میں حرم کی قید نہیں ہے۔

لیکن اگر کچی جنس دینے کے بجائے ہر فقیر کو دو وقت شکم سیر کرکے کھانا کھلادیا جائے، بشرطیکہ پہلے سے پیٹ بھرا ہوا ہے اور نابالغ بچہ نہ ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ اسی طرح تخمینہ کی قیمت سے جانور خرید کر کم دام بچ جائیں تو ان میں بھی پھر ان ہی تین باتوں کا اختیار ہے۔ دوسرا جانور اور خرید لے یا غلہ تقسیم کردے یا اتنے ہی روزے رکھ لے۔

شکاری جانور کے زخم کا تاوان: .... شکار مارنے میں جس طرح جزاء کا تخمینہ کرایا جائے گا اسی طرح شکار کو زخمی کرنے کی صورت میں بھی جزاء کا تخمینہ کرکے مذکورہ تین صورتیں کی جائیں گی۔ محرم کے لئے جن جانوروں کا شکار ممنوع ہے ان کا ذبح بھی حرام ہے۔ ایسے مذبوحہ جانور کو مردار سمجھا جائے گا اور اس کی جزاء تخمینہ کی بھی یہی تین صورتیں ہوں گی۔ کیونکہ ذبح کرنا بھی ایک طرح کا قتل ہی ہے۔ جو **لاتقتلوا** میں داخل ہے۔ نیز شکار کی طرف اشارہ یا دلالت یا اعانت بھی بطور عموم مجاز **لاتقتلوا** میں داخل ہے۔ گویا حقیقی قتل اور تسبب قتل دونوں ممنوع ہیں۔ شکار اگر جنگل میں کیا گیا ہے تو قریب کی آبادی میں قیمت کا تخمینہ کرایا جائے گا۔ مثل صوری اور مثل معنوی کی مفصل بحث کتب اصول میں مذکور ہیں۔

دریائی جانور سے وہ جانور مراد ہیں جن کا مولد و مسکن دونوں پانی ہی ہوں۔ پس بطخ اور مرغابی وغیرہ خشکی کے جانور ہوں گے دریائی نہیں ہوں گے۔ البتہ **طعامہ** کی ضمیر صرف ماکول اور مطعوم کی طرف راجع ہوکر مچھلی مراد ہوگی۔ اکثر فقہاء کے نزدیک غیر مطعوم جانور بھی اسی حکم میں ہیں کہ ان کو پکڑنا اور مارنا درست ہے۔ اگرچہ ان کا کھانا درست نہ ہو۔ خشکی کے جانور کا تقابل بھی اسی کو مقتضی ہے کہ جس طرح وہاں ماکول غیر ماکول جانور شکار کے حرام ہونے میں برابر ہیں، اسی طرح یہاں حلت میں دونوں یکساں ہونے چاہئیں۔

کعبہ کی دنیوی اور دینی برکات: .... کعبہ کی جن برکات و مصالح کا بیان آیت **جعل اللّٰہ الخ** میں کیا گیا ہے۔ وہ دو طرح کے ہیں۔ ایک زمانی یعنی اشہر حرم۔ دوسرے مکانی۔ یعنی خود خانہ کعبہ اور دو چیزیں مکان کے متعلقات میں سے ہیں۔ یعنی ہدی اور قلائد، غرضیکہ ان تینوں چیزوں میں حرمت تو مشترک ہے ہی۔ ایک خاص تحریم یہ بھی ہے کہ ان تینوں میں بالواسطہ یا بلاواسطہ کعبۃ اللہ کی تعظیم بھی ہے اور دراصل یہی مبنیٰ ہے احرام کی حالت میں شکار کے حرام ہونے کا۔ کیونکہ احرام کا تعلق حج وعمرہ سے ہے اور حج وعمرہ کا تعلق بیت اللہ سے ظاہر ہے۔ پس اس طرح ان چاروں میں یہ ایک خاص مناسبت ہوگئی۔ لیکن بقول قاضی بیضاویؒ اگر شہر حرام کی تفسیر ذی الحجہ سے کی جائے تو پھر پانچوں چیزوں میں وہی مخصوص مناسبت رہے گی۔ چار چیزیں تو اس آیت میں مذکور ہیں اور ایک شکار کھیلنا۔

ہدی کی قسمیں: ......ہدی کی کئی قسمیں ہیں۔ ہدی التطوع، ہدی المتعہ، ہدی القران، ہدی الاحصار، ہدی الجنایات۔ نیز ہدی کا اطلاق بکری، گائے، اونٹ پر ہوتا ہے۔ لیکن بدنہ کا اطلاق ہمارے نزدیک صرف گائے اور اونٹ پر اور شوافع کے نزدیک فقط اونٹ پر ہوتا ہے اور قلائد کی مشروعیت صرف بدنہ کے لئے، بکری اس میں داخل نہیں ہے۔ احرام کی ابتداء تلبیہ اور قلادہ دونوں سے ہو سکتی ہے۔

بیت اللہ کی دنیاوی برکات میں سے اس کا امن گاہ ہوتا ہے اور عظیم الشان بین الاقوامی اجتماع میں ساری دنیا کے مسلمان یکجا ہو کر ترقی اور اتحاد کی راہیں ہموار کرتے ہیں۔ جس سے امن عالم کو تقویت پہنچتی ہے۔ نیز کعبہ کی بقاء تک عالم کا باقی رہنا۔ چنانچہ جب کفار اس کو منہدم کر دیں گے تو سارا عالم منہدم ہو کر قیامت برپا ہو جائے گی۔ پہلے دونوں منافع مشاہدہ میں آچکے ہیں۔ تیسرے فائدہ کا مشاہدہ قیامت کے قریب ہو سکے گا۔ جو یقینی ہونے میں پہلے قسموں کی طرح ہے۔

حج کے مہینوں کی حرمت کا فائدہ: ....ان مخصوص مہینوں کی حرمت کا نفع امن عام ہے اور ہدی اور قلائد کا ان کے لانے والوں کے درپے آزار نہ ہونا ہے۔ ان مخصوص منافع کے ایک عام اور مشترک نفع یہ ہے کہ ان سے بیت اللہ کی عظمت کا اعتقاد اور اس تقریب سے وہاں کے سکان اور باشندوں کا احترام، وہاں کے آنے جانے والوں اور ارادہ رکھنے والوں کو ہر طرح کے ظلم وتعدی سے محفوظ رکھنا ہے۔ یہ باتیں عادۃً تو کی ہی جاتی ہیں لیکن شرعاً بھی مطلوب ہیں۔

رہے دینی اور اخروی برکات تو بعض تو اسی آیت میں مذکور ہیں مثلاً: درستی اعتقاد اور بعض اس کے علاوہ ہیں جیسے حج وعمرہ کا باعث ثواب ہونا ہدی اور قلائد کی قربانی کا موجب قربت ہونا۔

لطائف آیات: ....آیت یآایھا الذین امنوا الخ سے معلوم ہوا کہ مشائخ جو مریدوں کے صدق کا امتحان کرتے ہیں وہ بے اصل نہیں ہے۔ آیت ومن قتلہ الخ سے اہل ریاضت کے اس طریق کی اصل نکلتی ہے کہ اول خطاء پر نفس کو قابل تحمل ہلکی سزا دیتے ہیں لیکن اگر نفس باز نہ آئے تو پھر دشوار اور سخت سزا دیتے ہیں۔ آیت احل لکم الخ سے زہد کو اعتدال کے ساتھ کرنے کا استحسان اور غلو کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ آیت قل لا یستوی الخبیث الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل حق کے مقابلہ میں باطل پرستوں کی کثرت سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔

وَنَزَلَ لَمَّا اَكْثَرُوْ اسُؤَالَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ** تُظْهَرَ **تَسُؤْكُمْ** لِمَا فِيْهَا مِنَ الْمَشَقَّةِ **وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ** اَیْ فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **تُبْدَ لَكُمْ** اَلْمَعْنٰى اِذَا سَاَلْتُمْ عَنْ اَشْيَاءَ فِیْ زَمَنِهٖ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ بِاِبْدَاءِ اَنْهَا وَمَتٰى اَبْدَاهَا سَاءَ تْكُمْ فَلَا تَسْئَلُوْا عَنْهَا **عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا** عَنْ مَسْاَلَتِكُمْ فَلَا تَعُوْدُوْا **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا** اَیِ الْاَشْيَاءَ **قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ** اَنْبِيَاءِ هُمْ فَاُجِيْبُوْا بِبَيَانِ اَحْكَامِهَا **ثُمَّ اَصْبَحُوْا** صَارُوْا **بِهَا كٰفِرِيْنَ﴿۱۰۲﴾** بِتَرْكِهِمِ الْعَمَلَ بِهَا **مَا جَعَلَ** شَرَعَ **اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ** كَمَا كَانَ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَفْعَلُوْنَهٗ رَوَى الْبُخَارِیُّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ الْبَحِيْرَةُ الَّتِیْ يُمْنَعُ دَرُّهَا لِلطَّوَاغِيْتِ فَلَا يَحْلِبُهَا اَحَدٌ مِنَ النَّاسِ

وَالسَّائِبَةُ كَانُوْا يُسِيْبُوْنَهَا لِاٰلِهَتِهِمْ فَلَا يُحْمَلُ عَلَيْهَا شَيْءٌ وَالْوَصِيْلَةُ النَّاقَةُ الْبِكْرُ تُبَكِّرُ فِيْ اَوَّلِ نِتَاجِ الْاِبِلِ بِاُنْثٰى ثُمَّ تُثَنِّيْ بَعْدَهٗ بِاُنْثٰى وَكَانُوْا يُسِيْبُوْنَهَا لِطَوَاغِيْتِهِمْ اِنْ وَصَلَتْ اِحْدٰهُمَا بِالْاُخْرٰى لَيْسَ بَيْنَهُمَا ذَكَرٌ وَالْحَامُ فَحْلُ الْاِبِلِ يَضْرِبُ الضِّرَابَ الْمَعْدُوْدَ فَاِذَا قَضٰى ضِرَابَهٗ وَدَعُوْهُ لِلطَّوَاغِيْتِ وَاَعْفَوْهُ مِنَ الْحَمْلِ فَلَمْ يُحْمَلْ عَلَيْهِ شَيْءٌ وَسَمُّوْهُ الْحَامِيْ **وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ** فِيْ ذٰلِكَ وَنِسْبَتِهٖ اِلَيْهِ **وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴿۱۰۳﴾** اَنَّ ذٰلِكَ اِفْتِرَاءٌ لِاَنَّهُمْ قَلَّدُوْا فِيْهِ اٰبَاءَهُمْ **وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ** اَيْ اِلٰى حُكْمِهٖ مِنْ تَحْلِيْلِ مَا حَرَّمْتُمْ **قَالُوْا حَسْبُنَا** كَافِيْنَا **مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا** مِنَ الدِّيْنِ وَالشَّرِيْعَةِ قَالَ تَعَالٰى اَحَسْبُهُمْ ذٰلِكَ **اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ﴿۱۰۴﴾** اِلَى الْحَقِّ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلْاِنْكَارِ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ** اَيْ اِحْفَظُوْهَا وَقُوْمُوْا بِصَلَاحِهَا **لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ** قِيْلَ الْمُرَادُ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَقِيْلَ الْمُرَادُ غَيْرُهُمْ لِحَدِيْثِ اَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ سَاَلْتُ عَنْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِئْتَمِرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنَاهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ حَتّٰى اِذَا رَاَيْتَ شُحًّا مُّطَاعًا وَهَوًى مُّتَّبَعًا وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً وَاِعْجَابَ كُلِّ ذِيْ رَأْيٍ بِرَأْيِهٖ فَعَلَيْكَ نَفْسَكَ رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَغَيْرُهٗ **اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۱۰۵﴾** فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ

ترجمہ: .... (لوگوں نے جب بکثرت سوالات کرنے شروع کردیئے تو یہ آیات نازل ہوئیں) مسلمانو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں بری لگیں (کیونکہ ان میں مشقت پائی جاتی ہو) اگر ان چیزوں کی نسبت سوال کروگے جب کہ قرآن نازل ہو رہا ہو (یعنی آنحضرت (ﷺ) کی حیات مبارکہ میں) تو ظاہر کردی جائیں گی (حاصل یہ کہ آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں جب کہ قرآن اتر رہا ہو۔ اگر کاوشیں کرکے بتکلف کسی بات کو دریافت کروگے تو ضرور ظاہر کی جائیں گی اور وہ تمہیں ناگوار ہوسکتی ہیں۔ اس لئے زیادہ پوچھ گچھ ہی نہیں کرنی چاہئے) اللہ نے یہ بات معاف فرمادی ہے (تمہاری پوچھ تاچھ۔ لہذا آئندہ پھر ایسا مت کرنا) اور اللہ بخشنے والے اور بہت ہی بردبار ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ پوچھ گچھ کی تھی (ایسی ہی چیزوں کی) تم سے پہلے ایک گروہ نے (اپنے پیغمبروں سے لہذا جواب میں انہیں احکام بیان کرنے پڑے ہیں) پھر نتیجہ یہ نکلا کہ ہوگئے (بن گئے) وہ کافر (احکام پر عمل چھوڑ کر) اللہ نے نہیں ٹھہرایا ہے (مشروع نہیں کیا ہے) بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام میں سے کوئی جانور (جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اس قسم کی کارروائی کرتے رہتے ہیں) امام بخاریؒ سعید بن المسیبؒ سے روایت کرتے ہیں کہ بحیرہ وہ جانور ہوتا تھا جس کا دودھ بتوں پر چڑھاوا کردیا جاتا تھا۔ کوئی شخص بھی اس کو دوہ نہیں سکتا تھا اور سائبہ وہ جانور کہلاتا تھا جس کو اپنے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ لہذا اس پر کوئی چیز لاد بھی نہین سکتے تھے اور وصیلہ وہ اونٹنی جو پہلی بار مادہ بچہ جنے۔ پھر دوسری بار بھی مادہ بچہ جنے۔ اس کو بھی دیوتاؤں کے نام پر وقف کردیتے تھے۔ لیکن ان دونوں متصل مادہ بچوں کے درمیان نر بچہ نہیں ہونا چاہئے تھا اور حام نر اونٹ جو ایک خاص شمار سے جفتی کرچکا ہو اور جب اپنی مقررہ تعداد جفتی سے فارغ ہوجاتا تو اس کو بھی دیوی دیوتاؤں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ حتیٰ کہ حمل کے لئے اس کو آزاد

چھوڑ دیا جاتا اور اس پر کوئی چیز بھی نہیں لادتے تھے اور اس کا نام حامی رکھتے تھے) لیکن جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کی، وہ اللہ پر جھوٹ کہہ کر افتراء کرتے ہیں۔ (اس بارے میں اور پھر اس کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں) اور ان میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں جو سمجھ بوجھ سے محروم ہیں (جو اپنی اس بہتان طرازی کو بھی نہیں سمجھتے، کیونکہ اپنے آباء واجداد کی تقلید میں لگے رہتے ہیں) اور جب ان سے کہا جاتا ہے اس بات کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور اللہ کے رسول (ﷺ) کی طرف آؤ (یعنی اس کے حکم کی طرف کہ تمہاری حرام کی ہوئی چیزوں کو انہوں نے حلال کیا ہے) تو کہتے ہیں ہمارے لئے تو وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو چلتے دیکھا ہے۔ (دین وشریعت کی رو سے حق تعالیٰ فرماتے ہیں) کیا (وہ طریقہ ان کے لئے ہر حال میں کافی ہے) اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ جانتے بوجھتے بھی نہ ہوں اور سیدھے راستہ پر بھی نہ ہوں (یعنی حق پر۔ اس میں استفہام انکار کے لئے ہے) مسلمانو! تم پر صرف تمہاری اپنی ذمہ داری ہے (یعنی تم اپنی حفاظت کرو اور اپنی اصلاح کے لئے کمربستہ ہو جاؤ) اگر تم سیدھے راستہ پر قائم رہے تو کسی کو گمراہ ہونا تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (بعض نے اس کے معنی یہ لئے ہیں کہ اہل کتاب کی گمراہی مسلمانوں کو ضرر رساں نہیں ہو سکتی اور بعض کے نزدیک دوسرے لوگ مراد ہیں۔ حدیث ابوثعلبہ خشنیؓ ہے کہ میں نے اس آیت کے بارے میں آنحضرت (ﷺ) سے دریافت کیا تو آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ حتیٰ کہ جب تم دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جاتی ہے اور خواہش نفسانی کی پیروی کی جاتی ہے اور دنیا رچی ہوئی ہے اور ہر آدمی اپنی رائے کی بیچ میں ہو تو اس وقت صرف خود کو بچانے کی کوشش کرو۔ حاکم وغیرہ) اللہ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے۔ وہ پھر تم سب کو جتلا دیں گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے (تمہارے کئے کا بدلہ تم کو دیں گے)۔

تحقیق وترکیب:............**عنہا** مطلقا اشیاء کی طرف نہیں بلکہ اشیاء منہی عنہا کی طرف ضمیر راجع ہے۔ جیسے **ثم جعلناہ نطفة** کی ضمیر ابن آدم کی طرف راجع ہے۔ جس پر ماقبل دلالت کرتا ہے۔ بقول مدارک، خلیل سیبویہ اور جمہور بصریین کے نزدیک لفظ **شیئاً** دو ہمزہ کے ساتھ ہے۔ جس کے درمیان الف ہے۔ بروزن فعلاء شئی ء سے ماخوذ ہے۔ دوسری ہمزہ تانیث کی ہے۔ اسی لئے **حمراء** کی طرح غیر منصرف ہے۔ یہ لفظاً مفرد اور معناً جمع ہے۔ چونکہ دو ہمزہ کا اجتماع ثقیل ہے۔ اس لئے ہمزہ اولیٰ کا جو لام کلمہ کی جگہ تھی مقدم کر دیا گیا ہے اور شین سے پہلے رکھ دیا گیا۔ لفعاء وزن ہو گیا۔

المعنی یعنی آیت میں تقدیم تاخیر ہوگئی **اذا سالتم الخ** سے جملہ شرطیہ ثانیہ کی طرف اور **متی ابداء ها الخ** سے جملہ شرطیہ اولیٰ کی طرف اشارہ ہے۔ **عف اللہ** یعنی بے ضرورت سوال فی نفسہ معصیت تھا۔ لیکن چونکہ حکم سے پہلے اس لئے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ''گذشتہ را صلوات آئندہ را احتیاط''

قد سألها بیضاوی میں ہے کہ ضمیر اشیاء کی طرف بحذف الجار راجع ہے اور بعض کی رائے میں ضمیر مسئلہ کی طرف راجع ہے۔ ای **سـال مسئلة** حاصل دونوں توجیہوں کا ایک ہی ہے اور قوم سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت ہے۔ جنہوں نے مائدہ کی درخواست کی تھی یا قوم صالح علیہ السلام ہے جنہوں نے پتھر سے ناقہ برآمد ہونے کی درخواست کی تھی، لیکن یہ امت محمدیہ (ﷺ) کا شرف وخصوصیت ہے کہ عذاب الٰہی سے بچ گئے اور پچھلی دونوں جماعتیں تباہ ہو گئیں۔ اگرچہ سب کا سوال ایک ہی نہیں تھا، بلکہ الگ الگ تھا۔ لیکن مبالغہ فی التحذیر کے لئے سال **مثلها** نہیں کہا۔ **بها** اشارہ کر دیا کہ بحذف المضاف ہے ای **بترک العمل بحیرة**۔ بروزن فعیلة بمعنی مفعولة بحیر بمعنی شق سے مشتق ہے۔ ایسے جانوروں کے کان چھید دیئے جاتے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کا مصداق وہ اونٹنی ہے جو پانچ بچے اس طرح جنے کہ آخری بچہ نر ہو۔ چنانچہ اس کا کان چھید کر سانڈنی کی طرح چھوڑ دیتے ہیں اور بعض کی رائے یہ کہ پانچواں بچہ اگر نر ہوتا تو اس کو مرد وعورت دونوں کھا سکتے تھے اور مادہ بچہ ہوتا تو کان چھید دیا جاتا اور اس کے منافع صرف مردوں کے لئے ہوتے۔ ہاں جانور کے مرجانے کے بعد مرد وعورت شریک رہتے۔

سائبه بروزن فاعلة بمعنی مسیبه **مفعولة من ساب لیسوب اذا ذهب حام** جو دس (۱۰) مادہ بچے جنے اور حام اس لئے

کہتے تھے کہ اس کی کمر بار برداری سے محفوظ رہتی تھی۔ یہ سب خرافات عمرہ بن لحی سے شروع ہوئی تھی۔

اولو کان یعنی واو حالیہ ہے۔ جس پر ہمزہ انکار یہ داخل ہوا ہے۔ ای ایکفیھم دین ابائھم ولو کانو الخ۔

انفسکم۔ یہ منصوب علی الاغراء ہے۔ علیکم کے ذریعہ کیونکہ علیکم یہاں اسم فعل ہے۔ ای الزموا انفسکم یہ متعدی ہے مابعد مفعول بہ سے اور کبھی لازمی بھی ہوتا ہے۔ جیسے علیک بذات الدین۔ لیکن یہ صرف ضمیر خطاب کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ علیہ زید کہنا جائز نہیں ہے۔ لایضر کم اس میں مسلمانوں کو تسلی دینا ہے کہ دوسروں کے ایمان نہ لانے سے تمہارا نقصان نہیں ہے۔ کچھ ان ہی کا نقصان ہے۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات میں احکام نازلہ میں تساہل اور مخالفت کی ممانعت تھی۔ آیت لاتسئلوا الخ سے غیر ضروری اور دوراز کار چیزوں کی تفتیش اور کھود کرید کی ممانعت کی جارہی ہے۔ تاکہ افراط وتفریط دونوں سے بچ کر ایک اعتدالی حکم نکل آئے۔ اسی طرح پچھلی آیات میں سترھواں اور اٹھارھواں حکم بعض گناہوں سے متعلق تھا۔ آیت ماجعل اللّٰہ الخ سے انیسواں حکم بعض اعمال کفریہ اور شرکیہ سے متعلق ہیں۔ جن میں بعض رسوم جاہلیت کی اصلاح منظور ہے۔ ممکن ہے کہ ان جاہلانہ باتوں کو سن کر رنجیدہ اور کبیدہ ہوں یا جن لوگوں کی گھٹی میں یہ رسومات پڑی ہوئی ہوتی ہیں، حد درجہ کوشش کے باوجود ان کی اصلاح کی توقع نہ رہنے سے مسلمان ملول ہوں۔ اس لئے آیت یاایھا الذین اٰمنوا علیکم الخ میں اعتدال اصلاح کا مشورہ دیا جارہا ہے۔

شانِ نزول: .... آیت لاتسئلوا الخ کے متعلق دو شان نزول بیان کئے گئے ہیں۔ اول یہ کہ جب آیت و للّٰہ علی الناس حج البیت نازل ہوئی تو سراقہ بن مالکؓ نے عرض کیا کہ کیا ہر سال کے لئے حج کی فرضیت ہے؟ لیکن آنحضرت (ﷺ) نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ تین مرتبہ عرض کرنے کے باوجود آپ (ﷺ) رخ پھیرتے رہے اور آخر یہ فرمایا کہ ہر سال نہیں۔ لیکن اگر میں ''ہاں'' کہہ دیتا تو ہر سال حج واجب ہوجاتا جس کو تم نہ کرسکتے تھے اور جب چھوڑتے تو کفر میں پڑجاتے۔ پس جب میں نے تم سے کچھ نہیں کہا تو تم کو بھی کچھ پوچھنا نہیں چاہئے تھا۔ اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ غیر ضروری اور بے کار سوالات سے ناراض ہوکر آنحضرت (ﷺ) نے خطبہ ارشاد فرمایا اور غصہ میں یہاں تک کہہ دیا کہ پوچھو کیا پوچھتے ہو؟ جو کچھ پوچھو گے جواب دوں گا۔ چنانچہ ایک صاحب نے دریافت کیا ''میں کہاں ہوں؟'' فرمایا جہنم میں۔ دوسرے نے پوچھا میرا باپ کون ہے؟ فرمایا حذافہ۔ حالانکہ وہ کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب تھا۔ کسی نے گمشدہ اونٹنی کا پتہ پوچھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: .... کردار و گفتار کا فرق: .... حاصل کلام یہ ہے کہ نہ تو احکام میں اس قدر لاپرواہی ہونی چاہئے کہ ضروری احکام بھی تساہل کی نذر ہوجائیں کہ یہ تفریط کا درجہ ہے اور نہ اتنی کھوج کرید، کنج کاؤ ہونا چاہئے کہ دوراز کار اور فضول اور مہمل سوالات تراش خراش کر کے اضاعت وقت کیا جائے کہ یہ افراط کا درجہ ہے۔ اس بری عادت کا نتیجہ بالآخر یہ نکلتا ہے کہ آہستہ آہستہ افراد اور جماعت کی عملی قوتیں سلب ہوجاتی ہیں اور لوگ مفلوج ہوکر رہ جاتے ہیں۔ جن لوگوں میں عمل کی قوتیں بیدار ہوتی ہیں اور وہ باعمل اور فعال ہوتے ہیں وہ زیادہ باتونی نہیں ہوتے، کیونکہ جو لوگ گفتار کے غازی ہوتے ہیں وہ کردار کے دھنی نہیں ہوتے، جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں۔

آنحضرت (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ پچھلے لوگ بھی اسی طرح تباہ ہوئے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں سے زیادہ پوچھ تاچھ کی۔ مگر پھر ان کے بتلاتے کے مطابق عمل نہیں کیا بلکہ خلاف ورزی کر کے ہلاک ہوئے۔ بنی اسرائیل کو ذبح بقرہ کا حکم ہوا۔ لیکن پھر کس طرح پیر ملے اور سوالات پر سوالات کئے۔ جس کے نتیجہ میں خود ہی ان کے گلے میں پھندے پڑتے رہے۔

جو کچھ میں تم کو بتلا دیا کروں اس پر عمل کرلیا کرو اور جس چیز سے روک دیا کروں باز رہا کرو۔ یعنی اگر کسی بات میں شبہ نہ ہو تو بلاضرورت پوچھنا نہیں چاہئے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ بڑا مجرم وہ شخص ہے جس کے پوچھنے سے کوئی چیز حرام ہوجائے۔ (بخاری) پس جن چیزوں میں حرام حلال کا احتمال ہو، ان میں تو سوال کے بعد تحریم کا احتمال ہے۔ لیکن جو باتیں واقعات کے قبیل سے ہیں۔ ان میں سے بعض میں خلاف مرضی جواب آنے کا اندیشہ رہتا ہے اور بعض میں ناگواری کی حد تک ڈانٹ ڈپٹ کا خطرہ رہتا ہے۔

لفظ تسؤکم ان سب صورتوں کو شامل ہے۔ غرضیکہ احکام میں تو یہ سوال افراط کی وجہ سے اور واقعات میں افراط کے ساتھ ساتھ موجب تفریط ادب ہونے کی وجہ سے بھی ممنوع رہے گا۔ جیسا کہ بخاری میں ہے کہ بعض لوگ استہزاءً بھی آپ (ﷺ) سے دریافت کرتے تھے۔

آیت کریمہ پوچھنے کی سب صورتوں کو شامل ہے: .... بہرحال یہ آیت سوال اور جواب کی تمام اقسام کو شامل ہے۔ اگرچہ کہیں افراط ممانعت کی علت ہوگی اور کہیں تفریط۔ اسی طرح جواب میں کہیں ناگواری کا احتمال تحریم کی وجہ سے ہوگا اور کہیں رسوائی کی وجہ سے اور کہیں زجر وتوبیخ کی وجہ سے۔ البتہ آنحضرت (ﷺ) کے بعد اس قسم کے سوالات میں یہ علتیں تو نہیں پائی جائیں گی۔ البتہ وقت کی اضاعت اور مجیب کو تنگی میں ڈالنا ضرور رہے گا۔ اس لئے ممانعت بھی برقرار رہے گی۔

باقی طالب علمانہ سوالات اس میں داخل نہیں۔ کیونکہ وہ غیر ضروری نہیں بلکہ ضروری ہوتے ہیں۔ خواہ واقعی شبہات ہوں یا فرضی سوالات قائم کرکے آئندہ دوسروں کے لئے علم کا دروازہ کھولا جائے اور شبہات کا سد باب کیا جائے۔

چنانچہ حدیث میں **السوال نصف العلم** اور **انما شفاء العی السوال** فرمایا گیا ہے۔ ہاں مبتدی سالک اور طالب کے لئے طریقت میں زیادہ پوچھنا گچھنا سد راہ ہے۔ ان میں ایک علم بڑھاتا ہے اور دوسرا عمل کو بڑھانے میں لگا ہوا ہے۔ اسی لئے بعض محققین کا یہ مقولہ بالکل صحیح ہے۔ "ہر طالب علمے کہ چون وچرا نکند وہر طالبے کہ چون وچرا کند۔ ہر دو را در چراگاہ باید فرستاد" یعنی جو طالب علم سوال و جواب بحث ومباحثہ نہ کرے، جس سے اس کے علم میں ترقی ہوتی اور جو صوفی راہ سلوک میں چلنے اور حال پیدا کرنے کی بجائے قیل وقال میں لگا رہے تو دونوں کو جانوروں کے ساتھ گھاس کھانے کے لئے چھوڑ دینا چاہئے۔ کیونکہ دونوں ترقی معکوس میں لگے ہوئے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ: .... رہا یہ شبہ کہ پہلے جب اس بارے میں کوئی حکم ہی نازل نہیں ہوا تو پھر معافی کا کیا سوال؟ جواب یہ ہے کہ دوسرے قواعد شرعیہ کلیہ سے یہ بات واضح تھی اور عقل پر زور دینے سے بھی یہ بات سمجھ میں آسکتی تھی۔ اس لئے اس کو ایک سرسری کوتاہی شمار کیا گیا ہے۔ جس پر معافی کی بشارت مسرت افزا ہوگی۔ باقی ضروریات کا دریافت کرنا اس کی ممانعت مقصود نہیں۔ چنانچہ بعض عورتوں کی عدت کا حکم جب نازل ہوا اور بعض کے لئے نہیں ہوا۔ حالانکہ ضرورت سب کے لئے پیش آتی ہے تو صحابہؓ نے دریافت کیا اور بلاعتاب جواب آیا۔

مطلق اور مقید میں فقہی نقطۂ اختلاف: .... فخر الاسلام بزدویؒ اور صاحب توضیح اس آیت سے استدلال کر رہے ہیں کہ مطلق کو مقید پر محمول نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ مطلق کی تقلید کے سوال کو بھی جب باعث تکلیف قرار دیا گیا ہے تو مطلق کو مقید کرنا بدرجہ اولی باعث ملال ہونا چاہئے۔

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ اگر حکم میں نفی ہے جیسے **لاتعتق رقبة** اور **لاتعتق رقبة کافرة** تو بالاتفاق مطلق مقید پر محمول نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر مثبت حکم ہو مگر دونوں مختلف ہوں تب بھی مطلق مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ الا یہ کہ ایک کا غیر مذکورہ حکم دوسرے کی تقلید کو واجب کرتا ہو۔ جیسے **اعتق رقبة** اور **لاتملکنی رقبة کافرة** لیکن اگر دونوں میں حکم ایک ہو مگر حادثات مختلف

ہوں۔ جیسے کفارۂ یمین اور کفارۂ ظہار یا قتل۔ تو احناف کے نزدیک پھر بھی مطلق مقید پر محمول نہیں ہوگا۔ البتہ شوافع اختلاف کرتے ہیں اور اگر حادثہ بھی ایک ہی ہو۔ پس اگر دونوں کا تعلق سبب سے ہو جیسے صدقۃ الفطر تو ہمارے نزدیک پھر بھی محمول نہیں ہوگا۔ برخلاف امام شافعیؒ کے۔ ہاں اگر دونوں کا تعلق حکم سے ہو جیسے **فصیام ثلثۃ ایام متتابعات** تو پھر بالاتفاق مطلق مقید پر محمول کرلیا جائے گا۔

آیت **ماجعل اللّٰہ الخ** کی تفصیل ربع اول پارہ سیقول میں گزر چکی ہے۔ تاہم آیت **اولو کان الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ تقلید کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اجمالاً یہ مانتا ہو کہ جس کی تقلید کر رہا ہوں وہ عالم مہتدی ہے ورنہ تقلید کی جامد اور کورانہ یا اندھی تقلید کہلائے گی۔ گویا مقلد کے لئے دلیل اجمالی کی ضرورت ہے۔

ہدایت یافتہ ہونے کے باوجود دوسروں کی اصلاح ضروری ہے:.......... **البتہ یاایھا الذین اٰمنوا علیکم الخ** پر سرسری طور پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ انسان جب خود ٹھیک ہو تو اس کو دوسروں کی بے راہ روی ضرر رساں نہیں ہوسکتی۔ اس لئے اس کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بھی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے؟

جواب یہ ہے کہ **لایضرکم** کے لئے **اذا اھتدیتم** کو شرط کہا گیا ہے۔ یعنی صاحب اہتداء کے لئے دوسروں کی بے راہ روی نقصان دہ نہیں ہے اور امر بالمعروف نہی عن المنکر تو خود اہتداء میں داخل ہے۔

دار قطنی نے حضرت ابوبکرؓ کے خطبہ کے الفاظ نقل کئے ہیں کہ تم لوگ اس آیت کے معنی کچھ اور سمجھتے ہو، حالانکہ میں نے رسول اللہ (ﷺ) سے امر بالمعروف نہی عن المنکر کی تاکید اور اس کے چھوڑنے پر وعید سنی ہے۔ چنانچہ جلال محققؒ بھی حاکم کی روایت نقل کررہے ہیں یا جیسے ابن مسعودؓ اور ابن عمرؓ کا قول ہے کہ یہ آیت اس زمانہ کے لئے نہیں ہے بلکہ آئندہ زمانہ کے لئے ہے جب کہ تبلیغ نافع نہیں رہے گی۔

حالات کے لحاظ سے تبلیغ کا جو حکم ابتداءً تھا وہ بعد میں نہیں رہا:.......... تو ان روایات کا مطلب یہ ہوگا کہ اس آیت کے مجموعی مضمون کا ایک جز کہ جب تبلیغ سے فائدہ نہ ہو تو اس کا وجوب ساقط ہوجاتا ہے۔ اگر چہ یہ حکم ہر زمانہ کے لئے عام ہے لیکن خیر القرون میں چونکہ فائدہ کا نہ ہونا بہت ہی کم ہے، اس لئے وجوب کا ساقط ہونا بھی بکثرت ساقط رہے گا اور **لایضرکم** کا حکم آیت **لاتزر وازرۃ وزر اخریٰ** کی رُو سے بھی اگر چہ صاف اور عقلی ہے۔ لیکن تخفیف غم کے لئے صحابہؓ کو اس میں تامل کرنے اور اس سے استدلال کرنے کا حکم فرمانا مقصود ہے کہ جب یہ امر یقینی ہے اور تبلیغ غیر نافع ہے تو پھر اس پر غم کرنا عبث اور لایعنی ہے اور لایعنی کا ترک کرنا اول تو مطلوب ہے، دوسرے ایسی بے کار اور فضول دھندوں میں پڑنے کا انجام تجربہ کی روشنی میں بسا اوقات اپنی ضروریات سے حرمان ہوتا ہے۔ یعنی غیر ضروری باتوں میں پڑنے سے ضروری چیزوں میں نقصان واقع ہوجاتا ہے۔ اس لئے اس طرف سے بے غم اور بے فکر رہو۔

لطائف آیات:.......... آیت **ماجعل اللّٰہ الخ** سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی ارواح سے تقریب حاصل کرنے کے لئے جو بعض جاہل مبتدعین غیر اللہ کے نام زد کچھ چیزیں کردیتے ہیں وہ غلط ہے اور آیت **واذا قیل الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ شریعت کے مقابلہ میں اپنے مشائخ کی طریق سے تمسک کرتے ہیں وہ باطل ہے اور آیت **یاایھا الذین اٰمنوا علیکم الخ** سے معلوم ہوا کہ اہل معرفت کا یہ طریقہ صحیح ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کے بعد پھر کسی کے زیادہ درپے نہیں ہوتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اَىْ اَسْبَابُهٗ **حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ** خَبَرٌ بِمَعْنَى الْاَمْرِ اَىْ لِيَشْهَدْ وَ اِضَافَةُ شَهَادَةٍ لِبَيْنِ عَلَى الْاِتِّسَاعِ وَحِيْنَ بَدَلٌ مِنْ اِذَا اَوْ ظَرْفٌ لِحَضَرَ **اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ** اَىْ غَيْرِ مِلَّتِكُمْ **اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ** سَافَرْتُمْ **فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا** تُوْقِفُوْنَهُمَا صِفَةُ اٰخَرَانِ **مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ** اَىْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ **فَيُقْسِمٰنِ** يَحْلِفَانِ **بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ** شَكَكْتُمْ فِيْهِمَا وَيَقُوْلَانِ **لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ** بِاللّٰهِ **ثَمَنًا** عِوَضًا نَاْخُذُهٗ بَدْلَهٗ مِنَ الدُّنْيَا بِاَنْ نَحْلِفَ اَوْ نَشْهَدَ بِهٖ كَاذِبًا لِاَجْلِهٖ **وَّلَوْ كَانَ** الْمُقْسَمُ لَهٗ اَوِ الْمَشْهُوْدُ لَهٗ **ذَا قُرْبٰى** قَرَابَةٍ مِنَّا **وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ** الَّتِىْ اَمَرَنَا بِاِقَامَتِهَا **اِنَّآ اِذًا** اِنْ كَتَمْنَاهَا **لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ**﴿۱۰۶﴾ **فَاِنْ عُثِرَ** اطُّلِعَ بَعْدَ حَلْفِهِمَا **عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا** اَىْ فَعَلَا مَا يُوْجِبُهٗ مِنْ خِيَانَةٍ اَوْ كِذْبٍ فِى الشَّهَادَةِ بِاَنْ وُجِدَ عِنْدَهُمَا مَثَلًا مَا اتُّهِمَا بِهٖ وَادَّعَيَا اَنَّهُمَا ابْتَاعَاهُ مِنَ الْمَيِّتِ اَوْ اَوْصٰى لَهُمَا بِهٖ **فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا** فِىْ تَوَجُّهِ الْيَمِيْنِ عَلَيْهِمَا **مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ** الْوَصِيَّةُ وَهُمُ الْوَرَثَةُ وَيُبْدَلُ مِنْ اٰخَرَانِ **الْاَوْلَيٰنِ** بِالْمَيِّتِ اَىِ الْاَقْرَبَانِ اِلَيْهِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ الْاَوَّلِيْنَ جَمْعُ اَوَّلٍ صِفَةٌ اَوْ بَدَلٌ مِنَ الَّذِيْنَ **فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ** عَلٰى خِيَانَةِ الشَّاهِدَيْنِ وَيَقُوْلَانِ **لَشَهَادَتُنَآ** يَمِيْنُنَا **اَحَقُّ** اَصْدَقُ **مِنْ شَهَادَتِهِمَا** يَمِيْنِهِمَا **وَمَا اعْتَدَيْنَآ** تَجَاوَزْنَا الْحَقَّ فِى الْيَمِيْنِ **اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ**﴿۱۰۷﴾ اَلْمَعْنٰى لِيُشْهِدَ الْمُحْتَضَرُ عَلٰى وَصِيَّتِهٖ اِثْنَيْنِ اَوْ يُوْصِىَ اِلَيْهِمَا مِنْ اَهْلِ دِيْنِهٖ اَوْ غَيْرِهِمْ اِنْ فَقَدَهُمْ لِسَفَرٍ وَنَحْوِهٖ فَاِنِ ارْتَابَ الْوَرَثَةُ فِيْهِمَا فَادَّعَوْا اَنَّهُمَا خَانَا بِاَخْذِ شَىْءٍ اَوْ دَفْعِهٖ اِلٰى شَخْصٍ زَعَمَا اَنَّ الْمَيِّتَ اَوْصٰى لَهٗ فَلْيَحْلِفَا الخ فَاِنِ اطَّلَعَ عَلٰى اَمَارَةٍ تُكَذِّبُهُمَا فَادَّعَيَادَافِعًا لَهٗ حَلَفَ اَقْرَبُ الْوَرَثَةِ عَلٰى كِذْبِهِمَا وَصِدْقِ مَا ادَّعَوْهُ وَالْحُكْمُ ثَابِتٌ فِى الْوَصِيَّيْنِ مَنْسُوْخٌ فِى الشَّاهِدَيْنِ وَكَذَا شَهَادَةُ غَيْرِ اَهْلِ الْمِلَّةِ مَنْسُوْخَةٌ وَاعْتِبَارُ صَلٰوةِ الْعَصْرِ لِلتَّغْلِيْظِ وَتَخْصِيْصُ الْحَلْفِ فِى الْاٰيَةِ بِاثْنَيْنِ مِنْ اَقْرَبِ الْوَرَثَةِ لِخُصُوْصِ الْوَاقِعَةِ الَّتِىْ نَزَلَتْ لَهَا وَهِىَ مَا رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ اَنَّ رَجُلًا مِنْ بَنِىْ سَهْمٍ خَرَجَ مَعَ تَمِيْمِ الدَّارِىِّ وَعَدِىِّ بْنِ بَدَّاءٍ وَهُمَا نَصْرَانِيَانِ فَمَاتَ السَّهْمِىُّ بِاَرْضٍ لَيْسَ فِيْهَا مُسْلِمٌ فَلَمَّا قَدِمَا بِتَرِكَتِهٖ فَقَدُوْا جَامًا مِنْ فِضَّةٍ مُخَوَّصًا بِالذَّهَبِ فَرَفَعَا اِلَى النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ فَاَحْلَفَهُمَا ثُمَّ وُجِدَ الْجَامُ بِمَكَّةَ فَقَالَ اِبْتَعْنَاهُ مِنْ تَمِيْمٍ وَعَدِىٍّ فَنَزَلَتِ الْاٰيَةُ الثَّانِيَةُ فَقَامَ رَجُلَانِ مِنْ اَوْلِيَاءِ السَّهْمِىِّ فَحَلَفَا وَفِىْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِىِّ فَقَامَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ وَرَجُلٌ اٰخَرُ مِنْهُمْ فَحَلَفَا وَكَانَا اَقْرَبُ اِلَيْهِ وَفِىْ رِوَايَةٍ فَمَرِضَ فَاَوْصٰى اِلَيْهِمَا وَاَمَرَهُمَا اَنْ يُّبَلِّغَا مَا تَرَكَ اَهْلَهٗ فَلَمَّا مَاتَ اَخَذَا الْجَامَ وَدَفَعَا اِلٰى اَهْلِهٖ مَا بَقِىَ **ذٰلِكَ** الْحُكْمُ الْمَذْكُوْرُ مِنْ رَدِّ الْيَمِيْنِ

عَلَى الْوَرَثَةِ **اَدْنٰىٓ** اَقْرَبُ اِلٰى **اَنْ يَّاْتُوْا** اَىِ الشُّهُوْدُ اَوِ الْاَوْصِيَاءُ **بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ** اَلَّذِىْ تَحَمَّلُوْهَا عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ تَحْرِيْفٍ وَّلَا خِيَانَةٍ **اَوْ** اَقْرَبُ اِلٰى اَنْ **يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ** عَلَى الْوَرَثَةِ الْمُدَّعِيْنَ فَيَحْلِفُوْنَ عَلٰى خِيَانَتِهِمْ وَكِذْبِهِمْ فَيَفْتَضِحُوْنَ وَيَغْرَمُوْنَ فَلَا يَكْذِبُوْا **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** بِتَرْكِ الْخِيَانَةِ وَالْكِذْبِ **وَاسْمَعُوْا** مَا تُؤْمَرُوْنَ بِهٖ سِمَاعَ قَبُوْلٍ **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ** ﴿۱۰۸﴾ اَلْخَارِجِيْنَ عَنْ طَاعَتِهٖ اِلٰى سَبِيْلِ الْخَيْرِ۔ ۱۴ ع ۸ ۴

ترجمہ: ...... مسلمانو! تم میں سے جب کسی کے سامنے موت آ کھڑی ہو (یعنی موت کی علامات) تو وصیت کے وقت گواہی کے لئے تم میں سے دو معتبر آدمی گواہ ہونے چاہئیں۔ (یہ خبر امر کے معنی میں ہے یعنی گواہی دینی چاہئے اور لفظ شھادۃ کی اضافت لفظ بین کی طرف توسعاً ہے اور لفظ حین لفظ اذا سے بدل یا حضر کا ظرف ہے) یا مسلمان گواہوں کی جگہ غیر مسلم گواہ بھی ہو سکتے ہیں (جو تمہارے ہم مذہب نہ ہوں) اگر تم سفر میں ہو (مسافر ہو) کسی جگہ اور تمہیں موت کا صدمہ پیش آ جائے روک لو۔ ان دونوں گواہوں کو (ٹھہرالو۔ لفظ تحبسونھما صفت ہے اخران کی) نماز (عصر) کے بعد وہ اللہ کی قسمیں کھا کر (حلف اٹھا کر) کہیں۔ بشرطیکہ تمہیں ان کے بارے میں شبہ ہو (ان میں شک ہو تو وہ حلف کریں اور یہ کہیں) ہم نے اپنی (اللہ کی) قسم کسی معاوضہ کے بدلے میں فروخت نہیں کی ہے (کہ اس کے بدلے میں دنیا کا کچھ معاوضہ لے کر جھوٹی قسم کھالی ہو۔ یا اس کی وجہ سے جھوٹی شہادت دے دی ہو) وہ (جس کے لئے قسم کھائی یا گواہی دی) ہمارا عزیز (قریب) ہی کیوں نہ ہو۔ ہم اللہ کی مقررہ شہادت کو کبھی نہیں چھپائیں گے (جس کے قائم کرنے کا ہمیں حکم ملا ہے) اگر ایسا کریں (کہ ہم اسے چھپائیں) تو ہم گناہگاروں میں ہوں گے۔ پھر اگر معلوم ہو جائے (ان کے حلف کے بعد پتہ چل جائے) کہ وہ دونوں گواہ گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں (یعنی انہوں نے شہادت میں جھوٹ بولا یا خیانت مجرمانہ کی۔ مثلاً: جس چیز کے بارے میں شبہ یا تہمت تھی وہ خود انہی کے پاس سے برآمد ہو گئی۔ تو کہنے لگے یہ تو ہم نے مرنے والے سے خریدی تھی یا اس نے ہمارے حق میں اس کی وصیت کی تھی) تو ان کی جگہ دوسرے وہ دو گواہ کھڑے ہو جائیں (قسم ان پر آ جائے) جن کا حق گواہوں میں سے ہر ایک نے دبانا چاہا تھا (جو مستحق وصیت ہوں یعنی وارث۔ اور لفظ اخران کا بدل آگے ہے) یہ گواہ قریب ہوں (میت کے رشتہ دار ہوں۔ اور ایک قرأت لفظ اولین ہے اول کی جمع یا الذین کا بدل ہے) پھر یہ دونوں اللہ کی قسمیں کھائیں (پچھلے گواہوں کی خیانت پر اور یہ کہیں کہ) ہماری گواہی (قسم) زیادہ درست (سچی) ہے بہ نسبت پچھلے گواہوں (کی قسم) کے۔ اور ہم نے کسی طرح کی زیادتی نہیں کی (قسم کے بارے میں حق بات سے آگے نہیں بڑھے) اگر کی ہو تو ہم ظالموں میں سے ہوں (خلاصہ کلام یہ ہے کہ قریب المرگ شخص کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنی وصیت پر دو آدمی گواہ بنالے۔ یا اپنے مذہب یا غیر مسلموں میں سے دو آدمیوں کو سپرد کر دے۔ اگر سفر وغیرہ کی مجبوری سے مسلمان گواہ دستیاب نہ ہو سکتے ہوں۔ لیکن اگر شرعی ورثاء کو ان گواہوں میں تردد ہو تو ان پر یہ دعویٰ دائر کرنا چاہئے کہ ان گواہوں نے کوئی چیز لے کر یا دے کر خیانت کی ہے اور کہتے یہ ہیں کہ مرنے والے نے ہی ان کو اس کی وصیت کی تھی۔ اس لئے ان سے حلف لیا جائے۔ چنانچہ اگر کسی طرح ان کا جھوٹ کھلتا ہو اور وہ مدعی ہوں کہ مرنے والے نے ان کو وہ چیز دی ہے تو ان کی اس کذب بیانی کے خلاف قریب ترین دو وارث گواہی دیں اور دوسرے ورثاء کے سچ کی تائید کریں اور وصیوں کے بارے میں جو حکم ہے وہ گواہوں کے حق میں منسوخ ہو چکا ہے۔ نیز غیر مسلموں کی شہادت بھی منسوخ ہے اور نماز عصر کی تخصیص محض قسم کی

اہمیت بڑھانے کے لئے اور حلف کو میت کے قریبی ورثاء کے ساتھ آیت میں خاص کرنا صرف خصوصیت واقعہ کے پیش نظر ہے۔ جس کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ بخاری کی روایت میں اس کی تفصیل یہ آئی ہے کہ بنی سہم قبیلہ کا ایک شخص تمیم داری اور عدی بن بداء کے ہمراہ سفر میں گیا اور یہ دونوں نصرانی تھے، لیکن سہمی شخص کا انتقال ایسی جگہ ہوگیا جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا۔ چنانچہ یہ دونوں نصرانی اس مسلمان کا ترکہ لے کر مکہ میں واپس آئے تو دیکھا گیا کہ سامان میں ایک چاندی کا پیالہ گم تھا۔ جس پر سونے کے تار سے نقشین جڑاؤ کام ہوا ہوا تھا۔ چنانچہ ان دونوں نے معاملہ آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں پیش کیا۔ اس پر یہ ابتدائی آیت نازل ہوئی۔ آپ (ﷺ) نے دونوں سے حلف لے لیا۔ لیکن پھر پیالہ مکہ میں مل گیا۔ تو جس کے پاس سے ملا اس نے بیان دیا کہ میں نے تمیم اور عدی سے خریدا ہے۔ اس پر دوسری آیت فان عثر الخ نازل ہوئی۔ چنانچہ سہمی کے ورثاء میں سے دو رشتہ دار کھڑے ہوئے اور حلف اٹھایا اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ عمرو بن العاصؓ اور ان کے ساتھ ایک دوسرے صاحب کھڑے ہوئے کیونکہ یہ دونوں میت کے قریب تر تھے اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ سہمی کہ بیمار ہوا اور اس نے ان دونوں نصرانیوں کو وصیت کی اور کہا کہ ترکہ ہمارے گھر پہنچا دینا۔ لیکن انتقال کے بعد انہوں نے پیالہ تو خود لے لیا اور باقی ترکہ (گھر پہنچا دیا) اس طرح سے (مذکورہ حکم سے کہ ورثاء پر قسم لوٹائی گئی) زیادہ امید کی جاسکتی ہے (زیادہ قریب ہے) کہ گواہی دیں (گواہ یا جن کو وصیت کی جائے) ٹھیک ٹھیک گواہی (جو واقع کے مطابق بلا تحریف وخیانت کے ہو) یا (اس بات کی توقع ہے) کہ انہیں اندیشہ رہے گا کہ ہماری قسمیں کہیں فریق ثانی کی قسموں کے بعد رد نہ کردی جائیں (وارث مدعیوں کے مقابلہ میں کہ وہ کہیں ان کی خیانت اور جھوٹ پر قسم کھا نہ بیٹھیں۔ اس لئے انہیں رسوا ہونا پڑے اور تاوان بھرنا پڑے۔ غرضیکہ اس خطرہ سے جھوٹ نہیں بولیں گے) اللہ سے ڈرتے رہو (خیانت اور جھوٹ چھوڑ دو) اور سنو (جو کچھ تمہیں حکم دیا جائے قبولیت کے کانوں سے) اللہ ایسے نافرمانوں پر راہ نہیں کھولتے (جو ان کی اطاعت سے باہر ہو جائیں۔ ان کو راہ خیر کی طرف نہیں لگاتے)۔

تحقیق وترکیب: .... **شھادۃ**۔ شھادۃ سے مراد اشہاد ہے اور ظرف کی طرف اضافت تو مجازاً ہے۔ ورنہ اس کی اضافت مشہود بہ کی طرف ہونی چاہئے۔ ای **شھادۃ الحقوق**۔ ترکیب میں شہادت مبتداء ہے جس کی خبر بحذف المضاف اثنان ہے۔ ای **شھادۃ اثنان**۔ یا مبتداء کی جانب مضاف محذوف ہو۔ ای **ذا شھادۃ بینکم** ورنہ مبتداء اور خبر میں مصدریت کے لحاظ سے مطابقت نہیں رہے گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ **شھادۃ بینکم** کی خبر محذوف ہو اور اثنان۔ اس کا فاعل ہو ای **فیما نزل علیکم ان یشھد بینکم** اور زمخشری نے اس کو بھی جائز بتلایا ہے کہ **شھادۃ** مبتداء محذوف الخبر ہو ای **فیما فرض علیکم** اور اثنان **شھادۃ** کا فاعل ہو۔ ای **یشھد اثنان** بہرحال لفظاً یہ جملہ خبریہ ہے۔ مگر معناً انشائیہ ہے اور اس مبتداء خبر کے درمیان جملہ معترضہ ظرف ہے شہادہ کے لئے اور **ذوا عدل** یہ صفت ہے اثنان کی اور **او اخران** کا عطف **اثنان** پر ہو رہا ہے اور اس کے اور اس کی صفت **تحبسونھما** کے درمیان **ان انتم ضربتم فی الارض فاصابتکم مصیبۃ الموت** جملہ معترضہ ہے۔

اور تفسیر ابو السعود میں ہے کہ **من غیرکم** صفت ہے **اخران** کی اور **ان انتم** بصریین کی رائے پر مرفوع مضمر ہے۔ جس کی تفسیر مابعد میں ہو رہی ہے اور اخفش کے نزدیک مبتداء ہے اور **ضربتم فی الارض** محل اعراب میں نہیں ہے یا خبر کی وجہ سے مرفوع ماننا پڑے گا۔ **فاصابتکم مصیبۃ الموت** کا عطف شرطیہ پر ہو رہا ہے اور جواب محذوف ہے ماقبل کہ دلالت کی وجہ سے ای **ان سافرتم فقاربکم الاجل حینئذ و مامعکم من الاقارب ولا من اھل الاسلام من یتولی امر الشھادۃ کما ھو الغالب المعتادۃ فی الاسفار فلیشھد اخران اوفاستشھد واخرین** اور لفظ **تحبسونھما** متانفہ ہے **اخران** کی صفت ہے ای **او اخران**

من غیر کم یحبسان ۔اس سے معلوم ہوا کہ گواہی کے لئے مسلمان کو چھوڑ کر غیر مسلم کو لینا بدرجہ مجبوری سفر اور موت کی وجہ سے ہوگا۔ موصوف صفت کے درمیان جملہ معترضہ کے لئے کوئی اعراب نہیں ہے۔البتہ جواب شرط محذوف ہے۔ ای **فاشھدو اخرین من غیر کم**۔

فیقسمان اس کا عطف **تحبسونھما** پر ہے اور اس کے جواب **لانشتری** کے درمیان **ان ارتبتم** جملہ معترضہ ہے جواب شرط محذوف ہے ای **ان ارتبتم مخلفوھما** اکثر مفسرین کی رائے یہی ہے۔البتہ مفسر جلالؒ اور جرجانیؒ **یقولان** مقدر مانتے ہیں اور اہل عرب اکثر قول کو مقدر مان لیا کرتے ہیں جیسے **والملٰئکۃ یدخلون علیھم من کل باب سلام علیکم ای یقولون سلام علیکم** اس صورت میں جملہ شرطیہ معترضہ نہیں ہوگا۔

اولین. یہ اولیٰ کا تثنیہ ہے بمعنی احق اور اولین ۔لفظ اول کا تثنیہ ہوگا۔فاخران یہ مبتداء ہے یقومان صفت مخصصہ ہونے کی وجہ سے اور من الذین **استحق علیھم** خبر ہے یا اس کا برعکس کہا جائے کہ **یقومان**. خبر ہے اور **الذین الخ** مبتداء کی صفت اور اس صورت میں موصوف صفت کے درمیان خبر کا فاعل ہونا مضر نہیں ۔ کیونکہ مبتداء کا اعتماد فاپر ہو رہا ہے۔

استحق علیھم اس کا نائب فاعل وصیۃ بمعنی ایصاء ہے اور **علیھم** بمعنی **لھم** ہے۔**فاد عیادا فعاً** یعنی موجودہ چیز کے بارے میں یہ دعوے کریں کہ یہ ہم کو مرنے والے موصی نے دی ہے یا ہم نے اس سے خریدا ہے۔

والحکم. اس سے مراد حلف دینا ہے۔**باثنین** یعنی وارثوں سے حلف لینا محض خصوص واقعہ کی وجہ سے ہے۔ورنہ تمام ورثاء منکر ہیں۔اس لئے سب سے حلف لیا جائے۔**جـامـاً**. تمام سامان میں یہی پیالہ قیمتی تھا۔اسی کو اڑا لیا اور جب بات کھلی تو یہی کہا کہ مرنے والے نے ہی ہمیں دیا تھا۔کبھی کہا کہ ہم نے خریدا تھا۔لیکن گواہ نہ ہونے کی وجہ سے پہلے سے اقرار نہیں کیا۔

ودفعا الی اھلہ مابقی ۔تفسیر مدارک میں یہ بھی ہے کہ سہمی نے سامان میں فہرست بھی رکھ دی تھی ۔جس کی اطلاع ان دونوں نصرانیوں کو نہیں ہوسکی۔اس لئے گھر پہنچ کر ملان کے وقت چوری کھل گئی۔جو بالآخر صحیح نکلی۔

یہ آیات اعراب اور نظم اور حکم کے لحاظ سے قرآن کریم میں مشکل ترین سمجھی گئی ہیں۔مستقل تصانیف اس سلسلہ میں کی گئی ہیں۔ مگر پھر بھی کوئی عہدہ برآ نہیں ہوسکا ہے۔

ربط آیات :............گذشتہ آیات میں دینی مصالح سے متعلق احکام تھے۔ان آیات میں دنیاوی مصالح سے متعلق بعض احکام ذکر فرماتے ہیں،تاکہ معلوم ہوجائے کہ معاد کی طرح معاش کی اصلاح بھی مطلوب ہے اور یہ کہ دونوں واجب اور ضروری ہیں۔گویا یہ بیسواں حکم مدعیٰ علیہ کی قسم سے متعلق ہے وہ خواہ وصی ہو یا وارث۔

شان نزول :............ جلال محققؒ تفصیل کے ساتھ شان نزول ذکر فرما چکے ہیں۔چنانچہ اولاً جب یہ مقدمہ سرکار نبوی (ﷺ) میں پیش ہوا تو پہلی آیت **یاایھا الذین** سے **اذا لمن الاثمین** تک نازل ہوئی۔آپ (ﷺ) نے ورثہ سے ان کے اس دعوے پر گواہ طلب فرمائے کہ "ان دونوں نے خیانت کی ہوگی"،لیکن چونکہ گواہ کوئی تھا نہیں،اس لئے آپ (ﷺ) نے ان دونوں سے خیانت اور کتمان نہ کرنے پر قسم لے کر دعویٰ خارج کر دیا۔لیکن پیالہ ملنے پر معاملہ کی نوعیت بدل گئی اور مقدمہ پھر دوبارہ سرکار نبوی (ﷺ) میں پیش ہوا اور **فان عثر الخ** سے دوسری آیت نازل ہوئی۔چونکہ اب دعویٰ وصیت یا خریداری پر ان کے پاس کوئی گواہ نہیں تھا،اس لئے آپ (ﷺ) نے سہمی کے دو قریبی رشتہ داروں سے قسم لے کر ان کے موافق مقدمہ کا فیصلہ فرما دیا۔

﴿تشریح﴾:.......... **آیت سے سات (۷) احکام معلوم ہوئے**:.......... اس واقعہ اور آپ (ﷺ) کے فیصلہ سے کچھ احکام معلوم ہوئے۔ (۱) میت اگر اپنا مال کسی کو دینے دلانے کے متعلق کسی سے کہے اور اس کو سپرد کرے تو اس کو وصی کہا جاتا ہے۔ وہ ایک شخص بھی ہوسکتا ہے اور زیادہ بھی۔ (۲) وصی کا مسلمان یا عادل ہونا سفر ہو یا حضر ضروری اور لازم نہیں بلکہ افضل ہے۔ جس طرح خود وصی بنانا بھی لازم نہیں بلکہ مناسب ہے۔ (۳) کسی جھگڑے میں جو امر زائد کو ثابت کرنا چاہتا ہو وہ مدعی اور دوسرا فریق مدعی علیہ کہلائے گا۔ (۴) سب سے اول مدعی سے گواہ طلب کئے جاتے ہیں۔ اگر شرعی قواعد کے مطابق گواہ پیش کردے تو دعویٰ کا فیصلہ مدعی کی موافق ہوتا ہے۔ لیکن اگر مدعی گواہ نہ لاسکے تو پھر مدعی علیہ سے قسم لی جاتی ہے۔ اگر وہ حلفیہ بیان دے دے تو مقدمہ پھر اس کے موافق فیصل ہوتا ہے۔ ہاں اگر مدعی علیہ قسم سے انکار کردے تو پھر مقدمہ مدعی کے حق میں ہوتا ہے۔ (۵) دروغ بیانی اور دروغ حلفی سے بچنے کے لئے زمان اور مکان اور الفاظ کے لحاظ سے قسم کی تغلیظ بھی کی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ حاکم کی رائے پر ہے لازم نہیں ہے۔ (۶) اگر مدعی علیہ اپنے کسی فعل کے متعلق قسم کھائے گا تو یہ کہنا چاہئے کہ "میں نے یہ کام نہیں کیا" اور دوسرے کے متعلق اگر قسم کھائے تو یہ کہنا چاہئے کہ "مجھے اس کام کی خبر نہیں ہے۔" (۷) کسی مقدمہ میں اگر وارث مدعی علیہ ہوں تو شرعی ورثاء پر قسم آئے گی وہ ایک ہو یا کئی۔ دوسرے لوگوں سے حلف نہیں لیا جائے گا۔

حلف کی تغلیظ اور کیفیت:.......... پرایا مال بلا اجازت جان بوجھ کر لے لینا چونکہ ظلم ہے اس لئے تغلیظاً اس کو ذکر کرنا بھی حاکم کی رائے پر ہے اور اصل قسم اس طرح ہونی چاہئے کہ "خدا کی قسم ہمارے علم میں میت نے ان مدعیوں کے ہاتھ وہ چیزیں فروخت نہیں کی" اور چونکہ علم کی واقعیت، عدم واقعیت کی اطلاع کی کوئی ظاہری سبیل نہیں ہوتی، اس لئے اس کی واقعیت پر زیادہ مؤکد قسم لی گئی۔ چنانچہ لفظ احق اس پر دلالت کررہا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ معاملہ کا سارا مدار میرے اوپر ہی ہے۔ اس لئے قسم کھاتا ہوں کہ جس طرح اس میں میرا ظاہری جھوٹ ثابت نہیں ہوسکتا، اسی طرح حقیقت میں بھی کذب نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حلف دراصل علم پر ہے اور چونکہ اس کا جھوٹ ہونا بغیر اقرار ثابت نہیں ہوسکتا، اس لئے اس طریقہ سے جو حق تلفی ہوگی وہ اشد درجہ کا ظلم ہوگا ممکن ہے یہاں ظالم اسی لئے کہا گیا ہو۔

حلف کے اس مخصوص طرز کی مصالح:.......... غرضیکہ ان سب پہلوؤں میں "حق بحقدار رسید" ہونے کا زیادہ امکان اور لحاظ ہے، کیونکہ اگر وصی سے حلف نہ لیا جاتا اور زائد مال سپرد کرنے میں وصی سچا ہوتا تو اس سے تہمت رفع ہونے کی کوئی صورت نہ ہوتی اور اگر جھوٹا ہوتا تو پھر ورثہ کے لئے اثبات حق کا کوئی طریقہ نہ ہوتا۔ لیکن اب سچا ہونے کی صورت میں برأت ہوجاتی ہے اور جھوٹا ہونے کی حالت میں ممکن ہے جھوٹی قسم سے ڈر کر انکار کردے، تب ورثہ کا حق ثابت ہوجائے گا۔ اسی طرح اگر ورثہ کے لئے حلف مشروع نہ ہوتا اور شرعاً بس انکار ہی حق ہوتا تو پھر اثبات حق کی کوئی صورت نہ ہوتی۔ لیکن اگر شرعاً انکار حق نہ ہوتا تو پھر وصی کے لئے اثبات حق کا کوئی طریقہ نہیں تھا۔ مگر اب ورثہ کا حق ہونے کے وقت ان کا حق ثابت ہوسکتا ہے اور حق نہ ہونے کی صورت میں انکار قسم کی وجہ سے وصی کا حق ثابت ہوجاتا ہے۔ پس دو صورتیں وصی کے حلف کی حکمت میں ہوئیں اور لفظ یاتوا بالشهادة دونوں کو شامل ہے اور دو شقیں ورثہ کے حلف کی حکمت میں ہیں۔ جن میں سے دوسری شق تو وصی کے حلف کی پہلی شق میں داخل ہے۔ رہی پہلی شق سو وہ او یخافوا کی مدلول ہے۔ پس حلف کی اس مجموعی صورت میں سب شقوں کی پوری رعایت ہوگئی۔ (بیان القرآن)

لطائف آیات:.......... آیت یاایها الذین امنوا شهادة الخ سے ثابت ہوا کہ انتظام کی رعایت ہر کام میں ضروری ہے۔ دینی کام ہو یا دنیاوی کیونکہ بدانتظامی سے اہل حقوق کے مصالح میں خلل پڑتا ہے، جو معصیت ہے۔

اُذْكُرْ **يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ** هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **فَيَقُوْلُ** لَهُمْ تَوْبِيْخًا لِقَوْمِهِمْ **مَا ذَآ** اَىِ الَّذِىْ **اُجِبْتُمْ** بِهٖ حِيْنَ دَعَوْتُمْ اِلَى التَّوْحِيْدِ **قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا** بِذٰلِكَ **اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ** ﴿۱۰۹﴾ مَاغَابَ عَنِ الْعِبَادِ ذَهَبَ عَنْهُمْ عِلْمُهٗ لِشِدَّةِ هَوْلِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَفَزَعِهِمْ ثُمَّ يَشْهَدُوْنَ عَلٰى اُمَمِهِمْ لَمَّا يَسْكُنُوْنَ اُذْكُرْ **اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِىْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ** بِشُكْرِهَا **اِذْ اَيَّدْتُّكَ** قَوَّيْتُكَ **بِرُوْحِ الْقُدُسِ** جِبْرَئِيْلَ **تُكَلِّمُ النَّاسَ** حَالٌ مِنَ الْكَافِ فِىْ اَيَّدْتُّكَ **فِى الْمَهْدِ** اَىْ طِفْلًا **وَكَهْلًا** يُفِيْدُ نُزُوْلَهٗ قَبْلَ السَّاعَةِ لِاَنَّهٗ رُفِعَ قَبْلَ الْكُهُوْلَةِ كَمَا سَبَقَ فِىْ اٰلِ عِمْرَانَ **وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ** كَصُوْرَةِ **الطَّيْرِ** وَالْكَافُ اِسْمٌ بِمَعْنٰى مِثْلٍ مَفْعُوْلٌ **بِاِذْنِىْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِىْ** بِاِرَادَتِىْ **وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِىْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى** مِنْ قُبُوْرِهِمْ اَحْيَاءً **بِاِذْنِىْ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ** حِيْنَ هَمُّوْا بِقَتْلِكَ **اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ** اَلْمُعْجِزَاتِ **فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ** مَا **هٰذَآ** الَّذِىْ جِئْتَ بِهٖ **اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ** ﴿۱۱۰﴾ وَفِىْ قِرَاءَةٍ سَاحِرٌ اَىْ عِيْسٰى **وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ** اَمَرْتُهُمْ عَلٰى لِسَانِهٖ **اَنْ** اَىْ بِاَنْ **اٰمِنُوْا بِىْ وَبِرَسُوْلِىْ** عِيْسٰى **قَالُوْٓا اٰمَنَّا** بِهِمَا **وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ** ﴿۱۱۱﴾ اُذْكُرْ **اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ** اَىْ يَفْعَلُ **رَبُّكَ** وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَنَصْبِ مَا بَعْدَهٗ اَىْ تَقْدِرُ اَنْ تَسْاَلَهٗ **اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ** لَهُمْ عِيْسٰى **اتَّقُوا اللّٰهَ** فِىْ اِقْتِرَاحِ الْاٰيَاتِ **اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** ﴿۱۱۲﴾ **قَالُوْا نُرِيْدُ** سُؤَالَهَا مِنْ اَجْلِ **اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ** تَسْكُنَ **قُلُوْبُنَا** بِزِيَادَةِ الْيَقِيْنِ **وَنَعْلَمَ** نَزْدَادَ عِلْمًا **اَنْ** مُخَفَّفَةٌ اَىْ اَنَّكَ **قَدْ صَدَقْتَنَا** فِىْ اِدِّعَاءِ النُّبُوَّةِ **وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ** ﴿۱۱۳﴾ **قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا** اَىْ يَوْمَ نُزُوْلِهَا **عِيْدًا** نُعَظِّمُهٗ وَنُشَرِّفُهٗ **لِّاَوَّلِنَا** بَدَلٌ مِّنْ لَنَا بِاِعَادَةِ الْجَارِ **وَاٰخِرِنَا** مِمَّنْ يَّاْتِىْ بَعْدَنَا **وَاٰيَةً مِّنْكَ** عَلٰى قُدْرَتِكَ وَنُبُوَّتِىْ **وَارْزُقْنَا** اِيَّاهَا **وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ** ﴿۱۱۴﴾ **قَالَ اللّٰهُ** مُسْتَجِيْبًا لَهٗ **اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ** اَىْ بَعْدَ نُزُوْلِهَا **مِنْكُمْ فَاِنِّىْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۱۱۵﴾ فَنَزَلَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ بِهَا مِنَ السَّمَاءِ عَلَيْهَا سَبْعَةُ اَرْغِفَةٍ وَسَبْعَةُ اَحْوَاتٍ فَاَكَلُوْا مِنْهَا حَتّٰى شَبِعُوْا قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍؓ وَفِىْ حَدِيْثٍ اُنْزِلَتِ الْمَائِدَةُ مِنَ السَّمَاءِ خُبْزًا وَلَحْمًا فَاُمِرُوْا اَنْ لَّا يَخُوْنُوْا وَلَا يَدَّخِرُوْا لِغَدٍ فَخَانُوْا وَادَّخَرُوْا فَرُفِعَتْ فَمُسِخُوْا قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ

ع ۱۵/۷/۵

ترجمہ:.............. (وہ دن یاد کیجئے) جبکہ اللہ تمام رسولوں کو جمع فرمائیں گے (قیامت کے روز) اور پھر پوچھیں گے (ان پیغمبروں سے ان کی قوم کی سرزنش کے لئے) کیا (ماذا علی الذی ہے) جواب ملا تمہیں (جب تم نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی تھی) وہ عرض کریں گے ہمیں کچھ خبر نہیں (اس کی بابت) یہ تو آپ ہی کی ہستی ہے جو غیب کی باتیں جاننے والی ہے (جو باتیں بندوں سے غائب رہی ہیں۔ پیغمبروں کو اس علم سے ذہول، قیامت کی ہول اور گھبراہٹ سے ہوگا۔ لیکن پھر جب سکون ہوگا تو اپنی امتوں کے خلاف گواہی دیں گے۔ (یاد کیجئے) اس دن اللہ فرمائیں گے۔ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر جو انعام کئے ہیں انہیں یاد کرو (شکر گزار رہو) جبکہ میں نے تمہاری تائید (تقویت) کی تھی۔ روح القدس (جبرئیلؑ) کے ذریعہ۔ تم لوگوں سے کلام کرتے تھے (یہ حال ہے ایدتک کے کاف سے)۔ جھولے میں بھی (بچپن میں) اور بڑی عمر میں بھی (اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت سے پہلے ہوگا۔ کیونکہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے کہ زمانہ کہولت سے پہلے ہی وہ آسمان پر اٹھالئے گئے تھے) اور جب کہ میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھلائی تھی اور جب کہ تم مٹی سے بناتے رہتے تھے چڑیا جیسی شکل (صورت اور کاف اسمیہ ہے بمعنی مفعول ہے) میرے حکم سے پھر اس میں پھونک مار دیتے اور وہ میرے حکم (ارادہ) سے چڑیا ہو جاتی تھی اور میرے حکم سے اندھے اور برص کے روگیوں کو چنگا کر دیتے تھے اور جب کہ میرے حکم سے مردوں کو جلا دیتے تھے (قبروں سے زندہ کر کے) اور جب کہ بنی اسرائیل کا وہ شر جو تمہارے خلاف کر رہے تھے میں نے روک دیا تھا (تمہارے قتل کی اسکیم بنانے کے وقت) یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ تم روشن دلیلیں (معجزات) ان کے سامنے لے گئے تھے اور ان میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی وہ بول اٹھے تھی۔ یہ (جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں) اس کے سوا کچھ نہیں کہ کھلی جادوگری ہے (اور ایک قرأت میں ساحر ہے جس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں) اور جب کہ میں نے حواریوں کو الہام کیا تھا (آپ کی زبانی ان کو حکم دیا تھا) کہ ان معنی میں (بــــان کے ہے) مجھ پر اور میرے رسول (عیسیٰ علیہ السلام) پر ایمان لاؤ؟ انہوں نے کہا تھا کہ ہم (ان دونوں پر) ایمان لے آئے ہیں اور خدایا آپ گواہ رہئے کہ ہم فرمانبردار ہیں (نیز یاد کیجئے) اس وقت کو جب کہ حواریوں نے کہا تھا اے مریم کے بیٹے! کیا ایسا کر سکتے ہیں تمہارے پروردگار (ایک قرأت میں لفظ تستطیع تائے فوقانیہ کے ساتھ ہے اور مابعد منصوب ہے۔ یعنی کیا آپ اس کی درخواست کر سکتے ہیں) کہ آسمان سے ہم پر ایک خوان اتار دے۔ کہہ دیا تھا (ان سے عیسیٰ علیہ السلام نے) اللہ سے ڈرو (اس قسم کی فرمائشیں کرنے میں) اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ عرض کرنے لگے کہ ہم تو چاہتے ہیں (یہ درخواست اس لئے ہے) کہ اس میں سے کچھ کھائیں اور ہمارے دل آرام (سکون) پائیں (یقین میں اضافہ ہو جانے کی وجہ سے) اور ہم جان جائیں (ہمارا علم زیادہ ہو جائے) کہ (ان مخففہ ہے در اصل انک تھا) آپ نے جو کچھ بتایا وہ سچ تھا (دعویٰ نبوت کر کے) اور یہ کہ ہم اس پر گواہ ہو جائیں۔ اس پر عیسیٰ بن مریم نے دعا کی۔ اے اللہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے ایک خوان بھیج؟ کہ ہو جائے ہمارے لئے (اس کے آنے کا دن) عید (جس کی بطور یادگار ہم تعظیم کریں اور بڑائی منائیں) ہمارے اگلوں کے لئے (یہ بدل ہے لنا کے لئے اعادۂ جار کے ساتھ) اور پچھلوں کے لئے (جو ہمارے بعد آنے والی نسلیں ہیں) اور آپ کی طرف سے ایک نشانی ہو (آپ کی قدرت اور میری نبوت پر) ہمیں (اس کی) روزی دیجئے کہ آپ سب سے بہتر روزی دینے الے ہیں۔ اللہ نے فرمایا (ان کی درخواست قبول فرماتے ہوئے) میں بھیجوں گا (تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں قرأتیں ہیں) تمہارے لئے خوان۔ لیکن جو بھی کفر کرے گا اس کے (اترنے کے) بعد تم میں اسے ایسا عذاب دوں گا کہ اس جیسا عذاب تمہاری دنیا میں کسی کو نہیں دیا جائے گا۔ (چنانچہ آسمان سے فرشتے سات چپاتیاں اور سات مچھلیاں لے کر آئے۔ حاضرین نے اس سے خوب پیٹ بھر لیا۔ ابن عباسؓ نے ایسے ہی فرمایا اور حدیث میں ہے کہ آسمان سے خوان نعمت اترا۔ جس میں گوشت روٹی تھی لیکن ان کو حکم ہوا کہ خیانت نہ کرنا اور آئندہ کے لئے ذخیرہ نہ کرنا۔ مگر انہوں نے خیانت بھی کی اور ذخیرہ اندوزی بھی کی۔ چنانچہ خوان الٰہی اٹھالیا گیا اور وہ لوگ بندر و خنزیر بنا دیئے گئے۔

تحقیق وترکیب: .... **یوم.** منصوب ہے اذکر مقدر سے۔ **فیقول.** شبہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ عالم غیب ہیں۔ پھر یہ سوال کیسا؟ مفسر علامؒ "**تو بیخالھم**" سے اسی کے جواب کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔ انبیاء کا علم کے باوجود لاعلمی کا اظہار کرنا بظاہر کذب بیانی ہے۔ لیکن اس کے تین جواب ہیں۔ یا تو اشتکاء اور التجاء الی اللہ کے طور پر کہا ہے اور یا بقول ابن عباسؓ اللہ کے علم کے آگے اپنے علم کو ہیچ قرار دیا اور یا یہ مطلب ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنی زندگی اور سامنے کا حال جان سکتے ہیں۔ لیکن ہمارے بعد قوم کا کیا انجام ہوا۔ ہمیں کچھ خبر نہیں اور ایک توجیہ **ذھب عنھم الخ** سے مفسر علامؒ کررہے ہیں۔ رہا انبیاءؑ کے حق میں **لایحزنھم الفزع الاکبر** فرمانا یا اپنی امتوں کے برخلاف گواہی دینا۔ سو چونکہ قیامت کا دن نہایت طول طویل ہوگا۔ اس لئے ان احوال کا دوسرے وقت پیش آنا اس کے منافی نہیں ہے اور امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ ادباً علم سے سکوت اور اپنے جہل کا اقرار کیا ہے۔

بشکرھا. اس کا تعلق اذکر سے ہے اور اذیدتک میں نعمتی عامل ہے **فی المھد.** چنانچہ بچپن میں انی عبداللہ الخ کلام فرمایا۔ جیسا کہ سورہ مریم میں ہے۔ **وکھلاً** یا تو اس سے لئے بڑھایا کہ کمسنی اور بڑی عمر کے کلام کا پختگی میں یکساں ہونا معلوم ہوجائے اور یا ان کے نزول آسمانی کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ کیونکہ ۳۳ سال کی عمر میں ان کا رفع سماوی ہوگیا تھا۔ کہولت صادق آنے کے لئے دوبارہ نزول ماننا پڑے گا۔ پہلی صورت میں ایک دوسری صورت میں دونشانیاں ہوجائیں گی۔

اوحیت. چونکہ اصطلاح شرع میں وحی انبیاءؑ کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے، اس لئے مفسر علامؒ کو وحی بالواسطہ سے تاویل کرنی پڑی اور بقول زجاج کلام عرب میں وحی بمعنی امر مستعمل ہے۔ لیکن اگر لغوی معنی لئے جائیں تو اس تکلف کی ضرورت نہیں رہتی جیسے **واوحی ربک** میں ان **امنوا** مفسر نے اشارہ کیا ہے۔ ان مصدر یہ ہونے کی طرف اور ان مفسرہ بھی ہوسکتا ہے۔ **لیستطیع** اشارہ ہے کہ لازم بول کر ملزوم مراد لیا ہے۔ اس سے یہ شبہ دور ہوگیا کہ حواریین مومن ہونے کے باوجود استطاعت اور قدرت میں کیسے شک کررہے ہیں۔ اگرچہ زمخشریؒ وغیرہ بعض حضرات ان کے کفر کے قائل تھے۔

مائدة. کپڑے کا دسترخوان جو زمین پر بچھایا جائے جو عجم کا طریقہ ہے اور سفرہ چمڑے کا ہوتا ہے جو عرب کا دستور ہے اور خوان میز کی قسم سے ہوتا ہے جو شاہانہ طریقہ ہے یہاں مقصود کھانا ہے۔ **عیداً** مروی ہے کہ اتوار کے دن یہ مائدہ نازل ہوا تھا۔ اسی لئے نصاریٰ کے یہاں اتوار مذہبی تقدیس کا دن ہے اور عید عود سے ماخوذ ہے۔ بار بار آنے کی وجہ سے کہا جاتا ہے اور بعض عید کے معنی سرور کے لیتے ہیں۔ **ارغفه** جمع رغیف۔ چپاتی۔ **احوات** جمع حوت بمعنی مچھلی۔

قاله ابن عباسؓ ان ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ مائدہ میں بجز گوشت روٹی کے سب چیزیں اتریں تھیں۔

بیضاوی نے نقل کیا ہے کہ سرخ دسترخوان آسمان سے اترا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام دیکھ کر رونے لگے اور یہ دعا کی۔ **اللّٰھم اجعلنی من الشاکرین اللّٰھم اجعلھا رحمة ولا تجعلھا مثلة وعقوبة** ۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وضو کرکے نماز پڑھی اور روئے اور پھر **بسم اللّٰہ خیر الرازقین** پڑھ کر خوان نعمت پر سے کپڑا اٹھایا تو سب چیزیں مہیا تھیں شمعون نے دریافت کیا کہ یاروح یہ دنیا کا کھانا ہے یا آخرت کا؟ فرمایا کہ دونوں کے علاوہ ہے۔ کھا کر اللہ کا شکر کرو۔ کہنے لگے یاروح اللہ اور کوئی نشانی دکھلایئے۔ فرمایا **سمکة احیی باذن اللّٰہ** چنانچہ مچھلی زندہ ہوکر تڑپنے لگی اس کے بعد **عودی کما کنت** فرمایا تو پھر سابقہ حالت میں ہوگئی اور مائدہ غائب ہوگیا۔ **فخانوا.** بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چالیس روز کے بعد حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس مائدہ سے صرف فقراء کھائیں امراء نہ کھائیں۔ اس حکم کی وجہ سے اغنیاء نے فقراء سے معاندانہ معاملہ کیا۔ اس لئے مسخ کیا گیا۔ تین سوتیس افراد مسخ کردیئے گئے جو رات میں اچھے خاصے تھے۔ صبح اٹھے تو بندر و خنزیر کی شکلیں ہوگئیں تھیں۔ تین روز یا سات روز اس حالت میں رہ کر مرگئے۔ لیکن زیادہ تر یہ اسرائیلی روایات ہیں۔

ربط آیات: .... چونکہ متعدد احکام بیان ہوچکے۔ اس لئے قرآن کریم اپنی عادت کے مطابق اس کو موثر بنانے کے لئے آیت

یوم یجمع اللہ میں احوال قیامت پیش کرتا ہے اور چونکہ زیادہ تر روئے سخن اہل کتاب کی طرف رہا ہے اس لئے آیت اذقال اللہ سے ختم سورت تک خاص طور پر نصاریٰ کو مخاطب بنایا گیا ہے۔ مختلف انعامات کا ذکر اذکر نعمتی سے اور تصرفات میں حق تعالیٰ کے تصرف کا محتاج ہونا اذتخلق سے اور اللہ کی حفاظت کا محتاج ہونا اذ کففت سے اور دعوت توحید اور بشارت نبوت واذا وحیت سے اور معجزہ مائدہ کا اثبات واذقال الحواریون سے بیان کیا جارہا ہے اور یہ اعجاز چونکہ یہود پر حجت ہوسکتا ہے۔ اس لحاظ سے یہود کے ساتھ بھی محاجہ ہوگیا۔

﴿ تشریح ﴾: .... **حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے حق میں انعام**: .... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ان چیزوں کا انعام ہونا تو ظاہر ہے، لیکن ان کی والدہ پر بھی یہ انعام ہے۔ کیونکہ نبی ہونے کی حیثیت سے جب ان کی نزاہت کی خبر دیں گے تو خبر یقیناً صادق ہوگی اور نزاہت کا انعام ہونا حضرت مریم علیہ السلام کے حق میں ظاہر ہے اور خود والدہ پر جو انعام ہوا ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس لئے یاد دلایا گیا ہے کہ بڑوں پر انعام فی الحقیقت چھوٹوں کی عزت افزائی ہوتی ہے کہ دیکھو ایسے بڑوں کی یہ اولاد ہے۔ پھر اولاد کے بڑے ہونے میں کیا تعجب وتامل؟

مائدہ کے بارے میں شکر بھیجنے، خیانت نہ کرنے، ذخیرہ نہ کرنے کی ہدایت تھی، لیکن بعض لوگوں نے خیانت کی کہ ذخیرہ اندوزی شروع کردی جو شان توکل کے خلاف تھی، جس قسم کا بے سبب متوکلانہ رزق آرہا تھا، اس کا تقاضا یہی تھا کہ نظر اسباب میں نہیں الجھنی چاہئے تھی۔ لیکن مظاہرہ اس کے بالکل برخلاف اس لئے مستحق غضب ہوئے۔ باقی اتنے معجزات کے ہوتے ہوئے حواریوں نے مائدہ کی درخواست ممکن ہے زیادہ برکت حاصل کرنے اور ایمان تازہ کرنے کے لئے کی ہو۔

لطائف آیات: .... آیت لاعلم لنا الخ میں بعض حضرات نے اللہ تعالیٰ کے جلالی آثار کی تجلی کی اس ذہول کا سبب قرار دیا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ استغراق، سکر، فنا محویت، غیبت وغیرہ احوال بے اصل نہیں ہیں۔ آیت اذ قال اللّٰہ الخ سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ کی اولاد میں سے ہونا بھی ایک نعمت ہے آیت اتقوا اللّٰہ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اللہ میں خوارق تلاش نہیں کرنے چاہئیں۔

وَاذْكُرْ **اِذْ قَالَ اللّٰهُ** اَیْ يَقُوْلُ اللّٰهُ لِعِيْسٰى فِي الْقِيٰمَةِ تَوْبِيْخًا لِقَوْمِهٖ **يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالَ** عِيْسٰى وَقَدْ اَرْعَدَ **سُبْحٰنَكَ** تَنْزِيْهًا لَكَ مِمَّا لَا يَلِيْقُ بِكَ مِنَ الشَّرِيْكِ وَغَيْرِهٖ **مَا يَكُوْنُ** يَنْبَغِيْ **لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ** خَبَرُ لَيْسَ وَلِيْ لِلتَّبْيِيْنِ **اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ تَعْلَمُ مَا** اُخْفِيْهِ **فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ** اَیْ مَا تُخْفِيْهِ مِنْ مَعْلُوْمَاتِكَ **اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ** ﴿۱۱۶﴾ **مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ** وَهُوَ **اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا** رَقِيْبًا اَمْنَعُهُمْ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ **مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ** قَبَضْتَنِيْ بِالرَّفْعِ اِلَى السَّمَآءِ **كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ** الْحَفِيْظَ لِاَعْمَالِهِمْ **وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ** مِنْ قَوْلِيْ لَهُمْ وَقَوْلِهِمْ بَعْدِيْ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **شَهِيْدٌ** ﴿۱۱۷﴾ مُطَّلِعٌ عَالِمٌ بِهٖ **اِنْ تُعَذِّبْهُمْ** اَیْ مَنْ اَقَامَ عَلَى الْكُفْرِ مِنْهُمْ **فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ**

وَاَنْتَ مَالِكُهُمْ تَتَصَرَّفُ فِيْهِمْ كَيْفَ شِئْتَ لَا اِعْتِرَاضَ عَلَيْكَ **وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ** اَىْ لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ **فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ** الْغَالِبُ عَلٰى اَمْرِهٖ **الْحَكِيْمُ** ﴿۱۱۸﴾ فِىْ صُنْعِهٖ **قَالَ اللّٰهُ هٰذَا** اَىْ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ** فِى الدُّنْيَا كَعِيْسٰى **صِدْقُهُمْ** لِاَنَّهٗ يَوْمُ الْجَزَاءِ **لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ** بِطَاعَتِهٖ **وَرَضُوْا عَنْهُ** بِثَوَابِهٖ **ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ** ﴿۱۱۹﴾ وَلَا يَنْفَعُ الْكَاذِبِيْنَ فِى الدُّنْيَا صِدْقُهُمْ فِيْهِ كَالْكُفَّارِ لِمَا يُؤْمِنُوْنَ عِنْدَ رُؤْيَةِ الْعَذَابِ **لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** خَزَائِنُ الْمَطَرِ وَالنَّبَاتِ وَالرِّزْقِ وَغَيْرِهَا **وَمَا فِيْهِنَّ** اَتٰى بِمَا تَغْلِيْبًا لِغَيْرِ الْعَاقِلِ **وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۱۲۰﴾ ع ۱۶ وَمِنْهُ اِثَابَةُ الصَّادِقِ وَتَعْذِيْبُ الْكَاذِبِ وَخَصَّ الْعَقْلُ ذَاتَهٗ تَعَالٰى فَلَيْسَ عَلَيْهَا بِقَادِرٍ

ترجمہ: .... اور (یاد کیجئے) اس وقت کو جب کہ فرمائیں گے (**قال** بمعنی **یقول** ہے) اللہ تعالیٰ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت میں ان کی قوم کو سرزنش کرنے کے لئے) اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو خدا بنالو۔ عرض کریں گے (عیسیٰ علیہ السلام لرزہ براندام ہوتے ہوئے) آپ کے لئے پاکی ہے (شرک وغیرہ نامناسب آلودگی سے آپ بری ہیں) بھلا مجھ سے یہ بات کیسے ہوسکتی ہے کہ ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں ہے (یہ **لیس** کی خبر ہے اور **لی** بیان کے لئے ہے) اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو ضرور آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا۔ آپ تو جانتے ہیں جو کچھ (چھپا ہوا ہو) میرے دل میں اور میں تو آپ کے دل کی بات نہیں جان سکتا۔ (آپ کی پوشیدہ معلومات سے واقف نہیں) آپ ہی غیب کی ساری باتیں جاننے والے ہیں۔ میں نے تو ان سے وہی بات کہی جس کے کہنے کا آپ نے حکم دیا تھا (اور وہ یہ ہے) کہ اللہ کی بندگی کرو۔ جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے۔ اس کا نگران رہا (ذمہ دارانہ طور پر کہ اس سے ان کو روکتا رہا) جب تک ان میں تھا۔ لیکن جب آپ نے میرا وقت پورا کردیا (آسمان پر اٹھالیا) پھر تو آپ ہی بس ان کے نگہبان تھے (ان کے اعمال کے نگران کار) اور آپ تو ہر چیز پر (خواہ میرا ان سے کہنا ہو یا میرے بعد ان کا کہنا سننا وغیرہ) نگہبانی کرنے والے ہیں (واقف کار و باخبر ہیں) اگر آپ نے ان کو سزا دی (ان میں سے جو لوگ اپنے کفر پر برقرار رہے) تو یہ آپ کے بندے ہیں (اور آپ ان کے مالک۔ جو چاہے آپ کریں، آپ پر کون اعتراض کرسکتا ہے) اور اگر آپ انہیں بخش دیں گے (ان پر ایمان والوں کو) سو بلاشبہ آپ سب پر غالب (اپنے کام میں زبردست ہیں) حکمت رکھنے والے ہیں (اپنی کارگزاری میں) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ آج (قیامت کے روز) وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے (دنیا میں جیسے عیسیٰ علیہ السلام) ان کا سچا ہونا ان کے کام آئے گا (کیونکہ یہ بدلے کا دن ہے) ان کے لئے جنتیں ہیں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں۔ وہ ہمیشہ ان میں رہنے والے ہیں۔ اللہ ان سے راضی (ان کی فرمانبرداری کے سبب) اور یہ اللہ میاں سے خوش (اس کے ثواب پر رضامند) یہ سب سے بڑی کامیابی ہے (دنیا میں جھوٹ بولنے والوں کو آج قیامت میں سچ بولنا کام نہیں دے گا جیسے کفار۔ عذاب کے مشاہدہ کے بعد ایمان لانے لگیں) آسمانوں اور زمین کی (جس میں بارش اور گھاس اور رزق وغیرہ کے ذخیرے ہیں) اور ان میں جو کچھ ہے (لفظ **ما** استعمال کرنا بے عقل مخلوق پر غالب مان کر ہے) سب کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے۔ کوئی چیز ان کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔ (منجملہ اس کے سچے کو ثواب اور جھوٹے کو عذاب دینا ہے اور عقل کی رو سے اللہ کی ذات اس سے مستثنیٰ ہے۔ ان کو اس پر قدرت نہیں ہے۔

تحقیق وترکیب: .... اذ قال ۔ صحیح رائے تو یہ ہے کہ سوال بروز قیامت ہوگا۔ لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ رفع سماوی کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا گیا تھا۔ **مـا فـي نـفسـك** ۔ نفس کا اطلاق حق تعالیٰ کے لئے مشاکلت کی وجہ سے کیا گیا ہے یا حقیقۃً ذات مراد ہو جیسے **کتب علی نفسه الرحمة** **ان اعبدوا الله** یہ اللہ کا مقولہ بھی ہوسکتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی۔ پہلی صورت میں اگرچہ مقتضی عبادت **اعبـدونـی** ہونا چاہئے تھا لیکن معناً حکایۃً بھی ہوسکتا ہے۔ نیز یہ توجیہ بھی ہوسکتی ہے کہ صرف لفظ ربی بطور ادراج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہو یا لفظ اعنی مضمر مان کر ہو۔ **تـوفـيـتـنـی** اس کے معنی پورا پورا لے لینا۔ موت بھی اس کا ایک فرد بن جاتی ہے۔ **الـلـه يتـوفـی الانفس الخ** یہاں رفع سماوی مراد ہے۔ متعارف موت مراد نہیں ہے۔ **یوم** جمہور قرار رفع کے ساتھ اور نافع نصب کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اول صورت میں تقدیر عبارت **هذا اليوم يوم منفعة الصادقين** ہوگی۔ یا ظرف مستقر خبر ہو جائے گی۔ ای **هـذا الذی مومن کلام عیسیٰ واقع یوم ینفع الخ** اور منصوب ہونے کی صورت میں قال کا ظرف ہوسکتا ہے اور ہذا کی خبر محذوف ہوگی۔ ای **قال الله هذا القول لعیسیٰ واقع یوم ینفع الخ**۔

وخـص العقل قدرت کا تعلق چونکہ ممکنات کے ساتھ ہوتا ہے محال یا واجب کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اللہ کی ذات و صفات اس سے خارج ہیں۔ ان پر قدرت ہونے کے معنی ان کو واجب سے نکال کر ممکن بنا دینے کے ہیں اور یہ محال ہے۔

ربط آیات: .... سلسلہ کلام اہل کتاب میں سے نصاریٰ کے متعلق چل رہا ہے۔ ان آیات میں قیامت کے مکالمہ کو نقل کیا گیا ہے۔ جس میں خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی ان کی قوم کے دعاوی کی تردید وتکذیب کی جارہی ہے تاکہ توحید کا اثبات اور عقائد شرکیہ کا ابطال ہو جائے۔

﴿ **تشریح** ﴾: .... **توحید وتثلیث:** .... ان آیات کا مقصود اصلی تثلیث کا ابطال اور شرک فی الالوہیت کی تردید کرنا ہے۔ خواہ اقانیم ثلثہ کا ایک رکن حضرت مریم علیہا السلام کو مانتے ہوں یا روح القدس کو یہاں اول کی تخصیص ممکن ہے۔ اس فرقہ کی کثرت کی وجہ سے ہو یا اس لئے کہ جب تثلیث میں حضرت مریم علیہا السلام کی شرکت باطل ہے تو روح القدس کی شمولیت بدرجہ اولیٰ غلط ہے کیونکہ انسان سے خوارق کا ظہور بہ نسبت فرشتوں کے زیادہ عجیب وغریب ہے۔ پس جب پہلی صورت میں گنجائش ترک نہیں تو دوسری صورت میں کس طرح امکان تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

جس طرح اس سورت کے شروع میں ایک اجمالی حکم دیا تھا جو متن کی حیثیت رکھتا تھا۔ یعنی **اوفوا بالعهد** پوری سورت اسی کی شرح اور تفصیل تھی۔ اب سورت کے ختم پر ایفاء عہد اور اس کی ضد کے حسن وقبح پر سورت کو ختم کیا جارہا ہے۔ **سبحان ذی الملک والملکوت**۔

سُوۡرَۃُ الۡاَنۡعَامِ

سُوۡرَۃُ الۡاَنۡعَامِ مَکِّیَّۃٌ اِلَّا وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ اَلۡاٰیَاتُ الثَّلٰثُ وَاِلَّا قُلۡ تَعَالَوۡا اَلۡاٰیَاتُ الثَّلٰثُ

وَھِیَ مَائَۃٌ وَخَمۡسٌ اَوۡ سِتٌّ وَسِتُّوۡنَ اٰیَۃً وعشرون رکوعًا

سورۂ انعام مکی ہے بجز وماقدرو اللہ تین آیات کے۔کل آیات ایک سوپینسٹھ یا چھیاسٹھ ہیں اور بیس رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿﴾ **اَلۡحَمۡدُ** وَھُوَ الۡوَصۡفُ بِالۡجَمِیۡلِ ثَابِتٌ **لِلّٰہِ** وَھَلِ الۡمُرَادُ الۡاِعۡلَامُ بِذٰلِکَ لِلۡاِیۡمَانِ بِہٖ اَوۡ لِلثَّنَاءِ بِہٖ اَوۡ ھُمَا اِحۡتِمَالَاتٌ اَفۡیَدُ ھَا الثَّالِثُ قَالَہٗ الشَّیۡخُ فِیۡ سُوۡرَۃِ الۡکَھۡفِ **الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ** خَصَّھُمَا بِالذِّکۡرِ لِاَنَّھُمَا اَعۡظَمُ الۡمَخۡلُوۡقَاتِ لِلنَّاظِرِیۡنَ **وَجَعَلَ** خَلَقَ **الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ** اَیۡ کُلَّ ظُلۡمَۃٍ وَنُوۡرٍ وَجَمَعَھَا دُوۡنَہٗ لِکَثۡرَۃِ اَسۡبَابِھَا وَھٰذَا مِنۡ دَلَائِلِ وَحۡدَ انِیَّتِہٖ **ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا** مَعَ قِیَامِ ھٰذَا الدَّلِیۡلِ **بِرَبِّھِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ** ﴿۱﴾ یُسَوُّوۡنَ بِہٖ غَیۡرَہٗ فِی الۡعِبَادَۃِ **ھُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ** بِخَلۡقِ اَبِیۡکُمۡ اٰدَمَ مِنۡہُ **ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا** لَکُمۡ تَمُوۡتُوۡنَ عِنۡدَ اِنۡتِھَائِہٖ **وَاَجَلٌ مُّسَمًّی** مَضۡرُوۡبٌ **عِنۡدَہٗ** لِبَعۡثِکُمۡ **ثُمَّ اَنۡتُمۡ** اَیُّھَا الۡکُفَّارُ **تَمۡتَرُوۡنَ** ﴿۲﴾ تَشُکُّوۡنَ فِی الۡبَعۡثِ بَعۡدَ عِلۡمِکُمۡ اَنَّہٗ اِبۡتَدَأَ خَلۡقَکُمۡ وَمَنۡ قَدَرَ عَلَی الۡاِبۡتِدَاءِ فَھُوَ عَلَی الۡاِعَادَۃِ اَقۡدَرُ **وَھُوَ اللّٰہُ** مُسۡتَحِقٌّ لِلۡعِبَادَۃِ **فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الۡاَرۡضِ یَعۡلَمُ سِرَّکُمۡ وَجَھۡرَکُمۡ** مَا تُسِرُّوۡنَ وَمَا تَجۡھَرُوۡنَ بِہٖ بَیۡنَکُمۡ **وَیَعۡلَمُ مَا تَکۡسِبُوۡنَ** ﴿۳﴾ تَعۡمَلُوۡنَ مِنۡ خَیۡرٍ وَشَرٍّ **وَمَا تَاۡتِیۡھِمۡ** اَیۡ اَھۡلَ مَکَّۃَ **مِّنۡ** زَائِدَۃٌ **اٰیَۃٍ مِّنۡ اٰیٰتِ رَبِّھِمۡ** مِنَ الۡقُرۡاٰنِ **اِلَّا کَانُوۡا عَنۡھَا مُعۡرِضِیۡنَ** ﴿۴﴾ **فَقَدۡ کَذَّبُوۡا بِالۡحَقِّ** بِالۡقُرۡاٰنِ **لَمَّا جَآءَھُمۡ فَسَوۡفَ یَاۡتِیۡھِمۡ اَنۡۢبٰٓؤُا** عَوَاقِبُ **مَا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَھۡزِءُوۡنَ** ﴿۵﴾ **اَلَمۡ یَرَوۡا** فِیۡ اَسۡفَارِھِمۡ اِلَی الشَّامِ وَغَیۡرِھَا **کَمۡ** خَبَرِیَّۃٌ بِمَعۡنٰی کَثِیۡرًا **اَھۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِھِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ** اُمَّۃٍ مِّنَ الۡاُمَمِ الۡمَاضِیَۃِ **مَکَّنّٰھُمۡ** اَعۡطَیۡنَاھُمۡ مَکَانًا **فِی الۡاَرۡضِ** بِالۡقُوَّۃِ وَالسَّعَۃِ **مَا لَمۡ نُمَکِّنۡ** نُعۡطِ **لَّکُمۡ** فِیۡہِ اِلۡتِفَاتٌ

عَنِ الْغَيْبَةِ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ الْمَطَرَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا مُتَتَابِعًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ تَحْتَ مَسَاكِنِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ بِتَكْذِيْبِهِمُ الْاَنْبِيَاءَ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۶﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا مَكْتُوْبًا فِيْ قِرْطَاسٍ رَقٍّ كَمَا اقْتَرَحُوْهُ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ اَبْلَغُ مِنْ عَايَنُوْهُ لِاَنَّهُ اَنْفٰى لِلشَّكِّ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾ تَعَنُّتًا وَعِنَادًا وَقَالُوْا لَوْلَآ هَلَّا اُنْزِلَ عَلَيْهِ عَلٰى مُحَمَّدٍ مَلَكٌ يُصَدِّقُهُ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا كَمَا اقْتَرَحُوْهُ فَلَمْ يُؤْمِنُوْا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ بِهَلَاكِهِمْ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ﴿۸﴾ يُمْهَلُوْنَ لِتَوْبَةٍ اَوْمَعْذِرَةٍ كَعَادَةِ اللّٰهِ فِيْمَنْ قَبْلَهُمْ مِنْ اِهْلَاكِهِمْ عِنْدَ وُجُوْدِ مُقْتَرَحِهِمْ اِذَا لَمْ يُؤْمِنُوْا وَلَوْ جَعَلْنٰهُ اَيِ الْمُنَزَّلَ اِلَيْهِمْ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ اَيِ الْمَلَكَ رَجُلًا اَيْ عَلٰى صُوْرَتِهِ لِيَتَمَكَّنُوْا مِنْ رُؤْيَتِهِ اِذْلَا قُوَّةَ لِلْبَشَرِ عَلٰى رُؤْيَةِ الْمَلَكِ وَّ اَنْزَلْنٰهُ وَجَعَلْنٰهُ رَجُلًا لَلَبَسْنَا شَبَّهْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴿۹﴾ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِاَنْ يَقُوْلُوْا مَاهٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فِيْهِ تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَاقَ نَزَلَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَهُوَ الْعَذَابُ فَكَذَا يَحِيْقُ بِمَنِ اسْتَهْزَأَ بِكَ

ترجمہ:.......... ہرطرح کی ستائش (حمد کے معنی اچھی خوبی کے ہیں جو ثابت ہے) اللہ کے لئے ہے (اس جملہ کا مقصد اس عقیدہ پر ایمان لانا ہے یا صرف اللہ کی مدح سرائی مقصود ہے یا دونوں مراد ہے زیادہ مفید تیسرا احتمال ہے۔ چنانچہ جلال الدین محلیؒ نے بھی سورۂ کہف میں یہی فرمایا ہے) جنہوں نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا (خاص طور پر ان دونوں چیزوں کا ذکر اس لئے کیا کہ دیکھنے والوں کی نظر میں یہ سب سے بڑی مخلوق ہے) اور نمودار (پیدا) کیں اندھیریاں اور اجالا (یعنی ہر ظلمت ونور۔ لیکن اول کو جمع سے تعبیر کیا ہے۔ دوسرے لفظ کو جمع سے تعبیر نہیں کیا۔ کیونکہ ظلمت کے اسباب بہت سے ہوتے ہیں اور یہ اللہ کے دلائل وحدانیت میں سے ہے) پھر بھی جو لوگ کفر کرنے والے ہیں (اس دلیل کے باوجود) اپنے پروردگار کے برابر سمجھتے ہیں (عبادت میں غیر اللہ کو اللہ کے برابر قرار دیتے ہیں) اللہ ہی ہیں جنہوں نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا (حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا) پھر تمہارے لئے ایک میعاد ٹھہرادی (کہ اس کو پورا کر کے مر جاؤ گے) اور ایک دوسری میعاد بھی ان کے علم میں مقرر ہے (تمہارے قبروں سے اٹھانے کے لئے طے ہے) پھر بھی تم ہو (اے کفار) کہ شک میں پڑے رہتے ہو) مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے میں تمہیں تردد ہے (حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ ابتداءً اسی نے پیدا کیا ہے۔ پس جو ذات ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہو دوبارہ پیدا کرنے پر تو بدرجہ اولیٰ اسے قدرت حاصل ہونی چاہئے) وہی اللہ ہے (مستحق عبادت) آسمانوں میں اور زمین میں۔ جانتے ہیں۔ تمہاری چھپی اور کھلی چیزوں کو (جو باتیں تم چھپا کر یا کھلم کھلا کرتے ہو آپس میں) جو کچھ (اچھی بری) کمائی کرتے ہو وہ بھی ان کے علم سے باہر نہیں ہے اور کوئی نشانی نہیں کہ جو ان (اہل مکہ) کے پاس (من زائدہ ہے) نہ آئی ہو۔ پروردگار کی (قرآنی) نشانیوں میں سے کہ انہوں نے اس سے گردن نہ موڑلی ہو۔ چنانچہ جب سچائی (قرآن) ان کے پاس آئی تو انہوں نے جھٹلا دیا۔ سو جس بات کی یہ لوگ ہنسی اڑاتے رہے ہیں عنقریب انہیں اس کی حقیقت (انجام) معلوم ہو کر رہے گی۔ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے (شام وغیرہ کے سفروں میں) کہ کتنے لوگوں کو (کم خبر یہ ہے بمعنی کثیر) ہم نے ہلاک کر دیا ہے ان سے پہلے دور کے (پچھلی

قوموں کے) جنہیں ہم نے اس طرح جمادیا تھا (ٹھکانا دے دیا تھا) ملکوں میں (طاقت اور تصرف کے ساتھ) کہ تمہیں بھی اس طرح نہیں جمایا (بسایا) ہے۔ (اس میں غیبوبت سے التفات پایا گیا ہے) ہم نے ان پر آسمانی بارش (برسات) اس طرح بھیج دی تھی کہ پے در پے (لگاتار) برستی رہی اور ان کی آبادیوں (مکانات) کے نیچے نہریں چلادی تھیں۔ لیکن پھر ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے (انبیاء کو جھٹلانے کے سبب) انہیں ہلاک کردیا اور ان کے بعد دوسری قوموں کے دور پیدا کردیئے اور اگر ہم اتار دیتے (آپ ﷺ پر) کوئی کتاب (لکھی لکھائی) ایک کاغذ پر (ان کی فرمائش کے مطابق) اور یہ لوگ اسے ہاتھوں سے چھوکر دیکھ لیتے (یہ طریقہ مشاہدہ سے بڑھ کر ہے) کیونکہ ہاتھ سے چھونے کے بعد پھر کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی) پھر بھی جن لوگوں نے راہ انکار اختیار کررکھی ہے وہ یہی کہتے ہیں (ان بمعنی ما نافیہ ہے) کہ یہ کھلی جادوگری ہے (سرکشی اور عناد کے سبب) اور ان لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ کیوں نہیں (لولا بمعنی ھلا ہے) اس پر (محمد (ﷺ) پر) اترتا فرشتہ (جو اس کی تصدیق کرتا) اگر ہم فرشتہ نازل کرتے (ان کی فرمائش کے مطابق اور پھر بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے) تو ساری باتوں کا فیصلہ ہی ہوجاتا (ان کی تباہی کے باب میں) پھر ان کے لئے مہلت ہی کب رہتی (تو یہ یا معذرت کے لئے ان کو مہلت نہ دیتے۔ جیسا کہ اللہ کی عادت پہلے لوگوں میں رہی ہے کہ ان کی فرمائش پورا ہونے کے بعد اگر ایمان نہیں لاتے تھے تو پھر تباہ کردیئے جاتے تھے) اور اگر ہم کسی فرشتہ کو پیغمبر بناتے (کہ جس کی طرف وحی نازل ہوتی) تو اسے (فرشتہ کو) بھی انسان بناتے (یعنی انسانی شکل و صورت پر ہی اتارتے تا کہ اس کو دیکھنا ممکن ہوتا ورنہ انسان میں تو فرشتے کے دیکھنے کی طاقت نہیں ہے) اور (اگر ہم فرشتہ اتارتے اور وہ بھی بشکل انسانی) تب بھی ہم انہیں ویسے ہی شبہات (شکوک) میں ڈال دیتے جس طرح کے شبہات میں اب یہ پڑے ہوئے ہیں۔ (ان کے دلوں میں ہیں۔ چنانچہ ماھذا لابشر مثلکم کہتے ہیں) اور یہ واقعہ ہے کہ آپ سے پہلے بھی رسولوں کی ہنسی اڑائی گئی ہے (اس میں آنحضرت (ﷺ) کے لئے تسلی ہے) تو جن لوگوں نے ہنسی اڑائی تھی ہنسی کی وہ بات ان ہی پر آپڑی (یعنی عذاب الٰہی۔ پس اسی طرح جو لوگ آپ سے استہزاء کرتے ہیں وہ بھی اس سے دو چار ہوں گے۔)

تحقیق وترکیب: ....سورۃ الانعام تسمیۃ الکل باسم الجزاء کے طور پر اس صورت کا نام ہے۔ بجز چھ آیات کے پوری سورت کا ایک دم نزول کا قول ضعیف ہے۔ چنانچہ ابن صلاح کہتے ہیں ایک دفعہ پوری سورت نازل ہونے کے سلسلہ میں جو ابی ابن کعبؓ کی روایت ہے اس کی سند صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اس کے خلاف بھی روایت موجود ہے۔ الا یعنی **وما قدروا اللّٰہ** سے لے کر **یستکبرون** تک اور **قل تعالوا الخ** سے لے کر **لعلکم تتقون** تک کل چھ آیات بقول ابن عباسؓ مدینہ میں نازل ہوئی ہیں اور باقی سورت مکہ معظمہ میں رات کو نازل ہوئی۔

حمد وصف جمیل کے ساتھ یہ قید بھی ضروری ہے کہ بطور تعظیم ہوتا کہ "**ذوق انك انت العزیز الکریم**" اس سے خارج ہوجائے۔ کیونکہ یہ بطور تحکم کہا جائے گا نہ کہ تعظیماً یہ مفہوم تو لغو ہے اور اصطلاحاً منعم ہونے کی حیثیت سے کسی کو تعظیمی الفاظ کہنا حمد کہلائے گا۔ **ھل المراد.** پہلی صورت میں لفظاً ومعناً دونوں طرح جملہ خبریہ ہوگا اور دوسری صورت میں لفظاً جملہ خبریہ اور معناً انشائیہ ہوگا۔ ثم پہلا اور تیسرا **ثم** استبعاد کے لئے اور دوسرا ترتیب ذکری کے لئے ہے اور **بربھم** میں **با یعدلون** کے صلہ کے لئے نہ کہ کفر کے لئے۔ لیکن اگر **یعدلون** کا صلہ عنہ محذوف ہو تو پھر با کفر کا صلہ ہوجائے گا۔

خلقکم مفسر علامؒ نے اشارہ کردیا کہ بتقدیر مضاف ہے۔ **ای خلق ابیکم** اس لئے اب یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ اولاد آدم کی پیدائش تو نطفہ سے ہوتی ہے نہ کہ مٹی سے۔ آدم کے خمیر میں سب ہی طرح کی مٹی اور پانی شامل تھا۔ اسی لئے مٹی کے اثر سے رنگتیں اور پانی کے اثر سے اخلاق مختلف ہوئے۔ **اجلاً** یہاں بمعنی موت ہے اور وقت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ بقول حسنؒ اس سے مراد ولادت

سے موت تک اور دوسرے لفظ اجل سے مراد موت سے بعث تک وقفہ ہے۔ اجل مسمی صفت مخصصہ کی وجہ سے مبتداء ہے۔

وھو اللّٰہ لفظ ھو مبتداء، اللہ خبر اول، **یعلم** خبر ثانی۔ **ماتکسبون** کسب سے مراد ثواب وعقاب ثمرہ اعمال ہے اور **سرکم وجھرکم** سے مراد اعمال سریہ اور جہریہ۔ پس مغائرت کی وجہ سے عطف درست ہو گیا۔ قرن قاموس میں ہے کہ تیس یا چالیس یا پچاس یا ساٹھ یا ستر یا اسی یا سو یا ایک سو بیس سال پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ لیکن حدیث میں ہے کہ آپ (ﷺ) نے حضرت انسؓ سے فرمایا۔ **عاش قرناً** ۔ چنانچہ وہ سو سال زندہ رہے۔

مکنھم قوم عاد وثمود وغیرہ کی طرف اشارہ ہے۔ **لاقوۃ للبشر** البتہ صرف رسول اللہ (ﷺ) نے دو مرتبہ جبرئیل علیہ السلام کو اپنی اصلی صورت پر دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ حراء پر دوسری دفعہ سدرۃ المنتہٰی پر۔

ربط آیات:............سورۂ مائدہ کے ختم پر شرک کا ابطال اور توحید کا اثبات مع دلائل کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس سورت کے شروع میں بھی یہی مضامین ہیں۔ یہ مناسبت تو پچھلی سورت کے انجام اور اس سورت کے آغاز میں ہوئی، لیکن دونوں سورتوں کے مجموعہ میں بھی مناسبت ہے کہ دونوں میں شرائع کا بیان ہے۔ اگرچہ پچھلی سورت میں اصول کثیرہ کے ساتھ تقریباً بیس فروعی احکام بھی بیان ہوئے اور اس سورت میں اصول زیادہ ہیں اور فروع صرف چار پانچ ہوں گے۔ اس سورت کے اجزاء میں بھی باہم مناسبت ہے۔ چنانچہ آیت **الحمدللّٰہ الخ** سے توحید کا اثبات کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد آیت **وماتاتیھم الخ** سے کفار کا اعراض مع وعید اور آیت **ولونزلنا الخ** سے کفار کا عموماً اور آنحضرت (ﷺ) کی رسالت سے متعلق خصوصاً عناد بیان کیا جا رہا ہے۔ بعد ازاں آیت **ولقد استھزیٔ** میں آپ کی تسلی کا سامان ہے۔

شانِ نزول وفضائل:............حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بجز چھ آیات کے پوری سورت مکہ میں رات کے وقت ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئی۔ آنحضرت (ﷺ) سبحان اللہ کہتے ہوئے سجدہ میں چلے گئے اور اسی وقت رات میں اس سورت کو لکھ لینے کا حکم دیا۔ نیز آنحضرت (ﷺ) سے مروی ہے کہ جو شخص سورۃ انعام کی پہلی تین آیت **مایکسبون** تک پڑھے تو حق تعالیٰ چالیس فرشتے اس لئے مقرر فرما دیتے ہیں کہ قیامت تک چالیس فرشتوں کی عبادت کے برابر اس کا ثواب لکھا جاتا رہے اور ایک فرشتہ آسمان سے اترتا ہے جس کے ہاتھ میں لوہے کا گرز ہوتا ہے۔ شیطان اگر اس کے پڑھنے والے کے دل میں وسوسہ ڈالنا چاہے تو اس گرز سے شیطان کی خبر لی جاتی ہے اور ستر حجاب درمیان میں حائل کر دیئے جاتے ہیں اور قیامت کے روز حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو میرے زیر سایہ چل اور ہر قسم کے پھل جنت میں کھا اور حوض کوثر سے پانی پی اور نہر سلسبیل میں غسل کر۔ تو میرا بندہ، میں تیرا رب ہوں۔

حضرت ابی ابن کعبؓ سے مروی ہے کہ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ سورۂ انعام تلاوت کرنے والے کے لئے ستر ہزار فرشتے مقرر کر دیئے جاتے ہیں جو اس کی ہر آیت کے بدلے دن رات استغفار کرتے رہتے ہیں اور مرفوعاً یہ روایت بھی ہے کہ سورۂ انعام کی تلاوت کرنے والے پر دن رات ستر ہزار فرشتے رحمت بھیجتے رہتے ہیں۔

ایک مرتبہ نضر بن حارث، عبداللہ بن امیہ، نوفل بن خویلد کہنے لگے۔ اے محمد (ﷺ)! ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، تاوقتیکہ ہمارے پاس اللہ کی طرف سے لکھا ہوا پیغام نہ آئے اور اس پیغام کی نیز آپ (ﷺ) کی رسالت کی تصدیق چار فرشتے نہ کر دیں۔ اس پر آیت **لونزلنا الخ** نازل ہوئی۔

﴿**تشریح**﴾:............**توحید اور قیامت:**............پہلی تینوں آیات میں توحید کا اثبات ہے کہ نفوس وآفاق کا خالق اور غیب وشہادت کا عالم ہی مستحق عبادت ہو سکتا ہے اور آخر کی دو آیتوں میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی اطلاع اور اس کی امتناع پر

رد اور محاسبہ اعمال پر تنبیہ ہے جس سے شرک پر وعید بھی ثابت ہوگئی۔ پہلی اجل کا کچھ حال تو قرائن وعلامات سے دوسروں کو معلوم ہو بھی سکتا ہے۔ مگر دوسری اجل کو اپنے ہی ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔

تباہ شدہ قوموں کے نمایاں آثار دیکھنے کو خود ان ہی کی ہلاکت کا دیکھنا فرمایا ہے۔ نیز موجودہ کفار کو دنیاوی عذاب سے ڈرانا مقصود ہے یا اخروی عذاب سے۔ جس کا سلسلہ موت کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے جو قریب ہی ہے۔

کسی قوم کے ہلاک کر دینے سے خدا کی خدائی میں کوئی فرق نہیں آتا:............اور انشانا کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ہلاک ہونے سے ہمارا حقیقی نقصان تو کیا ہوتا ظاہری نقصان بھی کچھ نہیں ہوا۔ دنیا آباد کی آباد ہے۔ جیسی تھی ویسی ہی بس رہی ہے۔ البتہ قیامت کے وقت ساری دنیا کا فنا ہونا۔ چونکہ دنیا کی اپنی مقررہ میعاد ختم کرنے کے بعد ہوگا۔ اس لئے اس کو ظاہری نقصان بھی نہیں کہا جا سکتا۔ چہ جائیکہ حقیقی ضرر ہو۔ غرضیکہ ان کے نہ ہونے سے ہمارا کچھ نہیں بگڑتا۔ بلکہ خس کم شد جہاں پاک شد۔

حاصل کلام:............غرضیکہ ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ نے کائنات ہستی پیدا کی تاریکی اور روشنی نمودار کی، تاریکی اور روشنی کا فرق ہر آنکھ محسوس کر لیتی ہے۔ لیکن اس پر بھی جو لوگ منکر ہیں وہ دونوں میں امتیاز نہیں کرتے اور اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ وہی خدا جس نے تمہیں پیدا کیا، اسی نے دو میعادیں مقرر کیں۔ پہلی میعاد عمل کے لئے اور دوسری میعاد نتائج وثمرات کے لئے۔ لیکن انسان کی غفلت پر افسوس کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں جھٹلاتا رہتا ہے۔

چنانچہ آج بھی جب سچائی کی دعوت نمودار ہوئی تو منکرین حق اس سے گردن موڑے ہوئے ہیں۔ گزشتہ قوموں کی سرگزشتوں میں تمہارے لئے درس عبرت ہے اور اس اصل عظیم کی وضاحت ہے کہ ایمان وہدایت کی راہ نظر وبصیرت کی راہ ہے نہ کہ بلا دلیل بات لینے اور نری تقلید کی۔ جن لوگوں میں سچائی ہوتی ہے ان کے لئے سچائی کی دلیلیں اور نشانیاں ہیں۔ لیکن جن کے دل سچائی سے پھر گئے ہیں ان کے لئے کوئی نشانی بھی سودمند نہیں۔ ایسے لوگ سچائی کا معارضہ کرنے کے لئے کہنے لگتے ہیں کہ عجیب وغریب باتیں ہمیں کیوں نہیں دکھلائی جاتیں۔ لیکن اس قسم کی فرمائشیں پوری کرنا اللہ تعالیٰ کی سنت نہیں ہے، کیونکہ اگر اس طرح کی عجیب وغریب باتیں دکھلا بھی دی جائیں، تب بھی یہ ماننے والے نہیں ہیں۔ جو سچائی کو سچائی کے لئے قبول نہ کرتا۔ اسے کوئی بات بھی قبولیت حق پر آمادہ نہیں کر سکتی۔ دنیا میں ایسا نہیں ہوسکتا کہ فرشتے اتر کر انسانوں کے سامنے چلنے پھرنے لگیں۔ یہاں فرشتے اگر آ بھی جائیں گے تو انسان ہی بن کر رہیں گے۔

لطائف آیات:............آیت الحمد للّٰہ الذی الخ سے معلوم ہوا کہ اللہ من حیث الذات بھی مستحق عبادت ہے اور من حیث الصفات بھی۔ آیت ولو انزلنا الخ سے معلوم ہوا کہ معاند کے نفع کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اسی لئے ارباب حقیقت اس کے درپے نہیں ہوا کرتے۔ آیت ولو انزلنا ملکاً الخ سے معلوم ہوا کہ خوارق کا ظاہر نہ ہونا ہی نتیجہ کے لحاظ سے اسلم ہوتا ہے۔

قُلْ لَهُمْ **سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾** الرُّسُلَ مِنْ هِلَاكِهِمْ بِالْعَذَابِ لِتَعْتَبِرُوْا **قُلْ لِّمَنْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ** اِنْ لَّمْ يَقُوْلُوْهُ لَاجَوَابَ غَيْرُهٗ **كَتَبَ** قَضٰى **عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ** فَضْلًا مِّنْهُ وَفِيْهِ تَلَطُّفٌ فِىْ دُعَائِهِمْ اِلَى الْاِيْمَانِ **لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ** لِيُجَازِيَكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ **لَا رَيْبَ** شَكَّ **فِيْهِ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ** بِتَعْرِيْضِهَا لِلْعَذَابِ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ **فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ** تَعَالٰى **مَا سَكَنَ** حَلَّ **فِى الَّيْلِ وَالنَّهَارِ** اَىْ كُلُّ شَىْءٍ فَهُوَ رَبُّهٗ وَخَالِقُهٗ وَمَالِكُهٗ **وَهُوَ**

السَّمِيْعُ لِمَا يُقَالُ **الْعَلِيْمُ** ﴿۱۳﴾ بِمَا يُفْعَلُ **قُلْ** لَهُمْ **اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا** اَعْبُدُهُ **فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** مُبْدِعِهِمَا **وَهُوَ يُطْعِمُ** يَرْزُقُ **وَلَا يُطْعَمُ** يُرْزَقُ لَا **قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ** لِلّٰهِ تَعَالٰى مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَقِيْلَ لِيْ **لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ** ﴿۱۴﴾ بِهٖ **قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ** بِعِبَادَةِ غَيْرِهٖ **عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ** ﴿۱۵﴾ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **مَنْ يُّصْرَفْ** بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ اَيِ الْعَذَابُ وَلِلْفَاعِلِ اَيِ اللّٰهُ وَالْعَائِدُ مَحْذُوْفٌ **عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ** تَعَالٰى اَيْ اَرَادَ لَهُ الْخَيْرَ **وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ** ﴿۱۶﴾ النَّجَاةُ الظَّاهِرَةُ **وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ** بَلَاءٍ كَمَرَضٍ وَفَقْرٍ **فَلَا كَاشِفَ** رَافِعَ **لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ** كَصِحَّةٍ وَغِنًى **فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۱۷﴾ وَمِنْهُ مَسُّكَ بِهٖ وَلَا يَقْدِرُ عَلٰى رَدِّهٖ عَنْكَ غَيْرُهٗ **وَهُوَ الْقَاهِرُ** الْقَادِرُ الَّذِيْ لَا يُعْجِزُهٗ شَيْءٌ مُسْتَعْلِيًا **فَوْقَ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْحَكِيْمُ** فِيْ خَلْقِهٖ **الْخَبِيْرُ** ﴿۱۸﴾ بِبَوَاطِنِهِمْ كَظَوَاهِرِهِمْ وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوْا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ائْتِنَا بِمَنْ يَّشْهَدُ لَكَ بِالنُّبُوَّةِ فَاِنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اَنْكَرُوْكَ **قُلْ** لَهُمْ **اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً** تَمْيِيْزٌ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمُبْتَدَاِ **قُلِ اللّٰهُ** اِنْ لَمْ يَقُوْلُوْهُ لَا جَوَابَ غَيْرُهٗ هُوَ **شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ** عَلٰى صِدْقِيْ **وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ** يَا اَهْلَ مَكَّةَ **بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ** عَطْفٌ عَلٰى ضَمِيْرِ اُنْذِرَكُمْ اَيْ بَلَغَهُ الْقُرْاٰنُ مِنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ **اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى** اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ **قُلْ** لَهُمْ **لَّآ اَشْهَدُ** بِذٰلِكَ **قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ** ﴿۱۹﴾ مَعَهٗ مِنَ الْاَصْنَامِ **اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ** اَيْ مُحَمَّدًا بِنَعْتِهٖ فِيْ كِتَابِهِمْ **كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ** مِنْهُمْ **فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ** ﴿۲۰﴾ بِهٖ

ترجمہ:.........کہہ دیجئے (ان سے) زمین میں چلو پھرا اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا ہے (جنہوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی اور ان کو عذاب سے ہلاک کر دیا گیا ہے تا کہ تم عبرت حاصل کر سکو) پوچھو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کے لئے ہے؟ کہئے اللہ کے لئے (اگر یہ جواب نہ دے سکیں تو بجز اس کے اور جواب ہو ہی کیا سکتا ہے؟) لازم کر لیا ہے (مقرر کر لیا ہے) اپنے اوپر انہوں نے رحمت کو (اپنے فضل سے۔ اس میں ایمان کی طرف لطیف دعوت ہے) وہ ضرور تمہیں قیامت کے روز جمع کریں گے (تمہارے اعمال کا بدلہ دینے کے لئے) اس میں کوئی شک (شبہ) نہیں۔ جو لوگ اپنے کو تباہ کر چکے ہیں (نفس کو عذاب کے پیش کر کے یہ مبتداء ہے۔ اس کی خبر آگے ہے) وہ کبھی ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ ٹھہراؤ (حلول کیا ہوا) ہے رات، دن میں (یعنی سب چیزوں کے وہی رب اور خالق و مالک ہیں) اور وہ سننے والے ہیں (بات چیت) جاننے والے ہیں (کام) کہہ دیجئے (ان سے) کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو کارساز بنا لوں (جس کی پوجا کروں) جو آسمانوں کے اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں (ایجاد کرنے والے ہیں) وہ روزی (رزق) دیتے ہیں۔ ان کو کوئی کھانے کو (رزق) نہیں دیتا (میرے لئے ہرگز غیر اللہ کی پوجا مناسب نہیں، آپ کہہ دیجئے مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے آگے جھکنے والوں میں پہلا جھکنے والا میں ہوں (اللہ کے

سامنے ۔اس امت کے لحاظ سے)اور یہ (حکم بھی مجھے دیا گیا ہے) کہ (اللہ کے ساتھ) شرک کرنے والوں میں سے مت ہونا۔ آپ (ﷺ) کہئے تو میں اپنے پروردگار کی نافرمانی اگر کروں (غیر اللہ کی بندگی کر کے) تو بہت بڑے دن (قیامت) کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ جس کے سر سے ٹل جائے (یہ لفظ بنی للمفعول یعنی مجہول ہے۔ مراد عذاب ہے۔ اور بنی للفاعل یعنی معروف بھی ہوسکتا ہے۔ یعنی اللہ اور عائد محذوف ہوگا) اس دن تو اس پر اللہ تعالیٰ نے بڑا رحم کیا (یعنی اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے) اور بڑی سے بڑی کامیابی (کھلی نجات) یہی ہے اور اگر اللہ تجھے دکھ پہنچائے (بیماری یا تنگدستی جیسی تکلیف) تو اس کا ٹالنے والا (دور کرنے والا) کوئی نہیں۔ بجز اس کی ذات کے اور اگر تجھے کوئی بھلائی (تندرستی اور مالداری قسم کی) پہنچانا چاہے تو وہ ہر بات پر قادر ہیں (منجملہ ان کے تجھے ان حالتوں میں مبتلا کرنا بھی ہے اور اس کے سوا کوئی اور تجھ سے اس کو دور بھی نہیں کرسکتا) وہی ہیں جو زبردست ہیں (غلبہ رکھنے والے ہیں۔ کوئی چیز انہیں زور سے دبا نہیں سکتی) اپنے بندوں پر۔ اور وہی بڑی حکمت رکھنے والے ہیں (پیدا کرنے میں) اور پوری خبر رکھنے والے ہیں (ظاہر کی طرح باطن کی بھی۔ کفار نے جب آنحضرت (ﷺ) سے فرمائش کی کہ اپنی نبوت پر دلیل پیش کرو۔ کیونکہ اہل کتاب تم کو نہیں مانتے ہیں؟ تو یہ آیات نازل ہوئیں) فرمادیجئے (ان سے) کون سی چیز ہے جس کی گواہی سب سے بڑی گواہی ہے (لفظ شھادۃ تمیز ہے جو دراصل مبتداء تھا) کہہ دیجئے کہ اللہ (اگر یہ کوئی جواب نہ دیں۔ کیونکہ اس کے سوا اور کوئی جواب ہے بھی نہیں۔ وہی) میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے (میرے سچا ہونے پر) اس نے مجھ پر اس قرآن کی وحی فرمائی ہے تاکہ میں تمہیں (اے اہل مکہ) اس کے ذریعہ ڈراؤں اور ان لوگوں کو بھی جن کو اس قرآن کی تعلیم پہنچ چکی ہے (انذرکم کی ضمیر پر اس کا عطف ہے۔ یعنی انسان وجنات میں سے جن کو قرآن کی تبلیغ ہو چکی ہے) کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود بھی شریک ہیں (استفہام انکاری ہے) کہہ دو (ان سے) میں تو (اس کی) گواہی نہیں دے سکتا۔ کہہ دیجئے کہ صرف وہی معبود یگانہ ہے۔ اس کے ساتھ کوئی نہیں اور جو کچھ (اس کے ساتھ بتوں کو) شریک ٹھہراتے ہیں میں اس سے بیزار ہوں۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان کو (محمد (ﷺ) کو ان اوصاف کی وجہ سے جو ان کی کتابوں میں ہیں) اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے اپنے کو تباہ کرلیا (ان میں سے) وہ کبھی ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ آنحضرت (ﷺ) پر)۔

تحقیق وترکیب: .... **سیروا** ۔ بقول بغویؒ ومدارک سیر ارضی مراد ہے۔ یا سیر نظری یا فکری۔ چونکہ بسا اوقات اول سیر، دوسری سیر کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اس لئے صوفیاء سیاحت کو اختیار کرتے ہیں کہ قدرت کی صناعی اور رنگا رنگی وصول الی اللہ اور ترقی معارف کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ **سنریھم اٰیاتنا فی الاٰفاق**

کتب ۔ بمعنی وجب ہے۔ لیکن فضلاً کہہ کر مفسر علامؒ نے اشارہ کردیا کہ حقیقی معنی مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ کوئی چیز بھی اللہ پر واجب نہیں ہے بلکہ مضبوط وعدہ پر محمول کیا جائے گا۔ جس کا ایفاء یقینی ہے۔

الذین خسروا موصول صلہ **انفسہم** مفعول ہے **خسروا** کا۔ یہ مجموعہ مبتداء ہے اور **فھم لایؤمنون** ۔ مبتداء خبر سے مل کر جملہ خبریہ ہے مبتداء کی۔ بظاہر آیت سے عدم ایمان کا خسران کے لئے مسبب ہونا معلوم ہوتا ہے، حالانکہ خسران مسبب ہے عدم ایمان کا۔ جواب یہ ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ جن کے لئے ازل میں خسارہ مقدر ہو چکا ہے وہ آئندہ ایمان نہیں لائیں گے۔ غرضیکہ علم الٰہی کے لحاظ سے فرمایا گیا ہے **ماسکن** اس سے مراد عام ہے جو متحرک اور ساکن کو شامل ہو۔ اسی لئے مفسر علامؒ نے حل بمعنی استقر سے تفسیر کی ہے۔ پس **تقیکم الحر** کی طرح احد الضدین پر اکتفاء کرلیا گیا ہے۔ گویا **تقیکم الحر والبرد** تھا۔

اغیر اللہ یہ مفعول اول ہے اتخذ کا اور **ولیا** مفعول ثانی ہے۔ تقدیم اعتناء شان کی وجہ سے کی گئی ہے۔ ولی سے مراد معبود

ہے شرک کا بطلان مقصود ہے۔ لا اس سے اشارہ ہے کہ اتخذ میں ہمزہ استفہام انکاری ہے اول من اسلم۔ بہر حال نبی امت میں سب سے سابق الایمان ہوتا ہے۔ اس کو اپنی نبوت پر ہی ایمان لانا پڑتا ہے۔ جس طرح نبی دوسروں کے لئے مرسل ہوتا ہے خود اپنے لئے بھی مرسل ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اول مومن و مسلم ہوا۔ یصرف مجہول کی صورت میں نائب فاعل عذاب ہوگا اور معروف پڑھنے کی صورت میں اللہ فاعل ہوگا اور عائد عذاب محذوف ہوا۔ حالانکہ نحو میں مشہور یہ ہے کہ غیر موصول کا عائد محذوف نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے ظاہر یہ ہے کہ نفس عذاب محذوف ہے۔ محول عن المبتداء اصل عبارت اس طرح تھی ای شی ء شھادته اکبر اور اللہ کی شہادت سے مراد معجزات ہیں۔ ظاہر ہے کہ معجزات کی فعلی شہادت شہادت قولی سے کہیں زیادہ ہوگی۔ کیونکہ قول میں تو احتمالات بھی ہوتے ہیں جو فعل میں نہیں ہوتے۔

ومن بلغ اس سے قیامت تک ہونے والے عربی عجمی لوگ مراد ہیں۔ ارشاد نبوی (ﷺ) ہے ومن بلغه القران فکانی شافهته و خاطبته۔ اس میں موصول کا عائد محذوف ہے اور فاعل ضمیر قرآن ہے۔ انما هو لفظ انما حصر کے لئے آتا ہے۔ جس میں ما کافہ ہے۔ یہ مبتداء ہے "اله واحد" موصوف صفت مل کر خبر ہے۔

لیحوفونه. اس کی ضمیر آنحضرت (ﷺ) کی طرف اور قرآن یا احکام کی طرف لوٹ سکتی ہے۔ یہ تنزلات ربانیہ میں سے ہے۔ ورنہ بقول عبداللہ بن سلامؓ بیٹوں سے بھی زیادہ آنحضرت (ﷺ) کے رسول ہونے کی معرفت تھی۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات کی طرح قل لمن ما فی السموت الخ میں بھی توحید کا مضمون ہے اور اسی کی تاکید کے لئے ضمناً قیامت اور معاد کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔ آگے آیت قل ایّ شیء الخ سے رسالت و توحید کا ملا جلا مضمون بیان کیا جا رہا ہے۔

شان نزول: .... کلبی کی روایت ہے کہ کفار مکہ نے آنحضرت (ﷺ) سے کہا کہ "اللہ کو نبی بنانے کے لئے تمہارے سوا کیا اور کوئی نہیں ملا؟ ہم تمہاری بات کو سچا نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اہل کتاب تمہاری تصدیق نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ ہماری کتابوں میں ان کا ذکر تک نہیں۔ سوا پنی رسالت پر کوئی گواہ لائیے۔"

اور ابن جریرؒ وغیرہ ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ نحام بن زید۔ قروم بن کعب۔ بحری بن عمرو آپ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ آپ (ﷺ) کے علم میں کیا اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ واقعہ میں بھی اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ مجھے اسی کی دعوت دینے کے لئے بھیجا گیا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **کائنات ہی اللہ تعالیٰ کے وجود کی محکم دلیل ہے:** .... تمام کائنات خلقت اس بات کا ثبوت دے رہی ہے کہ ایک خالق صانع ہستی موجود ہے۔ اگر اس کی رحمت کا قانون کارفرما نہ ہوتا تو کائنات خلقت میں نہ تو بناؤ اور جمال ہوتا اور نہ افادہ وفیضان۔ حالانکہ اس کا کوئی گوشہ نہیں جو اس حقیقت کا ثبوت مہیا نہ کرتا ہو۔

اللہ کی ہستی، اس کی وحدانیت، اس کی صفات اور آخرت جیسی بنیادی باتوں اور عقائد کا بیان ہے۔ قرآن کریم کا اسلوب بیان، منطقی مقدمات اور فلسفی دلائل پر مبنی نہیں ہے بلکہ وہ سیدھے سادے طریقہ پر انسان کے فطری وجدان و ذوق کو مخاطب کرتا ہے اور اس کے معنوی احساسات کو بیدار کرنا چاہتا ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ ایک خالق و پروردگار ہستی کا اعتقاد انسانی فطرت میں موجود ہے۔ اگر وہ انکار کرتا ہے پرستش کی گمراہیوں میں مبتلا ہوتا ہے تو یہ اس کی وجدانی بصیرت پر غفلت طاری ہو جانے کی وجہ سے ہے۔ اس لئے اسے

بیدار کرنا چاہئے۔

بلیغ پیرایۂ بیان: .... چنانچہ کتنے بلیغ اور موثر پیرایہ میں بیان کیا جارہا ہے کہ جس نے یہ تمام کارخانہ ہستی پیدا کیا۔ کون ہے جس کی رحمت کا فیضان ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔ کون ہے جو سب کو رزق دیتا ہے۔ مگر خود کسی کا محتاج نہیں۔ تمہاری فطرت کہہ رہی کہ ایک خالق وصانع ہستی کے سوا کوئی نہیں ہے۔ پھر یہ کیسی گمراہی ہے کہ اس کی طرف سے گردن پھیرے ہوئے ہو اور اسے چھوڑ کر دوسری ہستیوں کے آگے جھک رہے ہو۔ سب سے بڑی گواہی اللہ کی ہے جو حق کی دعوت کو کامیاب کر کے منکرین ومعاندین کو ناکام کر کے سچائی کے حق میں اپنی گواہی کا اعلان کر دیتا ہے۔ یہاں اللہ کی اس سنت اور عادت کی طرف اشارہ ہے کہ جب بھی اس کی طرف سے کوئی داعی حق آتا ہے اور لوگ شرارت وعناد سے اسے جھٹلاتے اور اس کا مقابلہ کرتے ہیں تو حق وباطل میں مقابلہ آرائی شروع ہو جاتی ہے اور بالآخر حق کامیاب ہوتا ہے اور باطل پرست ناکام اور ذلیل۔ یہی اللہ کی گواہی ہے جو اس معاملہ کا فیصلہ کر دیتی ہے۔

لطائف آیات: .... آیت کتب علی نفسه الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی رحمت کا دامن بڑا ابلیغ ہے۔ حتیٰ کہ غضب میں بھی اس کی رحمت مضمر ہوتی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں پر عین تعذیب کے وقت تادیب ہوتی ہے اور تادیب کے بعد مغفرت پس یہ سب رحمت نہیں تو اور کیا ہے۔ آیت قل انی امرت الخ سے معلوم ہوا کہ تکالیف شرعیہ کسی سے بھی حتیٰ کہ انبیاء سے بھی معاف نہیں ہیں۔ آیت وان یمسسک الخ سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ میں مستقلاً تصرف نہیں ہوتا۔ جو لوگ غیر اللہ سے ازالہ ضرر کی امید رکھتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔

وَمَنْ اَیْ لَا اَحَدٌ **اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا** بِنِسْبَتِهِ الشَّرِيْكَ اِلَيْهِ **اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهِ** الْقُرْاٰنِ **اِنَّهٗ** اَیِ الشَّانُ **لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ** ﴿۲۱﴾ بِذٰلِكَ وَ اذْكُرْ **يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا** تَوْبِيْخًا **اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ** ﴿۲۲﴾ اَنَّهُمْ شُرَكَاءُ اللّٰهِ **ثُمَّ لَمْ تَكُنْ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **فِتْنَتُهُمْ** بِالنَّصَبِ وَالرَّفْعِ اَیْ مَعْذِرَتُهُمْ **اِلَّآ اَنْ قَالُوْا** اَیْ قَوْلُهُمْ **وَاللّٰهِ رَبِّنَا** بِالْجَرِّ نَعْتٌ وَالنَّصَبِ نِدَاءٌ **مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ** ﴿۲۳﴾ قَالَ تَعَالٰی **اُنْظُرْ** يَامُحَمَّدُ **كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ** بِنَفْيِ الشِّرْكِ عَنْهُمْ **وَضَلَّ** غَابَ **عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ** ﴿۲۴﴾ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰی مِنَ الشُّرَكَاءِ **وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ** اِذَا قَرَأْتَ **وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً** اَغْطِيَةً لِ **اَنْ لَا يَفْقَهُوْهُ** اَنْ يَّفْهَمُوا الْقُرْاٰنَ **وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا** صَمَمًا فَلَا يَسْمَعُوْنَهٗ سِمَاعَ قَبُوْلٍ **وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ** مَا **هٰذَآ** الْقُرْاٰنُ **اِلَّآ اَسَاطِيْرُ** اَكَاذِيْبُ **الْاَوَّلِيْنَ** ﴿۲۵﴾ كَالْاَضَاحِيْكِ وَالْاَعَاجِيْبِ جَمْعُ اُسْطُوْرَةٍ بِالضَّمِّ **وَهُمْ يَنْهَوْنَ** النَّاسَ **عَنْهُ** اَیْ عَنِ اتِّبَاعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَيَنْئَوْنَ** يَتَبَاعَدُوْنَ **عَنْهُ** فَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقِيْلَ نَزَلَتْ فِيْ اَبِيْ طَالِبٍ كَانَ يَنْهٰی عَنْ اَذَاهُ وَلَا يُؤْمِنُ بِهٖ **وَاِنْ** مَا **يُهْلِكُوْنَ** بِالنَّايِ عَنْهُ **اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ** لِاَنَّ ضَرَرَهٗ عَلَيْهِمْ **وَمَا يَشْعُرُوْنَ** ﴿۲۶﴾ بِذٰلِكَ **وَلَوْ تَرٰی** يَا مُحَمَّدُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **اِذْ وُقِفُوْا** عُرِضُوْا **عَلَی النَّارِ فَقَالُوْا يٰا**

لِلتَّنْبِيْهِ **لَيْتَنَا نُرَدُّ** اِلَى الدُّنْيَا **وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** ﴿۲۷﴾ بِرَفْعِ الْفِعْلَيْنِ اِسْتِئْنَافًا وَنَصْبِهِمَا فِي جَوَابِ التَّمَنِّيْ وَرَفْعِ الْاَوَّلِ وَنَصْبِ الثَّانِيْ وَجَوَابُ لَوْ لَرَاَيْتَ اَمْرًا عَظِيْمًا قَالَ تَعَالٰى **بَلْ** لِلْاِضْرَابِ عَنْ اِرَادَةِ الْاِيْمَانِ الْمَفْهُوْمِ مِنَ التَّمَنِّيْ **بَدَا** ظَهَرَ **لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ** يَكْتُمُوْنَ بِقَوْلِهِمْ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ بِشَهَادَةِ جَوَارِحِهِمْ فَتَمَنَّوْا ذٰلِكَ **وَلَوْ رُدُّوْا** اِلَى الدُّنْيَا فَرْضًا **لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ** مِنَ الشِّرْكِ **وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ** ﴿۲۸﴾ فِيْ وَعْدِهِمْ بِالْاِيْمَانِ **وَقَالُوْآ** اَيْ مُنْكِرُوا الْبَعْثِ **اِنْ** مَا **هِيَ** اَيِ الْحَيٰوةُ **اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ** ﴿۲۹﴾ **وَلَوْ تَرٰى اِذْ وُقِفُوْا** عُرِضُوْا **عَلٰى رَبِّهِمْ** لَرَاَيْتَ اَمْرًا عَظِيْمًا **قَالَ** لَهُمْ عَلٰى لِسَانِ الْمَلٰٓئِكَةِ تَوْبِيْخًا **اَلَيْسَ هٰذَا** الْبَعْثُ وَالْحِسَابُ **بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا** اِنَّهُ لَحَقٌّ **قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ** ﴿۳۰﴾ بِهِ فِي الدُّنْيَا

ترجمہ: .... اورکون ہے (یعنی کوئی نہیں) اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا جس نے اللہ پر جھوٹ بول کر (اس کی طرف شریک کی نسبت کر کے) یا اس کی آیتوں (قرآن) کو جھٹلائے۔ بلاشبہ (شان یہ ہے کہ) کبھی کامیاب نہیں ہوں گے جو (یہ) ظلم کرنے والے ہیں اور (دھیان کیجئے) اس دن کا جب ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے۔ پھر جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا ہے، ان سے کہیں گے (سرزنش کے لئے) بتلاؤ تمہارے وہ شریک کہاں گئے جن کی نسبت تم باطل گمان رکھتے تھے (کہ وہ اللہ کے شریک ہیں) تو وہ اس وقت نہیں کرسکیں گے (تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح لفظ تکن پڑھا گیا ہے) کوئی معذرت (فتنة نصب اور رفع کے ساتھ ہے معذرت مراد ہے) اس کے سوا کہ کہیں (ان قالوا بمعنی قول ہے ان مصدریہ کی وجہ سے) اللہ کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے (ربنا جر کے ساتھ نعت ہے اور نصب کے ساتھ نداء ہے) ہم شرک کرنے والے نہ تھے (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) دیکھو (اے محمد (ﷺ)) کس طرح یہ اپنے اوپر جھوٹ بولنے لگے (اپنی جانب سے شرک کی نفی کر کے) اور کھوئی گئیں (گم ہو گئیں) ان سے وہ سب افتراء پردازیاں جو کیا کرتے تھے (اللہ تعالیٰ کے لئے شرکاء تجویز کر کے) اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو سننے کے لئے تمہاری طرف کان لگاتے ہیں (جب آپ (ﷺ) تلاوت فرماتے ہیں) حالانکہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے (حجاب) ڈال دیئے ہیں تاکہ (نہ) سمجھ سکیں۔ اس (قرآن) کو اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے دی ہے (رکاوٹ پیدا کر دی ہے کہ قبولیت کے کان سے اس کو نہیں سن کتے) اگر یہ ہر ایک نشانی دیکھ بھی لیں تب بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ جب آپ (ﷺ) کے پاس آتے ہیں اور آپ (ﷺ) سے جھگڑتے ہیں تو جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کر رکھی ہے وہ کہنے لگے ہیں یہ (قرآن) اس کے سوا کچھ نہیں ہے (ان بمعنی ما نافیہ ہے) کہ پچھلوں کی (جھوٹی) کہانیاں ہیں (اساطیر۔ اسطورہ۔ بالضم کی جمع، اضاحیک اور اعاجیب کی طرح) اور یہ لوگ (دوسروں کو بھی) روکتے ہیں۔ آپ (ﷺ) کی طرف سے (یعنی آنحضرت (ﷺ) کے اتباع سے) اور خود بھی دور بھاگتے ہیں (بعید ہو جاتے ہیں) آپ (ﷺ) سے (کہ آپ (ﷺ) پر ایمان نہیں لاتے اور بعض کی رائے ہے کہ ابوطالب کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے کہ آپ کو تکلیف دینے سے لوگوں کو تو روکتے تھے، لیکن خود آنحضرت (ﷺ) پر ایمان نہیں لا سکے) اور وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ (ان بمعنی ما نافیہ ہے آپ سے دور بھاگ کر) اپنے ہی کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں (کیونکہ اس کا وبال ان ہی پر آئے گا) لیکن (اس کا) شعور نہیں رکھتے اور اگر آپ (اے محمد (ﷺ)) اس وقت کو ملاحظہ فرمائیں جب کہ انہیں کھڑا کیا جائے گا (پیش کیا جائے گا) جہنم کے

کنارے تو کہیں گے اے (یا تنبیہ کے لئے ہے) کاش ایسا ہو کہ ہم پھر لوٹا دیئے جائیں (دنیا کی طرف) اور اپنے پروردگار کی آیتیں نہ جھٹلائیں اور ایمان لانے والوں میں سے ہو جائیں (لانکذب اور نکون دونوں فعل مرفوع ہوں تو مستانفہ۔ اور منصوب ہوں تو جواب تمنی اور تیسری صورت یہ ہے کہ اول مرفوع اور ثانی منصوب اور لو کا جواب لرایت امراً عظیماً ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) بلکہ (یہ اعراض ہے ارادہ ایمان سے جو تمنا سے مفہوم ہو رہا ہے) نمودار (ظاہر) ہو گیا۔ ان پر اس کا بدلہ جو کچھ پہلے چھپایا کرتے تھے (اپنے اس قول سے چھپایا کرتے تھے۔ واللّٰہ ربنا ماکنا مشرکین لیکن جب ان کے اعضاء گواہی دیں گے تو یہ تمنا ہو گی) اور اگر لوٹا دیئے جائیں (بالفرض دنیا کی طرف) تو پھر اسی بات میں پڑ جائیں گے جس سے انہیں روکا گیا تھا (یعنی شرک) اور بلاشبہ یہ جھوٹے ثابت ہوں گے (اپنے وعدۂ ایمان میں) اور کہتے ہیں (منکرین قیامت) اس کے سوا کچھ نہیں ہے (ان۔ بمعنی ما نافیہ ہے) کہ یہی (زندگی ہے) دنیا کی زندگی ہے اور ہمیں مر کر پھر اٹھنا نہیں ہے اور آپ اگر انہیں اس حالت میں دیکھیں گے جب یہ کھڑے کئے جائیں (پیش کئے جائیں) گے اپنے پروردگار کے سامنے (تو بڑا تعجب فرمائیں گے) اللہ دریافت فرمائیں گے (ان سے۔ سرزنش کے طور پر فرشتوں کی زبانی) کیا یہ (قبر سے اٹھنا اور حساب) حقیقت نہیں ہے؟ وہ کہیں گے ہاں۔ ہمیں اپنے پروردگار کی قسم (یہ حقیقت ہے) اللہ فرمائیں گے۔ عذاب کا مزہ چکھو اس کفر کی پاداش میں جو تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔

تحقیق وترکیب: .... او کذب حرف اور تغایر بین المتعاطفین کے لئے ہے۔ مفہوماً ایک میں منفی کا اثبات اور دوسرے میں مثبت کی نفی ہو رہی ہے۔ این شرکاؤکم یہ غیبوبت شرکاء اسباب وعلائق منقطع ہونے اور تبری کے بعد ہو گی۔ اس لئے دوسری آیت احشروا الذین الخ کے منافی نہیں ہے جس سے ان کا حاضر ہونا معلوم ہو رہا ہے۔ تزعمون. حق کے موقعہ پر بھی زعم کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے ضمام بن ثعلبہ کی حدیث میں ہے۔ زعم رسولک اور باطل کے موقعہ پر بھی مستعمل ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

تکن. اگر تا کے ساتھ ہے تو لفظ فتنہ اسم مرفوع ہی اور خبر الا ان قالو ہے۔ اور فتنہ منصوب بھی ہو سکتا ہے۔ ترکیب برعکس ہو جائے گی اور تانیث خبر کی تانیث کی وجہ سے ہو گی۔ رفع کی قرأت ابن کثیر، ابن عامر اور حفص کی ہے اور نصب کی قرأت نافع، ابوبکر کی ہے اور فتن کے معنی سونے کی آگ میں داخل کرتے کے ہیں۔ کھرا کھوٹا معلوم کرنے کے لئے، پھر آزمائش، بلا مصیبت، عذاب، ضلال، معذرت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ کفار کی معذرت کو فتنہ، جھوٹ اور ان کی شرارت کی وجہ سے کہا ہے۔ ربنا مجرور ہونے کی صورت میں اللہ کی صفت ہے اور منصوب ہونے کی صورت میں تقدیر واللہ ربنا ہو گی۔ اکنۃ یہ جمع کنان کی ہے۔ پردہ غلاف۔ وقرا بمعنی ثقل سماعت۔ حتی اذا اس حتیٰ کے بعد جملہ آتا ہے۔ چنانچہ اذا جاؤک اور یجادلونک دونوں جملے موضع حال میں ہیں اور حتیٰ جارہ بھی ہو سکتا ہے۔ پھر یہ بمعنی وقت موضوع جر میں ہو گا اور یہ جملے تفسیر ہوں گے۔

اساطیر. قاموس میں ہے کہ اسطار، اسطیر، اسطور، اسطاوہ، اسطیرہ، اسطورہ کی جمع ہے۔ سطر کے معنی خط کے ہیں۔ مطلق منقول کے معنی میں مستعمل ہے اور جلال محققؒ اسطورہ کی جمع فرما رہے ہیں۔ اضاحیک، اضحوکہ کی اور اعاجیب اعجوبہ کی جمع ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ اساطیر کا کوئی مفرد نہیں اور بقول قاموس سطر کی جمع اسطر، سطور، اسطار ہے اور اساطیر جمع الجمع ہے۔ بے سند باتیں، اکاذیب کے ساتھ تفسیر کرنا تفسیر باللازم ہے۔

ولو تری. آپ (ﷺ) مخاطب ہیں یا خطاب عام ہے۔

برفع الفعلین. ای نحن لانکذب ونحن نکون من المؤمنین۔ گویا سوال مقدر کا جواب ہو گا اور نصب بتقدیر ان

ہوگا۔ ای ان ردونا فلا نکذب ونکون من المؤمنین. علی السان الملائکۃ اس تاویل کے بعد آیت لایکلمھم اللّٰہ ولا ینظر الیھم کے منافی یہ آیت نہیں رہے گی۔

ربط آیات: .... آیت ومن اظلم میں منکرین پر رد کرنا ہے اور آیت یوم نحشر الخ میں ان منکرین کی اخروی بدحالی کی کچھ کیفیت بتلائی ہے۔ توحید ورسالت کے انکار کے بعد ومنھم من یستمع الخ میں منکرین قرآن پر رد ہے۔ آگے آیت ولو تری الخ میں ان کی سزا کا بیان ہے اور آیت وقالوا ان ھی الخ میں منکرین قیامت کے لئے وعید ہے۔

شان نزول: .... ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ابوسفیان بن حرب، ولید بن مغیرہ، نضر بن الحارث، عتبہ، شیبہ، امیہ، ابی، حارث بن عامر، ابوجہل، آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ (ﷺ) تلاوت فرما رہے تھے۔ ان سب نے نضر سے پوچھا۔ محمد (ﷺ) کیا کہہ رہے ہیں؟ کہنے لگا ہونٹ تو چلتے معلوم ہوتے ہیں اور کچھ پرانے افسانے ہیں۔ اس کے سوا کچھ نہیں سمجھا۔ حالانکہ میں اس سے اچھے قصے سنا سکتا ہوں۔ ابوسفیان کہنے لگے کہ بعض باتوں کو تو میں بھی غلط نہیں سمجھتا ہوں۔ لیکن ابوجہل نے تردید کی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ ابوسفیانؓ وغیرہ جو لوگ بعد میں ایمان لے آئے ان کو اس آیت سے مستثنیٰ کرنا پڑے گا اور آیت وھم ینھون الخ کا شان نزول آپ (ﷺ) کے چچا ابوطالب کی انتہائی ہمدردی کے باوجود ایمان سے محروم رہنا ہوگا۔

﴿ تشریح ﴾: .... **قیامت میں بتوں کا حاضر و غائب ہونا:** .... قیامت میں بتوں کو بلحاظ شریک وشفیع ہونے کے غائب کہا گیا ہے۔ اور دوسری آیات میں بلحاظ ذات حاضر قرار دیا گیا ہے۔ دونوں میں کچھ منافات نہیں ہے۔ نیز اس آیت میں کفار سے توبیخی کلام کا اثبات اور دوسری آیات میں خوشنودی اور رضامندی کے کلام کی نفی ہے۔ ان دونوں میں بھی کچھ تعارض نہیں ہے اور کفار کا جھوٹ بولنا انتہائی دہشت وحیرت میں ہوگا اور تو کچھ بس نہیں چلے گا۔ مفر کی یہی صورت نکالنا چاہیں گے جو کذب اضطراری کہلائے گی اور کشف حقائق واحوال کے بعد جس کذب کی نفی ہونی چاہئے وہ اختیاری ہوتا ہے اور مشرکین اگرچہ شفاعت کے قائل نہ تھے لیکن یا تو بطور فرض یہ کلام مانا جائے اور یا کہا جائے کہ شدت کے وقت وہ لوگ بھی شفاعت کے قائل تھے اور ظاہر ہے کہ قیامت سے بڑھ کر شدت کا اور کون سا موقعہ ہوسکتا ہے۔ آیت میں شرک کا انجام بطور حصر اضافی بیان کیا گیا ہے۔ جس سے مقصود شرکیہ اعتقاد پر برقرار رہنے کی نفی ہے۔

سچائی کی قدامت: .... دنیا میں سچی بات نئی نہیں ہوسکتی، کیونکہ سچائی سے زیادہ دنیا میں اور کوئی پرانی بات نہیں ہے۔ تاہم جو لوگ سچائی سے پھرے ہوئے ہوں، انہیں جب سچائی کی باتیں سنائی جائیں تو کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو وہی پرانی کہانی ہے جو ہمیشہ سنتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ عرب، میں یہودیوں اور عیسائیوں کی جماعتیں عرصہ سے موجود تھیں وہ تورات کے قصص وواقعات سنا کرتے تھے۔ جب قرآن نازل ہوا اور اس میں بھی پچھلی قوموں اور رسولوں کی سرگذشتیں آنے لگیں تو مشرکین عرب کہنے لگے۔ یہ تو وہی پچھلی قوموں کی پرانی داستان ہے۔

کفار کی حالت کا تمثیلی بیان: .... آیت میں حجاب سے مراد حسی پردہ نہیں بلکہ بطور تمثیل کہا گیا ہے۔ اللہ کی طرف اس کی نسبت بلحاظ تخلیق ہے جو مصلحت وحکمت پر مبنی ہوتی ہے البتہ جن اسباب کسبیہ کی وجہ سے اس سزا کی تخلیق کی گئی ہے۔ مثلاً ایمان سے

اعراض کرنا وہ اختیاری اور قبیح ہوتے ہیں۔اسی طرح آیت وان یروا کل اٰیۃ میں اختیاری ایمان کی نفی کی جارہی ہے اور سورۂ شعراء کی آیت ان نشاء ننزل الخ میں ایمان اضطراری کا اثبات ہورہا ہے۔اول آیت میں شرعاً مطلوب ہے اور دوسری آیت میں مطلوب نہیں۔اسی لئے کوئی منافات نہیں ہے۔

دلوں پر پردے ڈال دیئے جانا اور کانوں میں ڈاٹ لگا دینا۔انسانی گمراہی کی انتہائی حالت سے کنایہ ہے۔یہ مرتبہ صد اور کفر کا کہلاتا ہے۔حق اور ناحق کا معاملہ نہیں رہتا۔آیت ولو تریٰ الخ میں ان کے عناد اور اس کی سزا کا بیان ہے۔

دو شبہوں کا جواب:............ رہا یہ شبہ کہ جب قیامت میں اپنی آنکھوں سے واقعات کا معائنہ ہو جائے تو پھر دوبارہ دنیا میں آنے کے بعد کفر وتکذیب کرنے کا کیا امکان رہتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ تکذیب زبان کا فعل ہے اور زبانی انکار قلب کے یقین کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے اور چونکہ زبانی تکذیب بھی کفر ہے۔اس لئے کفر کی طرف عود کہنا صحیح ہوا۔نیز معائنہ کی وجہ سے دل میں اضطراری یقین ہوگا جو شرعاً معتبر نہیں ہے جو یقین شرعاً مطلوب ہے وہ تسلیم وانقیاد اختیاری ہے۔پس تصدیق اضطراری اور عدم تصدیق اختیاری دونوں جمع ہوسکتی ہیں۔چنانچہ بعض ضدی لوگ جانتے سب کچھ ہیں مگر مانتے کچھ نہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:............ اسی طرح یہ شبہ بھی صحیح نہیں کہ تمنا ہوتی ہے کسی غیر حاصل چیز کی۔حالانکہ تمنا کے وقت ایمان اور عدم تکذیب حاصل ہے، پھر تمنا کے کیا معنی؟ کہا جائے گا کہ دنیا کی عدم تکذیب اور ایمان کی تمنا ہوگی جو مدار نجات ہے۔وہ اس وقت حاصل نہ ہوگی اور ایمان وعدم تکذیب حاصل ہوگی۔وہ مفید نہ ہونے کی وجہ سے محل تمنا نہیں۔

دونوں جگہ ولو تریٰ میں دو واقعے بیان کئے گئے ہیں ان میں کوئی تعارض نہیں۔دونوں ہوسکتے ہیں۔ایک وقت میں بھی کہ حساب کے لئے کھڑا ہونا جہنم کے پاس ہی ہو اور علیحدہ علیحدہ اوقات میں بھی۔غرضیکہ دونوں صورتوں میں کوئی اشکال لازم نہیں آتا۔

لطائف آیات:............ آیت وھو ینھون عنہ الخ سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ کے ساتھ صرف طبعی محبت اور قوی نصرت بغیر عقلی محبت کے مفید نہیں ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰہِ بِالْبَعْثِ **حَتّٰٓی** غَایَۃٌ لِلتَّکْذِیْبِ **اِذَا جَآءَتْھُمُ السَّاعَۃُ** الْقِیٰمَۃُ **بَغْتَۃً** فُجَأَۃً **قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا** ھِیَ شِدَّۃُ التَّاَلُّمِ وَنِدَاءُ ھَا مَجَازٌ اَیْ ھٰذَا اَوَانُکَ فَاحْضُرِیْ **عَلٰی مَا فَرَّطْنَا** قَصَّرْنَا **فِیْھَا** اَیِ الدُّنْیَا **وَھُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَھُمْ عَلٰی ظُھُوْرِھِمْ** بِاَنْ تَاْتِیَھُمْ عِنْدَ الْبَعْثِ فِیْ اَقْبَحِ شَیْءٍ صُوْرَۃً وَاَنْتَنِہٖ رِیْحًا فَتَرْکَبُھُمْ **اَلَا سَآءَ** بِئْسَ **مَا یَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾** یَحْمِلُوْنَہٗ حَمْلُھُمْ ذٰلِکَ **وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ** اَیِ الْاِشْتِغَالُ فِیْھَا **اِلَّا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ** وَاَمَّا الطَّاعَاتُ وَمَا یُعِیْنُ عَلَیْھَا فَمِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَۃِ **وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَۃُ** وَفِیْ قِرَاءَۃٍ وَلَدَارُ الْاٰخِرَۃِ اَیِ الْجَنَّۃُ **خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ** الشِّرْکَ **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾** بِالْیَاءِ وَالتَّاءِ ذٰلِکَ فَیُؤْمِنُوْنَ **قَدْ** لِلتَّحْقِیْقِ **نَعْلَمُ اِنَّہٗ** اَیِ الشَّاْنُ **لَیَحْزُنُکَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ** لَکَ مِنَ التَّکْذِیْبِ **فَاِنَّھُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَکَ**

فِی السِّرِّ لِعِلْمِهِمْ اِنَّكَ صَادِقٌ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالتَّخْفِيْفِ اَیْ لَا يَنْسِبُوْنَكَ اِلَى الْكِذْبِ **وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ** وَضَعَهٗ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ **بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** اَیِ الْقُرْاٰنِ **يَجْحَدُوْنَ** ﴿۳۳﴾ يُكَذِّبُوْنَ **وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ** فِيْهِ تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَ اُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا** ۚ بِاِهْلَاكِ قَوْمِهِمْ فَاصْبِرْ حَتّٰى يَاْتِيَكَ النَّصْرُ بِاِهْلَاكِ قَوْمِكَ **وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ** ۚ مَوَاعِيْدِهٖ **وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِئ الْمُرْسَلِيْنَ** ﴿۳۴﴾ مَا يَسْكُنُ بِهٖ قَلْبُكَ **وَاِنْ كَانَ كَبُرَ** عَظُمَ **عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ** عَنِ الْاِسْلَامِ لِحِرْصِكَ عَلَيْهِمْ **فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا** سَرَبًا **فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا** مُصْعِدًا **فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ** ؕ مِمَّا اقْتَرَحُوْا فَافْعَلِ الْمَعْنٰى اَنَّكَ لَا تَسْتَطِيْعُ ذٰلِكَ فَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ **وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ** هِدَايَتَهُمْ **لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى** وَلٰكِنْ لَمْ يَشَأْ ذٰلِكَ فَلَمْ يُؤْمِنُوْا **فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ** ﴿۳۵﴾ بِذٰلِكَ **اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ** دُعَاءَكَ اِلَى الْاِيْمَانِ **الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ** ؕ سِمَاعَ تَفَهُّمٍ وَاعْتِبَارٍ **وَالْمَوْتٰى** اَیِ الْكُفَّارُ شَبَّهَهُمْ بِهِمْ فِیْ عَدَمِ السِّمَاعِ **يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ** فِی الْاٰخِرَةِ **ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ** ﴿۳۶﴾ يُرَدُّوْنَ فَيُجَازِيْهِمْ بِاَعْمَالِهِمْ **وَقَالُوْا** اَیْ كُفَّارُ مَكَّةَ **لَوْلَا** هَلَّا **نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ** ؕ كَالنَّاقَةِ وَالْعَصَا وَالْمَائِدَةِ **قُلْ** لَهُمْ **اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **اٰيَةً** مِمَّا اقْتَرَحُوْا **وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۳۷﴾ اَنَّ نُزُوْلَهَا بَلَاءٌ عَلَيْهِمْ لِوُجُوْبِ هَلَاكِهِمْ اِنْ جَحَدُوْهَا **وَمَا مِنْ** زَائِدَةٌ **دَآبَّةٍ** تَمْشِیْ **فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ** فِی الْهَوَاءِ **بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ** ؕ فِیْ تَقْدِيْرِ خَلْقِهَا وَرِزْقِهَا وَاَحْوَالِهَا **مَا فَرَّطْنَا** تَرَكْنَا **فِی الْكِتٰبِ** اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ **مِنْ** زَائِدَةٌ **شَیْءٍ** فَلَمْ نَكْتُبْهُ **ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ** ﴿۳۸﴾ فَيَقْضِیْ بَيْنَهُمْ وَيَقْتَصُّ للجماء مِنَ الْقَرْنَاءِ ثُمَّ يَقُوْلُ لَهُمْ كُوْنُوْا تُرَابًا **وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا** الْقُرْاٰنِ **صُمٌّ** عَنْ سِمَاعِهَا سِمَاعَ قُبُوْلٍ **وَّبُكْمٌ** عَنِ النُّطْقِ بِالْحَقِّ **فِی الظُّلُمٰتِ** ؕ الْكُفْرِ **مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ** اِضْلَالَهٗ **يُضْلِلْهُ** ؕ **وَمَنْ يَّشَاْ** هِدَايَتَهٗ **يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ** طَرِيْقٍ **مُّسْتَقِيْمٍ** ﴿۳۹﴾ دِيْنِ الْاِسْلَامِ **قُلْ** يَا مُحَمَّدُ لِاَهْلِ مَكَّةَ **اَرَءَيْتَكُمْ** اَخْبِرُوْنِیْ **اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ** فِی الدُّنْيَا **اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ** الْقِيٰمَةُ الْمُشْتَمِلَةُ عَلَيْهِ بَغْتَةً **اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ** ۚ لَا **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿۴۰﴾ فِیْ اَنَّ الْاَصْنَامَ تَنْفَعُكُمْ فَادْعُوْهَا **بَلْ اِيَّاهُ** لَا غَيْرَهٗ **تَدْعُوْنَ** فِی الشَّدَائِدِ **فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ** اَیْ يَكْشِفُهٗ عَنْكُمْ مِنَ الضُّرِّ وَنَحْوِهٖ **اِنْ شَآءَ** كَشْفَهٗ **وَتَنْسَوْنَ** تَتْرُكُوْنَ **مَا تُشْرِكُوْنَ** ﴿۴۱﴾ مَعَهٗ مِنَ الْاَصْنَامِ فَلَا تَدْعُوْنَهٗ

ترجمہ: .... یقیناً وہ لوگ نقصان وخسارہ میں پڑے جنہوں نے اللہ سے ملنے کو جھٹلایا (مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر) یہاں تک کہ (یہ تکذیب انتہاء ہے) جب آ جائے گی ان پر (قیامت کی) گھڑی اچانک (ایک دم) تو اس وقت کہیں گے افسوس (حسرۃ کے

معنی سخت رنج کے ہیں۔ان کو نداء کرنا مجازاً ہے یعنی تیرے آنے کا یہی وقت ہے۔اس لئے آجا) ہماری کوتاہی (فروگذاشت) پر جو اس (دنیا) میں رہتے ہوئے ہوئی اور وہ اس وقت اپنے گناہوں کا بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے (اس طرح کہ قیامت میں نہایت بری شکل اور بدبودار حالت میں گناہ ان کے سامنے آئیں گے اور ان پر لد جائیں گے) کیا ہی برا بوجھ ہے جو (یہ) لادر ہے ہیں (اپنی کمروں پر اٹھائے ہوئے ہیں) اور دنیا کی زندگانی تو کچھ نہیں (یعنی دنیا میں دلی انہماک) مگر کھیل اور تماشہ ہے (البتہ طاعات اور اس کے اسباب یہ سب آخرت کی چیزیں ہیں) اور آخرت کا گھر (اور ایک قرأت میں ولدار الاخرۃ ہے بہرصورت مراد جنت ہے) متقیوں کے لئے بہتر ہے (جو شرک سے بچنے والے ہیں) کیا تم سمجھتے نہیں ہے (یا اور تا کے ساتھ ہے یعنی اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ ایمان لے آؤ) ہم خوب جانتے ہیں (قد تحقیق کے لئے ہے) کہ بلاشبہ (ضمیر شان ہے) آپ کے لئے ملال خاطر ہیں وہ باتیں جو یہ لوگ (آپ کی شان میں) بکتے ہیں۔(تکذیب کے سلسلہ میں) بلاشبہ وہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے (باطن میں۔کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ آپ سچے ہیں اور ایک قرأت میں تخفیف کے ساتھ ہے یعنی وہ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے) اور لیکن ظالم (اسم ظاہر کو مضمر کی جگہ پر رکھا ہے) اللہ کی آیات (یعنی قرآن) کا انکار کرتے ہیں (تکذیب کرتے ہیں) اور یہ واقعہ ہے کہ آپ (ﷺ) سے پہلے بھی اللہ کے رسول جھٹلائے گئے ہیں (اس میں آنحضرت (ﷺ) کے لئے تسلی ہے) سوانہوں نے لوگوں کی جھٹلانے اور دکھ پہنچانے پر صبر کیا، یہاں تک کہ ہماری مدد ان کے پاس آ پہنچی (ان کی قوم کو برباد کردیا۔آپ (ﷺ) بھی صبر کیجئے تاکہ آپ (ﷺ) کی مدد میں آپ (ﷺ) کی قوم بھی تباہی کے کنارے لگے) اور اللہ کی باتوں (وعدوں) کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے اور رسولوں کی بہت سی خبریں آپ (ﷺ) تک پہنچ چکی ہیں (جو آپ (ﷺ) کے قلب کے لئے تسکین بخش ہوسکتی ہیں) اور اگر گراں (کٹھن) گزرتی ہے آپ (ﷺ) پر ان کی روگردانی (اسلام سے اور آپ (ﷺ) کو ان سے امید ہے) تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین کے اندر کوئی سرنگ (زمین دوز راستہ) ڈھونڈ نکالو یا کوئی سیڑھی (جو چڑھا دے) آسمان میں اور اس طرح انہیں کوئی نشانی لا دکھاؤ (ان کی فرمائشی چیزوں میں سے تو ضرور کر گزر رئیے۔حاصل یہ ہے کہ آپ (ﷺ) ایسا نہیں کر سکتے۔اس لئے صبر سے رہئے۔جب تک اللہ کوئی فیصلہ نہ کردیں) اور اللہ میاں اگر چاہتے (ان کو ہدایت دینا) تو ان سب کو ہدایت پر جمع فرما سکتے تھے (لیکن انہوں نے نہیں چاہا، اس لئے یہ ایمان نہیں لا سکے) سو آپ (ﷺ) ان لوگوں میں سے نہ ہوجائیے (جو ان باتوں سے) ناواقف ہوتے ہیں۔آپ (ﷺ) (کی دعوت ایمانی کا جواب تو وہی دے سکتے ہیں) ہیں جو آپ (ﷺ) کی پکار سنتے ہیں (غور اور اعتبار سے، لیکن جو مردے ہیں یعنی کفار نہ سننے میں کفار کو مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے) انہیں تو اللہ ہی اٹھائیں گے (آخرت میں) پھر ان کے حضور لوٹائے جائیں گے (پیش کئے جائیں گے۔ان کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا) اور کہتے ہیں (کفار مکہ) کیوں نہیں (لولا بمعنی ھلا ہے) اتاری گئی ان پر کوئی نشانی ان کے پروردگار کی طرف سے (جیسے اونٹنی، عصا اور مائدہ کے معجزات) آپ (ﷺ) کہہ دیجئے (ان سے) اللہ یقیناً اس پر قادر ہیں کہ اتار دیں (تشدید اور تخفیف کے ساتھ دونوں قرأتیں ہیں) کوئی نشانی (ان کی فرمائش) لیکن ان میں سے اکثر آدمی جانتے نہیں کہ نشانی کا اترنا ان کے حق میں بلا ہوگا۔کیونکہ اگر انہوں نے پھر انکار کیا تو برباد ہو کر رہیں گے) اور نہیں (مــــن زائد ہے) کوئی جانور زمین پر (چلنے والا) اور کوئی پرند (ہوا میں اڑنے والا پروں کے ساتھ جو تمہاری طرح گلے اور ٹکڑیاں نہ رکھتا ہو (اپنی پیدائش اور رزق عام حالات کے لحاظ سے) ہم نے فروگذاشت نہیں کی (نہیں چھوڑی) نوشتہ (لوحِ محفوظ) میں کوئی بات بھی (جس کو ہم نے نہ لکھ لیا ہو۔اس میں من زائد ہے) پھر سب اپنے پروردگار کے حضور جمع کئے جائیں گے (اور ان کے مابین فیصلے کئے جائیں گے۔بے سینگ جانور کے لئے سینگ والے جانور تک بدلے لئے جائیں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ مٹی ہوجاؤ) اور جن لوگوں نے ہماری آیات (قرآن) جھٹلائیں وہ بہرے ہیں (کہ قبولیت کے کانوں سے

سنتے نہیں) اور گونگے ہیں (حق بات کہنے سے) اندھیریوں میں (کفر کی) گم ہیں۔ اللہ جس کو چاہیں (گمراہ کرنا) اس کو گمراہ کر دیتے ہیں اور جس کو چاہیں (ہدایت دینا) لگا دیتے ہیں سیدھی راہ (دین اسلام) پر۔ آپ فرما دیجئے (اے محمد ﷺ)! مکہ والوں سے کیا تم نے اس پر بھی غور کیا (مجھے بتلاؤ) کہ اگر اللہ کا عذاب تم پر آ جائے (دنیا میں) یا (قیامت کی) گھڑی (جو اس عذاب پر مشتمل ہو اچانک) تمہارے سامنے آ کھڑی ہو تو اس وقت بھی تم اللہ کے سوا دوسروں کو پکارو گے (ہرگز نہیں) اگر تم سچے ہو (اس بارے میں کہ بت، تمہیں نفع پہنچا سکتے ہیں تو انہیں بلالو) بلکہ صرف اسی کو (دوسرے کو نہیں) تم پکارو گے (مصیبت کے وقت) اور وہی دور کر دیں گے تمہاری مصیبت (یعنی تمہاری تکلیف وغیرہ دور کر سکتے ہیں) اگر وہ چاہیں (دور کرنا) اور بھول جاؤ گے (چھوڑ بیٹھو گے) جو کچھ تم شرک کرتے رہے تھے (اللہ کے ساتھ بتوں کو شریک کر رکھا تھا۔ لہٰذا بتوں کو مت پکارو۔)

تحقیق وترکیب: .... **الساعة** ۔ چونکہ قیامت کی بے انتہاء ابدیت کے لحاظ سے پہلا پورا زمانہ مثل ایک ساعت کے ہے۔ اس لئے قیامت میں **الساعة** کا اطلاق کیا گیا ہے اور یا سرعت حساب کی طرف اشارہ ہے۔ **بغتة** ۔ مفعول مطلق ہے **یا حسرتنا** ۔ یہ نداء مجازاً ہے اسباب حسرت یاد کرنے کے لئے تنبیہ کرنی ہے۔ یہ حسرت اگرچہ موت ہی کے وقت پیش آ جاتی ہے لیکن مبادی قیامت ہونے کی وجہ سے قیامت ہی میں شمار کی گئی ہے۔ حدیث میں ہے۔ **من مات فقد قامت قیامته** ۔

علیٰ ظهورهم افعال کی نسبت جس طرح ہاتھوں کی طرف کی جاتی ہے اسی طرح بوجھ اٹھانے کی نسبت کمر کی طرف ہوتی ہے۔ یہ بطور تمثیل کے فرمایا گیا ہے۔ سدیؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ مسلمان جب قبر سے اٹھے گا تو اس کے اعمال نہایت حسین شکل میں سامنے آئیں گے اور ان الفاظ سے اپنا تعارف کرائیں گے۔ **انا عملک الصالح فارکبنی فقد طال مارکبتک فی الدنیا** اور کافر اٹھے گا تو اس کے اعمال نہایت گھناؤنی شکل میں آئیں گے اور اپنے تعارف میں یہ الفاظ کہیں گے۔ **انا عملک الخبیث طال مکار کبنی فی الدنیا والیوم ارکبک الاساء** ۔ اس میں الا تعظیم کے لئے ہے۔

لعب و لهو ۔ نافع چیز کو غیر نافع کی وجہ سے چھوڑنا لعب کہلاتا ہے۔ یقین وجد کو چھوڑ کر ہزل و مذاق کی طرف مائل ہونا لہو کہلاتا ہے۔ بطور تشبیہ بلیغ کہا گیا ہے۔ **ای کالعب** . مفسر جلالؒ الاشتغال نکال کر تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور اب تشبیہ کی ضرورت بھی نہیں رہی اور **اما لطاعات** سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ چونکہ طاعات اشتغال دنیا میں داخل نہیں اس لئے حصر حقیقی محفوظ رہا۔

وللدار الاٰخرة پہلی صورت میں موصوف صفت اور دوسری صورت میں مضاف، مضاف الیہ ہو کر مبتداء اور خیر خبر ہوگی۔ بظاہر عبارت اس طرح تھی۔ **ومالدار الاخرة الاوجدواحق** ۔ مسبب کو قائم مقام سبب کے قرار دے دیا گیا ہے۔

فانهم فا تعلیلیہ ہے۔ **ای لاتحزن فانهم لایکذبونک فی الباطن وانما یکذبونک جهوداً وعناداً** ۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی غلام کی اگر توہین کی جائے اور آقا کہنے لگے۔ **انهم لم یهنوک وانما اهانونی** ۔

یجحدون . یہ لفظ متعدی بنفسہ بھی آتا ہے اور باکے ذریعہ سے بھی متعدی ہوتا۔ **رسل من قبلک** . یہ مزید تسلی مرگ انبوہ جشنے وارد' کے فطری اصول کے مطابق ہے **ولا مبدل** ۔ علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ ظاہر آیۃ کا منشاء یہ ہے کہ اللہ کے کلام کو دوسرا کوئی شخص تبدیل نہیں کر سکتا۔ لیکن خود حق تعالیٰ بھی اپنے کلام میں تبدیلی کر سکتے ہیں یا نہیں۔ آیت میں قطعاً اس سے کوئی تعرض نہیں ہے نہ نفیاً نہ اثباتاً۔ دوسری آیات کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ پس معجزات وخوارق کے انکار میں نیچریوں کا اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے اور نہ محشی جلالین کا امکان کذب کے بطلان پر اس سے استدلال درست ہے۔ **سلماً** چونکہ سیڑھی بھی سلامتی سے مقصد پر

پہنچادیتی ہے اس لئے اس کو سلم کہا جاتا ہے۔

فافعل. یہ جواب مقدر ہے **فان استطعت** کا اور یہ دونوں مل کر پھر جواب ہوئے ان کان کبر کے۔

من الجاهلين ۔ یہ حکم بطور لاڈ اور ناز کے فرمایا گیا ہے جیسے **ووجدك ضالاً** ۔فرمایا گیا ہے۔یعنی نادانی مت کرو۔جیسے کسی کو پیار محبت سے باؤلا کہہ دیا جائے۔مقصد اہانت وتذلیل نہیں ہوتا۔

آية من ربه مثلاً: صفاء مروہ پہاڑوں کو سونا بنا دینا۔مکہ کی سرزمین کو کشادہ کر دینا، باغات اور نہریں بنا دینا وغیرہ جن کی نظریں مادیات میں الجھی ہوں وہ بے وقوف آپ (ﷺ) کے معجزات کا دوسروں کے معجزات سے کیا مقابلہ کر سکتے ہیں؟

من زائدة اثبات کے موقعہ پر من کا زائد ہونا کوفیوں اور اخفش کے نزدیک ہے جیسے **ولقد جاءك من نبإ المرسلين** اور **يحلون فيها من اساور** اور **يكفر عنكم من سياتكم** **دابة** مذکر ہو یا مونث۔**في الارض** اور **يطير** دونوں صفتیں عموم زیادہ کرنے کے لئے ہیں اور چونکہ مشاہدہ زیادہ حجت ہوتا ہے اس لئے زمینی جانوروں کا ذکر کیا ورنہ آسمانی مخلوق کا حال بھی یہی ہے۔اور طائر کے ساتھ **في السماء** کی قید نہیں لگائی بارادۂ عموم کیونکہ بعض پرند آسمان پر نہیں اڑتے اور **يطير بجناحيه** کہنا ایسا ہی ہے جیسے تاکیداً **كتبت بيدي** اور **نظرت بعيني** کہا جائے۔

في الكتاب ۔اس سے مراد قرآن کریم بھی ہوسکتا ہے۔ **جميع العلم في القران لكن + تقاصر عنه افهام الرجال**

من يشاء الله ۔اس آیت میں خلق افعال کے مسئلہ پر اور گناہوں سے ارادۂ خداوندی متعلق ہونے اور اصلح کی نفی پر روشنی پڑ رہی ہے۔

ارايتكم مجازاً سبب کو مسبب کے قائم مقام کرلیا گیا ہے اور **كم** حرف خطاب ہے۔ضمیر کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔محل اعراب میں نہیں ہے۔غرضیکہ اس میں دو مجاز ہوئے ایک تو روایت علمیہ کو اخبار میں استعمال کرنا اور دوسرے ہمزہ جو طلب رویت کے لئے آتا ہے اس کو طلب اخبار کے لئے استعمال کیا ہے لفظ **ارايت** میں دو لغت ہیں **ارايتك** بمعنی **هل رايت نفسك** آتا ہے۔اس وقت تثنیہ اور جمع **ارايتكما ارايتكم** لایا جائے گا اور دوسری صورت **ارايتك** بمعنی **اخبرني** ہے۔اس وقت ہر حالت میں تا مفتوح رہے گی۔ **ارايتك، ارايتكما، اريتكم، ارايتكن**۔

فادعوها. **ان كنتم** کا جواب مقدر ہے اور اول شرط کا جواب جملہ استفہامیہ ہے۔البتہ اس میں فا کا نہ آنا باعث اشکال ہوگا یا محذوف ہے **ان شاء** ۔جواب محذوف اور **فيكشف** اس پر دال ہے۔یہ وعدہ دعائے مومنین کے لئے ہے۔کفار کی دعا کے لئے دو رائیں پہلے گزر چکی ہیں۔

ربط آیات:............آیت **قد خسر الذين** الخ میں منکرین قیامت کی وعید کا تتمہ مذکور ہے۔آیت **وما الحيوة** الخ میں ان کے قول **ان هي الاحياتنا الدنيا** کا جواب ہے کہ اخروی زندگی صرف ثابت ہی نہیں بلکہ دنیاوی زندگی اس کے سامنے بالکل ہیچ ہے۔آیت **قد نعلم** الخ میں کفار کے ناشائستہ اقوال سے جو آنحضرت (ﷺ) کو صدمہ پہنچا۔اس کے بارے میں تسلی ہے۔آیت **وان كان كبر** الخ میں بھی آپ (ﷺ) کے اس جذبہ کی تسکین اور اعتدال مقصود ہے جو ہر حالت میں کفار کو راہ راست پر لانے کے لئے آپ (ﷺ) کے قلب میں موجزن رہتا تھا اور چونکہ آپ (ﷺ) کی تسلی کے سلسلہ میں کفار کا محشور اور سزایاب ہونا **والموتى يبعثهم الله** میں بیان ہوا۔اس لئے اس کی مزید تاکید وتقویت کے لئے آیت **وما من دابة** الخ سے چرند پرند کا محشور ہونا ذکر فرماتے ہیں۔اسی طرح آیت **والذين كذبوا** الخ میں بھی آپ (ﷺ) کے صبر وتشفی کا انتظام ہے۔ابتداء سورت میں توحید کا اثبات اور شرک کا بطلان مذکور تھا۔آیت **قل ارايتكم** الخ میں بھی مشرکین سے بعض سوالات کر کے شرک کا ابطال کیا جا رہا ہے۔

شانِ نزول:........... اخنس بن شریق نے ابوجہل سے ایک مرتبہ تنہائی میں پوچھا کہ اس وقت اور کوئی دوسرا نہیں، اس لئے سچ بتاؤ کہ محمد سچے ہیں یا جھوٹے؟ ابوجہل نے جواب دیا۔ وَاللّٰهِ اِنَّ مُحَمَّدًا صَادِقٌ وَمَا كَذَبَ قَطُّ ۔ لیکن معاملہ دراصل یہ ہے کہ بنو قصی نے جب لواء اور سقایہ، حجابہ اور نبوت پر قبضہ کرلیا تو پھر بتلاؤ کہ دوسرے قریشیوں کے پاس آخر کیا رہ گیا ہے؟ اس پر آیت قد نعلم الخ نازل ہوئی۔

نیز حارث بن عامر بن نوفل بن عبدمناف چند قریشیوں کے ساتھ مل کر آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے اے محمد! جس طرح پچھلے انبیاء نے نشانیاں دکھلائی ہیں، اگر تم بھی سچے ہو تو دکھلاوء۔ تب ہم تمہاری بات مانیں گے؟ لیکن حق تعالیٰ نے اس درخواست کو منظور نہیں فرمایا۔ جس کی وجہ سے وہ لوگ برگشتہ ہوگئے۔ آپ (ﷺ) چونکہ بالطبع لوگوں کو راہ پر لانے کے لئے حریص رہتے تھے، اس لئے آپ (ﷺ) کو گرانی محسوس ہوئی۔ اس پر آیت وان كان كبر الخ نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾:........... صاحب کشاف کے قول کے مطابق موت بھی چونکہ مقدمات میں سے ہے اس لئے آیت کا مفہوم یا تو ظاہر کے موافق یہ ہوگا کہ ان کی تکذیب مرتے دم تک ختم نہیں ہوگی۔ جہاں سے گویا قیامت شروع ہوجاتی ہے۔ تو گویا ان کی تکذیب ایک درجہ میں قیامت تک رہی۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ قیامت کے روز چونکہ حقائق کا پورا انکشاف ہوگا اس لئے اس کو تکذیب کی غایت فرمایا ہے۔ یعنی ان کی تکذیب انکشاف تام کے بعد اس وقت کہیں مجبوراً ختم ہوگی۔ ورنہ مرغے کی ایک ٹانگ ہانکے ہی چلے جائیں گے۔

دنیا کا مفہوم اور لہو ولعب:........... جلال محققؒ نے اشارہ کردیا ہے کہ خود دنیاوی زندگانی لہو ولعب نہیں ہے بلکہ اس کے وہ اعمال واشغال داخل لہو ہیں کہ نہ آخرت کے لئے موضوع ہوں اور نہ معین۔ پس اس توضیح کے بعد تمام طاعات اور وہ مباح کام نکل گئے، جن سے طاعات میں اعانت ہوتی ہے البتہ گناہ اور لایعنی مباحات بدستور لہو ولعب رہیں گے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایسے لایعنی مباح کام فضول اور بے فائدہ ہوں مگر باعث گناہ نہ ہوں۔

اہل لغت کے نزدیک لہو اور لعب میں صرف اعتباری فرق ہے۔ کیونکہ بے کار کام کے دو اثر ہوتے ہیں۔ ایک خود اس کی طرف توجہ کرنا۔ دوسرے اس فضول کام میں متوجہ ہونے کی وجہ سے ضروری کام سے بے توجہی ہونا۔ پہلی حیثیت میں لعب اور دوسری حیثیت سے وہ کام لہو کہلائے گا۔

آنحضرت (ﷺ) کو تسلی وتشفی:........... آیت فانهم لايكذبونك سے تسلی کا حاصل یہ نکلا کہ آپ (ﷺ) چونکہ سرکاری کام انجام دے رہے ہیں اس لئے آپ (ﷺ) کی تکذیب فی الحقیقت ہماری سرکاری تکذیب وتردید ہے، ہم خود نمٹ لیں گے۔ آپ (ﷺ) فکروغم کو کیوں گھلیں؟ پس اس طرح پہلی آیت کا مضمون تو دوسری تکذیب کے لحاظ سے یہ ہوا کہ اللہ اپنے معاملہ میں ان سے خود نمٹ لیں گے اور دوسری آیت کا مضمون پہلی آیت کے اعتبار سے یہ ہوا کہ آپ (ﷺ) سے پہلے سرکاری لوگوں اور رسولوں کی تکذیب بھی کی گئی۔ ان کے بارے میں جو سنت اللہ چلی آرہی ہے، اسی کو آپ (ﷺ) سے بھی وعدہ ہے۔ غرضیکہ ان دونوں مضمونوں کا مشترک مقصد دین ودنیا میں حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہونا ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آنحضرت (ﷺ) ان کے ہلاک ہونے سے خوش ہوتے تھے اور اس کی تمنا کرتے تھے اور یوں تو اس چاہنے میں بھی کچھ حرج نہیں۔ لیکن پھر بھی یہ بات

آپ (ﷺ) کی انتہائی شفقت کے منافی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے اگلی آیت میں یہ بتلانا ہے کہ کمال شفقت کی وجہ سے آپ (ﷺ) کو ان کے ایمان لانے کی اس درجہ حرص تھی کہ چاہتے تھے کہ کسی طرح ان کے فرمائشی معجزات بھی پورے ہوجائیں اور یہ ایمان لے آئیں۔ پس اس سلسلہ میں جو آپ (ﷺ) کو کشاکشی اور الجھنیں پیش آتی تھیں، اس پر بھی دلاسہ کی ضرورت سمجھی گئی ہے۔

لاڈ اور ناز کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو خطاب: .... لاتکونن من الجاھلین کا ترجمہ جہالت سے کرنا۔ چونکہ موہم تحقیر و تحقیق اور آپ (ﷺ) کی جلالت شان سے جہالت کا باعث ہے۔ اس لئے کہا جائے گا کہ یہ فرمانا لاڈ اور ناز کے طور پر ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت ووجدک ضالاً فھدیٰ میں بھی اس محاورہ کا استعمال کیا گیا۔

کفار کی طرف سے فرمائشی معجزات کی صورت میں جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کے جواب سے آپ (ﷺ) کی حمایت و تسلی بھی مقصود ہے۔ نیز مسئلہ رسالت کی تحقیق بھی پیش نظر ہے کہ آپ کی رسالت ایسی باتوں پر موقوف نہیں ہے۔ رسول اس لئے نہیں آتا کہ وہ مداری کی طرح لوگوں کو تماشے دکھلاتا پھرے اور ان کی فرمائشی پوری کر کے شعبدے دکھلاتا پھرے۔ جلال محققؒ نے فیقتص للجماء سے حدیث شیخینؒ کی طرف اشارہ کیا ہے اور ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ جانوروں کو جب خاک ہوجانے کا حکم ملے گا تو کافر بھی یالیتنی کنت تراباً کی تمنا کریں گے۔ غرضیکہ اس سے مقصد تاکید ترہیب ہے کہ جب غیر مکلف جانور بھی عدل و انصاف کے تقاضوں سے باہر نہیں ہوں گے اور وہ ایک گونہ جزاء کے مستحق ہوں گے تو تم جیسے مکلفین کو تو کون چھوڑے گا۔ اس سے منکرین قیامت پر پورا احتجاج ہوگا۔ البتہ اس سے جانوروں کا مکلف ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ یہ کارروائی محض عدل و انصاف اور برابری و مساوات کے تقاضوں سے ہوگی۔ غیر مکلفین پر ناراضگی مقصود نہیں ہوگی بلکہ مکلفین کو یہ معاملہ دکھلا کر چمکانا ہوگا۔

شفاعت کبریٰ: .... فیکشف ما تدعون میں عذاب ہٹانے کی جو اپنی مشیت پر معلق فرمایا ہے۔ دوسرے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی عذاب میں تو دونوں احتمال رہا ہے اور رہا احوال قیامت۔ سو حساب کتاب سے جو ایک طویل زمانہ تک مخلوق حیران پریشان کھڑی رہے گی۔ تو یہ موقف آنحضرت (ﷺ) کی شفاعت کبریٰ سے موقوف کردیا جائے گا اور چونکہ شفاعت کبریٰ اہل موقف کی درخواست پر ہوگی۔ اس لئے اس موقف کو ختم کرنا گویا لوگوں کی درخواست کی وجہ سے ہوگا۔ کیونکہ کسی سے یہ کہنا کہ ہمارے لئے اللہ سے دعا کردیجئے، یہ بھی اللہ سے دعا کرنے کا ایک طریق ہے۔ بہرحال اب یہ شبہ نہیں رہا کہ ''احوال قیامت'' کے کھولنے میں ان لوگوں کی دعا کا کیا اثر اور دخل رہا۔ البتہ اس کے علاوہ وہ آخرت کے دوسرے عذاب کفار سے نہیں ٹلیں گے۔

ایک شبہ کا ازالہ: .... رہا یہ شبہ کہ احتجاج کے مقدمات مسلم ہونے چاہئیں۔ حالانکہ مشرکین قیامت کے قائل ہی نہیں تھے؟ جواب یہ ہے کہ قیامت واقع ہونے سے احتجاج نہیں کیا جارہا ہے بلکہ اس کے فرض وقوع سے احتجاج مقصود ہے اور فرض ہر ممکن کا ممکن ہوتا ہے۔ پس ان کے دعویٰ کو باطل کرنے کے لئے یہ فرض بھی کافی ہے۔

لیکن ان کا یہ کہنا کہ ہاں ہم اس وقت اپنے اللہ کو پکارلیں گے؟ اس لئے غلط ہے کہ معمولی معمولی آفتوں میں دیکھا جاتا ہے کہ مخالفین سب چوکڑی بھول جاتے ہیں اور پکے سے پکے کافر اور دہریئے کو بھی خدا یاد آجاتا ہے اور صرف اسی کو پکارتے ہیں۔ اس وقت کسی کا نام زبان پر نہیں آتا۔ پس اتنے بڑے ہوش ربا ہنگامہ میں ایسی حماقت انگیز گفتگو کا کیا احتمال؟

لطائف آیت: .... آیت وھم یحملون الخ سے معلوم ہوا کہ حقیقی معنی کے لحاظ سے اعمال بشکل اجسام متمثل ہوں

گے۔ چنانچہ بہت سے اہل سنت تجسم اعمال کے قائل ہیں اور آیت وان کان کبر الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ کے ارادہ سے مراد مختلف ہوسکتی ہے۔ حتیٰ کہ خود سرور کائنات (ﷺ) کا ارادہ بھی مراد کو لازم نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ کسی دوسرے کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کی دعاء کا قبول ہونا لازمی ہے۔ کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟ اور آیت وما من دابۃ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی طرح حیوانات کے بھی نفوس ناطقہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ صوفیاء اور حکماء کی رائے ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ زَائِدَةٌ **قَبْلِكَ** رُسُلًا فَكَذَّبُوْهُمْ **فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ** شِدَّةِ الْفَقْرِ **وَالضَّرَّآءِ** الْمَرَضِ **لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ** ﴿۴۲﴾ يَتَذَلَّلُوْنَ فَيُؤْمِنُوْنَ **فَلَوْلَآ** فَهَلَّا **اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا** عَذَابُنَا **تَضَرَّعُوْا** اَىْ لَمْ يَفْعَلُوْا ذٰلِكَ مَعَ قِيَامِ الْمُقْتَضِىْ لَهٗ **وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ** فَلَمْ تَلِنْ لِلْاِيْمَانِ **وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۴۳﴾ مِنَ الْمَعَاصِىْ فَاَصَرُّوْا عَلَيْهَا **فَلَمَّا نَسُوْا** تَرَكُوْا **مَا ذُكِّرُوْا** وُعِظُوْا وَخُوِّفُوْا **بِهٖ** مِنَ الْبَاْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ فَلَمْ يَتَّعِظُوْا **فَتَحْنَا** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ** مِنَ النِّعَمِ اِسْتِدْرَاجًا لَهُمْ **حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا** فَرَحَ بَطَرٍ **اَخَذْنٰهُمْ** بِالْعَذَابِ **بَغْتَةً** فَجْاَةً **فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ** ﴿۴۴﴾ اٰئِسُوْنَ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ **فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** اَىْ اٰخِرُهُمْ بِاَنْ اُسْتُؤْصِلُوْا **وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۴۵﴾ عَلٰى نَصْرِ الرُّسُلِ وَهَلَاكِ الْكٰفِرِيْنَ **قُلْ** لِاَهْلِ مَكَّةَ **اَرَءَيْتُمْ** اَخْبِرُوْنِىْ **اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ** اَصَمَّكُمْ **وَاَبْصَارَكُمْ** اَعْمَاكُمْ **وَخَتَمَ** طَبَعَ **عَلٰى قُلُوْبِكُمْ** فَلَا تَعْرِفُوْنَ شَيْئًا **مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ** بِمَا اَخَذَهٗ مِنْكُمْ بِزَعْمِكُمْ **اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ** نُبَيِّنُ **الْاٰيٰتِ** الدَّلَالَاتِ عَلٰى وَحْدَانِيَّتِنَا **ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ** ﴿۴۶﴾ عَنْهَا فَلَا يُؤْمِنُوْنَ **قُلْ** لَهُمْ **اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً** لَيْلًا اَوْ نَهَارًا **هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ** ﴿۴۷﴾ اَلْكٰفِرُوْنَ اَىْ مَا يُهْلَكُ اِلَّا هُمْ **وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ** مَنْ اٰمَنَ بِالْجَنَّةِ **وَمُنْذِرِيْنَ** مَنْ كَفَرَ بِالنَّارِ **فَمَنْ اٰمَنَ** بِهِمْ **وَاَصْلَحَ** عَمَلَهٗ **فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** ﴿۴۸﴾ فِى الْاٰخِرَةِ **وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ** ﴿۴۹﴾ يَخْرُجُوْنَ عَنِ الطَّاعَةِ **قُلْ** لَهُمْ **لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ** الَّتِىْ مِنْهَا يُرْزَقُ **وَلَآ** اَنِّىْ **اَعْلَمُ الْغَيْبَ** مَا غَابَ عَنِّىْ وَلَمْ يُوْحَ اِلَىَّ **وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ** مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ **اِنْ** مَا **اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى** الْكَافِرُ **وَالْبَصِيْرُ** الْمُؤْمِنُ لَا **اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ** ﴿۵۰﴾ فِىْ ذٰلِكَ فَتُؤْمِنُوْنَ **وَاَنْذِرْ** خَوِّفْ **بِهٖ** بِالْقُرْاٰنِ **الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ** اَىْ غَيْرِهٖ **وَلِيٌّ** يَنْصُرُهُمْ **وَّلَا شَفِيْعٌ** يَشْفَعُ لَهُمْ وَجُمْلَةُ النَّفْىِ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ يُحْشَرُوْا وَهِىَ مَحَلُّ الْخَوْفِ

وَالْمُرَادُ بِهِمُ الْمُؤْمِنُوْنَ الْعَاصُوْنَ **لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ**﴿۵۱﴾ اَللّٰهَ بِاِقْلَاعِهِمْ عَمَّاهُمْ فِيْهِ وَعَمَلِ الطَّاعَاتِ

ترجمہ:............ اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے بھیجے ہیں آپ (ﷺ) سے پہلی امتوں (من زائد ہے) کی طرف (اپنے رسول۔ لیکن لوگوں نے ان کو جھٹلایا) اور انہیں سختی (تنگدستی) اور تکلیف (بیماری) میں گرفتار کیا کہ عجب نہیں وہ ڈھیلے پڑ جائیں۔ (کس بس نکل جائیں اور ایمان لے آئیں) ایسا کیوں نہ ہو (**لولا** بمعنی **هلا** ہے) کہ جب ہماری طرف سے ان پر سختی (عذاب) ہوئی تو وہ گڑگڑاتے (یعنی ڈھیلے پڑنے کا سامان ہوتے ہوئے پھر انہوں نے ایسا کیوں نہیں کیا) اس لئے ان کے دل سخت پڑ گئے تھے (جن میں ایمان کے لئے نرمی آسکی) اور شیطان نے ان کی نظروں میں خوشنما بنا کر دکھلا دیا۔ ان کی بدعملیاں (گناہ چنانچہ ان پر اصرار کرتے رہے) پھر جب بھلا دیا (چھوڑ دیا) جو کچھ ان کو نصیحت کی گئی (وعظ کہا گیا اور ڈرایا گیا) اس (سختی اور آفت) کے بارے میں (لیکن انہوں نے کسی نصیحت کا اثر نہیں لیا) تو ہم نے کھول دیئے (تخفیف وتشدید کے ساتھ ہے) ہر طرح کے دروازے (نعمتوں میں ان کو ڈھیل دی) یہاں تک کہ اپنی کامرانیوں پر خوشیاں منانے لگے (اترانے لگے) تو ہم نے انہیں پکڑ لیا (عذاب میں) اچانک (ایک دم) پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ ہو کر رہ گئے (ہر طرح کی بھلائی سے ناامید ہو گئے) پھر اس طرح اس گروہ کی جڑ تک کاٹ دی گئی جو ظلم کرنے والا تھا (یعنی آخر تک ان کی نسل ہی مٹا دی گئی) اور اللہ کا شکر ہے جو سارے عالم کے پروردگار ہیں (اپنے رسولوں کی مدد کرنے پر۔ اور اس پر کہ ان پاپیوں کا پاپ کٹا) کہئے (اہل مکہ سے) کہ تم نے اس پر بھی غور کیا (مجھے بتلاؤ) کہ اگر تمہارے کان لے لے (تمہیں بہرا کر دے) اور تمہاری آنکھیں لے لے (اندھا بنا دے) اور تمہارے دلوں پر مہر (سیل) لگا دے (کہ تم کسی چیز کو سمجھ نہ سکو) تو اس کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں یہ چیزیں (جو تم سے چھین لی ہیں) دلا دے۔ (تمہارے گمان کے مطابق) دیکھو ہم کس طرح مختلف پہلوؤں سے پیش کرتے ہیں (بیان کرتے ہیں) دلائل (اپنی وحدانیت کی دلیلیں) پھر بھی یہ لوگ ہیں کہ منہ پھیرے ہوئے ہیں (ان دلائل سے۔ چنانچہ ایمان لانے کے لئے تیار نہیں) کہہ دو (ان سے) تم نے اس پر بھی غور کیا کہ اگر تم پر آ جائے اللہ کا عذاب دفعتاً یا آگاہ کر کے (رات یا دن میں) تو ظالموں (کافروں) کے سوا اور کون ہو سکتا ہے جو ہلاک کیا جائے گا (یعنی بجز ان کے اور کوئی تباہ نہیں ہوگا) اور ہم پیغمبروں کو نہیں بھیجا کرتے۔ مگر (مسلمانوں کو جنت کی) خوشخبری سنانے کے لئے اور (کفار کو جہنم سے) ڈرانے کے لئے (پھر (ان میں سے) جس نے ایمان قبول کر لیا اور (اپنے عمل کو) سنوار لیا تو ان کے لئے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہوگا اور نہ غمگینی ہوگی (آخرت میں) مگر جن لوگوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں تو اپنی بدعملی (ہماری اطاعت سے نکل جانے) کی وجہ سے ضروری ہے کہ ہمارے عذاب کی لپیٹ میں آ جائیں۔ تم (ان سے) کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے غیبی خزانے ہیں (جن سے وہ روزی پہنچاتا ہے) اور نہ (میں) غیب کا جاننے والا ہوں (جو چیزیں مجھ سے غائب ہیں اور مجھ پر ان کی وحی بھی نہیں کی گئی) اور نہ میرا کہنا یہ ہے کہ میں فرشتہ ہوں (ملائکہ میں سے ہوں) میری حیثیت تو فقط یہ ہے کہ اس بات پر چلتا ہوں جس کی اللہ نے مجھ پر وحی فرما دی ہے۔ ان سے پوچھو: کیا اندھا (کافر) اور سوانکھا (مومن) دونوں برابر ہو سکتے ہیں (ہرگز نہیں) کیا تم غور وفکر نہیں کرتے (ان باتوں میں۔ پھر ایمان لے آؤ نا) اور آپ (ﷺ) متنبہ کر دیجئے (ڈرا دیجئے) اس (قرآن پاک) کے ذریعہ ان لوگوں کو جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے حضور لے جائے جائیں نہ تو اللہ کے سوا (علاوہ) ان کا کوئی مددگار ہوگا (کہ ان کی مدد کر سکے) اور نہ کوئی سفارشی ہوگا (کہ ان کی سفارش کر سکے اور **ليس لهم** حال ہے ضمیر **يحشر** سے یہی محل خوف ہے ان لوگوں سے مراد گناہگار مومن ہیں) عجب نہیں کہ ڈر جائیں (اللہ سے۔ اپنی بدعملیوں سے الگ ہو کر اور نیک کام اختیار کر کے)۔

تحقیق وترکیب:............ **فکذبوھم** . آیت میں حذف کی طرف اشارہ ہے۔ **بأساء**. دونوں لفظ کی یہ تفسیریں ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ سے منقول ہے۔ **فلولا** جمہور نے اس کو توبیخ وتندیم پر محمول کیا ہے۔ جس سے ترک فعل معلوم ہوتا ہے، اسی لئے **لکن** سے استدراک اور عطف صحیح ہوا اور تفریع چونکہ **لیـنـت** سے ناشی ہوتا ہے اس لئے ایک کی نفی دوسرے کی نفی ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ **فما لانت ولکن قست**۔

فلما نسوا . چونکہ نسیان سبب استدراج ہے اور استدراج موقوف ہے ابواب خیر فتح کرنے پر اس لئے نسیان فتح ابواب خیر کا سبب بھی قرار دیا جائے گا۔ **اذا** مفاجاتیہ ہے اور بقول قاموس بلس بمعنی تحیر وئیس ۔ دابر بمعنی آخر کل شئی ۔ صدف بمعنی اعراض ۔ **والحمدلله** ۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ''خس کم شد، جہاں پاک شد''

ارأیتم . بحذف مفعول اول ای **ارایتم سمعکم وابصارکم ان اخذھما اللّٰہ** اور جملہ استفہامیہ بجائے مفعول ثانی ہے۔ جواب شرط محذوف ہوگا۔ البتہ یہاں کاف نہیں لایا گیا اور اس سے پہلے چونکہ زیادہ تہدید کی ضرورت تھی اس لئے کاف تاکید یہ لایا گیا ہے اور اس التباس سے بچنے کے لئے یہاں علامۃ جمع لائی گئی ہے ورنہ کاف کی موجودگی میں اس کی ضرورت نہیں ہوگی۔

فمن اٰمن . اگر شرط ہے تو فا جواب شرط کے لئے ہے اور اگر موصولہ ہے تو فا زائدہ ہوگی۔ دونوں صورتوں میں محلاً مرفوع مبتداء۔ البتہ پہلی صورت میں دونوں جملوں کا محل جزم ہوگا اور دوسری صورت میں اول جملہ محل اعراب میں نہیں ہوگا اور دوسرا جملہ مرفوع ہوگا۔ **فلا خوف** خبر ہے۔ خوف ما آت پر اور حزن مافات پر ہوتا ہے۔

قل لااقول . یعنی رسول صرف بشیر ونذیر ہوتا ہے۔ وہ خزائن الٰہیہ کا مالک نہیں ہوتا۔

الغیب . چونکہ رسول غیب دان نہیں ہوتا، اس لئے مجھ سے قیامت اور عذاب آنے کا وقت پوچھنا بیکار ہے۔ جو لوگ اس امت میں بھی رسول اللہ (ﷺ) کو غیب دان مانتے ہیں معلوم نہیں وہ کیا کہیں گے؟

انی ملک یعنی میں ماوراء انسانیت وبشریت کا دعوے دار نہیں کہ خود کو فرشتہ کہتا ہوں۔ **ان اتبع** . یہاں چونکہ بڑائی کی نفی اور تواضع وانکسار کا موقعہ ہے اس لئے **انـی رسـول** بھی نہیں کہا۔ دعویٰ فضیلت سے بچنے کے لئے بلکہ مقام عبدیت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اتباع کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس لفظ سے بعض لوگوں کو دھوکہ ہوگیا کہ آپ کے اجتہاد کی نفی ہے۔ یعنی آپ صرف وحی کا اتباع کرتے تھے۔ اجتہاد نہیں فرماتے تھے۔ لیکن جواب یہ ہے کہ جب اجتہاد بھی باذن وحی ہو وہ خلاف وحی نہیں ہوگا بلکہ ان کا اتباع وحی کا اتباع ہوگا۔

الاعمیٰ والبصیر اس سے مراد ضال ومہتدی ہے یا متبع وحی اور غیر متبع وحی یا مدعی نبوت اور مدعی الوہیت ہے۔

ربط آیات:............ پچھلی آیت میں کفار پر عذاب کا امکان اور احتمال بیان کیا تھا۔ لیکن آیات **ولقد ارسلنا** میں ایک خاص ترتیب سے پچھلی امتوں میں اس عذاب کا وقوع بیان کیا جارہا ہے۔ تاکہ مخاطب اس کو محض فرضی اور مستعبد نہ سمجھیں۔ پھر آیت **قـل ارأیتم الخ** سے ابطال شرک پر تنبیہ کردی گئی ہے اور آیت **قل ارایتکم الخ** میں مشرکین کے عذاب پر استفہام کی صورت میں تنبیہ کی جارہی ہے۔ آگے آیت **وما نرسل الخ** سے منصب رسالت کے لوازم کا اثبات اور غیر لوازم کا انکار بیان کیا جارہا ہے۔ مجموعی مضمون سے پچھلی آیت **وقالوا لولا انزل الخ** کی تاکید ہوگئی۔

﴿ تشریح ﴾:............ **مجرمین کی دارو گیر اور سزا کی ترتیب:**............ بعض مصائب جب آ آ کر ٹل جاتے ہیں تو

نادانوں کو دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ سزائے اعمال نہیں ورنہ ٹلتی نہ۔ بہرحال آیت میں دار وگیر کی ترتیب بیان کی جارہی ہے تاکہ گناہوں کی زندگی میں ڈوبے ہوئے لوگ غفلت کی نیند سے چونک جائیں۔ کیونکہ عادۃ اللہ یہی جاری ہے کہ اول بنیات کا نزول ہوا کرتا ہے تاکہ لوگ اس شکنجہ سے نکل کر ڈھیلے پڑ جائیں۔ اس کے بعد استدراجاً پھر نعمتوں کی بارش برسائی جاتی ہے اور جب لوگ سرکشی وطغیانی میں خوب سرشار ہوجاتے ہیں تو خدائی پکڑ میں پکڑے جاتے ہیں اور ان پر خدائی مار پڑتی ہے۔

آیت وانذربہ الذین میں صرف ان لوگوں کو خطاب ہے جو قیامت کے بارے میں متردد یا مقر ہیں۔ کیونکہ انذار کا خاص اہتمام ان ہی لوگوں کو ہوسکتا ہے، جن کو نفع کا یقین یا کم از کم توقع کا درجہ حاصل ہو۔ لیکن تیسری قسم کے وہ لوگ جو جزماً قیامت کے منکر ہوں۔ غیر متوقع نفع ہونے کی وجہ سے وہ مراد نہیں ورنہ انذار کو مطلق لینا پڑے گا۔ خاص قابل اہتمام انذار مراد نہیں ہوگا۔ حالانکہ ایسے لوگوں کو انذار محض اتمام حجت کے درجہ میں ہوسکتا۔ عناد کی وجہ سے توجہ کی ان میں قابلیت ہی نہیں ہوتی۔ اس لئے اس آیت میں صرف پہلی دو قسمیں مراد ہیں البتہ تیسری قسم آیت انما تنذر الذین الخ میں مراد ہے۔

شفاعت ایمانداروں کے لئے ہوگی نہ کہ کفار کے لئے: .... غیر اللہ کی ولایت اور شفاعت کی نفی کی ایک صورت تو یہ ہے کہ کوئی ولی اور شفیع ہی نہ ہو جیسا کہ کفار کے لئے ہوگا اور دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ ورسول تو ولی ہوں اور مقبولین شفیع ہوں۔ جیسا کہ مسلمانوں کے لئے ہوگا۔ بہرحال غیر اللہ کی ولایت اور غیر مومنین کے لئے شفاعت کی مطلقاً نفی ہے اور اللہ کی ولایت اور مقبولین کی شفاعت کا مومنین کے لئے اثبات ہے اور مالک خزائن اور علم غیب اور ملکیت کی جو نفی کی گئی ہے اس کی ایک سہل توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ میں رسالت ونبوت کا مدعی ہوں اور یہ کوئی انوکھی چیز نہیں ہے کہ دعویٰ کو مستبعد سمجھا جائے۔ ہاں اگر کسی ان ہونی چیز اور عجیب وغریب بات کا دعویدار ہوتا جیسے غیب دانی کا دعویٰ وغیرہ۔ اس وقت البتہ میرے دعوؤں کی تردید وتکذیب کا مضائقہ نہیں تھا۔

لطائف آیات: .... آیت فلما نسوا الخ سے معلوم ہوا کہ گناہوں کے باوجود بھی اگر کسی میں ذوق ولذت اور حال پایا جاتا ہو تو اس کو استدراج سمجھنا چاہئے، وہ گھمنڈ اور فخر کی چیز نہیں ہے۔

آیت قل لا اقول لکم الخ سے دو چیزوں کی نفی معلوم ہوتی ہے۔ ایک تو بندہ سے قدرت کاملہ، علم محیط وغیرہ خواص الوہیت کی نفی اور دوسرے تنزہ بشریت کی نفی۔

نیز آیت سے دو چیزوں کا اثبات معلوم ہورہا ہے۔ ایک بندگی کا جس کے لئے اطاعت حکم اور روحی کا اتباع لازم ہے۔ دوسرے بشریت کا جس کے لئے کھانا پینا، رنج، خوشی، رضامندی، غصہ وغیرہ لوازم ہیں۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ **وَجْهَهٗ** تَعَالٰى لَا شَيْئًا مِنْ اَغْرَاضِ الدُّنْيَا وَهُمُ الْفُقَرَاءُ وَكَانَ الْمُشْرِكُوْنَ طَعَنُوْا فِيْهِمْ وَطَلَبُوْا اَنْ يَّطْرُدَهُمْ لِيُجَالِسُوْهُ وَاَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ طَمَعًا فِيْ اِسْلَامِهِمْ **مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ** زَائِدَةٌ **شَيْءٍ** اِنْ كَانَ بَاطِنُهُمْ غَيْرَ مَرْضِيٍّ **وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ** جَوَابُ النَّفْيِ **فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۵۲﴾ اِنْ فَعَلْتَ ذٰلِكَ **وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا** اِبْتَلَيْنَا **بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ** اَيِ الشَّرِيْفَ بِالْوَضِيْعِ وَالْغَنِيَّ بِالْفَقِيْرِ بِاَنْ قَدَّمْنَاهُ

بِالسَّبْقِ اِلَى الْاِيْمَانِ **لِيَقُوْلُوْآ** اَيِ الشُّرَفَاءُ وَالْاَغْنِيَاءُ مُنْكِرِيْنَ **اَهٰٓؤُلَآءِ** الْفُقَرَاءُ **مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا** بِالْهِدَايَةِ اَیْ لَوْ كَانَ مَاهُمْ عَلَيْهِ هُدًى مَا سَبَقُوْنَا اِلَيْهِ قَالَ تَعَالٰى **اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ﴿۵۳﴾** لَهٗ فَيَهْدِيْهِمْ بَلٰى **وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ** لَهُمْ **سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ** قَضٰى **رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ** **اَنَّهٗ** اَيِ الشَّانُ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْفَتْحِ بَدَلٌ مِنَ الرَّحْمَةِ **مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ** مِنْهُ حَيْثُ اِرْتَكَبَهٗ **ثُمَّ تَابَ** رَجَعَ **مِنْ بَعْدِهٖ** بَعْدَ عَمَلِهٖ عَنْهُ **وَاَصْلَحَ** عَمَلَهٗ **فَاَنَّهٗ** اَيِ اللّٰهُ **غَفُوْرٌ** لَهٗ **رَّحِيْمٌ﴿۵۴﴾** بِهٖ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْفَتْحِ اَیْ فَالْمَغْفِرَةُ لَهٗ **وَكَذٰلِكَ** كَمَا بَيَّنَّا مَا ذُكِرَ **نُفَصِّلُ** نُبَيِّنُ **الْاٰيٰتِ** الْقُرْاٰنَ لِيَظْهَرَ الْحَقُّ فَيُعْمَلَ بِهٖ **وَلِتَسْتَبِيْنَ** تَظْهَرَ **سَبِيْلُ** طَرِيْقُ **الْمُجْرِمِيْنَ﴿۵۵﴾** فَتُجْتَنَبُ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالتَّحْتَانِيَّةِ وَفِیْ اُخْرٰى بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَنَصْبُ سَبِيْلَ خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **قُلْ اِنِّیْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ** تَعْبُدُوْنَ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ** فِیْ عِبَادَتِهَا **قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا** اِنِ اتَّبَعْتُهَا **وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴿۵۶﴾** **قُلْ اِنِّیْ عَلٰى بَيِّنَةٍ** بَيَانٍ **مِّنْ رَّبِّیْ وَ** قَدْ **كَذَّبْتُمْ بِهٖ** بِرَبِّیْ حَيْثُ اَشْرَكْتُمْ **مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ** مِنَ الْعَذَابِ **اِنِ** مَا **الْحُكْمُ** فِیْ ذٰلِكَ وَغَيْرِهٖ **اِلَّا لِلّٰهِ** وَحْدَهٗ **يَقُصُّ** الْقَضَاءَ **الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ﴿۵۷﴾** الْحَاكِمِيْنَ وَفِیْ قِرَاءَةٍ يَقْضِ اَیْ يَقُوْلُ **قُلْ** لَهُمْ **لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَيْنِیْ وَبَيْنَكُمْ** بِاَنْ اُعَجِّلَهٗ لَكُمْ وَاَسْتَرِيْحَ وَلٰكِنَّهٗ عِنْدَ اللّٰهِ **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ﴿۵۸﴾** مَتٰى يُعَاقِبُهُمْ **وَعِنْدَهٗ** تَعَالٰى **مَفَاتِحُ الْغَيْبِ** خَزَائِنُهٗ اَوِ الطُّرُقُ الْمُوْصِلَةُ اِلٰى عِلْمِهٖ **لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ** وَهِیَ الْخَمْسَةُ الَّتِیْ فِیْ قَوْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ الْاٰيَةَ كَمَا رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ **وَيَعْلَمُ مَا** يَحْدُثُ **فِی الْبَرِّ** الْقِفَارِ **وَالْبَحْرِ** الْقُرٰى الَّتِیْ عَلَى الْاَنْهَارِ **وَمَا تَسْقُطُ مِنْ** زَائِدَةٌ **وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ** عَطْفٌ عَلٰى وَرَقَةٍ **اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴿۵۹﴾** هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ وَالْاِسْتِثْنَاءُ بَدَلُ اِشْتِمَالٍ مِنَ الْاِسْتِثْنَاءِ قَبْلَهٗ **وَهُوَ الَّذِیْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ** يَقْبِضُ اَرْوَاحَكُمْ عِنْدَ النَّوْمِ **وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ** كَسَبْتُمْ **بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ** اَیِ النَّهَارِ بِرَدِّ اَرْوَاحِكُمْ **لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى** هُوَ اَجَلُ الْحَيٰوةِ **ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ** بِالْبَعْثِ **ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۶۰﴾** فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ

ترجمہ: .... اور مت ہٹائیے اپنے پاس سے ان لوگوں کو جو صبح شام اللہ کے حضور مناجات کرتے ہیں۔ چاہتے ہیں (عبادت کرکے) خوشنودی (باری تعالیٰ کی۔ دنیا کی اور کوئی غرض ان کو نہیں ہے۔ مسلمان فقراء مراد ہیں جن کے متعلق مشرکین طعن وتشنیع کرتے رہتے تھے اور خود مجلس نبوی پر قبضہ کرنے کے لئے مجلس سے ان کو نکلوا دینا چاہتے تھے۔ آنحضرت (ﷺ) نے بھی ان کے مشرف با اسلام ہونے کے لالچ میں ایسا کرلیا تھا) ان کے کسی کام (من زائد ہے) کی جوابدہی آپ (ﷺ) کے ذمہ نہیں ہے (اگر واقعی

ان کا باطن خراب ہے) نہ آپ (ﷺ) کے فعل کی جوابدہی ان کے ذمہ ہے کہ ان غرباء کو دھکے دے کر نکال دو (یہ جواب نفی ہے) ورنہ آپ (ﷺ) زیادتی کرنے والوں میں شمار ہوں گے (اگر آپ (ﷺ) نے یہ کارروائی کر لی) اور اسی طرح ہم نے آزمایا ہے (امتحان کیا ہے) بعض انسانوں کو بعض انسانوں کے ساتھ (شریف کا امتحان غیر شریف کے ساتھ، امیر کا فقیر کے ساتھ کہ ان کو ایمان میں سابق کر دیا (تاکہ کہا کریں (یعنی اونچے اور امیر لوگ انکاری لب ولہجہ میں) کیا یہی (فقراء) ہیں جنہیں اللہ نے اپنے انعام کے لئے ہم میں سے چن لیا ہے؟ (ہدایت سے سرفراز کرنے کے لئے۔ یعنی واقعی اگر ان کا طریقہ درست ہوتا تو ہرگز ہم سے بازی نہیں لے جاسکتے تھے۔ جوابی ارشاد ہے) کیا اللہ بہتر جاننے والے نہیں ہیں؟ (اپنے) حق شناسوں کو (کہ ان کو ہدایت سے ہمکنار کر دیا ہو۔ ہاں ایسا ہی ہے) اور وہ لوگ جب آپ (ﷺ) کے پاس آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے ہیں تو کہنا (ان سے) تم پر سلام ہو۔ لازم ٹھہرالی ہے (مقرر کر لی ہے) تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت۔ بلاشبہ (اس میں ضمیر شان ہے اور ایک قرأت میں ان مفتوح ہے۔ رحمت سے بدل ہے) جو کوئی (تو تم میں سے) برائی کر بیٹھے نادانی سے (مبتلا ہو جائے) اور پھر توبہ کر لے (باز آجائے) اس (کارروائی کرنے) کے بعد اور اپنی حالت (سنوار لے تو اللہ میاں بخشنے والے ہیں (اس کو) اور (اس پر) رحم فرمانے والے ہیں (اور ایک قرأت میں ان فتح کے ساتھ ہے۔ یعنی ان کے لئے مغفرت ہے) اور اسی طرح مذکورہ بیان کے طرز پر) ہم کھول کھول کر بیان کرتے رہتے ہیں۔ اپنی آیات (قرآن) تاکہ حق واضح ہو جائے اور اس پر عمل کیا جاسکے) اور تاکہ نمایاں (عیاں) ہو جائے طریقہ (راستہ) مجرمین کا (جس سے بچا جاسکے۔ ایک قرأت میں تستبین یای تحتانیہ کے ساتھ ہے اور دوسری قرأت میں تاء فوقانیہ کے ساتھ ہے اور سبیل منصوب ہے۔ آنحضرت (ﷺ) کو خطاب ہے) کہئے کہ مجھے اس بات سے روکا گیا ہے کہ میں ان کی بندگی کروں، جنہیں تم پکارتے ہو (بندگی کرتے ہو) اللہ کے سوا۔ کہہ دیجئے میں تمہاری نفسانی خواہشوں پر چلنے والا نہیں ہوں (ان کی پوجا کر کے) ورنہ اس وقت گمراہ ہو جاؤں گا (اگر میں نے نفس کی پیروی کر لی) اور راہ پانے والوں میں نہیں رہوں گا۔ آپ (ﷺ) کہئے میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی اور دلیل پر ہوں اور تم نے جھٹلایا ہے اس کو (میرے پروردگار کو اس کے ساتھ شرک کر کے) میرے اختیار میں تو نہیں ہے جس (عذاب) کے بارے میں تم جلدی مچارہے ہو حکم تو بس (تنہا) اللہ ہی کے لئے (اس بارے میں بھی اور دوسرے معاملات میں بھی) وہی کرتے ہیں، سچے فیصلے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے (حاکم) ہیں (اور ایک قرأت میں یقص بمعنی یقول ہے) کہہ دو (ان سے) جس بات کے لئے تم جلدی مچارہے ہو۔ اگر وہ میرے اختیار میں ہوتی تو مجھ میں اور تم میں کبھی کا فیصلہ ہو گیا ہوتا (ایک دم نبٹا کر فارغ ہو جاتا۔ لیکن فیصلہ اللہ کے قبضہ میں ہے) اور وہ ظلم کرنے والوں کی حالت اچھی طرح جاننے والے ہیں (کب ان پر عذاب آنا چاہئے) اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں۔ (غیب کے خزانے یا اس تک رسائی کے طریقے) ان کے سوا کوئی نہیں جانتا (اور وہ پانچ غیبی باتیں ہیں جن کو آیت ان اللّٰہ عندہ علم الساعۃ میں بیان کیا گیا ہے۔ بخاری) اور وہ جانتے ہیں جو کچھ (پیداوار ہوتی ہے) خشکی (میدان) میں یا سمندر میں (دریا کے ساحلی علاقوں میں) ہے اور درختوں سے کوئی پتہ (من زائد ہے) نہیں جھڑتا، مگر وہ اسے جانتے ہیں اور نہ زمین کی تہوں میں کوئی دانہ پھوٹتا ہے اور خشک وتر کوئی پھل نہیں گرتا (اس کا عطف ورقۃ پر ہے) مگر روشن نوشتہ میں درج ہے۔ لوح محفوظ مراد ہے اور دوسرا استثناء پہلے استثناء سے بدل الاشتمال ہے) اور وہی ہیں جو رات کے وقت تمہاری روح ایک گونہ قبض کر لیتے ہیں (سونے کے وقت روح منامی نکال لیتے ہیں) اور جانتے ہیں جو کچھ تم کاوشیں (معاشی جدوجہد) کرتے ہو دن میں پھر تمہیں اٹھا کر کھڑا کر دیتے ہیں دن میں (صبح کو روح واپس کر دیتی ہیں) تاکہ اس طرح ٹھہرائی ہوئی مدت پوری ہو جائے۔ (دنیاوی زندگانی) پھر تم سب انہیں کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے۔ (دوبارہ زندہ کر کے) اور جیسے کچھ تم کام کر رہے ہو اس کی

حقیقت تمہیں بتلادیں گے (اسی کے مطابق تمہیں بدلہ دے دیں گے۔)

تحقیق وترکیب: .... **وھم الفقراء.** صہیبؓ رومی، عمارؓ، بلالؓ، خبابؓ وغیرہ صحابہ مراد ہیں۔ چنانچہ جب روٴسا مشرکین نے آپ (ﷺ) سے اس مضمون کی اجازتی تحریری یادداشت لینی چاہی تو آپ (ﷺ) نے لکھنے کے لئے حضرت علیؓ کو بلایا۔ لیکن جب ازخود یہ فقراء صحابہؓ مجلس میں ایک طرف کو کھسک گئے تو آیت اتری۔ آنحضرت (ﷺ) نے کاغذ پھینک دیا اور ان غرباء کو گلے سے لگالیا۔

ماعلیك. ان دونوں جملوں میں علم بدیع کی صنعت ''ردالعجز علی الصدر'' ہے جیسے عادات السادات، سادات العادات بلیغ جملہ میں ہے۔ مقصد تمیم ہوتی ہے ورنہ اصل تعلیل تو پہلے جملہ سے حاصل ہوگئی تھی۔ جواب النفی۔ یعنی **ماعلیك الخ** کا جواب ہے، **سلام علیکم** یہاں چونکہ اختصاص مقصود ہے اس لئے سلام تحیہ میں آپ (ﷺ) کو ابتداء کرنے کا حکم ملا ورنہ سنت سلام تو یہ ہے کہ ابتداء قادم اور آنے والے کو کرنی چاہئے۔ اس صورت میں جملہ انشائیہ ہوجائے گا اور اگر منجانب اللہ بطور اکرام سلام پہنچانا ہو تو لفظاً یا معنی جملہ خبریہ ہوجائے گا۔

وفی قراء ۃ بالفتح ۔ ان کی خبر محذوف ہوگی۔ **ای فشانہ انہ غفور. تستبین** ۔ ابوعمر، ابن کثیر، ابن عامر، حفص تا کے ساتھ پڑھتے ہیں اور لفظ سبیل۔ مرفوع۔ **یقضی الحق.** مفسر علام نے **الحق** کا موصوف محذوف نکال دیا اور لفظ حق مفعول بہ بھی ہوسکتا ہے۔ **مفاتح الغیب** ۔ اس میں استعارہ ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ **عندہ مفاتح الغیب وعندک مفاتح الغیب فمن امن بغیبیہ اسبل اللّٰہ الستر علی عیبہ** ۔ مفاتح اگر بمعنی خزانہ ہے تو مفتح کی جمع ہے اور اگر بمعنی طرق ہے تو مفتح کی جمع ہے دونوں صورتوں میں اختصاص قدرت مقصود ہوگا۔ بخاریؒ کی روایت ابن مسعودؓ سے ہے کہ **اعطی نبیکم کل شیء الا مفاتیح الغیب** یا فرمایا **مفاتیح الغیب خمس لایعلمھا الا اللّٰہ ان اللّٰہ الخ** مقصود اس سے پانچ کی تحدید نہیں ہے کیونکہ علوم غیبیہ غیر متناہی ہیں۔ پس عدد کی تفریح ماسوی کی نفی نہیں کررہی ہے۔ نیز چونکہ انہی پانچ باتوں میں وہ غیب دانی کا دعویٰ کیا کرتے تھے، اس لئے رد میں اسی کی تخصیص کردی اور اللہ کے ساتھ اختصاص کا مقصد علم تفصیلی ہے ورنہ علم اجمالی کا اثبات تو ان چیزوں میں مخلوق کے لئے بھی ہے۔

فی البر والبحر ۔ جمہور تو ان دونوں کو متعارف معنی پر محمول کرتے ہیں۔ چنانچہ زمخشری دریائی جواہرات مراد لیتے ہیں۔ لیکن جلال محققؒ مجاہدؒ کی رائے کے مطابق دونوں سے مراد ساحلی اور غیر ساحلی آبادیاں لے رہے ہیں۔ یہ سب چیزیں اگرچہ مفاتح الغیب میں داخل تھیں، لیکن تفصیل کے خیال سے الگ ذکر کردیا ہے اور بر و بحر کے عجائب نمایاں ہیں بہ نسبت اوراق وحبات کے۔ ان میں تامل کرنے کا ہر شخص اہل نہیں ہے۔ پھر **ولا رطب** سے تعمیم بعد التخصیص کردی۔ تاکہ خوب اچھی طرح مبالغہ ہوجائے۔

کتاب مبین. امام رازیؒ اس سے مراد علم الٰہی لیتے ہیں۔ اس صورت میں الامر استثناء اول سے بدل الکل ہوجائے گا۔

یتوفکم. سونے کی حالت میں روح منامی نکلتی ہے اور مرنے میں روح حیوانی نکل جاتی ہے۔ **اللّٰہ یتوفی الانفس الخ** اور بعض متکلمین کا خیال یہ ہے کہ ہر حاسہ کی ایک روح ہوتی ہے جو سونے کے وقت نکل جاتی ہے اور بیدار ہونے پر واپس آجاتی ہے اور ارواح سے مراد وہ معانی اور قویٰ ہیں جن سے حواس قائم ہوتے ہیں۔ لیکن روح حیوانی ایک ہی دفعہ قبض ہوتی ہے اور اس کے بعد بھی بعث ایسا ہی یقینی ہے جیسے روزانہ منامی موت سے بعث مشاہد ہوتا رہتا ہے۔ **النوم اخ الموت** ۔

ربط آیات: .... گذشتہ آیت میں تین قسم کے لوگوں کا حال معلوم ہوا تھا کہ معاندین کے لئے تو صرف عام انذار کافی ہے

ان کی فکر میں زیادہ پڑنا مناسب نہیں۔ البتہ متر ددین اور طالبین کے لئے مشترک طور پر خصوصی توجہ ہونی چاہئے لیکن اب آیت **ولا تطرد الخ** میں طالبین کے لئے اور بھی زیادہ خصوصی التفات پر زور دیا جارہا ہے۔ گویا معاندین کے لئے صرف انذار عام کافی ہوا اور متر ددین کے لئے تبلیغ خاص ہوئی اور طالبین کے لئے اخص خصوص۔ آگے پھر آیت **قل انی نهیت الخ** میں معاندین کے لئے توحید ورسالت کی عام تبلیغ کی جارہی ہے۔ اس کے بعد آیت **عنده مفاتح الغیب الخ** سے اللہ تعالیٰ کی قدرت تامہ اور علم تام کا تعلق تمام مقدورات ومعلومات سے بیان کیا جارہا ہے۔ جس میں ضمناً توحید کا اثبات بھی جو مقاصد سورت میں سے ہے۔ پھر آیت **وهو الذی یتوفکم الخ** سے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا امکان اور وقوع بیان کرنا ہے کہ عام طور پر پورے قرآن میں۔ نیز اس صورت میں توحید ورسالت اور بعثت کے تینوں مسئلے مخلوط طور پر بیان کئے گئے ہیں۔

شانِ نزول:............ مختلف روایات کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض رؤسا قریش نے مجلس نبوی (ﷺ) میں مسلمان غرباء کو دیکھ کر کہا **هؤلاء مَنّ اللّٰه علیهم** اور خود یا آپ (ﷺ) کے چچا ابو طالب کے واسطہ سے آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ مل کر بیٹھنے سے عار آتی ہے۔ اس لئے یا انہیں ہٹا دیجئے تب ہم آپ (ﷺ) کے پاس آئیں گے یا ہم آیا کریں تو اس وقت انہیں ہٹا دیا کیجئے یا ہمارے اور ان کے لئے ایک ایک روز کے لئے باری مقرر کر دیجئے۔ ممکن ہے پھر ہم آپ (ﷺ) کا اتباع کر لیں۔ حضرت عمرؓ نے بھی عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) ایسا بھی کر دکھائیے۔ ان کے مقصد کا اندازہ ہو جائے گا۔

چنانچہ آپ (ﷺ) نے درخواست منظور فرمانے کا ارادہ کر لیا تو یہ آیتیں نازل ہوئیں اور حضرت عمرؓ نے حاضر ہو کر اپنی رائے سے معذرت کی۔ اس پر آیت **اذا جاء ك الذین الخ** نازل ہوئی۔ تب آپ (ﷺ) نے غرباء کو بلا کر گلے سے لگا لیا اور فرمایا "**سلام علیکم الخ**" اور ابن جریرؒ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے ماہان سے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر خدمت نبوی (ﷺ) ہوئی اور عرض کیا کہ ہم نے بڑے بڑے گناہ کئے ہیں، لیکن آپ (ﷺ) نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ لوگ واپس ہو گئے۔ تب **اذا جاء ک الخ** نازل ہوئی۔ آنحضرت (ﷺ) نے انہیں بلا کر مژدہ سنا دیا۔ پس ممکن ہے دونوں باتیں صحیح ہوں۔

﴿تشریح﴾:............ **نومسلم غرباء کی تالیف قلب:**............ روسائے قریش کی اس درخواست کی منظوری سے آنحضرت (ﷺ) کی شان عصمت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ کیونکہ آپ (ﷺ) نے غریب مسلمانوں کی تحقیر وتذلیل کے لئے ایسا کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ صرف آپ (ﷺ) کا منشاء رؤساء کی تالیف قلب تھی اور وہ بھی ہدایت کی امید پر اور اس توقع پر کہ ان سرداران قوم کے راہ پر لگنے سے ساری قوم ہدایت پر لگ سکتی ہے اور چونکہ غرباء صحابہؓ بھی آپ (ﷺ) کے رات دن کے معاملات دیکھ کر ان کو خوب طرح جانتے تھے اس لئے ان کی دل شکنی بھی نہیں ہوئی۔ پھر یہ آپ (ﷺ) اجتہاد تھا جس پر عمل کرنے کی حق تعالیٰ نے اس لئے اجازت نہیں دی کہ علم الٰہی میں تدبیر کا نافع اور کارگر نہ ہونا معلوم تھا۔ چنانچہ آپ (ﷺ) کو اس پر عمل کرنے کی نوبت نہیں آئی۔

لفظ **لا تطرد** سے شبہ نہیں کرنا چاہئے کہ آنحضرت (ﷺ) نے مجلس سے نکال دیا ہوگا یا ہٹا دینے کا ارادہ کر لیا ہوگا؟ کیونکہ کسی کام کے کرنے سے پہلے بھی نہی اور ممانعت ہو سکتی ہے۔ باقی اس قسم کے ارادہ کا احتمال! سو کہا جائے گا کہ رؤسا کے لئے الگ مجلس کے ارادہ کو مجازاً **طرد** سے تعبیر فرما دیا گیا ہے کہ آپ (ﷺ) کی شان عالی کے منافی ہونے کے لحاظ سے اس کو بھی طرد شمار کر لیا گیا ہے۔ رہا یہ کہ **فتکون من الظلمین** میں اس کو ظلم سے کیوں تعبیر کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ظلم کے لغوی معنی بے جا اور بے موقعہ کام کرنے کے

ہیں۔ اس لحاظ سے خلاف اولیٰ کو ظلم کہا جاسکتا ہے۔

کفار کے امتحان کی علت فیقولوا الخ تکوینی ہے کیونکہ برائیوں کی پیدائش میں بھی ہزاروں ہزار مصلحتیں اور حکمتیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ یہاں امتحان خود ایک بڑی حکمت ہے۔ باقی اذا جاء ك الذين میں اذا عموم کے لئے نہیں ہے کہ ہر بار آنحضرت (ﷺ) پر ان کو سلام فرمانا لازم ہو بلکہ حاضری کے وقت جب آیت سنائی گئی ہوگی تو تعمیل حکم ہوگئی اور آیت کا سنانا یقینی ہے۔ نیز مجلس میں حاضر ہونے پر خود آنے والوں کو سلام کرنا مسنون تھا لیکن یہاں چونکہ غرباء کی تالیف مقصود ہے اس لئے ابتداء آپ ہی سے کرائی گئی ہے۔

گناہ دانستہ ہو یا نادانستہ ہر حال میں گناہ ہے: .... برے عمل کے ساتھ جہالت کی قید سے مراد علمی جہالت نہیں بلکہ عملی جہالت مراد ہے جو ہر گناہ کے ساتھ لازم ہے۔ پس یہ قید واقعی ہے۔ احترازی نہیں ہے۔ چنانچہ حسنؒ سے منقول ہے **کل من عمل معصیة فهو جاهل**۔ نیز آیت میں مغفرت کے لئے توبہ شرط نہیں ہے کہ اہل سنت کے مسلک کے خلاف ہونے کا شبہ کیا جائے۔ بلکہ آیت میں توبہ کرنے والے کی مغفرت کو بیان کیا جارہا ہے نہ کہ غیر تائب کی عدم مغفرت کو اور بلا توبہ مغفرت کا بیان دوسری مطلق نصوص میں ہے جن سے محض فضل الٰہی کے ذریعہ مغفرت کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔

لوح محفوظ میں قیامت تک ہونے والی تمام چیزیں اگرچہ درج ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احاطہ علمی میں محفوظ ہیں، لیکن معلومات الٰہیہ صرف اسی پر منحصر نہیں ہیں بلکہ وہ غیر محدود اور لامتناہی ہیں۔ غیب کی تمام کنجیاں اور علوم مخفیہ کے خزانے سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں وہ جس طرح چاہتے ہیں ان اسباب میں تصرف کرتے رہتے ہیں۔ سمندر کی تہہ میں بھی اگر چیونٹی رینگ رہی ہوگی، پتھر کے جگر میں بھی اگر کیڑا چھپا ہوا ہوگا تو قدرت کی آنکھ اول سے آخر تک پوری طرح اس کی خبر گیری اور نگرانی کررہی ہوگی۔

انسان کی تین ارواح میں سے ابن عباسؓ روح نفسانی کو نفس تمیزی سے اور روح حیوانی کو نفس حیاۃ سے تعبیر کرتے ہیں۔ نفس کا لفظ دونوں کو شامل ہوگا۔

لطائف آیت: .... آیت **ولا تطرد الذين** الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر کسی دینی مصلحت کے کسی مرید کو اپنے سے ہٹانا اور الگ کرنا نہیں چاہئے بلکہ ان کے حقوق کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کے پاس بیٹھے اور سلامتی، رحمت قبول توبہ کی بشارت سناتا رہے۔ آیت **وهو الذى يترفكم** الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صوفیاء کا یہ کہنا صحیح ہے کہ علی قدر مراتب بعض ارواح خود حق تعالیٰ قبض فرماتے ہیں اور بعض ارواح ملک الموت اور بعض ارواح دوسرے فرشتے قبض کرتے ہیں۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ مُسْتَعْلِيًا **فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً** مَلٰئِكَةً تُحْصِیْ اَعْمَالَكُمْ **حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ** وَفِیْ قِرَاءَةٍ تَوَفَّاهُ **رُسُلُنَا** اَلْمَلٰئِكَةُ الْمُوَكَّلُوْنَ بِقَبْضِ الْاَرْوَاحِ **وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ**﴿۶۱﴾ يُقَصِّرُوْنَ فِيْمَا يُؤْمَرُوْنَ **ثُمَّ رُدُّوْٓا** اَیِ الْخَلْقُ **اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ** مَالِكُهُمُ **الْحَقِّ** اَلثَّابِتُ الْعَادِلُ لِيُجَازِيَهُمْ **اَلَا لَهُ الْحُكْمُ** اَلْقَضَاءُ النَّافِذُ فِيْهِمْ **وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ**﴿۶۲﴾ يُحَاسِبُ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ فِیْ قَدْرِ نِصْفِ نَهَارٍ مِّنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا لِحَدِيْثٍ بِذٰلِكَ **قُلْ** يَا مُحَمَّدُ لِاَهْلِ مَكَّةَ **مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ** اَهْوَالِهِمَا فِیْ اَسْفَارِكُمْ حِيْنَ **تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا** عَلَانِيَةً **وَّخُفْيَةً** سِرًّا تَقُوْلُوْنَ **لَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **اَنْجٰنَا**

وَفِیْ قِرَاءَةٍ اَنْجَانَا اَیِ اللّٰہُ **مِنْ ھٰذِہٖ** الظُّلُمٰتِ وَالشَّدَائِدِ **لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ** ﴿۶۳﴾ اَلْمُؤْمِنِیْنَ **قُلِ** لَھُمْ **اللّٰہُ یُنَجِّیْکُمْ** بِالتَّخْفِیْفِ وَالتَّشْدِیْدِ **مِّنْھَا وَمِنْ کُلِّ کَرْبٍ** غَمٍّ سِوَاھَا **ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِکُوْنَ** ﴿۶۴﴾ بِہٖ **قُلْ ھُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِکُمْ** مِنَ السَّمَاءِ کَالْحِجَارَةِ وَالصَّیْحَةِ **اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ** کَالْخَسْفِ **اَوْ یَلْبِسَکُمْ** یَخْلِطَکُمْ **شِیَعًا** فِرَقًا مُخْتَلِفَةَ الْاَھْوَاءِ **وَّیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ** بِالْقِتَالِ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا نَزَلَتْ ھٰذَا اَھْوَنُ وَاَیْسَرُ وَلَمَّا نَزَلَ مَا قَبْلَہٗ قَالَ اَعُوْذُ بِوَجْھِکَ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَرَوٰی مُسْلِمٌ حَدِیْثَ سَاَلْتُ رَبِّیْ اَنْ لَّا یَجْعَلَ بَاْسَ اُمَّتِیْ بَیْنَھُمْ فَمَنَعَنِیْھَا وَفِیْ حَدِیْثٍ لَمَّا نَزَلَتْ قَالَ اَمَّا اَنَّھَا کَائِنَةٌ وَلَمْ یَاْتِ تَاْوِیْلُھَا بَعْدُ **اُنْظُرْ کَیْفَ نُصَرِّفُ** نُبَیِّنُ لَھُمْ **الْاٰیٰتِ** الدَّالَّاتِ عَلٰی قُدْرَتِنَا **لَعَلَّھُمْ یَفْقَھُوْنَ** ﴿۶۵﴾ یَعْلَمُوْنَ اَنَّ مَا ھُمْ عَلَیْہِ بَاطِلٌ **وَکَذَّبَ بِہٖ** بِالْقُرْاٰنِ **قَوْمُکَ وَھُوَ الْحَقُّ** الصِّدْقُ **قُلْ** لَھُمْ **لَّسْتُ عَلَیْکُمْ بِوَکِیْلٍ** ﴿۶۶﴾ فَاُجَازِیْکُمْ اِنَّمَا اَنَا مُنْذِرٌ وَاَمْرُکُمْ اِلَی اللّٰہِ وَھٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ **لِکُلِّ نَبَاٍ** خَبَرٍ **مُّسْتَقَرٌّ** وَقْتٌ یَقَعُ فِیْہِ وَیَسْتَقِرُّ وَمِنْہُ عَذَابُکُمْ **وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ** ﴿۶۷﴾ تَھْدِیْدٌ لَھُمْ **وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا** اَلْقُرْاٰنِ بِالْاِسْتِھْزَاءِ **فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ** وَلَا تُجَالِسْھُمْ **حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ وَاِمَّا** فِیْہِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِیَّةِ فِیْ مَا الزَّائِدَةِ **یُنْسِیَنَّکَ** بِسُکُوْنِ النُّوْنِ وَالتَّخْفِیْفِ وَفَتْحِھَا وَالتَّشْدِیْدِ **الشَّیْطٰنُ** فَقَعَدْتَّ مَعَھُمْ **فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی** اَیْ تَذَکُّرِہٖ **مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ** ﴿۶۸﴾ فِیْہِ وَضْعُ الظَّاھِرِ مَوْضَعَ الْمُضْمَرِ وَقَالَ الْمُسْلِمُوْنَ اِنْ قُمْنَا کُلَّمَا خَاضُوْا لَمْ نَسْتَطِعْ اَنْ نَجْلِسَ فِی الْمَسْجِدِ وَاَنْ نَطُوْفَ فَنَزَلَ **وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ** اللّٰہَ **مِنْ حِسَابِھِمْ** اَیِ الْخَائِضِیْنَ **مِّنْ** زَائِدَةٌ **شَیْءٍ** اِذَا جَالَسُوْھُمْ **وَّلٰکِنْ** عَلَیْھِمْ **ذِکْرٰی** تَذْکِرَةٌ لَھُمْ وَمَوْعِظَةٌ **لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ** ﴿۶۹﴾ اَلْخَوْضَ **وَذَرِ** اُتْرُکِ **الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَھُمْ** الَّذِیْ کُلِّفُوْہُ **لَعِبًا وَّلَھْوًا** بِاسْتِھْزَائِھِمْ بِہٖ **وَّغَرَّتْھُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا** فَلَا تَتَعَرَّضْ لَھُمْ وَھٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ **وَذَکِّرْ** عِظْ **بِہٖ** بِالْقُرْاٰنِ النَّاسَ لِ **اَنْ لَّا تُبْسَلَ نَفْسٌ** تُسْلَمُ اِلَی الْھَلَاکِ **بِمَا کَسَبَتْ** عَمِلَتْ **لَیْسَ لَھَا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ** اَیْ غَیْرِہٖ **وَلِیٌّ** نَاصِرٌ **وَّلَا شَفِیْعٌ** یَمْنَعُ عَنْھَا الْعَذَابَ **وَاِنْ تَعْدِلْ کُلَّ عَدْلٍ** تَفْدِ کُلَّ فِدَاءٍ **لَّا یُؤْخَذْ مِنْھَا** مَا تَفْدِیْ بِہٖ **اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا کَسَبُوْا لَھُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ** مَاءٍ بَالِغٍ نِھَایَةَ الْحَرَارَةِ **وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌ** مُؤْلِمٌ **بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ** ﴿۷۰﴾ بِکُفْرِھِمْ

۸ ع ۱۰ ۱۴

ترجمہ: ....اور وہی زور (غلبہ) رکھنے والے ہیں اپنے بندوں پر اور تم پر بھیجتے رہتے ہیں۔ حفاظت کرنے والے (فرشتے جو تمہارے اعمال نوٹ کرتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو وفات دے دیتے ہیں (اور ایک قرأت میں

تــوفــاه ہے) ہمارے بھیجے ہوئے (مقررہ فرشتے جوارواح قبض کرنے پر مقرر ہیں) وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے (جو حکم ملتا ہے اس میں ذرہ برابر قصور نہیں کرتے) پھر تمام (مخلوق) لوٹادی جائے گی اپنے مولیٰ (مالک) حقیقی) کی طرف (جو واقعۃً منصف ہیں بدلہ دینے کے لئے) یادرکھو! حکم ان ہی کا ہے (جو مخلوق میں نافذ ہوتا رہتا ہے) اور حساب لینے والوں میں ان سے جلد حساب لینے والا کوئی نہیں ہے (ساری مخلوق کا حساب کتاب دنیا کے حساب سے آدھے دن کی مقدار وقت میں چکا دیں گے جیسا کہ اس بارے میں حدیث وارد ہوئی ہے) کہو (اے محمد (ﷺ)! مکہ والوں سے) وہ کون ہیں جو تمہیں بیابانوں اور سمندروں کی اندھیروں میں سے نجات دیتا ہے (جو ان کی دہشتیں تم کو سفر میں پیش آتی رہتی ہیں) (جب کہ) تم اس کی جناب میں آہ وزاری کرتے ہو (اعلانیہ) اور چھپ چھپ کر دعائیں مانگتے ہو (پوشیدہ طریقہ سے اور کہتے ہو) اگر (لام قسمیہ ہے) خدایا آپ نے ہمیں نجات دے دی (ایک قرأت میں انجانا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہم کو نجات دے) ان میں (اندھیریوں اور مصیبتوں) سے تو پھر ضرور شکر گزار (مومن) بندے ہوکر رہیں گے۔ آپ (ﷺ) کہئے (ان سے) اللہ ہی ہے جو تمہیں نجات دیں گے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) اس بلا سے اور ہر طرح کے دکھ (غم) سے (اس کے علاوہ) لیکن اس پر بھی تم ہو کہ ان کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔ کہہ دو! وہ اس پر قادر ہیں کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے بھیج دیں (آسمان سے۔ جیسے پتھراؤ اور چیخ) یا تمہارے پاؤں تلے سے کوئی عذاب اٹھادیں (جیسے زمین میں دھنسا دینا) یا تم کو بھڑادیں (ٹکرادیں) ٹکڑیاں کرکر کے (مختلف خواہشات رکھنے والے گروہ بنادیں) اور ایک دوسرے کو آپس کی لڑائی کا مزہ چکھادیں (لڑا بھڑا کر۔ اس آیت کے نازل ہونے پر آنحضرت (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ اللہ پر یہ کارروائی تو بہت سہل اور آسان ہے اور جب پہلی آیت نازل ہوئی تو آپ (ﷺ) نے اللہ سے پناہ مانگی، جیسا کہ امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے اور مسلم نے حدیث نقل کی ہے کہ ''میں نے اپنے پروردگار سے درخواست کی کہ میری امت میں آپس کی پھوٹ نہ پڑے۔ لیکن یہ درخواست منظور نہ ہوئی اور دوسری حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو ہوکر رہنے والی بات ہے۔ تاہم اس پیشین گوئی کا وقوع نازل ہونے کے بعد تو ہوا نہیں) سو دیکھو! کس طرح ہم گوناگوں طریقہ سے بیان کرتے ہیں (ان کے لئے) دلائل (جو ہماری قدرت کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں) تاکہ وہ سمجھیں بوجھیں (جس طریقہ پر وہ قائم ہیں ان کا باطل ہونا واضح ہوجائے) اور جھٹلایا ہے اس (قرآن) کو آپ (ﷺ) کی قوم نے حالانکہ وہ حق (سچ) ہے۔ آپ (ﷺ) کہہ دیجئے (ان سے) میں تم پر کچھ تعینات نہیں بنایا گیا ہوں (کہ تم کو تمہارے کئے کا بدلہ دوں۔ میرا کام تو صرف تنبیہ کر دینے کا ہے اور تمہیں اللہ کی طرف بلانا ہے۔ یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) ہر خبر (اطلاع) کے لئے ایک ٹھہرایا ہوا وقت ہے (جس میں وہ خبر واقع ہوجاتی ہے اور جم جاتی ہے۔ منجملہ اس کے تمہارے لئے عذاب بھی ہے) اور عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا (یہ ان کے لئے دھمکی ہے) اور جب آپ (ﷺ) ایسے لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں میں عیب جوئی کرتے ہیں (قرآن کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں) تو آپ (ﷺ) ان سے کنارہ کشی کر لیجئے (اور ان کے ساتھ مت بیٹھئے) یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر (ان شرطیہ کے نون کا ادغام ما زائدہ کے میم میں ہورہا ہے۔ تمہیں بھلا دے (نون ساکن مخففہ ہے یا فتح اور تشدید کے ساتھ ہے) شیطان (کہ تم ان کے ساتھ شریک مجلس ہوجاؤ) تو یاد آجانے کے بعد مت بیٹھو ایسے لوگوں کے ساتھ جو ظلم کرنے والے ہیں (یہاں اسم ظاہر کو بجائے ضمیر کے لایا گیا ہے۔ مسلمانوں نے جب یہ شکایت کی کہ اگر ان کی اس قسم کی گفتگو سے ہم اٹھ بھی جائیں تو پھر نہ ہم مسجد میں بیٹھ سکیں گے اور نہ طواف ہی کر پائیں گے۔ کیونکہ مسجد حرام میں ان کی مجلس بازی ہوتی رہتی ہے۔ تب اگلی آیت نازل ہوئی) اور جو لوگ (اللہ سے) ڈرتے والے ہیں ان پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے ان (طعنہ زنی کرنے والوں) کے کاموں کی کچھ بھی (من زائد ہے۔ اگر وہ ان کے شریک مجلس بھی ہوں) ہاں البتہ (ان کے ذمہ) نصیحت ہے (ان

گویا دو ہائی اور فہمائش کر دینا ہے) تا کہ وہ بھی بچ جائیں (ان خرافات سے) اور چھوڑ دیجئے (نظر انداز کر دیجئے) ایسے لوگوں کو جنہوں نے بنالیا ہے اپنے دین کو (جس کے وہ پابند کئے گئے تھے) کھیل اور تماشہ (دین کا مذاق اڑا کر) اور دنیا کی زندگانی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے (آپ (ﷺ) ان کو منہ نہ لگائیے۔ یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اور نصیحت (وعظ) کہتے رہئے (کلام الٰہی کے ذریعہ۔ ان لوگوں کو) تا کہ (کہیں ایسا نہ ہو کہ) کوئی نفس ہلاک (نہ) ہو جائے (تباہی میں نہ پڑ جائے) اپنے کرتوت (عمل) کی وجہ سے۔ اللہ کے سوا (علاوہ) کوئی نہیں ہے جو اس کا مددگار (معین) یا شفاعت کر کے (عذاب سے اسے بچالے) دنیا بھر کا بھی معاوضہ دے ڈالے (پورے طور پر بھی بدلہ دے دے) تب بھی اس سے نہ لیا جائے (دیا ہوا فدیہ) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ہلاکت میں چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ ان کے لئے پینے کا کھولتا ہوا پانی ہوگا (نہایت تیز گرم) اور عذاب اور دردناک (تکلیف دہ) ہوگا۔ ان کے کفر کی پاداش میں۔

تحقیق وترکیب: .... **حفظہ** جو فرشتے اعمال خیر وشر کے محافظ اور مکاتب ہیں، جن کو کراماً کاتبین کہتے ہیں وہ مراد ہیں۔ اعمال وافعال خیر کرنے پر داہنے فرشتے لکھ لیتے ہیں۔ لیکن برے اقوال وافعال پر جب بائیں فرشتے لکھنا چاہتے ہیں تو داہنے فرشتے یہ کہہ کر روک دیتے ہیں۔ **اصبر لعلہ یتوب منھا**۔ بندہ اگر توبہ نہیں کرتا۔ پھر مجبوراً گناہ لکھ لیا جاتا ہے، جس طرح سی آئی ڈی کے خلاف رپورٹ سے انسان گھبراتا ہے، اسی طرح اعمال نامہ کے سیاہ ہونے کے خیال سے بھی مسلمان محتاط ہو جاتا ہے۔ باقی کس چیز پر لکھتے ہیں، کس چیز سے لکھتے ہیں، کس زبان میں لکھتے ہیں، کس کیفیت سے لکھتے ہیں، ان سوالوں کا جواب ارباب کشف کی کتابوں سے معلوم ہو سکتا ہے۔ بالخصوص تبریز جو شیخ عبدالعزیز دباغؒ کے حالات میں ہے۔

رسلنا. ملک الموت کے مددگار فرشتے مراد ہیں۔ **اللّٰہ یتوفی الانفس** میں اللہ نے قبض روح کی اسناد اپنی طرف فرمائی ہے اور **قل یتوفکم ملك الموت**۔ میں ملک الموت کی طرف اور اس آیت میں فرشتوں کی جماعت کی طرف نسبت فرمائی ہے۔ سو قابض حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہیں اور عالم اسباب میں ملک الموت، اس کارروائی کے ذمہ دار ہیں۔ البتہ اعوان وانصار دوسرے فرشتے بھی ہوتے ہیں، جس طرح ڈاکٹر کے ساتھ کمپونڈر اور نرسیں ہوا کرتی ہیں، چونکہ قبض ہر ایک کا الگ الگ ہوتا ہے اور مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنا اجتماعاً ہوگا۔ اس لئے **توفتہ** مفرد اور ردوا جمع کے صیغہ سے استعمال کیا گیا ہے۔ **مولھم** ۔ دوسری آیت میں چونکہ کفار کے بارے میں **ان الکفرین لا مولیٰ لھم** فرمایا گیا ہے جو اس آیت کے عموم کے منافی ہے۔ جلال محققؒ لفظ **مالکھم** سے اسی کے جواب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ یعنی یہاں مولیٰ بمعنی مالک کا اثبات ہے اور وہاں مولیٰ بمعنی ناصر کی نفی ہے۔ اس لئے کوئی منافات نہیں رہی۔

لحدیث ارشاد ہے **ان اللّٰہ یحاسب الکل فی مقدار حلب شاۃ** اور بعض نے **اسرع الحاسبین** کے سلسلہ میں کہا ہے۔ **الرد الی من ربک خیر من البقاء مع من اذاک**۔

ینجیکم ، عاصم، حمزہ، کسائیؒ نے تشدید کے ساتھ اور باقی قراء نے تخفیف سے پڑھا ہے۔ **اھون** کیونکہ مخلوق کے فتنے عذاب الٰہی کے مقابلہ میں اھون ہی ہوتے ہیں۔ **سالت** روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ **سالت ربی ای ثلاثا فاعطانی اثنین ومنعنی واحدۃ سالت ان لایھلک امتی بالسنۃ فاعطا نیھا وسالت ربی ان لایھلک امتی بالفرق فاعطانیھا رسالت ربی انلایجعل باس امتی بینھم فمنعینھا** بخاری اور ترمذی میں دوسری دعا کے الفاظ یہ ہیں۔ **ان لاتسلط علیھم عدوا من غیرھم فاعطانیھا**۔

تاویلھا یعنی اس آیت کی یا ان چاروں باتوں کی تاویل نزول کے بعد ظاہر سے نہیں بدلی۔ اپنی ظاہری حالت پر ہے۔ **لکل**

نباءٍ . عذاب وثواب سے متعلق جتنی چیزیں ہیں مقررہ وقت پر ضرور ظاہر ہوں گی۔ خواہ دنیا میں یا آخرت میں۔

حتیٰ یخوضوا . آیات اللّٰہ کو سمندر سے تشبیہ دے کر مشبہ بہ حذف کر دیا اور استعارہ تخییلیہ کے طور پر اس کے لازم خوض کو ذکر کر دیا۔ ولکن ذکری ۔ یہ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منسوب بھی ہوسکتا ہے۔ فعل مضمر کی وجہ سے۔ خواہ وہ فعل امر ہو جیسے ولکن ذکروھم ذکری یا فعل خبر ہو۔ ای ولکن یذکرونھم ذکری ۔ نیز یہ مبتداء بھی ہوسکتا ہے محذوف الخبر ای ولکن علیھم ذکری او علیکم ذکری اور ذکریٰ کے معنی تذکیر کے ہیں اور یہ مبتداء محذوف کی خبر بھی ہوسکتی ہے۔ ای ھو ذکریٰ یعنی ان کے ساتھ مجالست چھوڑ دینا ذکریٰ ہے۔ نیز یہ معطوف بھی ہوسکتا ہے۔ ایسی چیز جو من کے ذریعہ مجرور ہو۔ ای ماعلی المتقین من حسابھم شیء ولکن علیھم ذکریٰ۔ پہلی تین صورتوں میں جملہ کا جملہ پر عطف ہوا اور اس صورت میں مفردات کا عطف ہوا۔

ان تبل ابسال بمعنی منع کرنا ھذا علیک لسبل ای ممنوع . باسل ۔ بمعنی شجاع ۔ چنانچہ ابن عباسؓ تبسل نفس کی تفسیر "ترتھن فی جنھم" کے ساتھ کرتے ہیں اور جلال محققؒ نے جو تفسیر کی ہے وہ حسنؒ اور مجاہدؒ کی تفسیر کے مطابق ہے۔ یعنی تسلم للمھلکۃ ای تمنع عن مرادھا وتخذل ۔ قتادہ کے الفاظ ہیں۔ "تحبس فی جھنم."

ربط آیات: .... قیامت کے امکان اور وقوع کا بیان چل رہا ہے۔ ان آیات میں بھی اولاً قدرت کا اثبات ہے۔ پھر موت کا پھر بعث اور حساب کتاب کا ذکر ہے۔ نیز آیت قل من ینجیکم الخ میں پھر توحید پر استدلال ہے۔ آگے آیت اذا رایت الذین الخ میں کفار سے زجراً مجالست ترک کرنے اور کنارہ کشی اختیار کرنے کو کہا جا رہا ہے۔

شانِ نزول: .... جابرؓ کی روایت بخاریؒ نے نقل کی ہے۔ کہ جب آیت قل ھو القادر الخ نازل ہوئی تو آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا۔ اعوذ بوجھک ارمن تحت ارجلھم اور فرمایا اعوذ بوجھک اویلبسکم شیعاً ویذیق اور فرمایا ھذا اھون اور مسلم کی روایت تحقیق کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ جس میں تین درخواستوں میں سے ایک درخواست کا نامنظور ہونا معلوم ہوا تھا۔ بہر حال مقصد یہ ہے کہ سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے بارے میں یہ آیات نازل نہیں ہوئیں۔ نیز جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت (ﷺ) کو حق تعالیٰ کی قدرت کا استحضار ہو تو آیت کی بناء پر نہیں بلکہ شفقۃً آپ (ﷺ) نے امت کے حق میں دعائیں فرمائیں۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب آیت واذا رایت الذین الخ نازل ہوئی تو صحابہؓ نے عرض کیا۔ کیف نقعد فی المسجد الحرام وھم یخوضون اور بعض روایتوں میں ہے کہ انا نخاف الاثم حین نترکھم ولا منھم اس پر آیت وما علی الذین نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: .... **تین طرح کے فرشتے اور ان کے کام:** .... آیت میں تین قسم کے فرشتوں کا ذکر ہے۔ کراماً کاتبین جو لوگوں کے اعمال نامے اور ڈائریاں تیار کرتے رہتے ہیں۔ دوسرا محافظ دستہ جو احکام وہدایات الٰہیہ کے مطابق انسانوں کی حفاظت کرتا ہے۔ ارشاد ہے لہ معقبات من بین یدیہ الخ اور تیسرے روح قبض کرنے والے فرشتے۔ جن کے افسر اعلیٰ ملک الموت عزرائیل علیہ السلام ہیں۔

اولٰئک الذین ابسلوا الخ جس میں عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ اس سے مراد عام ہے۔ دنیاوی سزائیں یا جہاد وغیرہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان کی سرکوبی ہونا بھی اس میں داخل ہے۔ فرمایا گیا ہے۔ قاتلوھم یعذبھم اللّٰہ بایدیکم لیکن جلال محقق کا

آیت قل لست علیک بو کیل کو آیت قتال سے منسوخ کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ جہاد اگرچہ کفار کے حق میں ایک طرح کا عذاب الٰہی ہے مگر مسلمانوں کو تعذیب کی حیثیت سے جہاد کا حکم نہیں ہے۔ چنانچہ جزیہ دینے کی صورت میں اگرچہ مقتضی جہاد ہوتا ہے لیکن جہاد کا حکم نہیں بلکہ موقوف کر دیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ یعذبهم الله میں عذاب کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے۔ بہر حال جہادی حکم کے بعد بھی کوئی ذمہ دار یا نگہبان نہیں بنا دیا جاتا۔ کیونکہ اولاً تو جزیہ جو جہاد کی ایک غایۃ ہے وہ غیر اختیاری ہے تو اس کا علم و اختیار بھی مجاہد کے دائرہ اختیار سے خارج ہی ہوگا۔ دوسرے تعذیب الٰہی صرف جہاد ہی میں منحصر نہیں ہے۔ اس کے دوسرے طریقے بھی ممکن و محتمل ہیں۔ اس لئے اس مجموعہ کو علم واختیار سے خارج سمجھتے ہوئے قل لست علیکم بو کیل کہنا صحیح ہوا۔

لطائف آیات: .... آیت تضرعاً وخفیۃً سے ذکر جلی، خفی، اخفی۔ سب قسموں کو شامل ہونا معلوم ہوا ہے۔ خواہ زبان سے ہو یا قلب سے اور آیت وذر الذین الخ میں جن برائیوں کا تذکرہ ہے آج کل کے اکثر عرسوں میں یہی منکرات و بدعات کی جاتی ہیں جو انصاف پسند شخص پر مخفی نہیں۔ البتہ ضد اور پیچ کا کوئی علاج نہیں ہے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا نَعْبُدُ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُنَا** بِعِبَادَتِهٖ **وَلَا يَضُرُّنَا** بِتَرْكِهَا وَهُوَ الْاَصْنَامُ **وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا** نَرْجِعُ مُشْرِكِيْنَ **بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ** اِلَى الْاِسْلَامِ **كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ** اَضَلَّتْهُ **الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ** مُتَحَيِّرًا لَا يَدْرِىْ اَيْنَ يَذْهَبُ حَالٌ مِنَ الْهَاءِ **لَهٗٓ اَصْحٰبٌ** رُفْقَةٌ **يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى** اَىْ لِيَهْدُوْهُ الطَّرِيْقَ يَقُوْلُوْنَ لَهٗ **ائْتِنَا** فَلَا يُجِيْبُهُمْ فَيَهْلِكُ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلْاِنْكَارِ وَجُمْلَةُ التَّشْبِيْهِ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ نُرَدُّ **قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ** الَّذِىْ هُوَ الْاِسْلَامُ **هُوَ الْهُدٰى** وَمَا عَدَاهُ ضَلَالٌ **وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ** اَىْ بِاَنْ نُسْلِمَ **لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ وَاَنْ** اَىْ بِاَنْ **اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّقُوْهُ** تَعَالٰى **وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٢﴾** تُجْمَعُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِلْحِسَابِ **وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ** اَىْ مُحِقًّا وَاذْكُرْ **يَوْمَ يَقُوْلُ** لِلشَّىْءِ **كُنْ فَيَكُوْنُ** هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يَوْمَ يَقُوْلُ لِلْخَلْقِ قُوْمُوْا فَيَقُوْمُوْنَ **قَوْلُهُ الْحَقُّ** الصِّدْقُ الْوَاقِعُ لَا مَحَالَةَ **وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ** الْقَرْنِ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ مِنْ اِسْرَافِيْلَ لَا مِلْكَ فِيْهِ لِغَيْرِهٖ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ **عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ** مَا غَابَ وَمَا شُوْهِدَ **وَهُوَ الْحَكِيْمُ** فِىْ خَلْقِهٖ **الْخَبِيْرُ ﴿٧٣﴾** بِبَاطِنِ الْاَشْيَاءِ كَظَاهِرِهَا وَاذْكُرْ **اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ** هُوَ لَقَبُهٗ وَاِسْمُهٗ تَارِخُ **اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً** تَعْبُدُهَا اِسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ **اِنِّىْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ** بِاِتِّخَاذِهَا **فِىْ ضَلٰلٍ** عَنِ الْحَقِّ **مُّبِيْنٍ ﴿٧٤﴾** بَيِّنٍ **وَكَذٰلِكَ** كَمَا اَرَيْنَاهُ اِضْلَالَ اَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ **نُرِىْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ** مُلْكَ **السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** لِيَسْتَدِلَّ بِهٖ عَلٰى وَحْدَانِيَّتِنَا **وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿٧٥﴾** بِهَا وَجُمْلَةُ وَكَذٰلِكَ وَمَا بَعْدَهَا اِعْتِرَاضٌ وَعَطْفٌ عَلٰى قَالَ **فَلَمَّا جَنَّ**

اَظْلَمَ **عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا** قِيلَ هُوَالزُّهْرَةُ **قَالَ** لِقَوْمِهٖ وَكَانُوا نَجَّامِيْنَ **هٰذَا رَبِّيْ** فِي زَعْمِكُمْ **فَلَمَّآ اَفَلَ** غَابَ **قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ**﴿۷۶﴾ اَنْ اَتَّخِذَ هُمْ اَرْبَابًا لِاَنَّ الرَّبَّ لَا يَجُوْزُ عَلَيْهِ التَّغَيُّرُ وَالْاِنْتِقَالُ لِاَنَّهُمَا مِنْ شَانِ الْحَوَادِثِ فَلَمْ يَنْجَعْ فِيهِمْ ذٰلِكَ **فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا** طَالِعًا **قَالَ** لَهُمْ **هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ** يُثَبِّتْنِيْ عَلَى الْهُدٰى **لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ**﴿۷۷﴾ تَعْرِيضٌ لِقَوْمِهٖ بِاَنَّهُمْ عَلٰى ضَلَالٍ فَلَمْ يَنْجَعْ فِيهِمْ ذٰلِكَ **فَلَمَّآ رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا** ذَكَّرَهٗ لِتَذْكِيرِ خَبَرِهٖ **رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ** مِنَ الْكَوَاكِبِ وَالْقَمَرِ **فَلَمَّآ اَفَلَتْ** وَقَوِيَتْ عَلَيْهِمُ الْحُجَّةُ وَلَمْ يَرْجِعُوا **قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ**﴿۷۸﴾ بِاللّٰهِ تَعَالٰى مِنَ الْاَصْنَامِ وَالْاَجْرَامِ الْمُحْدَثَةِ الْمُحْتَاجَةِ اِلٰى مُحْدِثٍ فَقَالُوا لَهٗ مَاتَعْبُدُ قَالَ **اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ** قَصَدْتُّ بِعِبَادَتِيْ **لِلَّذِيْ فَطَرَ** خَلَقَ **السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ** اَيِ اللّٰهِ **حَنِيْفًا** مَائِلًا اِلَى الدِّيْنِ الْقَيِّمِ **وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ**﴿۷۹﴾ بِهٖ **وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ** جَادَلُوْهُ فِيْ دِيْنِهٖ وَهَدَّدُوْهُ بِالْاَصْنَامِ اِنْ تُصِيْبَهٗ بِسُوْءٍ اِنْ تَرَكَهَا **قَالَ اَتُحَآجُّوْنِّيْ** بِتَشْدِيْدِ النُّوْنِ وَتَخْفِيْفِهَا بِحَذْفِ اِحْدَى النُّوْنَيْنِ وَهِيَ نُوْنُ الرَّفْعِ عِنْدَ النُّحَاةِ وَنُوْنُ الْوِقَايَةِ عِنْدَ الْقُرَّاءِ اَيْ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ **فِي** وَحْدَ انِيَّةِ **اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ** تَعَالٰى اِلَيْهَا **وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ** مِنَ الْاَصْنَامِ اَنْ تُصِيْبَنِيْ بِسُوْءٍ لِعَدَمِ قُدْرَتِهَا عَلٰى شَيْءٍ **اِلَّآ** لٰكِنْ **اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْئًا** مِنَ الْمَكْرُوْهِ يُصِيْبُنِيْ فَيَكُوْنُ **وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا** اَيْ وَسِعَ عِلْمُهٗ كُلَّ شَيْءٍ **اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ**﴿۸۰﴾ بِهٰذَا فَتُؤْمِنُوْنَ **وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ** بِاللّٰهِ وَهِيَ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ **وَلَا تَخَافُوْنَ** اَنْتُمْ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى **اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ** فِي الْعِبَادَةِ **مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ** بِعِبَادَتِهٖ **عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا** حُجَّةً وَبُرْهَانًا وَهُوَالْقَادِرُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ **فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ** اَنَحْنُ اَمْ اَنْتُمْ **اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ**﴿۸۱﴾ مِنَ الْاَحَقُّ بِهٖ اَيْ وَهُوَ نَحْنُ فَاتَّبِعُوْهُ قَالَ تَعَالٰى **اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا** يَخْلِطُوْا **اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ** اَيْ شِرْكٍ كَمَا فُسِّرَ بِذٰلِكَ فِي حَدِيْثِ الصَّحِيْحَيْنِ **اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ** مِنَ الْعَذَابِ **وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ**﴿۸۲﴾

ترجمہ:............ان سے پوچھئے! کیا ہم پکاریں (پوجا کریں) اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کہ جو نہ ہمیں نفع پہنچا سکیں (اپنی پرستش کے لحاظ سے) اور نہ نقصان پہنچا سکیں (بندگی چھوڑ دینے کی وجہ سے۔ اس سے مراد بت ہیں) اور اہم الٹے پاؤں پھر جائیں (شرکیہ عقائد کی طرف لوٹ جائیں) باوجودیکہ اللہ ہمیں سیدھی راہ (اسلام کی طرف) دکھلا چکے ہیں اور ہماری مثال اس آدمی کی سی ہو جائے جسے شیطانوں نے بیابان میں گمراہ کر دیا ہو (بھٹک رہا ہو) حیران پھر رہا ہے (ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے یہی پتہ نہیں چلتا کہ کہاں جائے یہ لفظ استہوتہ کی ضمیر سے حال واقع ہے) اس کے ساتھی (ہمراہی) ہیں جو اسی راہ کی طرف بلا رہے ہیں (یعنی یہ کہتے ہوئے اس کی رہنمائی کر رہے ہیں کہ) ادھر آ جاؤ (اور وہ ان کو جواب نہیں دیتا۔ پس اس طرح وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ استفہام انکاری ہے اور

رجملہ تشبیہی حال ہے ضمیر رد سے) کہہ دیجئے کہ اللہ کی ہدایت (یعنی اسلام) وہی ہدایت ہے (اس کے علاوہ گمراہی ہے) اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ سر اطاعت جھکا دیں (پورے طور پر مطیع ہو جائیں) پروردگار عالم کے آگے۔ نیز یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ (ان بمعنی بان ہے) نماز قائم کرو اور ڈرتے رہو (اللہ تعالیٰ سے) اور ان ہی کی طرف تم سب اکٹھے لے جاؤ گے (قیامت کے روز حساب کے لئے جمع کئے جاؤ گے) اور وہی ہیں جنہوں نے آسمانوں کو اور زمین کو حقیقت کے ساتھ (یعنی حق کے طور پر) پیدا کیا (جو نفس الامری سچائی ہے لامحالہ واقع کے مطابق ہے) اور (یاد کرو) جس دن وہ کہہ دیں (کسی چیز کے متعلق) ہو جا تو وہ چیز ہو جائے (قیامت کا دن مراد ہے۔ جب حق تعالیٰ تمام مخلوق سے فرمائیں گے کہ کھڑے ہو جاؤ تو وہ کھڑے ہو جائیں گے۔ ان کا قول حق ہے (سچ ہے جو لامحالہ پورا ہو کر رہتا ہے) اور ان ہی کی بادشاہی ہوگی جس روز صور پھونکا جائے گا (صور سے مراد قرن اور سینگ ہے) اسرافیل علیہ السلام کا دوسری مرتبہ صور پھونکنا مراد ہے۔ اس وقت اللہ کے سوا کسی کی سلطنت نہیں ہوگی اور کون ہے جس کی حکومت اس روز ہو؟ بجز اللہ کے؟) وہ غیب وشہادت (جو کچھ غیر محسوس اور محسوس ہو اس کے) جاننے والے ہیں اور وہ بڑی حکمت والے ہیں (اپنی مخلوق میں) اور پوری خبر رکھنے والے ہیں (ظاہر کی طرح باطن کا حال جاننے والے ہیں) اور (یاد کیجئے) جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا (یہ اس کا لقب تھا اور نام تارخ تھا) کیا تم بتوں کو معبود مانتے ہو؟ (جن کی تم پوجا پاٹ کرتے ہو۔ یہ استفہام توبیخی ہے) میرے نزدیک تو تم اور تمہاری قوم (یہ کارروائی کر کے) واضح (کھلی) گمراہی میں (حق سے ہٹ کر) پڑ چکے ہیں اور اسی طرح (جیسا کہ ہم نے ابراہیمؑ کو ان کے باپ اور قوم کی گمراہی کو کھول کر دکھلا دی) ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمان اور زمین کی بادشاہتوں (ملک) کے جلوے دکھا دیئے (تاکہ اس سے وہ ہماری وحدانیت پر استدلال کر سکیں) اور تاکہ وہ یقین رکھنے والوں میں سے ہو جائیں (کــــذالک اور اس کے بعد کی عبارت جملہ معترضہ ہے اور قال پر معطوف ہے) پھر جب ان پر رات کی اندھیری چھا گئی (پھیل گئی) تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا (بعض کے نزدیک وہ ستارہ زہرہ تھا) کہنے لگے (اپنی نجومی قوم سے) یہ میرا پروردگار ہے (بقول تمہارے) لیکن جب وہ ڈوب گیا (چھپ گیا) تو کہنے لگے کہ میں ڈوبنے والے کو پسند نہیں کرتا (ان کو رب بنانا۔ کیونکہ پروردگار ردّ و بدل اور تبدیلی کو قبول نہیں کیا کرتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں اس تقریر سے ان کے جو نک نہیں لگی) پھر جب چاند چمکتا ہوا نکلا (طلوع ہوا) تو کہنے لگے (ان سے) یہ میرا پروردگار ہے۔ لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہنا پڑا کہ اگر میرے پروردگار نے مجھے راہ نہ دکھلا دی ہوتی (مجھے ہدایت پر نہ جما دیا ہوتا) تو میں ضرور سیدھی راہ سے بھٹکنے والے گروہ میں سے ہوتا۔ (یہ اپنی قوم پر تعریض ہوئی کہ وہ لوگ گمراہ ہیں لیکن اس سے بھی ان کو کچھ نفع نہ ہوا) پھر جب سورج دمکتا ہوا طلوع ہوا تو ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے کہ یہ (لفظ ھذا کو مذکر لانا خبر کے مذکر ہونے کی وجہ سے ہے) میرا پروردگار ہے یہ سب سے بڑا ہے (ستاروں اور چاند میں) لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا (اور ان کے برخلاف دلیل مضبوط ہو گئی اور پھر بھی وہ باز نہ آئے) تو کہنے لگے کہ اے میری قوم! میں اس سے بیزار ہوں جو کچھ تم شریک ٹھہراتے ہو (اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ بت ہوں یا دوسرے نو پیدا اجسام۔ جو اپنے پیدا کرنے والے کے محتاج ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھنے لگے کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو؟ فرمایا کہ) میں نے صرف اس ہستی کی طرف اپنا رخ کر لیا ہے (مقصد عبادت بنا لیا ہے) جو آسمانوں اور زمین کی بنانے والی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ) ہر طرف سے منہ موڑ کر (دین مستقیم کی طرف جھکتے ہوئے) اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو (ان کے ساتھ) شریک ٹھہراتے ہیں اور پھر ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ان کی قوم نے ردوکد کی (ان کے مذہب کے بارے میں کٹ حجتی کرنے لگے اور بتوں کے متعلق ڈرانا چمکانا شروع کر دیا کہ کہیں ان کو چھوڑنے سے تم پر وبال نہ آ جائے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ تم مجھ سے ردوکد کرتے ہو (یہ لفظ قرآن کی تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے۔ ایک نون حذف کرتے ہوئے۔ نحویین کے نزدیک تو نون رفع محذوف

ہوگا اور قراء کے نزدیک نون وقایہ حذف ہوگا۔ یعنی کیا تم مجھ سے حجت بازی کرتے ہو؟) اللہ (کی وحدانیت) کے بارے میں حالانکہ انہوں نے (اللہ تعالیٰ کی طرف) مجھ کو راہ دکھادی ہے اور جن چیزوں کو تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا (یعنی بتوں سے کہ کہیں مجھے کوئی گزند نہ پہنچادیں، کیونکہ انہیں کسی چیز پر قدرت حاصل نہیں ہے ہاں (لیکن) اگر میرے پروردگار ہی کوئی بات چاہنے لگیں (ناگوار چیز کہ وہ مجھے لگ جائے تو وہ ضرور لگ جائے گی) میرے پروردگار اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں (یعنی ان کا علم ہر چیز پر حاوی ہے) پھر کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے (ان باتوں سے کہ ایمان لے آؤ) اور میں ان ہستیوں سے کیوں ڈروں جنہیں تم نے (اللہ کا) شریک ٹھہرالیا ہے (حالانکہ وہ نقصان اور نفع نہیں پہنچاسکتیں) جبکہ تم (اللہ تعالیٰ سے) نہیں ڈرتے ہو کہ تم اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراؤ (اس کی عبادت کرنے میں) کہ نہیں اس کی (بندگی کی!) تم پر کوئی سند (دلیل اور حجت۔ حالانکہ وہ ہر چیز پر قادر ہیں) بتلاؤ! ہم دونوں میں سے کس فریق کی راہ امن کی راہ ہوئی (ہماری یا تمہاری) اگر تم علم رکھتے ہو (کہ کون امن کا زیادہ حق دار ہے۔ یعنی مستحق امن ہم ہیں۔ لہٰذا تمہیں اس کا اتباع کرنا چاہئے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) جو لوگ ایمان لے آئے اور اپنے ایمان کو آلودہ (مخلوط) نہیں کیا ظلم سے (حدیث صحیحین میں اس کی تفسیر شرک کے ساتھ کی گئی ہے) تو ان ہی کے لئے امن ہے (عذاب سے) اور یہی ٹھیک راستہ پر ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **کالذی۔** مفعول مطلق ہے **نرد** کا ای **رد اکرد الذی. استهوته** ۔ ہوئی یہودی سے استفعال ہے بمعنی ذہب۔ اصل میں اوپر سے نیچے اترنے کے معنی ہیں۔ **استهوته** کی ضمیر سے لفظ **حیران** حال واقع ہورہا ہے۔

امرنا لنسلم۔ کسائی اور فراء لام کو حرف مصدری بمعنی **ان** مانتے ہیں **اردت** اور **امرت** کے بعد **وان اقیموا.** ان کا عطف **لنسلم** پر بھی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ سیبویہ نے اوپر **ان** مصدریہ کے داخل ہونے کی تصریح کی ہے اور **لنسلم** کے محل پر بھی اس کا عطف ہوسکتا ہے۔ **ای امرنا ان لنسلم وان اقیموا۔**

قوله الحق ۔ یہ مبتداء ہے اور **یوم یقول** خبر مقدم ہے۔ جیسے **یوم الجمعة قولک الصدق ای قولک الصدق کائن یوم الجمعة۔** تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ **الحق واقع یوم یقول کن فیکون۔**

یوم ینفخ. اس میں چار صورتیں ہوسکتی ہیں۔ **قوله الحق** کی یہ خبر بھی ہوسکتا ہے۔ **یوم یقول** سے بدل بھی ہوسکتا ہے۔ **تحشرون** کا ظرف بھی ہوسکتا ہے **له الملک** کی وجہ سے منصوب بھی ہوسکتا ہے۔ **ای له الملک فی ذلک الیوم** صور اسرافیل کے متعلق ایک جماعت کی رائے تو یہ ہے کہ یہ لفظ **یمنی** لغت ہے۔ سینگ جس میں پھونک ماری جائے اور مجاہدؒ کہتے ہیں کہ بوق اور بگل کی طرح کا ایک سینگ ہوتا ہے۔ پہلی پھونک پر سارا عالم فناء ہوجائے گا اور دوسری پھونک پر دوبارہ زندگی مل جائے گی۔

اذقال. اس کا عطف **قل اندعوا** پر ہے نہ کہ **اجتمعوا** پر۔ کیونکہ معنی غلط ہوجائیں گی۔ **تارح** ۔ بقول قاموس یہ لفظ تارح ہے یا تارہ یا تارخ۔ بخاریؒ تاریخ کبیر میں کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ بن آذر ہیں اور تورات میں آذر کو تارخ کہا گیا ہے۔ تو گویا یہ دونوں نام ایک ہی شخص کے ہوئے۔ جیسے یعقوب واسرائیل۔ ایک ہی شخص کے دونام ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک نام ہو اور ایک لقب۔ نیز تارخ ابراہیم کے باپ کا اور آذران کے چچا کا نام ہو یہ بھی ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ جلال مفسرؒ نے ایک رسالہ میں اس کو اختیار کیا ہے۔ بہرحال حق تعالیٰ نے آذر نام بتلایا ہے۔ وہی صحیح ہے اگرچہ نساب اور اہل تاریخ تارخ نام بتلاتے ہیں اور اس بارے میں ان کا اجماع ضعیف ہوگا، کیونکہ وہ انسانی آراء کا مجموعہ ہے اور وہ بھی یہود ونصاریٰ کی اسرائیلیات کا۔ پس نصوص قرآنی کے مقابلہ میں اس کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے۔

اصناماً الھۃ. اس سے اثبات الوہیت اور ھذا ربی میں ان کے عقیدہ کے بموجب اثبات ربوبیت مقصود ہوا۔

ملکوت. ملک اعظم کے معنی ہیں۔ اس میں تاء مبالغہ کے لئے ہے۔ ابن عباسؓ کے نزدیک تو آسمان وزمین کی تخلیق کا دکھلانا مراد ہے اور مجاہدؒ سعید بن جبیرؒ کی رائے پر ابراہیم علیہ السلام کو آسمان، عرش، کرسی اور عجائبات علوی اور سفلی سب دکھلائے گئے ہیں۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ یہاں حسی رویت مراد نہیں بلکہ عقلی بصیرت مراد ہے۔ چنانچہ ملکوت کے معنی قدرت کے ہیں اور یہ آنکھوں سے نظر نہیں آتی۔ نیز اسی قسم کے الفاظ ایک موقعہ پر امت محمدیہ (ﷺ) کے متعلق بھی فرمائے گئے ہیں۔ سنریھم ایتنا فی فاق اور ظاہر ہے کہ یہاں رویت بصریہ مراد نہیں ہے بلکہ بصیرت مراد ہے۔

فلماجن. اس کا عطف قال ابراھیم پر ہے اور وکذلك نری الخ جملہ معترضہ ہے۔ کوکباً. اس سے مراد زہرہ، مشتری، چاند، سورج ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ بت پرست ہونے کے ساتھ یہ لوگ ستارہ پرست اور نجومی بھی تھے۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس موقع پر ابطال مناسب سمجھا اور ان کے مذعوم کے لحاظ سے گفتگو کی یا بطور استہزاء یہ بات بیان کی۔ حقیقت مقصود نہیں ہے لم یھدنی انبیاء کو چونکہ ہدایت حاصل ہوتی ہے اس لئے جلال محققؒ نے ثبات اور دوام ہدایت پر اس کو محمول کیا ہے ھذا اس کو ربی خبر مذکر کی وجہ سے مذکر لایا گیا ہے اور اس کے مرجع شمس کی رعایت نہیں کی گئی۔

ھذا اکبر ۔ یہ ایک بہت بڑا سیارہ ہے۔ چنانچہ بقول امام غزالیؒ سورج کا حجم ایک سو بیس سال کی مسافت کے برابر ہے۔

وجھی للذی اس میں لام صلہ کا ہے۔ ای توجھت نحول و الیل وحاجۃ آذر بت سازی کیا کرتا تھا اور بت بنا کر فروخت کرنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیا کرتا۔ ان کے بچپن کا زمانہ تھا۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ آوازیں لگایا کرتے تھے کہ بے نفع اور بے ضرر چیز کون خریدتا ہے۔ یہ سن کر لوگوں نے خریدنا چھوڑ دیا۔ ایک رات اس بت کو نہر کے کنارے لے جا کر اس کا منہ پانی سے لگا دیا اور کہنے لگے کہ "لے پانی پی۔" غرضیکہ اس قسم کی استہزائی حرکتیں لوگوں کے کانوں تک پہنچیں اور لوگ چوکنے ہو گئے اور پھر یہیں سے باہمی آویزش شروع ہو گئی۔ اتحاجونی. اول نون رفع ...... کا ادغام نون وقایہ ثانیہ میں ہے، دوسری صورت تخفیف کی ہے۔ ایک کلمہ میں تشدید سے بچنے کے لئے۔ اس صورت میں قراء کے نزدیک نون وقایہ محذوف ہوگا نہ کہ نون رفع۔ کیونکہ وہ علامت رفع ہے اور بغیر جازم وناصب کے افعال سے رفع کا حذف کرنا جائز نہیں ہے۔ اہل مدینہ اور ابن عامر تخفیف نون کے ساتھ اور اکثر قراء تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

مالم ینزل. ماصولہ ہے یا موصوفہ ہے اور اشرکتم کا مفعول ثانی الذین امنوا ۔ بقول علماء یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقولہ ہے یا ان کی قوم کا یا حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ پہلی دونوں صورتوں میں گویا یہ ای الفریقین کا جواب ہے جو قوم پر حجت ہے اور ان دونوں صورتوں میں یہ محذوف کی جز ہوگی اور تیسری صورت میں الذین مبتداء اول اولئک مبتداء ثانی اور امن۔ مبتداء ثالث۔ لھم ۔ اس کی خبر ہی اور پھر یہ جملہ خبر ہے اولئک کی اور یہ جملہ مل کر پھر اول مبتداء کی خبر ہے۔

حدیث الصحیحین ۔ ابو مسعودؓ کی راویت ہے کہ یہ آیت مسلمانوں پر بڑی شاق معلوم ہوئی اور آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں عرض کیا "اینالم یظلم نفسہ" آپ (ﷺ) نے فرمایا اس سے مراد صرف شرک ہے۔ "ان الشرک لظلم عظیم"

ربط آیات: .... گذشتہ آیات کی طرح آیت قل اندعوا میں بھی توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال کیا جا رہا ہے اور اسی کے ذیل میں بعث کا بیان ہے اور پھر آگے آیت واذ قال ابراھیم الخ سے اسی کی تائید میں پچھلا ایک تاریخ واقعہ ذکر کیا گیا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جد اعلیٰ ہونے کے ناطے سے تمام عرب قوموں پر حجت ہے۔

شان نزول: .... ابن جریرؒ وغیرہ کی روایت ہے کہ مشرکین نے مسلمانوں سے درخواست کی کہ تم دین محمد ترک کر کے ہماری پیروی کرلو۔ اس پر آیت قل اندعوا الخ نازل ہوئی اور آیت الذین الخ جب نازل ہوئی تو صحابہؓ نے عرض کیا "اینا لم یظلم نفسه" مگر آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ ظلم سے مراد شرک ہے۔ پس شبہ صاف ہو گیا۔

﴿ تشریح ﴾: .... آیت کالذی الخ سے جو شیاطین و جنات کے تصرفات بطور تمثیل ذکر کئے گئے ہیں یہ اپنے حقیقی معنی پر ہیں۔ اس لئے آیت میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔

قوم ابراہیم اور کلدانیوں کا مذہبی حال: .... قوم ابراہیمؑ کے جو حالات قرآن کریم میں بیان ہوئے ان سے ان کا بت پرست اور کواکب پرست ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ کہ وہ نجوم کی تاثیرات ذاتی کے قائل تھے۔ چنانچہ آیات میں الوہیت اصنام کی تردید کے ساتھ ستاروں کی ربوبیت اور ذاتی تصرفات کا انکار بھی کیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بچپن ہی سے توحید کے اگر چہ محقق عارف تھے لیکن اس قسم کے مناظرہ کا اتفاق نہیں ہوا ہوگا۔ نبوت سے پہلے از خود یا نبوت کے بعد الہام و وحی کے ذریعہ توحید کے سلسلہ میں مناظرہ فرمایا۔ باقی یہ لوگ خدا کے قائل تھے۔ جیسا کہ لااخاف ماتشرکون اور فطر السموات والارض کے ظاہری مفہوم سے اور ان آیات مناظرہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وجود باری کی تقدیر پر گفتگو ہو رہی ہے یا خدا کے منکر اور دہریئے تھے۔ جیسا کہ حاج ابراھیم فی ربه میں نمرود کی طرز گفتگو سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کا منکر تھا۔ بہر حال گنجائش دونوں احتمال کی ہے۔ اگر چہ نمرود کے اس انکار کو تمردوعناد پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے اور واقعہ میں وہ خالق کا قائل بھی ہو۔

حضرت ابراہیم کی ابتدائی اٹھان: .... بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ظہور ایک ایسے عہد اور ملک میں ہوا جہاں بابل اور نینویٰ کی عظیم الشان قومیں اجرام سماویہ کی پرستش میں مبتلا تھیں اور شہر میں زہرہ، چاند، سورج کے نام کے مندر تھے جہاں صبح و شام پرستاری کے لئے لوگ جمع ہوا کرتے تھے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب سلیم پر خدا پرستی کی صداقت کھول دی گئی تھی اور خدا نے ان پر اپنی بادشاہت اور کارفرمائی کے جلوے کچھ اس طرح روشن کر دیئے تھے کہ جہل وغفلت کا کوئی پردہ بھی ان کی معرفت میں حائل نہ ہو سکا۔ جب ان پر حقیقت کھولی گئی تو علم وبصیرت کی کون سی حجت تھی جس نے ان کی رہنمائی کی؟ قرآن کریم نہایت عجیب وغریب پیرایہ بلاغت میں اس کا مرقعہ ہمارے سامنے کھینچ رہا ہے۔

کہ ایک شام میں زہرہ جب اپنی درخشانیوں کے ساتھ پردۂ شب سے جھانکنے لگی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کا عقیدہ نقل کرتے ہوئے بولے کہ یہ چمکتا ہوا ستارہ میرا پروردگار ہے۔ کیونکہ اسی کی مورتی کی پوجا کی جاتی ہے۔ لیکن جب کچھ دیر بعد وہ غروب ہو گیا تو کہنے لگے کہ ڈوب جانے والی اور چھپ جانے والی ہستیوں کا میں پرستار نہیں ہوں۔ پھر پردۂ ظلمت چاک ہوا اور چمکتا ہوا چاند نکل آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام بولے یہ پروردگار ہوگا۔ لیکن وہ بھی نہ ٹک سکا اور غروب ہو گیا۔

جب صبح ہوئی اور آفتاب جہاں تاب درخشاں ہوا تو کہنے لگے کہ یہ سب سے بڑا ہے کہ اس سے بڑھ کر اجرام سماویہ میں کوئی دکھائی نہیں پڑتا، لیکن یہ دیکھو یہ بھی تو کسی کے حکم کے آگے جھکا ہوا ہے۔ اس کی روش کو بھی قرار نہیں۔ پہلے بڑھی پھر ڈھلی، پھر رفتہ رفتہ چھپ گئی۔

حضرت خلیلؑ کا اثر انگیز وعظ: .... بالآخر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا ان میں سے کوئی بھی پروردگار نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ سب زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ ہم مختار نہیں مجبور ہیں، حاکم نہیں محکوم ہیں۔ ایک بالاتر ہستی ہے جس نے ہمیں اپنے حکموں اور ضابطوں کے آگے جھکا رکھا ہے۔ بس ان سب سے جو بالا اور ان سب کا جو بنانے والا ہے صرف اسی کا ہوں، میری راہ شرک کرنے والوں کی راہ نہیں ہے۔

لیکن جب ان کی قوم نے ردّ وکد کی تو انہوں نے کہا کہ مجھے اپنے معبودان باطل سے نہ ڈراؤ، دیکھو ہم دو فریق ہیں۔ ایک میں ہوں کہ انہیں نہیں مانتا۔ جن کے ماننے کے لئے کوئی دلیل اور روشنی موجود نہیں اور ایک تم ہو کہ ان سب کی پرستاری کرتے ہو۔ جن کی پرستاری کے لئے کوئی دلیل وروشنی موجود نہیں۔ بتلاؤ دونوں میں سے کس کی راہ امن کی راہ ہوسکتی ہے؟

اللہ کی پرستش کے لئے علم وبصیرت کی شہادت موجود ہو اور اس کی بنیاد صرف علم وحقیقت ہی ہو نہ کہ رسم وتقلید۔ یہ وہ "حجۃ اللہ البالغہ" ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب مبارک پر کھول دی گئی تھی اور یہی بنیادی صداقت ہے جس سے خدا پرستی کی تمام روشنیاں ظہور میں آئیں۔ (ترجمان)

ایک نکتہ نادرہ: .... یہ تینوں واقعے ایک ہی شب کے نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ کسی ستارہ کے غروب ہوجانے کے بعد ماہتاب اپنے افق سے طلوع ہوکر آفتاب طلوع ہونے سے پہلے غروب ہوجائے یہ نہیں ہوسکتا۔ پس یہ تینوں باتیں یا الگ الگ راتوں میں پیش آئی ہوں گی یا کم از کم دورات میں ہوئی ہوں گی۔ پس دونوں جگہ فلما کی فاء تعقیب واقترانِ عرفی کے لئے ہوگی نہ کہ تعقیب حقیقی کے لئے اور ان ستاروں کی جسمیت اور ان کے طلوع اور تغیر سے بھی۔ اگرچہ ان کی ربوبیت کے ابطال پر استدلال ہوسکتا تھا مگر عوام کی رعایت سے اوضح دلیل یعنی غروب سے استدلال مناسب سمجھا گیا ہے کیونکہ غروب کی حالت کا تمام حالتوں میں موجب نقص ہونا بالکل واضح ہے۔

ایک نکتہ لطیف: .... اور ان ستاروں کا حجاب میں آنا چونکہ ان کے تغیر کی وجہ سے ہوتا ہے اس لئے ابطال الوہیت کے لئے یہ استدلال مفید ہوا۔ مگر حق تعالیٰ کی تجلی کے بعد جو حجاب ہوتا ہے وہ چونکہ تغیر کی وجہ سے نہیں ہوتا، اس لئے اس سے حق تعالیٰ کی الوہیت کا ابطال نہیں ہوسکتا۔

الا ان یشاء الخ سے تقدیری حوادث کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مستثنیٰ کردیا۔ تاکہ جہال کو شبہ کا موقعہ نہ مل جائے کیونکہ انسان پر آخر حوادث آتے ہی رہتے ہیں۔ اس لئے پیش بندی فرمادی کہ اس سے استدلال فاسد ہے کیونکہ منجانب اللہ ہیں۔ پس یہ استثناء منقطع بمعنی لکن ہے۔

اہل سنت کی طرف سے معتزلہ کے استدلال کا جواب: .... الذین اٰمنوا الخ سے معتزلہ کا استدلال صحیح نہیں ہے کہ "چونکہ ظلم بمعنی شرک کا اجتماع ایمان کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ظلم بمعنی معصیت لیا جائے۔" کیونکہ معتزلہ کے نقطہ نظر سے تو گناہ ومعصیت بھی کفر وشرک کی طرح نقیض ایمان ہے اور شرک کی طرح گناہ کبیرہ کا مرتکب بھی مومن نہیں ہے۔ اگرچہ معتزلہ جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایمان سے مراد صرف نفس تصدیق ہے۔ تاہم اہل سنت کی طرف سے جواب یہ ہے کہ لغوی ایمان شرک کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ آیت وما یؤمن اکثرھم باللّٰہ الا وھم مشرکون میں ہے اس لئے بناء استدلال ہی منہدم ہوگئی اور یہ تفسیر صحیحین کی مرفوع روایت سے ثابت ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ لیس کے معنی جمع کے نہ لئے جائیں کہ معتزلہ کی طرف سے

جمع بین الضدین کا اشکال متوجہ ہو بلکہ کفر کی وجہ سے ایمان کا مغلوب و مضمحل ہونا مراد ہو۔

لطائف آیات: .... آیت ونـــرد الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح وہ شخص بھی مبتلائے حیرت ہو جاتا ہے جو پہلے تو طریقت میں داخل ہوا اور پھر خارج ہو جائے اور یہ حیرت مذموم کہلاتی ہے۔

اور آیت واذ قال ابراھیم الخ سے معلوم ہوا کہ حق میں مشغول ہونے اور اہل باطل سے مناظرہ کرنے میں بشرطیکہ حدود سے تجاوز نہ ہو کوئی منافات نہیں ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض مواقع پر نرمی کے مقابلہ میں گرمی اور خشونت کو ترجیح ہوتی ہے۔ آیت فلما جن الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ نصیحت وارشاد میں مخاطب کے حال اور مصلحت کی رعایت مناسب ہے۔ جیسا کہ مصلحین اور مشائخ حکماء کی شان ہے۔

آیت ولا اخاف ماتشر کون الخ میں صرف لااخاف پر اکتفاء کرنے کی صورت میں جو دعوے کا ابہام ہوتا تھا الا ان یشآء سے ان کو دفع کر دیا۔ پس صورۃً دعویٰ کرنے سے بھی احتیاط رکھنی چاہئے اور آیت فای الفریقین الخ سے معلوم ہوا کہ مخالفین کو شفقت سے نصیحت کرنے کا مؤثر طریقہ یہ ہے کہ طریقہ تعبیر ایسا اختیار کرنا چاہئے جو اس کو انصاف کی طرف مائل کر دے۔ جیسا کہ یہاں احق بالامن متعین ہونے کے باوجود ابہام اور استفہام میں مخاطب کو وحشت نہیں ہوگی۔

وَتِلْكَ مُبْتَدَأٌ وَيُبْدَلُ مِنْهُ **حُجَّتُنَآ** الَّتِيْ احْتَجَّ بِهَا اِبْرٰهِيْمُ عَلٰى وَحْدَانِيَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ اُفُوْلِ الْكَوْكَبِ وَمَا بَعْدَهٗ وَالْخَبَرُ **اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ** اَرْشَدْنَاهُ لَهَا حُجَّةً **عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ** بِالْاِضَافَةِ وَالتَّنْوِيْنِ فِي الْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ **اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ** فِيْ صُنْعِهٖ **عَلِيْمٌ** ﴿۸۳﴾ بِخَلْقِهٖ **وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ** اِبْنَهٗ **كُلًّا** مِنْهُمَا **هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ** اَيْ قَبْلَ اِبْرَاهِيْمَ **وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ** اَيْ نُوْحٍ **دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ** اِبْنَهٗ **وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ** اِبْنَ يَعْقُوْبَ **وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ** كَمَا جَزَيْنٰهُمْ **نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ** ﴿۸۴﴾ **وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى** اِبْنَهٗ **وَعِيْسٰى** ابْنَ مَرْيَمَ يُفِيْدُ اَنَّ الذُّرِّيَّةَ يَتَنَاوَلُ اَوْلَادَ الْبِنْتِ **وَاِلْيَاسَ** ابْنَ اَخِيْ هَارُوْنَ اَخِيْ مُوْسٰى **كُلٌّ** مِنْهُمْ **مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ** ﴿۸۵﴾ **وَاِسْمٰعِيْلَ** ابْنَ اِبْرَاهِيْمَ **وَالْيَسَعَ** اَللَّامُ زَائِدَةٌ **وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا** اِبْنَ هَارُوْنَ اَخِيْ اِبْرَاهِيْمَ **وَكُلًّا** مِنْهُمْ **فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۸۶﴾ بِالنُّبُوَّةِ **وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ** عَطْفٌ عَلٰى كُلًّا اَوْ نُوْحًا وَمِنْ لِلتَّبْعِيْضِ لِاَنَّ بَعْضَهُمْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ وَلَدٌ وَبَعْضُهُمْ كَانَ فِيْ وُلْدِهٖ كَافِرٌ **وَاجْتَبَيْنٰهُمْ** اخْتَرْنَاهُمْ **وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ** ﴿۸۷﴾ **ذٰلِكَ** الدِّيْنُ الَّذِيْ هُدُوْا اِلَيْهِ **هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَلَوْ اَشْرَكُوْا** فَرْضًا **لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۸۸﴾ **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ** بِمَعْنَى الْكُتُبِ **وَالْحُكْمَ** الْحِكْمَةَ **وَالنُّبُوَّةَ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا** اَيْ بِهٰذِهِ الثَّلٰثَةِ **هٰٓؤُلَآءِ** اَيْ اَهْلُ مَكَّةَ **فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا** اَرْصَدْنَا لَهَا **قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ** ﴿۸۹﴾ هُمُ الْمُهَاجِرُوْنَ

وَالْاَنصَارُ **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى** هُمُ **اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ** طَرِيقِهِمْ مِنَ التَّوحِيدِ وَالصَّبْرِ **اقْتَدِهْ** بِهَاءِ السَّكْتِ وَقْفًا وَصْلًا وَفِي قِرَاءَةٍ بِحَذْفِهَا وَصْلًا **قُلْ** لِاَهْلِ مَكَّةَ **لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ** اَيِ الْقُرْاٰنِ **اَجْرًا** تُعْطُوْنِيْهِ **اِنْ هُوَ** مَاالْقُرْاٰنُ **اِلَّا ذِكْرٰى** عِظَةٌ **لِلْعٰلَمِيْنَ** ﴿۹۰﴾ اَلْاِنْسِ وَالْجِنِّ

ترجمہ: ....اور یہ (مبتداء ہے اور اگلا لفظ اس سے بدل ہے) ہماری حجت ہے (جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پرستاروں کے غروب سے استدلال کیا ہے اور اس کی خبر آگے ہے) جو ہم نے ابراہیمؑ کو دی (اس دلیل کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی ہے) ان کی قوم کے مقابلہ میں ہم جس کے، چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں (لفظ درجات اضافت کے ساتھ بھی ہے اور تنوین کے ساتھ بھی اور مراد درجات علم وحکمت ہیں) اور یقیناً آپ (ﷺ) کے پروردگار بڑے حکمت والے ہیں (اپنی کارگزاری میں) اور بڑے علم رکھنے والے ہیں (اپنی مخلوق کا) اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحٰقؑ اور یعقوبؑ (ان کے صاحبزادے) دیئے ہیں۔ ہم نے (ان دونوں کو) سیدھی راہ دکھلائی اور (ابراہیمؑ سے) پہلے نوحؑ کو ہم راہ دکھا چکے ہیں اور ان کی (نوحؑ کی) نسل سے داؤدؑ اور (ان کے صاحبزادے) سلیمانؑ اور ایوبؑ اور یوسفؑ (صاحبزادہ یعقوب اور موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھی) نیز اسی طرح (جس طرح ہم نے ان کو بدلہ دیا ہے) نیک کرداروں کا بدلہ دیا کرتے ہیں اور زکریاؑ (اور ان کے صاحبزادہ) یحییٰؑ، عیسیٰؑ (ابن مریمؑ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذریۃ کا لفظ دختری اولاد کو بھی شامل ہوتا ہے) اور الیاسؑ کو (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام کے بھتیجا ہیں) کہ (ان میں سے) سب نیک تھے اور نیز اسماعیلؑ (صاحبزادہ ابراہیمؑ) الیسعؑ (اس میں الف لام زائد ہے) یونسؑ اور لوطؑ (حضرت ابراہیمؑ کے بھائی ہارون کے بیٹے) کہ ہر ایک کو (ان میں سے) ہم نے دنیاوالوں پر برتری دی تھی (نبوت کی بدولت) اور ان کے آباؤ اجداد اور ان کی نسل اور ان کے بھائی بندوں میں سے بھی کتنوں ہی کو (اس کا عطف کلا پر یا نوحا پر ہے اور من تبعیض کے لئے ہے۔ کیونکہ ان میں سے بعض لاولد ہوئے اور بعض کی اولاد کافر ہوئی ہے) ان سب کو ہم نے برگزیدہ کیا (چن لیا) تھا اور ان کو ہم نے راہ راست کی ہدایت کی تھی یہ (دین جس کی طرف ان سب کی رہنمائی فرمائی گئی ہے) اللہ کی ہدایت ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں اس کی روشنی دکھلا دیں اور اگر یہ لوگ (بالفرض) شرک کرتے تو ان کا سارا کیا دھرا اکارت ہو جاتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب (کتابیں) دی اور حکمت (دانش) اور نبوت عطا فرمائی۔ پھر اگر انکار کرتے ہیں ان (تینوں نعمتوں) سے یہ لوگ (مکہ والے) تو ہم نے حوالہ کر دی (اس کے لئے تیار کر دی ہے ہم نے) ایسی قوم جو سچائی سے انکار کرنے والی نہیں ہے (یعنی مہاجرینؓ وانصارؓ) یہ وہ لوگ ہیں (جنہیں) اللہ نے راہ حق دکھادی۔ پس تم بھی ان ہی کی راہ (طریقہ توحید وصبر) کی پیروی کرو (وصل اور وقف کی حالت میں ہائے سکتہ کے ساتھ ہے اور ایک قرأت میں وصل کی حالت میں حذف ہا کے ساتھ ہے) آپ (ﷺ) کہہ دیجئے (مکہ والوں سے) کہ میں نہیں مانگتا اس (قرآن) پر کوئی معاوضہ (کہ تم دنیا چاہو) یہ (قرآن) اس کے سوا کچھ نہیں کہ نصیحت (وعظ) ہے تمام دنیائے (انس وجن) کے لئے۔

تحقیق وترکیب: ....اتیناھا۔ یہ حال ہے یا صفت ہے حجتنا خبر کی۔ علیٰ قومہ متعلق ہی اتینا کے معنی غلبہ کے متضمن ہونے کی وجہ سے درجات تمیز ہے یا مفعول مطلق ہے یا ظرف ہے اور من نشاء کا مفعول محذوف ہے ای من نشاء رفعہ اور درجات اضافت کے ساتھ اگر ہے تو درجات مفعول بہ ہوگا اور تنوین کے ساتھ ہے تو من نشاء مفعول بہ اور درجات مفعول فیہ

ہوجائے گا۔ ای نرفع من نشاء رفعۃ فی درجات۔ ووھبنا کا عطف وتلک پر ہے اور اسمیت وفعلیت کا فرق عطف کے لئے نافع ہوگا۔

ان ربك بہ نرفع درجات کی دلیل ہے کلاھدینا چونکہ حضرت ابراہیمؑ کا ہدایت پر ہونا پہلے معلوم ہو چکا ہے۔ اس لئے اس سے مراد صرف ان کے بیٹے اور پوتے ہیں۔ من ذریتہ۔ حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں کلام ہونے کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ضمیر ان کی طرف راجع کی جائے۔ لیکن لفظ نوح کا قریب ہونا اور حضرت لوط اور یونس علیہما السلام کا ان کی اولاد میں نہ ہونا اس کا متقاضی ہے کہ ضمیر نوحؑ کی طرف راجع کی جائے۔ اگرچہ بعض نے یونسؑ کو اولاد ہی میں شمار کیا ہے اور لوط علیہ السلام سے بھی بھتیجا ہونے کے لحاظ سے تغلیباً مثل اولاد ہی کے ہیں۔ الیاس. مشہور یہ ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون کی اولاد میں ہیں جیسا کہ جمہور کی رائے ہے کہ ان کا شجرہ یہ ہے الیاس بن یاسین بن فنحاص بن العیز اربن ھارون بن عمران۔ علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب تحبیر میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ لیکن یہاں علامہ سیوطیؒ، علامی محلیؒ کی تقلید میں اس قول کو اختیار کر رہے ہیں۔ جس کو اتقان میں ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن اخی ھارون اخی موسیٰ کہنا اس بناء پر ہوگا کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے اخیافی بھائی ہوں۔ اگر ابن اخی موسیٰؑ کہا جاتا تو جمل وغیرہ کے بیان کے مطابق ہوجاتا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ الیاس سے مراد ادریس علیہ السلام ہیں جو نوحؑ کے دادا ہیں۔ اس صورت میں ان کو ماقبل سے مخصوص کرنا پڑے گا اور زکریاؑ اور اس کے مابعد کا عطف مجموعہ کلام سابق پر کرنا پڑے گا نہ کہ داؤدؑ پر۔

الیسع. یہ ابن اخطوب بن العجوز ہیں اور یونسؑ سے ابن متی مراد ہیں۔ من اٰبائھم اس میں من تبعیضیہ ہے اور ضمیریں مجموعہ کی طرف راجع ہیں۔ اسی طرح اتیناھم الکتاب میں مجموعہ محکوم علیہ ہے اس لئے اب ہر ایک باپ، بیٹا، بھائی کا صاحب کتاب ہونا لازم نہیں آتا۔ ہاں حکمت ونبوت سب میں مشترک رہے گی۔

ھدینا ھم یہ مرفوعاً ھدینا کی تفصیل ہے۔ من یشاء اس میں رد ہے معتزلہ کے اس خیال کا کہ اللہ نے ساری مخلوق کی ہدایت چاہی۔ مگر لوگ ہدایت نہیں پاتے۔ اولٰئك مذکورہ اٹھارہ پیغمبروںؑ کی طرف اشارہ ہے۔ بھا. اس کی ضمیر بطریقہ استخدام نبوت کی طرف بھی راجع ہوسکتی ہے۔ کیونکہ کلام آپ ہی کی نبوت میں ہورہا ہے۔ قوماً اس سے مراد صحابہؓ ہیں یا مذکورہ انبیاءؑ اور ان کے متبعین ہیں یا ہر مومن یا اہل عجم ہیں۔ فبھداھم اقتدہ. انبیاءؑ کی ہدایت کی تقلید ان کی طرف منسوب ہونے کی حیثیت سے نہیں ہے بلکہ اللہ کی طرف منسوب ہونے کی حیثیت سے ہے۔ البتہ اضافت موافقت کے لئے۔ اسی لئے بعض علماء نے اس آیت سے آپ کے مجموعہ کمالات اور جامع صفات ہونے پر استدلال کیا ہے:

حُسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضاداری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

جلال محقق نے من التوحید نکال کر اس شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس سے تو آنحضرت (ﷺ) کا تبع انبیاء ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ آپ (ﷺ) کا دین سب کے لئے ناسخ ہے؟ حاصل جواب یہ ہے کہ اصول دین میں اتباع مراد ہے نہ کہ فروع میں اور ناسخ ثانی لحاظ سے ہے نہ کہ اول لحاظ سے۔ ہائے سکتہ سے مراد یہ ہے کہ وقف کے وقت آرام کے لئے صرف ہالایا جائے۔ للعالمین. اس آیت سے بھی علماء نے آنحضرت (ﷺ) کا افضل الانبیاء ہونے ثابت کیا ہے۔

ربط آیات:............اثبات توحید کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر کیا تھا۔ اب پورے رکوع میں اٹھارہ پیغمبروں کا

مجملاً ذکر کر کے توحید ورسالت ہی کی تائید وتقویت کرنی ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ....حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کی نسل کی یہ تمام شخصیتیں جن کا ذکر اس رکوع میں کیا گیا ہے دین حق اور راہ توحید پر کاربند ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کتاب ونبوت کی برگزیدگی کے لئے چن لیا۔ اس لئے آنحضرت (ﷺ) کوحکم ہے کہ انہیں کے نقش قدم پر چلو۔ اللہ ایک گروہ سچے مومنوں کا پیدا کردے گا جو اس راہ کی پیروی اور حفاظت اپنے ذمہ لے لے گا اور انکار کرنے کی سچائی کا شناسا ہوگا۔ چنانچہ انصارؓ ومہاجرینؓ کا گروہ پیدا ہوا۔ جس نے اس راہ کی حفاظت اپنی ذمہ لے لی۔

لطائف آیات: ....آیت کذلک نجزی المحسنین سے معلوم ہوتا ہے کہ آباؤ اجداد کے صلاح واحسان کو اولاد کے صلاح واحسان میں داخل ہوتا ہے۔ یعنی بڑوں کے احسان کا صلہ یہ ملتا ہے کہ ان کی اولاد میں بھی صلاحیت پیدا کردی جاتی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی معارض پیش نہ آئے تو بزرگوں کی اولاد میں رشد وہدایت کی ایک خاص شان ہوتی ہے جو دوسروں میں نہیں پائی جاتی۔ آیت واجتبیناھم الخ جذب وسلوک کا مطلوب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لفظ اجتبینا سے جذب اور لفظ ھدینا سے سلوک کی طرف اشارہ ہے اور آیت ولو اشرکوا سے معلوم ہوا کہ کوئی انسان اللہ کا ایسا محبوب بالذات نہیں کہ کسی حال میں اس پر مواخذہ نہ ہو سکے۔ جیسا کہ جہلاء حضور سرور عالم (ﷺ) یا اولیائے امت کے بارے میں خیال رکھتے ہیں اور ان کو معشوق عرفی پر قیاس کرتے ہیں۔

وَمَا قَدَرُوا اَیِ الْیَهُوْدُ **اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ** اَیْ مَا عَظَّمُوْهُ حَقَّ عَظْمَتِهٖ اَوْ مَاعَرَفُوْهُ حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ **اِذْ قَالُوْا** لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ خَاصَمُوْهُ فِي الْقُرْاٰنِ **مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ** لَهُمْ **مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ فِي الْمَوَاضِعِ الثَّلٰثَةِ **قَرَاطِيْسَ** اَیْ يَكْتُبُوْنَهٗ فِيْ دَفَاتِرَ مُقَطَّعَةٍ **تُبْدُوْنَهَا** اَیْ مَا يُحِبُّوْنَ اِبْدَاءَهٗ مِنْهَا **وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ** مِمَّا فِيْهَا كَنَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَعُلِّمْتُمْ** اَيُّهَا الْيَهُوْدُ فِي الْقُرْاٰنِ **مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ** مِنَ التَّوْرٰةِ بِبَيَانِ مَاالْتَبَسَ عَلَيْكُمْ وَاخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ **قُلِ اللّٰهُ** اَنْزَلَهٗ اِنْ لَمْ يَقُوْلُوْهُ لَا جَوَابَ غَيْرِهٖ **ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ** بَاطِلِهِمْ **يَلْعَبُوْنَ** ﴿۹۱﴾ **وَهٰذَا** الْقُرْاٰنُ **كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ** قَبْلَهٗ مِنَ الْكُتُبِ **وَلِتُنْذِرَ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ عَطْفٌ عَلٰى مَعْنٰى مَاقَبْلَهٗ اَیْ اَنْزَلْنَاهُ لِلْبَرَكَةِ وَالتَّصْدِيْقِ وَلِتُنْذِرَ بِهٖ **اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ** اَیْ اَهْلَ مَكَّةَ وَسَائِرَ النَّاسِ **وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ** ﴿۹۲﴾ خَوْفًا مِنْ عِقَابِهَا **وَمَنْ** اَیْ لَا اَحَدَ **اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا** بِادِّعَاءِ النُّبُوَّةِ وَلَمْ يَكُنْ نَبِيًّا **اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ** نَزَلَتْ فِيْ مُسَيْلَمَةَ الْكَذَّابِ **وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ** وَهُمُ الْمُسْتَهْزِءُوْنَ قَالُوْا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا **وَلَوْ تَرٰٓى** يَامُحَمَّدُ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

اِذِ الظّٰلِمُوْنَ الْمَذْكُوْرُوْنَ **فِیْ غَمَرٰتِ** سَكَرَاتِ **الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ** اِلَیْهِمْ بِالضَّرْبِ وَالتَّعْذِیْبِ یَقُوْلُوْنَ لَهُمْ تَعْنِیْفًا **اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ** اِلَیْنَا لِنَقْبِضَهَا **اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ** الدَّعْوَى النُّبُوَّةِ وَالْاِیْحَاءِ كِذْبًا **وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ** ﴿۹۳﴾ تَتَكَبَّرُوْنَ عَنِ الْاِیْمَانِ بِهَا جَوَابُ لَوْ لَرَأَیْتَ اَمْرًا فَظِیْعًا وَ یُقَالُ لَهُمْ اِذَا بُعِثُوْا **لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى** مُنْفَرِدِیْنَ عَنِ الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ **كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ** اَیْ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا **وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ** اَعْطَیْنَاكُمْ مِنَ الْاَمْوَالِ **وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ** فِی الدُّنْیَا بِغَیْرِ اخْتِیَارِكُمْ وَ یُقَالُ لَهُمْ تَوْبِیْخًا **مَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ** الْاَصْنَامَ **الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ** اَیْ فِیْ اِسْتِحْقَاقِ عِبَادَتِكُمْ **شُرَكٰٓؤُا** اللّٰهِ **لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ** وُصْلَكُمْ اَیْ تَشَتَّتَ جَمْعُكُمْ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالنَّصْبِ ظَرْفٌ اَیْ وُصْلُكُمْ بَیْنَكُمْ **وَضَلَّ** ذَهَبَ **عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ** ﴿۹۴﴾ فِی الدُّنْیَا مِنْ شَفَاعَتِهَا

ترجمہ: .... اوران لوگوں (یہود ونصاریٰ) نے اللہ کی شایان شان قدر نہیں کی (یعنی جوان کی عظمت کا حق تھا وہ ادا نہیں کیا۔ یا ان کی معرفت کا حق پورا نہیں کیا) جب کہ یوں کہہ دیا (نبی کریم (ﷺ) سے قرآن کریم کے سلسلہ میں ردوکد کرتے ہوئے) کہ اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز ہی نہیں اتاری تم (ان سے) کہو کہ وہ کتاب کس نے اتاری؟ جو موسیٰ علیہ السلام لائے تھے جو لوگوں کے لئے روشنی اور ہدایت ہے اور جسے تم نے تیار کیا ہے (تینوں جگہ یا اورتا کے ساتھ آیا ہے) چند اوراق کا مجموعہ (متفرق اوراق میں الگ الگ لکھ چھوڑا ہے) لوگوں کو دکھاتے ہو (جن باتوں کا ظاہر کرنا تمہارے من پسند ہوتا ہے) اور بہت سی باتیں چھپا لیتے ہو (آنحضرت (ﷺ) کی خوبیاں اور اوصاف کی قسم سے جو باتیں اس میں ہیں) نیز تمہیں سکھائی گئی ہیں (اے یہودیو! قرآن کریم میں) وہ باتیں جو پہلے نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ (تورات کی وہ باتیں جو تم پر مشتبہ ہو گئیں اور تم اختلافات میں پڑ گئے) آپ (ﷺ) کہہ دیجئے اللہ نے (وہ کتاب اتاری ہے اگر یہ خود جواب نہ دے سکیں۔ کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی جواب ہے نہیں) پھر انہیں ان کی کاوشوں (کج بحثیوں) میں چھوڑ دیجئے کہ یہ کھیلتے رہیں اور یہ (قرآن) کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا برکت والی اور اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرنے والی (جو کتابیں اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں) اور اس لئے نازل کی تاکہ تم متنبہ کردو (تاء اور یاء) کے ساتھ عطف ہے ماقبل کے معنی پر۔ یعنی ہم نے برکت وتصدیق کے لئے اور ڈرانے کے لئے اس کو نازل کیا ہے) ام القریٰ کے باشندوں اور آس پاس چاروں طرف بسنے والوں کو (یعنی مکہ معظمہ کے رہنے والوں اور باقی تمام دنیا کے لوگوں کو) سو جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں وہ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی نگہداشت سے غافل نہیں ہوتے (عذاب سے ڈرتے ہوئے) اور کون ہے؟ (یعنی کوئی نہیں) اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا۔ جو اللہ پر جھوٹ بول کر افتراء کرے (نبی نہ ہو اور دعوئے نبوت کرے) یا کہے مجھ پر وحی کی گئی ہے۔ حالانکہ اس پر کوئی وحی نہیں آئی (یہ آیت مسلیمہ کذاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے) اور اس سے بھی جو کہے میں بھی ایسی ہی بات اتار دکھاؤں گا۔ جیسی اللہ نے اتار دی ہے۔ (اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو استہزاء کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ ''اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام ہم بھی کہہ سکتے ہیں۔'' اور آپ (ﷺ) (اے محمد (ﷺ)!) اس وقت کو ملاحظہ کریں جب کہ (یہ) ظالم لوگ جان کنی (موت) کی

مد ہوشیوں میں پڑے ہوں گے اور فرشتے ہاتھ بڑھائے ہوئے ہوں گے (ان کی طرف مارنے اور عذاب دینے کے لئے اور سختی سے جھڑکتے ہوئے کہتے ہوں گی کہ) اپنی جانیں نکال باہر کرو (ہماری جانب تاکہ ہم ان پر قبضہ کرسکیں) آج کا دن وہ ہے جس میں تمہیں رسوا کرنے والا (ذلت آمیز) عذاب دیا جائے گا۔ ان باتوں کی پاداش میں جو تم اللہ پر تہمتیں باندھا کرتے تھے (غلط طور پر دعویٰ نبوت و وحی کرکے) اور ان کی آیات سے گھمنڈ کرتے تھے (ان پر ایمان لانے سے کبر اختیار کرتے تھے اور لو کا جواب لرأیت امرا فظیعاً ہے) اور (مرنے کے بعد جب دوبارہ زندہ ہوں گے تو ان سے کہا جائے گا) دیکھو بالآخر تم ہمارے حضور اکیلی جان آگئے (گھربار، بال بچوں سے الگ تھلگ ہوکر) جس طرح تمہیں پہلی مرتبہ اکیلا پیدا کیا گیا تھا (یعنی برہنہ پا، ننگ دھڑنگ، بغیر ختنہ) اور جو کچھ تمہیں (مال) دیا تھا وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے (دنیا میں اور ان سے ڈانٹتے ہوئے کہا جائے گا کہ) ہم تمہارے ساتھ نہیں دیکھتے ان ہستیوں (بتوں) کو جنہیں تم نے شفاعت کا وسیلہ سمجھا تھا اور جن کی نسبت تمہارا زعم تھا کہ تمہارے کاموں (استحقاق عبادت) میں (اللہ کے) شریک ہیں تمہارے ساتھ رشتے (ناطے) ٹوٹ گئے (یعنی تمہاری جمعیت بکھر گئی اور ایک قرأت میں نصب کے ساتھ ظرف ہے یعنی تمہارے آپس کے تعلقات) اور غائب (گم) ہوگئے جو کچھ تم زعم کیا کرتے تھے (دنیا میں ان کی شفاعت کے باب میں)۔

تحقیق وترکیب: .... **قدروا** اصل معنی **معرفة المقدار بالشر** کے ہیں۔ پھر اس کا استعمال **معرفة الشئی باتم الوجوہ** میں ہونے لگا۔ حتیٰ کہ اب یہی حقیقی معنی ہوگئے۔ **نورا وھدی** اسی طرح **تجعلونہ** سب حال ہیں اور **تبدونھا قراطیس** کی صفت ہے اور یہی مدار مذمت ہے **یجعلونہ** ابن کثیرؒ اور ابوعمروؒ کی قرأت یا کے ساتھ ہے اور باقی کی تا کے ساتھ۔ **قراطیس** **قرطاس** کی جمع ہے۔ یہود نے تورات کے مختلف حصے کر رکھے تھے۔ جن حصوں میں من مانی باتیں تھیں ان کو نمایاں رکھتے اور باقی کو عوام سے مخفی رکھتے۔

مصدق۔ چونکہ اضافت لفظیہ ہے اس لئے اس کی صفت میں نکرہ لانا صحیح ہوگیا۔

ام القری اہل قری کا قبلہ اور ملجاء و ماویٰ ہونے کی وجہ سے۔ نیز ناف زمین ہونے کی وجہ سے مکہ کو ام القریٰ کہا گیا ہے۔ **ومن حولھا** کے الفاظ سے آپ کی بعثت عامہ ثابت ہوتی ہے۔ **من قال** یہاں او کی بجائے واؤ لایا گیا ہے تاکہ اس کا عطف معلوم ہوجائے اور تغیر اسلوب سے اللہ کی مساوات کا ابہام نہ رہے برخلاف ماقبل کے۔

ولو تری. مفعول محذوف ہے ای **الظالمین. غمرات** . جمع غمرۃ کی۔ بمعنی شدت موت **:اخرجوا.** اس سے مقصود مرعوب کرنا اور شدت میں اضافہ کرنا ہے۔ کیونکہ کفار وفساق کی روح نکلنے میں ہچکچاہٹ اور پس وپیش کرے گی ورنہ حقیقی معنی امر کے مطلوب نہیں کیونکہ غیر اختیاری چیز ہے۔

بینکم. یہ اسم بمعنی وصل ہے۔ اس کو فاعل بنادیا گیا ہے اور بعض کے نزدیک یہ ظرف ہے توسعاً اس کی طرف فاعل کی اسناد کردی گئی ہے۔ ای **وقع التقطع بینکم** زجاج کی رائے ہے کہ لفظ بین اضداد میں سے وصل اور فصل کے لئے استعمال ہوتا ہے اور بین کے منصوب ہونے کی صورت میں فاعل مضمر ہوگا۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات میں توحید کا ذکر قصداً اور رسالت کا ذکر تبعاً تھا۔ ان آیات میں **وما قدروا اللہ** سے رسالت کا بیان مقصوداً ہے اور گذشتہ آیات میں **ما انزل اللہ** سے ان لوگوں پر رد تھا جو صرف منکرین نبوت تھے۔ مگر خود اپنے لئے کسی بات کے دعویدار نہیں تھے۔ لیکن آیت **ومن اظلم الخ** میں ان منکرین نبوت کا بیان ہے، جو خود اپنے لئے بھی نبوت ووحی کا مدعی ہیں۔

شان نزول: .... مالک بن صیف یہودی نے ایک مرتبہ مذہبی جوش میں آ کر آنحضرت (ﷺ) سے یہاں تک کہہ دیا **وماانزل اللّٰہ علی بشر من شیء** جس پر آیت **وما قدروا اللّٰہ** نازل ہوئی۔ لیکن اس شان نزول پر اشکال یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ حالانکہ واقعہ مدنی ہے؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے یہ آیت سورت کے مکی ہونے سے مستثنیٰ ہو اور یا پھر کہا جائے چونکہ قریش کا اختلاط یہود سے رہتا تھا جس کی وجہ سے تبادلہ خیالات بھی ہوتا رہتا تھا تو ممکن ہے یہود کے ان خیالات کو قریش نے آپ (ﷺ) کے سامنے نقل کیا ہو۔

قتادہؒ فرماتے ہیں کہ آیت **او قال اوحی الی الخ** مسیلمہ کذاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جس نے آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں دو قاصد بھیجے تھے اور آپ (ﷺ) نے پوچھا کہ کیا تم مسیلمہ کی نبوت کی شہادت دیتے ہو؟ انہوں نے اقراری جواب دیا تو آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ ''اگر قاصد کا قتل روا ہوتا تو میں تمہاری گردنیں اڑا دیتا۔''

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ خواب میں میرے سامنے زمین کے خزانے پیش کئے گئے اور دو سونے کے کنگن میرے ہاتھوں پر رکھ دیئے گئے جن سے مجھے گرانی ہوئی۔ تاہم مجھے پھونک مارنے کا حکم ہوا۔ میں نے پھونک ماری تو وہ اڑ گئے۔ میں نے تعبیر لی کہ اس سے مراد اسود عنسی صنعائی اور مسیلمہ کذاب صاحب یمامہ مدعیان نبوت ہیں۔ اسود عنسی کو ''ذوالحمار'' بھی کہا جاتا تھا جس نے آخری عہد نبوت میں دعویٰ نبوت کیا تھا۔ لیکن فیروز دیلمیؓ نے جب اس کو قتل کر دیا اور آپ (ﷺ) کی وفات سے دو روز پہلے آپ (ﷺ) کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ (ﷺ) نے فرمایا **"فاز فیروز الدیمی بقتل الاسود العنسی."**

منجملہ دعوائے وحی کرنے والوں کے عبداللہ بن سعید بن ابی سرح کاتب وحی بھی تھا۔ چنانچہ جب آنحضرت (ﷺ) آیت **ولقد خلقنا الانسان الخ** لکھوا رہے تھے تو اس کی زبان پر یہ کلمات جاری ہو گئے **فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین**۔ آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا لکھو کیونکہ وحی ایسے ہی آئی ہے لیکن اسے شک ہو گیا اور کہنے لگا کہ **ان کان محمد صادقاً فقد اوحی الیہ وان کان کاذباً فقد قلت کما قال**۔ اس کے بعد مرتد ہو کر مکہ معظمہ چلا گیا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ نے نادم ہو کر پھر تجدید اسلام کر لی تھی۔

﴿تشریح﴾: .... **منکرین کی تین قسمیں:** .... منکرین نبوت و وحی تین طرح کے لوگ تھے ایک منکرین نبوت و وحی کہ جن کا رد پہلے گزر چکا ہے اور دوسرے اہل کتاب کہ وہ اگرچہ نفس نزول وحی کے تو منکر نہ تھے لیکن تعصب ونفسانیت کی وجہ سے نزول قرآن پر اظہار تعجب کیا کرتے اور کہا کرتے کہ اللہ کا کلام کبھی اس طرح نازل نہیں ہو سکتا۔ ان کے پڑھے لکھے ہونے اور باخبر سمجھے جانے کی وجہ سے مشرکین بھی ان کی باتوں سے سند پکڑتے تھے۔ پس یہاں علماء، اہل کتاب سے الزامی گفتگو کی جارہی ہے کہ اگر اللہ نے اپنا کلام نازل نہیں کیا تو بتلاؤ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کس نے اتاری تھی۔ جس کو اولاً تو تم مانتے ہو۔ دوسرے وہ نور ہدایت ہونے کی وجہ سے ماننے کے لائق بھی ہے۔ تیسرے ہر وقت وہ تمہاری استعمال میں بھی رہتی ہے۔ اگرچہ وہ استعمال شرمناک ہے۔ لیکن تاہم اس کے باوجود تمہارے لئے گنجائش انکار تو نہیں رہی۔ چوتھے تمہارے لئے وہ ایک بہت بڑی قیمتی دولت ہے۔ جس کی بدولت آج تم عالم بنے بیٹھے ہو۔ اس لئے بھی تمہارے لئے گنجائش نہیں ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اس کی صورت دکھلاتے رہتے ہو۔ مگر ہوائے نفسانی اور شرارت طبیعت کی وجہ سے اصل احکام چھپاتے رہتے ہو۔

اور تیسری قسم کے وہ لوگ تھے جو قرآن کے مثل تصنیف کرنے کے مدعی تھے۔ جیسے نضر بن حارث جس نے کہا تھا۔ **لو نشاء لقلنا**

مثل هذا اور یہ بھی کہا تھا کہ اگر مجھے عذاب ہونے لگا تو لات وعزیٰ مجھے بچالیں گے۔ اسی کے جواب میں ولقد جئتمونا الخ فرمایا ہے۔

کتاب اللہ کے حصے بخرے:............ تجعلونه الخ سے ظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے مختلف اغراض کی خاطر تورات کے اوراق اور اجزاء الگ الگ کرر کھے ہوں گے اور حسب موقعہ ان سے کام لیتے رہتے ہوں گے لیکن مجازاً یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اپنے ذہن میں مضامین تورات کے مختلف حصے تجویز کرر کھے تھے اور اپنی دنیاوی اغراض کی خاطر کچھ کو طاق نسیان کی نذر کر رکھا تھا اور کچھ پر تاویل وتلبیس اور اخفاء کے پردے ڈال رکھے تھے۔ البتہ جو مضامین مفید مطلب ہوتے تھے ان کو نمایاں کرتے تھے۔ جیسے آج کل علماء سوء کا بعینہ یہی حال ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ کلام جب مکہ کے باشندوں بلکہ ساری دنیا کے لوگوں کو برائیوں سے روکتا ہے اور نیکیوں کی دعوت دیتا ہے، نیز اپنی دعوت سے اس نے ایک ایسی جماعت پیدا کردی ہے جو عبادت الٰہی میں ثابت قدم رہتی ہے۔ پس جو انسان ایسے پر تاثیر اور مبارک کلام کا حامل ہو، کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اللہ پر افتراء کرے کہ اس سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی گنہگاری کا کام نہیں ہوسکتا۔

موت کی سختی:............ سکرات موت میں جسمانی سختی نہ تو کفار کے لوازم میں سے ہے اور نہ خواص میں سے۔ اس لئے روحانی اذیت وشدت مراد لی جائے گی اور اخرجو الخ سے مراد حقیقۃً امر نہیں ہے۔ غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے۔ بلکہ محض زجر وشدت کا اظہار مقصود ہے۔ اگر عبداللہ بن ابی سرح کی تجدید اسلام کی روایت ثابت ہے تو پھر اس وعید سے استثناء کرلیا جائے گا کیونکہ علت وعید مرتفع ہوجانے سے خود وعید بھی مرتفع ہوجائے گی اور بعض روایات میں جو مومنین کا کپڑے پہننا آیا ہے وہ لفظ فرادیٰ کے منافی نہیں ہے۔ ممکن ہے برہنگی اصلی حالت ہو اور لباس کا ملنا اس کے بعد ہو۔ پھر خواہ قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنے سے پہلے یا اس کے بعد اور قطع تعلق یا تو ظاہراً بھی ہوجائے گا جیسے فزیلنا الخ سے معلوم ہوتا ہے اور یا شفاعت نہ کرنے کے لحاظ سے قطع تعلق مراد ہوگا۔ اگرچہ حسی طور پر یکجائی رہیں۔

لطائف آیات:............ آیت ومن اظلم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کوئی جھوٹے خواب یا جھوٹے الہام اور وارد غیبی یا کسی اور کمال کا مدعی ہو یا توحید حقیقی اور فنائیت کاملہ یا مشیخیت کا غلط دعویٰ کرے یا اپنے فاسد اوہام اور خیالات کو فیض غیبی سمجھے تو اس کا حکم بھی یہی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ فٰلِقُ شَاقُّ **الْحَبِّ** عَنِ النَّبَاتِ **وَالنَّوٰى**ؕ عَنِ النَّخْلِ **يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ** كَالْاِنْسَانِ وَالطَّائِرِ مِنَ النُّطْفَةِ وَالْبَيْضَةِ **وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ** النُّطْفَةِ وَالْبَيْضَةِ **مِنَ الْحَيِّ**ؕ **ذٰلِكُمُ** الْفَالِقُ الْمُخْرِجُ **اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ**﴿۹۵﴾ فَكَيْفَ تُصْرَفُوْنَ عَنِ الْاِيْمَانِ مَعَ قِيَامِ الْبُرْهَانِ **فَالِقُ الْاِصْبَاحِ**ۚ مَصْدَرٌ بِمَعْنَى الصُّبْحِ اَىْ شَاقُّ عُمُوْدِ الصُّبْحِ وَهُوَ اَوَّلُ مَا يَبْدُوْ مِنْ نُوْرِ النَّهَارِ عَنْ ظُلْمَةِ اللَّيْلِ **وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا** يَسْكُنُ فِيْهِ الْخَلْقُ مِنَ التَّعَبِ **وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ** بِالنَّصَبِ عَطْفًا عَلٰى مَحَلِّ اللَّيْلِ **حُسْبَانًا**ؕ حِسَابًا لِلْاَوْقَاتِ اَوِ الْبَاءُ مَحْذُوْفَةٌ وَهُوَ حَالٌ مِنْ مُقَدَّرٍ اَىْ يَجْرِيَانِ بِحُسْبَانٍ كَمَا فِىْ سُوْرَةِ الرَّحْمٰنِ **ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرُ **تَقْدِيْرُ**

الْعَزِيْزِ فِیْ مُلْکِہٖ **الْعَلِيْمِ** ﴿۹۶﴾ بِخَلْقِہٖ **وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ** فِی الْاَسْفَارِ **قَدْ فَصَّلْنَا** بَیَّنَّا **الْاٰيٰتِ** الدَّالَّاتِ عَلٰی قُدْرَتِنَا **لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ** ﴿۹۷﴾ یَتَدَبَّرُوْنَ **وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ** خَلَقَکُمْ **مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ** هِیَ اٰدَمُ **فَمُسْتَقَرٌّ** مِنْکُمْ فِی الرَّحِمِ **وَّمُسْتَوْدَعٌ** مِنْکُمْ فِی الصُّلْبِ وَفِیْ قِرَاءَۃٍ بِفَتْحِ الْقَافِ اَیْ مَکَانُ قَرَارٍ لَّکُمْ **قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ** ﴿۹۸﴾ مَا یُقَالُ لَهُمْ **وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا** فِیْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَیْبَۃِ **بِهٖ** بِالْمَاءِ **نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ** یَنْبُتُ **فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ** اَیِ النَّبَاتِ شَیْئًا **خَضِرًا** بِمَعْنٰی اَخْضَرَ **نُّخْرِجُ مِنْهُ** مِنَ الْخَضِرِ **حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ** یَرْکَبُ بَعْضُهٗ بَعْضًا کَسَنَابِلِ الْحِنْطَۃِ وَنَحْوِهَا **وَمِنَ النَّخْلِ** خَبَرٌ وَیُبْدَلُ مِنْهُ **مِنْ طَلْعِهَا** اَوَّلُ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا فِیْ اَکْمَامِهَا وَالْمُبْتَدَأُ **قِنْوَانٌ** عَرَاجِیْنُ **دَانِيَةٌ** قَرِیْبٌ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَّاٰخَرُ جَنَابِهٖ **جَنّٰتٍ** بَسَاتِیْنَ **مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا** وَرَقُهُمَا حَالٌ **وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ** ثَمَرُهُمَا **اُنْظُرُوْٓا** یَامُخَاطَبِیْنَ نَظَرَ اِعْتِبَارٍ **اِلٰى ثَمَرِهٖٓ** بِفَتْحِ الثَّاءِ وَالْمِیْمِ وَبِضَمِّهِمَا وَهُوَ جَمْعُ ثَمَرَۃٍ کَشَجَرَۃٍ وَشَجَرٍ وَخَشَبَۃٍ وَخُشُبٍ **اِذَآ اَثْمَرَ** اَوَّلُ مَایَبْدُوْ کَیْفَ هُوَ وَ **اِلٰى يَنْعِهٖ** نُضْجِہٖ اِذَا اَدْرَکَ کَیْفَ یَعُوْدُ **اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ** دَالَّاتٍ عَلٰی قُدْرَتِہٖ تَعَالٰی عَلَی الْبَعْثِ وَغَیْرِہٖ **لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ** ﴿۹۹﴾ خُصُّوْا بِالذِّکْرِ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا فِی الْاِیْمَانِ بِخِلَافِ الْکَافِرِیْنَ **وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ** مَفْعُوْلٌ ثَانٍ **شُرَكَآءَ** مَفْعُوْلٌ اَوَّلٌ وَیُبْدَلُ مِنْهُ **الْجِنَّ** حَیْثُ اَطَاعُوْهُمْ فِیْ عِبَادَۃِ الْاَوْثَانِ وَ **قَدْ خَلَقَهُمْ** فَکَیْفَ یَکُوْنُوْنَ شُرَکَاءَ **وَخَرَقُوْا** بِالتَّخْفِیْفِ وَالتَّشْدِیْدِ اَیِ اخْتَلَقُوْا **لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ** حَیْثُ قَالُوْا عُزَیْرٌ ابْنُ اللّٰہِ وَالْمَلٰئِکَۃُ بَنَاتُ اللّٰہِ **سُبْحٰنَهٗ** تَنْزِیْهًا لَہٗ **وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ** ﴿۱۰۰﴾ بِاَنَّ لَہٗ وَلَدًا

ع ۱۲/۶ ۱۸

ترجمہ: .... بلاشبہ اللہ میاں شق کرنے والے (پھاڑنے والے) ہیں بیج کے دانوں کو (سبزیوں سے) اور گٹھلی کو (کھجور کے درخت سے) وہ جاندار کو بے جان چیز سے نکالتے ہیں (جیسے انسان اور پرندے کو نطفہ اور انڈے سے) اور بے جان (نطفہ، انڈے) کو جاندار چیز سے۔ وہی (جو شق کرنے اور نکالنے والے ہیں) اللہ ہیں پھر تم کدھر کو بہکے چلے جارہے ہو؟ (دلیل و برہان موجود ہوتے ہوئے۔ پھر کس طرح ایمان سے روگردانی کررہے ہو) وہ صبح کو نمودار کرنے والے ہیں (اصباح مصدر ہے بمعنی صبح۔ یعنی سپیدۂ صبح نمودار کرنے والے ہیں اور اس سے مراد تڑکہ کا وہ حصہ ہے جو رات کی اندھیری چاک کر کے دن کا اجالا نمایاں کردیتا ہے) اور رات کو سکون کا ذریعہ بنادینے والے ہیں (مخلوق تھک کر رات میں آرام پاتی ہے) اور سورج اور چاند کو (نصب کے ساتھ محل لیل پر عطف کرتے ہوئے) معیار حساب بنادیا ہے (اوقات کا انضباط یا با محذوف ہے اور فعل مقدر سے حال ہے اسی یجریان بحسبان جیسا کہ سورۂ رحمٰن میں ہے) یہ (مذکورہ) اندازہ ہے اس ذات کا جو (اپنے ملک میں) سب پر غالب آنے والے اور (اپنی مخلوق کا) سب حال جاننے والے ہیں۔ وہی ہیں جنہوں نے تمہارے لئے ستارے بنادیئے تاکہ تم راہ پالو، ان کی علامتوں کے ذریعہ بیابانوں اور سمندروں کی اندھیریوں میں (سفر کرتے ہوئے) بلاشبہ ہم نے کھول کھول کر بیان کردی (بتلادی) ہیں نشانیاں (اپنی قدرت کی علامات) ان

لوگوں کے لئے جو جاننے والے ہیں (غور و فکر سے کام لیتے ہیں) اور پھر وہی ہیں جنہوں نے تمہیں اکیلی جان (آدم) سے نشو ونما دی (پیدا کیا) پھر تمہارے لئے قرار پانے والی جگہ ہے (رحم مادر میں) اور ایک جگہ چندے رہنے کی ہے (تمہارے لئے باپ کی پشت اور ایک قرابت میں لفظ مستقر فتح قاف کے ساتھ ہے۔ یعنی تمہارے لئے قرارگاہ) بلاشبہ ہم نے کھول کھول کر بیان کر دی ہیں اپنی نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے بوجھتے ہیں (جو کچھ ان سے کہا جائے) اور وہی ہے جو آسمان سے پانی برساتے ہیں پھر ہم پیدا کرتے ہیں (اس میں غیبوبت سے التفات پایا گیا ہے) اس (پانی) سے ہر قسم کی روئیدگی (جس کی پیداوار ہوتی ہے) پھر ہم نے نکالی اس (روئیدگی) سے ہر ظاہری ٹہنیاں اخضر بمعنی اخضر ہے) کہ نمودار کرتے ہیں ہم اس (سبز ٹہنیوں) سے اوپر تلے چڑھے ہوئے دانے (ایک دوسرے پر تہہ بہ تہ جمے ہوئے ہوتے ہیں، جیسے گیہوں وغیرہ کی بالیں) اور کھجور کے درخت سے (یہ خبر ہے اس کا بدل آگے ہے) جس کی شاخوں میں گچھے ہیں (کھجور کے درخت میں سے جو گچھے پھوٹتے ہیں۔ اگلا لفظ مبتداء ہے) جھکے پڑتے ہیں (لٹکے جاتے ہیں) تہ بہ تہہ ہیں (ایک دوسرے سے گندھے ہوئے ہیں) اور (ہم نے نکالے ہیں اس پانی سے) باغات (چمن) انگوروں کے اور زیتون اور انار کے کہ آپس میں ملتے جلتے ہیں (ان کے پتے۔ یہ حال ہے) اور ایک دوسرے سے مختلف (ان کے پھل) دیکھو (اے مخاطب بنظر عبرت) ان کے پھلوں کے (ثاء اور میم کے فتح اور ضمہ کے ساتھ ثمر جمع ہے ثمرۃ کی جیسے شجرۃ کی جمع شجر اور خشیۃ کی جمع خشب آتی ہے) جب درخت پھل لاتا ہے (شروع میں جب کیریاں آتی ہیں) تو کس طرح نکلتی ہیں اور پھر ان کے پکنے کو دیکھو (کہ کس طرح پکنے کے بعد مکمل ہو گیا اور انتہائی حالت پر پہنچ گیا) بلاشبہ اس میں بڑی نشانیاں ہیں (جو اللہ کے دوبارہ زندہ کرنے پر دلالت کر رہی ہیں) جو لوگ یقین رکھتے ہیں (خاص طور پر ان کا ذکر اس لئے کیا کہ ایمان لانے میں ایسے ہی لوگ نفع اٹھا سکتے ہیں برخلاف کفار کے) اور ان لوگوں نے اللہ کے ساتھ ٹھہرا رکھے ہیں (یہ جعلوا کا مفعول ثانی ہے) شریک (یہ مفعول اول ہے اس کا بدل آگے ہے) جنوں کو (کیونکہ بت پرستی میں ان کی اطاعت کرتے ہیں) حالانکہ انہیں بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے (پھر کس طرح یہ شریک خدائی بن سکتے ہیں) اور انہوں نے تراش لی ہیں (تخفیف وتشدید کے ساتھ ان کو پڑھا گیا ہے۔ یعنی انہوں نے شریک اختراع کرایا ہے اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بغیر علمی روشنی کے (چنانچہ حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے ہیں) انکی ذات پاک و برتر ہے (اس کے لئے پاکی ہے) اور ان کی ذات تو ان تمام باتوں سے پاک و بلند ہے جو یہ لوگ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں (کہ وہ صاحب اولاد ہے۔)

تحقیق وترکیب:............**الحب والنوی** زمینی پیداوار تمام تر بیجوں اور گٹھلیوں سے ہوتی ہے۔ فالق سے مراد اگر صفت مشبہ ہے تو یہ اضافت معنوی ہوگی اور زمانہ حال واستقبال کے اعتبار سے اگر قانونی مراد ہے تو اضافت لفظیہ ہوگی۔ خشک دانوں سے سرسبز پیداوار قدرت کا ایک کرشمہ ہے۔

یخرج . یہ ان کی خبر ثانی ہے یا ماقبل کی علت اور جملہ مستانفہ ہے۔ **حی** سے مراد ذی نمو چیزیں خواہ ذی روح ہوں یا نہ ہوں۔ جیسے جانور ونباتات اور اسی طرح **میّت** سے مراد اس کے مقابل عام معنی ہوں گے۔ جیسے نطفہ، بیضہ، دانے، گٹھلیاں، مخرج اس کا عطف چونکہ فالق پر ہے اس لئے اسم لایا گیا برخلاف **یخرج** کے وہ بیان ہی اسی لئے واو عاطفہ لائی گئی ہے۔ لیکن **مخرج** بیان نہیں بن سکتا۔ کیونکہ دانوں کا شق کرنا زندہ کو مردہ سے نکالنے کی جنس سے ہے نہ اس کے برعکس۔ **فانی** استفہام انکاری ہے۔ بمعنی نفی **الاصباح**. مصدر ہے اصبح بمعنی صبح میں داخل ہونا۔ لیکن یہاں مراد نفس صبح ہے۔ صبح کاذب کے بعد صبح صادق۔ وجاعل کوفیوں کے نزدیک وجعل ماضی کے ساتھ قرأت ہے اور دوسرے قراء کے نزدیک **وجاعل** اسم فاعل کے ساتھ ہے۔ **سکنا مایسکن الیه الرجل من زوج اوحبیب**۔

والشمس والقمر ۔لفظ جعل کی قرأت پر ان کا عطف اللیل پر ہوگا اور جاعل کی قرأت پر محل لیل پر عطف ہوگیا۔ورنہ پھر اس کا کوئی محل اعراب نہیں ، کیونکہ اسم فاعل بمعنی ماضی کوئی عمل نہیں کیا کرتا۔ **حسبانا** ۔مصدر منصوب یا بنزع الخافض ہے اور یا جعل کا مفعول ہوگا بتقدیر ذو۔ یا تجعل بمعنی محسوب کا مفعول ہوگا۔

مستقر و مستودع ۔ان لفظوں کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ مستقر سے مراد زمانہ حمل ہے اور مستودع سے مراد قبر اور عالم برزخ کا قیام ہے۔سعید بن جبیرؒ اور عطاءؒ کی رائے ہے کہ مستقر سے مراد ارحام ہیں اور مستودع سے مراد باپ کی پشت میں رہنے کا زمانہ۔عکرمہؒ کی روایت ابن عباسؓ سے بھی یہی ہے۔ابن عباسؓ نے سعید بن جبیرؒ سے پوچھا کہ تم نے شادی کرلی؟ عرض کیا نہیں۔فرمایا **اما انه ماکان من مستودع فی ظهرک . فیستخرجه الله** ۔اور حسنؒ کہتے ہیں مستقر سے مراد قیام قبر ہے اور مستودع سے مراد دنیا ہے اور بعض نے مستودع سے مراد قبر اور مستقر سے مراد جنت و جہنم لیا ہے۔چنانچہ ارشاد ہے **حسنت مستقراً و مقاما** ۔

یفقهون. یعلمون، یفقهون، یومنون قریب قریب ایک ہی معنی ہیں۔فواصل کی رعایت سے اور استقلالاً مقصود ہونے کے لئے الگ الگ ذکر کیا گیا ہے۔ نیز نجوم وغیرہ فلکیات کے احوال اتنے دقیق اور غامض نہیں جس قدر انسانی مبداء اور منتہیٰ کے احوال۔اس لئے وہاں **یعلمون** اور یہاں **یفقهون** لایا گیا۔

فاخرجنا نکتہ التفات، اس نعمت کا عظیم الشان ہونا۔**نبات.** نبات اور نبت **مایخرج من الارض من النابیات** بمعنی **منبوت** ۔عرفاً بغیر تنا کے درختوں، بیلوں کو کہتے ہیں۔اضافت صفت کی موصوف کی طرف ہے۔خضر اسم فاعل **خضر الشیء فهو خضر و اخضر** ۔ **عور اعور** ۔کی طرح دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔اخضر تمام ترکاریوں، سبزیوں، کھیتیوں کو کہتے ہیں۔

طلع . کیلے کی طرح کھجور کے درخت میں جو کچھ نکلتا ہے جس چرخہ میں پھلیاں آتی ہیں اس کے غلاف کو کفری اور اندرونی حصہ کو اغریض کہتے ہیں۔قنوان جمع قنو کی بمعنی غدق و نظیرہ **قنوان و صنو** ۔یہ کھجور کے لئے ایسا ہے جیسے عنب کے لئے عنقود۔انسان کی طرح کھجور کے سات درجات ہیں جن کا جامع یہ جملہ ہے "**طاب زبرت**" اول درجہ طلع۔دوم اغریض۔سوم بلح۔چہارم زہو۔پنجم بسر۔ششم رطب۔ہفتم تمر کہلاتا ہے۔اسی لئے حدیث میں ہے۔**اکرموا عمتکم النخلة** ۔

و خلقهم. جلال محققؒ نے قد سے مالیت کی طرف اشارہ کردیا۔ **بغیر علم. ای خرقوا متلبسین بغیر علم** ۔جار مجرور کا متعلق محذوف ہے اور وہ حال ہے فاعل **خرقوا** سے **قالوا** ۔ نصرانی حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ کہتے ہیں۔غرضیکہ تینوں فرقے شرک کی آلودگی میں ملوث ہوگئے۔

ربط آیات: ....مسئلہ توحید کی طرف بات کا رخ پھیرا جارہا ہے۔اسی کے ساتھ نعمتوں کا تذکرہ بھی ہے تاکہ شرک کا طبعی قبح بھی واضح ہوجائے۔

﴿تشریح﴾: ....کائنات مادی وروحانی کا ہر ذرہ پروردگار عالم کی رحمت پر شاہد ہے: ....جس پروردگار کی ربوبیت ورحمت کا یہ حال ہو کہ اس نے تمہاری زندگی ومعیشت کے لئے ہر طرح کا سروسامان مہیا کردیا اور کارخانہ خلقت کی کوئی چیز نہیں جو فیضان افادہ کی شان نہ رکھتی ہو۔آخر یہ کیسے ممکن تھا کہ تمہارے جسم کی ہدایت و پرورش کے لئے تو سب کچھ کردیتا، مگر تمہاری روح کی ہدایت و پرورش کے لئے کچھ بھی نہ کرتا۔چنانچہ وحی وتنزیل کی صورت میں جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ روح ہی کی پرورش کا تو

سروسامان ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ایسا ہونا ضروری نہیں تو یقیناً تمام کائنات ہستی شہادت دے رہی ہے وہ جو زمین کی موت کو زندگی سے بدل دیتا ہے۔ کیا تمہاری روح کی موت کو زندگی سے نہیں بدل سکتا؟ جو ستاروں کی روشن علامتوں سے بیابانوں اور سمندروں میں تمہاری رہنمائی کرتا ہے، وہ کیا تمہاری روح کو بھٹکتی ہوئی چھوڑ دے گا اور اس کی رہنمائی کے لئے کوئی روشنی نہ ہو۔ تم اس بات پر تو کبھی متعجب نہیں ہوتے کہ کھیت لہلہارہے ہیں اور آسمان سے باران رحمت برس رہی ہے، پھر اس پر کیوں متعجب ہوتے ہو کہ انسان کی روحانی پرورش کے لئے سامان زندگی مہیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہورہی ہے۔ افسوس تم پر کہ تم نے ایسا سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی رحمت ور بوبیت کی بڑی ہی ناقدری کی۔

نظام ربوبیت سے توحید پر استدلال:............قرآن کریم کا یہ عام اسلوب بیان ہے کہ "نظام ربوبیت" سے وہ توحید پر استدلال کرتا ہے۔ نظام ربوبیت کا مقصود یہ ہے کہ تمام کائنات خلقت ہماری پرورش وکارسازی میں سرگرم عمل ہے اور اس کی تمام باتیں کچھ اس طرح کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے بڑی ہی حکمت اور دقیقہ سنجی سے ہماری اس طرح کی احتیاجات پرورش کا اندازہ کرلیا۔ اس کے لئے ایک پورا کارخانہ جاری کردیا ہے۔ قرآن کریم کی للکار یہ ہے کہ اگر ایک پروردگار ہستی موجود نہیں تو پھر وہ کون ہے جس نے ربوبیت کا یہ پورا نظام قائم کررکھا ہے؟ وہ توحید پر بھی اس سے استدلال کرتا ہے کہ تم نے خدا کو چھوڑ کر جن ہستیوں کو معبود بنا رکھا ہے ان میں سے کون ہے جسے اس کارخانہ ربوبیت کے بنانے یا چلانے میں کچھ دخل ہو؟ قرآن کریم کا یہ استدلال "برہان ربوبیت" کا استدلال ہے۔

برہانِ ربوبیت کی عجیب وغریب ترتیب:............ان مضامین میں عجیب وغریب ترتیب پائی جاتی ہے۔ سب سے پہلے سفلیات کو بیان کیا جو ہم سے قریب ہیں۔ ان میں بھی نباتات کا بیان اظہر ہونے کی وجہ سے مقدم کردیا اور انفس کا بیان مخفی اور دقیق ہونے کی وجہ سے موخر کردیا۔ چنانچہ نباتات کی تبدیلیاں تو ہر شخص کے مشاہدہ میں عام ہیں لیکن نطفہ کی ارتقائی منزلیں اور انسانی عروج و زوال کی کہانی حکماء اور اطباء کے ساتھ مخصوص ہے۔ سفلیات کے بعد کائنات کو لیا۔ دن ورات، صبح وشام میں قدرت کی کرشمہ سازیاں عیاں کیں۔ اس کے بعد پھر علویات اور نظام شمسی پر روشنی ڈالی۔ پھر اختتام کلام پر سفلیات کا دوبارہ ذکر کیا۔ بار بار مشاہدہ ہونے کی وجہ سے۔ لیکن اولاً اجمالاً ذکر کیا تھا اور آخر میں تفصیل ملحوظ رہی۔ لیکن تفصیل کی ترتیب اجمالی ترتیب کے برعکس کردی گئی ہے۔ یعنی (نفس کا بیان پہلے اور نباتات کا بیان بعد میں ہے اور بارش چونکہ ذوجہات ہے مبداء کے لحاظ سے تو علوی اور منتہیٰ کے اعتبار سے سفلی اور مسافت کی رو سے درمیانی۔ اس لئے اس کا تذکرہ بیچ میں کیا گیا ہے۔

توہمات جاہلانہ:............اس کے بعد مشرکین عرب کے مشرکانہ عقائد کا رد ہے۔ یہ لوگ جنات کی نسبت طرح طرح کے توہم پرستانہ خیالات رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ جنات میں انسان کو چاہیں مافوق الفطرت طریقہ پر نقصان پہنچا سکتے ہیں اور جیسے چاہیں عجیب و غریب طاقتیں دے سکتے ہیں۔ نیز ان کا خیال تھا کہ پاک روحیں یعنی فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔

لطائف آیات:............آیت لتھتدوا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسباب سے متمتع ہونا۔ مطلقاً توکل کے منافی نہیں ہے اور آیت انظروا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق کے لئے خلق کی طرف نظر کرنا مذموم نہیں۔ بلکہ حق کے لئے اس کو اگر مرآۃ بنالیا جائے تو ایسی نظر مطلوب بھی ہوگی۔

هُوَ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مُبْدِعُهُمَا مِنْ غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ اَنّٰى كَيْفَ يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ زَوْجَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ مِنْ شَانِهٖ اَنْ يَخْلُقَ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَحِّدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ حَفِيْظٌ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ اَيْ لَا تَرَاهُ وَهٰذَا مَخْصُوْصٌ بِرُؤْيَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ وَحَدِيْثِ الشَّيْخَيْنِ اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَقِيْلَ الْمُرَادُ لَا تُحِيْطُ بِهٖ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ اَيْ يَرَاهَا وَلَا تَرَاهُ وَلَا يَجُوْزُ فِيْ غَيْرِهٖ اَنْ يُدْرِكَ الْبَصَرَ وَهُوَ لَا يُدْرِكُهُ اَوْ يُحِيْطُ بِهَا عِلْمًا وَهُوَ اللَّطِيْفُ بِاَوْلِيَائِهٖ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾ بِهِمْ قُلْ يَا مُحَمَّدُ لَهُمْ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ حُجَجٌ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ هَا فَاٰمَنَ فَلِنَفْسِهٖ اَبْصَرَ لِاَنَّ ثَوَابَ اِبْصَارِهٖ لَهٗ وَمَنْ عَمِيَ عَنْهَا فَضَلَّ فَعَلَيْهَا وَبَالُ ضَلَالِهٖ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ رَقِيْبٍ لِاَعْمَالِكُمْ اِنَّمَا اَنَا نَذِيْرٌ وَكَذٰلِكَ كَمَا بَيَّنَّا مَا ذُكِرَ نُصَرِّفُ نُبَيِّنُ الْاٰيٰتِ لِيَعْتَبِرُوْا وَلِيَقُوْلُوْا اَيِ الْكُفَّارُ فِيْ عَاقِبَةِ الْاَمْرِ دَرَسْتَ ذَاكَرْتَ اَهْلَ الْكِتَابِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ دَارَسْتَ اَيْ كُتُبَ الْمَاضِيْنَ وَجِئْتَ بِهٰذَا مِنْهَا وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اَيِ الْقُرْاٰنَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا رَقِيْبًا فَتُجَازِيَهُمْ بِاَعْمَالِهِمْ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾ فَتُجْبِرُهُمْ عَلَى الْاِيْمَانِ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ هُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيِ الْاَصْنَامَ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا اِعْتِدَاءً وَظُلْمًا بِغَيْرِ عِلْمٍ اَيْ جَهْلٍ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ كَذٰلِكَ كَمَا زَيَّنَّا لِهٰؤُلَاءِ مَا هُمْ عَلَيْهِ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ مِنَ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ فَاَتَوْهُ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَيُجَازِيْهِمْ بِهٖ وَاَقْسَمُوْا اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اَيْ غَايَةَ اجْتِهَادِهِمْ فِيْهَا لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ مِمَّا اقْتَرَحُوْا لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ لَهُمْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ يُنَزِّلُهَا كَمَا يَشَاءُ وَاِنَّمَا اَنَا نَذِيْرٌ وَمَا يُشْعِرُكُمْ يُدْرِيْكُمْ بِاِيْمَانِهِمْ اِذَا جَاءَتْ اَيْ اَنْتُمْ لَا تَدْرُوْنَ ذٰلِكَ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ لِمَا سَبَقَ فِيْ عِلْمِيْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالتَّاءِ خِطَابًا لِلْكُفَّارِ وَفِيْ اُخْرٰى بِفَتْحِ اَنَّ بِمَعْنٰى لَعَلَّ اَوْ مَعْمُوْلَةً لِمَا قَبْلَهَا وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ نُحَوِّلُ قُلُوْبَهُمْ عَنِ الْحَقِّ فَلَا يَفْهَمُوْنَهٗ وَاَبْصَارَهُمْ عَنْهُ فَلَا يُبْصِرُوْنَهٗ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖ اَيْ بِمَا اُنْزِلَ مِنَ الْاٰيَاتِ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ نَتْرُكُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ ضَلَالِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ يَتَرَدَّدُوْنَ مُتَحَيِّرِيْنَ

ترجمہ: ....(وہ) آسمانوں اور زمین کے موجد ہیں (پہلے سے نمونہ اور نقشہ موجود ہونے کے بغیر ان دونوں کے پیدا کرنے والے ہیں) یہ کیسے (کس طرح) ہوسکتا ہے کہ کوئی ان کا بیٹا ہو جبکہ ان کی بیوی نہیں ہے۔ انہوں ہی نے تمام چیزیں پیدا فرمائی ہیں (ان

کی شان ہی پیدا کرنا ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والے ہیں۔ یہی اللہ تمہارے پروردگار ہیں۔ ان کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی سب چیزوں کے پیدا کرنے والے ہیں۔ سو دیکھو ان ہی کی بندگی کرو (توحید مانو) وہی ہر چیز کے کارساز (محافظ) ہیں۔ انہیں نگاہیں نہیں پاسکتیں (یعنی ان کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ لیکن مومنین بلحاظ آخرت اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ارشاد ربانی ہے وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ اسی طرح حدیث شیخین میں ہے کہ "تم اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے جیسے چاندنی رات میں چودھویں کے چاند کو دیکھا کرتے ہو" اور بعض کی رائے یہ ہے کہ کسی کی نگاہ اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکے گی) لیکن وہ تمام نگاہوں کو پار ہے ہیں (یعنی اللہ ان نگاہوں کو دیکھتے ہیں مگر وہ نگاہیں ان کو نہیں دیکھ سکتیں۔ لیکن کسی دوسری چیز کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تو نگاہوں کو دیکھتی ہو مگر نگاہیں اسے نہ دیکھتی ہوں یا یہ مراد ہے کہ وہ سب چیزوں کا احاطہ علمی رکھتے ہیں) وہ بڑے ہی مہربان ہیں (اپنے دوستوں کے لئے) اور (ان سے) باخبر ہیں (فرما دیجئے اے محمد (ﷺ)!) آچکی ہیں دلیل (حجت) کی روشنیاں تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہارے پاس۔ پس اب جو کوئی (ان کو) دیکھ کر (ایمان لے آئے) تو خود اسی کے لئے ہے (یہ دیکھنا کیونکہ اس غور کرنے کا فائدہ خود اسی کو ہوگا) اور جو کوئی اپنی آنکھوں سے کام نہ لے (اور اندھا ہو کر بھٹک جائے) تو اسی کے سر آئے گا (گمراہی کا وبال) اور میں تم پر کچھ پاسبان نہیں ہوں (تمہارے اعمال کا نگران۔ میرا کام تو صرف متنبہ کر دینا ہے) اور اسی طرح (جیسے کہ مذکورہ چیزیں بتلائی ہیں) گوناگوں طریقوں سے بیان (واضح) کرتے ہیں آیتیں (تاکہ تم عبرت حاصل کرو) اور تاکہ وہ بول اٹھیں (یعنی کفار بالآخر) کہ تم نے کسی سے پڑھ لیا ہے (اہل کتاب سے مذاکرہ کر لیا ہے اور ایک قرأت میں دارست ہے۔ یعنی آپ نے تاریخی کتابیں پڑھی ہیں اور یہ قرآن اسی سے بنایا ہے) نیز اس لئے کہ ہم دانشمندوں کے لئے اس کو خوب روشن کر دیں۔ خود اس راہ پر چلتے رہئے جس کی وحی آپ (ﷺ) کے پروردگار کی طرف سے آپ (ﷺ) پر کی گئی ہے (یعنی قرآن) اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور مشرکین کو ان کے حال پر چھوڑیئے۔ اگر اللہ چاہتے تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کا نگران نہیں بنایا۔ (محافظ۔ پس ان کے عملوں کی جزاء ہم دیں گی) اور نہ آپ ان پر مختار ہیں (کہ آپ ان کو ایمان لانے پر مجبور کر سکیں۔ یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسری ہستیوں (بتوں) کو پکارتے ہیں ان کو تم گالیاں نہ دو کہ پھر وہ بھی اللہ کو برا بھلا کہنے لگیں۔ حد سے متجاوز ہو کر (تعدی اور ظلم کرتے ہوئے) بے سمجھے بوجھے (اللہ کے مرتبہ سے ناواقفی کی وجہ سے) اسی طرح (جیسے ان کے لئے ان کی کارستانیوں کو آراستہ کر رکھا ہے) ہر قوم کے لئے اس کے کاموں کو ہم نے خوشنما بنا دیا تھا (خواہ اچھے کام ہوں یا برے۔ اسی لئے وہ ان کو کرتے رہتے ہیں) پھر بالآخر سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے (آخرت میں) اس وقت وہ ان سب پر ان کے کاموں کی حقیقت کھول دیں گے جو وہ کرتے رہے ہیں (پھر اسی کے مطابق وہ ان کو بدلہ دیں گے) اور یہ (کفار مکہ) اللہ کی بڑی ہی (زوردار) قسمیں کھا کر کہتے ہیں۔ اگر کوئی نشانی ان کے پاس (فرمائشی آجائے تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے۔ تم کہہ دو (ان سے) نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں (جس طرح چاہتے ہیں ظاہر کرتے ہیں۔ میری حیثیت تو صرف ڈرانے والے کی ہے) اور تمہیں کیا معلوم (ان کے ایمان کا حال جب کہ نشانی آجائے گی۔ یعنی تم اس کو نہیں جانتے) اگر نشانیاں آ بھی جائیں جب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں (جیسا کہ علم الٰہی میں آچکا ہے اور ایک قرأت تاء کے ساتھ ہے کفار کو خطاب کرتے ہوئے اور دوسری قرأت میں ان مفتوح کے ساتھ ہے لعل کے معنی میں یا ماقبل کا معمول قرار دیتے ہوئے) ہم ان کے دلوں کو الٹ دیں (ان کے قلوب حق سے پھیر دیں کہ وہ اس کو سمجھ ہی نہ سکیں) اور ان کی نگاہوں کو (حق سے ہٹا دیں کہ وہ اس کو دیکھ کر ایمان ہی نہ لاسکیں) جس طرح ایمان نہیں لائے اس قرآن پر (جو کچھ آیات ہم نے نازل کی ہیں) پہلی دفعہ اور ہم انہیں چھوڑیں گے ان کی سرکشی (گمراہی) میں حیران (سرگرداں بھٹکتے ہوئے)۔

تحقیق وترکیب:............ بدیع. یہ خبر ہے مبتداء محذوف ھو کی یا یہ مبتداء ہے اور خبر انی یکون ہے کل شیء جلال محققؒ نے من شانہ ان یخلق کی قید لگا کر حق تعالیٰ کی ذات وصفات نکال دیں۔

علیم. اس آیت میں اللہ کے اولاد نہ ہونے پر تین طریقہ سے استدلال کیا گیا ہے۔ اول اس طرح کہ آسمان وزمین طویل المدت ہونے کی وجہ سے جب ولادت کے ساتھ متصف نہیں بلکہ اللہ کا ابداعی کارنامہ ہے تو خود حق تعالیٰ ازلی اور ابدی ہونے کے باوجود ولادت اور ولد سے منزہ ہیں یا اولاد چونکہ والد کی نظیر ہوتی ہے اور اللہ کی کوئی نظیر ہے نہیں اس لئے اس کی کوئی اولاد بھی نہیں۔ دوسرے اولاد کے لئے مجانس ہونا ضروری ہے اور واجب الوجود۔ اس سے منزہ ہے۔ تیسرے اولاد والد کی کفو ہوتی ہے اور چونکہ سارا عالم مخلوق ہے جو کفاءت کے منافی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ تمام معلومات کے ذاتی طور پر عالم ہیں اور یہ بات دنیا کی کسی دوسری چیز کو حاصل نہیں۔ اس لئے کوئی چیز اللہ کی کفو نہیں ہوسکتی۔ **ذلکم** یہ اشارہ ہے اوصاف مذکورہ کے موصوف کی طرف اور مبتداء ہے اور اللہ خبر اول اور ربکم خبر ثانی اور لا الہ خبر ثالث اور خالق خبر رابع اور **وھو** معطوف ہے **ذٰلکم** پر۔ غرضیکہ یہ اخبار مترادفہ بھی ہوسکتی ہے اور بعض خبر اور بعض بدل یا صفت بھی ہوسکتی ہے۔

لاتدرکه ۔ظاہر آیت معتزلہ کا متدل ہے جس کے جواب کی طرف جلال محققؒ نے اشارہ کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں اور بھی نصوص ہیں۔ مثلاً: **کلاانهم عن ربهم یومئذ لمحجوبون** ۔امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ بالتخصیص کفار کے محجوب ہونے سے مومنین کے لئے تجلی کا اثبات ہوتا ہے۔ آنحضرت (ﷺ) نے **الذین احسنو الحسنی وزیادة** ۔ میں لفظ زیادۃ کی تفسیر **النظر الی وجه الله** کے ساتھ فرمائی ہے اور جریر بن عبداللہ کی روایت بھی اس کی موید ہے جو مفسر علامؒ نے پیش کی ہے۔ باقی رویت اور ادراک بھی چونکہ فرق ہے جیسا کہ آیت **فلما تراء الجمعان قال اصحاب موسیٰ انا لمدرکون قال کلا** اور آیت **لاتخاف درکاً ولا تخشیٰ** سے معلوم ہوتا ہے کہ درک کی نفی ہوئی نہ کہ رویت کی۔ اس طرح یہاں بھی ادراک کی نفی کی گئی ہے۔ اس رویت کی نفی لازم نہیں آتی۔ جیسا کہ آیت **ولا یحیطون به علماً** میں احاطہ کی نفی کی گئی ہے۔ علم کی نفی مقصود نہیں بلکہ اس کا اثبات ہو رہا ہے چنانچہ سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں **لایحیط به الابصار** اور عطاءؒ فرماتے ہیں۔ **کلت ابصار المخلوقین من الاحاطة به** ۔ابن عباسؓ اور مقاتل فرماتے ہیں۔ **لاتدرک الابصار فی الدنیا وهو یریٰ فی الاخرة** ۔بہرحال امتناع رویت باری پر اس آیت سے معتزلہ کا استدلال کمزور ہے۔ کیونکہ ادراک سے مراد مطلق رویت نہیں ہے اور نہ آیت میں رویت کی نفی تمام اوقات اور اشخاص کے لئے عام ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بعض حالات کے ساتھ مخصوص ہو جیسا کہ مفسرؒ اشارہ کررہے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے **لا کل بصر یدرکه** یہ نفی امتناع کو واجب نہیں کرتی۔

وھذا. نفی مذکور کی طرف اشارہ ہے اور **لرویة المومنین الخ** علت تخصیص ہے۔

وقیـــــل. اس توجیہ پر علی الاطلاق عموم رہے گا۔ تخصیص کی حاجت نہیں۔ دنیا وآخرت میں کہیں بھی احاطہ کے ساتھ اللہ کی رویت نہیں ہوسکے گی۔

وھو یدرك پہلے جملہ کی طرف اس میں بھی دونوں توجیہیں ہوں گی۔ اول کی طرف **یراها الخ** سے اور دوسری کی طرف **اویحیط الخ** سے جلال محققؒ اشارہ کررہے ہیں۔

وھو اللطیف . مفسر علامؒ نے اس کو لطف سے لیا ہے۔ بمعنی رافت ومہربانی۔ لیکن اس سے زیادہ لطیف تفسیر یہ ہے کہ لطف بمعنی ادراک خفی سے ماخوذ مانا جائے یعنی وہ باریک بین ہیں۔ اس لفظ کا تعلق **لاتدرک الابصار** کے ساتھ ہو جائے گا اور الخبیر کا تعلق **وھو یدرک** سے ہوگا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ بابِ لف سے ہو۔ یعنی **لایدرکہ الابصار لانہ اللطیف وھو یدرکہ الابصار لا نہ الخبیر** ۔ اس صورت میں لطیف کثیف کے مقابل ہوگا۔

فیسبوا اللّٰہ ۔ سبِ اصنام اگرچہ فی نفسہ جائز ہے لیکن سبِ اللہ کے ذریعہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

جھد ایمانھم ۔ مصدر موضع حال میں ہے۔ لیکن مفسر علامؒ نے **غایۃ اجتھادھم** کہہ کر **اقسموا** کا مفعول مطلق ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مایشعرکم . ما استفہام مبتداء اور **یشعرکم** خبر ہے کاف مفعول اول ہے اور مفعول ثانی محذوف ہے جس کو جلال محققؒ نے **بایمانھم الخ** سے ظاہر کیا ہے۔ **ای مایعلمکم ایھا المؤمنون بایمانھم** بہرحال یہاں دو توجیہیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ استفہام انکاری ہو۔ **ای لایشعرکم شیء بانھا اذا جلوت یؤمنون فلذلک تمنون ونحن نعلم ذلک فلا نجی بھا** ۔

دوسری یہ کہ **مایشعرکم** کا مفعول محذوف ہو۔ **ای مایشعرکم مایکون منھم** .

انھا . ان مکسورہ کے ساتھ جملہ متانفہ ہے۔ یعنی مشرکین کے ایمان لانے سے امید منقطع کرنا ہے اور ان مفتوحہ کی قرأت ہو تو بمعنی لعل ہوگا۔ بولتے ہیں **ادخل السوق انک تشتری اللحم ونقلب** ۔ اس کا عطف **لایؤمنون** پر ہے۔ **ای ومایشعرکم انا حینئذ نقلب افئدتھم** ۔

ربط آیات :............ دلائل توحید کے بعد آیت **بدیع السموت الخ** سے توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال کیا جارہا ہے۔ پھر آیت **قد جاء کم الخ** سے رسالت کے متعلق بحث ہے کہ نبی ہونے کی حیثیت سے صرف احکام کے تبلیغ میں لگے رہئے اور اللہ کا بندہ ہونے کے لحاظ سے اس کی عبادت و بندگی میں لگئے، نہ تو ان کے غم میں گھلئے اور نہ ابطال شرک کے سلسلہ میں ان کے غلط معبودوں کو برا بھلا کہنے کی ضرورت۔

حدود تبلیغ میں سے یہ بھی ہے کہ دوسروں کے مذہبی پیشواؤں اور معبودوں کو دلخراش اور دل آزار کلموں سے یاد نہ کیا جائے کہ اس کا نتیجہ اللہ تعالیٰ اور دین حق کی شان میں گستاخی اور بدتمیزی ہوگی۔ جس کا سبب تم خود بنے۔ پھر آیت **واقسمو الخ** سے معاند کفار کی ہدایت سے یکسر ناامیدی کا اظہار ہے۔

شانِ نزول :............ آیت **انکم وما تعبدون من دون اللّٰہ حصب جھنم** نازل ہوئی تو مسلمانوں نے بتوں کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ جس سے مشتعل ہو کر مشرکین نے بھی اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنے کی اسکیم بنائی۔ اس پر یہ آیت **ولا تسبوا الخ** نازل ہوئی۔

ابن جریرؒ نے محمد قرظیؒ سے نقل کیا ہے کہ قریش کے ساتھ ایک مرتبہ اسلامی دعوت کے سلسلہ میں آنحضرت (ﷺ) کی گفتگو ہوئی تو کہنے لگے کہ آپ (ﷺ) جس طرح پچھلے انبیاء کے معجزات بیان کرتے ہیں اگر آپ (ﷺ) نبی ہیں تو خود بھی تو کچھ کر کے دکھلایئے۔ آپ (ﷺ) نے ان سے معجزہ کی تعیین چاہی تو کہنے لگے کہ صفا پہاڑ کو سونا بنا دیجئے۔ آپ (ﷺ) نے ان سے ایمان لانے

کا وعدہ لیا تو قسمیں کھا کر اطمینان دلانے لگے۔ آپ (ﷺ) دعا کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن جبرئیلؑ پیغام الٰہی لے کر آئے کہ آپ (ﷺ) چاہیں تو ایسا ہو جائے گا، مگر پھر بھی اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو پھر ان سب پر عذاب نازل ہوگا۔ اب آپ (ﷺ) چاہیں اس شق کو اختیار کیجئے اور یا یوں ہی رہنے دیجئے۔ جس کی قسمت میں ہوگا ایمان قبول کر لے گا۔ ورنہ خود اپنا نقصان کرے گا۔ آپ (ﷺ) نے آخری شق کو اختیار فرمایا۔ اس پر آیت **واقسموا** سے **یعمهون** تک نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: .... ان آیات میں دو مسئلے بحث طلب ہیں۔ ایک رویت باری کا۔ دوسرے جھوٹے معبودوں کو برا بھلا کہنے کا۔

رویت باری تعالیٰ:

اول مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ دنیا کی کوئی چیز خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، کسی بینائی کے احاطہ سے اس کا باہر ہونا خواہ وہ بینائی چھوٹی سے چھوٹی ہو۔ عقلاً محال نہیں ہے۔ برخلاف حق تعالیٰ کے کہ دنیا میں اگرچہ ان کو دیکھنے کا امکان ہے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست "رب ارنی" سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن شرعاً محال ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کے جواب "لن ترانی" سے معلوم ہوتا ہے اور احادیث میں بھی اس کی تصریح ہے۔ البتہ آخرت میں نہ صرف اللہ کے مرئی ومبصر ہونے کا امکان بلکہ نصوص کی رو سے اس کا وقوع بھی ہوگا۔ بہر حال اپنی حدود بینائی میں اور نگاہ کی گرفت میں اللہ کو لے لینا تو یقیناً ہر حال میں محال ہے۔ دنیا میں ہو یا دین میں اور یہ بات اللہ کے خواص میں سے ہے۔ اس لئے معتزلہ کا استدلال منہدم ہو گیا اور یہ شبہ بھی نہیں رہا کہ دنیا کے اور بڑے اجسام بھی ایسے ہیں جو ان آنکھوں کی پتلیوں کی گرفت میں نہیں آسکتے۔ کیونکہ ان کا گرفت میں آنا محال تو نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے خواص میں سے یہ محال ہونا بھی ہے۔

اسی کے مقابل اگلے جملہ **وهو یدرك الابصار** کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کا سب چیزوں کے لئے محیط ہونا واجب ہے۔ نفس ابصار اور رویت تو دوسرے دلائل سے ثابت ہے، لیکن مقام کی خصوصیت کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح پہلے جملہ میں نفی مرتبہ استحالہ میں معتبر تھی، اسی طرح اس جملہ میں ابصار کا اثبات مرتبہ وجوب میں معتبر ہے۔ پس دونوں حکموں کا خواص باری تعالیٰ میں سے ہونا معلوم ہو گیا۔

ردِ معتزلہ اور شیخ اکبرؒ کی تحقیق: .... معتزلہ آخرت میں بھی امتناع رویت باری تعالیٰ کے قائل ہیں۔ اول تو اس آیت سے اس کا جواب معلوم ہو گیا، دوسرے جب آنحضرت (ﷺ) سے واقعہ معراج کے سلسلہ میں سوال کیا گیا۔ **هل رایت ربک؟** تو آپ (ﷺ) سے دو جواب منقول ہیں۔ اول **نورانی اراہ**۔ اس سے تو بطور احاطہ رویت کی نفی مراد ہے۔ دوسرے **رایت نوراً** ہے جس سے مطلق رویت مراد ہے۔

نیز مستدرک حاکم کی تخریج سے ابن عباسؓ کی روایت ہے۔ "**رویت ربی عزوجل**" اسی قسم کی دوسری نصوص کو جلال محققؒ کے کہنے کے مطابق دنیا میں شرعی امتناع رویت کے حکم سے ان کو مخصوص کرنا پڑے گا۔

اور شیخ اکبرؒ کے مذاق پر تو اس توجیہ تخصیص کی بھی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ آسمانوں اور ان سے اوپر کے عالم کو عالم آخرت میں شمار کرتے ہیں۔ گویا ایک آخرت کا زمانہ ہے جو قیامت میں آئے گا اور ایک اس کا مکان ہے جو عالم بالا ہے۔ پس واقعہ معراج میں آنحضرت (ﷺ) کا تجلی الٰہی کو مشاہدہ درحقیقت آخرت میں مشاہدہ کرنا ہے نہ کہ دنیا میں کہ تخصیص کی ضرورت پڑے۔

معبودانِ باطل کو بُرا بھلا کہنا:............ دوسرا مسئلہ دیوی دیوتاؤں، بتوں کو برا بھلا کہنا، اگر چہ فی نفسہ مباح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کا سبب ہونے کی وجہ سے قبیح لغیرہ اور ممنوع ہے۔ پس اس سے ایک شرعی ضابطہ بھی معلوم ہوگیا کہ ذریعہ حرام حرام ہونا چاہئے۔

ادھر قرآن وحدیث میں توحید ورسالت کا اثبات اور شرک وکفر کا جہاں ابطال کیا گیا ہے ان کے جواب میں بعض دفعہ اگر چہ کفار گستاخانہ کلمات بکتے رہتے ہیں، مگر پھر بھی قرآن کریم میں ان مضامین کو بیان کیا گیا ہے اور اس قاعدہ کی وجہ سے کوئی رکاوٹ نہیں کی گئی۔ غور کرنے سے جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ فی نفسہ یہ مضامین چونکہ شرعاً واجب اور ضروری ہیں اس لئے بہرصورت ان کے بیان کو ضروری سمجھا گیا اور ان مفاسد کو نظر انداز کر دیا گیا۔ برخلاف بتوں کو برا بھلا کہنے کے وہ زیاہ سے زیادہ مباح ہے۔ اس پر اگر اس قسم کے مفاسد مرتب ہوتے ہیں تو صرف ان مفاسد کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا بلکہ خود اس مباح ہی کو ترک کر دیا جائے گا۔

دو بیش قیمت اصول اور تحقیق وتحقیر کا فرق:............ غرضیکہ اس آیت سے یہ دونوں اصول نہایت قیمتی مستفاد ہوئے۔ ایک تو مفاسد کی وجہ سے واجب کو نہ چھوڑنا بلکہ مفاسد کو نظر انداز کر دینا۔ دوسرے مفاسد کی وجہ سے مباح کو ترک کر دینا اور ان دونوں اصول میں فرق واضح ہے۔ البتہ قرآن کریم کی بعض آیات میں بتوں کی تحقیر مذکور ہے وہ بلحاظ سب وشتم نہیں بلکہ مناظرہ کے طریقہ پر استدلال اور الزام خصم مقصود ہے جس کا منشاء تحقیق ہے اور قرائن سے تحقیق اور تحقیر میں فرق واضح ہوسکتا ہے۔ اول جائز اور ثانی ناجائز ہے۔

شبہات کا ازالہ:............ قل انما الأیات سے جواب کا حاصل یہ ہے کہ نبی اور رسول ایک درجہ میں مدعی ہوتا ہے اور خوارق ومعجزات اس کے دعویٰ کی دلیل۔ پس با قاعدہ عقلی مدعی کے ذمہ اثبات دعویٰ کے لئے مطلق دلیل تو ضروری ہے، لیکن کسی خاص دلیل کی تعیین یا دوسروں کی طرف سے فرمائش غیر ضروری ہے۔ ہاں مدعی کے قائم کردہ دلائل پر جرح قدح کرنے کا حق البتہ دوسروں کو رہتا ہے جس کا اصالۃً یا نیابۃً ہر مدعی کے ذمہ ضروری ہے۔ چنانچہ عدالتوں کا دستور آئین بھی یہی ہے۔ اس لحاظ سے جدید آیات ومعجزات کی طلب وفرمائش بالکل غیر ضروری ہوگی۔

رہا یہ شبہ کہ اگر ایسا ہو جاتا تو کیا نقصان اور حرج تھا؟ تو اس حرج کی طرف شان نزول میں جبریلؑ جواب سے اشارہ کیا جاچکا ہے کہ نہ ماننے کی صورت میں ان پر عذاب نازل ہوتا۔

اور نقلب افئدتھم ۔ ان کے اعراض کی سزا ہے۔ یہ نہیں کہ ان کے اعراض کا سبب ہو کہ پہلے سے ان کے قلوب حق کی طرف متوجہ ہوں اور اس تقلیب کی وجہ سے پھر وہ حق سے برگشتہ ہوگئے ہوں۔ بلکہ اس سزائے خداوندی کا سبب ان کا اعراض کرنا ہے۔ اس لئے اب یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ حق تعالیٰ نے ہی جب ان کو خراب کر دیا تو پھر ان بے چاروں پر کیا الزام؟

لطائف آیات:............ آیت لاتدرکہ الابصار میں اگر بصر کو عام لیا جائے بصارت حسی وبصیرت باطنی سے جیسا کہ امام راغبؒ کی رائے ہے تو ادراک کی تفسیر علم بکنہ کے ساتھ ہوگی اور دنیا وآخرت دونوں کے لئے حکم عام رہے گا۔ لیکن اگر صرف حسی بصارت مراد لی جائے تو صرف دنیا میں رویت کی نفی مراد ہوگی۔

اور آیت وما انا علیکم بحفیظ ۔ میں طریق مشائخ کے اس معمول پر روشنی پڑتی ہے کہ حق ارشاد ادا کر کے پھر کسی کے

در پے نہیں ہوتی۔

آیت ولا تبسوا الخ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی طاعت غیر واجبہ کسی معصیت کا سبب بن جائے تو اس طاعت کو ترک کر دینا چاہئے۔ چنانچہ اہل ارشاد بہت سے ایسے کاموں سے منع کر دیتے ہیں جو ظاہراً طاعت معلوم ہوتے ہیں مگر ان کی نظر میں وہ مفاسد کا ذریعہ ہوتے ہیں اور دوسروں کی نظر وہاں تک نہیں پہنچتی۔

آیت واقسموا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ خوارق کے دیکھنے سے نفع لازم نہیں۔ اس لئے ان کی طلب وفرمائش ہدایت کا طریق نہیں بلکہ اس کا طریقہ بینات کا اتباع ہے۔

﴿الحمد للہ پارہ "واذا سمعوا" کی تفسیر وترجمہ وغیرہ تمام ہوئی۔﴾

پارہ نمبر ﴿۸﴾

وَلَوْ اَنَّنَا

فہرست پارہ ﴿وَلَوْ اَنَّنَا﴾

وَلَوْ اَنَّنَا

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى كَمَا اقْتَرَحُوْا **وَحَشَرْنَا** جَمَعْنَا **عَلَيْهِمْ كُلَّ شَىْءٍ قُبُلًا** بِضَمَّتَيْنِ جَمْعُ قَبِيْلٍ اَىْ فَوْجًا وَبِكَسْرِ الْقَافِ وَفَتْحِ الْبَاءِ اَىْ مُعَايَنَةً فَشَهِدُوْا بِصِدْقِكَ **مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا** لِمَا سَبَقَ فِىْ عِلْمِ اللّٰهِ **اِلَّآ** لٰكِنْ **اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ** اِيْمَانَهُمْ فَيُؤْمِنُوْنَ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ** ﴿۱۱۱﴾ ذٰلِكَ **وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا** كَمَا جَعَلْنَا هٰٓؤُلَآءِ اَعْدَآءَكَ وَيُبْدَلُ مِنْهُ **شَيٰطِيْنَ** مَرَدَةَ **الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِىْ** يُوَسْوِسُ **بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ** مُمَوَّهَهُ مِنَ الْبَاطِلِ **غُرُوْرًا** اَىْ لِيَغُرُّوْهُمْ **وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَافَعَلُوْهُ** اَىِ الْاِيْحَاءَ الْمَذْكُوْرَ **فَذَرْهُمْ** دَعِ الْكُفَّارَ **وَمَا يَفْتَرُوْنَ** ﴿۱۱۲﴾ مِنَ الْكُفْرِ وَغَيْرِهٖ مِمَّا زَيَّنَ لَهُمْ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ **وَلِتَصْغٰٓى** عَطْفٌ عَلٰى غُرُوْرًا اَىْ تَمِيْلُ **اِلَيْهِ** اَىِ الزُّخْرُفِ **اَفْئِدَةُ** قُلُوْبُ **الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا** يَكْتَسِبُوْا **مَاهُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ** ﴿۱۱۳﴾ مِنَ الذُّنُوْبِ فَيُعَاقَبُوْا عَلَيْهِ وَنَزَلَ لَمَّا طَلَبُوْا مِنَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهُمْ حَكَمًا **اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِىْ** اَطْلُبُ **حَكَمًا** قَاضِيًا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ **وَّهُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ** الْقُرْاٰنَ **مُفَصَّلًا** مُبَيَّنًا فِيْهِ الْحَقُّ مِنَ الْبَاطِلِ **وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ** التَّوْرٰةَ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهٖ **يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ** ﴿۱۱۴﴾ الشَّاكِّيْنَ فِيْهِ وَالْمُرَادُ بِذٰلِكَ التَّقْرِيْرُ لِلْكُفَّارِ اَنَّهٗ حَقٌّ **وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ** بِالْاَحْكَامِ وَالْمَوَاعِيْدِ **صِدْقًا وَّعَدْلًا** تَمْيِيْزٌ **لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ** بِنَقْصٍ اَوْ خُلْفٍ **وَهُوَ السَّمِيْعُ** لِمَا يُقَالُ **الْعَلِيْمُ** ﴿۱۱۵﴾ بِمَا يُفْعَلُ **وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ** اَىِ الْكُفَّارِ **يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** دِيْنِهٖ **اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ** فِىْ مُجَادَلَتِهِمْ لَكَ فِىْ اَمْرِ الْمَيْتَةِ اِذْ قَالُوْا مَاقَتَلَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَاْكُلُوْهُ مِمَّا قَتَلْتُمْ **وَاِنْ** مَا **هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ** ﴿۱۱۶﴾ يَكْذِبُوْنَ فِىْ ذٰلِكَ **اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ** اَىْ عَالِمٌ **مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ** ﴿۱۱۷﴾ فَيُجَازِىْ كُلًّا مِّنْهُمْ

فَكُلُوا مِمَّاذُكِرَاسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اَىْ ذُبِحَ عَلٰى اِسْمِهٖ **اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ** ﴿۱۱۸﴾ **وَمَالَكُمْ اَلَّاتَاْكُلُوْا مِمَّاذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ** مِنَ الذَّبَائِحِ **وَقَدْ فَصَّلَ** بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَلِلْفَاعِلِ فِى الْفِعْلَيْنِ **لَكُمْ مَّاحَرَّمَ عَلَيْكُمْ** فِىْ اٰيَةِ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ **اِلَّامَااضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ** مِنْهُ فَهُوَ اَيْضًا حَلَالٌ لَكُمُ الْمَعْنٰى لَامَانِعَ لَكُمْ مِنْ اَكْلِ مَاذُكِرَ وَقَدْبَيَّنَ لَكُمُ الْمُحَرَّمَ اَكْلُهٗ وَهٰذَا لَيْسَ مِنْهُ **وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ** بِفَتْحِ الْيَاءِ وَضَمِّهَا **بِاَهْوَآئِهِمْ** بِمَاتَهْوَاهُ اَنْفُسُهُمْ مِنْ تَحْلِيْلِ الْمَيْتَةِ وَغَيْرِهَا **بِغَيْرِ عِلْمٍ** يَعْتَمِدُوْنَهٗ فِىْ ذٰلِكَ **اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ** ﴿۱۱۹﴾ اَلْمُتَجَاوِزِيْنَ الْحَلَالَ اِلَى الْحَرَامِ **وَذَرُوْا** اُتْرُكُوْا **ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ** عَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ وَالْاِثْمُ قِيْلَ الزِّنَا وَقِيْلَ كُلُّ مَعْصِيَةٍ **اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ** فِى الْاٰخِرَةِ **بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ** ﴿۱۲۰﴾ يَكْتَسِبُوْنَ **وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ** بِاَنْ مَاتَ اَوْ ذُبِحَ عَلٰى اِسْمِ غَيْرِهٖ وَاِلَّا فَمَا ذَبَحَهُ الْمُسْلِمُ وَلَمْ يُسَمِّ فِيْهِ عَمَدًا اَوْ نِسْيَانًا فَهُوَ حَلَالٌ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِىُّ **وَاِنَّهٗ** اَىِ الْاَكْلُ مِنْهُ **لَفِسْقٌ** خُرُوْجٌ عَمَّايَحِلُّ **وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ** يُوَسْوِسُوْنَ **اِلٰى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ** الْكُفَّارِ **لِيُجَادِلُوْكُمْ** فِىْ تَحْلِيْلِ الْمَيْتَةِ **وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ** فِيْهِ **اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ** ﴿۱۲۱﴾

ترجمہ: ....اور اگر ہم ان پر فرشتے اتار دیتے اور مردے ان سے باتیں کرنے لگے (ان کی فرمائش کے مطابق) اور لاکھڑی کردیتے (جمع کردیتے) ان کے سامنے سب چیزیں (قبل ضمتین کے ساتھ قبیل کی جمع ہے یعنی فوج درفوج اور قبل کسر قاف اور فتح با کے ساتھ یعنی بالمشافہ آپ کی سچائی کی شہادت دیں) جب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں (جیسا کہ علم الٰہی میں طے ہو چکا ہے) الا یہ کہ (ہاں اگر) اللہ ہی کی مشیت ہو (کہ وہ ایمان لے آئیں تو وہ ایمان لے آئیں گے) لیکن ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو (اس حقیقت سے) واقف نہیں ہیں اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے بہت سے دشمن پیدا کردئیے تھے (جیسے یہ لوگ تمہارے دشمن بنادیئے ہیں۔ اس کا بدل آگے ہے) کچھ شیطان (شریر) آدمی اور جنات جو آپس میں ایک دوسرے کو سکھاتے ہیں (وسوسہ میں ڈالتے ہیں) چکنی چپڑی (خوشنما باطل سے ملمع) باتیں تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں (مبتلائے فریب کرنے کے لئے) اور اگر تمہارے پروردگار چاہتے تو وہ ایسے کام نہ کرسکتے (یعنی ایک دوسرے کو مطمع ساز باتوں کی تلقین نہ کرسکتے) پس ان کو رہنے دیجئے (کفار کو نظر انداز کردیجئے) اور ان کی افتراء پردازیوں کو (کفر وغیرہ) کی جو باتیں ان کے لئے جاذب معلوم ہوتی ہیں۔ یہ حکم جہاد سے پہلے کا تھا) اور تاکہ جھک پڑیں (اس کا عطف ''غرور'' پر ہو رہا ہے یعنی مائل ہوں) ان (پرفریب) باتوں کی طرف ان لوگوں کے دل جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور ان کی باتیں پسند کریں اور تاکہ بدکرداریاں کرنے لگیں جیسی کچھ بدکرداریاں وہ خود کرتے ہیں۔ (گناہ آلود۔ پھر اس پر ان کو سزا ہو۔) (اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ ﷺ اپنے اور لوگوں کے درمیان حکم تجویز کردیجئے) کیا میں اللہ کے سوا ڈھونڈھوں (تلاش کروں) دوسرا کوئی منصف (جو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والا سرپنچ ہو) حالانکہ وہی ہے جس نے تم پر نازل کی ہی اپنی کتاب (قرآن) جس کے مضامین خوب صاف صاف ہیں (جس میں حق کو باطل سے بالکل چھانٹ دیا گیا ہے) اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب (تورات) دی ہے (جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے رفقاء وہ

اچھی طرح جانتے ہیں کہ قرآن نازل ہوا ہے (تخفیف وتشدید کے ساتھ ہے) آپ ﷺ کے پروردگار کی طرف سے سچائی کے ساتھ۔ سو آپ ﷺ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیے۔ (شک نہ ڈالئے۔ دراصل اس جملہ کا مقصد کفار پر واضح کرنا ہے کہ یہ حق ہے) اور آپ ﷺ کے پروردگار کا کلام (حکم اور وعدہ) پورا ہو گیا۔ سچائی اور انصاف کے اعتبار سے (یہ تمیز ہے) ان کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں (ان کے کلام میں نقصان یا خلاف ثابت کر کے) وہ خوب سن رہے ہیں (جو کچھ کہا جا رہا ہے) اور خوب جان رہے ہیں (جو کچھ کہا جا رہا ہے) اگر آپ ﷺ ان لوگوں کا کہا ماننے لگیں جو دنیا میں زیادہ ہیں (کفار) تو وہ آپ ﷺ کو اللہ کی راہ (دین) سے بچلا دیں گے۔ نہیں ہیں یہ (ان نافیہ بمعنی ما ہے) مگر محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں (مردار جانور کے سلسلہ میں آپ ﷺ سے کٹ حجتی کرتی ہیں کہ اللہ کی ماری چیز تمہارے ذبح کئے ہوئے جانور سے کھانے کے لائق ہیں) اور بالکل بے تکی قیاس آرائیاں کرتے ہیں (اس بارے میں آپ ﷺ کو جھٹلاتے ہیں۔ بلاشبہ آپ ﷺ کے پروردگار خوب جانتے ہیں (یعنی باخبر ہیں) کہ کون ان کی راہ سے بہک رہا ہے اور کون ہے جنہوں نے ان کی راہ پالی ہے (چنانچہ ان میں سے ہر ایک کو وہ بدلہ بھی دیں گے) پس جس جانور پر اللہ کا نام لیا گیا ہے (یعنی ان کے نام پر ذبح کیا گیا ہے) اسے بلا تامل کھاؤ۔ اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو اور تمہارے لئے کیا رکاوٹ ہے کہ تم اس جانور کا گوشت نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے (ذبح کیا گیا ہے) حالانکہ تمہارے لئے تفصیل بیان کر دی ہے (دونوں لفظ مجہول ومعروف دونوں طرح ہیں) جو جانور تم پر حرام کر دیئے گئے ہیں (آیت **حرمت علیکم المیتۃ** میں) مگر وہ بھی جب تمہیں سخت مجبوری پڑ جائے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے (وہ بھی تمہارے لئے حلال ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مذکورہ چیزوں کے کھانے میں تمہیں کیا رکاوٹ ہے۔ جبکہ حرام چیزوں کو تمہیں بتلا دیا گیا ہے اور یہ ان میں سے نہیں ہیں) اور یہ یقینی بات ہے کہ بہت سے لوگ ہیں جو لوگوں کو بہکاتے رہتے ہیں (**یضلون** فتح یا اور ضم یا کے ساتھ دونوں طرح ہے) محض اپنی نفسانی خواہشوں سے (مردار وغیرہ کو حلال کرنے کی طرف جو ان کے نفس مائل ہیں) بلا کسی سند کے (جو اس بارے میں قابل وثوق ہو) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ﷺ کے پروردگار حد سے بڑھ جانے والے کو خوب جانتے ہیں (جو حلال چھوڑ کر حرام کی طرف جا رہے ہیں) اور چھوڑ دو (ترک کر دو) ظاہری گناہوں یا باطنی (اعلانیہ ہوں یا پوشیدہ اور اثــــم سے مراد صرف زنا ہے یا عام گناہ) جو لوگ گناہ کماتے ہیں وہ ضرور بدلہ پائیں گے (آخرت میں) جو کچھ وہ کر رہے ہیں (کما رہے ہیں) اور جس جانور پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ (مثلاً: خود مر جائے یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کر دیا جائے۔ البتہ مسلمان نے جس جانور کو ذبح کیا ہو اور اس پر اللہ کا نام جان کر یا بھولے سے رہ گیا ہو تو وہ حلال ہے۔ جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے ہے اور امام شافعیؒ کا مذہب بھی یہی ہے) اس کا گوشت نہ کھاؤ کہ یہ (اس گوشت میں سے کھانا) نافرمانی کی بات ہے (جائز حد سے باہر ہونا ہے) اور شیطان سکھاتے رہتے ہیں (وسوسے ڈالتے رہتے ہیں) اپنے دوستوں (کفار) کے دلوں میں تاکہ تم سے یہ کج بحثی کرتے رہیں (مردار کو حلال کرنے میں) اور اگر تم نے (اس بارے میں) ان کا کہا مان لیا تو تم بھی شرک کرنے والوں میں سے ہوئے۔

تحقیق وترکیب: .... **قبــل** اکثر کی قرأت پر ضمین کے ساتھ **قبیــل** کی جمع ہے بمعنی صف اور دوسری قرأت پر فتح کے ساتھ مصدر ہے۔ بمعنی منہ درمنہ، آمنے سامنے۔

عــدوا چنانچہ بنی اسرائیل نے ایک ایک روز میں ستر انبیاء کو قتل کیا ہے۔ **شیــطیــن** شیر یر انسانوں کا فتنہ بہ نسبت جناتی شیاطین کے چونکہ بڑھا ہوا ہے اس لئے شیاطین الانس کو مقدم کیا گیا ہے۔ چنانچہ مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ شیاطین الجن کی کاٹ تو استعاذہ سے ہو سکتی ہے لیکن انسانی شیطان تو اور گناہوں کی طرف کھینچتے ہیں۔ غزالیؒ فرماتے ہیں کہ شیاطین الجن سے تو امان مل سکتا ہے لیکن شیاطین الانس زیادہ موذی اور تکلیف دہ ہیں۔ اس لئے ان سے بچاؤ کی ضرورت ہے اور بعض نے شیاطین کی یہ دو قسمیں انسانی اور

جناتی نہیں کیں۔ بلکہ کل شیاطین کو ابلیس قرار دیا۔

یوحی. یہ جملہ مستانفہ ہے یا شیاطن سے حال ہے یا عدو کی صفت ہے۔ وحی کے اصل معنی اشارہ سریعہ کے ہیں۔ یہ کبھی کلام کے ساتھ بطور رمز کے ہوتا ہے اور کبھی بلاترکیب محض آواز اور کبھی جوارح سے اشارہ کے ساتھ اور کبھی کتابت کی صورت میں اور کبھی القاء اور وسوسہ سے بھی وحی کہلاتی ہے۔

زخرف. بولتے ہیں۔ **فلان یزخرف کلامہ** ۔یعنی باطن باطل ہے اور ظاہر آراستہ، **افغیر اللّٰہ**. ہمزہ انکاری ہے اور فاعطف کے لئے ہے مقدر پر۔ **ای اسیل الی زخارف الشیاطین فابتغی حکماً** ۔یہ کلام مستانف ہوگا اور بعض کی رائے پر **غیر** کا نصب دووجہ سے ہوسکتا ہے ایک یہ کہ **ابتغی** کا مفعول مقدم ہو اور ہمزہ کا تعلق ماقبل سے ہو۔اس صورت میں لفظ **حکماً** حال ہے اور یا غیر کی تمیز اور دوسری صورت یہ ہے کہ لفظ غیر **حکماً** سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہو اور حکماً مفعول بہ ہو، غرضیکہ غیر کے منصوب ہونے کی دو وجہیں ہوئیں اور **حکماً** کے منصوب ہونے کی تین وجہیں ہوتیں۔حال اور تمیز اور مفعول ہونا اور **حکم** کا لفظ بمقابلہ حاکم زیادہ بلیغ ہے کیونکہ حکم کہتے ہیں جس سے بار بار فیصلہ صادر ہو۔ برخلاف حاکم کے وہ ایک دفعہ بھی فیصلہ کردے تو حاکم کہلاسکتا ہے۔نیز حکم ہمیشہ منصفانہ فیصلہ کرتا ہے۔برخلاف حاکم کے وہ ظالم بھی ہوسکتا ہے۔

فلا تکونن مقصد آپ کو نہی اور منع کرنا نہیں ہے، کیونکہ آپ کو قطعاً تردد اور شک نہیں تھا، بلکہ منشاء تقریر ہے کہ قرآن منزل من اللہ ہے یا یہ کہ اہل کتاب بھی اس کے منزل من اللہ ہونے کو جانتے ہیں۔

بالاحکام والمواعید ۔ان دونوں لفظوں کا تعلق اگلے دونوں لفظوں سے ہے۔لیکن لف ونشر غیر مرتب طور پر عدل کا تعلق احکام کے ساتھ اور صدق کا تعلق اخبار ومواعید کے ساتھ۔عبارت میں تقدیم تاخیر ہوگئی۔ اصل عبارت اس طرح ہونی چاہئے تھی۔ **تمت کلمات ربک من جھة الصدق کالاخبار والمواعید والعدل کالاحکام**. یہ گویا منجانب اللہ قران کریم کی حفاظت کا وعدہ ہے۔

انا نحن نزلنا الخ کی طرح **صدقاً** و **عدلاً** تمیز ہیں ورنہ دراصل فاعل یا حال یا مفعول لہ تھے۔

اکثر من فی الارض اسے دنیا کی اکثریت کا گمراہ اور اقلیت کا ہدایت یافتہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اعلم. اسم تفضیل بمعنی اسم فاعل ہے۔اس لئے یہ شبہ نہیں رہا کہ اسم تفضیل منصوب نہیں ہوا کرتا اگرچہ بعض لوگ کمی کے ساتھ نصب کی بھی اجازت دیتے ہیں اور قاضی کی رائے پر من موصولہ یا موصوفہ محل نصب میں ہے۔ایسے **فعل** سے جس پر لفظ اعلم دلالت کرتا ہے کیونکہ لفظ اعلم اسم ظاہر کو نصب نہیں دیا کرتا۔ایسے مواقع پر یامن استفہامیہ اور ابتداء کی وجہ سے مرفوع ہے اور یضل خبر ہے **فصل** لفظ فصل اور **حرم** دونوں مجہول ومعروف ہیں۔ابن کثیرؒ، ابوعمرو، ابن عامر مجہول اور باقی قراء معروف پڑھتے ہیں۔نیز حفصؒ دونوں کو معروف اور باقی قراء مجہول پڑھتے ہیں۔

ظاھر الاثم وباطنہ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ ظاہرہ گناہ وہ ہے جو انسان جوارح سے کرے اور باطنی وہ جس کو قلب سے کرے اور کلبیؒ ظاہر سے مراد زنا اور باطن سے مراد زمین کا فساد لیتے ہیں۔لیکن اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ظاہر سے کھلم کھلا زنا اور باطن سے مراد در پردہ زنا ہے اور سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ ظاہر سے مراد نکاح محارم ہے اور باطنی سے مراد ترنا ہے اور ابن زید کی رائے ہے کہ ظاہری گناہ سے مراد ننگا ہونا اور برہنہ طواف کرنا ہے اور باطن سے مراد ترنا ہے۔چنانچہ حبان نے کلبی سے روایت کی ہے کہ ظاہر اثم سے مراد مردوں کا دن میں برہنہ طواف کرنا اور باطن سے مراد رات کو برہنہ طواف کرنا ہے۔بہر حال یہ نہی بقول امام رازی تمام محرمات کو عام

ہے اور تمام گناہ ان ہی دو قسموں میں منحصر ہیں۔ ولا تکلوا. مسلمان کا ذبیحہ متروک التسمیہ میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت تو مطلقاً تحریم کی قائل ہے۔ عامداً ہو یا ناسیاً۔ ابن سیرین اور شعبی کی رائے یہی ہے اور ظاہر آیت سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن ابن عباسؓ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ سے مطلقاً تحلیل منقول ہے اور ایک جماعت کی رائے ہے کہ عامداً حرم اور ناسیاً حلال ہے۔ جیسا کہ امام اعظمؒ اور ثوریؒ کی رائے ہے۔ جو لوگ اباحت کے قائل ہیں وہ آیت سے مراد مردار جانور یا غیر اللہ کے نام سے مذبوحہ جانور مراد لیتے ہیں۔ لیکن اچھا یہ ہے کہ یہ آیت **وما اهل لغير الله** سے مخصوص کر لی جائے۔ رہا مردار جانور سو اس کا حکم[1] دوسری آیات سے معلوم ہو سکتا ہے۔ مثلاً: سورۂ مائدہ کی آیت اور آیت **قل لا اجد الخ** سے یہ حکم معلوم ہو گیا۔ امام اعظمؒ کی تائید احادیث **كلو افان تسمية الله في قلب كل مومن** اور **ذبيحة المسلم هلال وان لم يذكر اسم الله عليها** سے ہوتی ہے۔ او ذبح یعنی اگر چہ غیر اللہ کا نام لئے بغیر جانور ذبح کر دیا جائے۔ البتہ اگر کتابی اللہ کا نام لئے بغیر ذبح کر دے اور غیر اللہ کا نام بھی نہ لے تو امام مالک کے نزدیک اس کا کھانا جائز ہے۔ لیکن اگر مسلمان اللہ کے ساتھ غیر اللہ کا نام بھی لے لے تو پھر اس کا ذبیحہ حرام رہے گا۔ وعلیہ الشافعیؒ امام اعظمؒ عامداً اور ناسیاً کا فرق کرتے ہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے۔

ربط آیات: ...... معاندانہ فرمائشی نشانیوں کے جواب کا سلسلہ چل رہا ہے۔ آیت **ولو اننا الخ** بھی اسی کی ایک کڑی ہے۔ آیت **وكذلك الخ** سے آنحضرت ﷺ کی تسلی مقصود ہے کہ اچھے لوگوں کے ساتھ برے لوگوں کی عداوت کا سلسلہ تو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ اور اسی پر اسی قسم کے آثار مرتب ہوتے رہے ہیں۔ اس لئے آپ فکر مند نہ ہو جائیے۔ آیت **افغير الله الخ** میں نبوت پر کافی اور وافی دلیل پیش کی جا رہی ہے۔ یعنی قرآن کریم اور پھر اس کے ماننے نہ ماننے والوں کے مابین فرق پر بھی روشنی ڈالی جا رہی ہے۔
پھر آیت **وان تطع الخ** میں مطلقاً معاندین کا اتباع کرنے سے آپ کو روکا جا رہا ہے اور **فكلوا الخ** سے مذبوحہ اور غیر مذبوحہ جانوروں میں فرق کے سلسلہ میں کفار کے رکیک شبہات کی تقلید سے منع کیا جا رہا ہے۔

شانِ نزول: .... ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آیت **لا تاكلوا** تحریم میتہ وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور عطاء کی رائے ہے کہ بتوں کے نام پر مذبوحہ جانوروں کے سلسلہ میں آیت نازل ہوئی ہے۔ کفار نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ طبعی موت سے مرنے والے جانور کو کون مارتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ! اس پر کفار از راہ طنز کہنے لگی کہ اللہ کے مارے ہوئے جانور کو تو تم لوگ نہیں کھاتے ہو اور اپنے مارے ہوئے جانور کو کھا لیتے ہو؟ یہ شبہ بعض سادہ لوح مسلمانوں کے ذہن میں بھی جم گیا۔ اس پر ان آیات کا نزول ہوا۔

﴿ **تشریح** ﴾: .... **انسانی اور جناتی شیاطین:** .... بقرینہ تقسیم اس آیت میں شیطان سے مراد مجازاً عام معنی لئے گئے ہیں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر جگہ حقیقی معنی ترک کر دیئے جائیں اور صرف مجازی معنی ہی مراد لئے جائیں بلکہ اگر غور کیا جائے تو مجاز حقیقت کی فرع ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اس آیت سے بھی وجود جنات پر روشنی پڑ رہی ہے۔ لہٰذا اس مجاز سے حقیقت جن کے انکار پر استدلال کرنا نہایت عبث ہے اور اس وسوسہ پر چونکہ فعل کی طرف میلان بلکہ جزم مرتب ہو رہا ہے۔ اس لئے اس وسوسہ پر مذمت کی گئی ہے۔ جو فی الحقیقت عزم پر مذمت ہے۔ ورنہ محض وسوسہ مضر نہیں ہوتا۔ اگر چہ وسوسہ ڈالنے والے کے حق میں

[1] ترجمہ حدیث: تم ایسے جانور کو کھا سکتے ہو کیونکہ اللہ کا نام ہر مسلمان کے دل میں ہوتا ہے اور مسلمان کا ذبیحہ حلال ہوتا ہے اگر چہ اس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے۔ ۱۲

یہ وسوسہ اندازی بھی گناہ ہے کیونکہ اس کا اپنا ارادہ دوسرے کو مبتلائے گمراہی وغرور کرنا ہوتا ہے اور برائیوں سے بچانے میں آخرت کے ڈر کو زیادہ دخل ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی تخصیص کی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ کو ماننے کے باوجود اگر کوئی آخرت کا قائل نہ ہو تو وہ برائیوں سے زیادہ نہیں بچے گا۔ آیت **لاتکونن** اور **ان تطع** اور **ابتغی** میں جو فعل کی اسناد آنحضرت ﷺ کی طرف سے کی گئی ہے وہ بطریقہ مبالغہ ہے۔ مقصد دوسروں کو سنانا ہے کہ جب آپ ﷺ کو باوجود احتمال نہ ہونے کے اس کا خطاب کیا گیا ہے تو دوسروں کی کیا ہستی؟

قرآن کریم کے چھ کمال: ....اس آیت میں قرآن کریم کے چھ کمالات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ بلحاظ بلاغت کمال ذاتی کی طرف **الکتاب** میں اشارہ ہے اور بلحاظ کمیت احکام ذاتی کمال کی طرف لفظ **مفصلا** سے اور احکام کی صفت وکیفیت اس کی طرف **صدقا وعدلا** سے اشارہ کر دیا ہے اور بلحاظ کمال اضافی یعنی نازل کنندہ کے **ھو الذی انزل** سے اور بلحاظ نازل شدہ ہونے کے جب کہ دوسری کتابیں اس کی مؤید ہوں لفظ **یعلمون** میں اور دوسری کتابوں پر فوقیت وافضلیت ہونے کے لحاظ سے **لامبدل** میں اشارہ ہے۔

اُصول وفروع کے طریقہ استدلال میں فرق: .... **وتمت کلمت ربك** الخ سے جواب کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور حکم بردار ہوتے ہیں، اس لئے جب انہیں حلال وحرام کی تفصیل بتادی جاتی ہے تو انہیں اس پر چلتے رہنا چاہئے۔ حرام کے حلال یا حلال کے حرام ہونے کا شبہ ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔ مشرکین کو تو محض مجادلہ مقصود ہے اس لئے ان کے وساوس کی طرف التفات نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ کسی مذہب کے اصول ثابت کرنے کے لئے تو عقلی دلائل درکار ہوا کرتے ہیں۔ لیکن اصول ثابت ہونے کے بعد جزئیات اور فرعیات کے لئے صرف دلائل نقلیہ کافی ہوا کرتے ہیں۔ ان میں عقلیات کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ بعض دفعہ عقلیات مضر ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ فرعیات میں قطعی دلیل نہیں ہوا کرتی۔ اس سے تو مزید شبہات کے دروازے کھلتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی جویائے حق اطمینان قلب چاہے تو اس کے سامنے تبرعاً اگر دلائل اقناعیہ یا خطابیہ ذکر کر دیئے جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ معترض مجادل کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے بلکہ اپنے کام میں لگنا چاہئے۔ تاہم اگر کوئی معترض کسی فرعی حکم کا کسی عقلی اور قطعی دلیل کے خلاف ہونا ثابت کرنا چاہے تو بلاشبہ مدعی حق کے ذمہ اس کا جواب ہونا چاہئے۔ لیکن مشرکین کے شبہ میں اس احتمال کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اس لئے یہاں اس کے شبہ کا صراحۃً جواب بھی مذکور نہیں ہے بلکہ صرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ **کلوا** کے ساتھ اللہ کا نام لینا اور **لاتاکلوا** کے ساتھ اللہ کا نام نہ لینا مذکور ہے اور عادۃً اور نیز دوسرے دلائل سے یہ بات معلوم ہے کہ اللہ کا نام ذبح کے وقت لیا جاتا ہے اور **لم یذکر اسم اللہ** دو صورتوں میں صادق آسکتا ہے یا تو ذبح نہ ہو اور یا ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا جائے۔

حاصل جواب: ....پس حاصل جواب یہ ہوا کہ حلال ہونے کا مدار دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔ ایک ذبح جس سے ناپاک خون نکل جائے جو مانع حلت تھا۔ دوسرے اللہ کا نام لینا کہ باعث برکت ہے اور حیوانات دمویہ کے لئے شرط حلت ہے۔ غرضیکہ شرط کا وجود اور اتمام علت کے لئے جو مانع ہو اس کا عدم حلت کے لئے دونوں باتیں ضروری ہیں۔ اس مجموعہ میں سے ایک جز کے اٹھ جانے سے گویا علت تامہ اٹھ جائے گی۔ اس لئے اس پر معلول کیسے متفرع ہو سکتا ہے۔ البتہ یہ ایک فقہی فرع ہے کہ اللہ کا نام اگر حکماً نہ لیا ہو جیسے متروک التسمیہ جانور۔ تب بھی اس کو بمنزلہ حقیقت کے قرار دیا گیا ہے۔ البتہ جو حلال جانور دموی نہ ہوں یا کھانے کی چیز میں جانوروں کے علاوہ ہوں۔ ان میں چونکہ ناپاک خون شامل نہیں ہے، اس لئے ممکن ہے ان کے پاک کرنے کے لئے حصول برکت کے اس خاص طریقہ کی ضرورت نہ سمجھی گئی ہو اور وہ اللہ کا نام لئے بغیر حلال قرار دی گئی ہوں۔ یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔

ذبح اختیاری وغیر اختیاری اور متروک التسمیہ ذبیحہ: .... ماذکر اسم اللّٰہ میں اختیاری ذبح اور اضطراری ذبح اور ذکر حقیقی وحکمی سب صورتیں داخل ہیں۔ ذبح اضطراری کا مطلب یہ ہے کہ تیر، باز، شکاری، کتا بسم اللہ پڑھ کر چھوڑے جائیں تو ایسا زخمی شکار حلال ہے۔ پس امام اعظمؒ کے نزدیک بھولے سے بسم اللہ رہ جانا بھی مذکور التسمیہ میں حکماً داخل ہے۔ البتہ جان کر بسم اللہ چھوڑنے سے جانور حرام رہے گا۔ باقی امام شافعیؒ کو متروک التسمیہ عائداً کی صورت میں اس نص قطعی کا مخالف سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مالم یذکر اسم اللّٰہ کی تفسیر غیر اللہ کا نام پڑھنے سے کرتے ہیں۔ جس پر وانہ لفسق کو قرینہ بتلاتے ہیں۔

مردار جانور میں رخصت شرعی: .... اہل اصول اس آیت سے یہ سمجھے ہیں کہ میتہ کی حرمت مضطر اور مکرہ کے حق میں الاما اضطررتم استثناء کی وجہ سے بالکل ساقط ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر پھر بھی کوئی صبر کرے اور مردار نہ کھائے۔ حتیٰ کہ مر جائے تو وہ گناہگار مرے گا۔ پس گویا یہ رخصت کی چوتھی قسم ہوئی۔ کیونکہ یہاں حرمت سے استثناء ہو رہا ہے برخلاف حالت اضطرار میں حکم کفر کہنے کے وہاں بھی الامن اکرہ اگرچہ استثناء موجود ہے لیکن وہ حرمت سے استثناء نہیں ہے بلکہ غضب اور عذاب سے استثناء ہے۔ پس ہوسکتا ہے کہ حرمت باقی رہے اور عذاب وغضب عارضی اکراہ کی وجہ سے منتفی ہو جائے۔ چنانچہ رخصت حقیقی کی یہ قسم اتم ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی صبر کر کے جان دے دے تو شہید کہلائے گا۔

متروک التسمیہ مذبوحہ جانور کے متعلق فقہاء کی رائے مختلف ہے۔ حنفیہ عامداً کو حرام اور ناسیاً کو حلال فرماتے ہیں اور امام احمدؒ اور داؤد ظاہریؒ دونوں صورتوں کو مطلقاً حرام سمجھتے ہیں اور امام شافعیؒ دونوں کو حلال مانتے ہیں اور مالم یذکر اسم اللّٰہ کے معنی یہ کہتے ہیں کہ ذبح کے وقت جن پر غیر اللہ لات وعزیٰ بتوں کا نام لیا جائے یا جانور طبعی موت مر جائے۔ کیونکہ متروک التسمیہ فسق نہیں۔ بلکہ فسق کی یہی دو صورتیں ہیں۔ مردار جانور یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور لہٰذا متروک التسمیہ کی مطلقاً دونوں صورتیں حرام نہ ہوئیں بلکہ وہ حلال رہیں۔

لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ ظاہر آیت سے مطلقاً حرمت ہی معلوم ہوتی ہے۔ جیسا کہ حنابلہ کی رائے ہے۔ تاہم آیت لاتؤاخذنا ان نسینا الخ سے اور حدیث[1] تسمیۃ اللّٰہ فی اقلب کل مسلم کی وجہ سے متروک التسمیہ ناسیاً کو ہم جائز اور حلال سمجھتے ہیں۔

حنفیہ کی طرف سے جوابات: .... اور رہے شوافع کے دلائل ان کا جواب شرح وقایہ میں مذکور ہے۔ منجملہ ان کے قل لااجد الخ کا حصر اگر حقیقی بھی مان لیا جائے تب بھی پہلے اعتبار سے ہے۔ متروک التسمیہ کی حرمت کا نزول بعد میں ہوا جو اس کے منافی نہیں ہے۔ اس لئے کذب لازم نہیں آتا۔

یا کہا جائے کہ قل لاجد میں حصر اضافی ہے۔ یعنی حلال بکری کو حرام سمجھنے کے جواب میں کہا جاتا ہے ورنہ حصر حقیقی کی صورت میں بہت سی حرام چیزوں کی وجہ سے کذب لازم آئے گا جیسے ذی ناب مخلب وغیرہ جانور۔ بہرحال متروک التسمیہ ناسیاً کے حلال ہونے میں شوافع کو یہ مغالطہ ہو گیا کہ حنفیہ مالم یذکر کے عموم میں تخصیص کر رہے ہیں۔ پس اس تخصیص کے بعد عام مخصوص ظنی ہو گیا۔ جس کی تخصیص دوبارہ خبر واحد[2] المسلم یذبح علی اسم اللّٰہ سمی اولم یسم سے بھی ہوسکتی ہے اور عائداً کو

---

[1] اللہ کا نام ہر مسلمان کے دل میں ہوتا ہے۔۱۲

[2] مسلمان اللہ کے نام پر ہی ذبح کرتا ہے۔ بسم اللہ پڑھے یا نہ پڑھے۱۲۔

ناسیاً پر قیاس کر کے بھی ہو سکتی ہے۔ جس کا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ آیت میں عموم قطعی غیر مخصوص ہے کیونکہ ناسیاً متروک التسمیہ دراصل مذکور التسمیہ میں داخل ہے۔ امام مالکؒ کا مذہب ان کی کتابوں سے تو معلوم نہیں۔ دوسروں کی کتابوں میں جو کچھ مذکور ہے وہ قابل اطمینان نہیں۔ مثلاً: ہدایہ اور شرح وقایہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد اور داؤد ظاہری کی طرح ان کی نزدیک بھی عامداً کی طرح ناسیاً حلال نہیں ہے۔ لیکن بیضاوی میں امام مالکؒ کو امام شافعی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور شیخ عصام نے صاحب انصاف مالکی کے حوالہ سے۔ امام مالک کی ایک روایت کا امام ابوحنیفہ کے موافق ہونا بیان کیا ہے۔ تاہم صحیح مذہب کی تعیین کتب مذہب ہی سے ہو سکتی ہے۔

لطائف آیات:............ آیت ان یتبعون الخ میں چونکہ ظن سے مراد وہ ظن ہے جو کسی شرعی دلیل کی طرف مستند نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ احکام میں کشف والہام حجت نہیں۔ بالخصوص ان پر جزم کرنا بالکل باطل ہے۔ آیت **ومالکم الا تاکلوا الخ** میں غلو فی الزھد کی ممانعت ہے۔ جیسا کہ بعض جاہل صوفی کیا کرتے ہیں۔

آیت **وذروا الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح گناہ اعضائے ظاہرہ سے ہوتے ہیں۔ اسی طرح قلب سے بھی بعض گناہ ہو جاتے ہیں۔

وَنَزَلَ فِیْ اَبِیْ جَھْلٍ وَغَیْرِہٖ **اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا** بِالْکُفْرِ **فَاَحْیَیْنٰہُ** بِالْھُدٰی **وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ** یَتَبَصَّرُ بِہِ الْحَقَّ مِنْ غَیْرِہٖ وَھُوَالْاِیْمَانُ **کَمَنْ مَّثَلُہٗ** مَثَلٌ زَائِدٌ اَیْ کَمَنْ ھُوَ **فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْھَا** وَھُوَالْکَافِرُ لَا **کَذٰلِکَ** کَمَا زُیِّنَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ الْاِیْمَانُ **زُیِّنَ لِلْکٰفِرِیْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۲۲﴾ مِنَ الْکُفْرِوَالْمَعَاصِیْ **وَکَذٰلِکَ** کَمَا جَعَلْنَا فُسَّاقَ مَکَّۃَ اَکَابِرَھَا **جَعَلْنَا فِیْ کُلِّ قَرْیَۃٍ اَکٰبِرَ مُجْرِمِیْھَا لِیَمْکُرُوْا فِیْھَا** بِالصَّدِّ عَنِ الْاِیْمَانِ **وَمَا یَمْکُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِھِمْ** لِاَنَّ وَبَالَہٗ عَلَیْھِمْ **وَمَا یَشْعُرُوْنَ** ﴿۱۲۳﴾ بِذٰلِکَ **وَاِذَا جَآءَتْھُمْ** اَیْ اَھْلَ مَکَّۃَ **اٰیَۃٌ** عَلٰی صِدْقِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ **قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِہٖ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰہِ** مِنَ الرِّسَالَۃِ وَیُوْحٰی اِلَیْنَالِاَنَّااَکْثَرُمَالًا وَاَکْبَرُ سِنًّا قَالَ تَعَالٰی **اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ** بِالْجَمْعِ وَالْاِفْرَادِ وَحَیْثُ مَفْعُوْلٌ بِہٖ لِفِعْلٍ دَلَّ عَلَیْہِ اَعْلَمُ اَیْ یَعْلَمُ الْمَوْضِعَ الصَّالِحَ لِوَضْعِھَا فِیْہِ فَیَضَعُھَا وَھٰؤُلَاءِ لَیْسُوْا اَھْلًا لَھَا **سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا** بِقَوْلِھِمْ ذٰلِکَ **صَغَارٌ** ذُلٌّ **عِنْدَ اللّٰہِ وَعَذَابٌ شَدِیْدٌ بِمَا کَانُوْا یَمْکُرُوْنَ** ﴿۱۲۴﴾ اَیْ بِسَبَبِ مَکْرِھِمْ **فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ** بِاَنْ یَقْذِفَ فِیْ قَلْبِہٖ نُوْرًا فَیَنْفَسِحُ لَہٗ وَیَقْبَلُہٗ کَمَا وَرَدَ فِیْ حَدِیْثٍ **وَمَنْ یُّرِدْ** اللّٰہُ **اَنْ یُّضِلَّہٗ یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا** بِالتَّخْفِیْفِ وَالتَّشْدِیْدِ عَنْ قُبُوْلِہٖ **حَرَجًا** شَدِیْدَ الضِّیْقِ بِکَسْرِ الرَّاءِ صِفَۃٌ وَفَتْحِھَا مَصْدَرٌ وُصِفَ بِہٖ مُبَالَغَۃً **کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ** وَفِیْ قِرَاءَۃٍ یَصَّاعَدُ وَفِیْھِمَا اِدْغَامُ التَّاءِ فِی الْاَصْلِ فِی الصَّادِ وَفِیْ اُخْرٰی بِسُکُوْنِھَا **فِی السَّمَآءِ** اِذَا کُلِّفَ الْاِیْمَانُ لِشِدَّتِہٖ عَلَیْہِ **کَذٰلِکَ** الْجَعْلُ

يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ الْعَذَابَ اَوِ الشَّيْطَانَ اَىْ يُسَلِّطُهٗ **عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ** ﴿۱۲۵﴾ **وَهٰذَا** الَّذِىْ اَنْتَ عَلَيْهِ يَا مُحَمَّدُ **صِرَاطُ** طَرِيْقُ **رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا** لَا عِوَجَ فِيْهِ وَنَصْبُهٗ عَلَى الْحَالِ الْمُؤَكِّدَةِ لِلْجُمْلَةِ وَالْعَامِلُ فِيْهَا مَعْنَى الْاِشَارَةِ **قَدْ فَصَّلْنَا** بَيَّنَّا **الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ** ﴿۱۲۶﴾ فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِى الْاَصْلِ فِى الذَّالِ اَىْ يَتَّعِظُوْنَ وَاخُصُّوْا بِالذِّكْرِ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا **لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ** اَىِ السَّلَامَةِ وَهِىَ الْجَنَّةُ **عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۲۷﴾ وَ اذْكُرْ **يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ** بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ اَىِ اللّٰهُ الْخَلْقَ **جَمِيْعًا** وَيُقَالُ لَهُمْ **يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ** بِاِغْوَائِكُمْ **وَقَالَ اَوْلِيٰٓـُٔهُمْ** الَّذِيْنَ اَطَاعُوْهُمْ **مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ** اِنْتَفَعَ الْاِنْسُ بِتَزْيِيْنِ الْجِنِّ لَهُمُ الشَّهَوٰتِ وَالْجِنُّ بِطَاعَةِ الْاِنْسِ لَهُمْ **وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا** وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَهٰذَا تَحَسُّرٌ مِنْهُمْ **قَالَ** تَعَالٰى لَهُمْ عَلٰى لِسَانِ الْمَلٰٓئِكَةِ **النَّارُ مَثْوٰىكُمْ** مَاْوٰىكُمْ **خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ** مِنَ الْاَوْقَاتِ الَّتِىْ يَخْرُجُوْنَ فِيْهَا لِشُرْبِ الْحَمِيْمِ فَاِنَّهَا خَارِجَهَا كَمَا قَالَ تَعَالٰى ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَا اِلَى الْجَحِيْمِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ فِىْ مَنْ عَلِمَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَّهُمْ يُؤْمِنُوْنَ فَمَا بِمَعْنٰى مَنْ **اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ** فِىْ صُنْعِهٖ **عَلِيْمٌ** ﴿۱۲۸﴾ بِخَلْقِهٖ **وَكَذٰلِكَ** كَمَا مَتَّعْنَا عُصَاةَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ **نُوَلِّىْ** مِنَ الْوِلَايَةِ **بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا** اَىْ عَلٰى بَعْضٍ **بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ** ﴿۱۲۹﴾ مِنَ الْمَعَاصِىْ

۱۵ ع ۸ ۲

ترجمہ:.......... (یہ آیت ابوجہل اور دوسرے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے) پھر کیا وہ آدمی کہ (کفر کی وجہ سے) مردہ تھا اور ہم نے اسے (اسلام کی بدولت) زندہ کر دیا اور اس کے لئے ایک نور ٹھہرا دیا کہ اس کے اجالے میں لوگوں کے درمیان چلے پھرے (نور ایمان کی بدولت حق اور ناحق کو دیکھ سکے) اس آدمی جیسا ہو سکتا ہے (لفظ مثل زائد ہے اصل عبارت کمن ھو کافی ہو سکتی ہے) جو اندھیروں میں گھرا ہوا ہے اور ان سے باہر نکلنے والا نہیں (مراد کافر ہے۔ یعنی دونوں برابر نہیں ہو سکتے) اسی طرح (جیسے مسلمانوں کو ایمان خوشنما معلوم ہوتا ہے) خوشنما دکھائی دیتے ہیں کافروں کی نظروں میں وہ کام جو وہ کرتے رہتے ہیں (یعنی کفر و گناہ) اور اسی طرح (جیسے آج مکہ کے رئیسوں کو ہم نے سرگرم بنا دیا ہے) ہم نے ہر بستی میں اس کے بدکردار آدمیوں کے سرادر بنا دیئے ہیں تا کہ وہاں مکر و فریب کے جال پھیلا دیں (لوگوں کو ایمان سے روک کر) اور فی الحقیقت وہ مکر و فریب نہیں کرتے مگر اپنے ہی ساتھ (کیونکہ مکاری کا وبال خود ان ہی پڑے گا) لیکن (اس کا) شعور نہیں رکھتے اور جب ان (اہل مکہ) کے پاس سچائی کی کوئی نشانی آتی ہے (جو آنحضرت ﷺ کی صداقت پر دلالت کرتی ہو) تو کہتے ہیں ہم کبھی ایمان لانے والے نہیں ہیں، جب تک ہمیں ویسی ہی بات نہ ملے جیسی اللہ کے رسولوں کو مل چکی ہے (رسالت و وحی سے ہم بھی سرفراز ہوں، کیونکہ مالدار بھی ہم زیادہ ہیں اور عمر میں بھی ہم بڑے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے) اللہ ہی بہتر جاننے والے ہیں کہ کہاں اور کس طرح اپنی پیغمبری ٹھہرائیں (لفظ رسالت جمع اور مفرد دونوں صیغوں کے ساتھ آیا ہے اور لفظ حیث ایسی فعل کا مفعول ہے جس پر لفظ اعلم دلالت کرتا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ رسالت کے مقام و محل کو خوب جانتے ہیں۔ اس

لئے وہ اسے وہیں رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اس مصرف کے نہیں) جولوگ (اس قسم کی باتیں کر کے) جرم کے مرتکب ہوتے ہیں، عنقریب انہیں اللہ کے حضور ذلت (حقارت) نصیب ہوگی اور سخت عذاب پاداش ملے گا۔ ان مکاریوں کے سلسلہ میں جیسی کچھ وہ کرتے رہے ہیں (یعنی ان مکاریوں کے صلہ میں) پس جس کسی کو اللہ میاں چاہتے ہیں کہ راہ دکھادیں، اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتے ہیں (اس کے دل میں نور ایمان ڈال دیتے ہیں جس سے اس کا دل کشادہ ہوکر ایمان قبول کر لیتا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے) اور جس کسی پر راہ گم کردینی چاہتے ہیں، اس کے سینہ کو اس طرح تنگ کردیتے ہیں (ضیــق تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے۔ اسلام قبول کرنے سے دل تنگ کردیتے ہیں) اور بھچا ہوا بنادیتے ہیں (بہت ہی تنگ لفظ ضیــق کسر را کے ساتھ صفت کا صیغہ ہے اور فتح را کے ساتھ مصدر ہے مبالغہ کے طریقہ پر لایا گیا ہے) گویا چڑھ رہا ہے (اور ایک قرأت میں یصــاعد ہے دونوں قرأتوں پر اصل میں تا کا ادغام صاد میں ہورہا ہے اور ایک اور قرأت میں سکون صاد کے ساتھ ہے) آسمان پر (جب اس سے ایمان کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو اس پر ایمان شاق ہونے کی وجہ سے اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے) اسی (کارروائی) کی طرح اللہ ان لوگوں پر پھٹکار ڈال دیتے ہیں (عذاب یا شیطان مسلط کردیتے ہیں) جو ایمان نہیں لاتے اور یہی تو (جس طریقہ پر اے محمد ﷺ آپ ہیں) تمہارے پروردگار کی سیدھی راہ (راستہ) ہے جس میں قطعاً کجی نہیں ہے اور مستقیماً حال موکدہ کی بناء پر منصوب ہے اور اشارہ کے معنی اس میں عامل ہیں) بلاشبہ ہم نے کھول کھول کر بتلادی ہیں (بیان کردی ہیں) نشانیاں دھیان دینے والی قوم کے لئے (لفظ یذ کرون میں دراصل تاء کا ادغام ذال میں ہورہا ہے۔ یعنی یتعظون ان لوگوں کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ یہی لوگ اس سے نفع اٹھانے والے ہیں) ان لوگوں کے لئے سلامتی (عافیت) کا گھر ہے (جنت) تمہارے پروردگار کے حضور اور اللہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے مددگار ہیں اور (یاد رکھو) اس دن کیا ہوگا، جب اللہ جمع فرمائیں گے (لفظ یحشر نون اور یاء کے ساتھ دونوں طرح ہے۔ یعنی اللہ اپنی مخلوق کو جمع فرمائیں گے) سب کو (اور ان سے کہا جائے گا) اے جنات کی جماعت تم نے تو انسانوں میں سے بڑی تعداد اپنے ساتھ لے لی (ان کو ورغلالیا) اور انسانوں میں سے جو لوگ ان کے ساتھ رہے (جنہوں نے ان کی اطاعت کی ہے) وہ کہیں گے اے پروردگار! ہم ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں (انسانوں نے تو جنات سے اس طرح فائدہ اٹھایا کہ جنات نے انسانوں کے لئے خواہشات کو خوشنما بنادیا تھا اور جنات نے اپنا کہا انسانوں سے منوا کر فائدہ حاصل کیا) اور میعاد کی اس منزل تک ہم پہنچ گئے جو آپ نے ہمارے لئے مقرر کردی تھی (اس سے مراد قیامت ہے اور یہ کلام بطور حسرت ہوگا) ارشاد ربانی ہوگا (فرشتوں کی زبانی ان سے خطاب ہوگا) تمہارا ٹھکانا (پناہ گاہ) آتش دوزخ ہے اور اسی میں ہمیشہ رہوگے۔ بجز ان اوقات کے جن میں اللہ انہیں نجات دینا چاہیں گے (یعنی ماسوا ان اوقات کے جن میں یہ جہنمی لوگ گرم پانی پینے کے لئے جہنم سے باہر نکالے جائیں گے۔ کیونکہ پانی کا یہ مقام جہنم سے باہر ہوگا۔ جیسا کہ دوسری آیت ثــــم ان مرجعهم لا الی الجحیم سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا مومن ہونا علم الٰہی میں طے ہو چکا ہے۔ پس اس صورت میں ما بمعنی من ہوگا) بلاشبہ تمہارے پروردگار بڑی حکمت والے ہیں (اپنے کام میں) اور بڑے علم رکھنے والے ہیں (اپنی مخلوق کا) اور اسی طرح (جیسے نافرمان انسان اور جنات میں ایک دوسرے سے نفع اٹھانے کا ہم نے موقعہ بہم پہنچایا ہے) بعض ظالموں کو بعض ظالموں پر مسلط کردیں گے (لفظ نولی ولایت سے ہے اور بعضاً بتقدیر علی بعض ہے) ان کی کمائی کی وجہ سے جو وہ (بدعملیوں سے) کرتے رہے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... ونــــزل. اس سے دو خاص انسان مراد ہیں یا عام مومن و کافر کی مثال ہے۔ صحیح دوسری صورت ہے۔ نیز ابوجہل کے ساتھ غیــرہ سے مراد یا حضرت عمرؓ ہیں یا حمزہؓ یا عمار بن یاسرؓ یا خود آنحضرت ﷺ۔ بہر حال عموم الفاظ کا اعتبار کرکے

مثال آیت کو عام لینا چاہئے۔ مثل زائدۃ ۔ کیونکہ مثل صفت ہے اور ظلمات میں کفار کی ذات مستقر ہوتی ہے نہ کہ ان کی صفات۔

اکبر مجرمیھا۔ ہر قوم میں اس قسم کے شریر لوگوں کو بروں کی پیشوائی حاصل رہتی ہے اور اکثر کمزور لوگ نیکیوں کی طرف راغب رہتے ہیں۔ فی کل قریۃ مفعول ثانی ہے جعلنا کا اور اکبر مفعول اول ہے ترکیب اضافی کے ساتھ اور مفعول ثانی کی تقدیم اس لئے کی تاکہ مجرمیھا کی ضمیر راجع ہو سکے۔ یہ ترکیب عمدہ ہے لیکن جلال محقق کی روش سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجرمیھا کو مفعول اول اور اکبر کو مفعول ثانی قرار دے رہے ہیں۔

حیث۔ یہ مفعول بہ ہے۔ ظرف مکان اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اللہ کا علم زمان و مکان کی قیود و گرفت سے بالا ہے۔ اگر چہ ابوحیان ظاہر کے مطابق اس کو ظرف پر برقرار رکھتے ہیں اور علم کی تضمین ایسے معنی کے ساتھ کرتے ہیں جو ظرف کی طرف متعدی ہو جائیں۔ ای اللّٰہ انفذ علماً حیث یجعل ای ھو نافذ العلم فی ھذا الموضع۔

صغار بروزن سحاب۔ مصدر صغر بروزن تعب ہے، لیکن صغر جو ضد کبر ہے اس کے متعلق صغر فھو صغیر بولتے ہیں۔

یشرح صدرہ۔ حدیث میں ارشاد ہے۔ نور یقذفہ اللّٰہ فی قلب المومن فینشرح لہ وینفتح۔ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ شرح صدر کے اس مرتبہ کی پہچان کیا ہے؟ فرمایا آخرت کی طرف رغبت، دنیا سے اعراض اور وقت سے پہلے موت کی تیاری۔ ضیقاً حرجاً اول عام اور ثانی خاص ہے۔ چنانچہ ہر حرج کو ضیق کہا جائے گا۔ بدون العکس حرج بکسر الراء صفت یعنی اسم فاعل مشتق ہے اور بالفتح مصدر ہے غیر مشتق۔ اس صورت میں مبالغہ سے مقصد تشبیہ یا امتناع ہوگا کہ جیسے آسمان پر چڑھنا عادۃً ممتنع۔ اسی طرح ان کا ایمان قبول کرنا بھی ممکن نہیں اور یا منشاء صرف بعد عن الحق ہوگا۔

رجس۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی شیطان کے ہیں۔ یعنی اللہ شیطان کو مسلط کر دیتا ہے اور کلبی اس کے معنی گناہ کے لیتے ہیں اور مجاہدؒ کی رائے ہے کہ جس چیز میں کوئی بھلائی نہ ہو اور عطا رجس کے معنی عذاب کے لیتے ہیں رجز کی طرح اور بعض نے رجس کے معنی نجس کے لئے ہیں۔ اگر رجس سے مراد اول تفسیر یعنی عذاب ہو تو یجعل کے معنی یلقی اور یصیب کے ہوں گے اور دوسری تفسیر یعنی شیطان کے معنی ہوں تو مفسر علامؒ یجعل کے معنی یسلط کر رہے ہیں۔

صراط۔ اس میں استعارہ تصریحیہ اصلیہ ہے۔

معنی الاشارۃ۔ بہتر یہ تھا کہ اسم اشارہ کو عامل کہنا چاہئے تھا۔ ای اشیر۔ یامعشر الجن۔ یہ خطاب موقف میں جمع ہونے کے بعد ہوگا۔ معشر کی جمع معاشر اور جن سے مراد شیاطین ہیں۔ استمتع بعضنا۔ انسانوں کا جنات سے استمتاع تو بقول کلبی یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ جب کسی وادی میں اترتے تو ان جملوں سے استعاذہ کیا کرتے۔ اعوذ بسید ھذا الوادی من شر سفھاء وقومہ اور جنات کا انسانوں سے استمتاع یہ تھا کہ انسانوں کے اس طرح ان کے آگے سرنگوں ہو جانے سے وہ اور زیادہ سرگرداں ہو جاتے اور بعض نے اول کی تشریح میں جنات کی طرف سے سحر و کہانت اور طرح طرح کی ٹوٹکہ بازیوں کو اور دوسرے کی تشریح میں انسانوں کا جنات کی اطاعت کرنا بیان کیا ہے۔

ماشاء اللّٰہ علامہ سیوطیؒ یہ تفسیر شیخ محلی کے اتباع میں کر رہے ہیں جو انہوں نے سورہ صافات میں اختیار کی ہے۔ حالانکہ ظاہر آیت یریدون ان یخرجوا من النار وما ھم بخارجین کے یہ تفسیر منافی ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس سے استثنائی وقت

سے مراد طبقہ ناریہ سے طبقہ زمہریہ کی طرف مرجع وتبدیلی لی جائے اور یا اوقات محاسبہ کو مستثنیٰ کیا جائے اور یا پھر بقول ابن عباسؓ مــــا بمعنی من لے کر مومنین کا استثناء مراد لیا جائے۔ تفسیر کبیر میں یہ تینوں توجیہیں کی گئی ہیں۔

نولی ۔ ولایۃ بفتح الواؤ بمعنی دوستی اور نصرت سے ہے اور بکسر الوؤ بمعنی تسلط اور غلبہ ہے۔ علی بعض کے لفظ سے جلال محققؒ نے دوسرے معنی کی طرف اشارہ کر دیا۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات کی طرح آیت اومــن کــان الخ سے بھی حق کی تصدیق وتکذیب کرنے والوں کا فرق بتلانا ہے اور پھر آیت ویوم یحشرھم الخ سے اہل حق اور اہل باطل کی جزاء وسزا کا وقت اور اس کی بعض کیفیات ومتعلقات بیان کرتے ہیں۔

شانِ نزول: .... ایک دفعہ ابوجہل نے آنحضرت ﷺ پر کچھ نجاست پھینک دی جس کی اطلاع حضرت حمزہؓ کو ہوئی وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور تیر کمان سنبھالے شکار سے واپس چلے آرہے تھے۔ سن کر برافروختہ ہوئے اور اسی برہمی کی حالت میں ابوجہل پر برس پڑے۔ پھر تو ابوجہل لگا خوشامد کرنے اور لگا گگھیا کر کہنے لگا یاابا یعلی الا تری ماجاء به سفه عقولنا وسب الهتنا وخالف اباء نا ۔حمزہؓ نے جواب دیا تم سے زیادہ سفیہ اور کون ہوسکتا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر پتھروں کی پوجا کرتے ہو۔ یہ فرما کر حضرت حمزہؓ نے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ اس پر آیات اومن کان الخ نازل ہوئیں۔ اسی طرح ولید بن مغیرہ نے جب یہ کہا کہ نبوت اگر کوئی حق بات ہے تو لکنت انا احق بها فانی اکثر منه مالاً وولداً وسناً ۔اس پر آیت واذا جاء تهم الخ نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: .... ان آیات میں ایمان وکفر کی مثال بیان کی جارہی ہے کہ ایمان زندگی ہے اور علم وبصیرت کی روشنی ہے۔ کفر موت ہے اور اوہام وظنون کی تاریکی۔ پس کیا وہ آدمی جس کے سامنے روشنی ہو اس جیسا ہوسکتا ہے جس کے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی ہو۔ پس مومن جس کے تمام عقائد واعمال علم ویقین پر مبنی ہوں۔ اس کے لئے کس طرح جائز ہوسکتا ہے کہ کفر وشرک کے اوہام وخرافات کا اثر قبول کرے۔

شوریدہ سر لوگوں کی اہل حق سے دشمنی: .... جب کسی آبادی میں کوئی داعی حق کھڑا ہوتا ہے تو وہاں کے سردار اور شورہ پشت لوگ محسوس کرتے ہیں کہ اگر دعوت حق کامیاب ہوگئی تو ان کے ظالمانہ اختیارات کا خاتمہ ہوجائے گا۔ اس لئے انہیں ایک طرح کی ذاتی دشمنی اور کدورت ہوجاتی ہے اور وہ طرح طرح کی مکاریاں کرتے رہتے ہیں تاکہ لوگ دعوت حق قبول نہ کرسکیں۔ چنانچہ سرداران مکہ کی منجملہ مکاریوں کے ایک مکاری یہ تھی کہ معجزات دکھانے کو کہتے۔ حالانکہ بار باران کو اس حیلہ سے روک گیا۔ دراصل جب کسی آدمی کی مت ماری جاتی ہے اور اس کی سمجھ ٹیڑھی ہوجاتی ہے تو گمراہی میں اس کو اس قدر جماؤ ہوجاتا ہے کہ وہ کتنا ہی سوچے، سیدھی بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اس شخص کی مثال ایسی سمجھنی چاہئے جیسے کوئی بلندی پر چڑھنا چاہے مگر اس کا دم پھول جائے تو وہ کتنی ہی چڑھنے کی کوشش کرے لیکن اس کے قدم نہیں اٹھتے۔

لیکن خدا کے ٹھہرائے ہوئے قانون سعادت وشقاوت کے مطابق جس کسی کو راہ ملنے والی ہوتی ہے اس کا دل اسلام کے لئے کھول دیا جاتا ہے۔

لطائف آیات: .... آیت اومن کان الخ میں طریق حق کی معرفت کو نور فرمانے سے معلوم ہوا کہ مشائخ کی زبانوں پر یہ لفظ بے اصل مروج نہیں ہے اور آیت اللہ اعلم سے معلوم ہوا کہ فیضان کے لئے استعداد شرط عادی ہے۔ آیت فمن یرد اللہ الخ میں قبض وبسط عقلی کا اثبات ہے اور یہی دونوں حالتیں سلوک کی اصل ہیں اور قبض وبسط طبعی تو غیر معتد بہ ہوتے ہیں۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ اَیْ مِنْ مَجْمُوْعِكُمُ الصَّادِقُ بِالْاِنْسِ اَوْرُسُلُ الْجِنِّ نُذُرُهُمُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ الرُّسُلِ فَيُبَلِّغُوْنَ قَوْمَهُمْ **يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا** اَنْ قَدْ بَلَغَنَا قَالَ تَعَالٰى **وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا** فَلَمْ يُؤْمِنُوْا **وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ** ﴿۱۳۰﴾ **ذٰلِكَ** اَیْ اِرْسَالَ الرُّسُلِ **اَنْ** اللَّامُ مُقَدَّرَةٌ وَهِیَ مُخَفَّفَةٌ اَیْ لِاَنَّهٗ **لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰي بِظُلْمٍ** مِنْهَا **وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ** ﴿۱۳۱﴾ لَمْ يُرْسَلْ اِلَيْهِمْ رَسُوْلٌ يُبَيِّنُ لَهُمْ **وَلِكُلٍّ** مِّنَ الْعَامِلِيْنَ **دَرَجٰتٌ** جَزَاءٌ **مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ** مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ **وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۳۲﴾ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ** عَنْ خَلْقِهٖ وَعِبَادَتِهِمْ **ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ** يَا اَهْلَ مَكَّةَ بِالْاِهْلَاكِ **وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ** مِنَ الْخَلْقِ **كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ** ﴿۱۳۳﴾ اَذْهَبَهُمْ وَلٰكِنَّهٗ تَعَالٰى اَبْقَاكُمْ رَحْمَةً لَّكُمْ **اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ** مِنَ السَّاعَةِ وَالْعَذَابِ **لَاٰتٍ** لَامُحَالَةَ **وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ** ﴿۱۳۴﴾ فَائِتِيْنَ عَذَابَنَا **قُلْ** لَهُمْ **يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ** حَالَتِكُمْ **اِنِّىْ عَامِلٌ** عَلٰی حَالَتِیْ **فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ** مَوْصُوْلَةٌ مَفْعُوْلُ الْعِلْمِ **تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ** اَیِ الْعَاقِبَةُ الْمَحْمُوْدَةُ فِی الدَّارِ الْاٰخِرَةِ اَنَحْنُ اَمْ اَنْتُمْ **اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ** يُسْعِدُ **الظّٰلِمُوْنَ** ﴿۱۳۵﴾ اَلْكَافِرُوْنَ **وَجَعَلُوْا** اَیْ كُفَّارُ مَكَّةَ **لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ** خَلَقَ **مِنَ الْحَرْثِ** الزَّرْعِ **وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا** يَصْرِفُوْنَهٗ اِلَی الضِّيْفَانِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَلِشُرَكَائِهِمْ نَصِيْبًا يَصْرِفُوْنَهٗ اِلٰی سَدَنَتِهَا **فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ** بِالْفَتْحِ وَالضَّمِّ **وَهٰذَا لِشُرَكَاۗىِٕنَا ۚ** فَكَانُوْا اِذَا سَقَطَ فِیْ نَصِيْبِ اللّٰهِ شَیْءٌ مِنْ نَصِيْبِهَا اِلْتَقَطُوْهُ اَوْ فِیْ نَصِيْبِهَا شَیْءٌ مِنْ نَصِيْبِهٖ تَرَكُوْهُ وَقَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْ هٰذَا كَمَا قَالَ تَعَالٰی **فَمَا كَانَ لِشُرَكَاۗىِٕهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ** اَیْ لِجِهَتِهٖ **وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰي شُرَكَاۗىِٕهِمْ ۭ سَاۗءَ** بِئْسَ **مَا يَحْكُمُوْنَ** ﴿۱۳۶﴾ حُكْمُهُمْ هٰذَا **وَكَذٰلِكَ** كَمَا زَيَّنَ لَهُمْ مَاذُكِرَ **زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ** بِالْوَادِ **شُرَكَاۗؤُهُمْ** مِنَ الْجِنِّ بِالرَّفْعِ فَاعِلُ زَيَّنَ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِبِنَائِهٖ لِلْمَفْعُوْلِ وَرَفْعِ قَتْلَ وَنَصْبِ الْاَوْلَادِ بِهٖ وَجَرِّ شُرَكَائِهِمْ بِاِضَافَتِهٖ وَفِيْهِ الْفَصْلُ بَيْنَ الْمُضَافِ

وَالْمُضَافِ اِلَيْهِ بِالْمَفْعُوْلِ وَلَا يَضُرُّ بِاِضَافَةِ الْقَتْلِ اِلَى الشُّرَكَاءِ لِاَمْرِهِمْ بِهٖ **لِيُرْدُوْهُمْ** يُهْلِكُوْهُمْ **وَلِيَلْبِسُوْا** يَخْلِطُوْا **عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَافَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ** ﴿۱۳۷﴾ **وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ** حَرَامٌ **لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ** مِنْ خِدْمَةِ الْاَوْثَانِ وَغَيْرِهِمْ **بِزَعْمِهِمْ** اَیْ لَاحُجَّةَ لَهُمْ فِيْهِ **وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا** فَلَا تُرْكَبُ كَالسَّوَائِبِ وَالْحَوَامِیْ **وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا** عِنْدَ ذَبْحِهَا بَلْ يَذْكُرُوْنَ اِسْمَ اَصْنَامِهِمْ وَنَسَبُوْا ذٰلِكَ اِلَى اللّٰهِ **افْتِرَآءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ** ﴿۱۳۸﴾ عَلَيْهِ **وَقَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ** الْمُحَرَّمَةِ وَهُوَالسَّوَائِبُ وَالْبَحَائِرُ **خَالِصَةٌ** حَلَالٌ **لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا** اَیِ النِّسَاءِ **وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً** بِالرَّفْعِ وَالنَّصَبِ مَعَ تَانِيْثِ الْفِعْلِ وَتَذْكِيْرِهٖ **فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ سَيَجْزِيْهِمُ** اللّٰهُ **وَصْفَهُمْ** ذٰلِكَ بِالتَّحْلِيْلِ وَالتَّحْرِيْمِ اَیْ جَزَاءَهٗ **اِنَّهٗ حَكِيْمٌ** فِیْ صُنْعِهٖ **عَلِيْمٌ** ﴿۱۳۹﴾ بِخَلْقِهٖ **قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **اَوْلَادَهُمْ** بِالْوَادِ **سَفَهًا** جَهْلًا **بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ** مِمَّا ذُكِرَ **افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ** ﴿۱۴۰﴾ ع ۱۶ ۱۷ ۳

ترجمہ:............ اے گروہ جن وانس! کیا تمہارے پاس ہمارے پیغمبر جو تم ہی میں سے تھے نہیں آئے تھے؟ (یعنی تمہارے مجموعہ میں سے جو صرف انسانوں کی صورت میں صادق آئیں یا جنات کے رسول سے مراد وہ ڈرانے والے ہیں جنہوں نے انبیاء کا کلام سن کر اپنی قوم میں تبلیغ کی) انہوں نے ہماری آیتیں تمہیں نہیں سنائی تھیں؟ اور آج کے دن سے جو تمہیں پیش آیا ہے نہیں ڈرایا تھا؟ وہ عرض کریں گے ہم اپنے اُوپر آپ گواہی دیتے ہیں (کہ انہوں نے ہمیں سب کچھ پہنچایا تھا۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) فی الحقیقت دنیا کی زندگی نے انہیں فریب میں ڈال دیا تھا (اسی لئے وہ ایمان نہیں لاسکے) اور اب وہ خود ہی اپنے خلاف گواہ ہوگئے کہ وہ کافر تھے، یہ (پیغمبروں کو بھیجنا) اس لئے ہوا کہ (ان سے پہلے لام مقدر ہے اور یہ ان مخففہ ہے اصل میں **لا** نہ تھا) تمہارے پروردگار کا یہ ڈھنگ نہیں کہ وہ بستیوں کو ہلاک کردیں (ان کی) ناانصافی کی وجہ سے ایسی حالت میں کہ وہاں کے رہنے والے بے خبر ہوں (ان کو بتلانے والا کوئی رسول بھی ان کے پاس نہ بھیجا جائے) اور ہر ایک کے لئے (عمل کرنے والوں میں سے) درجے ہیں، ان کے (اچھے برے) عمل کے مطابق (بدلہ) اور تمہارے پروردگار غافل نہیں ہیں، جیسے کچھ ان کے کارنامے ہیں (یاء اور تاء کے ساتھ دونوں طرح لفظ **یعلمون** ہے) اور تمہارے پروردگار بے نیاز ہیں (اپنی تمام مخلوق اور ان کی بندگی سے) رحمت والے ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو تمہیں بتادیں (اے مکہ کے باشندو! تمہیں ہلاک فرمادیں) اور تمہارے بعد جس کو چاہیں (مخلوق میں سے) تمہارا جانشین بنادیں۔ جس طرح ایک دوسرے گروہ کی نسل سے تمہیں اٹھا کر کھڑا کیا ہے (انہیں اٹھالیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی رحمت سے باقی رہنے دیا ہے) جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (قیامت اور عذاب کے متعلق) وہ یقیناً (ضرور) آنے والی ہے اور تمہارے بس میں نہیں کہ مجبور کرسکو (کہ ہمارے عذاب سے بچ نکلو) کہیے آپ (ان لوگوں سے) اے میری قوم! تم اپنی جگہ کام کئے جاؤ (اپنی حالت پر) پر بھی (اپنے حال پر) کام کررہا ہوں۔ عنقریب تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ کس کا (من موصولہ اور علم کا مفعول ہے) انجام آخر کار بخیر ہے (یعنی آخرت میں بہترین نتیجہ ہمارے ہاتھ آتا ہے یا تمہارے ساتھ رہتا ہے) ظلم کرنے والے (کافر یقیناً کبھی کامیاب (فلاح یاب) ہونے والے نہیں ہیں اور

ٹھہرا لیتے ہیں (کفار مکہ) اللہ کے لئے جو کچھ اللہ نے پیدا فرمایا ہے (تخلیق کیا ہے) کھیتی (باڑی) اور مویشی میں سے ایک حصہ (جس کو یہ لوگ مہمانوں اور مسکینوں پر صرف کرتے ہیں اور ایک حصہ شرکاء کے لئے مخصوص رکھتے ہیں۔ جس کو وہاں کے مجاوروں پر صرف کرتے ہیں) اور کہتے ہیں یہ اللہ کے لئے ہے، اپنے گمان کے مطابق (زعم فتح زا وضمہ زا کے ساتھ ہے) اور یہ ان کے لئے جنہیں ہم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے (چنانچہ شرکاء کے حصہ میں سے اگر کچھ ریزہ اللہ کے حصہ میں شامل ہو جاتا ہے تو اسے فوراً اٹھا لیتے ہیں اور ہٹا دیتے ہیں۔ لیکن اگر اللہ میاں کے حصہ میں سے کچھ ان شرکاء کے حصہ میں جا ملتا ہے تو اسے علی حالہ شامل رہنے دیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ اللہ میاں کو کیا ضرورت۔ چنانچہ اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں) پس جو کچھ ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لئے وہ تو اللہ کی طرف پہنچتا نہیں (یعنی اللہ کی ڈھیری میں نہیں لگاتے) لیکن جو کچھ اللہ کا حصہ ہے وہ ان کے شریکوں کی طرف پہنچ جاتا ہے کیا ہی برا (بے جا) فیصلہ ہے جو یہ لوگ (اس قسم کا فیصلہ) کر رہے ہیں اور اسی طرح (جیسے مذکورہ باتوں کو ان کے لئے آراستہ کر دیا ہے) خوشنما کر دکھایا ہے۔ بہت سے مشرکین کی نظروں میں قتل اولاد کو ان کے شرکاء نے (جو جناتی ہیں۔ لفظ شرکاء، رفع کے ساتھ زین کا فاعل ہے اور ایک قرأت میں مفعول ہے اور اس کی وجہ سے قتل مرفوع اور اولاد منصوب ہے اور لفظ قتل کے لفظ شرکاء کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے شرکاء مجرور ہے۔ اس صورت میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان مفعول کا فاصلہ ہو جائے گا اور چونکہ قتل اولاد شرکاء کے حکم سے کرتے تھے، اس لئے شرکاء کی طرف قتل کی اضافت میں کوئی اشکال نہیں ہے) تا کہ انہیں تباہ (ہلاک) کر دیں اور مشتبہ (گڈمڈ) کر دیں ان پر ان کی دینی راہ۔ اگر اللہ میاں چاہتے تو وہ یہ کام نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم انہیں اور ان کی افتراء پردازیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیئے اور کہتے ہیں یہ چوپائے اور کھیت ممنوع (حرام) ہیں۔ انہیں اس آدمی کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا۔ جسے ہم کھلانا چاہیں۔ بتوں کے مجاور وغیرہ لوگ) محض اپنے خیال کے مطابق (یعنی ان کا یہ خیال کسی دلیل پر مبنی نہیں ہے) اور کچھ جانور ہیں کہ ان کی پیٹھ حرام ہے (کہ اس پر سوار نہیں ہو سکتے جیسے سائبہ اور حامی جانور) اور کچھ جانور ایسے ہیں کہ ان پر اللہ کا نام نہیں لیتے (ان کے ذبح کے وقت۔ بلکہ بتوں کا نام اس وقت جپا جاتا ہے اور پھر ان کی نسبت اللہ کی طرف کر دیتے ہیں) اللہ پر افتراء کر کے انہوں نے یہ طریقہ نکال لیا ہے۔ جیسی کچھ یہ افتراء پردازیاں کرتے رہتے ہیں۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں (اس کی) سزا دیں اور کہتے ہیں ان چارپایوں کے پیٹ میں سے جو بچہ زندہ نکلے (حرام جو پائے سائبہ اور بحیرہ مراد ہیں) وہ صرف ہمارے مردوں کے لئے (حلال) ہے اور ہماری بیبیوں (عورتوں) کے لئے حرام رہیں گے اور اگر بچہ مردہ ہو (لفظ میتہ رفع ونصب کے ساتھ ہے اور فعل مؤنث ومذکر دونوں طرح) تو پھر اس میں مرد وعورت سب شریک ہیں۔ عنقریب (اللہ) ان کو ان کی اس (تحلیل وتحریم کے بارے میں) غلط بیانی کی سزا (بدلہ) دیں گے۔ بلاشبہ وہ اپنی صفت میں) بڑی حکمت والے اور (اپنی مخلوق سے) پوری طرح باخبر ہیں۔ یقیناً وہ لوگ تباہ وبرباد ہوئے جنہوں نے قتل کر دیا (لفظ قتلوا تخفیف وتشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے) اپنی اولاد کو (زندہ درگور کر کے) حماقت (بیوقوفی) سے اور بغیر کسی سند کے اور جو کچھ اللہ نے ان کے لئے (مذکورہ) روزی پیدا کی ہے اسے اللہ پر افتراء کر کے حرام ٹھہرایا ہے۔ بلاشبہ وہ گمراہ ہوئے اور سیدھی راہ پر چلنے والے نہ تھے۔

تحقیق وترکیب: .... **یامعشر الجن** ضحاک کی رائے یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں انسانی انبیاء آئے اسی طرح جنات میں بھی جناتی نبی آئے، جیسا کہ نص سے معلوم ہوتا ہے، مگر دوسروں کی رائے یہ ہے کہ انبیاء صرف انسان ہوئے اور خطاب مجموعہ کے لحاظ سے ہوگا۔ جیسا کہ **یخرج منها اللؤ لؤ** میں ضمیر تثنیہ مجموعی لحاظ سے ہے۔ حالانکہ موتی مونگے صرف سمندر شور سے برآمد ہوتے ہیں اور یا انسانی انبیاء کے جو قاصد ہوئے ہیں ان ہی کو رسل جن کہا گیا ہے جلال مفسرؒ کی دونوں توجیہات کا حاصل یہی ہے۔

وشهدوا پہلی شہادت تبلیغ رسالت کے بارے میں ہے اور دوسری اپنے کفر پر۔ اسی لئے شہادت کا لفظ مکرر لایا گیا ہے اور

چونکہ آخرت میں مختلف احوال پیش آئیں گے۔ اس لئے ایک وقت میں کفر کا یہ اقرار دوسری وقت کے انکار واللّٰہ ربنا ما کنا مشرکین کے منافی نہیں ہے۔ ذٰلک . یہ مبتداء ہے اور ان لم یکن بتقدیر لانه لم یکن بحذف اللام خبر ہے من الساعة یہ ما کا بیان ہے اور ان کا اسم ہے اور لات خبر ہے علی مکانتکم کو کلام عرب میں جب کسی کو ٹھہرانے کے لئے کہا جاتا ہے تو علی مکانتک یا فلان کہتے ہیں۔ مکانۃ اور مکان۔ مقامہ اور مقام کی طرح یکساں ہے۔

سدنتها . یہ جمع ہے سادن کی۔ خادم کعبہ یا بت خانہ بالو الڑکیوں کو فقر اور عار کے اندیشہ سے زندہ دفن کرنے کی رسم تھی۔ جیسا کہ کسی زمانہ میں ہندوستان کے راجپوتوں میں بھی یہی رسم بد تھی۔ زین۔ ابن عامر کی قرأت میں یہ لفظ مجہول ہے اور قتل مرفوع اور اولاد منصوب اور شرکاء مجرور ہوگا۔ ای زین لکثیر من المشرکین قتل شرکاء هم اولادهم لیکن اس صورت میں قتل مضاف اور شرکاء مضاف الیہ کے درمیان مفعول یعنی اولاد کا فاصلہ ہو رہا ہے۔ جس کو ضرورت شعری کے باوجود اشعار میں بھی مکروہ سمجھا گیا ہے۔ چہ جائیکہ قرآن کریم۔ مگر خطیب یہ کہتے ہیں کہ روایت متواترہ صحیحہ کی موجودگی میں اس قسم کا شبہ مناسب نہیں ہے۔ دوسرے قراء کے نزدیک زین معروف ہے اور قتل مفتوح اور اولاد مجرور اور شرکاء مرفوع ہے۔

باضافته . یعنی قتل کی اضافت شرکاء کی طرف ہے اور شرکاء آمر ہونے کی وجہ سے فاعل مجازی ہیں چونکہ علامہ زمخشریؒ مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ضعیف مانتے ہیں اور ضروریات شعری میں شمار کرتے ہیں۔ اس لئے جلال محققؒ ولا یضره کہہ کر ان پر رد کر رہے ہیں اور بعض حضرات مصدر کی اضافت معمول کی طرف اضافت لفظی مانتے ہیں اور ان میں فصل بھی جائز ہے۔ ولو شاء اللّٰه اس سے معلوم ہوا کہ کل کائنات اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے۔

حجر . فعل بمعنی مفعول ہے۔ جیسے ذبح بمعنی مذبوح۔ واحد اور کثیر برابر ہیں۔ من نشاء صرف مردان خدا کو اجازت تھی عورتیں نہیں کھا سکتی تھیں۔ خالصة یہ مَا کی خبر ہے بلحاظ معنی کے اور محرم خبر ہے خالصة کی بلحاظ لفظ کے۔ اس صورتیں خالصة میں تاءِ تانیث ہوگی۔ لیکن جلال محققؒ نے لفظ حلال نکال کر اشارہ کر دیا ہے کہ تنقل من الوصفية الى العلمية کے لئے ہے یا مبالغہ کے لئے جیسے علامۃ نسابۃ۔ لیکن ابن عباسؓ، شعبیؒ، قتادہؒ اس تا کو تاکید کے لئے مانتے ہیں۔ جیسے خاصة عامة. قد خسر۔ دنیاوی خسارہ تو ظاہر ہے کہ قتل اولاد سے اپنی طاقت عددی اور عددی دونوں کم ہوئیں اور اخروی عذاب رہا الگ، اور اس کی سفاہت وجہالت اس لئے کہا کہ یہ خود کو رازق سمجھ کر افلاس کے اندیشہ سے ایسا کرتے ہیں، حالانکہ ان کا اور اولاد کا رازق اللہ ہے۔

ربط آیات: .... آیت یا معشر الجن الخ کا وہی تعلق ہے جو ماقبل کی آیات میں ربط مذکور ہوا۔ کفار ومشرکین کی اعتقادی جہالتوں کے بعد آیت وجعلوا لله الخ میں ان کی بعض عملی جہالتوں کا بیان ہے۔ جن کا منشاء وہی اعتقادی فساد ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **انسان اور جنات کی ہدایت کے لئے سلسلہ انبیاء:** .... انسان اور جنات دونوں میں اگر انبیاء کا الگ الگ سلسلہ قائم رہا ہے تب تو منکم کی قید اس لئے لگائی کہ باہمی مناسبت اور ہم جنس ہونی کی وجہ سے استفادہ کرنے میں سہولت ہو لیکن اگر انسانوں ہی کے رسولوں کا اتباع ان پر بھی فرض کیا گیا ہو تو پھر منکم انسان اور جنات کے لحاظ سے الگ الگ نہیں ہوگا بلکہ مجموعہ کے لحاظ سے ہوگا۔ رہا یہ کہ انسانی رسولوں سے پھر جنات کو کیا مناسبت اور اکتساب فیض کی کیا صورت ہوگی؟ کہا جائے گا کہ انسان کی جامعیت واکملیت اس مشکل کا حل ہے۔ باقی اس پر دوسرے انبیاء کی عموم بعثت کے اشکال کا جواب آیت آل عمران لقد من اللّٰه الخ کے تحت گزر چکا ہے۔ نیز ویسی بھی یہاں توحید کا بیان ہے جو تمام انبیاء کا دعوتی اصول مشترک ہے اور اس کا

اتباع بھی سب پر لازم ہے اور بعثت کے عموم وخصوص کا فرق تو بلحاظ غیر اصول ہوتا ہے۔

رہا یہ شبہ کہ بالکل ہی احکام کا پابند نہ کیا جاتا۔ اس میں زیادہ رحمت اور سہولت تھی؟ تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں جس قدر فساد ہوتا اس کے انسداد کی پھر کوئی صورت نہ تھی جو یقیناً منافی رحمت ہے۔

کفار کی دس برائیوں کا ذکر: .... آیت وجعلوا الخ میں منجملہ ان کی غلط رسموں اور بے جا رواج مندرجہ ذیل کے دس برائیوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

۱: .... غلہ اور پھلوں کی پیداوار کے دو حصے کر لیتے تھے۔ اللہ کے حصہ میں سے اگر کچھ بتوں کے حصہ میں جا ملتا تو اسے یہ کہہ کر ملا رہنے دیتے کہ ''اللہ تو بے نیاز ہے'' لیکن اگر بتوں کے حصہ میں سے کچھ ریزہ اللہ تعالیٰ کی ڈھیری میں پڑ جاتا تو اسے فوراً ہٹا دیتے۔ ظاہر ہے کہ یہ تقسیم کس درجہ بے جا تھی۔ ہونا تو اس کے برعکس چاہئے تھے۔

۲: .... بحیرہ، سائبہ جانوروں کو اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھ کر بتوں کے نامزد کرتے تھے۔ گویا (نام اللہ کا ہو اور بندگی پوجا پاٹ بتوں کی۔)

۳: .... دختر کشی جیسی بے رحمانہ اور سفاکانہ رسم کو اپنی بہادری سمجھتے تھے۔

۴: .... جو کھیت بتوں کے نامزد ہوتے، ان کا اصل مصرف مردوں کو سمجھتے۔ لیکن عورتیں مصرف نہیں سمجھی جاتی تھیں۔ یوں کوئی کچھ ان کے ہاتھ میں اگر رکھ دے تو وہ دوسری بات ہے۔ وہ مردوں کے رحم وکرم کا صدقہ ہوتا۔

۵: .... مویشی جانوروں کے بارے میں بھی ان کا یہی طرز عمل اور رویہ تھا۔

۶ .... بتوں کے نامزد مخصوص جانوروں پر سواری اور بار برداری کو ناجائز سمجھتے تھے۔

۷ .... مخصوص چوپاؤں پر اللہ کا نام لینا کسی حال میں بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ نہ سواری کے وقت نہ ذبح کے وقت اور نہ دودھ دوہتے وقت۔

۸ .... بحیرہ، سائبہ جانوروں کے ذبح کرتے میں جو بچہ ان کے پیٹ سے زندہ برآمد ہوتا تو اس کو ذبح کر کے صرف مردوں کے لئے حلال اور عورتوں کے لئے حرام سمجھتے تھے اور مردہ ہوتا تو مال مشترک سمجھتے۔

۹ .... مخصوص جانوروں کا دودھ بھی مردوں کے لئے حلال اور عورتوں کے لئے حرام سمجھتے تھے۔

۱۰ .... بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حامی جانور جس کی تفصیل ساتویں پارہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔ ان کی دائمی تحریک کے قائل تھے۔ ان آیات میں ان ہی نامعقول اور حماقت آمیز بندشوں کی تردید ہے۔ آج کل غالی قسم کے مبتدعین میں بھی کچھ اسی قسم کی حرکات کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ افسوس صد افسوس!

جانور ذبح کرنے کے بعد اگر پیٹ سے بچہ زندہ نکل آئے تو بالاتفاق ذبح کے بعد حلال ہو جاتا ہے لیکن بچہ اگر مردہ نکلے تو اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ صاحبینؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک زکوٰۃ الام زکوٰۃ لہ کی رو سے مردہ بچہ کا کھانا بھی روا ہے۔ لیکن امام اعظمؒ کے نزدیک ناجائز ہے۔ اس آیت سے استدلال کا حاصل یہ ہوگا کہ زندہ اور مردہ بچہ کے بارے میں جو مردوں اور عورتوں کے لحاظ سے زمانہ جاہلیت میں لوگ تفریق کرتے تھے۔ حق تعالیٰ اس کو ناپسند کر رہے ہیں کہ زندہ بچہ صرف مردوں کے لئے اور مردہ بچہ مرد وعورت دونوں کے لئے حلال کیسے ہے؟

بہر حال یہ ناراضی ان دونوں باتوں کی وجہ سے ہو سکتی ہے یا صرف اول وجہ سے یا صرف دوسری وجہ سے؟ لیکن تیسری شق کا کوئی قائل نہیں ہے۔ اس لئے پہلی دو صورتیں رہ جاتی ہیں۔ ان میں سے امام شافعیؒ دوسری صورت کے قائل ہیں۔ یعنی زندہ بچہ میں مردوں اور عورتوں کے درمیان تفریق کرنا باطل ہے بلکہ زندہ بچہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے حلال ہے۔ امام اعظمؒ پہلے احتمال کی

طرف مائل ہیں۔ یعنی جس طرح زندہ بچہ کے بارے میں ان کی تفریق باطل ہے ایسے ہی مردہ بچہ میں ان کی تعمیم باطل ہے یا تو اس لئے کہ مردہ بچہ میں بھی مرد وعورت کے مابین تفریق جاری ہے اور یا اس لئے کہ یہ صورت تمہاری بیان کردہ کی ضد ہے۔ یعنی سب کے لئے حرام ہے۔ اول صورت کا چونکہ کوئی قائل نہیں ہے اس لئے دوسری شق متعین ہے جو امام صاحب کی رائے ہے کہ مردہ بچہ سب کے لئے حرام ہے اور مقتضی احتیاط بھی یہی ہے کہ مذبوحہ جانور کے مردہ بچہ کو حرام کہا جائے۔

لطائف آیات: .... آیت وربك الغنی الخ کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی مصالح سے بھی بے پرواہ ہیں اور ان کو نظر انداز فرما دیتے ہیں۔ آیت وجعلوا اللّٰہ الخ میں غالی مبتدعین بھی اس قسم کی جن خرافات میں مبتلا ہیں ان کی تردید ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ خَلَقَ **جَنّٰتٍ** بَسَاتِیْنَ **مَّعْرُوْشٰتٍ** مَبْسُوْطَاتٍ عَلَی الْاَرْضِ كَالْبِطِّیْخِ **وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ** بِاَنْ اِرْتَفَعَتْ عَلٰی سَاقٍ كَالنَّخْلِ **وَّ** اَنْشَاَ **النَّخْلَ وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ** ثَمَرُهٗ وَحَبُّهٗ فِی الْهَیْئَةِ وَالطَّعْمِ **وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا** وَرَقُهُمَا **وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ** طَعْمُهُمَا **كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ** قَبْلَ النَّضْجِ **وَاٰتُوْا حَقَّهٗ** زَكٰوتَهٗ **یَوْمَ حَصَادِهٖ** بِالْفَتْحِ وَالْكَسْرِ مِنَ الْعُشْرِ اَوْ نِصْفِهٖ **وَلَا تُسْرِفُوْا** بِاِعْطَاءِ كُلِّهٖ فَلَا یَبْقٰی لِعِیَالِكُمْ شَیْءٌ **اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ** ﴿۱۴۱﴾ الْمُتَجَاوِزِیْنَ مَاحُدَّ لَهُمْ وَاَنْشَا **مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً** صَالِحَةً لِلْحَمْلِ عَلَیْهَا كَالْاِبِلِ الْكِبَارِ **وَّفَرْشًا** لَاتَصْلُحُ لَهٗ كَالْاِبِلِ الصِّغَارِ وَالْغَنَمِ سُمِّیَتْ فَرْشًا لِاَنَّهَا كَالْفَرْشِ الْاَرْضِ لِدُنُوِّهَا مِنْهَا **كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ** طَرَائِقَهٗ فِی التَّحْلِیْلِ وَالتَّحْرِیْمِ **اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ** ﴿۱۴۲﴾ بَیِّنُ الْعَدَاوَةِ **ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ** اَصْنَافٍ بَدَلٌ مِنْ حَمُوْلَةٍ وَفَرْشًا **مِنَ الضَّاْنِ** زَوْجَیْنِ **اثْنَیْنِ** ذَكَرًا وَّاُنْثٰی **وَمِنَ الْمَعْزِ** بِالْفَتْحِ وَالسُّكُوْنِ **اثْنَیْنِ قُلْ** یَا مُحَمَّدُ لِمَنْ حَرَّمَ ذُكُوْرَ الْاَنْعَامِ تَارَةً وَاِنَاثَهَا اُخْرٰی وَنَسَبَ ذٰلِكَ اِلَی اللّٰهِ **ءٰٓالذَّكَرَیْنِ** مِنَ الضَّاْنِ وَالْمَعْزِ **حَرَّمَ** اللّٰهُ عَلَیْكُمْ **اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ** مِنْهُمَا **اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ** ذَكَرًا كَانَ اَوْ اُنْثٰی **نَبِّئُوْنِیْ بِعِلْمٍ** عَنْ كَیْفِیَّةِ تَحْرِیْمِ ذٰلِكَ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ** ﴿۱۴۳﴾ فِیْهِ الْمَعْنٰی مِنْ اَیْنَ جَاءَ التَّحْرِیْمُ فَاِنْ كَانَ مِنْ قِبَلِ الذُّكُوْرَةِ فَجَمِیْعُ الذُّكُوْرِ حَرَامٌ اَوِ الْاُنُوْثَةِ فَجَمِیْعُ الْاِنَاثِ اَوِ اشْتِمَالِ الرَّحِمِ فَالزَّوْجَانِ فَمِنْ اَیْنَ التَّخْصِیْصُ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلْاِنْكَارِ **وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ اَمْ** بَلْ **كُنْتُمْ شُهَدَآءَ** حُضُوْرًا **اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا** اَلتَّحْرِیْمِ فَاعْتَمَدْتُّمْ ذٰلِكَ لَا بَلْ اَنْتُمْ كَاذِبُوْنَ فِیْهِ **فَمَنْ** اَیْ لَا اَحَدٌ **اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا** بِذٰلِكَ **لِّیُضِلَّ النَّاسَ بِغَیْرِ عِلْمٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ** ﴿۱۴۴﴾

ع ۴

ترجمہ: .... اور وہ اللہ ہی ہیں جنہوں نے پیدا فرمائے (بنائے) باغات (چمن) ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے (زمین پر پھیلی ہوئیں جیسے خربوزہ کی بیلیں) اور بغیر پھیلی ہوئی (اپنے تنوں پر کھڑے ہوئے جیسے کھجور کے درخت) اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں (پیدا کیں) جن کے پھل مختلف قسم کے ہوتے ہیں (شکل وصورت اور ذائقہ میں پھل اور دانے مختلف ہیں) نیز زیتوں اور انار کے درخت صورت شکل میں ایک دوسرے سے ملتے ہوئے (ان کے پتے) لیکن (ذائقہ ایک دوسرے سے مختلف) سو شوق سے پھل کھاؤ۔ جب اس میں پھل لگ جائیں (پکنے سے پہلے) اور چاہئے کہ ان کا حق (زکوٰۃ) ادا کردو۔ جس دن فصل کاٹو (لفظ حصاد فتح حا اور کسر حا کے ساتھ ہے۔ یعنی دسواں یا بیسواں حصہ نکال دیا کرو) اور فضول خرچی نہ کرو) کہ کل کا کل دے ڈالو جس سے تمہارے بال بچے بھی منہ تکتے رہ جائیں) بلاشبہ حق تعالیٰ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے (جو اپنی مقررہ حد سے تجاوز کر لیتے ہیں اور (اللہ نے پیدا فرمائے) چار پایوں میں سے کچھ تو بوجھ اٹھانے والے (جو لادنے کے کام آتے ہیں۔ جیسے بڑے اونٹ) اور کچھ زمین سے لگے ہوئے ہیں (جو بار برداری کے لائق نہیں جیسے چھوٹی اونٹ اور بکری۔ زمین سے قریب اور پستہ قد ہونے کی وجہ سے ان کو فـرشـا کہا گیا۔ گویا وہ فرش زمین ہیں) سو اللہ نے تمہاری روزی کے لئے جو کچھ پیدا کر دیا ہے اسے کھاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو (حلال وحرام کے بارے میں اس کے مقررہ طریقہ کے مطابق) بلاشبہ وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے (جس کی دشمنی نمایاں ہے) چو پاؤں میں آٹھ قسمیں ہیں (ازواج بمعنی اصناف۔ یہ جملہ بدل واقع ہو رہا ہے حمولۃ وفرشاً سے) بھیڑ میں سے دو قسم (جوڑ) بنائے (نر و مادہ) اور بکری کی دو قسمیں (لفظ معز فتح عین اور سکون عین کے ساتھ ہے) پوچھئے (اے محمد ﷺ! ان لوگوں سے جو کبھی تو نر چو پاؤں کو حرام کر دیتے ہیں اور کبھی مادہ چو پاؤں کو اور پھر اس کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں) کیا دونوں قسموں (بھیڑ اور بکری) کے نروں کو (اللہ نے تم پر) حرام کیا ہے یا (ان دونوں قسموں کی) مادیوں کو یا پھر اس بچے کو جسے دونوں قسموں کی مادہ اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہیں (خواہ وہ بچہ نر ہو یا مادہ) تم مجھے کسی دلیل سے تو بتلاؤ (اس حرام کرنے کی کیفیت) اگر تم سچے ہو) اس بارے میں حاصل یہ ہے کہ یہ تحریم کہاں سے آئی ہے۔ اگر نر ہونے کی وجہ سے ہے تو سارے نر حرام ہونے چاہئیں اور مادہ ہونے کی وجہ سے ہے تو ساری مادیاں حرام ہونی چاہئیں۔ اور بچے کی وجہ سے ہے تو پھر نر و مادہ دونوں حرام ہونے چاہئیں۔ پھر آخر یہ تخصیص کیسی ہے؟ غرضیکہ استفہام انکاری ہے) اور اونٹ میں سے دو قسمیں اور گائے میں دو قسمیں ہیں۔ آپ پوچھئے! کیا ان میں نر کو حرام کر دیا ہے یا مادہ کو یا اس بچہ کو جو ان دونوں کی مادہ اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہیں پھر (ام بمعنی بـل ہے) کیا تم موجود (حاضر تھے) جب اللہ نے تمہیں اس بارے میں حکم دیا تھا (تحریم کے متعلق کہ تم نے اس حکم پر اعتقاد کیا ہو؟ نہیں ایسا نہیں ہوا بلکہ تم اس بارے میں جھوٹے ہو) پھر اس سے زیادہ ظلم کرنے والا کون ہے جس نے اللہ پر (اس بارے میں) افتراء پردازی کی۔ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے اور اس کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں پر راہ نہیں کھولتے۔

تحقیق وترکیب: .... کـالبطیخ. اس سے معلوم ہوا کہ بستان اور باغ میں اس قسم کی چیزیں بھی ہوتی ہیں جو کھیت میں پائی جاتی ہیں۔ حالانکہ باغ میں صرف درخت ہوتے ہیں۔ والـنـخـل لفظ انشاء کی تقدیر میں عطف خاص علی العام کی طرف اشارہ ہے۔ مختلفاً یہ حال مقدرہ ہے۔ کیونکہ نخل ابتدائی صورت میں کھانے کے قابل نہیں ہوتا تاوقتیکہ اس درجہ پر نہ پہنچ جائے۔

اذا اثـمـر. پھلوں سے انتفاع اول وقت سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ اٰتوحقہ۔ زکوٰۃ مراد لینا صحیح نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ کی فرضیت مدینہ میں ہوئی اور سورۃ مکی ہے۔ بلکہ وہ صدقہ مراد ہے جو فصل کٹائی کے موقعہ پر فقراء پر تقسیم کیا جاتا ہے اور بقول امام رازی بعض نے آیت کو مدنی مانتے ہوئے زکوٰۃ ہی مراد لی ہے بارانی زمین کی زکوٰۃ عشر اور غیر بارانی میں نصف عشر ہے۔

لاتسرفوا۔ تمام پیداوار فقراء کو دے دینا یا اصل سے پیداوار ہی نہ کرنا یا خلاف شرع خرچ کرنا۔ تینوں صورتیں اسراف کی ہوسکتی ہیں۔ لیکن شان نزول کی وجہ سے مفسر علامؒ نے اول کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ثابت بن قیس نے غزوہ احد میں اپنے باغ کے پانچ سو درخت صدقہ کر ڈالے اور اپنے بال بچوں کے لئے کچھ نہ چھوڑا۔ حمولة و فرشاً خاص بڑے یا چھوٹے بار برداری یا سواری کے اونٹ مراد ہیں۔ یا اونٹ، گائے، بیل، بکری سب کو یہ لفظ شامل ہے۔ جیسا کہ زجاج کی رائے ہے یا فرش سے مراد ذبح کئے ہوئے جانور مراد ہیں۔ ثمانية یہ بدل ہے حمولة سے یا کلوا کا مفعول ہے اور لاتتبعوا۔ جملہ معترضہ ہے اور من الضان۔ بدل ہے ثمانية سے اور منصوب ہے انشاء سے اور من المعز کا عطف من الضان پر ہے اور ء الذكرين اور انثيين کا نصب حرم کی وجہ سے ہے جو صورۃً تو دونوں کے درمیان ہے مگر معنی آخر میں ہے اور زوج ہم جنس کو کہتے ہیں اور کبھی مجموعہ پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ مراد اول ہے المعز ابن کثیر اور ابو عمر اور ابن عامر فتح عین کے ساتھ اور باقی قراء سکون عین کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

اما اشتملت، ام عاطفہ اور ما موصولہ میں ادغام ہو کر اما ہو گیا۔ نبؤنی اس سے مقصود تعجیز ہے۔ کیونکہ اس قسم کی چیزیں یا مشاہدہ سے معلوم ہوسکتی ہیں یا سماع سے۔ جس کی نفی ام كنتم شهداء میں کی جارہی ہے۔ باقی آنحضرت ﷺ کی نبوت کے وہ پہلے ہی سے معترف نہیں ہیں۔ ام کنتم یعنی ام منقطعہ ہے۔ یعنی استفہام و اضراب کیونکہ بعد کا جملہ مستقل ہے۔

ربط آیات: .... گذشتہ آیات کی طرح ان آیات میں بھی کفار کے اختراعی احکام پر قدرے تفصیل کے ساتھ رد ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ: .... زمین کے حق سے مراد جیسا کہ زاہدی میں ذکر کیا گیا ہے اور صاحب مدارک نے اشارہ کیا ہے عشر یا نصف عشر ہے۔ جن کو فقہ میں زکوٰۃ الخارج کہا جاتا ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک زمین کی ہر پیداوار میں بجز گھاس پھونس، سوختہ کی لکڑی اور بانس کے زکوٰۃ ہے۔ بارانی زمین میں مؤنت کم ہونے کی وجہ سے دسواں حصہ اور غیر بارانی زمین میں محنت زیادہ ہونے کی وجہ سے بیسواں حصہ ہے۔ نیز سال بھر باقی رہنے اور پانچ وسق مقدار کی شرط بھی نہیں۔ اسی لئے توری ترکاری میں اور تھوڑی یا زیادہ پیداوار میں امام صاحبؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہے برخلاف صاحبینؒ کے۔

شہد کی زکوٰۃ: .... نیز حدیث في العسل العشر کی وجہ سے امام صاحب کے نزدیک شہد میں بھی عشر واجب ہے۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک شہد زمین کی پیداوار نہیں ہے بلکہ ریشم کی طرح چونکہ شہد جانور سے نکلتا ہے اس لئے اس میں عشر نہیں ہے اور امام صاحب شہد میں کسی مقدار کی پابندی نہیں لگاتے۔ البتہ امام ابو یوسفؒ پانچ وسق شہد میں عشر واجب کرتے ہیں۔ اسی طرح امام صاحبؒ کے نزدیک پہاڑی پھلوں اور شہد میں بھی زکوٰۃ واجب ہے اور یہی قول راجح ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نامی زمین نہ ہونے کی وجہ سے ان میں عشر واجب نہیں ہے لیکن صاحب ہدایہ نے ان مسائل کو عقلی و نقلی دلائل سے تو بیان کیا ہے، مگر اس آیت سے اس لئے تعرض نہیں کیا کہ جمہور کے نزدیک اس سے مراد حق شرعی خیر خیرات ہے۔ عشر یا نصف عشر مراد نہیں جو زمین کی زکوٰۃ ہوتی ہے۔ چنانچہ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس کے وجوب کو عشر و نصف عشر نے اس آیت کے مکی ہونے کی وجہ سے منسوخ کر دیا ہے اور زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی تھی جیسا کہ قاضی بیضاوی کی رائے ہے۔

اسراف وہ ہوتا ہے جو حدود شرعی سے متجاوز ہو اور کھیتی کٹنے کی قید واقعی ہے کہ زمین کی خیر خیرات اسی وقت دی جاتی ہے ورنہ وجوب اس سے پہلے ہو جاتا ہے، جب کہ پیداوار آفات سے مامون ہو جائے۔ پس اس جزو کے اعتبار سے یہ منسوخ نہیں ہے۔

اختراعی تحریم کا بانی عمرو بن لحی ہے:.............آیت فمن اظلم کا مصداق عمرو بن لحی اور اس کے پیروکار ہیں۔ چنانچہ تفسیر حسینی میں مذکورہ ہے کہ یہ آیت عوف بن مالک کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس نے ان آٹھ قسموں کو حرام قرار دے رکھا تھا۔ بظاہر اس آیت میں صاحبین اور امام شافعیؒ کے لئے دلیل ہوسکتی ہے۔ جانور کے پیٹ سے نکلے ہوئے بچہ کے مطلقاً حلال ہونے کے متعلق خواہ بچہ زندہ ہو یا مردہ کیونکہ آیت مطلق ہے۔ نیز آیت میں گھوڑے، خچر، گدھے کے حرام ہونے کے سلسلہ میں امام اعظم کی دلیل بھی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ آیت میں جانوروں کی صرف آٹھ قسموں کو بیان فرمایا گیا ہے۔ جس سے دوسرے جانوروں کی حرمت معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ ضرورت بیان کے موقعہ پر ان سے خاموشی اختیار نہیں کی جاتی۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی چیز کی تخصیص ذکری ماسوئی کی نفی کو مستلزم نہیں ہوا کرتی۔

رہا یہ شبہ کہ آیت میں ہرن کا ذکر نہیں ہے۔ اس لئے وہ بھی آٹھ قسموں کے علاوہ ہونے کی وجہ سے حرام ہونی چاہئے؟ جواب یہ ہے کہ یہاں مانوس جانوروں کا ذکر ہے اور ہرن وغیرہ وحشی اور شکاری جانوروں میں داخل ہیں۔ باقی رہی بھینس چونکہ وہ عرب میں نہیں ہوتی اس لئے اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ باقی بھینس کو بقر میں داخل سمجھنا اس لئے صحیح نہیں کہ پھر معز کو بھی ضان میں داخل کرنا چاہئے تھا۔ حالانکہ اس کا علیحدہ ذکر کیا گیا۔ پس جس طرح بکری اور بھیڑ علیحدہ علیحدہ قسمیں ہیں اور الگ الگ مذکور ہیں، اسی طرح بھینس اور گائے ایک دوسرے سے جدا اور مختلف ہیں۔ پس اگر لفظ بقر دونوں کو شامل ہوتا تو لفظ غنم بھی دونوں کے لئے کافی ہونا چاہئے۔ البتہ اونٹ کی قسمیں بختی اور عربی دونوں مطلق ابل میں داخل ہیں۔ اس لئے ان کو الگ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ شَيْئًا **مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **مَيْتَةً** بِالنَّصْبِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ مَعَ التَّحْتَانِيَّةِ **اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا** سَائِلًا بِخِلَافِ غَيْرِهٖ كَالْكَبِدِ وَالطِّحَالِ **اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ** حَرَامٌ **اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ** اَيْ ذُبِحَ عَلٰى اِسْمِ غَيْرِهٖ **فَمَنِ اضْطُرَّ** اِلٰى شَيْءٍ مِمَّا ذُكِرَ فَاَكَلَهٗ **غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ** لَهٗ مَا اَكَلَ **رَّحِيْمٌ** ﴿۱۴۵﴾ بِهٖ وَيُلْحَقُ بِمَا ذُكِرَ بِالسُّنَّةِ كُلُّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَمِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ **وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا** اَيِ الْيَهُوْدُ **حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ** وَهُوَ مَالَمْ تُفَرَّقْ اَصَابِعُهٗ كَالْاِبِلِ وَالنَّعَامِ **وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ** الثُّرُوْبَ وَشَحْمَ الْكُلٰى **اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ** اَيْ مَا عُلِّقَ بِهِمَا مِنْهُ **اَوِ** حَمَلَتْهُ **الْحَوَايَآ** الْاَمْعَاءُ جَمْعُ حَاوِيَاءٍ اَوْ حَاوِيَةٍ **اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ** مِنْهُ وَهُوَ شَحْمُ الْاَلْيَةِ فَاِنَّهٗ اُحِلَّ لَهُمْ **ذٰلِكَ** التَّحْرِيْمُ **جَزَيْنٰهُمْ** بِهٖ **بِبَغْيِهِمْ** بِسَبَبِ ظُلْمِهِمْ بِمَا سَبَقَ فِيْ سُوْرَةِ النِّسَاءِ **وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ** ﴿۱۴۶﴾ فِيْ اَخْبَارِنَا وَمَوَاعِيْدِنَا **فَاِنْ كَذَّبُوْكَ** فِيْمَا جِئْتَ بِهٖ **فَقُلْ** لَهُمْ **رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ** حَيْثُ لَمْ يُعَاجِلْكُمْ بِالْعُقُوْبَةِ بِهٖ وَفِيْهِ تَلَطُّفٌ بِدُعَائِهِمْ اِلَى الْاِيْمَانِ **وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ** عَذَابُهٗ اِذَا جَاءَ **عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ** ﴿۱۴۷﴾ **سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ**

شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا نَحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ فَاِشْرَاکُنَا وَتَحْرِیْمُنَا بِمَشِیَّتِهٖ فَهُوَ رَاضٍ بِهٖ قَالَ تَعَالٰی كَذٰلِكَ كَمَا كَذَّبَ هٰؤُلَاءِ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ رُسُلَهُمْ حَتّٰی ذَاقُوْا بَاْسَنَا عَذَابَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ بِاَنَّ اللّٰهَ رَاضٍ بِذٰلِكَ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اَیْ لَا عِلْمَ عِنْدَكُمْ اِنْ مَا تَتَّبِعُوْنَ فِیْ ذٰلِكَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ مَا اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ تَكْذِبُوْنَ فِیْهِ قُلْ اِنْ لَمْ یَكُنْ لَكُمْ حُجَّةٌ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ التَّامَّةُ فَلَوْ شَآءَ هِدَایَتَكُمْ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ اَحْضِرُوْا شُهَدَآءَكُمُ الَّذِیْنَ یَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا الَّذِیْ حَرَّمْتُمُوْهُ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ یُشْرِكُوْنَ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ اَقْرَأْ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَیْكُمْ اَ مُفَسِّرَةٌ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّ اَحْسِنُوْا بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ بِالْوَادِ مِّنْ اَجْلِ اِمْلَاقٍ فَقْرٍ تَخَافُوْنَهٗ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِیَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ الْكَبَائِرَ كَالزِّنَا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ اَیْ عَلَانِیَتَهَا وَسِرَّهَا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ كَالْقَوَدِ وَحَدِّ الرِّدَّةِ وَرَجْمِ الْمُحْصِنِ ذٰلِكُمْ الْمَذْكُوْرُ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ تَتَدَبَّرُوْنَ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ اَیْ بِالْخَصْلَةِ الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ وَهِیَ مَا فِیْهِ صَلَاحُهٗ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ بِاَنْ یَّحْتَلِمَ وَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ وَتَرْكِ الْبَخْسِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا طَاقَتَهَا فِیْ ذٰلِكَ فَاِنْ اَخْطَأَ فِی الْكَیْلِ وَالْوَزْنِ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ صِحَّةَ نِیَّتِهٖ فَلَا مُؤَاخَذَةَ عَلَیْهِ كَمَا وَرَدَ فِیْ حَدِیْثٍ وَاِذَا قُلْتُمْ فِیْ حُكْمٍ اَوْ غَیْرِهٖ فَاعْدِلُوْا بِالصِّدْقِ وَلَوْ كَانَ الْمَقُوْلُ لَهٗ اَوْ عَلَیْهِ ذَا قُرْبٰی قَرَابَةٍ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ بِالتَّشْدِیْدِ تَتَّعِظُوْنَ وَالسُّكُوْنِ وَاَنَّ بِالْفَتْحِ عَلٰی تَقْدِیْرِ اللَّامِ وَالْكَسْرِ اِسْتِیْنَافًا هٰذَا الَّذِیْ وَصَّیْتُكُمْ بِهٖ صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا حَالٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ الطُّرُقَ الْمُخَالِفَةَ لَهٗ فَتَفَرَّقَ فِیْهِ حَذْفُ اِحْدَی التَّائَیْنِ تَمِیْلَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ دِیْنِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ وَثُمَّ لِتَرْتِیْبِ الْاَخْبَارِ تَمَامًا لِلنِّعْمَةِ عَلَی الَّذِیْٓ اَحْسَنَ بِالْقِیَامِ بِهٖ وَتَفْصِیْلًا بَیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ یَحْتَاجُ اِلَیْهِ فِی الدِّیْنِ وَّهُدًی وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ اَیْ بَنِیْ اِسْرَاءِیْلَ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ بِالْبَعْثِ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

ترجمہ: .... کہہ دیجئے جو وحی مجھ پر بھیجی گئی ہے میں اس میں کوئی (چیز) حرام نہیں پاتا کہ کھانے والے پر اس کا کھانا حرام ہو۔ بجز اس کے کہ مردار ہو (یکون یا اور تا کے ساتھ ہے اور میتة منصوب ہے، لیکن یکون کی قرأت تحتانیہ کے ساتھ میتة مرفوع ہے) یا بہتا ہوا خون ہو (برخلاف اس خون کے جو بہنے والا نہ ہو۔ جیسے کلیجی اور تلی) یا سور کا گوشت ہو کہ یہ چیزیں بلاشبہ گندگی (حرام) ہیں۔ یا پھر

جو چیز کسی گناہ کا باعث ہو کہ اس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو (غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو) اور اگر کوئی شخص بے تاب ہو جائے (مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کے کھانے پر) بشرطیکہ طالب لذت نہ ہو اور نہ حد سے متجاوز کرنے والا ہو تو بلاشبہ آپ کے پروردگار (کھائے ہوئے کو) معاف فرمانے والے (اور اس پر) مہربان ہیں۔ (مذکورہ چیزوں میں سنت کی رو سے پنجہ اور کچلیوں والے تمام درندے اور پرندے بھی داخل ہیں) اور یہودیوں پر ہم نے حرام کر دیئے تھے تمام ناخن والے جانور (جن کی انگلیاں الگ الگ نہ ہوں جیسے اونٹ اور شتر مرغ وغیرہ) اور گائے اور بکری میں سے ان کی چربی بھی حرام کر دی تھی (آنتوں وغیرہ کی باریک جھلی اور گردوں کی چربی) مگر وہ چربی نہیں جو ان کی پیٹھ میں لگی ہو (جو دونوں کی کمر پر لگی ہوئی ہو) یا انتڑیوں میں ہو (حوایا بمعنی امعاء حاوی کی جمع ہے یا حاویۃ کی) یا ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو (اس سے مراد الیہ کی چربی ہے جو ان کے لئے حلال تھی) یہ (حرام کرنا) بطور سزا کے ہم نے تجویز کیا تھا ان کی سرکشی کی وجہ سے (ان کے ظلم کی وجہ سے جیسا کہ سورۂ نساء میں گزر چکا ہے) اور بلاشبہ ہم سچے ہیں (اپنی خبروں اور دھمکیوں کے سلسلہ میں) پھر اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں (آپ کی پیش کی ہوئی باتوں میں تو (ان سے) فرما دیجئے تمہارے پروردگار بڑے ہی وسیع رحمت رکھنے والے ہیں (کہ تمہیں جلد سزا میں گرفتار نہیں کیا۔ اس میں لطیف طریقہ سے ان کو ایمان کی طرف بلانا ہے) اور ان کا عذاب کبھی ٹلنے والا نہیں ہے (جب وہ آ جاتا ہے) مجرموں سے جن لوگوں نے شرک کا ڈھنگ اختیار کیا ہے وہ کہیں گے اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے اور نہ کسی چیز کو حرام ٹھہراتے (لہٰذا ہمارا شرک کرنا اور حرام ٹھہرانا اس کی مشیت سے ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس سے راضی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اس طرح (جیسے انہوں نے جھٹلایا ہے) ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا (اپنے پیغمبروں کو) یہاں تک کہ ہمارے عذاب کا مزہ چکھنا پڑا۔ آپ ﷺ کہئے کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے (کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ان باتوں پر راضی ہے) جسے تم ہمارے سامنے پیش کر سکتے ہو؟ (یعنی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے) تم پیروی نہیں کر رہے ہو (اس بارے میں) مگر بالکل اٹکل پچو۔ اور تم لوگ محض خیالی باتوں پر چل رہے ہو (غلط باتیں کہہ رہے ہو) آپ ﷺ کہہ دیجئے (اگر ان کے پاس دلیل نہ نکلے کہ) پکی (پوری) دلیل اللہ ہی کی رہی۔ پھر اگر وہ چاہتے (تم کو ہدایت دینا) تو تم سب کو راہ دکھا دیتے۔ کہہ دیجئے بلا لو (حاضر کر دو) اپنے گواہوں کو جو اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ نے سچ مچ یہ چیزیں حرام کر دی ہیں (جنہیں تم حرام بتلا رہے ہو) پھر اگر ان کے گواہ گواہی بھی دے دیں جب بھی تم ان کے ساتھ ہو کر اس کا اعتراف نہ کرو۔ اور ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور دوسری چیزوں کو اپنے پروردگار کے برابر ٹھہراتے ہیں (شرک کرتے ہیں) ان سے کہو میں تمہیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کر دیا ہے۔ یعنی (ان لاتشرکوا میں ان مفسرہ ہے) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک (احسان کرو) اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو (زندہ درگور نہ کرو) افلاس کے ڈر سے (مفلسی کے اندیشہ سے) ہم تمہیں روزی دیتے ہیں انہیں بھی دیں گے اور قریب بھی نہ بھٹکو بے حیائی کی باتوں کے۔ (زنا جیسے بڑے گناہوں کے) کھلے طور پر ہوں یا چھپی ہوئی (یعنی ظاہری گناہوں یا پوشیدہ) اور کسی ایسی جان کو قتل نہ کرو جسے قتل کرنا اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ ہاں مگر یہ کہ کسی حق کی بناء پر قتل کرنا پڑے۔ جیسے قصاص کے طور پر یا مرتد ہونے کی پاداش میں یا حد زنا کی مخصوص صورت میں) یہ (مذکورہ) ہیں وہ باتیں جن کی اللہ نے تمہیں وصیت فرمائی ہے تا کہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو۔ (غور وفکر کرو) اور یتیموں کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ الا یہ کہ اس طریقہ پر ہو جو بہترین ہو (جس میں ان کی بھلائی ملحوظ ہو) حتیٰ کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جائے (جس کی شناخت احتلام ہے) اور ناپ تول انصاف (دیانت) کے ساتھ کیا کرو (اور کٹوتی نہ کیا کرو) ہم کسی شخص پر اس کے مقدور سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے (اس حکم میں طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی۔ چنانچہ ناپ تول میں اگر بھول چوک ہو جائے اور اللہ کو اس کی نیک نیتی کا

حال معلوم ہے تو اس کی پکڑ دھکڑ نہیں ہوگی۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے) اور جب کبھی کوئی بات کہو (کسی حکم وغیرہ کے سلسلہ میں) تو انصاف کی کہو (سچائی کے ساتھ) اگر چہ (جس کے موافق یا خالف بات کہی جائے) اپنا قرابت دار ہی کیوں نہ ہو۔ (قربیٰ بمعنی قرابۃ ہے) اور اللہ کے ساتھ جو عہد و پیمان کیا ہے اسے پورا کرو۔ یہ باتیں ہیں جن کا اللہ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم یاد رکھو۔ (لفظ تـذکـرون تشدید کے ساتھ ہے بمعنی تتعظون اور سکون کے ساتھ بھی ہے) اور یہ کہ (ان فتح کے ساتھ ہے تقدیر لام کی صورت میں اور مکسورہ ہونے کی حالت میں مستانفہ ہے) یہی (راہ جس کی میں نے تم کو تاکید کی ہے) میری سیدھی راہ ہے (مستقیماً حال ہے) اس لئے اسی پر چلو اور دوسری راہوں پر نہ چلو۔ (جو اللہ کے راستہ کے خلاف ہیں) کہ تمہیں تتر بتر کردیں (اس کی دو تاء میں سے ایک تاء محذوف ہورہی ہے اور تفرق بمعنی تمثیل ہے) اللہ کی راہ (دین) سے یہ بات ہے جس کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے تا کہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔ پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی (یعنی تورات اور لفظ ثم خبر کی ترتیب کے لئے ہے) تا کہ (نعمت) پوری ہو عمل والے شخص پر (جو اس پر قائم رہا) اور تفصیل (بیان) ہوجائے سب احکام کی (جو دین میں ضروری ہوں) اور لوگوں کے لئے ہدایت و رحمت ہوتا کہ (بنی اسرائیل کے افراد) اپنے پروردگار کی ملاقات پر (آخرت میں) ایمان لائیں۔

تحقیق و ترکیب: .... **قـل لا اجـد**۔ اس آیت میں اختلاف ہے۔ حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق بعض اہل علم کے نزدیک صرف ان ہی چیزوں میں حرمت منحصر ہے اور میۃ اور منخقۃ اور موقوذہ جن کا ذکر سورۂ مائدہ کے شروع میں آچکا ہے اسی میں داخل ہیں۔ لیکن اکثر علماء کے نزدیک بعض دوسری چیزوں کی حرمت دوسری نصوص سے بھی ثابت ہے۔ مثلاً: ابن عباسؓ کی روایت ہے **نهى**[1] **رسول الله صلى الله عليه وسلم عن كان ذى ناب من السباع و كل ذى مخلب من الطير**۔ امام شافعیؒ کا مذاق اس بارے میں یہ ہے کہ جن چیزوں کی حرمت یا حلت میں کوئی نص نہ آئی ہو تو اگر شرعاً ان کے مارنے کا حکم ہو جیسے **خمس**[2] **من الفواسق يقتلن فى الحل والحرم**۔ یا ان کے مارنے کی ممانعت ہو جیسے **نهى**[3] **رسول الله صلى الله عليه وسلم عن قطع النحلة وقتل النملة**۔ تو ایسی چیزیں تو حرام ہوں گی۔ باقی ان چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں میں مرغوب کے رواج کو دیکھا جائے گا۔ ان کی استعمالی چیزیں حلال اور غیر استعمالی حرام ہوں گی۔

ميتة. یہاں تین قرأتیں ہیں۔ ابن کثیر اور حمزہ کے نزدیک **تكون ميتة** تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ **الا ان تكون العين ميتة**. اور ابن عامر کے نزدیک **تكون ميتةٌ** ہے۔ ای **الا ان تقع ميتة** اور باقی قراء کے نزدیک **الا ان يكون ميتة** ہے ای **الا ان يكون الماكول ميتة فانه**. ابن حزم کے نزدیک ضمیر قریب ہونے کی وجہ سے خنزیر کی طرف راجع ہے۔ کیونکہ نجس العین ہونے کی وجہ سے بلا تخصیص نجس ہے اور بعض نے اصل مقصد پر نظر کرتے ہوئے **لحم** کی طرف ضمیر راجع کی ہے۔ **فسقاً** یعنی اطاعت سے خارج ہونا زید عدل کی طرف مبالغہ کے لئے ہے۔

ويلحق. شبہ کے ازالہ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی قرآن کریم میں صرف یہی چیزیں حرام ہیں۔ جیسا کہ **فيما اوحى** سے معلوم ہوتا ہے۔ اگر کسی چیز کا سنت سے حرام ہونا ثابت ہو جائے تو اس میں حصر کے منافی نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی نسخ کے حکم میں ہوتی ہے۔ اس کے جواز کی کیا صورت ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مذکورہ چار چیزوں کے علاوہ دوسری

---

[1] رسول اللہ ﷺ نے کچلیوں والے ہر درندہ اور ناخن والے ہر پرندہ کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔

[2] پانچ بدترین جانور ہیں جنہیں حرم اور غیر حرم میں سب جگہ مار دینا چاہئے۔ ۱۲

[3] نبی کریم ﷺ نے شہد کی مکھی اور ایک خاص قسم کی مکھی کے مارنے سے منع فرمایا ہے۔ ۱۲

چیزوں کی حرمت دوسری آیت سے ثابت ہے اور اس کی ممانعت خبر واحد سے ہو رہی ہے۔ البتہ عدم تحریم کے معنی اصلی اباحت کے باقی رہنے کے ہیں۔ پس خبر نے حلت اصل کو حرام کیا ہے۔ کسی حکم شرعی کو نہیں اٹھایا۔ اس لئے نسخ نہیں ہوا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ خبر مشہور ہے جس سے زیادتی جائز ہے۔ سانپ، بچھو، چیونٹی، مکھی کا حکم بھی یہی ہے۔ آیت کے اس صورت میں دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک توجیہ تو یہ ہے **لا اجد فیما اوحی الی الان**. دوسری توجیہ یہ ہے کہ جن مخصوص جانوروں کو تم زمانہ جاہلیت میں حلال سمجھتے تھے، ان میں سے یہ حرام ہیں۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ صرف چوپاؤں میں یہ جانور حرام ہے مطلق حرمت مراد نہیں ہے غرضیکہ ان دونوں توجیہوں پر حصر اضافی مراد ہوگا۔ رہے موقوذۃ وغیرہ جانور سو وہ میتہ میں داخل ہے۔

ذی ظفر جن درندوں اور پرندوں کی انگلیاں ملی ہوئی ہیں جیسے مرغابی، بطخ وغیرہ۔ **حوایا** . **حاویۃ یاحاویاً** کی جمع ہے۔ جیسے قصاع کی جمع قواصع ہے یا حویۃ کی جمع ہے جیسے سفینۃ کی جمع سفائن ہے۔ الیۃ تثنیہ الیان جمع الیات ہے۔ گوشت اور چربی کے علاوہ یہ تیسری قسم ہوتی ہے۔ سورۃ النساء۔ یعنی آیت **فبظلم من الذین هادوا الخ**.

ذلک جزینا ھم . پہلی شریعتوں کے احکام اگر بلا انکار منقول ہوں تو ہم پر بھی حجت ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں بنی اسرائیل پر ان جانوروں کی حرمت نقل کر کے **ذلک جزینا ھم** سے انکار بھی ذکر کیا گیا ہے کہ یہ سزا ان کے ظلم وسرکشی کی پاداش تھی، جن کا مطلب یہ ہے کہ حرام ہونا ان کے ساتھ مخصوص تھا۔ مسلمانوں کے لئے حلال ہے۔

لصٰدقون . یعنی بنی اسرائیل کے ظلم وسرکشی کی وجہ سے سزاءً یہ جانور حرام کئے گئے ہیں۔ نہ یہ کہ ان کے گمان کے مطابق بنی اسرائیل نے اپنے نفس پر ان چیزوں کو حرام کیا تھا کہ بعد کے لوگوں نے ان کی تقلید کی ہو۔

وفیہ تلطفہ . یعنی **ذو عقاب شدید** کی بجائے **ذو رحمۃ واسعۃ** کہنے کے نکتہ کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

سیقول . یہ مستقبل کے لئے پیش گوئی فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ کفار نے ایسا ہی کیا جیسا کہ سورۂ نمل میں ہے۔ **قال الذین اشرکوا الخ** گویا مشیت اور رضا کو لازم وملزوم سمجھتے تھے۔ پس حاصل جواب یہ ہوگا کہ دونوں لازم وملزوم نہیں ہیں۔ **مااشرکنا نحن ولا اباء نا** کا عطف ضمیر منفصل موکد پر ہونا چاہئے تھا۔ مگر فصل کی وجہ سے ضمیر منفصل کو ترک کر دیا گیا ہے۔

فللّٰہ . مفسر علامؒ نے شرط محذوف کی طرف اشارہ کر دیا۔

ھلم . یہ اسم فعل غیر منصرف ہے۔ اہل حجاز کے نزدیک جیسا کہ مفسر علامؒ نے **احضروا** سے لغت حجازیہ کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ لیکن بنو تمیم کے نزدیک فعل ہے جو مؤنث اور جمع بھی آتا ہے۔ اہل بصرہ کے نزدیک اس کی اصل "**ھالم من لم**" تھی اور اہل کوفہ کے نزدیک "**ھل ام**" اصل تھی۔ اول صورت میں الف حذف کر دیا گیا ہے۔ لام میں تقدیر سکون کی وجہ سے اور دوسری صورت میں الف کی حرکت لام کی طرف منتقل کر کے الف حذف کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ صورت بعید ہے، کیونکہ **ھل** امر پر داخل نہیں ہوا کرتا اور آیت میں متعدی ہے۔ لیکن کبھی لازم بھی مستعمل ہوتا ہے جیسے **ھل الینا**.

ان لا تشرکوا . ممکن ہے یہ شبہ ہو کہ شرک حرام ہے نہ کہ ترک شرک۔ پھر حرم کے ساتھ **لا تشرکوا** کیسے کہا گیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ان رفع کے موقعہ میں ہے۔ یعنی **ھو ان لا تشرکوا** اور اگر نصب مانا جائے تو بعض نے اس کی توجیہ **حرم علیکم ان تشرکوا** بہتر سمجھی۔ لا کو زائد مانتے ہوئے **مامنعک ان لا تسجد** کی طرح اور بعض نے **حرم ربکم** پر کلام کو پورا مان لیا اور **ان لا تشرکوا** بطور اغراء کے علیحدہ ہے اور زجاج اس کو معنی پر محمول کرتے ہیں۔ یعنی **اتل علیکم تحریم الشرک**. یا **اوصیکم ان لاتشرکوا**. کے معنی میں ہے۔ بہرحال اس نہی پر اگلے امر کا عطف درست ہو سکے گا۔ باقی **ان تشرکوا** کے ساتھ تحریم کا تعلق

باعث اشکال نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ اوامر سے اس کا تعلق بلحاظ اضداد ہوسکتا ہے اور جن حضرات نے ان کو ناصبہ مانا ہے ان کے نزدیک اس کا محل اغراء یا بدل کی وجہ سے نصب ہوگا۔

املاق. بمعنی فقر، افلاس، افساد۔ یہاں اول مراد ہے۔ قتل اولاد کا باعث اگر افلاس ہے تو اس کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک اپنی تکلیف یا عیش وآرام میں کمی۔ دوسرے خود اولاد کی تکلیف کا خیال کہ جتنی اولاد زیادہ ہوگی ان کے کفاف اور روزینہ میں کمی آنے کی وجہ سے ان کو تکلیف ہوگی۔ اس آیت میں مــن امـلاق کہہ کر اول احتمال کے ازالہ کی طرف توجہ کی گئی ہے۔ اس لئے جواب میں **نـرزقـکم** کو مقدم اور **وایاھم** کو موخر کیا گیا ہے۔ لیکن آیت بنی اسرائیل میں دوسرے اشکال کا ابطال منظور ہوا۔ اس لئے **من خشیۃ املاق** کے ساتھ جواب میں **نـحـن نرزقھم** کو **وایـاکـم** پر مقدم کیا گیا ہے۔ **الا بـالـتـی ھی احسن** ۔ یعنی یتیم کے مال میں اصلاحی کوششوں کی اجازت ہے اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تجارت کرنا ہے تاکہ مال یتیم بڑھے اور ضحاک کی رائے یہ ہے کہ مال یتیم سے خود منافع نہ لے۔ ہاں یتیم کے بالغ ہونے کے بعد یہ سب چیزیں کرسکتا ہے۔ جیسا کہ حتیٰ غایۃ سے معلوم ہوتا ہے۔ جس کی حد بقول ضحاک بیس سال اور بقول سدی تیس سال اور بقول مجاہد تینتیس سال ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے۔ جس کی تخریج ابن مردویہ نے ابن مسیب سے اسناد حسن کے ساتھ مرسلاً کی ہے اور جلال محقق احتلام کو علامت بلوغ قرار دے رہے ہیں اور حنفیہ کے نزدیک بلوغ سنی کی حد ۱۵ یا ۱۸ سال ہے۔

فـلا مواخذۃ. گناہ اگرچہ نہیں ہوتا لیکن ضمان دینا پڑے گا۔ کیونکہ مالی معاملات میں دانستہ اور نادانستہ دونوں کا ایک حکم ہے۔ صراطی مستقیماً استعارہ تصریحیہ اصلیہ ہے۔

لاتتبعوا السبل. اس سے غیر مجتہد کے لئے شخصی تقلید کا وجوب مستنبط ہوتا ہے۔ کیونکہ غیر مقلد کسی ایک طریقہ کا پابند نہیں ہوتا بلکہ مختلف طرق کے پردے میں اپنی خواہشات کی پابندی کرتا ہے۔ تماماً اس میں پانچ صورتیں ہوسکتی ہیں۔

۱۔ مفعول لہ ہو۔ ای **لاجل تمام نعمتنا** ۔ ۲۔ کتاباً سے حال ہو۔ ۳۔ مفعول مطلق ہو۔ بمعنی **اٰتیناہ ایتاء تمام لانقصان** .
۴۔ فاعل سے حال ہو۔ ای **متممین** . ۵۔ فعل مقدر کا مفعول مطلق ہو۔ حذف زوائد کے ساتھ ای **اتممناہ اتماماً** اور **علی الذی** کا تعلق تماماً سے ہو یا صفت ہونے کی بنا پر محذوف ہے۔

ربط آیات و ﴿تشریح﴾: .... **تحریم کا حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے:** .... پچھلی آیت کی طرح آیت **قـل لااجـد الـخ** سے کفار کی تحلیل وتحریم کے باطل کرنے کا سلسلہ چل رہا ہے کہ حرام تو فلاں فلاں جانور ہیں تم اس میں خودرائی کیوں کرتے ہو؟ نیز خون کھانے اور بتوں کے نام پر مذبوحہ جانوروں کے کھانے کا رواج جو تم میں ہے وہ تحلیل حرام کا فرد ہے۔ اس سے پہلے تحریم حلال کا ذکر تھا۔ پس تم دونوں کے مرتکب ہوئے۔ پھر آیت **وعـلـی الـذین الخ** میں اس شبہ کا جواب ہے کہ ان چار چیزوں کے علاوہ تمام چیزوں کا حلال ہونا **قــل لااجــد** سے معلوم ہوا۔ حالانکہ بعض اور جانور بھی حرام ہیں؟ حاصل جواب یہ ہے کہ یہاں مطلقاً جانوروں کی حلت وحرمت کا بیان نہیں ہے کہ اشکال ہو بلکہ جن جانوروں میں کفار سے کلام ہو رہا ہے صرف اُن کے لحاظ سے یہ حصر ہے۔ نیز یہ تحریم صرف یہود کے لئے ۔ ایک خاص عارض کی وجہ سے ہوئی تھی جواب منسوخ ہوچکی ہے۔ پس دعویٰ حصر صحیح رہا اور ان کی نقیض بحالہ غلط رہی۔ اس میں ان لوگوں پر بھی رد ہوگیا جو کہتے ہیں کہ کتاب اللہ خبر واحد سے منسوخ ہوسکتی ہے۔ کیونکہ آیت میں تو صرف چند چیزوں کا حرام ہونا معلوم ہوا، مگر حدیث سے دوسری چیزوں کا حرام ہونا معلوم ہوتا ہے۔ نیز ان لوگوں پر بھی رد ہوگیا جو صرف ان ہی چیزوں کو حرام مانتے ہیں جو آیت میں مذکور ہیں۔

ایک شبہ کا تحقیقی اور الزامی جواب: .... آیت فان کذبوک میں ایک دوسرے شبہ کا جواب ہے کہ مشرکین کا طریقہ غلط ہے تو اللہ پھر ان کو سزا کیوں نہیں دیتے؟ پس اس سے تو مخالف جانب کے غلط اور جھوٹ ہونے کا شبہ ہوتا ہے؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بلاشبہ عذاب پر قدرت بھی ہے اور یہ اس کے مستحق بھی ہیں۔ مگر اللہ کریم کی رحمت ایک مخصوص وقت تک کے لئے مانع ہوگئی ہے۔ اس لئے فی الحال عذاب نہیں آئے گا۔ جب وقت آئے گا مانع اٹھ جائے گا اور مقتضی ظاہر ہو جائے گا۔ یہ جواب تو تحقیقی ہوا اور الزامی جواب یہ ہے کہ اگر فوراً عذاب کا نہ آنا حق ہونے کی دلیل ہوسکتی ہے تو اس لحاظ سے اسلام بھی حق ہوا جو تمہارے طریق کی ضد اور نقیض ہے۔ اس سے تو ثابت ہوا کہ ایک چیز کا حق ہونا بھی حق ہے اور اس کا ناحق ہونا بھی حق ہے اور یہ سراسر اجتماع نقیضین ہے۔ جس سے معلوم ہوا (کہ یہ شبہ بھی محض سفسطہ ہے)۔

تیسرے شبہ کا جواب بطریقۂ منع اور بطریقہ نقض: .... اس کے بعد آیت سیقول الخ میں بطور پیشگوئی کے ایک تیسرے عقلی شبہ کا جواب ہے۔ شبہ کا ماحصل یہ ہے کہ مشرکین کا طریقہ اگر اللہ کو ناپسند تھا تو ان کو اپنی مرضی کے خلاف کیوں کرنے دیا۔ لیکن جب کرنے دیا تو معلوم ہوا کہ خلاف مرضی نہیں ہے؟ اس کا جواب اس آیت میں دو طریقہ سے دیا گیا ہے۔ اول بطریق منع کہ یہ تمہارا مقدمہ کہ "ایسے شرکیہ کاموں پر قدرت دینا رضامندی اور خوشنودی کو مستلزم ہے" ایک دعویٰ ہے جس پر تمہاری طرف سے دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ ھل عندکم من علم میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ پس اس سے تو لازم آتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے سب ہی طریقے حق ہوں اور یہ صراحۃً اجتماع نقیضین ہے۔ مگر ظاہر وباہر ہونے کی وجہ سے اس الزام کو ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

دوسرے جواب کا خلاصہ نقض ہے۔ یعنی مشرکین کی دلیل کے بطلان پر دلیل پیش کی جارہی ہے کہ تمہاری اس تقریر سے سارے انبیاءؑ کی تردید وتکذیب لازم آرہی ہے۔ کیونکہ تمام انبیاء کے بیانات سے تو شرک اور اس کی منگھڑت تحریم کا باطل ہونا معلوم ہوتا رہا اور تمہاری اس دلیل سے ان چیزوں کا حق ہونا لازم آتا ہے۔ حالانکہ انبیاء کا سچا ہونا دلائل اقطعیہ سے ثابت ہے۔ اس لئے ان کا کذب محال ہوا اور مستلزم محال خود محال ہوتا ہے۔ پس مشرکین کی یہ دلیل ٹوٹ گئی۔ کذلک کذب الذین الخ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ غرضیکہ عقلی دلیل کا حال معلوم ہوگیا۔ لیکن اثبات مدعا کا ایک طریقہ چونکہ نقل صحیح بھی ہے اس لئے اگر عقلی دلیل سے عاجز ہو تو پھر نقلی ہی دلیل لے آؤ۔ چنانچہ قل ھلم الخ میں اس طرف اشارہ ہے۔ آگے آیت قال تعالوا الخ سے حکیمانہ اسلوب اور طرز یہ بتلانا ہے کہ جو واقعی حرام چیزیں ہیں ان کو تو تم نے بالکل نظر انداز کر رکھا ہے بلکہ ان میں مبتلا ہو اور جو چیزیں حرام نہیں تھیں ان کو محض فرضی طور پر حرام کر رکھا ہے۔ یتیموں کے مال میں بجز باپ دادا اور ان کے وصی اور قاضی کے کسی کو تصرف کا مجاز نہیں ہے۔

اہل سنت والجماعت کا امتیازی نشان: .... پس اہل حق کا مصداق وہ حضرات ہیں جو صحابہؓ اور تابعین کے مسلک پر ہوں۔ جن کی تعبیر مَنْ كَانَ عَلَى السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ بِمَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِىْ سے حدیث میں آئی ہے۔ یا ابن عباسؓ کی روایت ہے مَنْ كَانَ فِيهِ عَشْرُ خِصَالٍ تَفْضِيلُ الشَّيْخَيْنِ وَتَوْقِيرُ الْخَتَنَيْنِ وَتَعْظِيمُ الْقِبْلَتَيْنِ وَالصَّلٰوةُ عَلَى الْجَنَازَتَيْنِ وَالصَّلٰوةُ خَلْفَ الْاِمَامَيْنِ وَتَرْكُ الْخُرُوْجِ عَلَى الْاِمَامَيْنِ وَالْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَالْقَوْلُ بِالتَّقْدِيْرَيْنِ وَالْاِمْسَاكُ عَنِ الشَّهَادَتَيْنِ وَاَدَاءِ الْفَرِيْضَتَيْنِ شیخین سے مراد ابوبکرؓ وعمرؓ اور ختنین سے مراد عثمانؓ وعلیؓ ہیں۔ قبلتین سے مراد بیت المقدس و بیت اللہ ہے اور جنازتین سے مراد فاسق وصالح کا جنازہ ہے اور امامین سے مراد بھی امام فاسق وصالح ہیں۔ نیز دوسرے امامین سے مراد عادل و ظالم امام ہیں اور خفین سے مراد دونوں موزے ہیں اور تقدیرین سے مراد اچھی اور بری تقدیر ہے اور شہادتین سے مراد کسی کے متعلق جنتی یا

جہنمی ہونے کی یقینی شہادت ہے اور فریضتیں سے مراد نماز اور زکوٰۃ کو ادا کرنا ہے (یہ اہل سنت کی علامات ہیں)۔

اسلام اپنی اصول وفروع میں تمام سابقہ مذاہب سے ممتاز ہے:............ ھذا صراطی سے مراد اگر توحید ونبوت ہو اور لاتتبعوا السبل سے مراد سابقہ مذاہب کی بے اعتدالیاں! تو پھر مسلمانوں کے فرقہ ناجیہ اور گمراہ فرقوں کی طرف اس آیت میں اشارہ نہیں نکلتا۔ لیکن مدارک میں ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک سیدھا خط کھینچ کر بتلایا کہ یہ طریق رشد وہدایت ہے، اس کی پیروی کرو۔ پھر اس سیدھے خط کے دائیں بائیں چھ ٹیڑھے خط کھینچ کر فرمایا کہ یہ شیطانی راہیں ہیں، ان سے بچو اور تائید میں یہی آیت تلاوت فرمائی۔

مسلمانوں میں بہتر ۷۲ فرقے گمراہ اور ایک فرقہ اہل حق کا ہدایت یافتہ ہے:............ پس اب اس حدیث سے معلوم ہوگا کہ ان تمام خطوط سے مراد امت مسلمہ کے تہتر فرقے ہیں۔ جن میں سے ایک فرقہ نجات یافتہ اور بہتر ۷۲ فرقے گمراہ ہیں اور بجز ایک گروہ اہل حق کے سب جہنمی ہیں۔ حدیث مشہور ہے۔ سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِی عَلٰی ثَلٰثَةٍ وَسَبْعِیْنَ فِرْقَةً وَاحِدَةٌ مِنْهَا نَاجِیَةٌ وَالْبَوَاقِیُ هَالِکَةٌ اَوْ کُلُّهُمْ فِی النَّارِ اِلَّا وَاحِدًا۔ بعض روایات میں بضع و سبعین کے الفاظ اور بعض میں علی اثنین و سبعین فرقة کے الفاظ ہیں۔ لفظ امامین سے مراد سلطان عادل وظالم ہے اور خفین چرمی موزے ہوتے ہیں جن پر سفر وحضر میں مسح کرنا شعار اہل سنت ہے اور تقدیرین سے مراد خیر وشر کے منجانب اللہ ہونے پر ایمان لانا ہے اور شہادتین کا مطلب یہ ہے کہ بجز عشرہ مبشرہ کے حتمی طور پر کسی کے لئے جنت وجہنم کی شہادت نہیں دی جاسکتی اور فریضتین سے مراد نماز وزکوٰۃ کی ادائیگی ہے اور غالباً ان دس چیزوں سے مقصود حصر نہیں ہے بلکہ اہل سنت کے معظم شعائر کا بیان ہے ورنہ عذاب قبر اور رؤیت باری جیسے مسائل اور بھی ہیں جو مسلک اہل سنت کے ساتھ خاص ہیں اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اہل سنت والجماعت ہونے کی شرائط تو یہی دس خصائل ہیں۔ لیکن دوسرے مسائل شرائط کے درجہ میں نہیں۔ البتہ خصائص میں داخل ہیں۔

گمراہ فرقوں کی تفصیل:............ دوسرے فرقے جو بنیادی طور پر اہل سنت سے الگ ہیں چھ ہیں۔ ۱۔ روافض۔ ۲۔ خوارج۔ ۳۔ جبریہ۔ ۴۔ قدریہ۔ ۵۔ جہمیہ۔ ۶۔ مرجیئہ۔ پھر ان گروہوں میں سے ہر ایک میں بارہ بارہ چھوٹی ٹکڑیاں ہیں۔ مثلاً: روافض میں (۱) علویہ، (۲) ابدیہ، (۳) شیعیہ، (۴) اسحاقیہ، (۵) زیدیہ، (۶) عباسیہ، (۷) امامیہ، (۸) تناسخیہ، (۹) نادسیہ، (۱۰) لاعنیہ، (۱۱) واجعیہ، (۱۲) وابصیہ۔ بارہ شاخیں شامل ہیں۔

اور خوارج میں (۱) ازریہ، (۲) اباضیہ، (۳) تغلبیہ، (۴) جارمیہ، (۵) خلفیہ، (۶) کوزیہ، (۷) معتزلہ، (۸) میمومنیہ، (۹) کنزیہ، (۱۰) محکمیہ، (۱۱) اخنیہ، (۱۲) شرافیہ شاخیں۔ جبریہ کے بارہ فرقے یہ ہیں۔ (۱) مضطریہ، (۲) افعالیہ، (۳) معیہ، (۴) مغروعیہ، (۵) مجازیہ، (۶) مطمئنیہ، (۷) کسلیہ، (۸) سابقیہ، (۹) حبیبیہ، (۱۰) خوفیہ، (۱۱) فکریہ، (۱۲) حیبیہ اور قدریہ کی ٹکریاں حسب ذیل ہیں۔ (۱) احمدیہ، (۲) مثنویہ، (۳) کسانیہ، (۴) شیطانیہ، (۵) شریکیہ، (۶) وہمیہ، (۷) رویدیہ، (۸) ناکشیہ، (۹) متبریہ، (۱۰) فاسطیہ، (۱۱) نظامیہ، (۱۲) منزلیہ۔

جہمیہ فرقوں کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) مخلوقیہ، (۲) غیریہ، (۳) واقفیہ، (۴) خبریہ، (۵) زنادقیہ، (۶) نفطیہ، (۷) مرابعتیہ، (۸) متراقبیتہ، (۹) واردیتہ، (۱۰) فانیہ، (۱۱) حرقیہ، (۱۲) معطلیہ۔ اور مرجیہ کی شاخیں مندرجہ ذیل ہیں۔ (۱) تارکیہ، (۲) شائنیہ، (۳) راجیہ، (۴) شاکیہ، (۵) بہمیہ، (۶) عملیہ، (۷) منقوصیہ، (۸) ستثنیہ، (۹) اشریہ، (۱۰) بدعیہ، (۱۱) حشوریہ، (۱۲) مشتبہیہ۔ یہ

سب فرقے اپنے اپنے دور میں باطل رہے ہیں۔ اگرچہ آج ان میں سے بہت سوں کا کوئی نام نہیں جانتا۔ حدیث میں ان فرقوں کی تعداد بلحاظ عقائد مقصود ہے۔ مطلقاً تعداد بیان کرنا نہیں ہے، اس لئے اگر فرعیات اور جزئیات میں مسلمان اس سے زیادہ تعداد میں بھی بٹ جائیں تو حدیث کی رو سے اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

اصول روافض: .... ان جماعتوں کے باہمی اختلافی نقاط حسب ذیل ہیں۔

روافض مثلاً: اقامت، جماعت، مسح خفین، تراویح کو اور نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنے اور روزہ افطار کرنے اور نماز مغرب میں جلدی کرنے کو مسنون نہیں سمجھتے اور حضرت فاطمہؓ کو حضرت عائشہؓ سے افضل سمجھتے ہیں اور بجز حضرت علیؓ کے تمام صحابہؓ پر بالخصوص حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ پر لعنت بھیجتے ہیں اور اللہ کی رحمت سے مایوس ہیں اور ایک لفظ سے تین طلاقیں نہیں مانتے۔

خارجی فرقے کے بنیادی اصول: .... علیٰ ہذا خارجی فرقے جماعت کو مسنون نہیں سمجھتے اور گناہوں کی وجہ سے اہل قبلہ کی تکفیر کرتے ہیں اور ظالم حاکم کے خلاف بغاوت کرنے کو روا سمجھتے ہیں اور حضرت علیؓ پر لعنت کرتے ہیں۔

فرقہ جبریہ کا نظریہ: .... فرقہ جبریہ کا خیال یہ ہے کہ بندہ بالکل مجبور محض ہے۔ اچھے برے کام کا۔ اس کو اختیار نہیں ہے جس کا مطلب ثواب وعذاب اور تمام احکام شرع کا بیکار ہونا ہے اور مال کو اللہ کا محبوب سمجھتے ہیں اور توفیق خداوندی کو کام کے بعد مانتے ہیں۔

فرقہ قدریہ کا نقطہ اختلاف: .... لیکن فرقہ قدریہ سب کا فاعل حقیقی انسان کو سمجھتے ہیں۔ گویا ہر انسان اپنے کاموں کا خالق ہے۔ ان کے نزدیک ایک کام اللہ کے نزدیک کفر اور بندوں کے نزدیک ایمان ہوسکتا ہے۔ نماز جنازہ کو واجب نہیں سمجھتے۔ عہد میثاق کا انکار کرتے ہیں اور توفیق کو کام سے پہلے مانتے ہیں۔ جسمانی معراج کے قائل ہیں، بلکہ منامی معراج مانتے ہیں۔

جہمیہ کے افکار: .... فرقہ جہمیہ کا نظریہ یہ ہے کہ ایمان کا تعلق صرف دل سے ہے۔ زبان سے بالکل نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلیم اللہ ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ عذاب قبر، نکیرین کے سوال، اور حوض کوثر اور ملک الموت کو نہیں مانتے اور ان سب باتوں کو اوہام وخیالات بتلاتے ہیں۔ قبض ارواح کا تعلق صرف اللہ سے مانتے ہیں۔

مرجئیہ کے عقائد: .... مرجئیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو اپنی شکل وصورت پر پیدا کیا ہے اور اللہ کے لئے جسم ومکان ہے۔ یعنی عرش اور ایمان کے بعد انسان کو کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا۔ صرف ایمان لانا فرض ہے۔ نماز، روزہ، فرائض وواجبات کی ضرورت نہیں۔ عورتوں کی مثال باغ کے پھولوں کی طرح سمجھتے ہیں، جس کا جی چاہا توڑ لیا۔ نکاح وغیرہ قیود کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

یہ چھ گروہ ان مسائل میں بھی فروعی نزاعات کا شکار ہیں اور اس طرح اکائیوں میں تقسیم ہوتے چلے گئے ہیں۔ غرضیکہ **کل حزب بمالدیھم فرحون** شرح وقایہ میں معطلہ کو اصل اور جہمیہ کو اس کی شاخ اور اسی طرح مشبہ کو اصل اور مرجئیہ کو اس کی شاخ اقرار دیا گیا ہے اور بعض نے بجائے چھ کے اصل گروہ کی تعداد بارہ قرار دی ہے اور پھر ان کی چھ چھ شاخیں قرار دی ہیں اور صاحب مواقف نے بالکل ایک دوسرے طرز سے تقسیم کی ہے۔ اصولی فرقے آٹھ قرار دیتے ہیں۔ معتزلہ، شیعہ، خوارج، مرجئیہ، نجاریہ، جبریہ، مشبہ، ناجیہ۔

پھر معتزلہ کی بیس اور شیعوں کی بائیس اور خوارج کی بیس اور مرجئیہ کی پانچ اور نجاریہ کی تین اور جبریہ اور مشبہ اور ناجیہ کی ایک

ایک شاخ قرار دی ہے اور ان کے عقائد ونظریات کی تفصیلات پیش کی ہیں۔

لطائف آیات: .... آیت ذلك جزیناهم سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی نعمتوں سے محروم رہنے کے سبب گناہ بھی ہوتے ہیں اور آیت وقال الذین اشرکوا الخ سے معلوم ہوا کہ جبر مذموم کا عقیدہ باطل ہے۔

وَهٰذَا القُرآنُ **كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ** یَا اَهلَ مَكَّةَ بِالعَمَلِ بِمَا فِیهِ **وَاتَّقُوْا** الكُفرَ **لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ** ﴿۱۵۵﴾ اَنزَلنَاهُ لِ **اَنْ** لَا **تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ** اَلیَهُودِ وَالنَّصَارٰی **مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ** مُخَفَّفَةٌ وَاسمُهَا مَحذُوفٌ اَی اِنَّا **كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ** قِرَاءَتِهِم **لَغٰفِلِيْنَ** ﴿۱۵۶﴾ لِعَدَمِ مَعرِفَتِنَا لَهَا اِذ لَیسَت بِلُغَتِنَا **اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ** لِجَودَةِ اَذهَانِنَا **فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ** بَیَانٌ **مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ** لِمَنِ اتَّبَعَهُ **فَمَنْ** اَی لَا اَحَدٌ **اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ** اَعرَضَ **عَنْهَا سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ** اَی اَشَدَّهُ **بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ** ﴿۱۵۷﴾ **هَلْ يَنْظُرُوْنَ** مَا یَنتَظِرُ المُكَذِّبُونَ **اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ** بِالتَّاءِ وَالیَاءِ **الْمَلٰٓئِكَةُ** لِقَبضِ اَروَاحِهِم **اَوْ يَاْتِىَ رَبُّكَ** اَی اَمرُهُ بِمَعنٰی عَذَابِهِ **اَوْ يَاْتِىَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ** اَی عَلَامَاتُهُ الدَّالَّةُ عَلَی السَّاعَةِ **يَوْمَ يَاْتِىْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ** وَهُوَ طُلُوعُ الشَّمسِ مِن مَغرِبِهَا كَمَا فِی حَدِیثِ الصَّحِیحَینِ **لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ** اَلجُملَةُ صِفَةُ نَفسٍ **اَوْ** نَفسًا لَم تَكُن **كَسَبَتْ فِىْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا** طَاعَةً اَی لَا تَنفَعُهَا تَوبَتُهَا كَمَا فِی الحَدِیثِ **قُلِ انْتَظِرُوْٓا** اَحَدَ هٰذِهِ الاَشیَاءِ **اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ** ﴿۱۵۸﴾ ذٰلِكَ **اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ** بِاختِلَافِهِم فِیهِ فَاَخَذُوا بَعضَهُ وَتَرَكُوا بَعضَهُ **وَكَانُوْا شِيَعًا** فِرَقًا فِی ذٰلِكَ وَفِی قِرَاءَةٍ فَارَقُوا اَی تَرَكُوا دِینَهُمُ الَّذِی اُمِرُوا بِهِ وَهُمُ الیَهُودُ وَالنَّصٰرٰی **لَسْتَ مِنْهُمْ فِىْ شَىْءٍ** فَلَا تَتَعَرَّضْ لَهُم **اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ** یَتَوَلَّاهُ **ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ** فِی الاٰخِرَةِ **بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ** ﴿۱۵۹﴾ فَیُجَازِیهِم بِهِ وَهٰذَا مَنسُوخٌ بِاٰیَةِ السَّیفِ **مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ** اَی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ **فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا** اَی جَزَاءُ عَشرِ حَسَنَاتٍ **وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا** اَی جَزَاءَهُ **وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ** ﴿۱۶۰﴾ یُنقَصُونَ مِن جَزَائِهِم شَیئًا **قُلْ اِنَّنِىْ هَدٰىنِىْ رَبِّىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ** وَیُبدَلُ مِن مَحَلِّهِ **دِيْنًا قِيَمًا** مُستَقِیمًا **مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ** ﴿۱۶۱﴾ **قُلْ اِنَّ صَلَاتِىْ وَنُسُكِىْ** عِبَادَتِی مِن حَجٍّ وَغَیرِهِ **وَمَحْيَاىَ** حَیَاتِی **وَمَمَاتِىْ** مَوتِی **لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۱۶۲﴾ **لَا شَرِيْكَ لَهٗ** فِی ذٰلِكَ **وَبِذٰلِكَ** اَی التَّوحِیدِ **اُمِرْتُ وَاَنَا**

اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِىْ رَبًّا اِلٰهًا اَىْ لَا اَطْلُبُ غَيْرَهٗ وَّهُوَ رَبُّ مَالِكُ كُلِّ شَىْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ذَنْبًا اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ تَحْمِلُ نَفْسٌ وَازِرَةٌ اٰثِمَةٌ وِّزْرَ نَفْسٍ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ جَمْعُ خَلِيْفَةٍ اَىْ يُخْلِفُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فِيْهَا وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ بِالْمَالِ وَالْجَاهِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ لِّيَبْلُوَكُمْ لِيَخْتَبِرَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اَعْطَاكُمْ لِيَظْهَرَ الْمُطِيْعُ مِنْكُمْ وَالْعَاصِىْ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۡ لِمَنْ عَصَاهُ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾ بِهِمْ

ع ۲۰ ۱۱ ۷

ترجمہ: .... یہ (قرآن) کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے بڑی برکت والی ہے۔ اس لئے اس کی پیروی کرو (اے مکہ کے باشندو! اس پر کاربند ہو) اور (کفر سے) بچو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (ہم نے یہ کتاب اس لئے نازل کی ہے تا کہ) تم یہ (نہ) کہو کہ کتاب ہم سے پہلے صرف دو فرقوں (یہود و نصاریٰ) پر تو نازل کی گئی ہے اور ہم (ان مخففہ ہے جس کا اسم محذوف ہے دراصل انا تھا) ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے (کیونکہ ہماری زبان میں نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں اس کا پتہ ہی نہیں چلا) یا کہنے لگو کہ اگر ہم پر بھی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان جماعتوں سے بھی زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے (اپنی ذہنی عمدگی کی وجہ سے) سو تمہارے پاس بھی ایک دلیل (بیان) تمہارے پروردگار کی جانب سے اور ہدایت و رحمت آ چکی ہے (اس پر کاربند ہونے والے شخص کے لئے) پھر اس سے بڑھ کر ظالم انسان اور کون ہوسکتا ہے (کوئی نہیں) جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور ان سے گردن موڑے (روگردانی کرے) جو لوگ ہماری نشانیوں سے گردن موڑتے ہیں ہم عنقریب انہیں اس کی پاداش میں سخت (بدترین) عذاب دینے والے ہیں۔ پھر یہ لوگ کس بات کے انتظار میں ہیں (جھٹلانے والے منتظر نہیں ہیں) مگر اس کے انتظار میں ہیں کہ ان کے پاس آ جائیں (یاتیھم یا اور تا کے ساتھ ہے) فرشتے (ان کی روحیں نکالنے) یا بنفس نفیس آپ کے پروردگار آپ کے سامنے آ کھڑے ہوں (یعنی ان کا حکم۔ جس سے مراد عذاب ہے) یا پھر آپ کے پروردگار کی کوئی بڑی نشانی (قیامت کی کوئی علامت) نمودار ہوجائے۔ تو جس دن آپ کے پروردگار کی بڑی نشانی آ پہنچے گی (آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں آیا ہے) کسی ایسے شخص کا ایمان سودمند نہیں ہوسکے گا جو پہلے سے ایمان نہ لا چکا ہو (یہ جملہ نفس کی صفت ہے) یا (ایسا انسان جس نے) اپنے ایمان کی حالت میں نیکی (نہ) کمائی ہو (یعنی ایسے آدمی کی توبہ قبول نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے) آپ کہہ دیجئے کہ تم منتظر رہو (ان نشانیوں کے) ہم بھی (اس کا انتظار کرتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈال دیا (مذہبی اختلاف کھڑے کر کے بعض کو لیا اور بعض کو چھوڑ دیا) اور الگ الگ گروہ (فرقے) بن گئے (اور ایک قرأت میں فوقوا کی بجائے فارقوا ہے۔ یعنی جس دین کو اختیار کرنے کا حکم تھا اس کو چھوڑ بیٹھے اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں) آپ کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔ (لہٰذا آپ ان کے پیچھے نہ پڑیئے) بس ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے (وہی دیکھ بھال رہے ہیں) پھر وہی جتلا دیں گے (آخرت میں) ان کا کیا ہوا (اس کا بدلہ ان کو ملے گا) لیکن یہ حکم جہادی حکم سے منسوخ ہے) جو کوئی نیک کام کرے گا (لاالہ الاالله کہے گا) تو اس کے لئے دس گنا زیادہ ثواب ملے گا۔ (یعنی دس نیکیوں کے برابر ایک نیکی کا ثواب عطا ہوگا) اور جو شخص برا کام کرے گا سو اس کو اس برائی کے برابر ہی سزا ملے گی اور ان لوگوں کے ساتھ ناانصافی نہیں کی جائے گی (کہ بدلہ میں کچھ کٹوتی کرلی جائے) آپ کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے مجھے تو سیدھا راستہ دکھا دیا ہے (صراط مستقیم کے محل سے دیناً

قیماً بدل واقع ہو رہا ہے) وہی دین مستحکم (درست) ہے جو ابراہیمؑ کا طریقہ ہے۔ جس میں ذرا کجی نہیں اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے اور آپ ﷺ فرما دیجئے کہ بلاشبہ میری نماز اور ساری عبادت (حج وغیرہ عبادت) اور میرا جینا (زندگی) میرا مرنا (موت) سب کچھ اللہ کے لئے ہے جو سارے جہانوں کے پالنہار ہیں (اس بارہ) جن کا کوئی شریک نہیں ہے اور اس (توحید) کا مجھے حکم ملا ہے اور میں (اس امت کے) مسلمانوں میں پہلا فرمانبردار ہوں۔ آپ ان لوگوں سے پوچھئے، کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور پروردگار ڈھونڈوں؟ (یعنی اللہ کے سوا میں کسی کا طالب نہیں ہوں) حالانکہ وہی ہر چیز کی پرورش کرنے والے (مالک) ہیں اور ہر انسان جو کچھ عمل (گناہ) کرتا ہے وہ اسی پر رہتا ہے اور نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا (گناہ گار نفس) کسی دوسرے (نفس) کا بوجھ۔ پھر تم سب کو اپنے پروردگار کے حضور لوٹنا ہے۔ چنانچہ وہ تمہیں وہ سب کچھ جتلا دیں گے جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے اور اللہ وہی ہیں جنہوں نے تمہیں زمین میں جانشین بنایا ہے و خلئف جمع خلیفۃ کی ہے۔ یعنی ایک دوسرے کا تمہیں زمین میں نائب بناتے ہیں) اور ایک کو دوسرے پر فوقیت بخشی (مال وعزت وغیرہ سے برتری دی) تاکہ تمہاری آزمائش (امتحان) کریں۔ جو کچھ تمہیں مرحمت فرمایا ہے (دیا ہے جس سے فرمانبردار اور نافرمان الگ الگ چھٹ جائیں) یقیناً آپ کے پروردگار جلد سزا دینے والے ہیں (نافرمانوں کو) اور وہ بلاشبہ (مسلمانوں کے لئے) بڑی مغفرت ورحمت رکھنے والے بھی ہیں۔

تحقیق وترکیب: ....**ان تقولوا**. جلال محققؒ نے لام اور لائے نافیہ کی تقدیر سے اشارہ کر دیا کہ یہ **انزلناہ** کی علت ہے۔ اس میں کئی صورتیں ہیں۔ ایک تو یہی جیسا کہ کسائی اور فراء نے آیت **یبین اللّٰہ لکم ان تضلوا** اور رواسی **ان تمیدبکم** میں اس کو اختیار کیا ہے دوسری رائے بصریوں کی ہے۔ ای **انزلناہ کراھۃ ان تقولوا**! ان کے نزدیک لائے نافیہ کی تقدیر جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جئت **ان اکرمک** کو **ان لااکرمک** کے معنی میں لینا جائز نہیں سمجھتے۔ تیسری صورت فراء کے نزدیک یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان کا تعلق **اتقوا** کے ساتھ کر دیا جائے۔ ای **اتقوا ان تقولوا انما انزل الکتاب**. بہرحال جلال مفسرؒ نے **انزلناہ** کو عامل مقدر مانا ہے۔ جس پر **انزلناہ** ملفوظ دلالت کرتا ہے اور ملفوظ کو اس لئے عامل نہیں مانا کہ لفظ مبارک اجنبی کا فاصلہ لازم آتا ہے جو یا صفت ہے اور یا خبر۔

الکتب. اس سے مراد جنس کتاب ہے۔ جس سے مراد تورات، زبور، انجیل ہے اور صحف اس میں داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کو عرف میں کتاب نہیں کہا جاتا جو احکام پر مشتمل ہوتی ہیں۔

فقد جاء کم. یہ شرط محذوف کی جزاء ہے۔ ای **ان صدقتم فیما کنتم تعدون من انفسکم فقد جاء کم الخ**۔

ھل ینظرون. استفہام انکاری بمعنی نفی ہے۔ کفر پر باقی رہنے والوں کے لئے مزید تخویف ہے۔ علامات قیامت دو طرح کی ہیں۔ چھوٹی علامات تو بکثرت ہیں، لیکن بڑی علامات دس ہیں۔ جیسے آفتاب کا مغرب سے برآمد ہونا وغیرہ۔ چنانچہ حذیفہؓ اور براء بن عازبؓ کی روایت ہے کہ ہم بیٹھے ہوئے قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو فرمایا کہ جب تک یہ دس علامات نہیں ہوں گی۔ اس وقت تک قیامت نہیں ہوگی۔ (۱)[۱] **الدخان، (۲) دابۃ الارض، (۳) خسف بالمشرق. (۴) خسف بالمغرب خسف بجزیرۃ (۵) العرب. (۶) الدجال (۷) طلوع الشمس من مغربھا (۸) یاجوج ماجوج (۹) نزول عیسیٰ علیہ السلام (۱۰) نار تخرج من عدن**۔

---

[۱] دھواں ایک خاص قسم کا جانور، مشرقی خسف، مغربی خسف، ملک عرب کا خسف، دجال کا ظاہر ہونا۔ سورج کا پچھم کی طرف سے نکلنا یاجوج ماجوج کا ظاہر ہونا۔ حضرت مسیحؑ کا آسمان سے اترنا آگ کا عدن سے رونما ہونا قیامت کی علامت ہیں۔ ۱۲

لایفن نفسا۔ ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے کہ جب تک آفتاب مغرب سے برآمد نہیں ہوگا، قیامت نہیں ہوگی۔ آفتاب طلوع ہونے پر یہ لوگ ایمان لائیں گے۔ اس وقت ان کا ایمان نافع نہیں ہوگا۔ اس کے بعد ابوہریرہؓ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ اکثر مفسرین کی رائے بھی یہی ہے اور یہی صحیح ہے۔ لاعلی التعیین بعض علامات ظاہر ہونے پر ایمان کا غیر نافع ہونا مراد نہیں جیسا کہ بعض کی رائے ہے۔ ورنہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت جو لوگ ایمان لائیں گے اس کا بے کار ہونا لازم آئے گا کیونکہ مغرب سے آفتاب کا طلوع نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوگا۔ جیسا کہ عبد بن حمید نے عبداللہ بن ابی اوفی کی یہ روایت اپنی تفسیر میں نقل کی ہے۔ **یاتی قدر ثلاث لیال لایعرفها الا المتهجدون یقوم الرّجل فیقرء حزبه ثم ینام ثم یقوم فعند ذلک تموج الناس. بعضهم فی بعض حتیٰ اذا صبلوا الفجر وجلسوا فاذآ الشمس قد طلعت من مغربها حتیٰ اذا توسطت الشمس رجعت** حذیفہ کی مرفوع روایت میں اس رات کا دو رات کے برابر دراز ہونا آیا ہے اور ایک راویت کے مطابق مغرب سے آفتاب برآمد ہونا تین روز تک آیا ہے۔ لیکن بقول نووی اصح یہ ہے کہ طلوع کی یہ کیفیت صرف ایک روز رہے گی۔ اس کے بعد سابقہ معتاد طریقہ پر طلوع و غروب رہے گا اس کے بعد باب توبہ کا بند ہونا اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔[1] **قال صلی اللّٰه علیه وسلم ان اللّٰه جعل بالمغرب باباً مسیرة عرضه سبعون عاماًللتوبة لایغلق مالم تطلع الشمس من قبله**۔

ان الذین فرقوا۔ حسنؒ کی رائے تو یہ ہے کہ اس سے مراد مشرکین ہیں۔ جن میں بعض بت پرست تھے اور بعض ستارہ پرست اور بعض فرشتہ پرست اور یہی ان کی مذہبی تفریق ہوئی لیکن بقول مجاہدؒ یہودی فرقے مراد ہیں۔ ان میں بھی باہمی گروہ بندیاں تھیں اور ابن عباسؓ اور قتادہؓ اور سدیؒ اور ضحاکؒ کے نزدیک یہود و نصاریٰ دونوں فرقے ہیں۔ لیکن ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس امت کے گمراہ فرقے مراد ہیں۔ چنانچہ مرفوع روایت ہے **قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان الذین فرقوا دینهم وکانوا شیعاًلست منهم فی شیء ولیسو منک اهل البدع واهل الشبهات واهل الضلالة من هذه الامة**۔ **الحسنة**۔ ظاہر یہی ہے کہ اس کو عام نیکی پر محمول کیا جائے جیسا کہ سیئۃ سے مراد بھی عام ہے۔ ورنہ پھر اس سے بھی خاص شرک مراد لینا پڑے گا۔ یہاں نیکی کا کم از کم اجر بیان کیا گیا ہے ورنہ دوسری نصوص سے ستر (۷۰) یا سات سو (۷۰۰) اور اس سے بھی زائد معلوم ہوتا ہے۔ راویت کے الفاظ یہ ہیں۔[2] **قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذا احسن احدکم اسلامه فکل حسنة یعملها تکتب له بعشرا مثالها الی سبعمائة ضعف وکل سیئة یعملها تکتب له بمثلها حتی یلقی اللّٰه عزوجل**.

دیناً قیماً۔ یہ صراط مستقیم کے محل سے بدل واقع ہو رہا ہے اور مفعول ثانی کی وجہ سے محل نصب ہے اور یہاں ھدی کا تعدیہ الٰی کے ذریعہ ہو رہا ہے، لیکن کبھی خود مستعدی بھی ہوا کرتا ہے۔ جیسے **ویهدیکم صراطاًمستقیماً**۔ **قیم**۔ بروزن فیعل ہے۔ قیام سے جیسے سید ساد سے ہے اور اہل کوفہ قاف کے کسرہ اور یا کی خفت سے ساتھ پڑھتے ہیں۔ زجاج کے نزدیک قیم مصدر ہے بمعنی قیام جیسے صغر و کبر **اول المسلمین**۔ یہ بلحاظ اس امت کے ہے نیز عہد الست کے لحاظ سے اگر ہو تو حقیقی اولیت مراد ہو سکتی ہے۔ **غیر اللّٰه** اس کا نصب ابغی کا مفعول ہونے کی وجہ سے ہے اور ربا تمیز ہے اور ربا کی تفسیر الٰھًا ہے اور استفہام انکاری ہے۔ **لاترو**۔ دوسری آیت **لیحملن اثقالهم واثقالامع اثقالهم** سے اور حدیث **من سن سیئة فعلیه وزرها ووزر من عمل بها الی یوم القیمة** سے تو اس آیت کے برخلاف مفہوم ہوتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس آیت کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا جس میں کسی بھی لحاظ سے تسبب نہ ہو اور دوسری آیت اور حدیث تسبب پر محمول ہوگی۔ مباشرۃ گناہ ایک الگ چیز ہے اور گناہ کا سبب اور ذریعہ بن جانا ایک علیحدہ چیز ہے۔

خلائف۔ یہ جمع ہے خلیفہ کی، جیسے وصیفۃ کی جمع وصائف آتی ہے۔

---

[1] نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے مغرب میں ایک دروازہ بنادیا ہے جس کی چوڑائی ستر (۷۰) سال کی مسافت کی برابر ہوگی یہ توبہ کا دروازہ اس وقت تک بند نہیں ہوگا جب تک مغرب کی طرف سے سورج نہیں نکلے گا۔۱۲

[2] آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے اپنے دین میں ٹکڑیاں کرلی ہیں اور وہ گروہ گروہ ہوگئے تو ان میں داخل نہیں اور نہ وہ تم میں سے ہیں وہ تو اس امت کے اہل بدعت ہیں اور اہل شبہات ہیں اور خائنین ہیں۔۱۲

سریع العقاب ۔عقاب کا جلد ہونا یا تو اس لحاظ سے ہے کہ مستقبل کی ہر آنے والی چیز قریب ہی آتی جاتی ہے اور یا یہ مطلب ہے کہ جب عذاب کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو پھر فوراً واقع ہوجاتا ہے۔اس میں تاخیر نہیں ہوتی ۔غرضیکہ یہ مضمون اب اللہ کے حلم اور تحمل کے منافی نہیں رہا۔

ربط آیات: ....پچھلی آیات میں شرک اعتقادی اور تحریک وتحلیل کی خودکاری پر ضرب کاری لگائی گئی تھی ۔اب آیات **ثم اٰتینا** اور **وھٰذا الکتٰب الخ** سے مسئلہ نبوت پر کلام کیا جارہا ہے کہ یہ کوئی عجیب وغریب امر نہیں جس کا دعویٰ آنحضرت ﷺ کررہے ہیں۔ بلکہ اتمام حجت کے لئے دوسری قوموں کی طرح تمہارے لئے بھی ایک عظیم نبی کا بھیجنا ضروری سمجھا گیا۔اس کے بعد آیت **ھل ینظرون** سے ایمان نہ لانے کی صورت میں پچھلے مکذبین کی طرح عذاب کی دھمکی ہے۔ پھر آیت **ان الذین فرقوا الخ** سے عام گمراہوں کو للکارنا ہے اور مذہبی تفریق اور گروہ بندیوں کی مذمت کے بعد آیت **قل اننی الخ** سے دین حق کے اتباع کا مشورہ دیا جارہا ہے اور اس پوری سورت میں چونکہ دین کی تحقیق ہے اب خاتمہ سورت پر آیت **ھو الذی الخ** سے اپنے انعام کے ساتھ انعام کو خاص بتلانا ہے۔جس سے ترغیب وترہیب مقصود ہے۔

شان نزول: ....مکہ کے کفار ومشرکین نے جب آنحضرت ﷺ سے **ارجع الیٰ دیننا** کی درخواست کی تو اس پر آیت **قل اغیر اللّٰہ الخ** نازل ہوئی اور ولید بن مغیرہ نے جب مسلمانوں کو بہکانا چاہا کہ **اتبعوا سبیلی احمل عنکم اوزارکم وھو وازرتو** اس پر آیت **لا تزر وازرۃ الخ** نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: ....اہل کتاب کی تبلیغی کوتاہی بھی آنحضرت ﷺ کی بعثت کا سبب بنی: ....اس اتمام حجت کا ماحصل یہ ہے کہ جس طرح دینی قوموں کے لئے انبیاء اور ہادی بھیجے گئے اور وہ اپنے ساتھ پیغام اور کتابیں لائے، ایک لحاظ سے تمہارے لئے بھی ان کا اتباع لازم تھا۔ تاہم کسی درجہ میں غیر زبان ہونے کا عذر تمہارے لئے مانع بن سکتا تھا۔ اگرچہ تراجم کے ذریعہ وہ عذر بھی رفع ہوسکتا تھا، لیکن ہم نے اہل کتاب کی اس کوتاہی کو دیکھتے ہوئے کہ انہوں نے کبھی بھی تعلیم وتوحید کے سلسلہ میں عرب قوم کے لئے کوئی اہتمام نہیں کیا۔ یوں اتفاقاً کسی مضمون کا کبھی کان میں پڑجانا طالب کے حق میں تو کچھ سودمند ہوسکتا تھا۔ مگر عام طور پر عادۃً تنبیہ کے لئے کم موثر ہوتا ہے۔ غرضیکہ ان پر نظر کرتے ہوئے ایک مستقل اور عظیم نبی کا بھیجنا قریب مصلحت ہوا۔ اس تقریر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوتوں کے عام ہونے کا شبہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ صرف اصول کے لحاظ سے بعثت مراد نہیں ورنہ بلا تخصیص تمام انبیاء علیہ السلام میں اصول کی دعوت مشترک رہی ہے بلکہ اصول وفروع کے لحاظ سے مجموعی طور پر عموم بعثت مراد ہے جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ مختص ہے۔ بہر حال دوسرے انبیاء کی بعثت کے بعد ان کی اتباع نہ کرنے پر بھی اگرچہ عذاب کا استحقاق تھا جو بادی النظر میں عرب قوموں کی طرف سے نہ سمجھنے اور غیر زبان ہونے کا عذر پیش کیا جاسکتا تھا۔ لیکن اب تو آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد یہ عذر یار د بھی نہ رہا اور اللہ کی حجت پوری ہوگئی۔

علاماتِ قیامت: ....علامات قیامت کے سلسلہ میں مغرب سے آفتاب طلوع ہونے کی کیفیت حضرت کعبؓ سے یہ منقول ہے کہ آفتاب قطب کی طرف گھوم کر نقطہ مغرب پر آجائے گا اور ایک روایت کے مطابق اس کی تاویل رجعت قہقری سے بھی کرسکتے ہیں اور ہیئت دان جن اصول وضوابط کی رو سے اس کو محال کہتے ہیں خود ان اصول پر اب تک کوئی دلیل قائم نہیں ہوسکی۔

اور عبداللہ بن ابی اوفی کی مرفوع روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب مغرب سے طلوع ہوکر جب آسمان کے درمیان پہنچے گا، پھر مغربی سمت لوٹ کر مغرب میں غروب ہوجائے گا اور اس کے بعد پھر بدستور سابق مشرق سے طلوع ہوگا اور ایک روایت کے مطابق اس واقت ایمان کا اور ایک روایت کی رو سے توبہ کا مقبول نہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

علامہ آلوسی نے کہا ہے کہ جس طرح شخصی نزع کے عالم میں آخرت کے احوال وکوائف کا مشاہدہ ہوجانے کی وجہ سے ایمان بالغیب نہیں رہتا اور اس وقت ایمان لانا معتبر نہیں ہوتا، اسی طرح عالم علوی کے تغیر کا مشاہدہ ہوجانے کے بعد پورے عالم ناسوت پر ایک نزع کا عالم جب طاری ہوگا تو اس وقت کسی کا ایمان لانا معتبر نہیں ہوگا۔

باقی اس کیفیت کے ازالہ کے بعد بھی بعض حضرات کے نزدیک تو ایمان وتوبہ مقبول نہیں ہوگی۔ لیکن صاحب روح المعانی نے قبول ہونے کو ترجیح دی ہے۔ مثلاً: اس کے بعد جو لوگ دین کے مخاطب یا مکلف ہوں گے یا مدت گزر جانے کے بعد جب ہول دلی کی وہ کیفیت باقی نہیں رہے گی تو ان کا ایمان وتوبہ مقبول ہوجائے گی۔

ایک مرفوع روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد ایک سوبیس سال تک آدمی باقی رہیں گے۔ احادیث سے بہت سی علامات قیامت کا اثبات ہو رہا ہے لیکن ان میں باہمی ترتیب وتوقع کے متعلق علماء سرگرداں ہیں۔

معتزلہ کے استدلال کا جواب: .... معتزلہ نے ظاہر آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ بلا عمل ایمان نافع نہیں ہوتا؟ لیکن جواب یہ ہے کہ خاص نفع یعنی توبہ مقبول ہونے کی نفی کرنی مقصود ہے اور نفع خاص کی نفی سے عام نفی کی لازم نہیں آتی۔ پس معتزلہ کے لئے اس آیت سے یہ احتجاج بھی سودمند نہیں ہوگا کہ ''بغیر عمل کے نجات نہیں ہوسکتی'' نیز لفظ خیر نکرہ ہے نفی کے ماتحت واقع ہونے کی وجہ سے عام ہوا۔ جس سے لازم آیا کہ ایمان کا نفع مطلق خیر ہونا چاہئے۔ حالانکہ معتزلہ کا یہ مذہب نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک تمام اعمال بھی خیر میں داخل ہیں۔

صاحب مدارک نے یہ جواب دیا کہ خیر سے مراد اخلاق یا توبہ ہے۔ پس اول صورت میں حاصل یہ ہوگا کہ جو شخص پہلے سے ایمان نہیں لایا ہوگا یا جس کے ایمان میں اخلاص پیدا نہیں ہوا ہوگا۔ اس وقت یہ دونوں چیزیں کرنا کارآمد ہوں گی۔ یعنی نہ کافر کا ایمان لانا معتبر ہوگا اور نہ منافق کا مخلص بننا اور دوسری صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ اس وقت کافر کا ایمان اور مومن کی توبہ بھی مقبول نہیں ہوگی۔ ان دونوں صورتوں میں عمل ایمان میں داخل نہیں رہتا۔ اس لئے معتزلہ کا استدلال باطل ہوگیا، لیکن مدارک کی پہلی صورت کو امام زاہد نے اس لئے پسند نہیں کیا کہ اس سے منافق کے لئے اس وقت مطلق وجود ایمان کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح دوسری صورت میں توبہ کا حتمی طور پر نامقبول ماننا بھی صحیح نہیں ہے بلکہ حالت یاس کی طرح حق تعالیٰ کی مشیت پر معلق رکھنا چاہئے۔

اور معالم سے نقل کرتے ہوئے حسینی میں لکھا ہے کہ اس روز کافر کا ایمان اور فاسق کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔

قاضی بیضاویؒ نے اس سلسلہ میں تین توجیہیں اور کی ہیں۔ پہلی توجیہ تو یہ ہے کہ حکم اس روز کے لئے خاص ہوگا۔ لہٰذا اس سے عمل کا داخل ایمان سمجھنا صحیح نہیں۔ دوسری توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص ایمان اور خیر کے مجموعہ سے خالی ہوگا اس کا حال بیان کیا جارہا ہے۔ نہ اس کا جو صرف عمل سے خالی ہو اور ایک توجیہ یہ ہے کہ ان اور اذا نفی کے موقعہ پر شمول عدم کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ الا یہ کہ اگر کوئی قرینہ قائم ہو تو عدم شمول کے لئے آئے گا۔ جیسا کہ اس آیت میں علامہ زمخشریؒ نے عدم شمول پر محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کافر اس وقت ایمان لائے اور جو پہلے سے ایمان تو لا چکا مگر عمل نہیں کیا۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اس آیت کو شمول عدم پر محمول نہیں کرنا چاہئے۔ یعنی یہ کہ جس نے پہلے سے ایمان وعمل نہ کیا ہو اس کے لئے اس روز ایمان نافع نہیں ہوا کیونکہ نفی ایمان کے بعد کسب خیر کی نفی کرنا اس صورت سے موجب تکرار ہوگا۔

آیت ان الـذیـن فـرقـوا کو عام لینا مناسب ہے۔ البتہ اختلاف کرنے والوں کے لحاظ سے وعید کے مراتب بھی مختلف ہوں گے۔ کفار کے دائمی عذاب اور مبتدعین کو بقدر فساد عقائد عذاب ہوگا۔ اس کے بعد اصل ایمان کی وجہ سے نجات ہوسکے گی اور جن روایات میں امت کا تہتر فرقوں میں بٹنا اور ایک فرقہ کے علاوہ سب کا معذب ہونا آیا ہے اس سے دائمی عذاب مراد نہیں ہے کیونکہ کسی بھی مومن کو دائمی عذاب نہیں ہوگا اور نہ مطلق داخلہ یا غیر داخلہ مراد ہے۔ کیونکہ گناہوں کی وجہ سے مطلقاً تو اہل سنت کو بھی جہنم میں داخل کیا جائے گا بلکہ صرف فساد عقائد کی وجہ سے غیر دائمی داخلہ مراد ہے اور بلاشبہ یہ داخلہ اہل بدعت کے ساتھ خاص ہے۔ اہل حق کو اگر عذاب ہوگا خراب اعمال کی وجہ سے ہوگا۔ فساد عقیدہ کی وجہ سے ان کا داخلہ نہیں ہوگا اور کفار کا داخلہ تو بہرحال دائمی ہوگا اور غیر کفار کے لئے دخول جہنم سے مراد صرف استحقاق دخول ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ دوسرے گناہوں کی طرح فساد اعتقاد بھی اگر کفر کی حد تک نہ پہنچا ہو معاف

کردیا جائے۔ غرضیکہ لزوم عذاب کی کوئی دلیل نہیں ہے اور جس طرح حق کی بعض باتوں کو چھوڑنے والا الافرقوا کا مصداق ہے اسی طرح کل حق کی باتوں کو ترک کرنے والا بدرجہ اولیٰ اس وعید کا مصداق ہوگا۔

نیکی اور بدی کے بدلہ کا فرق:............ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہونا کم از کم درجہ ہے۔ دوسری نصوص میں جو زیادہ اجر کا وعدہ ہے۔ یہ آیت اس کی نافی نہیں ہے۔ پس کلمہ توحید کی تصدیق اور اقرار دونوں الگ الگ نیکیاں ہوئیں۔ اس طرح ایمان لانے پر جس فضل وکرم کا وعدہ ہے اس کو دس حصے بڑھا دیا جائے گا لیکن سیئہ اور برائی پر برابر سزا کا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اس پر شبہ ہوسکتا ہے کہ کفر بھی ایک برائی ہے۔ پھر اس پر دائمی عذاب تو اس پر برابری سے زیادتی ہوئی۔ پس آیت کی رو سے اس کی گنجائش کیسے؟ تو کہا جائے گا کہ کفر چونکہ سب سے زیادہ بدترین برائی ہے اس لئے اس کا مماثل دائمی عذاب ہی ہوسکتا ہے۔ اس کو زیادتی نہیں کہا جائے گا بلکہ اللہ کی ذات واجب الوجوب ہونے کی وجہ سے چونکہ ازلی اور ابدی ہے۔ پس اس کے ساتھ کفر وشرک کرنے کا مطلب اس کی حکومت سے بغاوت وسرکشی کرنا ہے۔ لہٰذا سزا بھی دائمی ہونی چاہئے تا کہ جرم کے مناسب پاداش رہے۔

اسلام ہی مذہب حق ہے اور اہل سنت ہی مسلک حق پر ہیں:............دینا قیماً سے جو دین کے اوصاف اسلام میں سے بھی اہل سنت کے طریقہ پر صادق آتے ہیں کیونکہ حنفیت سے بدعت کے تمام طریقوں پر رد ہوگیا ہے جن میں کجی ہوتی ہے اور صلاتی و نسکی سے شرعی امور کی طرف اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہونا بلحاظ ارادۂ عبادت ہے اور محیای ومماتی سے تکوینی امور مراد ہیں۔ جن کا اللہ کے لئے ہونا اعتقاد ربوبیت کے اعتبار سے ہے۔ یعنی جس طرح استحقاق عبادت میں اللہ کا کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح تصرفات میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اسلام کی سب سے بڑی تعلیم یہی مجموعہ توحید ہے اور بذلک امرت میں لطیف پیرایہ کے ساتھ دوسروں کو دین کی طرف دعوت دینی ہے کہ جب نبی تک ایمان لانے کا مکلّف ہے تو دوسروں کی کیا مجال!

ایک دقیق شبہ کا ازالہ:............آیت لاتزر الخ سے جو ایک کا گناہ دوسرے پر نہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ یہ ان نصوص کے خلاف نہیں۔ جن میں دوسرے کو گمراہ کرنے والے پر خود اپنی گمراہی اور دوسروں کو گمراہ کرنے کا گناہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ دوسرے کو گمراہ کرنے سے جو گناہ ہوا وہ اپنے ہی فعل سے ہوا کہ دوسرے کی گمراہی کا سبب بنا۔ پس ضلال کی طرح اضلال کا گناہ بھی ہوا اور آیت کا منشاء یہ ہے کہ کسی دوسرے کے فعل سے خود کو گناہ نہیں ہوتا۔ پس دونوں صورتوں میں کچھ تعارض نہ ہوا۔ نیز ولید بن مغیرہ کے بہکانے کا منشاء یہ تھا کہ تم پر کچھ گناہ نہیں رہے گا۔ حاصل رد یہ ہوا کہ دونوں پر اپنے اپنے کام کا گناہ ہوگا۔ اس لئے شبہ صاف ہوگیا۔

ہر حالت اللہ کی ایک نعمت ہے:............عقل، عزت، روزی، حسن وجمال، صحت وقوت وغیرہ وغیرہ اختیاری چیزوں میں اختلاف کا قرین مصلحت ہونا تو ظاہر ہے ہی لیکن باعث نعمت بھی ہے۔ چنانچہ ان باتوں میں جو شخص بڑھا ہوا ہو اس کے لحاظ سے تو ان چیزوں کا نعمت ہونا ظاہر ہے مگر جس شخص میں یہ باتیں کم درجہ کی ہوں اس کے حق میں بھی یہ نعمت ہے کیونکہ ہر نقصان میں کوئی نہ کوئی حکمت ومصلحت اور بھلائی رکھی ہوئی ہے جو ہماری عام نگاہوں سے اوجھل ہو۔ لیکن قدرت کی نظر میں وہ بھی ملحوظ ہوتی ہے۔ جیسا کہ جزئی واقعات میں غور کرنے سے واضح ہوسکتا ہے۔ اس لئے رفع بعضکم علی بعض کو انسان کے موقعہ پر بیان کرنا برمحل ہوا۔

لطائف آیات:............آیت قل ان صلوتی الخ میں توحید کامل کی تعلیم ہے۔ یعنی تمام تشریعی اور تکوینی کاموں میں عملی لحاظ سے بھی اللہ کے سپرد کردینا اور رضا بالقضاء پر کاربند ہونا۔

تمت السورۃ الانعام بحمداللہ وعونہ. ۳۰ جمادی الاولیٰ ۸۳ھ یوم السبت ۲۰ اکتوبر ۶۳ء

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ اِلَّاوَ سْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الثَّمَانُ اَوِ الْخَمْسُ ايَاتٍ

مِائَتَانِ وَ خَمْسٌ اَوْ سِتٌّ ايَاتٍ

ترجمہ: سورۂ اعراف مکی ہے بجز اسئلهم عن القرية الخ آٹھ یا پانچ آیات کے جن میں دو سو پانچ یا چھ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ الٓمّٓصٓ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ هٰذَا **كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ** خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ** ضَيِّقٌ **مِّنْهُ** اَنْ تُبَلِّغَهٗ مَخَافَةَ اَنْ تُكَذَّبَ **لِتُنْذِرَ** مُتَعَلِّقٌ بِاُنْزِلَ اَىْ لِلْاِنْذَارِ **بِهٖ وَذِكْرٰى** تَذْكِرَةٌ **لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴿۲﴾** بِهٖ قُلْ لَهُمْ **اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ** اَىِ الْقُرْاٰنَ **وَلَا تَتَّبِعُوْا** تَتَّخِذُوْا **مِنْ دُوْنِهٖٓ** اَىِ اللّٰهِ اَىْ غَيْرِهٖ **اَوْلِيَآءَ** تُطِيْعُوْنَهُمْ فِىْ مَعْصِيَتِهٖ تَعَالٰى **قَلِيْلًا مَّاتَذَكَّرُوْنَ﴿۳﴾** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ تَتَّعِظُوْنَ وَفِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِى الْاَصْلِ فِى الذَّالِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِهَا وَمَا زَائِدَةٌ لِتَاكِيْدِ الْقِلَّةِ **وَكَمْ** خَبَرِيَّةٌ مَفْعُوْلٌ **مِّنْ قَرْيَةٍ** اُرِيْدَ اَهْلُهَا **اَهْلَكْنٰهَا** اَرَدْنَا اِهْلَاكَهَا **فَجَآءَهَا بَاْسُنَا** عَذَابُنَا **بَيَاتًا** لَيْلًا **اَوْهُمْ قَآئِلُوْنَ﴿۴﴾** نَائِمُوْنَ بِالظَّهِيْرَةِ وَالْقَيْلُوْلَةُ اِسْتِرَاحَةُ نِصْفِ النَّهَارِ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهَا نَوْمٌ اَىْ مَرَّةً جَاءَهَا لَيْلًا وَمَرَّةً نَهَارًا **فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ** قَوْلُهُمْ **اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴿۵﴾ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ** اَىِ الْاُمَمَ عَنْ اِجَابَتِهِمُ الرُّسُلَ وَعَمَلِهِمْ فِيْمَا بَلَغَهُمْ **وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ﴿۶﴾** عَنِ الْاِبْلَاغِ **فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ** لَنُخْبِرَنَّهُمْ عَنْ عِلْمٍ بِمَا فَعَلُوْهُ **وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ﴿۷﴾** عَنْ اِبْلَاغِ الرُّسُلِ وَالْاُمَمِ الْخَالِيَةِ فِيْمَا عَمِلُوْا **وَالْوَزْنُ** لِلْاَعْمَالِ اَوْلِصَحَائِفِهَا بِمِيْزَانٍ لَهٗ لِسَانٌ وَكِفَّتَانِ كَمَا وَرَدَ فِىْ حَدِيْثٍ كَائِنٍ **يَوْمَئِذِ** اَىْ يَوْمَ السُّؤَالِ الْمَذْكُوْرِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **اِلْحَقُّ** اَلْعَدْلُ صِفَةُ الْوَزْنِ **فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ** بِالْحَسَنَاتِ **فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۸﴾** اَلْفَائِزُوْنَ **وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ** بِالسَّيِّاٰتِ **فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ** بِتَصْيِيْرِهَا اِلَى النَّارِ **بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ﴿۹﴾** يَجْحَدُوْنَ **وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ** يٰبَنِىْ اٰدَمَ **فِى**

الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ بِالْيَاءِ اَسْبَابًا تَعِيْشُوْنَ بِهَا جَمْعُ مَعِيْشَةٍ قَلِيْلًا مَّا لِتَاكِيْدِ الْقِلَّةِ
تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ اَيْ اٰبَاءَكُمْ اٰدَمَ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ اَيْ صَوَّرْنَاهُ وَاَنْتُمْ فِيْ ظَهْرِهٖ ثُمَّ قُلْنَا
لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ سُجُوْدَ تَحِيَّةٍ بِالْاِنْحِنَاءِ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبَا الْجِنِّ كَانَ بَيْنَ الْمَلٰٓئِكَةِ لَمْ
يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ تَعَالٰى مَامَنَعَكَ اَلَّا زَائِدَةٌ تَسْجُدَ اِذْ حِيْنَ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ
خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا اَيْ مِنَ الْجَنَّةِ وَقِيْلَ مِنَ السَّمٰوٰتِ فَمَا يَكُوْنُ
يَنْبَغِيْ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ مِنْهَا اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ الذَّلِيْلِيْنَ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اَخِّرْنِيْ اِلٰى يَوْمِ
يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَيِ النَّاسُ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَفِيْ اٰيَةٍ اُخْرٰى اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ اَيْ وَقْتِ
النَّفْخَةِ الْاُوْلٰى قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ اَيْ بِاِغْوَائِكَ لِيْ وَالْبَاءُ لِلْقَسَمِ وَجَوَابُهٗ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ اَيْ لِبَنِيْ اٰدَمَ
صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ اَيْ عَلَى الطَّرِيْقِ الْمُوْصِلِ اِلَيْكَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ
وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ اَيْ مِنْ كُلِّ جِهَةٍ فَاَمْنَعُهُمْ عَنْ سُلُوْكِهٖ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَلَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّاْتِيَ
مِنْ فَوْقِهِمْ لِئَلَّا يَحُوْلَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ رَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ مُؤْمِنِيْنَ قَالَ
اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا بِالْهَمْزَةِ مَعِيْبًا مَمْقُوْتًا مَّدْحُوْرًا مُبْعَدًا عَنِ الرَّحْمَةِ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ مِنَ النَّاسِ
وَاللَّامُ لِلْاِبْتِدَاءِ وَمُوَطِّئَةٌ لِلْقَسَمِ وَهُوَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ اَيْ مِنْكَ بِذُرِّيَّتِكَ وَمِنَ النَّاسِ
وَفِيْهِ تَغْلِيْبُ الْحَاضِرِ عَلَى الْغَائِبِ وَفِي الْجُمْلَةِ مَعْنٰى جَزَاءٍ مِّنَ الشَّرْطِيَّةِ اَيْ مَنِ اتَّبَعَكَ اُعَذِّبْهُ وَقَالَ يٰٓاٰدَمُ
اسْكُنْ اَنْتَ تَاكِيْدٌ لِلضَّمِيْرِ فِيْ اُسْكُنْ لِيُعْطَفَ عَلَيْهِ وَزَوْجُكَ حَوَّآءُ بِالْمَدِّ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ
شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ بِالْاَكْلِ مِنْهَا وَهِيَ الْحِنْطَةُ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا
الشَّيْطٰنُ اِبْلِيْسُ لِيُبْدِيَ يُظْهِرَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ فُوْعِلَ مِنَ الْمُوَارَاةِ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا
رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ كَرَاهَةَ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ وَقُرِئَ بِكَسْرِ اللَّامِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ اَيْ
وَذٰلِكَ لَازِمٌ عَنِ الْاَكْلِ مِنْهَا كَمَا فِيْ اٰيَةٍ اُخْرٰى هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى وَقَاسَمَهُمَآ
اَيْ اَقْسَمَ لَهُمَا بِاللّٰهِ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ فِيْ ذٰلِكَ فَدَلّٰىهُمَا حَطَّهُمَا عَنْ مَنْزِلَتِهِمَا بِغُرُوْرٍ مِنْهُ
فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ اَيْ اَكَلَا مِنْهَا بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا اَيْ ظَهَرَ لِكُلٍّ مِّنْهُمَا قُبُلُهٗ وَقُبُلُ الْاٰخَرِ وَدُبُرُهٗ وَسُمِّيَ
كُلٌّ مِّنْهُمَا سَوْاَةً لِاَنَّ انْكِشَافَهٗ يَسُوْءُ صَاحِبَهٗ وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ اَخَذَا يَلْزِقَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ
لِيَسْتَتِرَا بِهٖ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٢٢﴾ بَيِّنُ الْعَدَاوَةِ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا بِمَعْصِيَتِنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ اهْبِطُوْا اَيْ اٰدَمَ وَحَوَّاءَ بِمَا اشْتَمَلْتُمَا عَلَيْهِ مِنْ ذُرِّيَّتِكُمَا بَعْضُكُمْ بَعْضُ الذُّرِّيَّةِ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ مِّنْ ظُلْمِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ مَكَانُ اِسْتِقْرَارٍ وَّمَتَاعٌ تَمَتُّعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٢٤﴾ تَنْقَضِيْ فِيْهِ اٰجَالُكُمْ قَالَ فِيْهَا اَيِ الْاَرْضِ تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿٢٥﴾ بِالْبَعْثِ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ

سورۂ اعراف مکی ہے، بجز آیت و سئلهم عن القرية الخ آٹھ یا پانچ آیات کے۔ جس میں دوسو پانچ (۲۰۵) یا دوسو چھ (۲۰۶) آیات ہیں

ترجمہ: .... اللہ پاک کے نام نامی سے شروع ہے جو نہایت مہربان، بڑے رحم والے ہیں۔ الف لام میم صاد (اس کی حقیقی مراد اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے) یہ کتاب جو آپ پر نازل کی گئی ہے۔ (آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے) پس دیکھو ایسا نہ ہو کہ کسی طرح کی تنگی (گھٹن) اس بارے میں آپ کے قلب میں راہ پائے (کہ اس کی تبلیغ کرتے وقت آپ کو جھٹلائے جانے کا اندیشہ رہے) کیونکہ مقصود ہی یہ ہے کہ آپ ڈرائیں (اس کا تعلق انـــزل کے ساتھ ہے یعنی ڈرانے کے لئے کتاب اتاری گئی ہے) اس کے ذریعہ اور یہ نصیحت (یاددہانی) ہے ایمان والوں کے لئے (آپ ان سے کہئے) جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے (قرآن) اس کی پیروی کرو اور پیچھے مت چلو (نہ بناؤ) اللہ کے سوا (غیر اللہ) اپنا مددگار بنا کر (کہ اللہ کی نافرمانی کی صورت میں ان کے کہنے پر چلو) بہت ہی کم لوگ نصیحت مانتے ہیں (یـذکرون تا اور یا کے ساتھ ہے بمعنی تتعظون دراصل اس میں تا تھی جس کا ادغام ذال میں ہورہا ہے اور ایک قراءت میں سکون ذال کے ساتھ ہے اور ما زائد ہوگا قلت کی تاکید کے لئے) اور کتنی ہے (کم خبریہ ہے اور مفعول ہے) بستیاں ہیں (اہل بستی مراد ہیں) جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا ہے (ان کی ہلاکت کا ارادہ کیا ہے) چنانچہ اچانک (عذاب کی) سختی نمودار ہوئی جب کہ رات میں پڑے بے خبر سو رہے تھے یا دوپہر کے وقت آرام میں تھے (دوپہر میں سو رہے تھے قیلولہ۔ دوپہر کے آرام کرنے کو کہتے ہیں خواہ نیند نہ ہو یعنی کبھی رات میں عذاب آیا اور کبھی دوپہر کے وقت) پھر جب عذاب کی سختی نمودار ہوئی تو اس وقت ان کے منہ سے اس کے سوا اور کوئی بات نہ نکلتی تھی کہ واقعی ہم ظالم تھے۔ سو یقیناً ایسے لوگوں سے ہم باز پرس کریں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے (یعنی وہ امتیں جنہوں نے پیغمبروں کی دعوت قبول کی اور ان کی تبلیغ پر عمل پیرا ہوئے) اور بلاشبہ پیغمبروں سے بھی ہم ضرور پوچھیں گے (کہ تم نے اللہ کے احکام پہنچا دیئے تھے؟) پھر چونکہ ہم پوری خبر رکھتے ہیں اس لئے ان کے روبرو بیان کردیں گے (ہم انہیں اپنے علم سے ان کا کیا ہوا سنا دیں گے) اور ہم بے خبر تھوڑا ہی تھے (پیغمبروں کی تبلیغ اور گذشتہ قوموں کے اعمال سے) اور تولنا (اعمال یا دفاتر اعمال کا ایسے ترازو سے جس میں اس کی زبان اور دونوں پلے ہوں گے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے ضرور ہوگا) اس دن (یعنی اس پوچھ گچھ کے دن۔ مراد قیامت کا دن ہے) برحق (انصاف کے ساتھ۔ لـفـي الحق صفت ہے وزن کی) پھر جس کسی (کی نیکیوں) کا پلہ بھاری نکلے گا تو کامیابی (مقصد برآری) ان ہی لوگوں کی ہوگی اور جس کسی کا پلہ ہلکا ہوگا (گناہوں کی وجہ سے) تو یہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا (جہنم کو اپنا ٹھکانا بنا کر) کیونکہ وہ ہماری آیتوں کی حق تلفی (انکار) کرتے تھے اور بلاشبہ ہم نے تمہیں (اے انسانو!) زمین پر بسا دیا اور تمہارے لئے زندگی کے سروسامان مہیا کردیئے (لفظ معـایـش یا کے ساتھ ہے بمعنی اسباب تعیش معیشۃ کی جمع ہے) مگر تم لوگ بہت ہی کم (لفظ ما کمی کی تاکید کے لئے ہے) شکر کرتے رہو اور ہم نے

تمہیں پیدا کیا (یعنی تمہارے والد آدمؑ کو) پھر تمہاری شکل وصورت بنا دی (یعنی آدمؑ کی شکل وصورت بنائی اور تم اس وقت ان کی پشت میں تھے) پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کے آگے جھک جاؤ (جھک جانے سے تحیتی اور سلامی سجدہ مراد ہے) اس پر سب جھک گئے مگر ابلیس (جو جنات کا جداعلیٰ تھا اور فرشتوں میں رہا کرتا تھا) کہ وہ جھکنے والوں میں شامل نہ ہوا حق (تعالیٰ) نے فرمایا کس بات نے تجھے سجدہ کرنے سے (لا زائد ہے) روکا جب کہ میں نے حکم دیا تھا؟ کہنے لگا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔ فرمایا تو نکل جا (جنت سے اور بعض نے کہا ہے آسمانوں سے) تیری یہ ہستی نہیں (تیرے لائق نہیں) کہ یہاں رہ کر اکڑ کرے یہاں سے نکل دور ہو۔ یقیناً تو ذلیل وخوار لوگوں میں شمار ہونے لگا۔ ابلیس کہنے لگا مجھے مہلت (گنجائش) دیجئے۔ اس وقت تک کہ (لوگ) اٹھائے جائیں۔ فرمایا تجھے مہلت ہے (دوسری آیت میں **الیٰ یوم الوقت المعلوم** کے الفاظ ہیں جس سے مراد پہلا نفخہ ہے) اس پر ابلیس بولا۔ چونکہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے۔ اس لئے میں قسم کھاتا ہوں کہ (یعنی آپ کی طرف سے مجھ پر گمراہی کی وجہ سی۔ اس میں با قسمیہ ہے جس کا جواب آگے ہے) میں ضرور ان کی (اولاد آدمؑ کی) تاک میں بیٹھوں گا۔ آپ کی سیدھی راہ سے بھٹکانے کے لئے (جو آپ تک پہنچانے والی ہوگی) پھر ان پر حملہ کروں گا۔ ان کے سامنے سے، پیچھے سے، داہنے سے بائیں سے (یعنی ہر طرف سے اور اس طرح ان کے چلنے کی راہ ماروں گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ شیطان اوپر سے حملہ آور نہیں ہوسکتا۔ تاکہ بندہ اور اللہ کی رحمت کے درمیان حائل نہ ہو جائے) اور آپ ان میں سے اکثر کو احسان ماننے والا (مومن) نہیں پائیے گا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا یہاں سے نکل جا ذلیل (لفظ **مذؤماً** ہمزہ کے ساتھ ہے یعنی عیب دار اور پھٹکارا ہوا) اور خوار ہو کر (رحمت سے دھتکارا ہوا) ان میں سے جو تیری پیروی کرے گا (لوگوں میں سے اور لام ابتدائیہ ہے جو قسم کے لئے لایا گیا ہے اور قسم آگے ہے) تو میں تم سب سے جہنم بھر دوں گا (یعنی ابلیس سے مع اس کی ذریت کے اور لوگوں سے حاضر کی غائب پر تغلیب کر لی گئی ہے اور اس جملہ میں **من** شرطیہ کی جزاء کے معنی رکھے ہوئے ہیں یعنی جو تیرا کہنا مانے گا میں اس کو عذاب دوں گا) اور (حق تعالیٰ نے فرمایا) اے آدم! تم (**اسکن** کی ضمیر کے لئے انت تاکید ہے تاکہ اس پر عطف صحیح ہو سکے) اور تمہاری بیوی (حوا اس کا تلفظ مد کے ساتھ ہے) جنت میں رہو سہو اور جس جگہ سے جو چیز پسند آئے دونوں شوق سے کھاؤ۔ مگر اس درخت کے قریب بھی نہ جانا (اس کے کھانے کے قریب بھی مت جانا۔ گیہوں مراد ہے) ورنہ تم بھی زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان (ابلیس) نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تاکہ روبرو (ظاہر) کر دے ان پر جو ایک دوسرے سے چھپائے ہوئے تھا۔ (**ووری** بروزن فوعل ہے **موارلۃ** سے ماخوذ ہے) شرم گاہوں کو اور کہنے لگا تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس (ناگواری کی) بناء پر روکا ہے کہ تم کہیں فرشتے نہ بن جاؤ (اور ایک قراءت میں کسر لام کے ساتھ **ملکین** پڑھا گیا ہے) یا دائمی زندگی تمہیں حاصل ہو جائے۔ (یعنی اس درخت کے لینے کا یہ لازمی اثر ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے **ھل ادلک علی شجرة الخلد وملک لا یبلیٰ**) اور ان دونوں کے آگے قسمیں کھا بیٹھا (یعنی ان دونوں کے روبرو اللہ کی قسم کھالی) کہ یقین جانیے میں آپ دونوں کا (اس بارے میں) خیر خواہ ہوں۔ غرض شیطان انہیں قریب میں لے آیا (ان دونوں کو ان کے مرتبہ سے نیچے اتار دیا) پھر جوں ہی انہوں نے درخت کا پھل چکھا (کھایا) ان کے ستر ان پر کھل گئے (یعنی ہر ایک کے آگے پیچھے کی شرم گاہیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہو گئیں اور ستر کا کھلنا چونکہ ایک دوسرے کے لئے تکلیف دہ ہوتا ہے اس لئے اس کو لفظ **سوءۃ** سے تعبیر کیا گیا ہے) اور لگے اوپر تلے چپکانے (جوڑ جوڑ رکھنے) اپنے جسم پر جنتی درختوں کے پتے (تاکہ برہنگی دور ہو سکے) ان کے پروردگار نے انہیں پکارا۔ کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہیں روک دیا تھا اور کیا میں نے تمہیں نہیں کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے (جس کی دشمنی کھلی ہوئی ہے۔ استفہام تقریری ہے) انہوں نے عرض کیا پروردگار ہم

نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا (نافرمانی کر کے) اگر آپ نے ہمارا قصور نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہمارے لئے بربادی کے سوا کچھ نہیں!" "فرمایا" یہاں سے نکل جاؤ (یعنی آدم وحوا کا جوڑا مع اپنی اولاد کے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو (بعض اولاد ظلم کرنے کی وجہ سے ایک دوسرے کی دشمن ہو جائے گی) اور اب تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا (رہنے کی جگہ) ہے اور ایک خاص وقت تک وہاں سرو سامان زندگی سے فائدہ اٹھاؤ گے (تمہاری عمریں اس میں گزریں گی) اور فرمایا تم اس (زمین میں جیو گے، اسی میں مرو گے، پھر اسی سے نکالے جاؤ گے (قیامت کے روز۔ لفظ تخرجون معروف ومجہول دونوں طرح ہے۔

تحقیق وترکیب: .... **سورۃ الاعراف**. چونکہ اس سورت میں اعراف کا ذکر ہے اس لئے تسمیۃ الکل باسم الجزء کے طور پر سورت کا نام رکھا گیا ہے۔ الایعنی آیت **وسئلهم الخ** سے آیت **واذ نتقنا الخ** تک آٹھ یا پانچ آیات مدنی ہیں۔ اسی طرح کل آیات کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ **المص** ابن عباسؓ سے ان حروف کی معنی **ان الله افضل** اور **انا الله اعلم وافضل** بھی منقول ہیں۔ **لتنذر**. مفسر محققؒ نے اشارہ کر دیا کہ بتقدیر ان مصدر کے معنی میں ہے اور علت ومعلول کے درمیان یہ جملہ نہی معترضہ ہے۔

ذکریٰ اشارہ ہے کہ کتاب پر عطف کرتے ہوئے محل رفع میں ہے اور ذکریٰ اسم مصدر ہے جیسا کہ فراء کی رائے ہے۔ **قليلاً** بمعنی تذكراً قليلاً اور زماناً قليلاً بہر حال مصدریت یا ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے۔ **يذكرون ابن عامر ما يتذكرون** اور حمزہ اور کسائی تا کے ساتھ اور تخفیف ذال کے ساتھ پڑھتے ہیں اور ان کی ایک قراءت میں کاف مشددہ بھی ہے بہر حال مشہور قرأتیں تین ہیں **تذكرون، يتذكرون، تتذكرون** اور **ما** زائدہ ہے مصدریہ نہیں ہے کیونکہ اس کا مابعد اس کے ماقبل میں عمل نہیں کرتا۔

قرية. بتقدیر مضاف ہے او اگر اس کو مبتداء بنایا جائے تو ضمیر **اهلكنا** سے پہلے مضاف مقدر ماننا جائے گا۔ اور زمخشریؒ **جاء ها** سے پہلے مضاف مقدر مانتے ہیں کیونکہ مضاف کی تقدیر ضرورت کی وجہ سے ہوا کرتی ہے اور یہاں ضرورت اس لئے نہیں ہے کہ جب بستی برباد ہوگی تو اہل بستی کیسے سلامت رہ سکتے ہیں اس لئے جاءہا سے پہلے مقدر مانا گیا ہے۔ **فجاء ها** آیت کو **من قرية اهكنا الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ ہلاکت پہلے ہوئی اور بأس کا آنا بعد میں۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے؟ اس کا ایک حل تو یہ ہے کہ اہلاک سے مراد اہلاک کا حکم ہے۔ اس حکم اہلاک کے بعد بأس اور بأس کے بعد ہلاکت مرتب ہوئی ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اہلاک سے مراد ارادہ اہلاک ہے اور وہ بأس سے پہلے ہوا اور یہاں فا تعقیب کے لئے نہیں ہے کہ اشکال ہو بلکہ تفسیر کے لئے ہے۔ چنانچہ ہلاکت کبھی تو معتاد موت کے طریقہ پر ہوتی ہے اور کبھی عذاب کے ذریعہ۔ پس عذاب ہلاکت کی تفسیر ہوا۔

بياتاً ليلاً ۔ سے اشارہ ہے کہ وقت مراد ہے ورنہ باء تین کے معنی میں ہو تو مصدر حال واقع ہو رہا ہے۔

والــوزن. بقول ابن عباسؓ مومن وکافر کے اعمال اچھی بری شکل میں متشکل ہوں گے۔ اس تقدیر پر نفس اعمال موزوں ہوں گے۔ دوسرے قول میں دفاتر اعمال کا موزوں ہونا بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ سے بھی جب اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے صحائف ہی کا وزن ہونا بیان فرمایا۔ عام مفسرین کا قول بھی یہی ہے۔ فقہ اکبر کی عبارت بھی اس کی مؤید ہے۔ رہا یہ کہ ایک ہی میزان ہوگی یا بہت سی۔ تو آیت **ونضع الموازين** اور **فمن ثقلت موازينه** سے متعدد ہونا معلوم ہوتا ہے۔ پس ممکن ہے افعال قلوب کے لئے ایک میزان ہو اور افعال ظاہرہ کے لئے علیحدہ میزان ہو اور زبانی اقوال کی میزان الگ ہو۔ آخر دنیا میں بھی تو ایک ترازو لکڑیاں تولنے کی ہوتی ہے اور ایک سونا چاندی تولنے کا کانٹا ہوتا ہے اور ایک وہ مشین ہوتی ہے جس پر ہزاروں ٹن وزن گاڑیاں تل جاتی ہیں۔ پھر باد پیما یا محبت اور عداوت پیما جتنے لطیف ترین آلات پائے جاتے ہیں جن سے جواہر کی طرح اعراض بھی تل جاتی ہیں۔ لیکن

بقول زجاج اہل عرب جمع کا اطلاق واحد پر بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ خرج فلان علی البغل کی بجائے علی البغال بولتے ہیں۔ اسی طرح ایک توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ موازین میزان کی جمع نہ ہو۔ بلکہ موزون کی جمع ہو۔ پس موازین سے مراد اعمال موزونہ ہوں اور فقہ اکبر کی شرح میں ملا علی قاری کی رائے یہ ہے کہ جمع کا مقابلہ جمع کے ساتھ کرتے ہوئے مخلوق کی کثرت کے لحاظ سے لفظ موازین جمع لایا گیا ہے یا لفظ حضاجر کی طرح میزان کے عظیم الجثہ ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے موازین جمع لائی گئی ہے۔ لیکن امام رازی نے ان توجیہات کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ ان سب صورتوں میں ظاہر لفظ سے عدول کرنا لازم آتا ہے جو کسی مانع کی صورت میں تو جائز ہے لیکن یہاں کوئی مانع نہیں ہی اس لئے لفظ کو اپنے ظاہر پر رکھنا چاہئے۔

فی حدیث. سلیمانؑ کی روایت ہے کہ اس ترازو کے ایک پلہ میں اگر زمین وآسمان بلکہ سب کچھ بھی رکھ دیا جائے تو سب سما جائے گا۔

یومئذ. اصل عبارت یوم اذیسأل اللّٰہ الامم رسلھم تھی۔ جملہ عبارت حذف کر کی اس کے بدلہ میں تنوین لائی گئی ہے۔ الوزن مبتداء ہے اور الحق۔ اس کی صفت ہے اور یومئذ خبر اور یہ بھی ممکن ہے کہ الوزن مبتداء اور یومئذ ظرف اور الحق خبر ہو معایش جمع ہے معیشۃ کی اور نافع کی قراءت میں مہموز ہے یائے زائدہ سے تشبیہ دیتے ہوئے جیسے صحائف۔

ثم صورنا کم یعنی پہلے حضرت آدمؑ کا پتلہ بنایا۔ پھر ان کو صورت بخشی۔ یا ان کی تخلیق وتصویر کو سب کی تخلیق وتصویر کے قائم مقام قرار دے دیا اور یا عام انسانوں کی تخلیق اور صورت گری مراد ہے کہ ایک گندہ قطرہ پر کیا کیا صورت گری اور نقاشی فرمائی۔ اسجدوا یہ سربسجود ہونا ایسا ہی ہے جیسے برادران یوسفؑ کو مع والدین کے حضرت یوسفؑ کے آگے سربسجود ہونے اور شاہانہ آداب بجالانے کا حکم ہوا تھا اور پچھلی امتوں میں اس کی اجازت رہی ہے۔ لیکن اسلام نے عبادتی سجدہ کی طرح غیر اللہ کے لئے تحیتی سجدہ کی ممانعت بھی کر دی۔ تاکہ مکمل طریقہ سے بت پرستی کا سد باب ہوجائے۔ تاہم اگر شرعی سجدہ مراد لیا جائے تو حضرت آدمؑ کو کعبۃ اللہ کی طرح محض جہت سجدہ ماننا پڑے گا اور یا مظہر خداوندی ہونے کی وجہ سے بظاہر سجدہ آدمؑ کو تھا۔ مگر فی الحقیقت مسجود حقیقی حق تعالیٰ تھے۔ الا تسجد. دوسری آیت ما منعك ان تسجد کی رو سے یہ لا زائد بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن امام رازی اس کو غیر زائد کہتے ہیں۔ ای ما اضطرک الی ان لا تسجد. وما منعک عن ترک السجود.

اذا مرتك۔ اس سے معلوم ہوا کہ امر فوری وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ خلقتنی. شیطان کی نظر صرف آدمؑ کے ڈھانچہ میں الجھ کر رہ گئی اور علت فاعلی علت غائی پر نہیں گئی۔ اس آیت سے کون وفساد کا ہونا اور شیاطین کا جسمانی ہونا اور انسان میں عنصر خاکی کا اور شیاطین میں ناری عنصر کا غالب ہونا معلوم ہوتا ہے اور خاک میں خاکساری، حلم، حیا، وقار، صبر کا مادہ ہے جو توبہ واستغفار کی طرف لے جاتا ہے اور آگ میں ترفع، طیش ودیعت ہے جس سے تکبر ابھرتا ہے اور تکبر کی گنجائش جنت میں نہیں اس لئے مردود ابدی ہوا۔

بما اغویتنی۔ چونکہ اغواء اللہ کی صفت اور فعل ہے اس لئے باقسمیہ ہے اور سببیہ بھی ہوسکتی ہے ای اقسم باللّٰہ بسبب اغوانک لی. لاٰ تینھم. صرف متعارف چار جانب بیان کرتی ہے اوپر کی جانب سے شیطان کا حملہ آور نہ ہونا تو ابن عباسؓ کی رائے سے معلوم ہو چکا اور نیچے سے حملہ آور ہونے میں اس کا کبر مانع ہے۔ آگے اور پیچھے سے بکثرت حملہ آور ہوتا ہے۔ البتہ دائیں بائیں سے آنا محافظ فرشتوں کی وجہ سے کم ہوتا ہے۔

لمن تبعك. ای واللّٰہ لمن تبعک. جلال محققؒ لاملئن. کو قسم کہہ رہے ہیں۔ حالانکہ جمہور کے نزدیک قسم محذوف ہے اور یہ جواب قسم ہے۔ فکلا. ای فکلا من ثمار ھا من حیث شئتما. اور لفظ غداً یہاں ترک کر دیا گیا ہے اور واؤ کی بجائے فا

لائی گئی ہے بخلاف بقرہ کے اور اس سے مقصود نفس عبارت ہے اور اولاً صرف آدمؑ کو اور بعد میں آدمؑ وحواؑ کو خطاب کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اصل سکونت میں آدمؑ ہیں اور حواؑ ان کے تابع ہیں۔ لیکن ایک خاص قسم کی چیز نہ کھانے اور دوسری چیزوں کے کھا لینے کے حکم میں دونوں مستقل ہیں۔ فوسوس۔ کسی بات کا غیر محسوس اور غیر شعوری طور پر دل میں ڈال دینا وسوسہ کہلاتا ہے اس لئے اتحاد مکان ضروری نہیں۔ قوت وطاقت کی وجہ سے زمین میں رہتے ہوئے آسمان میں بھی وسوسہ کے اثرات پہنچائے جاسکتے ہیں جیسا کہ مسمریزم میں مشاہد ہے اس لئے دوسری رکیک تاویلات کی ضرورت نہیں ہے۔

وقاسمهما۔ فاصل بمعنی افعل جیسے باعد منه یا کہا جائے کہ مفاعلۃ کا وزن مبالغہ کے لئے ہے مراد مبالغہ آمیز قسمیں کھانا ہے۔ فدلهما۔ اصل میں تدلی کہتے ہیں پانی کی تلاش میں کنویں کے اندر پاؤں لٹکانا۔ لیکن پھر بے فائدہ امید کے موقعہ پر استعمال ہونے لگا۔ ولا ۃ بمعنی اطعمه۔ نیز یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ شیطان نے ان کو کھانے پر دھوکہ سے آمادہ کیا۔ گویا دلالۃ بمعنی جرأت ہے اور حط سے مراد حسی اتارنا ہے کہ جنت سے زمین پر اتار دیئے گئے اور یا معنوی اتارنا مراد ہے۔

ظلمنا۔ یہ کہنا حسنات الابرار سیئات المقربین۔ کے طور پر ہے اور یا ہضماً لنفسہ ہے اور طاعت پر خود کو آمادہ کرنے کے لئے۔ پس اس گناہ کے دانستہ کرنے کی نسبت حضرت آدمؑ کی طرف کرنا جس طرح کفر ہے اسی طرح نفس گناہ کی نفی کرنا بھی موجب کفر ہونا چاہئے اس آیت کے رو سے تاہم معصیت خفیفہ کہلائے گی۔

اهبطوا۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں سراندیپ پہاڑ پر حضرت آدمؑ کا اترنا ہوا ہے اور حضرت حوا جدہ میں یا عرفہ یا مزدلفہ میں اتاری گئی تھیں اور ابلیس ابلہ پہاڑ پر اتارا گیا جو بصرہ یا جدہ کے قریب تھا۔

الی حین۔ ثابت بنانیؒ سے مروی ہے کہ جب حضرت آدمؑ کی وفات کے قریب ملائکہ کا ہجوم ہوا اور حضرت حواؑ ان کے اردگرد گھومنے لگیں تو فرمایا کہ مجھے ملائکہ سے ملنے دو مجھے تمہاری ہی وجہ سے یہ سب صدمے اٹھانے پڑے ہیں۔ چنانچہ وفات کے بعد فرشتوں نے غسل دے کر کفن دفن کا انتظام کیا اور سراندیپ ہی کے پہاڑ پر سپرد خاک کیا گیا۔

ربط آیات:............پچھلی سورت سے اس سورت کو قریبی مناسبت تو یہ ہے کہ اول سورت کو قل اننی هدانی الخ پر ختم کیا گیا تھا۔ جس سے دین حق کی تعیین ہو رہی تھی اور اس سورت میں کتاب انزل الخ سے تبلیغ دین کا حکم ہے۔ وہاں هو الذی الخ سے آخرت کے ثواب وعذاب کی ترغیب وترہیب تھی اور یہاں فلنسئلن الخ سے آخرت کے معاملات کا بیان ہے۔ لیکن اس سورت کے اجزاء میں باہمی مناسبت یہ ہے کہ زیادہ تر معاد اور نبوت سے متعلق بحث کی گئی ہے اور تیسری مناسبت دونوں سورتوں کی مجموعی ہے۔ یعنی دونوں سورتوں میں توحید ونبوت اور معاد سے متعلق مباحث ہیں اور ساتھ ہی ساتھ مخالفین ومنکرین کے ساتھ مکالمہ کا ذکر ہے۔ چنانچہ کتاب انزل الخ میں قرآن کا حق اور واجب الاتباع ہونا بیان کیا گیا ہے اور آیت وکمن قریة الخ میں اس کی مخالفت پر ترہیب اور وعید ہے۔ اس کے بعد آیت ولقد مکنٰکم الخ میں نعمتوں کی تذکیر کرتے ہوئے قبول حق کی طرف ترغیب دینا ہے۔ اسی تذکیر نعمت کے ذیل میں حضرت آدمؑ کے مسجود ملائکہ بننے کا واقعہ بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔

﴿ تشریح ﴾:............**قیامت میں اعمال کو تولنا:**............ظالمین اور مفلحون سے مراد کافر اور مؤمن ہیں۔ پس آیت سے ایمان وکفر کا قیامت میں وزن کیا جانا معلوم ہوتا ہے اور پلہ کے ہلکے ہونے سے مراد یہ ہوگی کہ جو پلہ ایمان رکھنے کے لئے مخصوص ہوتا ہے وہ خالی رہنے کی وجہ سے ہلکا ہو جائے گا۔ کیونکہ دوسرے پلہ میں کفر ہوگا اور وہ پلہ بھاری ہوگا لیکن اسی کے ساتھ

ونضع الموازین الخ اوروان کان مثقال الخ وغیرہ آیات سے دوسرے اچھے برے اعمال کا موزون ہونا معلوم ہوتا ہے اسی طرح بعض احادیث میں کلی عنوان سے اور بعض میں صراحت کے ساتھ نیک و بدعمل کا وزن کیا جانا معلوم ہوتا ہے بہرحال بعض آیات سے اگرچہ وزن کا عموم معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن وہ آیات اس عموم کا انکار بھی نہیں کرتیں۔ پس ایمان وکفر کے وزن سے تو مومن وکافر میں امتیاز ہوسکے گا۔ پھر خاص مومنین کے لئے وزن ہوگا کہ ایک پلہ میں نیکیاں اور دوسرے پلہ میں بدیاں رکھ کر تولا جائے گا اور غالب وزن کے لحاظ سے فیصلہ کیا جائے گا اور دونوں پلوں کے برابر ہونے کی صورت میں ان کو مقام اعراف میں رکھا جائے گا۔ پھر خواہ سزا سے پہلے ہی بذریعہ شفاعت ان کی معافی ہوجائے یا سزا کے بعد ان کی مغفرت کردی جائے۔

وزن اعمال پر مشہور شبہ کا جواب: .... اور اعمال اگرچہ اجسام نہیں ہیں تاہم ان کا وزن یا تو نامہ اعمال کے وزن کی صورت میں ہوجائے گا جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے اور یا پھر کہا جائے کہ وزن کے لئے جسم ہونے کی شرط خاص طور پر اس عالم ناسوت کی شرائط عادیہ میں سے ہے۔ لیکن عالم آخرت میں ممکن ہے کہ غیر اجسام بھی وزن کئے جاسکتے ہوں۔

رہا میزان کے معنی میں کسی قسم کی تاویل کرنا۔ سو وہ نصوص صریحہ کے خلاف تحریف کرنا ہے۔ اس لئے بلا ضرورت ایسی تاویل جو روایات کے بھی خلاف ہو۔ کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے اور ھم قائلون کے معنی اگر نوم واستراحت کے لئے جائیں تو یہ حکم بلحاظ اکثر افراد کے ہوگا۔ کیونکہ بعض افراد اس وقت بھی کاروبار میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن اگر اس کے معنی دن میں ہونے اور دن نکلنے کے کئے جائیں تو پھر سب افراد کے اعتبار سے حکم ہوسکتا ہے اور اس کی حکمت انصاف وعدالت کا اظہار اور عذر ومعذرت کا ختم کرنا ہوسکتا ہے۔

شیطانی قیاس اور اُس کے تار پود: .... قال انا خیر . میں شیطان نے اپنے دعوے پر جن چار مقدمات سے مرکب یہ قیاس پیش کیا ہے اس کا صرف پہلا مقدمہ "خلقتنی من نار" تو صحیح ہے باقی سب مقدمات غلط ہیں اس لئے نتیجہ بھی غلط ہوگا۔ دوسرا مقدمہ کہ آگ نورانی ہونے کی وجہ سے مٹی سے افضل ہوتی ہے۔ اس لئے غلط ہے کہ کلی فضیلت تو کسی عنصر کو کسی دوسرے عنصر پر بھی حاصل نہیں اور جزئی فضیلت مفید نہیں اور تیسرا مقدمہ کہ افضل کی فرع افضل اور غیر افضل کی فرع غیر افضل ہوتی ہے۔ اس لئے غلط ہے کہ بعض دفعہ مومن سے کافر اور کافر سے مومن پیدا ہوتا ہے۔ پس اس مقدمہ کے دونوں جزو غلط ہوئے اور تیسرا مقدمہ کہ افضل کا مفضول کو سجدہ کرنا مناسب نہیں۔ اس لئے غلط ہے کہ بعض دفعہ اسی میں حکمت ومصلحت ہوتی ہے۔

قیاس فقہی اور قیاس ابلیسی کا فرق: .... لیکن چونکہ یہ قیاس ابلیسی نص صریح کے معارض تھا۔ اس لئے یہ قیاس مردود ہوگیا۔ بلکہ خود اس کی مردودیت کا سبب بن گیا۔ لیکن اس پر قیاس فقہی کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے جو نص سے حاصل ہوتا ہے اور ابلیس کے اس اعتراض کا منشاء چونکہ کبر تھا اس لئے کفر کا باعث ہوا۔ ورنہ اگر کسی حکم کی حکمت ومصلحت کی تحقیق محض طالب علمانہ طور پر مقصود ہوتی تو کافر نہ ہوتا۔

شیطان کا مرنا: .... یہاں "الی یوم یبعثون" اور دوسری آیت میں "الی یوم الوقت المعلوم" فرمایا گیا ہے دونوں سے مراد ایک ہی وقت ہے یعنی جس وقت کی ابلیس نے درخواست کی تھی وہی منظور کیا گیا ہے۔ باقی ابلیس کا مرنا۔ کعب احبار سے حشر کے روز منقول ہے اور وہ دن اگرچہ دوبارہ زندہ ہونے کا ہوگا نہ کہ مرنے کا۔ لیکن ممکن ہے کہ شروع دن میں ابلیس مرجائے اور

اس کے بعد پھر زندہ کر دیا جائے اور ابن مسعودؓ سے "وقت معلوم" کی تفسیر میں ابلیس کو دابۃ الارض کا ہلاک کرنا منقول ہے۔ بہر حال قیامت کے قریب کو مجازاً قیامت کا دن کہہ دیا گیا ہے۔

شیطان کی دعا قبول ہوئی یا نہیں:............ آیت **وما دعاء الکافرین الا فی ضلال** سے شبہ ہوسکتا ہے کہ شیطان کافر ہے اور کافر کی دعا قبول نہیں ہوا کرتی۔ حالانکہ یہاں **انک من المنظرین** سے دعاء شیطان کا مقبول ہونا معلوم ہوتا ہے اور دعا کا قبول ہونا اکرام کی علامت ہے۔ حالانکہ شیطان مستحق اکرام نہیں ہے پس کہا جائے گا کہ کبھی کبھی کافر کی دعا بھی قبول کر لی جاتی ہے اور ایسا کرنا اکرام یا محبت کی علامت نہیں ہوتی۔

رہا **وما دعاء الکافرین** کا تعلق؟ سو وہ آخرت کے اعتبار سے ہے۔ یعنی آخرت میں کافر کی دعا قبول نہیں ہوگی۔ اور آیت **انک من المنظرین** کا یہ مطلب نہیں کہ "بمقتضائے حکمت ہم نے تو پہلے ہی تجھے مہلت دینا طے کر رکھا ہے۔ درخواست کی کیا ضرورت۔ اسی حکمت کی مطابق مہلت دی جارہی ہے۔" کیونکہ دوسری آیت میں **فانک من المنظرین** فرمایا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی درخواست پر ہی مہلت دی گئی ہے۔

قرآن کریم میں ایک ہی بات کو مختلف الفاظ میں بیان کرنا:............ اس قسم کے واقعات کی حکایت قرآن کریم میں مختلف مواقع پر مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔ حالانکہ واقعات کسی ایک خاص صورت میں ہی ہوں گے؟ پس ان سب کی صحت کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

جواب یہ ہے کہ کسی واقعہ کو نقل کرنے کے لئے بلفظہ اس کا روایت کرنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اصل مقصد محفوظ رہنا چاہئے۔ پھر چاہے تعبیر کے طریقے ہر مقام کے مناسب مختلف ہی کیوں نہ ہوں ایسی صورت کو غلط بیانی پر محمول نہیں کیا جاسکتا اور شیطان کو اتنی مہلت دینے کی حقیقت مصلحت تو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔

البتہ ظاہری حکمتیں واضح ہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے یہ مکالمہ براہ راست حق تعالیٰ سے کیا ہوگا۔ اور اس گستاخانہ جرأت کی وجہ اس کی بے حیائی اور حق تعالیٰ کی عظمت و ہیبت کا اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوجانا ممکن ہے۔

چند نکات:............ **ثم لاٰتینھم الخ** استعارہ تمثیلیہ ہے۔ چونکہ دشمن ان ہی چار طرف سے حملہ آور ہوسکتا ہے اس لئے تخصیص کی گئی۔ ورنہ مطلقاً ورغلانے کی کوشش کرنا مراد ہے۔ چنانچہ حدیث میں **ان الشیطان یجری کمجری الدم**۔ فرمایا گیا ہے۔ پس اس سے اوپر یا نیچے سے آنے کی نفی نہیں ہوئی۔ ورنہ بدن کے اندر جانے کی نفی کا شبہ کرنا صحیح ہوگا اور شیطان کا اپنے کو اکثر انسانوں کے بہکانے پر قادر سمجھنا قرائن کے ذریعہ معلوم ہوا ہوگا۔

اول **اخرج** سے نکلنے کا حکم محض تجویز کے درجے میں ہوا تھا اور دوسرے **اخرج** میں اس کا نفاذ مقصود ہے اور **اغویتنی** میں اغواء کرنے کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف پیدا کرنے اور موجود کرنے کے اعتبار سے تو درست اور صحیح ہوسکتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی سب چیزوں کے پیدا کرنے والے ہیں۔ لیکن شیطان کا مقصد اعتراض تھا اور یہ صریح گمراہی اور باطل محض ہے اور گمراہی کی ترغیب دینے کے معنی مراد لینا تو بالکل غلط ہوں گے۔

قال فبما اغویتنی میں جس قسم کو بالاجمال ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری آیت **قال فبعزتک** میں اسی کی تفصیل ہے۔ وسوسہ اندازی چونکہ ایک طرح کا نفسانی تصرف ہے جس کے لئے مکان کی دوری روک نہیں بنتی۔ اس لئے بالمشافہ آدمؑ و حواؑ سے شیطان کی

ملاقات ثابت کرنے کے لئے تکلفات کی ضرورت نہیں ہے زمین پر رہتے ہوئے بھی شیطان جنت میں وسوسہ کے اثرات پہنچا سکتا ہے۔ جیسا کہ مسمریزم وغیرہ عملیات میں ہوتا رہتا ہے۔

حضرت آدمؑ وحواءؑ کا اپنے لئے ظلم وخسارہ کا اعتراف کرنا یا تو بطریق تواضع ہوگا اور یا ترقی نہ ہونے کو نقصان سے تعبیر فرمایا ہے۔ قال فیھا تحیون سے حضرت عیسیٰ کے متعلق یہ سمجھنا کہ وہ آسمان پر زندہ گئے اور نہ وہاں رہے صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ آیت میں صرف عادۃً زمین پر رہنے کو بیان کیا جارہا ہے پس یہ عارضی طور پر آسمان پر جانے یا زمین پر نہ رہنے کیخلاف نہیں ہے۔ ان آیات اور قصہ آدمؑ سے متعلق مزید تحقیقات سورۂ بقرہ میں گزرچکی ہیں۔

لطائف آیات: .... آیت فلا یکن فی صدرك سے معلوم ہوتا ہے کہ مرشد ہمیشہ رشد وہدایت کی تلقین کرتا رہے۔ لیکن مرید اگر نہ مانے تو رنج وغم بھی نہ کرے یعنی نہ بالکل لاپروائی اختیار کرے اور نہ ضیق اور گھٹن میں پڑ جائے۔ آیت فمن ثقلت الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں بھی لوگوں کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کرنا چاہئے کہ جس کی غالب حالت صلاح کی معلوم ہو اس کو صالح سمجھنا چاہئے۔ اگرچہ معمولی طور پر اس میں بعض برائیاں بھی پائی جاتی ہوں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس شخص پر اصلاح نفس پھر بھی واجب رہے گی۔

آیت ولقد مکنٰکم الخ میں جاہ ومال کا نعمت الٰہی ہونا معلوم ہوتا ہے جو قابل شکر ہیں۔ البتہ ان کی تحصیل میں انہماک بلاشبہ برا ہے۔ آیت انا خیر الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اپنی رائے، وجدان، کشف وذوق کو شریعت کے مقابلہ میں راجح سمجھے وہ شیطان کا وارث ہے۔ آیت فاھبط منھا سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبر وصول الٰہی اور مقبولیت سے مانع ہے۔ آیت انک من المنظرین سے معلوم ہوا کہ قبولیت دعاء مقبول ہونے کی علامت نہیں جیسا کہ بعض جہلاء کا خیال ہے۔

آیت قال اخرج الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سے ہم کلام ہونا بھی علامت مقبولیت نہیں ہے۔

اور آیت فوسوس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطانی تصرف جو معصیت کی حد میں نہ ہو عصمت انبیاء کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے۔ چنانچہ حضرت آدمؑ کی لغزش شرعی معصیت کے درجہ میں نہیں تھی اگرچہ آیت میں لغۃً اس کو معصیت کہا گیا ہے۔ نیز خطاء اجتہادی پر مواخذہ نہیں ہوتا بلکہ ثواب ملتا ہے۔ البتہ اس پر صرف بدنی برہنگی کی سزا جاری کی گئی جو میاں بیوی کے لئے جائز ہے اور یہ اجتہادی خطا قطعی الثبوت مگر ظنی الدلالت تھی جس میں اجتہاد کی گنجائش تھی پس معلوم ہوا کہ جس دلیل ظنی میں گنجائش اجتہاد ہو اس کا چھوڑنا عذاب کا سبب تو نہیں۔ البتہ دنیوی نقصان کا سبب ہوجاتا ہے۔ کشف والہام بھی محتمل خطا ہونے کی وجہ سے یہی حکم رکھتے ہیں کہ ان کے خلاف سے اخروی عذاب تو نہیں ہوگا۔ البتہ دنیاوی نقصان ہوسکتا ہے۔ اگرچہ ایک طرف علمائے ظاہر کشف والہام کی مخالفت کو مطلقاً جائز سمجھتے ہیں اور دوسری طرف مشائخ بالکل حرام سمجھتے ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا اَیْ خَلَقْنَاهُ لَكُمْ **يُّوَارِيْ** يَسْتُرُ **سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا** هُوَ مَا يُتَجَمَّلُ بِهٖ مِنَ الثِّيَابِ **وَلِبَاسُ التَّقْوٰى** اَلْعَمَلُ الصَّالِحُ اَوِ السَّمْتُ الْحَسَنُ بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلٰى لِبَاسًا وَالرَّفْعِ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ جُمْلَةُ **ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ** دَلَائِلُ قُدْرَتِهٖ **لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ** ﴿۲۶﴾ فَيُؤْمِنُوْنَ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ **يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ** يُضِلَّنَّكُمُ **الشَّيْطٰنُ** اَیْ لَا تَتَّبِعُوْهُ فَتُفْتَنُوْا **كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ** بِفِتْنَتِهٖ **مِّنَ**

الْجَنَّةِ يَنْزِعُ حَالٌ **عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ** اَيِ الشَّيْطٰنُ **يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ** وَجُنُوْدُهٗ **مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ** لِلَطَافَةِ اَجْسَادِهِمْ اَوْ عَدَمِ اَلْوَانِهِمْ **اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ** اَعْوَانًا وَقُرَنَاءَ **لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً** كَالشِّرْكِ وَطَوَافِهِمْ بِالْبَيْتِ عُرَاةً قَائِلِيْنَ لَا نَطُوْفُ فِيْ ثِيَابٍ عَصَيْنَا اللّٰهَ فِيْهَا فَهُوَ اعَنْهَا **قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا** فَاقْتَدَيْنَا بِهِمْ **وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ** اَيْضًا **قُلْ** لَهُمْ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾** اَنَّهٗ قَالَهٗ اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ **قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ** اَلْعَدْلِ **وَاَقِيْمُوْا** مَعْطُوْفٌ عَلٰى مَعْنٰى بِالْقِسْطِ اَيْ قَالَ اَقْسِطُوْا وَاَقِيْمُوْا اَوْ قَبْلَهٗ فَاَقْبِلُوْا مُقَدَّرٌ **وُجُوْهَكُمْ** لِلّٰهِ **عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ** اَيْ اَخْلِصُوْا لَهٗ سُجُوْدَكُمْ **وَّادْعُوْهُ** اُعْبُدُوْهُ **مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ؕ** مِنَ الشِّرْكِ **كَمَا بَدَاَكُمْ** خَلَقَكُمْ وَلَمْ تَكُوْنُوْا شَيْئًا **تَعُوْدُوْنَ ؕ﴿۲۹﴾** اَيْ يُعِيْدُكُمْ اَحْيَاءً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **فَرِيْقًا** مِنْكُمْ **هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَيْ غَيْرِهٖ **وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ** مَا يَسْتُرُ عَوْرَتَكُمْ **عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ** عِنْدَ الصَّلٰوةِ وَالطَّوَافِ **وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا** مَاشِئْتُمْ **وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾**

ترجمہ: .... اے اولاد آدمؑ! ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس مہیا کر دیا (یعنی اس کو تمہارے لئے پیدا کر دیا ہے) جو ستر پوشی (پردہ پوشی) کرتا ہے۔ تمہارے مخصوص جسم کی اور باعث آرائش و زیبائش بھی بنتا ہے (وہ کپڑے مراد ہیں جن سے زیب و زینت ہوتی ہے) اور لباس پرہیز گاری (نیک کام یا اچھی عادت۔ یہ منصوب ہے لباساً پر عطف کرتے ہوئے اور مرفوع ہونے کی صورت میں مبتداء ہوگا جس کی خبر اگلا جملہ ہے) سب لباسوں سے بہتر لباس ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں (دلائل قدرت) میں سے ایک نشانی ہے تاکہ لوگ نصیحت پذیر ہوں (اور ایمان لے آئیں۔ اس میں خطاب سے التفات پایا جاتا ہے) اے اولاد آدم! کہیں تمہیں بہکا نہ دے (گمراہ نہ کر دے) شیطان (یعنی اس کی پیروی نہ کرو ورنہ فتنہ میں پڑ جاؤ گے) جیسا کہ اس نے تمہارے دادا دادی کو (اپنے فیور میں لے کر) جنت سے نکلوا چھوڑا تھا۔ ایسی حالت میں کہ ان کے لباس اتروا دیئے تھے (یہ حال ہے) تاکہ ان کا ستر انہیں دکھا دے وہ (یعنی شیطان) اور اس کا لشکر (گروہ) تمہیں اس طرح دیکھتا ہے کہ تم اسے نہیں دیکھ سکتے۔ (اس کی جسمانی لطافت یا کسی قسم کا رنگ نہ ہونے کی وجہ سے) ہم شیطانوں کو انہی لوگوں کا یار (مددگار) ہونے دیتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے اور یہ لوگ جب بے حیائی کی باتیں (جیسے شرک کرنا یا ننگے بدن بیت اللہ کا طواف کرنا اور یہ گمان کرنا کہ جن کپڑوں میں اللہ کی نافرمانی کی جائے ان کو پہن کر طواف نہیں کرنا چاہئے اور اس سے لوگوں کو روکنا) کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے (لہذا ہم ان کی اقتداء کرتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ نے (بھی) ہم کو یہی حکم دیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے (ان سے) کہ اللہ تعالیٰ کبھی فحش بات کی تعلیم نہیں دیا کرتے۔ کیا تم اللہ کے ذمہ ایسی بات لگانے کی جرأت کرتے ہو جس کی تم سند نہیں رکھتے (کہ اللہ نے ایسا حکم دیا ہو یہ استفہام انکاری ہے) آپ فرما دیجئے کہ میرے پروردگار نے مجھے انصاف کرنے (اعتدال قائم رکھنے) کا حکم دیا ہے اور یہ کہ سیدھا رکھا کرو (بالقسط کے معنی پر اس کا عطف ہو رہا ہے گویا اصل عبارت اس طرح تھی قال اقسطوا او اقیموا یا اس سے پہلے فاقبلوا

مقدر مانا جائے گا) اپنے رخ کو (اللہ کی طرف) ہر سجدہ کے وقت (یعنی اخلاص کے ساتھ سجدہ کرو) اور اللہ کو اس طور پر پکارو (عبادت کرو) کہ اس عبادت کو اللہ ہی کے لئے رکھا کرو (شرک سے) خالص کر کے تمہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے شروع میں پیدا کیا تھا (حالانکہ تم بالکل کچھ بھی نہیں تھے) اسی طرح پھر تم دوبارہ پیدا ہوگے (یعنی قیامت میں دوبارہ زندہ کر کے اٹھائیں گے) بعض لوگوں کو (تم میں سے) اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور بعض پر گمراہی کا ثبوت ہو چکا ہے۔ ان لوگوں نے شیطانوں کو اپنا رفیق بنالیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر (یعنی غیر اللہ کو) پھر بھی اپنے کو راہ راست پر سمجھتے ہیں۔ اے اولاد آدم! اپنے جسم کی زینت (لباس) سے آراستہ رہا کرو۔ عبادت کے ہر موقعہ پر (نماز ہو یا طواف) اور خوب کھاؤ پیو (جتنا چاہو) مگر حد سے نہ گزر جاؤ۔ بلاشبہ اللہ انہیں پسند نہیں کرتے جو حد سے گزر جانے والے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... ریشا ۔ بالکسر بمعنی پر اور قیمتی لباس۔ **لباس التقوی** ۔ **لجین الماء** کی طرح اضافت بیانیہ کے قریب ہے یعنی جو لباس تقوے سے ناشی ہو۔ مراد ثات اور صوف کا کھر درا لباس ہے یا نیک عمل ۔ یہ لفظ اگر منصوب ہے تو لباساً پر وقف کرتے ہوئے انزلنا عامل ہوگا۔ نافع اور ابن عامر اور کسائی نصب کے ساتھ اور باقی قراء رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں اور مرفوع پڑھنے کی صورت میں یہ لفظ مبتداء اور ذلک صفت یا بدل یا عطف بیان ہوگا اور خیر خبر ہوگی اور بعض کے نزدیک **لباس التقویٰ** خبر ہے۔ مبتداء محذوف ہوگی اور **لباس التقویٰ** سے اگر لباس ستر مراد ہو تو یہ لفظ اپنی حقیقت پر محمول ہو جائے گا۔ التفات ۔ کلام کے ثقل کو دور کرنے کے لئے التفات کہا گیا ہے۔ ینزع لفظ ابویکم سے یا اخرج کے فاعل سے حال ہے اور مضارع لانے کی وجہ گذشتہ صورت کا استحضار کرنا ہے۔ **لا ترونهم** شیاطین اصلی صورت پر نظر نہیں آتے۔ البتہ غیر اصل صورت پر نظر آسکتے ہیں اور من ابتدائیہ ہے یہ آیت شیاطین کے فی الجملہ نظر نہ آنے پر دلیل ہے۔ نہ یہ کہ ان کا نظر آنا محال ہے۔

انا جعلنا الشياطين. اس ایت سے اور انهم اتخذوا سے حق تعالیٰ کا خالق اور مخلوق کا کاسب ہونا معلوم ہوا۔

كالشرك. فاحشہ کے عام ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ **وطوا فهم**. مرد دن میں اور عورتیں رات میں برہنہ طواف کیا کرتے تھے۔ کل مسجد۔ سجدہ کا ہر موقعہ یا ہر محل مراد ہے۔ اقیموا . انشاء ہونے کی وجہ سے اس کا عطف لفظ امر پر خبر ہونے کی وجہ سے محل اشکال تھا۔ اس لئے معطوف علیہ معنی انشا مقدر کیا گیا ہے۔

كما بدا كم. کاف محل نصب میں ہے مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے۔ ای **تعودون عود امثل ما بدا كم** اور **فريقاً هدىٰ** جملہ مستانفہ ہے یا بدا کے فاعل اللہ سے حال ہے اور اول **فریقاً** معمول ہے **هدیٰ** کا اور دوسرا **فریقاً** معمول ہے مقدر کے ذریعہ جس کی تفسیر بعد میں موجود ہے ای **وخذل فريقاً واضل فريقاً** اور اعادہ کو ابتداء کے ساتھ یا تو بیان امکان کے لئے تشبیہ دی گئی ہے اور بعض کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ جس طرح اول مٹی سے پیدا کیا تھا اعادہ بھی اسی سے ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ جس طرح اول مرتبہ **خفاة، عراة**، غرلاً مخلوق پیدا کی گئی ہے، دوسری مرتبہ کی پیدائش بھی ننگ دھڑنگ ہوگی یا یہ معنی ہیں کہ جس طرح پہلے مؤمن و کافر ہوئے اسی طرح دوسری نشاۃ میں بھی رہیں گی۔

خذوا زينتكم اس سے نماز میں ستر کا واجب ہونا معلوم ہوا کیونکہ زینت سے مراد پردہ پوشی کا لباس ہے اور مسجد سے مراد نماز ہے جیسا کہ مفسرین اور صاحب ہدایہ کی رائے ہے۔ پھر بعض کی رائے پر یہ خطاب عام ہے تمام انسانوں کو لیکن اکثر کی رائے کے مطابق خاص مسلمان مخاطب ہیں۔ کیونکہ مطلق ستر میں گفتگو نہیں ہے۔ بلکہ نماز کے ستر میں کلام ہو رہا ہے۔ اگرچہ بقول ابن عباسؓ طواف کے سلسلہ میں آیت نازل ہوئی ہے۔

ربط آیات: .... اس سے پہلی آیات میں شیطان کی گمراہی اور حضرت آدمؑ سے اس کی عداوت کا بیان آ چکا ہے ان آیات میں اس کے گمراہ کرنے کا بیان ہے اور اس سلسلہ میں اس سے پوری احتیاط کی تعلیم ہے عام طور پر بھی اور خاص طور پر بھی۔ کیونکہ پہلے حضرت آدمؑ وحواؑ کو بہکا کر جنتی لباس اور کھانوں سے ان کو محروم کر دیا تھا اور اب ان کی اولاد کو گمراہ کر کے اور فاسد عقائد میں مبتلا کر کے کھانے اور لباس کی نعمتوں سے دنیا میں محروم کرنا چاہتا ہے جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوگا۔

شان نزول: .... عکرمہؒ سے روایت ہے کہ آیت قد انزلنا الخ قریش وغیرہ قبائل کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ گوشت نہیں کھاتے تھے۔ نیز قریش کے علاوہ دوسرے قبائل کے لوگ برہنہ طواف کیا کرتے تھے اور سدی سے منقول ہے کہ بعض عرب برہنہ طواف کیا کرتے تھے اور وجدنا علیھا اباء ناواللّٰہ امرنا بھا دلیل میں پیش کرتے تھے۔ اس پر آیت واذا فعلوا فاحشۃ نازل ہوئی اور ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ عورتیں برہنہ طواف کیا کرتی تھیں۔ اس پر آیات خذوا زینتکم اور قل من حرم زینۃ اللّٰہ نازل ہوئیں اور کلبی سے منقول ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ حج کے زمانہ میں سدرمق سے زیادہ کھانا نہ کھاتے تھے بلکہ چکنائی چھوڑ دیتے تھے۔ مسلمانوں کو بھی اس طرف کچھ دھیان ہوا تو آیت کلوا واشربوا نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: .... **جنات نظر آتے ہیں یا نہیں؟** .... لا ترونھم سے جنات کو مطلقاً دیکھنے کا انکار کرنا نہیں ہے۔ بلکہ عادۃً عام طور پر دیکھنے کی نفی کرنا مقصود ہے۔ پس انبیاء یا غیر انبیاء میں سے آرام وخواص کا بعض اوقات جنات کو دیکھ لینا اس کے منافی نہیں ہوگا۔ آیت اقیموا وجوھکم الخ سے نماز میں قیام کی فرضیت اور استقبال قبلہ اور مسجد میں ادائیگی اور کسی خاص مسجد کی تخصیص نہ ہونے پر روشنی پڑتی ہے اور وادعوہ مخلصین سے عبادات میں بالخصوص نماز میں نیت کا شرط ہونا معلوم ہے۔ فریقاً ھدیٰ وفریقا حق الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ دانستہ اور نادانستہ کفر کرنے والے استحقاق مذمت میں دونوں برابر ہیں اور بقول صاحب مدارک یہ آیت معتزلہ کے برخلاف اہل سنت کے لئے حجت ہے۔ کیونکہ ہدایت وضلالت دونوں منجانب اللہ ہیں۔ آیت خذوا زینتکم میں لباس کی تخصیص صرف نماز وطواف کے اوقات میں کی گئی ہے۔ حالانکہ ستر کرنا دوسرے اوقات میں بھی واجب ہے؟ وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ان ہی اوقات میں برہنہ ہوا کرتے تھے۔ ان اوقات میں وجوب کو اور زیادہ مؤکد کرنا ہے۔

امام رازیؒ کی تحقیق: .... تفسیر کبیر میں زینت کے سلسلہ میں چار اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ طواف کے بارے میں یہ حکم ہے۔ دوسرے یہ کہ نماز میں ستر عورت کے متعلق یہ حکم ہے۔ تیسرے یہ کہ جمعہ اور عیدین کے مواقع پر صفائی ستھرائی کا حکم ہے۔ چوتھا قول شاذ یہ ہے کہ تیل پھلیل، کنگھے وغیرہ سے آراستگی مراد ہے۔ بہر حال مختار قول کے مطابق نماز میں ستر عورت کی فرضیت اس آیت سے ثابت ہے البتہ اختلاف اس میں ہے کہ بعض حضرات کی رائے کے مطابق آیا یہ حکم عام ہے یا بقول اکثر صرف مسلمانوں کے لئے خاص ہے۔ آیت ولا تسرفوا میں کھانے پینے کی کثرت سے ممانعت ہے جو بدن کے لئے نقصان دہ اور امراض کا باعث ہوتی ہے۔

ایک لطیفہ: .... چنانچہ علی بن حسین بن واقدؒ سے جب ایک عیسائی ڈاکٹر نے پوچھا کہ قرآن کریم میں کیا کوئی طبی حکم نہیں ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام طب آدھی آیت میں جمع فرما دی ہے۔ یعنی کلوا واشربوا ولا تسرفوا پھر اس نے احادیث رسول ﷺ کے بارے میں دریافت کیا؟ تو فرمایا کہ ساری طب کو آنحضرت ﷺ نے ان سادے اور مختصر الفاظ میں حل کر کے رکھ دیا ہے [1] المعدۃ بیت الداء والحمیۃ راس کل دواء واعط کل بدن ماعودتہ۔ اس پر نصرانی بول اٹھا [2] ما ترک

---

[1] معدہ بیماریوں کا گھر ہوتا ہے اور پرہیز سب سے بڑی دوا ہے اور پورے بدن کی دیکھ بھال رکھو۔ ۱۲۔ ا

[2] تمہارے قرآن اور تمہارے نبی نے جالینوس کے لئے کچھ طب نہیں چھوڑی۔ ۱۲

کتابکم ولا نبیکم لجالینوس طباً اور مدارک اور بیضاوی نے لا تسرفوا سے حرام کی طرف جانے کی ممانعت لی ہے اور بعض نے اللہ کے ساتھ کفر کرنے کی ممانعت مراد لی ہے۔

لطائف آیت:............آیت انہ یرٰ نکم الخ یہ قضیہ مطلقہ ہے دائمہ نہیں ہے یعنی صرف عادۃً عام طور پر دیکھنے کی نفی کرنا ہے یہ نہیں کہ کبھی کوئی دیکھ بھی نہیں سکتا۔ لہذا بطور کرامت اگر کوئی دیکھنے کا دعوے کرے تو محض اس آیت کی وجہ سے اس کی تکذیب نہیں کی جاسکتی اور آیت واقیموا وجو ھکم الخ سے معلوم ہوا کہ ظاہر کی بھی اصلاح کرنی چاہئے۔ جیسا کہ وادعوہ مخلصین له الدین میں اصلاح باطن کی طرف توجہ دلائی گئی ہے گویا ظاہر وباطن دونوں کی اصلاح ہونی چاہئے۔

قُلْ اِنْكَارًا عَلَيْهِمْ **مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ** مِنَ اللِّبَاسِ **وَالطَّيِّبٰتِ** الْمُسْتَلَذَّاتِ **مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** بِالْاِسْتِحْقَاقِ وَاِنْ شَارَكَهُمْ فِيْهَا غَيْرُهُمْ **خَالِصَةً** خَاصَّةً بِهِمْ بِالرَّفْعِ وَالنَّصْبِ حَالٌ **يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ** نُبَيِّنُهَا مِثْلَ ذٰلِكَ التَّفْصِيْلِ **لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ** ﴿۳۲﴾ يَتَدَبَّرُوْنَ فَاِنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا **قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ** الْكَبَائِرَ كَالزِّنَا **مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ** اَيْ جَهْرَهَا وَسِرَّهَا **وَالْاِثْمَ** الْمَعْصِيَةَ **وَالْبَغْيَ** عَلَى النَّاسِ **بِغَيْرِ الْحَقِّ** هُوَ الظُّلْمُ **وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ** بِاِشْرَاكِهٖ **سُلْطٰنًا** حُجَّةً **وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ** ﴿۳۳﴾ مِنْ تَحْرِيْمِ مَا لَمْ يُحَرَّمْ وَغَيْرِهٖ **وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ** مُدَّةٌ **فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ** ﴿۳۴﴾ عَلَيْهِ **يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا** فِيْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِيْ مَا الْمَزِيْدَةِ **يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى** الشِّرْكَ **وَاَصْلَحَ** عَمَلَهٗ **فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** ﴿۳۵﴾ فِي الْاٰخِرَةِ **وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا** تَكَبَّرُوْا **عَنْهَآ** فَلَمْ يُؤْمِنُوْا بِهَا **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** ﴿۳۶﴾ **فَمَنْ** اَيْ لَا اَحَدٌ **اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا** بِنِسْبَةِ الشَّرِيْكِ وَالْوَلَدِ اِلَيْهِ **اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ** الْقُرْاٰنِ **اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ** حَظُّهُمْ **مِّنَ الْكِتٰبِ** مِمَّا كُتِبَ لَهُمْ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ مِنَ الرِّزْقِ وَالْاَجَلِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا** الْمَلٰٓئِكَةُ **يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا** لَهُمْ تَبْكِيْتًا **اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ** تَعْبُدُوْنَ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا ضَلُّوْا** غَابُوْا **عَنَّا** فَلَمْ نَرَهُمْ **وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ** عِنْدَ الْمَوْتِ **اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ** ﴿۳۷﴾ **قَالَ** تَعَالٰى لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **ادْخُلُوْا فِيْٓ** جُمْلَةِ **اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ** مُتَعَلِّقٌ بِادْخُلُوْا **كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ** النَّارَ **لَّعَنَتْ اُخْتَهَا** الَّتِيْ قَبْلَهَا لِضَلَالِهَا بِهَا **حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا** تَلَاحَقُوْا **فِيْهَا جَمِيْعًا قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ** وَهُمُ الْاَتْبَاعُ **لِاُوْلٰىهُمْ** اَيْ لِاَجْلِهِمْ وَهُمْ

الْمَتْبُوعُونَ رَبَّنَا هٰؤُلَاءِ اَضَلُّونَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مُضَعَّفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ تَعَالٰى لِكُلٍّ مِنْكُمْ وَمِنْهُمْ ضِعْفٌ عَذَابٌ مُضَعَّفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ مَا لِكُلِّ فَرِيقٍ وَقَالَتْ اُوْلٰهُمْ لِاُخْرٰهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ لِاَنَّكُمْ لَمْ تَكْفُرُوْا بِسَبَبِنَا فَنَحْنُ وَاَنْتُمْ سَوَاءٌ قَالَ تَعَالٰى لَهُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ:............آپ فرمایئے (ان پر انکار کرتے ہوئے) اللہ کی زینتیں جو انہوں نے اپنے بندوں کے برتنے کے لئے پیدا کی ہیں (لباس کی قسم سے) اور کھانے پینے کی اچھی (لذیذ) چیزیں کس نے حرام کی ہیں؟ آپ ﷺ یہ کہہ دیجئے یہ تو اسی لئے ہیں کہ ایمان والوں کے کام آئیں دنیا کی زندگی میں (اصل استحقاق کے اعتبار سے اگرچہ اس میں دوسرے بھی شریک ہو جائیں) اس طور پر کہ خالص رہیں (ان کے ساتھ مخصوص ہوں۔ یہ رفع کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور نصب کے ساتھ حال ہے) قیامت کے روز۔ ہم اسی طرح تمام آیتیں کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں (جیسا کہ یہاں صاف صاف بیان کر دیا ہے) سمجھ داروں کے لئے (جو تدبر کیا کرتے ہیں۔ کیونکہ دراصل نفع اٹھانے والے ایسے ہی لوگ ہوا کرتے ہیں) آپ ﷺ فرما دیجئے میرے پروردگار نے تو صرف بے حیائی کی باتوں کو حرام ٹھہرایا ہے (بڑے گناہ جیسے زنا) خواہ وہ علانیہ ہوں یا چھپا کر کی جاتی ہوں (یعنی کھلم کھلا ہوں یا در پردہ اور پوشیدہ) اور ہر گناہ (پاپ) کی بات اور (لوگوں پر) ناحق ظلم (زور زیادتی) اور یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس (شرک) کی اللہ نے کوئی سند (دلیل) نہیں اتاری اور یہ کہ اللہ کے نام سے ایسی بات کہو جس کے لئے تمہارے پاس کوئی علم نہیں ہے (یعنی غیر حرام کو حرام کرنا وغیرہ) اور ہر امت کے لئے ایک ٹھہرایا ہوا وقت (مدت) ہے سو جب کسی امت کا ٹھہرایا ہوا وقت آ گیا تو پھر نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتی ہے اور نہ ایک گھڑی آ گے۔ اے اولاد آدم! اگر (لفظ امّا میں نون ان شرطیہ کا ادغام ما زائدہ میں ہو رہا ہے۔) تمہارے پاس پیغمبر آئیں میرے احکام تمہیں سنائیں تو جو کوئی (شرک سے) بچے گا اور (اپنے عمل کو) سنوار لے گا اس کے لئے کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا نہ کسی طرح کی غمگینی (آخرت میں) لیکن جو لوگ میری آیتیں جھٹلائیں گے اور ان کے مقابلہ میں سرکشی (تکبر) کریں گے (ایمان نہیں لائیں گے) تو وہ دوزخی ہوں گے ہمیشہ جہنم میں رہنے والے۔ پھر کون (یعنی کوئی نہیں) اس سے بڑھ کر ظالم ہوگا جو جھوٹ بولتے ہوئے اللہ پر بہتان لگائے (شرک اور اولاد کی نسبت اس کی طرف کرتے ہوئے) یا جو اللہ کی آیتیں (قرآن) جھٹلائے۔ یہی لوگ ہیں کہ حصہ (نصیب) پاتے رہیں گے جو کچھ ان کے لئے ٹھہرا دیا گیا ہے نوشتہ میں (لوح محفوظ میں جو کچھ رزق، موت وغیرہ لکھی ہوئی ہے) لیکن بالآخر جب ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) پہنچیں گے کہ ان کی جان قبض کریں تو اس وقت وہ کہیں گے (ان کو ڈانٹنے کے لئے) کہاں ہیں وہ جن کی تم عبادت (بندگی) کیا کرتے تھے اللہ کو چھوڑ کر۔ وہ جواب دیں گے ہم سے سب غائب ہو گئے (کھوئے گئے ہم ان کو دیکھ نہیں رہے ہیں) اور اپنے خلاف خود گواہی دیں گے (مرنے کے وقت) کہ وہ واقعی کافر تھے۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے (قیامت میں ان سے کہ) داخل ہو جاؤ تم بھی (منجملہ) جنات اور انسانوں کی ان امتوں کے جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں جہنم میں (اس کا تعلق ادخلوا کے ساتھ ہے) جب بھی کوئی جماعت (دوزخ میں) داخل ہوگی تو وہ اپنی طرح کی دوسری جماعت پر لعنت بھیجے گی (جو اول جماعت سے پہلے ہوگی کیونکہ پہلی جماعت نے دوسری کو گمراہ کیا ہوگا) پھر جب سب اکٹھے ہو جائیں گے (جمع ہو جائیں گے) جہنم میں تو پچھلی امت (جو تابع ہوگی) پہلی جماعت کی نسبت (یعنی ان کی وجہ سے اور اس سے مراد متبوع جماعت ہے) اے ہمارے پروردگار یہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا۔ اس لئے انہیں جہنم کا دوہرا (دوگنا) عذاب دیجئے۔ ارشاد

الٰہی ہوگا (تم میں سے اوران میں سے) ہرایک کودوہرا عذاب ہے (دوچند سزا ہورہی ہے) لیکن تمہیں خبرنہیں (یا اورتا کے ساتھ ہے۔ ہرفریق پر جو کچھ گزر رہی ہے) پہلی امت پچھلی امت سے کہے گی پھر تمہیں ہم پر کوئی فوقیت نہ ہوئی (کیونکہ تم نے ہماری وجہ سے کفر نہیں کیا۔ اس لئے تم ہم دونوں برابر ہوئے۔ فرمان الٰہی ہوگا) سوجیسی کچھ کمائی کر چکے ہواس کے مطابق عذاب کا مزہ چکھتے رہو۔

تحقیق وترکیب: .... **من اللباس**. چنانچہ نباتات سے روئی اور کتان اور حیوانات سے ریشم اوراون اورمعدنیات سے لوہے کی زرہیں پیدا فرمائیں جن میں بجز حریروریشم کے مردوعورت سب کو پہننا جائز ہےاور خالص حریروریشم مردوں کو پہننا بالا جماع حرام ہے البتہ روئی اور کتان کی ملاوٹ سے تیارشدہ ریشمی کپڑا مردوں کے پہننے میں اختلاف ہے۔ کراہت وحرمت وجواز میں سے صحیح عدم حرمت ہے۔

بالا ستحقاق. یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ دنیا میں مسلمانوں سے زیادہ کفاراُن کے منافع سے متمتع ہوئے ہیں پھر **للذین اٰمنوا**. کی تخصیص کیسے صحیح ہے؟ حاصل جواب یہ ہے کہ اصل استحقاق کے لحاظ سے گفتگو ہے۔ کفار بھی اگر چہ ان لذائذ میں شریک ہوں تاہم اصل مستحق اور متبوع اہل ایمان ہیں۔ **خالصةً** ۔ زجاج کی رائے میں **زید عاقل عالم** کی طرح خبر بعد خبر ہونے کی وجہ سے یہ مرفوع ہے۔ **ای قل ھی ثابتة للذین اٰمنوا فی الحیٰوة الدنیا خالصة یوم القیٰمة** ۔ اورنصب بر بناء حال ہوگا۔ **ای انھا ثابت للذین اٰمنوا فی حال کو نھا خالصة لھم یوم القیامة**.

فواحش. کبائر مراد ہیں۔ یا بعض کی رائے پر برہنہ طواف بیت اللہ کرنا۔ برخلاف اثم کے اس سے عام گناہ مراد ہیں۔ کبائر ہوں یا غیر کبائر جیسا کہ قاضی کی رائے ہےاور بعض کی رائے ہے کہ لفظ **فاحشه** کا اطلاق اگر چہ **من حیث اللغة** شرم گاہوں کے ملنے پر آتا ہے۔ چنانچہ زنا کو بھی فاحشہ کہا گیا ہے لیکن اثم کا اطلاق شراب خوری کے ساتھ خاص ہونا چاہئے جیسا کہ "**اثمھما اکبر**" سے معلوم ہوتا ہےاور بعض نے فواحش سے کبائر اور اثم سے صغائر مراد لئے ہیں۔

فحش سے مراد یہاں چونکہ قبح عقلی ہے جس سے طبیعت سلیمہ نفرت کرتی ہو۔ نہی وارد ہونے سے پہلے کی چیز کا قابل مذمت ہونا مرادنہیں ہےاس لئے معتزلہ کے لئے گنجائش استدلال نہیں رہی۔ نیز اس سے مرادامکان کی نفی نہیں بلکہ عادت کی نفی مقصود ہے اس لئے عقل کا حاکم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

البغی مبالغہ کے لئے اس کوالگ ذکرکیا ہے ورنہ کبائر میں داخل تھا۔ **وان تشرکوا**. یہ بطریق تحکم کہا گیا ہے ورنہ شرک کے جواز پر دلیل کہاں؟ **لکل امة**. یعنی ہرفردامت کے لئے معین وقت ہے **لا یستاخرون**. **ای لا یتاخرون**. **ساعة** مراد ساعت زمانیہ ہے۔ **لا یستأخرون** جواب **اذا** ہےاور **لا یستقدمون** یا جملہ مستانفہ ہےاور یا جملہ شرطیہ پراس کا عطف ہے لیکن **لا یستاخرون** پراس کا عطف کرنا درست نہیں ہوگا۔ ورنہ جواب پرعطف ہونے کی وجہ سے اس کو بھی جواب کہا جائے گا۔ حالانکہ **اذا** کے جواب کے لئے مستقبل ہونا شرط ہے۔ لیکن یہاں اجل آنے کے لحاظ سے استقدام ماضی ہوگا نہ کہ مستقبل اس لئے شرط پراس کا ترتب درست نہیں ہوگا۔

یابنی ادم. اگر چہ مراد سب انسان ہیں لیکن مقصود آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے لوگ ہیں۔ تاہم اس عموم خطاب میں آنحضرت ﷺ کے لئے عموم بعثت کی دلیل ہے۔

اما یاتینکم. حرف شک کے ساتھ ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ پیغمبر کا آنا جائز ہے عقلاً واجب نہیں جیسا کہ روافض میں سے فرقہ اہل تعلیم کا خیال ہے۔ **رسل**. اس سے مراد آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہےاور لفظ جمع تعظیم کے لئے ہے۔

نصیبھم . حسن اور سدی کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد عذاب ہے جس پر روسیاہی اور آنکھوں کی نیلگونی دلالت کرتی ہے۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اللہ پر افتراء کرنے والا روسیاہ ہوتا ہے۔ ویوم القیٰمة تری الذین کذبوا علی اللّٰہ وجوھھم مسودۃ . اور سعید بن جبیرؓ اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ سعادت وشقاوت ہے جو پہلے سے لکھی جا چکی ہوتی ہے اور ابن عباسؓ، قتادہؒ، ضحاکؒ کا خیال یہ ہے کہ اس سے مراد وہ اعمال خیر وشر ہیں جن پر انسان چلتا ہے اور محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اس سے مراد اوزان واعمال عمر ہیں۔ جب وہ پورے ہو جاتے ہیں تو موت کے فرستادہ آ جاتے ہیں۔

من قبلکم . اس سے معلوم ہوا کہ جہنم میں ایک دم داخلہ نہیں ہوگا بلکہ ٹکڑیاں کر کے ہوگا۔ لا ولٰھم . جلال محققؒ اس میں لام تعلیلیہ مان رہے ہیں کیونکہ عرض معروض کا تعلق حق تعالیٰ سے ہوگا۔ جہنمی ایک دوسرے کو خطاب نہیں کر رہے ہوں گے۔

اخــراھم ۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہر امت کا آخر اس امت کے اول سے کہے گا اور سدی کہتے ہیں کہ آخر دور کے لوگ اس مذہب کے متقدمین سے کہیں گے اور مقاتل کی رائے ہے کہ جو لوگ جہنم میں پیچھے داخل کئے جائیں گے یعنی مقلدین وہ اپنے قائدین کی نسبت کہیں گے۔ ضعفاً۔ یعنی ضعف سے مراد بے انتہا زیادتی ہے صرف دو چند ہونا مراد نہیں ہے۔

ربط آیات: .... ان آیات کے ربط کی تقریر تقریباً وہی ہے جو اس سے پہلی آیات میں گزر چکی ہے یعنی ابوالشیخ نے ابن زید سے نقل کیا ہے کہ بعض لوگ بکری کے دودھ، گوشت، گھی کو اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے اس پر آیت قل من حرم الخ نازل ہوئی۔ ابن جریر وغیرہ ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کپڑے وغیرہ بہت سی حلال چیزوں کو حرام سمجھتے تھے۔ اس پر یہ آیت قل من حرم الخ نازل ہوئی اور ابوالشیخ ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ما ظھر سے برہنگی اور ما بطن سے زنا مراد ہے۔ عقائد و اعمال میں شیطان کے اتباع کی ممانعت اور احکام الٰہیہ کی مخالفت سے پرہیز کی تعلیم کے بعد یبنی اٰدم اما یاتینکم الخ میں اس عہد اور وعدہ وعید کا لیا جانا عالم ارواح میں بتلایا جا رہا ہے۔ گویا یہ کوئی نیا معاہدہ نہیں بلکہ نہایت قدیم عہد کا اعادہ ہے اسی ذیل میں رسالت ومعاد کا اثبات بھی ہو گیا۔ آیت فمن اظلم الخ سے اہل جحیم کا ذکر تفصیلاً کیا جا رہا ہے۔

شان نزول: .... ابن جریر، ابو سیار السلمی سے روایت کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور ان کی ذریت کو اپنی ہتھیلی میں لے کر فرمایا یبنی ادم اما الخ گویا یہ وہی عہد میثاق ہے جو سب سے عالم ارواح میں لیا گیا تھا۔

﴿تشریح﴾: .... مالم ینزل به سلطانا . میں ہر طرح کا عموم مراد ہے خواہ کلاً ہو یا جزءً۔ تاکہ تمام شرعی دلیلیں اس میں داخل ہو جائیں اور جو کافر اپنے مذہب کو حق سمجھتے ہیں ان پر یحسبون انھم مھتدون صادق آنا تو خیر ظاہر ہے لیکن اپنے مذہب کو باطل سمجھتے ہوئے جو کافر اس پر جمے رہتے ہیں ان پر صادق آنا اس طرح ہو سکتا ہے کہ ان کا اصرار یقیناً ان کے گمان کے مطابق کسی نہ کسی وہمی مصلحت کی وجہ سے ہوگا جس کی رعایت اور تحصیل وہ اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے ضروری یا مناسب سمجھتے ہوں گے اور کسی ضروری چیز کی رعایت کرنا عقلی ابتداء ہوتا ہے۔

رہا پہلی صورت پر یہ شبہ کہ پھر تو غلطی کو حق سمجھ کر اصرار کرنے والے کو معذور سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ اس کو اپنی غلطی کی اطلاع ہی نہیں ہے؟ جواب یہ ہے کہ قوی دلائل کی موجودگی میں اس کو معذور نہیں سمجھا جائے گا بلکہ اس میں نظر وتامل نہ کرنا اس کو کوتاہی شمار ہوگا اور آیت میں ایسے ہی لوگوں کا بیان ہے جن میں سے اکثر اپنے طریقہ کو باطل سمجھنے کے باوجود اس پر جمے ہوئے تھے۔ تاہم جو شخص اپنی مقدور بھر کوشش تلاش حق میں صرف کر دے۔ مگر اس جستجو کے باوجود صحیح مطلوب تک اس کی رسائی نہ ہو سکے تو اس کو یقیناً

معذور سمجھنا چاہئے۔

لیکن دوسری صورت پر اگر کسی کو شبہ ہو کہ اگر کوئی حق کو حق اور ناحق کو ناحق سمجھے تو اسے مؤمن سمجھنا چاہئے پھر اسے کفار میں کیوں شمار کیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ جس طرح قلبی تکذیب کفر ہے۔ اسی طرح زبانی تکذیب یا انبیاء کے ساتھ برتاؤ میں مخالفت کرنا اور ان سے عدوات رکھنا بھی کفر ہے۔

لطائف آیات:............ آیت انما حرم ربی الفواحش الخ میں فواحش سے قوت بہیمیہ کے رذائل کی طرف اور بغی سے قوت سبعیہ کے رذائل اور ان تقولوا میں قوت نطقیہ کے رذائل کی طرف اشارہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا تَكَبَّرُوْا **عَنْهَا** فَلَمْ يُؤْمِنُوْا بِهَا **لَاتُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ** اِذَا عَرَجَ بِاَرْوَاحِهِمْ اِلَيْهَا بَعْدَ الْمَوْتِ فَيُهْبَطُ بِهَا اِلَى سِجِّيْنٍ بِخِلَافِ الْمُؤْمِنِ فَيُفْتَحُ لَهٗ وَيُصْعَدُ بِرُوْحِهٖ اِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ كَمَا وَرَدَ فِيْ حَدِيْثٍ **وَلَايَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ** يَدْخُلَ **الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ** ثُقْبِ الْاِبْرَةِ وَهُوَ غَيْرُ مُمْكِنٍ فَكَذَا دُخُوْلُهُمْ **وَكَذٰلِكَ** الْجَزَاءُ **نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾** بِالْكُفْرِ **لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ** فِرَاشٌ **وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ** اَغْطِيَةٌ مِنَ النَّارِ جَمْعُ غَاشِيَةٍ وَتَنْوِيْنُهٗ عِوَضٌ مِنَ الْيَاءِ الْمَحْذُوْفَةِ **وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** مُبْتَدَأٌ وَقَوْلُهٗ **لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ** طَاقَتَهَا مِنَ الْعَمَلِ اِعْتِرَاضٌ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ خَبَرِهٖ وَهُوَ **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا مَافِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ** حِقْدٍ كَانَ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا **تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ** تَحْتَ قُصُوْرِهِمُ **الْاَنْهٰرُ وَقَالُوا** عِنْدَ الْاِسْتِقْرَارِ فِيْ مَنَازِلِهِمْ **الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا** الْعَمَلِ هٰذَا جَزَاءُهٗ **وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ** حُذِفَ جَوَابُ لَوْلَالِدَلَالَةِ مَا قَبْلِهٖ عَلَيْهِ **لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُوْدُوْٓا اَنْ** مُخَفَّفَةٌ اَيْ اَنَّهٗ اَوْ مُفَسِّرَةٌ فِي الْمَوَاضِعِ الْخَمْسَةِ **تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ** تَقْرِيْرًا اَوْ تَبْكِيْتًا **اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَاوَعَدَنَا رَبُّنَا** مِنَ الثَّوَابِ **حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّاوَعَدَ** كُمْ **رَبُّكُمْ** مِنَ الْعَذَابِ **حَقًّا قَالُوْا نَعَمْ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ** نَادٰى مُنَادٍ **بَيْنَهُمْ** بَيْنَ الْفَرِيْقَيْنِ اَسْمَعَهُمْ **اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ** النَّاسَ **عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** دِيْنِهٖ **وَيَبْغُوْنَهَا** اَيْ يَطْلُبُوْنَ السَّبِيْلَ **عِوَجًا** مُعَوَّجَةً **وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيْنَهُمَا** اَيْ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ **حِجَابٌ** حَاجِزٌ قِيْلَ هُوَسُوْرُ الْاَعْرَافِ **وَعَلَى الْاَعْرَافِ** وَهُوَ سُوْرُ الْجَنَّةِ **رِجَالٌ** اِسْتَوَتْ حَسَنَاتُهُمْ وَسَيِّاٰتُهُمْ كَمَا فِي الْحَدِيْثِ **يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا** مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ **بِسِيْمٰهُمْ** بِعَلَامَتِهِمْ

وَهِيَ بَيَاضُ الْوُجُوهِ لِلْمُؤْمِنِينَ وَسَوَادُهَا لِلْكٰفِرِينَ لِرُؤْيَتِهِمْ لَهُمْ إِذْ مَوْضِعُهُمْ عَالٍ **وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ** قَالَ تَعَالٰى **لَمْ يَدْخُلُوهَا** اَيْ اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ الْجَنَّةَ **وَهُمْ يَطْمَعُونَ** ﴿۴۶﴾ فِي دُخُولِهَا قَالَ الْحَسَنُ لَمْ يُطْمِعْهُمْ اِلَّا لِكَرَامَةٍ يُرِيدُهَا بِهِمْ وَرَوَى الْحَاكِمُ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ بَيْنَمَا كَذٰلِكَ إِذْ طَلَعَ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ فَقَالَ قُومُوا ادْخُلُوا الْجَنَّةَ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ **وَإِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ** اَيْ اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ **تِلْقَآءَ** جِهَةَ **اَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا** فِي النَّارِ **مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ** ﴿۴۷﴾ **وَنَادٰى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا** مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ **يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ** مِنَ النَّارِ **جَمْعُكُمْ** الْمَالُ اَوْ كَثْرَتُكُمْ **وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ** ﴿۴۸﴾ اَيْ وَاسْتِكْبَارُكُمْ عَنِ الْاِيْمَانِ وَيَقُولُونَ لَهُمْ مُشِيرِينَ اِلٰى ضُعَفَاءِ الْمُسْلِمِينَ **اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِينَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ** قَدْ قِيلَ لَهُمْ **ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُونَ** ﴿۴۹﴾ وَقُرِئَ اُدْخِلُوا بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ وَدَخَلُوا فَجُمْلَةُ النَّفْيِ حَالٌ اَيْ مَقُولًا لَهُمْ ذٰلِكَ **وَنَادٰى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ** مِنَ الطَّعَامِ **قَالُوٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا** مَنَعَهُمَا **عَلَى الْكٰفِرِينَ** ﴿۵۰﴾ **الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ** نَتْرُكُهُمْ فِي النَّارِ **كَمَا نَسُوا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا** بِتَرْكِهِمِ الْعَمَلَ لَهُ **وَمَا كَانُوا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُونَ** ﴿۵۱﴾ اَيْ وَكَمَا جَحَدُوا **وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ** اَيْ اَهْلَ مَكَّةَ **بِكِتٰبٍ** قُرْاٰنٍ **فَصَّلْنٰهُ** بَيَّنَّاهُ بِالْاَخْبَارِ وَالْوَعْدِ وَالْوَعِيْدِ **عَلٰى عِلْمٍ** حَالٌ اَيْ عَالِمِينَ بِمَا فُصِّلَ فِيهِ **هُدًى** حَالٌ مِنَ الْهَاءِ **وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ** ﴿۵۲﴾ بِهِ **هَلْ يَنْظُرُونَ** مَا يَنْتَظِرُونَ **اِلَّا تَاْوِيْلَهُ** عَاقِبَةَ مَا فِيهِ **يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهُ** هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ** تَرَكُوا الْاِيْمَانَ بِهِ **قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوا لَنَآ اَوْ** هَلْ **نُرَدُّ** اِلَى الدُّنْيَا **فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ** نُوَحِّدُ اللّٰهَ وَنَتْرُكُ الشِّرْكَ فَيُقَالُ لَهُمْ لَا قَالَ تَعَالٰى **قَدْ خَسِرُوٓا اَنْفُسَهُمْ** اِذْ صَارُوا اِلَى الْهَلَاكِ **وَضَلَّ** ذَهَبَ **عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ** ﴿۵۳﴾ مِنْ دَعْوَى الشَّرِيْكِ

ترجمہ: ....جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے مقابلہ میں سرکشی (تکبر) کی (جس کی وجہ سے ایمان نہیں لائے) ان کے لئے آسمان کے دروازے کبھی کھلنے والے نہیں ہیں (جب کہ ان کی ارواح کو مرنے کے بعد آسمان کی طرف لے جایا جائے گا تو انہیں سجین کی طرف دھکیل دیا جائے گا۔ برخلاف مؤمن کے کہ ان کے لئے آسمانی دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ان کی روح ساتویں آسمان تک لے جائی جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے) وہ لوگ کبھی بھی جنت میں نہ جاسکیں گے جب تک اونٹ نہ گزر جائے (داخل نہ ہوجائے) سوئی کے ناکہ سے (سوئی کے سوراخ سے اور یہ ناممکن ہے۔ اسی طرح ان کا جنت میں داخلہ ناممکن ہے)

اسی (بدلہ کی) طرح ہم مجرمین کو (انکے کفر کا) بدلہ دیتے ہیں۔ان کے نیچے آگ کا بچھونا (بستر) ہوگا اور اوپر آگ کی چادر (آگ کا اوڑھنا۔غواش۔غاشیہ کی جمع ہے اور یائے محذوف کے بدلہ میں تنوین ہے) ہم ظلم کرنے والوں کو ان کے ظلم کا ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے (یہ مبتداء ہے اور اگلا قول) ہم کسی پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے (جو اس کی طاقت سے بالا کام ہو۔یہ جملہ معترضہ ہے مبتداء اور اس کی خبر کے درمیان اور خبر یہ ہے) تو بس ایسے ہی لوگ جنت والے ہیں۔ ہمیشہ جنت میں رہنے والے۔اور ان لوگوں کے دلوں میں جو کچھ کینہ وغبار تھا (دنیا میں رہتے ہوئے جو ایک دوسرے کی طرف سے حسد تھا) وہ ہم نے نکال دیا ہے ان کے (محلات کے) نیچے نہریں رواں ہوگی اور وہ لوگ کہیں گے (اپنے اپنے ٹھکانوں میں پہنچ جانے کے بعد) اللہ کا لاکھ لاکھ احسان جنہوں نے اس مقام پر پہنچایا! (اس عمل کی طرف رہنمائی فرمائی جس کا بدلہ جنت ہے) ورنہ ہماری کب رسائی ہوسکتی۔اگر اللہ ہماری رہنمائی نہ فرماتے (لولا کا جواب حذف کردیا گیا ہے۔کیونکہ پہلا جملہ اس پر دلالت کررہا ہے) بلا شبہ ہمارے پروردگار کے پیغمبر سچائی کا پیغام لے کر آئے تھے اور ان سے پکار کر کہا جائے گا (ان مخففہ ہے دراصل انہ تھا۔یا مفسرہ ہے پانچوں مواقع میں) یہ جنت ہے جو تمہارے ورثہ میں آئی ہے۔ان کاموں کی بدولت جو تم کرتے رہے ہو اور جنت والے دوزخیوں کو پکاریں گے (بات کو پختہ کرنے اور اتمام حجت کے طور پر) ہمارے پروردگار نے جو کچھ ہم سے وعدہ کیا تھا (ثواب کا) ہم نے اسے سچا پالیا ہے پھر کیا تم نے بھی وہ تمام باتیں ٹھیک پائیں جن کا تمہارے پروردگار نے (تم سے) وعدہ کیا تھا (یعنی عذاب) دوزخی جواب میں بولیں گے "جی ہاں" اس پر ایک پکارنے والا (منادی کرنے والا) پکارے گا (آواز لگائے گا) ان دونوں (فریق) کی درمیان (ان کو سناتے ہوئے) ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہو جو (لوگوں کو) اللہ کی راہ (دین) سے روکتے تھے اور چاہتے تھے (تلاش کرتے تھے راستہ کی) کجی (ٹیڑھا پن) اور آخرت کے بھی منکر تھے اور ان دونوں (جنتی اور جہنمی لوگوں) کے درمیان ایک آڑ (اوٹ) ہوگی (بعض نے اعراف کی دیوار مراد لی ہے) اور اعراف (جنت) کی دیوار) پر بہت سے لوگ ہوں گے (جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے) پہچانتے ہوں گے ہر ایک کو (جنتی اور جہنمی لوگوں سے) ان کے قیافہ سے (علامات سے مومنین کے چہروں پر سفیدی اور کفار کے چہروں پر سیاہی ہوگی۔جنتی جہنمیوں کو دیکھیں گے کیونکہ ان کا مقام بلند ہوگا) اور اعرافی لوگ جنتیوں کو پکار کر کہیں گے "السلام علیکم" (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) ابھی داخل نہیں ہوئے ہوں گے یہ (اعرافی لوگ جنت میں) مگر وہ اس کے آرزو مند ہوں گے (جنت میں داخل ہونے کے۔حسن فرماتے ہیں کہ اعرافیوں کو یہ طمع صرف ان کی تکریم کی وجہ سے ان میں پیدا کی جائے گی اور حاکم نے حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ یہ لوگ اسی حالت میں ہوں کے پروردگار جلوہ افروز ہوں گے اور ارشاد فرمائیں گے کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ کہ میں نے تمہاری مغفرت کردی ہے) اور جب ان کی نگاہیں (اعرافیوں کی نظریں) پھریں گی دوزخیوں کی طرف (جانب) تو پکار اٹھیں گے پروردگار ہمیں شامل نہ فرمائیے۔(جہنم میں) ان ظالم لوگوں کے ساتھ اور اعراف والے ان لوگوں کو (جہنمیوں) کو پکاریں گے جنہیں وہ ان کے قیافہ سے پہچان جائیں گے۔کہیں گے نہ تو تمہارے جتھے (مال یا تمہاری کثرت) تمہارے کام آئے (لوگ سے بچانے میں) اور نہ تمہاری بڑائیاں (یعنی تمہارا ایمان لانے سے تکبر کرنا اور کمزور مسلمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہنا) کیا یہ وہی لوگ نہیں ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ کی رحمت سے انہیں کچھ ملنے والا نہیں ہے (ان سے کہا جائے گا) جنت میں جا داخل ہو، آج تمہارے لئے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہے نہ کسی طرح کی غمگینی (اور ایک قرأت میں ادخلوا مجہول پڑھا گیا ہے اور دخلوا بھی پڑھا گیا ہے اور جملہ نفی لا خوف الخ حال ہے۔یعنی درانحالیکہ ان سے لا خوف الخ کہا جائے گا) اور دوزخی جنت والوں کو پکاریں گے کہ ہم پر تھوڑا سا پانی ڈال دو یا کچھ اور ہی دے دو جو اللہ نے تمہیں بخش رکھا ہے (کھانے

میں سے) جنتی جواب دیں گے کہ اللہ نے یہ دونوں چیزیں حرام (ممنوع) کر رکھی ہیں کافروں پر کہ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا اور جنہیں دنیا کی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ سو آج ہم بھی ان کا نام تک نہ لیں گے (جہنم ہی میں پڑے رہنے دیں گے) جیسا کہ انہوں نے اس دن کا آنا بھلا دیا تھا (اس دن کے لئے عمل چھوڑ کر) نیز اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں کا جان بوجھ کر انکار کیا کرتے تھے (یعنی جس طرح یہ لوگ انکار کیا کرتے تھے) اور ہم نے ان لوگوں (اہل مکہ) کے پاس ایسی کتاب (قرآن) بھی پہنچا دی ہے جس کو ہم نے بہت ہی کھول کھول کر واضح کر دیا ہے (اخبار اور وعدہ وعید کی شکل میں بیان کر دیا ہے) اپنے علم کامل سے (یہ حال ہے یعنی درانحالیکہ اس کی تفصیلات سے ہم باخبر ہیں) اور جو ہدایت ہے (یہ حال ہے فصلنٰہ کی ضمیر سے) اور رحمت ہے ایمان رکھنے والوں کے لئے۔ پھر کیا یہ لوگ انتظار میں ہیں (یعنی انتظار میں نہیں ہیں مگر) خیر نتیجہ کے (جو کچھ قرآن میں ہے اس کے انجام کے) جس دن اس کا اخیر نتیجہ پیش آئے گا (قیامت کے روز) اس دن جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے (ایمان چھوڑ بیٹھے تھے) بول اٹھیں گے کہ واقعی ہمارے پروردگار کے پیغمبر ہمارے پاس سچائی کا پیام لے کر آئے تھے مگر کاش شفاعت کرنے والوں میں سے کوئی ہو جو آج ہماری سفارش کرے یا (کاش! ایسا ہی ہو کہ) ہم پھر لوٹا دیئے جائیں (دنیا میں) اور جیسے کچھ کام کرتے تھے ان کے برخلاف کام انجام دیں (اللہ کی توحید بجالائیں اور شرک چھوڑ دیں۔ چنانچہ ان کو جواب دے دیا جائے گا کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) بلاشبہ ان لوگوں نے اپنے ہاتھوں اپنے کو تباہی میں ڈالا (کیونکہ وہ ہلاکت میں پڑ گئے) اور کھوگئیں (گم ہوگئیں) وہ تمام افتراء پردازیاں جو وہ کیا کرتے تھے (یعنی اللہ کے شریک ہونے کا دعویٰ)۔

تحقیق وترکیب: .... سجین. زمین کے ساتویں طبق میں جہنم کی ایک وادی ہے۔ جس میں کفار کی ارواح رکھی جائیں گی اور بعض کے نزدیک شیاطین اور کفار کا دفتر اعمال ہے، اور اس کے بالمقابل علّیین ہے کہ ملائکہ اور جنات اور انسانوں میں سے مومنین کا دفتر اعمال کہلاتا ہے یا ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے جنت کا ایک مقام ہے۔ کما ورد فی حدیث براء بن عازب کی مرفوع روایت ہے۔[1] **ان الملائكة يجعلون روح المومن في كفن الجنة وحنوطها فيصعدون بها الى السماء الدنيا فلا ينفتح بهم فيشيعهم من كل سماء مقربوها الى السماء في اللتي تليها حتى ينتهي بها الى السماء الساعة ...... وان الكافر يجعلون روحها في المسوح فيصعدون بها الى السماء والدنيا فلا يفتح له ثم قرء رسول الله صلى الله عليه وسلم لاتفتح لهم ابواب السماء فيقول الله عزوجل اكتبو اكتابه في سجين في الارض السابعة فتطرح روحه طرحاً. الحديث۔**

حتى يلج الجمل. یہ تعلیق المحال بالمحال کے قبیل سے ہے۔ یعنی اونٹ جو اہل عرب کے خیال میں جانوروں میں سب سے بڑا جانور ہے اس کا سوئی کے ناکہ جیسی چھوٹی جگہ میں داخل ہونا جس طرح محال ہے ایسے ہی ان کفار کا جنت میں داخل ہونا محال ہے۔ غواش دراصل غواشی تھا فواعل کے وزن پر تنوین صرف کے ساتھ ضمہ یا پردشوار ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا یا اور تنوین چونکہ

---

[1] فرشتے مومن کی روح کو جنت کے کفن اور خوشبو میں ملبوس کر کے آسمان دنیا پر لے جاتے ہیں۔ اس کے لئے آسمان کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔ اس کی خبر مقربین میں پھیل جاتی ہے۔ ساتویں آسمان تک یہی سلسلہ چلتا رہتا ہے اور اگر کافر ہوتا ہے تو اس کی روح ٹاٹ میں لپیٹ کر آسمان دنیا پر لے جائی جاتی ہے لیکن اس کے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے آیت لاتفتح لهم ابواب السماء پڑھی۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ اس کا وہ اعمال نامہ جو زمین کے ساتویں طبقہ سجین میں ہے لکھو۔ پھر اس کی روح کو پھینک دیا جائے گا۔ ۱۲۔ الحدیث۔

دوساکن اکٹھے ہوئے اس لئے یاء کوحذف کر دیا گیا ہے۔لیکن غیر منصرف کے وزن پر ہوتے ہوئے تنوین صرف کا آخر کیا مطلب ہے؟ اس اشکال کا جواب سیبویہ اور خلیل کے مذہب پر یہ ہوسکتا ہے کہ یہ لفظ چونکہ جمع ہے اور جمع بہ نسبت واحد کے ثقیل ہوتی ہے۔ پھر جمع بھی منتہی الجمع ہے جس سے ثقل میں اضافہ ہوگیا۔نیز یاء کے آخر میں ہونے کی وجہ سے ثقل اور زیادہ بڑھ گیا۔اس لئے کلمہ کے ثقل کو ہلکا کرنے کے لئے یاء کوحذف کر دیا گیا ہے۔اس لئے وزن میں نقصان آ گیا اور غواش بروزن جناح ہوگیا۔چنانچہ اس نقصان کی تلافی کرنے کے لئے تنوین داخل کی گئی ہے۔ والذین اٰمنوا ۔یعنی مفسر علامؒ کی رائے کے مطابق یہ اسم موصول مبتداء اور امنوا اس کا صلہ اور جملہ وعملوا الصلحٰت معطوف علیہ اور لاتکلف الخ جملہ معترضہ ہے۔اس کے بعد اولئك الخ مبتدا ماقبل کی خبر ہے۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ لاتکلف الخ کو جملہ معترضہ کی بجائے خبر کیا جائے اور رابطہ محذوف ہو۔ ای لاتکلف منھم اور مقصد اس جملہ معترضہ لانے کا یہ ہوسکتا ہے کہ جنت جیسی عظیم الشان نعمت کا حصول سہل طریقہ سے آسان کر دیا ہے۔باقی حدیث حفت الجنته بالمکارہ سے اس سہولت پر شبہ نہ کیا جائے، کیونکہ مکارہ سے مراد شہوات نفس کے خلاف کرنا ہے اور سہولت سے مراد انسانی طاقت میں جو کام ہو خواہ فعل ہو یا ترک فعل۔

ونزعنا چونکہ اہل جنت کو ان کی امیدوں سے بڑھ چڑھ کر نعمتیں عطا ہوں گی۔اس لئے کینہ اور حسد کے احتمال کو بھی صاف کر دیا جائے گا تاکہ راحت وسرور میں فتور نہ آ جائے۔حضرت علیؓ سے منقول ہے فینا واللّٰہ اھل بدر نزلت ونزعنا مافی صدورھم الخ نیز حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ انی لارجو ان اکون انا و عثمانؓ و طلحةؓ والزبیرؓ من الذین قال اللّٰہ لھو ونزعنا مافی صدورھم . تجری من تحتھم ۔سدی اس آیت کے تحت میں فرماتے ہیں کہ اہل جنت جب جنت کی طرف لے جائے جائیں گے تو اس کے دروازہ پر ایک درخت ہوگا جس کے نیچے دو نہریں جاری ہوں گی۔ایک نہر سے پانی پیتے ہی سب پرانے کینے دھل جائیں گے اور دوسری نہر میں غسل کرتے ہی تروتازہ ہو جائیں گے اور پھر ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے۔

حذف جواب لو . تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔لولا ھدایة اللّٰہ لنا موجودما اھتدینا۔

ونودوا . منادی حق تعالیٰ ہوں گے۔یہ نداء جنت میں رہتے ہوئے ہوگی یا دور سے جب لوگ جنت دیکھیں گے اور ابوسعیدؓ اور ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک منادی ان الفاظ کے ساتھ ندا کرے گا۔ ان لکم ان تصلحوا فلا تسقموا ابداوان لکم ان تحیوا فلا تموتوا ابدوان لکم ان تشبوا فلاتھرموا ابداوان لکم ان تنعموا فلا تباسوا ابداًفذلک قولہ. ونودوا ان تلکم الجنة اور ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔مامن احدا لاولہ منزلة فی الجنة ومنزلة فی النار فاما الکافریرث المومن منزلة من النار واما المومن فیرث الکافر منزلة من الجنة.

ان تلکم ۔یعنی ان ۔پانچوں موقعوں میں مخففہ بھی ہوسکتا ہے اور مفسرہ بھی۔یہاں سے لے کر ان افیضوا تک پانچ موقعے ہیں اور ثتموھا ۔یعنی میراث کی طرف جنت بھی تمہیں بلاتعصب حاصل ہوگئی اور میراث کا تحقق بایں معنی ہے کہ جہنمیوں کی جو جگہ جنت میں ہوتی وہ بدعملی کی وجہ سے سوخت کر کے نیک عمل مومنین کو دے دی جائے گی تو گویا مومن وارث ہوئے اور کافر مورث عنہ۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ فمن لم یومن منھم جعل منزلہ لاھل الجنة فکانہ ورث عنہ اور کفار کو قرآن کریم میں اموات فرمایا گیا ہے۔اموات غیراحیا . پس اس کے مقابل مومن احیاء ہوں گے اور میت کی میراث ظاہر ہے کہ زندہ کو ملا کرتی اور بما کنتم میں باسببیہ ہونے کی وجہ سے معلوم ہوا کہ جنت میں داخل ہونے کا سبب اعمال ہوں گے۔حالانکہ حدیث ہے۔ لن یدخل الجنة احد بعملہ ۔لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ بھی عمل سے جنت میں نہیں جائیں گی؟ فرمایا۔ ولا انا الا ان الا ان

یتغمدنی اللّٰہ برحمتہ ۔ جواب یہ ہے کہ آیت میں عمل سے مراد وہ عمل ہے جس کے ساتھ فضل الٰہی شامل ہو اور حدیث میں عمل سے مراد محض عمل بلا فضل الٰہی ہے۔ اس لئے کوئی تعارض نہیں رہا۔

ونادی. جنت اگرچہ آسمانوں میں اور جہنم زمین کی تہہ میں ہوگی۔ لیکن قیامت میں چونکہ سب باتیں خارق عادت ہوں گی۔ اس لئے اتنے بعد اور دوری کے باوجود اہل جنت اور اہل جہنم کی ایک دوسرے کو ندا صحیح ہوگی اور جمع کا مقابلہ جمع کے ساتھ اس کا متقاضی ہے کہ ہر ہر فرد کی ندا ہر ہر کو ہوگی۔ **مؤذن.** یہ اعلانچی فرشتہ ہوگا۔ جلالؒ محقق نے اذن کی تفسیر **اسمعھم** کے ساتھ کی ہے۔ **عوجاً.** یہ حال ہے اور مصدر بمعنی معوجہ ہے۔ عوج کسر عین کے ساتھ معانی اور اعیان میں بولا جاتا ہے۔ بشرطیکہ قائم نہ ہو اور فتح عین کے ساتھ دیوار اور نیزہ جیسی چیزوں پر بولا جاتا ہے۔ **سورۃ الاعراف.** اضافت بیانیہ ہے اور اعراف سے مراد سور الجنۃ سے لی ہے۔ اعراف جمع ہے عرف کی بمعنی بلند مکان **عرف الدیک** ۔ بولتے ہیں۔ بلندئ جسم کی وجہ سے سدی کہتے ہیں کہ سور جنت کا نام اعراف اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہاں سے تمام جنتیوں اور جہنمیوں کو پہچان لیا جائے گا۔ امام زاہد کی رائے یہ ہے کہ اعراف سفید مشک کا ایک ٹیلہ ہوگا جس پر شہید لوگ ہوں گے یا جن کی موت طلب علم میں ہوئی ہوگی۔ ایسی حالت میں کہ ان کے والدین نہیں چاہتے تھے کہ وہ طلب علم کریں۔ پس والدین کی ناراضگی کی وجہ سے باوجود شہادت اور طلب علم جیسے نیک کاموں کے ان کو مدت تک جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا اور ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی وہ اعرافی ہوں گے اور صاحب مدارک فرماتے ہیں کہ اعراف میں رہنے والے افاضل مسلمین ہوں گے یا پھر سب سے آخر میں جنت میں جانے والے جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں یا جن لوگوں کے والدین ناراض رہے ہوں یا مشرکین کے بچے اور فاضل خیالی کا خیال یہ ہے کہ اعرافی زمان فترۃ کے لوگ ہوں گے یا مشرکین کے بچے یا جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی اور قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ موحدین کی وہ جماعت جنہوں نے کچھ عمل میں کوتاہی کی ہوگی اور بعض کی رائے یہ ہے کہ وہاں بڑے درجہ کے اور بلند مرتبہ کے حضرات ہوں گے جیسے انبیاء شہداء، علماء، خیار مومنین یا انسانی شکل میں نمودار ہونے والے فرشتے اور شعبی سے مروی ہے کہ اصحاب اعراف حضرت عباسؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ حضرت جعفر طیارؓ ہوں گے۔ بہر حال اعراف کا ہونا یقینی ہے۔ صاحب کشاف نے بھی معتزلی ہونے کے باوجود اس کا اعتراف کیا ہے۔

لایطمعھم اس کی اور لفظ **یرید** کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور روی الحاکم سے اس کرامت کا بیان ہے جس کو حسنؒ نے فرمایا تھا۔ **اذا صرفت.** یہاں اہل نار کے لئے صرف نظر اور اس سے پہلے اہل جنت کے لئے **نادوا.** استعمال کیا گیا ہے۔ دونوں میں فرق ظاہر ہے کہ ایک کی حالت مسرت ہے اور دوسرے کی نہیں ہے۔

ما اغنی. ما استفہامیہ توبیخیہ ہے یا نافیہ۔ **ما کنتم . ما** مصدریہ ہے۔

ضعفاء المسلمین . جیسے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں صہیب رومیؓ، بلال حبشیؓ، سلمان فارسیؓ، خباب بن ارتؓ وغیرہ تھے۔ **وقوع.** یعنی **ادخلوا** اور **دخلوا.** دونوں قراءتیں شاذ ہیں اور جملۃ النفی سے مراد پورا جملہ **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** ہے۔ چونکہ جملہ انشائیہ کا حال بننا صحیح نہیں ہوتا۔ اس لئے مفسر محقق کو **مقولا لھم** سے تاویل کرنی پڑی۔ **حرمھما.** مفسر علامؒ نے حرام کی تفسیر منع سے کی ہے جو لازم ہے کیونکہ آخرت میں احکام تکلیفیہ نہیں ہوں گے۔

غرتھم. یہ دھوکہ دینا مجازاً ہوگا نہ کہ حقیقۃً۔ **فننسیھم .** مفسر علامؒ نے اشارہ کر دیا ہے کہ نسیان کا اطلاق چونکہ حقیقۃً اللہ تعالیٰ پر نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اس سے لازم معنی مراد ہیں یعنی ترک کر دینا۔ **او ھل نرد.** مفسر علام نے ھل سے اشارہ کر دیا کہ جملہ **نرد الخ**

پہلے جملہ پر معطوف ہو رہا ہے اور استفہام کے حکم میں اس کے ساتھ داخل ہے اور **فنعمل** منصوب ہے اضمار ان کے ساتھ۔

ربط آیات: .... آیات سابقہ کی طرح آیت **ان الذین کذبوا الخ** اور آیت **والذین اٰمنوا الخ** میں اہل جحیم اور اہل نعیم کی سزا اور جزاء کا تفصیلی ذکر ہے۔ آگے آیت **ونادٰی اصحٰب الجنة الخ** سے جنتی اور جہنمی لوگوں کے باہمی مکالمے اور اہل اعراف کہ جن کی ابتدائی حالت بین بین ہوگی۔ ان کی آپس کی گفتگو بھی منقول ہے۔ اس کے بعد آیت **ولقد جئنٰهم الخ** میں یہ بتلانا ہے کہ کھلے ہوئے مضامین کا تقاضہ تو یہ ہے کہ کفر سے اور دین کی مخالفت سے باز آ جائیں۔ جیسا کہ اہل سعادت ایمان سے مشرف بھی ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن جو بد بخت کفار معاند ہوتے ہیں وہ جب تک انہیں سزا نہ ملے باز نہیں آتے اور سزا ہونے پر ماننا کام نہیں دیا کرتا۔

﴿ تشریح ﴾: .... ابن حاتم ابو معاذ بصری سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ یہ آواز لگانے والا ایک فرشتہ ہوگا۔ درمنثور کے الفاظ یہ ہیں۔ **فیذهب الملک فیقول سلام علیکم تلکم الجنة اورثتموها بما کنتم تعملون** ۔ یعنی فرشتہ اعلان کرے گا کہ تم پر خدا کی سلامتی ہو۔ یہ جنت ہے جو تمہیں اعمال کے بدلہ میں دی گئی ہے۔

ایک اشکال کا جواب: .... ظاہر آیت **بما کنتم تعلمون** سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں اعمال کی وجہ سے داخلہ ہوگا۔ حالانکہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اعمال کی وجہ سے جنت میں کوئی شخص نہیں جائے گا۔ بلکہ رحمت الٰہی کی وجہ سے سب جنت میں جائیں گے۔

جواب یہ ہے کہ آیت میں ظاہری سبب مراد ہے یعنی اعمال جنت میں جانے کا ظاہری سبب ہے اور حدیث میں حقیقی سبب سے بحث ہو رہی ہے کہ فی الحقیقت جنت میں داخل ہونے کا سبب اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگی پس ظاہری سبب کے اثبات اور حقیقی سبب کے انکار میں کوئی تعارض نہیں رہا۔

اعراف کی تحقیق: .... درمنثور کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اعراف اور سور دونوں ایک ہی چیز کے نام ہیں اور اہل اعراف وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور بدیاں دونوں برابر ہوں گی۔ یہ لوگ بالآخر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے اور دلالت النص سے بھی اعرافیوں کا جنت میں داخل ہونا ہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ گنہگار جہنمی جب گناہوں کے غالب ہونے کے باوجود جہنم سے نکل آئیں گے تو اہل اعراف بدجہ اولیٰ نکل آنے چاہئیں اور جنتی اور جہنمی یا اعرافی لوگوں کی باہمی یہ گفتگو یا تو بلاتخصیص محض اتفاقی طور پر ایک دوسرے سے ہوگی اور یا خاص جان پہنچان والوں سے ہوگی۔

لطائف آیات: .... آیت **ان الذین کذبوا الخ** کے ذیل میں علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں بھی برکت کے دروازے کشادہ نہیں ہوا کرتے۔ آیت **الذین اٰمنوا الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بھی مرید کو اصلاحی سلسلہ میں اس کی برداشت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتا۔

آیت **ونزعنا الخ** سے معلوم ہوا کہ جو کینہ غیر اختیاری اور طبعی ہو وہ جنت میں جانے سے نہیں روکے گا۔

آیت **وما کنا لنهتدی الخ** سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ وصول مقصود وہبی ہے کسبی نہیں ہے اور ظاہراً کسب کا کچھ دخل ہے بھی تو وہ کسب خود وہبی ہے۔ آیت **الذین یصدون الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مشابہ وہ لوگ بھی ہیں جو راہِ مولیٰ میں

سالکین کو روکتے ہیں اور ان کے لئے اس طرح کجی تلاش کرتے ہیں جس سے سالکین کو نفرت پیدا ہو جائے جیسے اہل ریاء وبدعت۔
آیت ونادیٰ اصحٰب النار الخ کے متعلق بعض اہل علم کہتے ہیں کہ چونکہ یہ لوگ پیٹ کے بندے تھے اور کھانے پینے کے حریص۔ اسی حالت پر مرے اور اسی پر ان کا حشر ہوا کہ کھانا پینا ہی مانگتے رہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد بھی برائیوں کا اثر باقی رہتا ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا اَىْ فِىْ قَدْرِهَا لِاَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ ثَمَّ شَمْسٌ وَلَوْشَآءَ خَلْقَهُنَّ فِىْ لَمْحَةٍ وَالْعُدُوْلُ عَنْهُ لِتَعْلِيْمِ خَلْقِهِ التَّثَبُّتَ **ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ** هُوَ فِى اللُّغَةِ سَرِيْرُ الْمَلِكِ اِسْتِوَاءً يَلِيْقُ بِهٖ **يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ** مُخَفَّفًا وَمُشَدَّدًا اَىْ يُغَطِّىْ كُلًّا مِنْهُمَا بِالْاٰخَرِ **يَطْلُبُهٗ** يَطْلُبُ كُلٌّ مِنْهُمَا الْاٰخَرَ طَلَبًا **حَثِيْثًا** سَرِيْعًا **وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ** بِالنَّصَبِ عَطْفًا عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالرَّفْعِ مُبْتَدأٌ خَبَرُهٗ **مُسَخَّرٰتٍۭ** مُذَلَّلَاتٌ **بِاَمْرِهٖ** بِقُدْرَتِهٖ **اَلَا لَهُ الْخَلْقُ** جَمِيْعًا **وَالْاَمْرُ** كُلُّهٗ **تَبٰرَكَ** تَعَاظَمَ **اللّٰهُ رَبُّ** مَالِكُ **الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۵۴﴾ **اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا** حَالٌ تَذَلُّلًا **وَّخُفْيَةً** سِرًّا **اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ** ﴿۵۵﴾ فِى الدُّعَاءِ بِالتَّشَدُّقِ وَرَفْعِ الصَّوْتِ **وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ** بِالشِّرْكِ وَالْمَعَاصِىْ **بَعْدَ اِصْلَاحِهَا** بِبَعْثِ الرُّسُلِ **وَادْعُوْهُ خَوْفًا** مِنْ عِقَابِهٖ **وَّطَمَعًا** فِىْ رَحْمَتِهٖ **اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ** ﴿۵۶﴾ اَلْمُطِيْعِيْنَ وَتَذْكِيْرُ قَرِيْبِ الْمُخْبَرِ بِهٖ عَنْ رَحْمَةٍ لِاِضَافَتِهٖ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى **وَهُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ** اَىْ مُتَفَرِّقَةً قُدَّامَ الْمَطَرِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِ الشِّيْنِ تَخْفِيْفًا وَفِىْ اُخْرٰى بِسُكُوْنِهَا وَفَتْحِ النُّوْنِ مَصْدَرٌ اَوْفِىْ اُخْرٰى بِسُكُوْنِهَا وَضَمِّ الْمُوَحَّدَةِ بَدَلَ النُّوْنِ اَىْ بِمُبَشِّرٍ وَمُفْرَدُ الْاَوْلٰى نُشُوْرًا كَرَسُوْلٍ وَالْاَخِيْرَةُ بَشِيْرٌ **حَتّٰى اِذَا اَقَلَّتْ** حَمَلَتِ الرِّيْحُ **سَحَابًا ثِقَالًا** بِالْمَطَرِ **سُقْنٰهُ** اَىِ السَّحَابَ وَفِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ **لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ** لَانَبَاتَ بِهٖ اَىْ لِاَحْيَائِهٖ **فَاَنْزَلْنَا بِهِ** بِالْبَلَدِ **الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ** بِالْمَاءِ **مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ** الْاِخْرَاجِ **نُخْرِجُ الْمَوْتٰى** مِنْ قُبُوْرِهِمْ بِالْاِحْيَاءِ **لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ** ﴿۵۷﴾ فَتُؤْمِنُوْنَ **وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ** اَلْعَذْبُ التُّرَابُ **يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ** حَسَنًا **بِاِذْنِ رَبِّهٖ** هٰذَا مَثَلٌ لِلْمُؤْمِنِ يَسْمَعُ الْمَوْعِظَةَ فَيَنْتَفِعُ بِهَا **وَالَّذِىْ خَبُثَ** تُرَابُهٗ **لَا يَخْرُجُ** نَبَاتُهٗ **اِلَّا نَكِدًا** عُسْرًا بِمَشَقَّةٍ وَهٰذَا مَثَلٌ لِلْكَافِرِ **كَذٰلِكَ** كَمَا بَيَّنَّا مَاذُكِرَ **نُصَرِّفُ** نُبَيِّنُ **الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ** ﴿۵۸﴾ اللّٰهَ فَيُؤْمِنُوْنَ

ترجمہ: .... بلاشبہ تمہارے پروردگار تو وہی اللہ ہیں جنہوں نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ کے دن میں پیدا کیا ہے (دنیاوی دنوں کے اعتبار سے یعنی اتنے وقت میں۔ کیونکہ اس وقت آفتاب تو تھا نہیں اور اللہ چاہتے تو ایک پل بھر میں سب کچھ پیدا کر سکتے

تھے۔ لیکن مخلوق کو آہستگی اور جماؤ کی تعلیم دینے کے لئے انہوں نے ایسا نہیں کیا) پھر عرش پر متمکن ہو گئے (لغت میں عرش کے معنی شاہی تخت کے آتے ہیں اور متمکن ہونے سے مراد وہ تمکن ہے جو ان کے شایان شان ہو) چھپا دیتے ہیں رات سے دن کو (لفظ یغشی تخفیف وتشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے۔ یعنی دن ورات ہر ایک دوسرے کو چھپا دیتے ہیں) اس طرح کہ پا لیتے ہیں (ایک دوسرے کو پکڑ لیتے ہیں) جلدی سے (تیزی سے) اور سورج، چاند، تارے (نصب کے ساتھ سمٰوٰت پر عطف ہے اور رفع کے ساتھ مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) سب جھکے ہوئے (تابع) ہیں ان کے حکم (قدرت) کے آگے۔ یاد رکھو اللہ ہی کے لئے (سب) مخلوق ہے اور اسی کے لئے (ہر قسم کا) حکم دینا ہے۔ سو کیا ہی بابرکت (بری خوبیوں والی) ذات ہے اللہ کی جو تمام جہانوں کے پرورش کرنے والے ہیں۔ اپنے پروردگار سے دعا مانگا کرو، آہ وزاری کرتے ہوئے بھی (تذلل ظاہر کر کے) اور چپکے چپکے بھی (پوشیدہ طور پر) واقعی اللہ میاں حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتے (جو چیخ چیخ کر لمبی چوڑی دعائیں کیا کرتے ہیں) اور ملک میں خرابی مت پھیلاؤ (شرک اور گناہ کر کے) اس کی درستگی کے بعد (جو انبیاء علیہم السلام کو بھیج کر کی گئی ہے) اور اللہ کے حضور (ان کے عذاب سے) ڈرتے ہوئے اور (ان کی رحمت سے) امید کرتے ہوئے دعائیں کیا کرو۔ یقیناً اللہ کی رحمت نیک کرداروں سے نیک ہے (جو فرمان بردار ہیں۔ اور لفظ قریب کا مذکر لانا جس سے مراد رحمت ہے۔ اللہ کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے ہے) اور یہ ان ہی کی کارفرمائی ہے کہ باران رحمت سے پہلے ہوائیں بھیجتے ہیں جو خوشخبری پہنچانے والی ہوتی ہیں (یعنی بارش سے پہلے جو منتشر ہو جاتی ہیں اور ایک قرأت میں سکون شین کے ساتھ تخفیف کی حالت میں ہے اور دوسری قراءت میں سکون شین اور فتح نون کے ساتھ مصدر ہے اور ایک قرأت میں سکون شین اور ضم با کے ساتھ ہی بجائے نون کے بمعنی مبشر۔ اور اول قراءت کا مفرد نشور بروزن رسول ہے اور آخری قرأت پر بشیر مفرد ہوگا) پھر جب وہ لے اڑتی ہیں (ہوائیں اٹھالیتی ہیں) بوجھل بادل (بارش) کو تو ہم کھینچ لے جاتے ہیں اس کو (یعنی بادل کو۔ اس میں غائب سے التفات ہے) مردہ زمین کی طرف (جس میں گھاس پھونس نہیں ہوتی یعنی زمین کو زندہ اور سرسبز کرنے کے لئے) پھر ہم برساتے ہیں اسی (سرزمین) پر پانی۔ پھر (اس پانی سے) ہم پیدا کرتے ہیں ہر قسم کے پھل اسی (اگانے کی) طرح ہم مردوں کو زندہ کریں گے (ان کی قبروں سے جلا کر اٹھائیں گے) تاکہ تم غور وفکر کرو (اور ایمان لے آؤ) اور ستھری زمین (میٹھی مٹی) کی پیداوار نکلتی ہے (عمدہ) اپنے پروردگار کے حکم سے (یہ اس مسلمان کی مثال ہے جو وعظ سن کر اس سے نفع اندوز ہوتا ہے) لیکن نکمّی زمین (مٹی) سے کچھ نہیں پیدا ہوتا مگر نکمی ہی چیز (بہت ہی کم اور وہ بھی مشقت کے ساتھ۔ یہ کافر کی مثال ہے) اسی طرح (جیسا کہ ہم نے مذکورہ باتیں بتلائیں ان) دوہراتے ہیں (طرح طرح بیان کرتے ہیں) دلائل۔ قدردان لوگوں کے لئے (جو اللہ کا شکر کر کے ان پر ایمان لے آئیں۔)

تحقیق وترکیب:............ ستة ایام . پیدائش کی ابتداء اتوار کو ہوئی۔ چنانچہ اتوار پیر کو زمین اور پہاڑ اور وحوش اور جانور، درخت، کھیتیاں منگل اور بدھ کو اور آسمان جمعرات اور جمعہ کو پیدا فرمائے۔ **التثبت** . یعنی تادیر آیہ درست آیہ کا مصداق ہو جائے۔ استوی . ام سلمہ، امام جعفر، حسن، امام ابوحنیفہ امام مالک فرماتے ہیں کہ استویٰ تو معلوم ہے مگر استواء کی کیفیت نامعلوم ہے۔ تاہم اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ اور اس کے متعلق کنج وکاؤ اور کھوج کرید کرنا بدعت ہے۔ بیہقی امام اعظم سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہیں نہ کہ زمین میں اور امام صاحب سے یہ بھی مروی ہے کہ جو اللہ کے آسمان میں ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں عرش پر ہیں، اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتے ہیں قریب کرتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں اتارتے ہیں اور اسحاق فرماتے ہیں کہ اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ اللہ عرش کے اوپر چھائے ہوئے ہیں اور ہر چیز سے واقف ہیں اور ابراہیم فرماتے ہیں کہ ہمارا طریقہ سلف کے اجماعی طریقے کے مطابق ہے کہ اللہ تمام صفات کے ساتھ کامل ہیں اور جن احادیث

سے عرش پر اللہ کا استقراء واستواء ثابت ہے، بلا کیف ومثال کے ان کے قائل ہیں اور امام الحرمین کہتے ہیں کہ سلف کے اتباع میں جو چیز ہمیں پسند ہے وہ بلا تاویل نصوص کو اپنے ظاہر پر رکھتے ہوئے ان کے معانی اللہ کے حوالہ کرنا ہے۔ فرقہ کرامیہ اللہ کے لئے عرش پر استقراء ثابت کے بغیر بلندی کی جانب ثابت کرتے ہیں اور فرقہ مجسمہ ظاہر آیت سے اللہ کے لئے عرش پر استقراء ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ بے دلیل ہے کیونکہ استواء کے کئی معنی آتے ہیں۔ مثلاً: غالب ہونا، تمام وکمال اور استقرار۔ پس ان احتمالات کے ہوتے ہوئے استدلال کی گنجائش کہاں؟ اس لئے حقیقی مراد کو اللہ کے حوالہ کرنا ہی کمال بندگی ہے۔ بہرحال یہ کلمات متشابہات قرآن میں سے ہیں۔ جس کی مبسوط بحث کا موقعہ علم کلام ہے۔

یــغشــی. شعبہ اور حمزہ اور کسائی فتح غین اور تشدید شین کے ساتھ اور باقی قراء سکون غین اور تخفیف شین کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ بہرصورت لیل فاعل معنوی ہوگا اور نہــــار لفظاً ومعناً مفعول ہوگا اور اس باب کے دونوں مفعولوں میں چونکہ فاعل ومفعول بننے کی صلاحیت ہوتی ہے اس لئے التباس سے بچنے کے لئے فاعل معنوی کی تقدیم واجب ہوتی ہے۔ جیسے **اعـطیـت زیـداً عمـراً** ہاں اگر التباس نہ ہوتو پھر تقدیم جائز رہتی ہے۔ **اعـطیت زیداً درھماً** اور **کسوت عمراً جبۃً** اور یہ ایسا ہی ہے جیسے فاعل اور مفعول صریح ہوں۔ مثلاً ضرب موسیٰ عیسیٰ اور ضرب زید اً عمراً آیت میں چونکہ لیل اور نہار دونوں غاشی اور مغشی بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس لئے **اعطیت زیداً عمواً** کی طرح ہے۔ پس لیل کو فاعل معنوی اور نہار کو مفعول ماننا ضرری ہوگا اور اس کا عکس جائز نہیں ہے۔

ادعوا. حدیث میں ارشاد ہے۔ **الـدعـاء مـخ الـعبادۃ المعتدین**۔ ابن جریج سے منقول ہے کہ اس سے مراد دعا میں چیخنے چلانے والے ہیں۔ اسی لئے دعا میں چلانے کو مکروہ اور بدعت فرماتے ہیں اور بعض نے اسباب فی الدعاء مراد لیا ہے۔ لیکن عام طور پر ہر چیز میں حدود سے تجاوز نہ کرنا مراد لیا جائے تو الفاظ کے زیادہ مناسب ہے۔

تشدق کہتے ہیں منہ پھاڑ پھاڑ کر فضول لمبا کلام کرنے کو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔[۱] **دعـو ۃ فـی السر تعدل سبعین دعوۃ فی العلانیۃ**۔

وتـذکیر. قریب یعنی لفظ رحمۃ کی تانیث کا تقاضہ اگر چہ یہ ہے کہ **قـریبۃ** کا لفظ مؤنث آنا چاہئے۔ لیکن چونکہ رحمۃ سے مراد اللہ ہے اس لئے قریب خبر مذکر لانا صحیح ہوگیا۔ یا بقول ابوالسعود رحمۃ بمعنی رحم ہے یا اس کو موصوف محذوف کی صفت مانا جائے۔ **ای امر قریب**. اور سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ رحمۃ سے یہاں ثواب مراد ہے اس لئے قریب کا تعلق معنی کے لحاظ سے ہے۔ لفظ کے اعتبار سے نہیں ہے۔ البتہ یہ شبہ باقی رہ گیا ہے کہ لفظ **مـحسـنین** کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ **مـحسـنین** نہیں رحمت ان کے قریب نہیں ہوگی جیسے فاسق اور کبیرہ گناہ کرنے والی پس ان کی نجات اور مغفرت بھی نہ ہونی چاہئے۔ کیونکہ ایسی معافی رحمت ہوتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ محسنین سے مراد تو صرف توحید ورسالت کا اقرار کرنے والے لوگ ہیں۔ پس گنہگار بھی اس میں داخل ہوجائیں گے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ کامل الاحسان لوگ ہی مراد ہوں۔ یہ جواب امام رازی کی تقریر کا خلاصہ ہے۔

بشــــرا. یعنی بارش سے پہلے ہوائیں رحمت کی بشارت ہوتی ہیں۔ چنانچہ ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ قافلہ کے ساتھ حضرت عمرؓ حج کو جارہے تھے کہ راستہ میں تیز وتند ہوائیں چلیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے لوگوں سے ہواؤں کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد دریافت کیا۔ لیکن کسی نے کچھ نہیں بتلایا۔ مجھے جب معلوم ہوا تو قافلہ کے پیچھے سے میں آگے بڑھا اور عرض کیا

[۱] ایک دفعہ آہستہ دعا مانگنا ستر بار زور سے دعا کرنے کے برابر ہے۔۱۲

یاامیرالمومنین ۔ انی [1] سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول الریح من روح اللّٰہ تاتی بالرحمۃ وبالعذاب فلا تسبوھا واسئلوا اللّٰہ من خیرھا وعوذوا بہ من شرھا ۔ابوعمرواورابن کثیراورنافع کی قرأت میں نشرا ہے۔ یہ کلام گویا بطوراستعارہ مکنیہ کے ہے کہ بارش سے پہلے کی ہواؤں کوان پیشگی خوشخبریوں سے تشبیہ دی گئی جوکسی بادشاہ کی آمد پر ہوتی ہےاورمن بین یدی کا اثبات بطور تخییل کے ہےابن عامر کی قرأت میں نشراً ہےاورحمزہ اورکسائی کےنزدیک نشراً مصدر ہےیعنی مفعول مطلق کیونکہ ارسال اورنشر قریب المعنی ہیں اور یا مصدر حال کےموقعہ میں ہے۔ای نـاشراً اورنشور. بمعنی فاعل ہے یا بمعنی مفعول اور بشیر رغیف ورغف کی طرح ہے یابشیرۃ کی جمع ہےجیسے نذیرۃ اورنذیر.

اقلت . طاقتور چیز جب کسی چیز کواٹھائے گی تو ہلکی پھلکی معلوم ہوگی ۔ حسناً. کلام میں یہ حذف معنی سمجھنے کے لئے ہے۔ اس پر والبلدا لطیب دلالت کررہاہےاور لا نکدا کےمقابلہ سےبھی یہی معنی سمجھ میں آتے ہیں۔

اور باذن ربہ میں باسبیہ ہے یا حالیہ ہےاوراچھی گھاس کی تخصیص بطورمدح ہے ورنہ اچھی بری سب گھاس اللہ ہی کےحکم سے نکلتی ہےاورابوالسعود میں ہے کہ باذن ربہ سے مرادمشیت الٰہی ہےاس لئے گھاس کے زیادہ اورعمدہ ہونے کواس طرح تعبیر کیا گیا ہے۔الانکدا یہ منصوب علی الحال ہے۔تقدیرکلام اس طرح ہوگی۔ والبلدا لـذی خبث لایخرج نباتہ الا نکدا ۔مضاف حذف کر کے مضاف الیہ کوقائم مقام کردیا گیا ہے۔اس لئے مرفوع مستتر ہوگیا۔

ربط آیات:.......... پچھلی آیات میں معاد کی تفصیل بیان ہوئی ہےاورمشرکین عرب دوبارہ زندہ ہونے کوچونکہ نہیں مانتے تھے۔ اس لئے اگلی آیات میں قدرت اورتصرفات الٰہیہ کا بیان ہوا ہے۔جس کوزمین وآسمان کی پیدائش سے شروع کر کے بارش کے ذکر پرختم فرمایا جاتا ہے۔جس کا اثر یہ ہے کہ مردہ زمینیں زندہ ہوجاتی ہیں۔پس کـذلک نـخرج الموتٰی کی تصریح سےاس کی مقصودیت کی تائید ہوگئی۔اسی طرح وضـل عـنھـم الخ سےشرک کا بےکار رہنا معلوم ہوا تھا۔اس لئے ان آیات میں توحید کا اثبات مناسب ہوا۔ نیز کلام الٰہی کا خطاب عام ہونے کے باوجود نفع مومنین کے ساتھ خاص ہونا ایسا ہے جیسے بارش اگرچہ عام ہوتی ہےلیکن نفع صرف قابل زمین ہی کو پہنچتا ہے۔

﴿ تشریح ﴾:.......... توحید ربوبیت سےتوحید الوہیت پر استدلال:.......... قرآن کریم کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ ''توحید ربوبیت'' سے ''توحید الوہیت'' پراستدلال کیا کرتا ہے۔یعنی جب خالق اوررب صرف ایک ہےتومعبود بھی اس کے سوا کسی اورکونہیں بنانا چاہئے۔پس ان آیات میں ''توحید الوہیت'' کی تلقین ہےاوراس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ جب ''خلق وامر'' دونوں اللہ ہی کی ذات کے ساتھ خاص ہیں۔یعنی وہی کائنات ہستی کا پیدا کرنے والا ہےاوراسی کےحکم وقدرت سےاس کا انتظام ہورہا ہے۔یہ نہیں کہ تدبیر وانتظام کی دوسری قوتیں بھی موجود ہیں۔جیسا کہ مشرکین کا خیال ہے۔پس اسی کی بادشاہت کائنات ہستی میں نافذ ہے۔کیونکہ وہی خالق ہے، وہی مدبر ہے تمام عالم ہستی اسی کےتخت جلال کے آگے جھکی ہوئی ہےتو جب یہ ذاتی اورصفاتی کمالات اللہ کے لئے مخصوص ہیں تو عبادت اورطلب حاجت میں کسی دوسرے کواس کے ساتھ شریک کیوں کیا جائے؟ اوراس کی

---

[1] میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، فرمایا کہ ہوااللہ کی رحمت یا عذاب لےکرآتی ہے۔اس لئے اسے برامت کہا کرو بلکہ اللہ سےاس کی بھلائی مانگواور اس کی برائی سے پناہ مانگو۔۱۲

قدرت کے کرشموں اور نمونوں کو پیش نظر رکھ کر مرنے کے بعد زندہ ہونے کا انکار کس طرح ممکن ہے؟ اس کافی اور شافی بیان کو بھی اگر کوئی نہ مانے تو اس کی مثال زمین شور کی ہے:

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید ودر شورہ بوم خس

آدابِ دُعاء:.......... لایحب المعتدین کا مطلب یہ ہے کہ دعا میں حدود سے تجاوز نہیں ہونا چاہئے۔ مثلاً عقلی یا شرعی محالات کو مانگنے لگے یا عادۃً مستبعد چیزوں یا گناہوں یا بےکار باتوں کا سوال کرنے لگے تو یہ حد سے آگے بڑھنا ہوگا۔ چنانچہ کوئی خدائی مانگنے لگے یا نبوت کی دعا کر بیٹھے یا فرشتوں پر حکومت کرنے کی درخواست یا غیر منکوحہ عورت سے آرزو پوری ہونے کی خواہش کرنے لگے یا فردوس بریں میں داہنی طرف سفید محل ملنے کی دعا کرنے لگے تو یہ سب باتیں ادب کے خلاف سمجھی جائیں گی۔ البتہ فردوس بریں کی دعا کرسکتا ہے۔ ہاں اس میں فضول قیدیں لگانا بے کار ہے۔

ہدایت و گمراہی کا اثر اور اس کی مثال:.......... قرآنی دعوت کی راہ میں کتنی ہی مشکلات کیوں نہ پیش آئیں لیکن اس کی کامیابی اٹل ہے۔ اہل ایمان اس بارے میں دل تنگ نہ ہوں کہ اللہ کی رحمت نیک کرداروں سے دور نہیں اور اس کی مثال ایسی سمجھنی چاہئے کہ جب پانی برسنے کو ہوتا ہے تو پہلے بارانی ہوائیں چلا کرتی ہیں۔ پھر پانی برستا ہے اور مردہ زمینیں زندہ ہوکر سرسبز و شاداب ہو جاتی ہیں۔

یہی حال وحی کی ہدایت اور اس کے انقلاب کا ہے کہ پہلے اس کی علامات نموار ہوتی ہیں۔ پھر اس کی برکتوں سے مردہ روحوں میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ لیکن بارش سے صرف وہی زمین فائدہ اٹھاسکتی ہے جس میں استعداد ہو۔ شور زمین پر کتنی ہی بارش ہو، کبھی سرسبز نہ ہوگی۔ اسی طرح قرآنی ہدایت سے بھی وہی روحیں شاداب ہوں گی جن میں قبولیت حق کی استعداد ہے۔ مگر جنہوں نے استعداد کھودی ہو ان کے حصہ میں محرومی و نامرادی کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔

بادل کو ہوا کے اٹھا لینے کا مطلب یہ ہے کہ ہوا بادل کے اجزاء کو باہم ملادیتی ہے۔ نیز ہوا کی وجہ سے بادل کے اجزاء معلق رہتے ہیں ورنہ وہ مرکز کی طرف مائل ہوجاتے۔ نیز ہوا کی وجہ سے بادل کی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتا ہے اور بارش سے پہلے بارانی ہواؤں کا چلنا بلحاظ اکثر احوال کے ہے۔ دوامی حالت مراد نہیں ہے اس لئے ایک کا دوسرے کے بغیر ہونا باعث اشکال نہیں ہونی چاہئے۔

لطائف آیت:.......... آیت ثم استوی علی العرش جیسی نصوص میں سلف کا مسلک یہ رہا ہے کہ اس کی حقیقی مراد اللہ کو معلوم ہے۔ ہم تو صرف یہ سمجھتے ہیں کہ جو استوی اللہ کے شایان شان ہو وہی مراد ہے۔ صوفیاء کا مذہب بھی یہی ہے۔ آیت تضرعا و خفیۃ میں اشارہ ہے "طریق جلوت وخلوت" کی طرف اور یا اشارہ ہے اعضاء اور قلب کی عبادت کی طرف۔ آیت والبلد الطیب الخ سے صحیح الاستعداد اور فاسد الاستعداد شخص کی طرف اشارہ ہے کہ ایک میں وعظ اثر کرتا ہے اور ایک میں اثر نہیں کرتا۔

لَقَدْ جَوَابُ قَسَمٍ مَحْذُوْفٍ **اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ** بِالْجَرِّ صِفَةٌ لِاِلٰهٍ وَالرَّفْعِ بَدَلٌ مِنْ مَحَلِّهٖ **اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ** اِنْ عَبَدْتُّمْ غَيْرَهٗ **عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ** ﴿۵۹﴾ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **قَالَ الْمَلَاُ** الْاَشْرَافُ **مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ** ﴿۶۰﴾ بَيِّنٍ **قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ** هِيَ اَعَمُّ مِنَ الضَّلَالِ فَنَفْيُهَا اَبْلَغُ مِنْ نَفْيِهٖ **وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۶۱﴾ **اُبَلِّغُكُمْ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ** اُرِيْدُ الْخَيْرَ **لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ** ﴿۶۲﴾ **اَ**كَذَّبْتُمْ **وَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ** مَوْعِظَةٌ **مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى** لِسَانِ **رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ** الْعَذَابَ اِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا **وَلِتَتَّقُوْا** اللّٰهَ **وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ** ﴿۶۳﴾ بِهَا **فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ** مِنَ الْغَرَقِ **فِي الْفُلْكِ** السَّفِيْنَةِ **وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا** بِالطُّوْفَانِ **اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ** ﴿۶۴﴾ عَنِ الْحَقِّ وَاَرْسَلْنَا **اِلٰى عَادٍ** الْاُوْلٰى **اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ** وَحِّدُوْهُ **مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ** ﴿۶۵﴾ تَخَافُوْنَهٗ فَتُؤْمِنُوْنَ **قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ** جَهَالَةٍ **وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ** ﴿۶۶﴾ فِيْ رِسَالَتِكَ **قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۶۷﴾ **اُبَلِّغُكُمْ** بِالْوَجْهَيْنِ **رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ** ﴿۶۸﴾ مَامُوْنٌ عَلَى الرِّسَالَةِ **اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى** لِسَانِ **رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ** فِي الْاَرْضِ **مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً** قُوَّةً وَطُوْلًا كَانَ طَوِيْلُهُمْ مِائَةَ ذِرَاعٍ وَقَصِيْرُهُمْ سِتِّيْنَ **فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ** نِعَمَهٗ **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** ﴿۶۹﴾ تَفُوْزُوْنَ **قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ** نَتْرُكَ **مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ** بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ **اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ** ﴿۷۰﴾ فِيْ قَوْلِكَ **قَالَ قَدْ وَقَعَ** وَجَبَ **عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ** عَذَابٌ **وَّغَضَبٌ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَا** اَيْ سَمَّيْتُمْ بِهَا **اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ** اَصْنَامًا تَعْبُدُوْنَهَا **مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا** اَيْ بِعِبَادَتِهَا **مِنْ سُلْطٰنٍ** حُجَّةٍ وَبُرْهَانٍ **فَانْتَظِرُوْٓا** الْعَذَابَ **اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ** ﴿۷۱﴾ ذٰلِكَ بِتَكْذِيْبِكُمْ لِيْ فَاُرْسِلَتْ عَلَيْهِمُ الرِّيْحُ الْعَقِيْمُ **فَاَنْجَيْنٰهُ** اَيْ هُوْدًا **وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ** مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ **بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا** اَيْ اِسْتَاْصَلْنٰهُمْ **وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ** ﴿۷۲﴾ عَطْفٌ عَلٰى كَذَّبُوْا

ترجمہ: .... واقعہ یہ ہے کہ (یہ محذوف قسم کا جواب ہے) ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تھا۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا اے میری قوم! اللہ ہی کی بندگی کرو ان کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ (لفظ غیرہ جر کے ساتھ الہ کی صفت ہے اور رفع کے ساتھ ہوتو الہ کے محل سے بدل ہونے کی بناء پر ہوگا) میں ڈرتا ہوں (کہ اگر تم غیر اللہ کی پرستش کرتے رہے) کہ ایک بڑے دن کا عذاب تمہیں پیش نہ

آ جائے (وہ قیامت کا دن ہوگا) کہنے لگے آبرومند (شرفاء) ان کی قوم میں سے کہ ہمیں تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تم کھلی گمراہی میں پڑ گئے ہو (مبین بمعنی بین ہے) فرمایا ''بھائیو! یہ بات نہیں کہ میں گمراہی میں پڑ گیا ہوں (ضلالۃ کا لفظ ضلال سے عام ہے۔ اس لئے ضلالۃ عام کی نفی زیادہ بلیغ ہوگی بہ نسبت ضلال خاص کی نفی کے) میں تو پروردگار عالم کا رسول ہوں۔ تمہیں پہنچاتا ہوں (یہ لفظ تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) اپنے پروردگار کے پیغامات اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں (بھلائی کا ارادہ کرتا ہوں) اور میں اللہ کی طرف سے ایسی باتوں کی خبر رکھتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں، کیا (تم جھٹلاتے ہو) اور تمہیں اچنبھا ہو رہا ہے اس پر کہ تمہارے پاس نصیحت (موعظت) تمہارے پروردگار کی ایک ایسے آدمی کے ذریعہ (زبانی) پہنچی ہے جو تم ہی میں سے ہے تا کہ تمہیں خبردار کردے (عذاب سے اگر تم ایمان نہ لائے) نیز تم (اللہ سے) ڈرتے رہو۔ علاوہ ازیں رحمت الٰہی کے سزاوار ہو۔ مگر وہ لوگ نوح علیہ السلام کو جھٹلاتے رہے۔ اس لئے ہم نے ان کو اور ان کے سب ساتھیوں کو (ڈوبنے سے) بچالیا جو کشتی (جہاز) میں تھے اور جنہوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائی تھیں، انہیں ہم نے غرق کردیا۔ (طوفان میں) اصل بات یہ ہے کہ وہ لوگ (حق بات سے) اندھے ہوگئے تھے اور ہم نے (پہلی) قوم عاد کی طرف ان کے بھائی بندوں میں سے ہود علیہ السلام کو (بھیجا) انہوں نے فرمایا اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو (اس کی توحید بجالاؤ) ان کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کیا تم ڈرتے (خوف کرتے) نہیں ہو (کہ ایمان لے آؤ) اس پر قوم کے سربرآوردہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا تھا بولے ہمیں تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تم حماقت (جہالت) میں پڑ گئے ہو اور ہمارا خیال یہ ہے کہ تم بالکل جھوٹے ہو (اپنے دعویٰ رسالت میں) ہود علیہ السلام نے فرمایا۔ بھائیو! میں احمق نہیں ہوں۔ میں تو اپنے پروردگار کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔ اپنے پروردگار کا پیغام پہنچاتا ہوں (یہ لفظ بھی دونوں طریقہ سے ہے) اور یقین کرو کہ میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں (جس کی رسالت محفوظ ہے) کیا تمہیں اس بات پر اچنبھا ہو رہا ہے کہ ایک ایسے آدمی (کی زبانی) تمہارے پروردگار کی نصیحت تم تک پہنچی ہے جو خود تم ہی میں سے ہے؟ تا کہ وہ تمہیں ڈرائے۔ اللہ میاں کا یہ احسان یاد کرو کہ تمہیں (سرزمین ملک میں) قوم نوح علیہ السلام کے بعد ان کا جانشین بنادیا اور ڈیل ڈول میں تمہیں کشادگی بخشی (طاقتور، لمبے تڑنگے بنایا چنانچہ قوم عاد میں قد آور لوگ سو سو گز کے اور پستہ قد ساٹھ ہاتھ قد وقامت کے ہوئے تھے) اس لئے تمہیں چاہئے کہ اللہ کی نعمتوں کی یاد تازہ رکھو تا کہ ہر طرح کامیاب (بامراد) رہو۔ کہنے لگے کیا آپ ہمارے پاس محض اس لئے آئے ہیں کہ ہم صرف ایک ہی خدا کے پجاری ہوجائیں اور ان معبودوں کو چھوڑ دیں (ترک کردیں) جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آتے ہیں؟ پس لا دکھاؤ جس بات کا ہمیں خوف دلا رہے ہو (یعنی عذاب) اگر تم سچے ہو (اپنی دھمکیوں میں) فرمایا بس اب تم پر اللہ کی طرف سے عذاب (پکڑ) اور غضب آیا ہی چاہتا ہے (واقع ہونے والا ہے) تو کیا تم مجھ سے محض ایسی چند ناموں کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے اپنے جی سے گھڑ لیا ہے۔ (ٹھہرالیا ہے۔ ایسے بتوں کی پوجا کرتے ہو) حالانکہ اللہ نے ان کے معبود ہونے کی (ان کی عبادت کرنے کی) کوئی سند (دلیل و برہان) نہیں اتاری اچھا انتظار کرو (عذاب کا) میں بھی تمہارے ساتھ (اس کا) انتظار کر رہا ہوں (کیونکہ) تم نے مجھے جھٹلایا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں پر تیز وتند آندھیاں بھیجی گئی ہیں) پھر ایسا ہوا کہ ہم نے ان کو (یعنی ہود علیہ السلام پیغمبر کو) اور ان کے (ایمان لانے والے) ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچالیا اور جنہوں نے ہماری آیتوں اور نشانیوں کو جھٹلایا تھا۔ ہم نے ان کی بیخ و بنیاد تک اکھاڑ کر رکھ دی (یعنی ان کو نیست ونابود کردیا) اور اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ کبھی بھی ایمان لانے والے نہ تھے (کذبوا پر اس کا عطف ہے)۔

تحقیق وترکیب:......... لقد تقدیر عبارت واللہ لقد الخ ہے نوحا. آپ کا نام عبدالغفار بن ملک بن متوشلخ ابن اخنوخ (ادریس) ہے اور آپ کو نبوت چالیس یا پچاس یا سو یا ڈھائی سو سال بعد علی اختلاف الاقوال عطا کی گئی تھی۔ اپنی قوم میں ساڑھے نوسو (۹۵۰)

سال تبلیغ فرمائی۔طوفان کے بعدڈھائی سوسال زندہ رہے۔صحیح قول کے مطابق آپ کی عمر بارہ سو چالیس سال ہوئی۔آپ بڑھئی کا کام کرتے تھے۔کشتی نوح دوسال میں تیار ہوئی تھی۔قوم یا بیٹے کی ہلاکت پر کثرت نوحہ کی وجہ سے نوح نام پڑ گیا۔

قومه قوم کالفظ جس طرح خویش واقارب پر بولا جاتا ہے۔اسی طرح جن اجنبیوں میں رہنا سہنا ہومجاورت کی وجہ سے مجاز ان پر بھی اس لفظ کا بولنا صحیح ہے۔

والرفع چونکہ آلہ مبتداء ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے اور **لکم** اس کی خبر ہے اس لئے **غیرہ** پر بھی صفت ہونے کی وجہ سے رفع ہوگا۔**الملأ** یہ مہموز ہے چونکہ سرداروں کی ہیبت سے جگہیں اور قلوب بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور آنکھیں ان کے جمال سے لبریز ہوتی ہیں اس لئے اس کے معنی اشراف کے ہوگئے ہیں۔

ضلالة اس میں تاءوحدۃ ہے۔پس غیر معین وحدت کی نفی عام ہوگی۔برخلاف لفظ **ضلال** کے۔وہ مصدر ہونے کی وجہ سے واحد،تثنیہ،جمع سب کوشامل ہوگا۔اس لئے اس کی نفی عام نہیں ہوگی۔غرضیکہ **لیس بی ضلالة** بہ نسبت **لیس بی ضلال** کے زیادہ بلیغ ہوگا کیونکہ عام کے نفی خاص کی نفی کو مستلزم ہوا کرتی ہے۔لیکن اس کا برعکس نہیں ہوتا۔**لکنی رسول**. حاصل جواب یہ ہے کہ میں تو رسول ہوں جوانتہائی طور پر صاحب ہدایت ہوتا ہے۔پس گمراہی میرے قریب کیسے آسکتی ہے۔

اکذبتم اس میں مفسر علامؒ نے اشارہ کردیا کہ **او عجبتم** من ہمزہ انکاری ہے اور واؤ عاطفہ ہے جس کا معطوف علیہ محذوف ہے۔**الفلک** ۔کشتی کی لمبائی تین سو ہاتھ اور چوڑائی پچاس ہاتھ اور اونچائی تیس ہاتھ تھی۔تین درجے تھے،نچلے درجہ میں وحشی جانوراور چوپائے رکھے گئے تھے اور درمیانی درجہ میں انسان اور اوپر کے درجہ میں پرندے رکھے گئے تھے۔دسویں رجب کو یہ جہاز چل کر دسویں محرم کو جودی پہاڑ پر لنگر انداز ہوگیا۔

عمین لفظ **اعمیٰ** بصر کے مقابلہ میں اور **عم** بصیرۃ کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔**عاد الاولیٰ**. مراد عاد بن عوض بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام ہے اور بعض کے نزدیک عادِاُولیٰ سے مراد قوم ہے اور عاد ثانی سے مراد قوم صالح وثمود ہے ان دونوں قوموں کے درمیان ایک صدی کا فاصلہ ہے۔

قال . چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت مسلسل رہی ہے اس لئے قصہ نوح میں **فقال** فاءتعقیبیہ کے ساتھ لایا گیا ہے۔لیکن چونکہ قصہ ہود میں صرف **قال** کہا گیا ہے کیونکہ ہود بہ نسبت نوح علیہ السلام کے مبالغہ دعا میں کم تھے۔نیز حضرت نوح علیہ السلام کے بے موقعہ کشتی بنانے کو قوم نے ضلالت پر محمول کیا۔برخلاف ہود کے کہ انہوں نے قوم کی بت پرستی کو سفاہت قرار دیا۔اس لئے قوم نے بھی اسی لفظ سے خطاب کیا ہے۔اسی طرح قصہ نوح میں **انصح لکم** جملہ فعلیہ لایا گیا ہے جوتجدد اور بار بار ہونے پر دلالت کرتا ہے۔چنانچہ ان کی دعوت کی کیفیت بھی یہی تھی۔برخلاف ہود کے کہ ان کی دعوت اس طرح مسلسل نہیں تھی۔اس لئے "**انالکم ناصح امین**" جملہ اسمیہ لایا گیا ہے۔

مائة ذراع. جلال الدین محلیؒ نے سورۃ الفجر میں لکھا ہے کہ قد آور آدمی کی لمبائی چار سو پانچ سو ہاتھ تھی اور ٹھگنا آدمی تین سو ہاتھ ہوتا تھا اور سر گنبد جیسا بڑا ہوتا تھا۔اسماء یعنی محض بے حقیقت نام ہے۔**سمیتموها** ضمیر مفعول ثانی ہے اور مفعول اول لفظ **اصنام** محذوف ہے۔**الریح العقیم** یہ پالا کی ہوا سردی کے ختم پر آئی۔آٹھویں شوال بدھ کی صبح شروع ہوکر ایک ہفتہ جاری رہی۔جس سے مرد،عورتیں،بچے،مال واسباب سب ہلاک وبرباد ہوگئے۔**عطف علی کذبوا** یعنی یہ بھی تتمہ صلہ کے ہے۔

ربط آیات:.......... اوپر سے توحید،رسالت،آخرت کا بیان اور ترغیب وترہیب کے ساتھ شیطانی تلبیس کا ذکر تھا۔اگلی آیات

ں ان میں مضامین کے مناسب چند قصے پچھلی امتوں کے بیان کئے جا رہے ہیں۔ پانچ قصے تو اجمالاً ہیں اور چھٹا قصہ حضرت موسیٰ علیہ
سلام کا بالتفصیل ہے۔ اول قصہ نوح علیہ السلام کا آ رہا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **مضامین آیات کا خلاصہ**: .... حاصل یہ ہوگا کہ توحید تمام انبیاء کی دعوت کا مشترک مضمون
ہا ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے ایسی کون سی انیج کر دی جس کو یہ لوگ نہیں مان رہے ہیں۔ اسی طرح جب پہلے زمانہ سے انبیاء ہوتے
چلے آ رہے ہیں پھر آپ کی نبوت میں لوگوں کو کیوں اچنبھا ہو رہا ہے۔ نیز ماضی کے جھروکہ سے جھانک کر اور تباہ شدہ قوموں کا حال
ھ کر ان لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہئے۔ یہ ترہیب کا مضمون ہوا۔ اسی سے ترغیب بھی سمجھ میں آ گئی اور جس طرح پچھلی قوموں کو کچھ دنوں
ں مہلت مل جانا عذاب سے بچنے کی دلیل نہیں تھی۔ اسی طرح تمہیں اگر کچھ زیادہ مہلت مل گئی ہے تو یہ بھی آخرت کے عذاب سے بچ
نکلنے کی دلیل نہیں ہونی چاہئے۔ یہ آخرت کا مضمون ہو گیا۔ جس کی تائید ان انبیائے کرام کے بعض الفاظ سے بھی نکل رہی ہے اور ان
موں میں شیطانی تلبیس کا حال تو بالکل واضح ہے اور اس سے آنحضرت ﷺ کے لئے تسلی و تشفی کا مضمون بھی مزید نکل رہا ہے کہ جب
ل حق کی مخالفت پہلے سے ہوتی چلی آ رہی ہے تو آپ کو دل گیر اور رنجیدہ نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ ان غائبانہ واقعات کو صحیح صحیح نقل کر دینا
پ کا ایک بہت بڑا معجزہ ہے جو دلیل نبوت ہے۔

یک ہی بات کو مختلف الفاظ سے بیان کرنے کی تین توجیہیں: .... باقی ایک ہی قصہ کے مختلف الفاظ کے
ساتھ قرآن کریم میں مذکور ہونے کی وجہ اس سورت کے شروع میں آیت قال انظرنی الخ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ نیز یہ بھی ممکن
ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے سب باتیں سرزد ہوئی ہوں اور قوم میں سے کسی نے کچھ کہا ہو اور کسی نے کچھ کہا ہو یا مختلف مجلسوں میں مختلف
گفتگو ہوئی ہو کسی کو کہیں نقل کر دیا اور کسی کو کہیں۔

قوم عاد کی تحقیق: .... نسب جاننے والوں کے نزدیک مشہور تو یہی ہے کہ حضرت ہودؑ قوم عاد کے نسبی بھائی تھے۔ البتہ بعض
حضرات کسی دوسری قوم کا بتلاتے ہیں۔ پہلی صورت میں بھائی کہنا حقیقت میں محمول ہوگا اور دوسری صورت میں مجاز پر محمول کیا جائے
گا۔ عاد اصل میں اسی قوم کے جد اعلیٰ کا نام تھا۔ پھر بعد میں قوم کو بھی عاد کہنے لگے۔ **قطعنا دابر** الخ کے متعلق بعض کی رائے یہ ہے
کہ ان کی نسل بالکل مٹ گئی تھی۔ لیکن بعض کا خیال یہ ہے کہ ان میں سے کفار تو ہلاک ہو گئے تھے مگر مومن باقی رہ گئے تھے اور ہوسکتا ہے
کہ کفار کے چھوٹے بچے بھی بچ گئے ہوں اور پھر ان ہی کی نسل آگے بڑھ کر عادِ اخریٰ کہلائی ہو اور بعض مفسرین نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ
قوم عاد میں سے کچھ لوگ بچ گئے تھے اور وہ مکہ کے آس پاس آ بسے تھے ان کو عادِ اخریٰ کہنے لگے۔ نیز پہلے قول والوں کی رائے یہ ہے کہ
ان کو عادِ اولیٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ قوم نوح علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے تباہ ہونے والی قوم یہی تھی اور سورۃ فجر میں جو عاد کے ساتھ
لفظ ارم بدل کے طور پر آیا ہے وہ بھی عاد کے اجداد میں کسی کا نام ہے۔ گویا یہ دونوں لقب ایک ہی قبیلہ کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ارم
عاد خاندانوں کی ایک شاخ ہے۔ پس پہلی صورت میں یہ بدل الکل اور دوسری صورت میں بدل البعض ہوگا۔ لیکن زیادہ مشہور بات یہ
ہے کہ عادِ اولیٰ ارم کے ایک بیٹے عاص کا بیٹا ہے اور عادِ ثانی ارم کے دوسرے بیٹے جثو کا بیٹا جس کو ثمود بھی کہتے ہیں۔ پس یہ دونوں پوتے
ارم ہی کے ہوتے۔ مگر الگ الگ بیٹوں اور آگے چل کر ایک کی اولاد عادِ اولیٰ کہلائی اور دوسرے کی عادِ ثانی۔

بہرحال قوم عاد پر بادِ صرصر کا عذاب آیا تھا۔ جیسا کہ قرآن کی کئی آیتوں میں مذکور ہے۔ البتہ سورہ فصلت[1] (۱) میں جو

---

[1] حٰم السجدہ

صاعقہ کا لفظ آیا ہے اس سے مراد مطلق عذاب لیا جائے گا تاکہ باہمی نصوص میں تعارض نہ ہو جائے۔

سورہ مومنین کی آیت ثم انشانا من بعد ھم قرنا اخرین سے مراد بھی اگر یہی قوم عاد ہو تو ماننا پڑے گا کہ ان پر گرج کا عذاب بھی آیا ہی اور ہوا کا بھی۔ محمد بن اسحاقؒ کے بیان کے مطابق عمان و حضر موت کے درمیان ایک ریگستانی علاقہ احقاف میں یہ عذاب آیا تھا۔

لطائف آیات:............ آیت اوعجبتم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلوں کا اپنے معاصر اولیاء سے ہمعصر ہونے کی وجہ سے نفرت وحقارت کا معاملہ کرنا بھی اسی قسم سے ہے۔ نیز قال الملا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بے وقوف لوگوں کا دین ومذہب کے دانشمندوں کو بے وقوف اور احمق جیسے خطابات دینا پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ آیت وزادکم فی الخلق بصطۃ سے معلوم ہوا کہ ڈیل ڈول اور طاقت کا زیادہ ہونا بھی اللہ کی ایک نعمت ہے۔ لہٰذا دنیاوی نعمتوں کی تحقیر نہیں کرنی چاہئے۔

وَ اَرۡسَلۡنَا اِلٰی ثَمُوۡدَ بِتَرۡكِ الصَّرۡفِ مُرَادًا بِهِ الۡقَبِيۡلَةَ **اَخَاهُمۡ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ بَيِّنَةٌ** مُعۡجِزَةٌ **مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ؕ** عَلٰی صِدۡقِیۡ **هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمۡ اٰيَةً** حَالٌ عَامِلُهَا مَعۡنَی الۡاِشَارَةِ وَكَانُوۡا سَاَلُوۡهُ اَنۡ يُّخۡرِجَهَا لَهُمۡ مِنۡ صَخۡرَةٍ عَيَّنُوۡهَا **فَذَرُوۡهَا تَاۡكُلۡ فِیۡۤ اَرۡضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوۡهَا بِسُوۡٓءٍ** بِعَقۡرٍ اَوۡ ضَرۡبٍ **فَيَاۡخُذَكُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذۡكُرُوۡۤا اِذۡ جَعَلَكُمۡ خُلَفَآءَ** فِی الۡاَرۡضِ **مِنۡۢ بَعۡدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمۡ** اَسۡكَنَكُمۡ **فِی الۡاَرۡضِ تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡ سُهُوۡلِهَا قُصُوۡرًا** تَسۡكُنُوۡنَهَا فِی الصَّيۡفِ **وَّتَنۡحِتُوۡنَ الۡجِبَالَ بُيُوۡتًا ۚ** تَسۡكُنُوۡنَهَا فِی الشِّتَاءِ وَنَصۡبُهٗ عَلَی الۡحَالِ الۡمُقَدَّرَةِ **فَاذۡكُرُوۡۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ** تَكَبَّرُوۡا عَنِ الۡاِيۡمَانِ بِهٖ **لِلَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا لِمَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ** اَیۡ مِنۡ قَوۡمِهٖ بَدَلٌ مِمَّا قَبۡلَهٗ بِاِعَادَةِ الۡجَارِ **اَتَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرۡسَلٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ** اِلَيۡكُمۡ **قَالُوۡۤا** نَعَمۡ **اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلَ بِهٖ مُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡۤا اِنَّا بِالَّذِیۡۤ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿۷۶﴾** وَكَانَتِ النَّاقَةُ لَهَا يَوۡمٌ فِی الۡمَاءِ وَلَهُمۡ يَوۡمٌ فَمَلُّوۡا ذٰلِكَ **فَعَقَرُوا النَّاقَةَ** عَقَرَهَا قُدَارٌ بِاَمۡرِهِمۡ بِاَنۡ قَتَلَهَا بِالسَّيۡفِ **وَعَتَوۡا عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهِمۡ وَقَالُوۡا يٰصٰلِحُ ائۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ** بِهٖ مِنَ الۡعَذَابِ عَلٰی قَتۡلِهَا **اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ** الزَّلۡزَلَةُ الشَّدِيۡدَةُ مِنَ الۡاَرۡضِ وَالصَّيۡحَةُ مِنَ السَّمَاءِ **فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ﴿۷۸﴾** بَارِكِيۡنَ عَلَی الرُّكَبِ مَيِّتِيۡنَ **فَتَوَلّٰی** اَعۡرَضَ صَالِحٌ **عَنۡهُمۡ وَقَالَ يٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسَالَةَ رَبِّیۡ وَنَصَحۡتُ لَكُمۡ وَلٰكِنۡ لَّا تُحِبُّوۡنَ النّٰصِحِيۡنَ ﴿۷۹﴾** وَاذۡكُرۡ **لُوۡطًا** وَيُبۡدَلُ مِنۡهُ **اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ اَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَةَ** اَیۡ اَدۡبَارَ الرِّجَالِ **مَا سَبَقَكُمۡ بِهَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۸۰﴾** الۡاِنۡسِ وَالۡجِنِّ ءَ **اِنَّكُمۡ** بِتَحۡقِيۡقِ الۡهَمۡزَتَيۡنِ وَتَسۡهِيۡلِ الثَّانِيَةِ وَاِدۡخَالِ اَلِفٍ بَيۡنَهُمَا عَلَی الۡوَجۡهَيۡنِ **لَتَاۡتُوۡنَ**

الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ مُتَجَاوِزُوْنَ الْحَلَالَ اِلَى الْحَرَامِ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ اَیْ لُوْطًا وَاَتْبَاعَهٗ مِّنْ قَرْیَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ مِنْ اَدْبَارِ الرِّجَالِ فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ ؗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۸۳﴾ اَلْبَاقِیْنَ فِی الْعَذَابِ وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ؕ هُوَ حِجَارَةُ السِّجِّیْلِ فَاَهْلَكَتْهُمْ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَاَرْسَلْنَا اِلٰى مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مُعْجِزَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى صِدْقِیْ فَاَوْفُوا اَتِمُّوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا تَنْقُصُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بِالْكُفْرِ وَالْمَعَاصِیْ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ بِبَعْثِ الرُّسُلِ ذٰلِكُمْ اَلْمَذْكُوْرُ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۸۵﴾ مُرِیْدِی الْاِیْمَانَ فَبَادِرُوْا اِلَیْهِ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ طَرِیْقٍ تُوْعِدُوْنَ تُخَوِّفُوْنَ النَّاسَ بِاَخْذِ ثِیَابِهِمْ اَوِ الْمَكْسِ مِنْهُمْ وَتَصُدُّوْنَ تَصْرِفُوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ دِیْنِهٖ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ بِتَوَعُّدِكُمْ اِیَّاهُ بِالْقَتْلِ وَتَبْغُوْنَهَا تَطْلُبُوْنَ الطَّرِیْقَ عِوَجًا ۚ مُعَوَّجَةً وَاذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِیْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۸۶﴾ قَبْلَكُمْ بِتَكْذِیْبِهِمْ رُسُلَهُمْ اَیْ اٰخِرُ اَمْرِهِمْ مِنَ الْهَلَاكِ وَاِنْ كَانَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآىِٕفَةٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖ فَاصْبِرُوْا اِنْتَظِرُوْا حَتّٰى یَحْكُمَ اللّٰهُ بَیْنَنَا ۚ وَبَیْنَكُمْ بِاِنْجَاءِ الْمُحِقِّ وَاِهْلَاكِ الْمُبْطِلِ وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۸۷﴾ اَعَدَّ لَهُمْ

ترجمہ: .... اور (ہم نے بھیجا) قوم ثمود کی طرف (یہ لفظ غیر منصرف ہے، کیونکہ اس سے قبیلہ مراد ہے) ان کے بھائی بندوں میں سے صالح کو۔ انہوں نے فرمایا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ ان کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ دیکھو تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل (معجزہ) آچکی ہے (میری صداقت پر) یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لئے دلیل ہے (لفظ ایۃ حال ہے جس میں عامل معنی اشارہ ہیں ان لوگوں نے صالح علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ وہ ہمارے ایک مقرر کردہ پتھر سے اونٹنی نکال کر دکھلائیں) سو اسے کھلا چھوڑ دو۔ اللہ کی زمین میں جہاں چاہے چرے۔ اسے برائی کی نیت سے ہاتھ بھی مت لگانا (کبھی کونچیں کاٹنے لگو یا مارنے پیٹنے لگو) ورنہ کہیں تمہیں دردناک عذاب نہ آ پکڑے اور وہ وقت یاد کرو کہ اللہ نے تمہیں (سرزمین میں) قوم عاد کے بعد جانشین بنایا اور تمہیں اس طرح بسا دیا (ٹھکانا دے دیا) اس سرزمین میں کہ نرم زمین پر محل بناتے ہو (گرمیوں کے موسم میں رہنے کے لئے) اور پہاڑوں کو تراش خراش بھی مکان بناتے ہو (سردیوں کے موسم میں رہنے کے لئے اور لفظ بیوتا کا نصب حال مقدرہ کی وجہ سے ہے) سو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد کرو۔ اور ملک میں سرکشی کرتے ہوئے، فساد مت پھیلاؤ۔ قوم کے وہ سر برآوردہ لوگ جن کو گھمنڈ تھا (پیغمبر پر ایمان لانے کو عار سمجھتے تھے) ان مسلمانوں سے جنہیں کمزور و حقیر سمجھتے تھے بولے (یعنی اپنی ہی قوم میں سے لفظ ''لمن امن'' بدل ہے ''الذین استضعفوا'' سے حرف جر لوٹا کر) کیا تم نے سچ مچ کر لیا ہے کہ صالح اللہ کا بھیجا ہوا ہے؟ (تمہارے پاس) انہوں نے کہا (ہاں) بے شک ہم تو اس پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ جس پیغام حق کے ساتھ ان کو بھیجا گیا ہے۔ اس پر گھمنڈ کرنے

والوں نے کہا تمہیں جس بات کا یقین ہے ہمیں اس سے انکار ہے (اوراونٹنی کا حال یہ تھا کہ ایک دن پانی پینے کی باری اس کے لئے مقرر تھی اور ایک روز دوسروں کے لئے، جس سے وہ گھٹنے لگے) غرضیکہ انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا (قدار نامی ایک شخص نے لوگوں کے کہنے سے تلوار لے کر اس کی کونچیں کاٹ دیں) اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے اے صالح! لا دکھاؤ اب وہ بات ہم پر جس کی ہمیں دھمکی دیا کرتے تھے (یعنی اونٹنی کے مار ڈالنے پر عذاب کا آنا) اگر آپ واقعی پیغمبروں میں سے ہیں۔ پس آ لیا انہیں لرزا دینے والی ہولناکی نے (زمین سے تو ایک سخت زلزلہ اور آسمان کی ایک کڑک) سو اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے (سرنگوں مُردہ پائے گئے) اس وقت منہ موڑ کر چلے (صالح علیہ السلام کنارہ کش ہوگئے) ان سے اور فرمانے لگے اے میری قوم! میں نے اپنے پروردگار کا پیام تمہیں پہنچایا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی۔ مگر تم نے اپنے خیر خواہوں کو پسند نہیں کیا اور (یاد کیجئے) لوط علیہ السلام کا واقعہ (آگے اس کا بدل ہے) جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔ کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرنا پسند کرتے ہو (یعنی مردوں سے بدفعلی کرنا) جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے ایسا نہیں کیا (نہ انسان نے اور نہ جن نے) تم (دونوں ہمزہ کی تحقیق یا دوسرے ہمزہ کی تسہیل کر کے اور ان دونوں صورتوں میں ان کے بیچ میں الف داخل کر کے پڑھا گیا ہے) عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو۔ یقیناً تم تو حد ہی سے گزر گئے۔ (حلال چھوڑ کر حرام کی طرف ڈھلک گئے) قوم لوط کے پاس اس کا کچھ جواب اگر تھا تو یہ تھا کہ آپس میں کہنے لگے نکال باہر کرو، ان لوگوں کو (یعنی حضرت لوطؑ اور ان کے ساتھیوں کو) اپنی بستی سے، یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں (مردوں کے ساتھ بدفعلی کرنے سے) سو ہم نے لوطؑ کو اور ان کے متعلقین کو تو بچا لیا۔ مگر ان کی بیوی نہ بچ سکی۔ وہ عذاب میں گرفتار لوگوں میں رہ گئی (یعنی جو لوگ عذاب میں دھر لئے گئے تھے) اور ہم نے ان پر ایک خاص طرح کا مینہ برسایا (یعنی پتھراؤ کر کے ان کا ستھراؤ کر دیا) سو دیکھ تو سہی ان مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟ اور (ہم نے اسی طرح بھیجا) شہر مدین کی طرف ان کے بھائی بندشعیبؑ کو۔ انہوں نے فرمایا اے میری قوم کے لوگو! تم صرف اللہ کی عبادت کرو۔ ان کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ دیکھو تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل (معجزہ) تمہارے پاس آ چکی ہے (میری صداقت پر) سو ناپ تول پورا پورا (ٹھیک) کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم (گھٹا کر) نہ دیا کرو اور ملک کی سرزمین میں خرابی مت پھیلاؤ (کفر و نافرمانی کر کے) ملک کی درستگی کے بعد (انبیاءؑ کی تشریف آوری کی بدولت) اسی (مذکورہ باتؑ) میں تمہارے لئے بہتری ہے۔ اگر تم ایمان لانا چاہتے ہو (ایمان لانے کا ارادہ ہے تو اس کی طرف جلد لپکو) اور دیکھو سڑکوں (ہر راستہ) پر اس غرض سے مت بیٹھنا کرو کہ دھمکیاں دو (لوگوں سے کپڑے لتے چھین کر ان کو ڈراؤ چمکاؤ) اور روکو (پھیرو) اللہ کی راہ (دین) سے۔ اللہ پر ایمان لانے والوں کو (انہیں قتل کی دھمکیاں دے کر) اور درپے رہو (تلاش کرو راستہ کے اندر) کجی (ٹیڑھے پن) کو۔ اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ تم بہت تھوڑے تھے۔ پھر اللہ نے تمہیں زیادہ کر دیا اور دیکھ لو کیسا انجام ہوا۔ فساد پھیلانے والوں کو (تم سے پہلے جنہوں نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا۔ یعنی انجام کار انہیں تباہی کا منہ دیکھنا پڑا) اور تم میں سے بعض لوگ اس حکم پر جسے مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اگر ایمان لائے ہیں اور بعضے ایمان نہیں لائے تو ذرا صبر کرو (ٹھہر جاؤ) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دیں۔ ہمارے (اور تمہارے) درمیان (حق پرست کو نجات دے کر اور باطل پرست کو تباہ کر کے) اور وہ بہترین (زیادہ انصاف کا) فیصلہ فرمانے والے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **ناقة الله** ۔ بیت اللہ کی طرح اس میں اضافت تشریفی اور تعظیمی ہے۔ نیز براہ راست بلاواسطہ اسباب اللہ نے برآمد فرمایا۔ اس لئے بھی اللہ کی طرف اضافت صحیح ہوسکتی ہے۔ **معنى الاشارة . اى اشير اليه اية.**

من صخرة عينوها ۔ قوم کے سردار جندع بن عمرو نے ایک اکیلے پتھر کی طرف جس کو کافیہ کہا جاتا تھا۔ اشارہ کر کے حضرت

صالح علیہ السلام سے اونٹنی نکالنے کی فرمائش کی اور ایمان لانے کا پکا وعدہ کیا۔ چنانچہ حضرت صالح نے نماز پڑھ کر دعا فرمائی تو اس پتھر سے ان ہی اوصاف کے مطابق جو لوگوں نے پیش کی تھی اونٹنی کی با قاعدہ ولادت ہوئی اور پھر اس اونٹنی سے اتنا ہی بڑا بچہ پیدا ہوا۔ سب لوگ اس منظر کو دیکھ رہے تھے اور جندع بن عمرو اس سے متاثر ہوکر مع اپنی جماعت کے ایمان لے آیا۔ لیکن دوسرے لوگ ذواب بن عمرو اور الحباب جو پجاری تھے اور رباب بن صمعر کاہن وغیرہ ایمان نہیں لائے۔ لیکن غنیزہ ام غنم اور صدقۃ بن المختار کے بہکانے سکھانے سے اس کو ذبح کر کے آپس میں تقسیم کرلیا۔ حضرت صالح نے فرمایا کہ کم از کم اس کے بچہ ہی کو تلاش کرلو تو ممکن عذاب سے بچ جاؤ۔ لیکن بچہ کی تلاش ہوئی تو وہ بچہ اس پتھر میں گھس گیا اور جو تباہی مقدر ہو چکی تھی وہ ٹل نہ سکی۔

حال المقدرة. یعنی بیوتاً کا نصب ایسے ہی ہے جیسے **خط هذا الثوب قميصاً** اور **ابرهذا القصبة قلماً** کا نصب ہے۔ حال مقدرہ کی وجہ سے۔ کیونکہ نہ پہاڑ مکان ہوتا ہے اور نہ کپڑا کُرتا اور نہ بانس قلم۔

لاتعثوا. عثوا. کے معنی اشد فساد کے ہیں اور مقسد میں حال مؤکدہ ہے اپنے عامل کے لئے۔ کیونکہ عثو کے معنی بھی فساد کے ہیں۔ استکبر وا اس میں سین زائدہ ہونے کی طرف اشارہ کردیا۔

للذين. اس میں لام تبلیغ کا ہے۔ بدل منھم کی ضمیر اگر قوم کی طرف ہو تو "**لمن امن**" بدل الکل ہوگا۔ "**الذين استضعفوا**" سے اور اگر ضمیر **الذين استضعفوا** کی طرف راجع ہو تو بدل البعض ہوجائے گا۔ لیکن پہلی صورت بہتر ہے۔ **انا بما ارسل.** مختصر جواب **نعم يانعلم انه مرسل من ربه** تھا۔ لیکن تحقیق حق کی خاطر **انا بما ارسل به مؤمنون** کی طرف عدول کیا گیا ہے اور دوام ایمان کی طرف اشارہ کرتے کے لئے جملہ اسمیہ لایا گیا ہے۔

انا بالذی. اظہار مخالفت کے لئے "**انا ارسل به كفرون**" کی بجائے "**انا بالذی امنتم به كفرون**" کہا گیا ہے جس سے تعنت وعناد معلوم ہو۔

فعقروا. یعنی اگرچہ ایک شخص نے اونٹنی کو مارا تھا لیکن سب کے مشورہ سے چونکہ کارروائی ہوئی اس لئے جمع کے صیغہ سے سب کو شریک سمجھا گیا ہے۔ قدار بن سالف فرعون کی طرح سرخ رنگ، نیلگوں آنکھیں، پستہ قد تھا اور ولد الزنا تھا۔ لیکن چونکہ سالف کے بستر پر پایا گیا اس لئے اس کی طرف منسوب ہوگیا۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو ارشاد فرمایا تھا۔ **يا علیؓ اشقى الاولين عاقرناقة صالح واشقى الاخرين قاتلک**۔ بہرحال بدھ کے روز اونٹنی کو مارا گیا اور حضرت صالح کی پیشگوئی کے مطابق جمعرات کو ان سب کے چہرے زرد اور جمعہ کو سرخ اور شنبہ کو سیاہ پڑ گئے اور خود ہی کفن وغیرہ پہن کر مرنے کے لئے تیار ہوگئے۔ چنانچہ زمین کے زلزلہ اور آسمانی چنگھاڑ کا سب نذر ہوگئے۔ باقی اس اونٹنی کے بچہ کے بارے میں دو قول ہیں۔

۱۔ یہ منظر دیکھ کر اسی پتھر میں گھس گیا جس سے اونٹنی برآمد ہوئی تھی اور بقول بعض قیامت کے قریب جو دابۃ الارض رونما ہوگا وہ یہی بچہ ہوگا۔

۲۔ لوگوں نے اس کو بھی پکڑ کر ذبح کردیا۔ عقر کہتے ہیں اونٹ کی کونچیں یعنی ٹانگیں کاٹ دینا۔ لیکن مراد اونٹنی کا ذبح کرنا ہے۔

جثمين. اس کے معنی اوندھے منہ پڑنے کے ہیں۔ **فتولى عنهم وقال.** مردہ لوگوں سے یہ کلام بطور تحسر اور توبیخ کے ہے جیسے قلیب بدر پر کھڑے ہوکر آنحضرت ﷺ نے جب کفار مقتولین بدر کو خطاب فرمایا تو حضرت عمرؓ بولے یا رسول اللہ! یہ مردار سنتے کب ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ **ماانت باسمع لما اقول منهم ولكن لا يجيبونى**۔ (ترجمہ) اے عمرؓ! میری باتیں تم اتنی نہیں سنتے جتنی کہ یہ سنتے ہیں لیکن مردہ ہونے کی وجہ سے جواب نہیں دے سکتے۔

ا اے علیؓ! ان دونوں بدبختوں میں سے اول بدبخت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو مارنے والا شخص اور دوسرا شخص تمہارا قاتل ہوگا۔۱۲۔

الانس والجن. بلکہ بہائم اور جانوروں تک میں یہ خباثت نہیں پائی جاتی۔قوم لوطؑ میں اس بدفعلی کے ساتھ برسر مجمع گوز مارنے کو فخر ومباہات سمجھا جاتا تھا۔"وتاتون فی نادیکم المنکر" میں اسی طرف اشارہ ہے۔

شھوۃ. یہ مفعول لہ ہے یا مصدر ہے حال کے موقعہ میں "من دون النساء" یہ "من الرجال" سے حال ہے یا "تاتون" کی ضمیر ہے یتطھرون. یہ بطور تمسخر واستہزاء کے کہا ہے۔

الغابرین غبر. غبور أباب قعد سے ہے۔غابر کبھی ماضی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔پس گویا یہ اضداد میں سے ہوا۔ **حجارۃ السجیل.** سجیل سنگ گِل کا معرب ہے۔غلولوں کی طرح کے یہ پتھر تھے اور ممکن ہے ان میں گندھک اور آگ کے کچھ اجزاء بھی شامل ہوں۔

بینۃ یا تو قرآن میں اس معجزہ کا ذکر نہیں کیا گیا اور یا اس بینہ سے مراد خود پیغمبر کی ذات ہو اور یا پھر اوفوا الکیل الخ مراد ہو۔**خیر** چونکہ حق تعالیٰ حاکم حقیقی ہیں اور دوسرے مجازی حاکم ہوتے ہیں اس لئے ان کا فیصلہ ہی حقیقۃً تفصیل کا مستحق ہوگا۔

ربط آیات:............ان واقعات کا ربط پہلے گزر چکا ہے۔ یہ بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ان میں دوسرا قصہ حضرت ہود علیہ السلام کا ہے اور تیسرا حضرت صالح علیہ السلام کا اور چوتھا حضرت لوط علیہ السلام کا اور پانچوں حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے۔

﴿تشریح﴾:............قوم ثمود کا حال:............قوم ثمود عرب کے اس حصہ میں آباد تھی جو حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ تک چلا گیا ہے۔اسی مقام کو دوسری جگہ "الحجر" سے بھی تعبیر کیا ہے۔ایک آیت میں صیحۃ معنی فرشتہ کی چیخ سے ان کا ہلاک ہونا بیان کیا گیا ہے۔بعض نے دونوں کو جمع کر دیا کہ اوپر سے صیحہ اور نیچے سے زلزلہ آیا تھا اور بعض کے نزدیک رجفہ سے مراد حرکت قلب ہے جو صیحہ کے ڈر سے پیدا ہوئی تھی۔

تاکل فی ارض اللہ سے مراد چھوٹی ہوئی اور افتادہ زمین ہے جس کو ایک طرح سے سرکاری اور سب کے لئے مباح سمجھنا چاہئے۔کسی کی مملوک زمین مراد نہیں ہے کہ لوگوں کے کھیت چرتی پھرتی تھی۔صالح علیہ السلام کا اس مقام سے کوچ فرمانا ظاہر آیت سے قوم کی ہلاکت کے بعد معلوم ہوتا ہے اور یہ خطاب یا تو اظہار حسرت کے لئے محض فرضی تھا اور یا عذاب کے آثار دیکھ کر زندوں سے خطاب کیا تھا اور پھر شام یا مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔اس صورت میں البتہ آیت کے اندر تقدیم تاخیر ماننی پڑے گی۔

قوم لوط کا حال:............قوم لوط کے سلسلہ میں بعض آیات میں پتھراؤ کا اور ان بستیوں کے الٹنے کا ذکر بھی آیا ہے۔اہل سیر کے بیان کے مطابق لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔دونوں بابل سے ہجرت کر کے شام میں تشریف لائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو فلسطین میں اور لوط علیہ السلام بحرمیت کے کنارے سندوم میں فروکش ہوگئے۔آس پاس کی آبادیوں میں بھی اپنا تبلیغی کام جاری رکھا۔بلکہ کبھی کبھی حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی سدوم میں تشریف لے جاتے اور ان کو نصیحت فرماتے۔

بقول عمرو بن دینارؒ دنیا میں سے سب سے پہلے لواطت کی خباثت ان ہی لوگوں نے پھیلائی۔

بل انتم قوم مسرفون. کا مطلب بھی یہی ہے کہ اور گناہوں میں تو آبائی تقلید وغیرہ کا بہانہ بھی بنا لیتے ہو لیکن یہاں تو یہ بھی نہیں۔آیت "**بل انتم قوم تجھلون**" سے یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ شاید اس حرکت کی خباثت سے وہ ناواقف ہوں، کیونکہ علمی جہالت مراد نہیں ہے بلکہ اس کے برے انجام سے بے خبری مراد ہے۔

بہر حال جانور تک بھی اس برائی اور خباثت کا تصور نہیں کر سکتے۔واقعی انسان جب گرنے پر آتا ہے تو بہائم تک کو پیچھے چھوڑ

دیتا ہے۔ اسی لئے دوسرے ائمہ نے لواطت کی مختلف سزائیں بیان فرمائی ہیں۔
مثلاً: امام شافعیؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک دونوں پر حد زنا واجب ہے۔ علۃ مشترک ہونے کی وجہ سے حکم بھی مشترک ہونا چاہئے۔ لیکن امام صاحبؒ لواطت کی حرمت تو مانتے ہیں، کیونکہ پچھلی شریعت کی حرمت بلاانکار کے نقل ہوئی ہے۔ اس لئے ہمارے لئے بھی اصولی قاعدہ سے حرمت رہے گی۔ البتہ حد جاری نہیں کی جائے گی۔ ورنہ لغت میں قیاس کرنا لازم آئے گا جو مردود ہے۔ ہاں سزا اور تعزیر کی جائے گی۔ کسی کے نزدیک آگ میں جلانا ہے، کسی کے نزدیک دریا میں ڈبو دینا ہے اور بعض کے نزدیک اونچی جگہ سے گرا کر اوپر سے پتھراؤ کیا جائے۔
بہر حال امام اعظمؒ اس فعل کو اس درجہ بدترین اور انسانیت سوز سمجھتے ہیں کہ کسی سزا کو بھی اس کے لئے کافی سمجھ کر بطور حد متعین نہیں کر سکے۔ گویا ان کی نظر میں یہ جرم زنا سے بھی زیادہ بدترین اور سنگین ہے۔ جس کی پاداش عذاب الٰہی ہی کر سکتا ہے۔ یہ دنیاوی معمولی سزائیں (حدِ زنا) اس کے لئے کافی نہیں۔ کسی اجنبی عورت سے لواطت کا حکم بھی یہی ہے۔ البتہ اپنی بیوی سے لواطت ہمارے نزدیک بغیر تعزیر کے حرام ہے اور روافض کے نزدیک حرام بھی نہیں ہے۔
لوط علیہ السلام کی یہ بیوی جس کا ذکر آیت میں ہے کافرہ تھی اور اس زمانہ کی شریعت کی رو سے کافر عورت سے شادی کرنا ایسے ہی جائز تھا جس طرح کہ ہماری شریعت میں غیر مسلم کتابی عورت سے نکاح کی اجازت ہے۔ بعض لوگوں کے بیان کے مطابق یا تو یہ بیوی حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ جا ہی نہیں سکی کہ بچ سکتی اور یا بقول بعض ساتھ گئی تھی لیکن پھر لوٹنے لگی تو ہلاک کر دی گئی اور لوط علیہ السلام پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ رہے تھے۔

قومِ لُوط پر عذاب کے متعلق قرآن اور توارات کے بیان میں اختلاف:............قرآن کریم کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم پر پتھراؤ ہوا تھا، لیکن تورات میں ہے کہ سدوم اور عمورہ پر آگ اور گندھک کی بارش ہوئی تھی۔
سو ایک صورت تو یہ ہے کہ دونوں بیانوں میں تطبیق دینے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ تورات کے بیان کے مقابلہ میں قرآن کا بیان زیادہ صحیح اور معتبر مانا جائے یا دونوں واقعے الگ الگ مان لئے جائیں۔
اور دوسری صورت تطبیق کی یہ ہے کہ آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے کی سی کیفیت مان لی جائے تو دونوں بیان درست ہو سکتے ہیں۔

قومِ لُوط کی عورتوں پر عذاب کیوں آیا؟............رہا یہ شبہ کہ جب یہ عذاب لواطت کی پاداش میں تھا اور وہ مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ پھر عورتوں کو عذاب کیوں ہوا؟ اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان پر عذاب الٰہی کا صرف ایک ہی سبب لواطت نہیں تھا بلکہ کفر بھی عذاب الٰہی کا سبب تھا۔ پس پہلا سبب مردوں کے لئے خاص تھا اور دوسرا سب مردوں اور عورتوں دونوں میں پایا گیا۔ اس لئے سب ہلاک ہو گئے۔ گویا مردوں کی ہلاکت کے تو دو سبب ہوئے کفر اور لواطت اور عورتوں کی تباہی کا ایک ہی سبب رہا یعنی کفر۔
اور دوسرا جواب حذیفہؓ اور محمد بن علیؒ سے بعض روایات کی بناء پر یہ منقول ہے کہ عورتیں بھی آپس میں ایسی ہی بدفعلی کرتی تھیں۔ جس کو سحق کہتے ہیں۔ بس اب اس صورت میں مردوں اور عورتوں دونوں میں یکساں سبب پائے گئے۔ خواہ صرف لواطت اور مساحقت یا ان کے ساتھ دونوں میں کفر وشرک بھی۔ اس لئے شبہ کی بنیاد ہی ختم ہو گئی۔

ان قوموں کے عذاب کی تعیین وتعبیر میں اختلاف:............قرآن کریم میں کہیں تو شعیب علیہ السلام کا اہل مدین کی طرف آنا معلوم ہوتا ہے اور کہیں اصحاب ایکہ کی جانب۔ اسی طرح مدین والوں پر کہیں تو صیحہ کا عذاب بیان کیا گیا ہے اور کہیں رجفہ کا

عذاب معلوم ہوتا ہے اور اصحاب ایکہ پر ظلہ کا عذاب مذکور ہے۔ اس لئے بعض حضرات نے تو دونوں قوموں کو ایک ہی مانا ہے اور بعض کے نزدیک یہ دونوں الگ الگ قومیں ہیں اور اہل مدین کے ہلاک ہونے کے بعد ان ہی کے قریب دوسری قوم اصحاب ایکہ کی طرف شعیب علیہ السلام تشریف لے گئے اور ان کے ہلاک ہونے کے بعد پھر مکہ میں آ رہے اور وہیں وفات پائی۔

کم تولنے اور ناپنے کا رواج دونوں ہی قوموں میں تھا۔ ان کی کساد بازاری کا اثر اقتصادی ڈھانچہ پر تو پڑتا ہی ہے اور اس کٹوتی سے اخلاقی حدود تو ٹوٹتی ہی ہیں۔ مگر ساتھ ہی خوش حالی کو بھی بٹہ لگ جاتا ہے۔ لاتفسدوا فی الارض . میں شاید اس طرف بھی اشارہ ہے۔

مدین دراصل کسی بستی کا نام نہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک فرزند کا نام تھا۔ پھر ان کے قبیلہ اور اس شہر کا نام ہو گیا جو جزیرہ نمائے سینا میں مصر سے آٹھ میل پر عرب کے متصل آباد تھا۔ اسی میں اولاً حضرت شعیب علیہ السلام کا ظہور ہوا اور دو تین عذاب کا ایک ساتھ یا ایک جگہ جمع ہونا کچھ بعید نہیں۔ چنانچہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں پر اس درجہ گرمی مسلط ہوئی کہ گھروں میں چین نہیں آتا تھا۔ اتنے میں بدلی آئی اور ٹھنڈی ہوا چلی۔ سب نکل کر میدان میں جمع ہو گئے۔ پھر ایک طرف تو زمین کو زلزلہ آیا، دوسری طرف ان پر اوپر سے آگ برسی۔ غرض سب جل گئے۔

لطائف آیات: .... آیت **ناقة اللّٰہ** میں بیت اللہ کی طرح اضافت تشریفی ہے اور حدیث **خلق اللّٰہ ادم علی صورتہ** کی آسان توجیہ بھی یہی ہو سکتی ہے۔

آیت **وتنحتون الجبال الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی صنعت میں کمال اور مہارت بھی اللہ کی ایک نعمت ہے۔

آیت **وقال یقوم الخ** سے ظاہراً سماع موتٰی کا اثبات معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ بدر کے کنویں میں پڑے ہوئے مقتول کفار سے آنحضرت ﷺ کے خطاب فرمانے کا واقعہ بھی اس کی دلیل ہے اور کوئی قوی دلیل اس کے خلاف نہیں آئی۔

آیت **اتاتون الفاحشة الخ** معلوم ہوتا ہے کہ کسی برائی کی ایجاد بہ نسبت اس کی اقتداء کے زیادہ بری ہوتی ہے۔ تمام بدعات و رسومات کا بھی یہی حال ہے۔

آیت **ولا تبخسوا الناس الخ** سے قیاساً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل فضل و کمال کی شان گھٹانا اور ان کے رتبہ کو کم کرنا بھی اس میں داخل ہے۔

الحمد للہ پارہ ولوانّنا ۸ کا ترجمہ وشرح وغیرہ تمام ہوئی۔
۴ رمضان المبارک ۸۳ھ بمطابق ۲۰ جنوری ۶۴ھ دوشنبہ۔

پارہ نمبر ۹

قَالَ الْمَلَأُ

فہرست پارہ ﴿قَالَ الْمَلَأُ﴾

قَـالَ الْـمَلَاُ

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ عَنِ الْاِيْمَانِ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْلَتَعُوْدُنَّ تَرْجِعُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا دِيْنِنَا وَغَلَّبُوْا فِي الْخِطَابِ الْجَمْعَ عَلَى الْوَاحِدِ لِاَنَّ شُعَيْبًا لَمْ يَكُنْ فِيْ مِلَّتِهِمْ قَطُّ وَعَلٰى نَحْوِهٖ اَجَابَ قَالَ اَنَعُوْدُ فِيْهَا وَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿٨٨﴾ لَهَا اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا وَمَايَكُوْنُ يَنْبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ذٰلِكَ فَيَخْذُلُنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا اَيْ وَسِعَ عِلْمُهٗ كُلَّ شَيْءٍ وَمِنْهُ حَالِيْ وَحَالُكُمْ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ اُحْكُمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿٨٩﴾ اَلْحَاكِمِيْنَ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ اَيْ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٩٠﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ اَلزَّلْزَلَةُ الشَّدِيْدَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٩١﴾ بَارِكِيْنَ عَلَى الرُّكَبِ مَيِّتِيْنَ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ كَاَنْ مُخَفَّفَةٌ وَاِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ كَاَنَّهُمْ لَّمْ يَغْنَوْا يُقِيْمُوْا فِيْهَا فِيْ دِيَارِهِمْ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٢﴾ اَلتَّاكِيْدُ بِاِعَادَةِ الْمَوْصُوْلِ وَغَيْرِهٖ لِلرَّدِّ عَلَيْهِمْ فِيْ قَوْلِهِمُ السَّابِقِ فَتَوَلّٰى اَعْرَضَ عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَلَمْ تُؤْمِنُوْا فَكَيْفَ اٰسٰى اَحْزَنُ عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٩٣﴾ اِسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَى النَّفْيِ

ع ۹ ۱۱ ۱

ترجمہ: ....اس پرقوم کے مغرور سرداروں نے کہا (جو ایمان لانے سے گھمنڈ کرتے تھے) اے شعیبؑ! یا تو تمہیں اور تمہارے ساتھ ان سب کو جو تم پر ایمان لائے ہیں ہم اپنے شہروں سے ضرور نکال باہر کریں گے یا لوٹ آؤ (واپس آجاؤ) ہمارے طریقہ (دین) میں (خطاب کرنے میں جماعت کو واحد پر غالب کرلیا ہے ورنہ شعیب علیہ السلام کبھی بھی ان کے طریقہ پر نہیں رہے اور اسی طرز کے مطابق اگلا جواب بھی ہے) شعیب علیہ السلام نے جواب میں فرمایا۔ کیا (لوٹ جائیں پچھلے طریقہ پر) اگرچہ ہم اس کو قابل نفرت سمجھتے ہوں (یہ استفہام انکاری ہے) اگر ہم تمہارے دین میں لوٹ آئیں، حالانکہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دے دی ہے تو ہم جھوٹ بولتے ہوئے اللہ پر بہتان باندھیں گے اور ہمارے لئے یہ ممکن (مناسب) نہیں کہ اب قدم پیچھے ہٹائیں، ہاں اللہ

ہی چاہیں جو ہمارے پروردگار ہیں (اس ارتداد کو اور وہ ہمیں اس طرح رسوا کر دیں تو دوسری بات ہے) ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے (یعنی ان کا علم سب چیزوں کو محیط ہے۔ میری اور تمہاری حالت بھی اس سے باہر نہیں) ہمارا تمام تر بھروسہ اللہ ہی پر ہے۔ اے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے موافق فیصلہ (حکم) فرما دیجئے۔ آپ بہترین فیصلہ کرنے والے (حاکم) ہیں۔ شعیب علیہ السلام کی قوم کے انکار کرنے والے سردار بولے (یعنی آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے) اگر (اس میں لام قسمیہ ہے) تم نے شعیبؑ کی پیروی کی تو بس سمجھ لو کہ تم برباد ہو گئے پس انہیں زلزلہ (سخت جھٹکا) نے آ پکڑا۔ سو اپنے گھروں میں صبح ہوتے اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے (گھٹنوں کے بل اوندھے منہ مردہ پائے گئے) جن لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا تھا (یہ مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) گویا ان کی کیفیت یہ ہوگی (ان مخفّفہ ہے جس کا اسم محذوف ہے تقدیر عبارت کـا نـهـم تھی) جیسے بسے ہی نہ تھے (ٹھہرے ہی نہ تھی) کبھی ان گھروں (بستیوں) میں جن لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا تھا وہی برباد ہو گئے (موصول وغیرہ کو دوبارہ لاکر ان کے پہلے قول کی تردید کی تاکید کرنی ہے) بہر حال شعیبؑ ان سے کنارہ کش (ایک طرف) ہو گئے اور کہنے لگے۔ بھائیو! میں نے پروردگار کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے تھے اور تمہاری بہتری چاہی تھی (لیکن تم ایمان نہیں لائے) تو اب میں کیسے (رنج) کروں نہ ماننے والوں پر (یہ استفہام بمعنی نفی ہے)۔

تحقیق وترکیب: ……… **معلک** اس کا تعلق اخراج کے ساتھ ہے نہ کہ ایمان کے ساتھ ای **والـلّٰـه لنخرجنک واتباعک** اور معطوف و معطوف علیہ کے درمیان شعیب علم کو منادی لانا زیادہ دھمکانے کے لئے ہے۔ **وغلبوا** مفسر علامؒ ایک شبہ کا جواب دینا چاہتے ہیں وہ یہ کہ **عود** کہتے ہیں پہلی حالت کی طرف لوٹنے کو۔ لیکن شعیب علیہ السلام جب کبھی بھی ان کی ملت میں داخل نہیں تھے۔ پھر لفظ عود بولنا کیسے صحیح ہوا۔ اور خیر کفار کے قول پر تو اس لئے زیادہ اشکال نہیں کہ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ کفار نے اپنے غلط خیال کے مطابق ایسا کہا ہوگا یا ظاہری طور پر شعیبؑ کی طرف سے مخالفت نہ ہونے کو انہوں نے اپنے ہم مذاق ہونے پر محمول کر لیا ہوگا۔ مگر خود شعیب علیہ السلام کے جواب میں بھی "ان عـدنـا" کا لفظ موجود ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے اس الزام کو تسلیم کر لیا ہے؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ کہنا بناء بر تغلیب کے ہوا۔ یعنی اگر چہ شعیب علیہ السلام تو پہلے ان کے طریق کفر پر نہیں تھے۔ مگر آپ کے تمام مومن ساتھی تو پہلے کافر ہی تھے ان ہی کے ساتھ حضرت شعیبؑ کو بھی شمار کر لیا گیا اور پھر خود حضرت شعیبؑ نے بھی اپنے جواب میں اسی تقدیر پر گفتگو فرمائی۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ لفظ **عود صار** کے معنی میں بھی آتا ہے تو اشکال ہی متوجہ نہیں ہوتا کہ جواب وہی کی ضرورت پیش آئے۔

اولـو کـنـا ہمزہ انکار وقوع کے لئے ہے اور لو یہاں زمانہ ماضی میں ایک چیز کی نفی سے دوسری چیز کی نفی کے لئے نہیں ہے بلکہ محض ربط و مبالغۂ نفی کے لئے ہے۔ ای **کیف نعود فیها ونحن کارهون لها**.

الا ان یشـاء اگر مستثنیٰ منہ عام احوال کو مانا جائے تو یہ استثناء متصل ہو جائے گا اور استثناء منقطع بھی ہو سکتا ہے اور مقصود محض رجوع الی اللہ ہے۔ ای **وسع** لفظ علماً کے فاعلیت سے تمیز کی طرف آنے کے لئے اشارہ ہے۔ **لـم یـغـنـوا** اغنی بالمکان کے ٹھہرنے کے ہیں۔ نئی منزل کو کہتے ہیں۔ **فکیف** اول اظہار تاسف کر کے پھر اس سے رجوع فرما رہے ہیں۔

ربط آیات: ……… تقریر ربط پہلے گزر چکی ہے۔ ان آیات میں قصہ شعیب علیہ السلام کا تتمہ اور انکی قوم کا جواب مذکور ہے۔

﴿ **تشریح** ﴾: ……… **قوموں اور پیغمبروں کی تاریخ کے آئینہ میں حالات کا جائزہ:** ……… قوموں اور پیغمبروں کے حالات پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل باتیں سمجھ میں آتی ہیں:۔

۱۔ قبول حق کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ آباء واجداد کی اندھی تقلید اور گھڑی ہوئی بزرگیوں اور روایتی عظمتوں کی بے

وجا ہے۔ شروع میں جہالت یا کسی خاص غرض نفع وعظمت کی خاطر ایک عقیدہ گھڑ لیا جاتا ہے پھر ایک مدت تک لوگ اسے مانتے رہتے ہیں اور جب ایک عرصہ کے اعتقاد سے اس میں شان تقدیس پیدا ہوجاتی ہے تو اسے شک وشبہ سے بالاتر سمجھنے لگتے ہیں اور عقل و بصیرت کی پھر کوئی دلیل بھی اس کے خلاف تسلیم نہیں کرتے۔ ان ھی الا اسماء سمیتمو ھا انتم واباء کم۔ اسی کا ایک عنوان اور تعبیر ہے۔ کیونکہ بناوٹی ناموں اور لفظی ہیر پھیر کے سوا کوئی معقول حقیقت پیش نہیں کی جا سکتی۔

۲:...... عام طور پر پیغمبر اسی قوم میں پیدا ہوتے ہیں جس کی ہدایت کے لئے ان کو مقرر کیا جاتا ہے۔ ایسا بہت کم ہوا ہے کہ باہر سے کوئی بالکل ہی اجنبی آ گیا ہو۔ جس کی زندگی سے لوگ بے خبر ہوں۔

۳:...... ان میں سے کوئی نبی بھی بادشاہ یا امیر نہیں تھا۔ نہ کسی طرح کا دنیاوی سروسامان رکھتا تھا۔ بلکہ سب کی دعوت وارشاد کا سلسلہ اسی طرح ہوا کہ تن تنہا اعلان حق کے لئے کھڑے ہوگئے اور صرف اللہ کی معیت ونصرت پر بھروسہ کیا۔

۴:...... سب کا پیام ایک ہی رہا ہے ''خدا کی بندگی کرو'' اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

۵:...... سب نے بالاتفاق نیک چلنی کی تلقین کی۔ انکار اور بدعملی کے برے نتائج سے لوگوں کو آگاہ کیا۔

۶:...... سب کے ساتھ یہی ہوا کہ رئیسوں نے سرکشی کی اور بے نواؤں نے ساتھ دیا۔

۷:...... مخالفت بھی ہمیشہ ایک ہی طرح ہوئی کہ اعلان حق کی ہنسی اڑائی گئی، ان کی باتوں کو حماقت کہا گیا، انہیں اور ان کے ساتھیوں کو اذیت پہنچانے کے تمام وسائل کام میں لائے گئے اور ان کی دعوت کی اشاعت کو روکنے کے لئے اپنی ساری قوتیں خرچ کر ڈالیں۔

۸:...... پیغمبروں نے یہاں تک کہا کہ اگر ہماری دعوت قبول نہیں کرتے تو کم از کم ہماری موجودگی ہی برداشت کرلو اور فیصلہ نتائج پر چھوڑ دو۔ لیکن مخالفین اس کے لئے بھی تیار نہیں ہوئے۔

۹:...... ہمیشہ یہی ہوا کہ حق کا داعی اور اس کے ساتھی وعظ ونصیحت کے ذریعہ تبلیغ کرتے، لوگوں کے دل ودماغ کو موہنے کی کوشش کرتے رہے مگر اس کے برخلاف انکار کرنے والے جبر وتشدد، طاقت وقوت سے ان کی راہ روکنی چاہتے۔ پیغمبروں کی پکار تو یہ ہوتی کہ روشن دلیلوں پر غور کرو۔ مگر منکروں کا جواب یہ ہوتا کہ انہیں بستی سے نکال باہر کرو، یا سنگساری کرکے ان کا صفایا کردو، پتھراؤ کرکے ان کا بھرکس نکال دو۔

۱۰:...... پھر دیکھو نتیجہ بھی ایک ہی طرح کا پیش آیا۔ یعنی وہ تمام جماعتیں جنہوں نے دعوت حق کا مقابلہ کیا تھا۔ نیست ونابود ہوگئیں۔ حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں اور دنیا کی کوئی طاقت بھی انہیں قانون الٰہی کے شکنجہ سے نہیں بچا سکی۔ چنانچہ اگلی آیات میں خصوصیت سے اسی نتیجہ پر توجہ دلائی جارہی ہے۔

لطائف آیات:...... آیت فکیف اٰسٰی الخ سے معلوم ہوا کہ عذاب وغضب میں گرفتار لوگوں پر رحم نہیں کھانا چاہئے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّبِیٍّ فَکَذَّبُوْہُ **اِلَّآ اَخَذْنَا** عَاقَبْنَا **اَھْلَھَا بِالْبَاْسَآءِ** شِدَّۃِ الْفَقْرِ **وَالضَّرَّآءِ** الْمَرَضِ **لَعَلَّھُمْ یَضَّرَّعُوْنَ** ﴿۹۴﴾ یَتَذَلَّلُوْنَ فَیُؤْمِنُوْنَ **ثُمَّ بَدَّلْنَا** اَعْطَیْنَاھُمْ **مَکَانَ السَّیِّئَۃِ** الْعَذَابِ **الْحَسَنَۃَ** الْغِنٰی وَالصِّحَّۃَ **حَتّٰی عَفَوْا** کَثُرُوْا **وَّقَالُوْا** کُفْرًا لِلنِّعْمَۃِ **قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ** کَمَا مَسَّنَا وَھٰذِہٖ عَادَۃُ الدَّھْرِ وَلَیْسَتْ بِعُقُوْبَۃٍ مِنَ اللّٰہِ فَکُوْنُوْا عَلٰی مَا اَنْتُمْ عَلَیْہِ قَالَ تَعَالٰی **فَاَخَذْنٰھُمْ** بِالْعَذَابِ **بَغْتَۃً** فَجْاَۃً

وَّهُمْ لَايَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ بِوَقْتِ مَجِيئِهِ قَبْلَهٗ وَلَوْاَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اَلْمُكَذِّبِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِمْ وَاتَّقَوْا الْكُفْرَ وَالْمَعَاصِيَ لَفَتَحْنَا بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ بِالْمَطَرِ وَالْاَرْضِ بِالنَّبَاتِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا الرُّسُلَ فَاَخَذْنٰهُمْ عَاقَبْنَاهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰى اَلْمُكَذِّبُوْنَ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا عَذَابُنَا بَيَاتًا لَيْلًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ غَافِلُوْنَ عَنْهُ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى نَهَارًا وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ اِسْتِدْرَاجَهٗ اِيَّاهُمْ بِالنِّعْمَةِ وَاَخْذَهُمْ بَغْتَةً فَلَايَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّاالْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ يَتَبَيَّنْ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ بِالسُّكْنٰى مِنْ بَعْدِ هَلَاكِ اَهْلِهَآ اَنْ فَاعِلٌ مُخَفَّفَةٌ وَاِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَىْ اَنَّهٗ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ بِذُنُوْبِهِمْ كَمَا اَصَبْنٰهُمْ مِنْ قَبْلِهِمْ وَالْهَمْزَةُ فِى الْمَوَاضِعِ الْاَرْبَعَةِ لِلتَّوْبِيخِ وَالْفَاءُ وَالْوَاوُ الدَّاخِلَةُ عَلَيْهَا لِلْعَطْفِ وَفِى قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِ الْوَاوِ فِى الْمَوْضِعِ الْاَوَّلِ عَطْفًا بِاَوْ وَنَحْنُ نَطْبَعُ نَخْتِمُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَايَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ اَلْمَوْعِظَةَ سِمَاعَ تَدَبُّرٍ تِلْكَ الْقُرٰى الَّتِىْ مَرَّ ذِكْرُهَا نَقُصُّ عَلَيْكَ يَامُحَمَّدُ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا اَخْبَارِ اَهْلِهَا وَلَقَدْجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ الْمُعْجِزَاتِ الظَّاهِرَاتِ فَمَاكَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا عِنْدَ مَجِيئِهِمْ بِمَا كَذَّبُوْا كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ قَبْلَ مَجِيئِهِمْ بَلْ اِسْتَمَرُّوْا عَلَى الْكُفْرِ كَذٰلِكَ الطَّبْعِ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَاوَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ اَىِ النَّاسِ مِّنْ عَهْدٍ اَىْ وَفَاءٍ بِعَهْدِ يَوْمِ اَخْذِ الْمِيْثَاقِ وَاِنْ مُخَفَّفَةٌ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

ترجمہ: .... اور ہم نے جب بھی کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا (اور لوگوں نے اس کو جھٹلایا) تو ہمیشہ ہم نے پکڑ لیا (مبتلا کیا) وہاں کے باشندوں کو سختیوں (انتہائی محتاجگی) اور نقصانوں (بیماریوں) میں تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں (عاجزی پر اتر آئیں اور ایمان قبول کر لیں) پھر ہم نے بدل دی (عطا کر دی) بدحالی (عذاب) کی جگہ خوشحالی (مالداری اور تندرستی) حتی کہ جب انہیں خوب ترقی ہوگئی (بڑھ گئے) اور کہنے لگے (کفران نعمت کے طور پر) ہمارے بزرگوں پر بھی تنگی اور راحت کے دن گزرے ہیں (جس طرح ہم پر یہ دور آ رہے ہیں۔ بہر حال معلوم ہوا کہ یہ زمانہ کی عادت کے مطابق ہوا ہے نہ کہ اللہ کے عذاب کے طور پر۔ لہذا اپنے اسی طریقہ پر برقرار ہو۔ ارشاد حق ہوتا ہے) پھر تو پکڑ لیا ہم نے (عذاب میں) انہیں اچانک (دم کے دم میں) اور انہیں پتہ بھی نہ تھا (پہلے سے اس عذاب کے آنے کا) اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے (جنہوں نے جھٹلایا تھا) ایمان لے آتے (اللہ اور اپنے پیغمبروں پر) اور (کفر اور گناہوں سے) پرہیز رکھتے تو ہم کھول دیتے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) ان پر آسمان سے (بارش کے ذریعہ) اور زمین سے (سبزیوں کے ذریعہ) برکتوں کے دروازے۔ لیکن انہوں نے (پیغمبروں کو) جھٹلایا۔ پس ہم نے انہیں پکڑ لیا (سزا دی) ان کے کرتوتوں کی وجہ سے۔ کیا ان شہروں کے بسنے والے (جھٹلانے والے) لوگوں کو اس بات سے امان مل گئی ہے کہ ان پر آنازل ہو ہمارا عذاب راتوں رات اور وہ پڑے سوتے ہوں (اس سے بے خبر ہوں) یا ان شہریوں کو اس بات سے بے فکری مل گئی ہے کہ ہمارا عذاب دن

دہاڑے (خوب دن چڑھے دوپہر کو) ان پر نازل ہو، اور وہ کھیل کود میں مشغول ہوں۔ ہاں تو کیا یہ لوگ اللہ کی پکڑ سے بےفکر ہو گئے ہیں (کہ نعمتوں میں ان کو ڈھیل ملتی رہے اور پھر اچانک دھر لیے جاتے ہیں) سو یاد رکھو اللہ کی پکڑ (اور داؤ) سے جن لوگوں کی شامت ہی آ گئی ہے ان کے سوا کوئی بےفکر نہیں ہوا کرتا پھر کیا نہیں کھلی (واضح ہوئی) ان لوگوں کے لئے جو ملک کے وارث بنے ہیں (رہائش کے اعتبار سے) سرزمین ملک کے باشندوں (کے ہلاک ہونے کے بعد) یہ بات کہ (یہ فاعل ہے لـم یهـد کا اور مخففہ ہے اس کا اسم محذوف ہے اصل میں انہ تھا) اگر ہم چاہتے تو ان کو بھی ہلاک کر ڈالتے (عذاب سے) ان کے گناہوں کے سبب سے (جس طرح کہ ان سے پچھلوں کو برباد کر دیا ہے اور ہمزہ ان چاروں موقعوں پر توبیخ کے لئے اور فا اور واؤ جو اس پر داخل ہیں وہ عطف کے لئے ہیں اور ایک قرأت میں پہلی جگہ سکون واؤ کے ساتھ ہے او عـاطفه قرار دیتے ہوئے) اور ہم نے مہر لگا دی ہے (سیل کر دی ہے) ان کے دلوں پر کہ اب وہ کوئی بات سن ہی نہیں سکتے (وعظ ونصیحت کی باتیں۔ غور وفکر کے کان سے) یہ ہیں آبادیاں (جن کا ذکر ابھی گزر رہا ہے) جن کے حالات ہم آپ ﷺ کو (اے محمد ﷺ!) سناتے ہیں (وہاں رہنے والوں کی داستانیں) ان سب میں ان کے پیغمبر ﷺ روشن دلیلوں (کھلے معجزات) کے ساتھ ائے۔ مگر ان کے بسنے والے ایسے نہ تھے کہ مان جاتے (اپنے پاس آنے کے وقت) وہ بات جس کو جھٹلا چکے (کفر کر چکے) ایک دفعہ پہلے (آنے سے پہلے۔ بلکہ کفر ہی پر جمے رہے) اس طرح (جیسے یہ مہر لگائی ہے) بند لگا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر۔ اور ہم نے ان میں سے اکثر (لوگوں) کو اپنے عہد کا پابند نہیں پایا (یعنی روز اول جو عہد کیا گیا تھا اس کو پورا نہیں کرتے) اور (ان مخففہ ہے) ہم نے اکثر لوگوں کو ایک قلم نافرمان ہی پایا۔

تحقیق وترکیب: .... **یـضـرعـون**. اصل میں **یتـضـرعـون** تھا۔ تا کو ضاد بنا کر ادغام کر دیا گیا ہے اور سورۂ انعام میں **تضرعوا** کی مناسبت کی وجہ سے **یتضرعون** ہے۔

القریٰ الف لام سے مذکورہ بستیوں کی طرف اشارہ ہے۔ **واتقوا** عطف خاص علی العام ہے۔

افا من. ہمزہ انکار وتوبیخ کے لئے اور فاء **اخذناهم** پر عطف کے لئے۔ معطوف معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ **القریٰ** الف لام جنس کا بھی ہوسکتا ہے۔ مفسر علامؒ اگرچہ عہد کا لے رہے ہیں۔

مـکـر اللّٰه. اللہ کی طرف اس کی نسبت دھوکہ اور حیلہ کے معنی میں نہیں ہے بلکہ بقول مفسرؒ محقق استدراج مراد ہے۔ اس ڈھیل کا ظاہر باطن سے مختلف ہوتا ہے۔ لیکن اگر مکر کے معنی مخفی تدبیر کے لئے جائیں تو اشکال ہی متوجہ نہیں ہوگا۔

افامن اور **اوامن** میں حرف استفہام کا حرف عطف پر داخل ہونا باعث اشکال نہیں ہونا چاہئے کیونکہ عطف مفردین ہو تو ان دونوں میں منافات کی وجہ سے ممانعت ہوتی ہے، لیکن یہاں جملہ کا جملہ پر عطف ہو رہا ہے۔ جس کا حاصل جملہ کے بعد جملہ کا استیناف ہوگا۔ **اولم یهد**. اس کا تعدیہ چونکہ لام کے ذریعہ ہو رہا ہے اس لئے لازمی معنی سے اس کی تفسیر کی گئی ہے۔ **المواضع الاربعه**. پہلا موقعہ **افامن اهل القریٰ** ہے اور آخری **اولم یهد** ہے۔ ان میں دو جگہ فا ہے اور دو جگہ واؤ۔ سکون واؤ کے ساتھ۔ اول موقعہ سے مراد **اومن اهل القریٰ** ہے۔ نافع، ابن کثیر، ابن عامر سکون واؤ کے ساتھ اور باقی قراء فتح واؤ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

ونـحـن جلال محققؒ نے **ونـطـبـع** کے درمیان **نـحـن** مقدر مان کر ان کے مستانفہ ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ **ومـا وجـدنـا**. یہ جملہ معترضہ ہے جو آخر میں ہے اور جملہ معترضہ آخر میں آ سکتا ہے ماقبل سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ البتہ اگر ضمیر پہلی امتوں کی طرف لوٹائی جائے تو اس کا ربط پہلے سے بھی ہوسکتا ہے۔ **اکثر** مفعول اول اور **فـاسقین**. مفعول ثانی ہے اور لام دونوں میں فرق کر رہا ہے۔

ربط آیات: .... مذکورہ بالا قوموں کے علاوہ دوسری قوموں کے ساتھ بھی چونکہ ایسے حالات و واقعات پیش آ چکے ہیں اس لئے عام عنوان کے ساتھ اجمالاً ان کو بھی بیان کیا جا رہا ہے اور پھر اولم یهد الخ سے ایسے حالات کے باعث عبرت ہونے پر تنبیہ کرنی ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **عذاب الٰہی کا دستور:** .... یعنی جن بستیوں میں بھی عذاب الٰہی آیا تو ایک دم بلا اتمام حجت کے نہیں آیا بلکہ سنت اللہ کے مطابق اولاً جرائم پر مہلت دی گئی۔ پھر بھی نہ سمجھے تب عذاب نے آ کر پکڑا ہے۔ ان گذشتہ دعوتوں کے ذکر کرنے سے بھی مقصود اسی حقیقت کی تلقین کرنا ہے۔

آیت لفتحنا علیهم بر کات من السماء پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب آیت بدلنا مكان السيئة الحسنة سے کفار پر بھی عیش کی فراخی کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ انعام کی آیت فتحنا علیهم ابواب کل شیء سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ پھر خوشحالی کے لئے ایمان وتقوی کی کیا تخصیص رہی؟ جواب یہ ہے کہ کفار کو ہلاکت سے پہلے خوش حالی تو ایک حکمت کے ماتحت دی جاتی ہے۔ لیکن اس میں برکت نہیں ہوتی۔ کیونکہ آخر میں وہ وبال جان ہو جاتی ہے۔ برخلاف ایمان وطاعت کے ساتھ نعمتوں کے کہ وہ کبھی بھی وبال جان نہیں ہوتیں۔ نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں بلکہ ان میں خیر و برکت ہوتی ہے۔ پس دونوں خوشحالیوں میں فرق ہو گیا۔

عذابِ الٰہی کا فلسفہ: .... سرکش قوموں کی ہلاکت کے جو احوال بیان کئے گئے ہیں، ان کی نوعیت سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدرتی حوادث تھے۔ مثلاً: زلزلہ، طوفان، سیلاب، آتش فشانی، ان کا ظہور اگر چہ قدرت کی عادی اور جاری صورتوں ہی میں ہوا تھا۔ لیکن انکار و سرکشی کے نتائج سامنے لانے کے لئے ہوا تھا اور وہ بھی پیغمبروں کی خبر دینے کے بعد۔ پس ہر زلزلہ کے لئے عذاب کا ہونا اگر چہ ضروری نہیں ہے مگر جس زلزلہ کی خبر پہلے سے پیغمبر نے دے دی ہے اور اللہ نے بھی اسے اس معاملہ سے وابستہ کر دیا ہو تو وہ زلزلہ عذاب ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فطرت کے تمام مظاہر کے لئے ایک خاص بھیس مقرر کر دیا ہے وہ جب کبھی آئے گی تو اسی بھیس میں آئے گی۔

غور کرو فطرت کے داؤ کیسے مخفی اور ناگہانی ہوتے ہیں۔ زلزلہ کے اسباب دن رات نشو ونما پاتے رہتے ہیں اور سیلاب ایک لمحہ کی برف باری ہی کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ آتش فشاں پہاڑوں کا لاوا برسوں تک کھولتا رہتا ہے۔ تب کہیں جا کر پھٹنے کے قابل ہوتا ہے۔ فطرت چپکے چپکے یہ سب کام کرتی رہتی ہے لیکن ہمیں اس کی گود میں کھیلتے کھوتے ہوئے ایک لمحہ کے لئے بھی اس کا گمان نہیں ہوتا کہ کوئی غیر معمولی بات ہونے ولی ہے یہاں تک کہ اچانک اس کا داؤ نمودار ہوتا ہے اور ہم بالکل غفلت و سرمستی میں سرشار ہوتے ہیں۔

عذابِ الٰہی سے بےخوفی اور رحمت الٰہی سے مایوسی کے کفر ہونے کا مطلب: .... آیت لایمن مکر الله الخ سے معلوم ہوا ہے کہ عذاب الٰہی سے بےخوف اور مطمئن ہو جانا کفر ہے۔ کیونکہ قرآنی محاورہ میں خاسر سے مراد کافر ہوتا ہے اسی طرح سورۂ یوسف کی آیت لاییئس من روح الله الاالقوم الکفرون سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوسی اور ناامیدی کفر ہے۔ حدیث میں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے الایمان بین الخوف والرجاء۔ یعنی ایمان نام ہے امید وبیم کی درمیانی حالت کا۔ نہ محض ایسے خوف کو ایمان کہا جائے گا۔ جس میں امید کی کوئی کرن بھی نہ ہو اور اللہ کی رحمت سے بالکلیہ مایوسی ہو جائے اور نہ ہی ایسے اطمینان ورجا کو ایمان کہا جا سکتا ہے جس میں ذرا بھی خوف کی جھلک نہ ہو اور عذاب الٰہی سے بالکل ہی بےخوف وخطر ہو جائے۔

بقول علامہ آلوسیؒ شافعیہ کے نزدیک یہ امید اور ناامیدی دونوں کفر نہیں ہیں بلکہ کبیرہ گناہ ہیں۔ بعض محققینؒ نے ان دونوں قولوں میں یہ محاکمہ فرمایا ہے کہ اطمینان اور امن اگر اس درجہ کا ہے کہ اللہ کو انتقام پر قادر ہی نہیں سمجھتا یا مایوسی اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انعام پر قادر ہی نہیں سمجھتا۔ تب تو یہ دونوں کفر ہیں۔ لیکن اگر مایوسی اس معنی پر ہے کہ گناہوں کو بڑا اور ناقابل معافی سمجھتے ہوئے معافی اور مغفرت کو بعید سمجھتا ہے جس سے طاعت تو یہ بھی چھوڑ بیٹھا اور امن کا مطلب یہ ہو کہ غلبہ رحمت کی وجہ سے وہ گناہوں پر جری ہو جائے تو یہ بلاشبہ کبیرہ گناہ ہے کفر نہیں ہے۔ رہی یہ آیت، سو اس کو یا تغلیظ پر محمول کر لیا جائے اور یا مطلق خسارہ اور نقصان کے معنی لے لئے جائیں۔

لیکن سب سے بہترین توجیہ حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز نے یہ فرمائی ہے کہ قطعی وعید کے بعد بے خوف ہو جانا، جیسا کہ ان کفار کی حالت تھی یا قطعی وعدہ کے بعد بھی مایوس ہو جانا۔ مثلاً کسی نبی کی بشارت کے باوجود مایوس رہنا۔ غرض کہ یہ خاص امن اور یاس دونوں کفر ہیں اور ان دونوں آیتوں کے یہی معنی ہوتے ہیں۔

ولقد جاء تهم رسلهم بالبينات کی ضمیر میں تمام مذکورہ انبیاءؑ کا داخل ہونا اور بینات سے معجزات کا مراد ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ جن انبیاء کے معجزات قرآن وحدیث میں مذکور نہیں وہ بھی صاحب معجزہ تھے۔ پس قوم ہود کا ماجئتنا ببينة کہنا بر بناء عناد تھا۔ یہ صریح نص اس کو رد کر رہی ہے۔ اس لئے ان کا قول معتبر نہیں ہوگا۔

لطائف آیات: .... آیت ولو ان اهل القرىٰ الخ سے معلوم ہوا کہ دنیاوی نعمتوں میں طاعت الٰہی کا اور دنیاوی مصائب میں معصیت ونافرمانی کو دخل ہوتا ہے۔ چاہے وہ نعمتیں یا قمتیں حسی ہوں یا معنوی۔ آیت فلا یامن الخ میں وہ سالک بھی داخل ہے جو اپنے صاحب نسبت ہونے پر مغرور ہو اور نسبت کے چھننے سے نہ ڈرتا ہو۔ آیت فما كانوا ليؤمنوا الخ میں کسی بات پر اتنا اصرار یا عناد بھی داخل ہے کہ اگر کسی موقعہ پر ایک دفعہ "ہاں" نکل گئی تو پھر "نا" نہیں ہوگی اور "نہیں ہوگئی" تو پھر "ہاں" نہیں نکلے گی۔ اگرچہ اس کا ناحق ہونا بھی واضح ہو جائے۔ افسوس کہ یہ بلا مقتداؤں میں بھی عام ہوگئی ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ ۢبَعْدِهِمْ اَیِ الرُّسُلِ الْمَذْكُوْرِيْنَ **مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ** التِّسْعِ **اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ** قَوْمِهٖ **فَظَلَمُوْا** كَفَرُوْا **بِهَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾** بِالْكُفْرِ مِنْ اِهْلَاكِهِمْ **وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾** اِلَيْكَ فَكَذَّبَهٗ فَقَالَ اَنَا **حَقِيْقٌ** جَدِيْرٌ **عَلٰٓى اَنْ** اَیْ بِاَنْ **لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَشْدِيْدِ الْيَاءِ فَحَقِيْقٌ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ اَنْ وَمَا بَعْدَهٗ **قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ** اِلَى الشَّامِ **بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾** وَكَانَ اِسْتَعْبَدَهُمْ **قَالَ** فِرْعَوْنُ لَهٗ **اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ** عَلٰى دَعْوَاكَ **فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾** فِيْهَا **فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾** حَيَّةٌ عَظِيْمَةٌ **وَّنَزَعَ يَدَهٗ** اَخْرَجَهَا مِنْ جَيْبِهٖ **فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ** ذَاتَ شُعَاعٍ **لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾** خِلَافَ مَا كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْاُدْمَةِ **قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾** فَائِقٌ فِيْ عِلْمِ السِّحْرِ وَفِي الشُّعَرَاءِ اَنَّهٗ مِنْ قَوْلِ فِرْعَوْنَ نَفْسِهٖ فَكَاَنَّهُمْ قَالُوْا مَعَهٗ عَلٰى سَبِيْلِ التَّشَاوُرِ **يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ**

اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ اَخِّرْ اَمْرَهُمَا وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ جَامِعِیْنَ یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ وَفِیْ قِرَاءَةٍ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ ﴿۱۱۲﴾ یَفْضُلُ مُوْسٰی فِیْ عِلْمِ السِّحْرِ فَجَمَعُوْا وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ بِتَحْقِیْقِ الْهَمْزَتَیْنِ وَتَسْهِیْلِ الثَّانِیَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَیْنَهُمَا عَلَی الْوَجْهَیْنِ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ عَصَاكَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ ﴿۱۱۵﴾ مَامَعَنَا قَالَ اَلْقُوْا اَمْرٌ لِلْاِذْنِ بِتَقْدِیْمِ اِلْقَائِهِمْ تَوَسُّلًا بِهٖ اِلٰی اِظْهَارِ الْحَقِّ فَلَمَّآ اَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِیَّهُمْ سَحَرُوْٓا اَعْیُنَ النَّاسِ صَرَفُوْهَا عَنْ حَقِیْقَةِ اِدْرَاكِهَا وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ خَوَّفُوْهُمْ حَیْثُ خَیَّلُوْهَا حَیَّاتٌ تَسْعٰی وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ بِحَذْفِ اِحْدَی التَّائَیْنِ مِنَ الْاَصْلِ تَبْتَلِعُ مَایَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ یَقْلِبُوْنَ بِتَمْوِیْهِهِمْ فَوَقَعَ الْحَقُّ ثَبَتَ وَظَهَرَ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ مِنَ السِّحْرِ فَغُلِبُوْا اَیْ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ صَارُوْا ذَلِیْلِیْنَ وَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ لِعِلْمِهِمْ بِاَنَّ مَاشَاهَدُوْهُ مِنَ الْعَصَالَایَتَاَتّٰی بِالسِّحْرِ قَالَ فِرْعَوْنُ ءَاٰمَنْتُمْ بِتَحْقِیْقِ الْهَمْزَتَیْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِیَةِ اَلِفًا بِهٖ بِمُوْسٰی قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ اَنَا لَكُمْ اِنَّ هٰذَا الَّذِیْ صَنَعْتُمُوْهُ لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِیْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ مَایَنَالُكُمْ مِنِّیْ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَیْ یَدَ كُلِّ وَاحِدٍ الْیُمْنٰی وَرِجْلَهُ الْیُسْرٰی ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا بَعْدَ مَوْتِنَا بِاَیِّ وَجْهٍ كَانَ مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ رَاجِعُوْنَ فِی الْاٰخِرَةِ وَمَا تَنْقِمُ تُنْكِرُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا عِنْدَ فِعْلِ مَاتُوْعِدُهٗ بِنَا لِئَلَّا نَرْجِعَ كُفَّارًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ: .... پھران پیغمبروں کے بعد (جن کا ذکر گزر چکا ہے) ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی تو نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباری امراء (قوم) کے پاس بھیجا۔ لیکن انہوں نے ہماری نشانیوں کے ساتھ غیر انصافی سلوک (کفر) کیا۔ سو دیکھو ان مفسدوں کا انجام کیسا ہوا۔ (جو کفر کے ذریعہ فساد پھیلا رہے تھے یعنی تباہ ہوگئے) اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "اے فرعون! میں پروردگار عالم کی طرف سے آیا ہوں۔ (تیرے پاس لیکن اس نے جھٹلایا تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میری) شایان شان (لائق) یہ ہے کہ میں اللہ کے نام سے کوئی بات بجز سچ کے نہ کہوں (ایک قرأت میں یا کی تشدید کے ساتھ ہے یعنی علی پس لفظ حقیق مبتداء ہوگا۔ جس کی خبر ان سے لے کر بعد تک ہے) میں تیرے پروردگار کی طرف سے ایک بڑی روشن دلیل لے کر آیا ہوں۔ سو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ (ملک شام کی طرف) رخصت کردے (فرعون نے ان سب کو غلام بنا رکھا تھا) کہا (فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام

کو) اگر آپ واقعی کوئی دلیل (اپنے دعوے پر) لے کر آئے ہیں تو اسے پیش کیجئے۔ اگر آپ (اپنے دعوے میں) سچے ہیں۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو دفعتاً وہ صاف ایک اژدہا (بڑا سانپ) بن گیا اور اپنا ہاتھ (اپنے گریبان میں ڈال کر باہر) نکالا تو یکا یک بہت چمکتا ہوا (روشن) ہو گیا۔ سب دیکھنے والوں کے سامنے (اپنے اصلی گندمی رنگ کے برخلاف) فرعون کی قوم کے سردار کہنے لگے۔ واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے (جو جادوگری کے فن میں یکتا ہے اور سورۂ شعراء میں یہ ہے کہ یہ بات فرعون نے خود اپنے دل میں کہی تھی۔ پس یوں کہہ لیا جائے کہ یہ درباری بھی لبطور مشورہ فرعون ہی کے ہم زبان ہو گئے تھے) یہ چاہتا ہے کہ تمہیں اس تمہارے ملک سے نکال باہر کرے۔ اب بتلاؤ تمہاری اس بارے میں کیا صلاح ہے؟ کہنے لگے کہ موسیٰ اور اس کے بھائی کو ذرا ڈھیل دے کر روکے رکھئے (ان کو ابھی مہلت دیجئے) اور اپنی قلمرو میں چپڑاسیوں کو بھیج دیجئے (جو اکٹھا کر کے) آپ کے حضور تمام جادوگر لے آئیں (اور ایک قرأت لفظ سحار) آیا ہے جو ماہر ہوں (کہ جادوگری کے فن میں موسیٰ علیہ السلام پر بازی لے جائیں۔ چنانچہ ماہرین اکٹھے ہو گئے) اور فرعون کے دربار میں حاضر ہو کر کہنے لگے۔ "کیا (یہ لفظ دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دونوں ہمزہ کی تسہیل یا ان دونوں صورتوں میں ان دونوں ہمزوں کے درمیان الف کے ساتھ آیا ہے) ہمیں اس خدمت کے صلہ میں کوئی بھاری انعام ملے۔ اگر ہم غالب آ گئے۔ فرعون نے کہا، ہاں ضرور ملے گا۔ اور تم سب معتبر لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے۔ جادوگر بولے۔ اے موسیٰ! یا تو پہلے آپ (اپنی لاٹھی) پھینکئے یا پھر (جو کچھ ہمارے پاس دھندا ہے) ہم ہی پھینکیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ تم ہی پہل کر کے پھینکو (اس حکم کا تعلق پھینکنے میں پہل کرنے سے ہے تا کہ اس کو اظہار حق کا ذریعہ بنایا جا سکے) پھر جب جادوگروں نے پھینکیں (اپنی اپنی رسیاں اور لاٹھیاں) تو لوگوں کی نظر بندی کر دی (جادو کے زور سے لوگوں کی نگاہیں ماردیں کہ وہ حقیقت تک نہیں پہنچ سکے) اور جادوگروں نے لوگوں میں دہشت پھیلا دی (ہیبت ڈال دی۔ کیونکہ وہ رسیاں اور لاٹھیاں چلتے پھرتے سانپ نظر آ رہی تھیں) اور انہوں نے ایک طرح سے بہت بڑا جادو دکھلا دیا۔ اور ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ آپ بھی لاٹھی ڈال دیجئے۔ سو عصا کو ڈالنا تھا کہ یکا یک نے اس نے نگلنا شروع کر دیا (تلقف کی اصل سے ایک تاء حذف کر دی گئی ہے۔ تبتلع نگلنے کے معنی میں ہے) جو کچھ انہوں نے ڈھونگ رچا رکھا تھا (سوانگ بنا رکھا تھا) غرضیکہ حق ظاہر (ثابت اور واضح ہو گیا) اور جو کچھ جادوگروں نے (جادو کا) کرتب بنایا تھا سب ملیا میٹ ہو گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نیچا دیکھنا پڑا (فرعون اور اس کے ساتھ والوں کو) اس مقابلہ میں اور الٹے خوب ذلیل ہوئے (اپنا سا منہ لے کر رہ گئے) پھر تو جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے، کہنے لگے ہم ایمان لے آئے تمام جہانوں کے پروردگار پر جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا بھی پروردگار ہے (کیونکہ انہیں پورا یقین ہو چکا تھا کہ لاٹھی کی جو کرامات انہوں نے دیکھی ہیں وہ جادو کے بل بوتے پر نہیں ہو سکتیں) فرعون بڑبڑایا کہ تم ایمان لے آئے ہو؟ (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسری ہمزہ کو الف سے بدل کر یہ لفظ آیا ہے) موسیٰ علیہ السلام پر اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دوں؟ ضرور یہ (جنگ زرگری کا روپ جو تم نے بھرا تھا) ایک خفیہ کارروائی تھی جس کا تم نے مل جل کر سوانگ بھرا تھا تا کہ یہاں کے باشندوں کو اس سے نکال باہر کرو۔ اچھا ابھی تھوڑی دیر میں تمہیں حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے (میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہوں) میں پہلے ہاتھ الٹے سیدھے کٹواؤں گا (یعنی ہر شخص کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کٹوا ڈالوں گا) پھر تم سب کو سولی میں ٹانگ دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا ہمیں اپنے پروردگار کی طرف (مرنے کے بعد جس طرح بھی ہو) جانا ہی ہے۔ (آخرت میں پیش ہوں گے) اور تو نے ہم میں کون سا عیب دیکھا ہے۔ اس کے سوا کہ جب ہمارے پروردگار کے احکام آئے تو ہم ان پر ایمان لے آئے۔ اے ہمارے پروردگار! صبر سے ہم کو سرشار کر دینا (جبکہ فرعون اپنی دھمکیوں پر کاربند ہونا چاہے) ایسا نہ ہو کہ ہم کفر کی طرف ڈگمگا جائیں اور ہمیں دنیا سے اپنی فرمانبرداری کے ساتھ اٹھا لینا۔

تحقیق وترکیب :..........موسیٰ آپ کی عمر ایک سوبیس سال ہوئی۔ ان میں اور حضرت یوسف علیہ السلام میں چار سو سال اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان سات سو سال کا فاصلہ ہے قرآن کریم میں ان کی دعوت وارشاد کے تفصیلی واقعات سب سے زیادہ ملتے ہیں یا تو اس لئے کہ نبوت وحکومت اور سیاسی ملکی مکمل انقلاب کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کو خصوصی مناسبت ہے۔جس کی طرف ورقہ بن نوفل نے ابتداء ''ناموس اکبرؑ کے آنے کی پیشگوئی میں ارشاد کیا تھا اور یا عرب ممالک میں یہود کی کثرت اس تفصیل کا باعث بنی۔

التســـع. نو مشہور معجزے یہ ہیں:۔(۱) عصا،(۲) ید بیضا،(۳) قحط سالی،(۴) طوفان،(۵) ٹڈی دل،(۶) جوؤں کے ڈھیر،(۷) مینڈکوں کی بھرمار،(۸) خونی عـــذاب،(۹) مسخ۔ان میں آٹھ اسی صورت میں آ گئے آتے ہیں اور طمس اور مسخ کا ذکر سورۂ یونس میں آئے گا۔ربنا اطمس علی اموالھم.

الیٰ فرعون. دراصل پہلے تو یہ ایک شخص کا نام تھا۔پھر مصری بادشاہوں کا یہ لقب ہونے لگا۔چنانچہ یہاں بھی لقب ہی ہے ورنہ اس کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا۔چھ سو بیس سال ایسے مزہ کی زندگی گزری کہ کبھی کوئی ناگوار بات سامنے نہیں آئی۔

علیٰ ان لا اقول. یعنی علیٰ بمعنی باء ہے اور دوسری صورت میں علی کی قراءت پر مبتداء خبر کی ترکیب ہوگی۔

الـــی الشـــام. یہ اصلی آبائی وطن تھا۔جہاں سے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر آ کر رہنا ہو گیا تھا اب قومی آزادی اور استخلاص وطن کی تحریک اور سیاسی جدوجہد کا نعرہ بلند کر رہے ہیں۔قوم موسیٰ جو فرعونیوں کی زنجیر غلامی میں جکڑی ہوئی تھی اس کو آزاد کرا رہے ہیں۔

ثعبان. اس کے معنی اژدے کے ہیں۔دوسری آیت میں ''کانھا جان'' فرمایا گیا ہے جس کے معنی پتلے سانپ کے ہیں جو اژدہے سے مختلف ہوتا ہے۔پھر دونوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟ پس اس کی ایک توجیہ تو یہ ہے کہ تیز روی میں تو وہ پتلے سانپ کی طرح تھا اور جسامت کے لحاظ سے بڑا اژدہا تھا۔چنانچہ اسی ۸۰ گز تو منہ کا پھیلاؤ ہو جاتا تھا اور نیچے کا جبڑا اگر زمین پر ہوتا تو اوپر والا جبڑا محل فرعون کے کنگروں پر جا لگتا اور زمین سے ایک ایک میل اوپر اٹھ کر دم کے بل کھڑا ہو جاتا فرعون کی طرف دوڑتا تو وہ مارے دہشت کے تخت چھوڑ کر بھاگنے لگتا اور غریب کو دست لگ جاتے۔اسی سے ڈر کر آزادی کا پروانہ بھی دینے کا وعدہ کر لیا تھا۔لوگ بدحواس ہو کر تقریباً پچیس ہزار تو مر گئے۔واللہ اعلم۔

اور دوسری توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ڈالنے پر ابتداءً وہ سانپ ہوتا اور بڑھتے بڑھتے پھر اژدہان بن جاتا۔پس اس طرح دونوں لفظ بولنے صحیح ہو گئے۔

اور تیسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ جیسا کہ موقعہ ہوتا یا جیسے حضرت موسیٰ چاہتے ویسے ہی وہ بن جاتا تھا۔کبھی سانپ بن گیا اور اول سے آخر تک ایک حال میں سانپ ہی رہا اور کبھی اژدہا ہوتا اور رہتا۔بہر حال دوسری اور تیسری توجیہ میں فرق ظاہر ہے۔

نـــزع یدہ. گریبان میں ہاتھ ڈال کر بغل میں دبا کر نکالنے سے آفتاب کی طرح چمکنے لگتا۔جو لوگ بیجان لکڑی سے جاندار سانپ بننے میں تعجب کرتے ہیں وہ انقلابات عناصر میں غور کریں جس کو فلاسفہ نے تسلیم کیا ہے۔

البتہ حقائق کا محال ہونا جو فلاسفہ میں مشہور ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف وجوب، امتناع، امکان۔یہ تینوں ایک دوسرے کی طرف بدل نہیں سکتے۔یعنی واجب ممتنع ہو سکتا ہے اور نہ ممکن اسی طرح امتناع، امکان، واجب کی طرف نہیں بدل سکتا۔علیٰ ہذا امکان واجب یا ممتنع میں داخل نہیں ہو سکتا۔لیکن عناصر کے انقلاب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔چنانچہ آگ، ہوا، پانی، مٹی ایک

دوسرے میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔

اور جو لوگ ہاتھ میں روشنی اور چمک پیدا ہونے کو بعید سمجھتے ہوں وہ ذرا جگنوں کی دم پر نظر جمالیں قدرت الٰہی کے سیل سے یہ حیوانی ٹارچ کیسی جگمگائی نظر آئے گی۔

ارجہ۔ ابو عمرؒ، ابو بکرؒ، یعقوبؒ کی قراءت میں اس کی اصل ارجۂ ہونے کی صورت میں اور ابن کثیرؒ، ہشامؒ کی قراءت پر اس کی اصل ارجو ہونے کی صورت میں ارجات سے ماخوذ ہے یا ارجی ارجیت سے ہے۔ جیسا کہ استغفار اسماعیلؒ، کسائیؒ کی روایت پر نافعؒ کی قراءت ہے۔ لیکن حمزہؒ اور حفصؒ کی قراءت پر ارجہ ہے منفصل کو متصل سے تشبیہ دیتے ہوئے سکون ہا کے ساتھ ہے۔ البتہ ابن ذکوانؒ کی قراءت پر ارجۂ ہمزہ اور کسرہا کے ساتھ نحویوں کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔ کیونکہ ہا مکسور نہیں ہوتی۔ تا وقتیکہ اس کا ماقبل مکسور یا یائے ساکنہ نہ ہو۔ کیونکہ ہمزہ جب یا ہو جاتی ہے تو اسی کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔

فجمعوا۔ یہ جادوگر ۷۲ تھے۔ یا بقول کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ بارہ ہزار ۱۲۰۰۰ اور بقول ابن اسحٰق پندرہ ہزار ۱۵۰۰۰ اور بقول بعض ستر یا اسی ہزار ۷۰۰۰۰، ۸۰۰۰۰ یا اس سے بھی زائد تھے اور یہ مقابلہ اسکندریہ شہر میں کرایا گیا تھا۔

اما ان تلقی۔ جادوگروں کی طرف سے پہل کا موقعہ دینا یا ادب وشائستگی کی وجہ سے ہوگا اور یا اپنی فن دانی پر گھمنڈ کرتے ہوئے مغرورانہ کہا ہو اور یا پیشہ وروں کی عادت کے مطابق کہا ہوگا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہل کی اجازت اس لئے دی کہ اقدام کی نسبت مدافعت میں آسانی ہوتی ہے اور یا غلبہ حق کی نیت سے ان کو پیش قدمی کا موقعہ دیا ہو۔ کیونکہ اپنی جیت اور مخالف کی ہار کا اظہار اس صورت میں خوب ہو سکتا ہے۔

سحروا اعین الناس۔ اسی سے معجزہ اور جادو کا فرق واضح ہو گیا کہ جادوگروں نے محض تخیل بندی اور نظر بندی کی تھی۔ کیونکہ جادوگروں کے کرتب کا حاصل یہ تھا کہ انہوں نے موٹے موٹے رسوں پر زیبق مل دیا تھا اور بانس جیسی کھوکھلی لاٹھیوں کے اندر بھی زیبق بھر دیا تھا۔ جب میدان میں سورج کی گرمی پہنچی تو انہیں حرکت ہونے لگی اور ایک دوسرے سے لپٹنے لگیں۔ جس سے ناظرین سمجھے کہ سانپ حرکت کر رہے ہیں اور میدان پٹا پڑا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قلب حقیقت و ماہیت کر کے دکھلا دیا تھا۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جادو کی تمام قسموں میں صرف خیال بندی ہوتی ہے اور واقعہ قلب حقیقت نہیں ہوتی؟ زیادہ سے زیادہ یہاں خیال بندی ہوگی مگر اس سے دوسری صورتوں کی نفی لازم نہیں آتی۔ ہاں پھر مطلق معجزہ اور مطلق سحر میں فرق کی تقریر دوسری جگہ ہوتی اور وہ یہ کہ معجزہ اور جادو دونوں اگرچہ خلاف عادت ہوتے ہیں لیکن جادو میں اسباب خفیہ کے ذریعہ مقصد حاصل کیا جاتا ہے اور معجزہ میں بالکل اسباب کو دخل نہیں ہوتا۔ نہ ظاہری اسباب کا اور نہ اسباب خفی کا اور دوسرے جادو اختیاری ہوتا ہے۔ یعنی جب اس کے اسباب اختیار کئے جائیں گے تو ان پر اثر کا ترتب ہو جاتے ہیں ورنہ نہیں۔ اس کی تعلیم وتعلم بھی اختیاری ہے اور اس کے کرنے کا ایک خاص مقررہ طریقہ ہوتا ہے جو بھی اس کو کرلے گا ہو جائے گا۔ پھر باقاعدہ اس کی کاٹ کے طریقے بھی ہوتے ہیں اور اس کی اتار بھی کی جاسکتی ہے۔ غرضیکہ وہ ایک باضابطہ مدون فن ہے۔ اس لئے جاننے والا اس سے خائف نہیں ہوتا برخلاف معجزہ کے۔ اس میں اس قسم کی کوئی بات نہیں پائی جاتی۔ صاحب معجزہ کے اختیار میں معجزہ نہیں ہوتا کہ جب چاہا اور جونسا چاہا معجزہ ظاہر کر دیا۔ بلکہ بعض دفعہ اس کے چاہنے کے باوجود بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام ڈرے کہ ممکن ہے اس وقت مصلحت الٰہی نہ ہونے کی وجہ سے معجزہ ظاہر نہ ہو اور میری ناموسی ہو جائے یا اگر ان کے جادو سے ڈرے تو یہ بھی ان کے پیغمبر ہونے کی دلیل ہے۔ جادوگر ہوتے تو نہ ڈرتے بلکہ فن دان ہونے کی وجہ سے مطمئن رہتے اور یہ خوف طبعی کمال نبوت کے منافی نہیں ہے۔

اسی طرح بسا اوقات اسے معجزہ کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ اس کی لاعلمی اور بے خبری کی حالت میں اللہ کی حکمت ومصلحت کے تقاضہ اس کے ہاتھ پر معجزہ یا کرامت ظاہر ہو جاتی ہے۔ پھر نہ اس کی کوئی کاٹ یا اتار ہے اور نہ وہ کوئی کسبی اور مدون فن ہے کہ باضابطہ اس کا ڈپلومہ یا ڈگری ہر شخص حاصل کر سکے۔ نیز صاحب معجزہ اور صاحب کرامات کی غرض صرف دعوت وارشاد اور مرضیات الٰہیہ ہوتی ہے۔ دنیاوی اغراض اس کے پیش نظر نہیں ہوتیں۔ "ان اجری الا علی اللّٰہ" کا نعرہ اس کی زبان پر ہوتا ہے۔ لیکن ایک جادوگر کا ترانہ "ان لنا لاجراً ان کنا نحن الغالبین" ہوتا ہے۔

ربط آیات: .... چھٹا قصہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سبطیوں اور قبطیوں سے متعلق ہے۔ حضرت موسیٰ کے معجزوں کی عظمت، فرعونیوں کے کفر کی شدت اور بنی اسرائیل کی عجیب وغریب جہالت کی وجہ سے قرآن کریم میں اس قصہ کو بار بار دہرایا گیا اور تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی آدھے پارہ تک اسی قصہ کی تفصیلات چلی گئی ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: .... **آیات سے کیا مراد ہے:** .... آیات سے مراد یا تو صرف یہی دو معجزے ہیں اور ان کو جمع کے صیغہ سے بیان کرنا ان کے بڑے ہونے یا بار بار واقع ہونے کی وجہ سے ہو اور یا پھر نو معجزات مراد ہیں جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ جو اگر چہ مختلف اوقات میں ظاہر ہوئے۔ لیکن یہاں اجمالی طور پر مجموعی وقت مراد ہوگا۔

بنی اسرائیل کا نبی ہونے سے ساری دنیا کا نبی ہونا لازم نہیں آتا: .... فرعون اور درباریوں کی تخصیص محض اس لئے ہے کہ عوام ان ہی کے تابع ہیں۔ پس وہ بدرجہ اولیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے مکلف اور مخاطب ہوں گے۔ چنانچہ دوسری آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کی طرف بھیجا جانا ذکر کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ محض اتنے پھیلاؤ سے وہ عموم بعثت لازم نہیں آتی جو آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے۔ دوسری آیات سے حضرت ہارون علیہ السلام کا رفیق سفر ہونا بھی معلوم ہوتا ہے لیکن یہاں شاید تابع ہونے کی وجہ سے ان کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔ بنی اسرائیل پر بے حد مظالم کر کے انسانی حقوق چونکہ پامال کئے جا رہے تھے اس لئے خاص طور پر اس کو اہمیت دینے کے لئے یہاں صرف اسی کو ذکر کیا گیا ہے ورنہ دوسری آیات میں توحید کا بیان بھی آیا ہے اور بعض کے نزدیک **ارسل** کے معنی صرف آزاد کرنے کے ہیں۔ شام کی طرف بھیجنا اس میں داخل نہیں ہے۔

معجزہ اور جادو کا فرق: .... اور **مبین** کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں معجزوں سے واقعی حقیقت تبدیل ہو جاتی تھی۔ محض خیالی بات نہ تھی۔ باقی "للناظرین" کے لفظ سے کوئی نظر بندی کا شبہ نہ کرے۔ کیونکہ اس لفظ سے تو اور زیادہ تاکید ہو رہی ہے۔ یعنی کھلی آنکھوں لوگوں نے سانپ بننے اور ہاتھ چمکنے کا منظر دیکھا۔ کوئی شعبدہ بازی نہیں تھی اور یہی فرق ہوگا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ اور جادوگروں کے اس جادو میں۔ باقی مطلق معجزہ اور مطلق جادو کا فرق ابھی "تحقیق وترکیب" عنوان کے آخر میں گزر چکا ہے۔

فرعونی پروپیگنڈہ: .... **یرید ان یخرجکم** جب کوئی گری ہوئی جماعت اٹھنا اور اپنی حالت سنوارنا چاہا کرتی ہے تو ظالم طاقتیں اسے بغاوت سے تعبیر کیا کرتی ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سیدھا سادہ مطالبہ صرف یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکل جانے دیا جائے، لیکن اس معصومانہ مطالبہ کو بھی مصر کے گردن کشوں نے کیسا بھیانک رنگ دیا اور اسے ملکی بغاوت قرار دیتے ہوئے یہ کہا کہ یہ شخص مصریوں کو ان کے اپنے وطن سے نکال باہر کرنا چاہتا ہے۔ کچھ ٹھکانا ہے اس جھوٹ کا۔

جادو محض فریب نظر کا نام نہیں:.................. سحروا اعین الناس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر قسم کے جادو میں صرف نظر بندی ہی ہوتی ہے اور حقیقت تبدیل نہیں ہوسکتی بلکہ زیادہ سے زیادہ اس خاص جادو کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ محض نظر بندی اس سے نہ تو جادو کی سب قسموں کا نظر بندی میں حصر لازم آتا ہے اور نہ دوسری قسموں میں حقیقت تبدیل ہونے کی نفی کسی عقلی یا نقلی دلیل سے ثابت ہے۔ نیز ''سحر عظیم'' کے لفظ سے بھی یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ جب اس نظر بندی کو ''بڑا جادو'' کہا گیا ہے تو اور طریقے اس نظر بندی سے کم اور چھوٹے ہوں گے۔ وجہ یہ ہے کہ اول تو عظیم سے بڑھ کر ایک درجہ اعظم کا ہوتا ہے۔ پس ممکن ہے کچھ اور قسمیں جادو کی اعظم ہوں۔ پھر عظیم کے مراتب اور درجے بھی مختلف ہوسکتے ہیں۔ کوئی ادنیٰ، کوئی درمیانی، کوئی اعلیٰ، پس ہوسکتا ہے کہ کسی لحاظ سے یہ نظر بندی عظیم ہو اور کسی دوسرے اعتبار سے تبدیل حقیقت عظیم ہو۔

فغلبوا هنالك. سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ یہ معاملہ مصریوں کے تہوار کے دن پیش آیا تھا۔ اس وقت کچھ تو عادۃً بڑا جمگھٹا ہوتا ہوگا اور اب بھی زیادہ عظیم الشان اجتماع ہوگیا ہوگا اور خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ موقعہ مناسب سمجھ کر تجویز فرمایا تھا۔

''برب العٰلمین'' کے ساتھ ''رب موسیٰ وہارون'' اس لئے بڑھادیا ہے کہ فرعون جو اپنے لئے رب اعلیٰ ہونے کا دعویدار تھا وہ کہیں خوش نہ ہوجائے یا دوسروں کو کسی غلط فہمی کا موقعہ نہ مل جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادو کرنے کی اجازت نہیں دی بلکہ پہل کرنے کی اجازت دی تھی:......

معجزہ کا کفار سے مقابلہ کرنا اگرچہ کفر ہے اور کفر کی اجازت ایک مومن بھی نہیں دے سکتا۔ چہ جائیکہ ایک اولوالعزم پیغمبر اجازت دے۔ پھر القوا سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیسے اس کی اجازت دی؟ مفسر علامؒ نے اسی کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اگر ڈالنے کی اجازت نہ بھی دیتے تب بھی وہ لوگ یہ کارروائی ضرور کرتے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا منشاء محض ڈالنے کی اجازت دینا نہیں تھا۔ بلکہ دوسری آیت ''اول من القی'' سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام پہل کرنے میں ہو رہا تھا۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غلبہ حق کے اظہار کے لئے ایک شق کو اختیار فرمالیا۔ کیونکہ دوسری صورت میں ''عصا موسی'' کا سانپ بنتا تو ظاہر ہوجاتا۔ مگر ان پر غلبہ ظاہر نہ ہوتا اور اب پہلے سے جادوگروں کی پڑی ہوئی لاٹھیوں اور رسیوں کو آناً فاناً اور دفعۃً نگل جانے سے ''ہار جیت'' کا بہت جلد کھلی آنکھوں فیصلہ ہوگیا۔ جادوگروں کی طرف سے بعد میں لاٹھیاں اور رسیاں ڈالنے کی صورت میں بھی اگرچہ ''عصائے موسیٰ'' ان کو نگل کر مغلوب کرسکتا تھا، لیکن اچانک اور ایک دم یہ چھاپہ مار صورت نہ ہوتی۔ غرضیکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہل کرنے کی اجازت دی ہے جادو کرنے کی نہیں۔

فرعون کی طرف سے ''سازش'' کا جھوٹا الزام:.................. فرعون نے ''ان هذا لمکر'' یا تو ویسے ہی سخن پروری کے لئے کہہ دیا ہوگا اور یا بقول بعض حضرات اس کا منشاء مقابلہ سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کی ایک باہمی گفتگو ہو جس سے جادوگر متاثر ہوکر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں جیت گیا تو پھر کیا تم لوگ ایمان لاؤ گے؟ انہوں نے کہا تھا ''ہاں ضرور۔'' اور فرعون یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اسی ''بات چیت'' کو وہ غلط پروپیگنڈے کے طریقہ پر سازش کا نام اور قومی خطرہ کا رنگ دیتا ہے۔ فرعون نے جب دیکھا کہ تمام باشندگان ملک کے سامنے اسے شکست فاش ہوئی اور جن جادوگروں پر بھروسہ کیا تھا وہی ایمان لے آئے تو ڈرا کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معتقد ہوجائیں، اس لئے جادوگروں پر مکرو

سازش کا الزام لگایا کہ یہ سب ملی بھگت ہے۔

فرعون نے نومسلم جادوگروں کوسزا دی تھی یا نہیں:............ باقی ان نومسلموں کو فرعون نے سزا دی تھی یا نہیں؟ اس میں دونوں قول ہیں۔ ابن عباسؓ کے نزدیک سزا ہوئی۔ نیشاپوری اسی کو اظہر اور ''مذہب اکثر'' مانتے ہیں۔ چنانچہ ''اتــذر موسیٰ و قومه'' کے ساتھ ان ''ساحرون'' کا ذکر نہیں ہے۔ نیز صبر کی دعا کرنا بھی بلا آنے کی دلیل ہے۔ لیکن دوسرے حضرات ''انتمــا مـن اتبعکم الغـالبون'' سے استدلال کرتے ہوئے سزا کا انکار کرتے ہیں۔ تاہم پہلے استدلال کا یہ جواب ہوسکتا ہے کہ چونکہ یہ نومسلم جادوگر بھی قوم موسیٰ میں داخل ہوگئے اس لئے الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہی اور صبر سے مراد ایمان پر جمے رہنا ہو۔ اسی طرح دوسرے استدلال کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ غلبہ سے مراد دلیل کا غلبہ ہے۔ اس کے علاوہ قتل ہوجانا غلبہ کے منافی نہیں ہے۔ آخر غالب فریق میں کچھ لوگ مقتول بھی ہوا ہی کرتے ہیں۔ بہرحال سچا ایمان اگرچہ ایک لمحہ کا ہو، ایسی روحانی طاقت پیدا کردیتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے مرعوب و مسخر نہیں کرسکتی۔ وہی جادوگر جو فرعون سے صلہ وانعام کی التجائیں کررہے تھے ایمان لانے کے بعد یک لخت ایسے بے پرواہ ہوگئے کہ سخت سے سخت جسمانی عذاب کی دھمکی بھی انہیں ڈگمگا نہ سکی۔

لطائف آیات:............ آیت یـریـدان یـخـرجکم الخ میں جس طرح فرعون نے ایک حق کو باطل کی صورت میں تلبیس کرکے پیش کیا۔ یہی شیوہ ہوتا ہے صوفیائے باطل کا کہ وہ اہل حق کی باتوں کو برے برے عنوان سے پیش کرکے عوام میں ان سے نفرت پیدا کردیتے ہیں۔

آیت قـال الـقـوا الخ سے بعض مشائخ کے اس طریقہ کی اصل نکلتی ہے کہ بعض دفعہ مصلحۃً بظاہر برے یا گناہ کے کام کی وہ اجازت دے دیا کرتے ہیں۔ جس میں آخرکار کوئی دینی صلحت چھپی ہوئی ہے اور وہی مقصود ہوتی ہے آیت فـلـما القوا الخ سے کئی باتیں ثابت ہوئیں۔ اول یہ کہ خلاف عادت اور اچنبھے کی باتوں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے کیونکہ وہ گمراہ لوگوں سے بھی ظاہر ہوسکتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ جادو کی ایک قسم خیال بندی اور نظر بندی بھی ہوتی ہے۔ مسمریزم اسی میں داخل ہے۔ تیسری یہ کہ ایسی باتوں سے ایک صاحب کمال باطن بھی متاثر ہوسکتا ہے اور یہ تاثر اس کے باطنی کمال کے منافی نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس موقعہ پر خائف ہوئے۔ نیز اہل حق کا ایسی باتوں پر یا ان کے توڑ پر قادر ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ آیت والـقـی الـسـحـرة الخ سے معلوم ہوا کہ طریقت میں اصل مدار جذب حق پر ہے۔ جیسا کہ اہل طریق سے ثابت ہے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ لَهٗ **اَتَذَرُ** تَتْرُكُ **مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ** بِالدُّعَاءِ اِلَى مُخَالَفَتِكَ **وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ** وَكَانَ صَنَعَ لَهُمْ اَصْنَامًا صِغَارًا يَعْبُدُوْنَهَا وَقَالَ اَنَا رَبُّكُمْ وَرَبُّهَا وَلِذَا قَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى **قَالَ سَنُقَتِّلُ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **اَبْنَآءَهُمْ** الْمَوْلُوْدِيْنَ **وَنَسْتَحْيٖ** نَسْتَبْقِيْ **نِسَآءَهُمْ** كَفِعْلِنَا بِهِمْ مِنْ قَبْلُ **وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ** ﴿۱۲۷﴾ قَادِرُوْنَ فَفَعَلُوْا بِهِمْ ذٰلِكَ فَشَكَا بَنُوْ اِسْرَاءِيْلَ **قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا** عَلٰى اَذَاهُمْ **اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا** يُعْطِيْهَا **مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ** الْمَحْمُوْدَةُ **لِلْمُتَّقِيْنَ** ﴿۱۲۸﴾ اللّٰهَ **قَالُوْٓا** قَوْمُ مُوْسٰى **اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا**

قَالَ عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّکُمْ وَیَسْتَخْلِفَکُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ فِیهَا وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ بِالْقَحْطِ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ یَتَعِظُوْنَ فَیُؤْمِنُوْنَ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ الْخِصْبُ وَالْغِنٰی قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ ای نَسْتَحِقُّهَا وَلَمْ یَشْکُرُوْا عَلَیْهَا وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ جَدْبٌ وَبَلَاءٌ یَّطَّیَّرُوْا یَتَشَاءَمُوْا بِمُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ شُؤْمُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ یَاْتِیْهِمْ بِهٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ اَنَّ مَا یُصِیْبُهُمْ مِنْ عِنْدِهٖ وَقَالُوْا لِمُوْسٰی مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰیَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَدَعَا عَلَیْهِمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَهُوَ مَاءٌ دَخَلَ بُیُوْتَهُمْ وَوَصَلَ اِلٰی حُلُوْقِ الْجَالِسِیْنَ سَبْعَةَ اَیَّامٍ وَالْجَرَادَ فَاَکَلَ زَرْعَهُمْ وَثِمَارَهُمْ کَذٰلِكَ وَالْقُمَّلَ السُّوْسَ اَوْ نَوْعٌ مِنَ الْقِرَادِ فَتَتَبَّعَ مَاتَرَکَهُ الْجَرَادُ وَالضَّفَادِعَ فَمَلَأَتْ بُیُوْتَهُمْ وَطَعَامَهُمْ وَالدَّمَ فِیْ مِیَاهِهِمْ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ مُبَیِّنَاتٍ فَاسْتَکْبَرُوْا عَنِ الْاِیْمَانِ بِهَا وَکَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَیْهِمُ الرِّجْزُ الْعَذَابُ قَالُوْا یٰمُوْسَی ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ مِنْ کَشْفِ الْعَذَابِ عَنَّا اِنْ اٰمَنَّا لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ کَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا کَشَفْنَا بِدُعَاءِ مُوْسٰی عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓی اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ یَنْکُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ وَیُصِرُّوْنَ عَلٰی کُفْرِهِمْ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ الْبَحْرِ الْمِلْحِ بِاَنَّهُمْ بِسَبَبِ اَنَّهُمْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ لَا یَتَدَبَّرُوْنَهَا وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ کَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ بِالْاِسْتِعْبَادِ وَهُوَ بَنُوْ اِسْرَاءِیْلَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْهَا ؕ بِالْمَاءِ وَالشَّجَرِ صِفَةٌ لِلْاَرْضِ وَهِیَ الشَّامُ وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی وَهِیَ قَوْلُهٗ وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا الخ عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ عَلٰی اَذٰی عَدُوِّهِمْ وَدَمَّرْنَا اَهْلَکْنَا مَا کَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ مِنَ الْعِمَارَةِ وَمَا کَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ بِکَسْرِ الرَّاءِ وَضَمِّهَا یَرْفَعُوْنَ مِنَ الْبُنْیَانِ وَجٰوَزْنَا عَبَرْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا فَمَرُّوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ بِضَمِّ الْکَافِ وَکَسْرِهَا عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ یُقِیْمُوْنَ عَلٰی عِبَادَتِهَا قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا صَنَمًا نَعْبُدُهٗ کَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ حَیْثُ قَابَلْتُمْ نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ بِمَا قُلْتُمُوْهُ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ هَالِكٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْکُمْ اِلٰهًا مَعْبُوْدًا وَاَصْلُهٗ اَبْغِیْ لَکُمْ وَّهُوَ فَضَّلَکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾ فِیْ زَمَانِکُمْ بِمَا ذَکَرَهٗ فِیْ قَوْلِهٖ وَاذْکُرُوْا اِذْ اَنْجَیْنٰکُمْ وَفِیْ قِرَاءَةٍ اَنْجَاکُمْ مِّنْ اٰلِ

فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ يُكَلِّفُونَكُمْ وَيُذِيقُونَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ أَشَدَّهُ وَهُوَ يُقَتِّلُونَ أَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ يَسْتَبْقُونَ نِسَآءَكُمْ وَفِي ذٰلِكُمْ الْإِنْجَاءِ أَوِ الْعَذَابِ بَلَآءٌ إِنْعَامٌ أَوِ ابْتِلَاءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ أَفَلَا تَتَّعِظُونَ فَتَنْتَهُونَ عَمَّا قُلْتُمْ

ترجمہ: .... اورفرعون کی قوم کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا کیا آپ موسیٰ علیہ السلام اوران کی قوم کو یوں ہی رہنے دیں گے (چھوڑ دیں گے) کہ وہ ملک میں بدامنی پھیلاتے پھریں (آپ کی مخالفت پر لوگوں کو ابھارتے رہیں) اور آپ کو اور آپ کے معبودوں کو نظر انداز کئے رہیں (فرعون نے چھوٹے چھوٹے بت بنا کر رکھ چھوڑے تھے جن کی لوگ پوجا پاٹ کرتے رہتے اور کہتا تھا کہ میں ان سب کا اور تمہارا رب ہوں۔ اسی لئے فرعون اپنے کو رب اعلیٰ کہا کرتا تھا) فرعون بولا! ہم ابھی قتل کردیں گے (یہ لفظ تشدید اور تخفیف کے ساتھ دونوں طرف پڑھا گیا ہے) ان کے (نومولود) لڑکوں کو اور زندہ (باقی) رہنے دیں گے ان کی عورتوں کو (جیسا کہ ہم اس سے پہلے بھی ان کے ساتھ ایسا ہی کر چکے ہیں اور ہمیں ہر طرح کا ان پر زور ہے (ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اسرائیلی لوگوں پر قبطیوں نے یہ آرڈر نافذ کردیا۔ جس کی شکایت اسرائیلی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کررہے ہیں) موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ کا سہارا رکھو اور جمے رہو (ان کی تکلیفوں پر صبر کرو) باشبہ یہ زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں اس کا وارث (مالک) بنادیتے ہیں اور اخیر (اچھی) کامیابی ان ہی کی ہوتی ہے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں۔ (موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے) لوگ کہنے لگے ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے۔ آپ کی تشریف آوری سے پہلے بھی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔ (موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا۔ بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو برباد کردیں گے اور تمہیں ملک میں ان کی جگہ حکومت دے دیں گے۔ پھر (ملک میں) تمہارا طرز عمل دیکھیں گے اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے فرعون کی قوم کو مبتلا کیا تھا خشک سالی اور پھلوں کی کم پیداواری میں تاکہ وہ چونکیں (سبق حاصل کر کے ایمان لے آئیں) پھر جب ان پر خوش حالی (سرسبزی اور دولت) آجاتی تو کہتے یہ تو ہمارے لئے ہونا چاہئے (یعنی ہم اسی لائق ہیں۔ پھر بھی اس پر شکر ادا نہ کرتے) اور اگر کوئی بدحالی (قحط سالی اور مصیبت) پیش آجاتی تو موسیٰ علیہ السلام اوران کے (مومن) ساتھیوں کی نحوست (بدفالی) بتلاتے۔ سن رکھو! ان کی نحوست (بدفالی) اللہ کے یہاں تھی (جہاں سے ان کے پاس آئی ہے) لیکن ان میں سے بہتوں کو یہ بات معلوم نہیں (کہ جو کچھ ان پر مصیبت آتی ہے وہ سب اللہ کی طرف سے ہوتی ہے) اور (موسیٰ علیہ السلام سے) یوں کہتے ہیں، ہم پر جادو چلانے کے لئے کیسی ہی اور کتنی ہی نشانیاں ہمارے سامنے لاؤ۔ پر ہم ماننے والے نہیں ہیں۔ (اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ان کے حق میں بددعا فرمائی) پھر تو ہم نے ان پر طوفان بھیج دیا (جس کا پانی ان کے گھروں میں گھس آیا اور بیٹھے ہوؤں کے گلے گلے آگیا۔ سات دن یہی سماں رہا) اور ٹڈی دل (جنہوں نے ان کی کھیتیاں اور پھل اسی طرح سات روز تک چٹ کردیئے) اور جوئیں یا ایک خاص قسم کی چھوٹی مکھیاں (گھن کا کیڑا یا ٹڈی کی ایک خاص قسم ہے جو عام ٹڈیوں سے بچی ہوئی ہریالی کو صاف کردیتی ہے) اور مینڈک (چنانچہ ان کے گھروں اور کھانوں میں امنڈ پڑتے تھے) اور خون (پانیوں میں) کہ یہ سب کھلی کھلی (صاف) نشانیاں تھیں۔ اس پر بھی وہ تکبر کرتے رہے (ان معجزات کو مان کر نہیں دیئے) اور یہ لوگ کچھ تھے ہی جرائم پیشہ۔ اور جب ان پر (عذاب کی) سختی ہوئی تو کہنے لگے۔ "اے موسیٰ علیہ السلام! آپ کے پروردگار نے آپ سے جو عہد کر رکھا ہے (عذاب اٹھانے کے متعلق ہمارے ایمان لانے کی صورت میں) اس کی بناء پر ہمارے لئے دعا کردیجئے۔ اگر (اس میں لام قسم کے لئے ہے) ہم سے عذاب ٹل گیا آپ کی دعا کی برکت سے تو ضرور ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی

آپ کے ساتھ جانے کے لئے آزاد کردیں گے۔ پھر جب ہم نے (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے) ان پر سے عذاب اٹھالیا، ایک خاص وقت تک کے لئے کہ انہیں اس تک پہنچنا تھا تو دیکھوا چانک وہ اپنی بات سے پھر گئے (عہد شکنی کر بیٹھے اور کفر پر جمے رہے) بالآخر ہم نے انہیں پوری سزا دی اور انہیں سمندر (شور سمندر) میں غرق کردیا۔ اس وجہ (سبب) سے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور ان سے بالکل ہی بے تو جہی برتتے تھے۔ (غور نہیں کرتے تھے) اور ہم نے ان لوگوں کو جو بالکل ہی کمزور شمار کئے جاتے تھے (غلامی اور بے گاری کی وجہ سے مراد بنی اسرائیل ہیں) اس سرزمین کے پورب پچھم کا مالک بنادیا جو ہماری بخشی ہوئی برکت سے مالا مال ہے (پانی اور درختوں کے ذریعہ سے یہ ارض کی صفت ہے۔ مراد ملک شام ہے) اور آپ کے پروردگار کا نیک وعدہ پورا ہوگیا (یعنی ارشاد باری نرید ان نمن علی الذین استضعفوا الخ) بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے (دشمنوں کی تکلیف پر) اور ہم نے درہم برہم (برباد) کردیا فرعون اور اس کی قوم کی بنائی ہوئی (عمارت اور) اونچی اونچی بلڈنگوں کو (لفظ یعرشون کسر راء اور ضم راء کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے جو کچھ وہ عمارتیں اٹھاتے تھے) اور ہم نے سمندر پار اتار دیا (عبور کرادیا) بنی اسرائیل کو، پس وہاں ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو مجاور بنے بیٹھے تھے (کاف کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ ہے) اپنے بتوں کے (ان کی پوجا پاٹ میں لگے ہوئے تھے) لگے کہنے بنی اسرائیل کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لئے بھی ایسا ہی معبود بنادیجئے (تاکہ بت پرستی کریں ہم) جیسا کہ ان لوگوں کے لئے ہے۔ آپؑ نے فرمایا۔ واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے (اللہ کی نعمتوں کا مقابلہ ان چیزوں سے کرتے ہو جو تم بک رہے ہو) یہ لوگ جس کام میں لگے ہوئے ہیں وہ تو تباہ (برباد) ہوکر رہے گا اور انہوں نے جو عمل اختیار کیا ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے۔ فرمایا کیا اللہ کے سوا اور کسی کو تمہارا معبود تجویز کردوں؟ (ابغیکم کی اصل ابغی لکم تھی) حالانکہ انہوں نے ہی تمہیں دنیا کی قوموں پر فضیلت بخشی ہے (تمہارے زمانہ میں جس کا بیان آگے ہے) اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہیں بچالیا تھا (اور ایک قرأت میں انجاکم ہے) فرعونیوں سے جو تمہیں ستارہے تھی (تمہیں تکلیفیں دینے اور ان کا مزہ چکھاتے بہت بری طرح (سخت ترین عذاب اور وہ یہ تھا کہ) تمہارے بیٹوں کو بکثرت مار ڈالتے اور زندہ چھوڑ دیتے (باقی رہنے دیتے) تمہاری عورتوں کو اور اس (بچانے یا عذاب دینے) میں بڑی ہی آزمائش تھی (انعام یا بلاء) تمہارے پروردگار کی طرف سے (کیا پھر بھی تم لوگ عبرت نہیں پکڑتے کہ اپنی بکواس سے باز آجاؤ۔)

تحقیق وترکیب: .... الھتک جلال محققؒ نے اشارہ کردیا کہ یہ اضافت ادنیٰ تلبیس کی وجہ سے ہے، کیونکہ فرعون نے ان کو بنوا کر پرستش کے لئے رکھوادیا تھا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرعون جب بھی کوئی خوبصورت گائے دیکھتا تو اس کی پوجا کرتا اور کراتا۔ بہر حال الھتک کی آسان تفسیر وہی ہے جس کو مفسر محققؒ نے اختیار کیا ہے جو سدیؒ کا قول ہے۔ یعنی فرعون نے بت بنوا کر تقسیم کرار کھے تھے۔ بلکہ بعض کے قول کے مطابق خود اپنی تصویر کے بت بنوائے تھے اور بعض فاضلوں کا کہنا یہ ہے کہ مصری مختلف دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ جن میں سب سے بڑا دیوتا سورج تھا۔ جسے "رع" کہتے تھے۔ چونکہ بادشاہوں کو اس کا اوتار سمجھے تھے اس لئے لقب "فارع" تھا جو عبرانی میں جا کر "فاراعو" اور عربی میں "فرعون" ہوگیا۔

کفعلنا. یہ اشارہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے جو فرعون نے بچوں کا قتل عام کیا تھا اس سنگین حکم کی طرف۔
عسیٰ ربکم پہلے استعینوا الخ سے کنایۃً فتح کی بشارت دی تھی۔ اب مزید صراحۃً پیغام سنایا جارہا ہے اور یقین کے الفاظ اس لئے نہیں کہے کہ موجودہ لوگوں سے کچھ کرنے کرانے کی توقع نہیں تھی۔ چنانچہ فتح مصر حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی ہے۔
فینظر. اس سے مراد اگر اللہ کا اس کے فساد کو دیکھنا ہو تو فاء تعقیبیہ کی وجہ سے یہ اشکال ہوگا کہ اللہ کا دیکھنا فساد اعمال کے بعد

ہونا چاہئے اور یہ حدوث زمانی ہے جو اللہ کی صفت میں نہیں ہونا چاہئے؟ جواب یہ ہے کہ دیکھنے کا تعلق اعمال کے ساتھ حادث ہوگا جو ایک نسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت حقیقیہ نہیں ہے۔ کیونکہ نسبت اضافات میں سے ہوتی ہے۔ پس صفت حقیقیہ حادث نہ ہوئی بلکہ اس کا تعلق حادث ہوا۔

الطوفان. حالانکہ سبطیوں اور قبطیوں کے مکانات ملے ہوئے تھے مگر عذاب الٰہی نے دونوں میں فرق کر رکھا تھا۔ جب قبطی گڑگڑائے تب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے موسلا دھار بارش رکی۔

الجراد. ہفتہ کے روز یہ عذاب شروع ہوکر ہفتہ کے روز تک رہا۔

القمل. اس لفظ کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بقول مفسر علامؒ، ابن عباسؓ نے تو گھن کے کیڑے کے معنی لئے ہیں اور قتادہؒ کی رائے میں ٹڈیوں کے بچوں کو پروں کے جمنے سے پہلے کہتے ہیں اور عکرمہ کے نزدیک یہ ٹڈی کی ایک خاص قسم ہوتی ہے اور عطاء اس کے معنی جوں کے لیتے ہیں۔ چنانچہ تورات میں بھی جوؤں کا ذکر ہے اور عربی میں چھوٹی مکھیوں کو بھی قمل کہتے ہیں اور مکھیوں کی کثرت بیماری کا سبب ہوتی ہے۔

الدم. تورات میں ہے کہ دریائے نیل کا پانی خون کی طرح ہوگیا تھا اور تمام مچھلیاں مرگئی تھیں۔

مفصلات. بقول مفسر واضح کے معنی ہیں اور مفصل کے معنی بھی ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ ایک ایک مہینہ کے فصل سے یہ عذاب آرہے تھے اور ایک ایک ہفتہ رہتے تھے۔

الیم. صاحب کشافؒ، ابوالسعودؒ، قاضی بیضاویؒ کے نزدیک یم کے معنی سمندر کے ہیں۔ جس کی تہ کا پتہ نہ چلے ازہری فرماتے ہیں کہ شور اور شیریں دونوں سمندر پر یہ لفظ بولا جاسکتا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں فرمایا گیا ہے ''فاقذفیہ فی الیم'' حالانکہ دریائے نیل شیریں تھا۔ امام رازیؒ بھی مطلق دریا کے معنی لے رہے تھے اور صاحب قاموس بھی۔ اس لئے مفسر کا ''بحر ملح'' کے ساتھ تفسیر کرنا ضعیف اور تمام مفسرینؒ اور لغت کے خلاف ہے۔

غفلین. جلال محققؒ اس شبہ کا دفعیہ کررہے ہیں کہ غفلت پر کیسے مواخذہ ہوگیا؟ پس غفلت کے معنی عدم تدبیر کے لینے سے یہ اشکال صاف ہوگیا۔ کیونکہ تدبر نہ کرنا اختیاری ہے اور قابل مواخذہ ہے۔ چنانچہ قاموس میں ہے کہ غفل عنه غفولاً کے معنی ترک اور سہو کے ہیں۔ مصباح میں ہے کہ غفلت کا استعمال لاپروائی سے کسی چیز کو چھوڑ دینے کے آتے ہیں۔

صفة للارض. چونکہ اس صورت میں صفت موصوف کے درمیان عطف کا فاصلہ لازم آئے گا جو اجنبی ہے اس لئے مشارق ومغارب کی صفت بنانا بہتر ہے۔

قولہ وزید. اسی طرح اس سے مراد عسیٰ ربکم الخ بھی ہوسکتا ہے لیکن اس پر خدشہ رہے گا کہ یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے۔ حق تعالیٰ کا قول تو بطور حکایت کے ہے۔ جوزنا۔ یہ سمندر پار کردینا چونکہ دسویں محرم کو پیش آیا اس لئے عاشورا کے نام سے بطور شکر یہ روزہ یادگار رہا ہے۔

اصنام. یہ بیل کی شکل کا بت تھا یا حقیقۃً گائے تھی اور یہ پجاری کنعانی لوگ تھے جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بعد میں مروادیا تھا۔

ربط آیات:............حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کا سلسلہ بیان چل رہا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... الیٰ اجل ھو بالغوہ سے مراد دوسری بلا کے آنے سے پہلے پہلے کا وقت ہے۔

اتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے: .... قحط سالی اور پھلوں اور پیداوار کے مارے جانے پر اگرچہ لوگوں نے حسنہ کی نسبت اپنی طرف اور سیئہ کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف کی تھی۔ لیکن طوفان وغیر عذابوں کے تسلسل سے جب کچھ دماغ درست ہوا تو "ادع لنا ربک" پکار اٹھے۔ پھر بھی "ربک" کا طرز خطاب ملاحظہ ہو کہ "رسی جل گئی مگر بٹ نہیں گئے" کیا ٹھکانا ہے اس دماغی خناس کا۔

نی اسرائیل کس ملک کے مالک بنے: .... لیث بن سعد کی تفسیر کے مطابق مشارق الارض الخ اور آیت ان الارض للّٰہ الخ سے مراد ملک مصر ہے۔ یعنی فلسطین وشام جو مصر کا پوربی حصہ ہے اس کے اور مغربی حصوں میں جزیرہ نمائے سینا کا جو فلسطین کے پچھم میں ہے۔ غرض تمام علاقہ کے یہ لوگ مالک ہو گئے تھے جو مصری شہنشاہیت کا باج گزار تھا۔ مصر میں ظاہری اور مادی برکات تو تھیں ہی، مگر حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش مبارک مدفون ہونے کی وجہ سے باطنی برکت سے محروم نہیں تھا۔ لیکن بقول بعض اگر دونوں آیتوں میں ملک شام مراد لیا جائے تو وہ اپنی ظاہری برکات کی طرح باطنی برکات کا بھی ایک بڑا گہوارہ تھا۔ کیونکہ یہ خطہ ہزاروں انبیاء علیہم السلام کا مدفن رہا ہے۔ لیکن اس صورت میں ان آیات کا مضمون پہلی آیتوں سے کچھ میل نہیں کھاتا۔ اس لئے توجیہ کرتے ہوئے یوں کہہ لیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اگرچہ تم لوگ اپنے آبائی وطن شام نہیں جا سکتے، لیکن سب زمین اللہ کی ہے۔ تم صبر کرو۔ وہ تمہیں یہ زمین اس طرح بھی دے سکتا ہے کہ جو دشمن اس وقت روک بنا ہوا ہے وہ تباہ ہلاک ہو جائے اور کسی وقت آگے چل کر قوم عمالقہ جو فی الحال شام پر قابض ہے تم سے مقابلہ میں مغلوب ہو جائے اور اس طرح تمہیں وہاں بسنا نصیب ہو جائے۔ لیکن بغوی اور سرزمین سے مراد شام ومصر دونوں کا مجموعہ لے رہے ہیں اور یہ قول انسب ہے کیونکہ اس صورت میں جنس زمین مراد ہو جائے گی جس کا وارث ہونا خواہ مالک بننے کی صورت میں ہو یا رہنے سہنے کے طریقہ پر۔

دو اشکالوں کا جواب: .... اور بما صبروا۔ اسرائیلیوں کے پہلے قول اوذینا الخ کے منافی نہیں ہے کیونکہ وہاں مقصد شکایت اور اظہار تکلیف نہیں تھا۔ بلکہ محض حزن وملال تھا جو صبر کے منافی نہیں ہے۔ آیت ودمرنا الخ سے شہر کی عمارات کا برباد ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن سورۂ شعراء کی آیت فاخرجنا ھم من جنّٰت الخ سے ان کا صحیح سالم رہنا معلوم ہو رہا ہے؟ پس ان میں تطبیق کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ صورۃً تو عمارتیں مسمار نہ ہوئی ہوں۔ لیکن حکومت کے بدلنے سے جو انقلاب ہوتے ہیں اور انتظامات میں کافی اونچ نیچ آ جاتی ہے، جس کا نقشہ آیت ان الملوک اذا دخلوا الخ میں کھینچا گیا ہے۔ پس درہم برہم کرنے سے مراد یہی تغیرات لئے جائیں۔ بقول بغوی اجعل لنا الٰھاً الخ سے ان کی بے ہودہ درخواست انکار توحید کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ ان دیکھے خدا تک پہنچنے کے لئے انہوں نے ایک محسوس چیز کو وسیلہ بنانا چاہا اور سمجھے کہ اس سے اللہ کا قرب ووصال زیادہ حاصل ہوگا۔ اسی کو جہالت فرمایا گیا ہے۔

صحیح احساس ختم ہو جانے کے بعد اچھی چیز بھی بری معلوم ہوا کرتی ہے: .... دراصل محکومانہ زندگی کا پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہمت وحوصلہ کی روح پژمردہ ہو جاتی ہے۔ لوگ غلامی کی ذلت آمیز امن پر قناعت کر لیتے ہیں اور جدوجہد کی مشکلات سے جی چرانے لگتے ہیں۔ بنی اسرائیل کا بھی یہی حال ہوا کہ عرصہ تک مصریوں کی غلامی میں رہتے رہتے اس درجہ مسخ ہو گئے تھے کہ ان کی

سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آزادی اور کامرانی کی تلاش میں اپنی معمولی راحتوں سے کیوں ہاتھ دھوبیٹھیں جو غلامی کی حالت میں میسر آرہی ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب صبر واستقامت کی تلقین کی تو شکر گزار ہونے کی جگہ الٹی شکایتیں شروع کردیں یعنی ملول ہوگئے۔ وہ ان کی نجات کے لئے فرعون کا مقابلہ کررہے تھے، انہیں شکایت ہوئی کہ تمہاری اس دوڑ دھوپ نے ہی فرعون کو اور زیادہ ہمارا مخالف بنادیا اور تم فائدہ پہنچانے کی جگہ الٹا وبال جان ہوگئے۔

کامیابی باہمت لوگوں کے قدم چومتی ہے:............ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارشادات سے معلوم ہوا کہ جو جماعت دنیوی بے سروسامانی سے ہراساں اور تنگ دل ہوکر بے ہمت نہیں ہوجاتی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ کرتی اور مشکلات اور کاوشوں کی پرواہ کئے بغیر جمی رہتی ہے وہی ملک کی وارث ہوتی ہے اور جو جماعت برائیوں سے بچنے والی اور عمل میں پکی ہوگی بالآخر کامیابی اسی کے لئے ہے۔

الی اجل ھو بالغوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جماعت اپنے اعمال کے ذریعہ ایک خاص نتیجہ تک پہنچتی رہتی ہے جو اس کی مقررہ جگہ ہے۔ اعمال اگر اچھے ہوتے ہیں تو یہ فلاح کی جگہ ہوتی ہے۔ برے ہوتے ہیں تو ہلاکت کی ہوتی ہے اور واورثنا سے قانون الٰہی یہ معلوم ہوا کہ ظالم قومیں جن مظلوم قوموں کو حقیر اور کمزور سمجھتی ہیں ایک وقت آتا ہے کہ وہی شاہی اور جہانداری کی وارث ہوجاتی ہیں۔

لطائف آیات:............ آیت **قال عسیٰ ربکم الخ** سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا غالب اور کفار کا مغلوب رہنا نعمت الٰہی ہے۔ اس لئے بلاعذر کفار کے ہاتھوں ذلت وخواری میں پڑا رہنا ترک دنیا نہیں ہے۔ آیت **فاغرقنا الخ** سے معلوم ہوا کہ دنیاوی سزا کبھی گناہ پر بھی مرتب ہوجاتی ہے۔

آیت **اجعل لنا الٰھاً الخ** کے ساتھ اگر وہ حدیث بھی ملالی جائے جس میں مشرکین کی دیکھا دیکھی صحابہؓ نے بھی تلواروں کو درخت پر لٹکانے کی اجازت چاہی تھی اور آپ ﷺ نے ممانعت فرماتے ہوئے تائید میں یہی آیت تلاوت فرمائی تھی تو اس سے معلوم ہوا کہ جب دنیاوی باتوں میں بھی اہل باطن کی حرص کرنا برا ہے تو عبادات میں بدعات کو برنگ عبادات اختیار کرنا تو کتنا برا ہوگا۔

وَوٰعَدْنَا بِالِفٍ وَدُوْنِهَا **مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً** نُكَلِّمُهُ عِنْدَ اِنْتِهَائِهَا بِاَنْ يَصُوْمَهَا وَهِيَ ذُوالْقَعْدَةِ فَصَامَهَا فَلَمَّا تَمَّتْ اَنْكَرَ خُلُوْفَ فَمِهٖ فَاسْتَاكَ فَاَمَرَاللّٰهُ بِعَشْرَةٍ اُخْرٰى لِيُكَلِّمَهُ بِخُلُوْفِ فَمِهٖ كَمَا قَالَ تَعَالٰى **وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ** مِنْ ذِى الْحَجَّةِ **فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ** وَقْتُ وَعْدِهٖ بِكَلَامِهٖ اِيَّاهُ **اَرْبَعِيْنَ** حَالٌ **لَيْلَةً** تَمْيِيْزٌ **وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ** عِنْدَ ذَهَابِهٖ اِلَى الْجَبَلِ لِلْمُنَاجَاةِ **اخْلُفْنِيْ** كُنْ خَلِيْفَتِيْ **فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ** اَمْرَهُمْ **وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ** ﴿۱۴۲﴾ بِمُوَافَقَتِهِمْ عَلَى الْمَعَاصِيْ **وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا** اَيْ لِلْوَقْتِ الَّذِيْ وَعَدْنَاهُ بِالْكَلَامِ فِيْهِ **وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ** بِلَاوَاسِطَةٍ كَلَامًا يَسْمَعُهُ مِنْ كُلِّ جِهَةٍ **قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ** نَفْسَكَ **اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ** اَيْ لَا تَقْدِرُ عَلٰى رُؤْيَتِيْ وَالتَّعْبِيْرُ بِهٖ دُوْنَ لَنْ اُرٰى يُفِيْدُ اِمْكَانَ رُؤْيَتِهٖ تَعَالٰى **وَلٰكِنِ**

انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ الَّذِیْ هُوَ اَقْوٰی مِنْكَ **فَاِنِ اسْتَقَرَّ** ثَبَتَ **مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ** اَیْ تَثْبُتُ لِرُؤْیَتِیْ وَاِلَّافَلَا طَاقَةَ لَكَ **فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ** اَیْ ظَهَرَ مِنْ نُوْرِهٖ قَدْرُنِصْفِ اَنْمِلَةِ الْخِنْصَرِ كَمَا فِیْ حَدِیْثٍ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ **لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا** بِالْقَصْرِ وَالْمَدِّ اَیْ مَدْكُوْكًا مُسْتَوِیًا بِالْاَرْضِ **وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا** مُغْشِیًا عَلَیْهِ لِهَوْلِ مَارَاٰی **فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ** تَنْزِیْهًا لَكَ **تُبْتُ اِلَیْكَ** مِنْ سُؤَالِ مَالَمْ اُوْمَرْبِهٖ **وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ**﴿۱۴۳﴾ فِیْ زَمَانِیْ **قَالَ** تَعَالٰی لَهٗ **یٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَیْتُكَ** اخْتَرْتُكَ **عَلَى النَّاسِ** اَهْلِ زَمَانِكَ **بِرِسٰلٰتِیْ** بِالْجَمْعِ وَالْاِفْرَادِ **وَبِكَلَامِیْ** اَیْ تَكْلِیْمِیْ اِیَّاكَ **فَخُذْ مَاۤ اٰتَیْتُكَ** مِنَ الْفَضْلِ **وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ**﴿۱۴۴﴾ لِاَنْعُمِیْ **وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ** اَیْ اَلْوَاحِ التَّوْرٰةِ وَكَانَتْ مِنْ سِدْرِ الْجَنَّةِ اَوْ زَبَرْجَدٍ اَوْزَمُرَّدٍ سَبْعَةً اَوْ عَشْرَةً **مِنْ كُلِّ شَیْءٍ** یَحْتَاجُ اِلَیْهِ فِی الدِّیْنِ **مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِیْلًا** تَبْیِیْنًا **لِّكُلِّ شَیْءٍ** بَدَلٌ مِنَ الْجَارِوَالْمَجْرُوْرِ قَبْلَهٗ **فَخُذْهَا** قَبْلَهٗ قُلْنَا مُقَدَّرًا **بِقُوَّةٍ** بِجِدٍّ وَاجْتِهَادٍ **وَّاْمُرْ قَوْمَكَ یَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا سَاُورِیْكُمْ دَارَالْفٰسِقِیْنَ**﴿۱۴۵﴾ فِرْعَوْنَ وَاَتْبَاعَهٗ وَهِیَ مِصْرُ لِتَعْتَبِرُوْا بِهِمْ **سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ** دَلَائِلِ قُدْرَتِیْ مِنَ الْمَصْنُوْعَاتِ وَغَیْرِهَا **الَّذِیْنَ یَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ** بِاَنْ اَخْذِلَهُمْ فَلَا یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْهَا **وَاِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ** طَرِیْقَ **الرُّشْدِ** الْهُدٰی الَّذِیْ جَاءَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ **لَایَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا** یَسْلُكُوْهُ **وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ** الضَّلَالِ **یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ذٰلِكَ** الصَّرْفُ **بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ**﴿۱۴۶﴾ تَقَدَّمَ مِثْلُهٗ **وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ** الْبَعْثِ وَغَیْرِهٖ **حَبِطَتْ** بَطَلَتْ **اَعْمَالُهُمْ** مَاعَمِلُوْهُ فِی الدُّنْیَا مِنْ خَیْرٍ كَصِلَةِ رِحْمٍ وَصَدَقَةٍ فَلَا ثَوَابَ لَهُمْ لِعَدَمِ شَرْطِهٖ **هَلْ** مَا **یُجْزَوْنَ اِلَّا** جَزَاءَ **مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ**﴿۱۴۷﴾ مِنَ التَّكْذِیْبِ وَالْمَعَاصِیْ

ترجمہ: .... اور ہم نے وعدہ کیا تھا (یہ لفظ الف کے ساتھ اور بغیر الف کے دونوں طرح ہے) موسیٰ سے تیس راتوں کا (کہ یہ مدت پوری ہونے پر تمہیں شرف ہم کلامی بخشا جائے گا۔ اس میں روزہ رکھنا۔ اس سے مراد ذیقعدہ کا مہینہ تھا۔ لیکن جب مدت ختم ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے روزوں کی وجہ سے منہ کے بھپکارے بھبکنے کو ناگوار سمجھتے ہوئے مسواک کر لی۔ اللہ نے دس روزے اور بڑھانے کا حکم دیا تاکہ منہ کی وہی حالت پھر ہو کر گفتگو کے لئے تیار ہو سکیں جیسا کہ ارشاد ہے) پھر ہم نے دس راتیں (ذی الحجہ کی) بڑھا کر اسے پورا کر دیا۔ اس طرح پروردگار کے حضور آنے کی مقررہ معیاد (اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے وعدہ کا وقت) چالیس (یہ حال ہے) راتوں (یہ تمیز ہے) کی پوری میعاد ہوگی۔ اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہہ دیا تھا (طور پہاڑ پر مناجات کے لئے جاتے وقت) میرے بعد ان لوگوں کا انتظام رکھنا (میرے جانشین بن کر رہنا) اور ان کے سب کام) درستگی سے کرنا اور بدنظمی پھیلانے والوں کی راہ مت چلنا (گناہوں میں ان کی موافقت نہ کرنا) اور موسیٰ جب ہمارے مقررہ وقت پر حاضر ہوئے (جس وقت ان سے ہم نے گفتگو کا وعدہ کیا تھا) اور ان کے پروردگار نے ان سے باتیں کیں (براہ راست ایسا کلام جو ہر طرف سے سنا جا رہا تھا) تو پکار اٹھے۔ پروردگار!

مجھے اپنا جمال دکھلا کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں۔ ارشاد ہوا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے (یعنی تم میرے دیدار کی تاب نہ لا سکو گے۔ اور" لن ادی" کی بجائے جواب میں " لن ترانی" کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ممکن ہے) مگر ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو (جو تم سے زبردست طاقت ور ہے) اگر ٹکا رہا (اپنی جگہ برقرار رہا) تو تم بھی تاب نظارہ لا سکو گے (یعنی تجلی حق کی تاب لا سکو گے۔ ورنہ تمہاری یہ مجال کہاں!) پھر جب ان کے پروردگار نے ذرا جھلک دکھلائی (یعنی جب آدھی کن انگلی کے برابر اللہ کے نور کا جلوہ ہوا جیسا کہ حدیث میں ہے جس کی تصحیح حاکم نے کی ہے) پہاڑ پر۔ تو پہاڑ کے پرخچے اڑا دیئے (لفظ دکا بغیر مد کے اور مد کر کے دونوں طرح آیا ہے یعنی ریزہ ریزہ اور سرمہ ہو کر زمین سے مل گیا) اور موسیٰ غش کھا کر گر پڑے (جو کچھ دیکھا تھا اس کی دہشت سے بے ہوش ہو گئے) پھر جب ذرا ہوش میں آئے تو بول اٹھے۔ خدایا! آپ کی ذات پاک ہے (آپ منزہ ہیں) میں آپ کے حضور معافی چاہتا ہوں (بغیر حکم ملے اس قسم کی درخواست کرنے سے) میں پہلا شخص ہوں گا اس پر یقین رکھنے والوں میں (اپنے زمانہ کے اعتبار سے۔ حضرت موسیٰ کو حق تعالیٰ کا) ارشاد ہوا۔ اے موسیٰ! میں نے تم کو امتیاز بخشا ہے (برگزیدہ بنایا ہے) لوگوں پر (تمہارے وقت کے لوگوں پر) اپنی پیغمبری (یہ لفظ جمع اور مفرد کے ساتھ دونوں طرح آیا ہے) اور ہم کلام سے (یعنی اپنی ہم کلامی کا تم کو شرف بخشتا ہے) پس جو کچھ میں نے تم کو (فضل) عطا کیا ہے اسے لو اور (میری نعمتوں کا) شکر بجالاؤ اور ہم نے ان چند تختیوں میں لکھ کر ان کو دیں (تو رات کی تختیوں پر جو جنت کی بیری کی لکڑی یا زبرجد یا زمرد کے پتھر سے بنی ہوئی تھیں اور سات یا دس تھیں) ہر قسم کی (دینی ضروری) باتیں نصیحت کی تھیں اور ہر چیز کی تفصیل (وضاحت) تھی (لفظ لکل شیئ پہلے لکل شیئ سے بدل ہے) پس اسے تھامو (اس سے پہلے لفظ فقلنا مقدر ہوگا) مضبوطی (کوشش اور سعی) سے اور اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ اس کے پسندیدہ احکام پر عمل کریں اور وہ وقت دور نہیں کہ ہم نافرمانوں (فرعون اور اس کے ساتھیوں) کی جگہ تمہیں دکھلا دیں گے (یعنی مصر تاکہ تم ان لوگوں کو دیکھ کر عبرت پکڑو) میں اپنی نشانیوں سے (اپنی قدرت کے دلائل کو جو مصنوعات وغیرہ دیکھ کر حاصل ہوتے ہیں) برگشتہ ہی رکھتا ہوں ان لوگوں کو جو دنیا میں ناحق تکبر کرتے ہیں (اس طرح کہ ان کو ذلت کا مزہ چکھا دیتا ہوں جس سے وہ ان نشانیوں میں غور ہی نہیں کر پاتے) اگر وہ دنیا بھر کی نشانیاں دیکھ بھی لیں۔ پھر بھی ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر دیکھیں کہ ہدایت کی سیدھی راہ سامنے ہے (جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے) تب بھی کبھی اس پر نہ چلیں اور اگر دیکھیں کہ (گمراہی کی) ٹیڑھی راہ سامنے ہے۔ تو فوراً چل پڑیں۔ یہ (اس درجہ کی برگشتگی) اس لئے ہو جاتی ہے کہ وہ ہماری نشانیاں جھٹلاتے ہیں اور ان کی طرف سے غافل رہتے ہیں (ایسے ہی پہلے بھی گزر چکا ہے) اور جن لوگوں نے ہماری نشانیاں اور قیامت کے پیش آنے (بعثت وغیرہ) کو جھٹلایا تو ان کے سارے کام اکارت (غارت) گئے (جو انہوں نے دنیا میں صلہ رحمی، یا صدقہ جیسی نیکیاں کی تھیں ان پر کوئی ثواب نہیں ملے گا ثواب کی شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے) وہ جو کچھ بدلہ پائیں گے وہ اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ ان ہی کی کرتوتوں کا پھل ہوگا جو دنیا میں وہ کرتے رہے (یعنی جھٹلانا اور گمراہ کرنا۔)

تحقیق وترکیب: .... **ثلثین لیلة.** روزہ اگرچہ دن میں ہوتا ہے لیکن رات کی تخصیص بقول قاضی بیضاویؒ صوم وصال کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے جو انبیاءؑ کے لئے جائز ہوتا ہے اور دوسروں کے لئے نہیں۔ [1]کما فی الحدیث **ایکم مثلی الخ.**

بخلوف فمه. اس سے مراد گندہ ذہنی نہیں ہے جو اشکال ہو بلکہ خلو معدہ کی وجہ سے جو بھپکارہ روزہ دار کے منہ سے نکلتا ہے وہ مراد ہے جس کو [2] **لخلوف فم الصائم اطیب عند اللّٰہ المسک۔** فرمایا گیا ہے۔

---

[1] تم میں کون میرے برابر ہے مجھے تو اللہ کھلاتا پلاتا ہے۔۱۲

[2] روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کو مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔۱۲

میقات. وقت اور میقات میں یہ فرق ہے کہ میقات میں پہلے سے عمل کی تعیین ہوتی ہے اور وقت میں نہیں۔

وقال موسیٰ. اس سے معلوم ہوا کہ واؤ ترتیب کے لئے نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ وصیت تو کوہ طور پر جانے سے پہلے تھی۔

کلمه. لطف آمیز کلام سن کر اشتیاق جمال پیدا ہوا۔ من كل جهته. اس میں اشارہ ہے کہ اللہ کا کلام قدیم مخلوق کے کلام جیسا نہیں ہے۔ وہ زمان ومکان کی قیود سے بالا ہے اور بعض کی رائے یہ ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام میں ایسا ادراک پیدا فرما دیا تھا جس سے وہ کلام قدیم سن سکے۔ جس طرح جو ہر وعرض نہ ہوتے ہوئے بھی اللہ کے جمال ذات کا عقلاً دیکھنا ممکن ہے۔ اسی طرح آواز وحروف کے بغیر اس کے کلام کا سننا بھی ممکن ہوگا اور شیخ ابو منصور ماتریدی فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسی آواز سنی جو کلام الٰہی پر دلالت کرتی تھی اور حضرت موسیٰ کی تخصیص اس معنی پر ہے کہ اللہ نے ان کو ایسی آواز سنائی جو بلا واسطہ اسباب تھی۔ کلام لفظی حادث اور کلام نفسی قدیم کا یہی فرق تھا۔ جس کے نہ جاننے سے مامون کے دور میں "خلق قرآن" کے نام سے ایک عظیم فتنہ کھڑا ہو گیا تھا اور معتزلہ کے اثر سے مامون کے ہاتھوں اللہ اسے معاف فرمائے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور شیخ عبدالعزیز جیسے ہزاروں اللہ والوں کو بے دردی کے ساتھ سخت ترین تکلیفیں دی گئیں جو مسلمانوں کی تاریخ کا نہایت تاریک اور سیاہ باب ہے۔

نفسك. ارنی کے مفعول ثانی کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ ارنی اور انظر الیك میں شرط وجزاء ایک نہیں ہیں۔ بلکہ معنی یہ ہیں۔ ادنی نفسک واجعلنی متمکنا من رؤیتک فانظر الیک.

لن ترانی. اللہ کو دیکھنا اس جملہ سے عقلاً محال معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ پہاڑ کا ٹھیرا ؤ ایک ممکن چیز ہی جس پر اللہ کے دیدار کو معلق کیا گیا ہے۔ اس سے عقلاً دیدار الٰہی بھی ممکن ہوا۔ ہاں حجاب بشریت دیکھنے والے (موسیٰ علیہ السلام) کے سامنے ہے۔ اللہ محجوب نہیں ہے اس کو دیکھنے والی آنکھ چاہئے فانی باقی کو اس وقت تک کیسے دیکھے جب تک فنا کے پل سے گزر کر دار البقاء میں نہ پہنچ جائے۔

ولکن انظر. یہ حضرت موسیٰ کے لئے متزلات باری ہے۔ الجبل. اس پہاڑ کا نام زبیر تھا۔ جو سب سے بڑا پہاڑ تھا۔ ای ظہر۔ یعنی تجلی بمعنی ظہور ہے۔ من نورہ۔ جیسا کہ حضرت انسؓ کی روایت کی تخریج امام احمدؒ امام ترمذیؒ حاکم نے کی ہے۔ خر موسیٰ. ابن عباسؓ اس کی تفسیر غشی کے ساتھ فرماتے ہیں اور بعض حضرت موسیٰ کی وفات کے قائل ہیں۔ لیکن زجاج کہتے ہیں کہ لفظ افاق اس خیال کی تردید کر رہا ہے۔ کیونکہ "افاق من موته" نہیں کہا جاتا ہاں افاق من غشیة بول سکتے ہیں۔

قال یموسیٰ. حضرت موسیٰ کی دل شکنی کے خیال سے ان کی تسلی کا انتظام فرمایا جا رہا ہے۔

فخذ ما اتیتك. عرفہ کے روز حضرت موسیٰ بے ہوش ہوئے تھے اور دسویں ذی الحجہ کو تورات مرحمت ہوئی اور چونکہ حضرت ہارونؑ وزیر تھے اس لئے خطاب میں صرف اصل کی رعایت رکھی گئی ہے۔

الواح التوراة. ربیع بن انس کی روایت کے مطابق تورات ستر اونٹ کے بوجھ کے برابر نازل ہوئی تھی چنانچہ سال بھر میں اس کا ایک جز پڑھا جا سکتا تھا۔ اسی لئے بجز حضرت موسیٰ اور حضرت عزیزؑ اور حضرت عیسیٰ کے اس کو کوئی نہیں پڑھ سکا۔ یہ قرآن کریم ہی کا ایک کھلا ہوا معجزہ ہے کہ ہر زمانہ میں لاکھوں کروڑوں حفاظ نے باوجود زبان نہ جاننے کے اس کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھا۔

من سدر الجنة. جیسا کہ حدیث میں ہے اور بغویؒ کہتے ہیں کہ تختی کی لمبائی بارہ ہاتھ تھی اور حسنؒ دس ہاتھ بتلاتے ہیں۔

باحسنها. اس سے مراد وہ احکام ہیں جن میں زیادہ احتیاط کا پہلو ہو۔ کیونکہ احکام ہر طرح کے ہوتے ہیں۔ عزیمت، رخصت، فرض، واجب، مندوب، جائز۔ پس مطلب یہ ہے کہ عزائم پر عمل کرنا چاہئے اور رخصتوں کو چھوڑ دینا چاہئے۔ مثلاً معاف کرنا بہ نسبت بدلہ لینے کے۔ صبر کرنا بہ نسبت مدد مانگنے کے احسن ہوگا اور یا کہا جائے کہ احسن اسم تفضیل اپنے معنی میں نہیں ہے بلکہ بمعنی حسن

ہے اور اس میں اضافت بیانیہ ہے۔ بغیر الحق یہ یتکبرون کا صلہ ہے۔ یعنی اللہ کا تکبر برحق ہے اور دوسروں کا تکبر ناحق ہے۔ یا یتکبرون کے فاعل سے حال ہو۔

ربط آیات: .... حضرت موسیٰ کی سرگذشت کا ایک حصہ تو ختم ہو چکا۔ جس کا تعلق ان واقعات سے تھا جوان کے اور فرعون کے درمیان گزرے۔ اب یہاں سے وہ واقعات شروع ہوتے ہیں جوان کے اور ان کی امت کے درمیان گزرے۔ پہلے حصہ میں یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ دعوت حق کی مخالفت ہمیشہ طاقت ور جماعتوں نے کی۔ لیکن ہمیشہ ناکام رہیں۔ اس حصہ میں یہ حقیقت واضح کرنی ہے کہ ایک نئی ہدایت پائی ہوئی جماعت کو راہ عمل میں کیسی کیسی لغزشیں پیش آ سکتی ہیں؟ تاکہ دعوت کے دوسرے پیرو بھی ان سے اپنی نگہداشت کر سکیں۔

﴿تشریح﴾: .... حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر ایک چلہ کا اعتکاف فرما کر شریعت کے وہ دس احکام بذریعہ وحی لائے جن کو پتھر کی تختیوں پر کندہ کیا گیا تھا۔ مثلاً: قتل مت کرو۔ زنا مت کرو وغیرہ وغیرہ۔

آیت وٰ عـدنـا میں اس اصل عظیم کا اعلان کیا جا رہا ہے کہ انسان اس دنیا میں اپنے حواس کے ذریعہ ذات باری کا مشاہدہ اوا ادراک نہیں کر سکتا۔ بلکہ معرفت حق کا انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ عجز و نارسائی کا اعتراف کیا جائے۔ ''ماعرفناک حق معرفتک'' (ترجمہ) ہم نے آپ کے پہچاننے کا حق ادا نہیں کیا۔

جمال الٰہی: .... یہودی تورات کے متشابہات کو حقیقت پر محمول کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کی شبیہ دیکھی۔ لیکن یہاں قرآن پاک ان کی اس غلطی کا ازالہ کر رہا ہے۔ یعنی جب غیب سے ندائے حق سنی تو جوش طلب میں مست و بےخود ہو کر پکار اٹھے کہ میرے سامنے آ جا۔ ایک نگاہ ہی دیکھ لوں۔ حکم ہوا پہاڑ کو دیکھ۔ اگر یہ تاب نظارہ لا سکا تو تو بھی تاب جلوہ لا سکے گا۔ جو بات نظارہ سے آڑے آ رہی ہے وہ خود تیری اپنی ہستی کا عجز ہے حق کی نمود میں کمی نہیں۔ وہ ہر ذرہ میں عیاں اور جلوہ فگن ہے ہوالظاھر والباطن۔

ہرچہ ہست از قامت ناسازو بے اندام است
ورنہ تشریف تو بر بالائے کس دشوار نیست

کلام الٰہی: .... باقی کلام الٰہی کی حقیت کیا تھی؟ اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اس کی زیادہ تفصیلی بحث علم کلام میں ہے۔ تاہم جن احتمالات عقلیہ کا شریعت انکار نہ کرے ان سب کے ماننے کی گنجائش ہے البتہ بلا دلیل تعیین نہ کرنا اسلم طریقہ ہے۔ ظاہر مقام سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص کلام تھا جس کی جوش مستی سے حضرت موسیٰ ابل پڑے اور پیمانہ صبر چھلک گیا۔

دنیا میں دیدار الٰہی کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ عقلاً تو ممکن ہے لیکن شرعاً محال ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کی درخواست دیدار تو امکان عقلی کو بتلا رہی ہے۔ ورنہ ایک جلیل القدر پیغمبرؑ ناممکن چیز کی درخواست کیسے کر سکتا ہے۔ کہ یہ بھی ناممکن ہے۔ لیکن حق تعالیٰ کا جواب اس کے شرعاً محال اور ممتنع ہونے کو بتلا رہا ہے۔ رہی آخرت تو وہاں آنکھوں کا حجاب دور کر دیا جائے گا۔ اس لئے تجلی الٰہی کا مشاہدہ بھی ہو سکے گا۔

حُبِّ نبوی میں ناسمجھی سے غلو: .... اس مقام پر آنحضرت ﷺ کے واقعہ معراج میں تجلی الٰہی کے بیان کو اس طرح ذکر

کرنا جس سے محض آنحضرت ﷺ کی تفصیل ہی ثابت نہ ہو۔ بلکہ حضرت موسیٰ کی تنقیص بھی ہو جائے کسی طرح بھی جائز اور زیبا نہیں ہے جوش محبت میں ادب کا دامن چھوٹ جائے یہ کہاں مناسب ہے۔ باقی پہاڑ پر تجلی الٰہی کی کیفیت؟ سو اللہ تعالیٰ کا نور خاص چونکہ ان کے اپنے ارادہ سے مخلوق کی نگاہوں سے اوجھل ہے اور مخلوق کی نظروں کے حجابات کی تعیین تو اللہ ہی کو معلوم ہے لیکن ان میں سے بہت ہی تھوڑے سے پردے جن کو بطور تمثیل حدیث ترمذی میں بقول جلال محقق آدھی کن انگلی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کے سامنے سے ہٹا لئے ہوں اور اس طرح ایک ذرا سی جھلک کا اثر حضرت موسیٰ کو دکھلا دیا ہو۔ حدیث مذکور کو تشبیہ پر محمول کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مقدار اور تجزیہ سے پاک ہیں۔

پہاڑ پر تجلی الٰہی کی کیفیت:............ اور چونکہ اللہ تعالیٰ جو کام کرتے ہیں وہ اپنے اختیار سے کرتے ہیں اس لئے ہوسکتا ہے کہ ان کے چاہنے کے مطابق وہ پردے پہاڑ کے سامنے سے تو ہٹے ہوں اور وہیں برابر میں کھڑے ہوئے موسیٰ علیہ السلام اور دوسری پاس کی چیزوں سے نہ ہٹے ہوں جیسا کہ تجلی کے لفظ سے سمجھ میں آتا ہے اس لئے حدیث[1] **لاحرقت سبحات النور ما انتھی الیہ بصرہ** کی رو سے پہاڑ جیسی طاقتور چیز تو پاش پاش ہو کر سرمہ بن گئی۔ مگر حضرت موسیٰ اور دوسری چیزوں پر یہ اثر نہیں ہوا۔ بلکہ پورے پہاڑ کی یہ حالت ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی یہ تجلی ان کے اپنے اختیار سے تھی۔ اس لئے جتنے حصہ میں چاہا ہوئی۔ اور جتنے میں نہیں چاہا نہیں ہوئی۔ پس اس سے سارے پہاڑ کا ہٹ جانا لازم نہیں آتا جس سے کوئی اعتراض کرنے لگے کہ پہاڑ تو آج بھی اپنی جگہ موجود ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ پہاڑ کے ایک تھوڑے سے حصہ پر یہ کیفیت گزری ہو اور وہ نہیں رہا۔ باقی پہاڑ پر چونکہ کوئی اثر مرتب نہیں ہوا اس لئے وہ برقرار ہے۔

ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بے ہوشی تجلی الٰہی سے نہیں تھی۔ بلکہ اس منظر کی دہشت سے ایسا ہوا نیز تجلی گاہ کے قرب و اتصال کا بھی یہ اثر ہوسکتا ہے جیسے بجلی کا کرنٹ کسی کے بدن میں اگر دوڑ جائے تو جو بھی اسے پکڑے گا یا ہاتھ لگائے گا تو اس کا متاثر ہونا لازمی ہے۔

پہاڑ کے برقرار رہنے یا نہ رہنے اور حضرت موسیٰ کے تجلی الٰہی کا نظارہ کر سکنے یا نہ کر سکنے میں کیا ربط ہے؟:

باقی تجلی الٰہی کے بعد پہاڑ کے برقرار رہنے اور حضرت موسیٰ کے دیدار کر سکنے میں یا اسی طرح پہاڑ کے برقرار نہ رہنے اور حضرت موسیٰ کے دیدار نہ کر سکنے میں کیا ربط اور تعلق ہے؟ سو دوسری صورت میں تو وہی علاقہ اور جوڑ ہے جس کی طرف ابھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نگاہ مادی اعتبار سے پہاڑ سے یقیناً بہت ہی کمزور اور ضعیف تھی۔ پس جب پہاڑ جیسی سخت اور مضبوط چیز اس کو برداشت نہیں کر سکی اور اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو اضعف چیز کیسے متحمل ہو سکے گی اور اس صورت کا حاصل اگرچہ یہ نکلتا ہے کہ پہلی صورت میں پہاڑ کا ٹھہراؤ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نگاہ کے تحمل کو عقلاً مستلزم نہ ہو۔ لیکن اس کو وعدہ الٰہی پر محمول کرنے سے اشکال دور ہو جائے گا۔ یعنی پہاڑ کا جماؤ اور نگاہ موسوی کا ٹھہراؤ اگرچہ برابر نہیں ہیں۔ مگر ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر پہاڑ سہارا کر گیا تو تمہاری نگاہ بھی تاب نظارہ لا سکے گی۔

تجلی الٰہی کے لئے پہاڑوں کی تخصیص:............ البتہ تجلی الٰہی کے لئے ساری سرزمین میں سے کسی پہاڑ کے انتخاب کی

[1] نور الٰہی کی تجلی سے نظر کی شعاعیں جل جاتی ہیں ۱۲۔

وجہ۔ شاید اس میں کوئی قدرتی راز پوشیدہ ہو۔ حضرت موسیٰ کے لئے تجلی طور اور لحن داؤدی کی پہاڑوں میں گونج حضرت عیسیٰ کا زیتون کی پہاڑیوں میں کھوئے رہنا۔ پیغمبر اسلام کا فاران کی چوٹیوں سے نمودار ہونا اور تمام قوموں کی مذہبی تاریخ کے نقوش کا پہاڑوں پر دعوت نظارہ دینا یہ آخر کیا ہے؟

تجلی کے معنی جیسا کہ مفسر محققؒ نے کہا ہے کسی چیز کے ظہور کے ہیں۔ اگرچہ دوسرے کو اس کا ادراک نہ ہو۔ اس لئے تجلی اور دیکھنے دونوں کو ایک یا مترادف اور متلازم نہ سمجھا جائے۔ بلکہ تجلی دیکھنے کے بغیر بھی ہوسکتی ہے چنانچہ آفتاب کی تجلی اور طلوع ہوتا ہے مگر شپرک کو تاب نظارہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہوسکتا کہ تجلی کے ساتھ یا اس سے کچھ ہی پہلے شپرک کی نگاہوں کے تارے کار ہوجاتے ہوں۔

تورات کی تختیاں لکھی لکھائی ملیں یا حضرت موسیٰ نے لکھوائی تھیں:............لفظ کتبنا کے ظاہر سے اور آثار واخبار کی کثرت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تورات کی یہ تختیاں لکھی لکھائی عطا ہوئی تھیں اور بعض کی رائے یہ ہے کہ چونکہ وحی الٰہی سے یہ تختیاں کندہ کی گئی تھیں۔ اس لئے اللہ نے اس کی کتابت اپنی طرف منسوب کردی۔ دوسری آسمانی کتابوں کی نسبت بھی قرآن کا یہی طرز بیان ہے اور تورات میں ہے کہ یہ دو تختیاں تھیں اور دونوں طرف کندہ تھیں۔ قرآن کریم کے نزول کا معاملہ دوسری آسمانی کتابوں سے مختلف رہا اس لئے اس کی حفاظت وتحریف کا حال بھی مختلف ہے اور حضرت ہارونؑ چونکہ صرف نبی تھے۔ حضرت موسیٰ کی طرح حاکم نہ تھے اس لئے اخلفنی میں ان کو حکومت کے لحاظ سے نائب بنانا مقصود ہے نیابت نبوت مراد نہیں ہے۔

قرآن کریم کے عام اسلوب بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے ٹھہرائے ہوئے قوانین اور اسباب سے پیدا ہونے والے نتائج کو براہ راست اپنی طرف منسوب فرماتا ہے۔ چنانچہ آیت ساصرف الخ کا حاصل بھی یہی ہے کہ "جو لوگ سرکشی کریں گے میں ان کی نگاہیں اپنی نشانیوں سے پھیر دوں گا" یعنی جو کوئی جان بوجھ کر سرکشی کرے گا تو خدا کا قانون یہی ہے کہ وہ دلیلوں اور روشنیوں سے متاثر ہونے کی استعداد کھو دیتا ہے۔ پھر آگے چل کر فرمایا کہ انہوں نے چونکہ نشانیاں جھٹلائیں اور غافل رہے اس لئے یہ حالت پیش آئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ نگاہیں پھیر دینے کا مطلب یہ تھا۔ یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بے عقلی یا گمراہی پر مجبور کرتا ہے۔

لطائف آیات:............آیت فتم میقات الخ سے چلہ کشی کی اصل نکلتی ہے جو مشائخ کے یہاں معمول بہا ہے۔

آیت اخلفنی فی قومی الخ سے اس کی اصل نکلتی ہے کہ مشائخ بعض مریدوں کو اپنے بعض خلفاء کے سپرد کردیتے ہیں۔

آیت لن ترانی الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں نہیں ہوتا۔ جو شخص اس کا دعوے کرے۔ وہ خود دھوکہ میں ہے اور دھوکہ دیتا ہے۔ باقی معراج کا واقعہ اس سے مختلف یا مستثنیٰ ہے۔

آیت ساصرف الخ سے معلوم ہوا کہ غیر متکبر کے سامنے تکبر کرنا ناحق تکبر ہے لیکن متکبر کے سامنے تکبر کرنا برحق ہے۔ کیونکہ وہ حقیقۃً تکبر نہیں۔ بلکہ تکبر کی محض ایک صورت ہے اور حقیقت میں دوسرے کے تکبر پر چوٹ دینا ہے۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْ بَعْدِهٖ اَیْ بَعْدَ ذَهَابِهٖ اِلَی الْمُنَاجَاةِ مِنْ حُلِیِّهِمْ الَّذِیْ اسْتَعَارُوْهَا مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ لِعِلَّةِ عُرْسٍ فَبَقِیَ عِنْدَهُمْ عِجْلًا صَاغَهُ لَهُمْ مِنْهُ السَّامِرِیُّ جَسَدًا بَدَلٌ لَحْمًا وَدَمًا لَّهٗ خُوَارٌ اَیْ صَوْتٌ یُسْمَعُ انْقَلَبَ كَذٰلِكَ بِوَضْعِ التُّرَابِ الَّذِیْ اَخَذَهٗ مِنْ حَافِرِ فَرَسِ جِبْرَئِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِیْ فَمِهٖ فَاِنَّ اَثَرَهُ الْحَیَاةُ فِیْمَا یُوْضَعُ فِیْهِ وَمَفْعُوْلُ اِتَّخَذَ الثَّانِیْ مَحْذُوْفٌ اَیْ اِلٰهًا اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُكَلِّمُهُمْ وَلَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا فَكَیْفَ یُتَّخَذُ اِلٰهًا اِتَّخَذُوْهُ اِلٰهًا وَكَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۸﴾ بِاتِّخَاذِهٖ وَلَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ اَیْ نَدِمُوْا عَلٰی عِبَادَتِهٖ وَرَاَوْا عَلِمُوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا بِهَا وَذٰلِكَ بَعْدَ رُجُوْعِ مُوْسٰی قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَیَغْفِرْ لَنَا بِالْیَاءِ وَالتَّاءِ فِیْهِمَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤی اِلٰی قَوْمِهٖ غَضْبَانَ مِنْ جِهَتِهِمْ اَسِفًا شَدِیْدَ الْحُزْنِ قَالَ لَهُمْ بِئْسَمَا اَیْ بِئْسَ خِلَافَةً خَلَفْتُمُوْنِیْ هَا مِنْ بَعْدِیْ خِلَافَتُكُمْ هٰذِهٖ حَیْثُ اَشْرَكْتُمْ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ وَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ اَلْوَاحَ التَّوْرٰةِ غَضَبًا لِرَبِّهٖ فَتَكَسَّرَتْ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ اَیْ بِشَعْرِهٖ بِیَمِیْنِهٖ وَلِحْیَتِهٖ بِشِمَالِهٖ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ غَضَبًا قَالَ یَا ابْنَ اُمَّ بِكَسْرِ الْمِیْمِ وَفَتْحِهَا اَرَادَ اُمِّیْ وَذِكْرُهَا اَعْطَفُ لِقَلْبِهٖ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا قَارَبُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ فَلَا تُشْمِتْ تَفْرَحْ بِیَ الْاَعْدَآءَ بِاِهَانَتِكَ اِیَّایَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۰﴾ بِعِبَادَةِ الْعِجْلِ فِی الْمُؤَاخَذَةِ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ مَا صَنَعْتُ بِاَخِیْ وَلِاَخِیْ اَشْرَكَهٗ فِی الدُّعَاءِ اِرْضَاءً لَهٗ وَدَفْعًا لِلشَّمَاتَةِ بِهٖ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾

ترجمہ: .... اور موسیٰ کی قوم نے ان کے (پہاڑ پر مناجات کے لئے تشریف لے جانے کے) بعد ان زیورات سے (جو سبطیوں نے قبطیوں سے کسی شادی میں شرکت کی غرض سے لئے تھے اور وہ ان ہی کے پاس رہ گئے تھے) ایک بچھڑے کا دھڑ بنایا (جس کو سامری نے لوگوں کے لئے اس سونے کو گلا کر بچھڑے کی مورتی بنا دی تھی۔ لفظ جسداً بدل ہے گوشت اور خون سے بچ مچ کا بنا ہوا دھڑ) جس سے گائے کی سی آواز نکلتی (باقاعدہ آواز سنی جاتی تھی اور اس میں یہ انقلابی کیفیت اس مٹی سے ہوگئی تھی جس کو جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے سم کے نیچے سے اٹھا کر بچھڑے کے منہ میں رکھ دیا تھا۔ کیونکہ وہ مٹی جس چیز میں بھی ڈال دی جاتی۔ اس میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی تھی اور اتخذ کا دوسرا مفعول محذوف ہے یعنی الھا) کیا انہوں نے اتنی بات بھی نہ سمجھی کہ نہ تو وہ ان سے بات تک کرتا ہے اور نہ کسی طرح کی رہنمائی کر سکتا ہے؟ (پھر کیسے اسے اپنا معبود بنالیا) وہ اسے (معبود بنا کر) لے بیٹھے۔ بڑا بے ڈھنگا کام کیا (اس کی پوجا کر کے) اور پھر جب ہاتھ ملنے لگے (یعنی اس کی پوجا کرنے پر شرمندہ ہوئے) اور انہوں نے دیکھ لیا (سمجھ گئے) کہ راہ حق سے قطعاً بھٹک گئے ہیں (یہ تنبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے بعد ہوا) تو کہنے لگے اگر ہمارے پروردگار نے ہم پر رحم نہ کیا اور نہ بخشا (دونوں لفظ یاء اور تاء کے ساتھ ہیں) تو ہمارے لئے تباہی کے سوا کچھ نہیں ہے اور جب موسیٰ خشمناک ہوکر (ان کے کرتوت کی وجہ سے) اور رنج میں بھرے ہوئے (بے حد غمگین) اپنی قوم میں لوٹے تو فرمایا (ان سے) کہ تم نے میرے بعد یہ بڑی نامعقول

حرکت (بہت بری جانشینی) کی (یہ تمہاری جانشینی ہے کہ تم نے شرک کرنا شروع کر دیا) کیا اپنے پروردگار کے حکم سے پہلے ہی تم لوگوں نے جلد بازی مچا دی اور جلدی میں تختیاں ایک طرف ڈال دیں (یعنی جلال خداوندی سے تورات کی تختیاں پھینک دیں جس سے وہ ٹوٹ گئیں) اور اپنے بھائی ہارونؑ کو بالوں سے پکڑ کر (یعنی داہنا ہاتھ ان کے سر پر اور بایاں ہاتھ ان کی داڑھی پر ڈال دیا) اپنی طرف کھینچنے لگے (جوش غضب میں) ہارونؑ نے کہا اے میرے ماں جائے بھائی (لفظ ام میم کے کسرہ اور فتح کے ساتھ دونوں طرح ہے اصل میں امی تھا اور ماں کی نسبت کا ذکر ان کے دل کو نرمانے کے لئے کیا ہے) لوگوں نے مجھے بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ پس مجھ پر دشمنوں کو ہنسنے (خوش ہونے) کا موقعہ نہ دو (میرے ساتھ توہین کا برتاؤ کر کے) اور نہ مجھے ان ظالموں کے ساتھ شمار کیجئے۔ (بچھڑے کی پوجا کی پکڑ دھکڑ میں) موسیٰ نے دعا کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے پروردگار! میری خطا معاف فرما دو (جو کچھ میں نے اپنے بھائی کے ساتھ رویہ اختیار کیا ہے) اور میرے بھائی کی بھی (ان کی دلجوئی اور دشمنوں کی ہنسی سے بچنے کے لئے اپنے بھائی کو بھی دعا میں شریک فرمالیا) اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرمائیے آپ سے بڑھ کر کون ہے جو رحم کرنے والا ہو؟

تحقیق وترکیب: .... **استعاروھا**. یہ مال پہلے تو مستعار لیا تھا اور قبطیوں کی تباہی کے بعد بطور مال غنیمت ان کے پاس رہا۔ جس کو موسیٰ سامری زرگر نے بچھڑے کی شکل میں ڈھال دیا اور پھر حضرت موسیٰ نے اس کو جلا کر راکھ دریا برد کر دی۔ ابن عباسؓ، قتادہؒ اور حسنؒ کی رائے میں وہ سچ مچ گوشت پوست کا جیتا جاگتا بچھڑا ہو گیا تھا اور بعض سونے ہی کا مانتے ہیں۔ مگر جاندار۔ **خوار**. کا مطلب بعض نے تو یہ لیا ہے کہ ہوا اس میں داخل ہو کر جب نکلتی تھی تو اس سے آواز پیدا ہوتی تھی اور اس سے زیادہ کوئی بات اس میں زندگی کی نہیں پائی جاتی تھی۔ لیکن بعض سچ مچ بچھڑے کی آواز اور چلنا پھرنا مانتے ہیں۔ چونکہ سامری نے سب کی مرضی سے یہ کام کیا تھا۔ اس لئے سب کی طرف اس کی نسبت کر دی گئی ہے۔

سقط فی ایدیھم. عربی محاورہ میں اس کے معنی نادم ہونے کے آتے ہیں۔ کیونکہ اس حالت میں انسان اپنے ہاتھ کاٹنے کے لئے ہاتھوں پر جھکتا ہے۔ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اس موقعہ پر بہت بسط سے کام لیا ہے۔ **ولما رجع**. یہاں بھی واو مطلق جمع کے لئے ہے ترتیب کے لئے نہیں۔ **غضبان اسفاً**. یہ دونوں لفظ یا حال ہوں گے موسیٰ سے۔ ان لوگوں کے نزدیک جو کئی کئی حال کی اجازت دیتے ہیں ورنہ **غضبان موسیٰ** سے حال ہوا اور **اسفا غضبان**. کی ضمیر سے حال ہوگا۔ یعنی حال متداخلہ ہو جائے گا اور تاسف کے معنی اگر سخت غصہ کے لئے جائیں تو یہ بدل بعض اور حزن کے معنی لئے جائیں تو بدل الاشتمال بھی ہو سکتا ہے۔ حق تعالیٰ نے کوہ طور پر ہی اس صورت حال سے موسیٰ علیہ السلام کو باخبر کر دیا تھا۔ جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ہے۔ **انا قد فتنا قومك الخ** اسی لئے جوش الٰہی میں بھرے ہوئے آئے۔

فتکسرت. تختیاں رکھنے سے پہلے تورات کے سات حصے تھے اور ٹوٹنے کے بعد جب اٹھائی تو دیکھا کہ ہدایت ورحمت، احکام ووعظ سے متعلق چھ حصے باقی رہ گئے اور ایک حصہ جو غیبی خبروں سے متعلق تھا وہ اٹھا لیا گیا۔ لیکن امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ تورات کا ڈالنا تو قرآن سے ثابت ہے۔ لیکن اس کا ٹوٹ جانا یا ایک حصہ کا غائب ہو جانا یہ قطعاً ثابت نہیں۔ اس لئے ایسی بات ماننا سخت جرائت کا مظاہرہ کرنا ہے۔ درآنحالیکہ ایسی حرکت انبیاء علیہم السلام کے شایان شان بھی نہیں ہے۔

یابن ام. بصریوں کی رائے تو یہ ہے کہ یہ دونوں لفظ فتح پر مبنی ہوتے ہیں "**خمسة عشر**" کی طرح پس لفظ ابن ام کی طرف مضاف نہیں ہوگا۔ بلکہ دو لفظوں سے مرکب ہوگا اور اس پر حرکت بنائی ہوگی۔ لیکن کوفیوں کی رائے یہ ہے کہ **ابن مضاف** ہے ام کی طرف اور ام مضاف ہے یائے متکلم کی طرف جو الف ہو کر پھر حذف ہو گئی اس صورت میں اس پر حرکت اعرابی ہوگی۔ حضرت ہارونؑ

حضرت موسیٰ سے تین سال بڑے بھائی تھے۔ پس ماں اور باپ دونوں میں شریک ہوئے۔ پھر ماں کی تخصیص کیوں کی گئی؟ مفسر محقق اسی شبہ کا جواب دے رہے ہیں کہ ماں کا واسطہ دے کر مامتا سے جوش محبت کی اپیل کررہے ہیں۔ فلا تشمت۔ ای لا تفعل بی ما یشمتو ن بی لا جله۔ شماتت کہتے ہیں کسی کو مصیبت میں دیکھ کر خوش ہونا۔ بولتے ہیں۔ شمت فلان بفلان.

ربط و ﴿تشریح﴾: .... بنی اسرائیل مصر کی بت پرستی سے اس درجہ مانوس ہو چکے تھے کہ رہ رہ کر انہیں اس کا شوق اٹھتا تھا۔ لیکن موقعہ نہیں ملتا تھا۔ جوں ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن الگ ہوئے انہوں نے گائے کے بچھڑے کی طلائی مورتی موسیٰ سامری سے بنوا کر اس کی پوجا شروع کر دی۔

سونے کی مورتی بنی اسرائیل میں کس نے بنائی تھی؟: .... تورات میں ہے کہ یہ مورتی حضرت ہارونؑ نے بنائی تھی لیکن قرآن کریم نے دوسری آیت میں واضح کر دیا ہے کہ یہ سامری نامی ایک شخص کی کارستانی تھی اور حضرت ہارونؑ کا دامن اس دھبہ سے بالکل پاک ہے۔

شرک کی نحوست سے عقل ماری جاتی ہے: .... الم یروا انه لا یکلمهم الخ کا مطلب یہ ہے کہ ان عقل کے اندھوں کو اتنی موٹی سی بات بھی نہ سوجھی کہ اس سے ایک ہی طرح کی آواز کیوں نکلتی ہے؟ اور آدمی کی بات کا جواب کیوں نہیں دیتا؟

"تابہد ایست چہ رسد" کیا ایک معبود کی شان یہی ہوتی ہے۔

دراصل ہندوستان کی طرح بابل اور مصر میں بھی بیل گائے کی عظمت کا تصور پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن اگر کالڈیا کے تمدن کی قدامت تسلیم کرلی جائے تو وہیں سے یہ خیال دوسرے ملکوں میں پھیلا ہوگا۔

جائز اور ناجائز غصہ کی حدود اور اس کے اثرات: .... حضرت موسیٰ کا غضب چونکہ محض اللہ کے لئے تھا۔ اس لئے اس کی مثال مباح نشہ کی سی ہوگی۔ جس میں انسان معذور شمار کیا جاتا ہے اور مکلّف نہیں رہتا۔ نفسانی غصہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ وہ حرام نشہ کی طرح حرام ہی رہتا ہے۔ شرعاً اس کو عذر تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ حرام نشہ کی حالت میں طلاق دی جائے تو پڑ جاتی ہے۔ غرض کہ اس جوش وجلال کی حالت میں حضرت موسیٰ بے قابو ہو گئے جس کی وجہ سے تورات ایک طرف پھینک دی اور اپنے بڑے بھائی پر بھی دست درازی فرمادی اور اس طرح کے غلبہ حال کی کیفیت کبھی کبھی انبیاء علیہم السلام کو بھی پیش آئی ہے جو ان کے کمال کے منافی نہیں۔ اس لئے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس جلال کی کیفیت میں یہ دھیان ہی نہ رہا ہو کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے اور چونکہ بھائی کو نگہداشت اور نگرانی کا ذمہ دار بنا گئے تھے۔ اس لئے ان کی طرف سے سستی کا شبہ کر کے ان سے دارو گیر کرنے کے لئے جلدی ہاتھوں کو خالی کرنا چاہا اور جھٹک کر تختیوں کو ایک طرف رکھ دیا۔ جس کو القیٰ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اسی میں بھائی کے مرتبہ کا خیال بھی نہ رہا کہ کس پر ہاتھ ڈال رہا ہوں۔ اکثر کسی دلچسپ بات چیت میں مست ہونے کی وجہ سے یا کسی خیال کے پوری طرح سوار ہو جانے کے وقت ایسے اتفاقات پیش آ جایا کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض نے لکھا ہے کہ مجازاً اور تشبیہاً جلدی سے رکھ دینے کو القاء سے تعبیر فرمادیا گیا ہے۔

لطائفِ آیات: .... آیت واتخذ قوم موسیٰ سے معلوم ہوا کہ خوارق سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے اور الم یروا انه

الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعی حجت ہی فیصلہ کن اور راجح ہوسکتی ہے۔

آیت ولما رجع موسیٰ سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت شیخ مرید پر غصہ کرسکتا ہے۔

آیت والقی الالواح سے معلوم ہوتا ہے کہ دینی جوش میں ایسا غصہ جو اہل اللہ کو پیش آتا ہے بد خلقی نہیں ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ غلبہ حال شرعی عذر ہے۔ نیز غلبہ حال کبھی کبھی کاملین کو بھی پیش آتا ہے۔

آیت اخذ برأس اخیہ۔ یعنی ہارون علیہ السلام کی طرف سے کوتاہی نہ ہونے کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مواخذہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی کاملین سے بھی خطائے اجتہادی ہو جاتی ہے پھر مشائخ تو معصوم نہیں ہوتے ان سے اجتہادی خطا کیسے ممکن نہ ہوگی۔ (۱۱ رمضان ۸۳ھ بروز دوشنبہ)

قَالَ **اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ** اِلٰهًا **سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ** عَذَابٌ **مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** فَعُذِّبُوْا بِالْاَمْرِ بِقَتْلِهِمْ اَنْفُسَهُمْ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **وَكَذٰلِكَ** كَمَا جَزَيْنٰهُمْ **نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ** ﴿۱۵۲﴾ عَلَى اللّٰهِ بِالْاِشْرَاكِ وَغَيْرِهِ **وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا** رَجَعُوْا عَنْهَا **مِنْ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا** بِاللّٰهِ **اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا** اَيِ التَّوْبَةِ **لَغَفُوْرٌ** لَهُمْ **رَّحِيْمٌ** ﴿۱۵۳﴾ بِهِمْ **وَلَمَّا سَكَتَ** سَكَنَ **عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ** الَّتِيْ اَلْقَاهَا **وَفِيْ نُسْخَتِهَا** اَيْ مَانُسِخَ فِيْهَا اَيْ كُتِبَ **هُدًى** مِنَ الضَّلَالَةِ **وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ** ﴿۱۵۴﴾ يَخَافُوْنَ وَاُدْخِلَ اللَّامُ عَلَى الْمَفْعُوْلِ لِتَقَدُّمِهِ **وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ** اَيْ مِنْ قَوْمِهِ **سَبْعِيْنَ رَجُلًا** مِمَّنْ لَمْ يَعْبُدُوا الْعِجْلَ بِاَمْرِهِ تَعَالٰى **لِّمِيْقَاتِنَا** اَيِ الْوَقْتِ الَّذِيْ وَعَدْنَاهُ بِاِتْيَانِهِمْ فِيْهِ لِيَعْتَذِرُوْا مِنْ عِبَادَةِ اَصْحَابِهِمُ الْعِجْلَ فَخَرَجَ بِهِمْ **فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ** الزَّلْزَلَةُ الشَّدِيْدَةُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِاَنَّهُمْ لَمْ يُزَايِلُوْا قَوْمَهُمْ حِيْنَ عَبَدُوا الْعِجْلَ قَالَ وَهُمْ غَيْرُ الَّذِيْنَ سَاَلُوا الرُّؤْيَةَ وَاَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ **قَالَ** مُوْسٰى **رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ** اَيْ قَبْلَ خُرُوْجِيْ بِهِمْ لِيُعَايِنَ بَنُوْ اِسْرَاءِيْلَ ذٰلِكَ وَلَا يَتَّهِمُوْنِيْ **وَاِيَّايَ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا** اِسْتِفْهَامُ اِسْتِعْطَافٍ اَيْ لَا تُعَذِّبْنَا بِذَنْبِ غَيْرِنَا **اِنْ هِيَ** اَيِ الْفِتْنَةُ الَّتِيْ وَقَعَتْ فِيْهَا السُّفَهَاءُ **اِلَّا فِتْنَتُكَ** اِبْتِلَاءُكَ **تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ** اِضْلَالَهٗ **وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ** هِدَايَتَهٗ **اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ** ﴿۱۵۵﴾ **وَاكْتُبْ** اَوْجِبْ **لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ** حَسَنَةً **اِنَّا هُدْنَآ** تُبْنَا **اِلَيْكَ قَالَ** تَعَالٰى **عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ** تَعْذِيْبَهٗ **وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ** عَمَّتْ **كُلَّ شَيْءٍ** فِي الدُّنْيَا **فَسَاَكْتُبُهَا** فِي الْاٰخِرَةِ **لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ** ﴿۱۵۶﴾ **اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ** مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ** بِاسْمِهٖ وَصِفَتِهٖ **يَاْمُرُهُمْ**

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ مَاحُرِّمَ فِي شَرْعِهِمْ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ مِنَ الْمَيْتَةِ وَنَحْوِهَا وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ ثِقْلَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الشَّدَائِدَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ كَقَتْلِ النَّفْسِ فِي التَّوْبَةِ وَقَطْعِ اَثَرِ النَّجَاسَةِ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ مِنْهُمْ وَعَزَّرُوْهُ وَقَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اَيِ الْقُرْاٰنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ قُلْ خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ الْقُرْاٰنِ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ تَرْشُدُوْنَ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ جَمَاعَةٌ يَّهْدُوْنَ النَّاسَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ فِي الْحُكْمِ

ترجمہ: .... (حق تعالیٰ نے فرمایا) جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی (معبود بنا کر) ان کے حصہ میں بہت جلد ان کے پروردگار کا غضب (عذاب) آئے گا اور وہ دنیا کی زندگی میں ذلت ورسوائی پائیں گے (چنانچہ عذاب کی صورت تو یہ ہوئی کہ انہیں خودکشی کا حکم دیا گیا اور ذلت تو قیامت تک ان پر سوار رہے گی) اور ہم (اللہ پر شرک وغیرہ کی) افتراء پردازیاں کرنے والوں کو اسی طرح کا بدلہ (جیسے ان کو ملا ہے) دیا کرتے ہیں۔ ہاں جن لوگوں نے برے کام کئے پھر توبہ کرلی (برے کام سے باز آگئے) گناہ کرنے کے بعد اور ایمان لے آئے (اللہ پر) تو بلاشبہ تمہارے پروردگار اس (توبہ) کے بعد (ان کو) بخش دینے والے (ان پر) رحم کرنے والے ہیں اور جب موسیٰ کا جوش کم (دھیما) ہوا تو ان تختیوں کو (جنہیں پھینکا تھا) اٹھالیا اور اس کے نوشتہ میں (یعنی جو کچھ اس میں قلم بند یعنی لکھا ہوا تھا) رہنمائی تھی (گمراہی سے ہٹانے کی) اور رحمت تھی اپنے پروردگار سے ڈرنے والوں کے لئے (جو اللہ کا خوف کرتے ہیں اور الذین مفعول پر مقدم ہونے کی وجہ سے لام داخل کردیا گیا ہے) اور چن لئے موسیٰ نے اپنی قوم کے (یعنی اپنی قوم میں سے) ستر ۷۰ آدمی (جنہوں نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی تھی۔ ان میں سے ستر ۷۰ آدمی اللہ کے حکم سے چھانٹ لئے) ہمارے ٹھہرائے ہوئے وقت میں حاضر ہونے کے لئے (یعنی جس وقت ہم نے ان سے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ تاکہ وہ آکر اپنی گوسالہ پرستی سے عذر کرلیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام ان کو ساتھ لے کر نکلے) پھر جب کہ لرزا دینے والی چیز کے جھٹکے نے انہیں آلیا (مراد زوردار زلزلہ ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ اس لئے ہوا کہ بچھڑے کی پوجاپاٹ کے زمانہ میں یہ لوگ اپنی قوم میں ہی پڑے رہے اور فرمایا کہ یہ ستر ۷۰ اشخاص ان لوگوں کے علاوہ ہیں جنہوں نے دیدار الٰہی کی درخواست کی تھی جس پر ایک کڑک نے انہیں پکڑ لیا تھا) تو (موسیٰ) عرض کرنے لگے۔ پروردگار! اگر آپ کو یہی منظور تھا تو اب سے پہلے ہی انہیں ہلاک کر ڈالتے (ان کو میرے لانے سے پہلے۔ تاکہ بنی اسرائیل بھی دیکھ لیتے اور مجھ پر تہمت نہ لگاتے) اور خود مجھے بھی آپ ختم کر ڈالتے۔ پھر کیا ایک ایسی حرکت کی وجہ سے جو ہم میں سے چند بے وقوف کر بیٹھے ہیں۔ ہم سب کو ہلاک کردیں گے (یہ استفہام رحمت کو جوش دلانے کے لئے ہے یعنی بھلا کہیں دوسروں کے گناہ میں ہمیں آپ تھوڑا ہی پکڑیں گے) یہ محض (یعنی وہ فتنہ جس میں یہ بیوقوف لوگ پڑ گئے) آپ کی طرف سے ایک امتحان (آزمائش) ہے آپ جسے چاہیں (بھٹکانا) بھٹکا دیں اور جسے چاہیں (راہ دکھانا) راہ دکھا دیں۔ آپ ہی ہمارے والی ہیں۔ پس ہمیں بخش دیجئے اور ہم پر رحم فرمائیے۔ آپ سے بہتر بخشنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں بھی ہمارے لئے اچھائی لکھ دیجئے (مقرر فرما دیجئے) اور آخرت میں بھی (اچھائی) ہم آپ کی طرف رجوع (توبہ) کرتے ہیں (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا میرے عذاب کا حال یہ ہے کہ جسے چاہتا ہوں (عذاب دینا) دیتا ہوں اور رحمت کا حال یہ ہے کہ (دنیا

کی) ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ پس میں (آخرت میں) ان لوگوں کے لئے رحمت ضرور لکھ دوں گا۔ جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور ہماری نشانیوں پر ایمان لاتے ہیں جو رسول، نبی امی (محمد ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جن کے ظہور کی خبر اپنے یہاں تورات، انجیل میں لکھی ہوئی پاتے ہیں (مع آپ ﷺ کے نام نامی اور خوبیوں کے) وہ انہیں نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔ پاکیزہ چیزیں ان کے لئے حلال بتلاتے ہیں (جو ان کی شریعتوں میں حرام تھیں) اور گندی (مردا سر وغیرہ) چیزیں ان پر حرام فرماتے ہیں اور نجات دلاتے ہیں اس بوجھ (وزن) کی چیز سے جس کے تلے وہ دبے ہوئے تھے اور ان پھندوں سے نکال دیں گے جن میں وہ گرفتار تھے (جیسے توبہ کے سلسلہ میں خودکشی کرنا اور ناپاکی کے اثر کو کاٹ پھینکنا) سو جو لوگ ان پر ایمان لاتے ہیں (ان میں سے) اور ان کی حمایت (تائید) کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور (قرآن) کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ ایسے ہی لوگ پوری کامیابی پانے والے ہیں۔ آپ ﷺ فرما دیجئے (یہ خطاب ہے آنحضرت ﷺ کو) اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں جن کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے ان کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی جلاتے ہیں، وہی مارتے ہیں۔ پس اللہ پر اور ان کے نبی امی پر ایمان لاؤ کہ وہ خود بھی اللہ اور ان کے کلمات (قرآن) پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی ...... پیروی کرو۔ تاکہ تم راہ رحمت پر آ جاؤ (ٹھیک چلنے لگو) اور موسیٰ کی قوم میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو (لوگوں کو) حق کے موافق ہدایت کرتی ہے اور اسی کے موافق (فیصلہ میں) انصاف بھی کرتی ہے۔

تحقیق وترکیب: .... **سکت.** یہ سکون سے استعارہ بالکنایہ ہے اور سکوت میں استعارۃ تبعیہ ہے۔ کیونکہ سکون کو سکوت سے تشبیہ دی گئی ہے اور لفظ مشبہ بہ مشبہ میں بطور استعارہ لیا گیا ہے۔ اس لئے استعارہ تصریحیہ تبعیہ ہوا اور چونکہ یہ غضب للہ تھا۔ اس لئے حلم کے خلاف یا بد خلقی نہیں ہوگا۔ **واختار** لفظ **اختار، امر، امی، سمی، زوج، استغفر، صدق، دعا، حدث، انبا** میں جار محذوف ہو کر یہ افعال خود متعدی ہوتے ہیں۔ **سبعین.** یہ بارہ خاندان تھے جن میں سے ہر خاندان کے چھ افراد تھے اس طرح کل بہتر ۷۲ اشخاص ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو آدمی کم ہونے کے لئے فرمایا۔ تو یوشع اور کالب بیٹھ گئے اور ستر ۷۰ باقی رہ گئے۔ کل بنی اسرائیل جو مصر سے آپ کے ساتھ نکلے تھے چھ ۶ لاکھ بیس ۲۰ ہزار تھے، جن میں بارہ ہزار کے علاوہ سب گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے۔

بامرہ. اس کا تعلق **اختار** کے ساتھ ہے۔ یہ لوگ جب طور سینا کے قریب پہنچے تو انہیں ایک بادل نے آ گھیرا۔ یہ سب سجدہ میں پڑ گئے۔ اور کلام الٰہی سنا تو کہنے لگے۔ **لن نومن لك حتی نری اللّٰه الخ** اس پر یہ سانحہ پیش آیا۔ **لمیقاتنا.** بقول بغویؒ یہ وقت بچھڑے کی پوجا سے توبہ کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ لیکن زمخشریؒ کی رائے میں یہ وقت تورات دینے کے لئے طے ہوا تھا۔ اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب لوگ مر گئے تھے۔ لیکن وہب کہتے ہیں کہ دہشت کی وجہ سے ان پر سکتہ طاری ہو گیا تھا اور یہ سرزنش اس بات پر تھی کہ اگرچہ بچھڑے کی پوجا میں یہ لوگ شریک نہیں ہوئے مگر وہاں سے ہٹے بھی نہیں۔ آخر کیوں جمے رہے۔

وایای. یہ بطور رضا بالقضا عرض کیا ہے ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوئی جرم لائق ہلاکت نہیں کیا تھا۔

السفهاء. اس سے مراد اگر بچھڑے کی پوجا کرنے والے ہیں تب تو ظاہر ہے کہ قوم کے سارے افراد نے ایسا نہیں کیا تھا۔ لیکن اگر دیدار الٰہی کی درخواست کرنے والے مراد ہیں تو ماننا پڑے گا کہ ان سب ستر ۷۰ آدمیوں نے یہ درخواست نہیں کی تھی۔ بلکہ بعض نے کی ہوگی۔

الا فتنتك چنانچہ حق تعالیٰ نے **قد فتنا قومك الخ** کے ذریعہ پہلے ہی حضرت موسیٰ کو اس کے فتنہ ہونے کی اطلاع

دے دی تھی۔ کـقـتـل النفـس. اسی طرح بقول صاحب کشاف قتل کی سزا میں صرف قصاص واجب تھا۔ قتل خواہ دانستہ ہو یا نادانستہ اس میں دیۃ کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اسی طرح خطاءً اگر کسی کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے تو اس کی سزا صرف ہاتھ پاؤں کا کاٹنا تھا۔ اسی طرح ناپاک بدن کی کھال اور کپڑے کو کاٹ دینا۔ اسی طرح مال غنیمت کو جلانا ضروری تھا اور جانور کے گوشت کے رگ پٹھے بھی حرام تھے۔ اسی طرح ہفتہ کے دن شکار کی ممانعت۔ اور حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ نماز پڑھنے کے وقت یہود ٹاٹ پہنتے تھے اور ہاتھ گردنوں پر باندھ لیتے تھے۔ بلکہ بعض دفعہ گلے کی ہنسلی میں سوراخ کر کے اس میں رسی ڈالتے تھے اور آپ کو ستون سے باندھ کر عبادت میں مشغول ہوتے تھے اور صاحب مدارک فرماتے ہیں کہ رات کو اگر کوئی گناہ کرتا تو صبح کو اس کے دروازہ پر لکھا ملتا اور امام زاہدؒ فرماتے ہیں۔ کہ تہجد کی نماز ان پر فرض تھی اور زکوٰۃ چوتھائی مال کی دینی ضروری تھی اور بعض کے نزدیک ان پر پچاس نمازیں فرض تھیں اور نماز صرف مسجد میں ادا کرنی ضروری ہوتی تھی اور روزہ کی راتوں میں بھی سو جانے کے بعد بیوی سے صحبت ناجائز تھی۔ اسی طرح پھر کھانا کھانے کی اجازت بھی نہیں رہتی تھی۔ اسی طرح صدقات کی قبولیت آگ میں جلانے سے ہوتی تھی اور ایک نیکی کا ثواب صرف ایک ہی ملتا تھا۔ دس نیکیاں نہیں تھیں۔ یہ تھی عـلـی الا ختلاف الا قوال اصر و اغلال کی تفصیل جس کو اسلام نے آ کر سہولت و آسانی سے تبدیل کر دیا۔

ربط و ﴿ تشریح ﴾: .... حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے درمیان بطور جملہ معترضہ آنحضرت ﷺ کی اطاعت واتباع کی تلقین فرمائی جا رہی ہے۔ پہلے یہ کہا گیا تھا کہ جو لوگ اللہ کی نشانیوں پر ایمان لائیں گے وہی رحمت کے سزاوار ہوں گے۔ اس لئے الـذین یتبعون الخ سے سلسلہ بیان مخاطبین کی طرف پھر گیا ہے۔ یعنی اب جب کہ پیغمبر اسلام کی دعوت آشکارا ہو گئی ہے تو اہل کتاب کے لئے بھی رحمت الٰہی کی بخشش کا دروازہ کھل گیا۔ جو لوگ سچائی سے نشانیوں پر ایمان لائیں گے وہ فرمان الٰہی کے مطابق سعادت و کامرانی پائیں گے۔

آیت یـا ایھا الناس سے تمام انسانوں کو عام خطاب ہے کہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی اتباع کریں اور آیت **ومن قوم موسی** الخ سے نومسلم یہود کی تعریف ہے۔

دعوتِ اسلام کی تین خصوصیتیں: .... پیغمبر اسلام ﷺ کی دعوت کی یہاں تین خصوصیتیں بیان کی جا رہی ہیں۔ ۱۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ ۲۔ برائی سے روکتے ہیں۔ ۳۔ پاکیزہ اور پسندیدہ چیزوں کے استعمال کو جائز اور ناپسندیدہ چیزوں کے استعمال سے روکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں اچھی ہیں انہیں جائز کیا ہے اور جو بری اور مضر ہیں ان سے روک دیا ہے اور جو بوجھ اہل کتاب کے سروں پر پڑ گیا تھا اور جن پھندوں میں وہ گرفتار ہو گئے تھے۔ پیغمبر اسلام ﷺ ان سے نجات دلاتے ہیں۔

مذہب یہود کی دشواریاں: .... یہ بوجھ اور یہ پھندے کون سے تھے جن سے قرآن پاک رہائی دلاتا ہے؟ مذہبی احکام میں لوگوں کی پیدا کردہ بے جا سختیاں اور ناقابل عمل پابندیاں، سمجھ بوجھ سے باہر عقیدوں کا بوجھ، وہم پرستیوں کا ڈھیر، مذہب کے نام پر اندھی اور بے جا تقلید کی بیڑیاں، پیشواؤں کی پرستش کی زنجیریں۔ یہ بوجھل رکاوٹیں تھیں جنہوں نے یہودیوں اور عیسائیوں کے دل و دماغ جکڑ لئے تھے۔ لیکن نبی امی ﷺ نے ان سب سے نجات دلا کر سچائی کی ایسی سہل اور شان راہ دکھائی جس میں عقل کے لئے کوئی پیچ اور عمل کے لئے کوئی بوجھ نہیں ہے۔

اور یہود پر جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا۔ فی نفسہ وہ چیزیں بری یا ناپاک نہ تھیں۔ بلکہ یہود کی شرارت وسرکشی ان کے حرام ہونے کا سبب بنی۔ اب آنحضرت ﷺ کے دور نبوت میں ان کی ذاتی اچھائی کی وجہ سے پھر ان کو حلال کر دیا گیا ہے۔

رسول عربی ﷺ کا اُمی ہوکر ساری دُنیا کے لئے مُعلم بننا: .... اور آنحضرت ﷺ کے امی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والا بچہ معصوم اور کسی کا شاگرد نہیں ہوتا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے بھی عمر بھر کسی سے لکھا پڑھا نہیں اور کسی کی شاگردی نہیں کی۔ گویا ساری عمر آپ ﷺ پیدائشی حالت پر رہے۔ جیسا کہ عرب کو بھی اسی معنی پر امی کہا جاتا ہے۔ بلکہ نحن امیون الخ سے آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کا امتیازی نشان امی بتلایا۔ مگر اس کے باوجود پھر ساری دنیا کو دنگ کر دینے والے علوم وحقائق اور معارف ظاہر فرمانا دلیل ہے آپ ﷺ کے تلمیذ الرحمٰن اور رسول ﷺ خدا ہوں ہونے کی۔ نیاز امی ہونا آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔ کیونکہ بہت سے انبیاءؑ لکھے پڑھے ہوئے ہیں اور گو اس زمانہ میں تورات وانجیل میں کافی ردوبدل ہو چکا ہے۔ تاہم ان میں بھی آنحضرت ﷺ کے اوصاف اور آپ ﷺ کی بشارتیں موجود ہیں جو دلیل ہے۔ الــــــذی یجدونہ الخ کے سچ ہونے کی۔

پچھلی آسمانی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کے حلیہ مبارک کی طرح آپ کا نام نامی بھی موجود تھا: ...... البتہ اگر بشارتوں کے سلسلہ میں علامات واشارات کافی نہ ہوں بلکہ آپ ﷺ کے نام نامی کی تصریح بھی ضروری سمجھی جائے تو کہا جائے گا کہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں آپ ﷺ کا نام نامی بھی ان آسمانی کتابوں میں ضرور ہوگا۔ ورنہ آپ ﷺ کے زمانہ کے علمائے تورات ضرور آپ ﷺ سے اس بارے میں کٹ حجتی کرتے۔ پس ان کا سن سن کر خاموش ہو جانا اس بات کی کافی ضمانت ہے کہ ضرور اس وقت آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی موجود ہوگا۔ ردوبدل ہونے کی وجہ سے اگرچہ اب نہ رہا ہو۔

آپ ﷺ کی نبوت عامہ: .... اور الناس میں بلحاظ عرف جنات بھی داخل ہیں۔ جیسے فی صدور الناس من الجنة والناس۔ میں داخل ہیں اور آنحضرت ﷺ کا ساری دنیا کے لئے نبی ﷺ ہوکر آنا قطعی دلائل سے ثابت ہے۔

نبی اور رسول کا فرق: .... اور نبی انسان کے ساتھ خاص ہے۔ صاحب کتاب ہو یا نہ ہو اور رسول۔ انسان اور فرشتہ دونوں پر بولا جاتا ہے۔ لہٰذا لفظ رسول عام ہوا اور یہاں دونوں لفظ لانے سے تاکید مقصود ہے۔ تورات وانجیل چونکہ اس زمانہ میں زیادہ تر مذہبی کتابیں سمجھی جاتی تھیں۔ اس لئے ان کا ذکر کیا گیا ہے ورنہ آنحضرت ﷺ کے متعلق بشارتیں زبور میں بھی تھیں۔

آیت کی جامعیت: .... یہ آیت جوامع آیات میں سے ہے جس نے اسلام دعوت کی پوری حقیقت واضح کر دی۔ کہ پیغمبر اسلام ﷺ کسی خاص قوم اور ملک کے لئے نہیں آئے۔ بلکہ تمام انسانی نوع کے لئے آئے ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ کی یہ دعوت یکساں طور پر سب انسانوں کے لئے ہے اور یہ دعوت ایک خدا کے آگے سب کے سروں کو جھکا ہوا دیکھنا چاہتی ہے۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے تمام کلمات وحی پر ایمان لانا چاہئے اور جب تمام کائنات ہستی میں ایک ہی خدا کی فرمانروائی ہے تو ضروری ہوا کہ اس کا پیغام ہدایت بھی ایک ہی ہو اور سب کے لئے ہو۔

لطائف آیات: .... آیت ان الذین اتخذو االخ سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہوں کی سزا میں کبھی دنیاوی ذلت ورسوائی

بھی حصہ میں آ جاتی ہے۔

آیت رحمتی وسعت کل شئی سے اگرچہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے کہ کفار کے لئے بھی آخر میں رحمت ونجات ہو جائے گی۔ لیکن اگلا جملہ فسا کتبھا الخ اس خیال کی تردید کر رہا ہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ فَرَّقْنَا بَنِیْ اِسْرَاءِیْلَ **اثْنَتَیْ عَشْرَةَ** حَالٌ **اَسْبَاطًا** بَدَلٌ مِنْهُ اَیْ قَبَائِلَ **اُمَمًا** بَدَلٌ مِمَّا قَبْلَهٗ **وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗٓ** فِی التِّیْهِ **اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ** فَضَرَبَهٗ **فَانْۢبَجَسَتْ** اِنْفَجَرَتْ **مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا** بِعَدَدِ الْاَسْبَاطِ **قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ** سِبْطٍ مِنْهُمْ **مَّشْرَبَهُمْ وَظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ** فِی التِّیْهِ مِنْ حَرِّ الشَّمْسِ **وَاَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی** هُمَا التَّرَنْجَبِیْنُ وَالطَّیْرُ السُّمَانٰی بِتَخْفِیْفِ الْمِیْمِ وَالْقَصْرِ وَقُلْنَا لَهُمْ **كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ** ﴿۱۶۰﴾ وَ اذْكُرْ **اِذْ قِیْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ** بَیْتَ الْمَقْدِسِ **وَكُلُوْا مِنْهَا حَیْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا** اَمْرُنَا **حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ** اَیْ بَابَ الْقَرْیَةِ **سُجَّدًا** سُجُوْدَ انْحِنَاءٍ **نَّغْفِرْ** بِالنُّوْنِ وَبِالتَّاءِ مَبْنِیًّا لِلْمَفْعُوْلِ **لَكُمْ خَطِیْٓـٰٔتِكُمْ سَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ** ﴿۱۶۱﴾ بِالطَّاعَةِ ثَوَابًا **فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ** فَقَالُوْا حَبَّةٌ فِیْ شَعْرَةٍ وَدَخَلُوْا یَزْحَفُوْنَ عَلٰی اِسْتَاهِهِمْ **فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِجْزًا** عَذَابًا **مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ** ﴿۱۶۲﴾ **وَاسْئَلْهُمْ** یَا مُحَمَّدُ تَوْبِیْخًا **عَنِ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ** مُجَاوِرَةً بَحْرَ الْقُلْزُمِ وَهِیَ اَیْلَةُ مَاوَقَعَ بِاَهْلِهَا **اِذْ یَعْدُوْنَ** یَعْتَدُوْنَ **فِی السَّبْتِ** بِصَیْدِ السَّمَكِ الْمَامُوْرِیْنَ بِتَرْكِهٖ فِیْهِ **اِذْ** ظَرْفٌ لِیَعْدُوْنَ **تَاْتِیْهِمْ حِیْتَانُهُمْ یَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا** ظَاهِرَةً عَلَی الْمَاءِ **وَّیَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ** لَایُعَظِّمُوْنَ السَّبْتَ اَیْ سَائِرَ الْاَیَّامِ **لَا تَاْتِیْهِمْ** اِبْتِلَاءً مِنَ اللّٰهِ **كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ** ﴿۱۶۳﴾ وَلَمَّا صَادُوا السَّمَكَ اِفْتَرَقَتِ الْقَرْیَةُ اَثْلَاثًا ثُلُثٌ صَادُوْا مَعَهُمْ وَثُلُثٌ نَهَوْهُمْ وَثُلُثٌ اَمْسَكُوْا عَنِ الصَّیْدِ وَالنَّهْیِ **وَاِذْ** عَطْفٌ عَلٰی اِذْ قَبْلَهٗ **قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ** لِمَ تَصُدُّوْا لِمَ تَنَهٗ لِمَنْ نَهٰی **لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا قَالُوْا** مَوْعِظَتُنَا **مَعْذِرَةً** نَعْتَذِرُ بِهَا **اِلٰی رَبِّكُمْ** لِئَلَّا نُنْسَبَ اِلَی تَقْصِیْرٍ فِیْ تَرْكِ النَّهْیِ **وَلَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ** ﴿۱۶۴﴾ الصَّیْدَ **فَلَمَّا نَسُوْا** تَرَكُوْا **مَا ذُكِّرُوْا** وُعِظُوْا بِهٖ فَلَمْ یَرْجِعُوْا **اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا** بِالْاِعْتِدَاءِ **بِعَذَابٍۭ بَئِیْسٍ** شَدِیْدٍ **بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ** ﴿۱۶۵﴾ **فَلَمَّا عَتَوْا** تَكَبَّرُوْا **عَنْ** تَرْكِ **مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِیْنَ** ﴿۱۶۶﴾ صَاغِرِیْنَ فَكَانُوْهَا وَهٰذَا تَفْصِیْلٌ لِمَا قَبْلَهٗ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَا اَدْرِیْ مَافُعِلَ بِالْفِرْقَةِ السَّاكِتَةِ

وَقَالَ عِكْرِمَةُ لَمْ تَهْلِكْ لِاَنَّهَا كَرِهَتْ مَافَعَلُوْهُ وَقَالَتْ لِمَ تَعِظُوْنَ الخ وَرَوَى الْحَاكِمُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ رَجَعَ اِلَيْهِ وَاَعْجَبَهُ **وَاِذْ تَاَذَّنَ** اَعْلَمَ **رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ** اَيِ الْيَهُوْدِ **اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ** بِالذِّلِّ وَاَخْذِ الْجِزْيَةِ فَبَعَثَ عَلَيْهِمْ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامِ وَبَعْدَهُ بُخْتَ نَصَّرَ فَقَتَلَهُمْ وَسَبَاهُمْ وَضَرَبَ عَلَيْهِمُ الْجِزْيَةَ فَكَانُوْا يُؤَدُّوْنَهَا اِلَى الْمَجُوْسِ اِلٰى اَنْ بُعِثَ نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَرَبَهَا عَلَيْهِمْ **اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ** لِمَنْ عَصَاهُ **وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ** لِاَهْلِ طَاعَتِهِ **رَّحِيْمٌ** ﴿۱۶۷﴾ بِهِمْ **وَقَطَّعْنٰهُمْ** فَرَّقْنٰهُمْ **فِي الْاَرْضِ اُمَمًا** فِرَقًا **مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ** نَاسٌ **دُوْنَ ذٰلِكَ** الْكُفَّارِ وَالْفَاسِقُوْنَ **وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ** بِالنِّعَمِ **وَالسَّيِّاٰتِ** النِّقَمِ **لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ** ﴿۱۶۸﴾ عَنْ فِسْقِهِمْ **فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ** التَّوْرٰةَ عَنْ اٰبَائِهِمْ **يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى** اَيْ حُطَامَ هٰذَا الشَّيْءِ الدَّنِيِّ اَيِ الدُّنْيَا مِنْ حَلَالٍ وَحَرَامٍ **وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا** مَافَعَلْنَاهُ **وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ** اَلْجُمْلَةُ حَالٌ اَيْ يَرْجُوْنَ الْمَغْفِرَةَ وَهُمْ عَائِدُوْنَ اِلٰى مَافَعَلُوْهُ مُصِرُّوْنَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ فِي التَّوْرٰةِ وَعْدُ الْمَغْفِرَةِ مَعَ الْاِصْرَارِ **اَلَمْ يُؤْخَذْ** اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ **عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ** اَلْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى فِيْ **اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا** عَطْفٌ عَلٰى يُؤْخَذْ قَرَءُوْا **مَا فِيْهِ** فَلِمَ كَذَبُوْا عَلَيْهِ بِنِسْبَةِ الْمَغْفِرَةِ اِلَيْهِ مَعَ الْاِصْرَارِ **وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ** الْحَرَامَ **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ** ﴿۱۶۹﴾ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اَنَّهَا خَيْرٌ فَيُؤْثِرُوْهَا عَلَى الدُّنْيَا **وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **بِالْكِتٰبِ** مِنْهُمْ **وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ** كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهِ **اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ** ﴿۱۷۰﴾ اَلْجُمْلَةُ خَبَرُ الَّذِيْنَ وَفِيْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ اَيْ اَجْرَهُمْ وَاذْكُرْ **اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ** رَفَعْنَاهُ مِنْ اَصْلِهِ **فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْا** اَيْقَنُوْا **اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ** سَاقِطٌ عَلَيْهِمْ بِوَعْدِ اللّٰهِ اِيَّاهُمْ بِوُقُوْعِهِ اِنْ لَمْ يَقْبَلُوْا اَحْكَامَ التَّوْرٰةِ وَكَانُوْا اَبَوْهَا لِثِقْلِهَا فَقَبِلُوْا وَقُلْنَا لَهُمْ **خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ** بِجِدٍّ وَاجْتِهَادٍ **وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ** بِالْعَمَلِ بِهِ **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** ﴿۱۷۱﴾

ترجمہ: .... اورہم نے تقسیم کردیا (بنی اسرائیل کو بانٹ دیا) بارہ خاندانوں کو (یہ حال ہے) الگ الگ (یہ اثنی عشرے بدل ہے مراد چھوٹے چھوٹے قبیلے ہیں) ٹکڑیوں میں (یہ اسباطاً سے بدل ہے) اورہم نے موسیٰ کو حکم دیا جب کہ ان کی قوم نے (میدان تیہ میں) ان سے پانی مانگا کہ اپنی لاٹھی چٹان پر مارو (چنانچہ انہوں نے چٹان پر لاٹھی ماری) پس فوراً پھوٹ نکلے (بہہ پڑے) اس سے بارہ چشمے (قبیلوں کی تعداد کے مطابق) ہر ہر شخص نے (ان خاندان کے قبیلوں میں سے) معلوم کرلیا اپنے پانی پینے کا موقعہ۔ اورہم نے ان پر بادل کا سایہ کردیا تھا۔ (میدان تیہ میں دھوپ کی گرمی سے) اور ترنجبین اور بٹیریں ان پر اتار دی تھیں (مَن سے مراد ترنجبین گوند ہے اور سلوی سے مراد بٹیریں ہیں۔ لفظ سمانی بغیر تشدید میم کے اور بغیر مد کے ہے اورہم نے انہیں اجازت دی کہ) نفیس چیزیں

جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں ان میں سے کھاؤ۔ انہوں نے ہمارا تو کچھ نہیں بگاڑا۔ خود اپنے ہاتھوں اپنا ہی نقصان کرتے رہے اور (وہ زمانہ یاد کیجئے) جب بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا تھا کہ تم لوگ اس شہر (بیت المقدس) میں جا کر آباد ہو جاؤ اور جس جگہ سے چاہو کھاؤ پیو اور زبان سے یہ کہتے جانا کہ (ہمارا کام) توبہ ہے اور دروازہ (شہر) میں داخل ہونا جھکے جھکے (پستی کے ساتھ) ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے (نـغـفـر نون اور تا کی ساتھ ہے مجہول صیغہ سے) جو لوگ نیک کام کریں گے (فرمانبرداری کے ساتھ) انہیں اور زیادہ (اجر) دیں گے۔ لیکن پھر ان میں سے ظلم وشرارت کرنے والوں نے اللہ کی بتلائی ہوئی بات بدل کر ایک دوسری ہی بات بنا ڈالی۔ (چنانچہ بجائے **حطة** کے "**حبة فی شعرة**" کہنے لگے یعنی گیہوں کی بالوں میں غلہ کے دانے ہوں اور سرنگوں ہونے کی بجائے سرین کے بل گھسٹنے لگے) اس پر ہم نے ایک آسمانی آفت (عذاب) ان پر بھیجی اس ظلم کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے اور ان سے پوچھئے (اے محمد ﷺ! یہ پوچھنا بطور خفگی ہے) اس شہر کے بارے میں جو سمندر کے کنارے واقع تھا (بحر قلزم کے ساحل پر تھا یعنی ایلہ نامی بستی کے رہنے والوں پر کیا گزری ہے) جب کہ وہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد سے باہر ہو جاتے تھے (پھلانگ جاتے تھے) ہفتہ کے دن (مچھلیوں کے شکار کا مشغلہ کر کے۔ حالانکہ اس روز اس کی ممانعت تھی) جب کہ (یہ **یعدون** کا ظرف ہے) ان کے پاس آ جاتی تھیں۔ ہفتہ کے روز پانی پر تیرتی ہوئی مچھلیاں (پانی پر نمایاں ہو کر) اور جب ہفتہ کا دن نہیں ہوتا تھا...... (ہفتہ نہیں مناتے تھے، ہفتہ کے دن کے علاوہ باقی دن مراد ہیں) تو پھر نہ آتیں (یہ اللہ کی طرف سے ایک طرح کی آزمائش تھی) اسی طرح ہم ان کی آزمائش کیا کرتے تھے۔ اس لئے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے (مچھلی کے شکار میں بستی والوں کے تین حصے ہو گئے تھے۔ ایک تہائی لوگ شکار کھیلتے اور ایک تہائی حصہ لوگوں کا انہیں منع کرتا اور ایک تہائی افراد تو خود شکار کھیلتے اور نہ دوسروں کو منع کرتے) اور جب کہ (پہلے اذ پر اس کا عطف ہے) ان میں سے ایک جماعت نے (جو نہ خود شکار کھیلتی اور نہ دوسروں کو منع کرتی تھی ان لوگوں سے جو کھیلنے والوں کو منع کرتے تھے) کہا تم ایسے لوگوں کو نصیحت کیوں کئے جاتے ہو جنہیں یا تو اللہ ہلاک کر دیں گے یا کسی سخت عذاب میں مبتلا کر دیں گے۔ انہوں نے جواب دیا (کہ ہمارا وعظ ونصیحت) اس لئے ہے تا کہ تمہارے پروردگار کے حضور معذرت (عذر) کر سکیں (ورنہ کہیں برائیوں سے روکنے میں ہم کوتاہی کرنے والے نہ ٹھہریں) اور اس لئے بھی کہ شاید لوگ باز آ جائیں (شکار کرنے سے) پھر جب ان لوگوں نے وہ تمام نصیحتیں (وعظ) بھلائے (چھوڑ رکھیں جو انہیں کی گئی تھیں (اور باز نہ آئے) تو ہم نے ان لوگوں کو بچالیا جو برائی سے روکتے تھے مگر شرارت (سرکشی) کرنے والوں کو ایک سخت عذاب میں ڈال دیا۔ ان فرمانیوں کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے۔ پھر وہ اس بات میں حد سے زیادہ سرکش ہو گئے (مغرور ہو گئے) جس سے انہیں روکا گیا تھا۔ تو ہم نے ان کو کہہ دیا کہ بندر ہو جاؤ ذلت سے ٹھکرائے ہوئے (حقیر۔ چنانچہ وہ ایسے ہی بن گئے **قلنا لهم** یہ جملہ پہلے **فلما عتوا الخ** کی تفصیل ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ خاموش رہنے والی جماعت کے ساتھ کیا کیا گیا ہے۔ لیکن عکرمہؒ کی رائے ہے کہ وہ لوگ ہلاک نہیں ہوئے۔ کیونکہ شکار کرنے والوں کی حرکتوں کو وہ اچھی نظروں سے نہیں دیکھا کرتے تھے اور کہتے تھے **لم تعظون الخ** اور حاکم ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بھی عکرمہؒ کی رائے پسند کرتے ہوئے اسی کو اختیار کر لیا تھا) اور جب کہ اعلان کر دیا تھا (بتلا دیا تھا) آپ کے پروردگار نے کہ وہ ان (یہودیوں) پر قیامت کے دن تک ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو انہیں بدترین عذاب میں مبتلا کریں گے ذلیل کر کے اور جزیہ لے کر چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان پر مسلط کر دیا۔ ان کے بعد بخت نصر کو جس نے ان کو قتل اور قید کر دیا تھا اور ان پر ٹیکس لگا دیئے تھے۔ جو آنحضرت ﷺ کے جلوہ افروز ہونے تک (مجوسیوں کو) برابر ادا کرتے رہے اور پھر آپ ﷺ نے بھی جزیہ مقرر فرمایا) حقیقت یہ ہے کہ آپ کے پروردگار (نافرمانوں کو) جلد ہی سزا دے دیتے ہیں اور ساتھ ہی وہ (فرمانبرداروں کو) بخشنے والے ہیں اور (ان پر) رحم کرنے والے بھی

ہیں اور ہم نے انہیں دنیا میں متفرق جماعتوں (فرقوں) میں بانٹ دیا (الگ الگ کر دیا) ان میں سے بعضے نیک ہیں اور نیک (لوگ) ان میں اور طرح کے ہیں (کافر و فاسق ہیں) اور ہم نے انہیں اچھی حالتوں میں (نعمت کے ساتھ) اور بری حالتوں میں (مصیبت کے ساتھ) رکھ کر دونوں طرح آزمالیا کہ شاید باز آجائیں (نالائقیوں سے) پھر ان کے بعد ایسے لوگ جانشین ہوئے کہ کتاب (تورات) کو تو (اپنے پہلوں سے) حاصل کیا وہ اس دنیائے حقیر کا مال متاع لے لیتے ہیں (یعنی اس کمینی دنیا کی معمولی بھی لے لیتے ہیں۔ حلال ہو یا حرام) اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو معافی مل ہی جائے گی (جو کارروائی ہم کر چکے ہیں) اور اگر کچھ مال متاع انہیں اسی طرح اور ہاتھ آجائے تو اسے بھی بلا تامل لے لیں (یہ جملہ حال ہے۔ یعنی ایسی حالت میں بھی مغفرت کی آس لگائے ہیں کہ اسی نالائقی کو پھر کرتے ہیں اور بار بار کرتے ہیں۔ حالانکہ اتنے اصرار سے جرم کرنے کے باوجود کہیں تورات میں مغفرت کا وعدہ نہیں ہے) کیا ان سے (یہ استفہام تقریر و تاکید کے لئے ہے) کتاب میں عہد نہیں لیا گیا ہے (یہ اضافت فی کے ذریعہ ہو رہی ہے) کہ اللہ کے نام سے کوئی بات نہ کہیں بجز سچ کے۔ اور انہوں نے پڑھ بھی لیا ہے (یوخذ پر اس کا عطف ہو رہا ہے اور قرء وا کے معنی میں ہے) جو کچھ اس کتاب میں ہے (پھر کیوں جھوٹ بول رہے ہیں۔ گناہ پر جماؤ کے ہوتے ہوئے اللہ کی طرف مغفرت کی نسبت کرتے ہیں) جو (حرام چیز سے) پرہیز کرتے ہیں ان کے لئے تو آخرت کا گھر کہیں بہتر ہے۔ کیا اتنی سی بات تمہاری عقل میں نہیں آتی (تا اور یا کے ساتھ یہ لفظ ہے کہ آخرت بہتر ہے۔ پس یہ آخرت کو دنیا سے بڑھا ہوا رکھیں) اور جو لوگ مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں (تشدید اور تخفیف کے ساتھ یہ لفظ ہے ان میں سے) کتاب کے اور نمازوں کے پابند ہیں (جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی) ہم ایسے لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جو اپنی اصلاح کرتے ہیں (یہ جملہ الذین کی خبر ہے۔ اس میں اسم ظاہر بجائے ضمیر کے ہے اصل عبارت اجرھم تھی) اور (اس واقعہ کو یاد فرمایئے) جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر (یعنی جڑ بنیاد سے اسے اٹھا لیا تھا) ان کے اوپر سائبان کی طرح معلق کر دیا تھا اور انہیں گمان (یقین) ہو چکا تھا کہ اب ان پر گرا (آپڑے گا۔ کیونکہ اللہ نے انہیں اس کے گرنے کی دھمکی دے دی تھی۔ اگر انہوں نے تورات کے احکام نہ مانے اور پہلے وہ ان احکام کے دشوار ہونے کی وجہ سے ان کا انکار کر رہے تھے۔ لیکن پھر انہیں ماننا پڑا اور ہم نے انہیں حکم دے دیا کہ) یہ کتاب جو ہم نے تمہیں دی ہے مضبوطی (پوری کوشش) سے تھامے رہو اور جو کچھ اس میں بتلایا گیا ہے اسے اچھی طرح یاد رکھو (اس پر عمل کرو) جس سے توقع ہے کہ تم برائیوں سے بچ جاؤ گے۔

تحقیق وترکیب: .... الترنجبین۔ یہ ایک طرح کا میٹھا گوند صبح سے طلوع آفتاب تک شبنم کی طرح گرتا تھا۔

القریة. بعض کے نزدیک اریحا شہر ہے۔ اس صورت میں حضرت یوشع علیہ السلام کی زبانی یہ پیغام ہوگا۔ حبة. یا تو صرف حضرت موسیٰ کے جوش دلانے اور چڑھانے کو یہ ہذیان کیا ہوگا۔ اور یا کاشتکاری مرغوبات کا ذکر کیا ہے۔

ایلہ. مدین اور طور کے درمیان یہ شہر تھا اور یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں پیش آیا۔ ان میں یہ شکاریوں کو بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کر دیا گیا تھا۔ تین روز بعد پھر یہ مر گل گئے۔ البتہ منع کرنے والے محفوظ رہے اور جو نہ شکاریوں کے ساتھ رہے اور نہ منع کرنے والوں کے۔ ان کے بارے میں اختلاف ہے۔

معذرة. اس میں تین اعراب ہو سکتے ہیں۔ مگر مفعول لہ ہونے کی وجہ سے نصب اظہر ہے۔

کونوا. یہ تکوینی امر تھا۔ یعنی جلدی ہو جانے سے کنایہ ہے قولی حکم نہیں ہے۔ ورنہ تکلیف مالا یطاق لازم آئے گی۔ اب یہ کہ مکمل مسخ ہوا یا صرف معنوی؟ دونوں رائے ہیں۔ اسی طرح جمہور کے نزدیک مسخ ہو کر ان کی نسل ختم ہو گئی تھی۔ لیکن بعض کہتے ہیں۔ ان کی نسل بعد میں بھی چلی ہے۔ بخت نصر۔ نصر ایک بت کا نام تھا۔ جس کے پاس یہ بچہ پڑا ہوا ملا۔ بخت کے معنی بندے کے ہیں یعنی

بندہ بت۔ ارمیا کے زمانہ میں یحییٰ بن زکریاؑ کی ولادت سے چار سو اکیس ۴۲۱ سال پہلے یہ عذاب الٰہی کی شکل میں نمودار ہوا۔

خلف سکون لام کے ساتھ یہ شر کے موقعہ پر اور فتح لام کے ساتھ خیر کے موقعہ پر استعمال ہوتا ہے بولتے ہیں۔ **خلف سوء** اور **خلف صدق**۔ **حطام** یعنی بہت گھٹیاں چیز۔

نتقنا الجبل بعض نے اس سے طور مراد لیا ہے۔ جیسا کہ سورۂ نساء میں تصریح ہے اور بعض نے فلسطین کا کوئی پہاڑ لیا ہے اور بعض نے بیت المقدس کا پہاڑ لیا ہے۔ اس پہاڑ کے مسلط کرنے سے جبر اور تکلیف مالا یطاق کا شبہ نہ کیا جائے۔ بہر حال اس عذاب سے ڈر کر سجدے میں گئے۔ مگر اس طرح کہ ایک آنکھ اور رخسار زمین پر تھا اور ایک سے دیکھتے جاتے تھے کہ پہاڑ اٹھے ہے یا نہیں۔ جتنا جتنا پہاڑ اٹھتا۔ خود بھی اٹھتے جاتے۔ آج بھی یہود کی نماز اسی شان کی ہوتی ہے کہ بایاں رخسار زمین پر ہوتا ہے اور داہنا رخسار اوپر کی طرف۔

ربطِ آیات: .... ان آیات میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بقیہ قصہ بیان کیا جا رہا ہے۔ اسی ذیل میں مچھلی ماروں کا واقعہ جو حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں پیش آیا تھا۔ **واسئلهم الخ** سے بیان کیا جا رہا ہے اور پھر آگے چل کر آیت **قطعنا هم الخ** سے یہودیوں میں اچھے بروں کی تقسیم فرمادی۔ اس کے بعد آیت **فخلف الخ** سے آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے یہودیوں کو خطاب ہے۔ ان میں بھی اچھے بروں کی تفریق رہی ہے۔

شانِ نزول: .... آنحضرت ﷺ کے سامنے یہود نے یہ دعویٰ کیا کہ بنی اسرائیل اور ہمارے آباء و اجداد نے کبھی کفر اور اللہ کی نافرمانی نہیں کی ہے۔ واقعہ ایلہ کو ہمیشہ چھپایا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ قصہ کسی کو معلوم نہیں ہے جس سے ان کے بڑوں پر حرف آتا ہے۔ چنانچہ جب یہ آیات نازل ہوئی تو سن کر حیران اور ہکا بکا رہ گئے اور بہت لاجواب ہوئے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **نفسانی حیلہ بازی مذہب کے ساتھ ایک قسم کا آنکھ مچولی کھیل ہے:** .... بنی اسرائیل سچائی کے ساتھ دین کے احکام پر عمل نہیں کرتے تھے اور شرعی حیلے نکال کر ان سے بچنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ ہفتہ کا مقدس دن تعطیل اور مذہبی عبادت کا ہے اس دن شکار نہ کرو۔ لیکن ایک جماعت نے یہ حیلہ نکالا کہ سمندر کے کنارے گڑھے کھود لئے۔ جب سمندر کی طغیانی اور جوار بھاٹا کے بعد پانی اتر جاتا تو یہ لوگ گڑھے کے اندر کی مچھلیاں پکڑ لیتے اور کہتے یہ مچھلیاں خود آگئیں۔ شکار نہیں کی گئیں۔

نصیحت بہر حال مفید چیز ہے: .... گمراہوں کی ہدایت کی طرف سے کتنی ہی مایوسی ہو۔ لیکن اہل حق کا فرض ہے کہ نصیحت سے باز نہ رہیں۔ کیونکہ اول تو یہ ایک فرض ہے۔ جس کی ادائیگی میں نتیجہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسرے کون کہہ سکتا ہے کہ ہدایت قطعاً مؤثر نہیں ہوگی؟ ہوسکتا ہے کہ کسی کے دل کو کوئی بات لگ جائے اور اس کی ہدایت کا وقت آ گیا ہو۔ ایک وقت ہزاروں وعظ کام نہیں دیتے لیکن دوسرے وقت یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک ہی کلمہ سب کچھ کام کر دیتا ہے۔ اسی لئے **معذرة الیٰ ربکم ولعلهم یتقون** دو جملے بولے گئے ہیں کہ اللہ کے حضور معذرت کر سکیں اور شاید کہ لوگ مان جائیں اور باز آ جائیں۔ قرآن کریم کی بلاغت ملاحظہ ہو کہ ان دو جملوں میں وہ سب کچھ کہہ دیا جو اس بارے میں کہا جا سکتا ہے۔

تاہم جب نصیحت کے کارگر ہونے کی کوئی صورت نہ رہے اور بالکل مایوسی ہو جائے تو پھر نصیحت کرنا واجب نہیں رہتا۔ البتہ

عالی ہمتی کا تقاضا پھر بھی یہی رہتا ہے کہ نصیحت کی جائے۔

چنانچہ ایلہ میں ناصحین یا تو عالی ہمتی پر عمل کر رہے تھے یا ان کو مایوسی نہیں ہوئی ہوگی۔ لیکن نصیحت اور شکار دونوں سے بچنے والوں کو مایوسی رہی ہوگی۔ اس لئے انہوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ ایسی حالت میں نصیحت واجب نہیں اس کو چھوڑ بیٹھے۔ غرض کہ دونوں اپنی اپنی جگہ فرمانبردار رہے۔ ایک عزیمت کے درجہ میں دوسرے رخصت کے درجہ میں۔ اسی لئے حضرت عکرمہؓ نے جب ان دونوں جماعتوں کی نجات پر استدلال کیا تو حضرت ابن عباسؓ نے پسند کر کے ان کو انعام عطا فرمایا۔

ظالم حاکم بھی عذاب الٰہی ہے:............ آیت اذ تاذن الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی قوم پر ظالم حکمرانوں کا مسلط رہنا بھی خدا کا ایک عذاب ہے۔ ارشاد نبوی ہے[1] اعمالکم عما لکم۔ تمہارے اعمال ہی حکام کی شکل میں تم پر مسلط ہوجاتے ہیں اور آیت قطعنا ھم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ قانون الٰہی کے مطابق جب کوئی جماعت بدعملی اور فساد میں مبتلا ہوتی ہے تو اس کا مہلک نتیجہ فوراً ظاہر نہیں ہوجاتا۔ بلکہ مسلسل آگے پیچھے مہلتیں ملتی رہتی ہیں۔ تاکہ اصلاح حال کا پورا موقعہ مل سکے اور اللہ کی حجت تمام ہوجائے۔ چنانچہ جب انہیں الگ الگ فرقوں میں کر کے ملک کے حصوں میں بانٹ دیا گیا تو ان کی قومی وحدت باقی نہیں رہی اور بنی اسرائیل چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹ گئے۔ یہ تباہی کی ابتداء تھی۔ تاہم ابھی نیک باتیں بالکل ختم نہیں ہوگئی تھیں۔ ہاں بعد میں جو نسلیں آئیں وہ عمل اور تلاش حقیقت سے کوری رہ گئیں۔ چنانچہ علمائے یہود کا یہ حال ہوگیا کہ دنیا کے حقیر فوائد کے لئے دین فروشی کر کے ناجائز باتوں کو جائز بنا لیتے اور سمجھتے کہ ہمارے لئے کوئی کھٹکا نہیں۔ اللہ ہمیں بخش دے گا۔

جب کسی قوم میں عمل اور حقیقت کی روح باقی نہیں رہتی تو پھر وہ پیٹ بھر کر گناہ اور برائیاں کرتے ہیں اور عمل کی جگہ محض خوش اعتقادی کے بناوٹی سہاروں کے بل چلنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ یہود کا یہی حشر ہوا اور بدقسمتی سے کچھ یہی حال اب مسلمانوں کا ہوتا جا رہا ہے۔

علامہ زمخشریؒ کے اعتراض کا جواب:............ صاحب کشاف اور دوسرے معتزلہ نے آیت وان یاتیھم الخ پر کلام کرتے ہوئے کہا ہے کہ اہل سنت کا یہ اعتقاد کہ ''دائمی گنہگار مسلمان'' کی نجات ومغفرت ہوسکتی ہے۔ یہودیوں کے اس عقیدے سے ملتا جلتا ہے کہ ''گناہوں پر اصرار کرنے والے کی مغفرت ہوسکتی ہے'' اس لئے اہل سنت کا یہ عقیدہ صحیح نہیں بلکہ معتزلہ کا خیال صحیح ہے کہ کافروں کی طرح گنہگار مسلمان بھی بخشے نہیں جائیں گے۔

حاشا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ دونوں عقیدوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ کیونکہ یہود تو گناہوں کا استخفاف کرتے ہوئے مغفرت کا یقین رکھتے تھے اور اہل سنت گناہوں کو ہلکا اور معمولی سمجھ کر کرنے والوں کی مغفرت کا ہرگز عقیدہ نہیں رکھتے۔ ہاں جو گناہ کو برا سمجھ کر رہا ہے۔ اس کی نجات کی امید رکھتے ہیں اور وہ بھی ان کو سزا نہ ہونے پر یقین کرتے ہوئے نہیں۔ بلکہ ہوسکتا ہے کہ سزا کے بعد نجات یا بلا سزا ہی مغفرت ہوجائے۔ پس گویا یہود کے عقیدے سے دو طرح فرق ہوگیا۔ ایک استخفاف اور بلا استخفاف کے لحاظ سے دوسرے جزم ویقین اور احتمال کے اعتبار سے۔ یہود تو استخفاف کے ساتھ بھی مغفرت مانتے ہیں اور سزا کے بغیر ہی یقینی قطعی مانتے ہیں۔ لیکن اہل سنت صرف بلا استخفاف کے نجات کا عقیدہ رکھتے ہیں اور وہ بھی احتمال عذاب کے ساتھ فاندفع الا شکال۔

---

[1] تمہارے اعمال تمہارے حکام ہیں ۱۲۔

لطائف آیات: .... آیت اذ یعدون الخ سے معلوم ہوا کہ شرعی احکام سے بچنے کے لئے حیلے بہانے کرنا نہایت برا ہے۔ البتہ جن حیلوں کو فقہاء نے اختیار کیا ہے وہ احکام سے بچنے کے لئے نہیں۔ بلکہ گناہوں سے بچنے اور احکام حاصل کرنے کے لئے ہیں۔ آیت واذ قالت امة الخ سے معلوم ہوا کہ اصلاح کے باب میں مشائخ طریقت کا مذاق اسی طرح مختلف ہوتا ہے۔ بعض پہلی جماعت کے مشابہ ہوتے ہیں اور بعض دوسری جماعت کے۔ آیت و بلوناھم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر کی طرح کبھی باطنی حسنات میں بھی آزمائش کی جاتی ہے مثلاً گناہوں کے ہوتے ہوئے ذوق، شوق اور وجد کی کیفیات کا پیش آنا کہ اس سے بہت سے اپنے کو حق پر ہونے کا دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ باطل پر ہوتے ہیں۔ پس گناہوں کے ہوتے ہوئے اس قسم کی حالت بسط کو "استدراج" کہا جائے گا۔

آیت فخلف الخ سے ان جھوٹے صوفیوں کی قلعی کھلتی ہے۔ جو دنیا کی شہوتوں اور نفس کی لذتوں پر پروانوں کی طرح گرتے ہیں اور کہتے ہیں واصل ہو جانے کے بعد یہ دنیا ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اور ذکر نفی و اثبات سب آلائشوں کو صاف کر دیتا ہے۔ حالانکہ یہ کھلی گمراہی ہے۔

وَ اذْكُرْ **اِذْ** حِيْنَ **اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ** بَدَلُ اشْتِمَالٍ مِمَّا قَبْلَهٗ بِاِعَادَةِ الْجَارِ **ذُرِّيَّتَهُمْ** بِاَنْ اَخْرَجَ بَعْضَهُمْ مِنْ صُلْبِ بَعْضٍ مِنْ صُلْبِ اٰدَمَ نَسْلًا بَعْدَ نَسْلٍ كَنَحْوِ مَا يَتَوَالَدُوْنَ كَالذَّرِّ بِنُعْمَانَ يَوْمَ عَرَفَةَ وَنَصَبَ لَهُمْ دَلَائِلَ عَلٰى رُبُوْبِيَّتِهٖ وَرَكَّبَ فِيْهِمْ عَقْلًا **وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ** قَالَ **اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى** اَنْتَ رَبُّنَا **شَهِدْنَا** بِذٰلِكَ وَالْاِشْهَادُ **اَنْ لَا تَقُوْلُوْا** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ اَيِ الْكُفَّارُ **يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا** التَّوْحِيْدِ **غٰفِلِيْنَ** ﴿۱۷۲﴾ لَا نَعْرِفُهٗ **اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ** اَيْ قَبْلَنَا **وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ** فَاقْتَدَيْنَا بِهِمْ **اَفَتُهْلِكُنَا** تُعَذِّبُنَا **بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ** ﴿۱۷۳﴾ مِنْ اٰبَائِنَا بِتَاسِيْسِ الشِّرْكِ اَلْمَعْنٰى لَا يُمْكِنُهُمُ الْاِحْتِجَاجُ بِذٰلِكَ مَعَ اِشْهَادِهِمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالتَّوْحِيْدِ وَالتَّذْكِيْرُ بِهٖ عَلٰى لِسَانِ صَاحِبِ الْمُعْجِزَةِ قَائِمٌ مَقَامَ ذِكْرِهٖ فِي النُّفُوْسِ **وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ** نُبَيِّنُهَا مِثْلَ مَا بَيَّنَّا الْمِيْثَاقَ لِيَتَدَبَّرُوْهَا **وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ** ﴿۱۷۴﴾ عَنْ كُفْرِهِمْ **وَاتْلُ** يَا مُحَمَّدُ **عَلَيْهِمْ** اَيِ الْيَهُوْدِ **نَبَاَ** خَبَرَ **الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا** خَرَجَ بِكُفْرِهٖ كَمَا تَخْرُجُ الْحَيَّةُ مِنْ جِلْدِهَا وَهُوَ بَلْعَمُ بْنُ بَاعُوْرَا مِنْ عُلَمَاءِ بَنِيْ اِسْرَاءِ يْلَ سُئِلَ اَنْ يَّدْعُوَ عَلٰى مُوْسٰى وَمَنْ مَعَهٗ وَاُهْدِيَ اِلَيْهِ شَيْءٌ فَدَعَا فَانْقَلَبَ عَلَيْهِ وَانْدَلَعَ لِسَانُهٗ عَلٰى صَدْرِهٖ **فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ** فَاَدْرَكَهٗ فَصَارَ قَرِيْنَهٗ **فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ** ﴿۱۷۵﴾ **وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ** اِلٰى مَنَازِلِ الْعُلَمَاءِ **بِهَا** بِاَنْ نُوَفِّقَهٗ لِلْعَمَلِ **وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ** سَكَنَ **اِلَى الْاَرْضِ** اَيِ الدُّنْيَا وَمَالَ اِلَيْهَا **وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ** فِيْ دُعَائِهٖ اِلَيْهَا فَوَضَعْنَاهُ **فَمَثَلُهٗ** صِفَتُهٗ **كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ** بِالطَّرْدِ وَالزَّجْرِ **يَلْهَثْ** يَدْلَعُ

لِسَانَهٗ **اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ** وَلَيْسَ غَيْرُهٗ مِنَ الْحَيْوَانَاتِ كَذٰلِكَ وَجُمْلَتَا الشَّرْطِ حَالٌ اَیْ لَا هِثًا ذَلِيْلًا بِكُلِّ حَالٍ وَالْقَصْدُ التَّشْبِيْهُ فِی الْوَضْعِ وَالْخِسَّةِ بِقَرِيْنَةِ الْفَاءِ الْمُشْعِرَةِ بِتَرْتِيْبِ مَابَعْدَهَا عَلٰى مَاقَبْلَهَا مِنَ الْمَيْلِ اِلَى الدُّنْيَا وَاتِّبَاعِ الْهَوٰى بِقَرِيْنَةِ قَوْلِهٖ **ذٰلِكَ** الْمَثَلُ **مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ** عَلَى الْيَهُوْدِ **لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ** ﴿۱۷۶﴾ يَتَدَبَّرُوْنَ فِيْهَا فَيُؤْمِنُوْنَ **سَآءَ** بِئْسَ **مَثَلًا الْقَوْمُ** اَیْ مَثَلُ الْقَوْمِ **الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ** ﴿۱۷۷﴾ بِالتَّكْذِيْبِ **مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِیْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ** ﴿۱۷۸﴾ **وَلَقَدْ ذَرَاْنَا** خَلَقْنَا **لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ** اَلْحَقَّ **وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ** دَلَائِلَ قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى بَصَرَ اِعْتِبَارٍ **وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ** الْاٰيَاتِ وَالْمَوَاعِظَ سِمَاعَ تَدَبُّرٍ وَاتِّعَاظٍ **اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ** فِیْ عَدَمِ الْفِقْهِ وَالْبَصَرِ وَالْاِسْتِمَاعِ **بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ** مِنَ الْاَنْعَامِ لِاَنَّهَا تَطْلُبُ مَنَافِعَهَا وَتَهْرُبُ مِنْ مَضَارِّهَا وَهٰؤُلَاءِ يُقْدِمُوْنَ عَلَى النَّارِ مُعَانَدَةً **اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ** ﴿۱۷۹﴾ **وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى** اَلتِّسْعَةُ وَالتِّسْعُوْنَ الْوَارِدُ بِهَا الْحَدِيْثُ وَالْحُسْنٰى مُؤَنَّثُ الْاَحْسَنِ **فَادْعُوْهُ** سَمُّوْهُ **بِهَا ۠ وَذَرُوا** اُتْرُكُوا **الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ** مِنْ اَلْحَدَ وَلَحَدَ يَمِيْلُوْنَ عَنِ الْحَقِّ **فِیْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ** حَيْثُ اِشْتَقُّوْا مِنْهَا اَسْمَاءً لِاٰلِهَتِهِمْ كَاللَّاتِ مِنَ اللّٰهِ وَالْعُزّٰى مِنَ الْعَزِيْزِ وَمَنَاتَ مِنَ الْمَنَّانِ **سَيُجْزَوْنَ** فِی الْاٰخِرَةِ جَزَاءَ **مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۸۰﴾ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ **وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ** ﴿۱۸۱﴾ هُمْ اُمَّةُ مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا فِیْ حَدِيْثٍ

ع ۲۲ ۱۲

ترجمہ: .... اور (وہ وقت بھی لوگوں کو یاد دلائیے) جب کہ (جس وقت) تمہارے پروردگار نے اولاد آدمؑ کی پشت سے (لفظ **من ظهورهم** بدل اشتمال ہے "**من بنی ادم**" سے حرف جار لوٹا کر) ان کی اولاد کو نکالا (آدم علیہ السلام کی اولاد، دراولاد کو ایک دوسرے کی پشت سے نکالا۔ جس ترتیب سے بعد میں ان کی پیدائش ہوئی چیونٹیوں کے نال کی طرح۔ نعمان میدان عرفہ کے دن اور پھر اپنی ربوبیت پر ان کے سامنے دلائل قائم کئے اور ان میں سمجھ پیدا کی) اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا (فرمایا) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب نے عرض کیا ہاں کیوں نہیں (آپ ہی ہمارے پروردگار ہیں) ہم سب گواہ ہیں (اس پر اور یہ اقرار و شہادت سب اس لئے ہوا تا کہ) تم سب یہ (نہ) کہہ سکو (یا اور تاء کے ساتھ دونوں جگہ یعنی کفار) قیامت کے دن کہ ہم تو اس (توحید) سے بالکل بے خبر تھے (ہم اس کو جانتے ہی نہیں) یا یہ کہہ بیٹھو کہ شرک تو ہم سے پہلے باپ دادوں نے کیا (جو ہم سے پہلے تھے) اور ہم ان کی نسل میں بعد کو پیدا ہوئے (لاچار ہم وہی چال چلے جس پر ہم نے پہلوں کو چلتے پایا) کیا پھر آپ ہم کو ہلاک کر ڈالے دیتے ہیں (عذاب دیتے ہیں) ان غلط راہ چلنے والوں کی وجہ سے (یعنی ہمارے باپ دادوں نے جو شرک کی بنیاد رکھی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کی اپنی اقراری شہادت توحید کے بعد اس قسم کے بہانے بنانے کا موقعہ نہیں رہے گا اور پیغمبرؑ کی زبانی اس "عہد الست" کو یاد دلانا یہ دلی

یادداشت کے قائم مقام ہے) اور ہم اسی طرح نشانیاں صاف صاف واضح کر دیا کرتے ہیں (اس عہد کی طرح ان آیات کو بیان کر دیتے ہیں تاکہ لوگ ان میں غور کریں) اور تاکہ لوگ (کفر سے) باز آ جائیں اور (اے محمد ﷺ!) ان لوگوں (یہود) کو اس شخص کا حال (کیفیت) پڑھ کر سنائیے جسے ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں۔ لیکن پھر وہ ان سے کورا ہی رہ گیا (یعنی وہ اپنے کفر کی وجہ سے اس طرح ان نشانیوں سے صاف نکل آیا جیسے سانپ کینچلی سے سٹک آتا ہے اور وہ شخص بلعم بن باعور ایک یہودی عالم تھا۔ اس سے اس کے معتقدوں نے حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کے حق میں بددعا چاہی اور کچھ نذرانہ بھی پیش کیا۔ چنانچہ اس نے بددعا شروع کی۔ جس کی رجعت اسی پر ہوگئی اور خود اس کی لپیٹ میں آ گیا۔ حتیٰ کہ زبان اس کی چھاتی پر لٹک آئی) پس شیطان اس کے پیچھے لگ لیا (اور اس سے گاڑھی چھننے لگی) نتیجہ یہ نکلا کہ گمراہوں میں سے ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو ان نشانیوں کی بدولت اس کا مرتبہ بلند کر دیتے (بڑے رتبہ کے علماء کے درجہ پر اسے پہنچا دیتے نیک عملی کی توفیق دے کر) لیکن وہ جھک گیا (مائل ہو گیا) دنیا کی طرف (اور اسی پر ریجھ گیا) اور ہوائے نفس کی پیروی کرنے لگا (اس کی پکار پر۔ اس لئے ہم نے اسے پست کر دیا) تو اس کی مثال (حالت) کتے کی سی ہوگی۔ اگر ڈانٹو ڈپٹو (دھمکاؤ چمکاؤ) جب بھی ہانپے (زبان باہر نکال دے) چھوڑ دو تب بھی ہانپے (اس کے سوا کسی جانور کی ایسی حالت نہیں ہوتی۔ یہ دونوں جملے شرطیہ حال ہیں یعنی ہر حال میں ہانپتا کانپتا رہے گا اور اس مثال کا مقصد پستی اور ذلت میں تشبیہ دینا ہے اور اس کا قرینہ فا ہے جس میں اشارہ ہے کہ اس کے بعد اس کے پہلے مضمون یعنی ''دنیا کی طرف جھکاؤ اور ہوائے نفسانی کی پیروی'' پر مرتب ہے۔ جیسا کہ اگلے قول سے معلوم ہو رہا ہے) ایسی ہی مثال (یہی حالت) ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ سو یہ قصے لوگوں (یہودیوں) کو سنائیے شاید وہ کچھ سوچیں (ان میں غور کر کے ایمان لے آئیں) کیا ہی بری مثال ان لوگوں کی ہوئی۔ جنہوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں۔ وہ اپنے ہاتھوں خود اپنا ہی نقصان کرتے رہے (جھٹلانے کی وجہ سے) اللہ جسے ہدایت دیں۔ پس وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے وہ گمراہ کر دیں سو ایسے ہی لوگ تو گھاٹے ٹوٹے میں پڑتے ہیں اور کتنے ہی جن اور انسان ہیں جنہیں ہم نے جہنم کے لئے پیدا کیا (بنایا) ان کے پاس عقل تو ہے مگر اس سے (حق کی) سمجھ بوجھ کا کام نہیں لیتے اور آنکھیں ہیں مگر ان سے (اللہ کی قدرت کی دلائل عبرت کی آنکھ سے) دیکھنے کا کام نہیں لیتے اور ان کے کان ہیں مگر ان سے (آیات اور نصیحتیں غور و عبرت کے کان سے) سننے کا کام نہیں لیتے۔ یہ لوگ (نہ بوجھنے، نہ دیکھنے، نہ سننے کے اعتبار سے) چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے (چوپاؤں سے بھی زیادہ کھوئے ہوئے کیونکہ وہ فائدہ کی چیزوں کی طرف لپک تو جاتے ہیں اور نقصان دینے والی چیزوں سے بھاگ تو کھڑے ہوتے ہیں اور ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ محض عناد کی وجہ سے جہنم میں دھکیلے چلے جا رہے ہیں۔) ایسے ہی لوگ ہیں جو غفلت میں ڈوبے رہتے ہیں اور اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں (ننانوے ۹۹ نام جو حدیث میں آئے ہیں اور **حسنـــــــی۔ احســـــن** کا مؤنث ہے) سو تم ان ہی ناموں سے انہیں پکارو (نام لیا کرو) اور ایسے لوگوں سے تعلق ہی نہ رکھو (ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو) جو ٹیڑھا پن اختیار کرتے ہیں (یہ لفظ **الحد** اور **لحد** سے ہے یعنی حق سے کجی اختیار کرتے ہیں) اللہ کے ناموں میں (یعنی اللہ کے ناموں سے اپنے معبودوں کے لئے نام تجویز کرتے ہیں۔ مثلاً: کہتے ہیں اللہ سے **لات** اور **عزیز** سے **عزی** اور **منان** سے **منات** بنے ہیں) وہ وقت دور نہیں کہ آخرت میں) یہ اپنے کئے کا بدلہ پالیں گے (یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اور ہماری مخلوق میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی بھی ہے جو دوسروں کو سچائی کی راہ دکھاتے اور سچائی ہی کے ساتھ ان میں انصاف بھی کرتے ہیں (اس سے مراد امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

تحقیق وترکیب: .... **من بنی ادم۔** جمہور مفسرینؒ کی رائے تو یہ ہے کہ تمام اولاد آدم کو حضرت آدمؑ کی پشت سے نکال کر اقرار لیا گیا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کی پشت سے ان کی اولاد کو نکال کر ان کے روبرو اقرار لیا گیا تھا اور مفسر علامؒ یہ صورت لے رہے ہیں کہ براہ راست حضرت آدمؑ کی اولاد کو ان کی پشت سے اور ان کی اولاد کی اولاد کو اولاد کی پشت سے۔ اسی طرح

اولاد اور اولاد یہ سلسلہ چلا گیا۔ قیامت تک ہونے والی ساری نسل انسانی کو برآمد کر کے اقرار ربوبیت لیا گیا۔ گویا قرآن میں اولاد آدم کا ان کی پشت سے نکلنا ذکر نہیں کیا گیا۔ صرف اولاد سے اولاد کی اولاد کے نکلنے کو ذکر کیا گیا ہے۔

باقی حضرت آدمؑ کی اولاد کا ان کی پشت سے برآمد ہونا اس حدیث مرفوع میں ہے۔[1] اخرج من صلبه كل ذرية ذرأها فنشرهم بين يديه كالذر ثم كلهم قبلاً قال الست بربكم (عن ابن عباسؓ مرفوعاً)

اسی طرح ابن عمرؓ کی روایت ہے۔ اخذهم من ظهرهم. یا ابن عباسؓ کی دوسری روایت ہے۔[2] ثم ردهم في اصلاب اباء هم حتى اخرجهم قرناء بعدقرن.

غرض کہ ایک مضمون قرآن سے اور دوسرا احادیث سے ثابت ہو گیا۔ رہا یہ شبہ کہ قرآن میں ایک ہی مضمون کیوں بیان کیا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ جب اولاد آدمؑ سے اولاد الاولاد کا نکلنا معلوم ہو گیا تو خود اولاد کا حضرت آدم سے نکلنا بدرجہ اولیٰ معلوم ہو گیا۔ یہ ایسا ہی ہے کہ بٹوے میں روپے ہوں اور خود بٹوا جیب میں ہو تو جب بٹوا سے روپیہ نکالا جائے گا تو جیب سے بھی روپیہ کا نکلنا لازم آئے گا۔ یا کہا جائے کہ اولاد آدمؑ ہونے کے ناتہ سے سب کا آدمؑ کی نسبت سے نکلنا تو بالکل ظاہر و باہر تھا۔ اس لئے چھوڑ دیا۔ البتہ اولاد کی اولاد اور بعد کی نسلوں کا اپنے والدین سے نکلنا ذرا مخفی تھا۔ اس لئے صرف مخفی حصہ کو ذکر کر دیا اور واضح کو بیان نہیں کیا۔

پھر یہ عہد کہاں لیا گیا؟ بعض کہتے ہیں مکہ اور طائف کے درمیان۔ اور بعض وادی نعمان میں عرفہ کے نزدیک کہتے ہیں۔ جیسا کہ امام احمدؒ نے ابن عباسؓ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے اور بعض کی رائے ہے کہ ہندوستان کے ایک مقام وھبا میں لیا گیا ہے۔ اسی طرح یہ اقرار کب اور کس وقت لیا گیا؟ اس میں بھی اختلاف ہے۔ بعض حضرت آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے اور بعض جنت میں داخل ہونے کے بعد اور بعض جنت سے نکلنے کے بعد کہتے ہیں۔ پھر جمہور کے نزدیک یہ اقرار اپنے حقیقی معنی پر ہے اور بعض کے نزدیک یہ تمثیلی کلام ہے کہ دلائل وحدانیت و ربوبیت قائم کرنے کو اقرار لینے سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح یہ اقرار بعض کے نزدیک صرف کافروں سے اور بعض کے نزدیک صرف مسلمانوں سے اور بعض کے نزدیک دونوں سے لیا گیا۔ مگر اس طرح کو مسلمانوں نے رغبت کے ساتھ اور کفار نے جبر کے ساتھ اقرار کیا۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ سب نے رغبت کے ساتھ اقرار کیا۔ مسلم و کافر کا فرق دنیا میں آ کر ہو گیا جنہوں نے اس کی پابندی کی وہ مسلم کہلائے اور جنہوں نے علم الٰہی کے مطابق اس عہد کی خلاف ورزی کی وہ کافر ہو گئے اور اس عہد کا یاد نہ رہنا مضر نہیں، کیونکہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائبین کی دعوت و تذکیر ہمیشہ جاری رہی جو اس یاد رہنے کے قائم مقام ہے، بلکہ عام طور پر یاد رہنا مفید نہ ہوتا، کیونکہ پھر انسان کے مکلف بنانے کا کچھ فائدہ نہ ہوتا اور کمال درجہ ایمان بالغیب حاصل نہ ہوتا اور یوں لوگوں کے اطمینان کے لئے بعض خاص خاص اہل اللہ کو دنیا میں بھی اس نغمہ عہد الست کی آوازیں آتی رہی ہیں۔ جیسے حضرت علیؓ اور سہل بن عبداللہ التستریؒ سے منقول ہے یا جیسے کسی نے حضرت ذوالنون مصریؒ سے پوچھا کہ [3] "هل تذكره" تو فرمایا[4] "كانه الان في اذني" پس ان حضرات کی یادداشت ہے اور لفظ اخذ کے ماضی ہونے سے جو کچھ واقعہ کے ہونے پر دلالت کرنے کے لئے آتا ہے اور شیخین کی حدیث "قد اردت منك اهون من ذلك قد اخذت في ظهر ابيك ادم ان لا تشرك بي فابيت الا ان تشرك بي" سے عام تفسیر ہی کی تائید ہوتی ہے اور یہی معنی مناسب ہیں۔

---

[1] حضرت آدمؑ کی پشت سے ان کی اولاد کو نکال کر ان کے سامنے چیونٹیوں کی طرح کھڑا کر دیا اور ان سے پوچھا "الست بربکم" ؟۱۲۔

[2] پھر لوگوں کو اپنے باپ دادوں کی پشت میں واپس کر دیا۔ یہاں تک کہ اپنے اپنے زمانہ میں پیدا فرماتا رہے گا۔۱۲۔

[3] کیا آپ کو وہ عہد یاد ہے؟ ۱۲

[4] گویا ابھی تک میرے کانوں میں اس کی گونج ہے۔۱۳

[5] میں نے اس سے بھی زیادہ آسان بات کا ارادہ کیا۔ میں نے تمہارے باپ آدمؑ کی پشت میں تم سے یہ عہد لیا تھا کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا لیکن تم لوگوں نے شرک نہ کرنے سے انکار کر دیا۔۱۲

اور بعض رسائل میں ہے کہ عہد لینے کے وقت انسانوں کی چار صفیں ہوگئی تھیں۔ پہلی صف میں وہ لوگ تھے جنہوں نے زبان اور دل سے اقرار کیا اور ان کی پیدائش وموت دونوں سعادت کے ساتھ ہوئیں۔ جیسے حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ۔ دوسری صف ان لوگوں کی تھی جنہوں نے صرف دل سے اقرار کیا اور ان کی پیدائش شقاوت کے ساتھ اور وفات سعادت کی حالت میں ہوئی۔ جیسا خلفاء ثلاثہ اور تیسری صف ان لوگوں کی تھی جنہوں نے صرف زبانی اقرار کیا تھا۔ ان کی پیدائش سعیدانہ لیکن موت بد بختانہ ہوئی۔ جیسے ابلیس اور بلعم باعور اور چوتھی صف میں وہ لوگ تھے جنہوں نے نہ زبان سے اقرار کیا اور نہ دل سے۔ پیدائش وموت دونوں انکی بد بختانہ ہوئی۔ جیسے فرعون ودجال وغیرہ۔

قالوا بلیٰ. یہ پہلی نفی کے اثبات اور پہلے اثبات کی نفی کے لئے آتا ہے۔ اگر کہیں بلیٰ کی بجائے جواب میں نعم کہہ دیا جاتا تو یہ کلمہ کفر ہوتا۔ کیونکہ یہ لفظ پہلے کلام کی تاکید کے لئے بولا جاتا ہے۔ اثبات ہو یا نفی۔

وشهدنا. اگر یہ فرشتوں کی طرف سے تائیدی کلام ہے تب تو بلیٰ پر وقف کرنا چاہئے اور اگر انسانی کلام کا تتمہ ہو تو پھر بلیٰ پر وقف نہیں کرنا چاہئے۔

الاشهاد. یعنی یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے بتقدیر لام اور لائے نافیہ کے ساتھ اور یہ فعل محذوف کا مفعول لہ بھی بنایا جاسکتا ہے۔ **ای فعلنا ذلک کراهة ان تقولوا.** یا اشهد کا مفعول لہ ہوسکتا ہے۔ پھر شهدنا کو کلام الٰہی مانا جائے گا۔ **المعنی.** یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ کفار قیامت میں یاد نہ رہنے کا بہانہ نہیں کرسکیں گے۔ **والتذکیر.** یعنی اگر شرعی تکلیفات کا مدار صرف اسی عہد پر رکھا جاتا تب تو کسی درجہ میں عذر کی گنجائش تھی۔ مگر دعوت انبیاء کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ جس سے تذکیر تازہ ہوتی رہی۔ اس لئے حجت پوری ہوگئی۔

ایتنا. یعنی پرانی کتابوں کا علم اور اسم اعظم کی طاقت عطا کی تھی۔ جب آسمان کی طرف نظر اٹھاتا تو عرش تک نظر آجاتا اور بارہ ہزار طلبہ قلم ودوات سنبھالے اس کی مجلس میں شریک رہتے۔ بڑا ہی سیف زبان تھا کہ جو کہہ دیا وہی ہوگیا۔ حتیٰ کہ بعض کو اس کی نبوت تک کا شبہ ہوگیا۔ تاہم حضرت موسیٰ جیسے باخدا آویزش کا انجام بد دیکھ لیا۔ **فانقلب** حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کے لئے کرنا چاہتا تھا بددعا مگر نکلتی تھی دعاً اور اپنوں کے لئے کرنا چاہتا تھا دعا مگر نکلتی تھی بددعا۔ اس پر معتقدین نے ٹوکا بھی کہنے لگا کیا کروں بے اختیاری میں ایسا ہو رہا ہے چنانچہ غصہ میں زبان کو مروڑنا چاہا تو وہ باہر نکل کر چھاتی پر لٹک آئی۔

یلهث باب فتح سے ہے ولع لازی اور متعدی دونوں طرح آتا ہے۔ **ولع الرجل لسانه ودلع لسانه.** بمعنی اخرج وخرج۔ **بل هم اضل** یہ اضراب اور ترقی کلام صحیح ہے کیونکہ انسان کا ضرر رساں چیزوں کے عواقب جاننے کے باوجود پھر ادھر بڑھنا زیادہ گمراہی کا باعث ہے بہ نسبت جانوروں کے۔ کیونکہ وہ بے چارے نقصانات کے نتائج ہی سے واقف نہیں۔

و لله الاسماء الحسنیٰ قرآن کریم میں یہ جملہ چار جگہ آیا ہے۔ (۱) اول یہاں (۲) دوسرے سورۂ بنی اسرائیل کے آخر میں **قل ادعوا الله الخ** (۳) تیسرے سورۂ طٰہٰ کے شروع میں **لا الٰه الا هو الخ** (۴) چوتھے سورۂ حشر کے آخر میں **البارئ المصور الخ** ۔ اسماء الٰہیہ توفیقی ہیں یعنی شریعت نے جس لفظ کو جس طرح اللہ کے لئے بولنے کی اجازت دی ہے اس کی پابندی ضروری ہوگی۔ ادھر ادھر قیاس کی گنجائش نہیں ہوگی۔ مثلاً اللہ کو جواد تو کہیں لیکن سخی نہیں کہہ سکتے۔ اگرچہ جواد اور سخی دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ اسی طرح رحیم تو بولا جائے گا لیکن رفیق نہیں کہہ سکتے۔ علیٰ ہذا عالم کہیں گے مگر عاقل نہیں کہا جائے گا۔ **وهو خادعهم** اور **ومکر الله** کے الفاظ اگرچہ قرآن میں آئے ہیں مگر دعا میں یا خادع یا مکار کہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اللہ سب چیزوں کا خالق ہے مگر **خالق القردة والخنازیر** کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ **وبه یعدلون** اس سے مراد علمائے دین ہیں پس معلوم ہوا کہ ہر زمانہ کا اجماع حجت

نہیں۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب اس آیت کو تلاوت فرماتے تو ارشاد ہوتا کہ اس سے مراد تم لوگ ہو۔ جیسا کہ اس سے پہلے وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ اُمَّةٌ يَهْدُونَ میں یہود مراد ہیں۔

ربط آیات: .... انبیاء علیہم السلام کی مسلسل واقعات کے ذیل میں رسالت ونبوت کا اچھی طرح اثبات ہوگیا۔ بلکہ توحید کا مسئلہ بھی واضح ہوگیا تھا۔ آیت و اذاخذ الخ میں ان ہی دونوں مضمونوں کو ثابت کرنے کے لئے عام ارواح کے ایک ازلی عہد کو یاد دلاتے ہیں۔ جس میں اصل توحید کا اقرار ہوگا اور ساتھ ہی رسالت ونبوت کا اعتراف بھی۔ کیونکہ اس عہد کی اطلاع ہمیں تو نبیؐ ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوئی۔ نیز اس عہد کو دنیا میں بار بار یاد دلانے والے انبیاءؑ ہی ہوں گے۔ جن کی اطلاع بھی اسی عہد میں دی گئی تھی۔

آگے آیت واتل علیھم الخ میں احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ایک قابل عبرت مثال بیان فرماتے ہیں۔ چونکہ حق واضح ہوجانے کے باوجود آنحضرت ﷺ کی قوم کا اختلاف محض عناد کی وجہ سے تھا۔ جس سے آپ کو رنج ہوتا تھا۔ اس لئے آگے آیت من یھدی اللہ میں آپ ﷺ کی تسلی کے لئے ارشاد ہوتا ہے اور کفار کی ایک قسم مشرکین بھی ہیں، جن کو اسلام کے تینوں بنیادی مسئلوں سے اختلاف رہا ہے۔ توحید، رسالت، قیامت۔ چنانچہ آیت وللّٰہ الاسماء الحسنی الخ سے ختم نبوت تک ان ہی تینوں مضمونوں کا بیان آ رہا ہے۔ درمیان میں کچھ اور مناسب باتیں بھی آ گئی ہیں۔

شانِ نزول: .... آنحضرت ﷺ کبھی یا اللہ کہتے اور کبھی یا رحمٰن کہہ کر اللہ کو یاد کرتے۔ اس پر مشرکین نے اعتراض کیا کہ دوسروں کو تو شرک سے منع کرتے ہیں اور خود دو خدا مانتے ہیں۔ کبھی اللہ کو پکارتے ہیں اور کبھی رحمٰن کو۔ ان کے اس اعتراض کے جواب میں آیت و للہ الاسماء الحسنی الخ نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: .... **اقرار ربوبیت کے بارے میں انسان کی فطری آواز بلیٰ اور تصدیق ہے:** ....
اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اعتقاد انسان کی فطرت میں رکھ دیا گیا ہے۔ اس لئے فطری آواز بلٰی یعنی تصدیق سے انکار نہیں ہے۔ پس کوئی انسان غفلت کا عذر کر کے یہ نہیں کہہ سکتا کہ باپ دادوں کی گمراہی سے میں نے بھی گمراہ ہوگیا ہوں کیونکہ انسان سے باہر گمراہی کے کتنے ہی موثرات جمع ہوجائیں مگر اس کی فطرت کی آواز کبھی دب نہیں سکتی۔ بشرطیکہ وہ خود اس کے دبانے کے درپے نہ ہوجائے اور اس کی طرف سے کان نہ بند کرلے:

الست از ازل ہمچناں شاں بگوش
بقر یاد قالوا بلیٰ درخروش

اس عہد کو یاد دلانے کے بعد یہ بھی واضح کیا جا رہا ہے کہ پیغمبروںؑ کو ہدایت انسان کو کوئی نیا پیام نہیں دیتی بلکہ وہ اس عہد الست کی صدائے بازگشت سے جو اول دن سے انسانی فطرت میں رکھ دی گئی تھی۔

حدیث میں چونکہ اس تمام انسانی نسل کا ننھی ننھی چونٹیوں کے نال کی طرح ہونا ذکر کیا گیا ہے اور یہ کہ ان میں اتنی سمجھ پیدا کردی گئی ہے جس سے وہ اللہ کو پہچان سکیں۔ اس لئے اب یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ اتنے آدمی کھڑے کہاں ہوئے ہوں گے؟ یا ان میں عقل کہاں تھی؟ یا اتنے ننھے جسم میں عقل کیسے آ سکتی ہے؟ آخر چیونٹیوں میں اپنی ضروریات کی سمجھ کیسے ہوتی ہے۔ بلکہ جدید علم الحیوانات سے تو ان کے متعلق حیرت انگیز انکشافات ہو رہے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام اسی فطری آواز کو اُبھارتے ہیں:............ اور گو یہ عہد عام طور پر یاد نہیں رہا، لیکن پھر بھی اس کا یہ فائدہ کیا کم ہے کہ توحید کی تعلیم سے ایک فطری بات معلوم ہوتی ہے۔ اگر انصاف سے کام لیا جائے اور ضد نہ کی جائے تو فوراً توحید سمجھ میں آجاتی ہے اور عقل اس کو قبول کر لیتی ہے۔ پس ممکن ہے طبیعت کو ایسی مناسبت ہونا یہ اسی عہد کا اثر ہو، ورنہ عقل سلیم اتنی جلدی اس کو نہ مانتی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے بھولا ہوا سبق دوبارہ کسی کو یاد دلا دیا جائے تو وہ نئے پڑھنے والوں کی نسبت جلد اس کو یاد ہو جاتا ہے اور طبیعت فوراً پکڑ لیتی ہے۔ کند ذہن اور ضدی آدمی کی دوسری بات ہے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام نے وقتاً فوقتاً آکر اس پیغام کو یاد دلایا۔

اسی لئے نہ تو صرف اس اقرار کو کافی سمجھا گیا اور نہ صرف دعوت انبیاء علیہم السلام پر اکتفاء کیا گیا بلکہ دونوں ایک دوسرے کی تائید و تقویت کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں تدبیروں کو اختیار کیا گیا ہے۔ اور اصل استعداد چونکہ اس عہد سے ہی پیدا ہوتی ہے اس لئے ان تقولو الخ کی حکمت بیان فرمانا بھی صحیح ہو گیا اور توحید کا تعلق چونکہ اللہ تعالیٰ کی ان دیکھی ذات سے ہوتا ہے اس لئے اسی کو اہم سمجھتے ہوئے اور فطرت سے قریب کرنے کے لئے صرف ربوبیت کا اقرار لیا گیا ہے اور کفار کو عذاب دیا جانا چونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کی رو سے ضروری تھا، لیکن بلا اقرار لئے لوگ غفلت اور بے خبری کا عذر کر سکتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے حجت پوری کرنے کے لئے پہلے سب سے اقرار کرا لیا۔ پس اب یہ شبہ بھی نہیں رہا کہ جب عہد نہ لیا جاتا تو عذاب بھی نہ ہوتا۔

انسان کی طرح جنات سے بھی عہد الست لیا گیا:............ البتہ جنات کا اس عہد میں شریک نہ ہونا؟ سو ممکن ہی نہ کئے گئے ہوں صرف انسان سے اقرار لیا گیا ہو اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے احکام کی طرح یہاں بھی وہ انسان ہی کے تابع اور ساتھ ہوں۔ اس لئے علیحدہ ان کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ہے۔

ہر زمانہ میں بلعم باعور کی طرح کے لوگ رہے ہیں:............ آیت واتل الخ میں بطور تمثیل کسی شخص کا ذکر ہے؟ اس میں کئی رائیں ہیں۔ ثقیف کے نزدیک اس سے مراد عرب جاہلیت کا ایک حکیم شاعر امیہ بن عبداللہ ابی الصلت ثقفی ہے جو غیر معمولی ذکاوت و ذہانت کا آدمی تھا۔ اہل کتاب کی محبت میں رہنے سے خدا پرستی اور دینداری سے آشنا ہو گیا تھا۔ پس قدرتی طور پر اتباع حق کی سب سے زیادہ اس سے توقع ہو سکتی تھی۔ لیکن جب اسلام کی روشنی پھیلی تو پیغمبر ﷺ کی اطاعت اس پر گراں گزری اور وہ اس لالچ میں پڑ گیا کہ میں خود عرب کا پیغمبر کیوں نہ ہوا؟ نتیجہ یہ نکلا کہ حق پا لینے کی جو توفیق ملی تھی وہ ضائع گئی اور نفس کی پیروی نے محروم و نامراد کر دیا اور انصار کے نزدیک اس سے مراد ابو عامر راہب ہے۔ جس کے لئے مسجد ضرار بنائی گئی تھی اور زیادہ مشہور قول وہی ہے جس کو جلال محقق نے لیا ہے۔ یعنی بلعم باعور۔ لیکن قتادہ کی رائے یہ ہے کہ کوئی معین شخص مراد نہیں ہے۔ بہر حال عموماً اور خصوصاً ان سب اقوال کو اگر جمع کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ جنہوں نے شروع سے حق قبول نہیں کیا یا قبول کرنے کے بعد پھر گئے دونوں اس میں داخل کر لئے جائیں تو زیادہ بہتر رہے گا۔

ایک نکتہ نادرہ:............ دراصل پہلے انسان کے پیچھے شیطان لگتا ہے، اس کے بعد انسان اس کے نتیجہ میں گمراہ ہوتا ہے۔ پھر یہ گمراہی اور شیطانی تابعداری بڑھتے بڑھتے بالکل انسان کو ہدایت سے باہر نکال پھینکتی ہے۔ لیکن آیت میں چونکہ شیطان کا مطلق پیچھے لگنا مراد نہیں جو اولی درجہ ہے۔ بلکہ اس کی گاڑھی دوستی مراد ہے جو گمراہی کے بعد ہوتی ہے۔ اسی طرح گمراہی سے مراد بھی ابتدائی درجہ نہیں۔ بلکہ مرنے تک اس پر جماؤ مراد ہے۔ جو ہدایت سے خارج ہو جانے کے بعد کا درجہ ہے پس اب فانسلخ اور فاتبعہ اور فکان

من الغاوین میں فاء کی ترتیب کے لحاظ سے کوئی اشکال نہیں رہا۔

نیز ہدایت سے خارج ہوجانے کے بعد شیطان کے پیچھے لگ جانے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مطلق گناہ سے کامل طور پر شیطان مسلط نہیں ہوسکتا۔ اول اس کا تسلط ناقص رہتا ہے، لیکن جب انسان بلحاظ عمل کے بھی اور بلحاظ اعتقاد کے بھی ہدایت سے کورا ہوجائے، تب شیطان کا غلبہ مکمل ہوتا ہے۔ غرضیکہ آدمی اپنے ہاتھوں بگڑتا ہے۔

چند اعتراضات کے جوابات:............ اللہ تعالیٰ کا ارادہ چونکہ ہر چیز کا سبب ہوتا ہے، اس لئے مجازاً اس کی طرف نسبت کردی۔ ورنہ لو عمل بمقتضاها کہنا چاہئے تھا۔ پس اب "لکنه اخلد" کا مقابلہ بھی سمجھ میں آ گیا اور کفر پر اخروی ذلت و پریشانی تو خیر ظاہر ہے۔ لیکن دنیا میں بھی اہل حق کی سی عزت وراحت نصیب نہیں ہوتی۔ دل ٹٹولا جائے تو ذرہ برابر بھی اس میں شک نہیں رہتا اور فمثله کمثل الخ علم الٰہی کے اعتبار سے نہیں بلکہ شاید بندوں کے اعتبار سے فرمایا گیا ہے اور یہاں کتے کا ہمیشہ ہانپنا بتلانا مقصود نہیں ہے تاکہ اعتراض کیا جائے کہ کتے ہمیشہ کہاں ہانپتے ہیں؟ بلکہ یا کتوں کی اکثری عادت کو ہمیشگی پر محمول کرلیا گیا ہے اور یا کہا جائے کہ دونوں شرطوں میں تشبیہ کو مقید کرنا اصل مقصد ہے۔

تکوینی اور شرعی غرض کا فرق:............ آیت ولقد ذرانا الخ میں اکثر انسان وجنات کی پیدائش کی غرض جہنم میں داخل ہونا۔ پس بتلایا گیا ہے کہ یہ تکوینی غرض ہے جو دوسری آیت وما خلقت الجن والانس الالیعبدون کے خلاف نہیں۔ کیونکہ وہاں پیدائش کی غرض عبادت کو بتلایا گیا ہے اور وہ شرعی غرض ہے۔ بہرحال یہ دونوں غرضیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔

لطائف آیات:............ آیت واذ اخذ الخ سے جو اقرار ازلی معلوم ہوا حضرت ذوالنون مصریؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ ابھی تک میرے کانوں میں وہی آواز گونج رہی ہے۔ آیت واتل علیهم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ربانی علماء کے درپے آزار ہونے والے نفسانی اور شیطانی علماء کا انجام بد بھی ایسے ہی ہوتا ہے۔ اہل حق کو باطل پرست جو آزار پہنچاتے ہیں انہیں اس سے عبرت پکڑنی چاہئے۔

اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک شر یعنی برے اخلاق سے خیر یعنی اچھے اخلاق کی طرف انسلاخ ہوتا ہے۔ جس کو فنا کہتے ہیں اور ایک انسلاخ خیر سے شر کی طرف ہوتا ہے۔ یعنی مقامات اور درجات میں ترقی کرنے کے بجائے ان سے گر جائے اور جہاں سے شروع کیا تھا پھر وہیں آ رہے بلکہ اصل ایمان سے بھی گر جائے تو اس کو رجعت کہتے ہیں۔ جیسے شیطان اور بلعم باعور کی رجعت ہوئی۔

اور ولو شئنا لرفعنه سے معلوم ہوتا ہے کہ بلعم درجہ مشاہدہ تک نہیں پہنچا تھا، ورنہ مشاہدہ اور وصل کے بعد رجعت نہ ہوتی اور فناء کے بعد واپسی نہ ہوتی اور لکنه اخلد سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابھی راستہ ہی میں تھا اور مقامات کسب طے کر رہا تھا۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ ولی جب تک دنیا میں ہے اس کو مامون نہیں ہونا چاہئے۔

آیت ولقد ذرانا الخ سے لفظاً تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سے غفلت جہنم کی آگ کا سبب ہے، لیکن قیاس اور مشاہدہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سے غفلت دنیاوی حرص وطمع کی آگ میں گھسنے کا سبب بھی ہوجاتی ہے۔ جیسے کہ ذکر اللہ قناعت اور انوار الٰہیہ کے ساتھ جنت میں داخل ہونا سبب ہے۔

آیت لهم قلوب الخ سے معلوم ہوا کہ صوفیاء جن لطائف کو مانتے ہیں وہ صحیح ہیں۔

وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا الْقُرْاٰنِ مِنْ اَھْلِ مَکَّۃَ سَنَسْتَدْرِجُھُمْ نَاْخُذُھُمْ قَلِیْلًا قَلِیْلًا مِّنْ حَیْثُ لَایَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِیْ لَھُمْ اَمْھِلُھُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۱۸۳﴾ شَدِیْدٌ لَایُطَاقُ اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فَیَعْلَمُوْا مَابِصَاحِبِھِمْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِّنْ جِنَّۃٍ جُنُوْنٍ اِنْ مَا ھُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸۴﴾ بَیِّنُ الْاِنْذَارِ اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ مُلْکِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَفِیْ مَاخَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ بَیَانٌ لِمَا فَیَسْتَدِلُّوْا عَلٰی قُدْرَۃِ صَانِعِہٖ وَوَحْدَانِیَّتِہٖ وَّ فِیْ اَنْ اَیْ اَنَّہٗ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ قَرُبَ اَجَلُھُمْ فَیَمُوْتُوْا کُفَّارًا فَیَصِیْرُوْا اِلَی النَّارِ فَیُبَادِرُوْا اِلَی الْاِیْمَانِ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ اَیِ الْقُرْاٰنِ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَیَذَرُھُمْ بِالْیَاءِ وَالنُّوْنِ مَعَ الرَّفْعِ اِسْتِیْنَافًا وَالْجَزْمِ عَطْفًا عَلٰی مَحَلِّ مَا بَعْدَ الْفَاءِ فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ یَتَرَدَّدُوْنَ تَحَیُّرًا یَسْئَلُوْنَکَ اَیْ اَھْلُ مَکَّۃَ عَنِ السَّاعَۃِ الْقِیَامَۃِ اَیَّانَ مَتٰی مُرْسٰھَا قُلْ لَھُمْ اِنَّمَا عِلْمُھَا مَتٰی تَکُوْنُ عِنْدَ رَبِّیْ لَا یُجَلِّیْھَا یُظْھِرُھَا لِوَقْتِھَآ اَللَّامُ بِمَعْنٰی فِیْ اِلَّا ھُوَ ثَقُلَتْ عَظُمَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَلٰی اَھْلِھَا لِھَوْلِھَا لَاتَاْتِیْکُمْ اِلَّا بَغْتَۃً فُجَاءَۃً یَسْئَلُوْنَکَ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ مُبَالِغٌ فِی السُّوَالِ عَنْھَا حَتّٰی عَلِمْتَھَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ اللّٰہِ تَاکِیْدٌ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَہٗ تَعَالٰی قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا اَجْلِبُہٗ وَّلَا ضَرًّا اَدْفَعُہٗ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ مَا غَابَ عَنِّیْ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْءُ مِنْ فَقْرٍ وَغَیْرِہٖ لِاحْتِرَازِیْ عَنْہُ بِاجْتِنَابِ الْمَضَارِ اِنْ مَا اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ بِالنَّارِ لِلْکٰفِرِیْنَ وَّبَشِیْرٌ بِالْجَنَّۃِ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع ۲۳ ۷ ۱۳

ترجمہ: ....اور جولوگ ہماری آیات جھٹلاتے ہیں (مکہ کے وہ لوگ جو قرآن کو جھٹلاتے ہیں) ہم انہیں درجہ بدرجہ لئے جارہے ہیں (آہستہ آہستہ پکڑ رہے ہیں) اس طرح کہ انہیں خبر بھی نہیں۔ ہم انہیں ڈھیل (مہلت) دے رہے ہیں۔ بلاشبہ ہماری مخفی تدبیر بڑی ہی مضبوط ہے۔ (سخت ہے جس کا مقابلہ نہیں ہوسکتا) کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا؟ (یہ نہیں جانتے) کہ جن سے ان کا سابقہ ہے (محمد ﷺ) ان کو کچھ دیوانگی نہیں لگ گئی ہے (ذرا بھی جنون نہیں ہوا) وہ تو صاف صاف خبردار کرنے والے (کھلے طور پر عذاب سے ڈرانے والے) ہیں۔ پھر کیا یہ نظر اٹھا کر آسمان وزمین کی بادشاہی اور اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق کو نہیں دیکھتے من شئی یہ لفظ ما کا بیان ہے۔ پس اس نظر وفکر سے ان کے بنانے والے کی قدرت اور اس کی وحدانیت پر کیوں استدلال نہیں کرتے۔ اور اس بات میں غور کیوں نہیں کرتے کہ ممکن ہے ان کا وقت قریب آ گیا ہو (اور یہ کفر ہی کی حالت میں اگر مر گئے تو پھر جہنم میں داخل ہونا پڑے گا۔ لہٰذا ان کو ایمان کی طرف لپکنا چاہئے) پھر اس (قرآن) کے بعد اور کونسی بات ہوسکتی ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے؟ جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردیں تو پھر ان کے لئے کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔ ہم انہیں چھوڑ دیتے ہیں (یا اور نون کے ساتھ مرفوع ہوتے ہوئے جملہ مستانفہ ہوجائے گا اور فا کے بعد محل پر عطف کرتے ہوئے اس پر جزم پڑھا جائے گا) ان کی گمراہیوں میں بھٹکنے کے لئے (کہ یہ حیران ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں) یہ (مکہ کے لوگ) آپ سے (قیامت کے) آنے والے وقت کی نسبت پوچھتے ہیں کہ آ کر وہ کب آئے

گا؟ آپ (ان سے) فرمادیجئے کہ اس کا علم تو (کہ قیامت کب آئے گی) میرے پروردگار کو ہے۔ وہی اس کو اس کے وقت پر (لام بمعنی فی ہے) ظاہر فرمائے گا۔ وہ بڑا ہی حادثہ ہوگا جو آسمان اور زمین (کے رہنے والوں) میں پیش آئے گا (اپنی ہیبت و دہشت کے لحاظ سے) وہ تم پر محض اچانک (دفعۃً) آپڑے گا۔ یہ لوگ تو آپ سے اس طرح پوچھ رہے ہیں کہ جیسے گویا آپ اس کی تحقیقات (پوچھ تاچھ۔ چھان پھٹک) کر چکے ہیں (جس سے آپ کو پورا پتہ چل گیا ہے) آپ فرمادیجئے کہ یہ بات صرف اللہ ہی جان سکتے ہیں (یہ تاکید ہے) لیکن اکثر آدمی اس حقیقت سے انجان ہیں (کہ قیامت کا علم اللہ کو ہے) آپ کہہ دیجئے کہ میرا حال تو یہ ہے کہ میں خود اپنی جان کے لئے نفع (حاصل کرنا) اور نقصان (دفع کرنا) بھی اپنے قبضہ میں نہیں رکھتا۔ مگر اتنا ہی جتنا اللہ تعالیٰ چاہیں۔ اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا (جو میرے سامنے نہیں) تو بہت سا نفع بٹور لیتا اور کوئی مصیبت ہی مجھ پر واقع نہ ہوتی (کیونکہ نقصانات سے بچنے کی وجہ سے میں اس مصیبت سے محفوظ رہتا) میں تو محض (کفار کو آگ سے) خبر کرنے والا اور ایمان لانے والوں کو (جنت کی) خوشخبری سنانے والا ہوں۔

تحقیق وترکیب: .... **سنستدرجهم**. عطاءؒ اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ ہم ان سے اس طرح مکر کرتے ہیں کہ انہیں پتہ بھی نہیں ہوتا اور کلبیؒ کہتے ہیں کہ ''ہم ان کے اعمال ان کی نظروں میں بھلے کر دیتے ہیں'' اور ضحاکؒ کہتے ہیں کہ جب وہ کوئی تازہ گناہ کرتے ہیں تو ہم بھی ایک نئی نعمت دے دیتے ہیں اور سفیانؒ کہتے ہیں کہ نعمتوں کے تو ان پر ہم ڈھیر لگاتے ہیں مگر شکر کو بھلا دیتے ہیں۔

ای انه. یعنی یہ جملہ ماقبل پر عطف کرتے ہوئے محل جر میں ہے اور یہ ان مخففہ ہے جس کا اسم ضمیر شان ہے اور خبر عسیٰ ہے اور **اقترب** معمول ہے **مرسها** اس میں استعارہ بالکنایہ ہے۔ قیامت کو جاری کشتی سے تشبیہ دے کر مشبہ کا ذکر لپیٹ دیا اور اس کے لوازم ارساء کا ذکر تخییل ہے اور ارساء نصر سے ٹھہرانے کے معنی ہیں۔

ولو كنت اعلم الغيب ۔ اس سے علم غیب کو ثابت کرنا ایسا ہی ہے جیسے ماروں گھٹنا، سر لنگڑا یا ماروں گھٹنا پھوٹے خیر آباؤ کی مثال ہے۔

لاستكثرت. اگر کوئی شبہ کرے کہ ممکن ہے آپ عالم الغیب ہوں۔ البتہ نقصانات سے بچنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں۔ چنانچہ غزوہ احد کی شکست کو آپ نے پہلے ہی بتلا دیا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ پہلے سے اس کو جانتے تھے، مگر اس کے نقصانات کو دفع نہیں کر سکتے؟ جواب یہ ہے کہ شرط کے جزاء کو مستلزم ہونے کے لئے عقلی اور کلی ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ یہ استلزام بعض اوقات میں بھی ہوسکتا ہے۔

ربط آیات: .... پچھلی آیت **سيجدون** میں عذاب کی دھکی دینے کے باوجود جواب تک عذاب واقع نہیں ہوا۔ **والذين كذبوا** میں اس کی وجہ بتلاتے ہیں اگلی آیت **او لم يتفكروا** میں رسالت کا بیان ہے اس کے بعد آیت **اولم ينظروا** میں توحید کے متعلق غور کرنے کو فرماتے ہیں جس میں استدلال کی طرف اشارہ ہے اور موت کو یاد دلاتے ہیں۔ جس سے آخرت کے عذاب کی مشروعیت ہوجائے گی پھر آیت **من يضلل الله** میں آنحضرت ﷺ کی تسلی کا مضمون ہے اور **يسئلونك** میں تیسری بات یعنی قیامت کو ذکر فرمایا جارہا ہے۔

شان نزول: .... حضرت قتادہؓ کی روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے صفا پہاڑ پر چڑھ کر ایک ایک قبیلہ کو پکارا اور

انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرایا تو بعض لوگ کہنے لگے کہ ان صاحب کو جنون ہو گیا ہے اس پر آیت اولم یتفکرا نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: ....**اللہ کا قانونِ امہال**: ....آیت والذین کذبوا میں اللہ کے قانون امہال کا ذکر ہے جس میں مفسدین مکہ کو خبردار کیا جارہا ہے کہ جزائے عمل کا قانون ان کی طرف سے غافل نہیں ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اس نتیجہ پر پہنچ کر رہیں گے جو سرکشی اور نافرمانی کا لازمی نتیجہ ہے چونکہ ان لوگوں کو دنیا ہی میں بدترین سزا دینی منظور تھی۔ اس لئے ایک دم فوراً مواخذہ نہیں کیا گیا۔ ورنہ اس پکڑ کے بعد نافرمانی آگے نہ بڑھتی اور وہ پوری اور آخری سزا کے مستحق نہ ہوتے اس لئے سزا کے اس مقررہ نشانہ پر پہنچانے کے لئے ان کو کھاتے۔ پینے کھیلنے کودنے کی مہلت دے دی گئی ہے تا کہ ان کی حرکتیں بھی بڑھتی رہیں اور ہمارے قانون کا شکنجہ بھی آہستہ آہستہ کستا چلا جائے۔ اس طرح کہ پھر ہماری گرفت سے باہر نکلنے کی کوئی صورت ان کے لئے باقی نہ رہ جائے۔ یہی حاصل ہے استدراج کا۔

آنحضرت ﷺ کی پوری زندگی خود ایک بڑا معجزہ ہے: ....آیت اولم یتفکروا کا حاصل یہ ہے کہ حق کی دعوت دینے والوں کو ہمیشہ مجنون اور دیوانہ کہا گیا ہے۔ لیکن مکہ کے لوگ فکر و نظر سے کام لیتے تو پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی جوان ہی میں پیدا ہوئے ان ہی میں رہے سہے ان کے لئے سچائی کی سب سے بڑی دلیل ہوتی۔ آپ کے دوسرے معجزات جن میں قرآن کریم سب سے بڑا معجزہ ہے یہ اپنی جگہ پر ہیں لیکن آپ کے عادات واطوار اور پاکیزہ زندگی کار یانی انداز بھی ایک معجزہ ہے جس میں دوسرا کوئی ہرگز آپ کی برابری نہیں کرسکتا۔

آیت اولم ینظروا کا حاصل یہ ہے کہ ان لوگوں کو نہ تو دین حق تک پہنچانے والی دلیل کی فکر ہے جو آسمان سے لے کر زمین تک ایک ایک ذرہ میں جلوہ گر ہے اور نہ ہی اس فکر میں مدد دینے والی چیز یعنی موت کی طرف ان کا دھیان ہے پھر ان پر ایمانی راہ کھلے تو کیوں کر کھلے۔

قیامت کا ناپا تلا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔............مکہ کے مشرکین تمسخر وانکار کی راہ سے پوچھتے تھے اگر سچ سچ قیامت آنے والی ہے تو کیوں نہیں بتلا دیئے کہ کب آئے گی جواب دیا جارہا ہے اس وقت کا ٹھیک ناپ تول تو صرف اللہ کو معلوم دوسروں کو بتلانا کچھ مفید نہیں بلکہ ایک حد تک حکمت الٰہی کے خلاف ہے۔ لیکن اتنا جان لینا کافی ہے کہ جب آئے گی تو اچانک آئے گی ڈھنڈورا پیٹ کر نہیں آئے گی اور وہ اجرام سماویہ کا ایک بہت بڑا حادثہ ہوگا آیت **انما علمها عند ربی** اور حدیث **ماالمسئول عنها باعلم من السائل** (جس طرح قیامت کا ٹھیک وقت سوال کرنے والا نہیں جانتا میں بھی نہیں جانتا) سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا مقررہ وقت آپ کو بھی معلوم نہیں تھا پس جن روایات سے دنیا کی عمر سات ہزار برس ہونا معلوم ہوتا ہے اول تو وہ اس آیت قرآنی اور مذکورہ حدیث شیخین کے برابر تو کیا فی نفسہ بھی سند کے لحاظ سے صحیح نہیں ہیں۔ دوسرے ان کا مطلب ظن غالب کے ساتھ ایک تخمین اور اندازہ بھی ہوسکتا ہے پس اس لحاظ سے دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہوسکتی ہیں۔

نفع ونقصان کے مالک نہ ہونے سے لازم آ گیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی علم غیب نہیں ہے............
آیت **قل لا املك** الخ کا حاصل یہ ہے کہ اگر مجھے علم غیب ہوتا تو مجھے معلوم ہو جاتا کہ فلاں کام میرے لئے یقیناً فائدہ مند ہوگا۔ اس لئے اختیار کر لیتا اور فلاں چیز میرے لئے یقیناً مضر ہے اس لئے میں اس سے بچتا اور اب چونکہ علم غیب نہیں ہے اس لئے مفید ومضر

چیزوں کا علم اور ان کو اختیار کرنا اور ان سے بچنا تو بجائے خود بعض دفعہ معاملہ الٹا ہو جاتا ہے کہ مفید کو مضر اور مضر کو مفید سمجھ لیا جاتا ہے خلاصہ استدلال یہ نکلا کہ علم غیب کے لئے نفع اور نقصان کا مالک ہونا لازم ہے لیکن یہ مقدمہ ذکر میں پہلے ہو گیا اور لازم کہ پایا نہیں جاتا یہ مقدمہ ذکر میں پہلے نہیں ہے۔ غرض ان دونوں مقدموں سے ثابت ہو گیا کہ ملزوم یعنی علم غیب نہیں ہے اور یہی مطلوب ہے بہر حال منشاء یہ ہے کہ نبوت کا اصلی مقصد تکوینی چیزوں کا احاطہ کرنا نہیں ہوتا۔ اس لئے ایسی چیزوں کا جاننا جن میں قیامت کی تعیین بھی داخل ہے نبی کے لئے ضروری نہیں ہے البتہ نبوت کا اصلی جو ہر شرعی چیزوں کا مکمل جاننا ہے سو وہ الحمد اللہ مجھے حاصل ہے اور آنحضرت ﷺ کا بشیر و نذیر ہونا اگر چہ تمام دنیا کے اعتبار سے ہے لیکن پھر مؤمنین کو خاص کرنا بلحاظ نفع کے ہے۔

پیغمبر کی اصلی حیثیت:............ دنیا میں انسان کی ایک عام گمراہی پہلے سے یہ چلی آرہی ہے کہ جب کوئی انسان روحانی عظمت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے تو لوگ چاہتے ہیں اسے انسانیت اور بندگی کی سطح سے بلند کر کے دیکھیں۔ لیکن قرآن کریم پیغمبر اسلام ﷺ کی حیثیت ایسے صاف اور قطعی لفظوں میں ظاہر کرتا ہے جس سے ہمیشہ کے لئے اس قسم کی گمراہی کا ازالہ ہو جائے جو دنیا اپنے پیشواؤں کو خدا اور خدا کا بیٹا بنانے کی خواہشمند تھی پیغمبر اسلام ﷺ اس سے اتنا بھی نہ چاہا کہ کاہنوں کی طرح وہ اسے غیب دان ہی تسلیم کر لے زیادہ سے زیادہ بات جو اپنی نسبت کہی وہ یہ تھی کہ میں انکار اور بد عملی کے نتائج سے خبر دار کرنے والا اور ایمان و نیک عمل کی برکتوں کی بشارت دینے والا ایک بندہ ہوں اگر میں غیب دان ہوتا تو زندگی بھر مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی غرض مجھے کیا معلوم قیامت کب آئے گی۔

لطائف آیات:............ آیت قل لا املك الخ سے صراحۃً معلوم ہو رہا ہے کہ مستقل قدرت اور علم محیط دونوں بجز خدا کے کسی میں پائی نہیں جاتیں بعض لوگوں کا اپنے پیروں کی نسبت ایسا گمان واعتقاد رکھنا نری جہالت ہے۔

هُوَ اَیِ اللّٰہُ **الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ** اَیْ اٰدَمَ **وَّجَعَلَ** خَلَقَ **مِنْھَا زَوْجَھَا** حَوَّاءَ **لِیَسْکُنَ اِلَیْھَا** وَیَاْلِفُھَا **فَلَمَّا تَغَشّٰھَا** جَامَعَھَا **حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا** ھُوَ النُّطْفَۃُ **فَمَرَّتْ بِہٖ** ذَھَبَتْ وَجَاءَ تْ لِخِفَّتِہٖ **فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ** بِکِبَرِ الْوَلَدِ فِیْ بَطْنِھَا وَاَشْفَقَا اَنْ یَّکُوْنَ بَھِیْمَۃً **دَّعَوَا اللّٰہَ رَبَّھُمَا لَئِنْ اٰتَیْتَنَا وَلَدًا صَالِحًا** سَوِیًّا **لَّنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ** ﴿۱۸۹﴾ لَکَ عَلَیْہِ **فَلَمَّآ اٰتٰھُمَا** وَلَدًا **صَالِحًا جَعَلَا لَہٗ شُرَکَآءَ** وَفِیْ قِرَاءَ ۃٍ بِکَسْرِ الشِّیْنِ وَالتَّنْوِیْنِ اَیْ شَرِیْکًا **فِیْمَآ اٰتٰھُمَا** بِتَسْمِیَتِہٖ عَبْدَ الْحَارِثِ وَلَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا اِلَّا لِلّٰہِ وَلَیْسَ بِاِشْرَاکٍ فِی الْعُبُوْدِیَّۃِ لِعُصْمَۃِ اٰدَمَ وَرَوٰی سَمُرَۃُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا وَلَدَتْ حَوَّاءُ طَافَ بِھَا اِبْلِیْسُ وَکَانَ لَا یَعِیْشُ لَھَا وَلَدٌ فَقَالَ سَمِّیْہِ عَبْدَ الْحَارِثِ فَاِنَّہٗ یَعِیْشُ فَسَمَّتْہُ فَعَاشَ فَکَانَ ذٰلِکَ مِنْ وَحْیِ الشَّیْطَانِ وَاَمْرِہٖ رَوَاہُ الْحَاکِمُ وَقَالَ صَحِیْحٌ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ حَسَنٌ غَرِیْبٌ **فَتَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ** ﴿۱۹۰﴾ اَیْ اَھْلُ مَکَّۃَ بِہٖ مِنَ الْاَصْنَامِ وَالْجُمْلَۃُ مُسَبَّبَۃٌ عَطْفٌ عَلٰی خَلَقَکُمْ وَمَا بَیْنَھُمَا اِعْتِرَاضٌ **اَیُشْرِکُوْنَ** بِہٖ فِی الْعِبَادَۃِ **مَالَا یَخْلُقُ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ** ﴿۱۹۱﴾ **وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَھُمْ** اَیْ لِعَابِدِیْھِمْ

نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ بِمَنعِهَا مِمَّنْ اَرَادَ بِهِمْ سُوْءً مِنْ كَسْرٍ اَوْغَيْرِهِ وَالِاسْتِفْهَامُ لِلتَّوْبِيْخِ **وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ** اَيِ الْاَصْنَامَ **اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ** اِلَيْهِ **اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ** ﴿۱۹۳﴾ عَنْ دُعَائِهِمْ لَايَتَّبِعُوْهُ لِعَدَمِ سِمَاعِهِمْ **اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ** تَعْبُدُوْنَ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ** مَمْلُوْكَةٌ **اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ** دُعَاءَكُمْ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿۱۹۴﴾ فِيْ اَنَّهَا اٰلِهَةٌ ثُمَّ بَيَّنَ غَايَةَ عَجْزِهِمْ وَفَضْلِ عَابِدِيْهِمْ عَلَيْهِمْ فَقَالَ **اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ** بَلْ اَ**لَهُمْ اَيْدٍ** جَمْعُ يَدٍ **يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ** بَلْ اَ**لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ** بَلْ اَ**لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا** اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ اَيْ لَيْسَ لَهُمْ شَيْءٌ مِنْ ذٰلِكَ مِمَّا هُوَ لَكُمْ فَكَيْفَ تَعْبُدُوْنَهُمْ وَاَنْتُمْ اَتَمُّ حَالًا مِنْهُمْ **قُلِ** لَهُمْ يَا مُحَمَّدُ **ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ** اِلَى هِلَاكِيْ **ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ** ﴿۱۹۵﴾ تُمْهِلُوْنَ فَاِنِّيْ لَااُبَالِيْ بِكُمْ **اِنَّ وَلِيِّ‌ۦَ اللّٰهُ** يَتَوَلّٰى **الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ** الْقُرْاٰنَ **وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ** ﴿۱۹۶﴾ بِحِفْظِهِ **وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ** ﴿۱۹۷﴾ فَكَيْفَ اُبَالِيْ بِهِمْ **وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ** اَيِ الْاَصْنَامَ **اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا وَتَرٰىهُمْ** اَيِ الْاَصْنَامَ يَا مُحَمَّدُ **يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ** اَيْ يُقَابِلُوْنَكَ كَالنَّاظِرِ **وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ** ﴿۱۹۸﴾ **خُذِ الْعَفْوَ** اَيِ الْيُسْرَ مِنْ اَخْلَاقِ النَّاسِ وَلَا تَبْحَثْ عَنْهَا **وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ** الْمَعْرُوْفِ **وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ** ﴿۱۹۹﴾ فَلَا تُقَابِلْهُمْ بِسَفَهِهِمْ **وَاِمَّا** فِيْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِيْ مَا الزَّائِدَةِ **يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ** اَيْ اَنْ يُصْرِفَكَ عَمَّا اُمِرْتَ بِهٖ صَارِفٌ **فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ** جَوَابُ الشَّرْطِ وَجَوَابُ الْاَمْرِ مَحْذُوْفٌ اَيْ يَدْفَعُهُ عَنْكَ **اِنَّهٗ سَمِيْعٌ** لِلْقَوْلِ **عَلِيْمٌ** ﴿۲۰۰﴾ بِالْفِعْلِ **اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ** اَصَابَهُمْ طَيْفٌ وَفِيْ قِرَاءَةٍ **طٰٓئِفٌ** اَيْ شَيْءٌ اَلَمَّ بِهِمْ **مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا** عِقَابَ اللّٰهِ وَثَوَابَهٗ **فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ** ﴿۲۰۱﴾ اَلْحَقَّ مِنْ غَيْرِهٖ فَيَرْجِعُوْنَ **وَاِخْوَانُهُمْ** اَيْ اِخْوَانُ الشَّيَاطِيْنِ مِنَ الْكُفَّارِ **يَمُدُّوْنَهُمْ** الشَّيَاطِيْنُ **فِي الْغَيِّ ثُمَّ** هُمْ **لَا يُقْصِرُوْنَ** ﴿۲۰۲﴾ يَكُفُّوْنَ عَنْهُ بِالتَّبَصُّرِ كَمَا يَبْصُرُ الْمُتَّقُوْنَ **وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ** اَيْ اَهْلَ مَكَّةَ **بِاٰيَةٍ** مِمَّا اقْتَرَحُوْهُ **قَالُوْا لَوْلَا** هَلَّا **اجْتَبَيْتَهَا** اَنْشَاْتَهَا مِنْ قِبَلِ نَفْسِكَ **قُلْ** لَهُمْ **اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ** لَيْسَ لِيْ اَنْ اٰتِيَ مِنْ عِنْدِ نَفْسِيْ بِشَيْءٍ **هٰذَا** الْقُرْاٰنُ **بَصَآئِرُ** حُجَجٌ **مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ** ﴿۲۰۳﴾ **وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا** عَنِ الْكَلَامِ **لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ** ﴿۲۰۴﴾ نَزَلَتْ فِيْ تَرْكِ الْكَلَامِ فِي الْخُطْبَةِ وَعُبِّرَ عَنْهَا بِالْقُرْاٰنِ لِاشْتِمَالِهَا عَلَيْهِ وَقِيْلَ فِيْ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ مُطْلَقًا **وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ** اَيْ سِرًّا **تَضَرُّعًا** تَذَلُّلًا

وَّخِیۡفَۃً خوفًا منہُ **وَّ** فوقَ السرِّ **دُوۡنَ الۡجَہۡرِ مِنَ الۡقَوۡلِ** ای قصدًا بینھما **بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ** اوائلِ النھارِ واواخرِہٖ **وَلَا تَکُنۡ مِّنَ الۡغٰفِلِیۡنَ** ﴿۲۰۵﴾ عن ذکرِ اللّٰہِ **اِنَّ الَّذِیۡنَ عِنۡدَ رَبِّکَ** ای الملائکۃِ **لَا یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ** یتکبَّرونَ **عَنۡ عِبَادَتِہٖ وَیُسَبِّحُوۡنَہٗ** ینزِّھونہُ عمَّا یلیقُ بہٖ **وَلَہٗ یَسۡجُدُوۡنَ** ﴿۲۰۶﴾ ای یخصُّونہُ بالخضوعِ والعبادۃِ فکونوا مثلَھم

ترجمہ:............ وہی (اللہ) ہے جس نے اکیلی جان (آدم) سے تمہیں پیدا کیا ہے اور اس سے اس کا جوڑا (حوا جورو) بنادیا (پیدا کردیا (تاکہ وہ اپنے جوڑے سے چین (اُنس) حاصل کرسکے پھر جب خاوند نے بیوی سے قربت کی (دونوں کا ملاپ ہوا) تو عورت کو حمل رہ گیا ہلکا سا (نطفہ کی ابتدائی حالت) جسے وہ لے کر چلتی پھرتی رہی (پیٹ ہلکا ہونے کی وجہ سے آنے جانے میں سہولت رہی) لیکن پھر جب وہ بوجھل ہوجاتی ہے (پیٹ میں بچہ بڑا ہونے کی وجہ سے اور میاں بیوی ڈرتے ہیں کہ کہیں کوئی جانور نہ ہو) تو میاں بیوی دونوں اپنے رب اللہ سے دعا مانگنے لگتے ہیں کہ اگر آپ نے ہمیں نیک (صحیح سالم) اولاد عطا فرمادی تو ہم (آپ کے) بہت ہی شکرگزار رہوں گے پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں تندرست بچہ دے دیا تو وہ دونوں میاں بیوی اللہ کا شریک ٹھہرانے لگے (اور ایک قرأت میں لفظ شرکاء شین کے کسرہ اور تنوین کے ساتھ بھی ہے یعنی شرکاً) جو کچھ اللہ نے انہیں عطا فرمایا (بچہ کا نام عبدالحارث رکھ دیا۔ حالانکہ اللہ کے سوا کسی کا بندہ نہیں ہوسکتا۔ عبادت میں شریک کرنا مراد نہیں ہے کیونکہ حضرت آدم ایک معصوم نبی تھے۔ نبی کریم ﷺ سے سمرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت حواءؑ کی جب زچگی ہوئی تو شیطان ان کے گرد گھومنے لگا اور حضرت حواءؑ کا یہ حال تھا کہ ان کے کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا۔ پس ان کو شیطان نے یہ پٹی پڑھائی کہ اگر تم اس بچہ کا نام عبدالحارث رکھ دو گی تو پھر یہ زندہ رہے گا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کردیا اور وہ بچہ زندہ بھی رہ گیا۔ غرضیکہ یہ شیطان کے بہکانے اور کہنے سے ہوا تھا حاکم نے اس کو روایت کرکے اس کی تصحیح کی ہے امام ترمذی اس حدیث کو حسن غریب فرماتے ہیں) سو اللہ ان کے شرک سے پاک ہے (یعنی مکہ والوں کی بت پرستی سے اور یہ جملہ **فتعلی اللہ** **خلقکم** کو پرعطف ہوکر مسبب ہے اور ان کے درمیان جملہ معترضہ ہے) کیا یہ لوگ اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک (عبادت میں) ٹھیراتے ہیں جو کسی چیز کو بھی نہ بنا سکیں اور خود ہی کسی کے پیدا کئے ہوئے ہوں۔ ان میں نہ تو اتنی طاقت کہ وہ ان کی (اپنے پجاریوں کی) کچھ مدد کرسکیں اور وہ خود اپنی مدد بھی نہیں کرسکتے (جو ان کی توڑ پھوڑ کرنا چاہے وہ اس کو بھی روک نہیں سکتے اور استفہام توبیخ کے لئے ہے) اگر تم انہیں (بتوں کو) سیدھی راہ کی طرف بلاؤ تو تمہارے کہنے پر نہ چل سکیں (لفظ لا یتبعوکم تشدید اور تخفیف کے ساتھ دونوں طرح ہے) اور تم انہیں پکاردیا (ان کے بلانے سے) چپ رہو دونوں حالتوں کا نتیجہ تمہارے لئے برابر ہے (تمہارا کہا نہ مان سکیں گے کیونکہ وہ سنتے ہی نہیں) واقعی تم اللہ کے سوا جن کی عبادت (بندگی) کرتے ہو وہ بھی تم جیسے ہی اللہ کے بندے (ملک) ہیں سو انہیں پکارو پھر دیکھیں کہ وہ تمہاری (پکار کا) جواب دیتے ہیں اگر تم سچے ہو (اس بارے میں کہ وہ تمہارے معبود ہیں پھر آگے بھی ان کے انتہائی عجز کو اور ان سے زیادہ ان کے پجاریوں کی فضیلت کو بیان فرمایا جارہا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے) کیا ان مورتیوں کے پیکر میں ہیں جن سے چلتی ہوں؟ یا ہاتھ ہیں (اید جمع ید کی) جن سے پکڑاتی ہوں کیا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتی ہوں؟ کان ہیں جن سے سنتی ہوں؟ (یہ استفہام انکار کے لئے ہے یعنی ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ان میں نہیں پائی جاتی جو تم میں ہے پھر جب کہ تمہاری حالت ان سے کہیں درجہ بڑھی ہوئی ہے کیسے ان کی پوجا کررہے ہو) ان سے کہو (اے محمد ﷺ!) کہ اپنے سب شرکاء کو پکارلو (میرے مٹانے کے لئے پھر خفیہ تدبیریں کرڈالو اور مجھے ذرہ بھی مہلت نہ دو (بہرحال مجھے ذرہ

پھر بھی پرواہ نہیں ہے) یقیناً میرے مددگار تو اللہ ہیں (ایسے مددگار) جنہوں نے کتاب (قرآن) نازل فرمائی ہے اور وہی ہیں جو نیک لوگوں کی (حفاظت کر کے) مدد فرماتے ہیں تم اللہ کے سوا جنہیں پکارتے ہو وہ نہ تو تمہاری مدد کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ وہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں (پھر مجھے ان کی کیا پرواہ) اگر تم ان (مورتیوں) کو سیدھے رستے بلاؤ تو کبھی تمہاری پکار بھی نہ سنیں۔ اور آپ ملاحظہ فرمائیں گے (ان مورتیوں کو اے محمد!) کہ وہ آپ ﷺ کی طرف تک رہی ہیں (یعنی دیکھنے والے کی طرح تمہارے سامنے ٹکٹکی باندھے ہوتی ہیں) حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں دیکھتیں۔ درگزر سے کام لیجئے (یعنی لوگوں کے ساتھ سہولت برتیئے اور زیادہ کنج دکاؤ میں نہ پڑیئے) اور نیکی (بھلائی) کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے ایک کنارے ہو جایا کیجئے (ان کے سفلہ پن کا سامنا نہ کیا کیجئے) اور اگر (ان شرطیہ کے نون کا ما زائدہ میں ادغام ہو رہا ہے) آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے (یعنی جس کام کا آپ کو حکم ملا ہے اس سے پھیرنے والی کوئی چیز پیش آنے لگے) تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے (یہ شرط کا جواب ہے لیکن امر کا جواب محذوف ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس وسوسہ کو آپ سے دور فرما دیں گے) بلاشبہ وہ خوب سننے والے ہیں (آپ کی بات) خوب جاننے والے ہیں (آپ کے کام) جو لوگ متقی ہیں جب ان کو چھو جاتا ہے (پیش آ جاتا ہے) کوئی خطرہ (اور ایک قراءت طیف کی بجائے طائف ہے یعنی تکلیف دہ چیز) شیطان کی طرف سے تو یاد کر لیتے ہیں (اللہ کے عذاب و ثواب کو) سو اچانک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں (حق ناحق کو دیکھ لیتے ہیں اور اس وسوسہ سے باز آ جاتے ہیں) مگر جو لوگ شیطان کے بھائی بند ہیں (یعنی کفار جو شیطان کے بھائی ہیں) ان کو کھینچے لئے جاتے ہیں (یہ شیاطین) گمراہی میں۔ پھر وہ شیطان کے چیلے ذرا بھی باز نہیں آتے (غور و فکر سے کام لے کر رک جاتے جیسے کہ متقی رک گئے تھے) اور جب آپ ظاہر نہیں کرتے (ان مکہ والوں کے سامنے) کوئی (فرمائشی) معجزہ تو کہتے ہیں یہ معجزہ کیوں نہ پسند کر کے چن لیا (اپنی طرف سے کیوں نہ ظاہر کر دیا) آپ (ان سے) فرما دیجئے میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پروردگار کی طرف سے وحی کی جاتی ہے (یہ میرے لئے ممکن نہیں کہ میں اپنے جی سے کوئی چیز گھڑ کے پیش کر سکوں) یہ (قرآن) دلائل کا خزینہ ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے اور یقین رکھنے والوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو کان لگا کر سنا کرو اور (بات چیت کرنے سے) چپ رہا کرو تا کہ اللہ کی مہربانی کے مستحق ہو سکو (یہ آیت خطبہ کے درمیان بات چیت کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن خطبہ کی بجائے قرآن کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ خطبہ میں قرآن بھی ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک مطلقاً قرآن کریم پڑھنے کے متعلق یہ حکم ہے) اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں (یعنی ذکر خفی) عجز (نیاز) کے ساتھ ڈرتے ہوئے (اللہ کا ڈر دل میں رکھتے ہوئے) اور زبان سے بھی (ذرا زور سے) بغیر پکارے (یعنی درمیانی آواز کے ساتھ) صبح و شام و دن چڑھے اور دن ڈھلے) اور ان لوگوں میں سے مت ہو جانا جو (ذکر اللہ سے) غافل ہوتے ہیں۔ جو اللہ کے حضور میں ہیں (یعنی فرشتے) وہ کبھی بڑائی (تکبر) میں آ کر ان کی بندگی سے نہیں جھجکتے۔ وہ اس کی پاکی بیان کرتے ہیں (نامناسب چیزوں سے ان کی صفائی بیان کرتے ہیں) اور ان ہی کے آگے سر بسجود ہوتے ہیں (یعنی صرف ان ہی کے آگے پستی اور بندگی کرتے ہیں اسی طرح تمہیں بھی ہونا چاہئے۔

تحقیق و ترکیب:...........**جعل منها**. ضمیر مؤنث۔ نفس کی طرف لوٹتی ہے جس سے مراد آدمؑ ہیں لیکن لفظ کا لحاظ کرتے ہوئے یہاں ضمیر مؤنث لائی گئی ہے اور یسکن میں معنی کا لحاظ کر کے نفس کی طرف ضمیر مذکر راجع ہے اور **الیھا** کی ضمیر حضرت حواءؑ کی طرف اور تغشٰی کی ضمیر مستتر حضرت آدمؑ کی طرف اور ضمیر بارز حضرت حواءؑ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ آدمؑ و حواءؑ کی یہ قربت جو حمل کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے دنیا میں آنے کے بعد ہوئی اور جنت میں بغیر نطفہ و حمل تھی۔ **واشفقا** اس قسم کے یہ سب خطرات شیطانی وسوسہ اندازی سے ہوئے۔

عبد الحارث. حارث شیطان کا نام تھا فرشتوں کے نزدیک۔ یہ نام رکھوا کر غیر اللہ کے توسل پر آمادہ کیا جو شرک خفی سمجھنا چاہئے۔ عبد النبی اور عبد الرسول، بندہ حسن، بندہ علی، محمد بخش وغیرہ نام بھی اسی طرح کراہت سے خالی نہیں ہیں۔ حضرت آدمؑ کی پہلی اولاد کے نام عبداللہ، عبدالرحمٰن وغیرہ ہوتے تھے مگر زندہ نہیں رہتے تھے والجملة یعنی فتعٰلی اللّٰه مسبب ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ هو الذی خلقکم من نفس واحدة فتعٰلی الله عما یشرکون۔ اس کا تعلق اگر آدمؑ وحواءؑ کے واقعہ سے ہوتا تو عمایشرکان آنا چاہئے تھا۔ اس تغیر عبارت سے معلوم ہوا کہ اس کا تعلق پہلے قصہ سے نہیں۔ اولاد آدمؑ کے شرکیہ اعمال کی طرف گفتگو کا رخ پھر گیا ہے اور حضرت آدمؑ وحواءؑ کا واقعہ ہی اگر مراد لیا جائے تب بھی صحیح ہوسکتا ہے۔ لیکن شرک سے مراد شرک اسمی ہوگا۔

ان تدعوهم. ضمیر خطاب کفار کی طرف اور ضمیر نصب بتوں کی طرف راجع ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ضمیر خطاب رسول اور مؤمنین کی طرف اور ضمیر غائب کفار کی طرف راجع ہو۔

المعروف. معروف کہتے ہیں پسندیدہ فعل کو یا عقل وشرع کے نزدیک بہترین عادت کو۔

عن الجاهلین. اگر کفار مراد ہوں تو اعراض کے معنی ترک قتال کے لیتے ہوئے آیت کو منسوخ کہا جاسکتا ہے ورنہ اگر عوام مسلمین جو ضعیف الاسلام ہوں مراد لئے جائیں تو پھر آیت محکم رہے گی اور اعراض کے معنی نرمی اور درگذر کرنے کے ہوجائیں گے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم میں اس آیت کو مکارم اخلاق میں سب سے بڑھ کر مانتے ہیں۔ ینزغنك. نزغ کے معنی چرواہے کا چوپاؤں کو ڈانٹنا ہیں۔ مراد وسوسہ ہے بطور تشبیہ کے۔ بظاہر خطاب اگرچہ آنحضرت ﷺ کو ہے مگر دوسرے لوگ مراد ہیں جو شیطانی اثر سے مغلوب رہتے ہیں۔

طائف. یہ طاف یطوف سے ہے یا طاف به الخیال یطوف طیفاً سے ہے اور ایک قراءت میں طیفاً ہے۔ نیز طائف بمعنی طیف بھی ہوسکتا ہے جیسے عافیة وعاقبة وغیرہ مصادر فاعل اور فاعلہ کے وزن پر آتے ہیں۔

لا یقصرون. ضمیر خوان کی طرف راجع ہے اذا قرئ القرآن. جمہور صحابہؓ اس آیت کو مقتدی کے لئے مانتے ہیں لیکن جلال محققؒ اپنے مذہب کی رعایت سے اس کو خطبہ کے ساتھ مخصوص کر رہے ہیں۔ جیسا کہ سعید بن جبیرؒ عطاءؒ اور مجاہدؒ کی رائے ہے۔ حالانکہ خطبہ مدینہ طیبہ میں جمعہ کے ساتھ شروع ہوا اور یہ آیت مکی ہے۔ اسی لئے یہ قول بعض کا ہے۔ حسنؒ زہریؒ نخعیؒ کا قول بھی یہی ہے اور بیہقیؒ نے تو امام احمدؒ سے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ اولیٰ قول جمہور کا ہے جس کو اپنے خلاف ہونے کی وجہ سے مفسر علامؒ نے قیل کے صیغہ تمریض سے بیان کیا ہے اور صاحب مدارک مطلقاً قراءت قرآن کے لئے مانتے ہیں۔ خواہ نماز کی صورت میں ہو یا خطبہ کی شکل میں اور یہی اصح رائے ہے۔ اس تیسری صورت کے اعتبار سے امام شافعیؒ کے نزدیک یہ سکوت کا حکم استحبابی ہوگا اور حنفیہؒ کے نزدیک وجوبی۔ امام شافعیؒ مقتدی کو نماز میں حدیث لا صلوٰة الا بفاتحة الکتاب کی رو سے قراءت فاتحہ کی اجازت دیتے ہیں۔ کیونکہ حدیث تو محکم ہے اور آیت محتمل المعانی. اس لئے دونوں میں تعارض نہیں بلکہ حدیث راجح ہے۔ حنفیہؒ کہتے ہیں اس حدیث کی طرح ایک دوسری حدیث بھی ہے[1] من کان له امام فقراء ة الا مام قراء ة له. پس ان دونوں روایتوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ ایک قراءت حقیقی ہوتی ہے دوسرے قراءت حکمی۔ بحالت نماز امام تو سورۂ فاتحہ کی حقیقی قرات کرے گا۔ لیکن مقتدی اس آیت کی رو سے خاموش رہے گا۔ مگر حدیث من کان له امام الخ کی رو سے اس کا خاموش رہنا پڑھنے ہی کے حکم میں ہوگا۔ یعنی اس کو حکمی قراءت حاصل ہوگی۔ غرض کہ آیت کے محتمل المعنی ہونے کی وجہ سے امام شافعیؒ کی طرح حنفیہ بھی مسئلہ کا اثبات اس آیت سے نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ حدیث من کان له امام فقراء ة الا مام قراء ة له. کی رو سے امام کے پیچھے مقتدی کو پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ نے کہا ہے۔

---

[1] جو نمازی امام کے ساتھ نماز پڑھے تو امام کا پڑھنا ہی اس کا پڑھنا ہوگا ۱۲۔

امام کی طرح اگر مقتدی بھی حقیقۃً قراءت کرے گا تو اول تو حدیث[1] مالی انازع فی القران کے خلاف لازم آئے گا دوسرے اسے صرف سورۂ فاتحہ ہی پر بس نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ امام مالک کی حدیث[2] لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب وسورۃ معھا کی رو سے امام کی طرح مقتدی کو سورت بھی پڑھنی چاہئے۔ حالانکہ امام شافعیؒ اس کو نہیں مانتے۔

دون الجھر۔ سری قراءت یہ ہے کہ نہ خود سنے نہ دوسرا۔ اور جہری یہ کہ دور کا آدمی بھی سن لے اور درمیانی قراءۃ یہ کہ پاس کا آدمی سن لے۔ اس لئے اب یہ شبہ نہیں رہا کہ سری اور جہری میں جب کوئی واسطہ نہیں" کیونکہ سری کہتے ہیں جو خود نہ سن سکے اور جہری کے معنی یہ ہیں کہ جو دوسرا سن لے خواہ دور کا ہو یا پاس کھڑا ہو۔" تو اس صورت میں ان دونوں کے درمیانی پڑھنے کی صورت پھر کیا ہوگی؟ شبہ کے دفعیہ کی تقریر کا حاصل یہ ہوگا کہ واسطہ کا نہ ہونا فقہاء کی اصطلاح پر ہے اور یہاں وہ مراد نہیں ہے۔ بظاہر یہ حکم قراءت دعاء، ذکر سب کو شامل معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن ابن عباسؓ اس کو نماز کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ صبح وشام کے دونوں وقت چونکہ ایک خاص شان رکھتے ہیں۔ ایک سو کر اٹھنے کا وقت ہے اور دوسرا سونے کی تیاری کا۔ اس لئے غفلت دور کرنے کے لئے ذکر مناسب ہوا۔ امام شافعیؒ واذکر ربک فی نفسک سے مقتدی کی سری قراءت کو ثابت کرتے ہیں۔ لیکن ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ اکثر کے نزدیک اس کے معنی یہ نہیں بلکہ دوسرے ہیں۔

ربط آیات: .... آیت ھو الذی الخ توحید کو ثابت کیا جا رہا ہے اور شرک کو مفصل اور مدلل طریقہ سے باطل کیا جا رہا ہے جس میں ممکن ہے مخالفین میں ہیجان پیدا ہوا اور وہ اصرار وانکار سے پیش آئیں۔ اس لئے آیت خذ العفو الخ سے نرم روی کا مشورہ دیا جا رہا ہے اور پھر بھی غصہ آ ہی جائے تو اللہ سے پناہ چاہ لیجئے اور جس طرح پچھلی آیت اولم یتفکروا الخ میں رسالت کو ثابت کیا گیا تھا۔ یہاں آیت واذا لم تاتھم الخ میں کفار کے شبہ کا رد کرنا ہے۔ جس کی وجہ سے کفار آپ کی رسالت کا انکار کرتے تھے اور کسی دعویٰ کو ثابت کرنے کے یہی دو طریقے ہوا کرتے ہیں یا اپنے مدعا پر استدلال اور یا مخالف کی بات کا رد اور لوگوں کے حق میں قرآن کا رحمت وہدایت ہونا چونکہ خاموشی اور غور سے سننے پر موقوف ہے اس لئے اذا قریٔ الخ سے اس کا حکم فرمایا جا رہا ہے۔

آگے اذکر ربک فی نفسک الخ سے اس کو ذرا عام کر کے بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ کا ذکر جس میں قرآن پڑھنا بھی داخل ہے ادب کے ساتھ ہونا چاہئے۔ جس کا منشاء وہی غور سے سننا ہے اس کے بعد خاتمہ سورۃ پر سورت کے تمام مضامین کی تائید وتاکید کے لئے ان الذین الخ سے طاعت وعبادت کا حکم دیا جا رہا ہے کہ فرشتوں کو جب مقربان بارگاہ ہوتے ہوئے اس سے عار نہیں تو پھر تمہیں کیا انکار ہے۔

شان نزول: .... ابن جریر اور ابن ابی حاتم مرسلا روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت جب نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت جبرائیلؑ سے اس کا منشاء پوچھا؟ انہوں نے کہا۔ [3] ان اللہ امرک ان تعفو عمن ظلمک وتعطی من حرمک وتصل من قطعک۔

---

[1] نماز میں میرے پڑھنے سے کون ٹکراؤ کرتا ہے ۱۲۔
[2] سورہ فاتحہ اور کسی دوسری سورت کے بغیر پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی ۱۲۔
[3] اللہ نے آپ ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپؐ ظلم کرنے والے کو معاف فرمادیں اور جو آپؐ کو کچھ نہ دے آپؐ اس کو بھی نوازا کریں اور آپ ﷺ سے جو رشتہ توڑے آپ ﷺ اس سے اچھا سلوک کیجئے ۱۲۔

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس مرسل روایت کے اور بھی شواہد ہیں اور ابن سعد سے ابن مردویہ کی روایت تو مرفوع ہے۔ غرض کہ یہ حکم تو غصہ آنے کے احتمال پر تھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ اگر غصہ آ جائے؟ تو اس کے متعلق آیت اما ینزغنک الخ نازل ہوئی اور ایک انصاری صحابیؓ نماز میں آپ ﷺ کے پیچھے قرآن تلاوت کررہے تھے۔ اس پر آیت اذا قرئ الخ نازل ہوئی اور سعید بن جبیرؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی اور ابوالشیخ بالواسطہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جمعہ اور عیدین کی نمازوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اور عبداللہؓ بن مغفل کہتے ہیں کہ یہ آیت قراءت خلف الامام کے بارے میں اتری اور ابن ابی شیبہ اور ابن جریر دونوں ابو ہریرہؓ سے تخریج کرتے ہیں کہ لوگ نماز میں باتیں کرتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ نماز میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے زور سے پڑھتے تھے اور ابن جریرؒ ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ لوگ نماز میں ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: .... **نام رکھنے میں شرک کا واقعہ حضرت آدمؑ کا ہے یا اولادِ آدم کا؟**: .... جلال محققؒ نے امام ترمذی کی تحسین کی ہوئی اور حاکم کی تصحیح کی ہوئی روایت

کی وجہ سے اس قصہ کا تعلق حضرت آدم وحواءؑ سے کیا ہے۔ لیکن بعض حضرات نے کچھ اشکالات کی وجہ سے اس قصہ کا انکار کیا ہے۔ رہی حدیث سو اس سے اس قصہ کا اس آیت کے لئے تفسیر لانا لازم نہیں آتا۔ بلکہ اس حدیث کا محمل اور ہے۔ باقی آیت کے ظاہری الفاظ سے اس کا سمجھ میں آنا اس لئے حجت نہیں کہ تغشا ھا حملت الخ کی ضمیریں اگر بعینہ نفس واحدۃ اور زوجھا کی طرف نہ لوٹائی جائیں۔ بلکہ بطور صنعت استخدام یہ کہا جائے کہ یہ ضمیریں مطلق زوج اور زوجہ کی طرف لوٹ رہی ہیں تو نہ تفسیر میں کچھ تکلف کرنا پڑتا ہے اور نہ بعد والی آیت میں کوئی اشکال رہتا ہے۔

مشرکین کو توحید ربوبیت میں ٹھوکر نہیں لگی بلکہ توحید الوہیت میں ہمیشہ بھٹکتے رہے: .... بہر حال مشرکین اس گمراہی میں مبتلا تھے کہ اپنی حاجتوں اور مصیبتوں میں تو اللہ تعالیٰ سے التجائیں کرتے۔ لیکن جب مطلب حل ہوجاتا ہے تو اسے ان آستانوں اور معبودوں کی بخشش سمجھنے لگتے ہیں جو ان کے اپنے بنائے ہوئے ہیں۔ مصیبت کی بھنور میں پھنستے ہیں تو خدا کو پکارتے ہیں لیکن مصیبت ٹل جاتی ہے تو آپ بنائے ہوئے آستانوں پر نذریں چڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان ہی کی بخشش سے ہمیں یہ دولت واولاد ملی ہے۔ الوہیت کے لئے ایک بالاتر ہستی کا اعتقاد خدا کے لئے ہونا چاہئے اگر کسی دوسری ہستی کو بھی اس میں شامل کیا گیا تو یہ شرک ہوگا۔ یہی مقام ہے جہاں پیروان مذہب کو ٹھوکر لگی ہے وہ توحید ربوبیت میں نہیں کھو گئے۔ کیونکہ خالق اور رب خدا ہی کو مانتے تھے۔ توحید الوہیت میں البتہ گمراہ ہوئے یعنی اپنی دعاؤں، منتوں، مرادوں کے لئے بہت سے آستانے بنالئے۔

بتوں میں ان اعضاء کے نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ میں ان کا پایا جانا ضروری ہے۔ حالانکہ اللہ بھی ان سے پاک ہے؟ بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ میں کمالات فاعلی ہونے چاہئیں۔ بتوں میں ان کے مادی ہونے کی وجہ سے کمالات بھی مادی آلات اور اعضاء پر موقوف ہوں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ چونکہ غیر مادی ہیں اس لئے ان کے کمالات بھی مادی نہیں ہوں گے۔

پہلے جملہ لا یستطیعون لھم نصرا الخ میں بتوں سے اپنی اور دوسروں کی مطلق مدد کرنے کی نفی کرنا ہے اور دوسری آیت لا یستطیعون نصرکم الخ میں دشمن کے مقابلہ میں اپنی اور دوسروں کی مدد نہ کرسکنا بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے ان دونوں آیتوں میں تکرار کا شبہ نہیں کرنا چاہئے اور بتوں میں یہ نقصانات اگرچہ بالکل کھلے ہوئے ہیں۔ لیکن پجاریوں کی حماقت ظاہر کرنے کے لئے

تفصیل کی گئی ہے اور مشرکین اگر چہ ان بتوں کو خدا کے برابر نہیں مانتے تھے تاہم مقصد احتجاج یہ ہے کہ کسی چیز کا معبود بننا خواہ بالعرض ہی کیوں نہ ہو ان کمالات پر موقوف ہے۔ پس جب یہ لازم یعنی کمال ہی نہیں تو ملزوم یعنی ان کی معبودیت کیسے صحیح ہوئی۔

شیطان کی وسوسہ اندازی انبیاءؑ کی عصمت کے خلاف نہیں ہے:............ آیت اما ینزغنک الخ سے عصمت انبیاء پر شبہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ نبی کے معصوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شیطان اس سے گناہ نہیں کرا سکتا۔ یہ مطلب نہیں کہ گناہ کی رائے بھی نہیں دے سکتا۔ آخر اگر کوئی کافر کسی نبی کے روبرو کفر بکنے لگے تو اس سے نبوت پر کیا اثر پڑتا ہے۔ یہی حال شیطانی وسوسہ کا سمجھنا چاہئے کہ وہ جن کافر کی طرف سے ہوتا ہے اور ہمزاد اگر چہ ہر انسان کے ساتھ رہتا ہے اور حدیث مسلم فلا یا مرنی الا بخیر کی رو سے آنحضرت ﷺ کا قرین آپ ﷺ کو کوئی بری رائے نہیں دیتا تھا۔ لیکن یہاں شیطان سے مراد عام مشہور معنی ہیں۔ چنانچہ وہ بھی کبھی آپ ﷺ کے سامنے آجاتا تھا۔ ایک بار تو آگ کا شعلہ لے کر آپ ﷺ کو نقصان پہنچانے آیا تھا۔

آیت قل انما اتبع الخ کا حاصل یہ ہے کہ نبوت ثابت کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی معجزہ ہونا چاہئے۔ اور معجزے معجزے سب برابر ہیں۔ اس میں کسی خاص معجزہ کی فرمائش کرنا بالکل مہمل بات ہے۔ سو اول تو یہ فرمائش بیہودہ۔ دوسرے غرض بھی صحیح نہیں کہ طلب حق اور اصلاح نفس ہو بلکہ محض کھیل تماشہ بنا رکھا ہے۔

نماز میں امام کے پیچھے مقتدیوں کے قرآن پڑھنے نہ پڑھنے کے متعلق شوافعؒ کی نسبت حنفیہؒ کا موقف زیادہ صحیح اور مضبوط ہے:............ آیت واذا قرئ الخ کے شان نزول میں جو مختلف روایات ذکر کی گئی ہیں ان کا حاصل یہ سات قول نکلتے ہیں:۔

۱۔ امام کے پیچھے مقتدی کا پڑھنا۔ ۲۔ امام کے پیچھے مقتدی کا زور سے قرأت کرنا۔ ۳۔ صرف جہری نماز میں امام کے پیچھے مقتدی کا پڑھنا ۴۔ خود اپنی نماز میں بات چیت سے سکوت اور قراءت کی طرف دھیان ۵۔ خطبہ کے درمیان بات چیت نہ کرنا ۶۔ وعظ کے درمیان بات چیت نہ کرنا۔ ۷۔ مطلق قرآن پڑھنے کے وقت کلام نہ کرنا۔ خواہ نماز کے اندر ہو یا باہر۔ جب کہ آیت کے سباق میں نظر کی جائے تو حالت کے عام ہونے کی طرح اس میں خطاب بھی عام معلوم ہوتا ہے۔ یعنی مسلم و کافر دونوں کو۔

اس آیت سے حنفیہ نے امام کے پیچھے مقتدی کو سب نمازوں میں پڑھنے سے منع کیا ہے اور اسی طرح نماز سے باہر قرآن پڑھنے کے وقت دوسرے کام میں لگنے کو یا کام میں لگے ہوئے دوسرے آدمی کے پاس بیٹھ کر پڑھنے کو منع فرمایا ہے۔ البتہ اسباب نزول پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محض ثواب حاصل کرنے یا صرف یاد کرنے کے لئے اگر نماز سے باہر قرآن پڑھا جائے اور وعظ و تبلیغ مقصود نہ ہو تو ایسے پڑھنے کا یہ حکم نہیں ہے۔ کہ خاموش ہو کر سننا ضروری ہو اور درمختار میں ہے کہ نماز سے باہر قرآن کا سننا فرض کفایہ ہے۔ یعنی بعض کا سننا بھی کافی ہے۔ بشرطیکہ قراءت پہلے شروع ہوگئی ہو اور کام میں بعد کو لگے ہوں اور اگر پہلے کام شروع کر دیا ہو اور قرأت بعد میں شروع ہوئی تو قراءت شروع کرنے والا گنہگار ہوگا۔

قرآن کریم رحمت جدید بھی ہے اور رحمت مزید بھی:............ کفار پر پہلے رحمت ہدایت نہ تھی۔ لیکن حق قبول کرنے کے بعد ان کی طرف رحمت متوجہ ہوگئی اور مومن اگر چہ پہلے سے آغوش رحمت میں تھے۔ لیکن اب اس میں اور ترقی ہوگئی۔ غرض کہ یہ قرآن قبول حق کے بعد کفار کے لئے تو رحمت جدید اور مسلمانوں کے لئے رحمت مزید ہے۔ یہی مطلب لعلکم ترحمون کا ہے۔

ذکرِ جہری افضل ہے یا ذکر خفی؟:............ آیت واذ کــر ربك الــخ میں جس ادب کی تعلیم دی جارہی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ذکر کے وقت دل میں خوف اور ہیبت میں تذلل ہونا چاہئے اور چلا کر ذکر نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ یا بہت ہی آہستہ کیا جائے۔ مگر اس حد تک کہ زبان کو حرکت ہوتی رہے اور یا پھر درمیانی آواز سے ذکر کیا جائے۔ جن روایتوں میں جہری ذکر کی ممانعت آئی ہے ان سے مراد یہی چلانا ہے ہاں اگر خطرات کے دفع کرنے یا دل کی قساوت دور کرنے اور رقت حاصل کرنے کے لئے کوئی محقق شیخ کسی کو زور سے ذکر کرنا بتلائے اور اس سے سوتے والوں یا نماز پڑھنے والوں کو تشویش نہ ہوتی ہو اور ذکر جہری کو محض علاج سمجھے قربت نہ جانے تو ان عوارض کی وجہ سے اجازت ہو جائے گی۔

اور ذکر خفی میں زبان کی حرکت سے زبان اور دل دونوں عضووں کو عبادت میں شریک سمجھا جائے گا۔ ذکر جہری اور ذکر خفی کی افضلیت میں مشائخ نقشبند اور حضرات چشت کے درمیان کلام بہت تفصیل طلب ہے۔

لطائف آیات:............ آیت ان الــذیــن تدعون الخ سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو فریادرسی کی نیت سے پکارنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ جاہل غلو کی وجہ سے کیا کرتے ہیں۔

آیت ان ولیّ اللّٰہ الخ سے معلوم ہوا کہ جو نیک نہیں ہیں اللہ ان کی کارسازی نہیں فرماتا۔ بلکہ ان کو نفس کے حوالہ کر دیتا ہے۔ آیت خذالعفوا لخ میں لوگوں سے چشم پوشی کا معاملہ کرنے اور ان کو شفقت سے تعلیم دینے اور جاہلوں کے ساتھ حلم کرنے کی تعلیم ہے۔ حضرت جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ اس سے زیادہ کوئی آیت اخلاق کی جامع نہیں ہے۔ آیت واما ینزغنك الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ کاملوں کو بھی وسوسہ آسکتا ہے اور اس کا علاج استعاذہ اور آخرت کی یاد ہے۔

آیت ان الــذیــن اتــقوا الخ سے معلوم ہوا کہ شیطان جب سالکین پر اثر انداز ہوتا ہے تو ان کے ذکر اللہ کرنے سے اللہ وہ سب اثرات دور فرمادیتا ہے اور کلمات ذکر میں تصفیہ سر کے اعتبار سے سب سے زیادہ مفید کلمہ طیبہ ہے۔ آیت اذا لم تا تھم الخ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ غیبی چیزیں غیر اختیاری ہوتی ہیں اس لئے وہ کمال کی علامت بھی نہ ہوں گی۔ سب سے بڑی علامت کمال وحی کا اتباع ہے۔ پس اس کے ہوتے ہوئے کرامات کی تلاش جہالت ہے۔

آیت اذا قــریٔ الــقــراٰن الخ کا نزول بقول مجاہدؒ خطبہ کے لئے ہے۔ پس شیخ کا ارشاد بھی خطبہ ہی کے حکم میں ہے۔ جس کو خاموشی سے مرید کو سننا چاہئے۔ آیت واذکو ربك الخ میں ذکر خفی اور ذکر جہری کی طرف اشارہ ہے اور لا تــکــن من الغافلین سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ذکر فکری بھی ہوتا ہے جس میں زبان کو بالکل حرکت نہیں ہوتی اور ان قسموں میں سے کسی خاص ذکر کی تجویز محقق شیخ ہی کر سکتا ہے۔

آیت ان الــذیــن عند ربك الخ میں تکبر سے بچنے کو دوسری تمام طاعتوں پر مقدم کرنے سے معلوم ہوا کہ اصلاح اعمال کی شرط تکبر کا دور ہو جانا ہے۔

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ اَوْ اِلَّا وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الْاٰيَاتُ السَّبْعُ
فَمَكِّيَّةٌ خَمْسٌ اَوْ سِتٌّ اَوْ سَبْعٌ وَسَبْعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۰﴾ لَمَّا اخْتَلَفَ الْمُسْلِمُوْنَ فِيْ غَنَائِمِ بَدْرٍ فَقَالَ الشُّبَّانُ هِيَ لَنَا لِاَنَّا بَاشَرْنَا الْقِتَالَ وَقَالَ الشُّيُوْخُ كُنَّا رِدْأً لَكُمْ تَحْتَ الرَّايَاتِ وَلَوِانْكَشَفْتُمْ لَفِئْتُمْ اِلَيْنَا فَلَا تَسْتَاْثِرُوْا بِهَا نَزَلَ **يَسْئَلُوْنَكَ** يَا مُحَمَّدُ **عَنِ الْاَنْفَالِ** اَلْغَنَائِمِ لِمَنْ هِيَ **قُلِ** لَهُمْ **الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ** يَجْعَلَانِهَا حَيْثُ شَاءَ اَفَقَسَّمَهَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمْ عَلَى السَّوَاءِ رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ** اَيْ حَقِيْقَةَ مَا بَيْنَكُمْ بِالْمَوَدَّةِ وَتَرْكِ النِّزَاعِ **وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** ﴿۱﴾ حَقًّا **اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ** الْكَامِلُوْنَ الْاِيْمَانُ **الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ** اَيْ وَعِيْدُهٗ **وَجِلَتْ** خَافَتْ **قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا** تَصْدِيْقًا **وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ** ﴿۲﴾ بِهٖ يَثِقُوْنَ لَا بِغَيْرِهٖ **الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ** يَاْتُوْنَ بِهَا بِحُقُوْقِهَا **وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ** اَعْطَيْنٰهُمْ **يُنْفِقُوْنَ** ﴿۳﴾ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ **اُولٰٓئِكَ** الْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَا ذُكِرَ **هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا** صِدْقًا بِلَاشَكٍّ **لَهُمْ دَرَجٰتٌ** مَنَازِلُ فِي الْجَنَّةِ **عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ** ﴿۴﴾ فِي الْجَنَّةِ **كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ** مُتَعَلِّقٌ بِاَخْرَجَ **وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ** ﴿۵﴾ الْخُرُوْجَ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ كَافِ اَخْرَجَكَ وَكَمَا خَبَرُ مُبْتَدَأٍ مَحْذُوْفٍ اَيْ هٰذِهِ الْحَالُ فِيْ كَرَاهَتِهِمْ لَهَا مِثْلُ اِخْرَاجِكَ فِيْ حَالِ كَرَاهَتِهِمْ وَقَدْ كَانَ خَيْرًا لَّهُمْ فَكَذٰلِكَ اَيْضًا وَذٰلِكَ اَنَّ اَبَاسُفْيَانَ قَدِمَ بِعِيْرٍ مِنَ الشَّامِ فَخَرَجَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ لِيَغْنَمُوْهَا فَعَلِمَتْ قُرَيْشٌ فَخَرَجَ اَبُوْجَهْلٍ وَمُقَاتِلُوْا مَكَّةَ لِيَذُبُّوْا عَنْهَا وَهُمُ النَّفِيْرُ وَاَخَذَ اَبُوْسُفْيَانَ بِالْعِيْرِ طَرِيْقَ

السَّاحِلِ فَنَجَتْ فَقِيْلَ لِاَبِیْ جَهْلٍ اِرْجِعْ فَاَبٰی وَسَارَ اِلٰی بَدْرٍ فَشَاوَرَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْحَابَهٗ وَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَنِیْ اِحْدَی الطَّائِفَتَيْنِ فَوَافَقُوْهُ عَلٰی قِتَالِ النَّفِيْرِ وَكَرِهَ بَعْضُهُمْ ذٰلِكَ وَقَالُوْا لَمْ نَسْتَعِدَّ لَهٗ كَمَا قَالَ تَعَالٰی **يُجَادِلُوْنَكَ فِی الْحَقِّ** اَلْقِتَالِ **بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ** ظَهَرَ لَهُمْ **كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ﴿۶﴾** اِلَيْهِ عِيَانًا فِیْ كَرَاهَتِهِمْ لَهٗ **وَ**اذْكُرْ **اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَيْنِ** اَلْعِيْرَ اَوِ النَّفِيْرَ **اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ** تُرِيْدُوْنَ **اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ** اَیِ الْبَأْسِ وَالسِّلَاحِ وَهِیَ الْعِيْرُ **تَكُوْنُ لَكُمْ** لِقِلَّةِ عَدَدِهَا وَعُدَدِهَا بِخِلَافِ النَّفِيْرِ **وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ** يُظْهِرَهٗ **بِكَلِمٰتِهٖ** السَّابِقَةِ بِظُهُوْرِ الْاِسْلَامِ **وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ﴿۷﴾** اٰخِرَهُمْ بِالْاِسْتِيْصَالِ فَاَمَرَكُمْ بِقِتَالِ النَّفِيْرِ **لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ** يَمْحَقَ **الْبَاطِلَ** اَلْكُفْرَ **وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ﴿۸﴾** اَلْمُشْرِكُوْنَ ذٰلِكَ اُذْكُرْ **اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ** تَطْلُبُوْنَ مِنْهُ الْغَوْثَ بِالنَّصْرِ عَلَيْهِمْ **فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ** اَیْ بِاَنِّیْ **مُمِدُّكُمْ** مُعِيْنُكُمْ **بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ﴿۹﴾** مُتَتَابِعِيْنَ يُرْدِفُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَعَدَهُمْ بِهَا اَوَّلًا ثُمَّ صَارَتْ ثَلٰثَةَ اٰلَافٍ ثُمَّ خَمْسَةً كَمَا فِیْ اٰلِ عِمْرَانَ وَقُرِئَ بِاٰلُفٍ كَاَفْلُسٍ جَمْعٌ **وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ** اَیِ الْاِمْدَادَ **اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴿۱۰﴾**

۱۵

ترجمہ: ....سورۂ انفال پوری مدنی ہے یا و اذیمکر بك الخ سے سات آیات چھوڑ کر مدنی ہے اور یہ آیات مکی ہیں۔اس میں کل ۷۵۔یا ۷۶۔یا ۷۷ آیات ہیں۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم . (مسلمانوں میں مال غنیمت بدر کے بارے میں اختلاف رائے ہوا۔نوجوان تو کہتے ہیں کہ چونکہ ہم فوجی ہیں اس لئے یہ صرف ہمیں ملنا چاہئے۔اور بوڑھے کہتے کہ جنگی جھنڈے اٹھائے ہوئے تمہاری پشت پناہی کرتے تھے۔تم میں جب کبھی کمزوری کے آثار پائے جاتے ہیں تو ہماری ہی طرف تم جھکتے ہو۔لہٰذا تمہاری ترجیح کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اس سلسلہ میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں) یہ لوگ آپ ﷺ سے (اے محمد ﷺ!) مال غنیمت کے متعلق پوچھتے ہیں (کہ یہ مال کس کو ملنا چاہیے؟) کہہ دو (ان سے) مال غنیمت دراصل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے (وہ جس کو چاہیں دیں۔چنانچہ آپ ﷺ نے سب کو برابر سرابر تقسیم فرما دیا۔حاکم نے مستدرک میں اس کو روایت کیا ہے) سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس کے تعلقات درست رکھو (یعنی آپ کا معاملہ محبت سے اور جھگڑا چھوڑ کر سنوار لو) اور اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں سرگرم ہو جاؤ۔اگر تم (فی الحقیقت) ایمان دار ہو۔بس (کامل درجہ کے) ایمانداروں کی شان تو یہ ہے کہ جب اللہ (کی دھمکی) کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل دہل (کانپ) جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان (تصدیق ویقین) کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ ہر حال میں اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں (اسی کا سہارا لیتے ہیں۔کسی دوسرے کا نہیں) جو نماز قائم کرتے ہیں (حقوق کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں) اور ہم نے جو کچھ انہیں دے رکھا ہے (عطا کیا ہے) اس میں سے خرچ کرتے ہیں (اللہ کی فرمانبرداری میں) بلا شبہ ایسے ہی لوگ (ان خوبیوں کے مالک) سچے مومن ہیں (بلا شک صدق کی دولت حاصل کئے ہوئے ہیں) ان کے پروردگار کے یہاں بڑے رتبے (جنت میں درجے)

ہیں اور بخشش اور عزت کی روزی ہے (جنت میں) جس طرح آپ کے پروردگار نے مصلحت کے ساتھ آپ کو آپ کے مکان سے روانہ کیا (بالحق کا تعلق اخرج کے ساتھ ہے) اور یہ واقعہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس بات کو ناگوار سمجھتی تھی۔ (گھر سے نکلنے کو۔ اور یہ جملہ حال واقع ہو رہا ہے اخرجک کے کاف سے اور کما مبتدائے محذوف کی خبر ہے یعنی یہ حالت بھی لوگوں کو اسی طرح گراں ہے جیسے آپ کو بھیجنا ان کو ناپسند تھا۔ حالانکہ وہ روانگی بھی ان کے حق میں بہتر تھی۔ اسی طرح یہ حالت بھی ان کے لئے عمدہ ہی رہے گی اور اس روانگی کا واقعہ اس طرح پیش آیا تھا کہ ابوسفیان کا تجارتی قافلہ شام سے واپس آ رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ اس قافلہ سے مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ لیکن کسی طرح قریش کو اس صورت حال کا پتہ چل گیا۔ چنانچہ ابوجہل کی کمان میں مکہ کے سارے سورما اس قافلہ کے بچاؤ کے لئے امنڈ پڑے۔ ایسی جنگی جماعت کو نفیر کہا جاتا ہے۔ غرض کہ اسی آویزش میں ابوسفیان تو اپنے تجارتی قافلہ کو ساحلی راستہ سے صاف بچالے گیا۔ ابوجہل سے بھی واپسی کے لئے کہا گیا مگر اس نے انکار کر دیا اور مقام بدر کی طرف بڑھا۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے اس بارے میں مشورہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے مجھ سے ان دونوں جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ عام صحابہؓ نے نفیر سے جنگ کرنے کی تائید کی۔ لیکن بعض لوگوں کو یہ بات گراں گزری اور کہنے لگے کہ ہم تو پہلے سے اس کے لئے تیار ہو کر نہیں آئے تھے۔ اسی کے متعلق ارشاد ہوتا ہے) لوگ آپ ﷺ سے اس مصلحت (جنگ) کے بارے میں باوجود یہ کہ معاملہ واضح ہو (کھل) چکا تھا۔ اس طرح جھگڑ رہے تھے کہ گویا انہیں زبردستی موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے اور وہ دیکھ رہے ہیں (موت کو کھلم کھلا۔ کیونکہ وہ دل سے آمادہ نہیں تھے) اور (وہ وقت یاد کیجئے) جب کہ اللہ نے تم سے وعدہ فرمایا تھا کہ دو جماعتوں (تجارتی قافلہ اور جنگی دستہ) میں سے کوئی ایک ضرور تمہارے ہاتھ آئے گی اور تم اس تمنا میں تھے (یہ چاہتے تھے) کہ غیر مسلح جماعت (یعنی ہتھیار اور آلات کے بغیر تجارتی قافلہ) تمہارے ہاتھ آ جائے (کیونکہ اپنی تعداد اور سامان تو کم ہے برخلاف نفیر کے) اور اللہ کو یہ منظور تھا کہ حق کا حق ہونا ثابت (واضح) کر دکھلائے اپنے وعدہ کے ذریعہ سے (جو اسلام ظاہر ہونے سے پہلے کیا تھا) اور دشمنانِ حق کی جڑ بنیاد کاٹ کر رکھ دے (ان کا بیج تک باقی نہ رہے اسی لئے تمہیں جنگی دستہ سے بھڑ جانے کو کہا) تاکہ حق کو حق کر کے اور باطل (کفر) کو باطل (مٹا) کر کے دکھلا دے۔ اگرچہ مجرم (مشرکین اس کو) ناپسند ہی کریں (وہ وقت یاد کیجئے) جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے (اللہ سے ایسی امداد مانگ رہے تھے جو دشمنوں کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے) پھر اللہ نے تمہاری فریاد سن لی کہ میں تمہاری مدد (تائید) ایک ہزار فرشتوں سے کروں گا جو لگاتار چلے آئیں گے (ایک دوسرے کے پیچھے سلسلہ وار چلے آئیں گے یہ ابتدائی وعدہ تھا۔ پھر بڑھ کر تین ہزار تک پہنچ گیا۔ پھر بڑھتے بڑھتے پانچ ہزار ہو گیا۔ جیسا کہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہی اور الف بروزن افلس صیغہ جمع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے) اور اللہ نے یہ (امداد) تمہاری خوشخبری کے لئے کی ہے اور اس لئے کہ تمہارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو جائے۔ ورنہ مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو بلاشبہ زبردست حکمت والے ہیں۔

تحقیق وترکیب:............سورۃ. یہ مبتداء ہے جس کی پہلی خبر مدنیۃ ہے اور دوسری خبر خمس الخ ہے اور اس کے مدنی ہونے میں دو قول ہیں۔ اصح یہ ہے کہ پوری سورت مدنی ہے اگرچہ سات آیات مکہ میں نازل ہو چکی تھیں۔ مگر پھر تذکیر کے لئے مدینہ میں نازل ہو گئی ہوں گی اور دوسرا قول ضعیف ہے۔ جیسا کہ خطیب کی رائے ہے اور مکی سات آیات اذیمکر الخ سے بما کنتم تکفرون. تک ہیں۔

الانفال. نفل کی جمع انفال ہی جیسے سبب کی جمع اسباب ہے اور نفل سکون فاء کے ساتھ بھی ہے اس کے معنی زیادتی کے ہیں۔ نفل نماز کو بھی اسی لئے نفل کہتے ہیں کہ وہ فرضوں سے زائد ہوتی ہے مال غنیمت پچھلی امتوں کے لئے حلال نہیں تھا۔ امت محمدیہ

کے حق میں اس کی حلت گویا اس امت کے لئے زیادتی ہوئی۔ یا چونکہ مال غنیمت، جہاد کے مقصد اصلی، اعلاء کلمۃ اللہ سے ایک زائد چیز حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو نفل کہا گیا۔

امام اگر کسی بہادر کے لئے غیر معمولی انعام کا اعلان کرے تو اسے بھی نفل کہا جاتا ہے۔ مثلاً کہے من قتل قتیلا فلہ سلبہ ' یا کسی دستہ سے کہے ما اصبتم فھو لکم۔ یا تہائی چوتھائی کا اعلان کرے ہمارے نزدیک اس وعدہ کا پورا کرنا ضروری ہے اور امام شافعیؒ کے ایک قول میں ضروری نہیں ہے اور یہی آیت امام شافعیؒ کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے غنیمت برابر تقسیم فرمائی۔

للہ والرسول. یعنی نفل کے حکم کا اختیار صرف اللہ ورسول ﷺ کو ہے۔ اس میں کسی دوسرے کی رائے کا دخل نہیں ہے۔

زادتھم جلال مفسرؒ نے لفظ **تصدیقا.** نکال کر اپنے مذہب کی طرف اشارہ کر دیا کہ ایمان بمعنی تصدیق۔ زیادتی اور کمی کو قبول کرتا ہے۔ جیسا کہ امام شافعیؒ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے۔ لیکن فقہ اکبر اور اس کی شرح میں ہے کہ انبیاءؑ و اولیاءؒ عوام اور خواص سب کا ایمان برابر ہے گھٹتا یا بڑھتا نہیں ہے۔ یعنی بلحاظ ''مومن بہ'' کے چنانچہ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ ایمان اصل تصدیق کے اعتبار سے کم زیادہ نہیں ہوتا۔ ہاں یقین کے مراتب البتہ مختلف ہوتے ہیں۔ چنانچہ[1] '' **لیس الخبر کا لمعاینۃ** '' کی رو سے عین الیقین کا درجہ علم الیقین سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ **ھذہ الحال.** یعنی غزوہ بدر میں دو باتیں ناگوار پیش آئیں۔ ایک جنگی دستہ کے مقابلہ کے لئے آپ کا نکل کھڑا ہونا دوسرے مال غنیمت کی برابر تقسیم۔ یہ دونوں حالتیں ناگوار مگر مفید ہونے میں برابر ہیں۔ **فکذلک الینا.** مبتداء محذوف ہے۔ ای **فھذہ الحالۃ مثل ذلک ایضاً.**

بعیر. اس قافلہ میں صرف چالیس آدمی تھے اور مال بے شمار۔ **ومقاتلوا مکۃ.** اس دستہ میں ساڑھے نوسو بہادر جوان تھے۔ نفیر کے لغوی معنی تین سے دس آدمیوں تک جماعت کے ہیں۔ لیکن اجتماع لشکر کو بھی نفیر کہتے ہیں۔ اور عیر کے معنی دراصل لدے ہوئے اونٹ کے ہیں۔ عار **یعیر.** بمعنی سار پھر قافلہ پر بولا جانے لگا۔

فعلمت قریش ضمضمہ بن عمر و الغفاری کے ذریعہ کرایہ دے کر ابوسفیان نے یہ اطلاع بھجوائی تھی۔

تستغیثون یا تو صرف تعظیماً آنحضرت ﷺ کو صیغہ جمع سے خطاب ہے اور یا اصحابؓ بھی مراد ہیں اس وقت یہ دعائیہ کلمات زبانوں پر تھے[2] یا **رب انصرنا علی عدوک اغثنایا غیاث المستغیثین** اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے دشمن کے ایک ہزار لشکر پر اور اپنی تین سو کی مٹھی بھر جماعت پر نظر ڈالی تو بے ساختہ قبلہ رو ہو کر سجدہ میں گر پڑے اور گڑ گڑا کر کہنے لگے۔ [3] **اللّٰھم انجزنی ما وعدتنی اللّٰھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لا تعبد فی الارض.** آپ ﷺ پر اس قدر وارفتگی رہی کہ کاندھوں سے چادر بھی کھسک گئی۔ جس کو ابوبکرؓ نے سنبھالا اور تسلی آمیز کلمات عرض کئے کہ[4] **یا نبی اللّٰہ کفاک مناشدک ربک فانہ سیجزیک ما وعدک.**

ممدکم بالف. ایک روایت میں ہے کہ جبرائیل پانسو فرشتوں کے ہمراہ داہنی جانب تھے۔ جہاں ابوبکرؓ لڑ رہے تھے اور میکائیل بائیں جانب پانسو فرشتوں کے ہمراہ تھے۔ جہاں حضرت علیؓ داد شجاعت دے رہے تھے۔ چونکہ اس آیت اور آل عمران کی آیت کے عدد میں تعارض تھا۔ اس لئے مفسرؒ علام نے **وعدھم الخ** سے رفع تعارض کی کوشش کی ہے۔

---

[1] سنا ہوا دیکھے ہوئے کے مثل کب ہوتا ہے ۱۲۔

[2] اے اللہ! اپنے دشمن کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔ اے فریادیوں کے فریادرس ہماری فریادرسی کر ۱۲۔

[3] اے اللہ! آپ نے جو وعدہ فرمایا اسے پورا فرما۔ اے اللہ! اگر یہ مٹھی بھر جماعت تباہ ہوگئی تو پھر زمین پر کوئی عبادت کرنے والا نہیں رہے گا ۱۲۔

[4] اے پیغمبر ﷺ! آپ کے پروردگار نے جو آپ کو پورا یقین دلایا ہے وہ آپ کے لئے کافی ہے جو وعدہ آپ سے ہوا ہے وہ ضرور پورا ہوگا ۱۲۔

ربط آیات: .... پچھلی سورت میں زیادہ تر مشرکین کے اور کسی قدر اہل کتاب کے کفر وفساد کا ذکر تھا۔ اس سورت میں ان پر بدر وغیرہ واقعات کے ذیل میں جو وبال اور نکال نازل ہوا۔ اس کی تفصیل ہے۔ مشرکین کی شرارتیں زیادہ تھیں اس لئے اس سورت کا اکثر حصہ بدر کی تفصیل سے گھرا ہوا ہے اور اہل کتاب کی شرارتیں کم تھیں۔ اس لئے اسی قدر دوسرے واقعات کا بیان بھی کمی کے ساتھ کیا گیا ہے یہ سب واقعات چونکہ کفار کے حق میں تو عذاب ہیں اور مسلمانوں کے حق میں رحمت واحسان۔ اس لئے جگہ جگہ نعمتوں اور قصوں کا تذکرہ اور ان واقعات کے متعلق مناسب احکام کا تذکرہ بھی کیا جارہا ہے۔ پوری سورت کے مضامین کا یہ خلاصہ ہے اور ان آیات کا خصوصی ربط یہ ہے کہ چونکہ کفار سے مقابلہ میں دین دنیا کی کامیابی کا اصلی مدار للّٰہیت اور اتفاق پر ہے۔ اس لئے اس سورت کے شروع میں صلاح وتقویٰ اللہ ورسول ﷺ کی طاعت، خوف کی فضیلت، ایمان وتوکل کی تکمیل، نماز کے قائم کرنے، اللہ کی راہ میں مال قربان کرنے کی اپیل کی جارہی ہے۔

اور بدر کے مال غنیمت تقسیم کرنے کے سلسلہ میں جو ایک ہلکا سا قصہ پیش آ گیا تھا جو کسی قدر یک جہتی اور للّٰہیت سے ہٹا ہوا تھا۔ اسی ذیل میں اس کو بھی صاف کر دیا گیا ہے۔ آیت **کما اخرجک الخ** سے بعض واقعات کے تحت مسلمانوں کی ناگواری اور اپنے انعام کا ذکر کرتے ہیں۔ آگے **واذیعدکم اللّٰہ** سے دوسرا انعام ذکر کرتے ہیں۔ اسی طرح آیت **اذ تستغیثون الخ** سے تیسرے انعام کا ذکر فرماتے ہیں۔

شان نزول: .... صاحب تفسیرات احمدیہ نے ان آیات کے تین شان نزول ذکر کئے ہیں۔ ۱۔ صحابہؓ میں یہ اختلاف تھا کہ مال غنیمت کس طرح تقسیم ہو؟ اور کس کس کو دیا جائی اور مہاجرینؓ وانصارؓ میں سے کون تقسیم کرے؟ اس صورت میں نفل سے مراد مال غنیمت ہوگا۔ پس اگر اس کا مطلب پیغمبر علیہ السلام کا مالک ہونا ہے تو پھر یہ حکم آیت **واعلموا الخ** سے منسوخ ماننا پڑے گا۔ لیکن اگر آپ کو تقسیم کا اختیار ملنا مراد ہے تو یہ حکم علیٰ حالہ باقی ہے ۲۔ نوجوانوں اور بوڑھوں کے جس اختلاف کی طرف جلال محققؒ نے اشارہ کیا ہے۔ وہ ان آیات کے نازل ہونے کا سبب ہے۔ چنانچہ اس صورت میں قاضی بیضاوی آنحضرت ﷺ کے برابر تقسیم فرمانے سے استدلال کرتے ہیں کہ امام وقت کو اپنا وعدہ انعام پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔ یہی رائے امام شافعیؒ کی ہے۔ اب نفل سے مراد مال غنیمت سے زائد انعام ہوگا۔ ۳۔ سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ بدر میں میرا بھائی عمیرؓ مارا گیا تو میں نے اس کے بدلہ میں سعید بن العاص کو قتل کر دیا اور اس کی تلوار لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تاکہ مجھے عنایت فرمادیں۔ لیکن آپ نے فرمایا جاؤ اسے مال غنیمت میں رکھ دو! مجھے یہ سن کر رنج ہوا۔ اس پر آیت انفال نازل ہوئی۔ تب آپ نے فرمایا کہ اب وہ تلوار لے لو اور ابوداؤد وترمی، نسائی حضرت سعدؓ سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بدر کے روز ایک تلوار پیش کر کے عرض کیا کہ مجھے ہبہ کر دیجئے۔ اس پر آپ ﷺ نے جواب دیا کہ یہ نہ تیری ہے اور نہ میری ہے سنکر مجھے رنج ہوا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے بلوا کر فرمایا کہ اس وقت تو وہ تلوار کسی کی نہیں تھی لیکن اب میری ہے اس لئے میں تمہیں دیتا ہوں۔ اس صورت میں انفال کے معنی غنیمت کے ہوں گے اور یہ واقعہ امام شافعیؒ کے خلاف ہمارے لئے حجت ہوجائے گا۔

﴿ تشریح ﴾: .... **مال غنیمت کس کا ہے؟**: .... چونکہ عرب جاہلیت بلکہ ساری دنیا کا دستور یہی تھا اور اب تک یہی چلا آرہا ہے کہ لڑائی میں جو مال جس کے ہاتھ لگ جائے وہ اسی کا سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اسلام اور قرآن نے یہ حکم دے کر کہ "جنگی مال جو کچھ بھی ہاتھ آئے وہ اللہ ورسول ﷺ (حکومت) کا ہے۔ یہ بات نہیں ہونی چاہئے کہ جو جس کے ہاتھ لگا وہ اسی کا ہوگیا۔

بلکہ سب کچھ امام کے سامنے پیش کر دینا چاہئے وہ اسے جماعت میں تقسیم کرے گا'' سپاہیوں کے ذاتی حرص وطمع کے ابھرنے کی راہ روک دی۔

تاہم چونکہ یہ نئی قسم کی سختی تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ لوگوں پر شاق گزرے۔ چنانچہ اس کے ازالہ کے لئے پہلے تقویٰ اور طاعت کی تلقین کی جارہی ہے۔ پھر سچے مومنوں کی شان بتلائی گئی۔ پھر بدر کے واقعہ کی طرح اس کو بھی حکمت ومصلحت پر مبنی بتلایا گیا ہے۔ لوگوں کی اپنی خواہش ایک طرف تھی اور اللہ ورسول ﷺ کا فیصلہ دوسری طرف۔ لیکن بالآخر سب نے دیکھ لیا کہ حق بات وہی تھی جسے اللہ ورسول ﷺ نے چاہا۔

جنگ کس مجبوری سے مسلمانوں کو اختیار کرنی پڑی؟:............ پیغمبر اسلام ﷺ نے تیرہ برس تک ہر طرح کے مظالم برداشت کئے۔ آخر جب مکہ میں رہنا دوبھر ہوگیا تو مدینہ اٹھ آئے مگر قریش نے یہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔ اب آنحضرت ﷺ کے سامنے تین راہیں ہوسکتی تھیں۔ ا۔ جس بات کو حق سمجھتے تھے اس سے دستبردار ہوجائیں۔ ۲۔ اس پر قائم رہ کر مسلمانوں کو قتل ہونے دیں۔ ۳۔ ظلم وتشدد کا مردانہ وار مقابلہ کریں اور نتیجہ خدا کے ہاتھ چھوڑ دیں۔ آپ نے ان میں سے تیسری راہ اختیار فرمائی اور نتیجہ وہی نکلا جو ہمیشہ نکل چکا ہے یعنی حق کا بول بالا ہوا اور ظالموں کا ہمیشہ کے لئے منہ کالا ہوگیا۔

مختصر احکام جنگ:............ اور چونکہ لڑائی کی حالت پیش آگئی۔ اس لئے اس کے ضروری احکام بیان کئے جارہے ہیں۔ ا۔ لڑائی میں جو مال ہاتھ آئے وہ حکومت کا ہے نہ کہ لوٹنے والوں کا۔ ۲۔ حالت امن ہو یا جنگ۔ مسلمانوں کو باہمی صلح وصفائی کے ساتھ رہنا چاہئے۔ ۳۔ ہر حال میں تقویٰ واطاعت نصب العین ہونا چاہئے کہ اس کے بغیر کامیابی ناممکن ہے۔ ۴۔ سچا مومن وہ ہے جس کا ایمان گھٹنے کی بجائے بڑھتا ہی رہتا ہے اور نماز کی پابندی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کبھی نہیں تھکتا۔

اللہ تعالیٰ اور بندوں کے سب حقوق کی ادائیگی کا حکم:............ لفظ اصلحوا میں بندوں کے سب حقوق آگئے اور اللہ تعالیٰ کے حق دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ظاہری، باطنی۔ پھر ظاہری اگر بدنی ہیں تو یقیمون الصلوۃ میں اور مالی ہیں تو ینفقون میں آگئے۔ اسی طرح باطنی حقوق اگر عقائد سے متعلق ہیں تو زادتھم ایمانا میں ان کی طرف اشارہ ہوگیا اور اخلاق سے متعلق ہوں تو یتوکلون میں ان کا بیان آگیا اور ان سب کی بنیاد خوف الٰہی اور تقوے پر ہے اور شاید اسی اہمیت کی وجہ سے اس کو دوبارہ ذکر کیا گیا ہو۔ غرض کہ اس آیت میں سب طرح کے احکام آگئے۔ اسی طرح اس آیت میں بدلہ کے تمام اقسام بھی آگئے۔ جہنم کے نقصان سے بچنا مغفرت میں آگیا اور نفع کا ہونا جنت عطا ہونے میں آگیا۔ پھر روحانی نفع ہے تو لفظ درجت میں اور جسمانی ہے تو رزق میں اس طرف اشارہ ہوگیا۔

واقعہ بدر کی تفصیل:............ واقعہ بدر جس کی کسی قدر تفصیل جلال محققؒ نے کر دی ہے۔ ہجرت کے دوسرے سال پیش آیا۔ جب رؤسائے مکہ نے مدینہ پر حملہ کیا تو اسی زمانہ میں ان کا ایک تجارتی قافلہ بھی شام سے مکہ واپس آرہا تھا اور مدینہ کے آس پاس سے گزرنے والا تھا۔ آپ ﷺ نے زبان وحی سے فرمایا کہ ایک جماعت مکہ سے آرہی ہے اور ایک یہ قافلہ ہے ان میں سے کسی ایک سے ضرور جنگ ہوگی اور تم کامیاب ہوگے۔ چونکہ تجارتی قافلہ میں بہت تھوڑے آدمی تھے اور سامان بہت زیادہ تھا۔ نیز خود مسلمان بڑی ہی

بے سروسامانی اور کمزوری کی حالت میں تھے اور مکہ کا فوجی دستہ سامان جنگ میں غرق تھا۔ تین سو تیرہ بے نواؤں کا مقابلہ ایک ہزار چیدہ نوجوانوں سے ہو رہا تھا۔ اس لئے مسلمانوں کی خواہش ہوئی کہ تجارتی قافلہ سے مقابلہ ہو۔ مکہ والی فوج سے نہ لڑیں۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ رنجیدہ ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ حضرت مقداد بن عمروؓ اور حضرت سعد بن معاذؓ نے کھڑے ہو کر گرم اور جوشیلی تقریریں کیں جس کی مسرت سے آپ ﷺ کا چہرہ انور کھل گیا۔ تب آپ ﷺ صحابہؓ کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہو گئے۔

نکات آیات:............ اور جس مصلحت کی خاطر مسلمانوں کی باگ تجارتی قافلہ کی بجائے فوجی دستہ کی طرف پھیر دی گئی تھی وہ اسلام کا غلبہ تھا۔ اس سلسلہ میں بعض صحابہؓ کو جو طبعی ناگواری پیش آئی وہ اگرچہ گھر سے نکلنے کے بعد ہوئی تھی۔ لیکن تمام وقت کو ایک ہی زمانہ قرار دے لیا گیا ہے اور یا پھر اس کو حال مقدرہ کہہ لیا جائے اور فریقاً اس لئے کہا کہ بعض حضرات کو ذرا بھی تردد پیش نہیں آیا۔

اور کانما یساقون سے معلوم ہوا کہ یہ ناگواری اعتقادی نہ تھی کہ قابل اعتراض ہو۔ بلکہ طبعی گرانی تھی کیونکہ اس وقت مسلمانوں کی حالت بری ہی بے بسی کی تھی۔ کل تین سو تیرہ آدمی تھے اور ان میں بھی ایک آدمی کے سوا کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا۔ پس قدرتی طور پر کچھ لوگ ہراساں ہوئے اور جو دل کے کچے تھے انہیں طرح طرح کے وسوسے آنے لگے۔ اسی طرح باہمی مشورہ کی بات چیت اس سلسلہ میں ذرا اعتدال سے بڑھ گئی تھی۔ جس کو مجازاً جدال فرما دیا گیا۔ اس میں بھی کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ اس معرکہ حق و باطل میں چونکہ بڑے بڑے شورہ پشت تقریباً سب کام آ چکے تھے۔ ستر سورما تو قتل ہوئے اور اتنے ہی بہادر گرفتار ہو چکے تھے۔ جس سے کفر و سرکشی کا سارا کس بل نکل چکا تھا اور دشمن کا اصلی زور ٹوٹ چکا تھا۔ اسی لئے اس کو "قطع دابر" جڑ کا کٹنا فرمایا گیا ہے۔ اگرچہ فی الحقیقت سب کافر ہلاک نہیں ہوئے تھے اور یحق الحق میں ایک جگہ تو بلاواسطہ حق کا غلبہ مقصود ہے اور دوسری جگہ "کفر کی جڑ بنیاد اکھڑ جانے کی وجہ سے" بالواسطہ حق کا غلبہ ہو گیا۔ اس لئے تکرار نہ رہا۔

لطائف آیات:............ آیت انما المؤمنون الخ سے معلوم ہوا کہ ان باتوں کے جمع ہونے سے ایمان کامل ہوتا ہے۔ پس صوفیاء جو ان اوصاف کے جامع ہوتے ہیں وہ کامل الایمان ہوئے۔

آیت کما اخرجك الخ میں پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی نفع نقصان کے لباس میں ہوتا ہے اور دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ نقصان کبھی نفع کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ عارفین ہر وقت اپنے معاملات میں اس کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ آیت وما جعله الله الخ سے معلوم ہوا کہ اگرچہ سارے کام اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہوتے ہیں۔ اسباب پر ان کا مدار نہیں ہے۔ تاہم پھر بھی اسباب کے پردہ میں کچھ نہ کچھ حکمتیں ضرور ہوتی ہیں۔

اُذْكُرْ **اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً** اَمْنًا مِمَّا حَصَلَ لَكُمْ مِنَ الْخَوْفِ **مِّنْهُ** تَعَالٰى **وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ** مِنَ الْاَحْدَاثِ وَالْجَنَابَاتِ **وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ** وَسْوَسَتَهٗ اِلَيْكُمْ بِاَنَّكُمْ لَوْ كُنْتُمْ عَلَى الْحَقِّ مَا كُنْتُمْ ظِمَاءً مُحْدِثِيْنَ وَالْمُشْرِكُوْنَ عَلَى الْمَاءِ **وَلِيَرْبِطَ** يَحْبِسَ **عَلٰى قُلُوْبِكُمْ** بِالْيَقِيْنِ وَالصَّبْرِ **وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ** ﴿۱۱﴾ اَنْ تَسُوْخَ فِي الرَّمْلِ **اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ** الَّذِيْنَ اَمَدَّ بِهِمُ الْمُسْلِمِيْنَ **اَنِّيْ** اَيْ بِاَنِّيْ **مَعَكُمْ** بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ **فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** بِالْاِعَانَةِ وَالتَّبْشِيْرِ

سَاُلْقِىْ فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ الخوف فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ اى الرُّءُوْسَ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ اى اطراف اليدين والرجلين فكان الرجل يقصد ضرب رقبة الكافر فتسقط قبل ان يصل سيفه اليه ورماهم صلى الله عليه وسلم بقبضة من الحصى فلم يبق مشرك الا دخل في عينيه منها شىء فهزموا ذٰلِكَ العذاب الواقع بهم بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا خالفوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ له ذٰلِكُمْ العذاب فَذُوْقُوْهُ اى ايها الكفار في الدنيا وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ في الاخرة عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا اى مجتمعين كانهم لكثرتهم يزحفون فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ منهزمين وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ اى يوم لقائهم دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا منعطفا لِّقِتَالٍ بان يريهم الفرة مكيدة وهو يريد الكرة اَوْ مُتَحَيِّزًا منضما اِلٰى فِئَةٍ جماعة من المسلمين يستنجد بها فَقَدْ بَآءَ رجع بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ المرجع هى وهذا مخصوص بما اذا لم يزد الكفار على الضعف فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ ببدر بقوتكم وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ بنصره اياكم وَمَا رَمَيْتَ يا محمد اعين القوم اِذْ رَمَيْتَ بالحصى لان كفا من الحصا لا يملأ عيون الجيش الكثير برمية بشر وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ بايصال ذلك اليهم فعل ذلك ليقهر الكفرين وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً عطاء حَسَنًا هو الغنيمة اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ لاقوالهم عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ باحوالهم ذٰلِكُمْ الابلاء حق وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ مضعف كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا ايها الكفار تطلبوا الفتح اى القضاء حيث قال ابو جهل منكم اللهم اينا كان اقطع للرحم واتانا بما لا نعرف فاحنه الغداة اى اهلكه فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ القضاء بهلاك من هو كذلك وهو ابو جهل ومن قتل معه دون النبى صلى الله عليه وسلم والمؤمنين وَاِنْ تَنْتَهُوْا عن الكفر والحرب فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا لقتال النبى نَعُدْ ۚ لنصره عليكم وَلَنْ تُغْنِىَ تدفع عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ جماعتكم شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ بكسر ان استينافا وفتحها على تقدير اللام

ترجمہ: .... (یاد کیجئے) وہ وقت جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر غنودگی طاری کر دی تھی تمہیں چین دینے کے لئے (جو خطرہ تمہیں پیدا ہو گیا تھا اس کو دور کرنے کے لئے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور آسمان سے تم پر پانی برسا دیا تھا تا کہ تمہیں اس پانی سے پاک صاف ہونے کا موقعہ عنایت فرما دے (چھوٹی بڑی ناپاکیوں سے) اور تم سے شیطانی وسوسہ دور فرما دے (جو اس نے تمہارے دلوں میں ڈال رکھا تھا کہ اگر تم حق پر ہوتے تو تم پیاسے اور بے وضو۔ اور مشرکین پانی پر قابض کیوں ہوتے) نیز تمہارے دلوں کو (یقین و صبر کی بدولت) ڈھارس بندھ جائے اور تمہارے قدم جما دے (ریت میں دھنس نہ جائیں) یہ وہ وقت تھا کہ آپ ﷺ کے پروردگار نے

فرشتوں پر وحی کی تھی (جن سے مسلمانوں کو مدد پہنچائی گئی تھی) کہ میں تمہارے ساتھ ہوں (اعانت اور مدد کے لئے) تم مسلمانوں کی ہمت بڑھاؤ (اس تائید غیبی سے اور خوشخبری سنا کر) میں ابھی کفار کے دل میں رعب (دہشت) ڈالے دیتا ہوں۔ سو ان کی گردنوں کے اوپر (سر پر) مارو اور ان کے پور پور پر ضرب لگاؤ (یعنی ہاتھ پاؤں کی انگلیوں پر۔ چنانچہ مسلمان جب کافر کی گردن پر مارنا چاہتا تو تلوار پہنچنے سے پہلے ہی اس کی گردن الگ ہو کر دور جا گرتی اور نبی کریم ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی پھینک ماری جس کا اثر یہ ہوا کہ کوئی کافر ایسا نہیں بچا۔ جس کی آنکھ میں اس کا کچھ نہ کچھ حصہ پہنچ نہ گیا ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں شکست ہوگئی) یہ (عذاب جو ان پر آیا) اس لئے آیا کہ انہوں نے اللہ ورسول کی مخالفت (نافرمانی) کی تھی اور جو اللہ ورسول ﷺ کی مخالفت کرے گا تو یاد رکھو اللہ اسے سخت ترین سزا دیں گے سو یہ (سزا ہے) اس کا مزہ چکھو (اے کافرو! دنیا میں) اور جان رکھو کہ کافروں کو (آخرت میں) دوزخ کی آگ کا عذاب بھی پیش آنے والا ہے۔ مسلمانو! جب کافروں کے لشکر سے تمہاری مٹھ بھیڑ ہو جائے (یعنی گتھ ہو جائیں۔ گویا وہ اپنی کثرت کی وجہ سے گھسٹ رہے ہیں) تو انہیں پیٹھ نہ دکھانا (شکست کھا کر) اور جو کوئی ایسے موقعہ پر (جب دشمن دو بدو ہو) پیٹھ دکھلائے گا ہاں مگر یہ کہ پینترا بدلتا ہو (مڑتا ہو) لڑائی کے لئے (اس طرح کہ دھوکہ سے دکھلائے تو اپنا بھاگنا مگر نیت ہو حملہ کرنے کی) یا پناہ لینی چاہتا ہو اپنی جماعت سے مل کر (مسلمانوں کے جتھے سے مدد لینا چاہے) تو سمجھ لو کہ وہ عذاب کے غضب میں آ گیا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوا اور کیا ہی بری جگہ ہے (ٹھکانا ہے وہ لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے کہ مقابل کفار دو چند سے زیادہ نہ ہوں) پھر تم نے انہیں (بدر میں) قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے انہیں قتل کر دیا ہے (تمہاری مدد کر کے) اور جب تم نے خاک کی مٹھی پھینکی تو حقیقت یہ ہے کہ (اے محمد ﷺ!) تم نے (کفار کی آنکھوں میں) نہیں پھینکی (کیونکہ مٹھی بھر کنکریاں اور وہ بھی ایک دفعہ ایک انسان کی طرف سے اتنے بڑے لشکر کی آنکھوں میں نہیں بھر سکتیں) لیکن اللہ نے خاک دھول ان کی آنکھوں میں جھونک دی تھی (کنکریاں ان کی آنکھوں میں گھسا دیں۔ اور یہ کارروائی اس لئے کی تاکہ کفار ذلیل ہوں) اور تاکہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے ان کی محنت کا اچھا پھل (بدلہ) مرحمت کرے (یعنی مال غنیمت) بلاشبہ اللہ تعالیٰ (مسلمانوں کی باتیں) خوب سننے والے (اور ان کے احوال) خوب جاننے والے ہیں۔ یہ (آزمائش برحق) ہے اب سن رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو ان کافروں کی تدبیر کو کمزور (بودی) کرنا تھا۔ اگر تم فتح مندی چاہتے تھے (یعنی اے کافرو! اگر تم فتح یعنی فیصلہ چاہتے تھے۔ جیسا کہ تمہاری طرف سے ابوجہل بولا تھا کہ اے اللہ ہم میں سے جو رشتوں کو توڑ رہا ہو اور انوکھی باتیں لا رہا ہو کل تو اسے برباد کر دینا یعنی ہلاک کر دینا) تو دیکھ لو فتح مندی تمہارے سامنے آ گئی (جو ایسا تھا اس کی بربادی کا فیصلہ کر دیا گیا ہے یعنی ابوجہل اور اس کے مددگار جوان۔ نبی کریم ﷺ اور مسلمان ایسے نہیں تھے) اور اگر باز آ جاؤ (کفر و جنگ سے) تو تمہارے لئے بہتری کی بات یہی ہے اور پھر بھی یہ لوگ چال چلے (نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کی) تو ہم بھی چلیں گے (تمہارے مقابلہ میں آپ ﷺ کی مدد کریں گے) اور یاد رکھو تمہارا جتھا (گروہ) تمہارے کچھ کام نہ آئے گا۔ اگرچہ بہت سے آدمی اکٹھے کر لو۔ یقین کرو۔ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہیں۔

(ان اگر مکسورہ ہے تو جملہ مستانفہ ہو جائے گا اور مفتوح ہے تو لام مقدر مانا جائے گا۔)

تحقیق وترکیب: .... **یغشیکم.** آنحضرت کا معجزہ تھا کہ ایک دم خوف کے باوجود سب کو ایک ذرا دیر کے لئے نیند کا جھونکا آیا۔ **امنا.** مفسر علامؒ امنۃ کے مفعول لہٗ ہونے کی طرف شارہ کر رہے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ بدل الاشتمال ہے۔ **ان تسوخ.** ای من ان تسوخ. اس کے معنی پاؤں دھنسنے کے ہیں۔ **فاضربوا.** اس کا خطاب مسلمانوں کو ہے فرشتوں کو نہیں ہے۔

فوق الاعناق. یہ مفعول بہ ہے مفسرؒ نے اس سے مراد لیا ہے۔ گویا ظرف مکان کو توسعاً مفعول بہ کے معنی میں لیا ہے تو اس طرح اس میں دو توسع ہوئے ایک نصب سے خارج کرنا دوسرے غیر مکان میں استعمال کرنا اور لفظ فوق کو زائد بھی کہا جا سکتا ہے۔ جیسا

کہ مفسرؒ کی عبارت "یقصد ضرب رقبة الکافر" سے اس طرف اشارہ نکلتا ہے۔ زحفاً۔ یہ الذین مفعول بہ سے حال ہے زاحفین کے معنی میں تاویل کر کے سرین کے بل گھسٹنا۔ لا تولوا۔ ملزوم بول کر لازم یعنی شکست کھانا مراد ہے۔

متحیزا الیٰ فئة. یہ دونوں ضمیر فاعل سے حال ہیں۔ وما رمیت اذ رمیت بظاہر نفی واثبات میں تعارض ہو رہا ہے۔ لیکن کہا جائے گا کہ نفی لگنے کی ہے اور اثبات پھینکنے کا ہے۔ جیسا کہ مفسر علامؒ نے "ایصال" کے لفظ سے اشارہ کیا ہے۔ نیز اس آیت سے جبر یہ یا معتزلہ کے لئے استدلال کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ رمی اور قتل کی نسبت بندوں کی طرف اس کام کو کرنے کے اعتبار سے ہو رہی ہے اور اللہ کی طرف ان کی نسبت بلحاظ پیدا کرنے کے ہے۔ جو اہل سنت کا مسلک ہے۔ ذلکم مبتداء ہے جس کی خبر مفسرؒ کے بیان کے مطابق محذوف ہے اور وان اللہ دوسرا مبتداء ہے جو پہلے مبتداء پر معطوف ہے۔ اس کی خبر بھی پہلے کی طرح محذوف ہوگی۔ ای توھین اللہ کید الکافرین حق. تطلبوا الفتح. چنانچہ غلاف کعبہ پکڑ کر کافروں نے یہ دعا کی تھی۔ اللّٰھم انصرا علی الجندین واھدی الفئتین واکرم الحزبین اور فتح کا لفظ تہکم کے طور پر بولا گیا ہے۔

ربط آیات: .... آیت اذیغشیکم النخ سے غزوہ بدر کے سلسلہ میں چوتھے انعام کو اور آیت اذ یوحی ربک الخ سے پانچویں انعام کو۔ اور آیت ذلک بانھم شاقوا الخ میں کفار سے انتقام لینے کو اور آیت یا ایھا الذین اٰمنوا الخ سے عام عنوان کے ساتھ مسلمانوں کو جہاد کے موقعہ پر ثابت قدم رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ آیت فلم تقتلو ھم الخ میں بدر میں مسلمانوں کی امداد کا فی الحقیقت اللہ کی طرف سے ہونا اور بظاہر خود مسلمانوں کی جدو جہد پر مرتب ہونا بتلایا جا رہا ہے۔ اسی انعام کے ذیل میں کفار قریش کی طرف سے کی ہوئی نصرت کی دعاؤں کا اثر خود ان کے حق میں الٹا ظاہر ہونا بیان کیا جا رہا ہے۔

شان نزول: .... بدر کے مقام پر مسلمانوں سے پہلے کفار جا کر قابض ہو چکے تھے۔ پانی صرف اسی ایک جگہ تھا اور وہ جگہ دشمن کے ہاتھ آ گئی۔ مسلمان خشک ریتلے حصہ میں اترے۔ جہاں پاؤں دھنس دھنس جاتے تھے۔ مسلمان پیدل تھے۔ اس لئے ان کے پاؤں نہ جمتے اور دشمن سوار تھے۔ ان کا کچھ نہ بگڑتا۔ پیاس کی وجہ سے الگ برا حال تھا۔ وضو، غسل کی سخت پریشانی تیمم کا حکم اس وقت تک نازل نہیں ہوا تھا۔ غرض کہ عجب پریشانیوں کا ہجوم تھا۔ رہی سہی کسر ان شیطانی وسوسوں نے پوری کر دی کہ یہ کیا ماجراہ ہے دشمن مزے میں ہے اور اللہ کے دوست مصائب کا شکار ہیں۔ حالانکہ یہ وساوس بے بنیاد تھے۔ مگر پریشانی بڑھانے کے لئے کافی تھے۔ کچھ دیر نہیں گزری تھی کہ اللہ تعالیٰ نے باران رحمت بھیجی۔ جس سے ریت دب گئی، دھنس جاتی رہی، پینے، رکھنے، وضو، غسل کے لئے بڑی مقدار میں پانی جمع ہو گیا۔ ادھر کفار نرم زمین میں تھے۔ وہاں کیچڑ ہو گئی۔ چلنا پھرنا دوبھر ہو گیا۔ غرض کہ ادھر کی تکلیفیں ادھر چلی گئیں اور ادھر کا آرام ادھر آ گیا۔ سب وساوس کا علاج ہو گیا۔ آیت اذ یغشیکم الخ میں اسی واقعہ کا تذکرہ ہے۔ غزوہ بدر کی فاتحانہ واپسی کے بعد مسلمان فخر کا اظہار کرنے لگے تو آیت فلم تقتلو ھم نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: .... **بدر کے موقعہ پر تائید الٰہی:** .... خدا کی کارسازی نے بدر میں مسلمانوں کی ساری مشکلیں حل کر دیں دلوں کو چین دینے کے لئے نیند کا ایک جھونکا آیا اور سب پر نیند غالب کر دی۔ آنکھ کھلی تو دل کا سارا خوف وہراس دور ہو چکا تھا اور معلوم ہے کہ جس کے دل میں خوف وخطرہ ہوتا ہے وہ کبھی آرام سے سونہیں سکتا۔ پس اس غنودگی کا آنا بے خوفی اور اطمینان کے لئے تھا۔ آنحضرت ﷺ پر چونکہ کوئی خوف نہیں تھا۔ اس لئے آپ کو نیند کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ چنانچہ بیہقی کے بیان کے مطابق حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ساری رات عبادت کرتے رہے اور پھر عین موقعہ پر بارش ہو گئی اور اتنی ہوئی کہ لوگ خوب

نہادھو کر صاف ستھرے، چاق چوبند اور تازہ دم ہو گئے، ریت جم گئی، دھنس جاتی رہی اور وہ شیطانی وساوس دور ہو کر لوگوں میں خود اعتمادی اور سرگرمی پیدا ہو گئی جس کی جنگ میں شدید ضرورت ہوتی ہے۔ پس ان قدرتی حوادث نے دم کے دم میں جنگ کا نقشہ ہی پلٹ کر رکھ دیا۔ لیکن اگر یہ نیند کا جھونکا اور پانی کا چھینٹا نہ آتا تو کیا ہوتا۔ پیغمبر امی ﷺ کی زبان پر اس خطرہ کا اظہار ان الفاظ میں ہو رہا تھا۔[1] **اللّٰھم ان تھلک ھذا العصا بۃ فلا تعبدفی الارض۔**

فرشتوں کی کمک:............ قتادہؓ سے مروی ہے کہ نیند اور اونگھ کا یہ واقعہ دو دفعہ پیش آیا۔ ایک بدر میں دوسرے احد کے موقعہ پر۔ جیسا کہ چوتھے پارہ کے نصف میں گزر چکا ہے۔

اور **ماء لیطھر کم** سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش کا پانی مطہر ہوتا ہے یعنی پاک ہونے کے ساتھ دوسری ناپاک چیز کو بھی پاک کر سکتا ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت **وانزلنا من السماء ماء طھورا** سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

فرشتوں کی کمک کا بھیجنا محض کمزور مسلمانوں کی ڈھارس بندھانے کے لئے تھا۔ تاکہ ان کے دل قرار پا جائیں۔ لڑائی میں ان کی شرکت ثابت نہیں اور نہ اس کی کوئی ضرورت پیش آئی تھی۔ جیسا کہ محققین کی رائے یہی ہے اور فرشتے اپنے تصرف سے بغیر لڑے بھی دلوں میں اطمینانی کیفیت پیدا کر سکتے ہیں۔

میدان جنگ سے بھاگنا:............ آیت **یا ایھا الذین امنوا الخ** سے میدان جنگ چھوڑ کر بھاگنا ناجائز اور حرام معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن اگر کافر دو گنے سے زائد ہوں تو بقول جلال محققؒ پھر میدان چھوڑنا جائز ہوگا۔ البتہ اگر دو نے سے زائد نہ ہوں تو اس وقت بھی دو صورتوں میں میدان سے ہٹنے کی اجازت دی جا رہی ہے۔ ا۔ ایک تو پینترا بدلنے اور جنگی تدبیر کے لئے کہ وہ ہٹنا حقیقت میں آگے بڑھنے کے لئے ہے۔ ۲۔ دوسرے کسی طرح کی مدد حاصل کرنے کے لئے یا اپنے کو مقابلہ کے لئے قابل نہ پا کر اپنی بڑی جماعت میں آملنا۔ یہاں بھی مقصود اصلی بھاگنا نہ ہوا۔ غرض کہ ان دو صورتوں میں ہٹنا جائز ہوگا۔ خواہ کفار برابر ہوں۔ یا اس سے بھی کم۔

البتہ جنگ میں غدر کر کے بھاگنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً: زبان سے تو وعدہ کرے کہ میں لڑوں گا نہیں اور پھر بے خبری میں حملہ کر دے۔ یہ غداری جائز نہیں ہے۔ ہاں زبان سے کچھ نہ کہے اور کام ایسے کرے جس سے دشمن مغالطہ اور دھوکہ میں آ کر مارا جائے تو یہ خداع کہلاتا ہے جو جائز ہے۔ حدیث میں ہے **الحرب خدعۃ**۔ خداع اور غدر دونوں میں یہی فرق ہے۔ پھر وہ بڑی فوج نزدیک ہو یا دور۔ جیسا کہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہمیں ایک چھوٹے سے فوجی دستہ میں بھیجا۔ لیکن ہم ایک موقعہ سے مدینہ بھاگ آئے اور جب اس بھاگنے کا خیال آیا تو پریشانی ہوئی اور آنحضرت ﷺ سے پوچھا۔ **نحن الفرارون؟**

کیا ہم بھاگنے والے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ **بل انتم العکارون**. یعنی بھاگنے والے نہیں۔ بلکہ اپنی جماعت سے ملنے والے ہو۔

اور بعض روایتوں سے جو اس حکم کا بدر کے ساتھ خاص ہونا معلوم ہوتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ دوسرے جنگی موقعوں پر بھاگنا جائز ہوگا۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ غزوہ بدر کی اہمیت کے پیش نظر یا اس وقت تک اس آسانی کے حکم نہ آنے کی صورت میں دو گنے سے زائد کفار کے سامنے سے بھی بھاگنا جائز نہیں تھا یہ سہولت بعد میں دی گئی ہے۔ تاہم ایک مسلمان کو پھر بھی کم از کم دو دشمنوں پر بھاری ہونا چاہئے۔ مٹھی بھر خاک پھینکنے کا واقعہ بدر، احد، حنین سب جگہ پیش آیا۔ لیکن یہاں کلام سیاق سے واقعہ بدر قرار دیا جائے گا۔

---

[1] اے اللہ! اگر یہ مٹھی بھر جماعت تباہ ہو گئی تو پھر زمین پر تیری بندگی کرنے والا کوئی نہیں رہے گا ۱۲۔

لطائف آیات: .... آیت اذ یغشیکم الخ سے سکینہ کا نازل ہونا اور امن کا ملنا اور شیطانی وسوسہ اور تخویف یقین اور ثبات قدمی یہ باتیں ثابت ہوئیں۔ جن کو صوفیاء معتبر مانتے ہیں۔

آیت فلم تقتلوھم الخ میں جملہ لم تقتلوھم اور مارمیت سے تو فناء افعال معلوم ہوتا ہے اور اذ رمیت میں بقاء کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ مقام بقاء میں تھے۔

اور لٰکن اللّٰہ رمٰی سے بتلا دیا کہ آپ ﷺ خود خاک نہیں پھینک رہے تھے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ذریعہ پھینک رہے تھے اور صحابہؓ چونکہ اس مقام پر نہیں تھے۔ اس لئے ان کی طرف کسی فعل کی نسبت نہیں کی گئی۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَوَلَّوْا تُعْرِضُوْا **عَنْہُ** بِمُخَالَفَۃِ اَمْرِہٖ **وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾** اَلْقُرْاٰنَ وَالْمَوَاعِظَ **وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾** سِمَاعَ تَدَبُّرٍ وَّاتِّعَاظٍ وَھُمُ الْمُنَافِقُوْنَ وَالْمُشْرِکُوْنَ **اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ الصُّمُّ** عَنْ سِمَاعِ الْحَقِّ **الْبُکْمُ** عَنِ النُّطْقِ **الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰہُ فِیْھِمْ خَیْرًا** صَلَاحًا بِسِمَاعِ الْحَقِّ **لَاَسْمَعَھُمْ** سِمَاعَ تَفَھُّمٍ **وَلَوْ اَسْمَعَھُمْ** فَرْضًا وَقَدْ عَلِمَ اَنْ لَّا خَیْرَ فِیْھِمْ **لَتَوَلَّوْا** عَنْہُ **وَّھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾** عَنْ قُبُوْلِہٖ عِنَادًا وَّجُحُوْدًا **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ** بِالطَّاعَۃِ **اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ** مِنْ اَمْرِ الدِّیْنِ لِاَنَّہٗ سَبَبُ الْحَیَاۃِ الْاَبَدِیَّۃِ **وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ** فَلَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّؤْمِنَ اَوْ یَکْفُرَ اِلَّا بِاِرَادَتِہٖ **وَاَنَّہٗٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾** فَیُجَازِیْکُمْ بِاَعْمَالِکُمْ **وَاتَّقُوْا فِتْنَۃً** اِنْ اَصَابَتْکُمْ **لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْکُمْ خَآصَّۃً** بَلْ تَعُمُّھُمْ وَغَیْرَھُمْ وَاتِّقَاؤُھَا بِاِنْکَارِ مُوْجِبِھَا مِنَ الْمُنْکَرِ **وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾** لِمَنْ خَالَفَہٗ **وَاذْکُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ** اَرْضِ مَکَّۃَ **تَخَافُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفَکُمُ النَّاسُ** یَاْخُذُکُمُ الْکُفَّارُ بِسُرْعَۃٍ **فَاٰوٰکُمْ** اِلَی الْمَدِیْنَۃِ **وَاَیَّدَکُمْ** قَوَّاکُمْ **بِنَصْرِہٖ** یَوْمَ بَدْرٍ بِالْمَلٰٓئِکَۃِ **وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ** الْغَنَائِمِ **لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ﴿۲۶﴾** نِعَمَہٗ وَنَزَلَ فِیْ اَبِیْ لُبَابَۃَ بْنِ عَبْدِ الْمُنْذِرِ وَقَدْ بَعَثَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی بَنِیْ قُرَیْظَۃَ لِیَنْزِلُوْا عَلٰی حُکْمِہٖ فَاسْتَشَارُوْہُ فَاَشَارَ اِلَیْھِمْ اَنَّہُ الذَّبْحُ لِاَنَّ عِیَالَہٗ وَمَالَہٗ فِیْھِمْ **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ** وَلَا **تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِکُمْ** مَا اُؤْتُمِنْتُمْ عَلَیْہِ مِنَ الدِّیْنِ وَغَیْرِہٖ **وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ** لَّکُمْ صَادَّۃٌ عَنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَۃِ **وَّاَنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۸﴾** فَلَا تُفَوِّتُوْہُ بِمُرَاعَاۃِ الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَالْخِیَانَۃِ لِاَجْلِھِمْ وَنَزَلَ فِیْ تَوْبَتِہٖ **یٰٓاَیُّھَا**

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ بِالْاَمَانَةِ وَغَيْرِهَا يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ مَا تَخَافُوْنَ فَتَنْجُوْنَ وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ كُرْ يَامُحَمَّدُ اِذْيَمْكُرُبِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَدْ اِجْتَمَعُوْا لِلْمُشَاوَرَةِ فِيْ شَانِكَ بِدَارِ النَّدْوَةِ لِيُثْبِتُوْكَ يُوْثِقُوْكَ وَيَحْبِسُوْكَ اَوْيَقْتُلُوْكَ كُلُّهُمْ قِتْلَةَ رَجُلٍ وَاحِدٍ اَوْ يُخْرِجُوْكَ مِنْ مَكَّةَ وَيَمْكُرُوْنَ بِكَ وَيَمْكُرُاللّٰهُ بِهِمْ بِتَدْبِيْرِ اَمْرِكَ بِاَنْ اَوْحٰى اِلَيْكَ مَا دَبَّرُوْهُ وَاَمَرَكَ بِالْخُرُوْجِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ اَعْلَمُهُمْ بِهِ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا اَلْقُرْاٰنُ قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَالَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ قَالَهُ النَّضْرُبْنُ الْحَارِثِ لِاَنَّهُ كَانَ يَاتِي الْحِيْرَةَ يَتَّجِرُ فَيَشْتَرِيْ كُتُبَ اَخْبَارِ الْاَعَاجِمِ وَيُحَدِّثُ بِهَا اَهْلَ مَكَّةَ اِنْ مَا هٰذَآ اَلْقُرْاٰنُ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ اَكَاذِيْبُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا الَّذِيْ يَقْرَؤُهُ مُحَمَّدٌ هُوَالْحَقَّ الْمُنَزَّلَ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ مُؤْلِمٍ عَلٰى اِنْكَارِهِ قَالَهُ النَّضْرُ اَوْغَيْرُهُ اِسْتِهْزَاءً اَوْ اِيْهَامًا اَنَّهُ عَلٰى بَصِيْرَةٍ وَجَزْمٍ بِبُطْلَانِهِ قَالَ تَعَالٰى وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِمَا سَاَلُوْهُ وَاَنْتَ فِيْهِمْ لِاَنَّ الْعَذَابَ اِذَا نَزَلَ عَمَّ وَلَمْ تُعَذَّبْ اُمَّةٌ اِلَّابَعْدَ خُرُوْجِ نَبِيِّهَا وَالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهَا وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ حَيْثُ يَقُوْلُوْنَ فِيْ طَوَافِهِمْ غُفْرَانَكَ غُفْرَانَكَ وَقِيْلَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ الْمُسْتَضْعَفُوْنَ فِيْهِمْ كَمَا قَالَ تَعَالٰى لَوْتَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ بِالسَّيْفِ بَعْدَ خُرُوْجِكَ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَعَلَى الْقَوْلِ الْاَوَّلِ هِيَ نَاسِخَةٌ لِمَا قَبْلَهَا وَقَدْ عَذَّبَهُمْ بِبَدْرٍ وَغَيْرِهِ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ يَمْنَعُوْنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمِيْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ يَّطُوْفُوْا بِهِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ كَمَا زَعَمُوْا اِنْ مَا اَوْلِيَآءُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَنْ لَّا وِلَايَةَ لَهُمْ عَلَيْهِ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً صَفِيْرًا وَّتَصْدِيَةً تَصْفِيْقًا اَيْ جَعَلُوْا ذٰلِكَ مَوْضَعَ صَلَاتِهِمُ الَّتِيْ اُمِرُوْا بِهَا فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِبَدْرٍ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ حَرْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ فِيْ عَاقِبَةِ الْاَمْرِ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً نَدَامَةً لِفَوَاتِهَا وَفَوَاتِ مَا قَصَدُوْهُ ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ فِي الدُّنْيَا وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا مِنْهُمْ اِلٰى جَهَنَّمَ فِي الْاٰخِرَةِ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ يُسَاقُوْنَ لِيَمِيْزَ مُتَعَلِّقٌ بِتَكُوْنُ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ اَيْ يَفْصِلُ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ الْكَافِرَ مِنَ الطَّيِّبِ الْمُؤْمِنِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ

عَلٰی بَعْضٍ فَیَرْکُمَهٗ جَمِیْعًا یَجْمَعُهٗ مُتَرَاکِمًا بَعْضُهٗ فَوْقَ بَعْضٍ **فَیَجْعَلَهٗ فِیْ جَهَنَّمَ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا** كَاَبِیْ سُفْیَانَ وَاَصْحَابِهٖ **اِنْ یَّنْتَهُوْا** عَنِ الْكُفْرِ وَقِتَالِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ** مِنْ اَعْمَالِهِمْ **وَاِنْ یَّعُوْدُوْا** اِلٰی قِتَالِهٖ **فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۸﴾** اَیْ سُنَّتُنَا فِیْهِمْ بِالْاِهْلَاكِ فَكَذٰ انَفْعَلُ بِهِمْ **وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ** تُوْجَدَ **فِتْنَةٌ** شِرْكٌ **وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ** وَحْدَهٗ وَلَا یُعْبَدُ غَیْرُهٗ **فَاِنِ انْتَهَوْا** عَنِ الْكُفْرِ **فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۳۹﴾** فَیُجَازِیْهِمْ بِهٖ **وَاِنْ تَوَلَّوْا** عَنِ الْاِیْمَانِ **فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰكُمْ** نَاصِرُكُمْ وَمُتَوَلِّیْ اُمُوْرِكُمْ **نِعْمَ الْمَوْلٰی** هُوَ **وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ﴿۴۰﴾** اَیِ النَّاصِرُ لَكُمْ

ترجمہ:............ مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی (اعراض) نہ کرو (اس کے حکم کی خلاف ورزی کر کے) اور تم سن تو رہے ہی ہو (قرآن اور وعظ) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے دعویٰ تو کیا تھا کہ ہم نے سن لیا۔ حالانکہ وہ سنتے سناتے کچھ نہیں۔ (ذکر ونصیحت کا سننا۔ اس سے مراد مشرک اور منافق ہیں) یقیناً اللہ کے نزدیک سب سے بدتر حیوان وہ انسان ہیں جو بہرے ہو گئے (حق بات سننے کی صلاحیت) تو ضرور انہیں سنوا دیتے (سمجھ کر سننا) اور اگر اللہ انہیں سنوا بھی دیں (بالفرض۔ حالانکہ ان میں بھلائی کا نہ ہونا معلوم ہو چکا ہے) تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ منہ پھیر لیں گے (اس سے) اور وہ بے رخی کرتے ہیں (دشمنی اور انکار کے سبب قبول نہیں کرتے) مسلمانو! اللہ و رسول ﷺ کے کہنے کو بجالاؤ (اطاعت کرو) جب کہ اللہ کے رسول ﷺ تمہیں ایسی چیز کی طرف پکارتے ہیں جو تمہاری زندگی کا سروسامان ہے (یعنی دینی کام۔ کیونکہ ان سے دائمی زندگی بنتی ہے) اور جان رکھو کہ اللہ میاں آڑ بن جایا کرتے ہیں انسان اور اس کے دل کے درمیان (جس سے وہ اللہ کے ارادہ کے بغیر نہ ایمان لاسکتا ہے اور نہ کفر کرسکتا ہے) اور بلاشبہ تمہیں سب کو اسی کے حضور جمع ہونا ہے (تاکہ تمہیں تمہارے کئے کا بدلہ ملے) اور تم ایسے وبال سے بچو (کہ اگر تم پر آپڑے) جس کی زد میں صرف وہی لوگ نہیں آئیں گے جو تم میں گناہ کرنے والے ہیں (بلکہ سب ہی اس کی لپیٹ میں آجائیں گے تم بھی اور دوسرے بھی۔ اس سے بچنے کی صورت تو بس یہی ہے کہ جو برا کام ہے اس سے باز آجاؤ) اور یہ سمجھ لو کہ اللہ (خلاف کرنے والے کو) سخت سزا دینے والے ہیں اور وہ وقت یاد کرو جب تمہاری تعداد بہت تھوڑی تھی اور تم سرزمین (مکہ) میں کمزور سمجھے جاتے تھے۔ تمہیں اس وقت یہ اندیشہ لگا رہتا کہ کہیں لوگ تمہیں لوٹ کھسوٹ نہ لیں (کفار تمہیں اچک نہ لیں) پھر اللہ نے تمہیں (مدینہ میں) ٹھکانا دیا اور تمہیں قوی (مضبوط) کیا اپنی مدد سے (جنگ بدر میں فرشتوں کے ذریعہ) اور تمہیں نفیس نفیس چیزیں (مال غنیمت) عطا فرمائیں تاکہ تم شکرگزار رہو (اس کی نعمتوں کے۔ اگلی آیات ابولبابہؓ بن عبدالمنذر کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں ان کو آنحضرت ﷺ نے بنوقریظہ کے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ وہ ان کو آنحضرت ﷺ کے فیصلہ پر ہموار کرلیں۔ لیکن ان لوگوں نے جب ان سے اس بارے میں مشورہ چاہا تو انہوں نے اشارہ کرکے بتلادیا کہ آنحضرت ﷺ کا ارادہ تمہیں قتل کرنے کا ہے اور اس افشاء راز کی ضرورت انہیں اس لئے پیش آئی کہ ان کے اہل وعیال ان لوگوں کے پاس رہا کرتے تھے) مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت نہ کرو اور (نہ) اپنی قابل حفاظت باتوں میں خلل ڈالو (دین وغیرہ کی وہ باتیں جن کو بطور امانت راز رکھا گیا

ہے) حالانکہ تم اس بات سے بے خبر نہیں ہو اور یاد رکھو تمہارا مال اور تمہاری اولاد۔ تمہارے لئے ایک آزمائش ہے (جو آخرت کی باتوں کے لئے رکاوٹ بنتے ہیں) اور یہ بھی نہ بھولو کہ اللہ ہی وہ ہیں جن کے پاس بڑا بھاری اجر ہے (لہذا مال واولاد کی خاطر نہ اس کو چھوڑو اور نہ ان کی وجہ سے خیانت کرو اور اگلی آیت ابولبابہؓ کی توبہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے) مسلمانو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو (امانت وغیرہ میں) تو تمہیں چھٹکارا دے دیں گے (جو تمہارے اور جن خطرات میں تم گھرے ہوئے ہو ان کے درمیان ایک فیصلہ کن ہوگا اور تم ان اندیشوں سے چھٹکارا پا جاؤ گے) اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دیں گے۔ اور بخش دیں گے (تمہارے گناہ) اللہ تو بہت بڑے فضل کرنے والے ہیں اور (اے محمد ﷺ! یاد کیجئے) وہ وقت جب کہ کافر آپ ﷺ کے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے (آپ ﷺ کے خلاف سوچ بچار کے لئے '' دار الندوہ '' میں ایک کمیٹی بلائی تھی) کہ آپ ﷺ کو قید کر لیں آپ ﷺ کو بیڑیاں پہنا کر گرفتار کر لیں) یا آپ ﷺ کو قتل کر ڈالیں (سب مل کر۔ تاکہ ایک ہی قتل شمار ہو) یا آپ ﷺ کو جلا وطن کر ڈالیں (مکہ سے نکال دیں) اور وہ چپکے چپکے (آپ ﷺ کے بارے میں) اپنی اپنی تدبیروں میں لگے ہوئے تھے اور اللہ (خود ان کے بارے میں) مخفی تدبیر کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کے لئے بندوبست اس طرح کیا جا رہا تھا کہ جو کچھ وہ اسکیم بناتے تھے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو خبردار کر دیا جاتا اور پھر آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم ہو گیا) اور اللہ سب سے مضبوط تدبیر کرنے (جاننے) والے ہیں اور جب ان کے سامنے ہماری (قرآن کی) آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں '' ہاں ہم نے سن لیا۔ اگر چاہیں تو اس طرح کی باتیں ہم بھی کہہ سکتے ہیں (نضر بن الحارث نے یہ دعوے کیا تھا۔ محض اس بل بوتہ پر کہ وہ حیرہ میں تجارت کے لئے جاتا اور وہاں سے عجمی تاریخ کی کتابیں خرید لاتا اور ان کو مکہ والوں کے سامنے آکر سناتا) یہ (قرآن) کچھ بھی نہیں۔ صرف پچھلوں کی لکھی ہوئی بے سند (جھوٹی) داستانیں ہیں '' اور جب ان لوگوں نے کہا تھا خدایا اگر یہ بات (جس کو محمد ﷺ پڑھتا رہتا ہے) واقعی آپ کی طرف سے (اتری ہوئی) ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے۔ یا ہمیں کسی دردناک (تکلیف دہ) عذاب میں مبتلا کر دے (اس کو نہ ماننے کی وجہ سے۔ یہ بات نضر بن حارث وغیرہ نے مذاق اڑانے کے لئے کہی تھی اور یا دوسروں کو اس فریب میں مبتلا کرنے کے لئے کہ میں اس قرآن کو دلیل ویقین کے ساتھ غلط سمجھتا ہوں۔ آگے حق تعالیٰ جو اب ارشاد فرماتے ہیں) اور اللہ ایسا نہیں کریں گے کہ (ان کی فرمائش کے مطابق) ان میں آپ کے تشریف فرما ہوتے ہوئے ان کو مبتلائے عذاب کریں (کیونکہ عذاب جب آئے گا تو پھر وہ سب ہی کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا اور جب کبھی کسی امت پر عذاب آیا ہے تو نبی اور اس پر ایمان لانے والوں کے وہاں سے نکل جانے کے بعد ہی آیا) اور اللہ ایسا بھی نہیں کریں گے کہ انہیں عذاب میں ڈال دیں حالانکہ وہ استغفار کرتے ہوں (کیونکہ کفار طواف کی حالت میں '' **غفرانک غفرانک** '' الفاظ کہا کرتے تھے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ کمزور مسلمان ہیں جو ان میں رہتے ہوئے استغفار کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ دوسری جگہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں **لو تزیلوا الخ**) لیکن اب کون سی بات رہ گئی ہے کہ اللہ انہیں عذاب نہ دیں (تلوار کے ذریعہ۔ جب کہ آپ ﷺ اور کمزور مسلمان مکہ سے ہجرت کر چکے ہیں اور پہلے قول کی صورت میں یہ آیت پہلی آیت کے لئے ناسخ ہو جائے گی۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے بدر وغیرہ مختلف موقعوں پر ان کو عذاب دیا) حالانکہ وہ روکتے ہیں (نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو باز رکھتے ہیں) مسجد حرام سے (اس میں طواف نہیں کرنے دیتے) اور حقیقت یہ ہے کہ وہ متولی ہونے کے لائق نہیں (جیسا کہ وہ خود کو سمجھتے ہیں) اس کے متولی اگر ہو سکتے ہیں تو ایسے ہی لوگ ہو سکتے ہیں جو متقی ہوں۔ لیکن ان میں سے اکثر وں کو علم نہیں (کہ یہ اس کے متولی نہیں ہو سکتے) اور خانہ کعبہ میں ان کی نماز اس کے سوا کیا ہے کہ سیٹیاں بجائیں اور تالیاں پیٹیں (یعنی خانہ کعبہ میں ان کو جس نماز کا حکم دیا گیا ہے اس کے بجائے یہ خرافات کرتے ہیں) سو دیکھو جیسے کچھ تم کفر کرتے رہے ہو اب (بدر میں) عذاب کا مزہ چکھ لو۔ جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ اپنا مال نبی کریم

ﷺ کے ساتھ لڑنے میں) اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکیں۔ سو یہ لوگ آئندہ بھی خرچ کرتے ہی رہیں گے۔ لیکن پھر (آخرکار) ان کے لئے سراسر پچھتاوا ہوگا (کیونکہ مال بھی گیا اور مقصد بھی پورا نہ ہوا) اور پھر مغلوب کئے جائیں گے (دنیا ہی میں) اور جن لوگوں نے (ان میں سے) کفر کی راہ اختیار کی وہ (آخرت میں) دوزخ کی طرف ہنکائے (کھینچے) جائیں گے اور یہ اس لئے ہوگا کہ (لفظ یمیز) تخفیف وتشدید کی صورت میں دونوں طرح ہے اور اس کا تعلق تکون کے ساتھ ہے۔ یعنی جدا کر دے گا) ناپاک (کافر) کو اللہ پاک (مومن) سے الگ کرنا چاہتے ہیں اور ناپاک لوگوں میں بعض کو بعض کے ساتھ ملا کر، پھر سب کو اکٹھا کر دینا چاہتے ہیں (سب کو ایک دوسرے پر گڈمڈ کر دیں) پھر ان کو جہنم کے حوالہ کر دیں۔ یہی لوگ ہیں جو بالکل تباہ ہو جانے والے ہیں جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی (جیسے ابوسفیان اور ان کے ساتھی) تم ان سے کہہ دو، اگر وہ باز آ جائیں (کفر سے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے سے) تو جو کچھ (ان کے کرتوت) گزر چکے، سب معاف کر دیئے جائیں گے۔ اگر وہ اپنی (جنگی) حالت پر رہے تو پچھلوں کا طور طریقہ گزر چکا ہے۔ (یعنی ان کو تباہ و برباد کرنے کے سلسلہ میں ہمارا اپنا قانون۔ لہٰذا ان کے ساتھ بھی وہی کارروائی کی جائے گی) اور ان سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فساد (شرک) باقی نہ رہے اور دین کا سارا معاملہ اللہ ہی کے لئے ہو جائے (کہ ان کے سوا کسی کی بندگی نہ ہو سکے) پھر اگر وہ (کفر سے) باز آ جائیں تو جو کچھ وہ کرتے ہیں وہ اللہ کی نگاہوں سے چھپا ہوا نہیں (لہٰذا وہ اسی کے مطابق لوگوں کو بدلہ دیں گے) اور اگر وہ روگردانی کریں (ایمان سے) تو یاد رکھو، اللہ تمہارے رفیق (تمہارے مددگار اور سب کاموں کے سنوارنے والے) ہیں اور وہ کیا ہی اچھے کارساز اور کیا ہی اچھے مددگار ہیں (تمہارے)۔

تحقیق وترکیب: .... **فرضاً**. یہ لفظ نکال کر مفسرؒ علام اس شبہ کا جواب دینا چاہتے ہیں، قیاس اقترانی کی صورت میں تقریر استدلال اس طرح ہوگی کہ **لو علم اللّٰہ فیھم خیرا لاسمعھم ولو اسمعھم لتولوا**۔ جس کا نتیجہ حد اوسط گرانے کے بعد یہ نکلے گا "**لو علم اللّٰہ فیھم خیرا لتولوا**" حالانکہ یہ محال ہے کیونکہ جب اللہ کو ان میں خیر معلوم ہوگی تو اس صورت میں ان کی طرف سے اطاعت ہونی چاہئے نہ کہ سرکشی؟ جواب کا حاصل ہوگا کہ یہاں حد اوسط مکرر نہیں ہے۔ یعنی ایک نہیں ہے بلکہ دونوں جگہ مختلف ہے۔ کیونکہ پہلے ''اسماع'' سے مراد تو وہ خاص سنانا ہے جس کے بعد ہدایت ہو جائے، لیکن دوسرے لفظ ''اسماع'' سے محض سنانا ہے۔ اس لئے شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے شکل نتیجہ خیز نہیں ہوگی۔

دوسرا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ آیت سے مقصود استدلال نہیں بلکہ سببیت کا بیان کرنا ہے جو لـــو کی اصلی وضع ہے۔ یعنی اللہ کی طرف سے ان کو نہ سنانے کا سبب یہ ہے کہ ان کو ان میں خیر کا ہونا معلوم نہیں ہوگا۔ گویا اس صورت میں "**لو سمعھم**" پر کلام پورا ہو گیا اور **لو اسمعھم** جملہ مستانفہ ہوگا۔ یعنی جب سنانے کی صورت میں ان کی طرف سے اعراض پایا جاتا ہے تو نہ سنانے کی صورت میں کیسے نہیں ہوگا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے **لو یخف اللّٰہ لم یعصہ** (ترجمہ) اگر خوف خدا ہو تو گناہ نہیں کر سکتا۔

استجیبو. اس میں ست زائد ہے۔ چونکہ اللہ ورسول کا حکم ایک ہی ہے۔ اس لئے دعا واحد لایا گیا۔

یحول. اس میں استعارہ تصریحیہ تبعیہ ہے۔ **ان اصابتکم** یہ **لاتصیبن الخ** کی شرط محذوف ہے۔

الغنائم. جب مسلمان سب کاروبار چھوڑ کر جہاد میں لگے تو اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت میں ان کے رزق کا دروازہ کھول دیا۔ حدیث میں ہے "**اجعل رزقی تحت ظل رمحی**" (ترجمہ) میں اپنی روزی اپنے نیزہ کے سایہ تلے پاتا ہوں۔

فی ابی لبابۃؓ۔ لیکن ان کے اپنے آپ کو ستون سے باندھنے میں یہ اختلاف ہے کہ آیا اسی موقعہ پر ہوا یا غزوہ تبوک کے موقعہ پر۔ ابن عبدالبرؒ نے استیعاب میں دوسری رائے کو احسن قرار دیا ہے۔

وانتم تعلمون. واوحالیہ ہےاور تعلمون کامفعول محذوف ہے۔ **بدار الندوۃ**. قصیٰ بن کلاب نے یہ ہاؤس بنایا تھا جو عرب کے لئے پارلیمنٹ کا کام دیتا تھا۔ جس کو بعد میں حج کے موقعہ پر حضرت معاویہؓ نے زبیر عبدری سے ایک لاکھ درہم میں خرید کر حرم میں شامل فرمالیا تھا۔ بیت اللہ کے شمالی جانب ایک وسیع دالان کی صورت میں ہے۔

بتدبیر امرک. یعنی اللہ کے مکر کرنے کے وہ مشہور معنی نہیں ہیں جو قابل اعتراض ہوں، بلکہ آنحضرت ﷺ کی حفاظت و سلامتی کی پوشیدہ تدبیر مراد ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے صورۃ اللہ کے معاملہ کو مکر کہا گیا ہے یا "**جزاء سیئۃ سیئۃ**" کی طرح مکر کے بدلہ کو مکر کہا گیا ہے۔

الحیرۃ. کوفہ کے قریب ایک شہر کا نام ہے۔ **فامطر علینا حجارۃ**۔ حضرت معاویہؓ نے ملک سبا کے رہنے والے ایک شخص سے طنزاً کہا کہ تمہاری قوم بڑی جاہل تھی۔ جس پر ایک عورت ذات حکومت کرتی رہی مگر اس نے فوراً پلٹ کر جواب دیا کہ میری قوم سے کہیں زیادہ آپ کی قوم جاہل ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی دعوت کے جواب میں "**ان کان ھذا ھو الحق من عندك فامطر علینا حجارۃ**" کہتی ہے۔ حالانکہ یوں کہنا چاہئے تھا۔ **ان کان ھذا ھو الحق فاھدنا لہ**۔

وھم یستغفرون۔ کفار کی تو یہ استغفار کا فائدہ دنیاوی مراد ہے۔ لہٰذا یہ آیت دوسری آیت **وما دعاء الکافرین الافی ضلٰل** اور **الافی تباب** یا آیت **قدمنا الٰی ماعملوا من عمل فجعلنا ھباءً منثورًا** کے خلاف نہیں ہوگی۔ جن میں آخرت کے نفع کی نفی ہے۔ **ناسخۃ**. لیکن جب دیکھا جائے کہ کفار نے تو یہ استغفار ندامت کا اظہار چھوڑ کر مسلمانوں کی دشمنی پر کمر باندھ لی۔ جس سے پھر عذاب کے مستحق ہوگئے تو پھر منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں رہتی اور ویسے بھی اخبار منسوخ نہیں ہوا کرتے۔ قول اول یہ ہے کہ کفار مراد لئے جائیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ کمزور مسلمان مراد لئے جائیں۔

ان یطوفوا. یہ مسجد حرام سے بدل اشتمال ہے۔ **مکاءً** خواہ صرف منہ سے سیٹی بجانا یا دو انگلیوں کو منہ میں داخل کر کے سیٹی بجانا۔ یا دونوں ہتھیلیوں اور انگلیوں کو اکٹھا کر کے اس میں پھونک ماری جائے۔ جس سے سیٹی کی آواز پیدا ہو اور تصدیہ اور تصفیق کے معنی تالی بجانا۔ ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، مجاہدؒ، عکرمہؒ، سعید ابن جبیرؒ سب نے یہی معنی لئے ہیں۔ لہٰذا بخاری نے جو مجاہدؒ سے مکاء کے معنی انگلیوں کو منہ میں داخل کر کے اور تصدیہ کے معنی صرف منہ سے سیٹی بجانے کے نقل کئے ہیں وہ غریب ہیں اور چونکہ یہ لوگ ان حرکات کو عبادت شمار کرتے تھے اس لئے نماز سے ان کا استثنیٰ صحیح ہوجائے گا۔ اس میں کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

کابی سفیان. چونکہ یہ آیت بدر کے بعد نازل ہوئی، اس لئے وہی لوگ مراد ہوں گے جو اس وقت کافر بچے۔

ماقد سلف. یعنی بحالت کفر جو گناہ کئے وہ حدیث الاسلام[1] یھدم ما کان قبلہ کی رو سے سب معاف ہیں۔ امام اعظمؒ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ مرتد اگر مسلمان ہوجائے تو اس کی چھوٹی ہوئی عبادات کی قضاء لازم نہیں اور یہی امام مالکؒ کی رائے ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک نماز، روزہ، زکوۃ، نذر، کفارہ، سب کی قضا لازم آئے گی۔ لیکن علامہ تفتازانی کی رائے ہے، امام صاحبؒ کا یہ استدلال نہایت کمزور ہے کیونکہ یہاں کفر سے مراد کفر اصلی اور اس کے کام ہیں اور امام صاحبؒ کی رائے پر تو لازم آتا ہے کہ ایک مسلمان ساری عمر گناہ کرتے رہے۔ پھر آخر میں مرتد ہو کر پھر مسلمان ہوجائے تو اسی طرح اس پر کچھ گناہ نہیں رہنا چاہئے۔

---

[1] اسلام لانے سے پہلے انسان جو گناہ کرتا ہے وہ سب اسلام لانے کے بعد معاف ہوجاتے ہیں۔۱۲

سنة الاولین۔ مطلق ہلاک ہونے میں تشبیہ دینی ہے۔ اس لئے اب یہ شبہ نہیں رہا کہ قوم عاد و ثمود وغیرہ پر تو عام عذاب آیا ہے اور امت محمدیہ ﷺ عذاب عام سے محفوظ ہے۔ دوسرا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ قریبی زمانہ کے کفار مراد ہوں جو بدر سے پہلے خاص خاص مصائب کا شکار ہوئے ہیں۔

تیسری صورت یہ ہے کہ فقد مضت کا تعلق ان یعو دوا سے نہ ہو بلکہ یہ محذوف کی علت ہو اور ان یعودوا کا جواب بھی محذوف ہو۔ ای ان یعودوا نهلکهم کما اهلکنا الاولین۔

قاتلوا اس کا عطف قل للذین پر ہے۔ آپ ﷺ پر چونکہ شفقت غالب تھی، اس لئے قل میں صرف آپ کو خطاب کیا اور قاتلوا میں جہاد کے مخاطب صحابہ کرامؓ ہیں۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات میں کفار کی برائی کا بیان تھا۔ اب آیت اطیعوا میں اطاعت کا حکم اور لا تولوا میں خلاف کرنے کی ممانعت اور لا تکونوا سے تاکید کے خلاف کرنے والوں کی مشابہت سے روکا جا رہا ہے اور ان شر الدواب میں مخالفین کی بڑائی اور استجیبوا میں ماننے والوں کا نفع اور نہ ماننے والوں کا نقصان اور اتقوا میں دوسروں کو اطاعت کی ترغیب دینا اور واذکروا میں اپنی نعمتیں یاد دلانا اور لا تخونوا میں اطاعت کی کمی کو خیانت قرار دینا اور واعلموا میں اطاعت میں کمی کی طرف توجہ دلانا اور اطاعت کی بعض برکتوں کا بیان ان تتقوا میں اور ہجرت جیسی مفید عام نعمت کا یاد دلانا۔ اذ یمکر الخ میں غرضیکہ خیر الماکرین تک یہ سب مضامین چلے گئے ہیں۔ جن میں باہمی مناسبت ظاہر ہے۔ آگے آیت اذا تتلی الخ سے بھی کفار کی برائی اور ان کا مستحق عذاب ہونا تفصیل سے بیان کیا جا رہا ہے۔

شانِ نزول: .... آیت ان شر الدواب الخ بنو عبد الدار بن قصی کے بارے میں نازل ہوئی۔ جو غزوہ بدر میں ابوجہل کے ساتھ مارے گئے اور یہ کہا کرتے تھے۔ نحن[1] صم وبکم وعمی عما جاء به محمد ان میں سے صرف دو آدمی مصعب بن عمیرؓ اور سیط بن حرملہؓ مسلمان ہو سکے۔

آیت واذکروا الخ غزوہ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ آیت یٰایها الذین اٰمنوا لا تخونوا الخ کے متعلق مغیرہ کا خیال یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلین کے بارے میں نازل ہوئی۔ امام زاہد نے یہ توجیہ بھی بیان کی ہے کہ بعض لوگ راز کی باتیں کفار کو بتلا دیا کرتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں اور علامہ زمخشری نے شان نزول میں ابولبابہؓ کی روایت پیش کی ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اکیس روز تک یہود بنو قریظہ کا محاصرہ فرمایا تو انہوں نے بنو نضیر کی مصالحت کرنی چاہئے اور اپنی کاشت کی زمینوں میں یا شام کے علاقہ کی طرف ملک اریحا میں چلے جانے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن آپ ﷺ نے انکار فرما دیا اور کہا کہ سعد بن معاذؓ جو فیصلہ کر دیں وہ ہمیں منظور ہے۔ لیکن یہود نے درخواست کی کہ گفتگو کے لئے ابولبابہ کو بھیجئے۔ آپ ﷺ نے ان کو بھیج دیا۔ ان کے بال بچے چونکہ بنو قریظہ کی ڈیوڑھی میں رہتے تھے، اس لئے ان کا خیال کرتے ہوئے جب یہود نے ان سے سعد بن معاذ کے فیصلہ کے بارے میں مشورہ چاہا تو انہوں نے گلے کی طرف اشارہ کرکے بتلا دیا کہ "قتل کئے جاؤ گے" کہنے کو تو خیر یہ بات کہہ گئے، مگر بعد میں بہت پچھتائے اور آنحضرت ﷺ کے افشاء راز کا بے حد رنج اور افسوس ہوا۔ اسی کیفیت میں انہوں نے خود کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا اور قسم کھائی کہ کچھ کھاؤں پیوں گا نہیں، جب تک کہ اللہ اور رسول ﷺ میری توبہ قبول نہیں فرماتے۔ چنانچہ سات

---

[1] ہم بہرے، گونگے، اندھے ہیں، اس بارے میں جو محمد ﷺ کہتے ہیں۔۱۲

روز کا فاقہ ہوا تو بے ہوش ہو کر گر گئے۔ اللہ نے جب ان کی توبہ قبول کی اور ان کو اطلاع دی گئی تو کہنے لگے جب تک آنحضرت ﷺ خود دست مبارک سے نہیں کھولیں گے میں اسی طرح بندھا رہوں گا۔ چنانچہ بنفس نفیس آپ ﷺ نے ان کو کھولا تو جوش مسرت میں کہنے لگے کہ جس مکان کی وجہ سے اس گناہ میں مبتلا ہوا ہوں اسے اور اپنی کل جائیداد کو اللہ کے لئے وقف کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایک تہائی حصہ وقف کرنا بھی کافی ہے۔

آیت وھو یصدون الخ کا تعلق واقعہ حدیبیہ سے ہے۔ کفار نے آپ کو اور مسلمانوں کو بیت اللہ میں داخل نہیں ہونے دیا تھا اور کہتے تھے[۱] نحن ولاۃ البیت والحرم نصد من نشاء وندخل من نشاء.

آیت قل للذین کفروا الخ کے متعلق امام زاہدؒ نے لکھا ہے کہ اس کا نزول عکرمہؓ بن ابوجہل کے بارے میں ہوا ہے۔ ایک مرتبہ یہ کشتی پر سوار تھا کہ ہوا ناموافق ہوئی اور کشتی لگی ڈوبنے تو اس وقت اس نے نذر کی کہ اگر میں بچ گیا تو محمد ﷺ پر ایمان لاؤں گا۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری ہوئی تو عمرو ابن العاصؓ بھی اس کے ساتھ تھے۔ دونوں مسلمان ہوئے مگر عمرو بن العاصؓ پچھلے گناہوں کی وجہ سے رونے لگے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: .... آیت یایھا الذین الخ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو اہل کتاب کی طرح نہیں ہونا چاہئے جو تورات وانجیل سنتے تھے مگر حقیقۃً نہیں سنتے تھے، کیونکہ اگر سمجھ کر سنتے تو عمل ضرور کرتے۔

جو انسان ہدایت قبول نہ کرے وہ چوپایہ سے بدتر ہے: .... آیت ان شر الدواب الخ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی دعوت سرتا تعقل وتفکر کی دعوت ہے جو انسان اپنے حواس سے عقل سے کام نہیں لیتا۔ وہ اس کے نزدیک انسان نہیں بدترین چوپایہ ہے اسی طرح قرآن فکر وعمل کی جس حالت کو کفر کی حالت قرار دیتا ہے۔ اس کا سرچشمہ بھی عقل وحواس کا بے کار ہو جانا ہے۔ پھر آگے فرماتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی یہ دعوت اس لئے ہے کہ تمہیں زندہ کردے۔ اس سے بڑھ کر اس کا جلانا اور کیا ہوگا کہ عرب کے ساربانوں کے قدموں میں ساری دنیا کا اقتدار آپڑا اور پچاس برس کے اندر کرۂ ارض کی سب سے بڑی مہذب اور اشرف قوم عرب کے وحشی تھے۔

استجیبوا کے حکم میں وہ صورت بھی داخل ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ کسی کو پکاریں تو جواب دینا واجب ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی نماز میں ہو تب بھی یہی حکم ہے۔ چنانچہ حدیث ترمذی میں ہے کہ آپ ﷺ نے ابیؓ بن کعب کو پکارا۔ لیکن وہ نماز میں ہونے کی وجہ سے نہیں بولے تو آپ ﷺ نے ان کو یہی آیت یاد دلائی۔ رہی یہ بات کہ وہ نماز باقی رہے گی یا ٹوٹ جائے گی اور اس کو لوٹانا پڑے گا؟ اس میں اختلاف ہے اور چونکہ اس کا تعلق آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا اور وہ صورت آپ ﷺ کے ساتھ خاص تھی اب نہیں رہی۔ اس لئے اب اس میں گفتگو کرنے کا کوئی ثمرہ بھی نہیں۔

انسانی دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہے، وہ جدھر چاہے پھیر دے: .... پھر فرمایا کہ بسا اوقات انسان کے ارادوں اور اس کے دلی جذبات کے درمیان قدرت کی طرف سے اچانک کوئی غیر متوقع بات آکر حائل ہو جاتی ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ ایک دم وہ اچھائی سے برائی میں جا پڑتا ہے اور کبھی دفعۃً برائی سے بھلائی میں آنکلتا ہے۔ کتنے ہی اچھے ارادے ہوتے ہیں جن سے عین وقت پر ہمارا دل انکار کر دیتا ہے اور کتنے ہی برائی کے منصوبے ہوتے ہیں جن سے اچانک ہمارا دل بغاوت کر دیتا ہے۔

---

[۱] ہم بیت اللہ اور حرم کے متولی ہیں، اس لئے جب چاہیں رد کر سکتے ہیں اور جس کو چاہیں داخل ہونے دیں۔ ۱۲

اس لئے چاہئے کہ انسان اپنے دل کی نگرانی سے کبھی بھی غافل نہ ہو۔ کیا معلوم کون سی گھڑی اس کے کس طرف پلٹنے کی آ جائے۔ حضرت ابن عباسؓ یحول کی تفسیر میں فرماتے ہیں [1] کمن حال بین شخصه ومتاعه فانه القادر علی التصرف دونه اه کذلک لایقدر العبد علی التصرف فی قلبه کقدرة اللہ علیه۔

اور یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ آخر انسان کو اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے۔ جس دل میں قیامت اور آخرت کا یقین ہوگا۔ وہ زندگی کی غفلتوں سے کبھی مغلوب نہیں ہوسکتا۔

فتنہ کی آگ صرف سلگانے والے ہی کو نہیں جلاتی بلکہ دوسروں کو بھی بھسم کر دیتی ہے:............اس کے بعد آیت واتقوا فتنة الخ میں انفرادی خطرات کے بعد اجتماعی خطرات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ ان فتنوں سے خاص طور پر بچنا چاہئے۔ جنہیں ایک فرد یا ایک طبقہ برپا کر دیتا ہے۔ لیکن جب اس کی آگ بھڑک اٹھتی ہے تو صرف سلگانے والوں ہی کو نہیں جلاتی۔ بلکہ سبھی لپیٹ میں آ جاتے ہیں اور اس لئے آ جاتے ہیں کہ کیوں آگ لگانے والے کا ہاتھ نہیں پکڑا؟ کیونکہ بروقت بجھانے کی کوشش نہیں کی؟ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ دوسروں کے گناہ میں پکڑا جانا تو آیت لاتزر الخ کے خلاف ہے؟ کیونکہ جواب یہ ہے کہ بے شک اس کام کا اصل گناہ تو کرنے والے کو ہوگا۔ لیکن مداہنت کرنا یہ اس کا گناہ ہے۔ یہ اس گناہ میں پکڑا جائے گا۔ آیت یایها الذین اٰمنوا الخ میں اسلامی احکام کی تعمیل وتبلیغ اور امت کے مصالح ومقاصد میں ہر قسم کی رخنہ اندازیوں کو روکا جا رہا ہے اور خصوصیت سے اس واقعہ پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے۔ جس میں دشمن کو اپنے جنگی ارادوں سے بعض سادہ لوحوں کی طرف سے محض اپنے بال بچوں کے خیال سے ایک طور پر باخبر کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ قرآن پاک اس حرکت کو خیانت مجرمانہ قرار دیتا ہے۔ آخر کار اس کی یہ للکار رائیگاں نہیں جاتی۔ بلکہ اس کام کے کرنے والے کو اس درجہ گرما دیتی اور بے چین کر دیتی ہے کہ وہ دوسروں کے لئے عبرت کا سبق بن جاتا ہے۔

انسان اپنے بنے ہوئے مکر کے جال میں آخر کار خود ہی پھنس جاتا ہے:............آیت اذیمکر الخ میں یہ بتلایا جا رہا ہے کہ انسان کو سوچنا چاہئے کہ بعض دفعہ وہ اپنی جہالت، حماقت، غفلت سے کیا کیا اسکیمیں بناتا ہے اور مکڑی کی طرح سازشوں کا ایک جال بنتا ہے۔ لیکن حکمت الٰہی کی پوشیدہ تدبیروں کا حال اس کے بارے میں کیا ہوتا ہے؟ ہجرت سے پہلے قریش نے جو منصوبے باندھے تھے تو کیا ایک لمحہ کے لئے انہیں آنے والے نتائج کا گمان ہوسکتا تھا؟ مگر دیکھنا چاہئے کہ خود ان ہی کے ظلم وعداوت نے ان نتائج کے لئے کس طرح زمین ہموار کر دی؟ اگر ظلم نہ ہوتا تو ہجرت بھی نہ ہوتی اور اگر ہجرت نہ ہوتی تو وہ تمام نتائج بھی ظہور میں نہ آتے جو ہجرت سے ظہور میں آئے۔ یہی صورت حال ہے قانونِ الٰہی کی مخفی تدبیر سے جو انسانی ظلم وفساد کی ساری تدبیریں ملیامیٹ کر دیتی ہے۔

---

[1] جس طرح کسی انسان اور اس کے سامان کے درمیان کوئی دوسرا شخص حائل ہو جائے تو پہلا شخص کچھ نہیں کر سکتا۔ دوسرا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اسی طرح بندہ بھی اللہ کی قدرت کے آگے کچھ نہیں کر سکتا۔ ۱۲

عذاب الٰہی کی ایک سنت:.......... آیت واذاتتلیٰ الخ سے نضر بن الحارث اور ابوجہل کی جس مغرورانہ ڈینگ اور دعا کا جواب دیا گیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کسی قوم پر اس کے پیغمبر کی موجودگی میں اور لوگوں کے استغفار کرنے کی صورت میں عذاب نازل کیا نہیں کرتا۔ اس لئے تم پر عذاب آنے کے لئے اس کی یہ سنت آڑے آ رہی ہے۔ لیکن جب تم نے پیغمبر اسلام کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا اور ادھر تمہاری سرکشی بھی اس درجہ پر پہنچ گئی کہ اللہ تعالیٰ سے خود تو کیا استغفار کرتے۔ دوسرے اللہ کے بندوں کو بھی اس کی عبادت گاہ میں آنے تک سے بجبر روکنے لگے۔ غرضیکہ دونوں رکاوٹیں دور ہو چکی ہیں۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ عمل کی پاداش میں تاخیر ہو۔ چنانچہ وہ اس طرح ظاہر ہوا کہ تمہارے جماعتی اقبال کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔

بہر حال اب دونوں آیتوں میں تعارض نہیں رہا۔ دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ بڑا عذاب تو نہیں آیا کیونکہ مذکورہ دو رکاوٹیں تھیں، لیکن معمولی عذاب کا وقت آ گیا۔ اسی لئے ذوقوا فرمایا گیا ہے کہ اس کو ذرا چکھو اور فرمایا کہ جو متقی نہیں انہیں عبادت گاہوں کی تولیت نہیں پہنچتی۔

اور لفظ عند اس لئے لایا گیا ہے کہ بیت اللہ کے اندر نماز کم پڑھتے ہیں۔ اکثر باہر ہی پڑھی جاتی ہے اور کفار پر عذاب کا سبب لونشاء لقلنا الخ اور ان کان ھذا الخ وغیرہ کفریات بھی ہیں۔ لیکن عملاً ان کا مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے گھر میں آنے سے روکنا سب سے بڑا عذاب کا سبب بنا ہے۔ یعنی پہلا ہی جرم کیا کم تھا کہ رہی سہی کمی اس حرکت نے پوری کر دی۔ کریلے اور نیم چڑھے کی مثال ہو گئی۔

یحشرون کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کو جہنم میں پاش پاش کر دیا جائے گا اور فیرکمہ کا مطلب یہ ہے کہ انہیں بالکل ملا دیا جائے گا۔ گویا ان کا حشر الی النار اس لئے ہوگا کہ انہیں فی النار کر دیا جائے گا۔

اور علامہ زمخشریؒ نے ما کان اللّٰہ کے ایک معنی یہ بھی لکھے ہیں کہ اگر یہ لوگ استغفار کرتے اور ایمان لے آتے تو اللہ ان کو عذاب نہ دیتا۔ مگر اب ایسا نہیں۔ اس لئے یہ عذاب کے مستحق ہو گئے۔ پس اس صورت میں کفار کا استغفار ثابت نہ ہوا۔ بلکہ اس کی نفی ہو گئی۔ جیسے دوسری آیت بھی اسی طرح کی ہے۔ وما کان ربك لیهلك القریٰ بظلم و اهلها مصلحون.

آیت قل للذین کفروا۔ بخشش و معافی اور دعوت امن و صلح کی انتہاء ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کا اپنے دشمنوں کے ساتھ کیسا طرز عمل رہا اور کس طرح مجبور و بے بس ہو کر اسے میدان جنگ میں کودنا پڑا۔

فقہی استنباط:.......... آیت ان ینتھوا الخ کی تفسیر امام اعظمؒ کے نزدیک یہ ہوگی کہ عرب کے کفار کو اسلام پر مجبور کیا جائے گا۔ اپنے مذہب پر باقی رہتے ہوئے ان سے جزیہ قبول نہ کیا جائے گا۔ جیسا کہ عرب کے علاوہ دنیا کے دوسرے حصوں کے کافروں سے جزیہ قبول کرنے اور ذمی بنا لینے کی اجازت ہے اور جن حضرات کے نزدیک کفارِ عرب سے بھی جزیہ قبول کیا جا سکتا ہے ان کے نزدیک فتنة کی تفسیر کفر و شرک سے نہیں ہوگی بلکہ لڑائی اور فساد سے کی جائے گی۔ یعنی عرب کے کافر اگر حرب سے باز آ جائیں اور ''حربی'' کی بجائے ''ذمی'' بن جائیں تو پھر انہیں قتل نہ کرو۔ رہا یہ کہ اس طرح وہ ذمی بن کر اگر تمہارے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہوں تو فان اللّٰه بما یعملون بصیر اللہ خود ان سے نمٹ لیں گے۔ اس قسم کے شبہات ذمی ہونے سے رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ ہاں اسلام لانے اور ذمی بننے سے اگر یہ دونوں سے انکار کر دیں تو پھر اللہ تمہارا حمایتی ہے۔ یہی مطلب ہوگا ان تولوا کا۔

نیز اس آیت میں کفار کو ان کے اسلام لانے کے بعد ان کے سابقہ گناہوں کی معافی کی بشارت سنائی جارہی ہے۔ خواہ وہ کافر اصلی ہوں یعنی شروع ہی سے کافر ہوں یا مرتد ہوں۔ دونوں کو اسلام لانے کی صورت میں صرف گناہوں کے معاف کرنے کی خوشخبری دی جارہی ہے۔ لیکن ان کا کفر وشرک یا ان کے ذمے کے حقوق اور سزاؤں کا بیان۔ تو یہ آیت ان سے خاموش ہے اور اصلی کافر اور مرتد کے احکام فقہی کتابوں میں بالتفصیل مذکور ہیں۔

لطائفِ آیات: .... آیت **ان اللّٰہ مع المؤمنین** میں اللہ تعالیٰ کا مومنین کے ساتھ ہونا معلوم ہورہا ہے۔ آیت **ولو علم اللّٰہ فیھم خیرا** میں خیر سے مراد خیر کی استناد ہے اور **لاسمعھم** سے مراد سمجھ کر نہ سننا ہے اور **لو اسمعھم** یعنی اس میں خیر نہ ہونے کے باوجود اگر انکو سنایا جائے اور **لتولوا** کے معنی یہ ہیں کہ وہ فائدہ نہ اٹھائیں اور **ان اللّٰہ یحول** کا مطلب یہ ہے کہ پھر اس کی استعداد ہونا بالکلیہ فنا ہوجائے گی۔ اس لئے فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ آیت **واتقوا فتنۃ الخ** سے بری صحبت کے وبال کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ **وما کانوا اولیاءہ** کی ضمیر اگر اللہ کی طرف لوٹائی جائے تو اس سے تقویٰ کا شرط ولایت ہونا معلوم ہوتا ہے۔

﴿الحمد للہ جلالین شریف کے پارہ قال الملاء نمبر ۹ کا ترجمہ وشرح تمام ہوئی۔﴾

پارہ نمبر ﴿۱۰﴾

وَاعۡلَمُوۡا

فہرست پارہ ﴿وَاعْلَمُوْا﴾

وَاعْلَمُوْا

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ اَخَذْتُمْ مِنَ الْكُفَّارِ قَهْرًا **مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ** يَامُرُفِيْهِ بِمَا يَشَاءُ **وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى** قَرَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ وَالْمُطَّلِبِ **وَالْيَتٰمٰى** اَطْفَالِ الْمُسْلِمِيْنَ الَّذِيْنَ هَلَكَتْ اٰبَاؤُهُمْ وَهُمْ فُقَرَاءُ **وَالْمَسٰكِيْنِ** ذَوِي الْحَاجَةِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ **وَابْنِ السَّبِيْلِ** الْمُنْقَطِعِ فِيْ سَفَرِهٖ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَيْ يَسْتَحِقُّهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاَصْنَافُ الْاَرْبَعَةُ عَلٰى مَاكَانَ يَقْسِمُهٗ مِنْ اَنَّ لِكُلٍّ خُمُسُ الْخُمُسِ وَالْاَخْمَاسُ الْاَرْبَعَةُ الْبَاقِيَةُ لِلْغَانِمِيْنَ **اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ** فَاعْلَمُوْا ذٰلِكَ **وَمَآ** عَطْفٌ عَلٰى بِاللّٰهِ **اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا** مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ وَالْاٰيَاتِ **يَوْمَ الْفُرْقَانِ** اَيْ يَوْمَ بَدْرٍ الْفَارِقِ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ **يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ** الْمُسْلِمُوْنَ وَالْكُفَّارُ **وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُ نَصْرُكُمْ مَعَ قِلَّتِكُمْ وَكَثْرَتِهِمْ **اِذْ** بَدَلٌ مِنْ يَوْمَ **اَنْتُمْ** كَائِنُوْنَ **بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا** الْقُرْبٰى مِنَ الْمَدِيْنَةِ وَهِيَ بِضَمِّ الْعَيْنِ وَكَسْرِهَا جَانِبُ الْوَادِيْ **وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى** الْبُعْدٰى مِنْهَا **وَالرَّكْبُ** الْعِيْرُ كَائِنُوْنَ بِمَكَانٍ **اَسْفَلَ مِنْكُمْ** مِمَّا يَلِي الْبَحْرَ **وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ** اَنْتُمْ وَالنَّفِيْرُ لِلْقِتَالِ **لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ وَلٰكِنْ** جَمَعَكُمْ بِغَيْرِ مِيْعَادٍ **لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا** فِيْ عِلْمِهٖ وَهُوَ نَصْرُ الْاِسْلَامِ وَمُحِقُّ الْكُفْرِ فَعَلَ ذٰلِكَ **لِّيَهْلِكَ** يَكْفُرَ **مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ** اَيْ بَعْدَ حُجَّةٍ ظَاهِرَةٍ قَامَتْ عَلَيْهِ وَهِيَ نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَعَ قِلَّتِهِمْ عَلَى الْجَيْشِ الْكَثِيْرِ **وَّيَحْيٰى** يُؤْمِنُ **مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ** ﴿۴۲﴾ اُذْكُرْ **اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ** اَيْ نَوْمِكَ **قَلِيْلًا** فَاَخْبَرْتَ بِهٖ اَصْحَابَكَ فَسَرُّوْا **وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ** جَبُنْتُمْ **وَلَتَنَازَعْتُمْ** اِخْتَلَفْتُمْ **فِي الْاَمْرِ** اَمْرِ الْقِتَالِ **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ** كُمْ مِنَ الْفَشَلِ وَالتَّنَازُعِ **اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** ﴿۴۳﴾ بِمَا فِي الْقُلُوْبِ **وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ** اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ **اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ**

قَلِيْلًا نَحْوَ سَبْعِيْنَ اَوْ مِائَةٍ وَهُمْ اَلْفٌ لِتَقْدَمُوْا عَلَيْهِمْ **وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ** لِيَقْدَمُوْا وَلَا يَرْجِعُوْا عَنْ قِتَالِكُمْ وَهٰذَا قَبْلَ الْتِحَامِ الْحَرْبِ فَلَمَّا الْتَحَمَ اَرٰهُمْ اِيَّاهُمْ مِثْلَيْهِمْ كَمَا فِي اٰلِ عِمْرَانَ **لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۗ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ** تَصِيْرُ **الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً** جَمَاعَةً كَافِرَةً **فَاثْبُتُوْا** لِقِتَالِهِمْ وَلَا تَنْهَزِمُوْا **وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا** اُدْعُوْهُ بِالنَّصْرِ **لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾** تَفُوْزُوْنَ **وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا** تَخْتَلِفُوْا فِيْمَا بَيْنَكُمْ **فَتَفْشَلُوْا** تَجْبُنُوْا **وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ** قُوَّتُكُمْ وَدَوْلَتُكُمْ **وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾** بِالنَّصْرِ وَالْعَوْنِ **وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ** لِيَمْنَعُوْا عِيْرَهُمْ وَلَمْ يَرْجِعُوْا بَعْدَ نَجَاتِهَا **بَطَرًا وَّرِئَاۗءَ** النَّاسِ حَيْثُ قَالُوْا لَا نَرْجِعُ حَتّٰى نَشْرَبَ الْخُمُوْرَ وَنَنْحَرَ الْجُزُوْرَ وَتَضْرِبَ عَلَيْنَا الْقِيَانُ بِبَدْرٍ فَيَتَسَامَعُ بِذٰلِكَ **النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ** النَّاسَ **عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾** عِلْمًا فَيُجَازِيْهِمْ بِهٖ وَ اذْكُرْ **اِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ** اِبْلِيْسُ **اَعْمَالَهُمْ** بِاَنْ شَجَّعَهُمْ عَلٰى لِقَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ لَمَّا خَافُوْا الْخُرُوْجَ مِنْ اَعْدَاءِهِمْ بَنِيْ بَكْرٍ **وَقَالَ** لَهُمْ **لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ** مِنْ كِنَانَةٍ وَكَانَ اَتَاهُمْ فِيْ صُوْرَةِ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍ سَيِّدِ تِلْكَ النَّاحِيَةِ **فَلَمَّا تَرَاۗءَتِ** الْتَقَتِ **الْفِئَتٰنِ** الْمُسْلِمَةُ وَالْكَافِرَةُ وَرَاَى الْمَلٰئِكَةَ وَكَانَ يَدُهٗ فِيْ يَدِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ **نَكَصَ** رَجَعَ **عَلٰي عَقِبَيْهِ** هَارِبًا **وَقَالَ** لَمَّا قَالُوْا لَهٗ اَتَخْذُلُنَا عَلٰى هٰذِهِ الْحَالِ **اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكُمْ** مِنْ جِوَارِكُمْ **اِنِّىْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ** مِنَ الْمَلٰئِكَةِ **اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ** اَنْ يُهْلِكَنِيْ **وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾**

ترجمہ:......... اور جان رکھو کہ جو کچھ تمہیں مال غنیمت ملے (جس کو تم کفار سے زبردستی وصول کرو) اس پورے کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہے (وہ جو چاہے اس کے بارے میں حکم نافذ کرے) اور اس کے رسول کے لئے اور اس کے قرابت داروں کے لئے (ہاشمی اور مطلبی جو آپ ﷺ کے رشتہ دار ہیں) یتیموں کے لئے (مسلمانوں کے ان غریب بچوں کے لئے جن کے باپ بچپن میں انہیں چھوڑ کر مر گئے ہوں) اور مسکینوں کے لئے (ضرورت مند مسلمانوں کے لئے) اور مسافروں کے لئے (جو بحالت سفر مسلمانوں کے قافلہ سے بچھڑ گئے ہوں۔ یعنی اس پانچویں حصہ میں آنحضرت ﷺ اور یہ چاروں حق دار شریک ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک کو اس پانچویں حصہ کا پانچواں حصے ملے گا اور کل مال کے جو چار حصے بچے وہ مجاہدین کا حصہ ہیں) اگر تم اللہ پر یقین رکھتے ہو (تو اسے ذہن نشین کر لو) اور اس چیز پر (اس کا عطف باللہ پر ہے) جو ہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل کی ہے (یعنی فرشتے اور آیات) فیصلہ کر دینے والے دن میں (یعنی جنگ بدر کے روز جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن تھا) جب کہ دونوں لشکر (مسلمان اور کفار) ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے اور اللہ کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے (تمہاری تعداد تھوڑی ہوتے ہوئے اور دشمن زیادہ ہوتے ہوئے۔ پھر تمہاری مدد کرنا بھی اسی کی قدرت میں داخل ہے) یہ وہ وقت تھا جب کہ (یہ بدل ہے یوم سے) تم ادھر قریب کے ناکہ پر تھے (جو مدینہ طیبہ سے نزدیک تھا۔ لفظ عدوۃ عین کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ ہے۔ میدان کے کنارہ کو کہتے ہیں) ادھر دشمن دور کے

تا کہ پر (مدینہ کی پرلی جانب) اور قافلہ (یعنی تجارتی قافلہ ایسی جگہ تھا جو) تم سے نچلے حصہ میں تھا (سمندری ساحل کی جانب) اور اگر تم نے آپس میں لڑائی کی بات ٹھہرائی ہوتی (تمہاری اور جنگی دستے۔ جو کی لڑائی کے لئے بات چیت طے ہو جاتی) تو جنگ کی میعاد سے گریز کرتے لیکن (اللہ نے دونوں لشکروں کو ٹھہرا دیا بغیر میعاد ہی کے) تا کہ جو بات ہونے والی تھی اسے کر دکھائے (یعنی علم الٰہی میں اور وہ بات اسلام کی تائید اور کفر کی بربادی ہے۔ یہ کارروائی اللہ نے اس لئے کی) تا کہ جسے برباد ہونا ہے۔ (کفر کرنا ہے) وہ حجت پوری ہونے کے بعد برباد ہو (یعنی کھلی دلیل کے بعد ہو جو اس پر قائم ہو چکی ہے اور وہ تھوڑی مقدار کے باوجود ایک بڑے لشکر کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مدد کرنا ہے) اور جسے زندہ رہنا ہے (ایمان لانا ہے) وہ حجت پوری ہونے کے بعد زندہ رہے او بلاشبہ اللہ سب کی سنتے اور سب کچھ جانتے ہیں (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب کہ اللہ نے آپ کو خواب (سونے کی حالت) میں ان کی تعداد تھوڑی کر کے دکھلائی (جس کی اطلاع آپ ﷺ نے جب صحابہ کو دی تو وہ خوش ہو گئے) اور اگر اللہ انہیں بہت کر کے دکھا تا تو تم لوگ ضرور ہمت ہار دیتے (کم ہمتی کرتے) اور جھگڑنے لگتے (اختلاف کرتے) اس معاملہ (جنگ) میں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے (تمہیں) اس صورت حال (یعنی بزدلی اور جھگڑے بازی) سے بچالیا۔ یقین کرو جو کچھ انسان کے سینوں (دلوں) میں چھپا ہوتا ہے وہ اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں اور جس وقت کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو (اے مسلمانو!) جب کہ تم دونوں فریق ایک دوسرے کے مقابل ہو رہے تھے۔ تمہارے دشمن تمہاری نظروں میں کم کر کے دکھلائے (یعنی صرف ستر یا سو۔ حالانکہ وہ ایک ہزار تھے۔ تا کہ ان کے مقابلہ میں تمہارے اندر ابھار پیدا ہو) اور ان کی نظروں میں تم تھوڑے دکھائی دیئے (تا کہ تم بھڑ جاؤ اور جنگ سے بچنے کی کوشش نہ کرو اور یہ کیفیت مٹھ بھیڑ سے پہلے کی تھی۔ لیکن جب آپس میں گتھم گتھا ہو گئے تو پھر مسلمانوں کو کافر دوگنے دکھلا دیئے۔ جیسا کہ آل عمران میں گزر چکا ہے) تا کہ جو بات ہونے والی تھی اللہ اسے کر دکھائے اور سارے کاموں کا دارو مدار اللہ ہی کی ذات پر ہے۔ مسلمانو! (کافروں کی) کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو لڑائی میں ثابت قدم رہو (لڑنے میں شکست مت کھانا) اور زیادہ سے زیادہ اللہ کو یاد کرو (مدد کے لئے اسے پکارو) تا کہ تم کامیاب ہو اور اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو (باہم نا اتفاقی نہ کرو) ورنہ بزدل (پست ہمت) ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی (۔ طاقت و دولت چلی جائے گی) اور صبر سے کام لو۔ اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے (تائید و مدد کے لحاظ سے) اور ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے نکلے (تا کہ اپنے تجارتی قافلہ کی حفاظت کریں۔ مگر قافلہ کے بچ نکلنے کے بعد انہیں اپنے گھروں کو لوٹنا نصیب نہ ہوا) اتراتے ہوئے اور لوگوں کو نظروں میں نمائش کرتے ہوئے (اس قسم کے بول بول رہے تھے کہ ہم نہیں واپس ہوں گے جب تک مقام بدر پر شراب نہ پی لیں، اونٹ نہ ذبح کر لیں اور گانے والیوں سے مزامیر نہ سن لیں۔ تا کہ لوگ جشن مسرت منالیں) اور (لوگوں کو) روکتے تھے اللہ کے راستے سے۔ اور جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے ہیں (یا اور تا کے ساتھ دونوں طرح ہے) اللہ اسے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں (یعنی ان کے علم میں ہے۔ لہذا وہ اسی کے مطابق ان کو بدلہ دیں گے) اور (وہ وقت بھی یاد رکھئے) جب شیطان (ابلیس) نے ان کے کرتوت ان کی نگاہوں میں خوشنما کر کے دکھا دیئے تھے (مسلمانوں سے گتھ جانے کے لئے ابھار دیا۔ حالانکہ مسلمانوں کے دشمن ہو کر ان کے سامنے پڑتے ہوئے گھبرا رہے تھے) اور (ان سے) کہا تھا کہ آج ان لوگوں میں کوئی نہیں جو تم پر غالب آ سکے اور میں تمہارا پشت پناہ ہوں (یعنی قبیلہ کنانہ سے ہوں اور شیطان سراقہ بن مالک کے بھیس میں ان کے پاس آیا تھا جو اس قبیلہ کا سردار مانا جاتا تھا) مگر جب آمنے سامنے ہوئیں (ایک دوسرے سے گتھیں) دونوں فوجیں (مسلمانوں اور کافروں کی اور شیطان کی نظر فرشتوں پر پڑی) حالانکہ اس کا ہاتھ حارث بن ہشام کے ہاتھ میں تھا) تو الٹے پاؤں (بھاگتے ہوئے) واپس ہوا (لوٹا) اور لگا کہنے (جب کہ لوگوں نے اسے جتلایا کہ کیا تو اس حالت میں ہمیں چھوڑے جاتا ہے) میرا تم

سے (تمہاری حمایت سے) کوئی واسطہ نہیں۔ مجھے وہ چیز دکھائی دے رہی ہے جو تمہیں نظر نہیں آتی (یعنی فرشتے) میں اللہ سے ڈرتا ہوں (کہ کہیں مجھے ہلاک نہ کر دے) اور اللہ سخت سزا دینے والے ہیں۔

تحقیق وترکیب:............غنمتم. غنیمت کا بیان تین جگہ آیا ہے۔ سورۂ انفال میں لفظ نفل کے ساتھ اور یہاں غنیمت کے ساتھ اور سورۂ حشر میں لفظ فیئ کے ساتھ للہ۔ ان کی خبر مقدم ہے۔ اور خمسہ اسم مؤخر۔ پھر یہ جملہ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای حکمہ اور من شیئ حال ہے موصول مقدر کے عائد سے ای ماغنمتموہ کائنا من شیء ای قلیلاً کان او کثیراً۔ امام زاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت۔ آیت انفال کے لئے ناسخ ہے۔ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ مال غنیمت کے چار حصے مجاہدین کو ملیں گے مگر پانچویں حصہ میں اختلاف ہے۔ بعض تو ظاہری آیت کی وجہ سے اس کو چھ حصوں پر مانتے ہیں۔ اس طرح کہ ابو العالیہ کے نزدیک اللہ کا حصہ بیت اللہ پر صرف کیا جائے گا اور بعض کے نزدیک بیت المال میں رہے گا اور بعض کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے حصہ میں شامل ہو جائے گا۔ لیکن جمہور کے نزدیک اللہ کا ذکر محض تبرکاً ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے حصہ میں وفات کے بعد اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ تو مسلمانوں کی مصالح پر خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ نے کیا اور بعض کے نزدیک امام وقت اپنی ذات پر خرچ کرے اور بعض کے نزدیک باقی چاروں قسموں کو دے دیا جائے گا۔ لیکن حنفیہ آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے قرابتداروں کا حصہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ساقط مانتے ہیں۔ اب صرف تین مصرف رہ گئے اور امام مالکؒ کے نزدیک خلفیہ وقت کی رائے پر محمول ہے۔

والمطلب. عبد مناف کے اگرچہ دوسرے دو بیٹے عبد شمس اور بنی نوفل بھی ہیں اور ان کی اولاد بھی آنحضرت ﷺ کی قرابت دار ہے۔ لیکن جو خصوصیت تیسرے بیٹے بنو المطلب اور ان کی اولاد کو حاصل ہے وہ دوسروں کو نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی انگلیاں انگلیوں میں ڈال کر اشارہ کر کے فرمایا۔ کہ بنو المطلب تو اسلام اور کفر کی حالت میں اس طرح میرے ساتھ رہے ہیں اور بعض کے نزدیک قرابتداروں سے مراد صرف بنو ہاشم ہیں اور بعض کے نزدیک تمام قریش ہیں۔ پھر امام شافعیؒ کے نزدیک امیر غریب قرابتداروں میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ لیکن بعض صرف غریب قرابتداروں کے لئے مانتے ہیں اور یہ امام زاہد فرماتے ہیں کہ ہمارے اور امام شافعیؒ کے درمیان اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قرآن کا نسخ حدیث متواتر کی وجہ سے جائز ہے اور ان کے نزدیک جائز نہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے قرابتداروں کا ذکر اس آیت میں ہے۔ لیکن خلفائے راشدینؓ نے اس پر عمل نہیں کیا۔ معلوم ہوا یہ منسوخ ہے۔ مگر امام شافعیؒ اس کو نہیں مانتے۔

فاعلموا. آیت کی جزائے محذوف کی طرف اشارہ کر دیا۔ لیکن فامتثلوا. جن لوگوں نے جزا نکالی ہے وہ زیادہ بہتر ہے یا اس علم سے مراد علم عملی لے لیا جائے تو پھر دونوں کا حاصل ایک ہی ہو جائے گا۔ کائنون اس کی تقدیر سے اشارہ کر دیا کہ اسفل اپنے متعلق سمیت خبر ہے الرکب کی اور یہ جملہ پھر حال ہو رہا ہے بالعدوۃ کا۔

لیھلک. لفظ ہلاکت اور حیات کفر و ایمان سے استعارہ ہیں۔ قلیلاً۔ یہ تیسرا مفعول ہے یریک کا کیونکہ ہمزہ داخل ہونے کے سبب رویت تین مفعول کی طرف متعدی ہو گیا اور جلال محققؒ نے فاخبرت سے اشارہ کر دیا کہ مضارع ماضی کے معنی میں ہے کیونکہ خواب کے بعد آیات کا نزول ہوا ہے۔ مثلیھم۔ مفسر کی ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آل عمران کی آیت یرونھم کی ضمیر مرفوع کا مرجع کفار اور ضمیر منصوب کا مرجع مسلمان ہوں۔ حالانکہ آل عمران میں مفسر کی ظاہر عبارت سے اس کا برعکس ہوا ہے تو اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ جنگ سے پہلے تو کفار مسلمانوں کو کم نظر آئے۔ لیکن عین جنگ کے وقت مسلمانوں نے اپنے برابر دیکھا۔

حالانکہ وہ ان سے تین گنے ایک ہزار تھے۔ یہ توجیہ اس وقت ہے جب کہ مثلیھم سے اکثر ہوں۔ جیسا کہ مفسر کہہ رہے ہیں۔ لیکن اگر بغوی وغیرہ کے مطابق اس کو اپنی حقیقت پر باقی رکھا جائے اور یرونھم کی ضمیر مرفوع کا مرجع مسلمانوں کو بنایا جائے تب بھی" یقللکم فی اعینھم " کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اپنے سے دو گنے دیکھے تھے۔ حالانکہ کفار مسلمانوں سے تین گنے تھے۔ چنانچہ واحدی نے سورۂ آل عمران میں کہا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے سے تین گنا کفار کی تعداد کو دوگنا دیکھا تو اللہ نے یہ بتلانے کے لئے کہ تمہارے ایک سو ان کے دوسو پر غالب رہیں گے۔ یہ کمی دکھلائی۔

اذکروا. اس سے مراد ذکر اللہ ہے یا دعا۔ ریحکم۔ قوت و دولت کو ہوا سے تشبیہ دی گئی ہے اثر ونفوذ کے اعتبار سے۔

انی اخاف اللّٰہ ۔ یا تو شیطان نے یہ جھوٹ بولا ہے جو اس کی شیطنت سے بعید نہیں ہے اور یا دہشت کے غلبہ میں وعدہ الٰہی " انک من المنظرین " اسے یاد نہیں رہا۔ بہر حال ان دونوں توجیہوں پر اس آیت کے خلاف کا شبہ نہیں رہا۔

ربط آیات: .... پچھلی آیت میں وجہاد کا بیان تھا۔ آیت واعلموا الخ میں اسی کے مال غنیمت کا حکم ذکر کیا جا رہا ہے اور اکثر قول کے مطابق اگر آیتوں کو بدری مانا جائے تو پھر یہ آیت قل الانفال کی ایک اعتبار سے تفصیل ہو جائے گی۔ آیت اذا نتم الخ سے غزوہ بدر کی تفصیل بیان کی جارہی ہے۔ اس میں لو تواعدتم سے ساتویں انعام کو اور واذ یریکھم الخ سے آٹھویں انعام کو جتلایا جا رہا ہے۔ آیت یا ایھا الذین اٰمنوا الخ میں جنگ اور جہاد کے ظاہری اور باطنی آداب کی تعلیم دی جارہی ہے۔

آیت اذ زین الخ سے غزوہ بدر میں شیطان کے نمودار ہونے کو ذکر کیا جا رہا ہے۔ صاحب کشاف اور قاضی کی رائے یہ ہے کہ آیت واعلموا الخ بدر میں نازل ہوئی اور بعض کی رائے ہے کہ بدر کے ایک مہینہ تین روز بعد نازل ہوئی یعنی نصف شوال میں ہجرت کے بیسویں مہینہ کے بعد غزوہ بنی قینقاع کے موقعہ پر۔

شانِ نزول: .... بدر کے موقعہ پر جب قریش اکڑتے ہوئے آئے تو آنحضرت ﷺ نے دعا کی۔

اللھم ھذہ قریش قد اقبلت بفخرھا وبخیلاھا تجادلک وتکذب رسولک اللھم فتنصرک الذی وعدتنی .

چنانچہ یہی ہوا کہ ابوجہل وغیرہ کی تمنا قدرت نے اس طرح پوری کی کہ بجائے جام شراب کے موت کا پیالہ پینا پڑا اور بجائے گانے والیوں کی آواز کے لوگوں نے نوحوں کی آوازیں سنیں اور اس طرح خیالی جشن خوشی واقعی جشن غمی میں تبدیل ہو گیا۔ اس لئے آیت لا تکونوا الخ نازل ہوئی اور آیت اذ زین الخ کا شان نزول جلال محقق نے بیان فرمادیا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **مال غنیمت کی تقسیم:** .... آیت واعلموا میں مال غنیمت کی تقسیم کا طریقہ بتلایا جا رہا ہے۔ مال غنیمت کے پانچ حصے کئے جائیں اور چار حصوں کو مجاہدین پر تقسیم کیا جائے اور پانچویں حصہ کو پھر پانچ حصے کیا جائے گا۔ اللہ ورسول کے حصوں کا مطلب یہ ہے کہ ایک خاص رقم رکھی جائے جس میں سے پیغمبر اسلام کو جب تک زندہ رہیں ضروری مصارف ملیں اور ایک حصہ آپ ﷺ کے قرابتداروں کو اور ایک ایک حصہ یتیم و مسکین کو دیا جائے جس کے معنی یہ نکلے کہ یتیموں اور مسکینوں اور مصیبت زدوں کی خبر گیری کے لئے اسلامی حکومت ذمہ دار ہوگی اور حکومت کے خزانہ کا ایک لازمی مصرف قوم کے ان افراد کی اعانت ہے۔

فقہ حنفی کی رو سے مالِ غنیمت کی موجودہ تقسیم: .... اب چونکہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہوگئی ہے اس لئے آپ ﷺ کے حصہ کی ضرورت نہیں رہی اور آپ ﷺ کے رشتہ داروں کا حصہ بھی محض آپ ﷺ کے نصرت وتائید کرنے کی وجہ سے تھا۔

جب آپ ﷺ ہی تشریف فرما نہیں، تو آپ ﷺ کی نصرت کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ حصہ بھی ساقط۔ صرف تین حصے ہیں جو قوم کے کمزور افراد پر خرچ کئے جائیں۔ ہاں ان مساکین وغیرہ میں اگر آنحضرت ﷺ کے قرابتدار ہوں تو وہ بحیثیت مسکین دوسروں سے مقدم سمجھے جائیں گے اور حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ کی طرح یہ لوگ مال غنیمت کے مصرف ہیں مستحقین نہیں ہیں۔ چنانچہ اگر ساری رقم ایک قسم مثلاً مسکینوں پر بھی خرچ کر دی جائے تب بھی جائز ہوگا۔ پانچواں حصہ نکالنے کے بعد بقیہ مال غنیمت میں سب مجاہدین حصہ دار ہوں گے۔ خواہ انہوں نے کفار کو قتل کیا ہو یا مجاہدین کو دوسری کسی طرح کی مدد پہنچائی ہو۔

حکومت کے فوجی خصوصی انعامی اختیارات: .... البتہ اگر کمانڈر یہ اعلان کر دے ''من قتل قتیلا فلہ سلبہ، تو اس خصوصی انعام کا جس کو نفل کہتے ہیں صرف قاتل مجاہد مستحق ہوگا۔ اسی طرح اگر افسر نے کسی اور طرح کے انعام کا اعلان کر دیا ہو تو وہ بھی خاص اسی فوجی کا ہوگا۔ ہاں اس میں سے جو کچھ بچے گا اس کے دوسرے فوجی بھی حق دار ہوں گے۔ نیز اگر کمانڈر مقررہ انعام اور حصہ غنیمت کے علاوہ کسی فوجی کو اس کی بہادری کے صلہ میں اور کچھ زائد دینا چاہے تب بھی حکومت کے پانچویں حصہ میں سے دے سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت سعد بن وقاصؓ کے حصہ میں جو تلوار آنحضرت ﷺ نے ان کو مرحمت فرمائی تھی۔ وہ ایک زائد انعام تھا جس کا دینا آپ ﷺ پر واجب نہیں تھا۔ صرف رعایۃً دے دی تھی۔ اس آیت میں اذ انتم الخ سے بدر کی تفصیل پیش کرتے ہوئے قدرت الٰہی کا نمونہ دکھلایا ہے۔

چھ ۶ قیمتی فوجی قواعد: .... اور یٰآیہا الذین اٰمنوا الخ سے بما یعملون محیط تک چھ ضروری باتوں پر زور دیا گیا ہے جو فتح وکامرانی کا اصلی سرچشمہ ہیں۔

۱۔ ثابت قدم رہو۔ ۲۔ اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو۔ ۳۔ اللہ ورسول کی اطاعت کرو۔ ۴۔ باہمی نزاعات سے بچو۔ ۵۔ مشکلیں کتنی ہی آئیں پر جھیلتے رہو۔ ۶۔ گھمنڈ اور نمائش کرنے والے کافروں کا سا چلن اختیار نہ کرو۔ آگے آیت اذ زین الخ میں شیطان کے ایک دھوکہ آمیز لطیفہ کا ذکر ہے سراقہ کی اتنی بدنامی ہوئی کہ مکہ کے لوگ کہتے تھے کہ سراقہ نے ہمیں ہرا دیا۔ لیکن سراقہ نے قسم کھائی۔ کہ مجھے خبر تک نہیں اور چونکہ اللہ سے ڈرنا بلا ایمان لائے معتبر نہیں۔ اس لئے اگر شیطان کا ڈرنا واقعی اور صحیح بھی ہو تب بھی محل اشکال نہیں ہوسکتا۔

لطائف آیات: .... آیت اذ یریکھم اللّٰہ الخ سے معلوم ہوا کہ بعض باتیں حق تعالیٰ آنحضرت ﷺ سے بھی مخفی فرما دیتے تھے۔ پس نبی کے علاوہ کسی ولی کے لئے کلی معلومات کا ماننا کیسے صحیح ہوگا اور خواب کی طرح بیداری کا بھی یہی حال ہے۔ جیسا کہ آیت اذ یریکموھم الخ سے معلوم ہو رہا ہے۔ آیت ولا تکونوا الخ سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کو دشمنان خدا کی مشابہت اختیار نہیں کرنی چاہئے آیت فلما تراء ت الخ سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ کبھی شیطان وسوسہ کو چھوڑ بھی دیتا ہے۔

جیسے انی بری ٔ سے معلوم ہو رہا ہے۔ جب کہ اسے یہ اطمینان ہو جائے کہ میرے وسوسہ کے بغیر بھی انسان گناہ کرے گا۔ دوسرے یہ کہ کشف اہل باطل کو بھی ہوسکتا ہے جیسے ابلیس کو ہوا۔ انی اریٰ الخ تیسرے اس سے تمثیل کا وقوع معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ شیطان سراقہ کی شکل میں نمودار ہوا۔ چوتھے یہ کہ اللہ سے طبعی خوف جیسا کہ انی اخاف اللّٰہ سے معلوم ہو رہا ہے۔ ایمان کے لئے کافی نہیں۔ بلکہ اعتقادی اور عقلی خوف ایمان کے لئے مطلوب ہے۔

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ضَعْفُ اِعْتِقَادٍ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ اَيِ الْمُسْلِمِيْنَ دِيْنُهُمْ اِذْ خَرَجُوْا مَعَ قِلَّتِهِمْ يُقَاتِلُوْنَ الْجَمْعَ الْكَثِيْرَ تَوَهُّمًا اَنَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ بِسَبَبِهِ قَالَ تَعَالٰى فِيْ جَوَابِهِمْ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ يَثِقْ بِهِ يَغْلِبْ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهِ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾ فِيْ صُنْعِهِ وَلَوْ تَرٰٓى يَا مُحَمَّدُ اِذْ يَتَوَفَّى بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ حَالٌ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ بِمَقَامِعَ مِنْ حَدِيْدٍ وَ يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾ اَيِ النَّارِ وَجَوَابُ لَوْ لَرَاَيْتَ اَمْرًا عَظِيْمًا ذٰلِكَ التَّعْذِيْبُ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ عَبَّرَ بِهَا دُوْنَ غَيْرِهَا لِاَنَّ اَكْثَرَ الْاَفْعَالِ تُزَاوَلُ بِهَا وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ اَيْ بِذِيْ ظُلْمٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾ فَيُعَذِّبُهُمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ دَابُ هٰؤُلَاءِ كَدَاْبِ كَعَادَةِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِالْعِقَابِ بِذُنُوْبِهِمْ جُمْلَةُ كَفَرُوْا وَمَا بَعْدَهَا مُفَسِّرَةٌ لِمَا قَبْلَهَا اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَلٰى مَا يُرِيْدُهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ اَيْ تَعْذِيْبُ الْكَفَرَةِ بِاَنَّ اَيْ بِسَبَبِ اَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ مُبَدِّلًا لَهَا بِالنِّقْمَةِ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ يُبَدِّلُوْا نِعْمَتَهُمْ كُفْرًا كَتَبْدِيْلِ كُفَّارِ مَكَّةَ اِطْعَامَهُمْ مِنْ جُوْعٍ وَاَمْنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ وَبَعْثَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ بِالْكُفْرِ وَالصَّدِّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقِتَالِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ قَوْمَهُ مَعَهُ وَكُلٌّ مِنَ الْاُمَمِ الْمُكَذِّبَةِ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾ وَنَزَلَ فِيْ قُرَيْظَةَ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ اَنْ لَا يُعِيْنُوا الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ عَاهَدُوْا فِيْهَا وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ اللّٰهَ فِيْ غَدْرِهِمْ فَاِمَّا فِيْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِيْ مَا الزَّائِدَةِ تَثْقَفَنَّهُمْ تَجِدَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ فَرِّقْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ مِنَ الْمُحَارِبِيْنَ بِالتَّنْكِيْلِ بِهِمْ وَالْعُقُوْبَةِ لَعَلَّهُمْ اَيِ الَّذِيْنَ خَلْفَهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ يَتَّعِظُوْنَ بِهِمْ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ عَاهَدُوْكَ خِيَانَةً فِي الْعَهْدِ بِاَمَارَةٍ تَلُوْحُ لَكَ فَانْۢبِذْ اِطْرَحْ عَهْدَهُمْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ حَالٌ اَيْ مُسْتَوِيًا اَنْتَ وَهُمْ فِي الْعِلْمِ بِنَقْضِ الْعَهْدِ بِاَنْ تُعْلِمَهُمْ بِهِ لِئَلَّا يَتَّهِمُوْكَ بِالْغَدْرِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: ....منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ (ضعف اعتقاد) تھا جب وہ کہنے لگے کہ ان (مسلمانوں) کو تو ان کے دین نے مغرور کر دیا ہے (جب ہی تو تھوڑی تعداد ہوتے ہوئے اتنی بڑی بھیڑ سے بھڑنے چلے ہیں اس گھمنڈ میں کہ اس دین کے سبب ان کی مدد ہوگی۔ حق تعالیٰ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں) اور جس کسی نے اللہ پر بھروسہ کیا (اس پر اعتماد کیا تو وہ غالب ہی

آتا ہے) کیونکہ بلاشبہ حق تعالیٰ زبردست (اپنے حکم پر غالب) ہیں (اپنی کارروائی میں) حکمت والے ہیں اور (اے محمد ﷺ!) اگر آپ وہ حالت ملاحظہ فرمائیں جب کہ قبض کرتے جاتے ہیں (یہ لفظ یا اور تا کے ساتھ ہے) فرشتے کافروں کی روحیں۔ مارتے جاتے ہیں (یہ حال ہے) ان کے منہ اور ان کی پیٹھوں پر (لوہے کے گرز) اور (ان سے کہتے جاتے ہیں) کہ اب جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو (یعنی آگ کا اور لو کا جواب لرأیت امراً عظیماً محذوف ہے) یہ (سزا دینا) نتیجہ ہے ان کاموں کا جنہیں خود تم نے اپنے ہاتھوں سمیٹا ہے (ان کاموں کی نسبت ہاتھوں کی طرف کرنا کسی دوسرے عضو کی طرف نہ کرنا اس لئے ہے کہ اکثر کام ہاتھوں سے کئے جاتے ہیں) اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ ظلم کرنے والے (ظلام کے معنی ظلم کرنے والے کے ہیں) ہوں اپنے بندوں پر (کہ انہیں بلاقصور ہی سزا دے دیں۔ ان کی حالت) ایسی حالت ہے جیسی (عادت) فرعونیوں کی اور ان سے پہلے لوگوں کی تھی کہ آیات الٰہیہ کا انکار کیا تو اللہ نے ان کے گناہوں (کی سزا) میں انہیں پکڑ لیا (کفروا اور اس کے بعد کا جملہ پہلے جملہ کی تفسیر ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے طاقتور ہیں (اپنے ارادہ پر) سزا دینے میں بہت سخت ہیں۔ یہ بات (یعنی کافروں کو سزا دینا) اس لئے (اس سبب سے) ہے کہ اللہ جو نعمت کسی قوم کو عطا فرماتے ہیں اسے پھر کبھی نہیں بدلتے (نعمت کو مصیبت میں تبدیل نہیں کرتے) جب تک خود اس قوم کے افراد اپنی حالت نہ بدل لیں (اپنی نعمتوں کو کفر میں تبدیل کرلیں جیسے کہ کفار مکہ نے اپنے کھانے کو بھوک میں اور اپنے امن کو خوف میں اور آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کو کفر میں اور اللہ کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے اور مسلمانوں کو قتل کرنے میں تبدیل کرلیا ہے) اور بلاشبہ اللہ بڑے سننے والے بڑے جاننے والے ہیں ان کی حالت فرعونیوں اور ان سے پہلوں سے ملتی جلتی ہے جنہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیاں جھٹلائیں تو ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں ہلاک کرڈالا اور فرعون کے گروہ کو (فرعون کو مع اپنی جماعت کے) سمندر میں غرق کردیا اور وہ سب (جھٹلانے والے گروہ) ظالم تھے (اگلی آیت یہود بنی قریظہ کے بارے میں اتری ہے) بلاشبہ اللہ کے نزدیک بدترین چوپائے وہ ہیں جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تو یہ وہ لوگ ہیں جو کبھی ایمان لانے والے نہیں۔ جن کی کیفیت یہ ہے کہ آپ ﷺ ان سے عہد و پیمان لے چکے ہیں (کہ مشرکین کی مدد نہ کرنا) مگر ہر بار (جب بھی وہ عہد کرتے ہیں) عہد توڑ ڈالتے ہیں اور (اس بدعہدی کے بارے میں اللہ سے) یہ لوگ ڈرتے نہیں۔ سو اگر (ان شرطیہ کے نون کا۔ ما زائدہ میں ادغام ہورہا ہے) آپ ان پر قابو پالیں (ان کو لڑائی میں پکڑلیں) جنگ میں تو تتر بتر (منتشر) کردیجئے ان کی وجہ سے ان کے پس پشت لوگوں کو (جو جنگ میں حصہ لے رہے ہیں ان کو تکلیف اور سزا دیجئے) تاکہ وہ لوگ (جو ان کی پس پشت ہیں) سمجھ جائیں (ان کو دیکھ کر سبق حاصل کرلیں) اور اگر آپ کو (معاہدین کی) کسی جماعت سے دغا کا اندیشہ ہو (کسی علامت سے ان کی بدعہدی ظاہر ہورہی ہو) تو الٹا دیجئے (ان کا عہد واپس کردیجئے) ان کی طرف اس طرح کہ آپ اور وہ برابر ہوجائیں (یہ حال ہے یعنی عہد ٹوٹنے کا حال جاننے میں آپ اور وہ یکساں ہوجائیں اس طرح کہ آپ ان پر یہ واضح کردیجئے اور جتلا دیجئے تاکہ آپ پر بدعہدی کا الزام نہ آجائے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

تحقیق وترکیب: .... یتق . یہ توکل کی تفسیر ہے اور یغلب . جواب شرط ہے جو محذوف ہے اور فان اللہ ۔ وال بر جزاء ہے مقامع. جمع مقمعۃ لوہے کا گرز یا لکڑی کا مڑا ہوا چابک ویقولون یعنی یضربون پر اس کا عطف ہورہا ہے۔ ظلام ۔ صیغہ مبالغہ ہونے کی وجہ سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس طرح زائد ظلم کی نفی تو ہوئی۔ لیکن اصل ظلم اللہ کے لئے ثابت رہا۔ حالانکہ ظلم کی بالکلیہ نفی ہونی چاہئے مفسر علام " ذی ظلم " کہہ کر اسی کا ازالہ کررہے ہیں کہ یہاں اس لفظ کے معنی مبالغہ کے نہیں۔ بلکہ ظلم کی نسبت کرنے کے ہیں۔ پس ظلم کی نفی بالکل ہوگئی اور ظلم کہتے ہیں بے جا اور بے موقع تصرف کو اور ظاہر ہے۔ کہ مالک مطلق ہونے کی وجہ سے اللہ کا کوئی تصرف بے محل نہیں۔ اس لئے عقلاً بھی اللہ سے ظلم کی نفی ضروری ہے۔

داب ۔یعنی کاف کا پہلے سے تعلق ہے اور مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے یہ محل رفع میں ہے جملہ مستانفہ ہے یہ الفاظ دو جگہ آ رہے ہیں۔لیکن اول جگہ کفر پر سزا ہونے میں تشبیہ دینا ہے اور دوسری جگہ اس بارے میں تشبیہ دینی ہے کہ اللہ کا معاملہ بغیر اپنی حالت تبدیل کئے نہیں بدلتا۔اس لئے تکرار کا اب شبہ نہیں رہا یایوں کہا جائے کہ اول اجمال ہے اور دوسرا تفصیل یا کہا جائے کہ پہلا تغیر کفر کی وجہ سے اور دوسرا تکذیب کی وجہ سے بیان کیا گیا۔غرض سب کا حاصل یہی ہے کہ تکرار نہیں ہے۔

نیز "**ذٰلِكَ بان الله**" کا مطلب یہ نہیں کہ انسانوں کی حالت پلٹنے پر اللہ کا معاملہ ضرور پلٹ جاتا ہے بلکہ منشاء یہ ہے کہ اللہ اپنے معاملہ کو نہیں بدلتے جب تک انسان خود نہ بدلے اور ان دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے مغالطہ نہیں کھانا چاہئے اور یہاں تو آیت ان شرالدواب اہل کتاب کے بارے میں ہے۔لیکن اس سورت کے تیسرے رکوع میں یہی لفظ مشرکین کے حق میں آ چکے ہیں۔ پس بظاہر تعارض ہو گیا۔لیکن کہا جائے گا کہ عام گنہگاروں سے بدتر ہونا تو سب کفار پر صادق آتا ہے۔خواہ وہ مشرکین ہوں یا اہل کتاب۔اس لئے کوئی تعارض نہیں ہے۔

اور **لا یؤ منون** سے مراد تمام کافر نہیں ہیں۔بلکہ صرف وہ کافر مراد ہیں جن کا مرتے دم تک ایمان نہ لانا علم الٰہی میں مقدر ہو چکا ہے اس لئے اسلام میں داخل ہونے والے کافروں کی وجہ سے شبہ نہیں ہونا چاہئے۔

فشرد. یعنی ان کے ساتھ ایسی سخت کارروائی کیجئے جس سے دوسرے دشمنوں کو عبرت ہو اور اپنے ارادوں سے باز آ جائیں اور آپ ﷺ کا رعب اور دبدبہ بیٹھ جائے اور **فشرد** اور **فانبذ** میں اس طرف اشارہ ہے کہ عہد کے توڑ جوڑ کا اختیار امام وقت کو ہے جو آنحضرت ﷺ کا جانشین ہے اور عہد کی واپسی میں دغا کی قید اکثری ہے۔مناسب ہو تو اس کے بغیر بھی امام واپس کر سکتا ہے۔

ربط آیات: ....پچھلی آیات میں کفار کو اپنے غالب ہونے کے گمان کا غلط ہونا بتلایا تھا اور آیت **اذیقول الخ** میں مسلمانوں کی مغلوبیت کے گمان کی غلطی واضح کرنی ہے کہ وہ توکل سے غالب آئے اور جس طرح پہلی آیت سے کفار کا دنیا میں مغلوب اور سزا یافتہ ہونا معلوم ہوا۔اسی طرح آیت **ولو تری الخ** سے ان کی اخروی مغلوبیت اور سزاؤں کا بیان ہے اور کفار مشرکین کے ان احوال وقتال کے بعد آیت **ان شر الدواب الخ** سے اہل کتاب کفار کے معاملہ کا بیان ہے۔

شانِ نزول: ....مشرکین مکہ میں سے جب کچھ مذبذب قسم کے لوگ بدر میں مسلمانوں اور اپنے ہم مذہب لوگوں کی حالت کا موازنہ کرنے آئے تھے۔انہوں نے مسلمانوں کی بے سروسامانی دیکھ کر **غــرهــولاء** کہا تھا اور ابن عباسؓ، کلبیؒ، مقاتلؒ سے آیت **ان شـر الـدواب** کا شان نزول وہی منقول ہے جس کی طرف جلال محققؒ نے اشارہ کیا ہے۔بنوقریظہ کے یہود نے اگرچہ آنحضرت ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم لوگ آپ کے دشمن مشرکین کا ساتھ نہیں دیں گے اور ان کی مدد نہیں کریں گے۔لیکن بدر کے موقعہ پر عہد و پیمان سہو ونسیان کی نظر کر دیا۔اسی طرح غزوہ احزاب وخندق میں بھی بار بار عہد شکنیاں کیں۔تب ان آیات میں ان سے بھی جہاد کرنے کا حکم ہوا اور ابوالشیخ نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ جبرائیل امین آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے تلوار رکھ دی ہے۔اٹھیئے اللہ نے آپ کو یہود قریظہ کے بارے میں حکم دیا ہے۔یعنی آیت **امـا تـخـافن الخ** نازل ہوئی۔

﴿ **تشریح** ﴾: .... **مذہبی نشہ اور اس کا اثر**: .... بدر میں جب مٹھی بھر بے سروسامان مسلمان جنگ کے لئے نکلے تو منافق اور کچے دل کے آدمی اس کی کوئی توجیہ نہیں کر سکے۔اس لئے کہنے لگے کہ مسلمانوں کو ان کے دین کے نشہ نے مغرور کر دیا ہے۔

بہر حال یہ بات اگر چہ طعنہ کے طور پر کہی گئی تھی لیکن غلط نہیں تھی کیونکہ بلاشبہ یہ دین ہی کا نشہ تھا جس کی وجہ سے حق غالب آیا اور باطل ٹکرا کر پاش پاش ہوگیا۔ اسی لئے شاید قرآن کریم نے ان کے اس قول کو نقل کر کے رد کئے بغیر صرف اتنا کہا کہ ومن یتوکل علی اللہ۔ یہ توکل وہی نشہ تو ہے مگر نشہ حق ہے باطل نہیں ہے۔

قوموں کا عروج وزوال خود ان کے اپنے ہاتھوں ہوتا ہے:............آیت ذٰلک بان اللہ الخ نے واضح کر دیا کہ قوموں اور جماعتوں کے مرنے، جینے، بڑھنے، گرنے کا قانون کیا ہے؟ تو اللہ کی مقررہ سنت یہ ہے کہ وہ جب کسی کو اپنی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے تو اس میں از خود تبدیلی نہیں فرماتا۔ جب تک لوگ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔ دنیا کی پوری تاریخ بھی بتلا رہی ہے کہ ہر قوم خود ہی اپنی زندگی کا گہوارا بناتی ہے اور پھر خود ہی اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر کھودتی ہے۔ آیت ان شر الدواب الخ میں یہ بتلانا ہے کہ عقل وحواس سے ٹھیک طرح کام نہ لینا اور اندھوں کی طرح چلنا، انسانیت کی درجہ سے اپنے کو گرا دینا ہے۔ کفر وشرک بھی اسی اندھے پن کا نتیجہ ہے۔ پس ایمان کی راہ تو عقل وبصیرت کی راہ ہوئی اور کفر اندھے پن کا دوسرا نام ہوا۔

یہود کو ان کی غداریوں کی عبرت ناک سزا:............یہاں سے یہود کی غداریوں کا دامن قبا تار تار کیا جا رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہاں یہودیوں کی تین بستیاں آباد تھیں۔ بنی قینقاع، بنی نضیر، بنی قریظہ۔ پیغمبر اسلام نے ان سب سے امن وصلح اور باہمی ہمدردی کا معاہدہ فرمایا۔ اس عہد نامہ کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ تمام جماعتیں ایک قوم بن کر رہیں گی اور اگر کسی فریق پر اس کے دشمن حملہ کریں گے تو سب اس کی مدد کریں گے۔ لیکن ابھی معاہدہ کی سیاہی خشک بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ یہودیوں نے خلاف ورزی شروع کر دی اور قریش مکہ سے مل کر مسلمانوں کی تباہی کی سازشیں کرنے لگے۔ حتیٰ کہ خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہلاک (شہید) کرنے کی تدبیروں میں لگ گئے۔ اس لئے حکم ہوا کہ اب ایسے دغاباز لوگوں کے ساتھ نباہ نہیں ہوسکتا۔ پس اس میں سے جو کھلم کھلا لڑیں ان کا مقابلہ کرو اور جو ایسا نہ کریں اور غداری اور عہد شکنی کا ان سے اندیشہ ہو تو کھلے طور پر جتلا دو کہ ہمارا معاہدہ ختم ہوگیا۔

لڑنے کی حالت میں بھی دشمن کے ساتھ اسلام کا عدل وانصاف:............مگر اس کا لحاظ رہے کہ دوسرے فریق کو تمہارے طرز عمل سے نقصان نہ پہنچنے پائے مثلاً: ایک دم معاہدہ توڑ کر رکھ دے اور ان کو سوچنے یا سنبھلنے کا موقعہ بھی نہ مل سکے تو یہ ٹھیک نہیں ہوگا۔ وقت سے پہلے انہیں خبر دار کر دینا چاہئے۔ تاکہ لوگ تیاری کرنا چاہیں تو ہماری طرح انہیں بھی تیاری کا پورا موقعہ مل سکے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن نے ہر معاملہ میں حتیٰ کہ جنگ میں بھی سچائی اور دیانت کا جو معیار قائم کیا ہے وہ کس قدر بلند ہے کہیں بھی اس نے کوئی ایسا گوشہ نہیں چھوڑا جہاں اخلاقی کمزوری کو ابھرنے کا موقعہ دیا گیا ہو۔ کیا دنیا میں اس وقت تک کسی قوم نے احکام جنگ کو اس درجہ بلند اخلاقی معیار پر رکھا ہے۔ (ترجمان)

ان آیات سے یہ مسائل مستنبط ہو رہے ہیں۔ ۱۔ ذمی اگر عہد توڑ دے تو حربی کافر کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ ۲۔ اسلام میں جنگ کے درمیان خداع تو جائز ہے مگر غداری کی اجازت نہیں ہے۔

لطائف آیات:............آیت ذٰلک بان اللہ الخ کے عام مضمون میں یہ بات بھی آ جاتی ہے کہ کسی سالک سے جب کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے یا طاعت چھوٹ جاتی ہے تو اس سے انوار وبرکات مقصودہ ختم ہو جاتے ہیں۔ آیت اما تثقفنھم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی تدابیر باطنی کمالات کے منافی نہیں۔

وَنَزَلَ فِيمَنْ اَفْلَتَ يَوْمَ بَدْرٍ **وَلَا تَحْسَبَنَّ** يَا مُحَمَّدُ **الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا** اللّٰهَ اَىْ فَاتُوهُ **اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ** ﴿۵۹﴾ لَا يَفُوتُونَهُ وَفِى قِرَاءَةٍ بِالتَّحْتَانِيَّةِ فَالْمَفْعُولُ الْاَوَّلُ مَحْذُوفٌ اَىْ اَنْفُسَهُمْ وَفِى اُخْرٰى بِفَتْحِ اِنَّ عَلَى تَقْدِيرِ اللَّامِ **وَاَعِدُّوا لَهُمْ** لِقِتَالِهِمْ **مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ** قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِىَ الرَّمْىُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ **وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ** مَصْدَرٌ بِمَعْنَى حَبْسِهَا فِى سَبِيلِ اللّٰهِ **تُرْهِبُونَ** تُخَوِّفُونَ **بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ** اَىْ كُفَّارَ مَكَّةَ **وَاٰخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ** اَىْ غَيْرِهِمْ وَهُمُ الْمُنَافِقُونَ اَوِ الْيَهُودُ **لَا تَعْلَمُونَهُمْ اللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَىْءٍ فِى سَبِيلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ** جَزَاؤُهُ **وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ** ﴿۶۰﴾ تُنْقَصُونَ مِنْهُ شَيْئًا **وَاِنْ جَنَحُوا** مَالُوا **لِلسَّلْمِ** بِكَسْرِ السِّيْنِ وَفَتْحِهَا الصُّلْحُ **فَاجْنَحْ لَهَا** وَعَاهِدْهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هٰذَا مَنْسُوخٌ بِاٰيَةِ السَّيْفِ وَمُجَاهِدٌ مَخْصُوصٌ بِاَهْلِ الْكِتَابِ اِذْ نَزَلَتْ فِى بَنِى قُرَيْظَةَ **وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ** ثِقْ بِهِ **اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ** لِلْقَوْلِ **الْعَلِيمُ** ﴿۶۱﴾ بِالْفِعْلِ **وَاِنْ يُرِيدُوا اَنْ يَخْدَعُوكَ** بِالصُّلْحِ لِيَسْتَعِدُّوا لَكَ **فَاِنَّ حَسْبَكَ** كَافِيكَ **اللّٰهُ هُوَ الَّذِى اَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ** ﴿۶۲﴾ **وَاَلَّفَ** جَمَعَ **بَيْنَ قُلُوبِهِمْ** بَعْدَ الْاِحَنِ **لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيعًا مَا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ** بِقُدْرَتِهِ **اِنَّهُ عَزِيزٌ** غَالِبٌ عَلَى اَمْرِهِ **حَكِيمٌ** ﴿۶۳﴾ لَا يَخْرُجُ شَىْءٌ عَنْ حِكْمَتِهِ **يٰاَيُّهَا النَّبِىُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ** حَسْبُكَ **مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ** ﴿۶۴﴾ **يٰاَيُّهَا النَّبِىُّ حَرِّضِ** حُثَّ **الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ** لِلْكُفَّارِ **اِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صٰبِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ** مِنْهُمْ **وَاِنْ يَكُنْ** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا اَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِاَنَّهُمْ** اَىْ بِسَبَبِ اَنَّهُمْ **قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ** ﴿۶۵﴾ وَهٰذَا خَبَرٌ بِمَعْنَى الْاَمْرِ اَىْ لِيُقَاتِلِ الْعِشْرُونَ مِنْكُمُ الْمِائَتَيْنِ وَالْمِائَةُ الْاَلْفَ وَيَثْبُتُوا لَهُمْ ثُمَّ نُسِخَ لَمَّا كَثُرُوا بِقَوْلِهِ **اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا** بِضَمِّ الضَّادِ وَفَتْحِهَا عَنْ قِتَالِ عَشْرَةِ اَمْثَالِكُمْ **فَاِنْ يَكُنْ** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ** مِنْهُمْ **وَاِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ اَلْفٌ يَغْلِبُوا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ** بِاِرَادَتِهِ وَهُوَ خَبَرٌ بِمَعْنَى الْاَمْرِ اَىْ لِتُقَاتِلُوا مِثْلَيْكُمْ وَتَثْبُتُوا لَهُمْ **وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِينَ** ﴿۶۶﴾ بِعَوْنِهِ وَنَزَلَ لَمَّا اَخَذُوا الْفِدَاءَ مِنْ اَسْرٰى بَدْرٍ **مَا كَانَ لِنَبِىٍّ اَنْ يَكُونَ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ** يُبَالِغَ فِى قَتْلِ الْكُفَّارِ **تُرِيدُونَ** اَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ **عَرَضَ الدُّنْيَا** حُطَامَهَا بِاَخْذِ الْفِدَاءِ **وَاللّٰهُ يُرِيدُ** لَكُمُ **الْاٰخِرَةَ** اَىْ ثَوَابَهَا بِقَتْلِهِمْ **وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ** ﴿۶۷﴾ وَهٰذَا مَنْسُوخٌ بِقَوْلِهِ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً **لَوْلَا كِتٰبٌ مِنَ اللّٰهِ سَبَقَ** بِاِحْلَالِ الْغَنَائِمِ وَالْاَسْرٰى لَكُمْ **لَمَسَّكُمْ فِيمَا اَخَذْتُمْ** مِنَ الْفِدَاءِ **عَذَابٌ عَظِيمٌ** ﴿۶۸﴾ **فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ**

حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾

ترجمہ: .... (جو کفار غزوہ بدر سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی) اور (اے محمد ﷺ!) یہ نہ سمجھنا کہ جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ بچ نکلے (اللہ سے یعنی اس سے چھوٹ گئے) وہ کبھی عاجز نہیں کر سکتے (اللہ سے نہیں چھوٹ سکتے اور ایک قراءت میں لاتحسبن یائے تحتانیہ کے ساتھ ہے اس صورت میں اول مفعول محذوف ہوگا یعنی لفظ انفسھم اور ایک قرائت میں انہم ہمزہ کے فتح کے ساتھ ہے لام مقدر ہو کر) اور (ان کافروں سے مقابلہ کرنے کے لئے) مہیا رکھو جتنی تمہارے بس میں طاقت ہے (نبی کریم ﷺ نے اس قوت کی تفسیر تیر اندازی سے کی ہے جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے) اور پلے ہوئے گھوڑوں سے (یہ مصدر ہے جس کے معنی اللہ کی راہ میں گھوڑے تیار رکھنے کے ہیں) کہ دھاک بٹھائے رکھو (اس سامان اور تیاری کی وجہ سے رعب جمائے رہو) اللہ کے اور اپنے دشمنوں (کفار مکہ) پر اور اوروں پر بھی جو ان کے علاوہ ہیں (یعنی کفار مکہ کے علاوہ۔ وہ منافق ہوں یا یہودی) جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے اور اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے تمہیں (اس کا ثواب) پورا پورا مل جائے گا۔ ایسا نہ ہوگا کہ تمہاری حق تلفی ہو (اس میں کچھ کمی نہیں کی جائے گی) اور اگر یہ جھکیں (مائل ہوں) صلح کی طرف (سلم سین کے کسرہ اور فتح کے ساتھ دونوں طرح ہے صلح کے معنی ہیں) تو آپ بھی اس طرف جھک جائیے (اور ان سے معاہدہ کر لیجئے۔ ابن عباسؓ کی رائے میں یہ آیت جہاد کی آیت سے منسوخ ہے اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کے ساتھ یہ آیت خاص ہے کیونکہ بنوقریظہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے) اور اللہ پر بھروسہ رکھئے (انہیں کا سہارا تکیے) بلاشبہ وہی ہیں جو سب کی (باتیں) سنتے ہیں۔ (سب کچھ کارروائیاں) جانتے ہیں اور اگر ان کا ارادہ یہ ہو کہ آپ کو دھوکہ دیں (صلح کر کے آپ کے خلاف تیاری کرنے کے لئے) تو اللہ کی ذات آپ کے لئے کافی (بس) ہے وہی ہیں جنہوں نے اپنی مدد اور مسلمانوں کے ذریعہ آپ کو قوت بخشی اور ان میں باہم دلی الفت (یک جہتی) پیدا کر دی (پہلے دشمنی تھی) اور اگر دنیا بھر کا خزانہ بھی آپ خرچ کر ڈالتے تب بھی ان کے دلوں میں باہمی اتفاق پیدا نہ کر سکتے۔ لیکن یہ اللہ ہی ہیں جنہوں نے (اپنی قدرت سے) ان میں باہمی الفت پیدا کر دی بلاشبہ وہ (اپنے کاموں میں) زبردست ہیں حکمت والے ہیں (کوئی چیز بھی ان کی حکمت سے باہر نہیں ہے اے نبی ﷺ! آپ کے لئے اللہ کافی ہیں اور (آپ کے لئے بس کرتے ہیں) وہ مؤمنین جو آپ کے پیچھے چلتے ہیں۔ اے نبی ﷺ! آپ مسلمانوں کو (کفار سے) جہاد کرنے کا شوق (ترغیب) دلائیے اگر تم میں بیس ۲۰ آدمی بھی مشکلوں کو جھیلنے والے نکل آئیں تو یقین کرو۔ دو سو ۲۰۰ دشمنوں پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں ایسے آدمی سو ۱۰۰ ہو گئے (یکن یا اور تا کی ساتھ دونوں طرح ہے) تو سمجھ لو کہ ہزار ۱۰۰۰ کافروں کو مغلوب کر کے رہیں گے۔ کیونکہ (یعنی یہ اس وجہ سے ہوگا کہ یہ کافر لوگ) ایسی جماعت ہے جس میں سمجھ بوجھ نہیں (یہ خبر حکم کے درجہ میں ہے۔ یعنی بیس ۲۰ مسلمانوں کو دو ۲۰۰ سو کفار سے۔ اور ایک سو مسلمانوں کو ایک ہزار کفار سے بھڑ جانا چاہئے۔ اور ثابت قدم رہیں۔ لیکن بعد میں جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو اگلی آیت سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا اور انہیں معلوم ہو گیا کہ تم میں کچھ ہمت کی کمی ہے (لفظ ضعف ضاد کے ضمہ اور فتح کے ساتھ ہے یعنی اپنے سے دس گنا طاقت کا مقابلہ کرنے سے کمزوری آ گئی ہے) اب اگر (یا اور تا کے ساتھ ہے) تم میں سے سو آدمی ثابت قدم ہوں تو وہ دو سو (دشمنوں) پر چھا جائیں گے اور اگر ہزار ہوں تو سمجھو کہ دو ہزار دشمنوں کو مغلوب کر کے رہیں گے اللہ کے حکم سے (ان کے ارادہ سے۔ یہ خبر بھی حکم کے معنی میں ہے یعنی تمہیں اپنے سے دوگنی طاقت سے بھڑتے ہوئے بھی ڈٹ جانا چاہئے) اور اللہ تعالیٰ جمنے والوں کا ساتھ دیتے ہیں (اپنی مدد سے۔ اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ آنحضرت ﷺ نے بدری قیدیوں سے کچھ

معاوضہ قبول فرمالیا تھا) نبی ﷺ کے شایانِ شان نہیں کہ ان کے قیدی رہ جائیں (تکون تا اور یا کی ساتھ ہے) جب تک نبی خوب خونریزی نہ کرلیں ملک میں (کفار کے قتل میں سرکشی نہ دکھلالیں) تم (اے مسلمانو!) دنیا کا سامان چاہتے ہو (فدیہ قبول کر کے مال واسباب) اور اللہ (تمہارے لئے) آخرت چاہتے ہیں (یعنی کفار کو مار کر آخرت کا ثواب) اور اللہ بڑے زبردست، بڑے حکمت والے ہیں (یہ حکم منسوخ ہے دوسری آیت فاما منا بعد واما فداء کی وجہ سے) اگر پہلے سے اللہ کا حکم نہ ہوگیا ہوتا۔(تمہارے لئے مال غنیمت اور قیدیوں کے جائز ہونے کا) تو جو کچھ تم نے (معاوضہ) لیا ہے اس کے لئے ضرور تمہیں بہت بڑا عذاب ہوتا۔ بہر حال جو کچھ تمہیں یہ مال غنیمت ہاتھ لگا ہے اسے حلال و پاکیزہ سمجھ کر اپنے کام میں لاؤ اللہ سے ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والے، رحمت والے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... تقدیر اللام . ای لا نهم لا یعجزون . من قوة۔اس کی تفسیر میں تین قول ہیں اس کے معنی قلعہ کے بھی کئے گئے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے تیراندازی کے معنے لئے ہیں اور تیسری رائے یہ ہے کہ ہر قسم کے جنگی آلات اور زمانہ کے مطابق لڑائی کے طریقوں کو اس میں داخل کیا جائے گا۔ من دونهم ۔اس میں شیاطین وجنات بھی داخل ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ جس کے پاس یا جس مکان میں گھوڑا ہوتا ہے وہاں شیاطین نہیں آتے۔

وان یریدوا جواب شرط محذوف ہے۔ ای فصالح ولا تخشی منهم۔ بقول مجاہدؒ اس سے مراد بنو قریظہ ہیں۔

الف بین تلو بهم. اوس وخزرج اور دوسرے عرب خاندانوں کی لڑائیں مشہور ہیں لیکن اسلام نے اس عداوت وعصبیت کو جس بے نظیر بھائی چارگی میں تبدیل کردیا اس کی مثال بھی دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

ومن اتبعک مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور بعض کے نزدیک اللہ پر عطف کی وجہ سے مرفوع ہے لیکن اکثر مفسرین حسبک کے کاف پر عطف کرتے ہوئے مجرور مانتے ہیں۔

عشرون. چونکہ مسلمانوں کے ساتھ اللہ کی نصرت ہے اس لئے اپنے سے دس گنا طاقت سے مقابلہ کا حکم ہوا اور یہ طاقت مشرکین کو حاصل نہیں اس لئے وہ مقابلہ نہیں کرپاتے۔اس آیت میں محسنات بدیعیہ میں سے صنعت احتباک پائی جاتی ہے۔یعنی ایک جگہ سے ایک نظیر حذف کردی جائے اور دوسری جگہ وہ موجود ہے چنانچہ یہاں پہلے جملہ میں لفظ الصابرون محذوف ہے اور الذین کفروا مذکور ہے اور دوسرے جملہ میں الذین کفروا موجود ہے اور صبر کا لفظ حذف ہوگیا۔ حتی یثخن . ثخانة بمعنی کثافت و صلابۃ آتا ہے لیکن یہاں لازمی معنی یعنی قوت میں استعمال ہوا ہے۔

واللّٰه یرید الأخرة ۔ یہاں ارادہ کے معنی مرضی اور پسندیدہ کے ہیں۔اس لئے اب یہ اشکال نہیں ہوسکتا کہ اس سے تو معلوم ہوا کہ اللہ کا ارادہ پورا نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ بات اہل سنت کے مسلک کے خلاف ہے۔ **وهذا** ۔یعنی قیدیوں کے معاوضہ کا حرام ہونا اور صرف ان کے قتل کا واجب ہونا منسوخ ہوگیا ہے سورۂ محمد کی آیت کی وجہ سے یہی امام شافعیؒ کی رائے ہے۔لیکن حنفیہؒ کے نزدیک بقول صاحب تفسیر احمدی۔ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا اور اب امام وقت کو چاروں باتوں کا اختیار ہے۔خواہ قتل کردے۔یا غلام بنادے۔ یا منت احسان کر کے چھوڑ دے یا فدیہ لے کر رہا کردے۔

لو لا کتاب اس کی خبر محذوف ہے۔ ای لو لا وجود حکم من اللّٰه مکتوب باجلال الغنائم لمسکم الخ (یعنی اگر اللہ کی طرف سے مال غنیمت کے حلال ہونے کا حکم نہ آتا تو تمہیں عذاب الٰہی پہنچ جاتا۔)

اور بعض حضرات نے **لو لا کتاب** سے مراد یہ نوشتہ الٰہی لیا ہے کہ جو لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بدر میں شریک ہوں گے

ان پر عذاب الٰہی نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ **لو نزل من السماء عذاب ما نجامنه غیر عمر بن الخطاب و سعد بن معاذ.** ﴿ترجمہ﴾ اگر عذاب الٰہی آتا تو بجز عمر بن الخطابؓ اور سعد بن معاذؓ کے کوئی نہ بچتا۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات سے جنگ کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ لڑائی میں کچھ لوگ بچ بھی جایا کرتے ہیں۔ آیت **لا یحسبن الخ** میں یہ بتلانا ہے کہ اللہ کی پکڑ سے یہ لوگ بچ کر نہیں جا سکتے۔ آخر کسی نہ کسی روز پھر پکڑے جائیں گے۔ آیت **واعدوا الخ** میں جنگ کی تیاری میں ممکنہ حد تک ہر وقت مستعد رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کی جنگی تیاریوں سے مرعوب ہو کر اگر کفار صلح کی طرف جھک پڑیں تو آیت **وان جنحوا** میں اس کو ہر قیمت پر مان لینے کا مشورہ دیا جا رہا ہے اور اس سلسلہ میں بے کار وہموں میں مبتلا ہونے سے بچایا جا رہا ہے۔ اگلی آیت **یا ایھا النبی الخ** میں جہاد کا شوق دلایا جا رہا ہے اور اس سلسلہ میں پہلے قانون جنگ کی ایک دفعہ بیان کی جا رہی ہے۔ پھر اس کو نرم کر کے دوسری دفعہ کی شکل میں ترمیم کی جا رہی ہے۔ اسی سلسلہ میں آیت **ما کان لنبی ان یکون الخ** سے جنگی قیدیوں کا حکم بیان کیا جا رہا ہے۔ بدری قیدیوں سے جو فدیہ وصول ہوا۔ آیت **فکلوا الخ** میں بلا تکلف اس کو استعمال کرنے کی اجازت دی جا رہی ہے۔

شانِ نزول: .... آیت **ولا یحسبن الخ** کے شان نزول کی طرف مفسر علامؒ نے اشارہ کر دیا ہے کہ جنگ بدر سے فرار ہونے والے کفار کے بارے میں نازل ہوئے ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ **یا ایھا النبی حسبک اللّٰه** ۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔

سعید بن جبیرؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ پر اس وقت ۳۳ مرد اور ۶ عورتیں ایمان لا چکی تھیں جب حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو ۴۰ کا عدد پورا ہو گیا اور یہ آیت نازل ہوئی اور بعض کی رائے ہے کہ بدریین کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ پہلی صورت میں آیت کو مکی اور دوسری صورت میں مدنی ماننا پڑے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ مکہ اور مدینہ دونوں جگہ نازل ہوئی۔ اس لئے مکی بھی ہو اور مدنی بھی۔

آیت **ما کان لنبی الخ** کا شان نزول یہ ہے کہ جنگ بدر میں ستر ۷۰ کافر مارے گئے اور ستر ۷۰ گرفتار ہوئے۔ جنگی قیدیوں کے متعلق جن میں عباس اور عقیل بھی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا۔ تو حضرت ابو بکرؓ نے تو ان الفاظ میں رائے دی۔ **اهلک وقومک وقد اعطاک الله الظفر سبقتهم وانی اری ان تاخذوا لفداء منهم فیکون قوة لنا علی الکفار وعسی اللّٰه ان یهدیهم بک** یعنی یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ ﷺ کی قوم ہے کے لوگ ہیں۔ آپ ﷺ کو اللہ نے کامیاب کر دیا ہے آپ ان سے تاوان لے کر چھوڑ دیجئے۔ اس سے ایک طرف تو ہمیں دشمن کے مقابلہ میں زیادہ طاقت ور ہونے کا موقعہ مل سکے گا۔ دوسرے ممکن ہے آگے چل کر اللہ تعالیٰ ان کو بھی ہدایت دے دے اور ظاہر ہے کہ قتل کر دینے کی صورت میں یہ دونوں فائدے ممکن نہیں۔ مگر حضرت عمرؓ بولے۔ **اضرب اعناقهم فان هولاء ائمة الکفر مسکن علیا من عقیل وحمزة من عباس ومکنی من فلان لاضرب اعاقهم.** یعنی ان کی گردنیں اڑائیے۔ بلکہ علیؓ اپنے بھائی عقیل کو اور حمزہؓ اپنے بھائی عباس کو قتل کریں اور میں اپنے فلاں رشتہ دار کی گردن اڑاؤں۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے بھی تائید کرتے ہوئے کہا۔ **کان الا ثخان فی القتل احب الی من استبقاء الرجال.** یعنی ان کی اچھی طرح خونریزی کرنا مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت ان کو رہا کر دینے کے۔ آپ نے وحی الٰہی کی روشنی میں صحابہؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دونوں باتوں کا اختیار دیتے ہیں۔ چاہے انہیں قتل کر دو، چاہے ان سے فدیہ لے کر انہیں رہا کر دو۔ لیکن اس دوسری صورت میں تمہیں اپنے ستر آدمی بھینٹ دینے پڑیں گے۔ یعنی تمہارے اتنے ہی آدمی شہید ہوں گے۔ مگر صحابہؓ نے

گونا گوں مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے مالی فدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کر دینے کی رائے کو زیادہ پسند کیا اور کہا کہ خیر ہم شہید ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ نے بھی اپنی طبعی رحم دلی سے اسی رائے کو ترجیح دے کر فیصلہ فرما دیا اور فرمایا کہ بعض دلوں کو اللہ دودھ سے بھی نرم اور بعض کو پتھر سے بھی زیادہ سخت بنا دیتا ہے۔ اے ابوبکرؓ! تمہاری مثال حضرت ابراہیمؑ جیسی ہے۔ جنہوں نے اپنی قوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا۔ **فمن تبعنی فانه منی ومن عصانی فانک غفور رحیم.**

اور اے عمرؓ! تمہاری مثال حضرت نوحؑ جیسی ہے۔ جنہوں نے اپنی قوم کے بارے میں ان الفاظ میں بددعا کی تھی۔ **رب لا تذر علی الارض من الکٰفرین دیارا.**

چنانچہ عقبہ، نضر، طعمہ ان تین کی تو گردنیں اڑا دی گئیں اور کسی قیمت پر انہیں معافی نہیں دی گئی۔ لیکن باقی سب کو رہا کر دیا گیا۔ حضرت ابوالعاصؓ کو صحابہؓ کے مشورہ سے مفت رہا کیا گیا۔ جس کو شرعی اصطلاح میں مـــن کہا جاتا ہے۔ کسی سے معاوضہ کے طور پر مسلمان بچوں کی تعلیم کا کام لیا گیا اور کسی سے مالی معاوضہ لے لیا گیا اسی میں حضرت عباسؓ بھی ہیں جو فدیہ ادا کرنے کے بعد مسلمان ہو گئے۔ مگر اپنے افلاس کی شکایت کرنے لگے جس پر آگلی آیتیں نازل ہوئیں۔

چونکہ حق تعالیٰ کو مسلمانوں کا یہ فیصلہ پسند نہیں آیا۔ اس لئے سرزنش کی گئی۔ جس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ روئے اور فرمایا کہ عذاب کے آثار بہت قریب آچکے تھے۔ بجز عمرؓ اور سعد بن معاذؓ کے کوئی نہ بچتا۔ لیکن اللہ نے فضل فرما دیا کہ عذاب نازل نہیں ہوا۔

﴿ تشریح ﴾:..........مسلمانوں کو ہر قسم کی فوجی طاقت واسلحہ فراہم رکھنے کا حکم:.......... یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی جماعت جنگ کا سروسامان اس طرح مہیا کر سکے۔ جو ہر اعتبار سے مکمل ہو۔ تاہم مسلمانوں کو اس بارے میں جو حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مقدور بھر جو کچھ کر سکتے ہیں کریں یہ بات نہیں کہ جب تک دنیا بھر کے ہتھیار اور ہر قسم کے ساز وسامان مہیا نہ ہو جائیں۔ اس وقت تک بے بسی کا عذر کرتے رہیں اور جنگ کے دفاع سے بےفکر ہو جائیں۔ چونکہ جنگی تیاری بغیر مال کے نہیں ہو سکتی۔ اس لئے **وما تنفقوا الخ** میں روپیہ سے مدد کرنے کی اپیل کی جارہی ہے۔

مسلمانوں کا اصل مشن صلح وسلامتی ہے:.......... آیت **وان جنحوا الخ** میں قطعی لفظوں سے دعوت امن کا اعلان کیا جارہا ہے۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی ہے جب کہ جنگ بدر کے فیصلہ نے مسلمانوں کی فتح مندی آشکارا کر دی تھی اور تمام جزیرہ عرب ان سے متاثر ہونے لگا تھا۔ حکم ہوتا ہے جب بھی دشمن امن وصلح کی طرف جھکے تو بلا تامل تمہیں بھی جھک جانا چاہئے اور اس بارے میں فضول اندیشے نہیں لانے چاہئیں۔ اگر دشمن کی نیت میں کھوٹ اور فتور ہوگا تو ہوا کرے۔ اس کی وجہ سے امن وصلح کے قیام میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ ہاں اگر صلح کرنا ہی موقعہ اور مصلحت کے سراسر خلاف ہو تو یہ دوسری بات ہے۔ امام وقت کی نظر اس پر رہنی چاہئے۔

غرض یہ کہ جن حضرات نے **فاجنح** کے حکم کو ضروری قرار دیا تو ان کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہوگی۔ لیکن اگر مصلحت کی قید لگا دی جائے تو پھر منسوخ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

رسول اللہ ﷺ کا بے مثال کارنامہ:.......... واقعہ یہ ہے کہ بکھرے ہوئے دلوں کو ایک رشتہ الفت میں پرو دینے سے زیادہ مشکل کام شاید دنیا میں کوئی دوسرا نہ ہو۔ مگر پیغمبر اسلام ﷺ نے نہایت حسن وخوش اسلوبی سے یہ کام ان لوگوں میں کر کے دکھلا دیا۔

جوصدیوں سے فتنہ وفساد کی فضا میں پرورش پائے ہوئے تھے۔ لیکن دس بارہ سال کی ذراسی مدت میں آپ ﷺ نے وہ کایا پلٹ دی کہ اب باہمی کینہ اور عداوت کی جگہ محبت وآشتی نے اس طرح لے لی کہ ہر فرد دوسرے کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کردینے کے لئے مستعد ہوگیا۔ فی الحقیقت یہ ایک پیغمبرانہ عمل تھا جو پیغمبر اسلام کی تعلیم وتربیت نے انجام دیا۔

مسلمانوں کو دوگنی طاقت کے مقابلہ میں بھی پامردی کا حکم:............ آیت ان یکن منکم الخ میں اگرچہ اس حکم کو خبر کے عنوان سے بیان کیا جارہا ہے۔ لیکن مقصود خبر دینا نہیں ہے بلکہ حکم دینا ہے کہ میدان جنگ میں اتنی طاقت کے آگے بھی ثابت قدم رہنا واجب ہے۔ بھاگنا جرم ہے اور سنگین جرم۔ اور اس طرز تعبیر میں نکتہ تاکید ومبالغہ ہے کہ جس طرح غلبہ کی خبر کے یقینی ہونے کی صورت میں ثابت قدم رہنا واجب ہونا چاہئے، اسی طرح اب بھی واجب ہے۔ اس توجیہ کے بعد اب آیت کے الفاظ پر یہ شبہ بھی متوجہ نہیں ہوسکتا کہ ہم بعض دفعہ اس کے خلاف دیکھتے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کا غلبہ نہیں ہوتا۔ لہذا یہ خبر غلط ہوگئی۔ کیونکہ صدق وکذب کا تعلق تو خبر سے ہوا کرتا ہے اور کہا جاچکا ہے کہ یہ حکم لفظوں میں اگرچہ خبر ہے مگر معناً انشاء ہے بطور کنایہ کے اور کنایہ میں اگرچہ ملزوم سے لازم کی طرف انتقال ہوتا ہے، مگر مقصود لازم ہی ہوتا ہے۔ ملزوم مقصود نہیں ہوتا اور صدق وکذب بھی غیر مقصود چیز پر متوجہ نہیں ہوا کرتے۔ یہ دوسری بات ہے کہ یہاں خود ملزوم بھی نفسہا صادق ہے۔ کیونکہ غلبہ کا ہونا باذن اللہ کی قید کے ساتھ ہے۔ لہذا اگر کسی حکمت ومصلحت خداوندی سے اللہ کی مرضی نہ ہو تو غلبہ بھی نہیں ہوگا۔

صحابہ کرامؓ کا ضعف ضعف ایمانی نہیں تھا بلکہ طبعی ضعف مراد ہے:............ اور آیت علم ان فیکم ضعفا کا مطلب یہ ہے کہ عادۃً جب کام کرنے والے کم اور کام اہم سمجھا جائے تو ہر شخص کو ایک خاص فکر اور لگن ہوا کرتی ہے کہ یہ کام میرے ہی کرنے سے ہوگا۔ ایسی صورت میں کوئی بھی دوسرے کا سہارا نہیں تکتا بلکہ ہر شخص اپنی ذمہ داری خود محسوس کرکے فرض سے زیادہ ادائیگی کی کوشش کیا کرتا ہے۔ اس لئے ہمت زیادہ ہوجاتی ہے۔ مگر جب کام والے بڑھ جایا کرتے ہیں تو کام کرنے والوں میں ایک گونہ بے فکری سی پیدا ہوجاتی ہے۔ ہر شخص کا خیال ہوا کرتا ہے کہ مجھ ہی پر کیا منحصر ہے، کام کرنے والے اور بھی تو ہیں۔ اس طرح پہلے سے جوش وخروش اور ہمت، سرگرمی میں کمی سی آجایا کرتی ہے۔ یہ قصور افتاد طبع کا ہوتا ہے جو ہر کام اور تحریک کے آغاز وانجام پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اسلامی تحریک اور اس کی جدوجہد میں بھی یہی بات رہی۔ اس لئے صحابہؓ پر کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی شبہ کا نہیں ہوتا کہ ان کے باطنی ملکات تو روزانہ بلکہ ہر آن ترقی پر تھے۔ پھر یہ ضعف کیسا؟ کیونکہ یہ ضعف ایمانی نہیں بلکہ طبعی ضعف تھا۔

ایک دقیق اشکال:............ بدر کے قیدیوں کے متعلق صحابہؓ نے جو رائے دی تھی اس کے متعلق اشکال یہ ہے کہ آیا کسی نص کے ہوتے ہوئے انہوں نے یہ قیاس کیا تھا یا نص موجود نہیں تھی تب قیاس کرنے کی ضرورت پیش آئی؟ غرض ان دونوں صورتوں میں شبہ ہوتا ہے۔ پہلی صورت میں تو یہ اشکال ہے کہ نص موجود ہوتے ہوئے صحابہؓ کا قیاس کرنا ہی غلط ہوا۔ پھر آپ ﷺ نے ان کی موافقت کیوں فرمائی؟ اور دوسری صورت میں اشکال یہ ہوتا ہے کہ نص نہ ہونے کی صورت میں قیاس کرنا صحیح ہوا۔ پھر عتاب کیوں ہوا؟ خاص کر جب کہ پہلے وحی کے ذریعہ اختیار بھی دے دیا گیا تھا۔ پھر یہ عتاب صرف صحابہؓ ہی پر کیوں ہوا۔ حضور ﷺ بھی تو اس مشورہ کے قبول میں برابر کے شریک تھے؟

اشکال کا حل:............ جواب یہ ہے کہ یہاں دوسری صورت تھی۔ یعنی کوئی نص موجود نہیں تھی۔ اس لئے قیاس کیا گیا تھا لیکن پھر عتاب کی وجہ یہ ہوئی کہ اس رائے میں ایک دنیوی مصلحت یعنی مالی نفع کا کیوں لحاظ کیا گیا ہے۔ جبکہ اس کی برائی تم لوگوں کو پہلے سے

معلوم تھی۔جس کی طرف تریدون عرض الدنیا میں اشارہ کیا گیا ہے۔

صحابہؓ کی اجتہادی غلطی: .... مگر صحابہؓ کی نظر دنیوی مفاد کے ساتھ اس کے دینی پہلو پر بھی تھی۔یعنی انکے راہ راست پر آنے کی امید۔اسی لئے انہوں نے اس رائے کو ترجیح دی اور یہ سمجھے کہ جس کام میں صرف دنیاوی مفاد کا پہلو ہو اسے نہیں کرنا چاہئے، لیکن جس بات میں دین و دنیا دونوں کے فائدے ہوں اس کو اختیار کر لینا چاہئے۔حالانکہ اگر ذرا تامل کرتے تو سمجھ میں آ جاتا کہ اچھائی اور برائی کا مجموعہ اچھا نہیں ہوا کرتا بلکہ نتیجہ ارذل کے تابع ہونے کی وجہ سے مجموعہ کو برا ہی کہا جائے گا۔اسی غور و تامل نہ کرنے پر عتاب ہوا۔باقی وحی میں اگرچہ ایسا صیغہ بولا گیا تھا، جس سے اختیار سمجھ میں آتا ہے، لیکن اختیار دینا مقصود نہیں تھا بلکہ آزمائش و امتحان مقصود تھا۔چنانچہ اختیار کا تعلق دو مباح چیزوں سے ہوا کرتا ہے، لیکن ایک مباح اور ایک غیر مباح میں اختیار نہیں ہوا کرتا۔پس یہاں بھی قیدیوں کا قتل تو مباح تھا، لیکن ان سے معاوضہ لے کر رہا کر دینا ایک طرح کے دنیاوی لالچ ہونے اور ستر صحابہؓ کو بھینٹ چڑھا دینے پر آمادگی کی وجہ سے ظاہر ہے کہ غیر مباح کہا جائے گا۔غرضیکہ اس مباح اور غیر مباح کے مجموعہ میں اگرچہ صورۃً صیغہ اختیار کا رہا، لیکن فی الحقیقت ایک طرح سے ناپسندیدہ جانب پر مطلع کر کے ان کو آزمائش میں ڈالنا تھا۔اس لئے عتاب ہوا کہ تم نے تامل سے کیوں نہیں کام لیا؟

آنحضرت ﷺ عتاب سے کیوں محفوظ رہے: .... اور جس چیز کو صحابہؓ کے شایان شان نہیں سمجھا گیا۔یعنی مالی نفع وہ چونکہ صحابہؓ کے حق میں تو اپنی ذوات کے لئے ہونے کی وجہ سے نامحمود تھا، لیکن آنحضرت ﷺ کے حق میں یہ پہلو نامحمود نہیں رہا، کیونکہ آپ ﷺ تو دوسروں کو مالی فائدہ پہنچانے کے لئے اس مشورہ کو قبول کر رہے تھے اور یہ بات بری نہیں بلکہ اچھی ہے۔اس لئے آپ عتاب سے بچ گئے۔البتہ آپ کا یہ فرمانا کہ عذاب الٰہی سے کوئی نہ بچتا، یعنی صحابہؓ میں سے کوئی نہ بچتا۔یہ مطلب نہیں کہ میں خود بھی نہ بچتا۔باقی آپ کا رونا یا تو جلال الٰہی کی ہیبت کی وجہ سے ہوگا یا اپنے صحابہؓ کے خیال سے کہ ان کو عذاب الٰہی سے نقصان پہنچتا۔ بہرحال اس تقریر سے سب اشکالات صاف ہو گئے۔ (من البیان مسھلا)

اجتہاد میں خطا ہونے پر اکہرا اور درستگی پر دُوہرا ثواب ملتا ہے: .... اس اجتہاد میں اگرچہ فاروق اعظمؓ کی رائے کا درست ہونا معلوم ہوا جو ان کی عظمت میں چار چاند لگاتا ہے اور ایسی کتنے ہی موقعوں پر ان کا جوہر کمال کھلا ہے۔تاہم دوسروں کی خطاء اجتہاد پر بھی اجر و ثواب کا وعدہ ہے۔نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ پیغمبر سے اگر اجتہادی غلطی ہو جائے تو وہ اس پر برقرار نہیں رکھا جاتا بلکہ فوراً متنبہ کر دیا جاتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک جنگی قیدیوں کو مفت یا تاوان لے کر رہا کرنا دونوں ناجائز ہیں، بلکہ ان کو یا قتل کر دیا جائے یا غلام بنا لیا جائے اور یا ذمی رعایا بنا لیا جائے اور دوسرے ائمہ کے نزدیک سورۂ محمد کی آیت فاما منا الخ بھی منسوخ نہیں۔اس لئے ان کے نزدیک امام وقت کو اختیار ہے کہ دونوں آیتوں کی روشنی میں خود ان کو مفت رہا کر دے یا معاوضہ لے کر یا غلام بنا لے یا ذمی رعایا میں داخل کر دے اور یا پھر قتل کر ڈالے۔

لطائف آیات: .... آیت لو انفقت الخ سے معلوم ہوا کہ کسی اچھی صفت کا دل میں پیدا کر دینا شیخ کے اختیار میں نہیں

ہوتا اور آیت الئٰن خفف اللّٰہ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کو چاہئے کہ کمزور سالک کے لئے سخت مجاہدہ تجویز نہ کرے۔
اور آیت ما کان للنبی الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نبی معصوم سے اجتہادی خطا ہو سکتی ہے تو مشائخ معصوم سے بدرجہ اولیٰ خطائے اجتہادی ممکن ہے۔ آیت لولا کتاب من اللہ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ خطائے اجتہادی جس پر ایک طرف اجر و ثواب کا وعدہ ہے جب اس پر بھی عتاب ہوگا تو اس سے اس مقولہ کی تائید نکل آئی۔ **حسنات الابرار سیئات المقربین** (نیکوں کی اچھائیاں مقربین کی برائیوں کے برابر ہیں۔)

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسَارٰى وَفِيْ قِرَاءَةٍ مِنَ الْاَسْرٰى **اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا** اِيْمَانًا وَاِخْلَاصًا **يُّؤْتِكُمْ** اللّٰهُ **خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ** مِنَ الْفِدَاءِ بِاَنْ يُضْعِفَهُ لَكُمْ فِي الدُّنْيَا وَيُثِيْبَكُمْ فِي الْاٰخِرَةِ **وَيَغْفِرْ لَكُمْ** ذُنُوْبَكُمْ **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ﴿۷۰﴾ **وَاِنْ يُّرِيْدُوْا** اَيِ الْاَسْرٰى **خِيَانَتَكَ** بِمَا اَظْهَرُوْا مِنَ الْقَوْلِ **فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ** قَبْلَ بَدْرٍ بِالْكُفْرِ **فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ** بِبَدْرٍ قَتْلًا وَاَسْرًا فَلْيَتَوَقَّعُوْا مِثْلَ ذٰلِكَ اِنْ عَادُوْا **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ** بِخَلْقِهٖ **حَكِيْمٌ** ﴿۷۱﴾ فِيْ صُنْعِهٖ **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** وَهُمُ الْمُهَاجِرُوْنَ **وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا** النَّبِيَّ **وَّنَصَرُوْٓا** وَهُمُ الْاَنْصَارُ **اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ** فِي النُّصْرَةِ وَالْاِرْثِ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ** بِكَسْرِ الْوَاوِ وَفَتْحِهَا **مِّنْ شَيْءٍ** فَلَا اِرْثَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ وَلَا نَصِيْبَ لَهُمْ فِي الْغَنِيْمَةِ **حَتّٰى يُهَاجِرُوْا** وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰخِرِ السُّوْرَةِ **وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ** لَهُمْ عَلَى الْكُفَّارِ **اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ** عَهْدٌ فَلَا تَنْصُرُوْهُمْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَنْقُضُوْا عَهْدَهُمْ **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ** ﴿۷۲﴾ **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ** فِي النَّصْرِ وَالْاِرْثِ فَلَا اِرْثَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ **اِلَّا تَفْعَلُوْهُ** اَيْ تَوَلِّي الْمُؤْمِنِيْنَ وَقَطْعَ الْكُفَّارِ **تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ** ﴿۷۳﴾ بِقُوَّةِ الْكُفْرِ وَضُعْفِ الْاِسْلَامِ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ** ﴿۷۴﴾ فِي الْجَنَّةِ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ** اَيْ بَعْدَ السَّابِقِيْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ وَالْهِجْرَةِ **وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ** اَيُّهَا الْمُهٰجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ **وَاُولُوا الْاَرْحَامِ** ذَوُو الْقَرَابَاتِ **بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ** فِي الْاِرْثِ مِنَ التَّوَارُثِ بِالْاِيْمَانِ وَالْهِجْرَةِ الْمَذْكُوْرَةِ فِي الْاٰيَةِ السَّابِقَةِ **فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ** اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ **اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ** ﴿۷۵﴾

وَمِنْهُ حِكْمَةُ الْمِيْرَاثِ

ترجمہ: .... اے نبی ﷺ! لڑائی کے قیدیوں میں سے جو لوگ تمہارے قبضہ میں ہیں ان سے کہہ دو (اور ایک قرأت میں اساویٰ کی بجائے اسریٰ ہے) اگر اللہ نے تمہیں دلوں میں کچھ بھلائی (ایمان واخلاص کی) پائی تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے کہیں بہتر چیز تمہیں عطا فرمائے گا۔ (یعنی جو کچھ فدیہ لیا ہے اس کو دنیا ہی میں تمہارے لئے کئی گنا بڑھا دے گا اور اخروی ثواب الگ عطا فرمائے گا) اور تمہارے (گناہ) بخش دے گا۔ اور اللہ بڑی مغفرت والے، بڑی رحمت والے ہیں اور اگر ان لوگوں نے چاہا (یعنی قیدیوں نے) کہ تمہیں دغا دیں (اپنی چکنی چپڑی باتوں سے) تو یہ اس سے پہلے خود اللہ کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں (بدر سے پہلے کفر کر کے اور اسی کی سزا ہے) کہ تمہیں ان پر قدرت دے دی گئی ہے (بدر میں ان کو قتل اور قید کرنے کی۔ پس اگر پھر انہوں نے ایسا ہی کیا تو تم بھی ایسے ہی کی امید رکھو) اور اللہ (اپنی مخلوق کو) خوب جاننے والے (اور اپنے کاموں میں) بڑی حکمت والے ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا (یعنی مہاجرین) اور جن لوگوں کو رہنے کی جگہ دی (یعنی نبی کریم ﷺ کو) اور ان کی مدد کی (یعنی انصار) تو یہ لوگ باہم ایک دوسرے کے رفیق ہوں گے (مدد اور میراث میں) اور جو لوگ ایمان تو لائے اور ہجرت نہیں کی تو تمہارے لئے ان کی رفاقت میں سے (ولایت کسرہ او اور فتحہ واو کے ساتھ ہے) کچھ نہیں ہے (لہذا تمہارے اور ان کے درمیان نہ میراث جاری ہوگی اور نہ ان کو مال غنیمت میں حصہ ملے گا) جب تک وہ اپنے وطن سے ہجرت نہ کریں (یہ حکم اس سورت کے آخری حکم کی وجہ سے منسوخ ہو گیا) ہاں اگر دین کے بارے میں مدد چاہیں تو بلاشبہ تم پر ان کی مدد لازم ہے (کفار کے مقابلہ میں) الا یہ کہ کسی ایسی قوم کے مقابلہ میں مدد چاہی جائے جس سے تمہارا عہد و پیمان ہے (بس اب تم اس قوم کے برخلاف اپنے بھائیوں کی مدد نہیں کر سکتے اور نہ عہد شکنی کر سکتے ہو اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی وہ بھی ایک دوسرے کے رفیق ہیں (مدد اور میراث میں۔ لہذا تمہارے اور ان کے درمیان میراث جاری نہیں ہو سکتی) اگر تم ایسا نہیں کرو گے (یعنی مسلمانوں سے دوستی اور کافروں سے کٹی) تو ملک میں فتنہ پیدا ہو جائے گا اور بڑا فساد پھیلے گا (کفر طاقتور اور اسلام کمزور ہو جائے گا) جو ایمان لائے، ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے پناہ دی اور مدد کی تو فی الحقیقت یہی مومن ہیں۔ ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی (جنت میں) اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے (یعنی اول ایمان لانے والوں اور ہجرت کے بعد) اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کیا تو وہ بھی تمہارے ہی میں شمار ہیں (اے مہاجرین وانصار!) اور رشتہ دار قرابت دار) ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں (بہ نسبت اس ایمان وہجرت کی وجہ سے یہ میراث پانے کے جس کا ذکر ابھی پچھلی آیت میں گزرا ہے) اللہ کی کتاب (لوح محفوظ) میں بلاشبہ اللہ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں (منجملہ ان کے میراث کی حکمت بھی ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... **فلیتوقعوا الخ** اشارہ ہے ان **یریدوا** کے جواب شرط کی طرف۔ **ان الذین آمنوا** ۔ اس سے مراد مہاجرین اولین ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے انصارؓ کے ساتھ مواخات کرادی تھی۔ جس کی وجہ سے اجنبی ہونے کے باوجود میراث میں بھی ایک دوسرے کے شریک ہو جاتے تھے، لیکن بعد میں آیت **اولوا الارحام** نے اس جز کو منسوخ کر دیا۔ ولایۃ۔ حمزہؒ کی قرأت میں مکسور اور باقی قراء کے نزدیک مفتوح ہے۔ اول کے معنی غلبہ اور سنت کے ہیں اور دوسری صورت میں مددگاری کے معنی ہیں۔

ولانصیب لھم ۔ اس عبارت کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ جب قتال نہیں کیا تو غنیمت میں شرکت کیسی؟ **الا تفعلوہ** ای **ان لاتفعلوہ**۔ نون ان شرطیہ کا ادغام لا نافیہ میں کر دیا گیا ہے۔

والذین امنوا. بظاہر اس میں تکرار معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ بعض نے سمجھا ہے، لیکن ایسا نہیں۔ بلکہ پہلی آیت میں ایک دوسرے کی ولایت کو اور مومنین کی تین قسموں کو بیان فرمایا گیا تھا اور یہاں صرف تعریف و بزرگی اور خصوصیت بیان کرنی ہے اور ساتھ ہی مغفرت اور عزت کی روزگاری جیسے انجام کی خبر دینی ہے۔

من بعد. یعنی صلح حدیبیہ کے بعد مگر فتح مکہ سے پہلے کیونکہ فتح مکہ کے بعد پھر ہجرت کا حکم نہیں رہا تھا۔

فاولئک. یعنی اس سے معلوم ہوا کہ اول مہاجرین افضل تھے، بعد کے مہاجرین سے۔ فی کتب اللّٰہ۔ یعنی اللہ کا حکم اور اس کی طرف سے تقسیم ہے یا قرآن کریم کی آیات میراث مراد ہیں اور یا لوح محفوظ یہ آیت حنفیہ کی دلیل ہے ذوی الارحام کی میراث کے متعلق۔ لیکن امام شافعیؒ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ فی کتب اللّٰہ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ نساء میں میراث کی بیان کی ہوئی تقسیم مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ اہل فرائض کو فرائض دیئے جائیں گے اور باقی مال عصبات کو ملے گا ذوی الارحام کو نہیں۔

ربط آیات:........... آیت یاایھا النبی الخ حضرت عباسؓ کے ادائیگی فدیہ کے بعد افلاس کی شکایت کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے اور پچھلی آیات میں کفار کو قتل کرنے، قید کرنے اور ان سے صلح کرنے کا بیان تھا اور یہ تینوں باتیں ظاہر ہے کہ غلبہ ہی کی صورت میں ہوسکتی ہیں۔ کفار کو قتل و قید کرنے کی صورت میں تو مسلمانوں کا غلبہ کھلا ہوا ہے، اسی طرح دشمن صلح بھی جب ہی کرے گا جب دبا ہوا ہوگا۔ غرضیکہ وہ احکام غلبہ کی صورت کے تھے، لیکن دوسری صورت مسلمانوں کے مغلوب ہونے کی ہے۔ جس میں وہ ہجرت پر مجبور ہوں گے۔ اس لئے اگلی آیات ان الذین امنوا میں ہجرت کے بعض احکام بیان کئے گئے ہیں۔

شانِ نزول:........... ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بدر کے قیدیوں کا معاوضہ فی کس چار سو درہم مقرر فرمایا تھا۔ لیکن حضرت عباسؓ نے عذر کیا کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو تم نے اور تمہاری بیوی ام فضل نے روپیہ دفن کر رکھا ہے وہ کہاں ہے؟ جس کے بارے میں تم گھر والی کو یہ وصیت کر کے آئے ہو کہ اگر میں سفر میں کسی مصیبت کا شکار ہوگیا تو یہ میرے بیٹوں فضل، عبداللہ اور قثم کے کام آئے گا۔ حضرت عباسؓ یہ سن کر حیران وششدر رہ گئے اور بول اٹھے کہ خدا کی قسم! مجھے یقین ہوگیا تم خدا کے رسول ہو۔ کیونکہ ان مخفی باتوں کی بجز میرے اور میری بیوی ام فضل کے کسی کو خبر نہیں تھی۔ چنانچہ حضرت عباسؓ کہا کرتے تھے کہ اللہ نے یوتکم خیرا مما اخذ منکم کا وعدہ تو اس طرح پورا فرمادیا کہ اس وقت مجھے بیس اوقیہ سونا یعنی تقریباً دوسو روپے دینے پڑے تھے اور اب میرے پاس بیس غلام ہیں اور سب سے کم درجہ کے غلام سے بیس ہزار روپیہ کی مضاربت کر رکھی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اتنا مال دیا کہ اٹھایا نہیں اٹھا۔ گود بھر کر لے جارہے تھے، مگر چلا نہیں جارہا تھا اور اللہ کے دوسرے وعدہ ویغفر لکم کا مجھے انتظار ہے، امید ہے کہ وہ بھی پورا ہوجائے گا۔

﴿ تشریح ﴾:........... **اسلام کا بے نظیر بھائی چارہ:**........... اسلام کی دعوت نے آپس میں میل جول اور محبت والفت کی جو روح پھونک دی تھی اس کا عجیب وغریب منظر تاریخ نے آج تک محفوظ رکھا ہے یہ نومسلموں کا بھائی چارہ مواخات کہلاتا تھا۔ یعنی اسلامی رشتہ سے ایک نومسلم دوسرے نومسلم کا بھائی ہوجاتا تھا اور پھر ساری باتوں میں دونوں ایک دوسرے کی شرکیت وملکیت کے ویسے ہی حق دار ہوجاتے جیسے حقیقی بھائی ہوتے ہیں۔ حتی کہ اگر ایک مرجاتا تو دوسرا اس کا وارث ہوجاتا تھا۔ یہ مواخات دومرتبہ ہوئی۔ ایک دفعہ مکہ میں۔ جو صرف مہاجرینؓ کے درمیان ہوئی تھی اور دوسری دفعہ مدینہ میں اور یہ مہاجرینؓ اور انصارؓ کے درمیان ہوئی تھی۔ ایک قول

کے مطابق یہ نوے اشخاص تھے اور دوسرا قول یہ ہے کہ سو آدمی تھے۔ مسلمانوں میں اسلامی بھائی چارگی کا ایسا ولولہ پیدا ہوگیا تھا کہ خون کے عزیزوں سے کہیں زیادہ ان کو اپنا سمجھنے لگے تھے۔ حتی کہ اگر ایک مرجاتا تو اس رشتہ میں پرویا ہوا بھائی اس کا وارث سمجھا جاتا۔ انہوں نے سارے اپنے پچھلے رشتے بھلا دیتے تھے۔ صرف ایک ہی رشتہ کی لگن باقی رہ گئی تھیں۔ یعنی سب اللہ کے رسول ﷺ کے فدائی اور سب اسی کے حسن جہاں آرا پر اپنا سب کچھ نثار کردینے والے ہیں۔

مسلمانوں کا غلبہ یقینی ہے:............ آیت ان یریدوا سے یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کو اپنے ایمان میں شبہ تھا؟ یا خدا ہی کو نعوذ باللہ ان دونوں باتوں کا احتمال معلوم ہوتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تسلی کے لئے اور شرط اخلاص کی تاکید کے لئے اصل زور خیانت کی صورت میں "**امکن منهم**" یعنی قابو میں آجانے پر دینا ہے اور یہ بتلانا ہے کہ ان کی خیانت کی صورت میں تم اپنا غلبہ یقینی سمجھو۔

ہجرت اور میراث کے احکام:............ ہجرت کے صورت میں میراث کے احکام کا حاصل یہ ہوگا کہ انسان دو حال سے خالی نہیں مسلمان ہوگا یا کافر۔ کافر کا حکم یہ ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی میراث پانے کے حق دار ہیں۔ البتہ مسلمان ان کا وارث نہیں ہوگا۔ اور نہ وہ مسلمان کے وارث ہوں گے۔ یہ احکام اب بھی باقی ہیں۔

البتہ مسلمان دو طرح کے ہیں۔ ایک فتح مکہ سے پہلے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے مہاجرؓ اور دوسرے غیر مہاجر۔ فتح مکہ کی قید اس لئے لگائی کہ اس کے بعد تو سارا عرب دارالاسلام بن گیا تھا۔ اس لئے سب جگہ رہنا پھر یکساں ہوگیا تھا۔ کسی جگہ کی کوئی خصوصیت نہیں رہ گئی تھی۔

بہر حال مہاجرینؓ خواہ بالکل اول کے ہوں یا بعد کے ان میں باہمی تفاضل اور فرق مراتب تو خیر ایک علیحدہ بات ہے اور وہ اپنی جگہ مسلم ہے مگر اس بارے میں دونوں برابر تھے کہ مدینہ کے رہنے والے جن انصاریوںؓ سے ان کی مواخات ہوگئی تھی ان سے رشتہ داروں کی طرح آپس میں ایک دوسرے کے لئے میراث کے احکام جاری ہوتے تھے۔ لیکن فتح مکہ کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا ہے۔

اور غیر مہاجر کا پہلے یہ حکم تھا کہ اس میں اور اس کے مہاجر رشتہ دار میں بھی احکام میراث جاری نہیں ہوتے تھے۔ لیکن یہ حکم بھی اب منسوخ ہوگیا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں میں اب دار مختلف ہونے کی وجہ سے بھی میراث نہیں روکی جائے گی۔ بلکہ جاری رہے گی۔ البتہ کفار میں دار مختلف ہونے کی صورت میں باہمی میراث جاری نہیں ہوگی۔ مگر غیر مہاجرین کو میراث سے محروم رکھنے کے باوجود اتنا حق ضرور دیا گیا تھا۔ کہ وہ کفار کے مقابلہ میں کسی مذہبی جنگ کے متعلق مہاجرینؓ سے امداد مانگے تو اس کی امداد واجب تھی۔

ہاں اگر ایسے کفار کے مقابلہ میں مہاجرینؓ سے امداد طلب کر رہا ہو کہ خود مہاجرینؓ کا پہلے سے ان کفار کے ساتھ عہد و پیمان ہو چکا ہو تو جب تک یہ عہد باقی رہے گا مسلمان مہاجر دوسرے غیر مہاجر مسلمان کو امداد نہیں دے سکے گا۔

البتہ اگر مہاجر مسلمان کافر سے کئے ہوئے عہد کو باقاعدہ توڑ دے تو پھر غیر مہاجر مسلمان کی مدد کرنا جائز ہوگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایسے وقت میں خود عہد کو توڑنا جائز ہوگا یا ناجائز؟ اس کی تفصیل فقہ و تفسیر کی بڑی کتابوں میں ملے گی۔

مہاجرینؓ و انصارؓ کے درمیان جو میراث کا سلسلہ تھا آخری آیت میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مورث کی طرح دوسرے مہاجرؓ یا ناصریؓ رشتہ دار کے موجود نہ ہونے کی شرط ہوگی۔ ورنہ **اولوا الارحام بعضهم الخ** کی رو سے رشتہ دار مقدم

ہوتا ہوگا اور یہ حکم اگر چہ بعد کے مہاجرین کے ساتھ خاص نہیں تھا۔لیکن مہاجرین اولین میں یہ شرط زیادہ پائی جاتی ہوگی۔ بعد میں جب لوگ بکثرت مسلمان ہونے لگے اور ہجرت بھی عام ہوگئی تو اکثر رشتہ دار یک جا ہوگئے اور کسی دوسرے رشتہ دار کے پائے جانے کی شرط ہونا اور وہ نہ ہوتو ہجرت اور نصرت کی وجہ سے میراث جاری ہونے کا حکم دونوں کے لئے عام تھا حتی کہ فتح مکہ کے بعد سورۂ احزاب کی آیت النبی اولیٰ بالمؤمنین الخ سے منسوخ ہوگیا۔اب مسلمان رشتہ دار خواہ دارالحرب میں ہو یا دارالاسلام میں بہرصورت وارث ہوگا۔(من البیان مسھلاً بعض بیانات سہل اور آسان ہوتے ہیں۔

لطائفِ آیات: .... آیت ان یعلم اللّٰہ سے معلوم ہوا کہ اطاعت اور فرمانبرداری کی بعد دولت دنیا وآخرت کی برکات نصیب ہوتی ہیں۔خواہ مالی اور مادی یا باطنی۔

سُوْرَةُ التَّوبَةِ

سُوْرَةُ التَّوبَةِ مَدَنِيَّةٌ اِلَّا الْاٰيَتَيْنِ اٰخِرَهَا مِائَةٌ وَّثَلٰثُوْنَ اَوْ اِلَّا اٰيَةً

وَلَمْ تُكْتَبْ فِيهَا الْبَسْمَلَةُ لِاَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَاْمُرْ بِذٰلِكَ كَمَا يُؤْخَذُ مِنْ حَدِيْثٍ رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَاُخْرِجَ فِيْ مَعْنَاهُ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ الْبَسْمَلَةَ اَمَانٌ وَهِيَ نَزَلَتْ لِرَفْعِ الْاَمْنِ بِالسَّيْفِ وَعَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّكُمْ تُسَمُّوْنَهَا سُوْرَةَ التَّوْبَةِ وَهِيَ سُوْرَةُ الْعَذَابِ وَرَوَى الْبُخَارِيُّ عَنِ الْبَرَاءِ اَنَّهَا اٰخِرُ سُوْرَةٍ نَزَلَتْ هٰذِهٖ **بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ** وَاصِلَةٌ **اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱﴾** عَهْدًا مُطْلَقًا اَوْ دُوْنَ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ اَوْ فَوْقَهَا وَنَقْضُ الْعَهْدِ بِمَا يُذْكَرُ فِيْ قَوْلِهٖ **فَسِيْحُوْا** سِيْرُوْا اٰمِنِيْنَ اَيُّهَا الْمُشْرِكُوْنَ **فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ** اَوَّلُهَا شَوَّالٌ بِدَلِيْلِ مَاسَيَاتِيْ وَلَا اَمَانَ لَكُمْ بَعْدَهَا **وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ** اَيْ فَائِتِيْ عَذَابَهٗ **وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲﴾** مُذِلُّهُمْ فِي الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالْاُخْرٰى بِالنَّارِ **وَاَذَانٌ** اِعْلَامٌ **مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ** يَوْمَ النَّحْرِ **اَنَّ** اَيْ بِاَنَّ **اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ** وَعُهُوْدِهِمْ **وَرَسُوْلُهٗ** بَرِيْءٌ اَيْضًا وَقَدْ بَعَثَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا مِنَ السَّنَةِ وَهِيَ سَنَةُ تِسْعٍ فَاَذَّنَ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِنًى بِهٰذِهِ الْاٰيَاتِ وَاَنْ لَّا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ **فَاِنْ تُبْتُمْ** مِنَ الْكُفْرِ **فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ** عَنِ الْاِيْمَانِ **فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ وَبَشِّرِ** اَخْبِرِ **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳﴾** مُؤْلِمٍ وَهُوَ الْقَتْلُ وَالْاَسْرُ فِي الدُّنْيَا وَالنَّارُ فِي الْاٰخِرَةِ **اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا** مِنْ شُرُوْطِ الْعَهْدِ **وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا** يُعَاوِنُوْا **عَلَيْكُمْ اَحَدًا** مِنَ الْكُفَّارِ **فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى** اِنْقِضَاءِ **مُدَّتِهِمْ** الَّتِيْ عَاهَدْتُّمْ عَلَيْهَا **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۴﴾** بِاِتْمَامِ الْعُهُوْدِ **فَاِذَا انْسَلَخَ** خَرَجَ **الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ** وَهِيَ اٰخِرُ مُدَّةِ التَّاجِيْلِ **فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ**

وَجَدْتُّمُوْهُمْ فِیْ حِلٍّ اَوْ حَرَمٍ وَخُذُوْهُمْ بِالْاَسْرِ وَاحْصُرُوْهُمْ فِی الْقِلَاعِ وَالْحُصُوْنِ حَتّٰی یَضْطَرُّوْا اِلَی الْقَتْلِ اَوِ الْاِسْلَامِ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ طَرِیْقٍ یَسْلُكُوْنَهٗ وَنَصْبُ كُلَّ عَلٰی نَزْعِ الْخَافِضِ فَاِنْ تَابُوْا مِنَ الْكُفْرِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ وَلَا تَتَعَرَّضُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵﴾ لِمَنْ تَابَ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ مَرْفُوْعٌ بِفِعْلٍ یُفَسِّرُهٗ اسْتَجَارَكَ اِسْتَامَنَكَ مِنَ الْقَتْلِ فَاَجِرْهُ اٰمِنْهُ حَتّٰی یَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ الْقُرْاٰنَ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ اَیْ مَوْضِعَ اَمْنِهٖ وَهُوَ دَارُ قَوْمِهٖ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنْ لِیَنْظُرَ فِیْ اَمْرِهٖ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرُ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ دِیْنَ اللّٰهِ فَلَا بُدَّ لَهُمْ مِنْ سَمَاعِ الْقُرْاٰنِ لِیَعْلَمُوْا

ترجمہ: .... پوری سورۂ توبہ مدنی ہے۔ یا بجز دو آخری آیتوں کے مدنی ہے۔ اس کی کل آیات ایک سو تیس ۱۳۰ ہیں یا بجائے دو آیتوں کے ایک آیت مدنی ہونے سے مستثنٰی ہے۔

(اور اس سورت کے شروع میں بسم اللہ اس لئے نہیں لکھی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ جیسا کہ حاکمؒ کی روایت کردہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور اسی کے ہم معنی حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ "بسم اللّٰہ" پروانہ امن ہے اور سورۂ توبہ جہاد کے ذریعہ امان کو اٹھا دینے کے لئے نازل ہوئی ہے اور حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ یہ لوگ اس کو 'سورۂ توبہ' کہتے ہیں حالانکہ یہ سورۂ عذاب ہے اور امام بخاریؒ نے براءؓ سے روایت کی ہے کہ سورۂ توبہ آخری سورۃ ہے یہ ہے) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے بری الذمہ ہونے کا اعلان، ان مشرکین کے لئے جن سے تم نے عہد کر رکھا تھا (خواہ بلاتعیین مدت کے ہو یا چار مہینے سے کم یا زیادہ کا۔ اور پھر انہوں نے عہد شکنی بھی کر دی ہو۔ اس دست برداری کا ذکر اس قول میں ہے) کہ چل پھر لو (اے مشرکین! امن کے ساتھ گھوم، پھر لو) ملک میں چار مہینے تک (جس کی ابتداء شوال سے ہوگی۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ اس کے بعد ان کے لئے کوئی امان نہیں ہے) اور یاد رکھو تم کبھی اللہ کو عاجز نہیں کر سکو گے (یعنی ان کے عذاب سے بچ کر نہیں نکل سکو گے) اور یہ کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کر کے رہیں گے (دنیا میں تو قتل کی ذلت میں مبتلا کر کے اور آخرت میں جہنم کی آگ میں جھونک کر) اور اللہ اور رسول کی طرف سے حج کے بڑے دن (قربانی کے دن) کی تاریخوں میں منادی (اعلان) کیا جاتا ہے کہ اللہ بری الذمہ ہے اور اس کا رسول (بھی) مشرکین (اور ان کے عہد) سے (چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اسی سال حضرت علیؓ کو مامور فرمایا یعنی ۹ھ میں انہوں نے قربانی کے روز ان آیات کا اعلان فرمایا اور بتلایا کہ آئندہ سال کوئی مشرک حج کے لئے نہیں آ سکے گا اور نہ کوئی ننگا ہو کر طواف کر سکے گا۔ جیسا کہ بخاری نے روایت کی ہے) پھر اگر تم توبہ کر لو (کفر سے) تو تمہارے لئے اس میں بہتری ہے اور اگر نہ مانو گے (ایمان لانے کو) تو جان رکھو تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور خوشخبری سنا دیجئے (خبر دے دیجئے) ان کافروں کو دردناک عذاب کی (جو تکلیف دہ ہوگا۔ دنیا میں تو قتل و قید کی صورت میں اور آخرت میں آگ کی شکل میں) ہاں مگر وہ مشرکین اس حکم سے مستثنٰی ہیں۔ جن سے تم نے عہد لیا۔ پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی (شرائط عہد کی رو سے) اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی (کافر) کی مدد (اعانت) کی۔ سو چاہئے کہ ان کے معاہدہ کو میعاد کے ختم ہونے تک پورا کر دو (جو تم نے مقرر کی تھی) واقعی اللہ تعالیٰ دوست رکھتے ہیں (عہد پورا کرنے میں) احتیاط برتنے والوں کو۔ پھر جب حرمت کے مہینے گزر (ختم ہو) جائیں۔ (جو میعاد کی آخرت مدت ہوگی) تو ان مشرکین کو مارو جہاں پاؤ (حرم ہو یا غیر حرم) اور گرفتار کر لو (قید کر لو) اور گھیر لو (قلعوں میں اور محاصرہ کر لو۔ یہاں تک کہ جنگ یا اسلام کے لئے مجبور ہو جائیں) اور داؤ گھات کی جگہوں میں ان کی تاک میں بیٹھ جاؤ (عام چالو راستوں میں اور لفظ کل منصوب ہے مگر حذف جار کے ساتھ) پھر اگر توبہ کر لیں (کفر سے) اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو (ان سے تعرض نہ کرو) واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں (جو توبہ کرے) اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص (لفظ احد

مرفوع ایسے فعل سے جس کی تفسیر آگے ہے) آپ ﷺ سے پناہ چاہے (یعنی قتل ہونے سے امان طلب کرے) تو آپ ﷺ اسے پناہ دیجئے تا کہ وہ کلام الٰہی (قرآن پاک) سن سکے۔ پھر اسے اس کے ٹھکانے پہنچا دو (یعنی امن کی جگہ اور وہ جگہ وہ ہے جہاں اس کے قرابت دار ہوں۔ تا کہ اگر ایمان نہ لایا ہو تو غور کا موقعہ مل سکے) یہ بات اس لئے ضروری ہے کہ یہ لوگ پوری طرح باخبر نہیں ہیں (اللہ کے دین سے۔ پس ان کے جاننے کے لئے ان کا قرآن سننا ضروری ہوا۔)

تحقیق وترکیب: ....سورۃ التوبۃ. اس سورت میں مسلمانوں کی توبہ کا بیان ہے اس لئے یہ نام ہوا۔ الا الأیتین . یعنی لقد جاء کم الخ سے دو آخری آیتیں مکی ہیں اور یہ سب سے آخر میں نازل ہوئی ہیں۔ یا صرف ایک آیت لقد جاء کم الخ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ لم تکتب. اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہ ہونے کے متعلق پانچ قول ہیں سب سے اصح رائے وہی ہے جس کو مفسر جلالؒ ذکر کر رہے ہیں کہ اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نازل نہیں ہوئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے اس کی یہ وجہ بیان کی کہ میں نے اس کو "سورۂ انفال" کے ساتھ سمجھا اور دونوں سورتوں میں یکسانیت ومناسبت ظاہر ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ چونکہ اس میں کفار کے نقض عہد اور منافقین کی رسوائی کا بیان ہے۔ اس لئے گویا یہ سورہ عذاب ہے جس کے ساتھ بسم اللہ الخ بے جوڑ ہے۔ کیونکہ بسم اللہ میں رحمت کا بیان ہے اور رحمت اور عذاب میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اسی لئے اس سورت کو سورۃ الفاضحہ اور سورۃ العذاب اور سورۃ التوبۃ جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ صحابہؓ کے اختلاف کی وجہ سے کہ سورۂ انفال اور یہ سورۃ دونوں ایک ہیں یا دو؟ پس دونوں سورتوں کے ایک ہونے کے خیال سے تو بسم اللہ چھوڑ دی گئی ہے۔ لیکن دو سورتیں ہونے کے خیال سے دونوں سورتوں کے درمیان خالی جگہ چھوڑ دی گئی ہے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ یہ اس وقت کے جنگی اصول ورواج کے مطابق ایسا کیا گیا ہے۔ کیونکہ نقض عہد کے وقت مراسلت کی صورت میں بسم اللہ نہیں لکھی جاتی تھی۔ یہاں بھی مشرکین کے عہد کو توڑنے کی وجہ سے ایسا ہی کیا گیا ہے۔

ھٰذہ. یہ اشارہ ہے مبتداء محذوف کی طرف اور واصلۃ کہہ کر مفسر علامؒ نے من کے ابتدائیہ ہونے کی طرف اشارہ کر دیا جس کا تعلق محذوف کے ساتھ ہے۔ ای براء ۃ واصلۃ من اللّٰہ ورسولہ. (براءت جو پہنچنے والی ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے) یا الی الذین کے متعلق محذوف ہونے کی طرف اشارہ ہے اور من اللّٰہ کا متعلق بھی محذوف ہو۔ ای ھذہ براء ۃ مبتدأ ۃ من جھۃ اللّٰہ ورسولہ واصلۃ الی الذین الخ (یہ برائت شروع ہونے والی ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے پہنچے والی ہے ان لوگوں کی طرف)

نوقض العھد. اس کا تعلق پہلی تینوں صورتوں سے ہے یعنی مشرکین نے عہد توڑ دیا ہو۔ اس صورت میں اس کا عطف عاھدتم۔ پر ہوگا۔ لیکن اس کو حال بنانا زیادہ بہتر ہے۔ بما یذکر. اس کا تعلق "براۃ" سے ہے خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جس کافر نے عہد توڑ دیا ہو اس کو چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے اور جس نے عہد نہیں توڑا تو تم بھی اس کے وفائے عہد تک پابند رہو۔

زید بن تبیعؓ سے مروی ہے کہ ہم نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ آپؓ حجۃ الوداع سے پہلے کیا پیغام لے گئے تھے؟ فرمایا چار دفعات تھیں۔ ا۔ برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کیا جائے گا۔ ۲۔ جس نے آنحضرت ﷺ سے کوئی معاہدہ کیا ہوگا تو وہ اپنی میعاد تک باقی رہے گا۔ ۳۔ اور جس عہد کی کوئی میعاد نہیں ہوگی اس کو چار مہینے کی مہلت ہے۔ ۴۔ جنت میں بجز مسلمان کے کوئی نہیں داخل ہوگا۔ آئندہ سال مسلمان اور مشرک ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکیں گے۔

اولھا شوال. یہ رائے زہریؒ کی ہے اور دوسروں کی رائے یہ ہے کہ ان مہینوں کی ابتداء "حج اکبر" کے دن سے ہے اور دس ربیع الثانی تک ختم ہے۔ بغویؒ اس کو اصوب کہتے ہیں اور اکثر کی رائے یہی ہے۔

سیاتی. اس سے مراد آیت فاذا انسلخ الا شھر الحرم ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امان کے پورا ہونے کی مدت

حرام مہینوں کے پورا ہونے تک ہے جس میں آخری مہینہ محرم ہے۔ اس طرح شوال سے محرم تک چار مہینے ہوتے ہیں۔ اذان فعال بمعنی افعال ہے۔ جیسے امان اور عطاء۔ اس کا عطف لفظ براءۃ پر ہو رہا ہے۔ حج الاکبر۔ ترمذی حضرت علیؓ کی روایت نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ''یوم حج اکبر'' کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ قربانی کا دن۔ دوسری آحادیث بھی اس کی شواہد ہیں۔

وقد بعث۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کو بھی ان پیغامات پہنچانے کے لئے بھیجا۔ حضرت ابوبکرؓ پہلے روانہ ہو گئے اور حضرت علیؓ عرج میں ان سے جا کر ملے۔ علماء نے اس پر کلام کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی روانگی پر کیوں اکتفاء نہیں کیا اور حضرت علیؓ کی ہمراہی کیوں ضروری سمجھی؟

بات دراصل یہ تھی کہ عرب اپنی عادت کے مطابق کسی عہد کی پابندی یا عہد شکنی بغیر کسی خاندانی معتبر شخص کے لائق اعتناء نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی ہونے کے ناطہ سے سب سے زیادہ قریب تھے۔ اس لئے آپ کی شمولیت ضروری سمجھی گئی۔

ربط آیات: .... اس سورت سے پچھلی آیات میں جہاد اور اس کے احکام کا بیان تھا۔ اس سورت میں بھی چند غزوات اور ان سے متعلق کچھ واقعات کا بیان ہے۔ مثلاً مشرکین سے کئے ہوئے عہد کے ختم ہونے کا اعلان۔ فتح مکہ۔ غزوۂ حنین۔ کفار کو حرم سے نکال دینا۔ غزوہ تبوک اور واقعہ ہجرت۔

شان نزول و ﴿ تشریح ﴾: .... واقعات کی ترتیب اس طرح ہوئی کہ اول ۸ھ میں مکہ معظمہ فتح ہوا۔ پھر اسی سن میں غزوۂ حنین ہوا۔ پھر رجب ۹ھ میں غذوہ تبوک پیش آیا۔

پھر ذی الحجہ ۹ھ میں عہد کے ختم کرنے اور کفار کو باہر نکالنے کا اعلان ہوا۔

آیات نازل ہونے کی ترتیب: .... جو آیتیں فتح مکہ سے متعلق ہیں۔ ان کے مضمون میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فتح سے پہلے نازل ہوئیں تھیں۔ البتہ غزوہ حنین سے جو آیتیں متعلق ہیں وہ غزوہ کے بعد کی ہیں۔ چنانچہ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں سورۂ براءت کی آیات سے مقدم ہیں۔ باقی غزوہ تبوک اور اعلان سے متعلق آیتوں کے متعلق تفسیر اتقان میں عامرؒ سے منقول ہے کہ پہلے انفروا خفافاً الخ آیات ترغیب نازل ہوئیں۔ پھر تبوک کی واپسی کے بعد آخر کی وہ آیتیں نازل ہوئیں۔ جن میں ملامت و عتاب کا مضمون ہے۔ اس کے بعد اول کی وہ آیتیں جن میں اعلان ہے نازل ہوئیں۔

بعض روایت میں جو اس پوری سورت کا نازل ہونا آیات ہے اس سے مراد اکثر حصہ ہے۔ رہا یہ شبہ کہ مذکورہ تفصیل سے تو اکثر حصہ کا نزول بھی ایک دم معلوم نہیں ہوتا۔ جواب یہ ہے کہ حضرت حذیفہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت بہت لمبی تھی اب چوتھائی رہ گئی ہے۔ باقی سورت کی تلاوت منسوخ ہو گئی ہے۔ پس ممکن ہے وہ تین چوتھائی سورت دفعۃً نازل ہوئی ہو۔

معاہدہ حدیبیہ: .... عہد اور اس کے ختم کر دینے کا ماحصل یہ ہے کہ ٦ھ میں جب آنحضرت ﷺ نے عمرہ کا ارادہ فرمایا اور کفار نے مکہ میں جانے نہ دیا۔ جس کے نتیجہ میں ''صلح حدیبیہ'' کے نام سے ایک عہد نامہ فریقین کی رضامندی سے مرتب ہو گیا۔ جس کے دفعات کی پابندی دس سال کے لئے ضروری قرار دی گئی تھی اور عرب کے مختلف قبائل کے متعلق یہ طے پایا کہ وہ کسی بھی فریق کے ساتھ ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ قبیلہ خزاعہ تو آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہو گیا اور بنو بکر قریش کی طرف ہو گئے۔ غرض کہ سال بھر کوئی نئی بات پیش نہیں آئی اور ۷ھ میں قرارداد کے مطابق۔ آنحضرت ﷺ عمرہ قضا کرنے کے لئے مکہ معظمہ تشریف لائے اور فراغت کے بعد مدینہ طیبہ واپس ہو گئے۔ چھ سات مہینے کے بعد یعنی ''صلح حدیبیہ'' کے سترہ اٹھارہ مہینے گزرنے پر قریش کے حلیف بنو بکر نے رات کو اچانک مسلمانوں

کے حلیف خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے بھی یہ سمجھ کر کہ اول تو رات کا وقت ہے کون دیکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ یا مسلمانوں کو کیا خبر ہوگی۔ اپنے حلیفوں کا ساتھ دیا اور ہتھیاروں اور جوانوں سے ان کی مدد کی۔ اس طرح گویا اپنا کیا ہوا عہد توڑنے میں خود انہوں نے پہل کر دی۔ چنانچہ جب اس کی اطلاع خزاعہ نے آنحضرت ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے بھی پوشیدہ طریقہ پر تیاری کر کے ۸ھ میں قریش پر لشکر کشی کر دی۔ مکہ معظمہ فتح ہو گیا۔ بہت سے رؤسائے قریش مسلمان ہو گئے۔

چار جماعتیں: ....شروع سورت میں جماعتوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ عہد شکنی کرنے والے قریش بھی ان میں داخل ہیں۔ بنو ضمرہ اور بنو کنانہ کے دو قبیلوں نے آنحضرت ﷺ سے معاہدہ کیا تھا اور سورہ براءۃ نازل ہونے کے وقت ان کے معاہدہ کی مدت نو مہینے باقی رہ گئی تھی۔ تیسری جماعت عام قبائلِ عرب کی وہ تھی جن سے بلا تعیین مدت معاہدہ ہوا تھا اور چوتھی جماعت عام قبائل عرب میں سے ان کی تھی جن سے کچھ بھی عہد نہیں ہوا تھا۔

بہرحال سورت کے شروع میں ان چاروں جماعتوں کے احکام ذکر کئے جا رہے ہیں۔ پہلی جماعت کا حکم فتح مکہ سے پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب تک یہ لوگ اپنے عہد پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو اور جب یہ عہد توڑ ڈالیں۔ تم بھی ان سے جنگ کرو۔ دوسرے تیسرے رکوع میں اسی جماعت کا ذکر چل رہا ہے۔ البتہ چونکہ انہوں نے خود عہد شکنی کی تھی جس کی وجہ سے یہ لوگ کسی مہلت کے مستحق نہیں رہے اور اس لحاظ سے نزول براءت کے بعد ان کے ساتھ فوراً اعلان جنگ ہو جانا چاہئے تھا۔ مگر حرام مہینوں کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا۔ کہ جب یہ مہینے گزر جائیں تو ان سے جنگ کی اجازت ہے۔

ایک شبہ کا جواب: ....رہا یہ شبہ کہ فتح مکہ سے پہلے اگرچہ ان لوگوں نے عہد توڑ ڈالا تھا۔ مگر فتح مکہ کے بعد تو امن عام ہو گیا تھا۔ پھر ان کے غیر مامون ہونے کا کیا مطلب؟

جواب یہ ہے کہ براءت نازل ہونے کے وقت ان کا غیر مامون ہونا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ بلا مہلت ان سے امن اٹھانے کی وجہ بتلانا مقصود ہے۔ یعنی چونکہ یہ لوگ بہت بڑے جرم کے مرتکب ہوئے ہیں اس لئے دوسروں کے برابر ان کی رعایت نہیں کی گئی ہے۔

دوسری جماعت نے چونکہ عہد نہیں توڑا اس لئے آیت **الا الذین عاهدتم من المشركين الخ** میں ان کا حکم یہ ہے کہ ان کی مدت پوری ہونے دو۔ البتہ تیسری اور چوتھی جماعت کا ایک ہی حکم ہے کہ اعلان ہونے کے بعد ان کو چار مہینے کی مہلت ہے۔ جہاں چاہیں یہ لوگ چلے جائیں۔ لیکن اس کے بعد پھر یہ لوگ قتل کے مستحق ہو جائیں گے۔ شروع کی آیتوں میں ان کا ذکر ہے۔ نیز نو مہینے گزر جانے کے بعد دوسری جماعت کا حکم بھی تیسری اور چوتھی جماعت کی طرح ہو جائے گا کہ ان کے لئے امن نہیں رہے گا۔

غرض کہ سال بھر کے اندر اندر یہ سرزمین مقدس کفار کے وجود سے پاک کر دی جائے گی۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے ۹ھ کے حج کے موقعہ پر حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت علیؓ کے ذریعہ مکہ معظمہ عرفات و منیٰ میں عام اعلانات کرا دیئے اور حضرت علیؓ کے ذریعہ خصوصیت سے یمن میں بھی اعلان کرا دیا اور مقصود اگرچہ صرف ان ہی آیتوں کا اعلان تھا۔ مگر بعض روایتوں میں پوری سورت سنا دینے کے متعلق جو آیا ہے سو ممکن ہے کفار کے زیادہ مرعوب کرنے کے لئے ایسا کیا گیا ہو۔

چاروں جماعتوں کے احکام: ....بہرحال پہلی جماعت کو حرام مہینوں یعنی محرم کے ختم تک اور دوسری جماعت کو دسویں رمضان ۱۰ھ تک اور تیسری، چوتھی جماعت کو دسویں ربیع الثانی تک حدود سے باہر ہو جانا چاہئے۔ پس **لا يقربوا المسجد الحرام الخ** کی رو سے اگلے حج تک کوئی کافر بھی حدود میں داخل نہیں رہنے پائے گا۔ حدیث **لا يحجن بعد العام مشرك** کا مطلب بھی یہی ہے اور مسجد حرام سے مراد پورا حرم ہے۔ چنانچہ اگلے سال ذی الحجہ ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ بنفس نفیس ایسی حالت میں حج کے لئے تشریف لے گئے کہ کسی مخالف کا غل غش باقی نہ رہا۔ آپ ﷺ کا ارادہ پورے جزیرۃ العرب کو کفار سے خالی کرنے کا

تھا۔ لیکن ربیع الاول ۱۱ھ میں چونکہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی اس لئے یہ ارادہ پورا نہیں ہو سکا۔ تاہم صحابہؓ نے آپ ﷺ کے اس عزم کی تکمیل فرمادی۔

حضرت عثمانؓ کا تحقیقی جواب: .... ترمذی کی روایت ہے کہ ابن عباسؓ نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا۔ کہ سورۂ انفال کو جو مثانی میں سے ہے اور سورۂ براءت کو جو مئین میں سے ہے دونوں کو آپ ﷺ نے پاس پاس کیوں رکھا اور دونوں کے درمیان بسم اللہ کیوں نہیں لکھی اور سورۂ انفال کو سبع طوال میں کیوں رکھ دیا ہے؟

جواب میں آپؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ پر چونکہ بعض دفعہ کئی کئی سورتوں کا نزول ہوتا تھا۔ اس لئے کسی آیت کے نازل ہونے پر آپ کاتب کو بلا کر فرمادیتے کہ اس آیت کو فلاں فلاں سورت میں لکھ دیا جائے۔ پس سورۂ انفال مدینہ میں نازل ہونے والی پہلی سورتوں میں سے ہے اور سورۂ برأت آخر قرآن میں سے ہے اور دونوں سورتوں میں چونکہ باہمی مناسبت تھی۔ جس کی وجہ سے دونوں کا مضمون ملتا جلتا تھا اس لئے میں نے یہ سمجھا کہ سورۂ براءت سورۂ انفال کا جزء ہے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو چکی تھی اور آپ ﷺ نے اس کی کوئی تصریح بھی نہیں فرمائی تھی۔ اس لئے میں نے دونوں سورتوں کو پاس پاس رکھ دیا اور دونوں کے بیچ میں بسم اللہ نہیں لکھی اور سورۂ انفال کو سبع طوال میں رکھ دیا اور بقول بیضاوی اختلاف صحابہؓ کی وجہ سے دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ نہیں لکھی گئی۔

قرآن پاک میں سورتوں کی ترتیب: .... قرآن کریم کی ترتیب میں خاص طور پر اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ بڑی بڑی سورتیں اول میں رکھی گئی ہیں اور ان سے چھوٹی سورتیں ان کے بعد۔ اور سب سے چھوٹی سورتیں سب سے آخر میں رکھی گئی ہیں۔ اس طرح سورۂ بقرہ سے سورۂ براءت کے بعد تک علاوہ سورۂ انفال کے سات سورتوں میں سو سو ۱۰۰، ۱۰۰ آیات سے زائد ہونے کی وجہ سے سات سورتوں کو "سبع طوال" اور "مئین" کہا جاتا ہے اور سورۂ انفال کو اور سورۂ یوسف کے بعد کی سورتوں کو سو ۱۰۰ آیات سے کم ہونے کی وجہ سے "مثانی" کہتے ہیں اور بالکل اخیر کی سورتیں "مفصل" کہلاتی ہیں۔

حاصل سوال: .... پس حضرت عثمانؓ سے جو سوال کیا گیا ہے اس کا ماحصل تین باتیں نکلتی ہیں۔ ا۔ سورۂ براءت کے "مئین" میں سے اور سورۂ "انفال" کے "مثانی" میں سے ہونے کی وجہ سے باہم کوئی مناسبت نہیں ہے۔ پھر ان دونوں سورتوں کو ایک جگہ کیوں رکھ دیا گیا ہے؟ ۲۔ جب سورۂ انفال اور سورۂ توبہ الگ الگ دو سورتیں ہیں تو پھر دوسری سورتوں کی طرح ان کے بیچ میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی گئی؟ ۳۔ سورۂ انفال سے چونکہ سورۂ توبہ بڑی تھی۔ اس لئے سورۂ توبہ کو "سبع طوال" میں شمار کرنا چاہئے تھا نہ کہ سورۂ انفال کو؟

حاصل جواب: .... حضرت عثمانؓ کے جواب کا حاصل یہ نکلا کہ بسم اللہ کا نازل ہونا چونکہ کسی سورت کے مستقل ہونے کی علامت تھی اور آنحضرت ﷺ کا کسی آیت کے متعلق یہ فرمانا کہ یہ آیت فلاں سورت میں داخل ہے۔ اس آیت کے جزء ہونے کی علامت تھی۔ لیکن سورۂ براءت میں نہ تو بسم اللہ نازل ہوئی اور نہ آپ ﷺ نے صراحۃً کچھ ارشاد فرمایا۔ جس کی وجہ سے اس سورت کا حال مشتبہ رہا کہ آیا یہ سورت مستقل ہے یا کسی دوسری سورت کا جزو ہے؟ اس لئے حضرت عثمانؓ کو دونوں پہلوؤں کی رعایت کرنی پڑی۔ استقلال کے یقینی نہ ہونے کی وجہ سے تو بسم اللہ نہیں لکھی اور جزئیت کے یقینی نہ ہونے کی وجہ سے دونوں سورتوں کے بیچ میں خالی جگہ چھوڑ دی جس سے سوال کے دوسرے جزء کا جواب بھی نکل آیا۔ پھر چونکہ سورۂ توبہ میں کسی سورت کے جز ہونے کا بھی احتمال تھا۔ سورۂ انفال کے معانی و مضامین سے اس کو زیادہ مناسبت و مشابہت معلوم ہوئی۔ اس لئے دونوں سورتوں کو پاس پاس لکھ دیا۔ جس سے سوال کے پہلے جزء کا جواب نکل آیا۔ باقی یہ مصلحت سورۂ توبہ کو اول اور سورۂ انفال کو بعد میں رکھنے کی صورت میں بھی حاصل ہو سکتی تھی؟

تو اس کی ایک وجہ تو اسی اول جز کے جواب سے نکل آئی کہ اس صورت میں سورۂ توبہ کے سورۂ انفال کی جزئیت کے احتمال والی

جانب اشارہ نہ ہوتا۔ بلکہ سورۂ توبہ جس سورت کے بعد رکھی جاتی۔ اس کے جزاء ہونے کا احتمال ہوجاتا۔ جو مطلوب نہیں ہے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے ظاہر و باہر ہونے کی وجہ سے اس توجیہ کو ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ مستقل جواب یہ دیا کہ سورۂ انفال چونکہ پہلی سورتوں کے ساتھ نازل ہوئی۔ اور سورۂ براءت آخر کی سورتوں کے ساتھ۔ اس لئے سورۂ انفال کو پہلے اور سورۂ توبہ کو بعد میں رکھا گیا ہے اور چونکہ اس میں کوئی رکاوٹ کی وجہ نہیں ہوئی۔ اس لئے سورۂ براءت کا سبع طوال میں داخل ہونا۔ سورۂ انفال کی نسبت زیادہ مناسب ہوا۔

سورت براءت کے شروع میں بسم اللہ نہ پڑھنے کی وجہ:............اور بسم اللّٰہ نہ لکھنے کے سلسلہ میں جلال محققؒ نے جو حضرت علیؓ کا اثر نقل کیا ہے کہ بسم اللہ اللہ کی طرف سے امان کا پروانہ ہے اور اس سورۃ میں امان کا اٹھانا ہے۔ سو یہ بسم اللہ نہ لکھنے کی علت نہیں بلکہ ایک نکتۂ حکمت ہے اصل علت حضرت عثمانؓ کا ارشاد مذکورہ ہے۔

سورۂ براءت کے شروع میں بسم اللہ نہ ہونے کی وجہ جب اس کے جزو سورت ہونے کا احتمال ہوا تو معلوم ہوگیا کہ جو شخص اسی سورت سے پڑھنا شروع کرے یا اس سورت کے درمیان میں کہیں سے۔ تو ان دونوں حالتوں میں اسے بسم اللہ پڑھنی چاہئے۔ البتہ اگر کوئی اوپر سے پڑھتا چلا آرہا ہے اس کو بغیر بسم اللہ پڑھے اس سورت کو شروع کر دینا چاہئے۔ پہلی دونوں حالتوں میں بسم اللہ نہ پڑھنا بلکہ تینوں حالتوں میں۔ ایک منگھڑت عبارت اعوذ باللّٰہ من النار و من شر الکفار و من غضب الجبار۔ پڑھنا بدعت اور ترک سنت ہے۔ ایسا کرنے سے ایک حالت میں ایک بدعت اور دو حالتوں میں دو بدعت اور تینوں حالتوں میں تین بدعتوں کا ارتکاب لازم آتا ہے۔

پندرہ تنبیہات:............اب ان آیتوں سے متعلق کچھ ضروری تنبیہیں قابل ملاحظہ ہیں:

۱:............پہلی آیت میں لفظ عاھدتم کے ساتھ کسی مدت کی قید نہ لگانا قرینہ ہے کہ اس سے تیسری جماعت مراد ہے۔ اس طرح اس جماعت کا حکم عبارت النص سے اور چوتھی جماعت کا حکم دلالۃ النص سے ثابت ہوجائے گا۔

۲:............تیسری آیت میں مشرکین کا لم ینقصوکم کے مقابلہ میں آنا اس کا قرینہ ہے کہ یہ مشرکین کی پہلی جماعت ہے جو عہد توڑنے والی ہے۔

۳:............چوتھی آیت میں لم ینقصوکم اور الی مدتھم کے الفاظ دوسری جماعت مراد لینے کا قرینہ ہیں۔

۴:............پہلی جماعت کے متعلق براءت کے ساتھ چار مہینے کی مدت نہ ہونا۔ اس بات کا قرینہ ہے کہ ان کے لئے کوئی مدت نہیں۔

۵:............پھر آگے چل کر پانچویں آیت میں ایک رکاوٹ کو ذکر بھی کر دیا کہ اگرچہ ان کے لئے امن کی کوئی میعاد نہیں ہے۔ لیکن حرام مہینوں کی وجہ سے سردست اجازت نہیں ہے۔ یا تو اس لئے کہ اس وقت تک ان کی حرمت باقی ہوگی جو بعد میں منسوخ ہوگئی۔ اگرچہ متعین طور پر ناسخ ہمارے علم میں نہ ہو۔ لیکن حدیث لا یجتمع امتی علی الضلالۃ (میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی) کی رو سے کسی گمراہی پر امت کا اجماع چونکہ شرعاً محال ہے اس لئے یہ اجماع نسخ کی دلیل ہوگا اور یا اس لئے سردست اجازت نہیں کہ اگرچہ اس وقت بھی ان کی حرمت باقی نہ ہو۔ تاہم اس مصلحت سے کہ تمام عرب میں پہلے سے ان مہینوں کی حرمت مشہور و معروف چلی آرہی ہے اور عنقریب حدود سے ان لوگوں کا اخراج تجویز ہو ہی چکا تھا۔ پس تھوڑے دن کے لئے مسلمان کیوں بدنام کئے جائیں۔ نیز جس طرح دوسری جماعتیں کچھ نہ کچھ میعاد سے فائدہ اٹھائیں گی۔ استحقاق نہ ہونے کے باوجود ان کو بھی اگر کچھ موقع مل جائے تو مناسب ہوگا۔

۶:............پہلی جماعت کے جو دو حکم بیان کئے گئے ہیں یعنی رکاوٹ دور ہونے کے بعد قید اور قتل کا جائز ہونا اور اسلام لے آنے کی صورت میں آزادی۔ یہ دونوں حکم باقی جماعتوں میں بھی مشترک ہیں۔ چنانچہ دوسری اور تیسری آیات میں غیر معجزی اللّٰہ سے اس ترہیب و ترغیب کی طرف اشارہ ہورہا ہے۔ البتہ چوتھی آیت میں ترغیب و ترہیب اس لئے ذکر نہیں کی گئی کہ کلام استثنائی ہورہا ہے

جس کا پہلے کلام سے تعلق ہوتا ہے اور پہلے کلام میں ترغیب وترہیب آ ہی چکی ہے۔ اس لئے دوبارہ ذکر کی ضرورت نہیں رہی۔

۷:......دوجگہ ترغیب وترہیب کا اشارۃً اور ایک جگہ صراحۃً ذکر ہونا ممکن ہے اس لئے ہو۔ کہ عہد توڑنے کی وجہ سے یہ لوگ تصریح کے زیادہ محتاج ہیں۔

۸:......یہاں صرف اسلام اور اعراض کو بیان کرنا اور جزیہ کا ذکر نہ کرنا اس لئے ہے کہ کفار عرب سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا۔ پس لفظ اخذ اور حصر سے مراد ان شرکاء جنگ کو غلام بنانا نہیں ہوگا۔ ہاں عرب کے علاوہ دوسرے کفار کو غلام بنالینا دلائل شرعیہ سے ثابت ہے۔

۹:......جن لوگوں کو چار مہینے کی مہلت تھی۔ عہد توڑنے والوں کی طرح ان کے لئے چونکہ حاجت نہیں تھی اس لئے چار مہینے گزرنے کی تصریح نہیں کی۔ کیونکہ اربعة اشهر کی قید سے خود یہ چیز معلوم ہورہی ہے۔ برخلاف عہد توڑنے والوں کے کہ مہلت نہ ملنے کا مطلب ان سے فوری قتال ہوتا۔ اس لئے وہاں مانع کی حد بتلادی غرض کہ مطلق تقیید کا محتاج ہے نہ کہ مقید۔

۱۰:......پہلی آیت میں اگرچہ براءت کا اعلان عام مقصود ہے مگر پھر تیسری آیت میں شاید اس کی تصریح اس لئے کردی کہ اس میں عہد توڑنے والوں کا بیان ہورہا ہے۔ پس یہاں اس عام اعلان کی تصریح لفظاً بھی مناسب معلوم ہوئی۔ تاکہ کفار کا عذر اور مسلمانوں کا عذر پورے طور پر مشہور ہوجائے۔

۱۱:......اسلام قبول کرنے میں اگرچہ قیام نماز شرط نہیں ہے، تاہم یہ کنایہ ہے اظہار اسلام سے جو بندوں کے نزدیک مدار احکام ہے اور نماز کا قیام اور زکوٰۃ کی ادائیگی بطور مثال کے ہے۔

۱۲:......عہد کا تعلق اگرچہ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ لیکن اللہ ورسول ﷺ کی طرف براءت کی نسبت کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ دوسرے احکام مقصودہ کی طرح یہ عہد کا پھینک دینا بھی واجب ہے۔ عام عہود کی طرح صحابہؓ کو اس میں اختیار نہیں ہے۔

۱۳:......کفار کو قرآن سننے کے لئے پناہ دینا اور پھر ان کو ان کی قیام گاہ تک پہنچانے کا حکم اب علماء کے نزدیک بقول سعیدؓ بن ابی عروبہ منسوخ ہے، جس کا ناسخ قاتلوا المشركين كافته بتلایا ہے اور ذلک بانهم سے اس کی تائید ہورہی ہے۔ چنانچہ اب تبلیغ اسلام عام ہوچکی ہے۔ اب قانون اور حکم نہ جاننے کا عذر باقی نہیں رہا۔ البتہ مہلت دینا مستحب ہے اور مقدار مہلت کی تعیین امام کی رائے پر ہے۔

۱۴:......حج اکبر سے مراد یہ ہے کہ عمرہ نہ ہو۔ کیونکہ عمرہ کو حج اصغر کہا جاتا ہے۔

۱۵:......حرام مہینوں کی یہ تفسیر متبادر معنی پر بے تکلف ہوگی۔ لیکن اگر لغوی معنی مراد لے کر ربیع الثانی کی دسویں تاریخ پر اس کو ختم سمجھا جائے یا متبادر معنی ہی لے کر اس کی ابتداء زمانہ نزول یعنی شوال سے لی جائے تو پہلی صورت میں تکلف کرنا پڑے گا اور دوسری صورت میں اربعة اشهر کے لفظ سے اس کا مراد ہونا مخفی ہوگا۔ جو اعلان کی وضع کے خلاف ہے۔ (مسہلاً من البیان)

كَيْفَ اَیْ لَا **يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖ** وَهُمْ كَافِرُوْنَ بِهِمَا غَادِرِيْنَ **اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ وَهُمْ قُرَيْشٌ الْمُسْتَثْنُوْنَ مِنْ قَبْلُ **فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ** اَقَامُوْا عَلَى الْعَهْدِ وَلَمْ يَنْقُضُوْهُ **فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ** عَلَى الْوَفَاءِ بِهٖ وَمَا شَرْطِيَّةٌ **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ** ﴿۷﴾ وَقَدِ اسْتَقَامَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى عَهْدِهِمْ حَتّٰى نَقَضُوْا بِاِعَانَةِ بَنِيْ بَكْرٍ عَلٰى خُزَاعَةَ **كَيْفَ** يَكُوْنُ لَهُمْ عَهْدٌ **وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ** يَظْفَرُوْا بِكُمْ **لَا يَرْقُبُوْا** يُرَاعُوْا **فِيْكُمْ اِلًّا** قَرَابَةً **وَّلَا ذِمَّةً** عَهْدًا بَلْ يُؤْذُوْكُمْ

مَا استَطَاعُوا وَجُملَةُ الشَّرطِ حَالٌ **يُرضُونَكُم بِاَفوَاهِهِم** بِكَلَامِهِمُ الحَسَنِ **وَتَاْبٰى قُلُوبُهُم** الوَفَاءَ بِهٖ **وَاَكثَرُهُم فٰسِقُونَ** ﴿۸﴾ نَاقِضُونَ لِلعَهدِ **اِشتَرَوا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** القُراٰنَ **ثَمَنًا قَلِيلًا** مِنَ الدُّنيَا اَى تَرَكُوا اتِّبَاعَهَا لِلشَّهَوَاتِ وَالهَوٰى **فَصَدُّوا عَن سَبِيلِهٖ** دِينِهٖ **اِنَّهُم سَآءَ** بِئسَ **مَا كَانُوا يَعمَلُونَ** ﴿۹﴾ عَمَلُهُم هٰذَا **لَا يَرقُبُونَ فِى مُؤمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً وَاُولٰٓئِكَ هُمُ المُعتَدُونَ** ﴿۱۰﴾ **فَاِن تَابُوا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخوَانُكُم** اَى فَهُم اِخوَانُكُم **فِى الدِّينِ وَنُفَصِّلُ** نُبَيِّنُ **الاٰيٰتِ لِقَومٍ يَّعلَمُونَ** ﴿۱۱﴾ يَتَدَبَّرُونَ **وَاِن نَّكَثُوٓا** نَقَضُوا **اَيمَانَهُم** مَوَاثِيقَهُم **مِّن بَعدِ عَهدِهِم وَطَعَنُوا فِى دِينِكُم** عَابُوهُ **فَقَاتِلُوٓا اَئِمَّةَ الكُفرِ** رُؤَسَاءَهُ فِيهِ وَضعُ الظَّاهِرِ مَوضَعَ المُضمَرِ **اِنَّهُم لَآ اَيمَانَ** عُهُودَ **لَهُم** وَفِى قِرَاءَةٍ بِالكَسرِ **لَعَلَّهُم يَنتَهُونَ** ﴿۱۲﴾ عَنِ الكُفرِ **اَلَا** لِلتَّحضِيضِ **تُقَاتِلُونَ قَومًا نَّكَثُوٓا** نَقَضُوا **اَيمَانَهُم** عُهُودَهُم **وَهَمُّوا بِاِخرَاجِ الرَّسُولِ** مِن مَكَّةَ لَمَّا تَشَاوَرُوا فِيهِ بِدَارِ النَّدوَةِ **وَهُم بَدَءُوكُم** بِالقِتَالِ **اَوَّلَ مَرَّةٍ** حَيثُ قَاتَلُوا خُزَاعَةَ حُلَفَاءَكُم مَعَ بَنِى بَكرٍ فَمَا يَمنَعُكُم اَن تُقَاتِلُوهُم **اَتَخشَونَهُم** اَتَخَافُونَهُم **فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَن تَخشَوهُ** فِى تَركِ قِتَالِهِم **اِن كُنتُم مُّؤمِنِينَ** ﴿۱۳﴾ **قَاتِلُوهُم يُعَذِّبهُمُ اللّٰهُ** بِقَتلِهِم **بِاَيدِيكُم وَيُخزِهِم** يُذِلَّهُم بِالاَسرِ وَالقَهرِ **وَيَنصُركُم عَلَيهِم وَيَشفِ صُدُورَ قَومٍ مُّؤمِنِينَ** ﴿۱۴﴾ مِمَّا فُعِلَ بِهِم هُم بَنُو خُزَاعَةَ **وَيُذهِب غَيظَ قُلُوبِهِم** كَربَهَا **وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلٰى مَن يَّشَآءُ** بِالرُّجُوعِ اِلَى الاِسلَامِ كَاَبِى سُفيَانَ **وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ** ﴿۱۵﴾ **اَم** بِمَعنٰى هَمزَةِ الاِنكَارِ **حَسِبتُم اَن تُترَكُوا وَلَمَّا يَعلَمِ اللّٰهُ** عِلمَ ظُهُورٍ **الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُم** بِاِخلَاصٍ **وَلَم يَتَّخِذُوا مِن دُونِ اللّٰهِ وَلَا رَسُولِهٖ وَلَا المُؤمِنِينَ وَلِيجَةً** بِطَانَةً وَاَولِيَاءَ المَعنٰى وَلَم يَظهَرِ المُخلِصُونَ وَهُمُ المَوصُوفُونَ بِمَا ذُكِرَ مِن غَيرِهِم **وَاللّٰهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعمَلُونَ** ﴿۱۶﴾

ع ۲/۱۰/۸

ترجمہ: .... یہ کیسے ہوسکتا ہے (یعنی نہیں ہوسکتا) کہ ان مشرکوں کا عہد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک عہد ہو؟ (وہ کافر مراد ہیں جنھوں نے اللہ و رسول ﷺ سے غداری کی) ہاں جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے قریب عہد و پیمان باندھا تھا (صلح حدیبیہ کے موقعہ پر) اس سے مراد قریش ہیں جن کا پہلے استثناء ہو چکا ہے تو جب تک وہ تمہارے ساتھ قائم رہیں (عہد پر جمے رہیں اور اس کو نہ توڑیں) تو تم بھی ان کے ساتھ قائم رہو (عہد پورا کرنے پر ماشرطیہ ہے) اللہ انہیں دوست رکھتے ہیں جو متقی ہیں (چنانچہ آنحضرت ﷺ اپنے عہد پر برقرار رہے۔ حتی کہ مشرکین نے خزاعہ کے مقابلہ میں بنوبکر کی مدد کر کے خود ہی اس عہد کو توڑ کر رکھ دیا) کیسے (ان مشرکین کا عہد ہوسکتا ہے) جب کہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر کہیں آج تم پر غلبہ پا جائیں (تمہارے مقابلہ میں کامیاب ہو جائیں) تو نہ تو تمہارے لئے رشتہ (قرابت) کا پاس (لحاظ) کریں اور نہ کسی عہد و پیمان کا (بلکہ جہاں تک ہو سکے تمہیں تکلیف پہنچائیں گے۔ جملہ شرطیہ حال ہے) وہ اپنی باتوں (اچھے کلام) سے تمہیں راضی کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ان کے دل نہیں مانتے (ان وعدوں کو پورا کرنا) اور ان میں زیادہ تر لوگ شریر ہیں (عہد کو توڑنے والے) ان لوگوں نے اللہ کی آیتیں (قرآن پاک) ایک بہت ہی حقیر قیمت پر بیچ ڈالیں

(دنیا کے بدلے۔ یعنی شہوات اور خواہشات میں پڑ کر ان لوگوں نے آیات الٰہی کو چھوڑ دیا ہے) اس لئے لوگوں کو اللہ کی راہ (دین) سے یہ روکتے ہیں۔ یقیناً یہ لوگ بہت ہی برے ہیں (اپنے اس عمل کے اعتبار سے) یہ لوگ کسی مسلمان کے لئے نہ تو قرابت کا پاس کرتے ہیں اور نہ قول وقرار کا۔ یہی لوگ ہیں جو ظلم میں حد سے گزر گئے ہیں۔ بہرحال اگر یہ لوگ باز آ جائیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہو جائیں گے اور ہم سمجھ دار (تدبر کرنے والے) لوگوں کے لئے احکام کھول کھول کر بیان کرتے ہیں اور اگر توڑ ڈالیں یہ لوگ اپنی قسموں (عہد و پیمان) کو عہد کرنے کے بعد اور تمہارے دین کو برا بھلا کہیں (اس میں عیب لگائیں) تو پھر کفر کے سرداروں سے جنگ کرو (جو ان میں بڈھے ہیں یہاں بجائے اسم ظاہر کے ضمیر لائی گئی ہے) ان لوگوں کی قسمیں قسمیں نہیں ہیں (ایک قراءت میں لفظ ایمان کسرہ کے ساتھ ہے) تاکہ یہ لوگ (کفر سے) باز آ جائیں۔ کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں کرتے (لفظ الا ابھارنے اور آمادہ کرنے کے لئے ہے) جنہوں نے اپنی قسموں (عہد و پیمان) کو توڑ ڈالا اور رسول کو ان کے وطن سے نکال باہر کردینے کا منصوبہ باندھا (مکہ سے جلا وطن کرنے کا جس وقت دارالندوہ میں مشورہ کر رہے تھے) پھر انہوں نے (تمہارے برخلاف لڑائی کرنے میں) پہل بھی کردی؟ (جب مسلمانوں کے حلیف خزاعہ سے ان کے حریف بنوبکر کا ساتھ دے کر جنگ کردی۔ اس لئے تمہیں ان کے ساتھ جنگ کرنے سے کیا چیز روک رہی ہے) کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ (خوف کھاتے ہو) سو اللہ اس بات کے زیادہ سزاوار ہیں کہ ان کا ڈر تمہارے دلوں میں بسا ہو۔ (جہاد سے باز رہنے کے سلسلہ میں) اگر تم ایمان رکھتے ہو ان سے جنگ کرو۔ اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں (قتل کر کے) عذاب دیں گے اور انہیں رسوا کریں گے (قید وغصہ میں مبتلا کر کے) اور ان پر تمہیں فتح دیں گے اور مسلمانوں کے دلوں کو شفا دیں گے (ان کے ساتھ جو کچھ سلوک کیا گیا ہے اور اس سے مراد بنوخزاعہ ہیں) اور ان کے دلوں کے غصہ (دکھ درد) کو دور فرما دیں گے اور جس پر اللہ کو منظور ہوگا اللہ تعالیٰ توجہ فرمادیں گے۔ (اسلام کی طرف پھر جانے کی توفیق بخش کر۔ جیسے کہ ابوسفیان وغیرہ کو) اللہ سب کچھ جانتے ہیں اور بڑی حکمت والے ہیں کیا تم (لفظ ام ہمزہ انکار کے معنی میں ہے) یہ خیال کرتے ہو کہ تم یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تو اللہ نے ان لوگوں کو (ظاہری طور پر) پوری طرح آزمائش میں ڈالا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے (اخلاص کے ساتھ) جہاد کیا ہو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کو چھوڑ کر کسی کو اپنا جگری دوست نہ بنایا ہو۔ (خالص و مخلص دوست حاصل یہ ہے کہ ابھی تو مخلصین جن کا ذکر ابھی آیا ہے وہ غیر مخلصین سے ممتاز بھی نہیں ہوئے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی سب کچھ خبر ہے۔

تحقیق وترکیب: .... لا یــکــون . یعنی کیف اسم ہے استفہام تعجب کے لئے نفی کے معنی میں اسی لئے اس کے بعد الا آیا ہے جو استثناء متصل کے لئے ہے اور کیف خبر ہے یــکــون کی۔ جو اس کے اسم عہد پر صدارت کلام کی وجہ سے مقدم کر دی گئی ہے اور للمشرکین محذوف کے متعلق ہو کر عہد سے حال واقع ہو رہا ہے اگر یہ لفظ بعد میں ہوتا تو پھر اس کی صفت بنتا۔

وهــم قریش . جن کا ذکر پہلی آیت الا الــذیــن عاهدتم الخ میں آ چکا ہے۔ جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے ہے ان کو چار مہینے کی مہلت دی گئی تھی۔ لیکن یہ لوگ پہلے ہی مسلمان ہو گئے۔ البتہ سدی اور کلبی اور ابن اسحاق کی رائے یہ ہے کہ اس سے بنوحمزہ مراد ہیں۔ جنہوں نے قریش کی طرح عہد نہیں توڑا۔ بلکہ اپنے عہد پر فتح مکہ کے بعد تک برقرار رہے۔ جلال مفسرؒ ان دونوں قولوں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ پہلے استثناء میں بنوحمزہ سے اور دوسرے استثناء میں قریش سے تفسیر کی ہے۔ قریش مراد لینے کی صورت میں ان آیات کا نزول فتح مکہ سے پہلے ماننا ہوگا۔

الاً . یہ لفظ الٌّ سے ماخوذ ہے دعا میں آواز بلند کرنے کے معنی ہیں۔ حلف اٹھانے کے وقت شہرت دینے کے لئے آواز بلند کی جاتی تھی۔ اس لئے حلف کے معنی ہو گئے۔ پھر قرابۃ کے معنی کے لئے مستعار لے لیا۔ اور قاموس میں ہے کہ الٌّ کے معنی عہد، حلف، جگہ، آواز بلند کرتے، قرابۃ، معدن، کینہ، عداوت، ربوبیت، اللہ کے نام کے آتے ہیں۔

تر کوا. یہ اشتروا کی تفسیر ہے۔ بایت اللہ میں با متروک پر داخل ہو رہی ہے۔ بدار الندوۃ۔ یہ عمارت پارلیمنٹ کا کام دیتی تھی۔ قصیٰ بن کلاب نے اس کو تعمیر کیا تھا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آج کل میزاب رحمت اور حطیم کے سامنے مصلی حنفی ہے۔ ولیجة. ولوج سے مشتق ہے بمعنی داخل ہونا۔

ربط و ﴿تشریح﴾: .... پہلی آیات سے ان آیتوں کا ربط ظاہر ہے۔ فتح مکہ سے متعلق پہلی جماعت کا یہ حکم بیان کیا جا رہا ہے۔ آیت **الا الذین عاهدتم الخ** کی تفسیر درمنثور میں دوسری جماعت بنوحمزہ اور بنوکنانہ سے کی گئی ہے۔ ممکن ہے حدیبیہ کے موقعہ پر ان سے بھی گفتگوئے مصالحت ہوئی ہو۔

چند نکات: .... غرض کہ اس صورت میں دونوں جگہ مستثنیٰ کا مصداق ایک ہی ہوگا اور چونکہ پہلی آیت میں استقامت ظاہر ہونے کے بعد کا اور اس آیت میں استقامت سے پہلے کا حال مذکور ہے۔ اس لئے اس کو تکرار نہیں کہا جائے گا اور **قاتلوهم يعذبهم** الخ کے متعلق گزر چکا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی ہے اور اس سے پہلی آیت **الا تقاتلون قوما** الخ کے مضمون سے بھی فتح مکہ سے پہلے اور عہد توڑنے کے بعد نازل ہونا معلوم ہوتا ہے اور اس سے پہلی آیت **ان نكثوا** میں نکث سے پہلے نازل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ پس فتح مکہ سے پہلے اس کا نازل ہونا بدرجہ اولی معلوم ہوا اور اس سے اوپر کی آیتوں کا مضمون بھی اسی کے مناسب ہے جس سے مکہ کے فتح کرنے سے پہلے نازل ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

آیات براءت کے نازل ہونے سے پہلے صلح کے طور پر کفار عرب سے عہد کر لینا جائز تھا۔ لیکن ان آیتوں سے اس کی اجازت بھی ختم ہو گئی۔ اب ان کے سامنے اسلام پیش کیا جائے گا یا تلوار۔ ان دونوں باتوں میں سے جس کو چاہیں وہ پسند کر لیں۔ ان کے لئے جزیہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اس کے بعد کسی سے تازہ عہد نہیں کیا۔ بلکہ پہلے عہد کے متعلق بھی صاف جواب دے دیا اور قریش نے آنحضرت ﷺ کے صرف جلاوطن کرنے ہی کی تجویز پیش نہیں کی تھی۔ بلکہ اخیر رائے قتل کی ٹھہری تھی۔ لیکن چونکہ جلاوطن کرنا سب سے ہلکی تجویز تھی۔ اس لئے اس پر اکتفاء کر کے یہ بتلا دیا کہ جب یہ ہلکی تجویز ہی ہمیں سخت ناگوار ہے تو پھر قتل جیسی بدترین چیز کی برائی کا تو کیا ہی پوچھنا۔

لطائف آیات: .... آیت **اشتروا** الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ شہوتوں کی پیروی اور لذتوں کی طرف میلان۔ گناہ اور سرکشی کا سبب بھی ہو جاتا ہے۔ آیت **ويشف صدور** الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ طبعی باتیں کاملین میں بھی پائی جاتی ہیں اور ان میں سے بعض کے آثار مطلوب بھی ہیں ورنہ حضرات صحابہؓ میں غصہ وغیرہ نہ پایا جاتا۔ آیت **ولما يعلم الله** الخ سے معلوم ہوا کہ مجاہدات کے بعد ثمرات عطا فرمانا عادت الٰہی ہے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ بِالْاِفْرَادِ وَالْجَمْعِ بِدُخُوْلِهٖ وَالْقُعُوْدِ فِيْهِ **شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ** بَطَلَتْ **اَعْمَالُهُمْ** لِعَدَمِ شَرْطِهَا **وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ** اَحَدًا **اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ**

الْحَرَامِ اَیْ اَهْلَ ذٰلِكَ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ فِي الْفَضْلِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلْكَافِرِيْنَ نَزَلَتْ رَدًّا عَلٰى مَنْ قَالَ ذٰلِكَ وَهُوَ الْعَبَّاسُ اَوْ غَيْرُهٗ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً رُتْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مِنْ غَيْرِهِمْ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَلظَّافِرُوْنَ بِالْخَيْرِ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾ دَائِمٌ خٰلِدِيْنَ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾ وَنَزَلَ فِيْمَنْ تَرَكَ الْهِجْرَةَ لِاَجْلِ اَهْلِهٖ وَتِجَارَتِهٖ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا اخْتَارُوْا الْكُفْرَ عَلَي الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ اَقْرِبَاؤُكُمْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ عَشِيْرَاتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا اِكْتَسَبْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا عَدَمَ نَفَاقِهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَقَعَدْتُمْ لِاَجْلِهٖ عَنِ الْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فَتَرَبَّصُوْا اِنْتَظِرُوْا حَتّٰي يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ تَهْدِيْدٌ لَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ لِلْحَرْبِ كَثِيْرَةٍ ۙ كَبَدْرٍ وَقُرَيْظَةَ وَالنَّضِيْرِ وَّاذْكُرْ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ وَادٍ بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ اَیْ يَوْمَ قِتَالِكُمْ فِيْهِ هَوَازِنَ وَذٰلِكَ فِيْ شَوَّالٍ سَنَةَ ثَمَانٍ اِذْ بَدَلٌ مِنْ يَوْمِ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَقُلْتُمْ لَنْ نُغْلَبَ الْيَوْمَ مِنْ قِلَّةٍ وَكَانُوْا اِثْنَيْ عَشَرَ اَلْفًا وَالْكُفَّارُ اَرْبَعَةَ آلَافٍ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْــــًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ مَا مَصْدَرِيَّةٌ اَیْ مَعَ رَحْبِهَا اَیْ سَعَتِهَا فَلَمْ تَجِدُوْا مَكَانًا تَطْمَئِنُّوْنَ اِلَيْهِ لِشِدَّةِ مَالَحِقَكُمْ مِنَ الْخَوْفِ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ مُنْهَزِمِيْنَ وَثَبَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى بَغْلَتِهِ الْبَيْضَاءِ وَلَيْسَ مَعَهُ غَيْرُ الْعَبَّاسِ وَاَبُوْ سُفْيَانَ اٰخِذٌ بِرِكَابِهٖ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ طَمَانِيْنَتَهٗ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَعَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ فَرَدُّوْا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا نَادَاهُمُ الْعَبَّاسُ بِاِذْنِهٖ وَقَاتَلُوْا وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا مَلَائِكَةً وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ بِالْقَتْلِ وَالْاَسْرِ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ مِنْهُمْ بِالْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ قَذَرٌ لِخُبْثِ بَاطِنِهِمْ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اَیْ لَا يَدْخُلُوا الْحَرَمَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ عَامَ تِسْعٍ مِنَ الْهِجْرَةِ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَقْرًا بِانْقِطَاعِ تِجَارَتِهِمْ عَنْكُمْ فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَاۗءَ ۭ وَقَدْ اَغْنَاهُمْ بِالْفُتُوْحِ وَالْجِزْيَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اِلَّا لَاٰمَنُوْا بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَاحَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ** كَالْخَمْرِ **وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ** الثَّابِتَ النَّاسِخِ لِغَيْرِهٖ مِنَ الْاَدْيَانِ وَهُوَ الْاِسْلَامُ **مِنَ** بَيَانٌ لِلَّذِيْنَ **الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ** اَيِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى **حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ** اَلْخَرَاجَ الْمَضْرُوْبَ عَلَيْهِمْ كُلَّ عَامٍ **عَنْ يَّدٍ** حَالٌ اَيْ مُنْقَادِيْنَ اَوْ بِاَيْدِيْهِمْ لَا يُوَكِّلُوْنَ بِهَا **وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ**﴿۲۹﴾ اَذِلَّاءُ مُنْقَادُوْنَ لِحُكْمِ الْاِسْلَامِ

ع ۵ ۱۰

ترجمہ: .... مشرکوں کو یہ لیاقت ہی نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں (لفظ مســاجـد مفرد اور جمع دونوں طرح آیا ہے یعنی مشرکوں کو مسجد میں داخل ہونے اور بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے) ایسی حالت میں کہ وہ خود اپنے کفر کا اقرار کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ کہ ان کے سارے اعمال (بیکار گئے) اکارت گئے (شرط قبولیت نہ پائے جانے کی وجہ سے) اور وہ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ فی الحقیقت اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنے والے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے۔ نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا (کسی سے) نہیں ڈرتے۔ ایسے ہی لوگوں سے توقع کی جاسکتی ہے کہ اپنے مقصود تک پہنچ جائیں گے۔ کیا تم لوگوں نے حاجیوں کے لئے سبیل لگادی اور مسجد حرام کو آباد رکھنا (ان کاموں کے کرنے والوں کو) ایک درجہ میں رکھ رکھا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اللہ کے نزدیک تو (مرتبہ میں) یہ دونوں برابر نہیں ہیں اور اللہ بے انصاف لوگوں کو سمجھ نہیں دیا کرتے (جو کافر ہیں۔ یہ آیت ان لوگوں کی تردید میں نازل ہوئی۔ جنہوں نے ایسا کہا تھا۔ یعنی حضرت عباسؓ وغیرہ) جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ تو یقیناً اللہ کے نزدیک ان کا بہت بڑا درجہ (رتبہ) ہے (دوسروں کی نسبت) اور یہی لوگ پورے کامیاب (بامراد) ہیں۔ ان کا پروردگار انہیں اپنی بڑی رحمت اور کامل خوشنودی کی بشارت سناتا ہے اور ایسے باغوں کی جہاں ان کے لئے دائمی نعمت ہوگی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے (یہ حال مقدرہ ہے) بلاشبہ اللہ میاں کے پاس بہت بڑا اجر ہے (اگلی آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جنہوں نے اپنے بال بچوں اور تجارت کی وجہ سے ہجرت نہیں کی تھی۔) مسلمانو! اگر تمہارے ماں باپ اور تمہارے بھائی بند ایمان کے مقابلہ میں کفر کو عزیز رکھیں (پسند کریں) تو انہیں اپنا رفیق مت بناؤ اور جو کوئی بنائے گا تو ایسے ہی لوگ ہیں جو بڑے نافرمان ہیں۔ کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی اور تمہاری بیویاں برادری (رشتہ دار اور ایک قراءت میں عشیـراتـكـم آیا ہے) اور تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے (حاصل کیا ہے) اور تمہارے کاروبار جس کے مندا پڑ جانے (نکاسی نہ ہونے) کا تمہیں کھٹکا لگا رہتا ہے اور تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں حد درجہ دل پسند ہیں۔ یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ سے، اس کے رسول ﷺ سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں (جن کی وجہ سے تم ہجرت و جہاد چھوڑ کر بیٹھ رہو) تو انتظار کرو (ٹھہرے رہو) یہاں تک کہ جو کچھ اللہ کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے (یہ ان کو دھمکی دی جارہی ہے) اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو مقصود تک پہنچنے نہیں دیتے۔ یہ واقعہ ہے کہ اللہ تمہاری مدد کر چکے ہیں۔ بہت سے (جنگ کے) موقعوں پر (جیسے جنگ بدر، قریظہ ونفیر کے موقعہ پر) اور (یاد کیجئے) جنگ حنین کا واقعہ (حنین ایک میدان کا نام ہے جو مکہ اور طائف کے درمیان تھا۔ یعنی جب قبیلہ ہوازن کے ساتھ وہاں تمہاری لڑائی ہو رہی تھی شوال ۸ھ میں) جب کہ (یہ لفظ یوم سے بدل ہے) تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے (اور کہنے لگے تھے کہ آج ہم تعداد کی کمی کی وجہ سے ہرگز مغلوب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ مسلمان بارہ ہزار اور کفار صرف چار ہزار تھے) مگر پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی ساری کشادگی کے باوجود بھی تمہارے لئے تنگ ہوگئی (مـا رحبـت میں ما مصدریہ ہے بمعنی مـع رحبـها یعنی زمین کی وسعت کے باوجود تمہیں اس میں کہیں قابل اطمینان جگہ نہیں مل رہی تھی۔ خوف و دہشت پیش آنے کی وجہ سے) بالآخر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے (شکست کھا کر لیکن نبی کریم ﷺ اپنے سفید خچر پر ثابت قدمی کیا ساتھ سوار رہے۔ حالانکہ آپ ﷺ کے ساتھ صرف حضرت عباسؓ اور حضرت ابوسفیانؓ آپ ﷺ کی رکاب تھامے

کھڑے تھے۔) پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور دوسرے مومنوں پر اپنی طرف سے سکون (اطمینان) نازل فرمایا (چنانچہ آنحضرت ﷺ کے حکم سے جب حضرت عباسؓ نے مسلمانوں کو آواز دی تو سب حضور ﷺ کی طرف دوڑ پڑے اور شریک جنگ ہو گئے) اور ایسی فوجیں اتار دیں جو تمہیں نظر نہیں آتی تھیں (فرشتے) اور کفر کی راہ اختیار کرنے والوں کو (قتل اور قید کے) عذاب میں مبتلا کر دیا اور کافروں کی سزا ایسی ہوتی ہے۔ پھر (ان میں سے) جس کو چاہیں اللہ توبہ (اسلام) نصیب کر دیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے، بڑی رحمت کرنے والے ہیں۔

مسلمانو! مشرک نرے ناپاک ہیں (اپنی اندرونی خباثت کی وجہ سے نجس ہیں) اس لئے چاہئے۔ کہ اب مسجد حرام کے پاس ہی بھٹکنے نہ پاویں (مسجد حرام میں داخل نہ ہونے پائیں) اس برس کے بعد سے ۹ھ کے بعد سے) اور اگر تمہیں مفلسی کا اندیشہ ہو (کہ تجارت ٹھپ ہو جانے سے فقر و فاقہ ہو جائے گا۔) تو ...... اگر اللہ چاہیں گے تو عنقریب تمہیں اپنے فضل سے تونگر کر دیں گے (چنانچہ فتوحات اور جزیہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوش حال بنا دیا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں۔ ان لوگوں سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر (ورنہ تو یہ لوگ حضور ﷺ پر ایمان نہ لے آتے) اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ نے اور ان کے رسول ﷺ نے حرام ٹھہرا دیا ہے (جیسے شراب) اور نہ سچے دین ہی کو قبول کرتے ہیں (جو ثابت ہے اور تمام ادیان سابقہ کو منسوخ کر دینے والا ہے یعنی مذہب اسلام) یعنی (یہ الـــذیـــن کا بیان ہے) اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) میں سے لڑو یہاں تک کہ وہ جزیہ دینا منظور کر لیں (سالانہ وہ ٹیکس جوان پر لگایا جائے) اپنی خوشی سے (یہ حال ہے یعنی رعیت اور ماتحت بن کر یا خود اپنے ہاتھوں سے پیش کریں۔ کسی دوسرے کی معرفت نہ بھجوادیں) اور حالت ایسی ہو جائے کہ ان کی سرکشی ٹوٹ چکی ہو (اسلامی حکم کے سامنے سرنگوں ہو کر جھک چکے ہوں۔)

تحقیق وترکیب: .... **شـــاهـديـن**. ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کعبہ سے باہر بت رکھے تھے اور قریش ہر طواف پر انہیں سجدہ کرتے اور تلبیہ اس طرح پڑھتے۔ **لبیک لا شریک لک الا شریکاً هو لک تملک و ملک**.

پس یہی شاہد اور دلیل ہے ان کے شرک کی۔ اھل ذلک۔ چونکہ سقایۃ اور عمارۃ مصادر ہیں جن کا حمل کَمَنْ اٰمَنَ پر دشوار تھا۔ اس کے جواب کی طرف اشارہ کر دیا کہ حذف مضاف کے ساتھ مشبہ اہل سقایۃ اور اہل عمارۃ ہیں۔ نزلت. حضرت عباسؓ تو اپنی سقایۃ کی خدمت پر اور شیبہ خدمت عمارۃ پر اور حضرت علیؓ اسلام و جہاد پر فخر کر رہے تھے۔ لیکن قرآن نے حضرت علیؓ کی تصدیق کر دی۔ چنانچہ بقول ابن عباسؓ جنگ بدر کے موقعہ پر جب حضرت عباسؓ قید ہوئے تو ان کے الفاظ یہ تھے۔ **لئن كنتم سبقتمو نا بالا سلام والهجرة لقد كنا نعمر المسجد الحرام ونسقى الحاج** (یعنی اگر تم سبقت لے گئے ہم سے اسلام قبول کرنے میں اور ہجرت کرنے میں ایسے ہی ہم تعمیر کرتے ہیں مسجد حرام میں اور پانی پلاتے ہیں حاجیوں کو)

اور حسن و شعبی کا بیان ہے کہ طلحہ بن شیبہ تو انا **صاحب البيت بيدى مفاتيحه** (یعنی میں گھر والا ہوں میرے ہاتھ میں اس کی کنجیاں ہیں) سے دعویٰ انانیت کر رہے تھے اور حضرت عباسؓ تو **انا صاحب السقاية والقائم عليها** (میں پانی پلانے والا ہوں اور اس کا نگران ہوں) سے شیخی کا اظہار کر رہے تھے اور حضرت علیؓ **لقد صليت الى القبلة ستة اشهر قبل الناس و انا صاحب الجهاد** (یعنی میں نے قبلہ کی طرف لوگوں سے پہلے چھ مہینے نماز پڑھی اور میں جہاد کا ماہر ہوں) سے اظہار واقعہ کر رہے تھے۔ چنانچہ وحی الٰہی سے اسی کی تائید ہوئی۔

اعـظـم درجة. بظاہر شبہ ہو سکتا ہے کہ کفار بھی کسی درجہ کے مستحق ہیں۔ اگر چہ وہ بڑا درجہ نہ ہو۔ تاہم چھوٹا ہی سہی؟ جواب یہ ہے کہ یا تو بلحاظ ان کے اعتقاد اور خیال کے بر تقدیر تسلیم کلام کیا جا رہا ہے اور یا اسم تفضیل کا یہ صیغہ صرف ان مسلمانوں کے اعتبار سے ہے جن میں یہ تینوں خوبیاں نہیں تھیں اور **اولئک هم الفائزون** میں کمال فوز بھی اسی لحاظ سے کہا گیا ہے۔

عدم نفاقها. نفاق فتح نون کے ساتھ بمعنی رواج۔ یوم حنین بحذف المضاف ہے۔ هوازن. یہ حلیمہ سعدیہ کا قبیلہ ہے۔ لیس معه۔ ایک روایت میں حضرت عباسؓ وابوسفیانؓ کی طرح صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، علیؓ، فضلؓ واسامہؓ کا ہونا بھی مذکور ہے۔ حضرت عباسؓ چونکہ بلند آواز تھے آٹھ آٹھ میل ان کی آواز جاتی تھی۔ اس لئے آپ ﷺ کے حکم سے[1] یا اصحاب الشجرة یا عباد الله یا اصحاب السمرة یا اصحاب البقرة فاجتمعوا (اے درخت والو! اے اللہ کے بندو، اے کیکر کے درخت والو، اے گائے ذبح کرنے والو، پس سب جمع ہو گئے۔) کہہ کر آواز دی۔ لوگ جمع ہوئے۔ آپ ﷺ نے پھر مٹھی بھر مٹی لے کر کفار کی طرف پھینکی اور فرمایا۔ انهزموا ورب الكعبة (یعنی وہ لوگ شکست کھا گئے کعبہ کے رب کی قسم۔)

لم تروها. یہ فرشتے پانچ ہزار یا آٹھ ہزار یا سولہ ہزار تھے۔ جن پر سرخ عمامے تھے اور ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔

بالقتل والا سر. چھ ہزار عورتیں بچے گرفتار ہوئے۔ بلا ہزار اونٹ اور بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ لا يدخل الحرم۔ مسجد حرام میں مطلقاً داخلہ کی رکاوٹ امام شافعیؒ کی رائے پر ہے اور احنافؒ کے نزدیک حج وعمرہ کی نیت سے داخلہ پر پابندی ہے اور نجس مبالغہ کے لحاظ سے کہا گیا ہے۔ لیکن ابن عباسؓ کی رائے ہے کہ کفار خنزیر کی طرح پلید ہیں۔ چنانچہ ابن عباسؓ روایت فرماتے ہیں۔ من صافح مشركاً فليو ضاء او يغسل كفيه. (جس شخص نے مصافحہ کیا مشرک سے پس چاہئے کہ وضو کرے یا دھوئے اپنے دونوں ہاتھ۔)

والا لا منوا. قیاس استثنائی کی طرف اشارہ ہے۔ پورا شرطیہ اس طرح ہے۔ لو امنوا بهما لا منوا بالنبی لكنهم لم يو منوا بالنبی فلم يو منوا بهما. پس چونکہ لازم باطل ہے اس لئے ملزوم بھی باطل ہوا۔ دراصل یہ جواب ہے اس شبہ کا۔ اہل کتاب تو اللہ پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ پھر کیسے ایمان کا انکار کیا گیا ہے؟ حاصل جواب یہ ہے کہ ایمان بالنبی ﷺ کے بغیر ایمان باللہ بھی معتبر نہیں ہے۔ دين الحق. دین اسلام بھی مراد ہو سکتا ہے اور حق سے مراد حق سبحانہ وتعالیٰ بھی ہو سکتے ہیں۔

ربط آیات:............ پچھلی آیات میں کفار کی برائیوں کا ذکر تھا۔ آیت ما كان للمشركين الخ سے بعض اچھے کاموں پر ان کے گھمنڈ کی مذمت کی جارہی ہے۔ اسی سلسلہ میں مسلمانوں کے اس اختلافی مسئلہ کا فیصلہ بھی سنایا جارہا ہے جس میں ایک موقعہ پر گفتگو ہو رہی تھی کہ سب سے بڑھ کر نیک کام کیا ہے۔ اس میں چونکہ ہجرت کا ذکر بھی آیا ہے۔ اس لئے آگے آیت یا ایها الذین اٰمنوا میں دنیا داری کے اس درجہ تعلقات بڑھا لینے کی برائی کی جارہی ہے۔ جس سے ہجرت جیسی بہترین نیکی چھوٹ جائے اور چونکہ ابتدائے سورت سے براءت کے اعلان اور فتح مکہ کا ذکر ہوا تھا۔ اس لئے آیت لقد نصر كم الله الخ سے غزوہ حنین کا ذکر مناسب معلوم ہوا اور آیت یا ایها الذین اٰمنوا انما المشركون الخ میں اعلان براءت کی تکمیل کی جارہی ہے کہ سال بھر میں مشرکین سے حرم خالی ہو جانا چاہئے اور اس سلسلہ میں کاروبار کے ٹھپ ہو جانے کا اندیشہ اور اقتصادی پراگندگی کا خطرہ ہو تو اس کا سد باب کیا جارہا ہے۔ اس کے بعد آیت قاتلوا الذین الخ سے غزوہ تبوک کی تمہید بیان کی جارہی ہے جس میں اہل کتاب سے جنگ کا حکم ہوا۔

شان نزول:............ بدری قیدیوں کے ساتھ جب حضرت عباسؓ گرفتار ہو کر آئے تو عام مسلمانوں سے زیادہ حضرت علیؓ نے ان کو عار دلائی۔ جس پر حضرت عباسؓ نے جواب دیا کہ تذكرون مساوينا وتكمون محاسننا (یعنی تم ہماری برائیوں کو بیان کرتے ہو اور اچھائیوں کو چھپاتے ہو۔)

کسی نے کہا کہ آپ کے کچھ محاسن بھی ہیں؟ حضرت عباسؓ نے کہا ہاں! انا لنعمر المسجد الحرام و نحجب الكعبة ونسقى الحجيج ونفك العانى (یعنی بے شک ہم مسجد حرام کی تعمیر کرتے ہیں اور کعبہ کو غلاف پہناتے ہیں اور حج کرنے

---

[1] درخت والوں، کیکر والوں اور گائے ذبح کرنے والوں سے صحابہؓ کی بعض خصوصیات مراد ہیں ۱۲۔

والوں کی مہمانداری کرتے ہیں اور پریشان حال لوگوں کی پریشانی دور کرتے ہیں۔)

اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور بعض روایات سے اسلام لانے کے بعد حضرت عباسؓ کا اظہار مفاخرت کرنا معلوم ہوتا ہے اور نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں منبر کے پاس چند صحابہ گفتگو میں مشغول تھے۔(۱)ایک نے کہا۔ **ما ابالی ان لا اعمل عملاً للّٰہ تعالیٰ بعد الا سلام الا ان اسقی الحاج.** (یعنی مجھے کیا ہوگیا۔کہ نہ کروں میں کوئی کام اللہ کے لئے اسلام لانے کے بعد۔لیکن یہ کہ میں پانی پلاں حجاج کو)

(۲)دوسرا بولا۔ **بل عمارۃ المسجد الحرام** ۔(بلکہ مسجد حرام کی تعمیر کرنا۔)

(۳) تیسرے صحابیؓ نے کہا۔ **بل الجھاد فی سبیل اللّٰہ خیر مما قلتم** (بلکہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا بہتر ہے اس چیز سے جو تم کہہ رہے ہو۔)

لیکن حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر سب کو ڈانٹا کہ منبر رسول ﷺ کے سامنے شور کیوں مچاتے ہو۔تاہم نماز جمعہ کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اس گفتگو کا فیصلہ چاہا۔اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

بہرحال سبب نزول عام ہی رکھنا بہتر ہے۔آیت **یـا ایھـا الذین** کے متعلق مجاہدؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ بھی حضرت عباسؓ کے قصہ ہی سے متعلق ہے اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہجرت کا جب حکم ہوا تو لوگوں نے عرض کیا۔ **ان ھا جرنا قطعنا اباء نا و ابناء نا وعشیر تناو ذھب تجاراتنا و ھلکت اموالنا وخربت دیار نا وبقینا ضائعین** (یعنی اگر ہم نے ہجرت کی تو چھوڑ دیں گے ہم اپنے آبا اور اولاد کو اور اپنے خاندان والوں کو اور ہماری تجارت چلی جائے گی یعنی ختم ہوجائے گی اور ہمارا مال ہلاک ہوجائے گا اور ہمارے گھر ویران ہوجائیں گے۔اور ہم ان کو ضائع کرنے والے ہوجائیں گے۔)

اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور مقاتلؒ کی رائے یہ ہے کہ نو آدمی جو مرتد ہوکر مکہ چلے گئے تھی۔ان سے تعلق نہ رکھنے کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔تاہم ان آیتوں کو ہجرت سے وابستہ کرنا اس لئے مشکل معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت فتح مکہ کے بعد بلکہ سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے۔اس لئے کہا جائے گا کہ مسلمانوں کو کفار سے بالکل الگ ہوجانے کا جب حکم ہوا تو مسلمانوں کو مالی مشکلات کا اندیشہ ہوا۔اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

﴿تشریح﴾: .... **کسی کافر کا مسجد بنانا:** .... آیت **ماکـان للمشر کین** کا حاصل یہ ہے کہ کفار کے نیک اعمال مقبول نہیں ہیں۔باقی کسی کافر کا مسجد بنانا یا اس کی خدمت کرنا۔یہاں اس سے بحث نہیں کی گئی۔دوسرے دلائل کی روشنی میں کہا جائے گا کہ اگر وہ کافر اپنی مذہبی رو سے اسے اچھا سمجھتا ہے تو اجازت دے دی جائے گی ورنہ نہیں۔البتہ ثواب سمجھنے کے باوجود اگر کسی اسلامی مصلحت کے لحاظ سے اجازت دینا نامناسب ہو تو اجازت نہیں دی جائے گی۔

دنیا وآخرت کی محبت: .... ہجرت کرنے میں رشتہ داروں کے چھوٹ جانے کا، مال واملاک کے تلف ہوجانے اور کاروبار درہم برہم ہوجانے کا اور گھر جیسا آرام نہ ملنے کا خطرہ لگا رہتا تھا اور **من اللّٰہ ورسولہ** کا مطلب اللہ ورسول ﷺ کے حکم سے نیک کام ہیں جن میں ہجرت بھی آگئی۔البتہ جہاد کو صراحۃً بیان کرنے سے مقصد مبالغہ ہے کہ ہجرت تو ایک درجہ میں پھر آسان کام ہے۔جہاد جس میں جان ومال دونوں دینے پڑتے ہیں۔ان مذکورہ کاموں سے برتر ہونا چاہئے۔**ان استحبوا الکفر** الخ کی قید سے معلوم ہوا کہ کافر سے مسلمان ہونے کی امید پر تعلق رکھنا جائز ہے اور ان چیزوں کی طبعی محبت ومیلان قابل ملامت نہیں ہاں اگر احکام الٰہیہ میں فرق آنے لگے تو وہ محبت بری ہے۔

غزوۂ حنین کی فتح وشکست: .... فتح مکہ سے دو ہفتہ بعد مکہ اور طائف کے درمیان حنین نامی ایک جگہ میں قبیلہ ہوازن اور ثقیف سے مسلمانوں کی لڑائی ہوئی۔ مشرکین چار ہزار تھے اور مسلمان ان سے تین گنے۔ مسلمانوں کو اپنی کثرت تعداد پر کچھ گھمنڈ ہوا اور کہنے لگے کہ آج ہمیں کون پیچھے ہٹا سکتا ہے۔ شروع میں مسلمانوں کو کچھ کامیابی بھی ہوئی۔ لیکن جب مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے تو کفار جو تیراندازی میں یکتا تھے۔ تیر برسانے لگے۔ جس کی وجہ سے عام مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ کچھ مخصوص حضرات رہ گئے۔ حضرت عباسؓ کے ذریعہ آواز دلوانے پر لوگ جمع ہوئے دوبارہ لڑائی شروع کی۔ فرشتوں کی کمک سے امداد ہوئی۔ بالآخر کفار نے شکست کھائی۔ بہت سے قتل وقید ہوئے۔ بعد میں بہت سوں نے حاضر ہوکر اسلام قبول کرلیا اور آپ ﷺ نے ان کے گرفتار بال بچوں کو رہا فرمادیا۔

غزوہ حنین کا ابتدائی حصہ اگرچہ مغلوبیت کا تھا۔ اور اس لحاظ سے مسلمانوں کی گویا نصرت اور مدد نہ ہوئی۔ لیکن لقد نصر کم اللّٰہ مجموعی واقعہ کے لحاظ سے ہے۔ جس میں تائید غیبی ظاہر ہے اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی تسلی سے مراد عام تسلی نہیں ہے کہ وہ پہلے سے حاصل تھی۔ جس کی وجہ سے یہ ثابت قدم رہے۔ بلکہ خاص تسلی مقصود ہے جو غلبہ کا باعث بنی اور جو مسلمان چلے جانے کے بعد دوبارہ واپس آئے ان پر تسلی بھی ہے کہ انہیں ثابت قدمی نصیب ہوئی اور فرشتوں کو نہ دیکھنا عموی لحاظ سے ہے۔ کسی ایک آدھ نے اگر دیکھ لیا ہو تو وہ اس کے خلاف نہیں ہے اور کفار کا قتل اور گرفتاری واقع ہونے کے بعد سزا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ فی نفسہ خود ان دونوں کا یا کسی ایک کا واقع ہونا ضروری نہ ہو۔

اِسلام میں چُھوت چھات کی ممانعت: .... کفار اہل کتاب کا حکم باتفاق مشرکین کی طرح ہے۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نے یہود کے ہاتھ کو مشرک کے ہاتھ کی طرح فرمایا ہے۔ لیکن نجاست سے مراد یہاں عقائد کی نجاست ہے کفار کی ذوات اور بدنوں کا ناپاک ہونا مراد نہیں ہے۔ اسی لئے اسلام نے چھوت چھات کی ہر قسم اور ہر شکل کو ناجائز رکھا ہے۔ چنانچہ کفار کے وفد ثقیف کو مسجد نبوی میں ٹھہرانے کی روایت ابوداؤد میں موجود ہے۔ یہاں تو یہ بتلانا ہے۔ کہ ایسے مقدس مقام میں ایسے ناپاک دلوں کا کیا کام! اور مسجد حرام سے مراد تمام مسجد حرام ہے۔ بلکہ درمنثور کی روایتوں سے تمام مشرکین اور یہود ونصاریٰ کے حق میں پورے جزیرۃ العرب کا بھی حکم معلوم ہورہا ہے۔ اسی لئے فاروق اعظمؓ نے آنحضرت ﷺ کی وصیت کے مطابق اپنے دور خلافت میں اس قانون کا نفاذ فرمادیا تھا۔

عام مساجد یا مسجد حرام میں کفار کا داخل ہونا: .... اور امام اعظمؒ کے نزدیک حرم یا عرب کو وطن بنانا یا بطور غلبہ کے اس میں داخل ہونا کفار کے لئے جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر مسافرانہ حیثیت سے وہاں کوئی جانا چاہے اور امام وقت اس کو خلاف مصلحت بھی نہ سمجھے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ بعض علماء نے آیت ماکان لھم ان ید خلوھا الا خائفین۔ کے یہی معنی بیان کئے ہیں۔ قتادہؒ کے اس قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ **فلیس لا حد من المشرکین ان یقرب المسجد الحرام بعد عامھم ذلک الا صاحب الجزیۃ او عبد الرجل من المسلمین.** (یعنی نہیں جائز ہے مشرکین میں سے کسی کے لئے کہ وہ قریب ہوں مسجد حرام کے اس سال کے بعد لیکن جزیہ ادا کرنے والا یا مسلمانوں میں سے کسی کا غلام۔

البتہ حدیث **الا لا یحجن بعد العام مشرک.** (یعنی آگاہ ہوجاؤ نہ حج کرے اس سال کے بعد کوئی مشرک) کی وجہ سے حج یا عمرہ کرنے کی ان کو اجازت نہیں دی جائے گی اور مشرک سے مصافحہ کرنے کی صورت میں ہاتھ دھونے کی روایت بطور تغلیظ کے ہے اور اس آیت میں جو مسلمانوں کو غنی بنانے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ سو تاجروں کو تو اللہ نے اسلام کی توفیق بخش کر اس وعدہ کو پورا فرمادیا اور ان شاء کی قید وعدہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ اس وعدہ کے پورا کرنے کی توقع کرنے کے لئے ہے کہ اللہ کو کسی لمبے

چوڑے سامان کرنے کی ضرورت نہیں۔صرف چاہنے اور ارادہ کرنے کی دیر ہے۔

کفار عرب کا حکم:............آیت حتی یعطوا الجزیة میں اہل کتاب کے ساتھ جزیہ کی تخصیص کل کفار کے لحاظ سے نہیں بلکہ صرف مشرکین عرب کے مقابلہ میں ہے۔کیونکہ ان سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا۔بلکہ ان کو صرف اسلام یا تلوار میں سے کسی ایک کو اپنے لئے اختیار کرنے کا موقعہ دیا جاتا ہے۔ہاں البتہ عورتوں اور بچوں کو چونکہ قتل کرنے کی اجازت نہیں۔اس لئے ان کو غلام بنا کر رکھا جائے گا۔مجوس سے جزیہ لینا احادیث سے ثابت ہے اور کفار عجم مجوس کی طرح ہیں۔ بلکہ آیت من الذین او توا الکتب کے من بیانیہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے بدرجہ اول جزیہ لینا چاہئے۔کیونکہ تمام اہل کتاب میں لا یؤمنون الخ وغیرہ صفات پائی جاتی ہیں۔مشرکین میں بدرجہ اولیٰ یہ صفات پائی جائیں گی۔کیونکہ اہل کتاب کسی نہ کسی درجہ میں توحید وغیرہ کو مانتے تو ہیں۔گو غلط سہی۔لیکن کفار و مشرکین تو سرے سے ان عقائد ہی کا انکار کرتے ہیں۔اس لئے وہ بدرجہ اولیٰ اس قانون کی زد میں آئیں گے۔البتہ مشرکین عرب اس عام حکم سے ایک مخصوص دلیل سے خاص کر لئے گئے ہیں۔حنیفہ کی اس رائے کی تائید ابن شہاب کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ قاتلوھم حتی لا تکون فتنة کا حکم تو کفار عرب کے بارے میں نازل ہوا اور آیت قاتلوا الذین الخ اہل کے بارے میں اتری ہے۔

کفار سے جزیہ لینا انہیں کفر کی اجازت دینے کے لئے نہیں ہے:............بعض لوگوں نے جزیہ کو اسلام کا بدلہ سمجھ کر جو یہ اعتراض کر دیا ہے کہ ایک معمولی سی رقم لے کر اسلام سے پھر جانے اور کفر پر باقی رہنے کی کس طرح اجازت دے دی گئی ہے؟ تو یہ اپنی کم فہمی کی وجہ سے ایک غلط بات کی بنیاد رکھنا ہے۔واقعہ یہ ہے کہ جزیہ دیا جاتا۔تو اسلام نے کس درجہ رعایت فرمائی ہے۔جس سے اس کی عظمت وقوت بڑھ جاتی ہے۔چنانچہ عورتیں اور بچے اور انتہائی بڈھے اور اپاہج یا تارک الدنیا اور راہب جن کو اسلام نے قتل کرنے کی اجازت نہیں دی۔ان میں سے کسی سے بھی جزیہ نہیں لیا جاتا۔جس سے معلوم ہوا کہ جزیہ قتل کا بدلہ ہے۔اگر کفر پر باقی رہنے کا بدلہ ہوتا تو ان سے بھی جزیہ لینا چاہئے تھا۔کیونکہ کفر تو سب میں برابر پایا جاتا ہے۔اگرچہ قتل کرنے نہ کرنے کے لحاظ سے ان میں فرق ہے۔

عن ید کی قید کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کی شوکت نہ رہے اور لفظ صاغرون کا مطلب یہ ہے کہ وہ شرعی معاملات اور سیاسیات کے قوانین کی پابندی کریں۔ورنہ اس کے بغیر ان کو قتل سے معاف نہیں کیا جائے گا۔جیسا کہ امام شافعیؒ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔

لطائف آیات:............آیت یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الخ سے معلوم ہوا کہ بہ نسبت مخلوق کے اللہ سے زیادہ تعلق ہونا چاہئے۔آیت اذ اعجبتکم کثرتکم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ کی نظر غیر اللہ پر نہیں ہونی چاہئے اور عجب نہیں کرنا چاہئے۔نیز عجب نہ کرنے پر سکینہ نازل ہوتا ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ دل مطمئن رہتا ہے اور قضائے الٰہی پر راضی اور اپنی خواہشات کو مرضیات الٰہیہ میں گم کر دیتا ہے جس سے حق کی معیت کا مقام عطا ہوتا ہے۔

آیت انما المشرکون الخ سے مفہوم ہو رہا ہے کہ جس میں غیر اللہ کی طرف میلان کی آلائش ہوگی۔وہ حضرت حق کے لائق نہیں ہو سکتا۔نیز جس طرح مشرکین کے ملنے جلنے سے روکا گیا ہے اسی طرح دنیادار لوگوں اور اہل حق کے مخالفین کی صحبت سے بچنا بھی ضروری ہے۔آیت وان خفتم عیلة الخ سے معلوم ہوا کہ دنیاوی مصالح دینی مصلحتوں کے پورا کرنے میں رکاوٹ نہیں بننا چاہئیں اور دونوں مصلحتوں میں اگر ٹکراؤ ہونے لگے تو توکل سے علاج کرنا چاہئے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ عِيْسٰى ابْنُ اللهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ لَا مُسْتَنَدَ لَهُمْ عَلَيْهِ بَلْ يُضَاهِئُوْنَ يُشَابِهُوْنَ بِهٖ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ مِنْ اٰبَائِهِمْ تَقْلِيْدًا لَهُمْ قَاتَلَهُمُ اللهُ لَعَنَهُمُ اللهُ اَنّٰى كَيْفَ يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾ يُصْرَفُوْنَ عَنِ الْحَقِّ مَعَ قِيَامِ الدَّلِيْلِ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ عُلَمَاءَ الْيَهُوْدِ وَرُهْبَانَهُمْ عُبَّادَ النَّصٰرٰى اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ حَيْثُ اِتَّبَعُوْهُمْ فِيْ تَحْلِيْلِ مَا حَرَّمَ وَتَحْرِيْمِ مَا اُحِلَّ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا اُمِرُوْا فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اَيْ بِاَنْ يَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ تَنْزِيْهًا لَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللهِ شَرْعَهٗ وَبَرَاهِيْنَهٗ بِاَفْوَاهِهِمْ بِاَقْوَالِهِمْ فِيْهِ وَيَاْبَى اللهُ اِلَّا اَنْ يُّتِمَّ يُظْهِرَ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ ذٰلِكَ هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ مُحَمَّدًا بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ يُغْلِبَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ جَمِيْعِ الْاَدْيَانِ الْمُخَالِفَةِ لَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ ذٰلِكَ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ يَاْخُذُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ كَالرُّشٰى فِي الْحُكْمِ وَيَصُدُّوْنَ النَّاسَ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ دِيْنِهٖ وَالَّذِيْنَ مُبْتَدَأٌ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا اَيِ الْكُنُوْزَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَيْ لَا يُؤَدُّوْنَ مِنْهَا حَقَّهٗ مِنَ الزَّكٰوةِ وَالْخَيْرِ فَبَشِّرْهُمْ اَخْبِرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ مُؤْلِمٍ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى تُحْرَقُ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ تُوَسَّعُ جُلُوْدُهُمْ حَتّٰى تُوْضَعَ عَلَيْهِ كُلُّهَا وَيُقَالُ لَهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَيْ جَزَاءَهٗ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ الْمُعْتَدِّبِهَا لِلسَّنَةِ عِنْدَ اللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللهِ اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَيِ الشُّهُوْرِ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ مُحَرَّمَةٌ ذُوالْقَعْدَةِ وَذُوالْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمِ وَرَجَبَ ذٰلِكَ اَيْ تَحْرِيْمُهَا الدِّيْنُ الْقَيِّمُ الْمُسْتَقِيْمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَيِ الْاَشْهُرِ الْحُرُمِ اَنْفُسَكُمْ بِالْمَعَاصِيْ فَاِنَّهَا فِيْهَا اَعْظَمُ وِزْرًا وَقِيْلَ فِي الْاَشْهُرِ كُلِّهَا وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً اَيْ جَمِيْعًا فِيْ كُلِّ الشُّهُوْرِ كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾ بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ اَيِ التَّاْخِيْرُ لِحُرْمَةِ شَهْرٍ اِلٰى اٰخَرَ كَمَا كَانَتِ الْجَاهِلِيَّةُ تَفْعَلُهٗ مِنْ تَاْخِيْرِ حُرْمَةِ الْمُحَرَّمِ اِذَا اَهَلَّ وَهُمْ فِي الْقِتَالِ اِلٰى صَفَرٍ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ لِكُفْرِهِمْ بِحُكْمِ اللّٰهِ فِيْهِ يُضَلُّ بِضَمِّ الْيَاءِ وَفَتْحِهَا بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ اَيِ النَّسِيْٓءَ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِئُوْا يُوَافِقُوْا بِتَحْلِيْلِ شَهْرٍ وَتَحْرِيْمِ اٰخَرَ بَدَلَهٗ عِدَّةَ عَدَدَ مَا حَرَّمَ اللهُ مِنَ الْاَشْهُرِ فَلَا يَزِيْدُوْنَ عَلٰى تَحْرِيْمِ اَرْبَعَةٍ وَلَا يَنْقُصُوْنَ وَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلٰى اَعْيَانِهَا فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ فَظَنُّوْهُ حَسَنًا وَاللهُ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: .... اور یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں نے کہا مسیح (عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کی باتیں ہیں محض ان کی زبان سے نکالی ہوئی (جس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے) ان لوگوں نے بھی ان ہی کی سی بات کہی جو ان سے پہلے کفر کی راہ اختیار کر چکے ہیں (یعنی اپنے باپ دادوں کی تقلید کرتے ہوئے) خدا انہیں غارت کرے (ان پر لعنت ہو) یہ کدھر کو بھٹکے جارہے ہیں (دلیل کے ہوتے ہوئے حق سے پھرے جارہے ہیں) ان لوگوں نے اپنے علماء (علمائے یہود) اور مشائخ (مشائخ نصاریٰ) کو اپنا رب بنا رکھا ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر (کیونکہ کسی چیز کے حلال حرام کرنے میں یہ لوگ ان ہی کا کہا مانتے ہیں) اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی۔ حالانکہ ان کو (تورات وانجیل میں) صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ ایک خدا کی بندگی کریں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے ان کے شرک سے وہ پاک (منزہ) ہے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں اللہ کی روشنی (شریعت اور دلائل شریعت) اپنی پھونکوں (باتوں) سے بجھا دیں۔ حالانکہ اللہ یہ روشنی پوری کئے بغیر رہنے والے نہیں اگرچہ کافر کیسے ہی ناخوش ہوں (اس بارے میں) وہی ہے جس نے اپنے رسول (محمد ﷺ) کو حقیقی ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا۔ تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر (جو اس کے مخالف ہوں) غالب کردے۔ گو مشرک کیسے ہی (اس کو) ناگوار سمجھیں۔

مسلمانو! علماء اور مشائخ میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو لوگوں کا مال کھاتے (اڑاتے) ہیں۔ ناروا طریقہ پر (جیسے مقدمات میں رشوت لینا) اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ) (دین) سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا چاندی اپنے ذخیروں میں ڈھیر کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی راہ میں (ان خزانوں کو) خرچ نہیں کرتے (یعنی زکوٰۃ وخیرات کے ذریعہ مالی حقوق ادا نہیں کرتے) تو ایسے لوگوں کو دردناک (تکلیف دہ) عذاب کے خوشخبری (خبر) سنا دیجئے۔ دردناک عذاب کا وہ دن جب کہ سونے چاندی کا ڈھیر دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے داغی جائیں گی (تپائی جائیں گی) ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں (ان کی کھالوں کو اتنا بڑا کر دیا جائے گا کہ وہ سب روپیہ اس پر آسکے اور ان سے کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے اپنے لئے ذخیرہ کیا تھا۔ سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو (یعنی اس کا بدلہ) اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی (جس سے سال شمار ہوتا ہے) بارہ مہینے کی ہے۔ کتاب الٰہی (لوح محفوظ) میں ایسا ہی لکھا گیا۔ جس دن آسمانوں کو اور زمین کو اللہ نے پیدا کیا ان بارہ مہینوں میں سے چار خاص مہینے حرمت کے مہینے ہوئے (جو محترم ہیں ذوالقعدہ۔ ذوالحجہ۔ محرم۔ رجب) یہ (ان مہینوں کی حرمت) دین کی سیدھی راہ ہے۔ پس (ان حرمت کے مہینوں میں) اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو (گناہ کر کے۔ کیونکہ ان دنوں میں گناہ کرنا زیادہ برا ہے اور بعض کے نزدیک پورے بارہ مہینے مراد ہیں) اور چاہئے کہ تمام مشرکوں سے بلا استثناء جنگ کرو (یعنی سب سے اور سب مہینوں میں لڑو) جس طرح وہ تم سب سے بلا استثناء جنگ کرتے ہیں اور یاد رکھو کہ اللہ ان ہی کا ساتھ ہے (بلحاظ تائید ومدد کے) جو تقوٰی والے ہیں۔ یہ مہینوں کی ہیر پھیر (یعنی حرام مہینوں کو ایک دوسرے کی طرف ردوبدل کردینا۔ جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ اگر عین جنگ کی حالت میں محرم کا چاند ہو جاتا تو اس کی حرمت صفر کے مہینہ کی طرف منتقل کردیتے تھے) کفر میں اور زیادہ بڑھ جانا ہے (کیونکہ اس صورت میں اللہ کے حکم کا انکار کرنا ہوا) جس سے کافر گمراہی میں پڑتے ہیں (لفظ یضل ضم یا اور فتح یا کے ساتھ دونوں طرح ہے) کہ ایک ہی مہینہ کو ایک برس حلال سمجھ لیتے ہیں اور اسی کو دوسرے برس حرام کر لیتے ہیں۔ تاکہ مطابق کرلیں (موافق کرلیں اس طرح کہ ایک مہینہ کو حلال کر کے دوسرے مہینہ کو اس کی جگہ حرام کردیں) اپنی گنتی سے اللہ کے حرمت کے مہینوں کی گنتی کو (غرض کہ حرمت کو چار مہینوں سے زیادہ بڑھنے نہیں دیتے تھے اور نہ گھٹنے دیتے تھے۔ لیکن متعین طور پر ان کا لحاظ نہیں رکھتے تھے) پھر اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینوں کو حلال کرلیں ان کی نگاہوں میں انکے برے کام خوشنما ہو کر دکھائی دیتے ہیں (اور وہ ان کو اچھا سمجھتے ہیں) اور اللہ ایسے کافروں کو ہدایت نہیں دیا کرتے۔

تحقیق وترکیب: .... یضاھئون. قبیلہ ثقیف کا لغۃ ہمزہ کے ساتھ ہے اور عاصم کی قراءت بھی ہے اور بعض کے نزدیک یا

ہمزہ کی فرع ہے۔ جیسے قرات اور قریت اور توضئت اور توضیت تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ یضاهی قولهم قول الذین.

انّٰی یؤفکون. یہ کلام تعجب انسانی عادت کے مطابق ہے۔ یا آنحضرت ﷺ کو تعجب دلانا مقصود ہے۔ اتخذوا. عدیؓ بن حاتم کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس آیت کو تلاوت فرما کر کہا کہ وہ لوگ اگرچہ اپنے علماء ومشائخ کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ تاہم ان کے حلال کئے ہوئے کو حلال اور حرام کئے ہوئے کو حرام سمجھتے تھے۔ کثیرا. اس قید سے عبداللہ بن سلامؓ جیسے لوگوں کو بچانا مقصود ہے کہ ان میں یہ خرابیاں نہیں تھیں اور یاکلون سے مراد صرف کھانا ہی نہیں بلکہ عام استعمال مراد ہے۔

ای الکنوز. یعنی لا ینفقونها کی ضمیر مفرد ذہب وفضہ کی طرف کس طرح راجع ہے؟ اس کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ ضمیر معنی کی طرف راجع ہے نہ کہ لفظ کی طرف جیسے وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا یا کہا جائے کہ لفظ ہی کی طرف راجع ہے۔ لیکن صرف ایک پر اکتفاء جائز ہے۔ جیسے اذا راوا تجارۃ او لھوا انفضوا الیھا میں ضمیر تجارت کی طرف لوٹ رہی ہے۔ لا یردون. حدیث میں ہے۔ ما ادی زکوٰۃ فلیس بکنز۔ یعنی جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہو تو کنز نہیں رہتا۔ (بلکہ مال مذکی بن جاتا ہے۔)

یحمی علیها ۔ یہ نار حامیۃ سے ماخوذ ہے۔ یہاں بھی علیها کی ضمیر مفرد کی توجیہ وہی ہوگی جو ابھی ذکر کی گئی ہے۔ البتہ یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ محاورہ میں احمیت علی الحدید نہیں بولا جاتا۔ بلکہ احمیت الحدیث کہا جاتا ہے جواب یہ ہے کہ دراہم ودنانیر کو آگ پر تپانا مراد نہیں۔ بلکہ خود آگ کو ان پر رکھ کر تپانا مراد ہے۔

اثنا عشر شهرا. قمری سال مراد ہے جو تین سو چپن دن کا ہوتا ہے جو چاند کے منازل کے لحاظ سے عرب میں اور دوسری بہت سی قوموں میں رائج تھا۔ اسلامی اکثر احکام کا تعلق اس سے ہے۔ شمسی حساب جس میں آفتاب کا پورا دورہ تین سو پینسیٹھ روز اور چوتھائی دن میں ہوتا ہے۔ چونکہ ہر سال قمری حساب میں شمسی حساب کے اعتبار سے دس روز کی کمی رہتی ہے۔ اسی لئے روزوں اور حج کا موسم بدلتا رہتا ہے۔

وقیل. ابن عباسؓ کی رائے یہی ہے اور اول رائے اکثر مفسرین کی ہے۔ کافۃ. یہ مصدر ہے بمعنی مفعول ہے یا بمعنی فاعل ہے۔ ترکیب میں یہ مفعول سے اور فاعل سے حال بنایا جاتا ہے تو جہاد کا فرض عین ہونا لازم آتا ہے یا کہا جائے کہ پہلے جہاد فرض نہیں تھا جو بعد میں منسوخ ہوگیا۔ لیکن ابن عطیہ اس کا انکار کرتے ہیں بہرحال فی کل الشهور کہہ کر مفسر اشارہ کر رہے ہیں۔ اشہر حرم میں جہاد کی حرمت منسوخ ہوگئی۔ جیسا کہ قتادہؒ عطاءؒ خراسانیؒ، زہریؒ، نوویؒ کی رائے ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حنین میں ہوازن سے جہاد کیا اور طائف میں ثقیف سے جہاد کرتے ہوئے شوال اور ذیقعدہ میں ان کا محاصرہ فرمایا۔ اگرچہ عطاءؒ ابن ابی رباح حرام مہینوں میں جہاد کو جائز نہیں سمجھتے۔ النسی ۔ یہ مصدر ہے نساہ نساءً، نساءً انسیا نا بولتے ہیں۔ مسٗ مساً مساساً مسیساً کی طرح۔ بقول زمخشری ان سب طریقوں سے پڑھا بھی گیا ہے اور جوہریؒ کہتے ہیں کہ فعیل بمعنی مفعلو ہے اور مضاف مقدر ہوگا۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات میں اہل کتاب کے متعلق لایؤمنون فرمایا تھا۔ آیت وقالت الیهود الخ سے ان کی زبانی اور عملی کفریات کی تفصیل ہے اور آیت یا ایها الذین أمنوا الخ سے خواص اہل کتاب کی گمراہیاں ذکر کی جارہی ہیں اور اہل کتاب کے ذکر سے پہلے چونکہ کفار ومشرکین کے نقض عہد کا ذکر تھا۔ اس لئے آیت ان عدة الشهور الخ سے ان کی بعض جہالتوں اور کفریات کا بیان ہے۔

شانِ نزول: .... اپنی جنگی ضرورت اور مصالح کے پیش نظر جاہلان عرب ان مہینوں میں ان تین طریقوں سے تبدیلیاں کرتے رہتے تھے۔ جن کا اثر حرام مہینوں پر بھی پڑتا تھا۔ جن میں ان کے اعتقاد کے لحاظ سے بھی اگرچہ قتل وقتال برا تھا۔ لیکن اپنی مصالح کی وجہ سے یہ ہیر پھیر کر لیتے تھے۔ جس سے کوئی مہینہ اور تاریخ بھی اپنی جگہ محفوظ نہیں رہتی تھی۔ اس پر آیت ان عدة الشهور نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: .... **اسلام کا غلبہ:** .... دین اسلام کے اتمام کے معنی اگر دلائل کے ذریعہ مضبوط کرنا اور ثابت کرنا

ہے تب تو یہ معنی ہر زمانہ کے لئے عام ہیں اور اس لحاظ سے اسلام ہمیشہ پورا اترا اور اس گے بالمقابل اطفاء کے معنی لئے جائیں گے۔ تفسیر کی صحت کے لئے تو اتنا ہی کافی ہے۔ البتہ سلطنت کے ساتھ اسلام کی تکمیل کے لئے اہل دین کی اصلاح شرط ہے اور اسلام کے علاوہ تمام مذاہب وادیان کا مٹ جانا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول کے وقت ہوگا اور اہل کتاب کو انکار نبوت کی وجہ سے کافر اور ابنیت کے اعتقاد اور علماء ومشائخ کو رب گردانے کی وجہ سے مشرک کہا گیا ہے۔

ایک شبہ کا جواب: .... جہنم میں مال کے ذریعہ داغ دینے پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ تمام مال سے ایک دم داغ دیا جائے گا یا روپیہ کو آگے پیچھے کرکے داغا جائے گا۔ پہلی صورت اگر ہے تو زیادہ روپیہ ہونے کی حالت میں تو اس کے بدن پر اتنی گنجائش کہاں ہوگی؟ اور دوسری صورت میں کم اور زیادہ روپے والوں کا عذاب یکساں اور برابر ہوگا۔ کیونکہ نئے اور پرانے روپیہ کا داغ برابر ہوگا۔

جلال محققؒ اشارہ کررہے ہیں کہ پہلی صورت ہوگی اور اس جہنمی کا جسم زیادہ سے زیادہ پھیلا دیا جائے گا۔ لیکن دوسری صورت بھی اس طرح ممکن ہے کہ ایک روپیہ کا داغ ایک ہی دفع کیا جائے۔ پس اس طرح تھوڑے روپیہ کا داغنا جلد ختم ہوجائے گا اور زیادہ مالدار کا داغنا زیادہ دیر تک رہے گا۔ دونوں جگہ کے اثر میں امتداد تو ہوگا ہی۔ مگر دونوں کی تکلیف کے اشتداد میں نمایاں فرق رہے گا۔

مہینوں اور تاریخ کی تبدیلی: .... عرب میں مہینوں اور تاریخوں کی تبدیلیاں تین طرح کرتے تھے۔ ایک صورت تو یہ ہوتی کہ اگر کبھی اپنی نفسانی اغراض کی وجہ سے ان مہینوں میں قتل وقتال کی نوبت آجاتی یا پہلے سے جنگ جاری ہوتی اور محرم کا مہینہ مثلاً آجاتا تو کہہ دیتے کہ اس دفعہ محرم یہ مہینہ نہیں ہوگا۔ بلکہ اگلا مہینہ محرم میں لگے گا اور صفر کے مہینہ میں بھی اگر ضرورت پیش آجاتی تو ربیع الاول کو حرام مہینہ قرار دے لیتے۔ غرض کہ اس طرح سال بھر میں چار مہینے پورے کرلیتے اور مہینوں کی تعیین وتخصیص باقی نہ رہتی۔

دُوسری صُورت: .... دوسری صورت یہ تھی کہ بعض دفعہ لڑتے لڑتے اگر دس مہینے مسلسل گزر جاتے اور سال پورا ہونے میں صرف دو مہینے باقی رہ جاتے تو ایسی حالت میں چار حرام مہینوں کی کمی پوری کرنے کے لئے اس دفعہ بارہ مہینے کی بجائے چودہ مہینے کا سال قرار دے لیتے۔ ان کی اس ہیرا پھیری کی وجہ سے حج بھی اپنے صحیح وقت پر باقی نہیں رہا تھا۔

چنانچہ ۹ھ میں صدیق اکبرؓ جب حج کرنے تشریف لے گئے اور براءت کا اعلان فرمایا تو حساب سے تو وہ ذی الحجہ کا مہینہ تھا۔ لیکن ان کے حساب سے ذیقعدہ پڑ رہا تھا اور اس غلطی کو نباہنے کے لئے انہوں نے ایک دوسری گڑ بڑ کر رکھی تھی کہ دوسال وہ ایک ہی مہینہ میں حج کرتے۔ پھر دوسرے دو سال تک دوسرے مہینہ میں حج رکھ لیتے۔ اس طرح ۹ھ میں جو مہینہ فی الواقع ذی الحجہ کا تھا وہ ان کے اعتبار سے ذیقعدہ تھا۔ اس لئے کفار خود بھی حج کے لئے آگئے۔ غالباً اسی وجہ سے اس سال اول حضرت صدیق اکبرؓ کو بھیجا گیا ہوگا۔ آنحضرت ﷺ خود تشریف نہیں لے گئے اور اسی لئے بعض روایات میں اعلان براءت کے اختتام کی تاریخ دسویں ربیع الثانی آئی ہے۔ اگرچہ بعض روایات میں دسویں ربیع الاول ہے۔ جس کی صورت یہی ہوئی ہوگی کہ ان کے حساب سے تو وہ ربیع الاول کی دسویں تھی۔ مگر واقع میں ربیع الثانی کی دسویں تھی۔ چنانچہ اس حساب سے ۱۰ھ میں جو مہینہ واقع میں ذی الحجہ کا تھا وہ ان کے حسابی اعتبار سے بھی ذی الحجہ ہی پڑتا تھا۔ گویا ہر لحاظ سے وہ حج کا صحیح اور ٹھیک وقت تھا۔ غالباً اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ای شهر هذا کہہ کر حاضرین سے سوال کیا لوگوں نے جب الله ورسوله اعلم کا نعرہ بلند کیا تو آپ نے تعیین فرماتے ہوئے جواب دیا۔ لیس ذی الحجة (کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے) اور الا ان الزمان قد استدار کھیئته. فرمان نبوی ﷺ کا مطلب بھی یہی تھا کہ آغاز ہوجاؤ زمانہ اپنی اصل رفتار پر آگیا ہے۔

تیسری صُورت: .... تیسری صورت یہ تھی کہ محرم کو صفر کرنا جو بعض روایات میں آیا ہے۔ اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ یوں کہہ دیتے ہوں گے کہ اس دفعہ صفر کا مہینہ پہلے آ گیا۔ اس لئے اس میں جنگ کی اجازت ہے اور محرم بعد میں آئے گا۔ اس لئے اس میں جنگ کی اجازت نہیں ہوگی اور دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ محرم کے صفر ہونے کے معنی مثل صفر ہونے کے ہوں۔ یعنی اگر چہ محرم محرم ہے اور صفر صفر۔ لیکن محرم کو حرام نہ ہونے میں صفر جیسا کر لیا گیا ہے اور صفر حرام ہونے میں محرم جیسا ہو گیا۔

اصلاح رسوم کا غیر معمولی اہتمام: .... ان آیتوں میں ان کی ان ہی جہالتوں کی اصلاح کی جارہی ہے اسی لئے شروع میں مہینوں کا عدد بتلا دیا تا کہ دوسری صورت کی اصلاح ہو جائے اور پھر حرمت یا حرام مہینوں کی تاخیر کا انکار فرما کر پہلی اور تیسری صورت کی اصلاح فرمادی اور حدیث ثلاث متوالیات ذو القعدة ذو الحجة ر محرم میں حرام مہینوں کو بڑے اہتمام سے بیان فرمایا۔ اسی طرح رجب کے مہینہ کے متعلق فرمایا رجب مضر الذی بین جماعی الاخری و شعبان کیونکہ قبیلہ ربیعہ والے رمضان کو رجب کہتے تھے اور اس کو حرام مہینہ سمجھتے تھے۔ غرضکہ مقصد اس سارے اہتمام کا اس غلطی کا ازالہ تھا۔

موسموں کے حساب کی تصحیح کے لئے بارہ مہینوں پر جو لوند کا مہینہ بڑھا لیا جاتا ہے وہ اس آیت کے خلاف نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرے حساب جن سے شرعی احکام میں کوئی فرق اور نقصان نہیں پڑتا وہ بھی اس آیت کے تحت میں نہیں آتے۔ بلکہ مقصود ان حسابوں کی تردید کرنی ہے۔ جن سے شرعی احکام میں خلل واقع ہوتا ہے۔

چاند کی تاریخیں: .... قمری حساب پر چونکہ بہت سے شرعی احکام کا مدار ہے اس لئے اس کی حفاظت فرض علی الکفایہ ہے۔ اگر سب مسلمان اس کو چھوڑ کر کسی اور حساب کو اپنالیں جس سے قمری حساب ضائع ہو جائے تو سب گنہگار ہوں گے۔ ہاں اس کو باقی رکھتے ہوئے اور دوسرے حسابات کا استعمال جائز رہے گا۔ مگر خلاف سنت سلف کہلائے گا۔ تاہم پھر بھی قمری حساب کے مستحسن ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

ایک ہی بات کو نسیئ، یحلونہ، یحلوا ما حرم مختلف عنوانات سے تاکید اً ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی کئی وجہ سے ان کا یہ طرز عمل غلط ہے۔ اول تو اس لئے کہ بلا استثناء سب مہینوں کا آگے پیچھے کرنا لازم آتا ہے۔ خواہ حرام مہینے ہوں یا دوسرے۔ اور مطلقاً ایسا کرنا حرام ہے دوسرے ایک مہینہ کا ایک سال کا ایک حکم اور دوسرے سال دوسرا حکم ہو جاتا ہے۔ پس یہ بد نظمی بھی ہوائے نفس کی علامت ہے تیسرے سب سے بڑھ کر حرام کو حلال کرنے کی خرابی ہے اور اسی لئے اس کو ترقی کفر قرار دیا گیا ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے وقت اگر مہینوں کی حرمت اس معنی سے باقی تھی کہ ان میں جنگ کرنا ناجائز تھا۔ تب تو کوئی اشکال نہیں لیکن اگر جنگ کی ممانعت منسوخ ہو چکی تھی تو پھر ان باتوں کا ذکر کرنا جاہلیت کی اس ہیرا پھیری سے بچنے اور حسابات میں پوری احتیاط برتنے کے لئے ہے۔ اگر چہ جنگ کی رکاوٹ اب نہیں رہی لیکن جمعہ اور رمضان کی طرح برکت وفضیلت کے لحاظ سے تو حرمت اب بھی باقی ہے۔

لطائف آیات: .... آیت قاتلھم اللہ الخ سے معلوم ہوا کہ مستحق کے لئے بددعا کرنا حلم اور حسن خلق کے خلاف نہیں ہے۔ آیت اتخذوا الخ سے معلوم ہوا کہ اللہ کی شریعت کی بجائے علماء یا مشائخ کا اتباع کرنا صحیح نہیں۔ جیسا کہ آجکل جاہل لوگ غلط رسموں میں اپنے مشائخ کی آڑ لیتے ہیں۔

آیت یریدون ان یطفئوا الخ سے معلوم ہوتا ہے مخالفین پر زیادہ نظر نہیں رکھنی چاہئے بلکہ خدائے کارساز پر نظر رہنی چاہئے۔ آیت یا ایھا الذین اٰمنوا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہل مریدوں سے نذرانے لینا اور اپنے منافع چھوٹنے کے خیال سے حق چھپانا یہودی کی برائیوں کو اپنانا ہے۔

آیت والذین یکنزون الخ سے معلوم ہوا کہ مال جمع کرنا اور بخل کرنا نہایت برا ہے۔ آیت فلا تظلموھن الخ سے معلوم ہوا کہ مبارک زمانہ کی طرح مبارک جگہ میں گناہ کرنا بھی بدترین جرم ہے۔ مزارات اولیاء پر جو لوگ منکرات و بدعات کرتے ہیں بالخصوص عرسوں کے موقعہ، پر اُن کا کیا حال ہوگا۔

وَنَزَلَ لَمَّا دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ اِلَى غَزْوَةِ تَبُوْكَ وَكَانُوْا فِيْ عُسْرَةٍ وَشِدَّةِ حَرٍّ فَشَقَّ عَلَيْهِمْ **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ** بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الْمُثَلَّثَةِ وَاجْتِلَابِ هَمْزَةِ الْوَصْلِ اَيْ تَبَاطَئْتُمْ وَمِلْتُمْ عَنِ الْجِهَادِ **اِلَى الْاَرْضِ** وَالْقُعُوْدِ فِيْهَا وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّوْبِيْخِ **اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** وَلَذَّاتِهَا **مِنَ الْاٰخِرَةِ** اَيْ بَدَلَ نَعِيْمِهَا **فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي** جَنْبِ مَتَاعِ **الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ** ﴿۳۸﴾ حَقِيْرٌ **اِلَّا** بِاِدْغَامِ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِيْ لَا فِي الْمَوْضِعَيْنِ **تَنْفِرُوْا** تَخْرُجُوْا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْجِهَادِ **يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا** مُؤْلِمًا **وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ** اَيْ يَاْتِ بِهِمْ بَدَلَكُمْ **وَلَا تَضُرُّوْهُ** اَيِ اللّٰهَ اَوِ النَّبِيَّ **شَيْئًا** بِتَرْكِ نَصْرِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ نَاصِرُ دِيْنِهٖ **وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُ نَصْرُ دِيْنِهٖ وَنَبِيِّهٖ **اِلَّا تَنْصُرُوْهُ** اَيِ النَّبِيَّ **فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ** حِيْنَ **اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** مِنْ مَكَّةَ اَيْ اَلْجَاْهُ اِلَى الْخُرُوْجِ لَمَّا اَرَادُوْا قَتْلَهٗ اَوْ حَبْسَهٗ اَوْ نَفْيَهٗ بِدَارِ النَّدْوَةِ **ثَانِيَ اثْنَيْنِ** حَالٌ اَيْ اَحَدُ اثْنَيْنِ وَالْاٰخَرُ اَبُوْ بَكْرٍ الْمَعْنٰى نَصَرَهٗ فِيْ مِثْلِ تِلْكَ الْحَالَةِ فَلَا يَخْذُلُهٗ فِيْ غَيْرِهَا **اِذْ** بَدَلٌ مِنْ اِذْ قَبْلَهٗ **هُمَا فِي الْغَارِ** نَقْبٌ فِيْ جَبَلِ ثَوْرٍ **اِذْ** بَدَلٌ ثَانٍ **يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ** اَبِيْ بَكْرٍ وَقَدْ قَالَ لَهٗ لَمَّا رَاَى اَقْدَامَ الْمُشْرِكِيْنَ لَوْ نَظَرَ اَحَدُهُمْ تَحْتَ قَدَمَيْهِ لَاَبْصَرَنَا **لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا** بِنَصْرِهٖ **فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ** طُمَاْنِيْنَتَهٗ **عَلَيْهِ** قِيْلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقِيْلَ عَلٰى اَبِيْ بَكْرٍ **وَاَيَّدَهٗ** اَيِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا** مَلٰٓئِكَةٍ فِي الْغَارِ وَمَوَاطِنِ قِتَالِهٖ **وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا** اَيْ دَعْوَةَ الشِّرْكِ **السُّفْلٰى** الْمَغْلُوْبَةَ **وَكَلِمَةُ اللّٰهِ** اَيْ كَلِمَةُ الشَّهَادَةِ **هِيَ الْعُلْيَا** الظَّاهِرَةُ الْغَالِبَةُ **وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ** فِيْ مُلْكِهٖ **حَكِيْمٌ** ﴿۴۰﴾ فِيْ صُنْعِهٖ **اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا** نِشَاطًا وَغَيْرَ نُشَّاطٍ وَقِيْلَ اَقْوِيَاءَ وَضُعَفَاءَ اَوْ اَغْنِيَاءَ وَفُقَرَاءَ وَهِيَ مَنْسُوْخَةٌ بِاٰيَةِ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ الخ **وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** ﴿۴۱﴾ اَنَّهٗ خَيْرٌ لَّكُمْ فَلَا تَثَاقَلُوْا وَنَزَلَ فِي الْمُنَافِقِيْنَ الَّذِيْنَ تَخَلَّفُوْا **لَوْ كَانَ** مَا دَعَوْتَهُمْ اِلَيْهِ **عَرَضًا** مَتَاعًا مِنَ الدُّنْيَا **قَرِيْبًا** سَهْلَ الْمَاْخَذِ **وَّسَفَرًا قَاصِدًا** وَسَطًا **لَّاتَّبَعُوْكَ** طَلَبًا لِلْغَنِيْمَةِ **وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ** الْمَسَافَةُ فَتَخَلَّفُوْا **وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ** اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ **لَوِ اسْتَطَعْنَا** الْخُرُوْجَ **لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ** بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ** ﴿۴۲﴾ فِيْ قَوْلِهِمْ ذٰلِكَ

ترجمہ: .... (اگلی آیات اس وقت نازل ہوئیں جبکہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو غزوۂ تبوک کی طرف دعوت دی۔ اس وقت لوگ بڑی تنگی میں تھے۔ سخت گرمی کا موسم تھا، جس کی وجہ سے کچھ تامل ہوا) اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوگیا ہے جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں قدم اٹھاؤ تو تمہارے پاؤں بوجھل ہوکر (دراصل اس لفظ میں تا تھی جو ثاء بن کر ثاء میں ادغام ہوگئی اور ہمزہ وصل گر گیا۔

مطلب یہ کہ تم جہاد کا نام سن کر منہ موڑنے لگے اور کنارہ کش ہو گئے) زمین پکڑے لیتے ہیں (اور زمین میں بیٹھے جاتے ہو۔ اس میں استفہام توبیخ کے لئے ہے) کیا دنیا کی زندگی (اور اس کی لذتوں) پر ہی ریجھ گئے ہو آخرت چھوڑ کر (یعنی آخرت کی نعمتوں کے بدلہ میں) تو دنیاوی زندگی کی متاع تو آخرت (کی نعمتوں) کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے مگر بہت ہی تھوڑی کے بدلہ میں) تو دنیاوی زندگی کی متاع تو آخرت (کی نعمتوں) کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے مگر بہت ہی تھوڑی (معمولی) اگر (لفظ الا میں دونوں جگہ ان شرطیہ کے نون کا لام میں ادغام ہو رہا ہے) تو نہیں نکلو گے (نبی کریم ﷺ کی ہمرکابی میں جہاد کے لئے) تو وہ تمہیں دردناک (تکلیف دہ) عذاب میں ڈالے گا اور وہ تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو لا کھڑا کرے گا (یعنی تمہارے بدلہ وہ دوسری جماعت پیدا کر دے گا) اور اللہ ہر بات پر پوری قدرت رکھتے ہیں (اپنے دین اور نبی کی مدد بھی اس میں داخل ہے) اگر تم لوگ آپ کی (رسول اللہ کی) مدد نہیں کرو گے تو اللہ نے ان کی مدد اس وقت کی ہے جب کافروں نے اس حال میں گھر سے نکالا (یعنی کفار مکہ نے آپ ﷺ کو نکلنے پر مجبور کر دیا۔ دار الندوہ میں آپ ﷺ کے قتل یا قید اور جلا وطن کرنے کی سازشیں کر کے) دو آدمیوں میں ایک آپؐ تھے (یہ حال ہے یعنی ہجرت کرنے والوں میں ایک آپؐ تھے اور دوسرے ابوبکرؓ۔ حاصل یہ ہے کہ اس نازک حالت میں بھی جب اللہ نے آپ کی مدد فرمائی تو دوسری حالتوں میں کیوں نہیں مدد فرمائیں گے؟) جس وقت (لفظ اذ پہلے اذ سے بدل واقع ہو رہا ہے) دونوں غار میں چھپے ہوئے تھے (اس سے مراد غار ثور ہے) اس وقت (یہ دوسرا بدل ہے) اللہ کے رسولؐ نے اپنے ساتھی سے کہا تھا (ابوبکرؓ جبکہ ان کی نظر مشرکین کے قدموں پر پڑی اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اگر انہوں نے نیچے دیکھ لیا تو ہم نظر آ جائیں گے) کہ غم نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں (اپنی مدد سے) پس اللہ تعالیٰ نے اپنا سکینہ (اطمینان) ان پر نازل فرمایا (یعنی آنحضرت ﷺ پر یا حضرت ابوبکرؓ پر) اور آپ کی (نبی کریم ﷺ کی) ایسے لشکروں سے مدد کی جنہیں تم نہیں دیکھتے (فرشتے، جو غار میں اور میدان جنگ میں رہے) بالآخر اللہ نے کافروں کی بات (شرک کی دعوت) نیچی کر دی (جھکا دی) اور اللہ تعالیٰ ہی کا بول (کلمۂ شہادت) بالا ہے (ظاہر اور غالب ہے) اور اللہ زبردست ہیں (اپنے ملک میں) حکمت والے ہیں (اپنی صفت میں) نکل کھڑے ہو جس حال میں بھی ہو ہلکے ہو یا بوجھل (خوش ہو یا ناخوش اور بعض نے طاقتور اور کمزور یا مالدار اور غریب کے معنی بیان کئے ہیں۔ یہ حکم ایت لیس علی الضعفاء الخ سے منسوخ ہے) اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم یقین رکھتے ہو (کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے تو تمہیں زمین سے چپکنا نہیں چاہئے۔ اگلی آیت ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو شریک جہاد نہیں ہوئے تھے) اگر تمہارا بلاوا (جس بات کی طرف آپ ان کو بلا رہے ہیں) لگے ہاتھ ملنے والی چیز کی طرف ہوتا (دنیا کے ایسے نفع کی طرف جس کا حاصل کرنا آسان ہوتا) اور سفر بھی معمولی سا ہوتا (درمیانی درجہ کا) تو بلا تامل تمہارے پیچھے ہو لیتے (مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے) لیکن انہیں تو مسافت ہی دور دراز کی دکھائی دینے لگی (جس کو دیکھ کر یہ پیچھے ہٹ گئے) اور ابھی خدا کی قسمیں کھا جائیں گے (تمہاری واپسی کے وقت) کہ اگر (نکلنا) ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے یہ لوگ اپنے کو تباہ کر رہے ہیں (جھوٹی قسمیں کھا کر) اور اللہ جانتے ہیں کہ قطعاً یہ جھوٹے ہیں (اپنے ان بیانات میں)

تحقیق وترکیب: .... **ونزل. یا ایها الذین امنوا** سے **انما الصدقات الخ** تک تمام آیات غزوۂ تبوک سے متعلق ہیں۔ اس میں چونکہ بڑی تنگی پیش آئی حتیٰ کہ ایک ایک کھجور دو دو آدمیو کے حصہ میں آئی تھی۔ اس لئے اس کا نام غزوۂ عسرۃ اور غزوۃ الفاضحہ ہو گیا۔

انفروا اس کا اسم نفیر ہے کہا جاتا ہے **استنفر الامام الناس** جبکہ جہاد پر آمادہ کیا جائے۔

اثاقلتم چونکہ اس کا صلہ الیٰ کے ساتھ ہے۔ اس لئے میلان اور اخلاد کے معنی ہو گئے۔ **من الأخرة** من کی معنی بدلہ کے ہیں۔

ویستبدل قوما سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فارس کے لوگ ہیں اور بعض نے اس کا مصداق اہل یمن کو بتلایا ہے۔ حال یعنی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے۔ ای **اذا خرجه الذین کفروا حال کونه متفرداً عن جمیع الناس الا ابابکر** اس جملہ سے حضرت

صدیق اکبرؓ کی جلالت قدر اوران کا مستحق خلافت بلافصل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صدیق اکبرؓ سے فرمایا تھاانت صاحبی فی الغارو صاحبی علی الحوض حسین بن فضلؒ کہتے ہیں کہ جوشخص صدیق اکبرؓ کے صاحب رسولؐ ہونے کا انکار کرے وہ منکرنص ہونے کی وجہ سے کافر ہے۔لیکن دوسرے صحابہؓ کی صحابیت کے انکار سے مبتدع کہلائے گا کافر نہیں ہوگا۔

لاتحزن صدیق اکبرؓ کو اپنا غم نہیں تھا۔بلکہ جو کچھ فکر تھی وہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں تھی۔چنانچہ آپ ﷺ نے عرض کیا تھایا رسول الله ان مت انا فانا رجل واحد وان مت انت هلكت الامة والدين (یارسول اللہ اگر میں مر گیا تو میں ایک ہی مرد ہوں اور اگر آپؐ مر گئے تو پوری امت اور دین ہلاک ہو جائے گا)

چنانچہ سفر ہجرت میں کبھی آنحضرت ﷺ سے پیچھے رہتے اور کبھی حفاظت کے لئے آپؐ سے آگے ہو جاتے۔غار پر پہنچے تو اول خود داخل ہو کر اس کو صاف کر کے ٹھہرنے کے قابل بنایا۔آنحضرت ﷺ نے استراحت فرمائی اسی لئے فاروق اعظمؓ فرمایا کرتے تھے والذی نفسی بیده التلك الليلة خير من عمرو من ال عمر (اور قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے البتہ یہ رات بہتر ہے عمرؓ اور اس کی اولاد سے)

• پس جہاں اس جملہ سے صدیق اکبرؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے کمال تعلق کا پتہ چلتا ہے وہیں آنحضرت ﷺ کی کمال قوت اور قلبی طاقت کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ آپ ﷺ پر ایسے نازک مرحلہ پر بھی حزن کا کوئی اثر نہیں رہا۔اس سے یہ معلوم ہوا کہ صاحبہ کی ضمیر کا مرجع آنحضرت ﷺ ہیں اور صاحب کا مصداق صدیق اکبرؓ ہیں۔

ان الله معنا حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصائب میں گھر جاتے توان معی ربی فرماتے ہیں۔اور آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر ان الله معنا کے الفاظ جاری ہوتے ہیں۔ان جملوں سے دونوں حضرات کے مقامات کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ایک کی نظر اول خدا پر، پھر خود پر جاتی ہے اس لئے اللہ کو پہلے اور معنا کو بعد میں لایا جاتا ہے اور دوسرے کا حال برعکس ہے۔بجنود فرشتوں کی مدد ہجرت کے موقعہ پر بھی شامل رہی کہ کفار آپ کو پا نہیں سکے اور بدر اور احزاب اور حنین کے مواقع پر بھی رہی اور مواطن قتال سے مراد یہی مواقع ہیں۔کلمة الله جمہور کے نزدیک مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور هی مبتداء العليا خبر سے مل کر جملہ اول مبتداء کی خبر ہوگی۔

منسوحة یعنی اقویا اور ضعفاء یا اغنیاء اور فقراء کے معنی لینے کی صورت میں آیت ليس على الضعفاء الخ منسوخ ہے۔لیکن نشاطاً اور غیر نشاطاً کے معنی لینے کی صورت میں منسوخ نہیں ہے۔نیز محل نسخ ثقالاً ہے نہ خفافاً۔اور صاحب ہدایہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کو اگر نفیر عام پر محمول کر لیا جائے تو پھر منسوخ نہیں رہتی کیونکہ اس وقت جہاد میں شرکت فرض عین ہے۔لیکن صاحب اتقان اس آیت کو منسوخ مان رہے ہیں۔تندرستی کی حالت ہو یا بیماری کی یا دوسری کوئی حالت نفیر عام ہو یا خاص امر وجوب کے لئے ہو یا نہ ہو۔ابن عباسؓ کی رائے بھی نسخ کی ہے۔لیکن اگر استطاعت کی قید لگا دی جائے۔جیسا کہ سيحلفون بالله لو استطعنا الخ سے معلوم ہوتا ہے تو پھر منسوخ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

سيحلفون تبوک کی واپسی سے پہلے چونکہ یہ آیت نازل ہوئی اس لئے اس کی پیشگوئی اور اخبار غیب پر محمول کیا جائے گا۔

ربطِ آیات:......... پچھلی آیات میں جس طرح مختلف غزوات کا ذکر ہوا تھا۔آیات يا ايها الذين امنوا سے لے کر انما الصدقات الخ تک غزوۂ تبوک کے حالات کا ذکر کیا جا رہا ہے۔آیت لو كان عرضا الخ سے اخیر سورت تک ان منافقین کے ان احوال واقوال بیان کئے جا رہے ہیں جو اس غزوہ سے بلاوجہ کنارہ کش رہے۔

شانِ نزول:......... مکہ اور حنین کے معرکوں سے فراغت کے بعد ۹ھ میں آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ روم کا نصرانی بادشاہ مدینہ پر فوج کشی کرنا چاہتا ہے جس کے لئے اپنی مملکت شام کی حدود میں مقام تبوک پر چھاؤنی بنا رہا ہے۔اس موقعہ پر آپ ﷺ

نے خود پیش قدمی کر کے اس مقام تک پہنچنا مناسب سمجھا اور اس کا اعلان فرمادیا۔ چونکہ موسم سخت اور سفر دور دراز کا تھا اس لئے یہ جہادی مہم بڑی کٹھن سمجھی گئی اور غیر معمولی ترغیب اور اہتمام سے کام لیا گیا اور ساتھ ہی منافقین کو سخت وسست کہہ کر جھنجھوڑا گیا ہے۔ غرضیکہ آپ ﷺ نے اپنی فوج ظفر موج کو لے کر تبوک کا مورچہ سنبھال لیا۔ اور ایک عرصہ تک انتظار کرتے رہے لیکن نصاریٰ کی فوجیں اس درجہ مرعوب ہوئیں کہ سامنے نہیں آئیں اور آپ ﷺ بسلامتی مدینہ واپس چلے آئے۔

﴿ تشریح ﴾: ......تبوک کی مہم میں چھ قسم کے لوگ ہو گئے تھے: .... اس غزوہ میں لوگوں کے حالات مختلف تھے۔ (۱) بعض حضرات تو بلا تامل ساتھ ہو لیئے۔ (۲) بعض حضرات کچھ تردد کے بعد ساتھ ہوئے۔ آیت **الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ من بعد ما کادیزیغ قلوب فریق منھم** میں ان دونوں کے قسم کے حضرات کا ذکر ہے۔ (۳) بعض حضرات کسی عذر واقعی کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکے جیسا کہ آیت **لیس علی الضعفاء الخ** سے معلوم ہوتا ہے۔ (۴) بعض لوگ محض سستی اور کاہلی کی وجہ سے نہیں جا سکے۔ آیت **اٰخرون اعترفوا** اور **اٰخرون مرجون** اور **علی الثلاثۃ الخ** میں ان ہی مسلمانوں کا بیان ہے۔ (۵) اکثر منافق محض منافقت اور شرارت کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے جن کا ذکر اکثر آیات میں آیا ہے۔ (۶) بعض منافق جاسوسی اور شرارت کے ارادہ سے ساتھ ہو لیئے تھے۔ آیت **وفیکم سماعون الخ** اور **ولئن سالتھم لیقولون الخ** اور **وھموا بمالم ینالوا الخ** میں بعض کی رائے پر ان کا ذکر ہے۔ غرضیکہ آیت **یا ایھا الذین الخ** میں دوسری قسم کا ذکر ہو رہا ہے۔

واقعۂ ہجرت: .... آیت **اذ اخرجہ الذین کفروا الخ** میں واقعۂ ہجرت کی طرف اشارہ ہے۔ غارِ ثور جو مکہ معظمہ سے تھوڑے فاصلہ پر منیٰ کے راستہ میں پڑتا ہے آپؐ یہاں رفیق غار صدیق اکبرؓ کی رفاقت میں تین روز تک چھپے رہے۔ کفار آپ ﷺ کے متلاشی تھے ایک قائف اور نشان بتانے والے کی مدد سے کچھ لوگ غار کے منہ تک پہنچ بھی گئے اور غار میں چھپے ہوئے صدیق اکبرؓ نے ان کو دیکھ کر فکر کا اظہار کیا جس پر آپ ﷺ نے کلمات تشفی سے تسلی فرمادی۔ حسن اتفاق کہ مکڑیوں نے غار کے دہانہ پر جالے تن دیئے تھے اس لئے لوگوں کو آپ ﷺ کی موجودگی کا یقین نہیں ہوا اور الٹا قائف کو بے وقوف بنایا۔ اس طرح یہ لوگ ناکام واپس ہوئے اور آپ ﷺ بخیریت مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

لکن کے بعد جو مسافت کی دوری بیان کی گئی ہے اس سے فوری فائدہ کی نفی بھی ہوگئی کیونکہ دوری کی وجہ سے ایسا فائدہ حاصل کرنا آسان نہیں ہوتا اور معمولی سفر کی نفی بھی ہوگئی۔ غرضیکہ جب دونوں باتیں نہیں تو یہ لوگ آپ ﷺ کا اتباع بھی نہیں کرتے لیکن اگر مسافت کی دوری کی وجہ سے صرف ایک ہی چیز کی نفی ہوتی ہو تب بھی مقصد حاصل ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کی اتباع کرنے کو دو چیزوں پر رکھا گیا ہے فوری فائدہ یا معمولی سفر، لیکن ان میں سے کسی ایک کے نہ ہونے سے مجموعہ کی نفی ہوگئی اور مجموعہ کے نہ ہونے سے اتباع کی نفی ہوگئی۔

لطائف آیات: .... آیت **فانزل اللہ سکینتہ الخ** میں علیہ کی ضمیر خواہ ابوبکرؓ کی طرف لوٹائی جائے یا آنحضرت ﷺ کی طرف۔ فرق اتنا ہے کہ پہلی صورت میں صدیق اکبرؓ پر بلا واسطہ سکینہ کا نازل ہونا معلوم ہوگا اور دوسری صورت میں آنحضرت ﷺ کے واسطہ سے۔ بہر حال ان دونوں صورتوں میں شیخ کے ساتھ رہنے کی برکات کا ہونا معلوم ہوا۔

آیت **لو کان عرضاً الخ** سے اللہ کی محبت کے امتحان کا طریقہ معلوم ہوتا ہے کہ جس دینی کام میں کوئی دنیاوی نفع نہ ہو بلکہ مشقت ہو اس میں طبیعت کا رنگ دیکھنا چاہئے۔ کیونکہ یہ دنیاوی نفع کی ساتھ کسی کام کو کرنا دلیل محبت نہیں ہے۔ آیت **وسیحلفون الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس اگر جھوٹے دعوؤں سے دھوکہ دینے لگے اور اطاعت بجالانے میں غلط عذر پیش کرنے لگے یا صلاح وتقویٰ اور تقدس کے جھوٹے مدعی اگر ملمع سازیاں کرنے لگیں تو ان سب کو اس آیت کے مضمون میں غور کر کے وہی جواب دینا چاہئے جو اللہ نے **یھلکون انفسھم** کہا ہے۔

وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَذِنَ لِجَمَاعَةٍ فِي التَّخَلُّفِ بِاجْتِهَادٍ مِنْهُ فَنَزَلَ عِتَابًا لَهُ وَقَدَّمَ الْعَفْوَ تَطْمِيْنًا لِقَلْبِهٖ
عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ فِي التَّخَلُّفِ وَهَلَّا تَرَكْتَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا فِي الْعُذْرِ
وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ فِيْهِ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فِي التَّخَلُّفِ عَنْ اَنْ
يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ فِي التَّخَلُّفِ الَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ شَكَّتْ قُلُوْبُهُمْ فِي الدِّيْنِ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾
يَتَحَيَّرُوْنَ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ مَعَكَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً اُهْبَةً مِنَ الْاٰلَةِ وَالزَّادِ وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ
اَيْ لَمْ يُرِدْ خُرُوْجَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ كَسَّلَهُمْ وَقِيْلَ لَهُمُ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ اَلْمَرْضٰى وَالنِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ
اَيْ قَدَّرَ اللّٰهُ تَعَالٰى ذٰلِكَ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا فَسَادًا بِتَخْذِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَّلَا اَوْضَعُوْا
خِلٰلَكُمْ اَيْ اَسْرَعُوْا بَيْنَكُمْ بِالْمَشْيِ بِالنَّمِيْمَةِ يَبْغُوْنَكُمُ اَيْ يَطْلُبُوْنَ لَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ بِاِلْقَاءِ الْعَدَاوَةِ وَفِيْكُمْ
سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ مَا يَقُوْلُوْنَ سِمَاعَ قُبُوْلٍ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ لَكَ مِنْ قَبْلُ اَوَّلَ
مَا قَدِمْتَ الْمَدِيْنَةَ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ اَيْ اَجَالُوا الْفِكْرَ فِيْ كَيْدِكَ وَاِبْطَالِ دِيْنِكَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ
النَّصْرُ وَظَهَرَ عَزَّ اَمْرُ اللّٰهِ دِيْنُهٗ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ لَهٗ فَدَخَلُوْا فِيْهِ ظَاهِرًا وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ فِي
التَّخَلُّفِ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ وَهُوَ الْجَدُّ بْنُ قَيْسٍ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ هَلْ لَّكَ فِيْ جِلَادِ بَنِي الْاَصْفَرِ فَقَالَ اِنِّيْ مُغْرَمٌ
بِالنِّسَآءِ وَاَخْشٰى اِنْ رَّاَيْتُ نِسَآءَ بَنِي الْاَصْفَرِ اَنْ لَّا اَصْبِرَ عَنْهُنَّ فَاَفْتَتِنُ قَالَ تَعَالٰى اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ
بِالتَّخَلُّفِ وَقُرِئَ سَقَطَ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ لَا مَحِيْصَ لَهُمْ عَنْهَا اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ
كَنَصْرٍ وَغَنِيْمَةٍ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ شِدَّةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا بِالْحَزْمِ حِيْنَ تَخَلَّفْنَا مِنْ
قَبْلُ قَبْلَ هٰذِهِ الْمُصِيْبَةِ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ بِمَا اَصَابَكَ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ
اِصَابَتَهٗ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ نَاصِرُنَا وَمُتَوَلِّيْ اُمُوْرِنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ فِيْهِ
حَذْفُ اِحْدَى التَّائَيْنِ فِي الْاَصْلِ اَيْ تَنْتَظِرُوْنَ اَنْ يَّقَعَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْعَاقِبَتَيْنِ الْحُسْنَيَيْنِ ۭ تَثْنِيَةُ حُسْنٰى
تَانِيْثُ اَحْسَنَ النَّصْرُ اَوِ الشَّهَادَةُ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ نَنْتَظِرُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ بِقَارِعَةٍ
مِّنَ السَّمَاءِ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۡ بِاَنْ يَاْذَنَ لَنَا بِقِتَالِكُمْ فَتَرَبَّصُوْٓا بِنَا ذٰلِكَ اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ عَاقِبَتَكُمْ قُلْ
اَنْفِقُوْا فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ مَا اَنْفَقْتُمُوْهُ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾
وَالْاَمْرُ هُنَا بِمَعْنَى الْخَبَرِ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ فَاعِلُ مَنَعَهُمْ وَاَنْ
تُقْبَلَ مَفْعُوْلُهٗ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى مُتَثَاقِلُوْنَ وَلَا يُنْفِقُوْنَ

اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾ النَّفَقَةَ لِاَنَّهُمْ يَعُدُّوْنَهَا مَغْرَمًا فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اَیْ لَا تَسْتَحْسِنْ نِعَمَنَا عَلَيْهِمْ فَهِیَ اِسْتِدْرَاجٌ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ اَیْ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بِمَا يَلْقَوْنَ فِیْ جَمْعِهَا مِنَ الْمَشَقَّةِ وَفِيْهَا مِنَ الْمَصَائِبِ وَتَزْهَقَ تَخْرُجَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَيُعَذِّبَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ اَشَدَّ الْعَذَابِ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ اَیْ مُؤْمِنُوْنَ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ يَخَافُوْنَ اَنْ تَفْعَلُوْا بِهِمْ كَالْمُشْرِكِيْنَ فَيَحْلِفُوْنَ تَقِيَّةً لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً يَلْجَأُوْنَ اِلَيْهِ اَوْ مَغٰرٰتٍ سَرَادِيْبَ اَوْ مُدَّخَلًا مَوْضِعًا يَدْخُلُوْنَهٗ لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾ يُسْرِعُوْنَ فِیْ دُخُوْلِهٖ وَالْاِنْصِرَافُ عَنْكُمْ اِسْرَاعًا لَا يَرُدُّهٗ شَیْءٌ كَالْفَرَسِ الْجَمُوْحِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ يَعِيْبُكَ فِی قَسْمِ الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنَ الْغَنَائِمِ وَنَحْوِهَا وَقَالُوْا حَسْبُنَا كَافِيْنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ غَنِيْمَةٍ اُخْرٰی مَا يَكْفِيْنَا اِنَّآ اِلَی اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَنْ يُّغْنِيَنَا وَجَوَابُ لَوْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

ع ۱۷ / ۱۳

ترجمہ:............ (آنحضرت ﷺ سے جب ایک جماعت نے جہاد میں جانے سے رخصت چاہی تو آپ ﷺ نے اپنی رائے اور اجتہاد سے ان کو رخصت دے دی۔ اس سلسلہ میں اظہار ناراضگی کرتے ہوئے یہ آیات اتریں۔ لیکن آپ ﷺ کے قلب کو اطمینان دلانے کے لئے معافی کے الفاظ سے مضمون شروع کیا) اللہ آپ کو معاف کرے۔ آپؐ نے ان کو کیوں اجازت دی تھی (جہاد میں نہ شریک ہونے کی اور آپ ﷺ نے کیوں چھٹی دے دی) تاوقتیکہ آپ ﷺ پر نہ کھل جاتا کہ کون لوگ سچے ہیں اور آپ ﷺ معلوم کر لیتے کون لوگ جھوٹے ہیں؟ جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ کبھی آپ ﷺ سے رخصت نہیں مانگیں گے، اپنے مال اور جان سے جہاد (نہ کرنے) کے بارے میں اور اللہ تعالیٰ ان متقیوں کو خوب جانتے ہیں البتہ (جہاد میں نہ جانے کی) آپؐ سے وہی لوگ رخصت مانگتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں (دین کے متعلق) سو وہ شکوک میں سرگرداں (حیران) ہیں اور اگر واقعی ان لوگوں نے (آپ کے ساتھ) نکلنے کا ارادہ کیا ہوتا تو اس کے لئے کچھ نہ کچھ سروسامان کی تیاری ضرور کرتے (جنگی ہتھیاروں یا رسد کی فراہمی کے ساتھ) لیکن اللہ نے ہی ان کے اٹھنے کو پسند نہیں کیا (یعنی ان کے جانے کو نہیں چاہا) اس لئے انہیں توفیق نہیں بخشی (انہیں بوجھل کر دیا) اور (ان سے) کہہ دیا کہ اپاہج لوگوں کے ساتھ تم بھی یہیں دھرے رہو (بیماروں، عورتوں، بچوں کے ساتھ۔ یعنی اللہ نے یوں ہی مقدر کر دیا) اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ شامل ہو کر جاتے تو سوائے اس کے کہ دوگنا فساد کرتے اور کیا ہوتا (مسلمانوں کو ذلیل کر کے خرابی برپا کرتے) اور تمہارے درمیان ضرور گھوڑے دوڑا دیتے (یعنی لگائی بجھائی کرنے کے لئے دوڑے دوڑے پھرتے) اس فکر میں ہیں (تلاش میں ہیں) کہ تمہارے لئے فتنہ پردازی کر سکیں (دشمنی پھیلا کر) اور تم میں ان کے کچھ جاسوس موجود ہیں (جو باتیں سنتے رہتے ہیں) اور اللہ ان ظالموں کو خوب سمجھیں گے۔ یہ واقعہ ہے کہ ان لوگوں نے پہلے بھی فتنہ انگیزی کی کوششیں کی تھیں (جب شروع شروع میں آپ ﷺ مدینہ میں آئے) اور آپؐ کے خلاف کاروائیوں کی الٹ پھیر کرتے ہی رہے (یعنی آپؐ کے خلاف سازش کرنے میں اور آپؐ کے دین کو برباد کرنے میں، یہ لوگ لگے رہے تھے) یہاں تک کہ سچائی (اللہ کی مدد) نمایاں ہوگئی اور اللہ کا حکم (دین) غالب (عزت مند) رہا اور ان کو ناگوار ہی گزرتا رہا (اس لئے وہ ظاہراً اس میں داخل ہو گئے) اور ان منافقین میں ایک شخص ایسا بھی ہے جو کہتا مجھے اجازت دے دیجئے (جہاد میں نہ جانے کی) اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیئے

(وہ شخص جد بن قیس تھا جس سے نبی کریم ﷺ نے دریافت کیا تھا کہ رومیوں سے جنگ کے لئے آمادہ ہو؟ اس نے عرض کیا کہ میں عورتوں پر فریفتہ ہو جاتا ہوں اس لئے مجھے ڈر ہے کہ رومیوں کی عورتیں دیکھ کر ضبط نہ کر سکوں اور اس طرح کہیں فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ حق تعالیٰ جواب دیتے ہیں) سو سن رکھو یہ لوگ خرابی میں تو پڑ ہی چکے ہیں (جہاد سے باز رہ کر۔ اور ایک قرأت میں سقط بھی ہے) اور بلاشبہ دوزخ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے (جس سے ان کو چھٹکارہ نہیں مل سکتا)، اگر آپ ﷺ کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے (جیسے غیبی مدد اور مال غنیمت) تو انہیں بری لگتی ہے اور آپ پر کوئی حادثہ آپڑتا ہے تو کہتے ہیں ہم نے اپنا بچاؤ کیا تھا (بطور احتیاط جنگ میں شریک نہیں ہوئے) پہلے ہی (اس مصیبت سے پہلے) اور پھر گردن موڑ کر خوش خوش چلے جاتے ہیں (آپ کی مصیبت دیکھ کر) فرما دیجئے آپ (ان سے) ہمیں کچھ پیش نہیں آسکتا مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے (جس مصیبت کا پہنچنا صرف وہی پہنچے گی) وہی ہمارے مالک (مددگار اور کارساز) ہیں اور مسلمانوں کو تو اپنے سب کام اللہ ہی کے سپرد رکھنے چاہئیں۔ کہہ دو تم تو انتظار کرتے رہا کرو (دراصل اس میں دو تا تھیں۔ ان میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے۔ یعنی تم تو منتظر رہو) ہمارے حق میں دو بہتریوں (انجاموں) میں سے ایک بہترائی کے (لفظ حسنین تثنیہ حسنی کا جو احسن کا مؤنث ہے مراد اس سے امداد الٰہی ہے یا شہادت) اور ہم تمہارے حق میں اس کے منتظر رہا کرتے ہیں کہ اللہ تم پر کوئی عذاب واقع کر دے اپنی طرف سے (آسمانی آفت) یا ہمارے ہاتھوں سے (تمہارے قتل کی ہمیں اجازت دیکر) انتظار کرو (ہمارے بارے میں مصیبت کا) ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں (تمہارے انجام کے متعلق) کہہ دو (اللہ کی راہ میں) خوشی سے خرچ کرو، یا ناخوش ہو کر تمہارا خرچ کرنا کبھی قبول نہیں کیا جائے گا (جو تم نے خرچ کیا ہے) بلاشبہ تم حکم عدولی کرنے والے ہو (یہاں امر بمعنی خبر ہے) اور ان کی خیر خیرات قبول ہونے سے (یہ لفظ تا اور یا کے ساتھ ہے) اور کوئی چیز مانع نہیں بجز اس کے کہ انہوں نے (یہ منعھم کا فاعل ہے اور ان تقبل مفعول ہے) اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور یہ لوگ نماز کے لئے نہیں آتے مگر تھکے ہارے جی سے (کاہلی کے ساتھ) اور مال خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ (کیونکہ وہ اس خرچ کو ڈانڈ اسمجھتے ہیں) سو ان کے پاس مال و دولت اور اولاد ہونا آپ کو تعجب میں نہ ڈالے (یعنی ہماری نعمتیں دینے کو آپ للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھیں کیونکہ بطور ڈھیل کے ان کے ساتھ ایسا کیا جا رہا ہے) اللہ تعالیٰ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان کو گرفتار عذاب رکھیں (یعنی ان کو عذاب دیں) ان چیزوں کی وجہ سے دنیاوی زندگی میں (جو کچھ دنیا کو جمع کرنے میں انہیں مشقت ہوتی ہے اور مصائب پہنچتے ہیں) اور ان کی جان کفر کی حالت میں نکلے گی جس کی وجہ سے انہیں آخرت میں بھی بدترین عذاب ہوگا) اور یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھا کر یقین دلاتے ہیں کہ وہ تم ہی میں سے ہیں (یعنی مسلمان ہیں) حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں۔ البتہ یہ ڈرپوک لوگ ہیں (اس بات سے گھبراتے رہتے ہیں کہ کہیں تم ان کے ساتھ مشرکین کا سا سلوک نہ کرنے لگو۔ اس لئے تقیہ کرتے ہوئے یہ لوگ قسمیں کھا رہے ہیں (ان لوگوں کو اگر کوئی بھی پناہ کی جگہ مل جائے (جس میں یہ لوگ پناہ حاصل کر لیں) یا غار (سرنگ) یا گھس کر بیٹھنے کی کوئی ذرا سی جگہ (جس میں یہ لوگ سر چھپالیں) تو ضرور یہ فوراً اس کا رخ کریں اور حالت یہ ہو کہ گویا رسی توڑ کر بھاگے جا رہے ہیں (کہیں گھسنے کے لئے یا تم سے پیچھا چھڑا کے ایسے سر پٹ دوڑے چلے جا رہے ہیں جیسے بے لگام گھوڑا) اور ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو زکوٰۃ کا مال بانٹنے میں آپ ﷺ پر عیب لگاتے ہیں لیکن اگر انہیں اس میں سے کچھ مل جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں اور نہ دیا جائے تو بس اچانک بگڑ بیٹھتے ہیں اور ان کے لئے بہتر ہوتا کہ اگر وہ لوگ اس پر راضی رہتے جو کچھ ان کو اللہ تعالیٰ نے اور ان کے رسول نے دیا تھا (مال غنیمت وغیرہ) اور کہتے ہمارے لئے اللہ کافی ہے (اللہ اپنے فضل سے ہمیں عطا فرمائے گا اور اس کے رسول بھی (اور زیادہ مال غنیمت جو ہمارے لئے کافی ہو جائے ہمیں تو بس اللہ ہی چاہئے (وہی ہمیں غنی بنا سکتا ہے اور لو کا جواب لکان خیراً لھم محذوف ہے)

تحقیق وترکیب: .... **بـاجتهـاد** اس میں اختلاف ہے کہ جن احکام میں اللہ کی طرف سے کوئی صریح حکم نہیں تو کیا ان میں آنحضرت ﷺ کو اجتہاد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ صحیح یہی ہے کہ جائز ہے جیسے بقول مفسرؒ آپ نے یہاں اجتہاد سے فرمایا۔ باقی پر عتاب

ہونا حسنات الابرار سیئات المقربین کے لحاظ سے ہے۔ تاہم معافی کے لفظ نے اس عتاب کو لطف آمیز کر دیا اور قاضی عیاضؒ اپنی شفا میں فرماتے ہیں کہ یہ عتاب نہیں تھا کیونکہ جب پہلے ممانعت کا کوئی حکم نہیں ہوا تو پھر گناہ نہیں اور جب گناہ نہیں تو عتاب کیسا؟ پس یہاں عفا بمعنی غفر نہیں ہے بلکہ ارشاد نبوی عفا الله عنکم عن صدقة الخلیل والرقیق ولم تجب علیهم قط کی طرح ہے یعنی تم پر لازم نہیں ہے۔

اور قشیریؒ کہتے ہیں جو شخص یہ کہے کہ معافی کا لفظ گناہ کے بغیر بولا نہیں جاتا وہ کلام عرب سے ناواقف ہے اور مکیؒ کہتے ہیں کہ اصلحک الله واعزک کی طرح عفا الله بھی ابتداء کلام کے لئے آتا ہے۔

اور سمرقندیؒ کی رائے عفا الله کے معنی عافاک الله کے ہیں اور تفسیر کبیر میں ہے کہ اس سے تو آپ ﷺ کی اور زیادہ تعظیم و توقیر ہو رہی ہے کیونکہ کسی محترم شخص کیلئے کہا جاتا ہے کہ عفا الله عنک ماصنعت فی امری.

حتی یتبین ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سورۂ توبہ نازل ہونے سے پہلے منافقین کا حال نہیں جانتے تھے۔ لایستاذنک یعنی جہاد میں جانے سے ان کا جی چرانا خود ان کے نفاق کی کھلی دلیل تھی کیونکہ مخلص مسلمان خود شوق سے آگے بڑھتے ہیں چہ جائیکہ رخصت مانگیں۔

لو ارادوا منافقین کے ساتھ نہ جانے کی ایک تکوینی مصلحت بتلا کر آپ ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے۔

ای قدر الله یعنی قیل سے مقصود واقعی قول نہیں بلکہ اللہ کا ان کے حق میں مقدر کر دینا ہے اور اقعدوا سے مقصود اعملوا ماشئتم الخ کی طرح توبیخ ہے۔ یا آنحضرت ﷺ کے اجازت دینے کو اس لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور یا بعض نے واقعۃً ایسا کہا ہوگا اور شیطان نے پٹی پڑھائی ہوگی یا اللہ نے جو ان کے دلوں میں جہاد کی کراہت بٹھلا دی ہے وہ مراد ہے۔

لو خرجوا یہاں سے منافقین کے جہاد میں ساتھ جانے کے مفاسد بتلاتے ہیں۔ رہا یہ شبہ کہ اس کی اجازت دینے میں آپ ﷺ پر عتاب کیوں ہوا؟ جواب یہ ہے کہ عتاب اس پر ہے کہ آپؐ نے اجازت دے کر ان کو نفاق پر پردہ ڈالنے کا موقعہ دے دیا۔ آپؐ ان کو ذلیل ہونے دیتے ان کا جانا گو خلاف مصلحت سہی مگر آپؐ نفاق کھلنے دیتے۔ ولأوضعوا اونٹ کا دوڑنا اس میں استعارہ بالکنایہ ہے یہ الف صرف رسم الخط میں آئے گا پڑھا نہیں جائے گا۔

جد بن قیس کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بعد میں توبہ کر لی تھی اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ان کا انتقال ہوا (اصابہ) جلاد بمعنی قتال کہا جاتا ہے۔ جلدته بالسیف والسوط چنانچہ ایک نسخہ میں جلاد کی بجائے جہاد کا لفظ ہے۔ رومیوں کا جد اعلیٰ روم بن اسحٰق بن ابراہیم زرد رنگ ہوگا یا چونکہ ان کا کوئی جد اعلیٰ روم بن عیص تھا جس نے کسی حبشی شہزادی سے شادی کر لی تھی جس سے اولاد درمیانی رنگ کی پیدا ہوئی۔ (مجمع البحار) اور قاموس کی رائے ہے کہ بنو الاصفر سے مراد صفر بن عیصو بن اسحٰق کی اولاد ہے جو شاہان روم ہوئے یا حبشہ کا لشکر جب روم پر غالب آیا اور ان کی عورتوں سے مباشرت کی تو زرد رنگ کی اولاد پیدا ہوئی۔

النصر والشهادة یہ لفظ حسنین سے بدل ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔

والامر ههنا یہ ایک شبہ کا جواب ہے کہ پہلے قل سے انفاق کا حکم دیا۔ پھر کہہ دیا گیا جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ امر بمعنی خبر ہے۔ بنا یلقون یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ مال و اولاد تو مسرت کا باعث ہوتا ہے نہ کہ باعث مشقت۔ جواب یہ ہے کہ ان چیزوں کے فراہم کرنے میں جو تکلیف ہوتی ہے وہ مراد ہے رہی یہ بات کہ مشقت ہونا تو مومن و منافق دونوں کے لئے ہے پھر منافق کی تخصیص کیسی؟ جواب یہ ہے کہ مومن کے لئے جو اخروی ثواب ہوگا اس کی وجہ سے یہ مشقت ہیچ ہے۔ لیکن منافق کے لئے تو صرف مشقت ہی مشقت ہوگی۔ یلمزک لمز کے معنی تنقیص کے ارادہ سے آنکھ کا اشارہ کرنا اور غمز آنکھ سے مطلق اشارہ کرنے کو کہتے ہیں لمز خاص ہے اور غمز عام ہے۔

ربطِ آیات: .... بعض منافقین نے جھوٹے بہانے تراش کر آپ ﷺ سے جہاد میں نہ جانے کی رخصت چاہی آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ عفا اللہ الخ سے اظہار ناپسندیدگی کر رہے ہیں۔ اس کے بعد آیت لو ارادوا الخ سے ان کے جھوٹے عذروں کا قرینہ بیان کر کے ان کے نہ جانے کی حکمت سے آپ ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے۔ اور لقد ابتغوا الفتنة الخ میں پچھلے واقعات سے اس کی تائید کی جارہی ہے۔

آگے آیت ومنهم من يقول الخ سے منافقین کے بعض مخصوص حالات بیان کئے جارہے ہیں اور آیت قل انفقوا الخ سے ان کی مالی پیش کش کو ٹھکرادیا گیا ہے اس کے بعد آیت ويحلفون الخ سے ان کے جھوٹے دعویٰ ایمان کا پول کھولا جارہا ہے۔

شانِ نزول: .... آیت عفا الله الخ اور ومنهم من يقول الخ کے شان نزول کی طرف جلال محقق نے اشارہ کردیا ہے۔ جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ جو منافقین مدینہ میں رہ گئے تھے انہوں نے جھوٹی خبریں اڑانی شروع کیں کہ ان **محمداً واصحابه قد جهدوا في سفرهم وهلكوا** لیکن جب آنحضرت ﷺ اور اصحاب کا بخیریت وسلامت واپس ہونا معلوم ہوا تو رنجیدہ ہوئے اس پر آیت ان تصبك حسنة نازل ہوئی۔

جد بن قیس نے بعد میں آنحضرت ﷺ کو خوش کرنے کے لئے کچھ مالی پیش کش کرنا چاہی تو اس پر آیت قل انفقوا الخ نازل ہوئی اور آیت ومنهم من يلمزك الخ کے سلسلہ میں ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ مال تقسیم فرمایا تو ذوالخویصرہ جس کا نام حرقوص بن زہیر ہے اور جو فرقہ خارجیہ کا رأس رئیس ہوا ہے وہ آیا اور اس نے اعتراض کیا کہ یہ تقسیم غیر منصفانہ ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی لیکن ابومسعودؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب غزوۂ حنین کے غنائم تقسیم فرمائے تو ایک شخص نے اعتراض کیا ان هذه القسمة ما اريد بها وجه الله اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ابن جریر نے جو روایت نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں صدقات آئے تھے آپ ﷺ نے ان کو تقسیم فرمادیا تو پیچھے کھڑے ہوئے انصاری نے اس کو غیر عادلہ تقسیم کہا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بہرحال بعض روایات میں مال غنیمت کی تصریح ہے اور بعض میں صدقہ کی تصریح ہے اور بعض میں کچھ تصریح نہیں۔ تطبیق کی صورت یہ ہے کہ مال غنیمت تھا جس کے پانچویں حصہ کی تقسیم صدقہ کی طرح فرمائی۔

﴿ تشریح ﴾: .... معافی کے لفظ سے گناہ کا شبہ نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ خلاف اولیٰ پر بھی یہ لفظ بول دیا جاتا ہے اور لم اذنت میں آئندہ کے لئے محتاط رہنے کی تعلیم ہے۔ پچھلی بات پر عتاب نہیں ہے پس اس سے بھی کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے اور اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اگر آپ ﷺ اجازت نہ دیتے تو یہ ضرور جاتے۔ یا ان کا جانا مفید یا ضروری تھا بلکہ منشاء یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ نہ بھی روکتے ان کی نیت نہ جانے کی تھی۔ البتہ ان کی رخصت منظور ہونے سے جو انہیں ایک گونہ بے فکری ہوگئی وہ نہ ہوتی اور ان کی خباثت ونفاق کی ذرا قلعی کھل جاتی۔

اور الذين صدقوا کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے سچے مخلصین مسلمانوں سے ان کی حالت ممتاز ہوجاتی۔ یہ مطلب نہیں کہ ان میں بھی کچھ لوگ اچھے ہیں اور چونکہ اس آیت میں بلاعذر اجازت لینے پر انکار کرنا ہے۔

اور سورۂ نور کی آیت لم يذهبوا حتى يستأذنوه الخ میں عذر کے ساتھ اجازت کو بیان کیا گیا ہے اس لئے دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ وفيكم سماعون الخ میں جن جاسوسوں کا ذکر ہے وہ اگرچہ منافق ہی تھے تاہم چونکہ ذی رائے نہیں تھے اس لئے ان کے ساتھ رہنے میں فساد کا اتنا اندیشہ نہیں تھا بلکہ ایک لحاظ سے کچھ مفید ہی تھا کہ ان کے ذریعہ مسلمانوں کا استقلال اور غلبہ اور کفار کے ضعف واضمحلال کی خبریں دشمنوں کو پہنچیں گی۔ تو ان کی خبروں کا زیادہ اثر ہوگا اور وہ جلیں مریں گے اور ان کی ہمتیں ہمیشہ کے لئے پست ہوجائیں گی۔

آیت قل لن یصیبنا الخ میں پہلے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مالکانہ حقوق اور حاکمانہ تصرفات حاصل ہیں۔ اس لئے ان کے ہر فیصلہ پر ہم خوش اور مطمئن ہیں اور دوسرے جواب کا ماحاصل یہ ہے کہ چونکہ وہ حکیم ہیں اس لئے ان کی بھیجی ہوئی مصیبت میں بھی یقیناً ہمارے لئے کوئی حکمت و مصلحت ہوگی جس میں ہمارا فائدہ ہی ہے۔ بہر حال ہم ہر طرح کامیاب ہیں خواہ تم دیکھو کہ ہر طرح خسارہ میں ہو۔

دنیا میں جب کبھی کوئی فرد یا جماعت کسی مقصد کے لئے جدو جہد کرتی ہے تو اس کے سامنے امید بھی ہوتی ہے، مایوسی بھی کامیابی بھی ہوتی ہے اور ناکامی بھی لیکن قرآن کہتا ہے کہ مومن وہ ہے جس کی جدو جہد میں جو کچھ ہے امید و کامرانی ہے۔ مایوسی و ناکامی کی تو اس پر چھائیں نہیں پڑسکتی۔ کیونکہ وہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کے لئے کرتا ہے اور اس کے لئے یہی بات کامیابی نہیں کہ کسی خاص منزل تک پہنچ جائے۔ بلکہ اس کی راہ میں چلتے رہنا بجائے خود بڑی کامیابی ہے وہ جب اپنا سفر شروع کرتا ہے تو اس لئے نہیں کرتا کہ کسی خاص منزل تک ضرور ہی پہنچ جائے بلکہ صرف اس لئے کہ کسی کی راہ میں چلتا ہے اور یہی اس کے لئے منزل مقصود ہوتی ہے دوسرے اگر جدو جہد کرتے ہوئے مرجائے تو یہ ان کی ناکامیابی ہوتی ہے لیکن مومن اگر مرجائے تو یہ اس کی بڑی سے بڑی فتح مندی ہے ایسی فتح مندی جس سے بڑی فتح مندی کی وہ اپنی ذات کے لئے آرزو ہی نہیں کرسکتا۔

دوسرے اگر لڑکر دشمنوں پر غالب نہ آسکیں تو یہ ان کی ہار ہوتی ہیں لیکن مومن وہ ہے جو ہار کے معنی ہی سے نا آشنا ہوتا ہے وہ اگر کسی میدان میں غالب نہ آئے جب بھی جیت اسی کی ہے کیونکہ اس کی ہار جیت کا معیار میدان جنگ نہیں ہوتا خود اس کی طلب وسعی ہوتی ہے اگر وہ اپنی طلب وسعی میں پورا نکلا تو اس نے میدان مارلیا اگر چہ میدان جنگ میں اس کی لاش ہزاروں لاشوں کے نیچے دبی پڑی ہو یہی وجہ ہے کہ اس راہ میں وہ کبھی مرنہیں سکتا اس کی موت بھی زندگی ہوتی ہے۔

قرآن نے جابجا زور دیا ہے کہ مومن کا مقصد سعی صرف اللہ اور اس کی سچائی ہے اور مومن کی جدو جہد کا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے جس میں یہی حقیقت پنہاں ہے کہ وہ ساری منزلوں سے جو دنیا میں پیش آسکتی ہیں بلند کردیا گیا ہے اب یہاں کوئی منزل اس کی منزل مقصود نہیں ہوسکتی کہ اس تک پہنچ سکنا اس کی کامیابی کا فیصلہ کردے اس کے لئے منزل مقصود تو صرف یہی ہے کہ حق کی راہ میں چلتا رہے اور رکے نہیں اس کا ہر وہ قدم جو چلتا رہا فتح مندی ہے اور جو قدم رک گیا نامرادی ہے پھر دو خوبیوں سے مقصود یہی حقیقت ہے یعنی فتح مندی یا شہادت اور شہادت بھی فتح مندی ہے۔

دنیا کی تحصیل میں کیسی کیسی جسمانی اور روحانی تکلیفیں جھیلنی پڑتی ہیں اور پھر بھی حاصل نہیں ہوتی اور اگر حاصل بھی ہوجائے تو اس کے تھامنے میں کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں ذرا سا کچھ نقصان ہوجائے پھر دیکھئے کہ کیا کیفیت ہوتی ہے اور بالفرض سب باتیں اور حالتیں منشاء کے موافق بھی ہوجائیں تو ہر وقت یہ کھٹکا رہتا ہے کہ کہیں یہ حالت چھن نہ جائے اور کوئی ناگواریات پیش نہ آجائے پھر دنیا چھننے پر کس درجہ حسرت اور بلا کا صدمہ ہوتا ہے اس کے علاوہ کافر کے لئے دنیا جتنی بڑھے گی اس کا کفر دو گنا ہوگا جو آخرت کی زیادہ سے زیادہ تباہی کا باعث ہوگا۔

آیت فان اعطوا الخ پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اس سے تو معلوم ہوا کہ منافقین کو بھی صدقات میں سے کچھ ملا کرتا تھا؟ پس اس کے کئی جواب ہیں۔ (۱) ممکن ہے کہ یہ صدقہ نفلی ہو جس کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔ (۲) منافق سے مراد اعتقادی منافق نہ ہو بلکہ عملی منافق ہو تب بھی کوئی اشکال نہیں۔ (۳) البتہ اگر فرضی صدقہ مرادلیا جائے اور منافق بھی اعتقادی ہو تو پھر کہا جائے گا کہ اس وقت ابتدائی حالت تھی اس لئے مسلمانوں کی طرح منافقین کو بھی دیا جاتا ہوگا تمام احکام میں دونوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جاتا تھا۔

لطائف آیات: .... آیت عفا اللہ الخ سے معلوم ہوا کہ کاملین مقبولین پر عتاب بھی لطف آمیز ہوتا ہے تا کہ ان کو بالکل وحشت نہ ہوجائے اور اس میں محترم لوگوں سے خطاب کا ادب بھی معلوم ہوگیا۔ آیت الم اذنت الخ سے معلوم ہوا کہ مریدین کے

اعذار قبول کرنے میں مشائخ کو پوری بیداری سے کام لینا چاہئے کہیں وہ دھوکہ نہ دے جائیں۔

آیت لایستأذنك الخ سے معلوم ہوا کہ مومن کو خیر کی طرف طبعی رغبت وشوق ہوتا ہے۔

آیت لو ارادوا الخ سے معلوم ہوا کہ سامان وتدابیر کئے بغیر محبت واطاعت کا دعویٰ فضول ہے۔

آیت ومنھم من یقول الخ سے معلوم ہوا کہ نفس بھی انسان کو یہی سمجھاتا ہے کہ فلاں نیکی میں فلاں فلاں خطرات ہیں جن کی آفت اس نیکی کی خیریت سے بڑھی ہوئی ہے اس لئے اس نیکی کو چھوڑ دینا چاہئے۔

آیت وان جھنم الخ سے اشارہ اس طرف ہے کہ برے اعمال آخوت میں نار کی شکل وصورت میں ظاہر ہوں گے۔

آیت قل لن یصیبنا الخ میں توکل کا صریح حکم بھی ہے اور اس کو آسان بنادینے کے مراتب کا ذکر بھی ہے۔

آیت ولا یاتون الصلوٰۃ الخ سے معلوم ہوا کہ ایسے لوگ عبادت کی لذت سے محروم اور جمال محبوب کا مشاہدہ سے محجوب ہوتے ہیں۔ بقول محمد بن فضل حکم کی تعمیل میں وہی کسل کرے گا جسے حاکم سے بے خبری ہوگی اور جو حاکم کی عظمت سے باخبر ہوگا وہ تعمیل حکم میں کس مندی نہیں دکھلائے گا۔

آیت فلا تعجبك الخ سے معلوم ہوا کہ دنیاداروں کی رونق پر حریفانہ نظر کرکے آخرت سے محروم نہیں ہونا چاہئے بلکہ دنیاوی لحاظ سے اپنے سے کمتر شخص پر نظر رکھنی چاہئے اور اخروی اعتبار سے اپنے سے بالاتر شخص پر نظر رہنی چاہئے۔ آیت یرید اللہ لیعذبھم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ محجوب ہوتے ہیں وہ راحت کے لئے جن چیزوں کو جمع کرتے ہیں وہ ان کی راحت سے تو محروم رہتے ہیں البتہ سارا وقت مصائب کے جھیلنے کی نذر ہوتا ہے۔ آیت لو انھم رضوا الخ سے معلوم ہوا کہ سچے مریدین اور عارفین کو ان آداب سے آراستہ ہونا چاہئے اور اہل رضا کی پہچان یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے انہیں جو مصائب پیش آئیں وہ ان پر شاداں فرحاں رہیں اور بلاؤں سے لذت اندوز۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ اَلزَّكٰوتُ مَصْرُوْفَةٌ **لِلْفُقَرَآءِ** الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يَقَعُ مَوْقِعًا مِنْ كِفَايَتِهِمْ **وَالْمَسٰكِيْنِ** الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يَكْفِيْهِمْ **وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا** اَيِ الصَّدَقَاتِ مِنْ جَابٍ وَّ قَاسِمٍ وَّ كَاتِبٍ وَّ حَاشِرٍ **وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ** لِيُسْلِمُوْا اَوْ يَثْبُتُ اِسْلَامُهُمْ اَوْ يُسْلِمُ نُظَرَاؤُهُمْ اَوْ يَذُبُّوْا عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ اَقْسَامٌ وَالْاَوَّلُ وَالْاَخِيْرُ لَا يُعْطَيَانِ الْيَوْمَ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ لِعِزِّ الْاِسْلَامِ بِخِلَافِ الْاٰخِرَيْنِ فَيُعْطَيَانِ عَلَى الْاَصَحِّ **وَفِي** فَكِّ **الرِّقَابِ** اَيِ الْمُكَاتَبِيْنَ **وَالْغٰرِمِيْنَ** اَهْلِ الدَّيْنِ اِنِ اسْتَدَانُوْا لِغَيْرِ مَعْصِيَةٍ اَوْ تَابُوْا وَلَيْسَ لَهُمْ وَفَاءٌ اَوْ لِاِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ وَلَوْ اَغْنِيَاءَ **وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اَيِ الْقَائِمِيْنَ بِالْجِهَادِ مِمَّنْ لَا فَيْءَ لَهُمْ وَلَوْ اَغْنِيَاءَ **وَابْنِ السَّبِيْلِ** اَلْمُنْقَطِعِ فِيْ سَفَرِهٖ **فَرِيْضَةً** نُصِبَ لِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ **مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ** بِخَلْقِهٖ **حَكِيْمٌ** ﴿۶۰﴾ فِيْ صُنْعِهٖ فَلَا يَجُوْزُ صَرْفُهَا لِغَيْرِ هٰؤُلَاءِ وَلَا مَنْعُ صِنْفٍ مِنْهُمْ اِذَا وُجِدَ فَيُقَسِّمُهَا الْاِمَامُ عَلَيْهِمْ عَلَى السَّوَاءِ وَلَهٗ تَفْضِيْلُ بَعْضِ اٰحَادِ الصِّنْفِ عَلٰى بَعْضٍ وَاَفَادَتِ اللَّامُ وُجُوْبَ اِسْتِغْرَاقِ اَفْرَادِهٖ لٰكِنْ لَا يَجِبُ عَلٰى صَاحِبِ الْمَالِ اِذَا قَسَمَ لِعُسْرِهٖ بَلْ يَكْفِيْ اِعْطَاءُ ثَلَاثَةٍ مِنْ كُلِّ صِنْفٍ وَلَا يَكْفِيْ دُوْنَهَا كَمَا اَفَادَتْهُ صِيْغَةُ الْجَمْعِ وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ اَنَّ شَرْطَ الْمُعْطٰى مِنْهَا الْاِسْلَامُ وَاَنْ لَا يَكُوْنَ هَاشِمِيًّا وَلَا مُطَّلِبِيًّا **وَمِنْهُمْ** اَيِ

الْمُنَافِقِيْنَ **الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ** بِعَيْبِهٖ وَنَقْلِ حَدِيْثِهٖ **وَيَقُوْلُوْنَ** اِذَا نُهُوْا عَنْ ذٰلِكَ لِئَلَّا يَبْلُغَهٗ **هُوَ اُذُنٌ** اَیْ يَسْمَعُ كُلَّ قِيْلٍ وَيُقْبِلُهٗ فَاِذَا حَلَفْنَا لَهٗ اَنَّا لَمْ نَقُلْ صَدَّقَنَا **قُلْ** هُوَ **اُذُنُ** مُسْتَمِعُ **خَيْرٍ لَّكُمْ** لَا مُسْتَمِعُ شَرٍّ **يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ** يُصَدِّقُ **لِلْمُؤْمِنِيْنَ** فِيْمَا اَخْبَرُوْهُ بِهٖ لَا لِغَيْرِهِمْ وَاللَّامُ زَائِدَةٌ لِلْفَرْقِ بَيْنَ اِيْمَانِ التَّسْلِيْمِ وَغَيْرِهٖ **وَرَحْمَةٌ** بِالرَّفْعِ عَطْفًا عَلٰى اُذُنٌ وَالْجَرِّ عَطْفًا عَلٰى خَيْرٍ **لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿۶۱﴾ **يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ** اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ فِيْمَا بَلَغَكُمْ عَنْهُمْ مِنْ اَذَی الرَّسُوْلِ اَنَّهُمْ مَا اَتَوْهُ **لِيُرْضُوْكُمْ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ** بِالطَّاعَةِ **اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ** ﴿۶۲﴾ حَقًّا وَتَوْحِيْدُ الضَّمِيْرِ لِتَلَازُمِ الرِّضَائَيْنِ اَوْ خَبَرُ اللّٰهِ اَوْ رَسُوْلِهٖ مَحْذُوْفٌ **اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ** اَیِ الشَّانُ **مَنْ يُّحَادِدِ** يُشَاقِقِ **اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ** جَزَاءً **خَالِدًا فِيْهَا ذٰلِكَ الْخِزْیُ الْعَظِيْمُ** ﴿۶۳﴾ **يَحْذَرُ** يَخَافُ **الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ** اَیِ الْمُؤْمِنِيْنَ **سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ** مِنَ النِّفَاقِ وَهُمْ مَعَ ذٰلِكَ يَسْتَهْزِءُوْنَ **قُلِ اسْتَهْزِءُوْا** اَمْرُ تَهْدِيْدٍ **اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ** مُظْهِرٌ **مَّا تَحْذَرُوْنَ** ﴿۶۴﴾ اِخْرَاجَهٗ مِنْ نِفَاقِكُمْ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **سَاَلْتَهُمْ** عَنِ اسْتِهْزَائِهِمْ بِكَ وَالْقُرْاٰنِ وَهُمْ سَائِرُوْنَ مَعَكَ اِلٰى تَبُوْكَ **لَيَقُوْلُنَّ** مُعْتَذِرِيْنَ **اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ** فِی الْحَدِيْثِ لِنَقْطَعَ بِهِ الطَّرِيْقَ وَلَمْ نَقْصُدْ ذٰلِكَ **قُلْ** لَهُمْ **اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ** ﴿۶۵﴾ **لَا تَعْتَذِرُوْا** عَنْهُ **قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ** اَیْ ظَهَرَ كُفْرُكُمْ بَعْدَ اِظْهَارِ الْاِيْمَانِ **اِنْ نَّعْفُ** بِالْيَاءِ مَبْنِيًّا لِلْمَفْعُوْلِ وَالنُّوْنِ مَبْنِيًّا لِلْفَاعِلِ **عَنْ طَائِفَةٍ مِّنْكُمْ** بِاِخْلَاصِهَا وَتَوْبَتِهَا كَمَخْشِيِّ بْنِ حُمَيِّرٍ **نُعَذِّبْ** بِالتَّاءِ وَالنُّوْنِ **طَائِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ** ﴿۶۶﴾ مُصِرِّيْنَ عَلَى النِّفَاقِ وَالْاِسْتِهْزَاءِ

۸ ع ۷ ۱۴

ترجمہ: ....صدقہ کا مال (زکوٰۃ) تو صرف غریبوں کا ہے (جن کے پاس کچھ نہ ہو، فقیر کہلاتے ہیں) اور محتاجوں کا ہے (جن کے پاس کچھ تھوڑا سا پیسہ ہو) اور ان کارندوں کا ہے جو اس کی وصول یابی پر مقرر ہوں (یعنی صدقات کی وصول یابی کرنے والے ہوں خواہ وہ روپیہ پیسہ کو اکٹھا کر کے لائیں یا تقسیم کرنے والے ہوں یا کلرک اور گماشتے ہوں) اور جو دلجوئی کے لائق ہو (تا کہ وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں یا اسلام پر جم جائیں یا ان کو دیکھ کر دوسرے کے مسلمان ہونے کی توقع ہو یا مسلمانوں کے کام آتے ہوں۔ یہ مختلف قسمیں ہیں لیکن ان میں سے اول و آخر کی قسموں کو امام شافعیؒ کے نزدیک اب دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اسلام کو عزت حاصل ہوگئی ہے۔ البتہ اصح قول کے مطابق اور قسموں کو دیا جائے گا) اور (مکاتبوں کی) گردن (چھڑانے) میں اور قرضداروں کے قرضہ میں (جنہوں نے گناہوں کے علاوہ کاموں کے لئے قرضہ لیا ہو یا لیا تھا برے کاموں کے لئے لیکن پھر توبہ کر لی اور ان میں ادائیگی کی سکت نہ ہو یا باہمی اصلاح کے لئے اگرچہ مالدار ہی کیوں نہ ہوں) اور اللہ کی راہ میں (یعنی جہادی مہم پر جانے والے کو جن کے پاس مال فئے نہ ہو اگرچہ وہ مالدار ہوں) اور مسافروں کے لئے صرف ہونا چاہئے (جو سفری ساتھیوں سے بچھڑ گئے ہوں) یہ حکم (فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے) اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ (اپنی مخلوق کو) بہت جاننے والے اور (اپنی صفت میں) بڑی حکمت والے ہیں (غرضکہ ان لوگوں کے

علاوہ میں وہ مال خرچ نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی موجود ہونے کی صورت میں ان میں سے کسی قسم کو محروم کرنا چاہئے بہر حال امام کو چاہئے کہ ان سب کو برابر تقسیم کرڈالے۔ البتہ امام کو یہ ضرور حق ہے کہ وہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دے لے اور لام استغراقیہ سے معلوم ہوا کہ ان تمام افراد کا بلا استثناء لینا ضروری ہے۔ لیکن مالدار پر اس کی پابندی اس لئے ضروری نہیں کہ اس کی رعایت کرنا بڑا دشوار ہے۔ تاہم ہر قسم میں سے تین تین آدمیوں کو دینا کافی ہے اس سے کم کو دینا کافی نہیں ہوگا۔ جیسا کہ جمع کے صیغہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے اور حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو زکوۃ دیجائے اس کا مسلمان ہونا اور ہاشمی اور مطلبی سید نہ ہونا ضروری ہے) اور ان ہی (منافقین) میں وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ کے نبی کو تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں (ان میں عیب لگا کر یا ان کی باتیں نقل کر کے) اور کہتے ہیں کہ (جب انہیں اس حرکت سے روکا جاتا ہے کہ کہیں آپ کو خبر نہ ہو جائے) آپ کانوں کے کچے ہیں (یعنی ہر بات سن کر مان لیتے ہیں چنانچہ جب ہم حلفیہ کہیں گے کہ ہم نے یہ نہیں کہا تو آپ ہمیں بھی سچا مان لیں گے) آپ فرما دیجئے کہ (وہ نبی) کان دے کر تو وہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں بہتر ہو (کسی بری بات کو اس طرح نہیں سنتے) وہ اللہ پر یقین رکھتے ہیں اور وہ مسلمانوں کی بات پر بھی یقین رکھتے ہیں (جس بات کی آپ کو اطلاع دیتے ہیں اس میں انہیں سچا سمجھتے ہیں دوسروں کو ایسا نہیں سمجھتے اور للمؤمنین میں لام زائد ہے جس سے ایمان اعتقادی اور ایمان بمعنی تسلیم میں فرق واضح ہو جاتا ہے) اور آپ سرتاسر رحمت ہیں (یہ لفظ رفع کے ساتھ ہو تو اس کا عطف اذن پر ہوگا اور جر کے ساتھ ہونے کی صورت میں خیر پر عطف ہوگا) ان لوگوں کے لئے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذا پہنچانا چاہتے ہیں انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں (اے مسلمانو! ان کی طرف سے رسول اللہ کو تکالیف پہنچانے کی جو اطلاع تمہیں ملتی ہیں ان کی یہ تردید کرتے ہیں) تاکہ تمہیں راضی کرلیں حالانکہ اللہ و رسول اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ یہ ان کی (اطاعت کر کے) خوشنودی حاصل کریں اگر یہ لوگ (واقعی) مومن ہیں (اور ضمیر مفرد لانا یا تو اس لئے ہے کہ اللہ و رسول کی رضا آپس میں لازم و ملزوم ہو کر ایک ہی ہیں اور یا کہا جائے کہ اللہ یا رسول میں سے کسی ایک کی خبر محذوف ہے) کیا انہیں معلوم نہیں کہ (تحقیق شان یہ ہے کہ) جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت (مقابلہ) کرے گا تو یہ بات طے ہو چکی ہے کہ اس کے لئے دوزخ کی آگ اس طرح ہوگی کہ وہ اس میں ہمیشہ جلے گا۔ یہ بہت بڑی رسوائی ہے، منافق اس بات سے ڈرتے (خائف) ہیں کہ ان (مسلمانوں) پر کوئی ایسی صورت ان کے بارے میں نازل نہ ہو جائے کہ جو کچھ ان کے دلوں میں چھپا ہے وہ برملا ظاہر کردے (یعنی ان کا نفاق۔ لیکن اس کے باوجود پھر بھی۔ یہ لوگ استہزاء کرتے ہیں) تم ان سے کہہ دو "اچھا تم تمسخر کرتے رہو (یہ تہدیدی حکم ہے) یقیناً اب اللہ وہ بات نکال (ظاہر) کر کے رہیں گے جس سے تم ڈرتے رہتے ہو (کہ کہیں تمہارا نفاق نہ کھل جائے) کہ ہم نے تو یوں ہی جی بہلانے کو ایک بات چھیڑ دی تھی اور ہنسی مذاق کر رہے تھے (تاکہ اس طرح باتیں کرتے ہوئے راستہ طے ہو جائے اور یہ مقصد نہیں تھا) آپ (ان سے) کہیئے کہ کیا تم اللہ کے ساتھ، اس کی آیتوں کے ساتھ، اس کے رسول کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہو؟ بہانے نہ بناؤ، حقیقت یہ ہے کہ تم نے ایمان کا اقرار کر کے پھر کفر کیا (یعنی ایمان ظاہر کرنے کے بعد پھر تم نے کفر ظاہر کردیا) اگر ہم چھوڑ بھی دیں (اگر یا کے ساتھ ہے تو مجہول ہے اور نون کے ساتھ ہے تو معروف ہے) تم میں سے کچھ لوگوں کو (ان کے خلوص اور توبہ کی وجہ سے جیسے مخشی بن حمیر) تاہم بعض کو تو سزا دینی ہے (تا اور نون کے ساتھ) کیونکہ انہوں نے جرم کیا ہے (نفاق اور تمسخر پر ڈٹے ہوئے ہیں)

تحقیق و ترکیب: .... **انما الصدقات** قصر موصوف علی الصفۃ ہے یعنی صفات صرف ان آٹھ قسموں میں صرف ہونے کے ساتھ متصف ہیں۔ فقیر اور مساکین کی جو تعریف جلال محقق نے کی ہے اس کے اعتبار سے فقیر ابتر ہے۔ یہی رائے امام شافعیؒ کی ہے، لیکن حنفیہؒ کے نزدیک برعکس ہے۔ **او مسکینا ذا متربۃ** سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ تاہم یہ اختلاف لفظی ہے۔ عاملین کو ان کے اخراجات کے مطابق بطور کام کی اجرت کے دیا جائے گا۔ اگرچہ مالدار ہو۔ صدقہ اور زکوۃ کی نیت سے نہیں دیا جائے گا لیکن چونکہ اس میں صدقہ کا شبہ بھی ہے اس لئے اگر ہاشمی عامل ہو تو اسے سید ہونے کی وجہ سے نہیں لینا چاہئے۔ ہاں مالدار ہو تو لینے میں مضائقہ نہیں اس کے حق میں اس شبہ کا

اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ جاب اور حاشر میں یہ فرق ہوگا کہ حاشر تو صاحب زکوٰۃ لوگوں کو جمع کرے گا اور جاب کہتے ہیں زکوٰۃ وصول کر کے اپنے پاس جمع کرنے والے کو (مؤلفۃ القلوب) صدیق اکبرؓ کی خلافت کے زمانہ میں بالاجماع مصارف زکوٰۃ سے ان کو خارج کر دیا گیا ہے۔ عیینہ بن حصین، اقرع بن حابس، عباس بن مرداس وغیرہ مؤلفۃ قلوب میں داخل تھے جو اپنے قبائل کے سردار تھے۔ مفسرؒ نے مؤلفۃ القلوب کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔ علی الاصح یعنی امام شافعیؒ کے اصح قول پر، لیکن امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، ثوریؒ، اسحٰقؒ، ایک جماعت کے نزدیک ان کا حصہ ساقط ہے۔ حضرت عمرؓ سے بھی یہی روایت ہے۔ المکاتبین ابراہیم نخعیؒ، سعیدؒ بن جبیر، زہریؒ، شافعیؒ، احمدؒ، مالکؒ ابوحنیفہؒ وغیرہ اکثر کی رائے یہی ہے۔ لیکن ابن عباسؓ غلام خرید کر آزاد کرنے کو کہتے ہیں اور بعض نے قیدیوں کے بدلہ فدیہ دینے کے معنی لئے ہیں۔

غارم میں اصلاح ذات البین کی صورت یہ ہے کہ دو خاندانوں میں کسی مقتول کے بارے میں اگر نزاع ہو اور رفع نزاع کے لئے کوئی دیت کا ذمہ لے کر زکوٰۃ کے روپیہ سے ادائیگی کر دے۔ تاکہ فتنہ دب جائے تو جائز ہے۔ والاغنیاء حدیث میں ہے۔ **لاتحل الصدقة لغني الا لخمسة لغاز في سبيل الله اولغارم او رجل اشتراها بماله او رجل له جار مسكين فتصدق على المساكين فاهدى المسكين للغني اول للعامل عليها** (ترجمہ) نہیں حلال ہے صدقہ غنی بالدار کے لئے۔ البتہ پانچ کے لئے جائز ہے۔ (۱) اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے لئے (۲) قرض دار کے لئے (۳) یا ایسے شخص کے لئے جو خریدے صدقہ کو اپنے مال سے (۴) یا ایسے شخص کے لئے کہ اس کے پڑوسی مسکین ہوں اور مسکین کو صدقہ دے۔ پس بطور ہدیہ مسکین غنی کو دے یا (۵) جو شخص صدقہ پر کام کر رہا ہو اللہ کے راستہ میں بغیر تنخواہ کے۔

فی سبیل اللہ ابو یوسفؒ تو غازیوں سے بچھڑ نیوالے کے معنی لیتے ہیں اور امام محمدؒ حجاج سے بچھڑنے والے کے معنی لیتے ہیں۔ لیکن اول صورت میں اگر غازی مالدار ہے تو ہمارے نزدیک اس کو نہیں دینا چاہئے۔ امام شافعیؒ اجازت دیتے ہیں اور بعض نے جنگی سامان خریدنا اور سرحدی حفاظت کرنا اور مسافر خانے بنانا بھی اس میں مانا ہے۔ بہر حال یہ مصارف کا بیان ہے اور صدقات سے مراد زکوٰۃ ہے ان میں سے اخیر کی چار قسموں میں بجائے لام کے فی لانے میں ان کے مزید استحقاق کی طرف اشارہ ہے۔

اس مسئلہ میں شوافعؒ اور احنافؒ کا اختلاف ہے حنفیہ کے نزدیک تو مؤلفۃ القلوب کے علاوہ سب قسموں کو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے اور کسی ایک قسم کو بھی۔ لیکن شوافعؒ کے نزدیک نہ صرف یہ کہ سب قسموں کو دینا ضروری ہے بلکہ ہر قسم میں سے کم از کم تین تین اشخاص کو دینا ضروری ہوگا کیونکہ لام استحقاق کے لئے ہے اور جمع کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں جس کا تقاضۂ اصلی یہ ہے کہ ان قسموں کے تحت تمام دنیا کے لوگوں کو زکوٰۃ ادا کی جائے گی مگر ناممکن ہونیکی وجہ سے صرف تین تین اشخاص پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ حنفیہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اضافت مصارف زکوٰۃ بیان کرنے کے لئے ہے نہ کہ استحقاق کے لئے کیونکہ زکوٰۃ وصدقات فی الحقیقت تو اللہ کے پاس پہنچنے والے ہیں ضرورت اور تنگدستی کی وجہ سے ان کو مصارف بنا دیا گیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ان مواقع کے علاوہ تعمیر مساجد کے لئے یا کفن دفن وغیرہ کے لئے زکوٰۃ کی ادائیگی جائز نہیں ہے۔ رہے جمع کے صیغے تو الف لام کے ذریعہ ان کی جمعیت باطل ہوگئی۔ الف لام جنس کے لئے ہے کیونکہ استغراقیہ لینا محال ہے ہر قسم میں تین تین اشخاص لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ جمع کا مقابلہ جمع سے ہونے کی وجہ سے احاد کا انقسام احاد پر ہو رہا ہے اور صدقہ کو ان سب پر تقسیم کرنا ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ ہر فقیر کے حصہ میں جو کچھ بھی آئے گا وہ بھی آخر صدقہ ہی ہوگا۔ اس کی بھی تقسیم ہونی چاہئے۔ پھر جتنے فقیروں کے پاس پیسے جائیں گے ان کی بھی تقسیم ہونی چاہئے اس طرح یہ تقسیم کا سلسلہ جاری رہا تو کسی کے پاس بچے گا کیا۔ اس کے علاوہ ایک ایک فرد کو دینے سے بھی جنسیت کے معنی متحقق ہو سکتے ہیں اسی لئے قاضی بیضاویؒ نے شافعیؒ ہونے کے باوجود امام ابوحنیفہؒ کے استدلال کو یہ کہہ کر تسلیم کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عمرؓ، حذیفہؓ، ابن عباسؓ وغیرہ تمام صحابہؓ اور تابعینؒ ساری زکوٰۃ کو ایک ہی قسم کے دینے کو جائز تسلیم کرتے رہے ہیں اور یہی تینوں ائمہ کا مسلک ہے۔

اذن مبالغہ کے لئے کہہ دیا گیا گویا مجسم کان ہیں یہ مجاز مرسل ہے۔ جز بول کر کل مراد لیا گیا ہے جیسے عین کے معنی جاسوس کے آتے ہیں۔

توحید الضمیر ضمیر اور مرجع میں چونکہ مطابقت نہیں ہے اس لئے مفسر علام اس شبہ کے تین جواب دے رہے ہیں جیسا کہ عبارت سے واضح ہے۔ قاضی بیضاویؒ اللہ کی خبر ہونے کو ترجیح دے رہے ہیں متبوع ہونے کی وجہ سے اور سیبویہ قریب ہونے کی وجہ سے رسول کی خبر مان رہے ہیں۔ اس صورت میں مبتداء خبر میں فصل بھی لازم نہیں آئے گا۔

تنبیھم ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ستر (۷۰) منافقین کی نشان دہی مع ان کے اور ان کے ماں باپ کے نام کے کی تھی لیکن بعد میں ناموں کو حذف کر دیا تا کہ ان کی مسلمان اولاد کی رسوائی کا باعث نہ ہو۔

مخشی بن حمیر یہ بھی ابتداء میں تمسخر کرتے تھے لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد تائب ہو گئے اور دعا کی **اللّٰھم اجعل وفاتی قتلاً فی سبیلک** (اے اللہ! بنا دے میری موت مقتول ہو کر تیرے راستہ میں) چنانچہ دعا قبول ہوئی اور جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے۔ طائفہ کا لفظ ایک شخص پر بولنا باعث اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات میں دوبارہ صدقات معترضین کا جواب دیا تھا۔ آگے اسی کی تائید کے لئے مصارف اور مستحقین کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپؐ ان مواقع کا لحاظ رکھتے ہیں اس لئے آپ پر کسی کی تہمت نہیں آتی۔ صدقات خواہ فرضی ہوں یا نفلی آپ ﷺ سب میں مواقع اور مصالح کی رعایت رکھتے ہیں۔ اس کے بعد آیت **ومنھم الذین الخ** سے بھی منافقین کی حرکتوں کا تذکرہ ہے اس کے بعد آیت **یحلفون الخ** سے منافقین کا مشترکہ حال بیان کیا جا رہا ہے۔

شانِ نزول: .... کچھ منافقین کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ صدقات کا مال خود کھا لیتے ہیں اور اپنے متعلقین پر خرچ کر دیتے ہیں۔ اس کی تردید میں آیت **انما الصدقات الخ** نازل ہوئی جس میں مصارف بیان کر دیئے گئے ہیں اسی طرح کچھ منافقین نے آپ کی شان میں کچھ گستاخی کے کلمات کہے کسی دوسرے منافق نے منع کیا کہ کہیں آپ کو خبر ہو گئی تو ہماری خبر لیں گے۔ جلاس بن سوید بولا کہ آپ کانوں کے کچے ہیں۔ اس لئے کوئی فکر کی بات نہیں بعد میں ہم باتیں بنا کر ٹھیک کر لیں گے اور بری ہو جائیں گے اس پر آیت **ومنھم الذین الخ** نازل ہوئی۔ جلاس بن سوید اور ودیعہ بن ثابت ایک مرتبہ کہنے لگے **ان کان مایقول محمد حقاً فنحن اشر من الحمیر** (جو محمدؐ فرماتے ہیں اگر حق ہو تو ہم گدھے سے زیادہ بدتر ہیں)

ان کے پاس عامر بن قیس کھڑے تھے انہوں نے جا کر آنحضرت ﷺ سے شکایت کر دی۔ آپؐ نے انہیں بلا کر دریافت کیا تو صاف مُکر گئے اور حلفیہ کہنے لگے کہ عامر کذاب ہے اور عامرؓ نے بھی حلفیہ کہا کہ یہ دونوں جھوٹے ہیں۔ مگر آپؐ نے ان دونوں کی بات کو سچا جانا جس سے عامرؓ دل گیر ہوئے اور انہوں نے دعا کی **اللھم صدق الصادق وکذب الکاذب** اس پر آیت **یحلفون الخ** نازل ہوئی۔

آیت **ومن یحادد اللہ الخ** کے متعلق ابن کیسان کہتے ہیں کہ یہ آیت ان بارہ (۱۲) منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو آنحضرت ﷺ کی تبوک سے واپسی کے وقت ایک گھاٹی میں چھپ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ کو ہلاک کرنے کی نیت سے۔ لیکن جبریلؑ نے آپؐ کو آ کر اطلاع دی اور ان کی مدافعت کا حکم دیا۔ چنانچہ عمار بن یاسرؓ کو جو آپ ﷺ کے اونٹ کی مہار تھامے ہوئے تھے اور حذیفہؓ کو جو آپ کی رکاب تھامے ہوئے تھے دونوں کو منافقین کی مدافعت کا حکم دیا۔ چنانچہ ان دونوں نے مار کر ہٹا دیا بعد میں جب آپ ﷺ ایک مقام پر فروکش ہوئے تو فرمایا اے حذیفہؓ! تم جانتے ہو یہ کون لوگ تھے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں، آپؐ نے ایک ایک کا نام لے کر بتلا دیا۔ حذیفہؓ نے عرض کیا پھر ہمیں قتال کی اجازت دیجئے فرمایا نہیں عرب کے لوگ کہیں گے محمدؐ نے کامیابی کے بعد اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ **بل یکفینا ھم اللہ بالدبیلۃ** بلکہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے دبیلہ کے اعتبار سے کافی ہیں۔

آیت **ولئن سالتھم الخ** کا شان نزول یہ ہے کہ تبوک کی واپسی پر کچھ منافقین کہنے لگے **ایرجو ھذا الرجل ان یفتح لہ**

قصور الشام وحصونها هيهات هيهات "آپ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے بلا کر مؤاخذہ فرمایا کہنے لگے یا نبی اللہ انما کنا نخوض ونلعب اور کہنے لگے واللہ ماکنا فی شئ من امرک ولا امر اصحابک ولکن کنا فی شئ یحوض فیه الرکب لیقصر بعضنا علی بعض السفر اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: .... **زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے ایک قسم منسوخ ہوگئی**: .... مصارف کی ان آٹھ قسموں میں ایک قسم مؤلفۃ القلوب ہے۔ جو صدیق اکبرؓ کے دورِ خلافت میں بالاجماع منسوخ اور ساقط ہوگئی ہے اور باقی قسموں کا مسلمان ہونا اور صاحب نصاب نہ ہونا ضروری ہے۔ البتہ زکوٰۃ کی وصول یابی پر جو کارندے مقرر ہیں وہ اس غنی نہ ہونے کی شرط سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کو تو عمل کی اجرت اور تنخواہ دی جائے گی خواہ مالدار ہوں یا غریب، پس دوسری قسموں میں صرف فقیر کہہ دینا کافی تھا۔ لیکن دوسرے عنوانات ذکر کر کے اشارہ کر دیا کہ ان کے استحقاق کے اسباب فقر کے علاوہ اور بھی ہیں اس طرح ان سب قسموں میں سید نہ ہونا بھی ضروری ہے۔ فقیر و مسکین کی تعریف میں اگرچہ اختلاف ہے جس کی وجہ سے وصیت کے احکام میں فرق پڑے گا فقیر کے لئے وصیت کرنے کی صورت میں مساکین کو مال نہیں ملے گا اور مساکین کو وصیت کرنے کی صورت میں فقراء کو مال نہیں دیا جانا چاہئے لیکن اس سے زکوٰۃ کے حکم پر کوئی اثر نہیں پڑتا، دونوں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

مالدار اگر اتنا مقروض ہو کہ قرضہ کی ادائیگی کے بعد بقدر نصاب اس کے پاس روپیہ نہیں بچتا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ ان تمام قسموں میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ جن کو زکوٰۃ دی جائے ان کو اس قسم کا مالک بنا دیا جائے۔ اس کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ نیز یہ سب شروط زکوٰۃ کے لئے ہیں نفلی صدقات کے لئے یہ قیدیں نہیں ہیں۔

منافقین کی چالاکیوں پر آنحضرت ﷺ کی خاموشی مروت اور حسن اخلاق کی وجہ سے تھی: .... آیت ومنهم الذين الخ کا یہ منشاء نہیں کہ منافقین کی سخن سازی کبھی بھی آپ پر مخفی نہیں رہی۔ بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ ہمیشہ آپ کی خاموشی کی وجہ یہ نہیں ہوتی۔ چنانچہ آیت ولتعرفنهم فی لحن القول الخ نازل ہونے کے بعد تو پھر ہمیشہ کے لئے ان کا پول کھل گیا تھا اور مومن کی بات کی تصدیق کرنا بلحاظ اس کے ایمان و اخلاص کے مراد ہے جن میں شرائط عدالت بھی آجاتی ہیں ورنہ ہر مومن کی ہر بات کا یقینی یا سچی ہونا ضروری نہیں ہے۔

رفع تعارض: .... آیت ویحلفون الخ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹی قسمیں کھانے سے منافقین کا مقصد صرف مسلمانوں کو خوش کرنا تھا آنحضرت ﷺ کی رضا مقصود نہیں تھی۔ لیکن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کو خوش رکھنے کے لئے آپ کے سامنے جھوٹی قسمیں کھالیا کرتے تھے؟ جواب یہ ہے کہ آپ کے خوش ہونے کے دو پہلو ہیں ایک تو کسی کے درپے نہ ہونا اور دوسرے دل سے راضی ہو جانا۔ پہلی صورت میں آپ کی خوشنودی کو مسلمانوں کی خوشی قرار دیا گیا ہے اور روایت میں یہی مراد ہے اور دوسری صورت میں آپ کی خوشی اللہ کی رضا جیسی ہے اور آیت میں یہی مطلوب ہے۔

دین کے ساتھ جان بوجھ کر استہزاء کرنا بداعتقادی کے ساتھ ہو یا بداعتقادی کے بغیر کفر ہے اور اللہ و رسولؐ اور آیتوں کے ساتھ تمسخر کرنا ایک دوسرے کو لازم ہے۔

لطائف آیات: .... آیت ومنهم الذين يؤذون الخ میں آنحضرت ﷺ کی شان کریم کا بیان ہے۔

واذا الكريم اتيته بخديعة ... فرأيته فيما تروم يسارع

فاعلم بانک لم تخادع جاهلا ... ان الكريم لفضله متخادع

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ اَیْ مُتَشَابِهُوْنَ فِی الدِّیْنِ کَاَبْعَاضِ الشَّیْءِ الْوَاحِدِ **یَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ** الْکُفْرِ وَالْمَعَاصِیْ **وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ** الْاِیْمَانِ وَالطَّاعَةِ **وَیَقْبِضُوْنَ اَیْدِیَهُمْ** عَنِ الْاِنْفَاقِ فِی الطَّاعَةِ **نَسُوا اللّٰهَ** تَرَکُوْا طَاعَتَهٗ **فَنَسِیَهُمْ** تَرَکَهُمْ مِنْ لُطْفِهٖ **اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا هِیَ حَسْبُهُمْ** جَزَاءً وَعِقَابًا **وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ** اَبْعَدَهُمْ عَنْ رَحْمَتِهٖ **وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۶۸﴾** دَائِمٌ اَنْتُمْ اَیُّهَا الْمُنَافِقُوْنَ **كَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا** تَمَتَّعُوْا **بِخَلَاقِهِمْ** نَصِیْبِهِمْ مِنَ الدُّنْیَا **فَاسْتَمْتَعْتُمْ** اَیُّهَا الْمُنَافِقُوْنَ **بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ** فِی الْبَاطِلِ وَالطَّعْنِ فِی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **كَالَّذِیْ خَاضُوْا** اَیْ کَخَوْضِهِمْ **اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ یَاْتِهِمْ نَبَاُ** خَبَرُ **الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ** قَوْمِ هُوْدٍ **وَّثَمُوْدَ ۙ۬** قَوْمِ صَالِحٍ **وَقَوْمِ اِبْرٰهِیْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْیَنَ** قَوْمِ شُعَیْبٍ **وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ** قُرٰی قَوْمِ لُوْطٍ اَیْ اَهْلُهَا **اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ** بِالْمُعْجِزَاتِ فَکَذَّبُوْهُمْ فَاُهْلِکُوْا **فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ** بِاَنْ یُّعَذِّبَهُمْ بِغَیْرِ ذَنْبٍ **وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾** بِارْتِکَابِ الذُّنُوْبِ **وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۘ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ** لَا یُعْجِزُهٗ شَیْءٌ عَنْ اِنْجَازِ وَعْدِهٖ وَوَعِیْدِهٖ **حَكِیْمٌ ﴿۷۱﴾** لَا یَضَعُ شَیْئًا اِلَّا فِیْ مَحَلِّهٖ **وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ** اِقَامَةٍ **وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ** اَعْظَمُ مِنْ ذٰلِکَ کُلِّهٖ **ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۷۲﴾**

۱۵

ترجمہ: .... منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں (یعنی دین میں سب کا حال یکساں ہے جیسا کہ ایک چیز کے اجزاء کا حال یکساں ہوتا ہے) کہ برائی (کفر اور گناہ) کی تعلیم دیتے رہتے ہیں اور اچھی بات (ایمان وطاعت) سے روکتے ہیں اور (بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنے سے) اپنی مٹھیاں بند رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا (اس کی فرمانبرداری چھوڑ دی) نتیجہ یہ نکلا کہ یہ بھی اللہ کے حضور بھلا دیئے گئے (یعنی اپنی مہربانی سے انہوں نے نظر انداز کردیا) بلاشبہ یہ منافق بڑے ہی سرکش ہیں۔ منافق مردوں اور منافق عورتوں کے لئے اور کفر کرنے والوں کیلئے اللہ کی طرف سے دوزخ کی آگ کا وعدہ ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہی ان کے لئے بس کافی ہے (سزا اور عذاب کی رو سے) اللہ نے ان پر لعنت کی (انہیں اپنی رحمت سے دور کردیا) اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے (برقرار رہنے والا) تمہاری حالت (اے منافقو!) ان لوگوں کی سی ہے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں جو طاقت وقوت، مال واولاد کی کثرت میں تم سے بھی کہیں زیادہ تھے۔ پس ان کے حصہ میں جو کچھ دنیا کے فوائد آئے وہ برت گئے (کما

گئے) سوتم نے بھی (اے منافقو!) اپنے حصہ کا فائدہ اسی طرح برت لیا جس طرح انہوں نے برتا تھا اور جس طرح وہ کر گئے (بری باتوں میں گھسے تھے) تم نے بھی کرلیں (برائیوں میں اور نبی کریم ﷺ پر طعن کرنے میں گھسے رہے) یہی لوگ تھے جن کے سارے کام دنیا و آخرت میں اکارت گئے اور یہی ہیں گھاٹے ٹوٹے میں رہنے والے کیا انہیں ان لوگوں کی خبر (اطلاع) نہیں پہنچی جو ان سے پہلے ہوئے ہیں جیسے قوم نوح اور عاد (قوم ہود) اور ثمود (قوم صالح) اور قوم ابراہیم اور اہل مدین (قوم شعیب) اور وہ جن کی بستیاں الٹ دی گئی تھیں (یعنی قوم لوط کی بستیاں مراد وہاں کے باشندے ہیں) ان سب کے رسول ان کے پاس روشن دلیلوں کے ساتھ آئے تھے (معجزات لے کر لیکن لوگوں نے جھٹلایا۔ اس لئے تباہ کردیئے گئے) سو اللہ نے تو ان پر ظلم کیا (کہ انہیں بلاقصور سزا دے دی ہو) بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے (نافرمانیاں کرکے) اور مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ ضرور رحمت کریں گے یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہیں (انہیں ان کے وعدہ یا وعید پورا کرنے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی) اور حکمت رکھنے والے ہیں (کوئی کام بے محل نہیں کرتے) مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے اللہ کی طرف سے ایسے باغوں کا وعدہ ہے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نفیس مکانوں کا جو ان دائمی باغوں میں ہوں گے (قیام کریں گے) اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ان سب سے بڑھ کر ہے (یعنی ان سب سے زیادہ بڑی نعمت ہے) یہ بڑی کامیابی ہے۔

تحقیق وترکیب:............ **المنافقون و المنافقات** تقریباً تین سو (۳۰۰) مرد اور ایک سوستر (۱۷۰) عورتیں منافق تھیں۔

من بعض من اتصالیہ ہے۔ نسواء نسیان حقیقی پر بندوں کی مذمت جس طرح قابل اشکال ہے اسی طرح حقیقۃً اللہ کی طرف سے اس کی نسبت بھی مشکل ہے اسی لئے دونوں جگہ جلال محققؒ نے لازمی معنی ترک کے لئے ہیں۔ گویا مجاز مرسل ہے۔ **کالذین** یہ جار مجرور محذوف کی خبر ہے۔ مفسرؒ نے **انتم** اسی لئے مقدر مانا ہے **المؤتفکات ائتکاف** کے معنی اختلاف کے ہیں۔

وعدہ و وعیدہ ریف و نشر غیر مرتب ہے۔ عدن اس کے معنی دوام کے ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے مساکن طیبہ جنت عدن کے بارے میں پوچھا گیا آپؐ نے فرمایا **قصر من لولوء ۃ** اور اس "موتی محل" میں ستر (۷۰) مکان یاقوت سرخ کے ہوں گے، ہر مکان میں سبز زمرد کے ستر کمرے اور ہر کمرے میں ستر تخت اور ہر تخت پر ستر مختلف رنگ کے فرش اور ہر فرش پر حورعین اور دستر خوان نعمت ہوگا۔

رضوان تنوین تقلیل کی ہے۔ روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ جنتیوں سے پوچھیں گے۔ **ھل رضیتم**؟ عرض کیا جائے گا آپ نے ہر چیز عطا کی ہے پھر ہم کیسے راضی نہیں ہوں گے؟ کہا جائے گا کہ **انا اعطیکم افضل من ذالک** لوگ عرض کریں گے اور ان سے بڑھ کر کیا چیز ہوسکتی ہے؟ جواب مرحمت ہوگا **احل علیکم رضوانی فلا اسخط علیکم بعدہ ابدًا**.

ربط آیات:............ منافقین کے برے حالات کا تذکرہ چل رہا ہے۔ اسی سلسلہ میں ان کا باہمی گٹھ جوڑ اور پچھلے کفار سے ملے جلے حالات کا ہونا اور پھر ان برائیوں پر وعید اور پچھلے سزا یافتہ لوگوں کے حالات کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔ آیت **والمؤمنون الخ** میں ان کے بالمقابل مؤمنین کا ذکر ہے۔

﴿ تشریح ﴾:............ ان قوموں کی تفصیل آٹھویں پارہ کے اخیر میں گزر چکی ہے۔ البتہ قوم ابراہیم کا واقعہ یہ ہوا کہ نمرود مردود کے دماغ میں ایک مچھر گھس گیا تھا جس کی وجہ سے اس کا حال یہ ہوگیا تھا کہ اس کے سر پر اگر مار پڑتی رہتی تو قدرے سکون رہتا ورنہ مضطرب رہتا اسی عذاب الٰہی میں گرفتار رہا۔ اس نے عالی شان عمارت بھی بنائی تھی جس کے اچانک گر جانے سے قوم کے بہت سے لوگ دب کر مر گئے تھے۔

لطائف آیات: .... آیت رضوان من اللہ اکبر سے معلوم ہوا کہ دین ودنیا کی تمام سعادتوں اور کرامتوں اور خود جنت کا اصل سرچشمہ رضاء الٰہی ہی ہے اور عشاق کا انتہائی مقصد بھی یہی رضاء باری ہوتی ہے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ بِالسَّيْفِ **وَالْمُنٰفِقِيْنَ** بِاللِّسَانِ وَالْحُجَّةِ **وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ** بِالْاِنْتِهَارِ وَالْمَقْتِ **وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ** ﴿۷۳﴾ اَلْمَرْجِعُ هِيَ **يَحْلِفُوْنَ** اَيِ الْمُنَافِقُوْنَ **بِاللّٰهِ مَاقَالُوْا** مَا بَلَغَكَ عَنْهُمْ مِنَ السَّبِّ **وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ** اَظْهَرُوا الْكُفْرَ بَعْدَ اِظْهَارِ الْاِسْلَامِ **وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا** مِنَ الْفَتْكِ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ عِنْدَ عَوْدِهِ مِنْ تَبُوْكَ وَهُمْ بِضْعَةَ عَشَرَ رَجُلًا فَضَرَبَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ وُجُوْهَ الرَّوَاحِلِ لِمَا غَشَّوْهُ فَرُدُّوْا **وَمَانَقَمُوْا** اَنْكَرُوْا **اِلَّا اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ** بِالْغَنَائِمِ بَعْدَ شِدَّةِ حَاجَتِهِمْ اَلْمَعْنٰى لَمْ يَنَلْهُمْ مِنْهُ اِلَّا هٰذَا وَلَيْسَ مِمَّا يُنْقَمُ **فَاِنْ يَّتُوْبُوْا** عَنِ النِّفَاقِ وَيُؤْمِنُوْا **يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا** عَنِ الْاِيْمَانِ **يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا** بِالْقَتْلِ **وَالْاٰخِرَةِ** بِالنَّارِ **وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ** يَحْفَظُهُمْ مِنْهُ **وَّلَانَصِيْرٍ** ﴿۷۴﴾ يَمْنَعُهُمْ **وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ** فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الصَّادِ **وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ** ﴿۷۵﴾ وَهُوَ ثَعْلَبَةُ بْنُ حَاطِبٍ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّدْعُوَلَهٗ اَنْ يَّرْزُقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَيُؤَدِّيَ مِنْهُ كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَدَعَالَهٗ فَوُسِّعَ عَلَيْهِ فَانْقَطَعَ عَنِ الْجُمُعَةِ وَالْجَمَاعَةِ وَمَنَعَ الزَّكٰوةَ كَمَا قَالَ تَعَالٰى **فَلَمَّا اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا** عَنْ طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى **وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ** ﴿۷۶﴾ **فَاَعْقَبَهُمْ** اَيْ فَصَيَّرَ عَاقِبَتَهُمْ **نِفَاقًا** ثَابِتًا **فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ** اَيِ اللّٰهَ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ **بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَاوَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ** ﴿۷۷﴾ فِيْهِ فَجَاءَ بَعْدَ ذٰلِكَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِزَكَاتِهٖ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ مَنَعَنِيْ اَنْ اَقْبَلَ مِنْكَ فَجَعَلَ يَحْثُو التُّرَابَ عَلٰى رَاْسِهٖ ثُمَّ جَاءَ بِهَا اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ فَلَمْ يَقْبَلْهَا ثُمَّ اِلٰى عُمَرَ فَلَمْ يَقْبَلْهَا ثُمَّ اِلٰى عُثْمَانَ فَلَمْ يَقْبَلْهَا ثُمَّ مَاتَ فِيْ زَمَانِهٖ **اَلَمْ يَعْلَمُوْا** اَيِ الْمُنَافِقُوْنَ **اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ** مَا اَسَرُّوْهُ فِيْ اَنْفُسِهِمْ **وَنَجْوٰهُمْ** مَاتَنَاجَوْا بِهٖ بَيْنَهُمْ **وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ** ﴿۷۸﴾ مَاغَابَ عَنِ الْعِيَانِ وَلَمَّا نَزَلَتْ اٰيَةُ الصَّدَقَةِ جَاءَ رَجُلٌ فَتَصَدَّقَ بِشَيْءٍ كَثِيْرٍ فَقَالَ الْمُنَافِقُوْنَ مُرَاءٍ وَجَاءَ رَجُلٌ فَتَصَدَّقَ بِصَاعٍ فَقَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنْ صَدَقَةِ هٰذَا فَنَزَلَ **اَلَّذِيْنَ** مُبْتَدَاٌ **يَلْمِزُوْنَ** يَعِيْبُوْنَ **الْمُطَّوِّعِيْنَ** الْمُتَنَفِّلِيْنَ **مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ** طَاقَتَهُمْ فَيَاْتُوْنَ بِهٖ **فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ** وَالْخَبَرُ **سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ** جَازَاهُمْ عَلٰى سُخْرِيَّتِهِمْ **وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿۷۹﴾ **اِسْتَغْفِرْ** يَا مُحَمَّدُ **لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ**

تَخْيِيْرٌ لَهُ فِي الْإِسْتِغْفَارِ وَتَرْكِهِ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ خُيِّرْتُ فَاخْتَرْتُ يَعْنِي الْإِسْتِغْفَارَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ **إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ** قِيْلَ الْمُرَادُ بِالسَّبْعِيْنَ الْمُبَالَغَةُ فِي كَثْرَةِ الْإِسْتِغْفَارِ وَفِي الْبُخَارِيِّ حَدِيْثُ لَوْ أَعْلَمُ أَنِّيْ لَوْ زِدْتُّ عَلَى السَّبْعِيْنَ غُفِرَ لَزِدْتُّ عَلَيْهَا وَقِيْلَ الْمُرَادُ الْعَدَدُ الْمَخْصُوْصُ لِحَدِيْثِهِ أَيْضًا وَسَأَزِيْدُ عَلَى السَّبْعِيْنَ فَبُيِّنَ لَهُ حَسْمُ الْمَغْفِرَةِ بِآيَةِ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ **ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴿۸۰﴾**

۱۰ ع ۸ ۱۶

ترجمہ: .... اے نبیؐ! کفار سے (تلوار کے ذریعہ) جہاد کیجئے اور منافقین سے (زبان اور دلیل کے ذریعہ) جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے (جھڑکی دے کر اور خفا ہو کر) بالآخر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے (وہ ٹھکانہ) یہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں (یعنی منافقین) کہ ہم نے کچھ نہیں کیا (یعنی جو گالی آپ کو ہماری طرف سے پہنچائی گئی ہے) اور واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے ضرور کفر کی بات کہی ہے اور وہ اسلام قبول کر کے پھر کفر کی چال چلے (اسلام ظاہر کرنے کے بعد کفر ظاہر کرنے لگے) اور ایسی بات کا منصوبہ باندھا جو ان کے ہاتھ نہ لگی (یعنی تبوک سے واپسی کے وقت عقبہ کی رات۔ آنحضرت ﷺ کے قتل کی اسکیم بنائی یہ لوگ دس سے اوپر تھے جب یہ لوگ ڈھاٹیں باندھ کر آپؐ پر ہجوم کر آئے تو عمار بن یاسرؓ نے، ر مار کر ان کی سواریوں کے منہ پھیر دیئے اور انہیں ہٹادیا) اور یہ انہوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا ہے کہ انہیں اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے رزق خداوندی سے مالا مال کر دیا (مال غنیمت دے کر حالانکہ یہ محتاج تھے حاصل یہ ہے کہ ان کی طرف سے یہ صلہ ملا ہے حالانکہ یہ انتقام کی بات نہیں تھی) بہرحال اگر یہ لوگ ابھی باز آجائیں (نفاق سے اور ایمان لے آئیں) تو ان کے لئے بہتر ہے اور اگر انہوں نے گردن موڑی (ایمان لانے سے) تو پھر یاد رکھیں اللہ ضرور انہیں دنیا میں (قتل کے ذریعہ) اور آخرت میں (جہنم کی آگ کے ذریعہ) دردناک عذاب دیں گے اور روئے زمین پر نہ ان کا کوئی کارساز ہوگا (کہ وہ ان کی حفاظت کر سکے) اور نہ کوئی مددگار ہوگا (کہ روک سکے) اور ان منافقین میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خوب خیرات کریں گے (دراصل اس میں تا کا صاد میں ادغام ہو رہا ہے) اور خوب نیک کام کیا کریں گے (اس سے مراد ثعلبہ بن حاطب ہے جس نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ میرے مال و دولت کی دعا کر دیں میں اس میں سے اس کے سب حقوق ادا کروں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے حق میں دعا فرمائی جس کی برکت سے وہ مالدار ہو گیا لیکن اس کا جمعہ اور جماعت بھی چھوٹ گئے اور زکوٰۃ دینے سے بھی بھاگ گیا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) پھر جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمادیا تو وہ اس میں کنجوسی کرنے لگے اور اپنے عہد سے پھر گئے (اللہ کی اطاعت کرنے سے) اور وہ تو اس بدعہدی کے عادی ہیں پس اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دلوں میں نفاق پیدا ہو گیا (یعنی ان کی سزا میں اللہ نے ایسا کر دیا) دائمی (جب تک اللہ کے پاس حاضر ہوں قیامت کا دن مراد ہے) اور یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا نہیں کیا اور اس وجہ سے کہ یہ جھوٹ بولتے تھے (اس سلسلہ میں چنانچہ اس کے بعد پھر جب وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا اللہ نے مجھے اس کے لینے سے منع فرمادیا ہے پس پھر تو وہ اپنے سر پر دو ہتھڑ مارتا ہوا چلا گیا۔ اس کے بعد صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں پھر آیا مگر انہوں نے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا اس کے بعد فاروق اعظمؓ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا انہوں نے بھی ٹھکرادی، حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں بھی آیا مگر انہوں نے بھی رد فرمادیا، پھر ان ہی کے زمانہ میں یہ شخص مر گیا) کیا انہیں (منافقین کو) پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کا راز (جو کچھ اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہیں) اور ان کی سرگوشی (جو کچھ آپس میں چپکے چپکے کرتے ہیں) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ غیب کی تمام باتوں کو خوب جانتے ہیں (جو نگاہوں سے اوجھل ہوں، صدقہ کے سلسلہ میں جب حکم

نازل ہوا تو ایک صحابی بہت سا صدقہ لے کر حاضر خدمت ہوئے لیکن منافقین کہنے لگے یہ شخص ریا کار ہے اس کے بعد ایک دوسرے صحابیؓ ایک صاع کھجور صدقہ کی لے کر حاضر خدمت ہوئے تو منافق بولے کہ اللہ کو اتنے صدقہ کی ضرورت نہیں اس پر اگلی آیات نازل ہوئیں) یہ ایسے ہیں (مبتداء ہے) کہ عیب لگاتے ہیں (طعن کرتے ہیں) نفلی صدقہ دینے والے مسلمانوں پر اور ان مومنین پر بھی جنہیں اپنی محنت ومشقت کی کمائی کے سوا اور کچھ میسر نہیں (اسی کو لے کر وہ حاضر ہو جاتے ہیں) چنانچہ ان سے بھی تمسخر کرتے ہیں (آگے مبتداء کی خبر ہے) اللہ تعالیٰ انہیں اس تمسخر کا بدلہ دیں گے (ان کے مذاق کی سزا انہیں ملے گی) اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (اے محمدؐ!) آپؐ ان کے لئے مغفرت کی دعا کریں یا نہ کریں (آپؐ کو استغفار کرنے نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ چونکہ مجھے اختیار دیا گیا ہے اس لئے میں استغفار کو اختیار کرتا ہوں۔ بخاری) تم ستر دفعہ بھی ان کے لئے مغفرت کی اگر دعا کرو گے جب بھی اللہ انہیں کبھی نہیں بخشے گا (بعض کی رائے میں ستر کے عدد سے مراد کثرت استغفار میں مبالغہ کرنا ہے اور بخاری کی روایت ہے کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ ستر مرتبہ سے زیادہ دعائے مغفرت کرنے سے ان کی نجات ہو سکتی تو میں زیادہ بڑھانے کے لئے بھی تیار ہوں لیکن بعض کے نزدیک خاص یہ عدد ہی مراد ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ میں ستر مرتبہ سے زیادہ کر دوں گا لیکن اللہ نے آیت **سواء علیهم استغفرت لهم ام لم تستغفر لهم** میں آپؐ کو ان کی بخشش کا قطعی طریقہ پر نہ ہونا بتلا دیا ہے) یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ کفر کیا اور اللہ ایسے سرکش لوگوں کو کبھی ہدایت نہیں دیا کرتے۔

تحقیق وترکیب: .... **وماوٰهم** یہ واو حالیہ ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی **اغلظ علیهم فی حال استحقاقهم جهنم** دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ واو کا مدخول فعل محذوف ہو۔ای **واعلم ان ماواهم جهنم**. تیسری صورت یہ ہے کہ کلام کو معنی پر محمول کرتے ہوئے کہا جائے کہ **قد اجتمع لهم عذاب الدنیا بالجهاد والغطة عذاب الاخرة** لیکن ان سب تکلفات سے بہتر یہ ہے کہ جملہ مستانفہ قرار دے دیا جائے۔

کلمة الکفر چنانچہ عبداللہ بن ابی نے تو یہ الفاظ کہے تھے **لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الاعزمنها الاذل** اور جلاس بن سوید نے کہا تھا **ان کان محمد صادقا فیما یقول فنحن اشر من الحمیر**.

اظهروا یعنی یہ منافق حقیقۃً مومن نہیں ہوئے تھے بلکہ اظہار ایمان مراد لیا۔ **لیلة العقبة** تبوک کے راستہ میں گھاٹی پر جس رات میں یہ واقعہ پیش آیا وہ مراد ہے۔ **بضعة عشر** بارہ یا چودہ یا پندرہ تھے۔

وما نقموا چنانچہ آنحضرت ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری سے پہلے یہ لوگ ٹکڑے تک کو محتاج تھے لیکن مال غنیمت سے ان کی کایا پلٹ گئی تو بجائے اطاعت کے اسلام کی بیخ کنی میں لگ گئے۔

الا ان اغناهم یہ استثناء مفرغ ہے۔ **لنصدقن** یہ جواب قسم ہے اور جواب شرط محذوف ہے اس میں لام جواب قسم کے لئے ہے۔ ثعلبہ ایک شخص کے لئے ضمیر جمع استعمال کرنا اس لئے ہے کہ اس طرح کے سب لوگ اس میں داخل ہو جائیں۔ جب زکوٰۃ دینے کا وقت آیا تو کہنے لگا کہ زکوٰۃ اور جزیہ میں کیا فرق ہے؟

فتصدق بشیٔ کثیر عبدالرحمٰن بن عوفؓ مراد ہیں جو آٹھ ہزار روپیہ میں سے چار ہزار کی رقم صدقہ کے لئے لائے۔

فتصدق له الخ ابوعقیل انصاریؓ مراد ہیں جو ایک غریب مزدور تھے دو صاع کھجوروں میں سے ایک صاع لے کر حاضر خدمت ہو گئے۔ **استغفر** یہ کلام امر کی صورت میں واقع ہو گیا۔ لیکن مراد یہ ہے کہ **استغفارک لهم وعدمه سواء**. دونوں صورتوں کو یکسانیت میں مبالغہ کے لئے امر کا صیغہ لایا گیا ہے۔ **سبعین مرة** اس سے تحدید مقصود نہیں ہوتی بلکہ محاورہ میں تکثیر کے لئے ہوتا ہے۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات کی طرح ان آیات **یاایها النبی الخ** میں بھی کفار ومنافقین سے سنانی اور لسانی جہاد کا

حکم دیا جا رہا ہے اور اخروی سزا کی اطلاع مزید برآں ہے اس کے بعد آیت یحلفون الخ میں احسان کے بدلہ میں منافقین کی ناشکری کا ذکر ہے۔ پھر اسی کی تائید میں آیت ومنهم من عاهد الله الخ سے ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور پھر اس کے دو مخلص مسلمان جماعتوں کے ایثار مالی کے واقعات کو اپنی منافقانہ آنکھ سے دیکھ کر ان پر طعن کرنے کا ذکر اور اس کا جواب ہے اور آگے آیت استغفر لخ سے ان کے قصوروں کے ناقابل معافی ہونے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔

شانِ نزول: .... تبوک کی واپسی پر آپ ایک گھاٹی سے گزر رہے تھے کہ بارہ (۱۲) یا چودہ (۱۴) منافقین نے مل کر آپ کو کسی کھڈ میں دھکیل کر قتل کر دینے کی سازش کی اور اسکیم کو بروئے کار لانے کے لئے ڈھاٹیں باندھ کر اور تیار ہو کر آگے بڑھے۔ آنحضرت ﷺ اونٹنی پر سوار سوئے ہوئے تھے اور عمار بن یاسرؓ اور حذیفہؓ مہار اور رکاب تھامے ہوئے چلے جا رہے تھے کہ انہوں نے خطرے کے کلمات سن کر آپ کو بیدار کیا اور پھر آپ کے ایماء سے حملہ آوروں کو ایسی ڈانٹ بتائی اور آنحضرت ﷺ نے بھی ایسا للکارا کہ انہیں بھاگتے ہی بن پڑی۔ آنحضرت ﷺ نے حذیفہؓ سے پوچھا کہ تم نے انہیں پہچانا بھی ہے؟

عرض کیا نہیں فرمایا فلاں فلاں تھے؟ نام بنام سب کو بتلا دیا منزل پر پہنچ کر آپ نے بلا کر ان سے مواخذہ فرمایا لیکن سب صاف مکر گئے اور جھوٹی قسمیں کھا بیٹھے کہ نہ ایسا مشورہ ہوا اور نہ ایسا ارادہ ہوا۔ حالانکہ بعض کی مالی اعانت بھی آپ نے فرمائی تھی۔ چنانچہ جلاس بن سوید کا ایک بڑا قرضہ آپ نے چکایا تھا اور یوں بھی مدینہ طیبہ میں آپ کی تشریف آوری سے قبل اکثر لوگ افلاس کے مارے ہوئے تھے لیکن غنائم کی کثرت سے انہوں نے کینچلی ہی بدل لی تھی۔ غرضکہ اس سلسلہ میں آیت یحلفون الخ نازل ہوئی جس کے بعد جلاسؓ نے صدق دل سے ایمان قبول کیا تھا۔

آیت ومنهم من عهد الله الخ کے شان نزول کی طرف جلال محقق خود اشارہ کر رہے ہیں۔

آیت الذین یلمزون الخ عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور ابوعقیل انصاریؓ کے متعلق منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اول نے چار ہزار درھم خیرات کیا، تب بھی منافقین نے اعتراض کیا اور دوسرے نے ایک صاع کھجوریں پیش کیں تب بھی ان بے ایمانوں نے معاف نہ کیا۔

﴿تشریح﴾: .... **ایمان سے نورانیت اور کفر سے ظلمت بڑھتی ہے:** .... ومانقموا الخ محاورہ کے لحاظ سے ایسا ہی ہے جیسے ہماری بول چال میں کہہ دیا جاتا ہے کہ ”بس مجھ سے یہ خطا ہوگئی کہ وقت پر تمہارے کام آ گیا“ یہ تاکید الشئ بخلافہ کہلاتی ہے اور اعقبهم کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح طاعت سے ایمان کی نورانیت بڑھتی ہے اسی طرح گناہوں سے کفر کی ظلمت بڑھ جاتی ہے پس وعدہ خلافی اور جھوٹ سے ان کے کفر میں جس کی طرف هم معرضون سے اشارہ ہو رہا ہے اضافہ ہو گیا۔ جس کا مبتداء مرتے دم تک کر دیا گیا ہے۔ جس کے لئے جہنم لازم ہے پس اصل سزا گویا دائمی جہنم ہوئی۔

ثعلبہ کا واویلا کرنا توبہ نہیں تھا: .... پھر بعد میں ثعلبہ کا زکوٰۃ لے کر حاضر ہونا اور قبول نہ کرنے پر واویلا کر مچانا بر بنائے اخلاص نہ تھا بلکہ بدنامی اور عار سے بچنے کے لئے تھا کیونکہ لفظ اعقبهم سے جب اس کے کفر کا دائمی ہونا معلوم ہو رہا ہے پھر احتمال اخلاص کہاں رہا اور بہت ممکن ہے کہ قبول کرنے کو منع کرنے سے آنحضرت کی یہی مراد ہو کہ چونکہ صدقہ قبول کرنے کیلئے ایمان شرط ہے اور نص سے اس شرط کی نفی ہو رہی ہے پھر مشروط کیسے صحیح ہوگا۔ اور عجب نہیں کہ الم یعلموا میں اسی طرف اشارہ ہو کہ کیا اس زکوٰۃ لانے والے کو اس کا پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ دل کا حال جانتے ہیں جب دل میں ایمان نہیں تو صدقہ کیسے قبول کیا جائے۔ باقی اگر اخلاص ہوتو وہ خود بھی مساکین کو صدقہ دے سکتا تھا لیکن اس کا از خود ادا کرنا کہیں منقول نہیں۔ یہ بھی خلوص نہ ہونے کی دلیل ہے اور جب آنحضرت ﷺ

نے اس کی زکوٰۃ کو ٹھکرا دیا تو ظاہر ہے کہ خلفاءؓ کیسے قبول کر سکتے تھے۔

اور لفظ اعقبھم میں ضمیر کی جمع کا تقاضا بظاہر اگر چہ یہ ہے کہ اور منافقین کی زکوٰۃ بھی ٹھکرا دی جاتی لیکن ممکن ہے کہ اوروں کی تعیین نہ ہو یا بانی کار ہونے کی وجہ سے ثعلبہ کی تخصیص پیش نظر ہو جیسا کہ بعض احکام نصوص بھی ہو جایا کرتے تھے اس لئے دوسروں کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کیا گیا ہو اور آنحضرت ﷺ کے بعد چونکہ کسی کا چھپا ہوا کفر یقینی نہیں اس لئے اب اسلام ظاہر کرنے والے کے ساتھ مسلمان ہی کا سا برتاؤ کیا جائے گا۔

تمسخر سے چونکہ زیادہ دل دُکھتا ہے اس لئے اس کے واقع ہونے اور سزا میں دونوں جگہ خصوصیت ہے اس کو ذکر کیا گیا ہے نیز یہاں نفلی صدقہ کی تخصیص واقعہ کے لحاظ سے ہے ورنہ فرضی صدقہ (زکوٰۃ) میں بھی تمسخر کی سزا ہوگی بلکہ بدرجۂ اولیٰ کیونکہ فرض نفل سے بڑھ کر ہوتا ہے۔

لطائف آیات:............ آیت ومنھم من عاھد اللہ الخ سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی حالت بھی اسی طرح ہوتی ہے جن میں ذوقِ محبت تو ہوتا نہیں لیکن خود کو اونچے مقامات پر سمجھ جاتے ہیں اور جب امتحان کا وقت آتا ہے تو آزمائش میں پورے نہیں اترتے۔ آیت الذین یلمزون الخ سے معلوم ہوا کہ منکرین اولیاء کا حال بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ اہل اللہ کے ہر کام اور ہر حال پر نکتہ چینی اور عیب گیری کرتے ہیں۔ خواہ بڑے درجہ کا ہو یا چھوٹے درجہ کا۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ عَنْ تَبُوْكَ **بِمَقْعَدِهِمْ** بِقُعُوْدِهِمْ **خِلٰفَ** اَیْ بَعْدَ **رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا** اَیْ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ **لَا تَنْفِرُوْا** لَا تَخْرُجُوْا اِلَی الْجِهَادِ **فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ** مِنْ تَبُوْكَ فَالْاَوْلٰی اَنْ تَتَّقُوْهَا بِتَرْكِ التَّخَلُّفِ **لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾** يَعْلَمُوْنَ ذٰلِكَ مَاتَخَلَّفُوْا **فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا** فِي الدُّنْيَا **وَّلْيَبْكُوْا** فِي الْاٰخِرَةِ **كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾** خَبْرٌ عَنْ حَالِهِمْ بِصِيْغَةِ الْاَمْرِ **فَاِنْ رَّجَعَكَ** رَدَّكَ **اللّٰهُ** مِنْ تَبُوْكَ **اِلٰى طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ** مِمَّنْ تَخَلَّفَ بِالْمَدِيْنَةِ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ **فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ** مَعَكَ اِلٰی غَزْوَةٍ اُخْرٰی **فَقُلْ** لَهُمْ **لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ** الْمُتَخَلِّفِيْنَ عَنِ الْغَزْوِ مِنَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَغَيْرِهِمْ وَلَمَّا صَلَّی النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی ابْنِ اُبَيٍّ نَزَلَ **وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓي اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰي قَبْرِهٖ ۭ** لِدَفْنٍ اَوْ زِيَارَةٍ **اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾** كَافِرُوْنَ **وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ** تَخْرُجَ **اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ** اَیْ طَائِفَةٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ **اَنْ** اَیْ بِاَنْ **اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ** ذَوُوا الْغِنٰی **مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ** جَمْعُ خَالِفَةٍ اَیِ النِّسَاءِ اللَّاتِیْ تَخَلَّفْنَ فِی الْبُیُوْتِ **وَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾** الْخَيْرَ **لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ**

اٰمَنُوْا مَعَهٗ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الذَّالِ اَيِ الْمُعْتَذِرُوْنَ بِمَعْنَى الْمَعْذُوْرِيْنَ وَقُرِئَ بِهٖ مِنَ الْاَعْرَابِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ فِي الْقُعُوْدِ لِعُذْرِهِمْ فَاَذِنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ فِي ادِّعَاءِ الْاِيْمَانِ مِنْ مُنَافِقِي الْاَعْرَابِ عَنِ الْمَجِيْءِ لِلْاِعْتِذَارِ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ كَالشُّيُوْخِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى كَالْعُمْيِ وَالزَّمْنٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ فِي الْجِهَادِ حَرَجٌ اِثْمٌ فِي التَّخَلُّفِ عَنْهُ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ فِيْ حَالِ قُعُوْدِهِمْ بِعَدَمِ الْاِرْجَافِ وَالتَّثْبِيْطِ وَالطَّاعَةِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ بِذٰلِكَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ طَرِيْقٍ بِالْمُؤَاخَذَةِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ لَهُمْ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ بِهِمْ فِي التَّوْسِعَةِ فِي ذٰلِكَ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ مَعَكَ اِلَى الْغَزْوِ وَهُمْ سَبْعَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ وَقِيْلَ بَنُوْ مُقَرِّنٍ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ حَالٌ تَوَلَّوْا جَوَابُ اِذَا اَيْ اِنْصَرَفُوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ تَسِيْلُ مِنَ لِلْبَيَانِ الدَّمْعِ حَزَنًا لِاَجْلِ اَنْ لَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فِي الْجِهَادِ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ فِي التَّخَلُّفِ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾ تَقَدَّمَ مِثْلُهٗ

ترجمہ:.......... جو منافق (تبوک میں جانے سے) پیچھے چھوڑ دیئے گئے وہ اس بات پر خوش ہیں کہ اللہ کے رسول کی خواہش کے خلاف (آپ کے تشریف لے جانے کے بعد) اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں اور انہیں یہ بات ناگوار ہوئی کہ اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ انہوں نے لوگوں سے کہا تھا (یعنی آپس میں ایک دوسرے سے) کہ تم ایسی گرمی میں مت نکلو، تم کہو! کہ دوزخ کی آگ کی گرمی تو کہیں زیادہ گرم ہوگی (تبوک کی گرمی سے اس لئے پہلے تو اس سے بچنا چاہئے جہاد میں شریک ہوکر) کیا خوب ہوتا اگر وہ سمجھتے (اسے جانتے تو پیچھے نہ رہ جاتے) اچھا یہ (دنیا میں) تھوڑا سا ہنس لیں۔ پھر انہیں (آخرت میں) اپنی ان بدعملیوں کی پاداش میں بہت کچھ رونا ہے، جو یہ کماتے رہے ہیں (امر کے صیغہ سے یہ ان کے حال کی اطلاع ہے) پس اگر اللہ نے آپ کو ان کے کسی گروہ کی طرف (تبوک سے) واپس کردیا (مدینہ میں رہ جانے والے منافقین کی طرف) اور پھر یہ لوگ (کسی دوسرے غزوہ میں آپ کے ساتھ) چلنے کی اجازت مانگیں تو (ان سے) کہہ دینا تم کبھی بھی میرے ساتھ نہ چلو اور نہ کبھی میرے ہمراہ ہوکر دشمن سے لڑو۔ تم نے پہلے ہی بیٹھے رہنا پسند کیا تو اب بھی ان لوگوں کے ساتھ جو پیچھے رہ جانے کے لائق ہیں بیٹھے رہو (جو لوگ شریک جہاد نہیں ہوئے عورتیں بچے وغیرہ۔ آنحضرت ﷺ نے جب عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھی تو یہ آیت نازل ہوئی) اور ان میں سے کوئی مرجائے تو آپ کبھی اس کے جنازہ پر نماز نہ پڑھیئے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوجیئے۔ کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ نافرمانی (کفر) کی حالت میں مرے ہیں اور ان کے مال و اولاد تمہارے لئے باعث تعجب نہیں ہونے چاہئیں کیونکہ اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ انہیں ان چیزوں کی وجہ سے دنیا میں مبتلائے عذاب رکھا جائے اور ان کا دم کفر ہی کی حالت

میں نکل جائے اور جب بھی کوئی سورت (قرآن کا کچھ حصہ) اس بارے میں اترتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ جہاد کرو تو ان میں سے مقدور والے (مالدار) آپؐ سے رخصت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں اجازت دے دیجئے کہ ہم بھی یہاں ٹھہرنے والوں کے ساتھ رہ جائیں۔ یہ لوگ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر خوش ہیں (خوالف خالفۃ کی جمع ہے یعنی گھروں میں بیٹھ رہنے والی مستورات) اور ان کے دلوں پر مہر لگ گئی پس یہ سمجھتے ہی نہیں (بھلائی کو) ہاں مگر اللہ کے رسولؐ نے اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے جہاد کیا۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے (دنیا وآخرت میں) خوبیاں ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر دیئے ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں یہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ ہے بہت بڑی فیروزمندی اور کچھ بہانہ باز لوگ آئے ہیں (دراصل اس لفظ میں تا کا ادغام ذال ہورہا ہے یعنی معتذرون جس کے معنی معذورین کے ہیں۔ بلکہ ایک قرأت میں یہی لفظ آیا ہے) دیہاتیوں میں سے (آنحضرت ﷺ کی خدمت میں) تاکہ انہیں اجازت مل جائے (کسی بہانہ سے بیٹھ رہنے کی۔ چنانچہ انہیں اجازت مل گئی) اور جنہوں نے اللہ و رسول سے بالکل ہی جھوٹ بولا تھا وہ بالکل ہی گھروں میں بیٹھ رہے (دیہاتی منافقین میں سے جو لوگ دعویٰ ایمان میں جھوٹے ہیں وہ جھوٹ سے بھی عذر کرنے نہیں آئے) سو ان میں سے جو کافر بنے رہیں گے انہیں دردناک عذاب ہوگا۔ ناتوانوں پر (جیسے بڑھے لوگ) بیماروں پر (جیسے اندھے اور اپاہج لوگ) اور ایسے لوگوں پر جنہیں (جہاد میں) خرچ کرنے کے لئے کچھ میسر نہیں، کچھ گناہ نہیں ہے (جہاد میں نہ جانے کا کچھ گناہ نہیں) بشرطیکہ اللہ و رسول کی خیر خواہی میں کوشاں رہیں (گھر رہنے کی صورت میں فتنہ پردازی اور شرکت جہاد سے لوگوں کو باز رکھنے میں نہ لگے رہیں۔ بلکہ اطاعت کرتے رہیں) ان نیکوں کاروں پر کسی قسم کا الزام نہیں (اس بارے میں ان کو سہولت و آسانی بہم پہنچادی) اور ان لوگوں پر بھی کچھ گناہ نہیں ہے کہ جو آپؐ کے پاس اس لئے آئے کہ آپؐ انہیں کوئی سواری دے دیں۔ (تاکہ وہ آپؐ کے ہمراہ غزوہ میں شریک ہوجائیں یہ سات انصاری تھے اور بعض کہتے ہیں بنو مقرن تھے) اور آپؐ نے فرمادیا کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں جو تمہیں سواری کے لئے دے دوں تو وہ اس حال میں واپس ہوئے (اذا کا جواب ہے یعنی لوٹ گئے) کہ ان کی آنکھیں اشک بار ہو رہی تھیں (آنسو بہہ رہے تھے من بیانیہ ہے) اس غم میں (اس لئے) کہ افسوس ہمیں کچھ میسر نہیں کہ اس راہ (جہاد) میں خرچ کرسکیں پس الزام تو دراصل ان لوگوں پر ہے جو مالدار ہونے کے باوجود (نہ جانے کی) اجازت مانگتے ہیں وہ لوگ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہوگئے اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے جس سے وہ کچھ جانتے بوجھتے ہی نہیں (پہلے بھی اسی طرح کی آیت گزر چکی ہے)

تحقیق وترکیب: ....**المخلفون** یہ بارہ شخص تھے۔ خلاف اس کے معنی جلال مفسرؒ نے بعد کے کئے ہیں۔ کہا جاتا ہے اقام زید **خلاف الحی** یعنی ان کے جانے کے بعد کھڑا ہوا۔ چنانچہ ابوحیوۃ کی قرأت خلف رسول اللہ بھی اس کی تائید کرتی ہے پس یہ منصوب علی الظرف فیہ ہوگا۔ اخفش اور ابوعبیدہ بھی کہتے ہیں کہ خلاف بمعنی خلف آتا ہے اور زجاج اور طبری کی رائے میں اس کے معنی مخالفت کے ہیں پس یہ منصوب بنا بر علت کے ہوگا۔

لوکانو یفقھون مفسر علام نے ماتخلفوا کہہ کر اس کی جزاء کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بصیغۃ الامر اس کے وقوع کے قطعی ہونے کے لئے امر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے **من المنافقین** یہ قید اس لئے لگائی کہ اس سے مدینہ میں رہنے والے غیر منافقین نکل جائیں۔ **ولما صلی عبداللہ** بن ابی کے بیٹے عبداللہؓ کی درخواست پر جو ایک مخلص مسلمان تھے آپؐ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنا پیراہن مبارک اس کے کفن کے لئے بھی مرحمت فرمایا۔

ولا تعجل اس سے پہلے کی آیت میں یہ لفظ فا کے ساتھ آیا ہے ماقبل سے تعلق کی وجہ سے برخلاف یہاں کے، اس لئے یہاں واؤ کے ساتھ لایا گیا ہے نیز پہلے لفظ لا لایا گیا ہے اولاد کی مستقل نفی کرنے کیلئے اور یہاں نہیں لایا گیا ہے مال واولاد کو یکساں قرار دینے

کے لئے نیز وہاں لیعذبھم اور یہاں ان یعذبھم کہا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ لام بمعنی ان ہے لام تعلیلیہ نہیں ہے۔ نیز وہاں لفظ حیوٰۃ لایا گیا ہے اور یہاں نہیں لایا گیا تا کہ دنیا کی دناءت اور نا قابل ذکر ہونے کی طرف اشارہ ہو جائے اور یہاں کـافـرون کہا گیا اور وہاں کارھون بولا گیا ہے تا کہ اشارہ ہو جائے کہ کفر کی وجہ سے انہیں دنیا ہی میں اپنا انجام چونکہ معلوم ہے اس لئے موت سے کراہیت کرتے ہیں برخلاف مومن کے کہ وہ دنیا سے غافل اور آخرت کی طرف راغب ہوتا ہے۔

سورۃ مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ پوری سورت مراد نہیں ہے بلکہ عام معنی ہیں کم ہو یا زیادہ۔

ان ای بان تقدیر با سے اشارہ کر دیا۔ ان مصدریہ ہونے کی طرف اور ان مفسرہ بھی ہوسکتا ہے۔

الخیرات بعض نے اس کے معنی حور کے لئے ہیں۔

من الاعراب شہری منافقین کے بعد دیہاتی منافقین کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ یہ قبیلہ اسد وغطفان کے آدمی تھے اور بعض نے عامر بن طفیل کے لوگوں کو کہا ہے۔ ولا عـلـی الـذیـن قبیلہ جھینہ اور حزینہ اور بنی عذرہ کے لوگ مراد ہیں۔ بـعـدم الارجاف بولتے ہیں ارجف القوم فتنہ اور شرارت کے کام میں قوم گھسی اور تثبیط کے معنی میں جہادی مہم سے روکنے کے۔ والطاعۃ اس کا عطف عدم الارجاف پر ہو رہا ہے۔

ما علی المحسنین من سبیل صاحب ہدایہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ناصح پر کوئی تاوان اور غرم نہیں ہے چنانچہ صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر محرم کے ہاتھ سے کوئی شکار کا جانور لے کر چھوڑ دے تو اس پر ضمان نہیں آئے گا کیونکہ اس نے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حق ادا کیا ہے۔ اسی طرح لہو ولعب کھیل کود کے آلات اگر کسی کے کوئی ضائع کر دے تو صاحبینؒ کے نزدیک ضمان نہیں آئے گا۔ البتہ امامؒ صاحب مالک ہونے کی وجہ سے ضمان مانتے ہیں۔

وھو سبعۃ بـکـائین معقل بن یسار، صخر بن خنسا، عبداللہ بن کعب، علیۃ بن زید، سالم بن عمری، ثعلبہ بن غنم، عبداللہ بن معقل مدنی مراد ہیں اور بعض نے بنومقرن کو کہا ہے یہ تین بھائی تھے۔ معقل، سوید، نعمان اور بعض نے ابوموسیٰ اور ان کے رفقاء کا نام لیا ہے حال یعنی جملہ قـلـت لا اجـدمـا احـملکم یہ حال ہے أتوك کے کاف سے اور بعض نے اس کو جواب مانا ہے اور تو لو کو جملہ مستانفہ مانا ہے۔ پہلی صورت میں مفسر کی رائے کے مطابق علیہ پر وقف نہیں ہوگا البتہ دوسرے احتمال پر وقف درست ہوگا۔

ربط آیات: .... پہلے سے منافقین کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ ان دونوں رکوع میں بھی زیادہ تر ان ہی کا ذکر ہے۔ آیت ولا تـصـل الخ میں مرنے کے بعد ان کے ساتھ معاملہ کرنے کا بیان ہے۔

آیت ولا تـعـجـبـك الخ میں یہ بتلانا ہے کہ ان کے پاس مال واولاد کا ہونا دلیل مقبولیت نہیں بلکہ یہ بھی ان کی مغضوبیت کا ایک اثر ہے۔ اس کے بعد آیت واذا اسـتـاذنك میں ان کی دائمی عادت کا بیان ہے کہ ہمیشہ ایسے موقعوں میں یہ پھسڈی رہتے ہیں لیکن ان کے برعکس مسلمان ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔

شہری منافقین کے بعد آیت وجاء المعذرون الخ سے دیہاتی منافقین کی بہانہ بازیوں کا ذکر ہے۔

آگے آیت لیـس عـلـی الـضـعـفـاء سے واقعی معذرت کرنے والوں کا بیان ہے۔ اسی کی تائید کے لئے مؤاخذہ کا انحصار جھوٹے بہانہ بازوں کے ساتھ کر کے بتلانا ہے کہ سچے معذور مواخذہ سے بری رہیں گے۔

شانِ نزول: .... ان تمام آیات کے شانِ نزول کی طرف جلال محققؒ اپنے اپنے موقعہ پر اشارات کر رہے ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: .... آیت وقـالـوا لاتـنـفـروا الخ میں یا تو مسلمانوں کو بھی بہکانا مراد ہوگا اگرچہ ان پر اثر نہ ہوتا ہو اور یا اس قسم کی باتیں اپنے ہم مشربوں ہی سے کہتے ہوں گے۔ یہ دوسری بات ہے کہ انہیں بہکانے کی ضرورت نہ ہو۔ وہ پہلے ہی سے ان کے ہم

خیال ہوں۔ لیکن اپنی رائے کے توافق سے خوشی ہوتی ہوگی اور یہی آیت میں مقصود ہے اور فلیضحکم الخ اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن اس سے خبر مراد ہے اور مجموعہ کا مرتب کرنا مقصود ہے اس لئے یہ شبہ نہیں رہے گا کہ رونے کو تو اعمال کی جزاء کہنا صحیح ہے مگر ہنسنے کے جزائے اعمال ہونے کے کیا معنی؟

ابن اُبی کی نماز جناہ پر تو اعتراض کیا گیا مگر کفن میں قمیص یا جبہ دینے پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا:............ آیت ولا تصل الخ کے متعلق بعض روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خود عبداللہ بن اُبی نے بیماری کی حالت میں آنحضرت کو بلا کر استغفار کی درخواست کی تھی اور قمیص مبارک کے کفن میں شامل کرنے اور نماز جنازہ پڑھانے کی استدعا کی تھی چنانچہ اس کے انتقال کے بعد آپ نے قمیص مبارک بھجوادی تھی اور نماز جنازہ پڑھانے کے لئے بھی تشریف لے جارہے تھے کہ نماز پڑھانے سے پہلے آیت نازل ہوئی یا بعد میں نازل ہوئی۔ لیکن دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن ابی کے بیٹے عبداللہؓ کی درخواست پر آپ نے یہ سب کچھ کیا۔ جو ایک مخلص مسلمان تھے۔

اور آیت میں نماز پڑھانے یا قبر پر کھڑے ہونے کے بارے میں تو نکیر کی گئی لیکن جبہ مبارک کے شامل کفن ہونے پر کچھ اعتراض نہیں کیا گیا۔ غالبًا یہ ابن ابی کے اس حسن سلوک کی مکافات کرنی ہوگی جو اس نے بدر کے موقعہ پر حضرت عباسؓ کو لباس دے کر کیا تھا۔

یا آنحضرت ﷺ کی شان کریمی اور بخشش وعطا کے خلاف ہونے کی وجہ سے کفن دینے کے متعلق تعرض نہیں کیا گیا اور بقول قاضی بیضاویؒ صلوٰۃ سے مراد یہاں دعاء واستغفار ہے کہ کافر ومنافق کے حق میں اس کی ممانعت کی گئی ہے۔

آنحضرت ﷺ کے نماز جنازہ پڑھانے پر فاروق اعظمؓ کا اعتراض:............ بہرحال واقعہ کا باقی حصہ یہ ہے کہ آپ جب نماز جنازہ پڑھانے کے لئے آگے بڑھنے لگے تو حضرت عمرؓ نے آپ کا پلہ پکڑ لیا اور عرض کیا کہ حق تعالیٰ نے جب آپ کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے روک دیا ہے پھر آپ اُن کی نماز جنازہ کیوں پڑھاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت **استغفرلهم الخ** میں مجھے اختیار دیا ہے منع نہیں فرمایا اور ستر مرتبہ استغفار کے بارے میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے اس سے زیادہ استغفار کروں گا۔ غرض اس کے بعد آپ نے نماز پڑھائی۔ اس پر آیت ممانعت **لاتصل الخ** نازل ہوئی۔ اس لئے پھر کبھی آپ نے منافقین کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔

پس اس میں یہ شبہ ہے کہ آیت **استغفرلهم الخ** دو حال سے خالی نہیں۔ اس سے استغفار کی ممانعت معلوم ہوتی ہے یا نہیں۔ اگر پہلی صورت ہے تو پھر آپ نے نماز کیوں پڑھائی؟ جس سے استغفار ہی مقصود ہوتا ہے حالانکہ اس کی ممانعت تھی۔ پھر اس ممانعت کو آپ نے اختیار کیسے سمجھا؟ اور دوسری صورت اگر تھی تو پھر حضرت عمرؓ نے اہل زبان ہونے کے باوجود ممانعت کیوں سمجھی اور آپ پر اعتراض کیسے کردیا؟

شبہ کا حل:............ جواب یہ ہے کہ اصل میں تو یہ صیغہ برابری کے معنی ادا کرنے کے لئے آتا ہے۔ کسی چیز کی ممانعت کرنے یا اختیاری غیر اختیاری طور پر حکم دینے کے لئے نہیں آتا۔ اگر اس قسم کی بات ثابت کرنے کے لئے ہو تو کسی خارجی دلیل کی ضرورت ہوا کرتی ہے جیسے آیت سواء علیهم ء انذر تهم الخ سے ڈرانے اور نہ ڈرانے دونوں کی برابری معلوم ہوئی لیکن دوسری آیت بلغ ما انزل الخ سے ڈرانے کا حکم معلوم ہورہا ہے۔ جو ایک دوسری دلیل خارجی ہے۔

چنانچہ اس واقعہ میں خارجی دلیل کے بارے میں دو رائے ہوگئیں۔ حضرت عمرؓ نے لن یغفر اللہ الخ پر نظر کرتے ہوئے یہ سمجھا کہ آپ کا نماز جنازہ وغیرہ پڑھانا فضول ہے جو آنحضرت ﷺ جیسے حکیم الشان حکیمانہ سے بعید ہے۔ اس لئے نهاک ربک

کہہ کر توجہ دلائی لیکن آنحضرت ﷺ کی دُوررس نظر میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں تھیں مثلاً آپ نے ارشاد فرمایا: مایغنی عنہ قمیصی و اللہ انی لارجوا ان یسلم بہ اکثر من الف بنی الخزرج یعنی میرا کرتا اگر چہ اس کے لئے کارآمد ومفید نہیں۔ لیکن میرے پیش نظر یہ امید کی جھلک ہے کہ دشمنوں کے ساتھ میرے اس طرز عمل کو دیکھ کر شاید بنی خزرج کے ہزار سے زیادہ لوگ اسلام کے دامن شفقت میں پناہ لیں۔ بہر حال اس طرح کی مصلحتوں کے پیش نظر آپ نے اپنے طرز عمل کو فضول نہ سمجھا اور حکم الٰہی کو اختیار پر محمول کرلیا۔ غرضیکہ اب نہ آنحضرت ﷺ کے فعل وعمل پر اشکال رہا ہے اور نہ حضرت عمرؓ کے طرز عمل کو گستاخی اور بے ادبی کہا جاسکتا ہے۔

ستر (۷۰) مرتبہ استغفار کرنے سے کیا مراد ہے؟:............ رہا آپ کا یہ فرمانا کہ میں ستر (۷۰) مرتبہ سے زیادہ استغفار کرلوں گا تو کلام عرب میں اس سے معین عدد تو مراد ہوتا نہیں۔ بلکہ کسی چیز کی کمی یا زیادتی بیان کرنی ہوتی ہے۔ پس آپ ﷺ کا منشاء استغفار کو مشروط طور پر بیان کرنا ہے۔ جس کو آپ نے جملہ کی صورت میں بیان فرمایا۔ گویا آپ یوں فرمانا چاہتے تھے فلوا علم انی ان زدت علی السبعین غفرلہ بزدت علیھا کہ اگر مجھے معلوم ہوجاتا کہ ستر دفعہ سے زیادہ استغفار کرنا اس کے لئے مفید ہوگا تو میں یہ بھی کرکے دیکھ لیتا اور اپنے اختیار کی حد تک کوئی کمی نہ چھوڑتا۔ مگر چونکہ زیادہ سے زیادہ استغفار کو بھی اس کے لئے بے فائدہ قرار دیا گیا ہے اس لئے زیادہ نہیں کروں گا۔ تاہم بعض اہم مصالح کی بناء پر صرف استغفار پر اکتفاء کروں گا جو نماز جنازہ پڑھنے سے حاصل ہوگیا۔ دوسری بات ہے کہ ان مصالح کے علاوہ بعض مفاسد اور خرابیوں پر نظر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعد میں ممانعت کردی گئی۔ مثلاً آپ کے اس طرز عمل سے جہاں ایک طرف آپ کے مخلص خدام اور جانثار صحابہؓ کا دل ٹوٹتا کہ یہاں تو اچھے برے سب ایک ہی لائن میں لگتے ہیں وہاں مخالفین کو بھی عبرت آموز تنبیہ نہ ہوتی۔ بلکہ ایک طرح ان کی ہمت افزائی ہوتی جس سے ان میں دلیری اور آزادروی کا خطرہ تھا۔ جس کا سدِ باب کرنا ضروری ہوا۔

نماز جنازہ مسلمانوں کے لئے مخصوص ہے:............ ان آیات سے جہاں کفار کے جنازہ کی نماز کا اور ان کے لئے استغفار کرنا جائز ہونا معلوم ہوا وہیں مسلمانوں کیلئے نماز جنازہ کا جواز بھی معلوم ہوا کیونکہ ناجائز ہونے کی وجہ کفر پر مرنا ہی تھی۔ البتہ نماز جنازہ کی فرضیت بطور کنایہ یہ سنت مشہورہ سے ثابت ہے کیونکہ قرآن کریم میں نماز جنازہ کے سلسلہ میں اس کے علاوہ دوسری کوئی آیت نہیں ہے۔

رہی آیت وصل علیھم ان صلوٰتک سکن لھم سو اس سے نماز جنازہ مراد نہیں بلکہ زندگی میں دعائے خیر وبرکت کرنا مراد ہے۔ کیونکہ اس سے صحابہؓ کی ایک خاص جماعت مراد ہے جس کی طرف آپ نے توجہ نہیں فرمائی تھی۔ اور ان کی زکوٰۃ قبول نہیں کی تھی ان کی تالیف قلب کے لئے ان کے حق میں آپ کو دعاء استغفار کا حکم ہوا ہے وہاں نماز جنازہ مراد نہیں ہے۔

رہا یہ شبہ کہ آیت لاتصل الخ میں بھی قاضی بیضاویؒ کی رائے کے مطابق دعاء واستغفار ہی کے معنی ہیں اس لئے یہاں سے ہی کفار کے حق میں دعاء واستغفار کا ناجائز ہونا معلوم ہوا نہ کہ نماز جنازہ کی ممانعت؟ جواب یہ ہے کہ ان کے لئے دعاء واستغفار تک کی ممانعت ہے تو نماز جنازہ کی ممانعت بدرجۂ اولیٰ ہوگی کہ اس میں بھی دعاء واستغفار ہی ہوتا ہے اس لئے یہ بھی شبہ نہیں ہوسکتا کہ اس صورت میں حقیقت عرفیہ اور مجاز کا جمع کرنا لازم آرہا ہے۔ بلکہ کہا جائے گا کہ استغفار کی ممانعت ہے۔ نماز جنازہ ہی چونکہ اس کے افراد میں سے ہے اس لئے اس کی بھی ممانعت سمجھ میں آگئی۔

بہر حال کافر کے جنازہ کی نماز کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے خواہ اس کا ولی مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ حتیٰ کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کا مسلمان یا کافر ہونا مشتبہ ہوجائے تب بھی اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ کافر کی نماز جنازہ تو کسی حال میں جائز نہیں ہے اور مسلمان کی نماز جنازہ فی الجملہ چھوڑی جاسکتی ہے۔ البتہ اگر کافر کا ولی کوئی مسلمان ہو تو غسل مسنون اور باقاعدہ کفن دفن تو

نہیں کیا جاتا لیکن نہلا دھلا کر ایک کپڑے میں لپیٹ کر کسی گڑھے میں دبا سکتا ہے تا کہ انسانیت کے ناطہ سے اس کی بے حرمتی نہ ہو۔ باقی آیت **وھم فاسقون** کے معنی کافر کے ہیں۔ متعارف فاسق مراد ہے کیونکہ صحابہؓ اور تابعینؒ کا اجماع ہے کہ فاسق کی نماز جنازہ ہے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب یہی ہے روافض البتہ اس کے خلاف ہیں اور کافر بہر حال فاسق ہوتا ہے قرآن کریم میں بھی یہ استعمال رائج ہے جیسے **افمن کان مؤمنا کان فاسقاً**

کافر کی ارتھی کو کندھا دینا یا سمادھی پر جانا:............اسی طرح کافر کی قبر پر اس کے اکرام واعزاز کی نیت سے کھڑا ہونا جائز نہیں۔ خواہ دفن کے لئے ہو یا زیارت کے لئے البتہ اگر عبرت حاصل کرنے کے لئے کھڑا ہو یا کسی مسلمان رشتہ دار پر کافر میت کا انتظام آ پڑے تو مذکورہ بالا طریقہ پر کفن دفن میں شریک ہو سکتا ہے با قاعدہ مسنون طریقہ پر کفن دفن نہیں ہونا چاہئے لیکن اگر عبرت کے لئے قبر پر کھڑے ہونے میں کسی دینی فتنہ کا اندیشہ ہو تو یہ کھڑا ہونا بھی ناجائز ہو جائے گا۔

آیت **ولا تعجبك الخ** چار رکوع پہلے بھی آ چکی ہے لیکن وہاں زندگی میں نفقات قبول نہ کرنے کے ساتھ اس مضمون کا تعلق تھا اور یہاں مرنے کے بعد نجات نہ ہونے کے ساتھ اس کا تعلق ہے اس لئے تکرار نہیں رہا یا مضمون کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے تاکید ضروری سمجھی گئی ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا نیا فائدہ ہے۔ **اولو الطول الخ** کی قید ولایت کی ہے کہ جب صاحب مقدرت لوگ جھوٹے حیلے بہانے کر رہے ہیں تو جو مقدور والے نہیں وہ بدرجۂ اولیٰ عذر پیش کرتے ہوں گے مسلمانوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا ذکر ان کی تعریف وتوصیف کے لئے کیا گیا ہے ورنہ کوئی خاص ضرورت نہیں تھی اگر چہ تمام منافقین دعویٰ ایمان میں جھوٹے تھے لیکن جو لوگ عذر ومعذرت کے لئے آ گئے انہوں نے کچھ تو ظاہر داری کی رعایت رکھی مگر جو لوگ نڈر اور بے باک تھے اس کی بھی تکلیف گوارا نہیں کر سکے وہ تو جیسے فی الحقیقت جھوٹے تھے ظاہر میں بھی ان کا پول کھل گیا بالکل جھوٹ بولنے کا یہی مطلب ہے۔

لفظ **رضوا** پہلے تو مطلقاً غزوات کے لئے آیا ہے اور یہاں صرف غزوۂ تبوک کے لئے ہے اس لئے تکرار نہیں رہا تاکید کے لئے اگر تکرار بھی ہو تو تاسیس ہی کہلائے گا۔

لطائف آیات:............آیت **لاتنفروا الخ** سے ان لوگوں کا حال بھی معلوم ہوتا ہے جو سلوک شدائد کا ہوّا اور لذائذ چھوٹنے کا غم بیان کر کے لوگوں کو سلوک سے محروم کرنے کی کوشش کرتے ہیں آیت **فلیضحکوا الخ** میں اگر چہ امر کا صیغہ ہے لیکن مقصود خبر ہے کہ قیامت میں ان کو ہنسنا کم اور رونا زیادہ نصیب ہوگا۔ جیسا کہ **جزاء بما کانوا**... ون سے معلوم ہو رہا ہے۔ پس بعض لوگوں کا اس کو امر کا صیغہ اور حکم سمجھتے ہوئے رونے کو مطلوب و مامور سمجھنا اور پھر رونا نہ آنے کی شکایت کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ حکم کا تعلق اختیاری فعل سے ہوا کرتا ہے اور رونا اختیاری ہے۔ البتہ اللہ کی محبت یا خوف سے رونا محمود و مستحسن ضرور ہے۔ آیت **ولا تقم علیٰ قبرہ الخ** سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کی طرح قبر پر کھڑا ہونا بھی میت کے لئے مفید ہوتا ہے تب ہی تو نااہل کی قبر پر کھڑے ہونے کو روکا جا رہا ہے۔ اسی لئے قبر پر حاضر ہو کر دعاء کرنا بہ نسبت غائبانہ دعاء کے زیادہ نافع اور مفید ہے۔ آنحضرت ﷺ کا کسی کی نماز جنازہ پڑھانا یا کسی کے کفن میں آپؐ کے ملبوس کا شامل ہو جانا یا کسی کی قبر پر آپ کا کھڑا ہونا کس درجہ شرف کا باعث ہے اور کسی کو یہ تینوں دولتیں حاصل ہو جائیں تو اس کی قسمت کا تو کیا ہی پوچھنا مگر ایمان کے بغیر عبداللہ بن ابی کو کیا کچھ ادنیٰ سا بھی فائدہ ہو سکا ہے؟ پس کہاں ہیں ایمان و عمل کی پونجی بغیر تبرکات پر تکیہ رکھنے والے نادان اہل تصوف آیت **لیس علی الضعفاء الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی نیک کام کی نیت ہو لیکن کسی واقعی عذر کی وجہ سے وہ کام نہ ہو سکے تو اس کی برکات سے پھر بھی محروم نہیں رہے گا۔

يَعْتَذِرُوْنَ

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ فِى التَّخَلُّفِ **اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ** مِنَ الْغَزْوِ **قُلْ** لَهُمْ **لَا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ** نُصَدِّقَكُمْ **قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ** اَىْ اَخْبَرَنَا بِاَحْوَالِكُمْ **وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ** بِالْبَعْثِ **اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ** اَىِ اللّٰهِ **فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** ﴿۹۴﴾ فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ **سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ** رَجَعْتُمْ **اِلَيْهِمْ** مِنْ تَبُوْكَ اَنَّهُمْ مَعْذُوْرُوْنَ فِى التَّخَلُّفِ **لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ** بِتَرْكِ الْمُعَاتَبَةِ **فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ** قَذَرٌ لِخُبْثِ بَاطِنِهِمْ **وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ** ﴿۹۵﴾ **يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ** ﴿۹۶﴾ اَىْ عَنْهُمْ وَلَا يَنْفَعُ رِضَاكُمْ مَعَ سَخَطِ اللّٰهِ **اَلْاَعْرَابُ** اَهْلُ الْبَدْوِ **اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا** مِنْ اَهْلِ الْمُدُنِ لِجَفَائِهِمْ وَغِلَظِ طِبَاعِهِمْ وَبُعْدِهِمْ عَنْ سِمَاعِ الْقُرْاٰنِ **وَّاَجْدَرُ** اَوْلٰى اَىْ بِاَنْ **لَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ** مِنَ الْاَحْكَامِ وَالشَّرَائِعِ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ** بِخَلْقِهٖ **حَكِيْمٌ** ﴿۹۷﴾ فِىْ صُنْعِهٖ بِهِمْ **وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ** فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ **مَغْرَمًا** غَرَامَةً وَخُسْرَانًا لِاَنَّهٗ لَا يَرْجُوْا ثَوَابَهٗ بَلْ يُنْفِقُهٗ خَوْفًا وَهُمْ بَنُوْ اَسَدٍ وَغَطْفَانَ **وَّيَتَرَبَّصُ** يَنْتَظِرُ **بِكُمُ الدَّوَآئِرَ** دَوَائِرَ الزَّمَانِ اَنْ يَنْقَلِبَ عَلَيْكُمْ فَيَتَخَلَّصَ **عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ** بِالضَّمِّ وَالْفَتْحِ اَىْ يَدُوْرُ الْعَذَابُ وَالْهَلَاكُ عَلَيْهِمْ لَا عَلَيْكُمْ **وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ** لِاَقْوَالِ عِبَادِهٖ **عَلِيْمٌ** ﴿۹۸﴾ بِاَفْعَالِهِمْ **وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** كَجُهَيْنَةَ وَمُزَيْنَةَ **وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ** فِى سَبِيْلِهٖ **قُرُبٰتٍ** تُقَرِّبُهٗ **عِنْدَ اللّٰهِ وَ** وَسِيْلَةً اِلٰى **صَلَوٰتِ** دَعَوَاتِ **الرَّسُوْلِ** لَهُمْ **اَلَآ اِنَّهَا** اَىْ نَفَقَتَهُمْ **قُرْبَةٌ** بِضَمِّ الرَّاءِ وَسُكُوْنِهَا **لَّهُمْ** عِنْدَهٗ **سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِىْ رَحْمَتِهٖ** جَنَّتِهٖ **اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لِاَهْلِ طَاعَتِهٖ **رَّحِيْمٌ** ﴿۹۹﴾ بِهِمْ۔

ع ۱۲
۱

ترجمہ .... جب تم ان کے پاس (جہاد سے) واپس جاؤ گے تو وہ تمہارے پاس معذرتیں کرنے آئیں (جہاد میں شریک نہ ہونے کی) تمہیں چاہیئے کہ (ان سے) کہہ دو "معذرت کی باتیں نہ بناؤ" اب ہم تمہارا اعتبار کرنے والے نہیں (تمہیں سچا نہیں سمجھیں گے) اللہ نے ہمیں پوری طرح تمہارا حال بتلا دیا ہے (تمہارے حالات کی خبر دے دی ہے) اور آئندہ بھی اللہ اور اس کا رسول دیکھیں گے کہ تمہارا رویہ کیسا رہتا ہے اور پھر (قیامت میں) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر ہر طرح کی باتیں جاننے والا ہے (یعنی اللہ) پس وہ تمہیں بتلا دے گا کہ کیا کچھ تم کرتے رہے ہو (لہذا تمہیں وہ اس پر بدلہ بھی دے گا) جب تم لوٹ کر ان سے ملو گے (تبوک سے واپسی میں جہاد میں شریک نہ ہونے کا عذر کرتے ہوئے) تو ضرور یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھا جائیں گے تا کہ تم ان سے درگزر کرو (ملامت وغیرہ نہ کرو) سو چاہیئے کہ تم ان سے درگزر ہی کرلو یہ ناپاک ہیں (بد باطنی کی وجہ سے یہ لوگ گندے ہیں) ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اس کمائی کے نتیجہ میں جو یہ کماتے رہے یہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تا کہ ان سے راضی ہو جاؤ۔ سو اگر تم راضی بھی ہو گئے تو اللہ ایسے شریر لوگوں سے کبھی راضی ہونے والا نہیں ہے (اور اللہ کی ناراضگی کے ہوتے ہوئے ظاہر ہے کہ تمہاری خوشنودی کچھ سودمند نہ ہو سکے گی) دیہاتی (گاؤں کے باشندے) کفر و نفاق میں سب سے زیادہ سخت ہیں (بہ نسبت شہریوں کے، اپنی درشتی اور اکھڑ پنے سے اور قرآن سننے کے مواقع سے دور رہنے کی وجہ سے) اور اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو احکام نازل کئے ہیں ان سے بے خبر رہیں (یعنی شریعت کی باتیں اور احکام) اللہ تعالیٰ بڑے علم رکھنے والے ہیں (اپنی مخلوق کا) اور (ان کے ساتھ کارروائی کرنے میں) بڑی حکمت رکھنے والے ہیں اور ان دیہاتیوں میں بعض ایسے بھی ہیں کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں (اللہ کی راہ میں) اسے جرمانہ سمجھتے ہیں (تاوان اور ڈانڈ سمجھتے ہیں کیونکہ اس کے ثواب کی امید تو ہوتی ہی نہیں۔ جو کچھ بھی خرچ کرنا ہوتا ہے وہ ڈر کر ہوتا ہے اور وہ بنو اسد وغطفان قبائل کے لوگ ہیں) اور آس لگائے بیٹھے ہیں (منتظر ہیں) کہ تم پر کوئی گردش آئے (زمانہ کا کوئی چکر ایسا آئے جس سے انقلاب کا رخ تمہارے خلاف ہو جائے اور انہیں کسی طرح چھٹکارا مل جائے) حقیقت یہ ہے کہ بری گردش کے دن خود ان ہی پر آنے والے ہیں (لفظ سوء ضم اور فتحہ کے ساتھ ہے یعنی تباہی اور عذاب کی گردش کا رخ خود ان کے خلاف ہوگا نہ کہ تمہارے) اور اللہ (اپنے بندوں کی سب کچھ) سنتا ہے اور (ان کے کاموں سے) پوری طرح باخبر ہے اور دیہات کے رہنے والوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں (جیسے قبیلہ جہینہ اور مزینہ کے لوگ) اور (راہ مولیٰ میں) جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے تقرب اور رسول کی دعاؤں کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ تو سن رکھو کہ یہ (خرچ کرنا) بے شک ان کے لئے قرب ہی کا باعث ہے (لفظ قربۃ ضم راء اور سکون راء کے ساتھ ہے) ان کے لئے (اللہ کے نزدیک) اللہ انہیں اپنی رحمت (جنت) کے دروازہ میں داخل کرے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (فرمانبرداروں کی) (بڑی بخشش کرنے والے ہیں۔ اور (ان پر) بڑا رحم فرمانے والے ہیں۔

تحقیق وترکیب :............ **یعتذرون**. یہ تیس سے زائد منافقین تھے جو جہاد میں نہیں گئے تھے۔ ان میں سے کچھ معذرت کرنے کے لئے آ گئے تھے۔ **نصدقکم** جلال مفسرؒ نے **لکم** میں لام کے زائد ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ **ای اللّٰہ** یعنی ضمیر کی بجائے اسم ظاہر ملا کر تشدید میں اضافہ کر دیا۔ **انھم معذورون** ۔ یعنی محلوف علیہ کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ **من یتخذ**. **من** موصوفہ ہے یا موصولہ اور **ماینفق**. مفعول اول اور **مغرما** مفعول ثانی ہے۔

ربط آیات :............ پچھلی آیات میں ان منافقین کا ذکر تھا۔ جنہوں نے روانگی کے وقت بہانے تراشے تھے۔ ان آیات میں واپسی کے وقت بہانہ بازیاں کرنے والوں کا بیان ہے۔ گویا یہ آیات بھی آپ کی واپسی سے پہلے نازل ہو گئیں تھیں۔ جن میں ان کی بہانہ بازیوں کی پیش گوئی کی گئی ہے اور **قل لا تعتذروا الخ** سے جواب کی تعلیم ہے اور اس کے عذاب کی وعید ہے۔ اس کے بعد آیت

الاعراب الخ سے دیہاتی منافقین کی برائی اور مسلمان دیہاتیوں کی تعریف کی جارہی ہے۔

﴿ تشریح ﴾:.............آیت میں منافقین کے حلف کی دوغرضیں اور تین حکم جمع کرنے کی توجیہ:.............

منافقین کے حلف اور عذر کرنے کی دوغرضیں بیان فرمائیں گئی ہیں۔ ایک جہادی مہم سے چھٹکارا پانا۔ دوسرے مسلمانوں کی خوشنودی حاصل کرنا۔ لیکن اس کے متعلق حکم تین بیان فرمائے جارہے ہیں۔ ایک لاتعتذروا اور دوسرے اعرضوا تیسرے اللہ کی ناراضگی۔ پس ممکن ہے بعض کی غرض اول ہو اور بعض کی غرض دوسری۔ یا ظاہر میں تو سب کی غرض اول ہو اور باطن میں دوسری غرض مقصود ہو۔ یا سب کی اصلی غرض تو رضا ہوگی اور آخری درجہ میں اعراض۔ اسی طرح تینوں احکام کے جمع ہونے کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ دل سے تو رضامندی اور زبان سے اول تو لا تعتذروا ہو اور اس کے بعد اعراض ہو۔

مسلمان اور کافر ومنافق دیہاتیوں میں فرق:............دیہاتی منافقین کی برائی اور مسلمان دیہاتیوں کی تعریف کی بنیاد یہ ہے کہ اول قسم کے لوگ تو اسباب علم سے دور رہتے ہیں۔ اس لئے ان میں خشوع وخضوع اور ایمان سے بھی دوری رہتی ہے برخلاف دوسری قسم کے لوگوں کے۔ وہ خود اہل علم کے پاس آتے جاتے ہیں۔ جس سے ان میں تواضع، کسر نفسی، کمال ایمان کی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ پس دیہاتی ہونے میں اگر چہ دونوں برابر ہیں مگر دونوں میں یہ فرق ہے۔

لفظ مغرما پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ پھر خوشدلی کے بغیر کسی کا مال لینا نہیں چاہئے؟

جواب یہ ہے کہ اول تو اسلام میں ایسا مال کسی سے لیا نہیں جاتا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ اعتقادی کراہت ثواب کا اعتقاد نہ ہونے کی وجہ سے تھی اور تقیہ کی بنیاد پر تھی جس میں منافع بھی طبعاً مرغوب ومطلوب تھے۔ اس لئے یہ اعتقادی ناگواری طبعی خوشدلی کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے۔ البتہ اگر دینے والے میں ریا ہو تو لینے والے کو لینا حرام نہیں ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ ممکن ہے وہ اپنے طور پر خرچ کرتے ہوں جس میں لینے والے کو ان کی ناگواری کا پتہ نہ چلتا ہو

لطائف آیات:............آیت الاعراب الخ سے معلوم ہوا کہ صلحاء کی صحبت سے دور رہنا طریق خیر سے دور رہنا ہے۔ اس لئے طریقت میں صحبت صلحاء کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے۔ آیات ومن الاعراب الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے کو مال کا مالک سمجھے گا اس کو خرچ کرنا تاوان معلوم ہوگا۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کو مالک سمجھے اور ان چیزوں کو اپنے پاس بطور عاریت سمجھے گا اسے خرچ کرنا بسا غنیمت معلوم ہوگا۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَهُمْ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا اَوْ جَمِيْعُ الصَّحَابَةِ **وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ** اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **بِاِحْسَانٍ** فِي الْعَمَلِ **رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ** بِطَاعَتِهٖ **وَرَضُوْا عَنْهُ** بِثَوَابِهٖ **وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِزِيَادَةِ مِنْ **خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ** ﴿۱۰۰﴾ **وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ** يَا اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ **مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ** كَاَسْلَمَ وَاَشْجَعَ وَغِفَارٍ **وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ** مُنَافِقُوْنَ اَيْضًا **مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ** لَجُّوْا فِيْهِ وَاسْتَمَرُّوْا **لَا تَعْلَمُهُمْ** خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِالْفَضِيحَةِ اَوِ الْقَتْلِ فِي الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ **ثُمَّ يُرَدُّوْنَ** فِي الْاٰخِرَةِ **اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ** ﴿۱۰۱﴾ هُوَ النَّارُ **وَ** قَوْمٌ **اٰخَرُوْنَ** مُبْتَدَأٌ **اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ** مِنَ التَّخَلُّفِ نَعْتُهُ وَالْخَبَرُ **خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا** وَهُوَ جِهَادُهُمْ قَبْلَ ذٰلِكَ **وَّاٰخَرَ سَيِّئًا** وَهُوَ تَخَلُّفُهُمْ **عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ﴿۱۰۲﴾ نَزَلَتْ فِي اَبِي لُبَابَةَ وَجَمَاعَةٍ اَوْ ثَقُوْا اَنْفُسَهُمْ فِي سَوَارِي الْمَسْجِدِ لَمَّا بَلَغَهُمْ مَا نُزِّلَ فِي الْمُتَخَلِّفِيْنَ وَحَلَفُوْا اَنْ لَّا يَحُلَّهُمْ اِلَّا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَلَّهُمْ لَمَّا نَزَلَتْ **خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا** مِنْ ذُنُوْبِهِمْ فَاَخَذَ ثُلُثَ اَمْوَالِهِمْ وَتَصَدَّقَ بِهَا **وَصَلِّ عَلَيْهِمْ** اُدْعُ لَهُمْ **اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ** رَحْمَةٌ **لَّهُمْ** وَقِيْلَ طُمَانِيْنَةٌ بِقَبُوْلِ تَوْبَتِهِمْ **وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ** ﴿۱۰۳﴾ **اَلَمْ يَعْلَمُوْآ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ** يَقْبَلُ **الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ** عَلٰى عِبَادِهٖ بِقَبُوْلِ تَوْبَتِهِمْ **الرَّحِيْمُ** ﴿۱۰۴﴾ بِهِمْ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ وَالْقَصْدُ بِهٖ تَهْيِيْجُهُمْ اِلَى التَّوْبَةِ وَالصَّدَقَةِ **وَقُلِ** لَهُمْ اَوْ لِلنَّاسِ **اعْمَلُوْا** مَا شِئْتُمْ **فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَسَتُرَدُّوْنَ** بِالْبَعْثِ **اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ** اَيِ اللّٰهِ **فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۰۵﴾ فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ **وَاٰخَرُوْنَ** مِنَ الْمُتَخَلِّفِيْنَ **مُرْجَوْنَ** بِالْهَمْزَةِ وَتَرْكِهٖ مُؤَخَّرُوْنَ عَنِ التَّوْبَةِ **لِاَمْرِ اللّٰهِ** فِيْهِمْ بِمَا يَشَاءُ **اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ** بِاَنْ يُّمِيْتَهُمْ بِلَا تَوْبَةٍ **وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ** بِخَلْقِهٖ **حَكِيْمٌ** ﴿۱۰۶﴾ فِي صُنْعِهٖ بِهِمْ وَهُمُ الثَّلَاثَةُ الْاٰتُوْنَ بَعْدُ مُرَارَةُ بْنُ الرَّبِيْعِ وَكَعْبُ بْنُ مَالِكٍ وَهِلَالُ بْنُ اُمَيَّةَ تَخَلَّفُوْا كَسَلًا وَمَيْلًا اِلَى الدَّعَةِ لَا نِفَاقًا وَلَمْ يَعْتَذِرُوْا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَغَيْرِهِمْ فَوَقَفَ اَمْرُهُمْ خَمْسِيْنَ لَيْلَةً وَهَجَرَهُمُ النَّاسُ حَتّٰى نَزَلَتْ تَوْبَتُهُمْ بَعْدُ **وَ** مِنْهُمْ **الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا** وَهُمْ اِثْنَا عَشَرَ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ **ضِرَارًا** مُضَارَّةً لِاَهْلِ مَسْجِدِ قُبَاءٍ **وَّكُفْرًا** لِاَنَّهُمْ بَنَوْهُ بِاَمْرِ اَبِي عَامِرِ الرَّاهِبِ لِيَكُوْنَ مَعْقِلًا لَهٗ يَقْدَمُ فِيْهِ مَنْ يَّاْتِي مِنْ عِنْدِهٖ وَكَانَ ذَهَبَ لِيَاْتِيَ بِجُنُوْدٍ مِنْ قَيْصَرَ لِقِتَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** الَّذِيْنَ يُصَلُّوْنَ بِقُبَاءٍ بِصَلٰوةِ بَعْضِهِمْ فِي مَسْجِدِهِمْ **وَاِرْصَادًا** تَرَقُّبًا **لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ** اَيْ قَبْلَ بِنَائِهٖ وَهُوَ اَبُوْ عَامِرٍ الْمَذْكُوْرُ **وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ** مَا **اَرَدْنَآ** بِبِنَائِهٖ **اِلَّا** الْفَعْلَةَ **الْحُسْنٰى** مِنَ الرِّفْقِ بِالْمِسْكِيْنِ فِي الْمَطَرِ وَالْحَرِّ وَالتَّوْسِعَةِ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ **وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ** ﴿۱۰۷﴾ فِي ذٰلِكَ وَكَانُوْا سَاَلُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّصَلِّيَ فِيْهِ فَنَزَلَ **لَا تَقُمْ** تُصَلِّ **فِيْهِ اَبَدًا** فَاَرْسَلَ جَمَاعَةً هَدَمُوْهُ وَحَرَّقُوْهُ وَجَعَلُوْا مَكَانَهٗ كُنَاسَةً تُلْقٰى فِيْهَا الْجِيَفُ **لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ** بُنِيَتْ قَوَاعِدُهٗ **عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ** وُضِعَ يَوْمَ حَلَلْتَ بِدَارِ

الْهِجْرَةِ وَهُوَ مَسْجِدُ قُبَاءٍ كَمَا فِي الْبُخَارِيِّ **اَحَقُّ** مِنْهُ **اَنْ** اَيْ بِاَنْ **تَقُوْمَ** تُصَلِّيَ **فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ** هُمُ الْاَنْصَارُ **يُحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ**﴿۱۰۸﴾ اَيْ يُثِيْبُهُمْ وَفِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الطَّاءِ رَوَى ابْنُ خُزَيْمَةَ فِي صَحِيْحِهِ عَنْ عُوَيْمِرِ بْنِ سَاعِدَةَ اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَاهُمْ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ اَحْسَنَ عَلَيْكُمُ الثَّنَاءَ فِي الطُّهُوْرِ فِي قِصَّةِ مَسْجِدِكُمْ فَمَا هٰذَا الطُّهُوْرُ الَّذِيْ تَطَهَّرُوْنَ بِهِ فَقَالُوْا وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا نَعْلَمُ شَيْئًا اِلَّا اَنَّهُ كَانَ لَنَا جِيْرَانٌ مِنَ الْيَهُوْدِ فَكَانُوْا يَغْسِلُوْنَ اَدْبَارَهُمْ مِنَ الْغَائِطِ فَغَسَلْنَا كَمَا غَسَلُوْا وَفِيْ حَدِيْثٍ رَوَاهُ الْبَزَّارُ فَقَالُوْا كُنَّا نَتَّبِعُ الْحِجَارَةَ بِالْمَاءِ فَقَالَ هُوَ ذَاكَ فَعَلَيْكُمُوْهُ **اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلٰى تَقْوٰى** مَخَافَةٍ **مِنَ اللّٰهِ** وَرَجَاءِ **رِضْوَانٍ** مِنْهُ **خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلٰى شَفَا** طَرَفِ **جُرُفٍ** بِضَمِّ الرَّاءِ وَسُكُوْنِهَا جَانِبٍ **هَارٍ** مُشْرِفٍ عَلَى السُّقُوْطِ **فَانْهَارَ بِهِ** سَقَطَ مَعَ بَانِيْهِ **فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ** خَيْرٌ تَمْثِيْلٌ لِلْبِنَاءِ عَلٰى ضِدِّ التَّقْوٰى بِمَا يَؤُلُ اِلَيْهِ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ اَيِ الْاَوَّلُ خَيْرٌ وَهُوَ مِثَالُ مَسْجِدِ قُبَاءٍ وَالثَّانِيْ مِثَالُ مَسْجِدِ الضِّرَارِ **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ**﴿۱۰۹﴾ **لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً** شَكًّا **فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّا اَنْ تَقَطَّعَ** تَنْفَصِلَ **قُلُوْبُهُمْ** بِاَنْ يَمُوْتُوْا **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ** بِخَلْقِهِ **حَكِيْمٌ**﴿۱۱۰﴾ع فِيْ صُنْعِهِ بِهِمْ۔

ترجمہ: .... اور مہاجرین اور انصار میں جو لوگ پہل کرنے والے ہیں (اس سے مراد شہدائے بدر ہیں یا تمام صحابہؓ) اور جتنے لوگ (قیامت تک) اخلاص اور راست بازی کے ساتھ (عمل میں) اس کی پیروی کرنے والے ہیں۔ تو اللہ ان سب سے (ان کی اطاعت سے) راضی ہوا اور وہ سب اس سے (اس کے ثواب سے) خوش ہیں اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں (اور ایک قرأت میں لفظ من زیادہ ہے) وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یہ ہے بہت بڑی فیروزمندی اور تمہارے آس پاس (اے مدینہ والوں) کچھ دیہاتی منافق (جیسے قبیلہ اسلم اور اشجع اور غفار کے لوگ) اور کچھ مدینہ والوں میں (بھی ایسے منافق) بستے ہیں جو نفاق میں پوری طرح مشاق ہو گئے ہیں (حد کمال پر پہنچے ہوئے ہیں اور اس پر ڈٹے رہتے ہیں) آپ انہیں نہیں جانتے (نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے) ان کو تو ہم ہی جانتے ہیں۔ ہم انہیں دوہری سزا دیں گے۔ (دنیا میں ان کی تھکا فضیحتی ہوگی اور قتل ہوں گے اور قبر میں جا کر گرفتار عذاب ہوں گے) پھر وہ (آخرت میں) بڑے بھاری عذاب (جہنم) کی طرف بھیجے جائیں گے اور کچھ اور لوگ ہیں (یہ مبتداء ہے) جنہوں نے اپنی غلطیوں کو مان لیا ہے (جہاد میں نہ جانے کے متعلق یہ مبتدا کی صفت ہے اور خبر آگے ہے) انہوں نے ملے جلے کام کئے تھے۔ کچھ اچھے (اس سے پہلے جہاد میں شریک ہونا۔ یا حالیہ غلطیوں کا اقرار کر لینا۔ یا دوسری اچھائیاں) اور کچھ برے (یعنی حالیہ جہاد میں شریک نہ ہونا) تو کچھ بعید ہے کہ ان پر توجہ مبذول فرمائے۔ بلاشبہ اللہ بڑے ہی بخشنے والے بڑی ہی رحمت والے ہیں (اگلی آیت..... ابولبابہ جیسے حضرات کے بارے میں نازل ہوئی۔ جنہوں نے خود کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا تھا۔ جب انہیں جہاد میں شریک نہ ہونے والوں کے بارے میں وعیدوں کا نازل ہونا معلوم ہوا اور انہوں نے حلف اٹھایا کہ جب تک نبی کریم ﷺ ہی ہمیں نہیں کھولیں گے یونہی بندھے رہیں گے۔ چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوگئی تو آپ نے اپنے دست

مبارک سے انہیں کھول ڈالا) آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ قبول کر لیجئے۔ جس کے ذریعہ آپ انہیں پاک صاف کر دیں گے (ان کی خطاؤں سے۔ چنانچہ آپؐ نے تہائی مال ان سے لے کر صدقہ کر دیا) نیز آپ ان کے حق میں دعائے خیر کیجئے۔ (انہیں دعائے برکت دے دیجئے) یقیناً آپ کی دعا ان کے دلوں کے لئے سکون (راحت) ہے (اور بعض کی رائے میں اس کے معنی قبولیت توبہ کے اطمینان کرنے کے ہیں) اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں، خوب جانتے ہیں۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور وہی صدقات کو قبول کرتا ہے۔ اور یہ کہ اللہ ہی (اپنے بندوں کی توبہ) زیادہ سے زیادہ قبول کرنے والا ہے اور بڑا ہی رحمت والا ہے (ان پر یہاں استفہام تقریری ہے اور مقصد توبہ اور صدقہ کی ترغیب دینا ہے) اور آپ (ان سے یا عام لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ (جیسے چاہو) عمل کئے جاؤ۔ اب اللہ دیکھ لے گا کہ تمہارے عمل کیسے ہوتے ہیں اور اللہ کا رسول بھی دیکھے گا اور مسلمان بھی دیکھیں گے۔ اور ضرور تمہیں اسی کے پاس (قیامت میں) جانا ہے۔ جس کے علم سے نہ تو کوئی ظاہر بات پوشیدہ ہے اور نہ چھپی ہوئی (یعنی اللہ) سو وہ تمہیں تمہارا سب کیا ہوا بتلا دے گا (پس وہ تمہیں اس پر بدلہ دے گا) اور کچھ اور لوگ ہیں (جہاد میں نہ شریک ہونے والوں میں سے) جن کا معاملہ ملتوی ہے (یہ لفظ ہمزہ اور بلا ہمزہ کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی توبہ کا معاملہ معلق ہے) اللہ کا حکم آنے تک (ان کے بارے میں جو چاہے حکم فرما دے۔ وہ انہیں عذاب دے (بلا توبہ موت دے کر) یا ان کی توبہ قبول فرما لے اور اللہ تعالیٰ (اپنی مخلوق کو) خوب جاننے والے ہیں (ان کے ساتھ کارروائی کرنے میں) بڑی حکمت والے ہیں (اور وہ تین حضرات تھے جو ابھی تک نہیں آسکے۔ مرارہ بن ربیع۔ کعبؓ بن مالک۔ ہلالؓ بن امیہ۔ یہ لوگ کسل مندی اور آرام طلبی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے یہ منافق نہیں تھے۔ مگر دوسروں کی طرح آنحضرت ﷺ کی خدمت میں معذرت کے لئے حاضر بھی نہ ہو سکے، جس کی وجہ سے ان کا معاملہ پچاس روز تک لٹکا رہا اور تمام صحابہؓ نے ان کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ پھر ان کی توبہ قبول ہوگئی) اور (منافقین میں سے بعض لوگ) وہ بھی ہیں جنہوں نے ایک مسجد بنا کھڑی کی (وہ بارہ منافقین تھے) اس غرض سے کہ نقصان پہنچائیں (مسجد قبا والوں کو ضرر پہنچانے کے لئے) اور کفر کریں (ابو عامر راہب کے مشورہ سے یہ مسجد بنائی گئی تھی۔ تاکہ اس کے لئے یہ ایک سازش گاہ بن سکے اور ان لوگوں کے لئے بھی جو اس کے پاس آئیں جائیں۔ اور ابو عامر قیصر روم کے پاس نبی کریم ﷺ کے خلاف فوج کشی کرانے کے لئے گیا ہوا تھا) اور ایمان داروں میں تفرقہ ڈالیں (مسجد قبا کے نمازیوں کو توڑنے کے لئے) اور ان لوگوں کے لئے کمین گاہ بنائیں جو آج سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکے ہیں (یعنی اس مسجد ضرار کے بنانے سے پہلے۔ اس سے مراد وہی ابو عامر راہب ہے) وہ ضرور قسمیں کھا کر کہیں گے ہمارا مطلب (اس کے بنانے سے) اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ بھلائی (کا کام) ہو (بارش اور گرمی کے موسم میں غریبوں کے لئے آسانی اور مسلمانوں کے لئے سہولت ہو) اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں (اس بارے میں ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے اس مسجد ضرار میں نماز پڑھنے کی درخواست کی تھی۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی) تم کبھی اس مسجد میں (نماز پڑھنے کے لئے) کھڑے نہ ہونا (چنانچہ آپؐ نے صحابہؓ کی ایک جماعت بھیج کر اس مسجد کو شہید کرا دیا اور آگ لگوا دی اور وہاں کوڑا کباڑ، مردار چیزیں پھینکوا دیں) البتہ جس مسجد کی بنیاد "داغ بیل" اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے (مسجد قبا مراد ہے، جس کی بنیاد ہجرت کے سلسلہ میں تشریف آوری کے وقت رکھی گئی تھی۔ جیسا کہ بخاری میں ہے) وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں (نماز کے لئے) کھڑے ہوں۔ وہاں ایسے آدمی ہیں (انصار) کہ وہ خوب پاک وصاف ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتے ہیں (یعنی انہیں ثواب دیں گے۔ لفظ یتطھرون میں دراصل تا کا ادغام طا میں ہو رہا ہے ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں عویمر بن ساعدہ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ اہل قبا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تمہاری مسجد کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری پاکی کی تعریف کی ہے۔ تو وہ کون سی پاکی ہے، جس کو تم

کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کے علاوہ ہمیں اور کچھ خبر نہیں کہ ہمارے پڑوس میں یہودی رہتے ہیں اور قضاء حاجت کے بعد آبدست لینے کے عادی ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی ہم بھی یہی کرنے لگے اور بزار کی بیان کردہ حدیث میں ہے کہ ہم لوگ ڈھیلوں یا پتھر کے ساتھ پانی کو بھی استعمال کرتے تھے۔ غرضیکہ آپؐ نے فرمایا کہ بس یہی بات ہے۔ لہذا آئندہ بھی تم اس پر کاربند رہو) کیا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اس کی خوشنودی (کی امید) پر رکھی یا وہ جس نے ایک کھائی (گھاٹی) کے کنارہ پر اپنی عمارت کی بنیاد رکھی (لفظ جــــرف ضم راء اور سکون راء کے ساتھ ہے کنارہ کے معنی میں) جو گرنے ہی کو ہے (گرنے کے قریب ہے) پھر وہ اس کو لے کر (بنانے والے سمیت) جہنم کی آگ میں گر پڑی (کیا وہ بہتر ہے۔ یہ مثال ہے اس عمارت کی جو تقویٰ کے خلاف بنیاد پر بنائی گئی ہو اور استفہام تقریری ہے یعنی اول بہتر ہے جس کی مثال مسجد قبا ہے۔ دوسری جس کی مثال ''مسجد ضرار'' ہے) اور اللہ ایسے ظالموں کو سمجھ ہی نہیں دیتے یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی۔ ہاں مگر یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں (یہ مر جائیں) اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں (اپنی مخلوق کے بارے میں) اور (ان کے ساتھ کارروائی میں) بڑی حکمت والے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **مــن الـمهـاجـريـن** ابن عباسؓ اور ابن المسیبؒ کی رائے ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور تمام صحابہؓ کے سابقون اولون ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ وہ باقی تمام مسلمانوں سے مقدم ہیں۔

لاتـعلمهم دوسری آیت میں **ولـتـعـرفنهم الخ** فرمایا گیا۔ ان دونوں آیتوں میں تعارض کا جواب یہ ہے کہ انکار کی آیت پہلے ہے اور اثبات کی بعد کی۔

واخرون تبوک میں نہ جانے والے لوگ تین طرح کے تھے (۱) جو اپنے نفاق پر ڈٹے رہے جن کا ذکر **وممن حولكم الـــخ** میں گذر چکا ہے (۲) جنہوں نے بعد میں حاضر ہو کر معذرت وتوبہ کر لی اس آیت میں یہی لوگ مراد ہیں (۳) جو لوگ معذرت کرنے بھی نہیں آئے جن کا ذکر **واخرون مرجون الخ** میں آ رہا ہے۔

عســى الله قرآن کریم میں کلمات ترجی تحقیق کے معنی میں آتے ہیں۔ قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ محض اپنے فضل سے توبہ قبول کرتا ہے۔ کچھ اس پر واجب نہیں ہے۔ بہر حال کریم کا طمع دلانا بھی دوسروں کے یقینی وعدوں سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔

اوثــقـوا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دس آدمی تبوک میں نہیں جا سکے تھے۔ جن میں سے سات نے خود کو ستون مسجد سے باندھ لیا۔ جلال محقق ابولبابہؓ کے ستون سے بندھنے کے واقعہ کو سورۂ انفال میں آنحضرت ﷺ کے افشاء راز کے سلسلہ میں نقل کر چکے ہیں۔ جس پر آیت **يـا ايها الذين امنوا لا تخونوا الله الخ** نازل ہوئی تھی اور یہاں تبوک کے سلسلہ میں بھی نقل کر رہے ہیں پس ممکن ہے مفسر علامؒ نے ان دونوں موقعوں میں ان کی شرکت مانی ہو۔

وصل عليهم صاحب مدارکؒ فرماتے ہیں کہ صدقات وصول کرنے والوں کو چاہیئے کہ صدقہ دینے والوں کے حق میں صدقہ لینے کے وقت دعائے خیر وبرکت کر دیا کریں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حاکم اور افسر کو چاہیئے کہ ''**اجــرک اللّــه فيـمـا اعطيـت وجـعـلـه طهـورا وبارک لک ابقيت ثم رغب الله فی ذلک**'' کہنا چاہیئے۔ شرح اصول ابن حاجب میں لکھا ہے کہ آیت **خــذ مـن امـوالـهـم** سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ہر نوع مال کو صدقہ لینا چاہئے۔ جیسا کہ ہماری رائے ہے کیونکہ جب ایک قسم مال سے صدقہ لے لیا تو **خـذ مـن امـوالـهم** پر عمل ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ ایک درہم ودینار بھی تو آخر مال ہی ہے۔ پس ان میں سے بھی صدقہ لینا

چاہئے۔ حالانکہ ایسا نہیں اس سے معلوم ہوا کہ مال کی ہر قسم مراد نہیں ہے۔ دوسرے اکثر حضرات کی رائے اس کے خلاف ہے اور معنی اختلاف یہ ہے کہ اموال کی اضافت مفید استغراق ہے یا نہیں۔ البتہ من تبعیضیہ ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نہ سب مال لو اور نہ سب چھوڑو۔

تطهرهم اس میں اشارہ ہے کہ زکوۃ کا مال ایک طرح کا میل کچیل ہوتا ہے۔ جس کو "اوساخ الناس" فرمایا گیا ہے پس وضو کے پانی کی طرح ہو گا زکوۃ کا روپیہ ہے تو سید ہاشمی اور مالدار اور ذمی کو لینا حرام ہے لیکن نفلی صدقات لینے حرام نہیں ہیں ان میں میل کم ہوتا ہے۔

اور لفظ "یاخذ الصدقات" سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل لینے والا اللہ ہی ہوتا ہے۔ ان الصدقة تقع فی كف الرحمٰن قبل ان تقع فی كف الفقير ضرورت کی وجہ سے مخصوص بندوں کو مصرف بنادیا گیا ہے گویا اللہ کے وعدہ وما من دآبة فی الارض الا علی اللّٰه رزقها کے پورا کرنے کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ مالداروں سے وہ غریبوں کو دلا دیتا ہے۔ نیز غیر منقسم چیز کا ہبہ اگر چہ جائز نہیں ہے لیکن مشاع چیز کا صدقہ درست ہے۔ کیونکہ صدقہ لینے والا دراصل ایک ہی ہے یعنی اللہ۔ اس میں مشاع نہیں۔ برخلاف ہبہ کے اس میں اغنیاء متعدد ہو سکتے ہیں۔

خمسين ليلة سفر تبوک کی مدت بھی اتنی ہی ہے غیر حاضری کے مطابق ہی سزا ملی۔

لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ سے مراد مسجد قباء ہے ہجرت کر کے اول آنحضرت ﷺ یہیں فروکش ہوئے تھے اور پیر سے جمعہ تک قیام فرمایا تھا اور بعض نے مسجد نبوی مراد لی ہے۔ ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا هو مسجد كم هذا مسجد المدينة صاحب مدارک کی رائے ہے کہ بعض کے نزدیک جو مسجد رضاء الٰہی کے علاوہ کسی اور غرض سے بنائی جائے۔ مثلاً فخر ومباہات ریاء وسمع پیش نظر ہو یا حرام مال سے بنائی جائے تو وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے۔

عطاء سے مروی ہے کہ فاروق اعظمؓ کے ہاتھ پر جب شہر کے شہر فتح ہونے لگے تو آپ نے حکم دیا تھا کہ ایک شہر میں دو دو مسجدیں اس طرح نہ بنائی جائیں کہ ایک سے دوسری کو نقصان ہو۔ علمائے اصول فرماتے ہیں کہ مغصوبہ زمین میں نماز، نماز ہونے کی وجہ سے ممنوع نہیں ہے بلکہ دوسرے کی زمین مشغول رکھنے کی وجہ سے لغیرہ ممنوع ہے لیکن چونکہ زمین اور جگہ کا تعلق نماز سے ایسا تو ہے نہیں جیسے وقت کا تعلق نماز روزہ سے ہوتا ہے اس لئے اوقات مکروہہ میں نماز جس طرح مکروہ ہے نہ تو مغصوب زمین میں اس طرح مکروہ ہوتی ہے اور نہ عید کے دن روزہ جس طرح فاسد ہو جاتا ہے اس طرح مغصوب جگہ میں نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

ان يتطهروا الخ اس میں پانی سے استنجے کی فضیلت معلوم ہوئی۔ کیونکہ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا ڈھیلوں اور پانی دونوں سے استنجا کرنے کی وجہ سے تعریف کی گئی ہو یا ڈھیلوں کے بعد پانی استعمال کرنے کی وجہ سے اظہار پسندیدگی کیا گیا ہوگا۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ کی رائے ہے لیکن یہ استحباب اور افضلیت اس وقت ہے جب کہ نجاست اپنے مقام سے آگے نہ بڑھے اور اگر ادھر ادھر بھی پھیل جائے تو پھر پانی کا استعمال واجب ہو جائے گا۔ اس آیات سے علمائے اصول نے یہ سمجھا ہے کہ شرم گاہ کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ پانی سے استنجا کرنا جب قابل تعریف ہے تو اس میں ہاتھ کا بدن کو لگنا عادۃً ضروری ہے۔ پس اگر اس ہاتھ لگنے سے وضو ٹوٹ جاتا۔ تو پھر تعریف کے کیا معنی؟ فی نفسہ یہ استدلال اگر چہ مضبوط نہیں ہے۔ تاہم امام شافعیؒ پر الزام ہو سکتا ہے۔ البتہ یہاں ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ استنجے کے معنی تو پاخانہ کے بعد پاکی کے ہیں اور پیشاب کے بعد طہارت کو استبراء کہا جاتا ہے۔ پس اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف بڑے استنجے کا ہے۔ چھوٹے استنجے کا نہیں ہے۔ حالانکہ علمائے اصول کی رائے یہ ہے کہ دونوں استنجوں کا حکم یہی ہے۔

پس کہا جائے گا کہ فقہاء کے نزدیک یہی عام حکم ہی مراد ہے۔ البتہ بڑا استنجا چونکہ زیادہ تفصیل کا محتاج ہے اس لئے فقہاء کو

بیان کرنا پڑا کہ پہلا ڈھیلا پیچھے کو لے جائے اور دوسرے کو پہلے کے برخلاف پھیرے۔ اور تیسرے کو پہلے کی طرح استعمال کرے اور یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ تفصیل کسی مخصوص استنجے کی ہے۔ فارسل جماعة اس سے مراد مالک بن دخشم، معن بن عدی، عامر بن السکن وحشی ہیں جنہوں نے مسجد ضرار کو جا کر شہید کیا۔ یوم حللت اگر قباء میں آپ کا قیام چار روز رہا تو پیر سے جمعہ تک آپ کا قیام رہا اور یہ آنحضرت ﷺ نے پہلا جمعہ پڑھا تھا اور بعض نے چودہ روز اور بعض نے بائیس روز قیام بتلایا ہے۔

ان یتطھروا طہارت معنوی اور حسی دونوں مراد ہیں یا ایک۔

ربط آیات: .... اس سے پہلی آیت میں دیہاتی مسلمانوں کا ذکر تھا۔ یہاں عام مسلمانوں کا ذکر کیا جا رہا ہے پہلے افضل لوگوں کا اور بعد میں کم درجہ لوگوں کا۔ آیات وممن حولکم الخ سے ان منافقین کا ذکر ہے جن کا نفاق آنحضرت ﷺ کو بھی معلوم نہیں تھا۔ اس کے بعد آیت واخرون اعترفوا الخ میں ان مسلمانوں کا بیان جو محض سستی اور کاہلی سے تبوک میں نہیں جا سکے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی خدمت میں معذرت پیش کرنے کے لئے حاضر تو نہیں ہوئے البتہ خود کو ستونوں سے باندھ دیا تھا۔ اور آیت واخرون مرجون الخ سے ان لوگوں کا بیان ہے جنہوں نے نہ معذرت کی اور نہ خود کوئی سزا نفس کو دی۔ اس کے بعد آیت والذین اتخذوا الخ سے مسجد ضرار کا واقعہ اور اس کا حکم ذکر کیا گیا ہے۔

شان نزول: .... ان مختلف آیات کے اسباب نزول کی طرف خود مفسر علامؒ نے اشارہ فرما دیا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ میں درجہ بدرجہ فرق مراتب:** .... لفظ سابقون الاولون میں تمام انصار و مہاجرین صحابہؓ داخل ہو گئے اور الذین اتبعوھم الخ میں باقی تمام مسلمان آ گئے۔ اس طرح کہ اول وہ صحابہؓ جو مہاجرینؓ و انصارؓ کے علاوہ ہیں وہ داخل ہو گئے۔ کیونکہ بعد میں ہجرت فرض نہیں رہی تھی۔ ان کے بعد پھر تابعینؒ اور تبع تابعینؒ آ گئے۔

ان کے باہمی فضل و کمال میں ترتیب کے لحاظ سے یہی فرق رہے گا اور اولیت بعد والوں کے اعتبار سے تو اس لئے باعث فضیلت ہے ہی کہ یہ حضرات بانی نیکی ہونے کے لحاظ سے حدیث من سن سنة حسنة الخ اور الدال علی الخیر کفاعله کا مصداق ہیں۔ اگرچہ بعد والے پہلے زمانہ میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے ایمان لانے پر قادر نہیں تھے۔ لیکن دوسرے معاصرین کے اعتبار سے اول لوگوں کا شرف اس لئے ہے کہ قدرت حاصل ہونے کے باوجود دوسرے لوگ ایمان لانے میں پیچھے کیوں رہے اور فرق مراتب ہی کے اعتبار سے ان حضرات کی جزاؤں میں بھی فرق ہوگا اور سابقون میں احسان کی قید اس لئے نہیں لگائی کہ ان کا مہاجر اور ناصر ہونا ہی احسان پائے جانے کی کافی دلیل ہے۔

سنعذبھم الخ میں ثم یردون الخ کے مقابل ہونے کی وجہ سے آخرت سے پہلا زمانہ مراد لیا جائے گا۔ جس میں دنیا کی زندگی اور برزخی زندگی دونوں آ جائیں گی۔ پس دنیاوی اعتبار سے تو دوسرے منافقین کی نسبت ان منافقین کو دونا عذاب اس لئے ہے کہ جن کا نفاق کھل گیا ان کا معاملہ تو ایک طرف ہوا۔ مگر جن کا نفاق ابھی نہیں کھلا انہیں ہر وقت کی پریشانی اور بے چینی ہے کہ کہیں اب بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔ کہیں اب قلعی نہ کھل جائے۔ اس لئے ہر وقت اخفاء کی فکر میں رہتے ہیں۔ برخلاف دوسرے منافقین کے کہ وہ اس فکر سے تو بےفکر ہو گئے ...... اور اخروی عذاب کا دوگنا ہونا تو ظاہر ہے۔ بہرحال چونکہ نفاق کا مدار اخفاء پر ہوتا ہے۔ اور یہ اخفاء میں اس قدر بڑھے ہوئے ہیں کہ باوجودیکہ رسول اللہ ﷺ کی ذکاوت و ذہانت کی گرد کو بھی کوئی شخص نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن حد ہو گئی کہ انہوں نے آج تک آپ کو بھی پتہ چلنے نہیں دیا۔ اس لئے یہ نفاق میں سب سے بڑھے ہوئے نکلے۔

تبوک میں نہ جانے والے صحابہؓ کی دو قسمیں: .... مخلص صحابہؓ میں جو لوگ محض سستی اور کاہلی سے تبوک میں نہیں جا سکے۔ ان میں سے بعض نے اگر چہ حاضر خدمت ہو کر معذرت نہیں کی۔ لیکن بطور خود اپنے نفس کو مسجد کے ستونوں سے باندھ کر انہوں نے سزا لے لی۔ آیت آخرون اعترفوا الخ میں ایسے ہی لوگوں کا بیان ہے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی رہے جنہوں نے نہ حاضر ہو کر معذرت کی اور نہ بطور خود کوئی سزا دی۔ آیت آخرون مرجون الخ میں ایسے ہی لوگوں کا بیان ہے۔

چند تحقیقات: .... ان آیتوں میں چند باتیں غور طلب ہیں (۱) گناہ اگر چہ توبہ سے معاف ہو جاتا ہے۔ لیکن اس گناہ کی ظلمت کا کچھ اثر باقی رہتا ہے۔ جو اگر چہ قابل مواخذہ نہ ہو۔ مگر آئندہ گناہ اور برائی کا اندیشہ رہتا ہے۔ جس کے لئے کسی بھی نیک عمل کا کرنا اس اثر اور کدورت کے ازالہ کا باعث ہو سکتا ہے۔ بالخصوص صدقہ جس کے لئے حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ الصدقة تطفیٔ غضب الرب اس کدورت کے ازالہ میں مؤثر سمجھا گیا ہے۔ اسی لئے خذ من اموالهم صدقة کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲) جہاد اگر چہ فی نفسہ فرض کفایہ تھا فرض عین نہیں تھا کہ جس کی وجہ سے نہ جانا گناہ ہوتا یا عذاب کا احتمال ہوتا۔ مگر آنحضرت ﷺ کے فرمادینے کے بعد فرض عین ہو گیا۔ چنانچہ امام وقت کی طرف سے عام دعوت کے بعد جہاد میں جانا فرض عین ہو جاتا ہے۔ اس لئے پہلی جماعت کی طرف سے سوء عملی کی نسبت فرمائی اور دوسری جماعت کی طرف عذاب کا خطرہ بتلایا ہے۔

(۳) صدقہ دینے والے کے لئے مناسب دعائیہ کلمات ہونے چاہئیں۔ البتہ "اللّٰهم صل علی فلان" اس لئے مناسب نہیں کہ اس سے نبوت کی طرف ایہام ہو جاتا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں لغوی معنی کے اعتبار سے استعمال ہو رہا ہے۔ نیز اس وقت یہ عرفی معنی تھے بھی نہیں جس سے غلط ایہام ہوتا۔

(۴) بعض اوقات توبہ چونکہ شرائط کے مطابق نہیں ہوتی۔ اس لئے دوسری جماعت کے لئے توبہ کی قبولیت اور عذاب دونوں کا احتمال بیان کیا گیا ہے۔ پس یہ آیت دوسری آیات توبہ کے خلاف نہیں ہے۔

مسجد ضرار کا واقعہ: .... "مسجد ضرار" کے واقعہ کی طرف خود جلال محققؒ اشارہ کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی نیت فاسد سے کچھ منافقین نے یہ مسجد تیار کر کے کھڑی کر دی تھی اور نہایت ہی معصومانہ انداز سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں برکت کے لئے دوگانہ پڑھنے کے لئے تشریف لے چلنے کی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا اس وقت تو تبوک کی مہم سر پر ہے واپسی کے بعد دیکھا جائے گا۔ لیکن واپسی پر حق تعالیٰ نے حقیقت واشگاف کر دی۔ تو آپؐ نے مالک بن دخشم، معن بن عدی، عامر بن السکنی، وحشی کو بھیجا اور مسجد کو گروا کر آگ لگوا دی۔ حالانکہ مسجد جس کو "خیر البقاع" فرمایا گیا ہے۔ اس کا بنانا جس درجہ مستحسن ہو سکتا ہے۔ وہ حدیث من بنی لله مسجدا بنی الله له بیتا فی الجنة سے ظاہر ہے لیکن بری نیت کی وجہ سے ایک بہترین کام بدترین شمار کر لیا گیا ہے۔ لیکن اس کے بالمقابل حاطب بن ابی بلتعہؓ غزوۂ بدر کے موقعہ پر مکہ کے کافر دشمنوں کو آنحضرت ﷺ کے عزائم سے باخبر کر کے ایسا خطرناک جرم کرتے ہیں۔ جس کی سزا فوجی دنیا میں موت سے کسی طرح کم نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے صحابہؓ سن کر بے حد افروختہ اور مشتعل ہو جاتے ہیں اور فاروق اعظمؓ جیسا صاف دل دماغ اور صاف گو جرنیل چیخ اٹھتا ہے کہ "افلا نضرب عنقه" لیکن زبان رسالت اس کی حسن نیت کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ اس کی بات تسلیم کر کے اس کے عذر کی تصدیق کرتی ہے۔ بلکہ اس کو پروانۂ خوشنودی و رضا بھی عطا کر دیا جاتا ہے۔ پس اتنا بدترین عمل لیکن حسن نیت کی بدولت جائز و معقول قرار پاتا ہے۔ یہی مطلب ہے حدیث انما الاعمال بالنیات اور انما لامرئ ما نوی الخ کا۔

صاحب مدارک کی رائے پر تنقید:........ مسجد ضرار کے اس واقعہ سے تفاخر وریا کی نیت سے بنائی جانے والی مسجد کو بعض حضرات کا مسجد نہ سمجھنا محل کلام ہے۔ کیونکہ مسجد ضرار میں تو اصل نیت ہی مسجد بنانے کی نہیں تھی۔ بلکہ دوسری آباد مساجد اور دین کی بیخ کنی مقصود تھی۔ اس لئے وہ مسجد نہیں سمجھی گئی۔ لیکن شہرت و نام آوری اور دکھلاوے کی نیت سے مسجد بنانے میں مسجد بنانے کی نیت تو رہتی ہے ہاں اس میں ایک خرابی بھی شامل ہوگئی ہے۔ اس لئے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔ جب کہ ایک جگہ تو فساد عقیدہ اور دوسری جگہ صرف فساد نیت پس ظاہری احکام کے اعتبار سے اس کو مسجد ہی کہا جائے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس میں مقبولیت نہ ہو۔ مسجد ہونے اور مقبول بننے میں تلازم نہیں۔ نہ ایک طرف سے نہ دونوں جانب سے۔

کیا منافقین کو مرنے کے بعد راحت مل جائے گی؟:........ آیت الا ان تقطع قلوبهم کے معنی محاورہ کے اعتبار سے دائمی حسرت کے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ مرنے کے بعد انہیں راحت مل جائے گی۔ یا یہ کہا جائے کہ موت کے باوجود چونکہ قلب حقیقی مرتا نہیں۔ پس گویا چونکہ قلب کا قطع حقیقی کبھی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے دوام حسرت مراد ہو۔

ایک علمی شبہ کا ازالہ:........ ایک طرف احادیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا تعلق مسجد قباء والوں سے ہے اور آیت کا سیاق بھی بتلا رہا ہے کہ لمسجد اسس علی التقوی سے مراد اہل قبا ہی ہیں۔ مگر اس بارے میں بعض صحابہؓ کی باہمی گفتگو ہوئی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے میری مسجد مراد ہے؟۔ اس علمی شبہ کا جواب یہ کہ آپ ؐ کا منشاء یہ تھا کہ اس میں مسجد قباء کی تخصیص نہیں۔ بلکہ مسجد نبوی بھی اس میں داخل ہے۔ رہا آیت کا سیاق تو کہا جائے گا کہ عبارت النص سے تو مسجد قبا ہی مراد ہے۔........ لیکن دلالۃ النص کی رو سے مسجد نبوی بھی اس میں داخل ہے۔ کیونکہ صحابہؓ کی وجہ سے جب ایک مسجد میں یہ خوبی آ گئی تھی تو خود صحابہؓ میں جس ذات قدسی کی بدولت نور کا ظہور ہوا۔ اس کی برکت سے خود اس کی بنائی ہوئی مسجد کے شرف وکمال کا کیا پوچھنا؟

لطائف آیات:........ آیت لا تعلمهم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ قلبی اعمال جیسی مخفی چیزوں کے جاننے کا دعویٰ کرنا کسی کے لئے بھی زیبا نہیں ہے اور ایسی آیات قوی دلیل ہیں کہ جو شخص صفاء قلب اور تجرد نفس کے حاصل ہوتے ہی غیبی چیزوں کے کشف کا دعویٰ کرتا ہے وہ سراسر بے بنیاد ہے۔ نیز اس میں رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کی صراحۃ نفی ہو رہی ہے۔

آیت واخرون اعترفوا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات میں برائی اور گناہ کی جڑ جمی نہیں تھی۔ بلکہ ان میں نور کی استعداد باقی تھی۔ جس کی وجہ سے ان کی طبیعتیں نرم ہوگئی تھیں خلطوا عملا صالحا واخر سيئا میں اسی طرف اشارہ ہے۔ آیت عسى الله ان يتوب عليهم میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ نفس لوامہ کے مرتبہ سے گزر کر قلبی اتصال کے مرتبہ میں پہنچ گئے تھے اور یہ مرتبہ قوی ہو کر ملکہ کے درجہ میں پہنچ گیا تھا۔ جس کے بعد انسان کو نفس کی مخالفت سے نجات مل جاتی ہے۔ آیت خذ من اموالهم الخ سے معلوم ہوا کہ اس اتصال بالقلب کو کبھی دوسرے اسباب سے بھی مدد مل جاتی ہے۔ پس مال جو بالطبع مرغوب ہوتا ہے اور تمام شہوات کی جڑ ہوتا ہے اس کو لے کر شروع ہی میں قوئ نفس کو مضمحل اور کمزور کر دیا جائے اور اس کی خواہشات کو دبا دیا جائے۔ آیت صل عليهم میں ہمت وتوجہ سے امداد کرنے اور صحبت کے انوار پہنچانے کا حکم ہے۔

اور ان صلوتک سکن لهم سے معلوم ہوا کہ آپؐ کی یہ ہمت وافاضہ ان پر سکینہ اترنے کا سبب ہے اور سکینہ سے مراد نور قلب ہے۔ جس سے حق پر جماؤ ہو جاتا ہے اور بے استقلالی سے نجات مل جاتی ہے۔ گناہ اور غلطی کا اقرار کر لینے کی فضیلت، معذرت کی

قبولیت، صدقہ وغیرہ اعمال اور شیخ کی برکت، شیخ کے لئے مرید کو تسلی دینے کی ہدایت ان آیات سے معلوم ہو رہی ہے۔

آیت فسیر اللہ الخ سے معلوم ہوا کہ توبہ کی حداتنی ہو جائے کہ توبہ کرنے والے پر صالحین کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ کیونکہ مسلمانوں کے دیکھنے کا تعلق تو ان ہی علامات سے ہوسکتا ہے۔ آیت آخرون مرجون الخ سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات مرید کے معاملہ کو خوف وامید کے درمیان چھوڑ دینا چاہیے۔ نہ تو صراحۃً اس کا عذر قبول کیا جائے کہ اس سے نصیحت کا اثر کمزور پڑ جاتا ہے اور نہ صراحۃً اس کو روک دینا چاہیئے کہ اول تو اس سے توحش ہوگا اور پھر مایوسی اور پھر دوری۔ اور یہ سب باتیں اس کے لئے نقصان دہ ہوں گی۔ لیکن اس معلق رکھنے میں مرید کی بڑی مصلحتیں ہیں۔ آیت والذین اتخذوا الخ سے معلوم ہوا کہ دین کو اپنی فاسد غرض کا آلہ بنانا برا ہے۔

آیت لا تقم الخ سے معلوم ہوا کہ شرعی کراہت کا سبب بننے سے بھی بچنا ضروری ہے۔

آیت لمسجد اسس الخ سے معلوم ہوا کہ جس چیز کی بنیاد تقویٰ پر ہو اس سے نفس میں صفائی وقوت اور عمدگی حال، ذوق وجدان کا اثر پیدا ہو جاتا ہے اور جس چیز کی بنیاد خلاف تقویٰ پر ہو۔ اس سے نفس میں کدورت، تفرقہ قبض کا اثر پیدا ہو جاتا ہے اور آیت فیہ رجال میں اشارہ ہے تاثیر صحبت کی طرف اور اس مجموعہ سے یہ معلوم ہوا کہ جمعیت خاطر حاصل ہونے میں مکان، زمان، اخوان طریق کو بڑا دخل ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنْ يَبْذُلُوْهَا فِيْ طَاعَتِهٖ كَالْجِهَادِ **بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ** جُمْلَةُ اسْتِيْنَافٍ بَيَانٌ لِلشِّرَاءِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَقْدِيْمِ الْمَبْنِيِّ لِلْمَفْعُوْلِ اَيْ فَيُقْتَلُ بَعْضُهُمْ وَيُقَاتِلُ الْبَاقِيْ **وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا** مَصْدَرَانِ مَنْصُوْبَانِ بِفِعْلِهِمَا الْمَحْذُوْفِ **فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ** اَيْ لَا اَحَدٌ اَوْفٰى مِنْهُ **فَاسْتَبْشِرُوْا** فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ **بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ** الْبَيْعُ **هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ** ﴿۱۱۱﴾ النَّيْلُ غَايَةَ الْمَطْلُوْبِ **اَلتَّآئِبُوْنَ** رَفْعٌ عَلَى الْمَدْحِ بِتَقْدِيْرِ مُبْتَدَاءٍ مِنَ الشِّرْكِ وَالنِّفَاقِ **الْعٰبِدُوْنَ** الْمُخْلِصُوْنَ الْعِبَادَةَ لِلّٰهِ **الْحٰمِدُوْنَ** لَهٗ عَلٰى كُلِّ حَالٍ **السَّآئِحُوْنَ** الصَّائِمُوْنَ **الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ** اَيِ الْمُصَلُّوْنَ **الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ** لِاَحْكَامِهٖ بِالْعَمَلِ بِهَا **وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ** ﴿۱۱۲﴾ بِالْجَنَّةِ وَنَزَلَ فِيْ اِسْتِغْفَارِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمِّهٖ اَبِيْ طَالِبٍ وَاسْتِغْفَارِ بَعْضِ الصَّحَابَةِ لِاَبَوَيْهِ الْمُشْرِكَيْنِ **مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى** ذَوِيْ قَرَابَةٍ **مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ** ﴿۱۱۳﴾ اَلنَّارِ بِاَنْ مَاتُوْا عَلَى الْكُفْرِ **وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ** بِقَوْلِهٖ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ رَجَاءَ اَنْ يُسْلِمَ **فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ** بِمَوْتِهٖ عَلَى الْكُفْرِ **تَبَرَّاَ مِنْهُ** وَتَرَكَ الْاِسْتِغْفَارَ لَهٗ **اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ** كَثِيْرُ التَّضَرُّعِ وَالدُّعَاءِ **حَلِيْمٌ** ﴿۱۱۴﴾

صَبُوْرٌ عَلَى الْأَذٰى وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰهُمْ لِلْاِسْلَامِ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ مِنَ الْعَمَلِ فَلَا يَتَّقُوْهُ فَيَسْتَحِقُّوا الْاِضْلَالَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَمِنْهُ مُسْتَحِقُّ الْاِضْلَالِ وَالْهِدَايَةِ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَمَا لَكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيْ غَيْرِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ يَحْفَظُكُمْ مِنْهُ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ يَمْنَعُ عَنْكُمْ ضَرَرَهٗ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ اَيْ اَدَامَ تَوْبَتَهٗ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ اَيْ وَقْتِهَا وَهِيَ حَالُهُمْ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ كَانَ الرَّجُلَانِ يَقْتَسِمَانِ تَمْرَةً وَالْعَشْرَةُ يَعْتَقِبُوْنَ الْبَعِيْرَ الْوَاحِدَ وَاشْتَدَّ الْحَرُّ حَتّٰى شَرِبُوا الْفَرْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ تَمِيْلُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ عَنِ اتِّبَاعِهٖ اِلَى التَّخَلُّفِ لِمَا هُمْ فِيْهِ مِنَ الشِّدَّةِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ بِالثَّبَاتِ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَتَابَ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا عَنِ التَّوْبَةِ عَلَيْهِمْ بِقَرِيْنَةِ حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ اَيْ مَعَ رُحْبِهَا اَيْ سَعَتِهَا فَلَا يَجِدُوْنَ مَكَانًا يَطْمَئِنُّوْنَ اِلَيْهِ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ قُلُوْبُهُمْ لِلْغَمِّ وَالْوَحْشَةِ بِتَاخِيْرِ تَوْبَتِهِمْ فَلَا يَسَعُهَا سُرُوْرٌ وَّلَا اُنْسٌ وَظَنُّوْا اَيْقَنُوْا اَنْ مُخَفَّفَةٌ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ وَفَّقَهُمْ لِلتَّوْبَةِ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ ع

ترجمہ:............ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں بھی خرید لیں اور ان کا مال بھی (تاکہ جہاد وغیرہ نیک کاموں میں اس کو صرف کریں) اور اس قیمت پر خرید لیں کہ ان کے لئے بہشت ہو۔ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں جس میں مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں (یہ جملہ مستانفہ ہے شــــراء کا بیان ہے اور ایک قرأت میں مجہول صیغہ پہلے ہے۔ یعنی بعض شہید ہو جاتے ہیں اور باقی لڑتے رہتے ہیں) اس پر سچا وعدہ کیا ہے (یہ دونوں مصدر فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہیں) تورات، انجیل، قرآن میں۔ اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ (یعنی اس سے زیادہ وفاء عہد کرنے والا کوئی نہیں ہے) پس خوشیاں مناؤ (اس میں صیغہ غائب سے التفات پایا جاتا ہے) اپنے اس سودے پر جو اللہ سے تم نے چکایا ہے اور یہی (تجارت) ہے جو بڑی سے بڑی فیروز مندی ہے (کامیابی جو انتہائی مطلوب ہے) وہ توبہ کرنے والے (اس پر رفع مدح کی وجہ سے ہے اور مبتداء مقدر ہے یعنی کفر وشرک سے توبہ کرنے والے ہیں) عبادت گذار (اللہ کے لئے خالص عبادت کرنے والے) اللہ کی حمد وثناء کرنے والے (ہر حال میں) روزے دار (روزے رکھنے والے) رکوع سجدہ کرنے والے (نمازی) نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حد بندیوں کی حفاظت کرنے والے ہیں (اللہ کے احکام پر عمل کر کے) اور ایسے ایمانداروں کو آپ خوشخبری سنا دیجئے (جنت کی۔ اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی، جب کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کے لئے اور بعض صحابہؓ نے اپنے مشرک والدین کے لئے استغفار کرنا چاہا) پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں۔ اگرچہ وہ رشتہ دار (قرابت دار) ہی ہوں۔ اس بات کے واضح ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں (بشرطیکہ یہ لوگ کفر کی حالت میں مرجائیں) اور ابراہیم نے جو اپنے باپ کے لئے بخشائش کی آرزو کی تھی تو صرف اس وجہ سے کہ اپنا وعدہ پورا کر دیں جو انہوں نے اس سے کر لیا تھا (اس کے مسلمان ہونے

کی توقع پر یہ کہہ دیا تھا کہ میں اللہ کی جناب میں تمہارے لئے استغفار کروں گا) لیکن ان پر جب یہ واضح ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے (کفر پر مرجانے کی وجہ سے) تو وہ اس سے محض بے تعلق ہو گئے (اور ان کے لئے استغفار کرنا چھوڑ دیا) بلاشبہ ابراہیم بڑے ہی درمند (بے حد عاجزی اور دعا کرنے والے) بڑے ہی بردبار تھے (مصیبتوں پر صبر کرنے والے) اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی قوم کو (اسلام کی) ہدایت دینے کے بعد گمراہ کردے۔ جب تک ان پر وہ ساری باتیں واضح نہ کردے جن سے انہیں بچنا چاہئے (پس جب ایسے کاموں سے وہ نہ بچے تو گمراہی کے مستحق ہو گئے) بلاشبہ اللہ کے علم سے کوئی بات باہر نہیں (وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون گمراہ کرنے کا مستحق ہے اور کون ہدایت پانے کا) بلاشبہ آسمان وزمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ اور (اے لوگوں) تمہارے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی یار ہے (جو تمہاری حفاظت کرسکے) اور نہ کوئی مددگار ہے (جو تمہیں نقصان سے بچا سکے) یقیناً اللہ تعالیٰ نے توجہ فرمائی (یعنی ہمیشہ سے مہربان ہے) پیغمبر کے حال پر اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی۔ جنہوں نے تنگی کی گھڑی میں بھی پیغمبر کا ساتھ دیا (یعنی تنگی کے وقت بھی جب کہ غزوۂ تبوک میں ان کی یہ حالت تھی کہ دو دو آدمی ایک ایک کھجور میں شریک تھے اور دس دس آدمی باری باری ایک ایک اونٹ پر سوار ہوتے اور انتہائی گرمی سے بلبلا کر لید نچوڑ کر پینے پر مجبور ہو گئے تھے) جبکہ ایسی حالت ہو چکی تھی کہ قریب تھا (لفظ یزیغ تا اور یا کے ساتھ ہے یعنی مائل ہو جائیں) ان میں سے ایک.......... گروہ کے دل ڈگمگا جائیں (آپ کے ساتھ چلنے سے انتہائی مشکلات کی وجہ سے) پھر وہ اپنی رحمت سے ان سب پر متوجہ ہو گیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب پر بہت شفیق مہربان ہیں اور ان تین شخصوں کے حال پر بھی (توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا (توبہ سے بچے رہنے کی وجہ سے۔ اگلے الفاظ کے قرینہ کی وجہ سے) یہاں تک کہ زمین اپنی ساری کشادگی کے باوجود بھی جب ان کے لئے تنگ ہو گئی (یعنی اپنی وسعت کے باوجود کوئی جگہ انہیں اطمینان کی نصیب نہیں ہو سکی) اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے (ان کے دلوں پر غم ووحشت سوار ہو گئی تھی۔ توبہ کا معاملہ ملتوی ہونے کی وجہ سے ان میں خوشی اور محبت کی رمق باقی نہیں رہی تھی) اور انہوں نے سمجھ لیا تھا (جان لیا تھا) کہ اللہ سے بھاگ کر انہیں کوئی پناہ نہیں مل سکتی مگر خود اس کے دامن میں۔ پس پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی (انہیں توبہ کی توفیق بخش کر) تاکہ وہ آئندہ بھی اللہ کی طرف جھکتے رہا کریں بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والے، بڑے رحم کرنے والے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... اشتری کنایہ ہے بدل اور عوض سے اور نہ حقیقی معنی لینا محال ہے۔

مصدران۔ ای وعدهم وعدا وحق ذلك الوعد حقا **ومن اوفى** یعنی مخلوق میں بھی وعدہ خلافی کریم لوگوں کی عادت کے خلاف ہے تو اللہ کی شان کریمی کے شایان کیسے ہو سکتی ہے۔

بتقدیر مبتداء۔ ای **هم التائبون** اور من الشرک کا تعلق تائبون کے ساتھ ہے۔

السائحون ابن مسعودؓ وابن عباسؓ اس کے معنی روزہ کے لیتے ہیں۔ بلکہ بقول ابن عباسؓ قرآن کریم میں جہاں بھی لفظ سیاحت آیا ہے اس کے معنی روزہ کے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے **سیاح امتی الصوم**۔

لعمه ابی طالب. شیخینؒ کی روایت ہے کہ ابوطالب کی وفات کے وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا **قل کلمة احاج بها لک عند الله** یعنی کلمہ توحید پڑھ لیجئے۔ تاکہ مجھے اللہ کے سامنے حجت کا موقع مل سکے۔ لیکن ابوطالب نے ایمان لانے سے انکار کر دیا آپؐ نے فرمایا **لا ازال استغفر لک مالم انهه** یعنی جب تک مجھے اللہ کی طرف سے روکا نہیں جائے گا۔ یعنی تمہارے لئے برابر استغفار کرتا رہوں گا۔

واستغفار بعض الصحابة چنانچہ ترمذیؒ نے حضرت علیؓ کی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو اپنے مشرک ماں

باپ کے متعلق استغفار کرتے سنا تو حضرت علیؓ نے اظہار تعجب کیا۔ لیکن ان صحابیؓ نے حضرت ابراہیمؑ کا نام لے کر حوالہ دیا کہ انہوں نے بھی اپنے مشرک باپ کے لئے استغفار کیا تھا۔ اس بات کا تذکرہ آنحضرت ﷺ سے کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ لیکن ابن مسعودؓ ایک روایت اور نقل کرتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت ﷺ قبرستان میں ایک قبر پر دیر تک کچھ پڑھتے رہے اور روتے رہے اور فرمایا کہ یہ میرے ماں باپ کی قبریں ہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے ان کے بارے میں اجازت چاہی تھی۔ لیکن مجھے منع کر دیا گیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئیں۔ اگر اس آیت کا نزول کئی دفعہ مانا جائے تو یہ سب روایتیں جمع ہو سکتی ہیں۔ البتہ صحیحین کی روایت میں یہ اشکال ہے کہ ابو طالب کی وفات تو ہجرت سے پہلے ہو چکی ہے اور یہ سورت سب سے آخر میں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن حجرؒ یہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ پہلے ہو چکا تھا۔ مگر آیت بعد میں نازل ہوئی ہے۔

بموته على الكفر یعنی کافر ہونا تو پہلے ہی معلوم تھا۔ مگر یقینی عداوت اور ولایت کا تحقق تو مرنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

ادام تـوبتـه یہ ایک اشکال کا جواب ہے کہ نبی تو معصوم ہوتا ہے اور مہاجرینؓ و انصارؓ سے اس بارے میں کوئی قصور ہوا نہیں۔ کیونکہ انہوں نے تو ممانعت سے پہلے آپ ﷺ کے اتباع میں ایسا کیا تھا؟ مفسر محققؒ اسی کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ اصلی توبہ مراد نہیں۔ بلکہ دوام توبہ مراد ہے۔

الذين اتبعوه تقریباً ستر ہزار کا لشکر آپ کے ساتھ تھا۔ تمرة بلکہ ایک ایک آدمی ایک ہی کھجور کو تھوڑی دیر اپنے منہ میں رکھ کر دوسرے کو دے دیتا اور پھر دوسرا بھی ایسے ہی کرتا۔ حتیٰ کہ اسی طرح اس کھجور کی گٹھلی نکل آتی۔ اسی طرح نچڑی ہوئی لید کو کلیجہ پر رکھ لیتے۔ تاکہ کچھ ٹھنڈک ہی حاصل ہو جائے۔

ربط آیات: .... جہاد میں نہ جانے والوں کی برائی کے بعد اب شریک ہونے والے مجاہدین کی فضیلت و تعریف کی جا رہی ہے۔ پھر ان میں سے بھی کاملین کی زیادہ توصیف کی جا رہی ہے۔ اس کے بعد آیت ما كان للنبى الخ سے کفار و مشرکین کے ساتھ کامل اظہار بیزاری کیا جا رہا ہے۔ جیسا کہ شروع سورت میں بھی براءة من الله الخ سے بیزاری کا اعلان کیا گیا تھا۔ گویا اب ان کے لئے استغفار تک سے روکا جا رہا ہے اور چونکہ مشرکین کے حق میں استغفار ناجائز ہے اور ناجائز کام کرنے سے دل میں ایک طرح کی ظلمت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے پھر گمراہی کا قریبی مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بار بار کرنے سے اس میں اضافہ ہو سکتا ہے جس سے ایک مؤمن کو نقصان کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے آیت وما كان الله ليضل الخ سے ضابطہ بیان فرما کر تسلی دی جاتی ہے۔ اس کے بعد آیت لقد تاب الخ سے تبوک میں نہ جانے والوں میں سے سچ بولنے والوں کی تعریف کی جا رہی ہے۔

شان نزول: .... آیت ما كان للنبى الخ کے شان نزول کی طرف مفسر علامؒ خود اشارہ کر رہے ہیں اور چونکہ اس ممانعت سے صحابہؓ کو یہ اشکال ہو رہا تھا۔ کہ ممانعت سے پہلے جو لوگ اپنے مشرک والدین کے بارے میں استغفار کر چکے ہیں ان سے بھی مواخذہ ہوگا۔ اس کی تردید میں آیت وما كان الله ليضل الخ نازل ہوئی ہے۔

﴿تشریح﴾: .... جہاد مستقل ایک فضیلت ہے مگر ان خوبیوں سے اور سونے پر سہاگہ ہو گیا: ....

آیت التائبون الخ کا یہ مطلب نہیں کہ جہاد کے لئے ان خوبیوں کا ہونا شرط کے درجہ میں ضروری ہے۔ کیونکہ بہت سے نصوص میں صرف جہاد پر بھی بشارت آئی ہے۔ بلکہ ان خوبیوں سے جہاد کے شرف میں اور زیادہ اضافہ ہو جائے گا۔ اس لئے لوگوں کو چاہیئے کہ محض جہاد پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جائیں۔ بلکہ ان خوبیوں کو بھی پیدا کریں۔ بذل نفس سے مراد جہاد و قتال ہے ورنہ حقیقۃً تو بذل نفس نہیں ہو سکتا۔

کیونکہ مرنے کے بعد بھی نفس وروح باقی رہتی ہے۔ اور انجیل میں جیسا کہ مشہور ہے کہ جہاد کا حکم نہیں ہے۔ پس انجیل میں اس حکم ہونے کا مطلب یا تو یہ ہوگا کہ اس میں امت محمد یہ کے لئے جہاد شروع ہونے کی خبر ہوگی اور ان سے وعدہ کی اطلاع ہوگی اور یا مال ونفس خرچ کرنے کی مطلقا اس میں فضیلت کا ذکر ہوگا جس میں جہاد بھی آ گیا۔ تاہم موجودہ انجیل کے نسخوں میں ان مضامین کا نہ پایا جانا اس لئے دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ وہ خود معتبر ومحفوظ نہیں ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کا اپنے مشرکین والدین کے لئے استغفار:............ ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنے والد کے لئے جو **واغفر لابی انه کان من الضالین** سے دعا کی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ **واهد ابی انه کان من الضالین** اسی طرح ایک آیت میں جو **یوم یقوم الحساب** کا لفظ آیا ہے۔ اس کے معنی ہوں گے۔ **اهدهما لیغفر لهما یوم یقوم الحساب** نیز بخاری میں ہے کہ قیامت کے روز ابراہیم علیہ السلام درخواست کریں گے۔ **انک وعدتنی ان لا تخزینی یوم یبعثون. فای خزی اخزی الا بعد** جس کے جواب میں ارشاد ہوگا **انی حرمت الجنة علی الکافرین** اور حکم ہوگا **ماتحت رجلیک** چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کو اپنے باپ کی شکل بجو کی سی نظر آئے گی اور اس کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ سو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام اس وقت باپ کے لئے دعائے مغفرت کریں گے۔ بلکہ منشاء یہ ہوگا کہ آپ نے مجھے قیامت میں رسوا نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا اور باپ کے جہنم میں جانے سے میری رسوائی ہو رہی ہے۔ پس حق تعالیٰ کے فرمانے کا حاصل یہ ہوگا کہ رسوائی سے بچانے کی صرف یہی ایک صورت نہیں کہ اس کی بخشش کر دی جائے۔ بلکہ ہم ایک دوسری صورت تجویز کئے دیتے ہیں کہ اس کی صورت مسخ کر دی گئی ہے۔ اب نہ اسے کوئی پہچانے گا اور نہ تمہاری رسوائی ہوگی۔

اب بھی مشرک لوگوں کے استغفار جائز ہے یا نہیں:............ غرضیکہ ''دعائے ابراہیمی'' کی اس توجیہ کے بعد اس پر کوئی اشکال نہیں رہتا۔ دوسروں کو بھی اس کی تقلید جائز ہے۔ اور سورہ ممتحنہ میں جو **الا قول ابراهیم** فرمایا گیا ہے کہ تمہیں دعائے ابراہیمی کی تقلید نہیں کرنی چاہئے۔ سو مطلب یہ ہے کہ اس قول کا جو ظاہری مطلب سمجھ میں آتا ہے۔ اس کی پیروی نہ کرو۔ آیت **ما کان الله لیضل الخ** میں جس طرح ہدایت کے بعد گمراہی کا ہونا ''وضوح حق'' کے بعد ہوتا ہے اسی طرح ہدایت سے پہلے گمراہی بھی حق واضح ہونے کے بعد ہوتی ہے۔ جیسا کہ آیت **وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا** سے معلوم ہوتا ہے۔ پس یہ تخصیص خاص واقعہ کے اعتبار سے ہے۔

آنحضرت ﷺ کی توبہ کا مطلب:............ آیت **لقد تاب الخ** میں اگرچہ آنحضرت ﷺ کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ آپؐ کی مخصوص محبوبیت اظہر من الشمس ہے۔ لیکن تبرکا نیز صحابہؓ کا دل خوش کرنے کے لئے آپؐ کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ جو خصوصی عنایات آپؐ پر متوجہ ہوں گی ان سے تم لوگ بھی محروم نہیں رہو گے۔ خلاف شرع کام کرنے کی وجہ سے کسی کو سلام کلام بند کرنے کی سزا دینا اب بھی جائز ہے اور حدیث میں جو تین دن تک کلام نہ کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی دینی رنجش کے بغیر ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

لطائف آیات:............ آیت **التائبون الخ** میں ان لوگوں کی بدحالی کا اظہار ہے جو خود کو صالحین کے زمرہ میں سمجھتے ہوئے بھی

حدود کو ضائع کرتے ہیں اور ایسے کلمات بولتے ہیں جو صوفیاء کے نزدیک بھی واہی ہیں۔ آیت **ماکان للنبی الخ** سے معلوم ہوا کہ ایمان کے بغیر صرف تبرکات کام نہیں آتے۔ دیکھو آنحضرت ﷺ کی قرابت سے بڑھ کر اور کیا برکت ہوسکتی ہے۔ مگر پھر بھی یہ حکم دیا گیا ہے۔ آیت **وما کان استغفار الخ** سے معلوم ہوا کہ شیخ اپنے مرید کو کسی کام سے منع کرنے کے باوجود اگر خود کرنے پر مجبور ہو جائے تو مرید کے سامنے اجمالاً یا تفصیلاً اپنا عذر بیان کر دے تا کہ وہ اس کی پیروی نہ کر بیٹھے۔ آیت **حتی اذا ضاقت الخ** سے معلوم ہوا کہ حسب مصلحت مرید پر شیخ کا تشدد جائز ہے۔ آیت **ثم تاب اللّٰہ الخ** سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت اپنے محبین کے ساتھ یہ ہے کہ خلاف مقام ان سے کسی کام کے سرزد ہونے پر اگر ان کو ایک خاص قسم کے جواب سے تادیب وتنبیہ کی جاتی ہے تو جب وہ اس کی تلخی چکھ چکتے ہیں تو ان پر کرم کی بارش فرمائی جاتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ بِتَرْكِ مَعَاصِيْهِ **وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴿۱۱۹﴾** فِي الْاِيْمَانِ وَالْعُهُوْدِ بِاَنْ تَلْزَمُوا الصِّدْقَ **مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ** اِذَا غَزَا **وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ** بِاَنْ يَصُوْنُوْهَا عَمَّا رَضِيَهٗ لِنَفْسِهٖ مِنَ الشَّدَائِدِ وَهُوَ نَهْيٌ بِلَفْظِ الْخَبَرِ **ذٰلِكَ** اَيِ النَّهْيُ عَنِ التَّخَلُّفِ **بِاَنَّهُمْ** بِسَبَبِ اَنَّهُمْ **لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ** عَطَشٌ **وَّلَا نَصَبٌ** تَعَبٌ **وَّلَا مَخْمَصَةٌ** جُوْعٌ **فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا** مَصْدَرٌ بِمَعْنَى وَطْاٍ **يَّغِيْظُ** يُغْضِبُ **الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ** لِلّٰهِ **نَّيْلًا** قَتْلًا اَوْ اِسْرًا اَوْ نَهْبًا **اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ** لِيُجَازُوْا عَلَيْهِ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴿۱۲۰﴾** اَيْ اَجْرَهُمْ بَلْ يُثِيْبُهُمْ **وَلَا يُنْفِقُوْنَ** فِيْهِ **نَفَقَةً صَغِيْرَةً** وَلَوْ تَمْرَةً **وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا** بِالسَّيْرِ **اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ** ذٰلِكَ **لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۲۱﴾** اَيْ جَزَاءَهٗ وَلَمَّا وُبِّخُوْا عَلَى التَّخَلُّفِ وَاَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً نَفَرُوْا جَمِيْعًا فَنَزَلَ **وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا** اِلَى الْغَزْوِ **كَآفَّةً فَلَوْلَا** فَهَلَّا **نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ** قَبِيْلَةٍ **مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ** جَمَاعَةٌ وَمَكَثَ الْبَاقُوْنَ **لِّيَتَفَقَّهُوْا** اَيِ الْمَاكِثُوْنَ **فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ** مِنَ الْغَزْوِ بِتَعْلِيْمِ مَا تَعَلَّمُوْهُ مِنَ الْاَحْكَامِ **لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴿۱۲۲﴾** عِقَابَ اللّٰهِ بِامْتِثَالِ اَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَهٰذِهٖ مَخْصُوْصَةٌ بِالسَّرَايَا وَالَّتِيْ قَبْلَهَا بِالنَّهْيِ عَنْ تَخَلُّفِ اَحَدٍ فِيْمَا اِذَا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ** اَيِ الْاَقْرَبَ فَالْاَقْرَبَ مِنْهُمْ **وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً** شِدَّةً اَيْ اَغْلِظُوْا عَلَيْهِمْ **وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴿۱۲۳﴾** بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ **وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ** مِنَ الْقُرْاٰنِ **فَمِنْهُمْ** اَيِ الْمُنَافِقِيْنَ **مَّنْ يَّقُوْلُ** لِاَصْحَابِهٖ اِسْتِهْزَاءً **اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا** تَصْدِيْقًا قَالَ تَعَالٰى **فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا** لِتَصْدِيْقِهِمْ بِهَا **وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴿۱۲۴﴾** يَفْرَحُوْنَ بِهَا **وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ**

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ضُعفُ اِعْتِقَادٍ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ كُفرًا اِلٰی كُفرِهِمْ لِكُفرِهِمْ بِهَا وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ بِالْيَاءِ اَيِ الْمُنَافِقُوْنَ وَالتَّاءِ اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ يُبْتَلُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ بِالْقَحْطِ وَالْاَمْرَاضِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ مِنْ نِفَاقِهِمْ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ يَتَّعِظُوْنَ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فِيْهَا ذِكْرُهُمْ وَقَرَأَهَا النَّبِيُّ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ يُرِيْدُوْنَ الْهَرَبَ وَيَقُوْلُوْنَ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اِذَا قُمْتُمْ فَاِنْ لَّمْ يَرَهُمْ اَحَدٌ قَامُوْا وَاِلَّا ثَبَتُوْا ثُمَّ انْصَرَفُوْا عَلٰی كُفرِهِمْ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ عَنِ الْهُدٰی بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ الْحَقَّ لِعَدَمِ تَدَبُّرِهِمْ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَيْ مِنْكُمْ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَزِيْزٌ شَدِيْدٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ اَيْ عَنَتُكُمْ اَيْ مَشَقَّتُكُمْ وَلِقَاؤُكُمُ الْمَكْرُوْهَ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ اَنْ تَهْتَدُوْا بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ شَدِيْدُ الرَّحْمَةِ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ يُرِيْدُ لَهُمُ الْخَيْرَ فَاِنْ تَوَلَّوْا عَنِ الْاِيْمَانِ بِكَ فَقُلْ حَسْبِيَ كَافِيَّ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ بِهِ وَثِقْتُ لَا بِغَيْرِهِ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكُرْسِيِّ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾ خَصَّهُ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهُ اَعْظَمُ الْمَخْلُوْقَاتِ رَوَی الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ عَنْ اُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ قَالَ اٰخِرُ اٰيَةٍ نَزَلَتْ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ اِلٰی اٰخِرِ السُّوْرَةِ

ترجمہ: .... مسلمانوں خدا کے خوف سے (گناہ کرکے) بے پرواہ نہ ہوجاؤ اور چاہیئے کہ سچوں کے ساتھی بنو (ایمان اور عہد کے بارے میں سچ کی پابندی کرو) مدینہ کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی اس کے آس پاس رہتے ہیں ان کو یہ زیبا نہیں تھا کہ رسول اللہ کا ساتھ نہ دیں (غزوہ کے موقعہ پر) اور نہ یہ بات لائق تھی کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں (کہ جن مصیبتوں سے آنحضرت ﷺ دوچار ہونا پسند کرتے ہیں ان سے یہ لوگ اپنا بچاؤ کرنے لگیں۔ الفاظ تو یہاں نہیں کے ہیں مگر مقصود خبر ہے) یہ (یعنی جہاد میں نہ جانے سے روکنا) اس لئے (اس سبب سے) ہے کہ انہیں جو پیاس لگی ہے اور جو محنت (تکلیف) انہوں نے جھیلی ہے اور جو بھوک لگی ہے اللہ کی راہ میں اور وہ قدم جو چلتا ایسا چلنا (یہ مصدر ہے بمعنی روندنا) جو کفار کے لئے غیظ (غضب) کا باعث ہوتا اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی (انہیں قتل کیا یا گرفتار کیا یا لوٹا) ان سب پر ان کے نام ایک ایک نیک کام لکھا گیا ہے (اسی کے مطابق انہیں بدلہ ملے گا) یقیناً اللہ تعالیٰ نیک کرداروں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتے (بلکہ انہیں اجر مرحمت فرماتے ہیں) اور وہ کوئی رقم خرچ نہیں کرتے وہ چھوٹی ہو (جیسے ایک کھجور) یا بڑی اور کوئی میدان (چل کر) انہیں طے کرنے نہیں پڑتے۔ مگر ان کے نام کی نیکی لکھی گئی تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمادے (یعنی جو کچھ انہوں نے کیا اس کا اجر چونکہ تبوک میں نہ جانے پر لوگوں کو جھڑ جھڑا دیا گیا تھا۔ اس لئے پھر بعد میں کسی موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے کہیں کوئی فوجی دستہ بھیجنا چاہا تو سب نکل کھڑے ہوئے۔ اس پر آیت نازل ہوئی) مسلمانوں کو یہ نہیں چاہیئے کہ (جہادی مہم کے لئے) سب ہی نکل کھڑے ہوں۔ پس ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ہر بڑی جماعت (خاندان) میں سے ایک مختصر حصہ (جماعت) نکل جایا کرے (اور باقی لوگ ٹھہرے رہیں) تا کہ یہ (باقی ماندہ) لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور جب یہ لوگ (جہاد سے نبٹ کر) اپنی قوم کی طرف واپس جائیں تو لوگوں کو ڈرائیں (جو احکام انہوں نے خود سیکھے ہیں وہ..... دوسروں کو سکھلا کر) تا کہ وہ لوگ بچیں (اللہ کے عذاب سے شرعی احکام کی پابندی کرکے اور ممانعتوں سے بچ کر۔ ابن عباسؓ کی رائے ہے کہ یہ

حکم معمولی لڑائیوں کے متعلق ہے۔ لیکن پہلی آیتیں جن میں نہ جانے پر سرزنش کی گئی وہ اس وقت ہے جب کہ بنفس نفیس آنحضرت ﷺ بھی تشریف لے جائیں۔ مسلمانوں: ان کافروں سے جنگ کرو۔ جو تمہارے آس پاس ہیں (جو زیادہ نزدیک ہوں سب سے پہلے ان سے) اور چاہیئے کہ وہ تمہاری سختی محسوس کریں (یعنی ان پر سختی کرو) اور یاد رکھو اللہ ان کا ساتھی ہے جو متقی ہیں (مدد اور اعانت کے لحاظ سے) اور جب (قرآن کی) کوئی سورت اترتی ہے تو ان (منافقین) میں سے بعض لوگ کہتے ہیں (اپنے ساتھیوں سے تمسخر کے طریقہ پر) اس سورت نے تم میں سے کسی کے ایمان (تصدیق) میں ترقی دی؟ (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) سو حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کا ایمان تو ضرور زیادہ کر دیا (کیونکہ وہ ان آیات کی تصدیق کرتے ہیں) اور وہ اس پر خوشیاں منا رہے ہیں (خوش ہو رہے ہیں) جن کے دلوں میں روگ (اعتقاد کی کمزوری) ہے تو بلاشبہ اس سورت نے ان کی ناپاکی پر ایک اور ناپاکی بڑھا دی (ان آیات کا کفر کرنے کی وجہ سے کفر دوگونہ ہو گیا) اور وہ کفر ہی کی حالت میں مر گئے اور کیا انہیں دکھلائی نہیں دیتا (یــرون یا کے ساتھ ہے مراد منافقین ہیں اور تا کے ساتھ ہو تو مسلمانوں کو خطاب ہے) کہ یہ لوگ کسی نہ کسی آفت (مصیبت) میں پھنستے رہتے ہیں آئے سال ایک دو مرتبہ (قحط سالی اور بیماریوں کی دلدل میں) پھر بھی باز نہیں آتے (اپنے نفاق سے) اور نہ نصیحت (کچھ) پکڑتے ہیں اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے (جس میں ان کا ذکر ہوتا ہے اور پھر اسے رسول اللہ پڑھ کر سناتے ہیں) تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں (بھاگنے کی سوچتے ہوئے کہنے لگتے ہیں) کہ تم پر کسی کی نگاہ تو نہیں پڑی؟ (جب تم کھڑے ہوئے تھے۔ پس اگر کسی نے نہ دیکھا تو کھڑے ہو گئے ورنہ وہ ٹھہر جاتے) پھر چل دیتے (اپنے کفر کی طرف) اللہ نے ان کے دل ہی پھیر دیئے (راہ ہدایت سے) کیونکہ یہ لوگ سمجھ بوجھ سے کورے ہو گئے (غور نہ کرنے کی وجہ سے حق کو نہیں سمجھتے) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تم ہی میں سے ہیں (یعنی محمد ﷺ جو تمہارے ہی ہم جنس ہیں) ان پر بہت ہی شاق (ناگوار) گزرتا ہے تمہارا رنج وکلفت میں پڑنا (یعنی تمہاری تکلیف، مشقت اور مصیبت سے دوچار ہونا انہیں کھٹکتا ہے) وہ تمہاری بھلائی (ہدایت) کے بڑے ہی خواہش مند ہیں وہ مؤمنوں کے لئے شفقت رکھنے والے (بڑے ہی شفیق) مہربان ہیں (مسلمانوں کا بھلا چاہتے ہیں) اس پر بھی اگر یہ لوگ (آپ پر ایمان لانے سے) (سرتابی کریں تو ان سے کہہ دو میرے لئے اللہ کا سہارا بس (کافی) ہے اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا (اسی پر اعتماد کیا۔ کسی دوسرے پر نہیں) وہ عرش عظیم (کرسی) کا مالک ہے (خاص طور پر عرش کا ذکر اس لئے کیا کہ وہ ساری مخلوق میں سب سے بڑھ کر ہے۔ حاکمؒ نے مستدرک میں ابی بن کعبؓ سے روایت کی ہے کہ سب سے آخری آیت لــقــد جــاء کــم رسول الخ ہے۔

تحقیق وترکیب: .... مع الصادقین ۔ مع بمعنی من ہے۔ چنانچہ قرأت شاذہ بھی من کے ساتھ ہے اور چونکہ آیت میں صادقین کی معیت کا حکم دیا جا رہا ہے۔ جس سے ان کی بات کا ماننا لازم ہوا۔ پس اس سے اجماع کا حجت ہونا معلوم ہوا۔

بــان تــلــزمــوا الصدق ۔ اس میں صادقین کی معیت کی صورت تجویز کی گئی ہے۔ و لا یــرغبوا یعنی پیغمبر جس کو پسند کرے انہیں اسے ناگوار نہیں سمجھنا چاہیئے۔ کبیرؒ کی رائے یہی ہے۔ لیکن ابو السعودؒ کہتے ہیں کہ جو شدائد وتکالیف آپ کو اٹھانی پڑتی ہیں۔ تم بھی اپنے نفس کو ان سے بچانے کی کوشش نہ کرو۔ بانفسھم میں با تعدیہ کے لئے ہے۔ عــارضـيـه لنفسه یعنی آنحضرت ﷺ جن مشقتوں کو گوارا فرماتے ہیں تم اپنا دامن مت بچاؤ۔ موطأ مصدر میمی ہے بمعنی وطأ یا ظرف مکان ہے۔ ای احرھم جلال مفسرؒ اشارہ کر رہے ہیں کہ ضمیر کی بجائے یہاں اسم ظاہر لایا گیا ہے مدح کے خیال سے۔ صاحب کشافؒ و لا یطئون الخ کے تحت میں لکھتے ہیں کہ اس سے

اصحاب ابوحنیفہؒ استدلال کرتے ہیں کہ لڑائی ختم ہونے کے بعد بھی اگر کچھ فوجی دستے کمک کے طور پر پہنچے تو انہیں بھی شریک غنیمت کیا جائے گا۔ کیونکہ ان کی آمد سے بھی دشمنوں پر ایک دھاک بیٹھی ہے اور ان میں غیظ پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بنو عامر کو غنیمت کا حصہ دیا تھا۔ حالانکہ وہ لڑائی کے بعد پہنچے تھے۔ اسی طرح صدیق اکبرؓ نے بھی مہاجرینؓ کو کچھ حصہ دیا تھا۔ جب کہ انہیں عکرمہؓ بن ابو جہل کی سرکردگی میں امیۃ اور زیاد ابن ابی لبید کے پاس پانچ سو سواروں کے ساتھ بھیجا تھا۔ حالانکہ یہ فتح کے بعد پہنچے تھے۔ لیکن امام شافعیؒ اس سے متفق نہیں ہیں۔ صاحب کشافؒ نے بھی اس اختلاف کو ذکر کیا ہے۔ لیکن آیت سے تعرض نہیں کیا۔

فلولا نفر الخ اس آیت کی دو توجیہیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ لیتفقھوا اور لینذروا اور رجعوا کی ضمیریں طائفہ کی طرف لوٹائی جائیں اور قوم سے مراد فرقہ ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا برعکس کیا جائے۔ پہلی صورت کا ماحصل یہ ہوگا کہ سب مسلمانوں کو ایک دم تعلیم ہی میں نہیں لگ جانا چاہئے کہ جہاد وغیرہ کے دوسرے شعبے تشنہ پڑے رہ جائیں۔ بلکہ ایسا ہونا چاہئے کہ ہر بڑی جماعت میں ایک چھوٹی جماعت کو تحصیل علم کے لئے باہر نکلنا چاہئے۔ تاکہ یہ جانے والے لوگ دین کی سمجھداری پیدا کر کے آئیں اور اپنی پسماندہ قوم کو آ کر راہ راست پر لائیں۔ پس اسی صورت میں اس آیت سے فقہ کا فرض کفایہ ہونا معلوم ہوا اور یہ کہ خبر واحد عمل کے لئے حجت ہوتی ہے ورنہ ماننا پڑے گا کہ چھوٹی جماعت کی خبر مفید عمل نہیں ہے۔ قاضی بیضاویؒ کی رائے یہی ہے اور فخر الاسلامؒ کہتے ہیں کہ اس آیت سے فقہ کا استحباب معلوم ہوا اور یہ کہ عمل کرنا فقہ میں داخل ہے۔ نیز خبر واحد کا واجب العمل ہونا لازم آیا اور دوسری صورت کا ماحصل یہ ہے کہ جہاد میں شریک نہ ہونے پر جو ملامت کی بوچھاڑ ہوئی تو صحابہؓ اس قدر رڈر گئے کہ ایک دم سارے جہاد میں لگ گئے اور احکام کی تعلیم وتعلم کو یکسر چھوڑ دیا۔ اس لئے حکم دیا گیا کہ ایسا نہ کرو۔ بلکہ ایک جماعت جہاد میں چلی جائے اور بقیہ لوگ فقہ کی تعلیم وتعلم میں لگے رہیں کہ یہ بھی جہاد اکبر ہے۔ غرض کہ بہر دو صورت تقسیم کار پر زور دیا گیا ہے۔ اس دوسری صورت میں خبر واحد کا حجت ہونا تو معلوم نہیں ہوا مگر خبر مشہور کا حجت ہونا ثابت ہو گیا اور یہ کہ جہاد فرض کفایہ ہے اور فقہ کا حاصل کرنا بھی فرض کفایہ ہے۔ نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آیت کا یہ حکم اس وقت کے لئے ہے جب کہ نفیر عام نہ ہو کہ جہاد فرض کفایہ ہوتا ہے اور تفقہ کا معنی اجتہاد کے ہیں جو فرض کفایہ ہے۔ رہا ضروری مسائل کا سیکھنا۔ وہ فرض عین ہے طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ حدیث کی رو سے۔

بالسرایا سو سے زائد اور پانچ سو سے کم تعداد فوجی دستہ کو سریہ کہتے ہیں۔ اور جو آٹھ سو تک پہنچ جائے اسے منسر کہتے ہیں۔ اور جو اس سے بڑھ کر چار ہزار تک پہنچ جائے اسے جیش کہا جاتا ہے اور اس سے زیادہ کو جحفل کہتے ہیں۔ جن فوجی دستوں میں بنفس نفیس آپ شریک نہیں ہوئے ان کی تعداد ۴۷ ہے اور جن غزوات میں آنحضرت ﷺ خود تشریف لے گئے۔ ان کی تعداد ۲۷ ہے۔ جن میں سے آٹھ غزوات میں جنگ بھی ہوئی۔

قاتلوا یہ آیت دوسری آیت قاتلوا المشرکین کافۃ کے لئے ناسخ نہیں ہے۔ بلکہ جنگی آداب کی تعلیم کے لئے ہے۔ کیونکہ جب درجہ بدرجہ جنگ ہوگی تو دور و پاس کے سب دشمنوں سے جنگ ہو جائے گی اور یہی کافۃ کا مطلب ہے۔ چنانچہ آپؐ نے بھی اسی اصول پر جنگ کی۔ اول اپنی قوم سے نبٹے۔ پھر باقی عرب والوں سے نبرد آزما ہوئے۔ اس کے بعد اہل کتاب سے۔ پھر روم اور شام والوں سے لڑے۔ اسی طرح آپ کی وفات کے بعد صحابہؓ چلے ہیں۔

ای اغلظوا یعنی مسبب بول کر سبب مراد لیا گیا ہے۔ فیھا ذکرھو مفسر علامؒ نے یہ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ اس میں تکرار نہیں ہے۔

نظر بعضهم یعنی آنکھیں مٹکا کر ایک دوسرے کی طرف اشارہ بازی کرتے ہیں اور مسلمانوں سے نظریں بچانا اس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ ہنستے ہنستے ان کے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں العرش العظیم ...... آسمانی مخلوق کی طواف گاہ اور قبلہ دعا ہے۔ اس تفسیر پر یہ اعتراض ہے کہ عرش، کرسی کے علاوہ کوئی چیز ہے اور یہ کہ کرسی عرش سے چھوٹی ہے اور اس تفسیر سے دونوں کا ایک ہونا معلوم ہوتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ بعض دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی بتلاتے ہیں۔ لیکن مشہور یہ ہی ہے کہ عرش اور کرسی دونوں چیزیں الگ الگ ہیں۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات میں جو مجاہدین اور تائبین کی تعریف کی گئی تھی اس کا مدار چونکہ تقویٰ اور اخلاص پر تھا۔ اس لئے آیت یا ایها الذین الخ سے اس کا حکم دیا جارہا ہے۔ آگے آیت ما کان لاهل المدینة الخ میں جہاد میں نہ جانے والوں پر ملامت اور مجاہدین کی فضیلت دونوں کو یکجا جمع کیا جارہا ہے اور چونکہ اس ملامت سے جہاد کی عینی فرضیت کا شبہ ہوسکتا تھا۔ اس لئے آگے آیت وما کان المؤمنین الخ میں اس کا دفعیہ کیا جارہا ہے کہ فی نفسہ تو جہاد فرض کفایہ ہے۔ مگر امام وقت کے حکم سے ہر شخص پر فرض عین ہو جائے گا۔ اوپر کی آیات میں جہاد کی ترغیب دی گئی تھی۔

آیت یا ایها الذین امنوا قاتلوا الخ میں جہاد کی ترغیب بیان کی جارہی ہے۔ اس کے بعد آیت واذا ما انزلت سورة میں قرآن کریم کے ساتھ منافقین کے تمسخر کو مع جواب وعتاب کے ذکر کیا جارہا ہے اور چونکہ سورۂ توبہ قرآن کریم کی آخری سورتوں میں سے ہے اس لئے خاتمہ پر حجت قائم کرنے اور دعوت پوری کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کی رسالت، خصوصیات، کمالات کو بیان کیا جارہا ہے۔ جس میں ایک طرف نہ ماننے والوں کو ملامت ہے کہ ایسی قدسی صفات ذات کی بھی نہیں مانتے اور دوسری طرف ماننے والوں کو قدر افزائی پر ابھارا جارہا ہے کہ آپ کی مزید قدردانی کرو۔

شانِ نزول: .... قاضی بیضاویؒ نے آیت لا یرغبوا بانفسهم الخ کے ذیل میں لکھا ہے کہ ابوخثیمہ صحابی اپنے باغ میں پہنچے تو ان کی حسین بیوی نے ان کے لئے ایک ٹھنڈی جگہ فرش بچھایا اور ٹھنڈا پانی اور کھجوریں پیش کیں۔ ابوخثیمہؓ نے ان نعمتوں پر جو نظر ڈالی تو بے ساختہ رسول اللہ یاد آ گئے کہنے لگے ظل ظلیل ورطب یانع وماء بارد وامرأة حسناء ورسول الله ﷺ فی الضح والریح ما هذا بخیر یعنی کس قدر گھنا سایہ، پکی کھجوریں، ٹھنڈا پانی، خوبصورت عورت مجھے میسر ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ تکلیف اور گرم لوؤں میں چل رہے ہوں گے۔ یہ بات میرے لئے کیسے مناسب ہوسکتی ہے۔ یہ کہتے ہی کھڑے ہو گئے اور تیر وتلوار اور سواری لے کر ایک دم ہوا ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکل گئے۔ آپ ﷺ نے سفر تبوک میں نظر اٹھا کر دیکھا تو گرد وغبار اڑاتے ہوئے کوئی سوار آ رہا ہے۔ زبان مبارک سے نکلا کہ ابا خثیمہؓ ہوں گے۔ دیکھا تو واقعی وہی نکلے۔ آپ بڑے خوش ہوئے اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ آیت وما کان المؤمنون الخ کے شان نزول کی طرف جلال محقق اشارہ کر رہے ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: ...... **جہاد ضرورت کے موقعہ پر فی نفسہ فرض کفایہ ہے:** .... آیت وما کان المؤمنون کا حاصل یہ ہے کہ جہاد فی نفسہ تو فرض کفایہ ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ لوگ اس فریضہ کو انجام دیں اور کچھ لوگ دین کے دوسرے کاموں مثلاً احکام کی تعلیم وتعلم میں لگیں۔ ایک دم سے سب لوگ اس میں لگ جائیں گے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس کون رہے گا اور آپ

پر جو وحی کا نزول ہوگا اس سے استفادہ کی کیا صورت ہوگی۔ کچھ لوگ اس کام کے لئے بھی وقف رہنے چاہئیں۔ یہ پہلو تو دینی مصلحت کا ہوا۔ لیکن دنیاوی مصلحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ سب جہاد میں نہ چلے جائیں۔ ورنہ دارالاسلام اور دارالخلافہ خالی رہ جائے گا۔ جس سے دشمن کے حملہ آور اور قابض ہوجانے کا خطرہ ہوسکتا ہے۔ غرض یہ کہ ان دونوں مصلحتوں کی رعایت اور دونوں نقصان سے حفاظت ضروری ہے۔ اور دینی تفقہ کے لئے باقی ماندہ لوگوں کی تخصیص اس لئے ہے کہ اکثر تحصیل علم شہر میں اور قیام کی حالت میں ہوا کرتا ہے۔ ہاں اگر آپ بنفس نفیس خود بھی تشریف لے جائیں تو پھر جہاد ہر شخص پر فرض عین ہوجائے گا۔ اور اس صورت میں چونکہ صحابہؓ کو آپ ﷺ کی ہمرکابی حاصل رہے گی اس لئے نقصان تعلیم کا خطرہ بھی درپیش نہیں ہوگا امام وقت کے اذن عام کے بعد اب بھی یہی حکم ہے۔

ترتیب جہاد............ اور آیت یا ایھا الذین امنوا قاتلوا الخ میں جہاد کی ترتیب کا ذکر ہے کہ اپنے قریب سے کام شروع ہونا چاہئے۔ قریبی دشمن کو چھوڑ کر دور کے دشمنوں سے نبٹنے میں جو نقصانات ہیں وہ ظاہر ہیں آنحضرت ﷺ کے اور صحابہؓ کے غزوات کی ترتیب بھی اسی طرح رہی ہے۔

مرۃ او مرتین میں یہ خاص عدد مراد نہیں ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ آئے سال ان پر مصیبتیں آتی ہی رہتی ہیں۔ کبھی ایک بار اور کبھی بار بار۔ عام اور خاص دونوں طرح کی۔ مگر ان پتھروں کے جونک نہیں لگتی اور ان کی آنکھیں ہیں کہ کھلنے کا نام ہی نہیں لیتیں۔

عرش کی عظمت:............ عرش کی عظمت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ساری دنیا سے کئی گونہ بڑا آفتاب ہے لیکن دیکھو اس آسمان دنیا پر سورج کی جو حیثیت ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ پھر آسمان اول دوسرے آسمان کے سامنے اور دوسرا تیسرے کے آگے ہیچ ہے۔ اسی طرح ان سارے آسمانوں کا مجموعہ کرسی کے سامنے ایسا ہے جیسے ایک بڑی ڈھال میں سات درہم ڈال دیئے جائیں اور پھر کرسی عرش الٰہی کے آگے وہی نسبت رکھتی ہے۔ اہل ہیئت کے اعتبار سے مرکز عالم سے فلک الافلاک کے مقعر تک دس کروڑ پانچ لاکھ تہتر ہزار آٹھ سو سینتالیس (۱۰۰۵۷۳۸۴۷) کوس کا فاصلہ ہے اور فلک الافلاک کے محدب تک کا فاصلہ تو اہل رصد کو اب تک معلوم ہی نہیں ہوسکا۔ نیز ہیئت دان یہ ثابت نہیں کرسکے۔ کہ فلک الافلاک سے اوپر کچھ نہیں ہے۔ البتہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش سے اوپر کوئی جسم نہیں ہے۔ پس اگر فلک الافلاک عرش کے علاوہ کوئی اور چیز ہے تو عرش یقیناً فلک الافلاک سے بھی اوپر ہوگا۔ پس کیا ٹھکانا ہے اس کی عظمت و بڑائی کا۔ فسبحان ذی الملک والملکوت والکبریاء والجبروت رب العرش العظیم۔

اس سورت کے تمام مطالب اپنی اصلی حیثیت میں اس وقت تک واضح نہیں ہوسکتے جب تک یہ حقیقت پیش نظر نہ ہو کہ تمام تر یہ سورت امت کے نام ایک دوامی پیام تھا اور احکام و مواعظ سے اصل مقصود مستقبل کے پیش آنے والے معاملات ہیں نہ کہ موجودہ حالات۔ یہ اصل پیش نظر رکھ کر سورت کے تمام مواعظ و احکام پر دوبارہ نظر ڈالو صاف واضح ہوجائے گا کہ آئندہ مرحلوں کے لئے لوگوں کو تیار کیا جارہا ہے۔

لطائف آیات:............ آیت یا ایھا الذین امنوا اتقوا الخ سے صحبت صالحین کی ترغیب معلوم ہوتی ہے آیت وما کان المؤمنون سے معلوم ہوا کہ دینی مہمات کا اہتمام و انصرام اس طرح ہونا چاہئے کہ دوسری ضروریات حتیٰ کہ معاشیات کے انتظام میں بھی خلل نہ پڑے۔ آیت یا ایھا الذین امنوا قاتلوا الخ سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ سب سے قریبی دشمن نفس ہے اس لئے اسی کے مجاہدہ سے جہاد کی ابتداء کرنی چاہئے۔ آیت اولا یرون الخ سے معلوم ہوا کہ بلاء و مصیبت کی حکمت توجہ الی اللہ ہے۔ آیت لقد جاء کم رسول الخ سے معلوم ہوا کہ شیخ جو نائب رسول ہوتا ہے اس میں بھی یہ صفات ہونی چاہئیں۔

سُــوْرَةُ يُــوْنُس

سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ اِلَّا فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ الْاٰيَتَيْنِ اَوِ الثَّلٰثُ اَوْ وَمِنْهُمْ مَنْ يُّؤْمِنُ

بِهِ الْاٰيَةَ مِائَةٌ وَّتِسْعٌ اَوْ عَشْرُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ **الٓرٰ** اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ **تِلْكَ** اَیْ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ **اٰيٰتُ الْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ وَالْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى مِنْ **الْحَكِيْمِ** ﴿۱﴾ الْمُحْكَمِ **اَكَانَ لِلنَّاسِ** اَیْ اَهْلِ مَكَّةَ اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ وَالْجَارُّ وَالْمَجْرُوْرُ حَالٌ مِنْ قَوْلِهٖ **عَجَبًا** بِالنَّصْبِ خَبَرُ كَانَ وَبِالرَّفْعِ اِسْمُهَا وَالْخَبَرُ وَهُوَ اِسْمُهَا عَلَى الْاُوْلٰى **اَنْ اَوْحَيْنَآ** اَیْ اِيْحَاؤُنَا **اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ** مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **اَنْ** مُفَسِّرَةٌ **اَنْذِرِ** خَوِّفْ **النَّاسَ** الْكَافِرِيْنَ بِالْعَذَابِ **وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ** اَیْ بِاَنَّ **لَهُمْ قَدَمَ** سَلَفَ **صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ** اَیْ اَجْرًا حَسَنًا بِمَا قَدَّمُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ **قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا** الْقُرْاٰنَ الْمُشْتَمِلَ عَلٰى ذٰلِكَ **لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ** ﴿۲﴾ بَيِّنٌ وَفِیْ قِرَاءَةٍ لَسَاحِرٌ وَالْمُشَارُ اِلَيْهِ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ** مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا اَیْ فِیْ قَدْرِهَا لِاَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ ثَمَّهٗ شَمْسٌ وَلَا قَمَرٌ وَلَوْ شَاءَ لَخَلَقَهُنَّ فِیْ لَمْحَةٍ وَالْعُدُوْلُ عَنْهُ لِتَعْلِيْمِ خَلْقِهِ التَّثَبُّتَ **ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ** اِسْتِوَاءً يَلِيْقُ بِهٖ **يُدَبِّرُ الْاَمْرَ** بَيْنَ الْخَلَائِقِ **مَامِنْ** زَائِدَةٌ **شَفِيْعٍ** يَشْفَعُ لِاَحَدٍ **اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ** رَدٌّ لِقَوْلِهِمْ اَنَّ الْاَصْنَامَ تَشْفَعُ لَهُمْ **ذٰلِكُمُ** الْخَالِقُ الْمُدَبِّرُ **اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ** وَحِّدُوْهُ **اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ** ﴿۳﴾ بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِی الْاَصْلِ فِی الذَّالِ **اِلَيْهِ** تَعَالٰى **مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا** مَصْدَرَانِ مَنْصُوْبَانِ بِفِعْلِهِمَا الْمُقَدَّرِ **اِنَّهٗ** بِالْكَسْرِ اِسْتِئْنَافًا وَالْفَتْحِ عَلٰى تَقْدِيْرِ اللَّامِ **يَبْدَؤُا الْخَلْقَ** اَیْ بَدَاَهٗ بِالْاِنْشَاءِ **ثُمَّ يُعِيْدُهٗ** بِالْبَعْثِ **لِيَجْزِیَ** لِيُثِيْبَ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ** مَاءٍ بَالِغٍ نِهَايَةَ الْحَرَارَةِ **وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ** مُؤْلِمٌ **بِمَا كَانُوْا**

يَكْفُرُوْنَ﴿۴﴾ اَیْ لِیُثِیْبَ بِسَبَبِ کُفْرِهِمْ **هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً** ذَاتَ ضِیَاءٍ اَیْ نُوْرٍ **وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ** مِنْ حَیْثُ سَیْرِهٖ **مَنَازِلَ** ثَمَانِیَةً وَّعِشْرِیْنَ مَنْزِلًا فِیْ ثَمَانٍ وَّعِشْرِیْنَ لَیْلَةً مِنْ کُلِّ شَهْرٍ وَیَسْتَتِرُ لَیْلَتَیْنِ اِنْ کَانَ الشَّهْرُ ثَلَاثِیْنَ یَوْمًا وَلَیْلَةً اِنْ کَانَ تِسْعَةً وَّعِشْرِیْنَ یَوْمًا **لِتَعْلَمُوْا** بِذٰلِكَ **عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ** اَلْمَذْکُوْرَ **اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ** لَا عَبَثًا تَعَالٰی عَنْ ذٰلِكَ **یُفَصِّلُ** بِالْیَاءِ وَالنُّوْنِ یُبَیِّنُ **الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ**﴿۵﴾ یَتَدَبَّرُوْنَ **اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ** بِالذَّهَابِ وَالْمَجِیْءِ وَالزِّیَادَةِ وَالنُّقْصَانِ **وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ** مِنْ مَلَائِکَةٍ وَشَمْسٍ وَقَمَرٍ وَنُجُوْمٍ وَغَیْرِ ذٰلِكَ **وَ فِی الْاَرْضِ** مِنْ حَیَوَانٍ وَجِبَالٍ وَبِحَارٍ وَاَنْهَارٍ وَاَشْجَارٍ وَغَیْرِهَا **لَاٰیٰتٍ** دَلَالَاتٍ عَلٰی قُدْرَتِهٖ تَعَالٰی **لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ**﴿۶﴾ فَیُؤْمِنُوْنَ خَصَّهُمْ بِالذِّکْرِ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا **اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا** بِالْبَعْثِ **وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا** بَدَلَ الْاٰخِرَةِ لِاِنْکَارِهِمْ لَهَا **وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا** سَکَنُوْا اِلَیْهَا **وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا** دَلَائِلِ وَحْدَانِیَّتِنَا **غٰفِلُوْنَ**﴿۷﴾ تَارِکُوْنَ النَّظَرَ فِیْهَا **اُولٰٓئِكَ مَاْوٰهُمُ النَّارُ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ**﴿۸﴾ مِنَ الشِّرْكِ وَالْمَعَاصِیْ **اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ** یُرْشِدُهُمْ **رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ ۚ** بِهٖ بِاَنْ یَّجْعَلَ لَهُمْ نُوْرًا یَّهْتَدُوْنَ بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ **تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ**﴿۹﴾ **دَعْوٰهُمْ فِیْهَا** طَلَبُهُمْ لِمَا یَشْتَهُوْنَهٗ فِی الْجَنَّةِ اَنْ یَّقُوْلُوْا **سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ** اَیْ یَا اَللّٰهُ فَاِذَا مَا طَلَبُوْهُ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ **وَتَحِیَّتُهُمْ** فِیْمَا بَیْنَهُمْ **فِیْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ** مُفَسِّرَةٌ **الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ**﴿۱۰﴾ ع

ترجمہ......... سورۂ یونس مکی ہے بجز فان کنت فی شك الخ دو یا تین آیتوں کے یا صرف ایک آیت ومنهم من یؤمن الـخ کے اور کل آیتیں ایک سونو یا ایک سودس ہیں۔ الف. لام. را (اس کی اصلی مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے) یہ (یعنی یہ آیتیں) آیتیں ہیں ایسی کتاب کی (مراد قرآن ہے بواسطہ من ہے) جو پرازحکمت (مضبوط) ہے کیا لوگوں کو (مکہ والوں کو۔ استفہام انکاری ہے اور جار مجرور ترکیب میں حال واقع ہو رہا ہے اگلے لفظ سے) اچنبھا ہو رہا ہے (یہ لفظ نصب کے ساتھ تو کان کی خبر ہے اور رفع کے ساتھ کان کا اسم ہے اور اس صورت میں اس کی خبر آگے ہے جو پہلی صورت میں کـان کا اسم تھا) اس بات سے کہ ہم نے وحی بھیجی ہے (یعنی ہمارا وحی بھیجنا) ان ہی میں ایک شخص (محمد ﷺ) پر۔ کہ (ان مفسرہ ہے) سب لوگوں (کافروں) کو ڈرایئے (خوف دلاؤ عذاب کا) اور جو ایمان لے آئے انہیں یہ خوشخبری سنایئے کہ پرودگار کے حضور ان کے نزدیک اچھا مقام ہے (یعنی ان کے اعمال کا بہترین صلہ ہوگا) کافر کہنے لگے بلاشبہ یہ (قرآن) جو ان مضامین پر مشتمل ہے) کھلا (صریح) جادو ہے (اور ایک قرأت میں ساحر ہے پھر مشارالیہ نبی کریم ﷺ ہوں گے) بلاشبہ تمہارے پرودگار تو وہی اللہ ہیں جنہوں نے آسمانوں کو اور زمین کو کل چھ دنوں میں پیدا کیا (دنیا کے دنوں کے لحاظ سے یعنی اتنے متعینہ وقت میں۔ کیونکہ اس وقت نہ تو آفتاب تھا اور نہ ماہتاب کہ جن سے دنوں کا اندازہ کیا جاتا۔ اور اللہ چاہتے تو ان سب کو ایک لمحہ میں پیدا فرما سکتے تھے۔ لیکن مخلوق کو تدریج کی تعلیم دینے کے لئے ایسا کیا ہے) پھر اپنے تخت پر متمکن ہو گئے (جو تمکن ان کے شایان شان ہو) وہ (مخلوق کے) تمام کاموں کا بندوبست کر رہے ہیں۔ کوئی سفارشی نہیں (جو کسی کی سفارش کرے) ان کے حضور۔

ان کی اجازت کے بغیر (کفار کے اس کہنے کی تردید ہوگئی کہ بت ہمارے سفارشی ہو جائیں گے) یہ (پیدا کرنے والے اور بندوبست کرنے والے) ہیں اللہ تمہارے پروردگار۔ لہٰذا ان ہی کی بندگی کرو (توحید بجالاؤ) کیا تم غور وفکر سے کام نہیں لیتے؟ (دراصل اس میں تا کا ذال میں ادغام ہو رہا ہے) تم سب کو بالآخر اسی (اللہ تعالیٰ) کی طرف لوٹنا ہے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے (یہ دونوں مصدر ہیں جو اپنے فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہیں) بے شک وہی ہیں (ان کسر ہمزہ کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے اور فتح کے ساتھ بتقدیر لام) پہلی بار پیدا کرتے ہیں (یعنی پیدائش شروع بھی وہی کرتے ہیں) اور پھر دوبارہ بھی وہی پیدا کریں گے (قیامت کے دن) تا کہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے انہیں انصاف کے ساتھ بدلہ (ثواب) مرحمت فرمائے۔ باقی رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تو انہیں کھولتا ہوا پانی (جو انتہائی طور پر گرم ہوگا) پینے کو ملے گا اور دردناک (تکلیف دہ) عذاب ان کے کفر کی پاداش میں (یعنی ان کے کفر کے سبب یہ سزا ملے گی) وہی ہیں جنہوں نے سورج کو چمکتا ہوا (روشنی والا یعنی نور) بنایا اور چاند کو نورانی اور پھر چاند کی منزلوں کا اندازہ (اس کی رفتار کے اعتبار سے) ٹھیرا دیا (ہر مہینہ کی ۲۸ راتوں میں ۲۸ منزلیں طے کرتا ہے۔ اگر پورا مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے تو دو رات اور اگر انتیس تاریخ کا چاند ہوتا ہے تو صرف ایک رات چھپا رہتا ہے) تا کہ تم (اس کے ذریعہ) برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرلیا کرو۔ اللہ نے یہ سب (مذکورہ) چیزیں نہیں بنائیں۔ مگر حکمت ومصلحت کے ساتھ (بیکار و بے فائدہ نہیں کہ اللہ اس سے بالا ہے) ان لوگوں کے لئے جو جاننے والے (تدبر کرنے والے) ہیں۔ وہ دلیلیں کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔ بلاشبہ رات کے پیچھے دن اور دن کے پیچھے رات آنے میں (ان کے آنے جانے اور زیادتی کمی میں) اور ان تمام چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں میں (فرشتے، آفتاب و ماہتاب، ستارے وغیرہ) اور زمین میں (جانور، پہاڑ، سمندر، نہریں، درخت وغیرہ) پیدا کی ہیں نشانیاں ہیں (جو اللہ کی قدرت پر دلالت کرنے والی ہیں) ان لوگوں کے لئے جو ڈر مانتے ہیں (اور ایمان لے آتے ہیں خاص طور پر ان کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ اس سے یہی لوگ نفع اٹھانے والے ہیں) جنہیں ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے (قیامت کے روز) اور وہ صرف دنیوی زندگانی ہی پر مگن ہیں (آخرت کے بجائے کیونکہ وہ آخرت کو مانتے ہی نہیں ہیں) اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں (مطمئن ہوگئے ہیں) اور جو لوگ ہماری نشانیوں (دلائل وحدانیت) سے بالکل غافل ہیں (ان میں قطعاً نظر نہیں کرتے) تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے ان کے کرتوتوں (شرک اور گناہوں) کی وجہ سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے تو ان کے ایمان کی وجہ سے ان کا پروردگار ان پر راہ کھول دے گا (ان کو ایک نور عطا فرمائے گا جس سے وہ قیامت کے روز رہنمائی پاسکیں گے) ان کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گی جب کہ وہ نعمت الٰہی کے باغوں میں ہوں گے وہاں ان کا نعرہ (ان کی پکار جب کہ وہ جنت میں کچھ کہنا چاہیں گے) یہ ہوگا کہ خدایا ساری پاکیاں آپ ہی کے لئے ہیں (یعنی یا اللہ! پس جب وہ کسی چیز کی طلب کریں گے تو فوراً اسے اپنے سامنے پائیں گے) اور ان کا (باہمی) سلام جنت میں یہ ہوگا "السلام علیکم" اور آخیر بات یہ ہوگی (ان مفسرہ ہے) کہ الحمد للہ رب العلمین۔

تحقیق وترکیب: .... یونس وجہ تسمیہ ظاہر ہے کہ حضرت یونسؑ کا نام اور قصہ اس سورت میں مذکور ہے۔ الایتین اگر دوسری آیت من الخاسرین پر ختم ہے تو تیسری آیت الالیم تک ہوگی یا دوسری آیت کا آخر الالیم ہے تو و لا تکونن الخ سے الالیم تک ایک آیت ہو جائے گی۔ بہر حال یہ تینوں آیات مدنی ہوں گی۔ تلک یا تو اس سورت کی آیات کی طرف اشارہ ہے اور یا اس سے پہلی سورت کی آیات کی طرف اشارہ ہے۔ الاضافة بمعنی من اس اضافت کے لئے شرط یہ ہوتی ہے کہ مجرور کا اطلاق مبین پر صحیح ہو جائے۔ یہاں بھی سورت کی آیات تو قرآن کی آیات ہیں۔ المحکم اشارہ اس طرف ہے کہ فعیل بمعنی مفعول ہے۔ یعنی قرآن کریم کذب وتناقض سے محفوظ ہے زمانہ کے تغیرات کا اس پر کچھ اثر نہیں۔

والخبر وهو اسمها یعنی ان اوحینا پہلی قرأت پر کان کا اسم ہے اور دوسری قرأت پر کان کی خبر ہے "وهو اسمها

، جملہ معترضہ ہے مبتدا خبر کے درمیان۔

قدم صدق. مسجد الجامع، صلوٰۃ الاولیٰ کی طرح موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے اور اس کا مقصد زیادتی مدح ہے۔ ان ربکم. یہ جواب ہے رسالت کے بارے میں کفار کے تعجب کا۔ یعنی جب ہم اتنے بڑے عالم کے پیدا کرنے پر قادر ہیں تو پھر رسول بھیجنے پر کیسے قدرت نہیں ہوگی۔

من ایام الدنیا ابن عباسؓ زمانۂ آخرت مراد لیتے ہیں جس کا ہر دن ہزار سال کا ہے۔ ان یوما لیکن پہلا ہی قول راجح ہے۔ استواء یلیق بہ یہ قید متقدمین کے طریقہ پر ہے۔ متاخرین استواء کے معنی بیٹھنے کے نہیں لیتے جس کی وجہ سے اس قید کی ضرورت پیش آئے۔ وہ استیلا اور غلبہ کے معنی مراد لیتے ہیں۔

لفظ ثم سے معلوم ہوتا ہے کہ جب زمین وآسمان کی پیدائش کے بعد یہ استواء ہوا ہے تو پہلے اللہ عرش سے بے نیاز تھا اور ظاہر ہے کہ پھر بعد میں بھی محتاج نہیں ہوا۔ بلکہ مستغنی ہی رہا اور جس کی شان یہ ہو وہ عرش پر مستقر نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ظاہر آیت میں تاویل کرنا ضروری ہوگیا۔ مبلغھما۔ ای **وعداللّٰہ وعدا وحق حقا**۔

ضیاء یہ لفظ سوط سیاط اور حوض حیاض کی طرح یا تو ضوء کی جمع ہے یاقام قیاما اور صام صیاما کی طرح مصدر ہے۔ بہر دوصورت **مضاف محذوف** ہے۔ ای جعل الشمس ذات ضیاءٍ القمر ذات نور نور اور ضوء میں یہ فرق ہے کہ ضوء کہتے ہیں نور قوی اور عظیم کو پس ضوء خاص ہوا بہ نسبت نور کے۔ یا ضیاء کہتے ہیں نور ذاتی کو اور نور کہتے ہیں جو غیر سے مستفاد ہو۔ ان لفظوں سے شمس وقمر کے انوار میں فرق ظاہر ہوگیا۔ آفتاب کی شعاع کو بعض نے جوہر اور بعض نے عرض مانا ہے صحیح رائے دوسری ہی ہے۔

ثمانیۃ وعشرین منزلا۔ بارہ برجوں پر منقسم ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ حمل۔ ثور۔ جوزا۔ سرطان۔ اسد۔ سنبلہ۔ میزان۔ عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو۔ حوت۔ ہر برج کی پوری دومنزلیں اور تہائی منزل ہوتی ہیں۔ اس طرح ۲۸ منزلیں ۲۸ راتوں میں پوری ہوجاتی ہیں اور تیس تاریخ کی صورت میں اٹھائیس انتیس کو۔ اور انتیس تاریخ کی صورت میں صرف اٹھائیس کو چاند نظر نہیں آتا۔ جیسا کہ علامہ بغویؒ کی رائے ہے۔ لیکن کامل مہینہ کی صورت میں کبھی تین رات اور ناقص مہینہ کی صورت میں کبھی دو رات بھی چاند نظر نہیں آتا۔ جیسا کہ علامہ قوشجیؒ نے شرح تذکرہ میں ذکر کیا ہے۔

چاند کی گردش اور اس کی منزلیں:............ چاند زمین کے گرد گردش میں رہتا ہے اور اپنی گردش کے فلک کو ۲۷ دن ۷ گھنٹوں اور ۴۳ منٹوں میں قطع کرلیتا ہے۔ اس دورہ کو علمائے ہیئت "نجومی دورسے" یا "نجومی مہینہ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیونکہ اس دورہ کے ختم پر چاند پھر اسی ستارہ کے قریب دکھائی دیتا ہے۔ جہاں سے اس کی گردش شروع ہوئی تھی۔ نیز اپنی گردش کی ہر رات میں وہ کسی نہ کسی ستارہ یا ستاروں کے مجموعہ کے پاس ضرور پہنچ جاتا ہے اور وہ گویا اس کی گردش کے لئے ہر روز کی ایک منزل بن گیا ہے۔ وہ ہمیشہ ایک خاص منزل سے سفر شروع کرتا ہے۔ ہر روز کی منزل میں نمایاں ہوتا ہے اور پھر وہیں پہنچ جاتا ہے۔ جہاں سے زمین کا طواف شروع کیا تھا۔ اس طرح ۲۷ دن اور ۷ گھنٹہ کی مدت نے ۲۸ منزلیں بنادیں۔ جب ہم (۳۶۰) کے درجوں کو (جو کامل دورہ کی مقررہ مقدار ہے) ۲۸ راتوں پر تقسیم کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ چاند ہر روز تقریباً ۱۳ درجے مسافت اپنے فلک کی طے کرلیا کرتا ہے۔ اور تقریباً اس لئے کہا کہ حساب میں کچھ دقیقے زیادہ ہوتے ہیں۔ انسان کی نگاہ کے لئے آسمان کی کوئی چیز بھی اس درجہ نمایاں اور پرکشش نہیں۔ جس قدر چاند اور سورج کا طلوع وغروب ہے اور ان کی مقررہ رفتاریں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے چاند وسورج کی رفتاروں کے مطالعہ اور ضرورت کی یکساں حالت نے قوموں کو اسی طرف متوجہ کردیا تھا۔ ہندوستان میں ان منازل کے لئے نچھتر کا لفظ اختیار کیا گیا ہے اور اس طرح ۲۷ نچھتر قرار دیئے گئے

جو "اسونی" سے شروع ہوتے ہیں اور "ریونی" پر ختم ہو جاتے ہیں۔ چینیوں نے بھی ۲۷ منزلیں بنائی تھیں اور اسے "سیو" کہتے تھے۔ بابل واشور کے باشندوں نے شاید سب سے پہلے اس کا سراغ لگایا اور مجوسیوں کی ایک مذہبی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی بھی اس سے بے خبر نہ تھے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عرب جاہلیت نے آس پاس کی قوموں سے یہ حساب لیا یا بطور خود اس نتیجہ تک پہنچے تھے۔ تاہم یہ قاعدہ ان میں رائج ضرور تھا اور اسے چاند کی منزلوں سے تعبیر کرتے تھے۔ حکماء اسلام نے ان منزلوں کو بطلیموسی نقشہ سے تطبیق دی جو مجسطی میں درج ہے۔ اختلاف الیل زمان ومکان کے قرب وبعد کے لحاظ سے دن ورات میں نمایاں فرق رہتا ہے۔ نور ا یھتدون حدیث میں ہے کہ مؤمن جب اپنی قبر سے نکلے گا تو اس کے اعمال اچھی صورت میں آ کر کہیں گے انا عملك اور پھر وہی اسے جنت کی طرف لے جائیں گے۔ اسی طرح کافر جب قبر سے برآمد ہوگا تو اس کے اعمال بری صورت میں ظاہر ہوں گے اور انا عملك کہتے ہوئے اسے جہنم میں لے جائیں گے۔

ربط آیات:......... پچھلی سورت اور اس سورت میں اور اس کے اجزاء میں مناسبت یہ ہے کہ توحید ورسالت، قرآن وقیامت کا اثبات کیا جا رہا ہے اور بعض قصے تہدیدی بیان کئے جا رہے ہیں۔ پہلی سورت میں بھی یہی مضامین تھے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں سنانی محاجہ تھا اور یہاں لسانی ہے نیز وہاں کفار کے مختلف فرقوں سے خطاب تھا اور یہاں مشرکین سے گفتگو ہے۔

شانِ نزول:......... ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت عام طور پر اہل عرب نے انکار کیا کہ اللہ، محمد جیسے شخص کو رسول بنانے سے بلند وبالا ہے۔ اس پر آیت اکان للناس عجبا اور وما ارسلنا قبلك الا رجالا نازل ہوئیں۔ اس پر کہنے لگے کہ انسان کو اگر نبی بنانا ہی ہے تو محمد کے علاوہ دوسرے لوگ زیادہ موزون ومناسب ہیں۔ لولا انزل هذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم یعنی مکہ میں ولید بن مغیرہ ہے اور طائف میں عروہ بن مسعود ثقفی ہے وہ زیادہ حقدار ہیں۔ جس کے جواب میں آیت اهم یقسمون رحمة ربك نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:......**دین کی بنیاد وحی ورسالت پر ہے:**......... اس سورت میں بھی تمام تر مواعظ کا مرکز اصلی دین حق کے مبادیات واساسات ہیں۔ سلسلۂ بیان منکرین وحی سے شروع ہو رہا ہے کیونکہ دینی ہدایت کی سب سے پہلی کڑی یہی ہے اور اسی اعتقاد پر تمام باتوں کا اعتقاد موقوف ہے۔ بہرحال یہ لوگ ایک طرف تو وحی ورسالت کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف وہ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ یہ شخص عام لوگوں کی طرح نہیں ہے۔ اس میں کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔ پھر جب اس کی کوئی توجیہ بن نہ پڑتی۔ تو کہنے لگتے ہو نہ ہو یہ جادوگر اور قرآن جادوگری ہے پس ان کا یہ کہنا قرآن کی حیرت انگیز تاثیر کی سب سے بڑی شہادت ہے۔ گویا اس کا اثر اس درجہ نمایاں اور قطعی تھا کہ انکار وعناد کے باوجود اس سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔ اپنے ضمیر کو جھٹلانے کے لئے جادوگری سے تعبیر کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال:......... اس کے بعد توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال کیا جا رہا ہے کہ جب تم مانتے ہو کہ کائنات ہستی کا پیدا کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے تو پھر عالم کی تدبیر وانتظام کے لئے اقتدار کی بہت سی چوکھٹیں کیوں بنا رکھی ہیں؟ اور انہیں نیاز وبندگی کا مستحق کیوں سمجھتے ہو؟ جس طرح پیدا کرنے والی ہستی اس کے سوا کوئی نہیں۔ اسی طرح تدبیر وفرماں روائی بھی صرف اسی کی ہے۔ اس میں نہ تو کسی سفارشی کی سفارش کو دخل ہے اور نہ کسی مقرب کے تقرب کو۔

آخرت پر استدلال: .... پھر سلسلۂ بیان آخرت کی زندگی کی طرف پھر گیا ہے۔ جس سے مشرکین عرب کو انکار تھا۔ یہاں تین باتوں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔ (۱) پہلی مرتبہ وہی پیدا کرتا ہے اور وہی پھر دہرائے گا۔ پس اگر پہلی پیدائش پر یقین کرتے ہو تو دوسری پیدائش پر تمہیں کیوں تعجب ہو رہا ہے؟ (۲) جزائے عمل کا قانون چاہتا ہے کہ جس طرح ایک زندگی عمل کی آزمائش کے لئے ہے۔ اسی طرح ایک زندگی جزاء عمل کے لئے بھی ہونی چاہیئے (۳) خلقت کا یہ نظام اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ یہاں کوئی بات حکمت و مصلحت کے بغیر نہیں ہوتی۔ سورج کو دیکھو جس کی درخشندگی سے تمام ستارے روشنی حاصل کرتے ہیں اور چاند کو دیکھو جس کی گردش کی ۲۸ منزلیں مقرر کر دی گئی ہیں جس سے تم مہینوں کا حساب اور سالوں کی گنتی معلوم کرتے ہو۔ اگر یہ سب کچھ بغیر مصلحت کے نہیں تو کیا ممکن ہے کہ انسان کا وجود بغیر کسی غرض و مصلحت کے ہو اور صرف اس لئے ہو کہ کھائے پیئے اور مر کر ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے۔ ادیان عالم کے بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی اس دنیا میں ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس کے بعد بھی ایک زندگی ہے اور اس زندگی میں جیسے کچھ اعمال کئے ہوں گے ویسے ہی نتائج دوسری زندگی میں پیش آ جائیں گے۔ قرآن ایمان اللہ کا ایک بنیادی عقیدہ ہے اسی مسئلہ کو کہتا ہے۔ البتہ اس نے جو تعبیر اختیار کی ہے وہ دوسرے پیروان مذاہب کے عام تصور سے مختلف ہے۔ وہ اس گوشہ کو کائنات ہستی کے عالمگیر قوانین خلقت سے الگ نہیں قرار دیتا۔ بلکہ اسی کے ماتحت لاتا ہے۔ وہ کہتا ہے جس طرح دنیا میں ہر چیز کے خواص اور ہر حادثہ کے نتائج ہیں۔ ٹھیک اسی طرح انسانی اعمال کے بھی خواص و نتائج ہیں اور یہاں مادیات کی طرح معنویات کے قوانین بھی کام کر رہے ہیں پس اچھے عمل کا نتیجہ اچھائی ہوگا۔ اور برے عمل کا نتیجہ برائی۔

آواگون اور آخرت کے نظریہ میں فرق ہے تناسخ پر قرآن سے استدلال غلط ہے: .... ہندوستان میں آخرت کی زندگی اور جزاء کے لئے آواگون (تناسخ) کا عقیدہ پیدا ہوا۔ قدیم ہندو مذہب اور پیروان بودھ اور چینی لوگ تینوں جماعتیں اس خیال پر متفق ہیں۔ قدیم مصریوں کے عقائد میں بھی اس کا سراغ ملتا ہے اور بعض حکماء یونان بھی اسی طرف گئے ہیں۔ چونکہ قرآن نے آخرت کے معاملہ کے لئے "رجوع" کی تعبیر اختیار کی ہے یعنی وہ ہر جگہ کہتا ہے "تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے"۔ اسی لئے حال میں بعض مصنفین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کا عقیدۂ آخرت بھی تناسخ کی بنیاد پر مبنی ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ قرآن نے لوٹنے کی تعبیر اختیار کر کے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ زندگی بار بار ظہور میں آتی ہے اور بار بار اصل مرکز کی طرف لوٹتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ استدلال کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ بلاشبہ قرآن نے آخرت کی زندگی کو "لوٹنے" سے تعبیر کیا ہے اور وہ اس معاملہ کو یوں قرار دیتا ہے گویا انسانی ہستی کہیں سے آئی ہے اور پھر اسی طرف لوٹے گی۔ لیکن صرف اتنی ہی بات سے آواگون ثابت نہیں ہو جاتا۔ بلکہ فلسفیانہ تناسخ کی بنیاد زندگی کے بار بار اعادۂ گردش پر ہے۔ صرف روح کے لوٹنے پر نہیں ہے اور مذہبی تناسخ کی بنیاد اس پر ہے کہ جزائے عمل کا معاملہ اسی اعادہ اور گردش سے مرتب ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں ان دونوں عقیدہ کے لئے کوئی بنیاد نہیں ملتی۔

مہینہ اور سال کا حساب: .... یوں تو یہ دلائل سب کے لئے عام ہیں۔ مگر ایسے مواقع پر اکثر اہل علم اور تقویٰ کی تخصیص بلحاظ نفع کے ہے اور منزل سے مراد وہ مسافت ہے جسے کوئی ستارہ ایک دن رات میں طے کر لے۔ خواہ وہ مسافت خلاء ہو یا ملاء اور اس لحاظ سے آفتاب کو بھی ذی منازل کہہ سکتے ہیں۔ اسی لئے بعض نے قــــدرہ کی ضمیر ہر ایک کی طرف انفرادی طور پر لوٹائی ہے۔ لیکن چاند کی چال چونکہ سورج کی بہ نسبت تیز ہے اور اس کا منازل طے کرنا محسوس ہے۔ اس لئے سیر منازل کی تخصیص چاند کے ساتھ مناسب ہوئی اور اس اعتبار سے چاند کی ۲۹ / ۳۰ منزلیں ہونی چاہئیں۔ لیکن ۲۸ رات سے زیادہ چونکہ نظر نہیں آتا۔ اس لئے ۲۸ منزلیں مشہور ہو گئیں ہیں اور ہر

چند کے چاند وسورج دونوں سے سال اور مہینوں کے حسابات معلوم ہو سکتے ہیں۔ لیکن سورج کا دورہ سالانہ ہونے کی وجہ سے سال کے حساب کو سورج کے ساتھ وابستہ کرنا مناسب ہے اور ماہانہ جزوی حساب کو چاند سے منسوب کرنا موزوں ہوگا۔ ممکن ہے حساب کا لفظ اسی لئے بڑھایا گیا ہو۔ سبحان اللہ گنے چنے الفاظ میں حقیقت حال کی کیسی تصویر کھینچ دی ہے۔ جس سے کوئی گوشہ بھی باہر نہیں رہا اور ساتھ ہی آخرت کے تمام دلائل بھی نمایاں ہو گئے۔ آیت ان الذین امنوا الخ سے معتزلہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جنت میں داخل ہونا ایمان اور عمل صالح پر موقوف ہے۔ لیکن اہل سنت کی طرف سے جواب ظاہر ہے کہ یہ دونوں چیزیں مجموعی طور پر جنت میں داخل ہونے کا سبب ہیں نہ کہ شرط۔ اور دوسری نصوص سے صرف ایمان سے جنت میں داخل ہونا معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اسباب میں تزاحم اور منافات نہیں ہوتی۔ ایک چیز کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں۔

لطائف آیات:............ آیت ان الذین لا یرجون الخ سے معلوم ہوا کہ دنیا پر فریفتہ ہونا اور ریجھنا اور اس پر مطمئن ہو بیٹھنا سراسر برا ہے۔

وَنَزَلَ لَمَّا اسْتَعْجَلَ الْمُشْرِكُوْنَ الْعَذَابَ **وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّاسْتِعْجَالَهُمْ** اَیْ كَاسْتِعْجَالِهِمْ **بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ** بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ **اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ** بِالرَّفْعِ وَالنَّصْبِ بِاَنْ يُهْلِكَهُمْ وَلٰكِنْ يُمْهِلُهُمْ **فَنَذَرُ** نَتْرُكُ **الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾** يَتَرَدَّدُوْنَ مُتَحَيِّرِيْنَ **وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ** الْكَافِرَ **الضُّرُّ** الْمَرَضُ وَالْفَقْرُ **دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ** اَیْ مُضْطَجِعًا **اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا** اَیْ فِیْ كُلِّ حَالٍ **فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ** عَلٰى كُفْرِهٖ **كَاَنْ** مُخَفَّفَةٌ وَاِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَیْ كَاَنَّهٗ **لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ كَذٰلِكَ** كَمَا زُيِّنَ لَهُ الدُّعَاءُ عِنْدَ الضُّرِّ وَالْاِعْرَاضُ عِنْدَ الرَّخَاءِ **زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ** الْمُشْرِكِيْنَ **مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ** الْاُمَمَ **مِنْ قَبْلِكُمْ** يَا اَهْلَ مَكَّةَ **لَمَّا ظَلَمُوْا** بِالشِّرْكِ **وَ**قَدْ **جَآءَ تْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ** الدَّالَّاتِ عَلٰى صِدْقِهِمْ **وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا** عَطْفٌ عَلٰى ظَلَمُوْا **كَذٰلِكَ** كَمَا اَهْلَكْنَا اُولٰٓئِكَ **نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾** الْكَافِرِيْنَ **ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ** يَا اَهْلَ مَكَّةَ **خَلٰٓئِفَ** جَمْعُ خَلِيْفَةٍ **فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾** فِيْهَا وَهَلْ تَعْتَبِرُوْنَ بِهِمْ فَتُصَدِّقُوْا رُسُلَنَا **وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا** الْقُرْاٰنُ **بَيِّنٰتٍ** ظَاهِرَاتٍ حَالٌ **قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا** لَا يَخَافُوْنَ الْبَعْثَ **ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ** لَيْسَ فِيْهِ عَيْبُ اٰلِهَتِنَا **اَوْ بَدِّلْهُ** مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِكَ **قُلْ مَا يَكُوْنُ** يَنْبَغِیْ **لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ** قِبَلِ **نَفْسِيْ اِنْ** مَا **اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ** بِتَبْدِيْلِهٖ **عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾** هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ** اَعْلَمَكُمْ **بِهٖ** وَلَا نَافِيَةٌ عَطْفٌ عَلٰى مَاقَبْلَهٗ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِلَامٍ جَوَابِ لَوْ اَیْ لَاَ عْلَمَكُمْ بِهٖ عَلٰى لِسَانِ غَيْرِیْ **فَقَدْ لَبِثْتُ** مَكَثْتُ **فِيْكُمْ عُمُرًا** سِنِيْنًا

اربعین **مِنْ قَبْلِهٖ** لا احدثکم بشیء **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ** ﴿۱۶﴾ انہ لیس من قبلی **فَمَنْ** ای لا احد **اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا** بنسبة الشریك **اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ** القرآن **اِنَّهٗ** ای الشان **لَا يُفْلِحُ** یسعد **الْمُجْرِمُوْنَ** ﴿۱۷﴾ المشرکون **وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** ای غیرہ **مَا لَا يَضُرُّهُمْ** ان لم یعبدوہ **وَلَا يَنْفَعُهُمْ** ان عبدوہ وھو الاصنام **وَيَقُوْلُوْنَ** عنھا **هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ** لھم **اَتُنَبِّـــُٔوْنَ اللّٰهَ** تخبرونہ **بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ** استفھام انکار ای لو کان لہ شریك لعلمہ اذ لا یخفی علیہ شیء **سُبْحٰنَهٗ** تنزیھا لہ **وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ** ﴿۱۸﴾ معہ **وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً** علی دین واحد وھو الاسلام من لدن آدم الی نوح وقیل من عھد ابراھیم الی عمرو بن لحی **فَاخْتَلَفُوْا ۭ** بان ثبت بعض وکفر بعض **وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ** بتاخیر الجزاء الی یوم القیمة **لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ** ای الناس فی الدنیا **فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ** ﴿۱۹﴾ من الدین بتعذیب الکافرین **وَيَقُوْلُوْنَ** ای اھل مکة **لَوْلَآ** ھلا **اُنْزِلَ عَلَيْهِ** علی محمد **اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ** کما کان للانبیاء من الناقة والعصا والید **فَقُلْ** لھم **اِنَّمَا الْغَيْبُ** ما غاب عن العباد ای امرہ **لِلّٰهِ** ومنہ الآیات فلا یاتی بھا الا ھو وانما علی التبلیغ **فَانْتَظِرُوْا ۚ** العذاب ان لم تؤمنوا **اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ** ﴿۲۰﴾ ع

ترجمہ:.........(مشرکین نے جب عذاب نازل ہونے کا تقاضا کیا تو اگلی آیت نازل ہوئی) اور انسان جس طرح فائدہ کے لئے جلدی مچاتا ہے۔ اگر اسی طرح (یعنی لوگوں کی جلد بازی کی طرح) اللہ اسے نقصان پہنچانے میں جلد باز ہوتا تو کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا (مجہول ومعروف دونوں طرح ہے) اس کا وقت (رفع اور نصب کے ساتھ دونوں طرح ہے۔ یعنی لوگوں کو تباہ کر دیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ ٹلاتے رہتے ہیں) پس جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے ہم انہیں ان کی سرکشیوں میں سرگرداں چھوڑ دیتے ہیں (کہ وہ حیران ومتردد رہتے ہیں) اور جب کبھی انسان (کافر) کو کوئی رنج (بیماری، تنگدستی) پہنچتا ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے خواہ کسی حال میں ہو، کروٹ کے بل لیٹا ہو، کھڑا ہو، بیٹھا ہو (یعنی ہر حال میں) لیکن جب ہم اس کا رنج دور کر دیتے ہیں تو پھر اس طرح (اپنے کفر پر) چل دیتا ہے گویا کہ (کان مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی کانہ) رنج ومصیبت میں کبھی اس نے ہمیں پکارا ہی نہیں تھا۔ اسی طرح (جیسے کہ مصیبت کے وقت دہائی دینا اور مصیبت ہٹ جانے پر پھر انجان بن جانا خوشنما معلوم ہوتا ہے) خوشنما کر دیئے گئے ہیں۔ حد سے گزرنے والوں (مشرکین) کی نگاہوں میں ان کے کارنامے اور تم سے پہلے (اے مکہ والو! کتنی ہی امتیں گزر چکی ہیں کہ جب انہوں نے ظلم (شرک) کی راہ اختیار کی تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا حالانکہ ان کے پاس رسول روشن دلیلیں (جو ان کی صداقت پر گواہ ہیں) لے کر آئے مگر وہ اس پر بھی ایمان نہیں لائے (ظلموا پر اس کا عطف ہے) مجرموں (کافروں) کو ہم اسی طرح ان کے جرموں کا بدلہ دیتے ہیں (جیسا کہ ان کو ہلاک کر کے رکھ دیا ہے) پھر تمہیں (اے مکہ کے باشندو) ان امتوں کے بعد ہم نے دنیا میں ان کا جانشین (خلائف جمع خلیفہ) کیا ہے تاکہ ہم دیکھیں تمہارے کام کیسے ہوتے ہیں؟ (اس دنیا میں آیا ان لوگوں کی حالت دیکھ کر ان سے عبرت پکڑتے ہو اور ہمارے رسولوں کو سچا سمجھتے ہو؟) اور جب تم ہماری کھلی کھلی (واضح) آیتیں (قرآن کی) انہیں پڑھ کر سناتے ہو تو جن

لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کوئی کھٹکا نہیں ہے (قیامت کا ڈر نہیں ہے) وہ کہتے ہیں اس قرآن کے سوا کوئی دوسرا قرآن لا کر سناؤ (جس میں ہمارے معبودوں کی برائیاں نہ ہوں) یا اس میں کچھ ردوبدل کردو (اپنی طرف سے) آپ کہہ دیجئے کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا (میرا یہ مقدور نہیں) کہ میں اپنی طرف سے اس میں کچھ کتر بیونت کردوں۔ میں تو اس حکم کا تابع ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کروں (اس کے حکم میں ردوبدل کر کے) تو عذاب کا بہت بڑا دن آنے والا ہے (قیامت کا دن) آپ یوں کہئے اگر خدا کو منظور ہوتا تو نہ میں تم کو یہ قرآن سناتا اور نہ تمہیں اس سے خبردار کرتا (اس میں لا نافیہ ہے جس کا ماقبل پر عطف ہورہا ہے اور ایک قرأت میں لام کے ساتھ لو کے جواب میں اور معنی یہ ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو میرے علاوہ کسی اور ذریعہ سے تمہیں اس کی اطلاع دیتا) پھر دیکھو یہ واقعہ ہے کہ میں اس معاملہ سے پہلے تم لوگوں میں عمر کا ایک بڑا حصہ (چالیس سال) بسر کر (گزار) چکا ہوں (جس میں کبھی ایک بات بھی تم سے اس طرح کی بیان نہیں کی) کیا تم اتنی عقل بھی نہیں رکھتے ہو؟ (کہ یہ کلام میری اپنی طرف سے نہیں ہوسکتا) پھر بتلاؤ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے؟ (کوئی نہیں ہوسکتا) جو اپنی جی سے جھوٹ بات بنا کر اللہ پر افتراء کرلے (شریک کی نسبت اللہ کی طرف کر کے) یا اس (قرآن) کی آیتوں کو جھٹلائے یقیناً ایسے مجرموں (مشرکوں) کو اصلا فلاح (کامیابی) نہیں ہوگی اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو انہیں نہ نقصان پہنچا سکتی ہیں (اگر ان کی پوجا نہ کی جائے) اور نہ فائدہ (اگر ان کی پوجا کرلی جائے مراد بت ہیں) اور (ان بتوں کے متعلق) کہتے ہیں یہ ہیں اللہ کے حضور ہمارے سفارشی (ان سے) کہہ دو کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر (اطلاع) دینی چاہتے ہو جو خود اسے معلوم نہیں نہ تو آسمانوں میں نہ زمین میں (یہ استفہام انکاری ہے یعنی اگر اس کا کوئی شریک ہوتا تو ضرور اللہ کو معلوم ہوتا کیونکہ کوئی چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہے) پاک (صاف) اور برتر ہے اس کی ذات اس شرک سے جو یہ (اس کے ساتھ) کررہے ہیں اور تمام آدمی ایک ہی طریقہ کے تھے۔ (ایک دین اسلام پر تھے۔ آدمؑ سے لے کر نوحؑ تک اور بعض کی رائے میں ابراہیمؑ کے وقت سے لے کر عمرو بن لحی کے زمانہ تک) پھر یہ الگ الگ ہوگئے (بعض تو ایمان پر جمے رہے اور بعض نے کفر کا راستہ اختیار کرلیا) اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے پہلے ایک بات نہ ٹھہرادی گئی ہوتی (قیامت تک عذاب ملتوی کرنے کی) تو (ان لوگوں کے درمیان دنیا ہی میں) کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا جس (مذہبی) باتوں میں یہ اختلاف کررہے ہیں (اس طرح کہ کافروں کو عذاب دے دیا جاتا) اور یہ لوگ (مکہ والے) یوں کہتے ہیں کہ ان (محمدؐ) پر ان کے پروردگار کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہ اتری؟ (جیسا کہ پچھلے انبیاء پر اونٹنی، لاٹھی اور ید بیضاء کے معجزات اتر چکے ہیں) سو (ان سے) کہہ دو غیب کا علم (جو چیزیں بندوں سے غائب ہیں ان کی خبر) تو صرف اللہ کو ہے (معجزات بھی ان ہی میں داخل ہیں اس لئے ان کو وہی ظاہر کرسکتا ہے میرا کام تو صرف تبلیغ ہے) بس انتظار کرو (عذاب کا ایمان نہ لانے کی صورت میں) میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

تحقیق وترکیب: .... **استعجل المشرکون** اس سے مراد نضر بن الحارث وغیرہ مشرکین ہیں جنہوں نے کہا تھا اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندك فامطر علینا حجارۃ۔

کاستعجالھم منصوب بنزع الخافض ہونے کی طرف مفسر علامؒ اشارہ کررہے ہیں۔ **لننظر کیف تعملون** استعارہ تمثیلیہ سے کام لیا گیا ہے بادشاہ جس طرح اپنی رعایا کے حالات کا جائزہ لیا کرتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ فرمارہے ہیں۔ **فقد لبثت فیکم عمرا** یعنی پہلے سے تمہیں معلوم ہے کہ امی محض ہوں لکھنے پڑھنے سے مطلق واسطہ نہیں تھا۔ پھر ایک دم ایسی بے مثل کتاب اور لاجواب کلام کا پیش کرنا از خود کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔ یہ وحی الٰہی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

بما لا یعلم یہاں لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی پر استدلال کیا گیا ہے۔ کیونکہ علم الٰہی ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے جو کچھ بھی

موجود ہوگا وہ اللہ کے علم میں ضرور ہوگا۔ لیکن جب کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں نہیں تو سمجھ لو کہ وہ چیز موجود ہی نہیں ہے اور **ما یشر کون** میں ما موصولہ ہے یا مصدریہ۔

من ذریته ادم نوح علیہ السلام کے زمانہ میں شرک وکفر شروع ہوگیا جیسا کہ **لاتذرن الھتکم الخ** سے معلوم ہوتا ہے تو **فاخذھم الطوفان الخ** عذاب الٰہی سے انہیں تباہ کرڈالا گیا۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں نمرود ہلاک کیا گیا۔ پھر عمرو بن لحی نے کفر وشرک پھیلایا۔ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام جانوروں کی حرمت کے احکامات گھڑے۔

لو لا حکمة چونکہ دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء ہے اس لئے یہاں سزا جزا جاری نہیں کی گئی ہے۔

ربط آیات: .... پچھلی آیت **اولئك ماوٰھم النار** میں عذاب آخرت کی دھمکی دی گئی تھی۔ لیکن وہ اسے نری دھمکی سمجھتے تھے اور کہتے تھے اگر واقعی عذاب کوئی چیز ہے تو **ربنا عجل لنا قطنا قبل یوم الحساب** پس آیت **ولو یعجل اللّٰہ** میں اس کا جواب ارشاد ہے آگے آیت **واذا مس الانسان الخ** میں شرک کی ایک خاص طرز سے تردید کی جارہی ہے کہ اگر واقعی ان کے معبود برحق ہوتے تو مصیبت میں کیوں انہیں یکسر چھوڑ بیٹھتے۔ معلوم ہوا کہ یہ خود بھی شرک کو صحیح نہیں سمجھتے۔ جیسے کہ واقعہ میں بھی صحیح نہیں ہے۔

اس کے بعد آیت **ولقد اھلکنا الخ** سے کفار کے مستحق عذاب ہونے کی تائید میں پچھلے کفار کا عذاب الٰہی میں ہلاک ہونا اجمالاً بیان فرماتے ہیں۔ تاکہ اشارہ ہوجائے کہ مستحق عذاب تو تم بھی ہو چکے ہو۔ مگر بعض حکمتوں سے دنیا میں یہ عذاب ٹل رہا ہے۔ تاہم آخرت میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ اس لئے لامحالہ عذاب واقع ہوکر رہے گا۔ وعید ومعاد کی اس گفتگو کے بعد آیت **واذا تتلٰی الخ** سے قرآن اور رسالت کی سچائی اور حقانیت کا بیان ہے اور آیت **ویعبدون الخ** سے پھر شرک کی تردید کی جارہی ہے۔ اور آیت **ویقولون الخ** میں مسئلہ رسالت کو پھر سے چھیڑا جارہا ہے۔

شانِ نزول: .... نضر بن الحارث وغیرہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندك فامطر علینا حجارة من السماء او ائتنا بعذاب الیم اس پر آیت **ولو یعجل اللّٰہ الخ** نازل ہوئی ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... آیت **ولو یعجل اللّٰہ الخ** میں ''قانون امہال'' بیان کیا جارہا ہے تاہم یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اس آیت سے دو چیزیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ شر مانگنے سے بھی جلدی واقع نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ خیر مانگنے سے جلدی واقع ہوجاتی ہے۔ حالانکہ دونوں باتیں صحیح نہیں۔ کیونکہ بسا اوقات دونوں کے خلاف ہوتا رہتا ہے۔

ایک اشکال کے دو جواب: .... جواب یہ ہے کہ آیت کا مقصد اصلی یہ بتلانا ہے کہ رحمت الٰہی کی وجہ سے خیر کے معاملہ میں اصل اس کا جلد واقع کرنا ہے اور شر میں اصل اس کا ٹلانا ہے۔ لیکن اگر کسی عارضی مصلحت کی وجہ سے اس کے خلاف ہوجائے تو مدلول آیت کے منافی نہیں ہوگا غرضیکہ آیت میں تو دونوں کا اصل تقاضا بیان کیا جارہا ہے۔ دوسری توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ممکن ہے جس چیز کو ہم شر سمجھ رہے ہیں وہ فی الحقیقت اس خاص شخص کے حق میں یا مصلحت عام پر نظر کرتے ہوئے کسی نہ کسی خیر کو اپنے اندر چھپائے ہوئے ہو۔ پس اس لحاظ سے اس شر کا واقع ہونا بھی گویا خیر ہی کا واقع ہونا ہے۔ اسی طرح جس خیر میں تاخیر ہوتی ہے۔ اس میں ضرور کوئی شر چھپا ہوتا ہے۔ پس اس شر کا ہونا گویا واقع میں خیر کا ہونا ہوتا ہے اور اس خیر کا نہ ہونا گویا شر کا نہ ہونا ہے۔

توحید ایک فطری بات ہے: ....آیت و اذا مس الانسان الخ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے کہ رنج ومصیبت کی حالت میں انسان کے اندر وجدانی طور پر یہ ولولہ اٹھتا ہے کہ ایک بالاتر ہستی موجود ہے جو میرا دکھ درد دور کرسکتی ہے اور اسی کو پکارنا چاہیئے لیکن جب مصیبت دور ہوجاتی ہے تو پھر عیش وراحت کی غفلتوں میں پڑ کر اسے بھول جاتا ہے۔ گویا اس نے کسی کو پکارا ہی نہ تھا۔ قرآن نے جا بجا انسان کی اس فطری حالت سے استشہاد کیا ہے۔ کیونکہ مصیبت اور بے بسی کی حالت میں بے اختیار اس ولولہ کا اٹھنا اس بات کا ثبوت ہے کہ انسانی فطرت اپنے اندرونی ادراک میں خدا کی ہستی کا اعتقاد رکھتی ہے اور اعراض وغفلت اس کی وجدانی حالت نہیں ہے۔ بلکہ خارجی اثرات کا نتیجہ ہے۔

شکر اور ناشکری کی حالت: ....یہ مضمون قرآن کریم کی اسی قسم کی دوسری آیتوں میں بھی آیا ہے۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ اچھی حالت میں انسان کی طرف سے اعراض کرلینا، بھول جانا، دعا چھوڑ بیٹھنا، اترا جانا اور اکڑ جانا پایا جاتا ہے اور یہ سب باتیں ایک ساتھ جمع ہوسکتی ہیں۔ اسی طرح بری حالت میں انسان کی طرف سے مایوسی، ناشکری اور دعا پائی جاتی ہے۔ ان میں سے مایوسی اور ناشکری دونوں تو خیر جمع ہوسکتی ہیں۔

دُعاء مایوسی کے ساتھ کیسے جمع ہوسکتی ہے: ....لیکن مایوسی اور دعاء کا اجتماع کیسے ہوسکتا ہے؟ کیونکہ دعاء تو امید ہی میں کی جاتی اور امید ناامیدی کے ساتھ کیسے جمع ہوسکتی ہے؟ اس کے دو جواب ہیں۔ اول یہ کہ زبان سے تو وہ دعا کرتا ہے۔ مگر دل میں مایوسی اور ناامیدی رہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اول اول خوب دعا کرتا ہے۔ مگر پھر مایوس ہوکر چھوڑ بیٹھتا ہے پس ان دونوں صورتوں میں دعاء اور مایوسی دونوں جمع ہوگئیں۔

دو آیتوں میں تعارض: ....البتہ سورۂ حم فصلت کے آخر میں جو لا یسئم الانسان من دعاء الخیر فرمایا گیا ہے۔ یعنی انسان کبھی دعائے خیر سے نہیں تھکتا۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ مانگے ہی چلا جاتا ہے۔ اس میں اشکال یہ ہے کہ اگر اس سے خیر کی حالت میں دعا کرنا مراد ہے۔ تب تو ابھی معلوم ہوچکا ہے کہ انسان اچھی حالت میں دعا چھوڑ بیٹھتا ہے۔ پس دونوں آیتوں میں تعارض ہوا اور اگر بری حالت کے اعتبار سے یہ کہا جارہا ہے تب بھی یہ کہنا مشکل ہے کہ انسان بری حالت میں ہمیشہ دعا کرتا ہے کیونکہ مایوسی کی حالت میں دعا میں نشاط یقیناً فوت ہوجاتا ہے اور جب نشاط نہیں تو دعا کہاں ہوئی؟

جواب: ....جواب یہ ہے کہ لایسئم الانسان الخ کا حکم اچھی اور بری دونوں حالتوں کے اعتبار سے ہے لیکن دعا سے مراد جی لگا کر اور خوشدلی سے دعا کرنا نہیں ہے۔ بلکہ محض استدعاء تمنا اور خواہش وحرص کے درجہ میں ہے اور یہ باتیں دونوں صورتوں میں تازہ رہتی ہیں۔

نیچریوں پر رد: ....مشرکین عرب پیغمبر اسلام کی صداقت اور فضیلت سے تو انکار نہیں کرسکتے تھے۔ لیکن کہتے تھے کہ تمہاری باتیں سننے کے لئے ہم تیار ہیں مگر تم جو ایسی باتیں کہتے ہو جنہیں ہم قبول نہیں کرسکتے اس لئے ان میں کچھ ایسی ترمیم کردو جس سے ہمارے پرانے عقیدوں کے مطابق ہوجائے۔ یا اس قرآن ہی کو بدل کر دوسرا قرآن لے آؤ۔ گویا وہ لوگ قرآن پاک کو بعض نیچریوں کی طرح کلام محمدیؐ سمجھتے تھے۔ پس آیت و اذا تتلی الخ میں اسی کے جواب کی تلقین کی جارہی ہے کہ آپ کہہ دیجئے اس بارے میں بے

اختیار ہوں ۔ جو کچھ مجھ سے کہلایا جاتا ہے وہ کہہ دیتا ہوں ۔

صداقت محمدی ﷺ کی دلیل:............رہ گئی میری صداقت سواس کی سب سے بڑی دلیل تو وہی فاتوا بسورۃ الخ ہے ۔لیکن آخری درجہ میں بطور تنزیل کے ایک وجدانی دلیل یہ بھی ہے کہ میری عمر کا چالیس سالہ بیشتر حصہ تم میں ہی گذر چکا ہے اور تمام علمائے اخلاق ونفسیات اس پر متفق ہیں کہ انسان کے اخلاق وخصائل کے ابھرنے اور بننے کا اصلی زمانہ یہی چالیس سالہ دور ہوتا ہے جو سانچہ اس عرصہ میں بن گیا۔ پھر بقیہ زندگی میں وہ پختہ ہوسکتا ہے ۔مگر بدل نہیں سکتا۔ پس اگر ایک شخص چالیس سال تک صادق ،امین رہا ہے تو کیونکر ممکن ہے اکتالیسویں برس میں قدم رکھتے ہی ایسا جھوٹا لپاٹی بن جائے ۔کہ انسانوں ہی پر نہیں ۔ بلکہ اپنے اور زمین وآسمان کے پیدا کرنے والے پر افتراء کرنے لگے ۔میری ساری کتاب زندگی تمہارے سامنے ہے جس نے کبھی پڑھنے پڑھانے سے بلکہ پڑھوؤں سے بھی دور کا واسطہ نہ رکھا ہو۔ وہ دم کے دم میں آج کس طرح لاجواب تعلیمات کی کتاب پیش کرسکتا ہے ۔ عادۃ یہ بات محال ہے اور معجزات میں محال عادی ہی پر مدار ہوا کرتا ہے ۔

شریر ترین انسان:............آگے فرمایا جاتا ہے کہ تم ان دو باتوں کا انکار نہیں کرسکتے ۔ایک تو جو شخص اللہ پر افتراء کرے اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں اور دوسرے جو کسی سچے انسان کو جھٹلائے وہ بھی سب سے بڑھ کر شریر انسان ہے ۔اب صورت حال نے یہاں دونوں فریق پیدا کردیئے ہیں ۔اگر میں خدا پر بہتان باندھ رہا ہوں گا تو مجھے ناکام ونامراد ہونا پڑے گا۔ ورنہ تم سچائی کو جھٹلا رہے ہو تو تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے اور اللہ کا قانون ہے کہ مجرموں کو فلاح نہیں دیا کرتا۔ چنانچہ اللہ کا فیصلہ صادر ہوگیا کہ جو جھٹلا رہے تھے ۔ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہا اور جو سچا تھا اس کا کلمہ آج تک قائم ہے اور قائم رہے گا۔

رد شرک:............فلا یضرھم ولا ینفعھم میں اگر حقیقۃ نفع ونقصان کا نہ ہونا مراد ہے تب تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ سب معبودان کو یہ حکم شامل ہے ۔خواہ وہ زندہ ہوں یا بے جان ۔اور اگر محض ظاہری نفع نقصان مراد ہے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کے علاوہ مردہ معبودوں کو یہ حکم شامل رہے گا۔ جن بتوں کی پوجا مکہ کے باشندے کرتے تھے وہی مراد ہوں گے ۔ رہا مشرکین کا یہ کہنا کہ بت ہمارے سفارشی ہیں اور سفارشی مستحق عبادت ہوتا ہے ۔آیت اتنبئون اللّٰہ میں دو طرح سے اس کورد کیا گیا ہے ۔اول صغریٰ کے غلط ہونے سے کہ یہ شفیع ہی نہیں ۔ دوسرے کبریٰ کو باطل کردینے سے کہ اگر شفیع بھی ہوں تو شفیع کا معبود بننا لازم نہیں ۔غرضیکہ غیر اللہ کی معبودیت کا اعتقاد خواہ بالذات ہو یا بالعرض شرک ہے ۔

بتوں کا سفارشی ہونا غلط ہے:............اور کفار کا بتوں کو شفیع ماننا دنیا کے لحاظ سے تو خیر حقیقۃ تھا ۔مگر آخرت کو چونکہ وہ نہیں مانتے تھے ۔اس لئے وہاں کے اعتبار سے انہیں شفیع ماننا فرضا ہوگا۔ کہ بالفرض آخرت کوئی واقعی چیز ہوئی تو یہ ہمارے سفارشی ہوں گے ۔

لطائف آیت:............آیت واذا مس الانسان الخ سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے مشاہدہ ربوبیت میں حقائق عبودیت کا ادراک نہیں کیا۔ ان پر جب بلا آتی ہے تو وہ گڑگڑانے لگتے ہیں اور جب بلا دور ہوجاتی ہے تو ایک دم بے تعلق ہوجاتے ہیں ۔لیکن اگر یہ لوگ عارف ہوتے تو برابر گڑگڑاتے اور بندگی کرتے رہتے اور اگر انسان سے مراد کافر لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ دعا وعبادت اگر ایمان کے ساتھ نہ ہوں بلکہ محض اضطراراً ہوں تو ایسی دعا اور عبادت نفع بخش نہیں ہوتی ۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ ای کفار مکۃ **رَحْمَةً** مطرا وخصبا **مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ** بؤس وجدب **مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ**

مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا بِالْاِسْتِهْزَاءِ وَالتَّكْذِيْبِ **قُلِ** لَهُمْ **اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا** مُجَازَاةً **اِنَّ رُسُلَنَا** الْحَفَظَةَ **يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ يُنْشِرُكُمْ **فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ** اَلسُّفُنِ **وَجَرَيْنَ بِهِمْ** فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ **بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ** لَيِّنَةٍ **وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ** شَدِيْدَةُ الْهُبُوْبِ تَكْسِرُ كُلَّ شَيْءٍ **وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ** اَيْ اُهْلِكُوْا **دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ** اَلدُّعَاءَ **لَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ** الْاَهْوَالِ **لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾** اَلْمُوَحِّدِيْنَ **فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ** بِالشِّرْكِ **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ** ظُلْمُكُمْ **عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ** لِاَنَّ اِثْمَهٗ عَلَيْهَا هُوَ **مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** تَتَمَتَّعُوْنَ فِيْهَا قَلِيْلًا **ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ** بَعْدَ الْمَوْتِ **فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾** فَنُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِنَصْبِ مَتَاعٌ اَيْ تَتَمَتَّعُوْنَ **اِنَّمَا مَثَلُ** صِفَةُ **الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ** مَطَرٍ **اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ** بِسَبَبِهٖ **نَبَاتُ الْاَرْضِ** وَاشْتَبَكَ بَعْضُهٗ بِبَعْضٍ **مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ** مِنَ الْبُرِّ وَالشَّعِيْرِ وَغَيْرِهِمَا **وَالْاَنْعَامُ** مِنَ الْكَلَاءِ **حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا** بَهْجَتَهَا مِنَ النَّبَاتِ **وَازَّيَّنَتْ** بِالزَّهْرِ وَاَصْلُهٗ تَزَيَّنَتْ اُبْدِلَتِ التَّاءُ زَايًا وَاُدْغِمَتْ فِي الزَّايِ ثُمَّ اُجْتُلِبَتْ هَمْزَةُ الْوَصْلِ **وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ** مُتَمَكِّنُوْنَ مِنْ تَحْصِيْلِ ثِمَارِهَا **اَتٰهَآ اَمْرُنَا** قَضَاؤُنَا اَوْ عَذَابُنَا **لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا** اَيْ زَرْعَهَا **حَصِيْدًا** كَالْمَحْصُوْدِ بِالْمَنَاجِلِ **كَاَنْ** مُخَفَّفَةٌ اَيْ كَاَنَّهَا **لَّمْ تَغْنَ** تَكُنْ **بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ** نُبَيِّنُ **الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ** اَيِ السَّلَامَةِ وَهِيَ الْجَنَّةُ بِالدُّعَاءِ اِلَى الْاِيْمَانِ **وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ** هِدَايَتَهٗ **اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾** دِيْنِ الْاِسْلَامِ **لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا** بِالْاِيْمَانِ **الْحُسْنٰى** اَلْجَنَّةُ **وَزِيَادَةٌ** هِيَ النَّظْرُ اِلَيْهِ تَعَالٰى كَمَا فِيْ حَدِيْثِ مُسْلِمٍ **وَلَا يَرْهَقُ** يَغْشٰى **وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ** سَوَادٌ **وَّلَا ذِلَّةٌ** كَآبَةٌ **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ** عَطْفٌ عَلٰى لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا اَيْ وَلِلَّذِيْنَ **كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ** عَمِلُوا الشِّرْكَ **جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَالَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ** زَائِدَةٌ **عَاصِمٍ** مَانِعٍ **كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ** اُلْبِسَتْ **وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا** بِفَتْحِ الطَّاءِ جَمْعُ قِطْعَةٍ وَاِسْكَانِهَا اَيْ جُزْءًا **مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾** وَاذْكُرْ **يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ** اَيِ الْخَلْقَ **جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ** نُصِبَ بِالْزَمُوْا مُقَدَّرًا **اَنْتُمْ** تَاكِيْدٌ لِلضَّمِيْرِ الْمُسْتَتِرِ فِي الْفِعْلِ الْمُقَدَّرِ لِيُعْطَفَ عَلَيْهِ **وَشُرَكَآؤُكُمْ** اَيِ الْاَصْنَامُ **فَزَيَّلْنَا** مَيَّزْنَا **بَيْنَهُمْ** وَبَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ كَمَا فِيْ اٰيَةِ وَامْتَازُوا

اَلْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ **وَقَالَ لَهُمْ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ** ﴿۲۸﴾ مَانَافِيَةٌ وَقُدِّمَ الْمَفْعُوْلُ لِلْفَاصِلَةِ **فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ** مُخَفَّفَةٌ اَیْ اِنْ **كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ** ﴿۲۹﴾ **هُنَالِكَ** اَیْ ذٰلِكَ الْيَوْمَ **تَبْلُوْا** مِنَ الْبَلْوٰی وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِتَائَيْنِ مِنَ التِّلَاوَةِ **كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ** قَدَّمَتْ مِنَ الْعَمَلِ **وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ** الثَّابِتِ الدَّائِمِ **وَضَلَّ** غَابَ **عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ** ﴿۳۰﴾ عَلَيْهِ مِنَ الشُّرَكَاءِ

ترجمہ: .... اور جب ہم لوگوں (کفار مکہ) کو دکھ درد (سختی، قحط سالی) کے بعد اپنی رحمت (بارش اور سرسبزی) کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو فوراً ہماری نشانیوں میں باریک باریک حیلے نکالنا شروع کر دیتے ہیں (تمسخر کرنے اور جھٹلانے لگتے ہیں) تم (ان سے) کہہ دو اللہ ان باریکیوں میں سب سے زیادہ تیز ہے (سزا دینے میں) ہمارے فرشتے (محافظین) تمہاری یہ ساری مکاریاں قلم بند کر رہے ہیں (لفظ یکتبون تا اور یا کے ساتھ ہے) وہی ہے جس نے تمہارے لئے سیر و گردش کا انتظام کر دیا ہے (اور ایک قرأت میں ینشر کم ہے) خشکی اور تری میں یہاں تک کہ جب تم جہاز میں سوار ہوتے ہو اور (جہاز) موافق (نرم) ہوا پا کر تمہیں لے اڑتے ہیں (لفظ بھم میں صیغہ خطاب سے التفات ہے) اور مسافر خوش ہوتے ہیں پھر اچانک ہوائے تند (ایسے سخت جھکڑ جن سے ہر چیز تہس نہس ہو جائے) کے جھونکے آ جاتے ہیں اور ہر طرف موجیں گھیر لیتی ہیں اور مسافر سمجھ لیتے ہیں کہ بس اب ان میں آ گھرے (یعنی پھنس گئے) تو اس وقت خالص اعتقاد کر کے (دعا میں) اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں خدایا! اگر (لام قسمیہ ہے) اس (دہشت ناک) حالت سے آپ ہمیں نجات دے دیں تو ہم ضرور آپ کے شکر (توحید) گزار ہوں گے۔ پھر جب اللہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو اچانک ملک میں ناحق (شرک کر کے) سرکشی اور فساد کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو! تمہاری سرکشی (ظلم) کا وبال تو خود تمہاری ہی جانوں پر پڑنے والا ہے۔ (کیونکہ ظلم کا گناہ ظالم ہی کو ہوگا) یہ دنیا کی زندگی کے فائدے ہیں (دنیا میں تھوڑے دنوں اترا لو) پھر تمہیں ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے (مرنے کے بعد) اس وقت ہم تمہیں بتلائیں گے کہ جو کچھ دنیا میں کرتے رہے اس کی حقیقت کیا تھی (لہٰذا تمہیں اس پر بدلہ دے گا اور ایک قرأت میں متاع منصوب ہے۔ یعنی تم فائدہ اٹھاتے رہو) دنیا کی زندگی کی مثال (حالت) تو بس ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے (بارش کا) پانی برسایا پھر اس پانی (کی وجہ) سے خوب گنجان ہو کر نکلے زمین کے نباتات (ایک دوسرے میں گندھ کر) جو انسانوں کی غذا میں کام آتی ہیں (گیہوں جو وغیرہ) اور چوپاؤں کے چارہ میں کام آتی ہے (یعنی گھاس پھونس) یہاں تک کہ جب زمین اپنی رونق کے سارے زیور پہن چکی (لہلہاتی ہوئی گھانس سے) اور خوب شاداب ہو گئی (سرسبزی سے اصل میں تـزینت تا کو زاء سے بدل کر زاء میں ادغام کر دیا گیا ہے پھر ہمزۂ وصل لگ گیا) اور زمین کے مالک سمجھے کے اب فصل ہمارے قابو میں آ گئی ہے (اس کے پھلوں پر اب ہم قابض ہو چکے ہیں) تو اچانک ہماری طرف سے کوئی حادثہ (فیصلہ یا عذاب) آ پڑا رات کے وقت یا دن کے وقت۔ سو ہم نے اسے (کھیت کو) ایسا صاف کر کے رکھ دیا (جیسے درانتیوں سے کاٹ دیا جائے) گویا کہ (ان مخففہ ہے یعنی کانها) ایک دن پہلے تک اس کا نام نشان ہی نہ تھا۔ اسی طرح ہم دلیلوں کو کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے (یعنی جنت کی طرف، ایمان کی دعوت دیتے ہوئے) اور جسے چاہتا ہے۔ (ہدایت دیتا ہے) اسے سیدھی راہ (اسلام) پر لگا دیتا ہے جن لوگوں نے نیکی کی (ایمان لائے) ان کے لئے بھلائی (جنت) ہوگی۔ اور اس سے بھی کچھ زیادہ (اللہ کے جمال کی طرف

نظر کرنا جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے)ان کے چہروں پر نہ تو کالک (سیاہی) چھپے گی (چھائے گی)اور نہ ذلت (پھٹکار) برسے گی۔ ایسے ہی لوگ جنتی ہیں ہمیشہ جنت میں رہنے والے اور جن لوگوں نے (اس کا عطف للذین احسنوا پر ہے یعنی وللذین ہے)بدکام کئے (شرک کیا)تو برائی کا نتیجہ ویسا ہی نکلے گا۔ جیسی کچھ ویرانی و پریشانی ہوگی اوران پر ذلت چھا جائے گی اللہ سے بھی انہیں بچانے والا کوئی نہ ہوگا (مــــــن زائدہ ہے)ان کے چہروں پر اس طرح کالک چھا جائے گی جیسے پرت کے پرت ان کے چہروں پر اڑھا دیئے (پہنا دیئے) گئے ہوں (لفظ قطعاً فتح اور سکون طاء کے ساتھ قطعة کی جمع ہے بمعنی ٹکڑہ)اندھیری رات کے۔ سو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں۔ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے۔ اور (یاد کیجئے)اس وقت کو جب کہ ہم ان سب (مخلوقات) کو اپنے حضور اکھٹا کریں گے۔ پھر مشرکین سے کہیں گے۔ ٹھہرو: (لفظ مکــان منصوب الــزموا مقدر کی وجہ سے)تم (یہ فعل مقدر کی ضمیر مستتر کی تاکید ہے عطف درست کرنے کے لئے)اور وہ سب معبود جنہیں تم نے شریک ٹھہرایا تھا (یعنی بت) پھر پھوٹ ڈال دیں گے (الگ الگ کر دیں گے)ان میں (اور مسلمانوں میں جیسا کہ دوسری آیت وامتازوا الیوم ایھا المجرمون میں ہے)اور (ان سے)شرکاء بولیں گے کہ تم نے ہماری عبادت نہیں کی تھی (ما نافیہ ہے اور مفعول کو فاصلہ کی رعایت سے مقدم کر دیا گیا ہے) سو ہمارے تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے کہ (ان مخففہ ہے یعنی انا تھا ہم تمہاری پرستشوں سے یکسر بے خبر تھے۔ اس مقام پر (یعنی اس دن) جانچ لے گا (یہ لفظ بلوی سے ماخوذ ہے اور ایک قرأت میں یہ لفظ دوتا کے ساتھ آیا ہے۔ تلاوة سے مشتق کر کے)ہر آدمی جو کچھ کہ وہ پہلے کر چکا ہے (کارنامہ انجام دے چکا ہے) سب اللہ کے حضور جوان کا مالک حقیقی (ثابت اور دائم) ہے لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ معبود تراش رکھے تھے سب ان سے (شرکاء) غائب ہو جائیں گے۔

تحقیق وترکیب: ....اذا اذقنا. اذا. شرطیہ ہے۔ جس کا جواب آگے اذا لھم مکر الخ میں اذا مفاجاتیہ سے آرہا ہے۔ وفی قراء ة ابن عامرؒ کی قرأت ہے ینشرکم کے معنی یفرتکم کے ہیں۔ حتی اذا کنتم. حتی غایة کے لئے ہے۔ لیکن یسیرکم کی غایة صرف حتی اذا کنتم نہیں ہے۔ تا کہ یہ اشکال ہو کہ کشتی میں ہونا تو سیر کی غایة نہیں ہوتی۔ بلکہ کشتی میں ہونا سیر سے پہلے ہوا کرتا ہے۔ پس کہا جائے گا کہ مابعد کے معطوفات مل کر مجموعہ غایة بنے گا۔ اب یہ اشکال نہیں رہے گا۔

لام قسم. ای قائلین واللّٰہ لئن انجیتنا. بغیر الحق. ناحق کی قید لگا کر مسلمانوں کے کافروں پر استیلاء کو خارج کر دیا کہ وہ حق ہوتا ہے۔ اس لئے اب یہ شبہ نہیں رہا کہ بغی تو ناحق ہی ہوتا ہے۔ پھر یہ قید کیوں لگائی گئی ہے۔ لان اثمہ اشارہ ہے کہ انما بغیکم بتقدیر مضاف ہے ای انما اثم بغیکم.

متاع الحیٰوة اکثر کی قرأت رفع کے ساتھ اور حفصؒ کی قرأت نصب کے ساتھ ہے۔ رفع کی صورت میں بغیکم الخ مبتداء اور متاع خبر ہوگی۔ یا بغیکم مبتداء اور انفسکم خبر ہے۔ اور متاع خبر ہوگی مبتداء محذوف کی ای ھو متاع الحیاة الخ لیکن نصب کی حالت میں ترکیب اس طرح ہوگی کہ بغیکم مبتداء اور انفسکم اس کی خبر ہے اور متاع الحیٰوة مصدر مؤکد ہے۔ ای تمتعون متاع الحیٰوة لفظ بغی جب علی کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے تو ظلم کے معنی میں۔ اور جب فی کے صلہ سے آتا ہے تو فساد کے معنی میں ہوتا ہے۔

کماء انزلناہ الخ آسمانی پانی کے ساتھ تشبیہ دینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ آسمانی پانی کی طرح دنیا بلا کسب حاصل ہو جاتی ہے بخلاف زمینی پانی کے وہ آلات کا محتاج ہوتا ہے۔

احسنوا بالایمان یہ قید لگا کر اشارہ کر دیا کہ مؤمن اگرچہ گنہگار ہو تب بھی اس میں داخل ہو جائے گا۔

الحسنی مبتداء مؤخر ہے۔ وزیادۃ ترمذی و مسلم کی روایت ہے کہ اہل جنت سے حق تعالیٰ دریافت فرمائیں گے۔ کچھ اور مزید چاہیئے؟ عرض کریں گے آپ نے ہمیں جنت سے نوازا جہنم سے چھٹکارا بخشا اور کیا کمی رہ گئی۔ چنانچہ حجاب اٹھا دیا جائے گا کہ جمال الٰہی کا مشاہدہ ہوجائے گا۔ جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہوگی۔

وقال شرکاؤھم اس سے اگر بت وغیرہ بے جان چیزیں مراد ہوں تو حق تعالیٰ پہلے ان میں زندگی اور گویائی پیدا فرمادیں گے تب یہ گفتگو ہوگی۔

ربط آیات: .... آیت اذا اذقنا الناس الخ میں گذشتہ قول لولا انزل علیه الخ کی علت اور اس علت کی علت اغراض ومقاصد کا حصول مع وعید بیان فرماتے ہیں۔ نیز اس آیت کا مضمون پچھلی آیت فلما کشفنا عنه ضرہ الخ کا تتمہ اور آئندہ آیت فلما انجاھم الخ کی تمہید بھی ہے۔ آیت ھو الذی الخ سے پھر توحید کا بیان ہے۔ جس میں ھو الذی سے تحقیق اور دعوا اللّٰہ الخ سے الزام دونوں سے کام لیا گیا ہے۔

آیت یا ایھا الذین الخ میں یہ بتلانا ہے کہ دنیا کی کامرانی چندروزہ ہے۔ پھر آخرت میں سزا بھگتنا ہے۔ آگے آیت انما مثل الخ میں دنیا کا فانی اور آخرت کا باقی ہونا بیان کیا جارہا ہے۔ جزاء وسزا کی تفصیل ہے۔

آیت ویوم نحشرھم الخ معبودان باطل کا اپنے عابدین سے بے تعلق ہونا ظاہر کیا جارہا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **راحت ومصیبت میں انسان کی حالت کا فرق:** .... جب تک دنیوی اسباب وعلائق کا کوئی ادنیٰ سہارا بھی باقی رہتا ہے انسان کا وجدان بیدار نہیں ہوتا اور ایک تنکے کا سہارا بھی اس لئے کافی ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے غافل ہوجائے لیکن جوں ہی اسباب وعلائق کے رشتے ٹوٹے اور یاس وناامیدی کی کامل حالت طاری ہوئی اور اس نے دیکھا کہ اب دنیا کا کوئی ہاتھ اسے بچا نہیں سکتا۔ تو اچانک اس کا سویا ہوا وجدان بیدار ہوجاتا ہے اور خداپرستی کا جوش اپنے سارے اخلاص کے ساتھ اس کے اندر ابھر آتا ہے۔ اس وقت وہ خدا کے سوا اور کسی کو نہیں دیکھتا۔ سارے رشتے، سارے بھروسے، ساری ہستیاں یک قلم نابود ہوجاتی ہیں۔ وہ بے اختیار خدا کو پکارنے لگتا ہے اور اس کی یہ پکار اس کے دل کے ایک ایک ریشہ کی پکار ہوتی ہے۔ لیکن پھر اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ کیا یہی پہلی حالت قائم رہتی ہے؟ نہیں جوں ہی اس کی ڈوبتی کشتی اچھلی اور امید ومراد کی گم شدہ صورت واپس آگئی، پھر وہی اس کی غفلتیں ہوتی ہیں اور وہی سرکشیاں۔ اگر تم غور کرو گے تو اس حالت کی مثالیں خود اپنی ہی زندگی میں تمہیں مل جائیں گی۔ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ تم بیمار ہوئے اور طبیبوں نے جواب دے دیا؟ یا کسی دوسری مصیبت میں پڑے اور دنیا کے سارے سہارے ہاتھ سے نکل گئے؟ اگر ایسا ہوا ہے تو یاد کرو اس وقت تمہاری خداپرستی اور خداپرستی کے اخلاص کا کیا حال تھا؟ قرآن نے جا بجا اس حالت کے بیان کے لئے بحری سفر کی مثال اختیار کی ہے۔ کیونکہ انسان کی بے بسی اور مایوسی کے لئے اس سے بہتر مثال نہیں ہوسکتی۔ دین حق کی تعلیم وتزکیہ کا مقصد یہی ہے کہ اس حالت سے انسان کو نجات دلا دے اور اس کا وجدان اس طرح بیدار کردے کہ خداپرستی کا جو اخلاص خاص خاص حالتوں میں ابھرتا ہے وہ اس کی پوری زندگی کی ایک دائم اور مستقر حالت ہوجائے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان کی حالت یہ فرمائی گئی ہے کہ مصیبت کی گھڑی ہو یا راحت وسرور کا عالم۔ لیکن خدا کی یاد سے دل پر غفلت طاری نہ ہو۔

دنیا کی حالت سے انسان فریب کا شکار ہوجاتا ہے: .... یعنی دو لفظوں میں ہر قسم کی سرکشی داخل ہے لیکن جب اس "فی الارض" کے ساتھ کہا جائے تو اس سے مقصود وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں دنیا کی دولت وطاقت حاصل ہوجاتی ہے اور اس گھمنڈ

میں آ کر ظلم وفساد کو اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں۔ چونکہ ان کی سرکشی کا اصل سرچشمہ دنیوی زندگانی کے سروسامان کا غرور ہوتا ہے اس لئے فرمایا جا رہا ہے کہ دنیاوی زندگانی کی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے کاشتکاری کا دھندہ کہ آسمان سے پانی برستا ہے اور کھیت لہلہانے لگتے ہیں۔ پھر جب وہ وقت آتا ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ اب فصل پک گئی اور ہماری محنت کی کمائی ہمارے قبضہ میں ہے تو اچانک کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے۔ اور ساری فصل اس طرح تباہ ہو جاتی ہے گویا اس کا نام ونشان ہی نہیں تھا۔ یعنی دنیاوی زندگانی کی ساری کامرانیاں اور دلفریبیاں وقتی اور ہنگامی ہیں۔ تم یہاں کی کسی چیز اور کسی حالت پر بھروسہ نہیں کر سکتے کہ ضرور ایسی ہی رہے گی۔ اول تو زندگی ہی چند روزہ ہے۔ پھر اس کا بھی ٹھکانا نہیں۔ پھر زندگی کی ساری دلفریبیوں کا حال یہ ہے کہ صبح ہیں تو شام کو نہیں، شام کو ہیں تو صبح کو نہیں۔ ایسی حالت میں اس سے بڑھ کر غفلت وگمراہی کی اور کیا بات ہوگی کہ انسان حق وراستی کی راہ چھوڑ کر سرکشی پر اتر آئے اور کس چیز کے بھروسہ پر؟ اس زندگی کے سروسامان اور اقتدار کے بھروسہ پر جسے چند لمحوں کے لئے بھی قطعی اور برقرار نہیں کہہ سکتا۔

غافل انسان: .... لیکن انسانی غفلت کے عجائب کا یہی حال ہے کوئی نہیں جو اس حقیقت سے بے خبر ہو۔ مگر کوئی نہیں جو اس غرور باطل کی سرگردانیوں سے اپنی نگہداشت کر سکے۔ یہی غفلت ہے جسے دین حق دور کرنا چاہتا ہے وہ دنیا و دین کی کامرانیوں سے نہیں روکتا۔ مگر ان کے غرور باطل اور بے اعتدالی کی راہیں بند کر دینی چاہتا ہے۔ کیونکہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے سارے فتنوں کا اصلی سرچشمہ یہی غرور باطل ہے۔ خوشحالی اور کامرانی سے چہروں کا چمک اٹھنا اور نامرادی وخواری سے سیاہ پڑ جانا ایک طبعی حالت ہے۔ اسی کو فرمایا کہ قیامت کے دن ایک گروہ کے چہرے چمک اٹھیں گے دوسرے کے سیاہ پڑ جائیں گے۔

بت پرستی سے بتوں کی بے خبری: .... آیت ویوم نحشر الخ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ تم جن پیشواؤں کو اپنی حاجت روائیوں کیلئے پکارتے ہو ان تک نہ تو تمہاری پکار پہنچتی ہے نہ تمہاری پرستاریوں کی انہیں کچھ خبر ہے پھر وہ تمہاری حاجت روائی کیا کریں گے؟ بلکہ وہ کہیں گے ہمیں ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ گو ہمارا نام لیتے ہوں۔ لیکن فی الحقیقت ہمیں نہیں پوجتے تھے۔ اپنی ہوا ونفس کے پجاری تھے۔ ہمیں تو ان کی پرستش کی خبر ہی نہیں۔ قیامت کے روز بتوں کا بولنا ناممکن نہیں ہے۔ رہا ان کا غافل ہونا تو وہ بھی صحیح ہے کہ وہ اپنے پجاریوں کی ان حرکات سے بے خبر ہیں اور فرشتے وغیرہ بھی اگر مراد ہوں تب بھی چونکہ ان کو علم محیط حاصل نہیں۔ پھر وہ سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ انہیں از خود کسی کی کیا خبر۔ اور ھنالک کی قید زیادہ تحقق وعلم کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ مطلق علم تو مرتے ہی اور قبر میں جا کر حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہاں اللہ کو مولیٰ فرمانا باعتبار معنی مالکیت ہے اور آیت لامولی لهم میں اس کا ان کی نصرت ومحبت کے معنی کے لحاظ سے ہے۔ اس لئے دونوں میں کوئی تعارض نہیں رہا۔

لطائف آیات: .... آیت حتی اذا کنتم فی الفلک الخ سے معلوم ہوا کہ جو نادان لوگ ایسے وقت میں بھی اللہ تعالیٰ کی بجائے بزرگوں اور اولیاء اللہ کے نام کی دہائیاں دیتے ہیں۔ وہ اس بارے میں مشرکین سے بھی زیادہ قابل افسوس ہیں۔ آیت للذین احسنوا الخ سے معلوم ہوا کہ تجلی الٰہی آخرت کی ساری نعمتوں سے زیادہ افضل ہے۔

قُلْ لَهُمْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ بِالْمَطَرِ وَالْاَرْضِ بِالنَّبَاتِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ بِمَعْنَى الْاَسْمَاعِ

اى خلقها **وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ** بين الخلائق **فَسَيَقُوْلُوْنَ** هو **اللّٰهُ فَقُلْ** لهم **اَفَلَا تَتَّقُوْنَ** «۳۱» فتؤمنون **فَذٰلِكُمُ** الفعال لهذه الاشياء **اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ** الثابت **فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ** استفهام تقرير اى ليس بعده غيره فمن اخطأ الحق وهو عبادة الله وقع في الضلال **فَاَنّٰى** كيف **تُصْرَفُوْنَ** «۳۲» عن الايمان مع قيام البرهان **كَذٰلِكَ** كما صرف هؤلاء عن الايمان **حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْا** كفروا وهي لاملأن جهنم الآية او هي **اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ** «۳۳» **قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ** «۳۴» تصرفون عن عبادته مع قيام الدليل **قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ** بنصب الحجج وخلق الاهتداء **قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ** وهو الله **اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ** يهتدى **اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى** احق ان يتبع استفهام تقرير وتوبيخ اى الاول احق **فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ** «۳۵» هذا الحكم الفاسد من اتباع ما لا يحق اتباعه **وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ** في عبادة الاصنام **اِلَّا ظَنًّا** حيث قلدوا فيه اباءهم **اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا** فيما المطلوب منه العلم **اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ** «۳۶» فيجازيهم عليه **وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى** اى افتراء **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اى غيره **وَلٰكِنْ** انزل **تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ** من الكتب **وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ** تبيين ما كتبه الله من الاحكام وغيرها **لَا رَيْبَ** شك **فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ** «۳۷» متعلق بتصديق او بانزل المحذوف وقرئ برفع تصديق وتفصيل بتقدير هو **اَمْ** بل **يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ** اختلقه محمد **قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ** في الفصاحة والبلاغة على وجه الافتراء فانكم عربيون فصحاء مثلى **وَادْعُوْا** للاعانة عليه **مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اى غيره **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** «۳۸» في انه افتراء فلم يقدروا على ذلك قال تعالى **بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ** اى القران ولم يتدبروه **وَلَمَّا** لم **يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ** عاقبة ما فيه من الوعيد **كَذٰلِكَ** التكذيب **كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** رسلهم **فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ** «۳۹» بتكذيب الرسل اى اخر امرهم من الهلاك فكذلك نهلك هؤلاء **وَمِنْهُمْ** اى اهل مكة **مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ** لعلم الله ذلك منه **وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ** ابدا **وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ** «۴۰» تهديد لهم **وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ** لهم **لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ** اى لكل جزاء عمله **اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ** «۴۱» وهذا منسوخ باية السيف **وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ** اذا قرأت القران

افانت تسمع الصم شبههم بهم في عدم الانتفاع بما يتلى عليهم **ولو كانوا** مع الصمم **لا يعقلون** ﴿۴۲﴾ يتدبرون **ومنهم من ينظر اليك افانت تهدي العمي ولو كانوا لا يبصرون** ﴿۴۳﴾ شبههم بهم في عدم الاهتداء بل هم اعظم فانها لا تعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التي في الصدور **ان الله لا يظلم الناس شيئا ولكن الناس انفسهم يظلمون** ﴿۴۴﴾ **ويوم يحشرهم كان** اي كانهم **لم يلبثوا** في الدنيا او القبور **الا ساعة من النهار** لهول ما راوا، وجملة التشبيه حال من الضمير **يتعارفون بينهم** يعرف بعضهم بعضا اذا بعثوا ثم ينقطع التعارف لشدة الاهوال والجملة حال مقدرة او متعلق الظرف **قد خسر الذين كذبوا بلقاء الله** بالبعث **وما كانوا مهتدين** ﴿۴۵﴾ **واما** فيه ادغام نون ان الشرطية في ما الزائدة **نرينك بعض الذي نعدهم** به من العذاب في حياتك وجواب الشرط محذوف اي فذاك **او نتوفينك** قبل تعذيبهم **فالينا مرجعهم ثم الله شهيد** مطلع **على ما يفعلون** ﴿۴۶﴾ من تكذيبهم وكفرهم فيعذبهم اشد العذاب **ولكل امة** من الامم **رسول فاذا جاء رسولهم** اليهم فكذبوه **قضي بينهم بالقسط** بالعدل فيعذبوا وينجى الرسول ومن صدقه **وهم لا يظلمون** ﴿۴۷﴾ بتعذيبهم بغير جرم فكذلك نفعل بهؤلاء **ويقولون متى هذا الوعد** بالعذاب **ان كنتم صدقين** ﴿۴۸﴾ فيه **قل لا املك لنفسي ضرا** ادفعه **ولا نفعا** اجلبه **الا ما شاء الله** ان يقدرني عليه فكيف املك لكم حلول العذاب **لكل امة اجل** مدة معلومة لهلاكهم **اذا جاء اجلهم فلا يستاخرون** يتاخرون عنه **ساعة ولا يستقدمون** ﴿۴۹﴾ يتقدمون عليه **قل ارءيتم** اخبروني **ان اتكم عذابه** اي الله **بياتا** ليلا **او نهارا ماذا** اي شيء **يستعجل منه** اي العذاب **المجرمون** ﴿۵۰﴾ المشركون فيه وضع الظاهر موضع المضمر وجملة الاستفهام جواب الشرط كقولك ان اتيتك ماذا تعطيني والمراد به التهويل اي ما اعظم ما استعجلوه **اثم اذا ما وقع** حل بكم **امنتم به** اي الله او العذاب عند نزوله والهمزة لانكار التاخير فلا يقبل منكم ويقال لكم **آلن** تؤمنون **وقد كنتم به تستعجلون** ﴿۵۱﴾ استهزاء **ثم قيل للذين ظلموا ذوقوا عذاب الخلد** اي الذي تخلدون فيه **هل** ما **تجزون الا** جزاء **بما كنتم تكسبون** ﴿۵۲﴾ **ويستنبئونك** يستخبرونك **احق هو** اي ما وعدتنا به من العذاب والبعث **قل اي** نعم **وربي انه لحق وما انتم بمعجزين** ﴿۵۳﴾ بفائتين العذاب.

ترجمہ: .... (ان لوگوں سے) پوچھئے وہ کون ہے جو تمہیں آسمان کی (بارش) اور زمین کی (نباتات) کے ذریعہ روزی دیتا ہے

کون ہے جس کے قبضہ میں تمہارا سننا (سمع بمعنی اسماع ہے یعنی کس نے سننے کی طاقت پیدا کی ہے) اور دیکھنا ہے اور کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے؟ اور پھر وہ کون ہے جو تمام کارخانۂ ہستی کا انتظام کر رہا ہے؟ یہ بول اٹھیں گے کہ (وہ) ''اللہ'' ہے پس تم (ان سے) کہو اگر ایسا ہی ہے تو پھر تم ڈرتے نہیں؟ (تمہیں ایمان لے آنا چاہئے) یہی (ان کاموں کو سرانجام دینے والا) اللہ ہے جو تمہارا پروردگار حقیقی ہے پھر بتلاؤ سچائی کے جان لینے کے بعد اسے نہ ماننا گمراہی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ (استفہام تقریری ہے یعنی وضوح حق کے بعد نہ ماننا بجز گمراہی کے اور کچھ نہیں ہے۔ پس جو حق یعنی اللہ کی عبادت سے ہٹے گا وہ گمراہی میں پڑ جائے گا) تم منہ پھیرے کدھر جا رہے ہو؟ (دلائل موجود ہوتے ہوئے ایمان سے روگردانی کر رہے ہو) اسی طرح (جیسے ان لوگوں کو ایمان سے پھیر دیا ہے) آپ کے پروردگار کا فرمودہ ان لوگوں پر صادق آ گیا۔ جو سرکش ہیں (کافر ہیں وہ فرمان الٰہی یا تو لاملئن جھنم الخ ہے اور یا اگلی بات ہے) کہ وہ ایمان لانے والے نہیں اے پیغمبرؐ! ان سے پوچھئے کیا تمہارے ٹھیرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو خلقت کی پیدائش شروع کرے اور پھر اسے دہرائے؟ تم کہو یہ تو اللہ ہے جو پہلے پیدا کرتا ہے پھر اسے دہرائے گا۔ پس غور کرو تمہاری الٹی چال تمہیں کدھر لئے جا رہی ہے؟ (دلیل ہوتے ہوئے اس کی عبادت سے کہاں پھرے جا رہے ہو) ان سے پوچھو کیا تمہارے بنائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو حق کی راہ دکھاتا ہے (دلائل قائم کر کے اور سیدھی راہ چلنے کی توفیق بخش کر) تم کہہ دو اللہ ہی حق کا رستہ دکھاتا ہے۔ پھر جو حق کا رستہ دکھادے (یعنی اللہ) وہ اس کا حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود ہی راہ نہیں پاتا جب تک اسے راہ نہ دکھائی جائے (اس کا مستحق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔ استفہام تقریری ہے توبیخ کے لئے۔ یعنی پہلی ہی صورت والی ہستی حقدار ہے) تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟ (اس طرح کے غلط فیصلے کہ جو پیروی کے لائق نہیں۔ اس کی پیروی کی جائے) اور ان لوگوں میں (بت پرستی کے متعلق) زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں جو صرف وہم و گمان کی باتوں پر چلتے ہیں (چنانچہ ایسی باتوں میں یہ لوگ اپنے باپ دادا کی پیروی کرتے ہیں) اور فی الحقیقت سچائی اور حق کے پہچاننے میں بے اصل خیالات ذرا بھی مفید نہیں ہو سکتے (جہاں مقصد علم کا حاصل کرنا ہو) یہ جو کچھ کر رہے ہیں۔ یقیناً اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے (لہٰذا وہ اس پر انہیں بدلہ دے گا) اور اس قرآن کا معاملہ ایسا نہیں ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اپنے جی سے گھڑ لائے۔ بلکہ یہ تو ان تمام وحیوں کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے (کتابیں) نازل ہو چکی ہیں اور احکام ضروریہ کی تفصیل ہے (یعنی احکام وغیرہ) جو اللہ نے فرض کئے ہیں) اس میں کوئی شبہ نہیں۔ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے (اس کا تعلق تصدیق کے ساتھ ہے۔ یا انزل محذوف کے ساتھ ہے اور تصدیق وتفصیل کو مرفوع بھی پڑھا گیا ہے تقدیر ھو کے ساتھ) کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس شخص (محمدؐ) نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟ تم کہو اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو تو قرآن کی مانند ایک سورت بنا کر پیش کر دو (جو فصاحت و بلاغت میں قرآن کا نمونہ ہو تم بھی بنا لاؤ۔ آخر تم بھی میری طرح فصیح عربی بولنے والے ہو) اور خدا کے سوا (علاوہ) جن جن ہستیوں کو اپنی مدد (اعانت) کے لئے بلا سکتے ہو بلا لو۔ اگر تم سچے ہو (اس بارے میں کہ یہ قرآن من گھڑت ہے۔ لیکن تمہیں اس پر قدرت حاصل نہیں ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) نہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ جس بات پر اپنے علم سے احاطہ نہ کر سکے (قرآن کا اور اس میں تدبر کرنے کا) اور جس بات کا نتیجہ ابھی پیش نہیں آیا (قرآن میں جو وعیدیں ہیں ان کا انجام) اس کے جھٹلانے پر آمادہ ہو گئے ٹھیک اسی طرح (جیسے انہوں نے جھٹلایا) ان لوگوں نے بھی (اپنے نبی کو) جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ تو دیکھو ظلم کرنے والوں کا کیسا انجام ہو چکا ہے (جنہوں نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا۔ یعنی ان کا انجام تباہی ہوا۔ پس ایسے ہی یہ بھی برباد ہوں گے) اور ان (مکہ والوں میں) کچھ تو ایسے ہیں جو قرآن پر ایمان لائیں گے (علم الٰہی کے مطابق) کچھ ایسے ہیں جو ایمان لانے والے نہیں (کبھی بھی) اور آپ کا پروردگار مفسدین کو خوب جانتا ہے (یہ ان کے لئے دھمکی ہے) اور اگر یہ لوگ

آپ کو جھٹلائیں تو (ان سے کہہ دو میرے لئے میرا عمل ہے تمہارے لئے تمہارا (یعنی ہر ایک کو اس کی کرنی کا پھل ملے) میں جو کچھ کرتا ہوں اس کی ذمہ داری تم پر نہیں۔ تم جو کچھ کرتے ہو اس کے لئے میں ذمہ دار نہیں (یہ حکم جہاد کی آیت سے منسوخ ہے) اور ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو آپ کی باتوں کی طرف کان لگا لگا بیٹھتے ہیں (جب آپ تلاوت قرآن فرماتے ہیں) پھر کیا آپ بہروں کو بات سنائیں گے (انہیں بہروں سے اس لئے تشبیہ دی کہ قرآن کی تلاوت سے انہیں فائدہ نہیں ہوتا) گو ان کو (بہرے ہونے کے ساتھ) سمجھ بھی نہ ہو (تدبر نہ کرتے ہوں) اور کچھ ان میں ایسے بھی ہیں جو آپ کو تکتے رہتے ہیں۔ پھر کیا آپ اندھوں کو راہ دکھا دیں گے۔ اگر چہ انہیں کچھ سوجھ نہ پڑتا ہو (انہیں اندھوں سے تشبیہ دی ہے راہ سجھائی نہ دینے میں بلکہ یہ ان سے بھی بڑھ کر ہیں۔ کیونکہ یہ ظاہری آنکھوں کا جانا نہیں ہے۔ بلکہ اندرونی بینائی کا چٹ ہو جانا ہے) یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتے۔ مگر خود انسان ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور جس دن ایسا ہوگا اللہ ان سب کو اپنے حضور جمع کرے گا اس دن انہیں ایسا معلوم ہوگا کہ گویا (یہ لوگ) اس سے زیادہ (دنیا میں یا قبروں میں) نہیں ٹھیرے جیسے گھڑی بھر کو لوگ ٹھیر جائیں (دہشت ناک منظر کی وجہ سے۔ اور جملہ تشبیہ ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے) اور آپس میں صاحب سلامت کر لیں (ایک دوسرے کو پہچان لیں قبروں سے اٹھتے ہی۔ بعد میں پھر ہولناکیوں کی وجہ سے جان پہچان ختم ہو جائے گی۔ یہ جملہ حال مقدرہ ہے یا ظرف کے متعلق ہے) بلاشبہ وہ لوگ بڑے ہی گھاٹے میں رہے جنہوں نے (قیامت میں) اللہ کی ملاقات کا اعتقاد جھٹلایا اور وہ کبھی راہ پانے والے نہ تھے۔ اور یا (ان شرطیہ کا نون ما زائدہ میں ادغام ہو رہا ہے) جن جن باتوں کا ہم نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے ان میں سے بعض باتیں آپ کو دکھلا دیں گے (یعنی عذاب، آپ کی زندگی ہی میں، جواب شرط محذوف ہے۔ یعنی ''تب تو خیر'') یا ہم آپ کو وفات دے دیں (ان پر عذاب آنے سے پہلے) تب تو ہمارے پاس انہیں آنا ہی ہے۔ پھر اللہ ان کے سب کاموں پر مطلع ہے (یعنی جو انہوں نے تکذیب اور کفر کو اختیار کیا ہے۔ لہٰذا انہیں بد ترین عذاب میں مبتلا کرے گا) اور (پہلی امتوں میں سے) ہر امت کے لئے ایک رسول آ چکا ہے۔ پھر جب کسی امت میں ان کا رسول آ چکتا ہے (اور وہ لوگ اس کے جھٹلانے پر تل جاتے ہیں) تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے (کہ انہیں عذاب میں گرفتار کر لیا جاتا ہے اور رسول اور اس کی تصدیق کرنے والوں کو بچا لیا جاتا ہے) اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا (کہ بلا جرم ان کو عذاب دے دیا جائے۔ ایسے ہی ان کے ساتھ بھی کیا جائے گا) اور یہ لوگ کہتے ہیں اگر تم (اس بارے میں) سچے ہو تو بتلاؤ یہ وعدہ (عذاب) کب پورا ہوگا۔ آپ فرما دیجئے میں تو خود اپنی جان کا نقصان بھی اپنے اختیار میں نہیں رکھتا (کہ اس کو ہٹا سکوں) اور نہ نفع کا مالک ہوں (کہ اسے حاصل کر سکوں) وہی ہوتا ہے جو اللہ نے چاہا ہے (جس چیز پر مجھے قدرت دینا چاہتا ہے۔ پھر بھلا تم پر عذاب اتارنے کا مجھے کیا اختیار؟) ہر امت کے لئے ایک مقررہ وقت ہے (ان کی تباہی کی مدت معین ہے) جب وہ وقت آ پہنچتا ہے تو پھر نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں (اس سے) نہ ایک گھڑی آگے (سرک سکتے ہیں) تم ان لوگوں سے کہو کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا (یہ تو بتلاؤ) اگر تم پر (اللہ کا) عذاب رات کو آ پڑے یا دن دہاڑے تم پر مسلط ہو جائے تو تم کیا کرو گے۔ کوئی چیز ایسی ہے جس (عذاب) کے لئے مجرم (مشرک) جلدی مچا رہے ہیں؟ (اس میں ضمیر کی بجائے اسم ظاہر لایا گیا ہے اور جملہ استفہام جواب شرط ہے جیسے کہا جائے۔ ان اتیتك ماذا تعطینی اور مقصد ڈرانا ہے یعنی کون سی ایسی بڑی بات ہے جس کی وجہ سے یہ جلدی مچا رہے ہیں) پھر کیا جب وہ آ ہی پڑے گا (تم پر واقع ہو جائے گا) تو اس وقت تم یقین کرو گے (اللہ پر یا عذاب پر جب وہ آ پڑے گا اور ہمزہ تاخیر کے انکار کے لئے ہے۔ پس اس وقت تمہارا ایمان لانا مقبول نہیں ہوگا۔ بلکہ تم سے یوں کہا جائے گا) ہاں اب مانا (یقین کیا) حالانکہ تم ہی جلدی مچایا کرتے تھے (تمسخر کرتے ہوئے) پھر ظلم کرنے والوں سے کہا جائے گا کہ ہمیشگی کا عذاب چکھو (جس میں تم ہمیشہ رہو گے) تم کو تو تمہارے ہی کئے کا

بدلہ ملے اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں (پوچھتے ہیں) کہ کیا یہ بات واقعی سچ ہے؟ (یعنی عذاب یا قیامت کی بات جو آپ بیان کررہے ہیں) (تم ہو ہاں (بیشک) قسم ہے میرے پروردگار کی یہ سچائی کے سوا کچھ نہیں ہے اور تم کسی طرح اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے (عذاب سے نہیں بچ سکتے)۔

تحقیق وترکیب: ...... **من یرزقکم** توحید ثابت کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے آٹھ سوال کئے۔ جن میں سے پانچ کا جواب مشرکین کی زبانی اور دو کا جواب پیغمبر کی زبانی دلایا گیا ہے اور ایک آخر کو ظاہر ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہے۔ جس کو مفسر علامؒ نے ظاہر کردیا۔ **امن** میں ام منقطعہ ہے۔ **فماذا** میں ماذا یا تو ایک ہی کلمہ ہے اشارہ پر استفہام کو غالب کرلیا گیا ہے اور ما موصولہ بمعنی الذی ہے ای ماالذی۔

افمن میں من مبتداء احق اس کی خبر ہے اور امن **لا یھدی** مبتداء ہے خبر محذوف ہے۔ جس کی تقدیر مفسرؒ نے احق نکالی ہے۔ **لا یھدی** میں تعلیل ہوئی ہے۔ امام رازیؒ نے اس کے علاوہ چار قرأتیں اس لفظ میں اور بھی ذکر کی ہیں۔ **فما لکم** جملہ مستقلہ ہے۔ اس لئے اس پر وقف کرنا چاہیئے۔

فیما المطلوب منہ العلم یعنی علم اعتقادی کے لئے ظن مفید نہیں ہے۔ اس سے مطلقاً علم میں ظن کا غیر مفید ہونا لازم نہیں آتا۔ اس لئے خبر واحد یا قیاس کے حجت نہ ہونے پر اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں کہ اس کا تعلق فقہیات سے ہوتا ہے نہ کہ عقائد وکلامیات سے۔ **وما کان ھذا القرآن** یعنی فصاحت وبلاغت میں حد اعجاز کے اعلیٰ مرتبہ پر جیسے کلام الٰہی پہنچا ہوا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو من گھڑت کہا ہی نہیں جاسکتا۔

متعلق بتصدیق۔ ای انزل التصدیق من رب العلمین۔ وقرئ برفع۔ ای ولکن ھو تصدیق الخ وتفصیل۔ کا عطف بہرحال تصدیق پر ہوگا رفع اور نصب دونوں حالتوں میں ام بل اشارہ ہے ام منقطعہ ہونے کی طرف۔ سیبویہؒ وغیرہ اس کے بعد ہمزہ مقدر مانتے ہیں۔ یہ ایک کلام سے دوسرے کلام کی طرف منتقل کرنے کے لئے آتا ہے اور زمخشریؒ کی رائے میں اس کو الزام کی بجائے تقریر کے لئے مانا جاسکتا ہے۔

ولما یاتھم تاویلہ یعنی قرآن کریم میں جو غیب کی خبریں اور پیشگوئیاں ہیں ابھی تو وہ پوری ہوکر سامنے بھی نہیں آئیں۔ جس سے قرآن کے سچ یا غلط ہونے کا معیار نکلے۔ پھر یہ لوگ قبل از وقت کیسے تردید وتکذیب کررہے ہیں۔ غرضیکہ قرآن کریم کا معجز ہونا دو وجہ سے ہے۔ ایک تو اعجاز نظمی۔ دوسرے اس کی پیشگوئیاں۔

بایۃ السیف۔ **فاقتلوھم حیث وجدتموھم**۔ **افانت** اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے کہ یہ بہرے ہیں ان سے سننے کی امید مت رکھو۔

لا یبصرون۔ مفسر علامؒ نے بصارت کی نفی کی بجائے بصیرت کی نفی پر اس لئے محمول کیا ہے۔ تاکہ **ومنھم من ینظر الیک** کے خلاف لازم نہ آجائے۔ **الا ساعۃ من النھار** تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حشر تین طرح کا ہوتا ہے۔ ایک عام، دوسرے خاص، تیسرے اخص۔ عام حشر تو وہی ہے کہ قبروں سے اجسام اٹھائے جائیں گے۔ حشر خاص یہ ہے کہ اخروی ارواح کو دنیاوی اجسام کی قبروں سے نکالا جائے۔ سیر وسلوک کے لحاظ سے دنیا میں رہتے ہوئے روحانی طور پر۔ اور حشر اخص یہ ہے کہ انانیت روحانی کو قبر سے ہویت ربانی کی طرف منتقل کردیا جائے۔

واما نرینک اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا ہے۔ **ولکل امۃ** اسی طرح وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر وغیرہ

آیات سے ہر قوم کی طرف نبی کا آنا معلوم ہوتا ہے۔ پس زمانۂ فترت کے بارے میں اشکال ہوگا۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر آنحضرت ﷺ کے زمانہ تک پانچ سو سال سے زیادہ گزرا ہے؟ جواب یہ ہے کہ رسول کے لئے ہمہ وقت رہنا ضروری نہیں ہے۔ بعد کے زمانہ تک اس کی دعوت کا رہنا وہ نبی کے رہنے ہی کے قائم مقام ہوگا۔ دوسرے نبی کے آنے تک پہلے ہی نبی کا دورہ باقی سمجھا جائے گا۔ جیسے آنحضرت ﷺ اگر چہ ہم میں تشریف فرما نہیں۔ مگر آپ کی شریعت آپ کے قائم مقام ہے۔ زمانۂ فترت میں دعوت میں کمزوری تو آجاتی ہے۔ مگر بالکل دعوت نیست و نابود نہیں ہو جاتی۔ لیکن اسماعیل حقیؒ صاحب روح البیان نے تفسیر کبیر کے اس جواب کو پسند نہیں کیا بلکہ دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں عام امت کے بارے میں گفتگو نہیں ہو رہی ہے۔ بلکہ جس امت کو ہلاک کرنا منظور ہوتا ہے اس کے بارے میں دستور بتلایا جا رہا ہے کہ تاوقتیکہ اتمام حجت نہ کر لی جائے۔ ہم اس وقت تک کسی بھی قوم کو عذاب سے ہلاک نہیں کرتے اور چونکہ حضرت اسماعیلؑ کے بعد عرب میں بجز آنحضرت ﷺ کے کوئی اور نبی نہیں آیا۔ اس لئے قوم کو ہلاک بھی نہیں کیا گیا۔

لا یستقدمون یہ مستقل جملہ ہے یا اس کا عطف جملہ شرطیہ پر ہے۔ صرف جزاء پر عطف اس لئے درست نہیں ہوگا کہ وقت آچکنے کے بعد تو تقدیم کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی کہ جس کی نفی کی جائے اور بعض نے اس نفی کو مبالغہ پر محمول کرتے ہوئے جزاء پر عطف مانا ہے۔ بیاتا بتقدیر المضاف ہے ای **وقت بیات وھو اللیل**۔

اثم اذا ما وقع ہمزہ استفہام پر ثم داخل ہوا ہے۔ انکار تاخیر کے لئے ہے اور ما زائدہ ہے۔ ای **قل لھم ابعد ما وقع العذاب** **الآن** لفظ تو منون مقدر مان کر عامل محذوف کی طرف اشارہ کر دیا ہے (مستنسم کی وجہ سے نصب نہیں آیا۔ کیونکہ استفہام صدارت کلام کو چاہتا ہے۔ اس لئے اس کا ماقبل اس کے بعد عمل نہیں کرے گا۔

ای وربی لفظ ای حروف ایجاب میں سے ہے **نعم** کے معنی میں یہ لوازم قسم میں سے ہے اسی لئے تصدیق کے موقع پر واؤ کے ساتھ لایا جاتا ہے۔ بولتے ہیں ای **واللہ** اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اہل غفلت کی نظر تو محسوسات تک ہی محدود رہتی ہے احوالِ آخرت اور اہولِ قیامت کا مشاہدہ انہیں نہیں ہوتا۔ لیکن اربابِ معرفت کو تو محسوسات کی طرح ان چیزوں کا مشاہدہ بھی کرا دیا جاتا ہے۔ شب معراج میں آنحضرت ﷺ نے چشم سر سے عالم غیب کے عجائبات کا معائنہ فرمایا ہے۔

ربط آیات:............آیت **قل من یرزقکم الخ** سے بھی سابق طریقے پر توحید و شرک کا بیان ہو رہا ہے۔ آگے آیت **وما کان ھذا القران الخ** سے قرآن کی حقانیت کا بیان چل رہا ہے۔ پھر آیت **وان کذبوک الخ** سے ان کے جھٹلانے کے اصرار کا اعراض کی صورت میں جواب دیا جا رہا ہے۔ جس میں ایک طرف اپنی براءت ہے اور دوسری طرف ان سے مایوسی کا اظہار ہے۔ جس سے آنحضرت ﷺ کی تسلی مقصود ہے۔ اس کے بعد آیت **ویوم نحشرھم الخ** سے ان کے اس شبہ کا جواب ہے کہ جب دنیا ہی میں ہم پر عذاب نہیں آیا تو آخرت میں بھی نہیں آئے گا۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ کبھی کسی مصلحت سے دنیا میں عذاب واقع نہیں ہوتا۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے۔ پس آخرت میں تو ضرور عذاب ہوگا۔ کیونکہ اصلی اور مکمل عذاب کا وقت وہی ہے۔ چنانچہ کبھی کبھی عذاب کا کوئی حصہ دنیا میں بھی واقع کر دیا جاتا ہے۔ پس ان وجوہ سے دنیا میں عذاب کا واقع نہ ہونا میرے حق میں مضر ہے اور نہ میرے بس میں ہے۔ بلکہ ایک درجہ میں تمہارے لئے خلاف مصلحت ہے۔ کیونکہ فوری عذاب کی صورت میں ایمان لانے کے لئے مہلت کا موقعہ نہیں رہے گا۔

﴿تشریح﴾:............**دو شبہوں کا ازالہ:**............**ثم یعیدہ** پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ کفار جب قیامت کے قائل ہی نہ

تھے۔ پھر ان سے اعادہ کے بارے میں کیوں پوچھا جارہا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اعادہ اور قیامت پر چونکہ قوی دلائل موجود ہیں۔ اس لئے اس کو مسلمات میں شمار کر کے حجت قائم کی گئی ہے۔

آیت لم یحیطوا کا مطلب یہ ہے کہ انسان جس بارے میں گفتگو کرے پہلے اس کی تحقیق کر لینی چاہیئے۔ تحقیق کے بعد اس پر کلام کرنے کا مجاز ہے۔ بعض لوگ آیت قل فاتوا بسورۃ میں یہ شبہ نکالتے ہیں کہ بعض کلام کرنے والوں میں کچھ ایسی مخصوص خصوصیات ہوتی ہیں جو دوسروں میں نہیں پائی جاتیں ایسے ہی آنحضرت ﷺ کے کلام میں بھی خصوصیات ہیں۔ جن کا مقابلہ کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ پس اس سے آپ کے کلام کا اعجاز کہاں ثابت ہوا؟

جواب یہ ہے کہ اولاً تو اگر ایسی بات ہوتی تو یہ خصوصیت آپؐ کے تمام کلام میں ہونی چاہیئے تھی۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ بلکہ قرآن کریم اور احادیث کی خصوصیات میں نمایاں فرق ہے۔ دوسرے چالیس سال کے بعد ایک دم وہ خصوصیت کہاں سے آگئی۔ یعنی چالیس سال تک وہ بات نہیں تھی۔ مگر اکتالیسویں سال میں قدم رکھتے ہی آخر ایک دم کیسے یہ انقلاب ہو گیا۔ تیسرے کسی کے کلام میں ہزار خصوصیات کیوں نہ ہوں۔ لیکن دوسرے بلغاء کوشش کر کے تھوڑا بہت ایسا کلام کر سکتے ہیں۔ لیکن یہاں ایسا نہیں ہو سکا۔ آخر کیوں چوتھے یہ کہ کوئی خصوصیت والا آج تک یہ دعویٰ نہیں کر سکا کہ میرے جیسا کلام قیامت تک نہیں لایا جا سکے گا اور انفرادی اور اجتماعی کوششیں کر کے دیکھ لو۔ غرضیکہ کھلے بندوں چیلنج کیا گیا ہو۔ مگر ایک طرف سے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ دیوار بولے مگر وہ نہ بولے۔ آخر یہ کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کفار نے اس قسم کے شبہات قائم نہیں کئے تھے اور کلام حدیث بھی اگرچہ تمام انسانی کلاموں سے فائق ہے مگر اس کے بارے میں اس طرح کا دعویٰ نہیں کیا گیا تھا۔

آیت و منهم من یستمع الخ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جہل و فساد اور تعصب و تقلید کے جمود سے انسان میں ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے جو انسان کی عقل و بصیرت کو یک قلم بے کار کر دیتی ہے اور وہ اس قابل نہیں رہتا کہ سچائی اور حقیقت کا ادراک کر سکے۔

آیت ان اللّٰہ لا یظلم الناس الخ میں یہ بتلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس پر مجبور نہیں کرتا۔ کیونکہ اس طرح مجبور کرنا ظلم ہے اور خدا تعالیٰ کسی پر ظلم کو روا نہیں رکھتا۔ یہ تو خود انسان ہی ہیں۔ جو خدا کی دی ہوئی روشنی ضائع کر کے اندھا بہرا بن جاتا ہے۔ آیت و یوم نحشرهم الخ میں یہ بتلاتا ہے کہ آخرت طاری ہونے کے بعد انسان کو وہ تمام مدت جو مرنے کے وقت سے روز محشر تک ایسی محسوس ہو گی جیسے پلک جھپکنا۔ اس سے قیامت کے ہولناک اور دہشت ناک منظر کی طرف اشارہ کرنا ہے۔

حق کا مدار اور بقا کسی خاص شخص پر نہیں ہے:............ آیت اما نرینك الخ کا مطلب یہ ہے کہ دعوت حق کی کامرانی اور کامیابی کی جو خبر دی گئی ہے کچھ ضروری نہیں کہ وہ سب کچھ آپ ہی کی زندگی میں ساری کی ساری سامنے آجائے یا ان کی وعیدوں کا سلسلہ سب آپؐ کی موجودگی میں دہرایا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض باتیں آپؐ کے سامنے ہی پوری ہو جائیں اور بعض باتیں رہ جائیں وہ آپؐ کے بعد پوری ہو جائیں گی۔ اس سے منکروں کو یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اس معاملہ کا سارا دارومدار محمد کی زندگی پر ہے۔ آپ نہیں رہیں گے تو کچھ بھی نہ ہو گا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آپؐ رہیں یا نہ رہیں لیکن احکام حق کو پورا ہونا ہے اور وہ پورا ہو کر رہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

شک کی چبھن:............ آیت ویستنبئونك الخ میں ان لوگوں کی بات نقل کی جارہی ہے جو صاف انکار تو نہیں کر رہے

تھے۔ البتہ متردد اور متامل ضرور تھے۔ وہ جب پیغمبر اسلام ﷺ کی صدقت و دیانت پر غور کرتے تو ان کا دل کہتا کہ سچے آدمی کی زبان سے جھوٹی بات نہیں نکل سکتی۔ لیکن پھر جب دیکھتے کہ ان کی دعوت ایسی باتوں کا یقین دلاتی ہے جن سے وہ اور ان کے آباؤ اجداد یکسر نا آشنا رہے ہیں۔ تو طبیعت الجھ جاتی اور شک و حیرت میں مبتلا ہو جاتے اور پوچھنے لگتے۔ کیا جو کچھ تم کہہ رہے ہو فی الحقیقت ایسا ہی ہے؟ فرمایا کہہ دیجئے جب تمہیں آج تک میری سچائی میں شبہ نہیں ہوا تو آج کیوں ہو رہا ہے؟ میں جو کچھ کہتا ہوں یہ حق ہے اور اس پر میرا پروردگار شاہد ہے۔

لطائف آیات: .... آیت وما یتبع اکثرھم الا ظنا سے معلوم ہوا کہ علماء سوء کی حالت بھی ایسی ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ اہل ظواہر کے کلام میں ذات وصفات کے مسائل تک میں جو تعارض پایا جاتا ہے وہ ظاہر و باہر ہے۔ فلسفیات ومعقولات سے تو شکوک واوہام کا اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ سلف صالحین کے کلام میں ہی شفا ہے۔ آیت بل کذبوا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل حجاب منکرین کی حالت بھی ایسی ہی ہو جاتی ہے کہ وہ بزرگوں کے کلام میں غور کئے بغیر اور ان کی اصطلاحات سے واقف ہوئے بغیر ہی اس پر اعتراض کر دیتے ہیں۔

آیت وان تکذبوک الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب فریق مخالف ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے۔ تو عارف اہل طریق یہی بات کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں برخلاف ظاہر پرستوں کے کہ وہ کبھی مناظرہ بلکہ معارضہ بلکہ مجادلہ تک سے باز نہیں آتے۔

آیت ولکل امة الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بعض لوگ ایسی ولایتوں میں گزرے ہیں جہاں رسولوں کا آنا معلوم نہیں ہوا تو ان کے بارے میں توقف اور زبان بندی سے کام لینا چاہیئے۔ ممکن ہے وہاں بھی کوئی نہ کوئی رسول آیا ہو۔

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ كَفَرَتْ **مَا فِي الْاَرْضِ** جَمِيْعًا مِنَ الْاَمْوَالِ **لَافْتَدَتْ بِهٖ** مِنَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ** عَلٰى تَرْكِ الْاِيْمَانِ **لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ** اَيْ اَخْفَاهَا رُؤَسَاؤُهُمْ عَنِ الضُّعَفَاءِ الَّذِيْنَ اَضَلُّوْهُمْ مَخَافَةَ التَّعْيِيْرِ **وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ** بَيْنَ الْخَلَائِقِ **بِالْقِسْطِ** بِالْعَدْلِ **وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ** ﴿۵۴﴾ شَيْئًا **اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بِالْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ **حَقٌّ** ثَابِتٌ **وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ** اَيِ النَّاسِ **لَا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۵۵﴾ ذٰلِكَ **هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ** ﴿۵۶﴾ فِي الْاٰخِرَةِ فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ** اَيْ اَهْلَ مَكَّةَ **قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ** كِتَابٌ فِيْهِ مَا لَكُمْ وَعَلَيْكُمْ وَهُوَ الْقُرْاٰنُ **وَشِفَآءٌ** دَوَاءٌ **لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ** مِنَ الْعَقَائِدِ الْفَاسِدَةِ وَالشُّكُوْكِ **وَهُدًى** مِنَ الضَّلَالَةِ **وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ** ﴿۵۷﴾ بِهٖ **قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ** الْاِسْلَامِ **وَبِرَحْمَتِهٖ** الْقُرْاٰنِ **فَبِذٰلِكَ** الْفَضْلِ وَالرَّحْمَةِ **فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ** ﴿۵۸﴾ مِنَ الدُّنْيَا بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **قُلْ اَرَءَيْتُمْ** اَخْبِرُوْنِيْ **مَّآ اَنْزَلَ** خَلَقَ **اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا** كَالْبَحِيْرَةِ وَالسَّائِبَةِ وَالْمَيْتَةِ **قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ** فِيْ ذٰلِكَ التَّحْرِيْمِ وَالتَّحْلِيْلِ لَا **اَمْ** بَلْ **عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ** ﴿۵۹﴾ تَكْذِبُوْنَ بِنِسْبَةِ ذٰلِكَ اِلَيْهِ **وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ**

الكذب اى اى شىء ظنهم به **يوم القيمة** ايحسبون انه لا يعاقبهم لا **ان الله لذو فضل على الناس** بامهالهم والانعام عليهم **ولكن اكثرهم لا يشكرون** ﴿٦٠﴾ **وما تكون** يا محمد **فى شان** امر **وما تتلوا منه** اى من الشان او الله **من قران** انزله عليك **ولا تعملون** خاطبه وامته **من عمل الا كنا عليكم شهودا** رقباء **اذ تفيضون** تاخذون **فيه** اى العمل **وما يعزب** يغيب **عن ربك من مثقال** وزن **ذرة** اصغر نملة **فى الارض ولا فى السمآء ولا اصغر من ذلك ولا اكبر الا فى كتب مبين** ﴿٦١﴾ بين هو اللوح المحفوظ **الا ان اوليآء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون** ﴿٦٢﴾ فى الاخرة هم **الذين امنوا وكانوا يتقون** ﴿٦٣﴾ الله بامتثال امره ونهيه **لهم البشرى فى الحيوة الدنيا** فسرت فى حديث صححه الحاكم بالرؤيا الصالحة يراها الرجل المؤمن او ترى له **وفى الاخرة** بالجنة والثواب **لا تبديل لكلمت الله** لا خلف لمواعيده **ذلك** المذكور **هو الفوز العظيم** ﴿٦٤﴾ **ولا يحزنك قولهم** لك لست مرسلا وغيره ان استيناف **العزة** القوة **لله جميعا هو السميع** للقول **العليم** ﴿٦٥﴾ بالفعل فيجازيهم وينصرك **الا ان لله من فى السموت ومن فى الارض** عبيدا او ملكا وخلقا **وما يتبع الذين يدعون** يعبدون **من دون الله** اى غيره اصناما **شركآء** له على الحقيقة تعالى عن ذلك **ان** ما **يتبعون** فى ذلك **الا الظن** اى ظنهم انها الهة تشفع لهم **وان** ما **هم الا يخرصون** ﴿٦٦﴾ يكذبون فى ذلك **هو الذى جعل لكم اليل لتسكنوا فيه والنهار مبصرا** اسناد الابصار اليه مجاز لانه مبصر فيه **ان فى ذلك لايت** دلالات على وحدانيته تعالى **لقوم يسمعون** ﴿٦٧﴾ سماع تدبر واتعاظ **قالوا** اى اليهود والنصارى ومن زعم ان الملئكة بنات الله **اتخذ الله ولدا** قال تعالى لهم **سبحنه** تنزيها له عن الولد **هو الغنى** عن كل احد وانما يطلب الولد من يحتاج اليه **له ما فى السموت وما فى الارض** ملكا وخلقا وعبيدا **ان** ما **عندكم من سلطن** حجة **بهذا** اى الذى تقولونه **اتقولون على الله ما لا تعلمون** ﴿٦٨﴾ استفهام توبيخ **قل ان الذين يفترون على الله الكذب** بنسبة الولد اليه **لا يفلحون** ﴿٦٩﴾ لا يسعدون لهم **متاع قليل فى الدنيا** يتمتعون به مدة حياتهم **ثم الينا مرجعهم** بالموت **ثم نذيقهم العذاب الشديد** بعد الموت **بما كانوا يكفرون** ﴿٧٠﴾

ترجمہ: .... اور اگر ہر ظالم (کافر) انسان کے قبضہ میں وہ سب کچھ آ جائے جو روئے زمین میں ہے (یعنی تمام مال و دولت) تو وہ ضرور اسے فدیہ میں دے دے (قیامت کے عذاب سے بچنے کے لئے) اور دل ہی دل میں پچھتانے لگے (ایمان نہ لانے پر) جب

انہوں نے اپنے سامنے عذاب دیکھا (یعنی سرغنوں نے ان عوام سے چھپانا چاہا جن کو گمراہ کیا تھا بے عزتی کے اندیشہ سے) پھر ان (مخلوق) کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور ایسا کبھی نہ ہوگا کہ ان پر کسی طرح کی زیادتی واقع ہو۔ یاد رکھو آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لئے ہے اور یہ بات کبھی نہ بھولو کہ اللہ کا وعدہ (قیامت اور جزاء کے بارے میں) حق ہے لیکن ان میں سے زیادہ تر لوگ (اس بات کو) جانتے ہی نہیں۔ وہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے اور وہی ہے جس کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے (آخرت میں لہٰذا وہ تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا)۔ اے لوگو: (مکہ والوں) تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے ایک ایسی چیز آگئی جو نصیحت ہے (کتاب جس میں تمہارے فائدہ اور نقصان کی باتیں درج ہیں یعنی قرآن کریم اور دلوں کے تمام روگوں کے لئے شفاء ہے (یعنی برے عقائد اور شبہات کے لئے) اور (گمراہی سے) ہدایت اور ان لوگوں کے لئے رحمت ہے جو (اس پر) یقین رکھتے ہیں۔ آپ کہئے یہ اللہ کا فضل (اسلام) ہے اور اللہ رحمت (قرآن) ہے پس چاہیئے کہ اس (فضل و رحمت) پر خوشی منائیں اور یہ ان ساری چیزوں سے بدرجہا بہتر ہے جسے وہ (دنیا میں) جمع کرتے رہتے ہیں (یہ لفظ یا اور تا کے ساتھ دونوں طرح ہے) آپ ان کہئے کیا تم نے اس پر بھی غور کیا (ذرا یہ تو بتلاؤ) کہ جو روزی اللہ نے تمہارے لئے پیدا کی ہے تم نے اس میں سے بعض کو حرام ٹھیرا دیا اور بعض کو حلال سمجھ لیا ہے (جیسے بحیرہ، سائبہ اور مردار جانور) تم پوچھو کیا اللہ نے اجازت دی ہے (اس حرام حلال کرنے کی؟ نہیں ایسا نہیں ہے) یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو؟ (جھوٹ بولتے ہو اللہ کی طرف اس کی نسبت کرتے ہوئے) اور جن لوگوں کی جرأتوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کے نام پر جھوٹ بول کر افتراء پردازی کر رہے ہیں انہوں نے کیا سمجھ رکھا ہے (ان کا کیا گمان ہے) قیامت کی نسبت (کیا ان کا خیال یہ ہے کہ ان پر عذاب نہیں ہوگا؟ نہیں ایسا نہیں ہوسکتا) واقعی اللہ لوگوں پر بڑا ہی فضل کرنے والا ہے (کہ انہیں ڈھیل دیتا رہتا ہے بلکہ ان پر انعام کرتا رہتا ہے) لیکن ان میں سے زیادہ تر ایسے لوگ ہیں جو اس کا شکر بجا نہیں لاتے۔ اور (اے محمدؐ) آپ کسی حال میں ہوں اور آپ کوئی سی بھی آیت پڑھ کر سناتے ہوں (وہ آیت آپ کے حال سے متعلق ہو یا اللہ سے) قرآن کی (جو آپ پر نازل ہوا ہے) اور تم کوئی سا بھی کام کرتے ہو (اس میں آپ کو اور امت کو خطاب کیا ہے) مگر ہمیں سب کی خبر رہتی ہے (ہم نگران ہیں) جب تم اس کام کو کرنا شروع کرتے ہو۔ اور آپ کے رب سے کوئی چیز ذرہ (کے وزن کی) برابر بھی (جو چیونٹی سے کم مقدار ہوتی ہے) غائب نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔ یا اس سے چھوٹی یا بڑی سب کچھ ایک واضح کتاب (لوح محفوظ) میں مندرج ہے۔ یاد رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں ان کے لئے نہ تو کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ کسی طرح کی غمگینی (آخرت میں) یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور زندگی میں ڈرتے رہے (اللہ سے اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی ممانعتوں سے بچتے ہوئے) ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے (جس کی تفسیر ایک حدیث میں آئی ہے جس کی تصحیح حاکم نے کی ہے کہ اچھے خواب مراد ہیں جو مؤمن خود دیکھے یا اس مؤمن کے متعلق کوئی دوسرا خواب دیکھے) اور آخرت کی زندگی میں بھی (جنت وثواب کی خوشخبری ہے) اللہ کے فرمان اٹل ہیں کبھی بدلنے والے نہیں (اس کی دھمکیاں کبھی خلاف نہیں ہوسکتیں) اور یہی (مذکورہ باتیں) سب سے بڑی فیروزمندی ہے۔ آپ ان کی باتوں سے آزردہ نہ ہوجیئے (اس قسم کی باتیں جو آپ کو سناتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں) بے شک (جملہ مستانفہ ہے) ساری عزتیں (قوتیں) اللہ ہی کے لئے ہیں وہ (باتیں) سننے والا اور (افعال) جاننے والا ہے (لہٰذا وہ انہیں سزا دے گا اور تمہاری مدد کریگا) یاد رکھو وہ تمام ہستیاں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ جو زمین میں ہیں اللہ کے تابع فرمان ہیں (بندہ اور غلام اور مخلوق ہونے کے لحاظ سے) اور جو لوگ اللہ کے سوا اپنے ٹھیرائے ہوئے شریکوں (یعنی بتوں کو جو غیر اللہ ہیں) پکارتے ہیں (اللہ کا شریک حقیقی مان کر حالانکہ اللہ کہیں اس سے برتر ہے) تم جانتے ہو وہ کس بات کی پیروی کرتے ہیں؟ محض وہم و گمان کی وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ محض بے سند خیال کا اتباع کر رہے ہیں (یعنی یہ کہ بت ہمارے معبود ہیں

اور ہمارے سفارشی ہوں گے) اور محض اپنی اٹکلیں دوڑا رہے ہیں (اس بارے میں جھوٹ بکتے ہیں) وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کا وقت بنایا کہ اس میں آرام پاؤ اور دن کا وقت کہ اس کی روشنی میں دیکھو بھالو۔ (دکھلانے کی نسبت دن کی طرف مجازا ہے ورنہ وہ تو دیکھنے کا وقت ہوتا ہے) بلاشبہ اس بات میں ان لوگوں کے لئے بڑی ہی نشانیاں ہیں (جن سے اللہ تعالیٰ کی یکتائی معلوم ہوتی ہے) جو سنتے ہیں (غور اور نصیحت کا سننا) کہتے ہیں (یہود و نصاریٰ اور جو لوگ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے ہیں) اللہ نے اپنا ایک بیٹا بنا رکھا ہے۔ (حق تعالیٰ جواب فرماتے ہیں) سبحان اللہ (اس کے لئے اولاد سے پاکی ہو) وہ تو بے نیاز ذات ہے (سب سے اور اولاد کی ضرورت تو اسے ہوتی ہے جو اولاد کا محتاج ہو) جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کے لئے ہے (غلام مخلوق اور بندے ہونے کے لحاظ سے) تمہارے پاس ایسی بات کہنے کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے (جو کچھ تم بک رہے ہو) کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہنے کی جرأت کرتے ہو جس کے لئے تمہارے پاس کوئی علم نہیں ہے؟ (استفہام توبیخی ہے) آپ کہہ دیجئے جو لوگ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں (اولاد کی نسبت کر کے) وہ بھی فلاح پانے والے نہیں (کامیاب نہیں۔ ان کے لئے) صرف دنیا ہی کی (تھوڑی سی) پونجی ہے (زندگی بھر جس سے نفع اٹھا سکتے ہیں) پھر ہماری طرف لوٹنا ہے (مر کر) تب ہم انہیں سخت عذاب مزہ چکھائیں گے (مرنے کے بعد) کہ جیسی کچھ کفر کی باتیں کرتے رہے ہیں اس کا نتیجہ پالیں۔

تحقیق وترکیب:......... ولو ان لکل نفس الخ نہ کسی کے پاس زمین بھر مال و دولت ہوگا اور نہ فدیہ اور بدلہ ہو سکے گا۔ لافتدت۔ لازمی اور متعدی دونوں طرح ہوسکتا ہے۔ اسروا یہ اضداد میں سے ہے اس کے معنی مخفی کے بھی ہیں اور اظہار کے بھی آتے ہیں۔ اگرچہ اول معنی میں مشہور ہے۔

موعظة من ربکم مفسر علامؒ نے مالکم و علیکم کہہ کر موعظت کی دونوں صورتوں میں ترغیب و ترہیب کی طرف اشارہ کر دیا۔ الفضل والرحمة مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ مشارالیہ دونوں متحد بالذات ہیں۔ یا مذکور کی تاویل میں ہیں۔ تاخذون یعنی افاضہ کے معنی یہاں مجازی ہیں کام شروع کرنا۔ ذرة یا چھوٹی چیونٹی کے معنی ہیں یا ہوا کے ذرات مراد ہیں۔ الا ان اولیاء اللہ ولایت کی دو صورتیں ہیں۔ عامہ، خاصہ۔ تمام مسلمانوں کو ولایت عامہ حاصل ہے۔ اللہ ولی الذین اٰمنوا فرمایا گیا ہے اور ولایت خاصہ مخصوص سالکین کو حاصل ہوتی ہے۔ جو خود کو فنا کر کے بقا بالحق حاصل کرتے ہیں۔ تکوینی کرامات کا ہونا ولی کے لئے ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ خوارق کی بہت سی صورتیں ہوتی ہیں۔ جن میں سے بعض کے لئے مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں۔ البتہ استقامت دین اور اتباع سنت اور کرامات قلبیہ ہونا ضروری ہے۔

خواجہ عبیداللہ احرارؒ کیا خوب فرماتے ہیں "اگر بر آب روی خسے باشی: اگر بر ہوا پری مگسے باشی: دل بدست آر کہ کسے باشی" تاہم جس طرح نبی معصوم ہوتا ہے اسی طرح ولی محفوظ ہوتا ہے۔ مراتب ولایت بے شمار ہیں۔ لیکن سب نبوت سے کم تر ہیں۔ جو لوگ الولایة افضل من النبوة کے قائل ہیں۔

حضرت مجدد سرہندی قدس سرہ مطلقاً ان کی تردید کر رہے ہیں۔ خواہ نبی کی ولایت ہو پھر بھی نبوت سے کمتر ہی ہے۔

ولا ھم یحزنون مضارع پر نفی داخل ہونے سے استمرار و دوام کا فائدہ ہوتا ہے۔ پس یہاں بھی خوف و حزن کا دوام انتفاء مراد ہے۔ انتفاء دوام مقصود نہیں۔ پس اہل اللہ کو اسباب حزن تو پیش آتے ہیں۔ مگر وہ حزین نہیں ہوتے۔ بلکہ راضی برضا اور صابر و شاکر رہتے ہیں۔ ان کی نظر تکلیف پر نہیں ہوتی۔ بلکہ تکلیف بھیجنے والے پر ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اس سے مسرور اور لذت اندوز رہتے ہیں اور یا کہا جائے کہ آخرت کے حزن و خوف کا انکار کیا جا رہا ہے۔ اس لئے یہ شبہ نہیں کرنا چاہئے کہ بسا اوقات اہل اللہ کو پریشان دیکھا

جاتا ہے۔ اس لئے بظاہر آیت کا مضمون صحیح نہیں ہے۔ رہا آخرت میں طبعی خوف وحزن کا ہونا آیت اس کی نفی نہیں کر رہی ہے۔ بلکہ عقلی اطمینان وسکون مقصود ہے۔ جو طبعی حزن کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے۔ آگے الذین امنوا سے ایسے اولیاء کی شان بیان کی جارہی ہے۔ ان ھم الایخرصون قصر موصوف علی الصفۃ ہے۔ ھو الذی جعل لکم اللیل توحید کی دلیل قطعی ہے۔ اس آیت میں صفت احتباک پائی جاتی ہے۔ کیونکہ ایک نظیر کو بیان کردیا اور دوسری کو حذف کردیا۔ چنانچہ اول سے لیل کا وصف مظلم حذف کردیا گیا ہے۔ اور اس کی حکمت بیان کردی۔ لیکن نہار کی حکمت حذف کردی اور اس کے وصف کو ذکر کردیا۔ اصل عبارت اس طرح تھی۔ ھو الذی جعل لکم اللیل مظلما لتسکنوا فیہ والنھار مبصرا لتبتغوا وتتحرکوا فیہ۔ النھار مبصرا نھارہ صائم۔ لیلہ قائم کی طرح مجازی ہے۔ نہار سبب ابصار ہوتا ہے۔

ربط آیات:............ آیت ولو ان لکل نفس الخ میں کفار کے لئے اسباب کا کارآمد نہ ہونا بتلاتا ہے۔ کہ اس وقت کف افسوس ملیں گے۔ آیت یا ایھا الناس الخ میں قرآن کریم کی حقانیت کو پھر ثابت کیا جارہا ہے اور ساتھ ہی ترغیبی دعوت بھی ہے۔ آگے آیت قل ارء یتم الخ میں مشرکین کے ایک بہت بڑے کھلے جرم کا ذکر کیا جارہا ہے کہ وہ بعض حلال جانوروں کو حرام کردیتے تھے۔ یہ شریعت سازی کا حق انہیں آخر کس نے دیا ہے۔ اس کے بعد آیت وما تکون فی شان الخ سے آپ کو تسلی دی جارہی ہے کہ ہمیں چونکہ تمام عام اور خاص حالات کی اطلاع رہتی ہے۔ نیز اپنے اطاعت گزاروں کو ہر طرح کی آفات ومکروہات سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اس لئے آپ کسی طرح کا خوف وحزن نہ کیجئے۔ اس کے بعد آیت ھو الذی جعل لکم الخ سے پھر توحید کو ثابت کیا جارہا ہے۔

﴿ تشریح ﴾:...... **قرآن کریم کی چار خوبیاں:**............ آیت یا ایھا الذین الخ میں قرآن کریم کے چار اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔

۱:......... موعظت ہے یعنی دل میں اتر جانے والی دلیلوں اور روح کو متاثر کرنے والے طریقوں سے ان تمام باتوں کی ترغیب دیتا ہے جو خیر اور حق کی ہوں اور ان تمام باتوں سے روکتا ہے جو شر اور برائی کی ہیں۔ کیونکہ وعظ صرف نصیحت ہی کو نہیں کہتے۔ بلکہ مؤثر پیرایۂ بیان اور دل نشین اسلوب اور دلائل کا ہونا بھی ضروری ہے۔

۲:......... وہ دل کی تمام بیماریوں کے لئے نسخۂ شفاء ہے۔ انفرادی یا اجتماعی طور پر جو بھی اس نسخہ پر عمل کرے گا وہ ہر طرح کے مفاسد اور رذائل سے پاک ہوجائے گا۔ قلب اور فواد اور صدر کے الفاظ سے مقصود انسان کی معنوی حالت پر یعنی ذہن وفکر کی قوت، ادراک عقلی، جذبات، اخلاق، عادات وغیرہ۔ اس سے وہ عضو مقصود نہیں جو فن تشریح کا دل اور سینہ ہے۔ پس دل کی شفاء کا یہ مطلب ہوا کہ انسان کی فکری اور اخلاقی حالت کے جس قدر مرض ہوسکتے ہیں۔ ان سب کے لئے یہ نسخۂ شفاء ہے۔

۳:......... یقین کرنے والوں کے لئے ہدایت ہے۔

۴:......... ان کے لئے پیغام رحمت ہے۔ یعنی ظلم وعداوت، بغض وعناد سے دنیا کو نجات دلاتا ہے اور رحمت ومحبت، امن وسلامتی کی روح سے منور کرتا ہے۔

ہر چیز اصل میں مباح ہے:............ آیت قل ارء یتم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے نزدیک ان تمام چیزوں

میں جو کھانے پینے کی پیدا ہوتی ہیں اصل اباحت ہے نہ کہ حرمت۔ یعنی جتنی چیزیں کھانے کے قابل ہیں سب حلال ہیں۔ الا یہ کہ وحی الٰہی نے کسی چیز کو حرام ٹھہرا دیا ہو۔ چنانچہ قرآن نے جا بجا یہ حقیقت کھول دی ہے کہ اس نے صرف ان ہی چیزوں سے روکا ہے۔ جو خبائث ہیں۔ مضر اور گندی ہیں باقی سب چیزیں حلال وطیب ہیں۔ نیز کسی چیز کو حرام ٹھہرا دینے کا حق صرف خدا کی شریعت کو ہے۔ کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ محض اپنی قیاس اور رائے سے کوئی چیز حرام ٹھہرا دے۔ کیونکہ بغیر نص کے محض اپنی رائے اور تخمین سے کوئی چیز حرام ٹھہرا دینا خدا پر بہتان باندھنے میں داخل ہے اور انسان کے عقائد واعمال کی بنیاد علم ویقین پر ہونی چاہئے نہ کہ وہم وگمان پر۔ وہ علم ویقین کی روشنی اپنے سامنے نہ رکھنے اور محض اوہام وظنون کے پرستار بننے کو بنیادی گمراہی قرار دیتا ہے۔ جو لوگ مباح کاموں کو اپنے اوپر تنگ کر لینا۔ تقویٰ اور قرب الٰہی کی بات سمجھتے ہیں۔ یہ آیت ان کے خلاف بول رہی ہے۔

معتزلہ کے استدلال کا جواب: .... اس آیت سے معتزلہ استدلال کرتے ہیں۔ کہ حرام چیزیں رزق نہیں ہوتیں۔ حالانکہ آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہاں رزق کی ایک خاص قسم کو بیان کیا گیا ہے نہ کہ مطلق رزق کو جس میں حرام حلال دونوں داخل ہوں۔ پس کفار تو حلال رزق کی بعض قسموں کو حرام کرتے تھے جس پر نکیر کی گئی ہے اور اہل سنت مطلق رزق کی دو قسمیں کرتے ہیں۔ حلال اور حرام۔ پس دونوں باتوں کو ایک سمجھنا سوء فہمی اور بدعقلی ہے۔ آیت **لا خوف الخ** میں خوف سے خوف حق اور غم سے غم آخرت کی نفی مراد نہیں ہے۔ بلکہ دنیوی خوف وغم کی نفی مراد ہے۔ یعنی کامل مؤمنین کو دشمنوں کا ڈر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر وقت ان کا اعتماد اللہ پر ہے۔ وہ ہر واقعہ کی حکمت کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اسی میں مصلحت سمجھتے ہیں اور اس سے معلوم ہو گیا کہ جس طرح آنحضرت ﷺ کو کفار کے گمراہ ہونے کا غم تھا۔ اسی طرح ان کی طرف سے مخالفت اور نقصان رسانی کا خطرہ بھی رہتا تھا۔

لطائف آیات: .... آیت **یا ایھا الناس الخ** سے معلوم ہوا کہ قلوب میں بھی شک ونفاق، حسد، کینہ وغیرہ بیماریاں ہوتی ہیں اور وہ بدنی بیماریوں سے زیادہ سخت ہوتی ہیں۔ آیت **قل بفضل اللہ الخ** سے معلوم ہوا کہ یہ فرحت کبھی بے اختیاری کی حد تک پہنچ جاتی ہے کہ فضل خداوندی کے اظہار پر آدمی مجبور ہو جاتا ہے۔ اور بعض دفعہ یہ اظہار ادب کی حدود سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ آیت **قل ارء یتم** سے ان متقشفین کی تردید ہو گئی جو بعض مباحات کو اعتقاداً یا عملاً اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں۔ البتہ بطور معالجہ اگر حلال چیز کو چھوڑ دیا جائے تو وہ اس سے خارج ہے۔

آیت **الا ان اولیاء الخ** میں ولایت کی بنیاد ایمان وتقویٰ کو قرار دینے سے معلوم ہوا کہ ولایت کے لئے یہ تو شرط ہے۔ مگر حسی کرامت ضروری نہیں ہے۔ آیت **ان العزۃ الخ** سے معلوم ہوا کہ دوسروں میں جو عزت نظر آتی ہے وہ اسی کی عزت کا پرتو ہے اس سے مسئلہ مظہریت کی اصل نکل آئی۔

آیت **ھو الذی جعل لکم الخ** سے معلوم ہوا کہ رات کو کسی قدر سور ہنا اولیٰ ہے۔ اس سے مصلحت الٰہیہ کی رعایت ہے جو ادب ہے۔ آیت **اتقولون علی اللہ الخ** سے معلوم ہوا کہ ذات کے مسائل میں تخمینات سے کلام نہیں کرنا چاہئے۔ خواہ وہ تخمینات استدلالی ہوں یا ذوقی۔ جیسا کہ اہل علم اور اہل تصوف اس میں مبتلا ہیں۔

وَاتْلُ یا محمد **عَلَیْهِمْ** ای کفار مکۃ **نَبَاَ** خبر **نُوْحٍ** ویبدل منہ **اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنْ کَانَ کَبُرَ** شق

عَلَيْكُمْ مَقَامِیْ لُبْثِیْ فِیْکُمْ وَتَذْكِيْرِیْ وَعْظِیْ اِیَّاکُمْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَعَلَی اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا
اَمْرَكُمْ اعْزِمُوْا عَلٰی اَمْرٍ تَفْعَلُوْنَهٗ بِیْ وَشُرَكَآءَكُمْ الْوَاوُ بِمَعْنٰی مَعَ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً
مَسْتُوْرًا بَلْ اَظْهِرُوْهُ وَجَاهِرُوْنِیْ بِهٖ ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَیَّ اَمْضُوْا فِیْ مَا اَرَدْتُمُوْهُ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ تُمْهِلُوْنِ فَاِنِّیْ
لَسْتُ مُبَالِيًا بِکُمْ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ عَنْ تَذْکِیْرِیْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ثَوَابٍ عَلَيْهِ فَتَوَلَّوْا اِنْ مَا اَجْرِیَ
ثَوَابِیْ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی
الْفُلْكِ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهُمْ اَیْ مَنْ مَّعَهٗ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ بِالطُّوْفَانِ
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ اِهْلَاكِهِمْ فَكَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِمَنْ كَذَّبَ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ
اَیْ نُوْحٍ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ كَاِبْرَاهِيْمَ وَهُوْدٍ وَصَالِحٍ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ بِالْمُعْجِزَاتِ فَمَا كَانُوْا
لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ اَیْ قَبْلَ بَعْثِ الرُّسُلِ اِلَيْهِمْ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ نَخْتِمُ عَلٰی قُلُوْبِ
الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾ فَلَا تَقْبَلُ الْاِيْمَانَ كَمَا طَبَعْنَا عَلٰی قُلُوْبِ اُوْلٰٓئِكَ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی وَهٰرُوْنَ
اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ قَوْمِهٖ بِاٰيٰتِنَا التِّسْعِ فَاسْتَكْبَرُوْا عَنِ الْاِيْمَانِ بِهَا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا
جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ بَيِّنٌ ظَاهِرٌ قَالَ مُوْسٰٓی اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ
لَمَّا جَآءَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَسِحْرٌ اَسِحْرٌ هٰذَا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَتٰی بِهٖ وَاَبْطَلَ سِحْرَ السَّحَرَةِ وَلَا يُفْلِحُ
السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَالْاِسْتِفْهَامُ فِی الْمَوْضِعَيْنِ لِلْاِنْكَارِ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا لِتَرُدَّنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ
اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ الْمُلْكُ فِی الْاَرْضِ ۚ اَرْضِ مِصْرَ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾
مُصَدِّقِيْنَ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَائِقٍ فِیْ عِلْمِ السِّحْرِ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ
لَهُمْ مُّوْسٰٓی بَعْدَ مَا قَالُوْا لَهٗ اِمَّا اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّا اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ
اَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ قَالَ مُوْسٰی مَا اِسْتِفْهَامِيَّةٌ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ۚ بَدَلٌ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِهَمْزَةٍ
وَاحِدَةٍ اِخْبَارٌ فَمَا مَوْصُوْلَةٌ مُبْتَدَأٌ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ سَيُمْحِقُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾
وَيُحِقُّ يُثْبِتُ وَيُظْهِرُ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ بِمَوَاعِيْدِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓی اِلَّا
ذُرِّيَّةٌ طَائِفَةٌ مِّنْ اَوْلَادِ قَوْمِهٖ اَیْ فِرْعَوْنَ عَلٰی خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۚ يَصْرِفَهُمْ عَنْ
دِيْنِهِمْ بِتَعْذِيْبِهٖ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ مُتَكَبِّرٌ فِی الْاَرْضِ ۚ اَرْضِ مِصْرَ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾
الْمُتَجَاوِزِيْنَ الْحَدَّ بِادِّعَاءِ الرُّبُوْبِيَّةِ وَقَالَ مُوْسٰی يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ

مُّسْلِمِیْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَی اللّٰهِ تَوَکَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۵﴾ اَیْ لَا تُظْهِرْهُمْ عَلَیْنَا فَیَظُنُّوْا اَنَّهُمْ عَلَی الْحَقِّ فَیَفْتِنُوْا بِنَا وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ اِتَّخِذَا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ قِبْلَةً مُصَلًّی تُصَلُّوْنَ فِیْهِ لِتَاْمَنُوْا مِنَ الْخَوْفِ وَكَانَ فِرْعَوْنُ مَنَعَهُمْ مِنَ الصَّلٰوةِ وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ اَتِمُّوْهَا وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۷﴾ بِالنَّصْرِ وَالْجَنَّةِ وَقَالَ مُوْسٰی رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِیْنَةً وَّاَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا رَبَّنَا اٰتَیْتَهُمْ ذٰلِكَ لِیُضِلُّوْا فِیْ عَاقِبَتِهٖ عَنْ سَبِیْلِكَ دِیْنِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ اِمْسَخْهَا وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِطْبَعْ عَلَیْهَا وَاسْتَوْثِقْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۸۸﴾ اَلْمُؤْلِمَ دَعَا عَلَیْهِمْ وَاَمَّنَ هٰرُوْنُ عَلٰی دُعَائِهٖ قَالَ تَعَالٰی قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَمُسِخَتْ اَمْوَالُهُمْ حِجَارَةً وَلَمْ یُؤْمِنْ فِرْعَوْنُ حَتّٰی اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ فَاسْتَقِیْمَا عَلَی الرِّسَالَةِ وَالدَّعْوَةِ اِلٰی اَنْ یَّاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ فِیْ اِسْتِعْجَالِ قَضَائِیْ رُوِیَ اَنَّهٗ مَكَثَ بَعْدَهَا اَرْبَعِیْنَ سَنَةً وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ لَحِقَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا مَفْعُوْلٌ لَهٗ حَتّٰی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ اَیْ بِاَنَّهٗ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْكَسْرِ اِسْتِیْنَافًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ كَرَّرَهٗ لِیُقْبَلَ مِنْهُ فَلَمْ یُقْبَلْ وَدَسَّ جِبْرِیْلُ فِیْ فِیْهِ مِنْ حَمْاَةِ الْبَحْرِ مَخَافَةَ اَنْ تَنَالَهُ الرَّحْمَةُ وَقَالَ لَهٗ آٰلْئٰنَ تُؤْمِنُ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾ بِضَلَالِكَ وَاِضْلَالِكَ عَنِ الْاِیْمَانِ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ نُخْرِجُكَ مِنَ الْبَحْرِ بِبَدَنِكَ جَسَدِكَ الَّذِیْ لَا رُوْحَ فِیْهِ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ بَعْدَكَ اٰیَةً عِبْرَةً فَیَعْرِفُوْا عُبُوْدِیَتَكَ وَلَا یُقْدِمُوْا عَلٰی مِثْلِ فِعْلِكَ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ بَعْضَ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ شَكُّوْا فِیْ مَوْتِهٖ فَاُخْرِجَ لَهُمْ لِیَرَوْهُ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ اَیْ اَهْلِ مَكَّةَ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ لَا یَعْتَبِرُوْنَ بِهَا

ترجمہ ...... اور (محمدؐ) انہیں (کفار مکہ کو) نوحؑ کا حال (خبر) سنایئے (آگے بدل ہے) جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا ''اے میری قوم! اگر تم پر یہ بات شاق (گراں) گزرتی ہے کہ میں تم کھڑا ہوں (رہوں) اور اللہ کی نشانیوں کے ساتھ میری نصیحت (وعظ) ہے تو میرا بھروسہ صرف اللہ پر ہے۔ تم میرے خلاف جو کچھ کرنا چاہتے ہو اسے ٹھان لو (یعنی جو کچھ کارروائی تم کرنا چاہتے ہو اسے پختہ کرلو) اور اپنے شریکوں کو بھی اپنے ساتھ لے لو (واؤ مع کے معنی میں ہے) پھر جو کچھ تمہارا منصوبہ ہو اسے اچھی طرح سمجھ بوجھ لو کہ کہیں کوئی پہلو نظر سے رہ نہ جائے (پوشیدہ۔ بلکہ اسے بھی برملا ظاہر کردو) پھر جو کچھ میرے خلاف کرنا ہے کر گزرو (جو کچھ ارادہ ہو اسے پورا کرلو) اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو (دیر نہ کرو۔ مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے) پھر بھی اگر (میرے وعظ سے) روگردانی کئے جاؤ تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ تو نہیں مانگا (کچھ ثمرہ کہ جس کی وجہ سے تم جان بچاتے پھر رہے ہو) میرا معاوضہ (ثواب) تو اللہ کے

ذمہ ہے مجھے حکم دے دیا گیا ہے کہ اس کے فرمانبرداروں میں شامل رہوں۔ اس پر بھی لوگوں نے انہیں جھٹلایا۔ اس لئے ہم نے انہیں اور ان کی کشتی کے سوار ساتھیوں کو بچالیا اور ان (ساتھیوں) کو ہم نے (سرزمین میں) جانشین بنادیا اور جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائی تھیں انہیں ہم نے (طوفان میں) غرق کر دیا۔ تو دیکھو ان لوگوں کا حشر کیسا ہوا جو خبردار کر دیئے گئے تھے؟ (ان کی تباہی کی نسبت۔ پس یہی انجام ان لوگوں کا بھی ہوگا جو آپ کو جھٹلائیں گے) پھر نوحؑ کے بعد ہم نے رسولوں کو ان کی قوموں میں پیدا کیا (جیسے ابراہیمؑ، ہودؑ، صالحؑ) وہ ان کے پاس روشن دلیلیں (معجزات) لے کر آئے۔ اس پر بھی ان کی قومیں تیار نہ تھیں کہ جو بات پہلے جھٹلا چکی ہیں (ان کے پاس پیغمبروں کے آنے سے پہلے) وہ اسے مان لیں۔ سو دیکھو جو لوگ حد سے گزر جاتے ہیں ہم اسی طرح ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں (پس ان کا ایمان قبول نہیں کیا جائے گا جیسا کہ ہم نے ان کے دلوں پر سیل لگا دی ہے) پھر ہم نے ان رسولوں کے بعد موسیٰ اور ہارونؑ کو۔ فرعون اور (اس کی قوم کے) درباریوں کی طرف اپنی (نو) نشانیوں سمیت بھیجا۔ مگر انہوں نے (ایمان لانے سے) گھمنڈ کیا اور وہ لوگ جرائم پیشہ تھے۔ پھر جب ہماری طرف سے سچائی ان پر نمودار ہوگئی تو کہنے لگے یقیناً صریح (کھلا ہوا) جادو ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم نے سچائی کے حق میں جب وہ نمودار ہوگئی۔ ایسی بات کہتے ہو؟ (کہ وہ جادو ہے) کیا یہ جادو ہے؟ (حالانکہ اس کو پیش کرنے والا کامیاب ہوگیا اور جادوگروں کا جادو ٹوٹ گیا) حالانکہ جادوگر تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے؟ (دونوں جگہ استفہام انکاری ہے) انہوں نے کہا کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ جس راہ پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو چلتے دیکھا ہے اس سے ہمیں ہٹا دو۔ اور ملک (مصر) میں تم دونوں بھائیوں کے لئے سرداری ہو جائے ہم تو تمہیں ماننے والے (سچا سمجھنے والے) نہیں ہیں" فرعون بولا۔ میری مملکت میں جتنے ماہر جادوگر (جو جادوگری میں یکتائے فن) ہوں۔ سب کو میرے حضور ظاہر کرو جب جادوگر آموجود ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا (جب کہ جادوگروں نے پوچھا کہ آپ پہل کرتے ہیں یا ہم پہلے ڈالیں؟) تمہیں جو کچھ میدان میں ڈالنا ہے ڈال دو۔ جب انہوں نے ڈال دیں (اپنی رسیاں اور لاٹھیاں) تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم جو کچھ (ما استفہامیہ ہے مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) بنا کر لائے ہو یہ جادو ہے (یہ بدل ہے اور ایک قرأت میں ایک ہمزہ کے ساتھ اخبار ہے۔ پس ما موصولہ مبتداء ہے) اور یقیناً اللہ اسے ملیامیٹ (درہم برہم) کر دے گا اور اللہ تعالیٰ مفسدوں کا کام نہیں سنوارتا۔ وہ حق کو اپنے وعدوں کے مطابق ضرور ثابت (ظاہر) کر دکھائے گا اگر چہ مجرم لوگ کیسا ہی ناگوار سمجھیں۔ پس اس پر بھی موسیٰؑ پر کوئی ایمان نہیں لایا۔ مگر صرف تھوڑے سے آدمی ایمان لا سکے جو (فرعون) کی قوم کے (نوجوانوں) میں سے تھے وہ بھی فرعون اور اپنے سرداروں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں (کسی عذاب میں مبتلا کر کے ہمیں مذہب سے نہ پھیر لیں) اور اس میں شک نہیں کہ فرعون ملک (مصر) میں بڑا ہی سرکش (مغرور) بادشاہ تھا اور بالکل ہی چھوٹ تھا (خدائی دعویٰ کر کے حد سے بڑھ گیا تھا) اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا۔ اگر تم فی الحقیقت اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس کی فرمانبرداری کرنا چاہتے ہو تو صرف اسی پر بھروسہ کرو۔ انہوں نے کہا ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا اے پروردگار! ہمیں اس ظالم طبقہ کے لئے تختۂ مشق مت بنائیے (یعنی ہم پر انہیں غلبہ نہ دے کہ انہیں یہ گمان کرنے کا موقعہ ملے کہ وہ حق پر ہیں جس سے وہ ہمیں فتنہ میں مبتلا کر دیں) اور اپنی رحمت کا صدقہ ہمیں ان کافروں کے پنجہ سے نجات بخشیئے۔ ہم نے موسیٰؑ اور ان کے بھائی پر وحی کی کہ اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے مکانوں کو قبلہ رخ تعمیر کرو (نماز کے لئے مساجد بناؤ تاکہ خوف سے مامون رہو۔ فرعون نے انہیں نماز پڑھنے سے منع کر دیا تھا) اور نماز قائم کرو (پورا کرو) اور ایمان لانے والوں کو (امداد اور جنت کی) بشارت دو اور موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی۔ اے خدایا! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو اس دنیا کی زندگی میں زیب وزینت کی چیزیں اور طرح طرح کے مال و دولت بخشے ہیں تو خدایا! کیا (آپ نے انہیں یہ سب کچھ اس لئے دیا ہے کہ) تیری راہ (دین) سے یہ لوگوں کو (انجام

کار) بھٹکائیں۔ خدایا! ان کے مال ودولت کو مٹادے (محو کردے) اور ان کے دلوں پر مہر لگادے (سیل کر کے سخت کردے) کہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک اپنے سامنے دردناک عذاب نہ دیکھ لیں (جو تکلیف دہ ہو حضرت موسیٰ دعا مانگتے رہے اور حضرت ہارونؑ آمین کہتے رہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) تم دونوں کی دعا قبول کرلی ہے (چنانچہ ان کا مال تو پتھروں کی صورت میں تبدیل کردیا اور فرعون ایمان لانے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ اس کے ڈوبنے کا وقت نہیں آگیا) پس اب تم جم کر کھڑے ہو جاؤ (رسالت اور پیغام رسالت پر۔ حتیٰ کہ ان پر عذاب الٰہی آجائے) اور ان کی پیروی نہ کرنا جو علم نہیں رکھتے (میرے فیصلہ کے متعلق جو جلد بازی مچانے کو نہیں جانتے (روایت ہے کہ اس کے بعد چالیس سال تک حضرت موسیٰ علیہ السلام ٹھیرے رہے۔ یعنی قبولیت دعا میں چالیس سال لگے) اور پھر ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار اتار دیا۔ یہ دیکھ کر فرعون اور اس کے لشکر نے پیچھا کیا۔ (پیچھے لگ لیا) ظلم وشرارت کرنے کے لئے (یہ مفعول لہ ہے) مگر جب نوبت یہاں تک پہنچی کہ فرعون ڈوبنے لگا تو اس وقت پکار اٹھا۔ میں یقین کرتا ہوں کہ (ایک قرأت میں کسرۂ ہمزہ کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے) کہ اس ہستی کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں اور میں بھی فرمانبرداروں میں داخل ہوتا ہوں (اس بات کو اس لئے دہرایا کہ شاید اس کا ایمان قبول ہو جائے۔ مگر قبول نہیں ہوا۔ اور جبریل امینؑ نے اس کے منہ میں کیچڑ ٹھونس دی کہ کہیں ایسا نہ ہو رحمت الٰہی اسے نواز دے اور اس سے کہنے لگے) ہاں اب تو ایمان لاتا ہے۔ حالانکہ پہلے تو نافرمانی کرتا رہا اور دنیا کے مفسد انسانوں میں سے ایک مفسد تھا۔ (خود ہی گمراہ رہا اور دوسروں کو بھی گمراہ کئے رکھا) پس آج ہم بچائے لے رہے ہیں (سمندر سے نکال لے رہے ہیں) تیری لاش (بے جان جسم) کو تا کہ (تیرے بعد) آنے والوں کے لئے سامان عبرت ہو (نشانی ہو جس سے تیرا بندہ ہونا جان سکیں اور تیرے جیسی جرأت نہ کر سکیں۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کچھ بنی اسرائیل کو چونکہ اس کے مرنے میں شبہ تھا اس لئے لاش رونما کردی گئی تا کہ وہ آنکھوں سے دیکھ لیں) اور اکثر (مکہ کے) لوگ ہماری نشانیوں سے یک قلم غافل رہتے ہیں (ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے)۔

تحقیق وترکیب: .... **نبأ نوح.** اس پر وقف کرنا ضروری ہے۔ **اجمعوا.** اس کا تعدیہ علی کے ذریعہ سے ہوتا ہے جو یہاں محذوف ہے۔ **غمة.** اس کے معنی چھپانے کے ہیں۔ ''**غم علینا الهلال**'' چاند مشتبہ ہوگیا۔ حدیث میں ہے **لا غمة فی امر اللّٰہ.** آیت کا حاصل یہ ہے کہ تمہیں میرے خلاف تدبیر کو چھپانے کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ کرنا ہے برملا اور کھلم کھلا کرو۔

فان تولیتم اس کی جزاء محذوف ہے۔ **ای فلا ضیر علی لانی ما سألتکم.** حضرت نوحؑ کے ساتھ اسّی مرد تھے یا چالیس مرد اور چالیس عورتیں تھیں۔ **واغرقنا الخ** غرق کے بعد میں ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ رحمت غضب پر سابق رہتی ہے۔ **ایتنا التسع.** سورۂ اعراف میں ان کا ذکر گزر چکا ہے۔ عصا۔ ید بیضاء۔ قحط سالی۔ طوفان۔ ٹڈی دل۔ کھٹمل۔ مینڈک۔ خون۔ مسخ۔ جس کا ذکر اگلی آیت **ربنا اطمس الخ** میں آرہا ہے۔ **قال موسیٰ** یہاں سے لے کر **ولا یفلح الساحرون.** تک تینوں جملے حضرت موسیٰ کے ہیں۔ **اسحر هذا.** مقولہ محذوف ہے کیونکہ ماقبل اس پر دلالت کررہا ہے۔ **فی الموضعین** یعنی **اتقولون الخ** اور **اسحر هذا من قومه.** ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ اس سے مراد فرعون کی بیوی آسیہ ہے اور اس کا وزیر خزانہ اور اس کی بیوی اور اس کی ایک خادمہ ہیں جو ایمان لا چکے تھے۔

علی اللّٰہ توکلنا. توکل کی برکت سے انہیں دشمن سے نجات مل گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ توکل اگر ہو تو خالص ہونا چاہئے۔

بمصر اس کا تعلق **تبوء ا** سے بھی ہوسکتا ہے یا اس کی ضمیر سے حال ہو یا **بیوت** سے حال ہو یا **لقومکما** سے حال ہو۔

واجعلوا بیوتکم. یعنی رہائشی مکانات کو نماز گاہ بناؤ اور قبلہ سے مراد خانہ کعبہ ہے یا بیت المقدس۔ جس طرح ابتداء میں

مسلمانوں کو نماز روزہ کی ممانعت رہی ہے یہی حال قوم موسیٰ کا تھا۔ ربنا اطمس ۔ سب سے بڑا بت اللہ کے راستہ میں چونکہ مال دینا ہے اس لئے اسی کو پہلے ذکر کیا۔ مجاہدؒ کی رائے ہے کہ اللہ نے اس مال کو بالکل ہلاک کر دیا تھا اور اکثر مفسرینؒ مسخ مانتے ہیں اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ ان کا مال پتھروں کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ ان کی صورتیں پتھروں میں مل گئی تھیں۔ لیکن یہ رائے اس لئے کمزور ہے کہ حضرت موسیٰ نے مال کے مسخ کی بددعا کی تھی نہ کہ ان کی ذوات کے بارے میں ۔ وامن ھارون مفسر محققؒ قد اجیبت دعوتکما الخ سے تثنیوں کی تاویل کررہے ہیں۔ اس سے آمین کا دعا ہونا بھی معلوم ہوا اور چونکہ دعا میں اخفاء اولیٰ ہے اس لئے آمین میں بھی اخفاء ہونا چاہیئے۔ جہر نہیں ہونا چاہیئے۔ دعا کی اجابت تو ہوئی مگر چالیس سال بعد جیسا کہ روی انہ مکث الخ سے معلوم ہوتا ہے۔

ودس. امام رازیؒ اور زمخشریؒ اس کو ضعیف بلکہ غلط قرار دے رہے ہیں۔ کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ جبریلؑ اسلام لانے سے روک رہے تھے۔ لیکن چونکہ یہ ایمان یاس تھا۔ جس کا اعتبار نہیں۔ اس لئے تذلیل کے لئے جبریلؑ نے خدائی کا دعویٰ کرنے والے فرعون کے منہ میں آ کر کیچڑ ٹھونس دی ہو۔ اور وہ بھی بحکم الٰہی جس کے بارے میں لا یسئل عما یفعل فرمایا گیا ہے۔ پس اب کوئی اشکال نہیں ہونا چاہیئے ۔ جب کہ جس میں بغض فی اللہ کا بھی اظہار ہو رہا ہے۔

ننجیك چونکہ ہلاک ہونے کے بعد نجات کے حقیقی معنی نہیں بنتے۔ اس لئے مفسر علامؒ مجاز پر محمول کررہے ہیں۔

ببدنك بعض نے اس کے معنی برہنہ بدن کے لئے ہیں اور بعض نے زرہ کے معنی لئے ہیں اور با مصاحبت کی لی ہے۔

خلفك اس کے معنی اگر بعد کے ہیں تب بھی ظرف زمان ہوگا اور سوا کے معنی اگر لئے جائیں تو ظرف مکان ہوگا۔

فاخرج له چنانچہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے پانی کسی مردہ جسم کو قبول نہیں کرتا فوراً اوپر پھینک دیتا ہے۔

ربط آیات: .... پچھلے مضامین کی تائید کے لئے آیت واتل الخ سے چند قصے بیان کئے جارہے ہیں جس میں توحید و رسالت کی تائید بھی مقصود ہے اور تکذیب کرنے والوں کی تہدید و وعید بھی نوح علیہ السلام کے واقعہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ کی تفصیلات پیش کی جارہی ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: .... صداقت انبیاء کی وزنی دلیل: .... آیت واتل علیهم الخ سے انبیاء کرامؑ کی صداقت کی ایک بہت بڑی دلیل واضح ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ "یقین کامل" اللہ کے رسول سچے ہونے کا اپنے اندر رکھتے ہیں۔ چنانچہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو للکار دیا کہ اگر تم پر میری دعوت و نصیحت گراں گزرتی ہے اور مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو جو کچھ بھی تم میرے خلاف کر سکتے ہو زیادہ سے زیادہ کوشش اور زیادہ سے زیادہ اہتمام کے ساتھ کر گزرو۔ تم سب جمع ہو، آپس میں مشورے کر و، بہتر سے بہتر تدبیریں جو میرے مٹانے کے لئے سوچی جا سکتی ہیں سوچ لو۔ معاملہ کا کوئی پہلو ایسا نہ رہ جائے۔ جس کا پہلے سے بندوبست نہ کر لیا ہو۔ پھر پورے عزم کے ساتھ اٹھ کھڑے ہو اور اپنی حد تک ذرا بھی مہلت نہ دو۔ پھر یہ سب کچھ کر کے دیکھ لو۔ تم مجھے اور میری دعوت کو مٹا سکتے ہو یا نہیں۔ کیا ممکن ہے کہ محض بناوٹ اور افتراء پردازی سے ایسا یقین ابل سکے؟ کیا ممکن ہے کہ ایک فرد پوری قوم کو اسی طرح مقابلہ کا چیلنج دے اور اس کے دل میں ذرا بھی کھٹک موجود ہو کہ اپنے بیان میں سچا نہیں؟

حضرت نوحؑ کی نبوت آنحضرت ﷺ کی طرح عام نہیں تھی: .... طوفان نوحؑ کے عام ہونے سے

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہو گیا کہ جب سارا عالم تباہ ہو چکا تھا اور صرف چند ہی آدمی بچے تھے۔ جو اس وقت عالم میں موجود تھے اور ان ہی کو نوح علیہ السلام نے دعوت پیش کی۔ یا انہوں نے آپکی دعوت قبول کی۔ بہرصورت اس سے حضرت نوحؑ کی عموم بعثت ودعوت ثابت ہوتی ہے۔ حالانکہ عموم بعثت خصائص محمدیہؐ میں سے ہے۔ یعنی اور انبیاء خاص خاص اوقات اور خاص خاص مقامات کی طرف نبی بنائے گئے۔ لیکن آنحضرت ﷺ زماناً اور مکاناً عام نبی ہیں؟ جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت وہ عموم بعثت ہے کہ مختلف قومیں اور امتیں موجود ہوں اور آپؐ سب کے نبی ہوں۔ یہ خصوصیت بلاشبہ آپؐ کی محفوظ ہے برخلاف حضرت نوحؑ کے وہاں مختلف قوموں کا وجود ہی کہاں رہا تھا۔ کہ عموم دعوت ثابت ہو۔ بلکہ جو چند اشخاص موجود تھے ان ہی کے اعتبار سے عموم کہہ لیا جائے تو دوسری بات ہے۔ کلام یہ ہے کہ جو صورت عموم کی تھی وہ خصائص محمدیہؐ میں سے نہیں اور جو عموم خصائص میں سے ہے وہ پایا ہی نہیں گیا۔

دعوت کے تین پہلو: .... اس کے بعد حضرت موسیٰ کی دعوت کا ذکر ہے۔ حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰ کے حالات میں صرف ان ہی پہلوؤں پر زور دیا گیا ہے۔ جو سورت کی موعظت سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً (۱) اللہ پر جھوٹ باندھنے والا اور اللہ کے سچے رسول کا مقابلہ کرنے والا کبھی فلاح نہیں پاسکتا (۲) ہدایت ایسی چیز نہیں ہے کہ زبردستی کسی کو پلا دو۔ جو ماننے والے نہیں وہ کبھی نہیں مانیں گے۔ خواہ کتنی ہی نشانیاں دکھلا دو۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے اور اب بھی ایسا ہی ہوگا (۳) حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ تم حق کی نشانیوں کو جادو کہتے ہو۔ حالانکہ جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جادو انسان کی بناوٹ اور شعبدہ بازی ہے اور ایک انسان اپنی جادوگری، شعبدہ بازی اور کرتبوں میں کتنا ہی ہوشیار ہو لیکن حق کے مقابلہ میں کبھی ٹک نہیں سکتا۔

نبی کے مقابلہ میں یا خود نبی بننے میں جادوگر کامیاب نہیں ہوسکتا: .... آیت لا یفلح الساحرون اور لا یصلح عمل المفسدین میں مطلق جادوگر اور مفسد مراد نہیں بلکہ جھوٹا دعوت نبوت کرنے والا جادوگر اور نبی کا مقابلہ کرنے والا مفسد مراد ہے کہ یہ لوگ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ اس لئے اب یہ شبہ نہیں رہا کہ بعض جادوگر اور مفسد تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں؟ پھر آیت میں کیسے انکار کیا گیا ہے؟ الحق حق کے معنی ثبوت اور قیام کے ہیں کہ جو بات اٹل اور انمٹ ہو اور باطل اس کی ضد کو کہتے ہیں یعنی جو بات مٹ جانے والی اور باقی نہ رہنے والی ہو۔ پس قرآن نے سچائی کو حق سے اور انکار کو باطل سے تعبیر کر کے یہ واضح کر دیا ہے کہ سچائی کا خاصہ ثبوت وقیام ہے اور باطل کے لئے نہ ٹک سکنا اور مٹ جانا ہے۔ جابجا قرآن کریم میں اسی طرح کی تعبیرات ملتی ہیں کہ خدا حق کو حق کر دے گا اور باطل کو باطل۔ یعنی حق ثابت وقائم رہ کر اپنی حقانیت آشکارا کر دے گا اور باطل نابود ہو کر اپنے باطل ہونے کا ثبوت دے گا۔

حضرت موسیٰ پر ایمان لانے والے کون تھے: .... من قومہ کی ضمیر جلال محقق نے تو فرعون کی طرف لوٹائی ہے۔ یعنی فرعون کی قوم کے کچھ لوگ خوف کی وجہ سے درپردہ ایمان لائے۔ لیکن بعض حضرات اس کی ضمیر خود حضرت موسیٰ کی طرف لوٹاتے ہیں۔ یعنی حضرت موسیٰ کی قوم میں سے بعض لوگ مخفی طریقہ پر ایمان لائے۔ اس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ بنی اسرائیل تو سب ہی فرعون کے ہاتھوں مبتلائے مصائب تھے۔ جس کی وجہ سے کوئی بھی حضرت موسیٰ کا مخالف نہ تھا۔ پھر چند آدمیوں کے اور وہ بھی پوشیدہ طریقہ سے ایمان لانے کے کیا معنی؟ اور پھر اپنے سرداروں سے ان کے ڈرنے کا کیا مطلب؟ درانحالیکہ سیر کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے چلے تو لاکھوں کی تعداد میں تھے؟ جواب یہ ہے کہ مخالف نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایمان بھی لے آئیں۔

یہ خیال کیا ہوگا کہ ابھی سے کون مسلمان ہوکر پریشانی مول لے۔ جب وقت آئے گا دیکھا جائے گا۔لیکن جولوگ واقعی سچے طالب تھے انہوں نے ان سب نفسانی مصلحتوں کونظرانداز کردیا اورایمان لے آئے۔اگرچہ اس کا اعلان واظہار نہیں کیا اور حکام سے مراد قبطی ہیں کہ اس وقت وہی لوگ برسراقتدار تھے۔ادنی تلبس کی وجہ سے سردار ہونے کی نسبت ان کی طرف کردی اورابتداء یہ تعداد تھوڑی رہی ہوگی۔ بعد میں جوں جوں ہمت بندھتی گئی تعداد بڑھتی رہی چنانچہ مدارک میں اول الامر کی تصریح ہے۔

کسی نئی بات کے ماننے کی امید جوانوں سے جتنی ہوتی ہے بوڑھوں سے نہیں ہوتی:............ تاہم ذریۃ کے معنی کم سن اولاد کے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ جب کبھی مقاصد وعزائم کی راہ میں شدائد ومشکلات کا سامنا ہوتا ہے تو قوم کے بڑے بوڑھوں سے بہت کم امید کی جاسکتی ہے۔زیادہ ترنئی نسل کے نوجوان ہی آگے بڑھتے ہیں۔کیوں کہ بڑے بوڑھوں کی ساری زندگیاں ظلم وفساد کی آب وہوا میں بسر ہوچکتی ہیں اور محکومی کی حالت میں رہتے رہتے عافیت کوشی کے عادی ہوجاتے ہیں۔البتہ نوجوانوں میں نیا دماغ ہوتا ہے، نیا خون ہوتا ہے، نئی امنگیں ہوتی ہیں، انہیں شدائد ومصائب کا خوف مرعوب نہیں کرسکتا اس لئے اول وہی قدم اٹھاتے ہیں۔پھر تمام قوم ان کے پیچھے چلنے لگتی ہے۔مصر میں حضرت موسیٰ کو ایسی ہی صورت پیش آئی۔فرعون کے قہر وظلم نے بنی اسرائیل کے بڑے بوڑھوں کی ہمتیں سلب کردی تھیں۔وہ شکرگزار ہونے کی جگہ الٹی شکایتیں کرتے۔لیکن نوجوانوں کا یہ حال نہ تھا۔ ان میں ایک گروہ نکل آیا جس نے حضرت موسیٰ کے احکام کی تعمیل کی۔

توکل اورمکان اورمسجد بنانے کا مطلب:............توکل کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کی طرف لالچ یا خوف کی نظر نہ رہے۔ اس لئے یہ توکل دعا کے خلاف نہیں بلکہ دونوں جمع ہوسکتے ہیں اوران تبوا لقومکما بیوتا کا یہ مطلب نہیں کہ اب تازہ مکان بناؤ۔ تا کہ یہ اشکال ہو کہ مکانات تو پہلے سے بنے ہوئے تھے۔پھر بنانے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان مکانات کو دشمنوں کے حوالہ کرکے چھوڑو مت۔اپنے ہی پاس برقرار رہنے دواور واجعلوا بیوتکم قبلۃ کا حاصل یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں چونکہ مساجد کے علاوہ اورجگہ نماز نہیں ہوتی تھی۔لیکن خطرات کے موقعہ پرحضرت موسیٰ کی قوم کو گھروں کے اندر نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی۔جیسا کہ ابتداء اسلام میں خود مسلمانوں کا مکہ کی سرزمین پر یہی حال تھا۔تاہم اجازت میں اس توسع کے ساتھ یہ تنگی بھی تھی کہ گھروں میں بھی ایک جگہ متعین کرنی پڑتی تھی۔یہ نہیں کہ جہاں جی چاہا، نماز پڑھ لی۔البتہ امت محمدیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے لئے اس توسع میں توسع مکان بھی ہے جہاں چاہوں نماز پڑھ سکتے ہو جعلت لی الارض کلھا مسجدا وطھورا ارشاد نبویؐ ہے۔

مسجد البیت:............ آیت میں جس طرح قوم موسیٰ کے لئے بحالت خوف ''مسجد البیت'' بنانے کی اجازت دی گئی ہے۔شرائع سابقہ کی حجیت کے اصول پر بوقت خوف ہمارے لئے بھی مسجد البیت کا جواز واستحباب معلوم ہوتا ہے۔اگرچہ اس کا حکم عام مساجد کی طرح نہیں ہوگا۔چنانچہ اس کی چھت پر جماع، پیشاب، پاخانہ کرنا جائز ہوگا عام مساجد کی چھتوں پراس کی اجازت نہیں۔جیسا کہ صاحب ہدایہؒ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔بہرحال گھروں میں کسی جگہ کو مخصوص کرنا اوراس میں نوافل وغیرہ پڑھنا مستحب ہے۔رسول اللہ ﷺ اورتمام سلف کا یہی طریقہ رہا ہے کہ علاوہ فرائض کے عام طور پر نوافل۔سنن مؤکدہ اورغیر مؤکدہ، بالخصوص سنت فجر، وتر، بالخصوص شب جمعہ کے وتر اس مسجد البیت میں ادا کرتے رہے ہیں۔

قبولیت دعا کا اثر: .... موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو اقیموا الصلوۃ کا حکم استعینوا بالصبر والصلوۃ کے طریقہ پر ہے اور گویا یہ تفصیل ہے۔ قال موسی لقومه استعینوا باللّٰه واصبروا کی اور ان سب احکام میں دعا کی قبولیت کا اثر نمایاں ہو رہا ہے۔ کیونکہ مکانوں پر قبضہ کرنے کے حکم سے تو سفر کی تشویش سے بچالیا اور گھروں میں نماز کی اجازت دینے سے نمازوں کے لئے باہر نکل کر اپنا ایمان ظاہر کرنے سے بچالیا۔ اور نماز کا حکم دے کر نجات کی تدبیر بتلا دی اور بشسر میں نجات کی بشارت سنادی۔ غرضیکہ ان سب باتوں میں دعا کی قبولیت کا اثر ظاہر ہے۔

بددعا: .... آیت ربنا اطمس الخ سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ نبی کا آنا تو ہدایت کے لئے ہوتا ہے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہدایت نہ ملنے کی بددعا کیسے کررہے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ نبی کا ہدایت کے لئے آنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو دین کا راستہ دکھلائے اور بتلائے اور اس کی طرف بلائے۔ سو یہ تو بددعا کے بعد بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کرتے رہے۔ اس میں اور بددعا میں منافات نہیں ہے۔

رہا بددعا کا معاملہ۔ سو اصل مقصد گمراہی کی بددعا کرنا نہیں ہے۔ بلکہ یقینی طریقہ پر وحی کے ذریعہ یہ معلوم ہونے کے بعد کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کے لئے ہلاکت وتباہی کی بددعا کرنا ہے اور واشدد علی قلوبھم سے قلبی قساوت خود مقصود نہیں۔ بلکہ تباہی کا پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے مقصود بالعرض ہے اور اس میں عین موافقت ہے قضاء الٰہی کی۔ جو حضرت موسیٰ پر بذریعہ کشف عیاں ہوگئی ہوگی۔ اس لئے اس میں بھی کوئی اشکال نہیں۔ البتہ مال و دولت اور دنیا کی فراوانی کا سبب گمراہی ہونا۔ سو جب اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہیں اور حکیم کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس لئے اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس حکمت کی تعیین ہم نہ کرسکیں۔

فرعون کا ایمان لانا: .... فرعون کے ساتھ جبریلؑ کی اس کارروائی پر لباب کو یہ اشکال ہے کہ غرغرہ کی اس حالت میں فرعون دو حال سے خالی نہیں۔ مکلف تھا یا نہیں۔ پہلی صورت میں جبریلؑ کو روکنا کیسے جائز تھا۔ بلکہ انہیں اور اعانت کرنی چاہئے تھی اور بالفرض انہوں نے روک بھی دیا تو اس نے دل سے توبہ کرلی ہوگی جو گونگے کی توبہ کی طرح معتبر ہونی چاہئے تھی اور دوسری صورت میں جبریلؑ کا روکنا بے فائدہ ہے؟ جلال محققؒ اسی شبہ کا دفعیہ کررہے ہیں کہ بغض فی اللہ کی وجہ سے جبریلؑ نے یہ کارروائی کی ہے اور چونکہ یہ ایمان یاس کی حالت میں تھا۔ جب کہ آخرت کا معائنہ ہونے لگتا ہے۔ اس لئے اس کا اعتبار نہیں جیسا کہ آیت فلم یك ینفعھم ایمانھم لما رأو بأسنا سے معلوم ہوتا ہے اور جس رحمت کا خطرہ حضرت جبریلؑ کو ہو رہا تھا۔ اس سے مراد دنیاوی رحمت ہے۔ کیونکہ شرعاً ایمان معتبر نہ ہونے کی وجہ سے اخروی رحمت کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ البتہ انہیں یہ خطرہ ہوا کہ کہیں منافقین کی طرح یہ بھی دنیاوی رحمت سے فائدہ نہ اٹھالے جائے۔ اس کے منہ میں کیچڑ ٹھونس دی۔ چنانچہ آخرت میں منافقین کا ایمان معتبر نہیں۔ تاہم ظاہری کلمہ پڑھنے سے دنیا میں اس کی جان و مال محفوظ ہو جاتے ہیں۔ تو کہیں ایسا نہ ہو کہ الفاظ کی بدولت یہ دشمن خدا بھی کہیں غرق سے نہ بچ جائے اور عالم میں فتنہ فساد کا باعث بنے۔ منہ بند کردیا۔ علامہ آلوسیؒ نے ابن جریرؒ سے اس روایت میں فیغفر له کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں اس کو دنیاوی معافی پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی جس طرح حقیقی اسلام سے حقیقۃً پچھلے تمام گناہوں کی معافی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ظاہری ایمان سے صورۃً معافی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد دنیاوی احکام میں پہلے کفریات کا انتقام نہیں لیا جاتا۔

اور شیخ محی الدین ابن عربیؒ سے جو فرعون کے ایمان کی صحت منقول ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ بعد میں کسی شخص نے اپنی طرف سے ان کی تصنیف میں الحاق کر دیا ہوگا۔ جیسا کہ بہت سے اکابر کی کتابوں کے ساتھ مخالفین نے اسی قسم کی کارروائی کی ہے۔ چنانچہ الیواقیت والجواہر میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

فرعون کی نجات: .... فرعون کی لاش بچالینے اور پانی پر تیر آنے کو مجازاً تمسخر کے طور پر نجات سے تعبیر فرمادیا ہے کہ تجھے ایسی نجات مل رہی ہے جو تیرے لئے مزید رسوائی کا باعث ہوگی۔ گویا اس طرح اس کی تشہیر کر کے اس کے دعویٰ خدائیت میں ذلت کی آخری کیل ٹھوک دی گئی ہے۔

اور جلال محققؒ نے ابن عباسؓ کی روایت پیش کر کے ایک مطلب یہ بھی بتلا دیا کہ فرعون کی انتہائی عظمت وہیبت کی وجہ سے بعض لوگوں کو اس کے غرق ہونے میں شبہ تھا جو اس معائنہ سے دور ہو گیا۔

لیکن اگر دقت نظر سے کام لیا جائے تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قدیم مصریوں میں حنوط کرنے اور حمیانے کا طریقہ رائج تھا۔ بادشاہوں اور امیروں کی نعشیں ایک خاص قسم کا مصالحہ لگا کر ایک عرصہ تک کے لئے محفوظ کر دی جاتی تھیں۔ چنانچہ اٹھارہویں صدی عیسوی سے لے کر اب تک بے شمار نعشیں مصر میں نکل چکی ہیں اور دنیا کا کوئی عجائب خانہ نہیں جن کے حصہ میں دو چار نعشیں نہ آئی ہوں۔

پس اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ تو اب موت سے تو نہیں بچ سکتا۔ لیکن تیرا جسم سمندر کی موجوں سے بچالیا جائے گا۔ تاکہ حسب معمول وہ محی کر کے رکھا جائے اور آنے والی نسلوں کے لئے عبرت ونصیحت کا سامان ہو۔ اگر مصریات کے بعض علماء کی یہ تحقیق درست ہے کہ یہ فرعون رمسیس ثانی تھا۔ تو اس کا بدن آج تک نہیں مٹا۔ کیونکہ اس کی ''محی'' نکل آئی اور قاہرہ کے دارالآثار (عجائب گھر) میں صحیح سالم محفوظ ہے۔

لطائف آیات: .... آیت كذلك نطبع الخ میں فساد استعداد کو لفظ ''طبع'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آیت ولا يفلح الساحرون پر مشائخ باطل کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ آیت ربنا لا تجعلنا الخ سے یہ سمجھنا کہ دعا توکل کے خلاف ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ توکل کا حاصل ترک اسباب نہیں کہ وہ تعطل ہوتا ہے۔ بلکہ اسباب کی بجائے اسباب پیدا کرنے والے پر نظر رکھنا توکل ہے۔ پس اس اعتقاد کے ساتھ اگر اسباب بھی اختیار کر لئے جائیں تو کیا حرج ہے۔ پس غیر مادی اسباب کے ساتھ جن میں دعاء بھی داخل ہے بدرجۂ اولیٰ توکل باقی رہے گا۔

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا اَنْزَلْنَا بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ مَنْزِلَ كَرَامَةٍ وَهُوَ الشَّامُ وَمِصْرُ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ

فَمَا اخْتَلَفُوْا بِاَنْ اٰمَنَ بَعْضٌ وَكَفَرَ بَعْضٌ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِىْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ بِاِنْجَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَتَعْذِيْبِ الْكٰفِرِيْنَ فَاِنْ كُنْتَ يَا مُحَمَّدُ فِىْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْقَصَصِ فَرْضًا فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ مِنْ قَبْلِكَ فَاِنَّهٗ ثَابِتٌ عِنْدَهُمْ يُخْبِرُوْنَكَ بِصِدْقِهٖ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اَشُكُّ وَلَا اَسْاَلُ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ اَلشَّاكِيْنَ فِيْهِ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ وَجَبَتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ بِالْعَذَابِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾ فَلَا يَنْفَعُهُمْ حِيْنَئِذٍ فَلَوْلَا فَهَلَّا كَانَتْ قَرْيَةٌ اُرِيْدَ اَهْلُهَا اٰمَنَتْ قَبْلَ نُزُوْلِ الْعَذَابِ بِهَا فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا لٰكِنَّ قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا عِنْدَ رُؤْيَةِ اَمَارَاتِ الْعَذَابِ الْمَوْعُوْدِ وَلَمْ يُؤَخِّرُوْا اِلٰى حُلُوْلِهٖ كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْىِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾ اِنْقِضَاءِ اٰجَالِهِمْ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ بِمَا لَمْ يَشَاءِ اللّٰهُ مِنْهُمْ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ لَا وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ بِاِرَادَتِهٖ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ الْعَذَابَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ يَتَدَبَّرُوْنَ اٰيَاتِ اللّٰهِ قُلِ لِكُفَّارِ مَكَّةَ انْظُرُوْا مَاذَا اَىِ الَّذِىْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِنَ الْاٰيَاتِ الدَّالَّةِ عَلٰى وُحْدَانِيَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَمَا تُغْنِى الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ جَمْعُ نَذِيْرٍ اَىِ الرُّسُلُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فِىْ عِلْمِ اللّٰهِ اَىْ مَا تَنْفَعُهُمْ فَهَلْ مَا يَنْتَظِرُوْنَ بِتَكْذِيْبِكَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْاُمَمِ اَىْ مِثْلَ وَقَائِعِهِمْ مِنَ الْعَذَابِ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا ذٰلِكَ اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّىْ اَلْمُضَارِعُ لِحِكَايَةِ الْحَالِ الْمَاضِيَةِ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْعَذَابِ كَذٰلِكَ اَلْاِنْجَاءِ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ اَلنَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابَهٗ حِيْنَ تَعْذِيْبِ الْمُشْرِكِيْنَ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَىْ اَهْلَ مَكَّةَ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِىْ اَنَّهٗ حَقٌّ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَىْ غَيْرِهٖ وَهُوَ الْاَصْنَامُ لِشَكِّكُمْ فِيْهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰكُمْ بِقَبْضِ اَرْوَاحِكُمْ وَاُمِرْتُ اَنْ اَىْ بِاَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَقِيْلَ لِىْ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا مَائِلًا اِلَيْهِ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ تَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ اِنْ عَبَدْتَهٗ وَلَا يَضُرُّكَ اِنْ لَمْ تَعْبُدْهُ فَاِنْ فَعَلْتَ ذٰلِكَ فَرْضًا فَاِنَّكَ اِذًا

ع ۱۰ / ۱۵

مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ يُصِبْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ كَفَقْرٍ وَمَرَضٍ فَلَا كَاشِفَ رَافِعَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ دَافِعَ لِفَضْلِهٖ الَّذِىْ اَرَادَكَ بِهٖ يُصِيْبُ بِهٖ اَىْ بِالْخَيْرِ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَىْ اَهْلَ مَكَّةَ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۚ لِاَنَّ ثَوَابَ اِهْتِدَائِهٖ لَهٗ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ لِاَنَّ وَبَالَ ضَلَالِهٖ عَلَيْهَا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ فَاُجْبِرُكُمْ عَلَى الْهُدٰى وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ عَلَى الدَّعْوَةِ وَاَذَاهُمْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ فِيْهِمْ بِاَمْرِهٖ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ اَعْدَلُهُمْ وَقَدْ صَبَرَ حَتّٰى حَكَمَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ بِالْقِتَالِ وَاَهْلِ الْكِتَابِ بِالْجِزْيَةِ

ترجمہ: .... اور ہم نے بنی اسرائیل کو بسنے کے لئے بہت اچھا ٹھکانا دیا (عزت کا مقام اور وہ شام ومصر کا خطہ ہے) اور پاکیزہ چیزوں سے ان کی روزی کا سامان کر دیا تھا۔ پھر جب کبھی انہوں نے اختلاف کیا (کہ بعض ایمان لائے اور بعض نے کفر اختیار کیا) تو علم کی روشنی ضرور ان پر نمودار ہوگئی۔ قیامت کے دن تمہارا پروردگار ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں باہم اختلاف کرتے رہے ہیں (یعنی دین کی بات کہ مؤمنین کی نجات ہوگی اور کافروں کو عذاب) اور اگر آپ کو (اے محمدؐ) اس بات میں کسی طرح کا شک ہو جو ہم نے آپ پر (قصے) اتارے ہیں (بالفرض) تو آپ ان لوگوں سے پوچھ دیکھئے جو آپ سے پہلے کتاب (تورات) پڑھتے ہیں (کیونکہ یہ واقعات ان کے یہاں ثابت ہیں۔ ان کے سچ ہونے کی آپ کو یہ اطلاع دیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نہ مجھے شک ہے اور نہ مجھے پوچھنے کی ضرورت) کہ یقیناً سچائی ہے جو آپؐ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر اتری ہے آپ ہرگز شک (شبہ) کرنے والوں میں سے نہ ہو جئے اور نہ ان لوگوں میں سے جنہوں نے اللہ کی نشانیاں جھٹلائیں اور نتیجہ یہ نکلا کہ نامراد ہوئے۔ جن لوگوں پر آپ کے پروردگار کا فرمان (عذاب) صادق آ گیا (ثابت ہوگیا) ہے وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اگر ساری نشانیاں بھی ان کے سامنے آ جائیں۔ جب بھی نہ مانیں۔ یہاں تک کہ دردناک عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں (مگر اس وقت ایمان لانا فائدہ مند نہیں رہے گا) پھر کیوں نہ کوئی بستی (مراد اہل بستی ہیں) ایسی نکلی کہ یقین کر لیتی (اس پر عذاب نازل ہونے سے پہلے) اور ایمان کی برکتوں سے فائدہ اٹھاتی بجز قوم یونس کے۔ جب یہ لوگ ایمان لے آئے (مقررہ عذاب کی علامات دیکھتے ہی اور عذاب اترنے کا انتظار انہوں نے نہیں کیا) تو ہم نے رسوائی کا وہ عذاب ان پر سے ٹال دیا جو دنیا کی زندگی میں پیش آنے والا تھا اور ایک خاص مدت تک سر وسامان زندگی سے بہرہ مند ہونے کی مہلت دے دی (پیمانۂ عمر لبریز ہونے تک) اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔ سو کیا آپ ان پر زبردستی کر سکتے ہیں (جب کہ اللہ ان سے نہ چاہے) کہ وہ ایمان ہی لے آویں (ہرگز نہیں) حالانکہ کسی کا ایمان لانا اللہ کے حکم (ارادہ) کے بغیر اس کے اختیار میں نہیں۔ اور اللہ (عذاب کی) گندگی میں چھوڑ دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے (اللہ کی نشانیوں میں غور نہیں کرتے) آپ (کفار مکہ سے) کہیئے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (وہ نشانیاں جو اللہ کی یکتائی پر دلالت کرنے والی ہیں) ان سب پر نظر ڈالو۔ لیکن جو لوگ (علم الٰہی میں) ایمان لانیوالے نہیں ہوتے ان کے لئے نہ تو نشانیاں ہی کچھ سودمند ہوتی ہیں اور نہ دھمکیاں (نذر جمع نذیر کی مراد رسول ہے) ہی فائدہ پہنچاتی

ہیں (انہیں کوئی نفع نہیں ہوتا) پھر اگر یہ لوگ (آپ کو جھٹلا کر) صرف ان لوگوں کے سے واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں (پچھلی امتوں میں۔ یعنی جیسے ان پر عذاب واقع ہوا ہے) تو کہہ دو: اچھا (اس کا) انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ پھر ہم بچا لیتے تھے (یہ مضارع ہے حال ماضی کی حکایت کے لئے) اپنے رسولوں کو اور ایمان والوں کو (عذاب سے) اسی طرح ہم نے اپنے اوپر ضروری ٹھیرالیا ہے کہ سب ایمان والوں کو بچالیا کریں (نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحابؓ کو مشرکین نے تکلیفیں پہنچائیں) آپ کہہ دیجئے۔ اے لوگو! (مکہ والو) اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی طرح کے شبہ میں ہو (کہ آیا وہ حق ہے) تو اللہ کے سوا جن ہستیوں کی تم بندگی کرتے ہو میں ان کی بندگی نہیں کرتا (یعنی غیر اللہ بتوں کی۔ کیونکہ تمہیں اس میں شک ہے) میں تو اللہ کی بندگی کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے (تمہاری روح نکال کر) اور مجھے اس کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ ایمان لانے والوں کے زمرہ میں رہوں اور (مجھے یہ حکم بھی دیا گیا ہے) میں اپنا رخ اللہ کے دین کی طرف کر لوں ہر طرف سے ہٹ کر (اس کی طرف مائل ہو جاؤں) اور ایسا ہرگز نہ کیجیو کہ شرک کرنے والوں میں سے ہو جاؤ اور اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارو (عبادت مت کرو) کہ وہ تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتا (اگر تم اس کی بندگی بھی کرلو) اور نقصان بھی نہیں پہنچا سکتا (اگر تم اس کی بندگی نہ کرو) اگر تم نے ایسا کیا (بالفرض) تو یقیناً پھر تم بھی ظلم کرنے والوں میں گنے جاؤ گے اور اللہ کے حکم سے تمہیں کوئی دکھ پہنچے (جیسے فاقہ یا بیماری) تو جان لو کہ اسے دور کرنے والا بجز اس کے کوئی نہیں اور اگر وہ تمہیں کوئی بھلائی پہنچانی چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں (سو تمہارے متعلق اس نے طے کرلیا ہے) وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا فضل مبذول فرما دے وہ بڑی مغفرت، بڑی رحمت والا ہے۔ آپ کہہ دیجئے اے لوگو! (مکہ والو) تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس سچائی پہنچ چکی ہے۔ پس جو ہدایت کی راہ اختیار کرے گا تو اپنے ہی بھلے کے لئے کرے گا (کیونکہ ہدایت پانے والے کا ثواب اسی کو ملے گا) اور جو بھٹکے گا تو اس کی گمراہی اس کے آگے آئے گی (کیونکہ اس کی بے راہ روی کا وبال اسی پر پڑے گا) میں تم پر نگران نہیں (کہ تمہیں ہدایت قبول کرنے پر مجبور کرسکوں) آپ پر جو کچھ وحی کی جاتی ہے اس پر چلتے رہیئے اور جمے رہیئے (اپنی دعوت پر اور ان کی اذیتوں پر) یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کردے (اس کے بارے میں اپنا کوئی حکم بھیج کر) اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے (منصفانہ فیصلہ۔ آنحضرت ﷺ نے صبر سے کام لیا۔ یہاں تک کہ مشرکین سے جہاد کرنے کا اور اہل کتاب پر جزیہ لگا دینے کا آپ کو حکم ہوگیا)۔

تحقیق و ترکیب: .... **مبوأ صدق** عرب کی عادت یہ ہے کہ جب کسی چیز کی تعریف کی جاتی ہے تو اس کی نسبت صدق کی طرف کی جاتی ہے، رجل صدق، قدم صدق، مبوء صدق۔ اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے۔ مبوا صدق کا مصداق کیا ہے۔ ایک قول میں مصر ہے اور دوسرے قول میں شام، قدس واردان ہیں۔ جو سرسبز وشاداب حصے ہیں۔ مشہور اگرچہ یہی ہے کہ بنی اسرائیل کی دوبارہ واپسی مصر میں نہیں ہوئی۔ **فان کنت فی شک** اس میں بظاہر خطاب آنحضرت ﷺ کو ہے مگر مراد امت ہے یا ہر سننے والے کو عام خطاب ہے۔ بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بات انسان کو معلوم نہ ہو تو اہل علم کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ **ماذا** مفسرؒ نے **الذی** کہہ کر اشارہ کردیا کہ یہ دو لفظ ہیں ما استفہامیہ بمعنی الذی ہے اور ظرف اس کا صلہ ہے اور بعض نے اس کو ایک ہی لفظ مرکب مانا ہے اسم اشارہ پر استفہام غالب آگیا ہے۔ **ماتنفعهم** اشارہ کردیا کہ **ماتغنی** میں ما نافیہ ہے۔ اگرچہ استفہامیہ بھی ہوسکتا ہے۔ **کذلك** ای مثل ذلك الانجاء ننجی المؤمنین منکم ونهلك المشركين اور **حقا** جملہ معترضہ ہے۔ ای حق ذلك علينا حقا۔ فلا اعبد گویا یہ میرے دین کا خلاصہ ہے جس میں تمہیں شک ہورہا ہے۔ **لشككم فيه** یعنی تمہیں غیر اللہ کی عبادت پر ابھارنے والی چیز تمہارا شک

ہے میرے دین کی حقانیت کے بارے میں باقی مجھے تو کوئی شبہ نہیں اس لئے میں غیر اللہ کی پرستش بھی نہیں کرتا۔ فان فعلت ذلك فرضا یہ اس اشکال کا جواب ہے کہ پیغمبر معصوم ہوتا ہے پھر اس سے شرک کیسے ہوسکتا ہے؟ خلاصہ جواب یہ ہے کہ یہ بطور فرض کے کہا جارہا ہے۔

ربط آیات:............آیت فان کنت الخ میں قرآن کی حقانیت سے حقانیت اسلام پر استدلال کیا جارہا ہے پھر آیت ان الذین الخ سے آپ کو تسلی فرمائی جارہی ہے کہ ان کی قسمت میں ایمان نہیں ہے۔ اس لئے آپ رنج نہ کیجئے۔ قوم یونس کی طرح اگر ان کی قسمت میں ایمان ہوتا تو یہ بھی ایمان لے آتے اور قوم یونس ہی کی کیا تخصیص ہے اگر سارے جہاں کے مقدر میں ایمان ہو جائے تو سب ہی ایمان لے آئیں۔ مگر مشیت الٰہی ہی نہیں ہے اس لئے آپ کیوں فکر میں گھلے۔ آیت قل انظروا الخ میں یاس کی حالت میں بھی تکلیفات شرعیہ سے باہر نہ ہونا بیان کیا جارہا ہے اور عناد کی وجہ سے کفار کا مستحق عذاب ہونا بیان کیا جارہا ہے۔ اس کے بعد آیت قل یا ایها الناس الخ سے توحید ثابت کی جارہی ہے جو اسلام کا رکن اعظم ہے۔ پھر یاایها الناس الخ سے اسلام کی حقانیت ظاہر کر کے اتمام حجت کی جارہی ہے اور آیت واتبع الخ میں آپ کو تسلی دی جارہی ہے۔

﴿ تشریح ﴾:............اختلاف کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ نبی کو مان کر اس کے احکام میں حجتیں نکالنا اور طرح طرح کے حیلے کرنا کہ یہ اختلاف علی الانبیاء ہے۔ دوسرے یہ کہ بعض انبیاء کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا کہ یہ اختلاف مع الانبیاء ہے اور سلف پر انعام، گویا خلف پر بھی انعام ہوتا ہے۔

قرآن میں شبہ اور اہل علم سے پوچھنے کا مطلب:............فان کنت میں بظاہر خطاب آپ کو ہے مگر مقصود دوسروں کو خطاب ہے اور مقصود دراصل مبالغہ کرنا ہے کہ جب صاحب وحی کے لئے جو براہ راست اللہ سے علوم حاصل کرتا ہے اہل علم سے دریافت کرنا کافی ہے تو دوسروں کو یہ دریافت کرنا بدرجہ اولیٰ کافی ہونا چاہیئے۔ اسی طرح فلا تکونن. ولا تکونن. فتکونن میں بھی یہ بتلانا ہے کہ جس ذات گرامی میں شک اور جھٹلانے کا احتمال نہیں جب ان کو بھی روکا جارہا ہے تو جہاں احتمال ہے بدرجہ اولیٰ روکنا چاہیئے۔ اس لئے آپؐ نے اپنے بارے میں فرمادیا کہ لا اشک ولا اسال باقی رہی یہ بات کہ صاحب وحی تو اہل علم سے بڑھ کر ہی ہے پھر کیسے کہا جارہا ہے کہ تم اہل علم سے دریافت کرو؟ جواب یہ ہے کہ اہل علم سے پوچھنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ متبوع اور مطاع ہیں۔ بلکہ ناقل ہونے کی حیثیت سے ان سے معلوم کرنے کو کہا جارہا ہے اور وہ نقل صحیح سے حق کی تائید ہی ہوگی جو مقصود ہے۔ رہا یہ شبہ کہ اہل کتاب تو خود آپ کی تکذیب کرتے تھے پھر ان سے پوچھنا کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ ان سے صرف نقل کرانا اور اصل مضمون پڑھ کر سنوانا مقصود ہے۔ پھر اس میں اخفاء نہیں رہ سکتا۔

قوم یونسؑ کا حال:............الا قوم یونس الخ میں حضرت یونسؑ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ان کا عبرانی نام ''یوناہ'' تھا۔ جو عربی میں ''یونس'' ہوگیا یہ بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے ہیں اور عہد عتیق کے نوشتوں میں سے ایک نوشتہ ان کے نام سے بھی ہے۔ اس نوشتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نینوا کے لوگوں کو خبردار کیا تھا کہ چالیس روز کے بعد شہر تباہ ہو جائے گا۔ یہ سن کر انہوں نے سرکشی نہیں بلکہ بادشاہ سے لے کر گذریئے تک سب ہی توبہ واستغفار میں لگ گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چالیس دن گزر گئے مگر عذاب

نہ آیا۔ یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے بات مان لی تھی اور سرکشی نہیں کی۔ لیکن یہ مہلت ایک خاص مدت تک کے لئے دی گئی تھی۔ حضرت ''یوناہ'' کے بعد ۶۹۰ قبل مسیح ان کا غلبہ وفساد پھر حد سے گزر گیا اور ایک اور اسرائیلی نبی ''ناحوم'' نامی نے انہیں پیش آنے والی تباہی سے خبر دار کر دیا۔ اس کے ستر برس بعد اہل بابل نے ان پر حملہ کیا۔ ساتھ ہی دریائے دجلہ میں اس زور کا سیلاب آیا کہ نینوا کی مشہور چہار دیواری جا بجا سے گر گئی اور حملہ آوروں کے لئے کوئی روک باقی نہ رہی۔ چنانچہ آشودی تمدن کا یہ مرکز اس طرح نابود ہوا کہ ۲۰۰ قبل مسیح میں اس کا جائے وقوع بھی لوگوں کو معلوم نہ تھا۔

رفع تعارض: .... بہر حال قوم یونس پر چونکہ عذاب نہیں آیا تھا اور نہ اس کے آثار قریبہ شروع ہوئے تھے کہ انہوں نے پہلے ہی توبہ کر لی اور وہ عذاب ٹل گیا۔ اس لئے فلم یک ینفعھم ایمانھم لما رأوباسنا کے خلاف نہیں ہوگا کہ شبہ کیا جائے اور بعض نے آیت کے عموم سے قوم یونس کے واقعہ کو مستثنیٰ کر لیا ہے اور فی الحیوۃ الدنیا قید احترازی نہیں بلکہ قید واقعی ہے کہ اس میں واقعہ کا اظہار ہے اور ایمان کا آخرت کے لئے نافع ہونا یقینی ہے۔ اخروی عذاب سے بچنا مسلمانوں کے لئے تو ظاہر ہے اور پہلے عذابوں میں دنیاوی اعتبار سے بچنا بھی ظاہر ہے اور اس امت کے کفار کے عذاب قتل سے مسلمانوں کا بچنا بایں معنی ہے کہ مسلمانوں پر قتل کے واقعات عذاب کی حیثیت نہیں ہوتے۔

ایک عظیم الشان حقیقت: .... آیت ولو شاء ربک الخ میں ایک بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے اور غور کرو کتنے مختصر لفظوں میں کتنی عظیم الشان بات کہہ دی ہے۔ فرمایا فکر واستعداد کا اختلاف یہاں ناگزیر ہے اور ایمان کوئی ایسی چیز نہیں کہ زور وزبردستی سے کسی کے اندر ٹھونس دیا جائے۔ یہ تو اسی کے اندر پیدا ہوگا جس میں فہم وقبول کی استعداد ہے۔ پھر اگر تم پر یہ بات شاق گزر رہی ہے کہ کیوں لوگ مان نہیں لیتے تو کیا تم لوگوں پر جبر کرو گے؟ کہ تمہیں ضرور مان ہی لینا چاہئے۔ اس آیت سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ قرآن کے نزدیک دین وایمان کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں جبر واکراہ کی صورت کا ذکر ایک ان ہونی اور نا کردنی بات کی طرح کیا گیا ہے۔

کھرا کھرا جواب: .... آیت قل یا ایھا الناس الخ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے میری دعوت دین کی حقیقت ٹھیک ٹھیک نہیں سمجھی ہے اور اس وہم میں مبتلا ہو کہ شاید تمہارے مطلب کی باتیں بھی تھوڑی بہت میں مان لوں تو یہ وہم اپنے دماغ سے نکال دو۔ میرا اعلان صاف صاف یہ ہے کہ میں تمہارے گھڑے ہوئے معبودوں کو نہیں مانتا۔ صرف پروردگار عالم کی عبادت کرتا ہوں اور اسی کی طرف سے دعوت دینے پر مامور ہوں۔ اب اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد جو کچھ تمہارے جی میں آئے کر لو میری راہ میرے لئے ہے۔ تمہاری راہ تمہارے لئے اور فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ میرا دین تو یہ ہے جس میں کسی کو شک نہیں ہونا چاہئے۔ کفار ومشرکین جب کہ اسلام کے منکر تھے۔ پھر ان کنتم فی شک من دینی کیوں فرمایا گیا؟ سو دراصل اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ دین اسلام ایسا ہے کہ اس میں تو شک بھی نہیں ہونا چاہئے۔ چہ جائیکہ جحد وانکار۔

کھری کھری باتیں: .... آیت قل یا ایھا الناس قد جاء کم الخ یہ بات واضح کرنا ہے کہ مذہبی صداقت کی

دعوت کا معاملہ سر تا سر سمجھنے بوجھنے اور سمجھ بوجھ کر اختیار کر لینے کا معاملہ ہے اس میں نہ تو کسی طرح کی زبردستی ہے نہ کسی طرح کا لڑائی جھگڑا۔ تمہاری بھلائی کے لئے ایک بات کہی گئی ہے۔ اگر سمجھ میں آجائے تو مان لو، نہ آئے تو نہ مانو۔ تمہاری راہ تمہارے لئے ہماری راہ ہمارے لئے۔ اگر مان لو گے تو اپنا ہی بھلا کرو گے، نہ مانو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے۔ ہر شخص اپنے نفس کا مختار ہے۔ چاہے بھلائی کی راہ چلے اور بھلائی کمائے، چاہے برائی کی چال چلے اور برائی کمائے۔ اگر کوئی بھلائی کی راہ چلے گا تو کسی دوسرے کو کچھ نہیں دیدے گا کہ وہ اس کے پیچھے پڑ جائے۔ اگر کوئی برائی کی چال چلے گا تو کسی دوسرے کا نقصان نہیں کرے گا کہ وہ اس سے بگڑنے لگے۔ اپنی اپنی راہ ہے اور اپنی اپنی کمائی۔ ساتھ ہی یہ واضح کر دیا کہ داعی حق کی حیثیت کیا ہے؟ میں ایک مذکر ہوں۔ کچھ تم پر وکیل نہیں بنا دیا گیا ہوں۔ میرا کام یہ ہے کہ نصیحت کی بات سمجھا دوں۔ یہ نہیں کہ نگہبان بن کر تم پر مسلط رہوں اور سمجھوں کہ مجھے تمہاری ہدایت کی ٹھیکہ داری مل گئی ہے۔ نیز جا بجا مختلف پیرایوں میں یہ حقیقت واضح کر دی کہ پیغمبر کا مقام اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ سچائی کی پکار بلند کرنے والا ہے۔ پیام حق پہنچا دینے والا ہے۔ نصیحت کی بات سمجھا دینے والا ہے۔ ایمان و عمل کے نتائج کی خوشخبری دیتا ہے۔ اور انکار و بدعملی کے نتائج سے خبردار کر دیتا ہے اس سے زیادہ اس کے سر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

دین میں زبردستی: .... غور کرو۔ اس سے زیادہ صاف بے لاگ اور امن وسلامتی کی کوئی راہ ہو سکتی ہے؟ اگر دنیا نے دعوت حق کی یہ روح سمجھ لی ہوتی تو کیا ممکن تھا کہ کوئی انسان دوسرے انسان سے محض اختلاف عقائد وعمل کی بنیاد پر لڑتا؟ پچھلے تمام انبیاء کی دعوت کی طرح اسلام اور اس کے منکروں میں بھی جو نزاع شروع ہوئی وہ تمام تر یہی تھی۔ قرآن کہتا تھا میری راہ تبلیغ وتذکیر کی راہ ہے۔ مخالف کہتے تھے ہماری راہ جبر وتشدد کی ہے۔ قرآن کہتا تھا اگر میری بات سمجھ میں آئے تو مان لو، نہ سمجھ میں آئے تو ماننے والوں کو ان کی راہ چلنے دو۔ وہ کہتے تھے ہماری بات تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے تمہیں ماننی ہی چاہیئے۔ نہیں مانو گے تو جبراً منوائیں گے۔

توکیل وتذکیر کا فرق: .... غور کرو سارے جھگڑوں کی اصلی بنیاد کیا ہے؟ یہی ہے کہ لوگ تذکیر وتوکیل میں فرق نہیں کرتے اور قرآن کہتا ہے دونوں میں فرق کرو۔ تذکیر کی راہ یہ ہوئی کہ جو بات ٹھیک سمجھتے ہو اس کی دوسروں کو بھی ترغیب دو۔ مگر صرف ترغیب دو۔ اس سے آگے نہ بڑھو۔ یعنی یہ بات نہ بھول جاؤ کہ پسند کرنے نہ کرنے کا حق دوسروں کو ہے۔ تم اس کے لئے ذمہ دار نہیں ہو اور توکیل یہ ہوئی کہ ڈنڈا لے کر کھڑے ہو جاؤ اور جو کوئی تم سے متفق نہ ہو اس کے پیچھے پڑ جاؤ۔ گویا خدا نے تمہیں لوگوں کی ہدایت وگمراہی کا ٹھیکیدار بنا دیا ہے۔ جب قرآن صاف صاف کہتا ہے کہ خدا کے رسولوں کا منصب بھی تذکیر وتبلیغ کے اندر محدود تھا۔ حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے مامور تھے تو پھر ظاہر ہے کسی دوسرے انسان کے لئے وہ کب گوارا کر سکتا ہے کہ وکیل مصیطر اور جبار بن جائے۔

زبردستی تبلیغ نہیں کی جا سکتی: .... دراصل اعمال انسانی کے تمام گوشوں میں اصلی سوال حدود ہی کا ہے اور ہر جگہ انسان نے اسی میں ٹھوکر کھائی ہے۔ یعنی ہر بات کی جو حد ہے اس کے اندر نہیں رہنا چاہتا۔ دو چیزیں ہیں اور دونوں کو اپنی اپنی حدوں میں رہنا چاہیئے ایک چیز تذکیر وتبلیغ ہے۔ پسند اور قبولیت ہر انسان کو اس کا حق ہے کہ جس بات کو درست سمجھتا ہے اسے دوسروں کو بھی سمجھائے۔ لیکن اس کا حق نہیں کہ دوسروں کے حق سے انکار کر دے۔ یعنی یہ بات بھلا دے کہ جس طرح اسے ایک بات کے ماننے نہ ماننے کا حق ہے۔ ویسا ہی دوسرے کو بھی ماننے نہ ماننے کا حق ہے اور ایک فرد دوسرے فرد کے لئے ذمہ دار نہیں۔ قرآن کہتا ہے جس بات کو تم سچ سمجھتے ہو

تمہارا فرض ہے کہ اسے دوسروں تک بھی پہنچاؤ۔ اگر اس میں کوتاہی کرو گے تو خدا کے آگے جواب دہ ہو گے۔ لیکن ساتھ ہی یاد رکھو۔ کہ فرض تذکیر وتبلیغ کا ہے توکیل واجبار کا نہیں اور جواب دہی اسی میں ہے کہ تبلیغ کی یا نہیں کی۔ اس میں نہیں کہ دوسروں نے مانا یا نہیں مانا۔ قرآن نے ایک طرف تذکیر ودعوت پر زور دیا تاکہ حق کی طلب وقیام کی روح افسردہ نہ ہو جائے۔ دوسری طرف انسان کی شخصی آزادی بھی محفوظ کر دی کہ جبر وتشدد بے جا مداخلت نہ کر سکے۔ حد بندی کا یہی خط ہے جو یہاں صحت واعتدال کی حالت قائم رکھتا ہے۔ (ترجمان)

لطائف آیات: .... آیت لما امنوا الخ سے معلوم ہوا کہ مرید پر فیض ممکن ہے جس کی اطلاع شیخ کو بھی نہ ہو اگرچہ برکت شیخ ہی کی ہوگی۔ جیسے حضرت یونس علیہ السلام کو قوم کے ایمان قبول ہونے کی اطلاع نہیں ہوئی۔ حالانکہ تھی ان ہی کی برکت۔ آیت افانت تکرہ الناس الخ سے معلوم ہوا کہ تبلیغ کے بعد کسی کے درپے نہیں ہونا چاہیے۔ آیت قل انظروا الخ سے معلوم ہوا کہ حق کے لئے خلق پر نظر کرنا نظر الی الحق کے منافی نہیں ہے۔

سُوْرَۃُ هُوْدٍ

سُوْرَۃُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ اِلَّا اَقِمِ الصَّلٰوۃَ الْاٰيَةُ اَوْ اِلَّا فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ الْاٰيَةُ وَاُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ

بِهٖ الْاٰيَةُ مَائَةٌ وَثِنْتَانِ اَوْ ثَلٰثٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ **الٓرٰ** اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ هٰذَا **كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ** بِعَجِيْبِ النَّظْمِ وَبَدِيْعِ الْمَعَانِىْ **ثُمَّ فُصِّلَتْ** بُيِّنَتْ بِالْاَحْكَامِ وَالْقَصَصِ وَالْمَوَاعِظِ **مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ** ﴿۱﴾ اَىِ اللّٰهِ اَىْ بِاَنْ **لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنَّنِىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ** بِالْعَذَابِ اِنْ كَفَرْتُمْ **وَّبَشِيْرٌ** ﴿۲﴾ بِالثَّوَابِ اِنْ اٰمَنْتُمْ **وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ** مِنَ الشِّرْكِ **ثُمَّ تُوْبُوْٓا** اِرْجِعُوْا **اِلَيْهِ** بِالطَّاعَةِ **يُمَتِّعْكُمْ** فِى الدُّنْيَا **مَّتَاعًا حَسَنًا** بِطِيْبِ عَيْشٍ وَسَعَةِ رِزْقٍ **اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى** هُوَ الْمَوْتُ **وَّيُؤْتِ** فِى الْاٰخِرَةِ **كُلَّ ذِىْ فَضْلٍ** فِى الْعَمَلِ **فَضْلَهٗ** جَزَاءَهٗ **وَاِنْ تَوَلَّوْا** فِيْهِ حُذِفَ اِحْدَى التَّائَيْنِ اَىْ تُعْرِضُوْا **فَاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ** ﴿۳﴾ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۴﴾ وَمِنْهُ الثَّوَابُ وَالْعَذَابُ وَنَزَلَ كَمَا رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ فِيْمَنْ كَانَ يَسْتَحْيِىْ اَنْ يَّتَخَلّٰى اَوْ يُجَامِعَ فَيُفْضِىَ اِلَى السَّمَاءِ وَقِيْلَ فِى الْمُنَافِقِيْنَ **اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ** اَىِ اللّٰهِ **اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ** يَتَغَطَّوْنَ بِهَا **يَعْلَمُ** تَعَالٰى **مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ** فَلَا يُغْنِىْ اِسْتِخْفَاؤُهُمْ **اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** ﴿۵﴾ اَىْ بِمَا فِى الْقُلُوْبِ

ترجمہ: ....سورۂ ہود مکی ہے بجز آیت وان اقم وجهک الخ یا آیت فلعلک اور آیت واولئک یؤمنون به کے اس میں کل ایک سو بائیس یا ایک سو تئیس آیتیں ہیں۔ بسم الله الرحمن الرحیم. الف. لام. را (ان لفظوں کی حقیقی مراد تو اللہ کو معلوم ہے) یہ کتاب ہے جس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں (نظم عجیب اور بہترین معانی کے ساتھ) پھر کھول کھول کر واضح کر دی گئی ہیں (احکام اور واقعات اور نصائح بیان کئے گئے ہیں) ایک حکیم باخبر ہستی (اللہ) کی طرف سے ہے۔ یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ یقین کرو کہ میں اسی کی طرف سے تمہیں خبردار کرنے والا (عذاب سے کفر کرنے کی صورت میں) اور خوشخبری دینے والا ہوں (ثواب کی ایمان لانے کی صورت میں) اور یہ کہ اپنے پروردگار سے معافی کے طلبگار رہو (شرک سے) بھی اس کی طرف (اطاعت کر کے) متوجہ

ہو جاؤ (رجوع کرو) تمہیں (دنیا میں) زندگی کے فوائد سے بہت اچھی طرح بہرہ مند کرے گا (خوش عیشی اور رزق کی کشادگی کے ساتھ) ایک مقررہ وقت (مرنے) تک اور عطا فرمائے گا (آخرت میں) ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب (جزاء) لیکن اگر تم نے روگردانی کی (دو تاء میں سے ایک تاء حذف ہو رہی ہے یعنی اگر تم نے اعراض کیا) تو میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایک بڑا دن نمودار نہ ہو جائے (قیامت کا دن) تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اس کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں (اسی میں عذاب وثواب بھی داخل ہے بخاریؒ نے ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ اگلی آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بیت الخلاء جانے کے وقت یا جماع کرتے ہوئے آسمان کا سامنا ہونے سے شرماتے تھے اور بعض کی رائے ہے۔ کہ منافقین کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی) یاد رکھو وہ لوگ دوہرا کئے دیتے ہیں اپنے سینوں کو تا کہ اپنی باتیں اللہ سے چھپا سکیں۔ یاد رکھو کہ وہ لوگ جس وقت کپڑے لپیٹتے ہیں (ڈھانپتے ہیں) وہ اس وقت بھی سب کچھ جانتا ہے جو کچھ چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر باتیں کرتے ہیں (لہٰذا چھپنا ان کے لئے فائدہ مند نہیں ہے) وہ تو سینوں کے اندر کا بھید جاننے والا ہے (یعنی دلوں کے اندر کی باتیں)۔

تحقیق وترکیب: .... سورۃ مبتداء ہے اور مکیۃ خبر اول اور مائۃ خبر ثانی ہے۔ **اقم الصلوٰۃ** واؤ چھوٹ گیا ہے۔ **واقم الصلوٰۃ** ہے یہ قول ابن عباسؓ کا ہے دوسرا مقاتلؒ کا ہے۔ جس میں دو آیتیں ہیں ایک **فلعلك** الخ دوسرے **اولئك** الخ **ھذا کتاب** اشارہ کر دیا مبتداء محذوف کی طرف۔ **ثم فصلت** لفظ ثم محض اخبار کے لئے ہے جیسے کہا جائے۔ **فلان کریم الاصل ثم کریم الفصل** یعنی قرآن کریم محکم اور مفصل ہے اور یا ثم ترتیب زمان کے لئے ہو یعنی اولاً تو اللہ نے تمام قرآن کو محکم بنا دیا پھر مواقع اور ضرورتوں کا لحاظ کر کے تفصیل وار اتار دیا۔

ان لا تعبدوا تقدیر باء سے اشارہ کر دیا ان مصدریہ ہونے کی طرف۔ **منہ نذیر** ضمیر اگر اللہ کی طرف راجع ہو تو کسی کے متعلق ہو کر صفت ہوگی لیکن اس پر صفت کی تقدیم کا اشکال لازم آئے گا تو حال سے توجیہ کر لی جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ضمیر کا مرجع کتاب کو قرار دیا جائے یعنی کتاب اللہ کی مخالفت سے ڈرانے والے ہیں۔ **ثم توبوا** اس سے معلوم ہوا کہ استغفار اور توبہ الگ الگ دو چیزیں ہیں۔ **کل ذی فضل** یہ مفعول ہے اور **فضلہ** مفعول ثانی ہے۔ **یؤتی** کا اور **فضلہ** کا ضمیر یا اللہ کی طرف ہے اور یا لفظ کل کی طرف راجع ہے۔ **یثنون** بمعنی **یخفون ثنیت الثوب** کہتے ہیں جب کہ کپڑے میں پوشیدہ چیزیں لپیٹ دی جائیں۔

ربط آیات: .... سورۂ یونس میں تو الوہیت اور حقانیت قرآن ورسول اور کفر کا بطلان اور اس پر وعید کا بیان ہوا تھا اور اس سورۂ ہود میں کفار کا ہلاک ہونا اور مؤمنین کا نجات پانا اور دونوں کے لئے وعد ووعید کا ذکر ہے۔ یہ تو ہوئی دونوں سورتوں کے درمیان باہمی مناسبت۔ لیکن خود اس سورت کے مضامین کا حاصل یہ ہے کہ پہلے رسالت وتوحید کا بیان اور ایمان لانے پر دونوں جہاں کی بھلائی کا وعدہ اور نہ لانے پر وعید ہے اور اسی مناسبت سے پھر قیامت کا ذکر اور عذاب نازل ہونے میں دیری سے کفار کا اشتباہ۔ اس کے بعد انکار رسالت سے آپ کا دل تنگ ہونا اور اس پر تسلی۔ پھر قرآن پر شبہ کا جواب اور کفار کے استخفاف عذاب کے شبہ کا جواب۔ پھر مسلمانوں کی فضیلت اور کفار کی بدانجامی اور ان دونوں میں فرق کی مثال۔ پھر ان مضامین کی تائید کے لئے چند واقعات اور ان پر تفریعات بیان کی گئی ہیں۔ پھر قیامت کی جزاء وسزا اور وعید میں سب مشرکین کا شریک ہونا۔ پھر آپ کی تسلی کے لئے مخالفت انبیاء کا ذکر اور عذاب میں دیر ہونے کی حکمت۔ پھر اپنے وقت پر عذاب کا آنا اور مسلمانوں کو کفار سے کنارہ کشی اختیار کر کے اپنے کاموں میں لگے رہنے کا مشورہ۔

استقامت دین۔ ترک موالات کفار۔ صبر ونماز کی اقامت کا بیان اور عبرت کے لئے پچھلی امتوں کا اجمالی حال اور عذاب کا ظاہری سبب جرائم کو اور حقیقی سبب مشیت الٰہی کو قرار دینا۔ پھر گذشتہ واقعات بیان کرنے کی حکمت اور اخیر میں کفار سے یہ کہہ کر بات ختم کردینے کی تعلیم کہ اگر نہیں مانتے تو جس حال میں چاہو رہو نتیجہ خود دیکھ لو گے اور پھر اللہ کا عالم الغیب اور سب کاموں کا مرجع ہونا بتلا دیا اور یہ کہ وہ سب کے کاموں سے باخبر ہے۔ اور اسی ذیل میں عبادت وتوکل کا حکم ہے۔ غرضیکہ نہایت ترتیب وتہذیب کے ساتھ یہ سب مضامین مذکور ہیں۔ سب سے پہلے قرآن کا اللہ کی طرف سے نازل ہونا اور توحید پر مشتمل ہونا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کا نذیر وبشیر ہونا توبہ واستغفار یعنی ایمان کا حکم اور اس پر بشارت مذکور ہے۔

فضائل سورت وشان نزول: .... ابی بن کعبؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا سورۂ ہود کو جو شخص پڑھے گا اس کو ان لوگوں کی تعداد سے دس گونہ ثواب ملے گا۔ جنہوں نے حضرت نوح، ہود، شعیب، صالح، لوط، ابراہیم علیہم السلام کی تصدیق یا تکذیب کی ہوگی۔ یا ارشاد نبویؐ ہے۔ شیبتنی ھود سورۂ ہود نے مجھے بوڑھا بنا دیا ہے۔ مفسر علامؒ نے آیت الا انھم یثنون الخ کے دو شان نزول بیان کئے ہیں۔ ایک تو بعض مسلمانوں کو غلبۂ حیاء اور استحضار تام کی وجہ سے قضاء حاجت اور جماع وغیرہ میں رکاوٹ پیش آرہی تھی اور مغلوب الحال ہو رہے تھے۔ اس لئے آیت میں اعتدال کی تعلیم دی جارہی ہے۔ دوسرے یہ کہ بعض منافقین کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ ایک شخص مکان کی کوٹھڑی میں گھسا اور سامنے پردہ بھی ڈال لیا اور اپنے اوپر کپڑا ڈال کر کمر کو بھی دوہرا کرلیا اور کہنے لگا کہ کیا اب بھی خدا کو میرے دل کا حال معلوم ہوسکتا ہے؟ لیکن اس دوسرے شان نزول پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ سورت تو مکی ہے اس وقت منافقین کہاں تھے؟ جس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اخنس نامی منافق مکہ میں رہتا تھا۔

﴿تشریح﴾: .... **مختلف قوموں کا تاریخی ذکر:** .... سورۂ ہود مکی ہے اور اگرچہ اس میں خطاب عام منکرین کو ہو رہا ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ مشرکین مخاطب ہیں۔ قرآن نے پچھلی قوموں اور دعوتوں کا جا بجا ذکر کیا ہے اور ہر جگہ مناسب مقام ایک خاص نصیحت واستدلال ذکر کئے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ سورت بھی ہے جس میں حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پچھلی دعوتوں کی سرگذشتیں بیان کی گئی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب بیان تاریخی ہے۔ یعنی جس دعوت کا ذکر جس دعوت کے بعد کیا گیا ہے۔ وہی اس کی تاریخی جگہ ہے۔ اس نصیحت میں سورۂ اعراف کے بعد سب سے بڑی سورت یہی ہے۔ اسمیں سب سے پہلے ان باتوں کا اعلان کیا جارہا ہے۔ جو اول دن سے تمام دعوتوں کا عالمگیر اعلان رہا ہے۔ یعنی اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور میں اس کی طرف سے مامور ہوں۔ تاکہ انکار وسرکشی کے نتائج سے خبردار کردوں اور ایمان ونیک عملی کی کامرانیوں کی خوشخبری سنادوں۔ اس لئے سرکشی سے باز آجاؤ اور توبہ واستغفار کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ تم عذاب الٰہی میں کہیں گرفتار نہ ہوجاؤ۔ کیونکہ سب کے اعمال کا ذرہ ذرہ اللہ کے سامنے ہے۔ اس کے علم سے جب ایک چیونٹی کا سوراخ بھی پوشیدہ نہیں۔ تو انسان کے افکار واعمال کیونکر پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔

قرآن کریم کی باریکیاں: .... غور کرو قرآن کے ایک ایک لفظ میں کیسی دقیق مناسبتیں پوشیدہ ہوتی ہیں سورت کی تمام تر نصیحت کا مرکزی نقطۂ جزاء کا معاملہ ہے۔ اس لئے پہلی آیت میں قرآن کریم کے صرف اسی وصف ''احکمت ایاته'' کو بیان کیا گیا ہے۔ یعنی کوئی بات اس کی ایسی نہیں جو کمزور یا کچی نکلے۔ بلکہ سب مضبوط ہیں۔ اور چونکہ یہ حکیم وخبیر کی طرف سے ہے۔ اس لئے حکیم

ہونے کے تقاضہ سے ضروری ہے۔ کہ جزائے عمل کا قانون ظہور میں آئے اور خبیر ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی عمل اس سے چھپا ہوا نہیں رہنا چاہیئے۔ اور جزائے عمل کا نفاذ ٹھیک ٹھیک ہو۔ لوگ اپنے سینوں کے بھید چھپاتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ اس کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔

لطائف آیات: .... آیت ثم توبوا الخ سے مراد حیات طیبہ ہے۔ جو ایسے شخص کے ساتھ مخصوص ہے جن میں ایمان اور نیک عمل پایا جاتا ہو۔ اور روح المعانی میں ہے کہ اس سے امن وراحت کی زندگی مراد ہے اور چونکہ امن سے مراد غیر اللہ سے امن ہے اور راحت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر نظر رکھے اور اس کا قرب حاصل کرنے سے خوش عیش ہو اس لئے یہ بات حدیث الدنیا سجن المؤمن اور حدیث ای الناس اشد بلاء قال الانبیاء ثم الا مثل فالامثل کے منافی نہیں ہوگی۔ کیونکہ ایسا شخص مشقت اور تکلیف کو راحت سمجھتا ہے۔

(الحمدللہ گیارہویں پارے کا ترجمہ وشرح وغیرہ تمام ہوئی)

﴿پارہ نمبر۱۲﴾

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ

وَمَامِنْ دَآبَّةٍ

وَمَا مِنْ زَائِدَةٌ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ هِىَ مَادَبَّ عَلَيْهَا اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا تَكَفَّلَ بِهٖ فَضْلًا مِّنْهُ وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا مَسْكَنَهَا فِى الدُّنْيَا اَوِ الصُّلْبِ وَمُسْتَوْدَعَهَا بَعْدَ الْمَوْتِ اَوْ فِى الرَّحِمِ كُلٌّ مِمَّا ذُكِرَ فِىْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦﴾ بَيِّنٍ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ اَوَّلُهَا الْاَحَدُ وَاٰخِرُهَا الْجُمُعَةُ وَّكَانَ عَرْشُهٗ قَبْلَ خَلْقِهِمَا عَلَى الْمَآءِ وَهُوَ عَلٰى مَتْنِ الرِّيْحِ لِيَبْلُوَكُمْ مُتَعَلِّقٌ بِخَلْقِ اَىْ خَلَقَهُمَا وَمَا فِيْهِمَا مَنَافِعُ لَكُمْ وَمَصَالِحُ لِيَخْتَبِرَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا اَىْ اَطْوَعُ لِلّٰهِ وَلَئِنْ قُلْتَ يَا مُحَمَّدُ لَهُمْ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ مَا هٰذَآ الْقُرْاٰنُ النَّاطِقُ بِالْبَعْثِ اَوِ الَّذِىْ تَقُوْلُهٗ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧﴾ بَيِّنٌ وَفِىْ قِرَاءَةٍ سَاحِرٌ وَالْمُشَارُ اِلَيْهِ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى مَجِىْءِ اُمَّةٍ جَمَاعَةٍ اَوْقَاتٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ اسْتِهْزَاءً مَايَحْبِسُهٗ يَمْنَعُهٗ مِنَ النُّزُوْلِ قَالَ تَعَالٰى اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا مَدْفُوْعًا عَنْهُمْ وَحَاقَ نَزَلَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٨﴾ مِنَ الْعَذَابِ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ الْكَافِرَ مِنَّا رَحْمَةً غِنًى وَصِحَّةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ كَفُوْرٌ ﴿٩﴾ شَدِيْدُ الْكُفْرِ بِهٖ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ فَقْرٍ وَشِدَّةٍ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ الْمَصَائِبُ عَنِّىْ وَلَمْ يَتَوَقَّعْ زَوَالَهَا وَلَا يَشْكُرُ عَلَيْهَا اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَرِحٌ بَطِرٌ فَخُوْرٌ ﴿١٠﴾ عَلَى النَّاسِ بِمَا اُوْتِىَ اِلَّا لٰكِنِ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا عَلَى الضَّرَّآءِ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِى النَّعْمَاءِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿١١﴾ هُوَ الْجَنَّةُ فَلَعَلَّكَ يَامُحَمَّدُ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ فَلَا تُبَلِّغُهُمْ اِيَّاهُ لِتَهَاوُنِهِمْ بِهٖ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ بِتِلَاوَتِهٖ عَلَيْهِمْ لِاَجْلِ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ هَلَّا اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ يُصَدِّقُهٗ كَمَا اقْتَرَحْنَا اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ فَلَا عَلَيْكَ

إِلَّا الْبَلَاغُ لَا الْإِتْيَانُ بِمَا اقْتَرَحُوْهُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۲﴾ حَفِيْظٌ فَيُجَازِيْهِمْ أَمْ بَلْ يَقُوْلُوْنَ
افْتَرٰىهُ الْقُرْاٰنَ قُلْ فَأْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ فِي الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ مُفْتَرَيٰتٍ فَإِنَّكُمْ عَرَبِيُّوْنَ فُصَحَاءُ مِثْلِيْ
تَحَدَّاهُمْ بِهَا أَوَّلًا ثُمَّ بِسُوْرَةٍ وَّادْعُوْا لِلْمُعَاوَنَةِ عَلٰى ذٰلِكَ مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَيْ غَيْرِهٖ إِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فِيْ أَنَّهُ افْتَرَاهُ فَإِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ أَيْ مَنْ دَعَوْتُمُوْهُمْ لِلْمُعَاوَنَةِ فَاعْلَمُوْٓا خِطَابٌ
لِلْمُشْرِكِيْنَ أَنَّمَآ أُنْزِلَ مُتَلَبِّسًا بِعِلْمِ اللّٰهِ وَلَيْسَ افْتِرَاءً عَلَيْهِ وَأَنْ مُخَفَّفَةٌ أَيْ أَنَّهُ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَهَلْ أَنْتُمْ
مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ بَعْدَ هٰذِهِ الْحُجَّةِ الْقَاطِعَةِ أَيْ أَسْلِمُوْا مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا بِأَنْ أَصَرَّ
عَلَى الشِّرْكِ وَقِيْلَ هِيَ الْمُرَائِيْنَ نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ أَيْ جَزَاءَ مَا عَمِلُوْهُ مِنْ خَيْرٍ كَصَدَقَةٍ وَصِلَةِ رَحِمٍ
فِيْهَا بِأَنْ نُّوَسِّعَ عَلَيْهِمْ رِزْقَهُمْ وَهُمْ فِيْهَا أَيِ الدُّنْيَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ يُنْقَصُوْنَ شَيْئًا أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ بَطَلَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا أَيِ الْاٰخِرَةِ فَلَا ثَوَابَ لَهُمْ وَبٰطِلٌ مَّا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ أَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ بَيَانٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوِ الْمُؤْمِنُوْنَ
وَهِيَ الْقُرْاٰنُ وَيَتْلُوْهُ يَتْبَعُهُ شَاهِدٌ يُصَدِّقُهُ مِّنْهُ أَيْ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ جِبْرَئِيْلُ وَمِنْ قَبْلِهٖ أَيِ الْقُرْاٰنِ كِتٰبُ
مُوْسٰى التَّوْرٰةُ شَاهِدٌ لَهٗ أَيْضًا إِمَامًا وَّرَحْمَةً حَالٌ كَمَنْ لَيْسَ كَذٰلِكَ أُولٰٓئِكَ أَيْ مَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ
يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ أَيْ بِالْقُرْاٰنِ فَلَهُمُ الْجَنَّةُ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْأَحْزَابِ جَمِيْعِ الْكُفَّارِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ فَلَا
تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ شَكٍّ مِّنْهُ مِنَ الْقُرْاٰنِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ أَيْ أَهْلِ مَكَّةَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَمَنْ أَيْ لَا أَحَدَ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا بِنِسْبَةِ الشَّرِيْكِ وَالْوَلَدِ إِلَيْهِ أُولٰٓئِكَ
يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْ جُمْلَةِ الْخَلْقِ وَيَقُوْلُ الْأَشْهَادُ جَمْعُ شَاهِدٍ وَهُمُ الْمَلَائِكَةُ
يَشْهَدُوْنَ لِلرُّسُلِ بِالْبَلَاغِ وَعَلَى الْكُفَّارِ بِالتَّكْذِيْبِ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ الْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دِيْنِ الْإِسْلَامِ وَيَبْغُوْنَهَا يَطْلُبُوْنَ السَّبِيْلَ
عِوَجًا مُعْوَجَّةً وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ تَأْكِيْدٌ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ أُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ اللّٰهَ فِي
الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَيْ غَيْرِهٖ مِنْ أَوْلِيَآءَ أَنْصَارٍ يَمْنَعُوْنَهُمْ عَذَابَهٗ يُضٰعَفُ لَهُمُ
الْعَذَابُ بِإِضْلَالِهِمْ غَيْرَهُمْ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ لِلْحَقِّ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ أَيْ لِفَرْطِ
كَرَاهَتِهِمْ لَهٗ كَأَنَّهُمْ لَمْ يَسْتَطِيْعُوْا ذٰلِكَ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا أَنْفُسَهُمْ لِمَصِيْرِهِمْ إِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ
عَلَيْهِمْ وَضَلَّ غَابَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ عَلَى اللّٰهِ مِنْ دَعْوَى الشِّرْكِ لَا جَرَمَ حَقًّا أَنَّهُمْ فِي

الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا سَكَنُوا وَاطْمَأَنُّوْا وَاَنَابُوْا اِلٰى رَبِّهِمْ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ صِفَةُ الْفَرِيْقَيْنِ الْكُفَّارِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ هٰذَا مَثَلُ الْكَافِرِ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ هٰذَا مَثَلُ الْمُؤْمِنِ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا لَا اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الذَّالِ تَتَعَظُوْنَ

ع۲

ترجمہ: .... اور زمین پر چلنے والا کوئی جانور (مـــا زائد ہے اور دابۃ سے مراد زمین پر چلنے والی ہر چیز ہے) نہیں ہے جس کی روزی

کا انتظام اللہ پر نہ ہو (جو اللہ نے محض اپنے فضل سے اپنے ذمہ لے لیا ہے) اور وہ نہ جانتا ہو کہ اس کا ٹھکانا کہاں ہے (دنیا میں رہنے کی جگہ۔ یا باپ کی کمر میں ٹھہرنا) اور وہ جگہ کہاں ہے جہاں بالآخر اس کا وجود سونپ دیا جائے گا (مرنے کے بعد یا رحم مادر کی قرارگاہ) یہ سب (ذکر) واضح کتاب میں درج ہے (مراد لوح محفوظ ہے) اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا (جس کی ابتداء اتوار کو اور ختم جمعہ کو ہوا) اور اس کے تخت کی فرمانروائی (آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے) پانی پر تھی۔ (اور پانی ہوا پر تھا) تاکہ تمہاری آزمائش کرے (اس کا تعلق خـلـق کے ساتھ ہے یعنی آسمان وزمین اور ان میں آباد مخلوق کو تمہارے منافع اور مصالح کی خاطر پیدا کیا ہے تاکہ تمہارا امتحان کیا جائے) کہ تم میں کون اچھے عمل کرنے والا ہے (اللہ کا زیادہ سے زیادہ فرمانبردار) اور اگر آپ (اے محمد ﷺ) ان لوگوں سے کہو کہ تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے۔ تو جو لوگ منکر ہیں وہ ضرور بول اٹھیں گے کہ یہ (قرآن جس سے قیامت کا ہونا معلوم ہوتا ہے یا وہ بات جو تم کہہ رہے ہو) تو صریح جادو کی سی باتیں ہیں (اور ایک قرأت میں لفظ سـاحـر ہے جس سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں) اور اگر ان پر عذاب نازل کرنا ہم ملتوی کر دیتے تھوڑے دنوں (کے آنے) تک تو یہ کہنے لگتے (بطور تمسخر کے) کون چیز اس عذاب کو روک رہی ہے؟ عذاب آنے میں کیا رکاوٹ ہے (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) سو سن رکھو جس دن ان پر عذاب آئے گا تو پھر کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گا (ہٹے گا) اور جس بات (عذاب) کی یہ ہنسی اڑایا کرتے تھے۔ وہی انہیں آ لگی (آ دبایا) اور اگر انسان (کافر) کو اپنی رحمت (خوشحالی، تندرستی) کا مزہ چکھا دیں اور پھر اس سے چھین لیں تو یک قلم وہ مایوس (اللہ کی رحمت سے ناامید) اور ناشکرا (انتہائی کفر کرنے والا) ہو جاتا ہے اور اگر اسے کسی تکلیف (تنگدستی اور سختی) کے بعد جو اس پر واقع ہوئی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھا دیں تو پھر کہنے لگتا ہے کہ میرا سب دکھ درد (دلدر) دور ہو گیا (حالانکہ اس کے دور ہونے کی اسے توقع نہیں تھی۔ نہ اس نے اس پر شکر ادا کیا) وہ اترانے (شیخی بگھارنے) لگتا ہے اور ڈینگیں مارنے لگتا ہے (لوگوں کے سامنے اپنی خوشحالی پر) مگر ہاں! جو لوگ مستقل مزاج (مصیبتوں پر صبر کرنے والے) ہیں اور نیک کام کرتے ہیں (اچھی حالت میں بھی) ایسے ہی لوگ ہیں جن کیلئے بخشش اور بڑا اجر (جنت) ہے پھر کیا (اے محمد ﷺ!) آپ ان احکام میں سے جو آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجے جاتے ہیں بعض کو چھوڑ دینا چاہتے ہیں (سستی کی وجہ سے ان کی تبلیغ نہیں کرنا چاہتے) اور آپ کا دل اس بات سے تنگ ہوتا ہے (ان کے سامنے قرآن تلاوت کرنے کی وجہ سے کیونکہ) وہ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل ہوا۔ یا ان کے ہمراہ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا (جو ان کی تصدیق کرتا جیسا کہ ہماری فرمائش بھی تھی) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں (بجز تبلیغ کے آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ ان کی فرمائشیں پوری کرنا آپ کے ذمہ نہیں) اور ہر چیز پر اللہ ہی نگہبان ہے (نگران کار ہے لہٰذا وہی انہیں بدلہ دے گا) پھر کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے یہ

(قرآن) اپنے جی سے گھڑ لیا ہے؟ آپ جواب دیجئے تم بھی دس سورتیں (فصاحت و بلاغت میں) اس جیسی گھڑی ہوئی لے آؤ (کیونکہ میری طرح تم بھی تو فصیح عرب ہو۔ پہلے پورے قرآن کا چیلنج دیا گیا۔ پھر صرف ایک سورت پر اکتفاء کرلیا گیا) اور (اپنی مدد کے لئے) اللہ کے سوا جس کسی کو پکار سکتے ہو پکار لو اگر تم سچے ہو (اس کہنے میں کہ یہ قرآن گھڑا ہوا ہے) پھر (جنہیں تم اپنی مدد کیلئے پکارو) اگر تمہاری پکار کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو (مشرکین سے خطاب ہے) کہ قرآن اللہ ہی کے علم سے (آراستہ ہوکر) اترا ہے (من گھڑت نہیں ہے) اور یہ بات بھی سچی ہے کہ (ان مخففہ ہے اصل عبارت انــه تھی) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اب بتلاؤ کیا پھر اب بھی مسلمان ہوتے ہو؟ (اس قطعی دلیل کے بعد۔ یعنی مسلمان ہوجاؤ) جو کوئی محض دنیا کی زندگی اور اس کی دلفریبیاں ہی چاہتا ہے (شرک پر جمارہتا ہے اور بعض نے ریا کار مراد لئے ہیں) تو اس کی کوشش وعمل کے نتائج ہم پورے پورے بھگتا دیتے ہیں (یعنی ان کے اچھے کاموں کا صلہ دے دیتے ہیں۔ مثلاً انہوں نے اگر صدقہ دیا ہو یا کسی سے صلہ رحمی کی ہو) دنیا ہی میں (اس طرح کہ ان کو روزی میں فراخی دے دیتے ہیں) اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں رہتی (کہ کچھ گھٹا کر دیا جائے) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہ ہوگا اور انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ سب اکارت جائے گا (ناکارہ ثابت ہوگا یعنی آخرت میں انہیں کچھ ثواب نہیں ملے گا) اور جو کچھ وہ کررہے ہیں۔ نیست ونابود ہونے والا ہے۔ پھر دیکھو جو لوگ اپنے پروردگار کی جانب سے ایک روشن دلیل رکھتے ہوں (نبی کریم ﷺ یا مسلمان۔ اور دلیل سے مراد قرآن ہے) اور ایک گواہ یعنی اللہ کی طرف سے (اس کی تصدیق کرنے والا) اس کے ساتھ (اس کے پیچھے) ہو (یعنی جبریل) اور ایک اس (قرآن) سے پہلے موسیٰ کی کتاب (تورات بھی شاہد ہو) پیشوائی کرتی ہوا اور سراپا رحمت آچکی ہو (کیا اس شخص کی حالت اس کے برابر ہوسکتی ہے جو ایسا نہ ہو ہرگز نہیں) یہی لوگ (یعنی جن کے پاس دلیل موجود ہے) ہیں جو قرآن پر ایمان رکھتے ہیں (اس لئے ان کے لئے جنت بھی ہے) اور (کفار کے) مختلف گروہوں میں سے جو قرآن کا انکار کرے گا تو یقین کرو کہ آگ ہی اس کا ٹھکانا ہے جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے۔ پس آپ اس (قرآن کی بابت کسی طرح کے شک میں مت پڑنا۔ بلاشک وشبہ تمہارے پروردگار کی جانب سے وہ سچی کتاب ہے البتہ بہت سے (مکہ کے) آدمی ایمان نہیں لاتے۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے (یعنی کوئی نہیں) جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے (شریک اور اولاد کی نسبت اس کی طرف کرکے) جو ایسا کررہے ہیں وہ اپنے پروردگار کے حضور پیش کئے جائیں گے (قیامت کے روز۔ سب مخلوق کے ساتھ) اور گواہی دینے والے فرشتے گواہی دیں گے (اشھــاد جمع شــاهــد کی ہے وہ فرشتے جو انبیاء کے حق میں ان کی تبلیغ کی اور کفار کے خلاف ان کی تکذیب کی گواہی دیں گے) کہ یہ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی نسبت جھوٹی باتیں لگائی تھیں۔ سب سن لو کہ ان ظالموں (مشرکوں) پر خدا کی پھٹکار جو اوروں کو بھی اللہ کی راہ (دین اسلام) سے روکتے تھے اور اس میں کجی نکالنے کی تلاش میں رہا کرتے تھے (غلط راستے ڈھونڈتے تھے) اور یہی لوگ آخرت کے بھی (دوسری ضمیر ھــــم تاکید کے لئے ہے) منکر تھے نہ تو یہ لوگ زمین کے تختہ پر (اللہ کو) عاجز کرسکتے تھے۔ اور نہ اللہ کا ان کے سوا کوئی مددگار تھا (کہ جو انہیں عذاب الٰہی سے بچالے) انہیں دوگنا عذاب ہوگا (اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی وجہ سے) یہ لوگ نہ تو (حق بات) سن سکتے تھے اور نہ دیکھ سکتے تھے۔ (یعنی حق سے اس قدر سخت نفرت تھی جس کی وجہ سے سننے اور دیکھنے کی طاقت کا انکار کیا جارہا ہے) یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو برباد کرلیا ہے (کیونکہ ان کا ٹھکانا ابدی آگ ہے) اور زندگی میں جو کچھ (اللہ پر شرک وغیرہ کا دعویٰ کرکے) افتراء پردازیاں کی تھیں وہ سب ان سے کھوئی گئیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی لوگ ہیں کہ آخرت میں سب سے زیادہ تباہ حال ہوں گے۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے اچھے کام کئے اور اپنے پروردگار کی طرف جھکے (سکون واطمینان سے رہے اور اللہ کی طرف رجوع ہوئے) تو ایسے لوگ جنتی ہیں اور ہمیشہ کے لئے جنتی

ہیں۔ان دونوں فریق (کفار اور مؤمنین) کی مثال (حالت) جیسے ایک اندھا بہرا (یہ تو کافر کی مثال ہوئی) اور دوسرا دیکھنے اور سننے والا (یہ مؤمن کی مثال ہے) بھلا بتلاؤ کیا یہ دونوں مثالیں برابر ہوسکتی ہیں؟ (ہرگز نہیں) کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے (دراصل اس میں تـــا کا ادغام ذال میں ہورہا ہے تذکرون بمعنی تتعظون ہے یعنی کیا تم اس سے سبق حاصل نہیں کرتے ؟)۔

تحقیق وترکیب: .... اولھــا الاحــد عالم کی پیدائش سے پہلے جب زمانہ بھی نہیں تھا۔ پھر ان دونوں کی تعیین کیسی ؟ رہا یہ جواب کہ مقدار ایام مراد ہیں تو یہ مطلقا زمانہ کے وجود کا جواب تو ہوسکتا ہے۔ مگر دنوں کی تعیین اس سے نہیں ہوسکتی۔ لیکن چونکہ یہ تعیین حدیث میں آچکی ہے۔ جس کی تخریج ابن جریرؒ نے کی ہے اس لئے قیاس کو دخل نہیں دینا چاہئے کہ دنوں کی تعیین تو بالفعل زمانہ کو چاہتی ہے اور اس وقت زمانہ موجود ہی نہیں تھا۔

وکان عرشه اس سے ثابت ہوا کہ زمین وآسمان کی پیدائش سے پہلے پانی اور عرش کا وجود ہو چکا تھا۔ دوسری آیت وجعلنا من الماء کل شیٔ حی سے بھی پانی کا منبع حیات ہونا معلوم ہوتا ہے۔ باقی پانی خود کیسے بنا۔ سو روایت میں ہے کہ اللہ نے ایک سبز موتی پیدا فرما کر اس پر نظر ڈالی جس کی ہیبت سے وہ پانی پانی ہوگیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا پیدا فرمائی اور اس کے ذریعہ پانی نے قرار پکڑا اور پانی پر عرش اعظم جو اللہ رب العزت کا پایہ تخت ہے ٹھیرایا گیا۔ بعض ہندو فرقے کنول کے پھول کو رام جی کا تخت کہتے ہیں۔ جس کی بیل پانی پر ہوتی ہے۔ ممکن ہے یہی بات کہی گئی ہو اور تعبیر میں ان سے غلطی ہوگئی ہو یا انہیں غلط تعبیر یاد رہ گئی ہو اور ہزاروں لاکھوں سال پرانے مذہب کی نقول میں ایسا ہونا کچھ عجیب نہیں ہے۔ بہرحال عالم کی ابتداء کا حال مشکلات اور مبہمات میں سے ہے۔ ہندو مذہب نے طول طویل مگر لایعنی تفصیلات پیش کی ہیں۔ اسلام نے غیر ضروری ہونے کی وجہ سے نظر انداز کردیا۔ زمین وآسمان کے وجود سے پہلے پانی پر عرش کے ہونے سے معلوم ہوا کہ عرش کا ان دونوں میں حلول نہیں ہے۔

علی متن الریح جیسا کہ ابن عباسؓ سے ثابت ہے لان قلت لام قسمیہ ہے اس لئے لیقولن جواب قسم ہے لیکن جواب شرط محذوف ہے اسی طرح لئن اخرنا الخ اور لئن اذقنا الخ میں چاروں جگہ یہی ترکیب ہوگی۔

نعماء بعد ضراء نعماء کہتے ہیں جس کا اثر صاحب نعمت پر ظاہر ہو اور ضراء جس کا اثر صاحب ضرر پر ظاہر ہو یہی فرق ہے نعمت اور نعماء میں اور ضرار اور ضراء میں۔ لعلك حرف شک ہے۔ لیکن اہل عرب کی عادت ہے کہ جب کسی کو کسی کام سے دور رکھنا ہو تو کہتے ہیں۔ لعلک تقدر ان تفعل کذا یا اپنے بچہ کو کسی کام کے کرنے کو کہنا ہو تو کہا جاتا ہے۔ لعلك تقصر فیما امرتک به اور مقصد تاکید ہوتی ہے کہ یہ کام مت چھوڑنا۔

تحداھم بھا اولا یعنی اولا سورۂ اسراء میں پورے قرآن کے مثل کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذاالقرآن لا یاتون بمثله اس کے بعد دس سورتوں کے مثل لانے کا مطالبہ اس آیت میں کیا جارہا ہے۔ اس کے بعد سورۂ بقرہ میں فاتوا بسورة کا مطالبہ کیا گیا۔ جیسا کہ سورۂ یونس میں بھی گزر چکا ہے۔ پس سورۂ اسراء سب سے پہلے پھر سورۂ ہود ہے پھر سورۂ یونس پھر سورۂ بقرہ اخیر میں نازل ہوئی اور اس سے یہ اشارہ کرنا ہے کہ اگر تم ایک سورت بھی بنالائے تو ہم اسے پورے قرآن کے برابر سمجھیں گے۔ لیکن ہم کہہ دیتے ہیں کہ جس طرح سارا قرآن بنانا تمہارے لئے ناممکن ہے۔ ایک سورت کا بنالانا بھی پورے قرآن کے درجہ میں ناممکن ہے۔

یعلم اللّٰہ یعنی جس طرح اللہ کا علم بے مثل ہے اسی طرح اللہ کا کلام بھی بے نظیر ہے۔ کیونکہ کلام بقدر علم متکلم ہوا کرتا ہے۔
من کان یرید اس آیت میں اہل دنیا کے اوصاف اور اگلی آیت افمن کان الخ میں اہل آخرت کے اوصاف بیان کئے جارہے

ہیں۔ یتلوہ یتلوء سے مشتق ہے تابع ہونے کے معنی میں ہیں۔ شاھد قرآن یا آنحضرت ﷺ یا جبریلؑ مراد ہیں اور بعض نے اعجاز قرآنی مراد لیا ہے۔

کمن لیس کذلک اشارہ ہے افمن کان کے جواب محذوف کی طرف مریۃ بکسر المیم لغت حجاز ہے اور بالضم لغۃ اسد وتمیم ہے۔ مشہور اول ہے۔ ومن اظلم یہاں سے لاجرم الخ تک چودہ اوصاف بیان کئے ہیں لاجرم کے متعلق اختلاف ہے۔ خلیلؒ اور سیبویہؒ کے نزدیک یہ لفظ خمسۃ عشر کی طرح مرکب اسم ہے اور معنی میں حق فعل کے ہے اور اس کا مابعد فاعلیت کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔ اور حقاً مصدر ہے۔ جو اس کے قائم مقام ہے اور بعض کی رائے میں لا نافیہ ہے اور جرم فعل ہے بمعنی حق اور اس کا مابعد فاعل ہے اور بعض کے نزدیک لا زائد ہے اور جرم بمعنی کسب اور فاعل مضمر ہے اور بعض کے نزدیک لارجل کی طرح مرکب ہے اور مابعد خبر ہے اور اس کے معنی لامحالہ اور لابد کے ہیں اور بعض نے اس کو بتقدیر جار مانا ہے اور بعض نے لاضد اور لامنع کے معنی لئے ہیں۔

ربط وآیات: .... آیت وما من دآبۃ سے لے کر وھو الذی الخ تک توحید ثابت کرنے کے لئے علم قدرت کے ساتھ اللہ کی صفت ترزیق، تخلیق اور حکمت تخلیق کا بیان ہے اور چونکہ پچھلی آیت یمتعکم میں ثواب کا وعدہ اور وان تولوا الخ میں وعید کا بیان گزر چکا ہے اور ظاہر ہے۔ کہ یہ دونوں باتیں قیامت میں ہوں گی۔ اس لئے آیت لئن قلت الخ سے آخرت کا مضمون شروع ہوتا ہے اور چونکہ عذاب کی تاخیر سے کفار عذاب ہی کا انکار کرنے لگے تھے۔ اس لئے آیت ولئن اذقنا الخ سے انسان کا ایک خاصہ بیان کرکے اس کی تائید کی جارہی ہے اور ابتداء سورت میں توحید و رسالت کی بحث تھی۔

آیت فلعلک الخ سے بھی رسالت کا مضمون اس ترتیب سے بیان کیا جارہا ہے کہ اول کفار کے استہزاء سے قلب مبارک کے تکدر کو زائل کرکے تسلی دی جارہی ہے۔ پھر قرآن سے متعلق کفار کے شبہ کا جواب اور قرآن کی حقانیت ہے۔ اسی کے ساتھ توحید کا بیان ہے جو رسالت کا مقصد عظیم ہے اور بعض آیات میں چونکہ توحید و رسالت، قرآن اور قیامت کے منکرین کی وعید کا ذکر تھا۔ ممکن ہے وہ اپنی مہمانداری یا صلہ رحمی جیسی بعض نیکیوں کو یاد کرکے یہ کہیں کہ قیامت اگر کوئی چیز ہے تو ہمیں ان خوبیوں پر ثواب ملنا چاہیئے نہ کہ عذاب۔ اس لئے آیت من کان الخ سے اس پندار کو بے بنیاد بتلایا جارہا ہے اور کفار کے اس تذکرہ کے بعد آیت افمن کان سے قرآن کی تصدیق کرنے والے مؤمنین کا ذکر خیر اور جو قرآن کی حقانیت پر استدلال اور منکرین کے لئے وعید مذکور ہے اور قرآن کی تصدیق وتکذیب کرنے والوں کی حالت یکساں نہ ہونے کو بیان کرکے آیت ومن اظلم الخ میں دونوں کی جزاء کے یکساں نہ ہونا مع مثال بیان کیا جارہا ہے۔

شان نزول: .... آیت من کان یرید الحیوۃ الخ کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ بعض نے یہود ونصاریٰ کو مانا ہے اور بعض نے ان منافقین کو جو رسول اللہ ﷺ سے مال غنیمت مانگتے تھے اور بعض نے ریاکار مسلمانوں کے بارے میں آیت کو مانا ہے۔ لیکن الفاظ کے اعتبار سے صحیح عموم ہی ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **علم الٰہی سے کوئی چیز بھی باہر نہیں:** .... مستقر اور مستودع کی یہ تفسیر مشہور ہے اگرچہ تمام جانوروں کو شامل نہیں ہے تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب مستقر اور مستودع میں رہنے والی مستور چیزیں علم الٰہی سے باہر نہیں تو جو چیزیں مستقر اور مستودع نہیں وہ ظاہر و باہر ہونے کی وجہ سے بدرجہ اولیٰ احاطۂ علم الٰہی میں داخل ہوں گی۔ پس اس اعتبار سے علمی تعلق کا عموم کلام کا مدلول ہوگیا۔

دابة سے مراد وہ جاندار ہیں جنہوں نے کچھ کھایا پیا ہو۔ اس لئے اب یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ بہت سے جاندار تو بغیر کھائے پیے مرجاتے ہیں۔ پس ان کو کہاں رزق پہنچتا ہے؟ اور خوش عیشی سے مراد حیات طیبہ ہے اور یؤت کل ذی فضل فضله کے لئے ایمان اس لئے ضروری ہے کہ ایمان کے بغیر اعمال معتبر نہیں ہوتے۔

آیت ولئن اذقنا الخ کا حاصل یہ ہے کہ جب دنیا میں واقع ہونے والے نقصان کے اثر کو زائل ہونے کے بعد بھول جاتے ہیں۔ حالانکہ اس نقصان کے پھر لوٹنے کا احتمال رہتا ہے تو قیامت تو ابھی واقع بھی نہیں ہوئی۔ اس کا انکار تو اور بھی باعث تعجب نہیں ہونا چاہیئے۔ اسی طرح نعمت چھننے کے بعد دوبارہ حاصل ہونے سے مایوسی اور ناامیدی ہوجاتی ہے۔ غرضیکہ واقع فی الحال کے عدم زوال کا یقین اور واقع فی المآل کا عدم احتمال ان میں رہتا ہے۔

قرآن کے چیلنج میں تدریج: .... سورۂ یونس اور سورۂ بقرہ دونوں میں مثله کا لفظ آیا ہے۔ سورۂ بقرہ چونکہ مدنی ہے اور سورۂ ہود مکی۔ اس لئے تحدی میں یہ ترتیب مناسب ہے کہ پہلے سورۂ ہود میں دس سورتوں کا مطالبہ کیا گیا ہوگا وہ پورا نہیں ہوسکا۔ تو ایک سورت کا مطالبہ کیا گیا ہے اور بقول اتقان سورۂ یونس اگر مدنی ہو تو اس کی توجیہ بھی یہی ہوگی۔ لیکن اگر سورۂ یونس مکی ہو اور سورۂ ہود سے پہلے ہی ہو جیسا کہ اتقان کے دوسرے قول سے معلوم ہوتا ہے تو پھر اس کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ مکہ معظمہ میں فی نفسہٖ معجزہ ہونے کے اعتبار سے تو ایک سورت کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ لیکن ان کے دعویٰ قدرت "لو نشاء لقلنا مثل هذا" کے لحاظ سے دس سورتوں کا مطالبہ کیا ہے۔

جیسے سب کفار کی نیت صرف دنیا ہی کمانا نہیں ہوتی ایسے ہی سب مسلمانوں کی نیت میں خالص آخرت نہیں ہوتی: .... آیت ومن کان یرید الخ میں صرف ان کافروں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ جن کی نیت بجز دنیا کے اور کچھ نہیں ہوتی۔ تمام کفار کا حال بیان نہیں کیا گیا۔ اس لئے اب یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ بعض کفار کا حال تو ایسا نہیں ہوتا۔ چنانچہ بعض مسلمانوں کی نیت بھی بجز دنیا کے اور کچھ نہیں ہوتی۔ اسی لئے بعض مفسرینؒ نے آیت کو عام کہا ہے۔ لیکن لیس لهم فی الاخرة الا النار کے قرینہ سے کفار کے ساتھ خاص کرنا اولیٰ ہے۔ اگرچہ ان الفاظ میں بھی یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ لیس لهم علی هذه الاعمال الا النار تاہم یہ تاویل ذرا بعید ہوگی اور یوں بھی ان میں معافی کا احتمال موجود ہے اور ریاکار مسلمانوں کے لئے اور احادیث بھی موجود ہیں۔ اسی طرح جن کفار کی نیت آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی .... ہوتی ہے ان کا حکم دوسری جگہ سے معلوم ہوسکتا ہے۔ جن میں اعمال کی قبولیت کے لئے ایمان کا شرط ہونا معلوم ہورہا ہے۔

آیت سے دو حکم اور ان پر شبہات مع جوابات: .... اور آیت سے بظاہر دو حکم معلوم ہورہے ہیں۔ ایک یہ کہ دنیا میں ایسے لوگوں کو سزا ضرور ملتی ہے۔ اس پر تو یہ شبہ ہے کہ بعض دفعہ دنیا میں کچھ بھی سزا نہیں ملتی اور دوسرا حکم یہ معلوم ہورہا ہے کہ ایسے لوگوں کو آخرت میں کچھ نفع نہیں ہوگا۔ اس پر یہ شبہ ہے کہ بعض روایات سے آخرت کے عذاب کی تخفیف کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ پہلے شبہ کا جواب تو یہ ہے کہ اچھے برے کاموں کے اثرات مختلف ہوتے ہیں دونوں کے مجموعہ کے اعتبار سے جو عذاب ہوگا۔ اسی کا اثر مرتب ہوجائے گا اور یہ خصوصیات علم الٰہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ہمارے علم میں منضبط نہیں۔

اور دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ روایات تخفیف کا مطلب یہ ہے کہ بعض کفار کو شروع ہی سے ہلکا عذاب ہوگا۔ لیکن آیت کا حاصل یہ ہے کہ جس درجہ کا عذاب بھی ہوگا۔ پھر کم نہیں ہوگا۔ بلکہ آیت زدنا هم عذابا فوق العذاب کی رو سے آئندہ کے لئے

بظاہر اضافہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اضافہ کے ساتھ ہلکا عذاب اس کی نسبت ہلکا ہوگا........جو شروع ہی سے زائد ہے۔ پس اس اعتبار سے آنحضرت ﷺ کے چچا ابوطالب کا عذاب دوامی طور پر سب سے ہلکا رہے گا۔

عمل اور پاداش میں برابری:.......... آیت یضعف لهم العذاب کی تفسیر میں اضلال کی قید بڑھا دینے سے جلال محققؒ نے اس شبہ کو دور کر دیا کہ دوسری آیت من جاء بالسیئة فلا یجزی الا مثلها الخ سے تو گناہ اور سزا میں برابری معلوم ہو رہی ہے۔ جس سے زیادہ عذاب کی نفی ہوگئی۔ حاصل جواب یہ ہے کہ اس صورت میں بھی سزا عمل کے برابر ہی ہے۔ کیونکہ یہاں عمل بھی دوہرا ہے۔ ایک خود کی گمراہی اور ایک دوسروں کو گمراہ کرنا اس لئے سزا بھی دوگنی ہوگئی۔ پس مثلیت کے خلاف نہیں ہو رہا اور اگر ایعدون کے معنی صرف اعراض کرنے کے لئے جائیں۔ جس میں دوسروں کو گمراہ کرنا نہیں آتا۔ تو اب عمل تو ایک ہی رہا۔ دوگنا نہ ہوا۔ لیکن جرم اعراض کی شدت، عذاب کی زیادتی کو چاہتی ہے۔ اس لحاظ سے بھی مماثلت عذاب محفوظ رہی۔

لطائف آیات:.......... آیت وما من دآبة الخ میں توکل کی عظیم ترغیب ہو رہی ہے۔ لیکن یہ اعتقاد کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ بغیر اسباب کے بھی انتظام کر سکتا ہے۔ اسباب کو اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ غرضیکہ توکل کا تعلق اعتقاد اور قلب کے ساتھ ہے نہ کہ ترک اسباب کے ساتھ۔

آیت ولئن اذقنا الانسان الخ میں اللہ تعالیٰ اس شکایت سے یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ بندہ کو ہر حال میں عیش ہو یا طیش، نعمت ہو یا قمت، اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ اور توکل رکھنا چاہیئے۔ آیت فلعلك الخ سے معلوم ہوا کہ مرید کو شیخ کے کلام کی طرف رغبت وتوجہ نہ ہو تو شیخ کا قلب بھی منقبض ہو جاتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ہدایت وارشاد کی بات اگر ضروری ہو تو شیخ کو انقباض پر عمل نہیں کرنا چاہیئے۔ یعنی کلام چھوڑ نا نہیں چاہیئے۔ آیت فان لم یستجیبوا الخ سے معلوم ہوا کہ خوارق اعتقاد کی قوت میں بڑا دخل ہوتا ہے۔

آیت من کان الخ سے معلوم ہوا کہ جو شخص آخرت کے کام سے دنیاوی اغراض کا ارادہ کرے انہیں دنیا ہی میں بدلہ چکا دیا جاتا ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ لذات نفسانیہ اور طبعی وجد وسرور کی نیت سے طاعت بجا لانا بھی اس میں داخل ہے کیونکہ یہ چیزیں بھی دنیا ہیں۔

آیت ومن اظلم الخ سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنی وضع قطع اور دعویٰ سے اظہار ولایت کرے اور اولیاء اللہ جیسی باتیں کرے اور فی الحقیقت فاسق ہو وہ بھی اس آیت کا مصداق ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّىْ اَیْ بِاَنِّیْ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْکَسْرِ عَلٰی حَذْفِ الْقَوْلِ **لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴿۲۵﴾** بَیِّنُ الْاِنْذَارِ **اَنْ** اَیْ بِاَنْ **لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ** اِنْ عَبَدْتُّمْ غَیْرَہٗ **عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ﴿۲۶﴾** مُؤْلِمٍ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ **فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ** وَهُمُ الْاَشْرَافُ **مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا** وَلَا فَضْلَ لَكَ عَلَیْنَا **وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا** اَسَافِلُنَا کَالْحَاکَةِ وَالْاَسَاکِفَةِ **بَادِيَ الرَّاْىِ** بِالْهَمْزَةِ وَتَرْکِهٖ اَیْ اِبْتِدَاءً مِنْ غَیْرِ تَفَکُّرٍ فِیْكَ وَنَصْبُهٗ عَلَی الظَّرْفِ اَیْ وَقْتَ حُدُوْثِ اَوَّلِ رَاْیِهِمْ **وَمَا**

نَرٰی لَکُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ فَتَستَحِقُّوْنَ بِهِ الْاِتِّبَاعَ مِنَّا بَلْ نَظُنُّکُمْ کٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾ فِیْ دَعْوَی الرِّسَالَةِ اَدْرَجُوْا قَوْمَهٗ مَعَهٗ فِی الْخِطَابِ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اَخْبِرُوْنِیْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ بَیَانٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰنِیْ رَحْمَةً نُبُوَّةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ خُفِیَتْ عَلَیْکُمْ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِتَشْدِیْدِ الْمِیْمِ وَالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ اَنُلْزِمُکُمُوْهَا اَنُجْبِرُکُمْ عَلٰی قُبُوْلِهَا وَاَنْتُمْ لَهَا کٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ لَا نَقْدِرُ عَلٰی ذٰلِکَ وَیٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ عَلٰی تَبْلِیْغِ الرِّسَالَةِ مَالًا تُعْطُوْنِیْهِ اِنْ مَا اَجْرِیَ ثَوَابِیْ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کَمَا اَمَرْتُمُوْنِیْ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ بِالْبَعْثِ فَیُجَازِیْهِمْ وَیَاْخُذُ لَهُمْ مِمَّنْ ظَلَمَهُمْ وَطَرَدَهُمْ وَلٰکِنِّیْٓ اَرٰکُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ عَاقِبَةَ اَمْرِکُمْ وَیٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ یَمْنَعُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَیْ عَذَابِهٖ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ اَیْ لَا نَاصِرَ لِیْ اَفَلَا فَهَلَّا تَذَکَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِیَةِ فِی الْاَصْلِ فِی الذَّالِ تَتَّعِظُوْنَ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَنِّیْٓ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَکٌ بَلْ اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ تَحْتَقِرُ اَعْیُنُکُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قُلُوْبِهِمْ اِنِّیْٓ اِذًا اِنْ قُلْتُ ذٰلِکَ لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا خَاصَمْتَنَا فَاَکْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۲﴾ فِیْهِ قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْکُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ تَعْجِیْلَهٗ لَکُمْ، فَاِنَّ اَمْرَهٗ اِلَیْهِ لَا اِلَیَّ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۳۳﴾ بِفَائِتِیْنَ اللّٰهَ وَلَا یَنْفَعُکُمْ نُصْحِیْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَکُمْ اِنْ کَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَکُمْ اَیْ اِغْوَائِکُمْ وَجَوَابُ الشَّرْطِ دَلَّ عَلَیْهِ وَلَا یَنْفَعُکُمْ نُصْحِیْ هُوَ رَبُّکُمْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ قَالَ تَعَالٰی اَمْ بَلْ یَقُوْلُوْنَ اَیْ کُفَّارُ مَکَّةَ افْتَرٰىهُ اِخْتَلَقَ مُحَمَّدٌ الْقُرْاٰنَ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ اَیْ عُقُوْبَتُهٗ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ مِنْ اِجْرَامِکُمْ فِیْ نِسْبَةِ الْاِفْتِرَاءِ اِلَیَّ

ترجمہ: .... اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کے پاس رسول بنا کر بھیجا کہ میں (اور ایک قرأت میں کسر ہمزہ کے ساتھ ہے لفظ قول حذف کر کے) آشکارا طور پر خبردار کرنے والا (کھلے بندوں ڈرانے والا) ہوں۔ اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔ میں ڈرتا ہوں (اگر تم نے غیر اللہ کی پوجا کی) کہیں تم پر عذاب کا ایک دردناک دن نہ آجائے (جو دنیا و آخرت میں تکلیف دینے والا ہو) اس پر قوم کے ان سرداروں نے کہا جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی۔ ہم تم میں اس کے سوا کوئی بات نہیں دیکھتے کہ ہماری ہی طرح کے ایک آدمی ہو۔ (تمہیں ہمارے مقابلہ پر کوئی بڑائی حاصل نہیں ہے) اور جو لوگ تمہارے پیچھے چلتے ہیں انہیں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہم میں کے بالکل ہی رذیل ہیں (کمینے جیسے جلاہے، موچی) اور وہ بھی سرسری نظر سے بے سوچے سمجھے تمہارے پیچھے ہو لئے (لفظ رای ہمزہ کے ساتھ ہے اور بغیر ہمزہ کے یعنی انہوں نے تمہارے متعلق کچھ غور و فکر بھی نہیں کیا۔ اس پر نصب ظرفیت کی بناء پر ہے یعنی سطحی نظر کے وقت) ہم تو تم لوگوں میں اپنے سے کوئی بات بھی زیادہ نہیں پاتے (جس کی وجہ سے ہم تمہیں پیروی کے لائق سمجھیں) بلکہ تمہیں

جھوٹا سمجھتے ہیں (دعویٰ نبوت میں۔ اور خطاب میں نبی کے ساتھیوں کو بھی لے لیا) نوحؑ نے فرمایا اے میری قوم کے لوگوں! تم نے اس بات پر بھی غور کیا (مجھے ذرا یہ تو بتلاؤ) کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل (بیان) پر قائم ہوں اور اس نے اپنے پاس سے رحمت (نبوت) بھی مرحمت فرمادی ہو مگر وہ تمہیں دکھائی نہ دے (نہ سوجھے اور ایک قرأت میں لفظ عمیت میم کی تشدید کے ساتھ اور مجہول صیغہ سے آیا ہے تو کیا ہم اسے تمہارے گلے مڑھ دیں (زبردستی اسے منوائیں) اور تم اس سے بیزاری کئے چلے جاؤ؟ (یعنی ہم ایسا نہیں کر سکتے) لوگوں یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ مال نہیں مانگتا (کہ تم مجھے دو) میرا معاوضہ (ثواب) تو صرف اللہ کے ذمہ ہے اور یہ بھی سمجھ لو کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں میں انہیں اپنے پاس سے نہیں دھتکار سکتا (جیسا کہ تم چاہتے ہو) انہیں بھی اپنے پروردگار سے ایک دن ملنا ہے (قیامت کے روز کہ وہی انہیں صلہ مرحمت فرمائے گا۔ ہاں! جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ہوگا وہ انہیں خود رسوا کرے گا اور دھکے دے دے گا) لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت کر رہے ہو (انجام سے بے خبر ہو) اے میری قوم کے لوگوں! مجھے بتلاؤ اگر میں ان لوگوں کو اپنے پاس سے نکال باہر کروں تو اللہ (کے عذاب) کے مقابلہ میں کون میری مدد کر (کے مجھے بچا) لے گا (یعنی مجھے کوئی نہیں بچا سکتا) کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے؟ (دراصل اس میں تائے ثانی ذال میں مدغم ہو رہی ہے بمعنی تتعظون) اور دیکھو میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے تمام خزانے ہیں نہ یہ کہتا ہوں کہ میں تمام غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ میرا دعویٰ یہ ہے کہ میں فرشتہ ہوں (بلکہ تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں) اور نہ ان تمام لوگوں کی نسبت جن کو تمہاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز ثواب نہیں دے گا۔ ان کے دل میں جو کچھ ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے میں (اگر ایسی بات کہوں تو) ایسی صورت میں ظالم ہی ٹھہروں گا۔ وہ لوگ کہنے لگے اے نوحؑ! تم ہم سے بحث کر چکے (جھگڑ چکے) اور بحث بھی خوب ہی کر چکے۔ سو جس (عذاب) سے تم ہمیں دھمکایا کرتے ہو وہ ہمارے سامنے لا دکھاؤ اگر تم سچے ہو (اس بارے میں) نوحؑ نے فرمایا: اگر اللہ کو منظور ہوگا تو بلاشبہ تم پر وہ بات لے آئے گا (اگر اسے جلدی منظور ہوگا۔ کیونکہ یہ تو اس کے اختیار میں ہے نہ کہ میرے بس میں) اور تمہیں یہ قدرت نہیں کہ اسے مات دے دو۔ (یعنی اللہ سے بچ کر نہیں جا سکتے) اور اگر اللہ کی مشیت یہی ہے کہ تمہیں ہلاک کرے تو میں کتنا ہی نصیحت کرنا چاہوں میری نصیحت کچھ سودمند نہ ہوگی (ان یغویکم اغوائکم کے معنی میں ہے اور جواب شرط محذوف ہے۔ لا ینفعکم **نصحی** اس پر دلالت کرتا ہے) وہی تمہارا پروردگار ہے۔ اسی کی طرف تمہیں لوٹنا ہے (حکم الٰہی ہوا) کیا یہ لوگ (مکہ کے کافر) کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کو اپنے جی سے گھڑ لیا ہے؟ (محمدؐ نے قرآن گھڑ لیا ہے) آپ کہہ دیجئے۔ اگر میں نے یہ بات گھڑ لی ہے تو میرا یہ جرم مجھ پر آئے گا (یعنی اس کی سزا) اور تم جو جرم کر رہے ہو میں اس سے بری الذمہ ہوں (قرآن تراشنے کی نسبت میری طرف کر کے جو جرم کر رہے ہو)

تحقیق وترکیب: .... **حذف القول**. ای فقال لقومه **بین** اشارہ کردیا کہ **مبین** **ابان** لازم ہے۔ **ان لا تعبدوا** اشارہ اس طرف ہے کہ ان مصدر یہ ہے اور با کا تعلق **ارسلنا** سے ہے اور لا ناہیہ ہے۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نوح سے مراد روح اور قوم سے مراد قلب، نفس، بدن ہے اور دنیا اور اس کی شہوات کی پرستش اور آخرت اور اس کے درجات کی طلب۔

الیم. **یوم** کی صفت نہیں بلکہ عذاب کی صفت ہے اور نهاره صائم کی طرح اسناد مجازی ہے۔

قال الملا یہاں سے تین شبہے قوم نے پیش کئے۔ اول **مانرٰک الا بشرا** دوسرے **مانرٰک اتبعک** تیسرے **ما نری لکم** ان تینوں کا اجمالی جواب **یا قوم ارأیتم الخ** سے اور تفصیلی جواب **لا اقول الخ** سے دیا گیا ہے۔ یہ آخری شبہ کا جواب ہے اور **لا اعلم الغیب** دوسرے شبہ کا اور **لا اقول لکم** اول شبہ کا جواب ہے۔

بادی الرای. بدو کے معنی ظاہر کے ہیں۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اراذل سے مراد روح کے خدام بدن اور ظاہری اعضاء ہیں۔ کیونکہ بدن کو روح کی دعوت قبول کرنی چاہیئے اور اعضاء کو احکام شرع کی تعمیل میں لگا دینا چاہیئے۔ لیکن نفس امارہ کفر پر ابھارتا رہتا ہے اور بدن کو طاعت دینیہ میں لگنے نہیں دیتا۔

نصحی زمخشریؒ اور تفتازانیؒ کی رائے کے بموجب تقدیر کلام اس طرح ہے ان کان اللہ یرید ان یغویکم لا ینفعکم نصحی ان اردت ان انصح لکم لیکن بیضاویؒ نے پورے جملہ شرطیہ کو دلیل کا جواب بنایا ہے۔ اس صورت میں تقدیر کلام ایسے ہوگی ان کان اللہ یرید ان یغویکم فان اردت ان انصح لکم لا ینفعکم نصحی۔

چنانچہ اگر کوئی یہ کہے کہ انت طالق ان دخلت الدار ان کلمت زیدا اور عورت پہلے مکان میں داخل ہو جائے پھر کلام کرے تو طلاق پڑ جائے گی۔ پس اس صورت میں کلام متضمن دو شرطوں کو ہوگا۔ ایک شرط دوسری کا جواب ہوگی اور پہلی کی صورت میں ایک شرطیہ مقید ہوگا۔

وجواب الشرط یعنی پہلی شرط کا جواب محذوف ہے اور **لا ینفعکم الخ** کو اس لئے جواب نہیں بتایا کہ بصریوں کے نزدیک جواب شرط پر مقدم نہیں ہوتا۔ اگرچہ کوفیوں کے نزدیک جائز ہے۔ یعنی دوسری شرط کا جواب پہلی شرط ہے اور خود اپنا جواب بھی ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ ان کان اللہ یرید ان یغویکم فان اردت ان انصح لکم فلا ینفعکم نصحی کیونکہ کلام میں جب دو شرطیں جمع ہو جائیں۔ اور ایک جواب۔ تو شرط ثانی اول کی شرط ہو جاتی ہے۔ پس جواب واقع نہیں ہوگا۔ جب تک دوسری شرط حاصل نہیں ہو جائے گی اور واقع میں پہلی شرط سے پہلے پائی جائے گی۔ کیونکہ خارج میں مشروط سے پہلے شرط نہیں پائی جایا کرتی۔ پس اگر معاملہ برعکس ہو جائے کہ پہلی شرط پہلے پائی جائے تو معلق شرط بھی نہیں پائی جائے گی۔ مثلاً اگر کوئی اپنے غلام سے کہے انت حر ان کلمت زیدا ان دخلت الدار تو جب تک کلام سے پہلے مکان میں داخل ہونا نہیں پایا جائے گا۔ اس وقت تک غلام آزاد نہیں ہوگا۔ لیکن اگر کلام پہلے پایا جائے تو معلق چیز بھی نہیں پائی جائے گی۔

ام یقولون افتراہ اکثر مفسرینؒ اس کو قصہ نوحؑ میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن جلال محققؒ اس کو جملہ معترضہ مان رہے ہیں جس میں آنحضرت ﷺ اور کفار مکہ کی طرف کلام منتقل کیا گیا ہے۔

ربط آیات: .... توحید و رسالت، معاد کی حقانیت کے مسائل اور وعد و وعید کے مضامین گزر چکے ہیں اس کے بعد ہی گذشتہ وقائع کا بیان شروع ہو گیا ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کا جواب:** .... نوح علیہ السلام کی سیدھی سادی دعوت کے جواب میں قوم کے مغرور نمائندوں نے کہا "تم بھی ہماری ہی طرح ایک آدمی ہو پھر تمہاری بات کیوں مانیں۔ یعنی اگر تم میں کوئی ایسا اچنبھا پایا جاتا جو اوروں میں نہیں پایا جاتا۔ یا دیوتاؤں کی طرح تم بھی اتر آئے ہوتے تو تمہاری تصدیق کر لیتے اور کہنے لگے جو ہم میں کمینے ہیں وہی بے سمجھے بوجھے تمہیں مان رہے ہیں پھر کیا ان بے وقوفوں کی طرح ہم بھی مان لیں؟ نیز ایسی جماعت میں ہم کیوں کر شریک ہو سکتے ہیں۔ جہاں رذیل و شریف میں کوئی امتیاز نہ ہو؟

حضرت نوحؑ کا جواب: .... حضرت نوحؑ نے فرمایا: انسان کی ہدایت تو انسان ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے اور وہ اتنا ہی کر سکتا ہے جو اس کے اختیار میں ہے۔ تم کہتے ہو میں جھوٹا ہوں لیکن بتلاؤ اگر تم مجھے سچا سمجھتے تو کیا اس بات کی توقع رکھتے کہ میں جبراً

تمہیں سچائی کی راہ دکھادوں۔ خدا کی طرف سے کتنی ہی واضح دلیل حق مجھے مل گئی ہو۔ لیکن تم سمجھنے سے انکار کردو تو میں کیا کرسکتا ہوں؟ اور فرمایا کہ تم جن لوگوں کو ذلیل سمجھتے ہو میں کبھی نہیں کہوں گا کہ وہ ذلیل ہیں اور انہیں خوبی و سعادت نہیں مل سکتی۔ اگر میں ایسا کروں تو خدا کے مواخذہ سے بچ نہیں سکوں گا اور فرمایا کہ میرا دعویٰ صرف یہ ہے کہ سچائی کا پیغامبر ہوں۔ مجھے طاقت وتصرف کا دعویٰ نہیں۔ نہ میں انسانیت سے بالاتر کوئی ہستی ہوں۔

انکار کرنے والوں کا ردِ عمل: .... لیکن انکار کرنے والوں نے نہ صرف یہ کہ ان دلائل ومواعظ سے انکار کیا اور ان کو جدال قرار دیا۔ بلکہ خود عذاب کا مطالبہ کرنے لگے۔ اس پر ارشاد الٰہی ہوا کہ ان سے کہہ دو "تم کہتے ہو میں جھوٹا ہوں۔ اچھا اگر میں جھوٹا ہوں تو میرا گناہ مجھ پر۔ اور تم اگر سچائی کو جھٹلا رہے ہو تو اس کی پاداش تمہیں جھیلنی ہے۔ میں اس سے بری ہوں۔ اب فیصلہ کا انتظار کرو۔

انی لا اسئلکم علیہ مالا میں مال کی تخصیص اس لئے کہ اکثر جھوٹے لوگوں کا مقصد مال ہی ہوتا ہے اور عزت بھی اگر مطلوب ہوتی ہے تو مال ہی کی خاطر اور ایمان لانے والوں کو اراذل ان کی غربت اور معمولی پیشوں کی وجہ سے کہا، جنہیں عرفاً لوگ حقیر سمجھتے ہوں۔

غریب اور کم درجہ کے لوگ ہی پہلے ہدایت قبول کرتے ہیں: .... اور کفار نے جو مسلمانوں کو کمزور رائے سمجھا اور ان کی شرافت کا انکار کردیا۔ چونکہ نبوت کا ثابت کرنا اس جواب پر موقوف نہیں تھا۔ اس لئے اس کے جواب کی فکر نہیں کی گئی اور ویسے ہی جواب ظاہر ہے کہ حق کے قبول کرنے میں ایسی باتوں کا لحاظ کرنا غلط ہے۔ بلکہ ایسے ہی لوگ حق کو جلد قبول کرلیا کرتے ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں میں عرفی بڑائی نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک درجہ یہ بھی ان کی سلامتی رائے اور فضیلت کی دلیل ہے اور جب حضرت نوحؑ کی نبوت دلیل سے ثابت ہوگئی۔ تو پھر اس کو بعید سمجھنا اول تو کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ بعض چیزیں جو عقل کی گرفت سے باہر ہوتی ہیں وہ اگر چہ بعید معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن ان چیزوں کے فی نفسہ ممکن ہونے کے ساتھ۔ اگر مخبر صادق کی سچی خبر بھی ان کے ساتھ مل جائے تو ان چیزوں کا واقع ہونا مرجح ہوجاتا ہے۔ ہاں اگر عقلی یا شرعی دلیل سے ان چیزوں کا ممتنع ہونا ثابت ہوجائے تو پھر بلاشبہ وہ استبعاد مقبول ومعتبر ہوگا بلکہ استبعاد سے بڑھ کر پھر تو محال اور ممتنع ماننا واجب ہوگا۔ لیکن یہاں تو حضرت نوحؑ نے کوئی مستبعد چیز بھی پیش نہیں کی۔ اگر ایسا کرتے تو انکار کا کسی درجہ میں مضائقہ نہیں تھا۔ اگر چہ دلیل کے بعد وہ انکار بھی پھر قابل انکار ہوجاتا۔

حضرت نوحؑ نے انھم مُلٰقُوْا ربھم الخ سے پہلے تو اہل ایمان کو ثابت فرمایا۔ پھر لا اقول للذین تزدری الخ سے تلطیف دعوت کے طور پر فرمایا کہ اگر تم ان مسلمانوں کے اخلاص کے معتقد نہیں ہو تو کم از کم بلا دلیل انہیں غیر مخلص بھی نہ مانو۔ آیت قل ان افتریتہ الخ میں اخیر درجہ کا جواب دیا گیا ہے۔ ورنہ اصل جواب تو وہی ہے کہ تم پہلے اس افتراء کا افتراء ہونا ثابت کردکھاؤ۔ لیکن جو شخص نہ دلیل کو تسلیم کرے اور نہ اس میں قدح کرسکے۔ اس لئے آخری بات یہی کہی جاسکتی ہے کہ میاں جیسا میں نے کیا ہوگا۔ میں بھگتوں گا جیسا تم کر رہے ہو تم بھگتو گے۔

لطائف آیات: .... آیت وما نراک اتبعک الخ سے ان لوگوں کی تردید ہو رہی ہے جو ولایت کو عرفی شرافت کے ساتھ خاص سمجھتے ہیں۔ آیت انلزمکموھا الخ سے معلوم ہوا کہ منکرین اہل اللہ سے مستفید نہیں ہوسکتے۔ آیت یا قوم لا اسئلکم الخ سے معلوم ہوا کہ مشائخ کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ کیوں کہ طلب مال لوگوں کو طلب ہدایت سے روک دے گا۔ بلکہ امور خیر میں چندہ کرنے سے بھی انہیں احتیاط کرنی چاہیئے۔

آیت یا قوم من ینصرنی الخ سے معلوم ہوا کہ طالبین کے یہ حقوق مشائخ کے ذمہ ہونے چاہئیں۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے والے سے اعراض کرے خدا اس سے اعراض کرلے گا۔ آیت لا اقول لکم عندی الخ سے معلوم ہوا کہ صاحب ارشاد کا صاحب تصرف یا صاحب کشف ہونا یا انسانی ضروریات میں عوام سے ممتاز ہونا ضروری نہیں ہے۔ البتہ رشد وہدایت کرنے والے کے لئے علم وعمل سے متصف ہونا ضروری ہے۔

آیت انما یاتیکم الخ سے معلوم ہوا کہ اہل حق کی یہی شان ہوتی ہے۔ لیکن باطل پرست لوگ فضول کی ڈینگیں مارا کرتے ہیں کہ میری مخالفت میں فلاں کا حال ایسا ہوگا۔ آیت لا ینفعکم نصحی سے معلوم ہوا کہ شیخ کے قبضہ میں ہدایت نہیں ہوتی۔ آیت ان تسخروا الخ سے معلوم ہوا کہ انتقام کے موقعہ پر ترکی بترکی جواب دینا مکارم اخلاق کے خلاف نہیں ہے۔

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ تَحْزَنْ **بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ** ﴿۳۶﴾ مِنَ الشِّرْكِ فَدَعَا عَلَیْهِمْ بِقَوْلِهٖ رَبِّ لَا تَذَرْ الخ فَاَجَابَ اللّٰهُ تَعَالٰی دُعَاءَهٗ وَقَالَ **وَاصْنَعِ الْفُلْكَ** السَّفِیْنَةَ **بِاَعْیُنِنَا** بِمَرْأًی مِنَّا وَحِفْظِنَا **وَوَحْیِنَا** اَمْرِنَا **وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا** كَفَرُوْا بِتَرْكِ اِهْلَاكِهِمْ **اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ** ﴿۳۷﴾ **وَیَصْنَعُ الْفُلْكَ** حِكَایَةُ حَالٍ مَاضِیَةٍ **وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ** جَمَاعَةٌ **مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ** اِسْتَهْزَءُوْا بِهٖ **قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ** ﴿۳۸﴾ اِذَا نَجَوْنَا وَغُرِقْتُمْ **فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ** مَوْصُوْلَةٌ مَفْعُوْلُ الْعِلْمِ **یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَیَحِلُّ** یَنْزِلُ **عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ** ﴿۳۹﴾ دَائِمٌ **حَتّٰی** غَایَةٌ لِلصُّنْعِ **اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا** بِاِهْلَاكِهِمْ **وَفَارَ التَّنُّوْرُ** لِلْخَبَّازِ بِالْمَاءِ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَامَةً لِنُوْحٍ **قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا** فِی السَّفِیْنَةِ **مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ** اَیْ ذَكَرٍ وَاُنْثٰی اَیْ مِنْ كُلِّ اَنْوَاعِهِمَا **اثْنَیْنِ** ذَكَرًا وَاُنْثٰی وَهُوَ مَفْعُوْلٌ وَفِی الْقِصَّةِ اِنَّ اللّٰهَ حَشَرَ لِنُوْحٍ السِّبَاعَ وَالطَّیْرَ وَغَیْرَهُمَا فَجَعَلَ یَضْرِبُ بِیَدَیْهِ فِیْ كُلِّ نَوْعٍ فَتَقَعُ یَدُهُ الْیُمْنٰی عَلَی الذَّكَرِ وَالْیُسْرٰی عَلَی الْاُنْثٰی فَیَحْمِلُهُمَا فِی السَّفِیْنَةِ **وَاَهْلَكَ** اَیْ زَوْجَتَهٗ وَاَوْلَادَهٗ **اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ** اَیْ مِنْهُمْ بِالْاِهْلَاكِ وَهُوَ زَوْجَتُهٗ وَوَلَدُهٗ كَنْعَانُ بِخِلَافِ سَامٍ وَحَامٍ وَیَافِثٍ فَحَمَلَهُمْ وَزَوْجَاتِهِمْ ثَلٰثَةً **وَمَنْ اٰمَنَ وَمَا اٰمَنَ مَعَهٗ اِلَّا قَلِیْلٌ** ﴿۴۰﴾ قِیْلَ كَانُوْا سِتَّةَ رِجَالٍ وَنِسَاءُهُمْ وَقِیْلَ جَمِیْعُ مَنْ كَانَ فِی السَّفِیْنَةِ ثَمَانُوْنَ نِصْفُهُمْ رِجَالٌ وَنِصْفُهُمْ نِسَاءٌ **وَقَالَ** نُوْحٌ **ارْكَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا** بِفَتْحِ الْمِیْمَیْنِ وَضَمِّهِمَا مَصْدَرَانِ اَیْ جَرْیُهَا وَرُسُوُّهَا اَیْ مُنْتَهٰی سَیْرِهَا **اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ** ﴿۴۱﴾ حَیْثُ لَمْ یُهْلِكْنَا **وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ** فِی الْاِرْتِفَاعِ وَالْعِظَمِ **وَنَادٰی نُوْحُ نِ ابْنَهٗ** كَنْعَانَ **وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ** عَنِ السَّفِیْنَةِ **یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ** ﴿۴۲﴾ **قَالَ سَاٰوِیْ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ** یَمْنَعُنِیْ **مِنَ الْمَآءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ**

اَمْرِ اللّٰهِ عَذَابِهٖ **اِلَّا** لٰكِنْ **مَنْ رَّحِمَ** اللّٰهُ فَهُوَ الْمَعْصُوْمُ قَالَ تَعَالٰى **وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ** ﴿۴۳﴾ **وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ** الَّذِيْ نَبَعَ مِنْكِ فَشَرِبَتْهُ دُوْنَ مَا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ فَصَارَ اَنْهَارًا وَبِحَارًا **وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ** اَمْسِكِيْ عَنِ الْمَطَرِ فَاَمْسَكَتْ **وَغِيْضَ** نَقَصَ **الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ** تَمَّ اَمْرُ هِلَاكِ قَوْمِ نُوْحٍ **وَاسْتَوَتْ** وَقَفَتِ السَّفِيْنَةُ **عَلَى الْجُوْدِيِّ** جَبَلٌ بِالْجَزِيْرَةِ بِقُرْبِ الْمُوْصِلِ **وَقِيْلَ بُعْدًا** هَلَاكًا **لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۴۴﴾ الْكٰفِرِيْنَ **وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ** كَنْعَانَ **مِنْ اَهْلِيْ** وَقَدْ وَعَدْتَّنِيْ بِنَجَاتِهِمْ **وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ** الَّذِيْ لَا خُلْفَ فِيْهِ **وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ** ﴿۴۵﴾ اَعْلَمُهُمْ وَاَعْدَلُهُمْ **قَالَ** تَعَالٰى **يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ** النَّاجِيْنَ اَوْ مِنْ اَهْلِ دِيْنِكَ **اِنَّهٗ** سُوَالُكَ اِيَّايَ بِنَجَاتِهٖ **عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ** فَاِنَّهٗ كَافِرٌ وَلَا نَجَاةَ لِلْكٰفِرِيْنَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِكَسْرِ مِيْمِ عَمِلَ فِعْلٌ وَنَصْبِ غَيْرَ فَالضَّمِيْرُ لِاِبْنِهٖ **فَلَا تَسْئَلْنِ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ** مِنْ اِنْجَاءِ اِبْنِكَ **اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ** ﴿۴۶﴾ بِسُوَالِكَ مَالَمْ تَعْلَمْ **قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُبِكَ** مِنْ **اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْلِيْ** مَافَرَطَ مِنِّيْ **وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ** ﴿۴۷﴾ **قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ** اِنْزِلْ مِنَ السَّفِيْنَةِ **بِسَلٰمٍ** بِسَلَامَةٍ اَوْ بِتَحِيَّةٍ **مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ** خَيْرَاتٍ **عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ** فِي السَّفِيْنَةِ اَيْ مِنْ اَوْلَادِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ **وَاُمَمٌ** بِالرَّفْعِ مِمَّنْ مَّعَكَ **سَنُمَتِّعُهُمْ** فِي الدُّنْيَا **ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿۴۸﴾ فِي الْاٰخِرَةِ وَهُمُ الْكُفَّارُ **تِلْكَ** اَيْ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ الْمُتَضَمِّنَةُ قِصَّةَ نُوْحٍ **مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ** اَخْبَارِ مَاغَابَ عَنْكَ **نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ** يَا مُحَمَّدُ **مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا** الْقُرْاٰنِ **فَاصْبِرْ** عَلَى التَّبْلِيْغِ وَاَذٰى قَوْمِكَ كَمَا صَبَرَ نُوْحٌ **اِنَّ الْعَاقِبَةَ** الْمَحْمُوْدَةَ **لِلْمُتَّقِيْنَ** ﴿۴۹﴾ ع۴

ترجمہ: .... اور نوحؑ پر وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لاچکے ہیں ان کے سوا اب اور کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے۔ پس جو کچھ یہ لوگ کررہے ہیں اس پر کچھ غم (رنج) نہ کھاؤ (یعنی شرکیہ کام پر چنانچہ پھر نوحؑ نے قوم کے لئے رب لاتذر الخ سے بددعا کی اور اللہ نے ان کی دعا قبول فرما کر حکم دیا کہ اور ہماری نگرانی ہمارے سامنے اور ہماری حفاظت میں اور ہمارے حکم کے مطابق ایک کشتی بنانا شروع کردو اور ان ظالموں کے بارے میں (جنہوں نے کفر کیا ہے) اب ہم سے کچھ عرض معروض نہ کرنا (کہ انہیں ہلاک نہ کیا جائے) یقیناً یہ سب غرق کئے جائیں گے۔ چنانچہ نوحؑ کشتی بنانے لگے (یہ حکایت حال ماضیہ ہے) جب ان میں سے کچھ لوگوں کا گزر نوح علیہ السلام پر ہوتا تو لوگ تمسخر کرنے لگتے (نوح علیہ السلام کا مذاق اڑانے لگتے) نوحؑ انہیں جواب دیتے کہ تم اگر ہماری ہنسی اڑاتے ہو تو اسی طرح ہم بھی ہنسیں گے (جب ہم بچیں گے اور تم ڈوبو گے) وہ وقت دور نہیں جب تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ کون ہے (یہ موصولہ علم کا مفعول ہورہا ہے) جس پر عذاب آتا ہے کہ اسے رسوا کردے اور پھر دائمی عذاب بھی اس پر نازل ہو۔ یہاں

تک کہ (یہ کشتی بنانے کی غایت ہے) جب وہ وقت آ گیا کہ (انہیں ہلاک کرنے کے متعلق) ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور نے جوش مارا (جو روٹیاں پکانے کا تھا۔ اس سے پانی ابلنے لگا اور نوح علیہ السلام کو یہی عذاب کی علامت بتلائی گئی تھی) تو ہم نے حکم دیا کہ ہر قسم کے جوڑے، (یعنی ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ ہر قسم کے جانوروں میں سے) دو دو (نر اور مادہ۔ ترکیب میں یہ مفعول ہے اور واقعہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کے لئے درندے پرندے وغیرہ سب جانور اکٹھے کر دیئے۔ چنانچہ جب پکڑنے کے لئے وہ ہاتھ بڑھاتے تو بے اختیاری میں ان کا داہنا ہاتھ نر پر اور بایاں ہاتھ مادہ پر پڑتا تھا۔ غرضیکہ اس طرح ان جانوروں کو انہوں نے کشتی میں چڑھالیا) لے لو اور اپنے گھر والوں (بیوی بچوں) کو بھی سوار کر لو۔ مگر اہل وعیال میں وہ لوگ داخل نہیں جن کے لئے پہلے کہا جا چکا ہے (یعنی جن کے ہلاک ہونے کا حکم ہو چکا ہے۔ آپ کی بیوی اور کنعان لڑکا۔ بخلاف سام، حام، یافث کے۔ چنانچہ ان تینوں صاحبزادوں کو مع ان کی بیویوں کے ساتھ لے لیا) اور ان لوگوں کو بھی لے لو جو ایمان لا چکے ہیں اور نوحؑ پر بہت ہی تھوڑے لوگ ایمان لا سکے (بعض کی رائے میں چھ مرد اور عورتیں تھیں اور بعض نے کشتی پر سب کی مجموعی تعداد اسی بتلائی ہے جن میں سے آدھے مرد اور آدھی عورتیں تھیں) اور (نوحؑ نے) ساتھیوں سے کہا کشتی پر سوار ہو جاؤ اللہ کے نام سے اسے چلنا ہے اور اللہ ہی کے نام سے ٹھہرنا) دونوں لفظوں میں میم کا فتح اور ضمہ ہے اور دونوں مصدر ہیں۔ یعنی اس کا چلنا اور ٹھہرنا جس سے مراد کشتی کے ٹھہرنے کی انتہاء ہے) بلاشبہ میرا پروردگار بخشنے والا رحمت والا ہے (کہ اس نے ہمیں ہلاک نہیں کیا) اور ایسی موجوں میں جو (بلند اور بڑی ہونے میں پہاڑ کی طرح اٹھتی ہیں کشتی انہیں لے جارہی ہے اور نوح نے اپنے بیٹے (کنعان) کو پکارا۔ وہ (کشتی سے) ایک طرف کنارہ پر کھڑا تھا۔ اے میرے پیارے بیٹے! ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت رہ۔ کہنے لگا کہ میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔ نوح نے کہا: آج اللہ کے قہر (عذاب) سے کوئی بچانے والا نہیں ہے مگر ہاں وہی جس پر اللہ رحم کر دے (وہی بچ سکتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) کہ اتنے میں ان دونوں کے بیچ میں ایک موج حائل ہوگئی۔ پس وہ بھی غرق ہو گیا اور حکم ہوا کہ اے زمین! اپنا پانی پی لے (جو تیرے اندر سے نکلا تھا۔ چنانچہ زمین نے سارا پانی چوس لیا۔ البتہ آسمان سے جو پانی برسا تھا وہ ندی، نالوں، دریاؤں، سمندروں کی شکل میں باقی رہ گیا اور اے آسمان! تھم جا (برسنے سے رک جا پس وہ بھی ٹھہر گیا) اور پانی کا چڑھاؤ اتر گیا (گھٹ گیا) اور قصہ ختم ہوا (قوم نوح کے ہلاک ہونے کا حادثہ پورا ہو گیا) اور کشتی جودی (ایک پہاڑ ہے موصل کے قریب ایک جزیرہ میں) اس پر ٹھہر گئی اور کہہ دیا گیا کہ نامرادی (تباہی) ظلم کرنے والے کافروں کے) گروہ کے لئے ہے اور نوح نے اپنے پروردگار سے دعا کی اور عرض کیا خدایا! میرا بیٹا (کنعان) تو میرے گھر کے لوگوں میں سے ہے (جن کے بارے میں آپ نے نجات کا وعدہ کر رکھا ہے) اور یقیناً آپ کا وعدہ سچا ہے۔ آپ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں (جو آپ سے زیادہ باخبر اور منصف ہو) فرمایا (حق تعالیٰ نے) اے نوح! وہ تمہارے گھر کے لوگوں میں شمار نہیں (جو نجات پانے والے یا آپ کے دین پر ہوں) واقعہ یہ ہے کہ یہ (تمہارا اس کی نجات کے متعلق سفارش کرنا ہی) ٹھیک کام نہیں ہے (کیونکہ وہ کافر ہے اور کافروں کی نجات ہوگی نہیں اور ایک قرأت میں عمل فعل کے میم کا کسرہ پڑھا گیا ہے اور غیر منصوب ہے پس اس صورت میں ضمیر ابن کی طرف لوٹ رہی ہے۔ پس جس بات کی تمہیں خبر نہ ہو (یعنی اپنے بیٹے کی رہائی) اس کے بارے میں مجھ سے درخواست مت کرو (لفظ تسئلن تخفیف اور تشدید نون کے ساتھ پڑھا گیا ہے) میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ کہ تم نادان مت بن جاؤ۔ (جس بات کا پتہ نہ ہو اس کا سوال کر کے) عرض کیا خدایا! میں اس بات سے آپ کے حضور پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی بات کا سوال کروں کہ جس کی حقیقت کا مجھے علم نہ ہو۔ اگر آپ نے مجھے (اپنی کوتاہی پر) معاف نہ کیا اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں تباہ حال لوگوں میں سے ہو جاؤں گا۔ حکم ہوا اے نوح! اب کشتی سے اتر آؤ (کشتی سے باہر نکل آؤ) ہماری طرف سے سلامتی (سلام بمعنی

سلامتی ہے یا سلام کرنا مراد ہے) اور برکتیں (بھلائیاں) لے کر۔ جو آپ پر اور آپ کے ساتھ والی جماعتوں پر ہوں (جو کشتی میں ساتھ رہیں یعنی ان کی اولاد اور نسل پر مراد تمام اہل ایمان ہیں) اور کتنی ہی جماعتیں ہیں (رفع کے ساتھ ہے آپ کے ہمراہیوں میں سے) جنہیں ہم (دنیا میں) چند روز عیش دیں گے۔ لیکن پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔ (آخرت میں اس سے مراد کفار ہیں) یہ قصہ (یعنی یہ آیتیں جن میں قصۂ نوح کی تفصیل ہے) غیب کی خبروں میں سے ہے (جو باتیں آپ کے سامنے کی تھیں) جسے وحی کے ذریعہ ہم آپ کو بتلا رہے ہیں (اے محمد) اس (قرآن) سے پہلے نہ تو یہ خبریں آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم کو پتہ تھا۔ پس صبر کیجئے (تبلیغ کے سلسلہ میں اور اپنی قوم کے ستانے پر۔ جس طرح نوح علیہ السلام نے صبر کیا تھا) یقیناً (نیک) انجام متقیوں ہی کے لئے ہے۔

تحقیق وترکیب: .... بمرای اشارہ اس طرف ہے کہ حفاظت سے کنایہ ہے ورنہ حقیقۃ اللہ تعالیٰ جوارح سے منزہ ہے۔ لا تخاطبنی تفسیر کبیر میں ہے کہ ایک معنی تو اس کے یہ ہیں کہ عذاب کی تاخیر ان کے بارے میں مت چاہنا۔ کیونکہ ان کے لئے عذاب مقدر ہو چکا ہے اس کے بعد منشائے خداوندی کو سامنے رکھتے ہوئے۔ رب لا تذر الخ سے حضرت نوح نے بددعا کی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان کے متعلق عذاب کی جلدی مت کرنا کیونکہ مقررہ وقت سے تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ الذین ظلموا الخ سے ان کی بیوی اور بیٹا مراد ہیں۔ صاحب روح البیان نے اخیر جواب کو پسند کیا ہے۔ استھزئوا چنانچہ کشتی بناتے دیکھ کر کہنے لگے کہ نبوت کے بعد یہ آپ کو نجاری خوب ملی۔ ویسے بھی یا تو یہ لوگ کشتی کو جانتے نہیں ہوں گے۔ اس لئے نئی چیز کو دیکھ کر مذاق اڑانا شروع کر دیا بغیر پانی کے کیسے چلے گی۔ اس پر ہنسے ہوں گے۔

لـلـخـبـاز اور کوفہ میں ایک جگہ تھی جس کا نام غاروق تھا۔ غرق کی ابتداء وہیں سے ہوئی تھی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ تنور حضرت آدمؑ کا تھا جو پتھر کا تھا۔ تنور کی جگہ میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض نے نوحؑ کے مکان میں بتلایا ہے اور بعض نے کوفہ میں گرجا کے قریب جگہ بتلائی ہے۔ اور بعض نے ہند میں کوئی جگہ بتلائی ہے اور بعض نے شام میں ''عین اردہ'' ایک جگہ بتلائی ہے اور بعض نے تنور کے معنی ظاہر زمین کے کہے ہیں۔ عرب روئے زمین کو تنور کہتے ہیں۔ ومن کل زوجین کشتی کے تین حصے تھے۔ نچلے میں وحوش اور درمیانی میں کھانے پینے کی چیزیں اور اوپر کی منزل میں خود حضرت نوحؑ اور ان کے ساتھی تھے اور بعض نے اوپر کے حصے میں پرندے اور درمیان میں آدمی بتلائے ہیں۔ واھلک حضرت نوحؑ کی دو بیویاں ہوں گی۔ ایک مؤمنہ ایک کافرہ۔ مؤمنہ ان کے ساتھ رہی اور کافرہ غرق ہوئی جس کا نام ''داعلہ'' تھا۔

بسم اللہ یہ خبر مقدم ہے اور مجرىها و مرساها مبتداء مؤخر ہے مجرى میں امالہ ہونے کی وجہ سے ''مرساها'' کے خلاف پڑھا جائے گا۔ آیت قيل يا ارض ابلعی الخ اس کے متعلق صاحب کشافؒ نے لکھا ہے کہ علمائے بیان اس آیت کے لطائف معانی اور نکات فصاحت و بلاغت پر سر دھنتے ہیں۔ جس کی جھلک روح المعانی میں دکھلائی گئی ہے۔ چنانچہ اس آیت میں کل انیس کلمات ہیں مگر علم بدیع کی ۲۱ اقسام کی صفتیں موجود ہیں (۱) مناسبت (۲) مطابقت (۳) مجاز (۴) استعارہ (۵) اشارہ (۶) تمثیل (۷) ارواث (۸) تعطیل (۹) صحت التقسیم (۱۰) احتراس (۱۱) ایضاح (۱۲) مساوات (۱۳) حسن خلق (۱۴) ایجاز (۱۵) تسہیم (۱۶) تہذیب (۱۷) حسن بیان (۱۸) تمکین (۱۹) تجنیس (۲۰) مقابلہ (۲۱) ذم وصف۔ ان کی تفصیلات میں علماء نے بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے۔

ان ابنی من اھلی دعا کے لئے اہل کا ہونا ضروری نہیں۔ تاہم قبولیت سے قریب کرنے کے لئے ذکر کیا ہے۔ نیز لن

یؤمن الخ کی وجہ سے جن لوگوں کے ایمان سے ناامید تھے۔ ان کے بارے میں تو انہوں نے لب تک نہیں ہلائے۔ مگر اس سوتیلے بیٹے کا ایمان معلوم نہیں تھا۔ محتمل الایمان ہونے کی وجہ سے اس کے بارے میں دعا کردی۔ تورات میں کنعان کو حضرت کا بیٹا ہونے کی بجائے پوتا ہونا لکھا ہے۔ یعنی حام کا بیٹا تھا۔ مگر قرآن پاک کے مقابلہ میں تورات کا بیان غیر معتبر ہے کیونکہ اس میں بکثرت تحریفات ہوئی ہیں۔

ربط آیات:............اس رکوع میں بھی حضرت نوحؑ کے واقعہ کا تتمہ ہے۔

﴿تشریح﴾:......**مخالفین حق کا انجام:**............فرمایا: پس جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے۔ بلکہ اب تو یہ سب لوگ غرق ہونے والے ہیں۔ اس لئے ایک کشتی بنالو۔ لیکن نہ ماننے والوں نے اس کا بھی مذاق اڑایا۔ آخر کار اپنے ٹھیک وقت پر طوفانِ نوحؑ کا ظہور ہوا اور حضرت نوحؑ ان سب کو ساتھ لے کر سوار ہوئے جن کے ساتھ لینے کا حکم ہوا تھا۔ غرضیکہ سیلاب اور طوفانی ہواؤں کا یہ عالم تھا کہ پہاڑ جیسی اونچی اونچی موجیں اٹھنے لگیں۔ اسی میں حضرت نوحؑ کا اپنا سوتیلا بیٹا کنعان یاد آیا۔ جوش پدری سے اسے آواز دی۔ مگر وہ آوارہ صحبت میں نالائق ہو چکا تھا۔ اس کی مت ماری گئی تھی۔ اس لئے باپ کی نصیحت وشفقت کو نہ سمجھا۔ بے بنیاد سہاروں پر کھڑا ہونا چاہا کہ تقدیر الٰہی اور اپنی شامت اعمال سے ایک پانی کا ریلہ باپ بیٹے کے درمیان آکر حائل ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے باپ کی نظروں سے اوجھل کر کے موجوں کی آغوش کے حوالہ کر دیا۔ باپ تڑپ اٹھا اور جوش محبت میں بے چین ہو کر بولا خدایا! وہ میرے اہل وعیال میں سے ہے۔ جس کے محفوظ رکھنے کا تو نے وعدہ کیا تھا مگر یہ کیا ہوا؟

ارشاد ہوا وہ بدعمل تھا اس لئے وہ تمہارا نہیں تھا۔ برا اچھوں میں کیسے ہو سکتا ہے۔ غرضیکہ یہ جسمانی رشتہ ایک برگزیدہ پیغمبر کا بھی کام نہ آیا۔ جو کچھ ہے وہ ایمان وعمل کارآمد ہے۔ حضرت نوحؑ نے لجاجت کے ساتھ معذرت کی۔ طوفان اور سیلاب تھما، کشتی جودی پہاڑ پر رکی۔ اور قصہ ختم ہوا۔

سورۂ قمر کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے لگاتار بارش ہوئی تھی اور زمین کی تمام نہروں میں سیلاب آ گیا تھا۔ تورات میں اتنا اشارہ اور ہے کہ بڑے سمندر کی تمام سوتیں پھوٹ نکلیں تھیں۔

حضرت نوحؑ کی دعوت کا میدان:............حضرت نوحؑ کا ظہور اس سرزمین میں ہوا تھا جو دجلہ اور فرات کی وادیوں میں واقع ہے۔ دجلہ اور فرات آرمینیا کے پہاڑوں سے نکلی ہیں اور بہت دور نکل کر الگ الگ بہہ کر عراق زیریں میں جا کر باہم مل گئی ہیں اور پھر خلیج فارس میں سمندر سے جاملی ہیں۔ آرمینیا کے یہ پہاڑ ارارات کے علاقہ میں واقع ہیں۔ اسی لئے تورات میں اسے ارارات کا پہاڑ کہا گیا ہے۔ لیکن قرآن نے اس پہاڑ کا ذکر کیا۔ جس پر کشتی ٹھہری تھی اور وہ جودی پہاڑ تھا۔ زمانۂ حال کے بعض شارحین تورات کا خیال بھی اس کی تصدیق کر رہا ہے اور کم از کم یہ واقعہ تاریخی ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی تک وہاں ایک معبد موجود تھا جس کا نام لوگوں نے کشتی کا معبد رکھ دیا تھا۔

طوفان نوحؑ محدود تھا یا عالمگیر:............طوفان نوحؑ کے سلسلہ میں مفسرینؒ کی دو رائے ہیں۔ بعض تو اس کو ایک خاص ملک میں محدود مانتے ہیں۔ لیکن عام مفسرینؒ اس طوفان کو عام مانتے ہیں۔ جس کی لپیٹ میں سارا عالم آ گیا تھا۔ چنانچہ آیت وجعلنا ذریته هم الباقین اور آیت رب لا تزر علی الارض من الکافرین دیارا کے الفاظ بھی عموم پر دلالت کرتے ہیں۔ جن کی

تاویل ذرا مشکل سے ہوگی۔

طوفان نوحؑ کے عام ہونے پر بعض اشکالات کے جوابات: .... البتہ طوفان نوحؑ کو عام ماننے پر مندرجہ ذیل بعض اشکالات ہو سکتے ہیں۔ان اشکالات اور جوابات کو ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

پہلا شبہ اور جواب: .... (۱) جانوروں کی ہزاروں لاکھوں قسموں کا اگر ایک ایک جوڑا بھی لیا جائے تو اتنی بڑی تعداد کیسے ایک کشتی میں سما سکتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ جس قدر جانور پانی کے رہنے والے ہیں ان کے سوار کرنے کی تو چنداں ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے ان کو خارج مانا جائے۔ رہ گئے خشکی کے جانور تو ان میں سے جو محتاج تناسل نہیں وہ بھی خارج رہیں۔ان کے علاوہ وہ جانور جو انسانی ضروریات سے غیر متعلق ہوں ان کو بھی نکال دیا جائے جیسے درندے وغیرہ۔ان کو اللہ نے دوبارہ پیدا کر دیا ہوگا یا بطور خرق عادت اسی کشتی میں ان کے لئے بھی جگہ کر دی گئی ہوگی۔اب صرف وہ جانور رہ جاتے ہیں جو انسان کے کھانے،سواری اور لادنے،جوتنے کے کام آتے ہوں تاکہ طوفان ختم ہونے کے بعد آئندہ چل کر بقیہ افراد انسانی کو تکلیف نہ ہو۔سو ایسے جانوروں کی تعداد تو بہت ہی مختصر رہ جاتی ہے۔ان کا ایک ایک جوڑا رکھنا کچھ مشکل نہیں۔

دوسرا شبہ اور جواب: .... (۲) ایک اشکال یہ ہے کہ جانوروں نے آخر کیا خطا کی تھی۔جس کی وجہ سے انہیں بھی مبتلائے عذاب کیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ جو بھی مبتلائے مصیبت ہوا سے مبتلائے عذاب بھی کہا جائے۔چھوٹے معصوم بچے آخر حوادث کا شکار ہوتے ہیں۔انہوں نے کون سا قصور کیا ہے کہ مبتلائے عذاب کہا جائے۔ بات یہ ہے کہ ایک ہی واقعہ کے کئی کئی رخ ہوتے ہیں۔اب یہی طوفان نوحؑ ہے وہ کفار کے حق میں تو مکلف ہونے کی وجہ سے تھا۔لیکن جانوروں کے حق میں طبعی موت کے درجہ میں تھا۔چنانچہ جیل میں وارڈ کے ملازمین اور آفیسران بھی ہوتے ہیں اور قیدی اور مجرم بھی ہوتے ہیں۔لیکن ایک کے حق میں وہی جیل باغ وچمن ہے اور دوسرے کے حق میں قید محن یا جہنم میں مامور فرشتے اور داروغۂ جہنم بھی رہیں گے اور کفار وفساق بھی لیکن دونوں کے لئے جہنم کا حکم الگ الگ ہوگا۔

تیسرے شبہ کے تین جواب (۳): .... ایک شبہ یہ ہے کہ نابالغ بچے جو معصوم اور غیر مکلف تھے۔انہوں نے جب کوئی خطا ہی نہیں کی تھی۔پھر انہیں کیوں غرق طوفان کیا گیا؟ اس کا ایک جواب تو وہی ہے جو ابھی گزر چکا کہ یہ کیا ضروری ہے کہ وہ واقعہ ان کے حق میں عذاب ہی ہو۔بلکہ ان کے حق میں وہ صرف ایک حادثہ اور دوسرے مصائب کی طرح ایک آفت تھی۔دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ روح المعانی میں عبداللہ بن زیاد بن سمعان سے اسحاق بن بشیر کی ایک روایت بھی نقل کی گئی ہے کہ طوفان سے چالیس سال پہلے توالد وتناسل روک دیا گیا تھا۔پس پرانے نابالغ تو اس عرصہ میں بالغ ہو گئے ہوں گے۔اور تازہ نابالغ کوئی آیا نہیں۔اس لئے شبہ کی بنیاد ہی ختم ہوگئی۔تیسری توجیہ بر سبیل تسلیم یہ ہوسکتی ہے کہ چونکہ آئندہ چل کر وہ بچے بڑے ہو کر کافر ہونے والے تھے۔اس لئے ان کو پہلے ہی ہلاک کر دیا گیا۔جیسا کہ حضرت موسیٰ اور خضر کی ملاقات کے واقعہ میں بھی ایسا ہی ہوا۔

واقعۂ نوحؑ کا تتمہ اور چند نکات: .... کشتی میں سوار ہونے والے مؤمنین کی تعداد میں اختلاف ہے۔سب سے بڑا عدد اسی مرد اور اسی عورتوں کا ہے۔لیکن بعد میں نسل سب سے نہیں چلی۔بلکہ موجودہ تمام عالم کا سلسلۂ نسب صرف حام،سام،یافث کی نسل سے

چل رہا ہے۔ اسی لئے حضرت نوحؑ کو آدم ثانی کہا جاتا ہے کہ وہ از سر نو اس دوسری آبادی کے باوا آدم ہیں۔ رہا یہ کہ وہ کشتی حضرت نوحؑ نے الہام خداوندی سے خود بنائی تھی یا کاریگروں سے بنوائی تھی؟ دونوں قول ہیں۔ اور کنعان کو بعض نے ان کا حقیقی بیٹا مانا ہے اور بعض نے ربیب یعنی داعلہ نامی بیوی کا بیٹا مانا ہے۔ جو حضرت نوحؑ کا سوتیلا بیٹا ہوتا ہے۔ تورات کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی پہاڑ سے بھی پندرہ پندرہ ہاتھ اونچا ہو گیا اور قصہ ختم ہونے میں حضرت نوحؑ کی نجات، کافروں کا غرق ہونا اور طوفان کا فرو ہو جانا سب ہی چیزیں آگئیں۔

حق تعالیٰ نے **واھلک** کے ساتھ اگرچہ **الا من سبق علیہ القول** سے اشارہ فرما دیا تھا کہ نااہل اہل میں داخل نہیں۔ مگر اس کا مصداق متعین نہیں فرمایا تھا۔ اور یہ ابہام غرق یا نجات کے واقعہ ہونے تک ہونا مصلحت تھا۔ پس کھلے کافر کے حق میں دعا کرنے کی ممانعت تو اس سے مقصود تھی ہی۔ لیکن جن کی حالت مشتبہ تھی وہ بھی اس ممانعت میں داخل تھے، جیسے پسر نوح۔ اسی طرح **لا تخاطبنی فی الذین ظلموا الخ** بھی اگرچہ عام تھا یقینی اور مشتبہ ظالم کو۔ مگر حضرت نوحؑ صرف یقینی کو سمجھے اور مشتبہ ان پر مشتبہ رہے اس لئے شفقت پدری سے انہوں نے دعا کر دی۔ بیٹے کا کافر ہونا انہیں معلوم نہیں تھا۔ ادھر **الذین ظلموا الخ** سے مراد **ظلموا فی علمنا** تھی۔ یعنی حضرت نوحؑ سمجھے کہ **ظلموا فی علم نوح** مراد ہے۔ اس لئے اپنی دانست کے مطابق اسے غیر کافر سمجھتے ہوئے دعا کر بیٹھے۔ اس لئے جب لتاڑ پڑی تو **مالیس لک بہ علم** بھی فرمایا گیا اور آئندہ کے لئے فہمائش کر دی گئی۔

اگر شبہ ہو کہ **لن یؤمن من قومک** تو فرما دیا گیا تھا۔ جس سے حضرت نوحؑ سمجھ جاتے کہ بیٹا مؤمن نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ وہ بلحاظ قوم کے فرمایا گیا ہے **من اھلک** کی قید اس میں نہیں ہے۔ اس لئے حضرت نوحؑ کی عصمت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

ایسے طوفان وسیلاب کے بعد دنیا کی جو حالت ہوگئی ہوگی اس کی ہولنا کی محتاج بیان نہیں۔ قدرتی طور پر حضرت نوحؑ اور ان کے ساتھیوں کو خیال گزرا ہوگا کہ یہ سرزمین زندگی اور زندگی کے تمام سامانوں سے خالی ہوگئی ہے۔ اب اس وحشت کدہ میں ہم کیوں کر زندگی بسر کریں گے؟ اس لئے اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ سلامتی اور برکتوں کے ساتھ زمین پر قدم رکھو۔ تمہارے لئے خوف کی کوئی بات نہیں۔ سامان زندگی کی تمام برکتیں پھر ظہور میں آجائیں گی "**وامم سنمتعھم**" تمہارے بعد جو امتیں آئیں گی۔ انہیں اگرچہ زندگی کی ساری کامرانیاں ملیں گی۔ مگر پھر پاداش عمل سے تباہی میں پڑیں گی۔

حضرت نوحؑ کے اعتبار سے مخاطبین کی چار ہی قسمیں ہوسکتی ہیں (۱) ان کے سامنے موجودہ مسلمان (۲) اور آئندہ آنے والے غائب مسلمان (۳) کافر حاضر (۴) کافر غائب۔ پہلی اور چوتھی قسم یعنی حاضر مسلمان اور غائب کافر تو صراحۃً علی الترتیب **وعلی امم ممن معک** و **امم سنمتعھم** میں مذکور ہیں اور دوسری قسم یعنی غائب مسلمان بھی پہلے جملہ **وعلی امم** کے مفہوم میں داخل ہیں۔ البتہ تیسری قسم یعنی کافر حاضر اس وقت رہے ہی نہیں تھے سب ختم ہو چکے تھے۔ آیت **قیل یا نوح الخ** میں تقریباً بیس میم جمع کر دیئے گئے ہیں۔

لطائف آیات: .... آیت **ونادیٰ نوح الخ** سے معلوم ہوا کہ جن اسباب کے اختیار کرنے کی اجازت ہو ان کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔ جیسے کشتی پر سوار ہونا۔ لیکن جن اسباب کے اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے ان کو اختیار کرنا خلاف توکل ہوگا جیسے کنعان کا پہاڑ کی پناہ لینا۔

آیت **انہ لیس من اھلک الخ** سے معلوم ہوا کہ شرف نسبی کے ساتھ اصلاح نہ ہو تو وہ کالعدم ہے اور نیک و بد صحبت کا مؤثر ہونا بھی پسر نوح کے واقعہ سے معلوم ہوا۔ آیت **فلا تسئلن الخ** سے معلوم ہوا کہ بعض مشائخ جو ہر قسم کی جائز و ناجائز، مناسب و نامناسب دعا کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں یا بعض سالکین بعض ایسے احوال کی دعا کرنے لگتے ہیں جن کا نفع نقصان کچھ معلوم نہیں۔ پس ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔

وَ اَرْسَلْنَآ اِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ مِنَ الْقَبِیْلَةِ ھُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحِّدُوْهُ مَالَكُمْ مِّنْ زَائِدَةٌ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اِنْ مَا اَنْتُمْ فِی عِبَادَتِكُمُ الْاَوْثَانَ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ کَاذِبُوْنَ عَلَی اللّٰهِ یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ عَلَی التَّوْحِیْدِ اَجْرًا اِنْ مَا اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ خَلَقَنِی اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ مِنَ الشِّرْكِ ثُمَّ تُوْبُوْآ اِرْجِعُوْا اِلَیْهِ بِالطَّاعَةِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ الْمَطَرَ وَكَانُوْا قَدْ مُنِعُوْهُ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا كَثِیْرَ الدُّرُوْرِ وَّیَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰی مَعَ قُوَّتِكُمْ بِالْمَالِ وَالْوَلَدِ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿۵۲﴾ مُشْرِكِیْنَ قَالُوْا یٰھُوْدُ مَاجِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ بِبُرْھَانٍ عَلٰی قَوْلِكَ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْٓ اٰلِھَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ اَیْ لِقَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ مَا نَّقُوْلُ فِیْ شَانِكَ اِلَّا اعْتَرٰىكَ اَصَابَكَ بَعْضُ اٰلِھَتِنَا بِسُوْٓءٍ فَخَبَلَكَ بِسَبِّكَ اِیَّاھَا فَاَنْتَ تَھْذِیْ قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُاللّٰهَ عَلَیَّ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ بِهٖ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ اِحْتَالُوْا فِی هَلَاكِیْ جَمِیْعًا اَنْتُمْ وَاَوْثَانُكُمْ ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ تُمْهِلُوْنِ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ زَائِدَةٌ دَآبَّةٍ نَسَمَةٌ تَدُبُّ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا اَیْ مَالِكُهَا وَقَاهِرُهَا فَلَا نَفْعَ وَلَا ضَرَرَ اِلَّا بِاِذْنِهٖ وَخُصَّ النَّاصِیَةُ بِالذِّكْرِ لِاَنَّ مَنْ اُخِذَ بِنَاصِیَتِهٖ یَكُوْنُ فِیْ غَایَةِ الذُّلِّ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۶﴾ اَیْ طَرِیْقِ الْحَقِّ وَالْعَدْلِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فِیْهِ حَذْفُ اِحْدَی التَّائَیْنِ اَیْ تُعْرِضُوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَیْكُمْ وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْئًا بِاِشْرَاكِكُمْ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۵۷﴾ رَقِیْبٌ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا عَذَابُنَا نَجَّیْنَا ھُوْدًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ هِدَایَةٍ مِّنَّا وَنَجَّیْنٰھُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ﴿۵۸﴾ شَدِیْدٍ وَتِلْكَ عَادٌ اِشَارَةٌ اِلٰی اٰثَارِهِمْ اَیْ فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ وَانْظُرُوْا اِلَیْهَا ثُمَّ وَصَفَ اَحْوَالَهُمْ فَقَالَ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ جَمْعٌ لِاَنَّ مَنْ عَصٰی رَسُوْلًا عَصٰی جَمِیْعَ الرُّسُلِ لِاِشْتِرَاكِهِمْ فِیْ اَصْلِ مَاجَاؤُا بِهٖ وَهُوَ التَّوْحِیْدُ وَاتَّبَعُوْٓا اَیِ السَّفَلَةُ اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿۵۹﴾ مُعَانِدٍ مُعَارِضٍ لِلْحَقِّ مِنْ رُؤَسَائِهِمْ وَاُتْبِعُوْا فِیْ ھٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً مِنَ النَّاسِ وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَعْنَةٌ عَلٰی رُؤُسِ الْخَلَائِقِ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا جَحَدُوْا رَبَّھُمْ اَلَا بُعْدًا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ لِّعَادٍ قَوْمِ ھُوْدٍ ﴿۶۰﴾ وَ اَرْسَلْنَا اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ مِنَ الْقَبِیْلَةِ صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحِّدُوْهُ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ھُوَ اَنْشَاَكُمْ اِبْتَدَأَ خَلْقِكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ بِخَلْقِ اَبِیْكُمْ اٰدَمَ مِنْهَا وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِیْھَا جَعَلَكُمْ عُمَّارًا تَسْكُنُوْنَ بِهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ مِنَ الشِّرْكِ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِرْجِعُوْا اِلَیْهِ بِالطَّاعَةِ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مِنْ خَلْقِهٖ بِعِلْمِهٖ مُّجِیْبٌ ﴿۶۱﴾ لِمَنْ سَاَلَهٗ قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ

كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا نَرْجُوا اَنْ تَكُوْنَ سَيِّدًا **قَبْلَ هٰذَآ** الَّذِىْ صَدَرَ مِنْكَ **اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا** مِنَ الْاَوْثَانِ **وَاِنَّنَا لَفِىْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ** مِنَ التَّوْحِيْدِ **مُرِيْبٍ**﴿۶۲﴾ مُوْقِعٍ فِى الرَّيْبِ **قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ** بَيَانٍ **مِّنْ رَّبِّىْ وَاٰتٰنِىْ مِنْهُ رَحْمَةً** نُبُوَّةً **فَمَنْ يَّنْصُرُنِىْ** يَمْنَعُنِىْ **مِنَ اللّٰهِ** اَىْ عَذَابِهٖ **اِنْ عَصَيْتُهٗ** قف **فَمَا تَزِيْدُوْنَنِىْ** بِاَمْرِكُمْ لِىْ بِذٰلِكَ **غَيْرَ تَخْسِيْرٍ**﴿۶۳﴾ تَضْلِيْلٍ **وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً** حَالٌ عَامِلُهُ الْاِشَارَةُ **فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِىْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ** عَقْرٍ **فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ**﴿۶۴﴾ اِنْ عَقَرْتُمُوْهَا **فَعَقَرُوْهَا** عَقَرَهَا قُدَارٌ بِاَمْرِهِمْ **فَقَالَ** صَالِحٌ **تَمَتَّعُوْا** عِيْشُوْا **فِىْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ** ثُمَّ تُهْلَكُوْنَ **ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ**﴿۶۵﴾ فِيْهِ **فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا** بِاِهْلَاكِهِمْ **نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ** وَهُمْ اَرْبَعَةُ اٰلَافٍ **بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ** نَجَّيْنَاهُمْ **مِنْ خِزْىِ يَوْمِئِذٍ** بِكَسْرِ الْمِيْمِ اِعْرَابًا وَفَتْحِهَا بِنَاءً لِاِضَافَتِهٖ اِلٰى مَبْنِىٍّ وَهُوَ الْاَكْثَرُ **اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِىُّ الْعَزِيْزُ**﴿۶۶﴾ الْغَالِبُ **وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ**﴿۶۷﴾ بَارِكِيْنَ عَلَى الرُّكَبِ مَيِّتِيْنَ **كَاَنْ** مُخَفَّفَةٌ وَاِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَىْ كَاَنَّهُمْ **لَّمْ يَغْنَوْا** يُقِيْمُوْا **فِيْهَا** فِىْ دَارِهِمْ **اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ**﴿۶۸﴾ع بِالصَّرْفِ وَتَرْكِهٖ عَلٰى مَعْنَى الْحَىِّ وَالْقَبِيْلَةِ

ع ۶ ۸

ترجمہ: .... اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے (قبیلہ کے) بھائی بندوں میں سے ہود کو بھیجا۔ انہوں نے فرمایا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی (توحید) بجالاؤ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ یقین کرو تم اس کے سوا کچھ نہیں ہو کہ (بت پرستی کر کے) افترا، پردازیاں کر رہے ہو (خدا پر جھوٹ باندھ رہے ہو) اے میری قوم کے لوگو! میں تم سے اس (توحید کی دعوت) پر کچھ معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا معاوضہ تو صرف اس ذات پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے پھر کیا تم یہ بھی نہیں سمجھتے؟ اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے پروردگار سے (شرک کی) معافی مانگو اور اس کی جناب میں توبہ مانگو (اس کی اطاعت کی طرف رجوع کرو) وہ تم پر خوب (موسلا دھار) بارش برسائے گا (ان پر بارش کی بندش تھی) اور تمہاری قوت میں (مال واولاد کے ذریعہ سے) اور قوت کا اضافہ فرمائے گا اور جرم (شرک) کرتے ہوئے اس سے منہ نہ موڑو۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے ہود! آپ ہمارے سامنے کوئی دلیل تو لے کر آئے نہیں (اپنے دعویٰ پر کوئی پیش نہیں کی) ہم تو تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں (آپ کے متعلق) ہمارا فیصلہ تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں ہی میں سے کسی کی مار (آفت) تم پر پڑ گئی ہے (ان کی شان میں برا بھلا کہنے اور بے ادبی کرنے کی وجہ سے تمہارے دماغ میں فتور آ گیا جس سے تم یہ ہذیان بک رہے ہو) ہود نے جواب دیا کہ میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن ہستیوں کو تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے میں ان سے بیزار ہوں بجز خدا کے۔ لہٰذا تم سب مل کر (تم اور تمہارے معبود) میرے خلاف جو کچھ داؤ گھات، ہلاک کرنے کی تدبیر) کر سکتے ہو ضرور کرو۔ پھر مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے کوئی حرکت کرنے والی (زمین پر چلنے والی چیز) نہیں ہے (من زائد ہے) مگر اس کی چوٹی اس نے پکڑ رکھی ہے (یعنی اللہ ہی سب کا مالک اور سب پر غالب ہے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو بھی نفع نقصان نہیں پہنچ سکتا اور

خصوصیت سے پیشانی کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ جس کی پیشانی دوسرے کے قبضہ میں چلی جاتی ہے وہ انتہائی بے بس اور عاجز ہوجاتا ہے) بلاشبہ میرا پروردگار سیدھی راہ (حق وانصاف کے طریقہ) پر ہے۔ پھر بھی اگر تم پھرے رہے (دو تا میں سے ایک تا حذف ہورہی ہے۔ یعنی اگر تم نے روگردانی کی) تو جس بات کے لئے میں بھیجا گیا ہوں وہ میں نے تم تک پہنچادی ہے اور میرا پروردگار کسی دوسرے طبقہ کو تمہاری جگہ دے دے گا اور تم اس کا کچھ بگاڑ نہ سکوگے (اس کے ساتھ شرک کرکے) یقیناً میرا پروردگار ہر چیز کا نگران حال (نگہبان) ہے اور جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا۔ تو ہم نے اپنی رحمت (ہدایت) سے ہود کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو بھی بچایا اور ایسے عذاب سے بچایا جو بہت ہی سخت (شدید) تھا۔ یہ سرگذشت عاد کی تھی (اس قوم کے حالات کی طرف اشارہ ہے یعنی ملک میں چل پھر کر ان آثار پر نظر ڈالو۔ چنانچہ ان احوال کا تذکرہ کیا جارہا ہے) جنہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیاں جھٹلائیں اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی (رسول کو جمع کے صیغہ سے اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص نے ایک رسول کی نافرمانی کی اس نے سب رسولوں کی نافرمانی کی۔ کیونکہ اصل دعوت توحید تو سب کی ایک ہی تھی) اور (ان میں سے کمتر درجہ کے لوگ) متکبر اور ضدی لوگوں (حق کا مقابلہ کرنے والے سرکش سرداروں) کے کہنے پر چلتے رہے۔ اس دنیا میں بھی ان پر (لوگوں کی) لعنت ملامت پڑی۔ اور قیامت کے دن بھی (سب کے سامنے پھٹکار) پڑے گی۔ خوب سن لو تو قوم عاد نے اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کیا۔ خوب سن لو کہ (رحمت الٰہی سے) دوری ہوگئی عاد کو جو قوم تھی ہودؑ کی۔ اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے (برادری کے) بھائی بندوں میں سے صالحؑ کو بھیجا۔ صالحؑ نے وعظ کہا کہ اے میری قوم کے لوگوں! اللہ کی (تنہا) بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا (شروع میں بنایا) زمین سے (سب انسانوں کے باپ آدم کو مٹی سے پیدا کیا) پھر اسی میں تمہیں بسادیا (تمہیں آباد کردیا کہ تم اس میں رہنے لگے) پس چاہئے کہ اس سے بخشش مانگو (شرک سے) اور (اطاعت کرکے) اس کی طرف رجوع کرو، یقین کرو میرا پروردگار پاس ہے (اپنی مخلوق کے علم کے لحاظ سے) اور قبول فرمانے والا ہے۔ (دعاؤں کو) کہنے لگے اے صالحؑ! (اس معاملہ سے) پہلے تو تم ایسے آدمی تھے کہ ہم سب کی امیدیں تم سے وابستہ تھیں (کہ تم سب میں ہونہار ہوگے) پھر کیا تم ہمیں ان چیزوں کی پوجا سے روکتے ہو (بت پرستی سے) جن کی پوجا ہمارے باپ دادے کرتے چلے آئے ہیں۔ ہمیں اس بات میں بڑا ہی شبہ ہے جس (توحید) کی طرف تم بلارہے ہو جس نے ہمیں تردد میں ڈال رکھا ہے (دل میں اترتی نہیں ہے) صالحؑ نے فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگوں! کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل (بیان) پر ہوں اور اس نے اپنی رحمت (نبوت) مجھے مرحمت فرمائی ہو۔ تو پھر کون ہے جو اللہ کے (عذاب کے) مقابلہ میں میری مدد کرے اگر میں اس کے حکم کی سرتابی کروں؟ پس تم مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچارہے ہو (**مجھے اس بات پر آمادہ کرکے**) مگر میرا سراسر نقصان کررہے ہو (گمراہ کرکے) اور اے میری قوم کے لوگوں! دیکھو یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔ تمہارے لئے ایک نشانی ہے (**آیۃ حال ہے** جس میں ھذہ اسم اشارہ ہے عمل کررہا ہے) پس اسے چھوڑ دو اللہ کی زمین میں چرتی پھرے۔ اسے کسی طرح کی اذیت مت پہنچانا (کبھی کوچیں کاٹ دو) ورنہ فوراً تمہیں عذاب آپکڑے گا (اگر تم نے اس کی ٹانگیں چھانگیں) لیکن لوگوں نے اسے مار ڈالا (قدار نامی ایک شخص نے سب لوگوں کے کہنے سے اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں) تب صالحؑ بولے کہ تم اپنے گھروں میں کھاپی لو (مزے اڑالو) تین دن (پھر تم پر تباہی آنے والی ہے) اس وعدہ میں ذرا جھوٹ نہیں ہے۔ پھر جب ہمارا حکم (ان کی تباہی کے بارے میں) آپہنچا تو ہم نے صالحؑ کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لاچکے تھے (چار ہزار آدمی) اپنی رحمت سے بچالیا اور اس دن کی بڑی رسوائی سے نجات دے دی۔ یومئذ میم کے کسرہ کی صورت میں معرب اور فتح میم کی صورت میں مبنی ہوگا۔ مبنی کی طرف مضاف ہونے کی وجہ اور یہی اکثری حالت ہے) بلاشبہ پروردگار ہی قوت اور

غلبہ والا (غالب) ہے اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ایک زور کی کڑک نے انہیں آلیا جب صبح ہوئی تو سب اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے (گھٹنوں کے بل مردہ پڑے تھے) گویا (ان مخففہ ہے اس کا اسم محذوف ہے کانھم تھا) ان (گھروں) میں کبھی بسے (آباد ہوئے) ہی نہ تھے۔ خوب سن رکھو کہ قوم ثمود نے اپنے پروردگار کی ناشکری کی۔ ثمود کو رحمت سے دوری ہوگئی (لفظ ثمود منصرف اور غیر منصرف پڑھا گیا ہے۔ قبیلہ کے معنی میں لے کر)۔

تحقیق وترکیب: .... **وارسلنا** اشارہ کردیا کہ مفرد پر عطف نہیں ہے بلکہ جملہ کا جملہ پر عطف ہے۔ **هودا** یہ سام کی اولاد میں سے ہے۔ حضرت نوح کے آٹھ سو سال بعد ہوئے۔ عاد قبیلہ کا نام ہے۔ یہ بھی اولاد نوح سے ہے۔ عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح سلسلہ نسب ہے۔ اسی طرح ہود بن عبداللہ بن رباح بن خلود بن عاد ہے۔ حضرت ہود کی عمر چار سو سال ہوئی یا چار سو ساٹھ سال۔

لا اسئلکم اس سے مقصود خودستائی نہیں بلکہ مخاطبین کو قبول ہدایت کے لئے آمادہ کرنا ہے۔

ثم لا تنصرون اس قدر قوت قلبی کا مظاہرہ کرنا معجزہ ہے بغیر تائید غیبی کے پورے مخالف ماحول کا اس آزادی سے مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

فان تولوا جواب محذوف ہے **وقد ابلغتکم** دال پر جواب ہے۔ **یستخلف** یہ سخت وعید ہے۔ **وعصوا رُسُلَه** انسان العیون میں ہے کہ قوم جب کسی نبی کی تکذیب کرتی تھی تو نبی بیت اللہ میں آکر مقیم ہوجاتے اور وہیں اپنی عمر پوری کرتے۔ چنانچہ رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیانی حصہ جنت کا ایک ٹکڑا ہے جس میں ہود، شعیب، صالح، اسماعیل علیہم السلام کے مزارات ہیں۔

ثمود قبیلہ کا نام ہے ثمود بن عامر بن ارم بن سام کے نام پر رکھا گیا اور صالح بن مجید بن جادر بن ثمود ہیں اور بعض نے صالح بن عبید بن آسف بن ماسخ بن عبید بن خاور بن ثمود کہا ہے **من الارض** بعض نے من کو فی کے معنی میں لیا ہے ای فی الارض۔

بخلق ابیکم مادۂ منویہ اور نطفہ بھی زمین ہی کی پیداوار سے بنتا ہے۔ **مریب** راب لازم سے ہے بمعنی صار یا اراب متعدی سے اسم فاعل ہے۔ شک کی طرف سے اسناد مجازی ہے۔ **ان کنت علی بینة** حرف شک ارخاء عنان کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ **ناقة الله** ایک متعین پتھر سے اونٹنی برآمد کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ سو وہ پورا کردیا گیا اور بیت اللہ کی طرف اضافت تشریفا ہے۔ **تاکل ای تشرب من ماء الله . سرابیل تقیکم الحرّ** کی طرح ایک پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ **بسوء** اس کو عام ہی رکھنا چاہئے کونچیں کاٹنا بھی اس میں داخل ہے۔

ثلثة ایام تین روز اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے ہلاک ہونے پر غمزدہ رہا۔ اس لئے تین روز کی مہلت دی گئی۔ پہلے روز زرد رو ہوکر اٹھے اور دوسرے روز چہرے سرخ ہوگئے تھے اور تیسرے روز روسیاہ ہوکر ہلاک ہوگئے۔

ربط آیات: .... نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ہود وصالح علیہما السلام کی دعوت وتبلیغ کی مساعی کو ذکر کیا جارہا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... حضرت ہودؑ کے وعظ کا حاصل بھی یہی ہے کہ اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے عقائد واعمال حقیقت کے خلاف محض افتراء ہیں۔ میں کسی معاوضہ کا طلب گار وامیدوار نہیں ہوں۔ بلکہ یہ محض اداء فرض کا تقاضہ ہے جو مجھے دعوت حق پر مجبور کررہا ہے۔

حضرت ہودؑ کی دعوت کا جواب: .... مگر قوم نے ان نصائح پر کان دھرنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ تمہارے پاس کوئی ایسی بات نہیں جو ہمارے نزدیک دلیل ہو۔ اس لئے ہم تو اپنے معبودوں کی پرستش چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ ہماری رائے تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار تم پر پڑی ہے۔ جن کی شان میں تم نے گستاخیاں اور بے ادبیاں کی ہیں۔ اسی لئے ایسے خیالات آنے لگے اور ہذیان بکنے لگے ہو۔

حضرت ہود علیہ السلام کا جواب الجواب: .... فرمایا کہ تم کہتے ہو تمہارے معبودوں کی مار مجھ پر پڑی ہے۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ مجھے تمہارے معبودوں سے کوئی سروکار نہیں۔ اب تم اور تمہارے معبود جو کچھ میرے خلاف کر سکتے ہو کر دیکھو۔ تمہارا بھروسہ ان معبودوں پر ہے۔ میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا تمہارا سب کا پروردگار ہے۔ میرا کام تبلیغ حق تھا۔ سو وہ میں نے کر دیا۔ اب اگر سچائی کی طرف سے تم نے رخ پھیر ہی لیا ہے تو جان لو کہ قانون الٰہی کے مطابق تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو مل جائے گی۔ اور تم ہلاکت سے دو چار ہو گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ مؤمنوں نے نجات پائی اور سرکش ہلاک ہو گئے۔

مشرکین توحید ربوبیت سے بے خبر نہ تھے مگر توحید الوہیت سے نا آشنا تھے: .... آیت ربی وربکم کا سارا زور اس بات پر ہے کہ ان تمام مشرک قوموں کو اس بات سے تو انکار نہیں تھا کہ ایک خالق و پروردگار ہستی موجود ہے اور اصلی طاقت اسی کی طاقت ہے۔ یعنی وہ توحید ربوبیت سے بے خبر نہ تھے۔ لیکن ساری گمراہی یہ تھی کہ توحید الوہیت میں کھو گئے تھے۔ یعنی سمجھتے تھے کہ اس پروردگار ہستی کے ماتحت دوسری ہستیاں بھی ہیں۔ جنہیں تصرف کا اختیار مل گیا ہے اور اسی لئے ہمیں ان کی پوجا کرنی چاہیئے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ میرا بھروسہ تو اس پر ہے جسے میں بھی رب یقین کرتا ہوں اور تم بھی رب مانتے ہو۔

قوم کا ردِ عمل: .... آیت وتلک عاد الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد پر ظالم و سرکش بادشاہ حکمران تھے اور فراعنۂ مصر کی طرح اپنے آپ کو پجواتے تھے۔ عوام خدا کے رسولوں کی تو نافرمانی کرتے تھے اور ظالم و سرکش حکمرانوں کا کہا مانتے تھے۔ یعنی جو حق و عدالت کی طرف بلاتے تھے۔ ان سے تو منکر ہوئے اور جو ظلم و سرکشی کرتے تھے ان کے پیچھے چلتے۔ ایسے لوگوں کے لئے ہلاکت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

حضرت صالحؑ کا وعظ: .... قوم ثمود میں حضرت صالح علیہ السلام کے وعظ کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے تمہیں زمین کی مٹی کے خمیر سے پیدا کیا اور تم سے زمین کو آباد کر دیا۔ پھر پروردگار عالم کے سوا کوئی پرستش کے لائق ہو سکتا ہے؟ سرکشی سے باز آؤ اور اس کی طرف رجوع ہو جاؤ۔

قوم کا جواب: .... قوم بولی کہ ہمیں تو تمہاری ذات سے بڑی بڑی امیدیں تھیں کہ قوم کی رہنمائی کرو گے۔ لیکن ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ یہ دیکھ کر کہ ہمارے بزرگوں کو برا بھلا کہتے ہو اور ان سے ہمیں برگشتہ کرنا چاہتے ہو؟

عوام اتباع حق کو قابل پیشوائی نہیں سمجھتے بلکہ اپنی رائے کے موافق پیروی کرانا چاہتے ہیں: ...... ہمیشہ سے یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ جب کبھی کوئی غیر معمولی قابلیت کا آدمی قوم میں پیدا ہو جاتا ہے۔ تو لوگ اس کی قابلیت سراہتے ہیں اور اس

سے بڑی بڑی امیدیں قائم کر لیتے ہیں کہ یہ باپ دادوں کا نام روشن کرے گا۔ لیکن جب وہ کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے یا ایسا کام کر لیتا ہے جوان کی عام روش اور طور طریق کے خلاف ہوتا ہے تو لوگ گردن موڑ لیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو بڑا نکما نکلا، ساری امیدوں ہی پر اوس پڑگئی۔ گویا بزرگی اور پیشوائی کا طریقہ یہ نہیں کہ جو بات حق معلوم ہو اس کی لوگوں کو دعوت دی جائے۔ بلکہ جسے لوگ حق کہتے یا سمجھتے ہوں اس کی پیروی کی جائے اور اسی کی طرف لوگوں کو بھی دعوت دی جائے۔ حضرت صالحؑ نے کہا: اگر ایک شخص پر اللہ نے علم وبصیرت کی راہ کھول دی ہو اور وہ دیکھ رہا ہو کہ سچائی وہ نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہے۔ تو کیا محض لوگوں کی پاس خاطر سے اس کا اظہار نہ کرے۔ اچھا بتلاؤ اگر وہ حکم حق سے سرتابی کرے تو خدا کے مؤاخذہ سے اسے کون بچالے گا۔ اگر میں محض اس خیال سے کہ تمہاری امیدوں کو ٹھیس نہ لگے۔ سچائی کا اعلان نہ کروں تو اس کا مطلب یہی ہوگا۔ کہ اپنے آپ کو تباہی میں ڈال دوں۔ بہرحال قوم نے سرکشی کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مؤمنوں نے نجات پائی۔ سرکش ہلاک ہوئے۔ حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ کی سرگذشتوں میں اختصار رہا۔ کیونکہ ان دونوں کا ظہور عرب ہی میں ہوا تھا اور اہل عرب ان سے ناآشنا نہ تھے۔

لطائف آیات: .... آیت ویٰقوم استغفروا الخ سے معلوم ہوا کہ طاعت کو دنیاوی راحت وآرام اور خوش عیشی میں بھی دخل ہے۔ آیت فکیدونی جمیعا الخ سے معلوم ہوا کہ قوی توکل کی یہی شان ہوتی ہے کہ انسان بڑے سے بڑے گردن کشوں کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ آیت وعصو رسله الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مقبولین کا انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے سب مقبولین کا انکار کر دیا جائے۔ کیونکہ سب کا مقصود ایک ہی ہوتا ہے۔ آیت الا بعدا لعاد الخ سے معلوم ہوا کہ مخالفین حق کی ہلاکت کی دعا کرنا کمال کے خلاف نہیں ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى اَیْ بِاِسْحَاقَ وَیَعْقُوْبَ بَعْدَهٗ **قَالُوْا سَلٰمًا** مَصْدَرٌ **قَالَ سَلٰمٌ** عَلَیْکُمْ **فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ**﴿۶۹﴾ مَشْوِیٌّ **فَلَمَّا رَآ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ** بِمَعْنٰی اَنْکَرَهُمْ **وَاَوْجَسَ** اَضْمَرَ فِیْ نَفْسِهٖ **مِنْهُمْ خِيْفَةً** خَوْفًا **قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ**﴿۷۰﴾ لِنُهْلِکَهُمْ **وَامْرَاَتُهٗ** اَیْ اِبْرَاهِیْمَ سَارَةُ **قَآئِمَةٌ** تَخْدِمُهُمْ **فَضَحِكَتْ** اِسْتِبْشَارًا بِهِلَاکِهِمْ **فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ** بَعْدَ **اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ**﴿۷۱﴾ وَلَدَهٗ تَعِیْشُ اِلٰی اَنْ تَرَاهُ **قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى** کَلِمَةٌ تُقَالُ عِنْدَ اَمْرٍ عَظِیْمٍ وَالْاَلِفُ مُبْدَلَةٌ مِنْ یَاءِ الْاِضَافَةِ **ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ** لِیْ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ سَنَةً **وَّهٰذَا بَعْلِیْ شَيْخًا** لَهٗ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ سَنَةً وَنَصْبُهٗ عَلَی الْحَالِ وَالْعَامِلُ فِیْهِ مَافِیْ ذَا مِنَ الْاِشَارَةِ **اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِيْبٌ**﴿۷۲﴾ اَنْ یُّوْلَدَ وَلَدٌ لِهَرِمَیْنِ **قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ** قُدْرَتِهٖ **رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ** یَا **اَهْلَ الْبَيْتِ** بَیْتِ اِبْرَاهِیْمَ **اِنَّهٗ حَمِيْدٌ** مَحْمُوْدٌ **مَّجِيْدٌ**﴿۷۳﴾ کَرِیْمٌ **فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ** الْخَوْفُ **وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى** بِالْوَلَدِ اَخَذَ **يُجَادِلُنَا** یُجَادِلُ رُسُلَنَا **فِیْ** شَانِ **قَوْمِ لُوْطٍ**﴿۷۴﴾ **اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ** کَثِیْرُ الْاِنَابَةِ **اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ**﴿۷۵﴾ رَجَّاعٌ فَقَالَ لَهُمْ اَتُهْلِکُوْنَ قَرْیَةً فِیْهَا ثَلَاثُمِائَةِ مُؤْمِنٍ قَالُوْا لَا قَالَ اَفَتُهْلِکُوْنَ قَرْیَةً فِیْهَا

مِائَتَا مُؤْمِنٍ قَالُوْا لَا قَالَ اَفَتُهْلِكُوْنَ قَرْيَةً فِيْهَا اَرْبَعُوْنَ مُؤْمِنًا قَالُوْا لَا قَالَ اَفَتُهْلِكُوْنَ قَرْيَةً فِيْهَا اَرْبَعَةَ عَشَرَ مُؤْمِنًا قَالُوْا لَا قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ فِيْهَا مُؤْمِنٌ وَاحِدٌ قَالُوْا لَا قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا الخ فَلَمَّا اَطَالَ مُجَادَلَتَهُمْ قَالُوْا **يٰاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا** الْجِدَالِ **اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ** بِهَلَاكِهِمْ **وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ** حَزِنَ بِسَبَبِهِمْ **وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا** صَدْرًا لِاَنَّهُمْ حِسَانُ الْوُجُوْهِ فِيْ صُوْرَةِ اَضْيَافٍ فَخَافَ عَلَيْهِمْ قَوْمَهٗ **وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾** شَدِيْدٌ **وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ** لَمَّا عَلِمُوْا بِهِمْ **يُهْرَعُوْنَ** يُسْرِعُوْنَ **اِلَيْهِ وَمِنْ قَبْلُ** قَبْلَ مَجِيْئِهِمْ **كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ** هِيَ اِتْيَانُ الرِّجَالِ فِي الْاَدْبَارِ **قَالَ** لُوْطٌ **يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ** فَتَزَوَّجُوْهُنَّ **هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ** تُفْضِحُوْنِيْ **فِيْ ضَيْفِيْ** اَضْيَافِيْ **اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾** يَاْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ **قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ** حَاجَةٍ **وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾** مِنْ اِتْيَانِ الرِّجَالِ **قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً** طَاقَةً **اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾** عَشِيْرَةٍ تَنْصُرُنِيْ لَبَطَشْتُ بِكُمْ فَلَمَّا رَاَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ ذٰلِكَ **قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ** بِسُوْءٍ **فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ** طَائِفَةٍ **مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ** لِئَلَّا يَرٰى عَظِيْمَ مَا يَنْزِلُ بِهِمْ **اِلَّا امْرَاَتَكَ** بِالرَّفْعِ بَدَلٌ مِنْ اَحَدٌ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالنَّصَبِ اِسْتِثْنَاءٌ مِنَ الْاَهْلِ اَيْ فَلَا تَسْرِ بِهَا **اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ** فَقِيْلَ اِنَّهٗ لَمْ يَخْرُجْ بِهَا وَقِيْلَ خَرَجَتْ وَالْتَفَتَتْ فَقَالَتْ وَاقَوْمَاهُ فَجَاءَهَا حَجَرٌ فَقَتَلَهَا وَسَاَلَهُمْ عَنْ وَقْتِ هَلَاكِهِمْ فَقَالُوْا **اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ** فَقَالَ اُرِيْدُ اَعْجَلَ مِنْ ذٰلِكَ قَالُوْا **اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا** بِاِهْلَاكِهِمْ **جَعَلْنَا عَالِيَهَا** اَيْ قُرَاهُمْ **سَافِلَهَا** بِاَنْ رَفَعَهَا جِبْرِئِيْلُ اِلَى السَّمَاءِ وَاَسْقَطَهَا مَقْلُوْبَةً اِلَى الْاَرْضِ **وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ** طِيْنٍ طُبِخَ بِالنَّارِ **مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾** مُتَتَابِعٍ **مُّسَوَّمَةً** مُعَلَّمَةً عَلَيْهَا اِسْمُ مَنْ يُرْمٰى بِهَا **عِنْدَ رَبِّكَ** ظَرْفٌ لَهَا **وَمَا هِيَ** الْحِجَارَةُ اَوْ بِلَادُهُمْ **مِنَ الظّٰلِمِيْنَ** اَيْ اَهْلِ مَكَّةَ **بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾** ع

ترجمہ: .... اور یہ واقعہ ہے کہ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لے کر آئے تھے (حضرت اسحاقؑ کی اور ان کے بعد حضرت یعقوبؑ کی) انہوں نے سلام کیا (یہ مصدر ہے) ابراہیمؑ نے بھی سلام کا جواب دیا۔ پھر ابراہیمؑ فوراً ایک بھنا ہوا (تلا ہوا) بچھڑا لے کر آئے۔ پھر جب ابراہیمؑ نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے تک نہیں بڑھتے تو انہیں توحش (اچنبھا) ہوا اور جی میں ڈرے (دل میں خطرہ محسوس کیا) فرشتے بولے۔ ڈرومت۔ ہم تو قوم لوط کی طرف (انہیں ہلاک کرنے کے لئے) بھیجے گئے ہیں۔ اور ابراہیمؑ کی بیوی (سارہ) کھڑی ہوئی تھیں (ان کی مدارات کررہی تھیں) وہ ہنس پڑیں (قوم لوط کے ہلاک ہونے کی خوشخبری سن کر)

پس ہم نے انہیں اسحاقؑ کی خوشخبری سنائی اور اسحاقؑ کے بعد یعقوبؑ کی (جو اسحاقؑ کے فرزند ہوں گے۔ گویا اسحاقؑ اتنے دنوں زندہ بھی رہیں گے کہ اپنے بیٹے یعقوبؑ کو دیکھ سکیں گے) وہ بولیں ہائے خاک پڑے (یہ لفظ کسی بڑے حادثہ پر بولا جاتا ہے۔ اس میں الف یائے اضافت سے بدلا ہوا ہے) اب میں بڑھیا ہوکر بچہ جنوں گی (ننانوے سال کی میری عمر آئی) اور یہ میرے میاں بالکل بڈھے میاں ہیں (جن کی ایک سو بیس سال عمر ہے۔ **شیخا** حال کی وجہ سے منصوب ہے اور ذا اسم اشارہ اس میں عامل ہے) یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے (کہ ایسے دو بڈھوں کے بھی اولاد ہوگی) فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ کے کاموں (قدرت) پر تعجب کرتی ہو؟ اس خاندان (ابراہیمؑ) پر تو اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں۔ بے شک اللہ تعریف کے لائق، بڑی ہی شان والے (کریم) ہیں۔ پھر جب ابراہیمؑ کے دل سے اندیشہ (خوف) دور ہوگیا اور ان کو (بچہ کی) خوشی کی خبر ملی تو قوم لوطؑ کے بارے میں ہم سے (ہمارے فرشتوں سے) جھگڑنا شروع کردیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ابراہیمؑ بڑے ہی بردبار (متحمل) بڑے ہی نرم دل، رقیق القلب (رجوع فرمانے والے) تھے (چنانچہ فرشتوں سے کہنے لگے کہ تم ایسی بستی کو برباد کرنے چلے ہو جس میں تین سو مؤمن رہتے ہیں۔ فرشتے بولے: کہ نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ جس بستی میں دو سو مسلمان رہتے ہوں انہیں تباہ نہیں کروگے؟ کہنے لگے نہیں۔ فرمایا جس میں چالیس مسلمان رہتے ہوں؟ عرض کیا نہیں۔ پھر حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا کہ جس بستی میں چودہ مسلمان رہتے ہوں؟ بولے کہ نہیں۔ فرمایا اچھا اگر صرف ایک مؤمن رہتا ہو؟ کہا کہ پھر بھی نہیں۔ فرمایا کہ اس میں لوط علیہ السلام تو رہتے ہیں۔ فرشتوں نے عرض کیا۔ **نحن اعلم بمن فيها الخ** غرضیکہ جب دیر تک اس طرح کی ردوقدح ہوتی رہی تو فرشتے بولے کہ۔ اے ابراہیمؑ! اب اس بات (بحث مباحثہ) کو جانے دو۔ تمہارے پروردگار کا حکم (ان کی ہلاکت کے بارے میں) آچکا ہے اور ان پر عذاب آرہا ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا اور پھر جب ہمارے فرشتے لوطؑ کے پاس پہنچے تو لوطؑ ان فرشتوں کے آنے سے کچھ رنجیدہ (مغموم) سے ہوئے اور کچھ گھٹے رہے (کیونکہ فرشتے خوبصورت مہمانوں کی شکل میں آئے تھے۔ اس لئے حضرت لوطؑ اپنی قوم کی بدکرداری سے ڈرے) اور کہنے لگے کہ آج کا دن بہت بھاری (سخت) ہے اور ان کی قوم کے لوگ دوڑے ہوئے آئے (جب انہیں ان خوبصورت مہمانوں کا آنا معلوم ہوا) اور پہلے سے (ان کی آمد کے) نامعقول کاموں کے عادی تھے ہی (یعنی لواطت کے۔ لوط علیہ السلام بولے کہ) اے میری قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں (تم ان سے بیاہ شادی کرسکتے ہو) یہ تمہاری لئے اچھی خاصی ہیں اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے ساتھ مجھ کو فضیحت (رسوا) مت کرو۔ کیا تم میں کوئی بھلا مانس نہیں؟ (جو اچھی بات کرائے اور برائی سے روکے) وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہمیں آپ کی ان بیٹیوں کی کوئی ضرورت نہیں اور آپ تو جانتے ہیں جو ہمارا مطلب ہے (یعنی لواطت) فرمانے لگے کیا خوب ہوتا اگر میرا تم پر کچھ زور (بس) چلتا یا کوئی سہارا ہوتا جس کا آسرا پکڑ سکتا (میرا خاندان یہاں ہوتا جو میری مدد کرتا تو میں تمہاری اچھی طرح خبر لیتا غرضیکہ فرشتوں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو) فرشتے بولے اے لوط! ہم تو آپ کے پروردگار کی طرف سے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ آپ تک ہرگز ان کی رسائی نہیں ہوگی (کسی بری نیت سے) آپ ایسا کیجئے کہ جب رات کا ایک حصہ گزر جائے تو اپنے گھر والوں کو لے کر نکل چلئے اور تم میں سے کوئی پیچھے پھر کر نہ دیکھے (کہیں اسے وہ ہولناک منظر نظر نہ آجائے) مگر ہاں آپ کی بیوی نہیں جائے گی (یہ رفع کے ساتھ بدل ہے **احد** سے اور ایک قرأت میں نصب کے ساتھ **اهل** سے استثناء ہے یعنی بیوی کو لے کر نہ جایئے) اس پر بھی وہی آفت آنے والی ہے جو اوروں پر آئے گی (چنانچہ بعض کی رائے ہے کہ وہ بیوی ساتھ نہیں گئی اور بعض کہتے ہیں گئی۔ لیکن مڑ کر جو دیکھا تو بے ساختہ ایک طرف تو منہ سے نکلا "ہائے افسوس قوم" اور دوسری طرف ایک دم اس کے پتھر آ کر لگا۔ جس سے وہیں ڈھیر ہوگئی۔ حضرت لوطؑ نے فرشتوں سے عذاب کا وقت پوچھا تو کہنے لگے) ان لوگوں کے لئے عذاب کا مقررہ وقت صبح کا ہے

(فرمانے لگے لوط علیہ السلام کہ میں تو اس سے بھی پہلے چاہتا ہوں۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ) صبح کے آنے میں تو کچھ دیر ہے۔ سو جب ہمارا حکم (ان کی تباہی کے بارے میں) آپہنچا۔ تو ہم نے اس زمین (بستیوں) کے اوپر کا طبقہ تو نیچے کردیا (حضرت جبریلؑ اس حصہ کو آسمان تک لے گئے اور پھر وہاں سے اوندھا کرکے پٹک دیا) اور اس سرزمین پر کنکر (آگ میں پکے ہوئے) پتھر برسانا شروع کردیئے لگاتار (مسلسل) جن پر نشان لگے ہوئے تھے (ان پر ان لوگوں کا نام تھا۔ جن کے مارے گئے) آپ کے پروردگار کی طرف سے (عند ربک ظرف ہے مسومۃ کا) اور یہ (پتھر یا ان کی بستیاں) ان ظالموں (مکہ والوں) سے کچھ دور نہیں ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **رسلنا** ان فرشتوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تین فرشتے تھے۔ جبریلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ۔ اور بعض کی رائے میں نو فرشتے تھے۔ اور مقاتلؒ کے نزدیک بارہ فرشتے تھے۔ محمد بن کعب قرظیؒ کہتے ہیں کہ جبریلؑ کے ہمراہ سات فرشتے اور تھے۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ گیارہ فرشتے تھے اور سب خوبصورت غلمانوں کی طرح تھے۔

سلاما. ای سلمنا سلما فرشتوں نے جملہ خطابیہ کہا (اور حضرت ابراہیمؑ نے جواب میں جملہ اسمیہ استعمال کیا سلام. ای سلام علیکم پس "فحیوا باحسن" کی رو سے یہ جواب بڑھ گیا۔ باقی یہ قول حکایت ہوگی۔ حضرت ابراہیمؑ کے "السلام علیکم" کہنے کی اس لئے شیعوں کے لئے یہ کہنے کی گنجائش نہیں کہ السلام علیکم کی بجائے سلام علیکم کہنا بہتر ہے۔ ویسے بھی الف لام سے جو استغراق حاصل ہو رہا ہے وہ نکرہ کی صورت میں نہیں رہتا اور اسلامی سلام میں ابتدائی سلام "السلام علیکم" میں سلام کو تفاولا مقدم کیا گیا ہے۔ اگر "وعلیکم السلام" کہا جاتا تو علی سے ضرر کا ایہام ہوتا جو اول ملاقات میں غیر مناسب تھا۔ لیکن جوابی سلام "علیکم السلام" میں علی سے یہ ایہام اس لئے نہیں رہا کہ واو کے ذریعہ سے اس جواب کا عطف پہلے جملہ السلام علیکم پر ہے اور وہاں سلام کا لفظ پہلے آچکا ہے وہ کافی ہے۔ **تخدمهم** اول تو دیہات کی تہذیب سادگی لئے ہوئے ہوتی ہے۔ دوسرے بڑھیاں تھیں۔ تیسرے مہمان کی مدارات میں ایسی معمولی چیزیں نظر انداز کردی جاتی ہیں۔ بلکہ مکارم اخلاق میں شمار ہوتی ہیں۔ چوتھے ان کے فرشتے ظاہر ہونے کے بعد سامنے آئی ہوں گی۔

باسحاق. حضرت اسماعیلؑ حضرت اسحاقؑ سے تیرہ یا چودہ سال پہلے پیدا ہوئے حضرت ہاجرہ کے بطن سے۔ **یعقوب** یہ عقب سے ماخوذ ہے بعد کے معنی ہیں۔ انگریزی میں یعقوب کو جیکب اور یوسف کو جوزف کہتے ہیں۔ **یجادلنا** یہ جھگڑنا ایسا تھا جیسا کہ ایک فقیر بینوا کریم اور غنی کے آگے جھگڑتا ہے۔ گویا اپنے طبعی تحمل کا اظہار عذاب کو ٹلانے کے اصرار سے کررہے تھے۔ جس پر **حلیم اواہ منیب** دلالت کررہا ہے۔

بناتی اگر یہ لڑکیاں حضرت لوطؑ کی حقیقی تھیں تو اس وقت مسلمان اور کافروں میں نکاح کی اجازت ہوگی۔ چنانچہ ابتداء اسلام میں بھی ایسا رہا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ مجازی معنی مراد ہیں۔ یعنی قوم کی بچیاں جو حضرت لوطؑ کی بیٹیاں ہی ہوئیں۔ **لو ان لی بکم قوۃ** ان دو جملوں میں سے پہلے جملہ کا مطلب تو یہ ہے کہ کاش مجھ میں مدافعت کی قوت ہوتی۔ خواہ اندرونی یا بیرونی۔ اور دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ کم از کم میں اپنا بچاؤ ہی کرلیتا۔ اگر ان کی مدافعت نہ کرسکتا۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ پہلے جملہ میں تو ان کی گستاخی دیکھ کر مدافعت کی تمنا کی۔ بعد میں دوسرے جملہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے کو اولیٰ خیال کیا۔

ربط آیات: .... قوم نوحؑ، عاد وثمود کے واقعات کے بعد حضرت ابراہیمؑ ولوطؑ کے واقعات کا تذکرہ کیا جارہا ہے اور اکثر مقامات میں حضرت ابراہیمؑ کے بعد حضرت لوطؑ کے واقعہ کو ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں بھی **فما خطبکم** کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ

زیادہ مقصود قوم لوطؑ کا واقعہ بیان کرنا ہے۔ لیکن چونکہ دونوں جگہ فرشتوں کی ایک ہی جماعت مامور ہوئی تھی۔ نیز دونوں بستیاں قریب قریب بھی تھیں۔ پھر لوط علیہ السلام حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجہ اور حاران کے بیٹے تھے اور اصل صاحب شریعت نبی حضرت ابراہیمؑ ہی تھے۔ لوط علیہ السلام تو نیابت میں کام کررہے تھے۔ ان ہی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ نے ان کے بارے میں فرشتوں سے دیر تک تبادلۂ خیال اور سفارشی مکالمہ کیا۔ اسی طرح ان دونوں قصوں میں سے ایک قصہ دوسرے قصہ کے لئے متمم ہے۔

غرضیکہ ان وجوہ سے ان دونوں قصوں کو یکجائی ذکر کیا گیا ہے۔ تاکہ معلوم ہوجائے کہ قہر ومہر کا مدار اصلی طاعت ومعصیت پر ہے۔ ایک ہی جماعت تھی جو ابراہیمؑ کو بشارت سنانے آئی۔ لیکن وہی جماعت پاس کی بستی میں قوم لوط کے پاس عذاب بردوش ہوکر پہنچی۔ جس سے معلوم ہوا کہ مقصود اصلی قوم لوط کا واقعہ ہے۔ اسی لئے پہلے قصوں کی طرح اس واقعہ میں بھی لفظ ارسلنا لایا گیا ہے لیکن حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ کی ابتداء عام روش کے خلاف ولقد جاء ت کے ساتھ کی گئی ہے اور اس تغیر اسلوب میں اس طرف اشارہ ہے کہ اور واقعات کی طرح اس واقعہ میں عذاب نہیں آیا تھا۔

﴿ تشریح ﴾: ...... **حضرت ابراہیمؑ ولوطؑ کا باہمی تعلق**: .... اس رکوع میں حضرت لوطؑ کی دعوت اور باشندگان سدوم کی تباہی کا حال ہے۔ تورات میں ہے کہ حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجہ اور حاران کے بیٹے تھے۔ جو حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ شہر ادر سے آکر سدوم ایک بستی میں ٹھہر گئے۔ جو دریائے یردن کی ترائی میں واقع تھا۔ چونکہ سدوم کی ہلاکت کی خبر پہلے حضرت ابراہیمؑ کو دی گئی۔ اس لئے سرگذشت کی ابتداء ان ہی کے ذکر سے ہوئی۔ چنانچہ فرشتوں نے دو باتوں کی خبر دی۔ ایک قوم لوطؑ کی ہلاکت کی۔ دوسرے حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی اور پھر پوتہ یعقوبؑ کی ولادت کی بشارت۔ پس فرشتوں نے گویا بیک وقت دونوں باتوں کی اطلاع کی۔ ایک میں ایمان وعمل کی کامرانیوں کا اعلان تھا اور دوسری میں انکار وبدعملی کی ہلاکتوں کا۔ یعنی جس دن اس بات کی خبر دی گئی۔ کہ سدوم اور عمورہ کا علاقہ بدعملیوں کی پاداش میں ہلاک ہونے والا ہے۔ اسی دن اس کی بھی بشارت دے دی گئی کہ نیک عملی کے نتائج ایک نئی نسل تیار کررہے ہیں اور وہ عنقریب اس تمام ملک پر حکمرانی کرنے والی ہے۔

قدرت کا تماشہ: .... پھر اس کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ سدوم اور عمورہ کا علاقہ فلسطین کا سب سے زیادہ شاداب علاقہ تھا اور معلوم ہے کہ حضرت سارہ تمام عمر اولاد کی تمنائیں کرتے کرتے بالآخر مایوس ہوچکی تھیں۔ پس قدرت الٰہی نے بیک وقت دونوں کرشمے دکھلا دیئے۔ جو زمین سب سے زیادہ شاداب ہے۔ وہ بدعملیوں کی پاداش میں ایسی اجڑے گی کہ پھر کبھی سرسبز وشاداب نہ ہوسکے گی۔ اور جو شجر بالکل سوکھ چکا ہے وہ اچانک اس طرح سرسبز ہوجائے گا کہ صدیوں تک اس کی شاخیں بارآور رہیں گی۔

چنانچہ سدوم اور عمورہ کا علاقہ آتش فشاں مادہ کے پھٹنے سے ایسا بنجر ہوا کہ آج تک بنجر ہے اور بشارت پر پورا سال بھی نہیں گزرا تھا کہ حضرت اسحاقؑ کی پیدائش ہوگئی اور پھر ان کی نسل روز بروز بڑھتی اور پھیلتی گئی حضرت ابراہیمؑ کی ایک بیوی سارہ اور دوسری ہاجرہ تھیں۔ ہاجرہ سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے۔ لیکن سارہ سے کوئی اولاد نہیں تھی۔ یہاں تک کہ وہ مایوس ہوگئیں۔ پھر مایوسی کے بعد یہ بشارت ملی اور حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے۔

خوف طبعی نبوت کے منافی نہیں: .... فرشتوں کے انسانی شکل میں آنے سے حضرت ابراہیمؑ نہیں پہچان سکے ہوں گے۔ اسی لئے کھانا پیش کیا۔ کھانا نہ کھانے سے جو انہیں پریشانی ہوئی وہ طبعی تھی۔ کیونکہ مہمان کے کھانا قبول نہ کرنے کا مطلب ان کے دستور کے مطابق شیخی اور عداوت ہوتا تھا۔ ممکن ہے خدام میں سے اس وقت کوئی دوسرا گھر میں موجود نہ ہو۔ اس لئے گھبرائے۔

پس یہ طبعی خوف نبوت کے منافی نہیں ہے۔

شروع میں توجہ نہیں ہوئی مگر بعد میں فراست نبوی سے فرشتوں کو پہچان لیا:............ اور ان کو فرشتے مان لینا محض ان کے کہنے کی وجہ سے نہیں تھا۔ بلکہ فراست نبوت اور قدسی قوت کی وجہ سے تھا۔ اولا توجہ نہیں فرمائی ہوگی۔ لیکن ان کے کہنے سے متوجہ ہوئے پہچان لیا اور محسوسات میں بھی ایسا ہوتا رہتا ہے۔ اور فما خطبکم سے پوچھنا نبوی فراست کی وجہ سے تھا وہ یہ سمجھے کہ ضرور انہیں کوئی مہم درپیش ہے اور حضرت سارہ یا تو کھانا وغیرہ کھلا رہی ہوں گی اور یا پہلے پردہ میں ہوں گی۔ پھر جب معلوم ہوگیا کہ فرشتے ہیں۔ ان سے کیا پردہ۔ سامنے آگئیں۔ رہا ان کا ہنسنا تو یہ عورتوں کی فطرت ہوتی ہے۔ کہ بات بے بات پر ہنسی آجاتی ہے۔

قوم کی بہو بیٹیاں نبیؑ کی اولاد ہوتی ہے:............ هٰؤلاء بناتی سے مجازاً ان کی امت کی عورتیں ہیں۔ بہرحال نبی بمنزلۂ باپ کے ہوتا ہے اور امت بمنزلہ اولاد غرضیکہ یہ فرمانا کہ یہ بہو بیٹیاں جو تمہاری اپنی بیویاں اور عورتیں ہیں۔ ان سے جائز طریقہ پر اپنی ضروریات پوری کرو۔ حقیقی بیٹیاں تو یہاں اس لئے مراد نہیں ہوسکتیں کہ اگر دس پانچ بھی ہوں تو کس کس کا نکاح کر دیا جاتا۔ کیونکہ وہ سب اس دیوانگی میں مبتلا تھے۔ درمنثور کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کنکریوں پر کچھ خاص رنگ کے نشانات اور مخصوص ہیئت کے نقوش بنے ہوئے تھے۔ جو عام پتھروں میں نہیں ہوتے۔

انقلاب اور پتھراؤ:............ یہاں دو عذاب بیان کئے گئے ہیں۔ ایک زمین کا تختہ الٹ دینا۔ دوسرا پتھراؤ کر دینا۔ پہلے زمین اوپر لے کر الٹ دی گئی اور جب نیچے کو آنے لگی تو اوپر سے پتھراؤ کر دیا گیا۔ لیکن اس صورت میں یہ اشکال ہوگا کہ زمین کے ثقل کی وجہ سے اس کی طبعی حرکت ہوگی بہ نسبت ان پتھروں کے کیونکہ ہلکے ہونے کی وجہ سے ان کی حرکت ہلکی ہوگی۔ پس جب زمین اور پتھر دونوں ساتھ حرکت کریں گے تو زمین بوجھل ہونے کی وجہ سے آگے بڑھ جائے گی اور پتھر ہلکا ہونے کی وجہ سے پیچھے رہ جائیں گے اور زمین آگے ہوا اور پتھر پیچھے تب بھی تو بدرجۂ اولیٰ پتھراؤ کی کوئی صورت نہیں؟

اشکال کے تین حل:............ جواب یہ ہے کہ اگر زمین کی طبیعت کا یہ تقاضا اس وقت بھی باقی رہا ہو تو اتنی بات ماننی پڑے گی کہ الٹنے کے وقت پتھراؤ کرنے کے لئے زمین کو کچھ دیر کے لئے معلق روک لیا ہوگا۔ ورنہ پتھراؤ کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بطور خرق عادت اس وقت زمین کا تقاضہ طبعی باقی نہ مانا جائے۔ تو پھر پہلی توجیہ کی ضرورت نہیں رہے گی اور پتھراؤ پر کوئی اشکال نہیں ہوگا۔

تیسری توجیہ بعض نے یہ کی ہے کہ ان میں سے جو لوگ بستی میں رہ گئے تھے ان کو تو الٹ دیا گیا اور جو بستی سے باہر گئے ہوئے تھے ان پر پتھراؤ کر دیا گیا۔ گویا ان دونوں عذابوں کا محل ایک نہیں رہا کہ اشکال ہو بلکہ دو محل ہو گئے۔

طبعی تقاضے کمال کے منافی نہیں ہوتے............ اور حضرت لوطؑ کا او اوی الی رکن شدید فرمانا اور اسباب ظاہر کی طرف توجہ کرنا طبعی تقاضہ کا اثر تھا۔ چنانچہ حدیث ترمذی میں ہے کہ پھر ان کے بعد تمام انبیاءؑ جتھے والے ہوئے تاکہ اس طرح کی بے کسی کی پریشانی نہ ہونے پائے۔ نیز ایک آیت میں فاخذتهم الصيحة آیا ہے۔ ممکن ہے پہلے صیحہ کا عذاب آیا ہو۔ اور پھر زمین الٹنے اور پتھراؤ کرنے کا آیا ہو۔ جیسا کہ وہاں فعلنا کی فا سے معلوم ہوتا ہے۔

لطائف آیات:............ آیت فَمَا لَبِثَ الخ سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک ضیافت ودعوت کا یہ ادب کہ پہلے قیام میں اکرام کرے۔ پھر طعام میں اکرام کرے۔ دوسرے یہ کہ بعض دفعہ کامل کو بھی کشف نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ دونوں نے فرشتوں کو اول وہلہ میں نہیں پہچانا۔

آیت أألدوانا عجوز الخ سے معلوم ہوا کہ مسب الاسباب پر یقین رکھنے کے باوجود اسباب پر تعجب ہوسکتا ہے۔ آیت اتعجبین الخ سے معلوم ہوا کہ فرشتے انبیاء کے علاوہ سے بھی کلام کر سکتے ہیں۔

آیت فلما ذهب الخ سے معلوم ہوا کہ یہ مقام ناز کا اثر تھا۔ جو حضرت ابراہیمؑ نے ایسی باتیں کیں جن کو مجادلہ فرمایا گیا ہے۔ آیت هٰؤلاء بناتی الخ سے معلوم ہوا کہ رسمی اور فرضی چیزوں پر شرعی مصلحتیں ہوتی ہیں اور شریعت کے مقابلہ میں عرف کا اعتبار نہیں ہے۔ بشرطیکہ بناتی کے معنی حقیقی لئے جائیں۔

وَاَرْسَلْنَا اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحِّدُوْهُ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ نِعْمَةٍ تُغْنِيكُمْ عَنِ التَّطْفِيفِ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ اِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾ بِكُمْ يُهْلِكُكُمْ وَوَصْفُ الْيَوْمِ بِهِ مَجَازٌ لِوُقُوعِهِ فِيهِ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اَتِمُّوهُمَا بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ لَاتَنْقُصُوهُمْ مِنْ حَقِّهِمْ شَيْئًا وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾ بِالْقَتْلِ وَغَيْرِهِ مِنْ عَثِيَ بِكَسْرِ الْمُثَلَّثَةِ اَفْسَدُوا مُفْسِدِيْنَ حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ لِمَعْنَى عَامِلِهَا تَعْثَوْا بَقِيَّتُ اللّٰهِ رِزْقُهُ الْبَاقِي لَكُمْ بَعْدَ اِيفَاءِ الْكَيْلِ وَالْوَزْنِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنَ الْبَخْسِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾ رَقِيبٍ اُجَازِيكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ اِنَّمَا بُعِثْتُ نَذِيرًا قَالُوْا لَهُ اسْتِهْزَاءً يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ بِتَكْلِيفِنَا اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ مِنَ الْاَصْنَامِ اَوْ نَتْرُكَ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اَلْمَعْنٰى هٰذَا اَمْرٌ بَاطِلٌ لَا يَدْعُو اِلَيْهِ دَاعِيْ خَيْرٍ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾ قَالُوا ذٰلِكَ اسْتِهْزَاءً قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۗ حَلَالًا اَفَاشُوبُهُ بِالْحَرَامِ مِنَ الْبَخْسِ وَالتَّطْفِيفِ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ وَاَذْهَبُ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۗ فَاَرْتَكِبُهُ اِنْ مَا اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ لَكُمْ بِالْعَدْلِ مَا اسْتَطَعْتُ ۗ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ قُدْرَتِيْ عَلٰى ذٰلِكَ وَغَيْرِهِ مِنَ الطَّاعَاتِ اِلَّا بِاللّٰهِ ۗ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾ اَرْجِعُ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ يَكْسِبَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ خِلَافِيْ فَاعِلُ يَجْرِمُ وَالضَّمِيرُ مَفْعُولٌ اَوَّلٌ وَالثَّانِي اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۗ مِنَ الْعَذَابِ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ اَيْ مَنَازِلُهُمْ اَوْ زَمَنَ هَلَاكِهِمْ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ فَاعْتَبِرُوا وَاسْتَغْفِرُوْا

رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ بِالْمُؤْمِنِیْنَ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾ مُحِبٌّ لَهُمْ قَالُوْا اِیْذَانًا بِقِلَّةِ الْمُبَالَاةِ یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ نَفْهَمُ کَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْنَا ضَعِیْفًا ذَلِیْلًا وَلَوْلَا رَهْطُكَ عَشِیْرَتُكَ لَرَجَمْنٰكَ بِالْحِجَارَةِ وَمَآ اَنْتَ عَلَیْنَا بِعَزِیْزٍ ﴿۹۱﴾ کَرِیْمٍ عَنِ الرَّجْمِ وَاِنَّمَا رَهْطُكَ هُمُ الْاَعِزَّةُ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَهْطِیْٓ اَعَزُّ عَلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَتَتْرُکُوْنَ قَتْلِیْ لِاَجْلِهِمْ وَلَا تَحْفَظُوْنِیْ لِلّٰهِ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ اَیِ اللّٰهَ وَرَآءَکُمْ ظِهْرِیًّا مَنْبُوْذًا خَلْفَ ظُهُوْرِکُمْ لَا تُرَاقِبُوْنَهُ اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ﴿۹۲﴾ عِلْمًا فَیُجَازِیْکُمْ وَیٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ حَالَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ عَلٰی حَالَتِیْ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ مَوْصُوْلَةٌ مَفْعُوْلُ الْعِلْمِ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَمَنْ هُوَ کَاذِبٌ وَارْتَقِبُوْٓا اِنْتَظِرُوْا عَاقِبَةَ اَمْرِکُمْ اِنِّیْ مَعَکُمْ رَقِیْبٌ ﴿۹۳﴾ مُنْتَظِرٌ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا بِاِهْلَاکِهِمْ نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ صَاحَ بِهِمْ جِبْرِیْلُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۹۴﴾ بَارِکِیْنَ عَلَی الرُّکَبِ مَیِّتِیْنَ کَاَنْ مُخَفَّفَةٌ اَیْ کَاَنَّهُمْ لَّمْ یَغْنَوْا یُقِیْمُوْا فِیْهَا اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ کَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ ع۲

ترجمہ:……………اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگوں! اللہ کی بندگی (توحید) بجالاؤ۔اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم فراغت کی حالت میں ہو (نعمت میں خوشحال ہو۔تمہیں اس کٹوتی کی کیا ضرورت) مجھے اندیشہ ہے کہ (اگر تم ایمان نہ لائے تو) کہیں تم پر ایسے دن کا عذاب نہ آجائے جو سب پر چھا جائے (اور تمہیں سب کو برباد کر کے رکھ دے اور دن کی صفت لانا مجازا ہے کیونکہ عذاب اس دن واقع ہوگا) اور اے میری قوم کے لوگو! ناپ تول پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کی چیزوں میں کٹوتی مت کرو (ان کے سامان میں حقوق سے کم مت کرو) اور ملک میں شر وفساد پھیلاتے مت پھرو (ماردھاڑ کر کے لا تعثو. عثی سے ہے کسر ثا کے ساتھ بمعنی افسد اور مفسدین حال موکد واقع ہو رہا ہے اپنے عامل تعثوا کے معنی کے لئے) اللہ کا دیا جو کچھ بچ رہے (ناپ تول کرنے کے بعد تمہارے پاس جو کچھ بچ جائے) اس میں تمہارے لئے بہتری ہے (بہ نسبت کٹوتی کرنے کے) اگر تم میرا کہا مانو اور میں کچھ تم پر پہرہ دار نہیں ہوں (نگران کہ تمہارے کئے کا بدلہ دیتا ہوں۔ بلکہ میں خبردار کر دینے والا ہوں) کہنے لگے (تمسخر کرتے ہوئے) اے شعیبؑ! کیا تمہاری یہ نمازیں اس کی تعلیم دیتی ہیں کہ (تم ہمیں اس کا پابند کرو کہ) ہم ان معبودوں کی پرستش نہ کریں جن (بتوں) کی پوجا ہمارے باپ دادے کرتے چلے آئے ہیں؟ یا یہ کہ ہم اپنے مالوں میں جو چاہیں تصرف نہ کریں؟ (مطلب یہ ہے کہ تمہاری یہ باتیں غلط ہیں کسی داعی خیر نے یہ باتیں نہیں کہیں) بس تم ہی ایک نرم دل اور راست باز آدمی رہ گئے ہو (یہ بات لوگوں نے تمسخر کے طور پر کہی تھی) شعیبؑ نے فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگوں! کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل رکھتا ہوں اور اللہ اپنے فضل وکرم سے مجھے اچھی روزی عطا فرما رہا ہو (حلال رزق تو کیا پھر بھی میں اسے کٹوتی اور کمی کے ذریعے حرام کر کے کھاؤں؟) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جس بات سے میں تمہیں روکوں۔اس سے تمہیں تو روکوں مگر خود اس کے خلاف چلنے لگوں (اور اسے میں کرنے لگوں) میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ جہاں تک میرے بس میں ہے اصلاح حال کی کوشش کروں (انصاف کے ساتھ) میرا کام بنتا ہے (اس کام میں اور دوسری باتوں میں اگر مجھے قدرت حاصل ہو رہی ہے) تو اللہ ہی کی مدد سے بنتا ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف

رجوع ہوں اور اے میری قوم کے لوگوں! کہیں ایسی بات نہ کر بیٹھنا (اس پر آمادہ نہ ہو جانا) میری ضد (خلاف) میں آکر (لفظ شقاق فاعل ہے۔ یجرم کا اور مفعول اول اس کی ضمیر ہے اور مفعول ثانی آگے ہے) کہیں تمہیں بھی ویسی ہی مصیبتیں پیش آجائیں جیسا کہ قوم نوحؑ کو یا قوم ھودؑ کو یا قوم صالحؑ کو (عذاب کی صورت میں) پیش آچکی ہیں اور قوم لوطؑ (یعنی ان کے مکانات یا ان کا زمانہ) تو کچھ تم سے دور نہیں ہے (لہٰذا تمہیں ان سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے) اور دیکھو اللہ سے معافی مانگو اور اس کی طرف لوٹ جاؤ۔ بلاشبہ میرا پروردگار (مسلمانوں پر) بڑا ہی رحمت والا بڑا ہی محبت والا (دوست) ہے۔ کہنے لگے اے شعیبؑ! بہت سی باتیں تمہاری کہی ہوئی تو ہمارے سمجھ ہی میں نہیں آتیں اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہم لوگوں میں ایک معمولی (حقیر) آدمی ہو۔ اگر تمہاری برادری (خاندان) کا پاس نہ ہوتا تو ہم تمہیں (پتھروں سے) سنگسار کر چکے ہوتے اور ہمارے سامنے تمہاری کوئی ہستی نہیں ہے (سنگسار سے باز رکھنے والی البتہ تمہارا خاندان آبرومند ہے) شعیبؑ نے فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگو! کیا اللہ سے بڑھ کر تم پر میری برادری کا دباؤ ہوا؟ (کہ برادری کی وجہ سے تو میرے قتل سے رکتے ہو۔ مگر اللہ کی وجہ سے میری حفاظت نہیں کر سکتے؟) اور اللہ تمہارے لئے کچھ نہ ہوا کہ اسے پیچھے ڈال دیا؟ (پس پشت ڈال دیا کہ اس کا ذرا بھی لحاظ نہیں؟) یقیناً میرا پروردگار تمہارے کرتوتوں کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے (یعنی سب اس کے علم میں ہے لہٰذا وہی تمہیں بدلہ دے گا) اور اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی جگہ (حالت پر) کام کئے جاؤ۔ میں بھی (اپنی حالت پر) سرگرم عمل ہوں۔ بہت جلد پتہ چل جائے گا کہ کس پر (یہ موصولہ ہے علم کا صلہ ہے) رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کون فی الحقیقت جھوٹا ہے انتظار کرو (اپنے انجام کا) میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ پھر جب ہمارا حکم (ان کے ہلاک کرنے کا) آپہنچا۔ تو ہم نے شعیبؑ کو اور ان کے مسلمان ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچالیا اور جو لوگ ظالم تھے انہیں ایک سخت آواز (جبریلؑ کی چیخ) نے آپکڑا۔ پس جب صبح ہوئی تو اپنے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے تھے (گھٹنوں کے بل مردہ) گویا (ان مخففہ ہے یعنی کانھم تھا) ان گھروں میں کبھی بسے (رہے سہے) ہی نہیں تھے۔ خوب سن لو: کہ قبیلہ مدین کے لئے بھی محرومی ہوئی جس طرح قوم ثمود کے لئے محرومی ہوئی تھی۔

تحقیق وترکیب: .... **بقیۃ اللّٰہ** اس کے معنی طاعت اللہ کے بھی لئے گئے ہیں۔ استھزاء یعنی **ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر** کی طرح انہوں نے مجازی معنی مراد نہیں لئے تھے۔ بلکہ بطور تمسخر کہا تھا **انک لانت الحلیم الرشید** ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ لغت مدین میں اس کے معنی احمق سفیہ کے تھے اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عرب کی عادت کے مطابق اپنی ضد کے معنی میں استعمال ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے گمان میں ایسے ہو اور بعض نے کہا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ آپ جب ایسے ہیں۔ تو آپ پر قوم کی نالائقیوں کا اثر نہیں ہونا چاہیئے۔ پھر آپ اتنے متاثر کیوں ہو رہے ہیں اور بعض نے اس کو بھی تمسخر پر محمول کیا ہے۔

ربط آیات: .... ان ہی واقعات کی ایک کڑی قوم شعیبؑ کا واقعہ بھی ہے جو بیان ہو رہا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ......حضرت شعیبؑ کی دعوت وتبلیغ: .... تورات میں ہے کہ قطورا کے بطن سے حضرت ابراہیمؑ کے چھ لڑکے ہوئے جن میں سے ایک لڑکے کا نام مدیان تھا۔ جو عربی میں آکر مدین ہو گیا۔ اس کی اولاد بحر قلزم کے کنارے آباد ہو گئی تھی۔ جہاں حضرت شعیبؑ کا ظہور ہوا۔ ان کے وعظ کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، ناپ تول میں خیانت نہ کرو۔ نہ تو حق سے زیادہ لو، نہ حق سے کم دو، ملک میں شر وفساد نہ پھیلاتے پھرو۔ لوٹ مار نہ کرو۔ کیونکہ تم خوشحال ہو پھر تمہیں ان غلط طریقوں کی کیا ضرورت، میں ڈرتا ہوں کہیں تم مبتلائے عذاب نہ ہو جاؤ۔

قوم کا جواب: .... مگر لوگوں نے جواب دیا کہ تم اپنے خدا کی جتنی عبادت کرنی چاہو شوق سے کرو۔ لیکن کیا تمہاری نمازیں یہ بھی کہتے ہیں کہ دوسروں کو ان کی راہ سے ہٹاؤ۔ جس راہ پر کہ ان کے باپ دادا چلتے آئے ہیں؟ ہم اپنے مال کے مالک مختار ہیں جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ تم اپنے ناپ تول کی باتیں رہنے دو۔ معلوم ہوتا ہے ساری دنیا میں صرف تم ہی ایک نیک اور خوش معاملہ آدمی رہ گئے ہو۔

حضرت شعیبؑ کا جواب الجواب: .... حضرت شعیبؑ بولے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر علم وبصیرت کی راہ کھول دی ہو اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ہلاکت کی طرف جارہے ہو تو بتلاؤ کیا میرا فرض نہیں ہے کہ تمہیں سلامتی کی راہ دکھلاؤں؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے دولت رزق عطا فرمائی ہے۔ پھر کیا یہ کفران نعمت نہ ہوگا کہ اس کے اداء فرض میں کوتاہی کروں؟ اور پھر تم میری ضد میں آکر حق سے کیوں منہ موڑتے ہو؟ میں تمہیں کسی بات سے روک کر خود تو اس کے خلاف نہیں کرتا۔ بلکہ اسی بات کو کہتا ہوں جس پر خود بھی عامل ہوں۔ غرضیکہ تم میری تبلیغ سے بگڑتے کیوں ہو؟ میں کچھ تم پر چوکیدار بن کر تو آیا نہیں کہ تمہیں مجبور کرتا رہوں۔ میں تو صرف اصلاح چاہتا ہوں۔ جہاں تک میرے بس میں ہے میرے کام تو صرف اللہ ہی کی مدد سے بنتے ہیں اور میرا بھروسہ اسی کی ذات پر ہے۔

مقام مدین: .... بحر قلزم کی جو شاخ عرب اور جزیرہ نمائے سینا کے درمیان گزری ہے اسی کے کنارے مدین کا قبیلہ آباد تھا۔ چونکہ یہ جگہ شام، افریقہ اور عرب کے تجارتی قافلوں کا نقطۂ اتصال تھی۔ اس لئے اشیاء تجارت کے مبادلہ کی بڑی منڈی بن گئی تھی اور لوگ خوشحال ہوگئے تھے۔ اسی لئے حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ تمہیں خوشحال پاتا ہوں۔ لیکن جب لوگوں کے اخلاق فاسد ہوگئے تو کاروبار میں خیانت کرنے لگے۔ حضرت شعیبؑ نے خصوصیت کے ساتھ اسی لئے اس برائی سے روکا۔

مخالفت انبیاءؑ کی اصل بناء: .... اس مکالمہ سے معلوم ہوا کہ کفار کو اعتراض اس پر تھا کہ تم دوسروں کو دعوت کیوں دیتے ہو؟ جو کچھ تمہیں کرنا ہے خود کئے جاؤ جس پر حضرت شعیبؑ نے ان کے اس مطالبہ سے انکار کردیا۔ معلوم ہوا کہ اتباع حق کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ آدمی خود متبع ہو جائے۔ بلکہ ضروری ہے کہ دوسروں کو بھی اس کی دعوت دے، نیز حق کی پیروی کرنے میں سب سے بڑی روک ذاتی خصومت اور شخصی عداوت ہوتی ہے۔ اس مکالمہ سے یہ بات ٹپکتی ہے کہ قبیلہ کے سرداروں کو حضرت شعیبؑ سے ذاتی خصومت پیدا ہوگئی تھی۔ اس لئے حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ میری ضد میں آکر پیام حق کی مخالفت مت کرو۔ ورنہ خدا کے مواخذہ میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

نامنصفانہ راہ کا آخری جواب: .... انسان انسانوں کا پاس کرتا ہے لیکن سچائی کا پاس نہیں کرتا وہ انسانوں کے خیال سے ایک بات چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن خدا کے خیال سے نہیں چھوڑتا چنانچہ منکروں کا یہ کہنا کہ ہم تجھے سنگسار کردیتے، لیکن تیرے کنبہ کے خیال سے ایسا نہیں کرتے۔ حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ افسوس تم پر تمہیں میرے کنبہ کا تو پاس ہوا مگر خدا کا نہ ہوا۔ خدا کی بات تو تمہارے خیال میں کوئی بات ہی نہیں حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ اچھا آخری بات یہ ہے کہ تم اپنی راہ چلو۔ میں اپنی راہ چل رہا ہوں اور نتیجہ کا انتظار کرو۔ چنانچہ نتیجہ سامنے آگیا کہ اہل ایمان محفوظ رہے اور سرکش ہلاک ہوگئے۔ نویں پارے کے شروع میں قوم شعیبؑ پر عذاب رجفہ کا ذکر آیا ہے اور یہاں عذاب صیحہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ پس یہاں بھی قوم ثمود کی طرح دونوں عذاب کا اجتماع ممکن ہے اور مفسرینؒ کے بیان کے مطابق **کما بعدت** میں یہی وجہ تشبیہ ہے دونوں واقعوں کے درمیان۔

لطائف آیات: .... ان اریـد الا الاصـلاح الـخ سے معلوم ہوا کہ شیخ میں بھی یہی بات ہونی چاہئے۔ کہ خلوص کے ساتھ اصلاح کی کوشش کرے اور سعی کے ساتھ توکل بھی کرے نہ صرف سعی پر بھروسہ کرے اور نہ محض توکل کی وجہ سے سعی چھوڑ بیٹھے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ﴿۹۶﴾ بُرْهَانٍ بَیِّنٍ ظَاهِرٍ **اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ﴿۹۷﴾** سَدِیْدٍ **یَقْدُمُ** یَتَقَدَّمُ **قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ** فَیَتْبَعُوْنَهٗ کَمَا اتَّبَعُوْهُ فِی الدُّنْیَا **فَاَوْرَدَهُمُ** اَدْخَلَهُمُ **النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ﴿۹۸﴾** هِیَ **وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ** اَیِ الدُّنْیَا **لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ** لَعْنَةً **بِئْسَ الرِّفْدُ** الْعَوْنُ **الْمَرْفُوْدُ﴿۹۹﴾** رِفْدُهُمْ **ذٰلِكَ** الْمَذْکُوْرُ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ **مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰی نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ** یَا مُحَمَّدُ **مِنْهَا** اَیِ الْقُرٰی **قَآئِمٌ** هَلَكَ اَهْلُهٗ دُوْنَهٗ **وَّمِنْهَا حَصِیْدٌ﴿۱۰۰﴾** هَلَكَ بِاَهْلِهٖ فَلَا اَثَرَ لَهٗ کَالزَّرْعِ الْمَحْصُوْدِ بِالْمَنَاجِلِ **وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ** بِاِهْلَاکِهِمْ بِغَیْرِ ذَنْبٍ **وَلٰکِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ** بِالشِّرْكِ **فَمَآ اَغْنَتْ** دَفَعَتْ **عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ یَدْعُوْنَ** یَعْبُدُوْنَ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَیْ غَیْرِهٖ **مِنْ** زَائِدَةٌ **شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ** عَذَابُهٗ **وَمَا زَادُوْهُمْ** بِعِبَادَتِهِمْ لَهَا **غَیْرَ تَتْبِیْبٍ﴿۱۰۱﴾** تَخْسِیْرٍ **وَکَذٰلِكَ** مِثْلَ ذٰلِكَ الْاَخْذِ **اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰی** اُرِیْدَ اَهْلَهَا **وَهِیَ ظَالِمَةٌ** بِالذُّنُوْبِ اَیْ فَلَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ مِنْ اَخْذِهٖ شَیْءٌ **اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ﴿۱۰۲﴾** رَوَی الشَّیْخَانِ عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَیُمْلِیْ لِلظَّالِمِ حَتّٰی اِذَا اَخَذَهٗ لَمْ یُفْلِتْهُ ثُمَّ قَرَأَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَکَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ الْاٰیَةَ **اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ** الْمَذْکُوْرِ مِنَ الْقَصَصِ **لَاٰیَةً** لَعِبْرَةً **لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ذٰلِكَ** اَیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ **یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ فِیْهِ النَّاسُ وَذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ** یَشْهَدُهٗ جَمِیْعُ الْخَلَائِقِ **وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ﴿۱۰۴﴾** لِوَقْتٍ مَعْلُوْمٍ عِنْدَ اللّٰهِ **یَوْمَ یَاْتِ** ذٰلِكَ الْیَوْمُ **لَا تَکَلَّمُ** فِیْهِ حَذْفُ اِحْدَی التَّائَیْنِ **نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ** تَعَالٰی **فَمِنْهُمْ** اَیِ الْخَلْقِ **شَقِیٌّ** وَمِنْهُمْ **وَّسَعِیْدٌ﴿۱۰۵﴾** کُتِبَ کُلُّ ذٰلِكَ فِی الْاَزَلِ **فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا** فِیْ عِلْمِهٖ تَعَالٰی **فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ** صَوْتٌ شَدِیْدٌ **وَّشَهِیْقٌ﴿۱۰۶﴾** صَوْتٌ ضَعِیْفٌ **خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ** اَیْ مُدَّةَ دَوَامِهِمَا فِی الدُّنْیَا **اِلَّا** غَیْرَ **مَاشَآءَ رَبُّكَ** مِنَ الزِّیَادَةِ عَلٰی مُدَّتِهِمَا مِمَّا لَا مُنْتَهٰی لَهٗ وَالْمَعْنٰی خَالِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا **اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ﴿۱۰۷﴾ وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا** بِفَتْحِ السِّیْنِ وَضَمِّهَا **فَفِی الْجَنَّةِ خَالِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا** غَیْرَ **مَاشَآءَ رَبُّكَ** کَمَا تَقَدَّمَ وَدَلَّ عَلَیْهِ فِیْهِمْ قَوْلُهٗ **عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ﴿۱۰۸﴾** مَقْطُوْعٍ وَمَا تَقَدَّمَ مِنَ التَّاوِیْلِ

هُوَ الَّذِیْ ظَهَرَ لِیْ وَهُوَ خَالٍ عَنِ التَّكَلُّفِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ **فَلَا تَكُ** يَا مُحَمَّدُ **فِیْ مِرْيَةٍ** شَكٍّ **مِّمَّا يَعْبُدُ هٰۤؤُلَآءِ** مِنَ الْاَصْنَامِ اِنَّا نُعَذِّبُهُمْ كَمَا عَذَّبْنَا مَنْ قَبْلَهُمْ وَهٰذَا تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ** اَیْ كَعِبَادَتِهِمْ **مِّنْ قَبْلُ** وَقَدْ عَذَّبْنَا هُمْ **وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ** مِثْلَهُمْ **نَصِيْبَهُمْ** حَظَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ **غَيْرَ مَنْقُوْصٍ﴿۱۰۹﴾** اَیْ تَامًّا **وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ** التَّوْرٰةَ **فَاخْتُلِفَ فِيْهِ** بِالتَّصْدِيْقِ وَالتَّكْذِيْبِ كَالْقُرْاٰنِ **وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ** بِتَاخِيْرِ الْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ لِلْخَلَائِقِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **لَقُضِیَ بَيْنَهُمْ** فِی الدُّنْيَا فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ **وَاِنَّهُمْ** اَیِ الْمُكَذِّبِيْنَ بِهٖ **لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ﴿۱۱۰﴾** مُوْقِعِ الرِّيْبَةِ **وَاِنَّ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **كُلًّا** اَیْ كُلُّ الْخَلَائِقِ **لَّمَّا** مَا زَائِدَةٌ وَاللَّامُ مُوْطِئَةٌ لِقَسَمٍ مُقَدَّرٍ اَوْ فَارِقَةٍ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِتَشْدِيْدِ لَمَّا بِمَعْنٰى اِلَّا فَاِنْ نَافِيَةٌ **لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ** اَیْ جَزَاءَ هَا **اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴿۱۱۱﴾** عَالِمٌ بِبَوَاطِنِهٖ كَظَوَاهِرِهٖ **فَاسْتَقِمْ** عَلَى الْعَمَلِ بِاَمْرِ رَبِّكَ وَالدُّعَاءِ اِلَيْهِ **كَمَآ اُمِرْتَ وَلِيَسْتَقِمْ مَنْ تَابَ** اٰمَنَ **مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا** تَجَاوَزُوْا حُدُوْدَ اللّٰهِ **اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴿۱۱۲﴾** فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ **وَلَا تَرْكَنُوْٓا** تَمِيْلُوْا **اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** بِمَوَادَةٍ اَوْ مُدَاهَنَةٍ اَوْ رِضًى بِاَعْمَالِهِمْ **فَتَمَسَّكُمُ** تُصِيْبَكُمُ **النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَیْ غَيْرِهٖ **مِنْ** زَائِدَةٌ **اَوْلِيَآءَ** يَحْفَظُوْنَكُمْ مِنْهُ **ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ﴿۱۱۳﴾** تَمْنَعُوْنَ مِنْ عَذَابِهٖ **وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ** الْغَدَاةِ وَالْعَشِیِّ اَیِ الصُّبْحِ وَالظُّهْرِ وَالْعَصْرِ **وَزُلَفًا** جَمْعُ زُلْفَةٍ اَیْ طَائِفَةٍ **مِّنَ الَّيْلِ** اَیِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ **اِنَّ الْحَسَنٰتِ** كَالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ **يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ** الذُّنُوْبَ الصَّغَائِرَ نَزَلَتْ فِيْمَنْ قَبَّلَ اَجْنَبِيَّةً فَاَخْبَرَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلِیْ هٰذَا قَالَ لِجَمِيْعِ اُمَّتِیْ كُلِّهِمْ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ **ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ﴿۱۱۴﴾** عِظَةٌ لِلْمُتَّعِظِيْنَ **وَاصْبِرْ** يَا مُحَمَّدُ عَلٰى اَذٰى قَوْمِكَ اَوْ عَلَى الصَّلٰوةِ **فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴿۱۱۵﴾** بِالصَّبْرِ عَلَى الطَّاعَةِ **فَلَوْ لَا** فَهَلَّا **كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ** الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ **مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْ بَقِيَّةٍ** اَصْحَابُ دِيْنٍ وَفَضْلٍ **يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِی الْاَرْضِ** الْمُرَادُ بِهِ النَّفْیُ اَیْ مَا كَانَ فِيْهِمْ ذٰلِكَ **اِلَّا** لٰكِنْ **قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ** نُهُوْا فَنَجَوْا وَمِنْ لِلْبَيَانِ **وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** بِالْفَسَادِ اَوْ تَرْكِ النَّهْیِ **مَآ اُتْرِفُوْا** نُعِّمُوْا **فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ** مِنْهُ لَهَا **وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ﴿۱۱۷﴾** مُؤْمِنُوْنَ **وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً** اَهْلَ دِيْنٍ وَاحِدٍ **وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ﴿۱۱۸﴾** فِی الدِّيْنِ **اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ** اَرَادَ لَهُمُ الْخَيْرَ فَلَا يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ **وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ** اَیْ اَهْلَ الْاِخْتِلَافِ لَهٗ وَاَهْلَ الرَّحْمَةِ لَهَا **وَتَمَّتْ كَلِمَةُ**

رَبِّكَ وَهِيَ **لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ** الجِنِّ **وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴿۱۱۹﴾ وَكُلًّا** نُصِبَ بِنَقُصُ وَتَنْوِيْنُهٗ عِوَضٌ عَنِ الْمُضَافِ اِلَيْهِ اَىْ كُلُّ مَا يَحْتَاجُ اِلَيْهِ **نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا** بَدَلٌ مِنْ كُلًّا **نُثَبِّتُ** نُطَمِّئِنُ **بِهٖ فُؤَادَكَ** قَلْبَكَ **وَجَآءَكَ فِىْ هٰذِهِ** الْاَنْبَاءِ اَوِ الْاٰيَاتِ **الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۲۰﴾** خُصُّوْا بِالذِّكْرِ لِاِنْتِفَاعِهِمْ بِهَا فِى الْاِيْمَانِ بِخِلَافِ الْكُفَّارِ **وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ** حَالَتِكُمْ **اِنَّا عٰمِلُوْنَ﴿۱۲۱﴾** عَلٰى حَالَتِنَا تَهْدِيْدٌ لَهُمْ **وَانْتَظِرُوْا** عَاقِبَةَ اَمْرِكُمْ **اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ﴿۱۲۲﴾** ذٰلِكَ **وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اَىْ عِلْمُ مَاغَابَ فِيْهِمَا **وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ** بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ يَعُوْدُ وَلِلْمَفْعُوْلِ يُرَدُّ **الْاَمْرُ كُلُّهٗ** فَيَنْتَقِمُ مِمَّنْ عَصٰى **فَاعْبُدْهُ** وَحِّدْهُ **وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ** ثِقْ بِهٖ فَاِنَّهٗ كَافِيْكَ **وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴿۱۲۳﴾** وَاِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِوَقْتِهِمْ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالْفَوْقَانِيَةِ

ترجمہ: .... اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور روشن دلیل (واقعی سند) کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تھا۔ مگر وہ لوگ فرعون کی رائے پر چلتے رہے اور فرعون کی بات کچھ ٹھیک نہ تھی۔ قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا (اور لوگ اس کے پیچھے اسی طرح ہوں گے جیسے دنیا میں رہا کرتے تھے) پھر انہیں دوزخ میں جا اتارے گا (پہنچا کر رہے گا) وہ بہت ہی بری جگہ ہے اتر نے کی اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے ساتھ ساتھ رہی اور قیامت کے دن بھی (لعنت رہے گی) کیا ہی برا صلہ (انعام) ہے جو ان کے حصہ میں آیا (انہیں دیا گیا) یہ (مذکورہ واقعات یہ مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) ان بستیوں کے تھوڑے سے حالات تھے جنہیں ہم آپ سے (اے محمد) بیان کر رہے ہیں۔ ان (بستیوں) میں سے کچھ تو اب تک قائم ہیں (ان کے رہنے والے برباد ہو گئے مگر وہ نہیں خراب ہوئیں) اور کچھ بالکل اجڑ گئیں (رہنے والوں سمیت فنا ہو گئیں کہ ان کا نشان تک نہیں رہا۔ جیسے کسی نے درانتی سے کھیت کو صاف کر دیا ہو) اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا (کہ بلاقصور انہیں برباد کر دیا ہو) بلکہ خود انہوں نے ہی اپنے اوپر ظلم کیا (شرک کر کے) سو ان کے وہ معبود جنہیں وہ خدا کو چھوڑ کر پوجتے تھے۔ ان کے کچھ کام بھی نہ آسکے (من زائد ہے) جب آپ کے پروردگار کا حکم (عذاب) آپہنچا اور انہوں نے کچھ فائدہ نہیں پہنچایا (ان کی بندگی کرنے کا) بجز نقصان پہنچانے کے اور آپ کے پروردگار کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے (جیسی پکڑ ان کی ہوئی) جب وہ آبادیوں (میں رہنے والوں) کو ظلم کرتے ہوئے پکڑتا ہے (گناہ کر کے یعنی پھر ان کی پکڑ سے کوئی نہیں بچتا) یقیناً ان کی پکڑ بڑی ہی دردناک بڑی ہی سخت ہوتی ہے (شیخین نے ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتے رہتے ہیں پھر جب پکڑ ہی لیتے ہیں تو کسی طرح پھر نہیں چھوٹ سکتا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہی آیت وکذلک الخ تلاوت فرمائی) ان (مذکورہ واقعات) میں بڑی ہی عبرت (نصیحت) ہے اس کے لئے جو شخص عذاب کا خوف رکھتا ہو۔ یہ (آخرت کا دن) وہ دن ہے جب تمام انسان اکٹھے کئے جائیں گے اور یہ وہ دن ہے جس میں سب کی حاضری ہوگی (سب اس کا نظارہ کر سکیں گے) اور ہم اس کو صرف تھوڑی سی مدت کے لئے (جو اللہ کو معلوم ہے) ملتوی کئے ہوئے ہیں۔ جس وقت وہ دن آئے گا کسی شخص کی مجال نہیں ہوگی کہ بغیر اللہ کی اجازت کے زبان کھولے (تکلم میں ایک تاء حذف ہو رہی ہے) پھر (مخلوق میں سے) کچھ ایسے ہوں گے جن کے لئے محرومی ہے اور (کچھ ان میں سے) ایسے ہوں گے جن کے لئے سعادت ہے (یہ سب روز اول میں لکھا جا چکا ہے) پس جو لوگ محروم ہوئے (علم الٰہی میں) وہ دوزخ میں ہوں گے ان کے لئے وہاں چیخنا چلانا (شور مچانا) ہوگا (شھیق کمزور آواز کو کہتے ہیں) وہ اسی میں رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہیں (یعنی دنیا میں جتنا ان کا دوام رہا ہے) ہاں! اگر خدا ہی کو منظور ہو (زمین وآسمان کی مدت میں زمانہ غیر متناہی کی زیادتی

غرضیکہ ہمیشگی مراد ہے) بے شک آپ کا پروردگار اپنے کاموں میں مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جن لوگوں نے سعادت پائی (سین کے فتح اور ضمہ کے ساتھ ہے) سو وہ جنت میں ہوں گے اور اسی میں رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہیں۔ ہاں اگر خدا ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے (اس کا مطلب وہی ہے جو ابھی گزر چکا ہے۔ جس پر اگلا قول دلالت کر رہا ہے) یہ عطیہ ہمیشہ رہے گا (منقطع نہیں ہوگا یہی تاویل میری سمجھ میں آئی ہے اور بے تکلف ہے۔ واللہ اعلم) جن (بتوں) کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں ان کے بارے میں (اے محمد) آپ کو ذرا شبہ نہیں ہونا چاہیئے (کیونکہ پہلوں کی طرح ہم انہیں بھی عذاب دیں گے اس کا مقصد نبی کریم ﷺ کو تسلی ہے) یہ اسی طرح پرستش کر رہے ہیں جس طرح ان کے باپ دادا (پرستش کرتے تھے) ان سے پہلے (جنہیں ہم سزا دے چکے ہیں) اور ہم یقیناً (ان کی طرح) ان (کے عذاب) کا پورا پورا حصہ (بے کم وکاست) انہیں پہنچا دیں گے اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی پھر اس میں اختلاف کیا (قرآن کی طرح اس کی بھی بعض نے تصدیق کی اور بعض نے تکذیب) اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف ایک بات پہلے سے نہ ٹھہرادی گئی ہوتی (مخلوق کے حساب وجزاء کے مسئلہ کو قیامت پر ملتوی رکھنے کی) تو ان کا فیصلہ کبھی کا ہو چکا ہوتا (دنیا ہی میں ان کے اختلافات کے متعلق) اور یہ (جھٹلانے والے) اس کی طرف سے شبہ ہی میں پڑے ہوئے ہیں جو انہیں تردد (شک) میں ڈال رہا ہے۔ بالیقین (تشدید وتخفیف کے ساتھ ہے) سب کے لئے (ساری مخلوق کے واسطے) یہی ہوتا ہے کہ جب وقت آئے گا (ما زائد ہے اور لام قسمیہ ہے اور قسم مقدر ہے۔ یا یہ لام ان نافیہ اور مؤکدہ میں فرق کرنے کے لئے ہے اور ایک قرأت میں لما مشدد ہے الا کے معنی میں۔ پس اس صورت میں ان نافیہ ہو جائے گا) تو آپ کے پروردگار ان کے عمل (کا بدلہ) انہیں پورا پورا دے گا وہ یقیناً ان کے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے (ظاہر کی طرح وہ باطن کو بھی جانتا ہے) اور آپ (اپنے پروردگار کے حکم کے مطابق تعمیل کرنے میں اور اس سے دعا کرنے میں) استوار رہیئے۔ جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جو (ایمان کی بدولت) توبہ کر کے آپ کے ہمراہی ہیں اور حد سے نہ بڑھو (اللہ کے مقرر کردہ دائرہ سے مت نکلو) یقین کرو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے (لہٰذا وہ تمہیں اس کا بدلہ دے گا) اور ان ظالموں کی طرف (ان سے پینگیں بڑھا کر یا دین میں بودا پن دکھلا کر یا ان کے کاموں سے خوش ہو کر) مت جھکنا (مائل نہ ہونا) کہیں تمہیں بھی آگ چھو جائے (لگ جائے) اللہ کے سوا (من زائد ہے) تمہارا کوئی رفیق نہیں (جو اللہ سے تمہاری حفاظت کر سکے) پھر تم کہیں مدد نہ پاؤ گے (جو عذاب الٰہی سے تمہیں بچالے) اور نماز قائم کرو جب دن شروع ہونے کو ہو اور اس وقت جب دن ختم ہونے کو ہو (صبح، شام یعنی نماز فجر، ظہر، عصر) نیز اس وقت جب ابتدائی حصہ گزر رہا ہو (یہ جمع زلفۃ کی یعنی کچھ حصہ) رات کا (یعنی نماز مغرب وعشاء) یاد رکھو نیکیاں (جیسے پانچوں وقت کی نماز) برائیوں کو دور کر دیتی ہے (چھوٹے گناہوں کو یہ آیت اس شخص کے بارے میں اتری تھی جس نے کسی اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے جب اسے اس حکم کی اطلاع کی تو عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ! یہ حکم صرف میرے لئے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ سب کے لئے عام حکم ہے۔ یہ روایت بخاری ومسلم کی ہے) یہ نصیحت ان لوگوں کے لئے ہے۔ جو نصیحت پذیر ہوں (ماننے والوں کے لئے یہ وعظ ہے) اور صبر کرو (اپنی قوم کی طرف سے تکلیفوں پر یا نماز پڑھنے میں) کیونکہ اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے (جو اطاعت پر صبر کرنے والے ہیں) پھر ایسا کیوں نہیں ہوا کہ جو عہد (پچھلے زمانے) تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان میں اہل خیر (دیندار، سمجھدار) باقی رہے ہوتے جو دوسروں کو ملک میں شر وفساد پھیلانے سے روکتے (اس سے مراد نفی ہے یعنی ان میں ایسے لوگ نہیں ہوئے) بجز چند آدمیوں کے جنہیں ان میں سے ہم نے بچالیا تھا (انہوں نے لوگوں کو باز رکھا۔ اس لئے وہ نجات پا گئے۔ اس میں من بیانیہ ہے) اور ظلم کرنے والے (فساد پھیلانے والے یا نہ روکنے والے) وہ جس ناز ونعمت میں تھے۔ اس کے پیچھے پڑے رہے اور یہ لوگ جرائم کے عادی تھے اور ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آپ کا پروردگار آبادیوں کو ناحق (ان پر ظلم کر کے) ہلاک کر دے اور وہاں کے رہنے والے اصلاح میں لگے ہوں (ایماندار ہوں) اور آپ کا پروردگار چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک امت (ایک دین) بنا دیتا اور یہ لوگ ہمیشہ (دین میں) اختلاف ہی کرتے رہیں گے۔ مگر ہاں! جس پر آپ کے پروردگار کی رحمت ہو (اور وہ ان کی خیر چاہیں تو پھر لوگ اختلاف نہیں کر سکتے) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اسی واسطے پیدا کیا ہے (یعنی اختلاف کرنے والوں کو اختلاف کے لئے اور رحمت کرنے والوں کو رحمت کے لئے) اور آپ کے پروردگار کی یہ بات پوری

ہوگی۔کہ میں جہنم کو جنات اور انسان دونوں سے بھر دوں گا اور یہ سارے قصے (لفظ کلاً منصوب ہے نقص کی وجہ سے اور تنوین مضاف الیہ کے بدلہ میں ہے۔اصل عبارت کل ما یحتاج الیہ تھی۔یعنی تمام ضروری واقعات) پیغمبروں کے جو ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں تو ان سب میں یہی بات ہے کہ (لفظ ما بدل ہے کلا سے) آپ کے قلب (دل) کو ان سے تقویت (اطمینان) دے دیں اور ان (واقعات اور نشانیوں) میں آپ کے پاس راست مضمون بھی پہنچا ہے اور مسلمانوں کے لئے نصیحت اور یاددہانی ہے (مسلمانوں کی تخصیص اپنے ایمان سے نفع اٹھانے کے اعتبار سے ہے اور کفار ایسے نہیں ہوتے) اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنی جگہ (حالت پر) کام کئے جاؤ۔ہم بھی (اپنی حالت پر) سرگرم عمل ہیں (یہ ان کے لئے بطور دھمکی ہے) اور منتظر رہو (اپنے عمل کی پاداش کے) ہم بھی (اس کے) منتظر ہیں اور آسمان وزمین میں جتنی غیب کی باتیں ہیں۔اللہ ہی کو (ان سب چھپی ہوئی چیزوں کا) علم ہے اور اسی کی طرف رجوع ہوتے ہیں (معروف صیغہ سے یعود کے معنی میں ہے اور مجہول صیغہ سے یود کے معنی میں ہے) سارے کام (لہٰذا وہ نافرمانی کرنے والے سے انتقام لے گا) آپ اسی کی عبادت (توحید) میں لگے رہیئے اور اسی پر بھروسہ رکھئے (اعتماد کیجئے۔کیونکہ وہی آپ کے لئے کافی ہے) اور آپ کا پروردگار ان باتوں سے بے خبر نہیں ہے جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں (لیکن مقررہ وقت تک کے لئے انہیں مہلت دی جارہی ہے اور ایک قرأت میں تعلمون تا کے ساتھ ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... رشید یہ لفظ اگرچہ قوم کی صفت ہوتا ہے۔مگر یہاں آمر کی صفت میں لایا گیا ہے اس لئے مفسرؒ نے سدید کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔فاورد اس میں تشبیہ استعمال کی گئی ہے۔رفد اس کے معنی عون کے بیان کئے ہیں جس سے مراد نعۃ ہے۔

انباء القری مذکورہ سات وقتوں کی طرف اشارہ ہے۔وکذلک اخذ ربک آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ حکم پچھلی امتوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ سب کے لئے عام ہے۔ مجموع لہ اشارہ کردیا کہ لام بمعنی فی ہے۔لاتکلم چونکہ قیامت کا دن بہت لمبا ہوگا اس لئے یہ حکم دوسری آیت یوم تاتی کل نفس تجادل الخ یا واللہ ربنا ما کنا مشرکین کے حکم کے خلاف نہیں ہے۔کیونکہ مختلف اوقات میں مختلف احکام ہوں گے۔فمنھم شقی شقاوت کی علامات پانچ ہیں۔دل کی سختی ، آنکھوں سے آنسو نہ جاری ہونا۔دنیا کی طرف رغبت ، امید کا لمبا ہونا ، حیاء زیادہ ہونا اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شقاوت کی علامت حق سے بے توجہی اور اس کی طلب سے بے رخی کرنا اور گناہوں پر بغیر ندامت کے اصرار کرنا ، دنیا کے حرام وحلال کی حرص کرنا ، خواہش کی پیروی کرنا ہے اور سعادت کی پہچان۔اللہ کی طرف توجہ اور اور گناہوں سے استغفار ، اور اللہ کی طرف رجوع کرنا تھوڑی سی دنیا پر قناعت کرلینا ، طلب حلال ، سنت کی اتباع ، بدعات سے بچنا۔خواہشات کی مخالفت کرنا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ دنیا اور اہل دنیا کی طرف رغبت کرنا اور اہل اللہ سے نفرت کرنا یہ بھی شقاوت میں داخل ہے اور اللہ اور اہل اللہ کی طرف رغبت کرنا اور دنیا اور اہل دنیا سے نفرت کرنا سعادت میں داخل ہے۔

زفیر و شھیق زفیر کہتے ہیں زور سے سانس نکالنے کو اور شہیق کہتے ہیں زور سے سانس کھینچنے کو۔ گدھے کی ابتدائی آواز کو زفیر اور انتہائی آواز شہیق کہا جاتا ہے اور بعض کی رائے میں زفیر کا تعلق گلے اور شہیق کا تعلق سینہ سے ہے۔الا ماشاء اشارہ کردیا کہ الا استثنائیہ نہیں ہے۔بلکہ بمعنی غیر ہے۔بہرحال ان دونوں آیتوں سے کفار کے جہنم سے اور مؤمن کے جنت سے نکلنے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔کیونکہ مادامت السمٰوٰت الخ سے مراد ابدیت ہے۔

فعال لما یرید یعنی اس کے وعدہ اور وعید میں خلاف نہیں ہوگا اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس کی وعید میں خلاف ہوجاتا ہے۔اس سے گنہگاروں کی وعید ہے نہ کہ کفار کی۔

واما الذین سعدوا ان دونوں آیتوں میں محسنات بدیعیہ میں سے جمع ، تفریق ، تقسیم پائی جاتی ہے۔یوم یات الخ میں تو جمع ہے اور فمنھم الخ سے تفریق ہے اور فاما الذین الخ سے تقسیم ہے۔ما دامت السمٰوٰت عرب کی عادت ہے کہ کسی چیز کے دوام کو

آسمان وزمین کے دوام سے تعبیر کرتے ہیں مجازاً لیکن اگر حقیقی معنی مراد لئے جائیں تو آسمان وزمین بھی جنت کے مراد ہوں گے نہ کہ دنیا کہ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ یوم تبدل الارض غیر الارض والسموٰات یا او رثنا الارض نتبوء من الجنة حیث نشاء.

الا ماشاء. ای الا ماشاء ربك من الزیادة التی لا اخرلها اور ابوالسعودؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ خلود سے استثناء ہے۔ جیسے لا یذوقون فیها الموت الا الموتة الاولی یاحتی یلج الجمل فی سم الخیاط فرمایا گیا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ ان چیزوں کا محال ہونا تو عقلاً معلوم ہے اور اللہ کی مشیت کا عدم خلود سے تعلق کا محال ہونا نقل سے معلوم ہو رہا ہے۔ یعنی یہ لوگ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ ہاں! اگر اللہ چاہے گا تو ہمیشہ نہیں رہیں گے اور یہ ممکن نہیں ہے نص قطعی کی وجہ سے۔ پس ان کی مدت کی انتہاء بھی ممکن نہیں ہے اور روح البیان میں ہے کہ خلود نار سے استثناء ہے اور مراد اس سے کافر نہیں بلکہ مسلمان فاسق ہیں جو سزا کے بعد نکل جائیں گے اور صحت استثناء کے لئے اتنا بھی کافی ہے اور ایک شخص پر شقاوت وسعادت دونوں کا اجتماع ممکن ہے مگر ایک اعتبار سے نہیں بلکہ الگ الگ اعتبار سے۔ چنانچہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اہل شقاوت کی دو قسمیں ہیں۔ شقی اور اشقی۔ گنہگار مسلمان گناہوں کی وجہ سے تو شقی اور توحید کی وجہ سے سعید ہوتا ہے۔ گناہ اسے جہنم میں لے جائیں گے اور توحید جنت میں برخلاف کافر کے وہ اشقی ہوتا ہے اس لئے ابدی جہنم کی نذر ہوگا۔

الذی ظهر لی یعنی الا کو غیر کے معنی میں لینے کی تاویل وتوجیہ کا اختیار کرنا میرے لئے ظاہر ہوا ہے یہ مطلب نہیں کہ یہ توجیہ صرف میں نے کی ہے کیونکہ دوسری کتابوں میں بھی یہ توجیہ مذکور ہے۔

فلا تك خطاب اگرچہ آنحضرت ﷺ کو ہے مگر مراد دوسرے لوگ ہیں۔ اس میں آنحضرت ﷺ کے مخالفین کا بیان مذکور ہے۔ لما لیوفینهم اگر لما مشدد ہے تو لام قسمیہ اور مخفف ہے تو لام فرق کرنے کے لئے ہوگا۔ ان مخففہ اور ان نافیہ کے درمیان۔ لیکن ان دونوں میں فرق کی ضرورت اس وقت ہوگی جب کہ ان مؤکدہ کا عمل نہ ہو رہا ہو۔ وہ ان مؤکدہ کے عمل کی صورت میں تو عمل سے فرق ہو جائے گا کسی فرق کی ضرورت نہیں رہے گی۔ حاصل ترکیب یہ ہوگا کہ کلا منصوب ہوگا ان کا اسم ہونے کی وجہ سے اور جملہ قسم مع جواب کے خبر ہوگی اور لما میں لام قسمیہ ہونے کی صورت میں لیوفینهم جواب قسم ہوگا۔ اور لما مشدد ہونے کی صورت میں لیوفینهم جملہ خبریہ ہے اور لام جواب قسم مقدر ہوگا۔

لا تطغوا اور لا ترکنوا دونوں میں خطاب اگرچہ آنحضرت ﷺ کو ہے لیکن مراد امت ہے ان ہی خطابات کی وجہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا شیبتنی هود.

نزلت اس سے مراد ابوالیسرؓ ہیں۔ ان کے پاس ایک عورت کھجوریں خریدنے کے لئے آئی تو انہوں نے اس بہانہ سے اندر بلایا کہ اچھی کھجوریں اندر رکھی ہوئی ہیں اور وہ اندر آئی تو انہوں نے اس کا بوسہ لے لیا۔ کرنے کو تو یہ غلطی کر گئے۔ مگر پھر جو دل نے ملامت کی تو حضرت ابوبکرؓ کے پاس دوڑے گئے۔ ان سے صورت حال بتلائی۔ انہوں نے فرمایا کہ کسی سے ذکر مت کرو اور توبہ کرو۔ لیکن ان سے ضبط نہ ہو سکا اور گھبرا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سن کر آپؐ نے دیر تک گردن جھکائے رکھی۔ تب یہ آیت اقم الصلوٰة نازل ہوئی۔ ابوالیسرؓ بول اٹھے کہ یہ حکم میرے مخصوص ہے یا سب کے لئے عام ہے۔ آپؐ نے فرمایا سب کے لئے عام ہے۔

ربط آیات: .... آیت ولقد ارسلنا موسی الخ میں آخری اور آٹھواں قصہ حضرت موسیٰ کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ آگے آیت ذٰلک من انباء سے کفار کو تہدید اور مسلمانوں کو بشارت سنائی جا رہی ہے۔

آگے آیت ولقد اتینا الخ سے پھر بقیہ قصہ موسیٰ کو بیان کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد آیت فلو لا کان الخ سے عذاب کا قریبی سبب نافرمانیاں اور سبب بعید اللہ کی حکمت ومشیت بیان کی جا رہی ہے۔ اول سے اپنا رحم وکرم اور دوسری بات سے آنحضرت ﷺ کی تسلی مقصود ہے۔ محکی عنہ یعنی واقعات کی اس حکمت وعلت کے بعد آیت وکلا نقص الخ سے حکایت یعنی ان قصوں کے بیان کرنے کی حکمت ذکر کی جا رہی ہے۔ اور چونکہ پوری سورت میں توحید ورسالت، قیامت، حقانیت قرآن، وعد ووعید کا

ذکر اور شبہات کا جواب دے کر اتمام حجت اور دعوت کا پورا پورا حق ادا کر دیا گیا ہے۔ اس لئے اگر یہ لوگ اب بھی نہ مانیں تو ان سے آیت **وقل للذین الخ** بیان کر کے بات ختم کر دینی چاہیئے۔

شان نزول: .... آیت **واقم الصلوٰۃ الخ** کے شان نزول کی طرف جلال محققؒ نے اشارہ کر دیا ہے کہ ابوالیسرؓ ایک صحابی سے ایک غلطی سرزد ہوگئی تھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... اللہ کی مہلتیں بھی عذاب کی گردش سے نہ بچا سکیں: .... حضرت موسیٰ کی زندگی اور دعوت کے ضروری اجزاء کے ذیل میں آیت **وما ظلمنٰھم الخ** سے یہ بتلایا جارہا ہے کہ ان قوموں کو جو کچھ پیش آیا۔ وہ اس لئے نہیں پیش آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی زیادتی کی ہو۔ ان کا قانون جزاء تو سراسر عدل ورحمت ہے۔ بلکہ اس لئے ہوا کہ خود انہوں نے اپنے اوپر ظلم کرنا چاہا اور نجات کی راہ سے منہ موڑ کر ہلاکت کی طرف چلنے لگے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے مہلتوں پر مہلتیں دی ہیں اور روشنی کو اندھیرے سے بالکل الگ کر دیا ہے۔ لیکن ایک قوم اگر روشنی سے یک قلم منہ موڑ لے تو پھر نتائج کا ظہور کبھی نہیں رک سکتا اور اس ظہور کی دردناکی اور شدت کبھی دور نہیں ہوسکتی۔ ہر انسان کے لئے جو آخرت کے خیال سے بے خوف نہ ہو۔ اس بات میں حقیقت کی بڑی ہی نشانی ہے۔ کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جزائے عمل کا قانون یہاں نافذ نہیں اور اللہ کے رسولوں کا پیام جھوٹا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر بات کے لئے ایک حساب ہے اور ہر معاملہ کے لئے ایک مقررہ میعاد ہے۔ جب تک وہ وقت نہ آئے اس بات کا ظہور نہیں ہوسکتا۔ آخرت کا دن بھی اس لئے پیچھے ڈال دیا گیا ہے کہ اپنے مقررہ وقت پر رونما ہو۔ اس دن جو شقی نکلیں گے ان کے لئے شقاوت ہوگی۔ جو سعید نکلیں گے ان کے سعادت۔

آیت **فلاتک الخ** میں آپ کو خطاب ہے کہ آپ کو یہ خیال نہیں ہونا چاہیئے کہ عرب کے مشرکین شرک سے کیوں نہیں باز آتے؟ اور انہیں کیوں مہلت مل رہی ہے؟ وہ تو اسی طریقہ پر چل رہے ہیں جس پر ان کے باپ دادا چلے۔ اس لئے انہیں ان کی سرکشیوں کا پورا پورا نتیجہ ملنے والا ہے۔

اس سورت کی موعظت کا ماحصل: .... پھر آیت **فاستقم الخ** سے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو اس سورت کی موعظت کا خلاصہ بتلانا ہے کہ (۱) جو راہ تمہیں بتلائی گئی ہے اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو اور اپنا کام کئے جاؤ۔ (۲) اپنی حد سے آگے نہ بڑھو یعنی مضبوطی کا مطلب یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ مخالفوں پر کسی طرح کی زیادتی کرنے کا خیال کرنے لگو یا لڑنے یا جھگڑنے لگو۔ اپنے دائرہ کے اندر رہو۔ مگر اپنے طریقہ پر قائم رہو (۳) لیکن یہ بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ مخالفین کی طرف جھک پڑو۔ کہیں ان کی گمراہی کی چھینٹ تم پر بھی نہ پڑ جائے۔ غرضیکہ نہ تو اپنے حصہ سے بڑھنا چاہیئے اور نہ ان کی طرف جھکنا چاہیئے (۴) نماز کو اس کی ساری حقیقتوں کے ساتھ اپنے اپنے وقتوں میں ادا کرتے رہو۔ تمہاری طاقت کا اصل سرچشمہ یہی ہے یہ بڑی نیک عملی ہے اور نیک چلنی برائیاں دور کر دیا کرتی ہے۔

آیت **طرفی النھار** میں دن کے دوسروں سے مراد بعض کے نزدیک صرف فجر وعصر ہے اور بعض کے نزدیک فجر، ظہر، عصر تینوں نمازیں مراد ہیں اور رات کے ایک حصہ سے مراد مغرب وعشاء ہیں۔ ایک قول پر پانچ اور ایک قول پر چار نمازیں مراد ہوں گی اور ظہر کا بیان دوسری آیت **وحین تظھرون** سے ثابت ہو جائے گا اور یہاں چار نمازوں کی تخصیص اہتمام کی وجہ سے ہو جائے گی اور سیئات سے مراد صغیرہ گناہ ہوں گے۔

(۵) صبر سے کام لو۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ نیک کرداروں کا اجر وصلہ ضائع نہیں کرتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ آخر کار کامیابی ان ہی کے حصہ میں آئے پچھلی قومیں جو سب کی سب ہلاک ہوئی ہیں تو اس لئے ہوئی ہیں کہ ان میں اہل خیر وصلاح اٹھ گئے

تھے۔ کوئی نہیں رہا تھا جو شر وفساد سے روکے۔ اگر اچھائی کے پھیلانے اور برائیوں کے مٹانے کا کام کرنے والے لوگ موجود رہتے تو کبھی اس نتیجہ سے دوچار نہ ہوتے۔ آخر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک بستی پر عذاب آئے اور اس کے باشندے مصلح ہوں۔ اس سے سمجھ لو کہ اگر تم اپنی راہ پر جمے رہے اور ایک جماعت داعیان حق کی پیدا ہوگی۔ تو پھر یہ سرزمین ایسے عذاب سے محفوظ رہے گی۔ جو پچھلی قوموں کی طرح ایک قلم نیست ونابود کردینے والا ہو(٦) دنیا میں فکر وعمل کا اختلاف ناگزیر ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ سب ایک ہی راہ پر چلنے والے ہوجائیں اور حق وباطل کی کشمکش نہ رہے۔ پس اس بات سے مایوس نہ ہو کہ تمام آدمی کیوں دعوت حق قبول نہیں کرلیتے؟ نہ تو پہلے ایسا ہوا۔ نہ اب اس کی توقع رکھنی چاہیئے۔ بہت سے مانیں گے، بہت سے نہیں مانیں گے۔ تم اپنے کام میں سرگرم رہو۔

واقعات بیان کرنے سے قرآن کا مقصود............آیت **کلا نقص الخ** سے یہ بتلانا ہے کہ ان قصص سے قرآن کا کیا مقصود ہے؟ سب سے پہلے بات تو یہ ہے کہ آپ کو قوم کی نالائقیوں سے پریشانی اور بے چینی ہوتی ہے۔ ان قصوں سے آپ کو تسکین وتسلی ہو۔ اصلاح ودعوت کا جو ولولہ اور جوش آپ کو مضطرب رکھتا ہے۔ ان سرگذشتوں میں غور وفکر کرنا باعث اطمینان ہوگا کہ پہلے بھی ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ بلکہ سرکشی کے اس سے بھی زیادہ سخت مظاہرے ہوچکے ہیں۔ نیز ان سرگذشتوں میں دلائل کی روشنیاں ہیں۔ جو یہ بتلاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قانون میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ ان میں سننے والوں کے لئے عبرت ونصیحت کی باتیں ہیں جو غرور وناتوانی سے بیدار کرتی ہیں۔ مؤمنوں کو سچائی کی یاد دلاتی ہیں۔ اور غفلت دور کرتی ہیں۔

یہ چاروں باتیں سامنے رکھ کر قرآن کے قصص واقعات کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ذہن کی گرہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔

آیت **قل للذین الخ** کا حاصل یہ ہے کہ آپ منکروں سے وہی بات کہہ دیجئے جو ہمیشہ کہی گئی کہ تم اپنی جگہ کام کئے جاؤ۔ ہم اپنی جگہ کررہے ہیں۔ تم بھی نتیجہ کا انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں۔ نتیجہ فیصلہ کردے گا جس طرح ہمیشہ ہوچکا ہے اللہ ہی جانتا ہے کہ پردۂ غیب میں کیا چھپا ہے۔ سارے کام اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو اللہ کی عبادت میں لگے رہنا اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ (ترجمان)

لطائف آیات:............آیت **فاما الذین شقوا الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعت پر ناز نہیں کرنا چاہیئے اور نہ معصیت کی وجہ سے رحمت الٰہی سے مایوس ہونا چاہیئے۔

آیت **فاستقم الخ** کا حاصل یہ ہے کہ حق اور خلق دونوں کا حق ادا کیا جائے اور کثرت وحدت میں اور وحدت کا کثرت میں مشاہدہ کرنا چاہیئے۔ نیز آپ کی استقامت اور ہے اور آپ کے متبعین کی استقامت اور۔

آیت **ولا ترکنوا الخ** سے مداہنت کرنے اور قدرت کے باوجود برائیوں کو نہ روکنے اور کفار کی وضع اختیار کرنے اور ان کی تعظیم کرنے اور بلاضرورت شرعی ان کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت معلوم ہورہی ہے۔

آیت **ان الحسنات الخ** طاعت کے ملکہ کے غالب آنے سے گناہ کے مادہ کا مضمحل ہونا بھی داخل ہے۔

آیت **ولذلک خلقهم الخ** سے معلوم ہوا کہ لوگ اللہ کے جمال وجلال اور قہر ومہر کے مظاہر ہیں۔ یہ آیت دوسری آیت **وما خلقت الجن الخ** کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ایک شرعی غایت کا بیان ہے اور دوسری تکوینی غایت کا۔ آیت **وکلا نقص الخ** سے معلوم ہوا کہ مقبولین کے واقعات سے قلوب کی تسکین، تقویت، اور اچھی باتوں کا شوق اور بری باتوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے اولیاء اللہ اور بزرگوں کی حکایات جمع کرنے کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ آیت **والیه یرجع الخ** سے مشائخ کے اس مقولہ کی اصل معلوم ہوتی ہے جو انہوں نے "سیر الی اللہ" کے سلسلہ میں کہی ہے کہ ہر چیز کی سیر ہر وقت اللہ کی طرف رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ چیز اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتی ہے پھر سیر الی اللہ بھی ختم ہوجاتی ہے۔

سُوْرَةُ یُوْسُفَ

سُوْرَةُ یُوْسُفَ مَکِّیَّةٌ مِائَةٌ وَّاِحْدٰی عَشَرَةَ اٰیَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴿﴾ الٓرٰ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ **تِلْكَ** هٰذِهِ الْاٰیٰتُ **اٰیٰتُ الْکِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ وَالْاِضَافَةُ بِمَعْنٰی مِنْ **الْمُبِیْنِ﴿۱﴾** اَلْمُظْهِرِ لِلْحَقِّ مِنَ الْبَاطِلِ **اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا** بِلُغَةِ الْعَرَبِ **لَعَلَّکُمْ** یَا اَهْلَ مَکَّةَ **تَعْقِلُوْنَ﴿۲﴾** تَفْهَمُوْنَ مَعَانِیَهٗ **نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَیْنَآ** بِاِیْحَائِنَا **اِلَیْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ** مُخَفَّفَةٌ اَیْ وَاِنَّهٗ **کُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ﴿۳﴾** اُذْکُرْ **اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ** یَعْقُوْبَ **یٰٓاَبَتِ** بِالْکَسْرِ دَلَالَةٌ عَلٰی یَاءِ الْاِضَافَةِ الْمَحْذُوْفَةِ وَالْفَتْحِ دَلَالَةٌ عَلٰی اَلِفٍ مَحْذُوْفَةٍ قُلِبَتْ عَنِ الْیَاءِ **اِنِّیْ رَاَیْتُ** فِی الْمَنَامِ **اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ** تَاکِیْدٌ **لِیْ سٰجِدِیْنَ﴿۴﴾** جُمِعَ بِالْیَاءِ وَالنُّوْنِ لِلْوَصْفِ بِالسُّجُوْدِ الَّذِیْ هُوَ مِنْ صِفَاتِ الْعُقَلَاءِ **قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰٓی اِخْوَتِكَ فَیَکِیْدُوْا لَكَ کَیْدًا** یُحْتَالُوْا فِیْ هَلَاکِكَ حَسَدًا لِعِلْمِهِمْ بِتَاوِیْلِهَا مِنْ اَنَّهُمُ الْکَوَاکِبُ وَالشَّمْسُ اُمُّكَ وَالْقَمَرُ اَبُوْكَ **اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ﴿۵﴾** ظَاهِرُ الْعَدَاوَةِ **وَکَذٰلِكَ** کَمَا رَاَیْتَ **یَجْتَبِیْكَ** یَخْتَارُكَ **رَبُّكَ وَیُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ** تَعْبِیْرِ الرُّؤْیَا **وَیُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ** بِالنُّبُوَّةِ **وَعَلٰٓی اٰلِ یَعْقُوْبَ** اَوْلَادِهٖ **کَمَآ اَتَمَّهَا** بِالنُّبُوَّةِ **عَلٰٓی اَبَوَیْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبَّكَ عَلِیْمٌ** بِخَلْقِهٖ **حَکِیْمٌ﴿۶﴾** فِیْ صُنْعِهٖ بِهِمْ **لَقَدْ کَانَ فِیْ** خَبَرِ **یُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ** وَهُمْ اَحَدَ عَشَرَ **اٰیٰتٌ** عِبَرٌ **لِّلسَّآئِلِیْنَ﴿۷﴾** عَنْ خَبَرِهِمْ اُذْکُرْ **اِذْ قَالُوْا** اَیْ بَعْضُ اِخْوَةِ یُوْسُفَ لِبَعْضِهِمْ **لَیُوْسُفُ** مُبْتَدَأٌ **وَاَخُوْهُ** شَقِیْقُهٗ بِنْیَامِیْنُ **اَحَبُّ** خَبَرٌ **اِلٰٓی اَبِیْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ** جَمَاعَةٌ **اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ** خَطَأٍ **مُّبِیْنِ﴿۸﴾** بَیِّنٍ بِاِیْثَارِهِمَا عَلَیْنَا **اقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا** اَیْ بِاَرْضٍ بَعِیْدَةٍ **یَخْلُ لَکُمْ وَجْهُ**

اَبِیْکُمْ بِاَنْ یُقْبِلَ عَلَیْکُمْ وَلَا یَلْتَفِتَ لِغَیْرِکُمْ **وَتَکُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ** اَیْ بَعْدَ قَتْلِ یُوْسُفَ اَوْ طَرْحِهٖ **قَوْمًا صٰلِحِیْنَ** ﴿۹﴾ بِاَنْ تَتُوْبُوْا **قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ** هُوَ یَهُوْدَ **لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ** اِطْرَحُوْهُ **فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ** مُظْلِمِ الْبِیْرِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْجَمْعِ **یَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّیَّارَةِ** الْمُسَافِرِیْنَ **اِنْ کُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ** ﴿۱۰﴾ مَا اَرَدْتُمْ مِنَ التَّفْرِیْقِ فَاکْتَفُوْا بِذٰلِكَ **قَالُوْا یٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰی یُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ** ﴿۱۱﴾ لَقَائِمُوْنَ بِمَصَالِحِهٖ **اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا** اِلَی الصَّحْرَاءِ **یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ** بِالنُّوْنِ وَالْیَاءِ فِیْهِمَا نَنْشَطُ وَنَتَّسِعُ **وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ** ﴿۱۲﴾ **قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا** اَیْ ذِهَابُکُمْ **بِهٖ** لِفِرَاقِهٖ **وَاَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَهُ الذِّئْبُ** وَالْمُرَادُ بِهِ الْجِنْسُ وَکَانَتْ اَرْضُهُمْ کَثِیْرَةَ الذِّئَابِ **وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ** ﴿۱۳﴾ مَشْغُوْلُوْنَ **قَالُوْا لَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **اَکَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ** جَمَاعَةٌ **اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ** ﴿۱۴﴾ عَاجِزُوْنَ فَاَرْسَلَهٗ مَعَهُمْ **فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا** اعْزَمُوْا **اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ** وَجَوَابُ لَمَّا مَحْذُوْفٌ اَیْ فَعَلُوْا ذٰلِكَ بِاَنْ نَزَعُوْا قَمِیْصَهٗ بَعْدَ ضَرْبِهٖ وَاِهَانَتِهٖ وَاِرَادَةِ قَتْلِهٖ وَاَدْلَوْهُ فَلَمَّا وَصَلَ اِلٰی نِصْفِ الْبِئْرِ اَلْقَوْهُ لِیَمُوْتَ فَسَقَطَ فِی الْمَاءِ ثُمَّ اٰوٰی اِلٰی صَخْرَةٍ فَنَادَوْهُ فَاَجَابَهُمْ لِظَنِّ رَحْمَتِهِمْ فَاَرَادُوْا رَضْخَهٗ فَمَنَعَهُمْ یَهُوْدَا **وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ** فِی الْجُبِّ وَحْیٌ حَقِیْقَةً وَلَهٗ سَبْعَ عَشَرَةَ سَنَةً اَوْ دُوْنَهَا تَطْمِیْنًا لِقَلْبِهٖ **لَتُنَبِّئَنَّهُمْ** بَعْدَ الْیَوْمِ **بِاَمْرِهِمْ** بِصُنْعِهِمْ **هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ** ﴿۱۵﴾ بِكَ حَالَ الْاِنْبَاءِ **وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً** وَقْتَ الْمَسَاءِ **یَّبْکُوْنَ** ﴿۱۶﴾ **قَالُوْا یٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ** نَرْمِیْ **وَتَرَکْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا** ثِیَابِنَا **فَاَکَلَهُ الذِّئْبُ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ** مُصَدِّقٍ **لَّنَا وَلَوْ کُنَّا صٰدِقِیْنَ** ﴿۱۷﴾ عِنْدَكَ لَاتَّهَمْتَنَا فِیْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ لِمَحَبَّةِ یُوْسُفَ فَکَیْفَ وَاَنْتَ تُسِیْءُ الظَّنَّ بِنَا **وَجَآءُوْ عَلٰی قَمِیْصِهٖ** مَحَلُّهٗ نَصَبٌ عَلَی الظَّرْفِیَةِ اَیْ فَوْقَهٗ **بِدَمٍ کَذِبٍ** اَیْ ذِیْ کِذْبٍ بِاَنْ ذَبَحُوْا سَخْلَةً وَلَطَخُوْهُ بِدَمِهَا وَذَهَلُوْا عَنْ شَقِّهٖ وَقَالُوْا اِنَّهٗ دَمُهٗ **قَالَ** یَعْقُوْبُ لَمَّا رَاٰهُ صَحِیْحًا وَعَلِمَ کِذْبَهُمْ **بَلْ سَوَّلَتْ** زَیَّنَتْ **لَکُمْ اَنْفُسُکُمْ اَمْرًا** فَفَعَلْتُمُوْهُ بِهٖ **فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ** لَاجَزْعَ فِیْهِ وَهُوَ خَبَرُ مُبْتَدَاٍ مَحْذُوْفٍ اَیْ اَمْرِیْ **وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ** الْمَطْلُوْبُ مِنْهُ الْعَوْنُ **عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ** ﴿۱۸﴾ تَذْکُرُوْنَ مِنْ اَمْرِ یُوْسُفَ **وَجَآءَتْ سَیَّارَةٌ** مُسَافِرُوْنَ مِنْ مَدْیَنَ اِلٰی مِصْرَ فَنَزَلُوْا قَرِیْبًا مِنْ جُبِّ یُوْسُفَ **فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ** الَّذِیْ یَرِدُ الْمَاءَ لِیَسْتَسْقِیَ مِنْهُ **فَاَدْلٰی** اَرْسَلَ **دَلْوَهٗ** فِی الْبِئْرِ فَتَعَلَّقَ بِهَا یُوْسُفُ فَاَخْرَجَهٗ فَلَمَّا رَاٰهُ **قَالَ یٰبُشْرٰی** وَفِیْ قِرَاءَةٍ بُشْرٰیَ وَنِدَاءُهَا مَجَازٌ اَیْ اُحْضُرِیْ فَهٰذَا وَقْتُكِ **هٰذَا غُلٰمٌ** فَعَلِمَ بِهٖ اِخْوَتُهٗ فَاَتَوْهُمْ **وَاَسَرُّوْهُ** اَیْ اَخْفَوْا اَمْرَهٗ جَاعِلِیْهِ **بِضَاعَةً** بِاَنْ قَالُوْا هُوَ عَبْدُنَا اَبَقَ وَسَکَتَ یُوْسُفُ خَوْفًا اَنْ یَّقْتُلُوْهُ **وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۹﴾

وَشَرَوْهُ اَیْ بَاعُوْهُ مِنْهُمْ **بِثَمَنٍ بَخْسٍ** نَاقِصٍ **دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ** عِشْرِيْنَ اَوْ اِثْنَيْنِ وَعِشْرِيْنَ **وَكَانُوْا** اَیْ اِخْوَتُهٗ **فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ** ﴿۲۰﴾ فَجَاءَتْ بِهِ السَّيَّارَةُ اِلٰى مِصْرَ فَبَاعَهُ الَّذِیْ اشْتَرَاهُ بِعِشْرِيْنَ دِيْنَارًا وَزَوْجَیْ نَعْلٍ وَثَوْبَيْنِ۔

ترجمہ: ....سورۂ یوسف مکی ہے جس میں ایک سوگیارہ آیتیں ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الف، لام، را (ان حرفوں کی واقعی مراد اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے) یہ آیتیں ہیں کتاب (مراد قرآن ہے اور اضافت بواسطۂ مـن ہے) روشن کی (جو حق و باطل کو ظاہر کردینے والی ہے) ہم نے اتارا ہے عربی (زبان) میں قرآن تاکہ (اے مکہ والو!) تم سمجھو بوجھو (ان کے معانی سمجھ سکو) ہم آپ سے بڑا عمدہ ایک قصہ بیان کررہے ہیں اس وحی کے ذریعہ جو ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے اور یقیناً (ان مخففہ ہے بمعنی انہ) آپ اس سے پہلے محض بےخبر تھے۔ (یاد فرمایئے وہ وقت) جب یوسفؑ نے اپنے والد (حضرت یعقوبؑ) سے عرض کیا کہ اے ابا جان! (یہ لفظ کسرۂ تا کے ساتھ ہے۔ یائے محذوف پر دلالت کرنے کے لئے اور فتح تاء کے ساتھ بھی ہے۔ الف محذوف پر دلالت کرنے کے لئے جو یاء سے بدلا ہوا ہے) میں نے (خواب میں) دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں (یہ تاکید ہے) کہ یہ سب مجھے سجدہ کررہے ہیں (یا اور نون کے ساتھ جمع لایا گیا ہے۔ کیونکہ سجدہ کرنا ذی عقل چیزوں کی شان اور صفت ہوتی ہے) فرمایا کہ بیٹا! اپنے اس خواب کو اپنے بھائیوں کے روبرو مت بیان کردیجیو۔ کہ وہ تمہارے خلاف کسی منصوبہ کی تدبیریں کرنے لگیں (حسد کے مارے کہیں تمہاری تباہی کے سامان نہ کرنے لگیں۔ کیونکہ ان کا ذہن اس خواب کی تعبیر کی طرف چلا جائے گا کہ ستاروں سے مراد وہ خود ہیں اور سورج سے مراد تمہاری والدہ اور چاند سے مراد تمہارے باپ ہیں) یاد رکھو شیطان انسان کا صریح دشمن ہے (کھلم کھلا دشمنی کرنے والا) ایسے ہی (جیسے تم نے دیکھا ہے) تمہارے پروردگار تمہیں برگزیدہ (منتخب) کرنے والا ہے اور تمہیں خوابوں کی تعبیر کا علم عنایت فرمائے گا اور تم پر اور خاندان (اولاد) یعقوبؑ پر اپنی نعمت (نبوت) پوری فرمائے گا۔ جیسا کہ اس نعمت (نبوت) کو پہلے تمہارے دادا پردادا ابراہیمؑ واسحاقؑ پر پوری فرما چکا ہے۔ واقعی تمہارا پروردگار بڑے علم والا ہے۔ (اپنی مخلوق کے متعلق) بڑی حکمت والا ہے (لوگوں کے ساتھ کارروائی کرنے میں) یوسفؑ کے اور ان کے (گیارہ) بھائیوں کے قصہ میں بڑی نشانیاں (عبرتیں) موجود ہیں (ان کے حالات) پوچھنے والوں کے لئے (وہ وقت یاد فرمایئے) جب کہ بھائیوں نے گفتگو کی (یعنی حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے آپس میں گفتگو کی) کہ یوسفؑ (یہ مبتداء ہے) اور اس کا بھائی (سگا بھائی بنیامین) ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارا ہے۔ حالانکہ ہم ایک پوری جماعت ہیں۔ واقعی ہمارے باپ کھلی غلطی (خطا) پر ہیں (ان دونوں بھائیوں کو ہمارے مقابلہ میں بڑھا کر) پس یوسفؑ کو مار ڈالو یا ان کو کہیں ایسی جگہ (دور دراز) پھینک آؤ کہ تمہارے باپ کا رخ خالص تمہاری ہی طرف رہے (تمہاری ہی طرف توجہ ہو جائے کسی دوسری طرف نہ رہے) اور اس کے بعد (یعنی یوسفؑ کو قتل کرنے یا کنویں میں ڈالنے کے بعد) پھر تم نیک بن جانا (توبہ کرکے) پھر ان میں سے ایک کہنے والے (یہودا) نے کہا یوسفؑ کو قتل مت کرو۔ ان کو کسی اندھیرے کنویں میں ڈال دو (پھینک دو۔ جو تاریک ہو اور ایک قرأت میں لفظ غیـابة جمع کے ساتھ ہے) کوئی راہ چلتا (مسافر) نکال لے گا اگر تمہیں یہ کرنا ہی ہے (انہیں جدا ہی کرنا چاہتے ہو تو اتنے ہی پر بس کرو) سب کہنے لگے ابا جی! اس کی کیا وجہ ہے کہ یوسفؑ کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے؟ حالانکہ ہم تو ان کے خیرخواہ ہیں (ان کی مصلحتوں کا لحاظ رکھتے ہیں) کل آپ انہیں ہمارے ساتھ (جنگل) بھیجئے۔ کچھ کھائے پئے اور کھیلے کودے (یہ دونوں لفظ یا اور نون کے ساتھ ہیں تفریح کریں گے آزادی سے رہیں گے) ہم ان کی پوری حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ فرمایا کہ یہ بات مجھے غم

میں ڈالتی ہے کہ تم اسے اپنے ساتھ لے جاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو اسے بھیڑیا کھالے۔ (اس سے مراد عام بھیڑیا ہے۔ کیونکہ وہ سرزمین بھیڑیوں کی آبادی تھی) اور تم اس سے بے خبر رہو (کسی دوسرے دھندے میں لگے رہو) بولے یہ کیسے ہوسکتا ہے (لام قسمیہ ہے) کہ بھیڑیا اسے کھالے اور ہمارا پورا جتھہ موجود ہو۔ اگر ایسا ہو تو ہم نرے نکمے ہی نکلے (بالکل ہی گئے گزرے ہوئے۔ چنانچہ باپ نے بیٹے کو بھائیوں کے ساتھ بھیج دیا) پھر جب یہ لوگ یوسفؑ کو ساتھ لے جانے لگے اور سب نے اس پر اتفاق (پختہ ارادہ) کرلیا کہ انہیں کسی اندھے کنویں میں ڈال دیں (لـمـا کا جواب محذوف ہے یعنی انہوں نے یہ کارروائی اس طرح شروع کردی کہ انہیں مارنے پیٹنے، توہین کرنے، قتل کی ٹھان لینے کے بعد کرتا اتار کر ننگا کرنا شروع کردیا۔ اور ڈول میں بٹھلا کر کنویں میں لٹکا دیا۔ جب یوسفؑ آدھے کنویں تک پہنچا تو اسے مار ڈالنے کے لئے چھوڑ دیا۔ چنانچہ بے چارہ پانی میں جاگرا۔ پھر وہاں کسی پتھر کو پکڑ لیا۔ بھائیوں نے جو آواز دی تو یہ سمجھ کر کہ شاید بھائیوں کو ترس آگیا ہو۔ حضرت یوسفؑ نے آواز کو جواب دیا۔ لیکن بھائیوں نے چاہا کہ بڑے سے پتھر سے اسے ختم کرڈالیں۔ مگر یہودا پھر آڑے آیا) تو ہم نے یوسفؑ کے پاس وحی بھیجی (کنویں میں سچ مچ وحی آئی۔ حالانکہ ان کی عمر کل سترہ سال یا اس سے کم تھی۔ ان کی تسلی اور دلجمعی کی خاطر) کہ (اس کے بعد) ایک دن ضرور آنے والا ہے کہ جب تم ان بھائیوں کو (ان کی یہ کارستانیاں) جتاؤ گے اور وہ تمہیں پہچانیں گے بھی نہیں (جتلانے کے وقت) اور یہ لوگ اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت (رات کو) روتے پیٹتے پہنچے کہنے لگے ابا ہم سب تو (تیراندازی کرتے ہوئے) آپس میں دوڑنے میں لگ گئے اور یوسفؑ کو اپنے سامان (کپڑے لتوں) کے پاس چھوڑ دیا۔ پس ایسا ہوا کہ کہیں سے بھیڑیا آنکلا اور یوسفؑ کو کھا گیا اور آپؑ تو ہمارا یقین کاہے کو کرنے لگے۔ گو ہم کیسے ہی سچے ہوں (آپ کے نزدیک۔ لیکن تب بھی آپؑ یوسفؑ کی محبت میں ہمیں جھوٹا سمجھیں گے اور جب آپ بدگمان بھی ہوں پھر تو کیا ہی پوچھنا؟) اور یوسفؑ کے کرتے پر (عـلـى قـمـيـصـه محل نصب میں ہے ظرفیت کی وجہ سے بمعنی فوقه) جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے تھے (جھوٹا خون کہ ایک بکری کا بچہ کاٹ کر اس کے خون میں آلودہ تو کرلیا۔ مگر کرتے کو پھاڑنا یاد نہ رہا۔ کہنے لگے دیکھئے کرتے پر یوسفؑ کا خون ہے۔ یعقوبؑ نے (جب کرتہ صحیح سالم دیکھا اور ان کے جھوٹ بولنے کا یقین ہوگیا تو) فرمایا کہ نہیں یہ تو تم نے اپنے دل ایک بات بنائی (گھڑلی) ہے (اسی لئے تم یہ کررہے ہو) خیر اب تو صبر ہی کروں گا۔ جس میں شکایت کا نام نہیں ہوگا (بے قراری نہیں ہوگی۔ یہ مبتدائے محذوف کی خبر ہے۔ اصل عبارت اس طرح تھی۔ "امـری صبـر جـمـيـل") اور اللہ ہی مدد کرے گا (ان ہی کی مدد مطلوب ہے) جو باتیں تم بنا رہے ہو (یوسفؑ کا معاملہ بیان کررہے ہو) ایک قافلہ آنکلا (جو مدین سے مصر کو جارہا تھا۔ جب ان لوگوں نے یوسفؑ والے کنویں کے قریب ہی پڑاؤ ڈالا) چنانچہ قافلہ والوں نے اپنا سقہ پانی کے لئے بھیجا (جو پانی بھرنے کے لئے کنویں پر پہنچا) جوں ہی اس نے اپنا ڈول (کنویں میں) ڈالا (تو یوسفؑ اس میں لٹک گئے۔ سقہ نے انہیں نکالا۔ لوگوں نے دیکھا) پکار اٹھا ارے بڑی خوشی کی بات ہے (اور ایک قرآت میں بشـــری آیا ہے مجازاً نـــدا ہے۔ یعنی اے خوشخبری آجا کہ یہی تیرے آنے کا وقت ہے) یہ تو بڑا اچھا لڑکا نکل آیا (یوسفؑ کے بھائیوں کو پتہ چلا تو دوڑے ہوئے آئے) قافلہ والوں نے یوسفؑ کو چھپالیا (یعنی یوسفؑ کے معاملہ کو چھپالیا) سامان کے طور پر (کہنے لگے یہ ہمارا غلام ہے جو بھاگ گیا تھا۔ یوسفؑ اس ڈر سے خاموش رہے کہ کہیں بھائی مار نہ ڈالیں) اور اللہ کو ان کی سب کارگزاریاں معلوم تھیں۔ اور بھائیوں نے یوسفؑ کو بیچ ڈالا (قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت کرڈالا) بہت ہی سستے داموں۔ تھوڑے سے پیسوں میں (بیس یا بائیس روپے میں) اور وہ (بھائی) یوسفؑ کے کچھ قدردان تو تھے ہی نہیں (چنانچہ قافلے والے یوسفؑ کو بازار مصر میں لے گئے اور انہیں بیس اشرفیوں، ایک جوڑی جوتے اور دو کپڑوں کے تھان کے بدلہ میں فروخت کرڈالا۔

تحقیق وترکیب: .... هـذا القرآن اس میں نقص اور اوحینا کا تنازع ہورہا ہے۔ دوسرے فعل کا معمول بنا کر پہلے

فعل میں ضمیر لے آئے اور فضلہ ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔ان کنت. ان نافیہ کے ساتھ نہیں آیا کرتا اور ان تحقیقیہ میں خبر پر لام آتا ہے۔ کوکبا گیارہ ستاروں کے نام یہ ہیں (۱) جریان (۲) طارق (۳) زیال (۴) قابس (۵) عمودان (۶) فلیق (۷) مصبح (۸) صروح (۹) فرغ (۱۰) وثاب (۱۱) ذوالکتفین۔

والشمس امك ماں کو سورج اس لئے کہا گیا کہ سورج سے جس طرح چاند روشن ہوتے ہیں۔اسی طرح انبیاء جو چاند کی مانند ہیں ماں سے پیدا ہوتے ہیں اور باپ کو چاند سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ باپ چاند کی طرح اندھیرے اور تاریکی میں رہنمائی کرتا ہے اور بھائی چاند وسورج کے بعد ظاہر ہے کہ ستاروں ہی کے درجہ پر آسکتے ہیں اور بعض کی رائے میں حضرت یوسفؑ کی والدہ راحیل کا انتقال ہو چکا تھا۔اس لئے سورج سے مراد ان کی خالہ لیا ہے۔

للسائلین یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے داستان یوسفؑ دریافت کی تھی۔ یا یہ پوچھا تھا۔کہ حضرت یعقوبؑ کی اولاد کنعان کی بجائے مصر میں کیوں جا کر مری؟ اس پر آپؐ نے یہ پورا قصہ سنایا جو تورات کے مطابق نکلا۔اس لئے یہ آپؐ کے لئے دلیل نبوت ہے۔

عصبۃ عصبہ اور عصابۃ دس سے زیادہ یا چالیس تک آدمیوں کی جماعت کو کہا جاتا ہے کیونکہ کاموں کو ان سے تقویت پہنچتی ہے۔یھودا سب بھائیوں میں اسی کی رائے بہتر رہی ہے۔

یرتع پھل پھلاری وغیرہ کھانا۔غیابۃ الجب یہ کنواں کنعان کی آبادی سے تین میل پر تھا۔شداد نے اردن کو آباد کرنے کے لئے یہ بنوایا تھا۔اور پر کا حصہ تنگ اور نیچے سے کشادہ تھا اور بقول کاشغیؒ ستر گز یا ستر گز سے زیادہ گہرا تھا۔القوہ رسی کاٹ دی جس سے ڈول گر گیا۔اس وقت ان کی عمر بارہ سال تھی یا بقول بعض سترہ یا اٹھارہ سال تھی۔

لتنبئنهم بامرهم یعنی مستقبل میں یہ تمہیں نہیں پہچان سکیں گے اور تم ان سے باخبر رہو گے۔ ولو کنا صٰدقین یہ مطلب نہیں کہ حضرت یعقوبؑ سچے آدمی کو بھی سچا نہیں سمجھتے۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ گو ہم واقع میں سچ بولیں۔مگر یوسفؑ کی محبت میں چونکہ آپؑ بدگمان ہیں اس لئے آپؑ کو یقین نہیں آئے گا۔

کذب یا تو کذب بمعنی ذی کذب ہے اور یا مصدر بطور مبالغہ استعمال کیا گیا ہے۔

فباعه بعض نے بردہ فروشی کے بازار میں لے جا کر قیمت لگوانے کو مانا ہے اور وہاں ان کی بولی بولی گئی تو قیمت اتنی چڑھ گئی کہ ان کے ہموزن مشک اور ان کے ہموزن چاندی اور ان کے ہموزن حریری تھان ہونے چاہئیں۔ چنانچہ قطفیر مصر نے یوسفؑ کو اس قیمت پر خرید لیا۔اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی۔ تیرہ سال قطفیر کے یہاں رہے۔جس میں قید خانہ کی مدت بھی داخل ہے۔ پھر تیس سال کی عمر میں ریان کے وزیر بنے اور تینتیس سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز ہوئے اور ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات ہوئی۔

بہرحال " ثمن بخس " کے معنی اگر حرام قیمت کے لئے جائیں تو اس سے آزاد آدمی کا بیچنا ناجائز معلوم ہوا اس پر اجماع بھی ہے البتہ اختلاف ہے کہ مخمصہ اور اضطرار کی حالت میں بھی آزاد کو بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ مشہور جواز ہے لیکن بعض نے مطلقاً ہر حال میں ناجائز کہا ہے۔ البتہ امام اعظمؒ اور دوسرے مجتہدین کی یہ رائے نہیں ہے۔اور ممکن ہے یہ اجازت ضرورت کے موقعہ پر دی گئی ہو۔ مثلاً: ایک مسکین مظلوم اس طرح اپنا حق ظالم سے وصول کرنا چاہتا ہو۔اور اس بہانہ سے وصول کر کے ظالم کے دعویٰ کرنے پر اپنے آپ کو آزاد ظاہر کر دے گا۔

ربط آیات: .... پچھلی سورت میں وکلا نقص الخ سے قصوں کی حکمت کا بیان ہوا تھا۔اسی حکمت کے پیش نظر تقریباً اس

پوری سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان لذیذ بیان کی گئی پچھلی سورت میں سات آٹھ واقعات بیان کرنے کا مقصد بھی آپ کو تسلی دینا تھی۔ کہ آپ ان مخالفتوں سے نہ گھبرائیے۔ کیونکہ ایسا ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ اس قصہ سے بھی یہی مقصود ہے کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی طرح آپؐ کے بھائی برادر بھی ناکام رہیں گے۔ اور آپؐ ہر طرح مظفر ومنصور ہوں گے۔ یہ تو دونوں سورتوں کا باہمی ربط ہوا۔ لیکن اس سورت کے اجزاء کا اجمالی ربط یہ ہے کہ واقعہ کے شروع کرنے سے پہلے قرآن کی حقانیت بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد واقعہ کی تفصیلات ہیں۔ پھر آخر میں توحید کا مضمون اور اس کی خلاف ورزی پر وعید۔ اس کے بعد رسالت کی بحث اور انکار کرنے والوں کی بدانجامی کا ذکر ہے اور ساتھ ہی ایسے واقعات کا عبرت انگیز ہونا اور قصص قرآنی کا حق ہونا بتلایا گیا ہے اور اسی پر سورت ختم ہوگئی ہے۔

اس اجمالی ربط کے بعد دوسری سورتوں کی طرح اس میں تفصیلا ربط کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کہ ہر ہر آیت کا الگ الگ ربط بیان کیا جائے۔

شانِ نزول: .... ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ ہمیں کوئی عمدہ قصہ سنا دیجئے تو بہتر ہو۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے آپؐ سے امتحاناً اس واقعہ کی فرمائش کی تھی تب یہ سورت نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾ .... اولاد یعقوبؑ: .... حضرت یعقوبؑ کے بارہ لڑکے تھے۔ لیاہ بیوی سے چھ لڑکے (۱) روبن (۲) شمعون (۳) لاوی (۴) یہودا (۵) اشکار (۶) زبلون۔ اور بلہا بیوی سے دو لڑکے (۱) دان (۲) نفتالی۔ اور زلفہ بیوی سے دو لڑکے (۱) جد (۲) آشر۔ اور راحل بیوی سے دو لڑکے (۱) یوسف (۲) بنیامین۔ پیدا ہوئے۔ ان میں یوسف اور بنیامین دونوں سب سے چھوٹے تھے اور بنیامین کی پیدائش کے بعد ان کی والدہ کا انتقال ہوگیا تھا۔ پس اس گھرانہ میں والدین اور یہ بارہ بھائی یعنی کل چودہ آدمی رہ گئے تھے۔

تورات کا بیان: .... تورات کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ لیاہ اور راحل دونوں بیویوں میں سخت رقابت رہتی تھی۔ جس کا اثر ان کی اولاد پر بھی پوری طرح نمایاں ہوا۔ چونکہ یوسفؑ ان سب میں ہونہار اور حضرت یعقوبؑ کو سب سے زیادہ عزیز تھے۔ اس لئے سوتیلے بھائیوں کو یہ بات نہایت شاق گزری۔ جس کے پیش نظر حضرت یعقوبؑ کو خصوصیت سے یوسفؑ کو فہمائش کرنی پڑی کہ خواب ان سے بیان مت کرنا۔ اور تورات ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خواب دیکھنے کے وقت حضرت یوسفؑ کی عمر سترہ سال تھی اور یہ کہ یوسفؑ نے بھائیوں سے یہ خواب بیان کردیا تھا۔ ممکن ہے ممانعت سے پہلے بیان کردیا ہو۔ جس کے مضر اثرات سامنے آئے۔ غرض کہ یوسفؑ و بنیامین حقیقی بھائی تھے اور باقی دس بھائی علاتی تھے۔ ان سے تو نقصان کا اندیشہ تھا ہی۔ لیکن ممکن ہے بنیامین کے منہ سے بات نکل جائے۔

داستان یوسفؑ بہترین قصہ ہے: .... اس قصہ میں چونکہ حاسد، محسود، مالک، مملوک، شاہد، مشہود، عاشق، معشوق، حبس، آزادی، خوش حالی، خشک سالی، گناہ، معافی، فراق، وصال، بیماری، صحت، عزت، ذلت وغیرہ متضاد چیزوں کا بیان ہے اور قضاء وقدر کے متعلق بتلایا گیا ہے کہ انہیں کوئی روک نہیں سکتا۔ نیز حق تعالیٰ کوئی چیز کسی کو پہنچانا چاہیں تو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور حسد کرنے

سے حاسد ہی کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور صبر کامیابی کی کنجی ہے اور تدبیر کرنا عقل کی بات ہے اور معاشی چیزوں میں عقل کارآمد چیز ہے۔ غرضیکہ اسی قسم کی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے بقول روح المعانی اس واقعہ کو "احسن القصص" فرمایا گیا ہے۔

طرزِ بیان کی خصوصیت: .... نیز چونکہ صحابہؓ یا دوسرے لوگوں کی فرمائش یا درخواست پر یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے دوسرے واقعات کی طرح اسے توڑ توڑ کر تھوڑا تھوڑا بیان نہیں کیا گیا کہ مقصود اور سیری حاصل نہ ہوتی۔ بلکہ پوری شرح وبسط کے ساتھ سیر حاصل طریقہ پر قصہ بیان کیا گیا ہے۔ اور اسی لئے غالباً دوسرے اکثر قصوں کی طرح قرآن میں اس قصہ کو بار بار نہیں دہرایا گیا ہے۔ ورنہ نشاط بھی فوت ہو جاتا اور مقصد بھی حاصل نہ ہوتا۔ کیونکہ دوسرے قصوں میں جہاں جتنا ٹکڑا مقصود ہوتا ہے اتنا ہی ہر مقام کے ساتھ اسے جوڑ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح مختلف پہلوؤں اور فوائد کی خاطر بار بار دہرانا مناسب سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہاں مقصود ہی سب کچھ یکجائی بیان کر دینا ہے۔ اس لئے ایک ہی مرتبہ بیان کو مفید سمجھا گیا۔

یا یوں کہا جائے کہ دوسرے قصوں میں گناہوں اور نافرمانیوں پر ڈانٹ ڈپٹ مقصود ہے۔ ان کے اہتمام کی وجہ سے بار بار انہیں دہرایا گیا۔ لیکن اس موقعہ میں اور اسی طرح اصحابِ کہف، ذی القرنینؑ اور خضرؑ وموسیٰؑ کی ملاقات اور حضرت اسماعیلؑ کے ذبح میں یہ بات نہیں ہے۔ اس لئے ان سب کو ایک ہی دفعہ بیان کر دینا کافی سمجھا گیا ہے۔

حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کا خواب کی تعبیر سے واقف ہونا: .... یوسف علیہ السلام کا یہ دیکھنا غالباً خواب میں ہوگا۔ کیونکہ رؤیا کا لفظ اکثر خواب پر بولا جاتا ہے اور بھائیوں کا تعبیر سمجھ لینا خاندان نبوت کی مناسبت سے تھا۔ اس لئے ان کا نبی یا ولی ہونا ضروری نہیں ہے اور حضرت یوسفؑ کو علم تعبیر قطعی دیا گیا اور بھائیوں کو ظنی طور پر تھا۔ اس لئے دونوں کا تاویل الاحادیث کے شرف میں برابر ہونا لازم نہیں آتا اور بھائیوں کے مکر سے یہ ضروری نہیں کہ خواب کی تعبیر رک جائے۔ وہ تو بہرصورت یقیناً پوری ہوگی۔ لیکن اب حسد سے ایذا پہنچانے کے درپے ہو جائیں گے۔ پس فی الحقیقت ایذا سے بچانا مقصود ہے اور حضرت یعقوبؑ نے خواب کی تعبیر یا تو اس خواب ہی سے سمجھے ہوں گے اور یا وحی الٰہی سے بھائیوں کو ستاروں کے مثل ماننے سے نبی ہونا لازم نہیں آتا۔ صحابیت کا نور بھی تو ہوسکتا ہے۔ چنانچہ سجدہ کرنے کے وقت توبہ کرکے وہ کامل درجہ کے صحابی ہوگئے تھے۔

اسی طرح آل یعقوبؑ ہونے سے بھی نبوت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اول تو نعمت سے مراد عام ہے۔ عمل کے اختلاف سے اس کی خصوصیات مختلف ہوسکتی ہیں۔ پس مطلق نعمت میں شریک ہونا مقصود ہے۔ دونوں میں یکسانیت ضروری نہیں ہے۔ دوسرے آل یعقوبؑ سے مراد بالواسطہ اولاد بھی ہوسکتی ہے۔ چنانچہ آگے چل کر اسی خاندان میں بہت سے نبی ہوئے ہیں اور اتمام نعمت کے ذیل میں اپنا ذکر تو اضعاً نہیں فرمایا۔

حضرت یوسفؑ سے زیادہ محبت ہونے کی وجہ: .... حضرت یوسفؑ سے حضرت یعقوبؑ کی سب سے زیادہ محبت کرنے کی کئی وجہ ہوسکتی ہیں سب سے اقرب وجہ یہ ہے کہ فراست نبوت سے ان کا ہونہار ہونا معلوم ہوگیا تھا اور خواب سن کر اس خیال کو اور بھی زیادہ تقویت ہوگئی تھی۔ البتہ دوسرے بھائیوں کا خیال یہ تھا کہ محبت کے متعلق حضرت یعقوبؑ سے اجتہادی غلطی ہو رہی ہے جو نبوت کے مخالف نہیں ہے۔ ضلال سے مراد خطاء اجتہادی ہوگی۔ ورنہ اعتقادی گمراہی کی نسبت پیغمبر کی طرف کرنا کفر ہوگا۔ حالانکہ یہ سب بھائی نبی نہ ہوں۔ مگر مؤمن یقیناً تھے۔ اس زمانہ میں قبائلی لوگوں کی دولت وثروت کا بڑا مدار مویشی پر تھا۔ دن بھر لوگ مویشی چراتے۔ شام کو خیموں میں آکر آرام کرتے تھے۔ اسی طرح کی زندگی حضرت یعقوبؑ کے گھرانے کی بھی تھی۔ ادھر بھیڑیئے

مویشی کے دشمن ہوتے ہیں۔ اس لئے ہمیشہ کوئی نہ کوئی حادثہ ہوتا رہتا تھا۔ اسی وجہ سے بے اختیار حضرت یعقوبؑ کی زبان سے نکل گیا کہ کہیں ایسا ہی حادثہ یوسفؑ کو پیش نہ آجائے۔ یوسفؑ کے بھائیوں نے یہی بات پکڑ لی اور اسی کا جھوٹا قصہ بنا کر سنا دیا۔ بھائیوں کی اس کارروائی کی چونکہ کوئی تاویل کرنی دشوار ہے۔ اس لئے ظاہراً کہا جائے گا کہ انہوں نے گناہ کبیرہ کیا۔ تاہم قصہ کے آخر میں ان کی توبہ واستغفار منصوص ہے اور توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں

کھیل کود کا حکم: .... اور چونکہ تیراندازی اور بھاگ دوڑ وغیرہ کھیل بہت سے فوائد اور مصالح لئے ہوتے ہیں۔ جیسے نشاط طبع اور جی خوش ہونا وغیرہ جو بچوں کے لئے ضروری ہے اور دوسرے مشاغل میں جی لگنے کا ذریعہ بھی ہیں اور ضروری کام کا ذریعہ اور مقدمہ بھی ضروری ہوا کرتا ہے۔ اور چونکہ یوسفؑ کی محبت کا زیادہ ہونا بالذات تھا اور بنیامین کی محبت زیادتی بالعرض تھی۔ اس لئے یوسفؑ کے بارے میں جو تدبیر بتلائی وہ بنیامین کے متعلق نہیں فرمائی۔

صبر جمیل: .... "صبر جمیل" کے معنی خوبی کے ساتھ مصائب جھیلنے کے ہیں۔ جس میں شکوہ نہ ہو، درد والم کی شکایت زبان پر نہ آئے اور چونکہ حضرت یعقوبؑ کی فراست نبوت سے معلوم ہو گیا تھا کہ پچھلی بشارتیں یوسفؑ ہی کے ذریعہ پوری ہونے والی ہیں۔ اس لئے وہ کبھی باور نہیں کر سکتے تھے کہ اس طرح اس کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پس انہیں اس معاملہ میں قدرت الٰہی کا ہاتھ صاف نظر آیا اور انہوں نے اس کے سوا چارہ نہیں دیکھا کہ بغیر شکوہ وشکایت اور درد فراق جھیلتے رہیں اور اس کی کارروائیوں کے ظہور کے انتظار کرتے رہیں۔

خون آلودہ کُرتے نے فریب پر پردہ ڈالنے کی بجائے سارے جھوٹ کی قلعی کھول دی: .... آیت **وجاء وا علی قمیصه** میں خون آلودہ کرنے کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا۔ کیونکہ اس سے ان کا سارا جھوٹ کھل گیا۔ انہوں نے اپنے خیال میں یہ بڑی ہوشیاری کی بات کی تھی کہ یوسفؑ کے کرتے پر بکری کا خون لگا کر بطور شہادت لے آئے۔ لیکن یہ نہ سمجھے کہ اگر بھیڑیے نے حملہ کیا تھا تو کرتہ کیسے بچ رہا۔ اس کے تو پرزے پرزے ہو جاتے۔ حضرت یعقوبؑ نے جب کرتہ دیکھا تو انہیں پورا یقین ہو گیا کہ ساری کہانی من گھڑت ہے۔ اس پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ کو یقین یا غالب گمان سے برادران یوسفؑ کے بیان کا غلط ہونا معلوم ہو گیا تھا تو انہوں نے تلاش کیوں نہیں کیا۔ ایسے صبر میں تو دوسرے کی جان جانے کا اندیشہ تھا؟ سو غالباً وحی کے ذریعہ انہیں اطمینان ہو گیا ہوگا کہ یوسفؑ اس طرح ضائع نہیں ہوں گے۔ چونکہ قسمت میں یہ لمبی دوری مقدر تھی۔ اس لئے تلاش کو بے سود سمجھا۔

بل سولت لکم انفسکم الخ ایک بلیغانہ جملہ میں قرآن کریم نے کس طرح ساری باتیں کہہ دیں۔ جو اس معاملہ میں کہی جا سکتی ہیں۔ بھائیوں کا حسد کرنا۔ سازش کر کے معاملہ کی ایک پوری بناوٹی صورت بنالینی اور پھر سمجھنا کہ اس طرح ہم کامیاب ہو جائیں گے اور ہمارا جھوٹ بھی نہیں کھلے گا۔ سب کی طرف اس جملہ میں اشارے ہو گئے۔ اور حضرت یعقوبؑ کا یہ فرمانا قمیص دیکھ کر ہوگا۔ لیکن یہ روایت ثابت نہ ہو تو اجتہادی ذوق اور قلبی شہادت کی بناء پر ہوگا۔ جو اکثر تو واقع کے مطابق نکل آتا ہے۔ جیسے یہاں ہوا۔ لیکن کبھی انبیاء علیہم السلام کا گمان بھی واقع کے خلاف نکل آتا ہے۔ جیسے بنیامین کے واقعہ میں ہوا کہ بعینہ یہی جملہ حضرت یعقوبؑ نے فرمایا۔ حالانکہ وہاں ظاہراً تسویل نہیں تھی۔

تورات کا بیان:...........آیت وجاءت سیارۃ الخ میں کس قافلہ کا بیان ہے؟ تورات میں ہے کہ قافلہ اسماعیلیوں کا تھا۔ جو گرم مصالحہ، بلسان اور مرمصر لے جا رہا تھا اور اس وقت پہنچا جب برادران یوسف اپنا کام پورا کر کے روٹی کھانے بیٹھے تھے۔ یہودا نے کہا بہتر ہے ہم یوسفؑ کو ان کے ہاتھ بیچ ڈالیں اس کے مار ڈالنے سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے بیس سکوں میں بیچ ڈالا۔ اور تورات میں ہے کہ یہ کنواں بیابان میں تھا۔ جس میں ایک بوند پانی نہیں تھا۔ "لیکن پانی کی تلاش میں جب سقہ نے کنویں میں ڈول ڈالا۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں پڑے ہوئے تھے۔ یہ سمجھے کہ شاید کوئی آدمی مجھے نکالنے آیا ہے اور ڈول میں بیٹھ گئے۔ اس طرح ان کی رہائی کا خود بخود سامان ہوگیا۔

لطائف آیات:...........آیت اذ قال یوسف الخ سے معلوم ہوا کہ مرید کو جو حال یا وارد جاگنے یا سونے میں خواب کے ذریعہ پیش آئے اسے اپنے شیخ سے بیان کردے۔ آیت قال یا بنیّ لا تقصص الخ سے معلوم ہوا کہ شیخ کے علاوہ اپنا حال کسی سے نہ کہے کہ اس میں نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے اور نقصان مقامات کے اعتبار سے مختلف ہوسکتا ہے۔

آیت اذ قال یوسف واخوہ الخ سے سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مرید میں رشد وہدایت کے آثار زیادہ محسوس ہوں تو شیخ سے اس زیادہ محبت رکھ سکتا ہے۔ نیز بعض دفعہ دوسرے مریدین کو برادران یوسف کی طرح شیخ کی اس زیادتی تعلق کے متعلق خطاء اجتہادی کا گمان ہوسکتا ہے۔

آیت یخل لکم الخ سے معلوم ہوا کہ شیخ کی توجہ کو مریدین کی اصلاح میں بڑا دخل ہے۔

آیت ارسل معنا الخ سے معلوم ہوا کہ بعض دفعہ اس قسم کی مصلحت کے لئے زبانی یا عملی تفریح میں مرید کا لگنا درست ہوتا ہے۔

آیت بل سولت لکم الخ سے معلوم ہوا کہ فراست اور کشف کا ہمیشہ صحیح ہونا ضروری نہیں۔

آیت وشروہ بثمن الخ سے معلوم ہوا کہ جس طرح یہاں آزاد کا بیچنا ناجائز تھا۔ لیکن خوف کی وجہ سے منع نہیں کرسکے۔ اسی طرح نقصان کے اندیشہ سے ایسے مواقع پر سکوت اختیار کرنا کمال کے منافی نہیں ہوگا۔

وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ وَهُوَ قِطْفِیْرُ الْعَزِیْزِ **لِامْرَاَتِهٖٓ** زُلَیْخَا **اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ** مَقَامَهٗ عِنْدَنَا **عَسٰٓى اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا** وَكَانَ حَصُوْرًا **وَكَذٰلِكَ** كَمَا نَجَّیْنَاهُ مِنَ الْقَتْلِ وَالْجُبِّ وَعَطَفْنَا قَلْبَ الْعَزِیْزِ **مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ** اَرْضَ مِصْرَ حَتّٰى بَلَغَ مَا بَلَغَ **وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ** تَعْبِیْرًا لِرُؤْیَا عَطْفٌ عَلٰى مُقَدَّرٍ مُتَعَلِّقٍ بِمَكَّنَّا اَیْ لِنُمَكِّنَهٗ اَوِ الْوَاوُ زَائِدَةٌ **وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ** تَعَالٰى لَا یُعْجِزُهٗ شَیْءٌ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** وَهُمُ الْكُفَّارُ **لَا یَعْلَمُوْنَ**﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ **وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ** وَهُوَ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً اَوْ ثَلٰثٌ **اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا** حِكْمَةً **وَّعِلْمًا** فِقْهًا فِی الدِّیْنِ قَبْلَ اَنْ یُّبْعَثَ نَبِیًّا **وَكَذٰلِكَ** كَمَا جَزَیْنَاهُ **نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ**﴿۲۲﴾ لِاَنْفُسِهِمْ **وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا** هِیَ زُلَیْخَا **عَنْ نَّفْسِهٖ** اَیْ طَلَبَتْ مِنْهُ اَنْ

يُوَاقِعَهَا **وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ** لِلْبَيْتِ **وَقَالَتْ** لَهٗ **هَيْتَ لَكَ** اَیْ هَلُمَّ وَاللَّامُ لِلتَّبْيِيْنِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِكَسْرِ الْهَاءِ وَاُخْرٰى بِضَمِّ التَّاءِ **قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ** اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ **اِنَّهٗ** اَیِ الَّذِیْ اشْتَرَانِیْ **رَبِّیْٓ** سَيِّدِیْ **اَحْسَنَ مَثْوَایَ** مَقَامِیْ فَلَا اَخُوْنُهٗ فِیْ اَهْلِهٖ **اِنَّهٗ** اَیِ الشَّاْنُ **لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ** ﴿۲۳﴾ الزُّنَاةُ **وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ** قَصَدَتْ مِنْهُ الْجِمَاعَ **وَهَمَّ بِهَا** قَصَدَ ذٰلِكَ **لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ** قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُثِّلَ لَهٗ يَعْقُوْبُ فَضَرَبَ صَدْرَهٗ فَخَرَجَتْ شَهْوَتُهٗ مِنْ اَنَامِلِهٖ وَجَوَابُ لَوْ لَا لَجَامَعَهَا **كَذٰلِكَ** اَرَيْنَاهُ الْبُرْهَانَ **لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ** الْخِيَانَةَ **وَالْفَحْشَآءَ** الزِّنَا **اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ** ﴿۲۴﴾ فِی الطَّاعَةِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ اللَّامِ اَیِ الْمُخْتَارِيْنَ **وَاسْتَبَقَا الْبَابَ** بَادِرًا اِلَيْهِ يُوْسُفُ لِلْفِرَارِ وَهِیَ لِلتَّشَبُّثِ بِهٖ فَاَمْسَكَتْ ثَوْبَهٗ وَجَذَبَتْهُ اِلَيْهَا **وَقَدَّتْ** شَقَّتْ **قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا** وَجَدَا **سَيِّدَهَا** زَوْجَهَا **لَدَا الْبَابِ** فَنَزَهَتْ نَفْسَهَا ثُمَّ **قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا** زِنًا **اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ** اَیْ يُحْبَسَ اَیِ السِّجْنُ **اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿۲۵﴾ مُؤْلِمٌ بِاَنْ يُضْرَبَ **قَالَ** يُوْسُفُ مُتَبَرِّئًا **هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا** اِبْنُ عَمِّهَا رُوِیَ اَنَّهٗ كَانَ فِی الْمَهْدِ فَقَالَ **اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ** قُدَّامٍ **فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ** ﴿۲۶﴾ **وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ** خَلْفٍ **فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ** ﴿۲۷﴾ **فَلَمَّا رَاٰ** زَوْجُهَا **قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ** اَیْ قَوْلُكِ مَا جَزَاءُ مَنْ اَرَادَ الخ **مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ** اَيُّهَا النِّسَاءُ **عَظِيْمٌ** ﴿۲۸﴾ ثُمَّ قَالَ يَا **يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا** الْاَمْرِ وَلَا تَذْكُرْهُ لِئَلَّا يَشِيْعَ **وَاسْتَغْفِرِیْ** يَا زُلَيْخَا **لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ** ﴿۲۹﴾ الْاٰثِمِيْنَ وَاشْتَهَرَ الْخَبَرُ وَشَاعَ **وَقَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِيْنَةِ** مَدِيْنَةِ مِصْرَ **امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا** عَبْدَهَا **عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا** تَمْيِيْزٌ اَیْ دَخَلَ حُبُّهٗ شِغَافَ قَلْبِهَا اَیْ غِلَافَهٗ **اِنَّا لَنَرٰهَا فِیْ ضَلٰلٍ** خَطَاءٍ **مُّبِيْنٍ** ﴿۳۰﴾ بَيِّنٍ بِحُبِّهَا اِيَّاهُ **فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ** غِيْبَتِهِنَّ لَهَا **اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ** اَعَدَّتْ **لَهُنَّ مُتَّكَاً** طَعَامًا يُقْطَعُ بِالسِّكِّيْنِ لِلْاِتِّكَاءِ عِنْدَهٗ وَهُوَ الْاُتْرُجُّ **وَّاٰتَتْ** اَعْطَتْ **كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ** لِيُوْسُفَ **اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ** اَعْظَمْنَهٗ **وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ** بِالسَّكَاكِيْنِ وَلَمْ يَشْعُرْنَ بِالْاَلَمِ لِشَغْلِ قَلْبِهِنَّ بِيُوْسُفَ **وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ** تَنْزِيْهًا لَهٗ **مَا هٰذَا** اَیْ يُوْسُفُ **بَشَرًا اِنْ** مَا **هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ** ﴿۳۱﴾ لِمَا حَوَاهُ مِنَ الْحُسْنِ الَّذِیْ لَا يَكُوْنُ عَادَةً فِی النَّسَمَةِ الْبَشَرِيَّةِ وَفِی الصَّحِيْحِ اَنَّهٗ اُعْطِیَ شَطْرَ الْحُسْنِ **قَالَتْ** امْرَاَةُ الْعَزِيْزِ لَمَّا رَاَتْ مَا حَلَّ بِهِنَّ **فَذٰلِكُنَّ** فَهٰذَا هُوَ **الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِيْهِ** فِیْ حُبِّهٖ بَيَانٌ لِعُذْرِهَا **وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ** اِمْتَنَعَ **وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ**

بِهٖ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ الذَّلِيْلِيْنَ فَقُلْنَ لَهٗ اَطِعْ مَوْلَاتَكَ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اَمِلْ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ اَصِرْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ اَلْمُذْنِبِيْنَ وَالْقَصْدُ بِذٰلِكَ الدُّعَاءُ فَلِذَا قَالَ تَعَالٰى فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ دُعَاءَهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۗ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ لِلْقَوْلِ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾ بِالْفِعْلِ ثُمَّ بَدَا ظَهَرَ لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ اَلدَّالَّاتِ عَلٰى بَرَاءَةِ يُوْسُفَ اَنْ يَّسْجُنُوْهُ دَلَّ عَلٰى هٰذَا لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾ يَنْقَطِعُ فِيْهِ كَلَامُ النَّاسِ فَسُجِنَ

ترجمہ: .... اور اہل مصر میں سے جس شخص نے یوسفؑ کو قافلہ والوں سے مول لیا تھا (یعنی قطفیر عزیز) اس نے اپنی بیوی (زلیخا) سے کہا اسے خاطر سے رکھنا (اس کا مقام ہمارے یہاں بلند رہنا چاہیئے) عجب نہیں یہ ہمارے کام آئے یا ہم اسے بیٹا بنالیں (کیونکہ عزیز مصر نامرد تھا) اسی طرح (جیسے ہم نے انہیں قتل اور کنویں میں ڈالنے سے نجات بخشی اور عزیز مصر کا دل ان کی طرف مائل کردیا) ہم نے یوسفؑ کا قدم سرزمین مصر میں جمادیا (یہاں تک کہ انہوں نے اس قدر ترقی کرلی) اور تاکہ ہم انہیں خواب کی تعبیر دینا بتلادیں (اس کا عطف مقدر پر ہورہا ہے اور مکنا کے متعلق ہے۔ یعنی ہم نے انہیں جمادیا۔ یا واؤ زائد ہے) اور اللہ کو جو معاملہ کرنا ہوتا ہے وہ کر کے رہتا ہے (اسے کوئی مات نہیں دے سکتا) لیکن اکثر آدمی (کفار) ایسے ہیں جو نہیں جانتے (یہ بات) اور پھر جب یوسفؑ اپنی جوانی کو پہنچے (یعنی تیس، تینتیس سال کے ہوئے) تو ہم نے انہیں کارفرمائی کی قوت (حکمت) اور علم کی دولت بخشی (نبوت سے پہلے دین کی سمجھ عطا کی) ہم نیک عملوں کو ایسا ہی بدلہ (جیسے انہیں بخشا) دیا کرتے ہیں اور جس عورت (زلیخا) کے گھر میں یوسفؑ رہتے تھے وہ اس پر ڈورے ڈالنے لگی (خواہش پوری کرنے کے لئے انہیں پھسلانے لگی) اور اس نے (اپنے گھر کے) دروازے بند کردیئے اور (ان سے) بولی "لو آؤ" تم ہی سے کہتی ہوں (یعنی آجاؤ اس میں لام بیانیہ ہے اور ایک قرأت میں کسرہ ہاء کے ساتھ اور دوسری قرأت میں ضمہ تاء کے ساتھ ہے) یوسفؑ کہنے لگے معاذ اللہ (اللہ بچائے اس کام سے) وہ (جس نے مجھے مول لیا ہے) میرا مربی (آقا ہے) اس نے مجھے عزت کے ساتھ جگہ دی (اس لئے مجھے اس کی امانت میں خیانت نہیں کرنی چاہیئے) ایسے حق فراموشوں (زناکاروں) کو فلاح نہیں ہوا کرتی اور عورت کے دل میں یوسف کا خیال جم ہی چکا تھا (ان سے خواہش پورا کرنے کا ارادہ کرچکی تھی) اور ان کو بھی اس عورت کا کچھ کچھ خیال ہو چلا تھا (اس طرف مائل ہونے لگے تھے) اگر ان کے پروردگار کی دلیل ان کے سامنے نہ آگئی ہوتی (ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یوسفؑ کے سامنے حضرت یعقوبؑ کی شبیہ کردی گئی۔ جس نے یوسفؑ کی چھاتی پر ایسا ہاتھ مارا کہ ان کی شہوت انگلیوں کے راستے سے نکل گئی۔ لو لا کا جواب لجامعھا محذوف ہے) اسی طرح (ہم نے انہیں دکھلادی) تاکہ برائی (خیانت) اور بے حیائی (زنا) کی باتیں ان سے دور رکھیں۔ بلاشبہ وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھے جو برگزیدگی کے لئے چن لئے گئے (بلحاظ اطاعت کے اور ایک قرأت میں فتح لام کے ساتھ آیا ہے بمعنی پسندیدہ) اور دونوں آگے پیچھے دروازہ کی طرف دوڑے (یوسفؑ تو بھاگنے کے لئے دوڑے اور زلیخا انہیں پکڑنے کے لئے لپکی اور ان کا کپڑا پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگی) عورت نے یوسفؑ کا کرتہ پیچھے سے کھینچا اور پھاڑ ڈالا) اور دونوں نے دیکھا (پایا) کہ عورت کا خاوند (شوہر) دروازہ کے پاس کھڑا ہے (اس لئے اپنی برأت کرنی شروع کردی اور) لگی جو آدمی تیرے اہل خانہ کے ساتھ بری بات (زنا) کا ارادہ کرے اس کی کیا سزا ہونی چاہیئے؟ بس اسے تو جیل خانہ بھیج دینا چاہیئے (یعنی جیل میں بند کردینا چاہیئے) یا کوئی اور دردناک سزادی جائے (تکلیف دہ ہو۔ انہیں پیٹا جائے)

یوسفؑ بولے (اپنی برأت کرتے ہوئے) کہ خود اسی نے مجھ پر ڈورے ڈالے ہیں کہ میں پھسل پڑوں۔ اور اس عورت کے کنبہ والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی (جو اس کا چچازاد بھائی تھا۔ روایت ہے کہ اس نے گہوارے میں بات کی کہ) یوسفؑ کا کرتہ اگر آگے (سامنے) سے پھٹا ہے تب تو عورت سچی ہے یوسفؑ جھوٹے ہیں اور اگر پیچھے سے دو ٹکڑے ہوا ہے تو عورت نے جھوٹ بولا یوسفؑ سچے ہیں۔ پس جب عورت کے شوہر نے دیکھا کہ یوسفؑ کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو کہنے لگا کہ یہ (تیرا کہنا کہ ما جزاء الخ) تم عورتوں کی چالاکی ہے۔ بے شک تمہاری چالاکیاں بھی غضب ہی کی ہوتی ہیں (پھر بولا کہ) اے یوسفؑ! درگزر کر اس معاملہ سے (کسی سے اس کا ذکر مت کرنا ورنہ بات پھیل جائے گی) اور (اے زلیخا) اپنے قصور کی معافی مانگ لے۔ بے شک تو ہی سرتا پا قصوروار ہے (خطا کار ہے۔ یہ خبر پھیل کر مشہور ہوگئی) اور شہر (مصر) کی چند عورتیں کہنے لگیں۔ دیکھو عزیز کی بیوی اپنے غلام پر ڈورے ڈالنے لگی۔ کہ اسے رجھالے۔ وہ اس کی چاہت میں دل ہار گئی (یہ تمیز ہے۔ یعنی اس کی محبت اس کے دل میں جگہ پکڑ گئی) ہمارے خیال میں تو وہ صریح بدچلنی میں پڑگئی (اس سے محبت کر کے کھلی ہوئی غلطی کر رہی ہے) جب عزیز مصر کی بیوی نے مکاری (اپنی غیبت) کی یہ باتیں سنیں تو انہیں بلوا بھیجا اور ان کے لئے مسندیں آراستہ کیں۔ (ایسی کھانے کی چیز جو ٹیک لگائے ہوئے چھری سے کاٹ کر کھائی جاسکتی ہے یعنی ترنج) اور ہر ایک کو ایک چھری پیش کردی۔ پھر (یوسفؑ سے) کہا ان سب کے سامنے نکل آؤ۔ جب عورتوں نے یوسفؑ کو دیکھا تو حیران (ہکا بکا) رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں (چاقوؤں سے اور یوسفؑ کی طرف توجہ ہونے کی وجہ سے انہیں تکلیف کا احساس تک نہ ہوا) اور پکار اٹھیں ''سبحان اللہ'' یہ (یوسفؑ) تو انسان نہیں ہے۔ ضرور ایک فرشتہ ہے بڑے رتبہ کا (کیونکہ وہ حسن کے اس درجہ پر تھے جو عادۃً کسی انسان میں جمع نہیں ہوتا۔ حدیث میں ہے کہ حضرت یوسفؑ کو آدھا حسن عطا فرمایا گیا تھا) بولی (عزیز مصر کی بیوی۔ ان عورتوں کی بدحواسی دیکھ کر) یہ ہے وہ آدمی جس کی (محبت کے) بارے میں تم نے مجھے طعنے دیئے تھے (اس میں اپنی معذرت بیان کی ہے) ہاں! بیشک میں نے اس کا دل اپنے قابو میں لینا چاہا تھا۔ مگر وہ بے قابو نہ ہوا (بچا رہا) اور آئندہ اگر یہ میرا کہنا نہیں مانے گا تو ضرور جیل خانہ کی ہوا کھائے گا اور بے عزت بھی ہوگا (عورتیں یوسفؑ کو سمجھانے لگیں کہ تمہیں اپنی مالکہ کا کہنا مان لینا چاہیئے) یوسفؑ نے اللہ کے حضور دعا کی۔ خدایا! مجھے قید میں رہنا اس بات سے کہیں زیادہ پسند ہے جس کی طرف یہ عورتیں بلا رہی ہیں۔ اگر آپ نے ان کی مکاریوں کے دام سے نہ بچایا تو عجب نہیں میں ان کی طرف جھک پڑوں اور نادانی کا کام کر بیٹھوں (کوتاہی کر گزروں اور ان جملوں کا مقصد چونکہ دعا تھی اس لئے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) سو ان کے پروردگار نے ان کی (دعا) سن لی اور ان عورتوں کے داؤ پیچ سے انہیں بچالیا۔ بلاشبہ وہی ہے (دعا کا) بڑا سننے والا اور (کاموں کو) خوب جاننے والا۔ پھر مختلف علامات دیکھنے کے بعد (جو یوسفؑ کی پاک دامنی پر دلالت کر رہی ہیں۔ انہیں جیل بھیجنا ہی مناسب معلوم ہوا۔ جیسا کہ اگلے جملہ سے معلوم ہو رہا ہے) یہی مصلحت معلوم ہوئی کہ ایک خاص وقت تک کے لئے یوسفؑ کو قید میں ڈال دیں (لوگوں کے چرچے کم ہو جانے تک۔ چنانچہ انہیں حوالۂ جیل کر دیا گیا)

تحقیق وترکیب: .... **حصوراً** جو عورتوں کے لائق نہ ہو یا قاضی کی رائے کے مطابق بانجھ ہو۔ **واللّٰہ غالب** بعض آثار میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ابن ادم تريد وانا اريد ولا يكون الا ما اريد فان اسلمت لی فيما اريد اعطيتك ما تريد وان نازعنی فيما اريد اتعبتك فيما تريد ثم لا يكون الا ما اريد اس لئے ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ تقدیر الٰہی پر بندہ کو چوں وچرا نہیں کرنی چاہیئے۔ وراودته باب مفاعلة میں اصل تو جانبین کی شرکت ہوتی ہے۔ لیکن یہاں صرف ایک جانب سے ہے اور دوسری جانب میں سبب کو فعل کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔ یعنی حضرت یوسفؑ کا حسن وجمال مراودت کا باعث بنا۔ جیسے مداوات مریض کا سبب بیماری

ہے جو بیمار کے ساتھ لگی ہوئی ہوتی ہے۔

زلیخا حق تعالٰی نے نام صراحۃً ذکر نہیں کیا۔ امتحان کے اعتبار سے اور ستر اور تعلیم ادب کے لئے کہ کسی کو اپنی بیوی کا نام نہیں لینا چاہیئے۔ اسی لئے قرآن کریم میں بجز حضرت مریمؑ کے کسی عورت کا نام ذکر نہیں کیا تا کہ عیسائیوں کے اس خیال کی تردید ہو جائے کہ مریم اللہ کی بیوی ہے۔

هیت لک اسم فاعل ہے بمعنی هلم. معاذالله مصدر بمعنی فعل ہے۔ وهم بها اختیاری ارادہ مراد نہیں بلکہ طبعی میلان اور تقاضۂ شہوت مراد ہے جس کے روکنے پر شرعاً ثواب اور مدح ہے اور یا ارادہ کے قریبی درجہ کو مجازاً ارادہ سے تعبیر کیا ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ قتلته لو لم اخف الله جب کہ ارادہ قتل کے قریب ہو جائے اور تفسیر کبیر میں ہے کہ یوسفؑ و زلیخا دونوں نے ارادہ کیا۔ مگر ہر ایک کے ارادہ کی نوعیت الگ الگ تھی۔ زلیخا پکڑنا چاہتی اور یوسفؑ بھاگنا چاہتے۔

لو لا ان رای یہ حرف امتناع ہے یعنی امتنع لوجود روية البرهان اور یا اس کا تعلق هم کے ساتھ کیا جائے ای لو لا روية برهان ربه لهم بها لكنه امتنع همه بها لوجود روية برهان ربه.

قالت ما جزاء اپنی جان بچانے کے لئے تو یہ پینترا بدلا اور یوسفؑ کی جان بچانے کے لئے الا ان یسجن کی آڑ لی۔ جس سے زلیخا کی محبت کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس بہانہ یوسفؑ کے جمال سے سیراب ہوتی رہے گی اور الا جعله من المسجونين کی بجائے الا ان یسجن کہنے میں سزا کے ہلکا ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

فی المهد اور ایک روایت یہ بھی کہ وہ شخص بوڑھا دانش مند تھا۔ پہلی روایت کے مطابق تین یا چار یا چھ مہینہ کا بچہ تھا اور یہی راجح ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ چار بچوں نے کلام کیا ہے۔ فرعون کی بیٹی ماشطہ کے لڑکے اور شاہد یوسف اور صاحب جریج نے اور عیسٰی علیہ السلام نے۔

ان كيدكن عظيم عورتوں کے مکر کی نسبت تو عظیم فرمایا گیا ہے اور شیطان کی نسبت کہا گیا ہے۔ ان كيد الشيطن كان ضعيفا جس سے بعض علماء نے یہ سمجھا کہ عورتوں کا مکر شیطان کے مکر سے بڑھا ہوا ہوتا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ عورتوں کے مکر کی بڑائی مردوں کی نسبت سے ہے اور شیطان کی تدبیر کا کمزور ہونا بہ نسبت حق تعالٰی کے مقصود ہے۔

غلافه جس کو حجاب القلب اور لسان القلب کہا جاتا ہے۔

متكا اس کے معنی سہارے کی جگہ کے اور کھانے کے اور ترنج کے اور ایسی کھانے کی چیزوں کے آتے ہیں۔ جو چاقو چھری سے کاٹی جائیں۔

قطعن زلیخا چونکہ محبت میں صاحب تمکین تھی اس لئے ہاتھ نہیں کاٹے۔ البتہ زنان مصر خام تھیں اس لئے غلبۂ حال میں ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔ ماهذا بشرا حدیث اعطی شطر الحسن سے بظاہر حضرت یوسفؑ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حسن میں بڑھا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ فضیلت جزئی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت کل حاصل ہے یا کہا جائے کہ حسن صباحت میں حضرت یوسفؑ بڑھے ہوئے ہیں اور حسن ملاحت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑھے ہوئے ہیں اور احادیث میں آپؐ کے حسن صورت کی روایتیں بھی کافی ملتی ہیں۔

احب الی یہ اسم تفضیل اپنے معنی میں نہیں ہے۔ بلکہ دو برائیوں میں سے اهون البليتين کو ترجیح دینا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ اگر یوسفؑ جیل خانہ پسند نہ کرتے تو اس میں مبتلا بھی نہ ہوتے۔ اسی لئے انسان کو ہر حال میں عافیت طلب کرنی چاہیئے۔

﴿ تشریح ﴾ :........**تورات کا بیان**:...........تورات میں ہے کہ جس مصری نے حضرت یوسف کو خریدا تھا اس کا نام فوطی فار تھا۔ اور وہ فرعون کا امیر اور سردار فوج تھا۔ قرآن بھی اسے عزیز کہتا ہے۔ یعنی ایسا آدمی جو ملک میں بڑی جگہ رکھتا تھا۔ عزیز مصر نے پہلے تو محض ایک خوبصورت لڑکا سمجھ کر خرید لیا تھا۔ لیکن جب تھوڑے ہی دنوں میں اس پر حضرت یوسفؑ کے جوہر کھل گئے تو ان کی راست بازی، نیک عملی، نفس کی پاکی سے اس درجہ متاثر ہوا کہ اپنے سارے گھر بار اور علاقہ کا مختار کل بنا دیا۔ تورات میں ہے کہ یوسفؑ کے انتظامات سے فوطی فار کی آمدنی دوگنی ہوگئی تھی۔

ذلت کی تدبیریں عزت کا زینہ بن گئیں:...........جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تو گویا حضرت یوسفؑ کی مصری کامرانیوں کی بنیاد پڑ گئی اور وہ میدان آ گیا جہاں ان کے جوہر کھلنے والے اور بتدریج تخت مصر تک پہنچانے والے تھے۔ چنانچہ مصر میں اللہ تعالیٰ نے یوسفؑ کے قدم اس طرح جمائے کہ پہلے اگرچہ غلام ہو کر بکے۔ لیکن پھر معزز و محترم ہو کر زندگی بسر کرنے لگے اور خواب کی تعبیر کا علم اور دانش وحکمت مرحمت ہوئی۔ بھائیوں نے یوسفؑ کو نامراد کرنا چاہا تھا۔ لیکن انہوں نے جو کچھ کیا وہی ان کی فتح وفیروزی کا ذریعہ بن گیا۔ **ولما بلغ اشده** سے معلوم ہوا کہ جب کئی سال رہنے کے بعد وہ جوان ہوئے تو حکمرانی کی سمجھ اور علم کی روشنی مرتبہ کمال کو پہنچ گئی اور قانون الٰہی یہ ہے کہ نیک کرداروں کو اسی طرح ان کے حسن عمل کے نتائج ملا کرتے ہیں۔

یوسفؑ وزلیخا تورات کی نظر میں:...........تورات میں ہے کہ یوسفؑ خوبصورت اور نور پیکر تھے۔ پس جب جوانی کو پہنچے تو (عزیز مصر) بیوی ان پر فریفتہ ہوگئی۔ اور جب دیکھا دوسری طرف سے جواب نہیں ملتا۔ تو جیسا کہ قاعدہ ہے لبھانے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کام میں لائیں۔ پھر جب وہ اس پر بھی نہ پھسلے تو ایک دن جوش میں وہ بات کر بیٹھی۔ جو اس معاملہ کی انتہائی حد ہے۔ یعنی ہر طرح کی رکاوٹیں جو کسی انسان کو ضبط نفس پر مجبور کر سکتی ہیں راستہ سے دور کر دیں اور کھلے لفظوں میں طلبگار اور مصر ہوئی۔

زنا اگرچہ ہر طرح بری چیز ہے خواہ کسی کے ساتھ ہو۔ مگر پھر بھی "انہ ربی" کہنا زیادہ برائی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں پڑوسن کے ساتھ زنا کرنے کی زیادہ وعید آئی ہے۔ دوسرے چونکہ گفتگو زلیخا سے ہو رہی تھی اور وہ شرعی برائی سے ناواقف تھی اور باریک عقلی برائی کو بھی نہیں سمجھتی۔ اس لئے کھلی برائی کی طرف اشارہ کر دیا۔ تا کہ اس پر حجت ہو سکے۔

حضرت یوسفؑ کی پاکدامنی:...........آیت **وهم بها** کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں۔ بہت سے محققین کے نزدیک تو اس کے ساتھ **لو لا ان رای الخ** کی قید لگی ہوئی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر حضرت یوسفؑ اللہ تعالیٰ کی برہان کو نہ دیکھتے تو اس کارروائی میں مبتلا ہو جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ اس لئے خیال بھی پیدا نہیں ہوا۔ یہ توجیہ اگرچہ نہایت لطیف ہے۔ مگر دوسری توجیہ اس سے بھی زیادہ عمدہ ہے کہ **لو لا ان رای الخ** کا تعلق **وهم بها** سے نہ مانا جائے۔ دونوں جملوں کو الگ الگ رکھا جائے اور دوسرے جملہ شرطیہ کی جزاء محذوف مانی جائے۔ جس کا حاصل یہ ہوگا کہ وسوسہ کے درجہ میں حضرت یوسفؑ کو زلیخا کی طرف التفات اور میلان ہو چلا تھا۔ اور درجۂ ہم میں وسوسہ غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے معاف ہے اس لئے حضرت یوسفؑ کی عفت وعصمت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ بلکہ اور زیادہ کمال واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ طبعی قوت، بدنی صحت، جسمانی اعتدال، سلامتی اعضاء کی وجہ سے رغبت کے باوجود ضبط نفس اور پاکدامنی کے معیار پر پورا اترنے میں زیادہ صبر اور مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ البتہ اگر نعوذ باللہ اس میں مبتلا ہو جاتے تو اشکال ہوتا۔

باقی یوسفؑ وزلیخا اگر چہ دونوں نعل ھم میں شریک تھے۔لیکن دونوں کے ارادوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے کیونکہ حضرت یوسفؑ کا ارادہ بھاگنے کا تھا اور زلیخا کا ارادہ انہیں پکڑنے کا تھا۔اس صورت مین بنیاد اشکال ہی ختم ہوگئی۔اسی لئے ولقد همت به وهم بها فرمایا گیا ہے اور "هما "یا" هم كل واحد "نہیں فرمایا گیا اور اسی فرق کو ظاہر کرنے کے لئے پہلے جملہ میں تاکید کے لئے لقد لایا گیا اور دوسرے جملہ میں نہیں لایا گیا۔حضرت یوسفؑ اور زلیخا کے ارادے چونکہ صورت شکل میں ایک تھے۔اس لئے دونوں کو "هم" سے تعبیر کیا گیا ورنہ حضرت یوسفؑ کا ارادہ هم کے درجہ سے پہلے تھا۔

انك ميت وانهم ميتون میں بھی اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مختصر جملہ "انكم ميتون" کی بجائے "انک میت وانهم میتون لمبی عبارت کے بولا گیا ہے۔کیونکہ نفس موت میں اگر چہ سب شریک ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت اور دوسروں کی موت کی نوعیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔مسئلہ حیات النبی پر اس طرز عبارت سے روشنی پڑ رہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد ثم انکم یوم القیٰمة تبعثون فرمایا گیا ہے۔وہاں الگ الگ جملے نہیں لائے گئے۔کیونکہ قیامت میں اٹھنا سب کو ہوگا۔

زلیخا کا محل:............غلقت الابواب کے جملہ سے کئی دروازوں کا ہونا معلوم ہوتا ہے اور واستبقا الباب الخ سے دروازہ کا ایک ہونا معلوم ہو رہا ہے۔اسی طرح والفيا سيدها لدى الباب سے دروازہ کا کھلا ہوا ہونا اور غلقت سے بند ہونا معلوم ہو رہا ہے۔کہا جائے گا کہ امراء اور بادشاہوں کے محل اور کوٹھی بنگلوں کی طرح گھر کے دروازے چاروں طرف مختلف ہوں گے۔آگے پیچھے ڈیوڑھیوں کی طرح ترتیب دار نہیں ہوں گے۔پس حضرت یوسفؑ ان میں سے کسی ایک دروازہ کی طرف دوڑے ہوں گے اور اسے کھول کر جلدی سے باہر گئے ہوں گے۔یعنی معمولی طریقہ پر صرف کنڈی لگا کر دروازہ بند کر لیا ہوگا۔اس کے بعد زنجیر کھول کر باہر گئے ہوں گے۔باقی دروازوں کے آگے پیچھے ہونے اور خاص اہتمام اور کیفیت کے ساتھ بند ہونے اور کھلنے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔

وہ شاہد کون تھا؟ مسند احمد، صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاہد بچہ تھا۔آئندہ آیت والأيات سے بھی بظاہر اس کی تائید ہوتی ہے۔

ایک بچہ کی شہادت معتبر ہے یا نہیں:............ بچہ کی شہادت دینے کا یہ واقعہ حضرت یوسفؑ کی نبوت سے پہلے پیش آیا ہے تو اسے معجزہ کی بجائے ارہاص کہا جائے گا۔نیز اس شاہد کا فیصلہ کوئی شرعی حجت نہیں۔حجت کافیہ تو اس بچہ کا بولنا تھا۔مگر حاضرین کے مذاق کے موافق اس کا بیان کر دینا حجت اصلیہ کے لئے زیادہ تائید کا باعث ہوگیا۔پس اس سے ایسی ظنی چیزوں کا حجت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔جیسے اسامہ کو دیکھ کر ایک قیافہ شناس نے حضرت زیدؓ کا بیٹا بتلایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے خوش ہوئے کہ مخالفین قیافہ شناس کی بات کا اعتبار کرتے تھے۔اگر چہ یہ کوئی شرعی دلیل نہیں تھی۔لیکن شرعی دلیل "الولد للفراش" کی اس سے تائید ہو رہی تھی۔اس لئے آپؐ نے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

اور اس بچہ کو شاہد کہنا بولنے کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ اس میں زلیخا کے سچ بولنے کے احتمال سے تعرض ہی نہیں۔لیکن اس فیصلہ کے اعتبار سے اس کا شاہد کہنا حالانکہ اس فیصلہ میں یوسفؑ وزلیخا میں سے دونوں کے سچ ہونے کا احتمال تھا۔اس لئے ہے کہ آخر میں اس فیصلہ کا نفع حضرت یوسفؑ ہی کے حق میں ہوا۔پس گویا حضرت یوسفؑ ہی کی شہادت دینا مقصود تھی۔

اس عورت کا نام اگر چہ زلیخا مشہور ہے۔ لیکن بعض نے راعیل نام بتلایا ہے یا ان میں سے ایک لقب اور دوسرا نام۔ اور اس کے شوہر کا نام قطفیر تھا جو مصر کا مدار المہام تھا۔ جس کو عزیز کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

قدیم تمدن کی ترقی: .... واعتدت لهن الخ سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اس زمانہ کی مصری معاشرت کس درجہ شائستہ ہو چکی تھی۔ دعوت کی مجلسیں خاص طور پر آراستہ کی جاتی تھیں۔ بیٹھنے کے لئے مسندیں لگائی جاتی تھیں۔ کھانے کے لئے ہر شخص کے سامنے چھری کانٹے، تراش خراش کی چیزیں رکھی جاتی تھیں۔ چنانچہ مصر کے آثار قدیمہ اور یونانی مؤرخوں کی شہادت سے جو حالات روشنی میں آئے ہیں ان سے بھی اس متمدن معاشرت کی تصدیق ہوتی ہے۔ بالخصوص اس نقوش سے جن میں امراء کی مجلسوں کا مرقع دکھایا گیا ہے اور جو قرآن کے ان ارشادات کی پوری تفسیر ہے۔

حضرت یوسفؑ کا وان لا تصرف الخ کہنا عصمت نبوت کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عصمت بھی تو اللہ کی حفاظت کی بدولت ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی نظر اصل مؤثر حقیقی پر ہونے کی وجہ سے انہیں اپنی عصمت پر اعتماد اور ناز نہیں ہوتا۔ پس حضرت یوسفؑ کے ان لا تصرف کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ مجھ سے اس فتنہ کو پھیر دیجئے۔ اسی لئے آگے فاستجاب الخ اور فصرف الخ فرمایا گیا ہے۔ لیکن قید میں جانا قبولیت دعا کا جز نہیں ہے۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ قید کی دعا کرنے کی وجہ سے یوسفؑ گرفتار ہوئے۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے اس بدفعلی کو قید ہونے سے بدتر قرار دیا ہے۔ اس سے اس کا درخواست ہونا کہاں سے لازم آیا۔ اور آیات سے مراد معجزہ ہے جو دلیل عقلی ہے اور قمیص کا دامن خاص طریقہ سے چاک ہونا دلیل عادی ہے اور زلیخا کا خود اقرار کر لینا دلیل شرعی ہے۔ یہ سب باتیں عزیز مصر تک پہنچ گئی تھیں۔ جن سے حضرت یوسفؑ کی پاکدامنی ٹپک رہی تھی۔

لطائف آیات: .... آیت قال معاذ اللّٰه الخ سے معلوم ہوا کہ محسن اگر کافر بھی ہو تب بھی اس کی رعایت کرنی چاہئے۔ جیسا کہ اہل طریقت کا معمول ہے۔ آیت قال هی راودتنی الخ سے معلوم ہوا کہ مخالف کا عیب ایسے وقت ظاہر کر دینا جب چھپانے میں اپنے نقصان کا اندیشہ ہو مکارم اخلاق کے خلاف نہیں ہے۔ آیت فلما راینه الخ سے بقول ابن عطارؒ معلوم ہوا کہ جب مخلوق کے مشاہدہ کے غلبہ کا یہ اثر ہے تو مشاہدہ حق کا کیا کچھ اثر ہو سکتا ہے۔ پس اگر اس حالت میں ایسے شخص سے کوئی بات ظاہر کے خلاف سرزد ہو جائے تو اس پر اعتراض اور انکار نہیں کرنا چاہئے۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ غُلَامَانِ لِلْمَلِكِ اَحَدُهُمَا سَاقِيهِ وَالْاٰخَرُ صَاحِبُ طَعَامِهٖ فَرَاٰيَاهُ يُعَبِّرُ الرُّؤْيَا فَقَالَا لَنَخْتَبِرَنَّهٗ **قَالَ اَحَدُهُمَآ** السَّاقِيُ **اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا** اَيْ عِنَبًا **وَقَالَ الْاٰخَرُ** صَاحِبُ الطَّعَامِ **اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبِّئْنَا** خَبِّرْنَا **بِتَاْوِيْلِهٖ** بِتَعْبِيْرِهٖ **اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ** لَهُمَا مُخْبِرًا اَنَّهٗ عَالِمٌ بِتَعْبِيْرِ الرُّؤْيَا **لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ** فِيْ مَنَامِكُمَا **اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ** فِي الْيَقْظَةِ **قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا** تَاوِيْلُهٗ **ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ** فِيْهِ حَثٌّ عَلٰى اِيْمَانِهِمَا ثُمَّ قَوَّاهُ بِقَوْلِهٖ **اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ** دِيْنَ **قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ** تَاكِيْدٌ **كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ مَا كَانَ** يَنْبَغِيْ **لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ** زَائِدَةٌ

شَيْءٍ لِعِصْمَتِنَا ذٰلِكَ التَّوحِيدُ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ وَهُمُ الْكُفَّارُ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اللّٰهَ فَيُشْرِكُوْنَ ثُمَّ صَرَّحَ بِدُعَائِهِمَا اِلَى الْاِيْمَانِ فَقَالَ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ خَيْرٌ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيرٍ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اَيْ غَيْرِهٖ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ سَمَّيْتُمْ بِهَا اَصْنَامًا اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا بِعِبَادَتِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ حُجَّةٍ وَّبُرْهَانٍ اِنِ مَا الْحُكْمُ الْقَضَاءُ اِلَّا لِلّٰهِ وَحْدَهٗ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ التَّوْحِيدُ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ وَهُمُ الْكُفَّارُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ مَا يَصِيرُوْنَ اِلَيْهِ مِنَ الْعَذَابِ فَيُشْرِكُوْنَ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا اَيِ السَّاقِيْ فَيُخْرَجُ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ سَيِّدَهٗ خَمْرًا عَلٰى عَادَتِهٖ هٰذَا تَاوِيْلُ رُؤْيَاهُ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُخْرَجُ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ هٰذَا تَاوِيْلُ رُؤْيَاهُ فَقَالَا مَا رَاَيْنَا شَيْئًا فَقَالَ قُضِيَ تَمَّ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۱﴾ عَنْهُ سَاَلْتُمَا صَدَقْتُمَا اَمْ كَذَبْتُمَا وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَيْقَنَ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا وَهُوَ السَّاقِيْ اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ سَيِّدِكَ فَقُلْ لَهٗ اِنَّ فِي السِّجْنِ غُلَامًا مَحْبُوْسًا ظُلْمًا فَخَرَجَ فَاَنْسٰهُ اَيِ السَّاقِيَ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ يُوْسُفَ عِنْدَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ مَكَثَ يُوْسُفُ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾ قِيْلَ سَبْعًا وَقِيْلَ اِثْنَيْ عَشَرَ وَقَالَ الْمَلِكُ مَلِكُ مِصْرَ الرَّيَّانُ بْنُ الْوَلِيْدِ اِنِّيْٓ اَرٰى اَيْ رَاَيْتُ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ يَبْتَلِعُهُنَّ سَبْعٌ مِنَ الْبَقَرِ عِجَافٌ جَمْعُ عَجْفَاءَ وَّسَبْعَ سُنْبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ اَيْ سَبْعَ سُنْبُلٰتٍ يٰبِسٰتٍ قَدِ الْتَوَتْ عَلَى الْخُضْرِ وَعَلَتْ عَلَيْهَا يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ بَيِّنُوْا لِيْ تَعْبِيْرَهَا اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَعَبِّرُوْهَا قَالُوْٓا هٰذِهٖ اَضْغَاثُ اَخْلَاطُ اَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا اَيْ مِنَ الْفَتَيَيْنِ وَهُوَ السَّاقِيْ وَادَّكَرَ فِيْهِ اِبْدَالُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ دَالًا وَاِدْغَامُهَا فِي الدَّالِ اَيْ تَذَكَّرَ بَعْدَ اُمَّةٍ حِيْنَ حَالِ يُوْسُفَ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ فَاَرْسَلُوْهُ اِلَيْهِ فَاَتٰى يُوْسُفَ فَقَالَ يَا يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ الْكَثِيْرُ الصِّدْقِ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ اَيِ الْمَلِكِ وَاَصْحَابِهٖ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ تَعْبِيْرَهَا قَالَ تَزْرَعُوْنَ اَيِ ازْرَعُوْا سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا بِسُكُوْنِ الْهَمْزَةِ وَفَتْحِهَا مُتَتَابِعَةً وَهِيَ تَاوِيْلُ السَّبْعِ السِّمَانِ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ اُتْرُكُوْهُ فِيْ سُنْبُلِهٖ لِئَلَّا يَفْسُدَ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَدُوْسُوْهُ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اَيِ السَّبْعِ الْمُخْصِبَاتِ سَبْعٌ شِدَادٌ مُجْدِبَاتٌ صِعَابٌ وَّهِيَ تَاوِيْلُ السَّبْعِ الْعِجَافِ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ مِنَ

الْحَبِّ الْمَزْرُوْعِ فِی السِّنِیْنَ الْمُخْصِبَاتِ اَیْ تَاکُلُوْنَهٗ فِیْهِنَّ **اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ** ﴿۴۸﴾ تَدَّخِرُوْنَ **ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ** اَیِ السَّبْعِ الْمُجْدِبَاتِ **عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ** بِالْمَطَرِ **وَفِیْهِ یَعْصِرُوْنَ** ﴿۴۹﴾ الْاَعْنَابَ وَغَیْرَهَا لِخِصْبِهٖ **وَقَالَ الْمَلِکُ** لَمَّا جَاءَهُ الرَّسُوْلُ وَاَخْبَرَهٗ بِتَاوِیْلِهَا **ائْتُوْنِیْ بِهٖ** اَیْ بِالَّذِیْ عَبَّرَهَا **فَلَمَّا جَآءَهُ** اَیْ یُوْسُفَ **الرَّسُوْلُ** وَطَلَبَهٗ لِلْخُرُوْجِ **قَالَ** قَاصِدًا اِظْهَارَ بَرَاءَتِهٖ **ارْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ فَسْئَلْهُ** اَنْ یَّسْاَلَ **مَابَالُ** حَالُ **النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ اِنَّ رَبِّیْ** سَیِّدِیْ **بِکَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ** ﴿۵۰﴾ فَرَجَعَ فَاَخْبَرَ الْمَلِکَ فَجَمَعَهُنَّ **قَالَ مَا خَطْبُکُنَّ** شَانُکُنَّ **اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ** هَلْ وَجَدْتُّنَّ مِنْهُ مَیْلًا اِلَیْکُنَّ **قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ** وَضَحَ **الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ** ﴿۵۱﴾ فِیْ قَوْلِهٖ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ فَاُخْبِرَ یُوْسُفُ بِذٰلِکَ فَقَالَ **ذٰلِکَ** اَیْ طَلَبُ الْبَرَاءَةِ **لِیَعْلَمَ** الْعَزِیْزُ **اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ** فِیْ اَهْلِهٖ **بِالْغَیْبِ** حَالٌ **وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ** ﴿۵۲﴾

ترجمہ: .... اور یوسفؑ کے ساتھ دو غلام اور بھی جیل خانہ میں داخل ہوئے (یہ شاہی غلام تھے۔ ان میں سے ایک ساقی اور دوسرا شاہی باورچی خانے کا داروغہ تھا۔ چنانچہ جب ان دونوں نے دیکھا کہ یوسفؑ خواب کی تعبیر بیان کرتے ہیں تو کہنے لگے ہم بھی آزما کر دیکھیں) ان میں سے ایک نے کہا (جو ساقی تھا) کہ میں اپنے کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ شراب (انگور) نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا (جو کھانے کا منتظم تھا) مجھے ایسا دکھائی دیا ہے کہ سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے اسے کھا رہے ہیں۔ ہمیں اس خواب کی تعبیر بتلائیے۔ آپ ہمیں نیک آدمی معلوم ہوتے ہیں یوسفؑ نے (انہیں اپنے تعبیر کے فن سے باخبر ہونا بتلاتے ہوئے) کہا تمہارا کھانا جو تمہیں (خواب میں) کھانے کے لئے ملا تھا۔ میں تمہیں اس کی حقیقت بتلا دوں گا (جاگنے کی حالت میں) اس تعبیر کے ظاہر ہونے سے پہلے یہ بتلا دوں گا اس علم کی بدولت ہے جو میرے پروردگار نے مجھے تعلیم فرمایا ہے (اس جملہ میں ان باتوں کے ماننے کی ترغیب دینی ہے۔ پھر آگے اس کی تائید کے لئے ارشاد ہے) میں نے ان لوگوں کا طریقہ (اپنی قوم کا مذہب) چھوڑ دیا ہے۔ جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔ اور وہ لوگ آخرت کو بھی نہیں مانتے۔ میں نے اپنے باپ دادوں۔ یعنی ابراہیمؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ ہم ایسا نہیں کر سکتے (مناسب نہیں ہے) کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک ٹھہرائیں (کیونکہ ہم معصوم ہیں) یہ (توحید) ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا ایک فضل ہے۔ لیکن اکثر آدمی (کفار) شکر بجا نہیں لاتے۔ (اللہ کا کہ شرک کرنے لگتے ہیں۔ پھر آگے کھل کر ایمان کی طرف بلاتے ہوئے فرمایا) اے میرے قید خانہ کے ساتھیوں! (رفیقوں) کیا متفرق معبود اچھے ہیں یا ایک برحق معبود جو سب سے زبردست ہے۔ (وہ اچھا ہے یہ استفہام تقریری ہے) تم لوگ تو اللہ کو چھوڑ کر صرف چند بے حقیقت ناموں کی پرستش کرتے ہو (جنہیں تم بت کہتے ہو) جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کی (عبادت کی) کوئی سند (دلیل) نہیں اتاری۔ حکم (فیصلہ) تو (تنہا) اللہ ہی کے لئے ہے۔ اس کا فرمان یہ ہے کہ صرف اللہ ہی کی بندگی کرو۔ اور کسی کی نہ کرو یہی (توحید) سیدھا طریقہ ہے۔ لیکن اکثر آدمی (کفار) جانتے نہیں (کہ انہیں کیسا عذاب ہوگا۔ اس لئے وہ شرک میں لگے رہتے

ہیں) اے قید خانہ کے ساتھیوں! تم میں سے ایک آدمی (یعنی ساقی تین روز بعد جیل سے رہا ہوگا) تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا۔ (پہلی عادت کے مطابق۔ یہ اس کے خواب کی تعبیر ہے) اور وہ دوسرا (تین روز بعد رہا ہوکر) سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرند اس کے سرنوچیں گے (یہ اس کے خواب کی تعبیر ہے۔ دونوں کہنے لگے کہ ہم نے کچھ دیکھا ہی نہیں ہے۔ فرمایا) جس بات کے متعلق تم سوال کرتے ہو (خواہ تم نے صحیح پوچھا یا جھوٹ) وہ اسی طرح مقدر (طے) ہو چکا ہے۔ اور یوسفؑ نے جس آدمی کی نسبت سمجھا تھا کہ نجات پائے گا (یعنی ساقی) اس سے کہا کہ اپنے آقا کے پاس جاؤ تو مجھے یاد رکھنا (اور اس سے کہنا کہ جیل خانہ میں ایک قیدی کو ظلم سے گرفتار کر رکھا ہے۔ لیکن جب ساقی رہا ہوا) تو شیطان نے اس (ساقی) کو یوسفؑ کا تذکرہ اپنے آقا کے سامنے کرنا بھلا دیا۔ پس یوسفؑ کئی برس (سات سال، بارہ سال) جیل خانہ میں رہے اور پھر ایسا ہوا کہ (مصر کے) بادشاہ (ریان ابن ولید) نے کہا میں کیا دیکھتا ہوں (یعنی میں نے خواب میں دیکھا) کہ سات گائیں ہیں موٹی تازی جنہیں نگل رہی ہیں (کھا رہی ہیں) سات دبلی گائیں (عجاف جمع ہے عجفاء کی) اور سات بالیں ہری ہیں اور دوسری (یعنی سات بالیں) سوکھیں ہیں (جو ہری بالوں پر لپٹی جا رہی ہیں اور ان پر چھا گئی ہیں) اے درباروالوں! میرے خواب کا مطلب حل کرو (اس کی تعبیر بتلاؤ) اگر تم خواب کا مطلب حل کرنا جانتے ہو؟ (تو اس کی تعبیر بتلاؤ) درباریوں نے عرض کیا (یہ باتیں) یوں ہی پریشان خواب وخیال ہیں۔ اور ہم خوابوں کی تعبیر کا علم صحیح طور پر رکھتے نہیں ہیں۔ اور جس آدمی نے دو قیدیوں میں سے نجات پائی تھی (یعنی دونوں جوانوں میں سے ساقی) اسے یاد آیا (دراصل اس میں تاء کو دال بنا کر دال میں ادغام کر دیا یعنی تــذکــر) مدت کے بعد (یوسفؑ کا حال) کہنے لگا میں اس خواب کی تعبیر کی خبر لائے دیتا ہوں۔ ذرا مجھے جانے کی اجازت دیجئے (چنانچہ درباریوں نے اسے بھیج دیا۔ اور اس نے حضرت یوسفؑ کے پاس حاضر ہوکر عرض کیا) اے یوسفؑ! اے مجسم سچائی! (بہت زیادہ سچا) اس خواب کا ہمیں حل بتا دیجئے۔ کہ سات موٹی گائیں ہیں جنہیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں اور سات سوکھی۔ تاکہ میں ان لوگوں (بادشاہ اور درباریوں) کے پاس واپس جا سکوں۔ تاکہ انہیں بھی معلوم ہو جائے (اس خواب کی تعبیر) یوسفؑ نے فرمایا کہ تم کھیتی کرتے رہو گے (یعنی غلہ بونا) سات برس تک لگا تار (ہمزہ کے سکون اور فتح کے ساتھ یہ لفظ پڑھا گیا ہے یعنی مسلسل۔ یہی مطلب ہے سات موٹی گایوں کا) پھر جو فصل کاٹو اسے بالوں ہی میں رہنے دینا (تاکہ گھن نہ لگ جائے) البتہ صرف اتنی مقدار الگ کرلیا کرنا جو تمہارے کھانے کے کام آئے (اسے کھالیا کرو) پھر اس کے بعد (یعنی سرسبزی کے سات سالوں کے بعد) سات برس بڑی سخت مصیبت کے آئیں گے (جو قحط کے اعتبار سے بڑے کٹھن ہوں گے سات دبلی گایوں کا مطلب یہی ہے تم کھا ڈالو گے اپنا پچھلا کیا ہوا ذخیرہ (پیداوار کے برسوں میں بوئے ہوئے غلہ کے دانے۔ یعنی ان خشک سالوں میں کھا پی لو گے) مگر ہاں تھوڑا سا جو تم روک رکھو گے بچ رہے گا (جسے تم نے ذخیرہ کرلیا ہوگا) پھر ان (قحط کے برسوں) کے بعد ایک برس آئے گا ایسا۔ جس میں لوگوں کے لئے خوب بارش ہوگی اور اس میں شیرہ خوب نچوڑیں گے (انگور وغیرہ کا پھل پھول زیادہ ہونے کی وجہ سے) اور بادشاہ (جب قاصد اس کے پاس خواب کی تعبیر لے کر پہنچا) کہنے لگا ان (جنہوں نے خواب کی تعبیر بتلائی ہے) میرے پاس لے کر آؤ۔ لیکن جب (یوسفؑ کے پاس) پیام لے جانے والا پہنچا (اور ان سے چلنے کی فرمائش کی) تو یوسفؑ نے فرمایا (اپنی برائت ظاہر کرنے کے خیال سے) تو اپنی سرکار کی طرف لوٹ جاؤ پھر ان سے دریافت کرو (کہ وہ پوچھیں) ان عورتوں کا کیا معاملہ تھا۔ جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ جیسی کچھ مکاریاں انہوں نے کی تھیں میرا پروردگار انہیں خوب جانتا ہے (چنانچہ قاصد لوٹا اور بادشاہ کو یہ پیغام سنایا۔ جس کی وجہ سے بادشاہ نے عورتوں کو جمع کیا) بادشاہ نے پوچھا تمہیں کیا معاملہ پیش آیا تھا؟ جب تم نے یوسفؑ پر ڈورے ڈالے تھے کہ اسے اپنی طرف مائل کرلو (تو کیا تم نے اپنی طرف مائل پایا تھا؟) وہ بولیں حاشاللہ ہم نے ذرا بھی تو ان میں کوئی برائی کی بات نہیں پائی۔

عزیز مصر کی بیوی بول اٹھی جو حقیقت تھی وہ تو اب ظاہر ہوگئی ہاں وہ میں ہی تھی جس نے یوسفؑ پر ڈورے ڈالے کہ اپنا دل ہار بیٹھے بلاشبہ وہ بالکل سچا ہے (اپنے دعویٰ میں کہ ھی راودتنی عن نفسی الخ چنانچہ جب یوسفؑ کو اس کی اطلاع دی گئی تو کہنے لگے) یہ (اپنی براءت محض اس لئے طلب کی) تاکہ (عزیز مصر کو) معلوم ہوجائے۔ کہ میں نے اس کے پیٹھ پیچھے (اس کی بیوی کے بارے میں) خیانت نہیں کی (بالغیب حال ہے) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا۔

تحقیق وترکیب: .... ودخل معه یعنی ایک ساتھ یہ تینوں شخص قید خانہ میں داخل کئے گئے۔ حضرت یوسفؑ پر تو عزیز مصر کی بیوی کا الزام تھا اور باقی دوجوان خود بادشاہ کو زہر دینے کے الزام میں ماخوذ ہوئے تھے۔ ایک شاہی باورچی خانہ کا منتظم اور دوسرا ساقی تھا۔ پہلے کا نام غالب یا مخلب اور دوسرے کا نام ابروہا یا یعرنا تھا۔ کچھ دشمنوں نے بادشاہ کو زہر دینے کے لئے انہیں رشوت دینا چاہی مگر ساقی نے انکار کردیا۔ البتہ باورچی راضی ہوگیا اور روٹیوں میں زہر ملادیا۔ جب دسترخوان پر کھانا چنا گیا تو ساقی بولا اے بادشاہ! کھانا مت کھایئے کہ زہر آلود ہے اور باورچی بھی کہنے لگا کہ شراب مت پیجئے کہ زہر ملا ہوا ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے ساقی کو پہلے خود شراب پینے کا حکم دیا وہ پی گیا اور اسے کوئی نقصان نہ پہنچا۔ باورچی سے کھانا کھانے کے لئے کہا گیا تو اس نے انکار کردیا۔ جس سے اس کا مجرم ہونا ثابت ہوگیا۔ اس لئے دونوں کو جیل خانہ بھجوادیا۔ خمرا انگور مراد ہیں یا ان کی زبان میں انگوروں کو خمر ہی کہا جاتا ہوگا۔ اس کے خواب کا حاصل یہ تھا کہ اس نے اپنے آپ کو باغ میں دیکھا جس میں درخت تھے اور انگور کے تین خوشے لگ رہے تھے اور دیکھا کہ شاہی جام اس کے ہاتھ میں ہے۔ جس سے بادشاہ کو شراب پلا رہا ہے۔

لایاتیکما جلال محققؒ نے اس کو خواب پر محمول کیا ہے۔ یعنی جس کھانے کو تم نے خواب میں دیکھا ہے۔ اور جس کی مجھے اطلاع دے رہے ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ جن لوگوں کا غالب مشغلہ خواب وخور ہوتا ہے انہیں خواب بھی اسی کے نظر آتے ہیں "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست" بلی کے خواب میں چھیچھڑے کسی نے سچ کہا ہے۔

مارأینا شیئا ایک قول یہ ہے اور دوسری رائے یہ ہے کہ انہوں نے فی الحقیقت دیکھا تھا۔ محض آزمائش نہیں تھی اور ایسا کہنا صرف باورچی کی طرف سے ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس کے خواب کی تعبیر بری نکلی۔

ظن اگر ظن سے مراد اجتہاد ہے تو اجتہاد کا ظنی ہونا معلوم ہوا خواہ انبیاء کا اجتہاد ہو۔

وقال الملك اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کی رہائی کے لئے اس خواب کو بہانہ بنادیا ہے۔

سبع بقرات ان چودہ گایوں کو بادشاہ نے سمندر سے نکلتے دیکھا تھا۔ جن میں سے سات دبلی گایوں نے سات موٹی گایوں کو نگل لیا۔

جمع عجفاء قیاس یہ چاہتا ہے کہ عجف ہو کیونکہ افعل فعلاء کی جمع فعال کے وزن پر نہیں آتی۔ لیکن حمل النظیر علی النظیر کے طریقہ پر سمان پر حمل کرکے جمع لائی گئی ہے۔

سبع سُنبُلٰتٍ اسم عدد کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ کردیا۔ کیونکہ بقرات کی تقسیم سنبلات کی تقسیم کو بھی چاہتی ہے۔

احلام جمع حلم کی ہے۔ پریشان بے اصل خواب وخیال۔ اضغاث ضغث کی جمع ہے خشک وتر گھاس۔ حال یوسف یہ معقول ہے تذکر کا ای تذکر حال یوسف.

انا انبئکم یہ قال کا مقولہ ہے۔ تزرعون مفسر علامؒ نے اشارہ کردیا کہ امر کا صیغہ کبر کی صورت میں ہے مبالغہ کے لئے۔ ثم یاتی یہ تعبیر سے زائد بشارت ہے جو الہام یا وحی کی وجہ سے کی ہوگی اور یا خیال کیا ہوگا کہ عادت الٰہیہ ہے کہ ہر مصیبت کے بعد راحت ہوتی ہے۔

مابال النسوۃ زلیخا کا ذکر اس کے حق کی رعایت سے یا تادباً نہیں کیا۔ ان ربی عزیز مصر مراد ہے اور علامہ زمخشریؒ نے اللہ مراد لیا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ......**تورات کا بیان**: ....تورات میں ہے کہ حضرت یوسفؑ نے ساقیوں کے سردار کو اس خواب کی تعبیر یہ بتلائی تھی کہ تین دن کے اندر فرعون تجھے تیرے منصب پر بحال کر دے گا اور آگے کی طرح تو اس کے ہاتھ میں شراب کا جام دے گا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ جب تو خوشحال ہو تو مجھے یاد رکھیو اور فرعون سے میرا ذکر کیجیو۔ کہ لوگ عبرانیوں کے ملک سے مجھے چرالائے اور یہاں لاکر بھی بغیر کسی قصور کے قید میں ڈال دیا اور باورچیوں کے سردار سے کہا تھا کہ تین دن کے اندر تیری موت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اور تیری لاش درخت پر لٹکائی جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تیسرے دن فرعون کی سالگرہ کا دن تھا۔ اس دن سردار ساقی بحال کر دیا گیا۔ مگر باورچیوں کے سردار کو سزا ہوگئی۔ مگر رہا ہونے والے نے بحال ہو کر یوسفؑ کو یاد نہ رکھا وہ یہ معاملہ بھول گیا۔

اسباب عادیہ کا اختیار کرنا چونکہ جائز ہے۔ اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام کے اذکرنی عند ربک فرمانے پر کوئی اشکال نہیں ہونا چاہیئے اور فلبث الخ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غیر اللہ سے حضرت یوسفؑ کی درخواست کرنے کی سزا میں ان کو جیل خانہ میں رکھا گیا۔ بلکہ رہا ہونے والے کے بھول جانے پر اسے مرتب فرمایا ہے کہ اس کے بھولنے کی وجہ سے یوسفؑ کی رہائی کا سامان نہیں ہو سکا۔ اس کے بعد حضرت یوسفؑ کے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور وہ کئی سال قید خانہ میں پڑے رہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے عجیب طرح کا خواب دیکھا اور جب درباری دانشمندوں سے تعبیر دریافت کی تو وہ کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے۔

درباری خواب کی تعبیر سے واقف نہیں تھے: ....قالوا اضغاث احلام الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ درباری لوگ فن تعبیر سے واقف نہیں تھے۔ کیونکہ اول تو بادشاہ کے کلام ان کنتم للرؤیا تعبرون الخ میں شک پایا جاتا ہے۔ دوسرے خود درباریوں کے جواب "وما نحن بتاویل الاحلام" میں اس کے جاننے کا انکار معلوم ہو رہا ہے۔ رہا ان کا "اضغاث احلام" کہنا اس سے ان کا جاننا لازم نہیں آتا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ تعبیر کی تفصیلات تو ہم نہیں جانتے۔ البتہ اتنا کہہ سکتے ہیں خوابوں کی جو شان ہوتی ہے وہ اس خواب میں نہیں پائی جاتی۔ اس لئے خواب کی بجائے یہ محض خیال معلوم ہوتا ہے تو اتنا جان لینا مہارت فن کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اور اضغاث احلام کہنے کا منشاء بادشاہ کو بے فکر کرنا تھا۔ اس لئے یہ شبہ نہیں رہا کہ صرف دوسرا جملہ کافی تھا۔ پہلے جملہ کی ضرورت نہیں تھی۔ نیز ساقی کے انا انبئکم الخ کہنے سے بھی ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ درباری فن تعبیر سے واقف نہیں تھے۔ ورنہ علماء تعبیر کے فیصلہ کے بعد ارکان سلطنت کے سامنے ایسی جرأت ہی نہ ہوتی اور چونکہ ان درباریوں کا یہ جواب باقاعدہ تعبیر نہ تھا۔ اس لئے حضرت یوسفؑ نے جو خواب کی تعبیر دی وہی واقع ہوئی۔ ورنہ بروئے حدیث پہلی تعبیر اگر اصول تعبیر کے لحاظ سے صحیح ہوتی تو وہی واقع ہونی چاہیئے تھی۔ ہاں! اگر قاعدہ کے اعتبار سے محتمل نہ ہو تو پھر اس کا واقع ہونا ضروری نہیں ہے۔ پس جہاں متعدد تعبیروں میں سے کوئی واقع نہ ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ تعبیر اصول کے موافق نہ تھی۔ اور فن تعبیر ایک مشکل ترین فن ہے۔ جس میں ظاہری اور باطنی دقیق اصول معیار بنائے جاتے ہیں۔ اس لئے ہر ایک اس کا اہل نہیں۔ شیخ ابن سیرینؒ اس فن کے امام مانے گئے ہیں۔ ان کی ایک تالیف میں ان دقیق اصول کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ اور حضرت یوسفؑ کا ثم یاتی من بعد ذلک عام فرمانا ممکن ہے اس لئے ہو کہ "سبع شداد" سے مراد جب قحط ہے تو اتنے سالوں کے بعد پھر قحط نہیں رہنا چاہیئے۔ یعنی بارش وغیرہ ہوگی۔

تورات کا بیان: ....تورات میں ہے کہ بادشاہ نے مصر کے تمام حکماء اور جادوگروں کو جمع کر کے تعبیر پوچھی۔ مگر کوئی اس کی تعبیر نہ بتلا سکا۔ جس سے بادشاہ کو اور زیادہ اشتیاق اور بے چینی پیدا ہوئی۔ چنانچہ اب جو یوسف علیہ السلام کی تعبیر بادشاہ کو پہنچی تو تعبیر اس درجہ واضح اور چسپاں تھی کہ سنتے ہی پھڑک اٹھا اور ان کی ملاقات کا مشتاق اور گرویدہ ہو گیا۔ چنانچہ حکم دیا گیا کہ فوراً انہیں قید خانہ سے نکالا جائے اور باعزاز تمام دربار میں لایا جائے۔ اس تعبیر سے بادشاہ کے دل میں حضرت یوسفؑ کا اس درجہ احترام پیدا ہو گیا تھا کہ

اس نے ایک پیغامبر ان کے لانے کے لئے بھیجا۔ لیکن انہوں نے کہا میں اس طرح رہا ہونا پسند نہیں کرتا۔ پہلے میرے معاملہ کی تحقیقات کرلی جائے۔ کہ قید خانہ میں کیوں ڈالا گیا ہوں؟ اگر میں مجرم ہوں تو رہائی کا مستحق نہیں۔ اگر مجرم نہیں ہوں تو بلاشبہ مجھے رہا ہونا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں حضرت یوسفؑ نے عزیز مصر کی بیوی کی بجائے ان عورتوں کا ذکر اس لئے کیا کہ یوسفؑ کو قید کرنے کے معاملہ میں ان کا بھی ہاتھ تھا۔ انہوں نے اپنی ناکامی کی ذلت مٹانے کے لئے جھوٹے الزام تراش لئے ہوں گے۔ یہی وجہ تھی کہ قید کا معاملہ ان کے معاملہ کے بعد ظاہر ہوا۔ عزیز مصر کی بیوی نے ان سب کے سامنے ان کی بے گناہی اور اپنی طلب وجستجو کا اقرار کیا تھا۔ پس یہ سب اس بات کی گواہ تھیں کہ عزیز مصر کی بیوی کے معاملہ میں ان کا دامن بے داغ ہے اور ان سب کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا خود اس سے بھی عزیز مصر کی بیوی کا الزام بے اصل ثابت ہو گیا تھا۔ کیونکہ جس شخص کی پاکدامنی کا یہ حال ہو کہ تمام فتنہ گروں اور خوبروؤں کا متفقہ اظہار عشق بھی اسے مسخر نہ کرسکا۔ کیونکر باور کیا جاسکتا ہے کہ ایسا آدمی اپنے آقا کی بیوی پر ہاتھ ڈالے اور ایسی حالت میں ہاتھ ڈالے کہ وہ متنفر اور گریزاں ہو دوسرے اس اخفائے نام میں ایک دقیق نکتہ یہ بھی ہے کہ جب عزیز مصر پر اپنی بیوی کا قصور ثابت ہو گیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ جو ہوا سو ہوا۔ اب اس بات سے درگزر کر واور اس کا چرچا نہ کیجیو کہ اس میں میری بدنامی ہے بعد میں اگر چہ عزیز مصر اپنی بات پر نہ رہا اور حضرت یوسفؑ کو قید میں ڈال دیا۔ لیکن حضرت یوسفؑ کا اخلاق ایسا نہ تھا کہ یہ بات بھول جاتے۔ عزیز نے انہیں غلام کی حیثیت سے خریدا تھا اور پھر اپنے عزیزوں کی طرح عزت واحترام کے ساتھ رکھا تھا۔ وہ اس کا یہ احسان نہیں بھول سکتے تھے۔ پس ان کی طبیعت نے گوارا نہیں کیا کہ اس موقعہ پر اس کی بیوی کا ذکر کرکے اس کی رسوائی کا باعث ہوں۔ صرف ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کا ذکر کردیا کہ ان میں کوئی نہ کوئی ضرور نکل آوے گی جو سچائی کے لحاظ سے باز نہیں رہے گی۔ عزیز مصر کی بیوی بھی اب وہ عورت نہیں رہی تھی جو چند سال پہلے تھی۔ اب وہ ہوس کی خام کاریوں سے نکل کر عشق کی پختگی وکمال تک پہنچ چکی تھی۔ اس کیلئے اب ممکن نہ تھا کہ اپنی رسوائی کے خیال سے اپنے محبوب کے سر الٹا الزام لگائے۔ جب عورتوں نے یوسفؑ کی پاکی کا اقرار کیا تو اس نے بھی خود بخود اعلان کردیا کہ سارا قصور میرا تھا وہ بے جرم اور راست باز ہے۔

لطائف آیات: ....آیت **لا یاتیکما طعام الخ** سے معلوم ہوا کہ بعض بزرگوں نے جو اپنے کمالات اس لئے بیان کئے ہیں کہ لوگ ان سے استفادہ کریں اور اس کی پرواہ نہیں کہ لوگ انہیں مدعی کہیں گے اس کا منشاء بھی یہی ہے۔ آیت **اذکرنی عند ربك** سے معلوم ہوا کہ جائز اسباب اختیار کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے اور اسے اپنے احسان کا عوض چاہنا نہ کہا جائے گا۔ کیونکہ احسان کرنے سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور محبت سے یہ استعانت گوارا ہو جاتی ہے۔ آیت **تزرعون الخ** سے معلوم ہوا کہ جس طرح حضرت یوسفؑ نے اپنی فرمائش پوری نہ کرنے پر تعبیر دریافت کرنے والے پر کچھ ملامت نہیں کی بلکہ غایت وحلم وکرم سے فوراً تعبیر بتلانی شروع کردی۔ ایسے ہی اہل طریق کی شان ہونی چاہیئے کہ ایسے شخص کے حقوق میں کمی نہ کریں۔ جو ان کے حق میں کمی کرے۔ آیت **فسئله ما بال النسوة الخ** سے معلوم ہوا کہ مقتدا کے شایان شان یہی بات ہے کہ اول اپنے اوپر آئی ہوئی تہمت کے ازالہ کا اہتمام کرے تاکہ اس کی دعوت حق میں تاثیر کی شان پیدا ہو سکے۔ حدیث لاحبب الداعی الخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تواضع کے ساتھ حضرت یوسفؑ کے کمال وحلم واستقلال کو بیان فرمادیا ہے۔

﴿پارہ نمبر ۱۳﴾

وَمَآ اُبَرِّئُ

وَمَآ اُبَرِّئُ

ثُمَّ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ فَقَالَ **وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ** مِنَ الزَّلَلِ **اِنَّ النَّفْسَ** الْجِنْسَ **لَاَمَّارَةٌ** كَثِيْرَةُ الْاَمْرِ **بِالسُّوْٓءِ اِلَّامَا** بِمَعْنٰی مَنْ **رَحِمَ رَبِّیْ** فَعَصِمَهٗ **اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ**(۵۳) **وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ** اَجْعَلُهٗ خَالِصًا لِیْ دُوْنَ شَرِيْكٍ فَجَاءَهُ الرَّسُوْلُ وَقَالَ اَجِبِ الْمَلِكَ فَقَامَ وَوَدَّعَ اَهْلَ السِّجْنِ وَدَعَالَهُمْ ثُمَّ اغْتَسَلَ وَلَبِسَ ثِيَابًا حِسَانًا وَدَخَلَ عَلَيْهِ **فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ** لَهٗ **اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ**(۵۴) ذُوْمَكَانَةٍ وَاَمَانَةٍ عَلٰى اَمْرِنَا فَمَاذَا تَرٰی اَنْ نَفْعَلَ قَالَ اِجْمَعِ الطَّعَامَ وَازْرَعْ زَرْعًا كَثِيْرًا فِیْ هٰذِهِ السِّنِيْنِ الْمُخْصِبَةِ وَادَّخِرِ الطَّعَامَ فِیْ سُنْبُلِهٖ فَيَاتِیْ اِلَيْكَ الْخَلْقُ لِيَمْتَارُوْا مِنْكَ فَقَالَ مَنْ لِیْ بِهٰذَا **قَالَ** يُوْسُفُ **اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ** اَرْضَ مِصْرَ **اِنِّیْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ**(۵۵) ذُوْحِفْظٍ وَعِلْمٍ بِاَمْرِهَا وَقِيْلَ كَاتِبٌ وَحَاسِبٌ **وَكَذٰلِكَ** كَاِنْعَامِنَا عَلَيْهِ بِالْخَلَاصِ مِنَ السِّجْنِ **مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ** اَرْضِ مِصْرَ **يَتَبَوَّاُ** يَنْزِلُ **مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ** بَعْدَ الضِّيْقِ وَالْحَبْسِ وَفِی الْقِصَّةِ اَنَّ الْمَلِكَ تَوَجَّهٗ وَخَتَمَهٗ وَوَلَّاهُ مَكَانَ الْعَزِيْزِ وَعَزَلَهٗ وَمَاتَ بَعْدُ فَزَوَّجَهٗ اِمْرَاَتَهٗ زُلَيْخَا فَوَجَدَهَا عَذْرَاءَ وَوَلَدَتْ لَهٗ وَلَدَيْنِ وَاَقَامَ الْعَدْلَ بِمِصْرَ وَدَانَتْ لَهُ الرِّقَابُ **نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ**(۵۶) **وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ** مِنْ اَجْرِ الدُّنْيَا **لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ**(۵۷) وَدَخَلَتْ سِنُوْ الْقَحْطِ وَاَصَابَ اَرْضَ كِنْعَانَ وَالشَّامَ **وَجَآءَ** ع **اِخْوَةُ يُوْسُفَ** اِلَّابِنْيَامِيْنَ لِيَمْتَارُوْا لِمَا بَلَغَهُمْ اَنَّ عَزِيْزَ مِصْرَ يُعْطِی الطَّعَامَ بِثَمَنِهٖ **فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ** اَنَّهُمْ اِخْوَتُهٗ **وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ**(۵۸) لَا يَعْرِفُوْنَهٗ لِبُعْدِ عَهْدِهِمْ بِهٖ وَظَنِّهِمْ هَلَاكَهٗ فَكَلَّمُوْهُ بِالْعِبْرَانِيَّةِ فَقَالَ كَالْمُنْكِرِ عَلَيْهِمْ مَا اَقْدَمَكُمْ بِلَادِیْ فَقَالُوْا لِلْمِيْرَةِ فَقَالَ لَعَلَّكُمْ عُيُوْنٌ قَالُوْا مَعَاذَ اللّٰهِ قَالَ فَمِنْ اَيْنَ اَنْتُمْ قَالُوْا مِنْ بِلَادِ كِنْعَانَ وَاَبُوْنَا يَعْقُوْبُ نَبِیُّ اللّٰهِ قَالَ وَلَهٗ اَوْلَادٌ غَيْرُكُمْ قَالُوْا نَعَمْ كُنَّا اِثْنَیْ عَشَرَ فَذَهَبَ اَصْغَرُنَا

هَلَكَ فِي الْبَرِيَّةِ وَكَانَ اَحَبَّنَا اِلَيْهِ وَبَقِيَ شَقِيقُهُ فَاحْتَبَسَهُ لِيَتَسَلَّى بِهِ عَنْهُ فَاَمَرَ بِاِنْزَالِهِمْ وَاِكْرَامِهِمْ **وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ** وَفَّى لَهُمْ كَيْلَهُمْ **قَالَ ائْتُونِي بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيكُمْ** اَيْ بِنْيَامِينَ لِاَعْلَمَ صِدْقَكُمْ فِيمَا قُلْتُمْ **اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْ اُوفِي الْكَيْلَ** اُتِمُّهُ مِنْ غَيْرِ بَخْسٍ **وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي** اَيْ مِيرَةَ **وَلَا تَقْرَبُونِ﴿۶۰﴾** نَهْيٌ اَوْ عَطْفٌ عَلَى مَحَلِّ فَلَا كَيْلَ اَيْ تُحْرَمُوا وَلَا تَقْرَبُوا **قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ** سَنَجْتَهِدُ فِي طَلَبِهِ مِنْهُ **وَاِنَّا لَفَاعِلُونَ﴿۶۱﴾** ذٰلِكَ **وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ** وَفِي قِرَاءَةٍ لِفِتْيَانِهِ غِلْمَانِهِ **اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ** الَّتِي اَتَوْا بِهَا ثَمَنَ الْمِيرَةِ وَكَانَتْ دَرَاهِمَ **فِي رِحَالِهِمْ** اَوْعِيَتِهِمْ **لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا اِذَا انْقَلَبُوا اِلَى اَهْلِهِمْ** وَفَرَغُوا اَوْعِيَتَهُمْ **لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴿۶۲﴾** اِلَيْنَا لِاَنَّهُمْ لَا يَسْتَحِلُّونَ اِمْسَاكَهَا **فَلَمَّا رَجَعُوا اِلَى اَبِيهِمْ قَالُوا يَا اَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ** اِنْ لَّمْ تُرْسِلْ مَعَنَا اَخَانَا اِلَيْهِ **فَاَرْسِلْ مَعَنَا اَخَانَا نَكْتَلْ** بِالنُّونِ وَالْيَاءِ **وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ** مَا **اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَا اَمِنْتُكُمْ عَلَى اَخِيهِ** يُوسُفَ **مِنْ قَبْلُ** وَقَدْ فَعَلْتُمْ بِهِ مَا فَعَلْتُمْ **فَاللّٰهُ خَيْرٌ حِفْظًا** وَفِي قِرَاءَةٍ حَافِظًا تَمْيِيزٌ كَقَوْلِهِمْ لِلّٰهِ دَرُّهُ فَارِسًا **وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِينَ﴿۶۴﴾** فَاَرْجُو اَنْ يَمُنَّ بِحِفْظِهِ **وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ قَالُوا يَا اَبَانَا مَا نَبْغِي** مَا اِسْتِفْهَامِيَّةٌ اَيْ اَيَّ شَيْءٍ نَطْلُبُ مِنْ اِكْرَامِ الْمَلِكِ اَعْظَمُ مِنْ هٰذَا وَقُرِئَ بِالْفَوْقَانِيَّةِ خِطَابًا لِيَعْقُوبَ وَكَانُوا ذَكَرُوا لَهُ اِكْرَامَهُ لَهُمْ **هٰذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا وَنَمِيرُ اَهْلَنَا** نَاتِي بِالْمِيرَةِ لَهُمْ وَهِيَ الطَّعَامُ **وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ** لِاَخِينَا **ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيرٌ﴿۶۵﴾** سَهْلٌ عَلَى الْمَلِكِ لِسَخَائِهِ **قَالَ لَنْ اُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُونِ مَوْثِقًا** عَهْدًا **مِّنَ اللّٰهِ** بِاَنْ تَحْلِفُوا **لَتَأْتُنَّنِي بِهِ اِلَّا اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ** اَيْ تَمُوتُوا اَوْ تُغْلَبُوا فَلَا تُطِيقُوا الْاِتْيَانَ بِهِ فَاَجَابُوهُ اِلَى ذٰلِكَ **فَلَمَّا اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ** بِذٰلِكَ **قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُولُ** نَحْنُ وَاَنْتُمْ **وَكِيلٌ﴿۶۶﴾** شَهِيدٌ وَاَرْسَلَهُ مَعَهُمْ **وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا** مِصْرَ **مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ** لِئَلَّا تُصِيبَكُمُ الْعَيْنُ **وَمَا اُغْنِي** اَدْفَعُ **عَنْكُمْ** بِقَوْلِي ذٰلِكَ **مِّنَ اللّٰهِ مِنْ** زَائِدَةٌ **شَيْءٍ** قَدَّرَهُ عَلَيْكُمْ وَاِنَّمَا ذٰلِكَ شَفْقَةٌ **اِنِ** مَا **الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ** وَحْدَهُ **عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ** بِهِ وَثِقْتُ **وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ﴿۶۷﴾** قَالَ تَعَالَى **وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوهُمْ** اَيْ مُتَفَرِّقِينَ **مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ** اَيْ قَضَائِهِ **مِنْ شَيْءٍ اِلَّا** لٰكِنْ **حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضٰهَا** وَهِيَ اِرَادَةُ دَفْعِ الْعَيْنِ شَفْقَةً **وَاِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ** لِتَعْلِيمِنَا اِيَّاهُ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** وَهُمُ الْكُفَّارُ **لَا يَعْلَمُونَ﴿۶۸﴾** اِلْهَامَ اللّٰهِ لِاَوْلِيَائِهِ

ترجمہ:.......... (پھر حضرت یوسفؑ تواضع اختیار کرتے ہوئے بولے) میں اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہیں کرتا (لغزشوں سے) آدمی کا نفس (کوئی بھی ہو) برائی کے لئے بڑا ہی ابھارنے والا بتلانے والا) ہے۔ مگر ہاں (ما بمعنی من ہے) اسی حال میں کہ میرا پروردگار رحم کرے (اور اسے بچالے) بلاشبہ میرا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا بڑا ہی رحم کرنے والا ہے اور بادشاہ نے حکم دیا یوسفؑ کو میرے پاس لاؤ کہ اسے خاص اپنے لئے مقرر کروں۔ (اپنا پرائیویٹ سیکرٹری بنالوں۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ کے پاس قاصد یہ پیغام لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا۔ کہ چلئے بادشاہ نے یاد کیا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے تیاری فرمائی اور جیل خانہ والوں سے رخصتی ملاقات کی اور ان کے لئے دعائے خیر کی، شکریہ ادا کیا اور نہا دھو کر آراستہ لباس پہن کر بادشاہ کے پاس پہنچے پس جب بادشاہ نے (ان سے) باتیں کیں تو بادشاہ کہنے لگا آج کے دن تو ہماری نگاہوں میں بڑا صاحب اقتدار اور امانت دار انسان ہے (معزز و معتبر، اس لئے فرمایئے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ حضرت یوسفؑ نے ارشاد فرمایا کہ غلہ کا اسٹاک کیجئے اور ان خوشحالی کے برسوں میں پیداوار کی اسکیموں پر زور دیجئے اور غلہ کو بالوں سمیت محفوظ رکھئے۔ تاکہ دوسروں کو غلہ کی برآمدگی میں سہولت رہے۔ بادشاہ بولا اس ذمہ داری کا اہل کون ہوسکتا ہے؟) فرمایا (یوسفؑ نے) ملکی خزانوں پر (مصر میں) مجھے مختار بنا دیجئے۔ میں حفاظت کرسکتا ہوں اور میں خوب واقف ہوں (خزانوں کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال جانتا ہوں اور بعض نے حفیظ کے معنی کاتب کے اور علیم کے معنی محاسب کے لئے ہیں) اور اسی طرح (جیسے ہم نے انہیں جیل سے رہا کرکے انعام کیا) ہم نے سرزمین (مصر) میں یوسفؑ کے قدم جمادیئے کہ جس جگہ چاہیں رہیں سہیں (تنگی اور جیل کی زندگی کے بعد اور قصہ کا باقی حصہ یہ ہے کہ بادشاہ نے یوسفؑ کو تاج اور انگوٹھی پیش کی اور مدار المہام کے عہدہ پر انہیں مامور کردیا۔ عزیز مصر کو معزول کرکے۔ اس کے بعد عزیز مصر کا انتقال ہوگیا اور بادشاہ نے اس کی بیوی زلیخا سے یوسفؑ کی شادی کردی۔ زلیخا ابھی تک باکرہ ہی تھی۔ چنانچہ ان سے دو بچے پیدا ہوئے اور حضرت یوسفؑ نے مصر میں انصاف قائم کردیا اور سب لوگوں نے یوسفؑ کے آگے اپنی گردنیں جھکادیں) ہم جس پر چاہیں اپنی عنایت متوجہ کردیں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتے اور جو لوگ ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا۔ ان کے لئے تو آخرت کا اجر (دنیا کے اجر سے) کہیں زیادہ بہتر ہے (اور قحط سالی شروع ہوگئی اور کنعان اور شام اس کی لپیٹ میں آگئے) اور یوسفؑ کے بھائی آئے (بجز بنیامین کے اناج حاصل کرنے کے لئے نکل پڑے۔ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ عزیز مصر قیمتاً غلہ دیتا ہے) پھر یوسفؑ کے پاس پہنچے۔ سو یوسفؑ نے تو انہیں پہچان لیا (کہ یہ میرے بھائی ہیں) مگر انہوں نے یوسفؑ کو نہیں پہچانا (زیادہ زمانہ گذر جانے کی وجہ سے شناخت نہیں کرسکے۔ کیونکہ ان کے خیال میں تو یوسفؑ مر گل چکے تھے۔ چنانچہ یوسفؑ سے ان بھائیوں نے عبرانی زبان میں بات چیت کی تو حضرت یوسفؑ نے انجان بن کر پوچھا کہ تم میرے ملک میں کیوں آئے ہو؟ عرض کیا غلہ حاصل کرنے کے لئے۔ حضرت یوسفؑ بولے تم جاسوس تو نہیں ہو؟ تو کہنے لگے نہیں۔ خدا کی پناہ۔ پوچھا پھر تم کون لوگ ہو؟ بولے کہ کنعان کے رہنے والے ہیں اور حضرت یعقوبؑ پیغمبر خدا کی اولاد ہیں۔ یوسفؑ نے پوچھا کہ تمہارے علاوہ کوئی اور اولاد بھی ہے؟ کہنے لگے ہاں ہم بارہ بھائی تھے۔ لیکن ہمارا ایک چھوٹا بھائی کہیں جنگل میں ہلاک ہوگیا اور سب سے زیادہ ہمارے والد کو اس سے محبت تھی۔ البتہ اس کا سگا بھائی موجود ہے جسے انہوں نے اپنے پاس تھام لیا ہے تاکہ اس سے کچھ تشفی تسلی رہے۔ اس کے بعد حضرت یوسفؑ نے سب کو باعزاز ٹھیرایا) اور جب یوسفؑ نے ان کا سامان تیار کردیا (غلہ ناپ کردے دیا) تو فرمادیا کہ تم اپنے علاتی بھائی کو بھی ساتھ لانا (یعنی بنیامین کو تاکہ تمہاری بات کا سچ ہونا ظاہر ہوسکے) تم نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ میں پورا ناپ کردیتا ہوں (بغیر کمی کئے پورا دیتا ہوں) اور میں سب سے زیادہ مہمان نوازی کرتا ہوں۔ لیکن اگر اسے میرے پاس نہ لائے تو پھر یاد رکھو نہ میرے پاس تمہارے نام کا غلہ ہوگا اور نہ تم میرے

پاس آنا (یہ نہی کا صیغہ ہے یافلا کیل کے محل پر معطوف ہے یعنی تم محروم رہو گے میرے پاس مت آنا) وہ بولے ہم اس کے والد کو اس بات کی ترغیب دیں گے (ہم اس کے لانے میں پوری کوشش کریں گے) اور ہم ضرور اس کام کو کریں گے اور یوسف علیہ السلام نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کی پونجی (جو کچھ پیسے اناج خریدنے کے لئے لائے ہیں) ان ہی کے بوروں (خرجین) میں رکھ دو۔ جب یہ لوگ اپنے گھر کی طرف لوٹیں گے (اور اپنا سامان کھولیں گے) تو بہت ممکن ہے اپنی پونجی دیکھ کر پہچان لیں اور پھر عجب نہیں کہ دوبارہ آجائیں (ہمارے پاس۔ کیونکہ وہ اسے اپنے پاس رکھنا جائز نہیں سمجھیں گے) غرض جب یہ لوگ اپنے باپ کے پاس پہنچے کہنے لگے۔ اے ابا! آئندہ کو ہمارے لئے غلہ کی روک کر دی گئی ہے (اگر آپؑ نے ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو نہ بھیجا) پس ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجد یجئے۔ کہ غلہ لاسکیں (نون اور یاء کے ساتھ ہے) اور ہم اس کی پوری حفاظت رکھیں گے۔ حضرت یعقوبؑ نے فرمایا: بس میں اس کے بارہ میں بھی تمہارا ویسا ہی اعتبار کرتا ہوں جس طرح پہلے اس کے بھائی (یوسفؑ) کے بارے میں کر چکا ہوں (اور تم نے اس کے ساتھ بس جو کچھ کیا وہ کیا ہی ہے) سو اللہ ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے (اور ایک قرأت میں حفیظا کے بجائے حافظا ہے لله در ه فارسا کی طرح تمیز ہوگی) اور اس سے بڑھ کر رحم کرنے والا کوئی نہیں ہے (اس لئے مجھے امید ہے کہ وہ اپنی حفاظت سے نوازے گا) اور جب ان لوگوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کی پونجی ان ہی کو لوٹا دی گئی ہے۔ کہنے لگے اے ابا! اس سے زیادہ ہمیں اور کیا چاہیئے (ما استفہامیہ ہے یعنی بادشاہ کی اس عزت افزائی سے زیادہ اور کیا چیز ہمیں چاہیئے اور ایک قرأت میں تبـغـی تائے فوقانیہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ حضرت یعقوبؑ کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔ کیونکہ ان لوگوں نے اپنے والد کے سامنے بادشاہ کی عزت افزائی کا حال سنایا تھا) دیکھو یہ ہماری جمع پونجی بھی تو ہمیں لوٹا دی گئی ہے ہم اپنے گھر والوں کے لئے اور رسد (غلہ اور خوراک) لے کر آئیں گے اور اپنے بھائی کی ہم حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ غلہ اور زیادہ لے لیں گے (اپنے بھائی کا حصہ) یہ غلہ تو بہت تھوڑا ہے (بادشاہ تخی ہے اس لئے اسے بھی ناگوار نہیں گزرے گا) یعقوبؑ نے فرمایا کہ میں اسے کبھی تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا جب تک اللہ کی قسم کھا کر مجھے پکا قول نہیں دو گے کہ تم اسے ضرور ہی لے آؤ گے۔ ہاں اگر کہیں گھر ہی جاؤ تو مجبوری ہے (یعنی اگر تم ہی مر جاؤ یا مغلوب ہو جاؤ جس سے تم میں اسے لانے کی طاقت نہ رہے تو دوسری بات ہے۔ غرضیکہ اس پابندی کو انہوں نے مان لیا) پس جب وہ (اس بارے میں) قسم کھا کر اپنے والد کو قول دے چکے تو یعقوب علیہ السلام بولے کہ ہم لوگ جو کچھ بات چیت کر رہے ہیں۔ یہ سب اللہ کے حوالہ ہے (اللہ نگہبان ہے۔ چنانچہ بنیامین کو دوسرے بھائیوں کے ساتھ بھیج دیا) اور یعقوبؑ نے فرمایا کہ تم لوگ (شہر میں) ایک دروازہ سے داخل مت ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے جانا (تاکہ تمہیں نظر بد نہ لگ جائے) اور میں اللہ کے حکم کو (اپنے اس کہنے کی وجہ سے) تم پر سے ٹال نہیں سکتا (تمہارے بارے میں اس کے تقدیری فیصلہ کو روک نہیں سکتا۔ البتہ یہ باتیں صرف شفقۃً کہہ رہا ہوں) حکم تو بس اللہ ہی کا چلتا ہے۔ اسی پر بھروسہ (اعتماد) رکھتا ہوں اور وہی ہے جس پر تمام بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ رکھنا چاہیئے (حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) اور جب باپ کے فرمانے کے مطابق وہ سب جا داخل ہوئے (یعنی الگ الگ) تو باپ کا ارمان پورا ہو گیا۔ ان کا خیال بیٹوں سے اللہ کے حکم کو ٹالنا نہیں تھا۔ لیکن یعقوبؑ کے دل میں ایک ارمان تھا۔ جس کو انہوں نے ظاہر کر دیا (یعنی شفقۃً بدنگاہی سے اولاد کو محفوظ رکھنا) اور بلاشبہ وہ بڑے عالم تھے کہ ہم نے ان پر علم کی راہ کھول دی تھی (ہم نے انہیں سکھلا دیا تھا) لیکن اکثر لوگ (کفار) نہیں جانتے (اللہ اپنے خاص بندوں کو جو الہام کرتا ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... وما ابرّئ حضرت یوسفؑ کے انی لم اخنه کہنے سے خودستائی معلوم ہو رہی تھی۔ اس لئے برأت

کی ضرورت پیش آئی اور بعض کی رائے ہے کہ یہ زلیخا کا قول ہے ان النفس جنس نفس مراد ہے کوئی خاص نفس مراد نہیں ہے۔

ودعا لھم قیدیوں کے حق میں یہ دعا کی اللھم اعطف قلوب الصالحین علیھم و لا تستر للاخبار عنھم اور جیل خانہ کے دروازہ پر یہ عبارت لکھ دی ھذہ منازل البلوی وقبور الاحیاء وشماتة الاعداء وتجوبة الاصدقاء۔

فلما کلمه سب سے پہلے حضرت یوسفؑ نے عربی زبان میں سلام کیا تو بادشاہ نے حیرت سے پوچھا یہ کونسی زبان ہے۔ فرمایا میرے چچا حضرت اسماعیلؑ کی زبان ہے۔اس کے بعد عبرانی زبان میں باتیں کرنے لگے تو بادشاہ نے پھر حیرت سے پوچھا یہ کونسی زبان ہے؟ فرمایا یہ میرے باپ دادا کی زبان ہے۔لیکن بادشاہ ستر زبانیں جاننے کے باوجود یہ دونوں زبانیں نہیں جانتا تھا۔ برخلاف اس کے بادشاہ جس زبان میں بات کرتا حضرت یوسفؑ اسی زبان میں جواب دیتے۔حالانکہ ان کی عمر کل تیس سال تھی۔جس میں سے تیرہ سال کی مدت تو زلیخا کے یہاں اور قید تنہائی میں گزری تھی۔غرضیکہ کمسنی کے باوجود اس کمال کو دیکھ کر بادشاہ تو فریفتہ ہو گیا۔

اجعلنی عہدہ کی طلب یا تو وحی الٰہی سے کی ہوگی یا ضرورت کے موقعہ پر منصب کی طلب جائز ہے۔**فی الارض** مصر کی حدود چالیس میل مربع تھی۔

فروجه کہا جاتا ہے کہ اپنے شوہر کے مرنے کے بعد زلیخا دنیا کے عیش سے الگ تھلگ ہوگئی تھی اور اپنا برا حال کر لیا تھا۔ حضرت یوسفؑ کے انتظار دید میں سرراہ کھڑی رہتی۔مگر حضرت یوسفؑ کی ملاقات نہ ہونے سے تنگ دل رہتی۔بتوں کی نذر و نیاز سے بھی جب کام نہ چلا تو ان بتوں پر بھی لات ماری اور اللہ کی طرف رجوع ہوگئی۔آخر کار یوسف علیہ السلام تک رسائی ہوئی۔اس کی اس شکستہ حالی سے وہ بھی ملول و متاثر ہوئے۔پوچھا کیا چاہتی ہے؟ کہنے لگی کہ تمہارے فراق میں میری جوانی لٹ گئی اور میری آنکھیں چلی گئیں۔دعا کیجئے کہ میرا حسن و جمال اور شباب واپس آجائے اور پھر آپؑ سے شادی کی آرزو ہے۔چنانچہ یہ سب مرادیں پوری ہوئیں۔

اخوة یوسف چونکہ غلہ آنے والے کو ملتا تھا۔غائب اور غیر حاضر لوگوں کے نام سے نہیں دیا جاتا تھا۔اس لئے ایک دم دس بھائی آئے تاکہ غلہ کی مقدار کافی ہاتھ لگے۔

لا یعرفونه تقریباً چالیس سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔نیز خلاف توقع حضرت یوسفؑ میں غیر معمولی تغیر پیش آچکا تھا۔پھر شاہی رعب و ہیبت الگ۔ان سب وجوہ سے بھائی پہچان نہیں سکے۔

اجعلوا بضاعتھم تاکہ حضرت یوسفؑ کی بخشش ظاہر ہو سکے اور دوبارہ آنے میں سہولت ہو سکے اور یہ خیال ہوا ہوگا کہ قحط کا زمانہ ہے ممکن ہے والد کے پاس اخراجات نہ ہوں۔نیز بے منت حسن سلوک کرنا ہوگا یا بھائیوں سے قیمت لینا پسند نہیں کیا ہوگا اور یا ان کی دیانت و امانت پر اعتماد کر کے یہ کارروائی کی ہوگی۔

ابواب متفرقة چاروں طرف شہر پناہ کے دروازے مراد ہیں۔

لئلا تصیبکم العین اہل سنت کے نزدیک نظر بد میں بھی تلوار اور زہر کی طرح تاثیر ہوتی ہے۔گویا یہ بھی سبب عادی ہے اور فلاسفہ کی رائے یہ ہے کہ بدنظر شخص کی نگاہ سے زہریلی شعاع برآمد ہو کر جس چیز پر پڑتی ہے۔وہ ہلاک ہو جاتی ہے تو گویا بدنظری میں بالذات تاثیر ہوتی ہے۔لیکن ان کا خیال غلط اور گمراہی ہے۔**الاحاجة** یہ استثناء منقطع ہے بمعنی لکن ان لم یکن تعرفھم دافعا عنھم من قدر اللّٰہ شیئا لکن حاجة فی نفس یعقوب۔

﴿ تشریح ﴾:.............**حضرت یوسفؑ کی برأت اور بادشاہ مصر کی درخواست**:.............حضرت یوسف علیہ السلام کے اس اہتمام برأت سے معلوم ہوا کہ تہمت اور الزام کے صاف کرنے میں کوشش کرنا مطلوب چیز ہے احادیث سے بھی اس کی

مطلوبیت معلوم ہوتی ہے۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ غیبت سے بچتے ہیں۔ اپنا دل بھی تشویش سے محفوظ رہتا ہے۔ اور عزیز مصر کو اگرچہ برأت سے پہلے معلوم تھی۔ تاہم اس یقین کو مضبوط کرنا اور عوام کی بدنامی سے بچنا مزید مصلحت تھی۔ جب تحقیقات کا نتیجہ ظاہر ہو گیا تو حضرت یوسفؑ بادشاہ سے ملنے کے لئے تیار ہو گئے۔ کیونکہ اب ان کی رہائی بادشاہ کی بخشش نہ رہی تھی۔ بلکہ ان کا اپنا حق ہو گئی۔ اس معاملہ نے بادشاہ کا اشتیاق اور زیادہ کر دیا۔ اس نے خیال کیا جس شخص کی راست بازی، امانت داری اور وفائے عہد کا حال یہ ہے۔ تو اس سے بڑھ کر مملکت کے کاموں کے لئے اور کون موزوں ہو سکتا ہے؟ اس لئے کہا کہ فوراً میرے پاس لاؤ۔ میں اسے اپنے کاموں کے لئے خالص کرلوں گا۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ آئے اور پہلی ہی ملاقات میں بادشاہ اس درجہ مسخر ہوا کہ بول اٹھا کہ مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے۔ تم میری نگاہ میں بڑا مقام رکھتے ہو۔ مجھے بتلاؤ اس آنے والی مصیبت سے جس کی تعبیر خواب میں دی گئی ہے مملکت کیوں کر بچائی جا سکتی ہے؟

حضرت یوسفؑ نے کہا۔ اس طرح کہ ملک کی آمدنی کے تمام وسائل میرے ماتحت کر دیئے جائیں۔ میں علم وبصیرت کے ساتھ اس کی حفاظت کر سکتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ جب کسی کام کی لیاقت اپنے اندر منحصر دیکھے اور مقصود نفع رسانی ہو، نفس پروری پیش نظر نہ ہو تو خود اس کی درخواست کرنا بھی جائز ہے، غرضیکہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت یوسفؑ جب دربار سے نکلے تو تمام مملکت مصر کے حکمران اور مختار تھے۔

تورات کا بیان: .... تورات میں ہے کہ فرعون نے یوسفؑ کی باتیں سن کر درباریوں سے کہا۔ ہم ایسا آدمی کہاں پا سکتے ہیں جیسا یہ ہے۔ جس میں خدا کی روح بول رہی ہے؟ پھر یوسفؑ سے کہا دیکھو میں نے ساری زمین مصر پر تجھے حکومت بخشی۔ صرف ایک تخت نشینی ہی میں میں تجھ سے اوپر رہوں گا۔ بادشاہ نے اپنی انگوٹھی اتار کر یوسفؑ کو پہنا دی اور گلے میں سونے کا طوق ڈالا اور کتان کا لباس عطا کیا اور اپنی رتھ سواری کو دی۔ کہ شاہی رتھوں میں دوسری رتھ تھی۔ پھر جب وہ نکلا تو اس کے آگے آگے نقیب پکارتے تھے ''سب ادب سے رہو'' اور فرعون نے حکم دیا کہ یوسفؑ کو صاحب مملکت کے نام سے یاد کیا جائے۔

حضرت یوسفؑ کی زندگی کے دو دور: .... حضرت یوسفؑ کی مصری زندگی کے دو انقلاب انگیز نقطے تھے ایک وہ جب غلام ہو کر بکے اور پھر عزیز کی نظروں میں ایسے معزز ہوئے کہ اس علاقہ کے مختار ہو گئے۔ دوسرا دور یہ کہ قید خانہ سے نکلے اور نکلتے ہی وہاں پہنچ گئے۔ جہاں حکمران کی مسند جلال پر جلوہ آرا نظر آئے۔ پس جب پہلے انقلاب تک سرگذشت پہنچی تھی۔ تو آیت **کذٰلك مکّنّا لیوسف فی الارض** میں حکمت الٰہی کی کرشمہ سنجیوں پر توجہ دلائی گئی تھی اور دوسرا انقلاب پیش آیا تو اسی طرح آیت **کذٰلك مکّنّا لیوسف فی الاض** فرمایا گیا ہے اور **لا نضیع اجر المحسنین** میں یہ بتلانا ہے کہ ہمارے قانون میں نیک عملی کا بیج کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ ضروری ہے کہ پھل لائے۔

بہر حال پہلے سات سال بڑھتی کے گزرے اور جو تدبیر تجویز کی تھی۔ اسی کے مطابق انہوں نے غلہ کے ذخیرے جمع کر لئے پھر جب قحط کے سال شروع ہوئے تو وہی ذخیرے کام میں لائے گئے اور حکومت کی جانب سے غلہ تقسیم ہونے لگا۔ تورات میں ہے کہ ''تمام روئے زمین پر کال پڑ گیا تھا'' یعنی مصر کے تمام اطراف وجوانب قحط کی لپیٹ میں آ گئے۔ حضرت یوسفؑ کی بخشش کا غلغلہ دور دور پہنچا تو ان کے بھائی بھی کنعان سے غلہ کی فراہمی کے لئے آئے اور اس طرح اس سرگذشت کا آخری باب اپنی عجیب وغریب عبرتوں اور نصیحتوں کے ساتھ ظاہر ہونا شروع ہوا حضرت یوسفؑ انہیں دیکھتے ہی پہچان گئے۔ لیکن وہ کیوں کر پہچان سکتے تھے؟ کیونکہ

اول تو یوسفؑ جب گھر سے جدا ہوئے سترہ برس کے تھے اور اب چالیس کے لگ بھگ عمر تھی۔ پھر اس بات کا کسے گمان ہوسکتا تھا۔ کہ چند سکوں کا بکا ہوا غلام مصر کا حکمران ہوگا۔ حضرت یوسفؑ نے جب انہیں دیکھا ہوگا تو گھر کا سارا نقشہ نگاہوں کے سامنے گھوم گیا ہوگا اس لئے کھود کھود کر ان سے گھر کے حالات پوچھے اور چلتے وقت کہا کہ اگر پھر آنا ہو تو یاد رکھنا اب کے میں غلہ جبھی دوں گا کہ اپنے بھائی بنیامین کو بھی ساتھ لاؤ۔

تورات کا بیان: .... تورات میں ہے کہ یہ صورت اس طرح پیش آئی کہ یوسفؑ نے انہیں جاسوس کہا تھا۔ جب انہوں نے اپنی بریت میں اپنے گھرانے کے حالات سنائے تو ان کی بات پکڑ لی اور کہا کہ تم کہتے ہو تمہارا ایک بھائی اور بھی ہے؟ اچھا اسے بھی اپنے ساتھ لاؤ تا کہ تمہارے بیان کی تصدیق ہوجائے اور اس وقت تک کے لئے ایک آدمی یہاں چھوڑ جاؤ۔

تقدیر پر تدبیر غالب نہ آسکی: .... ممکن ہے اسی جاسوسی کے شبہ کی وجہ سے حضرت یعقوبؑ نے بھائیوں کو نصیحت کی ہو کہ ایک ہی راستہ سے مصر میں مت داخل ہونا ورنہ کہیں مصریوں کے شبہ کو مزید تقویت نہ ہوجائے۔ لیکن جو کچھ پیش آنے والا تھا وہ دوسرا ہی معاملہ تھا۔ جاسوسی کی بناء پر نہیں بلکہ ایک دوسری مصلحت کی بناء پر بنیامین کو روک لیا اور جس بات کی احتیاط کی تھی وہی پیش آگئی اور یہ احتیاط کچھ کام نہ دے سکی۔ ہاں حضرت یعقوبؑ نے ایک خطرہ محسوس کیا تھا۔ سو اپنی جگہ اس کی پیش بندی کر لی۔ پھر آگے ان کے علم ودانشمندی کا بھی اظہار کر دیا۔ تا کہ واضح ہوجائے۔ انہوں نے جو احتیاط کی تھی وہ گو کام نہ دے سکی لیکن یہ قصور علم کی وجہ سے نہیں ہوا۔ علم کا تقاضا تو یہی تھا کہ تدبیر واحتیاط میں کمی نہ کرتے اور پھر سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیتے جیسا کہ فی الحقیقت انہوں نے کیا۔

اشکالات وجوابات: .... یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے جس طرح اپنے بھائی بنیامین کے بلانے کی تدبیر کی۔ اپنے والدین کے بلانے کا اہتمام کیوں نہیں کیا۔ چاہے صاف طور سے اپنے حال کی اطلاع کر کے یا کسی دوسری تدبیر سے؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے آپ کو وحی سے معلوم ہوگیا کہ ابھی ملاقات مقدر نہیں یا دوسری کوئی مصلحت سامنے ہو اس لئے کوشش نہیں کی۔ رہا یہ شبہ کہ حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ مشہور ہونے کے باوجود پھر کیسے ایک دوسرے پر مخفی رہے؟ جواب یہ ہے کہ کسی مصلحت کے پیش نظر قضاء وقدر کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔

البتہ یہ شبہ کہ حضرت یعقوبؑ کو جب ان بیٹوں کا ایک دفعہ حضرت یوسفؑ کے بارے میں تجربہ ہو چکا تھا پھر بنیامین کو خطرہ میں کیوں ڈالا؟

جواب یہ ہے کہ نہ بھیجنے کی صورت میں غلہ نہ ملتا۔ اس لئے نقصان یقینی تھا اور بھیجنے کی صورت میں نقصان محتمل تھا۔ اس لئے آپ نے احتمالی نقصان کو یقینی پر ترجیح دی اور قسم وغیرہ سے اس محتمل نقصان کا تدارک بھی کرنا چاہا۔ غرضیکہ ان کا بھیجنا جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہوگیا۔

ایک شبہ یہ بھی ہے کہ پہلی دفعہ جب یہ صاحبزادے غلہ لے گئے اس وقت حضرت یعقوبؑ نے **لا تدخلوا من باب واحد** کی نصیحت کیوں نہیں فرمائی؟

اس کے دو جواب ہیں ایک تو یہ کہ اس وقت تک مصر والے انہیں پہچانتے نہ تھے اس لئے کسی کے التفات کا شبہ بھی نہیں ہوا ہوگا۔ چہ جائیکہ نقصان پہنچتا۔ لیکن جانے پر حضرت یوسفؑ نے جو خصوصی برتاؤ کیا اس سے لوگوں کی نظریں پڑنے لگیں۔ سب شکیل دو وجیہ بھی تھے۔ جس سے نظر بد اور حسد کا احتمال تھا۔ پھر جاسوسی کا شبہ بھی ڈالا جا چکا تھا۔ اس لئے کافی احتیاط سے کام لیا گیا۔ دوسرے یہ

کہ زیادہ مقصود بنیامین کی حفاظت تھی۔ اس دفعہ وہ ساتھ تھے اور پہلی بار وہ نہیں گئے تھے۔

تقدیر کے سامنے تدبیر کی کچھ پیش نہ چل سکی: .... آیت ماکان یغنی الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کی تدبیر مفید نہیں رہی۔ حالانکہ نظر بد اور حسد وغیرہ نقصانات سے یقیناً بچت رہی۔ جس سے معلوم ہوا کہ نفع ہوا؟

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ نافع نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت یعقوبؑ کا مقصود اصلی جو یہ تھا کہ ان پر کسی بھی طرح کا کوئی حادثہ نہ آئے بالکل محفوظ وسلامت رہیں۔ حسد وغیرہ کی تخصیص مقصود نہیں تھی اور اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوتی۔ چنانچہ ان کے ذہن میں وہی باتیں آئیں جو واقع ہونے والی نہیں تھیں اور ان ہی کی تدبیریں بتلا دیں۔ لیکن جو باتیں مقدر تھیں وہ ذہن ہی میں نہ آئیں اور واقع ہو گئیں۔ پس تدبیر کا نافع نہ ہونا بلحاظ مقصود اصلی کے صحیح ہوا۔

اور لا تدخلوا الخ سے مقصد اس قول کا نقل کرنا یا ایسی تدبیروں کی ترغیب دینا نہیں ہے۔ بلکہ اس شبہ کا جواب دینا ہے کہ ایسی تدابیر نبوت کی شان کے خلاف نہیں ہیں کیونکہ ان کو مؤثر حقیقی نہیں سمجھا گیا۔ اور توکل کے ساتھ تدبیر کرنا شان نبوت کے منافی نہیں ہے۔ ہاں اگر نظر بد کوئی چیز نہ ہوتی۔ پھر بھی شبہ ہو سکتا تھا۔ لیکن جب نقلی دلیل اور تجربہ سے اس کا مؤثر ہونا ثابت ہے تو اب بالکل شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔

لطائف آیات: .... آیت اجعلنی علی خزآئن الارض الخ سے معلوم ہوا کہ کسی منصب اور عہدہ کی درخواست سے اگر اپنا کوئی نقصان نہ ہو بلکہ دوسروں کا نفع ہو تو یہ خلاف کمال نہیں ہے۔

آیت الا ترون انیّ اوفی الکیل الخ سے معلوم ہوا کہ اگر اپنی تعریف مقصود نہ ہو بلکہ کوئی مصلحت پیش نظر ہو تو اپنی خوش معاملگی کو ظاہر کرنا خلاف تواضع نہیں ہے۔

آیت لن ارسلہ الخ سے معلوم ہوا کہ جائز تدبیر خلاف توکل نہیں ہے۔

آیت کذلک کدنا الخ سے معلوم ہوا کہ کامل شخص کے افعال افعال حق کے مظہر ہوتے ہیں۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰیٓ ضَمَّ **اِلَیْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ** تَحزَنْ **بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ** ﴿۶۹﴾ مِنَ الْحَسَدِ لَنَا وَاَمَرَهُ اَنْ لَا یُخبِرَهُمْ وَتَوَاطَأَ مَعَهُ عَلٰی اَنَّهُ سَیَحْتَالُ عَلٰی اَنْ یُّبْقِیَهُ عِندَهُ **فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَایَةَ** هِیَ صَاعٌ مِنْ ذَهَبٍ مُرَصَّعٍ بِالْجَوَاهِرِ **فِیْ رَحْلِ اَخِیْهِ** بِنیَامِینَ **ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ** نَادٰی مُنَادٍ بَعْدَ اِنفِصَالِهِمْ عَنْ مجلِسِ یُوْسُفَ **اَیَّتُهَا الْعِیْرُ** اَلْقَافِلَةُ **اِنَّکُمْ لَسٰرِقُوْنَ** ﴿۷۰﴾ **قَالُوْا وَ** قَدْ **اَقْبَلُوْا عَلَیْهِمْ مَّاذَا** مَا الَّذِی **تَفْقِدُوْنَ** ﴿۷۱﴾ **قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ** صَاعَ **الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِیْرٍ** مِنَ الطَّعَامِ **وَّاَنَا بِهٖ** بِالْحِمْلِ **زَعِیْمٌ** ﴿۷۲﴾ کَفِیلٌ **قَالُوْا تَاللّٰهِ** قَسَمٌ فِیهِ بِمَعْنَی التَّعَجُّبِ **لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ وَمَا کُنَّا سٰرِقِیْنَ** ﴿۷۳﴾ مَاسَرَقْنَا قَطُّ **قَالُوْا** اَیِ الْمُؤَذِّنُ وَاَصْحَابُهُ **فَمَا جَزَآؤُهٗٓ** اَیِ السَّارِقِ **اِنْ کُنْتُمْ کٰذِبِیْنَ** ﴿۷۴﴾ فِی قَوْلِکُمْ مَاکُنَّا سَارِقِینَ وَوُجِدَ فِیکُمْ **قَالُوْا جَزَآؤُهٗ**

مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ **مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ** يُسْتَرَقُّ ثُمَّ اَكَّدَ بِقَوْلِهٖ **فَهُوَ** اَیِ السَّارِقُ **جَزَآؤُهٗ** اَیِ الْمَسْرُوْقُ لَا غَيْرُ وَكَانَتْ سُنَّةُ اٰلِ يَعْقُوْبَ **كَذٰلِكَ** الْجَزَاءِ **نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ** ﴿۷۵﴾ بِالسَّرِقَةِ فَصُرِفُوْا اِلٰی يُوْسُفَ لِتَفْتِيْشِ اَوْعِيَتِهِمْ **فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ** فَفَتَّشَهَا **قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْهِ** لِئَلَّا يُتَّهَمَ **ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا** اَیِ السِّقَايَةَ **مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْهِ** قَالَ تَعَالٰی **كَذٰلِكَ** الْكَيْدِ **كِدْنَا لِیُوْسُفَ** عَلَّمْنَاهُ الْاِحْتِيَالَ فِیْ اَخْذِ اَخِيْهِ **مَا كَانَ** يُوْسُفُ **لِیَاْخُذَ اَخَاهُ** رَقِيْقًا عَنِ السَّرِقَةِ **فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ** حُكْمِ مَلِكِ مِصْرَ لِاَنَّ جَزَآؤُهُ عِنْدَهُ الضَّرْبُ وَتَغْرِيْمُ مِثْلَيِ الْمَسْرُوْقِ لَا الْاِسْتِرْقَاقُ **اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ** اَخْذَهُ بِحُكْمِ اَبِيْهِ اَیْ لَمْ يَتَمَكَّنْ مِنْ اَخْذِهٖ اِلَّا بِمَشِيَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰی بِاِلْهَامِهٖ سُؤَالَ اِخْوَتِهٖ وَجَوَابَهُمْ بِسُنَّتِهِمْ **نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ** بِالْاِضَافَةِ وَالتَّنْوِيْنِ فِی الْعِلْمِ كَيُوْسُفَ **وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ** مِنَ الْمَخْلُوْقِيْنَ **عَلِیْمٌ** ﴿۷۶﴾ اَعْلَمُ مِنْهُ حَتّٰی يَنْتَهِیَ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی **قَالُوْٓا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ** اَیْ يُوْسُفُ وَكَانَ سَرَقَ لِاَبِیْ اُمِّهٖ صَنَمًا مِنْ ذَهَبٍ فَكَسَّرَهُ لِئَلَّا يَعْبُدَهُ **فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ وَلَمْ یُبْدِهَا** يُظْهِرْهَا **لَهُمْ** وَالضَّمِيْرُ لِلْكَلِمَةِ الَّتِیْ فِیْ قَوْلِهٖ **قَالَ** فِیْ نَفْسِهٖ **اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا** مِنْ يُوْسُفَ وَاَخِيْهِ لِسَرِقَتِكُمْ اَخَاكُمْ مِنْ اَبِيْكُمْ وَظُلْمِكُمْ لَهُ **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ** عَالِمٌ **بِمَا تَصِفُوْنَ** ﴿۷۷﴾ تَذْكُرُوْنَ فِیْ اَمْرِهٖ **قَالُوْا یٰٓاَیُّهَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَیْخًا كَبِیْرًا** يُحِبُّهُ اَكْثَرَ مِنَّا وَيَتَسَلّٰی بِهٖ عَنْ وَلَدِهِ الْهَالِكِ وَيَحْزُنُهُ فِرَاقُهُ **فَخُذْ اَحَدَنَا** اسْتَعْبِدْهُ **مَكَانَهٗ** بَدَلًا مِنْهُ **اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ** ﴿۷۸﴾ فِیْ اَفْعَالِكَ **قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ** نَصَبٌ عَلَی الْمَصْدَرِ حُذِفَ فِعْلُهُ وَاُضِيْفَ اِلَی الْمَفْعُوْلِ اَیْ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ **اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ** لَمْ يَقُلْ مَنْ سَرَقَ تَحَرُّزًا مِنَ الْكَذِبِ **اِنَّآ اِذًا** اِنْ اَخَذْنَا غَيْرَهُ **لَّظٰلِمُوْنَ** ﴿۷۹﴾ **فَلَمَّا اسْتَیْئَسُوْا** يَئِسُوْا **مِنْهُ خَلَصُوْا** اِعْتَزَلُوْا **نَجِیًّا** مَصْدَرٌ يَصْلُحُ لِلْوَاحِدِ وَغَيْرِهٖ اَیْ يُنَاجِیْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا **قَالَ كَبِیْرُهُمْ** سِنًّا رُوْبِيْلُ اَوْرَأْيًا يَهُوْدَا **اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَیْكُمْ مَّوْثِقًا** عَهْدًا **مِّنَ اللّٰهِ** فِیْ اَخِيْكُمْ **وَمِنْ قَبْلُ مَا** زَائِدَةٌ **فَرَّطْتُّمْ فِیْ یُوْسُفَ** وَقِيْلَ مَا مَصْدَرِيَّةٌ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ مِنْ قَبْلُ **فَلَنْ اَبْرَحَ** اُفَارِقَ **الْاَرْضَ** اَرْضَ مِصْرَ **حَتّٰی یَاْذَنَ لِیْٓ اَبِیْٓ** بِالْعَوْدِ اِلَيْهِ **اَوْ یَحْكُمَ اللّٰهُ لِیْ** بِخَلَاصِ اَخِیْ **وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ** ﴿۸۰﴾ اَعْدَلُهُمْ **اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓی اَبِیْكُمْ فَقُوْلُوْا یٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَآ** عَلَيْهِ **اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا** تَيَقُّنًا مِنْ مُشَاهَدَةِ الصَّاعِ فِیْ رَحْلِهٖ **وَمَا كُنَّا لِلْغَیْبِ** لِمَا غَابَ عَنَّا حِيْنَ اِعْطَاءِ الْمُوْثِقِ **حٰفِظِیْنَ** ﴿۸۱﴾ وَلَوْ عَلِمْنَا اَنَّهُ يَسْرِقُ لَمْ نَاْخُذْهُ **وَسْـَٔلِ الْقَرْیَةَ الَّتِیْ كُنَّا فِیْهَا** هِیَ مِصْرُ اَیْ

ع ۹ / ۳

اَرْسِلُ اِلٰی اَھْلِھَا فَاسْأَلْھُمْ **وَالْعِیْرَ** اَیْ اَصْحَابَ الْعِیْرِ **الَّتِیْٓ اَقْبَلْنَا فِیْھَا** وَھُمْ قَوْمٌ مِنْ کَنْعَانَ **وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ** ﴿۸۲﴾ فِیْ قَوْلِنَا فَرَجَعُوْا اِلَیْهِ وَقَالُوْا لَهٗ ذٰلِكَ **قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ** زَیَّنَتْ **لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا** فَفَعَلْتُمُوْهُ اتَّهَمَهُمْ لِمَا سَبَقَ مِنْهُمْ فِیْ اَمْرِ یُوْسُفَ **فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ** صَبْرِیْ **عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِهِمْ** بِیُوْسُفَ وَاَخَوَیْهِ **جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ** بِحَالِیْ **الْحَکِیْمُ** ﴿۸۳﴾ فِیْ صُنْعِهٖ **وَتَوَلّٰی عَنْهُمْ** تَارِکًا خِطَابَهُمْ **وَقَالَ یٰٓاَسَفٰی** اَلْاَلِفُ بَدَلٌ مِنْ یَاءِ الْاِضَافَةِ اَیْ یَاحُزْنِیْ **عَلٰی یُوْسُفَ وَابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ** اُنْمُحِقَ سَوَادُهُمَا وَبُدِّلَ بَیَاضًا مِنْ بُکَائِهٖ **مِنَ الْحُزْنِ** عَلَیْهِ **فَهُوَ کَظِیْمٌ** ﴿۸۴﴾ مَغْمُوْمٌ مَکْرُوْبٌ لَا یُظْهِرُ کَرْبَهٗ **قَالُوْا تَاللّٰهِ** لَا **تَفْتَؤُا** تَزَالُ **تَذْکُرُ یُوْسُفَ حَتّٰی تَکُوْنَ حَرَضًا** مُشْرِفًا عَلَی الْهَلَاكِ لِطُوْلِ مَرَضِكَ وَهُوَ مَصْدَرٌ یَسْتَوِیْ فِیْهِ الْوَاحِدُ وَغَیْرُهٗ **اَوْ تَکُوْنَ مِنَ الْهٰلِکِیْنَ** ﴿۸۵﴾ اَلْمَوْتٰی **قَالَ** لَهُمْ **اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ** هُوَ عَظِیْمُ الْحُزْنِ الَّذِیْ لَا یَصْبِرُ عَلَیْهِ حَتّٰی یُبَثَّ اِلَی النَّاسِ **وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰهِ** لَا اِلٰی غَیْرِهٖ فَهُوَ الَّذِیْ تَنْفَعُ الشَّکْوٰی اِلَیْهِ **وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ** ﴿۸۶﴾ مِنْ اَنَّ رُؤْیَا یُوْسُفَ صَدَقَ وَهُوَ حَیٌّ ثُمَّ قَالَ **یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ** اُطْلُبُوْا خَبَرَهُمَا **وَلَا تَایْئَسُوْا** تَقْنَطُوْا **مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ** رَحْمَتِهٖ **اِنَّهٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ** ﴿۸۷﴾ فَانْطَلَقُوْا نَحْوَ مِصْرَ لِیُوْسُفَ **فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَیْهِ قَالُوْا یٰٓاَیُّهَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ** اَلْجُوْعُ **وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ** مَدْفُوْعَةٍ یَدْفَعُهَا کُلُّ مَنْ رَاٰهَا لِرَدَاءَتِهَا وَکَانَتْ دَرَاهِمَ زُیُوْفًا اَوْ غَیْرَهَا **فَاَوْفِ** اَتِمَّ **لَنَا الْکَیْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَیْنَا** بِالْمُسَامَحَةِ عَنْ رَدَاءَةِ بِضَاعَتِنَا **اِنَّ اللّٰهَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ** ﴿۸۸﴾ یُثِیْبُهُمْ فَرَقَّ عَلَیْهِمْ وَاَدْرَکَتْهُ الرَّحْمَةُ وَرَفَعَ الْحِجَابَ بَیْنَهٗ وَبَیْنَهُمْ ثُمَّ **قَالَ** لَهُمْ تَوْبِیْخًا **هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِیُوْسُفَ** مِنَ الضَّرْبِ وَالْبَیْعِ وَغَیْرِ ذٰلِكَ **وَاَخِیْهِ** مِنْ هَضْمِکُمْ لَهٗ بَعْدَ فِرَاقِ اَخِیْهِ **اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ** ﴿۸۹﴾ مَا یَؤُلُ اِلَیْهِ اَمْرُ یُوْسُفَ **قَالُوْٓا** بَعْدَ اَنْ عَرَفُوْهُ لِمَا ظَهَرَ مِنْ شَمَائِلِهٖ مُتَثَبِّتِیْنَ **ءَ اِنَّكَ** بِتَحْقِیْقِ الْهَمْزَتَیْنِ وَتَسْهِیْلِ الثَّانِیَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَیْنَهُمَا عَلَی الْوَجْهَیْنِ **لَاَنْتَ یُوْسُفُ قَالَ اَنَا یُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِیْ قَدْ مَنَّ** اَنْعَمَ **اللّٰهُ عَلَیْنَا** بِالْاِجْتِمَاعِ **اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ** یَخَفِ اللّٰهَ **وَیَصْبِرْ** عَلٰی مَا یَنَالُهٗ **فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ** ﴿۹۰﴾ فِیْهِ وُضِعَ الظَّاهِرُ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ **قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ** فَضَّلَكَ **اللّٰهُ عَلَیْنَا** بِالْمُلْكِ وَغَیْرِهٖ **وَاِنْ** مُخَفَّفَةٌ اَیْ اِنَّا **کُنَّا لَخٰطِئِیْنَ** ﴿۹۱﴾ اٰثِمِیْنَ فِیْ اَمْرِكَ فَاَذَلَّنَا لَكَ **قَالَ لَا تَثْرِیْبَ** عَتْبَ **عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ** خَصَّهٗ بِالذِّکْرِ لِاَنَّهٗ مَظَنَّةُ التَّثْرِیْبِ فَغَیْرُهٗ اَوْلٰی **یَغْفِرُ اللّٰهُ لَکُمْ**

وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَسَأَلَهُمْ عَنْ اَبِيْهِ فَقَالُوْا ذَهَبَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا وَهُوَ قَمِيْصُ اِبْرَاهِيْمَ الَّذِيْ لَبِسَهٗ حِيْنَ اُلْقِيَ فِي النَّارِ كَانَ فِيْ عُنُقِهٖ فِي الْجُبِّ وَهُوَ مِنَ الْجَنَّةِ اَمَرَهٗ جِبْرَئِيْلُ بِارْسَالِهٖ لَهٗ وَقَالَ اِنَّ فِيْهِ رِيْحَهَا وَلَا يُلْقٰى عَلٰى مُبْتَلًى اِلَّا عُوْفِيَ فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ يَصِرْ بَصِيْرًا وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ .... اور جب بھائی یوسفؑ کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس بٹھالیا (ٹھیرالیا) کہنے لگے میں تیرا بھائی ہوں۔ پس جو کچھ انہوں نے (ہمارے ساتھ حسد) کیا ہے اس پر رنج (غم) مت کرنا۔ (اور بنیامین کو یہ حال بھائیوں کو بتانے سے منع کر دیا اور بنیامین کو اس پر آمادہ کرلیا کہ اسے اپنے پاس رکھنے کے لئے ایک حیلہ کروں گا) پھر جب یوسفؑ نے ان لوگوں کی روانگی کے لئے سامان تیار کر دیا۔ تو اپنا کٹورہ (جو سونے کا بنا ہوا اور جواہر جڑا ہوا تھا) اپنے بھائی (بنیامین) کے بورے میں رکھ دیا۔ پھر ایک اعلانچی نے اعلان کر دیا (حضرت یوسفؑ کی مجلس سے روانگی کے بعد ایک پکارنے والے نے پکارا) اے قافلہ والو! ہو نہ ہو تم ہی چور ہو۔ وہ پکارنے والے کی طرف پھرے اور پوچھا تمہاری کیا چیز کھوگئی ہے؟ شاہی پیادوں نے کہا ہمیں شاہی پیمانہ نہیں ملتا۔ جو شخص اسے لا حاضر کرے اسے ایک اونٹ بوجھ (غلہ) انعام ملے گا اور میں اس (انعام) کا ضامن (ذمہ دار) ہوں انہوں نے کہا اللہ جانتا ہے (اس قسم میں تعجب کے معنی ہیں) ہم یہاں اس لئے نہیں کہ ملک میں شرارت کریں اور کبھی ہمارا شیوہ یہ نہیں رہا ہے کہ چوری کریں (ہم نے کبھی بھی چوری نہیں کی ہے) کارندوں (اعلانچی اور اس کے ساتھیوں) نے کہا اچھا اگر تم جھوٹے نکلے (اپنے چوری نہ کرنے کے دعویٰ میں کہ تمہارے پاس سے مال برآمد ہو جائے) تو اس (چور) کی سزا کیا ہونی چاہئے؟ انہوں نے جواب دیا چور کی سزا (یہ مبتداء ہے خبر آگے ہے) یہ ہے کہ جس کی بوری میں چوری کا مال نکلے (چرایا ہوا مال برآمد ہو۔ اگلا جملہ اس کی تاکید ہے) وہ (چور) آپ اپنی سزا میں پکڑا جائے (چوری کی پاداش میں خود اسی کو پکڑا جائے کسی دوسرے کو نہیں اور حضرت یعقوبؑ کے یہاں کا یہی قانون تھا) اسی (سزا) کی طرح ہم ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں (جو چوری کر کے ظلم کرتے ہیں اس کے بعد ان سب کی تلاشی کے لئے حضرت یوسفؑ کے سامنے جا کر حاضر کیا) پس دوسرے بھائیوں کی تلاشی لی اپنے بھائی کی تلاشی سے پہلے (تاکہ کسی قسم کا شبہ نہ رہے) پھر ان کے بھائی کی بوری سے (پیالہ) نکال لیا (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اسی طرح (کی تدبیر) ہم نے یوسفؑ کے لئے کی ہے (اپنے بھائی کے رکھنے کا حیلہ ہم نے یوسفؑ کو بتلایا) یوسفؑ اپنے بھائی کو (چوری کی سزا میں غلام بنا کر) بادشاہ کے قانون کی رو سے روک نہیں سکتے تھے (کیونکہ مصری قانون کے اعتبار سے چوری کی سزا میں پٹائی ہوتی تھی اور چوری کے سامان کے برابر تاوان لیا جاتا تھا۔ غلام نہیں بنایا جاتا تھا) مگر ہاں اس صورت میں کہ اللہ کو نکال دینا منظور ہوتا (ان کے آبائی قانون کی رو سے یعنی بھائی کو روکنے پر یوسفؑ قادر نہیں تھے جب تک اللہ بھائیوں کو سوال کا الہام اور اپنے طریقہ کے مطابق جواب دلانا نہ چاہتے) ہم جسے چاہتے ہیں بلند درجوں تک پہنچا دیتے ہیں (لفظ درجات اضافت اور تنوین کے ساتھ ہے اور ہم یوسفؑ کی طرح جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں اور (مخلوق میں) ہر علم والے کے اوپر ایک علم والی ہستی ہے (جو پہلے سے بڑھ چڑھ کر ہوتی ہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ حق تعالیٰ پر جا کر ختم ہو جاتا ہے) بھائی کہنے لگے کہ اس نے چوری کی تو اس سے پہلے اس کا سگا بھائی بھی چوری کر چکا ہے (یعنی یوسفؑ جنہوں نے اپنے نانا کا بت چرا کر توڑ ڈالا تھا تاکہ اس کی پوجا نہ ہو سکے) پس یوسفؑ نے یہ بات اپنے دل میں رکھ لی ان پر ظاہر نہ کی اور یبدھا کی ضمیر اس بات کی طرف

راجع ہے جوانہوں نے اپنے دل میں انتم شر مکانا کہا تھا) کہ اس درجہ میں تو تم اور زیادہ برے ہوئے (بہ نسبت یوسفؑ اور اس کے بھائی کے کیونکہ تم نے تو اپنے باپ کی چوری کی اور بھائی کو چرایا اور اس پر ظلم کیا) اور جو کچھ تم یہاں کر رہے ہو اللہ ہی اسے بہتر جاننے والا ہے۔ بھائی بولے ''اے عزیز! ان کے باپ بہت بوڑھے ہیں (ہم میں سب سے زیادہ اس سے محبت کرتے ہیں اور اپنے تلف ہوئے ہوئے بچہ کا غم اسے دیکھ کر ہلکا کر لیتے ہیں۔ اب اس کے نہ ہونے سے اور زیادہ غمگین ہوں گے) پس ان کی جگہ ہم میں سے کسی کو (ان کے بدلہ) رکھ لیجئے (غلام بنا لیجئے) ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ہی نیک مزاج ہیں (کردار میں) یوسفؑ نے کہا خدا کی پناہ (مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے یہ لفظ منصوب ہے۔ اس کا فعل محذوف ہے اور اس کی اضافت مفعول کی طرف ہو رہی ہے (یعنی نعوذ باللہ) ہم اس آدمی کو چھوڑ کر جس کے پاس ہمارا سامان نکلا۔ دوسرے کو پکڑ لیں (یہاں سامان پانا کہا ہے جھوٹ سے بچنے کے لئے) اگر ایسا کریں (کہ دوسرے کو پکڑ لیں) تو ہم ظالم ٹھہرے گے) پھر جب یہ بھائی یوسفؑ کی جانب سے مایوس ہو گئے تو علیحدہ ہو کر آپس میں مشورہ کرنے لگے (یہ مصدر ہے واحد اور غیر واحد سب کے لئے آتا ہے یعنی باہم مشورہ کرنے لگے) ان سب میں جو بڑا تھا (عمر کے لحاظ سے روبیل اور بہ لحاظ عقل یہودا) کہنے لگا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ تم سے خدا کی قسم کھلا کر (تمہارے بھائی کے بارہ میں) کیا عہد لے چکے ہیں اور اس سے پہلے یوسفؑ کے بارہ میں تم کس درجہ کوتاہی کر چکے ہو تو (بعض کے نزدیک ما مصدر یہ مبتداء ہے اور من قبل اس کی خبر ہے) سو میں تو یہاں سے (مصر سے) ٹلنے والا ہوں نہیں جب تک خود باپ مجھے (لوٹنے کا) حکم نہ دیں یا پھر اللہ میرے لئے کوئی دوسرا فیصلہ کر دیں (کہ میرے بھائی کی رہائی کی کوئی صورت کر دیں) اور وہ سب سے بہتر (عمدہ) فیصلہ کرنے والے ہیں۔ تم لوگ اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور کہو کہ ''اے ابا! آپؑ کے صاحبزادے نے چوری کی ہے اور ہم (اس کے متعلق) وہی کہہ رہے ہیں جو ہمیں معلوم ہوا ہے (اس کے بورے سے کٹورہ برآمد ہونے سے جو یقین ہمیں ہوا ہے) اور ہم غیب کی باتوں کے (عہد لینے کے وقت جو چیزیں ہمارے سامنے نہیں تھیں ان کے) تو حافظ ہیں نہیں (اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ یہ چوری کرے گا تو ہم عہد ہی نہ کرتے) اور آپؑ اس بستی سے معلوم کر لیجئے جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے (مراد مصر ہے۔ یعنی مصریوں کے پاس کسی کو بھیج کر حال دریافت کر لیجئے) اور اس قافلہ (کے آدمیوں) سے پوچھ لیجئے جن کے ساتھ ہم آئے ہیں (اور وہ کنعان کی قوم کے لوگ ہیں) اور یقین جانئے کہ ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں (یہ باتیں چنانچہ اس قرارداد کے مطابق یہ سب بھائی باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سب باتیں عرض کیں) یعقوبؑ فرمانے لگے یہ بات نہیں بلکہ اپنے دل سے تم نے ایک بات بنالی ہے (اسی کے مطابق تم کاروائی کر رہے ہو، یوسفؑ کے معاملہ پر قیاس کر کے حضرت یعقوبؑ نے ان بھائیوں کو متہم سمجھا) خیر میرے لئے صبر کے سوا چارہ نہیں، صبر بھی ایسا کہ جس میں شکایت کا نام نہ ہوگا اللہ سے امید ہے کہ ان سب کو (یوسفؑ اور اس کے بھائیوں کو) مجھ تک پہنچا دے گا۔ وہ خوب جاننے والا (میرے حال کو) اور (اپنی تدبیر میں) بڑا حکمت والا ہے۔ اور یعقوبؑ نے بیٹوں سے دوسری طرف منہ پھیر لیا (ان سے بات چیت بند کر دی) اور فرمانے لگے ہائے افسوس! (اس میں الف یائے اضافت کے بدلہ میں ہے۔ یعنی ہائے افسوس) یوسفؑ۔

اوران کی آنکھیں سفید پڑ گئیں (زیادہ رونے سے آنکھوں کی پتلیوں کی سیاہی سفیدی سے بدل گئی) شدت غم سے اور ان کا سینہ غم سے لبریز تھا (اپنے جی ہی جی میں گھٹا کرتے تھے) بیٹے کہنے لگے بخدا تم سدا کے سدا یوسفؑ کی یادگاری میں لگے رہو گے یہاں تک کہ گھل گھل کر جاں بلب ہو جاؤ گے (بیماری گھسیٹتے گھسیٹتے لب دم ہوئے جا رہے ہو (حرضا مصدر ہے اس میں واحد اور غیر واحد سب برابر ہیں) یا بالکل ہی مر جاؤ گے (ہلاک ہو جاؤ گے) یعقوبؑ نے (بیٹوں سے) فرمایا کہ میرے پہاڑ جیسے غم (اس درجہ کا رنج کہ جس پر بے صبر ہو کر لوگوں کے آگے واویلا کرنے لگے) اور رنج کا رونا صرف اللہ کے سامنے ہے (اس کے سوا کسی دوسرے کے آگے نہیں ہے

صرف اسی کی ذات ہے جس کے پاس شکایت فائدہ مند ہوسکتی ہے) اور میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے (یعنی یہ کہ یوسفؑ کا خواب سچا ہے اور وہ زندہ ہے پھر فرمانے لگے) اے میرے بیٹو! جاؤ یوسفؑ اور اس کے بھائی کو تلاش کرو (ان کا سراغ لگاؤ) اور اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو۔ اس کی رحمت سے کافر ہی ناامید ہوا کرتے ہیں (چنانچہ یہ سب بھائی مصر کی طرف یوسفؑ کے پاس چلے) پھر جب یوسفؑ کے پاس پہنچ گئے تو کہنے لگے اے عزیز! ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر بڑی سختی (بھوک) کے دن گزر رہے ہیں۔ ہم ایک معمولی سی پونجی لے کر حاضر ہوئے ہیں (نکمی چیز جسے ہر دیکھنے والا بیکار سمجھ کر پھینک دے کہ وہ کچھ کھوٹے درہم وغیرہ تھے) سو غلہ کی پوری مقدار عنایت فرمادیجئے اور ہماری امداد کیجئے (یعنی نکمی چیزوں سے چشم پوشی کیجئے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیر خیرات کرنے والوں کو ان کا اجر دیتا ہے (ثواب مرحمت فرماتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کا دل بھر آیا اور جوش رحمت سے بے قابو ہو گئے اور اپنے بھائیوں کے درمیان سے حجاب اٹھادیا۔ پھر ڈانٹ کے لہجہ میں بھائیوں سے) بولے تمہیں یاد ہے تم نے یوسفؑ کے ساتھ کیا کیا تھا؟ (مارنا، پیٹنا، بیچنا وغیرہ) اور اس کے بھائی کے ساتھ بھی (یوسفؑ کے بعد بنیامین پر تم نے جو ظلم توڑا) جب کہ تم نادان تھے ؟(یوسفؑ کے معاملہ سے ناواقف) کہنے لگے (جب یوسفؑ کی کچھ خصلتیں دیکھنے کے بعد انہیں پہچانتے ہوئے غور کر رہے تھے) کہ کیا سچ مچ (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسری ہمزہ کی تسہیل کر کے اور دونوں صورتوں میں ان دونوں ہمزہ کے درمیان الف داخل کر کے پڑھا گیا ہے) تم ہی یوسف ہو؟ فرمایا کہ ہاں! میں یوسفؑ ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے پھر بڑا احسان کیا ہے کہ باہم ملایا) واقعی جو شخص ڈرتا ہے (اللہ کا خوف رکھتا ہے) اور (مصیبتوں پر) صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر بھی ضائع نہیں کیا کرتا (یہاں اسم ظاہر بجائے ضمیر کے لایا گیا ہے) بھائی کہنے لگے بخدا: اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ نے آپ کو ہم پر برتری (فضیلت) بخشی (سلطنت وغیرہ مرحمت فرما کر) اور (بلاشبہ ان مخففہ ہے) ہم سرتا سر قصوروار تھے (آپ کے معاملہ میں خطاوار تھے اس لئے ہمیں آپ کے سامنے ذلیل ہونا پڑا) یوسفؑ نے فرمایا کہ نہیں آج کے دن تم پر کوئی الزام (عتاب) نہیں (اس دن کی تخصیص اس لئے کی کہ اس میں غصہ کا احتمال تھا۔ پس دوسرے وقت تو بدرجۂ اولیٰ الزام نہیں) اللہ تعالیٰ ہمارا قصور معاف فرمائے وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے (پھر اپنے والد ماجد کے بارہ میں حضرت یوسف علیہ السلام پوچھتے رہے۔ بھائیوں نے بتلایا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔ یوسف علیہ السلام بولے) یہ میرا کرتہ اپنے ساتھ لیتے جاؤ (اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ پیراہن تھا جو انہوں نے آگ میں گرنے کے وقت زیب تن فرمایا تھا وہی یوسفؑ کے کنویں میں گرنے کے وقت ان کے گلے میں پڑا ہوا تھا۔ وہ ایک جنتی کرتہ تھا۔ حضرت جبرئیل نے حضرت یوسف علیہ السلام سے حضرت ابراہیم کے پاس بھیجنے کے متعلق کہا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اس کرتہ میں جنت کی خوشبو ہے۔ کسی بیمار پر اس کو ڈالا جائے تو وہ تندرست ہو جائے گا) اور اس کرتہ کو میرے والد کے چہرے پر ڈال دو۔ ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے کر آ جاؤ۔

تحقیق وترکیب: .... **صواع من ذهب** پانی پینے کا پیالہ ہوگا جس سے بعد میں پیمانہ کا کام لیا جانے لگا ہوگا۔ **انکم لسارقون** بظاہر یہ کہنا کہ حضرت یوسفؑ کے ایماء سے ہوگا۔ پس ایک بے قصور شخص پر چوری کا الزام نبی کی شان سے بعید ہے۔ جواب یہ ہے کہ انہوں نے تعریض کر کے یوسفؑ کی چوری مراد لی ہے یا اس کلام کو استفہام پر محمول کیا جائے۔ اسی **انکم لسارقون** اس لئے اس میں کذب کا احتمال نہیں۔ تیسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ کارندوں کی طرف سے حضرت یوسفؑ کے علم واطلاع کے بغیر کہا ہوگا جس کی ذمہ داری حضرت یوسفؑ پر نہیں آتی یا اس دروغ کو مصلحت آمیز ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیا جائے۔ **لقد علمتم** اس لئے کہا کہ

لوگوں میں ان کا تقدس اور نیک چلنی مشہور ہوگئی تھی۔ اپنے جانوروں کے منہ پر انہوں نے توبرے چڑھا دیئے تھے۔ تا کہ لوگوں کی گھاس پھونس غلط طریقہ سے نہ کھا سکیں۔ اسی طرح ان کے سامان میں اگر کوئی زائد چیز نظر آئی تو اسے بھی واپس کر دیا تھا۔ جس سے لوگوں میں نیک نامی کا اثر تھا۔ کذلک کدنا لیوسف کیونکہ کٹورہ چھپانے کی تدبیر منجانب اللہ القاء کی گئی تھی۔ اس لئے انکم لسارقون کہنے میں حضرت یوسفؑ پر کذب بیانی کا الزام نہیں آتا۔ فی العلم کیوسف اس کا تعلق رفع کے ساتھ ہے۔ یعنی ہم جس کو چاہتے یوسفؑ کی طرح بلند درجہ کر دیتے ہیں۔ و کان سرق بعض کہتے ہیں مرغی یا انڈا اٹھایا تھا۔ والضمیر اس میں تین قول ہیں ایک تو یہ کہ انتم شر مکانا کی طرف ضمیر راجع ہو۔ دوسرے یہ کہ فقد سرق اخ له من قبل الخ قول مراد ہو۔ تیسرے یہ کہ ''حجت'' کی طرف ضمیر راجع ہو۔ یعنی اس احتجاج کو یوسفؑ نے اپنے دل میں چھپائے رکھا۔ یا ایھا العزیز اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ بنیامین کی خرجین سے جب کٹورہ برآمد ہوا تو روبیل ایک بھائی نہایت برافروختہ ہوا اور اولاد یعقوبؑ کا مزاج یہ تھا کہ جب انہیں غصہ آتا تو ان کے جلال کے سامنے کوئی چیز ٹھہر نہیں سکتی تھی اور ان میں سے جب کوئی چیختا، چلاتا تو حاملہ عورتوں کا حمل ہیبت کے مارے گر جاتا۔ لیکن اس کے باوجود اگر اولاد یعقوب میں سے کوئی اسی حالت میں انہیں چھو دیتا تو ان کا غصہ کافور ہو جاتا۔ روبیل یا شمعون اس بارے میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ چنانچہ جب روبیل غضب ناک ہوا تو حضرت یوسفؑ نے اپنے چھوٹے صاحبزادے کو اشارہ کیا کہ ان کے پہلو میں کھڑے ہو کر ہاتھ لگا دے۔ چنانچہ اس کا چھونا تھا کہ سارا غصہ کافور ہوگیا۔ تب یہ مسکنت کے لہجہ اختیار کرتے ہوئے یا ایھا العزیز الخ نیاز مندانہ گفتگو شروع کی۔ من وجدنا اگر اس کے بجائے من سرق کہا جاتا تو غلط بیانی ہوتی۔ استیأسوا اس میں ست زائد ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ کبیرھم ریاست کے اعتبار سے ان میں سب سے بڑا شمعون تھا۔ تاللّٰہ لا تفتوء چونکہ مثبت قسم کے جواب میں لام یا نون کے ساتھ فعل کو مؤکد کر کے لایا جاتا ہے اور یہاں دونوں تاکیدوں میں سے کوئی نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ قسم مثبت نہیں بلکہ منفی ہے۔ اسی لئے بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی واللّٰہ اجیئک غدا کہے تو فعل منفی مراد لیا جائے گا۔ یعنی آنے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ نہ آنے سے نہیں ٹوٹے گی۔ اگر یہ شبہ ہو کہ جس چیز کی حقیقت معلوم نہ ہو تو اس پر قسم کیسے کھائی گئی ہے؟ جواب یہ ہے کہ غلبۂ ظن کو یقین کے قائم مقام کر لیا گیا ہے گویا یہ یمین لغو ہے۔ جس پر مؤاخذہ نہیں ہوتا۔ وھو حی ایک روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ ملک الموت حضرت یعقوبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؑ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے میرے بیٹے یوسف کی جان قبض کی ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں تب حضرت یعقوبؑ کو اطمینان ہوا اور برابر پرامید رہے۔ ورفع الحجاب بعض کہتے ہیں یہ لثام تھا اور بعض کی رائے میں عام پردہ مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تاج مراد ہے اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بھائیوں نے یوسفؑ کو اس وقت تک نہیں پہچانا تھا جب تک انہوں نے سر سے تاج نہیں اتار لیا۔ کیونکہ ان کے سر پر ایک خاص علامت اور نشانی تھی۔ جو حضرت یعقوبؑ، اسحٰقؑ اور سارہ کے بھی تھی۔ اسی کو دیکھ کر بھائیوں نے شناخت کیا اور ائنک لانت یوسف بول اٹھے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **برادران یوسفؑ کا مصر میں دوبارہ آنا اور بنیامین کا ملاپ**: .... بہرحال بنیامین کو لے کر جب دوبارہ بھائی مصر پہنچے تو حضرت یوسفؑ نے اس پر اپنی حقیقت ظاہر کر دی اور چونکہ جانتے تھے سوتیلے بھائی سردراس کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہوں گے۔ اس لئے کہا کہ اب دن پھرنے والے ہیں۔ آزردہ خاطر نہ ہو۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے حقیقی بھائی بنیامین کو اتنی مدت کے بعد دیکھا تو کسی طرح دل نہیں مانتا تھا کہ اسے جدا ہونے دیں۔ مگر مشکل یہ آپڑی کہ روک بھی نہیں سکتے تھے

کیونکہ اس بارہ میں مصر کا قانون بہت سخت تھا۔ بلاوجہ کسی آدمی کو خصوصاً اجنبی کو روک لینے کی اجازت نہیں تھی اور ابھی اس کا وقت بھی نہیں آیا تھا کہ اپنی شخصیت بھائیوں پر ظاہر کریں۔اس لئے مجبور ہو کر رخصت کردیا۔اس غرض سے کہ اپنی ایک نشانی اسے دے دیں۔ اس کے سامان میں اپنا چاندی کا کٹورہ رکھ دیا۔ چونکہ بھائیوں پر اس بات کا اظہار خلاف مصلحت تھا۔اس لئے یہ بات پوری پوشیدگی کے ساتھ عمل میں آئی۔لیکن جب یہ لوگ روانہ ہو گئے تو محل کے کارندوں نے پیالہ ڈھونڈا اور جب نہ ملا تو ان لوگوں کے تعاقب میں نکلے۔انہیں پیالہ کا حال معلوم نہ تھا اور چونکہ ان لوگوں کے سوا کوئی اور آدمی محل میں ٹھہرا نہیں تھا۔اس لئے سمجھے ہو نہ ہو انہیں اجنبیوں کی کارستانی ہے۔پھر جب کارندوں کے سردار نے تلاشی لی تو بنیامین کی خرجین سے پیالہ برآمد ہوا۔اب کوئی وجہ نہیں تھی کہ اس کے چور ہونے میں انہیں شبہ نہ ہوتا۔وہ ان سب کو لے کر حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچے۔جب حضرت یوسفؑ نے معاملہ سنا تو سمجھ گئے۔کہ اس حادثہ میں خدا کا ہاتھ کام کر رہا ہے اور اس نے بنیامین کو روک لینے کا خود بخود سامان کر دیا ہے وہ خاموش ہو رہے اور فرمایا کہ ہم صرف اسی کو روک سکتے ہیں۔جس کے پاس ہماری چیز نکلی اور اس کا اقرار وہ لوگ خود ہی کر چکے تھے۔اس لئے چپ ہو جانا پڑا۔یہی وہ مخفی تدبیر ہے جسے کید فرمایا گیا ہے۔یہ شاہی کٹورا پانی پینے کا ہوگا جسے اکرام کے لئے پیمانہ میں استعمال کیا گیا اور ضرورت کے مطابق سب کو غلہ پہنچ جانے کے لئے چھوٹا برتن تجویز کیا گیا۔

ایک شبہ کا جواب:............من وجد فی رحله فهو جزاء ه میں یہ بھی احتمال ہے کہ کسی اور نے رکھ دیا ہو پھر کیسے اس پر چوری کی سزا مرتب کی گئی ہے؟ جواب یہ ہے کہ متہم شخص جب خود یہ احتمال پیش نہیں کر رہا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ اس نے چوری کو تسلیم کرلیا۔اس لئے یہ سزا تجویز کی گئی ہے۔بنیامین کی خرجین سے جب کٹورہ نکل آیا تو بھائیوں کے سوتیلے پن کا حسد جوش میں آ گیا اور کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کی تو یہ کوئی عجیب بات نہیں۔اس کا بھائی یوسفؑ بھی چور تھا۔یہ محض ایک بغض وحسد کی بات تھی۔اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ایسا کوئی واقعہ بھی ہوا ہو۔مقصد اس جملہ کے نقل کرنے سے ممکن ہے یہی ظاہر کرنا ہو کہ بغض وحسد بھی انسان کو کیسی غلط بیانیوں کا عادی بنا دیتا ہے۔

شاہِ مصر ایمان لایا تھا یا نہیں:............ماکان لیاخذاخاه فی دین الملك الخ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ درمنثور والی مجاہدؒ کی روایت کہ بادشاہ اسلام لایا تھا صحیح نہیں ہے۔ورنہ دین یعقوبؑ قبول کرنے کے بعد اپنا غیر شرعی قانون کیسے جاری رکھتا۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ عام رعایا کی مجبوری سے ملکی قانون تبدیل نہیں کیا ہوگا۔

حضرت یوسفؑ نے غیر شرعی عہدہ قبول کیوں کیا:............تاہم حضرت یوسفؑ کے بارہ میں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ ایسی صورت میں جب کہ غیر شرعی قانون منسوخ کر کے اپنا شرعی نظام جاری نہیں کر سکتے تھے۔یہ عہدۂ حکومت انہوں نے کیسے قبول فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ شرعی قانون جاری نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ غیر شرعی قانون جاری کیا کرتے ہوں۔پس قابل اعتراض دوسری صورت ہے نہ کہ پہلی صورت۔دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایک طرف شرعی حد ہو مگر کسی وجہ سے اس پر عمل نہ کیا جاتا ہو اور دوسری طرف تعزیری قانون ہو جس پر عمل کیا جاتا ہو تو وہاں تعزیر جاری نہ کرنے کے مقابلہ میں تعزیر جاری کرنا غنیمت ہوگا پس جسے پورے اختیارات حاصل نہ ہوں اسے تعزیر جاری کرنے پر غیر شرعی حکم جاری کرنا نہیں کہا جائے گا۔حضرت یوسفؑ عہدہ کے لحاظ سے تو عزیز

کہلاتے تھے مگر اختیارات شاہی رکھتے تھے۔

برادران یوسفؑ ایک دفعہ پھر آزمائش میں پڑ گئے: .... بہر حال یہ سرگذشت اب اپنی منزل سے قریب ہو رہی ہے۔ جب یوسفؑ کے بھائی بنیامین کے معاملہ میں مایوس ہو گئے تو آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ تورات میں ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ راضی نہ ہوتے تھے کہ بنیامین کو جدا کریں تو روبن نے خصوصیت کے ساتھ اس کی حفاظت کا ذمہ لیا غرض کہ جس بھائی نے بھی ذمہ لیا ہوا ان سے کہا یوسفؑ کے معاملہ میں ہم سے جو بدعہدی ہو چکی ہے اس کا داغ اب تک باپ کے دل سے نہیں مٹا۔ اب بنیامین کے لئے ہم نے قول وقرار کیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا میری تو ہمت پڑتی نہیں کہ باپ کو جا کر منہ دکھاؤں۔ تم جاؤ اور جو کچھ گزرا ہے بے کم وکاست سنا دو۔ چنانچہ بھائیوں نے ایسا ہی کیا اور گھر آ کر تمام سرگذشت باپ کو سنا دی۔

زبان کے تیر ونشتر: .... بنیامین ان سب کا بھائی تھا۔ ماں ایک نہ سہی مگر باپ تو ایک ہی تھے لیکن انہوں نے یہ نہیں کہا'' کہ ہمارے بھائی نے چوری کی'' بلکہ یہ کہا'' تمہارے بیٹے نے چوری کی'' اس ایک بات میں کتنی باتیں چھپی ہوئی ہیں؟ اس میں طعن ہے تحقیر ہے، ملامت ہے، اپنی بڑائی ہے، مغرورانہ برتری ہے اور پھر حد درجہ کی سنگدلی ہے کہ ایک ایسے موقعہ پر جب بوڑھے باپ کے دل پر ایک نیا زخم لگنے والا تھا۔ طعن وتشنیع سے باز نہ رہ سکے اور کہا یہ ہے آپ کا چہیتا بیٹا جس نے چوری کی اور ہم سب کو مصیبت میں ڈالا۔

حضرت یعقوبؑ کا بیٹوں پر دھوکہ دہی کا الزام صحیح تھا یا غلط......... حضرت یعقوبؑ کا بل سولت لکم الخ فرمانا بظاہر واقعہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اجتہاد سے فرمایا اور اجتہاد میں خطا ہو جانا نبوت وعصمت کے منافی نہیں ہے اس لئے شبہ نہیں ہونا چاہیئے۔ البتہ یہ شبہ کہ اجتہاد سے کسی پر تہمت لگانی نہیں چاہیئے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی آدمی پر متہم اور مشتبہ ہونے کا گمان ہو تو اس کو متہم یا مشتبہ سمجھنا گناہ نہیں۔ کیونکہ اس میں آدمی طبعاً مضطر بھی ہوتا ہے۔ البتہ یقین سے اس کو ایسا سمجھنا جائز نہیں اور وہ منقول نہیں ہے بل سولت اگرچہ تیقن کا صیغہ ہے لیکن قرائن حالیہ کی وجہ سے غیر یقینی حالت مراد لی گئی ہوگی۔ پھر والد کو اولاد پر دوسروں کی نسبت زیادہ حق عتاب ہوتا ہے۔ پس قلب میں تیقن نہ ہوتے ہوئے بھی ایہام تیقن معاف ہے۔ خاص کر جب کہ خبر دینا مقصود نہ ہو۔ بلکہ دریافت حال مقصود ہو جیسے تفتیش کے موقعہ پر خبر کا صیغہ بولا کرتے ہیں تا کہ متہم شخص یہ سمجھ کر کہ اسے واقعہ کی اطلاع ہے واقعہ کا انکار نہ کر سکے بلکہ سب کچھ خود ہی اگلنے پر مجبور ہو جائے۔ یہ توجیہ تو ظاہری اعتبار سے تھی۔ لیکن اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ اطلاع واقعہ کے مطابق بھی ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت چوری نہیں ہوئی تھی۔ یعقوب علیہ السلام کی نورانیت قلب نے اسے پالیا۔ البتہ کشف میں اتنی کمی رہی کہ متعین طور پر اس کاروائی کا کرنے والا انہیں معلوم نہ ہو سکا۔ اجمالاً صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ یہ کارروائی میری اولاد ہی میں سے کسی سے ہوئی ہے اور لکم تغلیبا فرما دیا ہو۔ لیکن مقصود فاعل ہی سے خطاب ہو۔ معلوم ہوتا ہے حضرت یعقوبؑ نے بنیامین کی گمشدگی میں یوسفؑ کی بازگشت کی جھلک دیکھ لی تھی اور یہ ان کی فراست نبوت کا کرشمہ تھا جسے عسی اللّٰہ ان یاتینی بھم جمیعا فرمایا اور یہ قرب وحال ہی کے تصور کا نتیجہ تھا کہ دردفراق کی شدتیں بڑھ گئیں اور بے اختیار یا اسفٰی علی یوسف کی صدا نکل گئی اور آخر میں انی اعلم من اللّٰہ مالا تعلمون سے اس پردۂ راز کی طرف اشارہ کر دیا نیز یوسفی خواب کی تعبیر کا انتظار بھی تھا اور وہ سب کی ہیئت اجتماعی کو چاہتا ہے اور علی اللّٰہ الخ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے بیٹوں سے بھی انہیں محبت تھی۔ حضرت یعقوبؑ کا

بیٹوں سے یہ کہنا کہ مایوس ہو کر نہ بیٹھ جاؤ۔ جا کر یوسفؑ اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ واضح کرتا ہے کہ وحی الٰہی کا اشارہ ہو چکا تھا اور وہ سمجھ چکے تھے کہ نسیم یوسف اسی رخ سے آنے والی ہے۔ ورنہ بظاہر کوئی وجہ نہیں تھی کہ اس موقعہ پر یوسفؑ کا نام ان کی زبان سے نکلتا کیونکہ جو معاملہ پیش آیا تھا وہ بنیامین کا تھا یوسفؑ کا نہیں تھا اور ابیضت عیناہ میں علماء کے دوقول ہیں بینائی کم ہو گئی تھی یا بالکل گم ہو گئی تھی۔ اول صورت میں فارتد بصیرا کے معنی یہ ہوں گے کہ خوشی سے توانائی آگئی اور ضعف نگاہ جاتا رہا۔

نئے زخم سے پرانا زخم ہرا ہو جاتا ہے اور ٹیس بڑھ جاتی ہے:............ اور بنیامین کے غم کے وقت بھی یوسفؑ کے غم کو یاد کرنا اس لئے تھا کہ غالب غم وہی تھا اور غم کا قاعدہ ہے کہ نئے غم سے پرانے غم کا اثر تازہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے بنیامین کے تازہ غم نے غم یوسفؑ کو پھر ہرا کر دیا۔ اس لئے غالب کے سامنے مغلوب کا ذکر نہیں کیا۔ اور تحسسوا من یوسف و اخیہ صرف یوسفؑ و بنیامین میں جستجو کا حکم تو دیا مگر تیسرے بھائی کے متعلق نہیں فرمایا۔ حالانکہ وہ بھی غائب تھے؟ وجہ یہ ہے کہ تیسرے بھائی اپنے اختیار سے رہ گئے تھے۔ کسی آفت میں مبتلا نہیں ہوئے تھے کہ ان کی تلاش کی نوبت آتی۔ جب موقعہ پائیں گے خود چلے آئیں گے۔ دوسرے یہ کہ تیسرے بھائی تو ان کے ہم مذاق ہیں اور ان سے سلوک ہے۔ اس لئے اس کو تو یہ خود ڈھونڈ لیں گے۔ برخلاف یوسفؑ و بنیامین کے ان دونوں سے سب بھائی رنج رکھتے تھے۔ اس لئے ان کی تلاش میں کوتاہی کرتے۔ اور محبت چونکہ اضطراری ہوتی ہے اور رونا بھی رقت قلب اور رحم دلی کی دلیل ہے اس لئے حضرت یعقوبؑ کا مخلوق کی محبت میں اس درجہ رونا باعث اشکال نہیں ہونا چاہئے۔ بالخصوص جب کہ محبت کا سبب کوئی دینی پہلو ہو۔ جیسا کہ حضرت یوسفؑ کا برگزیدہ ہونا۔ حضرت یعقوبؑ کا انما اشکو بثی وحزنی کہنا فصبر جمیل کے خلاف نہیں سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ مخلوق کے آگے شکایت صبر جمیل کے منافی ہے نہ کہ خالق کے آگے۔ وہ تو عین دعاء والتجاء ہے جو مطلوب ہے۔

حضرت یوسفؑ کا پیمانۂ صبر چھلک گیا:............ ایک طرف تو یہ حالات پیش آرہے تھے۔ دوسری طرف قحط کی شدتیں بھی روز بروز بڑھتی جارہی تھیں۔ پس بھائیوں نے مصر آکر جو کچھ حضرت یوسفؑ سے کہا وہ اپنے دوبارہ آنے کا بہانہ نہ تھا۔ بلکہ واقعی ایک مصیبت کی سچی داستان تھی۔ جب حضرت یوسفؑ نے یہ حالات سنے اور دیکھا کہ ان کے بھائی ان کے سامنے کھڑے خیرات کی بھیک مانگ رہے ہیں تو جوش محبت ورحم سے بے اختیار ہو گئے اور اب اپنے آپ کو ظاہر کر دیا۔ جب انہوں نے کہا تمہیں یاد ہے تم نے یوسفؑ کے ساتھ کیا کیا تھا؟ تو بھائی چونک اٹھے کہ یہ عزیز مصر یوسفؑ کا ذکر اس طرح کیوں کر رہا ہے؟ اور اب جو ان کی صورت اور آواز پر غور کیا تو صاف نظر آگیا کہ یہ تو بالکل یوسفؑ کی سی صورت ہے اور بول اٹھے کہ تو ہی یوسفؑ ہے۔

برادران یوسفؑ نے صدقہ خیرات کی درخواست کیسے کی:............ خصوصی رعایت کرنے کو مجازاً تصدق علینا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لئے یہ شبہ نہیں کرنا چاہئے کہ نبی یا نبی زادہ ہونے کی وجہ سے صدقہ ان کے لئے کب حلال تھا؟ یا سوال کرنا کس طرح جائز تھا؟ دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان سب بھائیوں کی نبوت ثابت نہیں ہے اور اولاد نبی کو نفلی صدقہ لینا جائز ہے اور بعض علماء کی رائے پر اگر صدقہ کا حرام ہونا آل محمد کی خصوصیات میں سے مانا جائے تو تیسرا جواب ہو جائے گا۔

لطائف آیات:............ آیت اسفیٰ علی یوسف الخ سے معلوم ہوا کہ طبعی محبت حق کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے اور کاملین کو یہ

طبعی محبت رضاء حق سے غافل نہیں کرتی بلکہ اس میں معین ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت یعقوبؑ کا قول انما اشکوا بثی وحزنی الی اللّٰہ ،واعلم من اللّٰہ مالاتعلمون اس پر دلالت کر رہا ہے۔ آیت لا تثریب علیکم الیوم الخ ان کے ذیل میں علامہ آلوسیؒ نے شاہ کرمانیؒ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص مخلوق کو حق کی نظر سے دیکھے گا وہ تو مخلوق کی ممانعت کی پرواہ نہ کرے گا اور جو شخص لوگوں کو اپنی نظر سے دیکھے گا ساری عمر بحث وتکرار ہی میں ختم کر دے گا۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ کی نظر قضاء الٰہی پر تھی۔ اس لئے اپنے بھائیوں کا عذر قبول کرلیا۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ خَرَجَتْ مِنْ عَرِيْشِ مِصْرَ **قَالَ اَبُوْهُمْ** لِمَنْ حَضَرَ مِنْ بَنِيْهِ وَاَوْلَادِهِمْ **اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ** اَوْصَلَتْهُ اِلَيْهِ الصَّبَا بِاِذْنِهٖ تَعَالٰى مِنْ مَسِيْرَةِ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ اَوْ ثَمَانِيَةٍ اَوْ اَكْثَرَ **لَوْ لَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ** ﴿۹۴﴾ تُسَفِّهُوْنِىْ لَصَدَّقْتُمُوْنِىْ **قَالُوْا** لَهٗ **تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِىْ ضَلٰلِكَ** خَطَائِكَ **الْقَدِيْمِ** ﴿۹۵﴾ مِنْ اِفْرَاطِ لَكَ فِىْ مُحَبَّتِهٖ وَرَجَاءِ لِقَائِهٖ عَلٰى بُعْدِ الْعَهْدِ **فَلَمَّآ اَنْ** زَائِدَةٌ **جَآءَ الْبَشِيْرُ** يَهُوْدًا بِالْقَمِيْصِ وَكَانَ قَدْ حَمَلَ قَمِيْصَ الدَّمِ فَاَحَبَّ اَنْ يُفْرِحَهٗ كَمَا اَحْزَنَهٗ **اَلْقٰهُ** طَرَحَ الْقَمِيْصَ **عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ** رَجَعَ **بَصِيْرًا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ** ﴿۹۶﴾ **قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ** ﴿۹۷﴾ **قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّىْ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ** ﴿۹۸﴾ اَخَّرَ ذٰلِكَ اِلَى السَّحَرِ لِيَكُوْنَ اَقْرَبَ اِلَى الْاِجَابَةِ وَقِيْلَ اِلٰى لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ ثُمَّ تَوَجَّهُوْا اِلٰى مِصْرَ وَخَرَجَ يُوْسُفُ وَالْاَكَابِرُ لِتَلَقِّيْهِمْ **فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ** فِىْ مَضْرَبِهٖ **اٰوٰٓى** ضَمَّ **اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ** اَبَاهُ اُمَّهٗ اَوْ خَالَتَهٗ **وَقَالَ** لَهُمْ **ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ** ﴿۹۹﴾ فَدَخَلُوْا وَجَلَسَ يُوْسُفُ عَلٰى سَرِيْرِهٖ **وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ** اَجْلَسَهُمَا مَعَهٗ **عَلَى الْعَرْشِ** السَّرِيْرِ **وَخَرُّوْا** اَىْ اَبَوَاهُ وَاِخْوَتُهٗ **لَهٗ سُجَّدًا** سُجُوْدَ اِنْحِنَاءٍ لَا وَضْعَ جَبْهَةٍ وَكَانَ تَحِيَّتُهُمْ فِىْ ذٰلِكَ الزَّمَانِ **وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَاىَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّىْ حَقًّا وَقَدْ اَحْسَنَ بِىْٓ** اِلَىَّ **اِذْ اَخْرَجَنِىْ مِنَ السِّجْنِ** لَمْ يَقُلْ مِنَ الْجُبِّ تَكَرُّمًا لِئَلَّا يَخْجَلَ اِخْوَتُهٗ **وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ** الْبَادِيَةِ **مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ** اَفْسَدَ **الشَّيْطٰنُ بَيْنِىْ وَبَيْنَ اِخْوَتِىْ اِنَّ رَبِّىْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ** بِخَلْقِهٖ **الْحَكِيْمُ** ﴿۱۰۰﴾ فِىْ صُنْعِهٖ وَاَقَامَ عِنْدَهٗ اَبُوْهُ اَرْبَعًا وَعِشْرِيْنَ سَنَةً اَوْ سَبْعَ عَشَرَةَ سَنَةً وَكَانَتْ مُدَّةُ فِرَاقِهٖ ثَمَانَ عَشَرَةَ اَوْ اَرْبَعِيْنَ اَوْ ثَمَانِيْنَ سَنَةً وَحَضَرَهُ الْمَوْتُ فَوَصّٰى يُوْسُفَ اَنْ يَحْمِلَهٗ وَيَدْفِنَهٗ عِنْدَ اَبِيْهِ فَمَضٰى بِنَفْسِهٖ وَدَفَنَهٗ ثَمَّهٗ ثُمَّ عَادَ اِلٰى مِصْرَ وَاَقَامَ بَعْدَهٗ ثَلَاثًا وَّعِشْرِيْنَ سَنَةً وَلَمَّا تَمَّ اَمْرُهٗ وَعَلِمَ اَنَّهٗ لَا يَدُوْمُ تَاقَتْ نَفْسُهٗ اِلَى الْمُلْكِ الدَّائِمِ فَقَالَ **رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِىْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِىْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ** تَعْبِيْرِ الرُّءْيَا **فَاطِرَ** خَالِقَ **السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ**

اَنْتَ وَلِیّٖ مُتَوَلِّیْ مَصَالِحِیْ **فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾** مِنْ اٰبَائِیْ فَعَاشَ بَعْدَ ذٰلِكَ اُسْبُوْعًا اَوْ اَكْثَرَ وَمَاتَ وَلَهٗ مِائَةٌ وَعِشْرُوْنَ سَنَةً وَتَشَاحَ الْمِصْرِیُّوْنَ فِیْ قَبْرِهٖ فَجَعَلُوْهُ فِیْ صَنْدُوْقٍ مِرْمَرٍ وَدَفَنُوْهُ فِیْ اَعْلَی النِّیْلِ لِتَعُمَّ الْبَرَكَةُ جَانِبَیْهِ فَسُبْحَانَ مَنْ لَّا انْقِضَاءَ لِمُلْكِهٖ **ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرُ مِنْ اَمْرِ یُوْسُفَ **مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ** اَخْبَارِ مَاغَابَ عَنْكَ یَامُحَمَّدُ **نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ** لَدٰی اِخْوَةِ یُوْسُفَ **اِذْ اَجْمَعُوْآ اَمْرَهُمْ** فِیْ كَیْدِهٖ اَیْ عَزَمُوْا عَلَیْهِ **وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾** بِهٖ اَیْ لَمْ تَحْضُرْهُمْ فَتَعْرِفُ قِصَّتَهُمْ فَتُخْبِرُبِهَا وَاِنَّمَا حَصَلَ لَكَ عِلْمُهَا مِنْ جِهَةِ الْوَحْیِ **وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ** اَیْ اَهْلُ مَكَّةَ **وَلَوْ حَرَصْتَ** عَلٰی اِیْمَانِهِمْ **بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَیْهِ** اَیِ الْقُرْاٰنِ **مِنْ اَجْرٍ ۚ** تَاْخُذُهٗ **اِنْ مَا هُوَ** اَیِ الْقُرْاٰنُ **اِلَّا ذِكْرٌ** عِظَةٌ **لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ ع وَكَاَیِّنْ** وَكَمْ **مِّنْ اٰیَةٍ** دَالَّةٍ عَلٰی وُحْدَانِیَّةِ اللّٰهِ **فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا** یُشَاهِدُوْنَهَا **وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾** لَا یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْهَا **وَمَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ** حَیْثُ یُقِرُّوْنَ بِاَنَّهُ الْخَالِقُ الرَّازِقُ **اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾** بِهٖ بِعِبَادَةِ الْاَصْنَامِ وَلِذَا كَانُوْا یَقُوْلُوْنَ فِیْ تَلْبِیَتِهِمْ لَبَّیْكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ اِلَّاشَرِیْكًا هُوَلَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ یَعْنُوْنَهَا **اَفَاَمِنُوْآ اَنْ تَاْتِیَهُمْ غَاشِیَةٌ** نِقْمَةٌ تَغْشَاهُمْ **مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْتَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً** فَجْاَةً **وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾** بِوَقْتِ اِتْیَانِهَا قَبْلَهٗ **قُلْ** لَهُمْ **هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ** وَفَسَّرَهَا بِقَوْلِهٖ **اَدْعُوْآ اِلَی** دِیْنِ **اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ** حُجَّةٍ وَاضِحَةٍ **اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ؕ** اٰمَنَ بِیْ عَطْفٌ عَلٰی اَنَا الْمُبْتَدَأُ الْمُخْبَرُ عَنْهُ بِمَا قَبْلَهٗ **وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ** تَنْزِیْهًا عَنِ الشُّرَكَاءِ **وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۸﴾** مِنْ جُمْلَةِ سَبِیْلِهٖ اَیْضًا **وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ** وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالنُّوْنِ وَكَسْرِ الْحَاءِ **اِلَیْهِمْ** لَامَلَائِكَةً **مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰیؕ** اَلْاَمْصَارِ لِاَنَّهُمْ اَعْلَمُ وَاَحْلَمُ بِخِلَافِ اَهْلِ الْبَوَادِیْ لِجَفَائِهِمْ وَجَهْلِهِمْ **اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا** اَیْ اَهْلُ مَكَّةَ **فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ** اَیْ اٰخِرُ اَمْرِهِمْ مِنْ اِهْلَاكِهِمْ بِتَكْذِیْبِهِمْ رُسُلَهُمْ **وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ** اَیِ الْجَنَّةُ **خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا ؕ** اللّٰهَ **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾** بِالْیَاءِ وَالتَّاءِ یَااَهْلَ مَكَّةَ هٰذَا فَتُؤْمِنُوْنَ **حَتّٰی** غَایَةٌ لِمَادَلَّ عَلَیْهِ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا اَیْ فَتَرَاخٰی نَصْرُهُمْ حَتّٰی **اِذَا اسْتَیْئَسَ** یَئِسَ **الرُّسُلُ وَظَنُّوْآ** اَیْقَنَ الرُّسُلُ **اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا** بِالتَّشْدِیْدِ تَكْذِیْبًا لَااِیْمَانَ بَعْدَهٗ وَالتَّخْفِیْفِ اَیْ ظَنَّ الْاُمَمُ اَنَّ الرُّسُلَ اَخْلَفُوْا مَا وَعَدُوْا بِهٖ مِنَ النَّصْرِ **جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّیَ** بِنُوْنَیْنِ مُشَدَّدًا وَّمُخَفَّفًا وَبِنُوْنٍ مُشَدَّدًا مَاضٍ **مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُنَا** عَذَابُنَا **عَنِ الْقَوْمِ**

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ الْمُشْرِكِيْنَ **لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ** اَيِ الرُّسُلِ **عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ** اَصْحَابِ الْعُقُوْلِ **مَا كَانَ** هٰذَا الْقُرْاٰنُ **حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى** يُخْتَلَقُ **وَلٰكِنْ** كَانَ **تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ** قَبْلَهٗ مِنَ الْكُتُبِ **وَتَفْصِيْلَ** تَبْيِيْنَ **كُلِّ شَيْءٍ** يُحْتَاجُ اِلَيْهِ فِي الدِّيْنِ **وَّهُدًى** مِّنَ الضَّلَالَةِ **وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ** ﴿۱۱۱﴾ خُصُّوْا بِالذِّكْرِ لِاِنْتِفَاعِهِمْ بِهٖ دُوْنَ غَيْرِهِمْ　ع ۳

ترجمہ: .... اور پھر جب سرزمین مصر سے چلا (مصر کی آبادی سے نکلا) تو ان کے باپ کہنے لگے (گھر والوں سے جوان کے سامنے موجود تھے) مجھ کو تو یوسفؑ کی مہک آرہی ہے (حق تعالیٰ کے حکم سے تین دن یا آٹھ روز یا اس سے زیادہ کی مسافت سے یوسفؑ کی خوشبو باپ تک ہوا نے پہنچادی، اگر تم مجھے بڑھاپے میں سٹھیایا ہوا نہ سمجھو (بہکی باتیں کرنے والا نہ سمجھو تو مجھے سچا جانو) کہنے لگے بخدا آپ تو اپنے اسی پرانے خبط (غلط خیال) میں پڑے ہو (حد سے زیادہ محبت میں اور ایک زمانہ گزرنے کے باوجود ملنے کی آس لگائے بیٹھے ہو) لیکن پھر جب (ان زائد ہے) خوشخبری سنانے والا آپہنچا (یہودا کرتہ لے کر آگیا اور خون آلود کرتہ بھی وہی لے کر آیا تھا جس طرح اس نے رنج پہنچایا تھا اب خوشخبری بھی اسی نے دینی چاہی) تو اس نے آتے ہی (یوسفؑ کا کرتہ) یعقوبؑ کے چہرہ پر ڈال دیا۔ فوراً ہی ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ فرمایا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں؟ سب بیٹوں نے کہا کہ ابا جان! ہمارے گناہوں کے لئے دعائے مغفرت کردیجئے۔ فی الحقیقت سراسر ہم قصوروار تھے۔ باپ نے فرمایا: جلد ہی اپنے پروردگار سے تمہارے لئے مغفرت کروں گا۔ بلاشبہ وہ غفور رحیم ہے (دعا کا معاملہ صبح تک اس لئے ملتوی رکھا کہ وہ زیادہ قبولیت کا وقت ہوتا ہے اور بعض کی رائے میں جمعہ کی شب تک ملتوی رکھا۔ اس کے بعد یہ سب لوگ مصر روانہ ہوگئے۔ ادھر استقبال کے لئے حضرت یوسفؑ اور ارکان سلطنت آگے بڑے) پھر جب سب کے سب یوسفؑ کے پاس باریاب ہوئے (ان کے خیمہ میں آئے) تو انہوں نے اپنے والدین (باپ کے ساتھ ماں تھی یا خالہ) کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا اب شہر میں چلو۔ خدا نے چاہا تو تمہارے لئے ہرطرح کی سلامتی ہے (غرضیکہ سب پہنچ گئے اور حضرت یوسفؑ اپنے تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے) اور یوسفؑ نے اپنے والدین کو بلند جگہ پر بٹھلایا (اپنے ساتھ بٹھلایا) اپنے تخت پر اور (ان کے والدین اور بھائی) سب کے سب ان کے سامنے سجدہ میں گر گئے (یعنی جھک گئے یہ نہیں کہ ماتھا زمین پر ٹیک دیا ہو اور اس وقت ان کے آداب بجالانے کا طریقہ یہی تھا) اور یوسفؑ پکار اٹھے کہ ابا جی! یہ ہے میرے خواب کی تعبیر جو مدت ہوئی میں نے دیکھا تھا۔ میرے پروردگار نے اسے سچا کر دکھایا۔ یہ اسی کا احسان ہے کہ مجھے قید سے رہائی دی (کنویں سے نکالنے کا ذکر نہیں کیا کہ بھائیوں کو شرمندگی نہ ہو) تم سب کو صحرا سے نکال کر میرے پاس پہنچادیا اور یہ سب کچھ اس کے بعد ہوا کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف (فساد) ڈال دیا تھا۔ بلاشبہ میرا پروردگار جو چاہتا ہے اس کی لطیف تدبیر کردیتا ہے بیشک وہ بڑا جاننے والا ہے اپنی مخلوق کو۔ بڑی حکمت والا ہے (اپنی تدبیر میں۔ اس کے بعد حضرت یوسفؑ کے پاس ان کے والد ماجد چوبیس یا سترہ سال قیام پذیر رہے اور جدائی کی کل مدت اٹھارہ یا چالیس یا اسی سال رہی ہے۔ وفات کا وقت جب آیا تو انہوں نے حضرت یوسفؑ کو وصیت کی کہ مجھے میرے والد کے پاس دفنانا۔ چنانچہ انتقال کے بعد انہیں دفنانے کے لئے یوسف علیہ السلام بنفس نفیس تشریف لے گئے اور پھر مصر واپس تشریف لائے اور تیئیس سال اس کے بعد پھر حیات رہے اور جب حضرت یوسفؑ کا کام پورا ہوگیا اور یہ بھی یقین ہوگیا کہ میں ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکتا تو دائمی ٹھکانے کی طرف آپ کا دل مشتاق ہوگیا۔ چنانچہ پکار اٹھے)

اے پروردگار! آپ نے مجھے حکومت عطا کی اور مجھے خوابوں کی تعبیر دینا سکھلایا۔ اے آسمان وزمین کے بنانے والے! آپ ہی میرے کارساز و مصلحتوں کے نگران) ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور پوری فرمانبرداری کے ساتھ مجھے دنیا سے اٹھا لیجئے اور اپنے خاص نیک بندوں میں شامل کر لیجئے (میرے باپ دادوں کے ساتھ۔ چنانچہ اس کے بعد ایک ہفتہ یا اس سے زیادہ زندہ رہے۔ بعدہ ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات ہوگئی تو مصریوں میں ان کے دفن کرنے کے متعلق اختلاف پڑ گیا۔ چنانچہ سنگ مرمر کے ایک تابوت میں نعش مبارک رکھ کر دریائے نیل کے بالائی حصہ میں دفنا دی۔ تاکہ دریائے نیل کی دونوں جانب برکت رہے۔ سبحان اللہ: خدا ہی کی سلطنت لازوال ہے۔ یہ قصہ داستان یوسفؑ) غیب کی خبروں میں سے ہے (اے محمد! یہ واقعات آپؐ کے سامنے نہیں ہیں) جس کی وحی ہم آپؐ پر کر رہے ہیں اور نہ ہی آپ ان (یوسفؑ کے بھائیوں) کے پاس تھے۔ جس وقت یوسفؑ کے بھائی پختہ عزم کر رہے تھے (پوشیدہ تدبیر کرنے پر جم گئے تھے) سازش کرتے ہوئے (یعنی آپؐ تشریف فرما نہیں تھے۔ کہ آپ ان کے قصہ سے واقف ہوتے اور دوسروں سے بیان کرتے۔ یہ باتیں تو آپ کو صرف وحی سے معلوم ہوئی ہیں) اور اکثر (مکہ کے) آدمی ایسے ہیں کہ آپ کتنا ہی چاہیں (ان کے ایمان کو) لیکن وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ حالانکہ آپ ان سے اس (قرآن) پر کوئی معاوضہ (لینا) نہیں چاہتے یہ (قرآن) تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمام جہان کے لئے ایک نصیحت ہے اور کتنی ہی نشانیاں (اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والی) ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں جن پر سے لوگ گزر جاتے ہیں (انہیں دیکھتے ہوئے) اور نظر اٹھا کر دیکھتے ہی نہیں (غور وفکر نہیں کرتے) اور ان میں سے اکثروں کا حال یہ ہے کہ خدا کو مانتے بھی ہیں (یہ اقرار کرتے ہوئے کہ اللہ خالق ہے رازق ہے) تو اس طرح کہ شرک بھی کرتے جاتے ہیں (بت پرستی کے ساتھ، اسی لئے حج کا تلبیہ اس طرح پڑھتے ہیں لبیك لك لاشریك لك الا شریکا ھو لك تملکه وما ملك ۔ اور اس سے بت ہی مراد لیتے ہیں) پھر کیا یہ لوگ اس بات سے مطمئن ہو بیٹھے ہیں کہ اللہ کے عذاب میں سے کوئی آفت ان پر آجائے (ایسی عام مصیبت جو ان پر چھا جائے) جو انہیں گھیر لے؟ یا اچانک (ایک دم) قیامت آجائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو؟ (پہلے سے اس کے آنے کی) آپ (ان سے) فرما دیجئے میری راہ تو یہ ہے (جس کی تشریح ان لفظوں سے کی جارہی ہے) میں اللہ کے (دین) کی طرف بلاتا ہوں اس روشنی (یعنی دلیل) کی بناء پر جو میرے سامنے ہے اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میرے پیچھے قدم اٹھایا ہے (مجھ پر ایمان لائے ہیں اس کا عطف انـــا پر ہو رہا ہے جو مبتداء ہے اور جس کی خبر پہلے آ چکی) اور اللہ پاک ہے (ساجھیوں سے وہ بری ہے) اور میں شرک کرنے والوں میں نہیں ہوں۔ اور ہم نے آپؐ سے پہلے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر وہ ایک آدمی تھا کہ وحی بھیجی گئی (اور ایک قرأت میں نون اور کسر حاء کے ساتھ ہے) جس کی طرف (فرشتے نہیں بھیجے) باشندگان شہر میں تھا (قریہ سے مراد شہر ہے۔ کیونکہ شہری لوگ زیادہ علم اور بردباری رکھنے والے ہوتے ہیں برخلاف دیہات والوں کے۔ ان میں اکھڑ پن اور جہالت ہوتی ہے) پھر کیا یہ لوگ (مکہ والے) سرزمین ملک میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھ لیتے۔ ان لوگوں کا انجام کیسا کچھ ہو چکا ہے جو پہلے گذر چکے ہیں؟ (یعنی آخر کار پیغمبروں کو جھٹلانے کی وجہ سے انہیں تباہ و برباد ہونا پڑا) البتہ عالم آخرت (یعنی جنت) کہیں بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں۔ کیا تم اتنا بھی سمجھتے بوجھتے نہیں؟ یاء اور تاء کے ساتھ دونوں قرأتیں ہیں۔ اے اہل مکہ! کیا تم اتنی بات بھی نہیں جانتے کہ ایمان لے آتے) یہاں تک کہ (یہ غایت ہے اس بات کی جس پر وما ارسلنا من قبلك الا رجالا دلالت کر رہا ہے یعنی ہم ان کی مدد دیر سے کریں گے یہاں تک کہ) جب اللہ کے رسول مایوس ہو گئے اور انہوں (پیغمبروں) نے خیال (یقین) کر لیا کہ ہمارے سمجھنے میں غلطی ہوئی (تشدید کے ساتھ اگر ہے تو ایسا جھٹلانا مراد ہے۔ جس کے بعد پیغمبروں کو اپنے اوپر ایمان لانے کی توقع نہیں رہی تھی اور تخفیف کے ساتھ اگر ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ پیغمبروں کی امتوں نے یہ سمجھ لیا کہ پیغمبروں سے جس مدد کا

وعدہ کیا گیا تھا وہ پوری نہیں ہوگی) تو ہماری مدد ان کے پاس آ پہنچی ۔ پس ہم نے بچالیا (اس لفظ میں دونوں نون تشدید کے ساتھ ہیں یا تخفیف کے ساتھ اور نون مشدد کی صورت میں یہ صیغہ ماضی ہوگا) جسے بچانا چاہااور ہمارا عذاب مجرموں (مشرکوں) سے کبھی ٹل نہیں سکتا۔ یقیناً ان لوگوں (پیغمبروں) کے قصہ میں دانشمندوں (سمجھداروں) کے لئے بڑی ہی عبرت ہے ۔ یہ (قرآن) کوئی جی سے گھڑی (تراشی) ہوئی بات نہیں ہے ۔ بلکہ اس سے پہلے (جو کتابیں آ چکی ہیں ان) کی تصدیق ہے ۔ نیز ہر (دینی ضروری) بات کی تفصیل (بیان) ہے اور (گمراہی) سے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے ایمانداروں کے لئے (اہل ایمان کی تخصیص اس لئے کی کہ قرآن سے انہیں لوگوں کو نفع ہوتا ہے دوسروں کو نہیں) ۔

تحقیق وترکیب: .... **عریش مصر** یہ مصروشام کے کسی سرحدی شہر کا نام ہے ۔ اس شہر اور حضرت یعقوبؑ میں ایک ہفتہ یا عشرہ یا ایک مہینہ یا اسی میل کی مسافت حائل تھی ۔ **من بنیہ** مفسر علامؒ کی رائے پر بعض صاحبزادے حضرت یعقوبؑ کے پاس موجود ہوں گے ۔ دوبارہ مصر میں سب نہیں گئے ہوں گے ۔ **لاجد ریح یوسف** ایک وقت وہ بھی تھا کہ یوسفؑ خود اپنے شہر کنعان کے کنویں میں پڑے رہے اور حضرت یعقوبؑ کو پتہ نہیں چل سکا اور ایک وقت یہ ہے کہ اتنی دور سے پیراہن یوسفؑ کی لپٹیں آ رہی ہیں ۔

گہے برطارم اعلیٰ نشینم گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

جب اقبال یاوری کرتا ہے تو بڑی سے بڑی مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں ورنہ چھوٹی سے چھوٹی آسانی بڑی سے بڑی مشکل بن جاتی ہے ۔ **الصبا** پروا ہوا کے بجائے پچھوا ہوا کہنا چاہئے تھا ۔ کیونکہ مصر سے شام کو جاتے ہوئے پچھوا ہوا پڑتی ہے ۔ اس قسم کی بشارت کے موقعہ پر حضرت یعقوبؑ اپنے باپ دادا کی تقلید میں یہ الفاظ پڑھا کرتے تھے ۔ **یا لطیفا فوق کل لطیف الطف بی فی اموری کلھا کما احب ورضنی فی دنیای واخرتی** ۔

ثم توجھوا کہا جاتا ہے کہ حضرت یوسفؑ اپنے پایۂ تخت سے دوسو میل باہر استقبال کے لئے نکلے اور حضرت یعقوبؑ کے ہمراہ تین سوستر افراد کا مجمع تھا اور حضوت یوسفؑ چار ہزار کالاؤلشکر لے کر آگے بڑھے دور سے اپنے بیٹے یہودا کے سہارے جب حضرت یعقوبؑ نے چلتے ہوئے اس کرّ وفر پر نظر ڈالی تو پوچھا کہ یہ فرعون اور اس کا لشکر ہے؟ یہودا نے کہا کہ نہیں ۔ یہ تو آپ کے فرزند یوسف ہیں ۔ غرض کہ حضرت یوسفؑ سلام کرنا چاہتے تھے ۔ مگر انہیں حکم ہوا کہ حضرت یعقوبؑ پہلے سلام کریں گے ۔ چنانچہ حضرت یعقوبؑ بولے **السلام یا مذھب الاحزان ابویہ** ۔ **ابویہ** والدہ کا نام راحیل اور خالہ کا نام لیا تھا ۔ جمہور کی رائے یہی ہے کہ یہ خالہ تھیں ۔ والدہ کا انتقال تو بنیامین کی ولادت کے سلسلہ میں ہو چکا تھا ۔ چنانچہ بنیامین کی وجہ تسمیہ یہی ہے کہ ان کی زبان میں بنیا کے معنی دردزہ کے تھے ۔ **ادخلوا** یہ داخلہ شہر کا ہے اور پہلا داخلہ شہر سے باہر خیمہ میں تھا ۔ **سجود انحناء** جس طرح ہماری شریعت میں سلام وقیام ومصافحہ کی اجازت ہے ۔ اسی طرح ان کی شریعت میں تعظیم کے لئے جھکنے کی اجازت تھی اور بقول ابن عباسؓ کے **خروا لہ سجدا** للہ شکرا کے معنی ہیں یا **لہ** کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو تب بھی اشکال نہیں ہو سکتا اور رفع اگرچہ لفظوں میں **خروا** سے پہلے ہے لیکن واقعی ترتیب کے لحاظ سے بعد میں ہوتا ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ واؤ ترتیب کے لئے نہیں مطلق جمع کے لئے ہے ۔ بہر حال خواب کی تعبیر کا سچا ہونا چونکہ بامر الٰہی ضروری تھا اس لئے حضرت یوسفؑ اپنے والدین کی تعظیم بجالانے پر خاموش رہے ۔ ورنہ یہ خاموشی

بےادبی ہوتی اور معاملہ برعکس ہونا چاہئے تھا۔ فـو صـٰـی یعنی حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کو وصیت فرمائی کہ مجھے شام میں والد کے مزار کے پاس دفنانا۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ بنفس نفیس اس دفن میں شریک رہے۔ مـن الـمـلك من تبعیضیہ ہے، ملک مصر مراد ہے کیونکہ عمومی بادشاہتیں تو صرف چار کی مشہور ہیں۔ سکندر، سلیمان تو اہل ایمان میں سے اور شداد اور بخت نصر کفار میں سے اور بعض نے من زائد مانا ہے اور بعض بیان جنس کے لئے کہتے ہیں۔ توفنی اس سے طلب موت مراد نہیں کہ اشکال ہو بلکہ بحالت اطاعت مراد ہے اور پیغمبر اگر چہ نافرمانی سے معصوم ہوتا ہے۔ لیکن خوف ودہشت کے غلبہ سے اپنی عصمت کا ذہول ہو گیا۔ اور دعاء کرنے پر مجبور ہو گئے

فـعـــاش حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے کے پاس چودہ سال رہے اور حضرت یوسفؑ اپنے والد کے بعد تیرہ سال زندہ رہے اور جب حضرت یوسفؑ کی وفات ہوئی تو لوگوں میں ان کی قبر کے متعلق اختلاف ہوا۔ بالآخر دریائے نیل کے بالائی حصے میں دفن کیا گیا۔ لیکن چار سو سال کے بعد حضرت موسیٰؑ نے بیت المقدس کی طرف ان کا تابوت منتقل کر دیا۔ حضرت یوسفؑ کی اولاد کے نام افرائیم اور میثا د ہیں اور افرائیم کے بیٹے نون اور نون کے بیٹے یوشع ہوئے۔ جو حضرت موسیٰ کے ساتھ رہے اور بعد میں نبوت سے سرفراز ہوئے اور حضرت یوسفؑ کی صاحبزادی کا نام رحمت تھا۔ جو حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی ہوئی تھیں۔ الا رجالا بعض حضرات نے لفظ رجالا سے استدلال کیا ہے کہ نبوت صرف مردوں کے لئے ہوتی ہے۔ عورتوں کے لئے نبوت جائز نہیں ہے۔ لیکن یہ استدلال کمزور ہے۔ کیونکہ یہاں حصر بلحاظ فرشتوں کے ہے۔ عورتوں کے اعتبار سے حصر نہیں ہے بہر حال مسئلہ ظنی ہے اور عورتوں کی نبوت بھی کسی قطعی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ عبـرة چنانچہ حضرت یوسفؑ کو حصیر سے اٹھا کر سریر پر بٹھلا دیا اور غیـابـة الـجـب سے نکال کر مرکز محبت وشہرت بنایا۔ صبر کا انجام سلامتی اور عزت ہے اور مکر کا انجام ذلت وندامت ہوا؟ کل شیء اس کے بعد یـحـتـاج الیه فی الدین کی قید لگانے سے اس دعوائے قرآنی کو غلط بیانی پر محمول نہیں کیا جا سکتا اور ان لوگوں پر بھی رد ہو گیا جو قرآن کے موضوع اصلی سے ہٹ کر ہر قسم کی رطب ویابس باتیں اس میں ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔

﴿تشریح﴾:............ **اللہ والوں کی نظر دوررس اور دوربین ہوتی ہے**:............ جب بھائیوں نے یوسفؑ کی ہلاکت کی خبر باپ کو سنائی تو خون آلود کرتہ جا کر دکھایا تھا۔ اب وقت آ گیا کہ زندگی واقبال کی خوشخبری سنائی جائے تو اس کے لئے بھی کرتے ہی نے نشانی کا کام دیا۔ وہی چیز جو کبھی فراق کا پیام لائی تھی۔ اب وصال کی بشارت بن گئی۔ ادھر کاروان بشارت نے کوچ کیا اور ادھر کنعان میں حضرت یعقوبؑ نے کہنا شروع کیا کہ مجھے تو یوسفؑ کی مہک آ رہی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ وحی الٰہی نے انہیں مطلع کر دیا تھا کہ اب فراق کا زمانہ ختم ہوا اور وصال کا مژدہ جلد آنے والا ہے۔

حضرت یعقوبؑ نے بشارت لانے والے سے توالـم اقـل لـکـم انـی اعـلـم مالا تعلمون فرمایا لیکن جو لوگ حضرت یعقوبؑ کے معجزے کو بعید سمجھ رہے تھے۔ ان سے یہ بات یا تو اس لئے نہیں فرمائی کہ اس سے ان کا جواب بھی نکل رہا ہے اور یا چونکہ ان کی غلطی فوراً ہی ظاہر ہوئی۔ اس لئے جتانے کی چنداں ضرورت نہیں سمجھی اور بیٹوں سے کہے ہوئے ایک مدت گزر چکی تھی۔ اس لئے انی اعلم فرمانے کی ضرورت پڑی اور یا معجزہ کو بعید سمجھنے والوں کی نسبت بیٹوں سے زیادہ سابقہ اور واسطہ پڑتا تھا۔ اس لئے انہی کو قائل کرنا ضروری سمجھا اور چونکہ ان صاحبزادوں سے اس سلسلہ میں حقوق اللہ اور بندوں کے حقوق دونوں میں کوتاہی ہوئی۔ اس لئے دونوں کی تلافی اور مکافات کے لئے عام اور جامع عنوان اختیار کیا۔ تاکہ انـا کنا خاطئین میں دونوں قسم کے حقوق داخل ہو جائیں اور اس لئے

حضرت یعقوبؑ نے بھی استغفار کا وعدہ فرما دیا۔

بھائیوں کی معافی تلافی:............ بھائیوں نے جب حضرت یوسفؑ کے آگے عجز واعتراف کا سر جھکایا تھا تو حضرت یوسف نے بلا تامل لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللّٰہ لکم وھو ارحم الراحمین کہہ کر معاملہ صاف کر دیا۔ مگر جب حضرت یعقوبؑ کی باری آئی اور ان سے معافی اور دعائے مغفرت کے طلبگار ہوئے تو فرمایا۔ میں عنقریب تمہارے لئے دعائے مغفرت کروں گا۔ غرضیکہ دعائے مغفرت کو کسی آئندہ وقت کے لئے ملتوی کر دیا یہ اختلاف حال غالباً اس بات کا نتیجہ ہے کہ بھائیوں نے جو کچھ ظلم کیا تھا وہ حضرت یوسفؑ کی ذات پر خاص کیا تھا۔ اس لئے انہیں عفو ودرگزر میں تامل نہیں ہوا۔ کیونکہ معاملہ خود ان کا معاملہ تھا۔ لیکن حضرت یعقوبؑ کو اس لئے تامل ہوا کہ معاملہ صرف انہی کا نہیں تھا۔ بلکہ حضرت یوسفؑ کا بھی تھا۔ پس فرمایا کہ میں عنقریب استغفار کروں گا۔ یعنی جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ سب یک جا ہوں گے اور بخشش ومعافی کا آخری فیصلہ ہو جائے گا۔ پھر میری دعائیں ہوں گی اور تم ہو گے۔

بچھڑے ہوؤں کا ملاپ:............ قافلہ جب مصر کے قریب پہنچا تو حضرت یوسفؑ نے ان کا استقبال کیا۔ اس زمانہ میں مصر کا دارالحکومت عسیس تھا اور اسے جشن کا شہر کہتے تھے۔ کیونکہ سالانہ جشن وہیں ہوا کرتا تھا۔ پس یہ لوگ دارالحکومت میں آئے۔ جہاں حضرت یوسفؑ نے دربار منعقد کیا اور اپنے والدین کے لئے بلند مسند بچھائی اس کا اب وقت آ گیا تھا۔ جس کا موقعہ سالہا سال پہلے حضرت یوسفؑ نے خواب میں دیکھا تھا۔ جونہی حضرت یوسفؑ دربار میں نمودار ہوئے تمام درباریوں نے مصر کے دستور کے مطابق تعظیم دی اور تعظیم یہ تھی کہ سجدے میں گر پڑے۔ جب یوسفؑ کے والدین اور بھائیوں نے یہ منظر دیکھا تو وہ بھی سجدے میں گر پڑے اور درباریوں کا ساتھ دیا۔ تب حضرت یوسفؑ کو اپنے خواب کی بات یاد آ گئی وہ بے اختیار پکار اٹھے ھذا تاویل رؤیای الخ غرضیکہ آج یہ سب چاند سورج ستارے ان کی عظمت وجلال کے آگے جھک گئے اور وقت کی سب سے بڑی مملکت کے اوج واقبال نے اپنا تخت ان کے لئے خالی کر دیا۔

سجدۂ تعظیمی کی حقیقت اور حکم:............ بہت پہلے زمانہ سے دنیا میں یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ حکمرانوں اور پیشواؤں کے آگے لوگ جھکتے اور سجدے کرتے رہے ہیں اور اسے تعظیم واحترام کی خاص علامت سمجھا جاتا رہا ہے۔ مصر، بابل، ایران، ہندوستان اور بادشاہان بنی اسرائیل۔ سب کے یہاں تعظیم واحترام کا یہی طریقہ رائج تھا اور ہندوستان میں بعض جگہ اب تک رائج ہے۔ لیکن قرآن نے توحید وعمل کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا وہ اس طرح کے رسم ورواج کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ پس جو کچھ بیان کیا گیا وہ محض گذشتہ واقعہ کی حکایت ہے اسلامی احکام کی تشریح نہیں ہے۔ باقی حضرت یعقوبؑ نے مصر سے باہر پہلی ملاقات کے وقت تو سجدہ نہیں کیا اور مصر میں پہنچ کر سجدہ کیا؟ سو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ شہر سے باہر عظمت کے مقابلہ میں چونکہ محبت یوسفؑ غالب تھی۔ اس لئے صرف ملنے جلنے، معانقہ، بات چیت پر اکتفاء کیا جو محبت کے مناسب باتیں ہیں۔ لیکن مصر میں داخل ہونے کے بعد شاہی کر وفر دیکھ کر عظمت کا غلبہ ہو گیا۔ جوش محبت میں جو کچھ سکون ہو جانے کی وجہ سے یا حضرت یوسفؑ کو شاہی اجلاس میں دیکھ کر اس لئے بے اختیار جھک پڑے۔ غرض کہ دونوں جگہ کی حالت میں فرق تھا۔ اس لئے دونوں کے اثرات میں بھی نمایاں فرق ہوا اور اس سجدہ کی حقیقت کیا تھی اور اپنے

والدین سے اتنی بڑی تعظیم اپنے لئے حضرت یوسفؑ نے گوارا کی۔ اوراس کی تحقیق ''عنوان تحقیق'' میں ابھی گذر چکی ہے۔ اسی طرح یہ سرگذشت جس خواب کے تذکرے سے شروع ہوئی تھی اس کی تعبیر پر ختم ہوگئی۔

اشتیاق موت:............ موت کا اشتیاق اگر اللہ کی ملاقات کے شوق میں ہے تب تو جائز ہے جیسے حضرت یوسفؑ کو ہوا۔ ورنہ جائز نہیں ہے یا یوں کہا جائے کہ حضرت یوسفؑ نے موت کی تمنا نہیں کی تھی۔ بلکہ بحالت اطاعت موت کی درخواست کی تھی اور انبیاء کی وفات اگرچہ بحالت اطاعت یقینی ہے۔ لیکن اطاعت کے درجات ومراتب مختلف ہوتے ہیں۔ اس لئے طلب میں کوئی اشکال نہیں ہونا چاہیئے۔ حضرت یوسفؑ کی وفات کا جب وقت آیا تو اپنے بھائیوں اور دوسرے افراد کو وصیت فرمائی کہ اگر تم مصر چھوڑ کر اپنے آبائی وطن ملک شام جانے لگو تو میری نعش بھی اپنے ساتھ لے جانا۔ چنانچہ چارسو سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے پوشیدہ طریقہ سے نکلے تو وحی کے مطابق نعش کا تابوت اپنے ہمراہ لے گئے اور گو سلطنت مصر کے اختیارات حضرت یوسفؑ کو مل گئے تھے۔ لیکن رسمی طور پر بادشاہت شاہی خاندان میں تھی اور حضرت یوسفؑ ''عزیز مصر'' کہلاتے تھے۔ اس لئے حضرت یوسفؑ کی وفات کے بعد بدستور بادشاہت سلاطین مصر کی طرف لوٹ گئی۔ چنانچہ فرعون موسیٰ انہی سلاطین مصر کے سلسلہ میں ہوا۔ اور حضرت موسیٰ کے زمانہ کے بنی اسرائیل برادران یوسفؑ کی اولاد میں سے ہوئے۔

آنحضرتؐ کے پاس پچھلے واقعات معلوم کرنے کا ذریعہ وحی کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں تھا:............ بقول بعض مفسرینؒ کچھ یہودیوں نے آنحضرتؐ سے بطور امتحان پوچھا تھا کہ حضرت یعقوبؑ ملک شام کے رہنے والے تھے پھر ان کی اولاد فرعون کے ہاتھوں مصر میں کہاں پہنچ گئی؟ اس واقعہ میں گویا اس کا تفصیلی جواب موجود ہے بہرحال آیت ذٰلک من انبآء الغیب سے اب خطاب پیغمبر اسلام کی جانب ہے جس میں دعوت حق کی بعض مہمات واضح کی جارہی ہیں مثلاً (۱) اس سرگذشت میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ سرتاسر غیب کی باتیں ہیں۔ اگر وحی الٰہی کا فیضان نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ اس واقعہ کی جزئیات پر تم مطلع ہوتے اور دنیا کے آگے اس طرح پیش کردیتے۔ کیونکہ یہ واقعہ تم سے دو ہزار سال پہلے کا ہے اور دنیا میں گذشتہ واقعات کے علم کے جتنے وسائل ہوسکتے ہیں ان میں سے کوئی وسیلہ ہی تمہارے لئے موجود نہیں اور اگر موجود بھی ہوتو یہ قطعی ہے کہ اس باب میں کچھ مفید نہیں ہوسکتا۔ (۲) مگر کیا حق کے نہ ماننے والے تمہاری سچائی کی یہ واضح دلیل دیکھ کر ایمان لے آئیں گے؟ نہیں تم کتنا ہی چاہو جو ماننے والے نہیں ہیں وہ کبھی نہ مانیں گے (۳) خدا کی کائنات سرتاسر کی حقیقت کی ایک نشانی ہے۔ آسمان وزمین کا کون سا گوشہ ہے جو اس کی نشانیوں سے خالی ہے اور دن رات انسان کو فکر کی دعوت نہیں دے رہا؟ مگر اس کے باوجود بندگان غفلت کا کیا حال ہے؟ وہ ان نشانیوں پر سے گزر جاتے ہیں اور نگاہ اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں؟

انبیاء سے جس نصرت ومدد کا وعدہ تھا اس کی مدت مقررہ گزرنے سے پہلے اگر ظن کا اعتبار کیا جائے۔ تو اس کے معنی غالب گمان کے ہوں گے اور مقررہ مدت کے گزرنے کے بعد اگر اعتبار کیا جائے تو ظن کے معنی یقین کے ہوں گے۔ اسی طرح مایوسی پہلی صورت میں ظن اور دوسری صورت میں یقینی ہوگی۔ لفظ کذبوا کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ لیکن سب سے آسان اور بے تکلف معنی یہ ہیں کہ پیغمبروں نے امداد الٰہی کے بارہ میں جو تخمینہ اور اندازہ لگایا تھا جب وہ پورا ہوگیا اور تائید الٰہی نہیں ہوئی تو ان پر اپنی غلط فہمی واضح

ہوگئی۔ جس سے انبیاء کے حق میں اجتہادی خطا کا ممکن ہونا معلوم ہوا۔ چنانچہ بکثرت احادیث سے بھی خطاء اجتہادی کا انبیاء سے ممکن ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بقول جلال محققؒ اگر کــذبــوا مشدد پڑھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ خود پیغمبروں کو شبہ ہونے لگا کہ کہیں اہل ایمان ہی شک کرنے اور جھٹلانے نہ لگیں۔ پس ظن کے معنی تو ہم اور احتمال کے ہوں گے اور انھم اور کــذبــوا کی ضمیریں پیغمبروں کی طرف ہوں گی اور کذبوا کا فاعل اہل ایمان ہوں گے۔

لطائف آیات: .... آیت **ولمّا فصلت العیر الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء کے مکاشفات کا حال بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ کبھی قریب کی خبر نہیں ہوتی اور کبھی دور دور کی خبر لے آتے ہیں۔ آیت **تــوفـنــی مسـلـمـا الخ** سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو معصوم ہونے کے باوجود انبیاء کفر اور گناہوں سے ڈرتے ہیں۔ دوسرے لقاء خداوندی کے شوق میں موت کی تمنا کرنا۔

آیت **وما یؤمن اکثرھم باللّٰہ الخ** میں قبر پرستی، غیر اللہ کی نذر و نیاز اور غیر اللہ کو نفع اور ضرر رساں سمجھنا بھی آگیا۔ بلکہ بعض صوفیا تو غیر اللہ کی طرف التفات کو شرک میں داخل کرتے ہیں۔

آیت **قـل ھـذہٖ سبیـلـی الخ** سے معلوم ہوا کہ اللہ کی طرف دعوت دینے والے کو وصول الی اللہ کے طریقوں کا ماہر اور اللہ کی ذات وصفات کا عارف ہونا چاہئے۔ بقول علامہ آلوسیؒ اس سورت سے یہ فوائد حاصل ہو رہے ہیں (۱) قضاء الٰہی کو کوئی روک نہیں سکتا (۲) تقدیر کے مقابلہ میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی (۳) اللہ اگر کسی پر فضل وکرم کرنا چاہے تو سارا عالم بھی اسے روک نہیں سکتا (۴) حسد، نقصان وذلت کا باعث ہوتا ہے (۵) صبر کامیابی کی کنجی ہے (۶) تدبیر کرنا عقل کی بات اور عقل سے معاش کی بہترائی ہوتی ہے (۷) سلاطین کے لئے عدل وانصاف اور پرہیزگاروں کے لئے نفسانی شہوتوں کو چھوڑنا اور غلام اور نوکروں کے لئے اپنے آقا کی آبرو کی حفاظت کرنا اور قدرت کے ہوتے ہوئے خطاوار کو معاف کردینا وغیرہ۔ سامان عبرت بھی اس سورت میں موجود ہے۔

سُــورَةُ الــرَّعْــدِ

سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَلْاٰيَةُ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا اَلْاٰيَةُ اَوْ مَدَنِيَّةٌ اِلَّا وَلَوْاَنَّ قُرْاٰنًا اَلْاٰيَتَيْنِ ثَلَاثٌ اَوْ اَرْبَعٌ اَوْ خَمْسٌ اَوْ سِتٌّ وَاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓرٰ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ **تِلْكَ** هٰذِهِ الْاٰيَاتُ **اٰيٰتُ الْكِتٰبِ** اَلْقُرْاٰنِ وَالْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى مِنْ **وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ** اَىِ الْقُرْاٰنُ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ **الْحَقُّ** لَاشَكَّ فِيْهِ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** اَىْ اَهْلَ مَكَّةَ **لَايُؤْمِنُوْنَ** ﴿۱﴾ بِاَنَّهٗ مِنْ عِنْدِهٖ تَعَالٰى **اَللّٰهُ الَّذِىْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا** اَىِ الْعَمَدُ جَمْعُ عِمَادٍ وَهُوَ الْاُسْطُوَانَةُ وَهُوَ صَادِقٌ بِاَنْ لَاعَمَدَ اَصْلًا **ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ** اِسْتِوَاءً يَلِيْقُ بِهٖ **وَسَخَّرَ** ذَلَّلَ **الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ** مِنْهُمَا **يَّجْرِىْ** فِىْ فَلَكِهٖ **لِاَجَلٍ مُّسَمًّى** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **يُدَبِّرُ الْاَمْرَ** يَقْضِىْ اَمْرَ مُلْكِهٖ **يُفَصِّلُ** يُبَيِّنُ **الْاٰيٰتِ** دَلَالَاتِ قُدْرَتِهٖ **لَعَلَّكُمْ** يَا اَهْلَ مَكَّةَ **بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ** بِالْبَعْثِ **تُوْقِنُوْنَ** ﴿۲﴾ **وَهُوَ الَّذِىْ مَدَّ** بَسَطَ **الْاَرْضَ وَجَعَلَ** خَلَقَ **فِيْهَا رَوَاسِىَ** جِبَالًا ثَوَابِتَ **وَاَنْهٰرًا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ** خَلَقَ **فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ** مِنْ كُلِّ نَوْعٍ **يُغْشِى** يُغَطِّى **الَّيْلَ** بِظُلْمَتِهٖ **النَّهَارَ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرِ **لَاٰيٰتٍ** دَلَالَاتٍ عَلٰى وَحْدَانِيَّتِهٖ تَعَالٰى **لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ** ﴿۳﴾ فِىْ صُنْعِ اللّٰهِ **وَفِى الْاَرْضِ قِطَعٌ** بِقَاعٌ مُخْتَلِفَةٌ **مُّتَجٰوِرٰتٌ** مُتَلَاصِقَاتٌ فَمِنْهَا طَيِّبٌ وَسَبْخٌ وَقَلِيْلُ الرَّيْعِ وَكَثِيْرُهٗ وَهُوَ مِنْ دَلَائِلِ قُدْرَتِهٖ تَعَالٰى **وَّجَنّٰتٌ** بَسَاتِيْنُ **مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ** بِالرَّفْعِ عَطْفًا عَلٰى جَنَّاتٍ وَالْجَرِّ عَلٰى اَعْنَابٍ وَكَذَا قَوْلُهٗ **وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ** جَمْعُ صِنْوٍ وَهِىَ النَّخَلَاتُ يَجْمَعُهَا اَصْلٌ وَاحِدٌ وَتَتَشَعَّبُ فُرُوْعُهَا **وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ** مُنْفَرِدَةٍ **يُّسْقٰى** بِالتَّاءِ اَىِ الْجَنَّاتُ وَمَا فِيْهَا وَالْيَاءِ اَىِ الْمَذْكُوْرِ **بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ** بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ **بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِى**

الْاُكُلُ بِضَمِّ الْكَافِ وَسُكُوْنِهَا فَمِنْ حُلْوٍ وَحَامِضٍ وَهُوَ مِنْ دَلَائِلِ قُدْرَتِهٖ تَعَالٰى **اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرِ **لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴿۴﴾** يَتَدَبَّرُوْنَ **وَاِنْ تَعْجَبْ** يَامُحَمَّدُ مِنْ تَكْذِيْبِ الْكُفَّارِ لَكَ **فَعَجَبٌ** حَقِيْقٌ بِالْعُجُبِ **قَوْلُهُمْ** مُنْكِرِيْنَ لِلْبَعْثِ **ءَ اِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَ اِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ** لِاَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى اِنْشَاءِ الْخَلْقِ وَمَا تَقَدَّمَ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ قَادِرٌ عَلٰى اِعَادَتِهِمْ وَفِی الْهَمْزَتَيْنِ فِی الْمَوْضِعَيْنِ التَّحْقِيْقُ وَتَحْقِيْقُ الْاُوْلٰى وَتَسْهِيْلُ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالُ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ وَتَرْكُهَا وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْاِسْتِفْهَامِ فِی الْاَوَّلِ وَالْخَبَرُ فِی الثَّانِیْ وَاُخْرٰى عَكْسُهٗ **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴿۵﴾** وَنَزَلَ فِیْ اِسْتِعْجَالِهِمُ الْعَذَابَ اِسْتِهْزَاءً **وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ** الْعَذَابِ **قَبْلَ الْحَسَنَةِ** الرَّحْمَةِ **وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ** جَمْعُ الْمَثُلَةِ بِوَزْنِ السَّمُرَةِ اَیْ عُقُوْبَاتُ اَمْثَالِهِمْ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ فَلَا يَعْتَبِرُوْنَ بِهَا **وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى** مَعَ **ظُلْمِهِمْ** وَاِلَّا لَمْ يَتْرُكْ عَلٰى ظَهْرِهَا دَابَّةً **وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ﴿۶﴾** لِمَنْ عَصَاهُ **وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ** هَلَّا **اُنْزِلَ عَلَيْهِ** عَلٰى مُحَمَّدٍ **اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ** كَالْعَصَا وَالْيَدِ وَالنَّاقَةِ قَالَ تَعَالٰى **اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ** مُخَوِّفُ الْكَافِرِيْنَ وَلَيْسَ عَلَيْكَ اِتْيَانُ الْاٰيَاتِ **وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴿۷﴾** نَبِیٌّ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ بِمَا يُعْطِيْهِ مِنَ الْاٰيَاتِ لَا بِمَا يَقْتَرِحُوْنَ ع

ترجمہ:.............سورۂ رعد مکی ہے بجز آیت **ولا یزال الذین کفروا** الخ اور آیت **ویقول الذین کفروا** الخ کے یا یہ کہ یہ سورۃ مدنی ہے۔ بجز **ولو أن قرانا** دو آیتوں کے اور سورۃ میں کل ۴۳ یا ۴۴ یا ۴۵ یا ۴۶ آیات ہیں۔

الف، لام، میم، را (ان کی حقیقی مراد اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے) یہ (آیتیں) ایک بڑی کتاب کی ہیں (قرآن پاک کی اس میں اضافت بواسطہ من کے ہے) اور جو کچھ آپ کے پروردگار کی جانب سے آپ پر نازل کیا جاتا ہے (یعنی قرآن، یہ مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) وہ بالکل سچ ہے (جس میں قطعاً شبہ کی گنجائش نہیں ہے) مگر اکثر آدمی (مکہ کے) ایمان نہیں لاتے (اس پر کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے) یہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اونچا کر دیا تم دیکھ رہے ہو کہ کوئی ستون انہیں تھامے ہوئے نہیں ہے (**عمد**، **عماد** کی جمع ہے۔ بمعنی ستون اور نہ دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ستون موجود ہی نہیں کہ نظر آئے، پھر وہ اپنے تخت پر نمودار ہوا (جس طرح اس کے شایان شان تھا) اور سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا (بیگار میں جوڑ دیا) کہ ہر ایک (اپنے اپنے مدار پر) ایک ٹھہرائی ہوئی مدت (قیامت) تک کے لئے چلا جا رہا ہے، وہی انتظام کر رہا ہے (اپنے ملک کی تدبیر کرتا ہے) اور نشانیاں الگ الگ کر کے بیان کر دیتا ہے۔ تاکہ تمہیں (اے مکہ والو!) یقین ہو جائے کہ (قیامت کے روز) اپنے پروردگار سے ملنا ہے۔ اور وہی ہے جس نے زمین کی سطح پھیلا دی ہے اور اس میں پہاڑ بنا دیئے (مضبوط جما دیئے) نہریں جاری کر دیں اور ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے دو دو قسم کے اگا دیئے، رات (کی اندھیری) سے دن کو چھپا دیتا ہے یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لئے کتنی ہی نشانیاں (دلائل وحدانیت) ہیں

جو (اللہ کی کاریگری میں) غور وفکر کرنے والے ہیں اور زمین میں مختلف قطعے (ٹکڑے) ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے (پاس پاس، کچھ ان میں عمدہ ہیں اور کچھ زمین شور، اور کچھ میں پیداوار کم ہے اور کچھ میں زیادہ، یہی اس کی قدرت کے کرشمے ہیں) اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں (لفظ زرع رفع کے ساتھ جنات پر معطوف ہے اور جر کی صورت میں اعناب پر اس کا عطف ہوگا۔ اسی طرح اگلے لفظ کی ترکیب ہوگی) اور کھجوریں ہیں جن میں بعضے تو ایسے ہیں کہ ایک تنے سے اوپر جا کر دو تنے ہو جاتے ہیں (صنوان جمع صنو کی ہے۔ کھجور کے وہ درخت جن کی شاخیں تو مختلف ہوں مگر جڑ ایک ہو) اور بعضے دو تنے دار نہیں ہوتے بلکہ جڑ سے شاخ تک ایک ہی تنا چلا جاتا ہے) سب سیراب ہوتے ہیں (یہ لفظ تا کے ساتھ اگر ہو تو باغ اور اس کی پیداوار مراد ہوگی اور اگر یا کے ساتھ پڑھا جائے تو مذکور چیز مراد ہوگی) ایک ہی پانی سے، مگر ہم بعض پھلوں کو بعض پھلوں پر ذائقہ میں (لفظ اکل ضم کاف اور سکون کاف کے ساتھ ہے۔ چنانچہ بعض پھل میٹھا اور بعض کھٹا ہوتا ہے جو اللہ کی قدرت کی دلیل ہے) برتری دیتے ہیں (لفظ یفصل نون اور یاء کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے) اس بات میں ان لوگوں کے لئے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں (غور کرتے ہیں) اور اگر اس بات کو تعجب خیز سمجھتے ہیں (اے محمدؐ کہ کفار آپ کو جھٹلا رہے ہیں) تو ان (منکرین قیامت) کا یہ قول لائق تعجب ہے کہ جب ہم مٹی ہو گئے پھر کیا خاک ہم نئے سرے سے پیدا کئے جائیں گے (کیونکہ جو ذات بلا نمونہ کے ابتداء میں پیدا کر سکتی ہے تو وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بطریق اولیٰ قدرت رکھے گی اور لفظ ءاذا اور ءانا دونوں جگہ ہمزہ کو تحقیق سے پڑھا گیا ہے اور پہلی ہمزہ کی تحقیق اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل کے ساتھ اور ان دونوں صورتوں میں دونوں ہمزوں کے بیچ میں الف داخل کر کے اور بغیر الف کے بھی پڑھا گیا ہے اور ایک قرأت میں پہلے لفظ پر ہمزہ استفہام اور دوسرے میں خبر ہے اور ایک قرأت میں اس کے برعکس ہے یعنی پہلا خبر اور دوسرا استفہام ہے) یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار سے انکار کیا اور یہی ہین جن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے اور یہی ہیں جو دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (کفار بطور مذاق، عذاب کے بارے میں جلدی کر رہے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی) اور یہ لوگ عافیت (رحمت) سے پہلے آپ سے مصیبت (عذاب) کے بارے میں تقاضا کرتے ہیں۔ حالانکہ ان سے پہلے ایسی سرگذشتیں گزر چکی ہیں جن کی کہاوتیں بن گئیں (مثلات، مثلة کی جمع ہے۔ سمرہ کے وزن پر یعنی ایسے ہی جھٹلانے والوں پر سزائیں آ چکی ہیں۔ پھر کیا ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے) اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کا پروردگار بڑا ہی درگزر کرنے والا ہے لوگوں کی خطاؤں سے، ان کی بے جا حرکتوں کے باوجود (ورنہ زمین پر کوئی جاندار چیز نہ چھوڑتا) اور یہ یقینی بات ہے کہ آپ کا پروردگار سزا دینے میں بھی بڑا ہی سخت ہے (نافرمانوں کو) اور جن لوگوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا ہے وہ یوں کہتے ہیں۔ اس آدمی (محمدؐ) پر، پروردگار کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں آئی (جیسے عصائے موسوی اور ہاتھ کا روشن ہو جانا اور اونٹنی کا معجزہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) حالانکہ آپ صرف ڈرانے والے ہیں (کافروں کو خوف دلانے والے ہیں، کافروں کو نشانیاں دکھلانا آپ کا کام نہیں) اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما ہوا ہے (نبی جو اللہ کی عطا کردہ نشانیوں کی طرف بلاتا ہے۔ نہ کہ خود ساختہ نشانیوں کی طرف۔

تحقیق وترکیب: .... **تلک** بمعنی **هذه** کہہ کر اشارہ کر دیا کہ مشار الیہ حاضر ہے **اللّٰه الذی** وجود باری پر پہلے علوی دلائل بیان کئے جا رہے ہیں۔ پھر **وهو الذی مدالارض** سے عالم سفلی سے متعلق دلائل بیان کئے جا رہے ہیں۔ **عمد** یہ **عماد** کی جمع ہے جیسے **اهاب** کی جمع **اهب** ہے۔ اس کے صادق ہونے کی صورت یہ ہے کہ آسمان کے لئے ستون ہی نہیں کہ نظر آئے۔ کیونکہ مقید چیز کی نفی جس طرح قید کی نفی سے ہو سکتی ہے اسی طرح خود مقید اور قید دونوں کی نفی سے بھی ہو جاتی ہے اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ آسمان کے ستون تو ہیں مگر نظر نہیں آتے۔ لفظ **ترونها** سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فضا میں جو نیلگوں حصہ نظر آتا ہے وہی آسمان ہے

لیکن فلاسفہ اس محسوس رنگ کو روشنی اور اندھیرے کے مجموعہ کا اثر بتلاتے ہیں۔ اس تحقیق کو اگر صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی ظاہر آیت کے خلاف نہیں ہے بلکہ دونوں باتیں جمع ہوسکتی ہیں۔ اسی نور وظلمت میں اگر آسمان کا رنگ بھی جھلکتا ہوتو کیا تعجب ہے۔ پھر یہ آسمان کا رنگ اور اس مجموعہ کا رنگ دونوں موافق ہوں جیسے حدیث **ما اظلمت الخضراء** سے بظاہر معلوم ہوتا ہے اور یا دونوں کا رنگ الگ الگ ہو۔ مگر یکجا ہو کر ملنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اس دیکھنے سے مراد حقیقتاً دیکھنا نہیں ہے بلکہ نظر حکمی مراد ہے یعنی دلائل سے اس کا موجود ہونا اور اس کی کیفیت وصفت ایسی معلوم ہے کہ گویا آنکھوں سے دیکھ لیا۔ **ثم استوی** لفظ ثم صرف عطف کے لئے ہے۔ اس میں تراخی کا اعتبار نہیں ہے اور **استوی** کی تفسیر جلال محققؒ نے سلف کے طریقہ پر کی ہے ورنہ متاخرین کے نزدیک **استوی،** کے حقیقی معنی لینے میں چونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے جسمیت وجہت لازم آتی ہے اس لئے متاخرین نے تاویلاً مجازی معنی لئے ہیں۔ یعنی قہر وغلبہ اور استیلاء کے معنی **مد الارض** اس سے بعض حضرات نے زمین کے مسطح ہونے پر استدلال کیا ہے۔ لیکن امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ زمین کے کردی ہونے کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ کرہ اگر بڑا ہوتو اس پر امتداد ہوسکتا ہے **اثنین** جیسے کھٹا میٹھا یا سیاہ وسفید ہونا۔ **صنوان** علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ جو دوفرع کو ایک اصل جمع کردے ان میں سے ہر ایک فرع کو صنو کہا جائے گا اور دوتنا کی تخصیص تمثیلاً ہے ورنہ بعض درختوں میں زائد تنے اور شاخیں ہوتی ہیں۔ **بماء واحد** پانی کی تعریف خازنؒ کرتے ہیں "**والماء جسم رقیق ماء به حیاة کل نام**" اور بعض نے **جوهر سیال به قوام الارواح** سے تعریف کی ہے۔ بہر حال جس طرح ایک پانی سے ہزار ہا قسم کے پھل پھول، قدرت کی کمال صناعی پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی طرح اولاد آدم کی اصل ایک ہوتے ہوئے پھر طبائع اور کمالات میں تنوع اس کی بے مثال قدرت کی خبر دیتا ہے۔ **یعقلون** پہلی آیت میں **یتفکرون** فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ وہاں دن رات کے اختلاف سے استدلال کیا گیا ہے جو یہاں کے استدلال کے مقابلہ میں سہل ہے دوسری بات یہ ہے کہ کسی چیز میں تفکر کرنا تعقل کا سبب ہوتا ہے اور سبب مسبب سے پہلے ہوا کرتا ہے۔ **قادر علی اعادتهم** جب قدرت کا تعلق کسی چیز کے ساتھ مان لیا جائے تو پھر ابتداء اور اعادہ دونوں برابر ہوں گے تاہم حق تعالیٰ کا اعادہ کے متعلق **بل هو اهون** کہنا بلحاظ انسانی عادت کے ہے **لم یترک علی ظهرها دابة** جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے۔ **ولو یؤاخذ اللّٰه الناس بظلمهم ما ترک علی ظهرها من دابة** سدیؒ کی رائے یہ ہے کہ قرآن میں اس آیت کا مضمون سب سے زیادہ پرامید ہے۔ کیونکہ ظلم کے ہوتے ہوئے مغفرت کا وعدہ فرمایا اور توبہ کی شرط بھی نہیں لگائی۔

ربط آیات: .... سورۂ یوسف کے آخر میں توحید ورسالت اور رسالت سے متعلق شبہات کا جواب اور آنحضرتؐ کی تسلی اور قرآن کی حقانیت اور وعدو وعید کے مضامین کا بیان ہوا تھا۔ اس سورت میں بھی یہی مضامین ہیں۔ فرق اجمال وتفصیل کا ہے۔ چنانچہ آیت **المر الخ** سے قرآن کی حقانیت اور آیت **اللّٰه الذی رفع السمٰوٰت الخ** سے توحید اور آیت **وان تعجب الخ** سے نبوت پر شبہات کا جواب ہے۔

﴿ **تشریح** ﴾: .... **خلاصۂ سورت:** .... تمام مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی دین حق کی بنیادی عقائد کا بیان ہے۔ یعنی توحید رسالت، وحی، جزاء، عمل کو ذکر کیا جارہا ہے۔

اور سورت کی تمام نصیحت وتذکیر کے لئے جو مرکز بیان ہے وہ حق وباطل کی حقیقت اور ان کی باہمی آویزش کا قانون ہے۔ حق وباطل کے امتیاز کا یہی عالمگیر اور فیصلہ کن قانون ہے۔ جو قرآنی دعوت کی حقانیت اور عدم حقانیت کا فیصلہ کردے گا۔ اگر پیغمبر اسلام کا

اعلان رسالت حق ہے تو حق کا خاصہ یہی ہے کہ باقی رہے اور فتح مند ہو اور باطل ہے تو بلاشبہ باطل کے لئے مٹ جانا مراد ہوتا ہے۔ یہی اللہ کی شہادت ہے۔ جس سے بڑھ کر کوئی فیصلہ کن شہادت نہیں ہوسکتی۔ اور اب اس شہادت کے ظاہر ہونے کا انتظار ہونا چاہیئے۔

قرآن کی حقانیت:............ اس سورت کی ابتداء اس اعلان سے ہورہی ہے کہ قرآن انسانی بناوٹ فکر کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے اور حق ہے۔ لیکن سننے والوں میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اسے نہیں مانتے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان کے مقابلہ میں اس کی حقانیت واضح ہوجائے۔ پھر آگے اللہ کی ہستی اور آخرت کی زندگی پر ربوبیت سے استدلال کیا جارہا ہے اور یہ حقیقت واضح کی جارہی ہے کہ زمین وآسمان کی ہر چیز کسی ایسی ہستی کی موجودگی کی شہادت دے رہی ہے جس نے جو کچھ بنایا ہے۔ مصلحتوں اور حکمتوں کے ساتھ بنایا ہے اور یہاں ذرہ ذرہ اسی کی حکمت وتدبیر اور انتظام سے چل رہا ہے پھر فرماتے ہیں کہ ان نشانیوں پر غور کرنا دلوں میں یقین پیدا کرتا ہے کہ انسانی زندگی صرف اتنی ہی بات کے لئے نہیں ہوسکتی جتنی دنیوی زندگی میں نظر آرہی ہے۔ ضروری ہے کہ کوئی دوسرا مرحلہ بھی پیش آنے والا ہو۔ وہ یہ کہ مخلوق کو خالق کے حضور پیش ہونا ہوگا۔

قدرت الٰہی کے تین درجے:............ اللہ الــــذی میں نظر ڈالنے سے قدرت اور حکمت الٰہی کے تین مرتبے کھلتے ہیں۔ (۱) سب سے پہلے آسمانوں کی پیدائش اور فضا میں ان کو پھیلا دینا۔ وہ اس طرح بلند کئے گئے ہیں کہ کوئی سہارا انہیں تھامے ہوئے نہیں ہے۔ محض جذب وانجذاب کا قانون ہے جس کے توازن نے انہیں اپنی اپنی جگہ معلق کررکھا ہے۔ (۲) ان کی پیدائش کے بعد ضروری تھا کہ کچھ احکام اور قوانین ہوں اور انہیں نافذ کیا جائے۔ بس اللہ کا تخت حکومت بچھ گیا اور تمام کائنات ہستی پر اس کی فرمانروائی نافذ ہوگئی اور اس کے احکام کے سامنے سب جھک گئے۔ (۳) اللہ کے احکام وقوانین کس طرح نافذ ہوتے ہیں؟ اس کے لئے چاند، سورج کو دیکھو، احکام الٰہی نے کس طرح انہیں مسخر کررکھا ہے؟ برابر ان کی خلاف ورزی نہیں کرسکتے ان کی گردش کے لئے جو میعادیں ٹھہرائی گئی ہیں ٹھیک اس کے مطابق چل رہے ہیں۔ پھر یہ سب کچھ جو ہوا اور ہورہا ہے وہ اس حقیقت کی شہادت ہے کہ یہاں تدبیر کرنے والا ایک ہاتھ موجود ہے ورنہ ممکن نہ تھا کہ یہ سب کچھ ظہور میں آجاتا اور قائم وجاری رہتا اور جب ایسا ہو تو کیوں کر ممکن ہے کہ انسانی اعمال کے لئے اس نے کوئی انتظام نہ کیا ہو اور انسانی زندگی ایک بے کار کام کی طرح رائیگاں جائے؟

زمین پر قدرت الٰہی کی نشانیاں:............ آیت وفــی الارض الخ میں فرمایا جارہا ہے کہ زمین کو دیکھو ایک گیند کی طرح گول ہے لیکن اس کی سطح کا ہر حصہ ایسا واقع ہوا ہے کہ گولائی محسوس ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے ایک فرش بچھا ہوا ہو اس پر پہاڑ پیدا کردیئے گئے۔ جن کی چوٹیوں پر برف جمتی اور پگھلتی رہتی ہے اور اس طرح ان نہروں کی روانی کا سامان ہوتا رہتا ہے جو میدانی زمینوں سے گذرتی ہے اور انہیں سیراب کرتی رہتی ہے۔ پھر زمین میں روئیدگی کی کیسی عجیب وغریب قوت پیدا کردی۔ جس سے اس کی تمام اقسام طرح طرح کی خوش ذائقہ غذاؤں کا خوان نعمت بن گئی ہے ہر طرح کے پھلوں کے درخت ہیں، ہر طرح کی دواؤں کی فصلیں ہیں، سب میں دو دو ستون اور جوڑوں کا اصول کام کررہا ہے۔ اس اعتبار سے بھی کہ نباتات کی کوئی قسم نہیں جس میں جانوروں کی طرح نر و مادہ کی جنسی تقسیم نہ ہو اور اس لحاظ سے بھی کہ ہر درخت کے پھل کھٹے میٹھے، اچھے برے، خوش ذائقہ، بدذائقہ، اعلیٰ، ادنیٰ ہوتے ہیں۔ پھر اس کی حکمت کا یہ کرشمہ دیکھو کہ رات اور دن کا ایک دائمی انقلاب طاری رہتا ہے جو نباتات کی روئیدگی اور پختگی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ جب دن کی تپش انہیں خوب اچھی طرح گرم کردیتی ہے تو رات آتی ہے اور زمین کو ڈھانپ لیتی ہے اور اس کی چادر کے تلے وہ خنکی اور ٹھنڈک حاصل کرلیتے ہیں۔

تاثیر کے لئے فاعل کے ساتھ جوہر قابل کا ہونا ضروری ہے:.......... پھر ربوبیت الٰہی کا یہ کرشمہ دیکھو کہ زمین کی سطح ایک ہے۔لیکن زمین کے مختلف قطعات یکساں نہیں ہیں۔سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں۔مگر اپنی روئیدگی اور پیداوار کی مختلف خدمتیں انجام دے رہے ہیں۔ایک قطعہ میں باغ ہیں۔ایک میں کھیت ہیں۔ایک میں نخلستان ہیں۔پھر اگر چہ زمین ایک ہے اور ایک ہی پانی سے ہر قطعہ سیراب ہوتا ہے۔لیکن ہر درخت کا پھل یکساں نہیں۔کسی جگہ ایک ہی پھل اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے کسی جگہ کا ادنیٰ درجہ کا، کسی کا مزہ کچھ ہوتا ہے کسی کا کچھ۔کائنات ہستی کے ان تمام کارخانوں کا اس نگرانی اور دقیقہ سنجی کے ساتھ نفع بخش اور کارآمد ہونا اور مخلوقات کی ضروریات زندگی کا اس عجیب وغریب طریقہ کے ساتھ انتظام پانا، کیا اس حقیقت کا اعلان نہیں ہے کہ ایک پرورش کنندہ اور مدبر ہستی موجود ہے اور یہاں جو کچھ ہو رہا ہے کسی مقصد اور منتہٰی کے لئے ہو رہا ہے؟

اقرارِ آخرت عجیب نہیں بلکہ انکارِ آخرت عجیب تر ہے:.......... آیت **وَاِنْ تَعْجَبْ الخ** کا حاصل یہ ہے کہ کائنات ہستی کی ہر بات یقین دلا رہی ہے کہ یہ کارخانہ حکمت وتدبیر کسی مصلحت ومقصد کے بغیر نہیں ہوسکتا اور ضروری ہے کہ انسان کی زندگی صرف اتنی ہی نہ ہو کہ پیدا ہوا، کھایا، پیا اور فنا ہوگیا۔بلکہ اس کے بعد بھی کچھ ہونے والا ہے ورنہ تدبیر ومصلحت کا سارا کارخانہ باطل ہو جاتا ہے۔لیکن اگر اس پر بھی لوگوں کی غفلت کا یہ حال ہے کہ آخرت کی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تو اس سے زیادہ کون سی بات عجیب ہوسکتی ہے؟ عجیب بات یہ نہیں ہے کہ مرنے کے بعد پھر انسان پر ایک دوسری زندگی طاری ہوگی۔کیونکہ اس کی شہادت تو دنیا کی ہر چیز دے رہی ہے۔عجیب بات یہ ہے کہ انسان صرف دنیاوی زندگانی پر قانع اور مطمئن ہو جائے اور سمجھ لے کہ اس کی پیدائش سے جو کچھ مقصود تھا وہ صرف اتنا ہی تھا کہ ایک مرتبہ پیدا ہوا اور کچھ دنوں کھا پی کر مرگیا۔عقل ودانش کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر کہا جاتا۔کہ یہ زندگی صرف دنیا ہی کی زندگی ہے تو طبیعتیں کسی طرح مطمئن نہ ہوتیں اور شک وشبہ میں پڑ جاتیں کہ کیا ایسا ہوسکتا ہے؟ لیکن منکرین حیات کا حال یہ ہے کہ انہیں کہا جا رہا ہے۔زندگی صرف اتنی ہی نہیں ہے اور وہ ہیں کہ حیران ہو کر کہتے ہیں، جب مرگئے اور گل سڑ کر مٹی ہوگئے تو کیا پھر زندگی کا ایک نیا خول مل جائے گا۔

انسان اچھائی کی طرح برائی کے چاہنے میں بھی جلد باز ہے:.......... **ویستعجلونک** الخ میں انکار کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے کہ انسان بھلائی کی جگہ برائی کے لئے جلدی مچانے لگتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ اگر انکار اور بدعملی کا برا نتیجہ نکلنے والا ہے تو وہ نتیجہ کہاں ہے؟ کیوں پیش نہیں آجاتا؟ فرمایا کہ اس لئے کہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور درگزر کرنے والا ہے۔پس فوراً نتیجہ بد پیش آجاتا مہلتوں پر مہلتیں دی جاتی ہیں لیکن جب وقت آجاتا ہے تو وہ شدید العقاب بھی ہے اس وقت پاداش عمل ہرگز ٹلنے والی نہیں ہوتی اور نہ کسی طرح کی نرمی کی گنجائش رہتی ہے۔آیت **ویقول الذین** الخ میں انسان کی اس عام گمراہی کا ازالہ کیا جارہا ہے کہ وہ سچائی کو سچائی میں نہیں ڈھونڈتا بلکہ دوسری چیزوں میں تلاش کرتا ہے۔چنانچہ اچنبھوں اور عجائب کاریوں کو سچائی کی دلیل سمجھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ سب سے زیادہ سچا انسان وہ ہے جو سب سے زیادہ عجیب وغریب ہو۔قرآن نے جن بنیادی گمراہیوں کو دور کیا ہے ان میں ایک گمراہی یہ ہے کہ ان سے جابجا یہ حقیقت واضح کردی ہے کہ دعوت حق کی شناخت خود دعوت حق ہے نہ کہ عجائب وغرائب کا ظہور، جسے لوگوں نے دلیل صداقت سمجھ رکھا ہے۔لوگ کہتے ہیں عجیب وغریب قسم کی نشانیاں اس شخص کے لئے کیوں ظاہر نہیں ہوئیں؟ لیکن وہ نہیں جانتے کہ انبیاء کا ظہور تماشے اور عجائبات دکھلانے کے لئے نہیں ہوتا۔ہدایت خلق کے لئے ہوتا ہے۔جس طرح دنیا کی ہر قوم کے لئے ایک ہدایت کرنے والا انسان پیدا ہو چکا ہے۔اسی طرح تم بھی ہدایت کے لئے ظاہر ہوئے ہو۔آپ کا دعویٰ یہ نہیں کہ میں

اچنبھے دکھلانے کے لئے آیا ہوں۔ دعویٰ یہ ہے کہ ہدایت کی راہ دکھانے آیا ہوں۔ پس حق کے طالب کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ آپ کی زندگی، آپ کی تعلیم، آپ کا طریقہ واقعی ہدایت کا ہے یا نہیں ہے؟

لطائف آیات: .... آیت میں **ھادی** کا لفظ عام ہے، نبی اور نائب نبی دونوں اس میں داخل ہیں۔ پس کسی ملک میں مطلقاً کسی ہادی کے آنے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ ہادی نبی ہی ہو۔ ممکن ہے وہ نبی کا نائب ہو۔ آیت **وفی الارض الخ** سے معلوم ہوا کہ فاعل اگر ایک ہی ہو تب بھی قابلیتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے ثمرات مختلف ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک مربی ہونے کے باوجود قلوب کی استعداد اگر مختلف ہو تو نتائج وثمرات بھی مختلف رونما ہوں گے۔ اور یہ نہ مربی کے اختیار میں ہے اور نہ اس کے بخل کی دلیل ہے۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَاتَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى مِنْ ذَكَرٍ وَاُنْثٰى وَوَاحِدٍ وَمُتَعَدَّدٍ وَغَيْرَ ذٰلِكَ **وَمَا تَغِيْضُ** تَنْقُصُ **الْاَرْحَامُ** مِنْ مُدَّةِ الْحَمْلِ **وَمَا تَزْدَادُ** مِنْهُ **وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴿۸﴾** بِقَدْرٍ وَحَدٍّ لَا يَتَجَاوَزُهٗ **عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ** مَاغَابَ وَمَا شُوْهِدَ **الْكَبِيْرُ** الْعَظِيْمُ **الْمُتَعَالِ ﴿۹﴾** عَلٰى خَلْقِهٖ بِالْقَهْرِ بِيَاءٍ وَدُوْنِهَا **سَوَآءٌ مِّنْكُمْ** فِيْ عِلْمِهٖ تَعَالٰى **مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ** مُسْتَتِرٍ **بِالَّيْلِ** بِظَلَامِهٖ **وَسَارِبٌ** ظَاهِرٌ بِذِهَابِهٖ فِيْ سَرْبِهٖ اَيْ طَرِيْقِهٖ **بِالنَّهَارِ ﴿۱۰﴾** **لَهٗ** لِلْاِنْسَانِ **مُعَقِّبٰتٌ** مَلَائِكَةٌ تَعْتَقِبُهٗ **مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ** قُدَّامِهٖ **وَمِنْ خَلْفِهٖ** وَرَائِهٖ **يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ** اَيْ بِاَمْرِهٖ مِنَ الْجِنِّ وَغَيْرِهِمْ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَابِقَوْمٍ** لَايَسْلُبُهُمْ نِعْمَتَهٗ **حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ** مِنَ الْحَالَةِ الْجَمِيْلَةِ بِالْمَعْصِيَةِ **وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا** عَذَابًا **فَلَا مَرَدَّ لَهٗ** مِنَ الْمُعَقِّبَاتِ وَلَاغَيْرِهَا **وَمَالَهُمْ** لِمَنْ اَرَادَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهِمْ سُوْءًا **مِّنْ دُوْنِهٖ** اَيْ غَيْرِ اللّٰهِ **مِنْ** زَائِدَةٌ **وَّالٍ ﴿۱۱﴾** يَمْنَعُهٗ عَنْهُمْ **هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا** لِلْمُسَافِرِ مِنَ الصَّوَاعِقِ **وَّطَمَعًا** لِلْمُقِيْمِ فِي الْمَطَرِ **وَّيُنْشِئُ** يَخْلُقُ **السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾** بِالْمَطَرِ **وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ** هُوَ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ بِالسَّحَابِ يَسُوْقُهٗ مُتَلَبِّسًا **بِحَمْدِهٖ** اَيْ يَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ **وَ** تُسَبِّحُ **الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ** اَيِ اللّٰهِ **وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ** وَهِيَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ السَّحَابِ **فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ** فَتُحْرِقُهٗ نَزَلَ فِيْ رَجُلٍ بَعَثَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَدْعُوْهُ فَقَالَ مَنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ اَمِنْ ذَهَبٍ هُوَ اَمْ مِّنْ فِضَّةٍ اَمْ نُحَاسٍ فَنَزَلَتْ بِهٖ صَاعِقَةٌ فَذَهَبَتْ بِقِحْفِ رَأْسِهٖ **وَهُمْ** اَيِ الْكُفَّارُ **يُجَادِلُوْنَ** يُخَاصِمُوْنَ النَّبِيَّ **فِي اللّٰهِ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾** الْقُوَّةِ اَوِ الْاَخْذِ **لَهٗ** تَعَالٰى **دَعْوَةُ الْحَقِّ** اَيْ كَلِمَتُهٗ وَهِيَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ **وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ يَعْبُدُوْنَ **مِنْ دُوْنِهٖ** اَيْ غَيْرِهٖ وَهُمُ الْاَصْنَامُ **لَايَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ** مِّمَّا يَطْلُبُوْنَهٗ **اِلَّا** اِسْتِجَابَةً **كَبَاسِطِ** كَاِسْتِجَابَةِ بَاسِطٍ **كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ** عَلٰى شَفِيْرِ الْبِيْرِ يَدْعُوْهُ **لِيَبْلُغَ فَاهُ** بارتفاعة من البير اليه **وَمَا هُوَ**

بِبَالِغِهٖ اَیْ فَاهُ اَبَدًا فَكَذٰلِكَ مَا هُمْ بِمُسْتَجِيْبِيْنَ لَهُمْ **وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ** عِبَادَتُهُمُ الْاَصْنَامَ اَوْ حَقِيْقَةُ الدُّعَآءِ **اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴿۱۴﴾** ضِيَاعٍ **وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا** كَالْمُؤْمِنِيْنَ **وَّكَرْهًا** كَالْمُنَافِقِيْنَ وَمَنْ اُكْرِهَ بِالسَّيْفِ **وَّ** يَسْجُدُ **ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ** الْبُكَرِ **وَالْاٰصَالِ﴿۱۵﴾** الْعَشَايَا **قُلْ** يَا مُحَمَّدُ لِقَوْمِكَ **مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ** اِنْ لَمْ يَقُوْلُوْهُ لَا جَوَابَ غَيْرُهٗ **قُلْ** لَهُمْ **اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ** اَيْ غَيْرِهٖ **اَوْلِيَآءَ** اَصْنَامًا تَعْبُدُوْنَهَا **لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا** وَتَرَكْتُمْ مَالِكَهُمَا اِسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ **قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ** الْكَافِرُ وَالْمُؤْمِنُ **اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ** الْكُفْرُ **وَالنُّوْرُ** الْاِيْمَانُ لَا **اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ** اَيْ خَلْقُ الشُّرَكَاءِ بِخَلْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى **عَلَيْهِمْ** فَاعْتَقَدُوْا اِسْتِحْقَاقَ عِبَادَتِهِمْ بِخَلْقِهِمْ اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ اَيْ لَيْسَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ وَلَا يَسْتَحِقُّ الْعِبَادَةَ اِلَّا الْخَالِقُ **قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ** لَا شَرِيْكَ لَهٗ فِيْهِ فَلَا شَرِيْكَ لَهٗ فِي الْعِبَادَةِ **وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴿۱۶﴾** لِعِبَادِهٖ ثُمَّ ضَرَبَ مَثَلًا لِلْحَقِّ وَالْبَاطِلِ فَقَالَ تَعَالٰى **اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً** مَطَرًا **فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا** بِمِقْدَارِ مِلْئِهَا **فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا** عَالِيًا عَلَيْهِ هُوَ مَا عَلٰى وَجْهِهٖ مِنْ قَذْرٍ وَنَحْوِهٖ **وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **عَلَيْهِ فِي النَّارِ** مِنْ جَوَاهِرِ الْاَرْضِ كَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالنُّحَاسِ **ابْتِغَآءَ** طَلَبَ **حِلْيَةٍ** زِيْنَةٍ **اَوْ مَتَاعٍ** يُنْتَفَعُ بِهٖ كَالْاَوَانِيْ اِذَا اُذِيْبَتْ **زَبَدٌ مِّثْلُهٗ** اَيْ مِثْلُ زَبَدِ السَّيْلِ وَهُوَ خَبَثُهٗ الَّذِيْ يُنْفِيْهِ الْكِيْرُ **كَذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرُ **يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ** اَيْ مِثْلَهُمَا **فَاَمَّا الزَّبَدُ** مِنَ السَّيْلِ وَمَا اُوْقِدَ عَلَيْهِ مِنَ الْجَوَاهِرِ **فَيَذْهَبُ جُفَآءً** بَاطِلًا مَرْمِيًّا بِهٖ **وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ** مِنَ الْمَآءِ وَالْجَوَاهِرِ **فَيَمْكُثُ** يَبْقٰى **فِي الْاَرْضِ** زَمَانًا كَذٰلِكَ الْبَاطِلُ يَضْمَحِلُّ وَيُمْحَقُ وَاِنْ عَلَا عَلَى الْحَقِّ فِيْ بَعْضِ الْاَوْقَاتِ وَالْحَقُّ ثَابِتٌ بَاقٍ **كَذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرِ **يَضْرِبُ** يُبَيِّنُ **اللّٰهُ الْاَمْثَالَ﴿۱۷﴾ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ** اَجَابُوْهُ بِالطَّاعَةِ **الْحُسْنٰى** الْجَنَّةُ **وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ** وَهُمُ الْكُفَّارُ **لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ** مِنَ الْعَذَابِ **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ** وَهُوَ الْمُؤَاخَذَةُ بِكُلِّ مَا عَمِلُوْهُ وَلَا يُغْفَرُ مِنْهُ شَيْءٌ **وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴿۱۸﴾** الْفِرَاشُ هِيَ

ترجمہ:............اللہ کو سب خبر رہتی ہے کہ ہر مادہ کے پیٹ میں کیا ہے (نر ہے یا مادہ، ایک ہے یا کئی وغیرہ) اور جو کچھ رحم میں (مدت حمل کی) کمی بیشی ہوتی ہے اس کے یہاں ہر چیز کا ایک خاص اندازہ ٹھیرایا ہوا ہے (مقدار حد کہ اس سے آگے کوئی چیز نہیں بڑھ سکتی) وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں (غیب وحاضر) کا جاننے والا ہے، سب سے بڑا بلند مرتبہ ہے (اپنی مخلوق پر غالب ہے۔لفظ

متــعــال یا کے ساتھ ہے اور بغیر یاء کے بھی) تمہاری ساری حالتیں یکساں ہیں (اس کے علم میں) ظاہر خواہ چپکے سے کوئی بات کرے یا پکار کے کہے، رات (کی اندھیری) میں چھپا ہو یا دن کی روشنی میں چل رہا ہو (راستے کے چلنے پھرنے میں) ہر شخص (انسان) کے لئے کچھ فرشتے ہیں جن کی بدلی ہوتی رہتی ہے (ایک کے بعد ایک فرشتے آتے رہتے ہیں) کچھ اس کے آگے (سامنے) اور کچھ اس کے پیچھے کہ وہ خدائی حکم سے اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں (جنات وغیرہ سے حکم الٰہی کے ماتحت) واقعی اللہ کبھی کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا (اس سے نعمت نہیں چھینتا) جب تک کہ وہ خود اپنی صلاحیت کو نہ بدل دے) اور جب اللہ کسی قوم پر مصیبت (عذاب) ڈالنا چاہتا ہے تو پھر اس کے ہٹنے کی کوئی صورت نہیں (نہ فرشتوں کے ٹالے ٹلے اور نہ کسی دوسرے سے) اور پھر ان کے لئے (جنہیں خدا کسی برائی میں مبتلا کرنا چاہتا ہے) اللہ کے سوا کوئی دوسرا مددگار نہیں رہتا (کہ وہ ان کو بچا سکے، من زائدہ ہے) وہی ہے جو تمہیں بجلی کی چمک دکھلاتا ہے جو دلوں میں خوف بھی پیدا کرتی ہے (مسافر کو کڑکنے والی بجلی سے ڈر پیدا ہوتا ہے) اور امید بھی (گھروں میں رہنے والوں کو بارش کی توقع بھی قائم ہو جاتی ہے) اور وہی ہے جو بادلوں کو (بارش کے پانی سے) بوجھل کر دیتا ہے اور بادلوں کی گرج (وہ ایک فرشتہ ہے جو بادلوں کے ہنکانے پر مقرر ہوتا ہے) اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے (یعنی **سبحان اللّٰہ وبحمدہ** پڑھتی ہے) اور فرشتے بھی اللہ کی دہشت سے (تسبیح) پڑھتے ہیں اور وہ بجلیاں گراتا ہے (وہ آگ ہے جو بادل سے نکلتی ہے) جس پر چاہتا ہے بجلی گرا دیتا ہے (جس سے وہ جل جاتا ہے) اگلی آیت ایک ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس کے پاس آنحضرت ﷺ نے جب ایک صحابیؓ کو اپنی دعوت دینے کے لئے بھیجا تو کہنے لگا رسول اللہ کون ہیں؟ اور اللہ کون ہے؟ سونے کا ہے یا چاندی کا ہے یا پیتل کا ہے؟ اس پر ایک بجلی گری جس سے اس کی کھوپڑی اڑ گئی) لیکن یہ (کفار) جھگڑ رہے ہیں (نبی کریم ﷺ سے کٹ حجتی کرتے ہیں) اللہ کے بارے میں، حالانکہ وہ بڑا ہی سخت اور اٹل ہے (طاقت اور پکڑ کے اعتبار سے) اس (اللہ) کو پکارنا سچا پکارنا ہے (یعنی کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ) جو لوگ دوسروں کو پکارتے ہیں (یا اور تا کے سے ساتھ یعنی یعبدون ہے) اس کے سوا (یعنی اللہ کے علاوہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں) وہ پکارنے والوں کی کچھ نہیں سنتے (جو کچھ ان سے فرمائشیں کی جاتی ہیں) ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے (کنویں کی من پر بیٹھ کر پانی کو پکارے) کہ بس پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے گا (کنویں سے اٹھ کر) حالانکہ وہ اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکتا (کبھی بھی، پس ایسے ہی یہ بت بھی کبھی ان کی درخواست منظور نہیں کر سکتے) اور کافروں کی درخواست کرنا (بت پرستی مراد ہے یا حقیقۃً ان سے دعاء مانگنا) محض بے اثر (بے کار) ہے اور آسمانوں میں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے سب اللہ ہی کے سامنے سرخم ہیں، خوشی سے ہوں (جیسے مؤمنین) یا مجبوری سے (جیسے منافق یا جو شخص تلوار کے ڈر سے جھکے) اور ان کے سائے صبح شام (سجدہ کرتے ہیں) آپؐ (اے محمد! اپنی قوم سے) پوچھئے آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہے (اگر وہ جواب نہ دے سکیں، کیونکہ اس کے علاوہ دوسرا اور کوئی جواب نہیں ہے) پھر (ان سے) کہو یہ کیا ہے کہ تم نے اس کے سوا دوسروں کو اپنا کارساز بنا رکھا ہے۔ (بت پرستی کرتے ہو) جو خود اپنی جانوں کا نفع نقصان بھی اپنے اختیار میں نہیں رکھتے (تم نے نفع ونقصان کے اصل مالک کو کیوں چھوڑ رکھا ہے۔ یہ استفہام توبیخی ہے) آپؐ پوچھئے کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے؟ (مراد کافر ومؤمن ہے) یا اندھیرا اور اجالا (کفر وایمان) برابر ہو سکتا ہے (نہیں) یا پھر ان کے ٹھیرائے ہوئے شریکوں نے بھی اس طرح مخلوقات پیدا کی جس طرح اللہ نے پیدا کی ہے اور اس لئے پیدا کرنے کا معاملہ مشتبہ ہو گیا۔ (یعنی ان شریکوں کی بنائی ہوئی چیزیں اور اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق ایک سی ہو گئی) ان پر (اس لئے مشرکوں کے پیدا کرنے کی وجہ سے انہیں پرستش کا مستحق سمجھنے لگے استفہام انکاری ہے یعنی معاملہ ایسا نہیں ہے اور عبادت کا مستحق خالق کے سوا کوئی نہیں) تم ان سے کہو اللہ ہی ہے جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے (اس میں

اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔اس لئے اس کا کوئی شریک شریک عبادت نہیں ہے)اور وہ یگانہ ہے، غالب ہے (اپنے بندوں پر)۔
پھر حق وباطل کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے۔آسمان سے (اللہ تعالیٰ نے) پانی برسایا تو اپنی سمائی کے مطابق نالے بہنے لگے (بھرے ہوئے) پھر میل کچیل سے جھاگ بن کر پانی کی سطح پر ابھرا تو سیلاب کی رو، اسے بہالے گئی (رابیا کے معنی چھا جانے کے ہیں اور زبــد کہتے ہیں میل کچیل جھاگ وغیرہ کو)اور جو کچھ تپاتے ہیں (لفظ یــوقــدون تا اور یا کے ساتھ ہے) آگ میں (زمین کی معدنیات سونا، چاندی، تانبہ، پیتل وغیرہ)زیور بنانے کے لئے (آرائش کے لئے)یا اور سامان بنانے کے لئے (جس سے نفع اٹھایا جاسکے۔جیسے پگھلا کر برتن بنائے جائیں)اس کا جھاگ بھی اسی طرح اٹھتا ہے (یعنی سیلاب کے جھاگ کی طرح۔اس سے مراد دھاتوں کا میل کچیل ہے جسے بھٹی پھینک دیتی ہے)اسی طرح (جیسے یہ مثالیں ہیں)بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ حق و باطل کی مثالیں۔سو جو میل کچیل ہوتا ہے (پانی کا رو کا اور آگ میں تپائی ہوئی چیزوں کا)وہ تو پھینک دیا جاتا ہے (بے کار رائیگاں کر دیا جاتا ہے)اور جو چیز لوگوں کے کارآمد ہوتی ہے (پانی یا معدنیات میں سے)وہ زمین میں باقی رہ جاتی ہے (ایک زمانہ تک ایسے ہی باطل بھی سرنگوں ہو کر مٹ جاتا ہے اگر چہ کچھ دیر کے لئے حق پر چھا جانے کی کوشش کرے۔لیکن حق برقرار اور باقی رہ جاتا ہے)اسی طرح (جیسے یہ باتیں ہیں)اللہ تعالیٰ مثالیں بیان فرماتا ہے جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا حکم قبول کیا (ان کی فرمانبرداری کر کے کہا مان لیا)تو ان کے لئے سرتاسر خوبی (جنت) ہے اور جن لوگوں نے اس کا کہا نہیں مانا (یعنی کفار)ان کے پاس اگر تمام دنیا بھر کی دولت آجائے اور اسے دوگنا کر دیا جائے اور یہ لوگ بطور فدیہ (عذاب کے)برابر دے دیں۔یہی لوگ ہیں جن کے لئے حساب کی سختی ہے (یعنی ان کے ہر کام پر پکڑ ہوگی اور کچھ بھی **معاف** نہیں کیا جائے گا)اور ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور (وہ) کیا ہی برا ٹھکانا (جگہ) ہے۔

تحقیق وترکیب:.........**ماتحمل** اس میں تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔ما موصولہ اسمیہ اور عائد محذوف ہو، ای **تحمله** ۔یا **ما** **مصدریہ** ہو بلا عائد کے اور یا **ما استفہامیہ** ہو۔پھر مبتداء ہونے کی وجہ سے **محل رفع** ہو اور **تحمل** اس کی خبر ہو یا **تحمل** کا مفعول ہونے کی وجہ سے **محل نصب** میں ہو۔

ما تغیض حنفیہ کے نزدیک مدت حمل نو مہینہ سے کم اور دو سال سے زیادہ نہیں مانی گئی ہے۔(ا) امام شافعیؒ کے نزدیک چار مہینہ اور امام مالکؒ کے نزدیک پانچ مہینہ بھی ہوسکتی ہے۔**من الجن وغیرهم** یعنی فرشتے انسان کی حفاظت جنات، سانپ، بچھو وغیرہ سے کرتے ہیں۔کعبؓ بن احبار کی روایت ہے۔**لولا ان اللّٰه وكل بكم ملائكة يذبون عنكم في مطعمكم ومشربكم لتخطفتم** اور طبریؒ حضرت عثمانؓ کی مرفوع روایت پیش کرتے ہیں۔لكل ادمى عشرة بالليل وعشرة بالنهار واحد عن يمينه وواحد عن يساره واثنان من بين يديه ومن خلفه واثنان على جنبيه واخر قابض على ناصية فان تواضع رفعه وان تكبر وضعه واثنان على شفته ليس يحفظان الا الصلوٰة على محمد والعاشر يحرسه من الحية ان يدخل فاه اذا نام ۔ **ان اللّٰه لا يغير** یعنی جب کوئی **اطاعت شعاری** چھوڑ کر شیوۂ نافرمانی اختیار کر لیتی ہے۔اللہ بھی اپنی مہربانی کو غصہ میں تبدیل کر دیتا ہے۔**الرعد** امام ترمذیؒ نے ابن عباسؓ کی روایت پیش کی ہے کہ یہود نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا۔يا ابا القاسم اخبرنا من الرعد ما هو قال ملك من الملائكة مؤكل بالسحاب معه مخاريق من نار يسوق بها السحاب حيث شاء اللّٰه فقالوا ما هذا الصوت ،قال زجره بالسحاب اذا زجره حتى **ينتهى** الى حيث امر ،قالوا صدقت **مسلمان فلاسفر يسبح الرعد** کے معنی يسبح ساحوالرعد کے کرتے ہیں۔گویا سب کی طرف تسبیح کی اسناد ہو رہی ہے۔**وظلالهم** تمام سایوں کا سجدہ طوعاً ہوتا ہے۔کیونکہ بے جان ہونے کی وجہ ان کی ناراضگی کا تو کوئی سوال [illegible]۔چنانچہ کہا جاتا ہے کہ جب کوئی کافر بت کے آگے سجدہ کرتا ہے تو اس کا سایہ اللہ کے آگے جھکتا ہے

سوء الحساب حدیث میں آتا ہے من نوقش الحساب هلك۔

ربط آیات: .... سابقہ آیات اللّٰہ الذی الخ کی طرح آیت اللّٰہ یعلم الخ میں بھی توحید ہی کا مضمون چل رہا ہے آیت انزل من السماء الخ سے حق وباطل کی دو مثالیں دی جارہی ہیں۔ جیسا کہ پہلے نور وظلمت اور بینا نابینا سے بھی اسی کی تمثیل دی جاچکی ہے۔ اس نے ہدایت وشقاوت کے لئے یہی اندازے ٹھیرائے ہیں جو ہدایت پائے گا اسی کے مطابق پائے گا۔ جو نہیں پائے گا اسی کے مطابق نہیں پائے گا اور آیت ان اللّٰہ لا یغیر الخ میں ہدایت وشقاوت کے اسی اندازہ کا اعلان ہے جسے عمل اور صلاحیت عمل کا قانون کہنا چاہیے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **اللہ کا علم و اندازہ اور قانون انقلاب:** .... آیت اللّٰہ یعلم الخ کا حاصل یہ ہے کہ اللہ سے کوئی بات اور کوئی حالت چھپی ہوئی نہیں ہے اور ان سے ہر بات کے لئے ایک اندازہ مقرر کردیا ہے۔ اس سے باہر کوئی بات نہیں کی جاسکتی۔ پس وہ تمہاری نیتوں اور خیالوں سے بے خبر نہیں ہے۔ انسان کے اندرون ایک کے بعد ایک ابھرنے والی قوتیں ہیں۔ جو حکم الٰہی سے انسان کی حفاظت کرتی ہیں انسان کے گذشتہ اعمال سے اس کا حال بنتا ہے اور حال کے اعمال اس کے مستقبل کو بناتے ہیں۔ خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنی حالت نہ بدل ڈالے۔ یعنی اصل اس بارے میں انسان کا اپنا عمل ہے۔ وہ جیسی حالت چاہے اپنے عمل اور صلاحیت سے حاصل کرسکتا ہے۔ لیکن جب کوئی قوم اپنی عملی صلاحیت کھودیتی ہے اور اس طرح تبدیل حالت کی مستحق ہوجاتی ہے تو ضروری ہے کہ اسے برائی پہنچے۔ یہ برائی بھی کبھی ٹل نہیں سکتی کیونکہ یہ خود خدا کی جانب سے ہوتی ہے۔ اس کے ٹھیرائے ہوئے قانون کا نفاذ ہوتا ہے۔ اور خدا کے ٹھیرائے ہوئے قانون کو کون روک سکتا ہے اور کون اس کی زد سے بچ سکتا ہے۔

حفاظت اور حوادث: .... آیت لہٗ معقبات میں لوگوں کو وسوسہ ہوا کہ انسان کی حفاظت جب ملائکہ کرتے ہیں پھر کیوں انسان مصائب وحوادث کا شکار ہوتا ہے؟ لیکن من امر اللّٰہ کی قید سے اس شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ پس کسی مصلحت سے جب حق تعالیٰ چاہتے ہیں فرشتوں سے حفاظت کرادیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں حکم نہیں دیتے۔ ملائکہ بھی اپنا کام نہیں کرتے۔ رہا یہ شبہ کہ فرشتوں کی کیا ضرورت؟ خدا چاہے تو ویسے بھی حفاظت ہوسکتی ہے؟ جواب دیا جائے گا کہ ضرورت کے انکار سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس طریقہ حفاظت میں کوئی حکمت بھی نہ ہو۔ ممکن ہے دوسرے اسباب کی طرح حفاظت کے اس طریقۂ خاص میں کوئی حکمت الٰہی رہی ہو۔

اللہ کی ناراضی اس کی نافرمانی کے بغیر نہیں ہوتی: .... البتہ یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ بعض دفعہ گناہوں اور برائیوں کے باوجود بھی راحت ونعمت نہیں چھنتی۔ بلکہ اس کے برعکس بھلائیوں، اسی طرح نیکیوں کے باوجود نعمت چھن کر نقمت ومصیبت آجاتی ہے۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں ان اللّٰہ لا یغیر الخ کے خلاف ہیں؟ جواب یہ ہے کہ آیت ان اللّٰہ لا یغیر الخ کا منشاء یہ نہیں ہے کہ لوگوں کے بدلنے سے ہم ضرور ان کی حالت بدل دیں گے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ بدوں لوگوں کے بدلے ہم ان میں تبدیلی نہیں کریں گے۔ سو گناہوں کے باوجود نعمت کا نہ چھننا ظاہر ہے کہ اس کے خلاف نہیں۔ ہاں! اگر بدون گناہوں کے نعمت چھن جاتی تو بے شک شبہ کی گنجائش تھی۔ پس شبہ کا پہلا حصہ تو ظاہر ہے کہ بالکل صاف ہے۔ لیکن غور کرنے سے شبہ کا دوسرا جزو بھی بے غبار ہے۔ کیونکہ مابقوم میں ما سے مراد رحمت الٰہیہ ہے اور اس کے بدلنے سے مراد اللہ کی ناراضگی اور غضب اللہ ہے اور اسی طرح مابانفسهم میں ما سے مراد اطاعت خداوندی ہے اور اس کے بدلنے سے مراد نافرمانی ہے۔ پس آیت کا ماحصل یہ نکلا کہ معصیت اور نافرمانی کے بغیر ہم

ناراض نہیں ہوتے۔ چنانچہ گناہوں سے بچنے کی صورت میں ناراضگی یقیناً نہیں ہوتی۔ غرضیکہ اس میں راحت ونعمت چھننے کا دعویٰ نہیں کیا جارہا ہے۔ پس آیت میں اس سے کوئی تعرض نہیں ہے کہ دونوں میں منافات ثابت ہو اور اس شبہ کا پہلا حصہ کے ازالہ کی اور تقریر بھی ممکن ہے کہ گناہوں سے گو ظاہری نعمت اور عافیت زائل نہ ہو۔ لیکن حق تعالیٰ کی ناراضگی کسی نہ کسی درجہ میں یقیناً مرتب ہوجاتی ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ سے مرفوعاً حدیث قدسی مروی ہے۔ **وعزتی وجلالی وارتفاعی فوق عرشی مامن اهل قرية ولا اهل بيت ولا رجل ببادية كانوا على ما كرهت من معصيتي تحولوا عنها الى ما احببت من طاعتي الا تحولت لهم عما يكرهون من عذابي الى ما يحبون من رحمتي الى ما يكرهون من عذابي۔**

ترجمہ: میری عزت وجلال اور عرش پر متمکن ہونے کی قسم کہ کوئی بستی یا کوئی گھر اور کوئی شخص کسی جگہ ایسا نہیں کہ جو میری ناگوار بات یعنی گناہ کرتا رہا اور پھر میری پسندیدہ فرماں برداری کی طرف آگیا ہو اور میں بھی اس عذاب سے جو اسے ناگوار ہو اپنی رحمت کی طرف نہ آجاؤں۔ جو لوگوں کو میرے عذاب کی نسبت پسندیدہ ہو۔

پس بعض نصوص سے جو معلوم ہوا کہ بعض دفعہ خاص گناہوں سے عام مواخذہ ہوجاتا ہے۔ حالانکہ یہ بات بھی **ان اللّٰه لا يغير الخ** کے خلاف ہے لیکن اس سے یہ وسوسہ بھی زائل ہوگیا۔ کیونکہ جن عام لوگوں سے مواخذہ ہوتا ہے۔ اگر وہ بھی برائیوں سے دوسروں کو روکنے کی قدرت کے ہوتے ہوئے پھر نہیں روکتے ہیں اور ہدایت نہیں کرتے ہیں تب تو وہ بھی گنہگار اور ایک معصیت کے مرتکب ہوئے۔ اس لئے کوئی اشکال نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر ہدایت نہ کرنے کے باوجود ان سے مواخذہ ہوا تو وہ صورۃً مواخذہ ہوگا جسے مصیبت کہنا چاہیئے۔ حقیقتاً مواخذہ نہیں کہلائے گا۔ جو غضب اور ناراضگی کا نشان ہوتا ہے۔ اس لئے پھر بھی اشکال نہیں رہنا چاہیئے لیکن انسان کو جو برائی پہنچتی ہے وہ اس لئے نہیں پہنچتی کہ اللہ نے ان برائیوں کا سامان کردیا ہے۔

کوئی برائی بھی حقیقی برائی نہیں ہے کہ اس میں اچھائی کا نشان بھی نہ ہو:............آیت **ويسبح الرعد الخ** میں یہ بتلایا جارہا ہے کہ اللہ تو جو کچھ بھی کرتا ہے وہ اچھا ہی کرتا ہے۔ لیکن اچھائی اور بہترائی کی بڑی سے بڑی بات بھی تمہاری کمزور اور درماندہ گناہوں کے لئے خوف اور دہشت کا باعث بن جاتی ہے۔ تم اپنی حالت کے اعتبار سے سمجھنے لگے ہو کہ برائی ہے اور تمہارے لئے برائی ہو بھی جاتی ہے۔ لیکن اس لئے نہیں کہ وہ فی نفسہ برائی ہے بلکہ اس لئے کہ تمہاری حالت کے اعتبار سے اضافی برائی ہوگی۔ چنانچہ اس حقیقت کی تشریح کے لئے ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ "بجلی کا چمکنا مایوسیوں کے لئے پیام امید ہوتا ہے۔ اگر نہ چمکے تو باران رحمت کے آنے کا پیغام بھی نہ ملے۔ مگر تمہارے لئے یہ معاملہ خوف وامید کا معاملہ بن جاتا ہے۔ بارش کی امید سے خوش ہوتے ہو۔ لیکن ساتھ ہی بجلی کی تیزی سے ڈرنے بھی لگتے ہو۔ پھر وہی بجلی جو زمین کے لئے زندگیوں کا پیام ہے۔ جب کسی انسان پر گرتی ہے تو اس کے لئے موت کا پیام بن جاتی ہے۔ اسی طرح بادل کا گرجنا تمہارے لئے سرتاسر دہشت وہولناکی ہے۔ حالانکہ وہ فی الحقیقت ہولناکی نہیں ہے۔ سرتاسر خدا کی حمد کا اعلان ہے۔ وہ گرج گرج کر اس کی ستائشوں کا اعلان کرتا ہے فرشتے بادل کی گرج سے نہیں ڈرتے وہ خدا کے خوف سے ڈرتے ہیں، مگر تمہارے لئے وہ کائنات جو کی سب سے بڑی ہولناکی ہوتی ہے۔

یہاں اس آیت میں رعد کا ذکر فرشتوں کے ساتھ کیا گیا ہے اور ترمذی کی حدیث مرفوع میں رعد کو ایک فرشتہ بتلایا گیا ہے اور یہ کہ برق دراصل فرشتہ کے ہاتھ میں ایک آگ کا کوڑا ہوتا ہے۔ اس میں نقلی اشکال تو یہ ہے کہ سورۂ بقرہ میں لفظ رعد آیا ہے۔ حالانکہ رعد فرشتہ کا نام ہوتا تو نکرہ نہیں آنا چاہیئے تھا؟ جواب یہ ہے کہ جس طرح رعد فرشتہ کا نام ہے اسی طرح اس فرشتہ کی آواز کو بھی کہتے ہیں پس نکرہ سے اس کی آواز مراد ہے نہ کہ وہ خود۔

شریعت کا بیان صحیح ہے یا فلسفہ ٹھیک کہتا ہے؟............دوسرا اشکال عقلی یہ ہے کہ فلاسفہ کے نزدیک رعد و برق کی حقیقت فرشتہ وغیرہ نہیں بلکہ زمین سے اٹھنے والے بخارات غلیظہ جو دھوئیں اور آگ کے اجزاء ہوتے ہیں۔ جب ان میں رگڑ لگتی ہے تو ان سے پیدا ہونے والی آواز کو رعد اور پیدا ہونے والے شعلوں کو برق سے تعبیر کرتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اس آواز کا ظاہری سبب تو فلاسفہ کے قول کے مطابق ہو اور حقیقی سبب شریعت کے بیان کے مطابق ہو چنانچہ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں۔ بلکہ دونوں سبب اپنی اپنی جگہ صحیح ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اسباب میں تزاحم نہیں ہوا کرتا۔ ایک ایک چیز کے کئی کئی سبب ہو سکتے ہیں۔ انسان کی آواز کا ظاہری سبب تو بقول فلاسفہ خاص قسم کا قلع اور قرع ہے۔ لیکن حقیقی سبب روح ہے۔ دوسری توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ بیک وقت یہ دونوں ظاہری اور معنوی سبب نہ ہوں۔ بلکہ ان دونوں سببوں میں سے کبھی ایک سبب پایا جاتا ہو۔ جس کی وجہ سے گھور گرج پیدا ہو جاتی ہو اور کبھی دوسرا سبب ہو جاتا ہو جس کے نتیجہ میں رعد پایا جاتا ہو۔ غرض کہ ایک ہی چیز کا کبھی ایک سبب پایا جاتا ہو اور کبھی دوسرا۔ اسی طرح برق کے متعلق بھی یہ توجیہ ممکن ہے کہ برق کی حقیقت تو وہی ہو جو فلاسفہ بیان کرتے ہیں مگر وہ فرشتے کے قبضہ میں ہو جیسا کہ شریعت کہتی ہے۔ غرض کہ اس طرح دونوں باتوں میں تطبیق ہو سکتی ہے۔ آیت **وھم یجادلون الخ** میں یہ بتلانا ہے کہ اللہ کی قدرت و حکمت کی یہ نشانیاں ہمیشہ انسان کے مشاہدہ اور علم میں آتی رہتی ہیں۔ اس پر بھی اس کی غفلت کا یہ حال ہے کہ اللہ کی ہستی اور اس کی یگانگت کے بارہ میں ہمیشہ جھگڑتا رہتا ہے۔ گویا یہ حقیقتیں ثابت نہیں۔ یہ نشانیاں کبھی ظہور ہی میں نہیں آئیں۔

ربوبیت سے الوہیت پر اصرار:............قرآن کریم کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ توحید ربوبیت اور توحید خالقیت سے توحید الوہیت پر اصرار کیا کرتا ہے چنانچہ آیت **لہ دعوۃ الحق** سلسلۂ بیان اسی طرف پھر گیا ہے۔ فرمایا بندگی کی سچی پکار وہی ہے جس میں اللہ کو پکارا جائے۔ جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مٹھی میں پانی بند کرنا چاہے اور اسے اپنے تشنہ لبوں تک لے جانا چاہے ظاہر ہے کہ اس اپنی کوشش میں وہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس کی کوششیں بھٹک بھٹک رہ جائیں گی۔ آیت **وللّٰہ یسجد الخ** میں فرمایا جاتا ہے کہ تمام مخلوق اللہ ہی کے آگے چارو نا چار جھکی ہوئی ہے کوئی مانے یا نہ مانے لیکن ہر آنکھ دیکھ لیتی ہے۔ کہ تم جو احکام الٰہی سے سرتابی کرنا چاہو تو خود اپنے سایہ ہی کو دیکھ لو جو اندازہ اس بارہ میں بنا دیا گیا ہے اس سے کبھی وہ باہر نہیں جا سکتا۔ صبح کو چڑھتی دھوپ میں اس کا ایک خاص ڈھنگ ہوتا ہے شام کو ڈھلتی دھوپ میں ایک خاص ڈھنگ، اگر غور کرو تو قدرت الٰہی کے قوانین کے آگے ٹھیک اسی طرح تمہاری مستیاں بھی مسخر ہیں خواہ تمہیں اقرار ہو یا انکار۔

بقاء انفع کا قانون اور اس کی دو مثالیں:............آیت **انزل من السماء الخ** مہمات سورۃ میں سے ہے اور اس کے تمام مواعظ کے لئے مرکزی نقطہ ہے۔ فرمایا یہ حق و باطل کی آویزش ہے۔ لیکن حق و باطل کی حقیقت کیا ہے؟ اور کونسا قانون الٰہی اس میں کام کر رہا ہے؟ دراصل یہ بقاء انفع کا قانون ہے یعنی اللہ نے کائنات ہستی کے قیام و اصلاح کے لئے یہ قانون ٹھہرا دیا ہے کہ یہاں وہی چیز باقی رہ سکتی ہے جس میں نفع ہو، جس میں نفع نہیں وہ ٹھہر نہیں سکتی۔ اسے نیست و نابود ہو جانا ہے۔ اس نازک اور دقیق حقیقت کے لئے کیسی صاف مثال بیان کی ہے جس سے کوئی نگاہ انسانی بھی محروم نہیں ہے۔ جب پانی برستا ہے اور زمین کے لئے شادابی کا سامان مہیا ہونے لگتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ تمام وادیاں نہروں کی طرح رواں ہو جاتی ہیں۔ لیکن پھر کیا تمام پانی رک جاتا ہے؟ کیا میل کچیل اور کوڑا کرکٹ اپنی اپنی جگہ پہنچتے رہتے ہیں؟ کیا زمین کی گرد ان کی حفاظت کرتی رہتی ہے؟ نہیں ایسا نہیں ہوتا بلکہ زمین کو اپنے نشو و نما کے لئے جس قدر پانی کی ضرورت ہوتی ہے وہ جذب کر لیتی ہے۔ ندی نالوں میں جس قدر سمائی ہوتی ہے اتنا پانی وہ روک لیتی ہیں۔ باقی

پانی جس تیزی کے ساتھ گرا تھا ویسے ہی تیزی سے بہہ بھی جاتا ہے۔ میل کچیل کوڑا کرکٹ جھاگ بن کر سمٹتا اور ابھرتا ہے پھر پانی کی روانی اسے اس طرح اٹھا کر لے جاتی ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد وادی کا ایک ایک گوشہ دیکھ جاؤ کہیں اس کا نام ونشان بھی نہیں ملے گا۔ اسی طرح جب چاندی سونا یا اور کسی طرح کی دہات آگ پر تپاتے ہو تو کھوٹ الگ ہو جاتا ہے خالص دھات الگ نکل آتی ہے۔ کھوٹ کے لئے ختم ہو جانا اور جوہر کے لئے باقی رہنا یہی ہے "بقاء انفع" کا قانون۔ پس یہاں باقی رہنا اسی کے لئے ہے جو نافع ہو اور جو نافع نہیں وہ چھانٹ دیا جاتا ہے۔ حق وباطل کی حقیقت بھی یہی ہے۔ حق وہ بات ہے جس میں نفع ہے۔ پس وہ کبھی مٹنے والی نہیں ہے۔ ٹکنا، باقی رہنا، ثابت ہونا اس کا قدرتی خاصہ ہے کہ حقق کے معنی ہی قیام وثبات کے ہیں۔ لیکن باطل وہ ہے جو نافع نہیں۔ اس لئے اس کا قدرتی تقاضا مٹ جانا، محو ہو جانا، حل جاتا ہے۔ اسی حقیقت کا ایک حصہ بقاء اصلح بھی ہے۔ لیکن قرآن اصلح کے بجائے انفع کہتا ہے کیونکہ صالح وہی ہے جو نافع ہو، کارخانۂ ہستی کی فطرت میں بناوٹ اور تکمیل ہے اور تکمیل جب ہی ہو سکتی ہے۔ جب کہ صرف نافع اشیاء ہی باقی رکھی جائیں، غیر نافع چھانٹ دی جائیں۔ اسی قانون کا نتیجہ ہے کہ جو لوگ قانون قبول کرتے ہیں ان کے لئے خوبی ہے، جو نہیں کرتے ان کے لئے خرابی ہوتی ہے۔ کیونکہ جنہوں نے قبول کیا ان کے اعمال نافع ہوں گے۔ اب نافع عمل مٹ نہیں سکتا جنہوں نے انکار کیا وہ غیر نافع ہوں گے اور غیر نافع باقی نہیں رہ سکتا۔

لطائف آیات: .... آیت **ان اللّٰہ لا یغیر الخ** کا حکم بقول نصر آبادیؒ عوام اور خواص سب کے لئے ہے بلکہ خواص کے لئے زیادہ کاوش ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ اپنے اولیاء کو مشاہدہ الٰہی سے زیادہ محجوب نہیں کرتے جب تک اولیاء اپنے اوراد ومعمولات کو نہ بدلیں۔ آیت **والذین یدعون من دونہ الخ** سے ان لوگوں کا خسران معلوم ہو جاتا ہے جو لوگ اللہ کے علاوہ زندہ اور مردہ لوگوں سے استعانت چاہتے ہیں اور آج کل یہ بلا بہت عام ہے آیت **وللّٰہ یسجد الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا انقیاد تشریعی ہے اور دوسرا تکوینی ہے۔

وَنَزَلَ فِیْ حَمْزَةَ وَاَبِیْ جَهْلٍ **اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ** فَاٰمَنَ بِهٖ **كَمَنْ هُوَ اَعْمٰی** لَا یَعْلَمُهٗ وَلَا یُؤْمِنُ بِهٖ لَا **اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ** یَتَّعِظُ **اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾** اَصْحَابُ الْعُقُوْلِ **الَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ** اَلْمَاْخُوْذُ عَلَیْهِمْ وَهُمْ فِیْ عَالَمِ الذَّرِّ اَوْ كُلَّ عَهْدٍ **وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ ﴿۲۰﴾** بِتَرْكِ الْاِیْمَانِ اَوِ الْفَرَائِضِ **وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ** مِنَ الْاِیْمَانِ وَالرَّحِمِ وَغَیْرِ ذٰلِكَ **وَیَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ** اَیْ وَعِیْدَهٗ **وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾** تَقَدَّمَ مِثْلُهٗ **وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا** عَلَی الطَّاعَةِ وَالْبَلَاءِ وَعَنِ الْمَعْصِیَةِ **ابْتِغَآءَ** طَلَبَ **وَجْهِ رَبِّهِمْ** لَا غَیْرَهٗ مِنْ اَغْرَاضِ الدُّنْیَا **وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا** فِی الطَّاعَةِ **مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً وَّیَدْرَءُوْنَ** یَدْفَعُوْنَ **بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ** كَالْجَهْلِ بِالْحِلْمِ وَالْاَذٰی بِالصَّبْرِ **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَی الدَّارِ ﴿۲۲﴾** اَیِ الْعَاقِبَةُ الْمَحْمُوْدَةُ فِی الدَّارِ الْاٰخِرَةِ هِیَ **جَنّٰتُ عَدْنٍ** اِقَامَةٍ **یَّدْخُلُوْنَهَا** هُمْ **وَمَنْ صَلَحَ** اٰمَنَ **مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ** وَاِنْ لَّمْ یَعْمَلُوْا بِعَمَلِهِمْ یَكُوْنُوْنَ فِیْ

دَرَجَاتِهِمْ تَكْرِمَةً لَهُمْ **وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ** ﴿٢٣﴾ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ اَوِ الْقُصُوْرِ اَوَّلَ دُخُوْلِهِمْ لِلتَّهْنِئَةِ يَقُوْلُوْنَ **سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ** هٰذَا الثَّوَابُ **بِمَا صَبَرْتُمْ** بِصَبْرِكُمْ فِي الدُّنْيَا **فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ** ﴿٢٤﴾ عُقْبَاكُمْ **وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ** بِالْكُفْرِ وَالْمَعَاصِيْ **اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ** اَلْبُعْدُ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ **وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ** ﴿٢٥﴾ اَيِ الْعَاقِبَةُ السَّيِّئَةُ فِي الدَّارِ الْاٰخِرَةِ وَهِيَ جَهَنَّمُ **اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ** يُوَسِّعُهُ **لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ** يُضَيِّقُهُ لِمَنْ يَّشَآءُ **وَفَرِحُوْا** اَيْ اَهْلُ مَكَّةَ فَرَحَ بَطَرٍ **بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** اَيْ بِمَا نَالُوْهُ فِيْهَا **وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي** جَنْبِ حَيٰوةِ **الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ** ﴿٢٦﴾ شَيْءٌ قَلِيْلٌ يُتَمَتَّعُ بِهٖ وَيَذْهَبُ **وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ **لَوْلَآ** هَلَّا **اُنْزِلَ عَلَيْهِ** عَلٰى مُحَمَّدٍ **اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ** كَالْعَصَا وَالْيَدِ وَالنَّاقَةِ **قُلْ** لَّهُمْ **اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ** اِضْلَالَهٗ فَلَا تُغْنِي الْاٰيَاتُ عَنْهُ شَيْئًا **وَيَهْدِيْٓ** يُرْشِدُ **اِلَيْهِ** اِلٰى دِيْنِهٖ **مَنْ اَنَابَ** ﴿٢٧﴾ رَجَعَ اِلَيْهِ وَيُبْدَلُ مِنْ مَنْ **اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ** تَسْكُنُ **قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ** اَيْ وَعْدِهٖ **اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ** ﴿٢٨﴾ اَيْ قُلُوْبُ الْمُؤْمِنِيْنَ **اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ **طُوْبٰى** مَصْدَرٌ مِنَ الطِّيْبِ اَوْ شَجَرَةٌ فِي الْجَنَّةِ يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فِيْ ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ مَا يَقْطَعُهَا **لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ** ﴿٢٩﴾ مَرْجِعٌ **كَذٰلِكَ** كَمَا اَرْسَلْنَا الْاَنْبِيَاءَ قَبْلَكَ **اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا** تَقْرَأَ **عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ** اَيِ الْقُرْاٰنَ **وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ** حَيْثُ قَالُوْا لَمَّا اُمِرُوْا بِالسُّجُوْدِ لَهٗ وَمَا الرَّحْمٰنُ **قُلْ** لَهُمْ يَا مُحَمَّدُ **هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ** ﴿٣٠﴾ وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوْا لَهٗ اِنْ كُنْتَ نَبِيًّا فَسَيِّرْ عَنَّا جِبَالَ مَكَّةَ وَاجْعَلْ لَنَا فِيْهَا اَنْهَارًا وَعُيُوْنًا لِنَغْرِسَ وَنَزْرَعَ وَابْعَثْ لَنَا اٰبَآءَنَا الْمَوْتٰى يُكَلِّمُوْنَا اَنَّكَ نَبِيٌّ **وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ** نُقِلَتْ عَنْ اَمَاكِنِهَا **اَوْ قُطِّعَتْ** شُقِّقَتْ **بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى** بِاَنْ يُحْيُوْا لَمَا اٰمَنُوْا **بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا** لَا بِغَيْرِهٖ فَلَا يُؤْمِنُ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ اِيْمَانَهٗ دُوْنَ غَيْرِهٖ وَاِنْ اُوْتُوْا مَا اقْتَرَحُوْا وَنَزَلَ لَمَّا اَرَادَ الصَّحَابَةُ اِظْهَارَ مَا اقْتَرَحُوْا طَمَعًا فِيْ اِيْمَانِهِمْ **اَفَلَمْ يَايْئَسِ** يَعْلَمِ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ** مُخَفَّفَةٌ اَيْ اَنَّهٗ **لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا** اِلَى الْاِيْمَانِ مِنْ غَيْرِ اٰيَةٍ **وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ **تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا** بِصُنْعِهِمْ اَيْ بِكُفْرِهِمْ **قَارِعَةٌ** دَاهِيَةٌ تَقْرَعُهُمْ بِصُنُوْفِ الْبَلَاءِ مِنَ الْقَتْلِ وَالْاَسْرِ وَالْحَرْبِ وَالْجَدْبِ **اَوْ تَحُلُّ** يَا مُحَمَّدُ بِجَيْشِكَ **قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ** مَكَّةَ **حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ** بِالنَّصْرِ عَلَيْهِمْ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ** ﴿٣١﴾ وَقَدْ حَلَّ بِالْحُدَيْبِيَةِ حَتّٰى اَتٰى فَتْحُ مَكَّةَ

ترجمہ:.......... (آئندہ آیت، حضرت حمزہؓ اور ابوجہل کے بارہ میں نازل ہوئی ہے) جو شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ جو کچھ آپؐ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ سب حق ہے (اور اس پر ایمان بھی لے آیا) کیا وہ اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جو اندھا ہے (اس بات کو نہیں جانتا اور نہ اس پر ایمان لایا، یہ دونوں ہرگز یکساں نہیں ہوسکتے) وہی لوگ سمجھتے بوجھتے ہیں (نصیحت حاصل کرتے ہیں) جو عقلمند (دانشمند) ہوتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ کے ساتھ اپنا عہد پورا کرتے ہیں (جو عہد السست ان سے لیا گیا تھا۔ یا ہر قسم کا عہد و پیمان مراد ہے) اپنا قول وقرار توڑتے نہیں ہیں (ایمان یا دوسرے فرائض چھوڑ کر) اور یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے جن رشتوں کے جوڑنے کا حکم دیا انہیں جوڑے رکھتے ہیں (ایمان اور رحمی رشتے ناطے وغیرہ) اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور حساب کی سختی کے خیال سے اندیشہ ناک رہتے ہیں (ایسی ہی آیت پہلے گزر چکی ہے) اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا ہے (اطاعت میں بھی اور بلاؤں پر بھی اور گناہوں سے بھی بچے رہے) اپنے پروردگار کی رضا جوئی کرتے ہوئے (دنیا کی اور کوئی غرض ان کے پیش نظر نہیں ہوتی) اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں (نیک کاموں میں) جو کچھ روزی انہیں دے رکھی ہے چھپا کر بھی اور ظاہر طور پر بھی اور بدسلوکی کو حسن سلوک سے ٹال دیتے ہیں (جیسے کسی کی جہالت کو اپنے علم سے اور دوسروں کی تکلیف کو اپنے صبر سے ختم کردیتے ہیں) یہی لوگ ہیں کہ ان کے لئے عاقبت کا گھر ہے (یعنی آخرت میں بہترین انجام ہوگا اور وہ) ہمیشگی کے باغ جن میں وہ خود بھی داخل ہوں گے اور ان کے آباء واجداد، بیویوں، اولاد میں سے جو نیک عمل ہوں گے اگرچہ ان اعزہ کے اعمال سے واقفیت نہ ہو تب بھی ان کی عزت افزائی کے لئے اعزہ کو انہی کے درجات میں رکھا جائے گا) اور ہر دروازہ سے فرشتے ان کے پاس آتے ہوں گے) جنت یا محلات کے دروازہ سے ابتدائی داخلہ کے وقت مبارکباد دیتے ہوئے کہیں گے) تم صحیح سلامت رہو (یہ ثواب) تمہارے صبر کرنے کی بدولت ہے (دنیا میں جو تم نے صبر کیا ہے) سو اس جہاں (عقبیٰ) میں تمہارا کیا ہی اچھا انجام ہے اور جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کا عہد مضبوط کرنے کے بعد پھر اسے توڑتے ہیں اور جن رشتوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں قطع کر ڈالتے ہیں اور ملک میں شر وفساد برپا کرتے ہیں (کفر و گناہ کرکے) تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے لعنت (اللہ کی رحمت سے دوری) ہے اور ان کیلئے برا ٹھکانا ہے (یعنی آخرت میں برا انجام ہوگا اور وہ جہنم ہے) اللہ جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کردیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے نپی تلی کردیتا ہے اور (مکہ والے) اتراتے ہیں (اکڑتے ہیں) دنیاوی زندگی پر (یعنی دنیا کی کمائی پر) حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے آگے ہیچ ہے، محض تھوڑا سا برت لینا ہے (جس سے معمولی نفع اٹھالیا جائے اور پھر فنا ہو جائے) اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے (مکہ والے) وہ کہتے ہیں اس شخص (محمدؐ) پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتری (جیسے لاٹھی اور ہاتھ اور اونٹنی کے معجزات) آپؐ (ان سے) کہہ دیجئے کہ واقعی اللہ جسے چاہیں گمراہ کردیتے ہیں (پھر اس کے لئے کوئی نشانی بھی سودمند نہیں ہوتی) اور جو شخص اس کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے اسے اپنی طرف ہدایت کردیتے ہیں (اور اگلا جملہ الـذیـن، من سے بدل واقع ہورہا ہے) جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کا ذکر (وعدہ) سے ان کے دل مطمئن ہوگئے، خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو چین وقرار ملتا ہے (یعنی مؤمنین کے دلوں کو) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے (یہ مبتداء ہے اور خبر آگے ہے) تو خوشحالی ہے (یہ مصدر ہے طیب سے ماخوذ ہے یا جنت کے درخت کا نام ہے جس کے سایہ میں سو سال بھی اگر چلے تو اسے طے نہ کرسکے) ان کے لئے نیک انجامی (اچھا ٹھکانہ) ہے اور اسی طرح (جیسے آپؐ سے پہلے نبیوں کو ہم نے بھیجا تھا) ہم نے آپ کو ایک ایسی امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے کہ اس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں تاکہ آپ ان کو وہ کتاب پڑھ کر سنادیں جو ہم نے آپ پر وحی کے ذریعہ اتاری ہے (یعنی قرآن) اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ سرے سے خدائے رحمان ہی کے قائل نہیں ہیں (کیونکہ جب اللہ کے آگے انہیں سجدہ کرنے کو کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں رحمان کون ہے؟) آپؐ (ان سے اے محمدؐ!) کہہ دیجئے کہ وہ میرا پروردگار ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کے پاس مجھے جانا ہے (اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب وہ لوگ آپؐ سے کہنے لگے کہ اگر آپ واقعی نبی ہیں تو

مکہ کے پہاڑ کو ہٹا کر ان کی بجائے نہریں اور چشمے جاری کر دیجئے تا کہ ہم باغ اور کھیت لگا سکیں اور ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو اٹھا دیجئے کہ وہ ہم سے کہیں کہ آپ نبی ہیں) اور اگر ایسا ہو سکتا کہ کسی قرآن کے ذریعہ پہاڑ ہٹا دیئے جاتے (اپنی جگہ سے چلنے لگتے) یا زمین کاٹ دی جاتی (پھاڑ دی جاتی) یا مردے بول اٹھتے (انہیں زندہ کر دیا جاتا تب بھی ایمان نہ لاتے۔ بلکہ سارا اختیار اللہ ہی کو ہے (کسی دوسرے کو نہیں ہے، اس لئے اللہ جسے چاہے وہی ایمان لا سکتا ہے دوسرا نہیں، خواہ ان کے مطالبے ہی کیوں نہ پورے کر دیئے جائیں اور صحابہؓ نے ان کے ایمان لانے کی امید میں جب یہ چاہا کہ اچھا ہے اگر ان کی فرمائشیں پوری کر دی جائیں تو یہ آیت نازل ہوئی) پھر کیا مایوس نہیں ہوئے (انہوں نے جانا نہیں) جو لوگ ایمان لائے ہیں کہ (ان مخففہ ہے، اصل میں انــــہ تھا) اگر اللہ چاہتا تو تمام انسانوں کو راہ ہدایت دکھا دیتا (ایمان کی طرف بلا کسی نشانی کے) اور جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کی ہے (مکہ والوں میں سے) انہیں کوئی نہ کوئی عقوبت پہنچتی ہی رہے گی ان کے کرتوتوں کی پاداش میں (ان کی حرکتوں یعنی ان کے کفر کی وجہ سے) جو سخت ہوگی (اتنی شدید کہ انہیں جھڑ جھڑ ڈالے گی۔ قتل اور قید اور جنگ اور قحط کی مختلف مصیبتوں میں سے) یا آپ اتریں گے (اے محمدؐ! اپنے لشکر سمیت) ان کی بستی (مکہ) کے قریب یہاں تک کہ وہ وقت آ جائے جب اللہ کا وعدہ ظہور میں آنے والا ہے (ان کے خلاف تمہاری مدد کا) بلاشبہ وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا (چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپؐ نے نزول اجلال فرمایا۔ حتیٰ کہ فتح مکہ کی نوبت آ گئی)۔

تحقیق وترکیب: .... **ونزل فی حمزة** آیات وعدہ تو حضرت حمزہؓ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کے لئے اور آیات وعید ابوجہل اور اس کے متبعین کے بارہ میں نازل ہوئیں ہیں۔

والرحم صلہ رحمی کن لوگوں سے کرنی چاہیئے اس میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ہر ایسے ذی رحم محرم رشتہ دار کو اس میں داخل کیا جائے گا۔ جن میں اگر ایک کو مرد اور دوسرے کو عورت فرض کیا جائے تو ان کا نکاح ناجائز ہو۔ پس ایسی صورت میں چچا اور پھوپھی اور خالہ کی اولاد اس میں نہیں آئے گی اور بعض نے اس کو عام رشتہ داروں پر محمول کیا ہے۔ ذی رحم محرم ہوں یا غیر ذی محرم وارث ہوں یا نہ ہوں۔ علامہ نوویؒ نے اسی کو صحیح کہا ہے۔ صلہ رحمی واجب ہے اور قطع رحمی کرنا حرام ہے۔ ملاقات کرنا، ہدیہ دینا، مدد کرنا قول وفعل سے، سلام وکلام، خط وکتابت سب صلہ رحمی کے دائرہ میں آ جائیں گے۔ غرض کہ شرعی لحاظ سے اس میں کوئی تحدید نہیں ہے۔ بلکہ عرف کو معیار بنایا جائے گا۔ صلہ رحمی سے رزق وعمر میں برکت ہوتی ہے جیسے والدین کی نافرمانی سے بے برکتی ہوتی ہے۔

والذین صبروا مفسر جلالؒ نے اشارہ کیا ہے کہ صبر کی تین قسموں میں گناہوں سے باز رہنا سب سے اعلیٰ قسم ہے اس کے بعد دوام اطاعت ہے اور پھر مصائب پر صبر کا درجہ ہے۔

بالحسنة السیئة اس کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر ان سے کوئی برائی ہو جاتی ہے تو اس کی مکافات فوراً نیک کام کر کے کر دیتے ہیں۔ گویا اس اپنی برائی کا خود ہی نیکی سے علاج کر دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی دوسرا شخص ان کے ساتھ برائی کرتا ہے تو یہ اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آتے ہیں۔

ومن صلح اس سے مراد ایمان ہے۔ اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ بلا ایمان کے نسب کارآمد نہیں۔ **اللّٰہ یبسط الرزق** یہ کفار کے اس شبہ کا جواب ہے۔ وہ کہا کرتے تھے لو کان اللّٰہ غضبانا علینا کما زعمتم ایها المؤمنون لما بسط لنا الارزاق ونعمنا فی الدنیا حاصل یہ ہے کہ کافر کو رزق کی فراخی اس کے حق میں استدراج ہے اور مسلمان کے لئے تنگی امتحان ہے۔ ان اللّٰہ یضل حاصل جواب یہ ہوگا کہ تم ایک دلیل لئے پھرتے ہو یہاں ہزاروں دلائل موجود ہیں لیکن تمہیں نظر نہیں آتے کیونکہ گمراہی میں اندھے بنے ہو۔ اس لئے مزید دلیل بھی تمہارے لئے مفید نہیں ہو سکتی۔

الذین امنوا اس میں پانچ ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو بقول مفسر جلالؒ من سے بدل ہے دوسرے یہ کہ مبتداء ہو اور دوسرا الذین اور

درمیان میں جملہ معترضہ ہو۔ تیسرے یہ عطف بیان ہوسکتا ہے۔ چوتھے یہ مبتدا محذوف کی خبر ہو۔ پانچویں یہ فعل مضمر سے منصوب ہو۔

تطمئن القلوب اس آیت سے تو ذکر اللہ کی خاصیت، طمانیت قلب معلوم ہوتی ہے لیکن سورۂ انفال کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر اللہ سے خوف پیدا ہوتا ہے۔ پس ان دونوں میں منافات ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ آیت انفال سے مراد ذکر اللہ سے اللہ کا خوف پیدا ہوتا ہے۔ اور اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ غیر اللہ کے خوف سے طمانیت پیدا ہوجاتی ہے۔ پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں رہا۔

ولوان قراٰناً کے جواب میں کئی رائیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں محذوف ہے جیسے اس شعر میں ہے۔

فاقسم لو اتانا رسوله　　سواك ولكن نجد لك مدفعا

لو کا جواب **رددناه** محذوف ہے۔ حضرت قتادہؒ کے اس قول کے معنی بھی یہی ہوں گے۔ انہوں نے فرمایا لو فعل هذا بقران قبل قرانكم، تفعل بقرانكم اور بعض کے نزدیک لو کا جواب مقدم ہے ای وهم يكفرون بالرحمٰن ولو ان قرانا الخ اور مفسر علامؒ نے لما امنوا جواب محذوف نکالا ہے۔

افلم ييئس قبیلہ نخع اور ہوازن کے لغت میں اس لفظ کے معنی جاننے کے ہیں۔ بقول بغویؒ اکثر مفسرینؒ کی یہی رائے ہے لیکن قراءؒ نے اس کا انکار کیا ہے۔

ربط آیات: .... پچھلی آیت میں حق و باطل کی مثال کے ذریعہ سمجھایا گیا تھا۔ آیت **افمن يعلم الخ** سے اہل حق اور اہل باطل کا فرق بیان کرنا ہے، ہدایت وگمراہی، اچھے اور برے اعمال اور جزاء وسزا کے اعتبار سے اور چونکہ ان آیتوں سے کفار کی ملعونیت اور رحمت الٰہی سے دور ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ان کی دنیاوی خوش حالی اس کے منافی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے آیت **ان اللّٰه يبسط الرزق الخ** میں اس شبہ کا جواب دینا ہے۔ اس کے بعد آیت **ويقول الذين الخ** میں پھر رسالت ونبوت سے متعلق بحث چھیڑی جارہی ہے۔

شان نزول: .... آیت **افمن يعلم الخ** اگرچہ حضرت حمزہؓ اور ابوجہل کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن عام لفظوں کا اعتبار کرتے ہوئے اس وعدو وعید میں قیامت تک دوسرے لوگ بھی داخل ہوجائیں گے۔ آیت **ولو ان قراٰنا الخ** کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ ابوجہل، عبداللہ بن امیہ وغیرہ کفار کعبۃ اللہ کے پیچھے بیٹھے تھے کہ آنحضرتﷺ گزر رہے تھے۔ یا آپ کو بلایا گیا۔ اور عبد اللہ بن امیہ کہنے لگا:

ان سرّك ان نتبعك فسير جبال مكة بالقراٰن فادفعها عنا حتى تفسخ فانها ارض ضيقة لمزارعنا واجعل لنا فيها انهارا وعيونا لنغرس الاشجار ونزرع ونتخذ البساتين فلست كما زعمت باهون على ربك من داؤد حيث سخر له الجبال تسير معه او سخر لنا الريح لنركبها الى الشام لميرتنا وحوائجنا ونرجع فى يومنا كما سخرت لسليمان الريح كما زعمت فلست باهون على ربك من سليمان واحى لنا جدك قصيا فان عيسىٰؑ كان يُحْيِ الموتىٰ ولست باهون على اللّٰه منه فنزلت هذه الاية

ترجمہ:۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی پیروی کریں تو قرآن کے ذریعہ مکہ کے پہاڑوں کو یہاں سے سرکا دیجئے۔ تاکہ یہ تنگ زمین ہماری کھیتی کے لئے کشادہ ہوجائے اور کچھ چشمے جاری کردیجئے جس سے ہم درخت اور کھیت بو سکیں اور چمن لگا سکیں پس بقول تمہارے جب تم داؤد سے کم نہیں تو جس طرح ان کے ساتھ پہاڑ چلے اسی طرح تم بھی انہیں ہٹادو اور ہمارے لئے ہوا مسخر کردو۔ تاکہ ہم تجارتی اور دوسری ضروریات کیلئے ایک ہی دن میں شام آجاسکیں۔ بقول تمہارے تم سلیمان سے کم درجہ نہیں ہو، ہوا ان کے لئے مسخر ہوچکی ہے

ایسے ہی اپنے دادا قصی کو زندہ کر کے دکھاؤ۔ کیونکہ عیسیٰ مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے اور بقول تمہارے تم عیسیٰ سے کم نہیں ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾:............ آیت افمن یعلم الخ کا حاصل یہ ہے کہ جسے حق کا علم وعرفان حاصل ہو گیا اور جس نے جان لیا کہ یہ بات سچائی ہے اور یہ سچائی نہیں ہے، کیا اس کا اور اس آدمی کا ایک ہی حکم ہو سکتا ہے جو اندھیرے میں ہے اور حق کا مشاہدہ سے اندھا ہو رہا ہے؟ یعنی پہلا تو علم وبصیرت پیش کر رہا ہے۔ دوسرے کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں کہ کہتا ہے کہ مجھے دکھائی نہیں دیتا۔ پس دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔

نیکیوں اور نیکوں کا اعزاز:............ ومن صلح الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مقربین کی برکت سے ان کے قریبی رشتہ دار بھی انہی کے ذیل اور طفیل میں جنت بداماں ہو کر اس درجہ میں داخل ہو جائیں گے اور آباء واولاد سے مراد بلاواسطہ ہیں ورنہ واسطہ در واسطہ اکثر اعزہ مراد لئے جائیں گے تو لازم آئے گا کہ تمام جنتی ایک ہی درجہ میں آجائیں گے کیونکہ سب بنی آدم ایک دوسرے کے قرابتدار ہیں۔ رہا یہ شبہ کہ بلاواسطہ ماں باپ اور اولاد لینے کی صورت میں یہی اشکال لازم آئے گا۔ کیونکہ جس طرح جنت میں جانے والوں کے ساتھ ان کے بلاواسطہ ماں باپ جائیں گے۔ اسی طرح ان بلاواسطہ ماں باپ کے ساتھ ان کے بلاواسطہ ماں باپ بھی جانے چاہئیں اور پھر ان کے ساتھ ان کے بلاواسطہ ماں باپ ہونے چاہئیں۔ جواب یہ ہے کہ پس ایک ہی مرتبہ کے تابعین مراد ہیں۔ آگے تابعین کے تابعین وغیرہ اس درجہ میں نہیں ہوں گے۔

آیت الا بذکر اللّٰہ الخ میں ذکر اللہ کی خاصیت اطمینان قلب بیان کیا گیا ہے اور دوسری آیت اذا ذکر اللّٰہ وجلت قلوبھم میں ذکر اللہ کی خاصیت خوف بتلائی گئی ہے۔ سو ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ اطمینان کا مطلب یہ ہے کہ کسی دوسری چیز کی طرف توجہ اور رغبت نہ رہے۔ پس یہ بات خوف کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے اس لئے ذکر اللہ کی دونوں قسم کی تاثیر جمع ہو سکتی ہیں۔

آیت ولو ان قرانا الخ میں اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ اللہ کی کتاب ہدایت مخلوق کے لئے نازل ہوئی ہے۔ عجائب آخر نبیوں کے لئے نازل نہیں ہوئی۔ اگر کوئی کتاب اس لئے نازل ہوئی ہوتی کہ پہاڑوں کو چلائے اور مردوں سے باتیں کرادے تو تم پر بھی ایسی ہی چیز اترتی لیکن نہ ایسا ہوا نہ اب ایسا ہوگا اس طرح کی فرمائش اس بات کی دلیل ہے کہ دلوں میں سچائی کی طلب نہیں۔ اگر طلب ہوتی تو پہاڑوں کے چلنے کا انتظار نہ کرتے یہ دیکھتے کہ انسانوں کے دلوں کو کس راہ پر چلاتی ہے اور مردہ جسموں کی جگہ مردہ روحوں کو کس طرح زندہ کر دیتی ہے؟

لطائف آیات:............ آیت انما یتذکر اولی الالباب الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ معتبر عقل، عقل معاد ہے۔ اگر چہ دنیا سے ناواقف ہو کر ایک ایسا ہی شخص عاقل کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔

آیت والذین یصلون الخ کے عموم میں سب حقوق اور اہل حقوق آگئے۔ حتیٰ کہ حضرت فضیلؒ کا قول ہے کہ اگر کوئی آدمی سارے کام نیک کر لے۔ لیکن اپنی مرغی کا حق ادا نہ کرے تو وہ نکوکار نہیں ہے۔ پس جب مرغی کے حق میں یہ کہا گیا تو مشائخ اور مریدین کے حقوق بدرجۂ اولیٰ قابل لحاظ ہوں گے۔

آیت الا بذکر اللّٰہ الخ کے ذیل میں علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ اس اطمینان کا سبب ایک نور الٰہی ہوتا ہے جو مومنین کے قلوب پر فائز ہوتا ہے جس سے پریشانی اور وحشت دور ہو جاتی ہے۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ كَمَا اسْتُهْزِئَ بِكَ وَهٰذَا تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **فَاَمْلَيْتُ** اَمْهَلْتُ **لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ** بِالْعُقُوْبَةِ **فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ** ﴿۳۲﴾ اَیْ هُوَ وَاقِعٌ مَوْقِعَهٗ فَكَذٰلِكَ اَفْعَلُ بِمَنِ اسْتَهْزَأَ بِكَ **اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ** رَقِيْبٌ **عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ** عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ وَّشَرٍّ وَهُوَ اللّٰهُ كَمَنْ لَيْسَ كَذٰلِكَ مِنَ الْاَصْنَامِ لَا دَلَّ عَلٰى هٰذَا **وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ قُلْ سَمُّوْهُمْ** لَهٗ مَنْ هُمْ **اَمْ** بَلْ **تُنَبِّئُوْنَهٗ** تُخْبِرُوْنَ اللّٰهَ **بِمَا** اَیْ بِشَرِيْكٍ **لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ** اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ اَیْ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اِذْ لَوْ كَانَ لَعَلِمَهٗ تَعَالٰى عَنْ ذٰلِكَ **اَمْ** بَلْ اَتُسَمُّوْنَهُمْ شُرَكَآءَ **بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ** بِظَنٍّ بَاطِلٍ لَا حَقِيْقَةَ لَهٗ فِى الْبَاطِنِ **بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ** كُفْرُهُمْ **وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ** طَرِيْقِ الْهُدٰى **وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ** ﴿۳۳﴾ **لَهُمْ عَذَابٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** بِالْقَتْلِ وَالْاَسْرِ **وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ** اَشَدُّ مِنْهُ **وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ** اَیْ عَذَابِهٖ **مِنْ وَّاقٍ** ﴿۳۴﴾ مَانِعٍ **مَثَلُ** صِفَةُ **الْجَنَّةِ الَّتِىْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ** مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ مَحْذُوْفٌ اَیْ فِيْمَا نَقُصُّ عَلَيْكُمْ **تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اُكُلُهَا** مَا يُؤْكَلُ فِيْهَا **دَآئِمٌ** لَا يُفْنٰى **وَّظِلُّهَا** دَائِمٌ لَا تَنْسَخُهٗ شَمْسٌ لِعَدَمِهَا فِيْهَا **تِلْكَ** اَیِ الْجَنَّةُ **عُقْبَى** عَاقِبَةُ **الَّذِيْنَ اتَّقَوْا** الشِّرْكَ **وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ** ﴿۳۵﴾ **وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ** كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَغَيْرِهٖ مِنْ مُؤْمِنِى الْيَهُوْدِ **يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ** لِمُوَافَقَتِهٖ مَا عِنْدَهُمْ **وَمِنَ الْاَحْزَابِ** الَّذِيْنَ تَحَزَّبُوْا عَلَيْكَ بِالْمُعَادَاتِ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَالْيَهُوْدِ **مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ** كَذِكْرِ الرَّحْمٰنِ وَمَا عَدَا الْقَصَصِ **قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ** فِيْمَا اُنْزِلَ اِلَيَّ **اَنْ** اَیْ بِاَنْ **اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ** ﴿۳۶﴾ مَرْجِعِىْ **وَكَذٰلِكَ** الْاِنْزَالُ **اَنْزَلْنٰهُ** اَیِ الْقُرْاٰنَ **حُكْمًا عَرَبِيًّا** بِلُغَةِ الْعَرَبِ تَحْكُمُ بِهٖ بَيْنَ النَّاسِ **وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ** اَیِ الْكُفَّارِ فِيْمَا يَدْعُوْنَكَ اِلَيْهِ مِنْ مِلَّتِهِمْ فَرْضًا **بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ** بِالتَّوْحِيْدِ **مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ** زَائِدَةٌ **وَّلِيٍّ** نَاصِرٍ **وَّلَا وَاقٍ** ﴿۳۷﴾ مَانِعٍ مِنْ عَذَابِهٖ وَنَزَلَ لَمَّا عَيَّرُوْهُ بِكَثْرَةِ النِّسَآءِ **وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً** اَوْلَادًا وَاَنْتَ مِثْلُهُمْ **وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ** مِنْهُمْ **اَنْ يَّاْتِىَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ** لِاَنَّهُمْ عَبِيْدٌ مَرْبُوْبُوْنَ **لِكُلِّ اَجَلٍ** مُدَّةٍ **كِتَابٌ** ﴿۳۸﴾ مَكْتُوْبٌ فِيْهِ تَحْدِيْدُهٗ **يَمْحُوا اللّٰهُ** مِنْهُ **مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ فِيْهِ مَا يَشَآءُ مِنَ الْاَحْكَامِ وَغَيْرِهَا **وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ** ﴿۳۹﴾ اَصْلُهُ الَّذِىْ لَا يُغَيَّرُ مِنْهُ شَيْءٌ وَهُوَ مَا كَتَبَهٗ فِى الْاَزَلِ **وَاِنْ مَّا** فِيْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِىْ مَا الْمَزِيْدَةِ **نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ** بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ فِىْ حَيَاتِكَ وَجَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوْفٌ اَیْ فَذَاكَ **اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ** قَبْلَ

تَعْذِيبِهِمْ **فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ** لَاعَلَيْكَ إِلَّا التَّبْلِيغُ **وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ** ﴿۴۰﴾ إِذْ اَصَارُوْا إِلَيْنَا فَنُجَازِيهِمْ **أَوَ لَمْ يَرَوْا** أَيْ أَهْلُ مَكَّةَ **أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ** نَقْصُدُ أَرْضَهُمْ **نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا** بِالْفَتْحِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَاللّٰهُ يَحْكُمُ** فِي خَلْقِهِ بِمَا يَشَاءُ **لَا مُعَقِّبَ** رَادَّ **لِحُكْمِهِ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ** ﴿۴۱﴾ **وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ** مِنَ الْأُمَمِ بِأَنْبِيَائِهِمْ كَمَا مَكَرُوْا بِكَ **فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا** وَلَيْسَ مَكْرُهُمْ كَمَكْرِهِ لِأَنَّهُ تَعَالٰى **يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ** فَيُعِدُّ لَهَا جَزَاءَهَا وَهٰذَا هُوَ الْمَكْرُ كُلُّهُ لِأَنَّهُ يَأْتِيهِمْ بِهِ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ **وَسَيَعْلَمُ الْكَافِرُ** الْمُرَادُ بِهِ الْجِنْسُ وَفِي قِرَاءَةٍ الْكُفَّارُ **لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ** ﴿۴۲﴾ أَيِ الْعَاقِبَةُ الْمَحْمُوْدَةُ فِي الدَّارِ الْآخِرَةِ لَهُمْ أَمْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ **وَيَقُوْلُ الَّذِينَ كَفَرُوْا** لَكَ **لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ** لَهُمْ **كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ** عَلٰى صِدْقِي **وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتٰبِ** ﴿۴۳﴾ مِنْ مُؤْمِنِي الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى

ع ۱۲

ترجمہ: ....اور آپ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبروں کی ہنسی اڑائی جا چکی ہے (جس طرح آج یہ آپ کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ دراصل اس میں آنحضرت ﷺ کی تسلی مقصود ہے) اور ہم پہلے ان کافروں کو ڈھیل دیتے رہے، پھر انہیں گرفتار کرلیا۔ سو دیکھو میری سزا کس طرح واقع ہوئی (یعنی اپنے ٹھیک وقت پر عذاب آیا پس جو آپ کی ہنسی اڑا رہے ہیں ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کروں گا) پھر جو ذات ہر شخص کے حالات سے باخبر (واقف) ہو (اچھے برے کاموں کو جانتی ہو یعنی اللہ وہ ان بتوں کے برابر ہوسکتی ہے جن میں یہ صفت نہیں ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا۔ (اگلا جملہ اس بات پر دلالت کررہا ہے) اور انہوں نے اللہ کے لئے شریک ٹھیرا رکھے ہیں ان سے کہئے کہ ان کا نام تو لو (کہ وہ کون ہیں؟) کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دینا چاہتے ہو کہ دنیا بھر میں خود اسے بھی معلوم نہیں (یہ استفہام انکاری ہے یعنی اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ضرور اسے معلوم ہوتا) یا محض ظاہری لفظ کے اعتبار سے ان میں شریک کہتے ہو (محض ایک دکھاوے کی بات ہے جس کی تہہ میں کوئی اصلیت نہیں ہے؟) اصل بات یہ ہے کہ منکرین کی نگاہوں میں ان کی مکاریاں (کفر کی باتیں) خوشنما بن گئی ہیں اور راہ حق (طریقۂ ہدایت) میں قدم اٹھانے سے رک گئے ہیں اور اللہ جسے گمراہی میں رکھے اسے راہ پر لانے والا کوئی نہیں ہے ان کے لئے دنیا میں بھی عذاب ہے (قتل وقید کا) اور آخرت کا عذاب بدرجہا اس سے زیادہ سخت ہوگا اور کوئی نہیں جو اللہ (کے عذاب) سے بچا سکے جس جنت کا متقیوں کے لئے وعدہ کیا گیا ہے اس کی شان یہ ہے کہ (یہ مبتداء ہے جس کی خبر محذوف ہے یعنی **فیما نقص علیکم**) اس کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی، اس کے پھل (جو کھائے جائیں گے) بارہ ماہی ہیں (کبھی ختم نہیں ہوں گے) اور اس کی چھاؤں بھی باقی رہے گی (کبھی وہاں سے نہیں ہٹے گی کیونکہ وہاں دھوپ نہیں ہوگی) یہ (جنت) ہے انجام (نتیجہ) ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ (شرک سے بچنے) کی راہ اختیار کی اور کافروں کا انجام آگ ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی (جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ نومسلم یہودی) وہ اس بات سے خوش ہوتے ہیں جو آپ پر اتاری گئی ہے (کیونکہ وہ باتیں ان کی کتاب کے موافق ہوتی ہیں) اور انہیں کے گروہ میں (جو مشرکین و یہود آپ کے خلاف گروہ بندی کررہے ہیں) ایسے لوگ بھی ہیں کہ قرآن کے بعض حصہ کا انکار کرتے ہیں۔ جیسے **رحمٰن** کا اور قرآنی حقوق کے علاوہ احکام کا انکار کرتے ہیں) آپ فرمادیجئے کہ مجھے تو بس یہی حکم ہوا ہے کہ اللہ کی بندگی کروں اور کسی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھیراؤں۔ اسی کی طرف تمہیں بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا رخ (ٹھکانہ) ہے۔ اور اسی (نازل کرنے کی) طرح ہم نے قرآن کو عربی فرمان کی شکل میں اتارا ہے (عربی زبان میں نازل کیا ہے

تا کہ آپ لوگوں کا فیصلہ کر سکیں) اگر آپ نے ان کے نفسانی خیالات کی پیروی کی (یعنی کفار اپنی جن مذہبی باتوں کی طرف آپ کو بلانا چاہتے ہیں، بالفرض اگر آپ نے ان کا کہنا مان لیا) آپ کے پاس علم (توحید) آچکنے کے بعد تو سمجھ لینا کہ پھر اللہ کے مقابلہ میں، نہ آپ کا کوئی کارساز ہوگا (من زائدہ ہے) اور نہ کوئی بچانے والا (اس کے عذاب سے روکنے والا ہوگا۔ اور اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ پر زیادہ بیویاں ہونے کی وجہ سے اعتراض کیا گیا) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر، قوموں میں پیدا کئے اور ہم نے انہیں بیویاں بھی دیں اور بچے بھی (اور آپ بھی انہیں کی طرح ہیں) اور کسی پیغمبر کے لئے بھی یہ بات نہ ہوئی کہ وہ خود کوئی نشانی لا دکھاتا۔ مگر اسی وقت کہ اللہ کا حکم ہو (کیونکہ وہ اللہ کے فرمانبردار بندے تھے) اور ہر مدت کے لئے ایک کتاب ہے (جس میں اس وقت کی تحدید ہوتی ہے) اللہ جو بات چاہتا ہے (ان میں سے) مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے (لفظ یثبت تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے۔ یعنی اس کتاب میں جو احکام وغیرہ چاہتا ہے ان کا محو و اثبات کرتا رہتا ہے) اور کتاب کی اصل و بنیاد اسی کے پاس ہے (یعنی وہ اصل جس میں کوئی ردوبدل نہیں ہوتا اور وہ لوح محفوظ ہے۔ جسے روز اول میں لکھ دیا گیا تھا) اور جس بات کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں (امــا میں ان شرطیہ کا نون ما زائدہ میں ادغام کر دیا گیا ہے) ہوسکتا ہے کہ ان میں سے بعض باتیں ہم آپ کی زندگی میں دکھادیں (یعنی آپ کی زندگی میں انہیں عذاب دے دیں اور جواب شرط محذوف ہے ای فـــذاک) ہوسکتا ہے کہ (ان پر عذاب آنے سے پہلے) ہم آپ کو وفات دے دیں۔ بہرحال آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے (سوائے تبلیغ کے آپ کی ذمہ داری کچھ نہیں ہے) ان سے حساب لینا ہمارا کام ہے (جب ہمارے پاس آئیں گے دار و گیر ہم کر لیں گے) پھر کیا یہ (مکہ کے) لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم (ان کی) سرزمین پر چہار طرف سے برابر کم کرتے چلے جارہے ہیں (آنحضرت کی فتوحات کے ذریعہ اور اللہ ہی فیصلہ کرتا ہے (اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے) کوئی نہیں جو اس کا فیصلہ ٹال سکے۔ وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے اور جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں انہوں نے بھی مخفی تدبیریں کی تھیں (پچھلی امتوں نے اپنے نبیوں کے ساتھ جیسا کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ خفیہ تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں) سو ہر طرح کی اصل تدبیر تو خدا ہی کی ہے (ان کی تدبیریں خدا کی تدبیر تک کہاں پہنچ سکتی ہیں کیونکہ اللہ کو) سب خبر رہتی ہے ہر شخص جو بھی کرتا ہے (لہٰذا وہ اسی کئے ہوئے کے مطابق بدلہ دے دے گا اور یہی اس کی مخفی تدبیر ہے۔ کیونکہ وہ ایسی طرح ان کے پاس آتی ہے کہ انہیں پتہ ہی نہیں چلتا) اور ان کفار کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (اس سے مراد جنس کافر ہیں ایک قرأت میں کافر کی بجائے کفار پڑھا بھی گیا ہے) کہ خوش انجامی کس کے حصہ میں آئی ہے؟ (یعنی آخرت کا انجام خیر کسے نصیب ہوتا ہے؟ آیا انہیں یا آنحضرت ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو؟ اور یہ کافر یوں کہہ رہے ہیں کہ آپ خدا کے رسول نہیں۔ آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی (تصدیق کے لئے) کافی ہے اور اس کی گواہی بس کرتی ہے جس کے پاس علم کتاب ہے (مسلمانان یہود و نصاریٰ)۔

تحقیق و ترکیب: .... **افمن هو قائم** ان آیات میں نہایت بلیغ احتجاج ہے کئی طریقہ سے، اول تو **افمن هو قائم الخ** سے ان کے قیاس کا فساد بتلانا ہے کہ اس میں جہتہ جامعہ موجود نہیں ہے۔ دوسرے **وجعلوا لله شركاء** میں وضع الظاہر موضع المضمر کر کے تنبیہ کر دی کہ اللہ کی ذات واحد ہے۔ مگر یہ لوگ اس کے لئے شریک تجویز کر رہے ہیں۔

تیسرے **قل سموهم** میں برہانی طریقہ پر شریک باری کا انکار کرنا ہے کہ اگر کوئی شریک ہے تو اس کا ذرا نام تو لو۔ جیسے بولا جاتا ہے ان كان الذى تدعيه موجودا فسمه۔ چوتھے **ام تنبئونه** سے احتجاج بطور کنایہ کیا گیا ہے۔ لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی پر استدلال ہے یعنی معلوم کی نفی سے علم کی نفی ہو رہی ہے۔

پانچویں **ام بظاهر من القول** میں باب استدراج سے احتجاج کیا جارہا ہے۔ ہمزہ تقریر کے لئے ہے۔ ای اتقولون من غير روية، وانتم اولياء فتفكروا فيه لتقفوا على بطلانه۔

اکلها دائم یعنی دنیا کے پھلوں کی طرح ختم نہیں ہوں گے۔

مومنی الیهود اس میں نومسلم نصاریٰ بھی داخل ہیں جو اسی افراد تھے۔ چالیس نجران کے اور آٹھ یمن کے اور بتیس حبشہ کے۔ بہر حال اس قول پر تو اہل کتاب مراد ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے دوسرے صحابہؓ مراد ہیں جو اہل کتاب کے علاوہ ہیں۔

من ینکر بعضه یعنی جو واقعات اور احکام ان کی کتابوں کے مطابق تھے یا ان کے عقائد ورسوم کے خلاف نہیں تھے ان کو مانتے تھے۔ باقی کا انکار کردیتے تھے۔ جیسے آنحضرتؐ کی رسالت یا اللہ کو رحمان کہنا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** سے صلح نامہ شروع کیا تو کہنے لگے کہ ہم رحمٰن کو نہیں جانتے۔

ونزل مشرکین کہتے تھے۔ لیس همة هذاالرجل الا فی النساء ۔ازواجا وذریة چنانچہ حضرت داؤدؑ کے سو بیویاں تھیں اور حضرت سلیمانؑ کے تین سو آزاد بیویاں اور سات سو باندیاں تھیں۔ اور آنحضرتؐ کے تو صرف نو یا گیارہ ازواج اور حرم تھیں۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ صاحبزادے تھے اور آنحضرتؐ کے تو صرف تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں اس ترتیب کے ساتھ تھیں۔ قاسمؓ، زینبؓ، رقیہؓ، فاطمہؓ، ام کلثومؓ، عبداللہؓ (یعنی طیب طاہر) ابراہیمؓ۔ ان میں صرف ابراہیمؓ تو ماریہ قبطیہؓ کے تھے۔ باقی تمام اولاد حضرت خدیجہؓ سے تھی۔ نیز سب کا انتقال آپؐ کے سامنے ہی ہوگیا تھا۔ بجز حضرت فاطمہؓ کے۔ وہ آپؐ کی وفات سے چھ ماہ بعد رحلت فرما گئیں۔

یمحو اللہ اس سے احکام مراد ہیں کہ ان میں جو مناسب ہوتے ہیں انہیں باقی رکھا جاتا ہے۔ باقی کو حسب مصلحت منسوخ کردیا جاتا ہے اور بعض کی رائے میں جیسے عمرؓ اور ابن مسعودؓ وغیرہ ظاہر لفظ کے اعتبار سے عام معنی مراد لئے ہیں۔ جس میں رزق، سعادت، شقاوت، موت بھی داخل ہے اور ابن عباسؓ ان چاروں کا استثناء فرماتے ہیں اور ضحاکؒ اور کلبیؒ کہتے ہیں کہ جن کاموں میں ثواب وعذاب نہیں ہوتا انہیں اللہ مٹا دیتا ہے اور جن میں ثواب ہو عذاب نہ ہو، انہیں باقی رکھتا ہے اور عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ توبہ سے جن گناہوں کو چاہتا ہے معاف کردیتا ہے۔

ام الکتاب لوح محفوظ ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دو کتابیں ہیں، ایک میں جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور ایک میں ثابت رکھتا ہے اور ام الکتاب کے متعلق کعبؓ سے سوال کیا تو فرمایا کہ علم اللہ مراد ہے۔

ناتی الارض مکہ کی سرزمین مراد ہے یا عام زمین مراد ہے۔ پہلی صورت میں آنحضرتؐ اور صحابہؓ کی مدد کرنا اور دوسری صورت میں یہ مطلب ہے کہ علماء وصلحاء اور اولیاء کے مرنے کی وجہ سے ملک میں نقصان اور کمی آجاتی ہے۔

ربط آیات: .... آیات سابقہ میں توحید ورسالت کا بیان تھا۔ اب آیت **ولقد استهزئ الخ** میں شرک اور مشرکین کی برائی بیان کی جارہی ہے۔ اس کے بعد آیت **ویقول الذین کفروا الخ** میں اہل کتاب کی حالت اور ان کے بعض شبہات کا ذکر ہے اور پھر آیت **وانما نرینک الخ** میں کفار منکرین نبوت کا بیان ہو رہا ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **مشرکین بھی آسمان میں خدا کا کوئی شریک نہیں مانتے:** .... **ام تنبئونه بما لا یعلم** کے ساتھ فی الارض کی قید اس لئے لگائی ہے کہ آسمانوں میں اللہ کا کوئی شریک مشرکین مکہ بھی نہیں مانتے تھے۔ **اکلها دائم** میں پھل کے ہمیشہ نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی نوع باقی رہے گی گو ان کے افراد ختم ہوجائیں۔ ایک بار میوہ کھا لینے کے بعد دوسرا پھل اس کے بدلہ میں درخت پر لگ جائے گا اور سایہ کے ہمیشہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہاں آفتاب اور اس کی دھوپ نہیں ہوگی۔ اگرچہ روشنی کسی اور دوسرے نور کے ذریعہ سے ہوسکتی ہے اور آیت **یمحو اللہ الخ** سے مراد اگر منسوخ اور غیر منسوخ احکام لئے جائیں تب تو سہل اور آسان تفسیر ہوجائے گی۔ لیکن اگر بقول بعض سعادت وشقاوت مراد لی جائے تو پھر اس میں ردوبدل ہونے کے کیا معنی؟ سو علم الکتاب سے مراد اگر علم الٰہی اور لوح محفوظ ہو تب تو اس میں کوئی ترمیم نہیں ہوسکتی لیکن اگر دفتر ملائکہ مراد ہو تو اس میں

اس قسم کے جزئی اور معمولی تغیرات ممکن ہیں۔

آیت وان ما نرینك الخ سے آخر تک تمام سورت کے نصائح کا خلاصہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ تمہارے ذمہ جو کچھ ہے وہ پیغام حق کا پہنچا دینا ہے۔ محاسبہ کرنا اللہ کا کام ہے اور وہ حساب لے کر رہے گا۔ ہوسکتا ہے کہ جن جن باتوں کا وعدہ کیا گیا ہے تمہاری زندگی ہی میں ظاہر ہو جائیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمہارے بعد ظہور پذیر ہوں۔ اس بات سے کہ نتائج وعواقب تمہارے سامنے نہیں ہوتے۔ اللہ کے وعدوں پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ یہ بات مختلف سورتوں میں بار بار دھرائی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد صرف مستقبل کی خبر دینا ہی نہیں تھا۔ بلکہ یہ حقیقت بھی واضح کرنی تھی کہ کوئی شخصیت خواہ کتنی ہی اہم ہو لیکن پھر شخصیت ہے اور اللہ کے کاروبار کا مقابلہ اس کی موجودگی اور غیر موجودگی پر موقوف نہیں۔ جو کچھ ہونا چاہئے اور جو کچھ ہونے والا ہے بہر حال ہو کر رہے گا۔ خواہ پیغمبر اپنی زندگی میں اس کا ظہور دیکھ لیں یا نہ دیکھ لیں۔ پھر غور کرو کہ نتائج کا ظہور بھی ٹھیک ٹھیک اسی طرح ہوا جن باتوں کی خبر دی گئی تھی۔ ان کا بڑا حصہ تو خود پیغمبر اسلام کی زندگی ہی میں ظاہر ہو گیا تھا۔ یعنی انہوں نے وفات سے پہلے تمام جزیرۂ عرب کو حلقہ بگوش اسلام پایا۔ البتہ بعض باتوں کا ظہور آپ کے بعد ہوا۔ مثلاً منافقوں کا استیصال، بیرونی فتوحات، خلافت الٰہی کے وعدہ کی تکمیل۔

آیت اولم یروا الخ میں خبر دی گئی ہے کہ اللہ ''سریع الحساب'' ہے۔ اس لئے نتائج ظاہر ہونے کا وقت دور نہیں ہے اور دعوت کی فتح مندی اس طرح ظاہر ہوگی کہ آہستہ آہستہ مکہ کے اطراف وجوانب قریش مکہ کے قبضہ سے نکلتے جائیں گے اور بالآخر مکہ بھی فتح ہو جائے گا۔

ایک اشکال کا حل: .... اگر یہ سورۃ مکی ہے تو ننقصها کی تفسیر پر بظاہر یہ اشکال ہوگا کہ اس وعدہ کے باوجود ہجرت سے پہلے تک تو فتوحات نہیں ہوئی تھیں۔ پھر اس پیشین گوئی کے صحیح ہونے کی کیا صورت ہوگی؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہوسکتا ہے کہ سورۃ مکی کہنے سے اس آیت کو مستثنیٰ کر لیا جائے۔ ممکن ہے یہ آیت مدنی ہو۔ دوسرا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ فتوحات سے مراد عام لی جائیں۔ خوشدلی سے فتوحات ہوں یا زبردستی۔ پس اسلام کو قبول کر لینا تو برضا ورغبت فتح کہلائے گی اور جنگ کے نتیجہ میں اسلام کا غلبہ یہ زبردستی کی فتح کہلائے گی۔ پس ہجرت سے پہلے اگر چہ جبر یہ فتح نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اسلامی نشر واشاعت یقیناً ہو رہی تھی اور لوگ برضا ورغبت اسلام قبول کر رہے تھے اور عرب سے گزر کر اسلام ملک حبشہ تک پہنچ چکا تھا۔ جو خوشدلی کی فتح تھی۔ اس لئے اب شبہ نہیں رہا۔

آیت ویقول الذین الخ میں حق وباطل کی آمیزش کے نزاعی نقطہ کو واضح کیا جا رہا ہے کہ تمہارا دعویٰ تو یہ ہے کہ تم اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہو اور یہ کہتے ہیں کہ تم اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے نہیں ہو۔ اب قضا بالحق اور بقاء انفع کے قانون کی رو سے واضح کر دیا جائے گا کہ حق کس کے ساتھ تھا اور باطل کا کون پرستار تھا۔

لطائفِ آیات: .... آیت انما امرت الخ سے یہ بات صراحۃً معلوم ہوتی ہے کہ عبادات کسی سے بھی ساقط نہیں ہوتیں اور آیت ولئن اتبعت اھوآئھم سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی واجب کے چھوڑنے پر وعید ہوتی ہے۔ مستحب چیز کے چھوڑنے پر وعید نہیں ہوتی۔ آیت ولقد ارسلنا رسلا الخ سے اشارہ اس طرف ہے کہ دنیاوی تعلقات کامل انسان کو نقصان نہیں دیتے۔ اس لئے یہ تعلقات ولایت کے بھی خلاف نہیں ہوتے۔ آیت وما کان لرسول الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ خوارق کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے اور انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی اس کی فرمائش کی اجازت نہیں۔ حالانکہ وہ خود صاحب خوارق ہوتے ہیں تو دوسروں کو جن کے لئے صاحب خوارق ہونا ضروری نہیں۔ بدرجۂ اولیٰ اس مطالبہ کی ممانعت ہوگی۔ آیت یمحوا اللّٰہ الخ سے مراد بعض حضرات نے سعادت اور شقاوت لی ہے۔ پس اگر علم الکتاب سے مراد لوح محفوظ اور علم الٰہی ہو تو اس میں ردوبدل جائز اور ممکن نہیں۔ لیکن اگر علم الکتاب سے مراد دفتر ملائکہ ہو تو اس میں تغیر اور ردوبدل ممکن ہے اور اس کے محفوظ ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ لوگوں کی دستبرد اور کانٹ چھانٹ سے محفوظ ہے۔

سُوْرَةُ اِبْرَاهِيْمَ

سُوْرَةُ اِبْرَاهِيْمَ مَكِّيَّةٌ اِلَّا اَلَمْ تَرَاِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ الْاٰيَتَيْنِ اِحْدٰى
اَوْ ثِنْتَانِ اَوْ اَرْبَعٌ اَوْ خَمْسٌ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ **كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ** يَا مُحَمَّدُ **لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ** الْكُفْرِ **اِلَى النُّوْرِ** الْاِيْمَانِ **بِاِذْنِ** بِاَمْرِ **رَبِّهِمْ** وَيُبْدَلُ مِنْ اِلَى النُّوْرِ **اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ** الْغَالِبِ **الْحَمِيْدِ﴿۱﴾** اَلْمَحْمُوْدِ **اللّٰهِ** بِالْجَرِّ بَدَلٌ اَوْ عَطْفُ بَيَانٍ وَمَا بَعْدَهٗ صِفَةٌ وَالرَّفْعِ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ **الَّذِىْ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ** مِلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا **وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ﴿۲﴾** نِ**الَّذِيْنَ** نَعْتٌ **يَسْتَحِبُّوْنَ** يَخْتَارُوْنَ **الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ** النَّاسَ **عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** دِيْنِ الْاِسْلَامِ **وَيَبْغُوْنَهَا** اَيِ السَّبِيْلَ **عِوَجًا** مُعْوَجَّةً **اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ﴿۳﴾** عَنِ الْحَقِّ **وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ** بِلُغَةِ **قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ** لِيُفْهِمَهُمْ مَا اَتٰى بِهٖ **فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ** فِىْ مِلْكِهٖ **الْحَكِيْمُ﴿۴﴾** فِىْ صُنْعِهٖ **وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ** التِّسْعِ وَقُلْنَا لَهٗ **اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ** بَنِىْٓ اِسْرَاءِيْلَ **مِنَ الظُّلُمٰتِ** الْكُفْرِ **اِلَى النُّوْرِ** الْاِيْمَانِ **وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ** بِنِعَمِهٖ **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ** التَّذْكِيْرِ **لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ** عَلَى الطَّاعَةِ **شَكُوْرٍ﴿۵﴾** لِلنِّعَمِ وَاذْكُرْ **اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمُ** الْمَوْلُوْدِيْنَ **وَيَسْتَحْيُوْنَ** يَسْتَبْقُوْنَ **نِسَآءَكُمْ** لِقَوْلِ بَعْضِ الْكَهَنَةِ اَنَّ مَوْلُوْدًا يُّوْلَدُ فِىْ بَنِىْ اِسْرَاءِيْلَ

یکون سبب ذھاب ملک فرعون وفی ذلکم الانجاء و العذاب بلآء انعام او ابتلاء من ربکم عظیم ﴿۶﴾ واذ تاذن اعلم ربکم لئن شکرتم نعمتی بالتوحید والطاعۃ لازیدنکم ولئن کفرتم جحدتم النعمۃ بالکفر والمعصیۃ لاعذبنکم دل علیہ ان عذابی لشدید ﴿۷﴾ وقال موسی لقومہ ان تکفروآ انتم ومن فی الارض جمیعا فان اللہ لغنی من خلقہ حمید ﴿۸﴾ محمود فی صنعہ بھم الم یاتکم استفھام تقریر نبؤا الذین من قبلکم قوم نوح وعاد قوم ھود وثمود قوم صالح والذین من بعدھم لا یعلمھم الا اللہ لکثرتھم جآءتھم رسلھم بالبینت بالحجج الواضحۃ علی صدقھم فردوآ ای الامم ایدیھم فی افواھھم ای الیھا لیعضوا علیھا من شدۃ الغیظ وقالوآ انا کفرنا بمآ ارسلتم بہ علی زعمکم وانا لفی شک مما تدعوننآ الیہ مریب ﴿۹﴾ موقع للریبۃ قالت رسلھم افی اللہ شک استفھام انکار ای لا شک فی توحیدہ للدلائل الظاھرۃ علیہ فاطر خالق السموت والارض یدعوکم الی طاعتہ لیغفر لکم من ذنوبکم من زائدۃ فان الاسلام یغفر بہ ما قبلہ او تبعیضیۃ لاخراج حقوق العباد ویؤخرکم بلا عذاب الی اجل مسمی اجل الموت قالوآ ان ما انتم الا بشر مثلنا تریدون ان تصدونا عما کان یعبد ابآؤنا من الاصنام فاتونا بسلطن مبین ﴿۱۰﴾ حجۃ ظاھرۃ علی صدقکم قالت لھم رسلھم ان ما نحن الا بشر مثلکم کما قلتم ولکن اللہ یمن علی من یشآء من عبادہ بالنبوۃ وما کان ماینبغی لنآ ان ناتیکم بسلطن الا باذن اللہ بامرہ لانا عبید مربوبون وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون ﴿۱۱﴾ یثقوا بہ ومالنآ ان لانتوکل علی اللہ ای لامانع لنا من ذلک وقد ھدنا سبلنا ولنصبرن علی مآ اذیتمونا علی اذاکم وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ....سورۂ ابراہیم مکی ہے۔البتہ الم تر الی الذین بدّلوا نعمۃ اللّٰہ الخ دوآیتیں مکی نہیں ہیں۔اس میں کل آیات ۵۲یا۵۴یا۵۵ ہیں۔بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم الف،لام،را(اس کی ٹھیک ٹھیک مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے،یہ قرآن ایک کتاب ہے جو ہم نے آپ پر(اے محمد!)اتاری ہے تا کہ آپ تمام لوگوں کو(کفر کی)اندھیریوں سے(ایمان کی)روشنی کی طرف نکال لائیں۔ان کے پروردگار کے حکم سے(اور الی النور سے الی صراط الخ بدل واقع ہو رہا ہے)یعنی خدائے غالب خوبیوں والے کے راستہ کی طرف(لفظ اللہ کسرہ کے ساتھ تو ترکیب میں بدل یا عطف بیان واقع ہو رہا ہے اور بعد والا جملہ الذی لہ الخ اس کی صفت ہو جائے گی اور اگر لفظ اللہ کو مرفوع پڑھا جائے تو یہ مبتداء ہو جائے گا جس کی خبر آگے آئی ہے)وہ اللہ ایسا ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے(مملوک اور مخلوق اور بندے ہونے کے لحاظ سے)اور عذاب کی بڑی ہی سخت خرابی ہے ان

کافروں کے لئے (آگے صفت ہے) جنہوں نے آخرت چھوڑ کر دنیا کی زندگانی پسند کر لی جو اللہ کی راہ (اسلام) سے انسانوں کو روکتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس (راستہ) میں کجی ڈال دیں۔ یہی لوگ ہیں کہ بڑی گہری گمراہی میں جا پڑے اور ہم نے کوئی پیغمبر دنیا میں نہیں بھیجا۔ مگر اس طرح کہ اپنی ہی قوم کی زبان میں پیغام حق پہنچانے والا ہوا تا کہ لوگوں پر واضح کر کے بیان کر دے (اور وہ اس کے پیغام کو سمجھ جائیں) پس اللہ جسے چاہتا ہے اس کی راہ گم کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس کی راہ کھول دیتا ہے اور وہی (اپنے ملک میں) غالب ہے (اپنی صفت میں) حکمت والا ہے اور دیکھ یہ واقعہ ہے کہ ہم نے اپنی (نو) نشانیوں کے ساتھ موسیٰ کو بھیجا (اور ہم نے ان سے کہا) کہ اپنی قوم (بنی اسرائیل) کو (کفر کی) اندھیریوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی کی طرف لائیں اور انہیں اللہ کی نعمتیں یاد دلائیں۔ کیونکہ اس تذکرے میں بڑی ہی عبرتیں ہیں ہر اس شخص کے لئے جو (اطاعت میں) صبر کرنے والا ہو (نعمتوں پر) شکر گزار ہو اور (اس وقت کو یاد کیجئے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا اللہ نے تم پر جو احسان کئے ہیں انہیں نہ بھولو۔ اس نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی۔ وہ تمہیں جانکاہ عذابوں میں ڈالتے تھے؟ تمہارے (نومولود) بچوں کو ذبح کر ڈالتے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتے کیونکہ بعض کاہنوں نے فرعون کو یہ بتلا دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا بچہ ہونے والا ہے جو فرعون کی سلطنت کے زوال کا سبب ہوگا اور اس (نجات یا عذاب) میں تمہارے پروردگار کی طرف سے کیسی سخت آزمائش تھی؟ اور کیا وہ وقت بھول گئے جب تمہارے پروردگار نے اعلان کیا تھا (اطلاع دی تھی) اگر تم نے شکر کیا (میری نعمتوں کا توحید اور اطاعت بجا لا کر) تو تمہیں اور زیادہ نعمتیں بخشوں گا اور اگر ناشکری کی (کفر و نافرمانی کر کے نعمت کو ٹھکرایا) تو میں تمہیں ضرور سزا دوں گا۔ جیسا کہ اگلا جملہ اس مفہوم پر دلالت کر رہا ہے) تو پھر میرا عذاب بھی بڑا سخت عذاب ہے اور (اپنی قوم سے) موسیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم اور تمام دنیا بھر کے آدمی سب کے سب مل کر بھی ناشکری کرنے لگو تو اللہ کی ذات تو بے نیاز ہے (اپنی مخلوق سے) ستودہ صفات ہیں (لوگوں کے کام میں عمدہ ہیں) پھر کیا تم تک ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی (استفہام تقریری ہے) جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں؟ قوم نوح اور عاد (قوم ہود) اور ثمود (قوم صالح) اور وہ قومیں جو ان کے بعد ہوئی ہیں۔ جن کا حال اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا (ان کی کثرت کی وجہ سے) ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ آئے تھے (اپنی سچائی پر واضح دلیلیں لے کر) سو ان (قوموں) نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں دے دیئے (یعنی زیادہ غصہ سے ہاتھ کاٹ کاٹ لئے) اور کہا (بقول تمہارے) جو بات تم لے کر آئے ہو اس سے ہمیں انکار ہے اور جس بات کی طرف تم بلاتے ہو ہمیں اس پر یقین نہیں (ہم شک وشبہ میں پڑ گئے ہیں) ان کے پیغمبروں نے کہا، کیا تمہیں اللہ کے بارے میں شک ہے؟ استفہام انکاری ہے ،یعنی اللہ کی توحید میں دلائل کھلے ہوئے ہونے کی وجہ سے کوئی شک وشبہ نہیں ہونا چاہیئے) جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟ وہ تمہیں (اپنی فرمانبرداری کی طرف) بلا رہا ہے تا کہ تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں (من زائد ہے کیونکہ اسلام سے تو پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یا من تبعیضیہ مانا جائے تا کہ بندوں کے حقوق اس سے نکل جائیں) اور تمہیں مہلتیں دے۔ (بلا عذاب کے) ایک مقررہ وقت (موت) تک۔ قوم کے لوگ کہنے لگے، تم اس کے سوا کیا ہو کہ ہماری ہی طرح کے ایک آدمی ہو اور پھر چاہتے ہو کہ جن معبودوں کو ہمارے باپ دادے پوجتے چلے آئے ہیں ان (بتوں) کی پوجا کرنے سے ہمیں روک دو اچھا کوئی واضح دلیل پیش کرو (اپنی سچائی پر) ان کے رسولوں نے (ان کے جواب میں) کہا ہم بھی تمہارے جیسے آدمی ہی ہیں لیکن اللہ جس بندے کو چاہتا ہے اپنے فضل واحسان (نبوت) کے لئے چن لیتا ہے اور یہ بات ہمارے اختیار میں نہیں کہ ہم تمہیں کوئی معجزہ دکھلا سکیں بغیر اللہ کے حکم کے (کیونکہ ہم اس کے پروردہ بندے ہیں) اور اللہ ہی پر سب ایمان والوں کو بھروسہ (اعتماد) کرنا چاہیئے اور ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ پر بھروسہ نہ کریں؟ (یعنی ہمارے لئے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں) حالانکہ اس نے ہمارے راستوں میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ تم نے جو کچھ ہمیں ایذاء

پہنچائی ہے اس (تمہاری تکلیف) پر ہم صبر کریں اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

تحقیق وترکیب:............ **سورۃ ابراھیم** کی سورۃ کے نام رکھنے کی وجہ اگر اس واقعہ کو قرار دیا جائے جو اس میں ذکر کیا جاتا ہے تو وہ وجہ مستر نہیں سمجھنی چاہیئے۔ بلکہ وجہ تسمیہ کو توقیفی قرار دینا زیادہ بہتر ہوگا۔ **ھذا القران** اشارہ کردیا کہ کتاب مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ **من الظلمت الی النور** کفر اور گناہوں کے طریقے چونکہ بہت زیادہ اور طریق ہدایت ایک ہی ہے۔ اس لئے ظلمات جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور نور واحد کا الا **بلسان قومہ** اس پر یہ اشکال ہے کہ آنحضرت تو سارے عالم کے لئے مبعوث فرمائے گئے ہیں جیسا کہ **انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا** سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر آپ کو ایک مخصوص زبان کیوں دی گئی ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس عمومی ضرورت کو پورا کرنے کے دو ہی طریقے ہوسکتے تھے یا دنیا کی سب زبانوں میں قرآن واحکام نازل کئے جاتے اور یا پھر قرآن ایک ہی زبان میں نازل ہو۔ مگر دوسروں کی ضرورت تراجم کے ذریعہ پوری کردی جائے پس دوسری صورت کی موجودگی میں پہلی صورت کو تطویل سمجھ کر نظر انداز کردیا گیا ہے۔ اب رہا یہ کہ ایک زبان کے سلسلہ میں کسی بھی لغت کو اختیار کیا جاسکتا تھا۔ پھر عربی کو کیوں انتخاب کیا گیا۔ سو اس کی وجہ ترجیح آپ کی قومی زبان ہونے کی حیثیت اور اس کے ذاتی محاسن اور ہمہ گیری ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ آپ کو سب زبانوں کا علم دیا گیا تھا۔ اگرچہ عام طور پر کسی دوسری زبان میں آپ کی گفتگو ثابت نہیں ہے۔ یوں فارسی کا ایک آدھ لفظ آپ نے ارشاد فرمادیا وہ دوسری بات ہے۔ لیکن دوسری زبان نہ بولنا اس کے نہ جاننے کی دلیل نہیں ہے۔

لئن شکرتم اس لئے کہا گیا **الشکر قید الموجود، وصید المفقود فی افواھھم ای الیھا الخ** سے مفسرؒ نے اشارہ کردیا کہ فی بمعنی الی ہے اور یہ "**عضوا علیکم الانامل من الغیظ**" کی طرح شدت غیظ وغضب سے کنایہ ہے اس صورت میں **افواھھم** کی ضمیر کفار کی طرف راجع ہوگی۔ دوسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ **افواھھم** کی ضمیر انبیاء کی طرف لوٹائی جائے یعنی انبیاء کو بولنے نہیں دیتے تھے اور اپنے ہاتھ ان کے منہ میں ٹھونس دیتے تھے۔ پہلی رائے ابن مسعودؓ سے منقول ہے۔

من ذنوبکم بقول اخفشؒ من زائد ہے کیونکہ اسلام لانے سے پہلے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ **الاسلام یھدم ماکان قبلہ** لیکن اگر بندوں کے حقوق مستثنیٰ کئے جائیں تو پھر من تبعیضیہ ہوجائے گا۔ اشباہ میں لکھا ہے کہ حربی کے اسلام لانے سے تو سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ لیکن ذمی کافر کے لئے مظالم کے علاوہ گناہوں کی معافی ہے۔

ربط آیات:............ سورۂ رعد کا اختتام، رسالت کی بحث پر ہوا تھا۔ اس سورۃ کی ابتداء بھی اس بحث سے ہورہی ہے اور آیت **من ورائہ الخ** سے کفار کی سزا کا بیان اور آیت **ادخل الذین** سے اہل ایمان کی جزاء کا بیان ہے اور یہ دونوں مضمون معاد سے متعلق ہیں۔ آگے پھر آیت **الم تر کیف الخ** سے توحید کا ذکر ہے اور اس کی تاکید کے لئے آیت **اذقال ابراھیم الخ** سے حضرت ابراہیم کا واقعہ ذکر کیا جارہا ہے۔ اس کے بعد آیت **لاتحسبن الخ** سے پھر معاد کا مضمون دہرایا گیا ہے اور آخری آیت تو ان سب مضامین کی جامع ہے۔ غرض کہ ان مضامین کی باہمی مناسبت بالکل واضح ہے۔

شان نزول:............ ابن جریرؒ سعید بن جبیرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ قریش نے جب اعتراض کیا کہ **لولا انزل ھذا القران اعجمیا وعربیا** اس پر آیت **لو جعلناہ قراٰنا اعجمیا** نازل ہوئی۔ لیکن روح المعانی میں بحر سے نقل کیا گیا ہے کہ قریش کہنے لگے کہ "ما بال الکتب کلھا اعجمیۃ وھذا عربی" اس پر آیت **وما ارسلنا من رسول الخ** نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: .... **ہر پیغمبرؑ پیام الٰہی اپنی قومی زبان میں پیش کرتا ہے**: .... اس سورت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انبیاء ظاہر ہونے اور ان کے احوال ونتائج کو مجموعی طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ایک خاص بات یہ بھی نمایاں ہے کہ خطاب کا رخ زیادہ تر رؤساء قریش کی طرف ہے جن کے ہاتھ میں ریاست وپیشوائی کی باگ ڈور تھی۔

فرمایا جارہا ہے کہ ہدایت روشنی ہے اور گمراہی ایک اندھیرا ہے۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ جب تاریکی پھیل جاتی ہے تو وحی الٰہی کی ہدایت کے ذریعہ انسانوں کو تاریکی سے نکالا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی آمد بھی اسی روشنی کا پیغام ہے اور ایسا ہی پیام حضرت موسیٰ نے بھی دیا تھا۔ غرض کہ جب سب پیغمبر اپنی اپنی قوم میں احکام لے کر آئے تو آپؐ کے لئے بھی یہی قاعدہ رکھا گیا کہ آپ کی امت اگرچہ سارا عالم ہے۔ تاہم قوم تو آپؐ کی عرب ہے۔ اس لئے قرآن کریم بھی آپؐ کی قومی زبان ہی میں نازل کیا گیا۔ اس لئے قرآن کریم کی عربی زبان کی خصوصیت کا شبہ لغو ہے "سورۂ فصلت" کی آیت **ولو جعلناه قرانا اعجميا لقالوا لو لا فصلت اياته** میں ایک اور وجہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی قرآن اگر عجمی زبان میں نازل کیا جاتا تو لوگ اس وقت یہ اعتراض کرتے کہ قرآن عجمی اور عربی دونوں زبانوں میں کیوں نازل نہ ہوا؟

حاصل یہ نکلا کہ قرآن کریم نازل کرنے کی دو ہی صورتیں ہوسکتی تھیں یا دنیا کی سب زبانوں میں نازل ہوتا یا پھر دنیا کی کسی ایک زبان کو منتخب کرلیا جاتا۔ دوسری صورت کو اس لئے ترجیح دی گئی کہ پہلی صورت میں طوالت تھی۔ رہی ضرورت کی عمومیت سو وہ تراجم کے ذریعہ سے بھی پوری ہوسکتی تھی جیسا کہ آج تک پوری ہورہی ہے۔ باقی عجمی اور عربی زبانوں میں خصوصیت سے عربی کا انتخاب سو وہ آپ کی قومی زبان کی خصوصیت کے پیش نظر ہے۔

البتہ یہ شبہ نکالنا کہ شاید آنحضرتؐ نے قرآن خود تصنیف کرلیا ہو؟ اس لئے صحیح نہیں کہ قرآن کریم کا اعجاز اس شبہ کو رفع کرنے کے لئے کافی ہے۔ جیسا کہ آیت **فاتوا بسورة من مثله الخ** سے معلوم ہوتا ہے۔

قوم اور امت کا فرق: .... رہا **بلسان قومه** سے یہ شبہ کرنا کہ آپؐ کی قوم چونکہ صرف عربی تھی۔ اس لئے آپؐ کی دعوت بھی عرب کے ساتھ خاص ہوئی۔ جیسا کہ یہود کا اعتراض بھی تھا حالانکہ دلائل سے آپؐ کی رسالت کا ساری دنیا کے لئے عام ہونا ثابت ہے؟

جواب یہ ہے کہ قوم خاص ہوتی ہے اور امت عام، پس قوم کے خاص ہونے سے امت کا خاص ہونا لازم نہیں آتا، قوم ایک مخصوص جماعت کو کہتے ہیں خواہ اس سے نسبی تعلقات ہوں یا غیر نسبی لیکن امت کہتے ہیں ان تمام لوگوں کو جن کی طرف نبی دعوت لے کر آتا ہے۔

البتہ آنحضرتؐ اور دوسرے انبیاء میں یہ فرق اپنی جگہ ہے کہ دوسرے انبیاء کی قوم اور امت دونوں ایک ہی رہیں اور آنحضرت ﷺ کی امت قوم سے عام ہے۔ یہود کے اس اعتراض کا ایک مستقل عقلی جواب بھی ہے کہ اگر بقول تمہارے آنحضرتؐ عرب کے نبی ہیں تو نبی کے لئے سچا ہونا لازمی ہے اور آپؐ اپنے لئے عام نبی ہونے کا دعویٰ فرمارہے ہیں۔ پس اس دعویٰ میں بھی آپؐ سچے ہونے چاہئیں۔ اس لئے خود یہود کے قول سے ان کے اپنے قول کا غلط ہونا اور اس کے خلاف جانب کا صحیح ہونا ثابت ہوگیا۔

قرآن صرف عربی زبان میں کیوں نازل کیا گیا: .... باقی اس شبہ کا جواب کہ عموم بعثت کے لحاظ سے تو قرآن کریم کا دنیا کی تمام زبانوں میں ہونا زیادہ موزوں تھا؟ علامہ آلوسیؒ نے یہ فرمایا ہے کہ اس صورت میں مختلف زبانوں کی وجہ سے اختلاف

بہت ہو جاتا ہے اور ان میں کوئی ایک زبان اصل ہوتی۔ جس سے اختلافات کا فیصلہ ہوسکتا اور یہ بات نزول کتاب کی حکمت کے خلاف ہو جاتی۔ اور یہ بیان احکام کی سہولت اس درجہ اہم نہیں تھی، جتنا بڑا مفسدہ اور فتنہ یہ ہو جاتا۔

جہاں تک احکام کی وضاحت اور سہولت کا تعلق ہے اس کے لئے دوسری زبانوں میں تراجم اور تفاسیر بھی کافی ہوسکتی ہیں۔ تراجم میں اگر اختلاف ہو بھی تو وہ اس اصل زبان کی طرف مراجعت کرنے سے دور ہوسکتا ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا اور وہ زبان آپ کی قومی زبان ہونے کی حیثیت سے، نیز اپنی خصوصیات کی وجہ سے اور قوم عرب کی خصوصیات کی وجہ سے عربی بھی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ جہاں ایک طرف عربی زبان دنیا کی تمام زندہ زبانوں میں سب سے زیادہ وسیع مالدار زبان ہے۔ اسی طرح عرب اور بالخصوص قریش اسلام کی نشر واشاعت میں دنیا کی تمام متمدن قوموں سے بڑھ چڑھ کر رہے اور زبان کے لحاظ سے عرب میں چونکہ کچھ زیادہ قابل لحاظ اختلاف نہیں تھا بلکہ لب ولہجہ اور طرز ادائیگی وغیرہ کے اعتبار سے کچھ جزوی اختلاف ضرور تھا۔ اس لئے **انزل القران علی سبعة احرف** کے لحاظ سے قرآن کے پڑھنے میں ابتداءً کچھ توسع کر دیا گیا تھا۔ مگر آہستہ آہستہ جب عام طور پر لوگ لغت قریش سے مانوس ہو گئے تو پھر یہ آزادی باقی نہیں رہی اور سب کو لغت قریش کا پابند بنا دیا گیا۔

اس کے بعد آنحضرت کی دعوت ورسالت کی تائید کے لئے مختلف انبیاء کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ جن میں حضرت موسیٰ کا ذکر تو ان کی اہمیت وشہرت اور صاحب کتاب وشریعت ہونے کے لحاظ سے تفصیلاً ہے اور حضرت نوح وہود وصالح علیہم السلام کا تذکرہ اجمالاً ہے اور آیت **والذین من بعدهم الخ** میں بعض کا تذکرہ ابہاماً ہے۔

بنی اسرائیل مصر میں عرصہ تک چونکہ مظلومیت اور مقہوریت کی زندگی بسر کر چکے تھے، اس لئے ان کی طبیعتوں میں پست ہمتی اور مایوسی سرایت کر گئی تھی مستقبل کے لئے فتح واقبال کی بشارتیں سنتے مگر اپنے دل میں عزم وثبات کے ولولے نہیں پاتے تھے۔ پس حضرت موسیٰ کو حکم ہوا کہ انہیں ایسے تذکرے سناؤ جن میں قوانین حق کی بڑی بڑی نشانیاں ہوں۔ یہ دلیلیں واضح کر دیں گی کہ جو لوگ مصائب وآلام کے مقابلہ میں ہمت نہیں ہارتے وہ سچائی کی راہ میں جمے رہتے ہیں اور عملی جدوجہد سے گھبراتے نہیں۔ ان کی کامیابی وکامرانی اٹل اور قطعی ہوتی ہے۔

صبر وشکر: ....صبر کے معنی ہیں مشکلوں میں جمے رہنا۔ شکر کے معنی ہیں اللہ کی بخشی ہوئی توتوں کی قدر کرنا اور انہیں ٹھیک ٹھیک کام میں لانا۔ خدا کا یہ مقررہ قانون ہے کہ جو قوم شکر کرتی ہے خدا انہیں زیادہ نعمتیں عطا کرتے ہیں۔ لیکن جو کفران نعمت کرتی ہے وہ محرومی اور نامرادی کے عذاب میں گرفتار ہو جاتی ہے اور یہ اللہ کا سخت عذاب ہے۔ جو کسی جماعت کے حصہ میں آتا ہے۔ غور کرو، حقیقت حال کی یہ کتنی سچی تعبیر ہے؟ کہ جو گروہ خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کی قدر کرتا ہے۔ مثلاً خدا نے اسے فتح مندی وکامرانی عطا فرمائی ہے وہ اس نعمت کو پہچانتا ہے، اسے ٹھیک طور پر کام میں لاتا ہے اور اس کی حفاظت سے غافل نہیں ہوتا۔ وہ اور زیادہ نعمتوں کے حصول کا مستحق ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اور جو ایسا نہیں کرتا۔ کیا اس کی نامرادی کا دنیا ہی میں کوئی شک ہوسکتا ہے؟

قدرت کے اصول اٹل ہیں: ....آیت **وقال موسیٰ الخ** میں دیکھو۔ گذشتہ وقائع کے مجموعی نتائج وثمرات کو کس طرح بیان کیا جا رہا ہے اور کس طرح ان کے جزئیات کو ایک حقیقت کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے یعنی سب کا ظہور ایک ہی طرح ہوا تھا۔ سب کے ساتھ ان کی قوموں نے ایک ہی طرح کا سلوک کیا تھا۔ سب کی دعوت ایک ہی تھی۔ سب کو جوابات ایک طرح کے ملے تھے اور پھر نتیجہ بھی ہر واقعہ میں ایک ہی طرح کا نکلا۔ ہر رسول اور اس کے ساتھی کامیاب ہوئے۔ ہر سرکش ناکام ونامراد ہوا۔ قرآن کے یہی

مقامات ہیں جنہوں نے ایام ووقائع کے سنن وبصائر صاف صاف واضح کردیئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا پچھلی قوموں کے واقعات تم تک نہیں پہنچے؟ پھر تین قوموں کا ذکر کیا۔ جن کے حالات سے نہ تو بنی اسرائیل بے خبر تھے اور نہ مصر کے باشندے بے خبر ہو سکتے تھے اور چونکہ بقیہ قوموں کا حال اس درجہ مشہور نہ تھا۔ اس لئے صرف والذین من بعدھم الخ سے اشارہ کرکے چھوڑ دیا اور یہ بھی بتلا دیا کہ یہ قومیں بہت سی تھیں جن کا شمار اللہ کو معلوم ہے۔ تم ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ یہاں ایک شبہ ہے کہ آیت الم یاتکم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کا ان کو علم ہے اور آیت لا تعلمھم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ معلوم نہیں۔ پس دونوں میں تعارض ہو گیا۔ جواب یہ ہے کہ اجمال کے اعتبار سے واقعہ معلوم تھا اور تفصیل کے لحاظ سے معلوم نہیں تھا۔ لہٰذا دونوں کا حکم صحیح ہو گیا۔

خدا کی ہستی میں شک کرنا ایسا ہے جیسے خود اپنی ہستی میں شک وشبہ کرنا:............آیت قالت رسلھم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ قوموں کا ہمیشہ یہی جواب رہا کہ ہمیں تمہاری دعوت کی سچائی میں شک ہے اس لئے ہم نہیں مانتے لیکن پیغمبروں کی پکار بھی ایک ہی رہی کہ "افی اللّٰہ شک "یعنی کس کے بارے میں تمہیں شک ہو رہا ہے؟ اللہ کے بارے میں جو آسمان وزمین کا بنانے والا ہے اور ایسی ہستی کے بارے میں جس کا اعتقاد تمہاری فطرت کے ضمیر میں موجود ہے اور تمہارے دل کا ایک ایک ریشہ کہہ رہا ہے کہ دنیا کی ہر بات میں شک کر سکتے ہو۔ لیکن اس بارے میں تم شک نہیں کر سکتے۔ تم کیوں کر جرأت کر سکتے ہو کہ اپنے دل کے یقین سے انکار کرو، اپنی روح کے اعتقاد سے مکر جاؤ، خود اپنی نسبت شک کرنے لگو؟ "یغفر لکم من ذنوبکم " کا حاصل یہ ہے کہ اسلام لانے سے حقوق اور زواجر کے علاوہ اور تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں چنانچہ اسلام لانے کے باوجود حدود کا ذمی کے ذمہ سے معاف نہ ہونا فقہ میں مذکور ہے۔

لطائف آیات:............آیت وما ارسلنا الخ سے مستنبط ہوتا ہے کہ شیخ کا خلیفہ وہی شخص ہو سکتا ہے جسے تمام مریدوں میں شیخ سے زیادہ مناسبت ہو اور شیخ کے اول مخاطب بھی ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم کا پہلا خطاب عرب سے ہوا، دوسری اقوام سے بعد کو۔ آیت اخرج قومک الخ میں اخراج کی نسبت نبی کی طرف کی گئی ہے۔ حالانکہ حقیقی اخراج اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے؟ یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ مرید کی تکمیل میں شیخ کو بڑا دخل ہوتا ہے۔

آیت وفی ذلکم بلاء من ربکم عظیم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت سے بھی مؤمن کی تربیت اور اس کا نفع ہوتا ہے۔ آیت فردوا ایدیھم فی افواھھم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح کفر ایک جرم ہے اسی طرح بے ادبی کرنا بھی ایک مستقل جرم ہے۔ اسی لئے طریقت میں بے ادبی کو سخت ترین جرم شمار کیا گیا ہے "باادب بانصیب: بے ادب بے نصیب۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ لَتَصِيْرُنَّ **فِيْ مِلَّتِنَا** دِيْنِنَا **فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۱۳﴾ اَلْكَافِرِيْنَ **وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ** اَرْضَهُمْ **مِنْۢ بَعْدِهِمْ** بَعْدَ هَلَاكِهِمْ **ذٰلِكَ** النَّصْرُ وَاِيْرَاثُ الْاَرْضِ **لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ** اَيْ مَقَامَهُ بَيْنَ يَدَيَّ **وَخَافَ وَعِيْدِ** ﴿۱۴﴾ بِالْعَذَابِ **وَاسْتَفْتَحُوْا** اِسْتَنْصَرَ الرُّسُلُ بِاللّٰهِ عَلٰى قَوْمِهِمْ **وَخَابَ** خَسِرَ **كُلُّ جَبَّارٍ** مُتَكَبِّرٍ عَنْ طَاعَةِ اللّٰهِ **عَنِيْدٍ** ﴿۱۵﴾ مُعَانِدٍ لِلْحَقِّ **مِّنْ وَّرَآئِهٖ** اَيْ اَمَامِهٖ **جَهَنَّمُ** يَدْخُلُهَا **وَيُسْقٰى** فِيْهَا **مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ** ﴿۱۶﴾ هُوَمَآءٌ

يَسِيلُ مِنْ جَوْفِ اَهْلِ النَّارِ مُخْتَلَطًا بِالْقَيْحِ وَالدَّمِ **يَّتَجَرَّعُهٗ** يَبْتَلِعُهٗ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ لِمُرَارَتِهٖ **وَلَايَكَادُ يُسِيغُهٗ** يَزْدَرِدُهٗ لِقُبْحِهٖ وَكَرَاهَتِهٖ **وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ** اَيْ اَسْبَابُهُ الْمُقْتَضِيَةُ لَهٗ مِنْ اَنْوَاعِ الْعَذَابِ **مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ** بَعْدَ ذٰلِكَ الْعَذَابِ **عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾** قَوِيٌّ مُتَّصِلٌ **مَثَلُ** صِفَةُ **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ** مُبْتَدَأٌ وَيُبْدَلُ مِنْهُ **اَعْمَالُهُمْ** الصَّالِحَةُ كَصِلَةٍ وَصَدَقَةٍ فِيْ عَدَمِ الْاِنْتِفَاعِ بِهَا **كَرَمَادِ ۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ** شَدِيْدُ هُبُوْبِ الرِّيْحِ فَجَعَلَتْهُ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا لَايَقْدِرُ عَلَيْهِ وَالْمَجْرُوْرُ خَبَرُ الْمُبْتَدَأِ **لَا يَقْدِرُوْنَ** اَيِ الْكُفَّارُ **مِمَّا كَسَبُوْا** عَمِلُوْا فِي الدُّنْيَا **عَلٰى شَيْءٍ** اَيْ لَا يَجِدُوْنَ لَهٗ ثَوَابًا لِعَدَمِ شَرْطِهٖ **ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ** الْهَلَاكُ **الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ** تَنْظُرْ يَامُخَاطِبًا اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ **اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ** مُتَعَلِّقٌ بِخَلَقَ **اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾** بَدَلَكُمْ **وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾** شَدِيْدٍ **وَبَرَزُوْا** اَيِ الْخَلَائِقُ وَالتَّعْبِيْرُ فِيْهِ وَفِيْمَابَعْدَهٗ بِالْمَاضِيْ لِتَحَقُّقِ وُقُوْعِهٖ **لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا** الْاَتْبَاعُ **لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا** الْمَتْبُوْعِيْنَ **اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا** جَمْعُ تَابِعٍ **فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ** دَافِعُوْنَ **عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ** مِنَ الْاُوْلٰى لِلتَّبْيِيْنِ وَالثَّانِيَةُ لِلتَّبْعِيْضِ **قَالُوْا** اَيِ الْمَتْبُوْعُوْنَ **لَوْهَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ** لَدَعَوْنَاكُمْ اِلَى الْهُدٰى **سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَالَنَا مِنْ** زَائِدَةٌ **مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾** مَلْجَأٌ **وَقَالَ الشَّيْطٰنُ** اِبْلِيْسُ **لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ** وَاُدْخِلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَاَهْلُ النَّارِ النَّارَ وَاجْتَمَعُوْا عَلَيْهِ **اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ** بِالْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ فَصَدَّقَكُمْ **وَوَعَدْتُّكُمْ** اَنَّهٗ غَيْرُ كَائِنٍ **فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ** زَائِدَةٌ **سُلْطٰنٍ** قُوَّةٍ وَقُدْرَةٍ اَقْهَرُكُمْ عَلٰى مُتَابَعَتِيْ **اِلَّآ** لٰكِنْ **اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ** عَلٰى اِجَابَتِيْ **مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ** بِمُغِيْثِكُمْ **وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ** بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا **اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ** بِاِشْرَاكِكُمْ اِيَّايَ مَعَ اللّٰهِ **مِنْ قَبْلُ** فِي الدُّنْيَا قَالَ تَعَالٰى **اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ** الْكَافِرِيْنَ **لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾** مُؤْلِمٌ **وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ** حَالٌ مُقَدَّرَةٌ **فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا** مِنَ اللّٰهِ وَمِنَ الْمَلٰئِكَةِ وَفِيْمَا بَيْنَهُمْ **سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾ اَلَمْ تَرَ** تَنْظُرْ **كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا** وَيُبْدَلُ مِنْهُ **كَلِمَةً طَيِّبَةً** اَيْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ **كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ** هِيَ النَّخْلَةُ **اَصْلُهَا ثَابِتٌ** فِي الْاَرْضِ **وَّفَرْعُهَا** غُصْنُهَا **فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ** تُعْطِيْ **اُكُلَهَا** ثَمَرَهَا **كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا** بِاِرَادَتِهٖ كَذٰلِكَ كَلِمَةُ الْاِيْمَانِ ثَابِتَةٌ فِيْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ وَعَمَلِهٖ يَصْعَدُ اِلَى السَّمَاءِ وَيَنَالُهٗ بَرَكَتُهٗ وَثَوَابُهٗ كُلَّ وَقْتٍ **وَيَضْرِبُ** يُبَيِّنُ **اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ**

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ يَتَّعِظُوْنَ فَيُؤْمِنُوْنَ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ هِيَ كَلِمَةُ الْكُفْرِ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ هِيَ الْحَنْظَلَةُ
اِجْتُثَّتْ اُسْتُوْصِلَتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَالَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ مُسْتَقَرٍّ وَّثَبَاتٍ كَذٰلِكَ كَلِمَةُ الْكُفْرِ لَاثُبَاتَ
لَهَا وَلَا فَرْعَ وَلَابَرْكَةَ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ هُوَ كَلِمَةُ التَّوْحِيْدِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَفِي الْاٰخِرَةِ اَيْ فِي الْقَبْرِ لِمَا يَسْأَلُهُمُ الْمَلَكَانِ عَنْ رَبِّهِمْ وَدِيْنِهِمْ وَنَبِيِّهِمْ فَيُجِيْبُوْنَ بِالصَّوَابِ كَمَا فِي
حَدِيْثِ الشَّيْخَيْنِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ الْكُفَّارَ فَلَا يَهْتَدُوْنَ لِلْجَوَابِ بِالصَّوَابِ بَلْ يَقُوْلُوْنَ لَا نَدْرِيْ كَمَا
فِي الْحَدِيْثِ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَايَشَآءُ ﴿۲۷﴾

ترجمہ .... اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم تمہیں اپنے ملک سے ضرور نکال باہر کریں گے یا پھر تم ہمارے مذہب (دین) میں لوٹ آؤ۔ پس ان رسولوں پر ان کے رب نے وحی نازل کی کہ اب ہم ان ظالموں (کافروں) کو ضرور ہلاک کر ڈالیں گے اور ان کے (تباہ ہونے کے) بعد ہم تمہیں اس سرزمین میں آباد کریں گے یہ (تمہاری امداد اور تمہیں اس سرزمین میں آباد کرنا) ہر اس شخص کے لئے جو ہمارے روبرو (سامنے) کھڑا ہونے سے ڈرا اور (عذاب) کی تنبیہ سے ڈر گیا۔ اور پیغمبروں نے فتح مندی طلب کی (اپنی قوم کے مقابلہ میں انبیاء نے اللہ سے مدد مانگی) جتنے سرکش (اللہ کی اطاعت سے تکبر کرنے والے) ضدی (حق کے مخالف) لوگ تھے وہ سب نامراد ہوئے اس کے آگے (سامنے) جہنم ہے (جس میں وہ داخل ہوگا) اور ایسا پانی پینے کو (وہاں) دیا جائے گا جو لہو اور پیپ ہوگا (جو پانی جہنمیوں کے پیٹ سے بہتا ہوا ہوگا اور خون پیپ سے ملا ہوا ہوگا) اور وہ گھونٹ گھونٹ کر کے پئے گا (زیادہ بد ذائقہ ہونے کی وجہ سے بار بار گھونٹ کر کے پینے کی کوشش کرے گا) اور گلے سے اتار نہ سکے گا (ناگواری اور جی نہ لینے کی وجہ سے نگلنے کی کوشش کرے گا) اور اس پر موت آئے گی (یعنی موت کے اسباب طرح طرح کے عذاب کی شکل میں) ہر طرف سے آئیں گے مگر وہ کسی طرح مرے گا نہیں اور پھر اس کے پیچھے (اس کے عذاب کے بعد) ایک سخت عذاب کا سامنا ہوگا (جو زبردست اور مسلسل رہے گا) جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا (یہ مبتداء ہے آگے بدل ہے) ان کے (نیک) اعمال (جیسے صلہ رحمی، صدقہ بے کار ہونے میں ان) کی مثال ایسی ہے جیسے راکھ کا ڈھیر کہ تیز آندھی کے دن تیزی کے ساتھ ہوا اڑا لے جائے (تیز و تند ہوا اسے اڑا کر صاف کر دے کہ اس کا نشان تک نہ مل سکے اور مجرور خبر ہے مبتدا کی) جو کچھ ان لوگوں نے کمایا ہے (دنیا کے کام کئے ہیں) اس میں سے کچھ بھی ان (کفار) کے ہاتھ نہ آئے گا (ثواب کے مستحق نہیں ہوں گے۔ اس کی شرط یعنی ایمان نہ پائے جانے کی وجہ سے) یہ بھی بڑے دور دراز کی گمراہی ہے (کیا تم نہیں دیکھتے اے مخاطب! استفہام تقریری ہے) کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو بالکل ٹھیک ٹھیک بنایا ہے (بالحق کا تعلق خلق سے ہے) اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور (تمہارے بجائے) ایک نئی مخلوق پیدا کر دے اور ایسا کرنا خدا کو کچھ مشکل (دشوار) نہیں اور اللہ کے روبرو سب پیش ہوں گے (ساری مخلوق اور یہاں اور اس کے بعد ماضی کا لفظ لانا اس کے واقعی اور یقینی ہونے کی وجہ سے ہے) پھر چھوٹے درجہ کے لوگ (خادم قسم کے) بڑے درجہ کے لوگوں سے کہیں گے جو دنیا میں پیشوا تھے ہم تمہارے پیچھے چلنے والے تھے (تبع جمع تابع کی) تو کیا تم آج اللہ کے عذاب سے ہمارا بچاؤ کر سکتے ہو؟ (پہلا من بیانیہ ہے اور دوسرا من تبعیضیہ ہے) وہ (مخدوم) کہیں گے۔ اگر اللہ ہمارے بچنے کی کوئی راہ نکالتا تو ہم بھی تمہارے لئے کوئی راہ نکالتے (تمہاری کچھ راہنمائی کرتے) لیکن اب تو خواہ ہم جھیل لیں خواہ رو لیں پیٹ لیں دونوں صورتیں ہمارے لئے برابر ہیں۔ کسی طرح کا ہمارے لئے

(من زائد ہے) چھٹکارا نہیں ہے اور شیطان بولے گا جب کہ مقدمات کا فیصلہ ہو چکے گا (اور جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں داخل ہو جائیں گے اور جہنمی شیطان کے پاس جمع ہوں گے) کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا (قیامت اور جزا کے متعلق۔ پس وہ اس نے سچ کر دکھایا) اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا کہ (قیامت نہیں آئے گی) مگر میں نے وہ وعدہ تم سے خلاف کیا تھا۔ میرا تم پر اور تو کچھ زور چلتا نہ تھا (ف زائد ہے کہ تمہیں اپنی تابعداری پر مجبور کر سکتا) سوائے اس کے کہ میں نے تم کو بلایا تھا۔ سو تم نے میرا کہنا مان لیا۔ پس اب مجھے ملامت نہ کرو، خود اپنے آپ کو ملامت کرو (میرا کہنا ماننے پر) آج کے دن نہ تو میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں (تمہاری مدد کر کے) اور نہ تم میری مدد کر سکتے ہو (لفظ مصرخیّ فتح یا اور کسر یا کے ساتھ ہے) میں خود تمہارے اس فعل سے بے زار ہوں کہ تم مجھے اللہ کا شریک قرار دیتے رہے (تم نے مجھے اللہ کے ساتھ شریک ٹھیرائے رکھا) اس سے پہلے (دنیا میں ارشاد ربانی ہے) یقیناً ظالموں (کافروں) کے لئے بڑا ہی دردناک عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے تھے اور جنہوں نے نیک کام کئے وہ ایسے باغوں میں داخل ہوں گے جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ انہی میں رہیں گے (خالدین حال مقدرہ ہے) وہاں ان کے لئے اللہ اور فرشتوں کی طرف سے اور آپس میں) دعاؤں کی پکار یہی ہوگی کہ "تم پر سلامتی ہو" کیا آپ نے غور نہیں کیا (دیکھا نہیں) کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال بیان فرمائی ہے؟ (آگے بدل ہے) کلمہ طیبہ (لا الٰہ الا اللّٰہ) کی کہ وہ ایک اچھے (کھجور کے) درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) خوب جمی ہوئی ہے اور ٹہنیاں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں، ہر وقت اپنے پروردگار کے حکم سے پھل پیدا کرتا (دیتا رہتا ہے۔ یہی حال کلمہ طیبہ کا ہے کہ اس کی جڑ مؤمن کے قلب میں ہوتی ہے اور اس کا عمل آسمان پر چلا جاتا ہے جس کی برکت وثواب کا پھل ہر وقت اسے حاصل ہوتا رہتا ہے) اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے تا کہ وہ خوب سوچیں سمجھیں (نصیحت حاصل کر کے ایمان لے آئیں) اور گندہ کلمہ (کلمۂ کفر) کی مثال کیا ہے جیسے ایک نکما درخت (سینڈھا کا) کہ زمین کے اوپر ہی اوپر اس کی جڑ کھوکھلی ہو (جب چاہا اکھاڑ پھینکا) اس کے لئے جماؤ نہیں (ٹھیراؤ اور پائیداری نہیں۔ کلمۂ کفر کا حال بھی یہی ہے کہ نہ اس میں جماؤ ہوتا ہے اور نہ برگ وبار اور نہ خیر وبرکت) اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات (کلمہ توحید) کے ذریعہ جماؤ اور مضبوطی دیتا ہے دنیا اور آخرت میں (یعنی قبر میں جب فرشتے اس سے پروردگار اور دین اور نبی کے بارے میں سوالات کریں گے تو وہ اہل ایمان ٹھیک ٹھیک جواب دیں گے۔ جیسا کہ حدیث شیخینؒ میں آتا ہے) اور نافرمانوں (کافروں) کو بچلا دیتا ہے (اس لئے وہ ٹھیک ٹھیک جواب نہیں دے سکیں گے۔ بلکہ یہی کہیں گے کہ ہمیں کچھ خبر نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے) اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

تحقیق وترکیب: .... لتعودنّ عود چونکہ پچھلی حالت کی طرف لوٹنے کو کہتے ہیں۔ حالانکہ انبیاء نے کبھی بھی کفر اختیار نہیں کیا۔ اس لئے جلال محققؒ نے جواب کی طرف اشارہ کیا کہ عود سے مراد صیرورت اور کفر میں داخل ہونا ہے۔

وخاف وعید اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا خوف اور اللہ کی وعید کا خوف، دونوں الگ الگ چیزیں ہیں کیونکہ عطف ایک دوسرے کے مختلف ہونے میں دلالت کرتا ہے۔

استفتحوا اس کی ضمیر میں کئی احتمال ہیں۔ انبیاء کی طرف لوٹائی جائے یا کفار کی طرف لوٹائی جائے اور بعض نے دونوں کی طرف اور بعض نے قریش کی طرف لوٹائی ہے۔ کیونکہ قریش ہی قحط میں مبتلا ہوئے تھے۔ اس آخری صورت میں استفتحوا جملہ مستانفہ اور پہلی صورتوں میں فاوحی پر عطف ہوگا۔ ویسقی مفسر علامؒ نے اس کا علت درست کرنے کے لئے اس سے پہلے یدخلھا معطوف علیہ مقدر مانا جائے۔

ماء صدید حاکمؒ نے ابوامامہؓ سے مرفوع روایت نقل کی ہے۔ ھو ماء یقرب الیہ فیکرہ فاذا دنی منہ شوی وجھہ

ووقعت فردة راسه فاذا شرب قطع امعاء ه حتی یخرج من دبره کما قال تعالی وسقوا ماء حمیما فقطع امعاء هم
ورائه یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔ آگے اور پیچھے کے معنی ہیں۔ مثل سیبویہؒ کے نزدیک اس مبتداء کی خبر محذوف ہے۔ ای فیما یتلی علیکم اور کرماد الخ جملہ مستانفہ ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ مثل مبتداء ہو اور اعمالهم بدل اشتمال ہو اور کرماد خبر ہو۔ اعمالهم بعض کے نزدیک کفار کے عام اچھے کام مراد ہیں اور بعض کے نزدیک بت پرستی اور شرک ہے۔

سواء علینا یہ کلام یا صرف جہنم میں داخل ہونے والے خواص کا ہوگا اور عام اور خاص دونوں فریق کا ہوگا۔ جیسا کہ روایت بھی ہے۔ انهم یقولون تعالوا نجزع فیجزعون خمس مائة عام فلا ینفعهم فیقولون تعالوا نصبر فیصبرون کذلک ثم یقولون سواء علینا. وقال الشیطان جہنم میں ایک آگ کا منبر بچھایا جائے گا۔ جس پر شیطان بٹھلایا جائے گا اور اس کے گرد جہنمی ہوں گے۔

ما انا بمصرخکم مفسرؒ نے بمغیثکم کہہ کر اشارہ کر دیا کہ مصرخ میں ہمزہ سلب کے لئے ہے۔ صراخ کے معنی فریاد چاہنے کے ہیں اس میں تعلیل ہوگئی ہے۔

کلمة طیبة اس سے عام اچھی باتیں مراد ہوسکتی ہیں۔ نخلة ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کی مثال ایک درخت کے ساتھ دیتے ہیں۔ پس بتلاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ لوگوں نے درختوں میں غور کرنا شروع کر دیا۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہوسکتا ہے، مگر میں اس وقت کمسن بچہ تھا اس لئے بول نہیں سکا۔ آپؐ نے بتلا دیا کہ کھجور کا درخت مراد ہے۔ میں نے جب اپنے والد ماجد حضرت عمرؓ سے اس صورت حال کا ذکر کیا تو فرمایا کہ اے جان پدر! اگر تم بتلا دیتے تو یہ میرے لئے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ قیمتی بات ہوتی۔

کل حین چھ مہینہ پھل دیتا ہے یا بارہ ماسی پھل دیتا ہے۔ اور امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں عقل کو عمدہ درخت سے تشبیہ دی گئی ہے اور خواہش نفس کو بدترین درخت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ نفس امارہ بدترین درخت کی طرح ہوتا ہے۔

شجرة خبیثة سینڈ اور جھاؤ کا درخت مراد ہے جو قطعاً بے کار ہوتا ہے کہ نہ اس کی لکڑی جلانے کے کام آتی ہے اور نہ پھل کارآمد ہوتا ہے۔

یثبت اللّٰه دنیا میں بھی ایمان قلوب میں اس طرح رچ جاتا ہے کہ نکلنے کا نام نہیں لیتا۔ خواہ کتنی ہی آفتیں آئیں جیسے حضرت زکریا، یحیٰی، جرجیس، شمعون علیہم السلام اور قبر میں بھی نکیرین کے سوال وجواب میں ثابت قدم رہتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے۔ حین یحیی اللّٰه الموتی حتی یسمع قرع نعال من کان ماشیا فی جنازته ثم یعاد روح المؤمن فی جسده فیأتیه ملکان فیجلسانه فی قبره فیقولان له من ربك، وما دینك، ومن نبیك؟ فیقول ربی اللّٰه ودینی الاسلام ونبیی محمد ﷺ فینادی مناد من السماء ان صدق عبدی فذلک قوله یثبت اللّٰه الذین اٰمنوا الخ ثم یقول الملکان عشت سعیدا و مت حمیدا ونم نومة العروس قد علمنا ان کنت لموقنا واما الکافر او المنافق فیقول لا ادری کنت اسمع الناس یقولون شیئا فقلت مثل ما یقولون فیضربانه بمطراق من نار فیصیح صیحة یسمعه من فی الارض غیر الثقلین ویقولان له لا دریت ولا تلیت

ربط آیات: .... آیت وقال الذین کفروا الخ میں کفار کی دنیاوی سزاؤں کا ذکر کیا گیا ہے اور آیت من ورائه جهنم الخ سے اخروی عذاب کا ذکر ہے۔ آیت مثل الذین الخ سے کہ اچھے کاموں کا بے کار ہونا اور جن کے کہنے سے خدا کی نافرمانی کی

تھی۔ ان کا کارآمد نہ ہونا بتلایا ہے۔ آگے آیت وادخل الذین الخ میں کفار کے بالمقابل اہل ایمان کے مستحق نجات وثواب ہونا مذکور ہے۔ اس رسالت وقیامت کے ذکر کے بعد آیت الم تر کیف ضرب اللّٰہ الخ میں کلمۂ ایمان اور کلمۂ کفر کی اچھائی برائی مثال کے ساتھ بیان فرمائی جارہی ہے۔

﴿تشریح﴾: ....جہنمیوں کا حال پتلا ہوگا: .... جہنمیوں کولہو پلایا جائے گا۔ اس کے دو وصف بیان کئے ہیں۔ ایک یتجرعہ دوسرے لایکاد دونوں وصفوں کے ایک ساتھ پائے جانے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ پھنس کر گلے سے نیچے اترے گا۔ پس اتر جانے کے اعتبار سے تو یتجرعہ فرمادیا اور بے پھنسے نہ اترنے کے اعتبار سے لایکاد فرمادیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ کچ لہو گلے میں پھنس کر رہ جائے گا، نیچے نہیں اترے گا۔ پس لایکاد فرمانا تو بالکل ظاہر ہے اور یتجرع کا حکم بلحاظ ارادہ کے صحیح ہو جائے گا۔ یعنی ہر چند پینا چاہے گا مگر پی نہ سکے گا۔

کفار مکہ اپنے گمان میں کچھ کام اچھے سمجھ کر کیا کرتے تھے۔ اگر چہ کچھ کام تو ان میں سے فی نفسہ اچھے نہیں تھے جیسے شرک وبت پرستی اور کچھ ان کے اعتبار سے اچھے نہیں تھے جیسے غلاموں کو آزاد کرنا۔ صلہ رحمی کرنا۔ مہمانداری کرنا کہ یہ کام فی نفسہ تو اچھے ہیں۔ مگر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے جو شرط قبولیت ہے ان کے حق میں یہ کام اچھے نہیں رہے تاہم ان کاموں پر نظر کرتے ہوئے انہیں شبہ ہوسکتا تھا کہ بالفرض آخرت ہوئی تو یہ اعمال ہمارے کام آئیں گے اور ہمیں عذاب سے بچالیں گے، ورنہ اصل اعتقاد تو ان کا یہ تھا کہ آخرت کوئی چیز نہیں، دوبارہ زندہ ہونا جب محال ہے تو پھر عذاب کا کیا سوال؟

آخرت میں کفار کی نجات کی کوئی صورت نہیں ہوگی: .... اسی طرح یہ بھی سمجھتے تھے کہ جن کے کہنے سے ہم نے اس طریقہ کو اختیار کیا ہے۔ اگر آخرت ہوتی تو وہ ہمارے کام آئیں گے اور اللہ کے سوا معبود بھی ہماری سفارش کریں گے۔ غرضیکہ ان سب شبہات کو دور کرنے کے لئے ان اعمال کا بالکل بے اثر ہونا آیت مثل الذین الخ میں اور قیامت کا ممکن الوقوع ہونا آیت الم تر الخ میں اور اکابرین کفر کا کارآمد نہ ہونا آیت وبرزوا الخ میں اور شیطان کا صاف جواب دے دینا آیت وقال الشیطان الخ میں بیان فرمایا جارہا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آخرت میں نجات کے تمام راستے بند ہو جائیں گے۔

دنیا میں مفید چیز ہی برقرار رکھی جاتی ہے: .... آیت الم تر ان اللّٰہ الخ میں فرماتے ہیں کہ کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے کہ دنیا کی ہر چیز کسی خاص مصلحت ومقصد سے بنائی گئی ہے۔ یہ نہیں کہ بغیر کسی سوچے سمجھے ہوئے مقصد اور ٹھیرائی ہوئی مصلحت کے لئے ویسے ہی ظاہر ہوگئی ہو۔ پھر اگر تم دیکھ رہے ہو کہ آسمان وزمین کی ہر چیز کسی مصلحت کے ساتھ بنائی گئی ہے تو کیوں کر ممکن ہے کہ خود تمہاری ہستی کی پیدائش میں کوئی خاص مصلحت پوشیدہ نہ ہو اور دنیا کی یہ سب سے بڑی اور اشرف مخلوق محض بے کار اور فضول بنادی گئی ہو۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں چھانٹ دے اور ایک نئی قوم کی پیدائش کا سامان کردے۔ کیوں کہ اس کا ٹھیرایا ہوا قانون یہی ہے کہ جو جماعت مفید نہ ہو اسے مٹ جانا ہے اور اس کی جگہ نافع اور بہتر جماعت کو آنا ہے۔

اگر مختلف آیات کی رو سے یہ بات مان لی جائے کہ قیامت میں بعض حقائق کفار سے مخفی رہیں گے۔ تب تو فھل انتم مغنون الخ میں استفہام اپنے ظاہر پر رہے گا۔ ورنہ یہ استفہام توبیخ وعتاب کے لئے ہوگا۔ جیسا کہ بعض مفسرینؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

اور ماکان لی علیکم من سلطان کے یہ معنی ہیں کہ گمراہ کرنے میں اس سے زیادہ زور کسی کا نہیں چلتا کہ دوسرے کو اغوا کرے، یہ نہیں کہ زبردستی کسی کو گمراہ کردے۔ پس اس حصر سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ شیطان انسان کو کسی طرح کی کوئی دوسری

تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔ بلکہ نصوص اور مشاہدہ سے یہ ثابت ہے کہ شیاطین انسان کو بیہوش کر سکتے ہیں، پتھر برسا سکتے ہیں، آدمی کو کہیں غائب کر سکتے ہیں۔ البتہ فرشتوں کی حفاظت کی وجہ سے ایسے واقعات بکثرت پیش نہیں آتے اور **دعوتکم الخ** میں دونوں صورتیں داخل ہیں۔ خواہ شیطان خود بہکائے یا دوسرے کے ذریعہ سے اغواء کرائے اور ایک ہی وقت میں بہت سے آدمیوں کو نہ بہکا سکنے پر کوئی وزنی دلیل قائم نہیں ہے۔

آخرت میں جھوٹی پیروی کارآمد نہیں ہوگی:......... آیت **وبرزوا الخ** میں گمراہی کی سب سے بڑی وجہ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اپنے گمراہ سرداروں، امیروں، بادشاہوں، پیشواؤں کی اندھی تقلید واطاعت کرنا اور خود اپنی عقل وسمجھ سے کام نہ لینا گمراہی کی سب بڑی بنیاد ہے، کیا یہ غلط اور جھوٹے پیشوا اعمال کے نتائج کی گرفت سے بچا سکتے ہیں؟ قیامت کے دن کمزور افراد اور عوام اپنے اپنے پیشواؤں سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم نے تمہاری پیروی کی تھی آج عذاب الٰہی کی پکڑ سے ہمارا بچاؤ کرو۔ وہ کہیں گے کہ ہم خود اپنے کو نہیں بچا سکتے، ہم تمہیں کس طرح بچائیں؟ قریش جو قوم کے سردار وپیشوا تھے اور نہ صرف قبائل حجاز بلکہ عرب کے تمام باشندے انہی کے طور وطریقہ کی پابندی کرتے تھے۔ جب انہوں نے اسلامی دعوت کی مخالفت میں قدم اٹھایا تو تمام عرب نے ان کی پیروی کی۔

قرآن نے ہر جگہ ایمان کی خصوصیت یہ بتلائی کہ وہ سرتاسر سلامتی ہے اور کفر کی پہچان یہ بتلائی کہ وہ سرتاسر محرومی ہے۔ پس جنتی زندگی کے مرقع میں بھی یہی بات سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے کہ وہ سلامتی کی زندگی ہوگی۔ اور وہاں ہر طرف سے سلامتی ہی کی پکاریں سنائی دیں گی۔

حنظل چونکہ تنادار نہیں ہوتا۔ اس لئے کہا جائے گا کہ مجازاً اس کو درخت کہا ہے اور کھجور کا عمدہ ہونا ظاہر ہے اور سینڈ ادر جھاؤ بلحاظ بدبو وبدمزہ ہونا بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے طبی منافع اور نقصانات الگ رہے اہل ایمان کے دنیا میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ جنات وشیاطین کے گمراہ کرنے کا ان پر اثر نہیں ہوتا اور وہ مرتے دم تک ایمان پر قائم رہتے ہیں اور آخرت میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ قبر میں نکیرین کے سوالات کا صحیح صحیح اور اطمینان بخش جواب دیتے ہیں اور اسی اعتبار سے کفار کے دنیا میں اور آخرت میں گمراہ رہنے کا مطلب لیا جائے گا اور بعض نے آخرت سے مراد قیامت کا دن لیا ہے۔

ایک اشکال کا حل:......... البتہ اس آیت کو قبر کے سوال پر محمول کرنے کی صورت میں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ قبر کے سوال وجواب کا علم تو آنحضرتؐ کو مدینہ طیبہ میں ہوا ہے اور یہ سورۃ اس سے پہلے مکہ معظمہ میں نازل ہو چکی تھی۔ پھر اس آیت کی تفسیر سوال قبر سے کرنا کس طرح صحیح ہوگا۔

اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ممکن ہے یہ آیت مدنی ہو اور اس سورۃ کا مکی ہونا اکثر آیات کے اعتبار سے ہو اور دوسرا جواب یہ کہ یہ آیت عام ہے اور قبر اور قیامت دونوں کو شامل ہے۔ آخرت کے معنی بعد الموت کے ہوں۔ البتہ اس آیت کے ایک حصہ یعنی قیامت کا علم تو آپؐ کو مکہ ہی میں دے دیا گیا تھا۔ لیکن اس کے دوسرے جزو یعنی قبر کے احوال کا علم وہ آپؐ کو مدینہ میں آکر کرایا گیا ہے۔

تاہم نصوص سے قیامت میں بھی سوال کا ہونا ثابت ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے۔ **فلنسئلن الذین ارسل الیھم ولنسئلن المرسلین** فرق اتنا ہے کہ اہل ایمان سے حساب میں آسانی ہوگی اور اس میں ثابت قدمی سے ان کی مدد فرمائی جائے گی اور کفار سے سخت حساب کتاب ہوگا اور **نزلت فی عذاب القبر** سے یہ مراد نہیں کہ اس آیت کا تعلق خصوصیت سے قبر کے ساتھ ہے۔ بلکہ منشایہ

ہے کہ قبر بھی آخرت کے مفہوم میں داخل ہے۔

لطائف آیات:............ آیت وما كان لى عليكم الخ سے معلوم ہوا کہ شیطان کا زور وسوسہ اندازی کے سوا اور کچھ نہیں۔ وہ بہ جبر کسی سے گناہ نہیں کرا سکتا اس لئے یہ عذر باور کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ کیا کریں، شیطان نے فلاں گناہ کرا ہی دیا۔

اَلَمْ تَرَ تَنْظُرُ **اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ** اَیْ شُكْرَهَا **كُفْرًا** هُمْ كُفَّارُ قُرَيْشٍ **وَّاَحَلُّوْا** اَنْزَلُوْا **قَوْمَهُمْ** بِاِضْلَالِهِمْ اِيَّاهُمْ **دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾** اَلْهَلَاكِ **جَهَنَّمَ** عَطْفُ بَيَانٍ **يَصْلَوْنَهَا** يَدْخُلُوْنَهَا **وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾** اَلْمَقَرُّ هِيَ **وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا** شُرَكَاءَ **لِّيُضِلُّوْا** بِفَتْحِ الْيَاءِ وَضَمِّهَا **عَنْ سَبِيْلِهٖ** دِيْنِ الْاِسْلَامِ **قُلْ** لَهُمْ **تَمَتَّعُوْا** بِدُنْيَاكُمْ قَلِيْلًا **فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ** مَرْجِعَكُمْ **اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ** فِدَاءٌ **فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾** مُخَالَّةٌ اَیْ صَدَاقَةٌ تَنْفَعُ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ** السُّفُنَ **لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ** بِالرُّكُوْبِ وَالْحَمْلِ **بِاَمْرِهٖ** بِاِذْنِهٖ **وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ** جَارِيَيْنِ فِيْ فَلَكِهِمَا لَا يَفْتُرَانِ **وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ** لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ **وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾** لِتَبْتَغُوْا فِيْهِ مِنْ فَضْلِهٖ **وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ** عَلٰى حَسْبِ مَصَالِحِكُمْ **وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ** بِمَعْنٰى اِنْعَامِهٖ **لَا تُحْصُوْهَا** لَا تُطِيْقُوْا عَدَّهَا **اِنَّ الْاِنْسَانَ** الْكَافِرَ **لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾** كَثِيْرُ الظُّلْمِ لِنَفْسِهٖ بِالْمَعْصِيَةِ وَالْكُفْرِ لِنِعْمَةِ رَبِّهٖ **وَ** اذْكُرْ **اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ** مَكَّةَ **اٰمِنًا** ذَا اَمْنٍ وَقَدْ اَجَابَ اللّٰهُ تَعَالٰى دُعَاءَهٗ فَجَعَلَهٗ حَرَمًا لَا يُسْفَكُ فِيْهِ دَمُ اِنْسَانٍ وَلَا يُظْلَمُ فِيْهِ اَحَدٌ وَلَا يُصَادُ صَيْدُهٗ وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهُ **وَّاجْنُبْنِيْ** بَعِّدْنِيْ **وَبَنِيَّ** عَنْ **اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ** اَيِ الْاَصْنَامُ **اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ** بِعِبَادَتِهِمْ لَهَا **فَمَنْ تَبِعَنِيْ** عَلَى التَّوْحِيْدِ **فَاِنَّهٗ مِنِّيْ** مِنْ اَهْلِ دِيْنِيْ **وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾** هٰذَا قَبْلَ عِلْمِهٖ اَنَّهٗ تَعَالٰى لَا يَغْفِرُ الشِّرْكَ **رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ** اَیْ بَعْضَهَا وَهُوَ اِسْمٰعِيْلُ مَعَ اُمِّهٖ هَاجَرَ **بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ** هُوَ مَكَّةُ **عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ** الَّذِيْ كَانَ قَبْلَ الطُّوْفَانِ **رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً** قُلُوْبًا **مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ** تَمِيْلُ وَتَحِنُّ **اِلَيْهِمْ** قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَوْ قَالَ اَفْئِدَةَ النَّاسِ لَحَنَّتْ اِلَيْهِ فَارِسُ وَالرُّوْمُ وَالنَّاسُ كُلُّهُمْ **وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾** وَقَدْ فَعَلَ بِنَقْلِ الطَّائِفِ اِلَيْهِ

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَانُخْفِيْ مَانُسِرُّ وَمَا نُعْلِنُ وَمَايَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ زَائِدَةٌ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَافِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ يَحْتَمِلُ اَنْ يَّكُوْنَ مِنْ كَلَامِهٖ تَعَالٰى اَوْ كَلَامِ اِبْرَاهِيْمَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ اَعْطَانِيْ عَلَى مَعَ الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وُلِدَ وَلَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ سَنَةً وَاِسْحٰقَ وُلِدَ وَلَهٗ مِائَةٌ وَّثِنْتَا عَشْرَةَ سَنَةً اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَ اجْعَلْ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ مَنْ يُّقِيْمُهَا وَاَتٰى بِمِنْ لِاِعْلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى لَهٗ اَنَّ مِنْهُمْ كُفَّارًا رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ اَلْمَذْكُوْرُ رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ هٰذَا قَبْلَ اَنْ يُّتَبَيَّنَ لَهٗ عَدَاوَتُهُمَا لِلّٰهِ وَقِيْلَ اَسْلَمَتْ اُمُّهٗ وَقُرِئَ وَالِدِيْ مُفْرَدًا وَوَلَدَيْ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ يَثْبُتُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: .... کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت (کے شکریہ) کو کفران نعمت سے بدل ڈالا (یعنی کفار قریش نے) اپنی قوم کو (گمراہ کر کے) ہلاکت (تباہی) کے گھر جا اتارا۔ یعنی جہنم میں (یہ عطف بیان ہے) داخل کر کے رہے اور بہت ہی برا ٹھکانا ہے اور انہوں نے اللہ کے ساجھی (شریک) ٹھیرائے۔ تاکہ لوگوں کو بھٹکائیں (فتح یا اور ضمہ یا کے ساتھ ہے) اس (دین اسلام) کے راستہ سے آپ (ان سے) کہہ دیجئے۔ اچھا فائدے برت لو (دنیا میں تھوڑے سے) پھر انجام کار تمہارا ٹھکانا دوزخ ہی کی طرف ہے۔ جو میرے خاص ایمان والے بندے ہیں ان سے آپ فرما دیجئے کہ وہ نماز کی پابندی رکھیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور آشکارا خرچ کرتے رہیں۔ ایسا وقت آنے سے پہلے کہ جب کسی طرح کا نہ لین دین (فدیہ) کام دے گا اور نہ کسی طرح کی دوستی (تعلق، محبت فائدہ دے گی، مراد قیامت کا دن ہے) یہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اوپر سے پانی برسایا۔ پھر اس سے طرح طرح کے پھل پیدا کئے کہ تمہارے لئے غذا کا سامان ہیں اور جہاز (کشتیاں) تمہارے نفع کے لئے مسخر بنائے تا کہ سمندر میں چلنے لگیں (سواری یا بار برداری کے طور پر) اللہ کے حکم (اجازت) سے نیز دریا بھی تمہارے لئے مسخر کر دیئے۔ اسی طرح سورج اور چاند بھی مسخر کر دیئے جو ایک خاص دستور کے مطابق ہمیشہ چلنے میں رہتے ہیں (اپنے اپنے مدار پر برابر گھومے جا رہے ہیں ذرا نہیں تھکتے) اور تمہارے نفع کے لئے رات کو بھی مسخر کیا (سکون حاصل کرنے کے لئے) اور دن کو بھی مسخر کیا (روزی تلاش کرنے کے لئے) غرضیکہ جو جو چیزیں تم نے مانگیں (بشرطیکہ اس کی مصلحت کے موافق ہوئیں) ہر چیز تمہیں عطا کی۔ اگر تم اللہ کی نعمتیں (انعامات) گننا چاہو تو شمار میں نہیں لا سکتے (انہیں گن نہیں سکتے) حقیقت یہ ہے کہ انسان (کافر) بڑا ہی ناشکرا ہے (گناہ کر کے اپنی جان پر بے حد ظلم ڈھا رہا ہے اور اپنے مالک کی نعمتوں کا بے حد ناشکرا ہے) اور (وہ وقت یاد کیجئے) جب کہ ابراہیمؑ نے دعا مانگی تھی، اے میرے پروردگار! اس شہر (مکہ) کو امن کی جگہ بنا دیجیو (چنانچہ حق نے ان کی دعا قبول فرمالی اور اس جگہ کو حرم بنا دیا جس میں نہ کسی انسان کا خون گرانا جائز ہے اور نہ کسی پر ظلم کرنا روا ہے۔ نہ ہی وہاں شکار کھیلنے کی اجازت ہے اور نہ ہی گھاس اکھاڑنا جائز ہے) اور مجھے اور میرے خاص فرزندوں کو بت پرستی سے بچائیو (دور رکھیو) پروردگار! ان (بتوں) نے بہت سے آدمیوں کو (اپنی پوجا پاٹ میں لگا کر) بھٹکا دیا ہے تو جو میرے پیچھے چلے گا (توحید میں) وہ تو میرا (ہم مذہب) ہے ہی اور جو میرا کہنا نہیں مانے گا سو آپ بے حد بخشش رحمت والے ہیں (یہ دعا اس وقت کی ہے جب انہیں پتہ نہیں تھا کہ شرک معاف نہیں کیا جائے گا) اے ہم سب کے پروردگار! میں نے اپنی اولاد کو (یعنی بعض اولاد کو یعنی حضرت اسماعیلؑ کو مع ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کے) ایک ایسے میدان میں جہاں کھیتی کا نام

ونشان نہیں تھا (مراد مکہ ہے) تیرے محترم گھر کے پاس (جو طوفان نوحؑ سے پہلے سے موجود ہے) لابسایا ہے۔ خدایا! اس لئے بسایا ہے کہ نماز قائم کریں۔ پس آپ کچھ لوگوں کے قلوب (دل) ان کی طرف مائل (راغب) کر دیجئے (ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت ابراہیمؑ "افئدة الناس" فرمادیتے تو سب لوگوں کے دل (حرم کی طرف جھک پڑتے خواہ وہ فارسی ہوں یا رومی) اور ان کے لئے زمین کی پیداوار کے سامان رزق مہیا کر دے۔ تا کہ یہ آپکے شکر گزار رہوں (چنانچہ اس دعا کی قبولیت اس طرح ہوئی کہ طائف سے یہ پیداوار اس سرزمین کی طرف منتقل ہونے لگی) اے ہمارے پروردگار! ہم جو کچھ چھپاتے ہیں وہ تو جانتا ہے جو کچھ ظاہر کرتے ہیں وہ بھی تیرے علم میں ہے۔ آسمان وزمین کی کوئی چیز نہیں جو تجھ سے پوشیدہ ہو (یہ جملہ کلام الٰہی ہے یا حضرت ابراہیمؑ کا مقالہ ہے) ساری تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے باوجود بڑھاپے کے مجھے عطا فرمائے اسماعیلؑ (حضرت ابراہیمؑ کی عمر اس وقت ننانوے سال کی تھی) اور اسحٰقؑ جب کہ حضرت ابراہیمؑ کی عمر ایک سو بارہ سال کی تھی) حقیقت میں میرا پروردگار دعائیں سنتا ہے۔ خدایا! مجھے بھی نماز کا اہتمام کرنے والا رکھیو اور میری نسل میں سے بھی اس کی توفیق ملے (اور من اس لئے استعمال کیا کہ انہیں اللہ نے بتلا دیا تھا کہ تمہاری اولاد میں سے بعض کافر بھی ہوں گے) پروردگار! میری دعا تیرے حضور قبول ہو۔ پروردگار! میری اور میرے ماں باپ کی (ماں باپ کے حق میں یہ دعا اس وقت کی تھی جب انہیں واضح نہیں ہوا تھا کہ ماں باپ اللہ کے دشمن ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ ان کی والدہ ایمان لا چکی تھیں۔ ایک قرأت میں والدی اور ولدی مفرد پڑھا گیا ہے) اور ان سب کی جو ایمان لائے مغفرت کیجیو۔ جس دن اعمال کا حساب لیا جائے گا۔

تحقیق وترکیب: .... کفار قریش جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے ہے اور طبریؒ نے حضرت عمرؓ وعلیؓ سے نقل کیا ہے کہ هما الافجران بنو امية وبنو مخزوم۔ **لعبادی** اضافت تشریفیہ ہے۔ **یقیموا الصلوٰة**۔ المقول محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ قل لهم اقيموا الصلوٰة وانفقوا اور بعض یقیموا کو امر مانتے ہیں۔ ای **لیقیموا او لینفقوا** لام حذف کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ قل حذف لام پر دلالت کر رہا ہے۔ ورنہ ابتداءً یقیموا وینفقوا حذف لام کے ساتھ جائز نہ ہوتا۔

صداقة اس سے اشارہ کر دیا کہ خلال مصدر ہے اور ابوعلی کی رائے میں خلة کی جمع ہے۔ **اللّٰه الذی** اس آیت میں دس دلیلیں ہیں توحید باری پر۔ **من کل ماسألتموه** بقول اخفش من زائد ہے اور بقول سیبویہ من تبعیضیہ ہے اور ما موصولہ اسمیہ ہے یا حرفیہ ہے اور مصدر قائم مقام اسم مفعول ہے **علی حسب مصالحکم** یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ یہ کہنا کس طرح صحیح ہے کہ کل درخواستیں اور دعائیں منظور ہو جاتی ہیں۔ جواب یہ ہے کہ جن دعاؤں کی قبولیت میں مصلحت ہوتی ہے وہ کل دعائیں قبول ہو جاتی ہیں۔ اس صورت میں من تبعیضیہ ہوگا۔ لیکن من بیانیہ لینے کی صورت میں کل تکثیر کے لئے ہو جائے گا جیسے کہا جائے فلان یعلم کل شئ یا اتاہ کل الناس یا آیت قرآنیہ ہے۔ **فتحنا علیهم ابواب کل شئ**۔ **نعمة اللّٰه** خدا کی نعمتیں موجود ہیں اور موجودات متناہی ہوتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ کی نعمتیں متناہی ہیں پھر کیسے **لاتحصوها** فرمایا گیا؟ مفسر علامؒ نے نعمة کو انعام کے معنی میں لے کر اسی کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انعامات تجدد کے لحاظ سے غیر متناہی ہیں۔

هذا البلد یہاں البلد معرفہ ہے اور سورۂ بقرہ میں بلداً نکرہ آیا ہے۔ ممکن ہے حضرت ابراہیمؑ نے بار بار دعا فرمائی ہو۔ بیت اللہ کی تعمیر سے پہلے تو **هذا بلدا امنا** فرمایا ہو اور اس کی جگہ صرف شہریت دعا میں پیش نظر ہو اور خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد **هذا البلد امنا** سے شہر کی مامونیت مطلوب ہو۔

واجنبنی باوجود معصوم ہونے کے خود اپنے لئے شرک وکفر سے بچنے کی دعا کرنا یا غایت خوف کی وجہ سے ہے کہ اپنے رتبہ کا خیال ہی نہ رہا اور یا مقصود اپنے ساتھ اولاد شریک کرنا ہو۔

انی اسکنت یہ واقعہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالنے کے بعد پیش آیا۔ چونکہ حضرت ہاجرہؓ حضرت سارہؓ کی باندی تھی۔ انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو بخش دیا تھا۔ چنانچہ ان سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوگئے اور حضرت سارہ کے ابھی تک کچھ نہیں ہوا تھا اس لئے انہوں نے حضرت ابراہیمؑ پر زور دے کر حضرت ہاجرہؓ کو نکال دیا چنانچہ حق تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیمؑ ان دونوں ماں بیٹوں کو ملک شام سے لے کر مکہ معظمہ پہنچے اور وہاں چھوڑ کر واپس ہوگئے۔

بیتک المحرم مفسر علامؒ نے اشارہ کر دیا کہ باعتبار ماکان کے مجازاً بیت الحرام کہا ہے اور مایؤل کے اعتبار سے بھی مجازاً جاری ہوسکتا ہے کہ آئندہ یہ جگہ بیت الحرام بننے والی ہے۔ **علی الکبر علی** اپنے معنی میں بھی ہوسکتا ہے اور بمعنی مع بھی ہوسکتا ہے۔

اسماعیل یہ لفظ اسمع یا ایل تھا۔ ایل بمعنی اللہ ہے۔ یعنی اے اللہ سن لے! جب اللہ نے دعا سن لی تو اسماعیل نام رکھ دیا اور **اسحاق** کا نام عبرانی زبان میں ضحاک تھا۔

ولوالدی ایک توجیہ مفسر علامؒ نے فرمائی ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ والدین سے مراد آدمؑ وحواء ہوں۔ تیسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ دعاء ومغفرت بشرط ایمان تھی اور والدہ اگر مؤمن تھیں تو والد کے بارہ میں توجیہ کی ضرورت پیش آئے گی۔

ربط آیات: .... **الم تر الخ** سے کفار ومشرکین کی برائی اور مؤمنین کی تعریف کی گئی ہے۔ آیت **اللّٰہ الذی خلق الخ** سے توحید ثابت کی جارہی ہے اور بعض نعمتوں کو یاد دلایا جارہا ہے۔ آیت **واذقال ابراھیم الخ** سے حضرت ابراہیمؑ کی مقبول دعاؤں کا ذکر ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **بھلائی کی طرف بڑوں ہی کو آگے بڑھنا چاہیئے:** .... آیت **الم تر الی الذین الخ** میں قریش مکہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ملک کی ریاست وپیشوائی کی باگ ڈور انہی کے ہاتھ میں تھی اور عام لوگ انہی کے پیچھے چلتے تھے۔ لیکن ان کی محرومی دیکھو کہ کس طرح اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کر رہے ہیں اور کلمہ طیبہ کی جگہ کلمہ خبیثہ کو شعار بنالیا ہے؟ اللہ نے انہیں قوم کی پیشوائی دی تھی۔ پس ان کا فرض تھا کہ دعوت حق کی قبولیت میں سب سے آگے ہوتے اور قوم کی سچی رہنمائی کرتے مگر انہوں نے استبداد نعمت کی راہ پسند کی۔ خود بھی گمراہ ہوئے اور اپنی قوم کو بھی گمراہی میں دھکیل دیا۔ قریش مکہ کے کفران نعمت کے ذکر کے بعد ہی روئے سخن مومنوں کی طرف پھر گیا۔ فرمایا کہ انہیں چاہیئے کہ نعمت کی قدر کریں ناشکری سے بچیں، نماز قائم کرنے اور انفاق فی سبیل اللہ میں سرگرم رہیں۔

ربوبیت ہی دلیل معبودیت ہے: .... آیت **اللّٰہ الذی الخ** میں برہان ربوبیت سے استدلال ہے۔ فرماتے ہیں اپنی زندگی کی حاجتوں کو دیکھو اور پھر ربوبیت الٰہی کی بخششوں اور کارفرمائیوں پر نظر ڈالو۔ زندگی کی کوئی قدرتی احتیاج ایسی نہیں ہے جس کا قدرتی انتظام نہ کر دیا گیا ہو اور کارخانۂ عالم کا کوئی حصہ ایسا نہیں جو تمہارے لئے افادہ اور فیضان نہ رکھتا ہو۔ حتیٰ کہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز صرف اسی لئے بنی ہے کہ تمہاری کوئی نہ کوئی ضرورت پوری کر دے اور کسی نہ کسی شکل میں خدمت ونفع رسانی کا ذریعہ ہو۔ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ یہ سب کچھ بغیر ارادہ کے ظاہر ہوگیا اور کوئی ربوبیت رکھنے والی ہستی موجود نہ ہو؟ اگر ایک ایسی ہستی موجود ہے تو

ہر طرح کی عبادتوں کی مستحق اس کی ذات ہے یا ان کی جو حاجتوں میں خود کسی پروردگار کی پروردگاریوں کے محتاج ہیں۔

مادّی اور شرعی اسباب یکجا ہو سکتے ہیں یا نہیں؟:............ بارش کے آسمان سے برسنے پر بعض کو یہ شبہ ہوا ہے کہ بعض دفعہ پہاڑوں کے اوپر کھڑے ہونے سے نیچے پانی برستا ہوا نظر آتا ہے اور پہاڑ کے اوپر کا حصہ خشک رہتا ہے اگر بارش آسمان سے برستی تو پہاڑ پر بھی برسنی چاہیئے تھی؟

لیکن یہ شبہ اس طرح صحیح نہیں کہ ممکن ہے بارش کا پانی غیر محسوس طور پر بادل میں آجاتا ہو اور قطرات نظر نہ آتے ہوں لیکن بادلوں سے نیچے قطرات چمکتے نظر آتے ہوں۔ رہا فلاسفہ کے نزدیک بخارات کو بارش کا سبب ماننا سو ممکن ہے دونوں مل کر بارش کا سبب ہوں۔ ایک ظاہری دوسرا باطنی۔ یا یوں کہا جائے کہ دونوں الگ الگ مستقل سبب ہیں۔ کبھی ایک سبب پایا جاتا ہے کبھی دوسرا اور اسباب میں تزاحم نہیں ہوا کرتا اور آیت من کل ما سألتموہ الخ میں جلال محققؒ نے وعلی حسب المصالح کی قید لگائی ہے۔ اس سے اس شبہ کا جواب ہو گیا کہ بعض چیزیں ہم مانگتے ہیں مگر نہیں ملتیں پھر کل دعاؤں کی مقبولیت کا دعویٰ کیسے کیا گیا ہے؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ مصلحت الٰہیہ جن دعاؤں سے متعلق ہو وہ سب قبول کی جاتی ہیں اور بعض نے یہ توجیہ کی ہے کہ لفظ کل تکثیر کے لئے ہے۔ یعنی اکثر دعائیں قبول کر لی جاتی ہیں ساری دعاؤں کی قبولیت کا دعویٰ نہیں کیا جا رہا ہے کہ اشکال ہو۔

خدا کی بے شمار نعمتیں:............ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بے شمار ہونا اس طرح ہے کہ جو منافع اور فوائد انسان کو سر دست حاصل ہیں اور جن نقصانات سے وہ بچا رہتا ہے اول تو وہ بکثرت ہیں۔ پھر ان منافع کے اسباب ومقدمات کا ابتدائی سلسلہ پھر ان کے بعد کی مصلحتوں اور حکمتوں کا سلسلہ کہ وہ بھی نعمتیں ہیں۔ بیشمار ہیں کہ عادۃً ان کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ اسی لحاظ سے نعمتوں کو بیشمار فرمایا گیا ہے۔ اور ان الانسان الخ میں انسان سے مراد جنس انسان ہے خواہ بعض افراد کے اعتبار ہی سے سہی۔ اس لئے اب یہ شبہ نہیں رہا کہ ہر انسان تو ناشکرا نہیں ہے۔

مشرکین مکہ کی ناشکری:............ آیت واذقال ابراھیم الخ اس ناشکری کی ایک مناسب مقام کی مثال بیان کر دی۔ فرمایا کہ اس سے بڑھ کر ناشکری اور کیا ہو سکتی ہے جو قریش مکہ نے کی ہے؟ وہ دنیا کے ایک ایسے گوشہ میں رہتے ہیں جو انسانی آبادی کے لئے زیادہ سے زیادہ ناموزوں مقام تھا۔ ایک بے آب وگیاہ ریگستان جہاں درندے بھی بھٹ نہ بنائیں اور پرند بھی ہوا میں اڑنا پسند نہ کریں۔ لیکن اللہ نے اپنے فضل وکرم سے ایسا دلچسپ اور معمور مقام بنا دیا کہ انسانی دل بے اختیار اس کی طرف کھنچنے لگے اور زمین کی ساری پیداوار جو کبھی سرسبز وشاداب ملک میں مل سکتی ہیں اس بنجر سرزمین میں مہیا ہو گئیں۔ یہ انقلاب کس طرح ہوا؟ حضرت ابراہیمؑ نے اگر یہاں دین حق کی عبادت گاہ بنائی اور اس کی پاسبانی اپنی اولاد کے سپرد کی۔ اس ویرانہ کو آباد کرنے کے سلسلہ میں ان کی دعا اس طرح مقبول ہوئی کہ عرب اور غیر عرب کے سالانہ اجتماع کا مرکز بن گیا۔ رؤساء قریش انہی کی نسل سے ہیں اور انہی کی برکتوں کا ظہور ہیں۔ لیکن انہوں نے اس نعمت کا حق کس طرح ادا کیا؟ ملت ابراہیمی سے منحرف ہو گئے، ظلم وگمراہی کو اپنا شیوہ بنالیا، وہ دین حق جس کے قیام کے لئے یہ عبادت گاہ بنائی گئی تھی بت پرستی سے بدل گیا۔ قریش اب اپنی تمام طاقتیں اس دعوت کی مخالفت میں خرچ کر رہے ہیں جو اس ملت ابراہیمی کی تجدید ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی پانچوں دعائیں مقبول: .... حضرت ابراہیمؑ نے پانچ دعائیں فرمائی اور وہ سب مقبول ہوئیں۔ پہلی دعا مکہ کے حرم بننے کی تھی وہ مقبول ہوئی حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم بنوایا۔ لیکن اگر کوئی شخص اس امن کو توڑ دے اور خلاف ورزی کرے تو اس سے شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ امن سے مراد مستحق امن ہوتا ہے اور استحقاق امن خلاف ورزی کے بعد بھی رہتا ہے۔ یہاں ھـذا البلد امنا معرفہ آیا ہے اور سورۂ بقرہ میں ھـذا بلدا امنا فرمایا گیا ہے۔ دونوں میں کچھ تعارض نہیں ہے۔ اس سے اس جگہ کا پہلے سے شہر ہونا لازم نہیں آتا۔ بلکہ یہ ایسا ہی ہے۔ جیسے کہا جائے اجـعـل هـذا الـخـاتـم حسنا یعنی اس انگوٹھی کو اچھا بنانا۔ پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ انگوٹھی جس کو بنوانا ہو پہلے سے تیار ہو۔ ایسی ترکیب سے زیادہ مقصد مفعول ثانی پر زور دینا ہوتا ہے۔

رہی یہ بات کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ دونوں لفظ کہے تھے یا ایک لفظ۔ سو دونوں احتمال ہیں۔ مثلاً اول بـلـدا امنـا کہا ہو جس میں آبادی بنوانے کی دعا ہو اور پھر ھـذا البـلـد امنا کہا ہو جس میں زیادہ مقصود امن کی دعا ہو اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایک ہی لفظ کہا ہو جس میں آبادی کی بھی دعا مقصود ہو۔ لیکن امن کی دعا زیادہ مطلوب بھی تھی اس لئے نقل کرنے میں دونوں تعبیریں صحیح ہوگئیں۔ پہلی تعبیر تو دونوں کی مقصودیت کی بناء پر اور دوسری تعبیر امنیت کی زیادہ مقصودیت کی وجہ سے تھی۔

دوسری دعا واجـنـبـنـی و بنی الخ میں وبنی سے مراد بلا واسطہ صلبی اولاد ہے۔ اس لئے اگر بعد کی اولاد میں شرک آ گیا تو اس سے قبولیت دعا پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ باقی حضرت ابراہیمؑ تو نبی معصوم ہونے کی وجہ سے ہمیشہ سے شرک سے بچے ہوئے تھے۔ پھر اس سے محفوظ رہنے کی دعا کے کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ آئندہ بھی ہمیشہ کے لئے حفاظت کی دعا ہے۔ رہا یہ شبہ کہ نبیؑ کے لئے عصمت چونکہ لازم ہے۔ اس لئے شرک سے حفاظت بھی ہمیشہ رہے گی پھر اس کی دعا کا کیا حاصل؟ علامہ آلوسیؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ نبیؑ کے لئے معصومیت اللہ کی توفیق سے ہے اس کا لزوم طبعی نہیں ہے۔ اس لئے دعا کی ضرورت ہے۔

تیسری دعا نماز کا اہتمام برقرار رکھنے کی قبول ہوئی۔ چوتھی دعا لوگوں کے دلوں کو حرم کی طرف مائل کرنے کی بھی قبول ہوئی۔ سب سے پہلے قبیلہ جرہم آ کر آباد ہوا۔ حضرت اسماعیلؑ کی شادی بھی اسی خاندان سے ہوئی اور پانچویں دعا رزق کے بارہ میں بھی قبول ہوئی چنانچہ طائف سے اور دوسرے شہروں سے بکثرت آمد ہوئی بلکہ اب تو مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں زراعت اور باغات کی طرف رجحان ہو چلا ہے اور اس کے امکانات بھی کچھ روشن ہو رہے ہیں۔

مشرکین کے حق میں دعاء ابراہیمی: .... ومـن عـصـانـی فانک غفور رحیم میں اگر نافرمانی سے مراد شرک وکفر ہے تو ان کی مغفرت کا مطلب طلب ہدایت ہے۔ جس کے نتیجہ میں مغفرت ونجات ہو سکے اور والدین میں سے والدہ اگر ایمان لا چکی تھیں تب تو کوئی اشکال نہیں۔ لیکن اگر ایمان ثابت نہ ہو تو ان کے لئے بھی۔ ورنہ صرف والد کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کی ایک توجیہ تو جلال المحقق کر چکے ہیں اور دوسری توجیہ یہی ہے کہ مقصود ہدایت کی دعا ہے جس کے نتیجہ میں ان کی مغفرت ہو جائے۔

البتہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ غالباً یہ دعا بڑھاپے کی حالت میں ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیمؑ کے باپ زندہ نہیں ہوں گے۔ پھر آخر دعائے ہدایت کے ظاہر ہونے کا کیا موقعہ ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ دو حال سے خالی نہیں یا حضرت ابراہیمؑ کو باپ کے مرنے کی اطلاع پہنچ چکی تھی یا نہیں۔ اگر نہیں پہنچی تب تو زندگی کے احتمال اور امید پر دعا کی ہوگی اور اگر مرنے کی خبر ہوگئی تو بشرط

ایمان مغفرت کی دعا مقصود ہوگی۔ پھر جب وحی سے باپ کا کفر پر مرنا معلوم ہوا تو حضرت ابراہیمؑ نے برأت کر لی اور والدہ کا ایمان اگر ثابت نہ ہو تو یہی جواب وہاں بھی ہوگا اس کی کچھ بحث آیت وما کان استغفار ابراهیم کے ذیل میں گیارہویں پارہ کے تیسرے رکوع میں گزر چکی ہے۔

کھانے کی طرح پانی بھی اگرچہ ضروری ہے۔ لیکن اس کے لئے غالباً اس لئے دعا نہیں کی ہوگی کہ وادی ہونے کی وجہ سے وہ تو کچھ نہ کچھ جمع ہو ہی جائے گا۔ اسی لئے واد غیر ذی زرع کے ساتھ غیر ذات ماء نہیں فرمایا۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی ان دو بیویوں کے علاوہ اگرچہ ایک تیسری کنعانی بیوی بھی تھیں جن سے چھ بچے اور ہوئے تھے۔ لیکن دعا میں صرف حضرت اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کی تخصیص شاید یا تو اس لئے ہو کہ اس وقت یہی دو ہوں اور یا ان دونوں کے سب میں برتر ہونے کی وجہ سے خصوصیت برتی ہو۔ اور ان سب دعاؤں کا ایک ہی جلسہ میں ہونا ضروری نہیں۔ اس لئے یہ شبہ نہیں رہا کہ اس وقت حضرت اسماعیلؑ کا بچپن ہوگا۔ جیسا کہ اسکنت کے ظاہر سے سمجھ میں آتا ہے۔ پس اس وقت اسحاقؑ کہاں تھے؟ تو ممکن ہے دونوں کے لئے الگ الگ وقتوں میں دعا کی ہو۔

لطائف آیات: .... آیت وان تعدوا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی نعمت کا دائرہ اتنا وسیع ہے۔ کہ اہل جہنم تک اس سے باہر نہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جہنمیوں پر بھی احسان ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس سے بھی زیادہ تکلیف دے سکتا تھا۔

آیت واجنبنی وبنی الخ سے معلوم ہوا کہ انبیاء معصوم ہوتے ہوئے بھی جب بے خوف نہیں ہوتے تو پھر ان کا کیا ذکر جو ہر وقت نفس وشیطان کے پھندوں میں پھنسے رہتے ہیں ان کو کب ناز کا موقعہ ہے۔

آیت ربنا انی اسکنت الخ سے بعض غالی صوفیوں نے استدلال کیا ہے کہ توکل کی رو سے ایسے مقامات پر اپنے اہل وعیال کو رکھنا جائز ہے جہاں کچھ سروسامان نہ ہو، لیکن یہ استدلال صحیح نہیں، کیوں کہ حضرت ابراہیمؑ نے وحی سے ایسا کیا اور چنانچہ حدیث میں ہے حضرت ہاجرہؑ نے پوچھا کہ کیا آپ کو حق تعالیٰ نے حکم دیا تھا تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ ہاں! کہنے لگیں پھر وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا اور اب کس پر وحی آتی ہے کہ ایسا کرنا جائز ہو؟

آیت فاجعل افئدة الخ سے معلوم ہوا کہ ضرورت کی حد تک اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے مال وعزت کا طلب کرنا جائز ہے۔ بالخصوص جب کہ دین کی تائید کا ذریعہ ہو۔ جیسا کہ آیت میں نماز کے قیام اور شکر گزاری کی غرض ظاہر کی گئی ہے۔

قَالَ تَعَالٰی **وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ** اَلْكَافِرُوْنَ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ **اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ** بِلَاعَذَابٍ **لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾** لِهَوْلِ مَاتَرَىٰ يُقَالُ شَخَصَ بَصَرُ فُلَانٍ اَیْ فَتَحَهٗ فَلَمْ يَغْمِضْهُ **مُهْطِعِيْنَ** مُسْرِعِيْنَ حَالٌ **مُقْنِعِیْ** رَافِعِیْ **رُءُوْسِهِمْ** اِلَى السَّمَاءِ **لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ** بَصَرُهُمْ **وَاَفْئِدَتُهُمْ** قُلُوْبُهُمْ **هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾** خَالِيَةٌ مِنَ الْعَقْلِ لِفَزْعِهِمْ **وَاَنْذِرِ** خَوِّفْ يَامُحَمَّدُ **النَّاسَ** الْكُفَّارَ **يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ** هُوَيَوْمُ الْقِيٰمَةِ **فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** كَفَرُوْا **رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ** بِاَنْ تَرُدَّ نَا اِلَى الدُّنْيَا **اِلٰٓى اَجَلٍ**

قَرِيبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ بِالتَّوْحِيدِ **وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ** فَيُقَالُ لَهُمْ تَوْبِيخًا **اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ** حَلَفْتُمْ
مِّنْ قَبْلُ فِي الدُّنْيَا **مَالَكُمْ مِّنْ** زَائِدَةٌ **زَوَالٍ** ﴿۴۴﴾ عَنْهَا اِلَى الْاٰخِرَةِ **وَّسَكَنْتُمْ** فِيْهَا **فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ**
ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِالْكُفْرِ مِنَ الْاُمَمِ السَّابِقَةِ **وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ** مِنَ الْعُقُوْبَةِ فَلَمْ تَنْزَجِرُوْا
وَضَرَبْنَا بَيَّنَّا **لَكُمُ الْاَمْثَالَ** ﴿۴۵﴾ فِي الْقُرْاٰنِ فَلَمْ تَعْتَبِرُوْا **وَقَدْ مَكَرُوْا** بِالنَّبِيِّ صَلْعَمْ **مَكْرَهُمْ** حَيْثُ
اَرَادُوْا قَتْلَهٗ اَوْ تَقْيِيْدَهٗ اَوْ اِخْرَاجَهٗ **وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ** اَيْ عِلْمُهٗ اَوْ جَزَاءُهٗ **وَاِنْ** مَا **كَانَ مَكْرُهُمْ** وَاِنْ عَظُمَ
لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ اَلْمَعْنٰى لَا يُعْبَاُ بِهٖ وَلَا يَضُرُّ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَالْمُرَادُ بِالْجِبَالِ هُنَا قِيْلَ حَقِيْقَتُهَا وَقِيْلَ
شَرَائِعُ الْاِسْلَامِ الْمُشَبَّهَةُ بِهَا فِي الْقَرَارِ وَالثَّبَاتِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ لَامِ لَتَزُوْلَ وَرَفْعِ الْفِعْلِ فَاِنْ مُخَفَّفَةٌ
وَالْمُرَادُ تَعْظِيْمُ مَكْرِهِمْ وَقِيْلَ الْمُرَادُ بِالْمَكْرِ كُفْرُهُمْ وَيُنَاسِبُهٗ عَلَى الثَّانِيَةِ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ
وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا وَعَلَى الْاُوْلٰى مَاقُرِئَ وَمَا كَانَ **فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ**
بِالنَّصْرِ **اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ** غَالِبٌ لَا يُعْجِزُهٗ شَيْءٌ **ذُوانْتِقَامٍ** ﴿۴۷﴾ مِمَّنْ عَصَاهُ اُذْكُرْ **يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ**
غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ فَيُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى اَرْضٍ بَيْضَاءَ نَقِيَّةٍ كَمَا فِيْ حَدِيْثِ
الصَّحِيْحَيْنِ وَرَوٰى مُسْلِمٌ حَدِيْثًا سُئِلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْنَ النَّاسُ يَوْمَئِذٍ قَالَ عَلَى الصِّرَاطِ **وَبَرَزُوْا**
خَرَجُوْا مِنَ الْقُبُوْرِ **لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ** ﴿۴۸﴾ **وَتَرَى** يَا مُحَمَّدُ تَبْصُرُ **الْمُجْرِمِيْنَ** الْكَافِرِيْنَ **يَوْمَئِذٍ**
مُقَرَّنِيْنَ مَشْدُوْدِيْنَ مَعَ شَيَاطِيْنِهِمْ **فِي الْاَصْفَادِ** ﴿۴۹﴾ اَلْقُيُوْدِ اَوِ الْاَغْلَالِ **سَرَابِيْلُهُمْ** قُمُصُهُمْ **مِّنْ قَطِرَانٍ**
لِاَنَّهٗ اَبْلَغُ لِاِشْتِعَالِ النَّارِ **وَّتَغْشٰى** تَعْلُوْا **وُجُوْهَهُمُ النَّارُ** ﴿۵۰﴾ **لِيَجْزِيَ** مُتَعَلِّقٌ بِبَرَزُوْا **اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا**
كَسَبَتْ مِنْ خَيْرٍ وَّشَرٍّ **اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ** ﴿۵۱﴾ يُحَاسِبُ جَمِيْعَ الْخَلْقِ فِيْ قَدْرِ نِصْفِ نَهَارٍ مِنْ اَيَّامِ
الدُّنْيَا لِحَدِيْثٍ بِذٰلِكَ **هٰذَا** الْقُرْاٰنُ **بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ** اَيْ اُنْزِلَ لِتَبْلِيْغِهِمْ **وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا** بِمَا فِيْهِ مِنَ
الْحُجَجِ **اَنَّمَا هُوَ** اَيِ اللّٰهُ **اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ** بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الذَّالِ يَتَّعِظَ **اُولُوا**
الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾ اَصْحَابُ الْعُقُوْلِ

ع ۷ ۱۹

ترجمہ: .... (اللہ فرماتے ہیں) اور تم یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ غافل ہیں ظالموں (مکہ کے کافروں) کے عمل سے، دراصل ان
کو (بلاعذاب) اللہ نے صرف اس دن تک مہلت دے رکھی ہے جس میں ان لوگوں کی نگاہیں پھرا جائیں گی (دہشت ناک منظر دیکھ کر
بولتے ہیں شخص فلان یعنی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں) دوڑتے ہوں گے (جلدی جلدی یہ حال ہے) اپنے سر آسمان کی طرف
اٹھائے ہوئے۔ نگاہیں ہیں کہ لوٹ کر آنے والی نہیں اور دل ہیں کہ بالکل بدحواس ہیں (ہوش کھوئے ہوئے ہیں گھبراہٹ کے مارے)

اور (اے محمد!) آپ ان لوگوں (کافروں) کو اس دن سے ڈرائیے جب ان پر عذاب آپڑے گا (قیامت کے دن) پھر یہ ظالم (کافر) لوگ کہیں گے پروردگار! ہمیں مہلت دیجئے (دنیا میں واپس بھیج دیجئے) تھوڑی سی مدت کے لئے۔ ہم آپ کا سب کہنا مان لیں گے (توحید کے سلسلہ میں) اور پیغمبروں کی پیروی کریں گے (لیکن ڈانٹتے ہوئے ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے اس سے پہلے (دنیا میں) قسمیں نہ کھائی تھیں کہ تمہیں کسی طرح کا زوال ہی نہیں؟ (من زائد ہے دنیا سے آخرت کی طرف جانا نہیں ہے) تم انہیں لوگوں کی بستیوں میں سے تھے۔ جنہوں نے اپنی جانوں کے ساتھ ناانصافی کی تھی (یعنی پہلی امتوں میں سے جنہوں نے کفر کیا تھا) اور تمہیں یہ بھی اچھی طرح معلوم ہوگیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا (سزا کا لیکن وہ پھر بھی باز نہیں آئے تھے) نیز تمہیں سمجھانے کے لئے ہم نے طرح طرح کی مثالیں بھی بیان کردیں (قرآن میں مگر تم نے پھر بھی کوئی عبرت حاصل نہیں کی) ان لوگوں نے (نبی کریم ﷺ کے ساتھ) اپنی سی ساری تدبیریں کرڈالیں تھیں (آپ کو قتل کرنے، قید کرنے کی، جلاوطن کرنے کی سازشیں کی) اور اللہ کے پاس ان کی ساری تدبیروں کا جواب تھا (یعنی ان کی تدبیروں کا اللہ کو علم تھا یا ان کی سزا اللہ کے پاس تھی) اوران کی تدبیریں ایسی ہی نہیں تھیں۔ کہ (خواہ کتنی ہی بڑی ہوں) کہ پہاڑوں کو جگہ سے ہلا دیں (یعنی وہ تدبیریں کچھ وزنی یا نقصان دہ نہیں تھیں مگر انہیں کے لئے اور پہاڑ سے یہاں مراد بعض حضرات نے حقیقۃً پہاڑ لئے ہیں اور بعض کی رائے میں احکام اسلامی کو پہاڑ سے تشبیہ دی گئی ہے پائداری اور مضبوطی میں اور ایک قرأت میں لتــــزول کا پہلا لام مفتوح اور فعل مرفوع ہے۔ اس صورت میں ان مخففہ ہوگا اور مراد تدبیروں کا بڑا ہونا ہوگا اور بعض نے کہا یہ کہ مکر سے مراد کفر ہے اور اس دوسری قرأت کے مناسب یہ آیت بھی ہے تكاد السمٰوات يتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الجبال هدا اور پہلی قرأت کے مناسب اس آیت کی ایک قرأت لفظ وما كان کے ساتھ ہے) پس ایسا خیال نہ کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے جو وعدہ (نصرت) کرچکا ہے اس کے خلاف کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا زبردست ہے (کوئی طاقت اسے زیردست نہیں بنا سکتی) پورا بدلہ لینے والا ہے (نافرمانوں سے، یاد کیجئے) وہ دن کہ جب یہ زمین بدل کر دوسری ہی زمین ہو جائے گی اور آسمان بھی بدل جائیں گے (قیامت کے روز، ایک صاف سفید زمین پر لوگوں کا حشر ہوگا۔ جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں آیا ہے۔ اور مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ سے دریافت کیا گیا کہ لوگ اس روز کہاں جائیں گے؟ فرمایا کہ پل صراط پر ہوں گے) اور سب کے سب (قبروں سے نکل کر) اللہ یگانہ اور زبردست کے حضور پیش ہوں گے اور (اے محمد) تم اس دن مجرموں (کافروں) کو دیکھو گے کہ جکڑے ہوئے ہیں (اپنے شیطانوں سمیت بندھے ہوئے ہوں گے) زنجیروں میں (بیڑیوں اور رسوں میں) ان کے کرتے گندھک کے ہوں گے۔ یہ اس لئے ہوگا (کیوں کہ یہ آگ کو بہت جلد پکڑنے والی ہوتی ہے) اور آگ کے شعلے ان کے چہروں پر لپٹے ہوں گے۔ یہ اس لئے ہوگا کہ (اس کا تعلق بــرزوا کے ساتھ ہے) اللہ ہر جان کو اس کی کمائی کے مطابق (بھلائی برائی کا) بدلہ دے دے۔ بلاشبہ وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے (کہ ساری دنیا کا حساب کتاب۔ دنیا کے اعتبار سے آدھے دن میں بنا دے گا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے) یہ (قرآن) انسانوں کے لئے ایک پیام ہے (جو ان کی تبلیغ کے لئے اتارا گیا ہے) کہ وہی (یعنی اللہ) ایک معبود برحق ہے۔ نیز اس لئے کہ اس سے نصیحت پکڑیں (دراصل اس میں تاء کا ذال میں ادغام ہو رہا ہے یعنی يتـعـظ) سمجھ بوجھ والے (دانشمند)۔

تحقیق وترکیب: .... غـافلاً حق تعالیٰ کے لئے غفلت چونکہ محال ہے اس لئے لازمی معنی لئے جائیں گے۔ یعنی بدلہ نہ دینا اور چھوڑ دینا۔ مهطعين مقنعي رؤسهم دونوں منصوب علی الحال ہیں۔ حضرت اسرافیل بلند ٹیلہ پر کھڑے ہو کر آواز لگائیں گے ایتها

العظام البالية تو سب ان کی طرف دوڑیں گے۔ یوم تبدل الارض قیامت کے روز زمین کی تبدیلی میں اختلاف ہے۔ بعض نے اوصاف کی تبدیلی مراد لی ہے یعنی اس کے پہاڑ اور نہریں سب ختم ہوکر زمین یکساں ہوجائے گی اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ زمین تو ایسی ہی رہے گی۔ لیکن آسمان میں تبدیلی ہوگی کہ ستارے پھیل جائیں گے۔ سورج چاند گرہن ہوجائیں گے۔ آسمان پھٹ کر دروازے بن جائیں گے اور بعض کی رائے ہے کہ زمین آسمان بدل کر دوسرے ہوجائیں گے اور ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایسی سفید زمین پر لوگوں کا حشر ہوگا۔ جس پر کوئی خطا نہیں ہوئی ہوگی اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ زمین چاندی کی اور آسمان سونے کا ہوجائے گا۔ روی مسلم حضرت عائشہؓ کی روایت ہے۔ قالت قال رسول الله ﷺ یوم تبدل الارض غیر الارض۔ این الناس یومئذ، قال سئلتنی عن شیٔ ما سألنی احد قبلك الناس یومئذ علی الصراط آیت میں آسمان زمین کی تبدیلی دونوں طرح کی مراد ہوسکتی ہے۔ ذاتی بھی اور صفاتی بھی۔ صفاتی تبدیلی تو نغمۂ صعق سے پہلے ہوگی کہ ستارے بکھر جائیں گے، آفتاب ماہتاب بے نور ہوجائیں گے آسمان بھی تیل کی طرح ہوگا۔ زمین پھٹ جائے گی۔ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑے پھریں گے اور ذاتی تبدیلی اس طرح ہوگی کہ زمین چاندی کی اور آسمان سونے کا ہوجائے گا۔ مقرنین جیسا کہ دوسری آیت نقیض له شیطانا فهو له قرین اور آیت فوربک لنحشرنهم والشیاطین سے معلوم ہوتا ہے۔ قطران یہ فتح قاف اور کسر طاء کے ساتھ اور سکون طاء کے ساتھ دونوں لغت ہیں۔ پہلی عام قرأت ہے اور دوسری حضرت عمرؓ وعلیؓ کی قرأت ہے۔ ایک تیل ہوتا ہے جو خارشی اونٹ کو ملا جاتا ہے جس سے خارش اچھی ہوجاتی ہے۔

ربط آیات: .... پہلی آیت ومن ورائه الخ میں جہنم کا ذکر کیا گیا تھا۔ آیت ولا تحسبن اللّٰه الخ میں بھی یہی مضمون ہے۔ آیت هذا بلاغ للناس الخ میں توحید و رسالت و معاد اور قرآن کا تعلق جامع مضمون بیان کیا گیا ہے۔

﴿تشریح﴾: .... وسکنتم الخ میں ایسے کفار کو خطاب ہے جن سے پہلے کی امت کو عذاب ہوچکا ہو۔ اس توجیہ کے بعد اب تسلسل لازم نہیں آئے گا کہ ہر رہنے والے کے لئے ظالموں کے گھر میں جب رہنا ضروری ہوا اور پھر وہ ظالم بھی دوسرے ظالموں کے گھر میں رہنے والے ہوئے تو اس طرح تسلسل لازم آئے گا۔ لیکن جب بعد کے کافر مراد ہوں گے تو یہ اشکال نہیں رہے گا۔ بلکہ سیاق وسباق بتلا رہا ہے کہ بعد کے کفار میں بھی خاص اس امت کے کافر مراد ہیں اور ان کا ان مبتلائے عذاب لوگوں کے گھروں میں رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ملک شام کی طرف اہل عرب تجارتی اسفار میں ان جگہوں میں ٹھیرتے تھے اور یا یہ مطلب ہے کہ طوفان نوح میں چونکہ سب کافر غرق ہوگئے تھے اور عرب لوگ جہاں رہتے تھے وہ جگہیں بھی انہیں میں سے ہیں جن پر عذاب الٰہی نازل ہوا۔

قیامت میں زمین وآسمان بدل جائیں گے: .... زمین وآسمان کے بدلنے سے مراد ذات اور صفت کے اعتبار سے دونوں طرح صحیح ہے۔ کیونکہ زمین وآسمان کے بدلنے میں مادہ تو پہلا ہی ہوگا۔ مگر ہیئت بدل دی جائے گی پس اگر ہیئت کو جزو ذات مانا جائے تو تبدیل ذاتی کہلائے گی اور خارج ذات قرار دیا جائے تو سفاتی تبدیلی کہلائے گی اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین وآسمان میں کچھ اور تبدیلی بھی ہوگی جس میں اہل محشر زمین کی بجائے پل صراط پر ہوں گے باقی اس تبدیلی کی حکمت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ بہرحال جس حادثہ کو قرآن نے قیامت سے تعبیر کیا ہے وہ اجرام سماویہ کا ایسا حادثہ ہوگا جو کہ کرۂ ارض کو بالکل بدل دے گا۔ نہ تو

زمین وہ زمین رہے گی جو کہ اب ہے۔نہ آسمان ویسا آسمان ہوگا جیسا کہ اب نظر آرہا ہے۔رہا کسی کی تدبیروں سے پہاڑوں کا ٹل جانا سو یہ ایک محاورہ ہے جو کسی چیز کی قوت بیان کرنے کے لئے بولا جاتا ہے اور آج کل تو ایسی ایٹمی ایجادات ہوگئی ہیں جن سے بڑے بڑے پہاڑ غاروں میں تبدیل کئے جاسکتے ہیں ۔آخری آیت میں بلاغ سے مراد تصدیق رسالت ہے اور لینذروا سے مراد معاد کی تصدیق ہے اور لیعلموا سے مراد توحید کی تصدیق ہے اور لیذکر میں مالی اور بدنی عبادات مراد ہیں۔اس طرح یہ آیت تمام مضامین سورت کی جامع ہوگئی۔

لطائف آیات: ....آیت **وان کان مکرھم الخ** سے معلوم ہوا کہ کسی بات میں مبالغہ کرنا جس کی حقیقت ضرب المثل ہوتی ہے سچ کے خلاف نہیں سمجھنا چاہیئے ۔خاص کر غلبۂ حال کے وقت کہ عبارت اپنے ظاہر سے تو خارج ہوتی ہے۔مگر اس کا مدلول اہل مناسبت کے نزدیک ظاہر ہوتا ہے۔

نوٹ

سورۃ الحجر کی پہلی آیت تیرھویں پارہ کی ہے لیکن اس تفسیر میں سورتوں کا اعتبار کیا گیا ہے لہٰذا اسے چودھویں پارہ کی ابتداء میں ملاحظہ فرمائیں

پارہ نمبر ۱۴

رُبَــمَا

ربما

سُــوْرَةُ الْحِجْــرِ

سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۰﴾

الٓرٰ اَللّٰهُ اَعْـلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ **تِلْكَ** هٰذِهِ الْاٰيَاتُ **اٰيٰتُ الْكِتٰبِ** الْـقُرْاٰنِ وَالْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى مِنْ **وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ**﴿۱﴾ مُـظْهِـرٍ لِـلْـحَقِّ مِنَ الْبَاطِلِ عَطْفٌ بِزِيَادَةِ صِفَةٍ **رُبَمَا** بِـالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **يَوَدُّ** يَتَمَنّٰى **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** يَـوْمَ الْقِيٰمَةِ اِذَا عَايَنُوْا حَالَهُمْ وَحَالَ الْمُسْلِمِيْنَ **لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ**﴿۲﴾ وَرُبَّ لِـلتَّكْثِيْرِ فَاِنَّهٗ يُكْثِرُ مِنْهُـمْ تَـمَنِّيْ ذٰلِكَ وَقِيْلَ لِلتَّقْلِيْلِ فَاِنَّ الْاَحْوَالَ تُدْ هِشُهُمْ فَلَا يُفِيْقُوْنَ حَتّٰى يَتَمَنَّوْا ذٰلِكَ اِلَّا فِيْ اَحْيَانٍ قَلِيْلَةٍ **ذَرْهُمْ** اُتْـرُكِ الْكُفَّارَ يَا مُحَمَّدُ **يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا** بِدُنْيَاهُمْ **وَيُلْهِهِمُ** يُشْغِلُهُمُ **الْاَمَلُ** بِطُوْلِ الْعُمْرِ وَغَيْرِهٖ عَنِ الْاِيْمَانِ **فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ**﴿۳﴾ عَاقِبَةَ اَمْرِهِمْ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ **وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ** زَائِدَةٌ **قَرْيَةٍ** اُرِيْدَ اَهْـلُهَا **اِلَّا وَلَهَـا كِتَابٌ** اَجَلٌ **مَّـعْلُوْمٌ**﴿۴﴾ مَـحْـدُوْدٌ لِهَلَاكِهَا **مَـاتَسْبِقُ مِـنْ** زَائِدَةٌ **اُمَّةٍ اَجَـلَهَـا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ**﴿۵﴾ يَتَاَخَّرُوْنَ عَنْهُ **وَقَالُوْا** اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ** الْقُرْاٰنُ فِيْ زَعْمِهٖ **اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ**﴿۶﴾ **لَوْمَا** هَلَّا **تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ**﴿۷﴾ فِـيْ قَـوْلِكَ اِنَّكَ نَبِـيٌّ وَاِنَّ هٰـذَا الْـقُرْاٰنَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ تَعَالٰى قَالَ تَعَالٰى **مَـانُنَزِّلُ** فِيْـهِ حَذْفُ اِحْدَى التَّائَيْنِ **الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّابِالْحَقِّ** بِالْعَذَابِ **وَمَا كَانُوْٓا اِذًا** اَيْ حِيْنَ نُزُوْلِ الْمَلَائِكَةِ بِالْعَذَابِ **مُّنْظَرِيْنَ**﴿۸﴾ مُؤَخَّرِيْنَ **اِنَّا نَحْنُ** تَاكِيْدٌ لِاِسْمِ اِنَّ اَوْ فَصْلٌ **نَزَّلْنَا الذِّكْرَ** الْقُرْاٰنَ **وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ**﴿۹﴾ مِنَ التَّبْدِيْلِ وَالتَّحْرِيْفِ وَ الـزِّيَادَةِ وَالنَّقْصِ **وَلَـقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ** رُسُلًا **فِيْ شِيَعِ** فِرَقِ **الْاَوَّلِيْنَ**﴿۱۰﴾ **وَمَـا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُـوْلٍ اِلَّا كَـانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ**﴿۱۱﴾ اِسْتِهْـزَاءُ قَـوْمِكَ بِكَ وَهٰـذَا تَسَـلِّيَةٌ لِـلـنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ** اَيْ مِثْـلَ اِدْخَـالِنَا التَّكْذِيْبَ فِي قُلُوْبِ اُولٰئِكَ نُدْخِلُهٗ **فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ**﴿۱۲﴾ اَيْ

كُفَّارِ مَكَّةَ **لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ** بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ**﴿۱۳﴾ اَيْ سُنَّةُ اللّٰهِ فِيْهِمْ مِنْ تَعْذِيْبِهِمْ بِتَكْذِيْبِهِمْ اَنْبِيَاءَ هُمْ وَهٰؤُلَاءِ مِثْلُهُمْ **وَلَوْفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ** فِي الْبَابِ **يَعْرُجُوْنَ**﴿۱۴﴾ يَصْعَدُوْنَ **لَقَالُوْآ اِنَّمَا سُكِّرَتْ** سُدَّتْ **اَبْصَارُنَابَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ**﴿۱۵﴾ يُخَيَّلُ اِلَيْنَا ذٰلِكَ **وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا** اِثْنَى عَشَرَ الْحَمَلُ وَالثَّوْرُ وَالْجَوْزَاءُ وَالسَّرْطَانُ وَالْاَسَدُ وَالسُّنْبُلَةُ وَالْمِيْزَانُ وَالْعَقْرَبُ وَالْقَوْسُ وَالْجُدَىُّ وَالدَّلْوُ وَالْحُوْتُ وَهِيَ مَنَازِلُ الْكَوَاكِبِ السَّبْعَةِ السَّيَّارَةِ اَلْمِرِّيْخِ وَلَهُ الْحَمَلُ وَالْعَقْرَبُ وَ الزُّهْرَةِ وَلَهَا الثَّوْرُ وَالْمِيْزَانُ وَعُطَارِدٍ وَلَهُ الْجَوْزَاءُ وَالسُّنْبُلَةُ وَالْقَمَرِ وَلَهَا السَّرْطَانُ وَالشَّمْسِ وَلَهَا الْاَسَدُ وَالْمُشْتَرِيْ وَلَهُ الْقَوْسُ وَالْحُوْتُ وَزُحَلٍ وَلَهُ الْجُدَىُّ وَالدَّلْوُ **وَزَيَّنّٰهَا** بِالْكَوَاكِبِ **لِلنّٰظِرِيْنَ**﴿۱۶﴾ **وَحَفِظْنٰهَا** بِالشُّهُبِ **مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ**﴿۱۷﴾ مَرْجُوْمٍ **اِلَّا** لٰكِنْ **مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ** خَطِفَهُ **فَاَتْبَعَهٗ** لَحِقَهُ **شِهَابٌ مُّبِيْنٌ**﴿۱۸﴾ كَوْكَبٌ مُضِيْءٌ يُحْرِقُهُ اَوْ يَثْقُبُهُ اَوْ يُخَبِّلُهُ **وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا** بَسَطْنَاهَا **وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ** جِبَالًا ثَوَابِتَ لِئَلَّا تَتَحَرَّكَ بِاَهْلِهَا **وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ**﴿۱۹﴾ مَعْلُوْمٍ مُقَدَّرٍ **وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ** بِالْيَاءِ مِنَ الثِّمَارِ وَالْحُبُوْبِ **وَ** جَعَلْنَا لَكُمْ **مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ**﴿۲۰﴾ مِنَ الْعَبِيْدِ وَالدَّوَابِّ وَالْاَنْعَامِ فَاِنَّمَا يَرْزُقُهُمُ اللّٰهُ **وَاِنْ** مَا **مِّنْ** زَائِدَةٌ **شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ** مَفَاتِيْحُ خَزَائِنِهِ **وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ**﴿۲۱﴾ عَلٰى حَسْبِ الْمَصَالِحِ **وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ** تُلَقِّحُ السَّحَابَ فَيَمْتَلِئُ مَاءً **فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ** السَّحَابِ **مَآءً** مَطَرًا **فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ**﴿۲۲﴾ اَيْ لَيْسَتْ خَزَائِنُهُ بِاَيْدِيْكُمْ **وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ**﴿۲۳﴾ اَلْبَاقُوْنَ نَرِثُ جَمِيْعَ الْخَلْقِ **وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ** اَيْ مَنْ تَقَدَّمَ مِنَ الْخَلْقِ مِنْ لَدُنْ اٰدَمَ **وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ**﴿۲۴﴾ اَلْمُتَاَخِّرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ** فِي صُنْعِهِ **عَلِيْمٌ**﴿۲۵﴾ بِخَلْقِهِ

ترجمہ: .... الف، لام، را (اس کی حقیقی مراد تو اللہ کو معلوم ہے) یہ آیتیں ہیں کتاب کی (مراد قرآن ہے اور اضافت بواسطہ من ہے) اور قرآن کی جو روشن ہے (حق و باطل میں امتیاز کرنے والا قرآن کا اور اس کی صفت کا عطف کتاب پر ہو رہا ہے) بار بار (یہ لفظ تشدید و تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا ہے) آرزوئیں (تمنائیں) کریں گے۔ کافر لوگ (قیامت کے دن، جب ان کی اور مسلمانوں کی حالت کا معائنہ کریں گے) کہ کاش! ہم بھی مسلمان ہوتے (لفظ رب تکثیر کے لئے ہے۔ یعنی بار باران کی طرف سے یہ تمنائیں ہوں گی اور بعض کے نزدیک رب تقلیل بیان کرنے کے لئے ہے۔ کیونکہ قیامت کی ہولناکیوں میں وہ اس درجہ مدہوش ہوں گے کہ انہیں اس تمنا کرنے کا بہت ہی کم موقعہ ملے گا) انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو (اے محمد!) کفار کو ان کے حال پر رہنے دیجئے) کہ وہ کھاپی

لیں اور چین اڑالیں (دنیا میں) امیدوں پر بھولے رہیں (زیادہ لمبی عمر کے خیالی منصوبوں میں پڑ کر ایمان سے محروم رہیں) ان کو ابھی حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے (انجام کار کے متعلق، یہ حکم جہادی حکم سے پہلے کا ہے) ہم نے کبھی کسی بستی (کے باشندوں) کو ہلاک نہیں کیا (من زائد ہے) مگر اسی طرح ان کے لئے ایک ٹھہرائی ہوئی بات تھی۔ جس میں ان کی تباہی مقرر ہو چکی تھی) کوئی امت نہ تو اپنے وقت سے آگے بڑھ سکتی ہے (من زائد ہے) اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے اور (کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ سے) کہا اے وہ شخص! جس پر نصیحت (اس کے خیال کے مطابق قرآن کی دولت) اتری ہے تو یقیناً دیوانہ ہے۔ تو فرشتے اتار کر کیوں نہیں دکھلا دیتا اگر تو اپنے دعویٰ میں سچا ہے (کہ تو نبی ہے اور یہ قرآن کلام الٰہی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) ہم فرشتے بے کار (بلا عذاب کے) نہیں اتارا کرتے اور (جب فرشتے عذاب الٰہی لے کر آتے ہیں) تو اس وقت انہیں مہلت نہیں دی جاتی بلاشبہ ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور بلاشبہ خود ہم ہی اس کے نگہبان ہیں (ردوبدل، کمی بیشی نہیں ہونے دیں گے) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے پچھلے لوگوں میں (پیغمبر) بھیجے۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی کے پاس کوئی پیغمبر آیا ہو اور لوگوں نے اس کی ہنسی نہ اڑائی ہو (جس طرح آپ کی قوم آپ کا مذاق اڑا رہی ہے۔ دراصل اس میں آنحضرتﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے) اسی طرح (جیسے ان کے دلوں میں ہم نے جمادیا ہے) ہم بٹھا دیتے ہیں مجرموں (کفار مکہ) کے دلوں میں کلام حق کی مخالفت، یہ لوگ (نبی کریم ﷺ پر) ایمان لانے والے نہیں ہیں، اور جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں ان سے ایسا ہی برتاؤ ہوتا چلا آیا ہے (یعنی جنہوں نے اللہ کے نبی کو جھٹلایا، اللہ کی عادت انہیں عذاب میں گرفتار کرنے کی رہی ہے، اسی طرح ان کا حال ہوگا) اگر ہم ان کے لئے آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ دن دہاڑے اس (دروازہ) پر چڑھنے لگیں، تب بھی یہی کہنے لگیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے۔ بلکہ ہم لوگوں پر بالکل جادو کر دیا گیا ہے (جس سے ہمیں ایسا دکھائی دے رہا ہے) اور یہ ہماری ہی کارفرمائی ہے کہ آسمان میں بڑے بڑے ستارے پیدا کر دیئے (بارہ برج مراد ہیں حمل۔ ثور۔ جوزاء۔ سرطان۔ اسد۔ سنبلہ۔ میزان۔ عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو۔ حوت۔ یہ بارہ برج سات سیاروں کے منازل کہلاتے ہیں۔ جن کی تفصیل اس طرح ہے کہ مریخ ستارے کے لئے حمل اور عقرب دو برج ہیں۔ اور زہرہ ستارے کے لئے ثور اور میزان دو برج ہیں۔ اور عطارد ستارے کے جوزاء اور سنبلہ دو برج ہیں اور قمر ستارے کے لئے صرف سرطان برج اور سورج کے لئے بھی صرف برج اسدی اور مشتری ستارہ کے لئے قوس اور حوت دو برج ہیں اور زحل ستارہ کے لئے جدی اور دلو دو برج ہیں) اور اسے دیکھنے والوں کے لئے خوشنما کر دیا (ستاروں سے) نیز اسے (شعلوں کے ذریعہ) ہر شیطان مردود (پھٹکار مارے ہوئے) سے محفوظ کر دیا ہے۔ الا یہ کہ کوئی کن سوئے لینا چاہے (چوری چھپے سن بھاگے) تو پھر ایک چمکتا ہوا شعلہ اس کا تعاقب کرتا ہے (روشن ستارہ سے اسے بھسم کر دیا جاتا ہے یا چھید دیا جاتا ہے یا اسے خبطی بنا دیا جاتا ہے) اور ہم نے زمین بچھا دی (پھیلا دی) اور اس میں بھاری پہاڑ گاڑ دیئے (مضبوط پہاڑ، تاکہ وہ اپنے باشندوں کو لئے ہوئے ڈگمگا نہ سکے) اور اس میں ہر قسم کی چیزیں ایک معینہ مقدار سے اگائیں اور تمہارے لئے معیشت کا سارا سامان مہیا کر دیا (پھل اور غلے لفظ معایش یاء کے ساتھ ہے) اور ان مخلوقات کو بھی (تمہارے لئے پیدا کر دیا) جن کے لئے تم روزی مہیا کرنے والے نہیں ہو (یعنی غلام، عام جانور، چوپائے، کیونکہ اللہ ہی انہیں روزی دیتا ہے) اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ اس کے ذخیرے (خزانے کی کنجیاں) ہمارے پاس نہ ہوں۔ مگر ہم انہیں (حسب مصالح) ایک ٹھہرائے ہوئے قانون کے مطابق ہی بھیجتے ہیں۔ اور ہم نے ہوائیں چلائیں کہ بادل کو پانی سے بھر دیتی ہیں (بادلوں کو اٹھاتی ہیں اور پانی سے لبریز کر دیتی ہیں) پھر ہم ہی آسمان سے (بادل) پانی بارش برسا دیتے ہیں اور وہ تمہارے پینے کے کام آتا ہے۔ حالانکہ تم اتنا پانی جمع کر کے نہیں رکھ سکتے تھے (یعنی ان کے ذخیرے تمہارے قبضہ میں نہیں آ سکتے تھے) اور یہ ہم ہی ہیں کہ جلاتے ہیں اور مارتے ہیں اور ہم ہی باقی رہ جائیں گے (سب کی کمائی ہمارے ہی قبضہ میں

آئے گی) اور تمہارے اگلوں کو بھی جانتے ہیں (آدم سے لے کر تم تک جو لوگ گزر رہے ہیں) اور تمہارے پچھلوں کو بھی جانتے ہیں (قیامت تک جو آنے والے ہیں) اور بلاشبہ آپ کا پروردگار ہی ان کو جمع فرمائے گا، یقیناً وہ (اپنی صفت میں) حکمت والا (اپنی مخلوق کو) جاننے والا ہے۔

تحقیق وترکیب: .... **الحجر** مدینہ اور شام کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ جہاں کا واقعہ اس سورت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سورت کا مکی ہونا اور اس میں ۹۹ آیات بالاجماع ہیں۔

یَوَدُّ قیامت کے روز یہ تمنا کریں گے، یا نزع کے وقت جب عذاب کا مشاہدہ ہوگا، یا بقول امام اعظمؒ کے جب مسلمان جہنم سے نکال لئے جائیں گے اور لفظ رب تکثیر اور تقلیل دونوں کے لئے آتا ہے اور کبھی تقلیل سے تحقیق کے معنی میں بھی آجاتا ہے۔

انا نحن نزلنا چونکہ قرآن کی حفاظت کا وعدہ، خدائی وعدہ ہے۔ اس لئے قیامت تک قرآن محفوظ رہے گا۔ لیکن تورات وانجیل کی حفاظت کا بار علماء یہود ونصاریٰ پر ڈالا گیا تھا۔ جیسا کہ آیت **بما استحفظوا من کتاب اللّٰہ** سے معلوم ہوتا ہے اور انسانی حفاظت جیسی کچھ ہے معلوم ہے۔ اس لئے پچھلی آسمانی کتابیں پوری طرح محفوظ نہیں رہ سکیں اور اس طرح کی قرآنی غیر معمولی حفاظت کہ اس کے ایک نقطہ اور شوشہ میں بھی آج تک کوئی فرق نہیں آسکا۔ یہ قرآن کریم کا ایک عظیم معجزہ ہے۔ جو دوسری کتابوں کو حاصل نہیں ہوسکا۔ البتہ قیامت کے قریب قرآن کریم اٹھالیا جائے گا۔ جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

یرفع القران فی اخر الزمان من المصاحف فیصبح الناس فاذاالورق ابیض یلوح لیس فیه حرف ثم ینسخ القران من القلوب فلا یذکر منه کلمة ثم یرجع الناس الی الاشعار والارغانی واخبار الجاهلیة (فصل الخطاب)۔

بروجا برج کے لغوی معنی قلعہ کے ہیں۔ فلک کے دورہ کو تقسیم کرکے ہر قسم کو برج کہا جاتا ہے۔ ہر برج کی لمبائی تیس درجہ مانی گئی ہے اور ایک قطب سے دوسرے قطب تک چوڑائی ایک سو اسی درجہ مانی گئی ہے۔ آسمان کا ہر حصہ چونکہ آفات وتصرفات سے محفوظ کردیا گیا ہے۔ اس لئے اس کو برج سے تعبیر کیا گیا ہے اور ان بارہ برجوں کے یہ خاص نام رکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس شکل کے ہیں بلکہ ستاروں کی ہیئت کذائیہ سے مجموعی صورت دیکھنے والے کو ترازو، ڈول، مچھلی، بیل، کمان، کیکڑے وغیرہ کی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے ان برجوں کا نام انہی کے نام پر رکھ دیا گیا ہے اور باستثناء آفتاب وماہتاب کے سب ستاروں کے لئے نجومیوں نے دو دو برج مانے ہیں۔ اسی کے مطابق تفسیر میں نقل کردینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نظریہ کو قرآن وحدیث سمجھ کر مانا جائے اور اس پر اعتقاد رکھا جائے اسی طرح منجمین کا خیال یہی ہے کہ اسد آفتاب کے ساتھ گرمی اور خشکی میں شریک ہے۔ نیز جس طرح آفتاب سات ستاروں کے درمیان میں ہوتا ہے اسی طرح برج اسد اور بروج کے درمیان واقع ہے۔ نیز جس طرح آفتاب تمام ستاروں میں قوی التاثیر ہے۔ اسی طرح برج اسد تمام بروج میں قوی تر ہے۔ اسی لئے آفتاب جب برج اسد میں ہوتا ہے تو اس کی تاثیر قوی ترین ہوجاتی ہے۔ اسی وجہ سے اسد کو "بیت الشمس" مانا گیا ہے اور چونکہ چاند بھی مختلف تاثیرات میں سورج کے مشابہ ہے۔ اس لئے "بیت القمر" "بیت الشمس" کے نزدیک ہی مانا گیا ہے اور چونکہ چاند اور سرطان دونوں کا مزاج بارد تر ہے۔ برخلاف برج سنبلہ کے اس کا مزاج بارد خشک ہے۔ اس لئے چاند سے سرطان کو زیادہ مناسبت ہے۔ ویسے بھی دونوں میں تیزی سے انقلابات ہوتے رہتے ہیں۔ نیز چونکہ ان سات ستاروں میں سے خمسہ متحیرہ تاثیرات کے لحاظ سے نیرین یعنی چاند سورج کے ساتھ نصف آسمان میں شریک ہیں۔ اس لئے منجمین نے ہر ایک کے لئے دو برج مانے ہیں۔ بہرحال علامہ سیوطیؒ کو یہاں اور علامہ محلیؒ کو سورۂ فرقان میں منجمین کے ان خیالات کو ذکر نہیں کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ یہ اوہام مدار تفسیر نہیں ہیں۔

ومن لستم یہ محل نصب نہیں ہے لفظ **لکم یامعایش** پر عطف کرتے ہوئے ای وجعلنا لکم فیھا معایش وجعلنا لکم من لستم له برازقین **یا تقدیر عبارت اس طرح ہوگی** ۔جعلنا لکم معایش وجعلنا لکم من لستم له برازقین **لیکن ضمیر** لکم پر اس کا عطف جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ضمیر مجرور پر عطف کرنے کے لئے جاء کو لوٹانا ضروری ہے۔

ربط آیات: ....سورۂ حجر میں قرآن کی حقانیت، کفار پر عذاب، رسالت کی تحقیق، توحید کا اثبات، بعض انعامات کا تذکرہ اور اطاعت شعار اور خلاف ورزی کرنے والوں کو جزاء وسزا کا بیان کچھ واقعات کے ساتھ تھا اسی طرح قیامت کا حق ہونا اور آنحضرتؐ کی تسلی وغیرہ مضامین اس صورت کا خلاصہ ہیں۔ جس سے اس سورت کے مضامین کا باہمی ربط اور پچھلی سورت سے اس کا تعلق پورے طور سے سامنے آجاتا ہے۔ چنانچہ آیت الٓر میں قرآن کی حقانیت کے ساتھ دوسرے بعض مضامین مقصودہ کا بیان ہے اور آیت **قالوا یا ایھا الذی الخ** سے رسالت کی بحث اور آیت **ولقد جعلنا فی السماء الخ** سے توحید بیان کی جارہی ہے۔

شان نزول: ....ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں ایک خوبصورت عورت مسجد میں جماعت کے ساتھ شامل ہوگئی تو بعض حضرات تو اس لئے اگلی صفوں میں بڑھ گئے کہ نماز میں اس پر نظر نہ پڑے اور بعض اسے دیکھنے کی غرض سے پچھلی صفوں میں رہ گئے۔ اس پر آیت **ولقد علمنا المستقدمین منکم الخ** نازل ہوئی۔ گویا اس سے مراد اگلی اور پچھلی صفوں کے لوگ ہیں اور اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ اول وقت اور آخری وقت میں نماز پڑھنے والے لوگ مراد ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: ....**قرآنی روشنی:** ....قرآن نے جابجا اپنے نمایاں اور روشن ہونے پر زور دیا ہے۔ یعنی اپنے مطالبہ میں، اپنی دعوت میں، اپنے دلائل میں قرآن بالکل واضح اور کھلا ہوا ہے۔ اس کی کوئی بات نہیں جو الجھی ہوئی ہو مشکل ہو تا قابل فہم ہو بلکہ ہر ذہن اسے سمجھ سکتا ہے، ہر دل اسے قبول کرسکتا ہے، ہر روح اس پر مطمئن ہوسکتی ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ سیدھی بات ہے جو انسان کے دل و دماغ کے لئے ہوسکتی ہے۔ کیونکہ وہ سچائی ہے اور سچائی کی کوئی بات مشکل اور الجھی ہوئی نہیں ہوسکتی۔ روشنی کا خاصہ یہ ہے کہ ہر بات کو نمایاں کردیتی ہے، کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ اگر وضاحت نہیں تو پھر اجالا بھی نہیں۔ اجالا جب کبھی ہوگا وضاحت اپنی ساتھ لائے گا۔ آگے فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے قرآن کے خلاف انکار اور سرکشی کی راہ اختیار کی وہ اپنی ہلاکت کا اپنے ہاتھوں سامان کررہے ہیں۔ لیکن انہیں معلوم نہیں ایک دن آنے والا ہے جب وہ حسرت وندامت کے ساتھ کہیں گے۔ کاش! ہم نے انکار نہ کیا ہوتا۔

قرآنی اعجاز: ....قرآنی حفاظت کے سلسلہ میں وعدۂ خداوندی کی وجہ بعض حضرات نے قرآن کے اعجاز نظمی کو سمجھا ہے لیکن اس پر یہ شبہ کہ اعجاز نظمی سے یہ تو معلوم ہوسکتا ہے کہ قرآن میں اضافہ نہیں ہوا۔ کیونکہ اگر کچھ اضافہ ہوتا تو قرآن کی موجودہ یکسانیت پر ضرور فرق آتا۔ حالانکہ اس میں سرمو فرق نہیں۔ البتہ اگر قرآن میں سے کچھ حصہ حذف کرکے کم کردیا جائے تو اعجاز نظمی سے یہ کمی کیسے معلوم ہوسکتی ہے۔ کیونکہ موجودہ ترتیب سے کمی کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اگر قرآن میں اس طرح کی کوئی کمی ہوتی تو قرآن کے کسی نہ کسی نسخہ میں اس کمی کا پتہ چل جاتا کہ کسی نسخہ میں یہ کمی ہوتی اور کسی نسخہ میں یہ کمی نہ ہوتی۔ ساری دنیا میں کسی کتاب کے تمام نسخوں کا متفق ہونا عادتاً ناممکن ہوتا ہے۔ لیکن اعجاز نظمی کے ساتھ قرآن کے تمام نسخوں میں اس طرح کا کامل توافق ایک مستقل معجزہ ہے جس سے ایک طرف قرآن میں اضافہ کے احتمال کی بندش ہوجاتی ہے۔ وہیں دوسری طرف کمی کے احتمال کا امکان بھی نہیں رہتا۔

حفاظت قرآنی :.......... اور قرآنی حفاظت کی اس پیشین گوئی کا اظہار جس درجہ اب ہوا ہے ابتدائی دور میں اتنا نہیں ہوا تھا کیونکہ اس وقت قرآن کو اترے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا۔ لیکن تاہم کچھ نہ کچھ اس وقت بھی اس کا وقوع ہو چکا تھا۔ اس لئے کہ کتابت وتدوین جیسے ظاہری سامان حفاظت کے نہ ہوتے ہوئے بھی قرآن کا اس درجہ محفوظ رہ جانا کچھ کم عجیب بات نہیں۔ پھر قرآن کی عبارت بھی نظم کی بجائے نثر ہے۔ جس کا یاد رکھنا عادۃً مشکل ہوتا ہے۔ پھر قرآن کی مخالفت جس قدر کی گئی وہ خود اپنی جگہ دشواری کا ایک بنیادی اور قوی سبب تھا۔ لیکن ان سب دشواریوں اور رکاوٹوں کے باوجود پھر اس کا اس طرح یادداشتوں اور حافظہ میں محفوظ رہنا کچھ کم حیرت ناک نہیں ہے۔ یوں اتفاقاً کسی کو سہو ہو گیا یا غلط یاد ہو گیا تو معمولی تنبیہ سے اصلاح ہو جاتی تھی اور جن کی زبان عربی نہیں یا کمسن اور نوعمر بچے ہوں ان کے لئے تو اور بھی دقت طلبی ہے۔ لیکن اہل زبان ہوں یا غیر زبان، نوعمر ہوں یا بڑی عمر والے۔ قرآن کریم کے ایک ایک حرف کو جس طرح مسلمانوں نے سفینوں سے زیادہ سینوں سے لگایا ہے اس کی نظیر دنیا کی کسی قوم میں نہیں ملتی اور دنیا میں کسی کتاب یا خطبہ اور تقریر و نظم کو یہ بات حاصل نہیں ہے۔ بالفرض اگر ساری دنیا سے قرآن مجید کے نسخے ناپید کر دیئے جائیں تو ایک کمسن حافظ بچہ قرآن کریم دوبارہ لکھوا سکتا ہے یہ اعجاز نہیں تو اور کیا ہے؟

شبہات کا جواب :.......... رہا یہ شبہ کہ جب قرآن کا محافظ اللہ ہے تو پھر ابتداء سے آج تک اس کی حفاظت کا سامان کیوں کیا جاتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ سامان بھی اللہ کی حفاظت کے طریقہ میں شمار ہے۔ لیکن حفاظت کا یہ سامان اگر دنیا کی کسی اور کتاب کو میسر بھی ہو جائے تب بھی وہ اس طرح محفوظ نہ رہ سکے گی۔ کہ اس کے کتاب الٰہی ہونے کا شبہ ہو سکے۔ رہا یہ شبہ کہ ممکن ہے یہ آیت انا نحن نزلنا الخ ہی کسی نے بعد میں ملادی ہو اور یہ قرآن کا دعویٰ نہ ہو۔ پس اس پیشین گوئی کا یقینی ہونا کس طرح ثابت ہو سکے گا؟ جواب یہ ہے کہ دوسری آیات کی طرح تواتر سے اس آیت کا ثبوت احادیث میں موجود ہے۔ اس لئے الحاق کا یہ احتمال بے بنیاد ہے۔ اور فظلوا فیہ یعرجون میں کفار کے آسمان پر چڑھنے کو جو کہا گیا ہے۔ یہ ان کے مطالبہ یعنی فرشتوں کے زمین پر اترنے سے زیادہ تعجب خیز ہے۔ کیونکہ فرشتوں کا اترنا خارق عادت نہیں۔ چنانچہ فرشتوں کے اترنے کو کفار خود بھی مانتے تھے۔ اگرچہ آنحضرتؐ پر اترنے کو نہیں مانتے تھے۔ مگر انسانوں کا آسمانوں پر چڑھنا خارق عادت ہے۔

آسمانی بارہ برج :.......... بارہ برجوں کی تقسیم سب سے پہلے اہل بابل نے کی۔ پھر سریانی قومیں اس سے آشنا ہوئیں اور بالآخر یونانیوں نے اس خیال کو قبول کرلیا۔ عربی زبان اپنی ابتدائی شکلوں میں عراق، مصر، شام کی حکمران زبان رہ چکی ہے اور ان ملکوں کے ساتھ عربوں کے قدیم تجارتی تعلقات بھی معلوم ہیں۔ پس اگر چاند کی منزلوں کی طرح سورج کے بارہ برجوں سے بھی عربی زبان آشنا ہو چکی ہو تو تعجب نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ عرب جاہلیت کے کلام سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ پس زیادہ صاف بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہاں برج سے مراد روشن ستارے لئے جائیں۔ چنانچہ ابن عباسؓ، مجاہدؒ وقتادہؒ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ تشبیہاً اور مجازاً ان کو برج کہہ دیا گیا ہے۔ مفسر علامؒ کی طرف سے برج اور ستاروں کی بیان کردہ تفصیل سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہی تفصیل مراد خداوندی ہوگی۔ حالانکہ یہ سب نظریات اہل ہیئت ونجوم کے ہیں۔ مراد الٰہی سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس طرح کی چیزیں تفسیری طور پر نہ ذکر کی جائیں۔

جمال فطرت کی جلوہ گری :.......... آیت وزینٰھا للناظرین الخ میں جمال فطرت سے استدلال کیا گیا ہے۔ یعنی

کائنات ہستی کے تمام مظاہر اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ ان میں حسن و جمال کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ رحمت و فیضان کا کوئی ارادہ یہاں ضرور کام کر رہا ہے جو چاہتا ہے کہ جو کچھ بنے حسن وخوبی کے ساتھ بنے اور اس میں روحوں کے لئے سرور اور نگاہوں کے لئے عیش و مسرت ہو۔ اگر ایک رحمت والی ہستی کی یہ کارفرمائی نہیں ہے تو پھر کس کی ہے۔تمہاری فطرت تو کہہ رہی ہے کہ یہ سب کچھ کسی ایسی ہستی کی کاریگری ہے جس میں حسن و جمال کا فیضان ہو۔ پس یہ آسمان کس طرح دیکھنے والوں کے لئے حسین وجمیل بنا دیا گیا ہے؟ چاندنی راتوں میں چاند کی شب افروزیاں دیکھو، اندھیری راتوں میں ستاروں کی جلوہ ریزیوں کا نظارہ کرو؟ صبح جب اپنی ساری دلفریبیوں کے ساتھ آتی ہے۔شام جب اپنی ساری رعنائیوں کے ساتھ چھپتی ہے۔ گرمیوں میں صاف شفاف آسمان کا نکھرنا، بارش میں ہر طرف سے امنڈنا۔ شفق کی لالہ گونی، قوس وقزح کی بوقلمونی، سورج کی زرافشانی، غرض کہ آسمان کا کون سا منظر ہے جس میں نگاہوں کے لئے زینت نہیں، جس میں دلوں کے لئے راحت وسکون نہیں؟

شیطانوں کا چوری چھپے آسمانی خبریں سننا: .... اجرام ساویہ کی حفاظت کا سامان نہ کر دیا گیا ہوتا تو ایسی شیطانی قوتیں تھیں جو ان کے مقررہ کاموں میں خلل انداز ہوتیں۔لیکن جب کوئی ایسی قوت ٹوہ لگانا چاہتی ہے تو شعلے بھڑکتے ہیں اور انہیں قریب نہیں آنے دیتے۔ شہاب شعلہ کو کہتے ہیں اور اس ستارہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو راتوں کو ٹوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔اس سے مفسرین نے سمجھ لیا کہ یہاں شہاب سے وہی ستاروں کا ٹوٹنا ہے حالانکہ قرآن میں اس کی کوئی تصریح نہیں ہے۔ باقی یہ بات کہ شیاطین چوری چھپے غیبی خبروں کو آسمانوں میں جا کر سنتے ہیں یا آسمانوں سے نیچے بادلوں میں پہنچ کر سنتے ہیں؟ سوحضرت عائشہؓ کی مرفوع روایت ہے کہ فرشتے بادلوں میں آ کر آسمانی خبروں کا تذکرہ کرتے ہیں اور یہ شیاطین کچھ سن لیتے ہیں۔ دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: قالوا ماذا قال ربکم ،قالوا الحق فیسمعها مسترقوا السمع ۔فرشتے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ پروردگار نے کیا فرمایا؟ جواب ملتا ہے کہ جو کچھ فرمایا حق فرمایا:لیکن چوری چھپے سے شیاطین اس کو سن لیتے ہیں۔اس میں فا تعقیب کے لئے ہے۔یعنی آسمان میں تذکرہ ہونے کے بعد سنتے ہیں خواہ بادلوں میں سہی۔غرضیکہ اس روایت سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ شیاطین آسمانوں میں جا کر سن لیتے ہوں۔

دوشبہوں کا جواب: .... اس تقریر پر یہ اشکال بھی نہیں رہتا کہ احادیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کی ولادت یا بعثت کے بعد شیاطین کا آسمانوں میں جانا بند کر دیا گیا ہے۔ پھر اس کے معنی کیا؟ کیونکہ مطلب یہ ہے کہ شیاطین کو آسمان پر جانے سے تو بالکل روک دیا گیا ہے۔مگر بادلوں میں جا کر سن لیتے ہیں اس لئے ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ باقی یہ کہنا کہ پھر روکنے سے کیا فائدہ، جب کہ سننے کے لئے ایک راستہ کھلا رہا؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے آسمانوں میں بڑی اور اہم باتوں کا تذکرہ ہوتا ہو اس لئے ان پر روک لگا دی گئی اور بادلوں میں معمولی باتوں کا ذکر ہوتا ہو اس لئے ان پر روک لگانا ضروری نہیں سمجھا۔ پس اس طرح آیت انهم عن السمع لمعزولون کو آسمانوں کی بندش پر محمول کیا جائے گا اور آیت استرق السمع کو بادلوں میں سے سننے پر محمول کیا جائے گا۔ وہاں ناتمام خبریں سننے میں آتی ہیں۔ جیسا کہ خطف الخطفة سے معلوم ہوتا ہے۔

آنحضرتؐ کی بدولت شیاطین آسمانوں سے روک دیئے گئے ہیں: .... اور اس بندش کا آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ سے پہلے آسمانوں تک شیاطین کی رسائی ہوتی رہتی تھی لیکن آپؐ کے دور نبوت میں آپؐ کے شرف کی وجہ سے اس پر روک لگا دی گئی۔ آنحضرتؐ سے پہلے تمام انبیاء کرام کا دور نبوت ایک محدود پیمانہ پر تھا یعنی ان کی موجودگی میں اگر وحی اور غیر وحی میں تلبیس پیش آتی تو وہ ان کے فرما دینے سے ختم ہو جاتی تھی اور ان کے بعد اگر تلبیس کی صورتیں پیش

آتیں تو بعد کے دوسرے انبیاء آکر تلبیس کا پردہ چاک کر دیتے تھے اور اس طرح حق و باطل میں امتیاز قائم رکھا جاتا۔

لیکن آنحضرتؐ کے دور نبوت کے شروع ہونے کے بعد ایک طرف تو آپ کے خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے انبیاء کا آنا بند کر دیا گیا ادھر دوسری طرف شیاطین کے چوری چھپے کی اس کاروائی پر کوئی روک نہ لگائی جاتی تو گمراہی کے انسداد کی کوئی صورت نہ ہوتی۔ بلکہ خطرہ کا دروازہ کھلا رہتا اس لئے اس کی بندش ضروری سمجھی گئی۔ غرضیکہ آنحضرتؐ کے شرف کے ساتھ آپؐ کا خاتم النبیین ہونا بھی شیاطین کے لئے اس رکاوٹ کا سبب بنا۔

شہاب کے اسباب:............ شیاطین کے چوری چھپے سننے کے وقت شعلے مارنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہمیشہ شہاب کا سبب شیاطین کو مارنا ہی ہوتا ہے ممکن ہے کبھی محض طبعی طور پر بھی ہوتا ہو اور شیاطین کے مارنے میں شہاب کے دخل کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ شہابی سخونت سے شیاطین یا بخارات کے مادہ میں فرشتوں کے ذریعہ آگ پیدا ہو جاتی ہو۔ جس سے شیاطین تباہ یا بدحواس ہو جاتے ہوں اور شہاب ثاقب رات کی طرح دن میں بھی ہوتا ہے لیکن سورج کی روشنی کی وجہ سے نظر نہیں آتا۔ اس لئے اب یہ شبہ نہیں رہا کہ کیا شیاطین رات ہی کو چوری چھپے سنتے ہیں اور دن میں نہیں سنتے؟

بارش کا سبب:............ ہواؤں کے بادلوں کو پانی سے بھر دینے کا مطلب یہ ہے کہ بادلوں کے مادہ یعنی بخارات کو ہوائیں طبقہ زمہریریہ میں پہنچا دیتی ہیں۔ جہاں وہ بخارات پانی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ پس گویا ہوا بادل میں پانی پیدا ہونے کا سبب بن گئی اور **انزلنا من السماء ماء** کی توجیہ یہ ہوگی کہ طبقہ زمہریریہ میں جو کچھ پانی بخارات کے ذریعہ پیدا ہو چکا تھا۔ عادت الٰہیہ کے مطابق اس میں آسمان سے بھی پانی ہمیشہ یا کبھی کبھی بھیج دیا جاتا ہے۔ (بیان)

زمین کا گول ہونا:............ زمین گیند کی طرح گول ہے۔ لیکن حکمت الٰہی نے اسکی کرویت کا نشیب و فراز اس طرح پھیلا دیا ہے کہ کوئی آنکھ اونچ نیچ محسوس نہیں کرسکتی اور اس کا ہر کونہ ایک بچھے ہوئے فرش کی طرح مسطح ہے۔ اگر اس طرح کی سطحیت پیدا نہ ہوتی تو زمین میں وہ تمام خصوصیات بھی پیدا نہ ہوتیں۔ جنہوں نے زمین کو زندگی کے لئے خوش گوار بنا دیا ہے۔ لیکن زمین کے سکونت و معیشت کے قابل ہونے کے لئے صرف اسی قدر کافی نہ تھا اس کی بھی ضرورت تھی کہ اس میں جا بجا ایسی بلندیاں ہوتیں جو پانی کے خزانے جمع کرتیں اور پھر بلندی سے اس طرح گراتیں کہ سینکڑوں کوسوں تک بہتا ہوا چلا جاتا اور میدانی علاقوں کو سرسبز و شاداب کر دیتا۔ پس اس طرح **والقینا فیھا رواسی** فرما کر بتلا دیا کہ پہاڑ طرح طرح کی معدنیات کا سرچشمہ ہیں اور دریاؤں کی روانی کا منبع اور زمین کی افادیت کے لئے ضروری عنصر ہیں۔

زمینی چیزوں کا طبعی تناسب:............ اس آیت سے زمین کی نسبت تین چیزوں کا ہونا معلوم ہوا (۱) بچھی ہوئی ہے، (۲) اس پر پہاڑوں کی بلندیاں ہیں۔ (۳) اس پر جتنی چیزیں اگتی ہیں وہ سب موزون ہیں۔ کسی چیز کو ٹھیک ٹھیک کسی خاص انداز پر رکھنا ہوتا ہے تو اسے کانٹے پر تول لیا کرتے ہیں کہ رتی بھر ادھر ادھر نہ ہو جائے۔ پس ہر چیز کے موزون ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ زمین میں جتنی نباتات اگتی ہیں سب کے لئے حکمت الٰہی نے ایک خاص اندازہ ٹھہرا دیا ہے۔ ہر چیز اپنی نوعیت، کیفیت، کمیت میں ایک نپی تلی حالت رکھتی ہے جس سے باہر کبھی نہیں جاسکتی۔ ممکن نہیں کہ گھاس کی ایک شاخ بھی ایسی اگ آئے جو گھاس کے مقررہ اندازہ اور تناسب کے خلاف ہو طرح طرح کے غلے، طرح طرح کے پھول، طرح طرح کے پھل، طرح طرح کے درخت، طرح طرح کی

سبزیاں، طرح طرح کے گھاس پھوس ہر طرف اگ رہی ہیں اور نہ معلوم کب سے اگ رہی ہیں۔ لیکن کوئی چیز بھی ان میں ایسی ہے جس کی شکل، ڈیل ڈول، رنگت، خوشبو، مزہ اور خاصہ ایک خاص مقررہ انداز پر نہ ہو اور ٹھیک ٹھیک طول نہ ہو؟ گیہوں کا ایک دانہ اٹھاؤ، پھول کی ایک کلی توڑلو، گھاس کی ایک پتی سامنے رکھلو اور دیکھو۔ اس کی ساری باتیں کس طرح تلی ہوئی اور کس دقیقہ سنجی کے ساتھ سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں؟ لاکھ مرتبہ بوؤ، کروڑ مرتبہ بوؤ، اس اندازہ میں فرق آنے والا نہیں۔ شکل ہو تو اس کا ایک خاص اندازہ ہو وہ چیز جب آئے گی اسی شکل میں آئے گی۔ اگر رنگت ہے، خوشبو ہے، مزہ ہے، خاصہ ہے تو سب کا ایک خاص اندازہ ہے اور یہ اندازہ قطعی ہے دائمی ہے، اٹل ہے، انمٹ ہے اور ہمیشہ اس یکسانیت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے کہ گویا مٹی کے ایک ایک ذرہ میں ایک ایک ترازو رکھ دیا گیا ہے اور ایک ایک دانہ، ایک ایک پتے، ایک ایک پھل کو تول تول کر بانٹ دیا ہے۔ ممکن نہیں اس تول میں کبھی خرابی پڑے۔ موزوں کے مفہوم میں تناسب واعتدال ہی داخل ہے۔ یعنی جتنی چیزیں اگتی ہیں اپنی ساری باتوں میں تناسب واعتدال کی حالت رکھتی ہیں۔ کوئی چیز نہیں جو اپنی کمیت وکیفیت میں متناسب ومعتدل نہ ہو۔

خدائی مقررہ نظام: .... آیت **وجعلنا لکم فیها معایش** میں کتنی بڑی حقیقت بیان کردی گئی ہے؟ فرماتے ہیں ہم نے زمین میں تمہارے لئے زندگی اور معیشت کے سارے سروسامان مہیا کردیئے۔ لیکن اس طرح کہ اگر چہ ہر چیز کا ہمارے پاس ذخیرہ موجود ہے لیکن ان کی بخشش ایک مقررہ اندازہ ہی کے ساتھ ہوتی ہے ایسا نہیں ہوتا کہ بغیر کسی اندازے اور نظام کے تمام چیزیں بکھیر دی ہوں اور یہ جو ایک مقررہ اندازہ ہے یہی تو بتلا رہا ہے۔ کہ یہاں کوئی اندازہ مقرر کرنے والی اور اسے قائم رکھنے والی ہستی ضرور موجود ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا۔ کہ اس طرح کی ناپ تول اور پورے انضباط کے ساتھ ہر چیز کی بخشش کا نظام قائم ہو جاتا۔ پھر اس کے بعد بارش کی مثال دے کر فرماتے ہیں کہ بارش زمین کی شادابی اور روئیدگی کا ذریعہ ہے اگر یہ نہ ہو تو زمین کی روئیدگی بھی نہ ہو۔ لیکن دیکھو کس طرح مقررہ اندازوں اور پیمانوں کا ایک پورا نظام کام کر رہا ہے پہلے سمندر سے بھاپ اٹھتی ہے۔ وہ پانی کے ذروں کو لے کر اوپر چڑھتی ہے پھر بلندی میں جا کر ابر کی چادریں بنتی ہیں اور چادریں فضا میں پھیل جاتی ہیں۔ پھر وہی چادریں بارش کے قطرے بن کر گرنے لگتی ہیں اور زمین کے ایک ایک ذرہ کو شاداب کردیتی ہیں۔ تم نے پانی کے ذخیرے جمع کر کے نہیں رکھے تھے لیکن آسمان جمع کرتا رہتا ہے پھر ٹھیک ٹھیک تمہاری ضرورت کے مطابق مطلوبہ مقدار تمہیں بخش دیتا ہے۔ یہ بات کہ پانی کو جمع ہونے اور ایک خاص ترتیب اور اندازے کے ساتھ برستے رہنے کا ایک پورا کارخانہ بنا ہوا ہے اور وہ زمین کی ضرورت کے ٹھیک ٹھیک مطابق ہیں۔ یہی یہاں کے استدلال کا اصلی نقطہ ہے۔ کیونکہ اندازہ اور نظم کی یہ حالت اس کے بغیر نہیں ہوسکتی کہ ربوبیت کا کوئی ارادہ پس پردہ کام کر رہا ہے۔

زندگی اور موت کا اندازہ: .... آگے فرماتے ہیں ہم ہی جلاتے اور مارتے ہیں اور اس بات کو جانتے ہیں کہ کون پہلے آنے والوں میں ہوئے اور کون پیچھے آنے والوں میں ہوئے۔ یعنی جس طرح ہم نے تمام چیزوں کا مقررہ اندازہ ٹھہرادیا ہے اسی طرح موت وحیات کا بھی ایک خاص اندازہ ٹھہرادیا ہے اور قوموں کے آگے پیچھے کرنے کے لئے بھی مقررہ اندازہ ہے۔ جو چیز پیدا ہوتی ہے اپنے مقررہ اندازے کے مطابق پیدا ہوتی ہے اور جو مرتی ہے مقررہ اندازے کے مطابق مرتی ہے۔ غرضیکہ تقدیر واندازہ کا قانون عالمگیر قانون ہے جس سے کوئی چیز باہر نہیں حتی کہ فرماتے ہیں کہ تمہارا پروردگار اعمال کی جزا کے لئے لوگوں کو اپنے حضور جمع کرے گا۔ کیونکہ تمام باتوں کی طرح اس بات کے لئے بھی اس نے ایک اندازہ ٹھہرادیا ہے، وہ حکیم وعلیم ہے اور جب وہ حکیم ہے تو ممکن نہیں کہ اس نے انسان کے اعمال کے لئے کوئی اندازہ ٹھہرایا ہو اور جب وہ علیم ہے تو ممکن نہیں کہ انسان کے اعمال اس کی نظر سے پوشیدہ رہ

سکیں۔ (ترجمان آزاد)

لطائف آیات: .... آیت ذرهم یاکلوا الخ سے اس طرف اشارہ ہے کہ جسے بڑی فکر شکم پری اور شہوت رانی کی رہتی ہو۔ ایسا شخص اللہ کے حرم کے تقرب سے محروم رہتا ہے۔ آیت وقالوا یایها الذی نزل الخ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو شخص اسرار وحقائق نہ سمجھتا ہوا سے چاہئے کہ سچے اولیاء اللہ کے معارف وعلوم اور احوال پر انکار نہ کرے۔ جیسا کہ بعض منکرین، انہیں ان کے جنون کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اور کہہ اٹھتے ہیں کہ ریاضتوں کی وجہ سے فاسد خیالات کا ان پر غلبہ ہو گیا ہے البتہ بناوٹی صوفیوں کے احوال ومواجید اس میں داخل نہیں ہیں۔

آیت لو ماتاتینا الخ سے معلوم ہوا کہ جس شخص کی صداقت پر دلائل صحیحہ قائم ہوں اس سے خوارق طلب نہیں کرنے چاہئیں۔

آیت ولو فتحنا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی حال اولیاء اللہ کے منکرین کا ہوتا ہے کہ وہ ان کے خوارق بھی دیکھ لیتے ہیں۔ مگر جادو یا شعبدہ کہہ کر انکار کرتے ہیں۔

آیت وان من شیئ الخ میں اشارہ ہے۔ توکل اور اسباب کے قطع کرنے اور اغیار کی جانب التفات نہ کرنے کی طرف۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ ادَمَ **مِنْ صَلْصَالٍ** طِيْنٍ يَابِسٍ تُسْمَعُ لَهُ صَلْصَلَةٌ اَىْ صَوْتٌ اِذَا نُقِرَ **مِّنْ حَمَاٍ** طِيْنٍ اَسْوَدَ **مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾** مُتَغَيِّرٍ **وَالْجَآنَّ** اَبَا الْجِنِّ وَهُوَ اِبْلِيْسُ **خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ** اَىْ قَبْلَ خَلْقِ ادَمَ **مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾** هِىَ نَارٌ لَادُخَانَ لَهَا تَنْفُذُ فِى الْمَسَامِ وَاذْكُرْ **اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ** اَتْمَمْتُهٗ **وَنَفَخْتُ** اَجْرَيْتُ **فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ** فَصَارَ حَيًّا وَاِضَافَةُ الرُّوْحِ اِلَيْهِ تَشْرِيْفٌ لِاٰدَمَ **فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾** سُجُوْدَ تَحِيَّةٍ بِالْاِنْحِنَاءِ **فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾** فِيْهِ تَاكِيْدَانِ **اِلَّآ اِبْلِيْسَ** هُوَ اَبُوالْجِنِّ كَانَ بَيْنَ الْمَلَائِكَةِ **اَبٰى** اِمْتَنَعَ مِنْ **اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ** تَعَالٰى **يٰٓاِبْلِيْسُ مَالَكَ** مَامَنَعَكَ **اَلَّا** زَائِدَةٌ **تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ** لَايَنْبَغِىْ لِىْ اَنْ اَسْجُدَ **لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا** اَىْ مِنَ الْجَنَّةِ وَقِيْلَ مِنَ السَّمٰوٰتِ **فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾** مَطْرُوْدٌ **وَاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾** اَلْجَزَاءِ **قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِىْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾** اَىِ النَّاسُ **قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾** وَقْتِ النَّفْخَةِ الْاُوْلٰى **قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ** اَىْ بِاِغْوَائِكَ لِىْ وَالْبَاءُ لِلْقَسَمِ وَجَوَابُهٗ **لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ** الْمَعَاصِىَ **وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾** اَىِ الْمُؤْمِنِيْنَ **قَالَ** تَعَالٰى **هٰذَا صِرَاطٌ عَلَىَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾** وَهُوَ **اِنَّ عِبَادِىْ** اَىِ الْمُؤْمِنِيْنَ **لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ** قُوَّةٌ **اِلَّا** لٰكِنْ **مَنِ اتَّبَعَكَ**

مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ اَلْكَافِرِيْنَ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَيْ مَنِ اتَّبَعَكَ مَعَكَ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ اَطْبَاقٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهَا مِنْهُمْ جُزْءٌ نَصِيْبٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ بَسَاتِيْنَ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ تَجْرِيْ فِيْهَا وَيُقَالُ لَهُمْ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اَيْ سَالِمِيْنَ مِنْ كُلِّ مَخُوْفٍ اَوْ مَعَ سَلَامٍ اَيْ سَلِّمُوْا وَادْخُلُوْا اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ مِنْ كُلِّ فَزَعٍ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ حِقْدٍ اِخْوَانًا حَالٌ مِنْهُمْ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ حَالٌ اَيْضًا اَيْ لَا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ اِلٰى قَفَا بَعْضٍ لِدَوَرَانِ الْاَسِرَّةِ بِهِمْ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ تَعَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ اَبَدًا نَبِّئْ خَبِّرْ يَا مُحَمَّدُ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ بِهِمْ وَاَنَّ عَذَابِيْ لِلْعُصَاةِ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ اَلْمُؤْلِمُ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ وَهُمْ مَلَائِكَةٌ اِثْنَا عَشَرَ اَوْ عَشَرَةٌ اَوْ ثَلَاثَةٌ مِنْهُمْ جِبْرَئِيْلُ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا اَيْ هٰذَا اللَّفْظُ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لَمَّا عَرَضَ عَلَيْهِمُ الْاَكْلَ فَلَمْ يَأْكُلُوْا اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ خَائِفُوْنَ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ لَا تَخَفْ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ ذِيْ عِلْمٍ كَثِيْرٍ هُوَ اِسْحَاقُ كَمَا ذُكِرَ فِيْ هُوْدَ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ بِالْوَلَدِ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ حَالٌ اَيْ مَعَ مَسِّهِ اِيَّايَ فَبِمَ فَبِاَيِّ شَيْءٍ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اِسْتِفْهَامُ تَعَجُّبٍ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ بِالصِّدْقِ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ الْاٰئِسِيْنَ قَالَ وَمَنْ اَيْ لَا يَقْنَطُ بِكَسْرِ النُّوْنِ وَفَتْحِهَا مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ اَلْكَافِرُوْنَ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ شَانُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ كَافِرِيْنَ اَيْ قَوْمِ لُوْطٍ لِاِهْلَاكِهِمْ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ لِاِيْمَانِهِمْ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ اَلْبَاقِيْنَ فِي الْعَذَابِ لِكُفْرِهَا

ترجمہ: .... اور ہم نے انسان (آدم) کو ایسی مٹی سے بنایا جو سوکھ کر بجنے لگتی ہے (کھنکھناتی ہوئی مٹی کہ جب اسے خشک ہونے کے بعد بجایا جائے تو بجنے لگے، خمیر اٹھے ہوئے سڑے ہوئے) گارے سے اور جن (یعنی جنات کے جد اعلیٰ، ابلیس) کو ہم نے اس (انسان کی پیدائش) سے پہلے پیدا کر دیا تھا جلتی ہوئی ہوا کی گرمی سے (ایسی آگ سے جس میں دھواں نہ ہو اور جو مسامات میں گھس جاتی ہو) اور (یاد کیجئے) اس وقت کو جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں خمیر اٹھے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں تو جب ایسا ہو کہ میں اسے پورا بنا چکوں (ٹھیک ٹھاک کردوں) اور اس میں اپنی روح پھونک دوں (جس سے وہ زندہ ہو جائے روح کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف آدم کی بزرگی بیان کرنے کے لئے کی ہے) تو تم سب ان کے آگے سربسجود ہو جانا (جھک کر آداب بجالانا) چنانچہ جتنے فرشتے تھے سب ان کے آگے سربسجود ہو گئے (اس میں دوہری تاکید ہے) مگر ابلیس (جو جنات کا جد اعلیٰ تھا اور فرشتوں میں رہتا تھا اس) پر یہ بات شاق گزری (ناگوار ہوئی) کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو۔ اللہ نے فرمایا کہ اے ابلیس! تجھے کیا ہوا (کس نے تجھے روکا) کہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ (اس میں

لا زائد ہے) کہا مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں سجدہ کروں (یعنی میرے لئے سجدہ کرنا زیبا نہیں) ایک ایسے بشر کے لئے جسے تو نے کھنکھناتی ہوئی مٹی سے بنایا جو کہ سڑے ہوئے گارے سے تیار ہوتی ہے۔ ''حکم ہوا'' یہاں سے نکل جا (جنت سے یا آسمانوں سے) کہ تو راندہ (مردود) ہوا اور یقیناً قیامت کے دن تک تجھ پر لعنت رہے گی'' اس نے کہا'' خدایا! تو پھر مجھے اس دن تک مہلت دے جب انسان (لوگ) دوبارہ اٹھایا جائے۔ فرمایا: اس مقررہ وقت (پہلے صور پھونکنے) تک کے لئے تجھے مہلت دی گئی'' کہنے لگا خدایا! چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کیا (یعنی آپ کے گمراہ کرنے کی وجہ سے اس میں با قسمیہ ہے اور جواب قسم یہ ہے) تو اب میں ضرور دنیا میں ان کی نظر میں (گناہوں کو) خوشنما کر کے دکھلاؤں گا اور ان سب کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا، ہاں! ان میں جو آپ کے مخلص بندے ہیں (مؤمن) وہ میرے بہکائے میں آنے والے نہیں''۔ ارشاد ہوا بس یہی سیدھی راہ ہے جو مجھ تک پہنچانے والی ہے (اور وہ یہ ہے کہ) جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں چلے گا۔ جو راہ سے بھٹک گئے (یعنی کافر) اور ان سب کے لئے جہنم کے عذاب کا وعدہ ہے (جو تیرے پیچھے چلیں گے) جس کے سات دروازے (طبقے) ہیں۔ ان کی ہر ٹولی کے حصہ میں ایک دروازہ آئے گا جس سے وہ جہنم میں داخل ہوں گے۔ بلاشبہ خدا سے ڈرنے والے باغوں اور چشموں میں ہوں گے (وہ چشمے ان باغوں میں بہہ رہے ہوں گے ان سے کہا جائے گا) ان میں داخل ہو جاؤ سلامتی کے ساتھ (یعنی ہر قسم کے خوف سے صحیح سلامت یا سلام کرتے ہوئے، حاصل یہ کہ سلام کرتے ہوئے داخل ہونا) اور یہ اطمینان (ہر طرح کی گھبراہٹ سے بےفکر ہوکر) ان کے دلوں میں جو کچھ رنجشیں (کدورتیں) تھیں وہ سب ہم نے نکال دیں کہ سب بھائی بھائی کی طرح رہیں گے (یہ لفظ ھم سے حال ہے) ایک دوسرے کے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے) (یہ بھی حال ہے یعنی ایک دوسرے کی گدی کی طرف دیکھنے کی نوبت نہیں آئے گی کیونکہ گھومنے والی کرسیوں اور تختوں پر بیٹھے ہوں گے) وہاں انہیں ذرا بھی تکلیف نہیں چھو سکے گی اور نہ وہاں سے (کبھی) نکالے جائیں گے آپ آگاہ کر دیجئے (اے محمد: آپ اطلاع دے دیجئے) میرے بندوں کو کہ بلاشبہ میں (مسلمانوں کی) بڑی ہی مغفرت کرنے والا ہوں (ان پر) رحمت کرنے والا ہوں اور یقیناً میرا عذاب بھی (گنہگاروں کے لئے) بڑا سخت (تکلیف دہ) ہے اور انہیں ابراہیمؑ کے مہمانوں کا معاملہ بھی سنا دو (جو بارہ یا دس یا تین تھے اور حضرت جبریلؑ ان میں شامل تھے) جب یہ مہمان ان کے پاس آئے تو کہا السلام علیکم (یعنی یہ لفظ کہے) ابراہیمؑ فرمانے لگے (جب مہمانوں کے سامنے ابراہیمؑ نے کھانا پیش کیا اور انہوں نے نہ کھایا) ہمیں تم سے اندیشہ (خطرہ) ہے انہوں نے کہا'' ڈرومت ہم تو تمہیں ایک فرزند کی خوشخبری سنانے (دینے) آئے ہیں، جو بڑا عالم ہوگا (زیادہ علم والا حضرت اسحاقؑ مراد ہیں۔ جیسا کہ سورۂ ہود میں گزر چکا ہے) ابراہیمؑ نے کہا'' تم مجھے (فرزند کی) خوشخبری دیتے ہو، حالانکہ مجھ پر بڑھاپا طاری ہو گیا ہے (یہ حال ہے، یعنی باوجودیکہ بڑھاپا مجھ پر چھا گیا ہے) پس کس چیز کی مجھ کو بشارت دیتے ہو؟ (استفہام تعجب کے لئے ہے) فرشتے بولے کہ ہم تمہیں واقعی (سچائی کے ساتھ) خوشخبری سناتے ہیں۔ سو آپ کو ناامید (مایوس) نہیں ہونا چاہیئے'' ابراہیمؑ نے کہا'' بھلا اپنے پروردگار کی رحمت سے کون ناامید ہوتا ہے (یعنی کوئی نہیں ہوتا۔ یہ لفظ نون کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ دونوں طرح ہے) سوائے گمراہوں (کافروں) کے پھر فرشتوں سے پوچھا تم لوگ جو بھیجے ہوئے آئے ہو تو تمہیں کون سی مہم درپیش ہے''؟ انہوں نے کہا ہم ایک مجرم جماعت کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ قوم لوط کے کافروں کی تباہی کے لئے آئے ہیں) مگر خاندان لوطؑ کے تمام افراد کو (ان کے ایمان کی وجہ سے) ہم بچالیں گے۔ البتہ ان کی بیوی نہیں بچے گی۔ اس کے لئے ہمارا اندازہ ہو چکا ہے کہ وہ ضرور پیچھے رہ جانے والوں کا ساتھ دے گی'' (اپنے کفر کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہو جائے گی)۔

تحقیق وترکیب: .... مسنون سڑا ہوا، بدبودار گارہ۔ والجان جلال محقق کے بیان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ابوالجن اور ابلیس کا مصداق ایک ہی ہے اور جان سے مراد بھی وہی ہے۔ لیکن بعض حضرات کی رائے ہے کہ جان سے مراد ابوالجن ہے اور ابلیس سے مراد ابوالشیطان ہے۔

مسام یہ خلاف قیاس سم کی جمع ہے جیسے حسن کی جمع محاسن آتی ہے۔

من روحی من زائد ہے اور تبعیضیہ بھی ہوسکتا ہے۔ یعنی اللہ نے پیدا کی ہوئی روحوں میں سے بعض کو آدمؑ کے بدن میں داخل کردیا اور نفخ کا لفظ بطور تمثیل کے استعمال کیا ہے حقیقی معنی مراد نہیں۔ کیونکہ وہاں نہ نفخ تھا اور نہ منفوخ اور اضافت بیت اللہ کی طرح شرف ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

ساجدین جلال مفسرؒ نے حقیقی سجدہ مراد نہیں لیا اور بعض نے حقیقی سجدہ مراد لے کر توجیہات کی ہیں۔

یا ابلیس اس سے اور خلقتہ خطاب کے صیغہ سے معلوم ہوا کہ براہ راست ابلیس سے گفتگو ہوئی اور جس طرح حق تعالیٰ اکرام کے لئے کسی سے گفتگو فرماتے ہیں اسی طرح عتاب کے لئے بھی کلام فرماتے ہیں اس لئے اشکال نہیں ہونا چاہیئے اور بعض حضرات نے اسی اشکال کی وجہ سے کلام کو فرشتوں کے واسطے سے کلام پر محمول کیا ہے۔

ان لا تسجد چونکہ دوسری آیت میں لا نہیں ہے اس لئے دونوں میں یکسانیت کرنے کے لئے مفسرؒ علام لا کو زائد مان رہے ہیں۔ لیکن بعض کے نزدیک لا زائد نہیں ہے۔

الی یوم الدین چونکہ قیامت سب سے زیادہ بعید مدت ہوتی ہے۔ اس لئے محاورہ میں اس کے معنی ابید اور ہمیشگی کے لئے جاتے ہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قیامت کے بعد اس پر لعنت ختم ہوجائے گی اور دوسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس کے معنی غایت ہی کے لئے جائیں۔ یعنی قیامت تک اس پر لعنت ہوتی رہے گی لیکن اس کے بعد قسم قسم کے دوسرے عذابات شروع ہوجائیں گے اس لئے لعنت کی ضرورت نہیں رہے گی۔

الی یوم یبعثون اس سے شیطان کی غرض ہمیشہ کے لئے موت سے بچنا ہوگی کیونکہ مرنا قیامت سے پہلے ہی ہوسکتا ہے قیامت کے بعد کون مرے گا لیکن جواب میں الی یوم الوقت المعلوم فرما کر بتلادیا کہ تیری درخواست نامنظور نہیں ہے۔ ناتمام منظور ہے۔ وقت معلوم یعنی پہلے نفخہ تک تجھے مہلت ہے۔ لیکن اس کے بعد موت آئے گی اور پھر دوسرے نفخہ پر سب کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ ان دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا اور بعض کی رائے ہے کہ ''وقت معلوم'' سے مراد قیامت کے قریب آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا ہے اور وہب کی رائے ہے کہ جنگ بدر مراد ہے۔ جبکہ شیطان کو فرشتوں نے مار ڈالا تھا۔

سبعة ابواب حضرت علیؓ نے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھ کر بتلایا کہ اس طرح اوپر نیچے جہنم کے دروازے ہوں گے۔ ابن جریحؒ فرماتے ہیں کہ جہنم کے سات طبقوں کے نام اور ترتیب یہ ہے۔ (۱) جہنم (۲) لظی (۳) حطمہ (۴) سعیر (۵) سقر (۶) جحیم (۷) ہاویہ۔ اور ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ پہلے درجہ میں گنہگار موحدین رہیں گے، دوسرے میں یہود، تیسرے میں نصاریٰ، چوتھے میں صابی، پانچویں میں مجوسی، چھٹے میں مشرکین، اور ساتویں میں منافقین رہیں گے۔ اور خطیبؒ کے نزدیک دوسرے نصاریٰ ہو تیسرے درجہ میں یہود ہوں گے۔

ان المتقین اگر بالفعل تقویٰ مراد لیا جائے تو شرک وکفر سے بچنا کافی ہوگا اور اگر بالقوۃ تقویٰ مراد ہو تو پھر تقویٰ کے مختلف مراتب ہوں گے۔

وان عذابی اس سے معلوم ہوا کہ ایمان امید وبیم کے درمیان میں ہونا چاہیئے۔ دونوں ہی پہلوؤں پر نظر رہنی چاہیئے۔ عن ضیف اس لفظ میں قلیل وکثیر کی گنجائش ہے اور عکرمہؒ کی رائے ہے کہ چار فرشتے آئے تھے۔ جبریلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ، عزرائیلؑ۔

ربط آیات: .... برہان ربوبیت والوہیت کے بعد آیت ولقد خلقنا الانسان الخ سے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر کیا جارہا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کا خالق ہونا اور توحید کی تعلیم اور اس کے ظاہری اور باطنی انعام کا تذکرہ اور شیطان کی نافرمانی اور بدانجامی کے ساتھ منکرین کا فعال و وبال بھی آجاتا ہے۔ اس کے بعد آیت ان المتقین الخ میں اہل طاعت کے لئے جنت کا ذکر

اور ''نبئ عبادی'' سے اس وعدہ اور وعید کی تاکید مقصود ہے اور بطور استشہاد کے حضرت ابراہیم ولوط علیہما السلام کے واقعات کا ذکر ہے۔ جن میں انعام وانتقام دونوں پہلو ہیں۔

شان نزول: .... ایک روز آنحضرت ﷺ مسجد حرام میں باب بنی شیبہ سے داخل ہوئے تو صحابہؓ کو ہنستے ہوئے دیکھا۔ تو آپؐ نے عتاب آمیز لہجہ میں فرمایا۔ مالی اراکم تضحکون کیا بات ہے تم کیوں ہنستے ہو؟ اس پر صحابہؓ پریشان ہو گئے۔ یہ فرما کر آپؐ دولت خانہ میں تشریف لے گئے لیکن فوراً ہی واپس ہوئے اور فرمایا کہ جبریلؑ پیغام لائے ہیں کہ میرے بندوں کو تم نے کیوں ناامید کر دیا ہے۔ اور نبئ عبادی الخ آیت نازل ہوئی ہیں۔

﴿تشریح﴾: .... **انسان وشیطان کی پیدائش میں حکمت الٰہی:** .... آیت **ولقد خلقنا الانسان الخ** سے یہ حقیقت واضح کی جارہی ہے کہ ایک حقیر ترین چیز سے جو ہمیشہ تمہارے قدموں میں پامال رہتی ہے۔ اللہ نے تمہاری ہستی پیدا کی اور اسے اس درجہ بلند کیا کہ مسجود ملائکہ بن گئی اور دنیا کی تمام قوتیں اس کے اختیار وتصرف میں دے دی گئی ہیں۔ البتہ ایک قوت تمہارے آگے نہیں جھکی اور وہ ابلیس کی طاقت تھی تمہارے آگے نہیں جھکتی بلکہ تمہیں اپنے آگے جھکانا چاہتی ہے۔ پس جو انسان اس سے مغلوب ہو گیا اس نے راہ سعادت گم کر دی اور جو مغلوب نہیں ہوا۔ بلکہ اسے اپنے سے مغلوب رکھا وہ اللہ کا سچا بندہ ہوا۔ اس نے انسانیت کا وہ بلند ترین مقام پالیا جو حکمت الٰہی نے اسے عطا فرمایا ہے اور جو اللہ کے مخلص بندے ہیں ان پر ابلیس کا داؤ چلنے والا نہیں ،مغلوب وہی ہوتے ہیں جو راہ عبودیت سے بھٹک جاتے ہیں۔ آیت **والجان الخ** میں سب سے پہلے جن کی پیدائش کا ذکر ہے۔ چنانچہ جنات میں بھی پھر انسانوں کی طرح نسل کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ نیز جس طرح انسان کے مٹی سے پیدا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اجزاء ترکیبیہ میں غالب عنصر مٹی کا رکھا گیا ہے دوسرے عناصر کم رکھے گئے ہیں اسی طرح جنات کے اجزائے ترکیبی میں بھی آگ کا عنصر غالب رکھا گیا ہے آگ سے بنانے کا یہی مطلب ہوگا۔

دو شبہوں کا جواب: .... رہا یہ شبہ کہ جب اس میں دوسرے عناصر مل گئے تو پھر خالص آگ کہاں رہی؟ جواب یہ ہے کہ پہلے خالص آگ لی گئی ہوگی اور بعد میں دوسرے عناصر بھی شامل ہو گئے۔ اسی طرح یہ شبہ کہ جنات جب آگ سے پیدا ہوئے ہیں تو پھر جہنم کی آگ سے تو انہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی؟ جواب یہ ہے کہ عنصر کے ایک ہونے سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ ایک ہی عنصر کے بعض حصے کو دوسرے حصے سے تکلیف نہ پہنچے۔ آخر انسان کو اگر مٹی کا ڈھیلا مارا جائے تو اس سے تکلیف ہوتی ہی ہے۔

خصائص جنات: .... بہرحال جنات آگ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں بھی توالد وتناسل ہوتا ہے۔ وہ عادۃً نظر نہیں آتے مختلف شکلیں بدل سکتے ہیں۔ البتہ جن شکلوں کے قبول کرنے سے دین کا نقصان ہوتا ہے اللہ اس کی انہیں قدرت نہیں دیتا۔ ہاں! جن شکلوں سے دنیاوی نقصان ہوتا ہو ان پر انہیں تھوڑی بہت قدرت دے دی جاتی ہے۔ شیاطین بھی جنات ہی کی قسم میں سے ہیں۔ یعنی شریر جنات شیاطین کہلاتے ہیں۔ جمہور کے نزدیک، روح، جسم لطیف ہے۔ اس صورت میں نفخ کے حقیقی معنی لئے جائیں گے اور اگر روح کو غیر مادی جوہر مانا جائے تو مطلق تعلق اور وابستگی کو مجازاً بطور استعارہ کے نفخ سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ **ھذا صراطی مستقیماً** میں حق تعالیٰ نے شیطان کی تصدیق فرمادی۔ صرف جواب میں ترتیب بدل دی گئی جس کے نزدیک جو چیز زیادہ اہم تھی اسی کو پہلے بیان کر دیا۔ شیطان کے نزدیک گمراہی قابل تھی اور اللہ کے نزدیک ہدایت اہم تھی۔

جہنم کے سات دروازے: .... اور لها سبعة ابواب کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک جہنم کے سات طبقے مراد ہیں اور جن کے دروازے الگ الگ ہوں گے اور بعض کے نزدیک ایک ہی درجہ کے سات دروازے بیان کرنا ہے۔ اور مقصد یہ ہے کہ داخل ہونے والے اتنی کثرت سے ہوں گے کہ ایک دروازہ کافی نہیں ہوگا۔

پھر آیت **نبیء عبادی الخ** سے واضح کر دیا کہ اس بارے میں قانون الٰہی یہی ہے؟ فرمایا رحمت اور بخشش الٰہی ہے۔ لیکن جو اس سے فائدہ نہ اٹھائے تو اس کے لئے سخت ترین عذاب ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے پاس فرشتوں کا آنا چونکہ انسانی شکل میں تھا۔ اس لئے مہمانوں سے تعبیر فرمایا۔ دوسری آیت میں حضرت اسحاقؑ کے ساتھ حضرت یعقوبؑ کی بشارت بھی مذکور ہے۔ اور **قدرنا** میں فرشتوں نے مجازاً اپنی طرف نسبت کر دی ورنہ حقیقۃً یہ کام اللہ کا تھا۔ اس کے بعد تائید میں گذشتہ قوموں کے حالات وواقعات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ انکار وسرکشی کا نتیجہ کیسے دردناک عذابوں کی شکل میں ظاہر ہوا۔

اس سلسلہ میں تین قوموں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ جن کی آبادیوں پر سے عرب کے قافلے گزرتے رہتے تھے اور ان کی ہولناک ہلاکتوں کے مناظر ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہوتے تھے۔ یعنی قوم لوط جس کی بستیاں عرب وفلسطین کے درمیان شاہراہ عام پر واقع تھیں۔ حجاز سے فلسطین کی طرف جائیں یا مصر کی طرف۔ ان کے کھنڈرات ضرور پڑتے تھے اور اہل مدین کی بستی بحر قلزم کے کنارے پڑتی تھی اور شہر حجر میں بسنے والی قوم ثمود جس کا مقام بھی اسی شاہراہ حجاز وشام پر پڑتا تھا۔ یہ سورت اسی مقام کے نام سے وابستہ ہے۔

لطائف آیات: .... آیت **فاذا سویته و نفخت الخ** سے اللہ نے روح کی اضافت اظہار شرف کے لئے اپنی طرف کی ہے۔ یہ ایک مخفی سر الٰہی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے۔ **من عرف نفسه فقد عرف ربه** ۔ آیت **وان علیك اللعنة الخ** سے بعض نادانوں نے یہ سمجھا ہے کہ شیطان قیامت کے بعد ملعون نہیں رہے گا۔ حالانکہ اس سے مراد ابدی لعنت ہے۔ کیونکہ جب دار العمل میں رہ کر مقبول نہ ہوا تو دار الجزاء میں جا کر کیا مقبول ہوگا۔ آیت **نبیء عبادی الخ** میں طریق ارشاد کی تعلیم ہے کہ خوف ورجاء دونوں سے تربیت کرنی چاہئے۔ کیونکہ محض امید سے طبیعت میں تعطل پیدا ہو جائے گا اور صرف خوف سے مایوسی کا خطرہ ہے۔ آیت **فما خطبکم الخ** میں فرشتوں کے مجمع کو دیکھ کر کام کی اہمیت کا اندازہ کرنے سے معلوم ہوا کہ ہر کام میں مناسب انتظام کا بندوبست بہتر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اہل اللہ کی عادات طبعیہ میں بھی یہ بات داخل ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ اَیْ لُوْطًا نِ**الْمُرْسَلُوْنَ**﴿۶۱﴾ **قَالَ** لَهُمْ **اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ**﴿۶۲﴾ لَا اَعْرِفُكُمْ **قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا** اَیْ قَوْمُكَ **فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ**﴿۶۳﴾ يَشُكُّوْنَ وَهُوَ الْعَذَابُ **وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ**﴿۶۴﴾ فِیْ قَوْلِنَا **فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ** اِمْشِ خَلْفَهُمْ **وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ** لِئَلَّا یَرٰی عَظِیْمَ مَا یَنْزِلُ بِهِمْ **وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ**﴿۶۵﴾ وَهُوَ الشَّامُ **وَقَضَيْنَآ** اَوْحَيْنَا **اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ** وَهُوَ **اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ**﴿۶۶﴾ حَالٌ اَیْ یُتَمُّ اِسْتِیْصَالُهُمْ فِی الصَّبَاحِ **وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ** مَدِیْنَةُ سَدُوْمَ وَهُمْ قَوْمُ لُوْطٍ لَمَّا اُخْبِرُوْا اَنَّ فِیْ بَیْتِ لُوْطٍ مُرْدًا حِسَانًا وَهُمُ الْمَلَائِكَةُ **يَسْتَبْشِرُوْنَ**﴿۶۷﴾ حَالٌ طَمَعًا فِیْ فِعْلِ الْفَاحِشَةِ بِهِمْ **قَالَ** لُوْطٌ **اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِیْ فَلَا**

تَفْضَحُوْنِ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ﴿۶۹﴾ بِقَصْدِكُمْ اِيَّاهُمْ بِفِعْلِ الْفَاحِشَةِ بِهِمْ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴿۷۰﴾ عَنْ اِضَافَتِهِمْ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ﴿۷۱﴾ مَا تُرِيْدُوْنَ مِنْ قَضَآءِ الشَّهْوَةِ فَتَزَوَّجُوْهُنَّ قَالَ تَعَالٰى لَعَمْرُكَ خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْ وَحَيَاتِكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴿۷۲﴾ يَتَرَدَّدُوْنَ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ صَيْحَةُ جِبْرَئِيْلَ مُشْرِقِيْنَ﴿۷۳﴾ وَقْتَ شُرُوْقِ الشَّمْسِ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا اَيْ قُرَاهُمْ سَافِلَهَا بِاَنْ رَفَعَهَا جِبْرِيْلُ اِلَى السَّمَآءِ وَاَسْقَطَهَا مَقْلُوْبَةً اِلَى الْاَرْضِ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ﴿۷۴﴾ طِيْنٍ طُبِخَ بِالنَّارِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ لَاٰيٰتٍ دَلَالَاتٍ عَلٰى وُحْدَانِيَّتِهٖ تَعَالٰى لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ﴿۷۵﴾ لِلنَّاظِرِيْنَ الْمُعْتَبِرِيْنَ وَاِنَّهَا اَيْ قُرٰى قَوْمِ لُوْطٍ لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ﴿۷۶﴾ طَرِيْقِ قُرَيْشٍ اِلَى الشَّامِ لَمْ يَنْدَرِسْ اَفَلَا يَعْتَبِرُوْنَ بِهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَعِبْرَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴿۷۷﴾ وَاِنْ مُخَفَّفَةٌ اَيْ اِنَّهٗ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ هِيَ غَيْضَةُ شَجَرٍ بِقُرْبِ مَدْيَنَ وَهُمْ قَوْمُ شُعَيْبٍ لَظٰلِمِيْنَ﴿۷۸﴾ بِتَكْذِيْبِهِمْ شُعَيْبًا فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ بِاَنْ اَهْلَكْنَا هُمْ بِشِدَّةِ الْحَرِّ وَاِنَّهُمَا اَيْ قُرٰى قَوْمِ لُوْطٍ وَالْاَيْكَةُ لَبِاِمَامٍ طَرِيْقٍ مُّبِيْنٍ﴿۷۹﴾ وَاضِحٍ اَفَلَا يَعْتَبِرُبِهِمْ اَهْلُ مَكَّةَ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ وَادٍ بَيْنَ الْمَدِيْنَةِ وَالشَّامِ وَهُمْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ﴿۸۰﴾ بِتَكْذِيْبِهِمْ صَالِحًا لِاَنَّهٗ تَكْذِيْبٌ لِبَاقِي الرُّسُلِ لِاشْتِرَاكِهِمْ فِي الْمَجِيْءِ بِالتَّوْحِيْدِ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فِي النَّاقَةِ فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ﴿۸۱﴾ لَايَتَفَكَّرُوْنَ فِيْهَا وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ﴿۸۳﴾ وَقْتَ الصَّبَاحِ فَمَآ اَغْنٰى دَفَعَ عَنْهُمُ الْعَذَابَ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴿۸۴﴾ مِنْ بِنَاءِ الْحُصُوْنِ وَجَمْعِ الْاَمْوَالِ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَامُحَالَةَ فَيُجَازٰى كُلُّ اَحَدٍ بِعَمَلِهٖ فَاصْفَحِ يَا مُحَمَّدُ عَنْ قَوْمِكَ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ﴿۸۵﴾ اَعْرِضْ عَنْهُمْ اِعْرَاضًا لَاجَزْعَ فِيْهِ وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ السَّيْفِ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ لِكُلِّ شَيْءٍ الْعَلِيْمُ﴿۸۶﴾ بِكُلِّ شَيْءٍ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ الْفَاتِحَةُ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ لِاَنَّهَا تُثَنّٰى فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا اَصْنَافًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ اِنْ لَمْ يُؤْمِنُوْا وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ اَلِنْ جَانِبَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴿۸۸﴾ وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْكُمُ الْمُبِيْنُ﴿۸۹﴾ اَلْبَيِّنُ الْاِنْذَارُ كَمَآ اَنْزَلْنَا الْعَذَابَ عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ﴿۹۰﴾ اَلْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ اَيْ كُتُبَهُمُ الْمُنَزَّلَةَ عَلَيْهِمْ عِضِيْنَ﴿۹۱﴾ اَجْزَاءً حَيْثُ اٰمَنُوْا بِبَعْضٍ وَكَفَرُوْا بِبَعْضٍ وَقِيْلَ الْمُرَادُ بِهِمُ الَّذِيْنَ اقْتَسَمُوْا طُرُقَ مَكَّةَ يَصُدُّوْنَ النَّاسَ عَنِ الْاِسْلَامِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ فِي الْقُرْاٰنِ سِحْرٌ وَّبَعْضُهُمْ كَهَانَةٌ وَّبَعْضُهُمْ شِعْرٌ فَوَرَبِّكَ

لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴿۹۲﴾ سَوَالُ تَوْبِيْخٍ **عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۹۳﴾ فَاصْدَعْ** يَامُحَمَّدُ **بِمَا تُؤْمَرُ** اَىْ اِجْهَرْ بِهٖ وَامْضِهٖ **وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴿۹۴﴾** هٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْجِهَادِ **اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ﴿۹۵﴾** بِكَ بِاَنْ اَهْلَكْنَا كُلًّا مِنْهُمْ بِاٰفَةٍ وَهُمُ الْوَلِيْدُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ وَ الْعَاصُ بْنُ وَائِلٍ وَعَدِيُّ بْنُ قَيْسٍ وَالْاَسْوَدُ بْنُ الْمُطَّلِبِ وَالْاَسْوَدُ بْنُ عَبْدِ يَغُوْثَ **الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ** صِفَةٌ وَقِيْلَ مُبْتَدَأٌ وَلِتَضَمُّنِهٖ مَعْنَى الشَّرْطِ دَخَلَتِ الْفَاءُ فِىْ خَبَرِهٖ وَهُوَ **فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴿۹۶﴾** عَاقِبَةَ اَمْرِهِمْ **وَلَقَدْ** لِلتَّحْقِيْقِ **نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ﴿۹۷﴾** مِنَ الْاِسْتِهْزَاءِ وَالتَّكْذِيْبِ **فَسَبِّحْ** مُتَلَبِّسًا **بِحَمْدِ رَبِّكَ** اَىْ قُلْ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ **وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ﴿۹۸﴾** الْمُصَلِّيْنَ **وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴿۹۹﴾** اَلْمَوْتُ

ترجمہ:........ پھر جب وہ فرشتے خاندان لوط کے پاس پہنچے تو لوط نے کہا "تم تو اجنبی آدمی معلوم ہوتے ہو" (میں تم سے واقف نہیں ہوں) انہوں نے کہا، نہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ ہم تمہارے پاس وہ بات لے کر آئے ہیں جس میں (تمہاری قوم) لوگ (شک وشبہ) کررہے ہیں (یعنی عذاب) اور ہم تمہارے پاس یقینی ہونے والی چیز لے کر آئے ہیں اور بالکل سچے ہیں (اپنی بات میں) سو آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر کے لوگوں کو لے کر نکل جائیے اور آپ سب کے پیچھے ہو لیجئے (دوسرے لوگوں کے پیچھے پیچھے چلئے) اور اس بات کا خیال رکھنا کہ تم میں سے کوئی پیچھا پھیر کر نہ دیکھے (کہ کہیں اسے وہ ہولناک عذاب نظر نہ آجائے جو لوگوں پر اتر رہا ہوگا) اور جہاں جانے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے (ملک شام میں) اسی طرف رخ کر کے چلے جانا۔ غرضیکہ ہم نے لوط پر حقیقت حال واضح کردی (وحی سے بتلادیا) کہ صبح ہوتے ہوتے ان لوگوں کی بالکل جڑ کٹ جاوے گی (یہ حال ہے یعنی صبح ہوتے ہوتے ان کی بیخ بنیاد ہی اکھڑ جانے والی ہے) اور شہر کے لوگ (یعنی شہر سدوم کے رہنے والے قوم لوط کے لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت لوطؑ کے گھر نو عمر خوبصورت لڑکے مہمان آئے ہوئے ہیں، حالانکہ وہ فرشتے تھے) خوب خوشیاں مناتے ہوئے آپہنچے (یہ ہی حال ہے یعنی مہمانوں کے ساتھ بدفعلی کے لالچ میں) لوط نے فرمایا "دیکھو یہ میرے مہمان ہیں، سو مجھے فضیحت مت کرو، اللہ سے ڈرو، تم میری رسوائی کے درپے کیوں ہو گئے ہو (ان کے ساتھ بدفعلی کر کے) انہوں نے کہا "کیا ہم نے تمہیں روک نہیں دیا تھا کہ کسی قوم کا آدمی ہو، لیکن اپنے یہاں مت ٹھہرانا (مہمان مت بنانا) لوطؑ نے فرمایا "دیکھو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں، اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے (تمہیں اگر نفس کی خواہش پوری کرنی ہے تو اپنی عورتوں سے شادی کرلو، حق تعالیٰ فرماتے ہیں) تمہاری جان کی قسم (یہ آنحضرت ﷺ سے خطاب ہے یعنی آپ کی زندگی کی قسم) یہ لوگ تو اپنی مستی میں کھوئے گئے ہیں (مدہوش ہیں) غرضیکہ سورج نکلتے نکلتے (جبریل کی) ایک ہولناک آواز نے انہیں آلیا۔ پس ہم نے ان بستیوں کو زیروزبر کر ڈالا (جبریل نے ان بستیوں کو آسمان کے قریب لے جا کر الٹ کر پٹک دیا) اور کنکریوں کی ان پر بارش کردی (جو آگ میں پکے ہوئے تھے) بلاشبہ اس (واقعہ) میں بڑی ہی نشانیاں ہیں (اللہ کی یکتائی کی دلیلیں ہیں) اہل بصیرت (عبرت کی نگاہ سے دیکھنے والوں) کے لئے، اور یہ (قوم لوط کی) بستیاں ایک آباد سڑک پر ملتی ہیں (جس پر قریش کے لوگ سفر شام کرتے ہیں اس کے نشانات مٹے نہیں ہیں۔ کیا تم ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے) بلاشبہ ان باتوں میں اہل ایمان کے لئے بڑی ہی عبرت ہے اور (ان مخفف ہے یعنی انه تھا) بن میں رہنے والے لوگ بھی (مدین کے نزدیک ایک گھنی جھاڑی تھی، جس میں قوم شعیب کے لوگ رہتے تھے) بڑے ہی ظالم تھے (کہ حضرت شعیب کو جھٹلا بیٹھے) سو ہم نے ان سے بدلہ لیا (سخت گرمی میں

انہیں مارڈالا) اور یہ دونوں بستیاں (قوم) لوط اور بن والوں کے شہر) عام سڑک پر صاف دکھائی دیتی ہیں (پھر کیا مکہ والے ان سے بھی سبق حاصل نہیں کرتے) اور حجر کے لوگوں نے بھی جھٹلا دی تھی (یہ ایک وادی ہے مدینہ اور شام کے بیچ میں اور یہ قوم ثمود تھی) پیغمبروں کی بات (حضرت صالحؑ کو جھٹلایا اور چونکہ سب پیغمبر توحید کی دعوت دیتے ہیں، اس لئے ان کا جھٹلانا، سب پیغمبروں کا جھٹلانا ہوا، ہم نے انہیں (اونٹنی کے سلسلہ میں) اپنی نشانیاں دکھلائیں، مگر وہ روگردانی ہی کرتے رہے (ان نشانیوں میں ذرا بھی غور نہیں کیا) وہ پہاڑ تراش کے گھر بناتے تھے کہ محفوظ رہیں۔ لیکن ایک دن صبح کو اٹھے تو ہولناک آواز نے آ پکڑا، سوان کے ہنر (قلعوں کا بنانا اور مالی دولت جمع کرنا ان کے کچھ بھی کام نہ آئے (عذاب الٰہی روکنے میں) ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، بغیر کسی مصلحت کے پیدا نہیں کیا اور قیامت ضرور آنے والی ہے (چنانچہ ہر انسان اپنی کرنی کو بھرے گا) پس آپ (اے محمدؐ! اپنی قوم کے بارے میں) حسن وخوبی سے درگزر کیجئے (اس طرح نظر انداز کردیجئے کہ دل میں نام کو شکایت نہ رہے، یہ حکم جہاد کے حکم سے منسوخ ہو چکا ہے) تمہارا پروردگار ہی ہے (جو سب کا) پیدا کرنے والا (سب کچھ) جاننے والا ہے اور بلاشبہ ہم نے آپ کو دہرائی جانے والی آیتوں میں سے سات آیتوں کی سورت عطا کی ہے (آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ سورۂ فاتحہ مراد ہے، کیونکہ ہر رکعت میں یہ سورت دہرائی جاتی ہے (بخاری، مسلم) اور قرآن عظیم عنایت فرمایا۔ یہ جو ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو بہرہ مند کردیا ہے تو آپ اپنی آنکھ سے اٹھا کر بھی اس کی طرف نہ دیکھئے (اور اگر یہ ایمان نہ لائیں تو) ان پر بیکار غم نہ کیجئے اور مومنوں کے لئے اپنے بازو پھیلا دیجئے ان پر اپنی شفقت رکھئے اور اعلان کردیجئے کہ میں (عذاب الٰہی سے) کھلم کھلا خبردار کرنے والا ہوں (صاف صاف آگاہ کرنے والا ہوں) جیسا ہم نے (یہ عذاب) ان لوگوں پر نازل کیا ہے جنہوں نے حصے بخرے کر رکھے تھے (یعنی یہود ونصاریٰ) اپنی آسمانی کتاب کے (جو قرآن ان پر اترے ہیں انہیں) پارہ پارہ کردیا تھا (اس طرح ٹکڑے کردیئے تھے کہ کتاب کے بعض حصے کو مانتے تھے اور بعض کو نہیں مانتے تھے اور بعض حضرات کے نزدیک اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے مکہ کے راستوں کو بھانٹ رکھا تھا۔ تاکہ لوگوں کو اسلام لانے سے روک سکیں۔ ان میں سے بعض تو قرآن کو جادو کہتے تھے اور بعض کہانت قرار دیتے تھے اور بعض شعر مانتے تھے) آپ کا پروردگار شاہد ہے کہ ان سب کاموں کی ضرور ان سے ہم باز پرس کریں گے (ڈانٹ ڈپٹ کر) غرضیکہ جو کچھ آپ کو (اے محمدؐ!) حکم دیا گیا ہے اسے صاف صاف سنا دیجئے (آشکارا کرکے بیان کردیجئے) اور ان مشرکوں کی کچھ پرواہ نہ کیجئے (یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) ان ہنسی اڑانے والوں کے لئے ہم تمہاری طرف سے کافی ہیں (انہیں ہم کسی نہ کسی آفت میں پھنسا کر رہیں گے۔ یہ ہنسی کرنے والے ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، عدی بن قیس، اسود بن مطلب، اسود بن عبد یغوث تھے) جو اللہ کے ساتھ دوسری ہستیوں کو بھی معبود بناتے ہیں (یہ جملہ صفت ہے اور بعض کے نزدیک مبتداء ہے اور چونکہ اس میں شرط کے معنی رکھے ہوئے ہیں۔ اس لئے اس کی خبر پر فا آگئی جو آگے ہے) سو ابھی ان کو معلوم ہوا جاتا ہے (اپنا انجام) اور واقعی (قد تحقیق کے لئے ہے) ہمیں معلوم ہے کہ ان کی ہنسی اور جھٹلانے کی باتوں سے) آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔ سو آپ اپنے پروردگار کی ستائش وتعریف کا ورد رکھئے (یعنی سبحان اللّٰہ وبحمدہ پڑھا کیجئے) اور اس کے حضور سجدہ میں گرے رہئے (نماز پڑھتے رہئے) اور مرتے دم تک اپنے پروردگار کی بندگی میں لگے رہئے۔

تحقیق وترکیب: .... ال لوط چونکہ دوسری آیت ولقد جاءت رسلنا لوط الخ آیا ہے۔ اس لئے مفسر علامؒ نے اشارہ کردیا کہ یہاں لفظ ال زائد ہے۔ حضرت لوطؑ کی بستی حضرت ابراہیمؑ کی بستی سے چار فرسخ کے فاصلہ پر تھی۔

منکرون اگر اسی شہر کے باشندے ہوتے تو حضرت لوطؑ ضرور پہچان لیتے اور باہر سے آئے ہوتے تو کچھ سفر کے آثار ان پر معلوم ہوتے۔ لیکن دونوں باتیں نہیں تھیں اس لئے تعارف چاہا۔

قضینا جلال محققؒ نے اشارہ کردیا کہ قضی، اوحیٰ کے معنی کو متضمن ہے۔ اسی لئے الی کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے۔

مصبحین یہ ھؤلاء سے حال ہے اور مضاف جب کہ مضاف الیہ کا جز ہو اور معنی اضافت اس میں عامل ہوں۔ تو مضاف الیہ

سے بھی حال ہوسکتا ہے اور مقطوع کی ضمیر سے بھی حال ہوسکتا ہے اور حال کو جمع لانا بلحاظ معنی ہوگا۔ای ھؤ لاء جاء اس سے معلوم ہوا کہ واؤ مطلق جمع کے لئے آتا ہے۔اس میں ترتیب نہیں ہوتی۔ چنانچہ قوم لوط کا آنا پہلے ہوا اور فرشتوں کا خود کو فرشتے ظاہر کرنا بعد میں ہوا۔

بناتی جلال محققؒ نے اس سے حضرت لوطؑ کی صاحبزادیاں مراد لی ہیں اور اس وقت مسلمان عورت کا نکاح کافر سے جائز ہوگا۔لیکن بہتر یہ ہے کہ حضرت لوطؑ کی امت کی عورتیں مراد لی جائیں۔

لعمرک ابوھریرہؓ کی روایت ہے کہ اللہ نے آنحضرتؐ کے علاوہ کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی۔لفظ عمر فتح اور ضمہ دونوں طرح آتا ہے۔لیکن قسم چونکہ کثیر الاستعمال ہے۔اس لئے فتح خفیف ہونے کی وجہ سے مناسب رہتا ہے۔لفظ لعمرک مبتداء محذوف الخبر ہے۔اس کے بعد جواب قسم آتا ہے۔

فجعلنا عالیھا یہ چار بستیاں ہیں جن میں چار ہزار کی آبادی تھی۔

فانتقمنا سات روز سخت گرمی رہی۔اس کے بعد ایک ابر اٹھا جس کے نیچے سب لوگ گرمی سے پریشان ہوکر اکٹھے ہوگئے اور لوگوں پر آگ برسی۔حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب اس مقام حجر پر گزرے تو فرمایا لا تدخلوا مساکن الذین ظلموا انفسھم الا ان تکونوا باکین ان یصیبکم مثل ما اصابھم۔

سبعا من المثانی سورۂ فاتحہ میں چونکہ سات آیتیں ہیں۔اس لئے سبع کہا گیا ہے۔البتہ اس میں اختلاف ہے کہ سات آیات کون سی ہیں؟ حنفیہؒ کے نزدیک الحمد للّٰہ سے پہلی آیت شروع ہوتی ہے۔اور اھدنا الصراط الخ سے آخر تک دو آیتیں ہیں۔لیکن شوافعؒ کے نزدیک بسم اللّٰہ پہلی آیت ہے اور اھدنا الخ سے آخر سورت تک پوری ایک آیت ہے۔اس طرح دونوں کے نزدیک مبدأ اور منتھی میں فرق رہا اور مثانی مثنیٰ کی جمع ہے۔مکہ اور مدینہ میں دو دفعہ نازل ہونے کی وجہ سے اس سورت کو مثانی کہا گیا ہے۔یا نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جانے کی وجہ سے اسے مثانی کہا گیا ہے اور یا اس لئے کہ اس کے دو حصے ہیں۔نصف اول تو اللہ کی حمد وثنا ہے اور نصف آخر بندہ کی درخواست سے متعلق ہے۔

علی المقتسمین مفسر علامؒ نے اس میں دو اختلاف بیان کئے ہیں۔اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے مختلف راستوں پر پھٹ جاتے تھے۔جن کی تعداد ۱۶ تھی۔جن کا سرغنہ ولید تھا اور یا یہود ونصاریٰ ہیں۔اسی طرح القران میں بھی دو احتمال ہیں۔سابقہ آسمانی کتابیں ہوں کہ ان کے ماننے والے بھی من پسند باتوں کو قبول کرتے تھے اور باقی کو نظر انداز کردیتے تھے اور ان آسمانی کتابوں کو قرآن سے تعبیر کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ آپ کی تسلی مقصود ہے کہ جس طرح آپؐ کے قرآن کے ساتھ یہ معاملہ کررکھا ہے۔اپنے اپنے قرآنوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کرچکے ہیں۔ان کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔خواہ آپؐ کے لئے یہ بات نئی چیز ہو۔دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن سے مراد موجودہ قرآن کریم ہو کہ لوگ اس کے بارہ میں مختلف الرائے ہیں۔کوئی شعر وشاعری مانتا ہے کوئی سحر وکہانت مانتا ہے کوئی کچھ ہانکتا ہے کوئی کچھ۔غرض جتنے منہ اتنی ہی باتیں۔

نسئلھم مفسر علامؒ نے ''سوال توبیخ'' نکال کر ایک شبہ کے دفعیہ کی طرف اشارہ کردیا کہ بظاہر اس آیت میں دوسری آیت فیومئذ لا یسئل عن ذنبه انس ولا جان سے ایک تعارض معلوم ہورہا تھا۔

وھم الولید یہ پانچوں بری طرح سے ہلاک ہوئے۔چنانچہ ولید بن مغیرہ کے دامن میں تیر الجھ کر کسی رگ میں پیوست ہوگیا۔جس سے اس کی موت واقع ہوگئی اور عاص بن وائل کے پاؤں میں ایسا کانٹا چبھا کہ پلوں دوڑ گیا جس سے مرگیا اور اسود بن عبد المطلب اندھا ہوکر مرا اور عدی بن قیس کی ناک میں کیڑے پڑے اور اسود بن یغوث درختوں میں سر دے کر مرگیا اور ابن عباسؓ کی رائے ہے کہ ایسے افراد آٹھ تھے۔عقبہ بن ابی معیط بدر میں مرا اور ابولہب کے گلٹی نکلی جس سے مرا، اور حکم بن ابی العاص فتح مکہ کے بعد ایمان لے آیا تھا۔

الیقین موت چونکہ متیقن ہے۔اس لئے بقول ابوحیانؒ یقین موت کا نام ہے۔رہی یہ بات کہ اس قید کے لگانے کا کیا

فائدہ، کیونکہ سب جانتے ہیں کہ موت کے بعد عبادت نہیں ہوسکتی؟ جواب یہ ہے کہ مقصد مرتے دم تک ساری زندگی عبادت میں لگے رہنا ہے۔

ربط آیات: .... آیت **فلما جاء ال لوط الخ** سے قوم لوط اور اصحاب مدین اور اصحاب حجر کے واقعات عذاب بیان کئے جارہے ہیں اور آیت **وماخلقنا الاموات الخ** سے آنحضرت کی تسلی کا مضمون ذکر کیا جارہا ہے۔

شان نزول: .... ایک روز ابوجہل کے ساتھ تجارتی قافلے شام سے مکہ میں آئے یا بصری وغیرہ سے یہود بنی قریظہ اور بنونضیر کے لئے آئے۔ سونا، خوشبو اور جواہرات وغیرہ تھے۔ جنہیں دیکھ کر آنحضرتؐ یا مفلوک الحال مسلمانوں کو خیال ہوا کہ اگر یہ سامان ہمارے پاس ہوتا تو ہم اسے اللہ کی فرمانبرداری میں خرچ کرتے اور صدقہ خیرات کرتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: .... **قوم لوط پر عذاب کا وقت:** .... قوم لوط پر عذاب کے وقت کے سلسلہ میں دو لفظ استعمال کئے گئے ہیں **مصبحین** اور **مشرقین** پس ممکن ہے کہ عذاب صبح سے شروع ہوا ہو اور اشراق تک رہا ہو۔ اس طرح دونوں لفظ جمع ہوسکتے ہیں۔ دوسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ صبح کا مفہوم عام لے لیا جائے۔ جس میں اشراق کا وقت بھی آجاتا ہے۔ البتہ ایک آیت میں **بکرۃ** کا لفظ بھی آیا ہے۔ جس کے معنی شروع دن کے آتے ہیں۔ پس اگر اس سے عرفی دن مراد لیا جائے تو بکرہ کا لفظ مشرقین کا مترادف ہوجائے گا اور شرعی دن مراد لیا جائے تو پھر لفظ بکرہ مصبحین کے قریب ہوجائے گا۔

خدا کی طرف سے قسموں کا استعمال: .... قرآن کریم میں جابجا جن چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں۔ ان سے مقصود ان چیزوں کا بے حد نافع ہونا اور قدرت الٰہی کا نمونہ ہونا ہوتا ہے۔ لیکن کسی چیز کی خدا کے برابر تعظیم کرنا چونکہ جائز نہیں ہے اور لوگوں کے قسم کھانے میں اس کا احتمال ہے کہ وہ ان چیزوں کی تعظیم حد سے زیادہ کرنے لگیں۔ اس لئے غیر اللہ کی قسم کھانا ناجائز قرار دے دیا۔ البتہ خود حق تعالیٰ میں اس کا احتمال نہیں کہ کسی مخلوق کو اپنے برابر یا اپنے سے بڑا سمجھیں اس لئے اللہ کے قسم کھانے پر کوئی اشکال نہیں ہوتا۔ دوسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ جن چیزوں کی قسمیں کھائی جاتی ہیں ان کی ذات پیش نظر نہیں ہوتی بلکہ ان کی صفت سامنے ہوتی ہے کہ وہ چیزیں قدرت الٰہی کا نمونہ ہیں۔ سو وہ صفت اور خوبی درحقیقت صفت الٰہی ہوئی اور صفات الٰہی کے قسم کھانے میں کوئی حرج نہیں، اس لئے حق تعالیٰ کا قسمیں کھانا محل اشکال نہیں البتہ عام لوگ اس لحاظ سے قسم نہیں کھاتے اس لئے انہیں ابہام سے بچانے کے لئے غیر اللہ کی قسموں کو ناجائز کہا گیا ہے۔

ایکہ اور مدین اور حجر پر عذاب الٰہی: .... ایکہ کے معنی بن کے ہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک شہر مدین کے آس پاس یہ بن تھا اس لئے اہل مدین کو اصحاب الایکہ بھی کہتے ہیں۔ لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ اصحاب الایکہ اور اہل مدین دو الگ الگ قوموں کے نام ہیں۔ یکے بعد دیگرے دونوں قوموں کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اور بقول جلال مفسر حجر ایک جگہ کا نام تھا شام وحجاز کے درمیان جہاں قوم ثمود آباد تھی۔ قوم لوط اور قوم ثمود کی یہ دونوں آبادیاں چونکہ سرراہ پڑتی تھیں اس لئے بطور تشبیہ فرمایا جارہا ہے کہ قوم لوطؑ کی طرح اہل ایکہ کی بستیاں بھی تمہارے راستہ میں پڑتی ہیں۔ اس صورت میں **انهما لبامام مبين** کہتے ہیں حقیقۃً تکرار نہ ہوا۔ رہا ظاہری تکرار سو اس میں بھی اس مکرر کی تاکید مقصود نہیں ہے بلکہ اس تشبیہ کی تاکید مقصود ہوئی۔

برائی سے درگزر کرنا: .... کسی بات سے درگزر کرنے کی صورت تو یہ ہوتی ہے کہ آدمی بے بس ہوتا ہے اس لئے مجبور ہو کر بدلہ نہیں لیتا، درگزر کر دیتا ہے لیکن دل نفرت وانتقام سے لبریز رہتا ہے۔ اسے صفح تو کہیں مگر "صفح جمیل" نہیں کہا جائے گا۔ "صفح جمیل" یہ ہے کہ مجبور ہو کر نہیں بلکہ خود اپنی مرضی اور خوشی سے درگزر کیا جائے اور نفرت وانتقام کا کوئی جذبہ دل میں نہ اٹھے اگر اٹھے تو غالب نہ آسکے، مغلوب ہو کر رہ جائے"۔ پس فرمایا جا رہا ہے کہ تمہیں مخالفوں کے ساتھ صفح جمیل کرنا چاہئے۔ لوگوں کی سرکشی وشرارت سے آزردہ خاطر ہونے کی بجائے حسن وخوبی کے ساتھ درگزر کرتے رہنا چاہئے۔ اللہ سب کا پیدا کرنے والا اور سب کی حالت جاننے والا ہے۔ اس لئے اس کے بندوں کا معاملہ اسی پر چھوڑ دینا چاہئے۔

حکم الٰہی کی برتری: .... آیت ولقد اتینٰک الخ سے آخر تک سورۃ کا خاتمہ ہے اور پوری سورۃ کے مواعظ وارشاد کا خلاصہ ہے۔ خطاب اگرچہ بظاہر پیغمبر اسلام سے ہے مگر فی الحقیقت مومنوں کی وہ ابتدائی جماعت مراد ہے جو مکہ میں ایمان لائی تھی اور مظلومی اور بے سروسامانی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ فرمایا کہ تم دیکھتے ہو کہ مخالفوں کے پاس ہر طرح کی دنیاوی آسائشیں اور دنیاوی طاقتیں ہیں۔ تمہارے پاس ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں، لیکن تم بھولتے ہو، تمہارے پاس بھی ایک چیز ہے۔ جس سے تمہارے مخالف یک قلم خالی ہاتھ ہیں اور وہ اللہ کا کلام ہے۔ ولقد اٰتینٰک سبعا من المثانی والقراٰن العظیم ۔اور اگر یہ نعمت تمہارے پاس ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم مخالفوں کی موجودہ خوش حالیوں کو حسرت اور رشک کی نظر سے دیکھو، یہی ایک نعمت تمہیں دین ودنیا کی تمام نعمتوں سے سرفراز کر دینے والی ہے۔

سورۂ فاتحہ قرآن کریم کا نچوڑ ہے: .... احادیث کی روشنی میں "سبعا من المثانی" سے مراد سورۂ فاتحہ ہے۔ یہاں خصوصیت سے سورۂ فاتحہ کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ وہ تمام قرآن کی تعلیم کا خلاصہ اور ایمان وعمل کی زندگی کا نچوڑ ہے۔ جس فرد اور جس جماعت کی زندگی ان سات آیتوں کی ورد اور مداومت میں بسر ہو رہی ہے ممکن نہیں کہ وہ دینی اور دنیاوی سعادتوں سے محروم رہے اور اس بار بار دہرائے جانے کا مطلب بھی یہی ہے کہ ایک مومن کی زندگی کے لئے دن رات اسی کا ورد ہے۔ وہ ہر روز نمازوں میں، نماز کی ہر رکعت میں اسے دہراتا رہتا ہے اور صبح آتی ہے تو اس کی صدائیں چھڑتی ہیں، شام ہوتی ہے تو اسی کی صدائیں اٹھتی ہیں، دوپہر میں بھی اس کا نغمہ یہی ہوتا ہے اور راتوں کا ترانہ بھی اس کے سوا کوئی نہیں۔

نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا طریقہ: .... احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سورۂ فاتحہ کو سات وقفوں کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ اور ہر آیت کا آخری لفظ کسی قدر کھینچ کر ختم کرتے تھے۔ ایسا نہیں کرتے تھے کہ دو تین سانسوں میں پوری سورت ختم کر دیتے۔ یعنی الحمد سے لے کر یوم الدین تک ایک سانس میں اور پھر آخر سورت ایک سانس میں جیسا کہ ناواقفیت سے آج کل قرأت کا یہ دستور نکال لیا ہے اور راوی نے صرف اتنی ہی تصریح پر قناعت نہیں کی۔ بلکہ الگ الگ آیتیں پڑھ کر بتلا ہی دیا کہ اس طرح وقف کر کے پڑھتے تھے اور فی الحقیقت سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کا صحیح اور قدرتی طریقہ یہی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ سورۂ فاتحہ ایک دعا ہے اور اس کی ہر ایک آیت سائل کی زبان سے نکلی ہوئی طلب والحاح کی ایک صدا کا حکم رکھتی ہے۔ جب ایک سائل کسی کے آگے کھڑا ہوتا ہے اور اس کی مدح وثنا کر کے صرف مطلب زبان پر لاتا ہے تو ایسا نہیں کرتا کہ ایک خطیب کی طرح مسلسل تقریر شروع کر دے اور ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ جائے۔ بلکہ طلب ونیاز کے لہجہ میں ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک بات کہے گا اور یہ حالت اسے مہلت نہ دے گی۔ کہ ایک مرتبہ سب کچھ کہہ جائے۔ مثلاً: کہے گا آپ فیاض ہیں، آپ کریم ہیں، آپ کی سخاوت کی دھوم ہے، اگر آپ سے نہ مانگوں تو کس سے مانگوں؟ اور ان میں سے ہر بول دوسرے بول سے ملا کر نہیں کہے گا۔ الگ الگ کر کے ٹھہر ٹھہر کے کہے گا۔

بلاشبہ ان میں سے ہر جملہ باعتبار مطلب کے ایک دوسرے سے ملا ہوا ہے۔ بات ایک ہی جملہ میں پوری نہیں ہو جاتی لیکن وقف واتصال کے لئے صرف اتنی ہی بات کافی نہیں ہے۔ کلام کی روش اور خطاب کا اداشناس جانتا ہے کہ زور کلام اور حسن خطاب کے لئے کہاں وقف کرنا چاہیئے کہاں نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ حقیقت اس وقت زیادہ واضح ہو جاتی ہے جب قرآن کے ان تمام مقامات پر نظر ڈالی جائے جہاں آنحضرت کا وقف کرنا آیات سے ثابت ہے، ان میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں متاخرین کے نزدیک وقف نہیں کرنا چاہیئے۔ لیکن آنحضرت کا وقف کرنا ثابت ہے اور اگر مقام کی نوعیت پر غور کرو گے تو واضح ہو جائے گا کہ طریق خطیبانہ کا اسلوب یہی چاہتا ہے کہ یہاں وقفہ ہو۔ بغیر اس کے زور کلام ابھرتا نہیں اور گو آیت میں بات پوری ہوئی نہیں ہے۔ لیکن موقعہ کا قدرتی اسلوب خطاب یہی ہے کہ وقفہ کیا جائے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب: .... ان آیات میں سزا وغیرہ کے بعض مضامین تسلی سے بظاہر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ آنحضرتؐ ان کا سزایاب ہونا چاہتے تھے۔ حالانکہ یہ بات آپؐ کی شفقت کے خلاف ہے؟ جواب یہ ہے کہ آپؐ کا ان کے لئے سزا چاہنا اپنے نفس کے لئے نہیں تھا کہ خلاف شفقت ہو بلکہ بغض فی اللہ کا اثر تھا کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ان کے کفر وشرک کی وجہ سے آپؐ ان کا سزایاب ہونا چاہتے تھے۔ اسی کے ساتھ آپؐ کی شفقت کا حال تو یہ تھا کہ اس کے باوجود ان کی ہدایت کے لئے برابر کوشاں اور جد وجہد کرتے رہے شفقت کے یہ معنی نہیں کہ کفر وشرک کرتے ہوئے آپؐ ان کی مغفرت کے خواہاں ہوتے۔

پریشانی کا علاج: .... تنگدلی کا علاج جو عبادت میں مشغول ہونا بتلایا گیا ہے۔ اس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ آپؐ تو ہمیشہ عبادت میں رہا کرتے تھے۔ پھر کیوں عبادت کا حکم دیا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ صرف عبادت کا حکم دینا نہیں ہے کہ وہ تو آپؐ پہلے سے کرتے تھے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ آپؐ ان سب باتوں سے کٹ کر صرف عبادت کے لئے وقف ہو جائیے اور اس طرح کی مشغولیت سے آپکی گھٹن کم یا زائل ہو جائے گی کیونکہ نفس اور طبیعت ایک آن میں دو طرف پوری توجہ نہیں کرسکتا۔ پچھلی کتابوں کو قرآن کہنے میں آنحضرتؐ کی تسلی مقصود ہے کہ پہلے قرآنوں کا بھی انکار ہو چکا ہے اور بعض نے کما انزلنا کو اٰتینٰک کے متعلق کہا ہے۔ یعنی پچھلے انبیاء کی طرح ہم نے آپ کو سبع مثانی اور قرآن دیا ہے۔ اس لئے وحی نازل ہونے کو بعید نہیں سمجھنا چاہیئے۔

لطائف آیات: .... آیت ولا یلتفت الخ سے معلوم ہوا کہ غضب الٰہی جن پر اترا ہو ان پر اور ان کے آثار پر تفریح کے طور پر نظر ڈالنی نہیں چاہیئے چنانچہ اس میں بدعت وکفر کے مجامع بھی داخل ہو گئے۔ آیت ان فی ذٰلک لاٰیٰت الخ سے مراد فراست مؤمن ہے۔ جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله ۔ پس اس میں عقلی اور کشفی وغیرہ سب قسم کے ادراک آ گئے۔ لیکن اس سے ان کا قطعی ہونا لازم نہیں آتا۔ بلکہ مقصود صرف یہ بتلانا ہے کہ کشفی وعقلی طریقے بھی فائدے سے خالی نہیں۔ شرعی حدود کی رعایت کرتے ہوئے ان سے بھی کام لینا چاہیئے۔ پس آیت سے عارفین کی فراست کا صحیح ہونا معلوم ہوا اور فراست ایسی چیز کا نام ہے جسے عام لوگ نہیں دیکھتے۔ آیت فاصفح الجمیل میں بعض اخلاق کی تعلیم ہیں۔ آیت لا تمدن الخ سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی طرف دیکھنا بھی غیرت الٰہی کے خلاف ہے۔ آیت فاصدع الخ سے معلوم ہوا کہ حق بات کو بہت صفائی سے کہہ دینا چاہیئے اور پیغام حق ادا کر کے پھر خلوت کی طرف رجوع کیجئے۔ اور شاہد حق کا مراقبہ کیجئے اور اس سے مشائخ نے خلوت کی حفاظت کو لیا ہے۔ آیت ولقد نعلم الخ سے معلوم ہوا کہ تنگ دلی اور غم کا علاج ذکر اور توجہ حق ہے۔ آیت واعبد ربك الخ سے ان لوگوں پر رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ سلوک میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے جس میں تکالیف شرعیہ ساقط ہو جاتی ہیں۔ اس قسم کا اعتقاد سراسر الحاد ہے۔

سُوْرَةُ النَّحْلِ

سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَاِنْ عَاقَبْتُمْ اِلٰى اٰخِرِهَا مِائَةٌ وَّثَمَانٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۂ نحل مکی ہے بجز آیت وان عاقبتم الخ کے اس میں کل ۱۲۸ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمَّا اسْتَبْطَأَ الْمُشْرِكُوْنَ الْعَذَابَ نَزَلَ **اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ** اَيِ السَّاعَةُ وَاَتٰى بِصِيْغَةِ الْمَاضِيْ لِلتَّحَقُّقِ وُقُوْعِهٖ اَيْ قَرُبَ **فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ** تَطْلُبُوْهُ قَبْلَ حِيْنِهٖ فَاِنَّهٗ وَاقِعٌ لَامُحَالَةَ **سُبْحٰنَهٗ** تَنْزِيْهًا لَهٗ **وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱﴾** بِهٖ غَيْرَهٗ **يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ** اَيْ جِبْرَئِيْلَ **بِالرُّوْحِ** بِالْوَحْيِ **مِنْ اَمْرِهٖ** بِاِرَادَتِهٖ **عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ** وَهُمُ الْاَنْبِيَاءُ **اَنْ** مُفَسِّرَةٌ **اَنْذِرُوْٓا** خَوِّفُوا الْكَافِرِيْنَ بِالْعَذَابِ وَاَعْلِمُوْهُمْ **اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ﴿۲﴾** خَافُوْنِ **خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ** اَيْ مُحِقًّا **تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳﴾** بِهٖ مِنَ الْاَصْنَامِ **خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ** مَنِيٍّ اِلٰى اَنْ صَيَّرَهٗ قَوِيًّا شَدِيْدًا **فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ** شَدِيْدُ الْخُصُوْمَةِ **مُّبِيْنٌ ﴿۴﴾** بَيِّنُهَا فِيْ نَفْيِ الْبَعْثِ قَائِلًا مَنْ يُّحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ **وَالْاَنْعَامَ** الْاِبِلَ وَالْبَقَرَ وَالْغَنَمَ وَنَصْبُهٗ بِفِعْلٍ يُفَسِّرُهٗ **خَلَقَهَا لَكُمْ** فِيْ جُمْلَةِ النَّاسِ **فِيْهَا دِفْءٌ** مَا تَسْتَدْفِئُوْنَ بِهٖ مِنَ الْاَكْسِيَةِ وَالْاَرْدِيَةِ مِنْ اَشْعَارِهَا وَاَصْوَافِهَا **وَّمَنَافِعُ** مِنَ النَّسْلِ وَالدُّرِّ وَالرُّكُوْبِ **وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۵﴾** قَدَّمَ الظَّرْفَ لِلْفَاصِلَةِ **وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ** زِيْنَةٌ **حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ** تَرُدُّوْنَهَا اِلٰى مَرَاحِهَا بِالْعَشِيِّ **وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ﴿۶﴾** تُخْرِجُوْنَهَا اِلَى الْمَرْعٰى بِالْغَدَاةِ **وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ** اَحْمَالَكُمْ **اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ** وَاصِلِيْنَ اِلَيْهِ عَلٰى غَيْرِ الْاِبِلِ **اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ** بِجَهْدِهَا **اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷﴾** بِكُمْ حَيْثُ خَلَقَهَا لَكُمْ وَّ خَلَقَ **الْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً** مَفْعُوْلٌ لَهٗ وَالتَّعْلِيْلُ بِهِمَا لِتَعْرِيْفِ النِّعَمِ لَايُنَافِيْ خَلْقَهَا لِغَيْرِ ذٰلِكَ كَالْاَكْلِ فِي الْخَيْلِ الثَّابِتِ بِحَدِيْثِ الصَّحِيْحَيْنِ **وَيَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾** مِنَ الْاَشْيَاءِ الْعَجِيْبَةِ الْغَرِيْبَةِ **وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ**

اَیْ بَیَانُ الطَّرِیْقِ الْمُسْتَقِیْمِ **وَمِنْهَا** اَیِ السَّبِیْلِ **جَآئِرٌ** حَائِدٌ عَنِ الْاِسْتَقَامَةِ **وَلَوْشَآءَ** هِدَایَتَكُمْ **لَهَدٰكُمْ** اِلٰی قَصْدِ السَّبِیْلِ **اَجْمَعِیْنَ﴿۹﴾** فَتَهْتَدُوْنَ اِلَیْهِ بِاخْتِیَارٍ مِّنْكُمْ **هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ** تَشْرَبُوْنَهٗ **وَّمِنْهُ شَجَرٌ** یَنْبُتُ بِسَبَبِهٖ **فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ﴿۱۰﴾** تَرْعَوْنَ دَوَآبَّكُمْ **یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرِ **لَاٰیَةً** دَالَّةً عَلٰی وُحْدَانِیَّتِهٖ تَعَالٰی **لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴿۱۱﴾** فِیْ صُنْعِهٖ فَیُؤْمِنُوْنَ **وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ** بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلٰی مَا قَبْلَهٗ وَالرَّفْعِ مُبْتَدأً **وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ** بِالْوَجْهَیْنِ **مُسَخَّرٰتٌ** بِالنَّصْبِ حَالٌ وَالرَّفْعِ خَبَرٌ **بِاَمْرِهٖ** بِاِرَادَتِهٖ **اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴿۱۲﴾** یَتَدَبَّرُوْنَ **وَ**سَخَّرَ لَكُمْ **مَاذَرَاَ** خَلَقَ **لَكُمْ فِی الْاَرْضِ** مِنَ الْحَیْوَانِ وَالنَّبَاتِ وَغَیْرِ ذٰلِكَ **مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ** كَاَحْمَرَوَاَخْضَرَوَاَصْفَرَ وَغَیْرِهَا **اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ﴿۱۳﴾** یَتَّعِظُوْنَ **وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ** ذَلَّلَهٗ لِرُكُوْبِهٖ وَالْغَوْصِ فِیْهِ **لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا** هُوَالسَّمَكُ **وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا** هِیَ اللُّؤْلُؤُوَالْمَرْجَانُ **وَتَرَی** تَبْصُرُ **الْفُلْكَ** السُّفُنَ **مَوَاخِرَ فِیْهِ** تَمْخَرُالْمَاءُ اَیْ تَشُقُّهٗ بِجَرْیِهَا فِیْهِ مُقْبِلَةً وَمُدْبِرَةً بِرِیْحٍ وَاحِدَةٍ **وَلِتَبْتَغُوْا** عَطْفٌ عَلٰی لِتَاْكُلُوْا تَطْلُبُوْا **مِنْ فَضْلِهٖ** تَعَالٰی بِالتِّجَارَةِ **وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۱۴﴾** اللّٰهَ عَلٰی ذٰلِكَ **وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ** جِبَالاً ثَوَابِتَ لِ **اَنْ لَّا تَمِیْدَ** تَتَحَرَّكَ **بِكُمْ وَ**جَعَلَ فِیْهَا **اَنْهٰرًا** كَالنِّیْلِ **وَّسُبُلًا** طُرُقًا **لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴿۱۵﴾** اِلٰی مَقَاصِدِكُمْ **وَعَلٰمٰتٍ** تَسْتَدِلُّوْنَ بِهَا عَلَی الطُّرُقِ كَالْجِبَالِ بِالنَّهَارِ **وَبِالنَّجْمِ** بِمَعْنَی النُّجُوْمِ **هُمْ یَهْتَدُوْنَ﴿۱۶﴾** اِلَی الطُّرُقِ وَالْقِبْلَةِ بِاللَّیْلِ **اَفَمَنْ یَّخْلُقُ** وَهُوَاللّٰهُ **كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ** وَهُوَالْاَصْنَامُ حَیْثُ تُشْرِكُوْنَهَا مَعَهٗ فِی الْعِبَادَةِ لَا **اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴿۱۷﴾** هٰذَا فَتُؤْمِنُوْنَ **وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا** تَضْبِطُوْهَا فَضْلاً اَنْ تُطِیْقُوْا شُكْرَهَا **اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴿۱۸﴾** حَیْثُ یُنْعِمُ عَلَیْكُمْ مَعَ تَقْصِیْرِكُمْ وَعِصْیَانِكُمْ **وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَاتُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ﴿۱۹﴾ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ** بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ تَعْبُدُوْنَ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** وَهُوَ الْاَصْنَامُ **لَایَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ﴿۲۰﴾** یُصَوَّرُوْنَ مِنَ الْحِجَارَةِ وَغَیْرِهَا **اَمْوَاتٌ** لَارُوْحَ فِیْهِمْ خَبَرٌثَانٍ **غَیْرُ اَحْیَآءٍ** تَاكِیْدٌ **وَمَا یَشْعُرُوْنَ** اَیِ الْاَصْنَامُ **اَیَّانَ** وَقْتَ **یُبْعَثُوْنَ﴿۲۱﴾** اَیِ الْخَلْقُ فَكَیْفَ یُعْبَدُوْنَ اِذْ لَایَكُوْنُ اِلٰهًا اِلَّا الْخَالِقُ الْحَیُّ الْعَالِمُ بِالْغَیْبِ **اِلٰهُكُمْ** اَلْمُسْتَحِقُّ لِلْعِبَادَةِ مِنْكُمْ **اِلٰهٌ وَّاحِدٌ** لَانَظِیْرَلَهٗ فِیْ ذَاتِهٖ وَلَا فِیْ صِفَاتِهٖ وَهُوَ اللّٰهُ تَعَالٰی **فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ** جَاحِدَةٌ لِلْوُحْدَانِیَّةِ **وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ﴿۲۲﴾** مُتَكَبِّرُوْنَ عَنِ الْاِیْمَانِ بِهَا **لَاجَرَمَ** حَقًّا **اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ**

مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ فَيُجَازِيْهِمْ بِذٰلِكَ **اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ** ﴿۲۳﴾ بِمَعْنٰى اَنَّهٗ يُعَاقِبُهُمْ وَنَزَلَ فِىْ النَّضْرِبْنِ الْحَارِثِ **وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّا** اِسْتِفْهَامِيَّةٌ **ذَآ** مَوْصُوْلَةٌ **اَنْزَلَ رَبُّكُمْ** عَلٰى مُحَمَّدٍ **قَالُوْآ** هُوَ **اَسَاطِيْرُ** اَكَاذِيْبُ **الْاَوَّلِيْنَ** ﴿۲۴﴾ وَاَضْلَالًا لِلنَّاسِ **لِيَحْمِلُوْآ** فِىْ عَاقِبَةِ الْاَمْرِ **اَوْزَارَهُمْ** ذُنُوْبَهُمْ **كَامِلَةً** لَمْ يُكَفَّرْ مِنْهَا شَىْءٌ **يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمِنْ** بَعْضِ **اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ** لِاَنَّهُمْ دَعُوْهُمْ اِلَى الضَّلَالِ فَاتَّبِعُوْهُمْ فَاشْتَرَكُوْا فِى الْاِثْمِ **اَلَاسَآءَ** بِئْسَ **مَا يَزِرُوْنَ** ﴿۲۵﴾ يَحْمِلُوْنَهٗ حَمْلُهُمْ هٰذَا

ع ۳ / ۹

ترجمہ:.............. (عذاب کے آنے میں مشرکین نے جب جلدی چاہی تو یہ آیات نازل ہوئیں) اللہ کا حکم آپہنچا (یعنی قیامت ماضی کا صیغہ لانے میں قیامت کے یقینی ہونے کی طرف اشارہ ہے، یعنی قیامت نزدیک آگئی ہے، پس اس کے لئے جلدی نہ مچاؤ (وقت سے پہلے نہ چاہو، وہ تو لامحالہ آکر رہے گی) اس کی ذات ان باتوں سے پاک و برتر ہے جو یہ مشرکین کر رہے ہیں، وہ اپنے بندوں (پیغمبروں) میں سے جسے چاہتا ہے اس کے پاس فرشتوں (جبریلؑ) کو اپنے حکم سے بھیج دیتا ہے کہ (ان مفسرہ ہے) خبردار کر دیجئے (کافروں کو عذاب سے چونکا دیجئے اور بتلا دیجئے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، پس مجھ سے ڈرتے رہو اس نے آسمانوں اور زمین کو حکمت (تدبیر سے) بنایا۔ اس کی ذات برتر ہے، اس بات سے جو یہ لوگ شرکیہ کام کر رہے ہیں (یعنی بت پرستی) انسان کو نطفہ سے پیدا کیا (قطرہ منی) سے اسے اتنا طاقت ور بنا دیا) پھر دیکھو وہ جھگڑنے والا (لڑاکا) کھلم کھلا (یہ کہہ کر قیامت کا صاف انکار کرنے لگا کہ پرانی بوسیدہ ہڈیوں کو کون جلا سکتا ہے) اور اسی نے چوپاؤں کو (اونٹ، گائے، بکری مراد ہے، یہ منصوب ہے۔ **ما اضمر عامله على شرط التفسير** کی بناپر) پیدا کیا ہے، تمہارے (تمام لوگوں کے) لئے ان میں جاڑے کا سامان ہے (اور بال اور اون سے بنے ہوئے کمبلوں اور چادروں سے جو تم گرمی حاصل کرتے ہو) اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔ (نسل اور دودھ اور سواری) اور انہی میں ایسے جانور بھی ہیں جن کا تم گوشت کھاتے ہو (لفظ **منها** ظرف کو ختم آیات کی رعایت سے مقدم کر دیا گیا ہے) اور ان کی وجہ سے تمہاری رونق (زینت) بھی ہے، جب انہیں شام کے وقت تم واپس لاتے ہو (شام کے وقت جب چرا کر انہیں ہتان پر باندھتے ہو) اور جب صبح کے وقت چھوڑ دیتے ہو (صبح کو چراگاہ میں روانہ کرتے ہو) اور یہی جانور تمہارا بوجھ اٹھا کر ایسے شہروں تک لے جاتے ہیں کہ تم وہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے (بلا سواری کے) بدون جان کو محنت میں ڈالے ہوئے (زحمت اٹھائے ہوئے) واقعی تمہارا پروردگار بڑی شفقت اور رحمت والا ہے (کہ تمہارے لئے اس نے یہ چیزیں پیدا کیں) اور گھوڑے اور خچر اور گدھے (پیدا کر دیئے ہیں) کہ تم اس سے سواری کا کام لو اور ویسے ان میں خوشنمائی بھی ہے (یہ مفعول لہ ہے اور ان تینوں جانوروں کے پیدا کرنے کی ان دونوں علتوں سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی پیدائش کی اور کوئی غرض نہ ہو۔ چنانچہ گھوڑے کے گوشت کا کھانا حدیث صحیحین سے ثابت ہے) وہ اور بھی ایسی ایسی چیزیں بناتا ہے جن کی تمہیں خبر بھی نہیں (عجیب وغریب چیزیں) اور یہ اللہ کا کام ہے کہ راہ حق (سیدھا راستہ) واضح کر دے اور کچھ راہیں ٹیڑھی بھی ہیں (سیدھے راستہ سے ہٹی ہوئیں) اور اگر اللہ چاہتا (تمہیں ہدایت دینا) تو سب کو منزل مقصود (سیدھی راہ) دکھا دیتا (تم اپنے اختیار سے اس تک پہنچ جاتے) وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، تمہارے فائدے کی خاطر، اس میں سے کچھ تو تمہارے پینے کے کام آتا ہے اور کچھ درختوں کو سیراب کرتا ہے (اس سے درخت پیدا ہوتے ہیں) جس سے تم اپنے مویشی چراتے ہو (جانور چگاتے ہو) اسی پانی سے وہ تمہارے لئے کھیتیاں اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر طرح کے پھل پھول بھی پیدا کرتا ہے۔ یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لئے (توحید کی) بڑی دلیل ہے جو غور وفکر کرنے والے ہیں (اس کی صفت میں، پھر اس پر ایمان لاتے

ہیں)اوراس نے تمہارے لئے رات اوردن اورسورج مسخر کردیئے (نصب کے ساتھ ان لفظوں کا عطف ماقبل پر ہوگا اوررفع کے ساتھ ہوں تو مبتداء ہیں)اور چانداورستارے بھی (یہ دونوں لفظ بھی نصب اور رفع کے ساتھ دونوں طرح ہیں)اسی طرح تمہارے لئے مسخر ہو گئے ہیں (نصب کے ساتھ تو حال ہے اوررفع کے ساتھ خبر ہے اس کا حکم (ارادہ) سے۔ یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لئے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں (تدبر کرتے ہیں)اورزمین کی سطح پر (جانوروں اور گھاس پھوس وغیرہ میں سے)طرح طرح کے رنگوں کی پیداواراور جوتمہارے لئے پیدا کردی ہے (جیسے سرخ ،سبز ،زردوغیرہ)بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے ایک نشانی ہے جو سوچنے سمجھنے والے ہیں۔ وہی ہے جس نے سمندرتمہارے لئے مسخر کردیا (تا کہ اس میں جہاز رانی اورغوطہ خوری ممکن ہو سکے)اس سے تروتازہ گوشت (مچھلی)نکالواور پہننے کے لئے زیورات کی چیزیں نکالو (موتی مرجان)نیز دیکھتے ہو کہ جہاز پانی چیرتے ہوئے چلے جاتے ہیں (پانی ان کے چلنے کے وقت آگے پیچھے ہٹ جاتا ہے ہموار ہوا کے ساتھ)تا کہ (اس کا عطف تاکلوا ،تطلبوا پر ہے)خدا کی روزی (تجارت کے ذریعہ)تلاش کرواوراس کا شکر بجالاؤ (ان نعمتوں پر)اوراللہ نے زمین میں پہاڑ قائم کردیئے (مضبوط) تا کہ وہ تمہیں لے کرڈگمگا نے نہ لگیں اوراس نے (نیل جیسی)نہریں رواں کردیں اورراستے رواں کردیئے ،تا کہ تم اپنی منزل مقصود تک پہنچواوراس نے بہت سی نشانیاں بنادیں (جوتمہیں راستے بتلانے والی ہیں جیسے پہاڑ)اورستاروں سے بھی لوگ رہنمائی حاصل کرتے ہیں (رات کے وقت راستے اورقبلہ کومعلوم کرلیتے ہیں)جوذات پیدا کرتی ہے (یعنی اللہ)اور جوہستیاں پیدا نہیں کرسکتیں (جن بتوں کی پوجا کرکے تم شرک کرتے ہو)وہ دونوں کیسے برابر ہوسکتی ہیں؟ پھر کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟ (یہ باتیں پھر تو تمہیں ایمان لے آنا چاہیئے)اوراگر تم اللہ کی نعمتیں گننا چاہو تو کبھی نہ گن سکو گے (انہیں شمار بھی نہیں کرسکو گے چہ جائیکہ ان کی شکرگزاری کرسکو)بلاشبہ اللہ بڑا ہی رحمت والا ہے (کہ کوتاہیوں اور گناہوں کے باوجود تم پرنعمتیں فرماتا ہے)اوراللہ تمہاری چھپی ہوئی اور کھلی ہوئی سب کچھ باتیں جانتا ہے اورجن ہستیوں کی یہ پوجا کرتے ہیں (تاءاوریاء کے ساتھ دونوں طرح ہے یدعون بمعنی تعبدون ہے)اللہ کے سوا (یعنی بتوں کی)ان کا حال یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرسکتے بلکہ وہ خود ہی مخلوق ہیں (پتھروں وغیرہ سے بنائے گئے ہیں)وہ مردے ہیں (بے جان ،یہ دوسری خبر ہے)نہ کہ زندہ (یہ تاکید ہے)ان (بتوں)کو یہ بھی خبرنہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے (لوگ ،پھر کیسے ان کی بندگی کی جارہی ہے ،کیونکہ معبود تو وہی ہوسکتا ہے جو پیدا کرنے والا ہو ،زندہ ہو ،غیب کی باتیں جاننے والا ہو)تمہارا معبود برحق (تمہاری عبادتوں کا مستحق ہے)تو ایک ہی ہے (جو اپنی ذات وصفات میں بےنظیر ہے ،یعنی اللہ)پھر جولوگ آخرت کی زندگی پر یقین نہیں رکھتے تو ان کے دل ہی انکار میں ڈوبے ہوئے (اللہ کی وحدانیت کونہیں مانتے)اوروہ گھمنڈ کررہے ہیں (ایمان قبول کرنے سے تکبر کررہے ہیں)ضروری بات ہے کہ اللہ ان کے سب کھلے اور چھپے احوال جانتے ہیں (لہٰذا ان باتوں کا انہیں ضروربدلہ دے گا)یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ گھمنڈ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے (یعنی ضرورانہیں سزادیں گے اوراگلی آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی ہے)اور جب ان لوگوں سے پوچھا جاتا ہے کہ (ما استفہامیہ ہے اور ذا موصولہ)تمہارے پروردگار نے (محمد پر)کیا بات اتاری ہے تو کہتے ہیں (کچھ نہیں)محض اگلے وقتوں کے افسانے ہیں (لوگوں کو بہکانے کے لئے)نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ ان لوگوں کا (انجام کاراپنے گناہوں کا)پورا بوجھ (جن کا کچھ بدلہ بھی دنیا میں نہیں چکایا گیا ہوگا)قیامت کے روز ،اور جنہیں یہ لوگ بےعلمی سے گمراہ کررہے تھے ،ان کے گناہوں کا بھی (کچھ)بوجھ اپنے اوپر اٹھانا پڑے گا (کیونکہ انہوں نے دوسروں کوگمراہی کی طرف بلایا تھا۔ جس کی وجہ سے دوسروں نے ان کا اتباع کیا۔ لہٰذا پیروی کرنے والوں کے گناہ میں آمادہ کرنے والے بھی شریک سمجھے جائیں)تو دیکھو کہ کیا ہی برا بوجھ ہے جو یہ اپنے اوپر لادے چلے جارہے ہیں (یعنی یہ ان کا بوجھ لادنا برا ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... **سورۃ النحل** اس کا نام سورۃ الانعام بھی ہے۔ دونوں کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ **امر اللہ** عذاب خداوندی مراد ہے یا قیامت یا آنحضرت ﷺ کی مدد کرنا مراد ہے۔

بالروح اس سے مراد وحی یا قرآن ہے۔ کیونکہ اس سے حیات روحانی حاصل ہوتی ہے یا دین بمنزلہ بدن کے ہے اور وحی وقرآن مثل روح کے ہے۔ **بالحق** مفسر علامؒ نے اشارہ کردیا کہ یہ حال کی وجہ سے منصوب ہے۔

ما یشرکون اشارہ کردیا کہ ما موصولہ یا موصوفہ ہے اور عائد محذوف ہے۔ یعنی **بہ خلق الانسان** حضرت آدمؑ وحواؑ کے علاوہ انسان مراد ہیں۔ کیونکہ حضرت آدمؑ مٹی سے اور حضرت حواء ان کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئے۔

والانعام اس آیت سے ان جانوروں کا کھانا، ان کی سواری اور ان پر بوجھ لادنا اور کرایہ پر چلانا، ان کے اون اور بال وغیرہ سے انتفاع جائز معلوم ہوتا ہے اور **نافع** سے مراد اصولیوں کی اصطلاح نہیں یعنی **لا یبقی زمانین** جیسے سواری اور بار برداری۔ کیونکہ یہ اعراض ہیں جن پر **لا ینبغی زمانین** صادق آتا ہے برخلاف زوائد کے، جس کے معنی **یبقی زمانین** کے آتے ہیں۔ ان آیتوں میں سواری اور بار برداری وغیرہ اصطلاح منافع کے مقابلہ میں آیا ہے۔ حالانکہ وہ بھی منافع میں داخل ہیں۔ جیسا کہ دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ متعارف معنی مراد ہیں۔ منافع اور زوائد کے احکام میں فرق یہ ہے کہ منافع مغصوب کا ضمان نہ تو تلف کرنے سے آتا ہے اور نہ روکے رکھنے سے۔ لیکن زائد مغصوبہ کا ضمان دونوں صورتوں میں آتا ہے البتہ صرف ہلاک کرنے کی صورت میں ضمان آئے گا۔ خود بخود ہلاک کرنے کی صورت میں زوائد کا ضمان نہیں آئے گا۔ ہاں! اگر مغصوبہ چیز ہلاک ہوجائے تو پھر ہلاک کرنے اور ہلاک ہوجانے کی دونوں صورتوں میں ضمان آجائے گا۔

والخیل یہ آیت امامؒ صاحب اور امام مالکؒ کی دلیل ہے۔ گھوڑے کا گوشت ناجائز ہونے کے بارے میں، لیکن امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ اباحت کے قائل ہیں۔ جلال محققؒ اپنے مسلک کی حمایت میں امام اعظمؒ اور امام مالکؒ کے جواب کی طرف **والتعلیل** سے اشارہ کررہے ہیں۔ یعنی بلاشبہ آیت میں گھوڑوں کا مقصد سواری اور آرائش بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس سے کھانے کی نفی نہیں ہوتی اور تائید میں حدیث شیخین بیان کردی کہ انہ ﷺ رخص فی لحوم الخیل۔ اسی طرح مسلم میں جابرؓ کی روایت ہے۔ نحرنا فرسا علی عہد رسول اللہ ﷺ فاکلناہ ونحن بالمدینۃ۔ لیکن حنفیہ اس کے جواب میں ابوداؤد کی روایت انہ ﷺ نہی عن اکل لحوم الخیل پیش کرسکتے ہیں۔

صاحب مدارکؒ اور صاحب ہدایہؒ نے لکھا ہے کہ یہ آیت چونکہ منت واحسان کے موقعہ پر آئی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ گھوڑے وغیرہ میں سب سے بڑی نعمت اس پر سواری اور اس کا آرائش ہونا ہے کیونکہ حکیم اعلیٰ درجہ کی نعمت کے ہوتے ہوئے ادنیٰ نعمت بیان نہیں کیا کرتا اس لئے ان چیزوں کا کھانا حلال نہیں ہونا چاہئے۔ برخلاف ابویوسفؒ، محمدؒ اور امام شافعیؒ کے، وہ گھوڑے خچر کو جائز کہتے ہیں اور امام مالکؒ شہری گدھے کو حلال فرماتے ہیں۔ رہا جنگلی گدھا وہ سب کے نزدیک جائز ہے شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ گھوڑے کے حرام ہونے میں ہمارے ساتھ ہیں اور خانگی گدھے کے بارہ میں ہمارے خلاف ہیں۔ لیکن امام شافعیؒ کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ آیت کسی کے حرام ہونے پر دلالت نہیں کرتی البتہ آنحضرتؐ نے جنگ خیبر کے موقعہ پر خانگی گدھے کو حرام قرار دے دیا تھا اور گھوڑے کے کھانے کی اجازت دے دی تھی۔ جس کا جواب گزر چکا ہے اور امام مالکؒ کی دلیل وہ روایت ہے جس میں ایک صحابیؓ نے عرض کیا۔ لم یبق من مالی الا حمیران تو آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا۔ کل من سمین مالک لیکن حنفیہ کی طرف سے یہ آیت اور حدیث خیبر جواب میں پیش کی جاسکتی ہے۔ باقی حنفیہ نے کراہت کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ حرام ہونا یقینی نہیں ہے۔

پھر بعض کراہت تنزیہی کے قائل ہیں اور بعض تحریمی کراہت مانتے ہیں اور یہی اصح ہے۔ بلاضرورت مفتی کو گھوڑے کے حلال ہونے کا فتویٰ نہیں دینا چاہیئے۔ کیونکہ آلۂ جہاد ہے جس میں کمی آ جانا مناسب نہیں ہے۔ نیز حنفیہ کے خلاف ہے۔ ہاں اگر کوئی گھوڑا مرنے کے قریب ہو جائے تو ذبح کی اجازت دی جاسکتی ہے اور مالک استعمال کرسکتا ہے۔ تاکہ مسلمان کا مال ضائع نہ ہو اور صاحبینؒ کے نزدیک اباحت کی وجہ سے اور بھی گنجائش ہے، برخلاف خانگی گدھے کے وہ حنفیہ میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں اس لئے کسی حالت میں بھی اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

لاٰیۃ اس صورت میں سات جگہ لفظ آیۃ آیا ہے۔ پانچ جگہ مفرد اور دو جگہ جمع کے صیغہ سے۔ آیت کے مدلول یعنی کہ وحدانیت باری پر نظر کرتے ہوئے تو مفرد استعمال کیا گیا ہے اور دلیل کا لحاظ کرتے ہوئے کہ ہر دلیل سے اس کی وحدانیت معلوم ہوتی ہے، جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔ چنانچہ یہاں ان تین آیتوں میں بھی پہلی اور تیسری آیت میں لفظ ایۃ مفرد اور درمیان میں جمع لایا گیا ہے۔

لحما طریا چونکہ مچھلی صرف کھانے ہی کے کام آتی ہے اور دوسرے جانوروں کی طرح ذبح کی ضرورت نہیں پیش آتی اس لئے **لحما** کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ اور **طریا** اس لئے کہا کہ جلد خراب ہو جاتی ہے۔ اس آیت سے مراد مچھلی کا حلال ہونا معلوم ہوا۔ مچھلی کو عرف میں اگرچہ گوشت شمار نہ کیا جاتا ہو۔ لیکن فی الحقیقت گوشت ہے چنانچہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔ تو عرف کی اجازت کی وجہ سے مچھلی کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ لحم کے معنی میں شدت پائی جاتی ہے اور شدت خوف کے بغیر نہیں ہوتی۔ مچھلی میں چونکہ خوف نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کے گوشت میں سختی بھی نہیں۔ کیونکہ قسموں کا مدار عرف پر ہوتا ہے۔ اس لئے حقیقۃً متروک ہوگئی۔ چنانچہ اگر کوئی شخص دابہ پر سوار نہ ہونے کی قسم کھالے تو کافر پر سوار ہونے کی وجہ سے اس کی قسم نہیں ٹوٹ جائے گی۔ حالانکہ قرآن میں کافر کو دابہ کہا گیا ہے۔ کیونکہ عرف میں کافر کو دابہ نہیں کہا جاتا جس پر قسم کا مدار رہتا ہے۔

بہر حال مچھلی کا بیان خصوصیت سے امام مالکؒ و امام شافعیؒ کے برخلاف حجت ہے۔ تمام دریائی جانوروں کا ایک حکم ماننے کے سلسلہ میں حنفیہ کے نزدیک مطلقاً مچھلی حلال نہیں ہے۔ بلکہ بقول صاحب ہدایہؒ طافی مچھلی مکروہ ہے کیونکہ وہ طبعی موت مرگئی ہے۔ لیکن اگر پکڑنے یا کسی وجہ سے مرجائے۔ تب کچھ حرج نہیں ہے۔ امام مالکؒ و شافعیؒ مطلقاً مچھلی حلال فرماتے ہیں۔

دوسری بات آیت سے یہ معلوم ہوئی کہ موتی وغیرہ بھی زیور شمار ہوگا۔ چنانچہ اگر کوئی زیور نہ پہننے کی قسم کھالے تو موتی وغیرہ کا ہار پہننے سے قسم ٹوٹ جاتی ہے جیسا کہ صاحبینؒ کی رائے ہے اور انہیں کے قول پر فتویٰ ہے۔ برخلاف امامؒ صاحب کے۔

مرجان جوہر سرخ یا چھوٹا بڑا موتی۔ علی اختلاف الاقوال۔ **مواخر فیه** یعنی ایک ہی سمت کی ہوا ہونے کے باوجود بھی دو مخالف سمت کو بادبانی جہاز سمندر میں چل سکتے ہیں۔ **ان تمید بکم** کوفیوں کے قول پر **لا تمید** اور بصریوں کے قول پر **کراھة ان تمید** عبارت کی تقدیر ہوگی۔ **وبالنجم** مراد ثریا، بنات النعش، فرقدین، جدی ستارے ہیں۔

کاملة یعنی آخرت میں پورا پورا مواخذہ ہوگا۔ کسی بھی گناہ کا کفارہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ مومنین کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا ورنہ پھر تخصیص کی کوئی وجہ نہیں رہے گی۔ **ومن اوزار الذین** چنانچہ ابوہریرہؓ کی روایت ہے۔ ان رسول اللّٰہ ﷺ قال من دعی الی ھدی کان له من الاجر مثل اجور من یتبعه لا ینقص ذلك من اجورھم شیئا ومن دعی الی ضلالة کان علیه من الاثم من یتبعه لا ینقص ذلك من اٰثامھم شیئا (اخرجه مسلم)

ربط آیات: .... سورۂ نحل کی ابتداء دلائل توحید سے ہو رہی ہے۔ ان میں زیادہ حصہ دلائل عقلیہ کا ہے۔ جو آیت **خلق السمٰوات** سے دور تک چلا گیا ہے۔ اس سے پہلے آیت **ینزل الملائکة** میں نقلی دلائل کی طرف اشارہ ہے اور چونکہ توحید کا مضمون سب سے زیادہ

اہم ہے۔اس لئے سب سے پہلے اتیٰ امر اللہ الخ سے وعید کا مضمون شروع کیا جارہا ہے۔تاکہ دلائل میں غور کرنے کی طرف تنبیہ ہوجائے۔اسی اہتمام کے لئے نقلی دلیل ہیں۔دوبارہ تنبیہ کے لئے انــذر لائے ہیں۔نیز عقلی دلائل میں اپنے انعامات کا ذکر بھی فرمایا جارہا ہے۔تاکہ ترغیب وترہیب دونوں سے کام لیا جاسکے۔دلائل توحید کے بیچ میں جملہ معترضہ کے طور پر آیت وعلــی اللہ قــصــد السبیــل الــخ سے ان دلائل کا روحانی نعمت ہونا بتلانا ہے کہ ان سے سیدھا راستہ معلوم ہوتا ہے اور غلط راستہ سے بچاؤ ہوجاتا ہے۔پھر آگے دلائل کا سلسلہ جاری ہے اور آیت افمن یخلق الخ سے شرک کا ابطال اور مشرکین کی برائی بیان کی جارہی ہے۔

شان نزول: ....قریش مکہ آنحضرتؐ کی دھمکیوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور آپؐ کی وعیدوں کو جھٹلاتے ہوئے کہا کرتے تھے۔ان صح ما تقولون من مجئ العذاب فالاصنام تشفع لنا وتخلصانہ مسلمان جس عذاب کی دھمکیاں دیتے ہیں اگر وہ آیا بھی تو ہمارے بت سفارش کرا کے ہمیں بچالیں گے۔ اس سلسلہ میں آیت اتــی امر اللہ نازل ہوئی ہے اور بعض مفسرین کے نزدیک اس سے مراد قیامت ہے۔اور بعض کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی غیبی تائید وامداد مراد ہے۔آیت فھــو خصیم مبین بعض حضرات کے نزدیک عام خصومت سے متعلق ہے، دنیاوی ہو یا آخرت کی۔اور بعض ابی بن خلف جمحی کے بارے میں کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں بوسیدہ ہڈی لے کر حاضر ہوا اور کہنے لگا۔یا محمد اتزعم ان اللہ یحی العظام وھی رمیم ؟اے محمد! کیا تمہارا گمان یہ ہے کہ اللہ اس بوسیدہ ہڈی کو زندہ کرسکتا ہے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔آیت واذا قیــل لھــم الــخ کے شان نزول کی طرف جلال محققؒ خود اشارہ کررہے ہیں۔

﴿ تشریح ﴾:............عذاب الٰہی کا انتظار: ....سورۂ نحل بھی ان سورتوں میں سے ہے جو مکی عہد کے آخری دنوں میں نازل ہوئی ہے۔مشرکین اس بات کی ہنسی اڑایا کرتے تھے کہ تم کہتے ہو کہ اللہ کا حکم آنے والا ہے۔اگر سچ مچ ایسا ہونے والا ہے۔تو کیوں نہیں ہوچکتا اور کیوں نہیں اللہ کا حکم ظاہر ہوجاتا؟ اس لئے فرمایا جارہا ہے کہ وہ وقت آگیا ہے اب بالکل قریب ہے۔کیونکہ مخالفوں کا ظلم وتشدد انتہائی حد تک پہنچ چکا ہے۔مومنوں پر زندگی دشوار ہوگئی ہے۔اس حکم کا ایک حصہ یہ ہے کہ عنقریب ہجرت مدینہ کا واقعہ ظہور میں آنے والا ہے۔اور اس کا ظہور، گویا اس امر کے فیصلہ کا اعلان ہوگا۔آیت ینــزل الملائکۃ الخ سے معلوم ہوا کہ توحید کی دعوت تمام انبیاء کی مشترک شریعت رہی ہے۔کیونکہ ہمیشہ سے یہ اللہ کی مقررہ سنت رہی ہے کہ وہ خلق کی ہدایت کے لئے کسی بندہ کو چن لیتا ہے اور اسے وحی کی روح سے معمور کردیتا ہے اور اس کی دعوت ،توحید الٰہی کی تلقین ہوتی ہے۔یعنی اللہ کے سوا جب کوئی معبود نہیں۔بس اسی کی بندگی کرو،اس کے بعد آیت خــلــق السمٰوات الخ سے توحید الٰہی کے دلائل کاملہ کا بیان شروع ہورہا ہے اور منشاء استدلال ''تخلیق بالحق'' ہے۔

قدرت الٰہی کا کرشمہ: ....آیت خــلــق الانسان الــخ میں قدرت الٰہی کی ایک کرشمہ سازی پر توجہ دلائی گئی ہے۔کہ نطفہ کے ایک حقیر قطرہ سے ایک ایسا عقیل ومفکر وجود پیدا ہوجاتا ہے جس میں بحث ونزاع کی قوت ہوتی ہے اور جو بال کی کھال نکالنے لگتا ہے۔نطفہ سے انسان کے پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اکثر انسان کے افراد منی سے پیدا کئے گئے ہیں۔حضرت آدمؑ وحواء اس سے مستثنیٰ ہیں کہ اول مٹی سے پیدا ہوئے اور حضرت حواء آدم کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئیں۔اسی طرح اگر منی کو مرد کی منی کے ساتھ خاص کیا جائے تو حضرت عیسیٰ بھی مستثنیٰ ہوجائیں گے۔

زینت وآرائش اور فخر وتکبر میں فرق:............آیت ولکم فیھا جمال الخ سے زینت و جمال کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے اور زینت وآرائش اور فخر وتکبر میں یہ فرق ہے۔ کہ آرائش وزیبائش تو محض اپنا دل خوش کرنے کے لئے ہوتی ہے یا اللہ کی نعمتوں کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ نہ تو خود کو مستحق نعمت سمجھتا ہے اور نہ دوسروں کو ذلیل وحقیر سمجھتا ہے۔ لیکن فخر وتکبر میں خود بینی اور دوسروں پر اظہار برتری ہوتا ہے۔ دوسروں کو حقیر اور خود کو مستحق سمجھنا ہوتا ہے جو یقیناً حرام ہے۔ آیت والانعام سے ''تخلیق حق'' کی حقیقت پر توجہ دلائی جارہی ہے۔ کہ کارخانہ ہستی کی ہر چیز کسی سوچی سمجھی ہوئی مصلحت سے بنائی گئی ہے، بیکار کوئی چیز بھی نہیں بنائی گئی۔ چنانچہ انسان خود اپنی ہستی کو دیکھے اور اپنے چاروں طرف نظر ڈالے۔ کس طرح ہر چیز بول رہی ہے کہ مجھے کس رب رحیم نے بنایا ہے جو پرورش کرنا چاہتی ہے، فائدہ پہنچانا چاہتی ہے، ساری احتیاطیں ضرورتیں پوری کررہی ہے اور سرتاسر بخشش، فضل، احسان اور رحمت ہے۔

پرستش کے لائق کون ہے؟:............پھر اگر ایسی ربوبیت ورحمت رکھنے والی ہستی موجود ہے تو ہر طرح کی پرستاریوں کا مستحق اسے ہونا چاہیئے یا انہیں جو خود اپنی پرورش کے لئے اس کی پروردگاری کے محتاج ہیں؟ اور اگر وہ ہستی تمہاری تمام جسمانی ضرورتوں اور آسائشوں کا انتظام کررہی ہے تو کیا ضروری نہ تھا کہ تمہاری روحانی سعادت وزندگی کا بھی سروسامان کردیتی؟ یہی سروسامان ہے جو وحی اور پیغمبروں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ پھر کیوں تمہیں اس پر انکار وتعجب ہے؟

آیت الابشق الانفس سے بعض لوگوں نے اولیاء اللہ کی ایک خاص کرامت ''طے ارض'' کا انکار کیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ آیت میں اکثر انسانوں کا حال بیان کیا جارہا ہے کہ بلا مشقت بغیر سواری کے سفر نہیں کرسکتے اس سے سب کی نفی کہاں ہوئی ہوسکتا ہے کہ بعض افراد یعنی اہل اللہ مسافت بسہولت اپنی کرامت سے طے کرلیتے ہوں۔

آیت ومنہ شجر الخ میں درخت سے مراد عام ہے۔ گھاس پھوس بھی اس میں داخل ہے اور آیت وتستخرجوا منہ حلیۃ الخ میں اگر موتی مونگا صرف دریائے شور سے برآمد ہوتے ہوں۔ جیسا کہ مشہور ہے تب تو بحر سے صرف دریائے شور مراد ہوگا ورنہ عام دریا مراد لیا جائے گا۔ شور ہو یا شیریں چنانچہ سورۂ رحمٰن میں منھما کی ضمیر تثنیہ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔ البتہ اگر خاص دریائے شور مراد ہو تو پھر ضمیر منھما کی توجیہ یہ ہوگی کہ تثنیہ مجاورت کی وجہ سے کہدیا کہ دونوں طرح کے پانی پاس پاس اور ملے ہوئے ہوتے ہیں اور موتی مونگا عورتوں کی طرح مردوں کو بھی پہننا جائز ہے پس تلبسونہ میں تغلیب مانی جائے گی۔

زمین گھومتی ہے یا ٹھہری ہوئی ہے؟:............بعض حضرات نے آیت ''ان تمید بھم'' سے زمین کے سکون پر استدلال کیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہاں زمین کی اس حرکت کے ہونے نہ ہونے سے بحث نہیں کی جارہی ہے، جو حکماء کے درمیان مختلف فیہ ہے اور نہ یہ قرآن کا موضوع ہے۔ زمین حرکت کرتی ہے یا نہیں اس کے لئے تو دوسرے دلائل کی ضرورت ہے۔ یہاں ان تمید بھم میں زمین کی عارضی حرکت کی نفی کی جارہی ہے جسے ڈگمگانا اور ڈولنا کہتے ہیں۔ حکماء کے درمیان جس حرکت میں کلام ہے یہاں اس سے بحث نہیں ہے۔

زمین کے جمانے کے لئے پہاڑوں کو پیدا کرنے کی جس حکمت کی طرف اشارہ اس آیت میں کیا گیا ہے اس پر سرسری طور سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ قدیم حکماء کے اصول پر زمین اپنے طبعی تقاضہ سے ساکن ہے اور علماء متکلمین کے نزدیک زمین نہ حرکت کا تقاضہ کرتی ہے اور نہ سکون کا پھر یہاں کیسے کہا گیا کہ اگر پہاڑ پیدا نہ کئے جاتے تو زمین حرکت کرنے لگتی۔

اس کا جواب متکلمین کے اصول کے مطابق یہ ہے کہ زمین کا اصلی تقاضا اگرچہ حرکت کرنے کا نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے زمین کو

اس طرح بنایا ہے کہ اس کے نیچے کا پانی جب ہوا سے حرکت کرتا تو زمین بھی ہلنے لگتی اس عارضی حرکت کے روکنے کے لئے قدرت نے زمین پر پہاڑوں کی زبردست میخیں ٹھوک دیں تاکہ زمین پانی کی حرکت سے ہلنے نہ پائے رہا زمین کو اس خاص طرز پر بنانے کی حکمت۔ سواللہ کی بے شمار حکمتوں کا کون احاطہ کرسکتا ہے؟ تاہم منجملہ بہت سی حکمتوں کے ایک حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ قدرت فرشتوں کو اپنی عظمت وقوت دکھلانا چاہتی ہو کہ دیکھو ہم نے کس طرح حرکت پیدا کردی اور پھر کس طرح اسے ہم نے سکون سے بدل دیا۔

خدا کے انعامات ان گنت اور بے شمار ہیں: ...... آیت وان تعدوا الخ فرمایا جارہا ہے کہ ان چند چیزوں کی پیدائش ہی پر موقوف نہیں۔ اس کی نعمتیں تو اتنی ہیں کہ اگر تم گننا چاہو تو تمہاری طاقت سے باہر ہے کہ گن سکو۔ تمہاری زندگی کا ہر سانس اس کی کسی نہ کسی نعمت کا رہین منت ہے کائنات ہستی کا ہر ذرہ کسی نہ کسی بخشش وکرم کی نشانی ہے۔ درختوں کا ہر پھول، دھوپ کی ہر کرن، ہوا کا ہر جھونکا، بارش کا ہر قطرہ، چاند کی ہر نمود، ستاروں کی ہر چمک، پرندوں کی ہر چہچہاہٹ، اس کی ربوبیت کی ایک پروردگاری اور اس کی رحمت کی ایک چارہ سازی ہے۔ تم اگر درختوں کے سبز پتے، پھولوں کے رنگین ورق اور سورج کی کرنیں گن سکتے ہو تو اس کی نعمتیں ہی گن لو۔ تم اگر درختوں کے ہر پتے سے پوچھو، بارش کے ہر قطرہ سے سوال کرو، سورج کی ہر کرن کا منہ دیکھو، تمہیں یہی جواب ملے گا۔ کہ جس نے یہ سب کچھ بنایا ہے وہ بڑا ہی بخشنے والا بڑا ہی رحمت والا ہے۔ **اموات غیر احیاء** سے مراد عام ہے خواہ دائمی طور پر بے جان ہوں جیسے بت یا فی الحال مرچکے ہوں یا آئندہ مرنے والے ہوں جیسے فرشتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ پس اس آیت سے حضرت عیسیٰ کے اس وقت زندہ نہ ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ **لیحملوا اوزارھم کاملۃ** سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین کی سزا کا کچھ حصہ معاف ہوسکتا ہے۔

لطائف آیات: ...... آیت ولکم فیھا جمال الخ میں ضروری منافع کے بعد زینت وآرائش کا ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی مصلحت شرعی پیش نظر ہے جیسے ذلت کو دفع کرنا، مسرت حاصل کرنا بشرطیکہ کبر وفخر نہ ہو تو زیبائش وآرائش وغیرہ مصالح زوائد کا ارادہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ لیکن چونکہ مبتدی ان ساری حدود کی رعایت نہیں کرسکتا۔ اس لئے اسے کنارہ کشی ہی مناسب ہے۔ ہاں! اسے تہذیب نفس حاصل ہوجائے۔ جس کی شہادت شیخ کامل بھی دیدے تو پھر زیبائش کی اجازت ہوگی۔ آیت تستخرجوا منہ حلیۃ الخ میں بھی یہی کہا جائے گا کہ زینتی لباس اور تجارت وغیرہ اگر حق سے مانع نہ ہو تو طریق کے خلاف نہیں ہے۔ آیت قلوبھم منکرۃ الخ سے تکبر کی جس درجہ برائی نکل رہی ہے۔ وہ ظاہر ہے کیونکہ کفر وانکار کی اصل جڑ تکبر ہی ہے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وهُوَ نُمرُودُ بَنَى صَرْحًا طَوِيْلًا لِيَصْعَدَ مِنْهُ اِلَى السَّمَاءِ لِيُقَاتِلَ اَهْلَهَا **فَاَتَى اللّٰهُ** قَصَدَ **بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ** الاَسَاسِ فَارْسَلَ عَلَيْهِ الرِّيْحَ وَالزَّلْزَلَةَ فَهَدَمَتْهُ **فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ** اَيْ وَهُمْ تَحْتَهُ **وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ** ﴿۲۶﴾ مِنْ جِهَةٍ لَا يَخْطُرُ بِبَالِهِمْ وَقِيْلَ هٰذَا تَمْثِيْلٌ لِاِفْسَادِ مَا اَبْرَمُوْا مِنَ الْمَكْرِ بِالرُّسُلِ **ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ** يُذِلُّهُمْ **وَيَقُوْلُ** لَهُمُ اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ الْمَلٰئِكَةِ تَوْبِيْخًا **اَيْنَ شُرَكَآءِيَ** بِزَعْمِكُمْ **الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ** تُخَالِفُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ **فِيْهِمْ** فِي شَأْنِهِمْ

قَالَ اَیْ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ اِنَّ الْخِزْیَ الْیَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ﴿۲۷﴾ یَقُوْلُوْنَهٗ شَمَاتَةً بِهِمْ الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ الْمَلٰٓئِکَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ بِالْکُفْرِ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ اِنْقَادُوْا وَاسْتَسْلَمُوْا عِنْدَ الْمَوْتِ قَائِلِیْنَ مَا کُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ شِرْکٍ فَتَقُوْلُ الْمَلٰئِکَةُ بَلٰٓی اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَیُجَازِیْکُمْ بِهٖ وَیُقَالُ لَهُمْ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَی مَاْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِیْلَ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا الشِّرْکَ مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّکُمْ قَالُوْا خَیْرًا لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْاِیْمَانِ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ حَیَاةٌ طَیِّبَةٌ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ اَیِ الْجَنَّةُ خَیْرٌ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا قَالَ تَعَالٰی فِیْهَا وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۰﴾ هِیَ جَنّٰتُ عَدْنٍ اِقَامَةٍ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ یَدْخُلُوْنَهَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ کَذٰلِکَ الْجَزَاءَ یَجْزِی اللّٰهُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِیْنَ نَعْتٌ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ طَیِّبِیْنَ طَاهِرِیْنَ مِنَ الْکُفْرِ یَقُوْلُوْنَ لَهُمْ عِنْدَ الْمَوْتِ سَلٰمٌ عَلَیْکُمُ وَیُقَالُ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾ هَلْ مَا یَنْظُرُوْنَ یَنْتَظِرُ الْکُفَّارُ اِلَّآ اَنْ تَاْتِیَهُمُ بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ الْمَلٰٓئِکَةُ لِقَبْضِ اَرْوَاحِهِمْ اَوْیَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّکَ الْعَذَابُ اَوِ الْقِیَامَةُ الْمُشْتَمِلَةُ عَلَیْهِ کَذٰلِکَ کَمَا فَعَلَ هٰؤُلَاءِ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْاُمَمِ کَذَّبُوْا رُسُلَهُمْ فَاُهْلِکُوْا وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ بِاِهْلَاکِهِمْ بِغَیْرِ ذَنْبٍ وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ بِالْکُفْرِ فَاَصَابَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا اَیْ جَزَاؤُهَا وَحَاقَ نَزَلَ بِهِمْ مَّا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَیِ الْعَذَابُ وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا مِنْ اَهْلِ مَکَّةَ لَوْشَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَاحَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ مِنَ الْبَحَائِرِ وَالسَّوَائِبِ فَاِشْرَاکُنَا وَتَحْرِیْمُنَا بِمَشِیَّتِهٖ فَهُوَ رَاضٍ بِهٖ قَالَ تَعَالٰی کَذٰلِکَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اَیْ کَذَّبُوْا رُسُلَهُمْ فِیْمَا جَاءُوْا بِهٖ فَهَلْ فَمَا عَلَی الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۳۵﴾ اَلْاِبْلَاغُ الْبَیِّنُ وَلَیْسَ عَلَیْهِمْ هِدَایَةٌ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا کَمَا بَعَثْنَاکَ فِیْ هٰؤُلَاءِ اَنِ اَیْ بِاَنْ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحِّدُوْهُ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ الْاَوْثَانَ اَنْ تَعْبُدُوْهَا فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَی اللّٰهُ فَاٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ وَجَبَتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ فِیْ عِلْمِ اللّٰهِ فَلَمْ یُؤْمِنْ فَسِیْرُوْا یَا کُفَّارُ مَکَّةَ فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ ﴿۳۶﴾ رُسُلَهُمْ مِنَ الْهِلَاکِ اِنْ تَحْرِصْ یَا مُحَمَّدُ عَلٰی هُدٰىهُمْ وَقَدْ اَضَلَّهُمُ اللّٰهُ لَا تَقْدِرُ عَلٰی ذٰلِکَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ مَنْ یُّضِلُّ مَنْ یُّرِیْدُ اِضْلَالَهٗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۳۷﴾ مَانِعِیْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ اَیْ غَایَةَ اِجْتِهَادِهِمْ فِیْهَا لَا یَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ یَّمُوْتُ قَالَ تَعَالٰی بَلٰی

يَبْعَثُهُمْ **وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا** مَصْدَرَانِ مُؤَكِّدَانِ مَنْصُوْبَانِ بِفِعْلِهِمَا الْمُقَدَّرِ اَیْ وَعَدَ ذٰلِكَ وَعْدًا وَحَقَّهُ حَقًّا **وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** اَیْ اَهْلُ مَكَّةَ **لَا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ **لِيُبَيِّنَ** مُتَعَلِّقٌ يَبْعَثُهُمُ الْمُقَدَّرِ **لَهُمُ الَّذِیْ يَخْتَلِفُوْنَ** مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ **فِيْهِ** مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ بِتَعْذِيْبِهِمْ وَاِثَابَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ **وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ** ﴿۳۹﴾ فِیْ اِنْكَارِ الْبَعْثِ **اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ** اَیْ اَرَدْنَا اِيْجَادَهٗ وَقَوْلُنَا مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ **اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ** ﴿۴۰﴾ اَیْ فَهُوَ يَكُوْنُ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلٰی نَقُوْلُ وَالْاٰيَةُ لِتَقْرِيْرِ الْقُدْرَةِ عَلَی الْبَعْثِ ع

ترجمہ: .... ان سے پہلے جو لوگ، ہو گزرے ہیں انہوں نے بڑی بڑی تدبیریں کیں (نمرود نے ایک نہایت اونچا قلعہ بنایا۔ تا کہ اس پر چڑھ کر آسمان والوں سے جنگ کرے) لیکن انہوں نے اپنی تدبیروں کی جو عمارت بنائی تھی اللہ نے اس کی جڑ بنیاد تک اکھاڑ کر پھینک دی (چنانچہ ان پر آندھی اور زلزلہ آیا اور اس عمارت کو اکھاڑ کر رکھ دیا) پھر اوپر سے ان پر چھت آپڑی (اور وہ اس کے تلے دب گئے) اور ان پر ایسی طرح عذاب ٹوٹ پڑا کہ انہیں وہم وگمان بھی نہ تھا (یعنی ایسی طرف سے عذاب آیا کہ انہیں خطرہ بھی نہیں گزر سکتا تھا اور بعض کی رائے یہ ہے کہ ان کفار نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ جو مکر کا جال بنا تھا یہ اس کی تمثیل ہے) پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں رسوا کرے گا اور (ڈانٹتے ہوئے فرشتوں کی زبانی ان سے) پوچھے گا "بتلاؤ آج وہ ہستیاں کہاں گئیں جنہیں تم نے (اپنے گمان میں) میرا شریک بنایا تھا۔ جن کے بارہ میں تم لڑا جھگڑا کرتے تھے؟ (مسلمانوں سے اختلاف کیا کرتے تھے) اس وقت (انبیاء اور مومنین میں سے) جاننے والے پکار اٹھیں گے۔ بے شک آج کے دن کی رسوائی اور خرابی سرتاسر کافروں کے لئے ہے (یہی بات ان کی خراب حالت سے خوش ہوتے ہوئے کہیں گے) وہ فرشتے جنہوں نے ان کی جان کفر کی حالت میں قبض کی تھی۔ چنانچہ کافروں نے فرشتوں کے سامنے صلح کا پیغام ڈالا تھا (اطاعت کا اظہار کیا تھا اور مرتے وقت اسلام لانا چاہا۔ یہ کہتے ہوئے کہ) ہم نے کوئی برائی کی بات نہیں کی تھی (شرک نہیں کیا تھا، اس پر فرشتے کہیں گے) ہاں تم نے ضرور کی اور جو کچھ تم کرتے رہے ہو، اللہ اس سے اچھی طرح واقف ہے، (اس لئے وہ تمہیں ضرور سزا دے گا، ان سے کہا جائے گا) پس اب تمہارے لئے یہی ہے کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ۔ تمہیں ہمیشہ اسی میں رہنا ہوگا، تو دیکھو گھمنڈ کرنے والوں کا کیا ہی برا انجام ہوا اور متقیوں سے جب پوچھا جاتا ہے وہ کیا بات ہے جو تمہارے پروردگار نے نازل کی ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ بڑی خیر کی بات نازل فرمائی ہے، سو جن (اہل ایمان) نے اس دنیا میں اچھائی کی ان کے لئے اچھائی (پاکیزہ زندگی) ہے اور عالم آخرت (جنت) تو اور بھی زیادہ بہتر ہے (دنیا ومافیہا سے، حق تعالیٰ جنت کے متعلق فرماتے ہیں) اور واقعی متقیوں کا کیا ہی اچھا ٹھکانا ہوا۔ (وہ) دائمی باغ ہیں (قیام گاہ ہیں یہ مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) جس میں وہ داخل ہوں گے، ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، جو کچھ چاہیں گے وہاں ان کے لئے مہیا ہو جائے گا، اسی (جزاء کی) طرح اللہ متقیوں کو بدلہ دے گا۔ جنہیں فرشتوں نے ایسی حالت میں وفات دی ہوگی کہ وہ پاک تھے (کفر سے بچے رہے) درآنحالیکہ (موت کے وقت ان سے) فرشتے کہتے جاتے تھے "السلام علیکم" (اور آخرت میں ان سے کہا جائے گا) تم جنت میں چلے جاؤ۔ اپنے اعمال کے سبب یہ (کفار) اس بات کے منتظر ہیں کہ (ان کی جانیں قبض کرنے کے لئے) ان پر فرشتے اتر آئیں (لفظ تاتیھم تا اور یا کے ساتھ ہے) یا آپ کے پروردگار کا حکم آجائے؟ (یعنی عذاب یا عذاب لئے ہوئے قیامت) ایسا ہی (جیسا ان لوگوں

نے لیا ہے)ان سے پہلے لوگوں نے بھی کیا تھا (جو امتیں اپنے پیغمبروں کو جھٹلا کر تباہ ہو چکی ہیں)اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا (کہ انہیں بلا قصور ہلاک کر دیا ہو)لیکن (کفر کر کے)انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ آخر کار ان کی بدعملیوں کی سزائیں (پا، اٹھا)انہیں ملیں اور جس (عذاب) کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے اس نے انہیں آگھیرا اور (مکہ کے)مشرکین یوں کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ہم اور ہمارے باپ دادے اس کے سوا کسی کی بندگی ہی نہ کر سکتے اور نہ اس کے بغیر کسی چیز کو حرام ٹھہرا سکتے (جیسے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام، خاص قسم کے جانور، لہٰذا ہمارا شرک کرنا اور ان جانوروں کو حرام کرنا اسی کے ارادہ سے ہوا۔ پس معلوم ہوا کہ وہ ان باتوں سے خوش ہے۔حق تعالیٰ جواب دیتے ہیں)ایسی ہی روش ان لوگوں نے بھی تیار کی تھی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں (جنہوں نے پیغمبروں کی لائی ہوئی باتوں کو جھٹلایا)سو پیغمبروں کے ذمہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ صاف صاف پہنچا دیں؟ (کھلے طور پر بیان کر دینا ان کا کام ہے، کسی کو ہدایت دینا ان کی ذمہ داری نہیں ہے)اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی رسول ضرور پیدا کیا ہے (جیسا کہ ہم نے آپ کو ان لوگوں میں رسول بنا کر بھیجا ہے) کہ اللہ کی بندگی کرو (توحید بجالاؤ)اور سرکش توتوں سے بچو (بت پرستی سے) پھر ان امتوں میں سے بعض پر اللہ نے کامیابی کی راہ کھول دی (کہ وہ ایمان لے آئے اور بعض ایسے تھے جن پر گمراہی ثابت ہوئی (علم الٰہی میں اس لئے وہ ایمان نہیں لا سکے)پس (اے مکہ کے کافرو)ملکوں میں چل پھر کر دیکھو کہ جو قومیں جھٹلانے والی تھیں، انہیں بالآخر کیا انجام پیش آیا؟ (پیغمبروں کو جھٹلانے والے ہلاک ہو گئے)آپ (اے محمد)ان لوگوں کی ہدایت پانے کے کتنے ہی خواہشمند ہوں (حالانکہ خدا کی طرف سے ان کے لئے گمراہی مقدر ہو چکی ہو تب بھی آپ یہ نہ کر سکتے) کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیا کرتا (یہ لفظ معروف اور مجہول دونوں طرح ہے)جس پر وہ راہ گم کر دیتا ہے (جس کے گمراہ کرنے کا ارادہ وہ کر لیتا ہے) اور ایسے لوگوں کے لئے کوئی مددگار بھی نہیں ہوتا (کہ اللہ کے عذاب سے بچالے)اور یہ لوگ بڑے زور لگا لگا کر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں (پوری طاقت صرف کر کے) کہ جو مر جاتا ہے اسے کبھی دوبارہ نہیں اٹھائے گا (حق تعالیٰ فرماتے ہیں)ہاں ضرور (اٹھائے گا)یہ اس کا وعدہ ہے جسے اللہ نے اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے (یہ دونوں مفعول مطلق تاکید کے لئے ہے اور فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی وعد ذلک وعدا وحقہ حقا)لیکن اکثر آدمی (مکہ کے)جو اس بات کا علم نہیں رکھتے۔ اس لئے کہ یہ (لفظ یبعثھم مقدر کے متعلق ہے)جن باتوں میں لوگ اختلاف کرتے ہیں۔مسلمانوں کے ساتھ)ان کی حقیقت کھول دے (ان کو عذاب اور مسلمانوں کو ثواب کی دینی باتیں)اور اس لئے کہ منکرین جان لیں کہ (قیامت کے انکار کرنے میں)وہ جھوٹے تھے۔جب ہم کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں (یعنی کسی چیز کو ہم موجود کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں (قولنا مبتداء ہے خبر آگے ہے)پس اس سے ہمارا اتنا ہی کہنا کافی ہوتا ہے کہ تو "ہوجا" پس وہ ہو جاتی ہے (تقدیری عبارت فھو یکون تھی اور ایک قرأت میں یکون نصب کے ساتھ ہے یقول پر عطف کرتے ہوئے۔اور آیت کا منشاء قیامت پر قدرت کو واضح کرتا ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... **وھو نمرود** یہ ایک ظالم ترین بادشاہ تھا جس نے بابل میں آسمانیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے ایک نہایت بلند محل بنایا تھا۔ بقول ابن عباسؓ اس کی اونچائی پانچ ہزار ہاتھ تھی اور بقول کعبؓ ومقاتلؒ دو فرسخ اونچا تھا۔لیکن ایک سخت آندھی آئی۔جس سے وہ سب درہم برہم ہو گیا اور بہت سے لوگ اس کے نیچے دب گئے۔بعض کی رائے ہے کہ ان کی زبان سریانی تھی۔جیسا کہ بغوی نے ذکر کیا ہے۔ مگر یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔کیونکہ حضرت صالحؑ ان لوگوں سے پہلے ہو چکے حالانکہ ان کی زبان عربی تھی۔ نیز اہل یمن جن میں سے قبیلہ جرہم بھی تھا۔جن میں حضرت اسماعیلؑ پلے اور بڑھے اور ان کی زبان بھی عربی تھی۔

قال جلال محقق نے اشارہ کر دیا کہ یقینی ہونے کی وجہ سے مستقبل کو ماضی سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔**للذین احسنوا الخ** یہ

جملہ متانفہ ہے یا خیرا سے بدل ہے یا اس کی تفسیر ہے۔

حیــاۃ طیبۃ جان و مال کا محفوظ رہنا، تعریف و مدح کا مستحق ہو جانا، دشمنوں پر کامیابی اور مکاشفات و مجاہدات والطاف کے دروازے کھل جانا، اعمال صالحہ، اخلاق حسنہ، حیات طیبہ کہلاتا ہے۔

سلام علیکم روایت ہے کہ موت کے قریب مؤمن بندہ کے پاس فرشتہ آ کر کہتا ہے۔ السلام علیك یاولی اللّٰہ، اللّٰہ یقرء علیك السلام ویبشرك بالجنۃ ادخلوا الجنۃ فرشتوں کی طرف سے یہ بشارت موت کے وقت قبر کے متعلق بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ قبر بھی "روضۃ من ریاض الجنۃ" ہے۔ **بما کنتم** میں با مقابلہ کے لئے ہے سببیہ نہیں ہے۔ حدیث میں ہے۔ لن یدخل احدکم الجنۃ الا بفضل اللّٰہ ورحمتہ لا تقدیر یہ ان تحرص شرط کی جزاء محذوف ہے اور فان اللّٰہ الخ دال بر جزاء ہے۔ کن یہ امر، ارادہ پر مراد کے جلد مرتب ہونے سے کنایہ ہے۔ کاف اور نون کا مجموعہ مراد نہیں۔ ورنہ معدوم چیز کو خطاب کرنا لازم آئے گا۔ یا موجودہ چیز کو خطاب کی صورت میں تحصیل حاصل کا اشکال رہے گا۔

ربط آیات: .... آیت **قد مکر الذین** سے پچھلے گمراہوں کی تباہی کو عبرت کے لئے بیان کیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی عذاب آخرت کی کیفیت کا نقشہ ہی کھینچ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد آیت **وقیل للذین اتقوا الخ** سے ان کے بالمقابل فرمانبرداروں کے اقوال و اعمال، وعدہ و بشارت کے ساتھ بیان کئے جا رہے ہیں اور آگے آیت **ھل ینظرون الخ** میں پھر کفار کے اصرار و عناد پر وعید بیان کی جا رہی ہے۔ چونکہ پچھلی آیات میں قیامت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ اس پر کافروں کی طرف سے دو شبہے پیش کئے گئے۔ ایک یہ کہ ہمارا یہ طریقہ جسے مسلمان کفر کہتے ہیں اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ نہیں کہ جس کی وجہ سے ہم مستحق عذاب ہو سکیں۔ دوسرے یہ کہ خود قیامت ہی سرے سے کوئی چیز نہیں ہے کہ باوجود مستحق عذاب ہونے کے بھی ڈرا جا سکے۔ اس لئے آیت **وقال الذین** میں ان دونوں شبہات اور ان کے جوابات کا ذکر ہے اور چونکہ اس طرح کے شبہات ضد و عناد کی وجہ سے ہوا کرتے تھے۔ جن سے آنحضرت کو سخت الجھن اور تکلیف و گھٹن پیش آتی تھی۔ اس لئے درمیان میں سامان تسلی بھی ہے نیز پہلے شبہ کا مفصل جواب آیت **سیقول الذین اشرکوا الخ** پارہ نمبر ۸ میں گزر جانے کی وجہ سے یہاں اسکے اجمالی جواب پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **گناہ کی تاثیر زہر سے زیادہ ہلاکت انگیز ہے:** .... برائی اور گناہ کرنے کو ہر جگہ قرآن نے ظلم واسراف سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی انہوں نے اپنی جانوں کے ساتھ ناانصافی کی اور اپنی جانوں پر زیادتی کی۔ یہاں بھی اور آیت **الذین تتوفھم الخ** میں بھی ایسا ہی طرز اختیار کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک کفر و بدعملی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ خود اپنے ہاتھوں اپنی جانوں کو نقصان و ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اس بات کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی آدمی کو ہم سنکھیا کھاتے دیکھتے ہیں تو بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں کہ کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو؟ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہو؟ قرآن کے نزدیک کفر و نافرمانی بھی ایسی چیز ہے۔ یہ دودھ پینے کی بجائے اپنی جان کے ساتھ ناانصافی کرتا ہے اور خود اپنے اوپر زیادتی کرنے والا ہے۔

وحی الٰہی کے متعلق ماننے اور نہ ماننے والوں کا ردعمل: .... ان آیات میں دو جماعتوں کی متضاد حالتوں اور متضاد [illegible] بیان کیا جا رہا ہے۔ ایک گروہ منکروں کا ہے۔ ایک متقی انسانوں کا۔ منکروں کے نزدیک وحی کی حقیقت "اگلوں کے افسانے" [illegible] اس کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن جو متقی ہیں ان کے نزدیک اس کی حقیقت سرتاپا خیر و برکت ہے۔ پہلے گروہ پر جب موت آتی ہے تو

اس حال میں آتی ہے کہ برائیوں میں سرگرم ہوتے ہیں۔ لیکن دوسرے گروہ پر جب موت آتی ہے تو وہ ایمان ویقین اور پاکی وعمل کی روح سے خوش حال ہوتے ہیں۔ جزاء عمل کے لحاظ سے بھی دونوں کی حالتیں متضاد ہوں گی۔ پہلے گروہ کو جہنم رسید کیا جائے گا اور دوسرے گروہ کو جنت بداماں، پہلے کے لئے خواری وعذاب کا پیام ہوگا۔ دوسرے کے لئے سلامتی کا پیام، پہلے نے گھمنڈ کیا تھا تو گھمنڈ کرنے والوں کا کیا ہی برا ٹھکانا ہوا۔ پہلے کے لئے عذاب دائمی ہوا دوسرے کے لئے راحت وسرور دائمی زندگی ہوئی۔

آیت وحدیث میں تعارض:............ مرتے ہی جنت میں جانا روحانی طور پر ہے اور جسمانی جانا قیامت کے ساتھ خاص ہے یا بقول جلال محققؒ یہ معنی ہوں کہ قیامت کے روز تم کو جنت میں جانا ہے۔ بہر حال مقصود جنت کی بشارت سنانا ہے اور اعمال کے جنت میں داخل ہونے کا سبب ہونے سے مراد سبب عادی ہے۔ ورنہ حقیقی سبب تو رحمت الٰہیہ ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ اس لئے آیت اور حدیث کے مضمون میں کوئی تعارض نہیں رہا۔ قرآن نے جابجا مشرکوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''اگر شرک برائی ہے تو خدا ہمیں کیوں برائی کرنے دیتا ہے اور ہم اور ہمارے آباء واجداد کیوں ایسی بات کر سکے۔ اگر وہ چاہے تو اب بھی ہمیں روک دے۔ پھر یہ شور ہنگامہ مسلمانوں نے کیوں برپا کر رکھا ہے کیوں خدا سے نہیں کہہ دیتے کہ وہ ہمیں روک دے؟ یہاں بھی آیت وقال الذین الخ میں اسی قول کو نقل کر کے جواب دیا جا رہا ہے کہ انہوں نے یہ کوئی نئی بات نہیں کہی ہے۔ پہلے بھی لوگ ایسی ہی روش اختیار کر چکے ہیں لیکن یہ روش گمراہی اور ہٹ دھرمی کی روش ہے۔ اللہ کے رسول اس لئے نہیں آئے کہ لوگوں سے برائی کرنے کی طاقت سلب کر لیں اور انہیں ایسا بنا دیں کہ برائی کر ہی نہ سکیں۔ وہ تو پیام حق پہنچانے والے ہیں جن کا کام صرف یہ ہے کہ صاف صاف اور روشن طریقہ پر پیام پہنچا دیں۔ اب اسے ماننا نہ ماننا یہ سننے والوں کا کام ہے۔ پیام پہنچانے والا اس کا ذمہ دار نہیں۔

انسان کو کسی بات میں مجبور نہیں کیا گیا:............ اور جب اللہ کی مشیت بھی یہ ہے کہ انسان کو کسی ایک حالت پر مجبور نہ کر دیا جائے۔ بلکہ ہر طرح کی حالت اختیار کرنے کی قدرت دی جائے تو اللہ کے رسولوں سے کیوں اس کی توقع کی جائے کہ لوگوں سے یہ قدرت سلب کر لیں؟ پھر فرماتے ہیں کہ دنیا کی کوئی امت نہیں۔ جس میں اللہ کا رسول نہ آیا ہو۔ اور اس نے توحید وخدا پرستی کی تعلیم نہ دی ہو پھر کسی نے مانا اور اللہ کی فلاح وسعادت کی راہ اس پر کھول دی، کسی نے نہیں مانا اور گمراہی کی بات ثابت ہوگئی اور گمراہی کا نتیجہ پیش آ گیا۔ پس اللہ کا قانون ہدایت وشقاوت ایسا ہی چلا آیا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ لوگوں کو جبراً ہدایت یافتہ بنا دیا گیا ہو۔ ولقد بعثنا الخ کے ظاہر عموم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے ملکوں کی طرح ہندوستان میں بھی پرانے زمانہ میں یقیناً کچھ پیغمبر آئے ہوں گے۔ خواہ وہ ہندی ہوں یا غیر ہندی، اصل ہوں یا نائب۔ البتہ اگر آیت لتنذر قوما ما اتاھم من قبلك الخ کے مضمون سے اس آیت کے مضمون میں تعارض معلوم ہوتا ہو تو اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس آیت میں ''کل امة'' کے لفظ کل سے مراد اکثر امتیں ہوں تو آنحضرتؐ کی قوم اس اکثریت سے مستثنیٰ ہو جائے گی۔ کیونکہ آپؐ سے پہلے ان میں کوئی پیغمبر نہیں آیا۔ پس اس طرح لتنذر قوما ما کا مضمون بھی صحیح ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے ہر قوم اور امت میں بالکل ابتدائی زمانہ میں پیغمبر آ گئے ہوں اور لوگ ان کی شریعت کے سلسلہ کو اگر باقی رکھنا چاہتے تو ایسا ہو سکتا اور ضرورت کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ اخیر تک پیغمبر آنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ دوسری بات ہے کہ شروع والوں کی کوتاہی سے بعد والوں تک وہ سلسلہ نہ پہنچا ہو۔ پس اس طرح ولقد بعثنا فی کل امة کا حکم تو ہر قوم کے لئے شروع کے اعتبار سے صحیح ہوا اور آیت ما اتاھم من نذیر الخ کا حکم ہر قوم کے آخری دور کے لحاظ سے درست ہو گیا اور دونوں آیات کا تعارض دور ہو گیا البتہ اس صورت میں یہ ممکن ہوگا کہ زمین اور پہاڑ کے بعض غیر آباد اور کوردہ حصوں میں

پیغمبروں کی تبلیغ نہ پہنچی ہو۔

آخرت کا عقیدہ کوئی انوکھا خیال نہیں تھا: .... آخرت کی زندگی اور سزاء وجزاء کے صحیح ہونے کا اعتقاد تمام مذاہب عالم کا عالمگیر اعتقاد ہے۔ مگر مشرکین عرب اس سے بے خبر تھے۔ قرآن نے جب آخرت کی زندگی کا اعلان کیا تو انہیں بڑی حیرت ہوئی اور تعجب سے دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرنے لگے حالانکہ نہیں جانتے کہ اللہ کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے کیونکہ دنیوی زندگی کی ہر بات کہہ رہی ہے کہ اسے ایسا کرنا ہے اور وہ ضرور کرے گا۔ تا کہ جن حقیقتوں کا انسان دنیوی زندگی میں فیصلہ نہیں کرسکتا اور اختلافات پیدا ہوتے رہتے ہیں ان کا فیصلہ ہو جائے اور حقیقت سب کے سامنے آجائے اور اس لئے کہ گمراہ اور بدعمل، اپنی گمراہی و بدعملی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ یعنی دنیوی زندگی میں پردوں کا نہ اٹھنا اور مشاہدۂ حقیقت کا نہ ہونا بتلا رہا ہے کہ کوئی اور زندگی ضرور ہے۔ جہاں بالآخر پردے اٹھیں گے۔ پس یہ صورت حال، گویا خالق ہستی کی طرف سے ایک وعدہ ہوئی، کہ اب نہیں لیکن آئندہ ایسا ہونے والا ہے اور ضروری ہے کہ یہ وعدہ پورا ہو کر رہے۔ آیت انما قولنا الخ کا حاصل یہ ہے کہ تمہیں انسان کے دوبارہ زندہ ہونے پر اس لئے تعجب ہو رہا ہے کہ اللہ کی قدرت کا صحیح اندازہ نہیں۔ تم اسی ترازو سے اس کے کام بھی تولنا چاہتے ہو جس سے اپنے کام تولا کرتے ہو وہ کسی کام کے لئے نہ تو کسی سروسامان کا محتاج ہے نہ کسی دوسری ہستی کی موجودگی کا صرف اس کا ارادہ ہی ہر طرح کافی ہے ہر طرح کا سامان ہے، ہر طرح کا مواد اور علت ہے۔ وہ جب چاہتا ہے تو بس اس کا چاہنا ہی سب کچھ ہے جونہی اس کی مشیت کا فیصلہ ہوا ہر چیز ظہور میں آگئی۔

خدا کا ارادہ کن فیکونی: .... لفظ کن کا یہ مطلب نہیں کہ کاف اور نون سے بنا ہوا لفظ اللہ کو بولنا پڑتا ہے تب چیزیں وجود میں آتی ہیں بلکہ صاف مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو وجود بخشنے کے لئے صرف اس کا ارادہ کافی ہے۔ اس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ جس بات کا حکم دیتا ہے وہ فوراً ہو جاتی ہے وہ اپنے ارادہ اور حکم کے نافذ کرنے میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہیں ہے۔ اس کی فلسفیانہ بحث کا خلاصہ پارہ اول کی آیت بدیع السموٰات میں گزر چکا ہے۔

لطائف آیات: .... آیت للذین احسنوا الخ کے ذیل میں صاحب روح المعانی نے امامؒ کا قول نقل کیا ہے کہ حسنہ سے مراد مکاشفات ومشاہدات اور الطاف الٰہی کا دروازہ کھلنا ہے۔ لیکن اس سے "حیات طیبہ" بھی مراد ہوسکتی ہے۔ آیت الذین تتوفھم الخ سے معلوم ہوا کہ دنیا میں غیر نبی کے ساتھ بھی فرشتے کلام کرسکتے ہیں اور یہ کہ اطاعت کے بعض ثمرات دنیا میں بھی حاصل ہوسکتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِى اللّٰهِ لِاِقَامَةِ دِيْنِهٖ **مِنْۢ بَعْدِ مَاظُلِمُوْا** بِالْاَذٰى مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ وَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ **لَنُبَوِّئَنَّهُمْ** نُنْزِلَنَّهُمْ **فِى الدُّنْيَا** دَارًا **حَسَنَةً** هِىَ الْمَدِيْنَةُ **وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ** اَىِ الْجَنَّةُ **اَكْبَرُ** اَعْظَمُ **لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾** اَىِ الْكُفَّارُ اَوِ الْمُتَخَلِّفُوْنَ عَنِ الْهِجْرَةِ مَا لِلْمُهَاجِرِيْنَ مِنَ الْكَرَامَةِ لَوَافَقُوْهُمْ **هُمُ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا** عَلٰى اَذَى الْمُشْرِكِيْنَ وَالْهِجْرَةُ لِاِظْهَارِ الدِّيْنِ **وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾** فَيَرْزُقُهُمْ

مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُوْنَ **وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ** لَا مَلٰٓئِكَة **فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ** الْعُلَمَاءُ بِالتَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ **اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ فَاِنَّهُمْ يَعْلَمُوْنَهٗ وَاَنْتُمْ اِلٰى تَصْدِيْقِهِمْ اَقْرَبُ مِنْ تَصْدِيْقِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **بِالْبَيِّنٰتِ** مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ اَيْ اَرْسَلْنَاهُمْ بِالْحُجَجِ الْوَاضِحَةِ **وَالزُّبُرِ** الْكُتُبِ **وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ** الْقُرْاٰنَ **لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ** فِيْهِ مِنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ **وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ** ﴿۴۴﴾ فِيْ ذٰلِكَ فَيَعْتَبِرُوْنَ **اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا** الْمَكَرَاتِ **السَّيِّاٰتِ** بِالنَّبِيِّ فِيْ دَارِ النَّدْوَةِ مِنْ تَقْيِيْدِهٖ اَوْ قَتْلِهٖ اَوْ اِخْرَاجِهٖ كَمَا ذُكِرَ فِي الْاَنْفَالِ **اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ** كَقَارُوْنَ **اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ** ﴿۴۵﴾ اَيْ مِنْ جِهَةٍ لَا تَخْطُرُ بِبَالِهِمْ وَقَدْ اُهْلِكُوْا بِبَدْرٍ وَلَمْ يَكُوْنُوْا يُقَدِّرُوْا ذٰلِكَ **اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ** فِيْ اَسْفَارِهِمْ لِلتِّجَارَةِ **فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ** ﴿۴۶﴾ بِفَائِتِيْنَ الْعَذَابَ **اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ** تَنَقُّصٍ شَيْئًا فَشَيْئًا حَتّٰى يَهْلِكَ الْجَمِيْعُ حَالٌ مِنَ الْفَاعِلِ اَوِ الْمَفْعُوْلِ **فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ** ﴿۴۷﴾ حَيْثُ لَمْ يُعَاجِلْهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ **اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ** لَهٗ ظِلٌّ كَشَجَرٍ وَجَبَلٍ **يَتَفَيَّؤُا** يَمِيْلُ **ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ** جَمْعُ شِمَالٍ اَيْ عَنْ جَانِبَيْهَا اَوَّلَ النَّهَارِ وَاٰخِرَهٗ **سُجَّدًا لِّلّٰهِ** حَالٌ اَيْ خَاضِعِيْنَ بِمَا يُرَادُ مِنْهُمْ **وَهُمْ** اَيِ الظِّلَالُ **دٰخِرُوْنَ** ﴿۴۸﴾ صَاغِرُوْنَ نُزِّلُوْا مَنْزِلَةَ الْعُقَلَاءِ **وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ** اَيْ نَسَمَةٍ تَدِبُّ عَلَيْهَا اَيْ يَخْضَعُ لَهٗ بِمَا يُرَادُ مِنْهُ وَغُلِّبَ فِي الْاِتْيَانِ بِمَا لَا يَعْقِلُ لِكَثْرَتِهٖ **وَالْمَلٰٓئِكَةُ** خَصَّهُمْ بِالذِّكْرِ تَفْضِيْلًا **وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ** ﴿۴۹﴾ يَتَكَبَّرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ **يَخَافُوْنَ** اَيِ الْمَلٰٓئِكَةُ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ يَسْتَكْبِرُوْنَ **رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ** حَالٌ مِنْ هُمْ اَيْ عَالِيًا عَلَيْهِمْ بِالْقَهْرِ **وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ** ﴿۵۰﴾ السجدة ۳ بِهٖ

ع ۱۲

ترجمہ: .... اور جن لوگوں نے اللہ کے راستہ میں (اس کا دین قائم کرنے کی خاطر) اپنا وطن چھوڑا۔ ان پر ظلم و ستم ہو چکنے کے بعد (مکہ والوں کی طرف سے جنہیں ستایا گیا ہے یعنی نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ) انہیں ہم دنیا (مدینہ) میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا بدلہ (جنت) تو کہیں بڑھ کر ہے۔ کاش یہ لوگ جان لیتے، یعنی کافر یا ہجرت سے رہ جانے والے اگر مہاجرین کے مرتبہ سے واقف ہو جاتے تو یہ لوگ بھی ہجرت والوں کا ساتھ دیتے) یہ لوگ ایسے ہیں جو ثابت قدم رہے (دین کے غلبہ کی خاطر مشرکوں کی طرف سے اور ہجرت کی تکالیف گوارا کی) اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں (اس لئے اللہ انہیں ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں ان کا وہم و گمان بھی نہیں جا سکتا) اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسولوں کو بھیجا تو وہ آدمی ہی تھے۔ جن کے پاس ہم نے وحی بھیجی (فرشتے نہیں تھے) پس اہل علم (علماء تورات و انجیل) سے پوچھ لو اگر تمہیں علم نہیں (کیونکہ اہل کتاب ان باتوں سے واقف ہیں اور تمہیں ان کی تصدیق پر زیادہ اطمینان ہوگا۔ بہ نسبت مسلمانوں کی تصدیق کے، آنحضرت کے متعلق) اور ہم نے ان پیغمبروں کو

روشن دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ بھیجا تھا (لفظ بالبینت کا تعلق محذوف کے ساتھ ہے ای ارسلنا هم بالحجج الواضحة) اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین ان لوگوں کے پاس بھیجے گئے ہیں (قرآن کریم نے حلال وحرام سے متعلق) اور اس لئے کہ وہ غور وفکر کریں (ان باتوں میں اور پھر عبرت بھی حاصل کریں) پھر جن لوگوں نے بری بری تدبیریں کیں (نبی ﷺ کے متعلق، دارالندوہ میں جمع ہوکر کسی نے قید کرنے کا مشورہ دیا، کسی نے قتل کردینے کا اور کسی نے جلاوطن کرنے کا، جیسا کہ سورۂ انفال میں گذر چکا ہے) کیا وہ اس بات سے مطمئن ہوگئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں (قارون کی طرح) دھنسادے؟ یا ایک ایسے راستہ سے ان پر عذاب آپڑے۔ جس کا انہیں وہم وگمان بھی نہ ہو؟ (یعنی ایسی طرف سے عذاب آجائے جس کی طرف دھیان بھی نہ جاسکے، چنانچہ بدر میں یہ مشرکین تباہ ہوئے اور حالانکہ انہیں اس کا خیال تک نہیں تھا) یا (تجارتی سفروں میں) آتے جاتے عذاب الٰہی انہیں آپکڑے۔ سو یہ لوگ اللہ کو ہرا نہیں سکے (عذاب سے بچ نہیں سکے) یا انہیں گھٹاتے گھٹاتے پکڑلے (آہستہ آہستہ یہاں تک کہ سب ہلاک ہوجائیں۔ یہ فاعل یا مفعول سے حال واقع ہورہا ہے) بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑا ہی شفقت والا، بڑا ہی رحمت والا ہے (کہ جلد سزا نہیں دیتا) کیا ان لوگوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی ان چیزوں (درختوں، پہاڑوں) کو نہیں دیکھا، جن کے سائے کبھی ایک طرف اور کبھی دوسری طرف ڈھلتے رہتے ہیں (شمائل شمال کی جمع ہے یعنی صبح ایک طرف اور شام دوسری طرف سائے جھکتے رہتے ہیں) کہ اللہ کے آگے سجدے کرتے رہتے ہیں (یہ حال ہے یعنی اللہ کے حکم کے تابعدار ہیں) اور یہ (سائے) سب کے سب اس کے آگے مطیع ہیں (ان سایوں کو بمنزلہ عقلاء کے مان لیا گیا ہے) اور آسمان میں جتنی چیزیں ہیں اور زمین میں جتنے جانور ہیں (یعنی زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں، وہ اس مقصد کو پورا کررہے ہیں جس کے لئے انہیں پیدا کیا گیا ہے اور یہاں غیر عاقل چیزوں کی کثرت کی وجہ سے ما کے ساتھ تعبیر کرنے میں انہی کی رعایت کی گئی ہے) اور فرشتے سب سربسجود رہتے ہیں (فرشتوں کے ذکر کرنے میں تخصیص ان کی فضیلت کے پیش نظر ہے) اور وہ سرکشی نہیں کرتے (اللہ کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے) وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں (یعنی فرشتے، یہ ضمیر یستکبرون سے حال واقع ہورہا ہے) جو ان کے اوپر موجود ہے (یہ ضمیر هم سے حال ہے۔ یعنی ان پر بالادست ہے) اور جو کچھ حکم انہیں دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **لو کانوا** جلال محقق نے **لو افقوهم** سے جواب لو کی طرف اشارہ کیا ہے اور **هم** سے اس طرف اشارہ ہے کہ **الذین** مرفوع علی المدح ہے۔ **فاسئلوا** اس سے معلوم ہوا کہ جو بات معلوم نہ ہو جاننے والے سے معلوم کرلینا ضروری ہے۔ **بالبینت** یہ محذوف سے متعلق ہوکر **رجالا** کی صفت بھی ہوسکتی ہے۔ ای رجالا متلبسین بالبینت نیز اس کا تعلق **ارسلنا** سے بھی ہوسکتا ہے۔ ای وما ارسلنا الا رجالا بالبینات نیز حرف استثناء سے پہلے مانتے ہوئے بھی اس کا تعلق **ارسلنا** سے ہوسکتا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ وما ارسلنا من قبلك بالبینات والزبر الا رجالا نیز اس کا تعلق **یوحی** کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے۔ اسی طرح **لاتعلمون** کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے۔ شرط کو تبکیت کے معنی میں لیتے ہوئے اور چھٹا احتمال یہ ہے کہ اس کا تعلق محذوف کے ساتھ ہوتے ہوئے سوال مقدر کا جواب ہوجائے۔ گویا "**بم ارسلوا**" کے جواب میں "ارسلوا بالبینات" کہا گیا ہے۔ **علی تخوف** اس کے معنی آہستہ آہستہ گھٹانے کے ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ ایک روز منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے لوگو! اس لفظ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ سب خاموش رہے۔ البتہ قبیلہ ہذیل کا ایک بوڑھا کہنے لگا کہ ہمارے محاورہ میں تخوف کے معنی تنقص کے ہیں۔ آپ نے کسی شاعر کی سند طلب کی تو ایک بوڑھا کہنے لگا کہ ہاں ابوبکر شاعر ایک موقعہ پر اپنی اونٹنی کی تعریف کرتے ہوئے یہ لفظ استعمال کرتا ہے۔

الیمین والشمائل اس سے خاص مشرق ومغرب کی سمتیں مرادنہیں ہیں بلکہ مطلقاً دو جانبوں سے استعارہ اور مجاز ہے یا بلحاظ مکہ کے یمین بلد اور شمال بلد مراد ہے اور چونکہ وہاں داہنی جانب کم سایہ ہوتا ہے اور بائیں جانب زیادہ۔ اس لئے لفظ یمین مفرد اور شمائل جمع لایا گیا ہے یا کہا جائے کہ یمین کا تعلق لفظ ما خلق سے ہے اور لفظ شمال کا تعلق معنی سے ہے۔

ربطِ آیات :............ جس طرح پچھلی آیات میں کفار کی ایذ ارسانی پر آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی تھی۔ اسی طرح آیت والذین هاجروا الخ میں مسلمانوں کو بیوطن کر دینے کی تکالیف پر تسلی دی جارہی ہے۔ البتہ یہاں ہجرت مدینہ مرادنہیں ہے بلکہ ہجرت حبشہ مراد ہے۔ کیونکہ سورت کے مکی ہونے کی وجہ سے یہ آیت ہجرت مدینہ سے پہلے نازل ہو چکی ہے اور لنبوئنهم الخ میں مدینہ کا ٹھکانا مراد ہے۔ اس کے بعد آیت وما ارسلنا من قبلك سے رسالت کے متعلق ایک کفریہ شبہ کا جواب ہے اور آیت افامن الذین سے دنیوی سزا سے ڈرایا جارہا ہے آیت اولم یروا الخ میں توحید کا مضمون دہرایا جارہا ہے۔

﴿ تشریح ﴾ :............ **اسلام میں سب سے پہلی ہجرت :**............ ظلم وتشدد جب اس حد تک پہنچ گیا کہ مسلمانوں پر زندہ رہنا دشوار ہو گیا تو پیغمبر اسلام نے اجازت دے دی کہ مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ پہلے بارہ مرد اور چار عورتوں کا قافلہ مکہ سے نکلا۔ جس کے رئیس حضرت عثمان بن عفانؓ تھے۔ اس کے بعد اور لوگ نکلے جن کی تعداد ۷۳ مردوں اور ۱۸ عورتوں تک پہنچ گئی اسلام میں یہ پہلی ہجرت تھی۔ دوسری ہجرت مدینہ کی طرف ہوئی اس آیت میں ہجرت حبشہ کا ذکر ہے۔ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے اللہ کی سچائی کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا ہے اور ہجرت کی مصیبتیں برداشت کی ہیں۔ تو ضرور ہے کہ اللہ ان کا مددگار ہو اور ان کے لئے دنیا میں اچھا ٹھکانا پیدا کر دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حبشہ کا غربت کدہ ان کے لئے امن وامان کا مہمان سرا بن گیا۔ یہ وہی حبشہ ہے جس کے ایک سپہ سالار ابرہہ نے پچاس برس پہلے مکہ پر حملہ کیا تھا۔ لیکن اب اس مکہ کے مظلوموں کا اخلاص ومحبت کے ساتھ استقبال کر رہا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ مظلومیت کی یہ ہجرت تبلیغ حق کی کامرانیوں کا ایک عجیب وغریب وسیلہ بن گئی۔ یعنی حبشہ کے بادشاہ کا دل، قبولیت حق کے لئے کھل گیا اور دعوت اسلام پر ایمان لے آیا۔ جس عمدہ ٹھکانہ کا اس آیت میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس سے مدینہ طیبہ کی سرزمین اقدس مراد ہے۔ پس بعض مسلمانوں کا استقبال اگرچہ حبشہ میں ہو چکا تھا۔ لیکن اکثر مسلمان مدینہ میں قیام پذیر ہوئے۔ نیز اصل مقصد تو اطمینان وسکون کا حاصل ہونا۔ پریشانی سے نجات پانا ہے اور وہ وفات پانے والے مسلمانوں پر ہی صادق آتا ہے۔ اہل ذکر سے مراد اہل کتاب ہیں۔ اس مسئلہ میں مشرکین اگرچہ اہل کتاب کے بھی خلاف تھے لیکن ان کی مذہبی حیثیت سے قطع نظر صرف نقل اور تواتر کے لحاظ سے ان کی بات کو حجت کہا جارہا ہے اور تواتر میں چونکہ نقل کرنے والے کا عادل ہونا شرط نہیں ہے۔ اس لئے اہل کتاب کا غیر عادل ہونا اجتماع کے لئے مضر نہیں ہے۔

سائے بھی قدرت الٰہی کے عجائبات میں سے ہیں :............ قوانین الٰہی کی عجائب آفرینیوں میں سے ایک عجیب وغریب منظر جسموں کے سائے کا ہے۔ نظام شمسی کے تمام کرشمے اس سایہ میں ہم دیکھ سکتے ہیں یہ ہمارے جسم کے ساتھ ساتھ رہتا ہے اور ساتھ ساتھ چلتا ہے لیکن لاکھوں میل کی خبر دے دیتا ہے۔ سورج کا طلوع، عروج، زوال، غروب، ساری حالتیں ہم اس آئینہ میں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ کبھی بڑھتا ہے، کبھی گھٹتا ہے، کبھی ابھرتا ہے، کبھی غائب ہو جاتا ہے، کبھی کھڑا ہوتا ہے، کبھی جھکتا ہے، کبھی داہنے ہوتا ہے، کبھی بائیں، اس کی تمام حالتوں کا قانون اس درجہ قطعی اس درجہ یکساں، اس درجہ منظم ہے کہ اس میں فتور پڑنے کا ہمیں وہم

وگمان بھی نہیں ہوسکتا۔ جس وقت تک گھڑیاں ایجاد نہیں ہوئی تھیں۔ یہی سایہ گھڑی کا کام دیتا تھا اور اس سے دھوپ گھڑی بنی تھی۔ آج کل بھی میدانوں اور دیہاتوں میں جہاں گھڑیاں نہیں ہوتیں۔ دہقان سایہ دیکھ کر معلوم کر لیتا ہے کہ کتنا دن چڑھ چکا ہے۔ کتنا ڈھل چکا ہے۔ سایہ جب برابر ہو جاتا ہے تو دوپہر کا وقت ہے۔ جب گھٹنے بڑھنے لگے تو اس کی ہر مقدار گھڑی کی سوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن قوانین الٰہی کے پھیلاؤ کا ذکر کرتے ہوئے سایہ کی طرف توجہ دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تم سے دور نہیں ہر وقت تمہارے جسم کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے ہمیشہ اس پر تمہاری نگاہیں رہتی ہیں کیونکہ اسی سے وقت کا اندازہ لگایا کرتے ہو۔ پس غور کرو اس کی حقیقت کیا ہے؟ کس طرح یہ شہادت دے رہا ہے کہ یہاں کی ہر چیز کسی مدبر وحکیم ہستی کے احکام کے آگے سربسجود ہے اور اس نے جس چیز کے لئے جو حکم نافذ کر دیا ہے ممکن نہیں کہ اس کی تعمیل میں بال برابر بھی انحراف ہو۔ یہاں بھی آیت اولم یروا الخ میں اسی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

مختلف قسم کی آفتیں: .... آفتیں مختلف طرح کی ہوتی ہیں۔ لیکن آیت یاتیھم العذاب میں ان آفتوں کی طرف اشارہ ہے۔ جو انسان کے واسطہ سے پیش آتی ہیں اور یخسف اللہ الخ میں ان آفتوں کی طرف اشارہ ہے۔ جو غیبی اور کبھی کبھی ہوں اور آیت یاخذھم میں وہ آفتیں مراد ہیں جو معمولی اور غیبی ہوں اور خاص شخص کے اعتبار سے ہوں اور آیت **یاخذھم علی تخوف** میں وہ آفتیں مراد ہیں جو غیبی معمولی عام ہوں۔

لطائف آیات: .... آیت والذین ھاجروا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ پر دنیا میں بھی ثمرہ مرتب ہوتا ہے۔ آیت فاسئلوا اھل الذکر الخ میں شیخ کامل کی تقلید بھی داخل ہے۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ تَاكِيْدٌ **اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ** اَتٰى بِهٖ لِاِثْبَاتِ الْاِلٰهِيَّةِ وَالْوَحْدَانِيَّةِ **فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾** خَافُوْنِ دُوْنَ غَيْرِيْ وَفِيْهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ **وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** مِلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا **وَلَهُ الدِّيْنُ** الطَّاعَةُ **وَاصِبًا** دَائِمًا حَالٌ مِنَ الدِّيْنِ وَالْعَامِلُ فِيْهِ مَعْنَى الظَّرْفِ **اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾** وَهُوَ الْاِلٰهُ الْحَقُّ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلْاِنْكَارِ اَوِ التَّوْبِيْخِ **وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ** اَيْ لَا يَأْتِيْ بِهَا غَيْرُهٗ وَمَا شَرْطِيَّةٌ اَوْ مَوْصُوْلَةٌ **ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ** اَصَابَكُمُ **الضُّرُّ** الْفَقْرُ وَالْمَرَضُ **فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ ﴿۵۳﴾** تَرْفَعُوْنَ اَصْوَاتَكُمْ بِالْاِسْتِغَاثَةِ وَالدُّعَاءِ وَلَا تَدْعُوْنَ غَيْرَهٗ **ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ** مِنَ النِّعْمَةِ **فَتَمَتَّعُوْا** بِاجْتِمَاعِكُمْ عَلٰى عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ اَمْرُ تَهْدِيْدٍ **فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾** عَاقِبَةَ ذٰلِكَ **وَيَجْعَلُوْنَ** اَيِ الْمُشْرِكُوْنَ **لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ** اَنَّهَا لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَهِيَ الْاَصْنَامُ **نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ** مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ بِقَوْلِهِمْ هٰذَا لِلّٰهِ وَهٰذَا لِشُرَكَائِنَا **تَاللّٰهِ لَتُسْئَلُنَّ** سُؤَالَ تَوْبِيْخٍ وَفِيْهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ **عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾** عَلَى اللّٰهِ مِنْ اَنَّهٗ اَمَرَكُمْ بِذٰلِكَ

ويجعلون لله البنت بقولهم الملائكة بنات الله **سبحنه** تنزيها له عما زعموا **ولهم ما يشتهون** ﴿۵۷﴾ اي البنون والجملة في محل رفع او نصب بيجعل المعنى يجعلون له البنات التي يكرهونها وهو منزه عن الولد ويجعلون لهم الابناء الذين يختارونها فيختصون بالابناء لقوله فاستفتهم الربك البنات ولهم البنون **واذا بشر احدهم بالانثى** تولد له **ظل** صار **وجهه مسودا** متغيرا تغير مغتم **وهو كظيم** ﴿۵۸﴾ ممتلئ غما فكيف تنسب البنات اليه تعالى **يتوارى** يختفي **من القوم** اي قومه **من سوء ما بشر به** خوفا من التعيير مترددا فيما يفعل به **ايمسكه** يتركه بلا قتل **على هون** هوان وذل **ام يدسه في التراب** بان يئده **الا ساء** بئس **ما يحكمون** ﴿۵۹﴾ حكمهم هذا حيث نسبوا لخالقهم البنات اللاتي هن عندهم بهذا المحل **للذين لا يؤمنون بالاخرة** اي الكفار **مثل السوء** اي الصفة السوأى بمعنى القبيحة وهي وأدهم البنات مع احتياجهم اليهن للنكاح **ولله المثل الاعلى** الصفة العليا وهو انه لا اله الا هو **وهو العزيز** في ملكه **الحكيم** ﴿۶۰﴾ في خلقه **ولو يؤاخذ الله الناس بظلمهم** بالمعاصي **ما ترك عليها** اي الارض **من دابة** نسمة تدب عليها **ولكن يؤخرهم الى اجل مسمى فاذا جاء اجلهم لا يستاخرون** عنه **ساعة ولا يستقدمون** ﴿۶۱﴾ عليه **ويجعلون لله ما يكرهون** لانفسهم من البنات والشريك في الرياسة واهانة الرسل **وتصف** تقول **السنتهم** مع ذلك **الكذب** وهو **ان لهم الحسنى** عند الله اي الجنة كقوله ولئن رجعت الى ربي ان لي عنده للحسنى قال تعالى **لا جرم** حقا **ان لهم النار وانهم مفرطون** ﴿۶۲﴾ متروكون فيها او مقدمون اليها وفي قراءة بكسر الراء متجاوزون الحد **تالله لقد ارسلنا الى امم من قبلك** رسلا **فزين لهم الشيطن اعمالهم** السيئة فراوها حسنة فكذبوا الرسل **فهو وليهم** متولي امورهم **اليوم** اي في الدنيا **ولهم عذاب اليم** ﴿۶۳﴾ مؤلم في الاخرة وقيل المراد باليوم يوم القيمة على حكاية الحال الاتية اي لا ولي لهم غيره وهو عاجز عن نصر نفسه فكيف ينصرهم **وما انزلنا عليك** يا محمد **الكتب** القران **الا لتبين لهم** للناس **الذي اختلفوا فيه** من امر الدين **وهدى** عطف على لتبين **ورحمة لقوم يؤمنون** ﴿۶۴﴾ به **والله انزل من السماء ماء فاحيا به الارض** بالنبات **بعد موتها** يبسها **ان في ذلك** المذكور **لاية** دالة على البعث **لقوم يسمعون** ﴿۶۵﴾ سماع تدبر

ترجمہ: .... اور اللہ نے فرمایا کہ دو دو معبود (لفظ اثنین، تاکید ہے الٰہین کی) اپنے لئے مت بناؤ۔ حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں

ہے، کہ وہی ایک معبود ہے (اس سے مقصود، الوہیت اور وحدانیت ثابت کرنا ہے) پس صرف مجھ ہی سے ڈرو (میرے سوا کسی سے مت ڈرو، اس میں غائب کے صیغہ سے التفات پایا جاتا ہے) اور اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمان وزمین میں ہے (وہی مالک وخالق ہے۔ سب اسی کے بندے ہیں) اور اسی کے لئے دائمی اطاعت ہے (واصباً حال ہے دین سے اور اس میں معنی ظرف عامل ہیں) پھر کیا تم اللہ کے سوا دوسری ہستیوں سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ وہی معبود برحق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، استفہام انکار یا توبیخ کے لئے ہے) اور تمہارے پاس جو کچھ بھی نعمت ہے سب اللہ ہی کی طرف سے ہے (اس کے سوا کوئی بھی اسے نہیں دیتا اور ما شرطیہ یا موصولہ ہے) پھر جب تمہیں کوئی دکھ پہنچتا ہے (افلاس یا بیماری پیش آتی ہے) تو اسی کے آگے فریاد وزاری کرتے ہو (دہائی دیتے ہوئے یا دعا میں چیختے چلاتے ہوئے اور کسی دوسرے کو نہیں پکارتے) پھر جب تم سے دکھ درد، دور کردیتا ہے تو تم میں سے ایک گروہ معاً اپنے پروردگار کے ساتھ دوسری ہستیوں کو شریک بنانے لگتا ہے تاکہ جو (نعمت) ہم نے اسے دی تھی اس کی ناشکری کرے، اچھا خیر چند روز عیش اڑالو (سب مل کر بت پرستی کرلو، یہ امر تہدید کے لئے ہے) اب جلد ہی تمہیں پتہ چل جاتا ہے۔ (اس کے انجام کا) پھر یہ لوگ (مشرکین) ان چیزوں کے لئے جن کے متعلق انہیں کچھ علم نہیں (کہ وہ نہ نفع بخش ہیں یا نقصان رساں یعنی بت) ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے حصہ لگاتے ہیں (یعنی کھیتی باڑی اور جانوروں میں سے یہ کہہ کر کہ یہ اللہ کا حصہ ہے اور یہ ان بتوں کی ڈھیری ہے) بخدا تم سے ضرور باز پرس ہوگی (سوال توبیخی ہے اور اس میں غائب سے التفات پایا جاتا ہے) جو تم نے افتراء پردازیاں کی ہیں (کہ اللہ نے تمہیں اس کا اس بارے میں حکم دیا ہے) اور یہ اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے رہتے ہیں (فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے رہتے ہیں) اس کے لئے پاکی ہو (جن باتوں کا اللہ کے لئے یہ لوگ گمان کرتے ہیں) اور اپنے لئے جی چاہتی چیز پسند کرتے ہیں (یعنی بیٹے، اور جملہ محل رفع میں ہے یا یجعل کی وجہ سے منصوب ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے لئے تو بیٹیوں کا انتخاب کر رکھا ہے جو خود اپنے لئے پسند نہیں۔ حالانکہ اللہ بالکل اولاد سے پاک ہے اور اپنے لئے بیٹے تجویز کر رکھے ہیں جو من پسند چیز ہے۔ چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ فاستفتهم الربك الخ جب ان لوگوں میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو سارا دن اس کا چہرہ پیلا رہتا ہے (مارے غم کے بے رونق) اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہتا ہے (غم میں ڈوبا رہتا ہے) پھر بیٹیوں کی نسبت (آخر اللہ کی طرف کیسے کرتا ہے) لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے، اس خبر سے شرم کے مارے جو اسے دی گئی تھی (عار کے ڈر سے اس تردد کے ساتھ کہ نہ معلوم اس کے ساتھ کیا کیا جائے گا) آیا اس لئے رہے (بلاقتل کے چھوڑے رکھے) ذلت (رسوائی) کے ساتھ یا مٹی کے تلے اسے گاڑ دے (زندہ درگور کردے) خوب سن لو کہ ان کی یہ تجویز (فیصلہ) بہت ہی بری ہے (کہ اپنے پیدا کرنے والے کی طرف تو ایسی بیٹیوں کی نسبت کررہے ہیں جن کی وقعت ان کے نزدیک اتنی ہے) حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے (یعنی کافر) ان کی بری حالت ہے (یعنی ان کی یہ عادت بدترین ہے کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کردیتے ہیں۔ حالانکہ نکاح اور شادی بیاہ کے لئے ان کے ضرورتمند ہیں) اور اللہ تعالیٰ کے لئے تو بڑے اعلیٰ درجہ کی صفات ثابت ہیں (اس کی شان تو بڑی ہے یعنی یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) اور وہ (اپنے ملک میں) بڑے زبردست (اپنی مخلوق میں) بڑی حکمت والے ہیں اور اگر اللہ، لوگوں کو ان کے ظلم (گناہوں) پر پکڑ لیا کرتا تو ممکن نہیں تھا کہ زمین کی سطح پر کوئی جاندار چیز باقی رہ جاتی (جو زمین پر رینگنے والی ہوتی) لیکن وہ انہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دے رہا ہے۔ پھر جب ان کا مقررہ وقت آپہنچے گا تو نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ ایک گھڑی آگے، اور یہ اللہ کے لئے ایسی باتیں ٹھہراتے ہیں جنہیں خود پسند نہیں کرتے (یعنی لڑکیوں کا ہونا اور شریک کی موجودگی۔ اور پیغمبروں کی توہین) اور اپنی زبانوں سے جھوٹے دعوے کرتے جاتے ہیں (یعنی یہ) کہ ان کے لئے اچھائی ہی اچھائی ہے (اللہ کے یہاں، یعنی جنت جیسا کہ

دوسری آیت میں نقل فرمایا گیا ہے۔ ولئن رجعت الی ربی الخ حق تعالیٰ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں) لازمی (یقینی) بات ہے کہ ان کے لئے دوزخ ہے۔ بلاشبہ وہ اس میں سب سے پہلے پہنچنے والے ہیں (جہنم رسید ہونے والے ہیں یا سب سے پہلے جہنم میں جھونکے جائیں گے اور ایک قرأت میں راء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ یعنی حدود سے آگے بڑھنے والے) بخدا آپ سے پہلے جتنی امتیں ہو گزری ہیں ان کے پاس بھی ہم نے رسولوں کو بھیجا تھا۔ لیکن شیطان نے لوگوں کو بدعملیاں خوشنما کر کے دکھلائیں (برے کاموں کو لوگ اچھے کام سمجھنے لگے اور پیغمبروں کو جھٹلانے لگے) پس شیطان ان کا رفیق (کارساز) بن بیٹھا۔ آج کے دن (یعنی دنیا میں) اور ان کے لئے دردناک سزا ہوگی (آخرت میں اور بعض کی رائے ہے کہ الیوم سے مراد قیامت کا دن ہے آنے والے حال کی حکایت کرتے ہوئے، یعنی بجز شیطان کے ان کا کوئی ہمدرد نہیں ہوگا جو خود بھی اپنی مدد نہیں کر سکے گا۔ جو دوسروں کی مدد تو خیر کیا کرے گا) اور ہم نے آپ پر (اے محمدؐ) یہ کتاب (قرآن) صرف اس لئے اتاری ہے کہ جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں (دینی معاملات میں) ان کی حقیقت ان پر واضح کر دے اور ایمان والوں کی ہدایت اور رحمت کی غرض سے (ھدی کا عطف تبین پر ہے) اور اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس سے (سبزی اگا کر) زمین کو زندگی بخشی جو مردہ ہو چکی تھی۔ بلاشبہ اس صورت میں ان لوگوں کے لئے ایک نشانی ہے (قیامت کے ہونے کو بتلانے والی) جو (جی لگا کر) سنتے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... الھین اثنین، الھین جب کہ خود تثنیہ ہے۔ پھر اثنین کہنے کی ضرورت کیا پیش آئی؟ جواب یہ ہے کہ عبارت میں تقدیم تاخیر ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ لا تتخذوا اثنین الھین اور یا کہا جائے کہ شرک کی برائی میں مبالغہ کرنے کے لئے اثنین کہا گیا ہے۔ من سوء ما بشر غم ورنج کی طرح خوشی بھی چونکہ چہرہ میں تغیر پیدا کر دیتی ہے۔ اس لئے بشارت سے مراد مطلق تغیر کنندہ ہے اور یا بشارت کے معنی مطلق خبر کے لئے جائیں۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات میں توحید کا بیان تھا۔ اب آیت وقال اللہ الخ سے شرک کا رد کیا جا رہا ہے۔

آیت ولو یواخذ الخ میں یہ بتلانا ہے کہ شرک کے اثر سے اگرچہ عذاب جلد آنا چاہئے تھا۔ لیکن حکمت کے تقاضہ سے سزا میں دیر کی گئی ہے، اور آیت ویجعلون الخ سے یہ بتلانا ہے کہ شرک کے باوجود مشرکین اپنی نجات کے دعویدار ہیں۔ آگے آیت تاللہ الخ سے آنحضرت ﷺ کی تسلی اور رسالت کا اثبات اور قرآن کی حقانیت کا بیان ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **فرشتے دیوتا اور دیویاں ہیں یا خدا تعالیٰ کی بیٹیاں:** .... انسان میں جس طرح مرد عورت کا امتیاز ہے، لوگوں نے خیال کیا کہ اسی طرح روحانی قوتوں میں بھی دو جنسیں ہونی چاہئیں۔ مرد دیوتا ہیں اور عورتیں دیویاں ہیں۔ چنانچہ دنیا کی تمام اصنام پرست اقوام کی دیو بانیوں میں، یہ خیال عام طور پر نمایاں رہا ہے۔ مشرکین عرب میں بھی یہ تخیل پیدا ہو گیا تھا۔ قبیلہ خزاعہ اور کنانہ کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ فرشتوں کا تصور دیبیوں کی شکل میں کرتے تھے اور انہیں خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔

عورتوں کی نسبت مشرکین کا متضاد خیال: .... قرآن نے جا بجا یہ خیال نقل کیا ہے اور اس کی برائی پر توجہ دلائی ہے کہ وہ فرشتوں کو تو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے لیکن خود عورتوں کی نسبت ان کے خیالات کیا تھے؟ زیادہ سے زیادہ اسے ذلیل مخلوق سمجھتے تھے۔ جب کسی کے یہاں بیٹی پیدا ہوتی تو اسے بڑی غمگینی اور بدنصیبی کی بات سمجھتا بعض قبیلے جنہیں اپنے نسلی شرف کا بڑا گھمنڈ تھا بیٹی کے باپ ہونے میں ایسی ذلت سمجھتے کہ اکثر حالتوں میں اسے خود اپنے ہاتھ سے زندہ گاڑ دیتے، جب کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر ملتی تو

مارے شرم کے لوگوں کے سامنے نہ آتا اور سوچنے لگتا ہے کہ ذلت گوارا کر کے بیٹی والا بن جائے یا ایک باعزت آدمی کی طرح اسے زمین میں زندہ دفن کر دے یہاں ایک طرف تو ان کے عقیدہ کی برائی دکھلائی کہ جس بات کو خود اپنے لئے ذلت کی بات سمجھتے ہیں اسے خدا کے لئے تجویز کرنے میں انہیں باک نہیں۔ دوسری طرف خود اس برائی کو رد کرنا ہے کہ عورت ذات کو جو مرد ہی کی طرح انسان کی ایک جنس ہے ذلیل و حقیر سمجھتے ہیں حتی کہ اپنی اولاد کو خود اپنے ہاتھوں قتل کرتے ہیں۔ کیا ہی برا فیصلہ ہے جو انہوں نے اس معاملہ میں کر رکھا ہے۔

دُختر کشی کی رسم: .... مردوں کا عورتوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کرنا ایک مسلسل سرگذشت ہے اور اس سرگذشت کا ایک سب سے زیادہ وحشیانہ معاملہ دختر کشی کی رسم ہے، اسلام کا جب ظہور ہوا تو عرب کے اکثر قبیلوں میں یہ رسم اسی طرح جاری تھی جس طرح ہندوستان کی مختلف قوموں میں پچھلی صدی تک جاری رہ چکی ہے لوگ اس پر فخر کرتے تھے اور کہتے تھے ہمارے قبیلے کے لوگ بیٹی کے باپ ہونے کی عار کو گوارا نہیں کر سکتے۔ لیکن اسلام نے نہ صرف یہ رسم مٹادی بلکہ وہ ذہنیت بھی مٹادی جو ان تمام وحشیانہ مظالم کے اندر کام کر رہی تھی اس نے اعلان کیا کہ مرد و عورت کا یہ جنسی اختلاف، کسی فضیلت اور محرومی کی بنیاد نہیں ہوسکتا۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے بحیثیت انسان ہونے کے ایک درجہ میں رکھا ہے اور دونوں کے لئے یکساں طریقہ پر ہر طرح کی فضیلتوں کی راہ کھولدی ہے ہاں دونوں نوعیت کا فرق اپنی جگہ پر صحیح ہے۔

خدا تعالیٰ انسانی تصور کی گرفت سے باہر ہے: .... انسان کے لئے اللہ خالق و پروردگار کی ہستی کے تصور سے بڑھ کر کوئی قدرتی اور حقیقی تصور نہیں ہوسکتا لیکن وہ ہستی کیسی؟ اس کی صفتوں کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور وہ صفتیں کیا کیا ہیں اور کس نوعیت کی ہیں؟ یہاں سے انسانی عقل کی درماندگیاں شروع ہوجاتی ہیں اور پھر کوئی گمراہی ایسی نہیں جس میں وہ گم ہوجانے کے لئے تیار نہ ہوجاتا ہو۔ حتی کہ بعض اوقات بھٹکتے بھٹکتے اتنا دور چلا جاتا ہے کہ جس درجہ پر خود کھڑا ہے اس سے بھی خدا کا تصور نیچے گرا دیتا ہے۔

قانون امہال: .... آیت **ولو یؤاخذ اللہ الخ** میں قانون امہال کا ذکر کیا جارہا ہے اور اس شرط وجزاء میں لزوم اس طرح ہے کہ ظالم تو اپنے ظلم کی وجہ سے ہلاک ہوتے اور جو ظالم نہ ہوتے وہ یوں ہلاک ہوجاتے کہ اس دنیا میں مصلحت خداوندی کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی آبادی اچھے اور برے سب طرح کے لوگوں سے ہو۔ ورنہ صرف نیکوں کی آبادی تو ایسی ہوگی جیسے آسمانوں پر فرشتوں کی آبادی پس جب اس دنیا میں ظالم تباہ کر دیئے جاتے تو مصلحت الٰہی باقی نہ رہنے کی وجہ سے اچھوں کے باقی رہنے کی بھی ضرورت نہ رہتی۔ اس لئے انہیں بھی ہلاک کر دیا جاتا۔ جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے کہ **لو لم تذنبوا لذهب الله بكم الخ** یعنی اگر سب نیک ہوجائیں اور گنہگار نہ رہے تو اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو پیدا فرمائے گا اور جانوروں وغیرہ دوسری مخلوقات انسان ہی کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ جب انسان ہی نہ رہتا تو دوسری چیزیں کیا ہوتیں۔

آیت **یجعلون للّٰه مایکرھون** اور آیت **یجعلون للّٰه البنات الخ** میں بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو **مایکرھون** بہ نسبت **بنات** کے عام ہے۔ کیونکہ اپنی ریاست میں کسی کا شرکت کا ناپسند ہونا بھی اس میں داخل ہے۔ دوسرے **مایکرھون** میں زیادہ تر اس بات پر زور دینا ہے کہ ایسی غلط باتیں کر کے یہ لوگ قیامت میں اپنے لئے بھلائی کی امید رکھتے ہیں اور قیامت کے یہ لوگ اگر چہ منکر تھے لیکن بہ طور فرض کے یہ آس بھی لگائے رکھتے تھے۔

عقل کی درماندگی اور وحی کی وسعت: .... قرآن نے جا بجا کہا ہے کہ جن باتوں کو انسان اپنی عقل وادراک سے نہیں

پاسکتا اور اس لئے طرح طرح کے اختلافات میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ کوئی کچھ سمجھنے لگتا ہے کوئی کچھ، وحی الٰہی نمودار ہوتی ہے۔ تاکہ ان اختلافات کو دور کردے اور بتلادے کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ یہ باتیں کون سی ہیں۔ جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں اور جن کا اختلاف اس کے بغیر دور نہیں ہوسکتا کہ کتاب الٰہی آئے اور پردہ اٹھادے؟ وہ تمام باتیں جو انسان کی عقل وادراک کی سرحد سے پرے ہیں۔ اللہ کی صفات، مرنے کے بعد کی زندگی، برزخ اور قیامت کے احوال اور واقعات، جزائے عمل کا قانون، عالم غیب کے حقائق، یعنی وہ ساری باتیں جن کے اعتقاد وعمل کی درستگی سے روحانی سعادت کی زندگی پیدا ہوسکتی ہے انسان جب کبھی اس راہ میں وحی الٰہی کی روشنی سے الگ ہوکر قدم اٹھاتا ہے۔ اختلافات کی تاریکیوں میں گم ہوجاتا ہے لیکن جوں ہی اس روشنی میں آجاتا ہے حقیقت واضح ہوجاتی ہے اور ہر طرح کے اختلافات وشکوک ختم ہوجاتے ہیں۔ کتاب ہدایت کا اترنا ایسا ہی ہے جیسے باران رحمت کا نزول، وہ مردہ زمین کو زندہ کردیتی ہے۔ یہ مردہ دلوں کو زندہ کردیتا ہے۔

لطائف آیات: .... آیت **وما بکم من نعمة الخ** سے اشارہ ہے کہ سب نعمتوں کے واسطے منعم حقیقی کے مظاہر ہیں۔ یہی حقیقت مسئلہ مظہریت کی ہے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً اِعْتِبَارًا **نُسْقِيْكُمْ** بَيَانٌ لِّلْعِبْرَةِ **مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ** اَیِ الْاَنْعَامِ **مِنْ** لِلْاِبْتِدَاءِ مُتَعَلِّقَةٌ بِنُسْقِيْكُمْ **بَيْنِ فَرْثٍ** ثُفْلُ الْكَرِشِ **وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا** لَايَشُوْبُهٗ شَیْءٌ مِّنَ الْفَرْثِ وَالدَّمِ مِنْ طَعْمٍ اَوْ لَوْنٍ اَوْ رِيْحٍ وَهُوَ بَيْنَهُمَا **سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ** ﴿۶۶﴾ سَهْلُ الْمُرُوْرِ فِیْ حَلْقِهِمْ لَايَغُصُّ بِهٖ **وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ** ثَمَرٌ **تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا** خَمْرًا تَسْكُرُ سُمِّيَتْ بِالْمَصْدَرِ وَهٰذَا قَبْلَ تَحْرِيْمِهَا **وَّرِزْقًا حَسَنًا** كَالتَّمْرِ وَالزَّبِيْبِ وَالْخَلِّ وَالدِّبْسِ **اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرِ **لَاٰيَةً** عَلٰی قُدْرَتِهٖ تَعَالٰی **لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ** ﴿۶۷﴾ يَتَدَبَّرُوْنَ **وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ** وَحْیَ اِلْهَامٍ **اَنِ** مُفَسِّرَةٌ اَوْ مَصْدَرِيَّةٌ **اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا** تَاْوِیْ اِلَيْهَا **وَّمِنَ الشَّجَرِ** بُيُوْتًا **وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ** ﴿۶۸﴾ اَیِ النَّاسُ يَبْنُوْنَ لَكِ مِنَ الْاَمَاكِنِ وَاِلَّالَمْ تَاْوِ اِلَيْهَا **ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ** اُدْخُلِیْ **سُبُلَ رَبِّكِ** طُرُقَهٗ فِیْ طَلَبِ الْمَرْعٰی **ذُلُلًا** جَمْعُ ذَلُوْلٍ حَالٌ مِنَ السُّبُلِ اَیْ مُسَخَّرَةً لَكِ فَلَا تَعْسُرُ عَلَيْكِ وَاِنْ تَوَعَّرَتْ وَلَا تَضِلِّیْ عَنِ الْعَوْدِ مِنْهَا وَاِنْ بَعُدَتْ وَقِيْلَ حَالٌ مِنَ الضَّمِيْرِ فِیْ اُسْلُكِیْ اَیْ مُنْقَادَةً لِمَا يُرَادُ مِنْكِ **يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ** هُوَ الْعَسَلُ **مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ** مِنَ الْاَوْجَاعِ قِيْلَ لِبَعْضِهَا كَمَا دَلَّ عَلَيْهِ تَنْكِيْرُ شِفَاءٍ اَوْ لِكُلِّهَا بِضَمِيْمَةٍ اِلٰی غَيْرِهٖ اَقُوْلُ وَبِدُوْنِهَا بِنِيَّةٍ وَقَدْ اَمَرَ بِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَطْلَقَ بَطْنُهٗ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ **اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ** ﴿۶۹﴾ فِیْ صُنْعِهٖ تَعَالٰی **وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ** وَلَمْ تَكُوْنُوْا شَيْئًا **ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ** عِنْدَ انْقِضَاءِ اٰجَالِكُمْ **وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ** اَیْ اَخَسِّهٖ مِنَ الْهَرَمِ وَالْخَرَفِ **لِكَیْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا** قَالَ

عكرمة من قرأ القرآن لم يصر بهذه الحالة **إنَّ اللهَ عَلِيْمٌ** بتدبير خلقه **قَدِيْرٌ** ﴿۷۰﴾ على ما يريده **وَاللهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ** فمنكم غني وفقير ومالك ومملوك **فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا** اى الموالى **بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ** اى بجاعلى ما رزقناهم من الاموال وغيرها شركة بينهم وبين مماليكهم **فَهُمْ** اى المماليك والموالى **فِيْهِ سَوَآءٌ** شركاء المعنى ليس لهم شركاء من مماليكهم فى اموالهم فكيف يجعلون بعض مماليك الله شركاء له **اَفَبِنِعْمَةِ اللهِ يَجْحَدُوْنَ** ﴿۷۱﴾ يكفرون حيث يجعلون له شركاء **وَاللهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا** فخلق حواء من ضلع ادم وسائر الناس من نطف الرجال والنساء **وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً** اولادًا لاولاد **وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ** من انواع الثمار والحبوب والحيوان **اَفَبِالْبَاطِلِ** الصنم **يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ** ﴿۷۲﴾ باشراكهم **وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ** اى غيره **مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ** بالمطر **وَالْاَرْضِ** بالنبات **شَيْئًا** بدل من رزقا **وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ** ﴿۷۳﴾ يقدرون على شيء وهو الاصنام **فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ** لا تجعلوا لله اشباها تشركونهم به **اِنَّ اللهَ يَعْلَمُ** ان لا مثل له **وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** ﴿۷۴﴾ ذلك **ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا** ويبدل منه **عَبْدًا مَّمْلُوْكًا** صفة تميزه من الحر فانه عبد الله تعالى **لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ** لعدم ملكه **وَّمَنْ** نكرة موصوفة اى حرا **رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا** اى يتصرف فيه كيف يشاء والاول مثل الاصنام والثانى مثله تعالى **هَلْ يَسْتَوٗنَ** اى العبيد العجزة والحر المتصرف لا **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ** وحده **بَلْ اَكْثَرُهُمْ** اى اهل مكة **لَا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۷۵﴾ ما يصيرون اليه من العذاب فيشركون **وَضَرَبَ اللهُ مَثَلًا** ويبدل منه **رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ** ولد اخرس **لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ** لانه لا يفهم ولا يفهم **وَّهُوَ كَلٌّ** ثقيل **عَلٰى مَوْلٰهُ** ولى امره **اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُ** يصرفه **لَا يَاْتِ** منه **بِخَيْرٍ** بنجح وهذا مثل الكافر **هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ** اى الابكم المذكور **وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ** اى ومن هو ناطق نافع للناس حيث يامر به ويحث عليه **وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ** طريق **مُّسْتَقِيْمٍ** ﴿۷۶﴾ وهو الثانى المؤمن لا وقيل هذا مثل الله تعالى والابكم للاصنام والذى قبله فى الكافر والمؤمن

ع ۹ ۱۵ — ع ۱۶

ترجمہ: .... اور بلاشبہ تمہارے لئے چوپایوں میں سوچنے سمجھنے کے لئے بڑا سامان عبرت ہے۔ ہم ان کے پیٹ میں (یہاں سے عبرت کا بیان ہو رہا ہے) جو گوبر (گندگی) ہے (من ابتداء کے لئے ہے اور نسقیکم سے اس کا تعلق ہے) اور خون ہے، اس کے درمیان سے صاف دودھ پیدا کر دیتے ہیں (جس میں نہ گوبر کی آمیزش ہوتی ہے اور نہ خون کے اثرات شامل ہوتے ہیں۔ یعنی ذائقہ، رنگت، بو، حالانکہ دودھ کا مادہ گوبر اور خون کے مادوں کا درمیانی حصہ ہوتا ہے) جو گلے میں آسانی سے اترنے والا ہوتا ہے (حلق سے

نیچے اترنے میں کچھ دشواری نہیں ہوتی اور نہ گلے میں اچھوتا لگتا ہے)اسی طرح کھجور اور انگور کے درختوں کے پھل ہیں کہ ان سے نشہ آور عرق کشید کرتے ہو (نشہ آور شراب بناتے ہو، سکر مصدر ہے، جس کے معنی شراب کے ہوگئے، یہ آیت شراب حرام ہونے سے پہلے کی ہے)اور اچھی غذا (جیسے کھجور، کشمش، منقہ، سرکہ، شیرۂ کھجور) دونوں طرح کی چیزیں حاصل کرتے ہو بلاشبہ اس بات میں ان لوگوں کے لئے (اللہ کی قدرت پر)ایک نشانی ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں (تدبر کرتے ہیں) آپ کے پروردگار نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈال دی (وحی بمعنی الہام ہے) کہ (ان مفسرہ ہے یا مصدریہ) پہاڑوں میں اپنا چھتہ بنالے (ٹھکانا کرنے کے لئے)اور درختوں میں اوران ٹیٹوں میں جو اس غرض سے بلندی میں بنائی جاتی ہیں (یعنی لوگ مکھیوں کے لئے چھتے بناتے ہیں، ورنہ شہد کی مکھیاں الہام الٰہی کے بغیر ان جگہوں میں خود اپنے لئے چھتے نہیں بناسکتی ہیں) پھر ہر قسم کے پھلوں سے رس چوستی ہیں، پھر اپنے پروردگار کے ٹھہرائے ہوئے طریقہ پر (اپنی غذا کی تلاش میں) چل جو تیرے لئے آسان کردیئے گئے ہیں (ذلل جمع ہے ذلیل کی ہے، سبل سے حال ہے یعنی وہ راستے تیرے لئے سہل کردیئے گئے ہیں۔ ان میں کوئی دشواری نہیں رہتی خواہ وہ کتنے ہی دشوار کیوں نہ ہوں اور وہاں سے واپسی میں ہرگز بچل نہیں سکتی۔ خواہ وہ راستے دور دراز ہی کیوں نہ ہوں اور بعض کی رائے میں اسلکی کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے یعنی جس کام کے لئے تجھے پیدا کیا گیا ہے تو اسے بجالاتی ہے)اس کے پیٹ سے عرق (شہد) نکلتا ہے مختلف رنگتوں کا جس میں انسان کے لئے شفا ہے (تکالیف سے بعض کے نزدیک کچھ بیماریاں مراد ہیں۔ جیسا کہ شفاء کا نکرہ ہونا اس پر دلالت کررہا ہے اور بعض کے نزدیک ہر مرض کی دوا ہے۔ بشرطیکہ دوسرا بدرقہ اس کے ساتھ شامل کرلیا جائے۔ لیکن جلال محقق کے نزدیک بلا بدرقہ کے بھی شہد ہر بیماری کی دوا بن سکتی ہے۔ بشرطیکہ نیت صحیح ہو۔ چنانچہ ایک صحابیؓ کو دستوں کی شکایت میں آنحضرتؐ نے شہد تجویز فرمایا۔ جس کی تفصیل شیخینؒ نے روایت کی ہے۔ بلاشبہ اس صورت حال میں ان لوگوں کے لئے ایک بڑی نشانی ہے۔ جو غور وفکر کرنے والے ہیں (اللہ تعالیٰ کی کاری گری میں)اور اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا (حالانکہ تم بالکل کچھ نہیں تھے) پھر وہی تمہاری جان قبض کرتا ہے (تمہاری زندگی پوری ہونے پر)اور بعضوں کو تم میں ناکارہ عمر تک پہنچاتا ہے (بڑھاپے اور پیرانہ سالی کی بدترین عمر تک) جس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ایک چیز جان لینے کے بعد پھر انجان بن جاتا ہے (حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص تلاوت قرآن پاک کرتا رہے تو وہ اس آفت سے محفوظ رہے گا) بے شک اللہ تعالیٰ ہر بات کو جاننے والا ہے (اپنی مخلوق کی تدبیر کے سلسلہ میں)اور (جو ارادہ کرتا ہے اس پر)قدرت رکھنے والا ہے اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی کے لحاظ سے فضیلت دی (کوئی امیر ہے کوئی فقیر، کوئی آقا ہے کوئی غلام) پھر ایسا نہیں کہ جس کسی کو روزی دی گئی)یعنی آقا) وہ اپنی روزی اپنے غلاموں کو لوٹا دالے (یعنی کچھ مال ودولت وغیرہ ہم نے ان آقاؤں کو دیا وہ اس میں اپنے ساتھ اپنے غلاموں کو بھی شریک کرلیں) حالانکہ وہ سب (آقا وغلام) اس میں برابر کے حقدار ہیں (شریک ہیں یعنی جب یہ لوگ اپنے غلاموں کے مال میں شرکت گوارا نہیں کرتے تو پھر اللہ کے ساتھ اس کی مخلوق کی شرکت کیسے گوارا کررہے ہیں) پھر کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں سے مکر رہے ہیں (اس کے لئے شریک ٹھہرا کر کفر رہے ہیں)اور اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لئے جوڑے پیدا کردیئے (چنانچہ حوا کو آدم کی بائیں پسلی سے پیدا کردیا اور باقی انسانوں کو مرد وعورت کی منی سے پیدا کردیا)اور تمہارے جوڑوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کردیئے (یعنی اولاد کی اولاد)اور تم کو اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں (طرح طرح کے پھل پھول، جانور) پھر کیا یہ لوگ بے بنیاد جھوٹی باتیں (بت) تو مان لیتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں (اللہ کے ساتھ شرک کرکے) یہ اللہ کو چھوڑ کر (اس کے سوا) ایسی چیزوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ آسمان سے (بارش کے ذریعہ) روزی دینے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ (گھاس پھوس کے ذریعہ) زمین میں سے کچھ رزق دے سکتے ہیں (لفظ شیئاً رزقاً سے بدل واقع ہو رہا ہے)اور نہ

کسی بات کا مقدور ہے (کسی چیز پر بھی انہیں قدرت حاصل نہیں۔ مراد بت ہیں) پس تم اللہ کے لئے مثالیں نہ گھڑو (اس کے لئے کوئی شریک تجویز نہ کرو) اللہ تعالیٰ جانتا ہے (کہ اس کے مثل کوئی چیز نہیں) اور تم کچھ نہیں جانتے (یہ بات) اللہ تعالیٰ ایک مثال میں بیان فرماتے ہیں (آگے اس سے بدل ہے) ایک غلام ہے کسی دوسرے کی ملک (لفظ عبد کے ساتھ مملوکا کی قید، آزاد آدمی کو الگ کرنے کے لئے ہے، کیونکہ اللہ کا بندہ تو وہ بھی ہوتا ہے) وہ خود کسی بات کی قدرت نہیں رکھتا۔ (مالکانہ اختیار نہ ہونے کی وجہ سے) اور ایک دوسرا آدمی ہے (یہ نکرہ موصوفہ ہے یعنی آزاد آدمی) کہ ہم نے اسے اپنے فضل سے اچھی روزی دے رکھی ہے اور وہ اسے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے (یعنی جو چاہتا ہے اس روزی میں تصرف کرتا ہے، پہلی مثال تو بتوں کی ہے اور دوسری مثال اللہ میاں کی ہے) اب بتلاؤ کیا یہ دونوں آدمی برابر ہو سکتے ہیں؟ (یعنی غلام عاجز، اور آزاد قادر؟) ہرگز (دونوں برابر نہیں ہو سکتے) ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں (تنہا) مگر (مکہ والوں میں سے) اکثر آدمی جانتے ہی نہیں (کہ انہیں کیا عذاب ہوگا اس لئے وہ شرک کرتے رہتے ہیں) اور اللہ ایک اور مثال بیان فرماتے ہیں (آگے بدل ہے) دو آدمی ہیں، ایک (پیدائشی طور پر) گونگا ہے۔ کسی بات کی قدرت نہیں رکھتا ہے (نہ خود سمجھ سکتا ہے اور نہ دوسرے کو سمجھا سکتا ہے) اپنے آقا پر ایک بوجھ (وبال جان) ہے اسے جہاں کہیں، بھیجے کوئی کام ٹھیک کر کے نہیں لاتا (پورا نہیں کر سکتا۔ یہ مثال تو کافر کی ہوئی) کیا یہ شخص (گونگا پتھر) اور ایسا آدمی باہم برابر ہو سکتے ہیں جو اچھی باتوں کو تعلیم کرتا ہے (یعنی جب کسی بات کو کہتا ہے یا دوسروں کو ابھارتا ہو تو بولتا بھی ہے اور لوگوں کو فائدہ بھی پہنچاتا ہے) اور خود بھی سیدھے راستہ پر ہے (یہ دوسری مثال مؤمن کی ہے، پس یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے اور بعض کی رائے میں یہ مثال تو اللہ تعالیٰ کی ہے اور گونگے سے مراد بت ہیں اور پہلی مثال میں کافر و مومن مراد تھے)

تحقیق وترکیب: .... واوحی وحی سے مراد اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں کہ جن باتوں کی تبلیغ مقصود ہوتی ہے۔ ان کی وحی تو انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے لیکن مطلق الہام کے معنی میں، جی غیر انبیاء کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ بلکہ تکوینی وحی کا سلسلہ تو کائنات کے ذرہ ذرہ کی طرف جاری ہے شہد کی مکھی پر کاری تو اس کے چھتہ کے چھ گوشہ خانوں سے ظاہر ہے جن میں سر مو فرق نہیں ہوتا اگر یہ خانے گول یا تکونے یا چوکور یا کسی اور شکل کے ہوتے تو جگہ بے کار اور خالی ہو جاتی۔ نیز یعسوب نامی ایک بڑی مکھی ان کی بادشاہ ہوتی ہے۔ جس کی سب یکساں اطاعت کرتی ہیں ایک مکھی رانی ہوتی ہے جس کا کام صرف انڈے سینا ہوتا ہے ایک جماعت محافظین کی ہوتی ہے جو شہد اور چھتہ اور موم کی حفاظت کرتی ہے۔ اگر کوئی مکھی نافرمانی کرتی ہے یا کوئی زہریلا مادہ کہیں سے لے آتی ہے جس سے شہد زہر آلود ہونے کا اندیشہ ہو جاتا ہے تو ایسی مکھی کو محافظ دستہ مار گراد یتا ہے۔ اسی طرح ایک جماعت مختلف پھلوں پھولوں کا رس چوس کر لاتی ہے۔ پھر زائد شہد کو اسٹاک رکھا جاتا ہے ضرورت کے موقعہ پر مکھیاں اسے غذا کے کام میں لاتی ہیں پھر اس مکھی کا حافظہ اس قدر زبردست ہوتا ہے کہ پھلوں کا رس چوسنے کے لئے کتنی ہی دور نکل جائے لیکن کیا مجال ہے کہ اپنے راستہ اور چھتہ کو بھول جائے۔ غرضیکہ اس ذرا سے جانور میں قدرت کی کرشمہ سازیوں کے کتنے پہلو موجود ہیں اسی خصوصیت کے لحاظ سے پوری سورت کو اس کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ومن ثمرات النخیل اس آیت میں دو رائے ہیں اگر یہ آیت تحریم خمر سے پہلے کی ہے تب تو اس کو منسوخ مانا جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو منسوخ نہ مانا جائے۔ بلکہ عتاب واحسان کا جامع مانا جائے منسوخ ماننے کی صورت یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور شراب کی حرمت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہے۔ آیت ومن ثمرات النخیل الخ منسوخ ہے یا عتاب واحسان کی جامع ہے۔ سکر نبیذ کو کہتے ہیں جو انگور یا منقی اور کھجور کے شیرہ کو پکا کر بنایا جاتا ہے شیخینؒ کے نزدیک اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے اس کا پینا حلال ہے بشرطیکہ نشہ کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ حدیث الخمر حرام لعینها والسکر من کل شراب اور اجماع وغیرہ سے بھی اس کی

تائید ہوتی ہے۔ اور صاحب وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ سکر تر چھواروں کے پانی کو کہتے ہیں جو ہمارے نزدیک حرام ہے لیکن شریک بن عبداللہؒ کے نزدیک حلال اور مباح ہے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کیونکہ حق تعالیٰ احسان کے طور پر ذکر کر رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ حرام چیز کا احسان نہیں ہوا کرتا۔ بعض حنفیہ کی دلیل حرمت اجماع صحابہؓ ہے اور یہ آیت ابتدائے اسلام پر محمول ہے۔ جب سب شرابیں حلال تھیں یا اس آیت کو زجر وتوبیخ پر محمول کیا جاسکتا ہے کہ ان چیزوں سے تم شراب بھی بناتے ہو اور پھر عمدہ رزق سمجھتے ہو۔ مختلف الوانه مثلاً سرخ، سفیدی مائل رنگ کے شہد ہوتے ہیں اور رنگتوں کا یہ اختلاف یا غذا کے اختلاف کی وجہ سے ہوگا اور یا خود مکھیوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے ایسا ہوتا ہوگا۔ مثلاً چھوٹی مکھی کا شہد سفید اور جوان مکھی کا سرخ اور بوڑھی مکھی کا شہد زرد رنگ کا ہوتا ہو۔ شــفـــاء اس میں تین رائے پیش کی ہیں (۱) بعض بیماریوں کے لئے شہد مفید ہوتا ہے جیسے بلغم اور برودت اور امراض باردہ (۲) تمام بیماریوں کے لئے مفید ہوتا ہے امراض باردہ کے لئے تو بنفسہ مفید ہے لیکن امراض حارہ کے لئے خاص خاص بدرقوں کے ساتھ مفید ہے (۳) سب بیماریوں کے لئے مفید ہے، بشرطیکہ اعتقاد اور نیت درست ہو۔ تیسری رائے جلال محققؒ کی ہے جس کی تائید میں شیخینؒ کی روایت بھی پیش کی ہے۔

ارذل العمر ۔انسانی عمر کے چار دور ہوتے ہیں (۱) نشوونما کا زمانہ جو ۳۳ سال تک رہتا ہے جو بھری جوانی اور اشد بلوغ کا وقت کہلاتا ہے۔ (۲) چالیس سال تک سن وقوف کہلاتا ہے جو کمال عقل وقوت کا زمانہ ہوتا ہے۔ (۳) پھر ساٹھ سال تک زمانہ کہولت کہلاتا ہے۔ یہ دور انحطاط مانا گیا ہے لیکن آہستہ آہستہ کمی ہوتی ہے۔ (۴) ساٹھ سال کے بعد سن شیخوخت وہرم کہلاتا ہے جس میں نقصان عقل کے ساتھ حواس معطل ہونے کی نوبت آجاتی ہے لیکن بقول عکرمہؒ علم قرآن کی دولت سے جو مالامال ہوتے ہیں وہ اس فساد عقل سے محفوظ رہتے ہیں۔ بلکہ ان کے ملکات علمیہ روزافزوں ترقی اور مدارج روحانیہ میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ازواجا اس سے مراد صرف حواء ہیں۔ جیسا کہ بعض مفسرینؒ کی رائے میں البتہ صیغہ جمع تعظیم کے لئے ہوگا۔ یا لفظ بعض مقدر مان لیا جائے گا اور یا اولاد آدم بھی اس میں داخل ہو جس کی طرف "وسائر الناس" سے مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔ حـفـدة ابن عباسؓ کے نزدیک اس کے معنی اولاد والاولاد کے ہیں، اور ابن مسعودؓ کے نزدیک اس کے معنی اختیــــــن کے ہیں اور ابن عباسؓ کے نزدیک بیوی کی اولاد کو یا ہر اعانت کرنے والے کو بھی حفیدہ کہا جاتا ہے۔ ضـرب الله غلط مثالوں کی ممانعت کے بعد صحیح مثالوں کو بیان کیا جارہا ہے۔ لا یـقـدر عـلـی شـئ اس سے مکاتب اور وہ غلام جسے تجارت کی اجازت ہو دونوں نکل گئے۔ کیونکہ ان دونوں کو کچھ نہ کچھ قدرت ہوتی ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کامل غلام وہی ہے جو ہر طرح کے تصرفات سے محروم ہو اور لفظ عبد کے ساتھ مملوک کی قید لگا کر آزاد آدمی سے احتراز ہے کیونکہ عبد کا لفظ آزاد پر بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ ہر شخص کو عبداللہ (اللہ کا بندہ) کہا جاسکتا ہے اور فقہاء نے مکاتب اور کافروں اور مدبروں اور ام ولد وغیرہ قسموں کے احکام اور جس غلام کا کچھ حصہ یا پورا آزاد کر دیا جائے۔ اس کے مفصل احکام بیان کر دیئے ہیں۔ وقیل ایک رائے یہ بھی ہے کہ دونوں مثالیں کافر ومومن کی ہیں اور دوسری رائے یہ ہے کہ ومـن یامر بالعدل الخ سے مراد آنحضرتؐ ہیں اور ابکم سے مراد ابوجہل ہے اور بعض کے نزدیک ومن یامر الخ سے مراد حضرت عثمانؓ ہیں جو اپنے غلام کو ایمان لانے کی تلقین کرتے تھے اور ابکم سے مراد ان کا غلام ہے جو انہیں فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے روکتا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ ابکم سے مراد ابی بن خلف ہے اور ومن یامر الخ سے مراد حمزہؓ اور عثمان بن مظعونؓ ہیں۔

ربط آیات .... سورۃ کے شروع میں انعامات کے پیرایہ میں توحید کا بیان ہوا تھا اب پھر بالترتیب چند انعامات سے توحید پر استدلال کیا جارہا ہے۔ مثلاً پانی، گھاس پھوس، جانوروں کے منافع، شہد کے فوائد انسان کے مختلف حالات، زندگی، موت، شخصی اور نوعی

بقاء، حواس وعقل اور سامان معیشت کا عطا کرنا بیان کیا گیا ہے۔ درمیان میں شرک کا رد بھی کیا گیا ہے اور کمال علم وقدرت کی صفات توحید پر استدلال کیا گیا ہے۔ غرضیکہ شروع سورت سے ان آیات کے ختم تک، سورت کا دوثلث حصہ ایسی ہی چیزوں پر مشتمل ہے جن میں اگر ایک طرف قدرت کا بیان ہے تو دوسری طرف نعمت کا بیان بھی ہے اسی لئے اس سورت کا نام سورۂ نعم بھی ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **دودھ ایک بہترین نعمت ہے**: .... آیت وان لکم فی الانعام سے لے کر یتفکرون تک ربوبیت الٰہی کی بخشائشوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ساتھ ہی اللہ کی صنعت وحکمت کی کرشمہ سازیوں پر بھی توجہ دلائی گئی ہے۔ غرضیکہ ان آیات میں بحیثیت مجموعی، ربوبیت، رحمت اور حکمت سے استدلال کیا گیا ہے۔ فرمایا جاتا ہے کہ غذاؤں میں تین چیزیں سب سے زیادہ مفید اور لذیذ ہیں۔ دودھ، پھلوں کا عرق اور شہد۔ تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو ان تین نعمتوں سے واقف نہ ہو۔ لیکن یہ دودھ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک تمہاری سب سے زیادہ دل پسند غذا ہوتی ہے۔ کس طرح اور کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟ تم نے کبھی یہ غور کیا ہے؟ اگر غور کرتے تو تمہارے فہم وعبرت کے لئے صرف یہی ایک بات کافی تھی یہ اسی جسم میں بنتا ہے، جس جسم میں غلاظت بنتی ہے، جو طرح طرح کی آلائشوں اور گندگیوں سے بھرا پڑا ہے۔ جس میں اگر بہنے والی چیز ہے تو خون ہے جسے کبھی تم ہونٹوں سے لگانا بھی پسند نہیں کرو گے پھر دیکھو جانوروں میں دودھ اترنے کی جگہ کہاں ہے؟ وہیں جس کے قریب پیشاب پاخانہ کی جگہ ہے یعنی ایک ہی کارخانہ میں ایک ہی مادہ سے اور ایک ہی طرح کے حصہ بدن میں، ایک طرف تو غلاظت بنتی اور نکلتی رہتی ہے جسے تم دیکھنا بھی پسند نہ کرو۔ دوسری طرف ایک ایسا جوہر غذا جو پر لذت بھی بنتا اور نکلتا ہے جسے تم دیکھتے ہی بے غل وغش ایک ایک قطرہ پی جاؤ۔ کون ہے جس کی حکمت نے یہ عجیب وغریب کارخانہ بنا دیا؟ کون ہے جو ایسے عجیب طریقوں سے زندگی کے بہترین وسائل بخش رہا ہے اور پھر کیا ممکن ہے کہ قدرت کی یہ کارفرمائی، حکمت کی یہ صنعت طرازی، ربوبیت کی یہ چارہ سازی، بغیر کسی قدیر، حکیم، رب العالمین ہستی کے ظہور میں آ گئی ہو؟

غلاظت اور خون کے بیچ میں سے دودھ کی نہر نکلتی ہے: .... غرضیکہ غلاظت اور خون کے درمیان سے دودھ کی نہر جاری کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پیٹ میں ایک طرف گوبر ہوتا ہے اور دوسری طرف خون اور پھر ان دونوں کے بیچ میں دودھ رہتا ہے بلکہ منشاء یہ ہے کہ پیٹ میں جو غذا رہتی ہے اس میں وہ اجزاء جو آگے چل کر دودھ بنیں گے اور وہ اجزاء جو گوبر بن جائیں گے۔ سب رلے ملے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس ابتدائی حالت سے پھر انہیں الگ الگ کرتا رہتا ہے فضلات خارج ہوتے رہتے ہیں اور عمدہ حصہ باقی رہ جاتا ہے مثلاً: ہضم معدہ کے بعد فضلہ کی شکل میں گوبر بن جاتا ہے اور عمدہ حصہ جگر میں کیلوس کی شکل میں چلا جاتا ہے پھر ہضم جگر کے نتیجہ میں فضلہ پیشاب گردہ اور مثانہ کے حوالہ ہو جاتا ہے اور عمدہ حصہ کیموس کہلاتا ہے جس سے خون، صفرا، سودا، بلغم، خلطیں تیار ہوتی ہیں۔ پھر اس خون میں وہ حصہ بھی شامل ہوتا ہے جو آگے چل کر دودھ بننے والا ہے فی الحال یہ دونوں مخلوط ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک حصہ کو الگ کر کے پستان تک پہنچا دیتا ہے اور وہاں دودھ بن جاتا ہے جس طرح خون سے بننے والا ایک مادہ انثیین میں پہنچ کر منی کی شکل اختیار کر لیتا ہے غرضیکہ غذاؤں ہی میں یہ سب اجزاء ملے ہوئے ہوتے ہیں جو درجہ بدرجہ اپنی مخصوص ہئیتیں اور شکلیں اختیار کرتے رہتے ہیں یہ باہمی امتیاز دینا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے امتیاز کا پہلا درجہ تو خیر پیٹ میں ہوتا ہی ہے لیکن دوسرے درجہ کا محل پیٹ کو کہنا یا مافی داخل البدن ہونے کے اعتبار سے ہوگا اور یا اس لحاظ سے گویا کہ یہ اجزاء متمیزہ بھی تو آخر کسی وقت بدن ہی میں تھے۔

پھلوں کی پیداواری: .... پھلوں میں طرح طرح کے خوش ذائقہ عرق پیدا ہوتے ہیں اور انہیں مختلف طریقوں سے تم کام

میں لاتے ہومثلاً کھجوراورانگور کے درخت ہیں ان کے عرق سے نشہ کی چیز بنا لیتے ہواوراچھی اور جائز غذائیں بھی اس سے بنتی ہیں لیکن یہ پھل پیدا کس طرح ہوئے ؟ کھجوراورانگور کا ہر دانہ شیرینی اور غذائیت کی ایک سربمہر شیشی ہے جو درختوں سے ٹپکنے لگتی ہے اورتم ہاتھ بڑھا کر لے لیتے ہولیکن یہ بنتی کس کارخانہ میں ہے زمین اور مٹی میں یعنی اس مٹی میں جس کا ایک ذرہ بھی تمہارے منہ میں پڑ جاتا ہے تو بے اختیار ہوکر تھوکنے لگتے ہو تم خشک گٹھلیاں مٹی میں پھینک دیتے ہومٹی وہی گٹھلی ان نعمتوں کی شکل میں تمہیں واپس دے دیتی ہے کون ہے جس کی حکمت وربوبیت مٹی کے ذروں سے یہ خزانے اگلوالیتی ہے خوشبو، ذائقہ اورغذائیت کے خزانے ؟

دو (۲) رائیں: .... آیت تتخذون منه میں مفسرین کی دو رائیں ہیں ایک یہ کہ یہ آیت چونکہ مکی ہے اوراس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی اس لئے بطور احسان کے یہ فرمایا جارہا ہے مگر ساتھ ہی چونکہ شراب حرام ہونے والی تھی اس لئے ''رزقاً حسناً'' کی طرح شراب کو ''حسناً'' نہیں فرمایا دوسری رائے یہ ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت یہ سمجھتے ہوئے کہ ممکن ہے یہ آیت مدنی ہوشراب اگر چہ حرام ہوچکی تھی لیکن یہاں حسی احسان جتلانا مقصود نہیں جو شراب کے حلال ہونے پر موقوف ہو بلکہ معنوی احسان مقصود ہے یعنی توحید پر استدلال کیا جارہا ہے اور وہ شراب کے حرام ہونے کی صورت میں بھی درست ہے یعنی یہ قدرت الٰہی کی دلیل ہے کہ تازہ شیرہ میں نشہ نہیں تھا لیکن پھر ایک نئی کیفیت اس میں پیدا ہوگئی جس سے شراب حرام کردی گئی اور ہر حادث اور نئی چیز کے لئے محدث کی ضرورت ہے اور وہ اللہ ہے پس اس طرح یہ حالت کی تبدیلی ،اللہ کے وجود کی دلیل ہوگئی اور بعض کی رائے میں یہاں احسان جتلانا مقصود نہیں .بلکہ نشہ بنانے پرتو عتاب مقصود ہے اور ''رزقاً حسناً'' میں احسان جتلانا ہے یعنی ہم نے تو تمہارے لئے یہ پھل پیدا کیئے اورتم اسے نشہ میں استعمال کرتے ہو.پس اس طرح اس آیت میں عتاب واحسان دونوں باتوں کو جمع کردیا گیا ہے کہ دیکھو ہماری طرف سے یہ احسان اور تمہاری طرف سے یہ حرکت بے جا ؟اور شہد کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا یہ مکھی کے منہ کی رطوبت ہوتی ہے یا معدہ کی ؟

شہد بیماریوں کے لیئے شفا ہے: .... اور شہد کو اگر بعض بیماریوں کی شفا کا سبب مان لیا جائے تو پھر وجہ تخصیص کیا ہوگی جب کہ دوسری دوائیں بھی بیماریوں کے لیئے شفا بخش ہوتی ہے؟ سو تخصیص کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ شہد کی مکھی ایک زہریلا جانور ہے جس کے کاٹنے سے بڑی تکلیف ہوتی ہے لیکن اسی میں اللہ نے اپنی قدرت سے شفا کا مادہ ،شہد بھی پیدا فرمادیا ہے پس معدن زہر سے تریاق وشفا پیدا کرنا قدرت الٰہی کا کرشمہ ہے اور شہد کی مختلف رنگتیں بلحاظ غذا کے بھی ہوسکتی ہیں اور موسم اور وقت اور جگہ کے اعتبار سے بھی ہوسکتی ہیں

شہد کی مکھی قدرت الٰہی کا نمونہ ہے: .... شہد کے چھتوں کے یہ کارخانے جن میں تمہارے لئے رات دن شہد تیار ہوتا رہتا ہے تم دنیا کے سارے پھل اور پھول جمع کرکے چاہو کہ شہد کا ایک قطرہ بنالو تو کبھی نہ بنا سکو گے۔لیکن ایک چھوٹی سی مکھی بناتی رہتی ہے اوراس نظم وضبط کے ساتھ اور محنت واستقلال ترتیب وتناسب یکسانیت وہم آہنگی کے ساتھ بناتی رہتی ہے کہ اس کی ہر بات ہماری عقلوں کو درماندہ کردینے والی اور ہماری فکروں کی ساری توجیہوں اور تعلیلوں پر دروازہ بند کردینے والی ہے چونکہ شہد کی مکھی کی یہ صنعت گری جدوجہد نظم ،ضبط سرگرمی وباقاعدگی کا ایک پورا سلسلہ ہے جو عرصہ تک جاری رہتا ہے اور یکے بعد دیگرے بہت سی منزلوں سے گزرکر مکمل ہوتا ہے اس لئے اس کے کاموں کو عمل کی راہوں سے تعبیر کیا ہے یعنی اس کے لیئے جو راہ عمل ٹھہرادی گئی ہے اس پر ٹھیک چلتی رہتی ہے کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ ذرا بھی ادھر ادھر ہو اس کا ہر فرد اس طرح حکم الٰہی کے آگے جھک گیا ہے کہ ممکن نہیں کسی کو راہ عمل

سے ہٹتا ہوا پاؤ۔

مٹھائی کی تاریخ: .... ہندوستان کا گنا جس وقت تک دوسرے ملکوں میں نہیں پہنچا تھا میٹھی غذاؤں کے بنانے کا تمام تر دارومدار شہد ہی پر تھا یا پھر ایسے پھلوں پر تھا جو بہت زیادہ میٹھے ہوتے ہیں جیسے کھجور سکندر اعظم جب ہندوستان آیا اور یونانیوں نے یہاں کی قند کھائی تو خیال کیا کہ یہ بلور کی طرح کی کوئی معدنی چیز ہے جس کا مزہ شہد کی طرح میٹھا ہوتا ہے غالبًا سب سے پہلے عربوں نے ہندوستانی گنے کی کاشت مصر میں کی اور پھر مصر سے ''مصری'' یورپ پہنچی۔ پس اس آیت میں شہد کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لیئے کیا گیا ہے کہ دنیا کے اکثر حصوں میں مٹھاس کا مادہ اس کے سوا اور کچھ نہ تھا نیز شہد محض لذیذ غذا ہی نہیں ہے بلکہ کتنی بیماریوں کے لیئے نسخہ شفاء بھی۔

سب روزی کے یکساں مستحق ہیں: .... آیت واللہ فضل بعضکم. سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ سروسامان معیشت سب کے لئے یکساں نہیں ہے اور یہ اختلاف حال قدرتی ہے اسی لیئے اسے اللہ نے براہ راست اپنی طرف منسوب کیا دوسری یہ کہ رزق کے حقدار ہونے میں سب برابر ہوئے خواہ کوئی آقا ہو کوئی طاقت ور ہو کوئی زبردست ہو آیت واللہ جعل لکم. میں ربوبیت الٰہی کی نعمتوں میں سے تین نعمتوں کا ذکر کیا ہے ایک یہ کہ ان سے انسان کی زندگی دو مختلف جنسوں مرد وعورت میں تقسیم کردی اور پھر ایک کو دوسرے کا ساتھی بنا دیا یعنی ازدواجی زندگی کا نظام قائم کر دیا دوسرے یہ کہ ازدواجی زندگی سے خاندانی زندگی پیدا ہوگئی اولاد پیدا ہوتی ہے پھر ان کی اولاد ہوتی ہے اور اس طرح ایک دائرہ قریبی رشتہ داری کا بن جاتا ہے جس کا ہر فرد دوسرے فرد سے وابستہ ہوتا ہے اور اسی وابستگی سے اجتماعی زندگی کی ساری برکتیں اور راحتیں حاصل ہوتی ہیں تیسری یہ کہ اس کی غذا کے لیئے اچھی چیزیں پیدا کر دیں جو نہ صرف مفید ہیں بلکہ خوشگوار ہیں خوش رنگ ہیں خوشبودار ہیں۔

اللہ تعالیٰ تصور کی گرفت سے باہر ہے: .... لاتضربوا اللہ الامثال. اپنے جی سے اللہ کے لیئے مثالیں نہ گھڑ واس آیت میں اس حقیقت کو واشگاف کرنا ہے کہ انسان کی ساری درماندگی یہ ہے کی وہ اپنے معیار خیال سے اللہ کا تصور آراستہ کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیئے مثالیں تراشتا ہے حالانکہ اس کے سارے تصور، اس کے سارے قیاسات اس کی ساری تمثیلیں اسکے لیئے ٹھوکروں پر ٹھوکریں اور گمراہیوں پر گمراہیاں ہو جاتی ہیں وہ اپنی سوچی ہوئی تمثیلوں میں جتنا بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی حقیقت سے دور ہوتا جاتا ہے کیونکہ وہ جتنی بھی تمثیلیں بناتا ہے اپنے ادراک واحساسات کے اندر رہ کر بناتا ہے اور اللہ کی ذات اس دائرہ سے باہر ہے جہاں تک تصور الٰہی کی تنزیہہ کا تعلق ہے قرآن کی دو چھوٹی آیتوں میں سب کچھ کہہ دیا گیا ہے (۱) لیس کمثلہ شیء (۲) وللّٰہ المثل الاعلیٰ۔

اللہ ہی اپنی صحیح تمثیل بیان کرسکتا ہے: .... اس کے بعد آیت ضرب اللہ مثلاً عبداً مملوکاً اور ضرب اللہ مثلاً رجلین احدھما ابکم. سے دو مثالیں بیان کی جا رہی ہیں پہلی مثال میں فرمایا گیا کہ اگر تمہیں حاجت اور ضرورت ہو تو تم کس کے پاس جاؤ گے؟ ایک غلام کے پاس جو کسی دوسرے کے اختیار میں ہے اور خود کوئی اختیار نہیں رکھتا یا اس کے پاس جو مالک ومختار ہے اور جس طرح چاہے اپنا مال خرچ کرسکتا ہے؟ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ایک بےبس غلام اور ایک مالک ومختار آقا؟ اگر نہیں ہو سکتے تو اس سے بڑھ کر عقل کی ہلاکت اور کیا ہو سکتی ہے کی تم اپنی حاجتوں اور مصیبتوں میں ان کے آگے جھکتے ہو جو خود اللہ کے بندے ہیں اور

اپنی ساری حاجتوں میں اس کی بخشائش کے محتاج اور اس کی طرف سے گردن موڑ لیتے ہو جس کے اختیار میں سب کچھ ہے اور کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑنے والا ہو؟ دوسری مثال ایمان وکفر کی ہے کہ فرض کرو دو آدمی ہوں ایک گونگا بہرا اپنے ساتھیوں کے لئے بوجھ کوئی کام بھی اس سے بن نہ پڑے دوسرا بولنے والا راہنما، فلاح وکامیابی کا راستہ چلنے والا تو کیا ان دونوں کی حالت میں تمہیں کوئی فرق دکھائی نہیں دے گا تمہاری نگاہ میں دونوں کا حکم ایک ہی ہوگا؟ اگر نہیں ہوگا اور تم بے اختیار بول اٹھو گے کہ کہاں ایک گونگا بہرا اور کہاں ایک گویا اور کارگزار تو پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ایمان کی زندگی پر کفر کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو؟ ایمان کی زندگی کیا ہے؟ عقل وبصیرت کی زندگی جو خدا کی دی ہوئی حسوں سے کام لیتی ہے خود بھی سیدھی راہ چلتی ہے اور دوسروں کی بھی راہنمائی کرتی ہے اور کفر کی زندگی کیا ہے بہری گونگی زندگی عقل وحواس تاراج کر دینے والی جس راہ میں قدم اٹھائے کوئی خوبی کی بات حاصل نہ کر سکے قرآن کریم ہر جگہ ایمان کو عقل وبصیرت اور ہدایت وراہنمائی کی راہ قرار دیتا ہے اور کفر کو جہل اندھے پن اور بے کاری سے تعبیر کرتا ہے۔

لطائف آیات: .... آیت یخرج من بطونها. میں اس طرف اشارہ ہے کہ بعض دفعہ کسی معمولی اور حقیر چیز میں حق تعالیٰ کوئی بہترین چیز رکھ دیتے ہیں چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ بہت سے میلے کچیلے لوگ اللہ کے ایسے مقبول بندے ہوتے ہیں کہ اگر وہ کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ اسے پوری کر دکھاتا ہے اس لیئے کسی چیز کی صورت اور ظاہر ہی پر انسان کو نظر نہیں کرنی چاہیئے آیت فلاتضربوا. سے معلوم ہوا کہ اللہ کی ذات اور صفات میں محض ذاتی رائے سے کام نہیں کرنا چاہیئے اس سے اسماء الہیہ کا توقیفی ہونا بھی معلوم ہوا۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَیْ عِلْمِ مَاغَابَ فِیْهِمَا **وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ** مِنْهُ لِاَنَّهٗ بِلَفْظِ کُنْ فَیَکُوْنُ **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا** اَلْجُمْلَةُ حَالٌ **وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ** بِمَعْنَی الْاَسْمَاعِ **وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ** اَلْقُلُوْبَ **لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾** عَلٰی ذٰلِكَ فَتُؤْمِنُوْنَ **اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ** مُذَلَّلَاتٍ لِلطَّیَرَانِ **فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ** اَیِ الْهَوَاءِ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ **مَا يُمْسِكُهُنَّ** عِنْدَ قَبْضِ اَجْنِحَتِهِنَّ وَبَسْطِهَا اَنْ یَّقَعْنَ **اِلَّا اللّٰهُ** بِقُدْرَتِهٖ **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾** هِیَ خَلْقُهَا بِحَیْثُ یُمَکِّنُهَا الطَّیَرَانُ وَخَلْقُ الْجَوِّ بِحَیْثُ یُمْکِنُ الطَّیَرَانُ فِیْهِ وَاِمْسَاکُهَا **وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا** مَوْضِعًا تَسْکُنُوْنَ فِیْهِ **وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا** کَالْخِیَامِ وَالْقُبَابِ **تَسْتَخِفُّوْنَهَا** لِلْحَمْلِ **يَوْمَ ظَعْنِكُمْ** سَفَرِکُمْ **وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا** اَیِ الْغَنَمِ **وَاَوْبَارِهَا** اَیِ الْاِبِلِ **وَاَشْعَارِهَآ** اَیِ الْمَعْزِ **اَثَاثًا** مَتَاعًا لِبُیُوْتِکُمْ کَبُسُطٍ وَّاَکْسِیَةٍ **وَّمَتَاعًا** تَتَمَتَّعُوْنَ بِهٖ **اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾** تُبْلٰی فِیْهِ **وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ** مِنَ الْبُیُوْتِ وَالشَّجَرِ وَالْغَمَامِ **ظِلٰلًا** جَمْعُ ظِلٍّ تَقِیْکُمْ حَرَّ الشَّمْسِ **وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا** جَمْعُ کِنٍّ وَهُوَ مَا یُسْتَکَنُّ فِیْهِ کَالْغَارِ وَالسِّرْدَابِ **وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ** قُمُصًا **تَقِيْكُمُ الْحَرَّ** اَیْ وَالْبَرْدَ **وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ**

حَرْبِكُم اَىِ الطَّعْنَ وَالضَّرْبَ فِيهَا كَالدُّرُوْعِ وَالْجَوَاشِنِ **كَذٰلِكَ** كَمَا خَلَقَ هٰذِهِ الْاَشْيَاءَ **يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ** فِى الدُّنْيَا **عَلَيْكُمْ** بِخَلْقِ مَا تَحْتَاجُوْنَ اِلَيْهِ **لَعَلَّكُمْ** يَا اَهْلَ مَكَّةَ **تُسْلِمُوْنَ** ﴿۸۱﴾ تُوَحِّدُوْنَهٗ **فَاِنْ تَوَلَّوْا** اَعْرَضُوْا عَنِ الْاِسْلَامِ **فَاِنَّمَا عَلَيْكَ** يَامُحَمَّدُ **الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ** ﴿۸۲﴾ اَلْاِبْلَاغُ الْبَيِّنُ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ **يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ** اَىْ يُقِرُّوْنَ بِاَنَّهَا مِنْ عِنْدِهٖ **ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا** بِاِشْرَاكِهِمْ **وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ** ﴿۸۳﴾ وَاذْكُرْ **يَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا** هُوَ نَبِيُّهَا يَشْهَدُ لَهَا وَعَلَيْهَا وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا** فِى الْاِعْتِذَارِ **وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ** ﴿۸۴﴾ لَا تُطْلَبُ مِنْهُمُ الْعُتْبٰى اَىِ الرُّجُوْعُ اِلٰى مَالَا يَرْضَى اللّٰهُ **وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** كَفَرُوْا **الْعَذَابَ** النَّارَ **فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ** ﴿۸۵﴾ يُمْهَلُوْنَ عَنْهُ اِذَا رَاَوْهُ **وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ** مِنَ الشَّيَاطِيْنِ وَغَيْرِهَا **قَالُوْا رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا** نَعْبُدُهُمْ **مِنْ دُوْنِكَ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ** اَىْ قَالُوْا لَهُمْ **اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ** ﴿۸۶﴾ فِىْ قَوْلِكُمْ اِنَّكُمْ عَبَدْتُمُوْنَا كَمَا فِىْ اٰيَةٍ اُخْرٰى مَا كَانُوْا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ **وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ٍۨالسَّلَمَ** اَىِ اسْتَسْلَمُوْا لِحُكْمِهٖ **وَضَلَّ** غَابَ **عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ** ﴿۸۷﴾ مِنْ اَنَّ اٰلِهَتَهُمْ تَشْفَعُ لَهُمْ **اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا** النَّاسَ **عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** دِيْنِهٖ **زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ** الَّذِىْ اسْتَحَقُّوْهُ بِكُفْرِهِمْ قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ عَقَارِبُ اَنْيَابُهَا كَالنَّخْلِ الطِّوَالِ **بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ** ﴿۸۸﴾ بِصَدِّهِمُ النَّاسَ عَنِ الْاِيْمَانِ وَاذْكُرْ **يَوْمَ نَبْعَثُ فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ** هُوَ نَبِيُّهُمْ **وَجِئْنَابِكَ** يَامُحَمَّدُ **شَهِيْدًا عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ** اَىْ قَوْمِكَ **وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ** الْقُرْاٰنَ **تِبْيَانًا** بَيَانًا **لِّكُلِّ شَىْءٍ** يَحْتَاجُ النَّاسُ اِلَيْهِ مِنْ اَمْرِ الشَّرِيْعَةِ **وَّهُدًى** مِنَ الضَّلَالَةِ **وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى** بِالْجَنَّةِ **لِلْمُسْلِمِيْنَ** ﴿۸۹﴾ اَلْمُوَحِّدِيْنَ

ترجمہ: .... اور آسمانوں اور زمین میں جتنی مخفی باتیں ہیں سب کا علم اللہ ہی کے پاس ہے (یعنی زمین وآسمان کی پوشیدہ باتوں کا علم اللہ ہی کے پاس ہے) قیامت کا معاملہ بس ایسا ہوگا جیسے آنکھ جھپکنا بلکہ اس سے بھی بہت جلد (کیونکہ کن کہتے ہی قیامت ہو جائے گی) بے شک اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں ہے اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے (یہ جملہ حال ہے) پھر اس نے تمہیں کان دیئے (سمع بمعنی اسماع ہے) اور آنکھ اور دل دیئے تاکہ تم (ان نعمتوں پر) شکرگزار ہوسکو (اور ایمان لے آؤ) کیا پرندوں کو نہیں دیکھتے جو فضائے آسمانی (آسمان وزمین کے درمیان جو) میں مسخر ہو رہے ہیں (اڑنے کی استعداد لیئے ہوئے ہیں) اللہ کے سوا کون ہے جو انہیں تھامے ہوئے ہے؟ (بازؤوں کے پھیلانے اور سکوڑنے کے وقت انہیں گر جانے سے) بلاشبہ اس بات میں بڑی ہی نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیئے (کہ اللہ نے ان پرندوں کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ ان کا اڑنا ممکن ہے اور جو فضاء آسمانی کو اس طرح پیدا کیا کہ اس میں اڑنا اور ٹھہرنا ممکن ہوسکا) اور اللہ نے تمہارے گھروں کو تمہارے رہنے کی جگہ بنایا

(جس میں تم سکونت اختیار کر سکتے ہو) اور تمہارے لیئے چوپاؤں کی کھال کے گھر بنادیئے (جیسے خیمے اور قبے) جو سبک ہیں (اٹھانے میں ہلکے پھلکے) کوچ کرو (سفر کی حالت میں) یا اقامت کی حالت ہو اور (بھیڑوں کے) اون سے اور (اونٹ کے) رؤوں سے اور (بکریوں کے) بالوں سے کتنے ہی سامان (جیسے گھروں کے بستر اور فرش فروش) اور مفید چیزیں بنادیں جن سے لوگ نفع حاصل کریں جو ایک خاص وقت تک کام دیتی ہیں (پھر پھٹ پھٹا جاتی ہیں) اور اللہ نے اپنی پیدا کی ہوئی بعض چیزوں کے (جیسے گھر درخت بادل) سائے تمہارے لیئے پیدا کر دیئے ظلال جمع ہے ظل کی جن سے لوگ سورج کی گرمی سے بچتے ہیں اور پہاڑوں میں پناہ لینے کی جگہیں بنادیں (اکنان جمع ہے کن کی چھپنے کی جگہ جیسے غار اور تہہ خانہ) اور تمہارے لیے لباس (کرتے) بنادیئے جو گرمی اور (سردی) سے تمہاری حفاظت کرتے ہیں نیز آہنی لباس بنایا جو لڑائی میں تمہاری حفاظت کرتا ہے (تلوار اور نیزہ کے وقت کام آتا ہے جیسے زرہ اور جوشن) اللہ تعالیٰ اسی طرح (جیسے ان چیزوں کو پیدا کیا) اپنی نعمتیں پوری کر رہا ہے (دنیا میں) تم پر تمہاری ضروریات پوری کر کے تاکہ تم (اے مکہ والو!) اس کے آگے جھک جاؤ (توحید بجالاؤ) پھر اگر اس پر بھی یہ لوگ اعتراض کریں (اسلام سے روگردانی کریں) تو آپ کے ذمہ صاف صاف پیغام حق پہنچادینا ہے (یہ حکم جہادی حکم سے منسوخ ہو چکا ہے) یہ لوگ اللہ کی نعمتیں پہچانتے ہیں یعنی اللہ کی نعمتیں ہونے کا اقرار کرتے ہیں پھر بھی اس سے انکار کرتے ہیں (شرک کر کے) اور اکثر ان میں ناسپاس ہیں اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جس دن ہر امت میں سے ایک ایک گواہی دینے والا اٹھا کر کھڑا کریں گے (یعنی نبی جو اپنی اپنی امت کے موافق یا خلاف گواہی دیں گے قیامت کے دن) پھر کافروں کو اجازت نہ دی جائے گی (عذر و معذرت کرنے کی) اور نہ ہی ان سے کہا جائے گا کہ توبہ کر لیں ان سے اللہ کو راضی کرنے والی بات کی طرف رجوع کرنے کی فرمائش نہیں کی جائے گی جن لوگوں نے ظلم (کفر) کیا جب وہ عذاب (جہنم) دیکھیں گے تو ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ ان پر عذاب ہلکا کر دیا جائے نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی (کہ عذاب سامنے آنے کے بعد کچھ مہلت مل جائے) اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ (شیاطین وغیرہ) کو شریک ٹھہرایا ہے جب اپنے بنائے ہوئے شریکوں کو دیکھیں گے تو پکار اٹھیں گے اے پروردگار یہ ہیں ہمارے شریک جنہیں ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے (بندگی کیا کرتے تھے) اس پر وہ بنائے ہوئے شریک ان کی طرف اپنا جواب بھیجیں گے (یہ کہیں گے) کہ نہیں تم سراسر جھوٹے ہو کہ تم نے ہماری بندگی کی چنانچہ دوسری آیت میں بھی ارشاد ہے (ماکانوا ایانا یعبدون اور سیکفرون بعبادتھم) اور اس دن یہ لوگ اللہ کے آگے سراطاعت جھکا دیں گے (یعنی اس کے آگے اطاعت کی باتیں کرنے لگیں گے اور وہ سب افتراء پردازیاں کہ ان کے معبود ان کے سفارشی ہوں گے) ان سے کھوئی جائیں گی جو وہ کیا کرتے تھے جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ (دین) سے روکا تو ہم نے ان کے عذاب پر ایک اور عذاب بڑھا دیا (کہ جس عذاب کے یہ لوگ کفر کی وجہ سے مستحق ہوئے تھے ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ بچھو اتنے بڑے بڑے ہوں گے کہ کھجور کے بڑے درخت کے برابر تو ان کے ڈنک ہوں گے) ان کی شرارتوں کی پاداش میں (لوگوں کو ایمان سے روکنے کی وجہ سے) اور (وہ وقت یاد کیجئے) جب ہم ہر ایک امت میں ایک ایک گواہ اٹھا کھڑا کریں گے جو انہیں میں سے ہوگا (یعنی اس امت کا نبی ہوگا) اور ان لوگوں (آپ کی قوم) کے مقابلہ میں آپ کو (اے محمد ﷺ) گواہ بنا کر لائیں گے اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے تمام (شریعت کی ضروری) باتیں بیان کرنے کے لیئے اور اس لیئے (کہ گمراہی سے) راہنمائی ہو اور رحمت (جنت کی) خوشخبری ہو مسلمانوں (توحید کے پرستاروں) کے لئے۔

تحقیق وترکیب: .... **وجعل لکم السمع:**...... کان وغیرہ آلات ادراک چونکہ پیدائش کے بعد ہی ہو سکتے ہیں اس لیئے اول پیدائش کا ذکر کیا پھر کان آنکھ کا اور چونکہ وحی کا ادراک کان سے ہوتا ہے اس لیئے کان کو آنکھ سے پہلے ذکر کیا دوسری وجہ تقدیم یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کان کا ادراک آنکھ کے ادراک سے پہلے ہوتا ہے **جو السماء** کعبؓ احبار کی رائے یہ ہے کہ پرندہ زیادہ سے زیادہ بارہ میل

بلندی پر اڑ سکتا ہے ما یمسکھن مفسرؒ کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پرندہ اڑنے کے وقت باز وسکوڑ لیتا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں پس مراد یہ ہے کہ جانور کا ثقل طبعی گرنے کو چاہتا ہے حالانکہ بغیر حکم الٰہی کے نہ اوپر کوئی روک ہے اور نہ نیچے کوئی روک ہے جلود الانعام سوڈانی لوگ چمڑے کے خیمے استعمال کرتے تھے قبہ خیمہ سے چھوٹا ہوتا ہے اثاث اور متاع میں یہ فرق ہے کہ اول عام ہے گھر وغیرہ کے جملہ سامان پر اثاث بولا جاتا ہے اور متاع صرف خانگی ضروریات کو کہتے ہیں سکنا یہ مصدر بھی ہوسکتا ہے لیکن جلال محققؒ اس کو بمعنی مفعول مان رہے ہیں جیسے قبض بمعنی مقبوض اور نقض بمعنی منقوض

اکنانا کن پوشیدہ جگہ استکنان چھپانا وما تکن صدورھم فرمایا گیا ہے الحر. اس کے ساتھ برد کو یا تو ایک ضد پر اکتفا کرتے ہوئے بیان نہیں کیا اور یا عرب کے نزدیک گرم ملک ہونے کی وجہ سے گرمی کی اہمیت زیادہ ہے بہ نسبت سردی کے جو شن کے معنی بھی ذرع کے ہیں پس گویا عطف تفسیری ہے اس آیت میں اگرچہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر ہو رہا ہے لیکن ان چیزوں کا پاک ہونا اور ان سے نفع کا جائز ہونا بھی معلوم ہوتا ہے یعنی اون رواں اور بال پاک ہیں کیونکہ نہ ان میں زندگی ہے اور نہ موت اس لیئے ان چیزوں کا بیچنا بھی جائز ہے اور جس پانی میں یہ پڑ جائے اس سے وضو وغیرہ جائز ہے لایوذن اس میں چار معانی کا احتمال ہے ای لا یو ذن لھم فی الاعتذار اوفی کثرۃ الکلام اوفی الرجوع الی دارالدنیا فی حالقشھا دۃ الشھود بل یسکت کلھم لیشھد الشھود یستعتبون. بغویؒ کہتے ہیں کہ اللہ کو راضی کرنے کی ان سے خواہش نہیں کی جائے گی کیونکہ آخرت دار التکلیف نہیں ہوگی اور زمخشریؒ کے نزدیک اس کے معنی لا یسترضون کے ہیں اور قانون ادب میں ہے کہ استعتاب کے معنی اعتاب طلب کرنے کے ہیں اور اعتاب کے معنی ازالہ عتاب کے ہیں لیکن یہ خلاف قیاس ہے کیونکہ استفعال ثلاثی سے بنتا ہے نہ کہ مزید سے قال ابن مسعودؓ یعنی عذاب کی زیادتی کی تفسیر ابن مسعودؓ نے یہ فرمائی ہے اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ المراد بتلک الزیا دۃ خمسۃ انھار من نا ر تسیل من تحت العرش یعذبون بھا ثلثۃ با للیل و اثنان با لنھا ر تبیا نا لکل شی . یہ مبالغہ بلحاظ کمیت ہے کیفیت کے اعتبار سے نہیں ہے اس لیئے بعض چیزوں کا مخفی ہونا باعث اشکال نہیں ہونا چاہیئے. رہا یہ شبہ کہ قرآن سے ہر بات کے معلوم ہونے کا دعویٰ کیسے صحیح ہے جواب یہ ہے کہ ہر چیز سے مراد دینی امور ہیں کہ بعض تو قرآن میں منصوص ہیں اور بعض کو سنت کے حوالہ کر دیا گیا ہے ما اتا کم الرسول فخذوہ وما ینطق عن الھوی اور بعض کو ویتبع غیر سبیل المؤ منین کہہ کر اجماع کے حوالہ کیا گیا ہے اور بعض کو فا عتبر وا یا اولی الابصار کہہ کر قیاس کے حوالہ کیا گیا گویا معنیٰ یہ سب چیزیں بھی قرآن سے باہر نہیں ہیں اس لیئے قرآن کو تبیا نا لکل شیء فرمانا صحیح ہے۔

ربط آیات: .... آیت وللہ غیب السمٰوٰت سے صفات کمالیہ اور قدرت کا بیان ہے جس سے توحید پر استدلال کرنا ہے اس کے بعد آیت ویو م نبعث سے کفار کے لیئے قیامت کی وعید کا ذکر ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **علم وعقل کی روشنی:** .... آیت واللہ اخرجکم میں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ کون ہے جس نے عقل وحواس کا چراغ تمہارے ننھا ننھا نہ دماغ میں روشن کر دیا ہے جب تم پیدا ہوتے ہو تو تمہاری تمام ذہنی قوتیں بظاہر معدوم ہوتی ہیں لیکن پھر جوں جوں بڑھتے جاتے ہو حواس کی قوتیں ابھرنے لگتی ہیں ادراک کا جوہرا بلنے لگتا ہے اور عقل کا چراغ روشن ہو جاتا ہے اس قسم کی آیات میں ربوبیت الٰہی کی معنوی پروردگاریوں سے توحید پر استدلال مقصود ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ربوبیت نے انسان کے لیئے عقلی ہدایت کا سروسامان کر دیا اور یہی ہدایت ہے جس نے اسے تمام مخلوقات میں سے بلند مقام پر پہنچا دیا ہے لاتعلمون میں

جو عقل ہیولانی کے مرتبہ میں مطلقاً علم کی نفی کی گئی ہے تو فلاسفہ کے اس دعویٰ کو کہ عقل ہیولانی کے مرتبہ میں نفس کو اپنا علم حضوری ہوتا ہے اور اس کے تمام مقدمات کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو لفظ شیئا ً سے عقلی قرینہ کی وجہ سے اس مرتبہ کی تخصیص کر لی جائے گی یعنی اس سے پہلے نفس کو کچھ پتہ نہیں ہوتا البتہ اس مرتبہ میں پہنچ کر خود اپنی حالت پیش نظر ہو جاتی ہے جس سے علم حضوری ہو جاتا ہے لیکن اگر سرے سے حکماء کی اس رائے ہی کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر آیت میں کسی توجیہ کی ضرورت نہیں ہوگی اور حکم اپنے عموم پر رہے گا۔

بخشائش الٰہی: .... اس کے بعد کی آیت میں بھی ربوبیت کی بخشائشوں پر توجہ دلائی گئی ہے کہ کسی طرح زمینی کرہ کی ہر پیداوار میں تمہارے لیئے فائدہ اور فیضان کی صورت پیدا ہوگئی ہے اور کوئی چیز نہیں جو تمہاری کسی نہ کسی کار برآری کا ذریعہ نہ ہو آیت **سرابیل تقیکم الحر** میں کرتوں کے سلسلہ میں گرمی سے بچاؤ کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اس سورت کے شروع میں آیت **لکم فیھا دفء** میں سردی سے بچاؤ کا ذکر ہو چکا ہے اور اکثر ملکوں میں سردیوں سے بچاؤ کیلئے پوستین اور اونی کپڑوں کا استعمال اور گرمیوں میں روئی کے کپڑوں کا استعمال بھی اس کا قرینہ ہے کہ شروع میں سردی سے بچاؤ کا اور یہاں گرمی سے بچاؤ کا ذکر ہو۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ التَّوْحِیْدَ وَالْاِنْصَافَ **وَالْاِحْسَانِ** اَدَاءَ الْفَرَائِضِ اَوْ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ کَمَا فِی الْحَدِیْثِ **وَاِیْتَآئِ** اِعْطَاءِ **ذِی الْقُرْبٰی** اَلْقَرَابَۃِ خَصَّہٗ بِالذِّکْرِ اِہْتِمَامًا بِہٖ **وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ** الزِّنَا **وَالْمُنْکَرِ** شَرْعًا مِنَ الْکُفْرِ وَالْمَعَاصِیِ **وَالْبَغْیِ** الظُّلْمِ لِلنَّاسِ خَصَّہٗ بِالذِّکْرِ اِہْتِمَامًا کَمَا بَدَأَ بِالْفَحْشَاءِ لِذٰلِکَ **یَعِظُکُمْ** بِالْاَمْرِ وَالنَّھْیِ **لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ** ﴿۹۰﴾ تَتَّعِظُوْنَ وَفِیْہِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِی الْاَصْلِ فِی الذَّالِ وَفِی الْمُسْتَدْرَکِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ھٰذِہٖ اَجْمَعُ اٰیَۃٍ فِی الْقُرْاٰنِ لِلْخَیْرِ وَالشَّرِّ **وَاَوْفُوْا بِعَھْدِ اللّٰہِ** مِنَ الْبَیْعَۃِ وَالْاِیْمَانِ وَغَیْرِھِمَا **اِذَا عٰھَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْکِیْدِھَا** تَوْثِیْقِھَا **وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰہَ عَلَیْکُمْ کَفِیْلًا** بِالْوَفَاءِ حَیْثُ حَلَفْتُمْ بِہٖ وَالْجُمْلَۃُ حَالٌ **اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ** ﴿۹۱﴾ تَھْدِیْدٌ لَّھُمْ **وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّتِیْ نَقَضَتْ** اَفْسَدَتْ **غَزْلَھَا** مَا غَزَلَتْہُ **مِنْ بَعْدِ قُوَّۃٍ** اِحْکَامٍ لَہٗ وَبَرْمٍ **اَنْکَاثًا** حَالٌ جَمْعُ نِکْثٍ وَھُوَ مَا یُنْکَثُ اَیْ یُحَلُّ اِحْکَامُہٗ وَھِیَ امْرَاَۃٌ حَمْقَاءُ مِنْ مَکَّۃَ کَانَتْ تَغْزِلُ طُوْلَ یَوْمِھَا ثُمَّ تَنْقُضُہٗ **تَتَّخِذُوْنَ** حَالٌ مِنْ ضَمِیْرِ تَکُوْنُوْا اَیْ لَا تَکُوْنُوْا مِثْلَھَا فِی اتِّخَاذِکُمْ **اَیْمَانَکُمْ دَخَلًا** ھُوَ مَا یُدْخَلُ فِی الشَّیْءِ وَلَیْسَ مِنْہُ اَیْ فَسَادًا اَوْ خَدِیْعَۃً **بَیْنَکُمْ** بِاَنْ تَنْقُضُوْھَا **اَنْ** اَیْ لِاَنْ **تَکُوْنَ اُمَّۃٌ** جَمَاعَۃٌ **ھِیَ اَرْبٰی** اَکْثَرُ **مِنْ اُمَّۃٍ** وَکَانُوْا یُحَالِفُوْنَ الْحُلَفَاءَ فَاِذَا وَجَدُوْا اَکْثَرَ مِنْھُمْ وَاَعَزَّ نَقَضُوْا حِلْفَ اُولٰٓئِکَ وَحَالَفُوْھُمْ **اِنَّمَا یَبْلُوْکُمُ** یَخْتَبِرُکُمُ **اللّٰہُ بِہٖ** اَیْ بِمَا اَمَرَ بِہٖ مِنَ الْوَفَاءِ بِالْعَھْدِ لِیَنْظُرَ الْمُطِیْعَ مِنْکُمْ وَالْعَاصِیَ اَوْ تَکُوْنَ اُمَّۃٌ اَرْبٰی لِیَنْظُرَ اَتَفُوْنَ اَمْ لَا **وَلَیُبَیِّنَنَّ لَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ** ﴿۹۲﴾ فِی الدُّنْیَا مِنْ اَمْرِ الْعَھْدِ وَغَیْرِہٖ بِاَنْ یُّعَذِّبَ النَّاکِثَ وَیُثِیْبَ الْوَافِیَ **وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً** اَھْلَ دِیْنٍ وَّاحِدٍ **وَّلٰکِنْ یُّضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ**

وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَتُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ سوال تبكيت **عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** ﴿۹۳﴾ لتجازوا عليه **وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ** كرره تاكيدا **فَتَزِلَّ قَدَمٌ** اى اقدامكم عن محجة الاسلام **بَعْدَ ثُبُوْتِهَا** استقامتها عليها **وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ** العذاب **بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اى بصدكم عن الوفاء بالعهد او بصدكم غيركم عنه لانه يستن بكم **وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ** ﴿۹۴﴾ فى الاخرة **وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا** من الدنيا بان تنقضوه لاجله **اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ** من الثواب **هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ** مما فى الدنيا **اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** ﴿۹۵﴾ ذلك فلا تنقضوا **مَا عِنْدَكُمْ** من الدنيا **يَنْفَدُ** يفنى **وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ** دائم **وَلَنَجْزِيَنَّ** بالياء والنون **الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا** على الوفاء بالعهود **اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۹۶﴾ احسن بمعنى حسن **مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً** قيل هى حياة الجنة وقيل فى الدنيا بالقناعة والرزق الحلال **وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۹۷﴾ **فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ** اى اردت قراء ته **فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ** ﴿۹۸﴾ اى قل اعوذ بالله من الشيطن الرجيم **اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ** تسلط **عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ** ﴿۹۹﴾ **اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ** بطاعته **وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ** اى الله تعالى **مُشْرِكُوْنَ** ﴿۱۰۰﴾ **وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ** بنسخها وانزال غيرها لمصلحة العباد **وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا** اى الكفار للنبى صلى الله عليه وسلم **اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ** كذاب تقوله من عندك **بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۱۰۱﴾ حقيقة القران وفائدة النسخ **قُلْ** لهم **نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ** جبرئيل **مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ** متعلق بنزل **لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** بايمانهم به **وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ** ﴿۱۰۲﴾ **وَلَقَدْ** للتحقيق **نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ** القران **بَشَرٌ** وهو قين نصرانى كان النبى صلى الله عليه وسلم يدخل عليه قال تعالى **لِسَانُ** لغة **الَّذِىْ يُلْحِدُوْنَ** يميلون **اِلَيْهِ** انه يعلمه **اَعْجَمِىٌّ وَّهٰذَا** القران **لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيْنٌ** ﴿۱۰۳﴾ ذو بيان وفصاحة فكيف يعلمه اعجمى **اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿۱۰۴﴾ مؤلم **اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** القران بقولهم هذا من قول البشر **وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ** ﴿۱۰۵﴾ والتاكيد بالتكرار وان وغيرهما رد لقولهم انما انت مفتر **مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ** على التلفظ بالكفر فتلفظ به **وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ** ومن مبتدأ او شرطية والخبر او الجواب لهم وعيد شديد دل عليه هذا **وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا** له اى فتحه ووسعه بمعنى

طَابَتْ بِهٖ نَفْسُهٗ **فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ** الْوَعِيْدُ لَهُمْ **بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا** اِخْتَارُوْهَا **عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾** عَمَّا يُرَادُ بِهِمْ **لَا جَرَمَ** حَقًّا **اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾** لِمَصِيْرِهِمْ اِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِمْ **ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا** اِلَى الْمَدِيْنَةِ **مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا** عُذِّبُوْا وَتَلَفَّظُوْا بِالْكُفْرِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ اَىْ كَفَرُوْا اَوْ فَتَنُوا النَّاسَ عَنِ الْاِيْمَانِ **ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ** عَلَى الطَّاعَةِ **اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا** اَىِ الْفِتْنَةِ **لَغَفُوْرٌ** لَّهُمْ **رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾** بِهِمْ وَخَبَرُ اِنَّ الْاُوْلٰى دَلَّ عَلَيْهِ خَبَرُ الثَّانِيَةِ

ترجمہ: .... بلاشبہ اللہ حکم دیتا ہے کہ عدل کرو (توحید بجالاؤ یا انصاف کرو) بھلائی کرو (فرائض بجالاؤ یا اس طرح عبادت کرو کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو جیسا کہ حدیث میں ہے) اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرو (رشتہ داروں کی تخصیص اہتمام کی وجہ سے کی گئی ہے) اور تمہیں روکتا ہے بے حیائی کی باتوں (زنا) سے اور ہر طرح کی برائی سے (جو شرعاً برائی ہو جیسے کفر اور گناہ) اور ظلم سے (لوگوں پر زیادتی کرنے سے خصوصیت سے ظلم کو اہتمام کے لیئے ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ شروع میں فحش کا ذکر کرنا بھی اس وجہ سے ہوا ہے وہ تمہیں (اس حکم اور ممانعت کے ذریعہ) نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو (سبق حاصل کرو دراصل اس میں تا تھی جس کو ذال بنا کر ذال میں ادغام کر دیا گیا ہے اور مستدرک میں ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ یہ آیت قرآن کریم میں خیر وشر کی سب سے جامع آیت ہے) اور جب تم آپس میں قول، اقرار کرو تو چاہیئے کہ اللہ کا عہد پورا کرو (بیعت کرنے، ایمان لانے وغیرہ کے متعلق) اور ایسا نہ کرو کہ قسمیں پکی کر کے انہیں توڑ دو حالانکہ تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو (عہد پورا کرنے کے سلسلہ میں اللہ کی قسمیں کھا کر یہ جملہ حالیہ ہے) یقین کرو تم جو کچھ کرتے ہو وہ اللہ سے پوشیدہ نہیں (یہ ان کے لیئے دھمکی ہے) اور دیکھو تمہاری مثال اس عورت کی سی نہ ہو جائے جس نے بڑی محنت سے (مضبوطی اور کوشش) سے سوت کاتا پھر توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا (یہ حال ہے انکاثا جمع نکث کی ہے یعنی کسی مضبوط کو ڈھیلا کر دینا اور کھول دینا یہ مکہ کی ایک بیوقوف عورت کے قصہ کی طرف اشارہ ہے جو سارے دن سوت کات کر پھر خود ہی اسے خراب کر ڈالتی تھی تم مت بناؤ تتخذوا کی خبر سے یہ حال ہے یعنی اس کارروائی میں تم اس عورت کی طرح مت بن جاؤ اپنی قسموں کو فساد کا ذریعہ (دخل ایسی چیز کو کہتے ہیں جو داخلی نہ ہو اور پھر اسے کسی چیز میں داخل کر دیا جائے یعنی فساد اور دھوکہ کا ذریعہ مت بناؤ) آپس میں کہ ان قسموں کو توڑ بیٹھو محض اس وجہ سے کہ ایک جماعت (گروہ) دوسری جماعت سے بڑھ جائے چنانچہ زمانہ جاہلیت میں لوگ آپس میں قسما قسمی کر لیا کرتے تھے پھر جب طاقت میں دوسرے ان پر بڑھ چڑھ جاتے تو پھر ان قسموں کو توڑ بیٹھتے اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے لگتے اللہ اس معاہدہ میں تمہاری آزمائش (امتحان) کرتا ہے (یعنی جس عہد کے پورا کرنے کا حکم دیا تھا تاکہ فرماں بردار اور نافرمان کی جانچ ہو سکے یا گروہ غالب کرے ہے تو دیکھیں وفائے عہد کرتا ہے یا نہیں اور جن جن باتوں میں تمہارے اختلافات رہے ہیں قیامت کے دن ان سب کو تمہارے سامنے آشکارا کر دے گا (یعنی دنیا میں جو عہد وغیرہ کی باتیں ہوئی ہیں تو عہد توڑنے والوں کو عذاب اور وفائے عہد کرنے والوں کو ثواب مرحمت فرمائے گا) اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تم سب کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے بے راہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ پر ڈال دیتا ہے اور تم سے ضرور باز پرس ہوگی قیامت کے دن (یہ پوچھنا مواخذہ کے طور پر

ہوگا) تمہارے سب اعمال کی (تا کہ تمہیں ان کاموں کا بدلہ دیا جا سکے) اور تم آپس کے معاملات میں اپنی قسموں کو مکروفریب کا ذریعہ نہ بناؤ (تاکید کے لئے دوبارہ یہ حکم بیان کیا گیا ہے) کبھی لوگوں کے پاؤں اکھڑ نہ جائیں (یعنی تمہارے قدم اسلام کی میانہ روی سے ڈگمگا نہ جائیں) جمنے کے بعد (یعنی اسلام پر قدم مضبوط ہونے کے بعد) اور تمہیں اس کی پاداش میں تکلیف (عذاب) کا مزہ چکھنا پڑے کہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو تم نے روکا (یعنی تمہیں وفاءعہد سے روکا گیا یا تم نے دوسروں کو وفا عہد سے روکا رکاوٹ کا ذریعہ بن کر) اور تم ایک بڑے عذاب کے سزاوار ہو (آخرت میں) اور اللہ کے نام پر کئے ہوئے عہد بہت تھوڑے فائدے کے بدلے نہ بیچو (یعنی دنیا کے فائدوں کی خاطر عہد توڑ ڈالو) جو (ثواب) اللہ کے پاس ہے وہی تمہارے حق میں بہتر ہے (اس سے جو دنیا میں ہے) بشرطیکہ تم سمجھتے بوجھتے ہو (تو ان عہدوں کو نہ توڑنا) جو تمہارے پاس (دنیا) ہے وہ ختم ہو جائے گی اور جو اللہ کے پاس ہے وہ ختم ہونے والا نہیں (دائمی ہے) جن لوگوں نے (وفائے عہد پر) صبر کیا ہم ضرور انہیں (یا اور نون کے ساتھ دونوں طرح ہے) ان کا اجر دیں گے انہوں نے جیسے جیسے اچھے کام کئے اسی کے مطابق ہمارا اجر بھی ہوگا (لفظ احسن بمعنی حسن ہے) جس کسی نے اچھا کام کیا خواہ مرد ہو خواہ عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہے تو ہم ضرور اسے بالطف زندگی دیں گے (بعض نے اس سے مراد جنت لی ہے اور بعض نے دنیاوی زندگی میں قناعت اور حلال کمائی مراد لی ہے) انہوں نے جیسے جیسے اچھے کام کئے ہیں اسی کے مطابق ہمارا اجر بھی ہوگا پس جب تم قرآن پڑھنے لگو (یعنی قرآن پڑھنا چاہو) تو چاہئے کہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ چاہو (یعنی **اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم** پڑھ لیا کرو) اس کا زور کبھی نہیں چل سکتا ان لوگوں پر جو ایمان والے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں اس کا قابو تو صرف انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے اپنا تعلق رکھتے ہیں (اس کی اطاعت کرتے ہیں) اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں (بندوں کی مصلحت کی خاطر اسے منسوخ کر کے دوسری آیت اتارتے ہیں) حالانکہ اللہ تعالیٰ جو حکم اتارتا ہے اس کو وہی خوب جانتا ہے تو یہ لوگ (کفار نبی کریم ﷺ سے) کہتے ہیں تم تو بس اپنے جی سے گھڑ لیا کرتے ہو (جھوٹے ہو اپنی طرف سے بات بنا لیتے ہو) حالانکہ ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں (قرآن کی اور نسخ کی حقیقت سے بے خبر ہیں) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ اسے روح القدس (جبریل) تمہارے پروردگار کی طرف سے حکمت کے موافق لائے ہیں (**بالحق** کا تعلق نزل کے ساتھ ہے) اور اس لئے لائے ہیں تا کہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے (قرآن پر ان کے ایمان کو) اور مسلمانوں کے لیئے رہنمائی اور خوشخبری ہو اور بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان کو تو (یہ قرآن) ایک آدمی سکھلا جاتا ہے (یعنی ایک نصرانی لوہار جس کے پاس کبھی کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جایا کرتے تھے حق تعالیٰ فرماتا ہے) حالانکہ اس کی زبان جس کی طرف اسے منسوب کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ (قرآن) صاف اور آشکارا عربی زبان ہے (کلام فصیح اور واضح بھلا ایک عجمی شخص کیسے اس کو سکھلا سکتا ہے) اصل یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی آیتوں پر یقین نہیں رکھتے اللہ انہیں کبھی کامیابی کی راہ نہیں دکھاتا اور ان کے لیئے دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہوتا ہے پس جھوٹ گھڑنا تو انہیں لوگوں کا کام ہے جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے (قرآن پر بقول ان کے یہ کلام بشر ہے) یہی لوگ ہیں کہ سرتاسر جھوٹے ہیں (تکرار کرکے اور ان وغیرہ کے ذریعے سے تاکید اکران کے قول "**انما انت مفتر**" کا رد کر دیا جو کوئی ایمان لانے کے بعد اللہ سے پھر اگر ہاں جو کوئی کفر پر مجبور کیا جائے (زبردستی کفریہ کلمات کہلائے جائیں) بشرطیکہ اس کا دل اس ایمان پر مطمئن ہو گیا (اور من مبتدا ہے یا شرطیہ ہے اور خبر یا جواب **لھم** وعید شدید ہے جس پر اگلا جملہ دلالت کر رہا ہے) لیکن ہاں وہ جی کھول کر کفر کرے (یعنی اس انکار پر دل رضامند اور مطمئن ہو جائے گویا وہ اس پر رتجھ گیا) تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہوگا اور ان کو سخت سزا ہوگی (یہ ان کے لیئے ہے یعنی) اس لیئے ہے کہ انہوں نے آخرت چھوڑ کر دنیا کی زندگی کو عزیز رکھا نیز اس سبب سے کہ

اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ ایسے کافروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر کانوں پر اور آنکھوں پر مہر کر دی ہے اور یہی ہیں کہ غفلت میں ڈوب گئے (اپنے مقصد سے) لامحالہ (لازمی بات ہے کہ) یہی لوگ آخرت میں تباہ حال ہوں گے (کیونکہ ان کا ٹھکانہ دائمی آگ میں ہوگا) پھر جن لوگوں کا یہ حال ہوا کہ انہوں نے (مدینہ کی طرف) ہجرت کی آزمائشوں میں پڑنے کے بعد (کہ انہیں ستایا گیا جس پر انہوں نے کلمہ ادا کر دیا اور ایک قرآت میں معروف ہے یعنی کفر اختیار کر بیٹھے یا لوگوں کو ایمان سے روک دیا) اور پھر جہاد بھی کیا اور (اطاعت پر) جمے رہے تو بلاشبہ تمہارا پروردگار اس آزمائش کے بعد (انہیں) ضرور (ان پر) رحمت فرمانے والا ہے (پہلے ان کی خبر پر دوسرے ان کی خبر دلالت کر رہی ہے)

تحقیق وترکیب: .... **بالعدل.** توحید بھی تشریک وتعطیل کے درمیان میں ہوتی ہے اس لئے اس کو عدل سے تعبیر کیا گیا ہے یا انصاف مراد ہے۔ **الاحسان** اللہ کے ساتھ احسان تو یہ ہے کہ مکمل طریقہ سے اس کے فرائض بجالائے جائیں اور بندوں کے ساتھ احسان یہ ہے کہ **ان تعفوا عمن ظلمک وتعطی من حرمک وتصل من قطعک فی الحدیث** صحاح کی روایت ہے **ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک.** یہ حال جب درجہ رسوخ پر پہنچ جاتا ہے تو اسے مشاہدہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس کو بعض عرفاء نے ان الفاظ میں تعبیر کیا ہے۔ **خیالک فی عینی و ذکرک فی فمی و حبک فی قلبی فاین تغیب من البیعة.** بیعت رضوان کی طرف اشارہ ہے۔ جو آیت **ان الذین یبایعونک** میں مراد ہے۔ **وھی امراة.** بقول بغوی ریطہ بنت عمرو بن سعد بن کعب بن زید بن تمیم اس عورت کا نام ہے اور بلاذریؒ کے نزدیک یہ عورت اسد بن العزی بن قصی کی ماں اور سعد بن تمیم کی بیٹی تھی جو دن بھر سوت کات کر شام کو برباد کر ڈالتی تھی۔ بعض نے ریطہ کے بجائے رائطہ اور بعض نے خرقا نام بتلایا ہے بمعنی احمق **محجة الاسلام** میانہ روی اور طریق واضح **احسن** بمعنی **حسن** یعنی اسم تفضیل اپنے معنی میں نہیں ہے کہ واجبات جو **احسن** ہیں صرف انہی پر جزاء ہو بلکہ واجبات ومندوبات دونوں پر جزاء ملے گی۔ دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ **احسن** موصوف محذوف کی صفت ہو ای بثواب **احسن من عملھم** جیسا کہ حدیث میں ہے۔ **الحسنة بعشر امثالھا حیاة طیبة** مومن اگر مالدار ہے تب تو اس کی زندگی کا عمدہ ہونا ظاہر ہے لیکن اگر تنگدست ہے تب بھی قناعت اور صبر اور رضا بالقضاء کی وجہ سے اس کی زندگی پرسکون ہوتی ہے برخلاف فاجر شخص کے کہ تنگ دستی کی صورت میں تو اس کی بے چینی ظاہر ہے۔ لیکن خوش حالی کی صورت میں بھی وہ حریص وطمع کی قیود میں جکڑا رہتا ہے۔ لیکن مومن کی دعا یہ ہوتی ہے کہ **اللھم قنعنی بما رزقتنی** اور سعید بن جبیرؒ اور عطاؒ کے نزدیک حیات طیبہ سے مراد حلال رزق ہے۔ اور ابوبکر دراقؒ کے نزدیک حلاوت طاعات مراد ہے۔ **فاذا قرأت** یعنی قرأت قرآن چونکہ افضل الاعمال ہے اس لئے استعاذہ سے اس کی ابتداء ہونی چاہئے۔ لیکن صحابہؓ اور تابعینؒ اور امام مالکؒ کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ قرأت کے بعد استعاذہ ہونا چاہئے ظاہر آیت سے استدلال کرتے ہوئے اور اس امر کو استحباب استعاذہ پر محمول کرتے ہیں اور عطاءؒ کہتے ہیں کہ قرآن پڑھنے کے وقت **اعوذ باللہ** پڑھنا ضروری ہے۔ خواہ نماز میں ہو یا نماز کے باہر۔ افضل اور سنت طریقہ **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** کے الفاظ سے ہے۔ چنانچہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ کے سامنے **اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم** پڑھا تو آپؐ نے فرمایا کہ **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** پڑھا کرو۔ جبرئیل نے مجھے یہ بتلایا ہے کہ لوح محفوظ میں اس طرح لکھا ہے۔ قین نصرانی یہ رومی لوہار تھا اور بعض نسخوں میں قین کے بجائے قن کا لفظ ہے بمعنی غلام اس کا نام جبر تھا عامر بن حضرمی کا یہ غلام تھا اور بعض کی رائے میں حویطب بن اسد عزی کا غلام عائش نامی تھا جو پچھلی کتابوں سے واقف تھا اور بعد میں مسلمان ہو گیا اور بعض سلمان فارسی مراد لیتے ہیں۔ **اعجمی** یعنی غیر فصیح اگرچہ عربی بولنے والا ہو عجمی منسوب الی العجم کو کہتے ہیں۔

اگرچہ فصیح ہواور بقول خطیب عجمی کے معنی ہیں۔ جو عربی زبان نہ جانتا ہو۔ ثم ان ربك لفظ ان کی خبر میں تین احتمال ہیں۔ نمبر۱: لغفور رحیم خبر بنائی جائے۔ اس صورت میں للذین کا تعلق بطور تنازع دونوں خبروں سے ہو یا محذوف سے ہو۔ ای الغفران ورحمة للذین ھاجروا۔ نمبر۲: للذین ھاجروا کو خبر کہا جائے ان زیدا لك کی طرح ای ھو لك لا علیك۔ نمبر۳: خبر محذوف ہو بعد کے قرینہ کی وجہ سے۔

ربط آیات: .... آیت ان اللہ یامر الخ سے پہلے ونزلنا علیك الکتب الخ میں قرآن کی فضیلت بیان کی گئی تھی۔ اب اس آیت میں یہ بتلانا ہے کہ جس کتاب میں اتنی عمدہ تعلیم ہو وہ اسی تعریف اور توصیف کی مستحق ہے غرضیکہ ساری شریعت کا عطر اس آیت میں کھینچ کر رکھ دیا۔ آگے آیت واوفوا بعھد اللہ الخ سے ایک خاص حکم یعنی وفائے عہد کے متعلق زور دیا گیا ہے۔ کیونکہ اول تو فی نفسہ یہ حکم مہتم بالشان ہے دوسرے آغاز اسلام میں عہد کی پابندی کرنے نہ کرنے کا اسلام پر بڑا اثر پڑتا تھا۔ اس لئے اس کی پوری اہمیت کو محسوس کرایا گیا کہ ایک طرف عہد کی پابندی کو سراہا گیا اور دوسری طرف اس کو توڑنے کی برائی کی گئی اس کے بعد آیت من عمل صالحا الخ میں عام طور پر نیک کام کی برتری بیان کی گئی ہے اور ساتھ ہی عہد کو توڑنا اور دوسرے برے کام شیطانی اغوا کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اس لئے آیت فاذا قرأت سے شیطانی شر سے بچنے کا گر بتلاتے ہیں۔ اس کے بعد آیت واذا بدلنا الخ سے اسلام کی دوسری اصل عظیم رسالت سے متعلق شبہات کا ازالہ کیا جارہا ہے۔ اور آیت ان الذین الخ سے منکرین توحید ورسالت کی وعید کا بیان ہے۔ آگے آیت من کفر باللہ الخ سے مرتد کی سزا اور اس سزا سے جس شخص پر زبردستی کی گئی ہو اس کی استثنیٰ کے بیان ہے پھر اس اصلی کفر وارتداد کی سزا کے بعد آیت ثم ان ربک الخ میں دوبارہ ایمان لانے والوں کے لئے بشارت مذکور ہے۔

شان نزول وفضائل: .... عثمان بن مظعونؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مجھے بار بار اسلام کی دعوت دیتے تھے لیکن میں اسلام سے محروم تھا اور مجھے آپ کے سامنے جاتے ہوئے شرم بھی آتی تھی یہاں تک کہ آیت ان اللہ یامر بالعدل الخ نازل ہوئی تو میرے دل میں ایمان اتر گیا اور میں نے ولید بن مغیرہ کے سامنے یہ آیت پڑھتے ہوئے کہا واللّٰہ ان لہ لحلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ وان اعلاہ لمثمر وان اسفلہ لمعذق وما ھو قول البشر حتیٰ کے ابوجہل بھی بول اٹھا کہ ان الہ لیامر بمکارم اخلاق ایک روایت یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ یہ آیت ولید بن مغیرہ کے سامنے تلاوت فرمائی عرض کیا اعدھا یا محمد آپ ﷺ نے جب دوبارہ پڑھی تو کہنے لگا ان لہ حلاوۃ وان علیہ طلاوۃ وان اعلاہ لمثمر وان اسفلہ لمعذق وماھوبقول البشر بہر حال یہ آیت قرآن کریم کی جامع ترین آیت ہے۔ اسی لئے خطبات کے آخر میں اس کو رکھا گیا ہے۔ آیت اذا بدلنا اية الخ کا سبب نزول یہ ہے کہ کفار مکہ آنحضرتؐ پر اعتراض کرتے تھے کہ یہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مذاق کرتا ہے کہ ایک بات کا حکم دیتا ہے پھر اس کے خلاف دوسرا حکم دے دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدائی احکام نہیں ہوتے بلکہ اپنے جی سے گھڑ کر کہتا ہے؟ آیت میں اسی کا جواب دیا جارہا ہے۔ آیت من کفر باللہ الخ کے متعلق خازنؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت عمار بن یاسرؓ اور ان کی والدہ سمیہؓ اور بلال حبشیؓ اور صہیبؓ رومی اور خبابؓ بن ارت کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جن کو اسلام کی خاطر طرح طرح کی اذیتیں اٹھانی پڑیں، سمیہؓ کو دو انٹوں کے درمیان باندھ کر مارا جاتا تھا یہاں تک کہ ابوجہل نے ان کی شرمگاہ میں نیزہ مار کر انہیں مار ہی ڈالا اور ان کے شوہر یاسرؓ کو بھی شہید کر دیا گیا اسلام میں سب سے پہلے یہ دو قتل ہوئے۔ عمارؓ سے زبردستی کلمات کفر کہلائے گئے جس کی اطلاع نبی کریم ﷺ کو ہوئی کہ ان عمارا کفر آپ ﷺ نے فرمایا کلا ان عمارا ملئی ایمانا من قرنہ الی قدمہ واختلط الایمان بدمہ ولحمہ یعنی عمار ہرگز

کافر نہیں ہوئے وہ سرتاپا ایمان سے لبریز ہیں ان کے گوشت پوست تک ایمان رچ چکا ہے چنانچہ اس کے بعد جب حضرت عمارؓ روتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو ہچکی بندھی ہوئی تھی اور آنحضرت ﷺ اپنے دست مبارک سے ان کے آنسوں پونچھتے جاتے تھے اور فرمایا مالك ان عادوا لك فعد لهم ما قلت گھبرانے کی کوئی بات نہیں بلکہ اگر پھر بھی تمہیں مجبور کریں تو اس بات کے دہرانے کی اجازت ہے۔ آیت ثم ان ربک الخ کا شان نزول یہ ہے کہ ابوجہل کے رضاعی بھائی عیاش بن ربیعہ اور ابوجندل بن سہل بن عمرو اور ولید بن مغیرہ اور سلمہ بن ہشام اور عبداللہ بن اسد ثقفی کو جب مشرکین نے زیادہ ستایا تو انہوں نے کچھ دے دلا کر اپنی جان بچائی اور پھر ہجرت اور جہاد سے مشرف ہوئے رضی اللہ عنہم۔

﴿ تشریح ﴾: ...... **آیت کی جامعیت**: ......فرمان الٰہی ان الله یامر الخ کا حاصل یہ ہے کہ تم عدل وانصاف کو اپنا شیوہ بناؤ۔ نیک کرداری میں سرگرم رہو، قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کرو، فحش کاموں سے بچو، ہر طرح کی برائیوں سے پرہیز رکھو، ظلم وزیادتی سے کبھی آلودہ نہ ہو، جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے ان کے لئے اب تو آزمائش عقائد میں نہ تھی، اعمال میں تھی، اس لئے اس آیت میں عملی زندگی کی تمام مہمات بیان کر دیں۔ یہ گویا قرآن کے اس وصف کی تفسیر ہے جو پچھلی آیت میں بیان کیا گیا ہے "تبیانا لکل شیء" اسی لئے مفسرینؒ نے اسے جامع ترین آیت شمار کیا ہے۔

عدل وانصاف: ...... عدل تمام محاسن اعمال کی اصل ہے جس انسان کے اندر یہ بات پیدا ہوگئی کہ جو بات کرنی چاہئے انصاف کے ساتھ کر سکے اس نے سب کچھ پالیا، قوت علمیہ وعملیہ دونوں میں اعتدال پیش نظر رکھنے سے اس میں تمام عقائد اور ظاہری وباطنی اعمال داخل ہو جائیں گے۔ احسان سے یہاں مقصود حسن عمل ہے، جو بات کرو حسن وخوبی کی کرو نیکی اور بھلائی کی کرو، یعنی عمل کی بنیاد بھی بھلائی ہونی چاہئے برائی نہیں۔ جس نے یہ بات پالی اس کے لئے اور کیا باقی رہا۔ پھر جو ہم سے قریب کا رشتہ رکھتے ہیں وہ ہمارے حسن سلوک کے زیادہ حقدار ہیں۔ غرضیکہ عدل عام کے بعد احسان کا حکم دیا گیا۔ جس کا نفع دوررس ہوتا ہے پھر خصوصیت سے اس کے مستحق قرابت دار پائے اسی طرح پہلے عام برائیوں کو روکا۔ پھر ان میں بھی فواحش کی خصوصیت سے ممانعت کی۔ اس طرح تمام منکرات سے روکنے کے مقاصد پورے کر دیئے فحش سے مقصود وہ برائیاں ہیں جو حد درجہ کی برائیاں تسلیم کر لی گئی ہیں۔ جیسے زنا، کنجوسی، افتراء پردازی اور منکر میں ہر قسم اور ہر درجہ کی برائیاں آگئیں اور بغاوت میں ہر طرح کی زیادتی آگئی خواہ کسی طرف اور کسی شکل میں کی گئی ہو۔

محاسن اخلاق: ...... پس جو کتاب ایسے سانچے لے کر آئی ہو جس سے ایسے اعمال ڈھلتے ہوں اور جو ایسی زندگیاں بناتی ہو اگر وہ ہدایت رحمت اور بشارت نہیں ہے تو اور کس نام سے اسے پکارا جا سکتا ہے اس لحاظ سے تبیانا لکل شیء کہنا بالکل صحیح ہو گیا۔ کیونکہ دنیاوی باتیں تو مراد ہی نہیں کہ ان کا معلوم نہ ہونا قابل اعتراض ہو البتہ دینی باتیں ساری آگئیں، کیونکہ جن باتوں کا ثبوت حدیث یا اجماع یا قیاس سے ہے ان تینوں کا حجت ہونا بھی قرآن ہی سے ثابت ہے پس سب باتیں بالواسطہ یا بلا واسطہ گویا قرآن ہی سے معلوم ہو گئیں۔

عہد کی پابندی یا عہد شکنی: ...... اس کے بعد خصوصیت کے ساتھ ایک خاص معاملہ پر زور دیا جو عموماً طرح طرح کی لغزشوں کا باعث ہوتا ہے اور مسلمانوں کو ایک جماعت کی حیثیت سے سب سے زیادہ اس میں سرگرم واستوار ہونے کی ضرورت تھی۔

یعنی ایفائے عہد جب تم نے کسی فرد یا جماعت سے کوئی قول وقرار لیا تو اب یہ قرآن کے نزدیک ''اللہ کا عہد'' ہوگیا۔ ایسا عہد جس کے لئے تم اللہ کے آگے ذمہ دار ہوگئے اگر تم نے اسے پورا نہیں کیا تو اللہ کے آگے جواب دہ ہوگے۔ عہد و میثاق کے معاملات میں سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ نازک معاملہ، جماعتوں کے معاہدوں کا ہے اور اسی میں اس کی اصلی آزمائش ہے۔ افراد بحیثیت افراد کے بہت کم عہد شکنی کرتے ہیں اور کریں تو ان کی برائیاں شخصی دائرہ سے باہر نہیں جاتی لیکن جماعتیں بہ حیثیت جماعت کے اکثر عہد شکن ہوتی ہیں اور اس کے نتائج سینکڑوں ہزاروں افراد کے حصہ میں آتے ہیں۔ بسااوقات ایک جماعت کے افراد کبھی گوارا نہیں کرتے کہ اپنی انفرادی زندگی میں عہد شکنی گوارا کریں۔ لیکن اگر انہی لوگوں کو بہ حیثیت ایک جماعت، قوم اور حکومت کے بدعہدی کرنی پڑے تو ایک لحہ کے لئے بھی اس میں تامل نہیں کریں گے اور ایسے جماعتی کام جوئیوں اور فتحمندی کی ایک ہشیاری اور دانش مندی سمجھیں گے۔ خصوصاً اگر بدعہدی کسی ایسی جماعت کے ساتھ کرنی پڑے جس سے دشمنی اور لڑائی ہو۔ آج بیسویں صدی میں دنیا کے متمدن اقوام کا سیاسی اخلاق ہمارے سامنے ہے ان کے جو افراد چھوٹی سے چھوٹی بات میں بھی یہ گوارا نہیں کرسکتے کہ وہ وعدہ خلاف ثابت ہوں، قومی اور سیاسی معاملات میں ہر طرح کی بدعہدیاں اور خلاف ورزیاں جائز سمجھتے ہیں اور تاریخ کے اوراق کو آج تک اس کی مہلت نہیں ملی ہے کہ سیاسی معاہدوں کی شکست کی افسانہ سرائی سے فارغ ہوجائے۔

زمانۂ جاہلیت اور وفائے عہد: .... زمانہ جاہلیت میں عربوں کا حال یہ تھا کہ وہ وفائے عہد کی اخلاقی قیمت سے بے خبر نہ تھے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے اور اپنے قبیلہ کے مفاخر میں سب سے زیادہ نمایاں جگہ وفائے عہد ہی کو دیتے تھے لیکن جہاں تک جماعتی معاہدوں کا تعلق ہے وفائے عہد کا عقیدہ کوئی عملی قدر و قیمت نہیں رکھتا تھا۔ آج اگر ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے معاہدہ کرتا تو کل دیکھتا تھا کہ اگر اس کے مخالف زیادہ طاقت ور ہوگئے ہیں تو بے دریغ ان سے جاملتا تھا اور اپنے حلیف پر بے تامل حملہ کردیتا تھا۔ اگر کسی دشمن سے امن کا معاہدہ کرتے اور پھر دیکھتے کہ ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ ہوگیا ہے تو ایک لحہ کے لئے بھی معاہدہ کا احترام انہیں حملہ کردینے سے نہیں روکتا تھا اور بے خبر دشمن پر جاگرتے۔ لیکن قرآن کریم راست بازی کی جو روح پھونکنا چاہتا تھا وہ ایک لحہ کے لئے بھی یہ بداخلاقی گوارا نہیں کرسکتی۔ اس نے وفائے عہد اور وعدہ کی پابندی کا جو معیار قائم کیا ہے وہ اس درجہ بلند، قطعی بے لچک اور عالمگیر ہے کہ انسانی اعمال کا کوئی گوشہ بھی اس سے باہر نہیں رہ سکتا۔ قرآن کہتا ہے فرد ہو یا جماعت، ذاتی معاملات ہوں یا سیاسی، عزیز ہو یا اجنبی، ہم مذہب اور ہم قوم ہو یا غیر قوم و مذہب، دوست ہو یا دشمن، امن کی حالت ہو یا جنگ کی، کسی حال میں بھی عہد شکنی جائز نہیں، وہ ہر حال میں جرم ہے۔ اللہ کے ساتھ ایک بات کرکے اسے توڑ دینا ہے اور خود کو عذاب عظیم کا مستحق کرنا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جابجا وفائے عہد پر زور دیا ہے احادیث میں منافق کی یہی پہچان بتلائی گئی ہے کہ اذا وعد اخلف یعنی جب وہ وعدہ کرے گا پورا نہیں کرے گا۔ یہاں خصوصیت سے آیت تتخذون ایمانکم دخلاً بینکم میں جماعتی عہد وقرار کے برقرار رکھنے پر زور دیا ہے۔ پھر آیت کالتی نقضت غزلها الخ میں بدعہدی کی برائی کی مثال دے کر سمجھائی گئی ہے۔ اس کے بعد آیت ولا تشتروا الخ میں فرمایا گیا ہے کہ اپنی قسموں کو لوگوں کے لئے ٹھوکر نہ بناؤ کیونکہ تم نے اگر بدعہدی کی تو لوگوں کا یقین تم سے اٹھ جائے گا وہ کہیں گے ایسے لوگوں کا دین کیا جو اپنی بات کے پکے نہیں۔ اس طرح نہ صرف بدعہدی کے مجرم ہوگے بلکہ راہ حق سے لوگوں کو روکنے کا باعث بنوگے۔

پاکیزہ زندگی: .... حیات طیبہ سے مراد یہ نہیں کہ اس کو بیماری یا مفلسی کبھی نہیں ہوگی بلکہ مقصد یہ ہے کہ اطاعت کی برکت

سے اس کے دل میں ایسا نور پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ ہر حال میں صابر وشاکر تسلیم ورضا کا پیکر بنا رہے گا اور ساری دل جمعی کی اصل یہی رضا ہے اور استعاذہ میں قرآن کی تخصیص کا نکتہ یہ ہے کہ تمام اعمال کی نسبت قرآن کریم میں شیطانی تصرف اور وسوسہ اندازی کا سب سے کم احتمال ہے، جیسا کہ ارشاد ہے "**لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ و لا من خلفہ** " بلکہ بعض آیتوں اور سورتوں میں شیطان کے بھاگ جانے کی خصوصی تاثیرات منقول ہیں پس یہ بتلانا ہے کہ جب ایسے بہترین عمل میں بھی استعاذہ کا حکم ہے تو دوسرے اعمال میں بدرجہ اولیٰ استعاذہ ضروری ہوگا اور استعاذہ سے جو مقصود اصلی توکل ہے اس کے اعتبار سے یہ حکم اپنے حقیقی معنی وجوب پر ہے اور قابو میں آنے نہ آنے کا ماحصل گناہ کرا سکنا یا نہ کرا سکنا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پڑھنے کے لئے **اعوذ باللہ** پڑھنا ضروری ہے خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔ جمہورؒ کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے اور بعض کے نزدیک وجوبی ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر فرض ہے اور امت کے لئے مستحب ہے۔ اس سلسلہ میں اگرچہ مختلف صیغے مروی ہیں۔ ابن مسعودؓ کی روایت میں **اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم** منقول ہے اور بعض روایتوں میں **اعوذ باللہ السمیع العلیم وبوجھہ الکریم من الشیطان الرجیم** کے الفاظ آئے ہیں۔ لیکن مشہور اور آیت کے زیادہ قریب **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** ہے اور نماز کی حالت میں **اعوذ باللہ** آہستہ پڑھنی چاہیئے۔ لیکن نماز کے علاوہ اگر قرآن زور سے پڑھا جا رہا ہے تو **اعوذ باللہ** بھی زور سے پڑھنا چاہیئے ورنہ آہستہ پڑھنی چاہیئے۔ اور صاحب ہدایہ آیت **فاذا قرأت الخ** سے استدلال کر رہے ہیں کہ **اعوذ باللہ، سبحانک اللھم** کے بعد پڑھنی چاہیے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک صرف پہلی رکعت میں اور شوافع کے نزدیک ہر رکعت میں **اعوذ باللہ** پڑھنی چاہیئے اور بظاہر آیت سے شوافع کی تائید نکل رہی ہے۔ اس لئے قاضی بیضاویؒ یہ کہتے ہیں۔ کہ شرط کا بار بار ہونا قیاساً حکم کے بار بار ہونے کو چاہتا ہے۔ اس لئے آیت کی رو سے ہر رکعت میں **اعوذ باللہ** پڑھنی چاہیئے۔ لیکن حنفیہ کی طرف سے کہا جا سکتا ہے کہ **اذا قرأت الخ** میں لفظ اذا مہملہ ہے جو حکم میں جزئیہ کے ہوتا ہے۔ پس حکم کا کلی ہونا ثابت نہ ہوا۔ **اعجمی** کے معنی جس طرح غیر عربی کے آتے ہیں اسی طرح غیر واضح اور سمجھ میں نہ آنے والے کلام پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اگرچہ عربی ہو اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اس شخص کی تقریر خود کافی اور روانی نہیں ہے۔ بہرحال اس آیت **ومن کفر** سے معلوم ہوا کہ جبریہ حالت میں زبان سے کلمات کفر کہنے کی اگرچہ اجازت ورخصت ہے بشرطیکہ دل میں ایمان کی اطمینانی کیفیت ہو۔ لیکن عزیمت اور فضیلت کی بات یہ ہے کہ جان پر کھیل جائے مگر کفریہ کلمہ نہ کہے۔ ایسی موت شہادت کی موت کہلائی گی۔ چنانچہ روایت ہے کہ مسیلمہ کذاب نے دو صحابیوں کو پکڑا اور ایک سے پوچھا کہ محمد کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ رسول اللہ ہیں۔ اس نے پوچھا کہ میرے متعلق کیا خیال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تو بھی یہ سن کر مسیلمہ نے انہیں چھوڑ دیا۔ دوسرے صحابیؓ سے جب پوچھا کہ محمد کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ کہا کہ رسول اللہ ہیں اس نے پوچھا کہ میرے بارے میں کیا خیال ہے؟ کہنے لگے میں اونچا سنتا ہوں اس لئے میں نے سنا نہیں۔ اس نے تین دفعہ پوچھا۔ انہوں نے تینوں دفعہ یہی جواب دیا جس پر جل کر مسیلمہ نے انہیں قتل کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کو جب اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ پہلے نے تو رخصت پر عمل کیا ہے لیکن دوسرے نے حق پر جان فدا کر دی ہے۔ "**فھنیئا لہ**" صاحب ہدایہ کتاب الاکراہ میں لکھتے ہیں کہ اگر کسی کو جان جانے کا خطرہ ہو یا کسی عضو کے تلف کر دیئے جانے کا اندیشہ ہو تو اسے ایمان اپنے دل میں رکھ کر کلمات کفر زبان سے ادا کرنا جائز ہے۔ حدیث عمارؓ کی وجہ سے اور اس آیت اکراہ کی وجہ سے۔ لیکن اگر صبر کر کے شہید ہو جائے تو مستحق ثواب ہوگا۔ چنانچہ حضرت خبیبؓ کو آنحضرت نے سید الشہداء فرمایا تھا جب کہ انہیں سولی دی گئی تھی اور "**ھو رفیقی فی الجنۃ**" فرمایا۔ اسی لئے اصولیوں نے رخصت کی اس قسم کو کامل طور پر

حقیقی قرار دیا ہے۔ کیونکہ محرم اپنے حکم سمیت باقی ہے اور پھر بھی کلمہ کفر کہنے کی رخصت ہے۔ پس جب عزیمت بھی مکمل ہے تو رخصت بھی اسی درجہ کی ہونی چاہئے۔ نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر دل میں ایمان نہیں ہوگا تو کلمہ کفر ادا کرنے سے کافر ہو جائے گا خواہ زبردستی یا ویسے ہی نادانی اور مذاق سے کہے۔ پس معلوم ہوا کہ ایمان کے لئے اقرار زبانی اور تصدیق جنانی (قلبی) دونوں ضروری ہیں۔ البتہ مجبوری کی حالت میں زبانی اقرار معاف بھی ہوسکتا ہے۔ مگر قلبی تصدیق کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوسکتی۔ گویا ایمان کی رکنیت کا اول درجہ قلبی تصدیق ہے اور زبانی اقرار دوسرے نمبر پر ہے کہ ظاہری ایمان کے لئے۔ بشرطیکہ اکراہ کی حالت نہ ہو ضروری ہے مگر باطنی ایمان کے لئے ضروری نہیں اور اعمال صالحہ فی نفسہ تو ضروری ہیں۔ مگر جز ایمان نہیں ہیں کہ ان کے بغیر نجات ہی نہ ہوسکے۔ ہاں کمال نجات یقیناً ان کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو حضرات ایمان کے لئے صرف قلبی تصدیق کو کافی سمجھتے ہیں یا صرف اقرار زبانی کو کافی سمجھتے ہیں یا اقرار زبانی اور تصدیق جنانی اور عمل ارکانی تینوں ایمان کے لئے ضروری کہتے ہیں وہ صحیح نہیں۔ آیت **ان ربك من بعدها لغفور رحیم** سے اہلسنت کے مسلک پر معتزلہ کی طرف سے کوئی شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ بقول اہل سنت نفس نجات اور رحمت اگرچہ صرف ایمان لانے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن کامل رحمت کے عالی درجات کے لئے عادۃً اور اعمال کی بھی ضرورت ہے۔ پس اگر اس آیت میں نفس رحمت بھی مراد ہو تب بھی نجات ومغفرت کے لئے مجموعی طور پر ایمان واعمال کے سبب ہونے سے یہ لازم آتا کہ یہ مجموعہ شرط نجات بھی ہو جیسا کہ معتزلہ کا خیال ہے۔

لطائفِ آیات:............ آیت **ان الله یامر بالعدل الخ** اصول اخلاق کی جامع ہے۔ آیت **ما عند کم ینفد الخ** میں آخرت کا دنیا کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہونا ظاہر ہے۔ **فلنحیینه حیاة طیبة الخ** کے ذیل میں بعض اہل دل کا قول ہے کہ محبوب کے ساتھ جو زندگی ہو وہ حیاتِ طیبہ ہے اور اولیاء اللہ کو دنیا میں بھی یہ دولت میسر ہوتی ہے۔ آیت **انه لیس له سلطان الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن اگر غالب آنا چاہے تو اس پر شیطان کا ذرا بھی زور نہیں چل سکتا۔ آیت **ولکن من شرح الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ وسوسہ میں بھی شرح صدر نہیں ہوتا اور نہ وسوسہ اختیاری ہوتا ہے بلکہ اکراہ کی بے بسی سے بھی اس کی بے اختیاری بڑھی ہوئی ہے۔ اس لئے وساوس قطعاً قابل التفات اور مذموم نہیں ہیں۔ آیت **ذلك بانهم الخ** سے حب دنیا کا مذموم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب کہ دنیا کی محبت آخرت کی محبت پر راجح ہو ورنہ دنیا کی محبت طبعی قابل ملامت نہیں ہے۔

اُذْكُرْ يَوْمَ تَاْتِىْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ تُحَاجُّ **عَنْ نَّفْسِهَا** لَا يُهِمُّهَا غَيْرُهَا وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ** جَزَاءَ **مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾** شَيْئًا **وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا** وَيُبْدَلُ مِنْهُ **قَرْيَةً** هِيَ مَكَّةُ وَالْمُرَادُ اَهْلُهَا **كَانَتْ اٰمِنَةً** مِنَ الْغَارَاتِ لَا تَهَاجُ **مُّطْمَئِنَّةً** لَا تَحْتَاجُ اِلَى الْاِنْتِقَالِ عَنْهَا لِضِيْقٍ اَوْ خَوْفٍ **يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا** وَاسِعًا **مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ** بِتَكْذِيْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ** فَقُحِطُوْا سَبْعَ سِنِيْنَ **وَالْخَوْفِ** بِسَرَايَا النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ** مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ**

الْعَذَابُ الْجُوْعُ وَالْخَوْفُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ (۱۱۳) فَكُلُوْا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (۱۱۴) اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۱۵) وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ اَیْ لِوَصْفِ اَلْسِنَتِكُمْ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِمَا لَمْ يُحِلَّهُ اللّٰهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهُ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ بِنِسْبَتِهٖ ذٰلِكَ اِلَيْهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ (۱۱۶) لَهُمْ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ فِي الدُّنْيَا وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۱۱۷) مُؤْلِمٌ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا اَیِ الْيَهُوْدُ حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ فِيْ اٰيَةِ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ اِلٰى اٰخِرِهَا وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ بِتَحْرِيْمِ ذٰلِكَ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (۱۱۸) بِارْتِكَابِ الْمَعَاصِی الْمُوْجِبَةِ لِذٰلِكَ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ الشِّرْكَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا رَجَعُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا عَمَلَهُمْ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا اَیِ الْجَهَالَةِ اَوِ التَّوْبَةِ لَغَفُوْرٌ لَهُمْ رَّحِيْمٌ (۱۱۹) بِهِمْ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً اِمَامًا قُدْوَةً جَامِعًا لِخِصَالِ الْخَيْرِ قَانِتًا مُطِيْعًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا مَائِلًا اِلَى الدِّيْنِ الْقَيِّمِ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۱۲۰) شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ اجْتَبٰىهُ اصْطَفَاهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۱۲۱) وَاٰتَيْنٰهُ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً هِیَ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ فِیْ كُلِّ اَهْلِ الْاَدْيَانِ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (۱۲۲) اَلَّذِيْنَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلٰى ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ دِيْنَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۱۲۳) كَرَّرَ رَدًّا عَلٰى زَعْمِ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى اَنَّهُمْ عَلٰى دِيْنِهٖ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ فَرْضُ تَعْظِيْمِهٖ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ عَلٰى نَبِيِّهِمْ وَهُمُ الْيَهُوْدُ اُمِرُوْا اَنْ يَتَفَرَّغُوْا لِلْعِبَادَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالُوْا لَا نُرِيْدُهٗ وَاخْتَارُوا السَّبْتَ فَشُدِّدَ عَلَيْهِمْ فِيْهِ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (۱۲۴) مِنْ اَمْرِهٖ بِاَنْ يُّثِيْبَ الطَّائِعَ وَيُعَذِّبَ الْعَاصِیَ بِانْتِهَاكِ حُرْمَتِهٖ اُدْعُ النَّاسَ يَا مُحَمَّدُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ دِيْنِهٖ بِالْحِكْمَةِ بِالْقُرْاٰنِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ مَوَاعِظِهٖ اَوِ الْقَوْلِ الرَّفِيْقِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ اَیْ بِالْمُجَادَلَةِ الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ كَالدُّعَاءِ اِلَى اللّٰهِ بِاٰيَاتِهٖ وَالدُّعَاءِ اِلٰى حُجَجِهٖ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ اَیْ عَالِمٌ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (۱۲۵) فَيُجَازِيْهِمْ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ وَنَزَلَ لَمَّا قُتِلَ حَمْزَةُ وَمُثِّلَ بِهٖ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ رَاٰهُ لَاُمَثِّلَنَّ بِسَبْعِيْنَ مِنْهُمْ مَكَانَكَ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ

فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَاعُوْ قِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ عَنِ الْاِنْتِقَامِ **لَهُوَ** اَیِ الصَّبْرُ **خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ﴿۱۲٦﴾** فَكَفَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَفَّرَعَنْ يَمِيْنِهٖ رَوَاهُ الْبَزَّارُ **وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ** بِتَوْفِيْقِهٖ **وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ** اَیِ الْكُفَّارِ اِنْ لَمْ يُؤْمِنُوْا لِحِرْصِكَ عَلٰی اِيْمَانِهِمْ **وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ﴿۱۲۷﴾** اَیْ لَا تَهْتَمَّ بِمَكْرِهِمْ فَاَنَا نَاصِرُكَ عَلَيْهِمْ **اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا** الْكُفْرَ وَالْمَعَاصِیَ **وَالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴿۱۲۸﴾** بِالطَّاعَةِ وَالصَّبْرِ بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ

ع ۱٦ / ۹ / ۲۲

ترجمہ:............ (اور وہ وقت یاد کیجئے) جس دن ہر شخص اپنی ہی طرفداری میں گفتگو (حجت بازی) کرتا ہوا آئے گا (اسے کسی دوسرے کی پرواہ نہیں ہوگی، یہ قیامت کا دن ہوگا) اور ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا بدلہ ملے گا اور ان پر (کسی درجہ میں بھی) ظلم نہیں کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ یہ عجیب حالت بیان فرماتے ہیں (آگے بدل ہے) ایک بستی تھی (یعنی مکہ، مراد اہل مکہ ہیں) جہاں ہر طرح کا امن چین تھا (لوٹ مار نہیں ہوتی تھی) اطمینان تھا (کسی تنگی یا خوف کی وجہ سے کہیں جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی) ہر طرف سے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں لیکن پھر انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی (نبی کریم ﷺ کو جھٹلایا) اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں قحط میں گھیر کر مزہ چکھادیا (سات سال قحط میں مبتلا رہے) اور ان پر خوف چھا گیا (نبی کریم ﷺ کی طرف سے لشکر کشی کا خطرہ رہنے لگا) ان کی حرکتوں کی پاداش میں اور پھر خود انہی میں سے ایک رسول (محمد ﷺ) بھی ان کے پاس آگیا مگر انہوں نے اسے جھٹلایا۔ تب انہیں (بھوک اور خوف کے) عذاب میں پکڑا۔ جب کہ وہ بالکل ہی ظلم پر کمر باندھنے لگے۔ پس چاہیئے کہ اللہ نے جو رزق (اے مسلمانوں!) تمہیں عطا کیا فرمایا ہے اسے شوق سے کھاؤ۔ حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں اور اللہ کی نعمت کا شکر بھی بجالاؤ اگر فی الحقیقت تم صرف اسی کے پجاری ہو تم پر تو صرف مردار جانور، لہو، سور کا گوشت اور وہ جانور جسے خدا کے سوا کسی دوسری ہستی کے نامزد کردیا گیا ہو، حرام کئے گئے ہیں۔ پھر جو شخص بالکل بیقرار ناچار ہو جائے بشرطیکہ لذت کا طلبگار نہ ہو اور نہ حد سے گزر جانے والا ہو تو اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے اور جن چیزوں کے بارہ میں محض تمہارا جھوٹا دعویٰ ہو (تمہاری زبان پر جھوٹی بات ہو) ان کی نسبت بے دھڑک یوں مت کہہ دیا کرو کہ فلانی چیز حلال ہے اور فلانی چیز حرام ہے (حالانکہ اللہ نے نہ اسے حلال قرار دیا ہے اور نہ حرام) جس کا حاصل اللہ پر جھوٹی تہمت لگانا ہے (جھوٹ کی نسبت اللہ کی طرف کرکے) بلاشبہ جو لوگ اللہ پر افتراء پردازیاں کرتے ہیں وہ کبھی فلاح پانے والے نہیں ہیں۔ یہ چندروزہ عیش ہے (دنیا میں رہتے ہوئے) لیکن (آخرت میں) ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا اور صرف یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کردی تھیں۔ جن کا بیان ہم اس سے پہلے آپ سے کرچکے ہیں (آیت **وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر الخ** میں) اور ہم نے ان پر کچھ زیادتی نہیں کی (یہ چیزیں حرام کرکے) بلکہ وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے اوپر ظلم کرتے رہے (ایسی برائیاں کیں جو اس کو حرام کرنے کا سبب بنیں) ہاں! جو لوگ نادانی سے برائیوں (شرک) میں پڑ گئے۔ لیکن اس کے بعد توبہ کرلی اور توبہ کے بعد اپنی (عملی) حالت سنوار لی تو بلاشبہ آپ کا پروردگار اس صورت حال کے بعد ضرور بخشنے والا، رحمت فرمانے والا ہے۔ بے شک ابراہیمؑ بڑے مقتداء تھے (امام، پیشوا، بہترین خوبیوں کے مالک) اللہ تعالیٰ کے پورے فرمانبردار، بالکل اللہ کی طرف کے ہو رہے تھے (دین قیم کی طرف جھک گئے تھے) اور شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ تھے وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر بجالانے والے تھے۔ اللہ نے انہیں برگزیدہ (منتخب) کرکے چن لیا تھا اور سیدھے راستے پر لگادیا تھا اور ہم نے (اس میں صیغہ غائب سے التفات پایا گیا ہے) دنیا میں بھی انہیں خوبیاں دیں تھیں (ہر

مذہب میں ان کی عزت ہوئی) اور آخرت میں بھی وہ بہترین لوگوں میں شمار ہوں گے (جن کے لئے بلند مراتب تجویز ہوں گے) پھر ہم نے (اے محمد!) آپ کے پاس وحی بھیجی کہ ابراہیمؑ کے طریقہ کی پیروی کیجئے جو بالکل ایک طرف کے ہورہے تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں نہیں تھے (یہ بات یہود ونصاریٰ کے اس خیال کو رد کرنے کے لئے دہرائی گئی ہے کہ وہ ابراہیمؑ کو اپنے اپنے مذہب پر بتلاتے تھے) پس ہفتہ کے دن کی تعظیم تو صرف ان لوگوں پر لازم کی گئی تھی جنہوں نے اس بارہ میں خلاف ورزی کی تھی (اپنے پیغمبر کی یعنی یہودی جنہیں جمعہ کے دن عبادت کے لئے فارغ رکھنے کا حکم ملا تھا۔ لیکن انہوں نے جمعہ کی بجائے ہفتہ کا دن پسند کیا۔ تو اس وجہ سے ان پر سختی کی گئی) اور بلاشبہ تمہارا پروردگار قیامت کے دن فیصلہ کردے گا۔ جن باتوں میں یہ اختلاف کیا کرتے تھے (یعنی اللہ کے حکم کے مطابق، چنانچہ فرمانبرداروں کو ثواب اور گنہگاروں کو عذاب ملے گا) آپ (اے محمد! لوگوں کو) اپنے پروردگار (کے دین) کی طرف بلایئے، حکمت (قرآن) اور اچھی نصیحتوں (وعظ یا نرم باتوں) کے ذریعہ اور اچھے طریقہ سے بحث کیجئے (جیسے اللہ کی نشانیوں اور دلائل کی طرف لوگوں کو بلانا) تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک رہا ہے اور وہی جانتا ہے کہ کون راہ راست پر ہے (چنانچہ وہی لوگوں کو بدلہ دے گا۔ یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے۔ حضرت حمزہؓ کو قتل کرکے جب مثلہ کیا گیا اور آنحضرت ﷺ نے دیکھ کر فرمایا کہ ہم بھی ستر (۷۰) کفار کا مثلہ کرکے تمہارا بدلہ لیں گے۔ (تو اس پر اگلی آیت نازل ہوئی) اور مخالفوں کی سختی کے جواب میں سختی کرو تو ویسی ہی اور اتنی ہی سختی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی ہے اور اگر تم نے (انتقام لینے سے) صبر کیا تو بلاشبہ صبر کرنے والوں کے لئے یہ (صبر) ہی بہتر ہے (چنانچہ نبی کریم ﷺ اپنے ارادہ سے باز رہ گئے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کردیا، جیسا کہ بزار کی روایت میں ہے) آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا خاص اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور ان پر غم نہ کھایئے (کفار اگر ایمان نہ لائیں تو ان کے ایمان کی طمع میں غم نہ کیجئے) اور نہ ان کی مخالفانہ کاروائیوں سے دل تنگ ہوجیئے (یعنی ان کی تدبیروں کی پرواہ مت کیجئے کیونکہ ہم آپ کے پشت پناہ ہیں) یقیناً اللہ انہی کا ساتھی ہے جو (کفر وگناہ سے) پرہیز کرتے ہیں اور نیک عملی میں سرگرم رہتے ہیں (نیکی اور صبر میں اور اللہ کا ساتھ ہونا بلحاظ مدد کے ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... **تجادل عن نفسها** تاویلات نجمیہ میں لکھا ہے کہ قیامت میں ہر شخص حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام نفسی نفسی پکارتے ہوں گے۔ صرف آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر امتی امتی ہوگا۔ اس آیت میں پہلے نفس سے مراد انسان ہے جو جسم وروح اور حقیقت سے مرکب ہے۔ لیکن دوسرے نفس سے مراد صرف جسم وروح سے مرکب مجموعہ ہے۔ پس دونوں میں اعتباری فرق رہے گا۔ **قــریة** مشہور یہ ہے کہ اس سے مکہ معظمہ مراد ہے کیونکہ آیت میں جو چھ خصلتیں ذکر کی گئی ہیں وہ اہل مکہ میں پائی جاتی ہیں اس صورت میں آیت کو مدنی کہا جائے گا۔ لیکن حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ فرماتی ہیں مدینہ مراد ہے اور بعض کے نزدیک عام بستی مراد ہے اور یہی صحیح ہے تعیین غیر ضروری ہے۔ **لباس الجوع** بھوک اور خوف کو بطور استعارہ لباس سے تعبیر کیا گیا ہے مبالغہ کے لئے۔ **امة** حضرت ابراہیمؑ کو جامع کمالات ہونے کے اعتبار سے امۃ کہا گیا ہے گویا کہ وہ تنہا اپنی ذات سے پوری انجمن تھے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ چونکہ تنہا وہی مومن تھے اور باقی سب لوگ کافر تھے اس لئے انہیں امۃ کہا گیا ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ فعلة بمعنی مفعول ہے۔ جیسے رحلة وبغية پس امت کے معنی مبتداء کے ہوئے۔ شریعت وملت فاضل خیالی کے نزدیک دونوں متحد بالذات اور مختلف بالاعتبار ہیں۔ کیونکہ شریعت بلحاظ اطاعت کے ہے اور ملت بلحاظ کتابت کے کہلاتی ہے۔ **بالحكمة** زمخشریؒ قاضی بیضاویؒ وغیرہ اس کے معنی دلیل واضح اور محکم کے کرتے ہیں۔ **مجادلة** بجائے اظہار حق کے اگر مخالف کو صرف الزام دینا ہو تو اسے مجادلہ کہتے ہیں لیکن یہاں مجادلہ حسنہ سے مراد ایسی دلیل ہے جو مشہور اور مسلم مقدمات سے مرکب ہو۔ **وان عــاقبتــم** اس میں قصاص کی برابری سمجھ میں آتی ہے لیکن بعض کی

رائے ہے کہ لاقود الا بالسیف بالعون والنصر اس کا تعلق مع الذین سے ہے:۔

ربط آیات: .... آیت یوم تاتی الخ میں کفر کی اخروی سزا کا بیان ہے اور آیت وضرب اللہ الخ میں کفر پر دنیاوی سزا کا بیان ہے آگے آیت فکلوا مما رزقکم اللہ الخ میں بطور تفریع کے کفر وشرک کی بعض رسوم کو بیان کیا جارہا ہے یعنی بغیر حکم الٰہی کے اپنی طرف سے کفار کسی چیز کو حلال حرام کردیتے تھے۔ لیکن مسلمانوں کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے کہ یہ خدا پر غلط بہتان طرازی ہے۔ اس کے بعد آیت ثم ان ربک میں یہ بتلانا ہے کہ ایمان وتوبہ سے کفر معاف ہوسکتا ہے آگے آیت ان ابراھیم الخ سے حضرت ابراہیمؑ کا مسلک اور مشرب واضح کرنا ہے جو ان کفار اور یہود ونصاریٰ سب کے خلاف ہے۔ حالانکہ یہ سب کے مسلمہ بزرگ ہیں البتہ آنحضرتؐ اپنے جدامجد کے ہم مسلک وہم مشرب ہیں، گویا ان میں سے کسی ایک کا اقرار یا انکار دوسرے کے انکار اقرار کے ہم معنی ہے غرضیکہ دوسروں سے آپ کی رسالت کے حقوق کی ادائیگی کا مطالبہ ہے۔ آگے آیت ادع الی سبیل الخ میں خود آنحضرتؐ کو رسالت کے حقوق وآداب کی تعلیم ہے بالخصوص مقابل سے عدل وانصاف قائم رکھنے کا حکم جس میں آپؐ کی امت بھی اس خطاب میں شریک ہے کیونکہ انتقام کے وقت عادۃً دوسروں کی شرکت ضروری ہوتی ہے برخلاف تبلیغ ودعوت وغیرہ احکام مذکورہ کے وہ تنہا پیغمبر ہی انجام دے سکتا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **بہترین بستی بدترین بستی بن گئی:** .... آیت وضرب اللہ میں جس بستی کا ذکر ہے اس کی تفسیر میں مفسرینؒ کی دو رائیں ہیں یا تو یہ مضمون، مکہ والوں کو سنانا ہے اور کسی خاص بستی کی کوئی تعیین نہیں ہے کیونکہ اس طرح کی باتیں بہت سے کافروں کی بستیوں میں پیش آچکی تھیں۔ چنانچہ جب مکہ والوں نے اس سے سبق حاصل نہ کیا اور برابر کفر پر جمے رہے تو قحط سالی میں مبتلا ہوئے اور مسلمانوں کی طرف سے ہر وقت کے خطرہ میں الگ پھنسے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اہل مدینہ کو سنانا ہے کہ مکہ والوں کی حالت سے سبق حاصل کرو، اس صورت میں بستی سے مراد مکہ ہوگا اور آیت مدنی ماننی پڑے گی۔ تاہم گناہ اور کفر پر دنیاوی سزا کا ہونا لازم اور ضروری نہیں۔ کیونکہ بعض دفعہ دنیا میں صریح سزا نہیں ہوتی اور یوں تو خدا کا قہر اور ناراضگی خود بہت بڑی سزا ہے، مگر مخفی سزا ہے، بہرحال دوام سزا کا دعویٰ نہیں اس لئے کوئی شبہ نہیں، مقصود صرف ڈرانا ہے جس میں احتمالی ضرر بھی کافی ہے۔ البتہ اخروی سزا یقینی اور لازم ہے۔ امن کی حقیقت تو یہ ہے کہ دشمن وغیرہ کا خطرہ ٹل جائے اور اطمینان اس امن کا اثر ہوتا ہے یعنی جب خوف نہیں رہے گا تو سکون قلب ہوجائے گا۔ یہی فرق ہے امن اور اطمینان میں۔

حرام وحلال کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے: .... آیت ولا تقولوا لما تصف الخ میں فرمایا جارہا ہے کہ تم اپنی زبانوں کو جھوٹ کے لئے بے لگام نہ چھوڑ دو کہ جس چیز کو چاہا اپنی رائے اور قیاس سے حرام ٹھہرادیا۔ جس چیز کو چاہا حلال کہہ دیا۔ حلال وحرام ٹھہرانے کا حق تو صرف وحی الٰہی کو ہے اور تمہارے پاس اپنے اوہام وآراء کے سوا کوئی وحی کی روشنی نہیں جو قرآن کے خلاف پیش کرسکو۔ پس یہ آیت ان لوگوں کے خلاف قطعی حجت ہے جو محض اپنے گھڑے ہوئے قیاسوں کی بناء پر بغیر شرعی استناد کے جس چیز کو چاہتے ہیں حرام ٹھہرادیتے ہیں اگرچہ نص صریح اس کے خلاف موجود ہو۔ کفار اگرچہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرنے کے دو جرموں میں مبتلا تھے۔ لیکن آیت انما جعل السبت الخ میں صرف حلال کو حرام کرنے کے جرم کی طرف اشارہ کیا ہے ممکن ہے اس

تخصیص کی وجہ یہ ہو کہ اس حرام کرنے میں شرک کا شائبہ پایا جاتا تھا کیونکہ بتوں کی تعظیم اس حرام کرنے کا باعث تھی۔ برخلاف حرام کو حلال کرنے کے کہ وہاں ایک مستقل غلطی تھی بتوں کی تعظیم کو اس میں کچھ دخل نہیں تھا۔

خلیل اللہ کی راہ:.............مشرکین عرب اپنے اوہام وخرافات کو حضرت ابراہیم علیہم السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ آیت وان ابراهیم الخ میں اس کی تردید وتغلیط کرنی ہے کہ حضرت ابراہیم کی راہ تو وہی راہ تھی جس کی طرف پیغمبر اسلام دعوت دے رہے ہیں۔ ایک اور شبہ جو حلت اور حرمت کے بارہ میں کیا گیا تھا۔ یہ تھا کہ ہفتہ کے دن کا شکار یہودیوں پر حرام کر دیا گیا تھا پھر کیوں قرآن اس سے نہیں روکتا؟ فرمایا کہ یہودیوں کو جو اس سے روکا گیا تھا تو اس لئے نہیں کہ ہفتہ کے دن حلال جانور شکار کیا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے بلکہ یہ ان کے اختلاف اور نافرمانی کی ایک سزا تھی۔ یعنی جب انہوں نے ہفتہ کے احکام کی تعمیل نہ کی اور حیلے بہانے نکال کر شکار کرنے لگے تو سرے سے شکار کا گوشت اور شکار ہی حرام قرار دے دیا گیا ہے۔

دعوتِ حق کا طریقہ:.............آیت ادع الی سبیل الخ میں دعوت حق کا طریقہ واضح کیا جارہا ہے۔ فرمایا وہ سرتاسر حکمت اور موعظتِ حسنہ ہے۔ حکمت یعنی دانائی کی باتیں موعظت حسنہ یعنی پند ونصیحت کی باتیں جو حسن وخوبی کے ساتھ کی جائیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ اگر بحث ونزاع کرنی پڑے تو کر سکتے ہو لیکن ایسی ہی بحث ونزاع جو نہایت اچھے طریقہ پر ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعوت حق کا طریقہ حکمت اور موعظت کا ہے اور بحث ونزاع کی اجازت صرف اس صورت میں ہے کہ احسن طریقہ پر ہو۔ پس جو بحث ونزاع احسن طریقہ پر نہ ہو۔ وہ دعوت حق نہیں۔ احسن طریقہ یہ ہے کہ مقصود طلب حق ہو اپنی بات کی پچ نہ ہو مخالف کے اندر یقین پیدا کرنا ہو، اسے باتوں سے ہرانا نہ ہو، اگر وہ چپ ہو گیا اور دل کا کانٹا نہ نکلا تو بحث سے کیا فائدہ ہوا؟ ایسا انداز، ایسا طریق گفتگو، ایسا لب ولہجہ، اس طرح کے الفاظ اختیار نہ کئے جائیں، جو مخالف کے دل کو دکھ پہنچانے والے ہوں یا اسے سننے والوں کی نظروں میں ذلیل ورسوا کرنے والے ہوں، کیونکہ اگر بحث سے مقصود دعوت حق نہیں تو مخاطب کے دل کو نرمی ومحبت سے حق کی طرف متوجہ کرنا چاہیئے نہ یہ کہ صدمہ پہنچانا، ضد میں لانا اور جوش نفرت سے بھر دینا۔

دینی راہ دنیوی راہ کی طرح جھگڑے اور دنگے کی راہ نہیں ہے:.............بدقسمتی سے دنیا میں طلب حق کی راہ بھی جھگڑے اور دنگے کی راہ بن گئی ہے۔ ہم اپنے دنیوی اغراض ومقاصد کے لئے لڑنے جھگڑنے کے عادی ہیں جب کبھی کوئی ایسا جھگڑا پیش آجاتا ہے تو صرف اپنی جیت ہی کے لئے لڑتے ہیں۔ اس خیال سے نہیں لڑتے کہ حق وانصاف کیا ہے؟ اکثر اوقات خود ہمارا ضمیر گواہی دیتا ہے کہ ہم برسر حق نہیں ہیں اور انصاف مخالف کے ساتھ ہے۔ لیکن چونکہ اپنا مطلب کسی نہ کسی طرح حاصل کرنا ہوتا ہے اس لئے کبھی اعتراف حقیقت کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ حق وانصاف ہم سے جس قدر الگ ہوتا جاتا ہے بحث ونزاع کی سرگرمی اتنی ہی زیادہ بڑھتی جاتی ہے۔ اگر ہمارا مقدمہ سب سے زیادہ کمزور ہوگا تو ہم خیال کریں گے کہ ہماری بحث ونزاع کی سرگرمی سب سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ کم از کم دین کے معاملہ میں ہم ایسا نہ کرتے۔ دنیوی معاملات میں کچھ نہ کچھ لینا دینا ہوتا ہے اس لئے غرض پرست آدمی اپنی بات کی پچ کرتا ہی رہے گا۔ لیکن دین کی راہ لین دین کی راہ نہیں ہے سچ کو سچ مان لینے کی راہ ہے اور جوں ہی ہم نے کسی بات کو سچ نہ سمجھ کر بھی سچ ثابت کرنا چاہا دین کی راہ نہ رہی بلکہ اس کی ضد ہوگئی۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہم نے سچائی کے کام کو بھی

جھوٹ کا کاروبار بنادیا ہے ہم دین کے بارے میں بھی ٹھیک اسی طرح جھگڑتے ہیں جس طرح دنیا کے معاملات میں۔ ہم جب کبھی کسی سے بحث کرتے ہیں تو ہمارے وہم وگمان میں بھی یہ خیال نہیں گزرے گا کہ اس راہ میں اصل مقصود وطلب حق ہے اور جوں ہی حق سامنے آجائے ہمارا فرض ہے کہ اعتراف کرلیں بلکہ بحث کریں گے ہی اس لئے کہ اپنی اور اپنے فریق کی بات منوانی ہے اور خواہ کچھ ہو فریق مخالف کو ہرانا ہے اگر دیکھیں گے کہ حق اور معقولیت ہمارے ساتھ نہیں ہے تو غیر متعلق باتوں پر زور دینے لگیں گے بدزبانی پر اتر آئیں گے مارنے مرنے کے لئے تیار ہوجائیں گے اور پھر کہیں گے کہ ہم جیت گئے۔

کٹ حجتی قرآن کا طریقہ نہیں ہے:............ قرآن کہہ رہا ہے کہ یہ جدل کا طریقہ ہے دعوت کا طریقہ نہیں ہے اور دین کی راہ دعوت کی راہ ہے جدل کی راہ نہیں ہے اگر جدل کرنا ہی پڑے تو صرف اسی حالت میں کیا جاسکتا ہے کہ احسن طریقہ پر ہو یعنی راست بازی، دیانت داری، شیریں زبانی، اور شائستگی کے ساتھ کیا جائے اس کے بعد فرمایا **وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم الخ** یعنی اگر مخالف، ناحق کوشی میں سرگرم ہے اور سختی اور زیادتی پر اتر آیا ہے تو ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ تم بھی آپے سے باہر ہوجاؤ ایسا کرنا راستبازی کا طریقہ نہ ہوگا بلکہ ایک برائی کے جواب میں دوسری برائی کا ارتکاب ہوگا جو ممکن ہے پہلی سے بھی زیادہ سخت برائی ہوجائے بہتری تو اس میں ہے کہ سختی کا جواب سختی سے نہ دو، جھیل جاؤ، پرواہ نہ کرو، بخش دو، اسی میں تمہاری اصل جیت ہے۔ لیکن اگر طبیعت پر قابو نہیں پاتے اور سختی کا جواب سختی سے دینا چاہتے ہو تو پھر انصاف کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹے، جتنی اور جیسی سختی تمہارے ساتھ کی گئی ہے، ویسی ہی اور اتنی ہی تم بھی کرلو، اس سے آگے نہ بڑھو، ذرا بھی بڑھے تو یہ ظلم ہوگا اور ظلم راستی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا، غور کرو، قرآن کا محض ایک لفظ یا ایک ترکیب کس طرح مقاصد اور وسائل کے فیصلے کردیا کرتی ہے؟

بدلہ لینے کی اجازت اور اس کی حد:............ وان عاقبتم الخ میں ادع الی سبیل ربك کی طرح بدلہ لینے اور سختی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ صرف یہ کہا گیا ہے کہ اگر تم مخالف کی سختی کے جواب میں سختی کرنا چاہو تو تمہیں حد سے نہیں بڑھنا چاہئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سختی کے جواب میں سختی کا حکم نہیں ہے، محض اجازت ہے۔ یعنی اگر ایک آدمی وہ مقام حاصل نہیں کرسکتا جو اس بارہ میں بہتری اور خوبی کا اصلی مقام ہے جھیل جانا اور بخش دینا تو پھر اسے بدلہ کی اجازت دے دی گئی ہے۔ لیکن اس اجازت کو مماثلت کے ساتھ مقید کردیا ہے تاکہ زیادتی کا دروازہ بالکلیہ بند ہوجائے۔ اب دو ہی راہیں کھلی رہ گئیں بہتری تو اس میں ہوئی کہ جھیل جاؤ اور معاف کردو۔ رخصت واجازت اس کی بھی ہوئی کہ جتنی سختی کی گئی ہے اتنی ہی تم بھی کرلو، اس سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتے۔

قرآنی اصطلاح معقولی اصطلاح سے بدلی ہوئی ہے:............ حکمت اور موعظت حسنہ اور جدال کی جو تقریر کی گئی یہ زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے بہ نسبت اس کے ان الفاظ کو اصطلاحی طور پر برہان اور جدل وخطابیہ قرار دیا جائے، جیسا کہ کبیر میں کہا گیا ہے کیونکہ اول تو اس میں تکلف کرنا پڑے گا۔ دوسرے یہ کہ پھر ان تینوں لفظوں حکمت، موعظت، جدال کے مخاطب الگ الگ قسم کے لوگ ماننے پڑیں گے۔ حالانکہ سیاق سے یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے۔ اصل حکمت میں قطعی دلائل ہیں جنہیں برہان کہا جاتا ہے ظاہراً قرآن میں خطابی عادی اور ظنی دلائل استعمال کئے گئے ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ کسی ایسے دعویٰ پر ظنی استدلال نہیں کیا گیا جس پر برہانی دلیل قائم نہ ہو بلکہ سب ہی دعوے برہانی ہیں البتہ سننے والوں کی سہولت اور رعایت سے ایسے عنوانات اختیار کئے گئے ہیں جن سے طبائع مانوس

ہوں اس لئے اب کسی کو یہ شبہ نہیں کرنا چاہیئے کہ قرآن کریم نے استقراء وغیرہ کو حجت سمجھا ہے اور اسی وجہ سے اہل قرآن، مخالف کے ایسے استدلالات پر بے تکلف کلام کرنے کا حق رکھتے ہیں جب تک کہ وہ کوئی برہانی دلیل پیش نہ کریں۔ اور **وما صبرك الا باللہ** کا مطلب یہ ہے کہ بغیر خاص توفیق الٰہی کے اگر چہ کوئی شخص بھی صبر اور کوئی نیک کام بھی نہیں کرسکتا لیکن آنحضرت ﷺ کی تخصیص، مراتب توفیق کے اعتبار سے ہے۔ یعنی نفس توفیق تو سب میں مشترک ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص قسم کی اور سب سے زائد عنایت وتوفیق شامل ہوتی ہے اور وہی ان کے کاموں میں مؤثر ہوتی ہے۔

لطائف آیات:............ آیت **فکفرت بانعم اللہ الخ** کے قریب بلاء میں بہت سے مدعیان زہد مبتلا ہیں جو اللہ کی نعمتوں کو حقیر سمجھتے ہیں اور اللہ کو چھوڑ بیٹھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم لذتوں کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ ذات حق کو چھوڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کی نظر **وما بکم من نعمة فمن اللہ** اور **وکلوا مما رزقکم اللہ** پر نہیں ہوتی۔

آیت **ولا تقولوا لما تصف الخ** سے معلوم ہوا کہ شریعت وطریقت کے احکام ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہوتے کہ ایک حکم ایک جگہ حرام ہو اور دوسری جگہ حلال۔

آیت **واٰتیناہ فی الدنیا الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں نعمتوں کا مل جانا عقبٰی کے مقامات ودرجات میں کمی کا باعث نہیں ہوتا اور یہ کہنا کہ مشہور ولی کا مقام غیر مشہور ولی کے مقام سے کم ہوتا ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جس میں شہرت کی آفتیں پیدا ہوگئی ہوں۔

آیت **ادع الی سبیل ربك الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اللہ کے تمام طرق تصوف، دعوت حق ہی کی تفصیلات ہیں۔ نیز دعوت حق کی تبلیغ کے بعد اصرار کی ضرورت نہیں ہے۔ اہل طریق کا مذاق یہی ہے اور حکمت سے مراد یہ ہے کہ تربیت کے لئے شیخ کا دانش مند ہونا ضروری ہے کہ وہ مریدوں کے حسب حال وظائف ومجاہدات تجویز کرے۔ سب کو ایک ہی لکڑی سے نہ ہانکے اور موعظت حسنہ میں شیخ کی شفقت وخیر خواہی اور نرمی بھی داخل ہے۔ جس سے یہ واضح ہوجائے کہ بجز مرید کی مصلحت کے شیخ کے پیش نظر دوسری کوئی مصلحت نہیں ہے اور **وجادلھم باللتی ھی احسن** میں مشائخ صوفیہ بھی داخل ہیں وہ بھی اسی اصول کے پابند ہونے چاہئیں۔

آیت **ولئن صبرتم الخ** سے معلوم ہوا کہ صبر بھی اہل اللہ کی خصلت ہوتی ہے۔ آیت **واصبر الخ** سے معلوم ہوا کہ صبر کے بہت سے مراتب ودرجات ہوتے ہیں۔ صبر للہ، صبر فی اللہ، صبر مع اللہ، صبر عن اللہ، صبر باللہ۔ ان سب میں صبر باللہ سب سے افضل ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ کے لئے اس کو ثابت کیا گیا ہے۔

الحمد للہ چودھویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

﴿پارہ نمبر ۱۵﴾

سُبْحٰنَ الَّذِیْ

سُوْرَةُالْاِسْرَآءِ

سُوْرَةُالْاِسْرَآءِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ الْاٰيٰتَ الثَّمَانُ مِائَةٌ
وَّعَشْرَ اٰيَاتٍ اَوْ اِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَ تَنْزِيْهٌ **الَّذِىْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ** مُحَمَّدٍ **لَيْلًا** نَصَبٌ عَلَى الظَّرْفِ وَالْاِسْرَاءُ سَيْرُ اللَّيْلِ وَفَائِدَةُ ذِكْرِهٖ الْاِشَارَةُ بِتَنْكِيْرِهٖ اِلٰى تَقْلِيْلِ مُدَّتِهٖ **مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** اَىْ مَكَّةَ **اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا** بَيْتِ الْمَقْدِسِ لِبُعْدِهٖ مِنْهُ **الَّذِىْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ** بِالثِّمَارِ وَالْاَنْهَارِ **لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا** عَجَائِبِ قُدْرَتِنَا **اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ** ﴿۱﴾ اَىِ الْعَالِمُ بِاَقْوَالِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَفْعَالِهٖ فَاَنْعَمَ عَلَيْهِ بِالْاِسْرَاءِ الْمُشْتَمِلِ عَلٰى اِجْتِمَاعِهٖ بِالْاَنْبِيَاءِ وَعُرُوْجِهٖ اِلَى السَّمَاءِ وَرُؤْيَتِهٖ عَجَائِبَ الْمَلَكُوْتِ وَمُنَاجَاتِهٖ تَعَالٰى فَاِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُوْتِيْتُ بِالْبُرَاقِ وَهُوَ دَابَّةٌ اَبْيَضُ فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُوْنَ الْبَغْلِ يَضَعُ حَافِرَهٗ عِنْدَ مُنْتَهٰى طَرْفِهٖ فَرَكِبْتُهٗ فَسَارَبِىْ حَتّٰى اَتَيْتُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَرَبَطْتُ الدَّابَّةَ بِالْحَلْقَةِ الَّتِىْ يَرْبِطُ فِيْهَا الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ دَخَلْتُ فَصَلَّيْتُ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجْتُ فَجَاءَ نِىْ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِاِنَاءٍ مِّنْ خَمْرٍ وَّاِنَاءٍ مِّنْ لَّبَنٍ فَاخْتَرْتُ اللَّبَنَ قَالَ جِبْرَئِيْلُ اَصَبْتَ الْفِطْرَةَ قَالَ ثُمَّ عَرَجَ بِىْ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَاسْتَفْتَحَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ لَهٗ مَنْ اَنْتَ فَقَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ قَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَابِاٰدَمَ فَرَحَّبَ بِىْ وَدَعَالِىْ بِخَيْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرَئِيْلُ فَقِيْلَ مَنْ اَنْتَ فَقَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ قَالَ قَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَابِابْنَىِ الْخَالَةِ يَحْيٰى وَعِيْسٰى فَرَحَّبَابِىْ وَدَعَوَ الِىْ بِخَيْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَى السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرَئِيْلُ فَقِيْلَ مَنْ اَنْتَ قَالَ جِبْرَئِيْلُ فَقِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ فَقِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ قَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بِيُوْسُفَ وَاِذَا هُوَقَدْ اُعْطِىَ شَطْرُالْحُسْنِ فَرَحَّبَ بِىْ

وَدَعَالِیْ بِخَیْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَی السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرَئِیْلُ فَقِیْلَ مَنْ اَنْتَ قَالَ جِبْرَئِیْلُ فَقِیْلَ وَمَنْ مَّعَکَ قَالَ مُحَمَّدٌ فَقِیْلَ وَقَدْ بُعِثَ اِلَیْهِ قَالَ قَدْ بُعِثَ اِلَیْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بِاِدْرِیْسَ فَرَحَّبَ بِیْ وَدَعَالِیْ بِخَیْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَی السَّمَاءِ الْخَامِسَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرَئِیْلُ فَقِیْلَ مَنْ اَنْتَ فَقَالَ جِبْرَئِیْلُ فَقِیْلَ وَمَنْ مَّعَکَ قَالَ مُحَمَّدٌ فَقِیْلَ وَقَدْ بُعِثَ اِلَیْهِ قَالَ قَدْ بُعِثَ اِلَیْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بِهَارُوْنَ فَرَحَّبَ بِیْ وَدَعَالِیْ بِخَیْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَی السَّمَاءِ السَّادِسَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِیْلُ فَقِیْلَ مَنْ اَنْتَ قَالَ جِبْرِئِیْلُ قِیْلَ وَمَنْ مَّعَکَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِیْلَ وَقَدْ بُعِثَ اِلَیْهِ قَالَ قَدْ بُعِثَ اِلَیْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بِمُوْسٰی فَرَحَّبَ بِیْ وَدَعَالِیْ بِخَیْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَی السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِیْلُ فَقِیْلَ مَنْ اَنْتَ قَالَ جِبْرِیْلُ فَقِیْلَ وَمَنْ مَّعَکَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِیْلَ وَقَدْ بُعِثَ اِلَیْهِ قَالَ قَدْ بُعِثَ اِلَیْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بِاِبْرَاهِیْمَ فَاِذَا هُوَ مُسْتَنِدٌ اِلَی الْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ وَاِذَا هُوَ یَدْخُلُهٗ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ ثُمَّ لَا یَعُوْدُوْنَ اِلَیْهِ ثُمَّ ذَهَبَ بِیْ اِلٰی سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی فَاِذَا وَرَقُهَا کَاٰذَانِ الْفِیَلَةِ وَاِذَا ثَمَرُهَا کَالْقِلَالِ فَلَمَّا غَشَّهَا مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ مَاغَشَّهَا تَغَیَّرَتْ فَمَا اَحَدٌ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ یَسْتَطِیْعُ اَنْ یَّصِفَهَا مِنْ حُسْنِهَا قَالَ فَاَوْحٰی اِلَیَّ مَا اَوْحٰی وَفَرَضَ عَلَیَّ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ خَمْسِیْنَ صَلَاةً فَنَزَلْتُ حَتّٰی اِنْتَهَیْتُ اِلٰی مُوْسٰی فَقَالَ مَا فَرَضَ رَبُّکَ عَلٰی اُمَّتِکَ قُلْتُ خَمْسِیْنَ صَلَاةً کُلَّ یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ قَالَ اِرْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ فَسَلْهُ التَّخْفِیْفَ فَاِنَّ اُمَّتَکَ لَا تُطِیْقُ ذٰلِکَ وَاِنِّیْ قَدْ بَلَوْتُ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ وَخَبَّرْتُهُمْ قَالَ فَرَجَعْتُ اِلٰی رَبِّیْ فَقُلْتُ اَیْ رَبِّ خَفِّفْ عَنْ اُمَّتِیْ فَحَطَّ عَنِّیْ خَمْسًا فَرَجَعْتُ اِلٰی مُوْسٰی قَالَ مَا فَعَلْتَ قُلْتُ قَدْ حَطَّ عَنِّیْ خَمْسًا قَالَ اِنَّ اُمَّتَکَ لَا تُطِیْقُ ذٰلِکَ فَارْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ فَسَلْهُ التَّخْفِیْفَ لِاُمَّتِکَ قَالَ فَلَمْ اَزَلْ اَرْجِعُ بَیْنَ رَبِّیْ وَبَیْنَ مُوْسٰی وَیَحُطُّ عَنِّیْ خَمْسًا خَمْسًا حَتّٰی قَالَ یَا مُحَمَّدُ هِیَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ بِکُلِّ صَلٰوةٍ عَشْرٌ فَتِلْکَ خَمْسُوْنَ صَلَاةً وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ یَعْمَلْهَا کُتِبَتْ لَهٗ حَسَنَةٌ فَاِنْ عَمِلَهَا کُتِبَتْ لَهٗ عَشْرًا وَمَنْ هَمَّ بِسَیِّئَةٍ وَلَمْ یَعْمَلْهَا لَمْ تُکْتَبْ فَاِنْ عَمِلَهَا کُتِبَتْ سَیِّئَةً وَاحِدَةً فَنَزَلْتُ حَتّٰی اِنْتَهَیْتُ اِلٰی مُوْسٰی فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اِرْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ فَاسْاَلْهُ التَّخْفِیْفَ لِاُمَّتِکَ فَاِنَّ اُمَّتَکَ لَا تُطِیْقُ ذٰلِکَ فَقُلْتُ قَدْ رَجَعْتُ اِلٰی رَبِّیْ حَتّٰی اِسْتَحْیَیْتُ رَوَاهُ الشَّیْخَانِ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ وَرَوَی الْحَاکِمُ فِی الْمُسْتَدْرَکِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاَیْتُ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ قَالَ تَعَالٰی **وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ** التَّوْرٰةَ **وَجَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ** لِ **اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا﴿۲﴾** یُفَوِّضُوْنَ اِلَیْهِ اَمْرَهُمْ وَفِیْ قِرَاءَةٍ تَتَّخِذُوْا بِالْفَوْقَانِیَّةِ اِلْتِفَاتًا فَاَنْ زَائِدَةٌ

وَالْقَوْلُ مُضْمَرٌ يَا **ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ** فِي السَّفِينَةِ **اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا** ﴿۳﴾ كَثِيرُ الشُّكْرِ لَنَا حَامِدًا فِي جَمِيعِ اَحْوَالِهِ **وَقَضَيْنَآ** اَوْحَيْنَا **اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ** التَّوْرٰةِ **لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ** اَرْضَ الشَّامِ بِالْمَعَاصِي **مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا** ﴿۴﴾ تَبْغُونَ بَغْيًا عَظِيمًا **فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا** اُوْلٰى مَرَّتَيِ الْفَسَادِ **بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ** اَصْحَابَ قُوَّةٍ فِي الْحَرْبِ وَالْبَطْشِ **فَجَاسُوْا** تَرَدَّدُوا لِطَلَبِكُمْ **خِلٰلَ الدِّيَارِ** وَسَطَ دِيَارِكُمْ لِيَقْتُلُوكُمْ وَيَسْبُوكُمْ **وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا** ﴿۵﴾ وَقَدْ اَفْسَدُوا الْاُوْلٰى بِقَتْلِ زَكَرِيَّا فَبَعَثَ عَلَيْهِمْ جَالُوتَ وَجُنُودَهُ فَقَتَلُوهُمْ وَسَبَوْا اَوْلَادَهُمْ وَخَرَّبُوا بَيْتَ الْمَقْدِسِ **ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ** الدَّوْلَةَ وَالْغَلَبَةَ **عَلَيْهِمْ** بَعْدَ مِائَةِ سَنَةٍ بِقَتْلِ جَالُوتَ **وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا** ﴿۶﴾ عَشِيرَةً وَقُلْنَا **اِنْ اَحْسَنْتُمْ** بِالطَّاعَةِ **اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ** لِاَنَّ ثَوَابَهُ لَهَا **وَاِنْ اَسَاْتُمْ** بِالْفَسَادِ **فَلَهَا** اِسَاءَتُكُمْ **فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ** الْمَرَّةِ **الْاٰخِرَةِ** بَعَثْنَاهُمْ **لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ** يُحْزِنُوكُمْ بِالْقَتْلِ وَالسَّبْيِ حُزْنًا يَظْهَرُ فِي وُجُوهِكُمْ **وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ** بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَيُخَرِّبُوهُ **كَمَا دَخَلُوْهُ** وَخَرَّبُوهُ **اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا** يُهْلِكُوا **مَا عَلَوْا** غَلَبُوا عَلَيْهِ **تَتْبِيْرًا** ﴿۷﴾ اِهْلَاكًا وَقَدْ اَفْسَدُوا ثَانِيًا بِقَتْلِ يَحْيٰى فَبَعَثَ عَلَيْهِمْ بُخْتَ نَصَّرَ فَقَتَلَ مِنْهُمْ اُلُوفًا وَسَبٰى ذُرِّيَّتَهُمْ وَخَرَّبَ بَيْتَ الْمَقْدِسِ وَقُلْنَا فِي الْكِتٰبِ **عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ** بَعْدَ الْمَرَّةِ الثَّانِيَةِ اِنْ تُبْتُمْ **وَاِنْ عُدْتُّمْ** اِلَى الْفَسَادِ **عُدْنَا** اِلَى الْعُقُوبَةِ وَقَدْ عَادُوا بِتَكْذِيبِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّطَ عَلَيْهِمْ بِقَتْلِ قُرَيْظَةَ وَنَفْيِ النَّضِيرِ وَضَرْبِ الْجِزْيَةِ عَلَيْهِمْ **وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا** ﴿۸﴾ مَحْبَسًا وَسِجْنًا **اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ** اَيْ لِلطَّرِيقَةِ الَّتِي **هِيَ اَقْوَمُ** اَعْدَلُ وَاَصْوَبُ **وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا** ﴿۹﴾ **وَّ** يُخْبِرُ **اَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا** اَعْدَدْنَا **لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا** ﴿۱۰﴾ مُؤْلِمًا هُوَ النَّارُ

ترجمہ: سورہ اسراء مکی ہے۔ بجز وان کادوا لیفتنونک آٹھ آیتوں کے۔ اس میں کل ۱۱۰ یا ۱۱۱ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ (محمدؐ) کوراتوں رات (لفظ لیلاً ظرف کی وجہ سے منصوب ہے اور اسراء کہتے ہیں رات کے چلنے کو، اور اس کے ذکر کرنے کا فائدہ، اس کے نکرہ ہونے سے مدت کی کمی کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ مسجد حرام (مکہ معظمہ) سے مسجد اقصیٰ تک (مراد بیت المقدس ہے کیونکہ وہ مسجد حرام سے بہت دور ہے) سیر کرائی جس کے گرداگرد ہم نے بڑی ہی برکتیں دے رکھی ہیں (پھلوں اور نہروں کے ذریعہ) تاکہ ہم انہیں اپنی نشانیاں (عجائبات قدرت) دکھلا دیں۔ بلاشبہ وہی ذات ہے جو بڑی سننے والی بڑی دیکھنے والی ہے (یعنی نبی کریم ﷺ کے افعال واقوال کو جاننے والی ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ پر واقعہ اسراء کا انعام فرمایا ہے جس میں انبیاء

علیہم السلام کی اجتماعی ملاقات بھی ہوئی اور آنحضرتؐ کا آسمانوں پر تشریف لے جانا بھی ہوا اور عالم ملکوت کے عجائبات بھی دیکھے اور حق تعالیٰ سے مناجات بھی ہوئی ارشاد نبویؐ ہے کہ میرے پاس ایک سفید براق لایا گیا جو کہ گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا۔ جس کا ایک قدم حد نگاہ تک جاتا تھا۔ چنانچہ مجھے اس پر سوار کیا گیا اور مجھے بیت المقدس لے جایا گیا وہاں میں نے اپنی سواری کو اس حلقہ سے باندھ دیا۔ جس پر انبیاءؑ اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے اس کے بعد میں بیت المقدس میں داخل ہوا اور دوگانہ ادا کیا، پھر باہر آیا تو جبریلؑ نے دو برتنوں میں شراب اور دودھ پیش کیئے۔ میں نے دودھ پسند کیا تو جبریلؑ کہنے لگے، تم نے صحیح فطرت اختیار کی۔ فرمایا کہ مجھے پھر آسمان دنیا پر لے گئے اور جبریل نے آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہا تو ان سے پوچھا گیا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا جبریل پوچھا گیا تمہارے ساتھ اور کون ہے؟ کہا کہ محمدؐ ہیں۔ دریافت کیا کہ تمہیں ان کے پاس بھیجا گیا تھا؟ جواب ملا، ہاں! بھیجا گیا تھا۔ دروازہ کھولا گیا تو حضرت آدمؑ سے نیاز حاصل ہوا انہوں نے مرحبا کہا اور مجھے دعائے خیر دی۔ پھر مجھے دوسرے آسمان پر لے جایا گیا وہاں بھی جبریلؑ نے دروازہ کھلوانا چاہا تو اسی طرح پوچھا گیا تم کون ہو؟ کہا کہ جبریلؑ۔ پوچھا گیا آپ کے ساتھ اور کون ہے؟ جواب دیا کہ محمدؐ ہے پوچھا گیا کہ تمہیں ان کے پاس بھیجا گیا تھا کہا ہاں! چنانچہ دروازہ کھولا گیا۔ تو دونوں خالہ زاد بھائی عیسیٰؑ اور یحییٰؑ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بھی خوش آمدید کہا اور مجھے دعائے خیر دی۔ پھر مجھے تیسرے آسمان پر لے جایا گیا چنانچہ وہاں بھی جبریلؑ نے دروازہ کھلوانا چاہا تو پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ جواب دیا گیا کہ جبریلؑ۔ دریافت ہوا کہ تمھارے ساتھ کون ہے؟ کہا گیا کہ محمدؐ ہیں۔ پوچھا گیا کہ تم ان کے پاس بھیجے گئے تھے؟ بتلایا کہ ہاں! بھیجا گیا تھا۔ چنانچہ دروازہ کھلا تو یوسفؑ سے ملاقات ہوئی۔ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ انہیں تو ساری دنیا کے حسن کا ایک حصہ ملا ہے۔ انہوں نے بھی خوش آمدید کہا اور دعائے خیر دی۔ پھر چوتھے آسمان پر مجھے لے جایا گیا اور جبریلؑ نے دروازہ کھلوانا چاہا تو پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ کہا کہ میں جبریلؑ ہوں سوال کیا گیا کہ تمھارے ساتھ اور کون ہے؟ جواب دیا کہ محمدؐ ہیں۔ پوچھا گیا کہ تمہیں ان کے پاس بھیجا گیا تھا؟ کہا ہاں! چنانچہ دروازہ کھول دیا گیا تو ادریسؑ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں بھی خوش آمدید کہی اور دعائے خیر دی۔ اس کے بعد پانچویں آسمان پر لے جایا گیا۔ جبرئیلؑ نے دروازہ کھلوایا، پوچھا گیا کہ کون ہے؟ جواب ملا کہ میں جبریلؑ ہوں۔ پھر پوچھا گیا کہ تمھارے ساتھ اور کون ہے؟ جواب دیا گیا کہ محمدؐ ہیں۔ سوال ہوا کہ تمہیں ان کے پاس بھیجا گیا تھا؟ کہا ہاں! چنانچہ دروازہ کھلا تو ہارونؑ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے خوش آمدید کے ساتھ دعائے خیر دی۔ اس کے بعد مجھے چھٹے آسمان پر پہنچایا گیا اور جبریلؑ نے دروازہ کھلوانا چاہا پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ جواب دیا کہ میں جبریلؑ ہوں۔ پھر پوچھا گیا کہ تمھارے ساتھ اور کون ہے؟ کہا گیا کہ محمدؐ ہیں۔ دریافت کیا گیا کہ تم ان کے پاس بھیجے گئے تھے؟ کہا ہاں! غرضیکہ دروازہ کھول دیا گیا۔ وہاں موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بھی مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔ یہاں تک کہ پھر ساتویں آسمان پر پہنچا۔ جبریلؑ نے دروازہ کھلوانا چاہا تو دریافت کیا گیا کہ کون ہو؟ جواب دیا گیا کہ جبریلؑ ہوں۔ پھر سوال کیا گیا، کہ آپ کے ساتھ اور کون ہے؟ بتلایا گیا کہ محمدؐ ہیں۔ پھر دریافت ہوا کہ کیا تمہیں ان کے پاس بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں! چنانچہ دروازہ کھلا اور ابراہیمؑ سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ وہ بیت المعمور پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے جہاں روزانہ ستر ہزار فرشتے حاضری دیتے ہیں جنہیں دوبارہ حاضری دینے کی نوبت نہیں آتی ہے۔ زاں بعد مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا۔ اس بیری کے پتے ہاتھی کے کان کی طرح اور اس کے پھل مٹکوں کے برابر تھے۔ پیغامات الٰہی جب اس مقام پر چھا گئے تو جو کیفیت اس کی خوبصورتی کی ہوئی وہ ناقابل بیان ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے کہ پھر جو کچھ بھی وحی آنی تھی وہ مجھ پر آئی اور روزانہ کیلئے پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ غرضیکہ واپسی پر جب موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی، تو انہوں نے پوچھا پروردگار نے تمھاری امت کے لئے کیا حکم دیا ہے؟ میں نے کہا روزانہ پچاس نمازیں فرض ہوئی ہیں۔ بولے کے اپنے رب کے پاس واپس جاؤ اور اس میں کمی کی درخواست کرو کہ تمھاری امت یہ حکم بجا نہیں لاسکتی کیونکہ میں نے بنی اسرائیل کو خوب آزمالیا ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے کہ حق تعالیٰ کی دربار میں پھر حاضر ہوا اور عرض گزار ہوا کہ اے پروردگار میری امت پر کچھ تخفیف فرما؟ چنانچہ پانچ نمازیں کم کردی گئیں لیکن جب موسیٰؑ کے پاس آیا، انہوں نے پوچھا کیا ہوا؟ میں نے کہا کہ پانچ نمازیں کم ہوگئیں انہوں نے مشورہ دیا کہ تمھاری امت اس پر بھی عمل نہیں کرسکتی جاؤ اور جا کر اس

میں کمی کراؤ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ میں اسی طرح برابر موسیٰ اور اپنے رب کے پاس آتا جاتا رہا اور پانچ نمازیں کم کراتا رہا۔ حتیٰ کہ حکم الٰہی ہوگیا کہ اے محمدؐ! روزانہ کی یہ پانچ نمازیں ہیں۔ ہر نماز کا ثواب دس نمازوں کے برابر ہوگا اور اس طرح پچاس نمازیں ہوجائیں گی نیز جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے گا مگر اس کام کو کسی وجہ سے کر نہیں سکے گا تو اس کے لئے ایک نیکی لکھوں گا اگر اس کام کو کرلے گا تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھ لی جائیں گی۔ لیکن اگر کوئی کسی برے کام کا ارادہ کرے مگر اس برے کام کو نہ کرسکا تو کچھ نہیں لکھا جائے گا البتہ جب وہ برا کام کرلیگا تو صرف ایک برائی لکھی جائے گی۔ غرض یہ کہ اس کے بعد میں موسیٰ کے پاس آیا اور صورت حال کی اطلاع دی۔ انہوں نے پھر کہا جاؤ اپنی امت کے لئے مزید تخفیف کی درخواست کرو کیونکہ تمھاری امت اتنی طاقت نہیں رکھتی۔ میں نے جواب دیا کہ میں اپنے پروردگار کے پاس جاچکا ہوں اب مجھے حیاء آتی ہے۔ یہ روایت بخاری ومسلم کی ہے۔ البتہ اس کے الفاظ مسلم کے ہیں اور حاکمؒ نے مستدرک میں ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ کی تجلی دیکھی تھی۔ ارشاد ربانی ہے۔ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت کا ذریعہ ٹھہرایا (تاکہ) تم میرے سوا اور کسی کو اپنا کارساز نہ بنالو (جس کی طرف اپنے کام سپرد کردو اور ایک قرأت میں لفظ تتخذ تا کے ساتھ ہے۔ صفت التفات ہوگی اور ان زائد ہوگا اور لفظ قول مقدر مانا جائے گا۔) ان لوگوں کی نسل جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا۔ بلاشبہ نوح ایک شکر گزار بندہ تھا (ہمارا بڑا شکر گزار ہر حال میں ہماری حمد کرنے والا) اور ہم نے خبر دی تھی (یہ بات بتلادی تھی) بنی اسرائیل کو ان کی کتاب (تورات) میں کہ تم ضرور سرزمین میں (شام میں گناہ کرکے) دو مرتبہ خرابی پھیلاؤ گے اور حد درجہ کی سرکشی کروگے (بڑا زور باندھوگے) پھر جب ان دنوں میں پہلی بار آئے گی (پہلا فساد آئے گا) ہم تم پر اپنے ایسے بندے مسلط کردیں گے، جو بڑے جنگجو ہوں گے (لڑنے اور پکڑنے دھکڑنے میں بڑے طاقتور ہوں گے) پھر وہ (قتل وقید کرنے کے لئے) گھس پڑیں گے (تمھیں ڈھونڈھتے پھریں گے) تمھارے گھروں میں، اور اللہ کا وعدہ تو اسی لئے تھا کہ پورا ہوکر رہے۔ (چنانچہ پہلا فساد تو حضرت زکریاؑ کے قتل کرنے پر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جالوت بادشاہ اور اس کے لشکر کو مسلط کردیا، انہوں نے سب کو تہ تیغ کرکے ان کی اولاد کو قید کردیا اور بیت المقدس کو برباد کرڈالا) پھر ہم ان پر تمھارا غلبہ کردیں گے (جالوت کے واقعہ قتال کے سو سال بعد) اور مال و دولت اور اولاد کی کثرت سے ہم تمھاری امداد کریں گے اور تمھیں بڑے جتھے والا (گروہ بند) بنادیں گے (اور ہم نے یہ بھی کہہ دیا تھا۔ کہ) اگر تم اچھے کام (اطاعت) کرتے رہے تو اپنے ہی نفع کے لئے کروگے (کیونکہ اس کا ثواب تمھیں ہی ملے گا) اور اگر بُرے کام (فساد) کروگے تو بھی اپنے لئے کروگے (اس کا تمھیں ہی نقصان ہوگا) پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آئے گا (تو ہم پھر انہیں مسلط کردیں گے کہ) وہ تمھارے منہ بگاڑ دیں گے (قتل اور گرفتار کرکے تمھیں اس درجہ غمگین کردیں گے کہ غم کا اثر تمھارے چہروں پر نمایاں ہوجائے گا) اور اسی طرح یہ لوگ مسجد (بیت المقدس) میں داخل ہوکر (اسے برباد کرڈالیں گے) جس طرح پہلی مرتبہ یہ حملہ آور گھسے (اور اسے خراب کرچکے) اور جس چیز پر ان کا زور (بس) چلا اسے تھوڑ پھوڑ کر برباد کرڈالا (چنانچہ دوسری دفعہ حضرت یحییٰؑ کو شہید کرکے فساد برپا کردیا۔ اللہ نے ان پر بخت نصر کو مسلط فرمادیا۔ جس نے ہزاروں آدمی مارڈالے اور ان کی نسل کو قید کرڈالا اور بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ہم نے کتاب تورات میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ) عجب نہیں تمھارا پروردگار تم پر رحم فرمائے (اس دوسری دفعہ کے بعد بشرطیکہ تم توبہ کرلو) لیکن اگر پھر تم (سرکشی اور فساد) کی طرف لوٹے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے (یعنی سزا وہی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو جھٹلانے کا انہوں نے پھر ارتکاب کیا تو اللہ نے بھی ان پر قریظہ کی جنگ اور بنونضیر کی جلاوطنی اور جزیہ کی وبا مسلط کردی) اور ہم نے کافروں کے لئے جہنم کا قید خانہ (جیل خانہ) تیار کر رکھا ہے۔ بلاشبہ یہ قرآن (اس راستہ کی طرف) راہنمائی کرتا ہے جو سب سے سیدھا (درمیانہ اور ٹھیک) راستہ ہے اور ایمان والوں کو جو نیک کام کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ انہیں بہت بڑا اجر ملنے والا ہے اور (قرآن بھی یہ کہتا ہے کہ) جو لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے (جو تکلیف دہ ہے یعنی جہنم کی آگ)

تحقیق وترکیب: .... **سُبۡحٰنَ** یہ اسم مصدر بھی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے **سبحت الله تسبيحا وسبحانا** اس میں تسبیح مصدر ہے اور سبحان اسم مصدر ہے **کفران** کی طرح۔ دوسری صورت یہ ہے کہ **غفران** کے وزن پر مصدر ہو۔ تیسری صورت یہ ہے کہ **عثمان** کے وزن پر علم مصدر ہو۔ اخیر کی دونوں صورتوں پر کچھ نہ کچھ اشکال رہے گا۔ تو اس کا ازالہ اس طرح ہوسکتا ہے۔ کہ مصدر لینے کی صورت میں **سبح الله سبحانا** کہا جائے یا **سبحت الله سبحانا** کہا جائے۔ کیونکہ معمول اور عامل کا ایک باب سے ہونا ضروری نہیں ہے اور علم مصدر لینے کی صورت میں بھی کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ علم وصفی ہے اور **لاعلم لايصاف** کا قاعدہ علم ذاتی کے لئے ہے نہ کہ علم وصفی کے لئے۔ چونکہ آنحضرتؐ کو آسمانوں پر لے جانا عجیب وغریب تھا اور یہ جانا جس براق پر ہوا اس کی برق رفتاری عجیب تھی اس لئے لفظ سبحان سے شروع کرنا مناسب ہوا۔ اسریٰ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جانے کو اسراء کہتے ہیں اور آگے آسمانوں پر جانے کو معراج کہتے ہیں۔ لیکن کبھی یہ دونوں لفظ مجموعی سفر پر بھی بول دیئے جاتے ہیں اور اسراء اگر چہ رات کے چلنے کو کہتے ہیں لیکن **ليلا** بڑھانے سے رات کا بعض حصہ مراد ہوگیا۔ جس سے اللہ کی قدرت معلوم ہوتی ہے کہ اتنے ذرا سے وقت میں اتنا بڑا دور دراز کا سفر طے کرا دیا۔ جرجانیؒ، سیبویہؒ اور ابن مالکؒ نے تصریح کی ہے کہ لیل ونہار اگر معرفہ ذکر کئے جائیں تو عموم کے ساتھ ظرفیت کے معنی ہوں گے۔ لیکن اگر یہ دونوں نکرہ ہوں تو پھر عموم واستغراق نہیں ہوگا۔ پس یہاں **ليلا** نکرہ آنے سے معلوم ہوا کہ ساری رات مراد نہیں بلکہ بعض حصہ مراد ہے۔ **بعبده** ایہام الوہیت سے بچانے کے لئے عبد کا لفظ استعمال کیا ہے تاکہ حضرت عیسیٰؑ کی طرح لوگ رسالت سے الوہیت پر نہ پہنچا دیں۔ اس سے مقام عبدیت کا شرف ظاہر ہوتا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ عبدیت، رسالت سے افضل ہوتی ہے۔ کیونکہ عبدیت میں مخلوق سے حق کی طرف پھرنا ہوتا ہے پس یہ مقام جمع ہے اور رسالت میں حق سے خلق کی طرف آنا ہوتا ہے اور یہ مقام فرق ہے۔ نیز بندگی میں اپنے سب کام اللہ کے حوالے کرنے ہوتے ہیں اور رسالت میں امت کے کاموں کا تکفل کرنا ہوتا ہے اور دونوں میں جو کچھ فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرتؐ کو چونتیس مرتبہ معراج ہوئی ہے لیکن صرف ایک دفعہ جسمانی معراج ہوئی اور باقی سب معراجیں روحانی ہوئی ہیں اور اس میں اختلاف ہے کہ جسمانی معراج کا واقعہ کب پیش آیا۔ بعض کے نزدیک ربیع الاول اور بعض کے نزدیک ربیع الثانی میں اور بعض کے نزدیک رمضان یا شوال میں پیش آیا مگر صحیح یہ ہے کہ ستائیس رجب کو ہجرت سے کچھ پہلے یہ واقعہ پیش آیا۔ غرض یہ کہ یہاں لفظ **عبد** لانے میں کئی فائدے مدنظر ہیں۔ ایک تو آنحضرتؐ کے تقرب اور مقبولیت کو ظاہر کرنا ہے۔ دوسرے یہ کہ کہیں اس عجیب وغریب معجزہ کو دیکھ کر آپؐ کی الوہیت کا کوئی شبہ نہ کرنے لگے۔ تیسرے یہ کہ اس لفظ سے ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے، کہ آنحضرتؐ کو روح وجسم کے ساتھ معراج ہوئی ہے۔ چنانچہ **جاء نبي عبدفلان** کے معنی یہ نہیں کہ فلاں شخص کی صرف روح آئی۔ بلکہ جسمانی آنا مراد ہوتا ہے۔ **من المسجدالحرام** ۔ بعض روایتوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی معراج کی ابتداء حطیم سے ہوئی تھی۔ اور بعض میں ہے کہ ام ہانیؓ کے گھر سے شروع ہوئی تھی اور یہاں آیت میں مسجد حرام سے شروع ہونا معلوم ہو رہا ہے پس بظاہر یہ تعارض ہے۔ لیکن کہا جائے گا کہ مسجد حرام جس طرح متعارف معنی میں استعمال ہوتا ہے اسی طرح مطلق حرم پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ پس اس صورت میں سب باتوں میں تطبیق ہو جائے گی۔ کیونکہ ام ہانیؓ بنت ابی طالب کا مکان حرم ہی میں تھا پس آپؐ اول وہاں سے حطیم میں تشریف لائے ہوں گے اور پھر وہاں سے روانگی ہوئی ہوگی۔ جلالؒ محقق نے (اى مكة) کہہ کر اس تطبیق کی طرف اشارہ کیا ہے المسجد الاقصیٰ ۔ مسجد حرام کے بعد سب سے پہلے زمین میں مسجد اقصیٰ ہی بنائی گئی ہے اقصیٰ کے معنی دور کے ہیں یہ مسجد بھی بیت اللہ اور مکہ سے بہت دور تھی۔ اس لئے مسجد اقصیٰ نام ہوا لیکن مسجد اقصیٰ سے مراد اس کی عمارت نہیں بلکہ اس کی سرزمین مراد ہے کہ اصل مسجد زمین ہی ہوتی ہے نہ کہ عمارت۔ پس اب یہ تاریخی شبہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرتؐ کے درمیانی زمانہ میں

مسجد اقصیٰ پامال رہی اور عمارت منہدم ہوگئی تھی پھر کیسے کہا گیا کہ آپ کو مسجد اقصیٰ لے جایا گیا؟ کیونکہ ظاہر ہے کہ مسجد اقصیٰ کی سرزمین مراد ہے اور وہ باقی تھی البتہ یہ شبہ کہ روایتوں میں آتا ہے کہ کفار نے امتحاناً آپؐ سے وہاں کی عمارتوں کے بارے میں کچھ سوالات کئے۔جس کی وجہ سے آپ کو کچھ فکر وتردّد ہوا۔لیکن کشفی طور پر جب آپ کو وہ حصّہ دکھلا دیا گیا تو آپؐ نے دیکھ دیکھ کر جوابات دیئے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت عمارتیں موجود تھیں ورنہ محض زمین کی کیفیت کے متعلق کوئی کیا پوچھتا؟ اور آپ کو جواب میں فکر کی کیا ضرورت تھی؟ تو جواب دیا جائے گا کہ اول تو منہدم اور شکستہ عمارت اور محض زمین کے حدود اربعہ اور محل وقوع کے اعتبار سے بھی سوال ممکن ہے۔دوسرے اس زمین کے آس پاس جو لوگوں نے بیت المقدس کے لئے نام نہاد طریقہ پر کچھ عمارتیں بنا ڈالی تھیں ان سے بھی سوال ممکن ہے باقی مسجد اقصیٰ میں لے جانا اس لئے ہوگا کہ آپ کا شرف تمام انبیاء پر ظاہر ہو جائے کہ آپ کی اقتداء میں سب نے دوگانہ ادا کیا۔جیسا کہ رات کو معراج کرانے میں آپؐ کے تخصص کی طرف اشارہ ہے۔کیونکہ وہ وقت خلوت اور یکسوئی اور تقرب کا ہوتا ہے اور عالم بالا کے عجائبات کا مشاہدہ بغیر لیجائے ہوئے نہیں ہوسکتا تھا اس لئے رات کو لے جایا گیا اور وہ بھی سوار کر کے جس سے مقصود اکرام اور اظہار شان تھا الذی بارکنا حولہ دونوں قسم کی برکتیں مراد ہیں دنیوی بھی کہ درخت، سبزی، پھل پھول، پانی کی نہریں وغیرہ وہاں بکثرت ہیں اور دینی برکتیں جیسے تمام انبیاء کا قبلہ ہونا اور بہت سے انبیاء کا رہنا اور دفن ہونا کہ یہ سب سے بڑی برکتیں ہیں۔بعض اکابر کی تو یہاں تک رائے ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کا وہ اندرونی حصّہ جس میں آپ کا جسم اطہر ہے وہ عرش سے بھی بڑھ کر افضل ہے۔گو فضیلت جزئی ہی سہی، پس معلوم ہوا کہ جب مسجد اقصیٰ کے آس پاس کی برکت کا حال یہ ہے تو خود مسجد اقصیٰ کی برکت کا کیا ٹھکانہ ہوگا۔اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ مسجد اقصیٰ میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر اور بیت اللہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔لنریہ من اٰیتنا اس میں واقعہ معراج کی غرض وغایت کی طرف اشارہ ہے۔آسمانی عجائبات چونکہ زمین کے عجائبات سے بڑھے ہوئے ہیں اس لئے ان کو آیات کہا اور اس لفظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ مسجد اقصیٰ سے اوپر بھی تشریف لے گئے اور بالاجمال ذکر کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ زیادہ عجیب وغریب ہونے کی وجہ سے ممکن ہے کوئی جلدی سے اس کا انکار کردے اور نصِ قطعی کا انکار کرنا کفر ہے۔اس لئے گویا تصریح نہ کرنے میں ضعیف الایمان لوگوں کی رعایت پیش نظر ہوئی اور من تبعیضیہ لانے میں اشارہ ہے کہ قدرت الٰہی کی تمام نشانیوں کا آپؐ مشاہدہ نہ فرما سکے بلکہ بعض نشانیاں ملاحظہ فرمائیں۔چنانچہ صحاح کی روایت میں ہے اسمع صریف الاقلام جس سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے لوح محفوظ پر قلم چلنے کی آواز تو سُنی مگر اس قلم کو دیکھا نہیں۔رہا یہ شبہ کہ حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں تو فرمایا گیا، وکذلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰت والارض اور آنحضرتؐ کے بارے میں لنریہ من اٰیتنا فرمایا جارہا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ کو آنحضرتؐ سے زیادہ نشانیاں دکھلائی گئیں تھیں؟ جواب یہ ہے کہ آسمان وزمین کی نشانیاں بھی تو اللہ کی کل نشانیاں نہیں تھیں پس جب دونوں کو بعض نشانیاں دکھلائیں تو ممکن ہے آنحضرتؐ کو بمقابلہ حضرت ابراہیمؑ کے بڑی بڑی نشانیاں دکھلائی گئی ہوں۔اس لئے حضرت ابراہیمؑ کا بڑھنا لازم نہیں آیا۔انه هو السميع البصير لفظ اسریٰ اور انه میں اول وآخر غائب کی ضمیریں استعمال کیں اور درمیان میں بطور التفات کے ضمیر متکلم استعمال کی اس میں کلام میں تجدید ونشاط مقصود ہے اور آیات وبرکات کے معائنہ کی عظمت پیش نظر ہے اور اسراء کے بعد قربِ خداوندی کے زیادہ ہونے کی طرف اشارہ کرنا ہے۔کیونکہ قرُب کے وقت اصل متکلم کا صیغہ ہوتا ہے اور اللہ کی ان دونوں صفتوں یا تخصیص ذکر کرنے کا منشاء آنحضرتؐ کی تسلی وتشفی ہے کہ ہم آپؐ کے حال قال سے بھی واقف ہیں اور مخالفین کی طرف سے بھی بے خبر نہیں ہیں۔اس لئے فکر کی کوئی بات نہیں ہے نیز یہ بھی بتلانا ہے کہ گو آنحضرتؐ نے عجائب وغرائب کا مشاہدہ فرمالیا ہے مگر پھر بھی علم میں ہمارے برابر نہیں

ہونگے۔ کیونکہ ذاتی طور پر سمیع و بصیر ہم ہیں۔ ہم نے جتنی چیزیں آپ کو سنوادیں وہ آپ نے سن لیں اور جتنی باتیں آپ کو دکھلانی چاہیں وہ آپ نے دیکھ لیں۔ نیز آپ کا سننا اور دیکھنا محدود ہے۔ اور ہم مطلقاً سمیع وبصیر ہیں علی اجتماعه. اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو مع اجسام وارواح کے جمع فرما کر آپ کی اقتداء میں نماز پڑھوائی، تاکہ آپ کی مقتدائیت نمایاں ہوجائے۔ البـــــــراق۔ برق سے ماخوذ ہے۔ برق رفتاری کے اعتبار سے یا بریق سے ہے چمک دمک کے معنیٰ میں۔ ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ اس کا چہرہ انسان کا ساتھا اور پاؤں اونٹ کی طرح تھے اور بدن گھوڑے کی طرح تھا۔ بـالـحـلقة۔ زیارت وعبادت کے موقع پر جب انبیاء تشریف لاتے ہونگے تو اپنی سواریاں اسی حلقہ میں باندھتے ہونگے اور ممکن ہے اس سے دوسرے انبیاء کے براق کی طرف بھی اشارہ ہو فـصـلـيـت یعنی اول آپ نے اور جبرئیلؑ نے دوگانہ الگ الگ ادا کیا اور دوسرے انبیاءؑ نے بھی نمازیں پڑھیں۔ اس کے بعد باقاعدہ اذان کہی گئی اور نماز باجماعت ہوئی۔ آپ امام الانبیاءؑ بنے اس میں اگرچہ اختلاف ہے کہ یہ نماز فرض تھی یا نفل تھی لیکن صحیح یہی ہے کہ نفل تھی کیونکہ اس وقت تک نماز کی فرضیت کہاں ہوئی تھی۔ الـفطرة یعنی دودھ اسلام کی صورت مثالیہ تھی۔ سہل اور طیب وطاہر ہونے کے اعتبار سے۔ قیل مـــن انـــت ۔ ہر آسمان پر مستقل تین تین سوال وجواب کا اعادہ خدائی نظام کے استحکام اور فرشتوں کے کمال تیقظ و بےداری پر دلالت کرتا ہے اور ہر ہر دروازہ پر باقاعدہ مکمل پوچھ گچھ نگران جماعت کی پوری چستی جس درجہ واضح ہوئی ہے وہ پہلے سے دروازے کھلے رکھنے اور آمد کی انتظار کی صورت میں حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔ گویا یہ ظاہر کرنا ہے کہ کتنے ہی بڑے سے بڑا واقعہ بھی ہوجائے اور کیسا ہی بڑا آدمی کیوں نہ آجائے مقررہ نظام اور معمول میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس میں مخلوق کو تعلیم بھی دینی ہے۔ فـاذا انابأدمؑ بیت المقدس میں اجتماعی ملاقات کے بعد پھر مختلف انبیاء سے اپنے اپنے موقعہ پر ملاقات ہوئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اجتماعی جلسہ کے بعد پھر بعجلت تمام انبیاءؑ کو آپ سے پہلے عالم بالا میں پہنچادیا گیا اور وہاں انہوں نے آپ کا استقبال کیا اور اس میں کچھ بعد نہیں اس کے نظائر دنیا میں پیش آتے رہتے ہیں کسی ادارہ میں کوئی معزز مہمان آتا ہے تو استقبالیہ اجتماعی ملاقات کے بعد سب اپنی اپنی ڈیوٹیوں میں پہلے سے پہنچ جاتے ہیں اور پھر وہاں معائنہ کے وقت خوش آمدید کہی جاتی ہے۔ حضرت آدمؑ کے ترحیبی الفاظ یہ تھے مرحبا به واهلاحياه الله من اخ ومن خـلـيـفـة فـنـعـم الاخ ونعم الخليفة نعم المجئ جاء. ایک روایت میں ہے کہ حضرت آدمؑ کے دائیں ایک مخلوق تھی اور ایک ایسا دروازہ تھا جس سے خوشبو مہک رہی تھی اور بائیں جانب بھی مخلوق تھی اور ایک دروازہ تھا جس سے نہایت بدبو آرہی تھی۔ داہنی طرف دیکھ کر حضرت آدمؑ ہنستے اور خوش ہوتے لیکن بائیں طرف دیکھ کر روپڑتے اور غمگین ہوتے آنحضرتؐ نے جبریلؑ سے صورت حال پوچھی تو انہوں نے بتلایا کہ داہنی طرف نیک اولاد ہے اور جنتی دروازہ میں اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ لیکن بائیں طرف بری اولاد ہے اور جہنمی دروازہ میں اسے دیکھ کر غمگین ہوتے ہیں۔ غرض یہ کہ حضرت آدمؑ وابراہیمؑ کی ترحیب تو ان الفاظ سے تھی۔ مـرحبا لابن الصالح ونبی الصالح۔ لیکن اور تمام انبیاءؑ کی ترحیب ان الفاظ کے ساتھ تھی۔ مـرحبا لاخ الصالح والنبی الصالح. یاابنی الخالة۔ لیکن صاحب جملؒ کے نزدیک حضرت یحیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو خالہ زاد بھائی کہنے میں مسامحت ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت حضرت عیسیٰؑ، حضرت یحیٰؑ کی خالہ کے بیٹے نہیں تھے بلکہ خالہ زاد بہن کے بیٹے تھے کیونکہ حضرت مریم کی والدہ حنہ تھی اور ان کی بہن اشاعؑ تھیں اور اشاع کے صاحبزادہ یحیٰ علیہ السلام تھے۔ اعـطـی شـطـر الحسن۔ کے معنیٰ بعض کے ہیں اور نصف کے بھی ہیں۔ اب یا اپنے زمانہ کے حسن کا نصف مراد ہو یا مطلق جنس حسن کا نصف مراد ہو۔ ان تینوں صورتوں میں سے پہلی صورت تو اس لئے بعید ہے کہ تعریف کے موقعہ پر یہ معنیٰ مناسب نہیں۔ البتہ پہلی اور دوسری دونوں صورتوں میں یہ اشکال نہیں رہتا۔ کہ حضرت یوسفؑ کا حسن تو آنحضرتؐ سے بڑھ جاتا ہے ہاں! تیسری صورت میں یہ اشکال رہتا ہے اس کے تین جواب ہیں۔ یا تو اسے حضرت یوسفؑ کی جزئی فضیلت شمار کی جائے۔ کلی فضیلت

آنحضرتؐ ہی کو حاصل ہے۔ دوسری توجیہ اس سے اچھی یہ ہے کہ حسن دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک حسن صباحت کہ اس میں حضرت یوسف بڑے ہوئے تھے۔ دوسرے حسنِ ملاحت کہ اس میں آنحضرتؐ بڑھے ہوئے تھے۔ تیسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت یوسفؑ کو آدھا حسن دیا گیا اور آدھا ساری دنیا کو لیکن آنحضرتؐ کو اس کے علاوہ غیر منقسم حسن عطا فرمایا گیا ہے۔ حضرت یوسفؑ کی دادی بھی نہایت حسین تھیں۔ ان کے بارے میں کہا گیا و کانت قد اعطیت سدس الحسن اسی لئے بعض نے کہا ہے۔ ذهب يوسف و امه یعنی جدته بثلثی الحسن .

مستند الی البيت المعمور ۔ بیت المعمور مثل کعبہ کے قبلہ ملائکہ ہے اور حضرت ابراہیمؑ کے اس طرح بیٹھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھنے کے وقت استدبار قبلہ جائز ہے۔ یعنی ٹیک لگا کر بیٹھنا۔

سدرة المنتهیٰ ۔ ساتویں آسمان پر بیری کا یہ درخت ہے۔ جس کی شاخیں جنت اور کرسی تک پھیلی ہوئی ہیں اور جڑ چھٹے آسمان میں ہے نیچے کے سب فرشتے نیک کام وہاں جا کر رک جاتے ہیں۔ اسی طرح اوپر سے احکام الٰہی اول وہیں اترتے ہیں۔ غرض یہ کہ اس کی مثال ایک مرکزی ڈاک خانہ کی طرح ہے بجز آنحضرتؐ کے اس سے آگے کوئی نہیں بڑھ سکا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ۔

اگر یک سرموئے برتر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

فلما غشٰها ۔ بخاریؒ کے یہ الفاظ ہیں۔ فغشاها الوان لا ادری ماهی. اور مسلمؒ کی روایت فغشها فراش من ذهب اور ایک روایت میں جرادمن ذهب اور ایک روایت میں علی کل ورقة منها ملک ۔ بہرحال انوار الٰہی سدرۃ المنتہٰی پر چھائے ہوئے تھے۔ فاوحی ۔ بہتر یہ ہے کہ اسے مبہم و مجمل ہی تسلیم کرنا چاہئے۔ تاہم تین باتیں صحیح ثابت ہیں (۱) فرائض پنجگانہ (۲) سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں (۳) شرک کے علاوہ امت کے تمام گناہوں کی معافی۔ ارجع الی ربك ۔ بعض عرفاء نے اس موقعہ پر یہ نکتہ ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے تجلی الٰہی کی درخواست کی تو منظور نہ ہوئی۔ لیکن آنحضرتؐ کو بلا طلب ہی یہ دولت حاصل ہوگئی۔ اس پر حضرت موسیٰؑ کو کچھ تکدر آمیز خیال پیدا ہوا کہ مجھ سے تو محمدؐ ہی بڑھ گئے۔ یہ بات چونکہ ان کے شایان شان نہیں تھی اور امت محمدیہ کو بھی جب یہ معلوم ہوتا تو حضرت موسیٰؑ کی نسبت سوءظنی میں لوگ مبتلا ہوتے۔ اس لئے حضرت موسیٰؑ نے امتِ محمدیہ کے حق میں نمازوں کی تخفیف کا مشورہ دے کر اس کی مکافات کرنی چاہی۔ تاکہ امت اس احسان کو سن کر خوش ہوجائے۔ نیز خود تو تجلی الٰہی کا دیدار نہ کر سکے لیکن آنحضرتؐ کو تجلی الٰہی کی دولت حاصل ہوئی۔ تو کم از کم دیکھنے والے ہی کو دیکھ کر کچھ سیری حاصل کرلیں۔ اس لئے بار بار آنحضرتؐ کی آمد و رفت کو پسند کیا۔ وخبرتهم ۔ چنانچہ صبح، دوپہر، شام دو دو رکعتیں حضرت موسیٰ کی امت پر فرض تھیں مگر وہ بھی اسے پوری طرح نبھا نہ سکے۔ قدحط عنی خمسا ۔ اس طرح دس مرتبہ گویا حق تعالیٰ کا آنحضرتؐ کو دیدار نصیب ہوا۔ من هم ۔ یہ حدیث قدسی ہے۔ یہاں هم سے مراد پختہ ارادہ ہے۔ مطلق ارادہ کے پانچ درجے ہوتے ہیں ۔ مراتب القصدخمس ،هاجس ذكروا. فخاطر فحديث النفس فاستمعا. يليه هم فعزم كلهارفعت .سوى الخير ففيه الاخذقدوقعا ۔ ان میں باہمی ترتیب یہ ہے کہ سب سے کم درجہ خاطر ہے۔ اس سے اوپر ہاجس ۲، پھر حدیث النفس ۳، پھر ہم ۴، ان چاروں پر کوئی مواخذہ نہیں، خواہ اچھے خیالات ہوں یا برے۔ مگر ۵ عزم مصمم جو پانچواں آخری درجہ ہے۔ اس پر مواخذہ ہوگا۔ یہاں ھم سے وہی مراد ہے۔ ان لا تتخذوا ۔ جلال مفسرؒ نے ظاہر پر نظر کرتے ہوئے لا زائد مان لیا ہے۔ حالانکہ یہاں مفسرہ ماننا مناسب تھا کیونکہ زائد ہونے کے مواقع میں سے نہیں ہے۔ اس لئے قول مقدر ماننا جائے گا۔

ربطِ آیات : .... سورۃ بنی اسرائیل میں اکثر مضامین توحید اور انعاماتِ باری اور رسالت سے متعلق ہیں۔ چنانچہ معراج کے

واقعہ سے اسے شروع کیا گیا ہے۔ جس سے ایک طرف اگر اللہ کی عظمت وتنزیہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ تو دوسری طرف رسالت بھی ثابت ہوتی ہے۔ پھر آگے چل کر آیت واتینا موسیٰ ۔ سے رسالت کی تقویت کے لئے حضرت موسیٰ اور نوح علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر ترغیب وترہیب کے لئے طوفان نوحؑ سے نجات کا واقعہ اور بنی اسرائیل کی تباہی وبربادی بیان کی جارہی ہے آگے ان ھذا القران سے قرآن کی تعریف کی جارہی ہے جس سے توحید ورسالت ثابت ہوتی ہے۔

﴿تشریح﴾: ......**واقعہ معراج کی تفصیل**: .... واقعہ معراج سے متعلق کچھ تحقیقات اور اشکالات وتنبیہات تو عنوان تحقیق میں گزر چکی ہیں جو قابل ملاحظہ ہیں:

ہجرت مدینہ سے تقریباً ایک سال پہلے آنحضرت ﷺ کے ساتھ اسریٰ اور معراج کا اہم واقعہ ۲۷ رجب کو پیش آیا۔ اس سورۃ کی ابتداء اس واقعہ کے ذکر سے کی گئی ہے ان آیات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک آنحضرت کا جانا تو ذکر کیا گیا ہے جسے اسراء کہتے ہیں۔ لیکن مسجد اقصیٰ کے اندر داخل ہوکر دوگانہ ادا کرنا اور انبیاء علیہم السلام کو جماعت سے نماز پڑھانا احادیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح اس سفر کی دوسری منزل یعنی مسجد اقصیٰ سے آسمانوں پر جانا اس آیت سے صاف طور پر معلوم نہیں ہوتا اشارہ اس طرف ضرور نکلتا ہے۔ البتہ سورۃ نجم کی آیت ولقد راٰہ نزلۃ اخری عندسدرۃ المنتھی میں اس سے زیادہ صاف روشنی واقعہ معراج پر رہی ہے۔ یعنی آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ پھر اس سلسلے میں احادیث اتنی کثرت سے ہیں جن کا انکار ممکن نہیں خود جلال مفسرؒ مفصل روایت پیش کررہے ہیں۔

معراج اور اسراء کا حکم: .... چونکہ بیت المقدس تک آنحضرتؐ کا تشریف لے جانا نص قطعی سے ثابت ہے۔ اس لئے اس کا انکار کرنا کفر ہے اور اس میں تاویل کرنا بدعت اور تاویل کرنے والا مبتدع سمجھا جائے گا۔ البتہ آسمانوں پر جانے کا انکار کرنا یا اس کی تاویل کرنا کفر تو نہیں ہوگا مگر ایسا شخص مبتدع سمجھا جائے گا کیونکہ سورۃ نجم کے الفاظ عند سدرۃ المنتھیٰ۔ آنحضرتؐ کے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے میں نص نہیں ہیں بلکہ دونوں معنی کا احتمال ہے۔ اگر آنحضرتؐ کا سدرہ کے پاس ہونا مراد ہو، تب تو جسمانی معراج کا ثبوت نص قرآنی سے ہوجائے گا۔ لیکن اگر جبرئیلؑ کا سدرہ کے پاس ہونا مراد ہوا تو پھر مدعا ثابت نہیں ہوگا۔ غرضیکہ کعبہ سے مسجد اقصیٰ تک جانے کا انکار کرنا تو کفر ہوگا لیکن مسجد اقصیٰ سے آسمان تک جانے کا انکار بدعت اور وہاں سے اوپر جنت ودوزخ کی سیر کا انکار فسق ہوگا۔

آنحضرت ﷺ کو جسمانی معراج ہوئی ہے یا خوابی اور روحانی؟: .... تمام اہلسنت والجماعت یہ مانتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو بیداری کی حالت میں جسمانی معراج ہوئی ہے۔ اجماع امت اس کی دلیل ہے۔ اور اجماع کی بنیاد یہ ہے کہ اول تو قرآن کریم نے جس اہتمام واہمیت کے ساتھ اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ جسمانی معراج مراد ہو۔ اگر صرف روحانی یا منامی معراج مراد ہوتی تو نہ وہ اس درجہ تعجب آمیز اور حیرت انگیز ہوتی کہ مخالفین کی اس درجہ ہلچل مچ گئی اور نہ ہی اس میں آپؐ کی کوئی خصوصیت تھی۔ ایسی معراج تو آپؐ کے خدام کو بھی ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ الصلوٰۃ معراج المؤمنین۔ میں اس دولت کا دوسروں کے لئے حاصل ہونا بیان فرمایا گیا ہے نیز لفظ بعبدہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ روح وجسم سمیت تشریف لے گئے۔ کیونکہ صرف خواب میں یا روحانی طور پر آنے جانے کو جاء او ذھب عبد فلان۔ نہیں کہا جاتا نیز اگر صرف خواب ہی کی حد تک معاملہ ہوتا یا روحانی سیر کا دعویٰ ہوتا تو نہ کفار اور مخالفین میں اتنی ہل چل اور ہنگامہ ہوتا اور نہ آپ کو جواب دینے میں الجھن اور فکر ہوتی۔ بے تامل آپؐ فرماسکتے تھے کہ میں نے ظاہری طور پر جانے کا دعویٰ کب کیا جو تم اس درجہ ردوقدح کررہے ہو۔

جسمانی معراج پر نقلی اشکالات: .... تاہم جسمانی معراج کے مسئلہ پر بعض نقلی اور عقلی اشکالات بھی کئے گئے ہیں۔ جواب کے ساتھ ان کا ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ا۔نقلی طور پر بعض حضرات کو آیت **وما جعلنا الرؤیا** سے شبہ ہوا ہے۔ کہ اس میں منامی معراج کا ذکر ہے جس سے جسمانی معراج کی نفی ہوتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ اول تو ممکن ہے اس میں واقعہ بدر مراد ہو یا واقعہ حدیبیہ سے پہلے جو آنحضرتؐ نے خواب دیکھا جس کی طرف دوسری آیت **اذ یریکھم اللّٰہ فی منامک** اور آیت **ولقد صدق اللّٰہ رسولہ الرؤیا** میں اجمالاً اشارات کئے گئے ہیں۔ وہی خواب یہاں بھی مراد ہو۔ جیسا کہ بعض مفسرینؒ اس طرف گئے ہیں۔ دوسرے اگر معراج ہی مراد ہو، تب بھی لفظ رؤیا بمعنی رؤیت ہوسکتا ہے۔ جیسے قربی بمعنی قرابت نیز رات کے وقت دیکھنے کو بھی رؤیا کہا جاسکتا ہے خواہ بیداری میں ہو۔ تیسرے ۳ تشبیہاً معراج کے واقعات دیکھنے کو رؤیا سے تعبیر کردیا گیا ہو۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ واقعات ایسے عجیب وغریب تھے جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔ چوتھے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بقول شیخ اکبرؒ چونتیس مرتبہ معراج ہوئی۔ جن میں سے ایک دفعہ جسمانی اور باقی تینتیس مرتبہ روحانی یا منامی ہوئیں پس ممکن ہے اس آیت میں بھی منامی معراج مراد ہو مگر اس سے جسمانی معراج کی نفی نہیں ہوتی۔

(۲) حدیث شریف میں "**ثم استیقظت**" کے لفظ سے بعض حضرات کو شبہ ہوگیا ہے، کہ واقعہ معراج خواب میں پیش آیا تھا؟ جواب یہ ہے کہ اول تو شریک حافظ حدیث نہیں ہیں پھر دوسرے حفاظ حدیث کیخلاف کہہ رہے ہیں اس لئے ان کی یہ زیادتی مقبول نہیں ہوگی۔ دوسرے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ پہلے آپؐ کو روحانی یا منامی معراج کرائی گئی اور بار بار کرائی گئی۔ تا کہ بتدریج جسمانی معراج کی استعداد اور قوت پیدا ہو جائے۔ پھر آخر میں معراج اعظم کرادی گئی۔ پس اس حدیث شریک میں خوابی معراج بھی اگر مراد ہو تب بھی اس سے جسمانی معراج کی نفی لازم نہیں آتی۔

(۳) بعض حضرات کو حضرت معاویہؓ اور حضرت عائشہؓ کے اقوال سے شبہ ہوگیا جو جسمانی معراج کے خلاف ہیں؟ جواب یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ تو اس وقت تک مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے، کہ ان کی بات یقینی سمجھی جائے۔ ممکن ہے کسی سے سُن سنا کر کہہ دیا ہو۔ یا ان کا اپنا اجتہاد ہو۔ یا ممکن ہے کسی دوسرے واقعہ کی نسبت کہا ہو۔ کیونکہ روحانی معراج آپؐ کو کئی دفعہ ہوئی۔ غرضیکہ **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال**. رہا حضرت عائشہؓ کا معاملہ، سو اول تو وہ کمسن تھیں چار پانچ سال کی عمر ہوگی اور اگر بقول حضرت زہریؒ اگر واقعہ معراج ۵ نبوی میں ہوا ہے، تو ایک سال کی بھی مشکل سے ہوں گی۔ دوسرے اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے بڑی اور سمجھدار ہونے کے بعد تحقیق کر کے کہا ہوگا جیسا کہ یہی احتمال حضرت معاویہؓ کے بارے میں بھی ہوسکتا ہے، کہ انہوں نے اسلام لانے کے بعد تحقیق کر کے بات کہی ہوگی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں بلا تحقیق ایسی اہم بات کہہ دیں تو کہا جائیگا کہ ممکن ہے کسی دوسرے واقعہ کے متعلق ان دونوں کا یہ قول ہو۔ نیز حضرت عائشہ کے قول **واللّٰہ ما فقد جسد محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی لیلۃ الاسراء**۔ میں فقدان کا لفظ آیا ہے اور جس طرح اس کے معنی گم ہونے کے ہیں اسی طرح تلاش کرنے کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ یوسف کی آیت **ماذا تفقدون** اسی معنی میں مستعمل ہے۔ پس حضرت عائشہؓ کا مطلب یہ نہیں ہے، کہ آپ کا جسم مبارک وہیں رہا وہاں سے گم نہیں ہوا بلکہ مطلب یہ ہے آپؐ اتنی دیر غائب نہیں رہے کہ آپؐ کو تلاش کرنے کی نوبت اور ضرورت پیش آئے اور اگر فقدان کے متبادر پہلے ہی معنی لئے جائیں۔ تب بھی جسمانی معراج کی نفی لازم نہیں آتی، کیونکہ فقدان فعل لازمی نہیں۔ بلکہ متعدی ہے۔ یعنی اس کے معنی غیبت وانفعال کے نہیں، بلکہ گم ہونے کے ہیں اب بھی مطلب وہی ہوا کہ اس رات کسی گھر والے نے آپؐ کو گم اور غائب نہیں پایا کیونکہ سوتے وقت بھی آپؐ گھر میں تھے اور جاگنے کے وقت بھی آپؐ وہیں تشریف فرما تھے۔ اس کی نوبت ہی نہیں آئی کہ آپؐ دیر تک غائب رہتے

اور گھر والوں کو غیر موجودگی کا احساس ہو جاتا۔

جسمانی معراج پر عقلی اشکالات:...... عقلی اشکالات یہ ہیں: (۱) سائنس جدید کی رو سے لوگ آسمانوں کا وجود ہی نہیں مانتے۔ پھر جسمانی معراج کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ دعویٰ محض بلا دلیل ہے یونکہ انکارِ آسمان پر آج تک کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی۔ رہا کسی چیز کا معلوم نہ ہونا اس کے ناموجود ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی البتہ فضا میں اس نیلگوں رنگ کو بخار و دخان ماننا یا نور و ظلمت کو مجموعہ ماننا۔ سو اس سے آسمان کا انکار لازم نہیں آتا ممکن ہے آسمان اس سے اوپر ہو۔ اب خواہ اس کا رنگ بھی اس نظر آنے والے رنگ کے ہمرنگ ہو کر ممتزج ہو گیا ہو یا اس کے خلاف دوسرا کوئی رنگ ہو غرض کہ عقلاً آسمان کے انکار پر کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ اس کے خلاف آسمان کا وجود فی نفسہ ممکن ہے اور جس ممکن کے ہونے نہ ہونے کی اطلاع سچا شخص دے تو اس کو ماننا ضروری ہوتا ہے۔ پس قرآن وحدیث کی اطلاع کے بعد آسمانوں کا وجود ماننا ضروری ہوگا۔ (۲) سائنس جدید سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کے نیچے ہوا نہیں اور ایسی سخت گرمی ہے کہ کوئی جاندار چیز زندہ نہیں رہ سکتی۔ پھر آنحضرت ﷺ کا معراج میں جانا کیسے ہوا؟ جواب یہ ہے کہ ایسی جگہ سے جانا اور گزرنا محال نہیں البتہ مستبعد ضرور ہے۔ اس لئے معجزہ ہے۔ (۳) بعض کو شبہ ہے کہ فلاسفہ کے نزدیک آسمانوں کا خرق والتیام (یعنی پھٹنا) اور ملنا محال ہے۔ پس آنحضرت ﷺ کا آسمانوں میں جانا آنا کیسے ہوا ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ فلاسفہ کے اس دعویٰ کی دلیل کے تمام مقدمات غلط ہیں اس لئے یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔ پس آسمانوں کا خرق التیام ممکن ہے۔ بلکہ واقع ہوا ہوگا ورنہ قیامت کا انکار لازم آئے گا نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آسمانوں کی وضع اور ساخت اور بناوٹ میں پہلے ہی سے آمد و رفت کے لئے دروازے رکھ دیئے گئے ہوں گے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ یا فرشتوں کی آمد و رفت پر کوئی اشکال نہیں رہا۔ **ومالھامن فروج** یا **ھل ترٰی من فطور** اس سے آسمانوں میں دروازوں کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ اس سے تو آسمانوں کی شکستگی یا خستگی کا انکار کرنا ہے۔

(۴) اور یہ شبہ تو بہت ہی لچر ہے کہ اتنے دور دراز سفر کو آپ ﷺ نے کیسے طے فرما لیا؟ کیونکہ آج کی سائنسی دنیا نے جب کہ میزائل اور راکٹ کے ذریعہ ساری دنیا کا چکر صرف ڈیڑھ گھنٹہ میں اور ۲۴ گھنٹہ میں ساری دنیا کے ۱۶ چکر کرنے کا ریکارڈ قائم کر دیا ہے۔ حالانکہ ابھی تیز رفتاری کی کوئی آخری حد ختم نہیں ہوگئی۔ تو پھر اس اعتراض کی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کیا حقیقت رہ جاتی ہے چنانچہ خیال کی بلند پروازی سب کو معلوم ہے کہ ایک ہی لمحہ میں فرش سے عرش تک پہنچ جاتا ہے نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زمانہ نام ہے فلک الافلاک کی حرکت کا۔ پس ممکن ہے فلک الافلاک کی حرکت ہی روک دی گئی ہو کہ زمانہ میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا۔ چاند، سورج، زمین وغیرہ کی حرکت اتنی دیر کیلئے موقوف کر دی گئی ہو۔ جو چیز جہاں تھی وہیں رہی آفتاب، ماہتاب، ستارے سب اپنی جگہ رہے اور جب آپ ﷺ سیرِ فلک سے فارغ ہوئے تو وہیں سے حرکت شروع ہوگئی جہاں سے موقوف ہوئی تھی۔ اس لئے کسی کو بھی وقت گزرنا معلوم نہ ہوا۔ چاہے آپ کو سیر میں کتنا ہی وقت لگا ہو، مگر دنیا والوں کو سارا قصہ ایک رات سے بھی کم معلوم ہوا۔ اب اگر کوئی آسمان کے لئے یا سورج کے لئے دائمی حرکت کا دعویٰ کرے تو وہ اس کے لزوم کو ثابت کرتا رہے انشاء اللہ ایک دلیل بھی قائم نہیں کر سکے گا۔

(۵) ایک فلسفی اشکال یہ بھی ہے کہ طبقہ ہوا سے اوپر خلا میں کوئی جاندار چیز زندہ نہیں رہ سکتی پھر آپ ﷺ کا ان طبقات سے گزرنا کیسے ہوا؟ جواب یہ ہے کہ کسی جسم کے اس حصہ میں ٹھہرنے کی صورت میں تو اشکال ہو سکتا ہے لیکن اگر تیزی کے ساتھ کسی جسم کو گزار دیا جائے تو پھر مقامی اثرات بہت کم ہوتے ہیں جیسے آگ سے ہاتھ اگر نہایت تیزی کے ساتھ گزار دیا جائے تو ہاتھ پر آنچ تک نہیں آ سکتی۔ یہی حال طبقہ زمہریریہ طبقہ ناریہ اور طبقہ ہوائیہ سے اوپر گزرنے کا ہے۔ واللہ اعلم۔

معراج میں تجلی الٰہی ہوئی یا نہیں: .... علماء کے درمیان یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ آنحضرتؐ نے شب معراج میں ان ظاہری آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے یا نہیں؟ اس میں سلف سے لیکر خلف تک اختلاف ہے ادھر دونوں طرف کی روایتوں کی تاویل کی گنجائش ہے۔ مثلاً: جن روایات سے دیدار الٰہی کا ہونا معلوم ہوتا ہے ان میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے قلبی دیکھنا مراد ہو، یا جن روایات سے انکار معلوم ہوتا ہے ان میں کہا جاسکتا ہے کہ کسی خاص قسم کے دیکھنے کا انکار مقصود ہوگا۔ مثلاً: جنت میں جس قسم کا دیدار خداوندی ہوگا ویسی تجلی نہیں ہوئی۔ پس گویا تجلی ہوئی بھی اور نہیں بھی۔ جیسے کہ بلا چشمہ کے بھی دیکھنا ہوتا ہے۔ مگر چشمہ سے اورزیادہ نظر آتا ہے بہر حال اس بارہ میں توقف کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اس سلسلہ میں بحث کے اختتام پر عارف شیرازی اور مولانا نظامی گنجویؒ کا کچھ کلام نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) کلیمے کہ چرخ فلک طور اوست — ہمہ نورہا پر تو نور اوست
(۲) شبے برنشست ازفلک برگذشت — بتمکین وجاہ ازفلک درگذشت
(۳) چناں گرم ورتیہ قربت براند — کہ درسدرہ جبریلؑ ازو باز ماند
(۴) بدوگفت سالارِ بیت الحرام — کہ اے حامل وحی برتر خرام
(۵) چودر دوستی مخلصم یافتی — عنانم زصحبت چرا تافتی
(۶) بگفتا، فراتر مجالم نماند — بماندم کہ نیروئے بالم نماند
(۷) اگر یک سرِ موئے برتر پرم — فروغ تجلی بسوزو پرم

(۱) شبے کاسماں مجلس افروز کرد — شب ازرروشنی دعویٰ روز کرد
(۲) محمد کہ سلطان ایں مہد بود — زچندیں خلیفہ ولی عہد بود
(۳) سرنافہ دربیت اقصیٰ کشاد — زناف زمین سر باقصیٰ نہاد
(۴) زبند جہاں دادخودر اخلاص — بمعشوقئ عرشیاں گشت خاص
(۵) بنہ بست زیں کوی ہفتا دراہ — بہفتم فلک برزدہ بارگاہ
(۶) دل ازکارِنہ حجرہ پرداختہ — بنہ حجرہ آسماں تاختہ
(۷) براقے شتابندہ زیرش چوبرق — شتامش چو خورشید در نور غرق
(۸) بریشم تنے بلکہ لولو سمے — روندہ چو لولو بر ابریشمے
(۹) ازاں خوش عناں ترکہ آید گماں — وزآں تیزرو ترکہ تیراز کماں
(۱۰) چناں شدکہ از تیزی گام او — سبق بروبر جنبش آرام او
(۱۱) قدم برقیاس نظری گشاد — مگر خود قدم بر نظر می نہاد
(۱۲) ہم اوراہ داں ہم فرس راہوار — زہے شاہ مرکب زہے شہسوار
(۱۳) چوزیں خانقہ عزم دروازہ کرد — بدستش فلک خرقہ راتازہ کرد
(۱۴) بہاروئیش خضرؑ وموسیٰؑ دواں — مسیحا چہ گویم زموکب رواں

(۱۵) پر جبریل از رہش ریختہ سرافیل ازاں صدمہ بگر یختہ
(۱۶) زر فرف گذشتہ بفرسنگہا دراں پردہ بنمودہ آہنگہا
(۱۷) زدروازہ سدرہ تا ساقِ عرش قدم برقدم عصمت افگندہ فرش
(۱۸) زدیوانگہ عرشیاں درگذشت بدرج آمدو درج رادر نوشت
(۱۹) جہت راولایت بپایاں رسید قطعیت پرکارِ دوراں رسید
(۲۰) زمین زادہ برآسماں تاختہ زمین وزماں راپس انداختہ

ترجمہ اشعار:..........

(۱) ایسے کلام کرنے والے کہ چرخ فلک آپ کا طور ہے : تمام نوراُن ہی کے نور کا سایہ ہیں
(۲) ایک رات کو سوار ہوئے تو آسمان سے گزر گئے : عزت ومرتبہ میں فرشتے سے آگے نکل گئے
(۳) نزدیکی کے میدان میں ایسا تیز دوڑایا : کہ سدرۃ المنتہیٰ پر جبریلؑ آپؐ سے پیچھے رہ گئے
(۴) کعبہ کے سردار نے اس سے کہا : کہ اے وحی کے حامل آگے بڑھو
(۵) دوستی میں آپ نے جب مجھے مخلص پایا ہے: تو میری صحبت سے کیوں باگ موڑی
(۶) اس نے کہا آگے جانے کی مجھ میں ہمت نہیں رہی: میں عاجز ہوں اس لئے کہ میرے بازو میں طاقت نہیں رہی
(۷) اگر ایک بال برابر بھی آگے بڑھوں: تو تجلی کی روشنی میرے پر جلادے۔

(۱) ایک رات کہ آسمان نے مجلس آراستہ کی: رات نے روشنی سے دن کا دعویٰ کیا۔
(۲) محمدؐ کہ اس گہوارہ کے بادشاہ تھے: چند خلیفوں کے ولی عہد تھے
(۳) نافہ کا سرا بیت المقدس میں کھولا: ناف زمین یعنی مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے
(۴) دنیا کی قید سے اپنے آپ کو رہائی دی: فرشتوں کی معشوقی میں خاص ہوگئے
(۵) باندھا سامان اپنا اس ستر راستے کی گلی سے (دنیا سے): ساتویں آسمان پر اپنا ڈیرا لگایا
(۶) دل کو نو حجروں (ازواج مطہرات کے حجرے) کے کام سے خالی کیا: آسمان کے نو حجروں کی طرف دوڑے
(۷) ایک براق ان کی ران کے نیچے بجلی کی طرح تیز دوڑنے والا: سامان اس کا آفتاب کی طرح نور میں ڈوبا ہوا۔
(۸) جسم ریشم کی طرح اور کھر موتی کی طرح: تیز دوڑنے والا موتی کی طرح ریشم پر۔
(۹) اس سے زیادہ خوش عنان کہ گمان میں آئے: اس سے زیادہ تیز رفتار جیسا کہ تیر کمان سے
(۱۰) ایسا تیز چلا کہ اس کے قدم کی تیزی سے: اس کا سکون اس کی حرکت پر سبقت لے گیا
(۱۱) قدم حدِ نظر پر رکھتا تھا: شاید اپنا قدم نظر پر رکھتا تھا۔
(۱۲) گھوڑا راستے کا چلنے والا اور وہ راستہ کے جاننے والے: کیا ہی اچھا ہے گھوڑوں کا بادشاہ اور کیا ہی اچھا ہے چابک سوار
(۱۳) جب اس جگہ سے ارادہ آسمان کا کیا: ان کے ہاتھ سے آسمان نے نئی خلعت حاصل کی۔
(۱۴) ان کی نقیبی میں دوڑنے والے یعنی حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ ان کے نقیب تھے: عیسیٰؑ کو کیا بتلاؤں سواری کے پیچھے دوڑنیوالے تھے۔

(۱۵) حضرت جبریلؑ کے پر اس کی راہ سے گرے یعنی تھک گئے اور حضرت اسرافیلؑ بھی وہاں تک نہ پہنچ سکے۔
(۱۶) رفرف سے گزر گئے کوسوں دور: اس پردے میں آوازیں کیں (اللہ پاک سے کلام کیا)،
(۱۷) سدرۃ المنتہٰی کے دروازے سے عرش کے برابر تک: ہر قدم پر پاکی نے فرش بچھا دیا۔
(۱۸) فرشتوں کے مقام سے گزر گئے: مقام درج پر آئے اور اس کو بھی طے کیا۔
(۱۹) جہت کی ولایت کی انتہا کو پہنچا (جہت ختم ہوگئی): انتہا زمانے کی پرکار کو پہنچی۔
(۲۰) زمین پر پیدا ہو کہ آسمان پر پہنچے: زمین اور زمانے کو پیچھے ڈال دیا۔

بنی اسرائیل کی سرکوبی کے واقعات:............ آیت وقضینا الی بنی اسراء یل، میں جن واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ تاریخی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ساتھ مندرجہ ذیل چھ حادثات پیش آئے۔

۱:............ حضرت سلیمانؑ کے انتقال سے کچھ دنوں بعد بیت المقدس کا حاکم بے دین ہوگیا۔ تو اس پر ایک مصری بادشاہ حملہ آور ہوا بہت سامال لوٹ لے گیا البتہ شہر اور بیت المقدس کو نہیں چھیڑا۔

۲:............ اس کے چار سو سال بعد پھر بعضوں کی بے دینی اور آپس کی پھوٹ سے ایک اور مصری بادشاہ حملہ آور ہوا اور اس دفعہ شہر اور مسجد کو بھی نقصان پہنچایا۔

۳:............ پھر اس کے چند سال بعد بخت نصر مشہور بادشاہ بابل نے چڑھائی کردی اور شہر کو فتح کر کے اپنے ساتھ بہت سے قیدی پکڑ لے گیا اور مال و دولت لوٹ لے گیا اور اپنی جگہ یہیں کے شاہی خاندان کے کسی شخص کو اپنا نائب بنا کر چلا گیا۔

۴:............ لیکن یہ نیا بادشاہ بت پرست اور بدکار تھا۔ حضرت یرمیاہ علیہ سلام کی نصائح پر نہیں چلتا تھا بلکہ خود بخت نصر سے بغاوت کر بیٹھا۔ جس کے نتیجے میں بخت نصر کو دوبارہ سخت حملہ کرنا پڑا جس سے سارا شہر مسمار ہوگیا اور مسجد اقصیٰ کو آگ لگا کر ویران کردیا۔ یہ حادثہ گویا بیت المقدس کی تعمیر سے چار سو پندرہ سال بعد پیش آیا اس کے بعد ستر سال تک یہودی بڑی ذلت کے ساتھ بابل میں جا کر رہ پڑے۔ مگر شاہِ بابل کو شاہِ ایران نے مار ڈالا اور خود سلطنت پر قابض ہوگیا لیکن تاہم اس نے یہودیوں پر رحم کر کے پھر ان کے آبائی ملک شام میں پہنچا دیا اور ان کا سامان بھی واپس کردیا چنانچہ شاہِ ایران کی مدد سے پھر یہودیوں نے از سرِ نو شہر پناہ اور مسجد اقصیٰ کو بنا لیا اور نیک چلنی پر قائم رہے۔

۵:............ لیکن پھر کچھ دنوں بعد پرانی شرارتوں پر اتر آئے جس کی وجہ سے ایسے اسباب پیدا ہوگئے کہ حضرت مسیحؑ سے قریباً ایک سو ستر سال پہلے کی بات ہے جب کہ شاہِ انطاکیہ نے بیت المقدس پر حملہ کر کے چالیس ہزار یہودیوں کو قتل اور چالیس ہزار یہودیوں کو قید کردیا اور مسجد کی بڑی بے حرمتی کی لیکن مسجد بچ رہی پھر اس کے بہت دنوں بعد اس بادشاہ کے کسی جانشین نے شہر اور مسجد کو ویران کر کے ڈال دیا۔ پھر اس کے کچھ دنوں بعد وہاں سلاطین روم کی عملداری ہوگئی اور انہوں نے پھر سے مسجد کی مرمت کی۔ جس کے آٹھ سال بعد حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔

۶:............ ان واقعات کے بعد پھر سلاطین روم نے بھی بغاوت کردی اور شہر و مسجد کی پھر وہی ویران حالت کردی۔ یہ زمانہ طیطس نامی رومی بادشاہ کا تھا، جو نہ یہودی تھا اور نہ نصرانی۔ یہ حادثہ حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر تشریف لے جانے سے چالیس برس بعد پیش آیا۔ اس وقت سے لے کر عہد فاروقی تک یہ مسجد ویران ہی پڑی رہی حتی کہ آپ نے تعمیر کرائی تاہم ان چھ واقعات میں سے اس آیت میں جن واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ یقین کے ساتھ ان کی تعین دشوار ہے لیکن واقعات کی اہمیت و تباہی پر اگر نظر ڈالی جائے تو چوتھے

اور چھٹے واقعات پر انگلی رکھی جاسکتی ہے۔

آیت کی دوسری توجیہ: .... اسی کے ساتھ لفظ مــرتیــن سے مراد موسوی اور عیسوی دونوں شریعتوں کی مخالفت بھی ہوسکتی ہے، اگرچہ ہر شریعت کی مخالفت بار بار ہوئی ہو۔ پس اس صورت میں تمام واقعات اور انقلابات اس میں داخل ہو جائیں گے کیونکہ بعض واقعات میں شریعت موسوی کی مخالفت کی سزا ہوئی اور بعض میں عیسوی شریعت کی خلاف ورزی کی سزا ہوئی تھی آگے "ان عــدتــم" میں اسلام کے ساتھ ان کی مخالفانہ سرگرمیوں کی طرف اشارہ ہے۔ اس طرح کلام پورے طور پر مربوط ہو جائے گا اور مقصود کے پیش نظر بہتر یہی ہے کہ واقعات کی تعین نہ کی جائے اور مجمل رکھا جائے کہ جب بھی گناہوں کی کثرت ہو جاتی ہے شامت اعمال سے سزا ہوتی ہے۔ فــی الــکـتــاب میں صرف تورات کی اگر تعین نہ کی جائے بلکہ عام رکھا جائے۔ بنی اسرائیل کی دوسری الہامی کتابوں کو بھی اس میں داخل کرلیا جائے تو پھر یہ شبہ نہیں رہتا کہ یہ مضامین موجودہ تورات میں تو نہیں ہیں اور تورات بھی مراد لی جائے تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اصلی تورات میں یہ مضامین ہوں گے۔ اب تو تحریف ہوگئی ہے۔ اس لئے قرآن کے بیان پر شبہ نہیں رہا، آیت عسـی ربـکـم، میں دو لفظوں کے اندر وہ سب کچھ کہہ دیا جو جزائے عمل کے بارہ میں کہا جاسکتا ہے، یعنی اگر تم پھر انہی شرارتوں کی طرف لوٹے تو ہم بھی لوٹیں گے۔ اگر تم بدعملیوں کی طرف لوٹو گے تو اللہ کا قانون پاداش بھی سزا کی طرف پھر جائے گا۔ جوں ہی تم نے بُرائی کا رُخ کیا، نتائج عمل کا قانون بھی پاداش وعقوبت میں سرگرم ہو گیا "عمل اور نتیجہ دو ایسی لازم وملزوم حقیقتیں ہیں، جو کسی حال میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتیں۔ نتیجہ عمل کا سایہ ہے۔ جہاں عمل آیا اس کا سایہ بھی ساتھ آ گیا۔ تم نے اچھے عمل کی طرف رُخ کیا اور اچھے نتائج بھی تمہارے طرف تکنے لگے۔ تم نے بُرے عمل کی طرف قدم اٹھایا، برے نتائج کے بھی قدم اٹھ گئے۔ اس راہ میں جتنے بڑھتے جاؤ اور جس قدر بھی غور کرو، حقیقت ہر جگہ یہی نظر آئے گا۔ آیت ان ھـٰذا الـقـراٰن۔ میں یہ بتلانا ہے کہ دو مہلتیں ہوچکی ہیں، اب تمہیں تیسری مہلت مل رہی ہے۔ یعنی دعوت حق نے رحمت الٰہی کی بخشائشوں کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اگر انکار وسرکشی سے باز آجاؤ تو تمہارے لئے سعادت وکامرانی ہے۔ باز نہ آؤ گے تو پھر جس طرح دو مرتبہ نتائج عمل کا قانون اپنی عقوبتیں دکھلا چکا، تیسری مرتبہ دکھلائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہودیوں نے جس طرح اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھایا تھا جو حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور نے انہیں دی تھی۔ اسی طرح دعوت اسلام سے فائدہ نہ اٹھایا اور محرومی ونامرادی کی مہر ہمیشہ کے لئے ان کی قسمت پر لگ گئی۔ قرآن نے اپنے جس قدر اوصاف بیان کئے ہیں، ان سب میں جامع ترین وصف یہی ہے۔ زندگی اور سعادت کے ہر گوشہ میں اس کی راہنمائی سیدھی سے سیدھی بات کے لئے ہے۔ کسی طرح کی افراط وتفریط اس کی راہنمائی میں نہیں ہوسکتی۔ آیت ویبشـر الـمـومنین سے معتزلہ استدلال نہیں کرسکتے کیونکہ اجـر اکبیرا سے مراد اگر جنت میں مطلق داخل ہونا لیا جائے تب تو کہا جائے گا کہ اعمال صالحہ جنت میں داخل ہونے کا سبب ہیں شرط نہیں ہیں جو معتزلہ کے لئے مفید ہو لیکن اگر "اجرا کبیرا" سے مراد جنت کے بلند درجات ہوں تو پھر اعمال صالحہ کا ان درجات عالیہ کے لئے شرط کہنا بھی صحیح ہے۔

لطائفِ آیات: .... آیت سبـحــان الـذی سے مقام عبدیت کی جہاں ایک طرف بلندی معلوم ہوتی ہے وہاں دوسری طرف بندہ کی پستی بھی معلوم ہوتی ہے۔ انسان خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جیسے آنحضرت ﷺ مگر رہتا وہ انسان ہی ہے معبود نہیں بن جاتا کہ عیسائیوں کی طرح اس کے لئے صفات الوہیت ثابت کردی جائیں۔ آیت لیلاً مــن الــمـسـجـدالـحـرام آنحضرتؐ کا اتنے دور دراز کے سفر کو اتنی جلدی طے کرنا کئی صورتوں کو محتمل ہے۔

(۱) ایک تو زمانہ اور مکان اپنی جگہ برقرار رکھتے ہوئے آپؐ کو اتنی جلدی سیر کرائی گئی ہو اور ظاہر یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ (۲) دوسرے

یہ کہ زمانہ اپنے حال پر رہے لیکن طے مکانی کرتے ہوئے آپ کو معراج کرائی گئی ہو اور صوفیاء اور بعض فقہاء بطورِ کرامت، طے مکانی کو اولیاء اللہ کے لئے بھی مانتے ہیں۔ (۳) تیسرے یہ کہ مکان تو اپنے حال پر رہے لیکن زمانہ میں پھیلاؤ کر کے اسے وسیع کر دیا گیا ہو اور صوفیاء کے نزدیک اولیاء اللہ کیلئے یہ کرامت بھی تسلیم کی ہے۔ غرض یہ کہ مکان اور زمان دونوں میں نشر و طے دونوں خوارق ممکن ہیں اور صوفیاء ان چاروں صورتوں کو مانتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ''مسائل السلوک'' مصنفہ حضرت تھانویؒ کا یہ مقام قابل ملاحظہ ہے۔ آیت ولیدخلوا المسجد ۔ سے صراحۃً یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض تکوینی مصالح کی وجہ سے شرور اور برائیاں بھی ضروری ہوتی ہیں اور چونکہ کفار کے ذریعہ ان مصالح کو پورا کرایا گیا۔ اس لئے ان کفار کو ''عبادالنا'' فرمایا ہے یعنی وہ ہمارے بندے ہیں۔

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ عَلٰى نَفْسِهٖ وَاَهْلِهٖ اِذَا ضُجِرَ **دُعَآءَهٗ** اَىْ كَدُعَائِهٖ لَهٗ **بِالْخَيْرِ ۚ وَكَانَ الْاِنْسَانُ** الْجِنْسُ **عَجُوْلًا ﴿۱۱﴾** بِالدُّعَاءِ عَلٰى نَفْسِهٖ وَعَدَمِ النَّظَرِ فِىْ عَاقِبَتِهٖ **وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ** دَالَّتَيْنِ عَلٰى قُدْرَتِنَا **فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ** طَمَسْنَا نُوْرَهَا بِالظَّلَامِ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالْاِضَافَةُ لِلْبَيَانِ **وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً** اَىْ مُبْصَرًا فِيْهَا بِالضَّوْءِ **لِّتَبْتَغُوْا** فِيْهِ **فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ** بِالْكَسْبِ **وَلِتَعْلَمُوْا** بِهِمَا **عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ** لِلْاَوْقَاتِ **وَكُلَّ شَيْءٍ** يُحْتَاجُ اِلَيْهِ **فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿۱۲﴾** اَىْ بَيَّنَّاهُ تَبْيِيْنًا **وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰۗىِٕرَهٗ** عَمَلَهٗ يَحْمِلُهٗ **فِيْ عُنُقِهٖ ۭ** خُصَّ بِالذِّكْرِ لِاَنَّ اللُّزُوْمَ فِيْهِ اَشَدُّ وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَامِنْ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ اِلَّا وَفِىْ عُنُقِهٖ وَرَقَةٌ مَكْتُوْبٌ فِيْهَا شَقِىٌّ اَوْسَعِيْدٌ **وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا** مَكْتُوْبًا فِيْهِ عَمَلُهٗ **يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾** صِفَتَانِ لِكِتَابًا وَيُقَالُ لَهٗ **اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾ ۭ** مُحَاسِبًا **مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ** لِاَنَّ ثَوَابَ اِهْتِدَائِهٖ لَهٗ **وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ** لِاَنَّ اِثْمَهٗ عَلَيْهَا **وَلَا تَزِرُ** وَنَفْسٌ **وَازِرَةٌ** اٰثِمَةٌ اَىْ لَاتَحْمِلُ **وِّزْرَ** نَفْسٍ **اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ** اَحَدًا **حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾** يُبَيِّنُ لَهٗ مَايَجِبُ عَلَيْهِ **وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا** مُنَعَّمِيْهَا بِمَعْنٰى رُؤُسَائِهَا بِالطَّاعَةِ عَلٰى لِسَانِ رُسُلِنَا **فَفَسَقُوْا فِيْهَا** خَرَجُوْا عَنْ اَمْرِنَا **فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ** بِالْعَذَابِ **فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾** اَهْلَكْنَاهَا بِاِهْلَاكِ اَهْلِهَا وَتَخْرِيْبِهَا **وَكَمْ** اَىْ كَثِيْرًا **اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ** الْاُمَمِ **مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾** عَالِمًا بِبَوَاطِنِهَا وَظَوَاهِرِهَا وَبِهٖ يَتَعَلَّقُ بِذُنُوْبِ **مَنْ كَانَ يُرِيْدُ** بِعَمَلِهٖ **الْعَاجِلَةَ** اَىِ الدُّنْيَا **عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاۗءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ** التَّعْجِيْلَ لَهٗ بَدَلٌ مِنْ لَهٗ بِاِعَادَةِ الْجَارِ **ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ** فِى الْاٰخِرَةِ **جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا** يَدْخُلُهَا **مَذْمُوْمًا** مَلُوْمًا **مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾** مَطْرُوْدًا عَنِ الرَّحْمَةِ **وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا** عَمَلَ عَمَلِهَا اللَّائِقِ بِهَا **وَهُوَ مُؤْمِنٌ** حَالٌ **فَاُولٰۗىِٕكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾** عِنْدَ اللّٰهِ اَىْ مَقْبُوْلًا مُثَابًا عَلَيْهِ **كُلًّا** مِنَ الْفَرِيْقَيْنِ **نُّمِدُّ** نُعْطِىْ **هٰٓؤُلَاۗءِ وَهٰٓؤُلَاۗءِ** بَدَلٌ

مِنْ مُتَعَلِّقٌ بِنُمِدُّ **عَطَآءِ رَبِّكَ** فِي الدُّنْيَا **وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ** فِيهَا **مَحْظُوْرًا** ﴿۲۰﴾ مَمْنُوعًا عَنْ اَحَدٍ **اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ** فِي الرِّزْقِ وَالْجَاهِ **وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ** اَعْظَمُ **دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا** ﴿۲۱﴾ مِنَ الدُّنْيَا فَيَنْبَغِي الْاِعْتِنَاءُ بِهَا دُوْنَهَا **لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا** ﴿۲۲﴾ لَا نَاصِرَ لَكَ **وَقَضٰى** اَمَرَ **رَبُّكَ اَ** اَيْ بِاَنْ **لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ** اَنْ تُحْسِنُوْا **بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا** بِاَنْ تَبَرُّوْهُمَا **اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ** فَاعِلٌ **اَوْ كِلٰهُمَا** وَفِي قِرَاءَةٍ يَبْلُغَانِ فَاَحَدُهُمَا بَدَلٌ مِنْ اَلِفِهِ **فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ** بِفَتْحِ الْفَاءِ وَكَسْرِهَا مُنَوَّنًا وَغَيْرَ مُنَوَّنٍ مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى تَبًّا وَقُبْحًا **وَّلَا تَنْهَرْهُمَا** تَزْجُرْهُمَا **وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا** ﴿۲۳﴾ جَمِيْلًا لَيِّنًا **وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ** اَلِنْ لَهُمَا جَانِبَكَ الذَّلِيْلَ **مِنَ الرَّحْمَةِ** اَيْ لِرِقَّتِكَ عَلَيْهِمَا **وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا** رَحِمَانِي حِيْنَ **رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا** ﴿۲۴﴾ **رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ** مِنْ اِضْمَارِ الْبِرِّ وَالْعُقُوْقِ **اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ** طَائِعِيْنَ لِلّٰهِ تَعَالٰى **فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ** الرَّجَّاعِيْنَ اِلٰى طَاعَتِهٖ **غَفُوْرًا** ﴿۲۵﴾ لِمَا صَدَرَ مِنْهُمْ فِي حَقِّ الْوَالِدَيْنِ مِنْ بَادِرَةٍ وَهُمْ لَا يُضْمِرُوْنَ عُقُوْقًا **وَاٰتِ** اَعْطِ **ذَا الْقُرْبٰى** اَلْقَرَابَةِ **حَقَّهٗ** مِنَ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ **وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا** ﴿۲۶﴾ بِالْاِنْفَاقِ فِي غَيْرِ طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى **اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ** اَيْ عَلٰى طَرِيْقَتِهِمْ **وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا** ﴿۲۷﴾ شَدِيْدًا لِكُفْرِ لِنِعَمِهٖ فَكَذٰلِكَ اَخُوْهُ الْمُبَذِّرُ **وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ** اَيِ الْمَذْكُوْرِيْنَ مِنْ ذِي الْقُرْبٰى وَمَا بَعْدَهٗ فَلَمْ تُعْطِهِمْ **ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا** اَيْ لِطَلَبِ رِزْقٍ تَنْتَظِرُهٗ يَاْتِيْكَ فَتُعْطِيْهِمْ مِنْهُ **فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا** ﴿۲۸﴾ لَيِّنًا سَهْلًا بِاَنْ تَعِدَهُمْ بِالْاِعْطَاءِ عِنْدَ مَجِيْءِ الرِّزْقِ **وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ** اَيْ لَا تُمْسِكْهَا عَنِ الْاِنْفَاقِ كُلَّ الْمَسْكِ **وَلَا تَبْسُطْهَا** فِي الْاِنْفَاقِ **كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا** رَاجِعٌ لِلْاَوَّلِ **مَّحْسُوْرًا** ﴿۲۹﴾ مُنْقَطِعًا لَا شَيْءَ عِنْدَكَ رَاجِعٌ لِلثَّانِيْ **اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ** يُوَسِّعُهٗ **لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ** يُضَيِّقُهٗ لِمَنْ يَّشَآءُ **اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا** ﴿۳۰﴾ عَالِمًا بِبَوَاطِنِهِمْ وَظَوَاهِرِهِمْ فَرَزَقَهُمْ عَلٰى حَسْبِ مَصَالِحِهِمْ

ترجمہ: .... اور اسی طرح انسان (اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے بے قراری کے وقت) برائی کی دعا مانگتا ہے (جیسے اس کی دعا) اپنی بھلائی کے لئے ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی جلد باز ہے۔ (بددعا کرنے اور انجام نہ سوچنے میں) اور ہم نے رات اور دن دونوں کو الگ نشانیاں بنایا ہے (جو ہماری قدرت پر دلالت کر رہی ہے) سو، رات کی نشانی کو ہم نے دھندلا کر دیا۔ (رات کی روشنی، اندھیرے کی وجہ سے ماند کر دی، تمہارے آرام کی خاطر، اس میں اضافت بیانیہ ہے) اور دن کی نشانی کو روشن بنایا (یعنی روشنی کی وجہ سے دن میں نظر آجاتا ہے) تاکہ اپنے پروردگار کی روزی (کمائی کے ذریعہ) تلاش کرو، نیز (دن رات کے ذریعہ) برسوں کی گنتی

اور (وقتوں کا) حساب معلوم کرلو، اور ہم نے ہر (ضروری) چیز کوخوب تفصیل کے ساتھ (الگ الگ کھول کھول کر) بیان کر دیا ہے اور ہم نے ہر انسان کا عمل اس کے گلے کا ہار کر رکھا ہے (گلے کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ اس میں زیادہ پابندی ہوجاتی ہے اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو اس کا سعید یا شقی ہونا لکھ کر اس کے گلے میں ڈال دیا جاتا ہے) اور قیامت کے دن ہم اس کا نامہ اعمال نکال کر اس کے سامنے پیش کر دیں گے (جس میں اس کا کیا ہوا سب کچھ لکھا ہوگا) جسے وہ اپنے سامنے کھلا ہوا دیکھ لے گا۔ (یہ دونوں لفظ کتاب کی صفت ہیں، اس شخص سے کہا جائے گا) اپنا نامہ اعمال پڑھ لے آج تو خود ہی اپنا آپ محاسب کافی ہے۔ جو شخص سیدھے رستہ پر چلا تو اپنے ہی لئے ہی چلا (کیونکہ راہ راست پر چلنے کا ثواب خود اسے ملے گا) اور جو شخص بھٹک گیا تو بھٹکنے کا خمیازہ بھی اسے ہی بھگتنا پڑے گا (کیونکہ گناہ کا وبال اس پر ہوگا) کوئی بوجھ اٹھانیوالا (گنہگار) کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ اور ہم کبھی (کسی کو) سزا نہیں دیتے، جب تک ہم کسی رسول کونہیں بھیج لیتے (جو ان کو تمام ضروریات بتلا دیتا ہے) اور جب ہمیں کسی بستی کو برباد کرنا منظور ہوتا ہے تو ہم خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں۔ (پیغمبروں کے ذریعہ رئیسوں اور امیروں کو دعوت دیتے ہیں) لیکن پھر وہ نافرمانی کرنے لگتے ہیں (ہماری حکم عدولی کرتے ہیں) تب ان پر (عذاب کی) حجت تمام ہوجاتی ہے۔ چنانچہ ہم اس بستی کو تباہ اور غارت کر ڈالتے ہیں (بستی والے جب برباد ہوجاتے ہیں، تو بستی بھی اجاڑ ہوجاتی ہے) اور نوحؑ کے بعد قوموں کے کتنے ہی دور گزر چکے ہیں۔ جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا ہے اور اپنے بندوں کے گناہوں کے لئے آپ کے پروردگار کا باخبر اور واقف ہونا کافی ہے (یعنی چھپے اور کھلے سب گناہ وہ جانتا ہے اور بذنوب کا تعلق خبیرا کے ساتھ ہے) جو اپنے (عمل سے) فوری فائدہ (دنیا کا) چاہتا ہے تو جس کسی کو، جتنا ہم دینا چاہیں اسی دنیا میں دے ڈالتے ہیں (لمن نریه) بدل ہے له سے حرف جرلوٹا کر) پھر آخر کار ہم اس کے لئے جہنم تجویز کریں گے وہ اس میں بدحال (پھٹکار برستا ہوا) راندہ (رحمت سے دور) ہوکر داخل ہوگا۔ لیکن جو کوئی آخرت کا طالب اور اس کے لئے (جیسے کوشش کرنی چاہئے) ویسی کوشش کرے گا۔ بشرطیکہ وہ ایمان بھی رکھتا ہو (یہ حال ہے) تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کی کہ کوشش مقبول ہوگی (اللہ میاں کے یہاں قبولیت اور ثواب سے نوازے جائیں گے) ہم دونوں جماعتوں میں سے) ہر فریق کو (دنیا میں) اپنی پروردگار کی بخشائشوں میں سے مدد دیتے ہیں (من کا تعلق نمد سے ہیں) ان کو بھی اور اُن کو بھی اور آپ کے پروردگا کی بخشش عام کسی پر بند نہیں ہے۔ دیکھو ہم نے کس طرح بعض لوگوں کو بعض لوگوں پر برتری دیدی ہے (رزق اور مرتبہ میں) اور حقیقت یہ ہے کہ آخرت کے درجے بڑھ کر اور برتر ہیں (بہ نسبت دنیا کے اس لئے آخرت ہی کی طرف توجہ ہونی چاہئے نہ کہ دنیا کی طرف) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ، ورنہ بدحال بے یارومددگار ہوکر بیٹھ رہوگے (کہ کوئی تمہاری بات پوچھنے والا نہ ہوگا) اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو اور (یہ کہ احسان کرو) اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کے ساتھ پیش آؤ (اچھا سلوک کرو) اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک (یہ فاعل ہے) یا دونوں (ایک قرأت میں لفظ یبلغان ہے۔ پس لفظ احدهما الف سے بدل ہوجائے گا) تمہاری موجودگی میں بڑھاپے کی عمر تک پہنچ جائیں تو ان کی کسی بات پر اُف تک بھی نہ کرو (فا کے فتح اور کسرہ کے ساتھ تنوین اور بغیر تنوین کے سب طرح ہوسکتا ہے مصدر ہے یعنی کبھی تم انہیں ہاں سے ہوں بھی نہ کرو اور نہ انہیں جھڑکو (ڈانٹو) اور ان سے خوب ادب و آداب (خوش اسلوبی) کے بات کرو اور ان کے آگے عاجزی سے جھکے رہنا (ان کے سامنے سر نیاز جھکائے رہنا) مہربانی سے (یعنی ان سے محبت کا برتاؤ کرنا) اور ان کے حق میں دعا کرتے رہنا کہ پروردگار! جس طرح انہوں نے مجھ پر رحم کھایا، کہ بچپن میں پالا پوسا اور بڑا کیا۔ اسی طرح آپ بھی ان دونوں پر رحم فرمائیے۔ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے جی میں ہوتا ہے (صلہ رحمی کرنا یا بدسلوکی کرنا) اگر تم نیک (اللہ کے فرمانبردار) ہوئے تو اللہ توبہ کرنیوالوں (اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں) کی خطا معاف فرما دیتا ہے (جو کچھ جلدی میں ماں باپ کی حق تلفی ہوجاتی ہے۔ حالانکہ دل میں کسی نافرمانی کا جذبہ نہیں تھا) اور قرابت دار کو اس کا حق (یعنی حسن سلوک اور صلہ رحمی کرکے) دیتے رہنا اور محتاج اور مسافر کو بھی دیتے رہنا اور روپیہ پیسہ بے موقعہ مت اڑانا (کہ اللہ کی مرضی کیخلاف بے محل خرچ کر ڈالو) بلاشبہ بے موقع خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی بند ہیں (یعنی ان کے طریقہ پر ہیں) اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا

ناشکرا ہے (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کھلے بندوں انکار کرنے والا ہے۔ یہی حال ان فضول خرچ شیطان کے بھائی بندوں کا ہے) اور اگر آپ کو پہلوتہی کرنی پڑ جائے (ان رشتہ داروں سے اور محتاج اور مسافروں سے اور ان کو تم نہ دے سکو) اپنے پروردگار کی طرف سے رزق آنے کی امید میں۔ جس کی تم راہ دیکھ رہے ہو (یعنی اس انتظار میں ہو کہ تمہارے پاس کہیں سے کچھ آ جائے تو تم انہیں دے ڈالو) تو انہیں نرمی سے سمجھا دو (یعنی نرمی سے انہیں کہہ دو کہ جب آئے گا تو تمہیں ضرور دے دیا جائے گا) اور اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکیڑ لو کہ گردن ہی میں بندھ جائے (یعنی پوری بخیلی پر کمر باندھ لو) اور نہ بالکل ہی پھیلا دو، ورنہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہر طرف سے ملامت پڑے گی (یہ تو پہلی صورت کی خرابی ہوگی) اور خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ رہو گے (بالکل تہی دست کہ ایک پھوٹی کوڑی بھی تمہارے پاس نہیں رہے گی۔ یہ دوسری صورت کا نتیجہ نکلے گا) تمہارا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے نپی تلی (تنگ) کر دیتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا، دیکھتا ہے۔ (ظاہر و باطن سے خوب واقف ہے، جتنی مناسب سمجھتا ہے روزی دیتا ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... **فمحونا**۔ اس میں دو حکمتوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک تو دن اور رات کا اس طرح بنانا کہ مستقل طور پر قدرت الٰہی کی یہ دو نشانیاں ہیں۔ دوسرے رات کو سکون وراحت کے پیش نظر تاریک بنانا اور دن کو روزی کی جستجو کے لئے روشن بنانا اور رات کی نشانی کے محو کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ اول اسے روشن بنا کر پھر اسے ماند کیا جاتا ہے۔ بلکہ پیدائشی طور پر فی نفسہ دن کے مقابلہ میں رات کو ماند پیدا کیا ہے اور بعض نے دن ورات کی نشانیوں سے مراد چاند سورج لئے ہیں، کہ اول دوسرے کے مقابلہ میں ماند ہوتا ہے۔ **طائره فی عنقه**۔ یعنی تقدیر الٰہی نے ہر شخص کے لئے جس قدر علم، عقل، رزق، عمر، سعادت، شقاوت مقدر کر دی ہے۔ انسان اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ بطور کنایہ کہا گیا ہے۔ ابن عباسؓ کی رائے بھی یہی ہے کہ اسباب خیر وشر کو طائر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت میں لوگ پرندوں سے نیک فالی اور بد فالی حاصل کرتے تھے جس کی ممانعت حدیث **لا طیرة و لا هامة** میں کی گئی ہے۔ **لا تزر**۔ بظاہر یہ آیت، حدیث **من سن سنة حسنة** کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ گمراہ ہونے کا ذمہ دار تو گمراہ ہونے والا ہوگا اور گمراہ کرنے کا ذمہ دار گمراہ کرنے والا ہوگا۔ غرض یہ کہ دونوں اپنے اپنے عمل کے لئے جواب دہ ہوں گے۔ ایک دوسرے کے عمل میں نہیں پکڑا جائے گا۔ اس لئے آیت وحدیث میں تعارض نہیں۔ رہا **حتی نبعث** اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کے بغیر کوئی حکم واجب نہیں لیکن جو اس کے قائل ہیں وہ اس کو دنیوی سزا پر محمول کرتے ہیں۔ **وقضی** یہاں سے قریباً ۲۵ اصلی اور فرعی احکام ذکر کئے جا رہے ہیں۔ سب سے پہلے توحید سے شروع کیا گیا ہے۔ **فلا تقل لهما اف** مقصد یہ ہے کہ کوئی تکلیف دہ کلمہ ان کی شان میں نہ کہا جائے خواہ یہ ہو یا دوسرا کوئی لفظ لیکن اگر کسی زبان میں اف کے معنی اچھے ہوں تو پھر اس کی ممانعت نہیں ہوگی۔ امام غزالیؒ اکثر علماء کی رائے نقل کرتے ہیں کہ شبہات کے مواقع میں بھی والدین کی اطاعت ضروری ہے۔ البتہ حرام کاموں میں ان کی اطاعت نہیں کیونکہ شبہات سے بچنا ایک تقویٰ کی بات ہے لیکن والدین کو راضی رکھنا واجب ہے اس لئے اسی کو ترجیح ہوگی۔ البتہ اگر دونوں کی خوشنودی حاصل کرنا کسی وجہ سے دشوار ہو جائے تو پھر تعلیم اور احترام سے متعلق باتوں میں والد کی خوشنودی کو مقدم سمجھا جائے گا اور مالی اور بدنی خدمت کے لحاظ سے والدہ کو ترجیح دی جائے گی۔ چنانچہ اگر دونوں اولاد کے پاس آئیں تو والد کے لئے احتراماً کھڑا ہو جانا چاہئے۔ اور اگر دونوں کچھ مانگیں تو والدہ کو مقدم سمجھنا چاہئے۔ چنانچہ فقہاءؒ فرماتے ہیں کہ اولاد کے پاس اگر صرف اتنا ہو کہ وہ والدین میں سے ایک کی خدمت کر سکتا ہے تو چونکہ ماں نے زیادہ محنت وتعب اٹھایا ہے اور محبت وشفقت زیادہ کی ہے، اسی لئے اس کا زیادہ حق ہے۔ **واخفض** اس میں استعارہ مکینہ یا مصرحہ اور ترشیحیہ ہو سکتا ہے۔ **وات ذا القربیٰ** امام اعظمؒ کے نزدیک یہ حکم وجوبی ہے۔ مالدار شخص پر اپنے بھائی بہن کی خبر گیری بھی واجب ہے لیکن دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے۔ یعنی صرف اصول وفروع کے ساتھ حسن سلوک ضروری ہے

اور دوسرں کے ساتھ مستحسن ہے۔ لاتبذر بے موقع خرچ کرنے کو تبذیر اور حد سے زیادہ خرچ کرنے کو اسراف کہتے ہیں۔ راجع للاول۔ یعنی بخل کا انجام ہر طرف ملامت ہوگی۔ اسی طرح راجع الی الثانی کا مطلب یہ ہے کہ اسراف کا نتیجہ تہی دست ہو جانا ہے۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات میں توحید و رسالت اور قرآن کی حقانیت کا بیان تھا اور کفار کے لئے مستحق عذاب ہونا بتلایا تھا۔ لیکن کفار یہ کہتے تھے کہ اگر یہ باتیں حق ہیں تو ان کے انکار پر دنیا ہی میں ہم پر عذاب کیوں نہیں آ جاتا؟ آیت ویدع الانسان میں اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ جس طرح دن رات اپنے اپنے وقت پر آتے جاتے ہیں اسی طرح عذاب بھی مقررہ وقت پر آ کر رہے گا۔ نیز وجعلنا الیل کا تعلق توحید سے بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کل شیء فصلناہ سے قرآن کی تعریف مراد ہے اور اگر لوح محفوظ مراد ہو تو پھر یہ بتلانا مقصود ہے کہ جس طرح حساب کتاب لوح محفوظ میں درج ہے اسی طرح یہ ٹھیک اپنے مقررہ وقت پر واقع ہوں گے۔ اس کے بعد آیت واذا اردنـــــا سے یہ بتلانا ہے کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد ان کی اطاعت نہ کرنے سے عذاب الٰہی آتا ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کی اطاعت نہ کرنے سے تم بھی مستحق عذاب ہو گے، مقررہ وقت کا انتظار ہو رہا ہے۔ پس اس طرح اس آیت کا تعلق وما کنا معذبین سے بھی ہو گیا اور ویدع الانسان سے بھی آگے آیت من کان یرید سے کفار کے دوسرے شبہ کا جواب ہے کہ ان کے بعض کام اگر بقول مسلمانوں کے باعث عذاب بھی ہوں تب بھی ان کی مہمانداری، مظلوم کی حمایت و ہمدردی اور ضرورت مندوں کی امداد وغیرہ بھلے کاموں کی نجات ہو جائے گی؟ حاصل جواب یہ ہے کہ دو حال سے خالی نہیں۔ ان کاموں سے یا دنیا مقصود ہو گی تب تو یہ کفار من کان یرید العاجلۃ میں داخل ہیں اور اگر بالفرض آخرت ہی مقصود ہو تو ایمان کی قید اور شرط ہے جو کفار میں نہیں پائی جاتی۔ پس بہر صورت کفار مستحق نجات ہونے کے بجائے مستوجب عذاب ہیں۔ اس کے بعد آیت وقــضــی ربک سے تقریباً ۲۵ احکام کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے لیکن چونکہ بلا ایمان و توحید کوئی عمل بھی معتبر و مقبول نہیں۔ اس لئے توحید کو پہلے ذکر کیا اور توحید ہی پر اس مضمون کو ختم کیا ہے۔ دوسرا حکم وبالوالدین میں والدین کے حقوق کی ادائیگی سے متعلق ہے۔ تیسرا حکم آیت ذی القربیٰ میں دوسرے قرابت داروں سے متعلق ہے اور چوتھا حکم لاتبذر میں فضول خرچی کی ممانعت کا ہے اور پانچواں حکم اماتعرضن میں مجبوری کے وقت معقول عذر کر دینے کا ہے اور چھٹا حکم ولاتجعل میں خرچ اخراجات کی میانہ روی سے متعلق ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **انسان بھلائی برائی میں امتیاز نہیں کرتا:** .... آیت ویدع الانسان میں انسان کی اس کمزوری کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ وہ خیر و شر بھلائی برائی میں امتیاز نہیں کرتا اور بسا اوقات برائی کا اس طرح خواہاں ہو جاتا ہے۔ جس طرح بہترائی کا خواستگار ہونا چاہئے۔ یہ حالت اسے اس لئے پیش آتی ہے کہ اس کی طبیعت میں جلد بازی ہے وہ اپنی خواہشوں کو فوراً پورا کرنا چاہتا ہے۔ ایک لمحہ کے لئے صبر و انتظار نہیں کرنا چاہتا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اچھائی کی طلب گاری کرتے ہوئے برائیوں کا طلب گار ہو جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ اس کی طلب گاری اُسے برائی کی طرف لے جا رہی ہے پس معلوم ہوا کہ اسے ایک راہنما کی ضرورت ہے جو خیر و شر میں امتیاز سکھلائے اور خواہشوں کی ٹھوکروں سے اس کی حفاظت کرے۔ یہی راہنمائی ہدایت وحی کی راہنمائی ہوئی اور اسی لئے انسان کسی ایسی راہنمائی کا بالطبع محتاج ہوا۔ اس کے بعد آیت وجــعــلــنــا میں اس طرف اشارہ ہے کہ دیکھو کس طرح ربوبیت الٰہی نے تمہاری ہدایت کا فطری سامان کر دیا ہے اور کس طرح کارخانۂ ہستی کا ہر معاملہ تمہاری کار برآریوں کا ذریعہ ہے اور جب ربوبیت الٰہی کی یہ کارفرمائیاں شب و روز دیکھ رہے ہو تو اس سے تمہیں کیوں انکار ہے۔ اگر وہ وحی و نبوت کے ذریعہ تمہاری ہدایت کا مزید سامان کر دے؟ اسی کے ساتھ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دن و رات کی حکمت، حساب ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ تلاش روزی بھی اس کی حکمت ہے اور

نخرج اس لئے فرمایا کہ عالم غیب میں نامۂ اعمال فرشتوں کے ہاتھوں میں محفوظ تھا۔ گویا ان کے پاس سے اعمال نامے برآمد کئے جائیں گے اور قتادہؒ فرماتے ہیں کہ بے پڑھے لکھے آدمی بھی قیامت میں اپنے اعمال نامے پڑھ لیں گے۔

بھلائی برائی نتیجۂ اعمال ہے: .... آیت وکل انسان سے یہ حقیقت واضح کرنی ہے کہ انسان اپنے اعمال کے نتائج سے بندھا ہوا ہے اور جو برائی بھی اسے پیش آتی ہے خود اسی کے اعمال کی پیداوار ہے اور آیت وما کنا معذبین سے بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ جن قوموں تک رسولوں کے آنے کی اطلاع نہیں پہنچی وہ گناہ اور کفر کی وجہ سے مبتلائے عذاب نہیں ہونگے اسی طرح اس آیت سے بعض لوگ یہ سمجھے ہیں کہ جن عقائد اور اعمال کی برائی عقل سے معلوم ہوسکتی ہے اور کسی سبب سے اسے جاننے کی تحریک بھی ہوگئی ہو۔ بلکہ جاننے اور غور کرنے کا موقع بھی مل گیا ہو اب خواہ غور وتامل نہ کرنے کی وجہ سے انہیں نہ جانا ہو یا جان بوجھ کر پھر ایسے عقائد واعمال کو اختیار کیا ہو ان کو عذاب ہوگا۔ کیونکہ یہ سب صورتیں نبی آنے کے قائم ومقام ہیں نبی کے آنے کا جو فائدہ ہوسکتا ہے وہ اس صورت میں بھی پورا ہورہا ہے۔ پس گویا آیت کا حاصل یہ ہوگا۔ ما کنا معذبین حتی ننبهه بالنقل او بالعقل۔

امراء کی کثرت تباہی کا پیش خیمہ ہوتی ہے: .... بعض حضرات نے امرنا مترفیها کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ کسی بستی کو جب ہم برباد کرنا چاہتے ہیں تو ہم وہاں کے امراء کو تعداد اور سامان میں بڑھا دیتے ہیں حتی کہ اس استدراجی حالت میں جب وہ پورے طور پر منہمک اور غافل ہوجاتے ہیں تو انہیں تباہی آگھیرتی ہے۔ غرض یہ کہ ان دونوں تفسیروں کا حاصل یہ نکلا کہ تباہی اور ہلاکت سے پہلے استدراجی صورت یا پیغمبر کی تشریف آوری ہوتی ہے اور دوسرے عام تکوینی واقعات کی طرح کسی قوم کے قابل ہلاکت ہونے کی حکمت کا متعین اور معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔

اس لئے اب یہ شبہ نہیں رہا کہ انبیاءؑ کے آنے سے پہلے اگر وہ لوگ قابل عذاب نہیں تھے۔ تو گویا انہیں ہلاک کرنیکی خاطر یہ حیلہ نکالا جو بظاہر شان رحمت کے خلاف ہے اور اگر پہلے ہی سے ہلاکت کے قابل تھے تو پہلی تفسیر پر پیغمبر کے آئے بغیر ان کا ہلاک ہونا لازم آتا ہے کیونکہ جواب دیا جائے گا کہ ہم دوسری شق اختیار کر کے کہتے ہیں۔ حکمت الٰہی سے ہی ان کی تباہی مناسب تھی۔ مگر ان کی تباہی کا واقع ہونا انبیاءؑ کے آنے پر موقوف رکھا گیا، کہ ان کی نافرمانی کرنے پر اس تباہی کا تحقق ہوجائے گا پس گویا ان کی تباہی کا باعث خود ان کی حرکتیں ہوئیں نہ کہ محض ارادہ الٰہی۔ اذا اردنا میں شرط وجزاء کے ظاہری ربط سے جو ہلاکت وتباہی کے مقصود بالذات ہونے کا شبہ ہوتا وہ بھی اس تقریر سے دور ہوگیا اور مالداروں کی تخصیص کی دووجہ ہوسکتی ہیں۔ ایک تو ان کے ذی اثر ہونے کی وجہ سے ان کی اچھائی اور برائی دوسروں پر زیادہ اثر انداز ہوسکتی ہے۔ دوسرے غفلت کے پردے بھی انہیں کی نگاہوں پر زیادہ پڑے رہتے ہیں۔

انسان دوطرح کے ہیں: .... آیت من کان یرید میں بتلایا جارہا ہے کہ نتائج عمل کے لحاظ سے انسان دوحصوں میں بٹ گیا ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جس کی ساری طلب دنیا کی چندروزہ زندگی ہی کے لئے ہے۔ دوسرا وہ ہے جو یقین رکھتا ہے کہ اس دنیاوی زندگی کے بعد بھی ایک زندگی ہے اور اس لئے اس دوسری زندگی کی سعادت کا بھی طالب ہے۔ جہاں تک دنیا کی زندگی کا تعلق ہے، ہمارا قانون یہ ہے کہ دونوں کے آگے یکساں طریقہ پر دنیوی نتائج کا دروازہ کھول دیا جائے۔ چنانچہ سب ہی کو کارخانہ ربوبیت کا فیضان مل رہا ہے۔ انہیں بھی جو صرف دنیا کے ہورہے اور انہیں بھی جو آخرت کے بھی طلب گار ہوئے لیکن جہاں تک اخروی سعادت کا تعلق ہے پہلے کے لئے محرومیاں ہوں گی، دوسرے کے لئے کامرانیاں۔ آیت ومن اراد الاخرة میں یہ حقیقت واضح کی جارہی ہے، کہ آخری سعادت کی شرائط کیا ہیں؟ فرمایا: دوشرطیں ہیں۔ اول یہ کہ سعادت اخروی کے لئے کوشش کرے لیکن جو کوشش اس کے لئے صحیح ہوسکتی ہے یعنی جو اللہ

کی وحی نے بتلادی ہے۔ دوسری یہ کہ اللہ پراوراس کی صداقتوں پرایمان ہو۔اس کے بغیر آخرت کی بہترین سعادت کیسے حاصل ہوسکتی ہے۔آیت **لاتجعل** سے سلسلہ بیان اوامرونواہی کی طرف متوجہ ہوا ہے۔اور یہ واضح کرنا ہے کہ آخرت کے طلب گاروں کے اعمال کیسے ہونے چاہئیں۔سب سے پہلے توحیدِعبادت کی تلقین ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو کیونکہ توحید خالقیت کا اعتقادتو تمام پیروان مذاہب میں موجودتھا مگرتوحیدعبادت کی حقیقت مفقود ہوگئی تھی۔

ماں باپ کے حقوق:............ پھروالدین کی حقوق پرتوجہ دلائی کیونکہ والدین کی ربوبیت، ربوبیت الٰہی کا پرتو ہے۔اس لئے عبودیت الٰہی کے بعدسب سے پہلے جوعمل قابل تعریف ہوسکتا ہےوہ یہی ہے کہ والدین کے حقوق خدمت سے غافل نہ ہو،والدین کی خدمت واطاعت کااصلی وقت ان کے بڑھاپے کاوقت ہوتا ہے کیونکہ بڑھاپے کی کمزوریاں انہیں دوسروں کی خدمت واطاعت کامحتاج بنادیتی ہیں اوراولاد اپنی جوانی کی امنگوں اورعیش پرستیوں میں اس کی بہت کم مہلت پاتی ہے کہ اپنے محتاج اورمعذور ماں باپ کی خبرگیری کرے۔ پس یہاں سب سے زیادہ زوراسی بات پردیا۔ کیونکہ جواولاد اپنے بوڑھے ماں باپ کی خدمت واطاعت میں کوتاہی نہیں کرے گی وہ دوسرے وقتوں میں کب کوتاہی گوارا کرسکتی ہے۔انسان کی ضرورت اورمحتاجی کے دوہی وقت ہوتے ہیں۔بچپن اوربچپن کا وقت۔بچپن میں خود ماں باپ نے تمہاری خدمت کی تھی اب ان کے بچپن میں اولادکوکرنی چاہئے۔

قرابتداروں کے حقوق:............ ماں باپ کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے قرابتداروں اورمحتاجوں کی خبرگیری کاحکم دیا گیا ہے۔ بعض حضرات نے آیت **وات ذا القربی** کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کوباغ فدک اس آیت کے نازل ہونے پرمرحمت فرمایا تھا۔جس سے معلوم ہو کہ فدک حضرت فاطمہؓ کا تھا۔اس روایت کواگرصحیح تسلیم کرلیا جائے توجواب یہ ہے کہ کیا آپ نے بطورعاریہ مرحمت فرمایا تھایابرسبیل ہبہ؟اگرپہلی صورت تھی توپھراہل سنت اورروافض کے درمیان جس مسئلہ میں کلام ہورہا ہے اس میں کیسے استدلال ہوسکتا ہے اوراگردوسری صورت تھی توپھرحضرت فاطمہؓ نے میراث کادعوٰی کیوں کیا؟ استدلال میں اس آیت کوپیش کرنا چاہئے تھا۔ پھرفرمایا جولوگ **تبذیر** کرتے ہیں۔یعنی خداتعالیٰ کی دی ہوئی دولت بےموقعہ اوربےمحل خرچ کرڈالتے ہیں۔مثلاً محض اپنے نفس کی عیش پرستیوں میں اڑادیں تووہ شیطان کے بھائی بندوں میں سے ہیں کیوں کہ شیطان کی راہ کفران کی راہ ہےاورانہوں نے بھی کفرانِ نعمت کی راہ اختیار کی ہے۔مال ودولت کے بےجا استعمال کی دوہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ایک یہ کہ آدمی نہ تو اپنے اوپرخرچ کرے نہ دوسروں پر۔محض جمع کرکے رکھے۔دوسری صورت یہ ہے کہ صرف اپنے اوپرخرچ کرے دوسروں پرخرچ نہ کرے۔پہلی صورت خزانہ جمع کرنے کی ہے۔جسے اکتناز کہنا چاہئے۔دوسری صورت اسراف اور**تبذیر** کی ہے۔قرآن نے دونوں صورتوں کوگناہ قرار دیا ہےاوردونوں سے روکا ہے۔

اسراف وتبذیر کافرق:............ اسراف اورتبذیر کاحاصل ایک ہی ہے۔یعنی گناہ میں خرچ کرنا اب خواہ وہ اصلی گناہ ہو۔جیسے شراب اورجوااورزناوغیرہ۔یابالواسطہ گناہ ہو،جیسے شہرت وفخر کی نیت سے خرچ کرنا کہ فی نفسہ توخرچ کرنا جائز ہےمگرتفاخر کی نیت سے ناجائز ہوگیااوربعض نے یہ فرق کیا ہے کہ اسراف کہتے ہیں حد سے زیادہ خرچ کرنے کو۔مثلاً: ایک روپیہ کی بجائے دوروپے خرچ کرڈالنااورتبذیر کہتے ہیں بےموقعہ وبےمحل خرچ کرنے کو۔اورحق میں جس طرح حق مالی داخل ہےاسی طرح حسن معاشرت بھی داخل ہے۔یعنی قرابتداروں کی مالی اورغیرمالی ہرطرح کی مدد کرواورابلیس چونکہ ایک ہےاس لئے شیطان خودلایا گیالیکن چونکہ شیاطین کے افرادبہت سے ہیں اس لئے جمع کےصیغہ سےبھی ذکر کیا ہے۔

میانہ روی: .... آیت ولا تجعل یدک نہایت جامع ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ مال ودولت خرچ کرنے میں اور ہر بات میں اعتدال کا راستہ اختیار کرو کسی ایک ہی طرف کو جھک نہ پڑو۔ مثلاً: خرچ کرنے پر آئے تو سب کچھ اڑا دیا۔ احتیاط کرنی چاہی تو اتنی کہ کنجوسی پر اتر آئے۔ دراصل تمام محاسن وفضائل کی بنیادی حقیقت میانہ روی اور اعتدال ہی ہے اور جتنی برائیاں پیدا ہوتی ہیں وہ افراط وتفریط سے پیدا ہوتی ہیں۔

لطائف آیات: .... آیت ویدع الانسان میں بعض آداب دعا کی طرف اشارہ ہے کہ مطلقاً دعا میں جلدی نہ کرے۔ بالخصوص بددعا کرنے میں خاص کر دوسروں کے لئے بددعا کرنے میں اور وہ بھی جب کہ انتقامی ارادہ سے ہو۔ آیت واذا اردنا میں اشارہ ہے کہ جب کسی سالک راہ کے قلب کو خراب کرنا منظور ہوتا ہے تو اس پر نفس وشیطان کے لشکر مسلّط کر دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے وہ خواہشات کے اتباع سے خراب ہو جاتا ہے۔ آیت ومن ارادالاخرۃ سے معلوم ہوا کہ آخرت کے لائق وہی سعی معتبر ہوگی جس میں شریعت کی موافقت اور استقامت ہو۔ آیت کلانمد سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی وسعت قبولیت کی علامت نہیں ہے۔ نیز اس میں اکابر کی اس عادت کی بھی اصل نکلتی ہے کہ وہ صرف مسلمانوں ہی کو نفع نہیں پہنچاتے بلکہ اخلاقِ الٰہی کی اتباع کرتے ہوئے عام انسانوں کی فلاح وبہبود کی کوشش کرتے ہیں۔ ہاں! ہدیہ وغیرہ میں البتہ تقوٰی کی رعایت مناسب ہے۔ آیت وقل رب ارحمھما سے اپنے مربی شیخ کے لئے دعائے خیر کرنے کا استحسان معلوم ہوتا ہے۔ آیت واماتعرضن سے یہ بات نکلتی ہے کہ اگر کسی وقت طالب حق کو فائدہ پہنچانے سے معذوری ہو تو اسے نرم جواب دینا چاہئے۔ ہاں! اصلاح کی مصلحت سختی کو چاہتی ہو تو دوسری بات ہے۔ آیت ولاتجعل یدک میں مشائخ کے لئے راہنمائی ہے کہ انہیں نہ تو اہل کے سامنے حقائق ومعارف ظاہر کرنے میں بخل سے کام لینا چاہئے اور نا قابل تحمل اسرار ورموز بیان کرکے دوسروں کو تباہ کرنا چاہئے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ بِالْوَادِ **خَشْيَةَ** مَخَافَةَ **اِمْلَاقٍ** فَقْرٍ **نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً** اِثْمًا **كَبِيْرًا** ﴿۳۱﴾ عَظِيْمًا **وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى** اَبْلَغُ مِنْ لَاتَاتُوْهُ **اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ** قَبِيْحًا **وَسَاۗءَ** بِئْسَ **سَبِيْلًا** ﴿۳۲﴾ طَرِيْقًا هُوَ **وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ** لِوَارِثِهٖ **سُلْطٰنًا** تَسَلُّطًا عَلَى الْقَاتِلِ **فَلَا يُسْرِفْ** بِتَجَاوُزِ الْحَدِّ **فِّي الْقَتْلِ ۭ** بِاَنْ يَقْتُلَ غَيْرَ قَاتِلِهٖ اَوْ بِغَيْرِ مَا قَتَلَ بِهٖ **اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا** ﴿۳۳﴾ **وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ** اِذَا عَاهَدْتُمُ اللّٰهَ اَوِ النَّاسَ **اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـــُٔوْلًا** ﴿۳۴﴾ عَنْهُ **وَاَوْفُوا الْكَيْلَ** اَتِمُّوْهُ **اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ** اَلْمِيْزَانِ السَّوِيِّ **ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا** ﴿۳۵﴾ مَاٰلاً **وَلَا تَقْفُ** تَتَّبِعْ **مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ** اَلْقَلْبَ **كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔــوْلًا** ﴿۳۶﴾ صَاحِبُهٗ مَاذَا فَعَلَ بِهٖ **وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ** اَىْ ذَامَرَحٍ بِالْكِبْرِ وَالْخُيَلَاءِ **اِنَّكَ لَنْ**

تخرق الارض تشقّها حتّی تبلغ اٰخرها بکبرک **ولن تبلغ الجبال طولًا** ﴿۳۷﴾ المعنی انّک لا تبلغ هذا المبلغ فکیف تختال **کلّ ذٰلک** المذکور **کان سیّئه عند ربّک مکروهًا** ﴿۳۸﴾ **ذٰلک ممّآ اوحٰی الیک** یا محمّد **ربّک من الحکمة** الموعظة **ولا تجعل مع الله الٰهًا اٰخر فتلقٰی فی جهنّم ملومًا مّدحورًا** ﴿۳۹﴾ مطرودًا عن رحمة الله **افاصفٰکم** اخلصکم یا اهل مکّة **ربّکم بالبنین واتّخذ من الملٰئکة اناثًا** بناتًا لنفسه بزعمکم **انّکم لتقولون** بذٰلک **قولًا عظیمًا** ﴿۴۰﴾ **ولقد صرّفنا** بیّنّا **فی هٰذا القراٰن** من الامثال والوعد والوعید **لیذّکّروا** یتّعظوا **وما یزیدهم** ذٰلک **الّا نفورًا** ﴿۴۱﴾ عن الحقّ **قل لّهم لّو کان معه** ای الله **اٰلهة کما یقولون اذًا لّابتغوا** طلبوا **الٰی ذی العرش** ای الله **سبیلًا** ﴿۴۲﴾ طریقًا لیقاتلوه **سبحٰنه** تنزیهًا له **وتعٰلٰی عمّا یقولون** من الشّرکاء **علوًّا کبیرًا** ﴿۴۳﴾ **تسبّح له** تنزّهه **السّمٰوٰت السّبع والارض ومن فیهنّ وان** ما **مّن شیء** من المخلوقات **الّا یسبّح** متلبّسًا **بحمده** ای یقول سبحان الله وبحمده **ولٰکن لّا تفقهون** تفهمون **تسبیحهم** لانّه لیس بلغتکم **انّه کان حلیمًا غفورًا** ﴿۴۴﴾ حیث لم یعاجلکم بالعقوبة **واذا قرأت القراٰن جعلنا بینک وبین الّذین لا یؤمنون بالاٰخرة حجابًا مّستورًا** ﴿۴۵﴾ ای ساترًا لک عنهم فلا یرونک ونزل فیمن اراد الفتک به صلّی الله علیه وسلّم **وّجعلنا علٰی قلوبهم اکنّة** اغطیة **ان یفقهوه** من ان یفهموا القراٰن ای فلا یفهمونه **وفیٓ اٰذانهم وقرًا** ثقلًا فلا یسمعونه **واذا ذکرت ربّک فی القراٰن وحده ولّوا علٰی ادبارهم نفورًا** ﴿۴۶﴾ عنه **نحن اعلم بما یستمعون بهٓ** بسببه من الهزء **اذ یستمعون الیک** قراءتک **واذ هم نجوٰی** یتناجون بینهم ای یتحدّثون **اذ** بدل من اذ قبله **یقول الظّٰلمون** فی تناجیهم **ان** ما **تتّبعون الّا رجلًا مّسحورًا** ﴿۴۷﴾ مخدوعًا مغلوبًا علی عقله قال تعالی **انظر کیف ضربوا لک الامثال** بالمسحور والکاهن والشّاعر **فضلّوا** بذٰلک عن الهدٰی **فلا یستطیعون سبیلًا** ﴿۴۸﴾ طریقًا الیه **وقالوٓا** منکرین للبعث **ءاذا کنّا عظامًا وّرفاتًا ءانّا لمبعوثون خلقًا جدیدًا** ﴿۴۹﴾ **قل لّهم کونوا حجارة او حدیدًا** ﴿۵۰﴾ **او خلقًا مّمّا یکبر فی صدورکم** یعظم عن قبول الحیٰوة فضلًا عن العظام والرّفات فلا بدّ من ایجاد الرّوح فیکم **فسیقولون من یّعیدنا** الی الحیٰوة **قل الّذی فطرکم** خلقکم **اوّل مرّة** ولم تکونوا شیئًا لانّ القادر علی البدء قادر علی الاعادة بل هی اهون **فسینغضون** یحرّکون **الیک رءوسهم** تعجّبًا **ویقولون** استهزاءً **متٰی هو** ای البعث **قل**

عَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ قَرِیْبًا ﴿۵۱﴾ **یَوْمَ یَدْعُوْکُمْ** یُنَادِیْکُمْ مِنَ الْقُبُوْرِ عَلٰی لِسَانِ اِسْرَافِیْلَ **فَتَسْتَجِیْبُوْنَ** فَتُجِیْبُوْنَ مِنَ الْقُبُوْرِ **بِحَمْدِهٖ** بِاَمْرِهٖ وَقِیْلَ وَلَهُ الْحَمْدُ **وَتَظُنُّوْنَ اِنْ** مَا **لَّبِثْتُمْ** فِی الدُّنْیَا **اِلَّا قَلِیْلًا** ﴿۵۲﴾ لِهَوْلِ مَاتَرَوْنَ

ترجمہ: .... اور اپنی اولاد کو (زندہ درگور کرکے) ہلاک مت کروافلاس (ناداری) کے اندیشہ سے ہم ہی ہیں کہ انہیں بھی اور تمہیں بھی روزی دیتے ہیں۔ بلاشبہ انہیں قتل کرنا بڑے بھاری گناہ کی بات ہے! اور زنا کاری کے پاس بھی مت پھٹکو (یہ طرز زیادہ بلیغ ہے بہ نسبت اس کہنے کہ ''زنا مت کرو'') یقین کرو وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بڑی برائی کا چلن ہے اور کسی کا قتل ناحق نہ کرو ہاں مگر حق پر اور جو کوئی ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دے دیا ہے۔ پس چاہئے کہ اسے قتل کرنے میں حدود سے زیادہ تجاوز نہ کرے (اس طرح کہ قاتل کے علاوہ کسی اور کو قتل کردے، یا طریقہ بدل ڈالے) وہ شخص طرف داری کے قابل ہے اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ۔ مگر ہاں ایسے طریقے سے جو بہتر ہو یہاں تک کہ یتیم جوان ہو جائیں اور اپنا عہد پورا کرو، (جو تم نے اللہ سے یا لوگوں سے کیا ہے) بے شک عہد کے بارے میں باز پرس کی جانے گی اور جب کوئی چیز ناپ کر دو تو پورا ناپو (پیمانہ بھر پور رکھو) اور جب تو لو تو صحیح ترازو سے (جو برابر سرابر ہو) تولو یہ اچھی بات ہے اور اس کا انجام (نتیجہ) اچھا ہے اور دیکھو جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے مت پڑو یاد رکھو کان، آنکھ، دل سب کے بارے میں باز پرس ہونیوالی ہے (کہ ان اعضاء سے لوگوں نے کیا کام لیا ہے) اور زمین پر اکڑ کر (اترا کر) نہ چلو، یقیناً تم زمین میں شگاف نہیں ڈال سکتے (کہ اپنے تکبر کی وجہ سے اُسے پھاڑ کر آخر تک پہنچ جاؤ) اور نہ پہاڑوں کی لمبان تک پہنچ سکتے ہو (یعنی تم پہاڑ کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتے۔ پھر کیوں تکبر کرتے ہو) یہ (مذکورہ) سارے برے کام آپ کے پروردگار کے نزدیک سخت ناپسند ہیں۔ یہ باتیں اس حکمت (دانائی) کی باتوں میں سے ہیں جو (اے محمد!) آپ کے پروردگار نے وحی کے ذریعہ آپ پر بھیجی ہیں اور اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ کہ بالآخر ملامت کے مستوجب اور ٹھکرائے ہوئے ہو کر دوزخ میں جھونک دیئے جاؤ (اللہ کی رحمت سے راندہ ہو کر) کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تمھارے پروردگار نے تمہیں تو اس برگزیدگی کے لئے چن لیا ہو (اے مکہ والو! خاص کرلیا ہو) کہ بیٹے والے ہو اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا ہو (تمھارے خیال کے مطابق) بے شک (یہ) کیسی سخت بات ہے جو تم کہہ رہے ہو اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کے طریقوں سے (مثالیں اور وعدے اور وعیدیں) بیان کی ہیں تاکہ یہ لوگ نصیحت (سبق) حاصل کریں۔ لیکن انہیں (حق سے) دوری اور نفرت بڑھتی جاتی ہے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے اگر اس (اللہ) کیساتھ اور بہت سے معبود ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو اس صورت میں ضروری تھا کہ وہ فوراً عرش کے مالک (اللہ) تک راستہ ڈھونڈ لیتے (اسے قتل کرنے کی کوئی راہ نکال لیتے) ان ساری باتوں سے (جو یہ مشرک) کہتے ہیں اس کی ذات پاک اور بلند ہے، بے حد بلند ہے۔ ساتوں آسمان اور زمین اور ان میں جو رہنے والے سب اس کی پاکیزگی بیان کر رہے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے (مخلوق میں سے) جو تعریف کے ساتھ اس کی حمد وثنا نہ کرتی ہو (یعنی سبحان اللہ وبحمدہ نہ کہتی ہو) لیکن تم لوگ ان کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں ہو (کیونکہ وہ تمہاری زبان میں نہیں ہوتی) بلاشبہ وہ بڑا ہی بردبار، بڑا ہی بخشنے والا ہے (کہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا) جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں۔ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے (وہ آپ کو ان کی نگاہوں سے اوجھل رکھتا ہے جس کی وجہ سے وہ آپ کو دیکھ نہیں سکتے اور آنحضرت ﷺ کو شہید کردینے کا ارادہ رکھنے والوں کے بارے میں اگلی آیت نازل ہوئی ہے) اور ہم نے ان کے دلوں پر حجاب (پردے) ڈال دیئے ہیں کہ وہ سمجھیں (قرآن کو یعنی اب وہ قرآن سمجھ نہیں سکیں گے) اور ان کے کانوں میں ڈاٹ ٹھوک دی ہے (بہرا پن پیدا کر دیا ہے تاکہ وہ قرآن نہ سن سکیں اور جب آپ قرآن میں صرف اپنے پروردگار کا ذکر کرتے ہیں تو وہ لوگ نفرت کرتے ہوئے پیٹھ پھیر کر دوڑنے لگتے ہیں۔ ہم خوب اچھی طرح جانتے ہیں جس غرض سے یہ سنتے ہیں (یعنی جس استہزاء

کی وجہ سے یہ سنتے ہیں) جس وقت یہ لوگ آپ کی (قرأت کی) طرف کان لگاتے ہیں اور جس وقت یہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں (باہم کانا پھوسی کرتے ہیں) جب کہ یہ ظالم (سرگوشیاں کرتے ہوئے) یوں کہتے ہیں کہ تم جس آدمی کے پیچھے پڑے ہو وہ محض جادو کا مارا ہوا ہے (دھوکہ میں آیا ہوا اور مغلوب العقل ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) غور کرو ان لوگوں نے آپ کی نسبت کیا کیا القاب تجویز کر رکھے ہیں (جادو ہوا ہوا، کاہن، شاعر) جس کی وجہ سے گمراہی میں پڑ گئے (ہدایت سے ہٹ کر) اب راستہ نہیں پا سکتے اور یہ بھی کہتے ہیں (منکرین قیامت) کہ جب ہم محض چند ہڈیوں کی شکل میں رہ گئے اور گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو گئے تو پھر کیا از سر نو کھڑے کئے جاسکتے ہیں؟ آپ (ان سے) کہہ دیجئے ہاں! تم کچھ ہی کیوں نہ ہو جاؤ، پتھر ہو جاؤ، لوہا ہو جاؤ یا کوئی اور چیز جو تمہارے خیال میں بہت ہی سخت ہو (ہڈیوں اور بوسیدہ ہڈیوں سے بھی بڑھ کر اگر تمہارے نزدیک کوئی چیز ایسی ہو کہ زندگی کو قبول نہ کر سکے، تب بھی تم میں روح آکر رہے گی) یہ سن کر پوچھیں گے کہ وہ کون ہے جو دوبارہ ہمیں زندہ کردے گا۔ آپ فرما دیجئے کہ وہ وہ ہے جس نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا؟ (حالانکہ تم اس وقت ناپید تھے کیونکہ جو ذات پہلی بار پیدا کرنے پر قدرت رکھتی ہو وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہوگی۔ بلکہ بدرجہ اولیٰ) اس پر یہ لوگ آپ کے آگے سر ہلا ہلا کر (مٹکا کر تعجباً) اور کہیں گے (بطور استہزاء کے) ایسا کب ہوگا؟ آپ کہئے! عجب نہیں کہ اس (قیامت) کا وقت قریب ہو، یہ اس روز ہوگا اللہ تمہیں بلائے گا (اسرافیل کی معرفت قبروں سے بلایا جائے گا) اور تم اس کی تعمیل کرو گے (قبروں سے جواب دیتے ہوئے اٹھو گے) اس کے حکم سے (اور کہا جائے گا کہ اللہ کے لئے تعریف ہے) اور (ہیبت ناک چیزوں کے دیکھنے سے) ایسا خیال کرو گے کہ تم نے جو وقت (دنیا میں) گزارا دیا ہے وہ مدت کوئی بڑی نہ تھی۔

تحقیق وترکیب: .... **لاتقربوا**۔ اس میں مقدمات زنا کی بھی ممانعت ہے اس لئے یہ طرز زیادہ بلیغ ہے۔ **الابالحق**۔ قتل حق کی تین صورتیں ہیں۔ مرتد ہو جانا، محصن کا زنا کرنا، دانستہ بے قصور مسلمان کو قتل کرنا۔ **سلطانا**۔ ولی مقتول کے لئے حق قصاص مراد ہے یا سلطان سے مراد حمیت وغلبہ ہے۔ بہر حال آیت میں اسی بات کی دلیل ہے کہ ولی کو قصاص لینے کا حق ہے۔ عصبات کی ترتیب سے اور جس کا کوئی ولی نہ ہو، اس کا ولی بادشاہ ہے۔ **فلایسرف**۔ مثلاً: قاتل کے علاوہ کسی دوسرے کو یا ایک کے بدلہ دو آدمیوں کو قتل کر ڈالنا اسراف فی القتل ہے۔ اسی طرح ابتداءً قتل کرنا اور کسی کو مثلہ کر دینا بھی اسراف قتل ہے اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ولی مقتول اگر قصاص کو معاف کر دے یا دیت وصول کر لے تو پھر قصاص لینا نہیں چاہئے اور صاحب مدارک کی رائے یہ ہے کہ ظاہر آیت سے آزاد اور غلام اور مسلمان وذمی کے درمیان قصاص کا مشروع ہونا معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ ذمی اور غلام بھی نفس محترم ہونے کی وجہ سے آیت میں داخل ہیں۔ **یبلغ اشدہ**۔ ابن عباسؓ کے نزدیک بلوغ اشد کی حد اٹھارہ سال ہے۔ روایات سے مختلف مدتیں ثابت ہیں۔ مگر یہ کم از کم ہونے کی وجہ سے یقینی ہے۔ اسی لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلوغ کی علامات نہ ہونے کی صورت میں بلوغ کی زیادہ سے زیادہ مدت اٹھارہ سال ہے اور چونکہ عورتیں جلدی بڑھتی ہیں۔ اس لئے ان کے لئے ایک سال کی کمی کر دی گئی ہے۔ یعنی سترہ سال زیادہ سے زیادہ مدت ہے۔ غرض یہ کہ اس مدت کے بعد یتیم کو مال میں تصرف ہو جائے گا۔ و لاتقف ای لاتتبع۔ قافیہ کو بھی قافیہ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ پیچھے ہوتا ہے۔ **کل ذالک** آیت **ولاتجعل**۔ سے یہاں تک ۲۵ باتیں ذکر کی گئی ہیں۔ ان سب کی طرف ذلک سے اشارہ ہے۔ **لو کان معہ** یہ قیاس استثنائی ہے۔ جس میں نقیض تالی کا استثناء کیا گیا ہے۔ جس کا نتیجہ نقیض مقدم ہوتا ہے۔ البتہ یہاں استثناء اور نتیجہ حذف کر دیئے گئے ہیں۔ اصلی عبارت اس طرح تھی۔ **لکنھم لم یطلبوا طریقاً لقتالہ فلم یکن معہ الھۃ** حاصل یہ ہے کہ **لو فرض ان لہ شریکا فی الملک لنازعہ وقاتلہ واستعلیٰ علیہ لکنہ لم یوجد من ھو بھذہ المثابۃ فبطل التعدد ثبت الوحدانیۃ. وان من شیء** بقول قتادہؒ تمام حیوانات اور نامیات کو بھی یہ حکم شامل ہے اور عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ درخت تسبیح کرتے ہیں۔ البتہ ستون نہیں کرتے اور مقدامؒ کہتے ہیں کہ مٹی جب تک خشک رہے اسی طرح پتے جب تک درختوں پر رہیں اور پانی جب تک جاری رہے اور کپڑا جب تک نیا اور اُجلا رہتا ہے اور وحوش وطیور اڑنے کی حالت میں تسبیح کرتے ہیں۔ لیکن ارباب عقل یہ کہتے ہیں کہ اس

کا منشاء یہ ہے کہ ان چیزوں سے قدرت الٰہی پر دلالت ہوتی ہے۔ جس سے دیکھنے والا تسبیح وتہلیل کرنے لگتا ہے۔ واذقرأت یا تو مطلقاً آیات قرآن کی برکت سے مشرکین کی نگاہوں سے پڑھنے والا مستور ہو جاتا ہے اور یا صرف تین آیات مراد ہیں۔ سورۃ نحل کی آیت اولئك الذین طبع الله علٰی قلوبهم وسمعهم اور سورۃ کہف کی آیت وجعلنا علٰی قلوبهم اکنة۔ اور سورۃ جاثیہ کی آیت افرایت من اتخذ الٰهه هواه اور قرطبیؒ سورۃ یٰسین کی آیت فهم لایبصرون کا اور اضافہ کرتے ہیں۔ چنانچہ ہجرت کے موقعہ پر آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹا دیا اور خود سورۃ یٰسین شروع سے فهم لایبصرون تک پڑھتے ہوئے کفار کے مجمع سے صاف بچ کر نکل گئے اور آپؐ کے مٹھی بھر مٹی پھینکنے سے سب گویا اندھے ہو گئے تھے۔ اسی طرح سعید ابن جبیرؒ کی روایت ہے کہ جب آیت تبت یدا ابی لهب نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی ام جمیل ہاتھ میں پتھر لئے ہوئے آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس حضرت ابوبکرؓ بیٹھے ہوئے تھے مگر آنحضرتؐ اس کو نظر نہیں آئے اور وہ حضرت ابوبکرؓ سے پوچھنے لگی کہ تمہارے دوست کہاں ہیں؟ میں نے سنا ہے کہ وہ میری ہجو کرتے ہیں حالانکہ آپؐ وہاں تشریف رکھے ہوئے تھے مگر اسے نظر نہیں آئے۔ یا آیت کا منشاء یہ ہے کہ آپؐ کے کمالات نبوت کفار کو نظر نہیں آتے تھے۔ اس لئے وہ آپؐ کو پہچان نہیں سکے۔ یہی دونوں مطلب وفی اٰذانهم وقرا کے بھی ہو سکتے ہیں۔ اذیستمعون۔ چنانچہ روایت ہے کہ آپؐ کے پڑھنے کے وقت قبیلہ عبدالدار کے دو آدمی آپؐ کے داہنے اور دو آدمی بائیں کھڑے ہو کر تالیاں پیٹتے، سیٹیاں بجاتے اور اشعار پڑھتے۔

ربط آیات: .... ساتواں حکم آیت ولا تقتلوا میں اولاد کو قتل کی ممانعت کا دیا جا رہا ہے۔ یعنی لڑکیوں کو زندہ دفن در گور کرنے سے منع کیا جا رہا ہے اور آٹھواں حکم لاتقربوا الزنا میں زنا کاری کی ممانعت کا ہے اور نواں حکم لاتقتلوا النفس میں مطلقاً قتل کے ناجائز ہونے کا دیا جا رہا ہے۔ دسواں حکم لاتقربوا مال الیتیم میں مال یتیم کے حرام ہونے کا اور گیارہواں حکم اوفوابالعهد میں وفائے عہد کا دیا جا رہا ہے اور بارہواں اور تیرہواں حکم ناپ تول پورا کرنے کا دیا جا رہا ہے اور چودہواں حکم ولا تقف میں بلا تحقیق عمل درآمد کرنے کو منع کیا جا رہا ہے اور آیت ولا تمش میں پندرہواں حکم اکڑ کر چلنے اور اترانے سے منع کیا جا رہا ہے۔ آگے آیت کل ذٰلك میں ان مذکورہ باتوں میں سے تمام بُرے پہلوؤں کو روکا جا رہا ہے اور پھر ذٰلك مما اوحی میں توحید پر کلام ختم کیا جا رہا ہے اور افا صفٰکم میں توحید کی تاکید کی جا رہی ہے۔ اس کے بعد آیت واذا قرأت میں بتلایا جا رہا ہے کہ توحید کی طرف توجہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے بلکہ تمسخر واستہزاء سے پیش آتے ہیں۔ اس لئے قرآن اور رسول دونوں سے پھر رہے ہیں۔ اس کے بعد آیت وقالوا اذا کنا سے قیامت کے بارے میں کفار کے شبہ کا جواب دیا جا رہا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **دُختر کشی اور عام انسانی قتل:** .... زمانہ جاہلیت میں دختر کشی کی غلط رسم کو جس کا رواج ہندوستان کے راجپوتوں میں بھی رہا ہے۔ آیت لاتقتلوا اولادکم میں قتل اولاد کے عنوان سے روکا جا رہا ہے۔ اس تعبیر میں تعلق کو اُبھار کر جوش ترحم پیدا کرنا مقصود ہے۔ قرآن میں انسانی کشت وخون اور قتل کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ شرک کے بعد اگر کوئی برائی ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہے۔ اس بارے میں طبیعت انسانی کے لئے اصلی آزمائش کا وقت وہ ہوتا ہے جب انتقام کا جوش ابھر آتا ہے اور بسا اوقات ایک قتل کے بدلہ سینکڑوں جانوں کا خون بہا دیا جاتا ہے۔ آیت فلایسرف فی القتل میں اسی فتنہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو شخص کسی ظلم سے مارا جائے، تو اس کے وارثوں کو قصاص کے مطالبہ کا حق دیا گیا ہے۔ لیکن اس کا بے جا استعمال نہیں ہونا چاہئے کہ ایک خونریزی کے بدلے بہت سی خونریزیاں ہو جائیں اور ولی سے مراد وہ شخص ہے جسے حق قصاص حاصل ہو لیکن اگر وارث موجود نہ ہو، تو پھر بادشاہ حکمی وارث سمجھا جائے گا اور عہد کی پابندی میں تمام عہد آ گئے۔ خواہ وہ احکام الٰہیہ کی صورت میں ہوں یا بندوں کے ساتھ معاہدے بلکہ خازن نے

تو عہد کی ایسی عام تفسیر کی ہے جس میں وعدے بھی آ گئے البتہ وعدہ پورا کرنا دیانۃً واجب ہوگا۔ قضاءً واجب نہیں ہوگا اور عہد سے صرف مشروع عہد مراد ہیں نامشروع عہد اس میں داخل نہیں اور وعدہ کا واجب ہونا بلاعذر کے ہے عذر کی حالت میں واجب نہیں رہتا۔

بلاتحقیق عمل درآمد نہیں کرنا چاہئے: .... آیت ولا تقف کا حاصل یہ ہے کہ بلاتحقیق وتفتیش کوئی حکم نہیں لگانا چاہئے باقی علم اصول وکلام میں ہر کام کی تحقیق کا الگ الگ درجہ ثابت ہو چکا ہے اسی کے مطابق ہر کام میں اسی درجہ کی تحقیق ضروری ہوگی جس کا وہ مستحق ہے اس کے بغیر عملدرآمد جائز نہیں ہے نہ قول کے اعتبار سے جیسے کسی چیز کی نقل وحکایت یا فتوی دینا اور نہ عمل کے لحاظ سے۔ الغرض قطعیات میں قطعی دلیل کی ضرورت ہوگی اور ظنیات میں ظنی دلیل درکار ہوگی پس اب شرعی قیاس کی نفی کا شبہ باقی نہیں رہا۔ آیت ولا تمش فی الارض کا مطلب یہ ہے کہ اکڑ کر زور سے پاؤں رکھنے کے لئے کم از کم اتنی قوت تو ہونی چاہئے کہ دہل کر زمین پھٹ جائے اور تن کر چلنے کے لئے کم از کم اتنی قدرت ہونی چاہئے کہ پہاڑوں سے سرمل جائے۔ لیکن یہ بات میسر نہیں تو پھر کیوں یہ چال اختیار کی جائے اور انسان جن چیزوں پر قادر سمجھا جاتا ہے ان پر بھی حقیقۃً انسان کو قدرت حاصل نہیں اس لئے تکبر ہر کام میں برا ہوا۔ اس تقریر پر یہ شبہ نہیں رہتا کہ اس سے اختیاری کاموں میں تکبر کا جائز ہونا معلوم ہو رہا ہے۔ اور کل ذٰلک کان سیئہ کا مطلب یہ کہ جن باتوں کی ممانعت کی گئی ہے ان میں تو صراحۃً برائی ہے لیکن جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان میں صراحۃً تو برائی نہیں البتہ دلالۃً ان میں بھی برائی ہے یعنی ان کی خلاف جانب .... مثلاً وفائے عہد کی ضد بے وفائی بری ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنے کی ضد شرک کرنا برا ہے۔ والدین کے ساتھ احسان کرنے کی خلاف جانب یعنی بدسلوکی کرنا برا ہے۔

دلیل امتناعی سے اثبات توحید: .... آیت قل لو کان معہ الٰھۃ میں لو کان فیھما الٰھۃ کی طرح برہان تمانع بیان کیا جا رہا ہے۔ یعنی ملازمت عادیہ کے طریقہ پر کلام ہو رہا ہے کہ ایسی دو بڑی عظیم طاقت وقدرت رکھنے والی دو ذاتوں میں ہمیشہ صلح عادۃً محال ہے اور چونکہ توحید باری برہانی دلیل سے ثابت ہے۔ جن کی تقریر سورہ بقرہ کی آیت ان فی خلق السمٰوٰت میں گزر چکی ہے اس لئے یہاں برہان تمانع کے اکتفا میں کوئی حرج نہیں۔ جب کہ قریب الی الفہم یہی ہوتی ہے۔

کائنات کی ہر چیز تسبیح کرتی ہے: .... آیت تسبح میں فرمایا جا رہا ہے کہ کائنات ہستی میں کوئی چیز نہیں جو اللہ کی حمد وتسبیح نہ کر رہی ہو لیکن تم میں سمجھ نہیں کہ ان کی تسبیح تقدیس پر غور کرو۔ یہ تسبیح جو کائنات ہستی کی ہر چیز کر رہی ہے کیا محض آوازوں کی تسبیح ہے؟ نہیں وہ اپنی ہستی میں، اپنی بناوٹ میں، اپنی صورت میں، اپنے افعال وخواص میں مجسم تسبیح وتقدیس ہیں۔ ان کی ہستی ہی تسبیح کا ترانہ اور ان کی موجودگی ہی سرتاسر حمد وثنا ہے۔ وہ اپنی ہر بات میں کسی بنانے والے کی صنعت، کسی پرورش کرنے والے کی پرورش اور کسی سرچشمہ حسن وکمال کی حسن افروزیاں ہیں اور اس لئے زبانِ حال سے اس کی خالقیت وحکمت اور ربوبیت ورحمت کی حمد وتسبیح کر رہی ہیں۔ عربی میں مَنْ چونکہ ذوی العقول کے لئے آتا ہے اس لئے گویا پہلے تو فرمایا کہ آسمان زمین میں جتنی ذی عقل ہستیاں ہیں سب تسبیح الٰہی میں سرگرم ہیں اور پھر فرمایا کہ کائنات ہستی میں کوئی شئے نہیں جو اس تسبیح میں انکی شریک نہ ہو۔ کیونکہ عربی میں شئے کا لفظ جس طرح جسم وحجم رکھنے والی چیزوں پر بولا جاتا ہے اسی طرح دوسری چیزوں پر بھی بولا جاتا ہے۔ حتی کہ دروازہ کھلنے کی آواز کو بھی شئے کہتے ہیں۔ پس مطلب یہ ہوا کہ کائنات ہستی کی ہر چیز ہر حالت، ہر وجود ہر حادثہ اپنے بنانے والے کی یکتائی اور صنعت گری کی تصویر ہے اور خود تصویر سے بڑھ کر اور کس کی زبان ہو سکتی ہے جو مصور کے ہنر اور کمال کا اعلان کرے؟ اگر ایک باکمال سنگتراش موجود ہے۔ تو اس کی صناعی اور کمال کی تعریف تم زبانوں سے نہیں کر سکتے اس کی مجسم تعریف وتوصیف خود اس کی بنائی ہوئی مورتی ہوتی ہے۔ اس مورتی کا حسن، اس کا

تناسب، اسکا انداز، اس کی ساری باتیں اپنے سنگتراش کی چابک دستی کی ابھرتی ہوئی تعریف اور ابلتی ہوئی ثنا خوانی ہوتی ہے۔

کائناتِ ہستی سرتاسر حُسن و جمال ہے: .... اس آیت نے یہ حقیقت بھی واضح کردی کہ کارخانۂ ہستی میں جو کچھ ہے سرتاسر حسن وخوبی ہی ہے کیونکہ حمد کے معنی بہترین تعریف کے ہیں اور تمام چیزوں کا وقف ثنا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ بنانے والے نے جتنی چیزیں بنائی ہیں حسن وخوبی کی بنائی ہیں۔ اگر چہ ہماری کوتاہ نظری اسے نہ پاسکے لیکن کیا کائناتِ ہستی کی یہ تسبیح محض صدائے حال ہی کی تسبیح ہے، زبان قال کا اس میں کوئی حصہ نہیں؟ غرضیکہ آیت میں تسبیح کا لفظ عموم مجاز کے طریقہ پر حقیقی اور زبانی تسبیح کی طرح حکمی اور حالی تسبیح دونوں کو شامل ہے۔ پس ذی عقل اطاعت گزاروں کی زبانی تسبیح تو ظاھر ہے لیکن جو ذی عقل مخلوق نہیں ان کی تسبیح بھی احادیث سے ثابت ہے اور کشف سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ البتہ نافرمان مگر ذی عقل چیزوں کی تسبیح صرف حالی ہے کہ ان کا وجود اور اس سے متعلق تمام حالتیں وجود صانع پر دلالت کررہی ہیں اور اس طرح کی حالی تسبیح دوسری مخلوقات کو بھی شامل ہے۔ پس گویا زبانی یا حالی تسبیح کہنا بطور منع الخلو کے ہے اور نہ سمجھنے کا خطاب قرینہ مقام کی وجہ سے صرف مشرکین کو ہے۔ البتہ تسبیحھم کی خبر بطور تغلیب تمام مسبحین کی طرف لوٹ رہی ہے نر ہوں یا مادہ اور ان کا نہ سمجھنا ہر تسبیح کے اعتبار سے ہے اور اسی پر ملامت ہے۔ ورنہ تسبیح کی بعض قسموں کا نہ سمجھنا باعث ملامت نہیں برخلاف مؤمنین کے، وہ سب کی تسبیح کو سمجھتے ہیں۔ اہل کشف تو ہر تسبیح کرنے والے کی تسبیح کو سمجھتے ہیں اور جمادات کی طرح کی چیزوں میں صرف حالی تسبیح کو سمجھتے ہیں۔

ایک شبہ کا جواب: .... اور بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ تسبیح کرنے کے لئے علم کی اور علم کے لئے زندگی کی ضرورت ہے حالانکہ جمادات جیسی چیزوں میں زندگی نہیں ہوتی؟ جواب یہ ہے کہ تسبیح کے لئے جتنے علم اور زندگی کی ضرورت ہے وہ اگر جمادات میں موجود ہو مگر محسوس نہ ہو تو کچھ حرج نہیں ہے۔ آیت واذاقرأت میں منکرین کی حالت بیان کی جارہی ہے کہ وہ قرآن کی طرف رخ نہیں کرتے اسے سننا نہیں چاہتے اسے سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور اللہ کا مقررہ قانون یہ ہے کہ اگر تم آنکھیں نہیں کھولو گے تو تمہارے آگے ایک سیاہ پردہ حائل کردیا جائے گا اگر تم سننا نہیں چاہو گے تو تمہارے کان بہروں کے کان ہوجائیں گے اگر تم سوچنے سے انکار کردو گے تو تمہاری عقل پر پردے پڑجائیں گے اس کی روشنی کام نہیں دے سکے گی منکروں کی یہ حالت خود انہی کی پسند کی ہوئی حالت تھی۔ یہ قانون اللہ کا ٹھہرایا ہوا ہے کہ نہ دیکھنے والوں کی آنکھوں پر پردہ پڑجاتا ہے۔ لیکن اسی وقت پڑتا ہے جب دیکھنے والا دیکھنے سے انکار کردیتا ہے۔ یہاں تین باتیں بیان کی گئی ہیں۔ آنکھوں کے آگے حجاب، کانوں کے اندر ڈاٹ اور عقل پر غلافوں کا چڑھ جانا اور یہ وہی تین حالتیں ہیں جو خود منکروں نے اپنے لئے پسند کی تھیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وقالوا قلوبنا فی اکنة مما تدعونا الیه وفی اٰذاننا وقر ومن بیننا وبینك حجاب.

آیت وحدیث میں تعارض کے شبہ کا جواب: .... بعض حضرات نے آیت الا رجلا مسحورا سے اس حدیث کے انکار پر استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ پر جادو چل گیا تھا کیونکہ آیت میں اس کو کفار کا قول کہہ کر رد کیا ہے؟

جواب یہ ہے کہ یہاں کفار کا مقصود بطور کنایہ آپ ﷺ کو مسحور کہنے سے مجنوں کہنا تھا۔ جس کی باتیں اور خیالات ہذیانات اور توہمات ہوتے ہیں۔ پس کفار وحی کو بھی اسی طرح مجنونانہ پریشان خیالات اور دیوانگی قرار دیتے ہیں۔ جس کا رد اس آیت میں کیا جارہا ہے اس سے حدیث میں جادو کے جزئی واقعہ کا انکار لازم نہیں آیا۔ ہاں جادو کے اثر سے بعض دنیوی باتوں کا ذہول ہوجاتا تھا۔ لیکن اس سے دنیوی کاموں میں کسی طرح کا کوئی خلل نہیں آتا تھا۔ اور دینی کاموں میں تو ایسا ذہول بھی نہیں ہوا۔ ورنہ

خطائے اجتہادی کی طرح اس اثر کے ختم ہو جانے کے بعد حق تعالیٰ متنبہ فرما دیتے غرض کہ اس آیت میں تو جادو کے ایک خاص اثر یعنی جنون کا انکار ہے اور حدیث میں مطلق جادو کا بیان ہے پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں آتی۔

ابتدائی زندگی سے اُخروی زندگی پر استدلال:............قرآن کریم نے جگہ جگہ نشأۃ اولیٰ سے نشأۃ ثانیہ پر استدلال کیا ہے۔ یعنی جس خالق وقدیر نے تمہیں پہلی مرتبہ زندگی دی، کیا وہ تمہیں دوبارہ زندگی نہیں دے سکتا؟ پھر اس پر اچنبھا کیوں ہو۔ یہاں بھی آیت وقالوا ء اذا کنا میں یہی استدلال ہے۔ پہلی زندگی سے مراد، فرد زندگی بھی ہو سکتی ہے اور نوع کی بھی۔ ہر شخص اپنی ہستی میں غور کر سکتا ہے کہ اس کا وجود نہ تھا مگر ظہور میں آ گیا اور کس طرح ظہور میں آیا؟ محض نطفہ کے ایک خورد بین کیڑہ سے جو جونک کی طرح ہوتا ہے۔ پھر اگر کیڑے کے ایک ذرّہ سے اسکا وجود بن سکتا ہے تو کیا اس کے پورے وجود کے ذرات سے دوبارہ وجود نہیں بن سکتا۔ فتستجیبون بحمدہ کی تفسیر میں علامہ آلوسیؒ نے ابن جبیرؒ کا قول نقل کیا ہے کہ قبروں سے سبحانك اللھم وبحمدك کہتے ہوئے مسلمان اور کافر سب نکلیں گے یہ دوسری بات ہے کہ یہ کہنا کافروں کے لئے مفید نہ ہو اور بعض نے کنایۃ انقیاد واطاعت کے معنی لئے ہیں اور نغمہ اسرافیلی میں یہی حکم ہوگا۔

لطائف آیات:............آیت فقد جعلنا لولیہ میں قدرت کے وقت ضبطِ نفس کی تعلیم ہے۔ آیت ولا تقف میں الٰہیات ونبوت کے سلسلہ میں ظن وتخمین اور رائے سے کلام کرنے کی ممانعت ہے اور سالک کو بھی غلط دعووں سے بچنا چاہئے۔ آیت وان من شیء میں اور آثار کی تائید سے اس پر دلالت ہو رہی ہے کہ جمادات زبانی تسبیح بھی کرتے ہیں اور اس کے لئے شعور ضروری ہے اگرچہ ضعیف ہی سہی۔

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ الْمُؤْمِنِیْنَ **یَقُوْلُوا** لِلْکُفَّارِ الْکَلِمَۃَ **الَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ** یُفْسِدُ **بَیْنَھُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾** بَیِّنَ الْعَدَاوَۃِ وَالْکَلِمَۃُ الَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ھِیَ **رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِکُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْکُمْ** بِالتَّوْبَۃِ وَالْاِیْمَانِ **اَوْ اِنْ یَّشَاْ** تَعْذِیْبَکُمْ **یُعَذِّبْکُمْ ؕ** بِالْمَوْتِ عَلَی الْکُفْرِ **وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ وَکِیْلًا ﴿۵۴﴾** فَتُجْبِرُھُمْ عَلَی الْاِیْمَانِ وَھٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ **وَرَبُّکَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ** فَیَخُصُّھُمْ بِمَا شَآءَ عَلٰی قَدْرِ اَحْوَالِھِمْ **وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ** بِتَخْصِیْصِ کُلٍّ مِّنْھُمْ بِفَضِیْلَۃٍ کَمُوْسٰی بِالْکَلَامِ وَاِبْرَاھِیْمَ بِالْخُلَّۃِ وَمُحَمَّدٍ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمَا السَّلَامُ بِالْاِسْرَاءِ **وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ** لَھُمْ **ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ** اَنَّھُمْ اٰلِھَۃٌ **مِّنْ دُوْنِہٖ** کَالْمَلَائِکَۃِ وَعِیْسٰی وَعُزَیْرٍ **فَلَا یَمْلِکُوْنَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ﴿۵۶﴾** لَہٗ اِلٰی غَیْرِکُمْ **اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ** ھُمْ اٰلِھَۃٌ **یَبْتَغُوْنَ** یَطْلُبُوْنَ **اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ** اَلْقُرْبَۃَ بِالطَّاعَۃِ **اَیُّھُمْ** بَدَلٌ مِّنْ وَاوِ یَبْتَغُوْنَ اَیْ یَبْتَغِیْھَا الَّذِیْ ھُوَ **اَقْرَبُ** اِلَیْہِ فَکَیْفَ بِغَیْرِہٖ **وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ ؕ** کَغَیْرِھِمْ فَکَیْفَ یَدْعُوْنَھُمْ اٰلِھَۃً **اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَاِنْ** مَا **مِّنْ قَرْیَۃٍ** اُرِیْدُ اَھْلَھَا **اِلَّا نَحْنُ مُھْلِکُوْھَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ** بِالْمَوْتِ **اَوْ مُعَذِّبُوْھَا عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ** بِالْقَتْلِ وَغَیْرِہٖ **کَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتٰبِ** اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ **مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾** مَکْتُوْبًا **وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ**

بالآيٰتِ التي اقترحها أهل مكة **إلا أن كذب بها الأولون** لما أرسلناها فأهلكناهم ولو أرسلناها إلى
هؤلاء لكذبوا بها واستحقوا الإهلاك وقد حكمنا بإمهالهم لإتمام أمر محمد **وآتينا ثمود الناقة** آية
مبصرة بينة واضحة **فظلموا** كفروا **بها** فأهلكوا **وما نرسل بالآيٰت** المعجزات **إلا تخويفا** (۵۹) للعباد
ليؤمنوا و اذكر **إذ قلنا لك إن ربك أحاط بالناس** علما وقدرة فهم في قبضته فبلغهم ولا تخف
أحدا فهو يعصمك منهم **وما جعلنا الرؤيا التي أريناك** عيانا ليلة الإسراء **إلا فتنة للناس** أهل مكة
إذ كذبوا بها وارتد بعضهم لما أخبرهم بها **والشجرة الملعونة في القرآن** وهي الزقوم التي تنبت في
أصل الجحيم جعلناها فتنة لهم إذ قالوا النار تحرق الشجرة فكيف تنبته **ونخوفهم** بها **فما يزيدهم**
تخويفنا **إلا طغيانا كبيرا** (۶۰) واذكر **إذ قلنا للملائكة اسجدوا لآدم** سجود تحية بالانحناء **فسجدوا**
إلا إبليس قال أأسجد لمن خلقت طينا (۶۱) نصب بنزع الخافض أي من طين **قال أرأيتك** أي
أخبرني **هذا الذي كرمت** فضلت **علي** بالأمر بالسجود وأنا خير منه خلقتني من نار **لئن** لام قسم
أخرتن إلى يوم القيامة لأحتنكن لأستأصلن **ذريته** بالإغواء **إلا قليلا** (۶۲) منهم ممن عصمته **قال** تعالى
له **اذهب** منظرا إلى وقت النفخة الأولى **فمن تبعك منهم فإن جهنم جزاؤكم** أنت وهم **جزاء**
موفورا (۶۳) وافرا كاملا **واستفزز** استخف **من استطعت منهم بصوتك** بدعائك بالغناء والمزامير
وكل داع إلى المعصية **وأجلب** صح **عليهم بخيلك ورجلك** وهم الركاب والمشاة في المعاصي
وشاركهم في الأموال المحرمة كالربا والغصب **والأولاد** من الزنا **وعدهم** بأن لا بعث ولا جزاء
وما يعدهم الشيطان بذلك **إلا غرورا** (۶۴) باطلا **إن عبادي** المؤمنين **ليس لك عليهم سلطان** تسلط
وقوة **وكفى بربك وكيلا** (۶۵) حافظا لهم منك **ربكم الذي يزجي** يجري **لكم الفلك** السفن **في
البحر لتبتغوا من فضله** تعالى بالتجارة **إنه كان بكم رحيما** (۶۶) في تسخيرها لكم **وإذا مسكم الضر**
الشدة **في البحر** خوف الغرق **ضل** غاب عنكم **من تدعون** تعبدون من الآلهة فلا تدعونه **إلا إياه**
تعالى فإنكم تدعونه وحده لأنكم في شدة لا يكشفها إلا هو **فلما نجاكم** من الغرق وأوصلكم **إلى البر
أعرضتم** عن التوحيد **وكان الإنسان كفورا** (۶۷) جحود النعم **أفأمنتم أن يخسف بكم جانب البر**
أي الأرض كقارون **أو يرسل عليكم حاصبا** أي يرميكم بالحصباء كقوم لوط **ثم لا تجدوا لكم
وكيلا** (۶۸) حافظا منه **أم أمنتم أن يعيدكم فيه** أي البحر **تارة** مرة **أخرى فيرسل عليكم قاصفا من**

الرِّيحِ اَیْ رِیْحًا شَدِیْدَۃً لَا تَمُرُّ بِشَیْءٍ اِلَّا قَصَفَتْہُ فَتَکْسِرُ فُلْکَکُمْ **فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ** بِکُفْرِکُمْ **ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا** ﴿۶۹﴾ نَصِیْرًا اَوْ تَابِعًا یُطَالِبُنَا بِمَا فَعَلْنَا بِکُمْ **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا** فَضَّلْنَا **بَنِي آدَمَ** بِالْعِلْمِ وَالنُّطْقِ وَاِعْتِدَالِ الْخَلْقِ وَغَیْرِ ذٰلِکَ وَمِنْہُ طَھَارَتُھُمْ بَعْدَ الْمَوْتِ **وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ** عَلَی الدَّوَابِّ **وَالْبَحْرِ** عَلَی السُّفُنِ **وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا** کَالْبَھَائِمِ وَالْوُحُوْشِ **تَفْضِيلًا** ﴿۷۰﴾ فَمَنْ بِمَعْنٰی مَا اَوْ عَلٰی بَابِھَا وَتَشْمُلُ الْمَلَائِکَۃُ وَالْمُرَادُ تَفْضِیْلُ الْجِنْسِ وَلَا یَلْزَمُ تَفْضِیْلُ اَفْرَادِہٖ اِذْھُمْ اَفْضَلُ مِنَ الْبَشَرِ غَیْرَ الْاَنْبِیَاءِ ع

ترجمہ: .... اور (اے پیغمبرؐ) میرے (مومن) بندوں سے کہہ دیجئے کہ (کفار سے) جو بات کہو ایسی کہو کہ خوبی کی ہو، شیطان لوگوں کے درمیان فساد ڈالتا ہے، واقعی شیطان انسان کا صریح دشمن ہے (کھلا مخالف اور وہ بہتر بات یہ ہے کہ) تمہارا پروردگار تمہارے حال سے خوب واقف ہے وہ چاہے تو تم پر رحم کرے (توبہ اور ایمان کی بدولت) چاہے تو عذاب میں ڈالے (کفر کی حالت میں موت دے کر) اور ہم نے آپؐ کو ان پر پاسبان بنا کر نہیں بھیجا ہے (کہ آپ انہیں ایمان لانے پر مجبور کریں، یہ حکم جہادی حکم سے پہلے کا ہے) اور آسمان و زمین میں جو کوئی بھی ہے، آپؐ کا پروردگار سب کا حال بہتر جاننے والا ہے (پس ان کے حالات کے مناسب جیسے چاہتا ہے۔ انہیں خاص کر دیتا ہے) ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر برتری دی ہے (ہر ایک کو مخصوص فضیلت بخش کر مثلاً: موسیٰ کو کلیم اللہ اور ابراہیم کو خلیل اللہ اور محمد علیہم السلام کو صاحب اسراء بنا کر) اور ہم نے داؤد کو زبور مرحمت فرمائی آپؐ (ان سے) فرما دیجئے تم نے جن ہستیوں کو اپنے خیال میں اللہ کے سوا (معبود) سمجھ کر رکھا ہے (مثلاً: فرشتے اور حضرت عیسیٰ و حضرت عزیرؑ) انہیں پکار دیکھو۔ نہ تو تم سے تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس کے بدل ڈالنے کا یہ لوگ جن ہستیوں کو پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے پروردگار کے حضور وسیلہ (اطاعت کے ذریعہ تقرب) ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ کہ کون ان میں سے (یبتغون کی ضمیر سے یہ بدل رہا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ **یبتغیها الذی هو**) اس راہ میں زیادہ قریب ہوتا ہے (پس دوسروں کا تو کیا پوچھنا) اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ (دوسری مخلوق کی طرح، پھر انہیں معبود کیسے قرار دے رہے ہیں؟) فی الحقیقت تمہارے پروردگار کا عذاب بڑے ہی ڈرنے کی چیز ہے اور جتنی بستیاں ہیں (یعنی بستی والے ہیں) ہم انہیں ضرور ہلاک کریں گے۔ قیامت سے پہلے (موت دے کر) یا (قتل کے ذریعہ) سخت عذاب میں مبتلا کریں گے۔ یہ بات تو نوشتہ الٰہی (لوح محفوظ) میں لکھی جا چکی ہے اور ہمیں خاص قسم کے معجزات (جن کی فرمائش یہ مکہ والے کر رہے ہیں) بھیجنے سے صرف یہی بات روک رہی ہے کہ پچھلے عہد کے لوگ ایسی ہی نشانیاں جھٹلا چکے ہیں (چنانچہ اس وجہ سے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، پس ان کے فرمائشی معجزات پورے کئے اور یہ جھٹلانے لگے تو پھر یہ بھی مستحق تباہی ہو جائیں گے، حالانکہ ہم نے محمدؐ کے کام کی تکمیل کے لئے انہیں ڈھیل دینے کا فیصلہ کر رکھا ہے) اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی کہ واضح (کھلی) نشانی تھی لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا (منکر ہو کر تباہی مول لی) اور ہم ایسی نشانیاں صرف ڈرانے کے لئے بھیجا کرتے ہیں (تاکہ بندے ایمان لے آئیں) اور (اے پیغمبرؐ وہ وقت یاد کیجئے) جب ہم نے آپؐ سے کہا تھا کہ آپؐ کے پروردگار نے تمام لوگوں کو گھیرے میں لے رکھا ہے (علم اور قدرت کے لحاظ سے، سب لوگ اللہ کے قبضہ میں ہیں یہ بات لوگوں کو سنا دیجئے اور کسی سے نہ ڈریئے کیونکہ اللہ آپؐ کا حافظ ہے) اور ہم نے (معراج کی رات کھلم کھلا) جو نظارہ آپؐ کو دکھلایا تھا وہ ان لوگوں کے لئے فتنہ کا سبب بنا دیا (کیونکہ مکہ والوں نے آپؐ کو جھٹلایا اور جب آپؐ نے لوگوں کو اس کی اطلاع دی تو بعض کچے لوگ اسلام سے پھر گئے) اسی طرح اس درخت کا ذکر جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے (یعنی زقوم کا درخت جو جہنم کی تلی میں اگا ہوا ہے۔ اس درخت کو بھی ان کے

لئے فتنہ بنادیا۔ کیونکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے پھر کیسے آگ میں درخت پیدا ہوسکتا ہے؟) اور ہم انہیں ڈراتے رہتے ہیں لیکن ان کی سرکشی حد سے زیادہ بڑھتی ہی چلی جارہی ہے۔ اور (اے پیغمبر! وہ وقت یاد کیجئے) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے جھک جاؤ (جھک کر تعظیمی آداب بجالاؤ) اس پر سب جھک گئے مگر ایک ابلیس نہ جھکا، کہنے لگا کیا میں اس ہستی کے آگے جھکوں، جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے (یہ لفظ منصوب ہے حذف جار کے ساتھ، اصل عبارت مـن طـيـن تھی) کہنے لگا کہ اس شخص کو جو مجھ پر برتری (فوقیت) دی ہے (سجدہ کا حکم دے کر حالانکہ میں اس سے بہتر ہوں، آگ سے پیدا ہوا ہوں) تو بھلا بتلایئے تو، خیر اگر (لام قسمیہ ہے) آپ مجھے قیامت تک مہلت دے دی تو میں تھوڑے سے آدمیوں کے علاوہ (جنہیں تو نے معصوم بنایا ہوگا) ضرور اس کی نسل کی بیخ بنیاد اکھاڑ کے (ختم کر کے) رہوں گا (بہکا سکھا کر اپنے بس میں کرلوں گا) ارشاد (باری) ہوا جا (تجھے پہلی دفعہ صور پھونکنے تک مہلت دے دی) جو شخص ان میں سے تیرے پیچھے چلے گا تو تم سب کی (تیری اور ان کی) سزا جہنم ہے، پوری پوری (بھرپور) سزا ہے اور ان میں سے جس جس پر تیرا قابو چلے اپنی چیخ وپکار سے (گا بجا کر اور ہر گناہ کی بات کی طرف لبھا کر) اس کے قدم کو اکھاڑ دینا (بہکا لینا) اور ان پر اپنے لشکر کے سوار اور پیادے چڑھا لانا (جو گناہوں میں سواروں اور پیدلوں کی طرح ہیں) اور ان کے (سود اور غصب جیسے حرام) مال اور اولاد (زنا) میں اپنا ساجھا کر لینا اور ان سے (قیامت اور سزا نہ ہونے کے بارہ میں) وعدے کرتے رہنا اور (اس بارہ میں) شیطان کے وعدے سراسر دھوکا ہوتے ہیں، میرے خاص بندوں (مسلمانوں) پر تیرا ذرا قابو (دباؤ) نہ چلے گا تمہارا پروردگار کارسازی کے لئے بس کرتا ہے (تیرے شر سے انکی حفاظت کرے گا) تمہارا پروردگار تو وہ ہے جو تمہارے کام سنوارنے کے لئے سمندر میں جہاز چلاتا ہے۔ تاکہ تم (تجارت کے ذریعہ) رزق تلاش کرو، بلاشبہ وہ تمہارے حال پر بڑا مہربان ہے (کہ جہاز و سمندر کو تمہارے بس میں کردیا ہے) اور جب تمہیں سمندر میں کوئی مصیبت (آفت) آگھیرتی ہے (ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے) تو اس وقت وہ تمام ہستیاں تم سے کھوئی جاتی ہے (غائب ہوجاتی ہیں) جنہیں تم پکارا کرتے تھے (جن کی تم بندگی کرتے ہو لہٰذا تمہیں ان کی پوجا نہیں کرنی چاہئے) صرف ایک اللہ ہی کی یاد باقی رہ جاتی ہے۔ (کیونکہ تم اس وقت صرف اسی کو پکارتے ہو، کیونکہ اس کے سوا مصیبت کو اور کوئی دور نہیں کرسکتا) پھر جب وہ تمہیں بچا لے جاتا ہے (ڈوبنے سے اور تمہیں پہنچا دیتا ہے) خشکی کی طرف تو پھر تم (توحید سے) پھر جاتے ہو حقیقت میں کہ انسان ہے بڑا ہی ناشکرا (کفران نعمت کرنے والا) پھر کیا تم اس بات سے بے فکر ہو بیٹھے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کی جانب لاکر زمین میں دھنسا دے (قارون کی طرح زمین میں) یا تم پر کوئی ایسی ہوا بھیج دے جو کنکر پتھر برسانے لگے (یعنی قوم لوط کی طرح تم پر کنکریٹ برسادے) پھر کسی کو اپنا کارساز نہ پاؤ (جو تمہیں اس عذاب سے بچالے) یا تم اس بات سے بے فکر ہوگئے ہو کہ اللہ پھر تمہیں اس (سمندر) میں دوبارہ بھیج دے۔ پھر تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے (ہوا کہ ایسے جھکڑ کہ جس پر گزریں اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیں۔ وہ تمہارے جہاز کے ٹکڑے کر کے رکھ دیں) اور تمہیں تمہارے کفر کی وجہ سے غرق کردیا جائے، تم پھر کسی کو نہ پاؤ جو اس کے لئے ہم پر دعویٰ کرنے والا ہو؟ (مددگار اور اس کارروائی پر ہمارا پیچھا کرنے والا ہو جو تمہارے ساتھ کی ہے) البتہ ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی (علم اور گویائی اور پیدائش میں اعتدال وغیرہ کی وجہ سے۔ اسی لئے مرنے کے بعد انسان کو پاک کیا جاتا ہے) اور ہم نے انہیں خشکی میں (جانوروں پر) اور سمندر میں (جہازوں پر) سوار کیا اور نفیس نفیس چیزیں انہیں عطا کیں اور اپنی بہت سی مخلوق (جیسے چوپائے اور وحشی جانوروں) پر برتری بخشی (یہاں من بمعنی ما ہے، یا اپنے معنی پر رہتے ہوئے فرشتوں کو بھی شامل ہو، اس سے مراد جب انسانی جنس کی برتری ہے جس کے لئے افراد کا برتر ہونا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ فرشتے، علاوہ انبیاء کے انسانوں میں برتر ہوتے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... بـمـن فـی السمٰوٰت یہ آیت ان مشرکین پر رد ہے جو آنحضرتؐ کے بارے میں یہ کہتے تھے کہ ایک یتیم نبی کیسے ہوسکتا ہے اور بھوکے ننگے لوگ اس کے صحابی کیسے ہوسکتے ہیں اسی لئے بعض مالکیہ یہ کہتے ہیں کہ جو شخص تنقیص کی نیت سے یہ الفاظ آنحضرتؐ اور صحابہ کی شان میں یہ کہے اس کو قتل کردینا چاہئے۔ واتینا داؤد. یہود کا غلط خیال چونکہ یہ تھا کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد کوئی

نبی نہیں آیا۔ اس لئے حضرت داؤدؑ کا خصوصیت سے ذکر کیا کیونکہ حضرت داؤدؑ کی نبوت یہود مانتے تھے اور ان کی کتاب زبور کو بھی مانتے تھے، جس میں ڈیڑھ سو آیات تھیں۔ اس کی سب سے بڑی سورت چوتھائی قرآن کے برابر اور چھوٹی سورت سورۃ اذاجاء کے برابر تھی۔ پوری زبور میں اللہ کی حمد و تعریف تھی۔ کوئی حکم حلال حرام، فرائض وحدود سے متعلق نہیں تھا۔ دوسری وجہ تخصیص یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حق تعالیٰ نے زبور میں فرمایا تھا کہ محمدؐ خاتم النبیین ہوں گے اور آپ کی امت بہترین امت ہوگی۔ جیسا کہ آیت ولقد کتبنافی الزبور میں اس طرف اشارہ ہے۔ وان من قریة یعنی قیامت سے پہلے مرنا ہر ایک کو ہے کسی کو اچھی موت، کسی کو بری موت۔ وما جعلنا الرؤیا بقول ابن عباسؓ اور اکثر مفسرینؒ کے نزدیک اس رؤیا سے مراد دیکھنا ہے جو آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں ملاحظہ فرمایا بعض مفسرینؒ نے جو اس کو خواب پر محمول کیا ہے وہ ضعیف ہے۔ کیونکہ لفظ رؤیا اور رؤیت میں لغوی حیثیت سے کوئی فرق نہیں ہے۔ بولتے ہیں رائتہ بعینی رؤیة ورؤیا۔ لیکن تفسیر کواشی میں ہے کہ رؤیا سونے کی حالت میں ہوتا ہے اور رؤیة جاگنے کی حالت میں۔ ولقد کرمنا منجملہ انسان کی تکریم کے یہ ہے کہ وہ دوسرے جانوروں کی طرح صرف منہ سے نہیں کھاتا بلکہ ہاتھ سے کھاتا ہے۔ نیز بہترین شکل اور اندازہ پر اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ اور کل عالم انسان کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور فرشتوں کو انسان کی مختلف خدمتوں پر لگادیا گیا ہے۔

بقول ابوالسعودؒ اس سے تمام انسان مراد ہیں، مومن ہو یا فاجر لیکن امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ صرف مومن مراد ہیں۔ کیونکہ کفار کے بارے میں تو ومن یھن اللہ فمالہ من مکرم۔ فرمایا گیا ہے اور مومن کی ظاہری تکریم تو یہ ہے کہ انہیں مجاہدات کی توفیق بخشی گئی ہے اور باطنی یہ کہ انہیں مشاہدات سے نوازا گیا ہے اور محمد بن کعبؒ کہتے ہیں۔ کہ انسان کی کرامت یہ ہے کہ حضرت محمدؐ کو انسانوں میں پیدا کیا گیا ہے۔ طھارتھم بعدالموت۔ منجملہ انسان کے فضائل کے یہ بھی ہے کہ مرنے کے بعد غسل دیا جاتا ہے۔ البتہ اگر کنویں میں کوئی مردہ انسان گرجائے تو ہمارے نزدیک کنواں ناپاک ہوجائے گا۔ شہید جس کے بدن پر خون نہ لگ رہا ہو یا غسل دیا ہوا مسلمان مردہ اگر کنویں میں گرجائے تو کنواں ناپاک نہیں ہوگا۔ برخلاف کافر کے وہ زندہ ہو یا مردہ بقول درمختار کے پانی ناپاک ہوجائے گا۔ اور ردالمختار میں ہے کہ مردہ ناپاک ہوتا ہے۔ کیوں کہ جس جانور کے جسم میں خون ہوتا ہے وہ مرنے سے ناپاک ہوجاتا ہے۔ بہرحال مردہ کا غسل دینا امر تکریم ہے تو انسان سے مراد بقول قشیریؒ صرف مسلمان لیا جائے گا۔ کیوں کہ غسل وکفن دینا تو شرعی احکام ہے جو مسلمان ہی کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔ من الطیبات انسان کی خوراک نباتات ہوں یا حیوانات دونوں قسم کی غذائیں بغیر مکمل طریقہ پر پکائے بنائے نہیں کھائی جاتیں۔ یہ بھی انسان کی خصوصیات میں سے ہیں۔ وفضلناھم تکریم اور تفضیل میں فرق یہ ہے کہ انسان میں جو سمجھنے بولنے اور لکھنے اور حسن صورت کی جو خلقی اور طبعی خوبیاں ہیں۔ وہ تکریم میں داخل ہیں اور انسانی سمجھ اور عقل کے ذریعہ جو صحیح عقائد اور عمدہ اخلاق حاصل ہوں۔ انہیں تفضیل کہا جائے گا اور فضلیت سے یہاں جنسی فضیلت مراد ہے۔ یعنی انسان کی جنس فرشتوں کی جنس سے برتر ہے۔ پس اب یہ شبہ نہیں رہا کہ تمام انسان کے افراد فرشتوں کے افراد سے کیسے بہتر ہوسکتے ہیں۔ کیوں کہ جنسی فضیلت کی یہ صورت ہے کہ خواص انسان خاص فرشتوں سے اور خاص فرشتے عام انسانوں سے اور عام انسان عام فرشتوں سے برتر ہوں۔ اس لئے یہ ممکن ہے خواص ملائکہ، عام انسانوں سے افضل ہوں۔ گویا اشخاص کے درجہ میں تو فرشتے، انسانوں اور انسان فرشتوں سے بہتر ہوسکتے ہیں۔ لیکن جنسی اور نوعی برتری انسان ہی کو حاصل ہے جیسا کہ اشاعرہ کی رائے ہے۔

ربطِ آیات: .... چونکہ پچھلی آیات میں کفار کی جہالتوں کا بیان ہوا تھا پس ممکن تھا کہ مسلمانوں کو غصہ آجاتا۔ اس لئے جواب میں نرمی برتنے کی تعلیم آیت وقل لعبادی۔ سے دی جارہی ہے۔ اس کے بعد آیت ربکم اعلم۔ میں کفار کے اس شبہ کا جواب دیا جارہا ہے کہ اول تو رسول انسان ہی نہیں ہونا چاہئے اور ہو بھی تو کسی رئیس امیر کو ہونا چاہئے۔ اس کے بعد آیت قل ادعوا الذین میں

مشرکین کے جنات اور فرشتوں کی پرستش کرنے پر رد کیا جارہا ہے۔ حالانکہ فرشتے تو سارے ہی مومن ہیں اور بعض جنات بھی ایمان لا چکے تھے۔ آگے آیت **وان من قریۃ** میں کفار کو ہلاکت وعذاب سے ڈرایا جارہا ہے کہ دنیا میں یا آخرت میں یہ عذب ٹلے گا نہیں۔ اس کے بعد آیت **ومامنعنا** سے کفار کے بعض فرمائشی معجزات پورا نہ ہونے کی حکمت بتلائی جارہی ہے۔ اور پھر آیت **واذقلنا للملائکۃ** سے حضرت آدمؑ کی پیدائش کا حال ذکر فرمادیا تاکہ معلوم ہوجائے کہ جس طرح مخالفتِ آدمؑ کا سبب شیطان کا حسد تھا۔ اسی طرح آنحضرتؐ سے عداوت کا باعث بھی یہود وکفار کا حسد ہے اور یہ کہ جس طرح آدمؑ شر شیطانی سے محفوظ رہے، آپ بھی اسی طرح تسلی رکھئے۔ بعد آیت **ربکم الذی** میں منعم حقیقی کے حقوق کی ادائیگی کی ترغیب ہے جس میں بڑا حق توحید ہے اور پیرایۂ بیان انعامات اختیار کیا گیا ہے، اسی طرح ذیل میں **ولقد کرمنا** سے خصوصی انعام کا ذکر کیا ہے۔

شانِ نزول: .... ابن اسحاقؒ کی تخریج ہے کہ معراج کی صبح جب آنحضرتؐ نے لوگوں سے رات کا واقعہ ذکر کیا تو لوگوں نے آپ کو جھٹلایا۔ اس پر آیت **وما جعلنا** نازل ہوئی اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مکہ والوں نے آپؐ سے فرمائش کی کہ آپ صفا پہاڑ سونے کا بنادیجئے اور دوسرے پہاڑوں کو یہاں سے ہٹادیجئے تاکہ مکہ میں کاشتکاری ہوسکے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اختیار دیا گیا کہ چاہے آپ صبر وانتظار سے کام لے کر انہیں حالات کے حوالے کردیں اور دیکھیں کہ حالات کیا رُخ کرتے ہیں لیکن اگر آپ کی خواہش نہ ہو تو ہم ان کی فرمائش پوری کئے دیتے ہیں لیکن یہ یاد رکھئے کہ پھر اگر باز نہ آئے تو عذاب الٰہی ان پر اترے گا۔ چنانچہ آپؐ نے پہلی شق کو اختیار کیا۔ اس سلسلہ میں آیت **ومامنعنا** نازل ہوئی۔

﴿ **تشریح** ﴾: .... **نرم کلامی مؤثر ہوتی ہے:** .... آیت **وقل لعبادی** میں حکم دیا جارہا ہے کہ مسلمان جب منکرین اسلام سے گفتگو کریں تو پسندیدہ طریقہ پر کرنی چاہئے اس طرح کی باتیں نہ کرو جس سے باہم فتنہ فساد پیدا ہو اور بجائے کھنچنے کے اور زیادہ متفرق ہوجائیں۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مسلمانوں نے بعض مشرکوں کو کہا تھا کہ "تم جہنمی ہو" اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو اس بات سے روکا گیا کہ کسی جماعت یا فرد کو یقین کے ساتھ اس طرح کی بات نہ کہو کہ تم جہنمی ہو کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ کس آدمی کا خاتمہ کس حال پر ہونے والا ہے؟ بہت ممکن ہے جسے تم جہنمی کہہ رہے ہو اسے ہدایت کی توفیق ملنے والی ہو اور اس کی جگہ جنتیوں میں ہو۔ بلاشبہ تم کہہ سکتے ہو، یہ بات حق ہے اور یہ نہیں۔ لیکن کسی جماعت یا فرد کی نسبت حکم نہیں لگا سکتے ہو کہ یہ ضرور جہنمی ہے ایسا کہنے کا حق کسی کو نہیں۔ غور کرو قرآن کس طرح قدم قدم پر یہ بات یاد دلاتا رہتا ہے کہ فکر میں رواداری ہونی چاہئے۔ حکم میں احتیاط ہونی چاہئے جس بات کو حق سمجھتے ہو اس پر جم جاؤ اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دو مگر نہ بھولو کہ انسان کی نجات وعدم نجات کی ٹھیکہ داری تمہیں نہیں دی گئی۔ کون نجات پانے والا ہے اور کس کے لئے بالآخر محرومی ہے؟ اس کا علم خدا ہی کو ہے تمہیں حق نہیں کہ اس طرح کے حکم لگاتے پھرو۔

سخت کلامی کا نقصان: .... علاوہ ازیں اگر ایک انسان غلط راہ پر چل رہا ہے تو تمہارے جہنمی کہہ دینے سے وہ جنتی نہیں بن جائے گا بلکہ بہت ممکن ہے اپنی غلطی میں اور ضدی ہوجائے۔ پس جو کچھ بھی زبان سے نکالو حسن وخوبی کی بات ہو، سختی وخشونت کی بات نہ ہو شیطان چاہتا ہے کہ لوگوں میں تفرقہ وفساد ڈالے۔ یعنی اس طرح کا طریق گفتگو تفرقہ وفساد پیدا کرتا ہے اور اصل مقصود رشد وہدایت گم ہوجاتی ہے۔ غرضیکہ غیر ضروری سختی اور درشت کلامی سے روکا جارہا ہے ورنہ ضرورت اور مصلحت کے موقعہ پر تو اس سے بھی زیادہ قتل وقتال تک اجازت ہے۔

مصلح صرف داعی ہوتا ہے نہ کہ ذمہ دار:............ آیت وما ارسلنٰک میں فرمایا جارہا ہے کہ اے پیغمبرؐ! ہم نے آپؐ کو لوگوں پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے کہ لوگوں کی نجات وعدم نجات کے لئے ذمہ دار ہو اور جب خود پیغمبر کو یہ منصب حاصل نہیں تو اور کسی کے لئے کب جائز ہوسکتا ہے کہ اپنے کو جنت ودوزخ کا داروغہ سمجھ لے۔ آیت وان من قریة میں افراد کا ذکر نہیں جماعتوں، قوموں اور بستیوں کا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں ہر بداعمال گروہ کو اس کے اعمال بد کی پاداش کامل جانا ضروری ہے خواہ ہلاکت کی صورت میں ہو یا کسی دوسرے عذاب کی صورت میں اور ہلاکت ہونے سے طبعی موت مراد نہیں کہ وہ تو سب ہی کو پیش آنی ہے فرماں بردار ہو یا نافرمان بلکہ بطور آفت الٰہی کے تباہی مراد ہے۔

مشیّت اور قانونِ الٰہی:............ آیت وما منعنا نے قطعی طور پر یہ حقیقت واضح کردی کہ پیغمبروں نے جو نشانیاں دکھائی تھیں ان کی حقیقت کیا تھی فرمایا کہ نشانیاں اس لئے نہیں دی گئیں کہ سچائی کی دلیل تھیں یا ہدایت کا معاملہ ان پر موقوف ہوتا ہے۔ بلکہ صرف اس لئے کہ وہ ظہور عذاب کا مقدمہ تھیں۔ یعنی جو قومیں سرکشی سے باز نہیں آئیں انہیں ظہور نتائج کی خبر دے دی گئی اور اس خبر کا ظہور ایک نشانی کی صورت میں ہوا چنانچہ قوم ثمود سرکشی سے باز نہ آئی تو اونٹنی کا معاملہ اس کے لئے ایک فیصلہ کن نشانی ہوگئی اور اس نشانی کے بعد وعدہ کے مطابق عذاب آکر رہا۔ اس آیت میں منکرین عرب سے خطاب ہے جو اپنی بات بنانے کے لئے نشانیوں کی فرمائشیں کرتے تھے۔ فرمایا کہ جو طالب حق ہیں ان کے لئے سچائی کی دعوت ہی سب سے بڑی نشانی ہے اور جو ماننے والے نہیں، ان کے لئے کوئی نشانی سودمند نہیں ہوتی۔ چنانچہ پچھلے عہدوں میں ہمیشہ ایسا ہی ہوچکا ہے کوئی نشانی بھی سرکشوں کے لئے سودمند نہ ہوسکی اور فرمایا کہ ہمارا قانون یہ ہے کہ اس طرح کی نشانیاں ڈرانے دھمکانے ہی کے لئے نمودار ہوتی ہیں۔ پس اگر اب بھی اُن تک نوبت پہنچی تو منکروں کے لئے عذاب کا آنا ناگزیز ہوگا۔ حالانکہ مشیّتِ الٰہی نہیں چاہتی کہ عذاب آئے۔

واقعۂ معراج اور زقوم درخت کے فتنہ ہونے کا مطلب:............ بعض لوگوں نے آیت وما جعلنا الرؤیا سے معراج کے خوابی ہونے پر استدلال کیا ہے عنوان تحقیق میں اس کا حل گزر چکا ہے۔ واقعۂ معراج جسمانی کے فتنہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کفار کو یقین نہیں آتا تھا۔ کہ اتنے سے وقت میں اتنے دور دراز اور آسمانوں کا سفر کیسے ممکن ہے اور زقوم کے درخت کا جہنم میں ہونا اس لئے فتنہ کا باعث بنا کر آگ سے تو درخت جل کر بھسم ہوجاتا ہے پھر جہنم میں یہ درخت کیسے اُگے گا۔ غرضیکہ منکرین ان دونوں باتوں کی ہنسی اُڑاتے تھے۔ اسراء کا معاملہ جب بیان کیا گیا تو کہنے لگے یہ جنون کی انتہا ہے اور جہنم کے اہوال وشدائد کی جب آیتیں سنائی گئیں تو کہنے لگے جہنم بھی عجیب ہوگی جہاں آگ کے شعلوں میں درخت پیدا ہوں گے۔ فرمایا ان دونوں باتوں میں ان لوگوں کے لئے آزمائش ہوئی اگر طالبِ حق ہوتے تو ہنسی اُڑانے کی جگہ عقل وبصیرت سے کام لیتے۔ آیت واذ قلنا میں ابلیس کی سرکشی کا تذکرہ کیا تا کہ واضح ہوجائے کہ حق کے مقابلہ میں سرکشی کی چال چلنا ابلیس کی چال ہے اور یہ پہلے سے چلی آتی ہے۔ پھر آیت ربکم الذی سے سلسلہ بیان انسان کی غفلت وگمراہی کی طرف پھر گیا۔

شرفِ انسانی:............ انسان میں بعض خصوصیتیں ایسی پائی جاتی ہیں جو دوسری کسی جاندار چیز میں نہیں پائی جاتیں۔ مثلاً: حسنِ صورت، راست قد ہونا اور عقل وفہم کا رکھنا مختلف ایجادات وکمالات پر قادر ہونا کہ یہ باتیں تمام نوعِ انسان میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے سب ہی انسان مراد ہیں اور چونکہ انسانی تکریم کے سلسلہ میں خشکی وتری کے سفر کی سہولتیں بہم پہنچانا بیان کیا گیا ہے اور یہ چیزیں کسی طرح مدارِ

فضیلت وشرافت نہیں ہوسکتیں اُدھر جن صفات کی وجہ سے انسان، فرشتوں سے افضل ہوسکتا ہے وہ سب انسانوں میں عام نہیں۔ اس لئے اس شبہ کو دور کرنے کے لئے فضلنا کا لفظ لایا گیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ تکریم سے مراد تمام مخلوق پر برتری بتلانا نہیں ہے۔ بلکہ بعض مخلوق پر برتری بیان کی ہے یعنی جانور یا ان سے کم درجہ جو مخلوق ہے ان سب سے انسان بڑھا ہوا ہے متکلمین کے درمیان، انسان اور فرشتوں کی فضیلت کا جو مشہور مسئلہ مختلف فیہ ہے اس آیت کو اس سے کوئی تعلق نہیں اس لئے کسی فریق کے استدلال کے لئے بھی یہ آیت مفید نہیں ہے۔

لطائفِ آیات: ....آیت وقل لعبادی سے معلوم ہوا کہ مخالفین کے ساتھ نرمی سے پیش آنا چاہئے۔ آیت ربکم اعلم سے معلوم ہوا کہ اصلاحی سلسلہ میں کسی کے درپے نہیں ہونا چاہئے۔ آیت وکفی بربك وکیلا سے معلوم ہوا کہ انسان بغیر حفاظتِ الٰہی کے خود گمراہی کے مواقع سے نہیں بچ سکتا۔ آیت ام امنتم میں اگر چہ پچھلی حالت یاددلائی جارہی ہے اور اہل طریق، یاد ماضی کو حجاب کہتے ہیں اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اہل طریق کا مشورہ ان لوگوں کے بارہ میں ہے جو غفلت دور کرکے یادِ حق میں مشغول ہوگئے ہوں اور آیت میں اہل غفلت سے خطاب کیا جارہا ہے کہ وہ غفلت اور سرکشی دور کردیں۔ غرضیکہ آیت اور اہل طریق کے کلام میں کوئی منافات نہیں ہے بلکہ دونوں میں قدرِ مشترک حق میں مشغول ہونا ہے۔

اُذْكُرْ **يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ** بِنَبِيِّهِمْ فَيُقَالُ يَااُمَّةَ فُلَانٍ اَوْ بِكِتَابِ اَعْمَالِهِمْ فَيُقَالُ يَاصَاحِبَ الْخَيْرِ وَيَا صَاحِبَ الشَّرِّ وَهُوَيَوْمُ الْقِيَامَةِ **فَمَنْ اُوْتِيَ** مِنْهُمْ **كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ** وَهُمُ السُّعَدَاءُ اُولُوا الْبَصَائِرِ فِي الدُّنْيَا **فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ** يُنْقَصُوْنَ مِنْ اَعْمَالِهِمْ **فَتِيْلًا﴿۷۱﴾** قَدْرَقِشْرَةِ النَّوَاةِ **وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ** اَيِ الدُّنْيَا **اَعْمٰى** عَنِ الْحَقِّ **فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى** عَنْ طَرِيْقِ النَّجَاةِ وَقِرَاءَةِ الْكِتَابِ **وَاَضَلُّ سَبِيْلًا﴿۷۲﴾** اَبْعَدُ طَرِيْقًا عَنْهُ وَنَزَلَ فِيْ ثَقِيْفٍ وَقَدْ سَأَلُوْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تُحَرِّمَ وَادِيَهُمْ وَالْحُوْا عَلَيْهِ **وَاِنْ** مُخَفَّفَةٌ **كَادُوْا** قَارَبُوْا **لَيَفْتِنُوْنَكَ** يَسْتَزِلُّوْنَكَ **عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ** **وَاِذًا** لَوْفَعَلْتَ ذَالِكَ **لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا﴿۷۳﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ** عَلَى الْحَقِّ بِالْعِصْمَةِ **لَقَدْ كِدْتَّ** قَارَبْتَ **تَرْكَنُ** تَمِيْلُ **اِلَيْهِمْ شَيْئًا** رُكُوْنًا **قَلِيْلًا﴿۷۴﴾** لِشِدَّةِ اِحْتِيَالِهِمْ وَاِلْحَاحِهِمْ وَهُوَ صَرِيْحٌ فِيْ اِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَرْكَنْ وَلَا قَارَبَ **اِذًا** لَوْرَكَنْتَ **لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ** عَذَابِ **الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ** عَذَابِ **الْمَمَاتِ** اَيْ مِثْلَىْ مَايُعَذَّبُ غَيْرُكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ **ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا﴿۷۵﴾** مَانِعًا مِنْهُ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ لَهُ الْيَهُوْدُ اِنْ كُنْتَ نَبِيًّا فَالْحَقْ بِالشَّامِ فَاِنَّهَا اَرْضُ الْاَنْبِيَاءِ **وَاِنْ** مُخَفَّفَةٌ **كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ** اَرْضِ الْمَدِيْنَةِ **لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا** لَوْ اَخْرَجُوْكَ **لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ** فِيْهَا **اِلَّا قَلِيْلًا﴿۷۶﴾** ثُمَّ يُهْلِكُوْنَ **سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا** اَيْ كَسُنَّتِنَا فِيْهِمْ مِنْ اِهْلَاكِ مَنْ اَخْرَجَهُمْ **وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا﴿۷۷﴾** تَبْدِيْلًا **اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ** اَيْ مِنْ وَقْتِ زَوَالِهَا **اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ** اِقْبَالِ ظُلْمَتِهٖ

اَیِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ **وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ** صَلٰوةَ الصُّبْحِ **اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا** ﴿۷۸﴾ تَشْهَدُهُ مَلٰئِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلٰئِكَةُ النَّهَارِ **وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ** فَصَلِّ **بِهٖ** بِالْقُرْاٰنِ **نَافِلَةً لَّكَ** فَرِيْضَةً زَائِدَةً لَكَ دُوْنَ اُمَّتِكَ اَوْ فَضِيْلَةً عَلَى الصَّلَوَاتِ الْمَفْرُوْضَةِ **عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ** يُقِيْمَكَ **رَبُّكَ** فِي الْاٰخِرَةِ **مَقَامًا مَّحْمُوْدًا** ﴿۷۹﴾ يَحْمَدُكَ فِيْهِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ وَهُوَ مَقَامُ الشَّفَاعَةِ فِيْ فَصْلِ الْقَضَاءِ وَنَزَلَ لَمَّا اُمِرَ بِالْهِجْرَةِ **وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ** اَلْمَدِيْنَةَ **مُدْخَلَ صِدْقٍ** اَيْ اِدْخَالًا مَرْضِيًّا لَا اَرٰى فِيْهِ مَا اَكْرَهُ **وَّاَخْرِجْنِيْ** مِنْ مَكَّةَ **مُخْرَجَ صِدْقٍ** اِخْرَاجًا لَا اَلْتَفِتُ بِقَلْبِيْ اِلَيْهَا **وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا** ﴿۸۰﴾ قُوَّةً تَنْصُرُنِيْ بِهَا عَلٰى اَعْدَائِكَ **وَقُلْ** عِنْدَ دُخُوْلِكَ مَكَّةَ **جَآءَ الْحَقُّ** اَلْاِسْلَامُ **وَزَهَقَ الْبَاطِلُ** بَطَلَ الْكُفْرُ **اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا** ﴿۸۱﴾ مُضْمَحِلًّا زَائِلًا وَقَدْ دَخَلَهَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَوْلَ الْبَيْتِ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَّسِتُّوْنَ صَنَمًا فَجَعَلَ يَطْعَنُهَا بِعُوْدٍ فِيْ يَدِهٖ وَيَقُوْلُ جَاءَ الْحَقُّ الخ حَتّٰى سَقَطَتْ رَوَاهُ الشَّيْخَانُ **وَنُنَزِّلُ مِنَ** لِلْبَيَانِ **الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ** مِنَ الضَّلَالَةِ **وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ** بِهٖ **وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ** الْكَافِرِيْنَ **اِلَّا خَسَارًا** ﴿۸۲﴾ لِكُفْرِهِمْ بِهٖ **وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ** الْكَافِرِ **اَعْرَضَ** عَنِ الشُّكْرِ **وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ** ثَنٰى عِطْفَهُ مُتَبَخْتِرًا **وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ** اَلْفَقْرُ وَالشِّدَّةُ **كَانَ يَئُوْسًا** ﴿۸۳﴾ قَنُوْطًا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ **قُلْ كُلٌّ** مِنَّا وَمِنْكُمْ **يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ** طَرِيْقَتِهٖ **فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا** ﴿۸۴﴾ طَرِيْقًا فَيُثِيْبُهُ

ترجمہ: .... اس دن کو (یاد کیجئے) جب ہم تمام انسانوں کو ان کے پیشواؤں کے ساتھ بلائیں گے (یعنی انبیاء سمیت) چنانچہ "فلاں کی امت" کہہ کر پکارا جائے گا یا اعمال نامے مراد ہیں۔ یعنی اس طرح پکارا جائے گا کہ اے اچھے کام کرنے والے! اے بُرے کام کرنے والے! اور وہ قیامت کا دن ہوگا) پھر جس کا اعمالنامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا (اور یہ وہ نیک لوگ ہوں گے جو دنیا میں دانشمند شمار ہوتے تھے) تو ایسے لوگ اپنے اعمالنامے پڑھیں گے اور ان پر زیادتی نہیں کی جائے گی (ان کے اعمال کم کر کے) رائی برابر (کھجور کی گٹھلی پر جھلی کے برابر) اور جو شخص اس دنیا میں (حق سے) اندھا بنا رہا تو یقین کرو آخرت میں بھی وہ اندھا ہی رہے گا (راہِ نجات اور اعمالنامے پڑھنے سے) اور یک قلم بھٹکا ہوا (بہت ہی گم کردہ راہ، اگلی آیت ثقیف کے لوگوں کے بارہ میں نازل ہوئی۔ جنہوں نے آنحضرتؐ سے درخواست کی تھی کہ آپؐ ان کی رہائش گاہ کو بھی حرم بنا دیں، اور اس پر انہوں نے اصرار سے کام لیا) ان لوگوں نے تو اس میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی (ان مخففہ ہے اور کادوا بمعنی قاربوا ہے) کہ آپؐ کو اس کلام سے بچلانے ہی لگے تھے جو ہم نے آپ پر بذریعہ وحی نازل کیا ہے تاکہ اس کلام کی جگہ دوسری باتیں کہہ کر آپؐ ہماری طرف غلط بات کی نسبت کر دیں اور ایسی حالت میں (کہ آپ یہ کارروائی کر گزرتے) آپ کو یہ گاڑھا دوست بنا لیتے اور اگر ہم نے آپ کو جما دیا نہ ہوتا (حق پر معصوم بنا کر) تو آپ ضرور کچھ نہ کچھ ان کی طرف میلان کر بیٹھتے۔ (ان کی حیلہ گری اور سخن سازی کی وجہ سے، اس سے صراحتہً معلوم ہوا کہ نہ آپؐ انکی طرف جھکے اور نہ مائل ہوئے) اگر ایسا (کہ آپؐ کا کچھ بھی میلان) ہو جاتا تو ہم ضرور آپ کو زندگی میں بھی دوہرا عذاب چکھاتے اور موت کا بھی (یعنی دنیا و آخرت میں اوروں سے دگنے عذاب میں آپ کو مبتلا کر دیا جاتا) پھر آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار بھی نہ ملتا (جو عذابِ الٰہی روک

لیتا، اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب یہود کہنے لگے کہ آپ اگر نبی ہیں تو ملک شام چلے جائیے کہ وہی سرزمین انبیاء ہے) اور یہ لوگ اس سرزمین سے (مدینہ) آپ کے قدم اکھاڑنے لگے تھے تا کہ آپ کو وہاں سے نکال دیں۔ اور اگر ایسا ہو جاتا (کہ آپ کو یہ نکال باہر کرتے) تو یہ بھی آپ کے بعد بہت کم ٹھہرنے پاتے (کہ پھر برباد ہو کر رہتے) جیسا کہ آپ سے پہلے جو پیغمبر ہم بھیج چکے ہیں۔ ان سب کے معاملہ میں ہمارا ایسا ہی قاعدہ رہا ہے (یعنی جیسا طریقہ ہمارا ان لوگوں کو برباد کرنے کا رہا ہے جنہوں نے پیغمبروں کو نکالا تھا) اور ہمارے ٹھہرائے ہوئے قاعدوں کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائیے گا، نمازیں ادا کیجئے، سورج ڈھلنے کے بعد سے (یعنی زوال آفتاب کے بعد سے) رات کے اندھیرے تک (اندھیری شروع ہونے تک، یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں) اور صبح کا قرآن (صبح کی نماز) بے شک صبح کا قرآن حاضر ہونے کا وقت ہے (جس میں رات دن کے فرشتے حاضر رہتے ہیں) اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی (نماز پڑھئے) سو تہجد میں (قرآن) پڑھئے۔ یہ آپ کے لئے مزید ایک عمل ہے (آپ کی امت سے زائد یہ ایک فریضہ ہے جو آپ کے ذمہ ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس میں فرض نمازوں سے بڑھ کر فضیلت ہے) اُمید ہے کہ آپ کا پروردگار (آخرت میں) آپ کو مقام محمود میں جگہ عنایت کرے گا (جس کی تعریف اولین وآخرین سب کریں گے اور وہ مقدمات کے فیصلوں کے وقت، سفارش کا ایک مقام ہوگا اور آنحضرت کو جب ہجرت کا حکم ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی) اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو خوبی کے ساتھ (مدینہ میں) پہنچائیو (یعنی ایسی راحت کے ساتھ جس میں ناگواری کا نام ونشان نہ ہو) اور (مکہ سے) خوبی کے ساتھ لے جائیو (ایسے طریقہ سے کہ مکہ کی طرف میری توجہ نہ رہے) اور مجھے اپنے حضور سے ایسی قوت عطا فرما، جس کے ساتھ مدد شامل ہو (جو تیرے دشمنوں کے خلاف میری امداد کر سکے) اور (مکہ میں داخلہ کے وقت) تمہارا اعلان یہ ہونا چاہئے کہ دیکھو حق (اسلام) ظاہر ہو گیا اور باطل (کفر) گیا گزرا ہوا۔ اور باطل چیز تو یوں ہی نیست ونابود ہو کر رہتی ہے (آتی جاتی رہتی ہے۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے تو اس کے اردگرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے آپ اپنے ہاتھ کی لکڑی سے اشارہ کرتے جاتے تھے۔ اور "جـــاء الحق" فرماتے جاتے تھے۔ اور بت تھے کہ گرتے جارہے تھے رواہ الشیخان) اور ہم نے جو قرآن میں نازل کیا ہے (مِنْ بیانیہ ہے) تو وہ ایمان لانے والوں کے حق میں (گمراہی سے) شفاء اور رحمت ہے اور ناانصافوں (کافروں) کو اور اُلٹا نقصان بڑھتا ہے (ان کے کفر کی وجہ سے) اور انسان (کافر) پر جب ہم انعام کرتے ہیں تو ہم سے (ہمارے شکر سے) منہ پھیر لیتا ہے اور کروٹ پھیر لیتا ہے (اکڑتے ہوئے پہلوتہی کر لیتا ہے) اور جب اسے دکھ (تنگ دستی اور سختی) پہنچ جائے تو دیکھو بالکل مایوس (اللہ کی رحمت سے ناامید) ہو کر بیٹھ جاتا ہے آپ فرما دیجئے (ہم میں سے اور تم میں سے) ہر انسان اپنے طور (طریقہ کے مطابق عمل کر رہا ہے پس تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سب سے زیادہ ٹھیک راستہ پر ہے (اس لئے وہ اسے ثواب دے گا)

تحقیق وترکیب:............ **فتیلا**۔ اس کی تشریح **قدر ہ قشر النواۃ**۔ گٹھلی کے اوپر کی جھلی سے کرنا ٹھیک نہیں ہے بلکہ گٹھلی کے بیچ میں جو ایک باریک دھاگہ ہوتا ہے اسے **فتیـل** کہتے ہیں اور جھلی کو **قطـمیـر** کہتے ہیں اور **نـقیـر** کہتے ہیں اس باریک سے دھاگہ کو جو کھجور کی گٹھلی کے کمر پر ہوتا ہے۔ پس گویا گٹھلی پر تین چیزیں ہوئیں فتیل، قطمیر، نقیر۔

دلوک۔ اس کے معنی اگر زوال آفتاب کے لئے جائیں تو یہ آیت پانچوں نمازوں کے لئے جامع ہے اور غروب کے معنی لئے جائیں تو صرف تین نمازیں مراد ہونگی اور ظہر وعصر نکل جائے گی۔ **وقـرآن الفجر** ۔ اگر اس کا عطف **الـصلوٰۃ**۔ پر ہو تو مراد نماز فجر ہوگی اور منصوب علی الاغراء ہو تو تلاوت قرآن مطلوب ہوگی اور تیسری صورت یہ ہے کہ منصوب فعل مضمر سے ہو۔ ای **اقـم او الـزم قـرآن الـفجر** اور قرآن سے مراد نماز اس لئے ہے کہ قرأت نماز کا جزو ہے۔ برخلاف مزیدؒ بن اجم کے وہ قرأت کو نماز کا جزو نہیں مانتے اور نماز فجر کی تخصیص میں طول قرأت کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں طوال مفصل مسنون ہے۔ **ومـن الیـل** ۔ اس کا تعلق تہجد کے ساتھ بھی

ہوسکتا ہے۔ای تهجدبالقرآن بعض اللیل اوراس کا تعلق محذوف کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے۔ای قم قومۃمن اللیل فتهجدنافلۃ لک۔ اگر تہجد آنحضرتؐ پرواجب مانا جائے تو نافلۃ کے لغوی معنی مراد لئے جائیں گے۔ورنہ اصل اصطلاحی معنی پر رہے گا۔

ربط آیات: ....آیت وقالوا أاذا کنا عظاما ۔میں اثبات قیامت کا مضمون تھا۔آیت یوم ندع میں بعض واقعات قیامت کے ضمن میں مخالفت کرنے والوں کو وعید فرمائی جارہی ہے۔اس کے بعد آیت وان کادوا ۔سے آنحضرتؐ کی مخالفت کرنے والوں کا بیان ہے خواہ دینی اعتبار سے عداوت کریں یا دنیاوی لحاظ سے اورآخر سورت تک رسالت ہی سے متعلق مضمون چلا گیا ہے۔آگے آیت واقم الصلوٰۃ میں آنحضرتؐ کے عبادت میں مشغول رہنے اور قل رب ادخلنی میں اللہ کی طرف خود کوسپرد کرنے اوراس سے التجا کرنے کی تعلیم ہے اور عسی ان یبعثک میں بعض اخروی بشارتوں کا تو صراحۃً ذکر ہے اور جاء الحق میں بعض دنیاوی بشارتوں کا اشارۃً وعدہ ہے اور مقصود آپ کو تسلی دینا ہے کہ آپ ان کاموں میں مشغول رہنے کی وجہ سے ادھرد ھیان نہ لے جائیں جس سے طبع مبارک پر ملال اور میل آئے یار ہے۔پھر آیت ننزل من القرآن میں نبوت پر استدلال کرتے ہوئے آیت ولا یزید میں کفار کی بد استعدادی بیان فرمادی۔تا کہ کفار سے مایوس ہونا زیادہ رنج کا باعث نہ ہو۔اس کے بعد آیت واذاانعمنا میں کفار کی مخالفت کا سبب بتلانا ہے کہ تکبر اور قلبی قساوت اورخدا سے بے تعلقی سے ایسا ہوا ہے۔اورآیت قل کل میں عام الفاظ سے مسلمان اور کفار دونوں کے اعمال اور اقوال اور جزاءاور سزا کے فرق کی طرف اجمالاً اشارہ ہے۔

شان نزول: ....قبیلۂ ثقیف کے لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے ہم آپؐ کی بات اس وقت مانیں گے جب آپؐ ہمیں ایسی چیز عطا فرمادیں جس سے ہم سارے عرب پر فخر کریں۔لانعشرو لانحشرو لانجبی فی صلاتنایعنی نہ ہم عشر ادا کریں گے اور نہ جہاد کریں گے اور نہ ہم نماز پڑھیں گے اوراگر عرب کے لوگ آپؐ سے پوچھیں کہ آپؐ نے ایسا کیوں کیا؟ آپؐ کہہ دینا کہ اللہ نے مجھے ایسا ہی کہا ہے۔آنحضرتؐ یہ باتیں سن کر خاموش ہوئے،وہ خوش ہوئے کہ ہماری مراد برآنے والی ہے۔اس پرآیت وان کادوا نازل ہوئی اس طرح آیت وان کادوالیستفزونک کے شان نزول کی طرف جلال محققؒ اشارہ کررہے ہیں کہ یہود نے آنحضرتؐ کو یہ کہہ کر مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کی کہ اگر آپ واقعی نبی ہیں تو آپؐ کو ملک شام میں جاکر رہنا چاہئے جو تمام انبیاء کا وطن ومسکن رہا ہے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔اس صورت میں آیت کو مدنی ماننا پڑے گا لیکن اگر آیت کو مکی مانا جائے تو پھر آیت لیخرجوک سے مراد مکہ سے نکالنا ہوگا کہ اللہ نے کفار کو ان کے عزائم میں ناکام کیا۔یہ دوسری بات ہے کہ آپؐ کو ہجرت کا حکم ہوا اور آپؐ خود وطن کو چھوڑ آئے مگر دشمن نکالنے کی تدابیر میں ناکام رہے۔

﴿تشریح﴾: ....**اعمالنامے داہنے ہاتھ میں یا بائیں ہاتھ میں ہوں گے:** ....سورۃ حاقہ کی آیت انہ کان لایؤمن باللہ العظیم اور سورۃ تکویر کی آیت انہ ظن ان لن یحور سے معلوم ہوا کہ کفار کے بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا۔پس تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایمان کا اعمالنامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا خواہ وہ گنہگار ہوں یا متقی اور ھاؤم اقرؤا کتابیہ میں نامۂ اعمال کو جس خوشی سے پڑھنے کا ذکر ہے وہ ایمان کی خوشی ہوگی جو بالآخر دائمی عذاب سے نجات کا باعث ہوگی اور لایظلمون فتیلا میں اعمال صالحہ مراد ہیں، اگرچہ بعض ہوں اور کفار کے پاس چونکہ قبولیت اعمال کی شرط ایمان نہیں ہوگی اس لئے انکے اعمال قبول ہی

نہیں ہوں گے اور قرآن میں اگر چہ یہ ذکر نہیں کہ اعمال نامے کس طرح ہاتھوں میں آئیں گے۔ لیکن حدیث عند تطائر الکتب میں ان کی کیفیت بیان کی گئی ہے جسے حضرت عائشہؓ نے مرفوعاً روایت کیا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ سب اعمال نامے عرش کے نیچے جمع ہو جائیں گے۔ اس وقت ایک ہوا آئے گی جس سے نامۂ اعمال اُڑ کر کسی کے داہنے ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں چلے جائیں گے۔

توفیق الٰہی کی بدولت آنحضرتؐ سازشوں کا شکار نہیں ہو سکے:............ آیت وان کادوا لیفتنونک میں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر وحی الٰہی کی روشنی آپؐ کی راہنمائی کے لئے موجود نہ ہوتی تو وقت کی تاریکی اتنی شدید تھی کہ ممکن نہ تھا اس بے لاگ ثبات واستقامت کے ساتھ آپؐ اپنی راہ چلتے رہتے۔ کام کی دشواریاں ضرور آپؐ کو مغلوب کر لیتیں لوگوں کی مقاومتیں ضرور تمہیں تھکا دیتیں طاقتور افراد کی منتیں اور التجائیں ضرور آپؐ کو متوجہ کرا لیتیں طرح طرح کی مصلحتیں ضرور دامن گیر ہو جاتیں لغزشیں، ٹھوکریں قدم قدم پر نمودار ہوتیں۔ لیکن اب کوئی چیز بھی تیری راہ نہیں روک سکتی کوئی فتنہ بھی تجھے قابو میں نہیں لا سکتا۔ یہ وحی الٰہی کی راہنمائی ہے اور وحی الٰہی کی راہنمائی پر کوئی انسانی طاقت غالب نہیں آ سکتی۔

آیت سے متعلق واقعات:............ دونوں آیتوں وان کادوا لیفتنونک اور وان کادوا لیستفزونک میں الگ الگ دو واقعوں کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن واقعات کی تعین میں اختلاف ہے اور اسی لئے ان کے مکی اور مدنی ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ مثلاً: مکہ میں دو واقعے پیش آئے ان میں سے پہلا واقعہ یہ تھا کہ قریش نے آنحضرتؐ سے درخواست کی۔ کہ ہماری طرف اگر رسول ہو کر آئے ہیں تو ان غریب مسلمانوں اور عوام کو اپنے پاس سے بالکل ہٹا دیجئے تب ہم آپ کا اتباع کر لیں گے۔ دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ مکہ والوں نے دار الندوہ میں جمع ہو کر آپؐ کو جلاوطن کرنے کا مشورہ کیا۔ اسی طرح مدینہ میں بھی دو واقعے پیش آئے۔ پہلا واقعہ قبیلہ ثقیف کا کہ انہوں نے آنحضرتؐ سے ایک سال کی مہلت چاہی کہ ذرا اس سال بتوں کے چڑھاوے کی آمدنی ہم وصول کر لیں پھر آئندہ مسلمان ہو جائیں گے۔ دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ یہود نے براہ شرارت کہا کہ اگر آپؐ واقعی نبی ہیں تو ملک شام جا کر رہئے جو مسکن انبیاءؑ رہا ہے چنانچہ آپؐ کو وہاں جانے کا کچھ خیال بھی پیدا ہو گیا۔ بہر حال اگر یہ واقعات مدینہ کے ہیں تب تو چونکہ آپؐ کا مدینہ سے نکلنا نہیں ہوا۔ اس لئے یہود کے نکلنے نہ نکلنے کے متعلق کوئی اشکال نہیں۔ اگر چہ ان کا اخراج مستقل حکم کے ذریعہ سے کیا گیا اور مکہ کے قصہ میں تو چونکہ مکہ سے آپؐ کا نکلنا ہوا۔ اس لئے اس کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک توجیہ تو یہ ہے کہ یہ وعید آنحضرتؐ کو جلاوطن کر دینے پر تھی اور کفار اس میں کامیاب نہیں ہوئے بلکہ آنحضرتؐ نے حکم الٰہی سے خود ہجرت فرمائی۔ اس لئے وعید پورا کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ آنحضرتؐ کی جلاوطنی پائی گئی خواہ وہ کسی طرح سے ہو نکالنے سے ہو یا نکلنے سے۔ پس وعید پورا ہونے کی صورت یہ ہوئی کہ ان میں سے بڑے بڑے لوگ مارے گئے جس سے ان کا سارا زور ٹوٹ کر کس بل نکل گیا۔ اس طرح لایلبثون صادق آ گیا۔ آیت لقد کدت ترکن سے آپؐ کی انتہائی نزاہت شان معلوم ہو رہی ہے کیونکہ اول تو رکون یعنی میلان وسوسہ کا بہت ہی ابتدائی درجہ جو بُرا نہیں پھر اس کا پایا جانا بھی بیان نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ اس کا قریب ہونا ذکر کیا جا رہا ہے۔ جس سے اور بھی ہلکی بات ہو گئی اور پھر آنحضرتؐ سے یہ درجہ بھی سرزد نہیں ہوا۔ نیز یہ فرمانا عتاب کے طریقہ پر نہیں بلکہ آپؐ کی محبوبیت کا اظہار مقصود ہے کہ آپؐ اس درجہ محبوب ہیں کہ آپؐ کو اس خفیف میلان سے بھی ہم نے بچا لیا۔

تہجد گزاری ایک بڑھ کر عبادت ہے:............ آیت اقم الصلوٰۃ میں تمام نمازیں آ جاتی ہیں نفل کے معنی کسی ایسی بات

کے ہیں جو اصل مطلوب سے زیادہ ہو۔ پس فرمایا کہ رات کا بھی کچھ حصہ جاگنے اور عبادت میں صرف کیا کرو۔ یہ تمہارے لئے عبادت کی مزید زیادتی ہوگی اس آیت میں خطاب اگر چہ آنحضرتؐ سے ہے لیکن حکم عام ہے اس سے معلوم ہوگیا کہ شب بیداری کی عبادت تہجد ایک مزید عبادت ہے۔

آنحضرتؐ اور امّت کے بارہ میں تہجّد کا حکم:.......... تہجد پہلے سب پر فرض تھا اس کے بعد امت سے تو فرضیت معاف ہوگئی البتہ آنحضرتؐ کے بارہ میں دورائیں ہیں۔ایک یہ کہ آپؐ پر فرض رہا۔دوسری یہ کہ آپؐ پر فرض نہیں رہا ہے۔پہلی صورت میں نافلہ کے معنی لغوی ہوں گے۔یعنی فریضۃ زائدۃ لک اور دونوں میں تطبیق اس طرح ہوسکتی ہے کہ پہلے امت سے فرضیت منسوخ ہوئی ہو پھر آنحضرتؐ سے بھی فرضیت منسوخ ہوگئی ہو اور یہی صحیح ہے کہ آنحضرتؐ پر بھی تہجد فرض نہیں رہا تھا۔البتہ دوسرے قول پر لک کی وجہ تخصیص یہ ہوگی، کہ یہ فضیلت زائدہ آپؐ ہی کے ساتھ خاص ہے، ورنہ امت کے لئے تو تہجد گناہوں کا کفارہ بھی ہے۔ مگر آپؐ چونکہ معصوم ہیں اس لئے کفارہ سیئات ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں۔

مقام محمود کی تشریح:.......... مقام محمود سے ایسا درجہ مراد ہے۔جس کی اطلاع صحاح کی بعض روایات میں آنحضرتؐ کے بارہ میں دی گئی ہے یعنی قیامت میں "شفاعت کبریٰ" کا خصوصی مقام جس میں آپؐ تمام مخلوق کے حساب کتاب شروع ہونے کی سفارش فرمائیں گے اور آپؐ کی درخواست پر عدل وانصاف کی ترازو کھڑی کی جائے گی۔لیکن بعض روایات میں "مقام محمودؔ" کی تفسیر شفاعۃ لامتی سے جو آئی ہے اس سے دوسروں کی نفی مراد نہیں ہے۔اور یا مقام محمود سے مقصود آنحضرتؐ کی عالمگیر ستائش ہے گویا وحی الٰہی نے ایسے مقام تک پہنچنے کی خبر دی ہے جو انسان کے لئے عظمت و برتری کا سب سے بلند مقام ہے۔حسن وکمال کا ایسا مقام جہاں پہنچ کر خلائق کی عالمگیر محمودیت اور دائمی مرکزیت حاصل ہوجائے گی۔یہ مقام انسانی عظمت کی انتہاء ہے اس سے زیادہ اونچی جگہ اولادِ آدم کو نہیں مل سکتی۔اس سے بڑھ کر انسانی رفعت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا انسان کی سعی وہمت ہر طرح کی بلندیوں تک اڑ کر جاسکتی ہے لیکن یہ بات نہیں پاسکتی کہ روحوں کی ستائش اور دلوں کی مداحی کا مرکز بن جائے یہ محمودیت اس کو حاصل ہوسکتی ہے جس میں حسن وکمال ہو کیونکہ روحیں حسن ہی سے عشق کرسکتی ہیں اور زبانیں کمال ہی کی مدح سرائی میں کھل سکتی ہیں لیکن حسن وکمال کی سلطنت وہ سلطنت نہیں، جسے شہنشاہوں اور فاتحوں کی تلواریں مسخر کرسکیں۔غور کرو، جس وقت سے نوعِ انسانی کی تاریخ معلوم ہے،نوعِ انسانی کے دلوں کا احترام اور زبان کی ستائش کن انسانوں کے حصہ میں آئی ہیں؟ شہنشاہوں اور فاتحوں کے حصہ میں، یا خدا کے ان رسولوں کے حصہ میں جنہوں نے مہم وملک کو نہیں، روح ودل کو فتح کیا تھا؟ پس دنیا میں آپؐ کے لئے مقامِ محمودیت یہی ہو۔اور بلاشبہ محمودیت کا مقام دنیا اور آخرت دونوں کے لئے ہے۔جو ہستی یہاں محمود خلائق ہے وہاں بھی محمود وممدوح ہوگی۔

لطائف آیات:.......... آیت ولولا ان ثبتنٰک سے صاف معلوم ہوا کہ انبیاء کے لئے بھی صرف قوتِ قدسیہ کافی نہیں جب تک تائیدالٰہی شامل نہ ہو۔پس دوسروں کو اپنے تقدس اور نسبت پر گھمنڈ اور ناز کا کیا مقام ہے بلکہ ممکن ہے خود وہ نسبت بھی موہوم ہی ہو۔آیت قل رب ادخلنی سے معلوم ہوا کہ سالک کو بھی ہر حال میں اسی طرح دعا کی ضرورت ہے کیونکہ نہ معلوم کون سی حالت اس کے لئے مفید ہے اور کون سی مضر۔آیت قل جاء الحق ہر حق وباطل کو عام ہے۔پس اس میں باطنی نور وظلمت بھی داخل ہیں اور حبِ خلق بھی۔آیت وننزل میں شفاء سے تخلیہ اور رحمت سے تحلیہ کی طرف اشارہ ہے۔

وَيَسْـئَلُوْنَكَ اَیِ الْيَهُوْدُ **عَنِ الرُّوْحِ** اَلَّذِیْ يَحْيٰى بِهِ الْبَدَنُ **قُلِ** لَهُمْ **الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ** اَیْ عِلْمَهٗ لَا تَعْلَمُوْنَهٗ **وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا** ﴿۸۵﴾ بِالنِّسْبَةِ اِلٰى عِلْمِهٖ تَعَالٰى **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ** اَیِ الْقُرْاٰنِ بِاَنْ نَمْحُوَهٗ مِنَ الصُّدُوْرِ وَ الْمَصَاحِفِ **ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا** ﴿۸۶﴾ **اِلَّا** لٰكِنْ اَبْقَيْنَاهُ **رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا** ﴿۸۷﴾ عَظِيْمًا حَيْثُ اَنْزَلَهٗ عَلَيْكَ وَاَعْطَاكَ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِنَ الْفَضَائِلِ **قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ** فِی الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ **لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا** ﴿۸۸﴾ مُعِيْنًا نَزَلَ رَدًّا لِقَوْلِهِمْ لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا **وَلَقَدْ صَرَّفْنَا** بَيَّنَّا **لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ** صِفَةٌ لِمَحْذُوْفٍ اَیْ مَثَلًا مِنْ جِنْسِ كُلِّ مَثَلٍ لِيَتَّعِظُوْا **فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ** اَیْ اَهْلُ مَكَّةَ **اِلَّا كُفُوْرًا** ﴿۸۹﴾ جُحُوْدًا لِلْحَقِّ **وَقَالُوْا** عَطْفٌ عَلٰى اَبٰى **لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا** ﴿۹۰﴾ عَيْنًا يَنْبُعُ مِنْهَا الْمَاءُ **اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ** بُسْتَانٌ **مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا** وَسْطَهَا **تَفْجِيْرًا** ﴿۹۱﴾ **اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا** قِطَعًا **اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا** ﴿۹۲﴾ مُقَابَلَةً وَعِيَانًا فَنَرَاهُمْ **اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ** ذَهَبٍ **اَوْ تَرْقٰى** تَصْعَدُ **فِی السَّمَآءِ** بِسُلَّمٍ **وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ** لَوْرَقِيْتَ فِيْهَا **حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا** مِنْهَا **كِتٰبًا** فِيْهِ تَصْدِيْقُكَ **نَّقْرَؤُهٗ ۗ قُلْ** لَهُمْ **سُبْحَانَ رَبِّیْ** تَعَجُّبٌ **هَلْ** مَا **كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا** ﴿۹۳﴾ كَسَائِرِ الرُّسُلِ وَلَمْ يَكُوْنُوْا يَاْتُوْا بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ **وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا** اَیْ قَوْلُهُمْ مُنْكِرِيْنَ **اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا** ﴿۹۴﴾ وَلَمْ يَبْعَثْ مَلَكًا **قُلْ** لَهُمْ **لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ** بَدَلَ الْبَشَرِ **مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا** ﴿۹۵﴾ اِذْ لَا يُرْسَلُ اِلٰى قَوْمٍ رَسُوْلٌ اِلَّا مِنْ جِنْسِهِمْ لِيُمْكِنَهُمْ مُخَاطَبَتُهٗ وَالْفَهْمُ عَنْهُ **قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِیْ وَبَيْنَكُمْ** عَلٰى صِدْقِیْ **اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۢ بَصِيْرًا** ﴿۹۶﴾ عَالِمًا بِبَوَاطِنِهِمْ وَظَوَاهِرِهِمْ **وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ** اللّٰهُ **فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ** يَهْدُوْنَهُمْ **مِنْ دُوْنِهٖ ۚ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ** مَاشِيْنَ **عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۚ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ كُلَّمَا خَبَتْ** سَكَنَ لَهَبُهَا **زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا** ﴿۹۷﴾ تَلَهُّبًا وَاِشْتِعَالًا **ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا** مُنْكِرِيْنَ لِلْبَعْثِ **ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا** ﴿۹۸﴾ **اَوَلَمْ يَرَوْا** يَعْلَمُوْا **اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ** مَعَ عِظَمِهِمَا **قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ** اَیِ الْاَنَاسِیِّ فِی الصِّغَرِ **وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا** لِلْمَوْتِ وَالْبَعْثِ **لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۚ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا** ﴿۹۹﴾ جُحُوْدًا لَهٗ **قُلْ** لَهُمْ **لَّوْ اَنْتُمْ**

تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْ مِنَ الرِّزْقِ وَالْمَطَرِ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ لَبَخِلْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ خَوْفَ نَفَادِهَا بِالْاِنْفَاقِ فَتَفْتَقِرُوْا وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ بَخِيْلًا ع

ترجمہ: ………… اور یہ (یہودی) آپؐ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں (جس سے بدن زندہ رہتا ہے) آپؐ (ان سے) فرمادیجئے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے بنی ہے (یعنی اللہ کومعلوم ہے تمہیں اس کی خبر نہیں) اور تمہیں (علم الٰہی کے مقابلہ میں) بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے اور جو کچھ ہم نے آپؐ پروحی کی ہے۔ اگر ہم چاہیں تو اسے بھی سلب کرلیں (یعنی قرآن کو سینوں اور کتابوں میں سے مٹادیں) پھر اس کے لئے آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی نہ ملے مگر (ہم نے اسے باقی رکھا ہے، آپ کے پروردگار کی رحمت سے، بلاشبہ آپ پر اس کا بڑا ہی فضل ہے (کہ اس نے آپ پر قرآن نازل فرمایا ہے اور آپ کو مقامِ محمود وغیرہ فضائل عطا فرمائے ہیں) اس بات کا اعلان کردیجئے کہ اگر تمام انسان اور جن اکھٹے ہوکر چاہیں (کہ فصاحت وبلاغت میں) اس قرآن کے مانند کوئی کلام پیش کردیں تو کبھی نہیں کرسکیں گے۔ اگر چہ ان میں سے ہر ایک کے دوسرے کا مددگار ہی کیوں نہ ہو (کفار نے جب **لو نشاء لقلنا مثل هذا** کہا تو اس پر اگلی آیت نازل ہوئی) اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کیلئے ہر قسم کے عمدہ مضمون طرح طرح سے پیش کئے ہیں (لفظ مثل محذوف کی صفت ہے۔ اصل عبارت اس طرح تھی **مثلا من جنس كل مثل ليتعظوا**) پھر بھی (مکہ کے) اکثر لوگ (حق سے) بے انکار کئے نہ رہے اور یہ لوگ (ابی پر عطف ہے) کہتے ہیں کہ ہم آپؐ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپؐ ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ نہ جاری کردیں (جس سے پانی بہہ نکلے) یا خاص آپؐ کے لئے کھجور اور انگوروں کا کوئی باغ نہ ہو پھر اس باغ کے بیچ میں، جگہ جگہ بہت سی نہریں آپؐ جاری کردیں یا جیسا آپ کہا کرتے ہیں آسمان کے ٹکڑے آپ ہم پر نہ گرادیں یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے لاکر نہ کھڑا کردیں (کہ ہم انہیں کھلم کھلا دیکھ لیں) یا آپؐ کے پاس سونے کا بنا ہوا کوئی گھر نہ ہو یا آپ آسمان پر (سیڑھی لگاکر) نہ چڑھ جاویں اور ہم تو آپ کے چڑھنے کو بھی کبھی باور نہ کریں۔ جب تک ہمارے پاس آپ ایک نوشتہ لے کر نہ آویں (جس میں آپ کی تصدیق ہو) جسے ہم پڑھ بھی لیں۔ آپ (ان سے) فرمادیجئے کہ سبحان اللہ میں اس کے سوا اور کیا ہوں۔ کہ ایک آدمی ہوں پیغام حق پہنچانے والا (دوسرے انبیاء کی طرح کہ بغیر حکم الٰہی کے کوئی نشانی نہیں لائے) اور حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی اللہ کی ہدایت ظاہر ہوئی تو صرف اسی بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا (منکرین کے اس کہنے سے) کہ کہنے لگے، کیا اللہ نے ایک آدمی پیغمبر بنا کر بھیج دیا ہے؟ (اور فرشتہ کو نہیں بھیجا) آپؐ (ان سے) فرمادیجئے کہ اگر زمین پر (انسانوں کے بجائے) فرشتے بسے ہوتے اور اطمینان سے چلتے پھرتے، تو ضرور ہم آسمان سے ایک فرشتہ پیغمبر بنا کر اتار دیتے (کیونکہ ہر قوم میں انہی کے ایک فرد کو نبی بنا کر بھیجا گیا ہے تاکہ بات چیت اور سمجھنے میں آسانی رہے، آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی بس کرتی ہے (میری سچائی پر) یقیناً وہ اپنے بندوں سے واقف اور سب کچھ دیکھنے والا ہے (ظاہر وباطن سے باخبر ہے) جس کسی کو اللہ راہ پر لگادے، فی الحقیقت وہی راہ پر ہے۔ اور جس کسی کو وہ بے راہ کردے تو تم اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں پاؤگے (کہ وہ ان کو راہ پر لگادے) قیامت کے دن ہم ایسے لوگوں کو انکے منہ کے بل اٹھائیں گے، اندھے، گونگے، بہرے، ان کا آخری ٹھکانا دوزخ ہوگا، جب کبھی آگ بجھنے کو ہوگی (ذرا دھیمی ہونے لگے گی) اسے اور زیادہ بھڑکادیں گے (دھونکادیں گے) یہ ہے ان کی سزا اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا اور (قیامت کا انکار کرتے ہوئے) کہا تھا۔ بھلا جب ہماری ہڈیاں بالکل ریزہ ریزہ ہوجائیں گی۔ تو کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ ازسرِ نو پیدا کرکے اٹھائے جائیں؟ کیا ان لوگوں کو اتنا معلوم نہیں کہ جس اللہ نے آسمان وزمین کی یہ پوری کائنات پیدا کرڈالی وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ وہ ان جیسے (چھوٹے) آدمی دوبارہ پیدا کردے اور ان کیلئے موت اور قیامت کی) ایک میعاد معین کررکھی ہے کہ اس میں کسی طرح کا ذرا بھی شک نہیں کیا جاسکتا؟ اس پر بھی دیکھو بے انصاف لوگ بے انکار کئے نہ رہے۔ آپ (ان سے) فرمادیجئے اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے (رزق اور بارش

کے) تمہارے اختیار میں ہوتے ، تو تم ضرور خرچ ہو جانے کے اندیشہ سے ہاتھ روک لیتے (کہ کہیں خرچ کرنے سے بالکل ختم نہ ہو جائیں اور تم کنگال ہو کر رہ جاؤ) اور حقیقت یہ ہے کہ انسان ہے بڑا ہی تنگ دل (بخیل)

تحقیق وترکیب: .... **عن الروح** ۔مراد حقیقۃً روح ہے جس سے جسم کی زندگی وابستہ ہے۔ **وما اوتيتم** خاص طور پر یہود کوخطاب ہے کیونکہ وہ یہ کہتے ہوئے گھمنڈ کرتے تھے کہ **او تينا التوراة وفيها العلم الكثير** اور یا پھر سب کوخطاب عام ہے۔ **ولئن شئنا** ۔ یہاں سے وحی قرآن پر احسان جتلانا ہے، کہ جس طرح ہم اس کے دینے پر قادر ہیں، اسی طرح اسے لے بھی سکتے ہیں۔ **الا** استثناء متصل ہے یا منقطع جیسے آنحضرت ؐ کا سیّد اولادِ آدمؑ اور فخر کائنات ہونا اور ختم الانبیاءؑ ہونا۔ **فابى** ۔استثناء مفرغ کا اثبات کے موقعہ پر واقع ہونا باعث اشکال ہے۔ **ضربت الازيدا** کی طرح یہ بھی ناجائز ہونا چاہئے جواب یہ ہے کہ لفظ **ابى** نفی کے معنی میں ہے۔ گویا عبارت **فلم يرضوا الاكفورا** کے معنی میں ہے۔ **عمياوبكما** یعنی خوش حالی نہیں دیکھ سکیں گے اور دلیل پیش کرنے سے گونگے رہیں گے اور خوشخبریاں نہیں سن سکیں گے۔ غرض کہ خاص قسم کی نفی ہے اس لئے یہ آیت دوسری آیات **وراى المجرمون النار، دعوا هنالك ثبورا، سمعوا لها تغيظا وزفيرا** سے اب معارض نہیں رہی۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ کفار کے معاملات پر گفتگو تھی آیت **ويسئلونك** سے بھی امتحاناً کفار کے بعض استفسارات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے اب خواہ یہود نے آپؐ سے پوچھا ہو یا یہود کے مشورہ سے قریش نے یہ سوال کیا ہو۔ اسی لئے اس آیت کے مکی مدنی ہونے میں اختلاف ہے آگے آیت **ولئن شئنا** سے وحی کے ذریعہ ان علوم کو تعلیم دینے اور باقی رکھنے پر احسان جتلایا جا رہا ہے اور آیت **قل لئن اجتمعت** میں اعجاز قرآنی کا اثبات ہے اور آیت **ولقد صرفنا** میں قرآن کا شافی وکافی ہونا لیکن اس کے باوجود اس کو نہ ماننا مذکور ہے۔ اس کے بعد آیت **وقالوا لن نومن** سے ان کے فرمائشی معجزات کا جواب ہے اور آیت **ومامنع الناس** میں کفار کے اس شبہ کا جواب ہے کہ فرشتہ کے بجائے انسان کو نبی بنا کر کیوں بھیجا گیا ہے۔ آگے آیت **قل كفى** سے آخری خطاب ہے کہ جب معاندین کسی طرح نہیں مانتے تو قیامت میں ان سے نبٹا جائے گا۔

شانِ نزول: .... علماء یہود کی ایک جماعت نے امتحاناً آنحضرت ﷺ سے تین سوال کئے (۱) روح کیا چیز ہے؟ (۲) اصحاب کہف کون تھے؟ (۳) ذوالقرنین کون شخص ہوئے ہیں؟ پہلے سوال کا جواب یہاں آیت **ويسئلونك عن الروح** میں دیا گیا ہے اور دوسرے اور تیسرے سوال کا جواب اگلی سورۃ کہف میں آ رہا ہے۔ آیت **ولقد صرفنا** کے شان نزول کی طرف خود جلال مفسر اشارہ کر رہے ہیں۔ آیت **ونحشرهم** جب نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! کفار کیا سر کے بل چلیں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ جو ذات دنیا میں پیروں کے بل تمہیں چلاتی ہے کیا وہ سر کے بل نہیں چلا سکتی؟ حضرت قتادہؓ کو جب یہ حدیث پہنچی تو بول اٹھے۔ **بلى وعزة ربنا** ۔یعنی بخدا ضرور ایسا ہوگا۔

﴿تشریح﴾: .... **روح سے کیا مراد ہے:** .... تورات اور انجیل میں روح کا لفظ فرشتہ کے لئے بولا گیا ہے اور قرآن نے فرشتہ اور وحی دونوں کے لئے استعمال کیا ہے۔ پس یہاں روح سے مقصود جسم انسانی کی روح ہے یا فرشتہ؟ اس بارہ میں ائمہ تفسیر کی رائیں مختلف ہیں۔ لیکن اکثر مفسر اس طرف گئے ہیں کہ یہاں روح سے جسم انسانی کی روح ہے نہ کہ فرشتہ، کیونکہ جب مطلق روح بولتے ہیں تو یہی روح سمجھ میں آتی ہے جس سے انسان زندہ ہے۔ بہرحال سوال دونوں کی نسبت ہوسکتا ہے اور جواب بھی دونوں کے لئے

مطابقت رکھتا ہے اور آیت کی اصلی موعظت ظاہر نہ کرنے کی وجہ بتلائی ہے اور اس کے حادث ہونے کا ضروری عقیدہ بتلا دیا گیا ہے۔

روح کی حقیقت وحی کے علاوہ کسی اور طریقہ سے معلوم ہو سکتی ہے یا نہیں؟: .... رہا یہ کہ کسی دوسرے طریقہ سے اس کا انکشاف ہو سکتا ہے یا نہیں۔ آیت اس سے خاموش ہے دونوں باتوں کا احتمال ہے اور آیت کسی شق کے معارض نہیں اس معاملہ کے لئے جو کچھ تمھیں بتلایا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کا حکم کام کر رہا ہے اس سے زیادہ تم نہیں پا سکتے اور اس سے زیادہ پانے کی کاوش کیوں کرو، جب کہ تمہارا دائرہ علم نہایت محدود ہے تم علم الٰہی کے آگے اپنے علم وادراک میں ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ تم علم میں سے جو کچھ پا سکتے ہو وہ اصل حقیقت کے مقابلہ میں بہت ہی تھوڑا ہے، وہ اس سمندر میں چند قطروں سے زیادہ نہیں اور تمہیں اسی پر قناعت کرنا ہے۔

علمِ انسانی کی حد: .... انسان کے علم وادراک کی حقیقت کیا ہے؟ بس یہ کہ اسے حواس دیئے گئے ہیں انہی کے ذریعہ وہ محسوسات کا ادراک حاصل کرتا ہے لیکن خود محسوسات کے دائرہ کا کیا حال ہے یہ کہ کائنات ہستی کے سمندر میں ایک قطرہ سے زیادہ نہیں۔ پھر اگر انسان تمام عالم محسوسات کا علم حاصل بھی کر لے تو اس کی مقدار حقیقت کے مقابلہ میں کیا ہوگی؟ ایک قطرہ کا علم اس سے زیادہ نہیں اور حالت یہ ہے کہ انسان محسوسات کے بھی کامل علم کا دعویٰ نہیں کر سکتا وہ ہمیشہ اسی ایک قطرہ کیلئے پیاسا رہا اور آج تک پیاسا ہے۔ باقی دوسری آیت میں علم کو جو خیر کثیر فرمایا گیا ہے وہ بلحاظ متاع دنیا کے ہے پس قلیل اور کثیر دونوں حکم صحیح ہیں۔

ذکرِ جنّات کی وجہ: .... آیت قل لئن اجتمعت میں جنات کا ذکر ممکن ہے اس لئے کیا ہو کہ مشرکین جنات کی پوجا کیا کرتے تھے۔ حاصل یہ کہ اگر تمہارے خدا بھی آجائیں تب بھی ایسا قرآن نہیں بنا سکتے یا جنات کے مکلّف ہونے کی وجہ سے انہیں بھی شریک خطاب کیا گیا ہے۔

دو خاص گمراہیاں: .... قرآن کریم نے جابجا منکرین حق کے عقائد واقوال نقل کر کے دو خاص گمراہیوں پر توجہ دلائی ہے۔ ایک یہ کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ روحانی ہدایت کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جو محض ایک انسان کے ذریعہ ظاہر نہیں ہو سکتا۔ ضروری ہے کہ انسانیت سے کوئی بالاتر ہستی ہو اسی خیال نے دیوتاؤں کے ظہو اور ان کی عجائب آفرینیوں کا اعتقاد پیدا کیا۔ دوسری یہ کہ سچائی میں خود سچائی نہیں ڈھونڈتے اچنبھوں اور کرشموں کی تلاش میں رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں جو آدمی سب سے زیادہ عجیب قسم کی باتیں کر دکھائے۔ وہی سب سے زیادہ سچائی بتلانے والا ہے۔ گویا سچائی اس لئے سچائی نہ ہوگی کہ وہ سچائی ہے بلکہ اس لئے کہ عجیب عجیب طرح کے کرشمے اس کے پیچھے کھڑے ہیں چنانچہ فرمایا جا رہا ہے ولقد صرفنا یعنی ہم نے قرآن میں عبرت وموعظت کی تمام باتیں دہرا دہرا کر بیان کر دیں مگر یہ باتیں انہی کے دلوں کو پکڑ سکتی ہیں جن میں سچائی کی طلب ہے ورنہ اکثروں کا حال یہ ہے کہ انکار وسرکشی میں بڑھے چلے جاتے ہیں۔

بے سروپا فرمائشیں: .... پھر ان کی سرکشی کی باتیں نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ کہتے ہیں ہم تو جبھی مانیں گے جب تم ہمیں اس طرح کی باتیں کر دکھاؤ۔ مثلاً مکہ کی ریگستانی سرزمین میں اچانک نہر پھوٹ نکلے آسمان کے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں اللہ اور اس کے فرشتے ہمارے سامنے آجائیں، سونے کا ایک بنا بنایا محل نمودار ہو جائے تم ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ دوڑو اور وہاں سے ایک لکھی لکھائی کتاب لا کر ہمارے ہاتھوں میں پکڑا دو۔ آگے پیغمبر اسلام کو ان باتوں کا جواب دینے کیلئے کہا جا رہا ہے کہ ان فرمائشوں کے جواب

میں کہہ دو کہ میرے پروردگار کے لئے پاکی ہے میری حیثیت اس کے سوا کیا ہے کہ میں خدا کا بھیجا ہوا ایک آدمی ہوں۔

قرآن کا جواب: ....سبحان اللہ قرآن کی معجزانہ بلاغت کہ اس جملہ کے اندر وہ سارے دفتر آ گئے جو انکار و سرکشی کی ان صداؤں کے جواب میں کہے جا سکتے تھے۔ یعنی میں نے کچھ خدائی کا دعویٰ نہیں کیا میں نے یہ نہیں کہا ہے کہ آسمان کو زمین اور زمین کو آسمان بنا دینے والا ہوں اور دنیا کی ساری قوتیں میرے تصرف و اختیار میں ہیں۔ میرا دعویٰ جو کچھ ہے، وہ تو یہ ہے کہ ایک آدمی ہوں۔ پیام حق پہنچانے والا پھر تم مجھ سے یہ فرمائش کیوں کرتے ہو؟ کیوں میرے لئے ضروری ہو کہ سونے کے محل دکھاؤں اور آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھ جاؤں۔

اصل جواب کا رخ: .... اس پہلو پر غور کرو جس پر جواب کا اصلی زور پڑ رہا ہے اگر ایک شخص نے کسی بات کا دعویٰ کیا ہے۔ تو ہم دیکھیں گے اس کا دعویٰ کیا ہے اور اسی کے مطابق دلیل مانگیں گے اگر اس شخص نے دعویٰ کیا ہے کہ لوہار ہے تو ہم دیکھیں گے کہ وہ لوہے کا سامان بنا سکتا ہے کہ نہیں؟ ایک شخص نے دعویٰ کیا ہے کہ طبیب ہے تو ہم دیکھیں گے کہ علاج میں ماہر ہے یا نہیں اور بیماروں کو اس سے شفاء ملتی ہے یا نہیں۔ ایسا نہیں کریں گے کہ کسی نے دعویٰ تو کیا طبابت کا اور ہم اس سے دلیل وہ مانگنے لگیں جو ایک لوہار سے مانگنی چاہئے۔ یعنی کہیں کہ ہمیں لوہے کی شہتیر بنا کر دکھاؤ اگر ایسا کریں گے تو صریح بے عقلی کی بات ہوگی۔ یہ بات یعنی دعویٰ اور دلیل کی مطابقت ایک ایسی عام اور قدرتی بات ہے کہ ہر آدمی خواہ کتنی ہی موٹی عقل کا ہو، خود بخود اسے پا لیتا ہے۔ جونہی ایک آدمی کہے گا میں لوہار ہوں وہ سنتے ہی فرمائش کر دے گا کہ قفل بنا دو۔ کبھی اس کی زبان سے یہ نہیں نکلے گا کہ شیشے کا برتن بنا دو۔

رسول کا پیغام حق: .... اچھا ایک انسان آتا ہے اور کہتا ہے میں رسول ہوں، پیغام حق پہنچانے والا ہوں اب اس کا دعویٰ کیا ہوا؟ یہ کہ خدا نے اس پر سچائی کی راہ کھول دی ہے اور وہ دوسروں کو بھی اسی راہ پر چلانا چاہتا ہے۔ جب دعویٰ یہ ہوا تو اسی کے مطابق دلیل بھی ہونی چاہئے قدرتی طور پر اس کی دلیل یہی ہو سکتی ہے کہ دیکھا جائے وہ سچائی کی راہ پر ہے یا نہیں اور اس کی بتائی ہوئی راہ پر چل کر سچائی ملتی ہے یا نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دعویٰ تو اس نے سچائی کی راہ کا کیا ہو اور ہم دلیل مانگنے لگیں کہ پہاڑ کو سونا بنا دے یا آسمان پر اڑ کر چلا جائے۔

ایک لطیف تمثیل: .... طبیب کہتا ہے، میں بیماروں کو اچھا کر دیتا ہوں اور دیکھتے ہیں اس کے علاج سے بیمار اچھے ہوئے یا نہیں۔ اسی طرح خدا کا رسول کہتا ہے میں روح و دل کی بیماریوں کو دور کر دیتا ہوں اور اگر ہم طالب حق ہیں تو ہمیں دیکھنا چاہئے اس کے علاج سے روح و دل کی بیماریوں کو شفا ملتی ہے یا نہیں۔ اگر ہم طبیب سے کہیں تیرا دعویٰ ہم جبھی مانیں گے، جب تو آسمان پر اڑ کر چلا جائے۔ تو یقیناً وہ کہے گا میں نے طبابت کا دعویٰ کیا ہے آسمان پر اڑنے کا نہیں کیا ہے، ہو سکتا ہے خدا مجھے اڑنے کی بھی طاقت دیدے لیکن طبابت کے دعوے کا اڑنے سے کیا واسطہ؟ اگر میرا دعویٰ پرکھنا ہے تو آؤ تمہارا علاج کر کے اپنی طبابت کا ثبوت دے دوں۔ ٹھیک یہی معنی اس جواب کے ہیں۔ ھل کنت الابشرا رسولا میں نے یہ کب کہا ہے کہ آسمان و زمین کے قلابے ملا دوں گا؟ میرا دعویٰ تو صرف یہ ہے کہ پیام حق پہنچانے والا ہوں پس اگر طالب حق ہو تو میرا پیام پرکھ لو میرے پاس نسخہ شفاء ہے کہ نہیں؟ میں صراط مستقیم پر چلا سکتا ہوں کہ نہیں؟ میں سرتاسر ہدایت اور رحمت ہوں کہ نہیں؟ پھر اس جواب میں یہی نہیں کہ میں رسول ہوں بلکہ بشراً کے لفظ پر بھی زور دیا کیونکہ جو بات منکروں کے دماغ میں کام کر رہی تھی وہ یہی تھی کہ ایک آدمی جس میں مافوق انسانیت کرشمہ نہیں پایا جاتا۔ خدا کا فرستادہ کیسے ہو سکتا ہے اور کیوں ہم اس پر ایمان لائیں؟ فرمایا کہ میں تو اس کے سوا کچھ نہیں ہوں کہ ایک آدمی ہوں پیام حق پہنچانے والا آدمی۔ میں نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ فرشتہ ہوں یا کوئی انسان سے بالا مخلوق۔ جب کبھی دنیا میں خدا کی ہدایت نمودار ہوئی تو ہمیشہ اسی خیال

فاسد نے لوگوں کو قبولیت حق سے روکا کہ کہنے لگے کیا خدا نے ایک آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیج دیا ہے؟ یعنی یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہماری طرح ہی کا ایک کھانے پینے والا آدمی خدا کا پیغمبر ہو جائے۔

انسان کی ہدایت کا کام انسان ہی کرسکتا ہے: .... پھر اس کا جواب دیا ہے کہ اگر زمین میں انسانوں کی جگہ فرشتے بسے ہوتے تو اُن کی ہدایت کے لئے فرشتے ہی اُترتے۔ لیکن یہاں تو انسان بستے ہیں اور انسانوں ہی کی ہدایت مقصود ہے پس ان کی ہدایت کی صدائیں انسانوں ہی کی زبان سے نکلیں گی فرشتے نہیں اتر سکتے اور نہ کبھی اس کام کے لئے فرشتے اُترے ہیں۔

چند شبہوں کا جواب: .... اگر کوئی شبہ کرنے لگے کہ جب مناسبت کے لئے ہم جنس ہونا ضروری ہے تو پھر پیغمبرؑ کے پاس انسان ہوتے ہوئے فرشتہ کیسے آتا ہے؟ اور اسے کیوں کر فیض ہوتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ رسول اور نبی میں چونکہ ملکوتی شان بھی ہوتی ہے اس لئے انسان رہتے ہوئے اسے فرشتہ سے بھی مناسبت ہوتی ہے پس وہ ایک طرف سے لیتا ہے اور دوسری طرف پہنچا دیتا ہے برخلاف عام انسانوں کے وہ ملکوتی صفات سے محروم ہوتے ہیں۔ رہا یہ شبہ کہ فرشتہ اگر انسانی شکل میں آتا تو عوام کو بھی مناسبت ہو جاتی اس کے دو جواب ہیں۔ ایک جواب سورۃ انعام کی شروع آیت ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا میں گزر چکا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ محض شکل بدلنے سے فرشتہ کی خاصیت نہیں بدلا کرتی اس لئے پھر بھی فرشتہ کو عوام سے مناسبت نہ ہوتی۔ اور اگر شبہ ہو کہ اکتساب فیض کے لئے اگر مناسبت ضروری ہے تو آنحضرتؐ کا انسانوں کے لئے مبعوث ہونا تو خیر صحیح ہے۔ لیکن جنات کے لئے آپؐ کا نبی بننا کیسے صحیح ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ آنحضرتؐ میں جامعیت کا وصف ایسا ہے جس کی وجہ سے انسانوں کی طرح جنات بھی آپؐ سے فیض حاصل کر سکتے ہیں اور فرشتوں کے لئے یمشون مطمئنین کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر فرشتوں کو اس صورت میں آسمانوں میں جانے کی اجازت ہوتی تو پھر پیغمبروں کے بھیجنے کی ضرورت نہ رہتی۔

کٹ حجتی سے فرمائشی معجزات قطعاً کارآمد نہیں ہوتے: .... واضح رہے کہ منکروں کی یہ فرمائشیں حجت و برہان کی طلب میں نہ تھیں بلکہ محض سرکشی اور ہٹ دھرمی کی باتیں تھیں۔ جو اس لئے کہی جاتی تھیں کہ کوئی نہ کوئی بات کہہ کر اپنے انکار کے لئے سہارا پیدا کیا جائے اور ہمیشہ راست بازوں کے مقابلہ میں نہ ماننے والوں کا ایسا ہی طرز عمل رہا ہے۔ جب کبھی سچائی کی کوئی بات کہی جاتی ہے تو طلب حق رکھنے والی طبیعتیں اور کسی طرف نہیں جاتیں۔ خود اسی بات پر غور کرتی ہیں اور جب سچائی پا لیتی ہیں تو فوراً قبول کر لیتی ہیں۔ لیکن ایک سرکش اور ہٹ دھرم آدمی کبھی ایسا نہیں کرتا وہ پہلے سے طے کر لیتا ہے کہ کبھی ماننے والا نہیں۔ پھر کوشش کرتا ہے کہ اپنے نہ ماننے والے کے لئے کوئی بات بنالے وہ طرح طرح کی باتیں ادھر ادھر کی نکالے گا۔ کبھی ایک بات کہے گا کبھی دوسری، پہلے کسی ایک بات پر زور دے گا۔ کہ اس کا جواب کیا ہے؟ جب اس کا جواب مل جائے گا تو کوئی دوسری بات ڈھونڈ نکالے گا اور کہے گا اس کا جواب تمہارے پاس کوئی نہیں؟ یہاں تک کہ اگر تم اس کی ساری کٹ حجتوں کا جواب دے دو اور ساری شرطیں اور فرمائشیں پوری کر دو جب بھی وہ کوئی نہ کوئی اور بات ڈھونڈ نکالے گا اور راست بازی کی راہ پر کبھی نہیں چلے گا۔ چنانچہ قرآن نے جابجا منکروں کی اس حالت کا ذکر کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ وہ کبھی ماننے والے نہیں اگر وہ ماننے والے ہوتے تو اس طرح کی روش اختیار نہ کرتے۔

کفار کی فرمائشیں راست بازی کی نیت سے نہیں تھیں: .... ان آیات میں غور کرو ان کے اقوال کیا نقل کئے گئے ہیں پہلے کہا نہر بہا دو، باغ اگا دو، سونے کا محل لا دکھاؤ، خود اللہ اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کر دو، پھر کہا آسمان پر چڑھ

جاؤ، لیکن کیا آسمان پر چڑھ جانا کافی ہوگا؟ نہیں اس پر بھی وہ ماننے والے نہیں۔ یہ بھی ہونا چاہئے کہ وہاں سے لکھی لکھائی کتاب اپنی بغل میں دابے ہوئے واپس آؤ اور پھر وہ لکھی ہوئی بھی ایسی ہو کہ وہ خود اسے پڑھ کر جانچ سکیں۔ تب کہیں جا کر ان کی شرط پوری ہوگی ظاہر ہے کہ کسی راست باز انسان کی زبان سے ایسی باتیں نہیں نکل سکتیں اس کے معنی صریح یہی تھے کہ وہ کبھی ماننے والے نہیں۔

حقیقی معنی بننے کی صورت میں مجاز اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں: .... حدیث شیخینؒ میں تصریح ہے کہ قیامت میں کفار منہ کے بل چلیں گے پس **علیٰ وجوھھم** کے معنی تو یقیناً مجازی نہیں ہیں اور اسی کے قرینہ سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ **عمیا وبکما وصما** میں بھی مجاز نہیں ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت **حشرتنی اعمی وقد کنت بصیرا** میں مجاز ہے۔

دفع تعارض: .... پھر دوسری آیتوں میں جیسے **اسمع بھم وابصر** اور **مقنعی رؤسھم** سے کفار کا سمیع وبصیر ہونا یا ان کا سر اونچا ہونا معلوم ہوتا ہے جو اس آیت کے خلاف ہے۔ اس شبہ کے کئی جواب ہو سکتے ہیں۔ سہل تر اور قریب تر جواب یہ ہے کہ عین حشر کے وقت ذلت کے لئے کفار اندھے، بہرے، گونگے ہوں گے۔ لیکن پھر بعد میں دوسری مصلحتوں سے حواس ٹھیک کر دیئے جائیں گے۔ تاکہ جہنم کی ہولناک مصیبتوں کا پوری طرح احساس ہو سکے غرض کہ قیامت کے لمبے چوڑے عرصہ میں بہت سے حالات پیش آئیں گے، گاہے چنیں، گاہے چناں۔ اس لئے دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں رہا۔ اور ان **یخلق مثلھم** کہنے میں اشارہ ہے کہ از سر نو پیدا کرنا انہی کے ساتھ خاص نہیں ہوگا بلکہ ان جیسے سب کو شامل ہوگا۔

اُخروی زندگی کی دلیل: .... آیت **قل لوانتم** میں اُخروی زندگی پر رحمت الٰہی کی وسعت سے استدلال کیا ہے۔ اس کی حقیقت سمجھ لینی چاہیئے، انسان کی زندگی کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے۔ اللہ کی رحمت کا فیضان ہے یہ رحمت ہے۔ جو چاہتی تھی کہ وجود ہو، نیاز ہو، حسن ہو، کمال ہو اور اس لئے سب کچھ ظہور میں آ گیا۔ اچھا اگر رحمت الٰہی کا تقاضہ یہ ہوا کہ انسان کو زندگی دے تو اسی رحمت کا کیا یہ تقاضہ نہیں ہونا چاہئے کہ زندگی صرف اتنی ہی نہ ہو اس کے بعد ہو اور رحمت کا فیضان برابر جاری رہے؟ اس کی رحمت ابدی ہے پھر کیا اس کا فیضان دائمی نہ ہوگا؟ اگر دائمی ہونا ہے تو کیوں انسانی زندگی اس سے محروم رہ جائے؟ کیوں اس گوشہ میں کہ مخلوقات ارضی کا سب سے بلند گوشہ ہے۔ وہ ایک بہت ہی محدود اور حقیر حد سے آگے نہ بڑھے؟ انسان کی دنیوی زندگی کی مقدار کیا ہے؟ محض چند گنے ہوئے دنوں کی زندگی، پھر کیا خدا کی رحمت کا فیضان ہی اتنا تھا کہ چار دن کی زندگی پیدا کر دے اور ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے اس سے زیادہ کچھ نہیں دے سکتی تھی؟ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ ان منکروں سے کہہ دو اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے کبھی تمہارے قبضہ میں ہوتے تو ضرور تم ہاتھ روک روک کر خرچ کرتے، کہ کہیں خرچ نہ ہو جائے۔ لیکن وہ تمہارے قبضہ میں نہیں ہیں وہ اس کے قبضہ میں ہیں جس کی بخشش کی کوئی انتہا نہیں جس کے خزانے کبھی ختم ہونے والے نہیں جس کا فیضان دائمی اور لگاتار ہے۔

رحمت سے مراد نبوت بھی ہو سکتی ہے: .... اور یا رحمت سے مراد نبوت ہوگی یعنی نبوت اگر تمہارے قبضہ اور اختیار میں دے دی جاتی تو باوجود یہ کہ وہ ایسی چیز ہے کہ دینے سے بھی نہیں گھٹتی مگر تم اپنے طبعی بخل کی وجہ سے اس کے دینے ہی کو مثل خرچ کرنے کے سمجھ کر کسی کو بھی نہ دیتے۔ جیسے بعض لوگ انتہائی بخل کی وجہ سے کوئی علمی بات کسی کو نہیں بتلاتے، پس انسان اس قدر تنگ دل ہے کہ نہ گھٹنے والی چیز یعنی نبوت کے دینے میں بھی دریغ کرتا جس کی وجہ بخل وعداوت کے علاوہ شاید یہ بھی ہوتی کہ اگر کسی کو نبی بنالیا تو پھر خواہ مخواہ احکام کی پابندی کرنی پڑے گی جیسے اتفاق کر کے کسی کو بادشاہ بنالیا جائے تو پھر خود ہی اس کے فرامین کی تعمیل کرنی پڑتی ہے۔

لطائف آیات: .... آیت ویسئلونک عن الروح سے معلوم ہوا کہ غیر ضروری اسرار کی جستجو بُری ہے اور آیت ولئن شئنا سے معلوم ہوا کہ اہل نسبت کو سلب نسبت سے ڈرتے رہنا چاہئے کیوں کہ جب آنحضرت کو ایسا خطاب فرمادیا تو آپ سے بڑھ کر کون ہے اور دوسرے کس حساب میں ہیں؟ آیت وقالوا لن نؤمن سے خوارق طلب کرنے کی مذمت معلوم ہوئی۔ آیت قل سبحان ربی سے معلوم ہوا کہ مقبولین میں یہ قدرت نہیں کہ جو بھی ان سے درخواست کی جائے تو وہ اس کو پورا کردیں۔ آیت قل لو کان فی الارض سے معلوم ہوا کہ متعلم اور معلم اور اسی طرح مرشد ومسترشد میں باہمی مناسبت ضروری ہے اس کے بغیر فیض نہیں ہوتا۔ آیت کلما خبت میں ان لوگوں پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ زمانہ دراز کے بعد جہنم کا عذاب منقطع ہوجائے گا۔ آیت قل لو انتم تملکون میں ان لوگوں کی بُرائی کی طرف اشارہ ہے جو طریق کو طالبین سے چھپاتے ہیں اور وہ طریق کی حقیقت محض ان چند ملفوظات کو سمجھتے ہیں جو انہوں نے اپنے مشائخ سے سن لیئے ہیں اور خدا جانے وہ انہیں کیا دفائن وخزائن سمجھتے ہیں البتہ علوم کشفیہ جو جزو طریق ہیں۔ انہیں ظاہر بھی نہیں کرنا چاہیئے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ وَاضِحَاتٍ وَهِيَ الْيَدُ وَالْعَصَا وَالطُّوْفَانُ وَالْجَرَادُ وَالْقُمَّلُ وَالضَّفَادِعُ وَالدَّمُ وَالطَّمْسُ وَالسِّنِيْنُ وَنَقْصٍ مِنَ الثَّمَرَاتِ فَسْـَٔلْ يَا مُحَمَّدُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْهُ سَوَالُ تَقْرِيْرٍ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَلٰى صِدْقِكَ اَوْ فَقُلْنَا لَهُ اِسْاَلْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِلَفْظِ الْمَاضِيْ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ مَخْدُوْعًا مَغْلُوْبًا عَلٰى عَقْلِكَ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ الْاٰيَاتِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ عِبَرًا وَلٰكِنَّكَ تُعَانِدُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ التَّاءِ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ هَالِكًا اَوْ مَصْرُوْفًا عَنِ الْخَيْرِ فَاَرَادَ فِرْعَوْنُ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ يُخْرِجَ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ مِّنَ الْاَرْضِ اَرْضِ مِصْرَ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ اَيِ السَّاعَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾ جَمِيْعًا اَنْتُمْ وَهُمْ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ اَيِ الْقُرْاٰنَ وَبِالْحَقِّ الْمُشْتَمِلِ عَلَيْهِ نَزَلَ كَمَا اُنْزِلَ لَمْ يَعْتَرِهِ تَبْدِيْلٌ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ يَا مُحَمَّدُ اِلَّا مُبَشِّرًا مَنْ اٰمَنَ بِالْجَنَّةِ وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾ مَنْ كَفَرَ بِالنَّارِ وَقُرْاٰنًا مَنْصُوْبٌ بِفِعْلٍ يُفَسِّرُهٗ فَرَقْنٰهُ نَزَّلْنَاهُ مُفَرَّقًا فِيْ عِشْرِيْنَ سَنَةً اَوْ ثَلَاثٍ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ مَهْلٍ وَتُؤَدَةٍ لِيَفْهَمُوْهُ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ شَيْئًا بَعْدَ شَيْءٍ عَلٰى حَسَبِ الْمَصَالِحِ قُلْ لِكُفَّارِ مَكَّةَ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا تَهْدِيْدٌ لَهُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ وَهُمْ مُؤْمِنُوْا اَهْلِ الْكِتَابِ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ تَنْزِيْهًا لَهٗ عَنْ خُلْفِ الْوَعْدِ اِنْ مُخَفَّفَةٌ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا بِنُزُوْلِهٖ وَبَعْثِ النَّبِيِّ لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ عَطْفٌ بِزِيَادَةِ صِفَةٍ وَيَزِيْدُهُمْ الْقُرْاٰنُ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ السجدة تَوَاضُعًا لِلّٰهِ وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَا اللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ فَقَالُوْا اِنَّهٗ يَنْهَانَا اَنْ نَعْبُدَ اِلٰهَيْنِ وَهُوَ يَدْعُوْ اِلٰهًا اٰخَرَ مَعَهٗ فَنَزَلَ قُلْ لَهُمْ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا

الرَّحْمٰنَ اَیْ سَمُّوْهُ بِاَیِّهِمَا اَوْ نَادُوْهُ بِاَنْ تَقُوْلُوْا یا اللّٰهُ یَارَحْمٰنُ **اَیًّا** شَرْطِیَّةٌ **مَّا** زَائِدَةٌ اَیْ اَیَّ شَیْءٍ مِّنْ هٰذَیْنِ **تَدْعُوْا** فَهُوَ حَسَنٌ دَلَّ عَلٰی هٰذَا **فَلَهُ** اَیْ لِمُسَمَّاهُمَا **الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى** وَهٰذَانِ مِنْهَا فَاِنَّهَا كَمَا فِی الْحَدِیْثِ اَللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّاهُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ الْحَكَمُ الْعَدَلُ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ الْحَلِیْمُ الْعَظِیْمُ الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ الْحَفِیْظُ الْمُقِیْتُ الْحَسِیْبُ الْجَلِیْلُ الْكَرِیْمُ الرَّقِیْبُ الْمُجِیْبُ الْوَاسِعُ الْحَكِیْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِیْدُ الْبَاعِثُ الشَّهِیْدُ الْحَقُّ الْوَكِیْلُ الْقَوِیُّ الْمَتِیْنُ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ الْمُحْصِی الْمُبْدِئُ الْمُعِیْدُ الْمُحْیِی الْمُمِیْتُ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِیُ الْمُتَعَالُ الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّؤُفُ مَالِكُ الْمُلْكِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِیُّ الْمُغْنِی الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ النُّوْرُ الْهَادِی الْبَدِیْعُ الْبَاقِی الْوَارِثُ الرَّشِیْدُ الصَّبُوْرُ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ قَالَ تَعَالٰى **وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ** بِقِرَاءَتِكَ فِیْهَا فَیَسْمَعُكَ الْمُشْرِكُوْنَ فَیَسُبُّوْكَ وَیَسُبُّوا الْقُرْاٰنَ وَمَنْ اَنْزَلَهُ **وَلَا تُخَافِتْ** تُسِرَّ **بِهَا** لِیَنْتَفِعَ اَصْحَابُكَ **وَابْتَغِ** اُقْصُدْ **بَیْنَ ذٰلِكَ** الْجَهْرِ وَالْمُخَافَتَةِ **سَبِیْلًا**﴿۱۱۰﴾ طَرِیْقًا وَسَطًا **وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ** الْاُلُوْهِیَةِ **وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ** یَنْصُرُهُ **مِّنَ** اَجْلِ **الذُّلِّ** اَیْ لَمْ یَذِلَّ فَیَحْتَاجُ اِلٰی نَاصِرٍ **وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا**﴿۱۱۱﴾ عَظِّمْهُ عَظَمَةً تَامَّةً عَنِ اتِّخَاذِ الْوَلَدِ وَالشَّرِیْكِ وَالذُّلِّ وَكُلِّ مَا لَا یَلِیْقُ بِهٖ وَتَرْتِیْبُ الْحَمْدِ عَلٰی ذٰلِكَ لِلدَّلَالَةِ عَلٰی اَنَّهُ الْمُسْتَحِقُّ لِجَمِیْعِ الْمَحَامِدِ لِكَمَالِ ذَاتِهٖ وَتَفَرُّدِهٖ فِیْ صِفَاتِهٖ رَوَی الْاِمَامُ اَحْمَدُ فِیْ مُسْنَدِهٖ عَنْ مُعَاذِ الْجُهَنِیِّ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ یَقُوْلُ اٰیَةُ الْعِزِّ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا اِلٰی اٰخِرِ السُّوْرَةِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ قَالَ مُؤَلِّفُهُ هٰذَا اٰخِرُ مَا كَمَلْتُ بِهٖ تَفْسِیْرَ الْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ اَلَّفَهُ الْاِمَامُ الْعَلَّامَةُ الْمُحَقِّقُ جَلَالُ الدِّیْنِ الْمَحَلِّیُّ الشَّافِعِیُّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَقَدْ اَفْرَغْتُ فِیْهِ جُهْدِیْ وَبَذَلْتُ فِیْهِ فِكْرِیْ فِیْ نَفَائِسَ اَرَاهَا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَجْدِیْ وَاَلَّفْتُهُ فِیْ مُدَّةِ قَدْرِ مِیْعَادِ الْكَلِیْمِ وَجَعَلْتُهُ وَسِیْلَةً لِلْفَوْزِ بِجَنَّاتِ النَّعِیْمِ وَهُوَ فِی الْحَقِیْقَةِ مُسْتَفَادٌ مِنَ الْكِتَابِ الْمُكَمَّلِ وَعَلَیْهِ فِی الْاٰیِ الْمُتَشَابِهَةِ الْاِعْتِمَادُ وَالْمُعَوَّلُ فَرَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً نَظَرَ بِعَیْنِ الْاِنْصَافِ اِلَیْهِ وَوَقَفَ فِیْهِ عَلٰی خَطَاءٍ فَاَطْلَعَنِیْ عَلَیْهِ وَقَدْ قُلْتُ شِعْرًا حَمِدْتُ اللّٰهَ رَبِّیْ اِذْ هَدَانِیْ لِمَا اَبْدَیْتُ مَعَ عِجْزِیْ وَضُعْفِیْ فَمَنْ لِّیْ بِالْخَطَا فَاَرُدَّ عَنْهُ وَمَنْ لِّیْ بِالْقَبُوْلِ وَلَوْ بِحَرْفٍ هٰذَا وَلَمْ یَكُنْ قَطُّ فِیْ خَلَدِیْ اَنْ اَتَعَرَّضَ لِذٰلِكَ لِعِلْمِیْ بِالْعِجْزِ عَنِ الْخَوْضِ فِیْ هٰذِهِ الْمَسَالِكِ وَعَسَى اللّٰهُ اَنْ یَنْفَعَ بِهٖ نَفْعًا جَمًّا وَیَفْتَحَ بِهٖ قُلُوْبًا

غُلْفًا وَاَعْيُنًا عُمْيًا وَاٰذَانًا صُمًّا وَ كَاَنِّيْ بِمَنِ اعْتَادَ بِالْمُطَوَّلَاتِ وَقَدْ اَضْرَبَ عَنْ هٰذِهِ التَّكْمِلَةِ وَاَصْلِهَا حَسْمًا وَعَدَلَ اِلٰى صَرِيْحِ الْعِنَادِ وَلَمْ يُوَجِّهْ اِلٰى دَقَائِقِهِمَا فَهْمًا وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى رَزَقَنَا اللّٰهُ بِهٖ هِدَايَةً اِلٰى سَبِيْلِ الْحَقِّ وَتَوْفِيْقًا وَاِطِّلَاعًا عَلٰى دَقَائِقِ كَلِمَاتِهٖ وَتَحْقِيْقًا وَجَعَلَنَا بِهٖ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ قَالَ مُؤَلِّفُهٗ عَامَلَهُ اللّٰهُ بِلُطْفِهٖ فَرَغْتُ مِنْ تَالِيْفِهٖ يَوْمَ الْاَحَدِ عَاشِرَ شَهْرِ شَوَّالٍ سَنَةَ سَبْعِيْنَ وَثَمَانُ مِائَةٍ وَكَانَ الْاِبْتِدَاءُ فِيْهِ يَوْمُ الْاَرْبَعَاءِ مُسْتَهِلُّ رَمَضَانَ مِنَ السَّنَةِ الْمَذْكُوْرَةِ وَفَرَغَ مِنْ تَبْيِيْضِهٖ يَوْمَ الْاَرْبَعَاءِ سَادِسَ صَفَرٍ سَنَةَ اِحْدٰى وَسَبْعِيْنَ وَثَمَانُ مِائَةٍ

ترجمہ: .... اور ہم نے موسیٰ کو کھلے نو (۹) معجزے دیئے تھے (جو واضح تھے یعنی ید بیضا اور عصاء اور طوفان اور ٹڈی دل اور گھن کا کیڑا اور مینڈک اور خون اور صورتوں کا بگڑ جانا اور قحط سالی اور پھلوں میں نقصان کا ہو جانا) پس آپ (اے محمد!) بنی اسرائیل سے پوچھ دیکھئے (تاکہ اس پوچھنے سے آپ کی سچائی کا مشرکین کو یقین ہو جائے، یا تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ہم نے موسیٰ سے پوچھنے کو کہا اور ایک قرأت میں لفظ سـال ماضی کے ساتھ ہے) یہ اس وقت کی بات ہے جب موسیٰ، بنی اسرائیل میں ظاہر ہوئے تو فرعون نے ان سے کہا اے موسیٰ! میرے خیال میں تو ضرور تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے (جس سے تمہاری عقل فریب میں مبتلا ہو گئی اور تمہیں خبط ہو گیا ہے) موسیٰ نے فرمایا تو خوب جانتا ہے کہ یہ نشانیاں مجھ پر کسی اور نے نہیں اتاری ہیں مگر اسی نے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے بصیرت کے ذرائع ہیں (عبرت انگیز مگر تو ہٹ دھرمی سے باز نہیں آ رہا ہے۔ اور ایک قرأت میں عـلـمـت ضم تاء کی ساتھ ہے) اور اے فرعون! میں سمجھتا ہوں کہ ضرور تیری کم بختی کے دن آ گئے ہیں (تو نے اپنے ملک کو ہلاکت میں ڈال لیا ہے' یا خیر سے محروم کر دیا گیا ہے) پھر (فرعون نے) چاہا کہ بنی اسرائیل کا قدم اکھاڑ دے (موسیٰ اور ان کی قوم کو نکال باہر کرے) سرزمین (مصر) سے سو ہم نے اس کو اور ان سب کو جو اس کے ساتھ تھے غرق کر دیا اور ہم نے اس واقعہ کے بعد بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا کہ تم اس سرزمین میں رہو سہو پھر جب آخرت (قیامت) کا وعدہ آ جائے گا تو ہم تم سب کو اپنے حضور اکھٹا کر لیں گے'' (تمہیں اور انہیں سب کو) اور ہم نے قرآن سچائی کے ساتھ اتارا اور وہ سچائی ہی کے ساتھ اترا بھی (جوں کا توں، ذرا بھی اس میں تغیر نہیں ہوا) اور ہم نے آپ کو (اے محمد!) صرف خوشخبری سنانے والا بنا کر بھیجا ہے (ایمان لانے والوں کو جنت کی) اور ڈرانے والا (کفر کرنیوالوں کو جہنم سے) اور قرآن کو (یہ منصوب ہے ایسے فعل محذوف سے جس کی تفسیر آگے آ رہی ہے) ہم نے الگ الگ ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے (ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے بیس تیس سال میں اتارا ہے) تاکہ آپ اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر کر پڑھیں (آہستہ اور دیر میں تاکہ لوگ اسے سمجھ سکیں) اور ہم نے اسے دھیرے دھیرے اتارا ہے (مصالح کے لحاظ کر کے بتدریج اتارا ہے) آپ (کفار سے) کہہ دیجئے کہ تم قرآن کو مانو یا نہ مانو (یہ بطور دھمکی کے کہا ہے) جن لوگوں کو قرآن سے پہلے علم دیا گیا تھا (یعنی قرآن آنے سے پہلے مراد اہل کتاب ہیں) تو انہیں جب یہ کلام سنایا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور پکارتے ہیں کہ ہمارے پروردگار کے لئے پاکی ہو (وعدہ خلافی سے وہ پاک ہے) بلاشبہ ہمارے پروردگار کا وعدہ (قرآن نازل کرنے اور پیغمبر بھیجنے کے بارے میں) ضرور (ان مخففہ ہے) پورا ہو کر رہتا ہے۔ اور ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں۔ روتے ہیں (یہ معطوف ہے صفت زیادہ کر کے) اور (قرآن) اور بڑھا دیتا ہے ان کا خشوع (اللہ کے آگے عاجزی اور نبی جب کہتے ہیں یا اللہ، یا رحمن

تو مشرکین اعتراض کرتے کہ ہمیں تو دو خداؤں کی پرستش سے منع کرتے ہیں اور محمد خود، اللہ کے ساتھ دوسرے خدا کو بھی پکارتے ہیں؟ اس پر اگلی آیت نازل ہوئی) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ خواہ اللہ کہہ کر پکارو، یا رحمٰن کہہ کر پکارو، (جونسا چاہے نام لو، جونسے چاہے لفظ سے پکارو، اللہ کہو یا رحمٰن) جس نام سے بھی (ای شرطیہ اور ما زائدہ ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے ای شیء من ھذین) تم پکارو گے (وہی بہتر ہوگا۔ اس محذوف جزا پر اگلا جملہ دلالت کر رہا ہے) سواس کے (یعنی دونوں لفظ جس ذات پر صادق آتے ہیں) سارے نام اچھے اچھے ہیں (یہ دونوں نام بھی منجملہ ان اچھے ناموں کے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں اسماء الحسنی کی تفصیل آتی ہے۔ الله . رحمن . رحيم. ملك قدوس. السلام. مؤمن. مهيمن. عزيز. جبار. متكبر. خالق. بارى. مصور. غفار. قهار. وهاب. رزاق. فتاح. عليم. قابض. باسط. خافض. رافع. معز. مذل. سميع. بصير. حكم. عدل. لطيف. خبير. حليم. عظيم. غفور. شكور. على. كبير. حفيظ. مقيط. حسيب. جليل، كريم. رقيب. مجيب. واسع. حكيم. ودود. مجيد. باعث. شهيد. حق. وكيل. قوى. متين. ولى. حميد. محصى. مبدى. معيد. محيى. مميت. حيّ. قيوم. واجد. ماجد. واحد. صمد. قادر. مقتدر. مقدم. مؤخر. اول. آخر. ظاهر. باطن. والى. متعال. برّ. تواب. منتقم. عفو. رؤف. مالك الملك. ذوالجلال والاكرام. مقسط. جامع. غنى. مغنى. مانع. ضارّ. نافع. نور. هادى. بديع. باقى. وارث. رشيد. صبور. (ترمذی) (حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) اور اپنی جہری نماز میں نا تو بہت چلا کر پڑھیئے (کہ مشرکین تک پڑھنے کی آواز آجائے اور وہ آپ کو گالیاں دیں اور قرآن اور قرآن اتارنے والی ذات کو گالیاں دیں) اور نہ بالکل ہی چپکے چپکے (آہستہ) پڑھیئے (تاکہ سننے سے آپ کے صحابہ کو نفع ہو) اور چاہیئے کہ (بلند آوازی اور آہستگی کے) درمیان کی راہ (معتدل طریقہ) اختیار کی جائے۔ اور کہیئے کہ ساری خوبیاں اسی اللہ کے لئے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ سلطنت (معبودیت) میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کوئی اسکا مددگار ہے اسکی درماندگی کی وجہ سے (یعنی وہ عاجز نہیں کہ اسے مددگار کی ضرورت پڑے) اور اس کی بڑائی کی پکار کو بلند کرو جیسی پکار بلند کرنی چاہیئے (اولاد تجویز کرنے سے اور شریک اور ذلت وغیرہ تمام نامناسب باتوں سے اس کی پاکیاں خوب بیان کیجئے اور حمد کو ان صفات سلبیہ پر مرتب کر کے اس بات پر دلالت کرنی مقصود ہے کہ حق تعالیٰ اپنی کمال ذاتی اور صفات کی یکتائی کی وجہ سے تمام خوبیوں کے لائق ہے۔ امام احمدؒ معاذ جہنیؓ سے اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم فرماتے تھے کہ الحمدلله الذى سے لے کر آخر سورۃ تک آیت عزت ہے۔ واللہ اعلم۔ مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ یہ آخری حصہ ہے قرآن عظیم کی اس تفسیر کا جسے امام، علامہ محقق جلال الدین محلی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تالیف فرمایا تھا، میں نے اس میں اپنی انتہائی طاقت خرچ کردی ہے اور ایسی نفیس چیزوں میں جو میرے خیال کے مطابق انشاء اللہ نافع ہوگی۔ میں نے اپنی قوت فکر یہ صرف کردی ہے میں نے اس کتاب کی تالیف صرف ایک چلّہ میں پوری کردی ہے، اور یہ میری حق میں جنات نعیم کی کامرانیوں کا ایک وسیلہ ہوگا فی الحقیقت میری یہ تصنیف ''کتاب مکمل'' سے ماخوذ ہے۔ اور آیت متشابہ کے سلسلہ میں میں نے ''کتاب مکمل'' ہی پر اعتماد کیا ہے۔ انصاف سے دیکھنے والی آنکھ پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور اس شخص پر جو میری خطا سے واقف ہو کر مجھے مطلع کر دیں میں نے ایک شعر بھی کہا ہے۔

حمدت الله ربى اذهدانى لما ابديت مع عجزى وضعفى

فمن لى بالخطا فاردعنه ومن لى بالقبول ولوبحرف

جس کا حاصل یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں اس نے مجھے ہدایت عطا فرمائی ہے، شروع کرنے کے وقت عجز و کمزوری کے باوجود کون ہے جو میری خطا کی اصلاح کردے اور کون ہے جو میرے ایک حرف ہی کو قبول کرلے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ میرے دل میں کبھی یہ بات گزری نہیں تھی کہ میں یہ خدمت انجام دوں گا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس قسم کے کاموں میں گھسنے سے میں عاجز ہوں، پھر بھی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو اس سے نفع عطا فرمائیں گے اور بستہ دلوں کو اور اندھی آنکھوں کو اور بہرے کانوں کو اس کے ذریعہ کھول

دیں گے۔ اور یہ کافی ہے اس شخص کے لئے جو مطولات کا عادی ہو درآنحالیکہ وہ اس تکملہ اور اس کی اصل سے قطعاً بے توجہ ہو اور کھلے عناد کی طرف اپنا رخ کرنا چاہتا ہو لیکن اس کی باریکیوں کے سمجھنے کی طرف متوجہ نہ ہو اور جو اس تکملہ کے بارے میں بے صبر ہوگا وہ دوسری مطولات کے بارے میں بھی بے بصیرت ہوگا۔ حق تعالیٰ ہمیں اس کے ذریعہ راہ حق کی ہدایت بخشے اور اس کے کلمات کے دقائق کی توفیق اور اطلاع اور تحقیق کی دولت عنایت فرمائے اور اس کے ذریعہ ہمیں اس گروہ میں داخل فرمادے جن پر اللہ کا انعام ہوا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی جماعت میں جن کا انجام بہترین ہوا ہے۔

ساری خوبیاں اللہ یگانہ کے لیئے ہیں اور اللہ کی رحمت اور بہت سی سلامتیاں ہوں۔ سیّدنا محمد ﷺ اور ان کی آل واصحاب پر، ہمارے لئے اللہ بس ہے اور بہترین کارساز ہے۔ مؤلف کتاب، حق تعالیٰ ان سے لطف ومہربانی کا معاملہ فرمائے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ میں اس کتاب کی تالیف سے ۱۰ شوال ۸۷۰ھ بروز اتوار فارغ ہو گیا ہوں اور اس کی ابتداء اسی رمضان المبارک کی چاندرات بروز بدھ ہوئی تھی اور اس کے مسودہ کو صاف کر کے ۶ صفر ۸۷۱ھ بروز بدھ فراغت ہوئی۔)

تحقیق وترکیب: .... **ولقد اٰتینا** یعنی تمہاری فرمائشی نشانیوں سے بڑھ کر پہلے زمانہ میں نشانیاں دی جا چکی ہے اگر مصلحت الٰہی کا تقاضہ ہوتا تو اب بھی اس طرح کی نشانیاں ظاہر کی جاسکتی تھیں۔ **ھی الید** اور صفوانؓ کی روایت ہے کہ ایک یہودی نے اس کے بارہ میں نبی کریمؐ سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ آیات بنیات سے مراد یہ احکام ہیں کہ شرک نہ کرو، چوری نہ کرو، ناحق قتل نہ کرو، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، کسی غیر مجرم شخص کو بادشاہ کے پاس لے جا کر قتل نہ کراؤ۔ کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت مت لگاؤ۔ میدان جنگ سے مت بھاگو اور یہودیوں کو خاص طور پر سنیچر کے دن مچھلی کے شکار سے بچنا چاہیئے۔ اس پر یہودی نے آنحضرتؐ کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا۔ غرض کہ اس روایت پر آیات سے مراد احکام عامہ ہے۔ **او فقلنا له** اس کا عطف یا محمد پر ہے اور یا موسیٰؑ کو خطاب ہے۔ **ای ایتنا فقلنا له اسال بنی اسرائیل ،مسحورا.** معنی اصلی مراد ہیں کہ جادو کرنے کی وجہ سے تمہارا دماغ العیاذ باللہ مختل ہو گیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مسحور بمعنی ساحر ہو ای **انت ساحر .** عجائبات ظاہر کرنے کی وجہ سے **ادعوا** اسماء الٰہی توفیقی ہیں۔ اور اسماء حسنیٰ کہنے کی وجہ یہ کہ ان سب میں اچھے معنی ہیں۔ حکیم سے مراد یہ ہے کہ غضب اور غصہ جلدی سخت عذاب پر اسے آمادہ نہیں کرتا اور شکورا کا مطلب یہ ہے کہ تھوڑی سی بھلائی پر بھی بڑا انعام کرتا ہے اور حفیظ کے معنی یہ ہیں کہ اپنی مخلوق کی جب تک چاہتا ہے حفاظت کرتا ہے۔ کریم کا مطلب یہ ہے کہ بغیر سوال وہ وسیلہ کہ وہ مرحمت فرماتا ہے۔ مجیب یعنی دعا کرنے والے کی سنتا ہے اور قبول کرتا ہے، حکیم سے مراد یہ ہے کہ علم اور حق میں ذی اصابت ہے۔ شھید کے معنی یہ ہے کہ کوئی چیز اس سے غائب نہیں ہوسکتی۔ وکیل سے مراد یہ ہے کہ بندوں کی ضروریات پوری کرنے والا ہے۔ محصی کا مطلب یہ ہے کہ معلومات کا احاطہ کرنے والا ہے۔ قیوم کا حاصل یہ ہے کہ مخلوق کی تدبیر میں پوری طرح مصروف ہے۔ فلہ مفرد ضمیر کا مرجع اللہ اور رحمٰن دونوں کا مسمّی ذات واحدہ ہے۔ مومن کے معنی یہ ہیں کہ اللہ اپنے نفس کی تصدیق کرنے والا ہے۔ اور یا امن سے ماخوذ ہے کہ بندوں کو خوف سے مامون کرنے والا ہے۔ **مھیمن** کا منشاء یہ ہے کہ وہ انتہائی حفاظت ونگرانی کرنے والا ہے۔ اور باری برء سے ماخوذ ہے کسی چیز کا خالص اور کھرا ہونا اور بعض کے نزدیک بلانمونہ پیدا کرنے کے معنی ہے۔ اور مقیت بمعنی مقتدر اور قادر ہے۔ اور حسیب کے معنی کافی کے ہے۔ باعث یعنی رسول کو بھیجنے والا یا مردوں کو قبروں سے اٹھانے والا ہے۔ اور واجد کے معنی غنی کے ہیں۔ اور ماجد بمعنی مجید اور بزرگ ہے۔ والی بمعنی حاکم اور بر بمعنی محسن۔ باطن کا مطلب یہ ہے کہ وہ عقلی نظر سے بھی پوشیدہ

ہے۔ متعال نہایت بلندرتبہ۔ تواب گناہ معاف کرنے والا۔ منتقم بدلہ لینے والا۔ عفو گناہوں کو مٹادینے والا۔ جامع قیامت میں جمع کرنے والا۔ نور یعنی خود بھی روشن اور دوسرے کو بھی ظاہر کرنے والا۔ بدیع بلانمونہ کی چیز کو پیدا کردینا۔ وارث بندوں کے فنا ہونے کے بعد رہنے والا کہ سب املاک اس کی طرف لوٹ آئیں۔ رشید کہ مخلوق کی بہتر ائی کی طرف رہنمائی کرنے والا۔ یا فعیل بمعنی مفعول ہے۔ صبور جو پکڑ میں جلدی نہ کرنے والا۔ **ولا تجهر** آنحضرت نماز میں بلند آواز سے قرآن پڑھتے تھے۔ جسے مشرکین سن کر بھناتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت عائشہؓ کی **روایت بخاری میں** ہے کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور بعض نے دونوں میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ نماز میں دعا کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ **لاتجهر بصلا تك اى بقراء تك فيهانهارا و لاتخافت بهاليلا** ا ورعلامہ سیوطیؒ نے ابن عباسؓ سے یہ معنی بھی نقل کئے ہیں کہ **لاتجعل كلهاجهرا و لا كلهاسرا**۔ لیکن جو حضرات اسے دعا کے باب میں کہتے ہیں اس سورۃ میں آیت **تضرعا وخيفه** سے منسوخ مانا جائے گا۔ **وقل الحمد** بعض آثار میں ہے کہ جس گھر میں بھی رات کو یہ آیت پڑھی جائے اس میں نہ کوئی آفت آتی ہے اور نہ چوری ہوتی ہے۔ **وترتيب الحمد** جلال محققؒ اس شبہ کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ حمد تو خوبیوں پر ہوا کرتی ہے حالانکہ یہاں صفات معدومہ اور سلبیہ کا بیان ہورہا ہے۔ پس یہ مقام تنزیہ ہوا نہ کہ مقام حمد؟ حاصل جواب یہ ہے کہ اس میں صفات امکان کی نفی کا امکان ہے جو احتیاج کا مقتضی ہوتا ہے اور اللہ کے لئے واجب الوجود ہونے کا اثبات کرتا ہے کہ وہ بالذات غنی ہیں۔ سب چیزیں اس کی محتاج ہیں۔ اس لئے وہ جواد معطی اور تمام حمد کا مستحق ہوا اور بعض نے جواب کی یہ توجیہ کی ہے کہ اگر کسی کے اولاد اور بیوی ہو تو دوسرے خدام تک انعامات کی نوبت اولاد اور بیوی سے بچنے پر آتی ہے لیکن یہاں یہ بتلانا ہے کہ نہ اس کے اولاد ہے اور نہ بیوی۔ اس لئے سب کچھ افضال وانعام بندوں ہی پر کرتا ہے۔ **آية العز** روزانہ تین سوا کیاون دفعہ اس کو پڑھنا چاہئے اور اس سے پہلے یہ عبارت بھی پڑھنی چاہئے۔ **توكلت على الحى الذى لا يموت الحمد لله الخ** ابن کعبؓ سے مروی ہے کہ تورات شروع تو ان الفاظ سے ہوئی ہے۔ جن سے سورۂ انعام شروع ہوئی۔ لیکن تورات کا اختتام ان لفظوں سے ہوا ہے جس پر یہ سورت ختم ہوئی ہے و**الفته** سے مقصود تحدیث نعمت نہ کہ اظہار فخر۔ علامہ سیوطیؒ کی عمر تالیف کے وقت بائیس سال سے بھی کم تھی۔ **فمن لى** یعنی اس بارے میں میری غلطیوں کی کون کفالت کرتا ہے اور **فارد عنه** کے معنی یہ ہیں کہ پھر میں اس غلطی کی اصلاح کرلوں۔ **ومن كان فى هذه** یعنی جو شخص اس تکملہ اور اس کی اصل سے کنارہ کش ہو کر اس کے دقائق سے بےخبر رہے گا وہ دوسری مطولات سے بھی بے بہرہ رہے گا۔ گویا **فى** بمعنی **مع** ہے اور **هذه** سے اپنی اور محلیؒ کی تفسیر کی طرف اشارہ ہے اور آخرۃ سے دوسری مطولات تفسیر مراد لی ہیں۔ فرغت علامہ محلیؒ کی وفات سے چھ سال بعد اس کی تالیف کی نوبت آئی ہے۔

ربط آیات :............ پچھلی آیات میں آنحضرت ﷺ کی رسالت اور رسالت کی دلیل یعنی اعجاز قرآنی کو ثابت کیا گیا تھا اور کفار کے عناد کا بیان ہوا تھا۔ اب آیت **ولقد اتينا الخ** سے بطور نظیر حضرت موسیٰ کی رسالت اور ان کے معجزات کا اور فرعون کے عناد کا ذکر ہے جس سے کفار کی فرمائشی نشانیوں کو پورا نہ کرنے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی کہ فرعون کی طرح ضرور یہ بھی انکار کرتے اور عذاب کے مستحق ہوتے اور آنحضرت کی تسلی کے لئے فرعون کے عناد اور بنی اسرائیل کے صبر کا انجام بھی بتلا دیا تا کہ موجودہ عناد پسند کفار اپنا انجام سوچ لیں اور مسلمانوں کے لئے استقلال سہل ہو سکے اس نظیر کے بعد پھر آیت **وبالحق الخ** سے پھر اصلی مدعا یعنی رسالت اور دلیل رسالت کی تحقیق کی طرف رجوع ہے۔ اس کے بعد سورت کے ختم پر آیت **قل ادعوا الله الخ** سے توحید کے متعلق بعض تحقیقات اور

تعلیمات کا بیان ہے اور چونکہ سورت کے شروع میں سبحان سے اللہ کی تنزیہ کا بیان ہوا ہے اس لئے اختتام پر اس مضمون سے لطف اور دوبالا ہو جاتا ہے۔

شانِ نزول :............ ایک روز آنحضرت ﷺ نے دعا میں یا رحمٰن کہا تو مشرکین کہنے لگے ہمیں تو شرک سے منع کرتے ہیں اور محمد خود دو معبودوں کو پکارتے ہیں۔ اس پر آیت **قل ادعوا اللہ** نازل ہوئی۔ اسی طرح آنحضرت نماز میں ذرا بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے تو مشرکین اللہ تعالیٰ اور جبریلؑ کی شان میں گستاخی کرنے لگے اس پر **و لاتجهر** کا حکم نازل ہوا۔ عرب کے لوگوں کا شرک تو کھلا ہوا تھا ہی لیکن اہل کتاب بھی اللہ کے اولاد ہونے کا عقیدہ کر کے شرک کے مرتکب ہوئے اور فرقہ صابی اور مجوس کا عقیدہ یہ تھا کہ اگر یہ اللہ کے یہاں مخصوص نہ ہوں تو اللہ کی قدر ہی کم ہو جائے۔ اس پر **وقل الحمد للّٰہ** کے الفاظ نازل ہوئے۔

﴿ تشریح ﴾ :............ **حدیث ترمذی سے آیت کا بظاہر تعارض** :............ حدیث ترمذی میں یہود کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نو نشانیوں کے بارہ میں سوال کرنا اور پھر جواب میں احکام بیان کرنا آیا ہے۔ لیکن اس آیت میں اس کا مراد لینا سیاق کلام سے بعید ہے۔ کیونکہ ظاہراً کلام معجزات میں ہو رہا ہے۔ ممکن ہے حدیث کے معنی یہ ہوں کہ آپ نے جواب میں پہلے معجزات بیان کر دیئے ہوں اور پھر بطور زیادتی کے کچھ احکام بھی بیان فرمائے ہوں۔ لیکن راوی نے احکام کو مہتم بالشان سمجھ کر بیان کر دیا اور معجزات کو کلام سے حذف کر دیا اور فرعون کو مثبورا کہنا اگر شفقت کے لہجہ میں ہو تو **قولا له قولا لينا** کے خلاف نہیں ہوگا۔

سجدہ میں گرنے سے کیا مراد ہے :............ آیت **ان الذین اوتوا العلم الخ** میں سجدہ میں گرنا بطور شکر یہ کے ہے کہ پچھلی آسمانی کتابوں کا وعدہ پورا ہوا یا بطور تعظیم کے ہے کہ قرآن سن کر ہیبت طاری ہوتی ہے یا بطور مجاز، بکمال خشوع وخضوع سے کنایہ ہے اور سجدہ اگر چہ چہرے کے بل ہوتا ہے مگر ٹھوڑی کے بل کہنا مبالغہ کے لئے ہے کہ اپنے چہرے کو زمین اور مٹی سے اس قدر لگا دیتے ہیں کہ ٹھوڑی زمین سے لگنے کے قریب ہو جاتی ہے۔

دنیا میں بہت سے اختلافات محض لفظی جنگ کی حیثیت رکھتے ہیں :............ آیت **قل ادعوا اللہ الخ** میں ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف اشارہ ہے دنیا میں انسان کے اکثر اختلافات محض لفظی ہوتے ہیں وہ معنی پر نہیں لڑتا صورت لفظ پر لڑتا ہے۔ بسا اوقات ایک ہی حقیقت اس کے سامنے ہوتی ہے لیکن چونکہ نام مختلف ہوتے ہیں، صورتیں مختلف ہوتی ہیں، اسلوب اور ڈھنگ مختلف ہوتے ہیں۔ اسی لئے ہر انسان دوسرے انسان سے لڑنے لگتا ہے اور نہیں جانتا کہ ساری لڑائی لفظ کی لڑائی ہے من کی لڑائی نہیں ہے۔ اگر دنیا صرف اسی بات کو پالے تو نوع انسانی کے دو تہائی اختلافات جنہوں نے دائمی نزاعوں اور جنگوں کی صورت اختیار کر لی ہے ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں۔ اس آیت میں اور اس کے ہم معنی آیات میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مشرکین عرب اللہ کے لفظ سے آشنا تھے کیونکہ یہ لفظ پروردگار عالم کے لئے بطور اسم ذات کے پہلے سے استعمال ہوتا رہا ہے لیکن وہ لوگ دوسرے ناموں سے آشنا نہ تھے جن کا قرآن نے اس کی صفتوں کے لئے اعلان کیا تھا۔

اللہ اور رحمٰن کا مصداق ایک ہی ہے :............ مثلا: الرحمٰن، رحمٰن کا لفظ بولا جاتا تھا لیکن وہ نہیں مانتے تھے کہ اسے اللہ کے لئے بولنا چاہیئے، پس جب ایسے الفاظ سنتے تو تعجب کرتے اور طرح طرح کے اعتراضات کرتے قرآن کہتا ہے، تم اسے اللہ کہہ کر پکارو یا

رحمٰن کہہ کر پکارو، جس نام سے بھی پکارو، پکار اسی کے لئے ہے اور ناموں کے کئی ہونے سے حقیقتیں کئی نہیں ہو جاتیں اس کا نام ایک ہی نہیں اس کے بہت سے نام ہیں لیکن جتنے نام ہیں حسن وخوبی کے نام ہیں کیونکہ وہ سرتا سر حسن وکمال اور کبریائی وجلال ہے تم ان ناموں میں سے کوئی نام بھی لو، تمہارا مقصود ومطلوب وہی ہوگا۔

عبارتنا شتی وحسنك واحد　　وكل الى ذاك الجمال يشيرٗ

جہری نماز میں زیادہ زور سے نہ پڑھنے میں دو مصلحتیں ہیں: .... **لا تجهر** کا حکم ظاہر ہے کہ جہری نمازوں میں ہوگا، کیونکہ زور سے پڑھنے ہی میں کفار کے سننے اور بکنے کا احتمال ہوگا اور زیادہ زور زور سے پڑھنے میں علاوہ کفار کی بکواس کے، نماز میں خشوع وخضوع بھی باقی نہیں رہتا۔ قلب مشوش ہو جاتا ہے زیادہ زور سے نہ پڑھنے میں یہ مصلحت بھی ملحوظ ہوگی۔ برخلاف تبلیغ کے، وہاں چونکہ دوسروں کو سنائے بغیر غرض حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے تبلیغ کے وقت اگر قلب مشوش بھی ہو تب بھی اس نقصان کو مقصد کی خاطر گوارا کرلیا جاتا ہے لیکن نماز میں غرض اصلی حضور قلبی ہے۔ زیادہ زور سے پڑھنے اور سنانے میں چونکہ یہ فوت ہوتی ہے اس لئے روکا گیا ہے۔ انسان کو قوت ومدد کبھی تو اپنے سے چھوٹے سے پہنچتی ہے جیسے اولاد سے، اور کبھی برابر سے جیسے شریک سے اور کبھی بڑے سے جیسے ناصر وحامی کی جانب سے، لیکن حق تعالیٰ میں یہ تینوں صورتیں اس لئے نہیں کہ وہاں مقسم ہی نہیں کیونکہ وہ خود اتنے قوی ہیں کہ کسی سے بھی انہیں قوت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں اس سورت کو تسبیح سے شروع کر کے تحمید وتکبیر پر ختم کیا گیا ہے۔ **سبحان الله والحمد لله والله اكبر.**

لطائف آیات: .... آیت **انی لاظنك الخ** معلوم ہوتا ہے کہ اگر تسامح اور رعایت کرنے میں کوئی مصلحت نہ ہو تو ترکی بترکی جواب دینا، کمال اخلاق کے خلاف نہیں ہے آیت **ويخرون الخ** سے خشیت حق سے رونے کی فضیلت معلوم ہو رہی ہے۔

فسبحان الله على ما وفقني لخدمة ايضاح تفسير الجلال للسيوطي رحمه الله بلسان الاردية والحمد لله على تمامه في حالة الصوم وقت الافطار ولكل صائم فرحتان ولي ثلاث فرحات والله اكبر ـ فارجو منه ان يوفقني لاتمام ايضاح تفسير الجلال الباقي للمحليؒ ـ محسن الختام وما اردت ان يكون تاليفي مثقلا وقيعا بالاكثار من نقل الماخذ ولكني اعترف باستفادتي في اكثر المواضع المهمة من "التفسيرات الاحمدية" وبيان القرآن ومسائل السلوك وترجمان القرآن وغيرهم، اللهم اغفرلي خطيئاتي وامحوعني زلاتي ومسامحاتي واجعله لي اجرا وذخرا يا رب الغلمين وهو حسبي ونعم الوكيل نعم المولى ونعم النصير وقد تم التسويد والتبييض يوم الاثنين التاسع من شعبان ١٣٨٤ھ المطابق لاربعة عشر من دسمبر ١٩٦٤ء العبد الاثيم المكنى بابي عبد الله المسمى بمحمد نعيم خادم التدريس بدار العلوم الديوبنديه دار السلام ابو البركات ديوبند ـ

سُــــــورَةُ الْكَهْفِ

سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَاصْبِرْ نَفْسَكَ اَلْاٰيَةُ مِائَةٌ وَعَشْرُ آيَاتٍ اَوْ خَمْسَ عَشَرَةَ آيَةً

پوری سورۂ کہف مکی ہے بجز آیت واصبر نفسك الخ کے کل آیات کی تعداد ایک سو دس یا ایک سو پندرہ ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ هُوَ الْوَصْفُ بِالْجَمِيْلِ ثَابِتٌ **لِلّٰهِ** وَهَلِ الْمُرَادُ الْاِعْلَامُ بِذٰلِكَ لِلْاِيْمَانِ بِهٖ اَوِ الثَّنَاءِ بِهٖ اَوْ هُمَا اِحْتِمَالَاتٌ اَفْيَدُهَا الثَّالِثُ **الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ** مُحَمَّدٍ **الْكِتٰبَ** الْقُرْاٰنَ **وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ** اَيْ فِيْهِ **عِوَجًا**﴿۱﴾ اِخْتِلَافاً وَّتَنَاقُضاً وَّالْجُمْلَةُ حَالٌ مِّنَ الْكِتٰبِ **قَيِّمًا** مُسْتَقِيْمًا حَالٌ ثَابِتَةٌ مُّؤَكِّدَةٌ **لِّيُنْذِرَ** يُخَوِّفَ بِالْكِتَابِ الْكَافِرِيْنَ **بَاْسًا** عَذَابًا **شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ** مِنْ قِبَلِ اللّٰهِ **وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا**﴿۲﴾ **مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا**﴿۳﴾ هُوَ الْجَنَّةُ **وَّيُنْذِرَ** مِنَ الْجُمْلَةِ الْكَافِرِيْنَ **الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا**﴿۴﴾ **مَالَهُمْ بِهٖ** بِهٰذَا الْقَوْلِ **مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ** مِنْ قَبْلِهِم الْقَائِلِيْنَ لَهٗ **كَبُرَتْ** عَظُمَتْ **كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ** كَلِمَةً تَمِيْزٌ مُفَسِّرَةٌ لِلضَّمِيْرِ الْمُبْهَمِ وَالْمَخْصُوْصُ بِالذَّمِّ مَحْذُوْفٌ اَيْ مَقَالَتُهُمُ الْمَذْكُوْرَةُ **اِنْ** مَا **يَقُوْلُوْنَ** فِيْ ذٰلِكَ **اِلَّا** مَقُوْلًا **كَذِبًا**﴿۵﴾ **فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ** مُهْلِكٌ **نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ** بَعْدَ هُمْ اَيْ بَعْدَ تَوَلِّيْهِمْ عَنْكَ **اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ** اَلْقُرْاٰنِ **اَسَفًا**﴿۶﴾ غَيْظًا وَحُزْنًا مِنْكَ لِحِرْصِكَ عَلٰى اِيْمَانِهِمْ وَنَصْبُهٗ عَلَى الْمَفْعُوْلِ لَهٗ **اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ** مِنَ الْحَيْوَانِ وَالنَّبَاتِ وَالشَّجَرِ وَالْاَنْهَارِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ** لِنَخْتَبِرَ النَّاسَ نَاظِرِيْنَ اِلٰى ذٰلِكَ **اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا**﴿۷﴾ فِيْهِ اَيْ اَزْهَدُ لَهٗ **وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا** فُتَاتًا **جُرُزًا**﴿۸﴾ يَابِسًا لَا يُنْبِتُ **اَمْ حَسِبْتَ** اَيْ اَظَنَنْتَ **اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ** اَلْغَارِ فِي الْجَبَلِ **وَالرَّقِيْمِ** اللَّوْحِ الْمَكْتُوْبِ فِيْهِ اَسْمَاءُ هُمْ

وَاَنْسَابُهُمْ وَقَدْ سُئِلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قِصَّتِهِمْ **كَانُوْا** فِيْ قِصَّتِهِمْ **مِنْ** جُمْلَةِ **اٰيٰتِنَا عَجَبًا** ﴿۹﴾ خَبَرُ كَانَ وَمَا قَبْلَهُ حَالٌ اَيْ كَانُوْا عَجَبًا دُوْنَ بَاقِي الْاٰيَاتِ اَوْ اَعْجَبُهَا لَيْسَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ اُذْكُرْ **اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ** جَمْعُ فَتًى وَهُوَ الشَّابُّ الْكَامِلُ خَائِفِيْنَ عَلٰى اِيْمَانِهِمْ مِنْ قَوْمِهِمِ الْكُفَّارِ **فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ** مِنْ قِبَلِكَ **رَحْمَةً وَّهَيِّئْ** اَصْلِحْ **لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا** ﴿۱۰﴾ هِدَايَةً **فَضَرَبْنَا عَلٰى اٰذَانِهِمْ** اَيْ اَنَمْنَاهُمْ **فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا** ﴿۱۱﴾ مَعْدُوْدَةً **ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ** اَيْ اَيْقَظْنَاهُمْ **لِنَعْلَمَ** عِلْمَ مُشَاهَدَةٍ **اَيُّ الْحِزْبَيْنِ** الْفَرِيْقَيْنِ الْمُخْتَلِفَيْنِ فِيْ مُدَّةِ لُبْثِهِمْ **اَحْصٰى** فِعْلٌ بِمَعْنٰى ضَبَطَ **لِمَا لَبِثُوْٓا** لِلُبْثِهِمْ مُتَعَلِّقٌ بِمَا بَعْدَهُ **اَمَدًا** ﴿۱۲﴾ غَايَةً

ترجمہ: .... ساری خوبیاں (یعنی بہترین تعریف ثابت ہے) اللہ کے لئے (اس بات کی اطلاع دینے سے مقصود آیا اس پر ایمان لانا ہے یا اس کے ذریعہ سے تعریف کرنا ہے، یا دونوں صورتیں پیش نظر ہیں؟ غرضیکہ تینوں احتمالات ہیں۔لیکن ان میں سے تیسری صورت زیادہ مفید ہے) جس نے اپنے بندہ (محمد) پر اس کتاب (قرآن) کو اتارا ہے اور اس کے لئے (یعنی اس میں) کسی طرح کی ذرا بھی کجی نہیں ہے (یعنی لفظی اختلاف یا معنی کے لحاظ سے تضاد بیانی نہیں ہے (اور ترکیب میں یہ جملہ "الکتاب" سے حال واقع ہو رہا ہے) تاکہ لوگوں کو خبردار کرائے (کتاب کے ذریعہ سے کافروں کو ڈرائے) بالکل سیدھی بات (اینچ پیچ سے خالی ہے، یہ لفظ بھی ترکیب میں "الکتاب" سے حال ثابتہ مؤکدہ واقع ہو رہا ہے) تاکہ لوگوں کو خبردار کرائے (کتاب کے ذریعہ سے کافروں کو ڈرائے) اللہ کی جانب سے ایک سخت عذاب ہے اور اچھے اچھے کام کرنے والے مؤمنوں کو خوشخبری دے دے کہ یقیناً ان کے لئے بڑی ہی خوبی کا اجر ہے جس میں ہمیشہ وہ خوش حال رہیں گے (یعنی جنت میں) نیز (منجملہ اور کافروں کے) ان لوگوں کو متنبہ کردے جنہوں نے کہا کہ اللہ اولاد بھی رکھتا ہے (اس بارہ میں) نہ تو ان کے پاس کوئی دلیل ہے اور نہ ان کے باپ دادوں کے پاس کوئی دلیل تھی (جو ان لوگوں سے پہلے ایسی باتیں کہتے چلے آئے ہیں) کیسی سخت (بھاری) بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے (لفظ کلمة بلحاظ ترکیب تمیز ہے جس سے ضمیر مبہم کی وضاحت ہو رہی ہے اور لفظ کبرت کا مخصوص بالمذمت محذوف ہے۔تقدیری عبارت ہوگی (کبرت مقالتهم المذکورة) یہ کچھ نہیں بکتے ہیں (اس بارہ میں) مگر سرتاسر جھوٹ: (بات) سو شاید اپنی جان ہی ہلاک کرڈالیں ان کے پیچھے (یعنی آپ سے ان کی بے رخی اختیار کرنے کے بعد) اگر یہ لوگ اس بات (قرآن) پر ایمان نہ لائیں مارے افسوس کے (آپ کی طرف سے کڑھن اور رنج ہونے کی وجہ سے کیونکہ آپ کو ان کے ایمان لانے کا شوق لگا رہتا ہے لفظ اسفا مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے) روئے زمین پر جتنی چیزیں ہیں (خواہ وہ جانور ہوں یا گھاس پھونس، درخت اور نہریں وغیرہ ہوں) ہم نے انہیں باعث رونق بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں (لوگوں کا امتحان یہ دیکھتے ہوئے کریں کہ) کون ایسا ہے جس کے کام سب سے زیادہ اچھے ہیں (یعنی کون اچھی باتوں کی طرف سب سے زیادہ جھکتا ہے) اور پھر ہم ہی جو کچھ زمین پر ہے اسے چٹیل میدان بنا ڈالیں گے (ایسا صاف کہ ایک تنکا تک اس میں پیدا نہیں ہو سکے گا) کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ غار اور پہاڑ والے لوگ ہمارے عجائبات میں سے کچھ تعجب خیز نشانی تھے (لفظ عجبا کان کی خبر ہے اور اس سے پہلے من اٰیتنا ترکیب میں حال ہے یعنی تمام باقی نشانیوں میں صرف یہی ایک نشانی عجیب یا عجیب تر تھی؟ نہیں ایسا نہیں۔ذرا دھیان کیجئے اس بات کی طرف) جب کہ چند جوان غار میں جا بیٹھے تھے (لفظ فتیا فتی کی جمع

ہے ہٹے کٹے جوان کو کہتے ہیں۔ یہ جوان اپنے ایمان لانے کی وجہ سے اپنی کافر قوم سے ڈرتے تھے) اور انہوں نے دعا کی تھی پروردگار آپ کی جانب (طرف) سے ہم پر رحمت ہو اور ہمارے اس کام کے لئے کامیابی کا سامان مہیا فرما سو ہم نے پردہ ڈال دیا ان کے کانوں پر (یعنی انہیں سلادیا) غار میں سالہا سال تک پھر انہیں اٹھا کھڑا کیا (یعنی انہیں جگادیا) تاکہ ہمیں واضح ہو جائے (مشاہدہ کے درجہ میں) کہ دونوں جماعتوں میں سے (جوان کی مدت قیام کے بارے میں مختلف الخیال ہیں) کون ہے جو ان کے رہنے کی مدت سے (لما لبثوا، لبثهم کی تقریر میں سے یہ جار مجرور بعد میں آنے والے لفظ سے متعلق ہے) واقف ہے؟ (لفظ احصیٰ کے معنی باخبر ہونے کے ہیں)۔

تحقیق وترکیب: .... **ثابت** علامہ جلال محلیؒ شافعی نے لفظ ثابت کی تقدیر نکال کر اشارہ کر دیا لله کے متعلق محذوف کی طرف لیکن ثبوت سے مراد دوام ازلی ہوگا نہ کہ ثبوت حدوثی۔ پس حمد قدیم اوصاف کمالیہ شمار ہوگی نہ کہ حمد حادث **هل المراد الاعلام بذلك** یعنی **الحمد لله** کے ثبوت کی اطلاع اور اس کا اخبار مقصود ہے؟ اس..... پہلے احتمال کو علما نے اس طرح بھی تعبیر کیا ہے کہ یہ جملہ لفظاً ومعنیً خبریہ ہے اور لفظ **او الثناء به** سے مراد یہ ہے کہ الحمد للہ کے ثبوت کی ثنا مقصود ہوا۔ اس دوسرے احتمال کو علماء نے ان لفظوں سے بھی تعبیر کیا ہے کہ یہ جملہ لفظاً ومعنیً انشائیہ ہے یعنی عرف کے لحاظ سے انشاء کے لئے اسے نقل کیا گیا ہے اور لفظ **اوهما** کا مطلب یہ ہے کہ اس جملہ سے اخبار اور ثنا دونوں مقصود ہوں۔ اس کو علما نے اس طرح بھی تعبیر کیا ہے کہ یہ جملہ خبر اور انشاء دونوں میں استعمال ہو رہا ہے۔ حقیقت ومجاز کو جمع کرنے کے طریق پر، بہر حال مفسرؒ علام اپنے شافعی ہونے کی رعایت سے تیسری شق کو ترجیح دے رہے ہیں کیونکہ شوافع کے نزدیک حقیقت ومجاز دونوں بیک وقت مراد ہو سکتے ہیں۔ رہا یہ شبہ کہ انشاء ثناء کو، اور اخبار ثناء کو اور اخبار ثناء انشاء ثناء کو مستلزم ہوتے ہیں، پس گویا پہلے اور دوسرے احتمال کا حاصل بھی وہی نکلتا ہے جو تیسری شق کا ہے پھر مفسرؒ جلال کا تیسرے احتمال کو ترجیح دینا کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ پہلی دونوں صورتوں میں یہ فائدہ حاصل تو ہو رہا ہے مگر مقصود نہیں ہے۔ لیکن تیسری صورت میں دونوں پہلو الگ الگ مقصود ہو رہے ہیں اور کسی چیز کے مقصود کے طور پر حاصل ہونے اور غیر مقصود کے درجہ میں حاصل ہونے میں بہت بڑا فرق ہے۔ اس لئے جلال المفسر کا تیسرے احتمال کے ترجیح دینے پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا۔ **تناقضا** یہ لفظ بحذف المضاف ہے ای **ذا تناقض** اور جہاں آیات اور نصوص میں بظاہر اختلاف یا تناقض نظر آتا ہے علماء نے تطبیق یا ترجیح یا تنسیخ کے ذریعہ اس کو صاف کر دیا ہے۔ **من الجملة الكافرين** جلال المفسر نے یہ عبارت نکال کر اشارہ کر دیا کہ لفظ **ينذر** کا عطف پہلے **ينذر** پر ہے عطف خاص علی العام کے طریقہ پر۔ **كبرت**۔ **كبر** فعل ماضی ہے انشاء ذم کے لئے اس میں تاء علامت تانیث ہے۔ **مقولا** یہ لفظ مقدر مان کر اشارہ کر دیا **كذبا** کے صفت ہونے کی طرف۔ **باخع** قاموس میں ہے کہ **بخع نفسه** کے معنی منع کے ہیں اس آیت سے مقصود آنحضرت ﷺ کی تسلی ہے کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے پر اتنا رنج نہ کیجئے کہ شدت غم سے آپ ہلاک ہو جائیں۔ باقی کفار کے ایمان نہ لانے پر نفس غم سے نہیں روکا جا رہا ہے کہ وہ تو شرط ایمان ہے اس سے کیسے روکا جا سکتا ہے کیونکہ کفر پر راضی رہنا خود کفر ہے۔ **زينة** یہ مفعول لہ ہے یا حال اگر **جعلنا** کو **خلقنا** کے معنی میں لیا جائے۔ لیکن اگر **جعل** بمعنی **تصير** لیا جائے تو پھر مفعول ثانی ہو جائے گا۔ **الرقيم** قاموس میں ہے کہ رقیم بروزن امیر اس کے کئی معنی ہیں، اصحاب کہف کی بستی یا ان کا پہاڑ یا ان کا کتا یا وادی یا صحراء یا پتھر وغیرہ کی وہ تختی جس پر ان کے حالات کندہ تھے اور وہ اس پہاڑی دروازہ پر لگی ہوئی تھی۔ اور قرطبی میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رقیم سے مراد وہ روپے ہیں جو اصحاب کہف نے اپنے پاس خرچہ کے لئے رکھ چھوڑے تھے۔ اور حضرت انسؓ کی رائے میں رقیم کا لفظ مبہم ہے۔ **عجبا** جلال المفسر نے ای **كانوا الخ** سے اشارہ کر دیا کہ اس قصہ کے عجیب ہونے کا انکار مقصود نہیں بلکہ صرف اس کے عجیب ہونے یا

اس کے عجیب تر سمجھنے کو رد کرنا مقصود ہے۔ اذاوی ان نوجوانوں کو دقیانوس نامی بادشاہ نے شرک پر مجبور کیا تھا۔ یہ واقعہ بقول اہل روم شہر امنوس کا ہے یا اہل عرب کے نزدیک اس شہر کا نام طرطوس ہے۔ **سنین عددا** تین سو یا تین سو نو سال مدت مراد ہے۔ **بعثنا هم** جلالؒ مفسر تو بیدار کرنا مراد لے رہے ہیں۔ لیکن ابوعبیدہؒ دوبارہ زندہ کرنا مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ عبدالرزاقؒ عکرمہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اصحاب کہف چند شہزادے تھے جو اپنی قوم سے الگ پہاڑوں میں چلے گئے تھے ان میں قیامت کے مسئلہ پر اختلاف رائے تھا بعض تو صرف روحانی بعث مانتے تھے اور بعض کی رائے یہ تھی کہ دوبارہ زندگی جسمانی اور روحانی دونوں طرح ہوگی۔ اسی اختلاف کے فیصلہ کے لئے اللہ نے ان پر موت طاری کر کے عرصہ کے بعد دوبارہ جلایا۔ **لنعلم** جلالؒ مفسر نے ایک شبہ کے دفعیہ کی طرف اشارہ کردیا کہ یہاں نفس علم مراد نہیں کہ وہ تو پہلے سے حق تعالیٰ کو حاصل ہے بلکہ مشاہدہ خارجی مراد ہے۔ **الحزبین** بقول ابن عباسؓ ایک فریق خود اصحاب کہف ہیں اور دوسرے فریق سے مراد وہ پکے بعد دیگرے آنے والے اس شہر کے بادشاہ ہیں جو اصحاب کہف کے بارہ میں مختلف رہے اور بعض نے اصحاب کہف میں دو فریق مراد لئے ہیں کہ خود ان میں اپنی مدت قیام کے بارہ میں رائے مختلف ہو رہی تھی **احصی** اس لفظ میں دو رائے ہیں ایک تو جلال مفسرؒ کی، کہ یہ اسم تفضیل کا صیغہ نہیں ہے۔ جیسا کہ ابوعلیؒ اور زمخشریؒ کی رائے ہے لیکن زجاجؒ اور تبریزیؒ اسے اسم تفضیل مانتے ہیں۔ **لما لبثوا** مفسر علامؒ نے **للبثهم** نکال کر اشارہ کردیا کہ ما لبثوا میں ما مصدریہ ہے۔

ربط آیات: .... سورۂ کہف میں توحید و رسالت کے مباحث آئیں گے اور دنیا کا فانی اور حقیر ہونا اسی طرح آخرت کی جزا وسزا کا بیان ہوگا۔ تکبر اور لڑائی کی برائی اور شرک کا غلط ہونا اسی طرح توحید و رسالت اور قیامت سے متعلق بعض قصے مذکور ہوں گے اور ان مضامین میں جہاں ایک طرف باہمی مناسبت ہے وہیں حصول ایمان میں بھی ان کا دخل ظاہر ہے۔ پچھلی سورت کا حمد پر ختم کرنا اور اس سورت کا حمد سے شروع ہونا دونوں سورتوں کے مضامین مربوط ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اس کلی ربط کے بعد جزئی ربط کی تقریر اس طرح ہوگی کہ آیت **الحمد لله الخ** سے توحید و رسالت اور وحی کا بیان ہے۔ تکبر اور شرک کی برائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلجوئی مذکور ہے۔ آگے آیت **ام حسبت الخ** سے اصحاب کہف کا واقعہ اجمالاً ذکر کیا جارہا ہے جو اگرچہ کفار کی طرف سے امتحاناً سوال کے جواب میں ہے لیکن اس سے آنحضرت کی رسالت کی تائید نکلتی ہے کہ آپؐ نے بغیر کسی سے پوچھے اور رسمی تعلیم حاصل کئے جو اس کا صحیح اور مکمل جواب دیا ہے وہ آپؐ کے رسول ہونے کی دلیل کافی ہے۔

شان نزول: .... ابن جریرؒ، ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ یہود کے بہکانے سکھانے سے قریش کے کچھ لوگوں نے آپؐ کے دعویٰ نبوت کا امتحان لینے کے لئے تین سوال کئے تھے۔ ایک روح کے متعلق جس کا جواب پچھلی سورت بنی اسرائیل میں گزر چکا ہے۔ دوسرا سوال اصحاب کہف کے متعلق تھا اور تیسرے میں ذوالقرنین کے بارہ میں دریافت کیا گیا تھا۔ ان دونوں کا جواب اس سورت میں دیا جارہا ہے اور چونکہ وہ لوگ اس قصہ کو بہت ہی زیادہ عجیب وغریب کہتے تھے۔ اس لئے آیت **ام حسبت الخ** میں اس خیال کا رد کیا گیا ہے۔

تشریح: .... سچائی کی تعریف یہ ہے کہ وہ سیدھی بات ہے جس میں ذرا ٹیڑھ پن نہیں کیونکہ جس بات میں کجی ہو، پیچ وخم ہو، الجھی ہوئی ہو، وہ سچائی کی بات نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے سعادت کی راہ کو **"صراط مستقیم"** کہا اور ہر جگہ وہ اپنا وصف یہ بیان کرتا ہے کہ اس میں کوئی بات بھی کجی کی بات نہیں ہے وہ اپنی ہر بات میں دنیا کی زیادہ سے زیادہ سیدھی بات ہے۔ اس سورت کے شروع میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے اس کے بعد اس کے نازل ہونے کا مقصد، خوشخبری اور ڈرانا قرار دیا

کیونکہ ہدایت وحی جب بھی ظاہر ہوئی ہے اسی لئے ظاہر ہوئی ہے کہ ایمان وعمل کے نتائج کی بشارت دے اور بدعملی کے نتائج سے ڈرائے اور متنبہ کردے۔ لیکن ایمان کے ساتھ یعملون الصالحات کی قید سے معتزلہ کی طرح یہ دھوکا نہیں کھانا چاہیئے کہ نجات کے لئے ایمان کی طرح اعمال بھی ضروری ہیں کیونکہ یہاں اعمال کی قید کا لگنا سبب کے طریقہ پر ہے شرط کے طور پر نہیں ہے جو مسلک اہلسنت کے خلاف ہو۔ یہ سورت بھی مکی عہد کی آخری سورتوں میں سے ہے یہ وہ وقت تھا کہ منکروں کی سرکشی انتہائی حد تک پہنچ چکی تھی اور پیغمبر اسلام کا قلب مبارک لوگوں کی شقاوت ومحرومی کے غم سے بڑا ہی دلگیر ہو رہا تھا۔ آنحضرتؐ کے جوش دعوۃ واصلاح کا یہ حال تھا کہ چاہتے تھے ہدایت گھونٹ بنا کر پلا دوں اور منکروں کا حال یہ تھا کہ سیدھی سے سیدھی بات بھی ان کے دلوں کو نہیں پکڑتی تھی۔ انبیاء کرام ہدایت واصلاح کے صرف طالب ہی نہیں ہوتے، بلکہ عاشق ہوتے ہیں انسانوں کی گمراہی ان کے دلوں کا گویا ناسور ہوتی ہے۔ انسان کی ہدایت کا جوش ان کے دل کے ایک ایک ریشہ میں عشق کی طرح سمایا ہوا ہوتا ہے اس سے بڑھ کر ان کے لئے کوئی غمگینی نہیں ہوسکتی کہ ایک انسان سچائی سے منہ موڑے، اور اس سے بڑھ کر ان کے لئے کوئی شادمانی نہیں ہوسکتی کہ ایک گمراہ قدم، راہ راست پر آجائے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس صورت حال کی جابجا شہادتیں ملتی ہیں۔ یہاں آیت **لعلک باخع** الخ میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ ان کی یہ گمراہی عجب نہیں کہ تجھے شدت غم سے بیحال کردے لیکن جو گمراہی میں ڈوب چکے ہیں وہ کبھی ابھلنے والے نہیں، پھر اس کے بعد آیت **انا جعلنا** الخ میں یہ واضح کیا جارہا ہے کہ قانون الٰہی اس بارہ میں ایسا ہی واقع ہوا ہے یہ دنیا آرائش گاہ عمل ہے یہاں جو چیز کارآمد نہیں ہوتی۔ چھانٹ دی جاتی ہے۔ بس جن لوگوں نے اپنی ہستی خراب کردی ہے ضروری ہے کہ وہ چھانٹ دیئے جائیں ان کی محرومی پر غم کرنا لاحاصل ہے۔ آیت **ام حسبت** الخ سے اصحاب کہف کی سرگزشت شروع ہو رہی ہے۔ جن لوگوں نے اس قصہ کو عجیب وغریب سمجھ کر سوال کے لئے منتخب کیا وہ اس لئے کہ معمولی واقعہ کا جواب تو کچھ سن سنا کر، قیاس ورائے سے ممکن ہے کہ کردے دیا جائے لیکن خلاف عادت واقعہ کے متعلق جواب ظاہر ہے کہ نقل صحیح اور علم تام کے بغیر ممکن نہیں۔ یوں تو روح اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کرنے کو بھی عجیب سمجھا ہوگا لیکن شاید واقعہ اصحاب کہف کو زیادہ عجیب سمجھا ہو پس ممکن ہے تعجب کا انکار خصوصیت سے یہاں اسی لئے کیا گیا ہو حاصل یہ ہے کہ فی نفسہ یہ واقعہ اگر چہ تعجب خیز ہے مگر غیر معمولی تعجب خیز نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ دنیا میں عجائبات ہیں مثلاً آسمان وزمین، اور کائنات کی چیزوں کا پیدا کرنا اس واقعہ سے زیادہ عجیب وغریب ہے کیونکہ اصحاب کہف تو موجود تھے جن میں کچھ تصرف کیا گیا ہے لیکن یہ عالم تو موجود ہی نہیں تھا جسے عدم سے وجود بخشا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ معدوم میں تصرف کرنا موجود چیز میں تصرف کرنے کی نسبت زیادہ عجیب وغریب ہے پس ان کا یہ تعجب ہی فی الحقیقت تعجب خیز ہے۔ غرضیکہ آیت **ام حسبت** الخ سے بالاجمال اور آیت **نحن نقص** الخ سے کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس واقعہ پر روشنی ڈالی گئی ہے "ای **الحزبین**" کی تفسیر میں مجاہدؒ نے تو دونوں گروہوں سے مراد خود اصحاب کہف لئے ہیں جو مدت قیام کے بارے میں مختلف الرائے ہوگئے تھے لیکن بعض حضرات نے اصحاب کہف اور ان کے مخالفین مراد لئے ہیں۔

لطائف آیات:............ آیت **علی عبدہ** سے معلوم ہوا کہ مقام عبدیت کے برابر کوئی مقام نہیں نیز یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہیں آیت **لینذر باسا شدیدا** سے معلوم ہوا کہ حجاب بھی ایک طرح کا سخت عذاب ہے جس سے سالک کو ڈرنا چاہیئے۔ آیت **ویبشر المؤمنین الذین یعملون الصالحات** سے وہ اعمال مراد ہیں جن سے خاص حق تعالیٰ کی رضا مقصود ہو، اور بعض کے نزدیک حق میں مشغول رہنے کی وجہ سے اپنی ہستی سے بیزاری مراد ہے۔ آیت **ان لھم اجرا حسنا** میں

اجر سے مراد حق تعالیٰ کا بلا حجاب مشاہدہ اور رؤیت ہے۔ آیت فلعلک باخع الخ میں اشارہ ہے آنحضرت کی انتہائی شفقت اور مخالفین کو موافق بنانے کے اہتمام کی طرف، آیت انا جعلنا ما علی الارض الخ میں حسن عمل عام ہے جس میں کائنات کی چیزوں کو انوار جلال و جمال حق کے مشاہدہ کا آئینہ بنالینا بھی داخل ہے اور ابن عطاءؒ فرماتے ہیں کہ تمام حوادث سے بے التفاتی کرنا حسن عمل ہے اور بعض کے نزدیک زمین کی زینت سے مراد اہل محبت و معرفت ہیں اور احترام کے ساتھ ان کی طرف نظر کرنا یہ حسن عمل ہے۔ آیت وانا لجاعلون الخ میں اشارہ ہے وجود حق کے ظہور سے زمینی چیزوں کے ظہور فنا کی طرف آیت فضربنا علی اذانهم الخ میں یہ عالت فناء واستغراق کے مشابہ ہے۔ آیت ثم بعثنا هم الخ میں سکر کے بعد صحو کی حالت ہے، اور خلوت کے بعد جلوت کی طرف اشارہ ہے۔

نَحْنُ نَقُصُّ نَقْرَأُ **عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ** ط بِالصِّدْقِ **اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى** ﴿۱۳﴾ **وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ** قَوَّيْنَاهَا عَلٰى قَوْلِ الْحَقِّ **اِذْ قَامُوْا** بَيْنَ يَدَيْ مَلِكِهِمْ وَقَدْ اَمَرَهُمْ بِالسُّجُوْدِ لِلْاَصْنَامِ **فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِهٖٓ** اَيْ غَيْرِهٖ **اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا** ﴿۱۴﴾ اَيْ قَوْلًا ذَا شَطَطٍ اَيْ اِفْرَاطٍ فِي الْكُفْرِ اِنْ دَعَوْنَا اِلٰهًا غَيْرَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَرَضًا **هٰٓؤُلَآءِ** مُبْتَدأٌ **قَوْمُنَا** عَطْفُ بَيَانٍ **اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً** ط **لَوْلَا** هَلَّا **يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ** عَلٰى عِبَادَتِهِمْ **بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ** ط بِحُجَّةٍ ظَاهِرَةٍ **فَمَنْ اَظْلَمُ** اَيْ لَا اَحَدَ اَظْلَمُ **مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا** ﴿۱۵﴾ بِنِسْبَةِ الشَّرِيْكِ اِلَيْهِ تَعَالٰى قَالَ بَعْضُ الْفِتْيَةِ لِبَعْضٍ **وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا** ﴿۱۶﴾ بِكَسْرِ الْمِيْمِ وَفَتْحِ الْفَاءِ وَبِالْعَكْسِ مَاتَرْفِقُوْنَ بِهٖ مِنْ غَدَاءٍ وَعَشَاءٍ **وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ تَمِيْلُ **عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ** نَاحِيَتَهٗ **وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ** تَتْرُكُهُمْ وَتَتَجَاوَزُ عَنْهُمْ فَلَا تُصِيْبُهُمْ اَلْبَتَّةَ **وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ** ط مُتَّسَعٍ مِنَ الْكَهْفِ يَنَالُهُمْ بَرْدُ الرِّيْحِ وَنَسِيْمُهَا **ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرُ **مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ** م دَلَائِلِ قُدْرَتِهٖ **مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ** ج **وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا** ﴿۱۷﴾ **وَتَحْسَبُهُمْ** لَوْرَاَيْتَهُمْ **اَيْقَاظًا** اَيْ مُنْتَبِهِيْنَ لِاَنَّ اَعْيُنَهُمْ مُفَتَّحَةٌ جَمْعُ يَقِظٍ بِكَسْرِ الْقَافِ **وَّهُمْ رُقُوْدٌ** نِيَامٌ جَمْعُ رَاقِدٍ **وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ** لِئَلَّا تَاْكُلَ الْاَرْضُ لُحُوْمَهُمْ **وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ** يَدَيْهِ **بِالْوَصِيْدِ** بِفِنَاءِ الْكَهْفِ وَكَانُوْا اِذَا انْقَلَبُوْا انْقَلَبَ وَهُوَ مِثْلُهُمْ فِي النَّوْمِ وَالْيَقْظَةِ **لَوِاطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **مِنْهُمْ رُعْبًا** ﴿۱۸﴾ بِسُكُوْنِ الْعَيْنِ وَضَمِّهَا مَنَعَهُمُ اللّٰهُ بِالرُّعْبِ مِنْ دُخُوْلِ اَحَدٍ عَلَيْهِمْ

وَكَذٰلِكَ كَمَا فَعَلْنَا بِهِمْ مَا ذَكَرْنَا **بَعَثْنٰهُمْ** اَيْقَظْنَاهُمْ **لِيَتَسَآءَ لُوْا بَيْنَهُمْ** عَنْ حَالِهِمْ وَمُدَّةِ لُبْثِهِمْ **قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ** لِاَنَّهُمْ دَخَلُوا الْكَهْفَ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَبُعِثُوْا عِنْدَ غُرُوْبِهَا فَظَنُّوْا اَنَّهٗ غُرُوْبُ يَوْمِ الدُّخُوْلِ ثُمَّ **قَالُوْا** مُتَوَقِّفِيْنَ فِيْ ذٰلِكَ **رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوْآ اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ** بِسُكُوْنِ الرَّاءِ وَكَسْرِهَا بِفِضَّتِكُمْ **هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ** يُقَالُ اَنَّهَا الْمُسَمَّاةُ الْاٰنَ طَرَطُوْسُ بِفَتْحِ الرَّاءِ **فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا** اَيُّ اَطْعِمَةِ الْمَدِيْنَةِ اَحَلُّ **فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا﴿۱۹﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا** يَطَّلِعُوْا **عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ** يَقْتُلُوْكُمْ بِالرَّجْمِ **اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْآ اِذًا** اَيْ اِنْ عُدْتُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ **اَبَدًا﴿۲۰﴾ وَكَذٰلِكَ** كَمَا بَعَثْنَاهُمْ **اَعْثَرْنَا** اَطْلَعْنَا **عَلَيْهِمْ** قَوْمَهُمْ وَالْمُؤْمِنِيْنَ **لِيَعْلَمُوْٓا** اَيْ قَوْمُهُمْ **اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بِالْبَعْثِ **حَقٌّ** بِطَرِيْقِ اِنَّ الْقَادِرَ عَلٰى اِنَامَتِهِمُ الْمُدَّةِ الطَّوِيْلَةِ وَاِبْقَائِهِمْ عَلٰى حَالِهِمْ بِلَا غِذَاءٍ قَادِرٌ عَلٰى اِحْيَاءِ الْمَوْتٰى **وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ** شَكَّ **فِيْهَا اِذْ** مَعْمُوْلٌ لِاَعْثَرْنَا **يَتَنَازَعُوْنَ** اَيِ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْكُفَّارُ **بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ** اَمْرَ الْفِتْيَةِ فِي الْبِنَاءِ حَوْلَهُمْ **فَقَالُوا** اَيِ الْكُفَّارُ **ابْنُوْا عَلَيْهِمْ** اَيْ حَوْلَهُمْ **بُنْيَانًا** يَسْتُرُهُمْ **رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ** اَمْرِ الْفِتْيَةِ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ **لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ** حَوْلَهُمْ **مَّسْجِدًا﴿۲۱﴾** يُصَلّٰى فِيْهِ وَفُعِلَ ذٰلِكَ عَلٰى بَابِ الْكَهْفِ **سَيَقُوْلُوْنَ** اَيِ الْمُتَنَازِعُوْنَ فِيْ عَدَدِ الْفِتْيَةِ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْ يَقُوْلُ بَعْضُهُمْ هُمْ **ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ** اَيْ بَعْضُهُمْ **خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ** وَالْقَوْلَانِ لِنَصَارٰى نَجْرَانَ **رَجْمًاۢ بِالْغَيْبِ** اَيْ ظَنًّا فِي الْغَيْبَةِ عَنْهُمْ وَهُوَ رَاجِعٌ اِلَى الْقَوْلَيْنِ مَعًا وَنَصَبُهٗ عَلَى الْمَفْعُوْلِ لَهٗ اَيْ لِظَنِّهِمْ ذٰلِكَ **وَيَقُوْلُوْنَ** اَيِ الْمُؤْمِنُوْنَ **سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ** اَلْجُمْلَةُ مِنْ مُبْتَدَاءٍ وَخَبَرٍ صِفَةُ سَبْعَةٍ بِزِيَادَةِ الْوَاوِ وَقِيْلَ تَاكِيْدٌ اَوْ دَلَالَةٌ عَلٰى لُصُوْقِ الصِّفَةِ بِالْمَوْصُوْفِ وَوَصْفُ الْاَوَّلَيْنِ بِالرَّجْمِ دُوْنَ الثَّالِثِ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ مَرْضِيٌّ وَصَحِيْحٌ **قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ** قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَا مِنَ الْقَلِيْلِ وَذَكَرَهُمْ سَبْعَةً **فَلَا تُمَارِ** تُجَادِلْ **فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا** بِمَا اُنْزِلَ عَلَيْكَ **وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ** تَطْلُبُ الْفُتْيَا **مِّنْهُمْ** مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ الْيَهُوْدِ **اَحَدًا﴿۲۲﴾** وَسَاَلَهٗ اَهْلُ مَكَّةَ عَنْ خَبَرِ اَهْلِ الْكَهْفِ فَقَالَ اُخْبِرُكُمْ بِهٖ غَدًا وَلَمْ يَقُلْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَنَزَلَ **وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ** اَيْ لِاَجْلِ شَيْءٍ **اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا﴿۲۳﴾** اَيْ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ مِنَ الزَّمَانِ **اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ** اَيْ اِلَّا مُتَلَبِّسًا بِمَشِيَّةِ اللّٰهِ بِاَنْ تَقُوْلَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ **وَاذْكُرْ رَّبَّكَ** اَيْ مَشِيَّتَهٗ مُعَلَّقًا بِهَا **اِذَا نَسِيْتَ** التَّعْلِيْقَ بِهَا وَيَكُوْنُ ذِكْرُهَا بَعْدَ النِّسْيَانِ كَذِكْرِهَا مَعَ

الْقَوْلِ قَالَ الْحَسَنُ وَغَيْرُهُ مَادَامَ فِي الْمَجْلِسِ **وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا** مِنْ خَبَرِ اَهْلِ الْكَهْفِ فِي الدَّلَالَةِ عَلٰى نُبُوَّتِي **رَشَدًا** ﴿۲۴﴾ هِدَايَةً وَقَدْ فَعَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى ذٰلِكَ **وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ** بِالتَّنْوِيْنِ **سِنِيْنَ** عَطْفُ بَيَانٍ لِثَلَاثِ مِائَةٍ وَهٰذِهِ السُّنُوْنَ الثَّلَاثُ مِائَةٍ عِنْدَ اَهْلِ الْكِتَابِ شَمْسِيَّةٌ وَتَزِيْدُ الْقَمَرِيَّةُ عَلَيْهَا عِنْدَ الْعَرَبِ تِسْعَ سِنِيْنَ وَقَدْ ذُكِرَتْ فِيْ قَوْلِهٖ **وَازْدَادُوْا تِسْعًا** ﴿۲۵﴾ اَيْ تِسْعَ سِنِيْنَ فَالثَّلَاثُ مِائَةٍ الشَّمْسِيَّةُ ثَلَاثُمِائَةٍ وَتِسْعٌ قَمَرِيَّةٌ **قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا** ج مِمَّنِ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُوَ مَا تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ **لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** ط اَيْ عِلْمُهُ **اَبْصِرْ بِهٖ** اَيْ بِاللّٰهِ هِيَ صِيْغَةُ تَعَجُّبٍ **وَاَسْمِعْ** ط بِهٖ كَذٰلِكَ بِمَعْنٰى مَا اَبْصَرَهُ وَمَا اَسْمَعَهُ وَهُمَا عَلٰى جِهَةِ الْمَجَازِ وَالْمُرَادُ اَنَّهُ تَعَالٰى لَا يَغِيْبُ عَنْ بَصَرِهٖ وَسَمْعِهٖ شَيْءٌ **مَا لَهُمْ** لِاَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ **مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ** ز نَاصِرٍ **وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا** ﴿۲۶﴾ لِاَنَّهُ غَنِيٌّ عَنِ الشَّرِيْكِ

ترجمہ:...........ہم ان لوگوں کا ٹھیک ٹھیک (صحیح) واقعہ آپ سے اے پیغمبر بیان کرتے ہیں وہ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے۔ ہم نے ان کی ہدایت میں اور ترقی کر دی تھی اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے (حق بات پر انہیں جما دیا تھا) جبکہ وہ پکے ہو کر کھڑے ہو گئے (اپنے بادشاہ کے سامنے جب بادشاہ نے انہیں بت پرستی پر مجبور کرنا چاہا) اور کہنے لگے ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان وزمین کا پروردگار ہے اس کے سوا (اسے چھوڑ کر) کسی اور معبود کو پکارنے والے نہیں ہیں اگر ہم ایسا کریں گے تو یقیناً بڑی بے جا بات ہوگی (بے کار بات یعنی کفر میں حد سے بڑھی ہوئی ہوگی اگر بالفرض ہم اللہ کے علاوہ کسی اور کی بندگی کرنے لگیں) یہ (مبتداء ہے) ہماری قوم کے لوگ ہیں (یہ عطف بیان ہے) جو اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کو پکڑ بیٹھے ہیں وہ اگر معبود ہیں تو یہ لوگ اس کے لئے (ان کی بندگی پر) کوئی روشن دلیل (کھلی حجت) کیوں نہیں پیش کرتے؟ پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے (یعنی کوئی نہیں) جو اللہ پر جھوٹ کہہ کر بہتان باندھے (اللہ کی طرف شرک کی نسبت کر کے، پھر بعض نوجوان ایک دوسرے سے کہنے لگے) جب تم لوگوں نے ان سے اور جنھیں یہ لوگ اللہ کے سوا پوجتے ہیں ان سے کنارہ کشی کر لی ہے تو چاہئے کہ غار میں چل کر پناہ لیں ہم پر تمہارا پروردگار اپنی رحمت کا سایہ پھیلائے گا، اور اس کام میں تمہاری کامیابی کے سروسامان مہیا کر دے گا۔ (لفظ مـرفـقـا میم کے کسرہ اور فاء کے فتح کے ساتھ اور اسی طرح اس کے برعکس طریقہ سے آیا ہے، صبح یا شام کے ناشتہ کو کہتے ہیں) اور جب دھوپ نکلتی ہے تو تم دیکھو گے کہ وہ اٹھی رہتی ہے (لفظ تـــزاور تشدید اور تخفیف کے ساتھ دونوں طریقہ پر ہے، یعنی بچی رہتی ہے) اس غار سے داہنی جانب (سمت) اور جب سورج ڈوبے تو دھوپ بائیں جانب ہٹی رہتی ہے (ان سے بچ کر، اور کنی کاٹ کر، غرض یہ کہ کسی وقت بھی ان پر دھوپ نہیں پڑتی) اور وہ لوگ اس غار کی ایک کشادہ جگہ میں پڑے ہیں (جو غار میں وسیع اور فراخ حصہ ہے) جس میں انہیں تازہ اور ٹھنڈی ہوا لگتی رہتی ہے) یہ (باتیں) اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں (دلائل قدرت) جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے اور جسے وہ بے راہ کر دے تو تم کسی کو اس کے لئے کارساز، راہ بتانے والا نہیں پاؤ گے اور (انہیں دیکھو تو) خیال کرو کہ یہ جاگ رہے ہیں (یعنی ان کی آنکھیں کھلی ہونے کی وجہ سے بیدار معلوم ہوتے ہیں، ایـقـاظـا، یـقـظ بـکـسـر الـقـاف کی جمع ہے) حالانکہ وہ سو رہے

ہیں (نیند میں ہیں ،لفظ رقـود، راقـد کی جمع ہے) ہم انہیں دائیں بائیں کروٹ دیتے رہتے ہیں (تا کہ زمین کے اثر سے ان کا گوشت گل نہ جائے)اوران کا کتا چوکھٹ کی جگہ اپنے دونوں بازو(ہاتھ) پھیلائے بیٹھا ہے۔(صحن غار میں،اوراصحاب کہف جب کروٹ بدلتے ہیں تو کتا بھی الٹی پلٹی لیتا ہے سونے اور جاگنے میں بھی کتے کا حال اصحاب کہف کی طرح ہے)تم انہیں جھانک کر دیکھتے تو الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے۔اورتم پران کی دہشت چھا جاتی !(لفظ مـلـئـت ، تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے اور لفظ رعباًمین کے سکون اورضمہ کے ساتھ ہے۔اس طرح اللہ نے ہیبت پیدا کر کے ان کے پاس جانے سے لوگوں کو روک دیا ہے)اوراسی طرح (جیسے اصحاب کہف کیساتھ مذکورہ بالا کاروائی کی)ہم نے پھر اٹھا کھڑا کیا(جگادیا) تا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے (اپنے حالات اور وہاں ٹھہرنے کی مدت کے بارہ میں)پوچھ گچھ کرسکیں۔ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا''تم یہاں کتنی دیر تک رہے ہوگے؟ کچھ نے کہا ایک دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم رہے ہوں گے(کیونکہ یہ لوگ غار میں دن نکلے داخل ہوئے تھے اوردن چھپے جاگ اٹھے،اس لئے یہ سمجھے کہ یہ وہی دن ہے پھر)دوسرے کہنے لگے (غور وفکر کرتے ہوئے)یہ تو تمہارے خدا ہی کو خبر ہے کہ تم کس قدر رہے،اچھا اب تم اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر (لفظ ورق راکے سکون اور کسرہ کے ساتھ ہے۔بمعنی چاندی کا ٹکڑا) شہر کی طرف بھیجو(آج کل اس شہر کا نام طرطوس فتح راکے ساتھ ہے)جا کر دیکھے،ٹھیک کھانا ملتا ہے(یعنی شہر میں کہاں حلال کھانا میسر آسکتا ہے)اور جہاں کہیں سے ملے تھوڑا بہت لے آئے،اور ہاں چپکے سے لائے،کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے اگر کہیں لوگوں نے تمہاری خبر پالی تو وہ چھوڑنے والے نہیں یا تو سنگسار کریں گے (پتھراؤ کر کے تمہارا استھراؤ کر ڈالیں گے)یا مجبور کریں گے کہ تمہیں اپنے طریقہ سے پھیر لیں۔اگر ایسا ہوا (کہ تم نے پھر ان کی راہ اختیار کرلیا) تو پھر کبھی تم فلاح نہ پاسکو گے''۔اوراسی طرح (جیسے انہیں جگایا)انہیں ہم نے واقف (باخبر) کیا ان کے (قوم اورایمانداروں کے) حال سے تا کہ یقین کرلیں (ان کی قوم کے لوگ) کہ (دوبارہ قیامت)اللہ کا وعدہ سچا ہے(کیونکہ جو ذات اتنی لمبی مدت تک سلا سکتی ہے اور جوں کا توں بلا غذا کے اپنی حالت پر برقرار رکھ سکتی ہے وہ ضرور مردوں کو جلا سکتی ہے)اور یہ کہ قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں !اسی وقت کی بات ہے(اذ لفظ اعثرنا کا معمول ہے) کہ لوگ (مؤمن وکافر)ان کے بارہ میں آپس میں بحث کرنے لگے(کہ ان جوانوں کی یادگار میں یہاں ایک تعمیر ہونی چاہئے) کچھ لوگوں (کافروں) نے تو کہا''اس غار پر ایک عمارت بناڈالو،(جوان پر سایہ فگن رہے)ان کا پروردگار ہی ان کی حالت کو خوب جانتا ہے تب ان لوگوں نے کہ معاملات میں غالب تھے (ان جوانوں کے معاملہ میں یعنی مؤمنین)انہوں نے کہا ٹھیک ہے ہم ضروران (کے مرقد)پر ایک عبادت گاہ بنائیں گے(جس میں لوگ عبادت کیا کریں گے،چنانچہ پہاڑ کے دہانہ پر ایسی مسجد بناڈالی) کچھ لوگ کہیں گے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جولوگ اصحاب کہف کی تعداد کے بارہ میں مختلف تھے وہ آپس میں کہیں گے کہ غار والے تین آدمی تھے ،چوتھا ان کا کتا تھا، کچھ لوگ (آپس میں)ایسے بھی کہتے ہیں کہ نہیں پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا(یہ دونوں قول ،نجرانی نصرانیوں کے تھے)یہ سب انکل کے تیر چلاتے ہیں(باوجود موقعہ سے غائب رہنے کے محض گمان سے کہتے ہیں،اس جملہ کا تعلق ،مذکور،دونوں رائیوں سے ہے،اورلفظ رجـماً مفعول لہ کی وجہ سے منصوب ہے ''ظنھم ذلک'' کے معنی میں ہے)لیکن بعض (مسلمانوں) کا کہنا ہے کہ یہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا(یہ جملہ مبتداء اور خبر ہے اورواؤ زائد کے ساتھ لفظ سبعۃ کی صفت ہے اور بعض کی رائے میں صفت اور موصوف میں تاکید اور تعلق قائم کرنے کیلئے واؤ زائد کی گئی ہے،اورصرف پہلے دونوں قولوں کے متعلق رجماً بالغیب کہنا اور تیسرے قول کے بارہ میں نہ کہنا اس تیسرے کے پسندیدہ اور صحیح ہونے پر دلالت کرتا ہے)آپ کہہ دیجئے ان کی اصل گنتی تو میرا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کیوں کہ ان کا حال بہت کم لوگوں کے علم میں آیا ہے''(ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں بھی ان تھوڑے لوگوں میں سے ہوں اورفرمایا کہ ان کی تعداد سات

تھی) اور آپ اس سرسری بحث کے علاوہ (جو آپ پر نازل کی گئی) لوگوں سے زیادہ بحث (نزاع) نہ کیجئے، اور نہ اہل کتاب یہود میں سے، کسی سے اس بارہ میں کچھ دریافت کیجئے۔ (مکہ والوں نے جب اصحاب کہف کے متعلق دریافت کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انشاء اللہ کہے بغیر یہ وعدہ کرلیا کہ میں کل اس کا جواب دوں گا! اس پر اگلی آیت نازل ہوئی'') ۔ آپ کسی کام کے بارہ میں یہ مت کہا کرو کہ میں اسے کل ضرور کردوں گا''۔ (یعنی آئندہ زمانہ میں) مگر خدا کے چاہنے کو ملالیا کیجئے (یعنی یہ سمجھ لو کہ ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا بس انشاء اللہ ملا کر بات کیا کرو) اور اپنے پروردگار کی یاد تازہ کرلیجئے (یعنی اس کام کو اللہ کی مشیت پر معلق کرلیا کرو) جب کبھی بھول جاؤ (انشاء اللہ کہنا، پس بھولنے کے بعد اس کہنا ایسا ہی ہے جیسے بات کے ساتھ ملا کر کہنا، حسنؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ بھولنے کے بعد اسے کلمہ کو کہنا ایک مجلس باقی رہنے تک ہے) آپ کہئے کہ امید ہے کہ میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ کامیابی کی راہ (جو اصحاب کہف کے واقعہ سے بھی زیادہ میری نبوت پر دلالت کرنے والا ہو) مجھ پر کھول دے گا (چنانچہ حق تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا فرمادیا ہے) اور یہ اصحاب کہف اپنے غار میں تین سو برس تک رہے (لفظ مائة تنوین کے ساتھ ہے اور سنین عطف بیان ہے ثلاث مائة کا اور تین سو سال کی مدت اہل کتاب کے نزدیک شمسی حساب سے ہے۔ اہل عرب نے قمری حساب سے نو سال اور بڑھا دیئے جس کو آگے بیان فرمایا جارہا ہے) اور لوگوں نے نو اور بڑھا دیئے ہیں (یعنی نو برس، پس تین سو سال تو شمسی حساب سے ہوئے اور تین سو نو قمری حساب سے ہوئے) آپ کہہ دیجئے اللہ بہتر جانتا ہے وہ کتنی مدت رہے (جس مدت کے بارہ میں لوگ اختلاف کررہے ہیں جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے) وہ آسمان اور زمین کی ساری پوشیدہ چیزیں جاننے والا ہے (یعنی اسے سب چیزوں کا علم ہے) بڑا ہی دیکھنے والا ہے (یعنی اللہ، یہ تعجب کا صیغہ ہے) بڑا ہی سننے والا ہے (یہ لفظ بھی صیغہ تعجب ہے۔ یہ دونوں لفظ مـا ابصره ، و ما اسمعه کے معنی میں ہیں اور یہ کہنا بلحاظ مجاز کے ہے اور مراد یہ ہے کہ کوئی چیز بھی اس کی نگاہ اور سننے سے باہر نہیں ہے) ان کا (آسمانوں وزمین کے رہنے والوں کا) اللہ کے سوا کوئی بھی کارساز (مددگار) نہیں ہے اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے (کیونکہ وہ سبھی سے بے نیاز ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... ربطنا کی تفسیر میں مفسر علامؒ نے اشارہ کردیا استعارہ تصریحیہ تبعیہ ہونے کی طرف شططاً یعنی تقدیر المضاف یہ مصدر محذوف کی صفت ہے اور شطط بمعنی ابعد ہے مرفقاً یہ اسم آلہ ہے رفق سے ماخوذ از تفقت بمعنی اشفعت ۔ ذات الیمین مفسر علامؒ نے لفظ ناحیۃ نکال کر ظرف مکان ہونے کی طرف اشارہ کردیا۔ اور کسی وقت بھی دھوپ نہ آنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ غار، بنات النعش کے رخ پر تھا۔ نقلبھم بعض کی رائے ہے کہ سال بھر میں ایک دفعہ عاشورہ کے روز انہیں کروٹ دی جاتی تھی اور بعض کے نزدیک سال میں دو مرتبہ اور بعض کے نزدیک نو سال میں ایک دفعہ کروٹ دی جاتی رہی۔ و کلبھم اس کتے کا رنگ بعض نے زرد اور بعض نے گندمی بتلایا ہے اور کتے کا نام قطمیر تھا۔ راستہ میں جب اصحاب کہف کے ساتھ یہ کتا ہونے لگا تو انہوں نے اسے دھتکارا مگر کہتے ہیں کہ اللہ نے کتے کو قوت گویائی بخشی اور اس نے عرض کیا'' اما احب احباب اللّٰہ ''یعنی کیا میں اللہ کے دوستوں سے محبت نہ کروں؟ اس پر نوجوانوں نے کتے کو ساتھ لے لیا۔ اسی تاثیر فیض صحبت پر بلبل شیراز بول اٹھے۔

سگِ اصحاب کہف روزے چند — پے نیکاں گرفت مردم شد
پسر نوحؑ بابدان نشست — خاندان نبوتش گم شد

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جانوروں میں سے صرف اصحاب کہف کے کتے کو جنت میں داخل کیا جائیگا۔ قرطبی میں ابن عطیہؒ اور ان کے والدؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ابوالفضلؒ جوہری جامع مصر کے منبر پر وعظ کہتے ہوئے فرماتے تھے کہ جب ایک کتے کو اہل اللہ کی محبت اور صحبت کا یہ صلہ اور مرتبہ مل رہا ہے تو اہل اللہ سے محبت وصحبت رکھنے والے انسان اور جنات کس طرح محروم رہ سکتے ہیں۔ اس لئے ناقصین کے

لئے اس میں بڑی تسلی موجود ہے۔ تفسیر ثعلبی میں لکھا ہے کہ "وکلبھم باسط ذراعیہ بالوصید" لکھ کر اگر کوئی اپنے پاس رکھے تو کتوں کے شر سے محفوظ رہے گا۔ لواطلعت خفاجیؒ کہتے ہیں اگر یہ خطاب عام ہے تب تو کوئی اشکال نہیں لیکن اگر آنحضرتؐ مراد ہیں تو ماننا پڑے گا کہ اصحاب کہف اب بھی اس حال میں موجود ہیں۔ حالانکہ بقول سہیلیؒ اس میں ابن عباسؓ کا خلاف ہے اور وہ اس بات کا انکار کرتے ہیں اگر چہ ابن عباسؓ کے علاوہ دوسرے حضرات اس کا اقرار کرتے ہیں۔ چنانچہ سعید بن جبیر ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ہم جب حضرت معاویہؓ کے ساتھ روم کی لڑائی پر گئے تو حضرت معاویہؓ کہنے لگے کہ اگر موقعہ ہو تو اصحاب کہف کو دیکھیں؟ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم سے بہتر شخصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب لواطلعت علیھم لولیت منھم فرارا۔ کہہ دیا گیا ہے تو تم کیسے ہمت کرتے ہو؟ لیکن حضرت معاویہؓ نے کچھ آدمیوں کو اس طرف بھیج کر دیکھنے کی ہدایت کی مگر جب وہ لوگ غار کے پاس پہنچے تو ایک زور سے ہوا کا تھپیڑا آیا جس سے یہ لوگ واپس ہونے پر مجبور ہو گئے یا گرم لو لگنے سے ہلاک ہو گئے قائل منھم۔ رئیس اصحاب کہف مراد ہے جس کا نام مکسلمینا تھا۔ احدکم اس سے مراد یملیخا ہے۔ کم لبثتم صبح کو غار میں داخل ہونے اور شام کو جاگنے سے تو سمجھے کہ ایک ہی دن یا اس سے بھی کم گزرا ہے لیکن بال اور ناخن وغیرہ ہیت پر نظر ڈالی تو سمجھے کہ زیادہ مدت گزر گئی ہے۔ اسی کی نظیر واقعہ حضرت عزیزؑ میں آیت قال کم لبثت الخ میں گزر چکی ہے۔ الی المدینۃ اسلام سے پہلے اس شہر کا نام افسوس بضم الہمزہ وسکون الفاء تھا اور اسلام کے بعد طرطوس ہو گیا۔ ازکیٰ طعاماً مفسر علامؒ نے ای اطعمۃ سے اشارہ کر دیا کہ ایہا کی ضمیر بتقدیر المضاف ،مدینہ کی طرف راجع ہے۔ اور طعاما کو تمیز بنایا جائے تو ان کھانوں کی طرف بھی ضمیر راجع ہو سکتی ہے جو ان کے ذہن میں تھے چونکہ عام طور پر وہاں کے باشندے مجوسی تھے جو بتوں کے نام پر ذبیحہ کرتے تھے البتہ کچھ لوگ دین حق کو بھی پوشیدہ طریقہ سے مانتے تھے اس لئے بقول ابن عباسؓ ازکیٰ کے معنی حلال کے ہیں اور مجاہدؒ کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ کسی بھی طریقہ سے وہ کھانا حرام اور ناجائز نہ ہو۔ ولیتلطف بلحاظ تعداد حروف کے یہ لفظ نصف القرآن ہے او یعیدوکم یا تو عود کے معنی محض صیرورت کے ہیں اور یا حقیقی معنی مراد ہوں کہ پہلے وہ نوجوان بھی اہل وطن کے طریقہ پر تھے بعد میں ایمان لائے ہوں گے اس لئے عود کہنا صحیح ہوا۔ ولن تفلحوا اس پر شبہ ہو سکتا ہے کہ اکراہ اور مجبوری کی حالت میں کوئی گرفت یا حرج نہیں ہونا چاہئے؟ جواب یہ ہے کہ اس حالت میں مواخذہ نہ ہونا اسلامی شریعت کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ حدیث رفع عن امتی الخطاء والنسیان اور آیت وما اکرھتنا علیہ من السحر سے معلوم ہوتا ہے پس پہلی شریعتوں میں اس پر بھی گرفت ہوتی ہوگی۔ بطریق الخ قیاس اقنائی کے طریقہ پر یہ تقریر ہے۔ ربھم اعلم یہ کلام الٰہی ہے۔ یا کلام متنازعین ہے نجران یہ جگہ.......... یمن اور حجاز کے درمیان پڑتی ہے۔ الا قلیل ابن عباسؓ کے قول کی تائید حضرت علیؓ کے ارشاد سے بھی ہو رہی ہے کہ اصحاب کہف سات ہیں جن کے نام یہ ہیں (۱) یملیخا (۲) مکسلمینا (۳) مشینا (۴) مرنوش (۵) دبرنوش (۶) شاذنوش (۷) ساتویں کا نام کفشطیطوش یا کفیشططیوش ہے جو ایک چرواہا تھا نوجوانوں کے ساتھ ہو لیا تھا لیکن کاشفیؒ نے اس کا نام مرطوش اصح قرار دیا ہے۔ اور نیشاپوریؒ، ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اصحاب کہف کے نام لکھ کر تعویذ کے طریقہ پر استعمال کئے جائیں تو طلب اور فرار کے لئے مفید ہیں اور آگ بجھانے کے لئے کاغذ پر لکھ کر آگ میں ڈال دیا جائے اور رونے والے بچے کے تکیہ کے نیچے لکھ کر رکھ دیئے جائیں اور کھیتی باڑی میں برکت کے لئے ایک کاغذ پر لکھ کر کھیت کے بیچ میں ایک لکڑی پر ٹانگ دیا جائے اور تیسرے روز کے بخار کے لئے یا دردسر کے لئے ،اسی طرح خوشحالی یا عزت یا بادشاہ کے سامنے جانے کے لئے داہنی ران پر اور ولادت کی سہولت کے لئے بائیں ران پر باندھنا چاہئے۔ مال کی حفاظت یا دریائی سفر میں سلامتی اور قتل سے بچاؤ کے لئے بھی تعویذ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ اصحاب کہف، امام مہدیؒ کے ساتھ مل کر آخر زمانہ میں جہاد

میں شریک ہوں گے۔اذا نسیت الخ ابن عباسؓ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ انشاء اللہ کلام سے اگر منفصلا کہہ لیا تب بھی وہی حکم ہوگا جو متصلا کہنے کا ہے۔چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرتؐ نے انشاء اللہ کہا۔لیکن مجاہدؒ کی رائے جمہور کے موافق ہے اور وہ ابن عباسؓ کی روایت کو تبرکا انشاء اللہ کہنے پر محمول کرتے ہیں یعنی کلام ختم ہونے کے بعد بھی تبرکا انشاء اللہ کہہ لینا چاہیئے ۔ ورنہ انشاء اللہ کا حکم صرف متصل کلام کی صورت میں ثابت ہوگا اور اس کے متعلق جمہور یہ جواب دیتے ہیں کہ اس میں انشاء اللہ پہلے کلام کے تدارک کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق مقدر سے ہے۔اصل عبارت اس طرح ہے۔ کلما نسیت ذکر اللہ اذکرہ حین الذکر انشاء اللہ یا یہ مطلب ہے کہ جب آپؐ انشاء اللہ کہنا بھول جائیں تو تسبیح و استغفار کیجئے یا یہ مطلب ہے کہ آپؐ اگر نماز پڑھنی بھول جائیں تو جب یاد آ جائے پڑھ لینی چاہیئے یا جب کچھ بھول ہو جائے تو ذکر کیجئے بھولی ہوئی چیز یاد آ جائے گی ۔ وقد فعل اللہ یعنی حق تعالیٰ نے واقعۂ کہف سے بھی زیادہ عجیب وغریب واقعات اور علوم آپؐ کو بتلائے ہیں، مفسر جلالؒ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ عسی کلام الٰہی میں ترجی کے لئے نہیں بلکہ تحقیق کے لئے ہے ثلاث مائۃ یہ مدت تقریبی سمجھنی چاہیئے اس لئے اب یہ شبہ نہیں رہتا کہ یہ مدت حساب اور نجوم کے مطابق نہیں ہے اور بعض کی رائے ہے کہ تین سو سال کے بعد اصحاب کہف بیدار ہو گئے تھے لیکن نیند کا کچھ اثر رہا نو سال تک اور بعض کہتے ہیں کہ تین سو سال بعد جاگ کر پھر دوبارہ نو سال تک سوتے رہے اس بارہ میں اختلاف ہے کہ اصحاب کہف، اب وفات پا گئے ہیں یا نہیں؟ ابن عباسؓ جب کسی غزوہ میں شام کے علاقہ میں تشریف لے گئے اور مقام کہف پر گزرے اور آپؓ کے ساتھ دوسرے اصحاب بھی تھے تو آپؓ نے دیکھا کہ وہاں کچھ ہڈیوں کے ڈھانچے پڑے ہیں۔آپؓ نے فرمایا کہ یہ اصحاب کہف کی ہڈیاں ہیں لیکن بعض کی رائے ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ایک روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو کر اصحاب کہف بھی قیامت کے قریب حج بیت اللہ ادا کریں اس کے بعد ان کی وفات ہوگی۔

ربط آیات وشان نزول :.............. ان دونوں رکوع میں اصحاب کہف کے واقعہ کی تفصیلات ارشاد فرمائی جارہی ہیں نیز یہودیوں کے کہنے سے قریش نے آپؐ سے روح اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق تین سوال کئے تو آپؐ نے وعدہ فرمالیا کہ میں کل ان باتوں کا جواب دے دوں گا اس وعدہ کے ساتھ آپؐ نے انشاء اللہ کا لفظ استعمال نہیں فرمایا تو پندرہ دن تک وحی کا آنا بند رہا جس پر قریش نے آپؐ کا مذاق اڑایا تب آیت ولا تقولن الخ نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾ :.............. واقعہ اصحاب کہف پر نظر ڈالنے سے یہ چند باتیں معلوم ہوئیں ایک گمراہ اور ظالم قوم سے چند حق پرست نوجوانوں کا کنارہ کشی اختیار کر لینا۔اور ایک پہاڑ کے غار میں جا کر پوشیدہ ہو جانا، ان کی قوم چاہتی تھی انہیں سنگسار کر دے یا جبراً اپنے دین میں واپس لے آئے۔انہوں نے دنیا چھوڑ دی، مگر حق سے منہ نہ موڑا اور جب غار میں اٹھے تو اس کا اندازہ نہ کر سکے کہ کتنے عرصہ تک یہاں رہے ہیں، انہوں نے اپنا ایک آدمی شہر میں کھانا لانے کے لئے بھیجا اور کوشش کی کہ کسی کو خبر نہ ہو، لیکن حکمت الٰہی کا فیصلہ دوسرا تھا خبر ہو گئی اور یہ معاملہ لوگوں کے لئے تذکیر و موعظت کا سبب ہوا۔پھر جس قوم کے ظلم سے عاجز ہو کر انہوں نے غار میں پناہ لی تھی وہی اس کی اس درجہ معتقد ہوئی کہ ان کے مرقد پر ایک ہیکل تعمیر کیا گیا۔بہر حال اس واقعہ کی صحیح تفصیلات لوگوں کو معلوم نہیں طرح طرح کی باتیں مشہور ہو گئی ہیں، بعض کہتے ہیں وہ تین آدمی تھے، بعض کہتے ہیں پانچ تھے، بعض کہتے ہیں سات تھے مگر یہ سب اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں۔حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم ہے اور غور کرنے کی یہ بات نہیں ہے کہ ان کی تعداد کتنی تھی؟ دیکھنا یہ چاہیئے کہ ان کی حق پرستی کا کیا حال تھا؟

رہا یہ سوال کہ یہ واقعہ کہاں پیش آیا تھا؟ سوقرآن کریم نے ''کہف'' کے ساتھ ''الرقیم'' کا لفظ بھی بولا ہے اور بعض آئمہ تابعین نے اس کا مطلب یہی سمجھا تھا کہ یہ ایک شہر کا نام ہے لیکن چونکہ اس نام کا کوئی شہر عام طور پر مشہور نہ تھا اس لئے اکثر مفسر اس طرف چلے گئے کہ یہاں ''رقیم'' کے معنی کتابت کے ہیں یعنی ان کے غار پر کوئی کتبہ لگادیا تھا اس لئے کتبہ والے مشہور ہوگئے، تاہم یہ لکھنا کسی قوی روایت سے ثابت نہیں ہے۔ ہاں رقیم کہنے کی وجہ اگر یہ کہی جائے کہ اس عجیب وغریب حال کو لوگوں نے دوسرے تاریخی واقعات کی طرح قلمبند کرلیا تھا تو یہ توجیہ قریب تر ہوگی۔ مولانا ابوالکلام مرحوم نے بہت سے قرائن سے ثابت کرنا چاہا ہے کہ یہ ''رقیم'' وہی لفظ ہے جسے تورات میں ''راقیم'' کہا گیا ہے اور یہ فی الحقیقت ایک شہر کا نام تھا جو آگے چل کر ''پٹیرا'' کے نام سے مشہور ہوا اور عرب اسے ''بطیرا'' کہنے لگے۔

واقعہ کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ خدا پرستی کی راہ اختیار کرتے تھے ان کی مخالفت میں تمام باشندے کمر بستہ ہوجاتے تھے اور اگر وہ اپنی روش سے باز نہ آتے تو سنگسار کردیتے۔ یہ حالت دیکھ کر ان نوجوانوں نے فیصلہ کیا کہ آبادی سے منہ موڑلیں اور کسی غار میں معتکف ہوکر ذکرالٰہی میں مشغول ہوجائیں چنانچہ ایک غار میں جاکر مقیم ہوگئے۔ ان کا ایک وفادار کتا تھا وہ بھی ان کے ساتھ غار میں چلا گیا جس غار میں انہوں نے پناہ لی تھی وہ اگرچہ اندر سے کشادہ تھی اور اس کا دہانہ کھلا ہوا تھا لیکن سورج کی کرنیں اس میں راہ نہ پاسکتیں نہ تو چڑھتے دن میں اور نہ ڈھلتے دن میں بلکہ جب سورج نکلتا ہے تو داہنی طرف رہتے ہوئے گزرجاتا ہے جب ڈھلتا ہے تو بائیں جانب رہتے ہوئے غروب ہوجاتا ہے یعنی غار اپنے طول میں شمال وجنوب رویہ واقع ہے ایک طرف دہانہ ہے دوسری طرف منفذ، اس طرح روشنی اور ہوا دونوں طرف سے آتی ہے لیکن دھوپ کسی طرف سے بھی راہ نہیں پاسکتی، لیکن شرق یا غرب رویہ ہونے میں یہ صورت برقرار نہ رہتی کیونکہ اول صورت میں طلوع کے وقت، اور دوسری صورت میں غروب کے وقت دھوپ اندر آجاتی۔

اس صورت حال سے بیک وقت دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ زندہ رہنے کے لئے وہ نہایت محفوظ اور موزوں مقام ہے کیونکہ ہوا اور روشنی کی راہ موجود ہے مگر دھوپ کی تپش نہیں پہنچ سکتی پھر اندر سے کشادہ ہے جگہ کی کمی نہیں، دوسری بات یہ کہ باہر سے دیکھنے والوں کے لئے اندر کا منظر بہت ڈراؤنا ہوگیا ہے کیونکہ روشنی کے راستے موجود ہیں اس لئے بالکل اندھیرا نہیں رہتا۔ اور چونکہ سورج کسی بھی وقت سامنے نہیں آتا اس لئے بالکل اجالا بھی نہیں ہوتا روشنی اور اندھیرے کی ملی جلی حالت رہتی ہے اور جس غار کی اندرونی فضا ایسی ہو اسے باہر سے جھانک کر دیکھا جائے تو اندر کی ہر چیز ضرور ایک بھیانک منظر پیش کرے گی۔ اور یہ خطاب عام لوگوں کو ہے پس اس سے آنحضرت ﷺ کا مرعوب ہونا لازم نہیں آتا اور کتے کا دہلیز پر پڑے رہنا عادۃً حفاظت کے لئے ہوتا ہے یہ لوگ کچھ عرصہ تک غار میں رہے، اس کے بعد نکلے تو انہیں کچھ اندازہ نہ تھا کہ کتنے عرصہ تک اس میں رہے ہیں وہ سمجھتے تھے باشندوں کا وہی حال ہوگا جس حال میں انہیں چھوڑا تھا لیکن اس عرصہ میں انقلاب ہوچکا تھا۔ اب غلبہ ان لوگوں کا تھا جو اصحاب کہف ہی کی طرح خدا پرستی کی راہ اختیار کرچکے تھے جب ان کا ایک آدمی شہر میں پہنچا تو اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی اب وہی لوگ جنہوں نے انہیں سنگسار کرنا تھا ان کے ایسے معتقد ہوگئے کہ ان کے غار نے زیارت گاہ عام کی صورت اختیار کرلی اور امراء شہر نے فیصلہ کیا کہ یہاں ایک ہیکل تعمیر کیا جائے۔

اصحاب کہف نے یہ مدت کس حال میں بسر کی تھی؟ اس بارے میں قرآن نے صرف اس قدر اشارہ کیا ہے کہ فضربنا

علی اذانھم فی الکھف سنین عددا مفسرین نے ''**ضرب علی الاذان**'' کو نیند پر محمول کیا ہے گہری نیند میں آدمی چونکہ کوئی آواز نہیں سنتا اس لئے استعارہ تبعیہ کے طور پر اس سے مراد گہری نیند ہے۔اصل یہ ہے کہ اصحاب کہف کا جو قصہ عام طور پر مشہور ہو گیا تھا وہ یہی تھا کہ غار میں برسوں تک وہ سوتے رہے اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ بعد کو بھی اسی طرح کی روایتیں مشہور ہو گئیں۔عرب میں قصہ کے اصلی راوی، شام کے نبطی تھے اور ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ اس قصہ کی اکثر تفصیلات تفسیر کے انہی راویوں پر جا کر منتہی ہوتی ہیں جو اہل کتاب کے قصوں کی روایت میں مشہور ہو چکے ہیں مثلاً ضحاکؒ اور سدیؒ بہر حال یہاں ''**ضرب اذان**'' سے نیند مراد لینے کی صورت میں یہی مطلب ہوگا کہ وہ غیر معمولی مدت تک نیند کی حالت میں پڑے رہے۔اور **ثم بعثنا الخ** کا مطلب یہ ہوگا۔کہ ایک زمانہ کے بعد نیند سے بیدار ہو گئے۔یہ بات کہ ایک آدمی پر غیر معمولی مدت نیند کی حالت طاری رہے اور پھر بھی زندہ رہے، طبی تجربات کے لحاظ سے مسلمات میں سے ہے اور اس کی مثالیں ہمیشہ تجربہ میں آتی رہتی ہیں۔چنانچہ آج کل اخبارات میں اس قسم کی خبریں آتی رہتی ہیں، پس اگر اصحاب کہف پر قدرت الٰہی سے کوئی ایسی حالت طاری ہو گئی ہو جس نے غیر معمولی مدت انہیں سلائے رکھا تو یہ کوئی ناممکن اور محال بات نہیں بقول حقانی ۲۵۰ء میں ایشیاء کوچک کے ایک شہر افسوس یا طرطوس میں ایک ظالم بادشاہ کے ہاتھوں تنگ آ کر یہ اصحاب کہف اس غار میں داخل ہوئے اور تین سو سال سوتے رہے۔گویا ۵۵۰ء کے لگ بھگ یہ جاگے ہوں گے۔اس حساب سے آنحضرتﷺ کی ولادت شریفہ سے تقریباً بیس سال پہلے ان کی بیداری ہوئی ہوگی کیونکہ آنحضرتﷺ کی پیدائش ۵۷۰ء میں ہوئی ہے۔

رہی یہ بات کہ اصحاب کہف ابھی زندہ ہیں یا وفات پا گئے ہیں؟ سو اکثر روایات سے ان کی وفات کا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔آیت **وتحسبھم ایقاظا وھم رقود الخ** میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن نازل ہونے کے وقت یا ایک مدت تک اس غار کی کیا حالت رہی؟ غرضیکہ انقلاب حال کے بعد اصحاب کہف نے غار کی گوشہ نشینی ترک نہیں کی تھی اسی میں رہے یہاں تک کہ انتقال کر گئے۔ان کے انتقال کے بعد غار کی ایسی حالت ہو گئی کہ باہر سے کوئی دیکھے تو معلوم ہو کہ زندہ آدمی موجود ہیں، دہانہ کے قریب ایک کتا دونوں ہاتھ آگے کئے بیٹھا ہے حالانکہ نہ تو آدمی زندہ ہیں، نہ کتا ہی زندہ ہے۔

لیکن باہر سے دیکھنے والا انہیں زندہ اور جاگتا ہوا کیوں سمجھے؟ اگر ان کی نعشیں پڑی ہیں تو نعشوں کو کوئی زندہ تصور نہیں کر سکتا، اگر رقود سے مقصود سونے کی حالت ہے، اور وہ لیٹے ہوئے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک لیٹا ہوا آدمی دیکھنے والے کو جاگتا ہوا دکھائی دے، سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ جو حالت اس آیت میں بیان کی گئی ہے وہ کس وقت کی ہے؟ اس وقت کی ہے جب وہ نئے نئے غار میں جا کر مقیم ہوئے تھے؟ یا اس وقت کی ہے جب انکشاف حال کے بعد دوبارہ معتکف ہو گئے تھے۔

دراصل اس کا تعلق بعد کے حالات سے ہے یعنی جب وہ ہمیشہ کے لئے غار میں گوشہ نشین ہو گئے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وفات پا گئے تو غار کے اندرونی منظر کی یہ نوعیت ہو گئی تھی، اور **تحسبھم ایقاظا وھم رقود** میں ''**ایقاظ**'' سے مقصود ان کا زندہ ہونا ہے اور رقود سے مردہ ہونا مراد ہے، نہ کہ بیداری اور خواب کی حالت چنانچہ عربی میں زندگی اور موت کے لئے یہ تعبیر عام اور معلوم ہے۔

پھر عیسائی دور کی ابتدائی راہبانہ تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معاملہ اور بھی زیادہ آسان ہو جاتا ہے، دنیاوی تمام علائق سے کٹ کر پہاڑ کے غار یا کسی غیر آباد کونہ میں کسی ایک ہی ہیئت اور وضع پر اس طرح مشغول عبادت ہوتے کہ ساری زندگی اسی حالت

میں ختم ہو جاتی کوئی کھڑا ہے تو برابر کھڑا ہی رہتا اور اسی حالت میں جان دے دیتا، اگر گھٹنے کے بل رکوع کی حالت اختیار کی تھی تو یہی حالت آخر تک قائم رہتی اگر سجدہ میں سر رکھ دیا تھا تو پھر سجدہ ہی میں پڑے رہتے اور مرنے کے بعد بھی اسی وضع میں نظر آتے، زیادہ تر گھٹنے کے بل رکوع کی وضع اختیار کی جاتی تھی کیونکہ عیسائیوں میں عبادت و بندگی کے لئے یہی وضع رائج ہوگئی تھی اور غالباً عیسائیوں نے عبادت کی یہ وجہ رومیوں سے لی ہوگی۔ کیونکہ یہودیوں کی نماز میں اس وضع کا پتہ نہیں چلتا ہے جسے ہم رکوع کہتے ہیں۔ دنیا کی مختلف قوموں کے بندگی کے طریقے مختلف رہے ہیں۔ رومی گھٹنا ٹیک کر جھک جاتے اور بادشاہ کے قدموں یا دامن کو بوسہ دیتے، مجرموں کے لئے بھی ضروری تھا کہ مجسٹریٹ کا فیصلہ گھٹنے ٹیک کر سنیں، مصر، بابل اور ایران میں سجدہ کی رسم پیدا ہوئی، اسی طرح ہندوستان میں پوجا پاٹ کے مختلف طریقے جاری ہیں کہیں اوندھے منہ ہو کر بالکل لیٹ جاتے ہیں اور کہیں ڈنڈوت کرتے ہیں۔ کل حزب بما لدیھم فرحون۔

غرضیکہ مسیحی دعوت کے ابتدائی زمانوں میں راہبانہ زندگی نے مختلف شکلیں اختیار کر لی تھیں غذا کی طرف سے یہ لوگ بالکل بے پرواہ ہوتے تھے۔ اگر آبادی قریب ہوتی تو لوگ روٹی پانی پہنچا دیا کرتے، نہیں تو یہ اس کی جستجو نہیں کرتے تھے۔ ہندوستان میں یوگیوں کی حالت بھی اسی قسم کی رہ چکی ہے اور جس طرح زندگی میں انہیں کوئی نہیں چھیڑتا تھا اسی طرح مرنے کے بعد بھی کوئی اس کی جرأت نہیں کرتا۔ مدتوں ان کی نعشیں اس حالت میں باقی رہتیں جس حالت میں کہ انہوں نے زندگی کے آخری لمحے بسر کئے تھے اگر موسم موافق ہوتا اور درندوں سے حفاظت ہوتی تو صدیوں تک ان کے ڈھانچے باقی رہتے اور دور سے دیکھنے والے انہیں زندہ انسان تصور کرتے۔

شروع میں اس کام کے لئے زیادہ تر پہاڑوں کی غاریں یا پرانی عمارتوں کے کھنڈرات اختیار کئے جاتے تھے لیکن آگے چل کر یہ طریقہ اتنا عام ہوگیا کہ مخصوص عمارتیں بھی اس غرض سے بنائی جانے لگیں، یہ عمارتیں اس طرح بنائی جاتی تھیں کہ ان میں آنے جانے کے لئے کوئی راستہ نہیں ہوتا تھا کیونکہ جو جاتا تھا باہر نہیں آتا تھا صرف ایک چھوٹی سے سلاخدار کھڑکی رکھی جاتی تھی جس سے ہوا اور روشنی پہنچتی اسی سے لوگ غذا بھی پہنچا دیتے۔ تاریخی شہادتیں موجود ہیں کہ از منہ وسطیٰ تک یہ طریقہ عام طور پر جاری تھا، اور یورپ کی کوئی آبادی ایسی نہ تھی جو اس طرح کی عمارتوں سے خالی ہو، اور جب ان میں کسی راہب یا راہبہ کا انتقال ہو جاتا تو ان پر لاطینی زبان میں یہ لفظ کندہ کر دیئے جاتے کہ "اس کے لئے دعا کرو" مسیحی رہبانیت کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ابتداء میں تو لوگوں نے مخالفوں کے ظلم و تشدد سے مجبور ہو کر غاروں اور جنگلوں میں گوشہ نشینی اختیار کی تھی لیکن پھر حالات ایسے پیش آئے کہ یہ اضطراری طریقۂ زہد و عبادت کا ایک اختیاری اور مقبول طریقہ بن گیا۔

بہر حال اصحاب کہف کا معاملہ بھی کچھ اسی نوعیت کا معلوم ہوتا ہے، ابتداء میں قوم کے ظلم نے انہیں مجبور کیا تھا کہ غار میں پناہ لیں لیکن جب کچھ عرصہ وہاں مقیم رہے تو زہد و عبادت کا استغراق کچھ اس طرح ان پر چھا گیا کہ پھر دنیا کی طرف لوٹنے پر آمادہ نہ ہو سکے اور گو ملک کی حالت بدل گئی تھی لیکن وہ بدستور غار ہی میں معتکف رہے یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ انتقال اس حال میں ہوا کہ جس شخص نے ذکر و عبادت کی جو وضع اختیار کرلی تھی وہی وضع آخری لمحوں تک باقی رہی۔ ان کے وفادار کتے نے بھی آخر تک ان کا ساتھ دیا..... وہ پاسبانی کے لئے .... دہانہ کے قریب بیٹھا رہتا تھا۔ جب اس کے مالک مر گئے تو اس نے بھی وہیں بیٹھے بیٹھے دم توڑ دیا ہوگا۔

اب اس واقعہ کے بعد غار کے اندرونی منظر نے ایک عجیب دہشت انگیز صورت اختیار کر لی۔ اگر کوئی باہر سے جھانک کر دیکھتا تو اسے راہبوں کا ایک پورا مجمع عبادت وذکر میں مشغول دکھائی دیتا۔ کوئی گھٹنے کے بل رکوع کی حالت میں ہے کوئی سجدہ میں پڑا ہے، کوئی ہاتھ جوڑے اوپر کی طرف دیکھ رہا ہے، دہانہ کے قریب ایک کتا ہے وہ بھی بازو پھیلائے باہر کی طرف منہ کئے ہوئے ہے یہ منظر دیکھ کر ممکن نہیں کہ آدمی دہشت سے کانپ نہ اٹھے۔ کیونکہ اس نے یہ سمجھ کر جھانکا تھا کہ مردوں کی قبر ہے مگر منظر جو دکھائی دیا وہ زندہ انسانوں کا نکلا۔

اس تقریر کو سامنے رکھ کر تمام پہلوؤں پر نظر ڈالو ہر بات بے تکلف واضح ہو جاتی ہے۔ **تحسبھم ایقاظا وھم رقود** کا مطلب بھی ٹھیک ٹھیک اپنی جگہ بیٹھ جاتا ہے۔ کسی دور از کار توجیہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ اس طرح کا منظر یہی خیال پیدا کرے گا کہ لوگ زندہ ہیں حالانکہ زندہ نہیں اور **لو اطلعت علیھم لو لیت منھم فرارا ولملئت منھم رعبا** کی وجہ بھی سامنے آجاتی ہے۔ کیونکہ اگر تم کسی قبر کے اندر جھانک کر دیکھو اور تمہیں مردہ نعش کی جگہ ایک آدمی نماز پڑھتا دکھائی دے تو تمہارا کیا حال ہوگا؟ یقیناً مارے دہشت کے چیخ اٹھو گے۔ اس کے بعد اس سوال کا جواب بھی خود بخود مل گیا کہ قرآن نے خصوصیت کے ساتھ یہ بات کیوں بیان کی کہ سورج کی کرنیں غار کے اندر نہیں پہنچتیں اور کیوں اسے **ذلک من ایات اللہ** کہہ کر قدرت الٰہی کی ایک نشانی فرمایا؟ چونکہ یہ بات بیان کرنی تھی کہ مرنے کے بعد ان کی نعشیں عرصہ تک باقی رہیں حتی کہ دیکھنے والوں کو زندہ انسانوں کا گمان ہوتا تھا اس لئے پہلے اس کی وجہ بتلادی کہ جس غار میں وہ معتکف ہوئے تھے وہ اس طرح کا غار تھا کہ انسانی جسم زیادہ سے زیادہ عرصہ تک اس میں قائم رہ سکتا تھا کیونکہ سورج کی روشنی اس میں پہنچتی رہتی تھی لیکن سورج کی تپش کا اس میں گزر نہیں تھا۔ جو چیز نعش کو گلا سڑا دیتی ہے وہ سورج کی تپش ہے اور جو چیز تازگی پیدا کرتی ہے وہ ہوا اور روشنی ہے ہوا چلتی رہتی تھی روشنی پہنچتی تھی مگر تپش سے پوری طرح حفاظت تھی۔

دل میں اطمینان ویقین کی کیفیت ہوتے ہوئے جبراً کلمات کفر زبان سے کہہ لینے کی اگر چہ اجازت ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شروع میں زبردستی اور ناگواری کے ساتھ انسان کفر اختیار کرتا ہے لیکن پھر بعد میں کچھ دنیاوی مصالح پر نظر کر کے شیطان کے بہکانے سکھانے سے اس میں سہل انگاری کر لیتا ہے اور اس طرح رفتہ رفتہ اس کفر کی برائی بھی اس کے دل سے رخصت ہو جاتی ہے اور آخر کار دل کھول کر خوب کفر کرنے لگتا ہے تو آیت **ولن تفلحوا اذا ابدا** میں یہی صورت مراد ہے اور یا فلاح کامل مراد ہوگی یعنی زبردستی کی حالت میں اگر چہ کفر اختیار کرنے کی اجازت ہے لیکن فلاح کامل یعنی ثواب سے محرومی رہتی ہے۔

واقعہ اصحاب کہف سے باخبر کرنے کی حکمت **لیعلموا ان وعداللہ حق الخ** سے یہ بتلائی ہے کہ اللہ کے وعدہ کے سچے ہونے اور قیامت کے واقع ہونے کا یقین حاصل ہو جائے کیونکہ انبیاء علیہم السلام اگر چہ قیامت کے واقع ہونے کی خبر ہمیشہ سے دیتے چلے آتے ہیں اور اس پر نقلی دلائل بھی قائم ہیں، لیکن تاہم ان سب شرائط کے ہوتے ہوئے بھی یقین حاصل کرنے کے لئے ایک رکاوٹ اور مانع موجود تھا، یعنی کفار قیامت کو بعید اور خلاف عادت سمجھتے تھے، پس واقعہ اصحاب کہف سے اس کا امکان ثابت ہو گیا۔ خاص کر اس لمبی مدت کے سونے اور جاگنے کو قیامت سے ایک گونہ مناسبت بھی ہے، اس لئے اب وہ مانع نہیں رہا۔ شرائط پہلے سے پائی جاتی تھیں مانع اب دور ہو گیا پس قیامت کے واقع ہونے کا یقین ہو جانا چاہئے، اور چونکہ اس یقین کی علت تامہ کا جزو اخیر اسی مانع اور رکاوٹ کا دور کرنا تھا اس لئے اسی کو یقین حاصل ہونے کی علت فرما دیا، اب یہ شبہ نہیں رہا کہ اس واقعہ سے قیامت کا امکان تو معلوم ہو سکتا ہے مگر قیامت کا تحقق معلوم نہیں ہوا؟ کہا جائے گا کہ مانع کے دور ہونے سے امکان قیامت ہی، تحقق قیامت کا ثابت ہو گیا۔

اس غار پر مسجد بنانا اس لئے ہوگا کہ یہ اس بات کی علامت ہو کہ اصحاب کہف، عابد تھے، معبود نہیں تھے، نیز دوسری خرابیوں اور برائیوں کو روکنا بھی ہوگا لیکن اگر کسی ایسے مواقع پر مسجد بنانے میں بھی خرابیاں پیدا ہونے لگیں تو پھر مسجد بنانا بھی ناجائز ہو جائے گا۔ غرضیکہ اس آیت سے مسجد بنانے کی فی نفسہ اجازت معلوم ہو رہی ہے اور آیت اذ یتنازعون الخ سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ دیکھو انہوں نے ہم پر توکل کیا، ہماری اطاعت کی، اس لئے ہم نے کیسی ان کی حفاظت کی؟

اس واقعہ کی تفصیلات لوگوں کو معلوم نہیں تھیں، اس لئے طرح طرح کی باتیں مشہور ہوگئی تھیں، بعض کہتے تھے اصحاب کہف تین آدمی تھے بعض کا بیان ہے پانچ آدمی تھے، بعض سات بتلاتے ہیں، اسی طرح ان کی مدت قیام میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، مگر یہ سب اندھیرے میں تیر چلا رہے ہیں حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم ہے یہ بات قابل غور نہیں کہ ان کی تعداد کتنی تھی؟ دیکھنا چاہئے کہ ان کی حق پرستی کا کیا حال تھا؟ تعداد کی تعیین میں چونکہ کوئی بڑا فائدہ نہیں تھا اس لئے قرآن نے اس کا کوئی صریح فیصلہ نہیں فرمایا۔ البتہ روایات میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ جملہ نقل کیا گیا ہے "انا من القلیل کانوا سبعۃ" یعنی آیت میں جو ما یعلمھم الا قلیل فرمایا گیا ہے میں بھی ان قلیل لوگوں میں سے ہوں جو اصحاب کہف کی صحیح تعداد کو جانتے ہیں ان کی تعداد سات ہے چنانچہ آیت میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے کیونکہ پہلے دونوں قولوں کی طرح اس تیسرے قول کو رد نہیں فرمایا گیا ہے جو اس کی صحت کی دلیل ہے۔

نیز "قال قائل" سے ایک قائل معلوم ہوا "قالوا لبثنا" الخ میں تین قائل معلوم ہوئے پھر "قالوا ربکم" سے تین معلوم ہوئے اور ظاہر یہی ہے یہ سب قائل الگ الگ ہوں گے اور جمع میں یقینی درجہ تین فرد ہوتے ہیں اس طرح مجموعہ سات ہوگئے بہر حال یہ لطیفہ استقلالی شان تو نہیں رکھتا مگر مؤید دلیل بن سکتا ہے۔

حاصل آیت کا یہ ہے کہ جو کھلی ہوئی اور پکی بات ہے وہ نصیحت وعبرت کے لئے کافی ہے اس سے زیادہ کاوش میں نہ پڑو اور بحث ومباحثہ میں بھی مت پڑو، اور نہ کبھی کسی ایسی بات کے لئے جس کا علم اللہ ہی کو ہے زور دے کر کہو کہ میں ضرور ایسا کروں گا یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے کہ جتنی باتیں چاہے، وحی کے ذریعہ بتلا دے، غیبی امور میں انسان کی کاوشیں کچھ کام نہیں دے سکتیں، کچھ لوگوں نے آنحضرتؐ سے روح، اصحاب کہف، ذوالقرنین کے بارہ میں حقیقت حال پوچھی تو آپؐ نے انشاء اللہ کہے بغیر وحی پر بھروسہ کرتے ہوئے وعدہ فرمالیا کہ کل جواب دوں گا مگر پندرہ روز وحی نازل نہیں ہوئی جس سے آپؐ کو بڑا رنج رہا تب یہ حکم نازل ہوا کہ وعدہ کرتے وقت انشاء اللہ کہنا چاہئے اور اتفاقاً اگر انشاء اللہ کہنا بھول جائیں تو یاد آنے پر ذکر اللہ کر لیجئے۔ یعنی انشاء اللہ کہہ لیا کیجئے، یہاں تفویض کے طور پر انشاء اللہ کہنا مراد ہے جس میں کلام کے ساتھ بولنا یا الگ کر کے بولنا دونوں برابر ہیں البتہ تاثیر حکم کا جہاں موقعہ ہو وہاں دیر سے کہنا مانع حکم ہوگا۔ نیز زبان سے تفویض کے موقعہ پر انشاء اللہ کہنا اگرچہ مستحب ہے لیکن آنحضرتؐ کے اخص الخواص ہونے کی وجہ سے اس کے چھوڑنے پر تنبیہاً پندرہ روز وحی میں دیر ہوئی ہوگی۔

باقی اصحاب کہف کے واقعہ کو امتحاناً دلیل نبوت کے طور پر پوچھنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس کا جواب دینا آنحضرتؐ کے لئے سرمایہ ناز وافتخار ہے اس لحاظ سے بے شک عجیب وغریب اور دلیل نبوت ہے کہ آپؐ امی ہوتے ہوئے ایسے واقعات من وعن بیان کر دیتے ہیں مگر اس اعتبار سے کہ ایک تاریخ داں شخص بھی گذشتہ واقعات اپنی تاریخی معلومات کی مدد سے بیان کر سکتا ہے کچھ زیادہ عجیب وغریب بات شاید نہ سمجھی جائے تاہم قدرت نے تو اس سے بھی زیادہ بڑھ کر دلائل وبراہین آپ کو عنایت فرمائے ہیں اس لئے محض اس جیسی دلیل پر نازش کا کوئی موقعہ نہیں۔ اور اگر تاریخی واقعات بیان کرنا ہی کوئی حیرت ناک بات ہے تو حق تعالیٰ اصحاب کہف

سے زیادہ پرانے تاریخی واقعات وحی کے ذریعہ بتلا سکتا ہے۔ آیت وقل عسی ان یھدین الخ کا یہی مفہوم ہے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عنقریب علم الٰہی کی رو سے اصحاب کہف جیسا معاملہ خود آنحضرت ﷺ کو بھی پیش آنے والا ہے یعنی آپ اپنی قوم سے راہ حق میں کنارہ کشی کریں گے اور غار ثور میں کئی دن قیام کریں گے پھر فتح وکامرانی کی ایسی راہ آپ ﷺ پر کھولی جائے گی، جو اس معا سے بھی کہیں زیادہ عظیم تر ہوگی۔

حق تعالیٰ نے اس مقام پر اصحاب کہف کے عدد کی تعیین تو اشارۃً فرمائی لیکن مدت قیام کی تعیین صراحۃً فرمائی: سو ممکن ہے اس فرق کی وجہ یہ ہو کہ یہ نیند کا لمبا واقعہ، قیامت کا نمونہ ہونے میں قدرت الٰہی کا زیادہ کرشمہ ہے بہ نسبت تعداد کے اور مکہ کے منکرین قیامت کو اس کی زیادہ ضرورت تھی۔

آیت فضربنا علی اذانھم فی الکھف سنین عددا میں صراحۃً سالہا سال تک اصحاب کہف کا سونا معلوم ہو رہا ہے اس لئے بعض منکرین خوارق کا اس آیت سے سالہا سال تک سونے کے انکار پر استدلال کرنا قطعاً غلط ہوگا، اور آیت ثلثمائۃ سنین الخ میں معنوی تحریف کرنا اس سے زیادہ برا ہے۔

یہود کی طرف سے تین سوالات میں سے دو سوالوں کو لفظ یسئلونك سے اور اس قصہ کو بغیر یسئلونك کے ذکر کرنا ممکن ہے اس لئے ہو کہ روح، حقیقت خفیہ ہونے کے اعتبار سے اور ذوالقرنین کا معاملہ بہت پرانے زمانہ کا ہونے کی وجہ سے سوال کے قابل نہیں لیکن اصحاب کہف کا واقعہ مراد ہے اس میں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔ حسیات میں واقع ہونے کی وجہ سے تو مخفی نہ ہونا ظاہر ہے اور آنحضرت ﷺ کی ولادت شریفہ سے کچھ پہلے ہونے کی وجہ سے اس کا قریب ہونا بھی واضح ہے اس میں چنداں سوال کی ضرورت نہیں تھی۔

رہا یہ شبہ کہ عیسوی مذہب محرف ہو چکا تھا، پھر اصحاب کہف نے کیسے اسے قبول کیا؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اس وقت بعض ارباب علم کے پاس محفوظ ہو۔

لطائف آیات: .... آیت فاووا الی الکھف الخ سے مراد یہ ہے کہ اپنے محبوب سے خلوت کرو، حق تعالیٰ تمہارے لئے اپنی رحمت ومنفعت یعنی معرفت وتجلیات کو ظاہر اور مہیا فرما دے گا۔ بعض عارفین کا قول ہے کہ غیر اللہ سے خلوت ویکسوئی، وصل حق کا باعث ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ عزلت کے بغیر وصل حق حاصل نہیں ہوتا۔ آیت وتری الشمس الخ میں روشنی کے ساتھ تاریکی رکھنے میں یہ مصلحت ہے کہ غار میں زیادہ روشنی ہونے سے جمعیت خاطر میں خلل واقع نہ ہو۔ کیوں کہ اندھیرے سے اجتماع فکر وحواس میں مدد ملتی ہے۔ اس لئے اہل مراقبہ تنہائی اور یکسوئی کے لئے کم روشنی کی جگہ تلاش کرتے ہیں اور پھر بھی آنکھیں بند کر کے مراقبہ کرتے ہیں، آیت ''ومن یھدی اللہ الخ'' سے معلوم ہوا کہ جس میں صلاحیت واستعداد نہ ہو اس کی اصلاح سخت دشوار بلکہ عادۃً ممتنع ہے۔ آیت وتحسبھم ایقاظا الخ میں ان لوگوں کی مثل ہے جسم سے مخلوق کے ساتھ اور قلب سے حق کے ساتھ، نیز اس میں ان اہل تسلیم ورضا کی مثال ہے جو میت کی طرح غسال کے ہاتھ میں اپنے کو سمجھتے ہیں۔ آیت وکلبھم باسط ذراعیہ بالوصید سے بقول ابوبکر وراق معلوم ہوا کہ نیک سیرت لوگوں کی صرف ہم نشینی بھی بڑا غنیمت ہوتی ہے خواہ مجانست نہ ہو مگر مجالست ضرور ہونی چاہیئے۔

سگ اصحاب کہف روزے چند پے نیکاں گرفت مردم شد

آیت لو اطلعت علیھم الخ سے ہیبت وجلال خداوندی مراد ہے جو چیز اس کا مظہر بن جاتی ہے وہ ہیبت انداز ہونے

لگتی ہے۔ یہی ہیبت اہل اللہ کو عطا ہوتی ہے تو دوسرے متاثر ہونے لگتے ہیں۔ آیت **فابعثوا احدکم الخ** میں مثال ہے اس کی کہ سالک جب سکر سے صحو کی طرف رجوع کرتا ہے تو پھر وہ معیشت کا خواہشمند ہوتا ہے اور حقائق طریقت کا استعمال کرتا ہے۔ نیز **فابعثوا الخ** میں اشارہ ہے کہ طالبان حق کی شایان شان سوال ترک کردینا ہے۔ چنانچہ اصحاب کہف نے کھانا مانگنے کی بجائے خرید تجویز کیا ہے۔ آیت **فلینظر الخ** سے معلوم ہوا کہ طالبان حق کو اصحاب کہف کی طرح ورع اختیار کرتے ہوئے طلب حلال کرنی چاہیئے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کا ارشاد ہے عارف وہ ہے جس کا نور معرفت، اس کے نور ورع کو نہ بجھادے، یہ جب ہے کہ "طعام ازکیٰ" کی تفسیر حلال کھانے سے کی جائے لیکن اگر لذیذ کھانا مراد ہو تو اس میں بھی دینی مصالح پیش نظر ہوں گی کہ لطیف کھانا کھانے سے تقویت بدن اور لطافت باطنی حاصل ہوتی ہے۔ آیت **ولیتلطف الخ** کی تفسیر بعض حضرات نے لطف فی المعاملہ کے ساتھ کی ہے، پس اس سے خرید وفروخت میں نرمی، حسن معاملہ، حسن اخلاق کی تعلیم مقصود ہوگی۔ آیت **ولا یشعرن بکم احدا** میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسرار حق، اغیار پر ظاہر نہ کرے ورنہ اجار انکار سے سنگسار ہونا پڑے گا۔ آیت **ابنوا علیھم بنیانا الخ** میں قبر پرستوں کے لئے مقابر میں مساجد بنانے کے لئے کوئی حجت نہیں ہے کیونکہ مسجد بنانے سے مقصد محض نماز پڑھنا تھا نہ وہ مقصد جو جہلا کے قبروں کے پاس مسجد بنانے سے ہوتا ہے، اور **علیھم** کے معنی عندھم کے ہوں گے اور اصحاب کہف کی طرف اس مسجد کی نسبت ایسی ہی ہوگی جیسے آنحضرتؐ کے روضہ شریف کی طرف مسجد نبوی کی طرف نسبت کردی جائے۔ آیت **ولا تقولن لشیٔ انی فاعل الخ** میں مقام تجرید وتفرید کی طرف اشارہ ہے۔ آیت **واذکر ربک الخ** سے ذکر اللہ کی مطلوبیت معلوم ہوتی ہے۔ آیت **ابصر به واسمع الخ** میں افعال تعجب لانے سے کمال وصف کی طرف اشارہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی صفات بمعنی ذات ہیں کیونکہ غیبت سے بڑھ کر کمال تعلق کا درجہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ آیت **مالھم من دونه من ولی** میں دوسرے کی ولایت کی نفی اس لئے ہے کہ اللہ کے سوا کوئی فاعل حقیقی نہیں ہے۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ کِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ مَلْجَاً وَاصْبِرْ نَفْسَكَ اِحْبِسْهَا **مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ** بِعِبَادَتِهِمْ **وَجْهَهٗ** تَعَالٰی لَا شَیْئًا مِنْ اَغْرَاضِ الدُّنْیَا وَهُمُ الْفُقَرَآءُ **وَلَا تَعْدُ** تَنْصَرِفْ **عَیْنَاكَ عَنْهُمْ ۚ** عَبَّرَبِهِمَا عَنْ صَاحِبِهِمَا **تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِکْرِنَا** اَیِ الْقُرْاٰنِ وَهُوَ عُیَیْنَةُ بْنُ حِصْنٍ وَاَصْحَابُهٗ **وَاتَّبَعَ هَوٰهُ** فِی الشِّرْكِ **وَکَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾** اِسْرَافًا **وَقُلِ** لَهٗ وَلِاَصْحَابِهٖ هٰذَا الْقُرْاٰنُ **الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ ۚ** تَهْدِیْدٌ لَهُمْ **اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ** اَیِ الْکَافِرِیْنَ **نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ** مَا اَحَاطَ بِهَا **وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ کَالْمُهْلِ** کَعَکَرِ الزَّیْتِ **یَشْوِی الْوُجُوْهَ ۚ** مِنْ حَرِّهٖ اِذَا قُرِّبَ اِلَیْهَا **بِئْسَ الشَّرَابُ** هُوَ **وَسَآءَتْ** اَیِ النَّارُ **مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾**

تَمْيِيْزٌ مَنْقُوْلٌ مِنَ الْفَاعِلِ اَیْ قَبُحَ مُرْتَفَقُهَا وَهُوَ مُقَابِلٌ لِقَوْلِهِ الْاٰتِیْ فِی الْجَنَّةِ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا وَاِلَّا فَاَیُّ اِرْتِفَاقٍ فِی النَّارِ **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾** اَلْجُمْلَةُ خَبَرُ اِنَّ الَّذِيْنَ وَفِيْهَا اِقَامَةُ الظَّاهِرِ مَقَامَ الْمُضْمَرِ وَالْمَعْنٰى اَجْرُهُمْ اِنْ يُّثِيْبَهُمْ بِمَا تَضَمَّنَهُ **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ** اِقَامَةٍ **تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ** قِيْلَ مِنْ زَائِدَةٌ وَقِيْلَ لِلتَّبْعِيْضِ وَهِیَ جَمْعُ اَسْوِرَةٍ كَاَحْمِرَةٍ جَمْعُ سِوَارٍ **مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ** مَارَقَّ مِنَ الدِّيْبَاجِ **وَّاِسْتَبْرَقٍ** مَا غَلُظَ مِنْهُ وَفِیْ اٰيَةِ الرَّحْمٰنِ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ **مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ** جَمْعُ اَرِيْكَةٍ وَهِیَ السَّرِيْرُ فِی الْحَجَلَةِ وَهِیَ بَيْتٌ يُزَيَّنُ بِالثِّيَابِ وَالسُّتُوْرِ لِلْعُرُوْسِ **نِعْمَ الثَّوَابُ** اَلْجَزَاءُ الْجَنَّةُ **وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾** ع ۹ ۱۶

ترجمہ: .... اور آپ کے پروردگار کی جو کتاب آپ پر وحی کے ذریعہ سے آئی ہے، اس کی تلاوت میں لگے رہئے ، اللہ کی باتیں کوئی نہیں بدل سکتا اور اللہ کے سوا کوئی پناہ کا سہارا آپ کو نہیں ملے گا اور اپنے جی کو قانع کر لیجئے (سمجھا لیجئے) ان لوگوں کی صحبت میں جو صبح وشام اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں اس کی عبادت صرف اس کی خوشنودی کے لئے کرتے ہیں (اور کوئی دنیا کی غرض نہیں ہے، اس سے مراد فقراء صحابہ ہیں) ان کی طرف سے کبھی تمہاری نگاہیں پھرنے (ہٹنے) نہ پائیں دنیاوی زندگانی کی رونق کے خیال سے، جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا (قرآن سے بے توجہ بنادیا عیینہ بن حصن اور اس کے ساتھی مراد ہیں) اور وہ اپنی خواہش (شرک) کے پیچھے پڑ گیا۔ آپ ایسے آدمی کی باتوں پر کان نہ دھریئے اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے (آگے بڑھ گیا ہے) اور کہہ دو (عیینہ اور اس کے ساتھیوں سے کہ یہ قرآن) سچائی تمہارے پروردگار کی جانب سے ہے اب جو چاہے مانے اور جس کا جی چاہے نہ مانے (یہ دھمکی ہے) ہم نے ظالموں (کافروں) کے لئے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں (چادریں) چاروں سے طرف سے انہیں گھیر لیں گی، وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد کے جواب میں ایسا پانی ملے گا جیسے پگھلا ہوا سیسہ (یا تیل کا تلچھٹ) ہو وہ ان کے مونہوں کو پکا ڈالے گا (منہ کے قریب لانے سے بھی مارے تپش کے) کیا ہی برا پانی ہوگا (وہ) اور (دوزخ) کیا ہی بری جگہ ہوگی (لفظ مرتفقا ، تمیز ہے، جو اصل ترکیب میں فاعل تھی اور عبارت اس طرح تھی "**قبح مرتفقها**" اس کے بعد جنت کے بیان میں **وحسنت مرتفقا** جو بیان فرمایا جا رہا ہے یہاں اسی کے تقابل کے لحاظ سے **مرتفقا** کہہ دیا گیا ہے۔ ورنہ جہنم میں ظاہر ہے کہ ارتفاق اور انتفاع نہیں ہوتا) بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے تو ہم ایسوں کا اجر ضائع نہیں کریں گے (جملہ **انا لانضيع الخ ان الذين الخ** کی خبر ہے، بجائے ضمیر کے اسم ظاہر لایا گیا ہے یعنی ان کا اجر وہ ثواب ہوگا جو آگے بیان کیا جا رہا ہے) یہ لوگ ہیں جن کے لئے ہیشگی کے باغ ہوں گے اور باغوں کے تلے نہریں بہہ رہی ہوں گی، ان کو وہاں کنگن پہنائے جائیں گے (بعض کی رائے کے مطابق **من اساور** میں من زائد ہے اور بعض کے نزدیک من تبعیضیہ ہے، اساور، اسورة کی جمع ہے بروزن احمرة اور اسورة، سوار کی جمع ہے) سونے کے اور سبز رنگ کے باریک (مهین) ریشمی کپڑے اور دبیز (موٹے) ریشمی کپڑے پہنے ہوں گے (اور سورۂ رحمن کی آیت میں **بطائنها من استبرق** کے الفاظ ہیں) اور آراستہ مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے (ارائک جمع ہے اریکة کی یہ ایک خاص

قسم کی مسہری ہوتی ہے جو دلہنوں کے لئے سجائی جاتی ہے جسے چھپر کھٹ کہتے ہیں) کیا ہی اچھا صلہ (جنت کی صورت میں بدلہ) ہے اور کیا ہی اچھی جگہ پائی ہے۔

تحقیق وترکیب:.......... **لا مبدل** یعنی قرآن بالکلیہ محفوظ ہے، اس میں ردوبدل اور تغیر کا احتمال نہیں ہے **واصبر الخ** یہ آیت سورۂ انعام کی آیت **ولا تطرد الخ** سے ابلغ ہے کیونکہ وہاں تو فقراء کو دھکے دینے کی ممانعت کی گئی ہے اور یہاں ان کی مراعات اور نشست و برخاست کا حکم دیا جارہا ہے اور مراد اس سے حضرت صہیبؓ اور حضرت عمارؓ اور حضرت خبابؓ جیسے فقراء اسلام ہیں اور بعض کے نزدیک اصحاب صفہ مراد ہیں لاتعد یہ بطور فرض محال کے کہا جارہا ہے اور یا خطاب آپ کو کیا جارہا ہے مگر سنانا دوسروں کو ہے۔ **السرادق** خیمہ اور شامیانہ اور بلند دھواں اور سراپردہ وغیرہ معانی آتے ہیں۔ **مرتفقا** اصل میں اس کے معنی ہیں کہنی رخسار کے نیچے رکھنا لیکن آرام گاہ مراد ہے مرتفقا کو اسم فاعل کی بجائے تمیز کے ساتھ تعبیر کرنے میں مبالغہ اور تاکید مقصود ہے۔ **اساور** یہ جمع الجمع ہے سوار بمعنی کنگن کے، چونکہ زیورات زیادہ مرغوب ہوتے ہیں اس لئے لباس سے پہلے زیورات کا تذکرہ کیا، قرآن کریم میں ایک جگہ **اساور** کے ساتھ **من فضة** ہے۔ دوسری جگہ **من ذهب ولؤلؤا**۔ پس جنت میں تینوں طرح کے کنگن ہوں گے اور ممکن ہے بعض کو سب اور بعض کو بعض دیئے جائیں۔ **وفی آیة الرحمٰن** مفسر علامؒ کا مقصد اس استشہاد سے یہ ہے کہ سورۂ رحمٰن کی آیت سے بطانہ کا دبیز ہونا معلوم ہوا۔ پس ظہارہ (ابرہ) مہین ہونا چاہئے۔

ربط آیات:.......... بہت پہلے سے رسالت کی بحث چل رہی تھی کہ درمیان میں اس کی تاکید کے لئے اصحاب کہف کا قصہ بیان کردیا گیا۔ اب آیت **واتل الخ** سے پھر رسالت سے متعلق حقوق وآداب بیان کئے جارہے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ استغناء کے ساتھ تبلیغ کرنی چاہئے اور اس دعوت کو ماننے والے اپنی ظاہری شکستہ حالی کے باوجود، نہ ماننے والوں کے مقابلہ میں زیادہ قابل التفات ہیں۔

شان نزول:.......... چنانچہ شان نزول بھی ان آیات کا یہی ہے کہ کچھ رؤساء مشرکین نے آنحضرتؐ سے اس بات کی خواہش کی تھی کہ آپؐ ہمارے آنے کے وقت اپنی مجلس سے مسلمان فقراء غرباء کو ہٹادیا کیجئے کہ ان کے ساتھ بیٹھنے میں ہماری کسر شان ہے۔ جیسا کہ سورۂ انعام کی آیت **ولا تطرد الذین الخ** اور آیت **وانذر به الذین یخافون الخ** کے ذیل میں تفصیلات گزرچکی ہیں۔

﴿تشریح﴾:.......... آیت **واتل الخ** کا حاصل یہ ہے کہ آپ کتاب اللہ کی تلاوت میں مشغول رہئے، کلمات وحی نے جن باتوں کا اعلان کیا ہے انہیں کوئی بدل نہیں سکتا اور انقلاب حال کا وقت اب دور نہیں، جو ماننے والے نہیں ان کی فکر نہ کرو جو ایمان لائے ہیں اور شب وروز اللہ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں وہی تمہارے لئے بہت ہیں۔ انہی میں جی لگاؤ، یہی دعوت حق کے چند بیج ہیں جو عنقریب ایک تناور درخت کی صورت اختیار کرلیں گے۔

آیت **واصبر الخ** کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب تک یہ لوگ مجلس سے نہ اٹھیں، آپؐ بیٹھے رہا کیجئے، بلکہ منشاء یہ ہے کہ حسب سابق ان غریبوں کو طویل صحبت اور طویل مجلس سے مشرف رکھئے۔ رہا یہ شبہ کہ کفار نے جب یہ وعدہ کرلیا تھا کہ آپؐ اگر ہمیں خصوصی مجلس کی اجازت دے دیں گے تو ہم مسلمان ہوجائیں گے، قابل قبول درخواست تھی۔ پھر آپؐ نے کیوں نہیں فرمایا؟

جواب یہ ہے کہ اللہ کو معلوم تھا کہ پھر بھی، یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی کافر کسی مباح کام پر اپنے ایمان لانے کو معلق کردے تب بھی ایسا کرنا واجب نہیں ہوجاتا۔ مثلاً کوئی کہنے لگے کہ اگر مجھے ہزار روپیہ دو تو میں مسلمان

ہوجاتا ہوں تو کسی مسلمان پر اس روپیہ کا دینا واجب نہیں ہوجاتا۔ چہ جائیکہ کسی مکروہ کام کے کرنے پر اپنے ایمان لانے کو معلق کردیا جائے تو اس صورت میں بدرجۂ اولی اس فرمائش کو پورا نہیں کرایا جائے گا۔

آیت **وقل الحق الخ** میں فرمایا جارہا ہے، آخری اعلان کردو کہ خدا کی سچائی سب کے سامنے آگئی اب جس کا جی چاہے مانے جس کا جی چاہے نہ مانے، جو مانیں گے ان کے لئے اجر ہوگا جو نہیں مانیں گے ان کے لئے عذاب تیار ہے۔

مردوں کے ہاتھوں میں کنگن جیسے زیورات کا ہونا دنیا میں اگرچہ عرف کی وجہ سے برا معلوم ہوتا ہے لیکن وہ بھی سب جگہ نہیں۔ جہاں مردوں کے پہننے کا دستور ورواج ہے وہاں قطعاً معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ اسی طرح آخرت کے عرف عام میں اسے برا نہیں سمجھا جائے گا دوسرے یہاں شرعی مانع کی وجہ سے برا سمجھا جاتا ہے اور وہاں وہ شرعی مانع نہیں رہے گا اس لئے برا نہیں معلوم ہوگا باقی سبز لباس سے مقصود حصر نہیں ہے بلکہ دوسری آیات میں تصریح ہے کہ جنت میں جس چیز کو جی چاہے گا وہ ملے گی۔ البتہ اس آیت میں سندس اور استبرق کو مطلق فرمایا گیا ہے لیکن سورۂ رحمٰن کی آیت میں **بطائنها من استبرق** فرمایا گیا ہے جس سے بقول مفسر علامؒ اشارۃً یہ مفہوم ہوسکتا ہے کہ استر جب دبیز ریشمی ہے تو ابرہ مہین ریشمی ہوگا چنانچہ دنیا میں بھی اکثر یہی رواج ہے۔

لطائف آیات:............ آیت **واصبر نفسك الخ** میں ان فقراء کی صحبت کا حکم ہورہا ہے جو اپنے مولیٰ کی خدمت کے لئے وقف اور سب سے منقطع ہوچکے ہیں "**هم قوم لا يشقى جليسهم**" آیت **لا تعد عيناك الخ** میں مشائخ کے لئے حکم ہے کہ وہ اپنے مریدین اور طالبین پر توجہ رکھیں، ان سے اکتائیں نہیں آیت **تريد زينة الحيوة الدنيا** میں ان لوگوں کی برائی ہے جو مالداروں کی چاپلوسی اور خوشامد ان کے مال ودولت کی وجہ سے کرتے رہتے ہیں۔ آیت **ولا تطع الخ** میں غافل محجوبین کی طاعت سے روکا جارہا ہے اور اس اطاعت میں تواضع بھی داخل ہے کیونکہ زبان سے گو وہ اس کا طالب نہیں مگر حال سے اس کا طلب گار معلوم ہوتا ہے۔

وَاضْرِبْ اِجْعَلْ **لَهُمْ** لِلْكُفَّارِ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ **مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ** بَدَلٌ وَهُوَ وَمَا بَعْدَهٗ تَفْسِيْرٌ لِلْمَثَلِ **جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا** الْكَافِرِ **جَنَّتَيْنِ** بُسْتَانَيْنِ **مِنْ اَعْنَابٍ وَّ حَفَفْنٰهُمَا** اَحْدَقْنَاهُمَا **بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا** ﴿۳۲﴾ يُقْتَاتُ بِهٖ **كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ** كِلْتَا مُفْرَدٌ يَدُلُّ عَلَى التَّثْنِيَةِ مُبْتَدَأٌ **اٰتَتْ** خَبَرُهٗ **اُكُلَهَا** ثَمَرَهَا **وَلَمْ تَظْلِمْ** تَنْقُصْ **مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا** ﴿۳۳﴾ يَجْرِيْ بَيْنَهُمَا **وَّكَانَ لَهٗ** مَعَ الْجَنَّتَيْنِ **ثَمَرٌ** بِفَتْحِ الثَّاءِ وَالْمِيْمِ وَضَمِّهِمَا وَبِضَمِّ الْاَوَّلِ وَسُكُوْنِ الثَّانِيْ وَهُوَ جَمْعُ ثَمَرَةٍ كَشَجَرَةٍ وَشَجَرٍ وَخَشَبَةٍ وَخُشُبٍ وَبَدَنَةٍ وَبُدْنٍ **فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ** الْمُؤْمِنِ **وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ** يُفَاخِرُهٗ **اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا** ﴿۳۴﴾ عَشِيْرَةً **وَ دَخَلَ جَنَّتَهٗ** بِصَاحِبِهٖ يَطُوْفُ بِهٖ فِيْهَا وَيُرِيْهِ اَثْمَارَهَا وَلَمْ يَقُلْ جَنَّتَيْهِ اِرَادَةً لِلرَّوْضَةِ وَقِيْلَ اِكْتَفٰى بِالْوَاحِدِ **وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ** بِالْكُفْرِ **قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ** تَنْعَدِمَ **هٰذِهٖٓ اَبَدًا** ﴿۳۵﴾ **وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ** فِي الْاٰخِرَةِ عَلٰى زَعْمِكَ **لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا** ﴿۳۶﴾ مَرْجِعًا **قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ** يُجَاوِبُهٗ **اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ** لِاَنَّ اٰدَمَ خُلِقَ مِنْهُ **ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ** مَنِيٍّ **ثُمَّ سَوّٰىكَ**

عَدَلَكَ وَصَيَّرَكَ **رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا** اَصْلُهٗ لٰكِنْ اَنَا نُقِلَتْ حَرَكَةُ الْهَمْزَةِ اِلَى النُّوْنِ وَحُذِفَتِ الْهَمْزَةُ ثُمَّ اُدْغِمَتِ النُّوْنُ فِيْ مِثْلِهَا **هُوَ** ضَمِيْرُ الشَّانِ يُفَسِّرُهُ الْجُمْلَةُ بَعْدَهٗ وَالْمَعْنٰى اَنَا اَقُوْلُ **اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَلَوْلَآ** هَلَّا **اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ** عِنْدَ اِعْجَابِكَ بِهَا هٰذَا **مَاشَآءَ اللّٰهُ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ** فِي الْحَدِيْثِ مَنْ اُعْطِيَ خَيْرًا مِنْ اَهْلٍ اَوْ مَالٍ فَيَقُوْلُ عِنْدَ ذٰلِكَ مَاشَآءَ اللّٰهُ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَمْ يَرَ فِيْهِ مَكْرُوْهًا **اِنْ تَرَنِ اَنَا** ضَمِيْرُ فَصْلٍ بَيْنَ الْمَفْعُوْلَيْنِ **اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ** جَوَابُ الشَّرْطِ **وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا** جَمْعُ حُسْبَانَةٍ اَيْ صَوَاعِقَ **مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾** اَرْضًا مَلْسَاءَ لَا يَثْبُتُ عَلَيْهَا قَدَمٌ **اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا** بِمَعْنٰى غَائِرًا عَطْفٌ عَلٰى يُرْسِلَ دُوْنَ تُصْبِحَ لِاَنَّ غَوْرَ الْمَاءِ لَا يَتَسَبَّبُ عَنِ الصَّوَاعِقِ **فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾** حِيْلَةً تُدْرِكُهٗ بِهَا **وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ** بِاَوْجُهِ الضَّبْطِ السَّابِقَةِ مَعَ جَنَّتِهٖ بِالْهَلَاكِ فَهَلَكَتْ **فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ** نَدَمًا وَتَحَسُّرًا **عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا** فِيْ عِمَارَةِ جَنَّتِهٖ **وَهِيَ خَاوِيَةٌ** سَاقِطَةٌ **عَلٰى عُرُوْشِهَا** دَعَائِمِهَا لِلْكَرْمِ بِاَنْ سَقَطَتْ ثُمَّ سَقَطَ الْكَرْمُ **وَيَقُوْلُ يَا** لِلتَّنْبِيْهِ **لَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **فِئَةٌ** جَمَاعَةٌ **يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** عِنْدَ هِلَاكِهَا **وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾** عِنْدَ هِلَاكِهَا بِنَفْسِهٖ **هُنَالِكَ** اَيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **الْوَلَايَةُ** بِفَتْحِ الْوَاوِ اَلنُّصْرَةُ وَبِكَسْرِهَا الْمُلْكُ **لِلّٰهِ الْحَقِّ** بِالرَّفْعِ صِفَةُ الْوَلَايَةِ وَبِالْجَرِّ صِفَةُ الْجَلَالَةِ **هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا** مِنْ ثَوَابِ غَيْرِهٖ لَوْ كَانَ يُثِيْبُ **وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾** بِضَمِّ الْقَافِ وَسُكُوْنِهَا عَاقِبَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَنَصْبُهُمَا عَلَى التَّمْيِيْزِ

ع ۱۳ ۵ ۱۷

ترجمہ: .... اور آپ سنا دیجئے (بیان کر دیجئے) ان (کفار اور مسلمانوں) کو مثال ان دو شخصوں کی (یہ بدل ہے اور لفظ رجلین بعد کی عبارت سمیت، لفظ مثلا کی تفسیر ہے) ان میں سے ایک (کافر) کو ہم نے انگور کے دو باغ دیئے تھے اور ان کے اردگرد کھجور کے درختوں کی باڑ لگا رکھی تھی اور ان دونوں باغوں کے بیچ کی زمین میں ہم نے کھیتی بھی لگا رکھی تھی (جس سے کھانے پینے کا کام چلتا تھا) دونوں باغ (کلتا مفرد ہے تثنیہ کے معنی میں اور ترکیب میں مبتداء ہے) اپنا پورا پھل دیتے تھے (یہ خبر ہے) اور کسی کے پھل میں ذرا بھی کمی نہیں رہتی تھی اور ان باغوں کے درمیان ایک نہر جاری کر رکھی تھی (جو وہاں بہہ رہی تھی) اور اس شخص کے پاس (ان باغوں کے علاوہ) اور بھی سامان تمول تھا (ثمر میں تین لغت ہیں فتحتین کے ساتھ اور ضمتین کے ساتھ اور ضم اول اور سکون ثانی کے ساتھ، ثمرۃ کی جمع ہے جیسے علی الترتیب شجرۃ کی جمع شجر اور خشبۃ کی جمع خشب اور بدنۃ کی جمع بدن آتی ہے) چنانچہ اپنے (مسلمان) دوست سے ایک دن ادھر ادھر کی (فخریہ) باتیں کرتے ہوئے بولا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور میرا جتھہ (مجمع) بھی زیادہ ہے اور وہ اپنے باغ میں پہنچا (ساتھی کو لے کر گھما پھرا رہا تھا پھل پھلاری دکھلا رہا تھا۔ یہاں حق تعالیٰ نے جنتیہ تثنیہ استعمال نہیں فرمایا مطلقا باغ مراد لیتے ہوئے اور بعض کی رائے ہے کہ صرف ایک ہی باغ دکھلانے پر اکتفاء کیا ہے) اپنے اوپر جرم (کفر) قائم کرتے

ہوئے کہنے لگا کہ میں نہیں سمجھتا کہ ایسا شاداب باغ کبھی ویران (برباد) بھی ہوسکتا ہے اور مجھے توقع نہیں کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر بالفرض میں اپنے پروردگار کے پاس پہنچایا گیا بھی (اے دوست بقول تمہارے آخرت میں) تو یار لوگ وہاں بھی مزے کریں گے۔ یہ سن کر اس کے دوست نے (گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے) جواب کے طور پر کہا کیا تم اس ہستی کا انکار کرتے ہو جس نے پہلے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا (کیونکہ حضرت آدمؑ مٹی سے پیدا ہوئے) پھر نطفہ سے پیدا کیا اور پھر صحیح سالم (اچھا خاصا) آدمی بنادیا لیکن میں تو یقین رکھتا ہوں (اس کی اصل "لکن انا" ہے ہمزہ کی حرکت نون کو دے کر ہمزہ حذف کردیا گیا ہے اور نون کو نون میں ادغام کردیا گیا ہے) وہی (لفظ ھو ضمیر شان ہے جس کی تفسیر بعد والا جملہ کررہا ہے حاصل معنی یہ ہوئے میرا یقین ہے کہ) اللہ میرا پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور پھر جب تم اپنے باغ میں پہنچے (تو اس کی شادابیاں دیکھتے ہی یہ) کیوں نہ کہا کہ ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے اس کی مدد کے بغیر کوئی کچھ نہیں کرسکتا؟ (حدیث میں ہے کہ جو شخص مال و اولاد کے ملنے پر ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ پڑھے اسے کوئی ناگوار بات پیش نہیں آسکتی) اور یہ جو تمہیں دکھائی دے رہا ہے کہ میں (لفظ انا دومفعولوں کے درمیان ضمیر مفصل ہے) تم سے مال و اولاد میں کمتر ہوں کیا عجب ہے میرا پروردگار تمہارے اس باغ سے بھی بہتر مجھے دے دے (جواب شرط ہے) اور تمہارے باغ پر کوئی تقدیری آفت (حسبان جمع حسبانۃ کی ہے یعنی بجلی کی کڑک) آسمان سے بھیج دے جس سے وہ باغ چٹیل میدان ہوکر رہ جائے (پھسلواں زمین کہ جس پر پاؤں بھی رپٹ جائیں) یا پھر اس کی نہر کا پانی بالکل ہی نیچے اتر جائے (غور بمعنی غائر ہے اس کا عطف لفظ یرسل پر ہوگا نہ کہ تصبح پر کیونکہ پانی اترنے کا سبب بجلی اور کڑک نہیں ہوا کرتی) اور پھر کسی طرح بھی اس تک نہ پہنچ سکو (تمہاری کوئی کوشش بھی کامیاب نہ ہوسکے) اور پھر ایسا ہی ہوا کہ اس کی دولت گھیرے میں آگئی (لفظ ثمر میں وہی تین لغات ہیں جن کا بیان پہلے گزر چکا مع باغ کے سب پھل پھلاری تباہ و برباد ہوگئے) اور وہ (حسرت وندامت کے ساتھ) ہاتھ مل مل کر افسوس کرنے لگا کہ (ان باغوں کی درستگی پر) میں نے کیا کچھ خرچ کیا تھا اور اب حال یہ ہے کہ باغ کی ساری ٹٹیاں گر کر زمین کے برابر ہوگئی ہیں (انگور کی بیلیں جن ٹیٹوں پر چڑھیں تھیں وہ بھی برباد ہوئیں اور انگور بھی) اب وہ کہتا ہے کہ اے کاش میں (یا تنبیہ کے لئے ہے) اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا، اور کوئی ایسا جتھا (مجمع) نہ ہوا (یکن تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے) جو اللہ کے سوا (بربادی کے وقت) اس کی مدد کرتا۔ اور نہ (اپنی بربادی کے وقت) خود بدلہ لے سکا۔ ایسے موقعہ پر (قیامت کے دن) مدد کرنا (ولایۃ فتح واو کے ساتھ بمعنی مدد کرنا اور کسر واؤ کے ساتھ بمعنی مالک ہونا ہے) اللہ برحق ہی کا کام ہے (الحق رفع کے ساتھ ولایۃ کی صفت ہے اور جر کی حالت میں اللہ کی صفت ہوگی) وہی ہے جو سب سے بہتر ثواب دینے والا ہے (اس کے سوا اگر کوئی ثواب دے سکتا ہو) اور اسی کے ہاتھ بہتر انجام ہے (عقبا ضم قاف اور سکون قاف کے ساتھ ہے اور مسلمانوں کا انجام مراد ہے اور ثوابا اور عقبا دونوں لفظوں کا منصوب ہونا بر بناء تمیز ہے)۔

تحقیق و ترکیب:............ **واضرب** بعض حضرات کی رائے میں یہ واقعہ مکہ کے بنی مخزوم کے دو اشخاص ابوسلمہ عبداللہ بن عبد الاسد اور اسود بن اسد سے متعلق ہے ان میں سے پہلا مسلمان اور دوسرا بھائی کافر تھا اور بعض کے نزدیک عیینہ اور اس کے رفقاء اور حضرت سلمانؓ اور ان کے اصحاب کا ہے عیینہ اور سلمانؓ کو بنی اسرائیل کے دو بھائیوں سے تشبیہ دی گئی ہے جن میں ایک دین برحق پر اور دوسرا غلط راہ پر تھا، ان دونوں کے باپ نے مرنے کے وقت آٹھ ہزار اشرفیاں چھوڑیں جوان دونوں بھائیوں نے بانٹ لیں، دنیادار بھائی نے تو ایک ہزار اشرفیوں کی زمین خرید لی لیکن دیندار بھائی کہنے لگا کہ اے اللہ میرے بھائی نے تو باغ خرید لیا ہے اور میں ایک ہزار اشرفیاں تیری راہ میں نثار کر کے جنت کماتا ہوں، پھر جب ایک ہزار اشرفیوں میں دنیادار بھائی نے مکان بنایا تو دیندار نے پھر کہا

کہ میں ایک ہزار میں جنت کا مکان خریدتا ہوں، پھر جب ایک ہزار لٹا کر دنیا دار بھائی نے شادی رچائی، تو دیندار بھائی نے ہزار اشرفیاں راہ مولیٰ میں نچھاور کرتے ہوئے حور جنت کی توقع باندھی اسی طرح ایک ہزار اشرفیوں سے دنیادار بھائی نے اور سامان آرائش فراہم کیا مگر دیندار بھائی نے یہاں بھی سامان آخرت کی نیت سے ہزار اشرفیاں خیرات کیں، خالی ہاتھ ایک روز راستہ میں امیر بھائی سے ملاقات ہوگئی جو نہایت شان وشوکت اور تزک واحتشام سے چل رہا تھا۔ اس وقت ان دونوں بھائیوں میں تبادلۂ خیالات ہوا۔ **فقال لصاحبه** اس گفتگو میں کافر بھائی نے تین باتیں کہی ہیں اور تینوں مہمل ہیں۔ یعنی **انا اکثر منک** اور **دخل جنته** اور **وما اظن الساعة قائمة ولئن رددت** یہ علی سبیل الفرض کہہ رہا ہے ورنہ کافر بھائی قیامت کا تو منکر تھا **منقلباً** مفسر علامؒ نے اشارہ کردیا کہ یہ تمیز ہے اور ویسے انقلاب سے ماخوذ ہے ظرف کا صیغہ ہے **لٰکنا** یہ اصل میں **لٰکن** ہے۔ مصحف عثمانی میں الف کے ساتھ لکھا ہوا ہے اس لئے تمام قراء وقف کے وقت الف پڑھتے ہیں البتہ وصل کی حالت میں اختلاف ہے۔ **ولــــو لا** اصلی عبارت اس طرح تھی ولو لا قلت اذ دخلت۔

ربط آیات اور شان نزول: .... پچھلی آیات میں آداب تبلیغ بیان کرتے ہوئے کفار کی اس درخواست کا رد تھا کہ ہمارے لئے خصوصی مجلس کی جائے جس میں غریب مسلمان شریک نہ ہوسکیں، اب ان آیات میں ایک واقعہ کے ذیل میں مال دنیا کا حقیر اور بے حقیقت ہونا بتلا کر اس کے منشاء پر رد کرنا ہے یعنی مالی غرور اور گھمنڈ ایک بے کار چیز ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... گذشتہ آیات میں فرمایا تھا جس کا جی چاہے مانے جس کا جی چاہے نہ مانے، جو نہ مانیں گے انہیں اپنی بدعملیوں کا نتیجہ بھگتنا ہے، جو مانیں گے ان کے لئے ان کی نیک عملیوں کا اجر ہے۔ پھر اخروی عذاب وثواب کا نقشہ کھینچا تھا کہ منکروں کے لئے آگ کی جلن ہوگی، مومنوں کے لئے ہمیشگی کے باغ، اب یہ حقیقت واضح کی جارہی ہے کہ آخرت کی طرح دنیا میں بھی منکرین دعوت کو محرومیاں ملنے والی ہیں وہ اپنی موجودہ خوشحالیوں پر مغرور نہ ہوں اور نہ مومن اپنی موجودہ بے سروسامانیاں دیکھ کر دل تنگ ہوجائیں۔ دنیا کی خوشحالیوں کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے وہ جب مٹنے پر آتی ہیں تو لمحوں میں مٹ جاتی ہیں اور انسان کی کوئی تدبیر وکوشش اسے نہیں بچاسکتی۔ چنانچہ اس واقعہ سے اس کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔ یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا؟ قرآن کریم میں اس قصہ کا تذکرہ نہایت مجمل ہے، کسی کا نام، نشان نہیں بتلایا گیا۔ اسی لئے بعض حضرات نے اس قصہ کو فرضی کہہ کر اس طرح تقریر کی ہے، فرض کرو، دو آدمی ہیں، ایک کو سب کچھ میسر ہے، دوسرے کو کچھ میسر نہیں ہے، پہلا گھمنڈ میں آکر دوسرے کو حقیر سمجھ بیٹھتا ہے اور کہنے لگتا ہے دیکھو میں تم سے زیادہ خوش حال ہوں، اور میری خوشحالی کبھی بگڑنے والی نہیں ہے۔ دوسرا اسے سمجھاتا ہے کہ ان خوشحالیوں پر مغرور نہ ہو، کون جانتا ہے کہ پل کے پل میں کیا سے کیا ہوجائے۔ چنانچہ ایک دوسرے روز کیا ہوا کہ اس کے سارے وہ باغ جن کی شادابیوں پر اسے ناز تھا اچانک اجڑ گئے اور وہ اپنی نامرادیوں پر کف افسوس ملتا رہ گیا۔

اس مثال میں خوش حال آدمی سے مراد رؤسائے مکہ ہوئے اور دوسرے آدمیوں سے مقصود مسلمان اور اہل ایمان ہیں۔ لیکن بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ واقعہ فرضی نہیں بلکہ واقعی ہے جس کی طرف عنوان تحقیق میں کچھ اشارات گزر چکے ہیں۔ درمنثور میں ابو عمرو شیبانی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ شام کے ملک میں نہر رملہ کا یہ واقعہ ہے اور چونکہ مقصد تفصیل پر موقوف نہیں اس لئے واقعہ کو بالاجمال ذکر کرنا کافی سمجھا گیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ کفار مکہ کے اس گھمنڈ اور غرور کی بنیاد مال ودولت ہے جو اصل سے بے حقیقت ہے اس لئے اس پر بنائی ہوئی خیالی عمارت بھی بے بنیاد ہے، تاریخی جھروکہ سے جھانک کر دیکھیں، دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کی بے شمار مثالیں

انہیں نظر آئیں گی کہ دم کے دم میں کایا پلٹ کر رہ گئی ہے اور عرش نشین فرش نشین بن کر رہ گئے۔ اس لئے انسان کی نظر ان عارضی اور خارجی بلندیوں پر نہیں رہنی چاہیئے۔ بلکہ ذاتی کمال اور جوہر اصلی پر رہنی چاہیئے پھر جس طرح اس واقعہ میں کفار کے بے جا گھمنڈ کو چکنا چور کیا گیا ہے۔ اسی طرح غریب مسلمانوں کو تسلی اور تشفی بھی دی گئی کہ وہ ناداری کا غم نہ کریں کہ عارضی ہے اور دولت عقبیٰ کے حصول پر شکر کریں کہ دائمی ہے کیوں کہ یہ دنیا کی خوشحالیاں آخر کیا ہیں؟ محض چار گھڑی کی دھوپ اس سے زیادہ انہیں قرار نہیں اور اس سے زیادہ ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

لطائف آیات: .... آیت واضرب الخ میں مغرور مالداروں کو تنبیہ اور غریب متوکلین کے لئے تسلی ہے۔

وَاضْرِبْ صَيِّرْ **لَهُمْ** لِقَوْمِكَ **مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** مَفْعُوْلٌ اَوَّلٌ **كَمَآءٍ** مَفْعُوْلٌ ثَانٍ **اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ** تَكَاثَفَ بِسَبَبِ نُزُوْلِ الْمَاءِ **نَبَاتُ الْاَرْضِ** وَامْتَزَجَ الْمَاءُ بِالنَّبَاتِ فَرَوٰى وَحَسُنَ **فَاَصْبَحَ** فَصَارَ النَّبَاتُ **هَشِيْمًا** يَابِسًا مُتَفَرِّقَةً اَجْزَاءُهٗ **تَذْرُوْهُ** تُثِيْرُهٗ وَتُفَرِّقُهٗ **الرِّيٰحُ** فَتَذْهَبُ بِهٖ الْمَعْنٰى شَبَّهَ الدُّنْيَا بِنَبَاتٍ حَسَنٍ فَيَبِسُ وَتَكَسَّرَ فَفَرَّقَتْهُ الرِّيَاحُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ الرِّيْحُ **وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا** ﴿۴۵﴾ قَادِرًا **اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** يُتَجَمَّلُ بِهِمَا فِيْهَا **وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ** هِيَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَزَادَ بَعْضُهُمْ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ **خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا** ﴿۴۶﴾ اَيْ مَا يَأْمُلُهُ الْاِنْسَانُ وَيَرْجُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى **وَ** اذْكُرْ **يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ** يُذْهِبُ بِهَا عَنْ وَجْهِ الْاَرْضِ فَتَصِيْرُ هَبَاءً مُّنْبَثًّا وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالنُّوْنِ وَكَسْرِ الْيَاءِ وَنَصَبِ الْجِبَالَ **وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً** ظَاهِرَةً لَيْسَ عَلَيْهَا شَيْءٌ مِنْ جَبَلٍ وَلَا غَيْرِهٖ **وَّحَشَرْنٰهُمْ** الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ **فَلَمْ نُغَادِرْ** نَتْرُكْ **مِنْهُمْ اَحَدًا** ﴿۴۷﴾ **وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا** حَالٌ اَيْ مُصْطَفِيْنَ كُلُّ اُمَّةٍ صَفٌّ وَيُقَالُ لَهُمْ **لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ** اَيْ فُرَادٰى حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا وَيُقَالُ لِمُنْكِرِي الْبَعْثِ **بَلْ زَعَمْتُمْ اَنْ** مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ اَيْ اَنَّهٗ **لَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا** ﴿۴۸﴾ لِلْبَعْثِ **وَوُضِعَ الْكِتٰبُ** اَيْ كِتَابُ كُلِّ امْرِئٍ فِيْ يَمِيْنِهٖ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَفِيْ شِمَالِهٖ مِنَ الْكَافِرِيْنَ **فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ** الْكَافِرِيْنَ **مُشْفِقِيْنَ** خَائِفِيْنَ **مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ** عِنْدَ مُعَايَنَتِهِمْ مَا فِيْهِ مِنَ السَّيِّئَاتِ **يَا** لِلتَّنْبِيْهِ **وَيْلَتَنَا** هَلَكَتَنَا وَهُوَ مَصْدَرٌ لَا فِعْلَ لَهٗ مِنْ لَفْظِهٖ **مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً** مِنْ ذُنُوْبِنَا **اِلَّآ اَحْصٰهَا** عَدَّهَا وَاَثْبَتَهَا تَعَجَّبُوْا مِنْهُ فِيْ ذٰلِكَ **وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا** مُثْبَتًا فِيْ كِتَابِهِمْ **وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا** ﴿۴۹﴾ لَا يُعَاقِبُهٗ بِغَيْرِ جُرْمٍ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ ثَوَابِ مُؤْمِنٍ

ع ۶ ۵ ۱۸

ترجمہ: .... اور (اے پیغمبر) آپ انہیں (اپنی قوم کو) دنیا کی زندگی کی مثال سنا دیجئے (یہ مفعول اول ہے اضرب بمعنی صیر

کا)اس کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا (یہ دوسرا مفعول ہے)اور زمین کی روئیدگی اس سے مل جل کر ابھر آئی (بارش کا پانی مٹی میں مل کر زمین کی پیداوار میں تراوٹ اور تازگی آ گئی اور خوب پھلی پھولی) پھر سب کچھ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا (گھاس پھوس خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو گئی)ہوا کے جھونکے اسے اڑا کر منتشر کر رہے ہیں (ہوا انہیں لئے لئے پھرتی ہے حاصل یہ ہے کہ دنیا کی مثال ایک ایسی گھاس کی ہے جو پہلے تر و تازہ تھی پھر سوکھ کر چورا چورا ہو گئی اور ہوا میں اڑ گئی ،ایک قرأت میں ریاح کی بجائے ریح کا لفظ ہے)اور کون سی بات ہے جس کے کرنے پر اللہ قادر نہیں ہے؟ مال و دولت ،آل و اولاد ،دنیوی زندگی کی دلفریبیاں ہیں (جن سے اس دنیا کی رونق ہے)اور جو نیکیاں باقی رہنے والی ہیں (یعنی سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اور بعض نے اس میں لا حول و لا قوۃ الا باللہ کا اضافہ کیا ہے)وہ آپؐ کے پروردگار کے نزدیک بلحاظ اجر و ثواب کے ہزار درجہ بہتر ہیں اور وہی ہیں جن کے نتائج سے بہتر امید کی جا سکتی ہے (انسان جو امید اور توقع اللہ سے قائم کر لے)اور (اس دن کا یاد کرنا چاہئے)جب ہم پہاڑوں کو چلائیں گے (زمین سے ہنکا دیئے جائیں گے ریگ رواں کی طرح ہو جائیں گے اور ایک قرأت میں بجائے یسیو کے نسیر نون کے ساتھ اور کسر یاء کے ساتھ ہے اور جبال منصوب ہے)اور آپؐ زمین کو دیکھیں گے ،کھلا میدان پڑا ہے (بالکل صاف ،نہ اس پر پہاڑ ہوگا اور نہ کچھ اور)اور ہم سب (مسلمان اور کافروں) کو اکٹھا کریں گے اور ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے اور ان سب کی صفیں تمہارے پروردگار کے روبرو پیش ہوں گی (لفظ صفا ترکیب میں حال ہے یعنی ہر جماعت صف بستہ ہو کر برابر برابر کھڑی ہوگی ،ان سے کہا جائے گا) دیکھو جس طرح تمہیں ہم نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا آخر پھر تم ہمارے پاس اسی طرح آ ئے بھی (یعنی ایک ایک کر کے الگ الگ ننگے پاؤں ،ننگے بدن ،بغیر ختنہ کے ،اور منکرین قیامت سے کہا جائے گا) مگر تم نے خیال کیا تھا کہ ہم نے (ان مخففہ ہے اصل انــہ ہے)تمہارے لئے (قیامت کا) کوئی وقت نہیں ٹھہرایا ہے ۔اور نامۂ اعمال رکھ دیا جائے گا (یعنی ہر انسان کا اعمالنامہ سامنے آ جائے گا نیک لوگوں کا داہنے ہاتھ میں اور بدکاروں کا بائیں ہاتھ میں)اس وقت آپ دیکھیں گے کہ جو کچھ ان میں لکھا ہوا ہوگا مجرم (کافر)اس سے ہراساں (خائف) ہو رہے ہوں گے وہ چیخ اٹھیں گے (اپنی بربادی دیکھ کر) ہائے (یہ کلمہ تنبیہ کے لئے آتا ہے) ہماری کمبختی (یہ مصدر ہے لیکن لفظوں میں اس کا فعل نہیں آتا) یہ نامۂ اعمال کیسا ہے؟ کہ (ہمارے گناہوں کی) کوئی بات بڑی ہو یا چھوٹی اس سے چھوٹی ہوئی نہیں ہے ۔سب قلمبند ہے (منضبط اور ٹکی ہوئی ہے جسے دیکھ کر یہ حیرت زدہ رہ جائیں گے) غرضیکہ جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب اپنے سامنے (نامۂ عمل میں لٹکا ہوا) موجود پائیں گے اور آپ کا پروردگار کسی پر زیادتی نہیں کرتا (کہ کسی کو بلا جرم کے سزا دیدے یا کسی کی نیکی میں کمی کر دے)۔

تحقیق وترکیب: .... **اضرب** کے بعد ضمیر لا کر مفسر علامؒ اشارہ کر رہے ہیں کہ اضرب بمعنی اذکر ہے **مثل الحیاۃ** یہ مشبہ ہے اور ہیئت ماء مشبہ بہ ہے اس صورت میں کاف تشبیہ کے لئے ہوگا اور اگر ان دونوں کو مفعولین کہا جائے تو کاف زائد ہو جائے گا۔ **ھشیما** قاموس میں اس کے معنی چورا کرنے کے ہیں ۔**المال** اس کا ایک مقدمہ محذوف ہے ۔پوری دلیل اس طرح ہے المال والبنون زینۃ الحیوۃ و کل ما ھو زینتھا فھو ھالك نتیجہ یہ نکلا کہ المال والبنون ھالکان و ما ھو ھالك فلا یفتخر بہ۔ فالمال والبنون لا یفتخر بھما ۔زینۃ مصدر ہے بمعنی اسم مفعول اسی لئے مال اور بنون دونوں کی خبر واقع ہے باقیات بیضاوی میں ہے کہ وہ اعمال صالحہ مراد ہیں جن کا ثمرہ ابدی ہو جیسے نماز ،روزہ ،حج اور پاکیزہ کلام وغیرہ ،خیر چونکہ دنیا کی آرائش میں کوئی بہترائی نہیں اس لئے یہ تفضیل کے لئے نہیں ہے اور یا کہا جائے کہ جاہلوں کے گمان کے اعتبار سے گفتگو کی جا رہی ہے کہ وہ زینت دنیا میں بہترائی سمجھتے ہیں۔ **حشرنا ھم** ماضی کے ساتھ تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ پہاڑوں کے چلنے اور زمین کے چٹیل میدان بننے سے پہلے حشر ہوگا تاکہ

قدرت کی ان بڑی نشانیوں کولوگ دیکھ سکیں۔ نغادر غدر کے معنی ترک کے ہیں غداری ترک وفا کو کہتے ہیں۔ غدیر تالاب کو کہتے ہیں لانہ ماترکہ السیل صفا حال ہے اور بعض نے جمیعا اور بعض نے قیاما کے معنی لئے ہیں۔ حدیث قدسی ہے کہ حق تعالیٰ بآواز بلند فرمائیں گے۔ یا عبادی انا اللہ لا الہ الا اللہ انا ارحم الراحمین واحکم الحاکمین واسرع الحاسبین یا عبادی لا خوف علیکم الیوم ولا انتم تحزنون احضروا حجتکم ویسروا جوابکم فانکم مسئولون محاسبون یا ملائکتی اقیموا عبادی صفوفا علی اطراف انامل اقدامهم للحساب اور مصفین کہہ کر مفسرؒ نے اشارہ کردیا کہ یہ مفرد بمنزلہ جمع کے ہے جیسے ثم یخرجکم طفلا بمعنی اطفالا ہے، اس وقت لوگوں کی پانچ صفیں ہوں گی۔ ایک صف انبیاء کی، دوسری اولیاء کی، تیسری مومنین کی، چوتھی کفار کی، پانچویں منافقین کی۔ حفاۃ جمع حاف کی ننگے پاؤں کے معنی ہیں۔ عراۃ عار کی جمع ہے ننگے بدن غرلا اغرل کی جمع ہے بمعنی غیر مختون۔

ربط آیات: .... جس طرح پچھلی آیات میں ایک جزئی مثال کے ذیل میں، دنیا کے مال وجاہ کا فانی اور حقیر ہونا اور اخروی زندگی کا باقی اور وقیع ہونا ذکر کیا گیا تھا اسی طرح ان آیات میں ایک کلی تمثیل کے ضمن میں دنیا کی ناپائیداری اور اعمال صالحہ کا باقی رہنا اور پھر بعض واقعات قیامت کے ذکر سے آخرت کا قابل اہتمام ہونا اور مخالفت کا لائق پرہیز ہونا ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿تشریح﴾: .... حاصل آیات یہ ہے کہ دنیا کی یہ خوش حالیاں کیا ہیں؟ محض چار گھڑی کی دھوپ اور چار دن کی چاندنی، اس سے زیادہ انہیں قرار نہیں اس سے زیادہ ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ دنیوی زندگی کی مثال ایسی سمجھنی چاہیئے جیسے زمین کا سبزہ، کہ آسمان سے پانی برستا ہے تو طرح طرح کے پھل پھول اور قسم قسم کی نیرنگیوں سے زمین کی گود بھر جاتی ہے اور اس کا چپہ چپہ بہشت زار بن جاتا ہے جس طرف نظر اٹھا کر دیکھو پھولوں کا حسن وجمال ہے، رنگوں کا نکھار ہے، لیکن زمانہ بہار بیت جانے کے بعد پھر کیا ہوتا ہے؟ وہی کھیت اور باغ جس کی ڈالیاں اور شاخیں زندگی کا سرمایہ اور بخششوں کا خزانہ تھیں، خزاں کی ہوائیں چلتی ہیں تو ہر طرف پت جھڑ شروع ہو جاتی ہے درخت ننگے ہو جاتے ہیں، زمین پر خاک دھول اڑنے لگتی ہے، ایک ہو کا عالم نظر آنے لگتا ہے، بھوسے کے ذرے جنہیں ہوائیں اڑائے اڑائے پھرتی ہیں۔ اب نہ انہیں کوئی بچانا چاہتا ہے اور نہ اب وہ کسی مصرف کے رہتے ہیں بہت کام دیں گے تو جلنے کے لئے چولہے میں جھونک دیئے جائیں گے۔

قرآن کریم کی دی ہوئی مثال جامع ترین ہے: .... دنیاوی زندگی میں انسان کی جدوجہد کی یہ کیسی جامع مثال ہے جس پہلو سے بھی دیکھو گے اس سے بہتر مثال نہیں ملے گی۔ چنانچہ دنیا کی دلفریبیاں جب نکھرتی ہیں تو ٹھیک ان کا یہی حال ہوتا ہے یعنی وہ عارضی ہوتی ہیں پائیدار نہیں ہوتیں، قدرت نے ان کے لئے جو وقت مقرر کر رکھا ہے جونہی وہ پورا ہوا، پھر کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ دیکھئے زمین ایک ہے پانی بھی ایک ہی طرح کا ہے، روئیدگی بھی ایک ہی طرح پر ہوتی ہے مگر پھل یکساں نہیں آتے۔ **وفی الارض قطع متجاورٰت وجنٰت من اعناب وزرع ونخیل صنوان وغیر صنوان یسقٰی بماء واحد ونفضل بعضها علی بعض فی الاکل ان فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یعقلون** یہی حال دنیاوی زندگی کا ہے زندگی ایک طرح کی ہے ہر زندگی کا پھل یکساں نہیں، فطرت کی بخشش سب کی یکساں رکھوالی کرتی ہے۔ مگر سب ایک طرح کا پھل نہیں لاتے۔ کوئی اچھا ہوتا ہے کوئی ناقص، کوئی بالکل نکما۔

تاثیر کے لئے فاعل کی طرح قابل کی بھی ضرورت ہے: .... یہی حال انسانی طبائع اور ان کی تاثیرات کا ہے قدرت اور فطرت کی بخشائشیں سب کے لئے یکساں ہیں مگر بقدر ظرف واستعداد لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ کہیں گل ریحان اور لالہ وسنبل اگتے ہیں اور کہیں خار دار جھاڑیاں۔ عذاب وثواب اور سعادت وشقاوت کا مسئلہ بھی اس سے حل ہو گیا۔ تم زمین میں کیوں کاشت کرتے ہو؟ دانے اور پھل کے لئے، پتوں اور شاخوں کے لئے نہیں، فصل جب پکتی ہے تو دانے لے لیتے ہو جس میں تمہارے لئے نفع ہے باقی سب کچھ چھانٹ دیتے ہو جس میں نفع نہیں۔ یہی حال دنیاوی زندگی کا سمجھئے۔ فطرت نے انسانی وجود کی کاشت کی ہے اس لئے کہ کون درخت اچھا پھل لاتا ہے۔ **ایکم احسن عملا** پس جو اچھے عمل کا پھل لاتا ہے وہ اسے لے لیتی ہے اور باقی جو کچھ بچ جاتا ہے اسے چھانٹ دیتی ہے تم سوکھی شاخوں اور پتوں کا کیا کرتے ہو؟ چولہے میں جلاتے ہو، اس نے بھی ایک چولہا گرم کر رکھا ہے جس کا نام دوزخ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ رؤساء مشرکین جن چیزوں پر فخر کرتے ہیں انہوں نے ان کا حال اور مآل تو سن لیا اور جن غرباء کو حقیر سمجھے ہیں ان کی باقیات صالحات (نیکیوں) کا دولت لازوال ہونا معلوم کرلیا اب بھی انہیں عقل نہ آئے تو چھوڑیئے۔

وَ**اِذْ** مَنْصُوبٌ بِاُذْكُرْ **قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ** سُجُوْدَ اِنْحِنَاءٍ لَا وَضْعَ جَبْهَةٍ تَحِيَّةً لَهُ **فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ** قِيْلَ هُمْ نَوْعٌ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ فَالْاِسْتِثْنَاءُ مُتَّصِلٌ وَقِيْلَ هُوَ مُنْقَطِعٌ وَاِبْلِيْسُ اَبُو الْجِنِّ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ذُكِرَتْ مَعَهٗ بَعْدُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ لَا ذُرِّيَّةَ لَهُمْ **فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ** اَيْ خَرَجَ عَنْ طَاعَتِهٖ بِتَرْكِ السُّجُوْدِ **اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ** اَلْخِطَابُ لِاٰدَمَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَالْهَاءُ فِي الْمَوْضِعَيْنِ لِاِبْلِيْسَ **اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ** تُطِيْعُوْنَهُمْ **وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ** اَيْ اَعْدَاءٌ حَالٌ **بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾** اِبْلِيْسُ وَذُرِّيَّتُهٗ فِيْ اِطَاعَتِهِمْ بَدَلَ اِطَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى **مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ** اَيْ اِبْلِيْسَ وَذُرِّيَّتَهٗ **خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ** اَيْ لَمْ اُحْضِرْ بَعْضَهُمْ خَلْقَ بَعْضٍ **وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ** الشَّيَاطِيْنَ **عَضُدًا ﴿۵۱﴾** اَعْوَانًا فِي الْخَلْقِ فَكَيْفَ تُطِيْعُوْنَهُمْ **وَيَوْمَ** مَنْصُوْبٌ بِاُذْكُرْ **يَقُوْلُ** بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ **نَادُوْا شُرَكَآءِيَ** الْاَوْثَانَ **الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ** لِيَشْفَعُوْا لَكُمْ بِزَعْمِكُمْ **فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ** لَمْ يُجِيْبُوْهُمْ **وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ** بَيْنَ الْاَوْثَانِ وَعَابِدِيْهَا **مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾** وَادِيًا مِنْ اَوْدِيَةِ جَهَنَّمَ يُهْلَكُوْنَ فِيْهَا جَمِيْعًا وَهُوَ مِنْ وَبَقَ بِالْفَتْحِ هَلَكَ **وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا** اَيْ اَيْقَنُوْا **اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا** اَيْ وَاقِعُوْنَ فِيْهَا **وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾** مَعْدِلًا **وَلَقَدْ صَرَّفْنَا** بَيَّنَّا **فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ** صِفَةٌ لِمَحْذُوْفٍ اَيْ مَثَلًا مِنْ جِنْسِ كُلِّ مَثَلٍ لِيَتَّعِظُوْا **وَكَانَ الْاِنْسَانُ** اَيِ الْكَافِرُ **اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾** خُصُوْمَةً فِي الْبَاطِلِ وَهُوَ تَمْيِيْزٌ مَنْقُوْلٌ مِنْ اِسْمِ كَانَ الْمَعْنٰى وَكَانَ جَدَلُ الْاِنْسَانِ اَكْثَرَ شَيْءٍ فِيْهِ **وَمَا مَنَعَ النَّاسَ** اَيْ كُفَّارَ مَكَّةَ **اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا** مَفْعُوْلٌ ثَانٍ **اِذْ**

جَآءَ هُمُ الْهُدٰى اى القران وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ فاعل اى سنتنا فيهم وهى الاهلاك المقدر عليهم اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾ مقابلة وعيانا وهو القتل يوم بدر وفى قراءة بضمتين جمع قبيل اى انواعا وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ للمؤمنين وَمُنْذِرِيْنَ مخوفين للكافرين وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ بقولهم ابعث الله بشرا رسولا ونحوه لِيُدْحِضُوْا بِهِ ليبطلوا بجدالهم الْحَقَّ القرآن وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ القرآن وَمَآ اُنْذِرُوْا به من النار هُزُوًا ﴿۵۶﴾ سخرية وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ما عمل من الكفر والمعاصى فلم يتفكر فى عاقبتها اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اغطية اَنْ يَّفْقَهُوْهُ من ان يفقهوا القرآن اى فلا يفهمونه وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ثقلا فلا يسمعونه وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اى بالجعل المذكور اَبَدًا ﴿۵۷﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ فى الدنيا بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ فيها بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ وهو يوم القيمة لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿۵۸﴾ ملجأ من العذاب وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اى اهلها كعاد وثمود وغيرهما اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا كفروا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ لاهلاكهم وفى قراءة بفتح الميم اى لهلاكهم مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾

ترجمہ: .... اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے (لفظ اذ ظرف ہے اذکر مقدر کا) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا۔ آدم کے آگے جھک جاؤ (بطور سلام کے جھکنا مراد ہے پیشانی ٹیکنا مراد نہیں ہے) سو سب جھک گئے مگر ابلیس نہیں جھکا تھا وہ جنات میں سے تھا (بعض کے نزدیک جنات فرشتوں ہی کی ایک نوع ہوتی ہے پس اس صورت میں یہ استثناء متصل ہوگا اور بعض نے استثناء منقطع قرار دیا ہے اور ابلیس جنات کی اصل اول ہے اس کی ذریت بھی آگے ذکر کی جارہی ہے اور فرشتوں کی اولاد نہیں ہوتی) اس لئے وہ اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہوگیا۔ (سجدہ کا حکم نہ مان کر اللہ کی فرمانبرداری سے باہر نکل گیا) پھر بھی کیا تم اس کو اور اس کے چیلے چانٹوں کو (اس میں آدم اور اولاد آدم کو خطاب ہے، دونوں ضمیریں ابلیس کی طرف لوٹیں گی) اپنا کارساز بناتے ہو مجھے چھوڑ کر (شیاطین کا کہنا مانتے ہو) حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں (عدو بمعنی اعداء ترکیب میں حال ہے) ظلم کرنے والوں نے کیا ہی بری تبدیلی قبول کی (اللہ کی فرمانبرداری کے بجائے ابلیس اور اس کی نسل کی پرستش کی) میں نے (ابلیس اور اس کی نسل کو) آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت نہیں بلایا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت (ایک کے بنانے میں دوسرے کو شریک و مددگار نہیں کیا تھا) بھلا میں ان گمراہ کرنے والے (شیطانوں) کو کیسے مددگار بنا سکتا تھا (کہ پیدا کرنے میں ان سے مدد لیتا، پھر تم ان کی فرمانبرداری کیسے کرتے ہو؟) اور اس روز کو یاد کرو (لفظ یوم منصوب ہے اذکر مقدر کی وجہ سے) جب اللہ فرمائے گا (لفظ یقول یا اور نون کے ساتھ دونوں طرح آیا ہے) جن ہستیوں (بتوں) کو تم (اپنے گمان میں شفیع جانتے ہو) میرے ساتھ شریک سمجھتے تھے۔ انہیں بلالو: وہ پکاریں گے مگر کچھ جواب نہیں پائیں گے (انہیں جواب نہیں دیں گے) اور ہم ان (بتوں اور ان کے پوجا کرنے والوں) کے درمیان ایک آڑ کردیں گے (جہنم کی وادیوں میں سے ایک وادی ہوگی جس میں سب تباہ ہوجائیں گے۔ لفظ موبق، وبق سے ہے فتح باء کے ساتھ، تباہ ہوجانے

کے معنی ہیں) اور مجرم دیکھیں گے آگ بھڑک رہی ہے، اور سمجھ جائیں گے (انہیں یقین ہو جائے گا) کہ اس میں انہیں گرنا ہے (وہ اس میں گر کر رہیں گے) اور اس سے گریز (فرار) کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے لئے ہر قسم کے عمدہ مضامین طرح طرح سے بیان کر دیئے ہیں (لفظ مثل صفت ہے موصوف محذوف کی اصل عبارت اس طرح تھی مثلا من جنس کل مثل اور یہ مثالیں اس لئے بیان کیں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کر لیں) مگر انسان (کافر) بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے۔ (جو غلط باتوں میں جھگڑے نکالتا رہتا ہے لفظ جدلا تمیز ہے، اصل میں کان کا اسم تھا۔ اصل عبارت اس طرح تھی و کان جدل الانسان اکثر شیء فیه یعنی انسان جھگڑنے میں سب سے بڑھ کر ہے) اور لوگوں (مکہ کے کافروں) کو کون سی بات روک سکتی ہے ایمان لانے سے (یہ منع کا مفعول ثانی ہے) جب ان کے سامنے ہدایت (قرآن) آ گئی اور اپنے پروردگار سے طلب گار مغفرت ہونے سے، مگر یہی کہ اگلی قوموں کا سا معاملہ انہیں بھی پیش آ جائے (لفظ سنة فاعل ہے، یعنی کافروں کے بارہ میں ہمارا قانون تقدیری فیصلہ کے مطابق (ان کی تباہی) یا ہمارا عذاب سامنے آ کھڑا ہو (روبرو، چنانچہ جنگ بدر میں ان پر تباہی آ چکی، اور ایک قرأت میں لفظ قبلا دونوں لفظوں پر ضمہ کے ساتھ آیا ہے۔ اس صورت میں لفظ قبیل کی جمع ہوگی، یعنی قسم قسم کا عذاب ان پر آ جائے) اور ہم پیغمبروں کو صرف اس لئے بھیجتے ہیں کہ وہ (مسلمانوں کو) بشارت سنائیں اور (انکار و بدعملی کرنے والوں کو) ڈرائیں مگر جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ جھوٹی باتوں کی آڑ پکڑ کے جھگڑتے ہیں (اس قسم کی باتیں کہتے ہیں کہ کیا خدا نے انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟) تاکہ اس طرح (اپنی غلط ناحق باتیں کر کے) سچائی (قرآن) کو متزلزل کر دیں (بچلا دیں) انہوں نے ہماری آیات (قرآن) کو اور جس (آگ) سے انہیں ڈرایا گیا تھا، دل لگی (مذاق) بنا رکھا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جسے اس کے پروردگار کی آیتیں یاد دلائی جائیں اور وہ اس سے گردن موڑ لے۔ اور اپنے پچھلے کرتوت بھول جائے (اور گناہوں کے انجام میں غور نہ کرے) بلاشبہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے (غلاف) ڈال دیئے ہیں کوئی بات پا نہیں سکتے (یعنی قرآن کو سمجھنا چاہیں بھی تو نہیں سمجھ سکتے) اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دیدی ہے تم انہیں کتنی ہی سیدھی راہ کی طرف بلاؤ مگر وہ (اس ڈاٹ کی وجہ سے) کبھی بھی راہ پانے والے نہیں۔ آپ کا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا بڑا ہی رحمت والا ہے اگر وہ (دنیا میں) ان کے عمل کی کمائی پر دار و گیر کرنا چاہتا تو (اس دنیا ہی میں) ان پر فوراً عذاب نازل کر دیتا لیکن ان کے لئے ایک میعاد (قیامت کا دن) ٹھہرا رکھی ہے اس کے سوا (عذاب سے) کوئی پناہ کی جگہ نہیں پائیں گے اور یہ بستیاں (یعنی ان کے باشندے عاد ثمود وغیرہ) جب انہوں نے شرارت کی (کفر کیا) تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کے ہلاک کرنے کے لئے (اور ایک قرأت میں فتح میم کے ساتھ ہے ای لهلاكهم) وقت معین کیا تھا۔

تحقیق وترکیب: .... **منصوب باذکر** یعنی اذکر مقدر کا یہ ظرف ہوگا تقدیر عبارت اس طرح ہے اذکر یا محمد لقومك وقت قولنا للملائكة آدم وابلیس کا یہ واقعہ قرآن کریم میں بار بار دہرایا گیا ہے کیونکہ سب سے پہلے یہ نافرمانی ہوئی۔ **سجود انحناء الخ** یہ ایک اشکال کے جواب کی طرف اشارہ ہے اشکال یہ ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا کفر ہے، جو قبیح ہے اور قبیح کا حکم کرنا بھی قبیح ہوتا ہے حاصل جواب یہ ہے کہ یہاں عبادتی سجدہ مراد نہیں بلکہ تحیتی سجدہ مراد ہے جو ایک طرح کے شاہی آداب میں سمجھنا چاہئے اور یا کہا جائے کہ سجدہ تو صرف اللہ کو کیا گیا مگر بظاہر درمیان میں آدم علیہ السلام تھے جیسے قبلہ کی طرف منہ کر کے سجدہ اللہ کو کیا جاتا ہے پس اس طرح سجدہ کرنا اور وہ بھی جب کہ حکم سے ہو کفر نہیں ہوگا بلکہ ایسے وقت میں سجدہ نہ کرنا کفر شمار ہوگا۔ **نوع من الملائكة** اس قول پر فرشتوں کی دو قسمیں ہو جائیں گی، معصوم اور غیر معصوم، جنات غیر معصوم ہیں جن میں سلسلۂ نسل بھی ہے۔ اس صورت میں اگر وحدت حقیقت کا خیال کیا جائے تو استثناء متصل ہو سکتا ہے اور تغایر وصفی کا خیال کیا جائے تو استثناء منقطع ہو جائے گا۔ **کان** بمعنی **صار** ہے یعنی

معصیت کی وجہ سے اس کی ماہیت ہی مسخ ہوگئی ذکرت معه لبد یعنی افتتخذونه وذریته میں ذریت کا ذکر ہے غرضیکہ و ابلیس ابو الجن الخ یہ استثناء منقطع کی توجیہ ہے اس صورت میں جنات ناری مخلوق اور فرشتے نوری مخلوق ہوں گے۔ افتتخذونه ہمزہ کا مدخول محذوف ہے اور فا عاطفہ ہے اور استفہام توبیخی ہے۔ تقدیری عبارت اس طرح ہے۔ العبد ماحصل منه ماحصل یلیق منکم اتخاذه ذریته شیطان کی ذریت میں لاقس اور ولہان نامی دو شیطان ہیں جو وضو اور طہارت میں وسوسہ اندازی کرتے رہتے ہیں اور مرۃ اور زلبنور ایسے شیطان ہیں جو بازاری لہو ولعب اور جھوٹی قسموں کو آراستہ کر کے پیش کرتے ہیں اور بتر کے ذمہ مصائب کے وقت واویلا مچانے اور بے صبری ظاہر کرنے کو مزین کرنا ہے، اور اعور کے سپرد زنا کرانا ہے اور مطرودس جھوٹی خبریں پھیلاتا ہے اور اسم کا کام یہ ہے جو شخص گھر میں بغیر بسم اللہ پڑھے اور اللہ کا نام لئے بغیر داخل ہو جاتا ہے یہ بھی اس کے ساتھ گھس جاتا ہے۔ بئس کا فاعل مضمر ہے اور تمیز اس کی تفسیر کر رہی ہے اور مخصوص بالمذمت محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے بئس البدل ابلیس وذریة اور لفظ للظالمین محذوف سے متعلق ہو کر یا لفظ بدلا سے حال واقع ہو رہا ہے اور یا فعل ذم سے متعلق ہے۔ عضد کے معنی بازو کے آتے ہیں لیکن کلام میں استعارہ ہی بولتے ہیں۔ فلان عضدی اور مراد مددگار ہوتی ہے۔ چنانچہ دوسری آیت میں ہے سنشد عضدك باخیك . موبقا اس کی تفسیر مجاہدؒ اور ابن عباسؓ نے وادیٔ جہنم سے کی ہے ورا المجرمون جہنم چالیس سال کی راہ سے نظر آجائے گی۔ فظنوا ظن معنی میں یقین کے ہے۔ وھی اھلاک المقدر لفظ مقدر بڑھا کر ایک شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ شبہ یہ ہے کہ ایمان نہ لانا پہلے ہوا اور ہلاک ہونا بعد میں، پس ہلاک ہونا ایمان لانے کے لئے مانع نہ بنا؟ جواب کا ماحصل یہ ہے کہ ہلاک مقدر مراد ہے اور وہ عدم ایمان سے پہلے ہے۔ قبلا کوفیوں کے نزدیک ضمہ قاف اور ضمہ با کے ساتھ ہے اور دوسرے قراء کے نزدیک کسر قاف کے ساتھ اور فتحہ باء کے ساتھ ہے، قبیلہ ایسی جماعت جو ایک باپ میں شریک ہو اور قبیل وہ جماعت جو ایک باپ میں شریک نہ ہو، ویجادل اس کا فاعل الذین ہے جس سے مراد کفار ہیں اور مفعول محذوف ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے ویجادل الکفار المرسلین ۔ الحق بہتر یہ ہے کہ حق سے مراد باطل کا مقابل لیا جائے۔ تا کہ تمام کتب وادیان سماویہ کو شامل ہو جائے اور آیات سے مراد بھی عام معجزات لئے جائیں۔ موعدا قیامت کا زمان ومکان دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ موئلا بمعنی مرجع باب ضرب سے آتا ہے بمعنی ملجاء۔

ربط آیات: .... پہلے آیت ولا تطع من اغفلنا الخ کے عام الفاظ میں رؤساء کفار کے فخر ومباہات، کبر وغرور جیسی اخلاقی گندگیوں اور کفر وانکار جیسی بدعقیدگیوں کا حال معلوم ہوا تھا۔ آگے اسی آیت واذ قلنا الخ میں اسی مناسبت سے ابلیس کے تکبر کی بد انجامی بتلائی جا رہی ہے اور یہ کہ یہ لوگ اگر چہ شیطان کے پیروکار ہیں مگر قیامت میں یہ پیروکاری ان کے لئے قطعاً سود مند نہیں ہوگی۔ اس کے بعد آیت ولقد صرفنا الخ سے قرآن اور رسالت کے سلسلہ میں کفار کا انکار واعراض اور دلائل صحیحہ سے ان کی روگردانی اور ایمان سے محرومی بیان کر کے آنحضرتؐ کو تسلی دینا مقصود ہے اور یہ کہ استحقاق کے باوجود ان کے عذاب میں کسی مصلحت سے دیر ہو رہی ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... قرآن کریم میں بعض مطالب کو بار بار دہرایا جاتا ہے اور مختلف موقعوں پر اور مختلف شکلوں میں ایک ہی بات لوٹ لوٹ کر آتی ہے ایسا نہیں کہ ہماری علمی کتابوں کی طرح ضبط وترتیب کے ساتھ تمام مطالب مدون کر دیئے جاتے بلکہ قرآن کریم ایک ہی بات کو جابجا آیتوں، مثالوں اور نصیحتوں کے پیرایہ میں بیان کرتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ ان مقامات میں غور

کرنے سے اس کے اس اسلوب بیان کی وجہ ظاہر ہوجاتی ہے۔ آدم وابلیس کے واقعہ میں چونکہ یہ سب سے پہلی نافرمانی تھی اس لئے اس کو بار بار دہرایا گیا تاکہ اپنی کوتاہی اور قصوروار ہونے کا نقش انسان کے دل پر قائم ہوجائے۔ آیت **ولقد صرفنا فی هذاالقرآن الــخ** میں بھی اس دہرانے کی ایک غرض کو بیان کیا جارہا ہے یعنی قرآن میں مطالب کا بار بار دہرانا اس لئے ہے کہ تذکیر موعظت کا ذریعہ ہے اس نکتہ پر غور کرتے جاؤ قرآن کے اسلوب بیان کے سارے بھید کھلتے جائیں گے۔ بس قرآن کا مقصد تذکیر ہے اور تذکیر کا مقصد اسی طرح حاصل ہوسکتا ہے کہ اس کا اسلوب بیان ایک واعظ وخطیب کا ہو ایک فلسفی کے درس کا نہ ہو۔

انسان اور شیطان گناہ کرنے کے لئے معذور نہیں ہے:.......... ابلیس اگرچہ ناری ہے لیکن عنصر آگ کے غالب ہونے سے اسے معذور نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ وہ مقتضا کسی طریقہ سے مغلوب بھی ہوسکتا تھا جیسا کہ انسان کی طبیعت کا میلان گناہ کی طرف ہوتا ہے مگر اس کو روکنا ممکن ہے اس لئے انسان کو معذور نہیں سمجھا جاتا۔ اسی طرح ابلیس کو بھی معذور نہیں سمجھا جائے گا۔ **بئس للظالمین بــدلا** کا مطلب یہ ہے کہ دوست تو مجھے بنانا چاہئے تھا لیکن انسان نے دوست بنایا اپنے دشمن شیطان کو پس شیطان کا دشمن ہونا تو دوستی کے لئے مانع ہے۔ رہا دوست بنانا جو فی الحقیقت شریک بنانا ہے۔ اس کے لئے کوئی امر موجب نہیں ہے۔ آیت **مااشهد تم الخ** میں اسی کا بیان ہورہا ہے یعنی اگر کوئی خدا کا شریک ہوتا تو غیر مستقل ہونے کی صورت میں کم از کم وہ تابع کی حیثیت سے مددگار ہی ہوتا اور دوسری مخلوق میں اس کی حیثیت اگر شرکت کی نہ ہوتی تو کم از کم ذاتی تعلقات کے مد میں تو اس کی پوچھ ہوتی لیکن جب یہ بھی نہیں تو ان کو شریک بنانا نری سفاہت ہے۔ آیت **وما منع الناس** کا حاصل یہ ہے کہ منکرین قرآن کی شقاوت انتہا درجہ کو پہنچ چکی ہے کہ طلب حق کی جگہ جدال اور عبرت پذیری کی جگہ تمسخر واستہزاء ان کا شیوہ اور وطیرہ بن گیا ہے گویا ان کی عقلیں ماری گئیں اور حواس ہی معطل ہوچکے ہیں، اب تم کتنی ہی راہنمائی کرو، یہ راہ پانے والے نہیں ہیں۔ آیت **وربك الغفور الخ** میں فرمایا کہ منکرین کی ان سرکشیوں کا نتیجہ اچانک کیوں ظہور میں نہیں آجاتا؟ ان کے لئے خوش حالیاں اور پیروان حق کے لئے درماندگیاں کیوں ہیں؟ اس لئے کہ تمہارا پروردگار رحمت والا ہے اور یہاں رحمت کا قانون کام کررہا ہے اور رحمت کا تقاضا یہی تھا کہ ایک خاص وقت تک سب کو مہلت ملے، چنانچہ مہلت کی رسی ڈھیلی کی جارہی ہے لیکن جوں ہی مقررہ وقت آیا، پھر نتائج کا ظہور ٹلنے والا نہیں۔

وَ اذْكُرْ **اِذْ قَالَ مُوْسٰى** هُوَ ابْنُ عِمْرَانَ **لِفَتٰهُ** يُوْشَعُ بْنُ نُوْنٍ وَكَانَ يَتَّبِعُهٗ وَيَخْدِمُهٗ وَيَاْخُذُ مِنْهُ الْعِلْمَ **لَآ اَبْرَحُ** لَا اَزَالُ اَسِيْرُ **حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ** مُلْتَقٰى بَحْرِ الرُّوْمِ وَبَحْرِ فَارِسٍ مِمَّا يَلِي الْمَشْرِقَ اَيِ الْمَكَانُ الْجَامِعُ لِذٰلِكَ **اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا**﴿٦٠﴾ دَهْرًا طَوِيْلًا فِيْ بُلُوْغِهٖ اِنْ بَعُدَ **فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا** بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ **نَسِيَا حُوْتَهُمَا** نَسِيَ يُوْشَعُ حَمْلَهٗ عِنْدَ الرَّحِيْلِ وَنَسِيَ مُوْسٰى تَذْكِيْرَهٗ **فَاتَّخَذَ** الْحُوْتُ **سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ** اَيْ جَعَلَهٗ بِجَعْلِ اللّٰهِ **سَرَبًا**﴿٦١﴾ اَيْ مِثْلَ السَّرَبِ وَهُوَ الشَّقُّ الطَّوِيْلُ لَانِفَاذَ بِهٖ وَذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَمْسَكَ عَنِ الْحُوْتِ جَرْيَ الْمَاءِ فَانْجَابَ عَنْهُ فَبَقِيَ كَالْكُوَّةِ لَمْ يَلْتَئِمْ وَجَمَدَ مَاتَحْتَهٗ مِنْهُ **فَلَمَّا جَاوَزَا** ذٰلِكَ الْمَكَانَ بِالسَّيْرِ اِلٰى وَقْتِ الْغَدَاءِ مِنْ ثَانِيْ يَوْمٍ **قَالَ لِفَتٰهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا** هُوَ مَا يُؤْكَلُ اَوَّلَ النَّهَارِ

لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ تَعَبًا وَحُصُوْلُهٗ بَعْدَ الْمُجَاوَزَةِ **قَالَ اَرَءَيْتَ** اَیْ تَنَبَّهْ **اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ** بِذٰلِكَ الْمَكَانِ **فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ** يُبْدَلُ مِنَ الْهَاءِ **اَنْ اَذْكُرَهٗ** بَدْلُ اِشْتِمَالٍ اَیْ اَنْسَانِیْ ذِكْرَهٗ **وَاتَّخَذَ** الْحُوْتُ **سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا** ﴿۶۳﴾ مَفْعُوْلٌ ثَانٍ اَیْ يَتَعَجَّبُ مِنْهُ مُوْسٰى وَفَتَاهُ لِمَا تَقَدَّمَ فِیْ بَيَانِهٖ **قَالَ** مُوْسٰى **ذٰلِكَ** اَیْ فَقْدُنَا الْحُوْتَ **مَا** الَّذِیْ **كُنَّا نَبْغِ** نَطْلُبُهٗ فَاِنَّهٗ عَلَامَةٌ لَنَا عَلٰى وُجُوْدِ مَنْ نَطْلُبُهٗ **فَارْتَدَّا** رَجَعَا **عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا** يَقُصَّانِهَا **قَصَصًا** ﴿۶۴﴾ فَاَتَيَا الصَّخْرَةَ **فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ** هُوَ الْخَضِرُ **اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا** نُبُوَّةً فِیْ قَوْلٍ وَوِلَايَةً فِیْ اٰخَرَ وَعَلَيْهِ اَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ **وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا** مِنْ قِبَلِنَا **عِلْمًا** ﴿۶۵﴾ مَفْعُوْلٌ ثَانٍ اَیْ مَعْلُوْمًا مِنَ الْمُغَيَّبَاتِ رَوَى الْبُخَارِيُّ حَدِيْثَ اَنَّ مُوْسٰى قَامَ خَطِيْبًا فِیْ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ فَسُئِلَ اَیُّ النَّاسِ اَعْلَمُ فَقَالَ اَنَا فَعَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ اِلَيْهِ فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ اِنَّ لِیْ عَبْدًا بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ اَعْلَمُ مِنْكَ قَالَ مُوْسٰى يَارَبِّ فَكَيْفَ لِیْ بِهٖ قَالَ تَاْخُذُ مَعَكَ حُوْتًا فَتَجْعَلُهٗ فِیْ مِكْتَلٍ فَحَيْثُمَا فَقَدْتَ الْحُوْتَ فَهُوَ ثَمَّ فَاَخَذَ حُوْتًا فَجَعَلَهٗ فِیْ مِكْتَلٍ ثُمَّ انْطَلَقَ وَانْطَلَقَ مَعَهٗ فَتَاهُ يُوْشَعُ بْنُ نُوْنٍ حَتّٰى اَتَيَا الصَّخْرَةَ فَوَضَعَا رُؤُسَهُمَا فَنَامَا وَاضْطَرَبَ الْحُوْتُ فِی الْمِكْتَلِ فَخَرَجَ مِنْهُ فَسَقَطَ فِی الْبَحْرِ فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا وَاَمْسَكَ اللّٰهُ عَنِ الْحُوْتِ جَرْيَةَ الْمَاءِ فَصَارَ عَلَيْهِ مِثْلُ الطَّاقِ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ نَسِیَ صَاحِبُهٗ اَنْ يُخْبِرَهٗ بِالْحُوْتِ فَانْطَلَقَا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا وَلَيْلَتِهِمَا حَتّٰى اِذَا كَانَ مِنَ الْغَدَاةِ قَالَ مُوْسٰى لِفَتَاهُ اٰتِنَا غَدَاءَنَا اِلٰى قَوْلِهٖ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِی الْبَحْرِ عَجَبًا قَالَ وَكَانَ لِلْحُوْتِ سَرَبًا وَلِمُوْسٰى وَلِفَتَاهُ عَجَبًا **قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا** ﴿۶۶﴾ اَیْ صَوَابًا اَرْشُدُ بِهٖ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الرَّاءِ وَسُكُوْنِ الشِّيْنِ وَسَأَلَهٗ ذٰلِكَ لِاَنَّ الزِّيَادَةَ فِی الْعِلْمِ مَطْلُوْبَةٌ **قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِیَ صَبْرًا** ﴿۶۷﴾ **وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا** ﴿۶۸﴾ فِی الْحَدِيْثِ السَّابِقِ عَقَّبَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ يَامُوْسٰى اِنِّیْ عَلٰى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَنِيْهِ لَا تَعْلَمُهٗ وَاَنْتَ عَلٰى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَكَ اللّٰهُ لَا اَعْلَمُهٗ وَقَوْلُهٗ خُبْرًا مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى لَمْ تُحِطْ اَیْ لَمْ تُخْبَرْ حَقِيْقَتَهٗ **قَالَ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ** اَیْ وَغَيْرَ عَاصٍ **لَكَ اَمْرًا** ﴿۶۹﴾ تَاْمُرُنِیْ بِهٖ وَقَيَّدَ بِالْمَشِيَّةِ لِاَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ عَلٰى ثِقَةٍ مِنْ نَفْسِهٖ فِيْمَا الْتَزَمَ وَهٰذِهٖ عَادَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ اَنْ لَا يَثِقُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ طَرْفَةَ عَيْنٍ **قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ** وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ اللَّامِ وَتَشْدِيْدِ النُّوْنِ **عَنْ شَیْءٍ** تُنْكِرُهٗ مِنِّیْ فِیْ عِلْمِكَ وَاصْبِرْ **حَتّٰٓى اُحْدِثَ**

لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾ اَیْ اَذْكُرُهٗ لَكَ بِعِلَّتِهٖ فَقَبِلَ مُوْسٰی شَرْطَهٗ رِعَایَةً لِاَدَبِ الْمُتَعَلِّمِ مَعَ الْعَالِمِ **فَانْطَلَقَا** یَمْشِیَانِ عَلٰی سَاحِلِ الْبَحْرِ **حَتّٰٓی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ** الَّتِیْ مَرَّتْ بِهِمَا **خَرَقَهَا** الْخِضْرُ بِاَنْ اِقْتَلَعَ لَوْحًا اَوْ لَوْحَیْنِ مِنْهَا مِنْ جِهَةِ الْبَحْرِ بِفَاسٍ لَمَّا بَلَغَتِ اللُّجَّ **قَالَ** لَهٗ مُوْسٰی **اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا** وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ التَّحْتَانِیَّةِ وَالرَّاءِ وَرَفْعِ اَهْلِهَا **لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا اِمْرًا** ﴿۷۱﴾ اَیْ عَظِیْمًا مُنْكَرًا رُوِیَ اَنَّ الْمَاءَ لَمْ یَدْخُلْهَا **قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا** ﴿۷۲﴾ **قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ** اَیْ غَفَلْتُ عَنِ التَّسْلِیْمِ لَكَ وَتَرْكِ الْاِنْكَارِ عَلَیْكَ **وَلَا تُرْهِقْنِیْ** تُكَلِّفْنِیْ **مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا** ﴿۷۳﴾ مُشَقَّةً فِیْ صُحْبَتِیْ اِیَّاكَ اَیْ عَامِلْنِیْ فِیْهَا بِالْعَفْوِ وَالْیُسْرِ **فَانْطَلَقَا** بَعْدَ خُرُوْجِهِمَا مِنَ السَّفِیْنَةِ یَمْشِیَانِ **حَتّٰٓی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا** لَمْ یَبْلُغِ الْحِنْثَ یَلْعَبُ مَعَ الصِّبْیَانِ اَحْسَنُهُمْ وَجْهًا **فَقَتَلَهٗ** الْخِضْرُ بِاَنْ ذَبَحَهٗ بِالسِّكِّیْنِ مُضْطَجِعًا اَوِ اقْتَلَعَ رَاْسَهٗ بِیَدِهٖ اَوْ ضَرَبَ رَاْسَهٗ بِالْجِدَارِ اَقْوَالٌ وَاَتٰی هُنَا بِالْفَاءِ الْعَاطِفَةِ لِاَنَّ الْقَتْلَ عَقْبَ اللِّقَاءِ وَجَوَابُ اِذَا **قَالَ** لَهٗ مُوْسٰی **اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةً** اَیْ طَاهِرَةً لَمْ تَبْلُغْ حَدَّ التَّكْلِیْفِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ زَكِیَّةً بِتَشْدِیْدِ الْیَاءِ بِلَا اَلِفٍ **بِغَیْرِ نَفْسٍ** اَیْ لَمْ تَقْتُلْ نَفْسًا **لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا نُّكْرًا** ﴿۷۴﴾ بِسُكُوْنِ الْكَافِ وَضَمِّهَا اَیْ مُنْكَرًا

ترجمہ:............ اور (وہ واقعہ یاد کیجئے) جب کہ موسیٰ (عمران کے صاحبزادہ) نے اپنے خادم سے فرمایا (جن کا نام یوشع بن نون تھا جو حضرت موسیٰ کے ساتھ خادمانہ حیثیت سے رہتے تھے اور تعلیم حاصل کرتے تھے) کہ میں اپنی کوشش میں برابر لگا رہوں گا (برابر چلتا رہوں گا) جب تک اس جگہ نہ پہنچ جاؤں جہاں دونوں سمندر آملے ہیں (بحر روم اور بحر فارس کا ملاپ جس شرقی سمت میں ہو رہا ہے اس سنگم پر جب تک نہ پہنچ جاؤں) یا یوں ہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا (اگر وہ جگہ بہت دور ہوئی تو برابر چلتا ہی رہوں گا) پھر جب موسیٰ دونوں سمندروں کے سنگم پر پہنچے تو انہیں اس مچھلی کا خیال نہ رہا جو اپنے ساتھ رکھ لی تھی (یوشع تو کوچ کے وقت اٹھانا بھول گئے اور موسیٰ کو یاد دلانے کا دھیان نہ رہا) فوراً ہی مچھلی نے سمندر کی راہ لی اور چل دی (یعنی حکم الٰہی سے مچھلی دریا میں سرنگ کی طرح راستہ بناتی چلی گئی۔ سرب لمبی سرنگ کو کہتے ہیں جس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ نے مچھلی کے لئے پانی روک کر راستہ بنایا سب طرف سے پانی رک کر طاق اور سرنگ کی طرح ہو گیا) پھر جب دونوں (اس مقام سے چل کر اگلے روز صبح آگے بڑھ گئے) تو موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ہمارا ناشتہ (صبح کا کھانا) تو لاؤ آج کے سفر نے تو ہمیں بہت تھکا دیا ہے (مقام مقصود سے آگے بڑھ جانے پر تعب محسوس ہوا) خادم نے عرض کیا لیجئے دیکھئے (لفظ رأیت تنبیہ کے لئے ہے) جب ہم (وہاں) اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں اس مچھلی کی بات کو بھول ہی گیا تھا اور یہ شیطان ہی کا کام ہے کہ میں اس کا ذکر کرنا بالکل ہی بھول گیا (انسانیہ کی ضمیر سے لفظ "ان اذکرہ" بدل اشتمال ہو رہا ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے انسانی ذکرہ) اس (مچھلی) نے عجیب طریقہ پر سمندر میں جانے کی راہ نکال لی (لفظ عجبا ترکیب میں مفعول ثانی واقع ہو رہا ہے۔ غرض کہ مچھلی کی سرنگ بنانے کا ذکر جو پہلے گزرا ہے اس سے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم کو تعجب ہوا) کہنے لگے (موسیٰ) یہی وہ موقع ہے (جہاں مچھلی گم ہوگئی) جس کی ہمیں تلاش تھی (کیونکہ جسے ہم ڈھونڈ رہے ہیں یہی

اس کی نشانی ہے) پس وہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے الٹے لوٹے (اور چٹان پر پہنچ گئے) تو انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ (خضر) کو پایا۔ جنہیں ہم نے اپنی خاص رحمت عنایت کی تھی (ایک قول کے مطابق نبوت مراد ہے اور اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ رحمت سے مراد ولایت ہے) اور ہم نے انہیں اپنے پاس سے ایک خاص طریقہ کا علم سکھلایا تھا (لفظ علماء مفعول ثانی ہے یعنی غیبی معلومات میں سے کچھ حصہ عطا کیا تھا۔ امام بخاریؒ نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت موسیٰ ایک دفعہ خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے بنی اسرائیل کے سامنے کھڑے ہوئے، کسی نے پوچھا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ ارشاد ہوا کہ میں؛ اس پر عتاب الٰہی ہوا کہ اللہ کی طرف نسبت کیوں نہ کی؟ چنانچہ وحی الٰہی ہوئی کہ ''مجمع البحرین'' پر ہمارے ایک خاص بندے ہیں جو تم سے بڑے عالم ہیں موسیٰ علیہ السلام نے شوق سے پوچھا کہ ان تک رسائی کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ ارشاد ہوا کہ اپنے ساتھ مچھلی لے کر ناشتہ دان میں رکھ لو، پس جہاں مچھلی گم ہوجائے سمجھو کہ وہیں ہیں۔ غرضیکہ انہوں نے مچھلی لے کر ناشتہ دان میں رکھ لی، اور چل پڑے ساتھ یوشع بن نون بھی ہوگئے حتیٰ کہ ایک چٹان پر پہنچ کر ان کی آنکھ لگ گئی، مچھلی ناشتہ دان سے تڑپ کر دریا میں جا پہنچی اور سرنگ بناتی چلی گئی، بحکم الٰہی اتنے حصہ میں اس کے لئے پانی روک دیا گیا اور طاق کی طرح سوراخ بن گیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھ کھلی تو خادم مچھلی کا ماجرا کہنا بھول گئے اور پورا دن اور رات دونوں سفر ہی میں رہے جب اگلا دن ہوا تو صبح کا ناشتہ حضرت موسیٰ نے طلب فرمایا...... بہر حال مچھلی نے تو سرنگ بنائی اور حضرت موسیٰ اور خادم حیران رہ گئے) موسیٰ علیہ السلام نے خضر سے خواہش کی کہ آپ اجازت دیں تو آپ کے ساتھ رہوں بشرطیکہ جو مفید علم آپ کو سکھایا گیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھادیں، (درست اور صحیح علم) ایک قرأت میں لفظ رشدا ضمہ راء اور سکون شین کے ساتھ آیا ہے۔ اور حضرت موسیٰ نے یہ فرمائش اس لئے کی کہ علم میں ترقی مطلوب چیز ہے) ان بزرگ نے جواب دیا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کرسکیں گے، اور ایسی بات پر تم صبر کیسے کرسکتے ہو جو تمہاری سمجھ کے دائرہ سے باہر ہو؟ (گذشتہ حدیث میں اسی آیت کے بعد یہ بھی آیا ہے کہ ان بزرگ نے کہا اے موسیٰ: جو مخصوص علم مجھے دیا گیا ہے اس سے آپ بے تعلق ہیں اور آپ کو جو علم عطا فرمایا گیا ہے اس سے میں پوری طرح واقف نہیں ہوں اور لفظ خبرا مصدر ہے یعنی حقیقت حال کی آپ کو اطلاع نہیں) موسیٰ نے فرمایا کہ خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی (نافرمانی) نہیں کروں گا۔ (حضرت موسیٰ نے انشاء اللہ اس لئے کہا کہ انہیں وعدہ کے بارے میں اپنے نفس پر اعتماد نہ ہوا اور انبیاء واولیاء کی عادت یہی رہی ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کیا کرتے) ان بزرگ نے کہا ''اچھا'' اگر تمہیں میرے ساتھ رہنا ہی ہے تو اس بات کا خیال رکھو کہ تم مجھ سے کچھ مت پوچھنا (اور ایک قرأت میں لفظ فلا تسئلنی فتحہ لام اور تشدید نون کے ساتھ آیا ہے) کسی بات کی نسبت (جو تمہیں تمہارے علم کی رو سے اوپری معلوم ہو، بلکہ اس پر تم صبر کرنا) جب تک میں خود تم سے کچھ نہ کہوں (اس کا سبب نہ بتلاؤں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اس شرط کو منظور کرلیا استادی شاگردی کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے) پھر دونوں سفر کے لئے نکلے (ساحل سمندر پر ہوتے ہوئے) یہاں تک کہ دونوں کشتی پر سوار ہوئے (جو ان کے سامنے سے گزر رہی تھی) تو ان بزرگ نے ایک جگہ دراڑ نکال دی (حضرت خضر نے کشتی کے نیچے سے کلہاڑا مار کر ایک دو تختے نکال دیئے اور وہ بھی ایسے وقت جب کشتی منجدھار میں پھنس گئی تھی) یہ دیکھتے ہی (موسیٰ) چیخ اٹھے کہ آپ نے کشتی میں دراڑ اس لئے ڈال دی کہ مسافر غرق ہوجائیں (اور ایک قرأت میں یغرق فتح یاء اور فتح راء کے ساتھ اور لفظ اھلھا مرفوع آیا ہے) آپ نے کیسی خطرناک بات کی (جو نہایت بیجا ہے، روایت ہے کہ پانی کشتی میں داخل نہیں ہوسکا تھا) ان بزرگ نے کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کرسکو گے؟ موسیٰ نے فرمایا بھول ہوگئی اس پر گرفت نہ کیجئے (یعنی آپ کی بات مان لینے اور اس پر اعتراض نہ کرنے کا وعدہ مجھے یاد نہیں رہا ہے) اگر ایک بات بھول چوک میں

ہو جائے تو مجھ پر سخت گیری نہ کیجئے (اپنے ساتھ رکھنے میں تنگی نہ برتیئے بلکہ اس معاملہ میں نرمی اور سہولت کا برتاؤ رکھئے) پھر دونوں آگے بڑھے (کشتی سے نکل کر آگے چلے) یہاں تک کہ جب ایک لڑکے سے ملے (جو نابالغ تھا اور اپنے ہمجولی بچوں میں سب سے خوبصورت تھا) تو ان بزرگ نے اسے مار ڈالا (حضرت خضر نے زمین پر بچھاڑ کر چھری پھیر ڈالی یا ہاتھ سے کھوپڑی اتار لی یا اس کا سر دیوار میں دے مارا۔ یہ تین قول ہوئے اور فا عاطفہ اس لئے لایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ بچہ سے ملتے ہی فوراً اسے مار ڈالا، اور اذا کا جواب آگے ہے) اس پر موسیٰ چیخے کہ آپ نے ایک بے گناہ کی جان لے لی (جو معصوم اور غیر مکلّف تھا اور ایک قرأت میں لفظ زکیۃ بغیر الف کے تشدید یا کے ساتھ ہے) حالانکہ اس نے کسی کی جان نہیں لی تھی (کسی کو جان سے نہیں مارا تھا) بلاشبہ آپ نے بڑی بے جا حرکت کی ہے (لفظ نکرا کاف کے سکون اور ضمہ کے ساتھ دونوں طرح آیا ہے یعنی بری بات کی ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... **ابن عمران** ،حضرت موسیٰ علیہ والسلام لاوی ابن یعقوبؑ کی اولاد میں سے ہیں اور بنی اسرائیل کے اولوالعزم پیغمبر ہیں۔قول صحیح یہی ہے جس پر آثار متفق ہیں لیکن کعب الاحبارؒ کے نزدیک موسیٰ بن میشا بن یوسف بن یعقوبؑ مراد ہیں جو مشہور نبی حضرت موسیٰ سے پہلے ہوئے ہیں۔باقی حضرت خضر سے افضل ہونے کے باوجود اکتساب کرنا علم کے باب مین ان کی حسن طلب اور سچی سعی پر دلالت کرتا ہے۔**لفتٰہ** یوشع بن نون یہ صاحبزادہ ہیں افراہیم بن یوسف کے اور بعض کتابوں میں افراہیم کی بجائے افراثیم لکھا ہے۔**وکان یتبعہ** بعض نے حضرت یوشع کو غلام کہا ہے۔لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ آزاد ہونا شرائط نبوت میں سے ہے لفظ **فتی** سے قرآن کا اشارہ اس طرف ہے کہ طلب علم اصل زمانہ نوجوانی کا ہے اور **ویخدمہ** سے معلوم ہوا کہ استاد وشاگرد اور گرو اور چیلہ میں یہ تعلق قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے شاگرد اور چیلہ کی خدمت ہی استاد اور گرو کی محبت وشفقت اور کشش کا باعث بنتی ہے اور پھر یہی مناسبت اکتساب کمالات کا ذریعہ بنتی ہے۔البتہ اس سے یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ نبوت ور-یا-ت اگر خدمت کر کے حاصل کی جاسکتی ہے تو پھر کسبی ہوئی۔کہا جائے گا کہ نبوت ورسالت تو محض وہبی اور عطائی ہے البتہ اس عطا کے لئے جس صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے اس کے پیدا کرنے میں خدمت وطاعت کو ضرور دخل ہوسکتا ہے۔

ہرکہ خدمت کرد او مخدوم شد

مجمع البحرین بعض نے بحر روم وفارس کا سنگم مانا ہے اور بعض کے نزدیک بحر اردن اور بحر قلزم کا سنگم ہے،لیکن یہ موقع صرف بحر محیط یا اس کے آس پاس ہے اور بعض نے بحرین سے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضرؑ کی ذوات مراد لی ہیں کیونکہ دونوں اپنے اپنے علوم کے دریا ہیں۔ایک علم شریعت کا ایک علم مکاشفہ کا۔لیکن حافظؒ کی رائے اس بارہ میں یہ ہے کہ نہ یہ بات کسی روایت سے ثابت ہے اور نہ الفاظ اس کے مؤید ہیں البتہ بطور نکتہ اور لطیفہ کے اس کو کہا جاسکتا ہے۔**حقبا** حقب کے معنی اسّی سال کی مدت کے ہیں،غرضیکہ مدت طویل مراد ہے۔اس سے طلب علم کے لئے سفر کرنا اور اس کے لئے ضروری زادراہ لینا اور صعوبت سفر جھیلنا اور گوارا کرنا معلوم ہوا۔**نسی** معلوم ہوا کہ وہ مچھلی خشکی کے حصہ پر رکھی ہوئی تھی مگر حضرت یوشع کو یاد نہ رہی تھی اور وہاں سے تڑپ کر دریا میں چلی گئی لیکن بعض کی رائے یہ ہے کہ چٹان کے پاس ایک چشمۂ حیات تھا۔جب حضرت موسیٰ سوکر اٹھے اور اس چشمہ سے وضو فرمایا تو اس کے پانی کی چھینٹیں ناشتہ دان میں رکھی ہوئی مچھلی پر پڑیں تو مچھلی زندہ ہوگئی اور اس نے دریا کی راہ لی پس اس صورت میں بھولنے سے مراد یہ ہوگی کہ خادم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتلانا بھول گئے۔رہا یہ شبہ کہ ایسی عجیب بات تو بھولنی نہیں چاہئے بلکہ ایسی باتیں تو حافظہ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوجایا کرتی ہیں؟ جواب یہ ہے کہ عجیب وغریب بات اگر گاہ بگاہ پیش آئے تب تو اس شبہ کی

گنجائش ہے لیکن جہاں ایک سے ایک بڑھ کر خوارق وعجائب پیش آتے رہیں تو وہاں نہ غیر معمولی تعجب ہوتا ہے اور نہ لوح حافظہ پر اس کا نقش رہنا ضروری ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ یوشع بن نون اللہ کی قدرت وعظمت میں اس قدر مستغرق ہو گئے کہ انہیں دوسری باتوں سے ذہول ہو گیا۔ **فاتخذ** مچھلی کا دریا میں چلا جانا پہلے اور اس واقعہ کو بھول جانا بعد میں ہوا پس آیت میں تقدیم تاخیر ہو گئی اصل عبارت اس طرح ہے۔ فادر کته الحیاۃ فخرج من المکتل و سقط فی البحر فاتخذ سبیله لفظ **سربا اتخذ** کا مفعول ثانی یا ضمیر مستتر سے حال ہے۔ **یبدل** اصل عبارت اس طرح ہے۔ **ما انسانی ذکرہ الا الشیطان** اس پر اشکال ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر شیطان کا تسلط نہیں ہو سکتا پھر شیطان کی طرف سے کیسے حضرت یوشع علیہ السلام پر نسیان طاری ہوا؟ جواب یہ ہے کہ شیطان کی طرف بطور کسر نفسی کے اس نسیان کو منسوب کر دیا ہے ورنہ سہو ونسیان کا پیش آنا تقاضائے بشر ہوتا ہے۔ **عجبا** مفعول ثانی ہے اور بعض کے نزدیک یہ مصدر ہے جس کا فعل مضمر ہے۔ ای قال فی اخر کلامه، یاقال موسی فی جوابه **عجبت عجبا** اور بعض نے **عجبا** کو **سبیلا** کی صفت کہا ہے اور بعض نے اتخاذ کی صفت مانا ہے۔ ای سبیلا عجبا او اتخاذ عجبا اور بعض نے اسے حضرت موسیٰ کا فعل قرار دیا ہے۔ ای **اتخذ موسی سبیل الحوت فی البحر عجبا کنا نبغ** یا کو فواصل کی رعایت سے حذف کر کے کسرہ چھوڑ دیا گیا ہے اور دوسری وجہ حذف یا کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ **ما** موصولہ کا عائد چونکہ حذف کر دیا گیا ہے اس لئے حذف سے حذف کو مناسبت ہوتی ہے پس یا کو بھی حذف کر دیا گیا۔ **فوجدا عبدا** بعض کی رائے ہے کہ حضرت موسیٰ ویوشع علیہم السلام مچھلی کے پیچھے سرنگ میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت خضر کو بیٹھا دیکھا اور بعض کے نزدیک چٹان پر سفید چادر تانے حضرت خضر لیٹے ہوئے پائے گئے۔ حضرت موسیٰ نے سلام کیا تو اٹھ کر بیٹھ گئے اور جواب میں انہوں نے کہا **وعلیک السلام یا نبی بنی اسرائیل** موسیٰ علیہ السلام نے بطور تعجب کے پوچھا کہ آپ کو میرا پیغمبر ہونا کس نے بتلایا؟ انہوں نے جواب دیا کہ جس نے آپ کو میرا پتہ نشان بتایا اور کہا کہ آپ کو تو بنی اسرائیل کی مصروفیت رہتی ہے پھر آپ یہاں کیسے تشریف لائے؟ فرمایا کہ میں آپ سے کچھ سیکھنے اور اس بارہ میں آپ کی پیروی کرنے آیا ہوں۔ **من عبادنا** اس میں اضافت تشریف کے لئے ہے۔ خضر اس میں تین لغات ہیں خِضر، خَضر، خِضْر یہ لقب اس لئے ہوا کہ جہاں یہ جاتے وہاں سرسبزی ہو جاتی اور آپ کی کنیت ابوالعباس تھی اور آپ کا نام بلیا ہے تفسیر خازن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بنی اسرائیل میں سے تھے۔ اور بعض نے ان کو ان شہزادوں میں شمار کیا ہے جو تارک الدنیا ہو گئے ہیں۔ ابن عطیہؒ اور بغویؒ اور قرطبیؒ کی رائے ہے کہ اکثر کے نزدیک یہ نبی ہوئے ہیں۔ لیکن قشیریؒ اور اکثر علماء ان کو ولی مانتے ہیں اور **من لدنا علما** سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو علم لدنی عطا ہوا تھا یعنی علم مکاشفہ اور علم باطن جو کسی ظاہری معلم کے بغیر حاصل ہو۔ اور لفظ **عبد** کی تفسیر حضرت خضر کے نام سے حدیث میں آئی ہے جیسا کہ **واذقال موسی لفتاہ** میں **فتی** سے مراد حضرت یوشع ہیں۔ حضرت خضر گم گشتگان راہ کی رہبری کرتے ہیں ظاہرا بھی اور باطنا بھی جیسا کہ اہل اللہ کے واقعات اس پر شاہد ہیں لیکن کنوؤں اور چشموں پر ان کی تعیناتی یا ان کے نام کی نیازیں کرنا، راستوں اور کنوؤں پر چراغ رکھنا وغیرہ باتیں بے اصل ہیں۔ البتہ سکندر ذوالقرنین کے ساتھ ان کا آب حیات پینے کے لئے جانا اور سکندر کا محروم اور ان کا کامیاب ہونا۔ شاید ذوالقرنین کے واقعہ کو واقعہ خضر کے بعد متصلا بیان کرنے سے سمجھا گیا ہو لیکن ان باتوں کا ماننا نہ ماننا اور حضرت خضر کے زمانہ اور خاندان وغیرہ کی تعیین یہ سب باتیں صحیح تاریخی شہادتوں پر موقوف ہیں۔ **قام خطیبا** قوم قبطی کی تباہی اور مصر میں حضرت موسیٰ کی واپسی کے بعد یہ بلیغ اور مؤثر خطبہ ارشاد فرمایا گیا تھا۔ جس کی تاثیر سے لوگوں کی آنکھیں اشکبار اور دل پگھل گئے تھے۔ **فقال انا** علم شرائع کے اعتبار سے یہ جواب اگرچہ صحیح تھا۔ کیونکہ نبی سے بڑھ کر علوم شریعت میں دوسرا اور کوئی مخلوق میں نہیں ہوتا لیکن

جواب میں اس طرح کی کوئی قید ذکر نہیں کی گئی تھی اس لئے شبہ ہوسکتا تھا کہ مطلق علم میں انانیت کا دعویٰ کیا گیا ہے جو خلاف واقعہ اور خلاف ادب ہے۔ کیونکہ اول تو سب سے بڑھ کر اللہ کا علم مطلق ہے اور پھر علم شرائع کے علاوہ دوسری قسمیں بھی دوسرے افراد میں پائی جاتی ہیں اس لئے احتیاط کلام کی تعلیم دینے کے لئے اس یقین کا مشاہدہ واقعات کے ذریعہ کرایا گیا۔ لیکن حضرت موسیٰ کا یہ کمال تواضع اور سچی طلب علم ہے کہ انہوں نے استاد بنانے میں اپنے سے چھوٹے کا بھی خیال نہیں کیا اور فوراً سفر شروع کر دیا بلکہ اپنے شاگرد یوشع کو بھی ہمراہ لے لیا اور یہ بھی خیال نہ کیا کہ یوشع پر میرا اعتقاد اور اثر کم ہو جائے گا کہیں مجھے چھوڑ کر وہ ان کا دامن نہ پکڑ لے اور اس میں حضرت یوشع کا بھی کمال سمجھنا چاہئے کہ وہ اپنے استاد حضرت موسیٰ سے پھر بھی بے اعتقاد نہ ہوئے۔ اسی کو اصطلاح تصوف میں توحید مطلب کہتے ہیں کہ اپنے مخدوم کے علاوہ سب سے آنکھیں بند کر لی جائیں۔ اور اپنا فائدہ صرف اپنے مخدوم میں منحصر سمجھ لیا جائے کیونکہ عادۃ اللہ یہ ہے کہ فائدہ اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے لیکن نظر جب ہرجائی ہو تو کماحقہ کامیابی نہیں ہوسکتی اور مچھلی کی تخصیص شاید اس لئے ہو کہ وہ زندہ ہو کر جب اپنے اصلی ٹھکانہ پر پہنچے گی تو اللہ کی قدرت کا نمایاں طور پر ظہور ہو سکے گا اور اس سے پھر اگلے واقعات سے یقین حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ قال موسیٰ لفتاہ اٰتنا غداء نا جب اگلے روز ظہر کی نماز سے فراغت ہوئی تو بھوک لگی اور صبح کا کھانا طلب فرمایا۔ منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے چونکہ مقصد کی دھن سوار تھی اور اسی میں مگن تھے۔ اسی لئے راستہ کی تکالیف اور صعوبت سفر محسوس نہیں ہوئی۔ لیکن جونہی مقصود اصلی سے آگے قدم دھرا فوراً تھکان محسوس ہونے لگی۔ گویا پہلے قدم اٹھ نہیں رہے تھے بلکہ اٹھائے جا رہے تھے اور اب ایک ایک قدم سو سو من کا ہو کر رہ گیا۔

وسأله ذٰلک یہ ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ کی تقریر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک اولوالعزم پیغمبر اور صاحب کتاب وشریعت نبی ہونے کی حیثیت سے یقیناً حضرت خضر سے افضل ہیں۔ پھر ایک افضل شخص اپنے سے کم درجہ شخص کے پاس کیوں جاتا ہے اور کیسے اس سے درخواست کرتا ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ علم میں زیادتی اور اضافہ چونکہ مطلوب ہے اس لئے حضرت موسیٰ نے یہ سب کچھ گوارا کیا۔ پس حضرت موسیٰ اور ان کا علم شریعت اگرچہ افضل تھا اور حضرت خضر اور ان کا علم مکاشفہ اگرچہ مفضول ہیں۔ اسی لئے حضرت موسیٰ نے کسی موقعہ پر بھی اس کی پیروی نہیں کی اور اعتراض کرنے سے نہیں چوکے تاہم مزید شرف وکمال کے لئے حق تعالیٰ نے اس کی تحصیل کا حکم فرمایا۔ پس حضرت موسیٰ اس جملہ سے یہ یقین دلانا چاہتے تھے کہ میرے یہاں آنے کا مقصد بجز تحصیل اور افزائش علم کے اور کچھ نہیں ہے۔ انک لن تستطیع اول تو علم شریعت جس کے علمبردار حضرت موسیٰ ہیں اس کے تقاضے مخصوص اور مستقل ہیں اور حضرت موسیٰ انہی تقاضوں کے پابند ہیں کیونکہ دوسرے انسانوں کی راہنمائی ان سے وابستہ ہے ادھر علم مکاشفہ جس کے حامل حضرت خضر ہیں اس کے طور وطریق بالکل الگ ہیں۔ ان میں زیادہ تر تکوینی مصالح ہوتی ہیں پس دونوں کے تقاضے مختلف ہونے کی صورت میں یقیناً توافق نہیں ہو سکے گا۔ نہ حضرت موسیٰ ظاہر شرع کا خلاف دیکھتے ہوئے مداہنت کر سکیں گے۔ اور نہ حضرت خضر تکوینی مصالح کے پیش نظر اپنے مفوضہ فرائض انجام دینے میں کوتاہی کریں گے دوسرے طلبگار علم دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو بالکل سیکھتر اور ناواقف مبتدی، ان کا معاملہ تو نہایت سہل اور آسان ہوتا ہے جو کہہ دیا اور بتلا دیا اسی پر وہ قناعت کرتے ہیں۔ لیکن دوسری قسم ان طلب گاروں کی ہوتی ہے جو خود بھی ماہر ہوتے اور مہارت ہی کی خاطر وہ پوری بصیرت سے چلنا چاہتے ہیں انہیں عامیانہ سطحی اور تقلیدی انداز مطمئن نہیں کر سکتا۔ پس یہاں حضرت موسیٰ جس دریا کے شناور تھے ان کو سیری بغیر تحقیق اور چھان پھٹک کے نہیں ہو سکتی تھی۔ ادھر حضرت خضر جس

کوچہ کے واقف کار تھے، وہاں گم سم رہنا ہی اصل کمال تھا ہر بات میں کنج کاؤ، کھوج، کرید نا مناسب تھی۔ غرضیکہ ایک جگہ قیل وقال باعث کمال اور دوسری جگہ لائق زوال اس لئے بھی دونوں کا نبھاؤ مشکل نظر آیا۔ ان دونوں طالبوں کی راہوں کے فرق کو بعض عرفاواہل علم نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے "ہر طالبے کے چون و چرا کند و ہر طالب علمے کہ چون و چرا نہ کند ہر دورادر چراگاہ باید فرستاد"۔ انی علی علم اس سے مراد علم مکاشفہ ہے۔ جو باعث افضلیت ہوتا ہے چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کے بارہ میں آیا ہے کہ وہ اگرچہ عام صحابہ سے نماز روزہ میں بڑھے ہوئے نہیں تھے لیکن انما فضلهم بشئ وقرفی صدره وهو علم المكاشفة چنانچہ اگر علوم شرع کے ساتھ کسی کو علم باطن کی دولت بھی حاصل ہوجائے تو سبحان اللہ ورنہ تنہا علم مکاشفہ علم شرع کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ستجدنی انشاء اللہ علم ظاہر شریعت کی پابندی کرتے ہوئے حضرت موسیٰ نے انشاء اللہ کہا یعنی اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ اللہ کے حوالہ کردیا لیکن حضرت خضر کا علم چونکہ کشفی تھا انہیں تکوینا معلوم تھا کہ یہ خلاف شرع پر صبر نہیں کرسکیں گے۔ اس لئے انہوں نے صاف طور پر لن تستطیع معی صبرا بغیر تحقیق کے کہہ دیا۔ فلا تسئلنی الخ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خضر جو کچھ بھی کررہے تھے۔ وہ بھی مبنی بر مصالح تھا اس میں بھی تکوینی حکمتیں تھیں اس لئے تنبیہ کرنی پڑی کہ تاوقتیکہ ان مصالح کو خود بیان نہ کروں خاموش دیکھتے رہنا۔ اپنی طرف سے سوال میں پہل نہ کرنا چہ جائیکہ مناقشہ قائم کردینا۔ ایک متعلم کو اپنے معلم کے ساتھ انہی آداب کے ساتھ رہنا چاہئے۔ اور معلم کو متعلم سے مناسب شرطیں طے کرنے اور منوانے کا حق ہے۔ فانطلقا اس موقع پر حضرت یوشع بھی اگرچہ ساتھ تھے۔ مگر اصل مقصود حضرت موسیٰ اور حضرت خضر ہیں۔ اس لئے تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا گیا۔ حتی اذا رکبا فی السفینة کشتی میں کچھ لوگوں نے شبہ بھی کیا کہ یہ چور اچکے معلوم ہوتے ہیں جو بغیر سامان کے سفر کررہے ہیں، لیکن کشتی بان ان کی صورتوں اور لباس سے متاثر ہوا اور اس خیال کی تردید کرنے لگا۔ اور ابی ابن کعبؓ کی روایت میں ہے کہ حضرت خضر کو پہچان کر بغیر کرایہ کے سب کو سوار کرلیا لیکن کشتی جب بھنور میں جاکر پہنچی تو بجائے اس کے کہ اس کو نکالنے میں مدد دیتے، الٹا اس پر تبر چلانے لگے اور نیچے سے تختے نکال کر دراڑ پیدا کردی جس سے کشتی کے لئے خطرات پیدا ہوگئے، کہتے ہیں کہ اس موقع پر ایک چڑیا تختے پر آبیٹھی اور اس نے سمندر میں چونچ ڈال کر پانی پیا تو حضرت خضر نے حضرت موسیٰ کو توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ جو نسبت اس کے چونچ پر لگے ہوئے پانی کو سمندر کے پانی سے ہے وہی نسبت ہمارے علم کو علم الٰہی سے ہے۔ بما نسیت صحیح روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ سے اول وعدہ کا نسیان ہوا ہے، اسی لئے مفسرؒ علام نے نسیت کا ترجمہ غفلت کے ساتھ کیا ہے۔ یعنی آپ نے جو خاموش رہنے کی تلقین اور وصیت کی تھی مجھے اس کا ذہول ہوگیا اور بعض نے نسیان سے مراد مطلقاً ترک لیا ہے، بہر حال پہلا سوال تو بھول سے ہوا۔ لیکن دوسری مرتبہ دریافت کرنا بطور شرط کے ہوا اور تیسری مرتبہ کا سوال علیحدگی کے لئے ہوا۔ لم یبلغ الحنث حنث کے کئی معنی آتے ہیں، قسم توڑنا، گناہ کرنا، لیکن یہاں لازم معصیت یعنی حد تکلیف کے معنی مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ لڑکا غیر مکلف تھا اس لڑکے کا نام جیسور تھا۔ فقتله مفسر علامؒ نے تین قول بیان کئے ہیں جیسا کہ اثر سے ثابت ہے اور تینوں قول جمع بھی ہوسکتے ہیں کہ پہلے اس لڑکے کو دیوار سے دے مارا، پھر زمین پر ڈال کر ذبح کرڈالا اور گردن الگ کردی بغیر نفس اس کا تعلق لفظ اقتلت سے بھی ہوسکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ محذوف کی صفت بھی ہوسکتی ہے۔ ای قتلا بغیر نفس ممکن ہے ان کی شریعت میں بچہ سے قصاص لینے کا قانون ہو۔ جیسا کہ ابتداء اسلام میں ہجرت سے پہلے ہمارے یہاں بھی بچوں سے بھی قصاص کا قانون تھا۔ بقول بیہقیؒ غزوۂ احد کے بعد صرف بالغوں کے لئے قصاص خاص ہوا شیخ تقی الدین سبکی نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ نکرا کشتی میں دراڑ ڈالنے کو شیئا امرا سے تعبیر کیا تھا اور یہاں چھوٹے بچہ کے مارڈالنے کو شیئا نکرا

سے بیان کیا ہے یہ بتلانے کے لئے کہ یہ جرم پہلے قصور سے بڑھ کر ہے کیونکہ کشتی کے نقصان کی تلافی تو ممکن ہے لیکن مردہ بچہ کو زندہ کرنا عادۃً ممکن نہیں ہے اور بعض نے اس کے برعکس مطلب کہا ہے کہ پہلا نقصان دوسرے سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہاں صرف ایک بچہ کا اتلاف ہے اور کشتی ڈوبنے سے بہت سوں کا اتلاف ہو سکتا تھا۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات میں چونکہ سرداران مشرکین کی اس درخواست کی برائی بیان کی تھی کہ وہ چاہتے تھے ہماری تعلیم وتبلیغ کے وقت آنحضرت ﷺ کی مجلس میں مسلمان فقراء اور غرباء شریک نہ ہوں اس لئے آیت **واذقال موسیٰ الخ** میں حضرت موسیٰ وخضر کی ملاقات کا واقعہ بیان کر کے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے باوجود اکمل وافضل ہونے کے اپنے سے چھوٹے حضرت خضر سے استفادہ کرنے اور ان کو استاد بنانے میں بھی کوئی عار نہیں محسوس کی۔ مگر افسوس کہ تمہیں ان غریبوں کے محض شریک تعلیم ہونے سے بھی عار آتی ہے اور اس قصہ کے بتلانے سے آپ کی نبوت بھی ثابت ہوگئی۔ اسی طرح اوپر کی آیات میں اس حقیقت کو بتلایا گیا تھا کہ منکروں کی سرکشیوں کا نتیجہ اچانک ظاہر ہونے اور ان کی خوشحالیاں چھن جانے کے اگرچہ کافی اسباب پائے جاتے ہیں مگر ایک بڑی رکاوٹ بھی ہے اور وہ ہے قانون رحمت کہ ایک خاص وقت تک رحمت الٰہیہ کی وجہ سے عذاب رکا ہوا ہے۔ جوں ہی وہ مقررہ آن آ پہنچی پھر ان کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ **واذقال موسیٰ** میں اسی معاملہ کے ایک دوسرے پہلو کولایا جارہا ہے۔ فرمایا کہ بلاشبہ موجودہ حالت ایسی ہی ہے کہ سرکشوں کے لئے کامرانیاں دکھائی دیتی ہیں اور مومنوں کے لئے محرومیاں لیکن صرف اتنی ہی بات دیکھ کر حقیقت حال کا فیصلہ نہ کرلو، یہاں معاملات کی حقیقت وہی نہیں ہوا کرتی جو بظاہر دکھائی دیا کرتی ہے۔ کتنی ہی اچھائیاں ہیں جو فی الحقیقت برائیاں ہوتی ہیں اور کتنی ہی برائیاں ہیں جو فی الحقیقت اچھائیاں ہوتی ہیں تمہاری عقل صرف ظواہر کو دیکھ کر حکم لگا دیتی ہے مگر نہیں جانتی کہ ان ظواہر کی تہہ میں کتنے بواطن پوشیدہ ہیں۔ سرکشوں کے لئے اس وقت کامرانیاں ہیں اور مومنوں کے لئے محرومیاں۔ لیکن کیا فی الحقیقت سرکشوں کی کامرانیاں ہیں اور مومنوں کی محرومیاں، محرومیاں۔ اس کا فیصلہ تم نہیں کر سکتے۔ جب پردہ اٹھے گا تو دیکھ لوگے کہ حقیقت حال کیا تھی۔ چنانچہ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہم السلام کی باہمی ملاقات کا واقعہ پیش کیا جارہا ہے حضرت خضر کو جو علم خاص دیا گیا تھا تو یقیناً بعض چیزوں کے اسرار ورموز اور بواطن ان پر کھول دیئے گئے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی ملاقات میں تین موڑ ایسے آئے کہ ہر مرتبہ حضرت موسیٰ خاموش رہنے کا ارادہ اور عہد کرتے تھے لیکن ان کا ارادہ نہ چل سکا اور ہر مرتبہ بول اٹھے اس سے معلوم ہوا کہ انسانی عقل کسی درجہ میں مجبور بھی ہے کہ ظواہر پر حکم لگائے وہ اس سے رک نہیں سکتی مگر کہا جائے گا کہ وہ یہیں آ کر ٹھوکر کھاتی ہے کہ بواطن وحقائق تک نہیں پہنچ سکتی، حضرت خضر نے تین کام کئے، تینوں کا ظاہر برا تھا لیکن تینوں کی تہہ میں بہتری تھی۔ حضرت موسیٰ ظاہر دیکھ رہے تھے لیکن حضرت خضر پر اللہ نے باطن روشن کر دیا تھا اگر اسی طرح ہر کام میں ظاہر کا پردہ اٹھ جائے اور وہ حقیقتیں سب کے سامنے آجائیں جو حضرت خضر کے سامنے آگئی تھیں تو دنیا کا کیا حال ہو؟ سارے احکام کس طرح بدل جائیں؟ مگر حکمت الٰہی یہی ہے کہ پردہ نہ اٹھے کیونکہ اس پردہ سے عمل کی ساری آزمائش قائم ہے اور ضروری ہے کہ آزمائش ہوتی رہے۔

﴿تشریح﴾: .... واقعہ کی تفصیل حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو نہایت مؤثر اور بیش بہا نصیحتیں فرمارہے تھے کہ لوگوں کی آنکھیں شدت تاثر سے بہہ نکلیں اور دل کانپ اٹھے۔ ایک شخص نے پوچھا اے موسیٰ! کیا روئے زمین پر آپ اپنے سے بڑا عالم کسی کو پاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں: یہ جواب واقع میں اگرچہ صحیح تھا کیونکہ والوالعزم پیغمبر ہونے کی وجہ سے

اس زمانہ میں اسرار شریعت ان سے زیادہ جاننے والا اور کون ہوسکتا تھا، تاہم عنوان جواب اور تعبیر کے عموم سے ظاہر ہوتا تھا کہ روئے زمین پر وہ خود کو ہر طرح سب سے بڑھ کر عام خیال کررہے ہیں اس لئے حق تعالیٰ کو یہ الفاظ اور دعوے کا لب ولہجہ پسند نہیں آیا۔ اللہ والے اگر سب سے افضل اور بہتر بھی ہوں تو اپنے آپ کو بہتر نہیں سمجھتے اور کہتے اور کبھی بھول چوک سے کہہ گزریں تو حق تعالیٰ کی طرف سے انہیں تنبیہ وتادیب کردی جاتی ہے۔ یہاں بھی اللہ کی مرضی یہ تھی کہ جواب میں اللہ کے علم محیط کے حوالہ کرکے یہ کہتے کہ اللہ کے مقبول ومحبوب بندے بہت سے ہیں جن کا حال اسے ہی معلوم ہے۔ چنانچہ حضرت خضر کی ملاقات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ بعض علوم میں وہ موسیٰ سے بڑھ کر نکلے اگر چہ ان علوم کو قرب الٰہی میں کچھ دخل نہ ہو۔ مگر مطلقاً اپنے کو سب سے بڑا عالم کہنا تو صحیح نہ رہا۔

مجمع البحرین سے کیا مراد ہے؟:......... مجمع البحرین سے کیا مراد ہے۔ مفسر علامؒ نے بحر فارس اور بحر روم مراد لیا ہے لیکن یہ دونوں دریا ملتے نہیں ہیں شاید ملاپ سے ان کا نزدیک ہونا ہوگا یعنی دونوں کا فاصلہ کم رہ جانا اور بعض نے افریقہ کے دو دریا مراد لئے ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک وہ مقام مراد ہے جہاں پہنچ کر دجلہ اور فرات، دونوں خلیج فارس میں جا گرتے ہیں۔ بہرحال حضرت موسیٰ نے درخواست کی کہ مجھے ان کا پورا پتہ نشان بتلادیا جائے تاکہ سفر کرکے ان سے کچھ استفادہ کرسکوں، حکم ہوا کہ ان کی تلاش میں نکلو، تو ایک مچھلی تل کر ساتھ رکھ لو، جہاں مچھلی گم ہوجائے سمجھنا کہ وہ بندہ موجود ہے، گویا مجمع البحرین سے جو ایک وسیع خطہ مراد ہوسکتا تھا اس کی پوری تعیین کے لئے یہ علامت مقرر فرمادی، موسیٰ علیہ السلام نے ہدایت الٰہی کے مطابق اپنے خاص خادم حضرت یوشع کو ساتھ لے کر سفر شروع کردیا اور تاکید کردی کہ دیکھو مچھلی کا خیال رکھنا میں اس وقت تک برابر سفر کرتا رہوں گا جب تک منزل مقصود تک نہ پہنچ جاؤں اگر فرض کرو برس اور قرن بھی گزر جائیں تب بھی مقصد حاصل کئے بغیر سفر سے نہ ہٹوں گا۔

آب حیات اور قدرت کی نشانیاں:......... غرضیکہ ایک چٹان پر جس کے نیچے ''آب حیات'' کا چشمہ جاری تھا حضرت موسیٰ سو گئے یوشع نے دیکھا کہ مچھلی نے زنبیل سے نکل کر دریا میں جست لگادی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سرنگ بناتی اور سوراخ کرتی چلی گئی، یوشع کو حیرت ہوئی اور چاہا کہ حضرت موسیٰ بیدار ہوں تو ان سے عرض کروں، لیکن یوشع نہ معلوم کن حالات میں کھو گئے اور کہنا بھول گئے۔ ایسی عجیب بات کا بھول جانا اگر چہ عجیب ہے مگر جو شخص عجائب وغرائب اور خوارق کا مشاہدہ کرتا رہتا ہو وہ کسی غیر معمولی بات کو بھی اپنے معمول کے مطابق ہی پائے گا۔ اس لئے اگر کسی خیال کے غلبہ سے اس سے ذہول ہوجائے تو حیرت نہیں ہونی چاہئے۔ اور روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے جب یوشع سے چلتے وقت مچھلی کی خبر گیری کو کہا تھا تو ان کی زبان سے نکل گیا تھا کہ یہ کوئی مستقل اور بڑا کام نہیں اس لئے یہاں متنبہ کیا گیا کہ چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی انسان کو اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ غرضیکہ نہ یوشع کو کہنا یاد رہا اور نہ حضرت موسیٰ کو پوچھنے کا دھیان رہا۔ حضرت موسیٰ کو پورے سفر میں کہیں تھکان محسوس نہیں ہوئی جب مطلب چھوٹ رہا تھا اس وقت چلنے سے تھکان محسوس ہوئی اور **وما انسانیہ الا الشیطان** کا مطلب یہ ہے کہ مطلب کی بات بھول جانا اور یادداشت کے عین موقعہ پر ذہول ہوجانا شیطان کی کرتوت ہے لیکن یوشع جب کہ نبی ہیں پھر ان پر شیطان کا تصرف نسیان کیسے ہوا؟ جواب یہ ہے کہ ایسے تصرفات میں کوئی حرج نہیں جب تک وہ کسی برائی اور گناہ تک نہ پہنچادیں۔ جیسے کسی کافر کے پتھر ماردینے سے نبی کے چوٹ لگ جائے ایسے ہی یہ بھی ہے اور مچھلی کے دریا میں چھلانگ لگانے کو عجیب اس لئے کہا کہ...... اول تو خود تلی ہوئی مچھلی کا زندہ ہونا عجیب تھا۔ دوسری پانی جیسی سیال چیز کا سرنگ کی شکل میں کچھ دیر کے لئے...... تبدیل ہوکر برقرار رہنا عجیب تر تھا۔

حضرت خضر نبی تھے یا ولی؟:.......... حضرت خضر کی نبوت وولایت میں اختلاف ہوا ہے۔تاہم محققین کا رجحان ان کی نبوت کی طرف ہے جو انبیاء مستقل شریعت لے کر آتے ہیں ان کو تصرف واختیار من جانب اللہ عطا ہوتا ہے کہ خاص مصالح کے پیش نظر شریعت کے کسی عام حکم کی تخصیص یا مطلق کی تقید یا کسی عام ضابطہ سے کچھ جزئیات کو الگ کر سکتے ہیں، اسی طرح کے جزئی تصرفات کے اختیارات حضرت خضر کو حاصل تھے۔یا کہا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسرار الہیہ میں بڑھے ہوئے تھے جنہیں قرب الٰہی میں بڑا دخل ہوتا ہے اور حضرت خضر علیہ السلام اسرار کونیہ میں بڑھے ہوئے تھے اگر چہ قرب الٰہی میں ان اسرار کونیہ کو کوئی دخل نہ ہو۔غرضیکہ حضرت موسیٰ وخضر کی ملاقات ہوئی۔علیک سلیک کے بعد حضرت خضر نے آنے کا سبب پوچھا، حضرت موسیٰ نے مقصد ملاقات بتلا دیا خضر بولے اے موسیٰ: بلاشبہ آپ اسرار الہیہ کے امین ہیں پر بات یہ ہے کہ اسرار کونیہ کا علم مجھے عطا ہوا ہے ایک بس تم بڑھے ہوئے ہو، ایک میں میں، اس کے بعد ایک چڑیا جو دریا میں سے پانی پی رہی تھی اسے دکھا کر خضر نے کہا کہ ساری مخلوق کا علم اللہ کے علم کے سامنے ایسا ہے جیسے اس کی چونچ پر لگا ہوا پانی دریا کے سامنے، یہ بھی محض سمجھانے کے لئے کہا.....ورنہ ایک متناہی علم کو غیر متناہی علم سے کیا نسبت۔متاثر ہو کر حضرت موسیٰ نے ان کے ساتھ رہنے کی خواہش کی۔معلوم ہوا کہ طلب علم کی درخواست طالب علم کی جانب سے ہونی چاہئے۔لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج وغیرہ کا اندازہ کر کے سمجھ لیا کہ میرا ان کا نبھاؤ نہیں ہو سکے گا کیونکہ حضرت خضر واقعات کونیہ کا جزئی علم پا کر اس کے موافق عمل کرنے پر مامور تھے اور حضرت موسیٰ جن علوم کے حامل تھے ان کا تعلق تشریعی قوانین وکلیات سے تھا پس جن جزئیات میں عوارض اور خصوصیات کی وجہ سے ظاہرا عام ضابطہ پر عمل نہ ہوگا۔حضرت موسیٰ اپنی معلومات اور فرض منصبی کے اعتبار سے ضرور ان پر روک ٹوک کریں گے۔آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ جدا ہونا پڑے گا اور یوں بھی متعلم کی طرف سے معلم پر روک ٹوک اور اعتراض کی صورت میں تعلیمی سلسلہ کا باقی اور جاری رہنا مشکل ہو جاتا ہے مگر حضرت موسیٰ نے طالبعلمانہ صورت کو برقرار رکھتے ہوئے۔ان شرطوں کی منظوری دیتے ہوئے صبر وسکون سے رہنے کا وعدہ کر لیا جس سے معلوم ہوا کہ طالب صادق کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔مگر وعدہ کرتے وقت غالباً موسیٰ علیہ السلام کو اس کا تصور بھی نہ ہوگا کہ ایسے مقبول ومقرب بندے سے کوئی ایسی حرکت دیکھنے میں آئے گی جو علانیہ ان کی شریعت بلکہ عام انسانی اخلاق اور شرائع کے بھی خلاف ہو، غنیمت ہوا کہ انہوں نے انشاء اللہ کہہ دیا تھا ورنہ ایک قطعی وعدہ کی خلاف ورزی کرنا ایک اولوالعزم پیغمبر کے شایان شان نہ ہوتا۔معلم کی طرف سے مناسب اور ضروری شرطوں کا مان لینا ایک سچے طالب علم کی شایان شان ہے۔حضرت خضر نے پیش بندی کے طور پر یہ پابندی لگادی کہ اگر کوئی بات بظاہر ناحق نظر آئے تو فوراً مجھ سے باز پرس نہ کرنے لگنا جب تک میں خود اپنی طرف سے کہنا شروع نہ کروں چپ رہنا، از خود بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔

سفر کے تین اہم واقعات:.......... غرضیکہ ناؤ کے ذریعہ دریائی سفر کرنا طے ہوا۔ناؤ والوں نے پہچان کر مفت سوار کر لیا لیکن کچھ دور چل کر جب حضرت خضر نے کشتی کے نچلے تختے توڑ کر دراڑ ڈال دی تو اس احسان کے بدلہ میں یہ نقصان دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو تاب نہ رہی اور بول اٹھے کہ کیا آپ لوگوں کو ڈبونا چاہتے ہیں؟ کشتی کے تختوں کا توڑنا کنارہ کے قریب جا کر ہوا ہوگا اور یا اتنا توڑا ہوگا کہ کشتی غرق نہ ہو جائے البتہ عیب دار کر دی تھی۔بہر حال لوگوں کا ڈوبنا اور نقصان اٹھانا اگر چہ یقینی نہیں تھا مگر متحمل ضرور تھا اور جب تک کوئی مصلحت غالب نہ ہو اس وقت تک احتمال ضرر سے بچنا بھی ضروری ہوتا ہے اور یہاں بظاہر کوئی مصلحت معلوم نہیں ہوتی۔اس لئے

حضرت موسیٰ نے روک ٹوک فرمائی۔ حضرت خضر نے کہا آخر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا کہ اپنے قول پر نہ ٹھہر سکے اور فوراً چھلک گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے معذوری انداز میں فرمایا کہ مجھے بالکل خیال نہیں رہا تھا بھول چوک پر بھی اگر آپ گرفت کریں گے تو ساتھ رہنا یقیناً مشکل ہو جائے گا۔ خیر ''گذشتہ را صلوٰۃ آئندہ را احتیاط'' بات آئی گئی ہوئی۔ دونوں کسی آبادی کی طرف چلے، ایک گاؤں کے قریب کچھ لڑکے کھیل رہے تھے ان میں سے ایک ہونہار اور خوبصورت لڑکے کو پکڑ کر جان سے مار ڈالا اور چل کھڑے ہوئے، یہ لڑکا بالغ تھا یا نابالغ دونوں ہی قول ہیں۔ جمہور مفسرینؒ نے نابالغ کہا ہے۔ اور لفظ غلام اور زکیۃ بھی اس کے مؤید ہیں۔ بہر حال اس بھیانک اور دلدوز منظر کو دیکھتے ہی موسیٰ علیہ السلام بے تاب ہو گئے اور چیخ اٹھے کہ اول تو نابالغ۔ قصاص میں بھی قتل نہیں کیا جا سکتا، اس پر طرہ یہ کہ یہاں قصاص کا بھی کوئی قصہ نہیں، بے خطا بے قصور ایک معصوم بچہ کو بے دردی سے مار ڈالا اس نے آپ کا کیا بگاڑا تھا بھلا اس سے بڑھ کر اور کون سی بات ہوگی؟ حضرت موسیٰ کے طیش میں آنے کی غالباً یہ وجہ بھی ہوگی کہ کشتی کے واقعہ میں نقصان مال اگر چہ یقینی تھا مگر جانی نقصان کا صرف احتمال تھا۔ مگر یہاں تو جانی نقصان کھلی آنکھوں نظر آ رہا ہے اور وہ بھی ایک معصوم بچہ کا اور پھر بے قصور بھلا اس کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے؟ حضرت موسیٰ کا پہلا پوچھنا بھول سے تھا اور یہ پوچھنا بطور اقرار کے ہوا اور تیسرا پوچھنا رخصتی ہو گیا۔ خضر نے کہا ہم نے کہا نہیں تھا کہ ایسے حالات وواقعات پیش آئیں گے جن پر تم خاموشی سے صبر نہیں کر سکو گے؟ آخر وہی ہوا نہ، موسیٰ علیہ السلام بولے خیر اب کے اور جانے دیجئے، آئندہ پھر اگر ایسی بات ہوئی تو بے شک مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا۔

شبہات وجوابات: .... (۱) کچھ اہل کتاب کہتے ہیں کہ یہ واقعہ مشہور پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش نہیں آیا، ورنہ تورات وانجیل پچھلی کتابوں میں ضرور ذکر ہوتا، جواب یہ ہے کہ اول تو اہل کتاب کی بعض کتابیں چونکہ دنیا سے ناپید ہو چکی ہیں اس لئے ممکن ہے ان گمشدہ کتابوں میں یہ واقعہ بھی مذکور ہو، اور اب ان کتابوں کے گم ہونے سے یہ واقعہ بھی لوگوں کو معلوم نہ رہا ہو۔ دوسرے ہمارے پیغمبر کی حدیثوں میں آیا ہے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہی پیش آیا ہے۔ پس پچھلی کتابیں زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس سے ساکت ہیں، اور ہماری کتابیں اس کو مانتی ہیں اور ثبوت، انکار کے مقابلہ قابل ترجیح ہوتا ہے چہ جائیکہ سکوت کے مقابلہ میں وہاں تو اور بھی راجح ہونا چاہئے (۲) بعض اس سفر اور اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں کیونکہ اگر یہ سفر ہوا ہوتا تو بنی اسرائیل میں ضرور مشہور ہوتا؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کی غباوت کے خیال سے کہ طرح طرح کے شبہات اور فتنہ میں لوگ مبتلا ہو جائیں گے کسی سے تذکرہ نہ کیا ہو اور بنی اسرائیل کے لوگ سمجھے ہوں کہ حسب عادت وضرورت کہیں تشریف لے گئے ہوں گے اس لئے مشہور نہیں ہوا۔ اور یا لوگوں کو آپ کا جانا معلوم ہوا ہو لیکن اس خیال سے کہ لوگوں میں حضرت موسیٰ کی سبکی ہوگی کہ اتنے بڑے عالم ہو کر دوسرے کے پاس سیکھنے کے لئے گئے اس واقعہ کا لوگوں میں چرچا نہ ہونے دیا اور آہستہ آہستہ پھر یہ تذکرہ ہی موقوف ہو گیا ہو (۳) حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے اس واقعہ سے بعض لوگوں کو دھوکا ہو گیا ہے کہ علم باطن، علم شریعت سے افضل ہے؟ جواب یہ ہے کہ علم باطن کے دو شعبے ہیں (۱) مرضیات الٰہی کا علم، جس کا تعلق نفس سے ہے اور (۲) اسرار کونیہ کا علم، پس پہلا علم تو شریعت کا ایک جز ہے اور ظاہر ہے کہ جز کبھی بھی کل سے افضل نہیں ہو سکتا پھر علم باطن شریعت سے کیسے افضل ہوا۔ رہا دوسرا شعبہ سو اسے چونکہ مرضیات الٰہی میں کچھ دخل نہیں اس لئے اس کے افضل ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں ہو سکتا (۴) اسی طرح اس سے بعض کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ سے .... افضل ہوئے۔ جواب یہ ہے کہ حضرت خضر کو علم باطن کے دوسرے شعبہ کا حاصل ہونا اس قصہ سے معلوم ہوا اور ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ وہ علم شریعت سے کمتر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا پھر حضرت خضر افضل کیسے ہوئے بلکہ اس سے تو حضرت موسیٰ کی افضلیت ثابت ہوئی۔ رہا حضرت خضر کے پاس حضرت موسیٰ کا تشریف لے جانا سو اس کی

بنیاد خضر کی افضلیت نہیں تھی بلکہ حضرت موسیٰ کو کلام میں احتیاط کرنے اور بولنے میں ادب کی رعایت رکھنے کی تعلیم دینا مقصود تھا کہ آئندہ اپنے مرتبہ کی شان کے مناسب دیکھ بھال کر بولا کریں۔ اور مقید کی جگہ مطلق نہ بول دیا کریں (۵) بعض کو یہ دھوکا ہوگیا ہے کہ پھر اگر کوئی کام خلاف شرع بھی کرے تو اس پر انکار واعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ اسی قصہ کے سلسلہ میں حدیث میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اگر صبر کرتے تو خوب ہوتا۔ یعنی اگر اعتراض نہ کرتے اور خاموشی سے دیکھتے رہتے تو نہ معلوم کتنے عجائبات کھلتے مگر انہوں نے بول کر بندش لگادی۔ چنانچہ مشہور ہے۔

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید   کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ ورسم منزلہا

جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا باکمال ہونا تو نص سے معلوم تھا اس لئے انہیں خلاف ظاہر پر خاموش رہنے کی گنجائش تھی ان کے لئے چپ رہنا جائز تھا۔ دوسروں کو ان پر قیاس کرکے خاموش رہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ حضرت خضر نے جن رازوں کو بیان کیا وہ اگر چہ حضرت موسیٰ کے علوم کے برابر مفید عام نہیں تھے کیونکہ وہ لائق اتباع نہیں لیکن اس معنی کو مفید خاص ضرور تھے کہ ان کے ذریعہ بعض حکمتیں مفصل طور پر منکشف ہوئیں۔ اگر چہ قرب الٰہی کے لئے صرف اتنا اجمالی عقیدہ بھی کافی ہوسکتا ہے کہ ہر کام میں حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں مگر حکمتوں کی تفصیل معلوم ہونے سے جو خاص فائدہ ہوتا ہے وہ اپنی جگہ ناقابل انکار ہے۔ حدیث بالا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خاموش رہنے کے لئے حضرت موسیٰ کے خاموش رہنے کے لئے حضرت موسیٰ کے متعلق تمنا فرمائی ہے اس کا منشاء قصے اور واقعات سننا نہیں بلکہ خود ان اسرار اور رموز کی تمنا ہے جو حضرت موسیٰ کے خاموش رہنے کی صورت میں زیادہ ساتھ رہنے اور حضرت خضر کے ازخود بیان فرمانے سے حاصل ہوتے کیونکہ حضرت موسیٰ چپ رہتے تو حضرت خضر کے ساتھ رہنے کا موقعہ زیادہ ملتا اور زیادہ واقعات اور ان کے اسرار سامنے آتے جنہیں موقعہ بموقعہ حضرت خضر علیہ السلام ازخود بیان فرمادیتے لیکن ملاقات کے طول نہ دینے اور مختصر کردینے میں بھی نہ معلوم خدائی مصلحتیں کتنی ہوں گی (۶) بعض کو دھوکا ہوا ہے کہ الہام اگر خلاف شرع ہو تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ حضرت خضر اپنے الہامات پر عمل کررہے تھے مگر وہ الہامات حضرت موسیٰ کی شرع کے خلاف تھے۔ اسی لئے تو ہر موقعہ پر انہوں نے نکیر فرمائی ہے۔ جواب یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اگر خود نبی تھے تب تو کوئی اشکال ہی نہیں کیونکہ ہر نبی اپنی شریعت اور الہام کے مطابق عمل کرتا ہے ایک کو دوسرے کی تقلید کرنا ضروری نہیں ہے اور اگر حضرت خضر نبی نہیں، بلکہ ولی تھے تو ممکن ہے پہلی شریعتوں میں اس کی گنجائش ہو کہ ولی اپنے الہام پر عمل کرسکتا ہو چاہے وہ اس شرع کے خلاف ہو، مگر ہماری شریعت میں ایسا کرنا جائز نہیں۔

خلاف پیمبر کسے راہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(۷) حضرت موسیٰ کے بولنے پر جب حضرت خضر نے نکیر فرمائی تو حضرت موسیٰ نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ تمہارے یہ سب کام خلاف شرع ہیں؟ جواب یہ ہے کہ غصہ فرو ہونے کے بعد اجمالاً اتنا حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے تھے کہ حق تعالیٰ نے جب مجھ، ان کے پاس بھیجا تو ضرور ان کا فعل اللہ کی مرضی کے موافق ہوگا (۸) موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کرنے کے بعد پھر کیوں اعتراض کیا؟ یہ تو وعدہ کی خلاف ورزی ہوئی جو ایک پیغمبر کے شایان شان نہیں اور پھر بار بار ایسا کرنا تو اور بھی برا ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ وعدہ موسیٰ علیہ السلام نے بطور خود کیا تھا منجانب اللہ ان کو یہ حکم نہیں ہوا تھا اور اس کی پابندی کرنے اور اس پر قائم رہنے میں خود انہی کا فائدہ تھا۔ اور پابندی نہ کرنے میں حضرت خضر کا کوئی نقصان نہیں تھا۔ بالخصوص جب کہ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام صبر نہیں کرسکیں گے

اور جو کام شرعاً واجب نہ ہو بلکہ کوئی اپنی مصلحت سے اپنے اوپر لازم کرلے اور اس کے چھوڑنے میں دوسرے کا نقصان بھی نہ ہوتو ایسے کام کا نہ کرنا شرعاً گناہ نہیں ہوگا پس وعدہ خلافی کا گناہ لازم نہیں آیا۔ اور جیسے ایک دفعہ ایسے وعدہ کا خلاف کرنا جائز ہے، بار بار بھی خلاف ورزی کی گنجائش نکل سکتی ہے اس لئے کوئی شبہ نہیں رہا اصل سبب اس وعدہ کا محض خوش طبعی ہوگا جو کاملین کی طرف سے بھی کبھی کبھی پیش آسکتی ہے۔

لطائف آیات: .... آیت واذقال موسٰی الخ سے شیخ کامل کی تلاش میں حددرجہ کوشش کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ بشرطیکہ اس سے بڑھ کر کوئی واجب حق نہ چھوٹتا ہو۔ آیت نسیا حوتھما الخ سے ثابت ہوا کہ زادراہ وغیرہ اسباب کا سفر میں ساتھ رکھنا خلاف توکل نہیں ہے۔ آیت لقد لقینا من سفرنا الخ سے معلوم ہوا کہ بیماری وغیرہ کسی حالت کو ظاہر کرنا خلاف توکل نہیں ہے۔ آیت وما انسانیہ الخ سے معلوم ہوا کہ شیطانی اثر اور تصرف سے وسوسہ اور بھول چوک کا پیش آجانا ولایت کے خلاف تو کیا، نبوت کے بھی منافی نہیں ہے۔ البتہ اتنا شیطانی تصرف جو گناہ تک پہنچادے وہ بے شک نبوت کے شایان شان نہیں مگر وہ ثابت نہیں ہے۔ آیت وعلمنٰہ من لدنا علما سے جس علم لدنی کا عطا ہونا معلوم ہوا ممکن ہے وہ وحی یا الہام کے ذریعہ سے ہوا ہو اور یہ الہام انبیاء اور اولیاء دونوں کو ہوتا ہے۔ اس علم لدنی کو علم حقیقت اور علم باطن ہی کہتے ہیں۔ جن واقعات کا ذکر اس قصہ میں کیا گیا ہے ان کا علم اگر چہ علم لدنی کی اس نوع میں داخل ہے جو حضرت خضر کو عطا ہوا۔ بہر حال یہ آیت علم لدنی کی اصل ہے۔ آیت ھل اتبعک الخ میں حضرت موسیٰ کی طرف سے ادب وتواضع اور لطف کی کس قدر رعایت ہے جو سلوک وتعلیم کے لئے نہایت ضروری ہے۔ آیت فان اتبعتنی الخ سے معلوم ہوا کہ شیخ کو مرید سے مناسب شرطوں کے لگانے کا حق ہے، قال اخرقتھا الخ سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک تو یہ کہ اکابر سے کچھ ایسے کام بھی سرزد ہوسکتے ہیں، جن کا ظاہر اگر چہ خلاف شرع ہوتا ہے مگر واقعۃً وہ خلاف شرع نہیں ہوتے۔ دوسرے یہ کہ بعض اہل اللہ جن کو قطب التکوین اور صاحب خدمت کہتے ہیں، حکم الٰہی سے کچھ تکوینی تصرفات کرتے رہتے ہیں۔

الحمدللہ پارہ ۱۵ کی تفسیر تمام ہوئی۔

پارہ نمبر ﴿۱۶﴾

قَالَ اَلَمْ

فہرست پارہ قال الم

قَالَ اَلَمْ

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿٧٥﴾ زَادَ لَكَ عَلٰى مَاقَبْلَهٗ لِعَدَمِ الْعُذْرِ هُنَا وَلِهٰذَا **قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَىْءٍۢ بَعْدَهَا** اَىْ بَعْدَ هٰذِهِ الْمَرَّةِ **فَلَا تُصَاحِبْنِىْ** لَا تَتْرُكْنِىْ اَتَّبِعُكَ **قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّىْ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ مِنْ قِبَلِىْ **عُذْرًا** ﴿٧٦﴾ فِىْ مُفَارَقَتِكَ لِىْ **فَانْطَلَقَا حَتّٰىٓ اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ** هِىَ اَنْطَاكِيَّةُ نِ **اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا** طَلَبَا مِنْهُمُ الطَّعَامَ ضِيَافَةً **فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا** اِرْتِفَاعُهٗ مِائَةُ ذِرَاعٍ **يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ** اَىْ يَقْرُبُ اَنْ يَّسْقُطَ لِمَيْلَانِهٖ **فَاَقَامَهٗ** الْخَضِرُ بِيَدِهٖ **قَالَ** لَهٗ مُوْسٰى **لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ** وَفِىْ قِرَاءَةٍ لَاتَّخَذْتَ **عَلَيْهِ اَجْرًا** ﴿٧٧﴾ جُعْلًا حَيْثُ لَمْ يُضَيِّفُوْنَا مَعَ حَاجَتِنَا اِلَى الطَّعَامِ **قَالَ لَهُ** الْخَضِرُ **هٰذَا فِرَاقُ** اَىْ وَقْتُ فِرَاقِ **بَيْنِىْ وَبَيْنِكَ** فِيْهِ اِضَافَةُ بَيْنَ اِلٰى غَيْرِ مُتَعَدِّدٍ سَوَّغَهَا تَكْرِيْرُهٗ بِالْعَطْفِ بِالْوَاوِ **سَاُنَبِّئُكَ** قَبْلَ فِرَاقِىْ لَكَ **بِتَاْوِيْلِ مَالَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا** ﴿٧٨﴾ **اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ** عَشَرَةٍ **يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ** بِالسَّفِيْنَةِ مُوَاجَرَةً لَهَا طَلَبًا لِلْكَسْبِ **فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ** اِذَا رَجَعُوْا اَوْ اَمَامَهُمُ الْاٰنَ **مَّلِكٌ** كَافِرٌ **يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ** صَالِحَةٍ **غَصْبًا** ﴿٧٩﴾ نَصْبُهٗ عَلَى الْمَصْدَرِ الْمُبَيِّنِ لِنَوْعِ الْاَخْذِ **وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا** ﴿٨٠﴾ فَاِنَّهٗ كَمَا فِىْ حَدِيْثِ مُسْلِمٍ طُبِعَ كَافِرًا وَلَوْ عَاشَ لَاَرْهَقَهُمَا ذٰلِكَ اَىْ لِمُحَبَّتِهِمَا لَهٗ يَتَّبِعَانِهٖ ذٰلِكَ **فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً** اَىْ صَلَاحًا وَّتُقًى **وَّاَقْرَبَ** مِنْهُ **رُحْمًا** ﴿٨١﴾ بِسُكُوْنِ الْحَاءِ وَضَمِّهَا رَحْمَةً وَهِىَ الْبِرُّ بِوَالِدَيْهِ فَاَبْدَلَ لَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى جَارِيَةً تَزَوَّجَتْ نَبِيًّا فَوَلَدَتْ نَبِيًّا فَهَدَى اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ اُمَّةً **وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ**

كَنْزٌ مَالٌ مَدْفُوْنٌ مِنْ ذَهَبٍ وَفِضَّةٍ **لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا** فَحَفِظَا بِصَلَاحِهٖ فِيْ اَنْفُسِهِمَا وَمَالِهِمَا **فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَا اَشُدَّهُمَا** اَيْ اِيْنَاسَ رُشْدِهِمَا **وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ** مَفْعُوْلٌ لَهٗ عَامِلُهٗ اَرَادَ **وَمَا فَعَلْتُهٗ** اَيْ مَا ذُكِرَ مِنْ خَرْقِ السَّفِيْنَةِ وَقَتْلِ الْغُلَامِ وَاِقَامَةِ الْجِدَارِ **عَنْ اَمْرِيْ** اَيْ اِخْتِيَارِيْ بَلْ بِاَمْرِ اِلْهَامٍ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى **ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا** ﴿۸۲﴾ يُقَالُ اِسْطَاعَ وَاِسْتَطَاعَ بِمَعْنَى اَطَاقَ فَفِيْ هٰذَا وَمَا قَبْلَهٗ جَمْعٌ بَيْنَ اللُّغَتَيْنِ وَنُوِّعَتِ الْعِبَارَةُ فِيْ فَاَرَدْتُ فَاَرَدْنَا مَا زَادَ رَبُّكَ **وَيَسْئَلُوْنَكَ** اَيِ الْيَهُوْدُ **عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ** اِسْمُهٗ اِسْكَنْدَرُ وَلَمْ يَكُنْ نَبِيًّا **قُلْ سَاَتْلُوْا** سَاَقُصُّ **عَلَيْكُمْ** **مِّنْهُ** مِنْ حَالِهٖ **ذِكْرًا** ﴿۸۳﴾ خَبَرًا **اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ** بِتَسْهِيْلِ السَّيْرِ فِيْهَا **وَاٰتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ** يَحْتَاجُ اِلَيْهِ **سَبَبًا** ﴿۸۴﴾ طَرِيْقًا يُوْصِلُ اِلٰى مُرَادِهٖ **فَاَتْبَعَ سَبَبًا** ﴿۸۵﴾ سَلَكَ طَرِيْقًا نَحْوَ الْمَغْرِبِ **حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ** مَوْضِعَ غُرُوْبِهَا **وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ** ذَاتَ حَمَاةٍ وَهِيَ الطِّيْنُ الْاَسْوَدُ وَغُرُوْبُهَا فِي الْعَيْنِ فِيْ رَاْيِ الْعَيْنِ وَاِلَّا فَهِيَ اَعْظَمُ مِنَ الدُّنْيَا **وَّوَجَدَ عِنْدَهَا** اَيِ الْعَيْنِ **قَوْمًا** كَافِرِيْنَ **قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ** بِالْهَامٍ **اِمَّا اَنْ تُعَذِّبَ** الْقَوْمَ بِالْقَتْلِ **وَاِمَّا اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا** ﴿۸۶﴾ بِالْاِسْرِ **قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ** بِالشِّرْكِ **فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ** نَقْتُلُهٗ **ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا** ﴿۸۷﴾ بِسُكُوْنِ الْكَافِ وَضَمِّهَا شَدِيْدًا فِي النَّارِ **وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ نِ الْحُسْنٰى** اَيِ الْجَنَّةُ وَالْاِضَافَةُ لِلْبَيَانِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِنَصْبِ جَزَاءً وَتَنْوِيْنِهٖ قَالَ الْفَرَّاءُ نَصْبُهٗ عَلَى التَّفْسِيْرِ اَيْ لِجِهَةِ النِّسْبَةِ **وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا** ﴿۸۸﴾ اَيْ نَاْمُرُهٗ بِمَا يَسْهُلُ عَلَيْهِ **ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا** ﴿۸۹﴾ نَحْوَ الْمَشْرِقِ **حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ** مَوْضِعَ طُلُوْعِهَا **وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ** هُمُ الزَّنْجُ **لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا** اَيِ الشَّمْسِ **سِتْرًا** ﴿۹۰﴾ مِنْ لِبَاسٍ وَلَا سَقْفٍ لِاَنَّ اَرْضَهُمْ لَا تَحْمِلُ بِنَاءً وَلَهُمْ سُرُوْبٌ يَغِيْبُوْنَ فِيْهَا عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَيَظْهَرُوْنَ عِنْدَ اِرْتِفَاعِهَا **كَذٰلِكَ** اَيِ الْاَمْرُ كَمَا قُلْنَا **وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ** اَيْ عِنْدَ ذِي الْقَرْنَيْنِ مِنَ الْاٰلَاتِ وَالْجُنْدِ وَغَيْرِهِمَا **خُبْرًا** ﴿۹۱﴾ عِلْمًا **ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا** ﴿۹۲﴾ **حَتّٰى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ** بِفَتْحِ السِّيْنِ وَضَمِّهَا هُنَا وَبَعْدَهُمَا جَبَلَانِ بِمُنْقَطَعِ بِلَادِ التُّرْكِ سَدَّ الْاِسْكَنْدَرِ مَا بَيْنَهُمَا كَمَا سَيَاْتِيْ **وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا** اَيْ اَمَامَهُمَا **قَوْمًا لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا** ﴿۹۳﴾ اَيْ لَا يَفْهَمُوْنَهٗ اِلَّا بَعْدَ بُطُوْءٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْيَاءِ وَكَسْرِ الْقَافِ **قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ** بِالْهَمْزَةِ وَتَرْكِهَا اِسْمَانِ اَعْجَمِيَّانِ لِقَبِيْلَتَيْنِ فَلَمْ يَنْصَرِفَا **مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ** بِالنَّهْبِ وَالْبَغْيِ عِنْدَ خُرُوْجِهِمْ اِلَيْنَا **فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا** جُعْلًا مِنْ

الْمَالِ وَفِیْ قِرَاءَ ۃٍ خِرَاجًا **عَلٰٓی اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمْ سَدًّا** ﴿۹۴﴾ حَاجِزًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْنَا **قَالَ مَامَکَّنِّیْ** وَفِیْ قِرَاءَ ۃٍ بِالنُّوْنَیْنِ مِنْ غَیْرِ اِدْغَامٍ **فِیْهِ رَبِّیْ** مِنَ الْمَالِ وَغَیْرِهٖ **خَیْرٌ** مِنْ خَرْجِکُمُ الَّذِیْ تَجْعَلُوْنَهٗ لِیَ فَلَا حَاجَةَ لِیْ اِلَیْهِ وَاَجْعَلُ لَکُمُ السَّدَّ تَبَرُّعًا **فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ** لِمَّا اَطْلُبُهٗ مِنْکُمْ **اَجْعَلْ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهُمْ رَدْمًا** ﴿۹۵﴾ حَاجِزًا حَصِیْنًا **اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ** قِطَعَةً عَلٰی قَدْرِ الْحِجَارَةِ الَّتِیْ یُبْنٰی بِهَا فَبَنٰی بِهَا وَجَعَلَ بَیْنَهَا الْحَطَبَ وَالْفَحْمَ **حَتّٰٓی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ** بِضَمِّ الْحَرْفَیْنِ وَفَتْحِهِمَا وَضَمِّ الْاَوَّلِ وَسُکُوْنِ الثَّانِیْ اَیْ جَانِبَیِ الْجَبَلَیْنِ بِالْبِنَاءِ وَوَضَعَ الْمَنَافِخَ وَالنَّارَ حَوْلَ ذٰلِكَ **قَالَ انْفُخُوْا** فَنَفَخُوْا **حَتّٰٓی اِذَا جَعَلَهٗ** اَیِ الْحَدِیْدَ **نَارًا** اَیْ کَالنَّارِ **قَالَ اٰتُوْنِیْٓ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا** ﴿۹۶﴾ هُوَ النُّحَاسُ الْمُذَابُ تَنَازَعَ فِیْهِ الْفِعْلَانِ وَحُذِفَ مِنَ الْاَوَّلِ لِاِعْمَالِ الثَّانِیْ فَاَفْرَغَ النُّحَاسَ الْمُذَابَ عَلَی الْحَدِیْدِ الْمُحْمٰی فَدَخَلَ بَیْنَ زُبَرِهٖ فَصَارَا شَیْئًا وَاحِدًا **فَمَا اسْطَاعُوْٓا** اَیْ یَاجُوْجُ وَمَاجُوْجُ **اَنْ یَّظْهَرُوْهُ** یَعْلُوْا ظَهْرَهٗ لِاِرْتِفَاعِهٖ وَمَلَاسَتِهٖ **وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا** ﴿۹۷﴾ خَرْقًا لِصَلَابَتِهٖ وَسُمْکِهٖ **قَالَ** ذُوالْقَرْنَیْنِ **هٰذَا** اَیِ السَّدُّ اَیِ الْاِقْدَارُ عَلَیْهِ **رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ** نِعْمَةٌ لِاَنَّهٗ مَانِعٌ مِنْ خُرُوْجِهِمْ **فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ** بِخُرُوْجِهِمُ الْقَرِیْبِ مِنَ الْبَعْثِ **جَعَلَهٗ دَکَّآءَ** مَدْکُوْکًا مَبْسُوْطًا **وَکَانَ وَعْدُ رَبِّیْ** بِخُرُوْجِهِمْ وَغَیْرِهِمْ **حَقًّا** ﴿۹۸﴾ کَائِنًا قَالَ تَعَالٰی **وَتَرَکْنَا بَعْضَهُمْ یَوْمَئِذٍ** یَوْمَ خُرُوْجِهِمْ **یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ** یَخْتَلِطُ بِهٖ بِکَثْرَتِهِمْ **وَّنُفِخَ فِی الصُّوْرِ** اَیِ الْقَرْنِ لِلْبَعْثِ **فَجَمَعْنٰهُمْ** اَیِ الْخَلَائِقَ فِیْ مَکَانٍ وَاحِدٍ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ **جَمْعًا** ﴿۹۹﴾ **وَّعَرَضْنَا** قَرَّبْنَا **جَهَنَّمَ یَوْمَئِذٍ لِّلْکٰفِرِیْنَ عَرْضَا** ﴿۱۰۰﴾ **الَّذِیْنَ کَانَتْ اَعْیُنُهُمْ** بَدَلٌ مِنَ الْکَافِرِیْنَ **فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِکْرِیْ** اَیِ الْقُرْاٰنِ فَهُمْ عُمْیٌ لَایَهْتَدُوْنَ بِهٖ **وَکَانُوْا لَایَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا** ﴿۱۰۱﴾ اَیْ لَایَقْدِرُوْنَ اَنْ یَّسْمَعُوْا مِنَ النَّبِیِّ مَایَتْلُوْ عَلَیْهِمْ بُغْضًا لَهٗ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ **اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ** اَیْ مَلَائِکَتِیْ وَعِیْسٰی وَعُزَیْرًا **مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ** اَرْبَابًا مَفْعُوْلٌ ثَانٍ لِیَتَّخِذُوْا وَالْمَفْعُوْلُ الثَّانِیْ لِحَسِبَ مَحْذُوْفٌ الْمَعْنٰی اَظَنُّوْا اَنَّ الْاِتِّخَاذَ الْمَذْکُوْرَ لَایُغْضِبُنِیْ وَلَا اُعَاقِبُهُمْ عَلَیْهِ کَلَّا **اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ** هٰؤُلَاءِ وَغَیْرِهِمْ **نُزُلًا** ﴿۱۰۲﴾ اَیْ هِیَ مُعَدَّةٌ لَهُمْ کَالنُّزُلِ الْمُعَدِّ لِلضَّیْفِ **قُلْ هَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا** ﴿۱۰۳﴾ تَمْیِیْزٌ طَابَقَ الْمُمَیَّزَ وَبَیَّنَهُمْ بِقَوْلِهٖ **الَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا** بَطَلَ عَمَلُهُمْ **وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ** یَظُنُّوْنَ **اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا** ﴿۱۰۴﴾ عَمَلًا یُجَازَوْنَ عَلَیْهِ **اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ** بِدَلَائِلِ تَوْحِیْدِهٖ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَغَیْرِهٖ **وَلِقَآئِهٖ** اَیْ وَبِالْبَعْثِ وَالْحِسَابِ وَالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ **فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ** بَطَلَتْ **فَلَا**

نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ اَیْ لَانَجْعَلُ لَهُمْ قَدْرًا **ذٰلِكَ** اَیِ الْاَمْرُ الَّذِیْ ذُكِرَتْ مِنْ حُبُوْطِ اَعْمَالِهِمْ وَغَيْرِهٖ وَابْتِدَاءُ **جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِیْ وَرُسُلِیْ هُزُوًا** ﴿۱۰۶﴾ اَیْ مَهْزُوًّا بِهِمَا **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ** فِیْ عِلْمِ اللّٰهِ **جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ** هُوَ وَسْطُ الْجَنَّةِ وَاَعْلَاهَا وَالْاِضَافَةُ اِلَيْهِ لِلْبَيَانِ **نُزُلًا** ﴿۱۰۷﴾ مَنْزِلًا **خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ** يَطْلُبُوْنَ **عَنْهَا حِوَلًا** ﴿۱۰۸﴾ تَحَوُّلًا اِلٰی غَيْرِهَا **قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ** اَیْ مَاؤُهٗ **مِدَادًا** هُوَ مَا يُكْتَبُ بِهٖ **لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ** الدَّالَّةِ عَلٰی حُكْمِهٖ وَعَجَائِبِهٖ بِاَنْ تُكْتَبَ بِهٖ **لَنَفِدَ الْبَحْرُ** فِیْ كِتَابَتِهَا **قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ تَفْرُغَ **كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ** اَیِ الْبَحْرِ **مَدَدًا** ﴿۱۰۹﴾ زِيَادَةٌ فِيْهِ لَنَفِدَ وَلَمْ تَفْرُغْ هِیَ وَنَصْبُهٗ عَلَی التَّمِيْزِ **قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ** اٰدَمِیٌّ **مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ** اَنَّ الْمَكْفُوْفَةُ بِمَابَاقِيَةٌ عَلٰی مَصْدَرِيَّتِهَا وَالْمَعْنٰی يُوْحٰی اِلَیَّ وَحْدَانِيَّةُ الْاِلٰهِ **فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا** يَامُلُ **لِقَآءَ رَبِّهٖ** بِالْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ **فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ** اَیْ فِيْهَا بِاَنْ يُرَائِیَ **اَحَدًا** ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ: .... خضر علیہ السلام نے کہا کہ کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے (لفظ لكَ کا اضافہ اس وجہ سے کیا کہ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے عذر و معذرت کا کوئی موقعہ نہیں رہا۔ کیونکہ اس سے قبل وہ مزید سوال نہ کرنے کا وعدہ کر چکے تھے۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا کہ اب اگر میں آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کروں۔ تو مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھیئے۔ بے شک پہنچ چکے ہیں آپ میری جانب سے حدِ عذر کو (مجھ کو اپنے سے جدا کرنے میں لدنی کے نون میں دو قراءت ہیں۔ ایک بغیر تشدید کے جو نافع کی قراءت ہے اور جمہور علماء تشدید کے قائل ہیں) پھر دونوں چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں پر گذر ہوا (جس گاؤں کا نام انطاکیہ تھا) تو ان لوگوں سے بطور مہمانی کے کھانے کا مطالبہ کیا۔ لیکن ان لوگوں نے ان دونوں کی مہمانداری سے انکار کر دیا۔ پھر ان دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی۔ جو گرنے ہی والی تھی (جس کی اونچائی سو گز تھی) پس اس دیوار کو (خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے) کھڑی کر دی (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا کہ اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت لے لیتے (کیونکہ انہوں نے ہماری ضرورت کو جانتے ہوئے بھی مہمانی نہیں کی۔ لتخذت میں ایک قراءت لاتخذت بھی ہے خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے) کہا کہ اب یہ وقت ہمارے اور تمہارے درمیان جدائی کا ہے۔ اب تمہیں (جدائی سے قبل) ان چیزوں کی حقیقت بتلاتا ہوں۔ جس پر تم خاموش نہیں رہ سکے وہ کشتی چند غریبوں کی تھی (جن کی تعداد دس تھی) یہ لوگ کشتی کو دریا میں (حصول روزگار کے لئے اجرت پر) چلاتے تھے۔ پس ارادہ کیا میں نے کہ اس کو عیب دار بنادوں۔ اور اس کے آگے ایک بادشاہ (کافر) جو ہر کشتی کو۔ (جو اچھی ہو) زبردستی لے لیتا تھا۔ (غصباً کو مصدر ہونے کی بناء پر نصب ہے اور جو ایک خاص قسم کے لینے کو بتاتا ہے) اور رہ گیا لڑکا تو اس کے والدین مومن تھے۔ سو ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ اپنی سرکشی اور کفر کا اثر ان دونوں پر بھی نہ ڈال دے۔ (مسلم شریف کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کافر پیدا کیا گیا تھا اور اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے والدین پر بھی کفر کا اثر ڈال دیتا۔ یعنی والدین بھی اس کی محبت کی وجہ سے اس کے ساتھ کفر میں مبتلا ہو جاتے) پس ہم نے یہ چاہا کہ اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ ایسی اولاد ان کو دے جو بہتر ہو اس

سے (نیکی اور پرہیز گاری میں یبدلھما میں تشدید اور بغیر تشدید دونوں طرح قراءت ہے) اور جو محبت کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو۔ (رحما کے حا کو جزم اور پیش دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ جس کے معنی والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے والدین کو ایک ایسی لڑکی عطا فرمائی۔ جس کی شادی ایک نبی سے ہوئی۔ اور جس کی اولاد بھی نبی ہی ہوئی۔ ان کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے پوری ایک امت کو ہدایت نصیب فرمائی) اور قصہ دیوار کا یہ ہے کہ وہ شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی۔ جس کے نیچے ان کا خزانہ تھا (یعنی سونا چاندی وغیرہ دفن تھا) اور ان کے والدین نیک تھے (جن کی نیکی کی وجہ سے ان دونوں بچوں کے جان و مال کی حفاظت کی گئی) تو آپ کے خدا نے چاہا۔ کہ وہ دونوں اپنی پختگی کو پہنچ جائیں (عقل وفہم کی حد کو پہنچ جائیں) اور اپنے خزانے کو نکال لیں۔ یہ آپ کے خدا کی مہربانی ہے۔ (رحمۃً مفعول لہٗ ہے جس کا عامل اراد ہے) اور نہیں کیا میں نے یہ (جس کا ذکر ہوا یعنی کشتی میں دراڑ پیدا کرنا، بچے کو قتل کرنا اور دیوار کھڑی کر دینا) اپنے اختیار سے (بلکہ یہ سب کچھ منجانب اللہ الہام تھا) یہ ہے حقیقت ان چیزوں کی جس پر آپ صبر نہ کر سکے (اسطاع اور استطاع دونوں طرح استعمال کیا گیا ہے۔ گویا انہوں نے دونوں لغت کو جمع کر دیا۔ جس کے معنے ایک ہی ہیں یعنی طاقت وقوت کے۔ اسی طرح پر فاردت کو مختلف انداز میں پیش کیا گیا۔ کبھی فاردت اختیار کیا گیا۔ کبھی فاردنا استعمال کیا اور کہیں فاراد ربک ذکر کیا۔ یہ محض اسلوب کی تبدیلی ہے) یہ آپ سے سوال کرتے ہیں (یہود) ذوالقرنین کے بارے میں (جن کا نام اسکندر ہے اور وہ نبی نہیں ہیں) کہہ دیجئے کہ ابھی میں بیان کرتا ہوں تم سے ان کے احوال بطور خبر کے۔ ہم نے انہیں زمین پر حکومت دی تھی (اس سرزمین پر سیر وسیاحت کی آسانیاں دے کر) اور ہم نے انہیں ہر طرح کا سامان دیا تھا۔ (جس کی انہیں اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ضرورت پڑ سکتی تھی) پھر وہ ایک راستہ پر چل پڑے (مغرب کی جانب) یہاں تک کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ پر پہنچے تو سورج کو ایک سیاہ چشمہ میں ڈوبتے ہوئے محسوس کیا۔ (یعنی ایک گدلے چشمہ میں اور سورج کا غروب اس حالت میں واقعی غروب نہیں تھا، کیونکہ سورج تو ہماری موجودہ دنیا سے بھی بڑا ایک کرہ ہے۔ اس لئے مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین کو اس طرح نظر آیا) اور پایا اس کے پاس (چشمہ کے پاس) ایک قوم کو (جو کافر تھی) ہم نے کہا ذوالقرنین سے (الہام کے ذریعہ) کہ تم چاہو تو انہیں سزا دو (اور جان سے مار ڈالو) یا یہ کہ ان کے بارے میں نرمی اختیار کرو (قیدی بنا کر) ذوالقرنین نے کہا اچھا جو شخص ظلم کرے گا (شرک کر کے) اسے عنقریب ہم سزا دیں گے (یعنی ہم اس سے قتال کریں گے) پھر وہ لوٹائے جائیں گے اپنے خدا کے پاس تو وہ انہیں سخت سزا دے گا (آگ میں ڈال کر نکرا کے ک کو جزم اور پیش دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ جس کے معنی سخت کے ہیں۔) اور بہر حال وہ لوگ جو ایمان لے آئیں گے اور اچھے عمل کریں گے ان کے لئے بہتر بدلہ ہے (یعنی جنت۔ اس صورت میں جزاء کی اضافت حسنیٰ کی طرف اضافت بیانیہ ہے۔ ایک دوسری قراءت میں لفظ جزاء منصوب مع تنوین ہے۔ اور فراء کے خیال میں جزاء پر نصب تفسیر کے لئے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ حسنیٰ بحیثیت جزاء ملے گی) اور ہم اپنے برتاؤ میں اس سے آسان بات کہیں گے (یعنی ہم بھی اس کے ساتھ احکام میں نرمی اختیار کریں گے) پھر وہ ایک اور راستہ پڑے (مشرق کی جانب) یہاں تک کہ وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پر پہنچے اور دیکھا کہ وہ طلوع ہو رہا ہے ایک قوم پر (جو حبشی ہیں) جن کے لئے ہم نے سورج سے آڑ کی کوئی چیز نہیں رکھی (نہ لباس اور نہ چھت وغیرہ کیونکہ ان کی سرزمین میں کوئی تعمیر وغیرہ ممکن نہیں۔ البتہ ان کے لئے سرنگ ہیں جن میں وہ سورج کے نکلنے کے وقت چھپ جاتے ہیں اور سورج کے اوپر ہونے کے بعد نکل آتے ہیں) اسی طرح ہے (یعنی واقعہ اسی انداز پر ہے۔ جس طرح ہم نے بیان کیا) اور جو کچھ ان کے پاس تھا اس کی مجھے پوری طرح خبر ہے (یعنی ذوالقرنین کے پاس اسباب اور لشکر وغیرہ جو کچھ تھا اس کا مجھے اچھی طرح علم ہے) پھر وہ ایک اور راستہ پر چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے۔ سدین کی س میں زبر اور پیش دونوں طرح

کی قراءت ہے۔ ھذا یعنی اس آیت میں اور معنی کے آگے آنے والی آیت میں دونوں آیت میں جو سدا کا لفظ آیا ہے۔ اس سے پہاڑ مراد لئے گئے ہیں جو ترکستان کے آخری منطقہ پر ہے۔ اور سد سکندر ان دونوں پہاڑوں کے بیچ میں ہے۔ جس کی تفصیل آئندہ آئے گی) ان دونوں پہاڑوں کے اس طرف ایک قوم کو پایا جو کوئی بات ہی نہیں سمجھتے تھے (مگر بہت مشکل سے۔ یفقھون میں ایک قراءت یا کے پیش اور ق کے زیر کی ہے) ان لوگوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج (یاجوج اور ماجوج میں ہمزہ اور بغیر ہمزہ کے دونوں قراءت ہے۔ یہ عجمی نام ہیں دو قبیلوں کے) اس سرزمین پر بہت فساد مچاتے ہیں (جب وہ ہمارے یہاں داخل ہوتے ہیں تو لوٹتے ہیں) تو کیا ہم آپ کے لئے کچھ مال وغیرہ جمع کریں (خرجاً ایک قراءت میں خراجاً ہے۔) تاکہ آپ ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان کوئی رکاوٹ کھڑی کردیں۔ (پھر وہ ہم تک نہیں پہنچ سکیں گے) ذوالقرنین نے کہا کہ جو کچھ اختیار دیا ہے مجھ کو (مکنی میں ایک قراءت دونون کے ادغام کے بغیر ہے) میرے خدا نے مال وغیرہ میں وہ بہت کچھ ہے (اس لئے مجھے تمہارے مال وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ویسے ہی تمہارے لئے رکاوٹ کھڑی کردوں گا) البتہ تم میری مدد محنت سے کرو (جب میں تم سے اس کا مطالبہ کروں) تو میں تمہارے اور ان کے درمیان خوب مضبوط دیوار بنادوں گا۔ تم میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ (چٹانوں کے برابر لوہے کے ٹکڑے لاؤ۔ جس سے تعمیر کھڑی کی جاسکے۔ جب ان لوگوں نے لوہے کی چادریں لاکر دے دیں تو اس سے ذوالقرنین نے دیوار کی تعمیر کردی اور دونوں پہاڑوں کے درمیان لکڑی اور کوئلہ کا انتظام کیا) یہاں تک کہ جب دونوں پہاڑوں کی پھانکوں کو برابر کردیا۔ (صدفین میں مختلف قراءت ہے۔ ایک تو ص اور ف کو پیش کی۔ دوسری قراءت دونوں کو زبر کی ہے اور تیسری قراءت یہ ہے کہ ص کو پیش اور ف ساکن۔ یعنی جب دونوں پہاڑوں کے درمیان کے فصل کو دیوار کے ذریعہ پُر کردیا۔ تو دھونکنی اور آگ کا انتظام کیا) پھر ذوالقرنین نے کہا کہ لو اب دھونکوں (تو ان کے حکم پر لوگوں نے آگ کو دھونکا) یہاں تک کہ بنادیا اس کو (لوہے کو) آگ (یعنی آگ کی طرح سرخ) پھر کہا کہ میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ۔ تاکہ میں اس پر ڈال دوں (قطراً مفعول ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ اتونی افرغ دونوں فعل اسے اپنا مفعول بنانا چاہتے ہیں۔ "اسی کو اصطلاح نحو میں تنازع فعلان کہا جاتا ہے۔" یہاں قطرا کو افرغ کا مفعول بنا دیا گیا ہے اور اتونی کے بعد قطراً کو محذوف مانا گیا ہے پھر انہوں نے اس پگھلے ہوئے تانبے کو اس گرم گرم لوہے پر ڈال دیا۔ جس سے وہ لوہے کی چادروں میں پیوست ہو کر ایک دیوار ہوگئی) اور نہیں قدرت ہوئی ان کو (یاجوج و ماجوج کو) کہ وہ چڑھ جائیں اس پر (اس کی بلندی اور چکناہٹ کی وجہ سے) اور ان کے لئے یہ بھی ممکن نہ رہا کہ وہ اس میں سوراخ کردیں (اس کی صلابت اور پہنائی کی بناء پر) کہا (ذوالقرنین نے) کہ یہ (یعنی اس دیوار کو بنا کر کھڑی کردینا) میرے پروردگار کی ایک رحمت ہی ہے (کیونکہ اب یاجوج ماجوج کا آنا ممکن نہ رہا) پھر جس وقت میرے رب کا وعدہ آئے گا (یعنی اس کے فناء کا وقت آئے گا) تو اسے ڈھا کر زمین کے برابر کردے گا (اور اس وقت یہ پھر نکل آئیں گے) اور میرے رب کا ہر وعدہ برحق ہے اور اس روز ہم ان کی یہ حالت کردیں گے (جس دن یہ نمودار ہوں گے) کہ ایک میں ایک گڈمڈ ہوجائیں گے (اپنی کثرت تعداد کی وجہ سے) پھر صور پھونکا جائے گا اور ہم سب کو جمع کرلیں گے (تمام مخلوق کو قیامت کے دن کسی ایک جگہ میں) اور اس روز دوزخ کو ہم کافروں کے سامنے پیش کردیں گے جن کی آنکھوں پر (یہ الکافرین سے بدل واقع ہو رہا ہے) پردہ پڑا ہوا تھا میری یاد سے (یعنی غافل تھے قرآن سے یہ لوگ اندھے ہیں۔ یہ قرآن سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے) اور وہ سن بھی نہیں سکتے تھے (اپنے بغض و عناد کی وجہ سے انبیاء کی باتوں کو سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔ تو پھر ایمان لانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے) کیا پھر بھی ان کافروں کا خیال ہے۔ کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز قرار دیں گے (یعنی میرے فرشتوں کو عیسیٰ کو اور عزیز کو۔) اولیاء۔ یتخذ کا مفعول ثانی محذوف ہے۔ معنی یہ ہیں کہ کیا ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ مجھ کو چھوڑ کر دوسروں کو خدا بنالیں

گے۔ اور پھر بھی مجھے ان کی اس مذموم حرکت پر غصہ نہ آئے گا۔ اور یہ بھی خیال ہے کہ میں ان کو شدید عذاب میں مبتلا نہ کروں گا؟ اگر یہ خیال ہے تو کتنا غلط خیال ہے۔ بے شک ہم نے دوزخ کو کافروں کی مہمانی کے لئے تیار کر رکھا ہے (جس طرح دنیا میں مہمانوں کے لئے مہمان خانے ہوتے ہیں۔ ان کافروں کے لئے یہ جہنم بطور مہمان خانہ کے تیار کی گئی ہے)۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے لحاظ سے بالکل ہی خسارہ میں ہیں۔ (اعمالاً منصوب ہے تمیز ہونے کی بناء پر۔ اعمالاً تمیز جمع ہے۔ ادھر اخسرین بھی جمع ہے۔ اس طرح تمیز اور ممیز میں باعتبار جمع مطابقت ہے۔ یہ نقصان والے کون ہیں؟ انہیں کی تفسیر شروع ہو رہی ہے) یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش دنیا ہی کی زندگی میں رکاوٹ ہو کر رہیں (ان کے اعمال ضائع ہو گئے) اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ کوئی بڑے اچھے کام کر رہے ہیں۔ (یعنی وہ اس خیال میں رہے ہیں کہ ان کے اعمال کا کوئی بہتر بدلہ ملے گا) یہ وہی لوگ ہیں۔ جو اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کرتے رہے ہیں۔ (یعنی قرآن وحدیث وغیرہ سے جو خدا کی وحدانیت کے دلائل پیش کئے گئے۔ اس کے ہمیشہ منکر رہے) اسی طرح خدا کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں (یعنی قیامت، حساب وکتاب اور ثواب وعذاب کو تسلیم نہیں کرتے ہیں) سو ان کے سارے کام اکارت ہو گئے۔ اور ہم قیامت کے دن ان کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے (ان کے اعمال کا کوئی وزن ہمارے یہاں نہیں ہوگا) بلکہ ان کی سزا وہی ہے یعنی دوزخ۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا تھا۔ اور میری نشانیوں اور میرے پیغمبروں کا مذاق اڑایا تھا۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ہوں گے۔ ان کی مہمانی کے لئے فردوس کے باغ ہوں گے (فردوس یعنی وسط جنت کا سب سے (اعلیٰ درجہ) ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ وہ وہاں سے کہیں اور جانا چاہیں گے۔ کہہ دیجئے کہ اگر سمندر (یعنی اس کا پانی) روشنائی ہو جائے۔ میرے پروردگار کی باتیں لکھنے کے لئے (یعنی خدا تعالیٰ کے احکامات اور اس کے عجائبات قدرت کو لکھنا چاہیں) تو سمندر ختم ہو جائے گا۔ میرے پروردگار کی باتیں ختم ہونے سے پہلے۔ (ینفد میں دو قراءت ہے ینفد یا کے ساتھ اور تنفد تا کے ساتھ۔ معنی فارغ ہونا۔ پورا ہونا) اگرچہ ہم ایسا ہی اور سمندر اس کی مدد کے لئے لے آئیں (یعنی اگر ہم مزید ایک اور سمندر بطور سیاہی کے خدا تعالیٰ کے عجائبات قدرت کو لکھنے کے لئے لے آئیں تو وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ لیکن خدا تعالیٰ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی۔ مددا کو نصب بر بناء تمیز ہے) آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں۔ میرے پاس تو بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے (ان کا عمل رک گیا۔ کیونکہ مابعد میں مصدر آ رہا ہے اور معنی یہ ہیں کہ مجھ پر خدا کے ایک ہونے کی وحی آتی ہے) سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے (حشر ونشر کے ذریعہ اور جزاء کا یقین رکھتا ہے) تو اسے چاہئے کہ نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

تحقیق وترکیب: .... یرید ان ینقض. ارادہ کی نسبت دیوار کی جانب کی گئی ہے۔ حالانکہ دیوار ایک جامد چیز ہے اور اس کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ ارادہ ذی حیات چیزوں کے ساتھ قائم ہے۔ مفسرینؒ نے کہا ہے کہ یہاں مجاز واستعارہ سے کام لیا گیا ہے اور گرنے کے قریب یا گرا چاہتی تھی۔ اسے یرید ان ینقض کے ساتھ تعبیر کر دیا گیا۔ کلام عرب میں اس کی نظائر بکثرت موجود ہیں کہ بطور مجاز واستعارہ ارادہ کی نسبت جامد اشیاء سے کی گئی ہے۔

لو شئت لتخذت. بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ اس ارشاد میں حضرت موسیٰ سے خضر علیہ السلام کو مزدوری لینے پر توجہ دلا رہے ہیں۔ یا یوں کہئے کہ کھانے کی شدید ضرورت میں مزدوری نہ لینا اور غیر ضروری امور میں مشغولیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے گراں تھی۔ اس لئے یہ فرمایا۔

بتاویل مالم تستطع. بعض مفسرینؒ نے لکھا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے یہ مسلسل اقدامات خود حضرت موسیٰ کے لئے

ایک لطیف تنبیہ تھے۔ کشتی کے توڑنے پر حضرت موسیٰ کا اضطراب انہیں یہ یاددلاتا تھا کہ جب تم خود والدہ کے ہاتھوں صندوق میں رکھ کر دریا کی موجوں میں چھوڑ دیئے گئے تھے۔ تو وہاں تمہارا محافظ کون تھا؟ اور کمسن بچہ کا قتل حضرت موسیٰ کے لئے یہ تنبیہ تھی کہ آج اس حادثہ پر چیں بہ جبیں ہو۔ اس روز کیا ہوا تھا کہ اپنے طمانچہ سے قبطی کو ہلاک کر بیٹھے تھے۔ دیوار کی درستگی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ یاددلاتی تھی کہ تم نے بھی تو حضرت شعیب علیہ السلام کی بچیوں کے لئے بلا اجرت پانی نکالا تھا۔

اما السفينة. جس ترتیب کے ساتھ واقعات پیش آئے۔ حضرت خضرؑ اسی ترتیب کے مطابق واقعات وحوادث کی لم وحکمت بیان فرمارہے ہیں۔ سفن الماء. پانی کو چیرنا۔ کیونکہ کشتیاں چلتے ہوئے پانی کو چیرتی ہیں اس لئے کشتیوں کو عربی میں سفینة کہا جاتا ہے۔ سفينة کی جمع سفن اور سفان کشتی بان۔

فخشينا ان يرهقهما. قاموس میں ہے کہ رهق بمعنی ڈھانک لینا۔ ارهقه طغيانا. اس کے معنی اپنی سرکشی سے اس پر مسلط ہوگیا۔ طبع كافراً. سرشت کفر پر پیدا کیا گیا تھا۔ لہٰذا وہ حدیث جس میں یہ فرمایا گیا ہے۔ کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اس سے مستثنیٰ ہوگی۔ خاکسار مترجم کہتا ہے کہ حدیث سے مستثنیٰ کرنے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ حدیث کا تو مطلب صرف اتنا ہے۔ کہ مولود فطرت سلیم لے کر پیدا ہوتا ہے۔ یہ بچہ بھی فطرت سلیم پر پیدا ہوا لیکن بجائے دین اسلام کے کفر کے قبول کرنے کے امکانات زیادہ قوی تھے۔ پھر یہ کفر اس حد تک پہنچتا کہ ماں باپ بھی اس کے کفر کی بناء پر مبتلاءِ کفر ہوسکتے تھے۔ اور کیوں کہ خداتعالیٰ کو ماں باپ کے ایمان کی حفاظت مقصود تھی۔ اس لئے اس بچہ کو ختم کردینا ضروری تھا۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ جسم کا کوئی عضو خراب ہونے کی صورت میں پورے جسم کے متأثر ہونے کے امکانات ہوں تو اس عضوءِ فاسد کو کاٹ دیا جاتا ہے۔ قصۂ اصحاب کہف سے اس کی مناسبت ظاہر ہے۔ وہاں اصحاب کہف کے ایمان کی حفاظت ایک جابر وقاہر بادشاہ سے کی گئی تھی۔ یہاں مومن ماں باپ کے ایمان کا تحفظ ایک کافر ہونے والے بچہ سے کیا گیا۔ حضرت خضر اس قتل میں معذور ہیں۔ کیونکہ انہیں منجانب اللہ قتل کے لئے مامور کیا گیا تھا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ کسی کافر کو عام حالات میں اس کے کفر کی بنیاد پر قتل کرنا مناسب نہیں ہے۔

يستخرجا كنزهما. کنز (خزانہ) عام مفسرینؒ مال مدفونہ ہی مراد لیتے ہیں۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ نے خزانہ علمی بھی مراد لیا ہے۔

فاراد ربك. حضرت خضرؑ نے مختلف عبارتیں اور اسلوب بیان اختیار کئے ہیں۔ پہلے فرمایا۔ "فاردت ان اعيبها." یہ اس لئے کہ بظاہر کشتی میں عیب پیدا کیا گیا۔ اور عیب کی نسبت خداتعالیٰ کی طرف مناسب نہیں تھی۔ قتل غلام کے موقعہ پر " فاردنا" کی تعبیر اختیار کی گئی۔ کیونکہ بچہ کے قتل میں خیر بھی تھی اور شر بھی۔ بظاہر قتل شر تھا اور حقیقتاً اس سے مقصود والدین کے ایمان کی حفاظت تھی۔ جو یقیناً خیر ہے۔ حضرت خضرؑ نے ادباً شر کو اپنی طرف منسوب کرلیا اور خیر کو خداتعالیٰ کی طرف فاردنا میں خود کو اور خداتعالیٰ کو جمع کرلیا۔ خزانہ کی حفاظت کے موقعہ پر خیر ہی خیر ہے۔ اس لئے فاراد ربک کا انداز اختیار کیا گیا۔

من دونه سترا. موجودہ وقت میں اسے یوں سمجھئے کہ اس قوم کے ملک اور کرۂ شمس میں بُعد بہت کم تھا۔ جس کی وجہ سے وہاں شدید گرمی پڑتی تھی۔ جیسا کہ حال ہی میں پاکستان کے مشہور شہر جہاں کی گرمی مشہور ہے۔ یہی تحقیقات ہوئی ہیں اور ہوسکتا ہے۔ کہ یہ قوم تمدن سے قطعاً عاری ہو اور ان کے یہاں بودوباش اور پوشاک کا بھی کوئی انتظام نہ ہو۔ جیسا کہ آج بھی دنیا میں اس طرح کی اقوام موجود ہیں۔

سبباً. راستہ کے معنی ہیں۔ صدفين. ہر چیز کا بلند حصہ۔ یہاں مراد پہاڑ کی پھانکیں۔

فما استطاعوا له نقبا. آج سے ہزاروں سال کی بات ہے کہ جب انسان اتنا باشعور نہیں تھا کہ وہ کسی چیز کی شکست و ریخت کے لئے وسائل اور آلات بہم پہنچائے اور جب کہ یہ دیوار بھی نہایت مضبوط بنائی گئی تھی اور ساتھ ہی بلند بھی تو اس پر چڑھنے اور اس کے توڑنے کے امکانات بھی مسدود تھے۔

حاجزا کے معنی رکاوٹ۔**نزلا.** جائے ضیافت۔کفار کے لئے اس لفظ کا انتخاب ایک طرح کا استہزاء اور طنز ہے۔ورنہ ظاہر ہے کہ اہل کفر کے لئے ضیافت۔پھر جہنم جیسی دارالمحن میں کیا سوال؟

فلا نقیم لھم یوم القیٰمۃ وزنا. ممکن ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ اہل کفر کے اعمال کی ہمارے نزدیک کوئی حیثیت و اہمیت نہیں۔جیسا کہ اردو میں کہتے ہیں کہ بڑی باوزن شخصیت ہے۔یا بہت ہی بے وزن انسان ہے۔

ربط :............ قرآن مجید کا دستور ہے کہ اپنے دعوے کو واقعات سے مدلل کرتا ہے۔اسی دستور کے مطابق سورۂ کہف کے بالکل ابتداء میں فرمایا گیا تھا کہ یہ تمام کائنات ایک خاص انداز پر تعمیر اور آراستہ کی گئی اور پھر اس کو تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔اسی دعوے کے لئے یہ پیش آمدہ چند واقعات کا تذکرہ زیر گفتگو ہے۔کشتی کا ٹوٹنا تخریب تھی لیکن ملاحوں کے سرمایہ کی حفاظت بھی۔اصحاب کہف کا وطن سے جدا ہونا اور موت کے سناٹے میں گم ہونا بظاہر ایک تخریب تھی۔لیکن سرمایہ ایمان کی حفاظت بھی تھی۔لڑکے کا قتل ایک انسانی جان کا تہہ و بالا کرنا تھا۔لیکن بباطن ماں باپ کے ایمان کا تحفظ بھی۔ٹوٹی ہوئی دیوار کو درست کر دینا یتیم بچوں کے مال کی حفاظت کے لئے تھا۔

قصہ ذوالقرنین میں سد سکندری کا مقصود یاجوج و ماجوج کی دستبرد اور حملوں سے ایک پوری قوم کو تحفظ دینا تھا۔پس یہ کائنات کون وفساد، تخریب وتعمیر کا ایک مجموعہ ہے۔جس کی بہاریں خزاں بدوش، جس کی آراستگی وزینت، خرابی و بدزیبائی کا پہلو لئے ہوئے، جہاں کی حیات موت آشنا، جہاں کی صحت بیماریوں کی زد میں اور جہاں کی ہر خوبی بالآخر فنا کے راستہ پر لگی ہوئی ہے اور پھر جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایک زبردست حکیم کی نہایت ہی دوررس حکمتوں کے تقاضہ پر۔اس لئے جو ہو رہا ہے، جس طرح ہو رہا ہے وہ کوئی اندھا دھند کارروائی نہیں۔بلکہ ایک سوچا سمجھا ہوا منصوبہ ہے۔کائنات کیا ہے؟ خداتعالیٰ کی بے پناہ نشانیوں کا ایک حیرت انگیز مرقع۔دیکھنے والی آنکھیں اصحاب کہف کے واقعہ ہی کو حیرت انگیز سمجھیں۔حالانکہ یہاں سب کچھ تعجب انگیز ہے۔اسی لئے بعد میں کچھ اور حیرت زدہ واقعات کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔جن میں عقل انسانی ہمیشہ حیرت بداماں ہی رہے گی۔یعنی حضرت مریمؑ کے پاس بے موسم پھلوں کی آمد، بغیر شوہر کے بچہ کی پیدائش، سیدنا زکریا علیہ السلام کے یہاں عہد پیری میں ولادت کا سلسلہ جب کہ عام حالات انسانی زندگی کے اس مرحلہ میں داخل ہو کر توالد وتناسل کی قوت کھو چکی ہوتی ہے۔ان واقعات کو پڑھئے اور خداتعالیٰ کے حیرت انگیز قوتوں پر ایمان لائیے۔

﴿ تشریح ﴾:............ موسیٰ علیہ السلام نے پہلا سوال کشتی میں دراڑ ڈالنے کے متعلق غالباً بے خیالی میں کر دیا تھا۔جیسا کہ ان کے عذر **تؤاخذنی بمانسیت** سے معلوم ہوتا ہے۔لیکن یہ دوسرا سوال قصداً تھا۔اسی وجہ سے وہ اس مرتبہ اپنے سوال پر سہو ونسیان کا کوئی عذر نہیں کرتے۔اور ظاہر ہے کہ بچہ کو بلاقصور مار ڈالنا یہ تو قطعاً احکام شریعت کی خلاف ورزی تھی اور جب خلاف شرع باتوں پر عام صالحین تحمل نہیں کر سکتے ہیں۔تو موسیٰ علیہ السلام تو ایک جلیل القدر پیغمبر تھے۔جن کا کام ہی ہر برائی کو روکنا اور نیکی کو پھیلانا تھا۔وہ کس طرح اسے برداشت کرتے۔بالآخر وہ اپنے اس مزاجِ نبوت کے پیش نظر سوال پر مجبور تھے۔

اب رہا یہ اعتراض کہ موسیٰ علیہ السلام جب سوال نہ کرنے کا وعدہ کر چکے تھے۔پھر ان سے وعدہ کی خلاف ورزی کیوں ہوئی؟ تو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ بظاہر تو آپ کا وعدہ عام تھا۔لیکن درحقیقت مراد یہ تھی کہ خلاف شرع کوئی بات اگر پیش نہ آئی تو خاموش

رہیں گے۔ پھر جب حضرؑ کا بچہ کے ساتھ معاملہ بظاہر سراسر خلاف شریعت ہے تو ایک پیغمبر اس پر کیسے خاموش رہ سکتا ہے۔

بہر حال اس مرتبہ کی خلاف ورزی پر جب حضرت خضرؑ نے بشدت تنبیہ کی۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے بجائے کسی معذرت کے یہ فرمایا۔ کہ اچھا اس مرتبہ اور درگزر سے کام لیجئے۔ اب آئندہ اگر میں کوئی اعتراض کروں تو آپ مجھے اپنے سے علیحدہ کر دیجئے گا۔ کیونکہ آپ بھی بار بار تنبیہ کے باوجود میری خلاف ورزی کو کہاں تک برداشت کر سکتے ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب کوئی آپ کو یاد آ جاتا اور اس کے لئے دعا کرتے تو پہلے اپنے لئے کرتے۔ ایک روز فرمانے لگے کہ ہم پر اللہ کی رحمت ہو اور موسیٰ علیہ السلام پر کاش وہ اپنے ساتھی کے ساتھ اور بھی ٹھہرتے اور صبر کرتے تو بہت سی حیرت انگیز باتیں معلوم ہوتیں۔ لیکن انہوں نے تو یہ کہہ کر بات مختصر کر دی کہ اگر اب خلاف ورزی کروں تو مجھے علیحدہ کر دیجئے گا۔

اس واقعہ کے بعد دونوں پھر چل پڑے اور ایک بستی میں پہنچے۔ قدیم زمانے میں جبکہ نہ مہمان خانے ہوتے تھے اور نہ اس کثرت سے رہائشی ہوٹل اور نہ جگہ جگہ کھانے پینے کی دکانیں ہوتیں، بلکہ خود بستی والے نو واردوں کو اپنا مہمان تصور کرتے اور ان کی بڑی خاطر مدارات کیا کرتے۔ لیکن یہ جب دونوں اس بستی میں پہنچے تو بستی والے اتنے بخیل تھے کہ خود سے تو کیا ان دونوں بھوکے مسافروں کے مانگنے پر بھی کھانا کھلانے سے صاف انکار کر دیا۔ پھر اس بستی میں انہوں نے دیکھا کہ ایک دیوار ہے جو گرنے ہی والی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام اسے ٹھیک کرنے میں لگے۔ جس پر موسیٰ علیہ السلام پھر بول پڑے کہ اس بستی والوں نے تو ہمارے ساتھ یہ معاملہ کیا کہ مانگنے پر بھی کھانا نہیں دیا اور آپ ان کے ساتھ یہ حسن سلوک کرتے ہیں؟ کم از کم اپنی اس محنت کی ان سے مزدوری ہی لے لیتے، جس کا ہمیں پورا حق حاصل تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سوال سن کر کہا کہ بس اب عہد و پیمان کے مطابق ہم میں اور آپ میں جدائی ہوگئی۔ اور اب ان باتوں کی جس پر آپ صبر نہیں کر سکے ان کی علت بیان کئے دیتا ہوں۔

مصالح و حاکم: ....فرمایا کہ کشتی کو عیب دار بنانے میں تو یہ مصلحت تھی کہ جدھر یہ کشتی جا رہی تھی، آگے چل کر ایک ایسے بادشاہ کے حدود سلطنت شروع ہو رہے تھے جو بہت ظالم تھا اور اپنے حدود سلطنت سے گزرنے والی ہر اچھی کشتی کو زبردستی لے لیتا تھا۔ اس بادشاہ کے نام میں اختلاف ہے۔ محمد ابن اسحٰق کی رائے ہے کہ اس کا نام ''سولۃ بن جلید الازدی'' تھا اور بعض نے یہ کہا کہ اس کا نام ''جلید بن کرکر'' تھا۔ ابن جریج نے بخاری شریف کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے، کہ اس کا نام ''بدد بن بدد'' تھا۔

تو حضرت خضر علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ اگر میں اسے عیب دار نہ بنا دیتا تو بادشاہ اسے بھی چھین لیتا اور ان غریبوں کے ہاتھ سے ذریعہ معاش جاتا رہتا۔ اب یہ لوگ اس کی مرمت کرا لیں گے اور اس نقصان عظیم سے بچ گئے۔

اور اس کمسن بچہ کا قتل کرنا تو اس بچہ کی فطرت میں کفر پڑا ہوا تھا اور مجھ کو کشف تکوینی سے یہ معلوم ہوا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر کافر ہوگا اور ممکن تھا کہ والدین بھی اس کی محبت اور تعلق میں کفر کی طرف مائل ہو جاتے تو آئندہ کے اندیشوں کی وجہ سے اس بچہ کا کام ہی تمام کر دینا مناسب تھا۔

خشینا اور اردنا سے بعض محققین نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ چونکہ اس واقعہ قتل سے موسیٰ علیہ السلام کی نکیر سخت لب و لہجہ میں تھی تو حضرت خضر علیہ السلام نے جواب میں اپنے ارادہ کی قوت ظاہر کرنے کے لئے جمع تعظیمی کا صیغہ استعمال کیا ہے۔

اور رہا دیوار کا بغیر کسی اجرت کے کھڑی کر دینا تو اس میں مصلحت خداوندی یہ تھی کہ اس دیوار کے نیچے شہر کے دو یتیم بچوں کا مال دفن تھا جو ان کے باپ سے میراث میں ملا تھا۔ لیکن وہ ابھی کم عمر تھے اور اس مال کو صحیح مصرف میں خرچ نہیں کر سکتے تھے، اس لئے اسے

چھپا کر رکھنا ہی مناسب سمجھا۔

جب خضر علیہ السلام اپنے کاموں کی لم وحکمت بیان کر چکے تو فرمایا کہ اس میں خدا تعالیٰ کی یہ مصلحتیں تھیں۔ جس پر آپ خاموش نہیں رہ سکے اور یہ جو کچھ بھی میں نے کیا، یہ کوئی اپنے ارادہ واختیار سے نہیں بلکہ میں تو مامور من اللہ تھا۔ انہیں کے حکم سے میں نے یہ سب کچھ کیا (تو اگر چہ فاعل حضرت خضر علیہ السلام ہیں لیکن آمر خدا تعالیٰ ہی ہیں) عجب نہیں کہ ان اسرار کا بتلانا اسی درخواست کو پورا کرنا ہو جو موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کی تھی کہ **تعلمن مما علمت**. بہر حال نبی کے لئے سارے علوم کا جاننا کوئی ضروری نہیں۔ البتہ وہ علوم انہیں سکھائے جاتے ہیں جو نبوت کے لئے ضروری ہیں۔ محققینؒ نے کہا ہے کہ تشریعی علوم تکوینی علوم سے افضل ہیں۔

ذوالقرنین: .... پہلے گزر چکا ہے کہ کفار مکہ نے اہل کتاب سے کہا کہ ہمیں کچھ ایسے سوالات بتاؤ جو ہم آنحضور ﷺ سے پوچھیں۔ تو وہ نہ بتا سکیں۔ اس پر اہل کتاب نے چند سوالات بتائے۔ ان میں سے ایک سوال سکندر ذوالقرنین کے بارے میں بھی تھا تو آنحضرت ﷺ سے سوال کرنے والے اگر چہ قریش تھے لیکن یہ سوال انہوں نے خود نہیں کیا تھا۔ یہودیوں کے ایماء پر کیا تھا اور کیونکہ تورات میں ایک موقعہ پر ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے تو قرآن نے بھی انہیں کی کتاب کے مطابق اس لفظ کو دہرادیا۔ چنانچہ قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اسی کو قرآن مجید یہاں بیان کر رہا ہے کہ وہ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

ذوالقرنین کی شخصیت ہمیشہ سے علماء کے یہاں زیر بحث اور کافی اختلاف کا باعث رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن مجید نے اس موقعہ پر نہایت اجمال سے کام لیا ہے اور احادیث اس سلسلہ میں بالکل خاموش ہیں۔

ادھر مستشرقین یورپ جو قرآن مجید کے بیان کردہ حقائق کو غلط کرنے کی پرزور کوشش کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے چند مزعومات اور پھر ان کی قیاسی تائیدات سے اس بحث کو اور بھی مشتبہ اور غیر واضح بنادیا ہے۔ چنانچہ اکثر حضرات نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں ذوالقرنین سے سکندر مقدونی ہی مراد ہے۔ اس کی ابتداء محمد بن اسحٰق نے کی ہے۔ اسی نے سب سے پہلے سکندر مقدونی ہی کو ذوالقرنین قرار دیا اور کیونکہ ان کی تصنیف مقبول اور رائج تھی، اس لئے ان کا یہ مغالطہ عام اور شائع و ذائع ہو گیا۔ سکندر مقدونی کو ذوالقرنین قرار دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ عرب میں جس بادشاہ کے حدود وسیع تر ہوتے، اس کو بالعموم ذوالقرنین کہہ دیا جاتا تھا۔ چنانچہ یمن کے بعض تبابعہ کو بھی ان کی سلطنت وسیع ہونے کی بناء پر عرب ذوالقرنین کہتے چلے آئے ہیں۔ اسی طرح عرب ایران کے بعض بادشاہوں کو مثلاً: کیقباد اور فریدون کو ذوالقرنین کہتے ہیں۔

عرب کی اس ایجاد کی بناء پر بعض لوگوں نے سکندر مقدونی کو ذوالقرنین قرار دیا اور افسوس ہے کہ ہمارے بعض علماء نے اس تحقیق کے تمام گوشوں پر تنقید و تحقیق کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی اور اسی کو آخری تحقیق سمجھ بیٹھے۔ حالانکہ تفصیلات اور تاریخی وثائق سے قطع نظر کم از کم اتنی بات تو پیش نظر رہنی چاہئے کہ قرآن مجید نے ذوالقرنین کے جو اوصاف، احوال اور رعایا کے ساتھ نیک برتاؤ کے قصے سنائے ہیں، ان سے واضح طور پر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ ذوالقرنین ایک نہایت صالح، عادل اور رعایا پرور بادشاہ تھا جس کے ایمان و اسلام میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ جبکہ سکندر مقدونی ایک جبر پسند، ظلم پیشہ اور مشرک بادشاہ گزرا ہے، بلکہ بستانی نے یہ لکھا ہے کہ:

''وہ اس قدر مغرور و متکبر بادشاہ گزرا ہے کہ یونان اور اسیابان کے لوگوں کو اپنے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا اور اپنے کو معبود کہلاتا تھا۔'' (دائرۃ المعارف للبستانی جلد دوم صفحہ ۵۴۷)

امام بخاریؒ نے کتاب ''احادیث الانبیاء'' میں ذوالقرنین کے واقعہ کو ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ سے پہلے ذکر کیا ہے۔ اس کی خاص وجہ لکھتے ہوئے محدث حافظ ابن حجر نے اپنی معرکتہ الآ راء شرح بخاری میں لکھا ہے کہ:

''امام بخاری نے ذوالقرنین کے قصہ کو ابراہیم علیہ السلام کے واقعات سے پہلے اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ ان لوگوں کی خوب تردید ہو جائے جو سکندر مقدونی کو ذوالقرنین کہتے ہیں۔'' (فتح الباری جلد دوم صفحہ ۲۹۴)

اور صرف یہی نہیں بلکہ ابن حجرؒ نے کافی دلائل بہم پہنچائے۔ جن سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ سکندر مقدونی ہرگز ذوالقرنین نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی مشہور کتاب ''البدایہ والنہایہ'' میں اس موضوع پر مفصل کلام کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''سکندر مقدونی اور ذوالقرنین کے درمیان تقریباً دو ہزار سال کا عرصہ حائل ہے۔ ان میں سے ایک مقدومی اور دوسرا عربی سامی ہے۔ ان دونوں میں ایسا واضح امتیاز ہے کہ ان دونوں کو ایک سمجھنے والا یقیناً غبی و جاہل اور حقائق سے بالکل بے بہرہ ہوگا۔''

(البدایہ والنہایہ جلد ۱ صفحہ ۱۰۶)

امام رازی نے بھی اگرچہ سکندر مقدونی کو ذوالقرنین کا لقب دیا ہے، تاہم اتنی بات بھی ان کو تسلیم ہے کہ ذوالقرنین ایک پیغمبر تھے اور سکندر مقدونی کافر تھا، جس کا معلم ارسطاطالیس تھا جو کہ خود بھی یقیناً کافر ہی تھا۔ یہ سکندر ارسطو کے حکم پر تمام معاملات میں عمل کرتا۔ (تفسیر کبیر سورۂ کہف)

غرضیکہ محققین میں سے حافظ ابن تیمیہ، ابن عبدالبر، زبیر ابن بکار، حافظ ابن حجر، ابن کثیر، عینی شارح بخاری اور بکثرت علماء نے اس کی مکمل تردید کی ہے کہ سکندر مقدونی ذوالقرنین نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اکابر علماء کی بھی یہ رائے ہے کہ ذوالقرنین نسلاً عربی اور سامہ اولیٰ سے تھا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا معاصر تھا۔ یہ رائے بھی گوناگوں اشکالات کی وجہ سے قابل قبول نہیں۔ اس سلسلہ میں یہ قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ذوالقرنین سے ایران کا بادشاہ عظیم خورس یا سائرس مراد ہے۔ مختلف تاریخی شہادات سے یہ بات ثابت ہے کہ یہی وہ شخص ہے جس کے متعلق دانیال علیہ السلام اور یسعیاہ نبی کے صحیفہ میں یہود کا ان کے نکبت وذلت کے اوقات میں نجات دہندہ ہونا بتایا گیا تھا اور یہ بالکل قرین عقل ہے کہ اپنے اس نجات دہندہ سے یہود کو غیر معمولی دلچسپی ہو اور انہوں نے اس دلچسپی کے پیش نظر آنحضور ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا جس پر قرآن مجید نے کچھ تفصیلات بیان کیں۔

ذوالقرنین کی نبوت:............ نیز متاخرین علماء اور اہل تحقیق کی متفقہ رائے یہ ہے کہ ذوالقرنین ایک نیک دل، رحم پسند اور رعایا پرور بادشاہ تھے، نبی ہرگز نہیں تھے۔ چنانچہ ابن حجرؒ نے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

''ذوالقرنین نبی نہ تھے اور نہ فرشتہ۔ بلکہ وہ ایک انسان تھے۔ وہ خدا تعالیٰ سے محبت کرتے تھے اور خدا تعالیٰ نے بھی ان کو محبوب رکھا۔''

(فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۲۹۵)

حضرت علیؓ کے علاوہ سیدنا ابن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، امام رازیؒ اور متاخرین کی اکثریت اسی کی قائل ہے کہ ذوالقرنین نبی تھے۔ ابن کثیرؒ نے بھی اپنی آخری رائے یہی ظاہر کی ہے۔

مغربی مہم:............ اس کے بعد قرآن نے بتایا کہ ذوالقرنین نے پہلے پچھم کی جانب اپنا سفر شروع کیا۔ یہاں تک کہ چلتے چلتے سورج کے ڈوبنے کی جگہ پہنچ گئے۔ وہاں انہیں سورج ایسا دکھائی دیا، جیسے ایک سیاہ چشمہ میں ڈوب رہا ہے۔ مورخین کے حوالہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ خورس کو سب سے پہلے اور اہم مہم پچھم کی طرف پیش آئی۔ ان کو لیڈیا کے بادشاہ کرڈیسس کے غدارانہ طرز عمل کے

خلاف اس پر حملہ کرنا پڑا۔ یہ جگہ ایران سے مغرب کی جانب ہے اور اس کا دارالحکومت سارڈیس ہے اور پھر خورس مغرب کی جانب فتوحات حاصل کرتے ہوئے ایشیائے کوچک کے آخری ساحل پر جا پہنچے۔ جس کے بعد سوائے سمندر کے اور کچھ نہیں تھا۔ جغرافیہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ لیڈیا کا دارالحکومت سارڈیس جو ایشیائے کوچک کے آخری مغربی ساحل کے قریب تھا اور یہاں سمرنا کے قریب چھوٹے چھوٹے جزیرے نکل آنے کی وجہ سے تمام ساحل جھیل کی طرح بن گیا ہے اور بحر ایجین کے اس ساحل کا پانی بہت گدلا رہتا تھا اور شام کے وقت سورج ڈوبتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی گدلے حوض میں ڈوب رہا ہو۔

اس گدلے چشمہ کے کنارے ایک قوم آباد تھی جس پر خدا تعالیٰ نے ذوالقرنین کو پورا غلبہ دے دیا تھا اور انہیں اس کا بھی اختیار دے دیا تھا کہ چاہے انہیں ان کے کفر کی بناء پر سزا دیں یا انہیں دعوت ایمان دے کر مسلمان بنا ڈالیں۔ جیسا کہ عام طور پر فیصلہ ایسے موقعہ پر امام المسلمین یا امیر المومنین پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تاریخی حوالوں سے یہ ثابت ہے کہ ذوالقرنین اس اختیار کے باوجود کوئی ظلم یا تباہی و بربادی نہیں لائے بلکہ عادل، نیک اور صالح بادشاہ کی طرح رعایا کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کیا۔ قرآن نے ذوالقرنین کا جو مقولہ نقل کیا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک مومن اور عادل وصالح بادشاہ تھے۔

ذوالقرنین نے کہا کہ ہم ناانصافی کرنے والے نہیں ہیں جو سرکشی کرے گا، اسے ضرور سزا دیں گے۔ پھر اسے اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے۔ وہ بداعمالوں کو سخت عذاب میں مبتلا کرے گا اور جو ایمان لائے گا اور اچھے کام کرے گا تو اس کے بدلہ میں اس کو بھلائی ملے گی اور ہم اسے ایسی ہی باتوں کا حکم دیں گے جس میں اس کے لئے آسانی وراحت ہو۔

مشرقی مہم: .... پھر ذوالقرنین کی دوسری مہم مشرق کی جانب شروع ہوئی اور یہ مہم اس وجہ سے شروع ہوئی کہ ایران کے مشرق میں بعض وحشی اور صحرانشین قبائل نے سرکشی اور بغاوت کر دی تھی اور جب وہ چلتے چلتے سورج کے نکلنے آخری حد پر پہنچے تو ان کو وہاں خانہ بدوش قبائل سے واسطہ پڑا جو مکان ولباس وغیرہ سے ناآشنا تھے۔ جن کے پاس ستر چھپانے کو نہ کپڑا اور نہ سورج کی تمازت سے بچنے کے لئے مکان۔ قرآن مجید نے ذوالقرنین کے مغربی اور مشرقی سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے **مطلع الشمس** اور **مغرب الشمس** کی تعبیر اختیار کی ہے۔ جس سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ ذوالقرنین پوری دنیا کا بلاشرکت غیرے بادشاہ بن گیا تھا۔ حالانکہ یہ تاریخی اعتبار سے کسی بھی بادشاہ کے لئے ثابت نہیں۔ قرآن کا مطلب اس تعبیر کے اختیار کرنے سے یہ ہے کہ وہ اپنے مرکز حکومت کے اعتبار سے انتہاء مغرب اور انتہاء مشرق تک پہنچے ہیں۔ نیز اس تعبیر کے اختیار کرنے کی دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جس طرح ذوالقرنین قرآن کا دیا ہوا لقب نہیں ہے بلکہ سوال میں کئے ہوئے لفظ کو قرآن نے دہرا دیا۔ اسی طرح پر یہ بھی ممکن ہے کہ سائلین کو یہ واقعہ سناتے ہوئے قرآن نے وہی **مغرب الشمس** اور **مطلع الشمس** کی تعبیر اختیار کر لی ہو۔ جو تورات میں ذوالقرنین (خورس) سے متعلق درج ہے۔ یسعیاہ نبی کے صحیفہ میں خورس کے لئے بعینہ یہی تعبیر موجود ہے۔

شمالی مہم: .... ذوالقرنین کا پھر تیسرا سفر شروع ہوا اور جب وہ ایسے مقام پر پہنچے جہاں دو پہاڑوں کی پھانکیں ایک دورہ بناتی تھیں، اور وہاں ایک ایسی قوم آباد تھی جو ان کی زبان اور بولی سے ناواقف تھی۔ کسی طرح انہوں نے ذوالقرنین پر یہ واضح کیا کہ ان پہاڑوں کے درمیان سے یاجوج وماجوج نکل کر ہم کو ستاتے ہیں اور اس سرزمین میں فساد انگیزی کرتے ہیں۔

یہاں قرآن مجید میں کسی سمت کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں کیا ہے۔ لیکن جغرافیائی معلومات سے یہ شمالی سمت معلوم ہوتی ہے اور تاریخی شہادتوں ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوہ قاف کے پہاڑی سلسلوں میں ایسے دو پہاڑ تھے جن کے پھانکوں کے درمیان

قدرتی درہ تھا، جہاں یہ قوم آباد تھی اور پہاڑ کے دوسری جانب سیتھین قبائل کے جنگلی اور غیر مہذب لٹیرے آباد تھے جو اس قوم پر حملہ کرتے اور لوٹ مار کر واپس ہو جاتے۔ جب ذوالقرنین (خورس) وہاں پہنچے تو اس آبادی کے لوگوں نے حملہ آور لٹیروں کی شکایت کرتے ہوئے ایک رکاوٹ کھڑی کرنے کی درخواست کی جسے ذوالقرنین نے منظور کر لیا اور لوہے و تانبے کی ایک ایسی دیوار کھڑی کر دی جس کو یہ غیر مہذب قبائل اپنی درندگی اور خونخواری کے باوجود نہ توڑ پھوڑ سکے اور نہ اس کے اوپر سے اتر کر حملہ آور ہو سکے۔ اس طرح اس درہ کی آبادی ان کے حملوں سے محفوظ ہو گئی۔

یاجوج و ماجوج: .... یاجوج و ماجوج سے متعلق ویسے تو بہت سی روایات بیان کی جاتی ہیں۔ لیکن یہ سب اسرائیلی خرافات ہیں، جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ البتہ محققین نے جو تفصیلات بیان کی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج کوئی عجیب الخلقت مخلوق نہیں بلکہ وہ بھی عام انسانوں ہی کی طرح انسان ہیں اور نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

یاجوج و ماجوج۔ منگولیا (تاتار) کے ان وحشی قبائل کا نام ہے جن کو یورپ اور روسی اقوام کی ابتدائی نسل ہونے کا تاریخی ثبوت حاصل ہے۔ ان کی ہمسایہ قوم ان کے دو بڑے قبیلوں کو موگ اور یوچی کہتے تھے۔ اس لئے ان کی تقلید میں یونانیوں نے ان کو میگ، میگاگ اور یوگاگ کہا۔ جو کہ عربی اور عبرانی میں تصرف کے بعد یاجوج و ماجوج ہو گیا۔ حافظ ابن کثیرؒ، ابن حجرؒ، طنطاویؒ وغیرہ کی یہی تحقیق ہے۔

سدذوالقرنین: .... اب یہ بات کہ وہ دیوار جو ذوالقرنین نے بنائی تھی وہ کہاں ہے؟ جبکہ دنیا کا نقشہ اس طرح تیار ہو گیا کہ کوئی بھی اہم اور تاریخی چیزیں چھوٹ نہ سکیں۔ تو سدذوالقرنین کہاں اور کس حالت میں ہے؟ اس دیوار کی تعیین سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ یاجوج و ماجوج کے لوٹ مار کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ کا کیشیا کے نیچے بسنے والے بھی ان کے ظلم و ستم سے بچ نہ سکے اور دوسری طرف تبت وچین کے باشندے بھی ان کے لگائے ہوئے زخموں سے چور چور تھے، اس لئے انہیں یاجوج و ماجوج کے ظلم سے بچانے کے لئے مختلف زمانوں میں بہت سی دیواریں کھڑی کی گئیں۔ جن میں سے ایک دیوار، دیوار چین کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دیوار تقریباً ایک ہزار میل لمبی ہے۔

دوسری دیوار وسط ایشیاء میں بخارا اور ترمذ کے قریب واقع ہے۔ اس کو "دربند" کہتے ہیں۔ یہ مشہور مغل بادشاہ تیمور لنگ کے زمانہ میں تھی اور تیسری دیوار روسی علاقہ داغستان میں واقع ہے۔ یہ بھی دربند اور باب ابواب کے نام سے مشہور ہے اور بعض مورخین اسے الباب بھی لکھ دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب دیواریں شمال ہی میں بنائی گئی ہیں اور سب کا مقصد ایک ہی تھا۔ یعنی یاجوج و ماجوج کی لوٹ مار سے حفاظت۔ اس لئے سدذوالقرنین کی تعیین میں دشواری ہو گئی۔

بعض محققین کی رائے ہے کہ بخارا اور ترمذ کے قریب جو دربند حصار کے علاقہ میں دیوار ہے وہی سدذوالقرنین ہے۔ لیکن ابوحیان اندلسی، بستانی اور حضرت العلامہ انورشاہ کشمیریؒ وغیرہ نے لکھا ہے کہ سدذوالقرنین اس بحر قزوین میں نہیں ہے، بلکہ اس سے اوپر قفقاز کے آخری کنارہ پر پہاڑوں کے درمیان ہے اور یہی تحقیق واقعی اور قرآن مجید کے بیانات کے مطابق ہے۔ کیونکہ واثق باللہ نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں نے روم کو فتح کیا ہے تو اس نے ایک تحقیقاتی کمیشن اس دیوار کی کھوج کے لئے روانہ کیا تھا۔ یہ کمیشن ایک مدت کے بعد تحقیق کر کے واپس ہوا تو اس نے قفقاز کے پہاڑوں کے کنارہ پر جو دیوار دیکھی تھی وہ بعینہ قرآن مجید کے ذکر کردہ دیوار کے مطابق تھی۔ بہر حال قرآنی بیانات اور محققین کی آراء کے نتیجہ میں جس دیوار کو سدذوالقرنین کہہ سکتے ہیں وہ قفقاز کے علاقہ میں واقع

دیوار کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

خروجِ یاجوج وماجوج: .... عام طور پر مفسرین نے آیت فاذا جاء وعد ربی جعلہ دکاء وکان وعد ربی حقا سے یہ سمجھا ہے کہ یاجوج وماجوج سد ذوالقرنین کے پیچھے اس طرح محصور ہو گئے ہیں کہ اب وہ کسی طرح سے باہر نکل ہی نہیں سکتے اور وہ دیوار بھی قیامت تک اسی طرح صحیح وسالم اپنی پوری مضبوطی و پائیداری کے ساتھ کھڑی رہے گی اور جب یاجوج وماجوج کے خروج کا وقت آئے گا، جو قرب قیامت کی علامت میں سے ہے تو اس وقت وہ دیوار گر کر ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔ جس کے نتیجہ میں وہ امنڈ پڑیں گے۔ مگر آیت کے سیاق وسباق پر نظر ڈالنے کے بعد یہ تفسیر کچھ زیادہ صحیح معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ جب ذوالقرنین نے دیوار کھڑی کر دی تو اس کی مضبوطی کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا کہ جب میرے خدا تعالیٰ کا وعدہ آ جائے گا تو یہ دیوار ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔ مگر اس جگہ یاجوج وماجوج کے اس خروج کا کوئی تذکرہ نہیں ہے جو قیامت کے قریب واقع ہوگا۔ کیونکہ فاذا جاء وعد ربی جعلہ دکاء ارشاد خداوندی تو ہے نہیں بلکہ ذوالقرنین کا اپنا مقولہ ہے اور خروج یاجوج وماجوج ان اخبار مغیبات میں سے ہے جو علامات قیامت کے طور پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے بیان کی گئی ہے۔ اس لئے یہاں "وعد" سے وعدہ قیامت مراد نہیں ہے بلکہ کسی تعمیر کی تخریب کا معین وقت مراد ہے، جس کی تعیین ذوالقرنین نے اپنی جانب سے کرنے کے بجائے مرد مومن ومرد صالح کی طرح خدا کی مرضی کے حوالہ کر دی ہے۔

بہر حال ذوالقرنین کے مقولہ اذا جاء وعد ربی جعلہ دکاء میں وعد سے یاجوج وماجوج کا خروج موعود مراد نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک وقت ایسا ضرور آئے گا کہ یہ دیوار ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ امام احمدؒ، حافظ ابن کثیرؒ اور حضرت العلامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کی بھی یہی رائے ہے کہ ذوالقرنین کے مقولہ میں یاجوج وماجوج کا خروج موعود نہیں ہے۔

علامہ کشمیریؒ نے اپنی تصنیف "عقیدۃ الاسلام" میں تحریر فرمایا ہے کہ مقولہ ذوالقرنین کے سیاق وسباق میں ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں جس سے دیوار کے ریزہ ریزہ ہونے کے واقعہ کو علامات قیامت میں سے شمار کیا جائے اور شاید ذوالقرنین کو یہ علم بھی نہ ہو کہ اشراط ساعت میں سے خروج یاجوج وماجوج بھی ہے۔ ان کا کہنا تو بس اس درجہ میں تھا کہ یہ دیوار ہمیشہ باقی نہیں رہے گی بلکہ ایک دن ضرور ختم ہو جائے گی۔

فکر آخرت: .... قرآن کا ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ جب بھی کوئی دنیوی اہم واقعہ یا حادثہ سناتا ہے تو اسی کے ساتھ آخرت کی یاد دلاتا ہے تو اب حضرت موسیٰ علیہ السلام وخضر علیہ السلام کے اسفار، ذوالقرنین کی فتوحات اور یاجوج وماجوج کے فتنہ وفساد کے قصہ سے فارغ ہو کر فرمایا جا رہا ہے کہ پھر ہم صور پھونکیں گے اور سب کو ایک جگہ جمع کر لیں گے اور اس دن کفار کے سامنے ہم جہنم پیش کریں گے جو دنیاوی زندگی میں اپنی آنکھوں اور کانوں کو بے کار کئے بیٹھے رہے۔ نہ دین حق کو دیکھتے تھے اور نہ دعوت حق کو سنتے تھے۔ اپنے اس بغض وعناد کی وجہ سے جو ان کو اسلام اور رسول اسلام سے تھا اور ہمیشہ یہی سمجھتے رہے کہ ان کے جھوٹے معبود ہی ان کے سارے نفع پہنچائیں گے اور ہمیں عذاب سے نجات دلائیں گے۔ حالانکہ یہ خیال ان کا کتنا غلط تھا۔ انہیں کے لئے ہم نے یہ جہنم تیار کر رکھی ہے۔

پھر انہیں کو ڈراتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے طور پر عبادت وریاضت کرتے رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ ہم بہت کچھ نیکیاں کر رہے ہیں۔ جن پر ہمیں بہترین بدلہ ملے گا۔ لیکن چونکہ وہ خدا کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق نہیں تھیں، انبیاء علیہم السلام کے فرمان کے خلاف تھیں، اس لئے بجائے مقبول ہونے کے مردود ہوئیں اور بجائے محبوب ہونے کے مبغوض ہو کر رہ گئیں۔ اس لئے کہ وہ خدا کی آیتوں کو جھٹلاتے رہے۔ خدا کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت کے تمام تر ثبوت ان کے سامنے تھے لیکن

انہوں نے اس سے آنکھیں بند رکھیں۔لہٰذا انکی نیکی کا پلڑہ بے وزن رہے گا۔ یہ بدلہ ہے ان کے کفر کا اور خدا تعالیٰ کی آیتوں اور اس کے رسولوں کی ہنسی مذاق اڑانے کا۔کفر وطغیان جب اپنے حدود سے نکل جاتا ہے تو انسان محض انکار پر ہی بس نہیں کرتا بلکہ خدا تعالیٰ کے پیغمبروں اور اس کے احکامات کی تکذیب اور تمسخر پر اتر آتا ہے۔تو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ سوائے جہنم کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ان کے مقابلہ میں مومنین کو خوشخبری سناتے ہوئے ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ لوگ جو خدا کی وحدانیت اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور اس کے احکامات پر چلے اور نیک کام کئے، ان کے ٹھہرنے کی جگہ فردوس کے باغات ہوں گے۔

بخاری و مسلم میں ہے۔آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب جنت مانگو تو جنت الفردوس کا سوال کرو۔ یہ جنت میں سب سے عمدہ اور اعلیٰ درجہ ہے۔ جنت کے لازوال اور نت نئی نعمتوں میں رہنے والوں کو نہ کوئی بیدخل کر سکے گا اور نہ وہ از خود وہاں سے نکلنے کی خواہش کریں گے۔ جنت اپنی ان گنت نعمتوں، راحتوں اور لذتوں کے ساتھ ان کے لئے ہر لحہ ایک نئی کشش رکھے گی۔اس لئے اہل جنت کے از خود وہاں سے نکلنے کا سوال ہی کیا پیدا ہو سکتا ہے؟ قرآن مجید نے خالدین کا لفظ استعمال کر کے اس کی بھی مکمل تردید کردی کہ ان کو وہاں سے کوئی نکال بھی نہیں سکے گا۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ اپنی عظمت سمجھانے کے لئے آنحضور ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ اعلان کر دیجئے کہ اگر ساری مخلوق مل کر بھی کلمات الٰہی کا احاطہ کرنا چاہے تو ممکن نہیں۔اگرچہ سمندر کو بطور سیاہی کے استعمال کرلیں تو بھی یہ ممکن نہیں ہے۔سارا سامان تحریر ختم ہو جائے گا لیکن خدا تعالیٰ کی حکمتیں اور ان کی قدرتیں ختم نہیں ہو سکتیں۔سمندر سے مراد کوئی ایک سمندر نہیں ہے، بلکہ جنس سمندر ہے یا یہ کہ اس سرزمین پر جتنے بھی سمندر ہیں اگر ان کو بطور سیاہی کے استعمال کر کے کوئی یہ چاہے کہ خدا کی آیات ونشانیاں لکھ ڈالے، تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہے اس کی قدرتیں لامتناہی ہیں، اسے کس طرح متناہی کیا جا سکتا ہے؟

اس کے بعد آنحضور ﷺ کو مخاطب بنا کر ارشاد ہوا کہ آپ اپنی حیثیت لوگوں پر واضح کر دیجئے اور کہئے کہ میں تم ہی جیسا ایک انسان ہوں۔ہم میں اور تم میں کوئی فرق نہیں ہے، سوائے اس کے کہ میرے اوپر وحی آتی ہے۔گویا کہ میں صرف وصف رسالت میں تم سے ممتاز ہوں۔تم نے مجھ سے ذوالقرنین کا واقعہ دریافت کیا۔اسی طرح اصحاب کہف کا قصہ پوچھا۔تو میں کوئی غیب دان نہیں ہوں، بلکہ یہ ساری تفصیلات میں نے اسی وحی کے ذریعے بتائی، جو مجھ پر نازل ہوتی ہے۔اور اس وحی کا تمام خلاصہ یہ ہے کہ شرک چھوڑ دو۔اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا حاجت روا نہ سمجھو اور جو شخص خدا سے ملاقات کی تمنا رکھتا ہے اور اس کا متمنی ہے کہ اس کے کئے ہوئے کاموں کا اسے بہتر بدلہ ملے تو اسے چاہئے کہ وہ شریعت کے مطابق عمل کرے۔اس کے پیغمبروں کی فرمانبرداری کرے اور خدا کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر اپنے آپ کو اجر وثواب کا مستحق بنائے۔اس کے بغیر نہ اس کے اعمال کا کوئی وزن ہوگا اور نہ اس کی نیکیوں کی کوئی حیثیت ہوگی۔ وہ بجائے مقبول ہونے کے مبغوض عند اللہ ٹھہرے گا۔

سُوْرَةُ مَرْيَمَ

سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ اَوْاِلَّا سَجْدَتُهَا فَمَدْنِيَةٌ اَوْ اِلَّا فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ الْاٰيَتَيْنِ

فَمَدْنِيَتَانِ وَهِيَ ثَمَانٌ اَوْ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ هٰذَا **ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ** مَفْعُوْلُ رَحْمَةِ **زَكَرِيَّا ﴿۲﴾** بَيَانٌ لَهٗ **اِذْ** مُتَعَلِّقٌ بِرَحْمَةِ **نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً** مُشْتَمِلًا عَلٰى دُعَاءٍ **خَفِيًّا ﴿۳﴾** سِرًّا جَوْفَ اللَّيْلِ لِاَنَّهٗ اَسْرَعُ لِلْاِجَابَةِ **قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ** ضَعُفَ **الْعَظْمُ** جَمِيْعُهٗ **مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ** مِنِّيْ **شَيْبًا** تَمِيْزٌ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ اَيْ اِنْتَشَرَ الشَّيْبُ فِيْ شَعْرِهٖ كَمَا يَنْتَشِرُ شُعَاعُ النَّارِ فِي الْحَطَبِ وَاِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ اَدْعُوْكَ **وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ** اَيْ بِدُعَائِيْ اِيَّاكَ **رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾** اَيْ خَائِبًا فِيْمَا مَضٰى فَلَا تُخَيِّبْنِيْ فِيْمَا يَاْتِيْ **وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ** اَيِ الَّذِيْنَ يَلُوْنِيْ فِي النَّسَبِ كَبَنِي الْعَمِّ **مِنْ وَّرَآءِيْ** اَيْ بَعْدَ مَوْتِيْ عَلَى الدِّيْنِ اَنْ يُّضَيِّعُوْهُ كَمَا شَاهَدْتُهٗ فِيْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ مِنْ تَبْدِيْلِ الدِّيْنِ **وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا** لَاتَلِدُ **فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ** مِنْ عِنْدِكَ **وَلِيًّا ﴿۵﴾** اِبْنًا **يَّرِثُنِيْ** بِالْجَزْمِ جَوَابُ الْاَمْرِ وَبِالرَّفْعِ صِفَةُ وَلِيًّا **وَيَرِثُ** بِالْوَجْهَيْنِ **مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ** جَدِّي الْعِلْمَ وَالنُّبُوَّةَ **وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿۶﴾** اَيْ مَرْضِيًّا عِنْدَكَ قَالَ تَعَالٰى فِيْ اِجَابَةِ طَلَبِهِ الْاِبْنُ الْحَاصِلُ بِهَا رَحْمَةٌ **يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ** يَرِثُ كَمَا سَاَلْتَ **اسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿۷﴾** اَيْ مُسَمًّى بِيَحْيٰى **قَالَ رَبِّ اَنّٰى** كَيْفَ **يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿۸﴾** مِنْ عَتَا يَبِسَ اَيْ نِهَايَةَ السِّنِّ مِائَةً وَّعِشْرِيْنَ سِنَةً وَبَلَغَتْ اِمْرَاَتِيْ ثَمَانِيَ وَتِسْعِيْنَ سِنَةً وَاَصْلُ عَتِيٍّ عُتُوٌّ وَكُسِرَتِ التَّاءُ تَخْفِيْفًا وَقُلِبَتِ الْوَاوُ الْاُوْلٰى يَاءً لِمُنَاسَبَةِ الْكَسْرَةِ وَالثَّانِيَةُ يَاءً لِتُدْغَمَ فِيْهَا الْيَاءُ **قَالَ** الْاَمْرُ **كَذٰلِكَ** مِنْ خَلْقِ غُلَامٍ مِنْكُمَا **قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ** اَيْ بِاَنْ اَرُدَّ

عَلَيْكَ قُوَّةَ الْجِمَاعِ وَافْتَقَ رَحِمَ امْرَأَتِكَ لِلْعُلُوقِ **وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا** ﴿۹﴾ قَبْلَ خَلْقِكَ وَلِاظْهَارِ اللّٰهِ تَعَالٰى هٰذِهِ الْقُدْرَةَ الْعَظِيمَةَ اَلْهَمَهُ السُّؤَالَ لِيُجَابَ بِمَا يَدُلُّ عَلَيْهَا وَلَمَّا تَاقَتْ نَفْسُهُ اِلَى سُرْعَةِ الْمُبَشَّرِ بِهِ **قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً** اَىْ عَلَامَةً عَلٰى حَمْلِ امْرَأَتِىْ **قَالَ اٰيَتُكَ** عَلَيْهِ **اَنْ لَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ** اَىْ تَمْتَنِعَ مِنْ كَلَامِهِمْ بِخِلَافِ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى **ثَلٰثَ لَيَالٍ** اَىْ بِاَيَّامِهَا كَمَا فِى اٰلِ عِمْرَانَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ **سَوِيًّا** ﴿۱۰﴾ حَالٌ مِنْ فَاعِلِ تُكَلِّمَ اَىْ بِلَاعِلَّةٍ **فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ** اَىِ الْمَسْجِدِ وَكَانُوا يَنْتَظِرُونَ فَتْحَهُ لِيُصَلُّوا فِيهِ بِاَمْرِهِ عَلَى الْعَادَةِ **فَاَوْحٰٓى** اَشَارَ **اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا** صَلُّوا **بُكْرَةً وَّعَشِيًّا** ﴿۱۱﴾ اَوَائِلَ النَّهَارِ وَاَوَاخِرَهُ عَلَى الْعَادَةِ فَعَلِمَ بِمَنْعِهِ مِنْ كَلَامِهِمْ حَمْلَهَا بِيَحْيٰى وَبَعْدَ وِلَادَتِهِ بِسَنَتَيْنِ قَالَ تَعَالٰى لَهُ **يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ** اَىِ التَّوْرٰةَ **بِقُوَّةٍ** بِجِدٍّ **وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ** النُّبُوَّةَ **صَبِيًّا** ﴿۱۲﴾ اِبْنَ ثَلَاثِ سِنِينَ **وَّحَنَانًا** رَحْمَةً لِّلنَّاسِ **مِّنْ لَّدُنَّا** مِنْ عِنْدِنَا **وَزَكٰوةً** صَدَقَةً عَلَيْهِمْ **وَكَانَ تَقِيًّا** ﴿۱۳﴾ رُوِىَ اَنَّهُ لَمْ يَعْمَلْ خَطِيْئَةً قَطُّ وَلَمْ يَهِمَّ بِهَا **وَّبَرًّا ۢ بِوَالِدَيْهِ** اَىْ مُحْسِنًا اِلَيْهِمَا **وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا** مُتَكَبِّرًا **عَصِيًّا** ﴿۱۴﴾ عَاصِيًا لِرَبِّهِ **وَسَلٰمٌ** مِّنَّا **عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا** ﴿۱۵﴾ اَىْ فِى هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْمَخُوفَةِ الَّتِى يَرٰى فِيهَا مَالَمْ يَرَهُ قَبْلَهَا فَهُوَ اٰمِنٌ فِيهَا **وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ **مَرْيَمَ** اَىْ خَبَرَهَا **اِذِ** حِينَ **انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا** ﴿۱۶﴾ اَىْ اِعْتَزَلَتْ فِى مَكَانٍ نَحْوَ الشَّرْقِ مِنَ الدَّارِ **فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا** فَاَرْسَلَتْ سِتْرًا تَسْتَتِرُ بِهِ لِتَفْلِىَ رَاْسَهَا اَوْثِيَابَهَا اَوْتَغْتَسِلَ مِنْ حَيْضِهَا **فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا** جِبْرَئِيلَ **فَتَمَثَّلَ لَهَا** بَعْدَ لُبْسِ ثِيَابِهَا **بَشَرًا سَوِيًّا** ﴿۱۷﴾ تَامَّ الْخَلْقِ **قَالَتْ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا** ﴿۱۸﴾ فَتَنْتَهِى عَنِّى بِتَعَوُّذِى **قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا** ﴿۱۹﴾ بِالنُّبُوَّةِ **قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ** يَتَزَوَّجُ **وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا** ﴿۲۰﴾ زَانِيَةً **قَالَ** الْاَمْرُ **كَذٰلِكِ** مِنْ خَلْقِ غُلَامٍ مِنْكِ مِنْ غَيْرِ اَبٍ **قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ** اَىْ بِاَنْ يَنْفُخَ بِاَمْرِىْ جِبْرَئِيْلُ فِيْكِ فَتَحْمِلِى بِهِ وَلِكَوْنِ مَاذُكِرَ فِى مَعْنَى الْعِلَّةِ عُطِفَ عَلَيْهِ **وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ** عَلٰى قُدْرَتِنَا **وَرَحْمَةً مِّنَّا** لِمَنْ اٰمَنَ بِهِ **وَكَانَ** خَلْقُهُ **اَمْرًا مَّقْضِيًّا** ﴿۲۱﴾ بِهِ فِى عِلْمِى فَنَفَخَ جِبْرَئِيْلُ فِى جَيْبِ دِرْعِهَا فَاَحَسَّتْ بِالْحَمْلِ فِى بَطْنِهَا مُصَوَّرًا **فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ** تَنَحَّتْ **بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا** ﴿۲۲﴾ بَعِيدًا مِنْ اَهْلِهَا **فَاَجَآءَهَا** جَاءَ بِهَا **الْمَخَاضُ** وَجَعُ الْوِلَادَةِ **اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ** لِتَعْتَمِدَ عَلَيْهِ فَوَلَدَتْ وَالْحَمْلُ وَالتَّصْوِيرُ وَالْوِلَادَةُ فِى سَاعَةٍ **قَالَتْ يٰا** لِلتَّنْبِيْهِ **لَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا** الْاَمْرِ **وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا** ﴿۲۳﴾ شَيْئًا مَتْرُوكًا لَا يُعْرَفُ وَلَا يُذْكَرُ **فَنَادٰىهَا**

مِنْ تَحْتِهَآ اَیْ جِبْرَئِیْلُ وَ كَانَ اَسْفَلَ مِنْهَا اَ لَّاتَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِیًّا ﴿۲۴﴾ نَهْرَمَاءٍ كَانَ اِنْقَطَعَ وَهُزِّیْٓ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ كَانَتْ یَابِسَةً وَالْبَاءُ زَائِدَةٌ تُسٰقِطْ اَصْلُهٗ بِتَائَیْنِ قُلِبَتِ الثَّانِیَةُ سِیْنًا وَاُدْغِمَتْ فِی السِّیْنِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِتَرْكِهَا عَلَیْكِ رُطَبًا تَمِیْزٌ جَنِیًّا ﴿۲۵﴾ صِفَتُهٗ فَكُلِیْ مِنَ الرُّطَبِ وَاشْرَبِیْ مِنَ السَّرِیِّ وَقَرِّیْ عَیْنًا ۚ بِالْوَلَدِ تَمِیْزٌ مُحَوَّلٌ مِنَ الْفَاعِلِ اَیْ لِتَقَرَّ عَیْنُكِ بِهٖ اَیْ تَسْكُنَ فَلَا تَطْمَحُ اِلٰی غَیْرِهٖ فَاِمَّا فِیْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِیَّةِ فِیْ مَاالْمَزِیْدَةِ تَرَیِنَّ حُذِفَتْ مِنْهُ لَامُ الْفِعْلِ وَعَیْنُهٗ وَاُلْقِیَتْ حَرَكَتُهَا عَلَی الرَّاءِ وَكُسِرَتْ یَاءُ الضَّمِیْرِ لِاِلْتِقَاءِ السَّاكِنَیْنِ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَیَسْاَلُكِ عَنْ وَلَدِكِ فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا اَیْ اِمْسَاكًا عَنِ الْكَلَامِ فِیْ شَاْنِهٖ وَغَیْرِهٖ مَعَ الْاَنَاسِیِّ بِدَلِیْلِ فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا ﴿۲۶﴾ اَیْ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ حَالٌ فَرَاَوْهُ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا ﴿۲۷﴾ عَظِیْمًا حَیْثُ اَتَیْتِ بِوَلَدٍ مِنْ غَیْرِ اَبٍ یٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ هُوَ رَجُلٌ صَالِحٌ اَیْ یَاشَبِیْهَتَهٗ فِی الْعِفَّةِ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ اَیْ زَانِیًا وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ﴿۲۸﴾ زَانِیَةً فَمِنْ اَیْنَ لَكِ هٰذَا الْوَلَدُ فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ۭ اَنْ كَلِّمُوْهُ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ اَیْ وُجِدَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُاللّٰهِ ۭ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ اَیِ الْاِنْجِیْلَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۠ اَیْ نَفَّاعًا لِلنَّاسِ اَخْبَارٌ بِمَا كُتِبَ لَهٗ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ اَمَرَنِیْ بِهِمَا مَادُمْتُ حَیًّا ﴿۳۱﴾ وَّبَرًّا ۢ بِوَالِدَتِیْ مَنْصُوْبٌ بِجَعَلَنِیْ مُقَدَّرًا وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا مُتَعَاظِمًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾ عَاصِیًا لِرَبِّهٖ وَالسَّلٰمُ مِنَ اللّٰهِ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾ یُقَالُ فِیْهِ مَاتَقَدَّمَ فِی السَّیِّدِ یَحْیٰی قَالَ تَعَالٰی ذٰلِكَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ بِالرَّفْعِ خَبَرُ مُبْتَدَاءٍ مُقَدَّرٍ اَیْ قَوْلُ ابْنِ مَرْیَمَ وَبِالنَّصْبِ بِتَقْدِیْرِ قُلْتُ وَالْمَعْنٰی اَلْقَوْلُ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾ مِنَ الْمِرْیَةِ اَیْ یَشُكُّوْنَ وَهُمُ النَّصَارٰی قَالُوْا اِنَّ عِیْسٰی ابْنَ اللّٰهِ كَذَبُوْا مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ تَنْزِیْهًا لَهٗ عَنْ ذٰلِكَ اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا اَیْ اَرَادَ اَنْ یُحْدِثَهٗ فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۳۵﴾ بِالرَّفْعِ بِتَقْدِیْرِ هُوَ وَبِالنَّصْبِ بِتَقْدِیْرِ اَنْ وَمِنْ ذٰلِكَ خَلْقُ عِیْسٰی مِنْ غَیْرِ اَبٍ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ بِفَتْحِ اَنَّ بِتَقْدِیْرِ اُذْكُرْ وَبِكَسْرِهَا بِتَقْدِیْرِ قُلْ بِدَلِیْلِ مَاقُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ هٰذَا الْمَذْكُوْرُ صِرَاطٌ طَرِیْقٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۳۶﴾ مُؤَدٍّ اِلَی الْجَنَّةِ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ اَیِ النَّصَارٰی فِیْ عِیْسٰی اَهُوَ ابْنُ اللّٰهِ اَوْاِلٰهٌ مَعَهٗ اَوْ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ فَوَیْلٌ شِدَّةُ عَذَابٍ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِمَا ذُكِرَ وَغَیْرِهٖ مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۳۷﴾ اَیْ حُضُوْرِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَاَهْوَالِهٖ

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ بِهِمْ صِيْغَتَا تَعَجُّبٍ بِمَعْنٰى مَا اَسْمَعَهُمْ وَمَا اَبْصَرَهُمْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا فِى الْاٰخِرَةِ لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ مِنْ اِقَامَةِ الظَّاهِرِ مَقَامَ الْمُضْمَرِ الْيَوْمَ اَىْ فِى الدُّنْيَا فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ اَىْ بَيِّنٍ بِهٖ صَمُّوْا عَنْ سِمَاعِ الْحَقِّ وَعَمُوْا عَنْ اَبْصَارِهٖ اَىْ اَعْجَبُ مِنْهُمْ يَامُخَاطِبًا فِىْ سَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ فِى الْاٰخِرَةِ بَعْدَ اَنْ كَانُوْا فِى الدُّنْيَا صُمًّا عُمْيًا وَاَنْذِرْهُمْ خَوِّفْ يَامُحَمَّدُ كُفَّارَ مَكَّةَ يَوْمَ الْحَسْرَةِ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يَتَحَسَّرُ فِيْهِ الْمُسِيْءُ عَلٰى تَرْكِ الْاِحْسَانِ فِى الدُّنْيَا اِذْ قُضِىَ الْاَمْرُ لَهُمْ فِيْهِ بِالْعَذَابِ وَهُمْ فِى الدُّنْيَا فِىْ غَفْلَةٍ عَنْهُ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ بِهٖ اِنَّا نَحْنُ تَاكِيْدٌ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا مِنَ الْعُقَلَاءِ وَغَيْرِهِمْ بِاِهْلَاكِهِمْ وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾ فِيْهِ لِلْجَزَاءِ

ترجمہ:............ یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کے مہربانی فرمانے کا (عبده مفعول ہے رحمة کا) اپنے بندہ زکریا پر (زکریا بیان ہے رحمة کا) جب انہوں نے خفیہ طور پر اپنے پروردگار کو پکارا (یعنی نصف رات کے بعد اپنے پروردگار سے دعا کی جو دعا کی مقبولیت کا خاص وقت ہے) کہا کہ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل گئی۔ (شيئا تمیز ہے جو درحقیقت فاعل تھا۔ تقدیر عبارت یہ ہے کہ انتشر الشيب في شعره كما ينتشر شعاع النار في الحطب۔ یعنی سر کے بالوں میں سفیدی اس طرح پھیل گئی ہے جیسے کہ لکڑی میں آگ جلنے پر اس کی لپٹ پوری لکڑی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اس لئے اب خاص طور پر وہ وقت آ گیا ہے کہ آپ کو آواز دوں اور آپ سے مدد طلب کروں) اور اس سے پہلے بھی کبھی میں آپ سے مانگنے میں ناکام نہیں رہا ہوں۔ (تو جس طرح اس سے پہلے آپ نے کبھی ناکام نہیں لوٹایا ہے، آئندہ بھی ناکام نہ کریں گے) اور میں اندیشہ رکھتا ہوں اپنے رشتہ داروں سے، اپنے بعد (جو میرے قریبی رشتہ دار ہیں۔ مثلاً چچا کے لڑکے وغیرہ سے دین کے بارے میں کہیں وہ میرے بعد نبوت اور دین کو ضائع نہ کردیں۔ جیسا کہ آپ نے بنی اسرائیل میں مشاہدہ کرلیا اور میری بیوی بانجھ ہے۔ سو آپ ہی مجھے اپنے پاس سے وارث دیجئے (یعنی بیٹا) جو میرا بھی وارث ہو اور اولاد یعقوب کا بھی وارث بنے۔ (یرثنی کے ثاء میں دو قرأت ہے۔ ایک جزم کی۔ اس صورت میں یرثنی امر کا جواب ہوگا۔ یعنی زکریا علیہ السلام نے جو کچھ کہا تھا کہ "دے مجھ کو" اسی کا بیان ہے کہ کیا دے۔ یعنی میرا وارث اور اگر ثاء کو پیش پڑھیں گے تو یہ ولیاً کی صفت ہوگی۔ یعنی ایسا لڑکا عنایت فرما دیجئے جو وارث ہو میرا اور اولاد یعقوب کے علوم و نبوت کا اور جو میری نبوت سنبھال سکے) اور اے خدا! اسے پسندیدہ کردیجئے (اور اسے ایسا بنادیجئے جو تیرے نزدیک پسندیدہ ہو۔ تو خدا تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ) اے زکریا! ہم تم کو خوشخبری دیتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اس سے قبل ہم نے کسی کو اس کا ہمنام نہیں بنایا۔ (یعنی اس سے قبل کسی کا یحییٰ نام نہیں رکھا گیا اور یہ آپ کے حسب منشاء آپ کا وارث ہوگا۔) زکریا علیہ السلام نے عرض کیا کہ میرے لڑکا کس طرح ہوگا۔ درآنحالیکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہاء کو پہنچا ہوا ہوں۔ (عتيا عتا سے ہے جس کے معنی خشک ہونا۔ یعنی عمر کے آخری مرحلہ پر پہنچ چکا ہوں۔ تقریباً ایک سو بیس سال کا ہوں اور میری بیوی اٹھانوے برس کی ہوگئی ہے۔ عتی کا اصل عتوو ہے تا کو کسرہ کردیا گیا تخفیف کے لئے اور مشدد داو میں سے پہلے واو کو کسرہ کی مناسبت سے یا سے بدل دیا گیا اور پھر دوسرے واو کو بھی ادغام کرنے کے لئے یاء سے بدل دیا تو اس طرح یہ عتيا ہو گیا) ارشاد ہوا کہ اسی حالت میں (باوجود تمہارے بوڑھے ہونے اور بیوی کے بانجھ ہونے کے تمہارے لڑکا پیدا ہوگا) اے زکریا! تمہارے رب کا قول

ہے کہ یہ آسان ہے میرے لئے (کہ میں لوٹا دوں تمہارے اندر قوت جماع اور تیری بیوی کے رحم میں نطفہ کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کردوں) اور میں نے ہی تو تم کو پیدا کیا درآنحالیکہ تم کچھ بھی نہیں تھے۔ (یعنی تمہاری پیدائش سے قبل تمہارا کوئی وجود نہیں تھا۔ خدا تعالیٰ نے اپنی اسی قدرت کے اظہار کے لئے بچہ کے سوال کا خیال زکریا علیہ السلام کے دل میں ڈالا تاکہ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ وہ معاملہ کریں جس سے ان کی کمال قدرت کا مظاہرہ ہو اور اس فوری خوشخبری سے زکریا علیہ السلام حیرت زدہ ہوں اور اتنی آسانی سے ان کا ذہن اسے قبول کرنے کو تیار نہ ہو) زکریا علیہ السلام نے کہا کہ اے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر کردیجئے (یعنی میری بیوی کے حاملہ ہونے کی کوئی پہچان اور علامت بتادیجئے) ارشاد ہوا کہ تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین راتیں نہیں بول سکو گے (یعنی تم تین دن رات سوائے خدا تعالیٰ کے ذکر کے لوگوں سے بات نہیں کرسکو گے) درآنحالیکہ تم تندرست ہو گے۔ (سویا حال ہے تکلم کے فاعل سے) پھر وہ اپنی قوم کے روبرو حجرہ میں سے برآمد ہوئے (یعنی حضرت زکریا علیہ السلام حجرۂ عبادت میں سے نکلے، جہاں لوگ دروازہ کے کھلنے کا انتظار کر رہے تھے تاکہ حسب معمول عبادت کی جاسکے) اور ان کو اشارہ سے فرمایا کہ تم لوگ صبح وشام خدا کی پاکی بیان کیا کرو (یعنی لوگوں سے اشارہ سے فرمایا کہ صبح وشام خدا کی پاکی اور عبادت حسب معمول کیا کرو۔ اور جب حضرت زکریا علیہ السلام اپنے میں لوگوں سے کلام کرنے کی صلاحیت کو نہ پانے سے وہ سمجھ گئے کہ ان کی بیوی کو حمل ٹھہر گیا اور دو سال کے بعد یحیٰی علیہ السلام کو مخاطب کر کے خدا تعالیٰ نے کہا، اے یحیٰی! کتاب کو مضبوط سے پکڑو (یعنی تورات کو) اور ہم نے ان کو لڑکپن ہی میں سمجھ دے دی تھی۔ (یعنی ہم نے ان کو نبوت دے دی تھی درآنحالیکہ وہ تین ہی سال کے تھے) اور خاص اپنے پاس سے رقت قلب اور پاکیزگی عطا فرمائی (اور ان کے دل میں لوگوں کے لئے جذبہ رحمت دے دیا) اور وہ بڑے پرہیزگار تھے (بعض روایت میں ہے کہ ان سے کبھی گناہ کا ارتکاب تو کیا خیال گناہ بھی نہیں ہوا) اور وہ اپنے والدین کے خدمت گزار تھے اور سرکش و نافرمان نہیں تھے (اور وہ نہ متکبر تھے اور نہ اپنے خدا کی نافرمانی کرنے والے تھے) اور انہیں سلام پہنچے جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن کہ وہ وفات پائیں گے اور جس دن کہ وہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ (مراد ہے یوم ولادت، یوم موت، یوم بعث۔ یہ ایام ایسے ہیں کہ ان سے انسان کو پہلے کبھی سابقہ نہیں پڑتا) اور اس کتاب میں مریم کا ذکر کیجئے (اور قرآن کریم میں مریم علیہا السلام سے متعلق ذکر کردہ قصہ کی اطلاع دیجئے) جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر مکان کے شرقی حصہ میں گئیں۔ پھر لوگوں کے سامنے سے انہوں نے پردہ کرلیا (یعنی صفائی ستھرائی اور غسل کے لئے لوگوں سے پردہ کرلیا۔ آپ کا یہ غسل حیض سے فراغت کے بعد تھا)۔ پھر ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتہ خاص کو بھیجا (جبرئیل علیہ السلام کو) اور وہ ان کے سامنے ظاہر ہوئے۔ مکمل انسان کی صورت میں۔ (مریم علیہا السلام کے کپڑا پہن لینے کے بعد) وہ بولیں میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تو خدا ترس ہے (تو میرے پناہ مانگنے کے نتیجے میں ہٹ جائے گا) فرشتہ نے کہا کہ میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں، تاکہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں (جو نبی ہوگا) وہ بولیں۔ میرے لڑکا کیسے ہو جائے گا۔ درآنحالیکہ مجھ کو کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا (اور میری شادی بھی نہیں ہوئی ہے) اور نہ میں بدکار ہوں۔ فرشتہ نے کہا یونہی ہوگا (یعنی بغیر باپ کے تیرے بچہ ہوگا) تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے (یعنی یہ میرے لئے بہت آسان ہے کہ میرے حکم سے تم پر جبرئیل پھونک ماردیں اور اس کے نتیجہ میں تمہیں حمل ٹھہر جائے) اور یہ اس لئے تاکہ ہم اسے لوگوں کے لئے نشانی بنادیں۔ (اپنی قدرت کی) اور اپنی طرف سے سبب رحمت بنادیں (ان لوگوں کے لئے جو ان پر ایمان لائیں گے) اور یہ ایک طے شدہ بات ہے (جو ضرور ہوگی۔ تو جبرئیل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماردی۔ جس کے نتیجہ میں حضرت مریم علیہا السلام نے اپنے پیٹ میں حمل محسوس کیا) اور ان کے حمل قرار پا گیا۔ پھر وہ اس حمل کو لئے ہوئے کہیں ایک دور جگہ چلی گئیں (اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر) سو انہیں دردِ زہ کھجور کے درخت کی

طرف لے گیا (تاکہ اس پر ٹیک لگا سکیں۔ جس سے ولادت میں سہولت ہوجائے۔ تو گویا کہ استقرار حمل اور بچہ کا جسمانی طور پر مکمل ہونا اور پھر ولادت سب کچھ چند ہی گھنٹہ میں ہوگیا۔ (گھبرا کر) کہنے لگیں کہ کاش میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اور ایسی بھولی بسری ہوجاتی کہ کسی کو یاد بھی نہ رہتی۔ پھر انہیں ان کے نیچے سے پکارا (یعنی جبرائیل علیہ السلام نے نیچے سے آواز دی کہ) رنج مت کرو۔ تمہارے پروردگار نے تمہارے پائیں ہی ایک نہر پیدا کردی ہے، اس کھجور کے تنہ کو اپنی طرف ہلاؤ، اس سے تم پر تازہ کھجوریں گریں (تساقط میں دو تاء تھی۔ دوسرے تاء کو س سے بدل کر اس س کو دوسرے س میں ادغام کردیا گیا اور تساقط ہوگیا۔ دوسری قرأت میں دوسری تا کو حذف کر کے تساقط پڑھا گیا۔ رطبا تمیز ہے نخلہ سے اور جنیا اس کی صفت ہے) پس کھاؤ پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو (تروتازہ کھجور کھاؤ اور پانی پیو اور اپنے بچہ کو دیکھ دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو اور بجائے دوسرے کے بچوں کی طرف متوجہ ہونے کے اپنے بچے سے سکون دل حاصل کرو) اگر کسی بشر کو دیکھنا تو کہہ دینا (اگر وہ سوال کریں بچہ کے متعلق۔ اما کا اصل ان ما ہے) ان شرطیہ کو ما زائدہ میں ادغام کردیا گیا ہے۔ ترین میں فعل کا ع اور ل کلمہ حذف کردیا گیا ہے۔ اصل میں یہ اس طرح پر ہے۔ ترائیین ہمزہ ع کلمہ ہے اور یا مکسورہ ل کلمہ اور یاء ساکنہ ضمیر کی ی ہے۔ اب ع کلمہ یعنی ہمزہ کو حذف کر کے اس کی حرکت راء کو دی گئی ہے اور یا مکسورہ جو ل کلمہ تھا وہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہوگیا اور اس کا کسرہ یاء ساکنہ کو دے دیا گیا) کہ میں نے تو اللہ کے لئے روزہ کی نیت مان رکھی ہے (اس لئے نہ بچہ کے متعلق کچھ بول سکوں گی اور نہ کسی اور چیز کے بارے میں کیونکہ) میں تو کسی انسان سے بات ہی نہیں کروں گی۔ پھر وہ ان کو گود میں لئے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں (اس حال میں کہ انہوں نے بچہ کو دیکھا) لوگوں نے کہا کہ اے مریم! تو نے بڑے غضب کی حرکت کی (کہ بغیر باپ کے تم نے بچہ کو جنم دیا) اے ہارون کی بہن! (وہ تو ایک صالح اور نیک دل آدمی تھے اور خود تم عفت و پاکدامنی میں ان کے مشابہ تھیں) نہ تمہارے والد ہی بڑے آدمی تھے اور نہ تمہاری ماں ہی بدکار تھیں (یعنی نہ تمہارے والد زانی تھے اور نہ تمہاری ماں زانیہ تھی۔ پھر تو نے یہ کیا کیا؟ اور کس طرح تمہاری یہ بچہ پیدا ہوگیا) اس پر مریم علیہا السلام نے بچہ کی طرف اشارہ کیا (کہ تم لوگ اسی سے پوچھو) وہ لوگ بولے، بھلا ہم اس سے کیسے بات چیت کریں۔ جو ابھی گود میں بچہ ہی ہے۔ وہ بچہ (خود ہی) بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی (یعنی انجیل) اس نے مجھے نبی بنایا اور اسی نے مجھے بابرکت بنایا۔ میں جہاں کہیں بھی ہوں (یعنی مجھ کو لوگوں کے لئے مفید اور نفع بخش بنایا گیا ہے اور یہ گویا خبر دے رہے ہیں ان لوگوں کے بارے میں جو ان کی تقدیر میں لکھ دی گئی تھی) اور (اسی نے) مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ جب تک میں زندہ رہوں اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا (برا منصوب ہے۔ اس بناء پر کہ اس سے پہلے فعل جعلنی مقدر ہے) اور مجھے سرکش و بدبخت نہیں بنایا اور میرے اوپر سلام ہے (اللہ کی جانب سے) جس روز میں میں پیدا ہوا، جس روز میں مروں گا اور جس روز میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم۔ یہ ہے سچی بات (قول کو رفع اور نصب دونوں اعراب ہوسکتا ہے۔ اگر رفع پڑھیں گے تو اس وقت یہ مبتداء محذوف کی خبر ہوگی اور عبارت ہوگی۔ قول ابن مریم اور اگر نصب پڑھیں تو اس وقت مفعول ہوگا اور تقدیر عبارت اس طرح پر ہوگی۔ قلت قول الحق) جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں (یعنی ہمارے اس قول میں نصاریٰ شک کرتے ہیں اور وہ عیسیٰ ابن اللہ کہتے ہیں۔ جو بالکل جھوٹ ہے) اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ اولاد اختیار کرے۔ وہ بالکل پاک ہے۔ وہ تو جب کسی امر کا تہیہ کر لیتا ہے (یعنی جب وہ اس کا ارادہ کر لیتا ہے کہ فلاں کام ہونا چاہئے تو) بس اس کو صرف کہہ دیا ہے کہ ہوجا، سو وہ ہوجاتا ہے۔ (اسی قبیل سے عیسیٰ کی پیدائش بغیر باپ کے ہے۔ یکون کو رفع اور نصب دونوں ہیں۔ اگر رفع پڑھیں گے تو یکون سے پہلے ھو کو محذوف مانیں گے اور اگر نصب پڑھیں گے تو یکون سے پہلے ان کو مقدر ماننا پڑے گا) اور بے شک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے۔ سو اس کی عبادت کرو (ان کو کسرہ اور نصب دونوں

قرأت ہیں۔ اگر ان سے پہلے اذ کو مقدر مانیں گے تو نصب ہوگا۔ اور اگر ان سے پہلے قل مقدر مانیں تو کسرہ ہوگا) یہی سیدھا راستہ ہے (جو جنت کی طرف لے جاتا ہے) اس کے باوجود لوگوں نے اختلاف پیدا کرلیا (اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں اختلافات شروع کردیئے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں اور بعض اس کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ خدا کے ساتھ الوہیت میں شریک ہیں اور تیسرے گروہ کا کہنا یہ ہے کہ تین خداؤں میں سے ایک عیسیٰ بھی ہیں) سو کافروں کے حق میں ایک بڑی آفت (آنے والی ہے) بڑے دن کی آمد پر (یعنی قیامت کے دن اور لوگوں کو شدید ترین عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ جو عیسیٰ کی بندگی و رسالت کے منکر ہیں) یہ کیسے کچھ سننے والے اور دیکھنے والے ہوجائیں گے (اسمع و ابصر یہ دونوں تعجب کے صیغے ہیں۔ نفی کے معنی میں۔ گویا یہ لوگ نہ سن سکیں گے اور نہ دیکھ پائیں گے) جس روز ہمارے پاس آئیں گے (آخرت میں) لیکن آج تو (دنیا میں) یہ ظالم کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہیں۔ (ظالمون تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ ظلموا انفسهم یعنی انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا، دین کی باتوں کو نہ سن کر اور اندھے بن گئے تھے خدا تعالیٰ کی آیات کو دیکھنے سے۔ اے مخاطب! تمہیں تعجب ہورہا ہے۔ ان کے آخرت میں سننے اور دیکھنے پر۔ درآنحالیکہ دنیا میں اندھے اور بہرے بنے رہے) آپ ﷺ انہیں اس حسرت کے دن سے ڈرایئے (یعنی اے محمد ﷺ آپ ﷺ ان کفار مکہ کو قیامت کے دن کا خوف دلایئے۔ جس دن بدعمل حسرت کریں گے اپنے نیکی نہ کرنے پر دنیا میں) جبکہ اخیر فیصلہ کردیا جائے گا (ان لوگوں کے لئے عذاب کا) اور یہ لوگ بے پروائی میں پڑے ہیں (دنیا میں) اور ایمان نہیں لاتے۔ ہم ہی زمین کے اور اس پر رہنے والوں کے وارث رہ جائیں گے اور ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے (یہ اپنے آپ کو عقلمند و فرماں روا سمجھنے والے)۔

تحقیق و ترکیب: ....اس سورۃ کا نام سورہ مریم اس وجہ سے رکھا گیا کہ اس میں مریم علیہا السلام کے قصہ کا تذکرہ آیا ہے اور دستور قرآنی یہی ہے کہ بعض اجزاء کے نام پر پوری سورت کا نام رکھ دیا جاتا ہے۔ **کهيٰعص** کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ یہ **کاف هاد عالم صادق** کا مخفف ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ ک مخفف ہے **کریم** کا۔ ہ مخفف ہے **هاد** کا اور ی مخفف ہے **حکیم** کا۔ ع مخفف ہے **علیم** کا اور ص مخفف ہے **صادق** کا۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

ذکر رحمة ربك. یہ خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے **هذا ذکر رحمة ربك. ذکر** کی اضافت مفعول کی جانب ہے۔

زکریا. بدل وقع ہورہا ہے **عبد** سے۔ **عبده** اس کا مقبول بندہ۔ یہ اضافت، اضافت تشریفی ہے۔ جب بندہ کا اللہ کے ساتھ خاص تعلق دکھانا ہوتا ہے تو ایسے موقعہ پر قرآن عموماً **ذکر عبدالله ، عبدنا یا عبده** کرکے لاتا ہے۔ **اذ** کا تعلق **رحمة** سے ہے اور یہ ظرف زمان ہے۔ عبارت اس طرح ہے۔ **رحمة الله تعالیٰ اياه وقت ان ناداه.**

اشتعل الرأس شيبا. شيباً سے منصوب ہے بر بنائے تمیز جو در حقیقت فاعل تھا۔ اصل عبارت تھی۔ **انتشر الشيب في شعره.**

موالی. مراد وہ رشتہ دار ہیں جو اولاد نہ ہونے کی وجہ سے وارث و جانشین ہوتے ہیں۔

شقيا کے معنی یہاں محروم و ناکام کے ہیں۔ **يلوني.** جو مجھ سے نسب میں قریب ہو۔ یعنی چچا وغیرہ کی اولاد میں سے ہو۔

خفت یعنی **خفت علی الدین.** حضرت زکریا علیہ السلام کو یہ اندیشہ تھا کہ دین اپنی شکل و صورت سے نہ ہٹ جائے۔

من لدنك سے مراد یہ ہے کہ بلا واسطہ اسباب عادی محض اپنی قدرت سے عطاء کر۔

اسمہ یحییٰ ۔ بعض نکتہ شناس مفسرین نے کہا ہے کہ یحییٰ حیات سے ماخوذ ہے۔ طویل مایوسی کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام کے گھرانہ میں ان کی پیدائش خاندان کے حیات کے موجب تھی۔ اس لئے ان کا نام یحییٰ ہوا۔ حدیث میں ہے کہ اسم کا مسمیٰ پر اثر ہوتا ہے۔ یحییٰ کے معنی بہت زیادہ زندہ رہنے والے کے ہیں۔ لیکن حضرت یحییٰ علیہ السلام اوائل عمر میں ہی شہید کر دیئے گئے۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ اس اسم کا اثر اس طرح نمایاں ہوا کہ شہید ہو کر انہوں نے حیات جاودانی پائی۔ سمیا کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ کوئی ان کا ہمنام پیدا نہیں ہوا۔ لیکن لغت ہی سے اس کے معنی ہم صفت اور شبیہ کے بھی ثابت ہیں۔

عتیا. مفعول بہ ہے اور اصل عبارت ہے۔ بلغت من الکبر عتیا ۔ یعنی بوڑھا پھوس۔

سویا کے معنی صحیح وسالم۔ رجل سوی ۔ اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی خلقت میں ہر عیب ونقص سے پاک ہو۔ اس لفظ کے اضافہ سے قرآن کا مقصد تحریف شدہ انجیل کی اس غلط بیانی کا ازالہ کرنا ہے کہ نعوذ باللہ آپ بطور عتاب عارضی طور پر گونگے کر دیئے گئے تھے۔

حنانا وزکوٰۃ سے عملی واخلاقی کمالات مراد ہیں۔

من دونهم میں ہم جمع کی ضمیر ہے۔ مراد گھر والے ہیں۔ جن کا ذکر اھلھا میں ہے۔

روحنا. ویسے تو قرآن مجید تمام ملائکہ مقربین کو روح سے تعبیر کرتا ہے۔ لیکن روح حضرت جبرائیل علیہ السلام کا مشہور خطاب ہے، کیونکہ وہ وحی لاتے ہیں اور وحی قوموں کی حیات معنوی کا باعث ہے۔

فتمثل لھا ای بعد لبسھاثیابھا . یعنی حضرت جبرئیل علیہا السلام کے سامنے اس وقت آئے جب وہ پوشاک پہن چکی تھیں۔ لہذا یہ اشکال نہیں ہوگا کہ برہنگی کے عالم میں کیسے سامنے آ گئے۔

لاھب کا مطلب یہ ہے کہ لاکون سببا فی ھبته بالنفخ فی الدرع یعنی جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا۔ تاکہ میں سبب بنوں دینے میں پھونک کے ذریعہ اور قرأت میں لیھب ہے۔ گویا تقدیر عبارت اس طرح پر ہوگی کہ لکی یھب اللّٰہ لک.

قصیا کے معنی دور دراز۔ اسی سے اقصیٰ ہے۔ حضرت مریم علیہ السلام غایت حیا کی بناء پر ایک دور دراز مقام پر نکل گئیں۔

سریا. بہتی ہوئی نہر۔

فقولی کے تحت بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ یہ بات بھی اشارہ سے کہی ورنہ تو صوم سکوت سے تناقض لازم آئے گا۔ حالانکہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اطلاعی فقرہ کہ میں نے آج سکوت کا روزہ رکھ رکھا ہے کہہ کر چپ ہوگئی ہوں۔ اس صورت میں کوئی تناقض باقی نہیں رہے گا۔

فریا کے معنی گری پڑی چیز اسی سے افتراء ہے۔

اخت ھارون. جس طرح پر اخ کا مفہوم نہایت وسیع ہے۔ وطنی، دینی اور ہر طرح کے بھائی کو اخ کہہ سکتے ہیں اسی طرح پر یہ کوئی ضروری نہیں کہ اخت ھارون سے مراد نسبی بہن ہی ہو، کیونکہ ہارون کون تھے، اس کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ اغلب گمان یہی ہے کہ اس سے مراد وہی ہارون ہوں جو نبی گزرے ہیں اور اخت ھارون کہنے کا مطلب یہ ہو کہ اے خاتون جو تقویٰ و پرہیز گاری میں ہارون جیسی ہے یا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوئی اور ہارون ہو جو مریمؑ کے ہمعصر ہوں اور جن کی نیکی کی لوگوں میں شہرت ہو اور اگر یہ صالح شخص حضرت مریمؑ کے بھائی ہی ہوں تو کوئی مستبعد نہیں۔ کیونکہ والدین کی اولاد کی کوئی تفصیل کہیں محفوظ نہیں ہے۔

بغیا. مفعول کے وزن پر یا فعیل کے وزن پر ہے جو معنی میں فاعل کے ہے۔

مبارکاً کے معنی معلم خیر کے بھی کئے گئے ہیں۔

ذلك سے اشارہ اوپر کے قول "انی عبد اللّٰہ" کی طرف ہے۔

فيه يمترون . خبر ہے مبتداء محذوف کی۔عبارت یوں ہے۔**هو ای عيسى الذى فيه يمترون**. قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں ہماری بیان کردہ تفصیل پر یقین لاؤ۔ یہ صحیح نہیں کہ وہ یوسف نجار کے بیٹے ہیں۔جیسا کہ یہود کا خیال ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں۔

مشهد . شہادت یا شہود سے ماخوذ ہے۔جس کے معنی حاضر ہونے کے ہیں۔مراد ہے قیامت کا دن۔جس میں تمام انسانوں کو خدا تعالیٰ کے یہاں حاضر ہو کر اپنے قول وفعل، عمل وکردار کا حساب دینا ہوگا۔اسی دن کی حاضری اور حساب وکتاب سے ڈرایا گیا ہے۔

ربط :............سورۂ کہف کے خاتمہ پر خدا تعالیٰ کی بے پناہ قدرت کی نشانیوں کا انکار کرنے والوں کو عذاب جہنم کی اطلاع دی گئی تھی اور ان آیات الٰہی کے تسلیم کرنے والوں کو فردوس اعلیٰ کی بشارت سنائی گئی۔ساتھ ہی پیغمبر اعظم ﷺ کی بشریت کا اعلان اور آپ کی زبان وحی ترجمان کا اعلان تھا۔پھر متصلاً سورۂ مریم کا آغاز ہے۔جس کا عمودی مضمون ومرکزی بیان ان آیات الٰہی کا تذکرہ ہی ہے۔ جس کا تذکرہ یہ ہے کہ پوچھنے والے اصحاب کہف کے واقعہ ہی کو سب سے زیادہ حیرت خیز وحیرت انگیز سمجھ رہے ہیں۔حالانکہ یہ پوری کائنات سراپا حیرت اور تعجب انگیز واقعات سے بھری ہوئی ہے۔واقعات کا یہ تسلسل جو قدرت کی بے پناہ توانائیوں کا اعلان کرتی ہے یہ کیا کچھ کم حیرت انگیز واقع ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے یہاں عمر کے اس مرحلہ میں پیدائش اولاد ہو رہی ہے، جب ان حالات میں عام طور پر انسان توالد وتناسل کی صلاحیتیں کھو دیتا ہے۔

خود حضرت زکریا علیہ السلام کا اپنے متعلق یہ بیان کہ میری ہڈیوں میں گودا تک باقی نہیں رہا اور اپنی ضعیفہ بیوی کے متعلق یہ اعلان کہ وہ بانجھ ہوگئی۔پھر انہیں کے یہاں سیدنا یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کیا کچھ کم تعجب انگیز واقعہ ہے؟ اصحاب کہف کی جان جابر و قاہر قوتوں سے بچائی گئی۔کشتی کی حفاظت ایک جبر پسند بادشاہ سے کی گئی۔مومن ماں باپ کا تحفظ ایک کفر پسند بچہ سے کیا گیا۔یتیم بچوں کے سامان کی حفاظت دیوار کی مرمت سے کی گئی۔

حضرت زکریا علیہ السلام کو بھی اندیشہ ہے کہ ان کے ورثاء میں کوئی صحیح ایسا جانشین موجود ہو جو قوم کے سرمایہ ایمان کا تحفظ کر سکے۔جیسا کہ ان کے ارشاد **انی خفت الموالی** الخ سے ظاہر ہے۔پس حضرت زکریا علیہ السلام کا یہ اندیشہ حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسا اولوالعزم پیغمبر دے کر ختم کیا گیا۔گویا کہ آیات الٰہی کا مسلسل بیان اور حفظ وتحفظ کی ایک لگی بندھی داستان ان ہر دو سورتوں کا خلاصہ وارتباط معنوی ہے۔اوپر حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا۔جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ اپنے بڑھاپے تک لاولد رہے اور ان کی بیوی عمر بھر بانجھ رہیں۔ان موانع کے باوجود خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں بڑھاپے میں اولاد عطا فرمائی۔

اس کے بعد ہی متصلاً قصہ مریم علیہا السلام سنایا جا رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ لوگوں کو حضرت زکریا علیہ السلام کے یہاں اولاد ہونے پر ہی تعجب ہو رہا ہے۔حالانکہ ہم اس سے بھی بڑھ کر حیرت انگیز چیز پیش کر سکتے ہیں۔حضرت زکریا علیہ السلام کے یہاں کم از کم ماں باپ تو موجود تھے۔اگرچہ کچھ موانع پائے جاتے تھے۔لیکن حضرت مریم علیہا السلام کے یہاں تو بغیر شوہر کے ہی ہم نے عیسٰی علیہ السلام جیسا جلیل القدر پیغمبر عطا فرمایا۔گویا وہاں ماں اور باپ دونوں تھے اور یہاں بغیر باپ کے صرف ماں سے ہی لڑکا پیدا ہوگیا، اس طرح پر ان دونوں قصوں میں یہ مناسبت پائی جاتی ہے۔

﴿تشریح﴾:......**عجائبات وحیرت انگیز قدرتوں کی داستان**:............ یہاں سے حضرت زکریا علیہ السلام پر جو خدا

تعالیٰ کی رحمتیں ہوئیں، اس کی تفصیل بیان کی جارہی ہے۔ سب سے پہلے زکریا علیہ السلام کی دعا کونقل کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے اللہ! میرے قویٰ کمزور ہو گئے ہیں، میری ہڈیاں کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ میرے سر کے بالوں کی سیاہی سفیدی سے بدل گئی ہے اور میں بڑھاپے کی آخری منزل پر پہنچ چکا ہوں۔ یعنی کہ اسباب ظاہری کے لحاظ سے اب اولاد کا ہونا بہت مستبعد ہے اور میرا اس کے لئے دعا کرنا بھی بظاہر بے محل ہے۔ دوسری طرف میری بیوی بھی بانجھ ہے۔ لیکن آپ کے دروازے سے میں کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹا ہوں۔ جب بھی آپ سے کچھ مانگا تو ضرور ملا۔ اب جب کہ میں عمر کے آخری حصہ کو پہنچ چکا ہوں۔ میرے کوئی اولاد نہیں ہے اور رشتہ داروں سے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ امت کو غلط راستہ پر نہ لگا دیں۔ یہ ساری دعائیں چپکے چپکے ہو رہی ہیں۔ اولاد کے لئے دعایوں بھی عام طور پر چپکے چپکے ہی کی جاتی ہے اور پھر یہاں تو غالباً دوسروں سے اخفاء بھی مقصود تھا۔ فقہاء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ دعا میں اخفاء بھی مقصود تھا۔ فقہاء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ دعا میں اخفاء کو افضلیت ہے۔

اس دعا سے یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ زکریا علیہ السلام کو خدانخواستہ اپنے مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ تھا اور اپنے مال کا وارث بنانے کے لئے اولاد کی تمنا کر رہے تھے۔ انبیاء علیہم السلام سے یہ بعید ہے جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جماعت انبیاءؑ کا ورثہ تقسیم نہیں ہوتا ہے۔ جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں سب صدقہ ہوتا ہے۔ تو گویا زکریا علیہ السلام کا بیٹے کی دعا کرتے ہوئے یہ فرمانا کہ مجھے بیٹا دیجئے جو میرا وارث ہو اور آل یعقوب کا وارث ہو۔ اس سے مطلب وراثت نبوت ہے نہ کہ وراثت مالی نیز باپ کے مال کا وارث تو اولاد ہوتی ہی ہے۔ پھر حضرت زکریا علیہ السلام کا اپنی دعا میں یہ وجہ بیان کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کوئی خاص وراثت تھی اور وہ نبوت ہی کی وراثت ہو سکتی ہے۔ صحابہ، تابعین اور اکابر مفسرین سے ارث کی تفسیر علوم نبوت وشریعت ہی منقول ہے۔
من لدنك کی تصریح سے یہ مراد ہے کہ بلاواسطہ اسباب کے محض اپنی قدرت سے اولاد عطا کر دیجئے۔ گویا کہ بغیر اسباب ظاہری کے جو نعمتیں ملتی ہیں، وہ خدا ہی کے پاس سے ہوتی ہیں۔

حضرت زکریاؑ کی دعا مقبول بارگاہ الٰہی ہوئی اور ارشاد ہوا کہ آپ بچہ کی خوشخبری سن لیں۔ جس کا نام یحییٰ ہے۔ جس کا ہم صفت اور ہمنام اس سے پہلے کوئی نہیں ہوا۔ حضرت زکریاؑ اپنی دعا کی مقبولیت اور اپنے یہاں لڑکا ہونے کی بشارت سن کر خوشی اور تعجب سے پوچھنے لگے کہ ظاہری اسباب تو بچہ کی پیدائش کے ہیں نہیں۔ پھر اب کیا صورت ہوگی؟ کیا میں جوان کیا جاؤں گا؟ یا میرا نکاح ثانی ہوگا۔ یا اس کے علاوہ کوئی اور صورت اختیار کی جائے گی؟ حضرت زکریاؑ کا یہ سوال اعتراضاً نہیں تھا۔ بلکہ استفسار حال کے لئے تھا۔ جواب ملا کہ نہیں کوئی نئی بات نہیں ہوگی۔ بلکہ موجودہ حالات بدستور یہی ہونگے پھر بھی اولاد ہوگی۔ خودتم اپنی پیدائش پر غور کرو۔ تم معدوم محض تھے۔ پھر کس طرح تمہاری پیدائش ہوگئی۔ یہ سب تو محض ہماری قدرت کی کرشمہ سازی ہے۔ جس پر حضرت زکریا علیہ السلام مزید تشفی قلب کے لئے کسی غیبی اشارے کی دعا کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ باوجود صحت وتندرستی کے تم تین روز تک کسی سے بات کرنے پر قادر نہیں رہو گے۔ یہ علامت ہوگی اس بات کی کہ اب بچہ کی پیدائش کا وقت قریب آ گیا ہے۔ گویا آپ کو نہ کوئی مرض ہوگا اور نہ یہ بندش زبان کوئی سزا ہوگی بلکہ محض آپ کی درخواست پر یہ علامت غیبی ہوگی۔

لفظ سویا کے اضافہ سے قرآن مجید کا مقصود مروجہ انجیل کی اس غلط بیانی کا ازالہ ہے کہ نعوذ باللہ بطور عتاب عارضی طور پر آپ کی زبان بند کر دی گئی تھی۔

اور حضرت عباسؓ اس کی دوسری ترکیب نحوی بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ "سویا" کو بجائے ضمیر مخاطب سے متعلق کرنے کے ثلث لیال کی صفت قرار دی جائے۔ اس وقت سویا کے معنی ہوں گے لگاتار کے۔ یعنی تم لوگوں سے نہیں بول سکو گے۔ متواتر تین

راتیں۔ واقعہ اسی انداز میں پیش آیا اور جب قوم آپ کے پاس آئی تو آپ نے اشارہ سے ان کو عبادت کی طرف توجہ دلائی اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے لکھ کر انہیں سمجھایا۔

ایک نکتہ:............ چونکہ یحیٰ علیہ السلام کی قرآن نے تین صفتیں بیان کی ہیں۔ نیک اعمال آپ کی عمر کا خلاصہ تھا۔ آپ گناہوں اور خدا کی نافرمانیوں سے یکسو تھے اور پھر اپنے والدین کے فرمانبردار اور اطاعت گزار تھے۔ ان تینوں اوصاف کے بدلہ میں خدا تعالیٰ نے بھی تین حالتوں میں آپ کو امن وسلامتی عطا فرمائی۔ پیدائش کے دن، موت کے دن اور حشر کے دن۔ اور یہی تین جگہیں گھبراہٹ و اجنبیت کی ہوتی ہیں۔ ماں باپ کے پیٹ سے نکلتے ہی ایک نئی دنیا سے واسطہ پڑتا ہے اور موت کے بعد اس عالم سے واسطہ پڑتا ہے۔ جس سے دنیوی زندگی میں کبھی تعلق نہیں رہا اور اسی طرح حشر کے دن ایک نئے حالات کا سامنا ہوگا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے بھی ان تین جگہوں پر مامون ومحفوظ کر دیا۔

ایک دوشیزہ کی کہانی:............ حضرت مریم علیہا السلام عمران کی بیٹی تھیں جو حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل میں سے تھی۔ آپ کی پرورش آپ کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام نے کی۔ آپ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر گھر کے مشرقی جانب میں غسل کے ارادہ سے تشریف لے گئیں اور وہاں پردہ ڈال دیا تا کہ گھر والے انہیں نہ دیکھ سکیں۔ اس سلسلہ میں مختلف روایات ہیں لیکن محققین کی رائے میں یہی صحیح ہے کہ آپ ماہواری سے فراغت کے بعد غسل کے لئے تشریف لے گئی تھیں۔

غسل سے فارغ ہونے کے بعد وہیں جبرائیل علیہ السلام نمودار ہوئے۔ انہیں دیکھ کر حضرت مریم علیہا السلام نے گھبراہٹ میں کہا کہ اگر تم کو کچھ خوف خدا ہے تو میں تم کو اسی کا واسطہ دیتی ہوں کہ یہاں سے چلے جاؤ جیسا کہ ہر شریف عورت کسی اجنبی مرد کو اپنے خلوت میں آتے ہوئے دیکھ کر کہے گی۔ جبرئیل علیہ السلام نے ان کے خوف وہراس کو دیکھ کر صاف صاف کہہ دیا کہ مجھ سے ڈریئے نہیں۔ میں انسان نہیں بلکہ اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں اور آپ پر دم کرنے کو آیا ہوں تا کہ آپ کو استقرار حمل ہو جائے۔ جس پر مریم علیہا السلام نے حیرت واستعجاب کے ساتھ کہا کہ نہ میری شادی ہوئی ہے اور نہ ہی میں بدکار ہوں۔ پھر میرے لڑکا کس طرح پیدا ہوگا؟ فرشتہ نے جواب میں کہا کہ خدا تعالیٰ کے لئے یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے اور یہ ضروری نہیں کہ وہ کسی اسباب کے تحت ہی کام کرے۔ خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگوں کو اپنی قوت وقدرت کاملہ دکھا دیں کہ ہم تخلیق کائنات پر ہر طرح قادر ہیں۔ اسباب کے تحت اور بلا اسباب بھی۔ جب مریم علیہا السلام ارشاد خداوندی سن چکیں اور اس کے آگے گردن جھکا دی تو جبرئیل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماری۔ جس کے نتیجہ میں ان کو حمل ٹھہر گیا۔ اب تو وہ بہت گھبرائیں اور سوچنے لگیں کہ اب تو میں لوگوں کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہی۔ لاکھ اپنی برأت کروں لیکن اس انوکھی اور حیرت انگیز بات کو کون مان لے گا اور ہوا بھی یہی کہ جب ولادت کا وقت قریب آیا اور حمل کا لوگوں کو علم ہو گیا تو انہوں نے تہمت لگانا شروع کر دیئے۔ جس سے گھبرا کر حضرت مریم علیہا السلام ان لوگوں کو چھوڑ کر کسی دور دراز علاقہ میں چلی گئیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ استقرار کے بعد فوراً ولادت ہوگئی اور بعض آٹھ مہینے کے بعد ولادت کے قائل ہیں۔ لیکن محققین مفسرین کی رائے یہی ہے کہ حسب عادت نو مہینہ کے بعد آپ کی پیدائش ہوئی۔ لیکن اگر اسے مان بھی لیا جائے کہ استقرار حمل کے بعد فوراً ولادت ہوگئی تو اس پر کوئی تعجب بھی نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ آپ کی پیدائش کے تو سارے مرحلے ہی حیرت انگیز اور بلا اسباب کے ہیں۔ تو اگر اسے بھی خلاف عادت مان لیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ تو جب ان کو دردِ زہ شروع ہوا تو وہ ایک کھجور کے درخت کے سہارے بیٹھ گئیں اور ولادت کے بعد وہ بہت گھبرائیں اور بے ساختہ غیرت

وبدنامی کے خوف سے ان کی زبان پر یہ کلمات آ گئے کہ کاش میں اس حادثے سے پہلے ہی مرچکی ہوتی تا کہ میری یہ بدنامی کسی کو بھی یاد نہ رہ پاتی کہ فلاں عورت کے بغیر شوہر کے لڑکا پیدا ہوا۔ ان کی یہ گھبراہٹ دیکھ کر جبرئیل علیہ السلام نے تسلی دی کہ اپنی بدنامی یا اپنی بے سروسامانی سے گھبرائیے مت۔ خدا تعالیٰ نے اس کے انتظامات بہم پہنچا دیئے ہیں۔ کھانے کے لئے کھجور کا درخت ہے، اسے ہلائیے تو اس سے تروتازہ کھجوریں گریں گی۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کا کیا کہنا۔ کھانے کے لئے انتظام کیا تو ایسے پھل کا جو زچہ کے لئے بہترین غذا ہوسکتی تھی۔ خود اطباء اسے تسلیم کرتے ہیں کہ زچہ کے لئے کھجور بہت ہی عمدہ ہے اور پینے کے لئے نہر جاری کردی اور ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کردی کہ آنے جانے والے اگر بچہ کو حیرت واستعجاب سے دیکھ کر پوچھیں تو سوال وجواب میں نہ پڑ جانا بلکہ اشارہ سے یہ کہہ دینا کہ میں نے آج نہ بولنے کی نذر مان رکھی ہے۔ بہت سی پچھلی شریعتوں میں سکوت کا روزہ (چپ رہنے کا) ہوتا تھا لیکن شریعت اسلام میں صوم سکوت جائز نہیں۔ جب خود کسی شریف عورت کی عصمت پر انگلیاں اٹھائی جانے لگیں تو اپنی برأت وصفائی میں اس کے لئے تقریریں کرنا کتنا دشوار اور مشکل ہوگا۔ جس کا اندازہ ہر صاحب فہم کرسکتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے معاملہ کی نزاکت کا لحاظ فرما کر کتنا اچھا نسخہ انہیں بتادیا کہ تم سوال وجواب میں پڑنا ہی نہیں بلکہ جواب اپنے اس بچہ ہی سے دلوانا جسے ہم خلاف عادت تمہاری صفائی میں گویا کردیں گے۔ حضرت مریم علیہا السلام نے خدا کے اس حکم کو مان لیا اور اپنے بچہ کو گود میں لئے ہوئے لوگوں کے پاس آئیں۔ دیکھتے ہی ہر ایک انگشت بدنداں رہ گیا، اور ہر ایک نے یہی کہا کہ مریم تو نے بہت ہی برا کام کیا۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ تم پر والدین کی برائی کا اثر ہوا۔ کیونکہ تمہارے والدین تو بہت ہی نیک آدمی تھے۔ ایسے نیک اور شریف خاندان میں ہوکر تمہاری یہ حرکت کتنے شرم کی بات ہے۔ جس پر حضرت مریم علیہا السلام نے بجائے کوئی جواب دینے کے بچہ کی طرف اشارہ کیا کہ جو کچھ کہنا، سننا ہو اس بچہ سے کہو سنو؟ یہود اسے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف سے طنز اور تمسخر سمجھ کر جھنجھلا کر بولے کہ تم کس طرح کی بات کرتی ہو۔ کیا تم ہمیں دیوانہ سمجھتی ہو؟ ہم اس بچہ سے کیا بات کریں جو کہ ابھی گود ہی میں ہے۔ اتنے میں عیسیٰ علیہ السلام یہود کی مخاطبت کا انتظار کئے بغیر خدا تعالیٰ کے حکم سے بول پڑے کہ میں تو خدا تعالیٰ کا بندہ ہوں اور اس نے مجھ کو ایک کتاب عنایت کی اور نبوت کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ کتاب ونبوت اسی وقت آپ کو مل چکی تھی اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ چیزیں آپ کو ملنے والی تھیں۔ اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں تھی۔ اس وجہ سے آپ نے ماضی کا صیغہ استعمال کیا اور اس کے نظائر خود قرآن میں بہت ہیں اور فرمایا کہ میرے لئے عبادات اور احکام شریعت کی پیروی تاحیات فرض کردی گئی ہے اور اسی کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی گئی۔ اس موقعہ پر صرف والدہ کا تذکرہ خود اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی پیدائش والد کے توسط کے بغیر ہوئی تھی۔

عیسیٰ کی الوہیت کی تردید: ....اب اس کے بعد خدا تعالیٰ عیسائیوں اور یہودیوں کے عقیدوں کی تردید کررہے ہیں جو انہوں نے اپنے طور پر گھڑ لئے۔ ارشاد ہے کہ نہ عیسیٰ خدا ہیں اور نہ خدا کے بیٹے بلکہ وہ تو عیسیٰ ابن مریم ہیں اور خدا کی طرف اولاد کی نسبت کرنا یہ تو کھلی ہوئی ضلالت وگمراہی ہے۔ خدا تعالیٰ تو ایسی قوت واقتدار کے مالک ہیں کہ جس چیز کے کرلینے کا تہیہ کرلیتے ہیں اسے صرف یہ کہتے ہیں کہ ہوجا، تو وہ چیز ظہور پذیر ہوجاتی ہے تو ایسے قوت واقتدار کے مالک کو اولاد کی کیا ضرورت پڑسکتی ہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ ان عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلافات شروع کردیئے۔ سو ان کے لئے قیامت کے دن بہت بڑی مصیبت پیش آنے والی ہے۔ الذین کفروا کا اطلاق ہر کافر گروہ کے لئے عام ہے۔ لیکن اس جگہ خاص اشارہ انہیں قوموں کی جانب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گمراہی میں مبتلا ہیں۔ اس دنیاوی زندگی میں یہ اندھے اور بہرے ہو رہے ہیں

اور کھلی ہوئی ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہیں۔ لیکن قیامت کے دن ان کی آنکھیں روشن اور کان خوب تیز ہو جائیں گے اور حقائق کا انکشاف بھی ہوگا۔

اس کے بعد ارشاد ہے کہ آپ انہیں حشر سے ڈرائیے، جبکہ آخری فیصلہ ہو جائے گا اور چونکہ یہ حقائق ایمانی سے لاپرواہی برت رہے ہیں اس پر کبھی توجہ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ اس لئے ان کی یہ لاپرواہی غیر ارادی نہیں بلکہ اختیاری ہے۔ لہٰذا یہ اس میں معذور بھی نہیں سمجھے جائیں گے۔

وَاذْكُرْ لَهُمْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اَیْ خَبَرَهٗ **اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا** مُبَالِغًا فِی الصِّدْقِ **نَّبِيًّا**﴿۴۱﴾ وَيُبْدَلُ مِنْ خَبَرِهٖ **اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ** اٰزَرَ **يٰٓاَبَتِ** التَّاءُ عِوَضٌ عَنْ يَاءِ الْاِضَافَةِ وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَهُمَا وَكَانَ يَعْبُدُ الْاَصْنَامَ **لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ** لَايَكْفِيْكَ **شَيْئًا**﴿۴۲﴾ مِنْ نَفْعٍ اَوْ ضَرٍّ **يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا** طَرِيْقًا **سَوِيًّا**﴿۴۳﴾ مُسْتَقِيْمًا **يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ** بِطَاعَتِكَ اِيَّاهُ فِيْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ **اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا**﴿۴۴﴾ كَثِيْرُ الْعِصْيَانِ **يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ** اِنْ لَمْ تَتُبْ **فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا**﴿۴۵﴾ نَاصِرًا وَقَرِيْنًا فِی النَّارِ **قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ** فَتَعِيْبُهَا **لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ** عَنِ التَّعَرُّضِ لَهَا **لَاَرْجُمَنَّكَ** بِالْحِجَارَةِ اَوْ بِالْكَلَامِ الْقَبِيْحِ فَاحْذَرْنِيْ **وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا**﴿۴۶﴾ دَهْرًا طَوِيْلًا **قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ** مِنِّيْ اَیْ لَا اُصِيْبُكَ بِمَكْرُوْهٍ **سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا**﴿۴۷﴾ مِنْ حَفِيٍّ اَیْ بَارًّا فَيُجِيْبُ دُعَائِيْ وَقَدْ وَفٰى بِوَعْدِهٖ بِقَوْلِهٖ الْمَذْكُوْرِ فِی الشُّعَرَاءِ وَاغْفِرْ لِاَبِيْ وَهٰذَا قَبْلَ اَنْ يَتَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِلّٰهِ كَمَا ذُكِرَ فِيْ بَرَاءَةٍ **وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ** تَعْبُدُوْنَ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا** اَعْبُدُ **رَبِّيْ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ** بِعِبَادَتِهٖ **شَقِيًّا**﴿۴۸﴾ كَمَا شَقِيْتُمْ بِعِبَادَةِ الْاَصْنَامِ **فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** بِاَنْ ذَهَبَ اِلَى الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ **وَهَبْنَا لَهٗٓ** اِبْنَيْنِ يَانِسُ بِهِمَا **اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَكُلًّا** مِنْهُمَا **جَعَلْنَا نَبِيًّا**﴿۴۹﴾ **وَوَهَبْنَا لَهُمْ** اَلثَّلَاثَةَ **مِّنْ رَّحْمَتِنَا** اَلْمَالَ وَالْوَلَدَ **وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا**﴿۵۰﴾ رَفِيْعًا وَهُوَ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ فِيْ جَمِيْعِ اَهْلِ الْاَدْيَانِ **وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا** بِكَسْرِ اللَّامِ وَفَتْحِهَا مَنْ اَخْلَصَ فِيْ عِبَادَتِهٖ وَاَخْلَصَهُ اللّٰهُ مِنَ الدَّنَسِ **وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا**﴿۵۱﴾ **وَنَادَيْنٰهُ** بِقَوْلِ يٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ **مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ** اِسْمُ جَبَلٍ **الْاَيْمَنِ** اَیِ الَّذِيْ يَلِيْ يَمِيْنَ مُوْسٰى حِيْنَ اَقْبَلَ مِنْ مَدْيَنَ **وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا**﴿۵۲﴾ مُنَاجِيًا بِاَنْ اَسْمَعَهٗ تَعَالٰى كَلَامَهٗ **وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ** نِعْمَتِنَا **اَخَاهُ هٰرُوْنَ** بَدَلٌ اَوْ عَطْفُ بَيَانٍ **نَبِيًّا**﴿۵۳﴾ حَالٌ

هِيَ الْمَقْصُوْدَ بِالْهِبَةِ اِجَابَةً لِسُوَالِهٖ اَنْ يُّرْسِلَ اَخَاهُ مَعَهُ وَكَانَ اَسَنَّ مِنْهُ **وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ** لَمْ يَعِدْ شَيْئًا اِلَّا وَفٰى بِهٖ وَانْتَظَرَ مَنْ وَعَدَهٗ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اَوْ حَوْلًا حَتّٰى رَجَعَ اِلَيْهِ فِي مَكَانِهٖ **وَكَانَ رَسُوْلًا** اِلٰى جُرْهَمَ **نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ** اَيْ قَوْمَهٗ **بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾** اَصْلُهٗ مَرْضُوْوٌ قُلِبَتِ الْوَاوَانِ يَائَيْنِ وَالضَّمَّةُ كَسْرَةً **وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ** هُوَ جَدُّ اَبِيْ نُوْحٍ **اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾** هُوَ حَيٌّ فِي السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ اَوِ السَّادِسَةِ اَوِ السَّابِعَةِ اَوْفِي الْجَنَّةِ اُدْخِلَهَا بَعْدَ اَنْ اُذِيْقَ الْمَوْتَ وَاُحْيِيَ وَلَمْ يُخْرَجْ مِنْهَا **اُولٰٓئِكَ** مُبْتَدَأٌ **الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ** صِفَةٌ لَهٗ **مِّنَ النَّبِيّٖنَ** بَيَانٌ لَهُمْ وَهُوَ فِي مَعْنَى الصِّفَةِ وَمَا بَعْدَهٗ اِلٰى جُمْلَةِ الشَّرْطِ صِفَةٌ لِلنَّبِيِّيْنَ فَقَوْلُهٗ **مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ** اَيْ اِدْرِيْسَ **وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ** فِي السَّفِيْنَةِ اَيْ اِبْرَاهِيْمَ ابْنَ ابْنِهٖ سَامٍ **وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ** اَيْ اِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ **اِسْرَآءِيْلَ** وَهُوَ يَعْقُوْبُ اَيْ مُوْسٰى وَهَارُوْنَ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى **وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا** اَيْ مِنْ جُمْلَتِهِمْ وَخَبَرُ اُولٰٓئِكَ **اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿۵۸﴾** جَمْعُ سَاجِدٍ وَبَاكٍ اَيْ فَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ وَاَصْلُ بُكِيٍّ بُكُوْيٌ قُلِبَتِ الْوَاوُ يَاءً وَالضَّمَّةُ كَسْرَةً **فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ** بِتَرْكِهَا كَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى **وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ** مِنَ الْمَعَاصِيْ **فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾** هُوَ وَادٍ فِيْ جَهَنَّمَ اَيْ يَقَعُوْنَ فِيْهِ **اِلَّا** لٰكِنْ **مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ** يُنْقَصُوْنَ **شَيْئًا ﴿۶۰﴾** مِنْ ثَوَابِهِمْ **جَنّٰتِ عَدْنِ** اِقَامَةٍ بَدَلٌ مِنَ الْجَنَّةِ **الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ** حَالٌ اَيْ غَائِبِيْنَ عَنْهَا **اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ** اَيْ مَوْعُوْدُهٗ **مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾** بِمَعْنٰى اٰتِيًا وَاَصْلُهٗ مَاْتُوْيٌ اَوْ مَوْعُوْدُهٗ هُنَا الْجَنَّةُ يَاْتِيْهِ اَهْلُهٗ **لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا** مِنَ الْكَلَامِ **اِلَّا** لٰكِنْ يَسْمَعُوْنَ **سَلٰمًا** مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ عَلَيْهِمْ اَوْ مِنْ بَعْضِهِمْ عَلٰى بَعْضٍ **وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾** اَيْ عَلٰى قَدْرِهِمَا فِي الدُّنْيَا وَلَيْسَ فِي الْجَنَّةِ نَهَارٌ وَلَا لَيْلٌ بَلْ ضَوْءٌ وَنُوْرٌ اَبَدًا **تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ** نُعْطِيْ وَنُنْزِلُ **مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾** بِطَاعَتِهٖ وَنَزَلَ لَمَّا تَاَخَّرَ الْوَحْيُ اَيَّامًا وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِجِبْرِيْلَ مَايَمْنَعُكَ اَنْ تَزُوْرَنَا اَكْثَرَ مِمَّا تَزُوْرُنَا **وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَابَيْنَ اَيْدِيْنَا** اَيْ اَمَامَنَا مِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ **وَمَا خَلْفَنَا** مِنْ اُمُوْرِ الدُّنْيَا **وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ** اَيْ مَا يَكُوْنُ مِنْ هٰذَا الْوَقْتِ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اَيْ لَهٗ عِلْمُ ذٰلِكَ جَمِيْعُهٗ **وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾** بِمَعْنٰى نَاسِيًا اَيْ تَارِكًا لَكَ بِتَاخِيْرِ الْوَحْيِ عَنْكَ هُوَ **رَبُّ** مَالِكُ **السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ**

وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ اَیْ اِصْبِرْ عَلَيْهَا **هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا** ﴿۶۵﴾ اَیْ مُسَمًّى بِذٰلِكَ لَا **وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ** الْمُنْكِرُ لِلْبَعْثِ اُبَيُّ بْنُ خَلَفٍ اَوِ الْوَلِيْدُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ النَّازِلُ فِيْهِ الْاٰيَةُ ءَ **اِذَا** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَةِ الثَّانِيَةِ وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا بِوَجْهَيْهَا وَبَيْنَ الْاُخْرٰى **مَامِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا** ﴿۶۶﴾ مِنَ الْقَبْرِ كَمَا يَقُوْلُ مُحَمَّدٌ فَالْاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى النَّفْيِ اَیْ لَا اُحْيٰى بَعْدَ الْمَوْتِ وَمَا زَائِدَةٌ لِلتَّاكِيْدِ وَكَذَا اللَّامُ وَرُدَّ عَلَيْهِ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى **اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ** اَصْلُهٗ يَتَذَكَّرُ اُبْدِلَتِ التَّاءُ ذَالًا وَاُدْغِمَتْ فِى الذَّالِ وَفِى قِرَاءَةٍ بِتَرْكِهَا وَسُكُوْنِ الذَّالِ وَضَمِّ الْكَافِ **اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا** ﴿۶۷﴾ فَيَسْتَدِلُّ بِالْاِبْتِدَاءِ عَلَى الْاِعَادَةِ **فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ** اَیِ الْمُنْكِرِيْنَ لِلْبَعْثِ **وَالشَّيٰطِيْنَ** اَیْ نَجْمَعُ كُلًّا مِّنْهُمْ وَشَيْطَانَهٗ فِى سِلْسِلَةٍ **ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ** مِنْ خَارِجِهَا **جِثِيًّا** ﴿۶۸﴾ عَلَى الرُّكَبِ جَمْعُ جَاثٍ وَاَصْلُهٗ جُثُوْوٌ اَوْ جُثُوْيٌ مِنْ جَثٰى يَجْثُوْا وَيَجْثِى لُغَتَانِ **ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ** فِرْقَةٍ مِنْهُمْ **اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا** ﴿۶۹﴾ جُرْءَةً **ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا** اَحَقُّ بِجَهَنَّمَ الْاَشَدُّ وَغَيْرُهٗ مِنْهُمْ **صِلِيًّا** ﴿۷۰﴾ دُخُوْلًا وَاِحْتِرَاقًا فَنَبْدَءُ بِهِمْ وَاَصْلُهٗ صَلُوْيٌ مِنْ صَلّٰى بِكَسْرِ اللَّامِ وَفَتْحِهَا **وَاِنْ** اَیْ مَا **مِّنْكُمْ** اَحَدٌ **اِلَّا وَارِدُهَا** اَیْ دَاخِلُ جَهَنَّمَ **كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا** ﴿۷۱﴾ حَتَمَهٗ وَقَضٰى بِهٖ لَا يَتْرُكُهٗ **ثُمَّ نُنَجِّى** مُشَدَّدًا وَمُخَفَّفًا **الَّذِيْنَ اتَّقَوْا** الشِّرْكَ وَالْكُفْرَ مِنْهَا **وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ** بِالشِّرْكِ وَالْكُفْرِ **فِيْهَا جِثِيًّا** ﴿۷۲﴾ عَلَى الرُّكَبِ **وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ** اَیِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ **اٰيٰتُنَا** مِنَ الْقُرْاٰنِ **بَيِّنٰتٍ** وَاضِحَاتٍ حَالٌ **قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَیُّ الْفَرِيْقَيْنِ** نَحْنُ اَوْ اَنْتُمْ **خَيْرٌ مَّقَامًا** مَنْزِلًا وَمَسْكِنًا بِالْفَتْحِ مِنْ قَامَ وَبِالضَّمِّ مِنْ اَقَامَ **وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا** ﴿۷۳﴾ بِمَعْنَى النَّادِىْ وَهُوَ مُجْتَمَعُ الْقَوْمِ يَتَحَدَّثُوْنَ فِيْهِ يَعْنُوْنَ نَحْنُ فَنَكُوْنُ خَيْرًا مِنْكُمْ قَالَ تَعَالٰى **وَكَمْ** اَیْ كَثِيْرًا **اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ** اَیْ اُمَّةٍ مِنَ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ **هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا** مَالًا وَمَتَاعًا **وَّرِئْيًا** ﴿۷۴﴾ مَنْظَرًا مِنَ الرُّؤْيَةِ فَلَمَّا اَهْلَكْنَا هُمْ لِكُفْرِهِمْ نُهْلِكُ هٰؤُلَاءِ **قُلْ مَنْ كَانَ فِى الضَّلٰلَةِ** شَرْطٌ جَوَابُهٗ **فَلْيَمْدُدْ** بِمَعْنَى الْخَبَرِ اَیْ يَمُدُّ **لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا** فِى الدُّنْيَا يَسْتَدْرِجُهٗ **حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ** كَالْقَتْلِ وَالْاِسْرِ **وَاِمَّا السَّاعَةَ** الْمُشْتَمِلَةَ عَلٰى جَهَنَّمَ فَيَدْخُلُوْنَهَا **فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا** ﴿۷۵﴾ اَعْوَانًا اَهُمْ اَمِ الْمُؤْمِنُوْنَ وَجُنْدُهُمُ الشَّيَاطِيْنُ وَجُنْدُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ **وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا** بِالْاِيْمَانِ **هُدًى** بِمَا يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ مِنَ الْاٰيَاتِ **وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ** هِىَ الطَّاعَاتُ تَبْقٰى لِصَاحِبِهَا **خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا** ﴿۷۶﴾ اَیْ

مَـا يَرِدُ اِلَيْهِ وَيَرْجِعُ بِخِلَافِ اَعْمَالِ الْكُفَّارِ وَالْخَيْرِيَّةُ هُنَا فِي مُقَابَلَةِ قَوْلِهِمْ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَقَامًا **اَفَرَءَيْتَ الَّذِیْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا** الْعَاصَ ابْنَ وَائِلٍ **وَقَالَ** لِـخَبَّابِ ابْنِ الْاَرَتِّ الْقَائِلِ لَهٗ تُبْعَثُ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْمُطَالِبُ لَهٗ بِمَالٍ **لَاُوْتَيَنَّ** عَـلٰى تَقْدِيْرِ الْبَعْثِ **مَالًا وَّوَلَدًا** ﴿۷۷﴾ فَـاَقْضِيْكَ قَالَ تَعَالٰى **اَطَّلَعَ الْغَيْبَ** اَیْ اَعَلِمَهٗ وَاَنْ يُّؤْتٰى مَا قَالَهٗ وَاسْتُغْنِىَ بِهَمْزَةِ الْاِسْتِفْهَامِ عَنْ هَمْزَةِ الْوَصْلِ فَحُذِفَتْ **اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَالرَّحْمٰنِ عَهْدًا** ﴿۷۸﴾ بِاَنْ يُّؤْتٰى مَاقَالَهٗ **كَلَّا** اَیْ لَايُؤْتٰى ذٰلِكَ **سَنَكْتُبُ** نَامُرُ بِكَتْبِ **مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا** ﴿۷۹﴾ نَزِيْدُهٗ بِذٰلِكَ عَذَابًا فَوْقَ عَذَابِ كُفْرِهٖ **وَّنَرِثُهٗ مَايَقُوْلُ** مِنَ الْمَالِ وَالْوَلَدِ **وَيَاْتِيْنَا** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **فَرْدًا** ﴿۸۰﴾ لَا مَالَ لَهٗ وَلَا وَلَدَ **وَاتَّخَذُوْا** اَیْ كُفَّارُ مَكَّةَ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** الْاَوْثَانَ **اٰلِهَةً** يَعْبُدُوْنَهُمْ **لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا** ﴿۸۱﴾ شُفَعَاءَ عِنْدَاللّٰهِ بِاَنْ لَّايُعَذَّبُوْا **كَلَّا** اَیْ لَا مَانِعَ مِنْ عَذَابِهِمْ **سَيَكْفُرُوْنَ** اَیِ الْاٰلِهَةُ **بِعِبَادَتِهِمْ** اَیْ يَنْفُوْنَهَا كَمَا فِي اٰيَةٍ اُخْرٰى مَاكَانُوْا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ **وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا** ﴿۸۲﴾ اَعْوَانًا وَاَعْدَاءً **اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ** سَلَّطْنَاهُمْ **عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ** تُهَيِّجُهُمْ اِلَى الْمَعَاصِىْ **اَزًّا** ﴿۸۳﴾ **فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ** بِطَلَبِ الْعَذَابِ **اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ** الْاَيَّامَ وَاللَّيَالِىَ اَوِالْاَنْفَاسَ **عَدًّا** ﴿۸۴﴾ اِلٰى وَقْتِ عَذَابِهِمْ اُذْكُرْ **يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ** بِاِيْمَانِهِمْ **اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا** ﴿۸۵﴾ جَمْعُ وَافِدٍ بِمَعْنٰى رَاكِبٍ **وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ** بِكُفْرِهِمْ **اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا** ﴿۸۶﴾ جَمْعُ وَارِدٍ بِمَعْنٰى مَاشٍ عَطْشَانٍ **لَايَمْلِكُوْنَ** اَیِ النَّاسُ **الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَالرَّحْمٰنِ عَهْدًا** ﴿۸۷﴾ اَیْ شَهَادَةَ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ **وَقَالُوا** اَیِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى وَمَنْ زَعَمَ اَنَّ الْمَلَائِكَةَ بَنَاتُ اللّٰهِ **اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا** ﴿۸۸﴾ قَالَ تَعَالٰى **لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا** ﴿۸۹﴾ اَیْ مُنْكَرًا عَظِيْمًا **تَكَادُ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ** بِالنُّوْنِ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالتَّاءِ وَتَشْدِيْدِ الطَّاءِ بِالْاِنْشِقَاقِ **مِنْهُ** مِنْ عِظَمِ هٰذَا الْقَوْلِ **وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا** ﴿۹۰﴾ اَیْ تَنْطَبِقُ عَلَيْهِمْ مِنْ اَجْلِ **اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا** ﴿۹۱﴾ قَالَ تَعَالٰى **وَمَا يَنْۢبَغِىْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا** ﴿۹۲﴾ اَیْ مَايَلِيْقُ بِهٖ ذٰلِكَ **اِنْ** اَیْ مَا **كُلُّ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِى الرَّحْمٰنِ عَبْدًا** ﴿۹۳﴾ ذَلِيْلًا خَاضِعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْهُمْ عُزَيْرٌ وَعِيْسٰى **لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا** ﴿۹۴﴾ فَلَا يَخْفٰى عَلَيْهِ مَبْلَغُ جَمِيْعِهِمْ وَلَا وَاحِدٌ مِنْهُمْ **وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا** ﴿۹۵﴾ بِلَا مَالٍ وَلَا نَصِيْرٍ لَايَمْنَعُهٗ **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا** ﴿۹۶﴾ فِيْمَا بَيْنَهُمْ يَتَوَادُّوْنَ وَيَتَحَابُّوْنَ وَيُحِبُّهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى **فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ** اَیِ الْقُرْاٰنَ **بِلِسَانِكَ** الْعَرَبِىِّ **لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ** الْجَنَّةَ بِالْاِيْمَانِ **وَتُنْذِرَ** تُخَوِّفَ **بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا** ﴿۹۷﴾ جَمْعُ اَلَدِّ اَیْ ذُوْ

جَدلٍ بِالْبَاطِلِ وَهُمْ كُفَّارُ مَكَّةَ **وَكَمْ** اَىْ كَثِيْرًا **اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ** اَىْ اُمَّةٍ مِنَ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ بِتَكْذِيْبِهِمُ الرُّسُلَ **هَلْ تُحِسُّ** تَجِدُ **مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا** ﴿۹۸﴾ صَوْتًا خَفِيًّا لَا فَكَمَا اَهْلَكْنَا اُولٰئِكَ نُهْلِكُ هٰؤُلَاءِ

ترجمہ: .... اور آپ اس کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیجئے (یعنی اس کتاب میں موجود ابراہیم علیہ السلام کا قصہ لوگوں کے سامنے بیان کیجئے) جو بڑی راستی والے نبی تھے (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب انہوں نے اپنے باپ (آزر) سے کہا تھا (جو بت پرست تھا) کہ اے میرے باپ! آپ نے کیوں ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں جو نہ کچھ دیکھے نہ سنے اور نہ آپ کے کچھ کام آسکے (نفع ونقصان میں۔ یا ابتی میں ت، ی اضافی کے بدلہ میں ہے۔ کیونکہ ی اور ت ایک جگہ جمع نہیں ہوتے۔ اس لئے یا ابتی کہنا صحیح نہیں ہے۔ اس وجہ سے یائے اضافی کی جگہ ت لے آئے اور یا ابت ہوگیا) اے میرے باپ! میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔ سو آپ میری پیروی کیجئے۔ میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ اے میرے باپ! آپ شیطان کی پرستش نہ کیجئے (یعنی آپ شیطان کے بہکانے سے بت پرستی نہ کیجئے) بے شک شیطان خدا کی نافرمانی کرنے والا ہے (اور بہت گناہ کرنے والا ہے) اے میرے باپ! میں اندیشہ کرتا ہوں کہ آپ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے عذاب آپڑے (اگر آپ نے توبہ نہ کی) پھر آپ شیطان کے ساتھی ہو جاؤ گے (اور شیطان کے ساتھ تم بھی آگ میں جلائے جاؤ گے) آزر نے کہا۔ تو کیا تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو۔ اے ابراہیم (اس لئے تم اس کی عیب جوئی کرتے ہو) اور اگر تم باز نہ آئے (چھیڑ چھاڑ کرنے سے) تو میں تمہیں سنگسار کر ڈالوں گا۔ (پتھر مار مار کر ہلاک کر ڈالوں گا، یا ڈانٹ ڈپٹ کا معاملہ رکھوں گا) اور مجھے تو ایک مدت کے لئے چھوڑ ہی دو۔ ابراہیم بولے۔ آپ میرا سلام لیں (یعنی اب میں آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا) اب میں آپ کے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت کی درخواست کروں گا۔ بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے (اور وہ میرے اوپر لطف وکرم کرنے والا ہے۔ لہٰذا وہ میری دعا کو قبول کرے گا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اس وعدہ کو پورا کیا۔ جیسا کہ سورۂ شعراء میں ان کی دعا منقول ہے کہ اے اللہ! میرے باپ کی مغفرت فرما۔

اب یہ اعتراض کہ ابراہیم علیہ السلام نے کفار کے لئے دعائے مغفرت کیسے کی۔ جبکہ اس کی ممانعت آئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی یہ دعا یہ جاننے سے قبل تھی کہ ان کے لئے دعائے مغفرت نہیں کرنی چاہئے۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو اس ممانعت کا علم ہوگیا تو آپ نے اس سے برأت ظاہر فرمائی) اور میں کنارہ کشی اختیار کرتا ہوں تم سے اور ان سے جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو (اور جس کی تم عبادت کرتے ہو) اور میں تو اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا اور مجھے امید ہے کہ اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔ (یعنی میں اپنے پروردگار کی عبادت کر کے محروم نہیں رہوں گا جیسا کہ آپ لوگ بت پرستی کر کے محروم رہے) پھر جب وہ کنارہ کش ہوگئے۔ ان لوگوں سے اور ان سے بھی جن کی وہ لوگ خدا کے علاوہ عبادت کرتے تھے (اس طرح پر کہ وہ اپنے شہر سے روانہ ہوگئے۔ سرزمین مقدس کی طرف) تو ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب عطا فرمایا اور ہم نے (ان دونوں میں سے) ہر ایک کو نبی بنایا اور ہم نے ان سب کو اپنی رحمت عطا کی (اور ان تینوں کو مال و دولت اور اولاد عطا کی) اور ہم نے ان کا نام نیک اور بلند کیا (اور تمام قوموں میں ان کی تعریف کی جاتی تھی) اور آپ اس کتاب میں موسیٰ کا بھی ذکر کیجئے۔ بلاشبہ وہ اللہ کے خاص کئے ہوئے (بندے) تھے۔ (مخلصاً کے ل میں زبر اور زیر دونوں قرأت ہے۔ جس کے معنی ہیں وہ شخص جس نے اخلاص کے ساتھ خدا تعالیٰ کی عبادت کی۔ جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے اسے قربت عطا فرمائی ہو) اور وہ رسول اور نبی بھی تھے اور ہم نے انہیں آواز دی (یاموسیٰ انی انا اللّٰہ کہہ کر) طور (پہاڑ) کی داہنی

جانب سے (یعنی اس جانب سے جو موسیٰ علیہ السلام کے داہنی جانب پڑتی تھی جب وہ مدین سے آ رہے تھے) اور ہم نے ان کو راز کی باتیں کرنے کے لئے مقرب بنایا (اور اپنا کلام سنانے کے لئے) اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر عطا کیا (یعنی ہم نے موسیٰ کی دعا کو قبول کرتے ہوئے جو انہوں نے اپنے بھائی کی رفاقت کی کی تھی، ہارون علیہ السلام کو بھی نبی بنا کر ان کی تقویت کے لئے ان کے ساتھ کر دیا جو موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے۔ھارون بدل ہے یا عطف بیان ہے۔

اور آپ اس کتاب میں اسمٰعیل علیہ السلام کا بھی ذکر کیجئے۔ بے شک وہ وعدہ کے سچے تھے (اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انہوں نے کوئی وعدہ کیا ہو اور اسے پورا نہ کیا ہو۔ چاہے اس وعدہ کے پورا کرنے میں انہیں کتنی ہی مشقت کیوں نہ اٹھانی پڑے) اور وہ رسول تھے (قبیلہ جرہم کے) اور نبی بھی تھے اور وہ حکم کرتے تھے اپنے متعلقین کو (یعنی اپنی قوم کو) نماز اور زکوٰۃ کا اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے (مرضیا کی اصل مرضوو تھا۔ واؤ کو یائے مشدد سے بدل دیا گیا اور ض کے پیش کو زیر دے دیا گیا)

اور آپ اس کتاب میں ادریس علیہ السلام کا بھی ذکر کیجئے (جو نوح علیہ السلام کے جد امجد تھے) بے شک وہ بڑی راستی والے نبی تھے اور ہم نے انہیں بلند مرتبہ تک پہنچایا (اور وہ زندہ ہیں۔ چوتھے، چھٹے یا ساتویں آسمان پر یا جنت میں۔ وہ اس طرح کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو پھر انہیں زندہ کر کے جنت میں داخل کر دیا گیا۔ جس سے وہ کبھی نہیں نکالے جائیں گے) یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان پر انعام فرمایا منجملہ دیگر انبیاء کے (اولٰئک مبتداء موصوف اور الذین انعم اللّٰہ علیھم اس کی صفت ہے النبیین بیان ہے الذین کا۔ لیکن معنی میں صفت کے ہے۔ گویا النبیین میں موصوف صفت اور النبیین کے بعد اذا تتلی تک سب صفت ہے نبیین کی) جو آدم (ادریس علیہ السلام) کی نسل سے تھے اور ان کی نسل سے تھے جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا۔ (ممن حملنا مع نوح سے ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں۔ کیونکہ وہ سام کی نسل سے ہیں۔ جو کہ نوح کے ساتھ کشتی میں سوار تھے) اور بعض ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے (یعنی ان کی اولاد اسمٰعیل، اسحٰق اور یعقوب علیہ السلام کی نسل سے تھی) اور یعقوب علیہ السلام کی نسل سے (ذریت یعقوب سے مراد موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام ہیں) اور یہ سب ان میں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت دی تھی اور ہم نے ان کو مقبول بنایا (ھدینا و اجتبینا خبر ہے اولئک کی) اور جب ان کے سامنے خدائے رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو گر پڑتے تھے سجدہ میں روتے ہوئے (زمین پر سجدا و بکیا جمع ہے ساجد و باک کی یعنی سجدہ کرنے والے اور رونے والے) پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کر دیا (یہود و نصاریٰ کی طرح نمازوں کو چھوڑ دیا) اور خواہشات کی پیروی کی (گناہوں میں) سو وہ عنقریب خرابی سے دوچار ہوں گے (اور جہنم میں ڈالے جائیں گے) البتہ جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کرنے لگا، سو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا (یعنی ان کا ثواب کچھ بھی کم نہیں کیا جائے گا) وہ (جنت) ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں (عدن بدل ہے جنت سے) جن کا خدائے رحمٰن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے۔ بے شک ان کا وعدہ پورا ہو کر رہنے والا ہے۔ اس جنت میں وہ فضول بات نہ سنیں گے۔ ہاں البتہ سلام (کی آوازیں جو فرشتے ان پر بھیجیں گے یا آپس میں ایک دوسرے کو بھیجیں گے) اور ان کو کھانا صبح و شام ملا کرے گا (اگر چہ جنت میں دن اور رات نہیں ہوا کریں گے۔ یہاں صبح و شام کے کھانے سے مراد عیش و عشرت کی زندگی ہے) یہ جنت ایسی ہے کہ ہم اپنے بندوں میں سے اس کا وارث ان لوگوں کو بنادیں گے جو (اللہ سے) ڈرنے والا ہو (اور اس کی عبادت کرنے والا ہوگا)۔

اور ہم (یعنی فرشتہ) نازل نہیں ہوتے۔ بجز آپ کے پروردگار کے حکم کے اسی کے (ملک) ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے (یعنی آخرت) اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے (یعنی دنیا) اور جو کچھ اس کے درمیان ہی (یعنی اس وقت سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے ان سب کا

علم خداتعالیٰ کو ہے) اور آپ کا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے (نسیا بمعنی ناسیا کے ہے۔ یعنی تاخیر وحی سے یہ نہ سمجھیں کہ خداتعالیٰ نے آپ کو بھلا دیا ہے) وہ پروردگار آسمانوں اور زمین کا ہے اور ان سب کا جوان دونوں کے درمیان ہے۔ سواسی کی عبادت کیا کرو اور اس کی عبادت پر قائم رہو۔ بھلا تو کسی کو اس کا ہم صفت جانتا ہے۔ اور انسان کہتا ہے (یعنی منکرین حشر ونشر مثلاً: ابی بن خلف یا ولید ابن المغیرہ وغیرہ) کہ کیا جب میں مرجاؤں گا تو پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا (ء اذا کے دوسرے ہمزہ کو حذف بھی کردیتے ہیں تو منکرین حشر نشر کہتے تھے کہ کیا ہم پھر قبر سے نکالے جائیں گے؟ یہ استفہام انکاری ہے گویا ایسا نہیں ہوسکتا۔

ما زائدہ تاکید کے لئے ہے۔ اسی طرح پر لسوف میں ل بھی تاکید کے لئے تو منکرین کے اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے ارشاد ہورہا ہے کہ کیا انسان کو یہ یاد نہیں کہ ہم ہی اس کو اس سے قبل پیدا کر چکے ہیں۔ درآنحالیکہ وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ (اس آیت میں ابتداء تخلیق سے حشر ونشر پر دلیل پیش کی گئی ہے)۔

اولا یذکر میں یذکر کی اصل یتذکر تھا۔ ت کو ذ سے بدل کر دوسرے ذ میں ادغام کردیا اور ایک قرأت میں ت کو حذف کر کے ذ کو ساکن اور ک کو پیش بھی پڑھتے ہیں تو قسم ہے آپ کے پروردگار کی۔ ہم ان کو (بھی) جمع کریں گے (یعنی منکرین حشر ونشر کو) اور شیاطین کو (بھی) پھر ان سب کو دوزخ کے گردلا کر حاضر کریں گے (اس حالت میں کہ) گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔ (جثیا جمع ہے جاث کی۔ اس کی اصل جثوۃ ہے۔ جثی یجثو سے یا جثوی ہے جثی یجثی سے۔ اس میں یہ دونوں لغت ہیں) پھر ہم ہر گروہ میں سے ان کو جدا کرلیں گے جو خدائے رحمٰن کی سرکشی میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ پھر ہم ایسے لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو اس میں جانے کے زیادہ مستحق ہیں (اپنے تشدد کی وجہ سے۔ صلیا کی اصل صلوی تھا۔ صلی یصلی سے صلی کی ل کو فتحہ اور کسرہ دونوں قرأت ہے) اور تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا گزر اس (جہنم) پر سے نہ ہو۔ یہ آپ کے پروردگار پر لازم ہے جو ہو کر رہے گا (اور اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس کے خلاف ہرگز نہیں ہوسکتا ہے) پھر انہیں ہم نجات دے دیں گے جو (اللہ سے) ڈرتے تھے (اور خدا کے ساتھ شرک وکفر کا معاملہ نہیں کرتے تھے۔ ننجی میں ج کو تشدید اور بغیر تشدید دونوں قرأت ہے) اور ظالموں کو اس میں پڑا رہنے دیں گے۔ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے (یعنی ان لوگوں کو جو شرک وکفر کیا کرتے تھے) اور جب انہیں ہماری کھلی ہوئی نشانیاں سنائی جاتی ہیں (یعنی مومنین اور کافرین کو) تو جو لوگ کافر ہیں وہ ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ دونوں فریقوں میں سے مکان کس کا بہتر ہے (یعنی رہنے سہنے کے اعتبار سے مکان کس کا بہتر ہے۔ ہمارا یا تمہارا۔ مقاما کے میم کو فتحہ اور ضمہ دونوں قرأت ہے۔ اگر فتحہ ہوگا تو قام سے ہوگا اور اگر ضمہ ہو تو اقام سے) اور مجلس کس کی بہتر ہے (ندیا معنی میں نادی کے ہے۔ یعنی ہماری جو محفلیں جمتی ہیں اس میں ہماری محفل تم سے زیادہ شان وشوکت والی ہوتی ہے۔ اس لئے ہم تم سے بہتر ہوئے۔ اسی کے جواب میں خدا تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں) حالانکہ ہم ان سے قبل کتنے ہی گروہ ہلاک کر چکے ہیں۔ جو ان سے زیادہ مال ودولت والے تھے۔ اور ان سے کہیں زیادہ شان وشوکت والے تھے۔ لہٰذا ہم ان کافرین کو تباہ وبرباد کر کے چھوڑیں گے۔

آپ کہہ دیجئے کہ جو لوگ گمراہی میں پڑے ہیں (یہ شرط ہے اور اب اس کا جواب شروع ہورہا ہے) خدائے رحمٰن انہیں خوب ڈھیل دیتا جاتا ہے (یعنی دنیا میں اسے ڈھیل ملی ہوئی ہے۔ کوئی گرفت نہیں کی جارہی ہے فلیمدد معنی میں یمد کے ہے) یہاں تک کہ جس چیز کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ جب وہ اس کو دیکھ لیں گے۔ خواہ وہ عذاب ہو (یعنی دنیا میں بصورت قتل یا قید) خواہ قیامت ہو (اور عالم آخرت میں جہنم میں ڈالے جائیں گے) سو (اس وقت) اس کو معلوم ہوجائے گا کہ برا مکان کس کا ہے اور حمایتی کمزور کس کے ہیں (یعنی اس وقت انہیں معلوم ہوجائے گا کہ اس کا مکان برا تھا یا مومنین کا اور یہ کہ ان کے حمایتی جو شیطان ہیں وہ کمزور واقع ہوئے یا مومنین کے

حمایتی جو فرشتے ہیں وہ کمزور تھے) اور اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کی ہدایت بڑھاتا ہے (آیات ونشانیاں دکھا کر ان کے ایمان کو قوی کرتا ہے) اور جو نیک کام باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے پروردگار کے نزدیک ثواب میں بہتر ہیں اور انجام میں بھی بہتر (یعنی مومنین) کے اعمال صالحہ خدا تعالیٰ کے یہاں مقبول ہیں۔ وہ لوٹائے نہیں جاتے جس طرح سے کہ کفار کے اعمال رد کر دیئے جاتے ہیں اور یہاں لفظ خیر کالانا جواب ہے۔ ان کے اس قول کا ای الفریقین خیر مقاما) بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جو ہماری نشانیوں سے کفر کرتا ہے (مثلاً عاص ابن وائل) اور کہتا ہے کہ مجھے تو مال واولا دمل کر رہیں گے) تو کیا یہ غیب پر مطلع ہو گیا ہے یا اس نے خدائے رحمٰن سے کوئی عہد لے لیا ہے۔ خدا تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ وہ زیادہ جاننے والے ہیں مجھ سے یا یہ کہ انہوں نے مجھ سے کوئی وعدہ لے رکھا ہے جو دعوے کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ مجھے تو مال واولا دمل کر رہیں گے۔ اسی کی تردید کرتے ہوئے ارشاد ہو رہا ہے کہ ہرگز نہیں (یعنی انہیں کچھ بھی نہیں ملے گا) البتہ ہم اس کا کہا ہوا ابھی لکھ لیتے ہیں اور اس کے لئے عذاب بڑھاتے ہی چلے جائیں گے (یعنی ان کے اس قول کو ابھی ہم لکھنے کا حکم دے دیتے ہیں اور ان کے اس قول کی وجہ سے ہم عذاب میں بھی اضافہ کر دیں گے) اور اس کی کہی ہوئی چیزوں کے ہم ہی مالک رہ جائیں گے اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا تو جس چیز کا یہ دعویٰ کر رہے ہیں اس کے نزدیک مالک ہم ہی ہیں اور یہ تو قیامت کے دن اس حالت میں آئیں گے کہ ان کے پاس مال ہوگا اور نہ آل واولاد۔ جس کا کہ یہ دعویٰ کرتے تھے) اور ان لوگوں نے (یعنی کفار مکہ نے) اللہ کے علاوہ معبود قرار دے رکھے ہیں (بتوں کو جن کی یہ پرستش کرتے ہیں) تا کہ ان کے لئے وہ باعث قوت ہوں (اور تا کہ وہ سفارشی ہوں خدا تعالیٰ کے نزدیک۔ ان کے عذاب کو روکنے کے لئے) ہرگز نہیں (یعنی کوئی خدا تعالیٰ کے عذاب کو روکنے والا نہیں ہے) بلکہ وہ تو عنقریب خود ہی ان کی عبادت کا انکار کر بیٹھیں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے (یعنی عبادت ہی کا انکار کر دیں گے جیسا کہ دوسری آیت میں آیا ہے۔ ما کانوا ایا نا یعبدون)

کیا آپ کو علم نہیں کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے جو ان کو خوب ابھارتے رہتے ہیں (یعنی شیطانوں کو ان پر مسلط کر رکھا ہے تا کہ وہ انہیں ارتکاب گناہ پر برانگیختہ کرتے رہیں) تو آپ ان کے حق میں جلدی نہ کیجئے (عذاب کا مطالبہ کر کے) ہم خود ان کی بداعمالیاں شمار کر رہے ہیں (یعنی یوم آخرت تک ان کی تمام بداعمالیاں شمار ہوتی رہیں گے اور سزا اسی روز ملے گی) جس روز ہم پرہیزگاروں کو خدائے رحمٰن کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے (وفدا جمع ہے وافد کی معنی میں راکب کے یعنی وہ سوار ہو کر یوم حشر میں آئیں گے) اور مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسا ہانکیں گے (وردا جمع ہے وارد کی معنی ہیں بھوکے پیدل چلنا) شفاعت کا اختیار کوئی بھی نہیں رکھے گا۔ بجز اس کے کہ جس نے خدائے رحمٰن سے اجازت لے رکھی ہے (اور وہ اجازت بھی خاص ہے اہل ایمان کے ساتھ جنہوں نے خدا کی ربوبیت کو تسلیم کیا) اور یہ لوگ کہتے ہیں (یعنی یہود ونصاریٰ اور وہ لوگ جنہوں نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں تصور کر لیا) کہ خدائے رحمٰن نے اولاد اختیار کر رکھی ہے (ان کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ) تم نے یہ بات ایسی سخت کی ہے (یعنی تمہاری یہ حرکت ایسی مذموم ہے کہ) اس کے سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان ٹوٹ پڑے (یعنی کہیں اس قول کی شدت کی وجہ سے آسمان نہ ٹوٹ پڑے۔ یکاد اور تکاد دونوں قرأت ہے۔ یتفطرن میں ایک قرأت ینفطرن کی بھی ہے۔ یعنی ت کی جگہ ن ہے پھٹنے کے معنی میں اور زمین کے ٹکڑے ٹکڑے اڑ جائیں گے اور پہاڑ کانپ کر گر پڑیں گے (یعنی پہاڑ گر کر زمین کے برابر ہو جائیں گے) اس بات سے کہ یہ لوگ خدائے رحمٰن کی طرف بیٹے کی نسبت کرتے ہیں (پھر خدا تعالیٰ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ) یہ خدائے رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ اولاد اختیا رکرے۔ جتنے جو کوئی بھی آسمان اور زمین میں ہیں سب خدائے رحمٰن کے روبرو عبد کی حیثیت سے حاضر ہوتے ہیں (یعنی قیامت کے دن سب کے سب غلامانہ حیثیت سے حاضر ہوں گے۔ انہیں میں عزیر وعیسیٰ علیہما السلام بھی ہیں جنہیں یہ خدا کی اولاد قرار دے رہے

ہیں)اس نے ان کو احاطہ میں لے رکھا ہے اور انہیں خوب شمار کر رکھا ہے (لہٰذا ان سے کوئی چھپا اور پوشیدہ نہیں ہے)اور قیامت کے دن ان سے ہر ایک اس کے سامنے تنہا تنہا حاضر ہوگا۔ (نہ ان کے ساتھ ان کا مال ہوگا اور نہ ان کے مددگار) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے۔ خدائے رحمٰن ان کے لئے محبت پیدا کر دیگا۔ (یعنی یہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت کا معاملہ کریں گے اور خدا تعالیٰ بھی ان کو محبوب رکھے گا) سو ہم نے اس کو آپ کی زبان میں اس لئے آسان کر دیا (یعنی قرآن کو عربی زبان میں نازل کر کے) تا کہ آپ کے ذریعہ پرہیزگاروں کو خوشخبری سنائیں (جنت کی)اور ان کے ذریعہ سے آپ جھگڑالو لوگوں کو ڈرائیں (لـدا) جمع ہے الـدّ کی بمعنی جھگڑا کرنے والی قوم اور وہ کفار مکہ ہیں اور ہم نے ان سے قبل کتنے ہی گروہوں کو ہلاک کر دیا (یعنی ہم پچھلی قوموں میں سے بہت کو رسولوں کی تکذیب کی سزا میں ہلاک کر چکے ہیں۔ سو آپ ان میں سے کسی کو بھی دیکھتے ہیں یا ان کی آہستہ آواز بھی سنتے ہیں؟ یعنی ان کا کوئی نام ونشان بھی نہیں رہا۔ اسی طرح پر ہم انہیں بھی نیست و نابود کر دیں گے)

تحقیق وترکیب:.......... **صـدیـقـا** مبالغہ کا صیغہ ہے۔ لفظی معنی بہت بڑے سچے کے ہیں۔ اور نبی کے بعد سب سے بڑا رتبہ صدیق ہی کا ہوتا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کی نشانیوں اور غیب کی باتوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ **اخـاف ان یـمسك عذاب** میں خوف کا تعبیر اختیار کیا ہے۔ وہ اسی وجہ سے کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ ان کی موت کفر پر ہی ہو ممکن ہے کہ وہ ہدایت پا جائیں اور عذاب سے بچ جائیں۔

ملّیا. ملی کے معنی زمانہ طویل کے ہیں۔

حفیا یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ میرے اوپر انتہائی مہربان ہے۔

رحـمتـنـا. رحمت کی تفسیر میں اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد وسعت رزق ہے جبکہ بعض مفسرین کا خیال ہے کتاب ونبوت رحمت کا مصداق ہے۔

لسان صدق علیا مراد یہ ہے کہ تمام اقوام وامم میں ان کا ذکر جمیل ہمیشہ کے لئے رائج کر دیا گیا۔

قرّبناہ نجیّا. نجیّا ترکیب نحوی کے اعتبار سے **قربناہ** کے مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے۔ یہ اصل میں **نجی** تھا جو **نجی ینجو** سے ماخوذ ہے۔ معنی سرگوشی کرنا۔

ایمن. جانب کی صفت ہے اور بعضوں کے خیال میں **طور** کی صفت ہے۔ یعنی ہم نے طور کی دائیں جانب سے ان کو بلایا یا اس جانب سے پکارا گیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دائیں جانب میں تھی اور اگر یمن بمعنی برکت لیا جائے تو معنی ہوگا کہ یہ ایک مبارک جانب سے خطاب کیا گیا۔

صادق الوعد. یعنی یہ صفت علاوہ دوسری صفات حسنہ کے آپ پر زیادہ غالب تھی۔

رفعناہ. رفعت اور علو سب معنوی ہیں۔ ان سے مراد محض شرف نبوت اور تقرب عنداللہ ہے۔

فـخـلـف من بعدھم خلف. خلف ل کے سکون کے ساتھ معنی میں بری اولاد جسے اردو میں ناخلف کہتے ہیں اور اگر ل پر فتحہ ہو تو اچھی اولاد کے معنی ہیں۔

واتبعوا الشھوات. شہوات سے ناجائز خواہش مراد ہے۔

غیّـا. ہر بڑی خرابی کو **غـی** کہتے ہیں اور ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ **غـی** جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جو انتہائی ہولناک عذاب والی ہے۔

بالغیب میں دوترکیب ہوسکتی ہے۔ ایک یہ کہ بالغیب کی با حالیہ ہےاور ذوالحال وہ ضمیر ہے جو جنت کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی جنت کا ان سے وعدہ کیا گیا جس جنت کو انہوں نے دیکھا نہیں اور دوسرا ذوالحال عباد ہوسکتا ہے۔ یعنی وہ بندے جنہوں نے جنت کو دیکھا نہیں اور بن دیکھے جنت پر یقین رکھتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ باسببیت کے لئے ہو۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان کو جنت ملے گی ان کے ایمان بالغیب کی بناء پر۔

بکرۃً و عشیا. جس طرح اردو میں صبح وشام سے مراد دوام ہوتا ہےاسی طرح یہاں طلوع وغروب سے متعین وقت مراد نہیں بلکہ دوام مراد ہے۔

تلك الجنة التی. اسم اشارہ جنت کی طرف ہےاور اسم اشارہ بعید کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے جنت کی رفعت ومنزلت کی جانب اشارہ ہوگا۔

سمیّا کے معنی محض ہمنام کے نہیں بلکہ ہم صفات کے بھی ہیں اور وہی یہاں مراد ہے۔

مامت لسوف. ما اورل دونوں زائد ہیں۔ محض تاکید کے لئے دونوں کا استعمال کیا گیا۔

ولم یك شیئا سے ان فلاسفہ کا بھی رد ہوگیا جو خلقت انسانی سے قبل ہیولی وغیرہ کا وجود فرض کئے ہوئے ہیں۔

من کل شیعة. یعنی جس جس جگہ گمراہ گروہ کی طرف وہ اپنے آپ کو منسوب کرتے رہے ہیں۔

جثیا. جثی یجثو نصر ینصر سے استعمال معنی گھٹنوں کے بل بیٹھ جانا یا پنجوں کے بل کھڑا ہونا۔ اس صورت میں اسم فاعل کا صیغہ جاث ہوگا جس کی جمع جثی استعمال ہوتی ہے۔

مقاما وندیا. مقام سے مراد مکان ومنزل لیا گیا۔ ندیا سے مراد مجلس ومحفل۔

رئیا. معنی میں مرئی کے ہے۔ جس کے معنی منظر کے آتے ہیں۔ یعنی حسن منظر والی چیزیں حاصل تھیں۔

جندا. جند کا اطلاق ہر بشری مجمع پر ہوتا ہے۔ مگر یہاں مراد حمایتیوں کا گروہ یا جتھا تھا۔

اما العذاب. عذاب سے مراد اسی دنیا کا عذاب لیا گیا۔

یاتینا فردا. فردا یہاں فردیت سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی انقطاع کے آتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اس حال میں ہمارے سامنے آئیں گی کہ نہ مال ہوگا نہ اولاد۔ آیت اسی معنی کو ادا کرے گی جو معنی لقد جئتمونا کما خلقناکم اول مرة والی آیت سے مفہوم ہے۔ ہاں پھر اسی کے بعد مومن کی ملاقات اپنے احباب اور اولاد سے ہوگی اور پسندیدہ چیزیں اس کو دی جائیں گے جبکہ کافر ان مراعات سے محروم رہے گا۔

ارسلنا. ارسال کے معنی یہاں بھیجنے کے نہیں بلکہ مسلط کردینے کے معنی میں ہے۔

تؤزھم ازا. از کے معنی حیلہ یا تدبیر سے بھڑکانا اور ابھارنا۔

وردا. جماعت جو پیاس کی وجہ سے پانی پر پہنچے۔

جئتم شیئا ادا. بدترین کام ماخوذ ہے ادة سے جس کے معنی شدت کے آتے ہیں۔ کہتے ہیں ادنی الامر جب کوئی کام دشوار ہوجائے۔

رکزاً کے معنی خفی آواز۔

ربط :.......... سورۂ کہف کے اختتام پر شرک کی پرزور تردید اور توحید کے فضائل کا تذکرہ آیا۔ اسی طرح سورۂ مریم میں ان مشرکین

کی تردید تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائل ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام امام الموحدین اور شرک و کفر کی گھٹا ٹوپ اندھیری میں خدائے کائنات کی الوہیت اور ربوبیت کے سب سے بڑے مناد ہیں۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کو شروع کیا گیا۔ پھر ماقبل سے اس کا ایک ربط یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں بھی حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش اس وقت ہوئی جب وہ اوران کی بیوی از کار رفتہ ہو چکے تھے۔ جیسا کہ سورۂ ہود میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حرم محترم کا بیان ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

قالت یٰویلتٰی ء الدوانا عجوز وھٰذا بعلی شیخا ان ھٰذا لشیء عجیب (سورہ ہود)

کہنے لگیں کہ ہائے خاک پڑے اب میں بچہ جنوں گی بڑھیا ہوکر اور یہ میرے میاں ہیں بالکل بوڑھے۔ واقعی یہ بھی عجیب بات ہے۔

پس دیدۂ عبرت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ بجائے خود حیرت انگیز اور خدا تعالیٰ کی محیر العقول قدرتوں کا مظہر ہے۔ یہ نکتہ یہاں قابل غور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی صلاح اور خدا تعالیٰ کے کامل اطاعت کے نتیجہ میں صالح ترین اولاد دی گئی اور اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کو باقی رکھنے کا انتظام کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ مومن کو خدا تعالیٰ اولاد صالح عطا فرماتا ہے اور اس اولاد کے ذریعے مومن کے مقاصد کا بھی تحفظ کیا جاتا ہے۔ انہیں گونا گوں مناسبتوں کی پیش نظر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ شروع کیا گیا۔

شانِ نزول: .... بخاری شریف میں روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ بکثرت کیوں نہیں آیا کرتے۔ اس کے جواب میں آیت **وما نتنزل الا بامر ربک** نازل ہوئی اور ایک روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آنے میں بہت تاخیر ہوگئی۔ جس سے آنحضور ﷺ بہت پریشان ہوئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

بخاری و مسلم میں یہ روایت ہے کہ حضرت خبابؓ بن ارت کا کچھ قرض عاص ابن وائل کے ذمہ تھا۔ جب انہوں نے اپنے قرض کا تقاضا کیا تو اس کے جواب میں عاص نے کہا کہ جب تک تم محمد ﷺ کی صداقت کا انکار نہیں کرو گے میں تمہارا قرض ادا نہ کروں گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا، چاہے تو مرکر بھی زندہ ہو جائے۔ جس پر عاص مذاق اڑاتے ہوئے بولا کہ اچھا جب یہ بات ہے کہ میں مرکر دوبارہ بھی آسکتا ہوں تو تم اسی وقت اپنا قرض لے لینا۔ میں تو اس وقت بھی صاحب مال و اولاد ہوں گا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ **افرء یت الذی کفر بایتنا وقال لاوتین مالا وولدا الخ۔**

﴿ تشریح ﴾: .... اب آنحضور ﷺ کو حکم ہو رہا ہے۔ کہ اے محمد! آپ مشرکین مکہ کو جو بت پرستی میں مبتلا ہیں اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ کو متبع تصور کرتے ہیں۔ انہیں خود حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ سنائیے۔ انہوں نے تو اپنے باپ کے سامنے بھی حق کا اعلان کیا۔ اور بت پرستی سے روکنے کی کوشش کی اور انہیں یہ سمجھانے کی کوشش کی۔ کہ میرے پاس خدائی علم ہے۔ آپ اس کی اتباع کرکے راہ راست پر آجائیں۔ یہی نجات کا راستہ ہے۔ اور ان بے ضرر بتوں کی پرستش سے دست بردار ہو جائیں۔ ایسی چیزیں جو سننے اور دیکھنے سے بھی عاجز ہوں ان کی پرستش سے کیا فائدہ۔ شیطان اسی خدا کی نافرمانی کی وجہ سے راندہ درگاہ ہوا ہے۔ اگر آپ نے اس کی اطاعت کی تو وہ آپ کو بھی اس درجہ میں پہنچا دے گا۔ اور حیرت ہے۔ کہ آپ ایک ایسے مالک کے مقابل میں جو سراپا رحمت ہے، شیطان کی اتباع کر رہے ہیں اور مجھے تو ڈر ہے کہ آپ کے اس شرک و عصیان کی وجہ سے کہیں آپ پر خدا تعالیٰ کا عذاب نہ آجائے اور شیطان

جس کی آپ اتباع کررہے ہیں وہ خود بے کس و بے بس ہے۔ کہیں وہ آپ کو کسی بری جگہ نہ پھنسا دے۔ اس جگہ قرآن عــذاب مــن الرحمٰن لا کر یہ بتانا چاہتا ہے کہ اگر چہ وہ رحمٰن ہے۔ مگر جب وہ سزا دینا چاہے گا تو کوئی چیز اس کے لئے مانع نہیں ہوگی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سمجھانے پر ان کے باپ نے جواب دیا۔ کہ اچھا تو تم میرے معبودوں سے بیزار ہو اور ان سے نفرت کرتے ہو۔ تو سنو اگر تم اس انوکھے عقیدے اور تعلیم سے باز نہ آئے اور ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے رہے۔ تو میں تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کردوں گا۔ اس لئے یہی بہتر ہے۔ کہ تم مجھ سے سلامتی کے ساتھ الگ ہو جاؤ۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ پتھر مار کر ہلاک کرنے کی سزا قدیم قوموں میں عام تھی۔

حضرت ابراہیمؑ نے جب دیکھا کہ تبلیغ و نصیحت کا اثر الٹا ہو رہا ہے تو کہا کہ خوش رہو اور میرا آخری سلام قبول کرو۔ اب میں رخصت ہوتا ہوں اور کیونکہ آپ میرے باپ ہیں۔ اس لئے اب میری طرف سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ بلکہ میں خداتعالیٰ سے دعا کروں گا کہ وہ آپ کو نیکی کی توفیق دے اور آپ کے گناہوں کو بخش دے اور مجھے امید قوی ہے کہ وہ میری دعا کو قبول بھی کرے گا۔ یہاں بھی حضرت ابراہیمؑ نے دعویٰ کے ساتھ یہ نہیں کہا کہ میری دعا قبول ہی ہو جائے گی بلکہ عبدیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے صرف امید ظاہر کررہے ہیں۔

ویسے وہ قلباً و اعتقاداً تو پہلے ہی سے علیحدہ تھے اور اب یہاں کی سکونت بھی ترک کرکے ملک شام کو روانہ ہوگئے تو مشرکین عرب کے لئے اس قصہ ابراہیمی میں خصوصیت کے ساتھ سبق ہدایت موجود ہے۔ کیونکہ وہ بھی ابراہیم علیہ السلام ہی کی نسل سے تھے اور اپنے آپ کو انہیں کا پیرو ظاہر کرتے تھے۔

اور جب ابراہیم علیہ السلام دین کی خاطر اپنی قوم اور اپنے وطن کو چھوڑ کر ملک شام آئے۔ تو آپ اس ترک وطن سے دنیوی اور مادی اعتبار سے بھی کسی گھاٹے میں نہیں رہے۔ آپ کو ایک دوسرا وطن مل گیا۔ صاحب اولاد ہوئے۔ نسلوں پیغمبری چلتی رہی۔ اور دنیوی نعمتوں سے بھی مالا مال ہوئے اور ساری خوشیاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ یہاں اسحٰق اور یعقوب کا تذکرہ خاص طور پر اس وجہ سے کیا۔ کہ اسحٰق بیٹے اور یعقوب پوتے کی ولادت حضرت ابراہیمؑ کی زندگی ہی میں ہوگئی تھی۔ اور قرآن یہ کہتا ہے۔ کہ ہم نے ان کو نیک نام اور بلند کیا۔ اس کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس وقت دنیا کی تین بڑی اقوام یعنی مسلمان، عیسائی اور یہودی سب ہی ان کا نام عقیدت سے لیتے ہیں اور مسلمان کی تو نماز بھی اس کے بغیر مکمل نہیں ہو پاتی جب تک کہ وہ ابراہیم اور آل ابراہیم پر درود وسلام نہ بھیج لے۔

تذکرۂ موسیٰ:.............. خلیل اللہ کے واقعات بیان فرما کر اب کلیم اللہ کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔ آپ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ وہ خداتعالیٰ کے مخلص بندوں میں سے ہیں۔ جسے خداتعالیٰ نے اپنا مقرب بنالیا ہے اور اعتقاد و عمل کی ہر طرح کی غلطی سے محفوظ کر لیا۔ اور وہ رسول و نبی تھا۔

رسول و نبی میں فرق:.............. نبی اور رسول کی وضاحت میں متعدد اقوال پائے جاتے ہیں لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ رسول اسے کہتے ہیں جو نئی شریعت لے کر آیا ہو۔ اس کی بھی دو صورتیں ہوں گی۔ ایک تو یہ کہ وہ شریعت بالکل ہی نئی ہو۔ جسے کسی نبی نے پہلے پیش نہیں کیا تھا۔ یا یہ کہ اس سے پہلے وہ شریعت آچکی ہو۔ لیکن قوم کے لئے نئی ہو۔ جیسے: حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شریعت وہ شریعت تھی۔ جو ان کے باپ ابراہیم علیہ السلام کی تھی لیکن قوم جرہم کو حضرت اسمٰعیل ہی سے اس کا علم ہوا۔ تو گویا یہ اس قوم کے لئے نئی

تھی۔ خود حضرت اسماعیلؑ کے لئے نہیں تھی۔ رسول کے لئے ضروری نہیں کہ وہ نبی بھی ہو۔ جیسا کہ بعض جگہ فرشتوں پر بھی رسل کا اطلاق کیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ نبی نہیں تھے۔ اور نبی اسے کہتے ہیں جس پر وحی آتی ہو۔ اور خواہ وہ کوئی نئی شریعت لے کر آیا ہو۔ یا کسی قدیم شریعت ہی کا مبلغ ہو۔ جیسے اکثر انبیاء بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ہی کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔

پھر ارشاد ہوا کہ ہم نے موسیٰ کو ان کی داہنی جانب سے آواز دی اور سرگوشی کرتے ہوئے اپنے قریب کرلیا۔ یہ سرگوشی اس معنی کی تھی۔ کہ اس وقت حضرت موسیٰ کے علاوہ کوئی اور شخص وہاں موجود نہیں تھا۔ جو اس گفتگو کو سن رہا ہو۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت موسیٰ آگ کی تلاش میں طور پر پہنچے۔ پھر کہا جارہا ہے کہ منجملہ اور مہربانیوں کے ایک مہربانی ہم نے تم پر یہ بھی کی کہ تمہاری درخواست پر ہم نے ہارون کو بھی تمہارے شریک دعوت کردیا تا کہ تم کو اس سے مدد پہنچے اور تمہاری تقویت ہو۔

تذکرہ اسماعیلؑ:............ یہاں سے حضرت اسماعیلؑ ذبیح اللہ کا تذکرہ شروع کیا جارہا ہے۔ آپ حضرت ابراہیمؑ کی چھوٹی بیوی ہاجرہ کے پیٹ سے تھے۔ آپ کو قوم جرہم کی طرف نبی اور رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔ یہ قوم اصلاً یمن کے باشندے تھے۔ لیکن بعد میں وادی مکہ میں آباد ہوگئے تھے۔

آپ کی تعریف میں ارشاد ہے کہ آپ وعدے کے سچے تھے یعنی یہ صفت دوسری صفات کے مقابلہ میں زیادہ نمایاں تھی کہ آپ جو وعدہ کرتے تھے اسے پورا کر کے رہتے تھے۔ آپ کے ایفائے عہد کے بے شمار قصے مشہور ہیں۔ اسی طرح آپ نے اپنے اس وعدہ کا بھی ایفاء کیا جو آپ نے اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بوقت ذبح کیا تھا کہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ چنانچہ آپ نے واقعی وعدہ پورا کیا اور صبر وتحمل سے کام لیا حالانکہ اپنی جان دے دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے لیکن آپ نے اسے بھی گوارا کرلیا اور وعدہ خلافی تو منافق کی علامت ہے آپ سے کس طرح ممکن تھا کہ وعدہ کی خلاف ورزی کریں۔

پھر آپ کی مزید تعریف بیان ہورہی ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کو نماز اور روزہ کا حکم دیتے تھے گویا عبادات بدنی ومالی کی تبلیغ آپ نے سب سے پہلے اپنے گھر والوں سے شروع کی یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا بھی یہی فریضہ ہے کہ وہ اپنے اعزاء واقارب، دوست واحباب کو نیکی کی ترغیب دیتا رہے اور برائی سے بچانے کی کوشش کرے۔ آنحضور ﷺ کا بھی ارشاد ہے کہ وہ مرد بہترین مرد ہے جو صبح کو نماز کے لئے اٹھے تو اپنی بیوی کو بھی بیدار کردے اور اسی طرح اس عورت پر خدا کی رحمت ہو جو نماز کے لئے اٹھے تو اپنے شوہر کو بھی جگادے۔ چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام خدا کے برگزیدہ ومقبول بندے تھے نہ کہ مردود وغیر مقبول جیسا کہ یہود ونصاریٰ کا خیال ہے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ مردود کس طرح ہوسکتا ہے جو ادائیگی عبادات میں درجہ کمال پر ہو۔

تذکرہ ادریس علیہ السلام:............ یہ حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر ہے آپ قابیل کے بڑے لڑکے تھے۔ گویا کہ آدم علیہ السلام کے پوتے۔ آپ کی تعریف میں ارشاد ہے کہ وہ سچے نبی تھے۔ خدا کے خاص بندے تھے اور آپ کو بلند مرتبہ تک پہنچایا گیا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے عقیدے کے اعتبار سے حضرت ادریس آسمان پر زندہ اٹھا لئے گئے ہیں۔

ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آپ درزی کا کام کرتے تھے اور سوئی کی ایک ایک ٹانکے پر سبحان اللہ کہتے اور شام کو ان سے زیادہ کسی کا نیک عمل آسمان پر نہ پہنچتا۔ گویا آپ کو اعمال صالحہ سے خصوصی لگاؤ تھا۔ ابن عباسؓ ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ چھٹے آسمان پر اٹھا لئے گئے اور وہیں آپ کی وفات ہوئی۔

اور مجاہدؒ بھی کہتے ہیں کہ آپ کو حضرت عیسیٰ کی طرح زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ بعض مفسرین اسی کے قائل ہیں۔ خود صاحب

جلالین کی بھی رائے یہی ہے لیکن نہ تو قرآن مجید اور نہ کسی حدیث صحیح ہی سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ اسی وجہ سے محققین کی رائے یہی ہے کہ رفعت وغیرہ سے مراد محض شرف نبوت اور تقرب عنداللہ ہے۔ جسمانی رفعت اس سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔

جماعت انبیاء:............ یہ لوگ جن کا تذکرہ اس سورت میں حضرت زکریاؑ سے لے کر حضرت ادریسؑ تک ہو چکا ہے سب کے سب اولاد آدمؑ سے تھے۔ ان میں سے بعض ان کی نسل میں سے تھے۔ جنہیں حضرت نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار کیا گیا تھا۔ اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ آپ سام ابن نوحؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ اور ذریت ابراہیم سے مراد حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب اور حضرت اسماعیل علیہم السلام اور ذریت اسرائیل سے مراد حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔ یہ سب کے سب وہ ہیں جن پر خدا تعالیٰ نے خصوصی انعام فرمایا اور ہدایت یاب بنایا اور جنہیں نبوت کے اعلیٰ مراتب پر فائز کیا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے خدا تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو اس کے دلائل و براہین سن کر کمال خشیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ اس حالت میں کہ ان کا قلب رو رہا ہوتا ہے۔ اسی کا اتباع کرتے ہوئے بالاتفاق علماء نے آیت سجدہ پر سجدہ کرنے کا حکم دیا۔

ان انبیاء کرام کے تذکرہ بعد ان کا تذکرہ ہے جنہیں نماز روزہ سے کوئی واسطہ ہی نہیں تھا۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز جیسی اہم عبادت سے بھی لاپرواہی اختیار کر لی۔ اور جب اس اہم فریضہ کو وہ بھلا بیٹھے تو ظاہر ہے کہ دوسرے واجبات کی انہیں کیا پرواہ ہوگی۔

اضاعوا الصلوٰۃ کے مختلف معنی لئے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ نماز تو پڑھیں گے لیکن اس کا کوئی اہتمام نہیں ہوگا اور نہ کوئی وقت کی پابندی ہوگی۔ جب جی چاہے گا پڑھ لیں گے اور جب چاہیں گے چھوڑ دیں گے۔ دوسرا مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ جماعت کے ساتھ نہیں پڑھیں گے اور ایک رائے یہ ہے کہ نماز کی فرضیت اور اہمیت کو جانتے ہوئے بھی بالکل نہیں پڑھیں گے اور بعضوں کا خیال ہے کہ ان کے عقیدے میں بھی فتور آ چکا ہوگا اور نماز کی فرضیت ہی کے منکر ہو جائیں گے اور فسق و فجور میں اپنی ساری زندگی گزار دیں گے۔ نہ انہیں فکر آخرت ہوگا، نہ قیامت کا خوف۔ انہیں کے بارے میں خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ کر دنیاوی زندگی پر مطمئن ہو گئے۔ تو کیا انہیں معلوم نہیں کہ اس دنیا کے بعد دوسری زندگی شروع ہونے والی ہے۔ جس میں یہ گھاٹے اور نقصان میں رہیں گے۔

اس کے بعد ان لوگوں کا استثناء ہے جو ان کاموں سے توبہ کر لیں گے۔ یعنی نمازوں کی سستی اور خواہشات نفس کی پیروی چھوڑ دیں گے۔ تو خدا تعالیٰ انہیں جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کر دے گا۔ کیونکہ توبہ کر لینے بعد اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کر لینے کے بعد انسان ایسا ہو جاتا ہے۔ جیسے اس نے کوئی گناہ ہی نہ کیا ہو اب توبہ کے بعد وہ جو نیکی کرے گا اس کا اسے پورا پورا اجر ملے گا۔ ایسا نہیں ہوگا کہ اس نے سابق میں جو کفر کیا ہے اس کی وجہ سے اس کی اس نیکی پر کوئی اثر پڑے۔ اور یہ وہ جنت ہے جس کا ان سے غائبانہ وعدہ کیا گیا ہے۔ نہ انہوں نے اس جنت کو دیکھا اور نہ براہ راست خدا تعالیٰ سے اس کے بارے میں کچھ سنا۔ بلکہ جو علم ہوا پیغمبروں کے واسطے سے ہوا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس پر کامل اعتماد کئے ہوئے ہیں۔ اسی کامل اعتماد کے نتیجہ میں انہیں جنت کی نعمتوں سے پورا پورا لطف اندوز ہونے کا موقعہ دیا جائے گا۔ اور ایک ایسی جنت عطا کی جائے گی کہ جو ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اس پر کبھی فنا طاری نہیں ہوگی اور اس جنت میں کوئی لغو اور ناپسندیدہ بات کبھی ان کے کانوں میں نہ پڑے گی۔ جتنی آوازیں بھی آئیں گی سب خوشگوار اور دل پسند ہی ہوں گی۔ اور اسی کے ساتھ انہیں عمدہ اور خوش ذائقہ کھانے ملتے رہیں گے صبح شام

سے مراد یہاں طلوع وغروب نہیں ہے بلکہ اس سے مراد دوام اور ہمیشگی ہے۔ کیونکہ جنت میں تو تاریکی کا نام ونشان بھی نہیں ہوگا۔ پھر اس میں دن اور رات کی کیا ضرورت پیش آئے گی۔ چونکہ عرب صبح وشام ہی کھانا کھانے کے عادی تھے۔ اس لئے جنتیوں کے کھانے کا وقت بھی وہی بتایا گیا۔ ورنہ جنتی تو جو چاہیں اور جب چاہیں گے موجود ہوگا۔

ایک نکتہ: .... قرآن نے اس موقعہ پر نورث کا لفظ اختیار کیا ہے۔ اس سے بعض محققین نے ایک نکتہ استنباط کیا ہے وہ یہ ہے کہ لفظ میراث سے اس طرف اشارہ ہے کہ جنت محض خدا تعالیٰ کے انعام اور فضل سے ملے گی نہ کہ صلہ عمل ہوگی۔ جس طرح میراث کے لئے صرف ثبوت نسب کافی ہے۔ اسی طرح جنت کے لئے اپنی صحیح شکل وصورت میں ایمان کا موجود ہونا ہی کافی ہے۔

ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست: .... آنحضور ﷺ کو خدا تعالیٰ کے پیغامات کا جو اشتیاق رہتا تھا اس کے تقاضہ سے آپ نے ایک روز جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ اور زیادہ کیوں نہیں آتے۔ اس کا جواب جبرائیل علیہ السلام یہ دے رہے ہیں کہ میں تو خدا تعالیٰ کے حکم کا پابند ہوں۔ جب وہاں سے حکم ہوگا جب ہی آ سکتا ہوں ورنہ نہیں۔ میرا ارادہ تو ارادہ الٰہی کا تابع ہے۔ وہی جب اور جہاں چاہیں ہمیں بھیجے اور یہ ممکن نہیں کہ کہیں ہمارا بھیجنا مصلحت ہو اور وہ بھول جائے۔

اس کے بعد عام مومنین کو خطاب ہو رہا ہے کہ آسمان، زمین اور ساری مخلوق کا خالق اور متصرف تو وہی ہے۔ اور یہ وہ ذات ہے جس کی صفات میں کوئی شریک نہیں۔ اس لئے اس کی عبادت کیا کرو۔ اور بعض لوگوں نے اس خطاب کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص سمجھا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ آپ تاخیر وحی سے گھبرائیے نہیں اور کافروں کے تمسخر کی پرواہ نہ کیجئے بلکہ بدستور عبادت میں لگے رہئے۔

انکار قیامت: .... منکرین قیامت، قیامت اور مرنے کے بعد دوسری زندگی کو محال اور ناممکن سمجھتے ہوئے سوال کرتے تھے کہ کیا مرنے کے بعد ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ ان کا یہ سوال استفہام کے لئے نہیں بلکہ اعتراض اور استہزاء کے لہجہ میں ہوتا کہ ان ہڈیوں کو جو گل سڑ گئی ہوں کون زندہ کر دے گا؟ اسی کا جواب ہے کہ کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ نے انہیں اس حالت میں پیدا کیا۔ کہ ان کا کوئی وجود بھی نہیں تھا۔ تو جب عدم محض سے خدا تعالیٰ اسے وجود میں لا سکتا ہے۔ تو حیات ثانی تو اس کے لئے اور بھی آسان ہے اور پھر قسم کھا کر فرمایا جا رہا ہے کہ ہم ان سب کو جمع کر لیں گے اور ان شیاطین کو بھی جن کی یہ عبادت کرتے تھے۔ یہ اس حالت میں جمع ہوں گے کہ گھٹنوں کے بل گرے پڑے ہوں گے۔ اور جب سب کے سب جمع کر لئے جائیں گے۔ تو ان میں سے بڑے بڑے مجرموں سرکشوں اور ان کے پیشواؤں کو علیحدہ کر لیا جائے گا اور انہیں شدید ترین عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ ہمیں پوری طرح علم ہے کہ ان میں سے کون کس کس عذاب کے مستحق ہیں۔ تو گویا ترتیب وہاں بھی ملحوظ رہے گی کہ جو زیادہ سرکش ہوگا اسے سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور جو سرکشی میں کچھ کم تھا اسے اس سے ہلکے درجہ کے عذاب میں ڈالا جائے گا۔

جہنم گزرگاہ عام: .... یہاں سے خدا تعالیٰ تمام انسانوں کو خطاب فرماتا ہے۔ کہ اس دوزخ پر سے ایک دن سب کا گزر ہونے والا ہے یا اور بات ہے کہ مؤمنین کو اس سے نقصان نہیں پہنچے گا۔ جیسا کہ خود ملائکہ دوزخ کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے۔ یہاں اختلاف ہے کہ آیا یہ خطاب عام انسانوں سے ہے یا صرف ان لوگوں سے ہے جو سرکشی ونافرمانی کرتے تھے۔ جن کا ذکر اوپر آیا ہے۔

حضرت جابرؓ اور اکثر مفسرین کی رائے یہی ہے کہ جہنم پر سے گزر ہر ایک کا ہوگا۔ مومن ہو یا کافر۔ لیکن مومن کو اس سے کوئی

نقصان نہیں پہنچ سکے گا۔ جیسا کہ خود باری تعالیٰ نے الذین اتقوا سے اس کا استثناء کر دیا ہے الذین اتقوا سے مراد مومنین ہی ہیں۔ کیونکہ ہر مومن کے دل میں کچھ نہ کچھ تو خدا تعالیٰ کا ڈر اور خوف ہوتا ہی ہے۔ اور مومنین کو نقصان تو کیا پہنچے گا بلکہ انہیں تو جنت میں مزید لذت حاصل ہوگی۔ جب وہ جنت اور جہنم کا تقابل کریں گے۔ نیز یہاں ورود سے مراد داخلہ نہیں ہے بلکہ فقط گزرنا مراد ہے۔ جس کے نظائر خود قرآن میں بکثرت ہیں۔ ابن مسعودؓ کی بھی یہی رائے ہے کہ جس طرح پل صراط پر سے سب کا گزر ہوگا۔ اسی طرح جہنم پر سے بھی سب گزریں گے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ خطاب صرف سرکش ونافرمانوں سے ہے جس کا اوپر ذکر آیا۔ مؤمنین کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

افسوس ناک گستاخی: .... جب خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ آیتیں نازل ہوتی ہیں جس میں مؤمنین کے لئے طرح طرح کی نعمتوں اور راحتوں کا وعدہ ہے۔ اور کفار کے لئے مختلف قسم کی وعیدیں تو بجائے اس کے کہ وہ اپنی سرکشی وطغیانی سے باز آ جائیں۔ مومنین کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ ہم میں سے کس کے پاس مال و دولت زیادہ ہے۔ کس کے مکانات پرتکلف اور کس کی محفلیں بارونق ہیں؟ لہٰذا ہم ترقی یافتہ اور انعام یافتہ ہیں۔ کیونکہ ہم شان وشوکت اور عزت میں سے ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور افسوس ہے کہ آج مسلمان بھی ان کی دولت اور جاہ وثروت سے مرعوب ہو کر رہ گئے اور عیسائیوں اور بے دین قوموں کی دولت، حکومت اور ترقیوں کو مثالوں میں پیش کر کے انہیں کی تقلید اور ان کی روش پر چلنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اور انہیں ترقی یافتہ اور فلاح یاب قوم سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور اس کے مقابل میں اپنے آپ کو ذلیل وحقیر اور غیر ترقی یافتہ۔ اس کا جواب ملتا ہے کہ یہ ظاہری ساز وسامان، یہ دولت وحکمت، اگر صداقت اور حقانیت کی دلیل ہوتی۔ تو آج یہ بڑی بڑی پرشوکت نافرمان حکومتیں کیوں تباہ ہوگئی ہوتیں، فراعنہ مصر کے شاندار مکانات، عالی شان محلات کیوں برباد ہو گئے، شاہان عجم کا کروفر کیا ہوا، قیصر وکسریٰ کی تاج وتخت کیوں تاراج ہو کر رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ شان وشوکت کسی صداقت وحقانیت کی دلیل نہیں ہے۔ اس لئے آپ منکرین کو سنا دیجئے کہ:

فلاح یاب: .... جو اپنے آپ کو حق پر اور مؤمنین کو خلاف حق سمجھ رہے ہیں اور اپنی خوشحالی و دنیاوی ترقی پر مغرور ہیں۔ ان کے لئے یہ ہمارا قانون اور ہمارا فیصلہ ہے کہ گمراہ قوموں کو دنیا میں تو مہلت اور چھوٹ دی جاتی رہتی ہے۔ فوراً گرفت نہیں ہوتی۔ لیکن جب وہ مر جاتے ہیں اور قیامت کا سامنا کرتے ہیں۔ تو انہیں معلوم ہوتا ہے کہ واقعۃً برا کون تھا اور کل تک وہ اپنی جس قوت پر فخر اور تمدن پر ناز کرتے رہے تھے۔ اس کی کیا حقیقت تھی؟ انہیں دنیا میں ڈھیل ملی ہوئی ہے۔ اس لئے وہ دنیا میں جتنی چاہیں سرکشی کر لیں۔ تو جس طرح گمراہوں کی سرکشی بڑھتی جاتی ہے۔ اسی طرح پر ہدایت یافتہ لوگوں کی نیکیاں بڑھتی رہتی ہیں اور خدا تعالیٰ کے نزدیک یہی نیکیاں کارآمد اور مفید ہیں اور انجام کے اعتبار سے یہ مؤمنین ہی فلاح یاب اور کامیاب ہیں۔

انجام سرکشی: .... احادیث میں ہے کہ ایک صحابی کا قرضہ ایک مشرک کے ذمہ باقی تھا جب انہوں نے اس مشرک سے اپنا قرضہ مانگا تو اس نے جواب میں کہا۔ کہ جب تک تم محمد (ﷺ) کی رسالت کا انکار نہ کرو گے۔ اس وقت تک میں تمہارا قرضہ نہیں ادا کر سکتا۔ اس پر ان صحابی نے عرض کیا کہ یہ تو اس وقت تک بھی ممکن نہیں کہ تم مر کر زندہ ہو۔ تو اس مشرک نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ اچھا اگر یہ بات ہے کہ میں مر کر دوبارہ زندہ ہوں گا تو تم اسی وقت مجھ سے اپنا قرضہ لے لینا کیونکہ میں تو اس وقت بھی صاحب مال واولاد ہوں گا۔ اس کے اس استہزاء کا جواب ملتا ہے کہ کیا اسے غیب پر اطلاع ہے یا اپنے آخرت کے انجام کی خبر رکھتا ہے یا اس نے خدا سے کوئی

وعدہ لے رکھا ہے جو وہ قسمیں کھا کر اس طرح کی باتیں کرتا ہے۔

پھر اس کی ان باتوں کی نفی کرتے ہوئے ارشاد ہو رہا ہے کہ اس کا یہ مغرورانہ کلام بھی ہمارے یہاں لکھا جا رہا ہے۔ جس پر سزا بھی مل کر رہے گی۔ اور اسے مال واولاد ملنا تو کجا جب وہ اس دنیا۔ سے گزر جائے گا تو اس کا اختیار نہ اس کے دنیاوی مال پر رہے گا نہ اولاد پر سب چیزوں کے مالک صرف ہم ہی رہ جائیں گے اور وہ بے ساز، سامان اور بے یار و مددگار ہمارے یہاں آئے گا۔

باطل تصور: .... کفار کا خیال ہے کہ ان کے جھوٹے معبود انہیں دنیا میں بھی نفع پہنچائیں گے مثلاً: بیماروں سے نجات دلائیں گے، ان کی پرستش سے مقدمات میں کامیابی ہوگی وغیرہ وغیرہ، اسی طرح پر یہ عالم آخرت میں بھی خدا تعالیٰ کے عذاب سے بچائیں گے۔ ان کا یہ تصور بالکل غلط ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کے عذاب سے تو کیا بچائیں گے قیامت کے دن ان کی پرستش کا بھی انکار کر بیٹھیں گے اور بجائے کوئی مدد امداد کرنے کے ان کی ذلت اور مقہوریت کا سبب بنیں گے۔ اس لئے آنحضور ﷺ کو حکم ہے کہ آپ ان کے لئے بددعا کرنے میں عجلت نہ کیجئے ہم نے تو انہیں دنیا میں ڈھیل دے رکھی ہے۔ اور کیونکہ یہ ہم سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے ہم نے ان پر شیطان کو مسلط کر رکھا ہے۔ تا کہ وہ انہیں گناہوں پر اکساتا رہے اور اس طرح وہ سخت عذاب کے مستحق ہوں۔ اور ہم ان کی تمام حرکتوں کو شمار کر رہے ہیں۔ یہ ہم سے بچ کر نہیں جاسکتے۔

یہاں قرآن نے تؤزهم ازا کا لفظ اختیار کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو صرف گناہوں پر اکسانے اور ابھارنے کی طاقت حاصل ہے مجبور کر کے کسی چیز کو کرانے کی قوت و طاقت نہیں ہے۔ اور یہ زبردستی کرتے پڑتے اس حالت میں جہنم کے پاس جمع کئے جائیں گے کہ پیاس کی شدت سے ان کی زبانیں باہر کو نکل رہی ہوں گی۔ اور ان کے مقابل میں مومنین جو خدا تعالیٰ پر ایمان لائے ، پیغمبروں کی تصدیق کی اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے رہے۔ وہ عزت کے ساتھ کمال ادب واحترام سے سواروں پر چڑھ کر خدا تعالیٰ کے حضور میں آئیں گے۔ مومن جب قبر سے اٹھایا جائے گا۔ تو وہ اپنے سامنے ایک حسین وجمیل چیز کو دیکھ کر پوچھے گا کہ تم کون ہو؟ اس پر وہ جواب دے گی کہ میں تو آپ کے نیک اعمال کا مجسمہ ہوں میں عمر بھر دنیاوی زندگی میں آپ پر سوار رہا۔ اب آپ آیئے اور مجھ پر سوار ہو جائیے۔ تو اس طرح ہر مومن کو ادب واحترام کے ساتھ جنت کی طرف لے جایا جائے گا اور اس دن کوئی سفارش کرنے والا بھی نہیں ہوگا۔ سوائے ان لوگوں کے جنہیں خدا تعالیٰ نے اجازت دے رکھی ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ وہ مومنین ہی ہوں گے۔ یعنی امت کے صلحاء اور نیک بندے ہوں گے۔ جو دوسرے مومنین کے لئے سفارش کریں گے۔ لیکن کفار کو اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ یہ بدقسمت اس دن سفارش سے بھی محروم رہیں گے جس پر یہ خود کہیں گے فما لنا من شافعين کہ کیا ہمارا کوئی سفارشی نہیں ہے۔

مشرک کی سزا: .... سورۂ مریم کے شروع میں یہ فرمایا گیا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے ہیں۔ ان کے بیٹے نہیں۔ لیکن ان ظالموں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا۔ یہ اتنی سخت بات ہے کہ جس سے اندیشہ ہے کہیں آسمان ٹوٹ کر نہ گر پڑے اور زمین پھٹ نہ جائے۔ کیونکہ آسمان وزمین اور تمام مخلوقات خدا تعالیٰ کی عظمت کو جانتے ہیں۔ وہ خدا کے لئے اتنی سخت اور ناگوار بات کو پسند نہیں کر سکتے۔ خدا کی عظمت اور اس کی شان کے لائق نہیں ہے کہ اس کے یہاں اولاد ہو۔ کیونکہ ساری مخلوق ان کی غلامی میں ہے۔ اسے اولاد کی کیا ضرورت پیش آسکتی ہے۔ نہ اسے کسی مددگار کی ضرورت ہے اور نہ کسی شریک وساجھی کی۔

پھر ارشاد ہے کہ وہ لوگ جو خدا کی وحدانیت پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے۔ خدا تعالیٰ ان کے لئے لوگوں کے دلوں میں

محبت پیدا کر دیں گے اور خود بھی اسے محبوب رکھیں گے۔ جیسا کہ بخاری ومسلم کی روایت میں ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی بندہ سے محبت فرماتے ہیں تو حضرت جبرائیلؑ کو بلا کر حکم دیتے ہیں کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ پھر حضرت جبرائیل فرشتوں میں اس کا اعلان کرتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں وہ شخص تمام فرشتوں کی نظر میں محبوب بن جاتا ہے۔ اور یہی محبوبیت پھر دنیا میں اتر کر آتی ہے۔ جس کے بعد خود بخود لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور جب کسی بندہ سے خدا ناراض ہوتا ہے تو حضرت جبرائیلؑ کو بلا کر فرماتے ہیں کہ میں فلاں بندہ سے ناراض ہوں تم بھی اسے ناراض ہو جاؤ۔ اور پھر یہ اعلان عام فرشتوں میں ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہ شخص تمام ملائکہ کی نظر میں مبغوض ٹھہرتا ہے۔ اور پھر اس کی یہ مبغوضیت عام انسانوں تک پہنچ جاتی ہے۔

اور وُدّ کے دوسرے معنی یہ لئے گئے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ ان کے لئے ایسی چیزیں مہیا کر دیں گے۔ جسے وہ محبوب رکھتا ہے اور ہم نے اس قرآن کو تمہاری زبان میں آسان کر کے اتارا۔ تا کہ تم اس کے ذریعہ مومنین کو ان کے نیک اعمال پر احسن الجزاء کی خوشخبری دو۔ اور منکرین وکفار، فاسق وفاجر اور گنہگار و بدکار کو خدا تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانا ممکن ہو۔ اسی انذاری مضمون کا بیان ہے کہ کیسی کیسی پر شوکت اور صاحب قوت واقتدار قومیں خدا کے ساتھ کفر اور نبیوں کے انکار کی سزا میں اس روئے زمین سے مٹائی جا چکی ہے۔ انہیں ایسا تہس نہس کیا گیا۔ کہ ان کا کوئی نام ونشان بھی موجود نہیں۔ نہ وہ خود رہے اور نہ ان کا کوئی نام لینے والا رہا۔

سُوْرَةُ طٰـهٰ

سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ مَائَةٌ وَخَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً اَوْ اَرْبَعُوْنَ وَثِنْتَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰهٰ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ **مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ** يَا مُحَمَّدُ **لِتَشْقٰى** ﴿۲﴾ لِتَتْعَبَ بِمَا فَعَلْتَ بَعْدَ نُزُوْلِهٖ مِنْ طُوْلِ قِيَامِكَ بِصَلٰوةِ اللَّيْلِ اَىْ خَفِّفْ عَنْ نَفْسِكَ **اِلَّا** لٰكِنْ اَنْزَلْنَاهُ **تَذْكِرَةً** بِهٖ **لِّمَنْ يَّخْشٰى** ﴿۳﴾ يَخَافُ اللّٰهَ **تَنْزِيْلًا** بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ بِفِعْلِهِ النَّاصِبِ لَهٗ **مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى** ﴿۴﴾ جَمْعُ عَلِيًّا كَكُبْرٰى وَكُبَرٍ هُوَ **اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ** وَهُوَ فِى اللُّغَةِ سَرِيْرُ الْمَلِكِ **اسْتَوٰى** ﴿۵﴾ اِسْتَوَاءً يَلِيْقُ بِهٖ **لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا** مِنَ الْمَخْلُوْقَاتِ **وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى** ﴿۶﴾ هُوَ التُّرَابُ النَّدِى وَالْمُرَادُ الْاَرَضُوْنَ السَّبْعُ لِاَنَّهَا تَحْتَهٗ **وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ** فِى ذِكْرٍ اَوْ دُعَاءٍ فَاللّٰهُ غَنِىٌّ عَنِ الْجَهْرِ بِهٖ **فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى** ﴿۷﴾ مِنْهُ اَىْ مَا حَدَّثَتْ بِهِ النَّفْسُ وَمَا خَطَرَ وَلَمْ تُحَدِّثْ بِهٖ فَلَا تَجْهَدْ نَفْسَكَ بِالْجَهْرِ **اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى** ﴿۸﴾ اَلتِّسْعَةُ وَالتِّسْعُوْنَ الْوَارِدُ بِهَا الْحَدِيْثُ وَالْحُسْنٰى مُؤَنَّثُ الْاَحْسَنِ **وَهَلْ** قَدْ **اَتٰكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى** ﴿۹﴾ **اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ** لِامْرَأَتِهٖ **امْكُثُوْٓا** هُنَا وَذٰلِكَ فِى مَسِيْرِهٖ مِنْ مَدْيَنَ طَالِبًا مِصْرَ **اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ** اَبْصَرْتُ **نَارًا لَّعَلِّىْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ** شُعْلَةٍ فِى رَاسِ فَتِيْلَةٍ اَوْ عُوْدٍ **اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى** ﴿۱۰﴾ اَىْ هَادِيًا يَدُلُّنِىْ عَلَى الطَّرِيْقِ وَكَانَ اَخْطَاهَا لِظُلْمَةِ اللَّيْلِ وَقَالَ لَعَلَّ لِعَدَمِ الْجَزْمِ بِوَفَاءِ الْوَعْدِ **فَلَمَّآ اَتٰهَا** وَهِىَ شَجَرَةُ عَوْسَجٍ **نُوْدِىَ يٰمُوْسٰى** ﴿۱۱﴾ **اِنِّىْٓ** بِكَسْرِ الْهَمْزَةِ بِتَاوِيْلِ نُوْدِىَ بِقِيْلَ وَبِفَتْحِهَا بِتَقْدِيْرِ الْبَاءِ **اَنَا** تَوْكِيْدٌ لِيَاءِ الْمُتَكَلِّمِ **رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ** الْمُطَهَّرِ اَوِ الْمُبَارَكِ **طُوًى** ﴿۱۲﴾ بَدَلٌ اَوْ عَطْفُ بَيَانٍ بِالتَّنْوِيْنِ وَتَرْكِهٖ مَصْرُوْفٌ بِاعْتِبَارِ الْمَكَانِ وَغَيْرُ مَصْرُوْفٍ لِلتَّانِيْثِ بِاعْتِبَارِ الْبُقْعَةِ مَعَ الْعَلَمِيَّةِ **وَاَنَا اخْتَرْتُكَ** مِنْ قَوْمِكَ **فَاسْتَمِعْ**

لِمَا يُوْحٰى ﴿۱۳﴾ اِلَيْكَ مِنِّيْ **اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ** ﴿۱۴﴾ فِيْهَا **اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا** عَنِ النَّاسِ وَيَظْهَرُ لَهُمْ قُرْبُهَا بِعَلَامَاتِهَا **لِتُجْزٰى** فِيْهَا **كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى** ﴿۱۵﴾ بِهٖ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ **فَلَا يَصُدَّنَّكَ** يَصْرِفَنَّكَ **عَنْهَا** اَيْ عَنِ الْاِيْمَانِ بِهَا **مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ** فِيْ اِنْكَارِهَا **فَتَرْدٰى** ﴿۱۶﴾ فَتَهْلِكَ اِنْ صُدِدْتَّ عَنْهَا **وَمَا تِلْكَ** كَائِنَةً **بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى** ﴿۱۷﴾ اَلِاسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ لِيُرَتِّبَ عَلَيْهِ الْمُعْجِزَةَ فِيْهَا **قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا** اَعْتَمِدُ **عَلَيْهَا** عِنْدَ الْوُثُوْبِ وَالْمَشْيِ **وَاَهُشُّ** اَخْبِطُ وَرَقَ الشَّجَرِ **بِهَا** لِيَسْقُطَ **عَلٰى غَنَمِيْ** فَتَاْكُلُهٗ **وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ** جَمْعُ مَارِبَةٍ مُثَلَّثُ الرَّاءِ اَيْ حَوَائِجُ **اُخْرٰى** ﴿۱۸﴾ كَحَمْلِ الزَّادِ وَالسِّقَاءِ وَطَرْدِ الْهَوَامِّ زَادَ فِي الْجَوَابِ بَيَانَ حَاجَاتِهٖ بِهَا **قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى** ﴿۱۹﴾ **فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ** ثُعْبَانٌ عَظِيْمٌ **تَسْعٰى** ﴿۲۰﴾ تَمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهَا سَرِيْعًا كَسُرْعَةِ الثُّعْبَانِ الصَّغِيْرِ الْمُسَمّٰى بِالْجَانِّ الْمُعَبَّرِ بِهٖ عَنْهَا فِيْ اٰيَةٍ اُخْرٰى **قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ** مِنْهَا **سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا** مَنْصُوْبٌ بِنَزْعِ الْخَافِضِ اَيْ اِلٰى حَالَتِهَا **الْاُوْلٰى** ﴿۲۱﴾ فَاَدْخَلَ يَدَهٗ فِيْ فَمِهَا فَعَادَتْ عَصًا وَتَبَيَّنَ اَنَّ مَوْضِعَ الْاِدْخَالِ مَوْضِعُ مَسْكِهَا بَيْنَ شُعْبَتَيْهَا وَاُرِيَ ذٰلِكَ السَّيِّدُ مُوْسٰى لِئَلَّا يَجْزَعَ اِذَا انْقَلَبَتْ حَيَّةً لَدٰى فِرْعَوْنَ **وَاضْمُمْ يَدَكَ** الْيُمْنٰى بِمَعْنَى الْكَفِّ **اِلٰى جَنَاحِكَ** اَيْ جَنْبِكَ الْاَيْسَرِ تَحْتَ الْعَضُدِ اِلَى الْاِبِطِ وَاَخْرِجْهَا **تَخْرُجْ** خِلَافَ مَا كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْاُدْمَةِ **بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ** اَيْ بَرَصٍ تُضِيْءُ كَشُعَاعِ الشَّمْسِ تُغْشِي الْبَصَرَ **اٰيَةً اُخْرٰى** ﴿۲۲﴾ وَهِيَ وَبَيْضَاءُ حَالَانِ مِنْ ضَمِيْرِ تَخْرُجْ **لِنُرِيَكَ** بِهَا اِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ لِاِظْهَارِهَا **مِنْ اٰيٰتِنَا** الْاٰيَةِ **الْكُبْرٰى** ﴿۲۳﴾ اَيِ الْعُظْمٰى عَلٰى رِسَالَتِكَ وَاِذَا اَرَادَ عَوْدَهَا اِلٰى حَالَتِهَا الْاُوْلٰى ضَمَّهَا اِلٰى جَنَاحِهٖ كَمَا تَقَدَّمَ وَاَخْرَجَهَا **اِذْهَبْ** رَسُوْلًا **اِلٰى فِرْعَوْنَ** وَمَنْ مَعَهٗ **اِنَّهٗ طَغٰى** ﴿۲۴﴾ جَاوَزَ الْحَدَّ فِيْ كُفْرِهٖ اِلَى ادِّعَاءِ الْاِلٰهِيَّةِ **قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ** ﴿۲۵﴾ وَسِّعْهُ لِتَحَمُّلِ الرِّسَالَةِ **وَيَسِّرْ** سَهِّلْ **لِيْٓ اَمْرِيْ** ﴿۲۶﴾ لِاُبَلِّغَهَا **وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ** ﴿۲۷﴾ حَدَثَتْ مِنِ احْتِرَاقِهٖ بِجَمْرَةٍ وَضَعَهَا وَهُوَ صَغِيْرٌ بِفِيْهِ **يَفْقَهُوْا** يَفْهَمُوْا **قَوْلِيْ** ﴿۲۸﴾ عِنْدَ تَبْلِيْغِ الرِّسَالَةِ **وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا** مُعِيْنًا عَلَيْهَا **مِّنْ اَهْلِيْ** ﴿۲۹﴾ **هٰرُوْنَ** مَفْعُوْلٌ ثَانٍ **اَخِي** ﴿۳۰﴾ عَطْفُ بَيَانٍ **اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ** ﴿۳۱﴾ ظَهْرِيْ **وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ** ﴿۳۲﴾ اَيِ الرِّسَالَةِ وَالْفِعْلَانِ بِصِيْغَتَيِ الْاَمْرِ اَوِ الْمُضَارِعِ الْمَجْزُوْمِ وَهُوَ جَوَابٌ لِلطَّلَبِ **كَيْ نُسَبِّحَكَ** تَسْبِيْحًا **كَثِيْرًا** ﴿۳۳﴾ **وَّنَذْكُرَكَ** ذِكْرًا **كَثِيْرًا** ﴿۳۴﴾ **اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا** ﴿۳۵﴾ عَالِمًا فَاَنْعَمْتَ بِالرِّسَالَةِ **قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى** ﴿۳۶﴾ مَنًّا عَلَيْكَ **وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً**

اُخْرٰیٓ ﴿۳۷﴾ **اِذْ** لِلتَّعْلِيلِ **اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ** مَنَامًا اَوْاِلْهَامًا لَمَّا وَلَدَتْكَ وَخَافَتْ اَنْ يَّقْتُلَكَ فِرْعَوْنُ فِي جُمْلَةِ مَنْ يُوْلَدُ **مَايُوْحٰٓى** ﴿۳۸﴾ فِي اَمْرِكَ وَيُبْدَلُ مِنْهُ **اَنِ اقْذِفِيْهِ** اَلْقِيْهِ **فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ** بِالتَّابُوْتِ **فِي الْيَمِّ** بَحْرِ النِّيْلِ **فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ** اَيْ شَاطِئُهُ وَالْاَمْرُ بِمَعْنَى الْخَبَرِ **يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ** وَهُوَ فِرْعَوْنُ **وَاَلْقَيْتُ** بَعْدَ اَنْ اَخَذَكَ **عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ** لِتُحَبَّ مِنَ النَّاسِ فَاَحَبَّكَ فِرْعَوْنُ وَكُلُّ مِنْ رَاٰكَ **وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ** ﴿۳۹﴾ تُرَبّٰى عَلٰى رِعَايَتِيْ وَحِفْظِيْ لَكَ **اِذْ** لِلتَّعْلِيلِ **تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ** مَرْيَمُ لِتَعْرِفَ خَبَرَكَ وَقَدْ اَحْضَرُوْا مَرَاضِعَ وَاَنْتَ لَاتَقْبَلُ ثَدْيَ وَاحِدَةٍ مِنْهَا **فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ** فَاُجِيْبَتْ فَجَاءَتْ بِاُمِّهٖ فَقَبِلَ ثَدْيَهَا **فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا** بِلِقَائِكَ **وَلَا تَحْزَنَ** حِيْنَئِذٍ **وَقَتَلْتَ نَفْسًا** هُوَالْقِبْطِيُّ بِمَصْرِفَاغْتَمَمْتَ لِقَتْلِهٖ مِنْ جِهَةِ فِرْعَوْنَ **فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا** اِخْتَبَرْنَاكَ بِالْاِيْقَاعِ فِي غَيْرِ ذٰلِكَ وَخَلَّصْنَاكَ مِنْهُ **فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ** عَشْرًا **فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ** بَعْدَ مَجِيْئِكَ اِلَيْهَا مِنْ مِصْرَ عِنْدَ شُعَيْبِ النَّبِيِّ وَتَزَوَّجَكَ بِابْنَتِهٖ **ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ** فِيْ عِلْمِيْ بِالرِّسَالَةِ وَهُوَ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً مِنْ عُمْرِكَ **يٰمُوْسٰى** ﴿۴۰﴾ **وَاصْطَنَعْتُكَ** اِخْتَرْتُكَ **لِنَفْسِيْ** ﴿۴۱﴾ بِالرِّسَالَةِ **اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ** اِلَى النَّاسِ **بِاٰيٰتِيْ** التِّسْعِ **وَلَا تَنِيَا** تَفْتُرَا **فِيْ ذِكْرِيْ** ﴿۴۲﴾ بِتَسْبِيْحٍ وَغَيْرِهٖ **اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى** ﴿۴۳﴾ بِادِّعَاءِ الرُّبُوْبِيَّةِ **فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا** فِيْ رُجُوْعِهٖ عَنْ ذٰلِكَ **لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ** يَتَّعِظُ **اَوْيَخْشٰى** ﴿۴۴﴾ اللّٰهَ فَيَرْجِعُ وَالتَّرَجِّيْ بِالنِّسْبَةِ اِلَيْهِمَا لِعِلْمِهٖ تَعَالٰى بِاَنَّهٗ لَايَرْجِعُ **قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ** اَيْ يُعَجِّلُ بِالْعُقُوْبَةِ **اَوْاَنْ يَّطْغٰى** ﴿۴۵﴾ عَلَيْنَا اَيْ يَتَكَبَّرُ **قَالَ لَاتَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ** بِعَوْنِيْ **اَسْمَعُ** مَايَقُوْلُ **وَاَرٰى** ﴿۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ **فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ** اِلَى الشَّامِ **وَلَا تُعَذِّبْهُمْ** اَيْ خَلِّ عَنْهُمْ مِنْ اِسْتِعْمَالِكَ اِيَّاهُمْ فِيْ اَشْغَالِكَ الشَّاقَّةِ كَالْحَفْرِ وَالْبِنَاءِ وَحَمْلِ الثَّقِيْلِ **قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ** بِحُجَّةٍ **مِّنْ رَّبِّكَ** عَلٰى صِدْقِنَا بِالرِّسَالَةِ **وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى** ﴿۴۷﴾ اَيِ السَّلَامَةُ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ **اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ** بِمَا جِئْنَا بِهٖ **وَتَوَلّٰى** ﴿۴۸﴾ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاَتَيَاهُ وَقَالَا لَهٗ جَمِيْعَ مَاذُكِرَ **قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى** ﴿۴۹﴾ اِقْتَصَرَ عَلَيْهِ لِاَنَّهُ الْاَصْلُ وَلِاِدْلَالِهٖ عَلَيْهِ بِالتَّرْبِيَةِ **قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ** مِنَ الْخَلْقِ **خَلْقَهٗ** اَلَّذِيْ هُوَ عَلَيْهِ مُتَمَيِّزٌ بِهٖ عَنْ غَيْرِهٖ **ثُمَّ هَدٰى** ﴿۵۰﴾ الْحَيَوَانَ مِنْهُ اِلٰى مَطْعَمِهٖ وَمَشْرَبِهٖ وَمَنْكَحِهٖ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **قَالَ** فِرْعَوْنُ **فَمَا بَالُ** حَالُ **الْقُرُوْنِ** الْاُمَمِ **الْاُوْلٰى** ﴿۵۱﴾ كَقَوْمِ نُوْحٍ وَهُوْدٍ وَلُوْطٍ وَصَالِحٍ فِيْ عِبَادَتِهِمُ الْاَوْثَانَ **قَالَ** مُوْسٰى **عِلْمُهَا** اَيْ عِلْمُ حَالِهِمْ مَحْفُوْظٌ

عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ يُجَازِيْهِمْ عَلَيْهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **لَا يَضِلُّ** يَغِيْبُ **رَبِّیْ** عَنْ شَیْءٍ **وَلَا يَنْسَى** ﴿۵۲﴾ رَبِّیْ شَيْئًا **هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ** فِیْ جُمْلَةِ الْخَلْقِ **الْاَرْضَ مَهْدًا** فِرَاشًا **وَّسَلَكَ** سَهَّلَ **لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا** طُرُقًا **وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً** مَطَرًا قَالَ تَعَالٰى تَتْمِيْمًا لِمَا وَصَفَهُ بِهٖ مُوْسٰى وَخِطَابًا لِاَهْلِ مَكَّةَ **فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا** اَصْنَافًا **مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى** ﴿۵۳﴾ صِفَةُ اَزْوَاجًا اَیْ مُخْتَلِفَةَ الْاَلْوَانِ وَالطُّعُوْمِ وَغَيْرِهِمَا وَشَتّٰى جَمْعُ شَتِيْتٍ كَمَرِيْضٍ وَمَرْضٰى مِنْ شَتَّ الْاَمْرُ تَفَرَّقَ **كُلُوْا** مِنْهَا **وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ** فِيْهَا جَمْعُ نَعَمٍ هِیَ الْاِبِلُ وَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ يُقَالُ رَعَتِ الْاَنْعَامُ وَرَعَيْتُهَا وَالْاَمْرُ لِلْاِبَاحَةِ وَتَذْكِيْرِ النِّعْمَةِ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ اَخْرَجْنَا اَیْ مُبِيْحِيْنَ لَكُمُ الْاَكْلَ وَرَعْیَ الْاَنْعَامِ **اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرِ مِنَّا **لَاٰيٰتٍ** لَعِبَرًا **لِّاُولِی النُّهٰى** ﴿۵۴﴾ لِاَصْحَابِ الْعُقُوْلِ جَمْعُ نُهْيَةٍ كَغُرْفَةٍ وَغُرَفٍ سُمِّیَ بِهِ الْعَقْلُ لِاَنَّهٗ يَنْهٰى صَاحِبَهٗ عَنْ اِرْتِكَابِ الْقَبَائِحِ **مِنْهَا** اَیِ الْاَرْضِ **خَلَقْنٰكُمْ** بِخَلْقِ اَبِيْكُمْ اٰدَمَ مِنْهَا **وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ** مَقْبُوْرِيْنَ بَعْدَ الْمَوْتِ **وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ** عِنْدَ الْبَعْثِ **تَارَةً** مَرَّةً **اُخْرٰى** ﴿۵۵﴾ كَمَا اَخْرَجْنَاكُمْ عِنْدَ ابْتِدَاءِ خَلْقِكُمْ **وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ** اَیْ اَبْصَرْنَا فِرْعَوْنَ **اٰيٰتِنَا كُلَّهَا** التِّسْعَ **فَكَذَّبَ** بِهَا وَزَعَمَ اَنَّهَا سِحْرٌ **وَاَبٰى** ﴿۵۶﴾ اَنْ يُوَحِّدَ اللّٰهَ تَعَالٰى **قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا** مِصْرَ وَيَكُوْنَ لَكَ الْمُلْكُ فِيْهَا **بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى** ﴿۵۷﴾ **فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ** يُعَارِضُهٗ **فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا** لِذٰلِكَ **لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا** مَنْصُوْبٌ بِنَزْعِ الْخَافِضِ فِیْ **سُوًى** ﴿۵۸﴾ بِكَسْرِ اَوَّلِهٖ وَضَمِّهٖ اَیْ وَسَطًا يَسْتَوِیْ اِلَيْهِ مَسَافَةُ الْجَائِیْ مِنَ الطَّرَفَيْنِ **قَالَ** مُوْسٰى **مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ** يَوْمُ عِيْدٍ لَهُمْ يَتَزَيَّنُوْنَ فِيْهِ وَيَجْتَمِعُوْنَ **وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ** يُجْمَعَ اَهْلُ مِصْرَ **ضُحًى** ﴿۵۹﴾ وَقْتَهٗ لِلنَّظَرِ فِيْمَا يَقَعُ **فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ** اَدْبَرَ **فَجَمَعَ كَيْدَهٗ** اَیْ ذَوِیْ كَيْدِهٖ مِنَ السَّحَرَةِ **ثُمَّ اَتٰى** ﴿۶۰﴾ بِهِمُ الْمَوْعِدَ وَ **قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى** وَهُمُ اثْنَانِ وَسَبْعُوْنَ اَلْفًا مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ حَبْلٌ وَعَصًا **وَيْلَكُمْ** اَیْ اَلْزَمَكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى الْوَيْلَ **لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا** بِاِشْرَاكِ اَحَدٍ مَعَهٗ **فَيُسْحِتَكُمْ** بِضَمِّ الْيَاءِ وَكَسْرِ الْحَاءِ وَبِفَتْحِهِمَا اَیْ يُهْلِكَكُمْ **بِعَذَابٍ** مِنْ عِنْدِهٖ **وَقَدْ خَابَ** خَسِرَ **مَنِ افْتَرٰى** ﴿۶۱﴾ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ **فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ** فِیْ مُوْسٰى وَاَخِيْهِ **وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى** ﴿۶۲﴾ اَیِ الْكَلَامَ بَيْنَهُمْ فِيْهِمَا **قَالُوْٓا** لِاَنْفُسِهِمْ **اِنْ هٰذَيْنِ** لِاَبِیْ عَمْرٍو وَلِغَيْرِهٖ هٰذَانِ وَهُوَ مُوَافِقٌ لِّلُغَةِ مَنْ يَاْتِیْ فِی الْمُثَنّٰى بِالْاَلِفِ فِیْ اَحْوَالِهِ الثَّلَاثِ **لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى** ﴿۶۳﴾ مُؤَنَّثُ اَمْثَلَ بِمَعْنٰى اَشْرَفَ اَیْ بِاَشْرَافِكُمْ بِمَيْلِهِمْ اِلَيْهِمَا بِغَلَبَتِهِمَا **فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ** مِنَ السِّحْرِ بِهَمْزَةِ

وَصْلٍ وَفَتْحِ الْمِيْمِ مِنْ جَمَعَ اَیْ لَمَّ وَبِهَمْزَةِ قَطْعٍ وَكَسْرِ الْمِيْمِ مِنْ اَجْمَعَ اَحْكَمَ **ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا** حَالٌ اَیْ مُصْطَفِّيْنَ **وَقَدْ اَفْلَحَ** فَازَ **الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى** ﴿۶۴﴾ غَلَبَ **قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى** اِخْتَرْ **اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ** عَصَاكَ اَیْ اَوَّلًا **وَاِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى** ﴿۶۵﴾ عَصَاهُ **قَالَ بَلْ اَلْقُوْا** فَاَلْقَوْا **فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ** اَصْلُهٗ عَصُوْوٌ قُلِبَتِ الْوَاوَانِ يَائَيْنِ وَكُسِرَتِ الْعَيْنُ وَالصَّادُ **يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا** حَيَّاتٌ **تَسْعٰى** ﴿۶۶﴾ عَلٰى بُطُوْنِهَا **فَاَوْجَسَ** اَحَسَّ **فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى** ﴿۶۷﴾ اَیْ خَافَ مِنْ جِهَةِ اَنَّ سِحْرَهُمْ مِنْ جِنْسِ مُعْجِزَتِهٖ اَنْ يَّلْتَبِسَ اَمْرُهٗ عَلَى النَّاسِ فَلَا يُؤْمِنُوْا بِهٖ **قُلْنَا** لَهٗ **لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى** ﴿۶۸﴾ عَلَيْهِمْ بِالْغَلَبَةِ **وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ** وَهِيَ عَصَاهُ **تَلْقَفْ** تَبْتَلِعْ **مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ** اَیْ جِنْسِهٖ **وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى** ﴿۶۹﴾ بِسِحْرِهٖ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَتَلَقَّفَتْ كُلَّ مَا صَنَعُوْهُ **فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا** خَرُّوْا سَاجِدِيْنَ لِلّٰهِ تَعَالٰى **قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى** ﴿۷۰﴾ **قَالَ** فِرْعَوْنُ **ءَاٰمَنْتُمْ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا **لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ** اَنَا **لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمْ** مُعَلِّمُكُمْ **الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ** حَالٌ بِمَعْنٰى مُخْتَلِفَةٍ اَیِ الْاَيْدِی الْيُمْنٰى وَالْاَرْجُلَ الْيُسْرٰى **وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ** اَیْ عَلَيْهَا **وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَاۤ** يَعْنِيْ نَفْسَهٗ وَرَبَّ مُوْسٰى **اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى** ﴿۷۱﴾ اَدْوَمُ عَلٰى مُخَالَفَتِهٖ **قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ** نَخْتَارَكَ **عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ** الدَّالَّةِ عَلٰى صِدْقِ مُوْسٰى **وَالَّذِيْ فَطَرَنَا** خَلَقَنَا قَسَمٌ اَوْعَطْفٌ عَلٰى مَا **فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ قَاضٍ** اَیْ اَصْنَعْ مَاقُلْتَهٗ **اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا** ﴿۷۲﴾ اَلنَّصَبُ عَلَى الْاِتِّسَاعِ اَیْ فِيْهَا وَيَجْزِيْ عَلَيْهِ فِی الْاٰخِرَةِ **اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا** مِنَ الْاِشْرَاكِ وَغَيْرِهٖ **وَمَاۤ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ** تَعَلُّمًا وَعَمَلًا لِمُعَارِضَةِ مُوْسٰى **وَاللّٰهُ خَيْرٌ** مِنْكَ ثَوَابًا اِذَا اُطِيْعَ **وَّاَبْقٰى** ﴿۷۳﴾ مِنْكَ عَذَابًا اِذَا عُصِيَ قَالَ تَعَالٰى **اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا** كَافِرًا كَفِرْعَوْنَ **فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا** فَيَسْتَرِيْحُ **وَلَا يَحْيٰى** ﴿۷۴﴾ حَيَاةً تَنْفَعُهٗ **وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ** اَلْفَرَائِضَ وَالنَّوَافِلَ **فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى** ﴿۷۵﴾ جَمْعُ عُلْيَا مُؤَنَّثُ اَعْلٰى **جَنّٰتُ عَدْنٍ** اَیْ اِقَامَةٍ بَيَانٌ لَهٗ **تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى** ﴿۷۶﴾ تَطَهَّرَ مِنَ الذُّنُوْبِ

ع ۳/۱۲

ترجمہ: .... (اے محمد ﷺ) ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں (اس قرآن کے نازل ہونے کے بعد جو آپ پوری پوری رات عبادت کر کے اپنے آپ کو تعب میں مبتلا کر رہے ہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ قرآن

آپ پر اس لئے نازل نہیں ہوا کہ آپ کو کسی دشواری میں مبتلا کیا جائے) بلکہ یہ تو نصیحت ہے اس کے لئے جو ڈرتا ہے (یعنی ہم نے اسے اس لئے نازل کیا ہے کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں) نازل کس کی طرف سے ہوا جس نے پیدا کیا زمین اور بلند آسمانوں کو (تنزیلاً بدل ہے لفظوں میں اس فعل سے جو اسے نصب دے رہا ہے اور علی جمع علیا کی جیسے کبریٰ جمع کبر کی) وہ خدائے رحمٰن عرش پر قائم ہی (یعنی وہ قیام علی العرش جو اس کے مناسب اور حسب حال ہے۔ عرش کے لغوی معنی تخت شاہی کے ہیں) اس کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے اور جو ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے (یعنی نمناک مٹی۔ مراد زمین کے ساتوں طبقات ہیں، کیونکہ وہ نمناک مٹی کے نیچے ہیں) اور اگر تم پکار کر بات کہو تو وہ چپکے سے کہی ہوئی بات اور اس سے زیادہ چھپی ہوئی کو جانتا ہے۔ (یعنی اپنے آپ کو کسی دشواری میں ڈال کر اذکار اور دعا بہت بلند آواز سے نہ کیجئے، کیونکہ وہ تو آہستہ آواز کو سنتا ہے۔ جو خیال دل میں گزرا ہو اگر چہ اسے نہیں کیا گیا ہو) وہ اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے اچھے اچھے نام ہیں (یعنی وہ ننانوے نام جو احادیث میں آتے ہیں۔ حسنیٰ مؤنث ہے احسن کی) اور کیا آپ کو موسیٰ کی بھی خبر پہنچی ہے۔ جبکہ انہوں نے آگ دیکھی (مدین سے مصر سے آتے ہوئے) سو انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے ممکن ہے آگ لے آؤں یا آگ کے پاس راستہ پا جاؤں (یعنی شاید آگ کی روشنی میں راستہ کا کچھ پتہ چل جائے جو تاریکی کی وجہ سے بھول گئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے لعل کا لفظ استعمال کیا۔ اس وجہ سے کہ انہیں اس کا یقین نہیں تھا کہ میں آگ بھی لا سکوں گا یا نہیں۔ پس جب وہ اس کے پاس پہنچے (یعنی جھڑ بیری کے پاس) تو ان کو آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! میں تیرا پروردگار ہوں۔ (انــــــی کے الف میں کسرہ اور فتحہ دونوں قرأت ہے۔ اگر کسرہ ہوگا تو اس وقت نودی کو معنی میں قیل کے لیا جائے گا اور اگر فتحہ پڑھیں گے تو ان سے پہلے با مقدر ماننا پڑے گا۔ انا انی کے یا کی تاکید کے لئے ہے) سو تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو۔ بے شک تم ایک پاک میدان یعنی طویٰ میں ہو۔ (مقدس کے معنی پاک اور مبارک ہیں۔ طوی بدل ہے وادالمقدس سے یا عطف بیان ہے۔ دونوں صورت میں تنوین اور بغیر تنوین کے دونوں قرأت ہے۔ اگر تنوین پڑھیں گے تو اس وقت منصرف ہوگا اور چونکہ غیر منصرف ہیں دو سبب ہونا ضروری ہیں تو ایک اس میں سے علمیت ہے اور دوسرا سبب تانیث ہے۔ کیونکہ یہ معنی میں بقعة کے ہے) اور میں نے تمہیں منتخب کر لیا (تمہاری قوم میں سے) سو سنو جو کچھ وحی کی جا رہی ہے (میری جانب سے تم پر) بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ کوئی معبود نہیں میرے سوا، میری ہی عبادت کرو اور میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو۔ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے۔ میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں (یعنی قیامت کو لوگوں سے چھپانا چاہتا ہوں۔ البتہ قرب قیامت کی علامات بتا دیتا ہوں) تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ مل جائے (یعنی جو کچھ اس نے برائی یا نیکی کی ہے) سو تمہیں اس کی طرف سے ایسا شخص باز نہ رکھنے پائے، جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور جس نے اپنی خواہش کی پیروی کی (یعنی ایسا شخص جو قیامت پر ایمان نہیں لاتا ہے وہ تمہیں اس پر یقین رکھنے سے روکنے نہ پائے) ورنہ تم بھی تباہ ہو کر رہو گے۔ اور یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے۔ اے موسیٰ (یہ سوال پوچھنے کے لئے نہیں بلکہ اس سے مقصود معجزہ کا اظہار ہے) انہوں نے کہا کہ یہ میری لاٹھی ہے۔ میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں (بھلا تکنے میں اور چلنے میں) اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں (یعنی درخت سے اس کے ذریعہ پتے گراتا ہوں تاکہ بکریاں اسے کھائیں) اور اس سے میرے اور بھی کام نکلتے ہیں۔ (مثلاً: توشہ اس پر اٹھاتا ہوں اور پانی۔ اسی سے سانپ وغیرہ مارتا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جواب میں لکڑی سے پوری ہونے والی ضروریات کا ذکر طویل کر دیا۔ مـــارب جمع مـــاربة کی ہے اور ر پر تینوں اعراب آ سکتے ہیں جس کے معنی ضرورت کے ہیں) ارشاد ہوا کہ اسے ڈال دو اے موسیٰ پس انہوں نے اسے ڈال دیا۔ سو وہ ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا (باوجود ایک بڑا اور موٹا سانپ ہونے کے، چھوٹے سانپوں کی

طرح اپنی پیٹ کے بل تیز تیز رینگنے لگا۔ کیونکہ چھوٹے سانپوں کو دوسری آیت میں جان کہا گیا ہے) ارشاد ہوا کہ پکڑلو اور ڈرو نہیں۔ ہم ابھی اسے اس کی پہلی حالت پر کردیں گے۔ (خداتعالیٰ کے حکم پر موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ سانپ کے منہ میں ڈال دیا، جس کے بعد وہ اپنی پہلی شکل میں لاٹھی بن گیا اور یہ بھی واضح ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اس موقعہ پر داخل کیا تھا جہاں سے لکڑی دوشاخہ تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ اس وجہ سے دکھایا گیا تا کہ جب یہ فرعون کے سامنے سانپ بنے تو موسیٰ گھبرائیں نہیں) اور تم اپنا ہاتھ بغل میں دے لو (یعنی اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی اپنے بائیں بازو کی بغل میں دبالو۔ پھر جب اسے نکالو گے تو) وہ بلا کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا (یعنی اس کے اندر آنکھوں کو چکا چوند کردینے والی چمک پیدا ہوگی۔ اور خدانخواستہ یہ سفیدی برص وغیرہ کی وجہ سے نہیں تھی) یہ دوسری نشانی ہوئی (ایة اخری اور بیضاء یہ دونوں حال ہیں تخرج کی ضمیر سے) تا کہ ہم تمہیں اپنی نشانیوں میں سے کچھ دکھائیں (یعنی اگر تم اظہار معجزہ کرنا چاہو اپنی نبوت پر تو ہم بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں گے اور جب تم چاہو کہ ہاتھ اپنی اصلی حالت پر واپس آجائے تو اسے پھر اپنی بغل میں لے جاؤ اور پھر نکال لو) اب تم فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے۔ (یعنی تم رسول بن کر فرعون اور اس کے متبعین کے پاس جاؤ کہ وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے اور دعوائے الوہیت میں وہ حد سے آگے بڑھ چکا ہے) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میرا حوصلہ اور فراخ کردے (تا کہ میں بار نبوت برداشت کرسکوں) اور میرا کام مجھ پر آسان کردے (یعنی تبلیغ کا کام) اور میری زبان سے لکنت دور کردیجئے (جو بچپن میں آگ کے انگارہ کو منہ میں رکھنے سے ہوگئی تھی) تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں (جب میں انہیں دین کی بات پہنچاؤں) اور میرے کنبہ میں سے میرا ایک معاون مقرر کردیجئے یعنی ہارون کو کہ میرے بھائی ہیں (ھارون مفعول ثانی ہے اور اخی عطف بیان ہے) میری قوت کو ان کے ذریعہ مضبوط کردیجئے اور ان کو میرے کام میں شریک کردیجئے (یعنی رسالت میں اشدد واشرک یہ دونوں امر کے صیغہ ہیں اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ امر کا صیغہ نہیں بلکہ مضارع مجزوم ہے۔ کیونکہ طلب کا جواب ہے اور جواب طلب ہمیشہ مجزوم ہوا کرتا ہے) تا کہ ہم لوگ خوب کثرت سے تیری پاکی کریں اور تیرا ذکر خوب کثرت سے کریں۔ بے شک آپ ہم کو خوب دیکھ رہے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ تمہاری درخواست منظور کی گئی اے موسیٰ! اور ہم تو ایک دفعہ اور بھی تم پر احسان کر چکے ہیں جبکہ ہم نے تمہاری والدہ کو وہ بات الہام کی جو الہام ہی کئے جانے کے قابل تھی (اگلا جملہ مایوحی سے بدل واقع ہو رہا ہے۔ یعنی ہم نے تمہاری والدہ کو خواب میں یا الہام کے ذریعہ تمہارے بارے میں ایک تدبیر بتائی۔ جب انہوں نے تم کو جنا اور انہیں اس کا خوف تھا کہ کہیں فرعون تم کو بھی نہ مار ڈالے۔ جس طرح وہ دوسرے بچوں کو قتل کر رہا ہے) یہ کہ موسیٰ کو ایک صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو (یعنی دریائے نیل میں) پھر دریا انہیں کنارہ پر لے آئے گا تو ان کو وہ شخص پکڑ لے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور ان کا بھی دشمن ہے (یعنی فرعون) اور میں نے تمہارے اوپر اپنی طرف سے محبت کا اثر ڈال دیا تھا (یعنی جب فرعون تم کو پکڑ کر لے گیا تو اس کے دل میں ہم نے تمہاری محبت پیدا کردی اور اس شخص کے دل میں جو تمہیں دیکھتا تھا) اور تا کہ تم کو میری خاص نگرانی میں پرورش کیا جائے (تا کہ تمہاری پرورش میری نگرانی میں ہو اور میں تمہاری حفاظت کے سامان بہم پہنچادوں) جب کہ تمہاری بہن چلتی ہوئی آئیں۔ پھر بولیں کہ میں تمہیں ایسے کا پتہ دوں جو اس کو پال لے (تمہاری بہن مریم تمہارے تابوت کے پیچھے چلتی ہوئی آئیں تا کہ وہ دیکھ سکیں کہ تم کہاں پہنچائے جاؤ گے۔ اور جب تم فرعون کے محل میں پہنچ گئے اور تمہارے دودھ پلانے کے لئے دایہ کو بلایا گیا تو تم نے ان میں سے کسی کی چھاتی کو منہ نہیں لگایا تو تمہاری بہن نے حسن تدبیر سے انجان بنتے ہوئے کہا کہ میں کسی ایسی عورت کو بلا کر لاؤں جو اس کی پرورش کرسکتی ہو؟ اثبات میں جواب ملنے پر انہوں نے تمہاری والدہ کو بلایا۔ ان کی چھاتی کو تم نے فوراً منہ لگالیا) تو ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس دوبارہ پہنچادیا تا کہ وہ تمہیں اپنے قریب دیکھ کر مطمئن رہیں اور تمہاری طرف سے فکر مند نہ

ہوں اور تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا (یہ مصر کا باشندہ ایک قبطی تھا۔ ایک خاص واقعہ پر غیر ارادی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مارا گیا۔ جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑا فکر دامن گیر تھا) تو ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی اور ہم نے تمہیں خوب خوب آزمائشوں میں ڈالا (اس کے علاوہ تم پر اور بھی آزمائشیں آئیں لیکن ہم نے اس سے تم کو نجات دلائی) پھر تم مدین والوں کے درمیان (دس) سال رہے۔ (مصر سے مدین آنے کے بعد تمہارا قیام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس رہا اور پھر انہوں نے تمہاری شادی اپنی لڑکی سے کردی) پھر تم اپنے وقت معین پر آ گئے۔ اے موسیٰ (اب تم عمر کے مرحلہ پر پہنچ گئے تھے جو رسالت کے لئے مناسب ہے) میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کرلیا (اور تم کو منصب رسالت پر فائز کرلیا) سو اب تم اور تمہارے بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ، (لوگوں کے پاس جاؤ اور تبلیغ کرو) اور میری یاد میں سستی نہ کرنا (میری تسبیح وتہلیل کرتے رہنا) فرعون کے پاس تم دونوں جاؤ۔ بے شک وہ حد سے تجاوز کر گیا ہے (خدائی کا دعویٰ کرکے) اس سے گفتگو نرم کرنا۔ شاید کہ وہ نصیحت قبول کرلے یا ڈر ہی جائے (تم تو تبلیغ کرتے ہوئے اس سے نرم بات کہنا۔ شاید وہ تمہاری بات مان جائے یا خدا سے ڈر کر دین حق کی طرف لوٹ آئے۔ یہاں خدا تعالیٰ نے نصیحت قبول کرنے اور خدا سے ڈرنے کی صرف توقع ظاہر کی ہے۔ وہ اس وجہ سے کہ خدا کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ وہ کبھی دین حق کی طرف نہیں لوٹ سکتا ہے) دونوں بولے اے ہمارے پروردگار! ہم کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے (اور سزا دینے میں جلدی نہ کرے) یا یہ کہ زیادہ سرکشی نہ کرنے لگے اور (متکبر نہ ہو جائے) اللہ نے کہا: تم ڈرو نہیں۔ تم دونوں کے ساتھ میں ہوں (یعنی میری مدد تمہارے ساتھ ہے) میں سنتا اور دیکھتا ہوں (جو کچھ وہ کرتا ہے اسے دیکھتا ہوں اور جو کچھ کہتا ہے اسے سن بھی رہا ہوں) تم اس کے پاس جاؤ، پھر اس سے کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے قاصد ہیں۔ سو تم ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے (ملک شام) اور انہیں دکھ نہ دے (یعنی جن مشقتوں میں تم نے انہیں ڈال رکھا ہے اور ان سے جو شاق کام لے رہا ہے انہیں اس سے رہائی دے) ہم تیرے پاس تیرے پروردگار کی طرف سے نشانیاں لے کر آئے ہیں (اپنے رسالت کی صداقت پر) اور سلامتی ہے اس کے لئے جو سیدھی راہ پر چلے (یعنی وہ عذاب سے محفوظ ہو جائے گا) ہمارے پاس تو وحی یہ آ چکی ہے کہ عذاب اسی کے لئے جو جھٹلائے اور روگردانی کرے (پس یہ دونوں حسب حکم فرعون کے پاس پہنچے اور انہوں نے اپنے فریضہ تبلیغ کو پورا کیا۔ جس پر فرعون نے) کہا کہ تو پھر اے موسیٰ! تم دونوں کا پروردگار کون ہے؟ (یہاں فرعون نے صرف موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب صرف اس وجہ سے کیا کہ اصل تو وہی تھے اور فرعون رب کا سوال کرکے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ جتانا چاہتا تھا کہ تمہارا رب میں ہوں۔ کیونکہ تم میری تربیت میں رہے ہو) موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ عطا فرمائی (جس سے کہ وہ دوسری چیزوں سے ممتاز ہو جائے) اور پھر اس کی رہنمائی کی (مثلاً حیوان وغیرہ کو کھانے پینے کی چیزوں کی تمیز عطا فرمائی۔ فرعون نے) کہا کہ اچھا تو پھر پہلے لوگوں کا کیا حال ہوا (یعنی قوم نوح، ہود، لوط اور صالح وغیرہ جو بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ ان کا کیا ہوا؟ موسیٰ علیہ السلام نے) کہا کہ انکا علم (یعنی ان لوگوں کے بتوں کی پرستش کا حال) میرے پروردگار کے پاس دفتر میں (محفوظ) ہے۔ یعنی لوح محفوظ میں سب کچھ محفوظ کرلیا گیا ہے۔ جس پر قیامت کے دن جزاء وسزا ملے گی) میرا پروردگار نہ بھٹک سکتا ہے اور نہ بھول سکتا ہے۔ یہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنادیا اور تمہارے لئے (چلنے کے واسطے) اس میں راستے بنادیئے اور آسمان سے پانی اتارا (پھر خدا تعالیٰ نے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام کو مکمل کرتے ہوئے اہل مکہ کو خطاب کیا کہ) پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف قسم کے طرح طرح کے نباتات پیدا کئے (شتی صفت ہے ازواجاً کی یعنی مختلف رنگ اور مختلف مزہ کی چیزیں پیدا کیں۔ شتی جمع ہے شتیت کی۔ جیسے مریض کی جمع مرضی آتی ہے) کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ (یعنی ان نعمتوں کو تم بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ۔ انعام

جمع ہے نعم کی۔ جس کے معنی چوپایہ۔ عربی لغت میں اس کا استعمال لازم اور متعدی دونوں طرح ہوتا ہے یہاں پر **وارعوا انعامکم** میں حکم جواز کیلئے ہے جس سے مقصود اپنی نعمتوں کی یاددہانی بھی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ کھانا واجب نہیں بلکہ جائز ہے۔ کھا سکتے ہو اور کھلا سکتے ہو۔ یہ سب کے سب حال ہیں اخـرجـنـا کی ضمیر سے) بے شک اس سارے (نظام) میں اہل عقل کے لئے دلیلیں موجود ہیں۔ (اہل عقل کو مخاطب کیا اس وجہ سے کہ صاحب عقل کو اچھائی اور برائی میں تمیز کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ نھـــی جمع ہے نھیة کی۔ جیسے غرفة کی جمع غرف ہے) اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا (یعنی اس مٹی سے ہم نے تمہارے باپ آدم کو پیدا کیا تھا) اور اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے (مرنے کے بعد اسی مٹی کی قبر میں جانا ہے) اور اسی میں سے تمہیں دوبارہ پھر نکالیں گے۔ (یعنی بعث بعدالموت کے وقت اس مٹی سے ہم تمہیں وجود میں لے آئیں گے جس طرح کہ ابتدائے پیدائش کے وقت ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا تھا) اور ہم نے اسے ساری ہی نشانیاں دکھلادیں۔ لیکن وہ جھٹلاتا ہی رہا اور انکار ہی کرتا رہا (یعنی وہ ان ساری نشانیوں کو سحر وجادو سمجھ کر جھٹلاتا رہا اور خدا کی وحدانیت کو قبول کرنے سے انکار کرتا رہا۔ پھر فرعون نے) کہا کہ اے موسیٰ! تو تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں ہماری سرزمین سے اپنے جادو (کے زور) سے نکال دو (تم یہ چاہتے ہو کہ تم ہمیں ہماری سرزمین مصر سے نکال کر خود اس کے بادشاہ بن بیٹھو) سو اب ہم بھی تمہارے مقابلہ میں ایسا ہی جادو لاتے ہیں (جو تمہارا مقابلہ کرے) تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ گاہ مقرر کرلو جس کے نہ ہم خلاف کریں اور نہ تم۔ ایک ہموار میدان میں (سـوی کے س کو کسرہ اور ضمہ دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے جس کے معنی بیچ کے ہیں۔ یعنی ایک ایسی جگہ جہاں طرفین کو آنے میں مساوی مسافت طے کرنا پڑے۔ موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا کہ تم سے وعدہ میلے کے دن کا رہا۔ جس میں لوگ دن چڑھے جمع ہوجاتے ہیں (یہ اس وجہ سے تاکہ لوگ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیں) غرض فرعون واپس ہوگیا۔ پھر اپنے مکر کا سامان جمع کرنا شروع کیا اور پھر آیا (یعنی اپنے جادوگروں کو جمع کر کے طے شدہ جگہ پر آیا) موسیٰ نے ان لوگوں سے کہا (جن کی تعداد بہتر ہزار تھی اور ہر ایک کے پاس ایک لاٹھی اور ایک رسی تھی) اے کمبختی مارو، خدا پر جھوٹ افتراء نہ کرو (کسی کو اس کا ساجھی بنا کر) ورنہ وہ تمہیں عذاب سے نیست و نابود کردے گا اور جو کوئی جھوٹ باندھتا ہے وہ ناکام ہی رہتا ہے (یعنی جو خدا تعالیٰ کی تکذیب کرتا ہے وہ ہمیشہ ناکام رہتا ہے۔ **فیسحتکم** میں ایک قرأت ی کو پیش اور ح کو زیر کی ہے اور دوسری قرأت میں دونوں کو فتحہ) پھر وہ اپنی رائے میں آپس میں اختلاف کرنے لگے (یعنی موسیٰ وہارون علیہما السلام کے بارے میں ان جادوگروں کی رائے میں اختلاف پیدا ہوگیا) اور خفیہ مشورہ کرنے لگے (یعنی آپس میں ان دونوں کے بارے میں گفتگو کرنے لگے پھر) بولے۔ بے شک یہ دونوں بھی جادوگر ہی ہیں (ابوعمرو اور اس کے علاوہ دوسرے نحوی بجائے ھٰذین کے ھٰذان پڑھتے ہیں اور وہ پہلا یعنی ھذین لغت کے موافق ہے۔ کیونکہ تثنیٰ میں جب کہ وہ الف کے ساتھ ہو، تینوں حالتوں میں ھذین وھذان پڑھا جاسکتا ہے) اور یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہاری سرزمین سے اپنے جادو (کے زور) سے نکال دیں اور تمہارے عمدہ طور وطریق ہی مٹادیں (مثلی مؤنث امثل کی۔ جس کے معنی بہتر اور عمدہ کے ہیں۔ یعنی جب یہ اپنے جادو کے ذریعہ ہم لوگوں کو مغلوب کردے گا تو ہماری کوئی حیثیت ہی باقی نہیں رہے گی) سو اب سب مل کر اپنی تدبیر کا انتظام کرو اور صفیں آراستہ کرکے آؤ۔ (اجـــمـعـوا ہمزہ وصل اور میم کے فتحہ کے ساتھ پڑھیں تو یہ جمع سے ہوگا۔ جس کے معنی اتر آنا۔ اور اگر ہمزہ غیر وصلی ہو اور میم پر کسرہ ہو تو اجـــمـع سے ماخوذ ہوگا۔ جس کے معنی طے کرنا، ارادہ کرنا) کہ آج کامیابی اسی کی ہے جو غالب آئے۔ پھر انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ! آپ پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں۔ (یعنی اے موسیٰ! تم کو اختیار ہے کہ چاہے تم اپنی لاٹھی پہلے زمین پر ڈالو یا پھر ہم ڈالیں) آپ نے فرمایا: نہیں تم ہی پہلے ڈالو۔ پس یکایک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں موسیٰ کے خیال میں ان کے جادو کے زور سے ایسی نظر آنے لگیں کہ وہ گویا دوڑ پھر رہی

ہیں۔(عصی کی اصل عصوو تھا دو واؤ کو دو یا میں بدل دیا اور ع وص کو کسرہ دے دیا) اس سے موسیٰ نے اپنے دل میں کچھ اندیشہ محسوس کیا (یعنی موسیٰ علیہ السلام کو اس بات کا اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کا جادو از قبیل معجزہ نہ ہو اور اس صورت میں وہ معاملہ خلط ملط ہو جائے گا اور حق کو غلبہ نہ ہو سکے گا تو لوگ ایمان نہیں لائیں گے) ہم نے کہا ڈرو نہیں۔ غالب تو یقیناً تم ہی رہو گے۔ یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں جو ہے اسے ڈال دو (یعنی لاٹھی کو) ان لوگوں نے جو کچھ (سوانگ) بنایا ہے یہ سب کو نگل جائے گا۔ جو کچھ بنایا ہے، جادوگروں کا سوانگ ہے اور جادوگر کہیں جائے کامیاب نہیں ہوگا (جس پر موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ سب کچھ جو انہوں نے کیا تھا سب کو نگل گیا) پھر تو وہ سجدہ میں گر گئے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے زمین پر گر پڑے) اور بول اٹھے کہ ہم تو ایمان لے آئے ہارون وموسیٰ کے پروردگار پر۔ (فرعون نے) کہا کہ تم اس پر ایمان لے آئے، قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ ء امنتم میں دو قرأت ہے۔ ایک قرأت دونوں ہمزہ کے باقی رکھنے کی۔ دوسری قرأت دونوں ہمزہ کو الف سے بدل دینے کی) بے شک وہ تمہارا بھی بڑا ہے (یعنی تمہارا معلم ہے) جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ سو میں تمہارے ہاتھ پیر کٹواتا ہوں۔ مخالف جانب سے (یعنی داہنا ہاتھ بایاں پاؤں) اور تمہیں کھجور کے درختوں پر سولی چڑھاتا ہوں اور یہ بھی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ ہم دونوں میں (یعنی مجھ میں اور موسیٰ کے رب میں) کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔ (جادوگر) بولے کہ ہم تم کو کبھی ترجیح نہ دیں گے۔ ان دلائل کے مقابلہ میں جو ہم کو مل چکے ہیں (موسیٰ کی سچائی پر) اور بمقابلہ اس ہستی کے جس نے ہمیں پیدا کیا۔ تجھ کو جو کچھ کرنا ہے کر ڈال (یعنی تم نے جو کچھ کہا اسے کر لے) تو تو بس اس دنیا ہی کی زندگی میں (جو کچھ کرنا ہے) کر سکتا ہے۔ (حیوٰۃ الدنیا پر نصب بنزع الخافض ہے۔ یعنی دنیا میں سب کچھ کر سکتا ہے اور آخرت میں پھر تجھ کو اس کا بھگتان بھگتنا پڑے گا) ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہمارے گناہ معاف کرے (یعنی شرک وغیرہ) اور جو تو نے ہم پر جادو کے بارے میں زور ڈالا (اس کو بھی یعنی جو کچھ بھی ہم نے جادو وغیرہ کیا اور موسیٰ کے مقابلہ پر آئے اسے بھی خدا معاف کرے گا) اور اللہ ہی بہتر ہے (باعتبار بدلہ کے اگر اس کی اطاعت کی جائے) اور پائندہ ہے (یعنی تم سے زیادہ دیرپا اس کا عذاب ہے۔ اگر اس کی نافرمانی کی جائے) خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی بھی اپنے پروردگار کے پاس مجرم ہو کر حاضر ہوگا (کفر کرنے والا ہوگا جیسے فرعون) تو اس کے لئے دوزخ ہے۔ نہ تو اس میں موت ہی ہوگی کہ (گلوخلاصی کا امکان ہو) اور نہ پرلطف زندگی ہوگی (کہ زندگی کے مزے ہی اڑائے) اور جو کوئی اس کے پاس مومن ہو کر حاضر ہوگا، جس نے نیک کام بھی کئے ہوں (فرائض ونوافل کا اہتمام کیا ہو) سوایسوں کے لئے بڑے اونچے درجے ہیں (علی جمع ہے علیا کی اور اس کی مؤنث اعلیٰ ہے) یعنی ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں (یہ بیان ہے درجات علی کا) جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی انعام ہے ان کا جو پاک ہوا (یعنی جو گناہوں سے الگ رہا)۔

تحقیق وترکیب:............ طٰہٰ . یہ حروف مقطعات میں سے ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور متعدد تابعینؒ اس کے معنی یارجل کے کرتے ہیں۔

استواء کے معنی استیلاء ہیں۔ جس سے مراد اقتدار واختیار ہے۔

سمٰوٰت العلی. آسمان میں خود بلندی کا مفہوم ہے۔ اس کی صفت **علی** لانے سے تاکید مقصود ہے۔

ثرٰی. وہ گیلی مٹی جو سطح زمین سے نیچے ہو۔ **سِرٌ.** جسے انسان اپنے دل میں چھپائے رکھے۔

اخفٰی. وہ ہے جس کا علم خود انسان کو بھی نہ ہو۔

رَاٰ نارا. یہ ظرف ہے۔ ایک مقدر عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ دیکھی تو یہ واقعہ پیش

آیا اور بعض کہتے ہیں کہ ایک مقدر مقدم کا مفعول ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی کہ اس وقت کی داستان یاد کیجئے جب موسیٰ علیہ السلام نے آگ دیکھی۔

امکثوا. صیغہ جمع ہے یعنی اپنی بیوی بچے اور خادم جو ساتھ تھے اسے مخاطب کیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ محض تعظیم کے لئے ہو اور مخاطب صرف ان کی بیوی ہو۔ جس سے مقصود اظہار عزت و تعظیم ہو۔

نودی یموسیٰ. جب یہ ندائے غیبی آئی تو شیطان نے موسیٰ علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ یہ آواز شیطان کی ہے۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام اس دھوکہ میں نہ آئے اور کہا کہ یہ آواز تو ہر چہار جانب سے آرہی ہے بلکہ ہر اعضاء سے۔ اس لئے یہ خدا ہی کی آواز ہے۔ طویٰ نام ہے ایک میدان کا شام میں۔

لتجزیٰ کا تعلق آتیة سے ہے۔ **اکاداخفیها** درمیان میں بطور جملہ معترضہ کے آ گیا ہے۔

صدری. صدر کے لفظی معنی سینہ کے ہیں۔ لیکن بعض مفسرینؒ نے لکھا ہے کہ جہاں کہیں بھی قرآن نے صدر کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے مراد علم و عقل کے ہیں اور بعض نے جرأت و ہمت کے معنی لئے ہیں۔

ازری. ازر کے لغوی معنی طاقت و قوت اور پشت کے ہیں۔ **عینی** میں اضافت اختصاص کے لئے ہے کہ تم میری خاص نگرانی میں پرورش پاؤ گے ورنہ تو ساری ہی چیزیں خدا تعالیٰ کی نگرانی میں ہیں۔

ایتی. سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو ملے تھے۔

اذهبا الی فرعون. میں تثنیہ کی ضمیر لائی گئی ہے۔ حالانکہ اس وقت حضرت ہارون علیہ السلام وہاں موجود نہ تھے بلکہ وہ مصر میں تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عین اسی وقت میں جب یہ کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہو رہا تھا تو حضرت ہارون علیہ السلام بھی جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے سن رہے تھے۔

اننی معکما. معیت سے مراد کمال حفظ و نصرت الٰہی ہے۔

بایة من ربك. میں آیت کی تنوین سے مراد جنس معجزہ ہے نہ کہ کوئی ایک معجزہ۔

قولا لینا. نرم بولی۔ **ثم هدی** سے مراد جس مقصد کے لئے اس مقصد کو پیدا کیا۔ اسی طرف سے اسے لگا بھی دیا۔

کلوا وارعوا. یہ حال ہے اخرجنا کی ضمیر سے اور امر سے مراد اباحت ہے کہ تم بھی کھا سکتے ہو۔ اور اپنے جانوروں کو بھی چرا سکتے ہو۔

منها خلقنٰکم سے مراد یا تو انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہے یا یہ کہ ہر شخص کے نطفہ میں اجزاء مٹی ہوتے ہیں اور وہ اس طرح پر کہ انسان جو بھی غذا کھاتا ہے ان سب کا تعلق زمین ہی سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کے اندر مٹی کے اجزاء پائے گئے۔

سویٰ کے ایک معنی ہموار میدان اور دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ وہ میدان جو دونوں فریقوں سے نصف نصف مسافت پر ہو۔

مثلیٰ. امثل کا مؤنث ہے۔ جس کے معنی خوب روشن اور واضح کے ہیں۔

اجمعوا کیدکم. میں اجمعوا کے ایک تو وہی مشہور معنی ہیں کہ جمع ہو کر نکلو۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ خوب مضبوط ہو کر نکلو۔

خیفة کے نکرہ لانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اندیشہ کچھ زیادہ نہیں تھا بلکہ معمولی سا پیدا ہوا تھا۔

صنعوا. یہاں بنا کر کھڑا کرنے کے معنی میں ہے۔ **کید ساحر.** میں ساحر نکرہ آیا۔ مراد وہ خاص سحر ہے۔ جس سے ان ساحروں نے کام لیا تھا۔ **تزکی.** یعنی کفر و عصیان سے پاک ہوا۔

ربط: .... یاد کیجئے کہ سورۂ طٰہٰ سے پہلے سورۂ مریم گزر چکی ہے۔ جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیرت انگیز پیدائش کا مفصل ذکر ان کوتاہ اندیش اور ناقص الفکر لوگوں کے لئے انتباہ ہے جو اصحاب کہف کے واقعہ کو کائنات کا سب سے بڑا عجوبہ سمجھتے تھے۔ پھر تمام قوتوں، قدرتوں اور طاقتوں کا خود کو مرکز وحید ثابت فرما کر الوہیت عیسیٰ کے نظریہ پر ضرب کاری لگائی تھی اور تثلیث کے نظریہ کو بھی باطل قرار دیا تھا اور بتایا تھا کہ خدا تعالیٰ کے بیٹے کا اثبات ایک ایسا بدترین جرم ہے جس پر زمین وآسمان پھٹ سکتے ہیں۔ سورۂ مریم کے خاتمہ پر اس نظریہ کی ملعونیت کو ذرا زیادہ واضح کیا گیا۔ ایک حق پرست انسان جب حقائق پر مطلع ہوتا ہے تو اس حقانیت کو دوسروں تک منتقل کرنے کے لئے اپنی جان جوکھوں میں ڈال دیتا ہے۔

آنحضور ﷺ تبلیغ کی اس پرخار وادی سے خود کو گزار رہے تھے۔ اس پر سورۂ طٰہٰ میں تنبیہ فرمائی گئی کہ نزول قرآن جو حقائق سے لبریز ایک کتاب ہے، آپ کو کسی مشقت میں ڈالنے کے لئے نہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ تبلیغ میں اعتدال اختیار کیجئے۔ اپنے ذہن وجسم کو خواہ مخواہ کی مشقت میں مت ڈالئے۔ بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی تلاوت باآواز بلند فرماتے جو بجائے خود نفس کے لئے شاق تھا۔ اس پر بھی تنبیہ فرمائی گئی کہ خدا علیم وخبیر دانا و بینا ہے۔ آواز کا جہر وخفا اس تک اپنی آواز پہنچانے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

یہود نزول قرآن کو مستبعد گردانتے۔ اس لئے سورۂ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نزول وحی کا واقعہ بھی مفصل آ گیا۔ جس سے یہ بتانا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کا نزول تسلیم کرنے والے وحی محمدی کو تعجب انگیز کیوں سمجھ رہے ہیں۔ اس طرح اگر سورۂ مریم عیسائیوں کے انکار کی تردید میں تھی تو سورۂ طٰہٰ یہود کے باطل مزعومات کے لئے ایک تردید ہے۔ سورۂ کہف میں اصحاب کہف کی حفاظت جان، مومن باپ کے ایمان کی حفاظت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نرغہ اعداء میں محفوظ ہونے کی تفصیل زیر گفتگو تھی۔ تو سورۂ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ابتدائی پیدائش سے جو حفاظتی اقدامات فرعون کے مقابلہ تک کئے گئے ان سب کا ذکر ہے۔ اس طرح یہ تینوں سورتیں متحد المباحث ہوگئیں۔

شان نزول: .... سورۂ طٰہٰ کے شان نزول کی چند وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ آنحضور ﷺ نماز پڑھتے وقت ایک پاؤں زمین پر رکھتے اور دوسرا پیر اٹھائے رکھتے تو یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ دونوں پیر زمین پر رکھا کرو۔ قرآن کے نازل کرنے کا مقصد آپ کو کسی پریشانی میں مبتلا کرنا نہیں۔

ایک وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ نزول قرآن کے بعد جب آنحضور ﷺ اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن پر عمل شروع کیا تو مشرکین آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو اچھی خاصی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا ہوگئے۔ تو اس پر یہ سورت نازل ہوئی کہ قرآن مجید اتارنے کا مقصد کسی پریشانی میں ڈالنا نہیں ہے بلکہ یہ قرآن تو نیکوں کے لئے عبرت ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ یہ دوسرا شان نزول زیادہ صحیح اور حقیقت پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔

﴿تشریح﴾: .... اس سورت میں خدا تعالیٰ آنحضور ﷺ کو مخاطب کرکے فرما رہے ہیں کہ آپ کا کام تو صرف تبلیغ ہے۔ جسے ماننا ہوگا مانے گا اور جسے نہ ماننا ہوگا وہ نہ مانے گا۔ کافروں کے انکار پر زیادہ غم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح شب بیداری میں ضرورت سے زیادہ مشقت وپریشانی نہ اٹھائیے۔ یہ قرآن پاک آپ کو کسی مشقت وپریشانی میں ڈالنے کے لئے ہم نے

نہیں اتارا ہے۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ امت کو خطاب کرنا مقصود ہے۔ اس صورت میں معنی ہوں گے کہ اے مومنو! قرآن کے اتارنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم حالت محرومی ومغلوبی میں رہو۔ یہ قرآن شقاوت و بدبختی کی چیز نہیں۔ بلکہ اس قرآن کے اتارنے کا مقصد تو بھلائی و خیر خواہی اور اصلاح کرنا ہے لیکن اس سے وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن کے دل میں خدا کا خوف اور ڈر ہو۔

یہ قرآن تیرے رب کا کلام ہے اسی کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا۔ احادیث میں ہے کہ ہر آسمان کی جسامت پانچ سو سال کی ہے اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کا فاصلہ پانچ سو سال کا ہے۔ خدا تعالیٰ عرش پر قائم ہے۔ سلامتی کا طریقہ یہی ہے کہ تمام ان آیات کو جو خدا تعالیٰ کی صفات سے متعلق ہیں انہیں ان کے ظاہری الفاظ کے مطابق ہی مانا جائے۔ اس کی تحقیق وتفتیش نہ کی جائے اور نہ کوئی تمثیل وتشبیہ دینے کی ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ ہی تمام چیزوں کا خالق اور مالک ہے۔ چاہے وہ آسمان پر ہو، زمین پر ہو یا ان دونوں کے درمیان ہو یا زمین کے بھی نیچے ہو۔ گویا یہاں مقصود خدا تعالیٰ کی قدرت اور وسعت سلطنت کو بیان کرنا ہے۔

اب تک خدا تعالیٰ کی قدرت کا بیان تھا اور اب اس کے علم کا بیان ہو رہا ہے کہ خدا وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کے نیچے کی چیزوں کو جانتا ہے اور اسے پوشیدہ ومخفی در مخفی چیزوں کا بھی علم ہے۔ جسے خود انسان بھی نہیں جانتا۔ اور اعلیٰ صفتیں اور بہترین نام اسی کے ہیں۔ یعنی باعتبار ذات کے وہ بالکل منفرد ہے۔ اگرچہ اسمائے صفاتی بہت ہیں۔

قصہ موسیٰ علیہ السلام: .... یہاں سے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ شروع ہو رہا ہے۔ جس وقت وہ اپنی بیوی کو رخصت کرا کے مدین سے مصر لے جا رہے تھے۔ سردیوں کی رات تھی۔ اندھیرا پھیل رہا تھا اور راستہ بھی بھول گئے تھے۔ تو چلتے ہوئے دور سے پہاڑ سے آگ جلتی ہوئی نظر آئی۔ جیسا کہ سردی کی راتوں میں یہ دستور ہے کہ لوگ جنگلوں میں آگ جلا کرتاپتے ہیں۔ تو حضرت موسیٰ نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو۔ میں جاتا ہوں۔ شاید کچھ آگ مل جائے۔ جس سے تم تاپ سکو۔ یا وہاں کوئی آدمی ہو تو اس سے راستہ کا کچھ پتہ چل جائے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس پہنچے تو اس میدان کے دائیں جانب کی جھاڑیوں کی طرف سے آواز آئی۔ کہ اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں، تم اپنی جوتیاں اتار دو۔ اس آواز کے منجانب اللہ ہونے اور اس کی کیفیت کے بارے میں بہت اختلاف ہے اور مختلف بحثیں ہیں۔ لیکن محققین کی رائے یہی ہے کہ اس آواز کی کیفیت کا نہ کہیں قرآن وحدیث میں ذکر آیا ہے اور نہ قیاس ہی سے کچھ بتایا جا سکتا ہے۔ البتہ حضرت موسیٰ کو اس کا یقین ہو گیا تھا کہ یہ خدا ہی کی آواز ہے اور نعلین کے اتار دینے کا حکم اس وجہ سے ہو کہ شاید وہ جوتے ناپاک ہوں یا کہ ادباً واحتراماً اس کا حکم ملا ہو۔ یا پھر یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ اس بابرکت ومقدس جگہ پر پاؤں پڑے تو اس سے مزید برکت حاصل ہو۔ ان میں زیادہ صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام مقدس کی تعظیم کرانا مقصود تھا۔ جیسا کہ خود آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ **انک بالواد المقدس طوًی** کہ بے شک تم ایک پاک میدان طوے میں ہو۔

جب تمہیدی کلمات کے ذریعہ حضرت موسیٰ کے قلب کو تجلیات ربانی کے متحمل کرنے کے قابل بنا دیا تو اس کے بعد رسالت کا بار اُن پر ڈالا گیا اور فرمایا گیا کہ میں نے تمہیں رسالت کے لئے منتخب کر لیا ہے۔ اس لئے اب وحی کے ذریعہ جو احکامات مل رہے ہیں اسے غور سے سنو۔ اور سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ میری ہی عبادت کرو۔ کسی اور کی عبادت نہ کرو اور میری یاد کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ نمازیں پڑھا کرو۔ یا یہ کہ جب میری یاد آ جائے تو نمازیں پڑھ لیا کرو۔

بہر حال اصل مقصود یاد الٰہی کو دل میں قائم رکھنا تھا۔ اس سے قبل توحید و رسالت کا ذکر آیا تھا۔ اب اس کے بعد عقیدہ کی تعلیم

دی جارہی ہے کہ ایک دن قیامت آنے والی ہے۔ جس کے وقت متعین کا علم سوائے خدا تعالیٰ کے کسی اور کو نہیں ہے اور اس قیامت کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو ان کے کئے ہوئے کا بدلہ مل جائے، اچھے کاموں کی جزا اور برے کاموں کی سزا دینے کے لئے یہ یوم موعود آئے گا۔ پھر حضرت موسیٰ کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم دشمنان دین کے دھوکہ میں آ کر کہیں فکر آخرت سے غافل نہ ہو جانا۔ ورنہ باوجود تمہارے پیغمبر ہونے کے خدائی قانون کے مطابق تم بھی سزا سے بچ نہیں سکو گے۔

معجزات:............حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کا ذکر ہے۔ جس کا ظہور بغیر قدرت خداوندی کے ممکن نہیں تھا۔ حضرت موسیٰ سے پوچھا گیا کہ یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے۔ جس کی جواب میں حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ یہ لاٹھی ہے اور اس سے یہ یہ فائدے ہیں۔ اور اس سے فلاں فلاں کام لیتا ہوں۔ ممکن ہے یہ سوال اس وجہ سے ہو کہ لاٹھی اور اس کے فوائد موسیٰ کے ذہن میں از سر نو تازہ ہو جائیں اور اس کے بعد جو انقلاب ہونے والا ہے۔ اس کا خارق عادت ہونا زیادہ نمایاں ہو جائے۔

حکم ہوا کہ اس لاٹھی کو زمین پر ڈال دو، ڈالنا تھا کہ وہ ایک سانپ کی شکل اختیار کر گیا۔ جسے دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام بہت خوف زدہ ہوئے اور الٹے پاؤں بھاگ پڑے۔ اور آپ کا ڈرنا آپ کی جلالت شان کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک طبعی خوف وڈر تھا جس سے انبیاءً بھی خالی نہیں کیونکہ وہ بھی تو انسان ہی ہیں۔ نیز اگر اس طرح کا کوئی حادثہ مخلوق کی جانب سے ہو تو نہ ڈرنا کمال ہے۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام آتش نمرود سے نہیں ڈرے۔ لیکن اگر وہی حادثہ خالق کی طرف سے ہو تو اس سے ڈرنا ہی کمال ہے۔ کیونکہ خدانخواستہ کہیں یہ قہر الٰہی نہ ہو۔ آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! پکڑ لو ہم اسے اس کی اصلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ یہ حکم سن کر ڈرتے ڈرتے انہوں نے اس پر ہاتھ ڈال دیا۔ تو وہ پھر لاٹھی کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ حضرت موسیٰ کو دوسرا معجزہ ملا۔ اور حکم ہوا کہ اپنا ہاتھ بغل میں لے جاؤ اور نکال لو۔ چاند کی طرح سفید ہو کر نکلے گا اور یہ سفیدی خدانخواستہ کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہوگی۔ بلکہ یہ تو ایک معجزہ ہے۔

قرآن مجید کو **من غیر سوء** کی اس وجہ سے تصریح کرنی پڑی کہ توریت میں واقعہ کو مسخ کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو برص کا مریض بتایا گیا ہے۔ تو گویا پہلا معجزہ لاٹھی کے سانپ بن جانے کا تھا۔ اور دوسرا معجزہ یہ تھا کہ ہاتھ چمک دار ہو جاتا تھا۔ یہ دونوں معجزے اس وقت آپ کو اس وجہ سے ملے تھے تاکہ آپ بعد میں آنے والی دوسری بڑی بڑی نشانیوں پر یقین کر لیں۔

عرض ومعروض:............اس کے بعد حکم ملا کہ تم فرعون کے پاس مصر جاؤ اور اسے سمجھاؤ بجھاؤ اور اسے دین کی تبلیغ کرو۔ کیونکہ وہ حد سے آگے بڑھ گیا ہے اور سرکشی ونافرمانی میں بہت تجاوز کر گیا ہے۔ جس پر حضرت موسیٰ نے درخواست کی کہ اے خدا! میرا حوصلہ فراخ کر دیجئے تاکہ اگر تبلیغ کرنے میں فرعون کی طرف سے کوئی مخالفت پیش آئے تو اسے ہم فراخ حوصلگی کے ساتھ برداشت کر سکیں اور رسالت کے اس بار عظیم کا تحمل پوری طرح کر سکیں۔ نیز تبلیغ کا یہ کام میری لئے آسان کر دے۔ یعنی کامیابی کے اسباب غیب سے مہیا کر دے اور ناکامی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ مزید درخواست یہ ہے کہ میری زبان سے لکنت کو دور فرما دیجئے۔ تاکہ میں اچھی طرح لوگوں کے سامنے وعظ ونصیحت کر سکوں اور وہ میری بات کو آسانی سمجھ سکیں۔ اور اسی کے ساتھ میری ایک مدد یہ اور فرمائیے کہ میرے ہارون کو میرا شریک کار کر دیجئے۔ تاکہ ہم دونوں مل کر اور مشورہ سے اس کام کو انجام دیں اور جب دونوں ایک ساتھ رہیں گے۔ تو ہماری بھی تقویت قلب ہوگی اور دو آدمی مل کر دعوت وتبلیغ کا کام بہتر طریقہ پر انجام دے سکیں گے۔ اور آپ کی تسبیح وتذکیر کا کام بھی اچھی طرح ہو سکے گا۔ اور آپ تو ہماری ضرورتوں سے اچھی طرح واقف ہیں مزید کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ان کی یہ دعا بھی خدا تعالیٰ نے قبول کی اور اسی وقت حضرت ہارون کو بھی نبوت عطا فرمائی۔

دعا کی مقبولیت:............ارشاد ہوا کہ ہم تمہاری درخواست پر کیوں نہ توجہ کریں۔ جب کہ ہم بہت پہلے بغیر کسی تمہاری خواہش و درخواست کے تم پر احسان کر چکے ہیں۔ پھر مختصر طور پر اس واقعہ کا ذکر کیا گیا۔ کہ جب تم دودھ پیتے بچے تھے۔اس وقت تمہاری والدہ کو تمہاری جانب سے بہت اندیشہ تھا کیونکہ فرعون کو نجومیوں سے یہ معلوم ہوا تھا کہ قوم بنی اسرائیل میں ایک لڑکا ایسا پیدا ہوگا جو اس کی حکومت کے زوال کا سبب بنے گا۔فرعون نے فوراً یہ حکم جاری کر دیا۔ کہ اسرائیلیوں میں جو بھی بچہ پیدا ہوا سے اسی وقت ختم کر دیا جائے۔تو ہم نے تمہاری والدہ کو وحی کے ذریعہ ایک تدبیر بتائی۔ یہ وحی وحی نبوت نہیں تھی بلکہ خدا کی جانب سے الہام تھا اور الہام غیر نبی کو بھی ہوسکتا ہے۔تدبیر یہ بتائی کہ اس بچہ کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دو۔ میں اس کی نگہداشت رکھوں گا اور اسے دریا کے کنارے لگا دوں گا اور اس کی پرورش میں ایسے شخص سے کراؤں گا جو اس کا بھی دشمن ہے اور میرا بھی......واقعہ اسی انداز میں پیش آیا کہ حضرت موسیٰ کی والدہ نے خدا تعالیٰ کے حکم پر انہیں صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ وہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس سے گزرا۔ تو فرعون کی بیوی آسیہ نے اسے پکڑ والیا اور کھول کر جو دیکھا تو اس میں سے ایک حسین وخوبصورت بچہ نکلا۔جس کے لئے خدا تعالیٰ نے اس کے دل میں محبت ڈال دی اور اس کے نتیجہ میں فرعون کی بیوی نے ان کی پرورش کا ارادہ کر لیا اور کسی طرح فرعون کو اس پر راضی کر لیا کہ وہ اس بچہ کو قتل نہ کرائے جب فرعون اس پر راضی ہو گیا۔تو آسیہ نے بچہ کے لئے دایہ کی تلاش شروع کی۔لیکن حضرت موسیٰ نے کسی کی چھاتی کو منہ بھی نہیں لگایا۔جس سے آسیہ بہت پریشان ہوئی کہ اس طرح تو یہ معصوم بچہ مر کر رہ جائے گا۔اسی عرصہ میں آپ کی بہن مریم (علیہا السلام) جو صندوق کے پیچھے پیچھے یہ پتہ لگانے کے لئے چل رہی تھیں کہ دیکھیں یہ صندوق کہاں جا کر کنارہ لگتا ہے وہ اس صورت حال کو دیکھ کر کہنے لگیں کہ کیا میں تمہیں ایسی دایہ بتاؤں جو اس کی اچھی طرح پرورش کرے۔آسیہ کی طرف سے منظوری ملنے پر وہ بھاگی ہوئی آپ کی والدہ کے پاس پہنچیں اور سارا واقعہ بیان کر کے انہیں اپنے ساتھ لے آئیں۔ان کے دودھ پلانے پر حضرت موسیٰ نے خوب پیٹ کر دودھ پیا اور پھر وہ دایہ مقرر ہو گئیں۔تو اس طرح پر خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی پرورش کا انتظام فرما دیا اور ان کی والدہ کو ان کے قریب کر دیا تا کہ ان کی والدہ مطمئن ہو جائیں اور ان کی ساری گھبراہٹ و پریشانی دور ہو جائے۔

اور تم پر میرا دوسرا احسان یہ ہو چکا ہے کہ تم نے ایک قبطی کو مار ڈالا تھا اور پھر بہت خوفزدہ ہوئے تھے۔ایک تو خوف خدا کا ناحق قتل پر، دوسرے فرعون کے انتقام کا اندیشہ، تو میں نے تمہیں اس غم سے نجات دلائی تھی۔ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ کہیں جا رہے تھے تو راستہ میں دیکھا کہ ایک فرعونی کی لڑائی ایک اسرائیلی سے ہو رہی ہے۔اسرائیلی نے حضرت موسیٰ کو دیکھ کر مدد طلب کی۔تو حضرت موسیٰ نے اس فرعونی کے ایسا گھونسہ مارا کہ وہ وہیں مر کر رہ گیا۔فرعون کے دربار میں اس کی اطلاع پہنچی۔ کہ آج کسی اسرائیلی نے ایک فرعونی کو مار ڈالا ہے۔تو وہ بہت غضب ناک ہوا اور تحقیق وتفتیش کا حکم جاری کیا۔لیکن کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ اتفاق سے دوسرے دن جب ان کا کسی راستہ سے گزر ہوا تو دیکھا کہ وہی اسرائیلی کسی دوسرے فرعونی سے لڑ رہا ہے۔تو انہیں اس کے لڑاکو پن پر بہت غصہ آیا۔لیکن اس کے باوجود فرعونی کے مقابل میں اس کی مدد کو آگے بڑھے لیکن وہ اسرائیلی یہ سمجھ کر کہ مجھ پر غصہ ہو رہے ہیں۔ یہ کہہ دیا کہ اسے موسیٰ! کل تم نے ایک کو مار ہی دیا کیا آج مجھے مارنے کا ارادہ کر رہے ہو؟ فرعونی یہ سن کر بھاگا ہوا فرعون کے پاس پہنچا اور تفصیلات سے مطلع کر دیا۔جس پر فرعون نے حضرت موسیٰ کو پکڑنے کے لئے اپنے آدمیوں کو روانہ کیا۔موسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم ہوا تو وہ فرار ہو گئے اور کسی طرح خدا تعالیٰ کی مدد سے مدین پہنچ گئے۔

اسی کو فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی۔خود بھی اس گناہ کو معاف کیا اور فرعون سے بھی تم کو بچایا اور اتنے عرصہ مدین میں رہنے کے بعد تم اس عمر کو پہنچ گئے جو رسالت کے لئے ضروری ہے۔لہذا اب میں نے تم کو اپنا رسول منتخب کر لیا۔تم اور

تمہارے بھائی دونوں مل کر جاؤ اور تبلیغ وارشاد کا کام کرو اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ جاؤ نرمی اور حسن اخلاق کے ساتھ فرعون کو دین کی تبلیغ کرو۔ خواہ وہ ایمان لائے یا نہ لائے۔ بہر حال تم اپنا کام جاری رکھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ قضاء وقدر کچھ بھی ہو لیکن انسان کو اپنی طرف سے تبلیغ وارشاد میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔

حضرت موسیٰ کا اندیشہ: ....لیکن فرعون کے پاس جاتے ہوئے انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ کوئی سختی کا معاملہ نہ کرے۔ اسی کا اظہار انہوں نے خدا تعالیٰ کے سامنے کیا کہ کہیں وہ ہماری آواز کو دبانے کے لئے ہمیں کسی مصیبت میں نہ مبتلا کر دے اور پھر ہمارے ساتھ ناانصافی کرے تو تشفی دی گئی۔ اور جواب ملا کہ تم جاؤ اس کا مقابلہ کرو۔ میری ساری طاقت وقوت تمہارے ساتھ ہے۔ اور میں تمہاری پوری پوری مدد کروں گا۔ تم اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم خدا کے قاصد ہیں۔ تم ان اسرائیلیوں کو جانے دو اور ان کے ساتھ کوئی سختی اور ظلم کا برتاؤ نہ کرو...... صورت یہ تھی کہ فرعون اسرائیلیوں کے ساتھ انتہائی ظالمانہ برتاؤ کرتا تھا اور ان کے اس مطالبہ کو بھی نہیں مانتا تھا کہ وہ انہیں اجازت دے دے کہ وہ اپنے وطن شام چلے جائیں۔ اسی کے متعلق ارشاد ہے کہ تم میرا پیغام لے کر جاؤ اور اسے اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کرو۔ اور اس سے کہنا کہ سلامتی اسی کے لئے ہے جو ہدایت کا پیرو ہے۔ یعنی جو دین کو قبول کرے گا اور سیدھی راہ پر چلے گا اس کے لئے امن وعافیت ہے نہ اسے کسی کا ڈر باقی رہتا ہے اور نہ خوف۔ اور میرے پاس وحی آئی ہے کہ جو روگردانی کرے گا اور احکام خداوندی کے خلاف کرے گا۔ اس کے لئے عذاب الٰہی ہے۔

حضرت موسیٰ کو ''قول لین'' کا حکم ملا تھا اسے یہاں بھی ملحوظ رکھا گیا اور یہ نہیں کہا گیا کہ تم پر عذاب آئے گا بلکہ ایک قانون کی شکل میں پیش کیا گیا کہ خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے عذاب الٰہی ہے۔ حکم ہوا کہ تم اپنی نشانیاں بھی اسے دکھانا تا کہ اسے تمہاری صداقت پر یقین آ جائے۔

سوال وجواب: ....چونکہ فرعون خدا تعالیٰ کا منکر تھا اور اپنے آپ کو سب سے بڑا دیوتا سمجھتا تھا۔ حضرت موسیٰ کی زبان سے جو یہ نئی بات سنی تو حیرت اور انکار کے طور پر پوچھنے لگا کہ اچھا تو یہ بتاؤ کہ تمہارا رب کون سا ہے؟ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں۔ خدا تو وہ ذات ہے جس نے ساری مخلوق کو پیدا کیا۔ پھر جس کی جیسی فطرت رکھی اور جس سے جو کام لینا چاہا اسی کے مطابق اس کے اعضاء اور اس کی ہیئت وصورت رکھی۔ گویا کہ اسی نے سب کو پیدا کیا اور اسی نے مناسب وموزوں ہئیت عطا کی اور جسے جس کام کے لئے پیدا کیا۔ اسی راستہ پر لگا بھی دیا۔ پھر فرعون نے سوال کیا کہ اچھا ان لوگوں کا کیا ہوگا جو ہم سے پہلے تھے اور جن کا دین یقیناً تمہارے دین سے علیحدہ تھا۔

آپ نے جواب دیا اور کہا کہ پچھلے لوگوں کا حال مجھے کیا معلوم۔ لیکن اتنا یقین ہے کہ ان کے ساتھ انصاف ہی کا معاملہ ہوگا اور ان کے اعمال کے مطابق انہیں اس کا بدلہ ملے گا۔ کیونکہ میرے خدا کے یہاں ساری چیزیں محفوظ ہیں نہ وہ بھول سکتا ہے اور نہ اس سے کسی غلطی کا امکان ہے۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ عام انسانوں سے خطاب فرما رہے ہیں کہ اے انسانو! خدا وہ ہے کہ جس نے زمین کو تم لوگوں کے لئے فرش بنا دیا۔ جس پر تم آرام کرتے ہو اور چلنے پھرنے کے لئے اس پر راستے بھی بنا دیئے تا کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکو۔ اور آسمان سے پانی برساتا ہے۔ جس سے کھیتیاں لہلہا کر اگتی ہیں اور طرح طرح کے میوے اور پھل درختوں پر آتے ہیں۔ جسے انسان بھی کھاتا ہے اور اس کے جانور بھی اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ چونکہ عرب میں جانوروں کے پالنے کا خاص رواج تھا اسی وجہ سے قرآن نے جانوروں

کا بھی تذکرہ کر دیا...... تو جسے عقل اور شعور ہو اس کے لئے یہ ساری نشانیاں ہیں خدا کے وجود اور اس کی وحدانیت پر اس کے بعد انکار کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی ہے۔ مزید ارشاد ہے کہ اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور مرنے کے بعد پھر اسی زمین میں تمہیں جانا ہے اور اس کے بعد قیامت کے دن ہم اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

مفسرینؒ نے کہا ہے کہ چونکہ آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے اس لئے ان کی تمام اولاد کو کہہ دیا گیا کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ حالانکہ آج بھی انسانوں کی پیدائش میں مٹی کا بڑا دخل ہے۔ ظاہر ہے انسان جو کچھ بھی کھاتا پیتا ہے اور جس سے اس کا خون بنتا ہے اور مادہ منویہ کا اسی خون سے تعلق ہے۔ تو ان اشیاء کا کسی نہ کسی درجہ میں مٹی سے ضرور تعلق ہے۔ کوئی چیز ایسی مل ہی نہیں سکتی کہ جس کا مٹی سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ لہٰذا آج بھی بلاواسطہ انسانوں کی پیدائش اسی مٹی سے ہو رہی ہے۔

بہر حال ساری نشانیاں اور معجزات آنے کے بعد بھی اس نے جھٹلا دیا اور خدا کی وحدانیت کا انکار کرتا رہا۔ یہ معجزات دیکھنے کے بعد کہنے لگا کہ کیا زور کی تم نے جادوگری دکھائی ہے اور اس جادو کے ذریعہ تم ہمیں اپنے ملک سے نکال دینا چاہتے ہو؟ تو گھبراؤ مت اس جادو کا مقابلہ ہم کر سکتے ہیں۔ لہٰذا مقابلہ کے لئے جگہ اور دن کا تعین کر لو اور جگہ ایسی ہونی چاہئے کہ جہاں تمام لوگ اپنی آنکھوں سے ہار جیت دیکھ لیں۔ اور بعضوں نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ایک ایسا میدان ہو جو دونوں فریق سے برابر مسافت رکھتا ہو۔ لیکن پہلا معنی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے..... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی اس دعوت مقابلہ کو منظور فرماتے ہوئے کہا کہ پھر اس کے لئے تمہارا عید کا دن زیادہ مناسب رہے گا۔ اس دن تمام لوگ بسہولت جمع ہو سکیں گے اور ہاں اس کا خیال رہے کہ دن چڑھنے کے بعد مقابلہ ہو تاکہ لوگ اچھی طرح تمام چیزوں کو دیکھ سکیں اور حق و باطل میں تمیز کر لیں۔

جادوگروں سے مقابلہ:........... مقابلہ کی تاریخ معین ہونے کے بعد فرعون اپنے محل میں واپس گیا۔ اور تمام بڑے بڑے جادوگروں کو جمع کرنے کا حکم دے دیا اور اس کے انتظامات شروع کر دیئے۔ بالآخر وہ دن آ گیا اور تمام لوگ میدان میں جمع ہو گئے۔ تو آخری مرتبہ بطور اتمام حجت کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان ساحروں کو تبلیغ شروع کر دی کہ دیکھو خدا تعالیٰ پر جھوٹ مت باندھو اور اپنے جادو کے ذریعہ لوگوں کو دھوکہ میں ڈالنے کی کوشش مت کرو۔ ورنہ خدا تعالیٰ تمہیں تباہ و برباد کر دے گا۔ آپ کی اس تبلیغی تقریر کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان جادوگروں کی جماعت میں اختلاف رائے ہو گیا۔ بعض نے آپس میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ یہ واقعی خدا کا رسول معلوم ہوتا ہے اور بعضوں کی رائے یہی رہی کہ نہیں یہ جادوگر ہی ہے اور اس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ بالآخر سب نے بالاتفاق یہ اعلان کیا کہ یہ کوئی بہت بڑا جادوگر ہے۔ جو اس ارادہ سے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور پر ہمارے ملک پر قبضہ کرے اور ہمیں یہاں سے نکال باہر کرے اور ظاہر ہے کہ جب ملک پر اس کا قبضہ ہو جائے گا تو ہماری ساری تہذیب و تمدن ہی کو مٹا کر رکھ دے گا اور ہمارے مذہب کا بھی خاتمہ کر دے گا۔ اس لئے خوب مضبوط ہو کر اس کے مقابلہ میں صف آراستہ ہو جاؤ اور اسے ہرگز کامیاب نہ ہونے دو۔ کیونکہ اسی ہار جیت پر ہماری عزت اور ہمارے دین و تہذیب کے تحفظ کا انحصار ہے۔ اس کے بعد جادوگروں نے حسب عادت جیسا کہ کسی سے مقابلہ کے وقت پوچھتے ہیں کہ پہلے کس کی بازی رہے گی موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ کیا پہلے تم اپنا کرتب دکھاؤ گے یا ہم دکھائیں؟

اس پر موسیٰ علیہ السلام نے بڑی بے نیازی کے ساتھ فرمایا کہ پہلے تم ہی اپنا حوصلہ نکال لو۔ جس پر ان جادوگروں نے اپنی اپنی لاٹھیاں اور رسیاں میدان میں ڈال دیں اور لوگوں کی نظر بندی کر دی۔ جس سے وہ لاٹھیاں اور رسیاں بھاگتے دوڑتے ہوئے سانپ نظر آنے لگے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ نے اپنی لاٹھی کو سانپ بنا کر فرعون کے سامنے پیش کیا تھا۔ تو ان جادوگروں نے بھی وہی کرتب دکھانا

مناسب سمجھا۔ اور چونکہ وہ بہت زیادہ تھے۔ تو سانپوں سے ہی سارا میدان لبریز نظر آیا۔ یہ منظر دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام گھبرائے کہ یہ کیا بات ہوئی کہ انہوں نے بھی سانپ بنا کر دکھائے اور ہم بھی وہی کرتب دکھائیں۔ کہیں یہ غالب نہ آ جائیں اور لوگ دھوکہ میں پڑ جائیں۔

فوراً وحی آئی کہ اے موسیٰ! ڈرو نہیں اور خوفزدہ ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ فتح تمہاری ہی ہوگی اور حق غالب آ کر رہے گا۔ حکم ہوا کہ اپنی لاٹھی کو تم زمین پر ڈال دو۔ لاٹھی کے زمین پر ڈالتے ہی وہ ایک بہت بڑا اژدہا بن گیا اور ان کے سارے سانپوں کو ہڑپ کر گیا۔ جب ان جادوگروں نے دیکھا کہ اس نے تو ہمارے کرتب کو نا کام کر دیا اور ہمارے سارے سانپوں کو ہڑپ کر گیا۔ تو چونکہ وہ فن کے ماہر تھے اس لئے سمجھ گئے کہ یہ کوئی جادوگوی نہیں۔ بلکہ واقعی معجزہ اور اعجاز ہے۔ جب انہیں موسیٰ علیہ السلام کی صداقت پر یقین آ گیا۔ تو انہی میدان میں لوگوں کے سامنے اور خود فرعون کی موجودگی میں یہ سب کے سب جادوگر سجدہ میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم تو رب العالمین پر ایمان لائے جو موسیٰ و ہارونؑ کا رب ہے۔ لوگوں کے سامنے حق و باطل واضح ہو گیا۔

سرکشی کی انتہا:............ اور اب فرعون کو چاہئے تو یہ تھا کہ وہ بھی ایمان لے آتا۔ کیونکہ اب اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا کہ جنہیں یہ مقابلہ کے لئے لایا تھا ان ماہرین نے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو تسلیم کر لیا اور بلا جھجک لوگوں کے سامنے انہوں نے دین حق بھی تسلیم کر لیا۔ لیکن بجائے ایمان لانے کے اس نے مزید سرکشی شروع کر دی اور پہلے تو ان جادوگروں سے باز پرس کرنے لگا کہ تم بغیر میری اجازت کے ایمان کیوں لائے اور یقیناً یہ تم لوگوں کا استاد ہے اور تم نے اس سے ساز باز کر رکھی ہوگی۔ اسی منصوبہ کے تحت تم عام مجمع کے سامنے ایمان لے آئے تا کہ رعایا میں بھی میری طرف سے بددلی پھیلے۔ تو سن لو اس کی سزا اتنی سخت دوں گا کہ دوسرے لوگوں کو بھی عبرت ہو۔ تمہارے ایک جانب کا ہاتھ اور دوسری جانب کا پیر کاٹ کر درخت سے لٹکا کر سولی چڑھا دوں گا۔ اور تم ہماری قوم کو گمراہ سمجھتے ہو۔ ابھی تمہارے سامنے آ جائے گا کہ دائمی عذاب کا مستحق کون ہے۔

ساحروں کا جواب:............ فرعون کی ان دھمکیوں کا ان پر الٹا اثر پڑا۔ بجائے اس کے کہ یہ پھر اپنے دین کی طرف لوٹ جاتے، یہ جواب دیا کہ ہدایت پانے کے بعد اب تمہارا مذہب ہم کبھی اختیار نہیں کر سکتے ہیں۔ ہمارے سامنے حق و باطل کھل کر آ گیا۔ اب حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف کس طرح لوٹ سکتے ہیں؟ اب تمہیں جو کچھ کرنا ہے کر لو۔ تم زیادہ سے زیادہ اسی دنیاوی زندگی میں ہمیں کچھ پریشان کر سکتے ہو اور تکلیف دے سکتے ہو۔ لیکن دوسری زندگی میں تو ہمیں آرام و راحت ہی ملے گی اور ہمیں اپنے خدا سے اس کی بھی توقع ہے کہ وہ ہمارے پچھلے گناہوں کو معاف کر دے گا اور خصوصاً اس گناہ کو جو اس کے رسول کے ساتھ مقابلہ کرا کے ہم سے کرایا گیا۔ اب نہ ہمیں تمہاری سزاؤں کا ڈر ہے اور نہ تمہاری انعام و اکرام کا لالچ۔ اس لئے کہ نہ خود تمہارے اندر کوئی خیر ہے اور نہ تمہاری سزاؤں کو بقاء۔ خدا تعالیٰ ہی کی سزا اور اسی کا اجر دائمی اور ابدی ہے۔

ان لوگوں نے مزید کہا کہ گنہگاروں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہاں تو موت آنے سے رہی۔ لیکن زندگی بھی اتنی مشقتوں سے لبریز ہوگی کہ اسے دنیا میں کئے ہوئے گناہوں کا پتہ چل جائے اور وہ لوگ جو راہ راست پر آ جائیں گے اور نیک کام کریں گی ان کے لئے عمدہ عمدہ باغات ہوں گے اور رہنے کے لئے بڑے بڑے محلات ہوں گے۔ اسی لئے ہم بھی اسی قانون الٰہی کے تحت کفر کو چھوڑ کر ایمان لے آئے ہیں۔

ان کی یہ تقریر اس وجہ سے تھی کہ شاید فرعون ان عذابوں سے ڈر کر اور جنت کے لالچ میں توبہ کر لے۔ لیکن جب اس کی تقدیر میں بدبختی لکھ دی گئی تھی تو ظاہر ہے کہ اسے کون راہ راست پر لا سکتا تھا۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِىْ بِهَمْزَةِ قَطْعٍ مِنْ اَسْرٰى اَوْهَمْزَةِ وَصْلٍ وَكَسْرِ النُّوْنِ مِنْ سرٰى لُغَتَانِ اَىْ سِرْبِهِمْ لَيْلًا مِنْ اَرْضِ مِصْرَ **فَاضْرِبْ** اِجْعَلْ **لَهُمْ** بِالضَّرْبِ بِعَصَاكَ **طَرِيْقًا فِى الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ** اَىْ يَابِسًا فَامْتَثَلَ مَاأُمِرَبِهِ وَاَيْبَسَ اللّٰهُ الْاَرْضَ فَمَرُّوْا فِيْهَا **لَّا تَخَافُ دَرَكًا** اَىْ اَنْ يُّدْرِكَكَ فِرْعَوْنُ **وَّلَا تَخْشٰى** ﴿۷۷﴾ غَرَقًا **فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ** وَهُوَ مَعَهُمْ **فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ** اَىِ الْبَحْرِ **مَاغَشِيَهُمْ** ﴿۷۸﴾ مَاغَرَقَهُمْ **وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ** بِدُعَائِهِم اِلٰى عِبَادَتِهٖ **وَمَا هَدٰى** ﴿۷۹﴾ بَلْ اَوْقَعَهُمْ فِى الْهِلَاكِ خِلَافَ قَوْلِهٖ وَمَا اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ **يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ** فِرْعَوْنَ بِاِغْرَاقِهٖ **وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ** فَنُؤْتِى مُوْسٰى التَّوْرٰةِ لِلْعَمَلِ بِهَا **وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى** ﴿۸۰﴾ هُمَا التُّرَنْجِبِيْنُ وَالطَّيْرُ السَّمَانِىُ بِتَخْفِيْفِ الْمِيْمِ وَالْقَصْرِ وَالْمُنَادٰى مَنْ وُّجِدَ مِنَ الْيَهُوْدِ زَمَنَ النَّبِى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخُوْطِبُوْا بِمَا اُنْعِمَ بِهٖ عَلٰى اَجْدَادِهِمْ زَمَنَ النَّبِىِّ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَام تَوْطِيَةً لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى لَهُمْ **كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَارَزَقْنٰكُمْ** اَىِ الْمُنْعَمَ بِهٖ عَلَيْكُمْ **وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ** بِاَنْ تَكْفُرُوا الْمُنْعِمَ بِهٖ **فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِىْ ۚ** بِكَسْرِ الْحَاءِ اَىْ يَجِبُ وَبِضَمِّهَا يَنْزِلُ **وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِىْ** بِكَسْرِ اللَّامِ وَضَمِّهَا **فَقَدْ هَوٰى** ﴿۸۱﴾ سَقَطَ فِى النَّارِ **وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ** مِنَ الشِّرْكِ **وَاٰمَنَ** وَحَّدَ اللّٰهَ **وَعَمِلَ صَالِحًا** يُصَدِّقُ بِالْفَرْضِ وَالنَّفْلِ **ثُمَّ اهْتَدٰى** ﴿۸۲﴾ بِاِسْتِمْرَارِهٖ عَلٰى مَاذُكِرَ اِلٰى مَوْتِهٖ **وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ** لِمَجِىْءِ مِيْعَادِ اَخْذِ التَّوْرٰةِ **يٰمُوْسٰى** ﴿۸۳﴾ **قَالَ هُمْ اُولَآءِ** اَىْ بِالْقُرْبِ مِنِّى يَاتُوْنَ **عَلٰٓى اَثَرِىْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى** ﴿۸۴﴾ عَنِّى اَىْ زِيَادَةً عَلٰى رِضَاكَ وَقَبْلَ الْجَوَابِ اَتٰى بِالْاِعْتِذَارِ بِحَسْبِ ظَنِّهٖ وَتَخَلُّفِ الْمَظْنُوْنُ كَمَا **قَالَ** تَعَالٰى **فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ** اَىْ بَعْدَ فِرَاقِكَ لَهُمْ **وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ** ﴿۸۵﴾ فَعَبَدُوْا الْعِجْلَ **فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ** مِنْ جِهَتِهِمْ **اَسِفًا ۚ** شَدِيْدَ الْحُزْنِ **قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬** اَىْ صِدْقًا اَنَّهٗ يَعْطِيْكُمُ التَّوْرٰةَ **اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ** مُدَّةُ مُفَارِقَتِىْ اِيَّاكُمْ **اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ** يَجِبَ **عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ** بِعِبَادَتِكُمُ الْعِجْلَ **فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِىْ** ﴿۸۶﴾ وَتَرَكْتُمُ الْمَجِىْءَ بَعْدِى **قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا** مُثَلَّثُ الْمِيْمِ اى بِقُدْرَتِنَا اَوْ بِاَمْرِنَا **وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ** بِفَتْحِ الْحَاءِ مُخَفَّفًا وَبِضَمِّهَا وَكَسْرِ الْمِيْمِ مُشَدَّدًا **اَوْزَارًا** اَثْقَالًا **مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ** اَىْ حُلِىِّ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِسْتَعَارَهَا مِنْهُمْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ بِعِلَّةِ عُرْسٍ فَبَقِيَتْ عِنْدَهُمْ **فَقَذَفْنٰهَا** طَرَحْنَاهَا فِى النَّارِ بِاَمْرِ السَّامِرِىِّ **فَكَذٰلِكَ كَمَا** اَلْقَيْنَا **اَلْقَى السَّامِرِىُّ** ﴿۸۷﴾ مَامَعَهٗ مِنْ حُلِيِّهِمْ وَمِنَ التُّرَابِ

الَّذِی اَخَذَہٗ مِنْ اَثَرِ حَافِرِ فَرَسِ جِبْرَئِیْلَ عَلَی الْوَجْہِ الْاٰتِی **فَاَخْرَجَ لَھُمْ عِجْلًا** صَاغَہٗ لَھُمْ مِنَ الْحُلِیِّ **جَسَدًا** لَحْمًا وَدَمًا **لَّہٗ خُوَارٌ** اَیْ صَوْتٌ یُسْمَعُ اَیْ اِنْقَلَبَ کَذٰلِکَ بِسَبَبِ التُّرَابِ الَّذِی اَثَرُہُ الْحَیَاۃُ فِیْمَا یُوْضَعُ فِیْہِ وَوَضَعَہٗ بَعْدَ صَوْغِہٖ فِی فَمِہٖ **فَقَالُوْا** اَیِ السَّامِرِیُّ وَاَتْبَاعُہٗ **ھٰذَآ اِلٰھُکُمْ وَاِلٰہُ مُوْسٰی فَنَسِیَ** ﴿۸۸﴾ مُوْسٰی رَبَّہٗ ھُنَا وَذَھَبَ یَطْلُبُہٗ قَالَ تَعَالٰی **اَفَلَا یَرَوْنَ** اَنْ مُخَفَّفَۃٌ مِنَ الثَّقِیْلَۃِ وَاسْمُھَا مَحْذُوْفٌ اَیْ اَنَّہٗ **لَّا یَرْجِعُ** الْعِجْلُ **اِلَیْھِمْ قَوْلًا** اَیْ لَایَرُدُّ لَھُمْ جَوَابًا **وَّلَا یَمْلِکُ لَھُمْ ضَرًّا** اَیْ دَفْعَہٗ **وَّلَا نَفْعًا** ﴿۸۹﴾ اَیْ جَلْبَہٗ اَیْ فَکَیْفَ یَتَّخِذُ اِلٰھًا **وَلَقَدْ قَالَ لَھُمْ ھٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ** اَیْ قَبْلَ اَنْ یَرْجِعَ مُوْسٰی **یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِہٖ وَاِنَّ رَبَّکُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ** فِی عِبَادَتِہٖ **وَاَطِیْعُوْآ اَمْرِیْ** ﴿۹۰﴾ فِیْھَا **قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ** نَزَالَ **عَلَیْہِ عٰکِفِیْنَ** عَلٰی عِبَادَتِہٖ مُقِیْمِیْنَ **حَتّٰی یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰی** ﴿۹۱﴾ **قَالَ** مُوْسٰی بَعْدَ رُجُوْعِہٖ **یٰھٰرُوْنُ مَامَنَعَکَ اِذْ رَاَیْتَھُمْ ضَلُّوْآ** ﴿۹۲﴾ بِعِبَادَتِہٖ **اَلَّا تَتَّبِعَنِ** لَازَائِدَۃٌ **اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ** ﴿۹۳﴾ بِاِقَامَتِکَ بَیْنَ مَنْ یَعْبُدُ غَیْرَاللّٰہِ **قَالَ** ھٰرُوْنُ **یَبْنَؤُمَّ** بِکَسْرِ الْمِیْمِ وَفَتْحِھَا اَرَادَ اُمِّیَ وَذِکْرُھَا اَعْطَفُ لِقَلْبِہٖ **لَاتَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ** وَکَانَ اَخَذَھَا بِشِمَالِہٖ **وَلَا بِرَاْسِیْ** وَکَانَ اَخَذَ شَعْرَہٗ بِیَمِیْنِہٖ غَضَبًا **اِنِّیْ خَشِیْتُ** لَوْ اِتَّبَعْتُکَ وَلَا بُدَّ اَنْ یَّتَّبِعَنِیْ جَمْعٌ مِمَّنْ لَمْ یَعْبُدِ الْعِجْلَ **اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ** وَتَغْضَبُ عَلَیَّ **وَلَمْ تَرْقُبْ** تَنْتَظِرُ **قَوْلِیْ** ﴿۹۴﴾ فِیْمَا رَاَیْتَہٗ فِی ذٰلِکَ **قَالَ فَمَا خَطْبُکَ** شَاْنُکَ الدَّاعِیُ اِلٰی مَاصَنَعْتَ **یٰسَامِرِیُّ** ﴿۹۵﴾ **قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ یَبْصُرُوْا بِہٖ** بِالْیَاءِ وَالتَّاءِ اَیْ عَلِمْتُ مَالَمْ یَعْلَمُوْہُ **فَقَبَضْتُ قَبْضَۃً مِّنْ** تُرَابِ **اَثَرِ** حَافِرِ فَرَسِ **الرَّسُوْلِ** جِبْرَئِیْلَ **فَنَبَذْتُھَا** اَلْقَیْتُھَا فِی صُوْرَۃِ الْعِجْلِ الْمَصَاغِ **وَکَذٰلِکَ سَوَّلَتْ** زَیَّنَتْ **لِیْ نَفْسِیْ** ﴿۹۶﴾ وَاُلْقِیَ فِیْھَا اَنْ اٰخُذَ قَبْضَۃً مِنْ تُرَابِ مَاذَکَرُوْا اُلْقِیْھَا عَلٰی مَالَا رُوْحَ لَہٗ یَصِیْرُ لَہٗ رُوْحٌ وَرَاَیْتُ قَوْمَکَ طَلَبُوْا مِنْکَ اَنْ تَجْعَلَ لَھُمْ اِلٰھًا فَحَدَّثَتْنِیْ نَفْسِیْ اَنْ یَّکُوْنَ ذٰلِکَ الْعِجْلُ اِلٰھَھُمْ **قَالَ** لَہٗ مُوْسٰی **فَاذْھَبْ** مِنْ بَیْنِنَا **فَاِنَّ لَکَ فِی الْحَیٰوۃِ** اَیْ مُدَّۃَ حَیَاتِکَ **اَنْ تَقُوْلَ** لِمَنْ رَاَیْتَہٗ **لَامِسَاسَ** اَیْ لَاتَقْرَبْنِیْ فَکَانَ یَھِیْمُ فِی الْبَرِّیَّۃِ وَاِذَا مَسَّ اَحَدًا اَوْمَسَّہٗ اَحَدٌ حُمَّا جَمِیْعًا **وَاِنَّ لَکَ مَوْعِدًا** لِعَذَابِکَ **لَّنْ تُخْلَفَہٗ** بِکَسْرِ اللَّامِ اَیْ لَنْ تَغِیْبَ عَنْہُ وَبِفَتْحِھَا اَیْ بَلْ تُبْعَثُ اِلَیْہِ **وَانْظُرْ اِلٰٓی اِلٰھِکَ الَّذِیْ ظَلْتَ** اَصْلُہٗ ظَلِلْتَ بِلَامَیْنِ اُوْلٰھُمَا مَکْسُوْرَۃٌ وَحُذِفَتْ تَخْفِیْفًا اَیْ دُمْتَ **عَلَیْہِ عَاکِفًا** اَیْ مُقِیْمًا تَعْبُدُہٗ **لَنُحَرِّقَنَّہٗ** بِالنَّارِ **ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّہٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا** ﴿۹۷﴾ لَنُذَرِّیَنَّہٗ فِی ھَوَاءِ الْبَحْرِ وَفَعَلَ مُوْسٰی بَعْدَ ذَبْحِہٖ مَا ذَکَرَہٗ **اِنَّمَآ اِلٰھُکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَسِعَ کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا** ﴿۹۸﴾ تَمْیِیْزٌ مُحَوَّلٌ مِنَ الْفَاعِلِ اَیْ وَسِعَ عِلْمُہٗ کُلَّ شَیْءٍ

كَذٰلِكَ اَیْ كَمَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ هٰذِهِ الْقِصَّةَ **نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ** اَخْبَارِ **مَا قَدْ سَبَقَ** ۚ مِنَ الْاُمَمِ
وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ اَعْطَيْنَاكَ **مِنْ لَّدُنَّا** مِنْ عِنْدِنَا **ذِكْرًا** ﴿۹۹﴾ قُرْاٰنًا **مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ** فَلَمْ يُؤْمِنْ بِهٖ **فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ**
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ حِمْلًا ثَقِيْلًا مِنَ الْاِثْمِ **خٰلِدِيْنَ فِيْهِ** ۭ اَیْ فِیْ عَذَابِ الْوِزْرِ **وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ**
حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ تَمْيِيْزٌ مُفَسِّرٌ لِلضَّمِيْرِ فِیْ سَاءَ وَالْمَخْصُوْصُ بِالذَّمِّ مَحْذُوْفٌ تَقْدِيْرُهٗ وِزْرُهُمْ وَاللَّامُ لِلْبَيَانِ
وَيُبْدَلُ مِنْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **يَّوْمَ يُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ** الْقَرْنِ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ **وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ** الْكٰفِرِيْنَ **يَوْمَئِذٍ**
زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ عُيُوْنُهُمْ مَعَ سَوَادِ وُجُوْهِهِمْ **يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ** يَتَسَارُّوْنَ **اِنْ مَا لَّبِثْتُمْ** فِی الدُّنْيَا **اِلَّا**
عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ مِنَ اللَّيَالِیْ بِاَيَّامِهَا **نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ** فِيْهِ ذٰلِكَ اَیْ لَيْسَ كَمَا قَالُوْا **اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ**
اَعْدَلُهُمْ **طَرِيْقَةً** فِيْهِ **اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا** ﴿۱۰۴﴾

ع ۵/۱۵ ۱۴

ترجمہ:.........اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ (سرزمین مصر سے ان اسر میں ہمزہ قطعی اور ماخوذ ہے یہ اسریٰ سے یا ہمزہ وصلی ہے اور ان کے نون کو کسرہ ہے۔ اس صورت میں ماخوذ ہوگا سری یسری سے۔ بہرحال یہ دو لغت ہیں۔ اسریٰ و سریٰ۔ اسریٰ کی صورت میں لازم ہوگا اور سریٰ کا تعدیہ با کے ساتھ کرنا ہوگا) پھر ان کے لئے سمندر میں خشک راستہ بنالینا (یعنی سمندر پر اپنی لاٹھی مارو۔ ہم سمندر میں راستہ بنادیں گے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے حسب حکم سمندر پر اپنی لاٹھی ماری جس کے نتیجہ میں اس سے خشک راستہ نکل آیا اور یہ سب کے سب بسہولت اس سمندر کو عبور کر گئے) نہ تو تم کو تعاقب کا اندیشہ ہوگا اور نہ تم کو خوف ہوگا (یعنی نہ تو فرعون تم کو پکڑ سکے گا اور نہ تمہیں ڈوب جانے وغیرہ کا خوف ہوگا) پھر فرعون نے اپنے لشکر سمیت ان کا پیچھا کیا (پیچھا کرنے والوں میں خود فرعون بھی ساتھ تھا) تو دریا جیسا ان پر ملنا تھا آملا (یعنی جب فرعون نے تعاقب کرتے ہوئے اس خشک راستہ سے گزرنا چاہا جس سے موسیٰ علیہ السلام گزرے تھے تو وہ سمندر کا راستہ ختم ہوکر ایک جانب کا پانی دوسری جانب سے جاملا۔ جس کے نتیجہ میں وہ غرق ہوگیا) اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا تھا (اپنی عبادت کرا کے) اور سیدھی راہ پر نہ لایا (یعنی ان کو ہلاک کردیا۔ اور اپنے اس وعدہ کے خلاف کیا کہ ہم تمہیں سیدھی راہ کی طرف لے جارہے ہیں) اے بنی اسرائیل ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی فرعون سے اسے غرق کرکے) اور تم سے وعدہ کیا طور سے داہنی جانب سے متعلق (یعنی تمہارے لئے احکام نازل کرنے کا وعدہ ہے۔ سو ہم موسیٰ کو توریت دیں گے تاکہ تم اس کے مطابق عمل کرو) اور تمہارے اوپر من وسلویٰ اتارا (یعنی ترنجبین اور بٹیر۔ سمانی میں میم مخفف ہے اور اخیر میں الف مقصورہ اور یا بنی اسرائیل میں منادی ہر وہ یہودی ہے جو آنحضور ﷺ کے دور میں موجود تھا۔ ذکر ان نعمتوں کا کیا گیا جو یہود کے آباء واجداد پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں کی گئی تھیں۔ گویا یہ تمہید ان مضامین کے لئے جو آئندہ آنے والے ہیں) ان نفیس چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہے اور اس باب میں حد سے مت گزر جاؤ (کفران نعمت کرکے) ورنہ تم پر میرا غضب واقع ہوجائے گا (فیحل اگر حا کے کسرہ کی ساتھ پڑھیں تو یجب کے معنی میں ہوگا کہ میرا غضب تمہارے لئے ضروری ہوگیا اور اگر حا کو پیش پڑھیں تو ینزل کے معنی میں ہوگا کہ میرا غضب تم پر نازل ہوگا) اور جس پر میرا غضب واقع ہوا (یہاں بھی یحلل کے حاء کو کسرہ اور ضمہ دونوں ہوسکتا ہے اور اسی کے مطابق معنی ہوں گے) وہ یقیناً گر کر رہا (یعنی جہنم میں پہنچ گیا) اور میں تو بڑا بخشنے والا ہوں۔ اس کا جو توبہ کرے (شرک سے) اور

ایمان لے آئے (یعنی خدا کی وحدانیت کا اقرار کرے) اور نیک عمل کرنے لگے۔ پھر راہ پر قائم رہے (یعنی جو فرائض ونوافل کا اہتمام رکھے اور تاحیات اس پر جما بھی رہے) اور اے موسیٰ آپ کی اپنی قوم سے آگے جلدی آنے کا کیا سبب ہوا (یعنی توریت کے ملنے کی مدت آتے ہی قوم کو پیچھے چھوڑ کر تم نے اتنی جلدی کیوں کی) عرض کی کہ وہ لوگ تو میرے پیچھے ہیں (یعنی وہ لوگ بھی میرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں) اور میں تو آپ کے پاس اے پروردگار! جلدی اس وجہ سے چلا آیا تا کہ آپ خوش ہو جائیں (یعنی میں نے آنے میں جلدی اس وجہ سے کی تا کہ آپ کی مزید خوشنودی مجھے حاصل ہو جائے۔ اور انہوں نے اپنے گمان کے مطابق یہ کہہ دیا کہ وہ تو میرے پیچھے آرہے ہیں۔ اسی کو خدا تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ) تمہاری قوم کو تو ہم نے تمہارے بعد ایک آزمائش میں ڈال دیا ہے (تمہارے ان سے جدا ہونے کے بعد) انہیں سامری نے گمراہ کر دیا ہے (اور ان لوگوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی ہے) غرض موسیٰ اپنی قوم کے پاس آئے، غصہ اور رنج سے بھرے ہوئے (اپنی قوم کی اس حرکت پر) بولے اے میری قوم والو! کیا تم سے تمہارے پروردگار نے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا (توریت کے دینے کا) سو کیا تم پر زیادہ زمانہ گزر گیا تھا (مجھ سے جدائی کا) یا تم نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کا غضب واقع ہو کر رہے (اس وجہ سے تم نے بچھڑے کی پرستش شروع کی) اس لئے تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی (اور میرے پیچھے پیچھے تم نہیں آئے) وہ کہنے لگے ہم نے جو آپ سے وعدہ کیا اس کی خلاف ورزی اپنی خوشی سے نہیں کی (**ملکنا** کے میم میں فتحہ، کسرہ، ضمہ تینوں اعراب ہیں) البتہ ہوا یہ کہ ہم پر قوم کے زیوروں سے بوجھ لدر ہا تھا (یعنی فرعون کی قوم کے زیورات جو اسرائیلیوں نے عرس کے موقعہ پر ان سے عاریۃً لئے تھے وہ اب تک انہیں کے پاس تھے) سو ہم نے اسے ڈال دیا (آگ میں سامری کے حکم سے) پھر اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیا (یعنی اس نے بھی وہ زیورات جو اس کے پاس تھے آگ میں ڈال دیئے اور ساتھ ہی وہ مٹی بھی جو اس نے زمین سے جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے کھر کے نیچے سے لی تھی) پھر اس نے ان لوگوں کے لئے ایک بچھڑا ظاہر کیا (جو زیورات سے ڈھالا گیا تھا) کہ وہ ایک قالب تھا (گوشت اور خون کا) جس میں ایک آواز تھی (اور یہ انقلاب اس مٹی کے نتیجہ میں پیدا ہوا جس میں حیات کے آثار پائے جاتے تھے اور جسے ڈھانچہ تیار کرنے کے بعد اس کے منہ میں ڈال دیا گیا تھا) سو وہ کہنے لگے (یعنی سامری اور اس کے متبعین) کہ یہی تو ہے تمہارا اور موسیٰ کا معبود۔ سو وہ تو اسے بھول گئے (یعنی موسیٰ تو دھوکہ میں ہیں، وہ اس کو یہیں بھول گئے اور نہ معلوم کہاں ڈھونڈنے کے لئے چلے گئے) کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے (**ان مخففہ من الثقیلہ** ہے اور ان کا اسم محذوف۔ ہے۔ اصل عبارت ہے **انہ**) کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی نقصان یا نفع پر قدرت رکھتا ہے (یعنی انہیں اتنا بھی ہوش نہیں کہ وہ بچھڑا نہ ان کی باتوں کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی نقصان ونفع میں شریک۔ پھر کس طرح وہ اسے معبود بنا بیٹھے) اور ان لوگوں سے ہارون نے پہلے ہی کہا تھا (یعنی موسیٰ علیہ السلام کے لوٹنے سے پہلے) کہ اے میری قوم والو! تم ان کے باعث گمراہی میں پھنس گئے ہو۔ بے شک تمہارا پروردگار! خدائے رحمٰن ہے۔ سو تم میری پیروی کرو (خدا تعالیٰ کی عبادت میں) اور میرا حکم مانو (اس سلسلہ میں) وہ لوگ بولے۔ ہم تو اسی پر جمے رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام ہمارے پاس لوٹ آئیں (یعنی ہم موسیٰ کے لوٹنے تک اسی کی عبادت پر جمے رہیں گے) کہا (موسیٰ علیہ السلام نے لوٹنے کے بعد) کہ اے ہارون! تمہیں کون سا امر مانع ہوا اس سے کہ میرے پاس چلے آتے جب تم نے دیکھ لیا تھا کہ یہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کیا تم نے بھی میرے کہنے کے خلاف کیا (اور ان لوگوں کے درمیان پڑے رہے جو غیر اللہ کی عبادت کر رہے تھے؟ ہارون نے) کہا اے میرے ماں جائے (**امی** یا **ام** فتحہ اور کسرہ دونوں طرح اس کا استعمال ہے۔ ماں کا تذکرہ اس لئے کیا تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب میں جذبات شفقت ورحمت پیدا ہوں) میری داڑھی

اور میرا سر نہ پکڑو (موسیٰ علیہ السلام نے غصہ میں داڑھی کے بائیں جانب کا حصہ اور سر کے بال کے داہنی جانب کا حصہ پکڑ رکھا تھا) مجھے تو یہ اندیشہ ہوا (کہ اگر میں آپ کی اتباع کروں گا تو جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی تھی وہ بھی میرے ساتھ ہو لیتے۔ جس کے نتیجہ میں بنی اسرائیل میں تفریق پڑ جاتی) کہ کہیں تم یہ کہنے لگو کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان تفریق ڈالی اور میری بات کا انتظار نہ کیا (یعنی کہیں آپ بنی اسرائیل میں تفریق ڈالنے کے جرم میں مجھ پر غصہ نہ ہو بیٹھتے اور یہ نہ کہہ دیتے کہ اس سلسلہ میں تم نے میرا انتظار کیوں نہیں کیا) کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) کہ اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے تم نے یہ کیا حرکت کی) وہ بولا مجھے ایسی چیز نظر آئی جو اوروں کو نظر نہ آئی تھی (یبصروا اور تبصروا دونوں قرأت ہے) سو میں نے اس فرستادہ کے نقش قدم سے (یعنی جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے کھر کے نیچے سے) ایک مٹھی (مٹی کی) اٹھالی تھی۔ میں نے وہ مٹی اس قالب میں ڈال دی تھی (یعنی اس بچھڑے میں جو ڈھالا گیا تھا) اور میرے جی کو تو یہی بھائی تھی (کہ میں مٹی کی ایک مٹھی جبرئیل کے گھوڑے کے کھر کے نیچے سے اٹھالوں اور اسے کسی بے جان چیز میں ڈال دوں تا کہ اس کے اندر جان پیدا ہو جائے اور میں نے دیکھا کہ تمہاری قوم کا تم سے یہ مطالبہ ہے کہ تم ان کے لئے کوئی معبود تیار کرو۔ تو میں نے مناسب سمجھا کہ یہ بچھڑا ان کے لئے بہترین معبود ہوگا) کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) تو پھر جا (ہمارے درمیان سے) تیرے لئے زندگی میں (یعنی تاحیات) یہ سزا ہے کہ تو یہ کہتا پھرے کہ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے (یعنی مجھ سے کوئی قریب نہ ہو جائے۔ پس وہ چوپایوں میں پھرنے لگا اور جو کوئی اسے چھو لیتا یا وہ جس کو چھو لیتا تو اسے بخار چڑھ جاتا) اور تیرے لئے ایک (اور) وعید ہے (آخرت کے عذاب کی) جو تجھ سے ٹلنے والا نہیں ہے اور تو اپنے اس معبود کو دیکھ جس پر تو جما ہوا بیٹھا ہے (یعنی اس کی پرستش پر قائم ہے۔ ظلت کی اصل ظللت ہے۔ پہلے لام مکسور کو تخفیف کے لئے حذف کر دیا گیا) ہم اس کو ابھی جلا ڈالتے ہیں۔ پھر اس کو دریا میں بہا دیتے ہیں (موسیٰ علیہ السلام نے اپنے قول کے مطابق اس بچھڑے کو ذبح کر کے جلا ڈالا اور راکھ دریا میں بہادی) تمہارا معبود تو وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے ہر شے کو علم سے گھیر رکھا ہے (علماً اصل میں تمیز ہے جسے فاعل میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ معنی ہوا اس کا علم ہر چیز پر پھیلا ہوا ہے) اسی طرح (یعنی جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا) ہم آپ سے اور گزرے ہوئے (واقعات) کی خبریں بیان کرتے ہیں (پچھلی قوموں کے) اور ہم نے اپنے پاس سے آپ کو ایک نصیحت نامہ دیا ہے (یعنی قرآن) جو کوئی اس سے روگردانی کرے گا (اور اس پر ایمان نہیں لائے گا) وہ قیامت کے دن بوجھ اٹھائے ہوگا (گناہوں کا) وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے (یعنی ہمیشہ بوجھ کے نیچے دبے رہیں گے) اور یہ قیامت کے دن ان کے لئے بڑا بوجھ ہوگا۔ (حملاً تمیز ہے جو ساء کی ضمیر کی تفسیر ہے اور مخصوص بالضم محذوف ہے تقدیر عبارت ہے وزرھم۔ لھم میں لام بیان کے لئے ہے اور یوم قیامۃ سے بدل واقع ہو رہا ہے۔ یوم ینفخ فی الصور) جس روز صور پھونکا جائے گا (یہ نفخ ثانی ہوگا) اور مجرموں کو (یعنی کافرین کو) اس روز جمع کریں گے کہ وہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے (اور اسی کے ساتھ چہرے سیاہ ہوں گے) آپس میں چپکے چپکے باتیں کر رہے ہوں گے۔ تم لوگ تو بس دس (ہی) دن رہے ہو گے (دنیا میں) ہم ہی خوب جانتے ہیں، جس کی نسبت وہ باتیں کر رہے ہیں (یعنی مدت اتنی ہی نہیں تھی جتنی یہ کہہ رہے ہیں۔ اسے تو ہم ہی اچھی طرح جانتے ہیں) جبکہ ان میں کا سب سے زیادہ صائب الرائے یہ کہتا ہوگا کہ تم تو بس ایک دن رہے (دنیا کے قیام کو آخرت کی ہولناکیوں کے مقابلہ میں بہت ہی مختصر سمجھ رہے ہوں گے)۔

تحقیق وترکیب:........... **فاضرب لھم طریقاً**. طریقاً مفعول بہ ہے اور بطور مجاز اسے مفعول بہ بنایا گیا ہے۔ کیونکہ یہ راستہ دریا پر لاٹھی مارنے سے وجود پذیر ہوگا۔ معنی یہ ہیں کہ دریا پر لاٹھی مارنے سے اس کے نتیجہ میں راستہ بن جائے گا۔ اس طرح

ضرب کی نسبت طریق کی جانب صحیح ہوگی اور یہ بھی ہے کہ اضــرب اجــعــل لهــم کے معنی میں ہو۔معنی ہوں گے کہ راستہ بنا دیجئے۔ طــریــق سے یہاں جنس مراد ہے۔ کیونکہ قبائل بنواسرائیل کی تعداد کے مطابق بارہ راستے نمایاں ہوئے تھے۔ فی البحر سے مراد بحراحمر کا شمالی خلیج ہے۔

مـاغشيهم یہ جوامع الکلم میں سے ہے۔ الفاظ کے اختصار کے باوجود کثیر معنی اس سے مفہوم ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پانی اس قدر کثیر مقدار میں چڑھ آیا جس کی عمق وگہرائی خدا تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔

نـزلنا. وادی تیہ میں انہیں من دیا گیا۔ یہ ایک سفید رنگ کی میٹھی چیز تھی۔ بقول مفسرین اس کے نزول کا سلسلہ صبح سے طلوع شمس تک جاری رہتا اور ہر شخص کو کافی مقدار میں ملتا۔ ہوائیں چلتیں تو بٹیران کے پاس پہنچ جاتے اور پانی کے انتظام کے لئے چشمے مہیا ہو گئے تھے۔

طیبٰت. وہ چیزیں جو حلال ہیں اور ساتھ ہی لذیذ بھی۔ کـلوا. امر کا صیغہ ہے لیکن اس سے مراد حکم نہیں، بلکہ اجازت مفہوم ہے۔ ھویٰ کے لفظی معنی پہاڑ سے گرا اور ہلاک ہو گیا۔

مااعجلك عن قومك. خدا تعالیٰ نے حکم فرمایا تھا کہ جب توریت لینے آ ؤ تو ان افراد کو بھی اپنے ساتھ لیتے آنا جن کی تعداد ستر تھی۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام شوق میں تو آگے چلے گئے اور ان افراد کو کہا کہ تم میرے پیچھے پیچھے آ جاؤ۔ انہیں کے متعلق سوال ہو رہا ہے کہ وہ افراد کہاں ہیں اور تم نے آنے میں جلدی کیوں کی۔

اضلهــم السامری. سامری کی تحقیق یہ ہے کہ اس شخص کا نام موسیٰ بن ظفر ہے۔ قبیلہ سامرہ کا رہنے والا تھا اس وجہ سے اسے سامری کہہ دیا۔ فاخرج لهم عجلا کا عطف و اضلهم السامری پر ہے۔

جسداً. حال ہے عجل سے۔ یعنی ان کے لئے ایک بچھڑا جسد کی شکل میں تیار کیا۔ بعض اہل لغت نے تصریح کی ہے۔ جس کا اطلاق حیوان عاقل ہی پر ہوتا ہے۔ مثلاً: انسان، ملائکہ اور جن۔

فـنـسـی. یا تو یہ سامری کا قول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام معبود کو تو یہاں چھوڑ کر طور پر تلاش کرنے گئے یا یہ کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ سامری اپنے رب کو بھول گیا اور جن چیزوں پر وہ ایمان لایا تھا ان سب کو چھوڑ چھاڑ دیا۔

الاتتبعن. لا زائد ہے اور تتبعن کے لفظی معنی یہ ہیں کہ میری پیروی کرتے۔ یعنی یہ کہ میرے پاس طور پر چلے آتے۔

یبنـؤم. حضرت ہارون علیہ السلام کا اے ابن ام کہہ کر مخاطب کرنا بطور شفقت کے تھا۔ جیسا کہ اسرائیلیوں میں اس کا رواج تھا۔ اس سے یہ سمجھنا غلط ہے کہ وہ صرف ماں شریک بھائی تھے۔

زرقــا. نیلی آنکھوں والے۔ یہ اس وجہ سے کہا کہ عرب آنکھوں کے نیلے پن کو بہت برا رنگ سمجھتے تھے۔ کیونکہ ان کے دشمن اہل روم کی آنکھیں نیلی ہوتی تھیں۔ زرق کے دوسرے معنی اندھے کے بھی کئے گئے ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حشر میں کفار اندھے ہوں گے۔

﴿تشریح﴾:.......... **فرعون کی غرق آبی**:.......... جب ان ساحروں سے نمٹ چکے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کی تقریریں فرعون پر اثر انداز نہ ہوئیں تو حکم خداوندی ملا کہ تمام بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر راتوں رات مصر سے روانہ ہو جاؤ۔ آپ حسب حکم بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ مصر سے فلسطین جانے کے دو راستے تھے۔ ایک خشکی کا راستہ جو قریب کا راستہ تھا اور دوسرا بحر احمر کا راستہ جو دریا کو عبور کر کے بیابان تیہ سے ہوتے ہوئے فلسطین پہنچتا ہے اور یہ راستہ دور کا ہے۔ لیکن

مصلحت خداوندی یہی تھی کہ قریب کا راستہ چھوڑ کر دور کا راستہ اختیار کیا جائے اور بحر احمر کو عبور کیا جائے۔

جب اس کی اطلاع فرعون کو پہنچی تو وہ بہت پریشان ہوا اور حکم دیا کہ لشکر کو جمع کر لیا جائے اور پھر خود اس لشکر کو لے کر موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں نکل پڑا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مع اسرائیلیوں کے سمندر پر پہنچے تو پریشانی ہوئی کہ اب اس سمندر کو کس طرح عبور کریں۔ ادھر اس کا اندیشہ تھا کہ کہیں فرعون کو فرار کی اطلاع ہو جائے اور وہ تعاقب کرتا ہوا یہاں نہ آ پہنچے۔ تو وحی نازل ہوئی کہ اے موسیٰ! اپنی لکڑی کو سمندر پر مارو۔ جس کے نتیجہ میں خشک راستہ نکل آئے گا۔ لکڑی پانی پر مارنا تھا کہ پانی دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور بیچ سے خشک راستہ نکل آیا۔ جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تمام بنی اسرائیل باآسانی و بحفاظت سمندر پار کر گئے۔

راستہ اب بھی اسی انداز میں موجود تھا کہ اتنے میں فرعون بھی مع اپنے لشکر کے آ پہنچا۔ اس نے جو دیکھا کہ سمندر کے بیچ میں خشک راستہ بنا ہوا ہے اور اسرائیلی سمندر کے اس جانب میں موجود ہیں تو اس نے فوراً اپنے لشکر کو حکم دیا کہ اس رستہ سے سمندر پار کر کے اسرائیلیوں کو جا پکڑو۔ اس کا سمندر میں اترنا تھا کہ دونوں طرف سے پانی آ ملا اور فرعون معہ تمام لشکر کے ڈوب گیا۔ اس طرح سے دنیا نے دیکھ لیا کہ فرعون کی دینی رہنمائی تو غلط تھی ہی، دنیاوی اعتبار سے بھی وہ کتنے نقصان میں رہا اور خود بھی اور اپنے ساتھ اپنے متبعین کو بھی ہلاک کرا کے رہا۔

واقعہ کی تفصیلات معلوم ہونے کے بعد اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے سمندر کا راستہ اسی وجہ سے منتخب کیا تھا کیونکہ فرعون تعاقب کرتا ہوا اسرائیلیوں کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اگر سمندر کا معجزہ پیش نہ آتا تو وہ ان کو واپس مصر لے جانے میں کامیاب ہو جاتا۔

انعامات:............ اب اس کے بعد خدا تعالیٰ ان احسانات کا تذکرہ کر رہے ہیں جو بنی اسرائیل پر کئے گئے ہیں۔ فرما رہے ہیں کہ ہم نے تمہیں دشمنوں سے نجات دی اور تمہارے سامنے ان کو غرق کر دیا۔ یہودی اس تاریخ کو موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے مقابلہ میں کامیابی کی خوشی میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ جب آنحضور ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہمیں تو تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام سے قرب ہے اور اسی دن آپ نے اپنی امت کو عاشورہ کے روزہ کا حکم دیا۔

خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے دوسرا احسان یہ کیا کہ تمہارے پیغمبر اور چند منتخب افراد کو طور پر بلایا تا کہ تمہیں کتاب ہدایت عطا کروں اور یہ بھی میرا احسان ہے کہ ہم نے مقام تیھہ میں تمہارے لئے من وسلویٰ اتارا۔ من برف کے مانند کوئی میٹھی چیز ہوتی تھی اور سلویٰ ایک پرندہ تھا جو بھنا ہوا اترتا تھا۔ اسی کے متعلق حکم ہے کہ ہم نے جو تمہیں یہ نعمتیں دی ہیں اسے کھاؤ اور حرام چیزوں کو استعمال میں نہ لاؤ اور ان نعمتوں کو کھا کر پھر کفران نعمت نہ کرو۔ ورنہ میرا غضب نازل ہو جائے گا اور تمہیں معلوم ہے کہ جس پر میرا غضب نازل ہو جاتا ہے وہ کتنا بدبخت و بدنصیب ہوتا ہے۔ سوائے ہلاکت و بربادی کے اس کے حصہ میں کچھ نہیں آتا تھا۔ البتہ وہ لوگ بچ جاتے ہیں جو صدق دل سے توبہ کر لیتے ہیں اور پھر اس پر جمے رہتے ہیں۔ بشرطیکہ ان کے پاس ایمان بھی ہو اور عمل صالح کا اہتمام کرتا ہو۔

قوم کا مطالبہ:............ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر پار کر کے مقام تیھہ میں کسی ایسی جگہ پہنچے جہاں لوگ بت بنا کر اس کی پرستش کیا کرتے تھے تو آپ کی قوم نے بھی مطالبہ کیا کہ اے موسیٰ! ہم لوگوں کے واسطے بھی کوئی معبود بنا دیجئے۔ جس کی ہم پرستش کریں۔ جس پر موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سمجھا بجھا کر خاموش کر دیا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا کہ چند منتخب افراد کے ساتھ طور پر آ جاؤ تا کہ امت کے واسطے کتاب ہدایت عطا کروں۔ تو شوق میں موسیٰ علیہ السلام ان افراد کو اپنے پیچھے آنے کا حکم دے کر خود جلدی

سے طور پر پہنچ گئے۔ تو اس وقت خدا تعالیٰ نے پوچھا کہ تم نے آنے میں اتنی جلدی کیوں کی اور وہ منتخب افراد کہاں رہ گئے؟ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ بھی قریب ہی ہیں۔ میرے پیچھے آ رہے ہیں اور میں نے آنے میں جلدی اس وجہ سے کی تاکہ آپ کی خوشنودی حاصل ہو جائے۔

اس پر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے آنے کے بعد تمہاری قوم ایک نئے فتنہ میں مبتلا ہوگئی۔ اسے سامری نے گمراہ کر کے گئو سالہ پرستی میں لگا دیا ہے۔ قرآن مجید نے سامری کی تصریح اس وجہ سے ضروری سمجھی کہ توریت نے اس گئوسالہ پرستی کی ذمہ داری نعوذ باللہ خود حضرت ہارون علیہ السلام پر ڈال دی تھی تو قرآن کی تصریح سے معلوم ہوا کہ مجرم حضرت ہارون علیہ السلام نہیں بلکہ سامری تھا۔

سامری: .... سامری کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ کون تھا؟ سامری اس کا نام تھا یا لقب۔ تو بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ قبیلہ سامرہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس وجہ سے اسے سامری کہا جاتا تھا۔ لیکن یہ اس وجہ سے صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ یہ قبیلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت موجود ہی نہیں تھا بلکہ بہت بعد میں آباد ہوا اور بعض کی رائے یہ ہے کہ قبیلہ شامر کی جانب منسوب ہے جو عبرانی لفظ ہے اور عربی میں یہی تبدیل ہو کر سامر بن گیا اور ایک رائے یہ ہے کہ یہ سمیری قوم کا ایک فرد ہے اور قوم سمیری کو عرب میں پہلے سے سامرہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اور اب بھی عراق میں یہ قوم آباد ہے اور اسی سامرہ کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ یہی تحقیق زیادہ راجح اور صحیح معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال ان اقوال سے معلوم ہوا کہ سامری نام نہیں بلکہ لقب ہے اور یہ کہ وہ شخص اسرائیلی نہیں بلکہ سامری تھا اور مصر سے آتے ہوئے یہ بھی ویسے ہی اسرائیلیوں کے ساتھ ہو لیا تھا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام طور سے واپس ہوئے تو اپنی قوم پر بہت غصہ ہوئے اور اس بری حرکت پر بہت برا بھلا کہا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے تم سے نزول شریعت کا وعدہ کیا تھا۔ جس کے لئے میں طور پر گیا ہوا تھا۔ نیز تم لوگوں پر خدا تعالیٰ کے کتنے احسانات اور انعامات ہیں۔ مگر تم نے اس کا بھی کوئی خیال نہیں کیا اور اس لغو حرکت میں مبتلا ہو گئے۔ تم تو مجھ سے کئے ہوئے وعدہ دین حق پر قائم رہنے کو بھی بھلا بیٹھے۔ کیا مجھے گئے ہوئے اتنا زمانہ ہو گیا تھا کہ میری واپسی سے بالکل مایوس ہو گئے تھے۔ جس کے نتیجہ میں یہ حرکت کر بیٹھے اور اپنے آپ کو خدا کے عذاب میں پھنسا لیا۔ تفسیری بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک مہینہ کے اعتکاف کی نیت سے طور پر تشریف لے گئے تھے اور اپنی عدم موجودگی میں اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنا گئے۔ لیکن وہاں بجائے ایک مہینہ کے چالیس دن آپ کا قیام رہا۔ اور جب آپ کو قوم کی گمراہی کی اطلاع ہوئی تو فوراً واپس آئے اور پوچھ گچھ شروع کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ڈانٹ ڈپٹ پر اسرائیلی معذرت کرنے لگے اور کہا کہ یہ سب کچھ ہم نے اپنے ارادہ سے نہیں کیا بلکہ اس سامری نے ہمیں بہکا کر ان تمام زیورات کو جو ہم نے فرعونیوں سے مستعار لئے تھے سب کو آگ میں ڈلوا دیا اور جب وہ پگھل گئے تو اس سے بچھڑے کی صورت بنائی اور اس میں مٹی ڈال دی جس کے نتیجہ میں وہ بولنے لگا۔ پھر سامری نے ہم لوگوں کو بہکایا کہ تمہارا معبود تو یہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو بھول ہوگئی اور وہ طور پر توریت لینے کو چلے گئے۔ بدقسمتی سے ہم اس کے بہکائے میں آ گئے۔

نسی کی اگر نسبت سامری کی طرف کریں تو اس صورت میں معنی ہوں گے کہ سامری خدا اور اس کے دین کو بھول بیٹھا اور ایک ایسی چیز کی پرستش میں لگ گیا جو نہ کچھ سن سکے اور نہ کوئی بات سمجھ سکے اور نہ کسی طرح کا نفع ونقصان ہی پہنچا سکے۔

فہمائش: .... یہ صورت حال دیکھ کر ہارون علیہ السلام نے قوم کو بہت سمجھایا کہ تم کس چکر میں پھنس گئے ہو۔ سامری کی یہ ساری چیزیں لغو اور باطل ہیں۔ واقعی معبود اور پرستش کے قابل تو خدا تعالیٰ ہیں۔ میں جو کچھ کہتا ہوں اسے سنو۔ میں تمہیں سیدھے

راستے پر لے جا رہا ہوں۔

چونکہ مروجہ توریت نے اس جرم میں حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی ملوث کر دیا تھا اس لئے قرآن مجید نے ضروری سمجھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی برأت کرے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کے منع کرنے پر اسرائیلیوں نے جواب دیا کہ ابھی تو ہمیں اسی حالت پر چھوڑ دو۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آ جائیں گے تو دیکھا جائے گا کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ پھر اسی کے مطابق عمل کریں گے۔

موسیٰ علیہ السلام کی واپسی: .... جب موسیٰ علیہ السلام طور سے واپس آئے تو غصہ میں پہلے تو قوم کو ڈانٹ ڈپٹ کی۔ جب ان سے نمٹے تو حضرت ہارون علیہ السلام کو مخاطب کیا۔ جنہیں وہ اپنا جانشین و نائب بنا کر گئے تھے۔ غصہ کی حالت میں ان کے سر کے بال اور ڈاڑھی پکڑ کر کہنے لگے کہ تم نے بھی میری مخالفت شروع کر دی تھی۔ تم کو میں نے جب اپنا نائب بنایا تھا تو تمہیں قوم کو سنبھالنا چاہیئے تھا اور جب تم نے دیکھا کہ قوم گمراہی میں مبتلا ہو چکی ہے تو ہمیں فوراً خبر کرنی چاہیئے تھی۔ یا یہ کہ ان سے قطع تعلق کر کے طور پر آ جانا چاہیئے تھا۔ تم ان کی غلط حرکتوں کو کیوں دیکھتے رہے۔ اس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میرے بھائی میرا عذر تو سن لیجئے پھر کوئی فیصلہ کیجئے گا۔ میں نے تو اس خیال سے اطلاع نہیں دی کہ کہیں آپ مجھ سے خفا نہ ہو جائیں کہ تم نے ان کو تنہا کیوں چھوڑ دیا۔ یا یہ کہ تم نے ان کے درمیان اختلاف کیوں ڈال دیا۔ کیونکہ ظاہر ہے جب میں یہاں سے روانہ ہوتا تو وہ لوگ بھی میرے ساتھ ہو لیتے جنہوں نے بت پرستی نہیں کی تھی۔ اس طرح کچھ میرے ساتھ ہوتے اور کچھ یہیں رہ جاتے۔ اس اختلاف کے اندیشہ سے میں یہاں سے روانہ نہیں ہوا، ورنہ میں ضرور آپ تک پہنچتا۔

جب حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف سے بھی عذر و معذرت آ گئی تو پھر سامری سے باز پرس کی گئی کہ تم نے یہ کیا حرکت کی اس پر اس نے کہا کہ مجھے ایک ایسی چیز کا پتہ چلا جس کا علم کسی کو نہیں ہو سکا۔ وہ یہ کہ جب جبرئیل علیہ السلام فرعون کی ہلاکت کے لئے تشریف لائے تو میں نے ان کے کھر کے نیچے کی مٹی اٹھالی۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سامری نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو گھوڑے پر سوار دیکھ لیا تھا اور یہ کہ ان کے گھوڑے کا پاؤں جس جگہ پر بھی پڑتا ہے زمین ہری اور سرسبز ہو جاتی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر اس نے اپنی عقل سے یہ فیصلہ کیا کہ یقیناً پیر کے نیچے کی مٹی میں حیات بخش تاثیر معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ اس نے اس میں سے کچھ مٹی اٹھا کر اپنے پاس رکھ لی۔ اسی کو کہہ رہا ہے کہ میں نے اس مٹی کو اس ڈھانچہ میں ڈال دیا اور یہ کہ اس کام کی کوئی دلیل عقلی یا شرعی تو میرے پاس ہے ہی نہیں۔ البتہ میرے دل کو یہی پسند آیا جسے میں نے کر ڈالا۔

اس آیت کی دوسری تفسیر جمہور مفسرین کے خلاف ابو مسلم اصفہانی نے کی ہے اور بعض دوسرے مفسرین نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ **فبصرت بما لم یبصروا** کے معنی ہیں کہ سامری حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق پر نہیں سمجھتا تھا اور **قبضت قبضة من اثر الرسول** میں رسول سے مراد بجائے جبرئیل علیہ السلام کے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور اثر رسول سے مراد اتباع ہے اور **قبضةً** کا مطلب تھوڑی سی پیروی ہے اور **فنبذتها** سے مراد ترک اتباع ہے۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ سامری نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ جواب دیا کہ مجھ کو یہ بات سوجھی کہ آپ حق پر نہیں۔ لیکن اس کے باوجود میں نے کچھ آپ کا اتباع کر لیا تھا مگر میرا دل اس پر جم نہیں سکا۔ بالآخر میں نے اسے بھی چھوڑ دیا اور یہی بات میرے دل کو پسند آئی۔

یہ سارا قصہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے لئے دنیا میں یہ سزا تجویز کی کہ اس سے قطع تعلق کر لیا جائے اور اس کا کسی سے ملنا جلنا نہ رہے۔ حد تو یہ ہے کہ اسے کوئی ہاتھ بھی نہ لگائے۔ گویا سماج میں اسے اچھوت قرار دے دیا گیا۔ مولانا گیلانیؒ کی رائے یہ ہے کہ عجب نہیں ہندوستان میں جو چھوت چھات ہے اس کا تعلق اسی سامری کے اچھوتے پن سے ہو۔ تو یہ سزا تو دنیا میں مل گئی

اور دوسری سزا آخرت میں مل کر رہے گی اور رہا تمہارے معبود کا معاملہ تو اسے ہم ابھی جلا کر خاک کرڈالتے ہیں اور اس کی راکھ کو دریا میں بہادیتے ہیں تا کہ اس کا نام ونشان بھی نہ رہے۔ نہ یہ رہے گا اور نہ فتنہ ابھرے گا اور ساتھ ہی یہ بھی مقصد تھا کہ معبود باطل کا ضعف اور بے بسی کا منظر عملی طور پر بنو اسرائیل کے سامنے لے آئیں کہ وہ اپنی آنکھوں سے خود دیکھ لیں کہ سامری کا تیار کردہ بچھڑا اگر واقعی خدا ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کے اس اقدام کا مقابلہ کرتا۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے ایک عام تقریر کی کہ دنیا کی کوئی چیز معبود بننے کے قابل نہیں ہے۔ قابل پرستش تو صرف خدا ہی کی ذات ہوسکتی ہے۔ اس کے صفات میں کوئی بھی شریک نہیں اور اس کا علم بہت وسیع ہے۔ جس کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ذرے ذرے کا اسے علم ہے۔ اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔

داستاں سرائی اور اس کا مقصد: .... ارشاد خداوندی ہے کہ ہم نے آپ علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واقعات بالتفصیل سنائے اور اسی طرح پچھلی قوموں کے اور بھی قصے آپ کو سنانا چاہتے ہیں۔ تا کہ آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کی صداقت پر لوگوں کو یقین آجائے اور ہم نے تو آپ ﷺ کو ایک ایسی جامع ترین کتاب دی ہے کہ اس سے پہلے کسی بھی نبی کو ایسی کتاب نہیں ملی۔ قرآن میں تو اخلاقی ہدایات، قانونی دفعات اور زندگی گزارنے کے تمام طریقے موجود ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی اس سے اعراض اور روگردانی کرے گا تو اس گناہ کا بوجھ اپنے کاندھے پر اٹھائے قیامت میں حاضر ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس گناہ کا نتیجہ سوائے جہنم کے اور کچھ نہیں اور یہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ اور جس دن ہم صور پھونکیں گے اس دن یہ مجرمین اس حالت میں جمع ہوں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔ آنکھوں میں نیلا پن خوف ودہشت کی وجہ سے پیدا ہوجائے اور آنکھوں کے نیلے پن کو اس وجہ سے بیان کیا کہ عرب نیلی آنکھوں کو بہت مکروہ سمجھتے تھے۔ زرق کے دوسرے معنی اندھے کے بھی کئے گئے ہیں۔ تو مطلب ہوگا کہ آخرت میں یہ کفار اندھے جمع ہوں گے اور خوف ودہشت میں یہ کفار آپس میں چپکے چپکے باتیں کررہے ہوں گے کہ ہمارا خیال تو یہ تھا کہ مرنے کے بعد زندہ نہ ہوں گے۔ لیکن یہ تو بالکل غلط نکلا۔ نیز کچھ زیادہ دنوں تک بھی برزخ میں نہ رہنے پائے۔ مشکل سے دس دن رہے ہوں گے کہ پھر زندہ ہونا پڑا۔ دوسرے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ یہ برزخ کے قیام کے بارے میں گفتگو نہیں ہوئی بلکہ دنیاوی زندگی کے بارے میں کہیں گے کہ ہم تو دنیا میں ابھی مشکل سے دس دن ہی رہ پائے ہوں گے۔ اسی کو کہہ رہے ہیں کہ ہم ان کی اس چپکے چپکے باتیں کرنے کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ بلکہ ان کے عقلاء تو یہ کہیں گے کہ میاں دس دن بھی کہاں، ہم تو ایک ہی دن رہ پائے ہوں گے۔ غرضیکہ دنیاوی زندگی انہیں ایک خواب کی طرح معلوم ہوگی۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ كَيْفَ تَكُوْنُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **فَقُلْ لَهُمْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَفْسًا ﴿۱۰۵﴾** بِاَنْ يُفَتِّتَهَا كَالرَّمْلِ السَّائِلِ ثُمَّ يَطِيْرُهَا بِالرِّيَاحِ **فَيَذَرُهَا قَاعًا** مُنْبَسِطًا **صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾** مُسْتَوِيًا **لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا** اِنْخِفَاضًا **وَّلَا اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾** اِرْتِفَاعًا **يَوْمَئِذٍ** اَيْ يَوْمَ اِذَا نُسِفَتِ الْجِبَالُ **يَتَّبِعُوْنَ** اَيِ النَّاسُ بَعْدَ الْقِيَامِ مِنَ الْقُبُوْرِ **الدَّاعِيَ** اِلَى الْمَحْشَرِ بِصَوْتِهٖ وَهُوَ اِسْرَافِيْلُ يَقُوْلُ هَلُمُّوْا اِلٰى عَرْضِ الرَّحْمٰنِ **لَا عِوَجَ لَهٗ** اَيْ لِاتِّبَاعِهِمْ اَيْ لَا يَقْدِرُوْنَ اَنْ لَّا يَتَّبِعُوْا **وَخَشَعَتِ** سَكَنَتِ **الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا**

هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ صَوْتَ وَطْيِ الْاَقْدَامِ فِي نَقْلِهَا اِلَى الْمَحْشَرِ كَصَوْتِ اَخْفَافِ الْاِبِلِ فِي مَشْيِهَا **يَوْمَئِذٍ لَّاتَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ** اَحَدًا **اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ** اِنْ يَشْفَعَ لَهٗ **وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾** بِاَنْ يَقُوْلَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ **يَعْلَمُ مَابَيْنَ اَيْدِيْهِمْ** مِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ **وَمَا خَلْفَهُمْ** مِنْ اُمُوْرِ الدُّنْيَا **وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾** لَايَعْلَمُوْنَ ذٰلِكَ **وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ** خَضَعَتْ **لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ** اَيِ اللّٰهِ **وَقَدْ خَابَ** خَسِرَ **مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾** شِرْكًا **وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ** الطَّاعَاتِ **وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا** بِزِيَادَةٍ فِي سَيِّاٰتِهٖ **وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾** بِنَقْصٍ مِنْ حَسَنَاتِهٖ **وَكَذٰلِكَ** مَعْطُوْفٌ عَلٰى كَذٰلِكَ نَقُصُّ اَيْ مِثْلِ اِنْزَالِ مَاذُكِرَ **اَنْزَلْنٰهُ** اَيِ الْقُرْاٰنَ **قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا** كَرَّرْنَا **فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ** الشِّرْكَ **اَوْيُحْدِثُ** الْقُرْاٰنُ **لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾** بِهِلَاكِ مَنْ تَقَدَّمَهُمْ مِنَ الْاُمَمِ فَيَعْتَبِرُوْنَ **فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ** عَمَّا يَقُوْلُ الْمُشْرِكُوْنَ **وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ** اَيْ بِقِرَاءَتِهٖ **مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ** اَيْ يَفْرُغُ جِبْرِيْلُ مِنْ اِبْلَاغِهٖ **وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾** اَيْ بِالْقُرْاٰنِ فَكُلَّمَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْهُ زَادَبِهٖ عِلْمُهٗ **وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ** وَصَّيْنَاهُ اَنْ لَايَاكُلَ مِنَ الشَّجَرَةِ **مِنْ قَبْلُ** اَيْ قَبْلَ اَكْلِهٖ مِنْهَا **فَنَسِيَ** تَرَكَ عَهْدَنَا **وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾** حَزْمًا وَصَبْرًا عَمَّا نَهَيْنَاهُ عَنْهُ وَاذْكُرْ **اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ** وَهُوَ اَبُوالْجِنِّ كَانَ يَصْحَبُ الْمَلٰئِكَةَ وَيَعْبُدُاللّٰهَ مَعَهُمْ **اَبٰى ﴿۱۱۶﴾** عَنِ السُّجُوْدِ لِاٰدَمَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ **فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ** حَوَّاءَ بِالْمَدِّ **فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾** تَتْعَبُ بِالْحَرْثِ وَالزَّرْعِ وَالْحَصْدِ وَالطَّحْنِ وَالْخُبْزِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَاقْتَصَرَ عَلٰى شَقَاهُ لِاَنَّ الرَّجُلَ يَسْعٰى عَلٰى زَوْجَتِهٖ **اِنَّ لَكَ اَ لَّاتَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ** بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ وَكَسْرِهَا عَطْفًا عَلٰى اِسْمِ اِنَّ وَجُمْلَتِهَا **لَاتَظْمَؤُا فِيْهَا** تَعْطِشُ **وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾** لَايَحْصِلُ لَكَ حَرُّ شَمْسِ الضُّحٰى الْاِنْتِفَاءِ الشَّمْسِ فِي الْجَنَّةِ **فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ** اَيِ الَّتِيْ يَخْلُدُ مَنْ يَاكُلُ مِنْهَا **وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾** لَايَفْنٰى وَهُوَ لَازِمُ الْخُلُوْدِ **فَاَكَلَا** اٰدَمُ وَحَوَّاءُ **مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا** اَيْ ظَهَرَ لِكُلٍّ مِنْهُمَا قُبُلُهٗ وَقُبُلُ الْاٰخِرِ وَدُبُرُهٗ وَسُمِّيَ كُلٌّ مِنْهُمَا سَوْءَةً لِاَنَّ اِنْكِشَافَهٗ يَسُوْءُ صَاحِبَهٗ **وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ** اَخَذَا يَلْزِقَانِ **عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ** لِيَسْتَتِرَا بِهٖ **وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾** بِالْاَكْلِ مِنَ الشَّجَرَةِ **ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ** قَرَّبَهٗ **فَتَابَ عَلَيْهِ** قَبِلَ تَوْبَتَهٗ **وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾** اَيْ هَدَاهُ اِلَى الْمُدَاوَمَةِ عَلَى التَّوْبَةِ **قَالَ اهْبِطَا** اَيْ اٰدَمُ وَحَوَّاءُ بِمَا اشْتَمَلْتُمَا عَلَيْهِ مِنْ

ذُرِّيَّتِكُمَا **مِنْهَا** مِنَ الْجَنَّةِ **جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ** بَعْضَ الذُّرِّيَّةِ **لِبَعْضٍ عَدُوٌّ** مِنْ ظُلْمِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا **فَاِمَّا** فِيْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِى مَا الزَّائِدَةِ **يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ** اَىِ الْقُرْاٰنَ **فَلَا يَضِلُّ** فِى الدُّنْيَا **وَلَا يَشْقٰى** ﴿۱۲۳﴾ فِى الْاٰخِرَةِ **وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ** اَىِ الْقُرْاٰنَ فَلَمْ يُؤْمِنْ بِهٖ **فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا** بِالتَّنْوِيْنِ مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى ضِيْقِهٖ وَفُسِّرَتْ فِى حَدِيْثٍ بِعَذَابِ الْكَافِرِ فِى قَبْرِهٖ **وَّنَحْشُرُهٗ** اَىِ الْمُعْرِضَ عَنِ الْقُرْاٰنِ **يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى** ﴿۱۲۴﴾ اَىْ اَعْمَى الْبَصَرِ اَوِ الْقَلْبِ **قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِىْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا** ﴿۱۲۵﴾ فِى الدُّنْيَا وَعِنْدَ الْبَعْثِ **قَالَ** الْاَمْرُ **كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا** تَرَكْتَهَا وَلَمْ تُؤْمِنْ بِهَا **وَكَذٰلِكَ** مِثْلَ نِسْيَانِكَ اٰيٰتِنَا **الْيَوْمَ تُنْسٰى** ﴿۱۲۶﴾ تُتْرَكُ فِى النَّارِ **وَكَذٰلِكَ** وَمِثْلَ جَزَائِنَا مَنْ اَعْرَضَ عَنِ الْقُرْاٰنِ **نَجْزِىْ مَنْ اَسْرَفَ** اَشْرَكَ **وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ** مِنْ عَذَابِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ **وَاَبْقٰى** ﴿۱۲۷﴾ اَدْوَمُ **اَفَلَمْ يَهْدِ** يَتَبَيَّنْ **لَهُمْ** لِكُفَّارِ مَكَّةَ **كَمْ** خَبَرِيَّةٌ مَفْعُوْلٌ **اَهْلَكْنَا** اَىْ كَثِيْرًا اِهْلَاكُنَا **قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ** اَىِ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ بِتَكْذِيْبِ الرُّسُلِ **يَمْشُوْنَ** حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ لَهُمْ **فِىْ مَسٰكِنِهِمْ** فِى سَفَرِهِمْ اِلَى الشَّامِ وَغَيْرِهٖ فَيَعْتَبِرُوْا وَمَا ذُكِرَ مِنْ اَخْذِ اِهْلَاكٍ مِنْ فِعْلِهٖ الْخَالِىْ عَنْ حَرْفٍ مَصْدَرِىٍّ لِرِعَايَةِ الْمَعْنٰى لَامَانِعَ مِنْهُ **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ** لَعِبَرًا **لِّاُولِى النُّهٰى** ﴿۱۲۸﴾ لِذَوِى الْعُقُوْلِ **وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ** بِتَاخِيْرِ الْعَذَابِ عَنْهُمْ اِلَى الْاٰخِرَةِ **لَكَانَ** الْاِهْلَاكُ **لِزَامًا** لَازِمًا لَهُمْ فِى الدُّنْيَا **وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى** ﴿۱۲۹﴾ مَضْرُوْبٌ لَهٗ مَعْطُوْفٌ عَلَى الضَّمِيْرِ الْمُسْتَتِرِ فِى كَانَ وَقَامَ الْفَصْلُ بِخَبَرِهَا مَقَامَ التَّاكِيْدِ **فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ** مَنْسُوْخٌ بِاٰيَةِ الْقِتَالِ **وَسَبِّحْ** صَلِّ **بِحَمْدِ رَبِّكَ** حَالٌ اَىْ مُتَلَبِّسًا بِهٖ **قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ** صَلٰوةِ الصُّبْحِ **وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا** صَلٰوةِ الْعَصْرِ **وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ** سَاعَاتِهٖ **فَسَبِّحْ** صَلِّ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ **وَاَطْرَافَ النَّهَارِ** عِطْفٌ عَلٰى مَحَلِّ مِنْ اٰنَاءِ الْمَنْصُوْبِ اَىْ صَلِّ الظُّهْرَ لِاَنَّ وَقْتَهَا يَدْخُلُ بِزَوَالِ الشَّمْسِ فَهُوَ طَرَفُ النِّصْفِ الْاَوَّلِ وَطَرَفُ النِّصْفِ الثَّانِى **لَعَلَّكَ تَرْضٰى** ﴿۱۳۰﴾ بِمَا تُعْطٰى مِنَ الثَّوَابِ **وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا** اَصْنَافًا **مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** زِيْنَتَهَا وَبَهْجَتَهَا **لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ** بِاَنْ يَطْغَوْا **وَرِزْقُ رَبِّكَ** فِى الْجَنَّةِ **خَيْرٌ** مِمَّا اُوْتُوْهُ فِى الدُّنْيَا **وَّاَبْقٰى** ﴿۱۳۱﴾ اَدْوَمُ **وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ** اِصْبِرْ **عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ** نُكَلِّفُكَ **رِزْقًا** لِنَفْسِكَ وَلَا لِغَيْرِكَ **نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ** الْجَنَّةُ **لِلتَّقْوٰى** ﴿۱۳۲﴾ لاهلها **وَقَالُوْا** اَىِ الْمُشْرِكُوْنَ **لَوْلَا** هَلَّا **يَاْتِيْنَا** مُحَمَّدٌ **بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ** مِمَّا يَقْتَرِحُوْنَهٗ **اَوَلَمْ يَاْتِهِمْ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **بَيِّنَةُ**

بَيَانُ **مَافِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى** ﴿۱۳۳﴾ الْمُشْتَمِلُ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ مِنْ اَنْبَاءِ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ وَاِهْلَاكِهِمْ بِتَكْذِيْبِ الرُّسُلِ **وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ** قَبْلَ مُحَمَّدٍ الرَّسُوْلِ **لَقَالُوْا** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **رَبَّنَا لَوْلَآ** هَلَّا **اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ** الْمُرْسَلَ بِهَا **مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ** فِي الْقِيٰمَةِ **وَنَخْزٰى** ﴿۱۳۴﴾ فِي جَهَنَّمَ **قُلْ** لَهُمْ **كُلٌّ** مِنَّا وَمِنْكُمْ **مُّتَرَبِّصٌ** مُنْتَظِرٌ مَايَؤُلُ اِلَيْهِ الْاَمْرُ **فَتَرَبَّصُوْا فَسَتَعْلَمُوْنَ** فِي الْقِيٰمَةِ **مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ** الطَّرِيْقِ **السَّوِيِّ** الْمُسْتَقِيْمِ **وَمَنِ اهْتَدٰى** ﴿۱۳۵﴾ مِنَ الضَّلَالَةِ اَنَحْنُ اَمْ اَنْتُمْ۔

ع ۸ ۱۷

ترجمہ: .... اورلوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں (کہ قیامت کے دن ان کا کیا حشر ہوگا) آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار ان کو بالکل اڑا دے گا...... (یعنی ان پہاڑوں کو ریت کی طرح چورا چورا کردے گا اور پھر اسے ہوا میں اڑا کر رکھ دے گا) پھر زمین کو چٹیل میدان کردے گا کہ جس میں تو نہ کوئی ناہمواری دیکھے گا اور کوئی بلندی (یعنی زمین کو بالکل ہموار زمین میں تبدیل کردے جس پر نہ پہاڑ و ٹیلے ہوں گے اور نہ گڑھے ہوں گے) اس دن (جب پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے) سب بلانے والے کے پیچھے ہولیں گے (اسرافیل علیہ السلام کے صور پھونکتے ہی جن کی آواز ہوگی کہ اے لوگو! خدا تعالیٰ کی طرف چل پڑو۔ آواز سنتے ہی لوگ قبروں سے اٹھ کر محشر کی طرف روانہ ہولیں گے) ان کے سامنے کوئی کجی نہ رہے گی۔ (یعنی ان میں اتنی ہمت نہیں ہوگی کہ اس بلانے کی اتباع نہ کریں) اور آوازیں خدا تعالیٰ کے سامنے دب جائیں گی۔ سوتو بجز پاؤں کی آہٹ کے کچھ نہ سنے گا (محشر کی طرف جاتے ہوئے صرف پاؤں کی آہٹ سنائی دے گی اور کچھ نہیں۔ جس طرح پر اونٹ خاموش چلتا رہتا ہے) اس روز شفاعت نفع نہ دے گی مگر اس شخص کو جس کے واسطے خدا تعالیٰ نے اجازت دے دی ہو (یعنی صرف اس شخص کو شفاعت سے فائدہ ملے گا جس کے بارے میں خدا تعالیٰ نے سفارش کی اجازت دے دی ہو) اور اس کے واسطے بولنا پسند کرلیا ہو (اور ظاہر ہے کہ وہ وہی ہوسکتا ہے جو کلمہ گو ہو) وہ جانتا ہے سب اگلے حالات (آخرت کے بارے میں) اور پچھلے احوال (دنیا سے متعلق) اور (لوگ) اس کا (اپنے علم) سے احاطہ نہیں کرسکتے۔ (یعنی لوگوں کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوسکتا)۔ اور چہرے جھکے ہوئے ہوں گے۔ حی وقیوم کے سامنے اور قطعی ناکام رہے گا وہ جو ظلم لے کر آئے گا (یعنی شرک) اور جس کسی نے نیک کام کئے ہوں گے اور وہ صاحب ایمان بھی ہوگا سو ان کو نہ زیادتی کا اندیشہ ہوگا، نہ کمی کا (اس کے سیئات میں نہ زیادتی کی جائے گی اور نہ اس کے اعمال حسنہ میں کوئی کمی ہوگی) اسی طرح اسے واضح کرکے نازل کیا (یعنی قرآن کو کذالک کا عطف **کذلک نقص** پر ہے کہ جس طرح ہم نے یہ واقعات ذکر کئے۔ اسی طرح یہ قرآن فصیح اور صاف عربی میں نازل کیا) اور اس میں ہم نے ہر طرح کی وعیدیں بیان کی ہیں تاکہ لوگ ڈریں (شرک سے) یا یہ کہ ان کے لئے سمجھ پیدا کرے (اور قرآن میں پچھلی قوموں کی تباہی کے قصے پڑھ کر یہ عبرت حاصل کریں) سو بڑا عالی شان ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے (یعنی جو کچھ کفار کہتے ہیں ان سے خدا تعالیٰ بڑا عالیشان ہے) اور آپ قرآن (کے پڑھنے میں) جلدی نہ کیجئے۔ قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل ہوچکے (یعنی تاوقتیکہ جبرئیل علیہ السلام مکمل طور پر آپ تک آیت پہنچا نہ دیں اس وقت تک آپ اس کے پڑھنے میں جلدی نہ کیجئے) اور آپ کہئے کہ اے میرے پروردگار! بڑھا دے میرے علم کو (قرآن سے متعلق اس دعا کے نتیجہ میں جب بھی آپ کے اوپر کوئی آیت نازل ہوئی تو اس کے متعلق مکمل معلومات آپ کو دی گئیں) اور اس سے پہلے ہم آدمؑ کو ایک حکم دے چکے تھے (شجر ممنوعہ کے نہ کھانے کے متعلق) سو ان سے غفلت ہوگئی اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی (یعنی ہمارے حکم کے اتباع میں غفلت ہوگئی اور

اس پر جم نہ سکے جس چیز سے ہم نے انہیں منع کیا تھا) اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے روبرو سجدہ کرو۔ سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے کہ اس نے انکار کردیا (ابلیس جنات میں سے تھا جو فرشتوں کے ساتھ رہتا اور انہیں کے ساتھ مل کر خدا تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا۔ اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا اور کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں میں کیوں سجدہ کروں) پھر ہم نے کہا کہ اے آدمؑ! یقیناً یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ سو کہیں یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوانہ دے۔ پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ (یعنی پھر تمہیں دنیاوی زندگی میں الجھ جانا پڑے۔ یعنی بونا، کاٹنا، گاہنا، پیسنا اور روٹی کے تیار کرنے کی پریشانیاں اٹھانا پڑیں۔ صرف تذکرہ حضرت آدم علیہ السلام ہی کا آیا۔ کیونکہ عورتیں ان ذمہ داریوں سے فی الجملہ بری ہوتی ہیں) یہاں جنت میں تو تمہارے لئے یہ ہے کہ تم نہ کبھی بھوکے رہو گے اور نہ ننگے اور نہ یہاں پیاسے ہو گے اور نہ دھوپ میں تپو گے۔ (یعنی سورج کی گرمی سے محفوظ رہو گے۔ کیونکہ جنت میں سورج نکلے گا ہی نہیں۔ پھر شیطان نے انہیں وسوسہ دلایا اور کہا کہ اے آدمؑ! کیا میں تم کو ہمیشگی کا درخت بتاؤں (جو کوئی اس درخت سے کھالے گا وہ ہمیشہ جنت میں رہے گا) اور بادشاہی جس میں کبھی ضعف نہ آوے (اس درخت سے کھانے کا دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ مستقل بادشاہی نصیب ہوگی) سو دونوں (آدم وحوا) نے اس درخت سے کھالیا پھر ان پر ان کے ستر کھل گئے (شرمگاہ کو سوءۃ عربی میں اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ان کا کھل جانا ایک بری بات ہے) اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے (تاکہ اپنے ستر کو چھپائیں) اور آدمؑ سے اپنے پروردگار کا قصور ہوگیا۔ سو وہ غلطی میں پڑ گئے (درخت سے کھا کر) پھر انہیں ان کے پروردگار نے مقبول بنالیا۔ چنانچہ ان کی توبہ قبول کرلی۔ (حضرت آدم علیہ السلام کے توبہ کرنے سے پہلے ہی) اور راہ ہدایت دکھائی (یعنی ہمیشہ توبہ کرنے کی ہدایت کی) ارشاد فرمایا کہ تم سب جنت سے اترو (یعنی تم دونوں مع اپنی ذریت کے) اس حالت میں کہ ایک کا دشمن ایک ہوگا (یعنی تمہاری ذریت میں ایک دوسرے کا دشمن ہوگا اور آپس میں ظلم کرے گا) پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے (اما میں ان شرطیہ کو مازائدہ میں ادغام کردیا گیا ہے) پس جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا (یعنی قرآن کی) وہ نہ بھٹکے گا (دنیا میں) اور نہ محروم رہے گا (آخرت میں) اور جو کوئی میری نصیحت سے اعراض کرے گا (یعنی قرآن سے اور اس پر ایمان نہیں لائے گا) سو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا (ضنکاً مصدر ہے معنی تنگی کے ہیں۔ احادیث میں اس کی تفسیر قبر میں کفار کے عذاب سے متعلق آئی ہے) اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے (یعنی قرآن سے) اعراض کرنے والے بصارت وبصیرت دونوں سے اندھے ہوں گے) وہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا درآنحالیکہ میں آنکھوں والا تھا (دنیا میں اور اٹھائے جانے کے وقت بھی) ارشاد ہوگا اسی طرح تیرے پاس ہماری نشانیاں پہنچی تھیں۔ سو تو نے اس کا خیال نہیں کیا (یعنی تو نے اس سے اعراض کیا اور اس پر ایمان نہیں لایا) اسی طرح آج تیرا خیال نہیں کیا جائے گا (جس طرح تو نے ہماری نشانیوں کے ساتھ معاملہ کیا اور تمہیں آگ میں ڈالا جائے گا) اسی طرح (یعنی جس طرح ہم نے قرآن سے اعراض کرنے والوں کو سزادی) ہم ہر اس شخص کو سزادیں گے جو حد سے نکل جائے (شرک کرکے) اور اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان نہ لائے اور واقعی آخرت کا عذاب ہے بڑا سخت (بمقابلہ عذاب دنیا اور عذاب قبر کے) اور بڑا دیرپا ہے۔ کیا ان کو اس سے بھی ہدایت نہیں ہوئی (کفار مکہ کو) کہ ہم کتنے گروہوں کو ہلاک کرچکے (یعنی بہت سوں کو ہلاک کرچکے۔ کم خبر دینے کے لئے اور ترکیب میں مفعول واقع ہورہا ہے) ان سے پہلے (یعنی پچھلی قوموں کو رسولوں کو جھٹلانے کی سزا میں) جن کے مسکنوں میں (اب) یہ چل پھر رہے ہیں (یمشون. لھم کے ضمیر سے حال واقع ہورہا ہے۔ یعنی ملک شام وغیرہ کی جانب سفر کے دوران ان تباہ شدہ قوموں کے مقامات کو دیکھتے ہیں۔ پھر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے۔ درآنحالیکہ ان کی تباہیوں کے حالات بھی سنادیئے گئے) بے شک اس میں اہل فہم کے لئے نشانیاں موجود ہیں اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے ہی طے نہ

ہو چکی ہوتی اور ایک میعاد متعین نہ ہوتی (یعنی ان لوگوں سے قیامت تک عذاب مؤخر کرنے کا فیصلہ) تو (ان پر عذاب) لازمی طور پر آ جاتا۔ (اجل مسمی کا عطف ہو رہا ہے۔ اس ضمیر پر جو کان میں مستتر ہے اور کان اور اس کی خبر کے درمیان جو فصل ہے وہ تاکید کے قائم مقام ہے) سو آپ صبر کیجئے ان کی باتوں پر (یہ آیت منسوخ ہوگئی ہے آیت قتال سے) اور اپنے پروردگار کی تسبیح کرتے رہئے۔ حمد کے ساتھ (بحمد ربک حال واقع ہو رہا ہے یعنی دائماً اس عمل کو اختیار کیجئے) آفتاب کے طلوع سے قبل (نماز فجر میں) اور اس کے غروب سے قبل (نماز عصر میں) اور اوقات شب میں تسبیح کیجئے (یعنی نماز مغرب اور عشاء میں) اور دن کے بھی اول وآخر میں اطراف النہار کامن آناء کے محل پر اور یہ منصوب ہے (یعنی ظہر کی نماز پڑھئے۔ ظہر کا وقت زوال آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے تو وہ گویا کہ دن کے بیچوں بیچ یا درمیانی حصہ میں ہی) تاکہ آپ خوش رہیں (اس ثواب سے جو اس کے بدلہ میں ملے گا) اور ہرگز آنکھ اٹھا کر ہی نہ دیکھئے۔ ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے ان کے گروہوں کو متمتع کر رکھا ہے۔ آزمائش کے لئے کہ وہ محض دنیوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے پروردگار کا عطیہ کہیں بہتر ہے (اس چیز سے جو اس کو دنیا میں دیا گیا) اور دیرپا ہے اور اپنے متعلقین کو نماز کا حکم دیتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے۔ ہم آپ سے معاش نہیں چاہتے (یعنی ہم آپ کو اس کا مکلف نہیں کرنا چاہتے کہ کسب معاش میں لگے رہیئے۔ معاش تو ہم خود آپ کو دیں گے اور بہتر انجام (یعنی جنت) پرہیزگاروں ہی کا ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں (یعنی مشرکین) کہ یہ (محمد ﷺ) ہمارے پاس کوئی نشان اپنے پرودگار! کے پاس سے کیوں نہیں لاتے) جن کا ہم مطالبہ کرتے ہیں) تو کیا ان کے پاس اس کا ظہور نہیں پہنچا جو کچھ اگلے صحیفوں میں ہے (خود قرآن مشتمل ہے پچھلی قوموں کی خبروں پر اور ان کے ہلاکت کے قصوں پر رسولوں کو جھٹلانے کے نتیجہ میں) اور اگر ہم انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے اس کے قبل ہی (یعنی آنحضور ﷺ کی رسالت سے قبل ہی) تو یہ لوگ کہتے (قیامت کے دن) کہ اے میرے پروردگار تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم تیرے احکام کی پیروی کرنے لگتے۔ (یعنی اس چیز کا جس کا تو حکم دیتا) بجائے اس کے کہ ہم بے قدر ہوں (قیامت میں) اور رسوا ہوں (جہنم میں) آپ کہہ دیجئے کہ سب ہی انتظار کر رہے ہیں (ہم میں سے اور تم میں سے انجام کا) سو تم بھی انتظار کر لو۔ اب عنقریب ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون راہ راست والے ہیں اور کون (منزل) مقصود تک پہنچے ہیں۔ (ہم یا تم)

تحقیق وترکیب: ....**ینسفها نفسا.** کسی چیز کو ریزہ ریزہ کرنا۔ **فیذرها** کی ضمیر میں دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ ضمیر **ارض** کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس صورت میں مضاف محذوف ماننا پڑے گا اور عبارت یہ ہوگی۔ **فیذرها مراکزها.** معنی ہوگا ان پہاڑوں کو اپنے مرکز ومقام سے ہٹا دیا جائے گا۔

لاعوج له. له کی ضمیر میں مختلف اقوال ہیں۔ لیکن زیادہ مناسب یہی ہے کہ یہ ضمیر داعی کی طرف راجع ہے۔ معنی ہوں گے کہ داعی کی آواز کو سب سن سکیں گے۔ ایسا نہیں ہوگا کہ کوئی سنے اور کوئی نہ سنے۔

همسا. کے لغوی معنی پست آواز کے ہیں۔ یہاں مراد پیروں کی آہٹ ہے۔

من اذن لـه. اس میں کئی صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ اسے منصوب مانا جائے۔ **انتفع** فعل سے جو مقدر ہے۔ ترجمہ یہ ہوگا کہ **شفاعت** سے وہی شخص فائدہ اٹھائے گا جس کی شفاعت کسی ایسے شخص نے کی ہو جس کو شفاعت کی اجازت تھی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ مرفوع محلاً ہے اور بدل واقع ہو رہا ہے شفاعت سے۔ اس صورت میں مضاف محذوف ماننا پڑے گا اور تقدیر عبارت یہ ہوگی کہ کسی کی شفاعت مفید نہیں بجز اس کے جسے شفاعت کی اجازت دی گئی۔ تیسری صورت یہ ہے کہ منصوب ہے مستثنیٰ ہونے کی بناء پر شفاعت سے مضاف محذوف ہے اور مستثنیٰ متصل ومنقطع دونوں ہو سکتے ہیں۔ مگر حجازی لغت میں نصب کو ترجیح

ہے اور لغت تمیم میں رفع کو۔

رضی له قولا. یعنی جس کے حق میں کلمہ خیر کہنے کی گنجائش ہو۔ دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے کہ اس کے کسی قول کو پسند کرلیا ہو۔

حمل ظلماً. ظلم کے عام معنی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں۔ لیکن یہاں شرک مراد لیا گیا ہے۔

وھو مؤمن سے معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ کی مقبولیت کے لئے ایمان کا ہونا ضروری ہے۔

انزلناہ کی ضمیر پورے قرآن کی طرف راجع ہے۔ ولم نجد له عزماً. میں نجد یا تو وجدان سے ہے جس کے معنی علم کے ہیں۔ اس صورت میں یہ دو مفعول کو چاہے گا تو ایک ان میں سے له ہوجائے گا اور دوسرا مفعول عزماً بن جائے گا اور اگر نجد وجود سے ہوگا تو اس صورت میں صرف ایک مفعول ہوگا اور وہ عزماً ہے اور له عزماً سے حال بن جائے گا یا نجد سے متعلق ہوجائے گا۔

اذقلنا. اس واقعہ کو قرآن نے سات جگہوں پر پیش کیا ہے۔ وہ اس وجہ سے تاکہ امت کو اس کی طرف بار بار توجہ دلائی جائے کہ اوامر پر عمل کرو اور منہیات سے بچنے کی کوشش کرو۔

لاتجوع، ولا تعریٰ، لاتظمؤا، ولاتضحی۔ اللہ تعالیٰ نے مقابل کی دو دو چیزیں ذکر فرمائی ہیں۔ یعنی جوع (بھوک) کو اور عریٰ یعنی برہنگی کو اور ظما (تشنگی) کو اور ضحو (گرمی) کو۔ جوع کا صحیح مقابل تو عطش ہے۔ یعنی بھوک، پیاس اور عریٰ کا مقابل ضحو ہے۔ اس لئے بھوک اندرونی تاریکی ہے اور برہنگی ظاہری تاریکی اور تشنگی سوزش باطن کا نام ہے اور گرمی ظاہری تپش کا نام ہے۔ لہذا اہل جنت سے ظاہری اور باطنی تاریکی اور ظاہری و باطنی دونوں سوزشوں کی نفی کردی گئی۔

عصی. یہاں پر مخالفت کے معنی میں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام یہ سمجھے کہ کوئی خدا کے نام کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا۔ اس لئے شیطان کے کہنے پر اعتماد کرلیا یا شیطان کی قسم سے یہ سمجھے کہ یہ جو خدا تعالیٰ نے درخت کے استعمال کی ممانعت کی تھی وہ منسوخ ہوگئی یا پھر یہ خیال تھا کہ کسی متعین درخت کی ممانعت ہے۔ اس درخت کی جنس کے تمام درختوں کی ممانعت نہیں۔

غویٰ. راہ راست سے ہٹ جانا۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ آدم علیہ السلام کو عاصی نہیں کہا جاسکتا۔ اس لئے کہ عاصی وہ ہے جس سے بار بار معصیت سرزد ہو جیسا کہ درزی وہی کہلاتا ہے جس کا پیشہ کپڑا سینا ہو۔ ایک آدھ بار سینے کی بناء پر درزی نہیں کہلاتا۔ تو ایک بار کی معصیت پر آدم علیہ السلام عاصی نہ ہوئے۔

معیشة ضنکا. ضنکا بمعنی تنگ۔ یہ مصدر ہے بطور وصف لایا گیا ہے۔ ضنکیٰ بھی پڑھا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اسے ایسی حیات دیں گے جس میں زیادتی کی حرص اور کمی کا دائمی خوف لگا ہوا ہوگا۔ جبکہ مومن کم وبیش کے فکر سے فارغ ہوتا ہے۔

فنسیتھا. نسیان کے معنی یہاں بھول چوک کے نہیں ہیں بلکہ معنی قصداً ترکِ توجہ کے ہیں۔

اسرف. یعنی حدِ عبودیت سے آگے نکل گئے۔

افلم یھدلھم. ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور اس کا فا پر عطف ہو رہا ہے۔ عبارت یوں ہے۔ اغفلوا فلم یھدلھم. اور ھدی اھتدی کے معنی میں ہے جس کے معنی واضح ہونے کے ہیں۔ کم مفعول بہ ہے اور اس کی تمیز محذوف ہے اور من القرون محذوف قرناً کی صفت ہے۔ معنی یہ ہیں کہ غافل ہیں انجام پر نظر نہیں۔ حالانکہ ہم ان سے پہلے بہت سی قوموں کو تباہ کرا چکے ہیں۔

اطراف النھار. جمع ہے یہاں واحد سے زیادہ مراد ہے۔ کیونکہ شارح کی تشریح کے مطابق اطراف سے مراد دن کا نصف اول اور نصف ثانی مراد ہے۔ یہ دونوں طرف ہوئیں نہ کہ اطراف۔ اس لئے کہنا ہوگا کہ جمع واحد سے زائد کے لئے استعمال ہوئی۔

ازواجاً منھم سے مراد کافروں کی مختلف قسمیں ہیں۔ ازواجاً کے منصوب ہونے کی دو وجہ ہیں۔ ایک یہ کہ منصوب مفعول

بہ ہونے کی بناء پر ہے اور دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے اور ذوالحال بہ کی ضمیر ہے۔

زهرة الحيٰوة. زهرة کے لغوی معنی شادابی وتازگی کے ہیں۔

بينة سے مراد قرآن ہے اور آنحضور ﷺ کی ذات بھی ہوسکتی ہے۔

من قبل . عربی محاورہ میں یہ نفی کے لئے بھی آتا ہے۔

شانِ نزول: .... مشرکین مکہ نے بطور استہزاء آنحضور ﷺ سے سوال کیا کہ اے محمد! ان پہاڑوں کا قیامت کے دن کیا حال ہوگا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ويسئلونك عن الجبال آیت لاتعجل بالقراٰن کی شان نزول مختلف بتائی گئی ہے۔ ایک تو یہ جو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی وحی کے ختم ہونے سے پہلے ہی آپ ﷺ یا تو اس خیال سے تلاوت شروع کردیتے کہ کہیں بھول نہ جائیں یا اس وجہ سے کہ آپ ﷺ کو قرآن سے جو بے حد شغف تھا۔

دوسری وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضور ﷺ نے نزول وحی سے قبل ہی بعض مسائل پر حکم صادر فرمادیا تھا۔ اس پر آیت نازل ہوئی کہ وحی کے آجانے کے بعد آپ کوئی حکم دیا کریں۔

﴿تشریح﴾: ...... قیامت کا دن: .... لوگ آنحضور ﷺ سے سوال کیا کرتے تھے کہ ان پہاڑوں کا کیا حشر بنے گا۔ یہ روئے زمین پر باقی رہیں گے یا نہیں؟ ان کے اس سوال پر ارشاد ہوا کہ ان پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرکے اڑا دیا جائے گا اور ان کا کہیں نام ونشان بھی باقی نہیں رہے گا اور پھر یہ زمین چٹیل میدان کی صورت میں نظر آئے گی۔ جس میں نہ نشیب وفراز ہوں گے، نہ کوئی پہاڑ و ٹیلہ۔ جب یہ سب کارروائی ہوچکے گی تو ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ جس کی آواز پر ساری مخلوق اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر اس کے پیچھے ہولے گی اور کسی کو اس کی مجال نہیں ہوگی کہ اس کے حکم میں توقف کرے۔ اس دن انتہائی ہیبت اور خوف وڈر کی وجہ سے کسی کے بولنے کی بھی آواز سنائی نہ دے گی۔ سوائے ان کے پیروں کے چلتے وقت آہٹ کے اور اگر بولیں گے بھی تو آہستہ آہستہ کانا پھوسی کریں گے۔ زور سے بولنے کی کسی میں ہمت بھی نہیں ہوگی۔

مشرکین اس خیال میں تھے کہ ان کے یہ دیوتا قیامت میں ان کی سفارش کریں گے۔ اسی طرح عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ اس کی تردید میں فرما رہے ہیں کہ کسی کو خود شفاعت کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوگی تاوقتیکہ خدا تعالیٰ انہیں اجازت نہ دے دیں۔ تو گویا بغیر خدا کے حکم کے کسی کو سفارش کی ہمت بھی نہیں ہوگی۔ نیز ساری چیزوں کا علم خدا تعالیٰ کو ہے۔ ایسی کوئی چیز نہیں کہ مخلوق کو معلوم ہو اور خدا کو اس کا علم نہ ہو۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ بہت سی چیزوں کا خدا تعالیٰ کو علم ہے۔ لیکن مخلوق اس سے بے خبر ہے۔ لہذا مخلوق کے تمام احوال خدا تعالیٰ کو معلوم ہیں۔ جن کے احوال ایسے تھے کہ ان کے لئے کلمہ خیر کہنے کی گنجائش ہو۔ صرف انہی کے لئے سفارش کی اجازت ہوگی۔ نااہل اس سے محروم رہیں گے۔

نیز ارشاد ہے کہ قیامت کے روز بڑے بڑے متکبرین اور سرکشوں کی سرکشی ختم ہوجائے گی۔ خدا کے سامنے سر اٹھانے کی بھی ہمت نہیں ہوگی۔ چہ جائیکہ اعراض وروگردانی کا معاملہ کریں اور مشرکین تو آج برباد و ناکام ہوں گے۔ پھر مومنین کے بارے میں ارشاد ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ ان کی کوئی نیکی ایسی ہو جو لکھنے سے رہ گئی ہو اور اس پر اسے ثواب نہ ملے اور نہ یہ ممکن ہے کہ کوئی برائی بلا وجہ اس کے نامہ اعمال میں لکھ دی جائے۔

قرآن بزبان عربی: .... چونکہ قرآن کے مخاطب اول عرب تھے، اس لئے ارشاد ہے کہ ہم نے قرآن کو فصیح عربی زبان میں نازل کیا اور اس میں طرح طرح کی وعیدیں نازل کیں تاکہ یہ اسے پڑھ کریا تو خود نصیحت حاصل کریں اور خدا کی طرف مائل ہو جائیں یا پھر تخویف وترہیب سے متاثر ہو کر ایمان لے آئیں۔ خدا تعالیٰ نہایت عالیشان مرتبہ والے ہیں۔ جس نے ایسا جامع اور ایسا نافع دستورِ حیات بندوں کو عطاء کر دیا۔

پھر آنحضور ﷺ کو مخاطب فرما کر ارشاد ہے کہ آپ ﷺ وحی کے اترنے کے وقت ساتھ ہی ساتھ اسے اس خیال سے پڑھنے کی کوشش نہ کیا کریں کہ آپ بھول جائیں گے۔ آپ ﷺ خواہ مخواہ یہ مشقت نہ اٹھائیں، بلکہ جب وحی مکمل طور پر اتر جائے تو پھر پڑھنے کی کوشش کیجئے۔ اسے آپ ﷺ کے سینہ میں محفوظ کرا دینا میرا کام ہے۔ البتہ آپ ﷺ علم کی زیادتی کی دعا کرتے رہا کیجئے۔

آدم علیہ السلام کی لغزش: .... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان کو انسان اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اسے جو سب سے پہلے حکم ملا وہ اسے بھول گیا۔ اسی کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے کہ ہم نے آدم کو ایک حکم دیا تھا سوان سے غفلت ہوگئی اور یہ کہ ہم نے ان میں پختگی نہ پائی۔ قرآن نے اس موقعہ پر یہ جملہ استعمال کیا ہے کہ ہم نے ان میں پختگی نہ پائی۔ یہ خود اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی یہ غلطی قصداً وارادۃً نہیں تھی بلکہ بعض اہل لطائف نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ ہم نے ان میں ارادہ ہی نہیں پایا۔ یعنی اس عدول حکمی کا انہوں نے قصد ہی نہیں کیا بلکہ غیر ارادی طور پر یہ بداحتیاطی سرزد ہوگئی۔ اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت وبرتری ظاہر کرنے کے لئے فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا اور ابلیس کے انکار کا ذکر کیا گیا۔ جس کی تفصیل سورۂ بقرہ وغیرہ میں گزر چکی ہے۔

جب ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت آدم علیہ السلام کو یہ بات بتادی گئی کہ دیکھو یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ کیونکہ تمہیں دونوں کی وجہ سے اس کو مردود ہونا پڑا۔ اس کے بہکانے میں نہ آجانا اور اس کے کہنے پر کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھنا کہ جنت سے ہی نکال دیئے جاؤ اور جنت سے نکلنے کے بعد سخت مشقت و پریشانی میں پڑ جاؤ۔ روزی کی تلاش کرنا پڑے گی۔ یہاں تو بغیر کسی محنت ومشقت کے روزی مل رہی ہے۔ یہاں تو یہ ممکن نہیں کہ بھوکے یا ننگے رہو۔ نیز یہاں تو نہ پیاس کی اندرونی گرمی اور نہ دھوپ کی تیزی سے ظاہری گرمی کی پریشانی اٹھاؤ گے اور جنت سے نکل کر ان تمام مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس لئے اپنے دشمن سے ہوشیار اور خبردار رہنا۔ انہیں قبل از وقت ہوشیار کر دینے کے باوجود شیطان نے اپنے مکر میں پھانس لیا اور قسمیں کھا کھا کر انہیں اپنی خیر خواہی کا یقین دلا کر انہیں وہ درخت کھلا دیا جس سے خدا تعالیٰ نے انہیں بشدت روکا تھا۔ اس درخت کا پھل کھانا تھا کہ اس کے اثرات ظاہر ہونے لگے اور وہ نور کا لباس جو آپ نے پہن رکھا تھا وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گرنے لگا اور آپ کا ستر بھی بے پردہ ہوگیا۔ اپنے ستر کو کھلا دیکھ کر وہ بہت شرمندہ ہوئے جو ایک فطری تقاضہ ہے اور درخت کے پتوں سے اپنا جسم چھپانے لگے۔ حضرت آدم علیہ السلام خدا کی اس غیر ارادی نافرمانی کی وجہ سے راہ راست سے دور ہوگئے۔ لیکن پھر خدا تعالیٰ نے ان کی راہنمائی کی اور ان کی توبہ قبول کر کے اپنے خاص بندوں میں شامل کر لیا۔ لیکن اس کے باوجود اس درخت ممنوعہ کے کھالینے سے جو اثرات مرتب ہوئے وہ جنت اور اس کے ماحول کے منافی تھے۔ اس وجہ سے حکم ملا کہ دونوں مع اپنی ذریت کے جنت سے چلے جاؤ۔

ارشاد ہوا کہ اے ذریت آدم! تم وہاں آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جاؤ گے جو اس دنیا کا خاصہ ہے۔ اب تمہارے پاس ہمارے رسول اور کتابیں پہنچیں گی۔ اگر تم ان کی پیروی کرو گے تو نہ دنیا میں رسوا ہو گے اور نہ آخرت میں اجر سے محروم رہو گے اور

پھر اپنی اصلی وطن پر پہنچ جاؤ گے...... ہاں اگر تم نے ہمارے احکامات سے بے توجہی برتی اور اس کی مخالفت کی تو دنیا میں بھی تنگی کی زندگی گزارو گے۔

اس تنگی کا تعلق آیت میں قلب سے ہے۔ لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا میں مال وجاہ اور ترقی کی ہوس میں گھل گھل کر جان دے دے گا۔ کبھی سکون قلب میسر نہیں ہوسکتا اور انہیں قیامت کے دن اندھا، گونگا اور بہرا بنا کر لے جایا جائے گا۔ جس پر یہ کہیں گے کہ دنیا میں تو ہماری بینائی اور منہ بھی تھے یہ آج کیا ہوگیا؟

اس پر جواب ملے گا کہ یہ بدلہ ہماری آیتوں سے اعراض کرنے کا ہے اور جس طرح تو نے ہمارے احکامات کے ساتھ دنیا میں معاملہ کیا کہ تمہارے پاس انبیاء ورسل کے ذریعہ واضح دلیلیں آ گئی تھیں مگر اس کے باوجود تو اندھا بنا رہا۔ لہٰذا آج یہاں بھی اندھا کرکے اٹھایا گیا ہے اور ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ جو حد عبودیت سے تجاوز کر جائے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائے ہم اسے اسی طرح دنیا وآخرت کے عذاب میں مبتلا کرتے ہیں اور آخرت کا عذاب تو اتنا سخت ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور اتنا دیرپا کہ کبھی ختم بھی نہیں ہوگا۔

سامان عبرت:.......... تمام منکرین کو خطاب کرکے کہا جا رہا ہے کہ یہ لوگ خدا کی تمام آیتوں کا انکار کر بیٹھے۔ انبیاء ورسل کی تکذیب کر رہے ہیں۔ کیا انہیں پچھلی قوموں کے قصے سن کر بھی عبرت نہیں ہوئی جنہیں اس جرم کی پاداش میں اس روئے زمین سے نیست ونابود کردیا گیا اور ان کے عالیشان محلات کھنڈرات بن کر رہ گئے، جسے یہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جہاں سے ان کی مستقل آمد ورفت ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ صاحب عقل کے لئے اسی میں سامانِ عبرت موجود ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آنکھوں سے بھی اندھے ہیں اور انکا دل بھی اندھا ہو رہا ہے۔ ان کی اس کفر وشرک اور نافرمانی کے نتیجہ میں چاہئے تو یہ تھا کہ ان پر فوری عذاب آ جائے لیکن بعض مصلحتوں کے پیش نظر اس کا ایک وقت مقرر کیا جا چکا ہے۔ جس وقت پر لوگوں کو ان کے اعمال کی جزاء اور سزا ملے گی۔

اس لئے آپ اے محمد ﷺ ان کے اس گستاخانہ کلام اور مذموم حرکتوں پر صبر وتحمل سے کام لیجئے اور ان اوقات میں تسبیح وتہلیل کرتے رہئے۔ کیونکہ دنیاوی آلام وتفکرات سے محفوظ رہنے کا یہی طریقہ ہے کہ عبادات میں مشغول رہئے۔

قبل طلوع الشمس سے مراد فجر کی نماز اور **قبل الغروب** سے مراد عصر وظہر کی نماز اور **انااء الیل** سے مغرب وعشاء کی نماز مراد لی گئی ہے۔ **اطراف النهار** سے فجر ومغرب کی تاکید آ گئی ہے اور بعضوں نے ظہر کی نماز مراد لی ہے۔ کیونکہ یہ دن کے بیچ میں واقع ہے۔ نصف دن گزر جانے کے بعد اور نصف دن سے پہلے۔

لعلك ترضى کا مطلب یہ ہے کہ آپ دنیاوی غم وتفکرات سے نجات پائیں گے اور خوش رہیں گے۔

دنیاوی آسائش:.......... آنحضور ﷺ کو مخاطب فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ ان کفار کے مال ودولت اور ظاہری رہن سہن کو دیکھ کر حسرت نہ کیجئے۔ ان کو تو یہ سارے مال ودولت آزمائش میں ڈالنے اور ان کا امتحان لینے کے لئے دی گئی ہے کہ دیکھیں ان میں کون ہماری نعمتوں کی قدر کرتا ہے اور کون بے قدری کرتا ہے۔ اس لئے دنیاوی مال ودولت اور آرام وآرائش پر قناعت کرلینا انتہائی بے وقوفی ہے۔ اصل نعمت تو اخروی نعمت ہے جو ہمیشہ کام آنے والی ہے۔

تو اصل میں قابل توجہ امر تو یہ ہے کہ انسان خود بھی نماز کی پابندی کرے اور اپنے متعلقین کو بھی اس کا پابند بنائے۔ یعنی مقصود اصلی کمانا کھانا نہیں بلکہ اطاعت وفرمانبرداری ہے اور جب انسان خدا کی اطاعت وفرمانبرداری میں لگ جاتا ہے تو خدا تعالیٰ خود اسے

غیب سے ایسی جگہوں سے رزق پہنچا تا ہے کہ جہاں سے وہم وگمان بھی نہ ہو۔ رزق اور روزی رساں خدا تعالیٰ ہیں تو اطاعت گزار کو دنیا میں بھی غیب سے رزق ملے گا اور انجام کے اعتبار سے بھی وہی بہتر اور کامیاب ہوں گے۔

نشانیوں کا مطالبہ اور اس کا جواب:........ یہ کفار آنحضور ﷺ کے بارے میں یہ بھی کہتے تھے کہ یہ اپنی صداقت و رسالت پر ہمیں کوئی معجزہ کیوں نہیں دکھاتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود یہ قرآن ایک معجزہ ہے جو ایک نبی امی پر نازل کیا گیا۔ جس کی پیشین گوئی پچھلی کتابوں میں آچکی ہے اور جس میں پچھلی قوموں کے قصے حرف بحرف بیان کئے گئے۔

اگر ہم انہیں رسول اور کتاب مبین کے آنے سے پہلے ہی ان کی سرکشی کے نتیجہ میں ہلاک کردیتے تو یہ عذر پیش کرتے کہ تو نے ہمارے پاس کوئی رسول ہی نہیں بھیجا تھا ورنہ ہم اس کی اطاعت کرتے اور ذلت ورسوائی سے بچ جاتے۔

ان کے اس عذر کو دور کرنے کے لئے ہم نے رسول وقرآن کو نازل کیا۔ تا کہ ان کے پاس کوئی عذر نہ رہ سکے۔ حالانکہ ہم جانتے تھے کہ ان کے سامنے لاکھ آیات ونشانیاں پیش کریں یہ کبھی ایمان نہیں لاسکتے۔ اور آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ تم کچھ اور انتظار کرلو ابھی تمہیں پتہ چل جائے گا کہ حق پر کون ہے اور کون راہ مستقیم سے ہٹا ہوا ہے۔

پارہ نمبر ﴿۱۷﴾

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ

فہرست پارہ ﴿اقترب للناس﴾

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَّاِحْدٰى اَوْاِثْنَتَا عَشَرَةَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَ قَرُبَ **لِلنَّاسِ** اَهْلِ مَكَّةَ مُنْكِرِى الْبَعْثِ **حِسَابُهُمْ** يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **وَهُمْ فِىْ غَفْلَةٍ** عَنْهُ **مُّعْرِضُوْنَ**﴿۱﴾ عَنِ التَّاَهُّبِ لَهٗ بِالْاِيْمَانِ **مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ** شَيْئًا فَشَيْئًا اَىْ لَفْظُ قُرْاٰنٍ **اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ**﴿۲﴾ يَسْتَهْزِءُوْنَ **لَاهِيَةً** غَافِلَةً **قُلُوْبُهُمْ** عَنْ مَعْنَاهُ **وَاَسَرُّوا النَّجْوَى** اَىِ الْكَلَامَ **الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** بَدَلٌ مِنْ وَاوِ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى **هَلْ هٰذَآ** اَىْ مُحَمَّدٌ **اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** فَمَا يَاْتِىْ بِهٖ سِحْرٌ **اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ** تَتَّبِعُوْنَهٗ **وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ**﴿۳﴾ تَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ سِحْرٌ **قٰلَ** لَهُمْ **رَبِّىْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ** كَائِنًا **فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِيْعُ** لِمَا اَسَرُّوْهُ **الْعَلِيْمُ**﴿۴﴾ بِهٖ **بَلْ** لِلْاِنْتِقَالِ مِنْ غَرَضٍ اِلٰى اٰخَرَ فِى الْمَوَاضِعِ الثَّلَاثَةِ **قَالُوْٓا** فِيْمَا اَتٰى بِهٖ مِنَ الْقُرْاٰنِ هُوَ **اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ** اَخْلَاطٍ رَاٰهَا فِى النَّوْمِ **بَلِ افْتَرٰىهُ** اِخْتَلَقَهٗ **بَلْ هُوَ شَاعِرٌ** فَمَا اَتٰى بِهٖ شِعْرٌ **فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ**﴿۵﴾ كَالنَّاقَةِ وَالْعَصَا وَالْيَدِ قَالَ تَعَالٰى **مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ** اَىْ اَهْلِهَا **اَهْلَكْنٰهَا** بِتَكْذِيْبِهَا مَا اَتَاهَا مِنَ الْاٰيَاتِ **اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ**﴿۶﴾ لَا **وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِىْٓ** وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالنُّوْنِ وَكَسْرِ الْحَاءِ **اِلَيْهِمْ** لَا مَلَائِكَةً **فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ** الْعُلَمَاءَ بِالتَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ **اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ**﴿۷﴾ ذٰلِكَ فَاِنَّهُمْ يَعْلَمُوْنَهٗ وَاَنْتُمْ اِلٰى تَصْدِيْقِهِمْ اَقْرَبُ مِنْ تَصْدِيْقِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَمَا جَعَلْنٰهُمْ** اَىِ الرُّسُلَ **جَسَدًا** بِمَعْنٰى اَجْسَادٍ **لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ** بَلْ يَاْكُلُوْنَهٗ **وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ**﴿۸﴾ فِى الدُّنْيَا **ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ** بِاِنْجَائِهِمْ **فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ** اَىِ الْمُصَدِّقِيْنَ لَهُمْ **وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ**﴿۹﴾ الْمُكَذِّبِيْنَ لَهُمْ **لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ** يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ **كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ** لِاَنَّهٗ بِلُغَتِكُمْ **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ**﴿۱۰﴾ فَتُؤْمِنُوْنَ بِهٖ **وَكَمْ**

قَصَمْنَا اَهْلَكْنَا **مِنْ قَرْيَةٍ** اَىْ اَهْلِهَا **كَانَتْ ظَالِمَةً** كَافِرَةً **وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ﴿۱۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ** اَىْ شَعَرَ اَهْلُ الْقَرْيَةِ بِالْاِهْلَاكِ **اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ﴿۱۲﴾** يَهْرُبُوْنَ مُسْرِعِيْنَ فَقَالَتْ لَهُمُ الْمَلَائِكَةُ اِسْتِهْزَاءً **لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ** نَعِمْتُمْ **فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ﴿۱۳﴾** شَيْئًا مِنْ دُنْيَاكُمْ عَلَى الْعَادَةِ **قَالُوْا يٰا** لِلتَّنْبِيْهِ **وَيْلَنَآ** هَلَاكُنَا **اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴿۱۴﴾** بِالْكُفْرِ **فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ** الْكَلِمَاتُ **دَعْوٰىهُمْ** يَدْعُوْنَ بِهَا وَيُرَدِّدُوْنَهَا **حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا** اَىْ كَالزَّرْعِ الْمَحْصُوْدِ بِالْمَنَاجِلِ بِاَنْ قُتِلُوْا بِالسَّيْفِ **خٰمِدِيْنَ﴿۱۵﴾** مَيِّتِيْنَ كَخُمُوْدِ النَّارِ اِذَا طُفِيَتْ **وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ﴿۱۶﴾** عَابِثِيْنَ بَلْ دَالِّيْنَ عَلٰى قُدْرَتِنَا وَنَافِعِيْنَ عِبَادَنَا **لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا** مَا يُلْهٰى بِهٖ مِنْ زَوْجَةٍ اَوْ وَلَدٍ **لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ** مِنْ عِنْدِنَا مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ وَالْمَلٰئِكَةِ **اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ﴿۱۷﴾** ذٰلِكَ لٰكِنَّا لَمْ نَفْعَلْهُ فَلَمْ نُرِدْهُ **بَلْ نَقْذِفُ** نَرْمِىْ **بِالْحَقِّ** الْاِيْمَانِ **عَلَى الْبَاطِلِ** الْكُفْرِ **فَيَدْمَغُهٗ** يَذْهَبُهٗ **فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ** ذَاهِبٌ وَدَمَغَهٗ فِى الْاَصْلِ اَصَابَ دِمَاغَهٗ بِالضَّرْبِ وَهُوَ مَقْتَلٌ **وَلَكُمُ** يَا كُفَّارَ مَكَّةَ **الْوَيْلُ** الْعَذَابُ الشَّدِيْدُ **مِمَّا تَصِفُوْنَ﴿۱۸﴾** اللّٰهَ بِهٖ مِنَ الزَّوْجَةِ اَوِ الْوَلَدِ **وَلَهٗ** تَعَالٰى **مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** مِلْكًا **وَمَنْ عِنْدَهٗ** اَىِ الْمَلَائِكَةُ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ **لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ﴿۱۹﴾** لَا يُعْيُوْنَ **يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ﴿۲۰﴾** عَنْهُ فَهُوَ مِنْهُمْ كَالنَّفَسِ مِنَّا لَا يَشْغَلُنَا عَنْهُ شَاغِلٌ **اَمِ** بِمَعْنٰى بَلْ لِلْاِنْتِقَالِ وَهَمْزَةُ الْاِنْكَارِ **اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً** كَائِنَةً **مِّنَ الْاَرْضِ** كَحَجَرٍ وَذَهَبٍ وَفِضَّةٍ **هُمْ** اَىِ الْاٰلِهَةُ **يُنْشِرُوْنَ﴿۲۱﴾** اَىْ يُحْيُوْنَ الْمَوْتٰى لَا وَلَا يَكُوْنُ اِلٰهًا اِلَّا مَنْ يُحْيِى الْمَوْتٰى **لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ** اَىِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ **اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ** اَىْ غَيْرُهٗ **لَفَسَدَتَا** خَرَجَتَا عَنْ نِظَامِهِمَا الْمُشَاهَدِ لِوُجُوْدِ التَّمَانُعِ بَيْنَهُمْ عَلٰى وَفْقِ الْعَادَةِ عِنْدَ تَعَدُّدِ الْحَاكِمِ مِنَ التَّمَانُعِ فِى الشَّيْءِ وَعَدَمِ الْاِتِّفَاقِ عَلَيْهِ **فَسُبْحٰنَ** تَنْزِيْهُ **اللّٰهِ رَبِّ** خَالِقِ **الْعَرْشِ** الْكُرْسِىِّ **عَمَّا يَصِفُوْنَ﴿۲۲﴾** اَىِ الْكُفَّارُ اللّٰهَ بِهٖ مِنَ الشَّرِيْكِ لَهٗ وَغَيْرِهٖ **لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ﴿۲۳﴾** عَنْ اَفْعَالِهِمْ **اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ** تَعَالٰى اَىْ سِوَاهُ **اٰلِهَةً** فِيْهِ اِسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ **قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ** عَلٰى ذٰلِكَ وَلَا سَبِيْلَ اِلَيْهِ **هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِىَ** اَىْ اُمَّتِىْ وَهُوَ الْقُرْاٰنُ **وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِىْ** مِنَ الْاُمَمِ وَهُوَ التَّوْرٰةُ وَالْاِنْجِيْلُ وَغَيْرُهُمَا مِنْ كُتُبِ اللّٰهِ لَيْسَ فِىْ وَاحِدٍ مِنْهَا اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا مِمَّا قَالُوْا تَعَالٰى عَنْ ذٰلِكَ **بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ** اَىْ تَوْحِيْدَ اللّٰهِ **فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴿۲۴﴾** عَنِ النَّظَرِ الْمُوْصِلِ اِلَيْهِ **وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِىٓ** وَفِىْ قِرَاءَةٍ

بِالنُّوْنِ وَ کَسْرِالْحَاءِ **اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ** ﴿۲۵﴾ اَیْ وَحِّدُوْنِیْ **وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا** مِنَ الْمَلَائِکَةِ **سُبْحٰنَهٗ بَلْ** هُمْ **عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ** ﴿۲۶﴾ عِنْدَهٗ وَالْعُبُوْدِیَّةُ تُنَافِی الْوَلَادَةَ **لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ** لَایَأْتُوْنَ بِقَوْلِهِمْ اِلَّا بَعْدَ قَوْلِهٖ **وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ** ﴿۲۷﴾ اَیْ بَعْدَهٗ **یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ** اَیْ مَاعَمِلُوْ وَمَاهُمْ عَامِلُوْنَ **وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی** تَعَالٰی اَنْ یَّشْفَعَ لَهٗ **وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ** تَعَالٰی **مُشْفِقُوْنَ** ﴿۲۸﴾ اَیْ خَائِفُوْنَ **وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ** اَیِ اللّٰهِ اَیْ غَیْرِهٖ وَهُوَ اِبْلِیْسُ دَعَا اِلٰی عِبَادَةِ نَفْسِهٖ وَاَمَرَ بِطَاعَتِهَا **فَذٰلِکَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ کَذٰلِکَ** کَمَا نَجْزِیْهِ **نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ** ﴿۲۹﴾ اَیِ الْمُشْرِکِیْنَ

ترجمہ:............قریب آ پہنچا ہے (اہل مکہ سے جو بعث کے منکر ہیں) ان کے حساب (کا وقت) اور وہ غفلت ہی میں پڑے ہیں۔ اعراض کئے ہوئے ہیں (ایمان لانے سے) ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس جو بھی تازہ نصیحت آتی ہے (وقتاً فوقتاً بشکل نزول قرآن) اسے یہ اس حال میں سنتے ہیں کہ ہنسی کرتے ہوتے ہیں اور ان کے دل بے توجہ ہوتے ہیں (اس کے مضامین سے) اور یہ لوگ یعنی ظالم اپنی سرگوشیوں کو چھپاتے رہتے ہیں (ظلموا بدل واقع ہو رہا ہے واو سے اسرّ والنجوی کے) کہ یہ (یعنی محمد) تو محض تم جیسے ایک آدمی ہیں (پس وہ جو کچھ پیش کرتے ہیں وہ تو جادو ہے) تو کیا تم جادو سننے جاؤ گے (اور اس کی اتباع کرو گے) درآنحالیکہ تم سوجھ بوجھ رکھتے ہو (یعنی جانتے ہو کہ یہ سب کچھ صرف جادو ہے ان لوگوں کو) ارشاد ہوا کہ میرا رب ہر چیز کو جانتا ہے آسمان میں ہو یا زمین میں وہ خوب سننے والا ہے (جسے یہ لوگ چھپاتے ہیں اور اسے) خوب جاننے والا ہے بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں (ان مضامین کے بارے میں جس کا قرآن میں تذکرہ ہے بل ایک مقصد سے دوسرے مقصد کی جانب منتقل ہونے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بعد کی آیات میں بل کا استعمال اسی مقصد کے لئے ہے) کہ یہ تو پریشان خیالات ہیں (جسے اس نے خواب میں دیکھا ہے) بلکہ یہ کہ انہوں نے اسے گھڑ لیا ہے۔ بلکہ وہ تو ایک شاعر ہیں (لہذا یہ مضامین اسی کے اشعار ہیں) ورنہ انہیں لانا چاہئے ہمارے پاس کوئی بڑا نشان جیسا کہ پہلے لوگ رسول بنائے گئے (اور انہیں بڑی بڑی نشانیاں دی گئیں جیسا کہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ عصا اور ید بیضاء۔ ارشاد ہوا کہ) ان سے پہلے کوئی بستی والے جن کو ہم نے ہلاک کیا ہے۔ ایمان نہیں لائے (یعنی جنہیں آیات ونشانیوں کو جھٹلانے کی سزا دی گئی سو کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے (ایسا ہرگز نہیں ہوگا) اور ہم نے آپ سے قبل صرف آدمیوں ہی کو پیغمبر بنایا ہے۔ جن کے پاس ہم وحی بھیجا کرتے تھے (وہ لوگ فرشتہ یا کوئی اور مخلوق نہیں تھی) سو تم (علماء) اہل کتاب سے دریافت کرلو اگر تم علم نہیں رکھتے (اور یہ اس وجہ سے کہ انہیں اس کا علم ہے اور تم ان کی باتوں کو جلدی جلدی قبول کرلو گے بمقابلہ مومنین کے) اور ہم نے ان کے جسم (یعنی رسولوں کے) ایسے نہیں بنائے تھے کہ جو کھانا نہ کھاتے ہوں (بلکہ وہ کھانا بھی کھاتے تھے۔ جسد معنی میں اجساد کے ہے۔ یعنی یہ مفرد نہیں بلکہ معنی میں جمع کے ہے) اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے ہوئے (دنیا میں) اور ہم نے جو ان سے وعدہ کیا تھا اسے سچا کیا (یعنی عذاب دنیا سے نجات دینے کا) پھر ہم نے ان کو اور جن کو چاہا نجات دے دی (یعنی ان کے ساتھ ان لوگوں کو جنہوں نے ان کی تصدیق کی) اور ہم نے حد سے گزرنے والوں کو ہلاک کردیا (یعنی پیغمبروں کی تکذیب کرنے والوں کو) یقیناً ہم تمہارے پاس ایسی کتاب بھیج چکے ہیں (اے قبیلہ قریش والو) جس میں تمہارے لئے نصیحت موجود ہے۔ تم کیا پھر بھی نہیں سمجھتے (اور ایمان نہیں لاتے)

اور ہم نے کتنی ہی بستیاں تباہ کرڈالیں (جن کے باشندے) ظالم تھے اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا کردی۔ سو جب انہوں نے ہمارا عذاب آتے دیکھا (اور اپنی ہلاکت کا احساس کرلیا) تو اس بستی سے بھاگنے لگے (حواس باختہ ہوکر۔ جس پر فرشتوں نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ) بھاگو مت اور واپس چلو اپنے سامان عیش اور اپنے مکانوں کی طرف۔ شاید کہ تم سے کوئی پوچھ پاچھ کرے (جیسا کہ دنیا میں تم سے لوگ مشورہ کرتے تھے یا غریب غرباء لوگ تم سے سوال کرتے تھے) وہ لوگ کہنے لگے ہائے ہماری کم بختی بے شک ہم ہی ظالم تھے (اور کفر میں مبتلا رہے۔ یا تنبیہ کے لئے ہے) ان کی یہی پکار جاری رہی (اور مسلسل یہ آہ وبکا ہوتا رہا) یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹی ہوئی کھتی اور بجھی ہوئی آگ بنادیا (اور ایسا نیست و نابود کردیا جس طرح پرکہ کٹی ہوئی کھیتی ہو یا آگ جو بجھ چکی ہو) اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے اس طرح نہیں بنایا کہ ہم کھیل کر رہے ہوں (بلکہ سوچ سمجھ کر اپنی قدرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس انداز پر بنایا کہ جو بندوں کے لئے مفید ہو) اگر ہم کو یہی منظور ہوتا کہ ہم بطور کھیل کے اس کو بنائیں (جو تفریح طبع کے لئے مثلاً بیوی اور اولاد عام طور پر اختیار کئے جاتے ہیں) تو ہم اپنے ہی پاس کی چیز کو کھیل بنالیتے (اور اس مقصد کے لئے ہم حور و ملائکہ وغیرہ کا انتخاب کرسکتے تھے) اگر ہم کو یہ کرنا ہوتا (لیکن ہمارے پیش نظر اس طرح کی کوئی بات ہی نہیں تھی) بلکہ ہم حق بات کو باطل پر پھینک مارتے ہیں (یعنی ایمان کو کفر پر) سو وہ (حق) اس (باطل) کا بھیجا نکال دیتا ہے اور اس کو مغلوب کردیتا ہے نتیجۃً وہ مٹ جاتا ہے (دمغ لغۃً اس کے معنی کسی دماغ پر اس طرح ضرب لگانا جو ہلاکت کا باعث ہو) اور (اے کفار مکہ) تمہاری بڑی کمبختی آئے گی (یعنی شدید ترین عذاب) اس سے کہ تم گھڑتے رہتے ہو (اور خدا تعالیٰ کی طرف بیوی یا بچہ کی نسبت کرتے ہو) اور اسی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ اس کے نزدیک ہیں۔ (فرشتے وغیرہ۔ یہ ابتداء ہے اور آنے والی عبارت اس کی خبر ہے) وہ اس کی عبادت سے عار نہیں کرتے اور نہ وہ تھکتے ہیں۔ رات اور دن تسبیح کرتے رہتے ہیں موقوف نہیں کرتے (تسبیح ان کے لئے ایسی ہے جیسا کہ ہمارے سانس کی آمد و رفت کوئی مشغولیت اس آمد و رفت کے لئے رکاوٹ نہیں بنتی۔ ایسے ہی ان کے لئے تسبیح سے کوئی مانع نہیں) کیا انہوں نے زمین سے ایسے معبود بنا رکھے ہیں (پتھر سے تراشیدہ، سونے اور چاندی وغیرہ سے ام اتخذوا میں ام معنی میں بل کے ہے اور ہمزہ انکار کے لئے ہے) جو کسی کو زندہ کرتے ہوں (ہرگز نہیں وہ کسی کو زندہ نہیں کرسکتے اور وہ خدا ہو ہی نہیں سکتا جو مردوں کو زندہ بھی نہ کرسکے) اگر دونوں (زمین و آسمان) میں اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود ہوتا تو یہ دونوں درہم برہم ہو گئے ہوتے (آسمان اور زمین کے۔ یہ نظام جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے سب الٹ پلٹ ہو چکا ہوتا۔ ان معبودوں کی اختلاف رائے کی وجہ سے کیونکہ ہر ایک کی اپنی علیحدہ علیحدہ رائے ہوتی جیسا کہ دنیا میں کسی چیز کو دو حاکم مل کر نہیں چلا سکتے اور کسی ایک چیز پر دونوں کا متفق ہونا مشکل ہوتا ہے) خدا تعالیٰ جو مالک ہے عرش کا، پاک ہے ان امور سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں (یعنی خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا اور اس کی طرف بیوی بچے کی نسبت کرنا) اور جو کچھ وہ کرتا ہے اس سے کوئی باز پرس نہیں کرسکتا اور اوروں سے باز پرس کی جائے گی (خدا کے علاوہ دوسروں سے ان کے افعال کے بارے میں باز پرس کی جائے گی) کیا انہوں نے خدا کے سوا اور کوئی معبود بنا رکھے ہیں (یہ استفہام اور پوچھنا توبیخ وتنبیہ کے لئے ہے) آپ (ان سے) کہئے کہ وہ اپنی دلیل پیش کریں (اپنے دعویٰ پر اور یہ ان کے لئے ممکن نہیں) یہ میرے ساتھ والوں کی کتاب (قرآن) اور مجھ سے پہلوں کی کتاب موجود ہے (مثلاً توریت وانجیل وغیرہ بھی موجود ہیں اور جو منزل من اللہ ہیں ان میں سے یہ کسی میں بھی نہیں ہے کہ خدا کا کوئی شریک ہے) لیکن اس پر بھی اکثر لوگ حق کا یقین نہیں رکھتے (اور خدا کی وحدانیت کو تسلیم نہیں کرتے) پس اس سے اعراض کر رہے ہیں۔ اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ سو میری ہی عبادت کرو (اور میری وحدانیت کو تسلیم کرو) اور یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اولاد بنا رکھی ہے

(فرشتے کو) وہ پاک ہے اس سے (بلکہ وہ فرشتے) اس کے معزز بندے ہیں (اور عبدیت اولاد کے منافی ہے) وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور وہ اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں (اور بغیر خدا تعالیٰ کے حکم کے یہ کوئی بات نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہ خدا تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں) وہ جانتا ہے جو کچھ ان کی آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے (فرشتوں کو یہ بھی یقین ہے کہ خدا تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو انہوں نے کہا اور جو کچھ یہ کرنے والے ہیں) اور وہ شفاعت بھی نہیں کر سکتے بجز اس کے جس کے لئے اللہ کی مرضی ہو (یہ خود اپنی طرف سے کسی کی شفاعت بھی نہیں کر سکتے) اور وہ سب اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جو کوئی ان میں سے یہ بھی کہہ دے کہ میں خدا تعالیٰ کے علاوہ معبود ہوں (مثلاً ابلیس نے اپنی عبادت کی طرف لوگوں کو بلایا اور اپنی اطاعت کا حکم دیا) سو ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے۔ ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں (یعنی مشرکین کو۔)

تحقیق وترکیب: .... **الناس** سے مراد منکرین قیامت ہیں اور خصوصاً مشرکین عرب۔

حسابهم سے مراد وقت حساب یعنی قیامت کا دن۔ **الا استمعوه**. یہ استثناء مفرغ ہے محلاً منصوب ہے۔ کیونکہ **یاتیهم** کے مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے۔ قد یہاں مقدر ہے **استمعوا** کے فاعل سے **هم یلعبون** دوسرا حال ہے۔ اسی **یلعبون** کے واؤ سے **لاهیة قلوبهم** تیسرا حال ہے۔ ..... **اسروا النجویٰ**. **نجویٰ** میں تو خود اخفاء کا پہلو ہے۔ **اسروا** کے لفظ نے مزید تاکید پیدا کردی۔ ..... **الذین ظلموا**. **اسروا النجویٰ** کے واؤ سے بدل واقع ہو رہا ہے اور سیبویہؒ کی رائے میں یہ **اسروا النجویٰ** کا فاعل واقع ہو رہا ہے اور **ظلموا** کا واؤ بطور علامت جمع کے ہے اور اخفشؒ کہتے ہیں کہ یہ مبتداء ہے اور ماقبل کا جملہ خبر ہے اور زجاجؒ کے نزدیک یہ بدل ہے۔ **یاتیهم** کے مفعول سے یا مجرور ہے اس بنیاد پر کہ یہ بدل ہے **الناس** سے۔ **هل هٰذا**. یہ بدل ہے نجویٰ سے اور اس کی تفسیر ہے۔ یا یہ کہ یہ مفعول ہے کسی فعل مضمر کا اور **اسروا النجویٰ** سے جو سوال پیدا ہو رہا تھا کہ وہ خفیہ سرگوشی کیا ہے؟ تو اس کا یہ جواب ہے اور **هل** معنی میں نفی کے ہے۔

اضغاث احلام. خبر ہے مبتداء محذوف کا۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ **هو اضغاث احلام** جملہ نصب کی جگہ پر ہے کیونکہ یہ مفعول بہ ہے **قالوا** کا۔ **حلم**. حا کو پیش اور لام ساکن اور دوسری قرائت حاء اور لام دونوں کو پیش کی ہے۔

فلیاتنا بأیة. یہ جواب ہے شرط محذوف کا اور تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ **وان لم یکن کما قلنا بل کان رسولاً من عند الله فلیاتنا بایة** اور **ارسل الاولون** صفت ہے **ایة** کی **کما** میں **ما** موصولہ ہے۔ اور ما مصدریہ بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں کاف منصوب ہوگا۔ کیونکہ یہ مصدر تشبیہی ہوگا۔ عبارت ہوگی۔ **فلیاتنا بایة اتیاناً کائناً مثل ارسال الاولین**.

أیةً سے مراد کوئی بڑا معجزہ ہے۔ **الا رجالاً**. بشر کے بجائے رجل لانے سے اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ نبوت ہمیشہ مردوں ہی کو ملی ہے۔ **اهل الذکر** سے مراد اہل کتاب ہیں۔

جسداً. واحد ہے لیکن جمع کے معنی میں ہے۔ یا یہ کہ مضاف محذوف ہے۔ عبارت ہے **ذوی جسد**.

لایاکلون الطعام. میں دو اعراب ممکن ہے۔ راجح یہ ہے کہ یہ **جسد** کی صفت ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے۔ اگرچہ **جسداً** مفرد ہے۔ لیکن اس سے جمع مراد ہے۔ یا مضاف یہاں محذوف ہے اور اصل عبارت یوں ہے۔ **ذوی جسد غیر اکلین الطعام**.

قصمنا. کے معنی ریزہ ریزہ کردینے کے آتے ہیں۔ یہی ایک ایسی قوم ہے۔ جس کو تلوار کے ذریعہ ختم کیا گیا تھا۔ قوم لوط کا استیصال زلزلوں اور دوسرے ذرائع سے ہوا تھا۔ **معالم التنزیل** میں ہے کہ یہ آیات حضور نامی بستی کے باشندوں کے بارے میں

نازل ہوئیں۔ جو مین کی ایک بستی تھی۔

استهزاء بهم. یہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ فرشتے خوب جانتے تھے کہ ان کی مکمل تباہی کا فیصلہ ہو چکا۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ ملائکۃ اللہ کذب بیانی سے محفوظ ہیں۔ پھر انہوں نے یہ کیسے کہا کہ شاید تم مزے اڑاؤ۔ حالانکہ تباہی کے فیصلے کے ساتھ مزے اڑانے کا کیا سوال۔ جواب یہ ہے کہ ملائکۃ اللہ کا یہ ارشاد ایک طعن آمیز مذاق ہے۔

لو اردنا. لو کا جواب لا تخذناہ من لدنا ہے ان کنا فاعلین میں ان شرطیہ ہے جس کا جواب اردناہ محذوف ہے۔

مما تصفون. متعلق ہے استقرار کے۔ یعنی تمہاری تباہی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ کیونکہ تم خدا تعالیٰ کے متعلق وہ کچھ کہتے ہو جو اس کے شایان شان نہیں ...... الا اللہ الا اسم ہے معنی میں غیر کے جس کی صفت ظہر ہے۔ الا استثنائیہ نہیں ہے۔ استثناء کا مفہوم یہاں ممکن ہی نہیں۔

هٰذا ذكر من معى. توحید پر میرے دلائل یہ ہیں۔ اگر تعداد الٰہ پر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے۔ تو لاؤ ھٰذا مبتداء ہے اور اس سے ارہ کتب سماویہ کی جانب ہے۔

من خشيته مشفقون. خشیہ اس خوف کو کہتے ہیں جس میں تعظیم کی آمیزش ہو۔ اور علماء کا خوف اس وصف سے متصف ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے واسطے خشیت کا لفظ استعمال ہوا۔ اشفاق میں خوف کے ساتھ توجہ رہتی ہے۔ اگر اس کا تعدیہ مِن کے ساتھ ہوا تو خوف کے معنی واضح رہتے ہیں۔ اور علیٰ کے ساتھ متعدی ہونے کی صورت میں توجہ کا مفہوم نمایاں رہے گا۔ یہ فرق قاضی بیضاویؒ کی تحقیق ہے۔

ومن يقل منهم. یہ فرشتوں سے متعلق ہے۔ یعنی ملائکہ سے دعوائے خدائی بعید ہے۔ وہ تو معزز بندے ہیں۔ پھر اپنی الوہیت کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ فرشتوں میں سے جس نے دعوے خدائی کیا۔ وہ صرف شیطان تھا جو ایک مدت وزرا ملائکہ کے ساتھ رہنے کی بناء پر ملائکہ میں شمار ہوتا تھا۔

ربط: .... قرآن کا دستور ہے کہ کسی سورت کے ابتدائی مضامین ومطالب خاتمہ سورت پر مکرر لوٹا دیئے جاتے ہیں۔ یاد ہوگا کہ سورۂ طٰہٰ کی ابتداء میں نزول قرآن کا ذکر ایک خاص انداز میں ہوا تھا۔ حسب دستور اختتام پر پھر نزول قرآن کا تذکرہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ کہ **ولا تعجل بالقران من قبلك ان يقضىٰ اليك الخ** آنحضور ﷺ نے خود پر ایک مشقت یہ بھی ڈال رکھی تھی کہ حضرت جبرائیلؑ کے ساتھ قرآن کو فرفر دہراتے۔ یہ کوشش فراموش ہونے کے اندیشہ کے پیش نظر تھی۔ جس سے آپ کو روک دیا گیا۔ **طٰهٰ ما انزلنا عليك القرٰان لتشقىٰ** میں نزول قرآن سے ہر مشقت کی نفی کی گئی تھی۔ پھر یہ کیسے مناسب ہوتا۔ کہ پیغمبر اعظم ﷺ نے جس مشقت کو اختیار فرمایا تھا۔ اس کی ممانعت نہ کی جاتی۔ خود قرآن کو عربی زبان میں نازل کرنا رسالت مآب ﷺ کے لئے یسر وسہولت کے لئے تھا۔ اسی لئے محولہ بالا آیات سے کچھ قبل بزبان عربی نزول پر خاص زور دیا گیا ہے اور کیونکہ قرآن مجید ایک نصیحت نامہ ہے۔ اسی لئے قوموں کے عروج وزوال، انبیاء علیہم السلام کی کامیابی، معاند اقوام کی تباہی وہلاکت کی داستانیں نصیحت کے لئے سب سے زیادہ موثر و کارآمد ہیں اور جو قدیر ومقتدر، شوکت وقوت کی مالک قوموں کو چشم زون میں ہلاک کر سکتا ہے۔ اس کے لئے عظیم الجثہ پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دینا کیا مشکل ہے۔ ان معروضات کی روشنی میں **يسئلونك عن الجبال فقل ينسفها ربى نسفاً** کو پڑھئے۔ اور روابط کی دریافت کی داد دیجئے۔

انسان ضعیف البنیان، پر جلال خدا کے مقابل میں خدائی دعوں پر کس طرح اتر آتا ہے اور یہ شیطانی ادعاوہ کیوں کرتا ہے۔ اس کا سرا وہی ابلیس ملعون کی اغوائی کوششیں ہیں جن کے نتیجہ میں ابوالبشر آدم علیہ السلام کو جنت سے محروم ہونا پڑا تھا۔ اس تذکیر کے لئے

طٰـہٰ کے اختتام پر قصہ آدمؑ وابلیس کا اعادہ کیا گیا۔ قرآن کے نقطہ نظر سے معاش ومعیشت کی الجھنیں خدا فراموش زندگی اختیار کرنے کا لازمہ ہے۔ نماز، تسبیح وتہلیل ایک پرسکون زندگی کا باعث ہے۔ آدم علیہ السلام کی لمحہ بھر کی غفلت لذائذ جنت سے محرومی کا باعث بنی۔ پھر یہ خدا فراموش انسان طویل غفلتوں کے نتیجہ میں **معیشۃً ضنکاً** کا مستحق کیوں نہ ہو۔ طٰہٰ کے اخیر میں قرآن پاک کے ذکری پہلو پر زور دیا گیا تھا۔ تو سورہ انبیاء کے اوائل میں اس دردناک معاملہ کا تذکرہ ہے۔ کہ انسان کا ''ذکر'' سے بھی کیسا لغو معاملہ ہے۔ ارشاد ہے کہ **مایاتیھم من ذکر من ربھم محدث الا استمعوہ وھم یلعبون** کہ انسان نے اس مرقع عبرت کو بھی ہنسی کھیل میں اڑا دیا۔ بلکہ وہ قرآن کے متعلق افسانہ تراشی میں لگ گئے اور صاحب وحی کو ایک عام آدمی تصور کر بیٹھے۔ سورہ انبیاء کے اوائل میں قرآن مجید کی تذکیر پر یہ ارشاد فرما کر **لقد انزلنا الیکم کتاباً فیہ ذکر کم** پھر ایک مرتبہ توجہ دلا دی گئی۔ توحید کا اثبات، ابطال شرک، انبیاء علیہم السلام کی بشریت، قوموں کا استیصال، انبیاء علیہم السلام کے تذکرے، ان کی پاکیزہ صفات وفضائل سورہ انبیاء میں مفصلاً آ گئے۔ اگر سورۂ طٰہٰ چند انبیاء کے قصص وواقعات پر مشتمل تھی۔ تو سورۂ انبیاء میں ان کی قدرے تفصیل ہے۔ مضمون کا یہی اتحاد طٰہٰ اور انبیاء کا نقطہ اتحاد ہے۔

﴿ **تشریح** ﴾: .... خدا تعالیٰ منکرین قیامت کو متنبہ کر رہے ہیں کہ قیامت قریب آ گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ لوگ اس کی تیاری تو کیا کرتے۔ اس خبر کا یقین ہی نہیں کرتے۔ بلکہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ غفلت اس وجہ سے اور بھی مذموم ہے کہ اس میں اعراض بھی پایا جاتا ہے۔ ورنہ مطلق غفلت سے تو کوئی بھی انسان خالی نہیں۔ انہی منکرین اور کفار کے بارے میں ارشاد ہے کہ یہ لوگ خدا کے کلام اور وحی الٰہی کو غور سے سننے کے بجائے ایک کان سے سنتے ہیں اور دوسرے کان سے اڑا دیتے ہیں۔ بلکہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ خدا کے کلام کے ساتھ یہ معاملہ بھی اسی آخرت فراموشی کا نتیجہ ہے۔ یہ لوگ اسلام اور رسول اسلام کے خلاف سازش کرتے ہیں اور چونکہ سازش کے لئے اخفاء ضروری ہے۔ اس وجہ سے قرآن نے نقل کیا۔ کہ وہ اپنی سرگوشیوں کو چھپاتے ہیں۔ وہ خفیہ مشورے کرتے اور لوگوں کو بہکاتے۔ کہ یہ شخص جو رسالت کا مدعی ہے یہ کوئی مافوق البشر شخصیت نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ہم ہی جیسا ایک انسان ہے اسے نبوت اور رسالت کہاں سے مل سکتی ہے۔ اور یہ قران میں جو اثر دیکھتے ہو۔ یہ تو تمام تر اس کے جادو کا نتیجہ ہے۔ تو کیا تم لوگ ہوش و حواس رکھتے ہوئے بھی اس کے جادو میں آ کر اپنے جیسے ایک انسان کی ماتحتی کو قبول کر لو گے؟

انہی کے جواب میں ارشاد ہے کہ ان سے کہئے کہ میرا خدا آسمان وزمین کی تمام باتوں کو جانتا ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ عالم الغیب ہے۔ دوسرے مذاہب کے دیوتاؤں کی طرح ناقص العلم نہیں۔ خفیہ سے خفیہ سازش بھی اس سے چھپانا ممکن نہیں۔ چنانچہ وہ تمہاری باتوں سے بھی باخبر ہے اور سازشوں پر مطلع ہے۔ تمام حالات کا اسے پوری طرح علم ہے۔ لہٰذا تمہیں ڈرنا چاہئے۔

کفار کی بدحواسی: .... یہ کفار پریشانی اور حیرانی کے عالم میں کلام خداوندی کو کبھی جادو، کبھی شاعری، کبھی پریشان خیالی اور کبھی آنحضور ﷺ کا خود گھڑا ہوا کلام بتاتے۔ کسی ایک بات پر نہیں جمتے بلکہ مختلف انداز پر لوگوں کو بہکانے کی کوشش کرتے اور اسی کوشش میں کہتے کہ اگر یہ سچا نبی ہے تو حضرت صالحؑ کی طرح کوئی اونٹنی یا حضرت موسیٰؑ کی طرح کا کوئی معجزہ دکھائے۔ جس پر خدا تعالیٰ کا جواب ہے۔ کہ ان معجزات سے کیا فائدہ۔ پچھلی قوموں میں بارہا اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ کہ انہوں نے سب کچھ دیکھا۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے کفر پر جمے رہے۔ جس کے نتیجہ میں ان پر عذاب آ کر رہا۔ تو ان سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ کہ یہ معجزات دیکھ کر ایمان لے آئیں گے۔ اس لئے انہیں کوئی معجزہ وغیرہ دکھانا لاحاصل ہے۔ نیز کفار کہا کرتے تھے کہ یہ تو ہم ہی جیسا ایک انسان ہے۔ ہم کس طرح اس کی بندگی قبول کر سکتے ہیں اور کیا انسان بھی رسول ہو سکتا ہے۔

اس کی تردید میں ارشاد ہے کہ آپ سے پہلے بھی نبی تو ہر دور اور ہر ملک میں انسان ہی کو بنا کر بھیجا گیا۔ فرشتے یا اور کسی مخلوق کو انسان کی راہبری کے لئے نہیں بھیجا گیا اور رجــــلا کراس بات کی طرف اشارہ کر دیا۔ کہ ہمیشہ مردوں ہی کو نبوت ملی ہے عورتوں کو نہیں۔ ان کے اطمینان کے لئے کہا جا رہا ہے کہ تم یہود ونصاریٰ وغیرہ سے بھی پوچھ لو کہ ان کے پاس انسان ہی رسول بنا کر بھیجے گئے یا فرشتے وغیرہ۔ اور یہ تو خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ انسان کو رسول بنا کر بھیجتے ہیں۔ تاکہ لوگ ان کے پاس بے تکلف اٹھ بیٹھ سکیں اور دین سیکھیں۔ نیز جو بھی رسول بنا کر بھیجے گئے۔ وہ کوئی ایسا جسم وجثہ لے کر نہیں آئے جو کھانا نہ کھاتے ہوں۔ بلکہ انسانوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں اور اسی طرح دوسری ضروریات بھی رکھتے ہیں۔ یہ پیغمبری کے منافی نہیں ہے۔ البتہ عام انسانوں اور پیغمبروں میں یہ فرق ہوتا ہے کہ پیغمبر کے پاس وحی آتی ہے اور ان کا اصل کام خدائی تعلیم کو دنیا میں پھیلانا ہوتا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ کا جو وعدہ تھا وہ سچا ہو کر رہا۔ وہ وعدہ یہی تھا کہ ایمان لانے والے اور رسالت کی تصدیق کرنے والے عذاب سے محفوظ رہیں گے اور انبیاء بھی اپنی ظاہری بے سروسامانی کے باوجود منکرین کی شان وشوکت کے مقابلہ میں کامیاب ہوں گے۔ تو یہ وعدہ پورا ہو کر رہا اور حد سے آگے بڑھ جانے والے تباہ وبرباد ہو کر رہے۔

عروج وزوال:............ منکرین سے خطاب ہے کہ ہم نے ایسی کتاب نازل کی۔ جس میں تمہارے لئے نصیحت موجود ہے۔ لیکن پھر بھی قران کی بلیغ نصیحت تم پر اثر نہیں کرتی۔ اور نہ تم گذشتہ قوموں کی تباہی سے سبق حاصل کرتے ہو۔ تم دیکھتے نہیں کہ ہم نے کتنی قوموں کو تباہ وبرباد کر ڈالا۔ جن کے باشندے ظالم تھے اور ان کی جگہ دوسری قوم کو آباد کر دیا۔ اس طرح پر خدا کی زمین ویران اور غیر آباد نہیں رہی۔ بلکہ فرمانبردار اور اطاعت گزار بندوں کے ذریعہ آباد کر دی گئی۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی حالت میں تبدیلی نہیں کی۔ مگر جب خدا کے عذاب کو اپنی آنکھوں سے آتا ہوا دیکھ لیا۔ تو انہیں یقین ہو گیا۔ کہ اب واقعی نبی کی اطلاع کے مطابق عذاب آچکا تو وہ گھبرا کر بھاگنے لگے۔ جس پر ندائے غیبی آئی۔ کہ بھاگو مت بلکہ اپنے محلات میں واپس چلو۔ جہاں تم اب تک عیش وعشرت کی زندگی گزار رہے تھے۔ تاکہ تم سے پوچھ گچھ کر لی جائے۔ کہ تم نے خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کیا یا نہیں۔ اس وقت نہ یہ سامان کام آیا اور نہ مکان۔ اور نہ کسی ہمدرد وغمگسار کا نام ونشان رہا۔ اب یہ اپنے جرائم کا اعتراف کریں گے اور شور واویلا مچائیں گے۔ لیکن اس وقت کا اقرار ان کے کیا کام آئے گا۔ ان کی آہ وفریاد بیکار جائے گی۔ اور اس طرح نیست ونابود کر دیئے جائیں گے جیسے کٹی ہوئی کھیتی ہو۔

تردید:............ اب ان مشرکین کی تردید کی جاتی ہے۔ جن کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا محض تماشہ گاہ ہے اور اس کے پیدا کرنے سے خدا تعالیٰ کا مقصد تماشہ دیکھنے اور دکھانے کے سوا کچھ نہیں...... اس کا جواب ہے کہ اس دنیا کے پیدا کرنے سے بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں وابستہ ہیں۔ اسے ہم نے کھیل تماشہ کے طور پر نہیں بنایا۔ اگر اس سے کھیل تماشا ہی مقصود ہوتا۔ تو اس دنیا کے بنانے کی ضرورت کیا تھی۔ ہم اپنے پاس موجود مخلوق سے بھی یہ کام لے سکتے تھے...... لہو کے معنی اہل یمن کے نزدیک بیوی کے بھی آتے ہیں۔ اور چونکہ مشرکین کا ایک عقیدہ یہ بھی تھا۔ کہ اس عقیدہ کے بنانے سے خدا تعالیٰ کا مقصد بیوی اور بچہ حاصل کرنا تھا۔ اس وجہ سے آیت کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں۔ کہ اگر ہمیں بیوی اور بچہ حاصل کرنا تھا تو اپنے پاس مخلوق حور اور فرشتے کو بیوی بچے بنا سکتے تھے۔ ان کنــا فـاعلین میں ان کو نافیہ کہا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم یہ کرنے والے نہیں تھے۔

مشہور مفسر مجاہدؒ کا کہنا ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں بھی ان استعمال ہوا ہے۔ وہ نفی کے معنی میں ہے۔ یہ کائنات تماشہ گاہ نہیں ہے۔ بلکہ حق وباطل اور صدق وکذب کی معرکہ گاہ ہے۔ باطل ہمیشہ حق کے سامنے مغلوب رہتا ہے۔ جو خدا کے لئے اولاد ٹھہراتے ہیں۔

ان کے لئے تباہی وبربادی ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ جن فرشتوں کو تم نے خدا کی بیٹیاں اور اپنا دیوی دیوتا قرار دے رکھا ہے۔ان کا تو حال یہ ہے کہ وہ ہر وقت خدا کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں نہ حضرت مسیح کو خدا کا بندہ ہونے میں کوئی عار محسوس ہوتی ہے اور نہ فرشتوں کو خدا کی عبادت سے انکار ہے۔باوجود ہر وقت خدا کی عبادت میں لگے رہنے کے نہ وہ تھکتے ہیں اور نہ گھبراتے ہیں۔ کیونکہ آگے زمینی دیوتا کا ذکر آ رہا ہے۔ تو ضروری سمجھا گیا۔ کہ ان آسمانی دیوتاؤں کا بھی تذکرہ کر دیا جائے۔جنہیں کفار نے غلط طور پر اپنا خدا بنا رکھا ہے۔اسی لئے فرشتوں کا حال سنا دیا گیا۔

ابطال تعدد الٰہ: ....مشرکین کی حماقت کا یہ حال ہے کہ انہوں نے مخلوق کو جو خود بے جان اور بے قدرت ہے معبود بنالیا۔جن میں کسی کو جلانے تک کی صلاحیت نہیں۔اسے معبود حقیقی کے برابر تصور کر لیا۔اور اگر بالفرض چند خدا تسلیم کر لئے جائیں۔تو یہ زمین و آسمان تباہ و برباد ہو کر رہ جائیں۔ کیونکہ چند خداؤں کے درمیان تصادم ناگزیر ہے۔ ہر ایک اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی کوشش کریں گے۔جس کے نتیجہ میں اختلافات شروع ہوں گے۔اور دنیا کا نظام ابتر ہو جائے گا۔دنیا کا منظم ومرتب انداز اس بات کی علامت ہے کہ ایک سے زائد معبود نہیں ہے۔ نیز وہ خدا ہی کیا جس کی خدائی میں شریک ہوں اور جسے نہ کامل ومکمل اختیار ہو اور جو نہ بااختیار ہو۔ اس مضمون وحقیقت سے چند خداؤں کی تردید ہو جاتی ہے۔

خدا کی صفت رب العرش لاکر اس کی بے پناہ عظمت کا اظہار ہے۔ کیونکہ خدا کی مخلوقات میں عرش سب سے عظیم ہے ظاہر ہے کہ جو اس کا مالک ہو گا وہ کتنا عظمت والا ہو گا۔ واقعی وہی حاکم اور بلند و بالا ہے اور اس کا کوئی مثل، شریک اور ساجھی نہیں۔ یہ جو مشرکین خدا تعالیٰ کی طرف مختلف چیزوں کی نسبت کرتے ہیں۔خدا اس سے پاک اور بہت اعلیٰ ہے۔اس کے آگے کسی کو چوں و چرا کرنے کی بھی مجال نہیں۔نہ کسی کو کچھ پوچھ گچھ کرنے کی ہمت کہ یہ کام کیسے اور کیوں ہوا؟ اور خدا تعالیٰ چونکہ سب کا مالک اور خالق ہے۔اس لئے اسے ہر ایک سے باز پرس اور اس کی اعمال کے محاسبہ کا اختیار ہے۔جسے چاہے سزا دے اور جسے چاہے جزا دے۔

کوئی دلیل نہیں: ....مشرکین کو دعوت مقابلہ ہے کہ توحید پر تو بے شمار دلیل عقلی ونقلی ہیں اور تم شرک پر کوئی دلیل پیش کر سکتے ہو تو کرو۔ توحید پر تو اس سے پہلے کی تمام آسمانی کتابیں بھی دلیل ہیں اور وہ اس بات کی شہادت دے رہی ہیں کہ خدا کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تمام انبیاء ورسل کو توحید ہی کی تعلیم دی گئی۔لیکن مشرکین چونکہ حق سے اعراض کئے ہوئے ہیں۔اس لئے وہ ایمان ویقین کی دولت سے بھی محروم ہیں۔پچھلی قوموں میں بھی انبیاءؑ بھیجے جاتے رہے۔اور ہر ایک نے اسی کی تعلیم دی کہ خدا کے علاوہ کوئی پرستش کے لائق نہیں۔اور انبیاءؑ کے ذریعہ اسی کی تبلیغ کی جاتی رہی۔کہ صرف خدا ہی کی عبادت کرو۔کسی نے شرک کی تعلیم نہیں دی۔یہ محض انسانی ذہن کی پیداوار ہے۔

ایک غلط خیال: ....بعض مشرکین مکہ کا خیال تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔آیت میں ان کے اس عقیدہ کی تردید ہے۔ بتایا گیا ہے کہ فرشتے اللہ کی اولاد نہیں۔ بلکہ اس کے معزز بندے ہیں۔ان کا حال یہ ہے۔کہ ہر وقت اس کے حکم کے منتظر رہتے ہیں۔خدا کے حکم کی مخالفت ان سے ممکن نہیں۔آیت میں یہود ونصاریٰ کی بھی تردید ہو گئی۔ جو نافرمان فرشتے کے وجود کے قائل ہیں۔ نیز فرشتوں کو اس کا بھی یقین ہے۔ کہ خدا تعالیٰ سب کے اگلے پچھلے احوال کو خوب جانتا ہے اور اس کی ہیبت ان کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے۔اس لئے ان کو اس کی مجال نہیں۔کہ خدا کے کسی مجرم کی اس کی مرضی کے خلاف سفارش ہی کریں۔چونکہ یہ شرک عام تھا۔اس وجہ سے جگہ جگہ

اور مفصل تردید کی ضرورت محسوس کی گئی۔ مزید یہ بھی کہا گیا کہ اگر بالفرض یہ معزز ومقرب بندے بھی خدائی کا دعویٰ کر بیٹھیں تو انہیں بھی ہم دوسری مخلوقات کی طرح سخت سے سخت سزا دیں گے۔ یہ بطور مفروضہ کے فرمایا گیا۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ فرشتے بھی ایسا ناپاک دعویٰ کریں۔ اس طرح کے مفروضے قرآن میں جگہ جگہ استعمال کئے گئے ہیں۔

اَوَلَمْ بِواوٍ وَتَرْكِهَا **يَرَ** يَعْلَمْ **الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا** اَیْ سَدًّا بِمَعْنٰی مَسْدُوْدَةً **فَفَتَقْنٰهُمَا** اَیْ جَعَلْنَا السَّمَاءَ سَبْعًا وَالْاَرْضَ سَبْعًا اَوْ فَتْقُ السَّمَاءِ اَنْ كَانَتْ لَاتُمْطِرُ فَاَمْطَرَتْ وَفَتْقُ الْاَرْضِ اَنْ كَانَتْ لَاتُنْبِتُ فَاَنْبَتَتْ **وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ** النَّازِلِ مِنَ السَّمَاءِ وَالنَّابِعِ مِنَ الْاَرْضِ **كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ** نَبَاتٍ وَغَيْرِهٖ فَالْمَاءُ سَبَبٌ لِحَيٰوتِهٖ **اَفَلَايُؤْمِنُوْنَ** ﴿۳۰﴾ بِتَوْحِيْدِیْ **وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ** جِبَالًا ثَوَابِتَ لِ **اَنْ لَا تَمِيْدَ** تَتَحَرَّكَ **بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيْهَا** اَیِ الرَّوَاسِیْ **فِجَاجًا** مَسَالِكَ **سُبُلًا** بَدَلٌ اَیْ طُرُقًا نَافِذَةً وَاسِعَةً **لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ** ﴿۳۱﴾ اِلٰی مَقَاصِدِهِمْ فِی الْاَسْفَارِ **وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا** لِلْاَرْضِ كَالسَّقْفِ لِلْبَيْتِ **مَّحْفُوْظًا** عَنِ الْوُقُوْعِ **وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا** مِنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالنُّجُوْمِ **مُعْرِضُوْنَ** ﴿۳۲﴾ لَايَتَفَكَّرُوْنَ فِيْهَا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ خَالِقَهَا لَاشَرِيْكَ لَهٗ **وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ** تَنْوِيْنُهٗ عِوَضٌ عَنِ الْمُضَافِ اِلَيْهِ مِنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَتَابِعِهٖ وَهُوَ النُّجُوْمُ **فِیْ فَلَكٍ** اَیْ مُسْتَدِيْرٍ كَالطَّاحُوْنَةِ فِی السَّمَاءِ **يَّسْبَحُوْنَ** ﴿۳۳﴾ يَسِيْرُوْنَ بِسُرْعَةٍ كَالسَّابِحِ فِی الْمَاءِ وَلِلتَّشْبِيْهِ بِهٖ اَتٰی بِضَمِيْرِ جَمْعِ مَنْ يَعْقِلُ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ الْكُفَّارُ اَنَّ مُحَمَّدًا سَيَمُوْتُ **وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ** اَیِ الْبَقَاءَ فِی الدُّنْيَا **اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ** ﴿۳۴﴾ فِيْهَا لَا فَالْجُمْلَةُ الْاَخِيْرَةُ مَحَلُّ الْاِسْتِفْهَامِ الْاِنْكَارِیْ **كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ** فِی الدُّنْيَا **وَنَبْلُوْكُمْ** وَنَخْتَبِرُكُمْ **بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ** كَفَقْرٍ وَغِنًی وَسُقْمٍ وَصِحَّةٍ **فِتْنَةً** مَفْعُوْلٌ لَهٗ اَیْ لِنَنْظُرَ اَتَصْبِرُوْنَ وَتَشْكُرُوْنَ اَوْلَا **وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ** ﴿۳۵﴾ فَيُجَازِيْكُمْ **وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ** مَا **يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا** اَیْ مَهْزُوًّا بِهٖ يَقُوْلُوْنَ **اَهٰذَا الَّذِیْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ** اَیْ يَعِيْبُهَا **وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ** لَهُمْ **هُمْ** تَاكِيْدٌ **كٰفِرُوْنَ** ﴿۳۶﴾ بِهٖ اِذْ قَالُوْا مَا نَعْرِفُهٗ وَنَزَلَ فِی اِسْتِعْجَالِهِمُ الْعَذَابَ **خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ** اَیْ اَنَّهٗ لِكَثْرَةِ عَجَلِهٖ فِیْ اَحْوَالِهٖ كَاَنَّهٗ خُلِقَ مِنْهُ **سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِیْ** مَوَاعِيْدِیْ بِالْعَذَابِ **فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ** ﴿۳۷﴾ فِيْهِ فَاَرَاهُمُ الْقَتْلَ بِبَدْرٍ **وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ** بِالْقِيَامَةِ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿۳۸﴾ فِيْهِ قَالَ تَعَالٰی **لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ** يَدْفَعُوْنَ **عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَاهُمْ يُنْصَرُوْنَ** ﴿۳۹﴾ يَمْنَعُوْنَ مِنْهَا فِی

الْقِيٰمَةِ وَجَوَابُ لَوْ مَا قَالُوْا ذٰلِكَ **بَلْ تَاْتِيْهِمْ** الْقِيٰمَةُ **بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ** تُحَيِّرُهُمْ **فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾** يُمْهَلُوْنَ لِتَوْبَةٍ اَوْ مَعْذِرَةٍ **وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ** فِيْهِ تَسْلِيَةٌ لِّلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **فَحَاقَ** نَزَلَ **بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾** وَهُوَ الْعَذَابُ فَكَذَا يَحِيْقُ بِمَنِ اسْتَهْزَأَ بِكَ ع ۱۲ ۳

ترجمہ: ....کیا جولوگ کفر اختیار کئے ہوئے ہیں انہیں علم نہیں کہ آسمان اور زمین بند تھے۔ پھر ہم نے دونوں کو کھول دیا (دونوں ایک تھے تو ہم نے آسمان کو بھی سات درجوں میں تقسیم کر دیا اور زمین کو بھی سات طبقوں میں۔ کھولنے کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ آسمان سے بارش نہیں برستی تھی۔ ہم نے بارش برسادی اور زمین میں پیداوار نہیں تھی ہم نے اسے اس قابل بنا دیا۔ کہ اس میں کھیتی لہلہانے لگی) اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا ہے (ہر سبزی اور جاندار چیز کی حیات ونشوونما کا سبب آسمان سے برسنے والا اور زمین سے نکلنے والا پانی ہے) کیا یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے (خدا کی وحدانیت پر) اور ہم نے زمین میں اس لئے پہاڑ بنائے کہ زمین لوگوں کو لے کر ہلنے نہ لگے اور ہم نے (پہاڑوں میں) کشادہ راستے بنادیئے (سبلاً بدل ہے **فجاجاً** سے یعنی کشادہ راستہ) تاکہ لوگ راستہ پاتے رہیں (اور ان راستوں سے ہوکر اپنی منزل پر پہنچ سکیں (اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا (اب آسمان گھر کی چھت کی طرح زمین کے لئے چھت ہے جو گرنے سے بھی محفوظ ہے) اور یہ لوگ اس کی نشانیوں سے (مثلاً سورج، چانداور ستاروں سے) منہ پھیرے ہوئے ہیں (اور غور وفکر نہیں کرتے ہیں کہ ان کا پیدا کرنے والا وہی خدا وحدہ، لاشریک ہے) اور وہ وہی تو ہے جس نے رات کو، دن کو، سورج کو اور چاند کو پیدا کر دیا ہے۔ سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں (جس طرح چکی چلتی ہے۔ **کل** کی تنوین مضاف الیہ کے بدلہ میں ہے۔ عبارت ہے **کلھم** یعنی یہ سورج، چانداور ستارے چکر کاٹ رہے ہیں تیزی کے ساتھ جیسے تیراک پانی میں تیرتا ہے۔ اور چونکہ تشبیہ تیراک سے دی جارہی تھی۔ اس لئے ضمیر وہ استعمال کی گئی جو عاقل کے لئے استعمال ہوتی ہے اور جب کفار نے کہا کہ محمد ﷺ فوت ہوجائیں گے تو یہ آیت اتری) اور ہم نے آپ سے قبل بھی۔ کسی بشر کو ہمیشگی کے لئے نہیں بنایا تھا (کوئی بھی دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آیا ہے) اگر آپ کا انتقال ہوجائے تو کیا یہ ہمیشہ رہیں گے (دنیا میں۔ یہ استفہام انکاری ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا ہے) ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے (دنیا میں) اور ہم تم کو آزماتے ہیں برائی سے اور بھلائی سے (مالداری اور محتاجی سے، تندرستی و بیماری کے ذریعہ) اچھی طرح (**فتنہ** مفعول بہ ہے) یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ تم مصیبت میں صبر اور راحت میں شکر ادا کرتے ہو یا نہیں) اور ہماری ہی طرف تم لوٹ کر آؤ گے (اس وقت ہم تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیں گے) اور یہ کافر لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ سے بس ہنسی کرنے لگتے ہیں (اور آپس میں کہتے ہیں کہ) کیا یہی ہیں جو تمہارے معبودوں کا ذکر کیا کرتے ہیں اور (اس کی عیب جوئی کرتے ہیں) درآنحالیکہ یہ لوگ خود رحمٰن کے ذکر پر کفر کرتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ ہم تو اسے جانتے ہی نہیں ہیں۔ دوسرا **ھم** تاکید کے لئے ہے۔ اگلی آیت ان کفار کے عذاب کے مطالبہ میں جلدی کرنے پر نازل ہوئی) انسان کی خلقت ہی جلدی (کے خمیر) سے ہوئی ہے (وہ اتنی جلد بازی کرتا ہے کہ گویا اس کی پیدائش ہی جلدی کے خمیر سے ہوئی ہے) ہم عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھادیں گے پس تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ (اس سلسلہ میں ان لوگوں کو قتل کراؤں گا جنگ بدر کی صورت میں) اور یہ کہتے ہیں کہ وعدہ کس وقت پورا ہوگا (قیامت کا) اگر تم سچے ہو (اپنے وعدہ میں۔ جس پر ارشاد ہوا کہ) کاش! ان کافروں کو اس وقت کی خبر ہوتی۔ جب کہ یہ آگ کو نہ اپنے سامنے سے روک سکیں گے اور نہ اپنے پیچھے سے اور نہ انہیں مدد پہنچ سکے گی (کیونکہ قیامت میں کسی کو مدد پہنچانے سے روک دیا جائے گا۔ آنے والی آیت **لو** کا

جواب ہے) بلکہ وہ (قیامت) انہیں بیک وقت آئے گی اور انہیں بدحواس کردے گی۔ پھر نہ انہیں اس کے دور کرنے کی مہلت ہوگی اور نہ انہیں مہلت ہی دی جائے گی (توبہ کرنے یا عذر ومعذرت کی) اور یقیناً آپ سے پہلے بھی جو پیغمبر تھے ان کے ساتھ تمسخر کیا جاچکا ہے (اس میں آنحضور ﷺ کو تسلی دی گئی ہے) پھر جن لوگوں نے ہنسی اڑائی تھی ان کے اوپر وہ عذاب واقع ہوگیا۔ جس پر وہ تمسخر کررہے تھے۔ (اور وہ عذاب اسی طرح آپ ﷺ سے تمسخر کرنے والوں پر واقع ہوگا۔)

تحقیق وترکیب: .... اولم یرالذین. میں آنکھوں سے دیکھنا مراد نہیں۔ بلکہ عقل اور علم سے کام لینے کی دعوت ہے۔ کانتا. میں ضمیر آسمانوں اور زمین کی طرف لوٹ رہی ہے۔ لیکن ضمیر تثنیہ کی آئی ہے۔ اس کے مختلف جواب ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جنس آسمان اور جنس زمین مراد ہے۔ اس لئے ضمیر تثنیہ کی لائی گئی۔

رتق کے معنی بستہ اور فتق کے معنی کھلا ہوا اور پھٹا ہوا کے ہیں۔

وجعلنا من الماء. جعل اگر معنی میں خلق کے ہو تو ایک مفعول کی ضرورت ہوگی۔ وہ مفعول کل شئی ء حی ہے اور من الماء متعلق ہوگا۔ فعل کے ساتھ اور اگر جعل معنی میں صیر کے لیا جائے تو دو مفعول کی ضرورت پڑے گی۔ ایک کل شئی ئی حی ہوگا اور دوسرا مفعول جار مجرور ہوگا۔ تقدیر عبارت ہوگی۔ انا صیر نا کل شی ء حی من الماء بسبب ان الماء لا بد منه له پانی سے مراد اگر بارش ہے تو وہ اس وجہ سے کہ ہر جاندار چیز کے لئے بارش کی شدید ترین ضرورت ہوتی ہے۔ اور اگر مراد منی لی جائے۔ کیونکہ اسے بھی پانی کہا جاتا ہے تو اس سے ہر جاندار چیز کا وجود میں آنا معلوم ہے...... کل شی ء کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ صرف حیوان مراد ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ نہیں بلکہ اس سے مراد حیوان، نباتات وغیرہ بھی ہے۔ کیونکہ یہ بھی پانی ہی سے نشوونما پاتے ہیں۔ ویسے لفظ کــــل کا اطلاق کل پر یا بڑی اکثریت پر ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کسی جاندار کی پیدائش کا استثناء ثابت ہوجائے تو یہ عام قانون کے منافی نہیں۔

فــی فــلــك فــلــك آسمان سے علیحدہ چیز ہے۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ فلک ہر گھومنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ فلاسفہ کا اختلاف ہے کہ آیا فلک کا جسم ہے یا نہیں۔ بعض کی رائے میں وہ صرف ستاروں کا ایک مدار ہے۔ جب کہ بعض یہ کہتے ہیں کہ فلک جسم ہے اور ستارے اسی پر گھومتے ہیں۔ بعض کی تحقیق ہے کہ فلک ایک موج مکفوف ہے۔ سورج، چاند، تارے سب اسی میں گھوم رہے ہیں اور کلبیؒ کہتے ہیں کہ فلک ایک منجمد پانی ہے۔ جس میں سیارگان تیر رہے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ تیرنا صرف پانی ہی میں ممکن ہے۔ یسجون کا یہاں استعمال فلک کے پانی کی طرح سیال مادہ ہونے پر بڑا قرینہ ہے۔

کل نفس ذائقة الموت. نفس سے مراد روح حیوانی ہے اور موت اسی روح حیوانی کا جسم سے انفکاک وانفصال ہے۔ موت کوئی ماکولات میں سے نہیں، اس لئے لفظ ذوق کا استعمال یہاں پر مجازاً ہے۔ اسی طرح موت سے مراد مقدمات موت ہے جس کا انسان ادراک کرسکتا ہے۔ ورنہ موت کے بعد احساس وادراک خود ختم ہوجاتا ہے۔

فتـنـةً کے منصوب ہونے کی تین وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ مفعول لہ ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ مصدر ہے جو حال واقع ہورہا ہے اور تیسرا یہ کہ مصدر بغیر لفظ العامل ہے۔

وهم بذکر الرحمٰن. هم مبتدا ہے اور کافرون اس کی خبر، بذکر اس کا متعلق اور دوسرا هم پہلے هم کی تاکید کے لئے ہے گویا عامل اور معمول یعنی هم اور کـافرون کے درمیان تاکید کے ذریعہ فصل کردیا گیا۔ مؤکد اور مؤکد کے درمیان معمول کے ذریعہ فصل ہے اور لفظ ذکر کی اضافت رحمن کی جانب ایسی ہے جیسا کہ مصدر کی اضافت عامل کی جانب ہوتی ہے۔

من عجل. عجلت جوانسانی طبیعت ہے اسے کثرت وقوع کی وجہ سے فطرت انسانی میں شمار کیا گیا۔ گویا اشارہ بالکنایہ ہے۔

﴿ تشریح ﴾:............ خدا تعالیٰ اپنے غلبہ وقدرت کا اظہار فرما رہے ہیں۔ کہ یہ مشرکین جو دیوی دیوتاؤں کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں۔ انہیں اتنا بھی دکھائی نہیں دیتا۔ کہ ہر چیز پر خدا تعالیٰ کا غلبہ ہے۔ یہ آسمان اور زمین جیسی مخلوقات میں بھی یہ قدرت نہیں کہ وہ اپنے ارادہ سے کچھ کرنے لگیں اور زمین وآسمان تو کیا کوئی بھی مخلوق یا دیوی دیوتا کو اس کی قدرت نہیں۔ یہ زمین وآسمان ابتداء میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور تہ بتہ تھے۔ خدا تعالیٰ ہی نے الگ الگ سات طبقوں میں تقسیم کر کے آسمان اوپر اور زمین نیچے قائم کی۔ پھر آسمان سے بارش برسائی اور زمین سے کھیتی اگائی اور ہر جاندار چیز کو اسی پانی سے پیدا کیا۔ معلوم ہوا کہ یہ سب اسی خدا تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے۔ اس کے باوجود ان مشرکین کی آنکھیں نہیں کھلتیں اور نہ اپنے مشرکانہ عقیدہ سے باز آتے ہیں۔

مجاہدؒ مفسر کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے۔ ساتوں آسمان ایک تھے اور اسی طرح ساتوں زمین ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں پھر انہیں جدا کیا گیا۔ اور سعیدؒ کی تفسیر سے پتہ چلتا ہے کہ آسمان اور زمین دونوں ایک تھے۔ پھر آسمان کو سات حصوں میں تقسیم کر کے اوپر اور زمین کو بھی سات ہی طبقوں میں تقسیم کر کے نیچے قائم کی گئی اور ان دونوں کے درمیان خلا رکھا گیا۔ اس زمین کو پہاڑوں کے ذریعہ سکون پذیر کیا گیا اور اس سے زمین کے توازن کو برابر رکھنے کا کام لیا گیا۔ تا کہ یہ زمین ہلنے نہ لگے۔ جس سے لوگوں کو پریشانی ہو۔ یہاں زمین کی مطلق حرکت کی نفی نہیں کی گئی۔ بلکہ اس حرکت کی نفی کی گئی ہے کہ یہ زمین بالکل ڈانواڈول نہ ہو جائے۔ اور پھر اس زمین میں راستے بنا دیئے۔ تا کہ لوگ بآسانی سفر کر کے دور دراز ملکوں میں پہنچ سکیں۔ اور اسی کے ساتھ آسمان کو زمین کے لئے چھت بنا دیا۔ جو ہر طرح کی شکست وریخت سے محفوظ ہے۔ جس میں کوئی سوراخ تک نہیں اور اس میں کس خوبصورتی کے ساتھ ستارے، چاند اور سورج جڑ دیئے گئے۔ جو اس کی خوبصورتی کو دوبالا کرتے ہیں۔ اتنا بڑا بلند آسمان کسی ستون کے بغیر ہمارے سروں پر ہے۔ اس کے علاوہ آسمان زمین کی بے شمار نشانیاں ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اور پھر اسی کے ساتھ سورج کی ایک چال مقرر ہے۔ اپنی اسی رفتار پر یہ سورج چوبیس گھنٹہ میں پورے آسمان کا چکر کاٹتا ہے۔

جب یہ ہماری نظروں کے سامنے ہوتا ہے تو دن رہتا ہے۔ اور جب نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے تو رات ہو جاتی ہے چاند کی بھی ایک الگ رفتار ہے۔ دونوں اپنے لگے بندھے نظام پر چل رہے ہیں۔ نہ اس میں کبھی کوئی خلل پڑتا ہے اور نہ رکاوٹ۔ اور دونوں اپنے اپنے مقررہ حدود میں سیر کر رہے ہیں۔ اس نظام کا چلانے والا وہی خدائے وحدہٗ لاشریک ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ مشرکین منہ موڑے ہوئے ہیں اور غور وفکر نہیں کرتے ہیں۔

کل من علیها فان. اس آیت میں تردید ہے اس مشرکانہ عقیدے کی کہ فلاں فلاں انسانی ترقی کرتے کرتے دیوتا اور غیر فانی بن گیا۔ ارشاد ہے کہ اب تک جتنے لوگ ہوئے ان سب کو موت کے مزے سے آشنا ہونا ہے۔ آپ ﷺ سے پہلے بھی کسی کو ہمیشگی کی زندگی نہیں ملی۔ یہ کفار جو آرزومند ہیں۔ کہ آپ ﷺ کی وفات ہو جائے۔ تو کوئی ان سے پوچھے کہ کیا یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہیں گے جو آپ ﷺ کی وفات کے خیال سے خوش ہو رہے ہیں۔ ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ خدائے ذوالجلال کے علاوہ سب ہی کو اس مرحلہ سے گزرنا ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ بھلائی وبرائی، رنج وراحت اور کشادگی وتنگی کے ذریعہ ہم لوگوں کو آزمائش میں ڈال کر ان کا امتحان لیتے ہیں۔ تا کہ یہ کھل کر سامنے آ جائے۔ کہ کون شکر گزار اور کون ناشکرا ہے۔ سب کو ہماری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اس وقت اچھوں اور بروں کو ان کے اعمال کے مطابق جزا وسزا مل جائے گی۔

تمسخر واستہزاء:............ کفار مکہ آپ ﷺ کو دیکھ کر ہنسی مذاق اڑاتے اور آپ ﷺ کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرتے ہوئے آپس میں کہتے کہ دیکھ لو یہی وہ ہیں جو ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ آج بھی بہت سے کفار اسلام اور اسلامی مسائل کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔ تو ایک بدبختی تو ان کی یہی ہوئی۔ دوسرے یہ کہ خدا اور رسول خدا کے منکر ہیں۔ تمسخر واستہزاء کے قابل تو واقعۃً یہی لوگ ہیں کہ دنیا کی اتنی بڑی حقیقت کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔

کافروں کی اس بدبختی کے تذکرہ کے بعد ارشاد ہوا کہ انسان بہت ہی جلد باز پیدا ہوا ہے۔ اس کی فطرت میں جلدی ہے ہر چیز میں اس عجلت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اپنی اسی فطرت سے مجبور ہو کر خدا تعالیٰ سے چاہتا ہے۔ کہ وہ ظالم کو فوراً پکڑ لے۔ لیکن خدا تعالیٰ کسی حکمت و مصلحت کی بناء پر ظالم و بدبختوں کو ڈھیل دیتا ہے اور جب وقت آتا ہے تو خدا تعالیٰ کی پکڑ ایسی ہوتی ہے کہ اس سے چھٹکارا ممکن نہیں۔ اسی کو کہا گیا کہ جلدی مت کرو ہم بھی اپنی نشانیاں دکھادیں گے۔ کہ ظالموں کی پکڑ کس طرح ہوتی ہے۔ دیر ہے لیکن اندھیر نہیں ہے۔ اسی طرح یہ مشرکین و معاندین مسلمانوں سے بطور تمسخر پوچھتے کہ بتاؤ تو کہ تمہارے کہنے کے مطابق وہ قہر وعذاب کب آوے گا ...... جواب ہے کہ کاش یہ مشرکین اس وقت کی ہولنا کیوں پر مطلع ہوتے۔ جب جہنم کی آگ انہیں چار جانب سی گھیر لے گی اور ان کے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہوگی نہ کسی طرح کی مدد پہنچ سکے گی اور یہ عذاب کسی وقت معلوم پر بھی نہیں آئے گا کہ یہ چوکنا ہوں۔ بلکہ وہ تو اچانک آدبائے گا اور یہ ہکا بکا دیکھتے کے دیکھتے رہ جائیں گے۔ اس وقت نہ مہلت ملے گی اور نہ کسی طرح کی ڈھیل۔

مضمون تشفی:............ ان آیات میں آنحضور ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے۔ کہ یہ معاملہ صرف آپ ﷺ ہی ساتھ نہیں ہوا ہے۔ بلکہ تاریخ معاند وسرکش قوموں کی تباہی سے بھری پڑی ہے اور آپ ﷺ سے پہلے دوسرے انبیاء کے ساتھ بھی تمسخر واستہزاء کا معاملہ کیا گیا۔ جس کی سزا ان قوموں کو مل کر رہی۔ اس لئے آپ پریشان نہ ہوں۔ کیونکہ یہ معاملہ صرف آپ ہی کی ساتھ نہیں ہوا ہے۔

قُلْ لَهُمْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ يَحْفَظُكُمْ **بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ** مِنْ عَذَابِهٖ اِنْ نَزَلَ بِكُمْ اَیْ لَا اَحَدٌ يَفْعَلُ ذٰلِكَ وَالْمُخَاطَبُوْنَ لَا يَخَافُوْنَ عَذَابَ اللّٰهِ لِاِنْكَارِهِمْ لَهٗ **بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ** اَيِ الْقُرْاٰنِ **مُّعْرِضُوْنَ** ﴿۴۲﴾ لَا يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْهِ **اَمْ** فِيْهَا مَعْنَى الْهَمْزَةِ الْاِنْكَارِیْ اَیْ **لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ** مِمَّا يَسُوْءُ هُمْ **مِّنْ دُوْنِنَا** اَیْ اَلَهُمْ مَنْ يَمْنَعُهُمْ مِنْهُ غَيْرُنَا لَا **لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ** اَيِ الْاٰلِهَةُ **نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ** فَلَا يَنْصُرُوْنَهُمْ **وَلَا هُمْ** اَيِ الْكُفَّارُ **مِّنَّا** مِنْ عَذَابِنَا **يُصْحَبُوْنَ** ﴿۴۳﴾ يُجَارُوْنَ يُقَالُ صَحِبَكَ اللّٰهُ اَیْ حَفِظَكَ وَاَجَارَكَ **بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ** بِمَا اَنْعَمْنَا عَلَيْهِمْ **حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ** فَاغْتَرُّوْا بِذٰلِكَ **اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ** نَقْصُدُ اَرْضَهُمْ **نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا** بِالْفَتْحِ عَلَى النَّبِیِّ **اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ** ﴿۴۴﴾ لَا بَلِ النَّبِیُّ وَاَصْحَابُهٗ **قُلْ** لَهُمْ **اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْیِ** مِنَ اللّٰهِ لَا مِنْ قِبَلِ نَفْسِیْ **وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْيَاءِ **مَا يُنْذَرُوْنَ** ﴿۴۵﴾ اَیْ هُمْ لِتَرْكِهِمُ الْعَمَلَ بِمَا سَمِعُوْهُ مِنَ

الْاِنْذَارِ كَالصُّمِّ **وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ** وَقْعَةٌ خَفِيْفَةٌ **مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يَا** لِلتَّنْبِيْهِ **وَيْلَنَآ** هَلَاكُنَا **اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ**﴿۴۶﴾ بِالْاِشْرَاكِ وَتَكْذِيْبِ مُحَمَّدٍ **وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ** ذَوَاتَ الْعَدْلِ **لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ** اَيْ فِيْهِ **فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا** مِنْ نَقْصِ حَسَنَةٍ اَوْ زِيَادَةِ سَيِّئَةٍ **وَاِنْ كَانَ** الْعَمَلُ **مِثْقَالَ** زِنَةَ **حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا** اَيْ بِمَوْزُوْنِهَا **وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ**﴿۴۷﴾ مُحْصِيْنَ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ **وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ** اَيِ التَّوْرٰةَ الْفَارِقَةَ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ **وَضِيَآءً** بِهَا **وَّذِكْرًا** اَيْ عِظَةً بِهَا **لِّلْمُتَّقِيْنَ**﴿۴۸﴾ **الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ** عَنِ النَّاسِ اَيْ فِي الْخَلَاءِ عَنْهُمْ **وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ** اَيْ اَهْوَالِهَا **مُشْفِقُوْنَ**﴿۴۹﴾ اَيْ خَائِفُوْنَ **وَهٰذَا** اَيِ الْقُرْاٰنُ **ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ**﴿۵۰﴾ اَلْاِسْتِفْهَامُ فِيْهِ لِلتَّوْبِيْخِ

ترجمہ: .... آپ کہئے (ان لوگوں سے) وہ کون ہے جو تمہاری حفاظت کرتا رہتا ہے رات اور دن میں خدائے رحمن سے (یعنی خدا تعالیٰ کے عذاب سے اگر اس کا عذاب آ جائے۔ استفہام انکاری ہے کہ کوئی نہیں ہے کہ اس کے عذاب سے بچالے لیکن اس کے باوجود لوگ ڈرتے نہیں ہیں خدا کے عذاب سے) بلکہ وہ اپنے پروردگار کے ذکر سے روگرداں ہی ہیں (اور قرآن اور اس کی تعلیمات میں غور وفکر نہیں کرتے) کیا ان کے پاس ہمارے سوا اور معبود ہیں جو ان کی حفاظت کر لیتے ہیں (ایسا نہیں کہ ہمارے سوا اور معبود ہو جو عذاب سے ان کی حفاظت کرتا ہو۔ یہاں بھی استفہام انکاری ہی ہے) وہ تو خود اپنی حفاظت کی بھی قدرت نہیں رکھتے (پھر وہ معبودان باطل ان کی کیا مدد کر سکیں گے) اور نہ ہمارے مقابلہ میں (ہمارے عذاب سے) کوئی اوران (کفار) کا ساتھ دے سکتا ہے۔ بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے آباء واجداد کو خوب سامان دیا۔ یہاں تک کہ ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا (جس کی وجہ سے وہ غرور میں مبتلا ہو گئے) تو کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم ان کی زمین کو ہر چہار طرف سے برابر گھٹاتے چلے جاتے ہیں (نبی کو فتوحات میں کامیابی دلا کر) سو کیا یہ لوگ غالب آنے والے ہیں (نہیں بلکہ غلبہ تو نبی اور اس کے متبعین ہی کو حاصل رہے گا) آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف وحی کے ذریعہ تم لوگوں کو ڈراتا ہوں (جو وحی خدا تعالیٰ کی جانب سے آتی ہے نہ کہ میں اپنی طرف سے) اور یہ بہرے تو پکار سکتے ہی نہیں جب ڈرائے جاتے ہیں (سنتے ہیں لیکن عمل کرتے نہیں جیسے کہ یہ بہرے ہوں اور کچھ سنا ہی نہ ہو) اور اگر ان کو آپ کے پروردگار کے عذاب کا ایک جھونکا بھی چھو جائے (نفحۃ کے معنی ایک بہت ہی ہلکا جھونکا) تو یوں کہنے لگیں ہائے ہماری کمبختی (یا تنبیہ کے لئے ہے) واقعی ہم خطاکار تھے (شرک کر کے اور محمد ﷺ کی تکذیب کر کے) اور قیامت کے دن ہم میزان عدل قائم کریں گے۔ سو کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا (اس کی نیکی میں کمی اور برائی میں زیادتی کر کے) اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اسے بھی سامنے لے آئیں گے (اور وہ بھی وزن میں آ جائے گا) اور حساب لینے والے ہم ہی ہیں (یعنی ہر چیز کا ہم تنہا حساب لے لیں گے) اور بے شک ہم موسیٰ وہارون کو عطا کر چکے ہیں ایک چیز فیصلہ کی (توریت جو حق و باطل اور حلال وحرام میں تفریق کرنے والی ہے) اور روشنی کی اور نصیحت پرہیزگاروں کے لئے (جس سے پرہیزگار حضرات روشنی اور نصیحت حاصل کر سکتے ہیں) جو اپنے پروردگار سے بن دیکھے ڈرتے رہتے ہیں (ایک معنی یہ ہیں کہ لوگوں کی عدم موجودگی میں تنہائی میں ڈرتے رہتے ہیں) اور وہ قیامت سے بھی ڈرتے رہتے ہیں (یعنی قیامت کے حالات سے گھبرائے رہتے ہیں) اور یہ (قرآن) ایک برکت والی نصیحت ہے کہ ہم نے اس کو اتارا ہے۔ سو کیا

تم اس کے منکر ہو؟ (یہ استفہام توبیخ کے لئے ہے۔)

تحقیق وترکیب: .... **من دوننا**. یہ صفت ہے آلھۃ کی۔ یعنی میرے سوا کوئی معبود نہیں جو انہیں بچا سکے۔

انا ناتی الارض. یہاں خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔ **انا ننقصھا** وہ اس وجہ سے کہ براہ راست خدا تعالیٰ اس سرزمین کو تباہ و برباد نہیں کررہے تھے۔ بلکہ مسلم مجاہدین کے ذریعہ اس پر غلبہ حاصل ہو رہا تھا۔ **انا ناتی الارض ننقصھا** میں نسبت اپنی جانب کی۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ ہی کی قدرت اس میں کارفرما ہے۔ اور وہی مسلمانوں کو کامیابی دے رہے ہیں۔

ولا یسمع الصم الدعاء. اگر اشکال ہو کہ بہرہ نہ تو خوشخبری ہی سنتا ہے اور نہ کوئی غم انگیز بات۔ پھر یہ کیوں فرمایا کہ انداز وتخویف کو نہیں سنتے۔ جواب یہ ہے کہ یا تو مبالغہ مراد ہے کہ خوشخبری تو کیا سنتے تخویف کو بھی نہیں سنتے۔ درآنحالیکہ تخویف کا انداز بالعموم سخت، درشت اور بلند آواز ہی ہوتا ہے۔ یا یہ ہے کہ یہاں گفتگو صرف انداز وتخویف کے سلسلہ میں ہے۔ اس لئے انداز کا خصوصی ذکر آیا۔

ونضع الموازین. جمع اس وجہ سے لائے۔ کہ ہر شخص کی میزان علیحدہ علیحدہ ہوگی۔ یا اس وجہ سے کہ میزان تو ایک ہی ہوگی۔ لیکن اس میں بہت سے لوگوں کے اعمال وزن ہوں گے۔ اس وجہ سے ایک کو متعدد کے قائم مقام کر دیا۔ تو **موازین** کو جمع کا صیغہ لانے سے تو معلوم یہی ہوتا ہے۔ کہ کئی میزان ہوں گی۔ مگر صحیح یہ ہے کہ ایک ہی میزان ہوگی۔ اور صیغہ جمع صرف اظہار عظمت کے لئے ہے۔

ان کان مثقال. مثقال میں جمہور کی قراءت نصب کی ہے۔ وہ اس طرح پر کہ **کان** ناقصہ اور اس کا اسم مقدر ہے اور **مثقال** اس کی خبر ہے۔ لیکن مشہور قاری نافعؒ نے اسے رفع پڑھا ہے۔

فرقان سے مراد توریت ہے۔ **ضیاء** اور **ذکری** اس کی صفت ہے۔

﴿ **تشریح** ﴾: .... اب کفار کو خطاب کر کے فرما رہے ہیں کہ خدا کے علاوہ کون ہے جو دن اور رات تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود تم اپنے پروردگار کی نافرمانی اور سرکشی میں مبتلا ہو۔ پھر ڈانٹ کر ارشاد ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ تمہیں اپنی گرفت میں لینا چاہے تو کس کی مجال ہے کہ وہ تمہیں بچالے۔ یہ معبودان باطل جن کے بارے میں تمہارا خیال ہے کہ یہ تمہیں بچالیں گے۔ یہ تمہاری تو کیا مدد کرسکیں گے خود اپنی بھی حفاظت نہیں کر سکتے اور انہیں خود کو بچانے کی بھی قدرت نہیں۔

یہاں ایک نکتہ یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ اپنے آپ کو بچانے میں تو مؤمن و کافر دونوں بے اختیار ہیں۔ البتہ مؤمن کی حفاظت و مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی رہتی ہے اور کافر اس سے بھی محروم ہے۔

معاندیت اور اس کا پس منظر: .... آیت میں کافروں کی سرکشی کی وجہ بیان کی جارہی ہے کہ چونکہ ان کفار کو خدا تعالیٰ نے دنیاوی مال و دولت عطا کئے اور لمبی لمبی عمریں دیں۔ ان کے عیش و عشرت میں کوئی فرق نہیں آیا تو یہ سمجھ بیٹھے کہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا اور یہی دور چلتا رہے گا۔ جس کی وجہ سے یہ غفلت کی نیند سوتے رہے اور یہی غفلت ان کے جمود و سرکشی کی بنیاد بن گئی۔

پھر انہیں تنبیہ کی جارہی ہے کہ ہم نے ان کی کتنی بستیاں برباد کرادیں اور مسلمانوں کو ان پر غلبہ اور فتح عطا کی تو انہیں غفلت کی نیند سے بیدار کرنے اور ان کے جمود کو توڑنے کے لئے یہی کافی ہونا چاہئے تھا۔ لیکن انہیں اب بھی ہوش نہیں آئی۔ ان کی اس غفلت کو دیکھ کر ارشاد ہوا کہ کیا یہ اب بھی اپنے آپ کو غالب سمجھ رہے ہیں...... نہیں ایسا نہیں۔ بلکہ یہ تو مغلوب اور ذلیل ہو چکے ہیں۔

ارشاد ہے کہ آپ تو ایک مبلغ کی حیثیت سے ان کو خدا تعالیٰ کے عذاب کی اطلاع دے رہے ہیں اور یہ مضمون بھی کوئی اپنی

طرف سے نہیں۔ لیکن اسے کیا کیا جائے کہ جو بہرے ہو رہے ہیں اور جن کے دل و دماغ پر مہر ہے۔ انہیں خدا تعالیٰ کی باتیں بھی سودمند نہیں ہوتیں۔ اور ان کا حال یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کے عذاب کا ہلکا سا بھی جھونکا لگ جائے تو گھبرا اٹھیں اور واویلا کرنے لگیں اور اسی وقت اپنے قصور کا اعتراف کرلیں ...... قیامت کے دن میزان عدل قائم کیا جائے گا۔ جس میں انسانوں کے تمام چھوٹے بڑے اعمال وزن کرلئے جائیں گے۔ اس میں نہ کسی طرح کی کوئی کمی کی جائے گی اور نہ زیادتی۔ بلکہ انصاف کے ساتھ معاملہ ہوگا۔ نیز یہ میزان وغیرہ کا انتظام بھی محض لوگوں کے اطمینان کی خاطر کیا جائے گا۔ ورنہ خدا تعالیٰ تو بغیر ان آلات کے بھی حساب لے سکتا ہے ...... آیت سے اس مشرکانہ عقیدہ کی بھی تردید ہو جاتی ہے۔ جو کفار مکہ کا تھا۔ کہ حساب و کتاب کے لئے ایک الگ دیوتا ہے۔

قرآن کا عام طور پر یہ معمول رہا ہے کہ جہاں بھی قرآن کا تذکرہ کرتا ہے۔ وہیں توریت کا بھی ذکر اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ساتھ حضرت ہارونؑ کا بھی ذکر لاتا ہے۔ یہاں بھی قران کے ساتھ الفرقان کا ذکر کیا۔ جس سے مراد توریت ہے اور ضیاء و ذکری اس کی صفات ہیں۔ توریت کو الفرقان اس وجہ سے کہا کہ وہ حق و باطل اور حلال و حرام کے اندر فرق کرنے والی ہے۔ اور توریت ہی کیا تمام آسمانی کتابوں کا وصف یہی ہے اور یہ کتابیں خدا سے ڈرنے والوں کے لئے ہدایت اور روشنی کا کام دیتی ہیں۔ پھر ن متقین کے وصف خصوصی کا بیان ہے کہ وہ خدا سے ڈرتے اور قیامت کی ہولناکیوں سے لرزاں رہتے ہیں ...... پھر ارشاد ہے کہ تم ایک یسی کتاب کے منکر ہو۔ جس کا نصیحت نامہ ہونا توریت سے بھی زیادہ روشن اور واضح ہے۔

لَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ اَیْ هُدَاهُ قَبْلَ بُلُوْغِهٖ **وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ** ﴿۵۱﴾ اَیْ بِاَنَّهٗ اَهْلٌ لِذٰلِكَ **ذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ** الْاَصْنَامُ **الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ** ﴿۵۲﴾ اَیْ عَلٰی عِبَادَتِهَا مُقِيْمُوْنَ **لُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ** ﴿۵۳﴾ فَاقْتَدَيْنَا بِهِمْ **قَالَ لَهُمْ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ** لِعِبَادَتِهَا **فِیْ لٰلٍ مُّبِيْنٍ** ﴿۵۴﴾ بَيِّنٍ **قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ** فِیْ قَوْلِكَ هٰذَا **اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ** ﴿۵۵﴾ فِيْهِ **قَالَ بَلْ بُّكُمْ** اَلْمُسْتَحِقُّ لِلْعِبَادَةِ **رَبُّ** مَالِكُ **السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ** خَلَقَهُنَّ عَلٰی غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ **اَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ** الَّذِیْ قُلْتُهٗ **مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ** ﴿۵۶﴾ بِهٖ **وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا بِرِيْنَ** ﴿۵۷﴾ **فَجَعَلَهُمْ** بَعْدَ ذِهَابِهِمْ اِلٰی مُجْتَمَعِهِمْ فِیْ يَوْمِ عِيْدٍ لَهُمْ **جُذٰذًا** بِضَمِّ الْجِيْمِ وَكَسْرِهَا فُتَاتًا اسِ **اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ** عَلَّقَ الْفَاسَ فِیْ عُنُقِهٖ **لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ** اَیِ الْكَبِيْرِ **يَرْجِعُوْنَ** ﴿۵۸﴾ فَيَرَوْنَ مَا فُعِلَ بِغَيْرِهٖ وْا بَعْدَ رُجُوْعِهِمْ وَرُؤْيَتِهِمْ مَا فُعِلَ **مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۵۹﴾ فِيْهِ **قَالُوْا** اَیْ هُمْ لِبَعْضٍ **سَمِعْنَا فَتًی يَّذْكُرُهُمْ** اَیْ يَعِيْبُهُمْ **يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ** ﴿۶۰﴾ **قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓی اَعْيُنِ اسِ** اَیْ ظَاهِرًا **لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ** ﴿۶۱﴾ عَلَيْهِ اَنَّهُ الْفَاعِلُ **قَالُوْٓا** لَهٗ بَعْدَ اِتْيَانِهٖ **ءَ اَنْتَ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ دَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰی وَتَرْكِهٖ **فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا رٰهِيْمُ** ﴿۶۲﴾ **قَالَ** سَاكِتًا عَنْ فِعْلِهٖ **بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ** عَنْ فَاعِلِهٖ **اِنْ كَانُوْا**

يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فِيهِ تَقْدِيمُ جَوَابِ الشَّرْطِ وَفِيمَا قَبْلَهُ تَعْرِيضٌ لَهُمْ بِاَنَّ الصَّنَمَ الْمَعْلُوْمَ عِجْزُهُ عَنِ الْفِعْلِ لَا يَكُوْنُ اِلٰهًا **فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ** بِالتَّفَكُّرِ **فَقَالُوْٓا** لِاَنْفُسِهِمْ **اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ** ﴿۶۴﴾ اَيْ بِعِبَادَتِكُمْ مَنْ لَا يَنْطِقُ **ثُمَّ نُكِسُوْا** مِنَ اللّٰهِ **عَلٰى رُءُوْسِهِمْ** اَيْ رُدُّوْا اِلَى كُفْرِهِمْ وَقَالُوْا وَاللّٰهِ **لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ** ﴿۶۵﴾ اَيْ فَكَيْفَ تَامُرُنَا بِسُؤَالِهِمْ **قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَيْ بَدَلَهُ **مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا** مِنْ رِزْقٍ وَغَيْرِهِ **وَّلَا يَضُرُّكُمْ** ﴿۶۶﴾ شَيْئًا اِنْ لَمْ تَعْبُدُوْهُ **اُفٍّ** بِكَسْرِ الْفَاءِ وَفَتْحِهَا بِمَعْنَى مَصْدَرٍ اَيْ تَبًّا وَقُبْحًا **لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَيْ غَيْرِهِ **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ** ﴿۶۷﴾ اَيْ هٰذِهِ الْاَصْنَامَ لَا تَسْتَحِقُّ الْعِبَادَةَ وَلَا تَصْلُحُ لَهَا وَاِنَّمَا يَسْتَحِقُّهَا اللّٰهُ تَعَالٰى **قَالُوْا حَرِّقُوْهُ** اَيْ اِبْرَاهِيمَ **وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ** اَيْ بِتَحْرِيقِهِ **اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ** ﴿۶۸﴾ نُصْرَتَهَا فَجَمَعُوْا لَهُ الْحَطَبَ الْكَثِيرَ وَاضْرَمُوْا النَّارَ فِي جَمِيعِهِ وَاَوْثَقُوْا اِبْرَاهِيمَ وَجَعَلُوْهُ فِي مَنْجَنِيقٍ وَرَمَوْهُ فِي النَّارِ قَالَ تَعَالٰى **قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ** ﴿۶۹﴾ فَلَمْ تَحْرِقْ مِنْهُ غَيْرَ وِثَاقِهِ وَذَهَبَتْ حَرَارَتُهَا وَبَقِيَتْ اِضَاءَتُهَا وَبِقَوْلِهِ سَلَامًا سَلِمَ مِنَ الْمَوْتِ بِبَرْدِهَا **وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا** وَهُوَ التَّحْرِيقُ **فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ** ﴿۷۰﴾ فِي مُرَادِهِمْ **وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا** ابْنَ اَخِيهِ هَارَانَ مِنَ الْعِرَاقِ **اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ** ﴿۷۱﴾ بِكَثْرَةِ الْاَنْهَارِ وَالْاَشْجَارِ وَهِيَ الشَّامُ نَزَلَ اِبْرَاهِيمُ بِفَلَسْطِينَ وَلُوطٌ بِالْمُؤْتَفِكَةِ وَبَيْنَهُمَا يَوْمٌ **وَوَهَبْنَا لَهٗٓ** لِاِبْرَاهِيمَ وَكَانَ سَاَلَ وَلَدًا كَمَا ذُكِرَ فِي الصَّافَّاتِ **اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً** اَيْ زِيَادَةً عَلَى الْمَسْئُوْلِ اَوْ هُوَ وَلَدُ الْوَلَدِ **وَكُلًّا** اَيْ هُوَ وَوَلَدَاهُ **جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ** ﴿۷۲﴾ اَنْبِيَاءَ **وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً** بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ يَاءً يُقْتَدٰى بِهِمْ فِي الْخَيْرِ **يَّهْدُوْنَ** النَّاسَ **بِاَمْرِنَا** اِلَى دِينِنَا **وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ** اَيْ اَنْ تُفْعَلَ وَتُقَامَ وَتُؤْتٰى مِنْهُمْ وَمِنْ اَتْبَاعِهِمْ وَحُذِفَ هَاءُ اِقَامَةٍ تَخْفِيفًا **وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ** ﴿۷۳﴾ **وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا** فَصْلًا بَيْنَ الْخُصُوْمِ **وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ** اَيْ اَهْلُهَا الْاَعْمَالَ **الْخَبٰٓئِثَ** مِنَ اللِّوَاطَةِ وَالرَّمْيِ بِالْبُنْدُقَةِ وَاللَّعِبِ بِالطُّيُوْرِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ** مَصْدَرُ سَاءَهُ نَقِيضُ سَرَّهُ **فٰسِقِيْنَ** ﴿۷۴﴾ **وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا** بِاَنْ اَنْجَيْنَاهُ مِنْ قَوْمِهِ **اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ** ﴿۷۵﴾ ع ۵

ترجمہ: ....اور بے شک ہم نے ابراہیمؑ کو خوش فہمی عطا فرمائی تھی۔ پہلے (بلکہ ہم نے ان کو ایک خاص ہدایت عنایت فرمائی تھی ان کے بلوغ سے پہلے) اور ہم ان کو خوب جانتے تھے (کہ وہ اس کے اہل تھے) ...... جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ

یہ کیا..... مورتیاں ہیں جس پر تم جمے بیٹھے ہو (اور جن کی تم عبادت کئے جارہے ہو) وہ بولے ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے (اس لئے ہم نے بھی ان کی اقتداء کی) ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ بے شک تم اور تمہارے آباؤ اجداد صریح گمراہی میں مبتلا ہیں (اس کی عبادت کر کے) وہ بولے کہ کیا تم (اپنی بات) سنجیدگی سے ہمارے سامنے پیش کر رہے ہو یا دل لگی کر رہے ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ (دل لگی نہیں) بلکہ تمہارا پروردگار (جو واقعی عبادت کے لائق ہے) وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا (اور جس کا پہلے سے کوئی نمونہ موجود نہیں تھا) اور میں اس پر دلیل بھی رکھتا ہوں اور بخدا میں تمہارے بتوں کی گت بنا ڈالوں گا۔ جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے۔ چنانچہ آپ نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا (عید کے دن ان کے عیدگاہ میں چلے جانے کے بعد۔ جذاذا کے جیم کو ضمہ اور کسرہ دونوں قرأتیں ہیں جس کے معنی ہیں کلہاڑے وغیرہ سے کسی چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا) بجز ان کے بڑے بت کے (اور کلہاڑے کو اس بڑے بت کی گردن میں لٹکا دیا) تا کہ وہ لوگ اس کی طرف رجوع کریں (یعنی اس بڑے بت کی طرف اور دیکھ لیں وہ جو معاملہ کیا گیا دوسرے بتوں کے ساتھ) وہ لوگ (واپسی میں اس معاملہ کو دیکھ کر جو ان بتوں کے ساتھ کیا گیا تھا) بولے یہ (حرکت) ہمارے بتوں کے ساتھ کس نے کی ہے؟ بے شک اس نے تو بڑا غضب کر دیا (اس پر کچھ) بولے کہ ہم نے تو ایک نوجوان کو جسے ابراہیم کہا جاتا ہے ان بتوں کا تذکرہ کرتے سنا ہے (کہ وہ ان کی عیب جوئی کرتا تھا) وہ بولے کہ تو پھر اس کو سب کے سامنے لاؤ تا کہ وہ لوگ گواہ ہو جائیں۔ (اس کے اقرار پر) بولے (ان کو لانے کے بعد) ارے تم ہی وہ ہو جس نے ہمارے بتوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے اے ابراہیم؟ انہوں نے (اپنی حرکت کو چھپاتے ہوئے) فرمایا کہ نہیں ان کے اس بڑے نے نہ کی ہو سو انہی سے پوچھ دیکھو (اس حرکت کے کرنے والے کے متعلق) اگر یہ بولتے ہوں (آیت میں شرط کا جواب مقدم کر دیا گیا۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ ان کانوا ینطقون فاسئلوھم اور اس سے پہلے والے جملہ میں کفار سے استہزاء ہے کہ یہ بت جو اس قدر عاجز ہیں وہ کس طرح معبود بن سکتے ہیں؟) اس طرح وہ لوگ اپنے جی میں سوچنے لگے۔ پھر بول اٹھے کہ بے شک تم ہی لوگ ناحق پر ہو (ایک ایسی چیز کی عبادت کر کے جو بول بھی نہ سکتا ہو) پھر اپنے سروں کو جھکا لیا (یعنی خدائے تعالیٰ کی جانب سے اپنے منہ موڑ لئے اور پھر کفر کی طرف لوٹ گئے اور کہنے لگے کہ) اے ابراہیم تمہیں تو خوب معلوم ہے کہ یہ بت کچھ بولتے نہیں (پھر کس طرح مکلّف کرتے ہو تم ہمیں ان سے سوال کا) ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تو کیا تم اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہو جو تمہیں نہ نفع پہنچا سکیں (یعنی نہ روزی دے سکے اور نہ کسی طرح کا نفع) اور نہ تمہیں نقصان ہی پہنچا سکیں (اگر تم ان کی عبادت نہ کرو) تف ہے تم پر بھی اور ان پر بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو (اف کے فـــا کو کسرہ اور فتحہ دونوں قرأت ہے۔ مصدر کے معنی میں ہے یعنی ہلاکت ورسوائی) تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے (کہ یہ بت عبادت کے لائق نہیں۔ اور نہ ان میں اس کی صلاحیت ہی ہے۔ واقعی عبادت کے لائق تو خدا تعالیٰ ہی ہیں) وہ لوگ بولے۔ انہیں تو جلا دو (یعنی ابراہیم علیہ السلام کو) اور اپنے معبودوں کا بدلہ لے لو (اس کو جلا کر) اگر تم کو کچھ کرنا ہے (تو اس کی صورت یہ ہے کہ لکڑیوں کا انبار جمع کرو۔ پھر اس ڈھیر میں آگ لگا کر ابراہیم علیہ السلام کو باندھ کر گوپھن میں رکھ کر اس جلتی ہوئی آگ میں پھینک دو) ہم نے حکم دیا کہ اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا ابراہیم علیہ السلام کے حق میں۔ (پس سوائے بندھن کے ابراہیم کے جسم کا کوئی حصہ نہیں جلا اور آگ کی حرارت ختم ہوگئی۔ اگرچہ شعلہ بدستور باقی رہا اور خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق کہ اے آگ بے گزند ہو جا۔ واقعی وہ آگ ٹھنڈی ہوگئی اور ابراہیم علیہ السلام موت سے محفوظ ہو گئے) اور لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ برائی کرنا چاہی تھی (اور انہیں جلا دینا چاہا تھا) ہم نے انہیں ناکام کر دیا (ان کے منصوبہ میں) اور ہم نے ان کو اور لوط علیہ السلام کو بچا لیا (لوط علیہ السلام جو ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے اور عراق کے رہنے والے۔ ایسی سرزمین کی طرف بھیج کر) جس کو ہم نے دنیا جہان والوں کے

واسطے بابرکت بنایا ہے (اور وہ ملک شام ہے جہاں نہروں اور درختوں کی کثرت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام فلسطین میں قیام پذیر ہوئے اور لوط علیہ السلام موتفکہ میں۔ ان دونوں کے درمیان ایک دن کی مسافت ہے) اور ہم نے (ابراہیم علیہ السلام) کو اسحق اور یعقوب جیسا پوتا عطا کیا (نافلہ کے دو ترجمے کئے گئے ہیں۔ ایک تو زیادہ اور عطیہ کے ہیں۔ وہ اس طرح کہ ابراہیم علیہ السلام نے صرف لڑکے کی دعا کی تھی۔ جیسا کہ سورۃ الصافات میں ذکر ہے۔ لیکن اس پر مزید بطور عطیہ یعقوب علیہ السلام کو بھی عطا کیا گیا اور دوسرا ترجمہ پوتے کے بھی کئے گئے ہیں۔ یعنی اسحاق علیہ السلام سا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عطا کیا) اور ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا (لڑکے اور پوتے دونوں کو نبی بنایا۔ اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا (ائـمـہ میں دو قرأت ہے۔ ایک تو دونوں ہمزہ کے باقی رکھنے کی اور دوسری قرأت ہمزہ کو یاء سے بدل دینے کی جس کے معنی ہے امر خیر میں مقتدا بننا) ہدایت کرتے تھے ہمارے حکم سے (لوگوں کو ہمارے دین کی طرف بلاتے تھے) ہم نے ان کے پاس وحی کے ذریعہ حکم بھیجا نیک کاموں کے کرنے کا اور نماز کی پابندی کا اور ادائے زکوٰۃ کا (یہ حکم عام ہے ان حضرات کے لئے بھی اور ان کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی ہے اور اصل عبارت اس طرح پر ہے۔ ان تـفـعـل الـخـيـرات وتـقـام الصلوة وتوتى الـزكـوة) اور وہ ہماری ہی عبادت کرنے والے تھے اور لوط علیہ السلام کو ہم نے حکمت اور علم عطا کیا اور ہم نے انہیں اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے گندے کام کرتے رہتے تھے۔ مثلاً لواطت، پرندہ بازی اور ڈھیلا بازی وغیرہ) بے شک وہ لوگ بڑے ہی بدکار تھے اور ہم نے لوط علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل کرلیا (اس طرح پر کہ ہم نے انہیں ان کی قوم سے نجات دلا دی) بے شک وہ بڑے نیک بندوں میں سے تھے۔

تحقیق وترکیب: .... رشد کے معنی ہدایت اور نبوت دونوں ہیں۔

من قبل. بعض مفسرینؒ نے موسیٰ علیہ السلام کے قبل کا دور مراد لیا ہے اور بعضوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے بلوغ یا ولادت سے قبل کا دور مراد لیا ہے۔

تماثیل. جمع تمثال کی ہے۔ کسی ایسی تصویر کو کہتے ہیں جو لکڑی یا پتھر وغیرہ سے تراشی گئی ہو۔

جـــذاذا. میں عام قرأت جیم کے ضمہ کی ہے۔ بعض کے نزدیک جیم کا کسرہ اور فتحہ بھی ہے۔ لیکن ہر ایک کے نزدیک یہ مصدر ہے۔ اس لئے نہ تثنیہ ہوگا نہ جمع اور نہ مؤنث۔ جذاذاً جیم کے ضمہ کے ساتھ ٹوٹی ہوئی چیز کا نام۔ جیسا کہ **حـطـام رفـات فتات** مختلف چیزوں کے ٹوٹے ہوئے اجزاء کے لئے بطور اسم استعمال ہوتے ہیں۔

الیـــہ میں اکثر نے ضمیر کا مرجع بڑے بت کی جانب لوٹایا ہے۔ اور اگر مرجع خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرار دیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے تو پھر بھی نتیجہ ایک ہی نکلے گا۔

مـن فعل. میں من مبتداء اور فعل اس کی خبر اور انـه لـمـن الظالمين جس کا محلاً کوئی اعراب نہیں وہ جملہ مستانفہ ہے، جو ماقبل کے مضمون کی تاکید کرتا ہے یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ من موصولہ مبتداء اور انه اس کی خبر۔

سـمـعـنـا. سـمـع یہاں متعدی بدو مفعول ہے۔ کیونکہ اس کا دخول ایک ایسی چیز پر ہو رہا ہے جو سننے والوں میں سے نہیں۔ مفعول اول فتی ہے اور مفعول ثانی جملہ يـذكـرهـم ہے اور اگر کبھی سمع کا تعلق ان سے کیا جائے جو سننے والے ہیں تو پھر متعدی بیک مفعول ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ سمعت كلام زيد.

يـقـال له. ابراہیم علیہ السلام مرفوع ہے اور مرفوع ہونے کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ مثلاً یہ يـقـال کا نائب فاعل ہے اور اسی وجہ سے مرفوع ہو۔ یا یہ ایک محذوف مبتداء کی خبر ہو۔ مبتداء محذوف هذا ہے۔ یا یہ منادیٰ ہو اور حرف ندا محذوف ہو یعنی یا ابراهيم.

اعین الناس. بربناء حال منصوب ہے ذوالحال ضمیر مجرور ہے جو بہ میں ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام کو اعلانیہ لوگوں کے سامنے پیش کرو۔

یشھدون. کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ لوگ آ کر دیکھیں کہ کیسی سخت سزا دی جاتی ہے اور دوسرے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ لوگ ان کے اقرار جرم پر گواہ بن جائیں۔

نجینٰہ و لوطاً. لوط علیہ السلام آپ کے بھتیجے تھے اور آپ کے چھوٹے بھائی ہاران کے صاحبزادے۔

عابدین. تقدیم لنا کی عابدین پر تاکید و تخصیص کے لئے ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... ارشاد ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کے بچپن ہی سے ہدایت عطا فرمائی تھی۔ اس سلسلہ میں بہت سی بے بنیادی اسرائیلی روایات ہیں۔ جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ قرآن کا بیان صرف اتنا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ہی ہدایت عطا کی تھی۔ مفسرین نے اس کی دو تفسیریں بیان کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ دور موسوی سے قبل ہی ان کو ہدایت کی گئی تھی اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ ان کو بچپن میں ہدایت مل گئی تھی اور وہ اسی کے لائق تھے۔ یعنی خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ کن صلاحیتوں اور کمالات کے جامع ہیں۔ بچپن ہی میں آپ نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو غیر اللہ کی پرستش سے منع فرمایا اور بڑی جرأت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔

آپ کے باپ قرآن کے بیان کے مطابق آذر نامی بت تراش و بت فروش تھے، جن کے نام میں اختلاف ہے۔ توریت وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام تارخ تھا اور قرآن نے آزر بتایا ہے۔ اس لئے مفسرین وعلماء میں اختلاف ہو گیا کہ یہ ایک ہی شخصیت کے نام ہیں یا متعدد شخصیت کے ہیں۔

بعض کی رائے ہے کہ ایک ہی شخصیت کے نام ہیں۔ تارخ اسمی نام ہے اور آزر وصفی۔ آزر عبرانی زبان میں محبِّ صنم کو کہتے ہیں۔ تارخ بت تراش و بت پرست تھا۔ اس وجہ سے اسے آزر کہا گیا۔

دوسری رائے یہ ہے کہ آزر اس بت کا نام ہے تارخ جس کا پجاری تھا اور بت کے نام پر اسے آزر کہہ دیا گیا۔ بہر حال یا تو یہ اصل نام ہے اور بت کے نام پر اس کا نام بھی آزر رکھا گیا ہو۔ جیسا کہ قدیم زمانہ سے اس کا رواج چلا آ رہا ہے کہ کبھی بت کے نام پر ہی کسی شخص کا نام رکھ دیتے ہیں یا یہ کہ آزر ان کا لقب تھا، نام نہیں۔ لیکن اس لقب کی اتنی شہرت ہوئی کہ اس نے نام کی جگہ لے لی اور پھر قرآن نے بھی اسی آزر کے نام سے تذکرہ کیا۔

بہر حال آپ سے باپ اور قوم کی بت پرستی اور ستارہ پرستی دیکھی نہیں گئی اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ کر کے ان کے سامنے دین حق کا اعلان کر دیا۔ فرمایا کہ اے لوگو! یہ بت کیا ہیں جنہیں تم لئے بیٹھے ہو، اپنے ہاتھ سے تم اسے بناتے ہو اور پھر اسی بے جان چیز کو نفع و نقصان کا مالک سمجھنے لگتے ہو۔ ان خرافات سے باز آؤ اور خدا کی وحدانیت کا اعتراف کرو اور اس کے سامنے سر جھکاؤ جو پوری کائنات کا خالق ہے۔

جواب میں وہ کہنے لگے کہ ہمارے باپ دادا تو یہی کرتے چلے آئے ہیں اور ہم بھی انہیں کی روش کو باقی رکھے ہوئے ہیں۔ اے ابراہیم! یہ تم ایک نئی بات لے کر کہاں سے آئے ہو؟

آپ نے فرمایا۔ بھلا آباؤ اجداد کی تقلید بھی کوئی دلیل ہو سکتی ہے۔ تمہارے باپ و دادا بھی گمراہی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ تم بھی اسی گمراہی میں مبتلا ہو۔ ان مشرکین کو یہ بات عجیب سی لگی۔ یہ توحید سے بھی اس قدر بیگانہ تھے کہ سمجھے شاید ابراہیم علیہ السلام ہم سے دل لگی کر رہے ہیں ورنہ سنجیدگی کے عالم میں تو کوئی اس طرح کی بات نہیں کر سکتا۔ پوچھنے لگے کہ اے ابراہیم! کیا واقعی تم ٹھیک کہہ

رہے ہو یا مذاق کر رہے ہو؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں، جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ صحیح ہے۔ تمہارا واقعی معبود وہی ہے جس نے اس کائنات کو پیدا کیا اور میرے پاس توحید پر دلیل بھی ہے۔ بہر کیف آپ نے قوم کو بت پرستی سے روکنے کی کوشش کی اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ انہیں یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ بت نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ اور تمہارے پیشواؤں نے جو تمہیں ڈرا رکھا ہے وہ قطعاً غلط اور بے بنیاد باتیں ہیں۔ یہ بت دوسروں کی تو کیا مدد کرتے خود اپنے اوپر آئی مصیبت کو بھی نہیں ٹال سکتے ہیں۔ لیکن قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات نہیں سنی اور اپنے عقیدہ سے کسی طرح باز نہ آئے۔

آپ نے سوچا کہ اب کوئی ایسا اقدام ہونا چاہئے جس سے قوم کو یقین ہو کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہی حق ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک منصوبہ بنایا اور اسی کے تحت باتوں باتوں میں ایک مرتبہ یہ کہہ دیا کہ میں تمہارے بتوں کی گت بناؤں گا۔ یہ ضروری نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جملہ مجمع عام میں اعلان کر کے کہا ہو۔ بلکہ اغلب یہی ہے کہ آپ نے آہستہ سے یہ جملہ کہا ہو۔ جسے قریب کے دو چار اشخاص نے سن لیا ہو...... آپ نے ایک موقعہ مناسب سمجھا اور اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کی تیاری شروع کر دی۔ ہوا یوں کہ جب یہ اپنے مذہبی میلہ میں شرکت کے لئے چلے گئے تو آپ مندر میں گئے اور بڑے بت کو چھوڑ کر باقی تمام بتوں کو چورا چورا کر دیا اور کلہاڑی اس بڑے بت کی گردن میں لٹکا کر چلے گئے۔

بعض تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سب ملا کر بہتر بت تھے۔ بعض ان میں سے سونے کے تیار کردہ تھے اور بعض چاندی اور کچھ دوسری دھات سے تیار شدہ...... سب سے بڑا بت سونے سے تیار کیا گیا تھا۔ ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ جس کی دونوں آنکھیں یاقوت کی تھیں جو رات کو چمکتیں...... جب یہ لوگ میلہ سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کو لوٹے اور مندر میں بتوں کا یہ حال دیکھا تو سخت برہم ہوئے اور ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ کس کی حرکت ہے۔

وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے یہ سن لیا تھا کہ "ہم تمہارے بتوں کی گت بنا دیں گے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ اس شخص کا کام ہے جس کا نام ابراہیم ہے۔ وہی ہمارے دیوتاؤں کا دشمن ہے اور برا بھلا کہتا رہتا ہے۔ جب ان کے سرداروں نے یہ بات سنی تو غصہ سے سرخ ہو گئے اور کہنے لگے کہ اس کو مجمع کے سامنے پکڑ کر لاؤ۔ تا کہ سب دیکھ لیں کہ مجرم کون ہے اور ہم اس کو کیسی سزا دیتے ہیں۔ یشھدون کا دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ اس کو مجمع کے سامنے لاؤ تا کہ اس کے اقرار پر سب گواہ بن جائیں۔

عجیب اتفاق کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو خواہش تھی وہی ہو رہا ہے۔ ان کا پروگرام یہی تھا کہ وہ تمام لوگوں کو بتوں کی بے کسی و بے بسی کا قائل کر دیں۔ اس لئے اس سے اچھا موقعہ کیا ہو سکتا تھا کہ سب کے سب یکجا مل گئے اور آپ کو اپنی بات کہنے کا موقعہ ملا۔ بہر حال جب آپ مجمع کے سامنے لائے گئے تو سوال کیا گیا کہ اے ابراہیم کیا تو نے یہ سب کچھ ہمارے دیوتاؤں کے ساتھ کیا ہے؟ آپ نے طنزیہ انداز میں فرمایا کہ جی ہاں اور کیا...... کہیں ان کے بڑے بت نے تو نہ یہ حرکت کی ہو؟ ان سے ہی پوچھ لیجئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو پاش پاش کرنے کی جو ذمہ داری بڑے بت پر ڈالی اسے آنحضور ﷺ نے کذب سے تعبیر کیا ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ لفظ کذب، جھوٹ کے مترادف نہیں ہے بلکہ لفظ کذب کے معنی بہت وسیع ہیں۔ درآنحالیکہ یہ کذب صورۃ کذب تھا۔ جبکہ آپ کی نیت کسی غلط بیانی کی نہیں تھی بلکہ الزامی جواب دے کر اور انہیں مغالطہ میں ڈال کر اس بات کا قائل کرنا تھا کہ یہ بت جو بولنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے وہ عبادت کے لائق کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اس لئے یہ جھوٹ انبیاء علیہ السلام کی صدق مقالی کے منافی نہیں۔

امام رازیؒ نے ایک توجیہ یہ کی ہے کہ **فعله** کا فاعل **کبیر هم هذا** کو نہ مانا جائے بلکہ تقدیر عبارت اس طرح ہو کہ **فعله من**

فعلہ جس کا مطلب یہ ہے کہ حادثہ جو کچھ پیش آیا وہ تو سامنے ہے۔ اس بڑے بت سے حقیقت واقعہ دریافت کرو۔

مشہور نحوی کسائی سے ایک قرأت منقول ہے کہ وہ بل فعلہ پر مکمل وقف کر لیتے تھے اور کبیرھم ھٰذا سے نیا جملہ شروع کرتے تھے۔ قرأت کی ان صورتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سے کذب کا الزام بھی ختم ہو جاتا ہے۔

بہرکیف جب آپ نے ان سے کہا کہ اگر یہ بڑا بت بول سکے تو اس سے پوچھ لو کہ یہ کس کی حرکت ہے۔ اس پر یہ بہت شرمندہ ہوئے اور انہیں دل میں اقرار کرنا پڑا کہ واقعی ظالم ابراہیم نہیں بلکہ ہم خود ہیں کہ اس غلط اور بے بنیادی عقیدہ پر یقین رکھے ہوئے ہیں۔ پھر اپنی گردنیں نیچی کر کے کہنے لگے کہ اے ابراہیم تم خوب جانتے ہو کہ یہ بے جان مورتیاں ہیں، ان میں بولنے کی طاقت نہیں۔ پھر ہم اس سے کیا پوچھیں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا منصوبہ کامیاب ہوا اور دشمنوں نے اپنے ظلم اور بتوں کی بے بسی کا اقرار کر لیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے انہیں نصیحت کی اور ملامت بھی کہ تف ہے تمہارے بتوں کی بے کسی و بے چارگی پر اور حیرت ہے تمہاری عقلوں پر کہ ایسوں کو خدا اور معبود بنائے ہوئے ہو اور افسوس ہے کہ ذرا تم بھی عقل سے کام نہیں لیتے۔

شعلہ و شبنم: .... حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت کا انہوں نے کوئی اثر نہیں لیا۔ بلکہ اپنی خفت و ناکامی کو چھپانے کے لئے غصہ میں فیصلہ کیا کہ اپنے دیوتاؤں کی توہین اور باپ دادا کے دین کی مخالفت برداشت نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے اس حرکت کی سزا میں ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلا دینا چاہئے۔ دیوتاؤں کی توہین کا انتقام اسی طرح لیا جا سکتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو۔ وہ اپنے اسی جذبہ کے ساتھ اعلان حق میں مشغول رہے۔ پھر مشرکین نے ایک خاص قسم کی بھٹی تیار کرائی اس میں کئی روز مسلسل آگ دہکائی گئی۔ یہاں تک کہ اس کے شعلوں سے قرب و جوار کی چیزیں بھی جھلسنے لگیں۔ جب بادشاہ اور قوم کو مکمل اطمینان ہو گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے بچنے کی کوئی صورت ممکن نہیں تو دوسری فکر ہوئی کہ انہیں اس دہکتی ہوئی آگ میں کس طرح ڈالا جائے۔ کیونکہ اس بھٹی کے قریب جانا بھی ممکن نہیں۔ تو مشورہ کے بعد یہ طے ہوا کہ انہیں گوپھن میں بٹھا کر دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا جائے۔

اسی وقت خدا تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ وہ اپنی تپش و سوزش کا اثر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نہ کرے بلکہ سلامتی کے ساتھ سرد پڑ جائے۔ چنانچہ آگ کے اس لاوے سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکا۔ صرف وہ رسی جل کر راکھ ہو گئی جس سے آپ کو باندھ دیا گیا تھا اور آپ بالکل صحیح و سالم آگ سے نکل آ گئے۔

یہ اشکال کہ آگ میں جلا دینے کی خاصیت ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت ابراہم علیہ السلام اس سے صحیح و سالم نکل آئیں۔ بالکل غلط ہے۔ کیا وہ خدا جو تمام اشیاء میں خواص و تاثیر پیدا کرنے والا ہے اس پر قادر نہیں کہ دی ہوئی خاصیت و تاثیر کو کسی چیز سے ختم کر دے؟

ان سے کوئی پوچھے کہ جب آگ کی خاصیت جلا دینا ہے اور جو چیز بھی اس میں ڈالی جائے اسے جلا دے گی پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ چیزیں جن کو فائر پروف کہا جاتا ہے۔ جن میں ایک خاص قسم کا مسالہ استعمال کیا جاتا ہے انہیں آگ نہیں جلا پاتی۔ بلکہ آگ کے شعلوں میں بھی محفوظ رہتی ہیں۔ جب مسالہ کے ذریعہ آگ کے اثرات سے بچایا جا سکتا ہے تو خدا تعالیٰ جو ان چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے وہ آگ کی خاصیت کو تبدیل کرنے پر بخوبی قادر ہے۔ ویسے یہ واقعہ بہرحال خارق عادت تو تھا ہی اور بطور معجزہ لوگوں کو دکھایا گیا۔ حاصل یہ کہ ان کا مقصد پورا نہیں ہوا اور بجائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہلاکت کے ان کی حقانیت اور کھل کر لوگوں

کے سامنے آ گئی۔

انعامات ربانی: .... پھر ارشاد ہوا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے برادر زادہ لوط علیہ السلام کو جوان کی زیر تربیت اور انہیں کے ساتھ عراق میں مقیم تھے، کفار سے بچا کر ایک ایسی سرزمین میں پہنچا دیا جو خیر و برکت والی ہے۔ اسے مراد سرزمین شام ہے جو دینی و دنیوی برکتوں کی جامع ہے۔ دینی برکت تو یہ تھی کہ بکثرت انبیاء کرام اس مقدس علاقہ میں تشریف لائے اور یہاں قیام کر کے توحید و رسالت کی اشاعت کی اور دنیوی برکت یہاں کی سرسبزی، شادابی اور بہترین آب و ہوا ہے۔

پھر فرمایا گیا کہ ان کی تمنا پوری کی گئی اور ان کی دعا کے مطابق انہیں بیٹا اسحٰق علیہ السلام عطا کیا۔ بلکہ مزید عنایت کرتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام جیسا پوتا بھی عطا کیا۔ پھر ان سب کو صالح بھی بنایا۔ قرآن مجید کو اس کی وضاحت اس وجہ سے کرنی پڑی کہ اہل کتاب نے ان حضرات پر عجیب عجیب الزامات لگائے ہیں۔ مزید فرمایا جا رہا ہے کہ صرف صالح ہی نہیں بلکہ مصلح بھی تھے۔ اس وجہ سے انہیں مقتدا و پیشوا بنا دیا گیا اور پیغمبروں کا کام ہی اپنے نفس کا تزکیہ اور مخلوق کی ہدایت کرنا ہے۔

لوط علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے کہ ہم نے انہیں علم و حکمت عطا کی اور یہ کہ ان کی قوم جو طرح طرح کی برائیوں و بدکاریوں میں مبتلا تھی۔ ہم نے انہیں ان سے نجات دی اور قوم کو تباہ و برباد کر دیا۔ ہم نے ان کو بھی ابراہیم علیہ السلام کی طرح اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ کیونکہ وہ نیکوکاروں میں سے تھے جو پیغمبر کے لئے بہت ضروری ہے۔ اس کی وضاحت بھی قرآن نے اسی وجہ سے کی کہ یہود نے ان کے متعلق بھی غلط قسم کی روایات گھڑ رکھی ہیں اور توریت میں ان کی زندگی کو داغدار کر کے پیش کیا گیا ہے۔

وَاذْكُرْ **نُوْحًا** وَمَا بَعْدَهٗ بَدَلٌ مِنْهُ **اِذْ نَادٰى** اَیْ دَعَا عَلٰی قَوْمِهٖ بِقَوْلِهٖ رَبِّ لَا تَذَرْ اَلَخ **مِنْ قَبْلُ** اَیْ قَبْلَ اِبْرَاهِیْمَ وَلُوْطٍ **فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ** اَلَّذِیْنَ فِیْ سَفِیْنَتِهٖ **مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۶﴾** اَیِ الْغَرَقِ وَتَكْذِیْبِ قَوْمِهٖ لَهٗ **وَنَصَرْنٰهُ** مَنَعْنَاهُ **مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا** اَلدَّالَّةِ عَلٰی رِسَالَتِهٖ اَنْ لَا یَصِلُوْا اِلَیْهِ بِسُوْءٍ **اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۷۷﴾** وَاذْكُرْ **دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ** اَیْ قِصَّتَهُمَا وَیُبْدَلُ مِنْهُمَا **اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ** هُوَ زَرْعٌ اَوْ كَرْمٌ **اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ** اَیْ رَعَتْهُ لَیْلًا بِلَا رَاعٍ بِاَنْ انْفَلَتَتْ **وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ﴿۷۸﴾** فِیْهِ اِسْتِعْمَالُ ضَمِیْرِ الْجَمْعِ لِاثْنَیْنِ قَالَ دَاوٗدُ عَلَیْهِ السَّلَامُ لِصَاحِبِ الْحَرْثِ رِقَابُ الْغَنَمِ وَقَالَ سُلَیْمَانُ عَلَیْهِ السَّلَامُ یَنْتَفِعُ بِدَرِّهَا وَنَسْلِهَا وَصُوْفِهَا اِلٰی اَنْ یَعُوْدَ الْحَرْثُ كَمَا كَانَ بِاِصْلَاحِ صَاحِبِهَا فَیَرُدُّهَا اِلَیْهِ **فَفَهَّمْنٰهَا** اَیِ الْحُكُوْمَةَ **سُلَیْمٰنَ** وَحُكْمُهُمَا بِاجْتِهَادٍ وَرَجَعَ دَاوٗدُ اِلٰی سُلَیْمَانَ وَقِیْلَ بِوَحْیٍ وَالثَّانِیْ نَاسِخٌ لِلْاَوَّلِ **وَكُلًّا** مِنْهُمَا **اٰتَیْنَا حُكْمًا** نُبُوَّةً **وَّعِلْمًا** بِاُمُوْرِ الدِّیْنِ **وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَالطَّیْرَ** كَذٰلِكَ سَخَّرْنَا لِلتَّسْبِیْحِ مَعَهٗ لِاَمْرِهٖ بِهٖ اِذَا وَجَدَ فَتْرَةً لِیَنْشَطَ لَهٗ **وَكُنَّا فٰعِلِیْنَ ﴿۷۹﴾** تَسْخِیْرَ تَسْبِیْحِهِمَا مَعَهٗ وَاِنْ كَانَ عَجَبًا عِنْدَكُمْ اَیْ مُجَاوَبَتُهٗ لِلسَّیِّدِ دَاوٗدَ عَلَیْهِ السَّلَامُ **وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ** وَهِیَ الدِّرْعُ لِاَنَّهَا تُلْبَسُ وَهُوَ اَوَّلُ مَنْ صَنَعَهَا وَكَانَتْ

قَبْلَهَا صَفَائِحُ **لَّكُمْ** فِي جُمْلَةِ النَّاسِ **لِتُحْصِنَكُمْ** بِالنُّوْنِ لِلّٰهِ وَبِالتَّحْتَانِيَةِ لِدَاوٗدَ بِالْفَوْقَانِيَةِ لِلَّبُوْسِ **مِّنْ بَأْسِكُمْ** حَرْبِكُمْ مَعَ اَعْدَاءِ كُمْ **فَهَلْ اَنْتُمْ** يَا اَهْلَ مَكَّةَ **شٰكِرُوْنَ**﴿۸۰﴾ نِعَمِيْ بِتَصْدِيْقِ الرُّسُلِ اَيْ اُشْكُرُوْنِيْ بِذٰلِكَ وَسَخَّرْنَا **لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً** وَفِي اٰيَةٍ اُخْرٰى رُخَاءً اَيْ شَدِيْدَةَ الْهُبُوْبِ وَخَفِيْفَتَهٗ بِحَسْبِ اِرَادَتِهٖ **تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا** وَهِيَ الشَّامُ **وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ**﴿۸۱﴾ مِنْ ذٰلِكَ عِلْمُهٗ تَعَالٰى بِاَنَّ مَا يُعْطِيْهِ سُلَيْمَانَ يَدْعُوْهُ اِلَى الْخُضُوْعِ لِرَبِّهٖ فَفَعَلَهٗ تَعَالٰى عَلٰى مُقْتَضٰى عِلْمِهٖ **وَ** سَخَّرْنَا **مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ** يَدْخُلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَيُخْرِجُوْنَ مِنْهُ الْجَوَاهِرَ لِسُلَيْمَانَ **وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ** اَيْ سِوَى الْغَوْصِ مِنَ الْبِنَاءِ وَغَيْرِهٖ **وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ**﴿۸۲﴾ مِنْ اَنْ يُفْسِدُوْا مَا عَمِلُوْا لِاَنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا فَرَغُوْا مِنْ عَمَلٍ قَبْلَ اللَّيْلِ اَفْسَدُوْهُ اِنْ لَمْ يَشْتَغِلُوْا بِغَيْرِهٖ **وَ** اذْكُرْ **اَيُّوْبَ** وَيُبْدَلُ مِنْهُ **اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ** لَمَّا ابْتُلِيَ بِفَقْدِ جَمِيْعِ مَالِهٖ وَوَلَدِهٖ وَتَمْزِيْقِ جَسَدِهٖ وَهَجْرِ جَمِيْعِ النَّاسِ لَهٗ اِلَّا زَوْجَتَهٗ سِنِيْنَ ثَلَاثًا اَوْ سَبْعًا اَوْ ثَمَانِيَ عَشَرَةَ وَضَيَّقَ عَيْشَهٗ **اَنِّيْ** بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ بِتَقْدِيْرِ الْبَاءِ **مَسَّنِيَ الضُّرُّ** اَيِ الشِّدَّةُ **وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ**﴿۸۳﴾ **فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ** نِدَاءَهٗ **فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ** اَوْلَادَهُ الذُّكُوْرَ وَالْاِنَاثَ بِاَنْ اَحْيَوْا لَهٗ وَكُلٌّ مِنَ الصِّنْفَيْنِ ثَلَاثٌ اَوْ سَبْعٌ **وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ** مِنْ زَوْجَتِهٖ وَزِيْدَ فِيْ شَبَابِهَا وَكَانَ لَهٗ اَنْدَرٌ لِلْقَمْحِ وَاَنْدَرٌ لِلشَّعِيْرِ فَبَعَثَ اللّٰهُ سَحَابَتَيْنِ اَفْرَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلٰى اَنْدَرِ الْقَمْحِ الذَّهَبَ وَالْاُخْرٰى عَلٰى اَنْدَرِ الشَّعِيْرِ الْوَرِقَ حَتّٰى فَاضَ **رَحْمَةً** مَفْعُوْلٌ لَهٗ **مِّنْ عِنْدِنَا** صِفَةٌ **وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ**﴿۸۴﴾ لِيَصْبِرُوْا فَيُثَابُوْا **وَ** اذْكُرْ **اِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ**﴿۸۵﴾ عَلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ وَعَنْ مَعَاصِيْهِ **وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا** مِنَ النُّبُوَّةِ **اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ**﴿۸۶﴾ لَهَا وَسُمِّيَ ذَا الْكِفْلِ لِاَنَّهٗ تَكَفَّلَ بِصِيَامِ جَمِيْعِ نَهَارِهٖ وَبِقِيَامِ جَمِيْعِ لَيْلِهٖ وَاَنْ يَقْضِيَ بَيْنَ النَّاسِ وَلَا يَغْضَبُ فَوَفٰى بِذٰلِكَ وَقِيْلَ لَمْ يَكُنْ نَبِيًّا **وَ** اذْكُرْ **ذَا النُّوْنِ** صَاحِبَ الْحُوْتِ وَهُوَ يُوْنُسُ بْنُ مَتّٰى وَيُبْدَلُ مِنْهُ **اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا** لِقَوْمِهٖ اَيْ غَضْبَانَ عَلَيْهِمْ مِمَّا قَاسٰى مِنْهُمْ وَلَمْ يُؤْذَنْ لَهٗ فِيْ ذٰلِكَ **فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ** اَيْ نَقْضِيَ عَلَيْهِ مَا قَضَيْنَا مِنْ حَبْسِهٖ فِيْ بَطْنِ الْحُوْتِ اَوْ نُضَيِّقَ عَلَيْهِ بِذٰلِكَ **فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ** ظُلْمَةِ اللَّيْلِ وَظُلْمَةِ الْبَحْرِ وَظُلْمَةِ بَطْنِ الْحُوْتِ **اَنْ** اَيْ بِاَنْ **لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ**﴿۸۷﴾ فِيْ ذَهَابِيْ مِنْ بَيْنِ قَوْمِيْ بِلَا اِذْنٍ **فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ** بِتِلْكَ الْكَلِمَاتِ **وَكَذٰلِكَ** كَمَا اَنْجَيْنَاهُ **نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ**﴿۸۸﴾ مِنْ كَرْبِهِمْ اِذَا اسْتَغَاثُوْا بِنَا دَاعِيْنَ

وَاذْكُرْ **زَكَرِيَّآ** وَيُبْدَلُ مِنْهُ **اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ** بِقَوْلِهٖ **رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا** اَىْ بِلَا وَلَدٍ يَرِثُنِىْ **وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ** ﴿۸۹﴾ اَلْبَاقِىْ بَعْدَ فَنَاءِ خَلْقِكَ **فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ** نِدَاءَهٗ **وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى** وَلَدًا **وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ** فَاَتَتْ بِالْوَلَدِ بَعْدَ عُقْمِهَا **اِنَّهُمْ** اَىْ مَنْ ذُكِرَ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ **كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ** يُبَادِرُوْنَ **فِى الْخَيْرٰتِ** الطَّاعَاتِ **وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا** فِىْ رَحْمَتِنَا **وَّرَهَبًا** مِنْ عَذَابِنَا **وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ** ﴿۹۰﴾ مُتَوَاضِعِيْنَ فِىْ عِبَادَتِهِمْ **وَ** اذْكُرْ مَرْيَمَ **الَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا** حَفِظَتْهُ مِنْ اَنْ يُنَالَ **فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا** اَىْ جِبْرِيْلَ حَيْثُ نَفَخَ فِىْ جَيْبِ دِرْعِهَا فَحَمَلَتْ بِعِيْسٰى **وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ** ﴿۹۱﴾ اَلْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلَائِكَةِ حَيْثُ وَلَدَتْهُ مِنْ غَيْرِ فَحْلٍ **اِنَّ هٰذِهٖٓ** اَىْ مِلَّةَ الْاِسْلَامِ **اُمَّتُكُمْ** دِيْنُكُمْ اَيُّهَا الْمُخَاطَبُوْنَ اَىْ يَجِبُ اَنْ تَكُوْنُوْا عَلَيْهَا **اُمَّةً وَّاحِدَةً** حَالٌ لَازِمَةٌ **وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ** ﴿۹۲﴾ وَحِّدُوْنِ **وَتَقَطَّعُوْٓا** اَىْ بَعْضُ الْمُخَاطَبِيْنَ **اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ** اَىْ تَفَرَّقُوْا اَمْرَ دِيْنِهِمْ مُتَخَالِفِيْنَ فِيْهِ وَهُمْ طَوَائِفُ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى قَالَ تَعَالٰى **كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ** ﴿۹۳﴾ اَىْ فَنُجَازِيْهِ بِعَمَلِهٖ

ع ۱۸ ۶

ترجمہ: ....اور (تذکرہ کیجئے) نوح علیہ السلام کا (اور مابعد کا جملہ بدل واقع ہورہا ہے نوح سے) جب انہوں نے پکارا تھا (اور اپنی قوم کے لئے بددعا کی رب لاتذر الخ کے ساتھ) پہلے ہی (ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام سے بھی پہلے) سوہم نے ان کی سن لی اور انہیں اور ان کے تابعین کو (جو کشتی میں آپ کے ساتھ سوار تھے) بہت بڑے غم سے نجات دی (یعنی ڈوبنے اور قوم کی تکذیب سے) اور ہم نے ان کا بدلہ لے لیا ایسے لوگوں سے جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا (ان نشانیوں کو جو کہ رسالت پر دلالت تھیں) بے شک وہ لوگ بہت ہی برے تھے۔ سوہم نے ان سب کو غرق کردیا اور داؤد وسلیمان علیہ السلام (کے قصہ کا بھی ذکر کیجئے۔ مابعد کی عبارت بدل واقع ہورہی ہے داؤد وسلیمان سے) جب وہ کھیت کے بارے میں فیصلہ کررہے تھے۔ جبکہ اس میں لوگوں کی بکریاں رات کو جا پڑی تھیں (یہ بکریاں رات کے وقت میں چرواہے کے نہ ہونے کی وجہ سے کھیت چرگئی تھیں) اور ہم ان لوگوں سے متعلق فیصلہ کو دیکھ رہے تھے۔ (داؤد علیہ السلام کا فیصلہ یہ تھا کہ بکریوں کا ریوڑ کھیتی کے نقصان کو پورا کرنے کے لئے کھیت والوں کو دے دیا جائے اور سلیمان علیہ السلام نے یہ فیصلہ کیا کہ کھیت والا فائدہ اٹھائے گا بکریوں کے دودھ سے۔ اس کی نسل سے اور اون سے۔ یہاں تک کہ کھیتی ایسی تیار ہوجائے جیسی چرنے کے وقت میں تھی۔ اس وقت بکریاں مالک کو لوٹا دی جائیں) سوہم نے اس فیصلہ کی سمجھ سلیمان کو دے دی۔ (یہ فیصلہ دونوں نے اپنے اجتہاد سے کیا تھا۔ اس وجہ سے داؤد علیہ السلام نے اپنے فیصلہ سے رجوع کرلیا۔ یا یہ کہ دونوں نے وحی کے ذریعہ فیصلہ کیا۔ لیکن دوسرا فیصلہ ناسخ ہوا پہلے فیصلہ کے لئے) اور ہر ایک کو (ان دونوں میں سے) ہم نے حکمت (نبوت) اور علم دیا تھا (یعنی دین کی معلومات) اور ہم نے داؤد علیہ السلام کے ساتھ تابع کردیا تھا پہاڑوں کو کہ وہ اور پرندے تسبیح کیا کرتے تھے (اسی وجہ سے پرندوں کو بھی تابع بنادیا۔ ان کے حکم کے مطابق کہ وہ تسبیح کیا کریں، ان کے ساتھ تاکہ جب داؤد علیہ السلام تھکاوٹ محسوس کریں تو یہ ان کے نشاط کا سبب ہو) اور یہ کرنے والے ہم تھے (ان دونوں کو تابع کرنا داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح میں۔ یعنی ان کا مصروف تسبیح ہوجانا۔ داؤد علیہ السلام کے ساتھ میرا کرشمہ قدرت تھا) اور ہم نے انہیں زرہ کی صنعت تمہاری نفع کے لئے سکھادی (اور زرہ سازی کی یہ پہلی

مثال تھی ورنہ اس سے پہلے لوہے کے ٹکڑوں کا استعمال ہوتا تھا) تا کہ وہ تم کو تمہاری لڑائی میں بچائے (یعنی دشمنوں کے مقابل میں تمہارے لئے مفید ثابت ہو۔ تحصنکم میں تین قرأت ہیں۔ اگر نحصنکم نون کے ساتھ پڑھیں تو ضمیر خداتعالیٰ کی طرف لوٹے گی۔ ترجمہ ہوگا تا کہ خداتعالیٰ تم کو بچائے اور اگر یحصنکم یاء کے ساتھ پڑھیں تو ضمیر داؤد علیہ السلام کی طرف لوٹے گی اور اگر تحصنکم تاء کی ساتھ پڑھیں تو ضمیر لبوس کی طرف راجع ہوگی۔ اس صورت میں ترجمہ ہوگا تا کہ یہ زرہ تمہاری حفاظت کرے) سو کیا تم (اے اہل مکہ) شکر ادا کرو گے (میری نعمتوں کا اور رسولوں کی صداقت پر یقین لاؤ گے) اور ہم نے سلیمان علیہ السلام کے تابع زوردار ہوا کو بنادیا تھا (اور ایک آیت میں عاصفۃً کی جگہ رخاءً آیا ہے۔ جس کے معنی ہلکی ہوا کے ہیں۔ دونوں آیتوں میں جمع کی صورت یہ ہے کہ ہلکی اور تیز دونوں ہواؤں کو ان کی تابع اور ارادہ پر موقوف کردیا تھا) کہ وہ ان کے حکم سے چلتی اس سرزمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھ دی ہے (یعنی ملک شام) اور ہم تو ہر ایک چیز کا علم رکھتے ہیں (خداتعالیٰ خوب جانتا تھا کہ سلیمان علیہ السلام کے لئے یہ اقتدار کامل کسی سرکشی کا موجب نہیں بلکہ ان کے جذبہ تواضع کی آبیاری کرے گی۔ اس لئے خداتعالیٰ نے انہیں جو کچھ دیا وہ اس کے علم ازلی کے تقاضوں کے مطابق تھا) اور شیطانوں میں سے بھی (ہم نے تابع کردیئے تھے) جو ان کے لئے غوطے لگاتے تھے (اور دریاؤں سے سلیمان علیہ السلام کے لئے جواہرات وغیرہ نکال کرلاتے) اور وہ اس کے علاوہ اور کام بھی کرتے رہتے تھے (یعنی دریاؤں میں غوطہ زنی کے علاوہ تعمیر وغیرہ کا کام بھی کرتے تھے) اور ہم ہی ان کو سنبھالنے والے تھے (ورنہ تو جنات کا مزاج یہ تھا کہ اگر رات ہونے سے قبل اس کام سے فارغ ہوجاتے تو جو ان کے سپرد کیا گیا تھا خود ہی اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیتے۔ یہاں تک کہ انہیں کسی اور کام میں نہ لگادیا جاتا۔) اور ایوب علیہ السلام (کا تذکرہ کیجئے مابعد کی عبارت بدل واقع ہورہی ہے ایوب سے) جبکہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا (جس وقت کہ ان کا سارا مال اور اولاد ضائع ہوگئی اور شدت مرض سے جسم بھی متاثر ہوگیا تھا جب کہ سوائے بیوی کے تمام لوگوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس وقت ان کو زندگی گزارنی مشکل ہوگئی تھی اور یہ کیفیت تقریباً تیرہ، سترہ یا اٹھارہ سال تک رہی) کہ مجھ کو تکلیف پہنچ رہی ہے اور تو سب مہربانوں میں بڑا مہربان ہے (انی کے الف پر فتحہ اور کسرہ دونوں قراءت ہے۔ اگر باء مقدر مانیں اور بانی پڑھیں تو الف کو فتحہ پڑھیں گے اور قول مقدر مانیں تو الف کو کسرہ پڑھیں گے) سو ہم نے ان کی دعا قبول کرلی اور انہیں جو تکلیف تھی اس کو دور کردیا اور ہم نے انہیں ان کا کنبہ عطا کیا (مذکر اور مؤنث دونوں طرح کی اولاد اور ان میں سے ہر ایک تین تین یا سات سات تھے) اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی اپنی رحمت خاص کے سبب سے (اور بیوی بھرپور جوانی والی۔ حضرت ایوبؑ کے یہاں ایک انبار گیہوں کا تھا اور دوسرا جو کا۔ اللہ تعالیٰ نے دو بادل بھیجے جو ان دونوں ڈھیر پر خوب کھل کر برسے۔ گیہوں کا ڈھیر سونے میں منتقل ہوگیا اور جو کا چاندی میں۔ اسی کا تذکرہ مثلھم معھم میں ہے) تا کہ یادگار رہے عبادت کرنے والوں کے لئے (اور صبر کریں اور اسی طرح اجر کے مستحق ہوں۔) اور (تذکرہ کیجئے) اسمٰعیل، ادریس اور ذوالکفل (کا) یہ سب ثابت قدم رہنے والوں میں تھے (خداتعالیٰ اطاعت پر اور نافرمانی سے بچنے پر) اور ہم نے ان سب کو اپنی رحمت میں داخل کرلیا تھا (نبوت عطا کی تھی) بے شک وہ سب صالح لوگوں میں سے تھے (ذوالکفل کو ذوالکفل اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ پورا دن روزہ رکھتے اور پوری رات شب بیداری اور اسی کے ساتھ لوگوں کے معاملات کے فیصلے کرتے اور کسی پر غصہ نہ ہوتے۔ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے۔ کہ یہ نبی نہیں تھے۔) اور مچھلی والے (پیغمبر کا بھی تذکرہ کیجئے) وہ یونس ابن متیٰ تھے۔ مابعد کی عبارت بدل واقع ہورہی ہے ذالنون سے) جب کہ وہ خفا ہوکر چلے گئے (اپنی قوم سے خفا ہوکر اس تکلیف کی وجہ سے جو ان لوگوں سے پہنچی تھی۔ درآنحالیکہ انہیں ابھی خداتعالیٰ کی جانب سے اس کی اجازت نہیں ملی تھی) اور سمجھے کہ ہم ان پر تنگی نہ کریں گے (یعنی ہم ان کے لئے ایسا کوئی فیصلہ نہیں کریں گے۔ جیسا کہ ہم نے مچھلی کے پیٹ میں قید کرنے کا کیا اور یہ کہ ہم ان سے

کوئی مؤاخذہ نہیں کریں گے) پھر انہوں نے اندھیروں میں سے پکارا (ایک تو رات کی تاریکی، پھر سمندر کی تاریکی اور مچھلی کے پیٹ کی تاریکی) کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ آپ (نقائص سے) پاک ہیں بے شک میں ہی قصور وار ہوں (بغیر آپ کی اجازت کے قوم سے علیحدہ ہونے میں) سو ہم نے ان کی پکار سن لی اور انہیں غم سے نجات دے دی (ان کی اس دعا کی وجہ سے) اور ہم ایمان والوں کو ایسی ہی نجات دیا کرتے ہیں (ان کی تکالیف سے جب وہ ہم سے فریاد کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے انہیں نجات دی) اور (ذکر کیجئے) زکریاؑ (کا مابعد عبارت بدل واقع ہورہی ہے زکریا سے) جب کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا۔ کہ اے میرے پروردگار مجھ کو لاوارث مت رکھ (یعنی لاولد مت رکھ کہ میرا کوئی وارث ہی نہ رہے) اور بہترین وارث تو آپ ہی ہیں (کیونکہ مخلوق کے فنا ہونے کے بعد ہمیشہ رہنے والے تو آپ ہی ہیں) سو ہم نے ان کی پکار سن لی اور ہم نے ان کو یحییٰ عطا کیا (لڑکا) اور ان کی خاطر ہم نے ان کو بیوی کو صحیح کر دیا (اور یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے درآنحالیکہ وہ بانجھ تھیں) بے شک (وہ سب انبیاء) نیک کاموں میں دوڑنے والے تھے (اطاعت گزار تھے) اور ہم کو پکارتے رہتے تھے (ہماری رحمت کے) شوق میں (اور ہمارے عذاب کے) خوف سے اور ہمارے سامنے دب کر رہتے تھے (یعنی عبادات میں خشوع وخضوع فرماتے) اور ان بی بی (مریمؑ کا بھی ذکر کیجئے) جنہوں نے اپنے ناموس کو بچالیا (اور ہر ایک سے اپنی عزت کی حفاظت کی) پھر ہم نے ان میں اپنی روح پھونک دی (خدا تعالیٰ کے حکم سے جبرائیل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماری جس کے نتیجہ میں عیسیٰؑ کا استقرار ہوا) اور ہم نے ان کو اور ان کے فرزند کو دنیا جہان والوں کے لئے نشانی بنادیا (انسانوں، جنوں اور فرشتوں کے لئے کہ ان کی پیدائش خلاف عادت ہوئی) بے شک یہی (دین اسلام) تمہارا طریقہ ہے۔ طریقہ واحد (جس میں کسی نبی کا اختلاف نہیں ہے۔ لہذا تم بھی اسی طریقہ پر قائم رہو) اور میں تمہارا پروردگار ہوں۔ سو تم میری ہی پرستش کرو (لیکن لوگوں نے آپس میں اپنا دین ہی ٹکڑے ٹکڑے کرلیا۔ آپس میں امور دین کے بارے میں اختلاف کر بیٹھے اور مختلف فرقوں میں تقسیم ہوگئے۔ اور وہ یہود ونصاریٰ ہیں۔ اسی پر ارشاد ہے) کہ سب ہمارے پاس واپس آنے والے ہیں (اس وقت ہم ان کے اعمال کا بدلہ دیں گے)۔

تحقیق وترکیب: .... اھلــــہ' سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے۔ جن کی تعداد ایک روایت کے مطابق کل چھ مرد اور چھ عورت کی تھی۔ اور دوسری روایت ہے کہ تعداد اسی ۸۰ تھی۔ جس میں سے چالیس مرد اور چالیس عورتیں تھیں۔ گویا اہل سے مراد خاندان والے نہیں۔ بلکہ دین والے ہیں۔

کرب العظیم. سے مراد طوفان وغرقابی ہے۔

من القوم. میں من علیٰ کے معنی میں ہے اور آیات سے مراد احکام ہیں۔

داود و سلیمان. داؤد علیہ السلام کی عمر سو سال کی ہوئی۔ ان کے اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان پانچ سو انہتر (۵۶۹) یا ۵۷ سال کا فصل ہے۔

اذ نفشت. نفش کے معنی۔ رات کے وقت میں جانوروں کا بغیر چرواہے کے کھیتوں میں جا پڑنا۔

لحکمھم. میں جمع کی ضمیر لائی گئی ہے۔ لیکن مراد تثنیہ ہی ہے اور جمع کو تثنیہ کی جگہ مجازاً استعمال کر دیا۔ یا یہ کہ تثنیہ بھی جمع کے حکم میں ہوتا ہے اور جمع کی تعداد کم سے کم دو ہے۔ اس وجہ سے جمع کی ضمیر لائی گئی۔

یسبحن. حال واقع ہورہا ہے جبال سے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جملہ متانفہ ہے۔ پوچھنے والے نے سوال کیا کہ تسخیر کی نوعیت کیا تھی۔ تو ارشاد ہوا کہ یسبحن گویا یہ پہاڑ داؤد علیہ السلام کے ساتھ مصروف تسبیح ہوتے تھے۔ جیسا کہ کنکریوں نے آنحضور ﷺ کے دست مبارک پر تسبیح پڑھی۔ اس لئے تسخیر سے مراد اقتدار فی التسبیح ہے۔

والطیر. کے منصوب ہونے کی دووجہ ہیں۔ یا تو وہ مفعول معہ ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ یا یہ کہ اس کا عطف **جبال** پر ہے اور اسے رفع بھی پڑھا گیا ہے۔ اس طرح پر کہ **والطیر** مبتداء اور خبر محذوف ہے تقدیر عبارت ہوگی۔ **والطیر مسخرات ایضاً** اور دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے۔ کہ **یسبحن** میں جو **ھن** کی ضمیر ہے اس پر عطف ہو۔

لتحصنکم. سے زرہ سازی کی علت بیان کی گئی ہے یا یہ بدل واقع ہو رہا ہے۔ **لکم** سے **تحصنکم** میں تین قراءت ہیں۔ **نحصنکم** نون کے ساتھ اس صورت میں ضمیر خدا تعالیٰ کی جانب لوٹے گی اور **تحصنکم** تا کے ساتھ۔ اس صورت میں ضمیر داؤد علیہ السلام اور زرہ دونوں کی طرف لوٹے گی اور **تحصنکم** تا کے ساتھ تو زرہ کی طرف راجع ہوگی۔

فھل انتم. میں **ھل** اگرچہ حرف استفہام ہے مگر یہاں امر کے معنی میں ہے۔

من الشیاطین. شیطان سے مراد جن ہے۔ ویسے ابوعبیدہ کا قول ہے کہ شیطان سے مراد انسان، حیوان، جن اور ہر وہ مخلوق ہے جو سرکش و نافرمان ہو۔

من یغوصون. **من** موصولہ اور موصوفہ ہوسکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں ریح پر عطف ہو کر منصوب ہوگا۔ مرفوع بھی مبتداء ہونے کی بناء پر ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں جار و مجرور جو ماقبل میں ہے وہ خبر ہوگا۔ ضمیر جمع **من** کے معنوی پہلو کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ وہ معنیً جمع اور لفظاً مفرد ہے۔

مسنی الضر. حضرت ایوب علیہ السلام کی مدت ابتلاء میں اختلاف ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ سترہ سال تک آپ اپنی بیماری میں مبتلا رہے اور ابن ابی حاتم نے مالک بن انسؒ سے اٹھارہ سال تک کی روایت کی ہے۔ اور ابن جریر نے تیرہ سال کا قول نقل کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔ اسی کو حبان نے انسؓ سے نقل کیا ہے۔ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پانچویں پشت یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے عیص کی اولاد میں سے تھے۔ آپ بہت کثیر الاولاد اور کثیر المال تھے۔ آپ کی بیوی کا نام ماحیر بنت میشا ابن یوسف علیہ السلام تھا۔ یا رحمت بنت افرائیم ابن یوسف علیہ السلام تھا۔

فکشفنا ما به من ضر. روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کی صورت غالباً یہ ہوئی۔ کہ آپ کو حکم ہوا کہ زمین پر اپنا پیر مارو۔ جس کے نتیجہ میں پانی کا چشمہ نکل آیا۔ حکم ہوا کہ اس سے غسل کرلو۔ غسل کرتے ہی تمام امراض ظاہری ختم ہوگئے۔ چالیس قدم اور آگے بڑھنے کے بعد حکم ملا۔ کہ اب اپنے دوسرے پیر کو زمین پر مارو۔ جس کے نتیجہ میں ایک اور چشمہ پھوٹ پڑا۔ حکم ہوا کہ اب اس ٹھنڈے پانی کو پی لو۔ حسب حکم پانی پیتے ہی تمام اندرونی بیماریوں کا ازالہ ہوگیا۔ اسی کو سورۂ ص میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ **ارکض بر جلك هذا مغتسل بارد و شراب.**

وادریس. ادریس علیہ السلام حضرت نوحؑ کے جد امجد ہیں۔ آپؑ کے اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ آپ کی ولادت حضرت آدم علیہ السلام کی وفات سے سو سال پہلے ہوئی۔ لیکن آپ کو نبوت حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے دو سو سال بعد ملی اور بعثت کے بعد آپ ڈیڑھ سو سال تک زندہ رہے۔ اس طرح آپ کی عمر کل ساڑھے چار سو سال کی ہوئی۔

ذا الکفل. نام بشر ہے اور ذوالکفل ان کا لقب ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نبی نہیں تھے۔ مثلاً ابوموسیٰ اشعری وغیرہ۔ لیکن جمہور کی رائے یہی ہے کہ آپ نبی تھے۔

لن نقدر. قدر معنی میں تنگی کے ہے اور یہ قدرت سے نہیں بلکہ تقدیر سے ہے۔

فی الظلمٰت. ظلمت جمع کا صیغہ ہے۔ مراد متعدد تاریکیاں ہیں۔ ایک تو سمندر کے نیچے کی تاریکی۔ اور پھر مچھلی کے

پیٹ کی تاریکی۔ حضرت یونسؑ کے مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی مدت کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس سلسلے میں مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ چالیس دن، سات دن، تین دن اور ایک قول چار گھنٹے کا ہے۔

ان لا اله. ان یاتو مخففہ من الثقیلہ ہے۔ اس صورت میں اس کا اسم محذوف ہوگا اور بعد کا جملہ منفیہ اس کی خبر یا یہ کہ ان تفسیر یہ ہے۔

زوجه. حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی کا نام ایشاع بنت عمران یا ایشاع بنت فاقو دتھا۔

رغبا و رهبا. منصوب ہے یا تو مفعول ہونے کی بنا پر یا یہ کہ مصدر ہیں جو حال کی جگہ واقع ہے۔

ان هٰذه امتکم. میں بعضوں کی رائے ہے کہ هذه سے مراد امت مسلمہ ہے اور دوسرے گروہ کا خیال ہے۔ کہ خطاب عام ہے تمام انسانوں سے اور طریقہ سے مراد طریق انبیاء ہے۔

ربط:............ اب تک انبیاء علیہم السلام کے واقعات کا بیان تھا اور چونکہ وہ سب کے سب موحد ہوتے ہیں اور لوگوں کو بھی توحید کا سبق دیتے ہیں۔ جس کی تفصیل بعض قصوں میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ اور پھر اسی کو اخیر میں ید عوننا رغباً و رهباً سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ان هـذه امتکم امةً واحدةً سے یر ثها عبادی الصالحون o تک توحید کا اثبات اور شرک کی مذمت کی جارہی ہے اور ان مضامین کی تاکید کے لئے معاد کی تفصیل ہے جس پر اہل حق کو جزا اور اہل باطل کو سزا ملنے والی ہے۔

﴿ تشریح ﴾:...... قصہ نوح علیہ السلام:............ حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔ کہ ان کی قوم نے ان کو ستایا، تکلیفیں دیں اور طرح طرح سے پریشان کیا۔ اور آپ جوان کے سامنے دعوت ایمان پیش کرتے تو وہ اس کی مخالفت کرتے۔ بالآخر پریشان ہوکر نوح علیہ السلام نے ان کے لئے بددعا کی۔ کہ اے اللہ! تو میری مدد فرما۔ اور ان کافروں کو تباہ و برباد کردے۔ ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ رکھ۔ ورنہ یہ تیرے مومن بندوں کو بھی بہکائیں گے۔ اور ان کی اولاد بھی انہی کی طرح سرکش و نافرمان ہوگی۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی اور تمام کفار کو برباد کر کے رکھ دیا۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے تھے۔ جن کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ آپ نوسو (۹۵۰) سال تک ان میں رہے اور تبلیغ کرتے رہے۔ لیکن سوائے چند افراد کے باقی اپنے کفر پر جمے رہے اور ایذاء پہنچاتے رہے۔ بہرکیف آخر خدا تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو اور ان کے متبعین کو ان کی ایذاء سے چھٹکارا دلا دیا اور ان کی دعا کے مطابق ایک کافر بھی ڈوبنے سے نہ بچ سکا۔ سب کے سب تباہ و برباد ہوکر رہ گئے۔ کرب عظیم سے مراد طوفان وغرقابی بھی ہوسکتی ہے۔

قصہ داؤد و سلیمان علیہما السلام:............ اب داؤد و سلیمان علیہما السلام کے قصے سنائے جاتے ہیں۔ یہ دونوں حضرات پیغمبر ہونے کے ساتھ حاکم وفرمانروا بھی تھے۔ اس وجہ سے مقدمات کے فیصلے بھی کیا کرتے تھے۔ اس مقدمہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص کی بکریاں کسی شخص کی کھیتی رات کے وقت چر گئیں۔ وہ کھیتی غلہ کی تھی۔ جن کی کھیتی خراب ہوئی تھی وہ اس مقدمہ کو حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس لے گئے۔ انہوں نے مقدمہ کی تفصیل سن کر یہ فیصلہ دیا۔ کہ کھیت کے نقصان کے بدلے میں یہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ کہ اس کا فیصلہ دوسری طرح بھی ہوسکتا ہے۔ دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا۔ کہ یہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں اور بکریوں والے سے کہا جائے کہ وہ اس کھیت میں کام کریں۔ یہاں تک کہ کھیت اسی حالت پر آجائے۔ جس حال میں یہ بکریوں کے چرنے سے قبل تھا۔ اور اس دوران یہ کھیت والا ان بکریوں کے دودھ وغیرہ سے فائدہ اٹھاتا رہے اور جب کھیت اپنی پہلی حالت پر آجائے تو کھیت والے کو کھیت اور بکریاں اس کے مالک کو واپس کردی جائیں۔

سلیمان علیہ السلام کا یہ فیصلہ بذریعہ وحی نہیں تھا۔ بلکہ آپ نے اپنی سمجھ بوجھ سے یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا۔ اسی کو قرآن نے بیان

کیا ہے۔ کہ ففھمنا ھاسلیمن . یعنی ہم نے اس فیصلہ کی سمجھ سلیمانؑ کو دے دی اور اس میں شبہ نہیں ۔ کہ آج تک یہود مسیحی اقوام میں سلیمان علیہ السلام کی حکمت و دانائی اور قوت فیصلہ بطور ضرب المثل چلی آتی ہے۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ خلاف شرع تھا۔ بلکہ صورت مقدمہ یہ تھی ۔ کہ جس قدر کھیت کا نقصان ہوا تھا اس کی لاگت بکریوں کی قیمت کے برابر تھی ۔ اس وجہ سے داؤد علیہ السلام نے ضمان میں کھیت والے کو بکریاں دلوادیں ۔ اور قانون شرعی کا تقاضہ بھی یہی تھا۔ لیکن اس میں بکری والے کا بہت نقصان تھا۔ اس لئے سلیمان علیہ السلام نے دونوں فریق کی رضامندی سے دوسری ضرورت تجویز فرمائی۔ جس میں دونوں کی رعایت اور سہولت ملحوظ رکھی گئی تھی ۔ اس لئے دونوں فیصلوں میں کوئی تعارض نہیں تھا۔ اسی کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ کلاً اتینا حکماً وعلما . کہ ہم نے علم وحکمت تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو دی تھی ۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ داؤد علیہ السلام کے فیصلہ سے بہتر تھا۔ کیونکہ اس میں دونوں کی رعایت رکھی گئی تھی ۔

مسند احمد میں حدیث ہے کہ براء ابن عازب کی اونٹنی کسی باغ میں چلی گئی اور اس باغ کا نقصان کر دیا۔ تو آنحضور ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ دن کے وقت اپنے باغ کی حفاظت باغ والوں پر ہے۔ البتہ رات کو جانوروں سے جو نقصان ہو اس کا جرمانہ جانوروں کے مالکوں پر ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو ایسی خوش الحانی دی گئی تھی ۔ کہ جب وہ تسبیح کرتے یا زبور وغیرہ پڑھتے تو پرندے بھی اپنی پرواز کو چھوڑ کر رک جاتے اور آپ کے ساتھ مصروف تسبیح ہو جاتے ۔ اسی طرح پہاڑ بھی تسبیح کرنے لگتے ۔

ایک روایت میں ہے۔ کہ رات کے وقت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلاوت قرآن کر رہے تھے۔ کہیں سے اس طرف آنحضور ﷺ کا گزر ہوا۔ آپ ﷺ ان کی رسیلی آواز سن کر ٹھہر گئے اور دیر تک سنتے رہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو تو آل داؤد کی آواز کی شیرینی دی گئی ہے۔

حضرت ابوموسیٰؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمانے لگے۔ کہ یارسول اللہ ﷺ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ میری قرائت سن رہے ہیں تو میں اور بھی اچھی پڑھتا...... اس سے اندازہ لگائیے کہ حضرت داؤد کی آواز کیسی ہوگی۔

تسخیر جبال کے یہ معنی کرنا کہ حضرت داؤدؑ جب پہاڑوں میں تسبیح میں مشغول ہوتے تھے۔ تو پہاڑ ان کی آواز سے گونجنے لگتے تھے قطعاً غلط ہے...... اگر یہی بات تھی تو قرآن کا اسے اتنی اہمیت کے ساتھ ذکر کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ یہ کون سی حیرت انگیز اور قابل ذکر بات تھی ۔ جسے بطور نعمت کے ذکر کیا جاتا۔ ایک عام انسان کی آواز بھی پہاڑوں میں گونجتی ہے۔ نیز اس کا ثبوت کہاں سے مل گیا۔ کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے محل اور مسجدوں کو چھوڑ کر پہاڑوں کی کھوہ میں جا کر تسبیح کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد اپنا ایک اور احسان بتلا رہے ہیں ۔ کہ ہم نے حضرت داؤد کو زرہیں بنانی سکھا دیں ۔ تو اگر ان زرہوں کی ایجاد حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی۔ جیسا کہ جلالین اور درمنثور میں ہے۔ تب تو واقعی یہ قابل ذکر بات تھی ۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو کہ زرہیں حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے بھی بنا کرتی تھیں اور یہ ان کی ایجاد نہیں ہے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ آپ کی بنائی ہوئی زرہیں حسن صنعت میں زیادہ اچھی ہوتی تھیں۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی۔ کہ آلات حرب وغیرہ بنانا مطلقاً حرام نہیں ہے بلکہ اگر اسے لغو مقاصد اور غلط جگہوں پر استعمال نہ کیا جائے تو قابل قدر سمجھی جائیں گی۔

معجزہ سلیمانی: .... اس سے پہلے داؤد علیہ السلام کے معجزہ تسخیر جبال کا ذکر ہوا۔ اب سلیمان علیہ السلام کے معجزہ تسخیر ہوا کا ذکر ہے۔ کہ ہوا کو ان کا تابع بنا دیا گیا تھا۔ وہ جہاں چاہتے ہوا کے ذریعہ منٹوں میں پہنچ جاتے ۔ آپ ہوا کو حکم دیتے اور وہ آپ کو لے کر روانہ

ہوجاتی۔ بعض لوگوں نے تسخیر ہوا سے جہاز رانی مراد لی ہے۔

امام رازیؒ نے یہ خوب لکھا ہے کہ باپ حضرت داؤدؑ کے تابع کثیف ترین جسم کیا گیا۔ یعنی پتھر اور چٹان وغیرہ۔ اور بیٹے کے تابع لطیف ترین جسم کیا گیا یعنی ہوا۔

اسی طرح سرکش جنات بھی آپ کے قبضہ میں کر دیئے گئے تھے۔ جو سمندر میں غوطے لگا کر موتی اور جواہر وغیرہ نکال کر لایا کرتے تھے۔ اسی طرح اور دوسرے کام بھی کیا کرتے تھے۔ مثلاً تعمیری خدمت وغیرہ انجام دیتے۔ جیسا کہ سورۂ سبا میں ارشاد ہے۔

یعملون له' ما یشاء من محاریب وتما ثیل وجفان کالجواب وقدور راسیٰت. شیطان سے مراد کافر جن ہیں۔ کیونکہ شیطان کے لفظی مفہوم میں ہر وہ مخلوق شامل ہے۔ جو سرکش وخبیث ہو۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہے۔ کہ ان سرکش جنوں کو سنبھالنے والے ہم ہی تھے اور ہم نے ہی ان کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا۔ ورنہ یہ ان کے قبضہ میں رہنے والے کب تھے؟

حضرت ایوب علیہ السلام:............ ایوب علیہ السلام حضرت اسحاقؑ کے بڑے صاحبزادے اور حضرت یعقوبؑ کے بڑے بھائی عیص کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کا وطن عوض تھا۔ جس کے متعلق علماء کی تحقیق یہ ہے۔ کہ یہ جگہ عرب کے شمال ومغرب میں فلسطین کے مشرقی سرحد کے قریب ایک ملک تھا۔ آپ بہت مال دار اور صاحب اہل وعیال تھے۔ توریت کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کے سات بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں۔ سات ہزار بھیڑیں اور تین ہزار اونٹ اور اس کے علاوہ دوسرے جانور۔ نیز بے شمار نوکر چاکر، کھیت وباغات وغیرہ بھی تھے۔

توریت کی روایت ہے۔ کہ شیطان نے ایک روز خدا تعالیٰ سے عرض کیا۔ کہ ایوب جس کے صبر وشکر کی اس قدر شہرت ہو رہی ہے وہ تو اس وجہ سے کہ تو نے اسے ہر قسم کی نعمیں دے رکھی ہیں۔ ذرا یہ نعمتیں چھین لی جائیں تو معلوم ہوجائے گا کہ وہ کتنے صابر وشاکر ہیں۔ جواب ملا کہ جا تجھے اختیار ہے جس طرح چاہے تو ان کی آزمائش کر کے دیکھ لے۔ چنانچہ شیطان نے طرح طرح سے پریشان کرنا شروع کر دیا۔ آپ کی امارت بھی ختم ہوئی مفلس وقلاش ہو کر رہ گئے۔ سارے کھیت وباغات، جانوروں کے گلے، نوکر چاکر اور حد تو یہ ہے کہ اولاد سے بھی محروم کر دیئے گئے۔ مگر اس کے باوجود آپ کی زبان پر کبھی کوئی شکایت کے کلمات نہیں آئے۔ اس پر مزید آپ شدید ترین بیماری میں مبتلا کئے گئے۔ جس میں ہر ایک نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری میں اختلاف ہے۔ لیکن بہرحال اتنی بات طے شدہ ہے کہ کوئی سخت بیماری تھی۔ اسی طرح مدت مرض میں بھی اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں مختلف قول ہیں۔

آپ کی بیوی ہمیشہ عرض کرتیں کہ خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے مگر آپ ہمیشہ اسے ٹال دیتے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عبید بن عمیرؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن یہ بات پیش آئی کہ آپ کے دو بھائی تھے، وہ آپ سے ملنے کے لئے آئے لیکن مرض کی شدت کی وجہ سے وہ قریب نہیں آئے اور آپس میں کہنے لگے کہ اگر اس شخص میں بھلائی ہوتی تو خدا تعالیٰ اسے ہرگز ایسی مصیبت میں مبتلا نہ کرتا۔

یہ سن کر آپؑ کو بہت صدمہ ہوا اور آپ اسی وقت دعا کرتے ہوئے سجدہ میں گر پڑے۔ چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور تمام تکلیفیں اور بیماریاں دور ہوگئیں۔ اسی کے ساتھ آپ کی اولاد اور آپ کا مال بھی آپ کو مل گیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا منافی توکل نہیں ہے۔ **وذکری للعابدین** سے اس طرف اشارہ ہے کہ اہل تقویٰ کے لئے یہ یاد رکھنے کی چیز ہے کہ صابرین کو کیسے کیسے صلے ملتے ہیں۔

یہ صالح جماعت :............حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے تھے، جن کا ذکر سورۂ مریم میں آچکا ہے اور حضرت ادریس علیہ السلام کا بھی واقعہ گزر چکا ہے۔ حضرت ذوالکفل کے بارے میں اختلاف ہے کہ آپ نبی تھے یا ایک صالح شخص۔ جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ ایک صالح شخص اور زمانے کے بہت ہی عادل اور بامروت بادشاہ تھے۔

اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک بزرگ تھے جنہوں نے اپنے زمانے کے نبی سے عہد و پیمان کر رکھے تھے اور اس پر قائم رہے۔ لیکن ترجیحی قول یہ ہے کہ آپ انبیاء بنی اسرائیل میں سے تھے اور توریت میں آپ کا نام حزقیل نبی آیا ہے۔ بخت نصر جب یروشلم پر حملہ کر کے ہزاروں اسرائیلیوں کو اپنے ساتھ لے گیا تو ان میں سے ایک آپ بھی تھے۔ ویسے بھی نبیوں کے ذکر میں آپ کا نام آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نبی ہی تھے۔

قرآن کریم کو **انہم من الصالحین** کی صراحت اس وجہ سے کرنی پڑی کہ بائبل والوں نے اپنے پیغمبروں کو گناہوں میں مبتلا دکھایا ہے۔ گویا نبوت ان کے یہاں محض ایک قسم کی کہانت تھی اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جب یہ حضرات نبی تھے تو صالح بدرجہ اولیٰ ہوں گے۔

قصہ حضرت یونس علیہ السلام :............یونس بن متی علیہ السلام موصل کے علاقہ میں نینوا کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ آپ نے قوم کو دعوت ایمان دی۔ لیکن قوم نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا اور سرکشی و نافرمانی میں مبتلا رہے۔ جس پر حضرت یونس علیہ السلام نے ان کے لئے بددعا کی۔ عذاب کے آنے میں تاخیر ہوگئی۔ آپ شدت ناراضگی میں قوم کو اپنے پیچھے چھوڑ کر تنہا اس بستی سے نکل گئے۔ قوم نے جب یہ دیکھا کہ حضرت یونس علیہ السلام بددعا کر کے اس بستی کو چھوڑ چکے ہیں تو یہ سمجھے کہ بس اب عذاب آنے ہی والا ہے۔ جس کے نتیجہ میں ان کے دل میں خوف پیدا ہوا اور اب ہوش میں آگئے اور سب نے مل کر خدا تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری شروع کر دی اور اپنے کئے ہوئے گناہوں پر نادم و شرمندہ ہوئے۔ خدا تعالیٰ نے ان کی فریاد سن لی اور جو عذاب آنے ہی والا تھا اسے ٹال دیا۔

حضرت یونس علیہ السلام بلا انتظار وحی وہاں سے یہ سمجھ کر کہ اب میری یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے، روانہ ہو گئے۔ اگرچہ انہوں نے اپنی اس روانگی کو اجتہاداً صحیح سمجھا تھا۔ لیکن نبوت کے شایان شان یہی تھا کہ وحی کا انتظار کیا جاتا۔ لہٰذا انہیں تنبیہ کی ضرورت پیش آئی اور یہ ابتلاء پیش آیا کہ جب آپ قوم سے علیحدہ ہو کر روانہ ہوئے تو راستہ میں ایک دریا ملا۔ آپ کشتی میں سوار ہو گئے۔ کشتی چلتے چلتے رک گئی تو آپ کو تنبیہ ہوئی اور آپ یہ سمجھ گئے کہ میرا یہ سفر بغیر اجازت خداوندی تھا اور خدا تعالیٰ کو یہ پسند نہیں آیا۔ اسی وجہ سے کشتی رک گئی ہے۔

کشتی والوں سے آپ نے کہا کہ مجھے دریا میں ڈال دو تا کہ کشتی کا وزن کچھ ہلکا ہو جائے۔ لیکن انہوں نے آپ کی معصوم صورت کو دیکھ کر یہ گوارا نہیں کیا کہ آپ کو دریا میں ڈال دیں۔ بالآخر قرعہ اندازی میں جب آپ ہی کا نام نکلا تو کشتی والوں نے مجبور ہو کر آپ کو دریا میں ڈال دیا اور خدا تعالیٰ کے حکم سے ان کو ایک مچھلی نگل گئی۔ لیکن اس نے آپ کے جسم کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ کیونکہ آپ اس کے لئے غذا نہیں تھے بلکہ اس کا پیٹ آپ کے لئے قید خانہ تھا۔ اسی وجہ سے آپ کی نسبت مچھلی کی جانب کی گئی۔ نون عربی میں مچھلی کو کہتے ہیں۔

آپ نے مچھلی کے پیٹ میں پہنچ کر دعا شروع کر دی۔ ظلمت۔ جمع کا صیغہ ہے۔ اس وجہ سے کہ ایک تو مچھلی کے پیٹ کی تاریکی، دوسرے دریا کی گہرائی، پھر رات کی تاریکی تو ان تاریکیوں میں آپ نے دعا کی اور دعا میں آپ کا اپنے آپ کو ظالم کہنا اسی معنی

میں ہے کہ میں ترک عزیمت وافضلیت کا مرتکب ہوا ہوں۔

بہر حال آپ کی دعا قبول ہوئی اور آپ کو ہر طرح کی پریشانیوں سے نجات دی گئی۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو بھی حضرت یونس علیہ السلام کی اس دعا کے ساتھ دعا کرے گا اس کی دعا ضرور قبول ہوگی۔ بہر حال حضرت یونس علیہ السلام سے کسی امر کی مخالفت نہیں ہوئی تھی بلکہ اجتہاد میں غلطی ہوئی تھی جو امت کے لئے معاف ہے مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام کی تربیت مقصود ہوتی ہے اس وجہ سے آپ کو اس ابتلاء میں مبتلا کیا گیا۔

قصہ حضرت زکریا علیہ السلام: .... زکریا علیہ السلام کا تفصیلی تذکرہ سورۂ مریم اور سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ مختصراً یہاں یہ بیان ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے تنہائی میں خدا تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ اے اللہ! مجھے اولاد عطا فرما جو نبوت کے صحیح وارث ہو اور جو اس دعوت وارشاد کے کام کو بخوبی چلا سکے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی اور عمر کے اس مرحلہ میں آپ کو بچہ عطا کیا۔ درآنحالیکہ آپ کی بیوی بھی بانجھ تھی۔ جیسا کہ خود آپ کے قول وامرأتی عاقر سے مفہوم ہوتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ان کی بیوی میں استقرار حمل کی صلاحیت پیدا فرما دی تھی اور سعید ابن جبیرؒ وقتادہؒ وغیرہ سے مروی ہے کہ ان کی بیوی کی جوانی لوٹا دی گئی تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیزیں عموماً جن اسباب سے پیدا ہوتی ہیں وہی اسباب مہیا کر دیئے جاتے ہیں۔ اگرچہ خدا تعالیٰ بغیر اسباب ہی تکوین پر قادر ہے۔

آپ کی تعریف ہو رہی ہے کہ عبادات اور اعمال صالحہ میں سبقت کرتے تھے جو علامت ایمان ہے اور اس سے ان کی کمال عبدیت وعبودیت اور ہماری کمال عظمت ومعبودیت ثابت ہوتی ہے۔

تذکرہ عیسیٰ ومریم علیہما السلام: .... والتی احصنت فرجھا سے مراد مریم بنت عمران علیہا السلام ہیں۔ قرآن نے عصمت والی عورت کہہ کر خطاب کیا۔ اس وجہ سے کہ یہود نے جو آپ پر گندے الزامات لگائے اور جو آج تک ان کی کتابوں میں موجود ہیں اس کی صفائی کے لئے اس وضاحت کی ضرورت تھی۔ تو آپ کو بغیر شوہر کے عیسیٰ علیہ السلام جیسا لڑکا دے کر مخلوق کو خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کے اختیارات کے وسیع ہونے کا یقین دلانا تھا۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام جنات اور انسانوں کے لئے قدرت خداوندی کی ایک نشانی تھے۔

نیز استقرار حمل کے لئے نفخ روح کا لفظ استعمال کیا گیا تو نفخ روح تو ہر انسان کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن یہ نفخ معمول کے خلاف بواسطہ جبرئیل علیہ السلام کیا گیا۔ جس کی تفصیلی کیفیت معلوم نہیں ہو سکتی اور نفخ روح کی نسبت خدا تعالیٰ کی جانب صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اظہار عظمت کے لئے ہے۔

ان انبیاء کرام کے قصے سنا کر ارشاد ہے کہ تم سب کا دین ایک ہی ہے۔ جس میں کسی نبی اور کسی شریعت کا اختلاف نہیں ہے اور وہ عقیدہ توحید ہے جو کوئی اس دین سے انحراف کرے گا وہ اس کا نتیجہ دیکھ لے گا۔ کیونکہ سب کو ایک دن ہمارے ہی پاس آنا ہے۔ اس دن ان کے کئے ہوئے کا بدلہ مل جائے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ اَیْ جُحُوْدَ **لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ** ﴿۹۴﴾ بِاَنْ نَاْمُرَ الْحَفَظَةَ بِكَتْبِهٖ فَنُجَازِيْهِ عَلَيْهِ **وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ** اُرِيْدَ اَهْلُهَا **اَنَّهُمْ لَا** زَائِدَةٌ **يَرْجِعُوْنَ** ﴿۹۵﴾ اَیْ مُمْتَنِعٌ رُجُوْعُهُمْ اِلَى الدُّنْيَا **حَتّٰٓى** غَايَةٌ لِاِمْتِنَاعِ رُجُوْعِهِمْ **اِذَا فُتِحَتْ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ** بِالْهَمْزَةِ وَتَرْكِهٖ اِسْمَانِ اَعْجَمِيَّانِ لِقَبِيْلَتَيْنِ وَيُقَدَّرُ قَبْلَهٗ مُضَافٌ اَیْ سَدُّهُمَا وَذٰلِكَ قُرْبَ الْقِيٰمَةِ **وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ** مُرْتَفِعٍ مِنَ الْاَرْضِ **يَّنْسِلُوْنَ** ﴿۹۶﴾ يُسْرِعُوْنَ **وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ** اَیْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **فَاِذَا هِيَ** اَیِ الْقِصَّةُ **شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ** فِیْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ لِشِدَّتِهٖ يَقُوْلُوْنَ **يَا** لِلتَّنْبِيْهِ **وَيْلَنَا** هَلَاكُنَا **قَدْ كُنَّا** فِی الدُّنْيَا **فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا** الْيَوْمِ **بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ** ﴿۹۷﴾ اَنْفُسَنَا بِتَكْذِيْبِنَا الرُّسُلَ **اِنَّكُمْ** يَا اَهْلَ مَكَّةَ **وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَیْ غَيْرِهٖ مِنَ الْاَوْثَانِ **حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ** وَقُوْدُهَا **اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ** ﴿۹۸﴾ دَاخِلُوْنَ فِيْهَا **لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ** الْاَوْثَانُ **اٰلِهَةً** كَمَا زَعَمْتُمْ **مَّا وَرَدُوْهَا ۭ** دَخَلُوْهَا **وَكُلٌّ** مِنَ الْعَابِدِيْنَ وَالْمَعْبُوْدِيْنَ **فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** ﴿۹۹﴾ **لَهُمْ** لِلْعَابِدِيْنَ **فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ** ﴿۱۰۰﴾ شَيْئًا لِشِدَّةِ غَلَيَانِهَا وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ ابْنُ الزِّبَعْرٰى عُبِدَ عُزَيْرٌ وَالْمَسِيْحُ وَالْمَلٰئِكَةُ فَهُمْ فِی النَّارِ عَلٰى مُقْتَضٰى مَاتَقَدَّمَ **اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا** الْمَنْزِلَةُ **الْحُسْنٰٓى ۙ** وَمِنْهُمْ مَنْ ذُكِرَ **اُولٰۗئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ** ﴿۱۰۱﴾ **لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ** صَوْتَهَا **وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ** مِنَ النَّعِيْمِ **خٰلِدُوْنَ** ﴿۱۰۲﴾ **لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ** وَهُوَ اَنْ يُّؤْمَرَ بِالْعَبْدِ اِلَى النَّارِ **وَتَتَلَقّٰىهُمُ** تَسْتَقْبِلُهُمُ **الْمَلٰۗئِكَةُ ۭ** عِنْدَ خُرُوْجِهِمْ مِنَ الْقُبُوْرِ يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ **هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ** ﴿۱۰۳﴾ فِی الدُّنْيَا **يَوْمَ** مَنْصُوْبٌ بِاُذْكُرْ مُقَدَّرًا قَبْلَهٗ **نَطْوِی السَّمَاۗءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ** اِسْمُ مَلَكٍ **لِلْكُتُبِ ۭ** صَحِيْفَةُ ابْنِ اٰدَمَ عِنْدَ مَوْتِهٖ وَاللَّامُ زَائِدَةٌ اَوِ السِّجِلُّ الصَّحِيْفَةُ وَالْكِتَابُ بِمَعْنَى الْمَكْتُوْبِ بِهٖ وَاللَّامُ بِمَعْنٰى عَلٰى وَفِیْ قِرَاءَةٍ لِلْكُتُبِ جَمْعًا **كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ** عَنْ عَدَمٍ **نُّعِيْدُهٗ ۭ** بَعْدَ اِعْدَامِهٖ فَالْكَافُ مُتَعَلِّقَةٌ بِنُعِيْدُ وَضَمِيْرُهٗ عَائِدٌ اِلٰى اَوَّلَ وَمَا مَصْدَرِيَّةٌ **وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ** مَنْصُوْبٌ بِوَعَدْنَا مُقَدَّرًا قَبْلَهٗ وَهُوَ مُؤَكِّدٌ لِمَضْمُوْنِ مَا قَبْلَهٗ **اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ** ﴿۱۰۴﴾ مَا وَعَدْنَا **وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ** بِمَعْنَى الْكِتَابِ اَیْ كُتُبُ اللّٰهِ الْمُنَزَّلَةِ **مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ** بِمَعْنٰى اُمِّ الْكِتٰبِ الَّذِیْ عِنْدَ اللّٰهِ **اَنَّ الْاَرْضَ** اَرْضَ الْجَنَّةِ **يَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ** ﴿۱۰۵﴾ عَامٌّ فِیْ كُلِّ صَالِحٍ **اِنَّ فِیْ هٰذَا** الْقُرْاٰنِ **لَبَلٰغًا** كِفَايَةً فِیْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ **لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ** ﴿۱۰۶﴾ عَامِلِيْنَ بِهٖ **وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ** يَامُحَمَّدُ **اِلَّا رَحْمَةً** اَیْ لِلرَّحْمَةِ **لِّلْعٰلَمِيْنَ** ﴿۱۰۷﴾ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ بِكَ **قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰــهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ** اَیْ مَا يُوْحٰى اِلَيَّ فِیْ اَمْرِ الْاِلٰهِ اِلَّا وَحْدَانِيَّتَهٗ **فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ** ﴿۱۰۸﴾ مُنْقَادُوْنَ لِمَا يُوْحٰى اِلَيَّ مِنْ وَحْدَانِيَّتِهٖ

اَلِاسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى الْاَمْرِ **فَاِنْ تَوَلَّوْا** عَنْ ذٰلِكَ **فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ** اَعْلَمْتُكُمْ بِالْحَرْبِ **عَلٰى سَوَآءٍ** حَالٌ مِنَ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ اَيْ مُسْتَوِيْنَ فِيْ عِلْمِهٖ لَا اَسْتَبِدُّ بِهٖ دُوْنَكُمْ لِتَتَاَهَّبُوْا **وَاِنْ** مَا **اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ** ﴿۱۰۹﴾ مِنَ الْعَذَابِ اَوِ الْقِيٰمَةِ الْمُشْتَمِلَةِ عَلَيْهِ وَاِنَّمَا يَعْلَمُهُ اللّٰهُ **اِنَّهٗ** تَعَالٰى **يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ** وَالْفِعْلِ مِنْكُمْ وَمِنْ غَيْرِكُمْ **وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ** ﴿۱۱۰﴾ اَنْتُمْ وَغَيْرُكُمْ مِنَ السِّرِّ **وَاِنْ** مَا **اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ** اَيْ مَا اَعْلَمْتُكُمْ بِهٖ وَلَمْ يُعْلَمْ وَقْتُهٗ **فِتْنَةٌ** اِخْتِبَارٌ **لَّكُمْ** لِيَرٰى كَيْفَ صُنْعُكُمْ **وَمَتَاعٌ** تَمَتُّعٌ **اِلٰى حِيْنٍ** ﴿۱۱۱﴾ اَيْ اِنْقِضَاءِ اٰجَالِكُمْ وَهٰذَا مُقَابِلٌ لِلْاَوَّلِ الْمُتَرَجّٰى بِلَعَلَّ وَلَيْسَ الثَّانِيْ مَحَلًّا لِلتَّرَجِّيْ **قٰلَ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ قَالَ **رَبِّ احْكُمْ** بَيْنِيْ وَبَيْنَ مُكَذِّبِيَّ **بِالْحَقِّ** بِالْعَذَابِ لَهُمْ اَوِ النَّصْرِ عَلَيْهِمْ فَعُذِّبُوْا بِبَدْرٍ وَاُحُدٍ وَالْاَحْزَابِ وَحُنَيْنٍ وَالْخَنْدَقِ وَنَصَرَ عَلَيْهِمْ **وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ** ﴿۱۱۲﴾ مِنْ كَذِبِكُمْ عَلَى اللّٰهِ فِيْ قَوْلِكُمْ اتَّخَذَ وَلَدًا وَعَلَيَّ فِيْ قَوْلِكُمْ سَاحِرٌ وَعَلَى الْقُرْاٰنِ فِيْ قَوْلِكُمْ شِعْرٌ

ع ۱۹ / ۷

ترجمہ:............ جوکوئی نیک کام کرتا ہوگا وہ ایمان والا بھی ہوگا تو اس کی کوشش اکارت نہ جائے گی اور ہم تو اس کولکھ بھی لیتے ہیں (ہماری جانب سے فرشتے متعین ہیں کتاب اعمال پر تا کہ ان کی صحیح جزادی جاسکے) اور ہم جس بستی کو ہلاک کر دیتے ہیں ناممکن ہے کہ وہ لوگ پھر لوٹ کر آئیں (**لایرجعون** میں لا زائد ہے۔ یہ ان کی دنیا کی طرف مراجعت کی ممانعت اس وقت تک ہے) جب تک کہ یاجوج و ماجوج کھول دیئے جائیں (**فتحت وفتحت** دونوں قرأتیں ہیں۔ **یاجوج و ماجوج** ہمزہ وبغیر ہمزہ مستعمل ہیں۔ عجمی اسم ہیں اور ان سے دو قبیلے مراد ہیں۔ ان سے قبل ایک مضاف محذوف ہے اور وہ **سد** ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ دیوار یاجوج و ماجوج کھولنے کے وقت اور یہ واقعہ قرب قیامت میں پیش آئے گا) اور وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں گے (تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے اور قیامت سے متعلق) سچا وعدہ قریب آنے لگے گا تو یک بیک کافروں کی نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی (اس دن کی ہولنا کی کی بناء پر **فاذا ھی** میں ضمیر قصہ ہے تو وہ کافر کہیں گے یا تنبیہ کے لئے ہے) ہائے ہماری کمبختی ہم اس کی طرف سے غفلت میں پڑے رہے (بلکہ انبیاء کو جھٹلا کر ہم نے خود اپنے اوپر ظلم کیا) اور ہم ہی قصور وار تھے (اے اہل مکہ) بے شک تم خود اور جو کچھ تم اللہ کے سوا بتوں وغیرہ کو پوجتے رہے ہو، سب جہنم کے کندے ہیں۔ اس جہنم میں تم سب کو داخل ہونا ہے (تمہارے خیال کے مطابق ؟) اگر یہ بت واقعی خدا ہوتے تو اس میں کیوں جاتے (لیکن اب تو عابد و معبود) سب کو اس میں ہمیشہ کے لئے رہنا ہوگا اور اس میں ان کا شور ہوگا (اور اپنے شور وغل اور جہنم کے جوش کی وجہ سے) اس میں کسی کی بات سنیں گے بھی نہیں (یہ سن کر ابن الزبعری نے اعتراض کیا کہ عزیر و عیسیٰ علیہما السلام اور فرشتوں کی بھی پرستش کی گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے معبودوں کی طرح انہیں بھی آگ میں ڈالا جائے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ) بے شک جن لوگوں کے لئے ہماری بھلائی مقدر ہو چکی ہے (انہیں میں سے وہ لوگ ہیں جن کا ذکر کیا گیا) وہ اس سے بالکل دور رکھے جائیں گے۔ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ لوگ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے (اور لوگوں کو جہنم میں ڈالنے کے حکم کی) گھبراہٹ انہیں ذرا بھی غم میں نہ ڈالے گی (بلکہ قبروں سے نکلتے وقت) ان کا استقبال فرشتے کریں گے (اور ان سے کہیں گے کہ) یہ ہے آپ کا وہ دن جس کا آپ سے وعدہ کیا جاتا تھا (دنیا میں) جس روز ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے۔ جس طرح اعمال نامے لپیٹ دیئے جاتے ہیں (**یوم نطوی** میں **یوم** منصوب ہے۔ اس وجہ سے کہ اس سے قبل **اذکر** مقدر ہے **کطی السجل للکتب** کے دوسرے معنی کئے گئے ہیں۔ جس دن فرشتے انسان کے اعمال نامے لپیٹ دیں گے۔ اس کی موت کے وقت۔ اس صورت میں **سجل** فرشتہ کا نام ہوگا اور **للکتب** سے انسان کے اعمال نامے مراد ہوں گے۔ اور **ل** معنی میں **علی** کے ہے) جس طرح ہم نے پہلی بار پیدا کرنے کے

وقت ہر چیز کی ابتداء کی تھی اسی طرح اسے دوبارہ کر دیں گے (اور عدم سے وجود میں لے آئیں گے۔ کما میں کاف متعلق ہے۔ نعید کے ساتھ اور نعید کی ضمیر اول کی طرف لوٹ رہی ہے) یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے ہم ضرور اسے کر کے رہیں گے (وعداً منصوب اس وجہ سے ہے کہ اس سے قبل وعدنا مقدر ہے اور یہ ماقبل کے مضمون کی تاکید ہے) اور ہم نے کتب آسمانی میں لکھ رکھا ہے۔ لوح محفوظ میں لکھنے کے بعد (ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے اور زبور سے تمام آسمانی کتب نہ کہ وہ زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی) کہ سرزمین جنت کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔ بے شک اس قرآن میں بڑی تبلیغ ہے بندگی کرنے والوں کے لئے (عابدین سے مراد عاملین ہیں کہ اس پر عمل کرنے والوں کا قرآن کی تبلیغ کر دینا ہی ان کے دخول جنت کے لئے کافی ہے) اور ہم نے (اے محمد ﷺ) آپ کو دنیا جہان پر رحمت ہی کے لئے بھیجا ہے (چاہے وہ انسان ہوں یا جنات)۔

آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو صرف یہ وحی آئی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ سو اب بھی تم مانتے ہو؟ (اور میرے پاس جو خدا کی وحدانیت سے متعلق وحی آئی ہے اسے تسلیم کرتے ہو یا نہیں۔ یہ استفہام سوال کے لئے نہیں ہے بلکہ معنی میں حکم کے ہے) پھر بھی اگر یہ لوگ سرتابی کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو صاف اطلاع کر چکا ہوں (اور نتائج سے باخبر کر چکا ہوں۔ علی سواءٍ حال واقع ہو رہا ہے۔ فاعل و مفعول دونوں سے۔ مطلب یہ ہوگا کہ نتائج کا علم ہمیں اور تمہیں دونوں کو ہو گیا ہے۔ اس میں کسی کی تخصیص نہیں ہے) اور میں نہیں خبر رکھتا کہ تم سے جو (عذاب کا یا قیامت کا) وعدہ کیا گیا ہے آیا وہ قریب آ گیا ہے یا دور دراز ہے۔ (اس کا علم تو خدا تعالیٰ ہی کو ہے) بے شک اللہ پکار کر کہی ہوئی بات کو بھی جانتا ہے اور (اسی طرح تمہارے افعال کو بھی، اسی طرح) اسے بھی جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور میں خبر نہیں رکھتا (قیامت کے وقت متعین اور نہ تاخیر عذاب کے سبب کا۔ جس کی ہم نے تمہیں اطلاع دی ہے) شاید کہ وہ تمہارے لئے امتحان ہی ہو (اور دیکھنا یہ ہو کہ اب تمہارا طرز عمل کیا رہتا ہے) اور ایک خاص وقت تک لئے فائدہ پہنچانا ہو (متاع الی حین مقابل میں لعله فتنة کے ہے کہ یہ تاخیر عذاب یا تو امتحان ہو تمہارے لئے اور یہ دیکھنا ہو کہ دنیاوی زندگی میں تم کیا طرز عمل اختیار کرتے ہو۔ یا پھر یہ کہ تمہاری موت تک تمہیں مہلت اور چھوٹ دے دی گئی ہو۔ ولیس الثانی محلاً للترجی کا مطلب یہ ہے کہ متاع الی حین. لعله کے تحت میں آ کر ترجی کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک یقینی امر ہے جس کا علم خدا تعالیٰ کے نزدیک قطعی ہے) پیغمبر نے کہا کہ اے میرے پروردگار آپ فیصلہ کر دیجئے حق کے موافق (میرے درمیان اور مکذبین کے درمیان۔ اگر وہ عذاب کے مستحق ہوں تو عذاب میں مبتلا کر دیجئے اور اگر نصرت و مدد کے مستحق ہوں تو اس کے مناسب معاملہ کیجئے۔)

اس دعا کے نتیجہ میں وہ عذاب میں مبتلا کر دیئے گئے۔ (جنگ بدر، جنگ احد، احزاب اور حنین میں) اور ہمارا پروردگار بڑا رحمت والا ہے جس سے مدد چاہی جاتی ہے۔ ان باتوں کے مقابل میں جو تم بتایا کرتے ہو (خدا کے صاحب اولاد ہونے، میرے جادوگر ہونے اور قرآن کے شعر ہونے کے بارے میں)۔

تحقیق و ترکیب:............ **فمن یعمل من الصّٰلحت وھو مؤمن.** میں مومن کا تذکرہ کر کے یہ بتانا مقصود ہے کہ ایمان ہر حسن عمل کے لئے بنیادی شرط ہے۔

انا له کاتبون. فرشتوں کی کتابت اعمال کے فعل کو اپنی جانب منسوب فرمایا گیا ہے۔

لایرجعون کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ تا قیامت وہ دنیا کی طرف لوٹ کر واپس نہیں آ سکتے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ ان کی ہلاکت علم الٰہی میں مقدر ہو چکی ہے۔ وہ تو ہدایت کی جانب کسی طرح بھی رجوع نہیں کریں گے۔ اس صورت میں **اھلکنا** سے مراد عزم ہلاکت ہے اور **یرجعون** میں رجوع سے مراد ایمان کی طرف رجوع ہوگا۔

حتی اذا فتحت. میں حتیٰ کے متعلق کے سلسلہ میں چند وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ حتیٰ کا متعلق حرام ہے یا اس کا متعلق کوئی محذوف ہے جو معنی سے مفہوم ہے۔ یا پھر یہ کہ یہ **تقطعوا** سے متعلق ہے اور چوتھی صورت یہ ہے کہ اس کا متعلق **یرجعون** ہے اور خود حتیٰ کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ یا تو حرف ابتداء ہے یا حرف جر ہے معنی میں الیٰ کے۔ اسی طرح اذا

فتحت میں اذا کے جواب میں دوصورتیں بیان کی گئیں ہیں۔ اور یہ کہ اس کا جواب کوئی محذوف ہے۔ ابواسحٰق نے قالوا یاویلنا کو محذوف مان کر اس کا جواب قرار دیا۔ اس کے علاوہ اور دوسروں نے فحینئذ یبعثون کو مقدر مان کر اسے اذا کا جواب قرار دیا ہے۔

فاذا ھی شاخصۃ میں ضمیر ہی قصہ ہے اور شاخصۃ خبر مقدم۔ وابصار مبتداء موخر۔ یہ بصریین کا مذہب ہے اور کوفیین کے نزدیک شاخصۃ مبتداء اور ابصار قائم مقام خبر۔

اولئک عنھا مبعدون. اگر یہاں یہ اشکال ہو کہ اس آیت کے مضمون سے ایک دوسری آیت جس کا حاصل یہ ہے کہ تم سب جہنم پر آؤ گے) تعارض ہے۔ اس لئے کہ ورد جہنم سے نزدیکی کا تقاضا کرتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جہنم کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ جہنم پر پہنچنا عذاب کے لئے ضروری نہیں۔ حدیث میں ہے کہ جب مومن جہنم میں آئے گا تو جہنم ٹھنڈی ہو جائے گی۔

لایحزنھم الفزع الاکبر. فزع اکبر کے مختلف مواقع بیان کئے گئے ہیں۔ ایک تو اس وقت جب جہنمیوں کے جہنم میں ڈالے جانے کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ دوسرے اس موقعہ پر جب جہنم بند کر دیا جائے گا اور جہنمی جہنم سے نکلنے سے مایوس ہو جائیں گے۔ اور تیسرے اس موقعہ پر جب جنت اور جہنم کے درمیان موت کو ذبح کر دیا جائے گا اور چوتھے فزع اکبر سے جہنم کی ہولناکیاں مراد ہیں۔

کطی السجل. حضرت ابن عباسؓ کی تحقیق کے مطابق سجل اس فرشتہ کا نام ہے جو بندوں کا نامہ اعمال اختتام پر لپیٹ دیتا ہے اور بعض مفسرینؒ کی تحقیق ہے کہ سجل صحیفہ کے معنی میں ہیں اور کتاب اسم مفعول کے معنی میں۔ معنی یہ ہوں گے کہ جس طرح نامہ اعمال لپیٹ دیئے جاتے ہیں اسی طرح یہ آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے۔ زمخشریؒ اور قاضی بیضاویؒ نے للکتب میں لام کو علت کے معنی میں لیا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہیں کہ نامہ اعمال لپیٹ دیئے جائیں گے اور پھر لکھنے لکھانے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

فی الزبور. زبور ہر لکھی ہوئی کتاب کو کہتے ہیں۔ نیز الزبور اسم جنس ہے اور تمام آسمانی کتابوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس جگہ بھی کتب آسمانی ہی مراد ہیں۔

من بعد الذکر. اکثر مفسرینؒ اس پر متفق ہیں کہ ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے۔ بعض صحیح احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ جس میں ذکر کو لوح محفوظ کے معنی میں لیا گیا ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں کتاب بدء الخلق کے تحت ایک حدیث آئی ہے۔ جس کا ایک جزیہ ہے۔ کان عرشہ علی الماء و کتب فی الذکر کل شیء یہاں بھی ذکر کا ترجمہ لوح محفوظ کیا گیا ہے۔

ان الارض یرثھا. قرآن میں ارض کا اطلاق ارض جنت پر بھی ہوا ہے۔ جیسا کہ آیت الحمدللّٰہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض نتبوأ من الجنۃ میں ارض سے مراد جنت لی گئی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی تمام محققینؒ اور حضرت ابن عباسؓ سے لے کر اکابر تابعینؒ تک سب نے ارض جنت ہی مراد لیا ہے۔

الا رحمۃ. اس کے منصوب ہونے کی ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ یہ مفعول لہ ہو۔ یعنی آپ ﷺ کی رسالت سے مقصود رحمت ہے۔ یا یہ منصوب حال ہونے کی بناء پر ہو۔ جس سے آپ کے سراپا رحمت ہونے پر زور دیا گیا ہو اور ہوسکتا ہے کہ مضاف محذوف ہو۔ ترجمہ یہ ہوگا کہ آپ کو رحمت والا رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

﴿ تشریح ﴾:............ارشاد ہے کہ بندوں کے سارے اعمال لکھ لئے جاتے ہیں۔ کوئی سا بھی عمل ایسا نہیں جو کتابت سے رہ جاتا ہو۔ اگر انسان نے نیک اعمال کئے ہوں گے اور اسی کے ساتھ ایمان کی دولت سے بھی سرفراز ہوگا تو اسے اس کے نیک کاموں کا بہترین بدلہ دیا جائے گا۔ ہر حسن عمل کے ساتھ ایمان کا ہونا بنیادی شرط ہے۔ کیونکہ بغیر دولت ایمان کے حسن عمل بھی تقریباً بے کار ہی رہتا ہے۔

رجوع ناممکن ہے:............وہ قومیں جو اپنی سرکشی و ناکامی کی وجہ سے ہلاک و برباد کر دی گئیں وہ تا قیامت پھر دنیا میں لوٹ کر

نہیں آسکتیں۔ آیت کی دوسری تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ جن قوموں کے لئے ان کی بدبختی کی وجہ سے ہلاکت مقدر ہو چکی ہی وہ بھی ہدایت نہیں پاسکتیں۔ اس تفسیر کی صورت میں ہلاکت نہیں۔ بلکہ ارادہ ہلاکت مراد ہوگا اور رجوع سے مراد کفر سے ایمان کی طرف رجوع ہوگا۔ لیکن پہلی تفسیر زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے۔ اس صورت میں ان کی واپسی ایک خاص وقت تک کے لئے ناممکن ہے۔ کیونکہ قیامت کے دن سب از سر نو زندہ ہو کر سامنے آئیں گے۔ اس وقت موعود کے قرب کی ایک علامت یہ ہوگی کہ یاجوج و ماجوج کو سد ذوالقرنین سے رہائی مل جائے گی اور وہ دندناتے ہوئے لوگوں کے سامنے نمودار ہوں گے۔

علامہ طنطاویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں اور یہ نام لفظ "اجیج النار" سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی آگ کا بھڑکنا ہے۔ گویا ان کی شدت اور کثرت کی طرف اشارہ ہے اور بعض اہل تحقیق کی رائی یہ ہے کہ منگولیوں اور تاتاریوں کا سلسلہ نسب ایک "ترک" نامی شخص تک پہنچتا ہے اور اسی کو ابوالمقدار ماجوج کہتے ہیں۔ بہر حال اس سلسلہ کی تفصیلات سورۂ کہف میں گزر چکی ہیں۔ نیز انجیل میں خروج یاجوج و ماجوج کو قیامت کی علامت بتایا گیا ہے۔

جب یہ وقت موعود اچانک آئے گا تو کافروں کی آنکھیں خوف و دہشت کی وجہ سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور یہ بے اختیار کہہ اٹھیں گی کہ ہائے ہماری کیسی بد نصیبی ہے کہ ہم اس وقت موعود کی طرف سے غفلت میں پڑے رہے۔ بلکہ واقعۃً ہم قصوروار ہیں۔ کیونکہ تنبیہ کے باوجود ہم بیدار نہیں ہوئے اور کفر و انکار میں مبتلا رہے۔

ترغیب و ترہیب:.......... بت پرستوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم اور تمہارے یہ بت جن کی تم پرستش کررہے ہو سب کے سب جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ مگر ظاہر ہے کہ انبیاءؑ اور ملائکہ وغیرہ اس سے مستثنٰی رہیں گے۔ کیونکہ کفار کی پرستش میں ان کی رضا کو قطعاً کوئی دخل نہیں۔ کفار کے ساتھ ان کے معبودوں کا بھی جہنم میں جانا ان کی پرستش کرنے والوں کے لئے اور بھی تکلیف و حسرت کا باعث ہوگا۔ اگر یہ سچے معبود ہوتے تو آگ میں کیوں جلتے؟ یہاں تو معبود اور عابد دونوں ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے۔ یہ جہنمی شدت تکلیف میں اس قدر چلائیں گے کہ ان کے سوا اور کوئی آواز سنائی بھی نہ دے گی۔

سبقت لهم منا الحسنٰى۔ میں حسنیٰ سے مراد رحمت و سعادت ہے۔ جہنمیوں اور اس کے عذاب کا ذکر کر کے اس کے مقابل میں نیک لوگوں اور ان کی جزاء کا ذکر ہے۔ وہ لوگ جو مومن تھے اور جنہوں نے دنیا میں نیک اعمال کئے تھے، انہیں بہترین بدلہ ملے گا۔ دنیا میں ان کے اعمال نیک تھے تو آخرت میں ثواب اور بہترین بدلہ ملے گا اور رحمت خداوندی سے سرفراز ہوں گے۔ جہنم اور اس کی ہولناکیوں سے محفوظ رہیں گے اور صرف یہی نہیں بلکہ انہیں جنت ملے گی جس کی تعریف کمال بلاغت کے ساتھ اس جملہ میں کر دی گئی کہ **وهم في ما اشتهت انفسهم خالدون**۔ یعنی وہ جگہ ایسی ہوگی جہاں سب کچھ انسان کی اپنی مرضی کے مطابق ہوگا جو غذا وہ چاہے گا وہی حاضر ہوگی جو مشغلہ اسے پسند ہوگا وہی اس کے لئے موجود ہوگا۔

غرض یہ کہ سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ دنیا کی مختصر ترین زندگی میں اپنے کو قوانین الٰہی کے مطابق چلانے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جنت میں سارے قوانین تکوینی اس کے ماتحت و محکوم ہوں گے اور پھر یہ کیفیت عارضی نہیں بلکہ دائمی ہوگی۔ مومن نے ایک مختصر وقت کے لئے اپنے آپ کو احکام الٰہی کے ماتحت رکھا تو خدا تعالیٰ نے اس کے مقابل میں اس کو ابدی اور لازوال نعمتوں سے سرفراز بنایا۔

حشر و نشر آسان ہے:.......... جب لوگوں کو دوبارہ حساب و کتاب کے لئے زندہ کیا جائے گا اور جنتیوں کے جنت میں جانے کا اور جہنمیوں کے جہنم میں بھیجنے کا فیصلہ ہو جائے گا تو وہ وقت انتہائی ہولناک اور خوفناک ہوگا۔ لیکن مومنین کو ذرا بھی دہشت نہیں ہوگی۔ انہیں تو موت سے جاتے ہی تسکین و تشفی کے لئے فرشتے مل جائیں گے جو اعزاز و اکرام کے ساتھ انہیں ہاتھوں ہاتھ لے لیں گے اور انہیں ڈھارس دیتے ہوئے کہیں گے کہ اسی دن کا وعدہ تم سے کیا گیا تھا۔ آج کے دن تمہیں اپنے نیک اعمال کا بدلہ ملے گا۔ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ وہ دن ہوگا جب آسمان کو لپیٹ دیا جائے گا۔

بخاری شریف میں ہے کہ آنحضور ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ زمینوں کو مٹھی میں لے لیں گے اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ساتوں آسمان کو اور وہاں کی ساری مخلوق کو اسی طرح ساتوں زمینوں کو اور وہاں کی کل کائنات کو خدا تعالیٰ اپنے دائیں ہاتھ میں اسی طرح لپیٹ لیں گے۔ جیسے رائی کا دانہ تو سجل سے مراد نامہ اعمال ہے۔

اور ایک رائے یہ ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جو نامہ اعمال لکھتا ہے۔ جب انسان مر جاتا ہے تو یہ فرشتہ اس کے نامہ اعمال کو قیامت تک کے لئے لپیٹ کر رکھ دیتا ہے۔ لیکن اکثر مفسرینؒ نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے اور سجل سے مراد نامہ اعمال لیا ہے۔ لغت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

تو اس دن خدا تعالیٰ تمام مخلوق کو از سر نو پیدا کرے گا اور یہ کوئی تعجب خیز اور حیرت انگیز بات نہیں۔ کیونکہ جو پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے تو اعادہ تو اس کے لئے بہت آسان ہے۔ اسی کے متعلق ارشاد ہے کہ ہم نے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کر کے رہیں گے۔

قرآن کریم قیامت اور اس کی ہولناکیوں کا اسی کے ساتھ بشارت وخوشخبری کا تذکرہ اس کثرت سے اس وجہ سے کرتا ہے کہ مخاطب کے دل میں آخرت کا عقیدہ راسخ ہو جائے۔ یہ عقیدہ آخرت اس کے دل میں وہم وگمان کے درجہ میں نہ رہے۔ بلکہ اس پر کامل و مکمل طریقہ پر یقین آ جائے۔ اور یہ اس وجہ سے کہ ساری نیکیوں کی جڑ یہی عقیدہ آخرت ہے۔ اسی آخرت کے خوف سے انسان نیکیوں کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا مقصد انسان کو نیکیوں کی جانب توجہ دلانا ہے۔

مایوسی اور طلب فیصلہ: .... خدا تعالیٰ جس طرح اپنے نیک بندوں کو اخروی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے۔ اسی طرح دنیاوی نعمتوں سے بھی مالا مال کرتا ہے اسی طرح یہ آیت مومنین کے لئے بشارت ہے دنیوی نعمتوں اور اس کی بادشاہت کی۔

اور بعض مفسرین نے ارض سے مراد جنت لی ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ لوح محفوظ میں لکھنے کے بعد ہم نے کتب آسمانی میں بھی اس کی اطلاع دے دی ہے کہ سرزمین جنت کے مستحق اور مالک تو نیک اور صالح بندے ہی ہوں گے، جنہوں نے اپنی زندگی شریعت کے مطابق گزاری ہوگی۔ ہمارے عبادت گزار بندوں کے لئے قران میں ہر طرح کی نصیحت موجود ہے۔ وہ قرآن جو نبی آخر الزمان آنحضور ﷺ پر اتارا گیا۔ جنہیں سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے تو جس نے اس نعمت کی قدر کی وہ دنیا وآخرت دونوں جگہ کامیاب رہا اور جس نے اس کی ناقدری کی وہ ناکام وبرباد ہوا۔

آنحضور ﷺ کو حکم ملا کہ آپ ﷺ مشرکین کو اطلاع دے دیجئے کہ میرے پاس خدا کی وحدانیت کی وحی آتی ہے۔ تم بھی اس پر ایمان لاؤ اور اس کے مطابق اپنا طرز عمل قائم کرو۔ اگر اس اطلاع کے بعد بھی تم لوگوں نے اعراض کیا اور خدا کی وحدانیت پر ایمان نہیں لائے اور اس کے احکام کی تعمیل نہیں کی تو نتائج کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔ میرے اوپر کسی طرح کی ذمہ داری نہیں رہے گی اور نہ تمہارے لئے کسی عذر ومعذرت کا موقعہ رہے گا۔ کیونکہ ہم نے بارہا تم کو تنبیہ کر دی اور غفلت کے نتائج سے باخبر کر چکا ہوں۔

نیز اعراض کی صورت میں ہم نے جس عذاب کی تمہیں اطلاع دی ہے وہ آ کر رہے گا۔ خواہ وہ عذاب جلد آ جائے یا دیر سے آئے۔ انبیاء کرام علیہ السلام کو زیادہ سے زیادہ وقوع عذاب کی اطلاع دی جاتی ہے۔ وقت اور زمانہ کے تعین کی اطلاع تو انہیں بھی نہیں ہوتی ہے۔ رہی عذاب میں تاخیر کی وجہ تو ممکن ہے اس میں تمہارا امتحان ہو اور یہ دیکھنا کہ شاید اب بھی تم ایمان لے آ ؤ یا پھر تمہیں یہ عارضی مہلت دینا اس وجہ سے ہو کہ تمہاری غفلت میں اور اضافہ ہو جائے جس سے تم سخت سے سخت عذاب کے مستحق ہو جاؤ۔

جب آنحضور ﷺ ہر طرح تبلیغ کرنے کے بعد ان کے اصلاح حال سے مایوس ہو گئے تو آپ نے خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! اب حق اور باطل کا فیصلہ کر دے۔ یعنی ان کافروں کو ساز وسامان کے باوجود نیست ونابود کر دے تا کہ لوگ ان کی تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور ان کے کفر والحاد کی انہیں پوری سزا مل جائے۔ اسی طرح مسلمانوں کے نام ونشان کے مٹانے کی تمنا خاک میں مل کر رہ جائے۔

سُوْرَةُ الْحَجِّ

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَكِّيَّةٌ اِلَّاوَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ الْاٰيَتَيْنِ اَوْاِلَّاهٰذٰنِ خَصْمَانِ السِّتُّ اٰيَاتٍ فَمَدَنِيَّاتٌ وَهِيَ اَرْبَعٌ اَوْ خَمْسٌ اَوْ سِتٌّ اَوْ سَبْعٌ اَوْ ثَمَانٌ وَّ سَبْعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَاالنَّاسُ اَیْ اَهْلَ مَكَّةَ وَغَيْرُهُمْ **اتَّقُوْا رَبَّكُمْ** اَیْ عِقَابَهٗ بِاَنْ تُطِيْعُوْهُ **اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ** اَیِ الْحَرْكَةَ الشَّدِيْدَةَ لِلْاَرْضِ الَّتِيْ يَكُوْنُ بَعْدَهَا طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا الَّذِيْ هُوَ قُرْبُ السَّاعَةِ **شَيْءٌ عَظِيْمٌ﴿۱﴾** فِي اِزْعَاجِ النَّاسِ هُوَنَوْعٌ مِنَ الْعِقَابِ **يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ** بِسَبَبِهَا **كُلُّ مُرْضِعَةٍ** بِالْفِعْلِ **عَمَّآ اَرْضَعَتْ** اَيْ تَنْسَاهُ **وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ** اَیْ حُبْلٰى **حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى** مِنْ شِدَّةِ الْخَوْفِ **وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى** مِنَ الشَّرَابِ **وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللهِ شَدِيْدٌ﴿۲﴾** فَهُمْ يَخَافُوْنَهٗ وَنَزَلَ فِي النَّضْرِ ابْنِ الْحَارِثِ وَجَمَاعَةٍ **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ** قَالُوْا الْمَلٰئِكَةُ بَنَاتُ اللّٰهِ وَالْقُرْاٰنُ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ وَاَنْكَرُوا الْبَعْثَ وَاِحْيَاءَ مَنْ صَارَتُرَابًا **وَّيَتَّبِعُ** فِي جِدَالِهٖ **كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ﴿۳﴾** اَیْ مُتَمَرِّدٍ **كُتِبَ عَلَيْهِ** قُضِيَ عَلَى الشَّيْطَانِ **اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ** اَیْ اتَّبَعَهٗ **فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ** يَدْعُوْهُ **اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ﴿۴﴾** اَيِ النَّارِ **يٰاَيُّهَا النَّاسُ** اَیْ اَهْلَ مَكَّةَ **اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ** شَكٍّ **مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ** اَیْ اَصْلَكُمْ اٰدَمَ **مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ** خَلَقْنَا ذُرِّيَّتَهٗ **مِنْ نُّطْفَةٍ** مَنِيٍّ **ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ** وَهِيَ الدَّمُ الْجَامِدُ **ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ** وَهِيَ لَحْمَةٌ قَدْرَمَا يُمْضَغُ **مُّخَلَّقَةٍ** مُصَوَّرَةٍ تَامَّةِ الْخَلْقِ **وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ** اَیْ غَيْرِ تَامَّةِ الْخَلْقِ **لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ** كَمَالَ قُدْرَتِنَا لِتَسْتَدِلُّوْا بِهَا فِيْ اِبْتِدَاءِ الْخَلْقِ عَلٰى اِعَادَتِهٖ **وَنُقِرُّ** مُسْتَانِفٌ **فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى** وَقْتَ خُرُوْجِهٖ **ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ** مِنْ بُطُوْنِ اُمَّهَاتِكُمْ **طِفْلًا** بِمَعْنٰى اَطْفَالًا **ثُمَّ** نُعَمِّرُكُمْ **لِتَبْلُغُوْٓا**

أَشُدَّكُمْ أي الكمال والقوة وهو ما بين الثلاثين إلى الأربعين سنة **وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ** يموت قبل بلوغ الأشد **وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ** أخسه من الهرم والخرف **لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا** قال عكرمة من قرأ القرآن لم يصر بهذه الحالة **وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً** يابسة **فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ** تحركت **وَرَبَتْ** ارتفعت وزادت **وَأَنبَتَتْ مِن** زائدة **كُلِّ زَوْجٍ** صنف **بَهِيجٍ** ﴿۵﴾ حسن **ذَٰلِكَ** المذكور من بدأ خلق الإنسان إلى آخر إحياء الأرض **بِأَنَّ** بسبب أن **اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ** الثابت الدائم **وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** ﴿۶﴾ **وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ** شك **فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ** ﴿۷﴾ ونزل في أبي جهل **وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى** معه **وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ** ﴿۸﴾ له نور معه **ثَانِيَ عِطْفِهِ** حال أي لاوي عنقه تكبرا عن الإيمان والعطف الجانب عن يمين أو شمال **لِيُضِلَّ** بفتح الياء وضمها **عَن سَبِيلِ اللَّهِ** دينه **لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ** عذاب فقتل يوم بدر **وَنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ** ﴿۹﴾ أي الإحراق بالنار ويقال له **ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ** أي قدمته عبر عنه بهما دون غيرهما لأن أكثر الأفعال تزاول بهما **وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ** ﴿۱۰﴾ أي بذي ظلم للعبيد فيعذبهم بغير ذنب

ترجمہ: .... اے لوگو! اپنے پروردگار (کے عذاب سے) ڈرو (اور اس کی اطاعت کرو) کیونکہ قیامت کے دن کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہے (زلزلہ زمین کی شدید ترین حرکت کا نام ہے۔ یہ قرب قیامت میں پیش آئے گا۔ جس وقت کہ آفتاب بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع ہوگا اور یہ لوگوں کے لئے ایک قسم کا عذاب ہوگا) جس روز تم اسے دیکھو گے (کہ اس عذاب کی وجہ سے) ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی (اسی طرح ہر حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی اور لوگ تجھے نشہ میں دکھائی دیں گے۔ حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۔ (ان کا یہ نشہ کسی نشلی چیز کے استعمال کی وجہ سے نہیں ہوگا۔ بلکہ شدت خوف کی بناء پر ان کے ہوش وحواس درست نہیں رہیں گے) بلکہ اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر جانے بوجھے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کے پیچھے ہو لیتے ہیں (یہ آیت نضر بن حارث اور اس کے ہم خیال لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے اور قرآن کو پچھلوں کی داستان، اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کے منکر تھے وغیرہ وغیرہ۔ اور اپنے اس خیال میں وہ شیطان کی اتباع کیا کرتے تھے) اس کی نسبت تو یہ لکھا جاچکا ہے (اور شیطان کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے کہ) جو کوئی بھی اسے دوست رکھے گا تو اسے وہ گمراہ کرکے ہی رہے گا اور اس کو عذاب دوزخ کا راستہ دکھا دے گا۔ اے لوگو! اگر تم دوبارہ زندہ اٹھنے سے شک میں ہو (یہ خطاب اہل مکہ سے ہے کہ) تو پھر غور کرو۔ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر بوٹی سے (کہ بعض) پوری ہوتی ہیں اور (بعض) ادھوری (مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کامل الخلقت ہوتے ہیں اور بعض ناقص الخلقت ہوتے ہیں) تاکہ ہم تمہارے سامنے اپنی قدرت ظاہر کردیں (اور تمہیں یقین آجائے کہ جو اس طرح انسان کو پیدا کرسکتا ہے وہ دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہوگا) اور ہم رحم میں جس کو چاہتے ہیں ایک مدت معین تک ٹھہرائے رکھتے ہیں۔

پھر ہم تم کو بچہ بنا کر (ماں کے پیٹ) سے باہر لاتے ہیں۔ پھر (تمہاری عمر میں اضافہ کرتے ہیں) تا کہ تم اپنی جوانی تک پہنچ جاؤ (اور تمہارے جسم میں بھرپور طاقت وقوت پیدا ہوجائے اور یہ تیس سے چالیس سال تک کی عمر ہے) اور تم میں وہ بھی ہیں جو (جوانی کو پہنچے سے پہلے ہی) مرجاتے ہیں۔ اور تم میں وہ بھی ہیں جنہیں نکمی عمر تک پہنچادیا جاتا ہے (اور عمر کے اس مرحلے میں پہنچ جاتے ہیں جب کہ ان کے ہوش وحواس بھی درست نہیں رہتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے) کہ وہ ایک چیز سے باخبر ہوکر بے خبر ہوجاتے ہیں (لیکن حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ جوشخص تلاوت قرآن کا عادی ہوگا وہ عمر کے کسی مرحلہ میں بھی ہوش وحواس نہیں کھوئے گا) اور تو دیکھتا ہے کہ زمین خشک ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اگاتی ہے (انسان کی ابتداء پیدائش سے لے کر زمین کو سرسبز وشاداب بنادیئے تک کا بیان) یہ سب اس سبب سے کہ اللہ ہی برحق ہے اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے اور (اس سبب سے بھی کہ) قیامت آنے والی ہے۔ اس میں ذرا شبہ نہیں اور اللہ دوبارہ اٹھائے گا انہیں جو قبروں میں ہیں۔

اور انسانوں میں بعض ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ کے بارے میں حجت کرتا رہتا ہے۔ بغیر علم کے بغیر دلیل کے اور بدون کسی روشن کتاب کے تکبر وگردن کشی کرتے ہوئے (یہ آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ تکبر کی وجہ سے وہ ایمان سے اعراض کرتا ہے۔) **ثانی عطفہ** کے معنی گردن کو ادھر ادھر پھیرنا اور یہ منصوب ہے بربنائے حال تا کہ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے بے راہ کردے (**لیضل** کے یا میں ضمہ اور فتحہ دونوں قرأت ہے) ایسے شخص کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے (جنگ بدر میں قتل کئے گئے) اور قیامت کے دن ہم اسے جلتی آگ کا مزہ چکھائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) کہ یہ تیرے ہی کرتوتوں کا بدلہ ہے (یہاں صرف ہاتھ کا تذکرہ کیا گیا۔ وہ اس وجہ سے کہ اکثر کام انہیں ہاتھوں سے کیا جاتا ہے) اور یہ بات ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے (لہٰذا تمہیں بغیر جرم کے سزا نہیں دے گا)۔

تحقیق وترکیب:............ **زلزلة الساعة**. حضرت علقمہؒ کی رائے ہے کہ یہ زلزلہ اس وقت آئے گا جب قیامت بہت قریب آجائے گی اور بعضوں کی رائے ہے کہ یہ اس وقت آئے گا جب سورج بجائے مشرق کے مغرب سے نکلے گا اور بعض یہ کہتے ہیں کہ عین قیامت کے دن یہ زلزلہ آئے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی زلزلہ سے قیامت کی ابتداء ہوگی۔ لیکن مشہور مفسر قرطبیؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ یہ زلزلہ قرب قیامت میں ہی پیش آئے گا۔ وہ اس وجہ سے کہ آیت میں یہ ہے کہ اس دن دودھ پلانے والی عورت اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور حاملہ عورت کا حمل ساقط ہوجائے گا۔ حالانکہ قیامت کے دن اس طرح کی کوئی بات پیش نہیں آئے گی۔ لہٰذا آیت سے قرب قیامت ہی مراد لینا چاہئے۔

اس سے یوم قیامت مراد لینے والے حضرات یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ ارشاد مجازاً ہے اور اس سے قیامت کی ہولناکیاں اور شدت مراد ہے۔ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ حضرات دلیل میں اس آیت کو پیش کرتے ہیں۔ **یوماً یجعل الولدان شیباً** کہ جس دن بچے بوڑھے بن جائیں گے...... تو جس طرح اس آیت میں قیامت کی ہولناکیوں کو بیان کیا گیا ہے اسی طرح یہاں بھی قیامت اور اس کی ہولناکیاں ہی مراد ہیں۔

یوم ترونها. **یوم** کے منصوب ہونے کی کئی وجہ ہوسکتی ہے۔ یہ **تذهل** کا مفعول فیہ مقدم ہو یا آیت سابق میں **عظیم** سے منصوب ہو۔ تیسری صورت یہ ہے کہ **اذکر** فعل محذوف اور **یوم** اس کا مفعول ہو اور ہوسکتا ہے کہ **الساعة** کا بدل ہو۔ **زلزلة** سے بدل اشتمال ہونے کی بناء پر بھی منصوب پڑھا جاسکتا ہے۔

کتب علیہ. عام طور پر اسے مبنی للمفعول پڑھا گیا ہے۔ ان دونوں جگہ مفعول ہے۔ انہ اور اس کا ماتحت محلاً مرفوع ہے۔ کیونکہ وہ فاعل کے قائم مقام ہے۔ علیہ اور انہ دونوں کی ضمیر من کی جانب لوٹتی ہے جو پہلے مذکور ہوا۔

لنبین لکم. لنبین کا مفعول جو کمال قدرتنا ہے محذوف ہے۔ نبین لکم متعلق ہے خلقنا کم کے اور لنبین کا لام عاقبت کے لئے ہے۔ لتستدلوا بقدرتنا یہ علت ہے نبین لکم کی۔ مطلب یہ ہے کہ تخلیق کے تمام مراحل کو دیکھ کر تم حشر ونشر کی قدرت پر استدلال کر سکو کہ جو مقتدر ذات ابتداءً معدوم کو اس طرح موجود کر سکتی ہے وہ عدم کے بعد دوبارہ بھی وجود میں لانے کی مکمل قدرت رکھتی ہے۔

نخرجکم طفلاً. طفلاً حال واقع ہو رہا ہے نخرجکم کے مفعول سے اور کیونکہ طفلاً مصدر ہے اس لئے اسے مفرد استعمال کرنا ضروری ہے۔

ثانی عطفہ سے مراد حق سے پہلو تہی ہے۔ بالعموم اعراض کرنے والا گردن پھیر لیتا ہے۔ عدم استقامت حق کو گردن پھیرنے سے تشبیہ دی گئی۔

ثم من نطفة. نطفہ غذائے انسانی کا آخری جوہر ہوتا ہے۔

من علقة۔ علقہ اس حالت کا نام ہے جب نطفہ پر سرخی اور غلظت پیدا ہو جائے۔

من مضغة. یہ اس حالت کا نام ہے جب علقہ میں سختی پیدا ہو جائے۔

مخلقة وغیر مخلقة. مخلقة وہ حالت جب کہ پورے اعضاء ترکیب پا جائیں اور غیر مخلقة وہ حالت جب کہ بعض اعضاء ناقص رہ جائیں۔

ربط ....ان کنتم فی ریب من البعث کا ماقبل سے ربط ہے کہ ماقبل میں اللہ کی وسیع ترین قدرت میں شبہ کرنے والوں کا ذکر آیا تھا۔ یہ خدا کو کمزور سمجھنے والے حشر ونشر پر خدا تعالیٰ کو غیر قادر سمجھتے تھے۔ اس لئے حشر ونشر کا تذکرہ شروع کیا اور دو دلائل اس مضمون پر پیش فرمائے۔ اول یہ کہ تم خود اپنی تخلیق پر غور کرو۔ ثانیاً نباتات پر نظر ڈالو کہ کس طرح ہم معدوم کو موجود کر دیتے ہیں۔ اسی طرح سورۂ انبیاء اور سورہ حج کے درمیان ربط یہ ہے۔

یاد ہوگا کہ سورۂ انبیاء میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ قدرے تفصیل سے سنایا گیا تھا۔ یعنی اس نبی جلیل کا بدء فطرت سے موحد ہونا، پیغمبرانہ صلاحیتوں سے سرفراز، عنفوان شباب میں باطل پرستوں سے معرکۃ الآراء مناظرہ، بتوں کی بے بنیادی واضح کرنے کے لئے تدبیر وحکمت سے لبریز مظاہرہ اور حق پسندی وصداقت لسانی کی راہ میں درپیش مصیبتوں کو انگیز کرنا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہ اوصاف اور کارنامے سورۃ الانبیاء میں گزرے۔ اکابر کی یادگار، مسرت کے مواقع پر نشاط وطرب، غم انگیز مراحل میں حزن وملال بالکل اسی طرح فطری تقاضے ہیں جس طرح بھوک، پیاس، سونا، جاگنا وغیرہ۔ اسلام فطری تقاضوں پر پابندی عائد نہیں کرتا، ہاں ان تقاضوں کی تکمیل کا جائزہ ومتوازن راہیں متعین کرتا ہے۔ یہاں ماہ صیام کی پرازمشقت عبادت کے بعد عید بھی ہے اور نکاح وشادی کے موقعہ پر مظاہرۂ مسرت کیلئے اجازت بھی، سانحہ موت پر گریہ وبکاء کا جواز بھی۔ یہی اسلام کا امتیاز دوسرے مذاہب سے ہے۔ اگر آپ اس حقیقت کو سمجھ گئے تو کائنات انسانی کے موحد اعظم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یادگار قائم کرنے کا مطالبہ ایک فطری مطالبہ ہے۔ لیکن اسلام رسمی اور بے معنی یادگار کا کبھی قائل نہیں رہا۔ بلکہ وہ یادگار کو بھی اپنے مزاج کے مطابق ڈھال لینے کا خوگر ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سب سے بڑی یادگار حج کی عبادت ہے اور ان کے ان اہل وعیال کی بھی جن کا ذکر ضمناً سورۃ

انبیاء میں آیا تھا۔ ایک باران حقائق کو پھر ذہن میں تازہ کر لیجئے۔

۱۔ حج کی عبادت میں اساسی حیثیت خانہ کعبہ کی ہے۔ وہ خانہ کعبہ جس کے معمار ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام ہیں۔

۲۔ یہاں صفاومروہ کے درمیان سعی بھی ہے جو سیدہ ہاجرہ کی مضطربانہ دوڑ دھوپ کو جذب کرنے کی ایک والہانہ ادا ہے۔

۳۔ یہاں قربانی بھی ہے جو اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کا ایک تذکار ہے۔

پس دیکھتے جائیے کہ حج کی تمام عبادت کا قلب وقالب ابراہیم علیہ السلام اوران کے اہل بیت پر بیتے ہوئے کچھ واقعات ہیں جنہیں عبادت کی صورت میں تا قیامت جاری کر دیا گیا۔ پھر اسے بھی محفوظ رکھئے کہ سورۂ انبیاء کے خاتمہ پر مضمون توحید تھا۔ حج توحید پسندی کی ایک تمرین وریاضت ہے۔ سرزمین مکہ معظّمہ کا ذرہ ذرہ مظاہر کا امین ہے۔ خانہ کعبہ کا پرنور ڈھانچہ، مقام ابراہیم، چاہ زمزم، صفا ومروہ، دامن دل کو الجھانے والے سینکڑوں شعائر ہیں۔ لیکن موحد کا قلب ان جھمیلوں میں بھی خدا ہی کی طرف لگا رہتا ہے۔ پھر وطن سے بے وطنی، احرام پوشی جو کفن پوشی کی ایک تصویر ہے۔ کبھی منیٰ کے ریگستان میں، گاہے عرفات کے لق ودق صحرا میں، پھر کبھی مزدلفہ کی زمین پر اور پھر کبھی منیٰ سے مکہ اور مکہ سے تا منیٰ اور اس ساری دوڑ دھوپ میں کانپتے ہوئے دل، جھکی ہوئی نگاہیں، بیم ورجاء کی گہری کیفیات، یہ اندیشہ کہ کہیں یہ سارا سفرنا کام نہ رہے اور دوسری جانب خدا کی رحمتوں پر یقین۔ گویا کہ ایک قیامت صغریٰ جو قیامت کبریٰ کا پیش خیمہ ہے۔ اسے پڑھیئے اور سورۂ انبیاء کے اختتام کو دیکھئے۔

وہ دن بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس روز ہم نفخہ اولیٰ کے وقت آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمونوں کا کاغذ لپیٹ لیا جاتا ہے اور ہم نے جس طرح اول بار پیدا کرنے کے وقت ہر چیز کی ابتداء کی تھی۔ اسی طرح آسانی سے اس کو دوبارہ پیدا کر دیں گے۔

اور ساتھ ہی سورۂ حج کی اس ابتداء پر نظر ڈالئے ...... اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔ کیونکہ یقیناً قیامت کے دن کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہوگی۔ جس روز تم اس زلزلہ کو دیکھو گے اس روز تمام دودھ پلانے والیاں مارے ہیبت کے اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل پورے دن ہونے سے پہلے ڈال دیں گی اور اے مخاطب تجھ کو لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے۔ حالانکہ وہ واقع میں نشہ میں نہ ہوں گے۔ لیکن اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز ...... تو پھر آپ کو ان ہر دو صورت میں لفظی ومعنوی ارتباط کا ایک مسلسل نظام نظر آئیگا۔ افسوس کہ اس تفسیر کی تنگ دامنی کی بناء پر قلم مزید عرض ومعروض سے درماندہ ہے۔

شانِ نزول: .... آیت **ومن الناس من یجادل فی اللّٰہ بغیر علم**: نضر بن حارث یا ابوجہل وابی ابن خلف وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کی صفات سے اختلاف کرتے تھے اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں اور قرآن کو پچھلوں کی ایک داستان قرار دیتے۔ اسی طرح پر حشر ونشر اور جزاء وسزا کے بھی منکر تھے اور آج کے دور میں تو نہ معلوم کتنے ابوجہل اس آیت کے مصداق قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ جنہیں خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت میں بے پناہ شبہات ہیں۔ انہیں لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے کہ انہیں نہ تو اس بارے میں کوئی علم ہے اور نہ عقل، بلاوجہ اور بغیر کسی دلیل کے اختلاف کرتے ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: .... **ذکر قیامت:** .... اس سورۃ کی ابتداء میں لوگوں کو قیامت کی یاد دلائی گئی ہے اور اس دن کی گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ کا نقشہ کھینچا ہے۔ جس دن صور پھونکا جائے گا اور قیامت کی ابتداء ہوگی اس دن لوگوں کی ہیبت کا یہ عالم ہوگا کہ دودھ پلانے والی مائیں جنہیں اپنے بچوں سے بے پناہ محبت والفت ہوتی ہے اور جسے وہ کسی بھی حالت میں اپنے سے جدا کرنا

گوارا نہیں کرسکتیں۔ اولاد سے ماں کی محبت کیسے نہیں معلوم اور وہ بھی ایک شیر خوار بچہ سے۔ لیکن وہ دن اتنا ہیبت ناک ہوگا کہ یہ مائیں بھی اپنے دودھ پلاتے بچوں کو بھول جائیں گی اور ڈر وخوف کے مارے حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہوجائیں گے۔ بچے بوڑھے نظر آنے لگیں گے۔ ہر ایک شخص حیران و پریشان ہوگا۔ لیکن اس طرح نظر آئیں گے جیسے کہ نشہ میں ہوں اور اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے ہوں گے۔ حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے۔ بلکہ اس دن کی ہولنا کی کا ہلکا سا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس دن کی ہیبت بس اتنی ہی ہوگی۔

زلـزلة الساعة جس کا ابتدائی آیت میں تذکرہ ہے۔ اس سے مراد وہ زلزلہ ہے جس سے قیامت کی ابتداء ہوگی۔ جس کے متعلق ارشاد ہے اذا زلزلت الارض زلزالها۔ کہ جب زمین ایک زوردار جنبش کے ساتھ ہلاکرر کھ دی جائے گی۔

اسی طرح فرمایا گیا۔ اذا رجت الارض رجاً الخ. جب زمین زور سے ہلنے لگے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے اور بھی بہت سے مواقع پر اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے اور یہ اس وقت ہوگا جب کہ اسرافیل علیہ السلام پہلی مرتبہ صور پھونکیں گے۔ اس دن کا زلزلہ نہایت سخت اور خطرناک ہوگا۔

لیکن بعض بدقسمت وہ بھی ہیں جو موت کے بعد زندگی کے منکر ہیں اور خدا تعالیٰ کو اس پر قادر ہی نہیں سمجھتے۔ یہ شیطان کی گمراہیوں کے شکار ہیں اور حق کو چھوڑ کر باطل کی اطاعت میں لگے ہوئے ہیں۔ ارشاد ہے کہ یہ لوگ جس کی عبادت واطاعت میں لگے ہوئے ہیں وہ انہیں غلط راستے پر ڈال کر عذاب کے مستحق بنارہے ہیں۔ یا یہ مطلب ہوگا کہ یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ جو کوئی بھی ان کی اطاعت کرے گا وہ جہنم کے مستحق قرار دیئے جائیں گے۔

تخلیق انسانی دلیل حشر ونشر ہے:............ اور پھر انہی منکرین حشر ونشر کے سامنے دلیل بیان کی جاتی ہے کہ اگر تم دوسری زندگی ناممکن سمجھ رہے ہو تو اپنی پیدائش اور اپنی ابتداء پر غور کرو اور اپنی آغاز خلقت کو سوچو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ وہ اس طرح پر کہ جو بھی غذا ہے جس سے کہ خون پیدا ہوتا ہے، اور پھر وہی خون منی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کا کسی نہ کسی درجہ میں مٹی سے ضرور تعلق ہے تو اس طرح پر تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور پھر پانی کے قطرے سے۔ جس نے پہلے خون بستہ کی شکل اختیار کی۔ پھر گوشت کا لوتھڑا بنا۔ پھر اس کے بعد ہاتھ، پیر اور دوسرے اعضاء ترتیب دیئے جاتے ہیں اور جب ماں کے پیٹ میں انسان مکمل صورت اختیار کر لیتا ہے تو پھر کبھی تو وہ حمل محفوظ رہتا ہے اور کبھی ساقط ہوجاتا ہے۔

ایک مشہور حدیث میں ہے کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اس طرح پر ہوتی ہے کہ چالیس دن تک ماں کے پیٹ میں بشکل منی رہتا ہے اور پھر چالیس دن تک خون بستہ کی صورت میں اور پھر چالیس دن تک گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں۔ پھر فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ اس مولود کے بارے میں یہ لکھ دو کہ اسے کتنا رزق ملے گا، عمر کیا ہوگی اور یہ کہ موت کہاں واقع ہوگی۔ نیک ہوگا یا بد اور شقی ہوگا یا سعید۔ پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ نطفہ کے رحم میں ٹھہرتے ہی فرشتہ پوچھتا ہے کہ اس بچہ کی پیدائش مقدر ہے یا نہیں؟ اگر جواب انکار میں ملتا ہے تو استقرار حمل ہوتا ہی نہیں ہے بلکہ خون کی شکل میں رحم اسے خارج کردیتا ہے اور اگر پیدائش مقدر ہوتی ہے تو پھر اس سے متعلق دوسری تفصیلات طے کردی جاتی ہیں اور پھر بچہ کی پیدائش ہوتی ہے۔ نہ عقل ہوتی ہے نہ سمجھ۔ کمزور وناتواں ہوتا ہے۔ پھر اس کی پرورش کے انتظامات کردیئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جوانی کا زمانہ آجاتا ہے اور صحت مند وتندرست دکھائی دیتا ہے اور کبھی جوانی کے آنے سے پہلے بچپن ہی میں اٹھالیا جاتا ہے اور بعض بھی ہیں جو جوانی ختم کرکے عمر کے اس مرحلہ میں پہنچ جاتے ہیں کہ عقل وخرد

سب کھو بیٹھتے ہیں اور پھر ان میں بچپن کا ساز مانہ لوٹ آتا ہے۔

تو اس استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی ابتدائے پیدائش پر غور کرنا چاہئے کہ بتدریج اس کو کتنی منزلوں سے گزرنا پڑا اور منزل کس حکیمانہ نظم وانتظام کے ساتھ ترتیب دی گئی ہے۔ پھر عمر کے لحاظ سے بھی ایک خاص ترتیب دکھائی دیتی ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی مصلحت کے مطابق کسی کو نوعمری میں ہی اٹھالیتا ہے اور کسی کو جوانی میں داخل کر کے اٹھایا جاتا ہے اور کچھ وہ بھی ہیں جنہیں اس عمر تک زندہ رکھا جاتا ہے کہ ضعف و بے بسی کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ انسان ان تفصیلات پر جتنا غور کرے گا اتنا ہی اس پر یہ واضح ہوگا کہ یہ نظام کسی کامل وقادر ہستی کی مضبوط تدبیر کا نتیجہ ہے۔

خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کی صنعت وحکمت پر دوسری دلیل یہ چٹیل میدان ہیں۔ جس میں سبزی کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ لیکن بارش ہوتے ہی اس سخت اور بنجر زمین کو سرسبز وشاداب کر دیا۔ جس زمین پر سبزی کا کہیں پتہ نہیں تھا وہاں ہری ہری گھاس اور طرح طرح کے پھول اگ آئے۔ مردہ زمین زندگی کے سانس لینے لگی۔

یہ سارے مشاہدات دلیل ہیں خدا تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور صنعت پر۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ خودمختار و مالک کل ہے۔ وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور ہر انقلاب پر قادر ہے۔ منکرین حشر ونشر کے لئے تنبیہ ہے کہ قیامت بلاشبہ آنے والی ہے اور وہ قادر ومقتدر ہستی مردوں کو زندہ کر کے کھڑا کر دے گی۔

ایک صحابیؓ نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہم سب کے سب قیامت کے دن خدا تعالیٰ کو دیکھیں گے اور یہ کہ دنیا میں اس کی کوئی مثال ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم سب کے سب چاند کو یکساں طور پر نہیں دیکھتے۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ کو سب یکساں طور پر دیکھیں گے۔ پھر صحابی نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی بھی کوئی مثال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم ان خشک زمینوں کو نہیں دیکھتے ہو جو ویران اور غیر آباد پڑی ہوئی ہیں۔ خاک اڑ رہی ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ وہی غیر آباد زمین ہری بھری اور سرسبز ہو جاتی ہے۔ وہ زمین جو مردہ تھی اس میں زندگی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں تو جو ہستی اس مردہ زمین کو زندہ کر سکتی ہے، کیا وہ مردوں کو دوبارہ زندگی دینے پر قادر نہیں ہو سکتی؟

اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ مردوں کو دوبارہ زندگی بھی دے گا اور حشر ونشر اور جزاء وسزا کا بھی معاملہ ہوگا۔

دلائل قدرت:............ پچھلی آیت میں گمراہ مقلدین کا حال بیان کیا گیا تھا اور اب ان کے مرشدوں اور راہنماؤں کے متعلق ارشاد ہے کہ ان کے راہنماؤں کے پاس نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی دلیل۔ محض اپنی کج فہمی اور غلط روی کی وجہ سے ضلالت وگمراہی پھیلاتے رہتے ہیں۔ تکبر وغرور کی وجہ سے حق کو قبول کرنے کو تیار نہیں۔ جس طرح پر کہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو دیکھنے کے باوجود لاپرواہی کرتا ہے۔ جس کا انجام لوگوں نے دیکھ لیا۔

اسی طرح ان کے لئے دنیا میں بھی ذلت ورسوائی ہے اور آخرت میں بھی شدید ترین عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ یہ نتیجہ ہوگا ان کی سرکشی ونادانی کا اور ان کی بدعملیوں کی سزا ہوگی۔ یہ ان کے اوپر کوئی ظلم نہیں ہوگا بلکہ انہوں نے اپنے آپ کو اسی کا مستحق ٹھہرالیا تھا۔ خدا تعالیٰ کسی کے اوپر ناحق ظلم نہیں کرتے بلکہ مجرمین کو اس کے جرم کے مطابق سزا دیتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ اَىْ شَكٍّ فِىْ عِبَادَتِهٖ شَبَّهَ بِالْحَالِ عَلٰى حَرْفِ جَبَلٍ فِىْ عَدَمِ ثَبَاتِهٖ **فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ** صِحَّةٌ وَسَلَامَةٌ فِىْ نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ **اِطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ** مِحْنَةٌ وَسُقْمٌ فِى نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ **اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ** اَىْ رَجَعَ اِلَى الْكُفْرِ **خَسِرَ الدُّنْيَا** بِفَوَاتِ مَا اَمَلَهٗ مِنْهَا **وَالْاٰخِرَةَ** بِالْكُفْرِ **ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴿۱۱﴾** اَلْبَيِّنُ **يَدْعُوْا** يَعْبُدُ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** مِنَ الصَّنَمِ **مَالَا يَضُرُّهٗ** اِنْ لَمْ يَعْبُدْهُ **وَمَالَا يَنْفَعُهٗ** اِنْ عَبَدَهٗ **ذٰلِكَ** الدُّعَاءُ **هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ﴿۱۲﴾** عَنِ الْحَقِ **يَدْعُوْا لَمَنْ** اَللَّامُ زَائِدَةٌ **ضَرُّهٗ** لِعِبَادَتِهٖ **اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ** اِنْ نَفَعَ بِتَخَيُّلِهٖ **لَبِئْسَ الْمَوْلٰى** هُوَ اَىِ النَّاصِرُ **وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ﴿۱۳﴾** اَىِ الصَّاحِبُ هُوَ وَعَقَّبَ ذِكْرَ الشَّاكِّ بِالْخُسْرَانِ بِذِكْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالثَّوَابِ فِىْ **اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** مِنَ الْفَرْضِ وَالنَّوَافِلِ **جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾** مِنْ اِكْرَامِ مَنْ يُطِيْعُهٗ وَاِهَانَةِ مَنْ يَعْصِيْهِ **مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ** اَىْ مُحَمَّدًا نَبِيَّهٗ **فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ** بِحَبْلٍ **اِلَى السَّمَآءِ** اَىْ سَقْفِ بَيْتِهٖ يَشُدُّ فِيْهِ وَفِىْ عُنُقِهٖ **ثُمَّ لْيَقْطَعْ** اَىْ لِيَخْتَنِقْ بِهٖ بِاَنْ يَقْطَعَ نَفَسَهٗ مِنَ الْاَرْضِ كَمَا فِى الصِّحَاحِ **فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ** فِىْ عَدَمِ نُصْرَةِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **مَا يَغِيْظُ﴿۱۵﴾** مِنْهَا اَلْمَعْنٰى فَلْيَخْتَنِقْ غَيْظًا مِنْهَا فَلَا بُدَّ مِنْهَا **وَكَذٰلِكَ** اَىْ مِثْلَ اِنْزَالِنَا الْاٰيٰتِ السَّابِقَةِ **اَنْزَلْنٰهُ** اَىِ الْقُرْاٰنَ الْبَاقِىَ **اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ** ظَاهِرَاتٍ حَالٌ **وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يُّرِيْدُ﴿۱۶﴾** هَدَاهُ مَعْطُوْفٌ عَلٰى هَاءِ اَنْزَلْنَاهُ **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا** وَهُمُ الْيَهُوْدُ **وَالصّٰبِئِيْنَ** طَائِفَةٌ مِنْهُمْ **وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ** بِاِدْخَالِ الْمُؤْمِنِيْنَ الْجَنَّةَ وَغَيْرَهُمُ النَّارَ **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ** مِنْ عَمَلِهِمْ **شَهِيْدٌ﴿۱۷﴾** عَالِمٌ بِهٖ عِلْمَ مُشَاهَدَةٍ **اَلَمْ تَرَ** تَعْلَمُ **اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ** اَىْ يَخْضَعُ لَهٗ بِمَا يُرَادُ مِنْهُ **وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ** وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِزِيَادَةٍ عَلَى الْخُضُوْعِ فِىْ سُجُوْدِ الصَّلَاةِ **وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ** وَهُمُ الْكَافِرُوْنَ لِاَنَّهُمْ اَبَوْا السُّجُوْدَ الْمُتَوَقَّفَ عَلَى الْاِيْمَانِ **وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ** يُشْقِهٖ **فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ** مُسْعِدٍ **اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ﴿۱۸﴾** (السجدة ۶) مِنَ الْاِهَانَةِ وَالْاِكْرَامِ **هٰذٰنِ خَصْمٰنِ** اَىِ الْمُؤْمِنُوْنَ خَصْمٌ وَالْكُفَّارُ الْخَمْسَةُ خَصْمٌ وَهُوَ يُطْلَقُ عَلَى الْوَاحِدِ وَالْجَمَاعَةِ **اخْتَصَمُوْا فِىْ رَبِّهِمْ** اَىْ فِىْ دِيْنِهٖ **فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ** يَلْبِسُوْنَهَا يَعْنِى اُحِيْطَتْ بِهِمُ النَّارُ **يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ﴿۱۹﴾** اَلْمَاءُ الْبَالِغُ نِهَايَةَ

الْحَرَارَةِ **يُصْهَرُ بِهِ** يُذَابُ **مَا فِي بُطُونِهِمْ** مِنْ شُحُومٍ وَغَيْرِهَا **وَ** تَشْوِي بِهِ **الْجُلُودُ** ﴿۲۰﴾ **وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيدٍ** ﴿۲۱﴾ لِضَرْبِ رُءُ وْسِهِمْ **كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا** اَيِ النَّارِ **مِنْ غَمٍّ** يَلْحَقُهُمْ بِهَا **اُعِيْدُوْا فِيْهَا** رُدُّوْا اِلَيْهَا بِالْمَقَامِعِ **وَ** قِيْلَ لَهُمْ **ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ** ﴿۲۲﴾ اَيِ الْبَالِغِ نِهَايَةَ الْاِحْرَاقِ وَقَالَ فِي الْمُؤْمِنِيْنَ

ع ۱۲ ۲ ۹

ترجمہ: .... اور بعض آدمی اس طرح پر عبادت کرتا ہے کہ جیسے کنارے پر کھڑا ہو (مطلب یہ ہے کہ خدا کی عبادت پر جماؤ اور ٹھہراؤ نہیں ہے بلکہ تزلزل اور عدم ثبات کی کیفیت میں مبتلا ہے) اگر اسے کوئی (دنیوی) نفع پہنچ گیا تو وہ اس پر جمار ہا اور اگر اس پر کوئی (جانی یا مالی) آزمائش آ پڑی تو وہ منہ اٹھا کر واپس چل دیا (اور کفر کی جانب لوٹ جاتا ہے اس طرح پر) دنیا وآخرت دونوں کو کھو بیٹھا ہے۔ یہی انتہائی محرومی ہے۔ وہ اللہ کو چھوڑ کر ایسے (بتوں وغیرہ) کی عبادت کرنے لگا ہے جو اسے (عبادت کرنے اور نہ کرنے پر) نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع پہنچا سکتا ہے۔ یہی تو ہے انتہائی گمراہی۔ وہ ایسے کی عبادت کرر ہا ہے کہ اس (کی عبادت) کا ضرر بہ نسبت اس کے (موہوم) نفع کے زیادہ قریب ہے۔ کیا ہی برا ہے ایسا کارساز اور کیا ہی برا ہے (ایسا) رفیق (ان شک کرنے والوں کے نقصان کو بیان کرنے کے بعد فوراً ہی مومنین کے اجر وثواب کا تذکرہ ہے کہ) بے شک اللہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے (فرائض ونوافل وغیرہ کا اہتمام رکھا) انہیں ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے جن کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ ارادہ کر لیتا ہے اسے کر ڈالتا ہے (مثلاً اپنے فرمانبردار لوگوں کی تعظیم وتکریم اور نافرمان وسرکشوں کی اہانت ورسوائی) جو شخص یہ خیال رکھتا ہے کہ اللہ اپنے رسول کی مدد دنیا اور آخرت میں نہ کرے گا تو اسے چاہئے کہ ایک رسی آسمان تک تان لے۔ پھر سلسلہ وحی کو کاٹ دے۔ (دوسری تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ اپنے رسول کی مدد نہیں کریگا اسے چاہئے کہ ایک رسی اپنی چھت سے لٹکائے اور اس میں پھندا ڈال کر شدید غصہ میں خودکشی کر لے۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی امداد نہیں کرے گا) تو غور کرنا چاہئے کہ آیا اس کی تدبیر اس کی ناگواری کی چیز کو موقوف کرا سکتی ہے؟ (مطلب یہ ہے کہ انہیں یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ لیکن خدا اپنی رسول کی ضرور مدد کرے گا) اسی طرح (جس طرح ہم نے یہ آیات نازل کیں۔ باقی قرآن کو بھی) ہم نے کھلی ہوئی نشانیاں بنا کر اتارا۔ اور بات یہ ہے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کر ہی دیتا ہے۔ (**یھدی** کا عطف **انزلناہ** کی **ھاء** پر ہے کہ جس طرح ہم نے قرآن نازل کیا، اسی طرح پر ہدایت بھی اتاری) بے شک ایمان والے اور جو لوگ یہود ہوئے ہیں اور صابی (یہ یہودیوں ہی میں کا ایک فرقہ ہے) اور نصاریٰ اور مجوس اور جو مشرک ہیں۔ اللہ ان سب کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا (مومنین کو جنت اور غیر مومنین کو جہنم میں داخل کر کے) بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے (اور یہ جو کچھ کرتے ہیں، اس سے بھی خبر دار ہے) کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں (اپنی اپنی حالت کے مناسب) جو کوئی بھی آسمان اور زمین میں ہے اور سورج اور چاند ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے او رکثرت سے انسان بھی (اور وہ مومنین ہیں جو خشوع وخضوع کے ساتھ نماز میں سجدہ کرتے ہیں) اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو گیا ہے۔ (یعنی کفار جنہوں نے سجدہ سے انکار کر دیا) اور جس کو اللہ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں ہے۔ بے شک اللہ کو اختیار ہے جو چاہے کرے (جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے) یہ دو فریق ہیں (ایک فریق مومنین اور دوسرے یہ پانچوں قسم کے کفار، ان پانچوں کو ایک ہی جماعت شمار کیا گیا ہے) جنہوں نے اپنے پروردگار کے باب میں (یعنی اس کے دین میں) اختلاف کیا۔ سو جو لوگ کافر ہیں، ان کے لئے (قیامت کے دن) آگ کے کپڑے قطع کئے جائیں گے۔ ان کے سروں کے اوپر سے

نہایت گرم پانی چھوڑا جائے گا۔ اس سے گل جائیں گے ان کے پیٹ کی چیزیں اور (جل جائیں گی) کھالیں اور ان کے (مارنے کے) لئے لوہے کے گرز ہوں گے۔ وہ لوگ جب کبھی گھٹے گھٹے اس (جہنم) سے باہر نکلنا چاہیں گے (تو گرز سے مار مار کر وہ) اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور (ان سے کہا جائے گا) چکھتے رہو جلنے کا عذاب (یعنی بری طرح جلنا ہوگا اور مومنین کے بارے میں فرمایا)

تحقیق وترکیب: .... من یعبدالله علی حرف: علی حرف حال واقع ہے یعبد کے فاعل سے۔ یعنی اسلام اس نے قبول تو کرلیا ہے لیکن بے دلی کے ساتھ۔ آیت میں استعارہ تمثیلیہ ہے اور منافق کو اس شخص سے مشابہت دی گئی ہے جیسے کوئی شخص کسی چیز کے کنارے کھڑا ہوا اور موقع پاتے ہی اسے چھوڑ کر بھاگ پڑے۔ گویا ایمان کے اوپر جماؤ واستقرار نہیں ہے۔ بلکہ بے یقینی اور بددلی کی کیفیت میں مبتلا ہے۔

لمن ضرہ. میں لام زائدہ ہے اور من یدعوا کا مفعول ہے۔ ضرہ مبتداء اور اقرب اس کی خبر اور پورا جملہ مل کر من کا صلہ واقع ہے۔ یہاں ایک اشکال ہوسکتا ہے کہ اس سے پہلی آیت میں غیر اللہ کی پرستش سے نفع ونقصان کی نفی کی گئی تھی اور اس آیت سے نفع و نقصان ثابت ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نفی باعتبار نفس الامر کے ہے کہ حقیقۃً اس میں نفع ونقصان بالکل نہیں ہے اور اثبات اس کے گمان باطل کے اعتبار سے ہے۔

مایغیظ. ناگواری کی چیز مراد نصرت الٰہی ہے۔

ینصرہ. میں ضمیر رسول کی جانب راجع ہے۔

لیقطع. کا مفعول مقدر ہے اور وہ ''وحی'' ہے کہ ان کی ناگواری کی وجہ سے نصرت الٰہی منقطع نہیں ہوسکتا ہے۔ اگر وہ اس نصرت کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو اس سلسلہ وحی کو کس طرح منقطع کردیں۔ لیکن صاحب جلالینؒ کی تشریح کے مطابق مطلب یہ ہوگا کہ اس نصرت الٰہی سے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے چھت سے رسی لٹکا کر اور اس میں پھندہ ڈال کر خودکشی کرلیں اور اس دنیا سے اپنا تعلق ختم کرلیں۔ اس صورت میں سماء سے مراد چھت ہوگی اور عربی میں اپنے سے ہر اوپر والی چیز کو سماء کہتے ہیں۔ لہٰذا سماء سے بھی چھت کے معنی لئے جاسکتے ہیں۔

کیدہ سے صاحب جلالین کی تشریح کے مطابق گلے کا گھونٹ لینا مراد ہے جو نبی کریم ﷺ کی نصرت کو روکنے کے لئے ہوگا۔

والصابئین. یہ یہودیوں کا ایک گروہ ہے اور سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ یہ فرقہ نصاریٰ میں سے ہے۔

والمجوس. یہ آگ کے پجاری ہیں اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ سورج کی پرستش کرنے والے ہیں اور ایک تحقیق یہ بھی ہے کہ یہ نجاست کا استعمال کرتے ہیں اور اصل ان کی نجوس ہے۔ نون کو میم سے بدل کر مجوس استعمال ہونے لگا۔ اور یہ تحقیق بھی ہے کہ یہ دو خدا کو ماننے والے ہیں۔ ان کے عقیدہ کے اعتبار سے ایک خدائے نور ہے جو خیر کا خدا ہے اور دوسرا خدائے ظلمت ہے جو شر کا خدا ہے۔ پہلے خدا کا نام یزداں اور دوسرے خدا کا نام اہرمن ہے۔

یصب. یہ جملہ مستانفہ ہے اور یصهر به جملہ حالیہ ہے حمیم سے۔ اور صهر کے معنی پگھلنا ہے۔

جلود. میں دو امکان ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کا عطف ما موصولہ پر ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ جسم کے اوپر کا حصہ یعنی چمڑہ اور اندر کا حصہ یعنی آنتیں وغیرہ سب گل جائیں گی اور دوسری صورت یہ ہے کہ یہ مرفوع ہے۔ فعل مقدر تحرق کی وجہ سے۔

شانِ نزول: .... جب منافقین مدینہ میں آئے اور ایمان کے بعد اگر ان کو جانی و مالی فائدہ پہنچتا تو کہتے کہ یہ دین بہت اچھا ہے اور اس میں ہر طرح کی خیر ہے۔ لیکن اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچتی اور جانی و مالی نقصان ہوتا تو کہتے کہ یہ سب نقصان اس دین کو اختیار کرنے کی وجہ سے ہوا اور اسی وقت دین کو چھوڑ دیتے جس پر یہ آیت ومن الناس من یعبداللّٰہ علی حرف الخ نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: .... **اور یہ منافقین:** .... منافقین کے متعلق ارشاد ہے کہ ان کے نزدیک مذہب کی صداقت و حقانیت کی کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔ انہیں تو دنیوی منافع چاہئیں۔ اگر مسلمان رہنے میں کچھ دنیوی فائدے ہوں تو ٹھیک ہے۔ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے رہیں گے اور اگر کچھ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تو اس دین سے بیزاری ظاہر کرنے لگتے ہیں۔ آج مسلمانوں میں بھی یہ مرض عام ہوتا جا رہا ہے کہ اسلام کی قدر بس منافع دنیوی کے لحاظ سے کی جا رہی ہے۔

بخاری شریف میں ہے کہ بعض لوگ ہجرت کر کے مدینہ پہنچتے تھے۔ اب اگر اولاد ہوئی اور مال و دولت میں برکت ہوئی تو کہتے کہ یہ دین بڑا اچھا ہے اور اگر کچھ نقصان ہو جاتا تو کہتے کہ یہ نہایت برا ہے۔

یہ بھی روایت ہے کہ لوگ آپ کے پاس آتے اور اسلام قبول کر کے اپنے گھروں کو واپس جاتے اور وہاں بارش پاتے۔ گھر بار میں برکت دیکھتے تو مطمئن ہوتے اور کہتے کہ بڑا اچھا دین ہے۔ اور اگر اس کے خلاف پاتے تو کہتے کہ اس دین میں تو نقصان ہی نقصان ہے۔ غرض یہ کہ اگر دنیا مل جاتی تو خوش ہوتے اور کسی امتحان میں مبتلا ہو جاتے تو فوراً مرتد ہو جاتے۔ یہ ان کی بدنصیبی ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کر لیتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا بربادی ہوگی کہ توحید و خدا پرستی کو چھوڑ کر بت پرستی میں لگ گئے اور دوسری مخلوقات کو اپنا معبود بنا لیا۔ جن کے پاس یہ اپنی ضرورتیں لے کر جاتے اور جسے یہ اپنا رزق رساں اور مشکل کشا سمجھتے۔ ان کا حال یہ ہے کہ نہ وہ نفع پہنچانے پر قادر اور نہ کسی طرح کے نقصان کی قدرت رکھتے ہیں بلکہ وہ تو خود عاجز اور ضرورت مند ہیں۔ یہ انہیں نہ دنیا میں نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں اور آخرت میں تو سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے؟ یہ معبود تو نہایت برے ولی اور نہایت برے ساتھی ہوں گے۔ نہ یہ بڑے ہونے کے اعتبار سے کچھ کام آئیں گے اور نہ رفیق و ساتھی ہونے کی حیثیت سے کچھ نفع پہنچا سکیں گے۔

ان کے بالمقابل دوسرا گروہ مومنین کا ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا ہی قادر مطلق ہے۔ وہی سب پر غالب اور نفع و نقصان سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ خدا پر ایمان لائے اور اسی کے ساتھ اعمال صالحہ بھی کئے۔ انہیں بہترین بدلہ ملے گا اور قیام کے لئے عالیشان محلات ہوں گے۔ جنہیں یہ کفار اور منافقین حسرت بھری نظروں سے دیکھیں گے۔

نصرتِ الٰہی: .... انہی مشرکین کو خطاب ہے کہ ان کا یہ خیال کتنا غلط ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے نبی کی مدد نہ دنیا میں کرے گا اور نہ آخرت میں۔ یہ چاہیں اس غم میں مر جائیں اور اپنے آپ کو ہلاک کر لیں۔ ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوگا۔ یقیناً خدا کی نصرت اور مدد رسول کے شامل حال رہے گی۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی مدد ضرور آئے گی۔ البتہ اگر ان کے بس میں ہو تو رسی لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے آنے والی مدد کا سلسلہ منقطع کر دیں۔ لیکن پہلے معنیٰ زیادہ واضح ہیں۔

یہ قرآن جو نازل کیا گیا۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے حجت ہے بندوں کے لئے۔ لیکن ہدایت و گمراہی خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اس پر کوئی جبر نہیں ہے۔ وہ خود مختار ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا ہر کام انصاف اور عدالت پر مبنی ہوتا ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ ان مختلف مذاہب کے ماننے والوں کا عملی فیصلہ قیامت کے دن کر دیا جائے گا۔ مومنین جنت میں داخل کئے

جائیں گے اور مشرکین جہنم کے مستحق ہوں گے۔ تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

مجوس اپنے آپ کو زرتشت نامی نبی کے امتی قرار دیتے ہیں۔ لیکن عملاً یہ بھی توحید کے منکر ہیں۔ کیونکہ انہوں نے بھی دو خدا تسلیم کر رکھے ہیں۔ ایک بھلائی کا خدا جس کا نام یزداں ہے اور دوسرا برائی کا جس کا نام اہرمن ہے۔ ویسے فقہاء نے انہیں بھی اہل کتاب کے حکم میں رکھا ہے۔

صرف ایک:............ پرستش اور عبادت کے لائق صرف خدا تعالیٰ ہی ہیں۔ ان کے سامنے ہر ایک کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں۔ آسمان اور زمین کی ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ فرشتے ہوں یا انسان، جنات ہوں یا حیوان، چرند پرند سب کے سب اس کے سامنے سربسجود ہیں اور حمد و تسبیح میں مصروف ہیں۔ سورج، چاند ستارے بھی سجدہ میں گرے ہوئے ہیں۔

سجدہ کے لفظی معنی مراد ہیں۔ یعنی انقیاد و اطاعت کے گویا کہ یہ ساری مخلوق خدا کی مطیع و منقاد ہے۔ اسی کی اطاعت میں لگی ہوئی ہے یا یہ کہ اپنے اپنے اعتبار سے سجدہ میں گرے ہوئے ہیں۔ یہاں چاند، ستارے، سورج کا تذکرہ علیحدہ اس وجہ سے کیا کہ بعض لوگ اس کی پرستش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ خود خدا کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ تو پرستش تو اسی کی کرنا چاہئے جو سب کا خالق ہے۔

آنحضور ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو یہ سورج غروب ہونے کے بعد کہاں جاتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ عرش کے نیچے جا کر خدا کو سجدہ کرتا ہے۔ پھر طلوع ہونے کی اجازت چاہتا ہے اور وقت آ رہا ہے کہ اس سے کہا جائے گا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں واپس چلا جا۔ خدا تعالیٰ ہی قادر مطلق ہے، وہ جسے چاہے اپنی قدرت سے ہدایت دے دے اور جسے چاہے اس کی توفیق نہ دے۔

بہر حال خدا تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔ مارنا، جلانا، صحت و تندرستی، بیماری و شفا، عزت و ذلت سب کچھ اسی کے قبضہ میں ہے اور ساری مخلوق اسی کی محتاج ہے۔ جسے وہ ذلت دیدے، اسے کون عزت دے سکتا ہے۔

دو حریف:............ ھٰذان خصمان سے مراد مسلمان اور اہل کتاب ہیں۔ اہل کتاب کہتے تھے کہ ہم خدا تعالیٰ سے بہ نسبت تمہارے زیادہ قریب ہیں۔ کیونکہ ہمارا نبی اور ہماری کتاب تم سے پہلے ہے اور مسلمان جواب میں کہتے کہ ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں۔ اس لئے ہم تم سے بہتر ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مومن کی مثال بیان کی گئی ہے اور حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ جنت و دوزخ کا معاملہ ہے۔ دوزخ کی خواہش تھی کہ مجھے سزا کی چیز بنا اور جنت کی آرزو تھی کہ مجھے رحمت بنا۔ لیکن حضرت مجاہدؒ کا قول زیادہ صحیح ہے۔ مومن خدا کے دین کا غلبہ چاہتے تھے اور کفار حق کو مغلوب کرنے اور باطل کو ابھارنے کی فکر میں تھے۔

تو ان کی سزا تجویز کی گئی کہ انہیں آگ کا لباس پہنایا جائے گا اور گرم گرم پانی ان کی سروں پر ڈالا جائے گا۔ جس کی وجہ سے ان کی کھال جھلس جائے گی۔ حد تو یہ ہے کہ آنتیں اور پیٹ کے اندر کی چربی بھی پگھل جائے گی۔

ایک حدیث میں ہے کہ آگ جیسے گرم پانی سے ان کی آنتیں پیٹ سے نکل کر پیروں پر گر پڑیں گی۔ پھر جس حالت میں تھے اسی حالت پر لوٹ جائیں گے۔ پھر یہی ہوگا۔

حضرت زیدؒ فرماتے ہیں کہ یہ جہنم میں سانس بھی نہیں لے سکیں گے اور جب کبھی گھبرا کر اس جہنم سے نکلنا چاہیں گے تو نکلنا بھی ممکن نہ ہوگا۔ پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوں گی اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں۔ آگ کے شعلے انہیں کبھی کبھی اتنا اوپر پھینک دیں گے کہ جیسے

باہر نکل جائیں گے۔ لیکن فرشتوں کے گرز مارنے کی وجہ سے وہ پھر تہہ میں پہنچ جائیں گے۔ کہا جائے گا کہ اب اس آگ کا مزہ چکھو جسے آج تک تم اپنے اقوال سے اور افعال سے جھٹلاتے تھے۔

آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ان ہتھوڑوں کو جن سے ان جہنمیوں کی پٹائی ہوگی اگر زمین پر لاکر رکھ دیا جائے تو تمام انسان اور جنات بھی مل کر اسے اٹھا نہیں سکتے۔ اسی طرح اگر کسی پہاڑ پر مار دیا جائے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا بِالْجَرِّ اَيْ مِنْهُمَا بِاَنْ يُرَصَّعَ اللُّؤْلُؤَ بِالذَّهَبِ وَبِالنَّصَبِ عَطْفٌ عَلٰى مَحَلِّ مِنْ اَسَاوِرَ **وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ** ﴿۲۳﴾ هُوَ الْمُحَرَّمُ لُبْسُهٗ عَلَى الرِّجَالِ فِي الدُّنْيَا **وَهُدُوْٓا** فِي الدُّنْيَا **اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ** وَهُوَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ **وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ** ﴿۲۴﴾ اَيْ طَرِيْقِ اللّٰهِ الْمَحْمُوْدِ وَدِيْنِهٖ **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** طَاعَتِهٖ وَ **عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ** مَنْسِكًا وَّمُتَعَبَّدًا **لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨالْعَاكِفُ** الْمُقِيْمُ **فِيْهِ وَالْبَادِ** الطَّارِي **وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ** اَلْبَاءُ زَائِدَةٌ **بِظُلْمٍ** اَيْ بِسَبَبِهٖ بِاَنْ اِرْتَكَبَ مَنْهِيًّا وَلَوْ شَتْمُ الْخَادِمِ **نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ** ﴿۲۵﴾ مُؤْلِمٍ اَيْ بَعْضَهٗ وَمِنْ هٰذَا يُؤْخَذُ خَبَرُ اِنَّ اَيْ نُذِيْقُهُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ وَ اذْكُرْ **اِذْ بَوَّاْنَا** بَيَّنَّا **لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ** لِيَبْنِيَهٗ وَكَانَ قَدْ رُفِعَ زَمَنَ الطُّوْفَانِ وَاَمَرْنَاهُ **اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ** مِنَ الْاَوْثَانِ **لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ** الْمُقِيْمِيْنَ بِهٖ **وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ** ﴿۲۶﴾ جَمْعُ رَاكِعٍ وَسَاجِدٍ اَيِ الْمُصَلِّيْنَ **وَاَذِّنْ** نَادِ **فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ** فَنَادٰى عَلٰى جَبَلِ اَبِيْ قُبَيْسٍ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّكُمْ بَنٰى بَيْتًا وَاَوْجَبَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ اِلَيْهِ فَاَجِيْبُوْا رَبَّكُمْ وَالْتَفَتَ بِوَجْهِهٖ يَمِيْنًا وَشِمَالًا وَشَرْقًا وَغَرْبًا فَاَجَابَهٗ كُلُّ مَنْ كُتِبَ لَهٗ اَنْ يَّحُجَّ مِنْ اَصْلَابِ الرِّجَالِ وَاَرْحَامِ الْاُمَّهَاتِ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ وَجَوَابُ الْاَمْرِ **يَاْتُوْكَ رِجَالًا** مُشَاةً جَمْعُ رَاجِلٍ كَقَائِمٍ وَقِيَامٍ **وَّ** رُكْبَانًا **عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ** اَيْ بَعِيْرٍ مَهْزُوْلٍ وَهُوَ يُطْلَقُ عَلَى الذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى **يَّاْتِيْنَ** اَيِ الضَّوَامِرُ حَمْلًا عَلَى الْمَعْنٰى **مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ** ﴿۲۷﴾ طَرِيْقٍ بَعِيْدٍ **لِّيَشْهَدُوْا** اَيْ يَحْضُرُوْا **مَنَافِعَ لَهُمْ** فِي الدُّنْيَا بِالتِّجَارَةِ اَوْ فِي الْاٰخِرَةِ اَوْ فِيْهِمَا اَقْوَالٌ **وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ** اَيْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ اَوْ يَوْمِ عَرَفَةَ اَوْ يَوْمِ النَّحْرِ اِلٰى اٰخِرِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ اَقْوَالٌ **عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ** اَلْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ الَّتِيْ تُنْحَرُ فِيْ يَوْمِ الْعِيْدِ وَمَا بَعْدَهٗ مِنَ الْهَدَايَا وَالضَّحَايَا **فَكُلُوْا مِنْهَا** اِذَا كَانَتْ مُسْتَحَبَّةً **وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ** ﴿۲۸﴾ اَيِ الشَّدِيْدَ الْفَقْرَ **ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ** اَيْ يَزِيْلُوْا اَوْسَاخَهُمْ وَشَعْثَهُمْ كَطُوْلِ الظُّفْرِ **وَلْيُوْفُوْا**

بِالتَّخفِيفِ وَالتَّشدِيدِ **نُذُورَهُمْ** مِنَ الهَدَايَا وَالضَّحَايَا **وَلْيَطَّوَّفُوا** طَوَافَ الاِفَاضَةِ **بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ** ﴿۲۹﴾ اَيِ القَدِيمِ لِاَنَّهُ اَوَّلُ بَيتٍ وُضِعَ **ذٰلِكَ** خَبَرُ مُبتَداءٍ مُقَدَّرٍ اَيِ الاَمرُ اَوِ الشَّانُ ذٰلِكَ المَذكُورُ **وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ** هِيَ مَالَا يَحِلُّ اِنتِهَاكُهُ **فَهُوَ** اَي تَعظِيمُهَا **خَيْرٌ لَّهُ عِنْدَ رَبِّهٖ** فِي الاٰخِرَةِ **وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ** اَكلًا بَعدَ الذَّبحِ **اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ** تَحرِيمُهُ فِي حُرِّمَت عَلَيكُمُ المَيتَةُ الاٰيَةَ فَالاِستِثنَاءُ مُنقَطِعٌ وَيَجُوزُ اَن يَكُونَ مُتَّصِلًا وَالتَّحرِيمُ لِمَا عَرَضَ مِنَ المَوتِ وَنَحوِهٖ **فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ** مِن لِلبَيَانِ اَيِ الَّذِي هُوَ الاَوثَانُ **وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ** ﴿۳۰﴾ اَيِ الشِّركَ فِي تَلبِيَتِهِم اَو شَهَادَةَ الزُّورِ **حُنَفَآءَ لِلّٰهِ** مُسلِمِينَ عَادِلِينَ عَن كُلِّ سِوٰى دِينِهٖ **غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ** تَاكِيدٌ لِمَا قَبلَهُ وَهُمَا حَالَانِ مِنَ الوَاوِ **وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ** سَقَطَ **مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ** اَي تَاخُذُهُ بِسُرعَةٍ **اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ** اَي تُسقِطُهُ **فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ** ﴿۳۱﴾ بَعِيدٍ اَي فَهُوَ لَا يُرجٰى خَلَاصُهُ **ذٰلِكَ** يُقَدَّرُ قَبلَهُ الاَمرُ مُبتَداءٌ **وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا** اَي فَاِنَّ تَعظِيمَهَا وَهِيَ البُدنُ الَّتِي تُهدٰى لِلحَرَمِ بِاَن تُستَحسَنَ وَتُستَسمَنَ **مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ** ﴿۳۲﴾ مِنهُم وَسُمِّيَت شَعَائِرَ لِاِشعَارِهَا بِمَا يُعرَفُ بِهٖ اَنَّهَا هَديٌ كَطَعنِ حَدِيدَةٍ بِسَنَامِهَا **لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ** كَرُكُوبِهَا وَالحَملِ عَلَيهَا مَالَا يَضُرُّهَا **اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى** وَقتِ نَحرِهَا **ثُمَّ مَحِلُّهَآ** اَي مَكَانُ حِلِّ نَحرِهَا **اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ** ﴿۳۳﴾ اَي عِندَهُ وَالمُرَادُ الحَرَمُ جَمِيعُهُ

ترجمہ:......... بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی اور وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے (اگر لـو لـو کو ذھـب پرعطف کرکے کسرہ پڑھا جائے جو کہ جمہور کی قرأت ہے تو معنی ہوں گے کہ وہ کنگن سونے کے ہوں گے اور موتیوں سے مزین ہوں گے) اور وہاں ان کی پوشاک ریشم کی ہوگی (جو کہ دنیا میں مردوں کے لئے حرام ہے) اور ان کو ہدایت کی گئی تھی (دنیا میں) کلمہ طیبہ کی اور ان کو ہدایت ہوگئی تھی لائق حمد (خدا کے) راستہ کی۔ بے شک جو لوگ کافر ہیں اور لوگوں کو روکتے ہیں اللہ کی راہ سے (اور منع کرتے ہیں اس کی اطاعت سے) اور مسجد حرام سے جس کو ہم نے مقرر کیا ہے لوگوں کے واسطے (بحیثیت عبادت خانہ کے) اس میں رہنے والے اور باہر سے آنے والے سب برابر ہیں اور جو کوئی بھی اس کے اندر کسی بے دینی کا ارادہ ظلم سے کرے گا (اور ممنوعات کا ارتکاب کرے گا) ہم اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ (نـذقة ان الـذيـن كفـروا میں جوان ہے اس کا خبر واقع ہو رہا ہے) اور (وہ وقت یاد دلائیے) جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو خانہ کعبہ کی جگہ بتلادی) تاکہ اسی بنیاد پر دوبارہ تعمیر کھڑی کرسکیں جسے طوفان کی وجہ سے اٹھالیا گیا تھا۔ اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو پاک رکھنا (بتوں سے) طواف کرنے والوں اور قیام ورکوع وسجود کرنے والوں کے لئے۔ اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو۔ اس حکم کے بعد حضرت ابراہیم جبل ابی قبیس پر تشریف لے گئے اور اعلان فرمایا کہ اے لوگو! خدا تعالیٰ نے ایک مکان کی تعمیر کی ہے اور ادائیگی حج کے لئے تم لوگوں کا پہنچنا ضروری قرار دیا ہے۔ لہٰذا تم لوگ اس حکم کی تعمیل کرو۔ آپ نے

چہار جانب رخ کر کے یہ اعلان کیا کہ جس پر پشت آباء میں موجود ان نطفوں نے جن کی تقدیر میں حج تھا لبیک کہی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو اعلان کا حکم ہوا تھا آنے والی آیت اس کا جواب ہے) کہ لوگ تمہارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی (رجال جمع ہے راجل کی۔ جس کے معنی پیدل چلنے کے ہیں اور ضامر کے معنی کمزور اور دبلے پتلے اونٹ مذکر ہوں یا مؤنث) تا کہ اپنے (دنیوی ودینی) فوائد کے لئے آموجود ہوں اور تا کہ ایام مقررہ (یعنی ایام قربانی) میں ان مخصوص چوپایوں پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کئے ہیں (اونٹ، گائے یا بکرا وغیرہ) سو ان قربانی کے جانوروں میں سے تم بھی کھاؤ (یہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے) اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ۔

پھر لوگوں کو چاہئے کہ اپنے میل کچیل دور کریں (اور بال ترشوالیں اور ناخن وغیرہ چھوٹے کرالیں) اور اپنے واجبات کو پورا کریں (مثلاً قربانی وغیرہ) اور چاہئے کہ اس قدیم گھر کا طواف کریں۔ یہ بات تو ہو چکی (**ذٰلِکَ** خبر ہے مبتداء محذوف کی تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ **الامر ذلک المذکور**) اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے محترم احکام کا ادب کرے گا (جن احکام کی بے حرمتی جائز نہیں تو ان کا یہ ادب کا معاملہ) اس کے حق میں اس کے پروردگار کے نزدیک بہتر ہوگا۔ (آخرت میں) اور اللہ تعالیٰ نے حلال کر دیئے تمہارے لئے چوپائے، بجز ان کے جو تم کو پڑھ کر سنا دیئے گئے (جس کی حرمت آیت **حرمت علیکم المیتة الخ** میں بیان کی جا چکی ہے۔ اس صورت میں استثناء منقطع ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ استثناء متصل ہو۔ اور **الا ما یتلیٰ** کا تعلق اسی آیت **احلت لکم الا نعام** سے ہو۔ اس صورت میں وہ حرمت مراد ہوگی جو جانوروں کی طبعی موت وغیرہ کی وجہ سے ہو) تم لوگ گندگی سے یعنی بتوں سے کنارہ کش رہو۔ (**من** بیان کے لئے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ گندگی جن سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے وہ بت ہیں) اور بچے رہو جھوٹی بات سے (یعنی شرک وغیرہ سے اور اسی طرح جھوٹی گواہی سے) جھکے رہو اللہ کی طرف (مطلب یہ ہے کہ دین اسلام پر جمے رہو جو عقل وانصاف کا تقاضہ ہے) اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ (یہ مضمون سابق کی تاکید ہے۔ اور یہ دونوں یعنی **حنفاء ملته** اور **غیر مشر کین** بہ حال واقع ہو رہا ہے **اجتنبوا** کے واو سے) اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے۔ تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔ پھر پرندوں نے اسے نوچ ڈالا یا اس کو ہوا نے کسی دور دراز جگہ پر جا پھینکا (اور اس کے چھٹکارے کی صورت باقی نہیں رہی) یہ بات ہو چکی (**ذٰلِکَ** سے پہلے **الامر** مقدر ہے) جو شخص دین خداوندی کے ان یادگاروں کا لحاظ رکھے گا (اور قربانی کے جانوروں کی دیکھ بھال کرے گا) تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے تعلق رکھتا ہے (قربانی کے جانوروں کو شعائر اس وجہ سے کہا گیا۔ کہ یہ دیکھ کر پہچان لئے جاتے ہیں۔ کہ یہ قربانی کے جانور ہیں۔ کیونکہ نیزہ سے خون نکال کر ان کے کوہان پر لگا دیا جاتا ہے جو علامت ہوتی ہے اس بات کی کہ یہ قربانی کے لئے ہیں) تمہارے لئے ان سے فوائد حاصل کرنا جائز نہیں۔ ایک معین مدت تک (یعنی قربانی سے پہلے پہلے ان پر سواری اور بار برداری کرنا جائز ہے۔ مگر اسے کوئی نقصان نہ پہنچے) پھر اس کے ذبح کا موقعہ بیت عتیق کے قریب ہے (یعنی ذبح کی جگہ حدود حرم کے اندر ہے۔)

تحقیق وترکیب: .... **ان اللّٰہ یدخل الذین اٰمنوا** اوپر کہا گیا تھا۔ **فالذین کفروا**. یہاں اس پر عطف کر کے صرف **والذین اٰمنوا** نہیں کہا گیا۔ بلکہ انداز بیان بدل کر مستقل مؤمنین کا تذکرہ آیا۔ اس سے مؤمنین کی رفعت شان اور تعظیم مقصود ہے۔

الطیب طیب ہر پاکیزہ نافع چیز کو کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اس جگہ مراد کلمہ طیبہ ہے۔ اور بعض نے قرآن مراد لیا ہے۔

ویصدون. میں تین صورتیں بیان کی گئی ہیں، ایک تو یہ کہ اس کا عطف ماقبل پر ہے۔ عطف کرنے کی صورت میں تین تاویلات کی گئی ہیں۔ کیونکہ معطوف علیہ ماضی ہے اور یہ مضارع ہے۔ تو ایک تاویل تو یہ ہے کہ یہ صورۃً تو مضارع ہے۔ لیکن اس میں حال یا استقبال کا معنی نہیں ہے۔ بلکہ استمرار کے معنی میں ہے۔ دوسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ یہ ماضی کے معنی میں ہے۔ تیسری تاویل یہ

ہے کہ یہ مضارع کا صیغہ ہی ہے اور اس سے پہلے جو ماضی ہے وہ مستقبل کے معنی میں ہے۔
دوسری صورت یہ ہے کہ یہ **کفروا** کے فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے۔ لیکن بظاہر یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ مضارع مثبت پر واؤ داخل نہیں ہوتا ہے۔ درآنحالیکہ یہاں واؤ داخل ہو رہا ہے۔ اور ان دو صورتوں میں خبر محذوف ہے۔ تیسری ترکیب کے مطابق واؤ **یصدون** میں زائد ہے۔ کوفیین کے خیال کے مطابق تقدیر عبارت یوں ہے۔ **ان الذین کفروا یصدون.**

المسجد الحرام . مسجد حرام سے مراد پورا رقبہ حرم ہے۔ ابوحنیفہ، امام مالک اور ثوری رحمہم اللہ کے نزدیک اور امام شافعیؒ واحمدؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف حصہ مسجد مراد ہے۔

نظلم.. ظلم سے مراد شرک بھی لیا گیا ہے اور **بالھاد** میں ب زائد ہے۔

لیشھدوا . کے لام میں دو صورت بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ متعلق ہے **اذن** کے ساتھ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا تعلق **یاتوک** کے ساتھ ہی اور یہی زیادہ مناسب ہے۔

ولیوفوا اور ولیطوفوا یہ دونوں امر کے صیغے ہیں اور وجوب کے معنی میں ہیں۔

شعآئر اللّٰہ شعائر ارکان حج اور افعال حج کو کہتے ہیں۔ جس کا واحد شعیرۃ یا شعارۃ ہے اور مشاعر مقامات حج کو کہتے ہیں۔

شعائر کی تشریح صاحب جلالینؒ نے **البدن** یعنی قربانی کے جانور سے کی ہے۔ اس پر صاحب جملؒ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ شعائر کی تشریح **البدن** سے کرنا زیادہ سے زیادہ ماقبل کے مضمون کی رعایت سے ہوسکتا ہے۔ ورنہ تو شعائر عام ہے۔ لہٰذا **البدن** کے ساتھ خاص کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے۔ کہ صاحب جملؒ نے جو یہ سمجھا ہے کہ صاحب جلالینؒ کی تشریح میں نقص ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ اس وجہ سے کہ شارح نے جو البدن کے ساتھ تشریح کی ہے۔ وہ آنے والے مضمون کی مطابقت سے کی ہے۔ ورنہ تعمیم کے وہ بھی منکر نہیں ہیں۔ جیسا کہ تفسیر مدارک اور روح البیان وغیرہ میں بھی شعائر کی تشریح قربانی کے جانور سے کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ بھی ارکان حج میں سے ایک رکن ہے۔

فیھا منافع. منافع کی تشریح صاحب جلالینؒ نے قربانی کے جانور پر سواری اور بار برداری سے کی ہے۔ یہ تشریح امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قربانی کے جانور پر سواری وغیرہ جائز نہیں ہے۔ صرف شدید ترین ضرورت کے وقت ہی وہ اس کی اجازت دیتے ہیں۔

﴿ تشریح ﴾:............ اس سے پہلے جہنمیوں اور ان کی سزاؤں کا تذکرہ کیا گیا اور ان کے آگ کے لباس کا بھی ذکر آیا تھا۔ اب جنت اور وہاں کی نعمتوں کا اور وہاں کے رہنے والوں کے لباس وغیرہ کا تذکرہ ہے۔ ارشاد ہے کہ ایمان اور نیک عمل کے بدلہ میں جنت ملے گی۔ جہاں نہریں جاری ہوں گی اور ان کے لباس ریشمی کپڑوں سے تیار شدہ ہوں گے۔ اسی طرح انہیں زیورات اور موتیوں سے سجا دیا جائے گا۔ دنیا میں ریشمیں لباس کے استعمال سے روکا گیا تھا اور زیورات کے استعمال کو بھی مردوں کے لئے ناجائز قرار دیا گیا تھا۔ لیکن جنت میں یہی ریشمیں لباس پہنایا جائے گا اور زیورات بھی عطاء کئے جائیں گے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ تم ریشم کا لباس نہ پہنو۔ جو اسے دنیا میں پہن لے گا وہ آخرت کے دن اس سے محروم رہے گا۔ تو گویا بہت سی چیزیں اس دنیا میں حرام ہیں اور آخرت میں وہی حلال ہو جائیں گی۔ اور اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں کیونکہ خود اس دنیا میں احوال اور مقامات کے بدلنے پر احکام بدلتے رہتے ہیں اور آخرت کا معاملہ تو یہ ہے۔ کہ پورا عالم ہی بدل گیا۔

اور انہیں کلمہ طیبہ کی توفیق مل گئی جو خود ایک بہت بڑی نعمت ہے اور اسی طرح انہیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق مل گئی اور یہ سارے انعام واکرام بھی اسی ہدایت کا نتیجہ ہیں۔ بعض مفسرینؒ نے طیب سے مراد قرآن اور صراط حمید سے مراد اسلامی راستہ لیا ہے۔ حاصل ہر ایک تفسیر کا ایک ہی ہے۔

سرزمین مکہ اور اختلاف فقہاء:............ ۶ ھ میں جب رسول اللہ ﷺ ایک جماعت کثیرہ کا ساتھ عمرہ کے لئے روانہ ہوئے تو مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو مقام حدیبیہ پر آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مسجد حرام جسے خدا نے سب کے لئے یکساں طور پر باحرمت بنایا ہے مقیم ومسافر کا اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اہل مکہ بھی اس میں اتر سکتے ہیں اور باہر سے آنے والے بھی اور دونوں کو برابر کا حق ہے۔ مسجد حرام سے مراد پورا رقبہ حرم ہے۔

یہاں فقہاء نے ایک مسئلہ بیان کیا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مکہ کے مکانات ملکیت میں لائے جاسکتے ہیں۔ ورثے میں بٹ سکتے ہیں اور کرایہ پر بھی دیئے جاسکتے ہیں۔ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صفوان ابن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خرید کر اسے جیل خانہ بنایا تھا۔

اور فقہاء حنفیہ نے آیات مذکورہ سے یہ مسئلہ اخذ کیا کہ حرم کی سرزمین مثل وقف کے ہے۔ یہ کسی کی ملکیت نہیں ہوسکتی اور کسی کو اس کے حدود میں انتفاع سے روکنا جائز نہیں اور نہ یہاں کے مکانات کا کرایہ لینا درست ہے۔ اسحٰقؒ ابن راہویہ اور حضرت مجاہدؒ وغیرہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی بھی یہی رائے ہے کہ مکے کے مکانوں کو بیچنا اور اس کا کرایہ لینا جائز نہیں۔

ابن ماجہ میں حضرت علقمہؓ سے ایک حدیث نقل ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خود آنحضور ﷺ کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں بھی مکہ کے مکانات آزاد اور بے ملکیت رکھے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ تو مکے کے مکانات میں دروازے لگانے سے بھی منع فرماتے تھے۔ کیونکہ صحن مکان میں حاجی ٹھہرا کرتے تھے۔

سب سے پہلے گھر کا دروازہ سہیل بن عمرو نے بنایا۔ جس پر حضرت عمرؓ نے انہیں بلا بھیجا اور دریافت فرمایا۔ تو حضرت سہیل نے جواب دیا کہ مجھے معاف فرمایا جائے اور اس کی اجازت دی جائے۔ کیونکہ میں تاجر ہوں اور میں نے ضرورۃً یہ دروازے بنائے ہیں تاکہ میرے جانور میرے قبضہ میں رہیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کا یہ عذر سن کر ان کو تو اجازت دے دی۔ لیکن دوسرے لوگوں کو منع فرمایا کہ دروازے مت لگاؤ۔ تاکہ باہر سے آنے والے جہاں چاہیں ٹھہر سکیں...... اور امام احمد بن حنبلؒ نے درمیانی مسلک اختیار فرمایا آپ کہتے ہیں کہ ملکیت اور وراثت تو جائز ہے۔ لیکن کرایہ لینا ہرگز جائز نہیں۔

جو شخص یہاں خلاف دین کا ارادہ کرے گا اور پھر ظلم کے ساتھ اسے یقیناً عذاب شدید بھگتنا پڑے گا۔ ظلم سے مراد شرک لیا گیا ہے۔ اور قصداً کے معنی بھی کئے گئے ہیں۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ حرم میں گناہ اور ظلم وستم کرنے والے دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔

من یرد فیہ بالحاد کی اور بھی بہت سی تشریحات کی گئی ہیں۔ سعید ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں اپنے خادم کو گالی دینا بھی الحاد میں داخل ہے۔

کعبہ اور اس کے تاسیسی مقاصد:............ مشرکین کو تنبیہ مقصود ہے کہ وہ گھر جس کی بنیاد ہی توحید پر رکھی گئی تھی۔ اس میں تم لوگوں نے شرک کرنا شروع کر دیا اس گھر کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ویسے تو خانہ کعبہ پہلے سے بھی موجود تھا۔ سب سے

پہلے فرشتوں نے اس کی تعمیر کی اور پھر حضرت آدم علیہ السلام نے ان کے بعد حضرت شیث علیہ السلام نے لیکن طوفان نوح میں خانہ کعبہ بھی اٹھالیا گیا تھا اور اس کا کوئی نام نشان باقی نہیں رہا تھا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ملی اور اس کے مطابق آپ نے خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی۔ لہٰذا اس اعتبار سے آپ کو معمار اول قرار دیا جا سکتا ہے۔

تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی بنیاد رکھی۔ اسی وقت حکم ملا کہ اس گھر کو شرک وغیرہ سے پاک رکھنا اسے صرف موحدین کے لئے خاص کردو جو اس کا طواف کریں گے اور اس میں نمازیں قائم کریں گے۔ اور طواف وہ عبادت ہے کہ جسے خانہ کعبہ کے علاوہ کہیں اور کرنا جائز ہی نہیں۔ طواف کے ساتھ نماز کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ نماز بھی اس کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ اس کا قبلہ بھی یہی خانہ کعبہ ہے۔ بغیر قبلہ کی طرف رخ کئے ہوئے بھی نماز جائز نہیں۔

یہاں ایک نکتہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن نے ذکر خانہ کعبہ کے ساتھ ممانعت شرک بھی کردی اور یہ اس وجہ سے ضروری تھا کہ تعظیم بیت سے کہیں لوگ اس کی پرستش نہ شروع کردیں اور بجائے معبد ہونے معبود نہ ٹھہرالیں۔ اس وجہ سے شرک کی مکمل ممانعت آ گئی۔

اور پھر حکم ملا۔ کہ لوگوں کو اس گھر کی طرف حج کے لئے بلاؤ۔ یہ حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت ملا تھا۔ جب دنیا نہ تار سے واقف تھی اور نہ ٹیلیفون تھا اور نہ کوئی لاؤڈ اسپیکر اور ریڈیو وغیرہ تھا۔ اسی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ اے خدا ان تک میری آواز کیسے پہنچے گی۔

جواب ملا کہ آپ آواز دیجئے۔ اس آواز کو لوگوں تک پہنچانا میرا کام ہے۔ جس پر آپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہوکر، ایک روایت یہ ہے کہ صفا پہاڑی پر کھڑے ہوکر، اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ جبل ابی قبیس پر کھڑے ہوکر آپ نے لوگوں کے نام یہ پیغام نشر کیا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کے اس پیغام کو زمین کے ایک ایک گوشہ میں، اور سمندر کے ایک ایک جزیرہ میں پہنچادیا۔ اور آج ہزاروں سال گزر گئے۔ مگر دنیا اس بے آب وگیاہ علاقہ میں کھنچی چلی آرہی ہے اور دور دراز سے لوگ آرہے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے انہیں کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ جو آنے والے ہیں وہ ہر حال میں آئیں گے سواری ملے یا نہیں اور انہیں پیدل ہی کیوں نہ آنا پڑے۔ آج انسان اس ارشاد کی صداقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

مقاصد حج: .... مکہ میں جمع ہونے کا جو پیغام نشر کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جارہی ہے کہ یہاں جمع ہونے سے فائدہ کیا ہوگا؟ تو ارشاد ہے کہ یہاں جمع ہونے کا اصل مقصد تو دینی منافع حاصل کرنا ہیں اور رضاء الٰہی مقصود ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دنیاوی منافع بھی حاصل کرسکتے ہیں۔ مثلاً یہاں آکر تجارت وغیرہ بھی کرسکتے ہیں۔ تاہم دنیوی منافع کو مقصود بنالینا یہ ممنوع ہے اور اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی...... اس میں شبہ نہیں کہ حج ایک ایسی عبادت ہے کہ جس کے فوائد بے پناہ ہیں اور سب سے بڑا فائدہ خود احکام الٰہی کی تعمیل ہے۔ حج میں انسان کو ان مقامات کی زیارت کا موقعہ ملتا ہے۔ جس سے اسلام اور سردار اسلام کی اولین تاریخ وابستہ ہے اور پھر تمام دنیا کے مسلمانوں کو ایک جگہ جمع ہونے کا موقعہ ملتا ہے۔ تبادلہ خیالات اور یک جہتی پیدا کرنے کے لئے اس سے بہتر ایسا عالمگیر اجتماع نہیں مل سکتا ہے۔ نیز بین الاقوامی تجارت کے لئے اس سے اچھا موقعہ اور کیا مل سکتا ہے؟

تو حج ایک اہم ترین عبادت ہے۔ حج میں آنے کے بعد دوسرا کام یہ کہنا ہے کہ مقررہ دنوں میں قربانی کرنا ہے۔ وہ مقررہ دن کون سے ہیں اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ذوالحجہ کا پہلا عشرہ ہے۔ جس کی حدیث میں بہت فضیلت ہے۔

حضرت ابن عمرؓ اور ابراہیم نخعیؒ اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ کی ایک رائے یہ ہے۔ کہ اس سے مراد قربانی کا دن اور اس کے بع

کے تین دن ہیں۔امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ بقرعید اور اس کے بعد دو دن مراد ہیں۔اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بقرعید اور اس کے بعد کا ایک دن مراد ہے۔

پھر حکم ہوا کہ ان قربانی کے جانوروں میں سے خود کھاؤ اور محتاج وضرورت مندوں کو بھی کھلاؤ۔بعض لوگوں نے اس سے یہ اخذ کیا ہے کہ قربانی کا گوشت کھانا واجب ہے۔لیکن اکثر کی رائے یہی ہے کہ قربانی کے گوشت کے کھانے کی اجازت دی گئی۔یا زیادہ سے زیادہ مستحب ہوسکتا ہے۔بعض بزرگوں کا قول ہے کہ مشرکین اپنے قربانی کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ان کے مقابل میں مومنین کو اس گوشت کے کھانے کی اجازت دی گئی۔

حج سے متعلق تیسرا حکم یہ ملا کہ اب تک جو ناخن کٹوانے اور خط بنوانے وغیرہ کی ممانعت تھی وہ ممانعت ختم کی جاتی ہے اب نہائیں دھوئیں خط بنوائیں ناخن ترشوائیں اور میل کچیل کو دور کریں، اس کے بعد حج سے متعلق جو اعمال لازم ہیں۔اس کی ادائیگی کریں۔مثلاً کنکری مارنا وغیرہ۔پھر اس کے بعد حکم ہے۔خانہ کعبہ کا طواف کریں اور اس طرح پر اپنے حج کی تکمیل کریں۔

بیت عتیق کے دو معنی کئے گئے ہیں۔ایک تو پرانا گھر اس کی قدامت کی وجہ سے اور دوسرا معنی محفوظ گھر کے ہیں۔یعنی وہ گھر جو امن کی جگہ ہے اور جو سرکشوں کے تسلط سے ہمیشہ آزاد رہا ہے۔

دعوت عام:............ارشاد ہے کہ حج سے متعلق احکام تو بیان کردیئے گئے۔اب ایک عام قانون بیان کیا جاتا ہے کہ جو شخص بھی احکام الٰہی کی پابندی کرے گا اور ان کا ادب ولحاظ رکھے گا۔اور عملاً اس کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔تو یہ اس کے گناہوں کی معافی اور بلندی درجات کا سبب بن جائے گا اور حصول خیر وبرکات کا ذریعہ ہوگا۔

خیر له . میں لام تخصیص کا ہے۔جس کا مطلب یہ ہوگا کہ فائدہ خود اسی کا ہے کسی اور کا نہیں۔

پھر فرمایا گیا کہ تمہارے لئے سارے جانور حلال ہیں سوائے ان جانوروں کے جن کی حرمت کا تذکرہ قرآن کی دوسری آیتوں میں آچکا ہے۔اور بت پرستی کی گندگی سے دور رہو اور ان بتوں کو معبود مت بناؤ،اسی طرح جھوٹی باتوں سے بچو۔**قول الزور** کے تحت ہر جھوٹ آجاتا ہے۔لیکن دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ توحید کے مقابل میں شرک ہے۔

صحیحین میں ایک روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے صحابہ کرام کو مخاطب کرکے فرمایا کہ کیا میں تمہیں دنیا کا سب سے بڑا گناہ نہ بتلا دوں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ضرور بتلایئے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کے ساتھ شریک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔اور پھر آپ ﷺ نے تکیہ سے الگ ہوکر فرمایا کہ جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا۔اسے آپ ﷺ بار بار فرماتے رہے۔یہاں تک کہ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم سمجھ گئے۔مزید وضاحت کی ضرورت نہیں رہی۔تکیہ سے آپ کا ہٹ کر یہ فرمانا اور بار بار ارشاد صحابہ کرام کے دلوں میں اس کی اہمیت بٹھانے کے لئے تھا۔

پھر مشرکین کی تباہی کی مثال بیان کی گئی کہ جیسے کوئی آسمان سے گر پڑے اور درمیان سے پرندے اسے اچک لیں اور اس کی بوٹیاں نوچ ڈالیں یا ہوا انہیں ہلاکت کے کسی دور دراز گڑھے میں پھینک ڈالے۔غرض یہ کہ بتلائے شرک بری طرح ہلاک ہوگیا۔تو جس طرح وہ بدنصیب اپنی منزل مقصود سے بہت دور جا پڑا۔اسی طرح مشرکین کی بدنصیبی ہے کہ یہ راہ حق کھو بیٹھے۔

بعض مفسرینؒ نے کہا ہے کہ شکاری پرندوں سے مراد نفس کے وسوسے ہیں اور ہوا کے جھکڑ سے شیطان کا حملہ۔یہ ایک عام کلیہ کا بیان ہوچکا اور اس سے پہلے شرک کی مذمت کی گئی تھی۔لیکن اس آیت میں قربانی کے جانوروں کے بارے میں جو خصوصی احکام نازل ہوئے اس سے معلوم ہوا کہ شرک تو حرام ہے۔مگر غیر اللہ کی تعظیم بری نہیں۔بلکہ جو چیزیں خدا کی طرف منسوب ہوں اس کی تعظیم تو

جز ءایمان ہے۔

فقہاء نے کہا کہ غیر اللہ کی تعظیم مستقلاً تو ممنوع و ناجائز ہے۔ لیکن خدا کی طرف نسبت ہونے کے لحاظ سے جائز ہے۔ بعض بزرگوں نے اس سے دو مسئلے اخذ کئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ تقوے کا تعلق قلب سے ہے اور دوسرے یہ کہ شعائر دین کی تعظیم حدود شرعی کے اندر رہتے ہوئے یہ خود مشروع ہے۔

فرمایا گیا کہ ان جانوروں سے ایک وقت معین تک تم فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ مثلاً سواری کا کام لینا، بار برداری کرنا اور دودھ پینا وغیرہ۔ مگر یہ اسی وقت تک ہے جب تک کہ اسے قربانی کے لئے خاص نہ کر دیا گیا ہو۔ لیکن جب اسے قربانی کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہو اور اسے ''ہدی'' بنا دیا گیا ہو تو بلا ضرورت فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔ پھر ارشاد ہوا کہ ان قربانی کے جانوروں کو ذبح کرنے کی جگہ حدود حرم ہے۔ وہیں ان کی قربانی ہونی چاہئے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَیْ جَمَاعَةٍ مُؤْمِنَةٍ سَلَفَتْ قَبْلَكُمْ **جَعَلْنَا مَنْسَكًا** بِفَتْحِ السِّيْنِ مَصْدَرٌ وَبِكَسْرِهَا اِسْمُ مَكَانٍ اَیْ ذِبْحًا قُرْبَانًا اَوْ مَكَانَهٗ **لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَارَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ** عِنْدَ ذِبْحِهَا **فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗ اَسْلِمُوْا** اِنْقَادُوْا **وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾** اَلْمُطِيْعِيْنَ الْمُتَوَاضِعِيْنَ **الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ** خَافَتْ **قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ** مِنَ الْبَلَايَا **وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ** فِیْ اَوْقَاتِهَا **وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾** يَتَصَدَّقُوْنَ **وَالْبُدْنَ** جَمْعُ بَدَنَةٍ وَهِیَ الْاِبِلُ **جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ** اِعْلَامِ دِيْنِهٖ **لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ** نَفْعٌ فِی الدُّنْيَا كَمَا تَقَدَّمَ وَاَجْرٌ فِی الْعُقْبٰى **فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا** عِنْدَ نَحْرِهَا **صَوَآفَّ** قَائِمَةً عَلٰى ثَلٰثٍ مَعْقُوْلَةَ الْيَدِ الْيُسْرٰى **فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا** سَقَطَتْ اِلَى الْاَرْضِ بَعْدَ النَّحْرِ وَهُوَ وَقْتُ الْاَكْلِ مِنْهَا **فَكُلُوْا مِنْهَا** اِنْ شِئْتُمْ **وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ** الَّذِیْ يَقْنَعُ بِمَا يُعْطٰى وَلَا يَسْاَلُ وَلَا يَتَعَرَّضُ **وَالْمُعْتَرَّ** السَّائِلَ اَوِ الْمُتَعَرِّضَ **كَذٰلِكَ** اَیْ مِثْلُ ذٰلِكَ التَّسْخِيْرِ **سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ** بِاَنْ تُنْحَرَ وَتُرْكَبَ وَاِلَّا لَمْ تُطِقْ **لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾** اِنْعَامِیْ عَلَيْكُمْ **لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا** اَیْ لَا يُرْفَعَانِ اِلَيْهِ **وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ** اَیْ يَرْفَعُ اِلَيْهِ مِنْكُمُ الْعَمَلُ الصَّالِحُ الْخَالِصُ لَهٗ مَعَ الْاِيْمَانِ **كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَاهَدٰىكُمْ** اَرْشَدَكُمْ لِمَعَالِمِ دِيْنِهٖ وَمَنَاسِكِ حَجِّهٖ **وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾** اَیِ الْمُوَحِّدِيْنَ **اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** غَوَائِلَ الْمُشْرِكِيْنَ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ** فِیْ اَمَانَتِهٖ **كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾** لِنِعْمَتِهٖ وَهُمُ الْمُشْرِكُوْنَ الْمَعْنٰى اَنَّهٗ يُعَاقِبُهُمْ

ترجمہ: .... ہم نے ہر امت کے لئے قربانی اس غرض سے مقرر کی تھی تا کہ وہ لوگ ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں عطا کئے تھے (گویا کہ پچھلی امتوں میں بھی قربانی رائج تھی۔ منسکاً سین کے فتحہ اور کسرہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ اگر اس کو فتحہ

سے پڑھیں تو مصدر کے معنی میں ہوگا۔ اور اگر کسرہ پڑھیں تو اس صورت میں نام ہوگا جگہ کا۔ گویا ہر ایک امت کے لئے قربانی کی جگہ متعین کردی گئی تھی) تمہارا خدا تو خدائے واحد ہی ہے۔ تم اس کے آگے جھکو اور آپ خوشخبری سنا دیجئے گردن جھکا دینے والوں کو (یعنی مطیع وفرمانبردار لوگوں کو) جن کے دل ڈر جاتے ہیں جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور جو مصیبتیں ان پر پڑتی ہیں ان پر صبر کرنے والوں کو اور نماز کی پابندی کرنے والوں کو اور ان کو جو خرچ کرتے رہتے ہیں اس میں سے جو ہم نے انہیں دے رکھا ہے (اور صدقہ وخیرات کرتے رہتے ہیں) اور قربانی کے جانوروں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ (کے دین) کی یادگار بنا دیا ہے تمہارے لئے اس میں فائدے ہیں (دنیاوی فائدہ مثلاً سواری اور بار برداری وغیرہ اور اسی کے ساتھ اجر آخرت بھی) سو تم انہیں کھڑے کر کے ان پر اللہ کا نام لیا کرو (ذبح کے وقت) پھر جب وہ کروٹ کے بل گر پڑیں (ذبح کے بعد) تو اس وقت خود بھی ان میں سے کھاؤ (اگر تم کھانا چاہو) اور بے سوال وسوالی کو بھی کھلاؤ (یعنی انہیں بھی کھلاؤ جو قناعت پسند ہیں اور کسی کے آگے دست سوال پھیلا نا پسند نہیں کرتے ہیں اور انہیں بھی جنہوں نے مانگنے کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے) ہم نے اسی طرح ان جانوروں کو تمہارے زیر حکم کر دیا (اور مکمل طور پر مسخر کر دیا۔ تاکہ تم اسے ذبح کر سکو اور اس سے سواری کا کام لے سکو۔ ورنہ تمہارے لئے یہ بہت مشکل ہوتا۔ یہ سب اس لئے کیا) تاکہ تم شکر ادا کر سکو (ان انعامات کا جو ہم نے تم پر کئے ہیں) اللہ تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون ان کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے (یعنی خدا تعالیٰ کے پاس قربانی کا نہ گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون ان کے پاس تو انسان کا عمل صالح پہنچتا ہے۔ بشرطیکہ ایمان کی دولت بھی ہو) اسی طرح اللہ نے انہیں تمہارے زیر حکم کر دیا تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی (اور مناسک حج کی توفیق عطاء فرمائی) اور آپ اخلاص والوں کو (جو موحد ہیں) ان کو خوشخبری سنا دیجئے۔ بے شک خدا تعالیٰ (ان مشرکین کے غلبہ واقتدار کو) دور کر دے گا ایمان والوں سے۔ بے شک اللہ پسند نہیں کرتا ہے کسی دغاباز کفر والے کو (اور انہیں ضرور عذاب آ کر رہے گا۔)

تحقیق وترکیب:............ **مخبتین** ۔ احکام شریعت کے آگے گردن جھکا دینے والے۔

والبدن. جمع ہے بدنۃ کی اصل معنی موٹے تازہ اونٹ کے ہیں۔ اسی وجہ سے امام شافعیؒ نے بدن سے مراد صرف اون ہی لیا ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک **بـــدن** کے معنی اونٹ اور گائے دونوں کے ہیں۔ جیسا کہ لغت کی کتابوں مثلاً قاموس، صراح، منتخب وغیرہ میں بدن کے دونوں معنی موجود ہیں اور بعض احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ البدن کا اطلاق اونٹ اور گائے دونوں پر ہے۔

القـانـع والمعتر . قانع اسے کہتے ہیں۔ جو صبر کئے بیٹھا ہے۔ جو کچھ مل جائے اسے قبول کر لیتا ہے۔ اور نہ ملے جب بھی کسی کے سامنے دست سوال نہیں پھیلاتا۔ اور معترا اسے کہتے ہیں جو بے قرار ہو کر مانگتا رہتا ہے اور بغیر لئے ہوئے ہٹتا نہیں۔

یدافع عن الذین اٰمنوا کے بعد صاحب جلالینؒ **غوائل المشرکین** لائے۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ **یدافع** کا مفعول مقدر ہے۔ جو کہ **غوائل المشرکین** ہے۔ **غوائل** جمع ہے **غائلۃ** کی۔ **غائلہ** ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے انسان کو تکلیف پہنچے۔

شان نزول:............ مشرکین کا یہ معمول تھا کہ قربانی کا گوشت اپنے بتوں کے سامنے رکھ دیتے اور ان پر خون کا چھینٹا دیتے۔ اسی طرح یہ لوگ خانہ کعبہ پر قربانی کا خون چھڑکتے تھے۔ جب مسلمان حج کے ارادہ سے مکہ میں پہنچے اور انہوں نے بھی ایسا کرنا چاہا۔ تو آیت نازل ہوئی۔ کہ **لن ینال اللّٰہ لحومھا ولا دماء ھا الخ**.

اور آیت **ان اللّٰـہ یدافع عن الذین اٰمنوا الخ** کا شان نزول یہ ہے کہ حدیبیہ کے سال جب آنحضور ﷺ اور مؤمنین حج

کرنے کے لئے مکہ پہنچے۔ تو مشرکین نے آپ لوگوں کو فریضہ حج کی ادائیگی سے روک دیا اور مکہ میں جو مومنین تھے انہیں طرح طرح ستانا۔ جس پر آیت نازل ہوئی کہ ان کفار کو عارضی مہلت ملی ہوئی ہے۔ نصرت الٰہی کے اصل مستحق تو مؤمنین ہیں۔ اور یہ کہ جلد ہی مشرکین کے غلبہ واقتدار کو ختم کر دیا جائے گا۔ چنانچہ فتح مکہ کی صورت میں یہ وعدہ پورا کیا گیا اور مسلمانوں کو اقتدار سونپ دیا گیا۔

﴿ تشریح ﴾ .... ارشاد ہے کہ قربانی کا حکم ہر پچھلی شریعت اور ہر مذہب میں کسی نہ کسی صورت میں ضرور موجود رہا۔ یہ اسلام کے لئے کوئی نیا حکم نہیں۔ بلکہ بنی اسرائیل میں قربانی تو مذہب کا ایک اہم رکن ہے۔ تو تمام پچھلی امتیں خدا کے نام پر ذبیحہ کرتی تھیں اور سب کے سب مکہ میں اپنی قربانیاں کرتے اور قربانی کے حکم سے مقصد تو خدا کے نام کی تعظیم اور اللہ کے نام سے حصول تقرب ہے۔ یہ جانور وغیرہ کی حیثیت تو فقط ایک ذریعہ کی ہے۔

صحابہ کرامؓ نے آنحضور ﷺ سے دریافت فرمایا کہ یہ قربانی کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے۔ صحابہؓ نے پھر دریافت کیا کہ یارسول اللہ ہمیں اس سے کیا فائدہ ہے؟ فرمایا کہ ہر بال کے بدلے ایک نیکی۔ تو فرمایا گیا کہ تم سب کا خدا ایک ہے۔ اگرچہ شریعت کے احکام بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن خدا کی توحید میں کسی نبی یا رسول کا کبھی اختلاف نہیں رہا۔ لہٰذا تم سب کے سب اس کی طرف جھک جاؤ اور اس کے احکام کی پابندی کرو اور توحید کا تقاضا یہ ہے کہ غیر اللہ کے آگے بھینٹ نہ چڑھاؤ اور نہ کسی مکان کو معظم بالذات سمجھ کر اپنے اندر شائبہ شرک پیدا ہونے دو اور احکام شریعت کی پابندی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو جو خدا تعالیٰ کا ذکر سنتے ہی خوف خدا سے کانپ اٹھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی اطاعت میں لگ جاتے ہیں اور مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ احکام شریعت کے پابند ہیں اور فریضہ خداوندی کو ادا کرنے والے ہیں اور خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کو دیا ہے اسے خرچ کرتے رہتے ہیں اور فقیروں وضرورت مندوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرتے ہیں۔ یہ سب نتیجہ ہے توحید کا جس کے اندر بھی توحید خالص ہوگا اس کے اندر یہ سارے کمالات ظاہری وباطنی پیدا ہو سکتے ہیں۔

قربانی کی حقیقت: .... پھر ارشاد ہے کہ ان قربانی کے جانوروں کو جسے شعائر اللہ قرار دیا گیا ہے اسے خود بالذات قابل تعظیم نہ سمجھو، بلکہ اس کی عظمت تو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ہے تو اس سے گویا عظمت توحید کو دل میں راسخ کرنا مقصود ہے کہ جس جانور کو خدا تعالیٰ کی جانب منسوب کر دیا گیا اس پر اس کے مالک کا حکم اب نہیں چل پاتا۔ اس سے مالک مجازی کی عبدیت اور مالک حقیقی کی معبودیت ظاہر ہے۔

فرمایا گیا کہ ان قربانی کے جانوروں میں تمہارے لئے فائدے ہیں۔ تو سب سے بڑا فائدہ تو حصول اجر اور رضا الٰہی ہے۔ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بقرعید کے دن خدا تعالیٰ کے نزدیک انسان کا کوئی عمل قربانی سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے اور ضمناً دنیوی فوائد بھی ہیں۔ مثلاً گوشت کھانا کھلانا وغیرہ۔ اسی کے ساتھ حکم ہوا کہ قربانی کے وقت خدا تعالیٰ کا نام لیا کرو اور یہی طریقہ سنت کے مطابق ہے۔ آنحضور ﷺ کا معمول تھا کہ جب بھی کوئی جانور ذبح کرتے تو بسم اللّٰہ واللّٰہ اکبر پڑھا کرتے۔

صواف کے معنی ابن عباسؓ نے اونٹ کو تین پیروں پر کھڑا کر کے اس کا بایاں پیر باندھ کر بسم اللّٰہ واللّٰہ اکبر لاالٰہ الا اللّٰہ اللھم منک ولک پڑھ کر اس کو ذبح کرنے کے کئے ہیں۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ اور آپ کے صحابہ اونٹ کے ایک پیر کو باندھ کر تین پیر پر کھڑا کر کے ہی اسے ذبح فرمایا کرتے تھے۔

اور صواف کے معنی خالص کے بھی کئے گئے ہیں۔ یعنی زمانہ جاہلیت میں جس طرح غیر خدا کے نام پر قربانیاں دی جاتی

تھیں، اس کی ممانعت کی گئی کہ غیر اللہ کے نام پر قربانیاں مت دو، بلکہ خدا صرف خدا ہی کے نام پر قربانیاں کرو اور جب یہ زمین پر گر کر ٹھنڈے ہو جائیں یعنی اچھی طرح روح نکل جائے تو پھر اس میں سے تم خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جانوروں میں جب تک جان ہے اور اس کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے تو اس کا کھانا حرام ہے۔

بعض لوگوں کی رائے ہے کہ قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے اور بعض وجوب کے قائل ہیں۔ امام مالکؒ مستحب قرار دیتے ہیں اور مفسرینؒ نے لکھا ہے کہ پہلا امر یعنی کلوا اباحت وجواز کے لئے ہے اور دوسرا امر یعنی اطعموا استحباب کے لئے ہے۔ براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے ہمیں عید کی نماز ادا کرنی چاہئے۔ پھر لوٹ کر قربانی کرنی چاہئے اور جس شخص نے ایسا کیا، اس نے سنت کے مطابق عمل کیا اور جس نے نماز سے پہلے ہی قربانی کر لی اس کی قربانی نہیں۔

امام شافعیؒ اور علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ قربانی کا وقت اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب سورج نکلنے کے بعد اتنا وقت گزر جائے کہ نماز اور دو خطبے ہو جائیں اور امام احمدؒ کے نزدیک مزید اتنا وقت گزر جانے کے بعد کہ امام قربانی کر لے، کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ جب تک امام قربانی نہ کرے تم قربانی نہ کرو...... اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو گاؤں والوں پر عید کی نماز ہے ہی نہیں۔ لہٰذا وہ طلوع فجر کے بعد ہی قربانی کر سکتے ہیں۔ البتہ شہری جب تک نماز سے فارغ نہ ہولیں اس وقت تک قربانی نہ کریں۔

فرمایا گیا کہ خدا کی اس نعمت کا شکر ادا کرو کہ باوجود تمہارے کمزور وناتواں ہونے کے ان قوی تر جانوروں پر تمہیں قدرت عطا فرمائی۔ خدا تعالیٰ کی ناشکری وناقدری نہ کرو۔

ثمرات حسن نیت: .... یہاں سے مشرک قوموں کے عقیدے کی تردید کی گئی اور فرمایا گیا کہ تمہاری قربانی کے جانوروں کا نہ گوشت خدا تک پہنچتا ہے اور نہ خون۔ تمہیں تو اجر وثواب تمہاری نیت کے اوپر ملتا ہے۔ اہل کتاب بھی قربانی کے جانوروں کے خون بہانے کو کفارہ کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے۔

اہل بائبل کا عقیدہ تھا کہ آسمان پر دیوتاؤں کی دعوت ہوتی ہے اور ان کے نام کی جو بھینٹ چڑھائی جاتی ہے وہ اس کی خوشبو محسوس کرتے ہیں اور اسے کھاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

زمانہ جاہلیت میں مشرکین یہ کرتے تھے کہ قربانی کے جانور کا گوشت اپنے بتوں کے سامنے رکھ دیتے اور ان پر خون کا چھینٹا دیتے۔ یہ بھی دستور تھا کہ خانہ کعبہ پر قربانی کے گوشت کا خون چھڑکتے۔

مسلمان ہونے کے بعد صحابہؓ نے آنحضور ﷺ سے ان چیزوں کے بارے میں دریافت کیا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان مشرکانہ عقائد سے منع کیا گیا۔

ایک حدیث صحیح میں ہے کہ خدا تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا، نہ اس کی نظر تمہارے مال پر ہے۔ وہ تو تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے اور ثواب تمہارے اخلاص پر ملتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کرو کہ اس نے تمہیں راہ حق پر رکھا۔ ورنہ تم بھی مسیحیوں کی طرح عقائد باطلہ میں مبتلا ہو کر راہ حق سے بھٹک گئے ہوتے۔

فرمایا وہ لوگ جو خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں گے اور اس پر ایمان لائیں گے انہیں یہ کفار کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور نہ انہیں حج وعمرہ وغیرہ سے روک سکیں گے۔ ان کفار ومشرکین کو جو مہلت مل جاتی ہی وہ تو عارضی ہوتی ہی ورنہ نصرت الٰہی کے اصل مستحق تو اہل ایمان ہی ہیں۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ ای لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَنْ یُقَاتِلُوْا وَھٰذِہٖ اَوَّلُ اٰیَۃٍ نَزَلَتْ فِی الْجِھَادِ **بِاَنَّھُمْ** ای بِسَبَبِ اَنَّھُمْ **ظُلِمُوْا** بِظُلْمِ الْکَافِرِیْنَ اِیَّاھُمْ **وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ** ﴿۳۹﴾ **نِالَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ** فِی الْاِخْرَاجِ مَا اُخْرِجُوْا **اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا** ای بِقَوْلِھِمْ **رَبُّنَا اللّٰہُ** وَحْدَہٗ وَھٰذَا الْقَوْلُ حَقٌّ وَالْاِخْرَاجُ بِہٖ اِخْرَاجٌ بِغَیْرِ حَقٍّ **وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ** بَدَلُ بَعْضٍ مِنَ النَّاسِ **بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ** بِالتَّشْدِیْدِ لِلتَّکْثِیْرِ وَبِالتَّخْفِیْفِ **صَوَامِعُ** لِلرُّھْبَانِ **وَبِیَعٌ** کَنَائِسُ لِلنَّصَارٰی **وَّصَلَوٰتٌ** کَنَائِسُ لِلْیَھُوْدِ بِالْعِبْرَانِیَّۃِ **وَّمَسٰجِدُ** لِلْمُسْلِمِیْنَ **یُذْکَرُ فِیْھَا** ای الْمَوَاضِعُ الْمَذْکُوْرَۃُ **اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا** وَتَنْقَطِعُ الْعِبَادَاتُ بِخَرَابِھَا **وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ** ای یَنْصُرُ دِیْنَہٗ **اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ** عَلٰی خَلْقِہٖ **عَزِیْزٌ** ﴿۴۰﴾ مَنِیْعٌ فِیْ سُلْطَانِہٖ وَقُدْرَتِہٖ **اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ** بِنَصْرِھِمْ عَلٰی عَدُوِّھِمْ **اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ** جَوَابُ الشَّرْطِ وَھُوَ وَجَوَابُہٗ صِلَۃُ الْمَوْصُوْلِ وَیُقَدَّرُ قَبْلَہٗ ھُمْ مُبْتَدَأٌ **وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ** ﴿۴۱﴾ ای اِلَیْہِ مَرْجِعُھَا فِی الْاٰخِرَۃِ **وَاِنْ یُّکَذِّبُوْکَ** تَسْلِیَۃٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ **فَقَدْ کَذَّبَتْ قَبْلَھُمْ قَوْمُ نُوْحٍ** تَانِیْثُ قَوْمٍ بِاعْتِبَارِ الْمَعْنٰی **وَّعَادٌ** قَوْمُ ھُوْدٍ **وَّثَمُوْدُ** ﴿۴۲﴾ قَوْمُ صَالِحٍ **وَقَوْمُ اِبْرٰھِیْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ** ﴿۴۳﴾ **وَّاَصْحٰبُ مَدْیَنَ** قَوْمُ شُعَیْبٍ **وَکُذِّبَ مُوْسٰی** کَذَّبَہُ الْقِبْطُ اِلَّا قَوْمَہٗ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ ای کَذَّبَ ھٰؤُلَاءِ رُسُلَھُمْ فَلَکَ اُسْوَۃٌ بِھِمْ **فَاَمْلَیْتُ لِلْکٰفِرِیْنَ** اَمْھَلْتُھُمْ بِتَاخِیْرِ الْعِقَابِ لَھُمْ **ثُمَّ اَخَذْتُھُمْ** بِالْعَذَابِ **فَکَیْفَ کَانَ نَکِیْرِ** ﴿۴۴﴾ ای اِنْکَارِیْ عَلَیْھِمْ بِتَکْذِیْبِھِمْ بِاِھْلَاکِھِمْ وَالْاِسْتِفْھَامُ لِلتَّقْرِیْرِ ای ھُوَ وَاقِعٌ مَوْقِعَہٗ **فَکَاَیِّنْ** ای کَمْ **مِّنْ قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا** وَفِیْ قِرَاءَۃٍ اَھْلَکْتُھَا **وَھِیَ ظَالِمَۃٌ** ای اَھْلُھَا بِکُفْرِھِمْ **فَھِیَ خَاوِیَۃٌ** سَاقِطَۃٌ **عَلٰی عُرُوْشِھَا** سُقُوْفِھَا وَکَمْ مِنْ **بِئْرٍ مُّعَطَّلَۃٍ** مَتْرُوْکَۃٍ بِمَوْتِ اَھْلِھَا **وَّقَصْرٍ مَّشِیْدٍ** ﴿۴۵﴾ رَفِیْعٍ خَالٍ بِمَوْتِ اَھْلِہٖ **اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا** ای کُفَّارُ مَکَّۃَ **فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَھُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِھَآ** مَا نَزَلَ بِالْمُکَذِّبِیْنَ قَبْلَھُمْ **اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِھَا** اَخْبَارَھُمْ بِالْاِھْلَاکِ وَخَرَابِ الدِّیَارِ فَیَعْتَبِرُوْا **فَاِنَّھَا** ای الْقِصَّۃُ **لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ** ﴿۴۶﴾ تَاکِیْدٌ **وَیَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ** بِاِنْزَالِ الْعَذَابِ فَاَنْجَزَہٗ یَوْمَ بَدْرٍ **وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ** مِنْ اَیَّامِ الْاٰخِرَۃِ بِالْعَذَابِ **کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ** ﴿۴۷﴾ بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ فِی الدُّنْیَا **وَکَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اَمْلَیْتُ لَھَا وَھِیَ ظَالِمَۃٌ ثُمَّ اَخَذْتُھَا** الْمُرَادُ اَھْلُھَا **وَاِلَیَّ الْمَصِیْرُ** ﴿۴۸﴾ الْمَرْجِعُ

ع ۶ / ۱۲

ترجمہ: ....اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے انہیں جن سے لڑائی کی جاتی ہے۔ (یعنی مومنین کو کفار سے اور یہ پہلی آیت ہے

جو جہاد کے بارے میں اتری) اس لئے کہ ان (مومنین) پر بہت ظلم ہو چکا اور بے شک اللہ ان کی نصرت پر (ہر طرح) قادر ہے جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے۔ محض اس بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کا زور ایک دوسرے سے نہ گھٹاتا رہتا (بعضهم بدل واقع ہو رہا ہے الناس سے) تو نصاریٰ کی خانقاہیں اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے (اور اس طرح پر عبادات کا سلسلہ ختم ہو جاتا۔ هدمت میں د کے تشدید اور تخفیف دونوں طرح کی قرأت ہے اکثر مفسرینؒ تشدید کے قائل ہیں) اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کے (دین کی) مدد کرے۔ بے شک اللہ قوت والا ہے غلبہ والا ہے (اس کی قوت وطاقت ہر ایک پر غالب ہے) یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں دنیا میں حکومت دے دیں (دشمنوں کے مقابل میں ان کی مدد کر کے) تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوۃ دیں اور دوسروں کو بھی نیک کام کا حکم دیں اور برے کام سے منع کریں (ان مکنا میں جو شرط تھا اقاموا الصلوة اور اس کے بعد کا جملہ اس شرط کا جواب ہے۔ نیز شرط و جواب الشرط دونوں صلہ ہیں الذین موصول کے اس سے قبل ایک مبتداء محذوف ہے یعنی هم) اور انجام سب کاموں کا اللہ ہے کے ہاتھ میں ہی (وہی ہر چیز کا مرجع ہے) اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو (کیا ہوا۔ آنحضور ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ) ان سے قبل قوم نوح و عاد وثمود اور قوم ابراہیم وقوم لوط علیہما السلام اور اہل مدین بھی اپنے اپنے پیغمبروں کو جھٹلا چکے ہیں (عاد سے مراد قوم ہود اور ثمود سے مراد قوم صالح اور اصحاب مدین سے مراد قوم شعیبؑ ہیں) اور موسیٰ علیہ السلام بھی جھٹلائے جا چکے ہیں (اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کی ان کی قوم نے تکذیب نہیں کی تھی لیکن قبطیوں نے آپ کو جھٹلایا تھا تو اے محمد ﷺ آپ کے لئے تو نمونہ موجود ہے پچھلی امتوں میں) سو پہلے تو میں نے کافروں کو مہلت دی (عذاب میں تاخیر کر کے) پھر میں نے انہیں پکڑ لیا (عذاب میں مبتلا کر دیا) پس دیکھو میرا عذاب کیسا ہوا (یعنی ان کی تکذیب کی سزا میری طرف سے ہلاکت کی صورت میں ملی یہاں سے استفہام سوال کے لئے نہیں ہے بلکہ تقریر کے لئے کہ ہم نے جو سزا دی وہ ان کے جرم کے مطابق تھی) غرض کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تباہ کر ڈالا جو نافرمان تھیں (اور کفر میں مبتلا تھیں) ایک قرأت بجائے اهلكتها کے اهلكناها کی ہے) سو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور کتنے ہی بیکار کنوئیں اور بہت سے پختہ محل (خالی اور ویران پڑے ہیں جن میں کوئی رہنے والا بھی نہیں ہے) سو کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں (یعنی کفار مکہ) کہ ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے یہ سمجھنے لگتے (اور معلوم ہو جاتا کہ ان سے پہلے منکرین کو کیا سزا مل چکی ہے) یا کان ایسے ہو جاتے جن سے یہ سننے لگتے (اور پچھلی قوموں کی تباہی کے قصوں سے خبردار ہو جاتے اور عبرت حاصل کرتے) بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں اور آپ سے یہ لوگ عذاب کی جلدی کر رہے ہیں۔ درآنحالیکہ اللہ کبھی اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا (اور پھر وہ جنگ بدر کی صورت میں ہو کر رہا)۔

اور آپ کے پروردگار کے پاس کا ایک دن مثل ایک ہزار سال کے لئے تم لوگوں کے شمار کے مطابق (یعنی آخرت کے عذاب کا ایک دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ تعبدون اور یعبدون دونوں قرأت ہے) اور کتنی ہی بستیاں ہیں (جن کے باشندوں کو) میں نے مہلت دی تھی اور وہ نافرمان تھیں۔ پھر میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری ہی طرف سب کی واپسی ہے۔

تحقیق وترکیب:.............. یقاتلون ۔ مومنین کو مقاتلین کے ساتھ تعبیر کیا۔ وہ اس وجہ سے کہ یہ مومنین اپنی دفاع کے لئے قتال کی اجازت کے طالب تھے یا آئندہ پیش آنے والے واقعات کی مناسبت سے مقاتلین کی تعبیر اختیار کی گئی۔

الذین اخرجوا ۔ یا تو حالت جر میں واقع ہے اور پہلے موصول کا یعنی للذین کا صفت ہے یا اس کا بیان واقع ہو رہا ہے یا پھر بدل ہو اس سے اور یہ بھی ممکن ہے کہ محلاً منصوب بر بنائے مدح ہو اور مبتداء مقدر ہونے کی صورت میں محلاً مرفوع ہونے کا امکان ہے۔

الا ان یقولوا. یہ استثناء منقطع محلاً منصوب ہے۔اس طرح کی صورت میں نصب عام دستور ہے کیونکہ عامل کو مسلط کرنا صحیح نہیں۔عامل کے تسلیط کی صورت میں معنی صحیح نہیں رہتے۔

لھدمت. مشدد اور غیر مشدد دونوں طرح مستعمل ہے۔

صوامع۔صومعه کی جمع ہے جس میں راہب عبادت کرتے ہیں۔

کنائس. کنیسة کی جمع ہے۔یہ بھی عیسائیوں کے عبادت خانہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔عیسائی اپنی نمازیں کنیسہ ہی میں پڑھتے ہیں۔اس لئے صلوٰۃ سے یہاں مراد کنیسہ ہے۔

اقاموا الصلوٰۃ. الذین ان مکناھم فی الارض کا جواب شرط یعنی اقاموا الصلوٰۃ مع اپنے معطوف کے جواب شرط ہے ھم مبتداء ہے صلہ اور موصول دونوں مل کر خبر ہوں گے۔

کذب موسیٰ. کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب خود قوم موسیٰ علیہ السلام نے نہیں کی تھی۔بلکہ قبطیوں نے کی تھی۔ اس وجہ سے قرآن نے یہاں اسلوب بیان میں تبدیلی پیش نظر رکھی۔

﴿ تشریح ﴾:............مشرکین مکہ مسلمانوں کو طرح طرح پریشان کرتے اور تکلیفیں دیتے۔لیکن یہ لوگ ان کے مظالم کو صبر وسکون کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔مگر جب مشرکوں کی بغاوت بڑھ گئی اور ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی تو مسلمان پریشان ہو کر اپنے مال واسباب اپنے اعزہ واقرباء کو چھوڑ کر جسے جہاں موقعہ ملا روانہ ہونے لگے اور بالآخر سرکار دو عالم ﷺ بھی مدینہ کو ہجرت فرما گئے۔اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور پہلی بار مسلمانوں کو ان مشرکین کے مقابلہ کی اجازت ملی اور ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی سنادی گئی کہ خدا تعالیٰ مسلمانوں کی ظاہری بے سروسامانی کے باوجود انہیں غالب کر کے رہے گا جنہیں بلا وجہ ان کے گھروں سے بے گھر کر دیا گیا۔درآنحالیکہ ان کا کوئی جرم نہیں تھا۔سوائے اس کے کہ وہ ان کے دیوی دیوتاؤں کو چھوڑ کر ایک خدا کو مانتے تھے۔

ارشاد ہوا کہ اگر ظالموں اور سرکشوں کا زور انسانوں ہی کے بعض گروہوں کے ذریعہ نہ تڑوادیا جاتا تو زمین میں شر وفساد پھیل جاتا اور جو عمارتیں توحید کا مرکز رہی ہیں۔مثلاً مسجدیں اور اسی طرح اہل کتاب کی مذہبی عمارتیں جو اپنے زمانہ میں توحید کا مرکز تھیں سب ختم ہوگئی ہوتیں۔گویا جہاد کی مشروعیت بھی توحید ہی کی خاطر ہے۔فرمایا گیا کہ اگر مومنین دین حق پر جمے رہے تو خدا تعالیٰ بالآخر غلبہ انہیں کو دے گا اور قوت واقتدار خدا تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

اسی کے ساتھ ان کی تعریف کی گئی کہ اگر ان اہل حق اور سچے مسلمانوں کو حکومت دے دی جائے تو مسجدیں آباد و پر رونق ہو جائیں اور یہ اپنے مال کی زکوٰۃ بھی ادا کریں۔جس سے غریب محتاج لوگوں کی پرورش ہو جایا کرے اور اسی کے ساتھ دوسروں کو بھی نیک کام کا حکم اور برائی سے روکنے کی کوشش کریں۔جس کے نتیجہ میں برائیوں کا خاتمہ ہو جائے اور نیکی وانصاف اور عدالت کا دور دورہ ہو۔آخر میں ارشاد فرمایا گیا کہ سارے کاموں کا انجام خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔لہٰذا اس عارضی ناکامی اور مغلوبیت سے اہل حق کو ہراساں ودل شکستہ نہ ہونا چاہئے۔

تسلی واطلاع:............خدا تعالیٰ آنحضور ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ ان مشرکین کی تکذیب کوئی انوکھی اور نئی چیز نہیں ہے۔یہی معاملہ سارے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کی قوموں نے کیا۔ان منکرین کو سوچنے سمجھنے کا موقعہ دیا گیا کہ اپنے انجام پر غور کر لیں۔ لیکن جب یہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو پھر انہیں سخت سے سخت سزائیں دی گئیں۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ خداتعالیٰ ہر ظالم کو ڈھیل دیتا ہے۔ پھر جب پکڑتا ہے تو چھٹکارا ممکن نہیں اور انہی مشرکین کو خطاب کیا گیا کہ کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ پچھلی قومیں اپنی طاقت وقوت اور مال ودولت وغیرہ کے باوجود اسی تکذیب کے جرم میں کیسی تباہ و برباد کردی گئیں۔ ان کے یہ مال ودولت اور علوم وفنون کوئی بھی ان کی ہلاکت کو روک نہ سکیں اور اگر ان کے ویران اور کھنڈر قلعہ اور محل کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے تو کیا ان کی بربادی وتباہی کے قصے بھی انہوں نے نہیں سنے؟ اور پھر اس سے عبرت حاصل کیوں نہیں کرتے؟ پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ یہ سب کچھ دیکھتے اور سنتے بھی ہیں۔ لیکن ان کے دل ہی اندھے ہوگئے ہیں۔ اس وجہ سے نہ انہیں پچھلی قوموں کی تباہی سے عبرت ہوتی ہے اور نہ ہی اس سے یہ سبق حاصل کرتے ہیں۔

فرمایا گیا کہ یہ منکرین اس مہلت سے فائدہ اٹھانے اور اپنی حالت کی اصلاح کے بجائے انبیاءؑ سے استہزاء اور مذاق میں لگے رہے اور بطور مذاق کے اس کا مطالبہ کرتے رہے کہ یہ عذاب جس سے ہمیشہ ہمیں ڈرایا دھمکایا جاتا ہے وہ جلدی کیوں نہیں آجاتا اور یوم حساب سے پہلے ہی ہمارا معاملہ صاف کیوں نہیں کردیا جاتا ہے۔

جواب دیا گیا کہ ان کے تقاضہ اور مطالبہ عذاب سے کیا ہوگا؟ وہ تو اپنے وقت موعود پر آکر رہے گا اور خدا کے وعدہ میں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا ہے اور یہ کہ ان سے پہلی قوموں نے بھی یہی کیا تھا جس کے نتیجہ میں وہ ہلاک کردیئے گئے اور ان کا بھی یہی حشر ہوکر رہے گا۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَیْ اَھْلُ مَكَّةَ **اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ** ﴿۴۹﴾ بَیِّنُ الْاِنْذَارِ وَاَنَا بَشِیْرٌ لِلْمُؤْمِنِیْنَ **فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ** مِنَ الذُّنُوْبِ **وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ** ﴿۵۰﴾ هُوَ الْجَنَّةُ **وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا** الْقُرْاٰنِ بِاِبْطَالِھَا **مُعٰجِزِيْنَ** مَنِ اتَّبَعَ النَّبِیَّ اَیْ یَنْسِبُوْنَھُمْ اِلَی الْعَجْزِ وَیُثَبِّطُوْنَھُمْ عَنِ الْاِیْمَانِ اَوْ مُقَدِّرِیْنَ عَجْزَنَا عَنْھُمْ وَفِیْ قِرَاءَةٍ مُعَاجِزِیْنَ مُسَابِقِیْنَ لَنَا یَظُنُّوْنَ اَنْ یَفُوْتُوْنَ بِاِنْكَارِھِمُ الْبَعْثَ وَالْعِقَابَ **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ** ﴿۵۱﴾ اَلنَّارِ **وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ** ھُوَ نَبِیٌّ اُمِرَ بِالتَّبْلِیْغِ **وَّلَا نَبِيٍّ** اَیْ لَمْ یُؤْمَرْ بِالتَّبْلِیْغِ **اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى** قَرَاَ **اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ** قِرَاءَتِهٖ مَالَیْسَ مِنَ الْقُرْاٰنِ مِمَّا یَرْضَاهُ الْمُرْسَلُ اِلَیْھِمْ وَقَدْ قَرَاَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سُوْرَةِ النَّجْمِ بِمَجْلِسٍ مِنْ قُرَیْشٍ بَعْدَ اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی بِاِلْقَاءِ الشَّیْطَانِ عَلٰی لِسَانِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَیْرِ عِلْمِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَعُرَبِهٖ تِلْكَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتَھُنَّ لَتُرْتَجٰی فَفَرِحُوْا بِذٰلِكَ ثُمَّ اَخْبَرَهٗ جِبْرَئِیْلُ بِمَا اَلْقَاهُ الشَّیْطَانُ عَلٰی لِسَانِهٖ مِنْ ذٰلِكَ فَحَزِنَ فَسُلِّیَ بِھٰذِهِ الْاٰیَةِ لِیَطْمَئِنَّ **فَيَنْسَخُ اللّٰهُ** یُبْطِلُ **مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ** یُثْبِتُھَا **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ** بِاِلْقَاءِ الشَّیْطَانِ مَا ذُكِرَ **حَكِيْمٌ** ﴿۵۲﴾ فِیْ تَمْكِیْنِهٖ مِنْهُ یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ **لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً** مِحْنَةً **لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ** شَكٌّ وَنِفَاقٌ **وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ** اَیِ الْمُشْرِكِیْنَ عَنْ قُبُوْلِ الْحَقِّ **وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ** الْكَافِرِیْنَ **لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ** ﴿۵۳﴾

خِلَافٍ طَوِيْلٍ مَعَ النَّبِيِّ وَالْمُؤْمِنِيْنَ حَيْثُ جَرَى عَلٰى لِسَانِهِ ذِكْرُ اٰلِهَتِهِمْ بِمَا يُرْضِيْهِمْ ثُمَّ اَبْطَلَ ذٰلِكَ **وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ** التَّوْحِيْدَ وَالْقُرْاٰنَ **اَنَّهُ** اَيِ الْقُرْاٰنُ **الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ** طَرِيْقٍ **مُّسْتَقِيْمٍ** ﴿۵۴﴾ اَيْ دِيْنِ الْاِسْلَامِ **وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ** شَكٍّ **مِّنْهُ** اَيِ الْقُرْاٰنِ بِمَا اَلْقَاهُ الشَّيْطٰنُ عَلٰى لِسَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَبْطَلَ **حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً** اَيْ سَاعَةُ مَوْتِهِمْ اَوِ الْقِيٰمَةُ فَجْأَةً **اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ** ﴿۵۵﴾ هُوَ يَوْمُ بَدْرٍ لَا خَيْرَ فِيْهِ لِلْكُفَّارِ كَالرِّيْحِ الْعَقِيْمِ الَّتِيْ لَا تَاْتِيْ بِخَيْرٍ اَوْ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ لَا لَيْلَ لَهٗ **اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ** اَيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **لِّلّٰهِ** ۭ وَحْدَهٗ وَمَا تَضَمَّنَهٗ مِنَ الْاِسْتِقْرَارِ نَاصِبٌ لِلظَّرْفِ **يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ** ۭ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْكَافِرِيْنَ بِمَا بَيَّنَ بَعْدَهٗ **فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ** ﴿۵۶﴾ فَضْلًا مِنَ اللّٰهِ **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۗئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ** ﴿۵۷﴾ شَدِيْدٌ بِسَبَبِ كُفْرِهِمْ

ترجمہ: .... آپ (ان اہل مکہ سے) کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تو تمہارے لئے صرف ایک صاف صاف ڈرانیوالا ہوں (اور اہل ایمان کو خوشخبری سنانے والا) سو جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک کام کرنے لگے ان کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے اور جو لوگ ہماری آیتوں کے ابطال کی کوشش کرتے رہتے ہیں (انہوں نے مومنین کو عاجز سمجھ رکھا ہے اور انہیں ایمان سے روکنے کی سعی کرتے ہیں یا یہ کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کو عاجز سمجھ لیا ہے اور ایک قرأت میں **معجزین** کے بجائے **معاجزین** ہے **مسابقین** کے معنی میں گویا ان منکرین نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے حشر و نشر کے انکار کے باوجود خدا تعالیٰ ان پر عذاب لانے پر قادر نہیں ہیں) وہی لوگ دوزخی ہیں اور ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا (رسول اسے کہتے ہیں جنہیں تبلیغ پر مامور کیا گیا ہو اور نبی اسے کہتے ہیں جنہیں تبلیغ پر مامور نہ کیا گیا ہو) مگر یہ کہ جب اس نے کچھ پڑھا ہو تو شیطان نے اس کے پڑھنے میں شبہ ڈالا (اور قرآن میں غیر قرآن کو شامل کر دیتا جس سے مشرکین خوش ہوتے۔ ایک مرتبہ جب آنحضور ﷺ نے قریش کی ایک مجلس میں سورۂ نجم کی تلاوت کرتے ہوئے **افرأیتم اللات والعزیٰ ومنٰوۃ الثالثۃ الاخرٰی** کے بعد غیر شعوری طور پر **تلک الغرانیق العلی وانا شفاعتھن لترتجی** بھی تلاوت کردی جو شیطان کی طرف سے اضافہ تھا تو کفار بہت خوش ہوئے۔ جس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اطلاع دی کہ یہ قرآن کی آیت نہیں ہے بلکہ شیطان کی طرف سے اضافہ ہے۔
یہ معلوم ہو کر آنحضور ﷺ بہت غمزدہ ہوئے تو آپ کو آنے والی آیت کے ذریعہ تسلی دی گئی اور مطمئن کیا گیا کہ) اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہ کو مٹا دیتا ہے۔ پھر اللہ اپنی آیات کو اور مضبوط کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب علم والا ہے (اور جانتا ہے اس اضافہ کو جو شیطان کی طرف سے کیا گیا) خوب حکمت والا ہے (لہٰذا شیطان کو جو کچھ انہوں نے اختیار دے رکھا ہے اس میں بھی کوئی حکمت ہوگی اور یہ سب اس لئے ہے) تاکہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ایسے لوگوں کے لئے آزمائش کا ذریعہ بنادے۔ جس کے دل میں (شک کا) مرض ہے اور جن کے دل بہت سخت ہیں (حق بات کے قبول کرنے کے سلسلے میں) اور واقعی یہ ظالم لوگ بڑی مخالفت میں ہیں (آنحضور ﷺ اور مومنین کی۔ اس وجہ سے کہ آنحضور ﷺ کی زبان مبارک پر ان کے معبودوں کا تذکرہ آیا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے

اسے ختم کر دیا) اور (یہ سب اس لئے بھی) تا کہ جن لوگوں کو فہم عطا ہوا ہے (توحید و قرآن کا) وہ یقین کر لیں کہ یہ (قرآن) آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے۔ سو اس کے ایمان پر اور زیادہ قائم ہو جائیں۔ پھر اس کی طرف ان کے دل اور بھی جھک جائیں (اور مکمل طور پر مطمئن ہو جائیں) بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو راہ راست دکھا کر رہتا ہے اور جو کافر ہیں وہ تو ہمیشہ اس کی طرف سے شک ہی میں پڑے رہتے ہیں (یعنی قرآن کے بارے میں اور اس چیز کے بارے میں جن کا شیطان نے قرآن میں اضافہ کر دیا تھا۔ لیکن پھر خدا تعالیٰ نے اسے ختم کر دیا) یہاں تک کہ ان پر قیامت یک بیک آ پہنچی یا ان پر بے برکت دن کا عذاب آ پہنچے (اور وہ یوم بدر ہے۔ جس دن کہ کفار کے لئے کوئی خیر نہیں تھی یا وہ قیامت کا دن ہے) حکومت اس روز اللہ ہی کی ہوگی (قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو کچھ اختیار نہ ہوگا) اور وہ ان سب کے درمیان فیصلہ کر دے گا (یعنی مومنین و کافرین کے درمیان اور وہ فیصلہ کیا ہوگا اس کی تفصیل آ رہی ہے) سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے وہ (خدا تعالیٰ کے فضل سے) عیش کے باغوں میں ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا سو ان کے لئے تو عذاب ذلت والا ہوگا (ان کے کفر کی وجہ سے)۔

تحقیق وترکیب: .... تمنی. اس کے معنی جس طرح تمنا کرنے کے ہیں اسی طرح پڑھنے کے بھی ہیں۔ اور یہی معنی یہاں مراد ہیں۔

القی الشیطن. شیطان سے مراد جنس شیطان مراد لیا گیا ہے۔ جو سارے شیاطین جن و انس کو شامل ہے۔

تلك الغرانیق. یہ غرنوق کی جمع ہے ایک پرندہ کالا یا سفید رنگ کا ہوتا ہے۔ بعض لغات میں ہے کہ یہ آبی جانور ہے۔ جیسا کہ بط جو کبھی پانی میں اندر کی جانب غوطہ زن ہوتی ہے اور کبھی سطح پانی پر آ جاتی ہے۔ مشرکین کا خیال تھا کہ بت ان کے لئے خدا کے یہاں سفارشی ہوں گے۔ گویا کہ بت آسمان پر چڑھتے اترتے ہیں۔ اس لئے اسے بط سے تشبیہ دیتے ہوئے غرنوق کہا گیا۔

والقاسیة. قسوۃ کے معنی دل کی سختی کے ہیں۔

یوم عقیم. عقیم کے معنی بانجھ کے ہیں۔ عقیم کی نسبت اس وجہ سے دن کی طرف کی کہ اس دن میں کوئی خیر نہیں ہے۔

فی مریة. میں منه کی ضمیر سے مراد وہ حکم بھی ہو سکتا ہے جس سے متعلق شیطان نے وسوسہ اندازی کی ہے۔ یا خود قرآن اور آنحضور ﷺ بھی مراد ہیں۔

﴿تشریح﴾: .... آنحضور ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ ان لوگوں میں جو عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں اعلان کر دیجئے کہ میں تو صرف خدا کا بھیجا ہوا ہوں۔ تاکہ تمہیں چوکنا کر دوں اور خدا کے عذاب کی اطلاع دے دوں۔ اس سے زیادہ میرا کوئی اختیار نہیں۔ لہٰذا تمہارے حسب فرمائش اگر میں عذاب نہ لاسکوں تو اس سے نفس عذاب کی نفی یا تکذیب نہیں ہو سکتی ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ تم میں سے کس کی قسمت میں ہدایت ہے اور کون ہدایت سے محروم رہنے والا ہے؟ میں تو صرف اس کی اطلاع دینے آیا ہوں کہ جس کے دل میں یقین و ایمان ہے اور ساتھ ہی اعمال صالحہ بھی تو اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور اس کی نیکیوں کے بدلہ میں اسے جنت ملے گی اور جو ہدایت سے محروم ہیں اور دوسروں کو بھی اطاعت خداوندی سے روکتے ہیں تو وہ جہنمی ہیں اور ان کے لئے سخت سے سخت عذاب ہے۔

شیطانی وساوس اور ان کی پادر ہوائی: .... آنحضور ﷺ کو مخاطب کیا گیا اور تسلی دی گئی کہ آپ سے پہلے بھی شیطان نے منکرین کے دل میں وسوسے ڈالے اور یہ اہل باطل اسی شیطانی حربہ سے کام لے کر انبیاء کرامؑ سے مقابلہ کرتے رہے ہیں۔ اس لئے اگر آپ کے ساتھ اس طرح کی کوئی بات پیش آئے تو یہ کوئی نادر اور نئی بات نہیں...... اس موقعہ پر بہت سے سادہ لوح مفسرین نے **غرانیق العلیٰ** کا ایک لغو قصہ نقل کیا ہے اور یہ بھی کہ اس واقعہ کے بعد اکثر مہاجرین حبش یہ سمجھ کر کہ مشرکین اب ایمان لے آئے ہیں۔ وہ سب کے سب مکہ واپس لوٹ آئے۔ لیکن یہ ساری روایتیں قطعاً لغو اور غلط ہیں۔

مشہور یہ کیا گیا کہ ایک مرتبہ آنحضور ﷺ مکہ میں سورۂ والنجم کی تلاوت فرما رہے تھے تو جب آپ آیت **افرأیتم اللات والعزّٰی ومنٰوۃ الثالثۃ الاخریٰ** پر پہنچے تو شیطان نے آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ ڈال دیئے کہ **تلک الغرانیق العلی وان شفاعتهن لترتجیٰ** جسے مشرکین سن کر جو مجلس میں موجود تھے بہت خوش ہوئے کہ آج تو آنحضور ﷺ نے ہمارے معبودوں کی تعریف کر دی۔ جو اس سے پہلے آپ نے کبھی نہیں کی۔ اور جب آنحضور ﷺ سجدہ میں گئے تو یہ مشرکین بھی خوشی کے عالم میں آپ کے ساتھ سجدہ میں شریک ہو گئے۔ جس سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ مشرکین بھی ایمان لے آئے ہیں۔ یہ واقعہ اور طریقوں سے بھی بیان کیا گیا ہے۔ لیکن محققین نے ان تمام واقعات کی شدت کے ساتھ تردید کی ہے۔

کیونکہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ جب آپ پر وحی اترتی تو فرشتوں کی ایک بڑی جماعت آپ کو احاطہ میں لے لیتی۔ تاکہ شیطان وحی میں کچھ خلط ملط نہ کر دے۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ شیطان کا اس طرح کا کوئی حربہ کس طرح کامیاب ہو سکتا تھا۔

نیز خود قرآن میں ہے کہ شیطان نے خدا تعالیٰ کے سامنے اس کا اظہار کیا کہ آپ کے مخلص بندوں پر میری کوئی چال کامیاب نہیں ہو سکتی ہے تو پھر انبیاء کرامؑ سے بڑھ کر کون مخلص ہو سکتا ہے۔ لہٰذا یہ قصہ نہ روایۃً قابل قبول ہے اور نہ درایۃً۔

چنانچہ مشہور ترین سیرت نگار رسول ابن اسحٰق کا قول مشہور مفسر فخر الدینؒ رازی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہ قصہ زندیقوں کا گھڑا ہوا ہے اور انہوں نے اس کے رد میں پوری کتاب لکھ دی ہے اور اسی طرح امام بیہقیؒ نے کہا ہے کہ یہ قصہ روایۃ بے اصل ہے۔ اس کے راوی مطعون ہیں اور یہ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے۔ فخر الدین رازی ہی نے لکھا ہے کہ یہ غلط روایت جتنے طریقوں سے بھی آئی ہے کوئی بھی اس میں سند متصل کے ساتھ نہیں ہے بلکہ سب کی سب روایتیں منقطع اور مرسل ہیں۔ اس لئے قابل توجہ نہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے جوابات دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک جواب یہ بھی ہے کہ یہ الفاظ شیطان نے مشرکین کے کانوں میں ڈالے اور انہیں وہم میں ڈال دیا کہ یہ الفاظ آنحضور ﷺ کے منہ سے نکلے ہیں۔ حالانکہ یہ تو صرف شیطانی حرکت تھی۔

پھر فرمایا گیا کہ اگر شیطان اپنی طرف سے کچھ اضافہ کر دیتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کا ازالہ فرما دیتے ہیں۔ نسخ کے معنی ازالہ اور رفع کے ہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ اس زیادتی کو جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ختم کرا دیتے ہیں اور اس طرح پر آیات قرآنی واضح اور مستحکم ہو جاتی ہے۔

خدا تعالیٰ حکیم ہیں۔ ان کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ بھی حکمت سے خالی نہیں تھا۔ اس وجہ سے کہ یہ شیطانی وسوسے ان لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں شرک و کفر ہے اور جو نفاق میں مبتلا ہیں۔ ان کے لئے فتنہ بن جائے اور واقعہ یہی ہوا کہ مشرکین نے اس شیطانی وسوسے کو خدا تعالیٰ کی جانب سے سمجھ لیا۔ حالانکہ یہ الفاظ خدا کے نہیں بلکہ شیطان کی جانب سے تھے اور دوسری طرف اہل حق کے لئے ان کے ایمان میں اضافہ اور ان کے یقین کے مستحکم ہونے کا ذریعہ بنیں۔ جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ انہیں عذاب سے محفوظ رکھتا ہے اور نعمت اخروی سے مالا مال فرماتا ہے۔

مایوسی: .... ارشاد خداوندی ہے کہ یہ کفار جن کے دلوں میں قرآن اور وحی الٰہی کی طرف سے شکوک وشبہات ہیں وہ تا قیامت ان کے دلوں سے نہیں نکل سکتے ہیں۔ شیطان انہیں اپنے مکروفریب میں ہمیشہ مبتلا رکھے گا۔ نیز جس طرح ایمان کی برکت سے دن بدن قلب میں نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح کفر وشرک کی نحوست سے قلب میں تاریکی اور ظلمانیت میں اضافہ ہوتا ہے اور انہیں اس وقت جومہلت ملی ہوئی ہے اس سے ان کے دماغ میں کبروغرور بھر رہا ہے۔ یہ اس وقت ہوش میں آئیں گے جب اچانک ان کے پاس قیامت کا عذاب آ پہنچے گا یا وہ نامبارک دن کے عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے جو ان کے لئے منحوس ثابت ہوگا۔ بعضوں کی رائے ہے کہ اس سے بدر کا دن مراد ہے۔ جو ان کے لئے ہر طرح کے عذاب کا دن تھا۔ یا یہ کہ ان سے مراد قیامت ہی کا دن ہے اور مکرر لانے سے مقصد اس دن کی شدت بیان کرنا مقصود ہو۔ یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

اس دن صرف خدا ہی کی بادشاہت ہوگی۔ ویسے حکومت تو آج بھی اللہ ہی کی ہے۔ مگر درمیان میں پردے پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن قیامت کے دن یہ حجابات دور ہو جائیں گے اور ہر شخص کو براہ راست خدا تعالیٰ کی حکومت کا مشاہدہ ہو جائے گا۔ وہ دن کفار پر بہت سخت ہو کر گزرے گا۔ خدا تعالیٰ خود فیصلے کریں گے۔ جن کے دلوں میں ایمان، رسول کی صداقت اور اس کی لائی ہوئی شریعت کی حقانیت پر یقین ہوگا وہ جنت کی نعمتوں سے مالا مال ہوں گے اور جو اس دنیا میں شرک وکفر اور سرکشی میں مبتلا رہے ان کے لئے دردناک اور ذلت آمیز عذاب ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَىْ طَاعَتِهٖ مِنْ مَّكَّةَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ **ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا** هُوَ رِزْقُ الْجَنَّةِ **وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ** ﴿۵۸﴾ اَفْضَلُ الْمُعْطِيْنَ **لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا** بِضَمِّ الْمِيْمِ وَفَتْحِهَا اَىْ اِدْخَالًا اَوْ مَوْضَعًا **يَّرْضَوْنَهٗ** وَهُوَ الْجَنَّةُ **وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ** بِنِيَّاتِهِمْ **حَلِيْمٌ** ﴿۵۹﴾ عَنْ عِقَابِهِمُ الْاَمْرُ **ذٰلِكَ** الَّذِىْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ **وَمَنْ عَاقَبَ** جَازٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ **بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ** ظُلْمًا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اَىْ قَاتَلَهُمْ كَمَا قَاتَلُوْهُ فِى الشَّهْرِ الْمُحَرَّمِ **ثُمَّ بُغِىَ عَلَيْهِ** مِنْهُمْ اَىْ ظُلِمَ بِاِخْرَاجِهٖ مِنْ مَنْزِلِهٖ **لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ** عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ **غَفُوْرٌ** ﴿۶۰﴾ لَهُمْ عَنْ قِتَالِهِمْ فِى الشَّهْرِ الْحَرَامِ **ذٰلِكَ** النَّصْرُ **بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ** اَىْ يُدْخِلُ كُلًّا مِنْهُمَا فِى الْاٰخَرِ بِاَنْ يَزِيْدَ بِهٖ وَذٰلِكَ مِنْ اَثَرِ قُدْرَتِهِ الَّتِىْ بِهَا النَّصْرُ **وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ** دُعَاءَ الْمُؤْمِنِيْنَ **بَصِيْرٌ** ﴿۶۱﴾ بِهِمْ حَيْثُ جَعَلَ فِيْهِمُ الْاِيْمَانَ فَاَجَابَ دُعَاءَهُمْ **ذٰلِكَ** النَّصْرُ اَيْضًا **بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ** الثَّابِتُ **وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ يَعْبُدُوْنَ **مِنْ دُوْنِهٖ** وَهُوَ الْاَصْنَامُ **هُوَ الْبَاطِلُ** الزَّائِلُ **وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِىُّ** اَىِ الْعَالِىْ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ بِقُدْرَتِهٖ **الْكَبِيْرُ** ﴿۶۲﴾ الَّذِىْ يَصْغُرُ كُلُّ شَىْءٍ سِوَاهُ **اَلَمْ تَرَ** تَعْلَمْ **اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً** مَطَرًا **فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً** بِالنَّبَاتِ وَهٰذَا مِنْ اَثَرِ قُدْرَتِهٖ **اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ** بِعِبَادِهٖ فِىْ اِخْرَاجِ النَّبَاتِ بِالْمَاءِ

خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ بِمَا فِي قُلُوْبِهِمْ عِنْدَ تَاخِيرِ الْمَطَرِ **لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ** عَلٰى جِهَةِ الْمُلْكِ **وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ** عَنْ عِبَادِهِ **الْحَمِيْدُ** ﴿۶۴﴾ لِاَوْلِيَائِهِ

ترجمہ: ....اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑا (اور مکہ سے مدینہ کو ہجرت کر گئے) پھر وہ مارے گئے یا مر گئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں یقیناً بہترین رزق دے کر رہے گا (اور وہ جنت کی نعمت ہوگی) اور اللہ ہی سب رزق دینے والوں سے بہتر (دینے والا) ہے اور وہ انہیں ایسی جگہ داخل کرے گا جسے وہ بہت پسند کریں گے (یعنی جنت میں مدخلا میم کے ضمہ اور فتحہ دونوں طرح ہے) اور بے شک اللہ بڑا علم والا ہے (لوگوں کی نیتوں سے واقف ہے) بڑا علم والا ہے (یہ بات تو ہو چکی) اور جو شخص اسی قدر تکلیف پہنچائے، جتنی تکلیف اسے پہنچائی گئی (یعنی مومنین کو جتنی تکلیف پہنچی تھی اس کے برابر انہوں نے بدلہ لے لیا اور معاملہ برابر ہو گیا لیکن (اگر) پھر اس پر زیادتی کی جائے (اور انہیں ان کے گھروں سے نکالا جائے) تو اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ بڑا بخشنے والا ہے۔ یہ (یعنی مومنین کی نصرت وغلبہ) اسی سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کو داخل کر دیتا ہے دن میں اور دن کو داخل کر دیتا ہے رات میں (اور اسی طرح پر کبھی دن چھوٹا ہے اور کبھی رات چھوٹی ہو جاتی ہی تو جو ہستی اس پر قادر ہو سکتی ہے وہ مومنین کی مدد پر کیوں نہیں قادر ہو سکتی ہے) اور اس سبب سے کہ اللہ بڑا سننے والا ہے (مومنین کی دعا کو) بڑا دیکھنے والا ہے (مومنین کی ضرورتوں کو۔ اس وجہ سے کہ ان کی دعاؤں کو قبول کر لیا۔ کیونکہ ان کے دلوں میں ایمان تھا) یہ (نصرت) اس لئے بھی ہوگی کہ اللہ ہی تو بس حق ہے اور اس کے سوا یہ جس کو پکار رہے ہیں (بتوں میں سے) وہ بالکل باطل ہے اور اللہ ہی تو عالیشان ہے سب سے بڑا ہے (اس کے سوا جو چیز بھی ہے سب اس سے کمتر ہے) کیا تو یہ نہیں دیکھتا کہ اللہ ہی آسمان سے پانی برساتا ہے۔ سو زمین سرسبز ہو جاتی ہی (یہ سب خدا تعالیٰ کی قدرت میں ہے) بے شک اللہ بڑا مہربان ہے (اپنے بندوں پر پانی برسا کر سبزیاں اگا دیتا ہے) بڑا خبر رکھنے والا ہے (ان چیزوں کا جو لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ بارش میں تاخیر ہو جانے کی وجہ سے) اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہی بے نیاز ہے (اپنے بندوں سے) اور ہر تعریف کا سزاوار ہے۔

تحقیق وترکیب: ....**والذین ھاجروا** متبداء ہے اور **لیرزقنھم** اس کی خبر۔

مدخلا میم کے ضمہ اور فتحہ دونوں طرح ہے یا یہ مصدر ہوگا ادخال کے معنی میں یا اسم مکان ہوگا اور جگہ کا معنی کیا جائے گا۔

خیر الرازقین۔ رزق کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ صرف کھانا پینا ہی مراد نہیں بلکہ ہر طرح کی نعمتیں وآسائشیں مراد ہو سکتی ہیں۔

ذالک۔ یہ خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ **الامر الذین قصصنا علیک ذلک**۔

عاقب۔ یہ ماخوذ ہے تعاقب سے جس کے معنی پیچھا کرنے کے ہیں۔ بدلہ لینے کے لئے یہ لفظ اسی وجہ سے استعمال ہوا کہ بدلہ کا وقوع بھی بعد میں ہی ہوتا ہے۔

یدعون۔ بعضوں نے اسے تاء کے ساتھ **تدعون** پڑھا ہے۔ لیکن اکثر کے نزدیک **یدعون** یا کے ساتھ ہے۔

فتصبح۔ اس کا عطف **انزل** پر ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ آسمان سے پانی برساتا ہے جس سے زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ یا **فتصبح** میں فا عاطفہ نہ ہو بلکہ سببیت کے لئے ہو۔ اگر فا سببیہ ہوگی تو کسی ضمیر کو مقدر ماننے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور **الم تر**۔ استفہام کا یہاں کوئی جواب نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو منصوب ہوتا بلکہ **الم تر** خبر کے معنی میں ہے۔ جس کا مفہوم (تم دیکھ رہے ہو) اور اگر جواب کو منصوب مانا گیا تو اخضرار کی نفی ہو جائے گی۔ حالانکہ اخضرار کو ثابت کرنا ہے اور **تصبح** جو مضارع سے ماخوذ کیا گیا ہے یہ بتانا ہے کہ

بارش کے اثرات ممتد رہتے ہیں۔

اپنی نعمتوں کے مستحق لوگوں کو خوب جانتا ہے اور ہر واقعہ کی حکمت و مصلحت اس پر اچھی طرح واضح رہتی ہے۔ اس لئے مومنین کو اگر دنیا میں ناکامی کا سامنا ہو تو اس سے مایوس و بددل ہرگز نہ ہونا چاہئے۔

اور خدا تعالیٰ حلیم بھی ہیں۔ چنانچہ بڑے سے بڑے مجرموں اور سرکشوں کو بھی فوری سزا نہیں دیتے ہیں بلکہ اسے مہلت دیتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر وہ نہیں سنبھلتا ہے تو پھر عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

اس کے بعد کی آیت ان مومنین کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن سے مشرکین کے ایک لشکر نے باوجود اس کے رک جانے کے حرمت والے مہینہ میں جنگ کی تو خدا تعالیٰ نے کفار کے مقابلہ میں ان مومنین کی مدد فرمائی اور مشرکین ناکام ہوئے۔ انہی کے بارے میں ارشاد ہے کہ ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص پر اس کے کسی دشمن نے ظلم کیا اور اس نے اس ظلم کا بدلہ لیا۔ گویا معاملہ برابر ہو گیا۔ لیکن پھر مظلوم پر از سر نو زیادتی کی گئی تو اس مظلوم یعنی مومن کی خدا تعالیٰ مدد فرمائے گا۔ دنیا اور آخرت میں بھی اور بے شک خدا تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے۔

خدا غالب ہے: .... پھر ارشاد ہوا کہ تمام چیزوں کا خالق اور ہر چیز کا متصرف صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ رات کی تاریکی اور سناٹے کو دن کی روشنی اور چہل پہل میں اور اسی طرح دن کے ہنگامہ اور چہل پہل کو رات کے خاموش سناٹے میں تبدیل کر دیتا ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں کبھی رات بڑی اور دن چھوٹا اور کبھی دن چھوٹا رات بڑی ہو جاتی ہے اور اس طرح کے بے پناہ کارنامے دن رات اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو جو ذات اس قدر کامل و مکمل ہو اور جس کا نظام اس درجہ مستحکم ہو تو اس کے لئے مومنین کی نصرت میں کونسی تعجب کی بات ہے۔ وہ ظالموں کے ظلم کو دیکھ رہا ہے اور اسی طرح مظلوموں کی مظلومیت اس پر روشن ہے۔ لہٰذا اسی کی ذات کامل اور اسی کی نصرت حقیقی ہے۔ ان کے مقابل میں یہ مشرکین جن معبودوں کی نصرت و حمایت پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں سب باطل اور بیکار ہیں۔

خدا تعالیٰ اپنے اسی غلبہ و اقتدار کو بیان فرما رہے ہیں کہ سوکھی اور غیر آباد زمین پر اس کے حکم سے بارشیں برستی ہیں۔ جس کے نتیجہ میں اچانک ان غیر آباد زمینوں میں تبدیلی آتی ہے اور وہ سرسبز ہو جاتی ہیں۔ وہی اپنے بندوں کی ضرورتوں سے اچھی طرح واقف ہے اور پھر ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا انتظام کرتے رہتے ہیں۔ وہی ہر چیز کا مالک ہے اور ہر ضرورت اور ہر حاجت سے بالاتر، نیز ہر ایک کی نصرت و اعانت سے نیاز، غرض یہ کہ وہ جامع کمالات ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ مِنَ الْبَهَائِمِ **وَالْفُلْكَ** اَلسُّفُنُ **تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ** لِلرُّكُوْبِ وَالْحَمْلِ **بِاَمْرِهٖ** بِاِذْنِهٖ **وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ** مِنْ **اَنْ** اَوْلِئَلَّا **تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ** فَتَهْلِكُوْنَ **اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ** ﴿۶۵﴾ فِى التَّسْخِيْرِ وَالْاِمْسَاكِ **وَهُوَ الَّذِىْٓ اَحْيَاكُمْ** بِالْاِنْشَاءِ **ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ** عِنْدَ اِنْتِهَاءِ اٰجَالِكُمْ **ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ** عِنْدَ الْبَعْثِ **اِنَّ الْاِنْسَانَ** اَىِ الْمُشْرِكُ **لَكَفُوْرٌ** ﴿۶۶﴾ لِنِعَمِ اللّٰهِ بِتَرْكِهٖ

تَوْحِيْدَهٗ **لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا** بِفَتْحِ السِّيْنِ وَكَسْرِهَا شَرِيْعَةً **هُمْ نَاسِكُوْهُ** عَامِلُوْنَ بِهٖ **فَلَا يُنَازِعُنَّكَ** يُرَادُ بِهٖ لَا تُنَازِعْهُمْ **فِي الْاَمْرِ** اَمْرِ الذَّبِيْحَةِ اِذْ قَالُوْا مَاقَتَلَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَاكُلُوْهُ مِمَّا قَتَلْتُمْ **وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ** اَىْ اِلٰى دِيْنِهٖ **اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى** دِيْنٍ **مُّسْتَقِيْمٍ** ﴿۶۷﴾ **وَاِنْ جَادَلُوْكَ** فِىْ اَمْرِ الدِّيْنِ **فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ** ﴿۶۸﴾ فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ وَهٰذَا قَبْلُ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ **اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ** اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْكَافِرُوْنَ **يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ** ﴿۶۹﴾ بِاَنْ يَّقُوْلَ كُلٌّ مِنَ الْفَرِيْقَيْنِ خِلَافُ قَوْلِ الْاٰخَرِ **اَلَمْ تَعْلَمْ** اَلْاِسْتِفْهَامُ فِيْهِ لِلتَّقْرِيْرِ **اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَافِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّ ذٰلِكَ** اَىْ مَاذُكِرَ **فِىْ كِتٰبٍ** هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ **اِنَّ ذٰلِكَ** اَىْ عِلْمُ مَاذُكِرَ **عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ** ﴿۷۰﴾ سَهْلٌ **وَيَعْبُدُوْنَ** اَىِ الْمُشْرِكُوْنَ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ** هُوَ الْاَصْنَامُ **سُلْطٰنًا** حُجَّةً **وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ** اَنَّهَا اٰلِهَةٌ **وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ** بِالْاِشْرَاكِ **مِنْ نَّصِيْرٍ** ﴿۷۱﴾ يَمْنَعُ عَنْهُمْ عَذَابَ اللّٰهِ **وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا** مِنَ الْقُرْاٰنِ **بَيِّنٰتٍ** ظَاهِرَاتٍ حَالٌ **تَعْرِفُ فِىْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ** اَىِ الْاِنْكَارَ لَهَا اَىْ اَثَرَهٗ مِنَ الْكَرَاهَةِ وَالْعُبُوْسِ **يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا** اَىْ يَقَعُوْنَ فِيْهِمْ بِالْبَطْشِ **قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ** اَىْ بِاَكْرَهَ اِلَيْكُمْ مِنَ الْقُرْاٰنِ الْمَتْلُوِّ عَلَيْكُمْ هُوَ **اَلنَّارُ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** بِاَنَّ مَصِيْرَهُمْ اِلَيْهَا **وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ** ﴿۷۲﴾ هِىَ

ترجمہ:............ کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ نے تمہارے واسطے کام میں لگا رکھا ہے اس کو بھی جو کچھ زمین پر ہے (چوپایہ وغیرہ) اور کشتی کو بھی کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے (سواری اور سامان کو لانے لے جانے کی غرض سے) اور وہی آسمانوں کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے مگر ہاں کہ اسی کا حکم ہو جائے (تو وہ آسمان گر پڑے اور لوگ ہلاک ہو جائیں) بے شک اللہ تو انسانوں پر بڑا شفقت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے (کہ چیزوں کو انسان کے قبضہ میں دے رکھا ہے) اور وہ وہی ہے جس نے تم کو زندگی دی۔ پھر تمہیں موت دے گا (جب تمہاری عمر پوری ہو جائے گی) پھر تم کو جلائے گا (حشر ونشر کے وقت) بے شک انسان (یعنی مشرک) بڑا ناشکرا ہے (اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں کے باوجود ایمان نہیں لاتا) ہم نے ہر امت کے واسطے ایک طریقہ ذبح کا مقرر کر رکھا ہے (منسکاً میں س کو کسرہ اور فتحہ دونوں ہیں معنی میں طریقہ کے) وہ اس پر چلنے والے ہیں۔ سو انہیں نہ چاہئے کہ آپ سے جھگڑا کریں اس امر (ذبح) میں (اور یہ کہیں کہ خدا کا مارا ہوا زیادہ مستحق ہے کھائے جانے کا بمقابلہ ان جانوروں یا پرندوں کے کہ جس کو انسان نے مارا ہے) اور آپ ان کو اپنے پروردگار (کے دین) کی طرف بلاتے رہئے۔ بے شک آپ ہی سیدھے راستہ پر ہیں۔ اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا نکالتے رہیں (امور دین میں) تو کہہ دیجئے کہ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو (وہی تم کو اس کا بدلہ دے گا۔ یہ حکم احکامات جنگ سے پہلے کا ہے) اللہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا قیامت کے دن (اے مومنین ومشرکین) جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو (اور ایک دوسرے کے قول کی مخالفت کرتے رہتے ہو) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ یہ سب

(قول وفعل) نامہ اعمال میں درج ہیں۔ بے شک یہ (یعنی فیصلہ) اللہ کے نزدیک بہت آسان ہے۔ یہ لوگ (یعنی مشرکین) اللہ کی سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن (کے جواز عبادت) پر اللہ نے کوئی حجت نہیں اتاری ہے۔ اور نہ ان کے پاس اس کے معبود ہونے کے) لئے کوئی دلیل ہے اور نہ ان ظالموں کا کوئی مددگار ہوگا (جو ان کے عذاب کو روک دے) اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں (جن کے مضامین) خوب واضح ہیں تو آپ ﷺ کافروں کے چہروں پر (بوجہ ناگواری کے) برے اثرات دیکھتے ہیں۔ گویا یہ لوگ ان پر حملہ کر بیٹھیں گے جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں (شدت ناراضگی کی وجہ سے) آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں اس (قرآن) سے بڑھ کر ناگوار چیز بتاؤں وہ دوزخ ہے۔ اللہ نے اس کا کافروں سے وعدہ لے رکھا ہے (بطور ٹھکانہ کے) اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

تحقیق وترکیب:........... **والفلک** عام طور پر فلک منصوب پڑھا گیا ہے جس کی دو وجہ ہیں۔ اول یہ کہ اس کا عطف **وما فی الارض** پر ہے ترجمہ یہ ہوگا کہ تمہارے لئے جہازوں کو مسخر کردیا ہے۔ بظاہر جب مافی الارض کی تسخیر کی اطلاع دے دی گئی تھی تو **الفلک** کا تذکرہ غیر ضروری تھا لیکن دوسری صورت یہ ہے کہ عطف جلالت وعظمت ربانی پر ہو جو یہاں مقدر ہے اور اس سے پہلے **الم تر** کو مقدم مانا جائے مطلب یہ ہوگا کہ ذرا خدا تعالیٰ کی شان اور بے پناہ قدرتوں کو دیکھو کہ جہاز کس طرح پانی کی سطح پر تیرتے ہیں۔

یمسک السمآء. اصل میں تو اس سے مقصود توحید پر استدلال ہے۔ ویسے بارش اور بادل بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

ان تقع. اصلاً یہ من **ان تقع** یالان **لاتقع** ہے۔ **ان تقع** محلاً منصوب ہے یا مجرور اور حرف جر مقدر تقدیر عبارت **من ان تقع** بعضوں نے **السماء** سے بدل مشتمل مان کر اسے محلاً منصوب بھی کہا ہے۔ جبکہ بعض مفعول لہ ہونے کی بناء پر منصوب پڑھتے ہیں۔

الا باذنہ. بظاہر یہ استثناء عام حالات سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان زمین پر کسی وقت اور کسی حال میں بھی نہیں گر سکتا۔ الا یہ کہ خدا تعالیٰ ہی کی مشیت وارادہ ہو۔

منسکاً. **منسک** اصل معنی تو اگرچہ موضع ذبح کے ہے۔ لیکن یہ لفظ جملہ عبادت کے لئے عام ہے اور بعض نے کہا ہے کہ منسک یہاں شریعت کے مترادف ہے۔

فی الامر. یعنی مسئلہ جواز ذبیحہ میں۔

یکادون کے لفظی معنی کسی فعل یا عمل کے قریب ہو جانے کے ہیں۔

یکادون یسطون. یہ جملہ حال ہے۔ **الذین** موصول سے یا اس کا ذوالحال **وجوہ** ہے جس سے اشخاص مراد ہیں اور **یسطون. یبطشون** کے معنی میں ہے۔ اسی لئے اس کا صلہ وہی استعمال ہوا جو بطش کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

النار. یہ خبر ہے مبتداء محذوف کی اور یہ گویا کہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ سب سے زیادہ ان کے حق میں خوفناک کیا ہوگی۔ **النار** اسی سوال کا جواب ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مبتداء ہو اور خبر **وعدھا اللّٰہ** ہو۔

سمین نامی کتاب میں ہے کہ **النار** پر تینوں اعراب آ سکتے ہیں۔ مبتداء یا خبر ہونے کی بناء پر رفع **اعنی** مضمر ہونے کی بناء پر نصب اور بشر سے بدل ہونے کی بناء پر جر۔

شان نزول:........... بعض مشرکین مثلاً بدیل بن ورقاء وبشر بن سفیان اور یزید بن خنیس وغیرہ نے مسلمانوں سی یہ کٹ حجتی کردی کہ تم اپنے مارے ہوئے یعنی ذبح کئے ہوئے کو تو جائز سمجھ کر کھاتے ہو اور خدا کے مارے ہوئے یعنی مردار کو ناجائز سمجھتے ہو حالانکہ خدا کا

ماراہوا کھانے کے لئے مناسب ہونا چاہئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی فلا ینازعنک فی الامر الخ۔

﴿ تشریح ﴾:.............. خدا تعالیٰ کے اسی غلبہ وقدرت کا بیان ہے کہ یہی وہ ذات ہے جس نے آسمان وزمین کی تمام چیزوں کو انسانوں کے ماتحت کردیا۔ اسی کے فضل وکرم سے یہ بحری جہاز وکشتیاں انسانوں کی سواری اور اس کے اسباب وسامان کو لانے لے جانے کے کام آرہی ہیں۔ گویا اس سارے کارخانہ کو انسانوں کے کام میں لگانے والا اور بحری قوتوں کو انسانوں کے لئے مسخر کرنے والا، اسی طرح زمین جو آسمان کو موجود ہیئتوں پر برقرار رکھنے والا وہی ذات واحد ہے۔ کوئی اور دیوی اور دیوتا ان کاموں میں شریک نہیں۔ جیسا کہ مشرکین کا خیال ہے۔ یہ اس کی صفت رحمت کا نتیجہ ہے کہ انسانوں کو ان تمام چیزوں پر قدرت دے رکھی ہے اور انسان تمام پر حاوی ہے۔

نیز وہی ذات واحد ہے جس نے سب کو پیدا کیا اور پھر انہیں فنا کردے گا اور اس کے بعد دوبارہ زندگی دے گا۔ ساری تصرفات کی مرکز اسی کی ذات ہے۔ اسی لئے واقعی قابل پرستش اور لائق عبادت خدا تعالیٰ ہی ہیں۔ یہ بہت بڑی ناشکری وناقدری ہے کہ خدا تعالیٰ کی طاقت وقوت کو دیکھتے ہوئے بھی انسان کفر وشرک میں مبتلا ہے اور معبودان باطل کی عبادت میں لگا ہوا ہے۔ لہٰذا ان تمام شرک وکفر کو چھوڑ کر خالص خدا کی عبادت میں لگ جانا چاہئے۔

ہر قوم راست راہے، دینے وقبلہ گاہے:.............. ارشاد ہے کہ ہم نے ہر امت کے لئے اس کے پیغمبر کو الگ الگ شریعت دی ہے۔ لہٰذا انہیں آپس میں لڑنا نہیں چاہئے۔ **منسکاً** کے معنی موضع ذبح کے لئے گئے ہیں۔ ویسے یہ لفظ جملہ عبادات کے لئے عام ہے۔ موضع ذبح مراد لینے کی صورت میں ان مشرکین سے کہا جارہا ہے کہ انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ یہ آپ ﷺ پر اعتراض کریں اور آپ ﷺ سے کٹ حجتی کریں۔ جیسا کہ یہ ذبح کے معاملہ میں آپ ﷺ سے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسانوں کے ذبح کئے ہوئے کے مقابلہ میں مردار کو کھانا چاہئے۔ کیونکہ وہ تو خدا کا ماراہوا ہے۔

کہا جارہا ہے کہ یہ تو اندھے ہیں، انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ آپ کو ٹوکیں۔ البتہ آپ ﷺ کو اس کا حق ہے کہ انہیں ٹوکیں اور صحیح راستہ پر لگائیں۔ اندھوں کو اس کا کوئی حق نہیں کہ وہ آنکھ والوں کی رہنمائی کریں اور اگر یہ آپ ﷺ سے لڑائی جھگڑا کرتے ہیں تو آپ ﷺ زیادہ ردوقدح میں نہ پڑیئے، بلکہ ان سے یہ کہہ کر خاموش ہوجائیے کہ خدا تعالیٰ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو تم کہہ اور کررہے ہو۔ وہی تمہارا اور ہمارا فیصلہ کرے گا۔

پھر خدا تعالیٰ کے کمال علم کا بیان ہے کہ وہ تو زمین وآسمان کی ہر چیز کو جانتا ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ اور چھپی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ لوح محفوظ میں سب کچھ درج ہے یا یہ کہ انسانوں کے اقوال وافعال اس کے نامہ اعمال میں لکھ لئے گئے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ خدا کو فیصلہ کرنے میں دیر ہی کیا لگ سکتی ہے یا مشکل کیا پیش آسکتی ہے۔

ان مشرکین کی حماقت بیان کی جاتی ہے کہ جنہیں یہ خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ ان کی معبودیت پر ان کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔ محض شیطانی تقلید ہے اور کچھ نہیں۔ ان معبودان باطل کی بے کسی تو اس سے ظاہر ہے کہ یہ قیامت کے دن ان کی کوئی مدد بھی نہیں کرسکیں گے۔

جب ان مشرکین کے سامنے وعظ ونصیحت کی جاتی ہے اور قران کے واضح احکامات بیان کئے جاتے ہیں تو ان کے بدن میں آگ لگ جاتی ہے اور غصہ سے بھر جاتے ہیں اور شدید ناگواری کے اثرات ان کے چہروں سے معلوم ہونے لگتے ہیں۔ بلکہ اگر ان کا

بس چلے تو گلا گھونٹ دیں۔

فرمایا گیا۔ آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تم جو اس قرآن کو ناگوار سمجھ رہے ہو اس سے زیادہ ناگوار اور تکلیف دہ تو تمہارے لئے جہنم کا عذاب ہوگا جو نہایت بدترین جگہ اور خوفناک مقام ہے۔ جہاں آرام کا نام ونشان بھی نہیں۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اَیْ اَهْلَ مَكَّةَ **ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ** وَهُوَ **اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ** تَعْبُدُوْنَ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَیْ غَيْرَهٗ وَهُمُ الْاَصْنَامُ **لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا** اِسْمُ جِنْسٍ وَاحِدُهٗ ذُبَابَةٌ يَقَعُ عَلَى الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ **وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ** اَیْ لِخَلْقِهٖ **وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا** مِمَّا عَلَيْهِمْ مِنَ الطِّيْبِ وَالزَّعْفَرَانِ الْمُلَطَّخُوْنَ بِهٖ **لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ** يَسْتَرِدُّوْهُ **مِنْهُ** لِعَجْزِهِمْ فَكَيْفَ يُعْبَدُوْنَ شُرَكَاءَ لِلّٰهِ تَعَالٰى هٰذَا اَمْرٌ مُسْتَغْرِبٌ عَبَّرَعَنْهُ بِضَرْبِ مَثَلٍ **ضَعُفَ الطَّالِبُ** الْعَابِدُ **وَالْمَطْلُوْبُ** ﴿۷۳﴾ الْمَعْبُوْدُ **مَا قَدَرُوا اللّٰهَ** عَظَّمُوْهُ **حَقَّ قَدْرِهٖ** عَظَمَتِهٖ اِذْ اَشْرَكُوْا بِهٖ مَالَمْ يَمْتَنِعْ مِنَ الذُّبَابِ وَلَا يَنْتَصِفُ مِنْهُ **اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ** ﴿۷۴﴾ غَالِبٌ **اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ** رُسُلًا نَزَلَ لَمَّا قَالَ الْمُشْرِكُوْنَ ءَ اُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا **اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ** لِمَقَالَتِهِمْ **بَصِيْرٌ** ﴿۷۵﴾ بِمَنْ يَتَّخِذُهٗ رُسُلًا كَجِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِبْرَاهِيْمَ وَمُحَمَّدٍ وَغَيْرِهِمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ** اَیْ مَا قَدَّمُوْا وَمَا خَلَّفُوْا اَوْمَا عَمِلُوْا وَمَاهُمْ عَامِلُوْنَ بَعْدُ **وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ** ﴿۷۶﴾ **يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا** اَیْ صَلُّوْا **وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ** وَحِّدُوْهُ **وَافْعَلُوا الْخَيْرَ** كَصِلَةِ الرَّحْمِ وَمَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** ﴿۷۷﴾ تَفُوْزُوْنَ بِالْبَقَاءِ فِي الْجَنَّةِ **وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ** لِاِقَامَةِ دِيْنِهٖ **حَقَّ جِهَادِهٖ** بِاسْتِفْرَاغِ الطَّاقَةِ فِيْهِ وَنَصْبُ حَقَّ عَلَى الْمَصْدَرِ **هُوَ اجْتَبٰىكُمْ** اخْتَارَكُمْ لِدِيْنِهٖ **وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ** اَیْ ضِيْقٍ بِاَنْ سَهَّلَهٗ عِنْدَ الضَّرُوْرَاتِ كَالْقَصْرِ وَالتَّيَمُّمِ وَاَكْلِ الْمَيْتَةِ وَالْفِطْرِ لِلْمَرَضِ وَالسَّفَرِ **مِلَّةَ اَبِيْكُمْ** مَنْصُوْبٌ بِنَزْعِ الْخَافِضِ الْكَافِ **اِبْرٰهِيْمَ** عَطْفُ بَيَانٍ **هُوَ** اَیِ اللّٰهُ **سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ** اَیْ قَبْلَ هٰذَا الْكِتَابِ **وَفِيْ هٰذَا** اَیِ الْقُرْاٰنِ **لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنَّهٗ بَلَّغَكُمْ **وَتَكُوْنُوْا** اَنْتُمْ **شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ** اَنَّ رُسُلَهُمْ بَلَّغَتْهُمْ **فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ** دَاوِمُوْا عَلَيْهَا **وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ** ثِقُوْا بِهٖ **هُوَ مَوْلٰىكُمْ** نَاصِرُكُمْ وَمُتَوَلِّيْ اَمُوْرِكُمْ **فَنِعْمَ الْمَوْلٰى** هُوَ **وَنِعْمَ النَّصِيْرُ** ﴿۷۸﴾ اَیِ النَّاصِرُ هُوَ لَكُمْ

ترجمہ: .... اے لوگو (اہل مکہ) ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے سو اسے سنو۔ جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو (اور پوجا پاٹ کرتے ہو یعنی یہ بت وغیرہ) وہ ایک مکھی تک تو پیدا کر نہیں سکتے (ذبابا اسم جنس ہے واحد اس کا ذبابة ہے۔ مذکر اور مونث دونوں کے لئے۔ معنی مکھی کے ہیں) سب کے سب اس غرض کے لئے جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان کے سامنے سے کچھ چھین لے جائے

(ان چیزوں میں سے جوان کے اوپر چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے) تو وہ اس سے چھڑا تک نہیں سکتے (ان کے عجز کا تو یہ عالم ہے کہ مکھی بھی نہ بھگا سکیں۔ حیرت ہے کہ پھر بھی یہ ان کی پوجا پاٹ میں لگے ہوئے ہیں۔ طالب ایسا لچر اور مطلوب بھی ایسا ہی ہے۔ ان لوگوں نے تعظیم نہ کی اللہ کی جو اس کی تعظیم کا حق ہے (ان بتوں کو خدا کا شریک ٹھہرا کر جو مکھی بھی نہ بھگا سکیں) بے شک اللہ بڑی قوت والا سب پر غالب ہے۔ اللہ انتخاب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے پیام پہنچانے والا اور آدمیوں میں سے بھی جسے چاہتا ہے (یہ اس وقت نازل ہوا جب مشرکین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ کیا یہی رہ گئے تھے ہم میں سے جن کے اوپر قرآن نازل ہو) بے شک اللہ سننے والا ہے (ان کے اقوال کو) خوب دیکھنے والا ہے (کہ یہ کسے رسول بناتے ہیں جبرئیل و میکائیل کو یا ابراہیم علیہ السلام یا آنحضور ﷺ یا ان کے علاوہ کسی اور کو) اور وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے (اور یہ کہ یہ اب تک کیا کر چکے ہیں اور آئندہ کیا کرنے والے ہیں) اور اللہ ہی پر تمام کاموں کا مدار ہے۔

اے ایمان والو رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو (یعنی نمازیں پڑھا کرو) اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو اور نیکی کرتے رہو (مثلاً دوسروں کے صلہ رحمی اور اپنے عمدہ اخلاق کا مظاہرہ کیا کرو) تا کہ تم فلاح پا جاؤ (اور ہمیشگی کی جنت مل جائے۔)

اور اللہ کے کام میں کوشش کرتے رہو جو اس کی کوشش کا حق ہے (اور قیام دین کی جدوجہد میں مکمل طور پر لگ جاؤ۔ حق منصوب بر بنائے مصدر ہے) اس نے تمہیں برگزیدہ کیا (اپنے دین کے لئے) اور اس نے تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں کی (یعنی کوئی شدت اختیار نہیں کی۔ بلکہ تسہیل سے کام لیا اور وقت ضرورت نمازوں میں قصر اور وضو کے بجائے تیمم کی اجازت دی اور اسی طرح حالت مرض یا مسافرت میں روزہ کے اختیار کی بھی اجازت دی اور ضرورت پڑنے پر مردار کو بھی جائز قرار دیا)۔

تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر قائم رہو (ملة منصوب ہے کاف حرف جر کے ہٹادنے کی وجہ سے اور ابراھیم عطف بیان ہے) اسی نے تمہیں مسلم قرار دیا۔ (نزول قرآن سے) پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی تا کہ رسول تمہارے اوپر گواہ ہوں (قیامت کے دن کہ وہ تمہارے پاس تبلیغ کے لئے پہنچے تھے) اور تم سب لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ٹھہرو (اس بات پر کہ یہ رسل ان کے پاس تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے تھے) سو تم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو۔ وہی تمہارا کارساز ہے۔ سو کیا اچھا کارساز او کیسا اچھا مددگار ہے۔

تحقیق وترکیب: .... **ولو اجتمعوا**. موضع حال میں ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ساری کائنات بھی کسی مکھی کی تخلیق کا ارادہ کر لے تو ناکام ہی رہے گی۔

وارکعوا واسجدوا. تمام نماز میں صرف سجدہ اور رکوع کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ یہ دونوں رکن خشوع وخضوع کے وافر حصہ پر پھیلے ہوئے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ان دونوں رکن کا تذکرہ اس وجہ سے کیا گیا ہو کہ یہ نماز کے اہم ترین ارکان میں سے ہیں۔

لعلکم تفلحون. لعل جب خدا تعالیٰ کی زبان سے ادا ہو تو صرف امید کا نہیں بلکہ یقین کا معنی ہوگا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے وعدہ کا مفہوم پیدا کر لے گا۔

فی اللّٰہ کو یہاں للہ کے مرادف لیا گیا ہے۔

جاھدوا فی اللّٰہ. یہاں دو مضاف مقدر ہیں۔ ایک اقامه، دوسرا دین. تقدیر عبارت ہے۔

جاھدوا لاقامة دین اللّٰہ. یعنی اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لئے جہاد کرو اور جاھدوا کا مفعول محذوف ہے۔ یعنی **اعداء کم**. کفار سے عداوت ظاہراً وباطناً دو طریقہ پر ہے۔ ظاہر تو یہی ہے کہ وہ صریح گمراہی پر ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل

سے مسلمانوں کو ہدایت نصیب کی۔ باطناً مجاہدہ اپنی خواہشات پر کنٹرول کرنا ہے اور مجاہدہ کی یہ آخری صورت درحقیقت بہت دشوار ہے۔

ملة ابیکم. کاف حرف جر یہاں سے ساقط کردیا گیا۔ اصل عبارت تھی کملة ابیکم. یا پھر یہ منصوب اتبعوا فعل مقدر ہونے کی بناء پر ہے۔ جبکہ یہ مفعول ہوگا۔ یا یہ منصوب ہے ماقبل کے مضمون کی بناء پر۔ مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے دین میں اسی طرح توسع ہے۔ جیسا کہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملت میں تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ فعل جعل مقدر ہو اور یہ اس کا مفعول بہ ہو۔

هو سمّٰکم ضمیر هو سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں۔

من قبل یعنی قرآن مجید سے پہلے۔ فی هذا. یعنی قرآن مجید میں۔

﴿ تشریح ﴾:............ خدا تعالیٰ کے علاوہ جن کی پوجا کی جاتی ہے ان کی کمزوری اور بے کسی اور ان کے پجاریوں کی کم عقلی کا ذکر ہے کہ انہوں نے اتنی عاجز اور بے کس و بے بس مخلوق کو معبود ٹھہرا رکھا ہے جن کے عجز کا یہ عالم ہے کہ سب مل کر اگر ایک مکھی کو بھی پیدا کرنا چاہیں تو ممکن نہیں اور پیدا کرنا تو دور کی بات ہے۔ اگر یہ بتوں کے سامنے سے مکھیاں ان کے چڑھاوے کی چیزیں بھی اٹھا لے جائیں تو ان میں اتنی ہمت وسکت نہیں کہ وہ ان مکھیوں کو بھگا ہی دیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ طالب سے مراد بت اور مطلوب سے مراد مکھی ہے۔ بعض دوسرے مفسرینؒ نے بھی اسے اختیار کیا ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ طالب سے مراد عابد اور مطلوب سے مراد خدا کے علاوہ دوسرے معبود ہیں۔

فرمایا گیا کہ ان کے دلوں میں خدا تعالیٰ کی قدر و منزلت اور اس کی عظمت اس درجہ میں بھی نہیں ہے کہ جو عبدیت کے تعلق کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہو اور جس کا کہ انسان کو مکلّف بنایا گیا ہے۔ ورنہ تو خدا کے شایان شان عظمت تو کسی سے ممکن بھی نہیں اور نہ اس کا انسان کا مکلّف بنایا گیا۔ اگر ان کے دل میں ذرا بھی خدا کی عظمت ہوتی تو یہ ان کے مقابل میں اتنے عاجز اور درماندہ مخلوق کو معبود کیوں ٹھہراتے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ اپنی طاقت وقدرت میں یکتا ہیں۔ ان کی عظمت وسلطنت کا کوئی مقابلہ کرنے والا بھی نہیں۔ لہٰذا معبودیت والوہیت کا حق صرف اسی کو پہنچتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی کو نہیں۔ وہی قابل پرستش اور لائق حمد ہے۔

نزول وحی وانتخاب رسول:............ ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے اختیار سے جس فرشتے کو چاہتے ہیں مقرر کر لیتے ہیں اور اس کے ذمہ آنحضور ﷺ تک شریعت کو پہنچانے کا کام سپرد کر دیتے ہیں اور اسی طرح بندوں میں سے بھی جسے چاہتے ہیں پیغمبری کا جلیل القدر منصب عطاء فرماتے ہیں۔ پیغمبروں کا انتخاب تمام تر خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہیں منتخب کریں کیونکہ وہ ہر ایک کی ظاہری وباطنی صلاحیتوں سے خوب اچھی طرح واقف ہیں۔ ان کے انتخاب میں کسی غلطی کا امکان نہیں اور وہ ہر ایک کی ماضی و مستقبل کا حال اچھی طرح جانتے ہیں۔

پھر مومنین کو حکم ملا کہ اسلام کے بعد نماز اور دوسری عبادتوں کو بجالاتے رہو۔ اسی طرح نیکیوں میں لگے رہو اور دین کے کاموں میں سستی نہ کرو۔ بلکہ خدا کا کام سمجھ کر پوری مستعدی اور اخلاص نیت کے ساتھ اسے کرتے رہو۔ اسی میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔ جان ومال سے خدا کی راہ میں لگ جاؤ اور دین کو قائم کرو کیونکہ اس نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے اور دوسری امتوں کے مقابل میں تمہیں اشرف و اکرم بنایا ہے۔ کامل رسول اور کامل ومکمل شریعت سے تمہیں نوازا۔ اور آسان وسہل احکامات دیئے۔ کوئی ایسا بوجھ تم پر نہیں ڈالا جو تمہارے بس سے باہر ہو اور جسے تم ادا نہ کر سکو۔ چونکہ قرآن مجید کے مخاطب اول عرب تھے جو ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے تو انہیں اس دین کی طرف مزید رغبت اور شوق دلانے کے لئے فرمایا گیا کہ یہ مذہب کوئی نیا نہیں بلکہ یہ تو تمہارے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ پھر اس ملت کی بزرگی ظاہر کرنے اور انہیں اس دین کی طرف مائل کرنے کے لئے فرمایا گیا کہ تمہارا ذکر پہلی کتابوں میں بھی ہے اور

مدتوں سے آسمانی کتابوں میں تمہارے چرچے ہیں۔ اس قرآن میں اور اس سے پہلے تمہیں مسلم کے نام سے یاد کیا گیا ہے جو خود اللہ تعالیٰ کا رکھا ہوا نام ہے۔

آنحضور ﷺ کی پاکیزہ سیرت اور آپ ﷺ کی پوری زندگی مومن کے لئے معیار ہے۔ قیامت میں اسی معیار پر مومن کو جانچا جائے گا اور دوسری قوموں کے مقابل میں مومن معیار ہوگا اور وہ ان کے اوپر گواہ بنایا جائے گا۔

پھر فرمایا گیا کہ اس عظیم الشان نعمت کا تمہیں شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ وہ اس صورت میں کہ خدا تعالیٰ نے جو فرائض عائد کئے ہیں۔ اسے پورے شوق کے ساتھ ادا کرو۔ خصوصاً نماز اور زکوٰۃ کا خیال رکھو۔ نماز اور زکوٰۃ سے اشارہ تمام بدنی اور مالی عبادتوں کی طرف ہے اور اسی کے ساتھ عقیدۂ توحید پر جمے رہو۔ اعتماد علی اللہ جس قدر قوی ہوگا اسی قدر قرب خداوندی نصیب ہوگا اور جب قرب خداوندی کی دولت نصیب ہو جائے تو نصرت الٰہی اس کے ساتھ ہوگی اور غیر اللہ سے قلب بے نیاز ہو جائے گا۔

خود قرآن نے بار بار یہ اعلان کیا کہ کارساز اور نصرت و اعانت کرنے والا تو صرف خدا تعالیٰ ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور کی طرف خیال لے جانا بھی حماقت و نادانی ہے۔ لہٰذا مومن کو مکمل طور پر خدا کا ہو کر رہنا چاہئے۔ **وما ذلک علی اللہ بعزیز**.

﴿الحمد للہ کہ پارہ نمبر ۱۷ کی تفسیر ختم ہوئی﴾

پارہ نمبر ﴿۱۸﴾

قَدْ اَفْلَحَ

فہرست پارہ ﴿قد افلح﴾

سُــوْرَةُ الْمُؤْمِنُــوْنَ

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَثَمَانٌ اَوْ تِسْعَ عَشَرَةَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ لِلتَّحقِيْقِ **اَفْلَحَ** فَازَ **الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ﴿٢﴾** مُتَوَاضِعُوْنَ **وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ** مِنَ الْكَلَامِ وَغَيْرِهٖ **مُعْرِضُوْنَ ﴿٣﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ﴿٤﴾** مُؤَدُّوْنَ **وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿٥﴾** عَنِ الْحَرَامِ **اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ** اَيْ مِنْ زَوْجَاتِهِمْ **اَوْ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ** اَيِ السَّرَارِيْ **فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿٦﴾** فِيْ اِتْيَانِهِنَّ **فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ** اَيْ مِنَ الزَّوْجَاتِ وَالسَّرَارِيْ كَالْاِسْتِمْنَاءِ بِيَدِهٖ **فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ﴿٧﴾** اَلْمُتَجَاوِزُوْنَ اِلٰى مَالَا يَحِلُّ لَهُمْ **وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ** جَمْعًا وَمُفْرَدًا **وَعَهْدِهِمْ** فِيْمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللّٰهِ مِنْ صَلٰوةٍ وَغَيْرِهَا **رَاعُوْنَ ﴿٨﴾** حَافِظُوْنَ **وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ** جَمْعًا وَمُفْرَدًا **يُحَافِظُوْنَ ﴿٩﴾** يُقِيْمُوْنَهَا فِيْ اَوْقَاتِهَا **اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ ﴿١٠﴾** لَاغَيْرَهُمْ **الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ** هُوَ جَنَّةُ اَعْلَى الْجِنَانِ **هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿١١﴾** فِيْ ذٰلِكَ اِشَارَةٌ اِلَى الْمَعَادِ وَيُنَاسِبُهٗ ذِكْرُالْمَبْدَاِ بَعْدَهٗ **وَ** اللّٰهِ **لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ** اٰدَمَ **مِنْ سُلٰلَةٍ** هِيَ مِنْ سَلَلْتُ الشَّيْءَ مِنَ الشَّيْءِ اَيْ اِسْتَخْرَجْتُهٗ مِنْهُ وَهُوَ خُلَاصَتُهٗ **مِّنْ طِيْنٍ ﴿١٢﴾** مُتَعَلِّقٌ بِسُلَالَةٍ **ثُمَّ جَعَلْنٰهُ** اَيِ الْاِنْسَانَ نَسْلَ اٰدَمَ **نُطْفَةً** مَنِيًّا **فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿١٣﴾** هُوَ الرَّحْمُ **ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً** دَمًا جَامِدًا **فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً** لَحْمَةً قَدْرَمَا يُمْضَغُ **فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا** وَفِيْ قِرَاءَةٍ عَظْمًا فِي الْمَوْضِعَيْنِ وَخَلَقْنَا فِي الْمَوَاضِعِ الثَّلٰثَةِ بِمَعْنٰى صَيَّرْنَا **ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ** بِنَفْخِ الرُّوْحِ فِيْهِ **فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ**

الْخَالِقِينَ ﴿۱۴﴾ اَیِ الْمُقَدِّرِیْنَ وَمُمَیِّزُ اَحْسَنَ مَحْذُوْفٌ لِلْعِلْمِ بِهٖ اَیْ خَلْقًا **ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ** ﴿۱۵﴾ **ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ** ﴿۱۶﴾ لِلْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ **وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ** اَیْ سَمٰوَاتٍ جَمْعُ طَرِیْقَةٍ لِاَنَّهَا طُرُقُ الْمَلَائِكَةِ **وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ** تَحْتَهَا **غٰفِلِيْنَ** ﴿۱۷﴾ اَنْ تَسْقُطَ عَلَيْهِمْ فَتُهْلِكَهُمْ بَلْ نُمْسِكُهَا كَاٰيَةِ يُمْسِكُ السَّمَاءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ **وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ** مِنْ كِفَايَتِهِمْ **فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ** ﴿۱۸﴾ فَيَمُوْتُوْنَ مَعَ دَوَابِّهِمْ عَطْشًا **فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ** هُمَا اَكْثَرُ فَوَاكِهِ الْعَرَبِ **لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ** ﴿۱۹﴾ صَيْفًا وَشِتَاءً وَ اَنْشَاْنَا **شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ** جَبَلٌ بِكَسْرِ السِّيْنِ وَفَتْحِهَا وَمَنْعُ الصَّرْفِ لِلْعَلَمِيَّةِ وَالتَّانِيْثِ لِلْبُقْعَةِ **تَنْۢبُتُ** مِنَ الرُّبَاعِي وَالثُّلَاثِي **بِالدُّهْنِ** اَلْبَاءُ زَائِدَةٌ عَلَى الْاَوَّلِ وَمُعَدِّيَةٌ عَلَى الثَّانِي وَهِيَ شَجَرَةُ الزَّيْتُوْنِ **وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ** ﴿۲۰﴾ عَطْفٌ عَلَى الدُّهْنِ اَیْ اِدَامٌ يَصْبَغُ اللُّقْمَةَ بِغَمْسِهَا فِيْهِ هُوَ الزَّيْتُ **وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ** الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ **لَعِبْرَةً** عِظَةً تَعْتَبِرُوْنَ بِهَا **نُسْقِيْكُمْ** بِفَتْحِ النُّوْنِ وَضَمِّهَا **مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا** اَیِ اللَّبَنَ **وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ** مِنَ الْاَصْوَافِ وَالْاَوْبَارِ وَالْاَشْعَارِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ** ﴿۲۱﴾ **وَعَلَيْهَا** اَیِ الْاِبِلِ **وَعَلَى الْفُلْكِ** اَیِ السُّفُنِ **تُحْمَلُوْنَ** ﴿۲۲﴾

ترجمہ:.......... یقیناً وہ مومنین فلاح پا گئے جو اپنی نماز میں خشوع رکھنے والے ہیں اور جو لغو (باتوں) سے برکنار رہنے والے ہیں اور جو اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت کرنے والے ہیں (حرام کاری وغیرہ سے) ہاں البتہ اپنی بیویوں اور باندیوں سے (حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان پر (اس صورت میں) کوئی الزام نہیں۔ہاں جو کوئی اس کے علاوہ (اور جگہ شہوت رانی) کا طلب گار ہوگا (مثلاً زنا، لواطت یا مشت زنی وغیرہ) تو ایسے ہی لوگ حد سے نکل جانے والے ہیں (ان چیزوں کی طرف مائل ہو کر جو ان کے لئے حلال نہیں کی گئیں) اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا لحاظ رکھنے والے ہیں (جو ان کے اور خدا کے درمیان مثلاً ادائیگی نماز وغیرہ) اور جو اپنی نمازوں کی پابندی رکھنے والے ہیں (ان کے اوقات میں) ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں (ان کے علاوہ اور کوئی نہیں) جو فردوس کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (ان آیات میں آخرت کا ذکر ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ ابتدائے آفرینش کا بھی تذکرہ کر دیا جائے۔تو ارشاد ہوا کہ) بالیقین ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا (من طین متعلق ہے سلالة کے اور سلالة کے معنی کسی چیز کے خلاصہ کے ہیں) پھر ہم نے اس (نسل آدم) کو نطفہ بنایا ایک محفوظ مقام میں (اور وہ رحم مادر ہے) پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا۔پھر ہم نے خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنا دیا پھر ہم نے بوٹی کو ہڈی بنا دیا پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا (عظاماً ضـ ایک قراءت میں عظماً ہے۔اور خلقنا تینوں جگہ پر صیرنا کے معنی میں ہے) پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) ایک دوسری ہی مخلوق بنا دیا۔سو کیسی شان والا ہے اللہ تمام صناعوں سے بڑھ کر۔پھر تم اس (تمام قصہ) کے بعد ضرور ہی مر کر رہو گے۔پھر تم قیامت کے دن از سر نو اٹھائے جاؤ گے (جزا و سزا کے لئے) اور ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے (طرائق جمع ہے طریقہ کی

۔آسمان کوطرائق سے اس وجہ سے تعبیر کیا کیونکہ یہ راستے ہیں فرشتوں کے آنے جانے کے)اور ہم مخلوق سے بے خبر نہ تھے (اس وجہ سے ہم نے ان آسمانوں کواوپر ہی تھامے رکھا تا کہ کہیں یہ گر کر نیچے مخلوق کوتباہ نہ کردے)اور ہم نے آسمان سے اندازہ کے ساتھ پانی برسایا (جو کہ مخلوق کے لئے کفایت کر جائے) پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرایا اور ہم اس کے معدوم کرنے پر بھی قادر ہیں (جس کے نتیجہ میں یہ نسل آدم اوران کے چوپائے بھی مرکررہ جائیں ۔) پھر ہم نے اس کے ذریعہ تمہارے لئے کھجوروں کے اورانگوروں کے باغ اگائے (یہ دونوں عرب کے خاص پھل ہیں)ان میں تمہارے لئے بہت سے میوے ہیں اوران میں سے تم کھاتے بھی ہو(ہرموسم میں)اور ایک اور درخت بھی (پیدا کیا) جوطور سینا میں پیدا ہوتا ہے(سینا۔ایک پہاڑ ہے سین کوزیر اورزبر دونوں پڑھا گیا ہے۔ یہ غیر منصرف ہے اس میں ایک تو علمیت ہے اور دوسرا سبب تانیث ہے)وہ اگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے (تنبت ۔رباعی اور ثلاثی دونوں طرح ہے۔اگر رباعی ہوگا تو اس صورت میں " بالدھن " کا با زائد ہوگا۔اور ثلاثی ہونے پر با تعدیہ کے لئے ہوگا اور یہ زیتون کا درخت ہے صبغ للاکلین کا عطف بالدھن پر ہے)اورتمہارے لئے مویشیوں میں غور کرنے کا موقعہ ہے۔ہم تمہیں پینے کو دیتے ہیں ان کے جوف میں کی چیز (یعنی دودھ)اورتمہارے لئے ان میں بہت سے فائدے ہیں (مثلاً ان کے بال اور اون وغیرہ سے)اوران میں سے (بعض کو) تم کھاتے بھی ہو۔اوران (اونٹوں وغیرہ)پراور کشتی پرسوار ہوتے ہو۔

تحقیق وترکیب: .... **خشوع** کی حقیقت اصل میں سکون ہے۔قلبی اعتبار سے بھی اور یہ کہ جوارح سے کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو اس سکون کے منافی ہو۔

لغو . ہراس حرکت کوکہتے ہیں جولایعنی ہو۔**للزکوٰۃ فعلون** ل غایت کے لئے ہے زکوٰۃ اس جگہ لغوی معنی میں ہے اوربعضوں نے اصطلاحی معنی بھی مراد لئے ہیں ۔

علی ازواجھم...... میں **علی** .**من** کے مرادف ہے۔**علی صلوٰتھم** . ماقبل میں نماز ،زکوٰۃ ،تحفظ عفت ،ادائیگی امانت اور ایفائے عہد وغیرہ کا ذکر آیا اب اگر کوئی ان تمام امور کی صحیح ادائیگی کرے یا ان میں سے کسی ایک کی تو وہ جنت میں جائے گا۔ جہاں تک جنت میں جانے کا معاملہ ہے تو بعض روایات سے ثابت ہے کہ مجنون اوراولاد مسلمین جو بچپن ہی میں انتقال کر گئے وہ بھی جنت میں جائیں گے حالانکہ انہوں نے ان اعمال میں سے کسی کو بھی ادانہیں کیا ہوگا۔اس لئے مفسرؒ نے جمعاً ومفرداً کا اضافہ کیا۔

طرائق...... لفظی معنی راستہ کے ہیں مجازاً یہاں مراد آسمان سے لی گئی ہے اس وجہ سے کہ یہ فرشتوں کے آمدورفت کے راستے ہیں ۔نیز جو چیز کسی چیز کی اوپر ہواسے بھی عربی میں طریقہ کہتے ہیں ۔

علی ذھاب بہ لقادرون...... **ذھاب** مصدر ہے ذھب کا با تعدیہ کے لئے استعمال ہوئی ہے۔مطلب یہ ہے کہ ہم اس کے ازالہ پر قادر ہیں ۔

ممافی بطونھا ...... سورۂ نحل میں بجائے اس کے " **ممافی بطونہ** " کہا گیا۔دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ ایک جگہ مذکر ومؤنث دونوں کا ذکر مقصود ہے اور دوسری جگہ صرف مؤنث پیش نظر ہے اس فرق کے بعد معنی یہ ہوں گے کہ چوپاؤں کی ایک صنف میں اگر کوئی قابل ذکر منفعت نہیں تو دوسری صنف میں نفع تام موجود ہے۔

ربط: ....سورۂ حج کا اختتام ہے اور سورۃ المؤمنون کا آغاز ہوتا ہے۔ان دونوں صورتوں میں لفظاً ومعنیً ارتباط کا ایک مسلسل رشتہ ہے مفصل نہ سہی مختصر گذارشات پیش خدمت ہیں جن سے انشاءاللہ ہر دوصورت کے ارتباطی رشتے واضح ہوں گے ۔اسلامی عبادات جن

کو ہم اہم کہہ سکتے ہیں اور قرار دے سکتے ہیں یہ چند ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ۔

حج۔ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے مقدس خانوادہ کی ایک بلند پایہ یادگار ہے سورۂ حج میں کچھ اس کی تفصیلات زیر گفتگو ہیں۔ ابراہیم اور حج ایک ہی رشتہ کے دو گوہر آبدار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اختتام سورۂ حج پر اس امام الموحدین کا تذکرہ ان الفاظ میں آیا۔ ملة ابیکم ابراهیم هو سمّٰکم المسلمین.

تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم رہو۔ اسی نے تمہیں مسلم قرار دیا۔

کیونکہ حج اقصائے عالم میں منتشر اہل اسلام کا ایک عظیم ملی اجتماع ہے اور پھر وہ بھی سالانہ۔ اس لئے اس کے بعد ایک پنج وقتی اجتماع کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ارشاد ہے۔

قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلوٰتهم خاشعون.

بالتحقیق ان مسلمانون نے آخرت میں فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔

سبحان اللہ ان آیات میں بکمال بلاغت اگر ایک جانب الصلوٰۃ کے ظاہر کی طرف توجہ دلائی گئی تو اس کی روح الخشوع پر بھی متنبہ فرما دیا گیا۔ حج کا اجتماع بیت اللہ کے لئے تھا۔ نمازوں میں ظاہراً رخ بیت اللہ کی جانب اور جسماً حاضری بیت اللہ (مساجد) میں ہے۔ حج اور نماز میں قریبی مناسبت ہی کا تقاضہ تھا کہ سورۃ حج کے اختتام پر یہ ارشاد ہوا تھا۔

یٰایها الذین اٰمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون.

اے ایمان والو! تم رکوع کیا کرو، سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور تم نیک کام بھی کیا کرو۔ امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔

لعلکم تفلحون میں جس فلاح کی طرف نشان دہی کی گئی تھی اس کے حصول کی راہیں خشوع والی نمازیں ہیں اس لئے ارشاد ہوا۔

قد افلح المؤ منون الذین هم فی صلوٰتهم خاشعون.

بالتحقیق ان مسلمانوں نے آخرت میں فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔

اختتام سورہ حج پر زکوٰۃ کا بھی ذکر آیا تھا۔ سورہ مومنون کی ابتداء میں اس حکم کی مکرر تذکیر کر دی گئی اسلام اطاعت خداوندی کا پہلا درجہ وزینہ ہے اور ایمان اطاعت کی معراج سمّٰکم المسلمین میں اگر اس ابتدا کی جانب اشارہ تھا تو قد افلح المؤمنون ...... میں منتہیٰ سامنے کر دیا گیا واعبدوا سورہ حج کے خاتمہ پر ایک عام حکم تھا۔ المومنون میں بہت سی عبادتوں کا ذکر تفصیلاً آ گیا جملہ عبادات میں لغو یات سے بچنا بے حد ضروری ہے اور ایمان کامل وہی ہے جس میں مومن لغویات سے قطعاً مجتنب ہو۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ......

هم عن اللغو معرضون.

اور جو لغو باتوں سے برکنار رہنے والے ہیں۔

معلوم ہوا کہ ایام حج میں بعض مراحل وہ بھی ہیں کہ جہاں ہمبستری کی ممانعت ہے کہیں کوئی اس ممانعت کو دائمی نہ سمجھ لے اس لئے سورۂ مومنون میں حلت بعد حرمت کا بیان ان الفاظ میں آیا۔

الا علیٰ ازواجهم اوما ملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین.

لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی لونڈیوں سے (حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان پر (اس میں) کوئی الزام نہیں۔

مگر جس طرح اس تحریم عارضی کو دائمی سمجھنے کا اندیشہ تھا جس کو ایک بیان سے ختم کیا گیا۔ تو ایسے ہی حلت کو بھی عام سمجھنے کے امکانات موجود تھے کہ کوئی کج فہم بیوی وغیرہ بیوی سب ہی سے مقاربت کو جائز سمجھ لے تو اس امکان جواز کا سد باب فرمایا گیا۔

فمن ابتغی وراء ذٰلک فاولئک ھم العٰدون.

ہاں جو اس کی علاوہ (اور جگہ شہوت رانی کا) طلبگار ہو ایسے لوگ حد شرعی سے نکلنے والے ہیں۔

افسوس کہ صفحات کی تنگ دامنی قلم گیر ہے ورنہ ہر دو صورتوں کے روابط بہت کچھ لکھنے کے قابل تھے۔لیکن جو کچھ سپرد قلم ہوا وہ بھی ہر دو سورتوں میں معنوی ولفظی ربط کو سمجھنے کے لئے کافی ہوگا۔

﴿تشریح﴾: .... مومنین کی کامیابی اور ان کے فلاح کا تذکرہ ہے کہ وہ مومنین کامیاب ہیں جو خوع وخضوع کے ساتھ اپنی نمازیں ادا کرتے ہیں اور جن کے دلوں میں خوف خدا ہے، نماز پڑھتے ہوئے ان کو سکون قلبی بھی میسر ہو اور اعضاء وجوارح بھی عبث حرکتوں سے محفوظ ہوں۔اور یہ کیفیت اسی شخص کو حاصل ہوسکتی ہے جس کا دل تمام چیزوں سے فارغ ہو اور خلوص دل کے ساتھ نماز سے پوری دلچسپی ہو جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے خوشبو اور عورت بہت پسند ہے۔اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ویسے اس فلاح کے لئے ایمان کا ہونا شرط ہے بغیر ایمان اور صحت عقیدہ کے کوئی سا بھی عمل مقبول نہیں۔

انہیں فلاح یاب مومنین کی دوسری صفت یہ بیان کی گئی کہ وہ لغویات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہیں خواہ وہ لویت فعلی ہو یا قولی۔زندگی ایک بڑی ہی قیمتی شئے ہے مومن کی یہ شان نہیں کہ ایک لمحہ بھی وہ کسی لغو اور فضول شئے میں گذارے بلکہ اسے خدا کی دی ہوئی اس زندگی کی قدر کرنی چاہئے امام رازیؒ نے کہا ہے کہ لغویات سے بچنے کا تذکرہ خشوع صلوٰۃ کے ساتھ متصلاً اور حکم زکوٰۃ سے پہلے کیا گیا۔اس کا راز یہ ہے کہ لغویات سے اجتناب نماز کی واقعی تکمیل ہے۔نیز مومنین کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ ادائیگی زکوٰۃ کرتے ہیں۔

اکثر مفسرینؒ کی رائے یہی ہے کہ زکوٰۃ سے یہاں مراد فقہی معنی یعنی مال کے زکوٰۃ کے ہیں۔اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ زکوٰۃ کے اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہیں تزکیہ نفس۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آیت میں زکوٰۃ نفس اور زکوٰۃ مال دونوں مراد ہوں کیونکہ واقعی مومن کامل تو وہی ہے جو اپنے نفس کو بھی ہر طرح کی برائیوں اور شرک وکفر سے صاف رکھے اور مال کی زکوٰۃ بھی ادا کرے۔اسی کے ساتھ یہ بھی ان کے اوصاف میں سے ہے کہ وہ حرام کاری، زنا اور لواطت وغیرہ سے خود کو دور رکھتے ہیں اور سوائے اپنی بیویوں اور شرعی باندیوں کے جو کہ ان کے لئے حلال کردی گئی ہیں کسی اور کے ساتھ قضاء شہوت نہیں کرتے۔ارشاد ہے کہ جو شخص ان کے علاوہ کسی اور طریقہ سے یا کسی دوسرے سے اپنی خواہش پوری کرتا ہے وہ حد سے گذر جانے والا ہے گویا کہ زنا، لواطت یا مشت زنی یا اخراج مادہ کی جتنی بھی صورتیں ہوسکتی ہیں سب حرام ہیں لیکن امام ابوحنیفہؒ نے مشت زنی کو اس صورت میں جائز قرار دیا ہے جب کہ کسی فتنہ میں مبتلا ہوجانے اور برائی کے ارتکاب کا اندیشہ ہوجائے۔ان مومنین کا وصف یہ بھی ہے کہ وہ اپنے وعدے پورے کرتے ہیں اور امانت میں خیانت نہیں کرتے۔اس کے برخلاف حدیث میں منافقین کی تین علامتیں بتائی گئی ہیں۔(۱) جب بات کرے جھوٹ بولے (۲) جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے (۳) اور امانت میں خیانت کرے ...... اور پھر آخر میں مومنین کا یہ وصف بھی بیان کیا گیا کہ وہ نمازوں کو ان کے وقت پر پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ان فلاح یاب مومنین کے صفات حسنہ کا آغاز خشوع نماز کے تذکرہ کے ساتھ کیا گیا اور اختتام بھی اسی نماز کی حفاظت اور اس کی مداومت پر ہوا۔اس سے معلوم ہوا کہ نماز تمام عبادتوں میں سے افضل ترین عبادت ہے ...... ان صفات کو بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا کہ یہی لوگ جنت الفردوس کے دائمی وارث ہوں گے جنت الفردوس حدیث کے بیان کے مطابق جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے ویسے جنت تو عام مومنین کو بھی ملے گی جن کے اندر یہ سب کے سب اوصاف بیک وقت نہ بھی ہوں مگر جنت الفردوس انہیں کو ملے گی جو ان تمام اوصاف حسنہ کے پیکر ہوں گے۔

تخلیق کے مختلف مراحل: .... اب انسانی تخلیق کے بارے میں ارشاد ہے کہ انسانوں کی اصل پیدائش مٹی سے ہوئی۔ عام مفسرین تو یہی لکھتے ہیں کہ اصل میں آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ تمام انسانوں ہی کا تعلق آخر میں مٹی ہی سے ہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ ہم نے انسان کو نطفہ سے بنایا جو کہ ایک مدت متعینہ تک رحم مادر میں رہا پھر وہ نطفہ لوتھڑے کی شکل اختیار کر گیا اور پھر وہ لوتھڑا گوشت کی بوٹی بن گئی اور پھر اس گوشت کی بوٹی میں سے بعض اجزا ہڈی کی شکل اختیار کر گئے۔ اسی کی تفسیر حدیث میں اس طرح ہے کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اس طرح پر ہوتی ہے کہ چالیس دن تک نطفہ رحم مادر میں جمع رہتا ہے پھر چالیس دن تک وہ خون بستہ کی صورتمیں رہتا ہے اور چالیس دن تک وہ گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں۔ اس کے بعد فرشتے کو بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونکتے ہیں اور پھر خدا تعالیٰ کے حکم سے اس کے تقدیری امور طے کر دیئے جاتے ہیں۔ روح پھونک کر اسے ایک شکل عنایت کر دی جاتی ہے جو اور مخلوقات سے ممتاز ہوتی ہیں۔ پھر ارشاد ہوا کہ خدا تعالیٰ بہترین تخلیق کرنے والا ہے اس کی صناعی تک کسی کی رسائی ممکن نہیں۔ تخلیق صرف خدا تعالیٰ ہی کا خصوصی وصف ہے کیونکہ خلق کے معنی عربی میں ایجاد کے آتے ہیں یعنی نیست سے ہست کرنا اور یہ خدا کے علاوہ کسی کے لئے ممکن نہیں۔

ارشاد ہے کہ اس زندگی کے بعد پھر مرنا بھی ہے اور پھر قیامت کے دن حساب و کتاب کے لئے اٹھایا جائے گا۔ تو گویا ایجاد، فنا اور احیاء تینوں مراحل کا تذکرہ آ گیا۔

خدا تعالیٰ کی نعمتیں: .... انسان کی پیدائش کا تذکرہ کرنے کے بعد آسمانوں کی تخلیق بیان کی جاتی ہے۔

اس سے مقصد یہ بھی بتانا ہے کہ خدا تعالیٰ کے لئے انسانوں کی پیدائش کیا مشکل ہے وہ تو آسمان جیسی بھاری بھرکم چیز کی بھی تخلیق کر سکتا ہے اور اپنے کمال صناعی کا مظاہرہ کر سکتا ہے اور پھر یہ کہ اناڑیوں کی طرح کوئی چیز بناتا نہیں چلا جاتا ہے بلکہ مخلوق کی ضرورت اور مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی چیز کی تخلیق کرتے ہیں۔ نیز تمام چیزوں کی خبر بھی رکھتے ہیں کوئی چیز ان سے پوشیدہ اور چھپی ہوئی نہیں ہے اور نہ وہ کسی چیز سے غافل ہیں۔

پھر ارشاد ہوا کہ وہ آسمان سے بقدر ضرورت پانی برساتا ہے نہ اتنی مقدار میں کہ فصل ہی تباہ ہو جائے اور نہ اتنا کم کہ غلہ وغیرہ اگے ہی نہیں بلکہ جہاں جتنی مقدار میں پانی کی ضرورت ہوتی ہے اسی کے مطابق بارش ہوتی رہتی ہے۔ اور پھر خدا تعالیٰ کی یہ قدرت کہ زمین کے اندر اس کی صلاحیت پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ اس پانی کو اپنے اندر جذب کر لے جس کے نتیجہ میں کھیت لہلہا اٹھیں اور باغات ہرے بھرے نظر آنے لگیں۔ یہ ساری کرشمہ سازی خدا تعالیٰ ہی کی ہے۔ ان کے علاوہ کوئی اور دیوی دیوتا اس پر قادر نہیں جیسا کہ مشرکین کا عقیدہ ہے۔ اسی کو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر ہم چاہیں تو بارش بالکل ہی نہ برسائیں یا اگر برسائیں بھی تو وہ زمین اور کھیتی کے لئے بالکل غیر مفید ہو۔ یا اسی طرح پر اگر چاہیں تو پانی کو کڑوا کر دیں جو نہ پینے کے قابل رہے اور نہ کسی اور کام کے قابل۔ یا زمین سے جذب کرنے کی صلاحیت ہی کو ختم کر دیں جب بھی یہ پانی بیکار اور غیر مفید ہو جائے گا۔

بہر حال یہ سب صرف خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے ان کے علاوہ کوئی اور ان چیزوں پر قادر نہیں یہ صرف انہیں کا انعام ہے کہ اس بارش کے نتیجہ میں کھیتوں اور باغات کو پھل اور میوے اگانے کے قابل بنا دیتے ہیں یہاں صرف کھجور اور انگور کا تذکرہ اس وجہ سے آیا کہ یہ عرب کے خاص پھل ہیں ورنہ تو ہر ملک میں الگ الگ پھل اور میوے پیدا کر دیئے۔ پھر مطلقاً ایک درخت کا تذکرہ کیا گیا جو کہ طور سینا

میں اگتا ہے۔ اگر چہ اس جگہ اس درخت کا نام نہیں لیا گیا مگر سب کا اتفاق ہے کہ اس سے زیتون کا درخت مراد ہے اور طور سینا وہ پہاڑ ہے جہاں خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ طور عربی میں اس پہاڑ کو کہتے ہیں جو ہرا بھرا ہو ورنہ تو خشک پہاڑوں کو جبل کہا جاتا ہے۔ تو اس طور سینا کے درخت زیتون کو خاص طور پر ذکر کیا گیا جس سے تیل نکلتا ہے اور جو کھانے والوں کے لئے سالن کا بھی کام دیتا ہے ویسے روغن زیتون کے فوائد ذاتی اور خارجی طب قدیم وجدید میں مسلم ہیں۔ حدیث میں بھی ہے کہ زیتون کا تیل کھاؤ اور لگاؤ کہ وہ مبارک درخت میں سے نکلتا ہے۔

اس کے بعد چوپایوں کا ذکر ہے۔ جس سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے ان میں سے بعض کا دودھ پیتے ہیں اور گوشت کھاتے ہیں بعض کے بالوں اور اون سے لباس تیار کیا جاتا ہے اور ان کے چمڑوں سے بھی بہت سے کام لئے جاتے ہیں اور پھر انہیں سواری اور بار برداری کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں تو گویا ان چوپایوں کا وجود میں آنا بھی انسانوں ہی کے منافع کے لئے ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ اَطِيْعُوْهُ وَوَحِّدُوْهُ **مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ** وَهُوَ اسْمُ مَا وَمَاقَبْلَهُ الْخَبَرُ وَمِنْ زَائِدَةٌ **اَفَلَا تَتَّقُوْنَ** ﴿۲۳﴾ تَخَافُوْنَ عُقُوْبَتَهٗ بِعِبَادَتِكُمْ غَيْرَهٗ **فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ** لِاَتْبَاعِهِمْ **مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ** يَتَشَرَّفَ **عَلَيْكُمْ** بِاَنْ يَّكُوْنَ مَتْبُوْعًا وَاَنْتُمْ اَتْبَاعَهٗ **وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ** اَنْ لَّايُعْبَدَ غَيْرُهٗ **لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً** بِذٰلِكَ لَابَشَرًا **مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا** الَّذِىْ دَعَا اِلَيْهِ نُوْحٌ مِنَ التَّوْحِيْدِ **فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ** ﴿۲۴﴾ اَىِ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ **اِنْ هُوَ** مَا نُوْحٌ **اِلَّا رَجُلٌ بِهٖ جِنَّةٌ** حَالَةُ جُنُوْنٍ **فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ** اِنْتَظِرُوْهُ **حَتّٰى حِيْنٍ** ﴿۲۵﴾ اِلٰى زَمَنِ مَوْتِهٖ **قَالَ** نُوْحٌ **رَبِّ انْصُرْنِىْ** عَلَيْهِمْ **بِمَا كَذَّبُوْنِ** ﴿۲۶﴾ اَىْ بِسَبَبِ تَكْذِيْبِهِمْ اِيَّاىَ بِاَنْ تُهْلِكَهُمْ قَالَ تَعَالٰى مُجِيْبًا دُعَاءَهٗ **فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ** السَّفِيْنَةَ **بِاَعْيُنِنَا** بِمَرْاٰى مِنَّا وَحِفْظِنَا **وَوَحْيِنَا** اَمْرِنَا **فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا** بِاِهْلَاكِهِمْ **وَفَارَ التَّنُّوْرُ** لِلْخَبَّازِ بِالْمَاءِ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَامَةً لِنُوْحٍ **فَاسْلُكْ فِيْهَا** اَىْ اَدْخِلْ فِى السَّفِيْنَةِ **مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ** ذَكَرًا وَاُنْثٰى اَىْ مِنْ كُلِّ اَنْوَاعِهِمَا **اثْنَيْنِ** ذَكَرًا وَاُنْثٰى وَهُوَ مَفْعُوْلٌ وَمِنْ مُتَعَلِّقٌ بِاُسْلُكْ وَفِى الْقِصَّةِ اِنَّ اللّٰهَ حَشَرَ لِنُوْحٍ السِّبَاعَ وَالطَّيْرَ وَغَيْرَهُمَا فَجَعَلَ يَضْرِبُ بِيَدَيْهِ فِى كُلِّ نَوْعٍ فَيَقَعُ يَدُهُ الْيُمْنٰى عَلَى الذَّكَرِ وَالْيُسْرٰى عَلَى الْاُنْثٰى فَيَحْمِلُهُمَا فِى السَّفِيْنَةِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ كُلٍّ بِالتَّنْوِيْنِ فَزَوْجَيْنِ مَفْعُوْلٌ وَاثْنَيْنِ تَاكِيْدٌ لَهٗ **وَاَهْلَكَ** اَىْ زَوْجَتَهٗ وَاَوْلَادَهٗ **اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ** بِالْاِهْلَاكِ وَهُوَ زَوْجَتُهٗ وَوَلَدُهٗ كِنْعَانُ بِخِلَافِ سَامٍ وَحَامٍ وَيَافِثٍ فَحَمَّلَهُمْ وَزَوْجَاتِهِمْ ثَلٰثَةٌ وَفِىْ سُوْرَةِ هُوْدٍ وَمَنْ اٰمَنَ وَمَا اٰمَنَ مَعَهٗ اِلَّا قَلِيْلٌ قِيْلَ كَانُوْا سِتَّةَ رِجَالٍ وَنِسَاؤُهُمْ وَقِيْلَ جَمِيْعُ مَنْ كَانَ فِى السَّفِيْنَةِ ثَمَانِيَةٌ وَسَبْعُوْنَ نِصْفُهُمْ رِجَالٌ وَنِصْفُهُمْ نِسَاءٌ **وَلَا تُخَاطِبْنِىْ فِى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** كَفَرُوْا بِتَرْكِ اِهْلَاكِهِمْ **اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ** ﴿۲۷﴾

فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اعْتَدَلْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ الْكَافِرِيْنَ وَاِهْلَاكِهِمْ وَقُلْ عِنْدَ نُزُوْلِكَ مِنَ الْفُلْكِ رَّبِّ اَنْزِلْنِىْ مُنْزَلًا بِضَمِّ الْمِيْمِ وَفَتْحِ الزَّاىِ مَصْدَرٌ اَوِاسْمُ مَكَانٍ وَبِفَتْحِ الْمِيْمِ وَكَسْرِ الزَّاىِ مَكَانُ النُّزُوْلِ مُّبٰرَكًا ذٰلِكَ الْاِنْزَالُ اَوِ الْمَكَانُ وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ مَاذُكِرَ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ مِنْ اَمْرِ نُوْحٍ وَالسَّفِيْنَةِ وَاِهْلَاكِ الْكُفَّارِ لَاٰيٰتٍ دَلَالَاتٍ عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَّاِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا ضَمِيْرُ الشَّانِ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾ مُخْتَبِرِيْنَ قَوْمَ نُوْحٍ بِاِرْسَالِهٖ اِلَيْهِمْ وَوَعْظِهٖ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ هُمْ عَادٌ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ هُوْدًا اَنْ اَىْ بِاَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ عِقَابَهٗ فَتُؤْمِنُوْنَ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ اَىْ بِالْمَصِيْرِ اِلَيْهَا وَاَتْرَفْنٰهُمْ اَنْعَمْنَاهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَاللّٰهِ لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ فِيْهِ قَسَمٌ وَشَرْطٌ وَالْجَوَابُ لِاَوَّلِهِمَا وَهُوَ مُغْنٍ عَنْ جَوَابِ الثَّانِىْ اِنَّكُمْ اِذًا اَىْ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُ لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَىْ مَغْبُوْنُوْنَ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هُوَ خَبَرُ اَنَّكُمُ الْاُوْلٰى وَاَنَّكُمُ الثَّانِيَةُ تَاكِيْدٌ لَهَا لِمَا طَالَ الْفَصْلُ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ اِسْمُ فِعْلٍ مَاضٍ بِمَعْنٰى مَصْدَرٍ اَىْ بَعُدَ بَعُدَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ مِنَ الْاِخْرَاجِ مِنَ الْقُبُوْرِ وَاللَّامُ زَائِدَةٌ لِلْبَيَانِ اِنْ هِىَ اَىْ مَا الْحَيٰوةُ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا بِحَيٰوةِ اَبْنَائِنَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ اَىْ مَا الرَّسُوْلُ اِلَّا رَجُلُ ۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ اَىْ مُصَدِّقِيْنَ فِى الْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِىْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ مِنَ الزَّمَانِ وَمَازَائِدَةٌ لَّيُصْبِحُنَّ يَصِيْرُوْنَ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰى كُفْرِهِمْ وَتَكْذِيْبِهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ صَيْحَةُ الْعَذَابِ وَالْهِلَاكِ كَائِنَةٌ بِالْحَقِّ فَمَاتُوْا فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً وَهُوَ نَبْتٌ يَبِسَ اَىْ صَيَّرْنَاهُمْ مِثْلَهٗ فِى الْيُبْسِ فَبُعْدًا مِنَ الرَّحْمَةِ لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ الْمُكَذِّبِيْنَ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اَىْ اَقْوَامًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا بِاَنْ تَمُوْتَ قَبْلَهٗ وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ عَنْهُ ذُكِّرَ الضَّمِيْرُ بَعْدَ تَانِيْثِهٖ رِعَايَةً لِلْمَعْنٰى ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا بِالتَّنْوِيْنِ وَعَدَمِهٖ اَىْ مُتَتَابِعِيْنَ بَيْنَ كُلِّ اِثْنَيْنِ زَمَانٌ طَوِيْلٌ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْوَاوِ رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا فِى الْهِلَاكِ وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ

بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ حُجَّةٍ بَيِّنَةٍ وَهِيَ الْيَدُ وَالْعَصَا وَغَيْرُهُمَا مِنَ الْاٰيَاتِ **اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا** عَنِ الْاِيْمَانِ بِهَا وَبِاللّٰهِ **وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ** ﴿۴۶﴾ قَاهِرِيْنَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ بِالظُّلْمِ **فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ** ﴿۴۷﴾ مُطِيْعُوْنَ خَاضِعُوْنَ **فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ** ﴿۴۸﴾ **وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ** التَّوْرٰةَ **لَعَلَّهُمْ** اَيْ قَوْمَهٗ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ **يَهْتَدُوْنَ** ﴿۴۹﴾ بِهٖ مِنَ الضَّلَالَةِ وَاُوْتِيَهَا بَعْدَ هَلَاكِ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ جُمْلَةً وَّاحِدَةً **وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ** عِيْسٰى **وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً** لَمْ يَقُلْ اٰيَتَيْنِ لِاَنَّ الْاٰيَةَ فِيْهِمَا وَاحِدَةٌ وِلَادَتُهٗ مِنْ غَيْرِ فَحْلٍ **وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ** مَكَانٍ مُرْتَفِعٍ وَهُوَ بَيْتُ الْمُقَدَّسِ اَوْ دِمَشْقُ اَوْ فَلَسْطِيْنُ اَقْوَالٌ **ذَاتِ قَرَارٍ** اَيْ مُسْتَوِيَةٍ لِيَسْتَقِرَّ عَلَيْهَا سَاكِنُوْهَا **وَّمَعِيْنٍ** ﴿۵۰﴾ اَيْ مَاءٍ جَارٍ ظَاهِرٍ تَرَاهُ الْعُيُوْنُ

ترجمہ: .... اور بے شک ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سوانہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کیا کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں تو کیا تم ڈرتے نہیں۔ (اس کی سزا سے غیر اللہ کی عبادت کرنے کے جرم میں **وما لکم من الہ** میں **لکم** خبر ہے **ما** کی اور **الہ** اس کا اسم ہے اور **من** زائد ہے) تو ان کی قوم میں جو کافر رئیس تھے وہ کہنے لگے کہ یہ شخص بجز اس کے کہ تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہے اور کچھ نہیں۔ یہ چاہتا ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے (اس طرح پر کہ یہ تمہارا قائد ہو اور تم اس کے مقتدی ہو) اور اگر خدا تعالیٰ یہی چاہتا (کہ غیر اللہ کی عبادت نہ کی جائے تو وہ) فرشتوں کو (رسول بنا کر) بھیجتا (نہ کہ کسی انسان کو) ہم نے یہ بات اپنے پہلے بڑوں سے تو سنی ہی نہیں (جس توحید کی طرف نوحؑ ہم لوگوں کو دعوت دیتا ہے) بس یہ (نوح) ایک آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا ہے۔ سو ایک خاص وقت (یعنی اس کے مرنے) تک انتظار کرو (نوح علیہ السلام نے) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرا بدلہ لیجئے کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا ہے (یعنی تکذیب کے جرم میں انہیں ہلاک کر دیجئے جس پر خدا تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کرتے ہوئے فرمایا) پس ہم نے ان کے پاس حکم بھیجا کہ تم ہماری نگرانی اور ہمارے حکم سے کشتی تیار کرو۔ پھر جب ہمارا حکم آ پہنچے (ان کی ہلاکت کا) اور زمین سے پانی ابلنا شروع ہو جائے (یہ گویا نوح علیہ السلام کو عذاب کے آنے کی ایک نشانی بتائی گئی تھی) تو ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک نر اور ایک مادہ یعنی دو دو عدد اس (کشتی) میں داخل کر لو (اس سلسلہ میں ایک قصہ یہ بیان کیا گیا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کے لئے ہر قسم کے درندے اور پرندے وغیرہ کو اکٹھا کر دیا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام اپنا ہاتھ بڑھاتے تو آپ کا داہنا ہاتھ اس نوع کے مذکر پر اور بایاں ہاتھ مادہ پر پڑتا جسے آپ اٹھا کر کشتی میں سوار کر لیتے۔ اثنین مفعول واقع ہو رہا ہے اور **من** متعلق ہے **فاسلک** کے۔ اور ایک قراءت میں **کل** کو تنوین پڑھا گیا ہی۔ اس صورت میں زوجین مفعول واقع ہوگا اور اثنین اس کی تاکید) اور اپنے گھر والوں کو بھی اس میں سوار کر لو بجز اس کے جس پر ان میں سے (غرق ہونے کا) حکم نازل ہو چکا ہے (مثلاً حضرت نوح کی بیوی اور ان کا لڑکا کنعان۔ ان کے علاوہ اور صاحبزادے سام۔ حام اور یافث اور ان کی بیویوں کو کشتی میں سوار کر لیا گیا۔ سورۂ ہود میں ارشاد ہے کہ ان لوگوں کو بھی کشتی میں سوار کر لیا گیا جو حضرت نوحؑ کے اوپر ایمان لائے تھے اور جن کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ کل چھ مرد اور چھ عورتیں تھیں اور دوسری روایت کے مطابق ان کی کل تعداد اٹھتر ۷۸ تھی (جس میں سے نصف مرد اور نصف عورتیں تھیں) اور مجھ سے ظالموں (یعنی کافروں کی نجات) کے بارے میں کچھ نہ کہنا بے شک وہ سب غرق ہو کر رہیں گے۔ پھر جب تم اور تمہارے ساتھی (اچھی

طرح) کشتی پر بیٹھ چکیں تو کہنا کہ ساری حمد خدا تعالیٰ ہی کے لئے ہے جس نے ہم کو ظالموں (یعنی کافروں) سے نجات دی (اور کشتی سے اترنے کے وقت) کہنا کہ اے پروردگار مجھے برکت کا اتارنا اتاریو۔ اور تو سب اتارنے والوں سے اچھا ہے (منزلاً اگر میم کے ضمہ اور ز کے فتحہ کے ساتھ پڑھیں تو مصدر یا اسم مکان کے معنی میں ہوگا۔ اور اگر میم کے فتحہ اور ز کے کسرہ کے ساتھ پڑھیں تو معنی ہوگا اترنے کی جگہ) اس (سارے واقعہ نوح اور ہلاکت کفار) میں بہت سی نشانیاں ہیں (خدا تعالیٰ کی قدرت پر) اور ہم آزماتے ہی رہتے ہیں (ان مخففہ من الثقیلہ ہے اور اس کا اسم وہ ضمیر شان ہے جو اس کے معنی میں پائی جا رہی ہے) پھر ہم نے دوسرا گروہ ان کے بعد پیدا کیا (اور وہ قوم عاد ہیں) پھر ہم نے ان کی طرف انہیں میں سے ایک پیغمبر (حضرت ہودؑ کو) بھیجا (یہ پیام دے کر) کہ اللہ ہی کی پرستش کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ سو کیا تم (اس کے عذاب سے) ڈرتے نہیں ہو۔ ان کی قوم میں جو سردار تھے اور جو کافر اور آخرت کے آنے کے منکر تھے اور ہم نے انہیں دنیا کی زندگی میں عیش بھی دے رکھی تھی۔ وہ کہنے لگے کہ یہ تو تمہارے ہی جیسا ایک معمولی آدمی ہے۔ وہی کھاتے ہیں۔ جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو۔ اور اگر اپنے ہی جیسے معمولی آدمی کے کہنے پر چلنے لگے تو بے شک تم گھاٹے ہی میں رہے (اس آیت میں ایک تو قسم ہے اور دوسرا شرط۔ اور قسم کا جو جواب ہے۔ وہی شرط کا بھی جواب بن جائے گا۔)

کیا یہ شخص تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور (مرکر) مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم (پھر سے) نکالے جاؤ گے۔ (مخرجون پہلے ان کا جواب ہے اور دوسرا ان یہ پہلے ان کے تاکید کے لئے ہے کیونکہ ان اور اس کے خبر کے درمیان فاصلہ بہت کافی ہو گیا تھا۔) بہت ہی بعید بہت ہی بعید ہے۔ جو بات تم سے کہی جاتی ہے (یعنی قبروں سے نکالنا۔ لما میں لام زائد ہے بیان کے لئے اور ھیھات ھیھات فعل ماضی کا اسم ہے۔ معنے میں مصدر کے یعنی بعد کے معنی میں) بس زندگی تو ہماری یہی دنیوی زندگی ہے کہ ہم میں کوئی مرتا ہے کوئی پیدا ہوتا ہے اور ہم ہرگز (دوبارہ) اٹھائے جانے والے نہیں۔ یہ (رسول) تو بس ایک انسان ہے جس نے خدا پر جھوٹ گھڑ لیا ہے۔ اور ہم تو ہرگز اس کو ماننے والے نہیں (اس لئے دوبارہ اٹھائے جانے پر یقین نہیں لا سکتے جس پر پیغمبر نے) کہا کہ اے میرے پروردگار میرا بدلہ لے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا۔ خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب یہ لوگ پچھتا کر رہیں گے (اپنے کفر اور تکذیب پر) چنانچہ پھر انہیں ایک سخت آواز نے (عذاب کی صورت میں) موافق وعدہ برحق کے آ پکڑا تو ہم نے ان کو خس و خاشاک بنا دیا (گویا سب کے سب ہلاک ہو گئے) سو خدا کی مار ظالم لوگوں پر (یعنی منکرین پر) پھر ہم نے ان کے بعد دوسرے گروہوں کو پیدا کیا۔ کوئی امت اپنے مقررہ وقت سے (ہلاک ہونے میں) نہ پیش دستی کر سکتی ہے اور نہ (اس مدت سے) وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے تھے (یہاں مذکر کی ضمیر لائی گئی جو کہ امتہ کی طرف راجع ہے معنی کی رعایت کرتے ہوئے کیونکہ امۃ قوم کے معنی میں ہے اور یہ مذکر ہے) پھر ہم نے اپنے پیغمبروں کو متواتر بھیجا (یکے بعد دیگرے اور ہر ایک پیغمبر کے درمیان ایک طویل وقفہ رکھا گیا تترا تنوین اور بغیر تنوین دونوں طرح ہے) جب کبھی کسی امت کے پاس اس کا پیغمبر آیا انہوں نے اسے جھٹلایا سو ہم نے بھی انہیں (ہلاک کرنے میں) ایک کے بعد ایک کا نمبر لگا دیا اور ہم نے انہیں کہانیاں بنا دیا۔ سو خدا کی مار ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے تھے۔ پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو بھیجا اپنے احکام اور کھلی دلیل (یعنی لاٹھی اور ہاتھ کی سپیدی وغیرہ کا معجزہ) دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس۔ سو ان لوگوں نے (خدا اور اس کے پیغمبر پر ایمان لانے سے) تکبر کیا اور وہ لوگ تھے ہی متکبر۔ چنانچہ وہ کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے ہی جیسے دو انسانوں پر ایمان لے آئیں درانحالیکہ ان کی قوم بھی ہمارے زیر حکم ہے۔ غرض وہ لوگ ان دونوں کی تکذیب ہی کرتے رہے سو وہ ہلاک ہو کر رہے (اور ان کی ہلاکت کے بعد) ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تاکہ وہ لوگ (یعنی قوم بنی اسرائیل) ہدایت پاویں۔ اور ہم نے ابن مریم (یعنی عیسیٰ) اور ان کی والدہ کو ایک بڑی نشانی بنایا (یہاں عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ دونوں کے لئے لفظ استعمال کیا گیا ایک بڑی نشانی کا درآنحالیکہ

یہ دو تھے مگر جس نشانی کا تذکرہ مقصود ہے اس میں دونوں مشترک تھے یعنی بغیر باپ کے ولادت۔ اس لئے ایک ہی بڑی نشانی کا تذکرہ ہوا) اور ہم نے ان دونوں کو بلند زمین پر پناہ دی جو ٹھہرنے کے قابل اور شاداب تھی (یہ بلند جگہ کون سی تھی اس میں مختلف اقوال ہیں بعض بیت المقدس کہتے ہیں، کوئی فلسطین اور کوئی دمشق قرار دیتے ہیں۔)

تحقیق وترکیب: ....نوحؑ۔ آپ کا لقب تھا اور نام بعض لوگوں نے عبدالغفار اور بعض نے عبداللہ کہا ہے۔ آپ کی عمر ایک ہزار پچاس سال ہوئی۔ طوفان کے بعد ساٹھ سال تک آپ بقید حیات رہے۔

من الله غیره.

الله اسم ہے ماکا اور غیره میں رفع اور جر دونوں قراءت ہے۔

فتربصوا. اس کی شرح بیضاویؒ نے یہ کی ہے کہ انتظار کرو شاید اس کا جنون کچھ کم ہو جائے۔ اور کرخیؒ نے اس کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ انکی موت تک انتظار کرو۔ بہر حال یہ جملہ مستانفہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ کچھ دن صبر کرو۔

باعیننا. یہ مجاز مرسل ہے اس سے مراد اپنی نگرانی ہے گویا لازم بول کر ملزوم مراد لیا گیا ہے۔

ووحینا. گویا یہ کشتی میری ہدایت کے مطابق تیار کرو۔ اس کشتی کے متعلق ایک روایت ہے کہ یہ تین سو گز لمبی اور پچاس گز چوڑی تھی اور اس کی اونچائی تیس گز کی تھی اور اس میں تین درجے تھے نیچے کا درندوں کے لئے تھا اور درمیانی حصہ چوپایوں کے لئے اور اوپر کا حصہ انسانوں کے لئے۔

اثنین. یہ مفعول ہے اس صورت میں جب کہ من کل زوجین میں کل پر تنوین نہ پڑھیں جیسا کہ عام قراءت ہے۔ اور اگر حفصؒ کی قراءت کے مطابق کل پر تنوین پڑھیں تو اس صورت میں زوجین مفعول واقع ہوگا۔

واهلك سے مراد آپ کی مومنہ بیوی ہیں۔ اور الا من سبق علیه القول سے مراد آپ کی کافرہ بیوی ہیں جن کا نام واعلہ تھا اور جو کنعان کی والدہ تھی۔

فقل الحمد لله...... یہ جواب ہے اذا شرطیہ کا جو استویت سے پہلے واقع ہے۔ یہاں ایک اعتراض یہ واقع ہو رہا ہے کہ قل کے بجائے قولوا کہنا چاہئے تھا کیونکہ حضرت نوحؑ کے ساتھ پوری قوم تھی۔ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ صرف حضرت نوحؑ کا تذکرہ یہ آپ کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے یا یہ کہ آپ کا دعا کرنا گویا پوری قوم کی طرف سے تھا۔ قرنا اخرین سے مراد قوم عاد ہے جیسا کہ ابن عباسؓ اور اکثر مفسرینؒ کی رائے ہے۔ اس کی دلیل میں یہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ سورۂ اعراف میں قصہ نوح علیہ السلام کے بعد فوراً قصہ ہود علیہ السلام کا تذکرہ ہے لہذا اس سے مراد قوم عاد ہی ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد قوم ثمود ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس جگہ اس قوم کے بارے میں فرمایا گیا کہ فاخذ تهم الصیحة یعنی ایک چیخ نے انہیں آ دبوچا اور چیخ کے ذریعہ قوم ثمود کی ہلاکت ہوئی ہے لہذا اس سے مراد قوم ثمود ہی ہوئی۔ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ صیحة سے مراد اس جگہ ہلاک کر دینے والا عذاب ہے نہ کہ لفظی ترجمہ یعنی چیخ..... انکم مخرجون ...... میں کئی اعراب ہو سکتے ہیں سب سے پہلی صورت یہ ہے کہ پہلے ان کا اسم جو ضمیر خطاب کی طرف مضاف تھا حذف کر دیا گیا۔ مضاف الیہ اس کا اب قائم مقام ہے اور اذا متم خبر ہے۔ انکم مخرجون تکرار کے لئے ہے کیونکہ ان اولیٰ تاکید کے لئے تھا اور محذوف پر دلالت کرنے کے لئے اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ تم جب مر جاؤ گے تو تمہیں دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔ دوسری صورت یہ ممکن ہے کہ ان اولیٰ کی خبر جو مخرجون ہے وہی خبر اذا میں عمل کر رہی ہے اور کیونکہ فصل طویل ہو گیا تھا اس لئے ان ثانی تاکید کے لئے استعمال کیا گیا..... تیسری ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان اولیٰ کی خبر محذوف ہے اور ان ثانیہ اس

منصوب پر دلالت کررہا ہے اصل عبارت یہ ہے انکم تبعثون اوران ثانیا اپنے معمولات کے ساتھ بدل واقع ہورہا ہے ان اولیٰ سے۔

لـمـا تـوعـدون …… کلمہ او فصل کے لئے ہے لیکن جلالین کے بعض نسخوں میں بجائے او کے واؤعاطفہ استعمال ہوا ہے۔ مصنف نے جو لا کو زائد قرار دیا ہے بعض شارحین کی رائے میں وہ زائد نہیں ہے بلکہ ضرورت کے مطابق ہے۔

عما قليل …… میں تین صورتیں ہیں کہ یہ لیصبحن کے متعلق ہے یا ندمین کے متعلق ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ننصرہ فعل محذوف کے متعلق ہے جس پر دلالت سابق کا قول رب انصرنی کرتا ہے ترجمہ یہ ہوگا کہ ہم بہت جلد انبیاء کی مدد کریں گے یا بہت جلد ہوں گے نادم۔

﴿ تشریح ﴾ : …………نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم میں تبلیغ شروع کی اورلوگوں تک خدا کی وحدانیت کا پیغام پہنچایا تو قوم کے سرداروں نے اپنے عوام سے کہا کہ تم کس پاگل کے چکر میں ہو یہ تو نبوت کا دعویٰ کرکے بڑا بننا چاہتا ہے اور سرداری کا خواہش مند ہے۔ بھلا تم خود سوچو کہ یہ تو ہم ہی جیسا ایک انسان ہے اس کے پاس خدا تعالیٰ کی وحی کس طرح آسکتی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کو کوئی نبی ہی بھیجنا تھا تو کسی فرشتہ کو بھیجتے نہ کہ ہم میں سے ایک معمولی انسان کو۔ کیونکہ مشرکین اس گمراہی میں مبتلا تھے کہ انسان کی ہدایت کے لئے کوئی مافوق البشر طاقت آسکتی ہے یا کوئی دیوتا اس کام کو انجام دے سکتا ہے نہ کہ انسان۔

یہ تو اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے کہ جس نے اس نظریہ کی تردید کی اور بار بار اعلان کیا کہ رسول تو بشر ہی ہوتا ہے اس میں اور عام انسانوں میں صرف یہ فرق ہوتا ہے کہ رسول کے پاس وحی آتی ہے اور عام انسانوں کے پاس وحی نہیں آتی۔ لیکن یہ بات کسی طرح کفار کی سمجھ میں آتی ہی نہیں تھی۔

ان سرداروں نے مزید یہ کہا کہ کیسی نئی اور انوکھی بات یہ کرتا ہے دیوی دیوتا جنہیں ہمارے آباء واجداد مانتے چلے آئے اس کا یہ منکر ہے اور صرف ایک خدا کی خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ تو کوئی پاگل معلوم ہوتا ہے کچھ دنوں کے بعد خود اس کا جنون ختم ہوجائے گا اس لئے یہ جو کچھ بک رہا ہے بکنے دو اس کی باتوں پر قطعاً دھیان مت دو۔

بشریت انبیاءؑ: ………… یہ پیغمبر بھی انسان ہی ہوتے ہیں یہ جب دیکھتے ہیں کہ ان کی دعوت کی برابر تکذیب کی جارہی ہے تو ان کا پیمانہ صبر لبریز ہوجاتا ہے اور پھر خدا سے نصرتِ الٰہی کے طالب ہوتے ہیں اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام جب تنگ آگئے اوران سے مایوس ہوگئے تو خدا تعالیٰ سے التجا کی کہ اے خدا میں لاچار و بے بس ہوگیا ہوں آپ میری مدد فرمایئے اوران منکرین کے مقابل میں غلبہ عطا فرمایئے۔

جس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ اے نوح! ایک مضبوط اور وسیع وعریض کشتی بناؤ اور اس میں ہر جنس سے ایک ایک جوڑا رکھ لو اور ساتھ ہی مومنین اور اپنے ان اعزہ واقارب کو بھی سوار کرلو جو تم پر ایمان رکھتے ہوں لیکن وہ لوگ جو کافر ہیں اور جن کی ہلاکت کا فیصلہ ہوچکا ہے ان کے حق میں کوئی سفارش نہ کرنا۔ چاہے وہ تمہارے اعزہ واقارب ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ ان کے حق میں سعی وکوشش لا حاصل ہے۔

انبیاء اور مومنین کو ہر قسم کے آداب اور ہر نعمت کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے اسی قانون کے مطابق اس کی تعلیم دی جارہی ہے کہ جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی پر سوار ہوجائیں تو یہ کہنا کہ سب تعریفیں خدا ہی کے لئے ہیں جس نے ہمیں ان ظالموں سے نجات دی۔ اسی طرح جب کشتی خشکی پر ٹھہرنے کے قریب ہوئی تو اس دعاء کی تعلیم دی گئی کہ اے خدا مجھے مبارک منزل پر

اتارنا اور تو ہی بہتر اتارنے والا ہے۔

خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو اس طرح کے حوادث میں مبتلا کر کے آزمانا چاہتا ہے اور ان کا امتحان لیتا ہے۔ نیز ان واقعات میں انبیاء کی تصدیق اور خدا تعالیٰ کی قدرت وحکمت کی بیشمار نشانیاں ہیں۔

پھر ارشاد ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد بھی بہت سی قومیں آئیں جیسا کہ قوم عاد وثمود وغیرہ اور ان میں بھی خدا تعالیٰ کے رسول آئے اور خدا کی عبادت اور اس کی وحدانیت کی تعلیم دی مگر انہوں نے بھی ان انبیاءؑ کی تکذیب کی اور انہیں صرف اسی بناء پر جھٹلایا کہ یہ انہیں کی طرح ایک انسان ہے۔ اور انہیں جیسی حاجتیں رکھتا ہے وہ بھی انہیں کی طرح کھاتا پیتا، اٹھتا، جاگتا، سوتا ہے۔ یہ انہیں کس طرح نبی مان لیں۔ خدا کا رسول تو وہ ہوسکتا ہے جو عجیب وغریب کرشمے دکھائے، بھوک وپیاس سے آزاد ہو اور کوئی مافوق البشر قوت ہو۔

اور یہ سردار اپنی قوم سے کہتے کہ اگر تم اپنے ہی جیسے ایک انسان کی بتائی ہوئی راہ پر چل پڑے تو اس سے بڑھ کر اور کیا بیوقوفی ہوگی اور یہ تو انتہائی کم عقلی کی دلیل ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے قیامت اور حشر ونشر کو بھی ماننے سے انکار کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ یہ سب دور از قیاس باتیں ہیں۔ قیامت اور حشر ونشر کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اس شخص نے یہ سب باتیں خود گھڑ لی ہیں ہم اسے ہرگز نہیں مان سکتے۔

ان کے کفر وانکار سے عاجز آ کر انبیاءؑ نے ان کے حق میں بددعائیں کیں جس کے نتیجہ میں یہ تباہ وبرباد ہو کر رہے چنانچہ حضرت نوحؑ کے بعد قوم ثمود پر بھی اسی جرم مین عذاب آیا اور ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا صرف ان کے کھنڈر مکانات ان کی تباہی وبربادی کی گواہی دے رہے تھے اور یہ سب خدا تعالیٰ کی جانب سے ان پر کوئی ظلم نہیں تھا بلکہ انہیں کے کئے ہوئے کی سزا تھی۔ اس سے لوگوں کو عبرت حاصل کرنا چاہئے اور انبیاءؑ کی مخالفت سے ڈرنا چاہئے۔

مسلسل انکار اور اس کی پاداش: ....قوم عاد وثمود کے بعد بھی بہت سی قومیں آئیں اور جن کی تقدیر میں تباہی وبربادی لکھ دی گئی تھی وہ ہو کر رہی اس میں نہ تقدیم ہوئی اور نہ تاخیر۔ اسی طرح مسلسل انبیاءؑ آتے رہے اور خدا کی وحدانیت کی تبلیغ کرتے رہے۔ اب ان میں سے جس نے اس تبلیغ پر عمل کیا وہ راہ راست پر آ گئے اور جن کی تقدیر میں بربادی مقدر تھی وہ انبیاءؑ کا انکار ہی کرتے رہے۔

یہاں یہ کہنا کہ جب ان کی تقدیر میں انبیاء کی تکذیب کے نتیجہ میں تباہی لکھ دی گئی تھی پھر ان پر الزام کس طرح کا...... تو اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی حاذق حکیم کسی مریض کو دیکھ کر یہ کہہ دے کہ یہ ہرگز نہیں بچے گا۔ اور حکیم کے کہنے کے مطابق وہ واقعی مر بھی گیا تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ حکیم نے اسے مار دیا بلکہ حکیم نے تو اپنے تجربہ کے نتیجہ میں یہ پیشین گوئی کی تھی کہ اس کے بچنے کی اب کوئی توقع نہیں ہے۔ اسی طرح ان قوموں کی ہلاکت ان کی نافرمانی کے نتیجہ میں ہے یہ ان پر کوئی ظلم نہیں ہے۔ اور کیونکہ یہ نافرمانی ہی کرنے والے تھے اس وجہ سے خدا تعالیٰ نے حاذق حکیم کی طرح قبل از وقت ان کی ہلاکت سے مطلع کر دیا۔

اسی سلسلہ انبیاء میں سے حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی حضرت ہارونؑ کو خدا تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کے پاس بھیجا تا کہ یہ انہیں راہ راست پر لاسکیں لیکن انہوں نے بھی حضرت موسیٰؑ کے واضح معجزات دیکھنے کے باوجود دوسری قوموں کی طرح ان کی تکذیب و مخالفت کی اور وہی اعتراضات کئے جو دیگر اقوام کرتی رہی ہیں۔ اور یہاں تو تذکرہ فرعون کے دربار کا ہے تو وہ تو واقعۃً اپنے آپ کو حاکم سمجھتے تھے اور بقیہ ان کے محکوم ورعایا تھی۔ اور ظاہر ہے کہ رعایا کے کسی فرد کی ان کی نظر میں کیا حیثیت ہوسکتی تھی...... بہر حال دوسری قوموں کی طرح یہ بھی ہلاک کر دیئے گئے اور ان کی ہلاکت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی گئی تا کہ وہ اپنی قوم کی اس کے ذریعہ ہدایت کر سکیں۔

حضرت موسیٰ کے تذکرہ کے بعد جو اسرائیلیوں میں سب سے پہلے نبی تھے ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا جاتا ہے

جو اسرائیلیوں کے آخری نبی تھے۔ ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ مریم کو خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کے اظہار کے لئے ایک بڑی نشانی بنائی تھی اور انہیں بغیر باپ کے پیدا کر دیا جس طرح حضرت حوا بغیر ماں کے صرف مرد سے پیدا ہوئیں تھیں اور اس سے بڑھ کر حیرت انگیز حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش تھی جہاں نہ ماں تھی اور نہ کوئی باپ۔ گویا بغیر مرد عورت کے آپ کی پیدائش ہوگئی اور پھر کہا گیا ہے کہ ہم نے انہیں ایک بلند جگہ پر پناہ دی۔ تو یہ جگہ کون سی تھی اور یہ واقعہ کب کا ہے اس سلسلے میں مختلف رائیں ہیں۔ بعض مفسرینؒ نے کہا ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے وقت کا واقعہ ہے اس وقت حضرت مریمؑ کسی بلند مقام پر مقیم تھیں اور نیچے چشمہ بہہ رہا تھا اور یہ دمشق یا فلسطین وغیرہ کی کوئی جگہ تھی۔ لیکن محققین مفسرینؒ کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد ملک مصر ہے اور آیت کا تعلق کسی اور واقعہ سے ہے جیسا کہ انجیل کی بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ اور خود آیت میں اوینهما سے بھی اشارہ اسی طرف ہے کہ کوئی خطرہ کا موقعہ تھا جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو بچایا گیا ہے۔

يٰـاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ اَلْحَلَالَاتِ **وَاعْمَلُوْا صَالِحًا** مِنْ فَرْضٍ وَنَفْلٍ **اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ** ﴿۵۱﴾ فَاُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ وَاعْلَمُوْا **اِنَّ هٰذِهٖ** اَىْ مِلَّةَ الْاِسْلَامِ **اُمَّتُكُمْ** دِيْنُكُمْ اَيُّهَا الْمُخَاطَبُوْنَ اَىْ يَجِبُ اَنْ تَكُوْنُوْا عَلَيْهَا **اُمَّةً وَّاحِدَةً** حَالٌ لَازِمَةٌ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِتَخْفِيْفِ النُّوْنِ وَفِىْ اُخْرٰى بِكَسْرِهَا مُشَدَّدَةً اِسْتِيْنَافًا **وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ** ﴿۵۲﴾ فَاحْذَرُوْنِ **فَتَقَطَّعُوْآ** اَىِ الْاَتْبَاعُ **اَمْرَهُمْ** دِيْنَهُمْ **بَيْنَهُمْ زُبُرًا** حَالٌ مِنْ فَاعِلِ تَقَطَّعُوْا اَىْ اَحْزَابًا مُتَخَالِفِيْنَ كَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَغَيْرِهِمَا **كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ** اَىْ عِنْدَهُمْ مِنَ الدِّيْنِ **فَرِحُوْنَ** ﴿۵۳﴾ مَسْرُوْرُوْنَ **فَذَرْهُمْ** اُتْرُكْ كُفَّارَ مَكَّةَ **فِىْ غَمْرَتِهِمْ** ضَلَالَتِهِمْ **حَتّٰى حِيْنٍ** ﴿۵۴﴾ اَىْ حِيْنَ مَوْتِهِمْ **اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ** نُعْطِيْهِمْ **مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ** ﴿۵۵﴾ فِى الدُّنْيَا **نُسَارِعُ** نُعَجِّلُ **لَهُمْ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ** ﴿۵۶﴾ اَنَّ ذٰلِكَ اِسْتِدْرَاجٌ لَهُمْ **اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ** خَوْفِهِمْ مِنْهُ **مُّشْفِقُوْنَ** ﴿۵۷﴾ خَائِفُوْنَ مِنْ عَذَابِهٖ **وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ** اَلْقُرْاٰنِ **يُؤْمِنُوْنَ** ﴿۵۸﴾ يُصَدِّقُوْنَ **وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ** ﴿۵۹﴾ مَعَهُ غَيْرَهُ **وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ** يُعْطُوْنَ **مَآ اٰتَوْا** اَعْطَوْا مِنَ الصَّدَقَةِ وَالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ **وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ** خَائِفَةٌ اَنْ لَا تُقْبَلَ مِنْهُمْ **اَنَّهُمْ** يُقَدَّرُ قَبْلَهُ لَامُ الْجَرِّ **اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ** ﴿۶۰﴾ **اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ** ﴿۶۱﴾ فِىْ عِلْمِ اللّٰهِ **وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا** اَىْ طَاقَتَهَا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يُصَلِّىَ قَائِمًا فَلْيُصَلِّ جَالِسًا وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يَصُوْمَ فَلْيَأْكُلْ **وَلَدَيْنَا** عِنْدَنَا **كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ** بِمَا عَمِلَتْهُ وَهُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ تُسْطَرُ فِيْهِ الْاَعْمَالُ **وَهُمْ** اَىِ النُّفُوْسُ الْعَامِلَةُ **لَا يُظْلَمُوْنَ** ﴿۶۲﴾ شَيْئًا مِنْهَا فَلَا يُنْقَصُ مِنْ ثَوَابِ اَعْمَالِ الْخَيْرِ وَلَا يُزَادُ فِى السَّيِّئَاتِ **بَلْ قُلُوْبُهُمْ** اَىِ الْكُفَّارِ **فِىْ غَمْرَةٍ** جَهَالَةٍ **مِّنْ هٰذَا** الْقُرْاٰنِ **وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ**

الْمَذْكُورِ لِلْمُؤْمِنِينَ **هُمْ لَهَا عَامِلُوْنَ** ﴿۶۳﴾ فَيُعَذَّبُوْنَ عَلَيْهَا **حَتّٰى** اِبْتِدَائِيَّةٌ **اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ** اَغْنِيَائَهُمْ وَرُؤُسَائَهُمْ **بِالْعَذَابِ** اَيِ السَّيْفِ يَوْمَ بَدْرٍ **اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ** ﴿۶۴﴾ يَضِجُّوْنَ يُقَالُ لَهُمْ **لَا تَجْئَرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ** ﴿۶۵﴾ لَا تُمْنَعُوْنَ **قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ** مِنَ الْقُرْاٰنِ **تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ** ﴿۶۶﴾ تَرْجِعُوْنَ قَهْقَرٰى **مُسْتَكْبِرِيْنَ** عَنِ الْاِيْمَانِ **بِهٖ** اَيْ بِالْبَيْتِ اَوِالْحَرَمِ بِاَنَّهُمْ اَهْلُهٗ فِي اَمْنٍ بِخِلَافِ سَائِرِ النَّاسِ فِيْ مَوَاطِنِهِمْ **سٰمِرًا** حَالٌ اَيْ جَمَاعَةٌ يَتَحَدَّثُوْنَ بِاللَّيْلِ حَوْلَ الْبَيْتِ **تَهْجُرُوْنَ** ﴿۶۷﴾ مِنَ الثُّلَاثِيِّ تَتْرُكُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَمِنَ الرُّبَاعِيِّ اَيْ تَقُوْلُوْنَ غَيْرَ الْحَقِّ فِي النَّبِيِّ وَالْقُرْاٰنِ قَالَ تَعَالٰى **اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا** اَصْلُهٗ يَتَدَبَّرُوْا فَاُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي الدَّالِ **الْقَوْلَ** اَيِ الْقُرْاٰنَ الدَّالَّ عَلٰى صِدْقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **اَمْ جَآءَ هُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَ هُمُ الْاَوَّلِيْنَ** ﴿۶۸﴾ **اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ** ﴿۶۹﴾ **اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ** اَلْاِسْتِفْهَامُ فِيْهِ لِلتَّقْرِيْرِ بِالْحَقِّ مِنْ صِدْقِ النَّبِيِّ وَمَجِيْءِ الرُّسُلِ لِلْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ وَمَعْرِفَةِ رَسُوْلِهِمْ بِالصِّدْقِ وَالْاَمَانَةِ وَاَنْ لَا جُنُوْنَ بِهٖ **بَلْ** لِلْاِنْتِقَالِ **جَآءَ هُمْ بِالْحَقِّ** اَيِ الْقُرْاٰنِ الْمُشْتَمِلِ عَلَى التَّوْحِيْدِ وَشَرَائِعِ الْاِسْلَامِ **وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ** ﴿۷۰﴾ **وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ** اَيِ الْقُرْاٰنُ **اَهْوَآءَ هُمْ** بِاَنْ جَاءَ بِمَا يَهْوُوْنَهٗ مِنَ الشَّرِيْكِ وَالْوَلَدِ لِلّٰهِ تَعَالٰى عَنْ ذٰلِكَ **لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ** اَيْ خَرَجَتْ عَنْ نِظَامِهَا الْمُشَاهَدِ لِوُجُوْدِ التَّمَانُعِ فِي الشَّيْءِ عَادَةً عِنْدَ تَعَدُّدِ الْحَاكِمِ **بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ** اَيْ بِالْقُرْاٰنِ الَّذِيْ فِيْهِ ذِكْرُهُمْ وَشَرَفُهُمْ **فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ** ﴿۷۱﴾ **اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا** اَجْرًا عَلٰى مَاجِئْتَهُمْ بِهٖ مِنَ الْاِيْمَانِ **فَخَرَاجُ رَبِّكَ** اَجْرُهٗ وَثَوَابُهٗ وَرِزْقُهٗ **خَيْرٌ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ خَرْجًا فِي الْمَوْضِعَيْنِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ اُخْرٰى خِرَاجًا فِيْهِمَا **وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ** ﴿۷۲﴾ اَفْضَلُ مَنْ اَعْطٰى وَاَجَرَ **وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ** طَرِيْقٍ **مُّسْتَقِيْمٍ** ﴿۷۳﴾ اَيْ دِيْنِ الْاِسْلَامِ **وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ** بِالْبَعْثِ وَالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ **عَنِ الصِّرَاطِ** اَيِ الطَّرِيْقِ **لَنٰكِبُوْنَ** ﴿۷۴﴾ عَادِلُوْنَ **وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ** اَيْ جُوْعٍ اَصَابَهُمْ بِمَكَّةَ سَبْعَ سِنِيْنَ **لَّلَجُّوْا** تَمَادَوْا **فِيْ طُغْيَانِهِمْ** ضَلَالَتِهِمْ **يَعْمَهُوْنَ** ﴿۷۵﴾ يَتَرَدَّدُوْنَ **وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ** الْجُوْعِ **فَمَا اسْتَكَانُوْا** تَوَاضَعُوْا **لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ** ﴿۷۶﴾ يَرْغَبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ فِي الدُّعَاءِ **حَتّٰى** اِبْتِدَائِيَّةٌ **اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا** صَاحِبَ **عَذَابٍ شَدِيْدٍ** هُوَ يَوْمُ بَدْرٍ بِالْقَتْلِ **اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ** ﴿۷۷﴾ اٰيِسُوْنَ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ

ترجمہ: .... اے پیغمبر وا نفیس چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو (فرض بھی اور نفل بھی) تم جو کچھ کرتے ہو میں اسے خوب جانتا ہوں

(اس لئے اس پر جزا بھی دوں گا) اور (دیکھو) یہ (سلام) تمہارا دین ہے۔ (اس لئے اس پر مستقیم رہو) جو (عقائد اور) اصول شریعت میں متحد ہے (امۃً واحدۃً حال لازم ہے۔ ایک قراءت میں ان کے بجائے ان بھی آیا ہے اور دوسری قراءت میں ان استعمال ہوا ہے جو کہ مستانفہ ہے) میں تمہارا رب ہوں مجھ سے ڈرتے رہو (ہمارے اس واضح حکم کے بعد متبعین نے وحدت دین کو کثرت سے بدل دیا۔ زبراً تقطعوا کے فاعل سے حال ہے یعنی مختلف گروہ بن گئے جیسا کہ یہود و نصاریٰ وغیرہ) اب ہر گروہ اپنے عقائد پر فرحاں و شاداں ہیں۔ تو آپ کفار مکہ کو ان کی گمراہی میں رہنے دیجئے کچھ وقت تک (یعنی ان کی موت تک) کیا یہ سمجھتے ہیں کہ جو ہم ان کو مال و اولاد (دنیا میں) دے رہے ہیں وہ ہم بعجلت ان کے ساتھ بھلائی کر رہے ہیں (یہ خام خیالی ہے) بلکہ ان کو احساس تک نہیں (کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایک ڈھیل ہے، ہم نیک معاملہ تو ان لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں۔) جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں (اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں) اور جو اپنے رب کی آیات (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں۔ نیز وہ جو شرک نہیں کرتے اور وہ بھی جو دیتے ہیں (صدقہ، خیر خیرات وغیرہ) درآنحالیکہ ان کے دل اس تصور سے کانپتے ہوتے ہیں (کہ کہیں خدا تعالیٰ ان کی خیر خیرات کو قبول نہ کرے) اور جو اپنے رب کے پاس جانے کا پورا یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ البتہ فائدے جلدی جلدی حاصل کر رہے ہیں اور وہی ان کی طرف دوڑ رہے ہیں (اللہ کے علم میں اور ہمارا یہ دستور ہے) کہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کسی حکم کا پابند نہیں کرتے (چنانچہ مسئلہ صاف ہے کہ اگر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھ لو۔ روزہ کی طاقت نہ ہو تو افطار کر لو) اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو صحیح صحیح انسان کے اعمال کو بتائے گی (لوح محفوظ جس میں سب کے اعمال لکھے جاتے ہیں) اور ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی (نیک اعمال کا ثواب کم نہیں کیا جائے گا...... اور یہ بھی نہ ہوگا کہ برائیوں میں ہم از خود کوئی اضافہ کر دیں لیکن (اس کے باوجود) ان (کافروں) کے دل جہالت میں پڑے ہوئے ہیں (اس قرآن سے یا اسی حقیقت مذکورہ سے) اور یہ کافر اہل ایمان کے بیان کردہ اعمال صالح سے گھٹے ہوئے عمل کرتے ہیں (تو جس طرح اہل ایمان کو جزا ملے گی انہیں بالیقین اپنے برے اعمال پر سزا ملے گی) یہاں تک کہ جب ہم پکڑتے ہیں ان کے مالداروں کو یا سرداروں کو عذاب میں (جیسا کہ بدر میں ان کو جھنجھوڑا تھا) تو پھر یہ چلا اٹھتے ہیں (اس وقت ان سے کہا جائے گا) کہ اب چلاؤ مت آج تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گا (پھر چلانے سے کیا فائدہ) قرآن کی آیات تمہارے سامنے پڑھی جاتی تھیں لیکن تم الٹے پاؤں لوٹ جاتے تھے اور تکبر کرتے تھے (قبول ایمان سے وامن کعبہ اور جوار حرم میں جو امن و امان تمہارے لئے مہیا تھا جس سے دوسرے محروم تھے وہی تمہارے تکبر کی بنیاد بنا۔ سامراً ...... منصوب بر بناء حال ہے جوار کعبہ میں) قصہ گوئی کے لئے تم چلے جاتے اور قرآن مجید کا سننا چھوڑ دیتے۔ (تھجرون ...... ثلاثی اور رباعی دونوں باب سے مستعمل ہے۔ ثلاثی سے تو معنی چھوڑنے ہی کے ہیں اور رباعی کی صورت میں معنی ہوں گے کہ تم قرآن اور نبی کے بارے میں خلاف واقعہ باتیں بناتے ہو) کیا تم نے غور نہیں کیا (یدبروا اصل میں یتدبروا تھا تا کو دال میں مدغم کر دیا گیا۔ القول ...... کیا تم نے قران پر غور نہیں کیا جو بجائے خود نبی کی صداقت کی دلیل ہے) یا تمہارے پاس کوئی ایسی بات آئی جو تمہارے آباء و اجداد کے پاس نہیں تھی۔ کیا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا کہ یہ اس کا انکار کرتے ہیں یا کہتے ہیں کہ نبی مجنون ہے (جملہ سوالات میں استفہام آنحضور ﷺ کی نبوت کو ثابت کرنے، پچھلی امتوں میں انبیاء کے آنے اور امم سابقہ کا اپنے پیغمبروں کو پہچاننے اور ان کی صداقت و امانت کو تسلیم کرنے اور یہ کہ کوئی نبی مجنون نہیں تھا۔ ان سب مضامین کی تاکید ہے) نہیں ایسا نہیں بلکہ حق پہنچ چکا (یعنی قرآن ان کے پاس پہنچ چکا جو مضمون توحید اور قوانین اسلام پر مشتمل ہے) مگر ان میں اکثر حق کو ناپسند کرتے ہیں اور (ادھر بات یہ ہے کہ) اگر قرآن ان کی بیجا خواہشات کی پیروی کرنے لگے (مثلاً ان کے شرک وغیرہ کی تائید جس سے خدا تعالیٰ بری ہے) تو زمین و آسمان پھٹ جائیں اور جو کچھ ان کے درمیان ہیں (موجودہ نظام شکست و ریخت ہو جائے کیونکہ

عادۃً حکام کے متعدد ہونے کی صورت میں باہمی کشمکش ضروری ہے) ہم نے تو ان پر قرآن نازل کیا تھا (جس میں ان کے تذکرے اور ان کے شرف وامتیاز کے مضامین تھے) لیکن یہ تو اپنے ذکر سے بھی اعراض کرتے ہیں (خدا جانے اعراض کی وجہ کیا ہے) کیا آپ ان سے معاوضہ طلب کرتے ہیں (اس دعوت ایمان کا جو آپ نے ان کو دی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ ان سے کیا مانگتے اور یہ آپ کو کیا دیتے) معاوضہ جو آپ کو خدا کی طرف سے ملنے والا ہے اعلیٰ وارفع ہے (تو کون احمق ہوگا جو اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کا طالب ہو) خدا تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے (سب اجر ومعاوضہ دینے والوں سے) اور آپ انہیں صحیح راستہ کی جانب بلاتے ہیں لیکن آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے (منکرین حشر ونشر اور منکرین ثواب وعقاب) صحیح راستہ سے کتراتے ہیں اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور ان کی تکلیف کو دور کریں (اور اس خشک سالی کو بھی ہٹا دیں جو اہل مکہ پر سات سال سے مسلط ہے تو بجائے احسان مند ہونے کے) یہ اپنی سرکشی میں اور بڑھ جائیں گے اور اسی سرکشی میں مبتلا رہیں گے اور ہم نے ان کو عذاب (قحط سالی) میں مبتلا کیا۔ لیکن نہ تو انہوں نے تواضع اختیار کی اور نہ ہی یہ گڑگڑائے (کہ ان کی دعاؤں میں شان اخلاص پیدا ہوتی) اور جب سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا گیا (جس کے نتیجہ میں یہ بدر میں مارے جانے لگے) تو بس مایوس ہوگئے (اور کسی خیر کی بھی ان کو توقع نہ رہی)

تحقیق وترکیب: ....ان ھٰـذہ امتـکـم ...... ان مفتوحہ ایک محذوف کا معمول ہے اس محذوف پر آخری دو قرأتوں میں نشان دہی ہوگی۔ ھـذہ ان کا اسم ہے اور امتـکـم اس میں خبر ہے۔ دوسرا لفظ امتـہ حال لازم ہے اور واحـدۃ اس کی صفت ہے۔ یہ اعراب ان صورتوں میں ہے جبکہ ان کو مشدد پڑھا جائے اور اگر ان کو مخفف پڑھیں تو اس کا اسم ضمیر شان ہے جو اپنے حال کی ساتھ ایک محذوف کا معمول ہے۔ ھذہ مبتدا...... ان ھذہ ...... ان کا ہمزہ مفتوح ہے لام یہاں مقدر ہوگا تقدیر عبارت ہوگی۔ لان ھذہ اور جملہ تعلیل کا مفہوم ادا کرے گا ترجمہ یہ ہوگا کہ مجھ ہی سے ڈرو کیونکہ تمہاری ملت، ملت واحدہ ہے اور میں ہی رب ہوں۔

زبرا...... زبور کی جمع ہے۔ جس کے معنی ٹکڑے کے آتے ہیں۔ تـقطعوا سے حال واقع ہو رہا ہے اور یہی اس کے منصوب ہونے کی وجہ ہے۔

وقـلوبھم وجلۃ...... جملہ حالیہ ہے یوتون کے فاعل سے ترجمہ یہ ہے کہ یہ لوگ اعمال صالحہ کے باوجود عدم قبولیت کے اندیشہ میں رہتے ہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ ان کے دل ہیبت وجلال الٰہی سے لبریز ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مشہور جملہ بھی اسی معنی میں ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی مخفی کارروائی سے خود کو محفوظ نہیں سمجھتا۔ اگرچہ میرا ایک پاؤں جنت ہی میں کیوں نہ ہو۔ صاوی میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خوف خدا کی وجہ سے اس قدر روتے کہ ان کے رخسار پر آنسوؤں کے گڑھے پڑ گئے تھے۔

وھـم لھا سابقون...... ضمیر لھا میں تین اعراب میں بظاہر اس کا مرجع خیرات ہے۔ یا پھر جنۃ اور ہوسکتا ہے کہ سعادت مرجع ہو۔ سـابـقـون خبر ہے اور لھـا اس کے متعلق جسے فاصلہ یا اختصاص کے لئے استعمال کیا گیا۔ معنی یہ ہوں گے کہ طاعات وعبادات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ مـن دون ذلـک اس کا تعلق مومنین ہی سے ہے۔ لیکن قتادہؒ کی تحقیق کے مطابق لھـم ضمیر مسـلـمـیـن کی طرف لوٹتی ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ مسلمان اعمال خیر کے علاوہ ان سے گھٹیا بھی کچھ عمل کرتے ہیں...... اذاھـم یـجـئـرون...... اذاھم جملہ مفاجاتیہ شرط کا جواب ہے اور شرط کی قید بھی ہوسکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں جواب یہ ہوگا کہ اب مت چلاؤ۔ اس جواب کی جانب اللہ تعالیٰ کا ارشاد لاتجئروا اشارہ کرتا ہے۔ تھجرون یہ ہجر سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ترک یا ہذیان کے آتے ہیں۔ نافعؒ اھجار سے ماخوذ مانتے ہیں معنی بیہودہ گوئی۔

لـلـجـوا. یہ لـو کا جواب ہے اور اس میں دو لام مسلسل آ رہے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جب لـو کے ساتھ کوئی بات

شروع کی جائے تو جواب میں نفی جس کا آغاز لم سے ہو، ہونی چاہئے۔ یہ اس لئے کہ قرآن مجید میں اس موقعہ پر اس قاعدہ کی کوئی نشان دہی نہیں ہے جو اس کی علامت ہے کہ قاعدہ مذکورہ بالا زیادہ صحیح نہیں ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... ارشاد ہے کہ اے پیغمبرو! تم ...... اور تمہاری امت بھی حلال چیزیں کھایا کرو اور ساتھ ہی عمل صالح کی بھی فکر رہے۔ اگر چہ خطاب تو پیغمبروں کو کیا گیا ہے مگر ان کے ذیل میں ان کے پیروکار اور ان کی امتیں بھی مخاطب ہیں ...... کلوا من الطیبت سے لذیذ اور نفیس کھانوں سے مراد ان کے انواع واقسام نہیں بلکہ رزق مراد ہے۔ حرام رزق میں اگر لذت ہے بھی تو وہ عارضی ہے۔ حقیقی لذت اس میں موجود نہیں، ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا گیا کہ یہ نہ سمجھنا کہ تم جو کچھ کر رہے ہو اس کا ہمیں علم ہی نہیں ہے بلکہ ہم تو اچھی طرح خبر دار ہیں ...... نیز مجھ سے ڈرتے رہو کیونکہ میں ہی تم سب کا رب اور خدا ہوں اور میں ہی قابل پرستش ہوں۔ اس لئے میری وحدانیت کی طرف لوگوں کو بلاتے رہو اور اسی طریقہ پر جمے رہو۔ یہی طریقہ صحیح اور برحق ہے۔

انبیاء کرام اپنی امتوں کو دین برحق کی دعوت دیتے رہے۔ لیکن بدقسمتی سے انہوں نے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور جس گمراہی میں مبتلا تھے اسی کو حق سمجھ کر اس پر جمے رہے۔ انہیں کے متعلق فرمایا گیا کہ اے پیغمبر آپ کا کام صرف دعوت دینا تھا، اگر یہ اس دعوت کو قبول نہیں کرتے ہیں تو آپ غم نہ کیجئے، انہیں ان کی گمراہی میں مبتلا رہنے دیجئے۔ یہاں تک کہ ان کی تباہی و بربادی کا وقت آ جائے۔ کیا یہ اپنی گمراہی کے باوجود یہ گمان کر رہے ہیں کہ انہیں جو مال واولاد اور دنیاوی عیش وعشرت ملی ہوئی ہے وہ ان کے نیک اعمال کے نتیجہ میں ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ دھوکہ میں مبتلا ہیں اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ عیش وعشرت اور مال ودولت جو انہیں دنیا میں ملی ہوئی ہے وہ آخرت میں بھی باقی رہے گی۔ یہ ممکن نہیں بلکہ انہیں جو کچھ دنیاوی زندگی میں ملا ہوا ہے، وہ تو ایک مختصر وقت کے لئے مہلت اور ڈھیل دی گئی ہے تاکہ شاید یہ حق کو قبول کر لیں اور راہ راست پر آ جائیں اور جب ان کی تباہی کا وقت آ جائے گا تو نہ یہ مال باقی رہیں گے اور نہ اولاد ...... ان کے مقابل میں مومنین کا بھی تذکرہ ہے اور ان کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایمان اور نیک اعمال کرنے کے باوجود خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن نیکی اور خوف خدا کا مجموعہ ہوتا ہے اور منافق برائی کے باوجود نڈر اور بے خوف ہوتا ہے۔ مشرکین عرب خدا تعالیٰ کی الوہیت کو مانتے ہوئے دوسروں کو اس کا شریک بھی قرار دیتے تھے اسی وجہ سے شریعت میں صرف اقرارِ وجود باری ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ نفی شرک بھی ضروری ہے۔ اسی وجہ سے اہل ایمان خدا تعالیٰ کو واحد اور بے نیاز مانتے ہیں اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتے۔ مومن کی دوسری شان یہ بیان کی گئی کہ وہ اللہ کی راہ میں خیرات کرتے رہتے ہیں اور اس سے خوفزدہ بھی رہتے ہیں کہ کہیں اس کا دینا لینا خدا کے یہاں قبول نہ ہوا ہو۔ یہ اہل ایمان اور اہل تقویٰ ہی نفع میں ہیں نہ کہ کافر ومشرکین جو اپنی دنیوی کامیابی وکامرانی پر مغرور ہو کر خود کو برحق سمجھ رہے ہیں۔

ایک حقیقت: .... خدا تعالیٰ نے ایسے احکامات نازل فرمائے ہیں جسے انسان بسہولت ادا کر سکتا ہو۔ کوئی ایسا حکم نہیں دیا جو انسان کے بس سے باہر ہو اور پھر قیامت کے دن خدا تعالیٰ ان کے اعمال کا حساب لے گا جو ان کے نامہ اعمال میں درج ہے، جس میں سہو وغلطی کا کوئی امکان بھی نہیں۔ کسی پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا اور نہ کوئی نیکی کم کی جائے گی۔ لیکن مشرکین کے دل قرآن سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی بداعمالیاں ہیں جس طرح مومنین کے پاس دولت ایمان کے علاوہ اعمال حسنہ کا بھی سرمایہ ہوتا ہے تو جب ان کے سرداروں کو ان بداعمالیوں کے نتیجہ میں پکڑا جاتا ہے تو وہ اپنا غرور وتکبر بھول کر فریاد اور رحم کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں

۔اس وقت کہا جائے گا کہ یہ دارالجزاء ہے۔دارالعمل نہیں ۔اب چیخنے چلانے سے کیا فائدہ۔جو کچھ کرنا تھا کر چکے اور اب کون ہے جو تمہیں خدا کے عذاب سے بچائے گا اور خدا کے مقابل میں تمہاری مدد کر سکے گا۔

ان کا ایک بہت بڑا جرم یہ بیان کیا گیا کہ یہ خدا تعالیٰ کی آیات کے منکر تھے،انہیں دعوت دی جاتی تھی مگر یہ اس کا مذاق اڑاتے اور خدا کی وحدانیت کو تسلیم کرنے کے بجائے شرک وکفر پر جمے ہوئے تھے اور اہل حق کو حقیر وذلیل سمجھتے تھے۔

مستکبرین بہ میں بہ کی ضمیر کا مرجع یا تو حرم ہے کہ یہ اس میں بے ہودہ باتیں کرتے تھے یا اس کا مرجع قرآن ہے جس کا یہ مذاق اڑاتے تھے یا خود آنحضور ﷺ مراد ہیں جنہیں یہ شاعر وکاہن کہا کرتے تھے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بیت اللہ کی تولیت پر فخر کیا کرتے تھے اور اپنے آپ کو اولیاء اللہ سمجھتے جو ان کا محض وہم تھا۔محققین نے اس سے اخذ کیا ہے کہ اپنی کسی نسبت اضافی پر فخر کرنا مثلاً یہ کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں یا فلاں فلاں برکات کے حامل ہیں، یہ مذموم ہے۔

انکار کیوں؟............ مشرکین جو آیات قرآنی کا انکار کرتے تھے اس سلسلہ میں ارشاد ہے کہ کیا یہ لوگ آیات کے منکر صرف اس وجہ سے تھے کہ وحی ورسالت کا تخیل ان کے لئے نامانوس تھا اور یہ دعوت پہلی مرتبہ ان تک پہنچی تھی۔کیونکہ ان کے آباء واجداد زمانہ جاہلیت میں مرے تھے جن کے پاس نہ کوئی خدا کی طرف سے نازل شدہ کتاب تھی اور نہ کوئی رسول ان تک پہنچا تھا۔اگر یہی بات تھی تو انہیں چاہئے تھا کہ غور وفکر کرتے اور کتاب اللہ کی قدر کرتے۔اگر یہ خالی الذہن ہو کر غور وفکر سے کام لیتے تو یقیناً قرآن کے اعجاز کے قائل ہو جاتے اور تکذیب سے باز آ جاتے۔لیکن انہوں نے کبھی اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔گویا تکذیب کا اصل سبب ان کی بے التفاتی رہی۔

یا ان کی تکذیب کی یہ وجہ ہو سکتی تھی کہ یہ رسول کے صدق اور دیانت وامانت سے ناواقف تھے تو یہ بات بھی نہیں کیونکہ آنحضور ﷺ تو انہیں میں پیدا ہوئے اور اسی ماحول میں آپ ﷺ نے پرورش پائی اور یہ لوگ آپ ﷺ کی پاکیزہ سیرت سے خوب اچھی طرح واقف تھے بلکہ آپ ﷺ کی امانت وصداقت اور آپ کی فہم وذکاوت کے قائل تھے۔اس دور میں بھی اہل یورپ آپ کی دانائی اور خوش تدبیری کے پوری طرح معترف ہیں مگر اس کے باوجود حق کو تسلیم نہیں کرتے۔

تو گویا ان کے انکار کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ یہ حق ہی سے بیزار ہیں اور طلب حق کی ان کے اندر کوئی تڑپ موجود نہیں...... اور اتباع حق تو کیا کرتے دین ہی کو اپنا تختہ مشق بنانا چاہتے تھے اور ان کی یہ خواہش تھی کہ دین کے احکامات ان کی مرضی کے مطابق ہوتے۔ان کا یہ بھی مطالبہ تھا کہ نزول قرآن کسی معزز ومکرم شخص پر ہونا چاہئے تھا۔

اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ کیا رحمت خداوندی کی تقسیم انہیں کے ہاتھوں میں ہے؟ اور اگر دین ان کی مرضی کے مطابق نازل ہوتا تو سارا نظام ہی درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔کیونکہ انسانی دماغ اس کا اہل ہی نہیں ہے کہ وہ مخلوق کے انتظامات کی صلاحیت رکھتا ہو...... یہ تو خدا تعالیٰ کی شان اور قدرت ہے کہ وہ تمام مخلوق کی حاجت برآری اس کی ضرورت اور مصلحت کے مطابق کرتے رہتے ہیں۔فرمایا گیا کہ یہ قرآن تو ان کی نصیحت کے لئے نازل کیا گیا تھا مگر یہ اپنے نفع ونقصان کی طرف سے اندھے ہو چکے ہیں۔انہیں اس کا کوئی خیال ہی نہیں۔

پھر فرمایا گیا کہ آپ ﷺ تو تبلیغ قرآن پر ان سے کوئی اجرت اور معاوضہ بھی نہیں مانگتے جیسا کہ اکثر دوسرے مذاہب کے پجاری اپنے ماننے والوں سے طلب کیا کرتے ہیں۔اسی سے فقہاء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ علماء اور واعظین کو اجرت طلب کرنا جائز نہیں...... نیز فرمایا گیا کہ آپ ﷺ اعلان کر دیجئے کہ میں تم لوگوں سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا ہوں۔سب سے بہتر بدلہ دینے والا تو خدا تعالیٰ ہی ہے۔

کہا گیا کہ ان کی فطرت مسخ ہو چکی ہے۔اگر ان کی پریشانیوں اور ان کے عذاب کو دور بھی کر دیا جائے تو بھی اپنے اعناد وسرکشی کی

وجہ سے دین حق قبول نہیں کر سکتے۔

ارشاد ہے کہ انہیں ان کے اسی کفر وشرک کی وجہ سے مصیبتوں میں مبتلا کیا گیا۔ اس سے اشارہ اس قحط سالی کی طرف ہے جو ۸ ہجری میں مکہ میں ہوئی تھی۔ جس سے اہل مکہ نے پریشان ہو کر آنحضور ﷺ کے پاس ابوسفیان کو بھیجا تھا کہ آنحضور ﷺ سے دعا کرائیں۔ تو ان مصیبتوں میں مبتلا ہونے کے باوجود خدا کے سامنے عاجزی وانکساری کا ہاتھ نہیں پھیلایا۔ بلکہ اپنے کبر وغرور پر جمے رہے اور شرک وکفر میں مبتلا رہے۔ یہاں تک کہ انہیں ان عذابوں میں مبتلا کر دیا جائے گا جس کا ان کو وہم وگمان بھی نہ ہوگا اور پھر حسرت کے ساتھ دیکھتے رہ جائیں گے اور وہ ہر بھلائی سے مایوس ہوں گے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ خَلَقَ **لَكُمُ السَّمْعَ** بِمَعْنَى الْاَسْمَاعِ **وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ** الْقُلُوْبَ **قَلِيْلًا مَّا** تَاكِيْدٌ لِلْقِلَّةِ **تَشْكُرُوْنَ**﴿۷۸﴾ **وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ** خَلَقَكُمْ **فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ**﴿۷۹﴾ تُبْعَثُوْنَ **وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ** بِنَفْخِ الرُّوْحِ فِي الْمُضْغَةِ **وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ** بِالسَّوَادِ وَالْبَيَاضِ وَالزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ**﴿۸۰﴾ صَنِيْعَهُ تَعَالٰى فَتَعْتَبِرُوْنَ **بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ**﴿۸۱﴾ **قَالُوْٓا** اَيِ الْاَوَّلُوْنَ ءَ**اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ**﴿۸۲﴾ لَا وَفِي الْهَمْزَتَيْنِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ التَّحْقِيْقُ وَتَسْهِيْلُ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالُ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ **لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا** اَيِ الْبَعْثُ بَعْدَ الْمَوْتِ **مِنْ قَبْلُ اِنْ** مَا **هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ** اَكَاذِيْبُ **الْاَوَّلِيْنَ**﴿۸۳﴾ كَالْاَضَاحِيْكِ وَالْاَعَاجِيْبِ جَمْعُ اُسْطُوْرَةٍ بِالضَّمِّ **قُلْ** لَهُمْ **لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ** مِنَ الْخَلْقِ **اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ**﴿۸۴﴾ خَالِقَهَا وَمَالِكَهَا **سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ** لَهُمْ **اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ**﴿۸۵﴾ بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الذَّالِ تَتَّعِظُوْنَ فَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلَى الْخَلْقِ اِبْتِدَاءً قَادِرٌ عَلَى الْاِحْيَاءِ بَعْدَ الْمَوْتِ **قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ**﴿۸۶﴾ الْكُرْسِيِّ **سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ**﴿۸۷﴾ تَحْذَرُوْنَ عِبَادَةَ غَيْرِهِ **قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ** مُلْكُ **كُلِّ شَيْءٍ** وَالتَّاءُ لِلْمُبَالَغَةِ **وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ** يُحْمٰى وَلَا يُحْمٰى عَلَيْهِ **اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ**﴿۸۸﴾ **سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ** وَفِي قِرَاءَةٍ لِلّٰهِ بِلَامِ الْجَرِّ فِي الْمَوْضِعَيْنِ نَظَرًا اِلٰى اَنَّ الْمَعْنٰى مَنْ لَهُ مَا ذُكِرَ **قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ**﴿۸۹﴾ تُخْدَعُوْنَ وَتُصْرَفُوْنَ عَنِ الْحَقِّ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَحْدَهُ اَيْ كَيْفَ يُخَيَّلُ لَكُمْ اَنَّهُ بَاطِلٌ **بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ** بِالصِّدْقِ **وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ**﴿۹۰﴾ فِي نَفْيِهِ وَهُوَ **مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا** اَيْ لَوْ كَانَ مَعَهُ اِلٰهٌ **لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ** اَيْ اِنْفَرَدَ بِهِ وَمَنَعَ الْاٰخَرَ مِنَ الْاِسْتِيْلَاءِ عَلَيْهِ **وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ** مُغَالَبَةً كَفِعْلِ مُلُوْكِ الدُّنْيَا **سُبْحٰنَ اللّٰهِ** تَنْزِيْهًا لَهُ **عَمَّا يَصِفُوْنَ**﴿۹۱﴾ بِهٖ مِمَّا ذُكِرَ **عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ** مَا غَابَ وَمَا شُوْهِدَ بِالْجَرِّ صِفَةٌ وَالرَّفْعِ خَبَرٌ هُوَ

مُقَدَّرًا فَتَعٰلٰى تَعَظَّمُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ مَعَهٗ

ترجمہ: .... اور اللہ وہ ذات گرامی ہے جس نے تم کو کان دیئے، نیز آنکھیں اور قلب (جو مرکز حیات ہے) مگر پھر بھی تم شکر ادا نہیں کرتے (قلیلاً ما میں قلت کی تاکید کے لئے ہے) اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پیدا کیا اور اسی کی جانب تم (مرنے کے بعد) لوٹائے جاؤ گے اور وہی ہے جو زندگی دیتا ہے (لوتھڑے میں روح ڈال کر) اور موت بھی اسی کی طرف ہے اور وہی رات اور دن کو مختلف کرتا رہتا ہے (کہ کبھی چاندنی ہوتی ہے کبھی اندھیرا اور کبھی دن چھوٹے ہوتے ہیں اور راتیں بڑی اور گا ہے اس کے برعکس) پھر بھی تم نہیں سوچتے (اللہ کی صنعتوں کو کہ تمہیں عبرت ہوتی) بلکہ یہ (کفار مکہ) تو وہی باتیں کہتے ہیں جو پہلوں نے کہی تھیں (ان پہلوں نے) کہا تھا کہ جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی اور ہڈیاں تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے (کہتے تھے کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ ء اذا اور ء انـــا میں ہمزہ پڑھا جائے گا اور دونوں ہمزہ میں الف داخل کیا جائے گا) حشر ونشر کے وعدے تو ہم سے بھی کئے گئے اور ہمارے آباؤ اجداد سے بھی (سو جب یہ ناممکن ہے تو یوں سمجھو) کہ سب جھوٹ ہے پہلوں کا (اساطیر جمع اسطورۃ کی ہے۔ ترجمہ مضحکہ خیز وتعجب انگیز باتیں) ان سے یوں کہئے کہ اچھا تم ہی بتاؤ یہ زمین اور جو کچھ اس پر ہے کس کی پیدا کردہ ہے۔ اگر تم جانتے ہو (دوسرا خالق و مالک۔ اس سوال کے جواب میں) بے اختیار کہہ اٹھیں گے۔ خالق ارض وسما تو خدا ہی ہے (فطرت کے اس حقیقی جواب پر) ان سے کہئے کہ پھر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے (کہ تمہیں یقین آتا، ابتداءً پیدا کرنے والا دوبارہ بھی زندگی دے سکتا ہے۔ تـذکرون میں جو اصل ہے تتـذکرون تھا دوسری تـا ذال میں مدغم ہوگئی) (اور اگر) ان سے پوچھئے کہ ساتوں آسمان اور کرسی کا مالک کون ہے؟ تو خود ہی کہیں گے صرف خدا (اس جواب پر ان سے) کہئے کہ پھر بھی تم (دوسروں کو معبود بنانے سے) پرہیز نہیں کرتے (لگے ہاتھ یہ بھی) سوال کر لیجئے کہ ہر چیز کا اختیار کس کو ہے اور (مختار ایسا ہو کہ) جو سب کا نگران ہو اور خود محتاج نگران نہ ہو (خدا کے علاوہ) کسی اور کو جانتے ہو تو بتاؤ (دیکھئے اس سوال کے جواب میں بھی) یہی کہیں گے کہ صرف اللہ ہی ہے (ملکوت میں تا مبالغہ کی ہے اور سیـقـولـون اللـہ میں ایک قرأت لام جارہ کے ساتھ ہے۔ یعنی سیـقـولـون للـہ یہ قرأت معنوی کے اعتبار سے برجستہ ہے کیونکہ سوالات کا مفہوم یہ تھا کہ بیان کردہ چیزیں کس کی ہیں۔ اگر جواب ''اللہ ہی کی'' ہو تو سوال وجواب بالکل مطابق ہو جائیں گے) تو ان سے کہئے کہ پھر سب کچھ جاننے کے باوجود کس دھوکہ میں پڑے ہوئے ہو (کیسے تم نے سمجھ لیا کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ غلط ہے اور کیوں تم خدائے واحد کی عبادت چھوڑ کر حق سے پہلو تہی کرنے والے ہو گئے۔ بات وہ نہیں جو یہ کہتے ہیں) درحقیقت ان کے پاس حق بات پہنچ چکی ہے مگر یہ (صداقت کو) جھٹلا کر خود جھوٹے بن رہے ہیں (سنو) خدا کی اولاد نہیں ہے نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی مخلوق کو لے کر علیحدہ ہو جاتا (اور اپنی مخلوق پر دوسرے کو غالب نہ آنے دیتا بلکہ) ایک معبود دوسرے پر چڑھ دوڑتا (جیسے دنیا کے بادشاہ حصول جاہ وملک کے لئے ایک دوسرے پر چڑھائی کرتے رہتے ہیں) وہ جو بیان کرتے ہیں اس سے خدا بالکل ہی پاک ہے۔ اللہ تو غائب وحاضر کا جاننے والا ہے۔ (الـغـیـب والشهـادة اگر مجرور ہیں تو صفت ہیں موصوف عالم۔ اور اگر مرفوع ہے تو ھو مبتدا مقدر کی خبر۔ جب ایسا ہے) تو خدا ان کے شرک سے بالاتر ہے۔

تحقیق وترکیب: .... افلا تعقلون۔ میں ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور فا عاطفہ ہے اصل عبارت ہے اغفلتم فلا تعقلون۔

اذا لذهب میں اذا سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اذ جملہ شرطیہ میں داخل ہوتا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ کا ارشاد ''لذهب'' جزا کیسے بنے گا۔ درآنحالیکہ شرط کا کوئی تذکرہ بھی نہیں آیا۔ مصنفؒ نے شرط محذوف نکال کر دکھائی جو کہ اذ لو کان معه ہے۔

عـالـم الغيب و الشهادة ۔ اکثر قراء نے اسے مرفوع ہی پڑھا ہے۔ مبتداء محذوف کی خبر مان کر اور باقی مجرور پڑھتے ہیں اللہ کی صفت قرار دیتے ہوئے۔

﴿ تشریح ﴾: .... ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھو کہ سننے کو کان دیئے، دیکھنے کو آنکھیں دیں اور اسی کے ساتھ عقل وفہم بھی عطا فرمائی تا کہ خدا تعالیٰ کی آیات پر غور کریں اور اس منعم حقیقی پر ایمان لے آئیں ۔مگر ان ناشکروں سے یہ بھی نہ ہو سکا بلکہ انہیں جوں جوں نعمتیں ملیں یہ اور بہکتے رہے۔اس لئے آگے ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ ہی نے تمام مخلوق کو پیدا کیا۔اسی کے اختیار میں مارنا اور جلانا ہے اور پھر وہی قیامت کے دن سب کو جمع کرے گا۔اس سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جب یہ قیامت کے دن جمع کئے جائیں گے تب انہیں اس کفران نعمت کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جو یہ دنیا میں کرتے رہے ہیں۔انہیں سوچنا چاہئے تھا کہ وہی قادر مطلق تمام قوتوں کا مرجع ہے۔اسی کے حکم سے سورج نکل رہا ہے جس کے نتیجہ میں دن نمودار ہوتا ہے اور اسی کے حکم سے سورج ڈوب رہا ہے جس کے نتیجہ میں رات آتی ہے۔ یہ سب کچھ ایک لگے بندھے نظام کے ماتحت ہو رہا ہے۔ان سارے شواہد ودلائل کے بعد انکار کی کیا گنجائش باقی رہ گئی تھی ۔مگر ان احمقوں نے بھی وہی سب کچھ کیا جو ان کے آباء واجداد کہتے چلے آئے تھے کہ مر کر مٹی ہو جانے اور صرف ہماری بوسیدہ ہڈیاں رہ جانے کے بعد ہم کس طرح دوبارہ پیدا کئے جا سکتے ہیں ۔ یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔اور جو کچھ ہم سے اس وقت کہا جا رہا ہے وہی ہم سے پہلے ہمارے آباؤ اجداد کو کہہ کر ڈرایا گیا تھا۔لیکن ہم نے تو آج تک کسی کو مر کر دوبارہ زندہ ہوتے دیکھا ہی نہیں ۔ یہ تو بلا وجہ کی ایک بکواس ہے۔

پوچھئے : .... خدا تعالیٰ اپنی خالقیت اور تصرف لوگوں کو دکھانے کے لئے آنحضور ﷺ سے فرماتے ہیں کہ اگر تم خود ان کفار سے سوال کرو کہ زمین اور اس پر رہنے والوں کا رب کون ہے؟ تو یقیناً وہ جواب میں یہ کہیں گے کہ خدا ہی ان تمام چیزوں کا رب ہے۔اسی طرح اگر ان سے یہ پوچھو کہ زمین وآسمان کا بنانے والا اور تمام چیزوں کا متصرف کون ہے تو بلاشبہ یہی جواب دیں گے کہ تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا اور بنانے والا خدا ہی ہے اور وہی تمام چیزوں کا مالک اور متصرف ہے۔

ارشاد ہے کہ پھر آپ ﷺ ان سے سوال کیجئے کہ جب تمام چیزوں کا خالق اور اس میں متصرف خدا تعالیٰ ہی ہیں تو پھر آخر تم لوگوں کو کیا خبط ہے کہ قبول حق سے روگردانی کرتے ہو۔

اسی طرح پر عربوں میں یہ دستور تھا کہ اگر قبیلہ کا سردار کسی کو پناہ دے دے تو کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ اس پناہ کو ختم کر دے۔ لیکن اگر کسی عام آدمی نے کسی کو پناہ دی ہو تو سردار کے لئے اس کی پابندی کوئی ضروری نہیں ہوتی ۔تو اس دستور کے مطابق آنحضور ﷺ سے فرمایا گیا کہ اگر آپ ﷺ ان سے یہ پوچھیں کہ ایسی کونسی طاقت ہے کہ جس کی پناہ کو کوئی توڑ نہیں سکتا اور اس کے مقابل میں کوئی کسی کو پناہ نہ دے سکتا ہو تو یقیناً جواب وہی ہوگا کہ ایسا قادر مطلق صرف خدا ہی ہو سکتا ہے کہ جس کا حکم نہ ٹل سکے اور جس سے کوئی روگردانی نہیں کر سکتا ۔تو گویا کہ حق ان کی سامنے کھل کر آ چکا تھا مگر اس کے باوجود یہ غیر اللہ کو شریک ٹھہراتے رہے۔ گویا ان کا یہ کہنا جھوٹ تھا کہ حق بات ان تک نہیں پہنچی۔

شرک کی تردید کرتے ہوئے اپنی برتری ظاہر فرما رہے ہیں۔ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ تمام کائنات کا بلا شرکت غیرے مالک ہے۔نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے کاموں میں شریک اور اگر یہ مان لیا جائے کہ کئی خدا ہیں تو ہر ایک خدا کی ایک الگ مخلوق ہونی چاہئے ۔جس کا کہ وہ مستقل مالک ہوتا ہے اور اس طرح سارے عالم کا نظام درہم و برہم ہو کر رہ جاتا ۔حالانکہ کائنات کا انتظام مکمل

صورت میں موجود ہے۔ اس میں کوئی انتشار نہیں پایا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں اور وہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے جسے مشرکین خدا کا شریک قرار دیتے ہیں۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا فِيهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِي مَا الزَّائِدَةِ **تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾** مِنَ الْعَذَابِ هُوَ صَادِقٌ بِالْقَتْلِ بِبَدْرٍ **رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾** فَاُهْلِكَ بِهَلَاكِهِمْ **وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ** اَيِ الْخَلَّةُ مِنَ الصَّفْحِ وَالْاِعْرَاضِ عَنْهُمْ **السَّيِّئَةَ** اَذَاهُمْ اِيَّاكَ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ **نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾** اَيْ يُكَذِّبُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ فَنُجَازِيهِمْ عَلَيْهِ **وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ** اَعْتَصِمُ **بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾** نَزَغَاتِهِمْ بِمَا يُوَسْوِسُوْنَ بِهِ **وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾** فِي اُمُوْرِي لِاَنَّهُمْ اِنَّمَا يَحْضُرُوْنَ بِسُوْءٍ **حَتّٰى** اِبْتِدَائِيَّةٌ **اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ** وَرَاٰى مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ اٰمَنَ **قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾** اَلْجَمْعُ لِلتَّعْظِيْمِ **لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا** بِاَنْ اَشْهَدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَكُوْنُ **فِيْمَا تَرَكْتُ** ضَيَّعْتُ مِنْ عُمْرِيْ اَيْ فِيْ مُقَابَلَتِهٖ قَالَ تَعَالٰى **كَلَّا** اَيْ لَا رُجُوْعَ **اِنَّهَا** اَيْ رَبِّ ارْجِعُوْنِ **كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا** وَلَا فَائِدَةَ لَهٗ فِيْهَا **وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ** اَمَامِهِمْ **بَرْزَخٌ** حَاجِزٌ يَصُدُّهُمْ عَنِ الرُّجُوْعِ **اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾** وَلَا رُجُوْعَ بَعْدَهٗ **فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ** اَلْقَرْنِ النَّفْخَةُ الْاُوْلٰى اَوِ الثَّانِيَةُ **فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ** يَتَفَاخَرُوْنَ بِهَا **وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾** عَنْهَا خِلَافَ حَالِهِمْ فِي الدُّنْيَا لِمَا يَشْغَلُهُمْ مِنْ عِظَمِ الْاَمْرِ عَنْ ذٰلِكَ فِيْ بَعْضِ مَوَاضِعِ الْقِيٰمَةِ وَفِيْ بَعْضِهَا يُفِيْقُوْنَ وَفِيْ اٰيَةٍ اُخْرٰى وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ **فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ** بِالْحَسَنَاتِ **فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾** اَلْفَائِزُوْنَ **وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ** بِالسَّيِّئَاتِ **فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ** فَهُمْ **فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ** تُحْرِقُهَا **وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾** شُمِّرَتْ شِفَاهُهُمُ الْعُلْيَا وَالسُّفْلٰى عَنْ اَسْنَانِهِمْ وَيُقَالُ لَهُمْ **اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ** مِنَ الْقُرْاٰنِ **تُتْلٰى عَلَيْكُمْ** تُخَوَّفُوْنَ بِهَا **فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا** وَفِيْ قِرَاءَةٍ شَقَاوَتُنَا بِفَتْحِ اَوَّلِهٖ وَاَلِفٍ وَهُمَا مَصْدَرَانِ بِمَعْنًى **وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾** عَنِ الْهِدَايَةِ **رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا** اِلَى الْمُخَالَفَةِ **فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ** لَهُمْ بِلِسَانِ مَالِكٍ بَعْدَ قَدْرِ الدُّنْيَا مَرَّتَيْنِ **اخْسَئُوْا فِيْهَا** اُقْعُدُوْا فِي النَّارِ اَذِلَّاءَ **وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾** فِيْ رَفْعِ الْعَذَابِ عَنْكُمْ فَيَنْقَطِعُ رَجَاؤُهُمْ **اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ** هُمُ الْمُهَاجِرُوْنَ **يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا** بِضَمِّ

السین وکسرها مصدر بمعنی الهزء منهم بلال وصهیب وعمار وسلمان **حتی انسوکم ذکری** فترکتموه لاشتغالکم بالاستهزاء بهم فهم سبب الانساء فنسب الیهم **وکنتم منهم تضحکون** ﴿۱۱۰﴾ **انی جزیتهم الیوم** النعیم المقیم **بما صبروا** علی استهزائکم بهم واذکم ایاهم **انهم** بکسر الهمزة **هم الفائزون** ﴿۱۱۱﴾ بمطلوبهم استئناف وبفتحها مفعول ثان لجزیتهم **قل** تعالی لهم بلسان مالك وفی قراءة قل **کم لبثتم فی الارض** فی الدنیا وفی قبورکم **عدد سنین** ﴿۱۱۲﴾ تمییز **قالوا لبثنا یوما او بعض یوم** شکوا فی ذلك واستقصروه لعظم ما هم فیه من العذاب **فسئل العآدین** ﴿۱۱۳﴾ ای الملائکة المحصین اعمال الخلق **قل** تعالی بلسان مالك وفی قراءة قل **ان** ای ما **لبثتم الا قلیلا لو انکم کنتم تعلمون** ﴿۱۱۴﴾ مقدار لبثکم من الطول کان قلیلا بالنسبة الی لبثکم فی النار **افحسبتم انما خلقنکم عبثا** لا لحکمة **وانکم الینا لا ترجعون** ﴿۱۱۵﴾ بالبناء للفاعل وللمفعول لا بل لنتعبدکم بالامر والنهی وترجعوا الینا ونجازی علی ذلك وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون **فتعلی الله** عن العبث وغیره مما لا یلیق به **الملك الحق لا اله الا هو رب العرش الکریم** ﴿۱۱۶﴾ الکرسی هو السریر الحسن **ومن یدع مع الله الها اخر لا برهان له به** صفة کاشفة لا مفهوم لها **فانما حسابه** جزاؤه **عند ربه انه لا یفلح الکفرون** ﴿۱۱۷﴾ لا یسعدون **وقل رب اغفر وارحم** المؤمنین فی الرحمة زیادة المغفرة **وانت خیر الرحمین** ﴿۱۱۸﴾ افضل رحمة

ترجمہ: .... آپ کہئے کہ اے میرے پروردگار اگر آپ وہ عذاب مجھ کو دکھائیں جس کا مشرکین سے وعدہ کیا جارہا ہے تو مجھے آپ ان ظالموں کے ساتھ مبتلا عذاب نہ کر دیجئو (کہ کہیں میں بھی انہیں کی طرح ہلاک نہ کر دیا جاؤں۔ خدائے تعالیٰ کا یہ وعدہ عذاب جنگ بدر کی صورت میں سامنے آیا کہ مشرکین قتل بھی ہوئے اور گرفتار بھی) اور ہم اپنے وعدہ کے مطابق عذاب دکھانے پر بخوبی واقف ہیں۔ سردست تو آپ ان کے برے معاملات کا حسن اخلاق سے جواب دیتے رہئے (اور جو یہ آپ کو تکلیف پہنچا رہے ہیں) اسے نظر انداز کیجئے۔ بقول مفسرین نظر انداز کرنے کا حکم جہاد سے پہلے تھا) ہم خوب جانتے ہیں یہ کیا کہتے ہیں (کہتے کیا ہیں۔ آپ کو جھٹلاتے ہیں۔ اپنی اس روش کی پوری سزا بھگت کر رہیں گے۔ اعراض کی پالیسی میں مظلوم کو شیطان اکثر بہکاتا رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس طرز سے ہٹادے۔ سواس کے لئے) آپ یہ دعا کیجئے کہ اے اللہ! مجھے وساوس شیطانی سے محفوظ رکھنا اور اس سے بھی کہ شیطان میرے پاس آکر پھٹکے (اس لئے کہ شیطان کا آنا برائیوں پر ابھارنے کے لئے ہوتا ہے۔ اب تو جو کچھ یہ کر رہے ہیں کرنے دیجئے) لیکن جب موت آئے گی (اور انہیں جہنم دکھائی دے گی) تو اس وقت دنیا میں واپسی کی تمنا کریں گے اور کہیں گے کہ اب میں دنیا میں ٹھیک ٹھاک رہوں گا اور اپنی ماضی کی بھی تلافی کر دوں گا (یعنی ایمان لے آؤں گا اور جو عمر کفر وشرک میں گذاری اس کی تلافی کروں گا۔ اس تمنائے خام کے

جواب میں ہماری طرف سے بھی اعلان ہوگا کہ) ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا (اب واپسی کا کیا سوال) بس ایک بات ہے جوان کی زبانوں پر آرہی ہے (جس کا فائدہ کچھ بھی نہیں) اور آگے ان کے ایک اور عالم ہوگا۔ یعنی قبر کی زندگی (وہ انہیں دنیا میں لوٹنے سے خود روکنے والا ہے اور عالم قبر میں) حشر ونشر تک رہیں گے۔ پھر جب صور پھونکا جائے گا تو قرابتیں بھی ختم ہوجائیں گی (جن پر اکڑتے تھے اور جن پر مصائب میں اعتماد کرتے تھے) اوران رشتہ داریوں کے بارے میں کوئی سوال تک نہ ہوگا (جبکہ دنیا میں رشتہ دار کسی مصیبت میں پوچھ گچھ اور مدد کرتا ہے۔ قیامت میں تو وہ ہولناک منظر ہوگا کہ اس کی نوبت ہی کہاں آئے گی۔ کبھی اگر کچھ ہوش وحواس ٹھکانے ہوں گے تو ایک دوسرے سے پوچھ بھی لیں گے۔ یہی مطلب ہے اس دوسری آیت کا واقبل بعضهم على بعض يتساء لون اس دن فیصلہ کی بنیاد صرف یہ ہوگی) کہ جس کی نیکیاں زائد ہوں گے وہ کامیاب اور جس کے پاس نیکیاں نہ ہوں وہی نقصان میں ہیں اور ہمیشہ جہنم میں رہنے والے۔ آتش جہنم کی لپٹیں ان کے چہروں کو جھلس دیں گی جس سے چہرہ متورم ہوکر بگڑ جائے گا (اوپر کا ہونٹ کہیں سے کہیں اور نیچے کا کہیں سے کہیں جا پہنچے گا اور ہم ان سے یوں کہیں گی کہ) کیا نہ میری آیات تمہیں سنائی جاتی تھیں تو تم ان کی تکذیب کرتے تھے (سو اپنا کیا ہوا بھگتو) بولیں گے کہ اے اللہ ہماری بدنصیبی سامنے آکر رہی۔ اور واقعی ہم گمراہ تھے (ایک قراءت میں بجائے شقوة کے شقاوة ہے۔ دونوں صورتوں میں متحد المعنی مصدر ہیں۔ دعا یہ بھی کریں گے) کہ ہمیں جہنم سے نکال دیجئے۔ اگر ہم پھر کفر وشرک اختیار کریں تو بلاشبہ گناہگار ہوں گے (ایک فرشتہ کی زبانی ان سے اس کے جواب میں کہلایا جائے گا) کہ بس پڑے رہو اب جہنم میں۔ اب نہ مجھ سے کچھ کہو نہ کچھ سنو (بعض مفسرین کہتے ہیں کہ جہنمیوں کو اس درخواست کا موقعہ جہنم میں اتنی مدت دراز کے بعد ملے گا کہ اس عالم دنیا کے دوعمروں کے برابر ہوگا۔ مگر خدا تعالیٰ نہ تو ان سے عذاب ہی ہٹائیں گے بلکہ یہ فرما کر کہ ''مجھ سے مت بولو'' ان کی آئندہ کے لئے توقعات ختم کردیں گے) ارشاد ہوگا کہ میرے کچھ (مہاجر) بندے تھے جو دعائیں کرتے تھے کہ اے اللہ ہم ایمان لائے ہمارے سب گناہ معاف کردیجئے۔ ہم پر رحم کیجئے آپ بہترین رحم کرنے والے ہیں (اتنی پاکیزہ، مہذب دعا پر بھی) تم نے ان کا مذاق بنالیا تھا (یہ بے اختیار دعائیں مظلوم بلال، صہیب، عمار، سلمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تھی) تم مجھے قطعاً ہی بھول گئے تھے (ان غریبوں کے ساتھ بس مذاق ہی میں لگے رہتے اور مذاق ہی کیا) تم تو ان کی ہنسی اڑاتے تھے (لو پھر دیکھو) ان کو تو آج (ان دل آزار حرکتوں پر) صبر کی میں نے خوب ہی جزادی اور یہی اپنے مقصد میں کامیاب ہوکر رہے (هم الفائزون . جزيتهم کا مفعول ثانی ہے۔ ایک فرشتہ کی زبانی (ان سے) پوچھا جائے گا کہ (کچھ یاد ہے) تم دنیا میں کتنے زمانہ رہے۔) سنين تمیز ہونے کی بناء پر منصوب ہے) کہیں گے کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ (جواب بھی یقین نہیں دے سکیں گے۔ جس عذاب میں مبتلا ہیں اس کی ہولنا کیوں میں ایام دنیا بہت ہی مختصر نظر آئیں گے اور پھر یوں کہیں گے کہ صحیح مدت ہماری دنیاوی قیام کی) ان فرشتوں سے پوچھ لیجئے جو ہمارے اعمال لکھا کرتے تھے۔ ارشاد ہوگا کہ دنیا میں تم کہاں ٹھہرے۔ بہت مختصر قیام اگر تم اس کی کمی کو سمجھتے (کیونکہ جہنم میں قیام بمقابل دنیوی قیام کے بلاشبہ زائد ہوگا ۔منکرین کیونکہ دنیا کو لافانی سمجھتے تھے اور انہیں موت اور حشر ونشر کا تصور تک نہیں تھا اس لئے دنیا کی فناء بلکہ اس کی قلیل مدت آج انہیں کی زبانوں سے تسلیم کرالی گئی۔ کفر وشرک، انکار ومعاندت ان سب کی بنیادی وجہ انسان کی ایک بہت بڑی بھول ہے اور وہ یہ) کہ کیا تم یہ گمان کرتے تھے کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے (گویا کہ مقصد تخلیق سے عدم واقفیت اور حشر ونشر کا یقین نہ ہونا ہر گمراہی کی جڑ ہے۔ حالانکہ کتنا غلط خیال ہے۔ انسان ایک عظیم مقصد کے پیش نظر پیدا کیا گیا اور وہ ہے عبادت اپنے رب

حقیقی کی اور اس عبادت پر جزا بھی یقینی ہے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کو بیکار کاموں کا مرتکب سمجھتے ہیں تو وہ سن لیں کہ) اللہ تعالیٰ بیکار مشغلوں سے) بہت بلند و بالا ہے۔ وہ تو بادشاہ برحق ہے بلکہ معبود یکتا ہے اور مالک ہے تخت اعظم کا (عرش اعظم کا تذکرہ بادشاہت کو ثابت کرنے کے لئے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ) جو خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا تجویز کرتا ہی درآنحالیکہ اس خدائے باطل پر کوئی دلیل بھی نہیں رکھتا تو اس سے خدا تعالیٰ ہی خود نمٹیں گے (بات یہ ہے کہ کافر بھی کامیاب نہ ہوں گے اور رہ گئے مومن تو بس وہ تو ہمیشہ یہی دعا کرتے ہیں اور خود آپ بھی کہ) اے اللہ ہمیں معاف کیجئے، رحم کیجئے۔ واقعۃً آپ بہت رحمت کرنے والے ہیں (رحمت تو مومن پر پہلے ہی سے ورنہ توفیق ایمان اور توفیق اعمال صالحہ کہاں سے ہوتی۔ دعا میں مزید رحمت کو طلب کرنے کی تعلیم ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... **اما ترینی** ۔ترینی نون تاکید ہونے کی بناء پر فعل مضارع ہونے کے باوجود مبنی علی الفتحہ ہے اور **ما** مفعول بہ ہے۔ بصریوں کی رائے ہے کہ یہ دو مفعول چاہے گا کیونکہ رباعی سے مستعمل ہوا ہے۔ **یا** متکلم اس کا پہلا مفعول اور **ما** موصولہ مفعول ثانی ہے۔

فلا تجعلنی ...... یہ جواب ہے شرط کا اس میں لفظ رب کا تکرار تضرع وزاری میں مبالغہ کے لئے اور **فی** معنی میں **مع** کے ہے۔

رب ارجعون ...... بظاہر صیغہ واحد کا ہونا چاہئے تھا کیونکہ مخاطب خدائے تعالیٰ ہیں اور وہ واحد ہیں اس کے باوجود جمع کا استعمال خدا میں تعدد کے لئے نہیں بلکہ ان کی عظمت شان کے پیش نظر ہے اور ہوسکتا ہے کہ مخاطب فرشتے ہوں، جنہوں نے روح قبض کی تھی۔ اس صورت میں اس طرح تفصیل ہوگی کہ پہلے خدا سے کہا پھر ان فرشتوں سے کہا، جیسا کہ مجرم حاکم کے بعد رہائی کی درخواست گرفتار کرنے والے سپاہیوں ہی سے کرتا ہے۔

ولا یتسآء لون ...... یہاں ایک اشکال ہے کہ دو مختلف آیتوں میں تضاد ہوگیا۔ یہاں یہ ذکر ہے کہ اہل جہنم ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھ سکیں گے اور دوسری آیت یعنی اقبل **بعضھم الخ** کا حاصل ہے کہ ایک دوسرے سے پوچھ پاچھ کریں گے۔ رفع تضاد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا جواب بہتر ہے کہ کبھی کفار شدت خوف کی بناء پر ساکت وصامت رہیں گے اور کبھی کچھ ہول ودہشت ختم ہوگی تو باہم دگر سوال وجواب کرلیں گے۔

الم تکن اٰیاتی ۔ یہاں یہ بتانا ہے کہ لفظ قول مقدر ہے اور اس کا عطف صلہ پر ہو رہا ہے یا **کالحون** **وجوھھم** کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے۔

سخریا ۔ دو قرأتیں ہیں نافعؒ نے سین کے ضمہ کے ساتھ اور باقی قراء سین کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

انھم ھم الفائزون ...... حمزہؒ قاری اسے جملہ مستانفہ ہونے کی بناء پر ان کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں اور باقی سب قراء **جزیتھم** کا مفعول ثانی بنا کر ان پڑھتے ہیں۔

عبثاً ۔ منصوب ہونے کی دو وجہیں ہیں۔ مصدر ہو اور موقعہ حال میں ہو۔ اس لئے منصوب پڑھا جائے اور ہوسکتا ہے کہ مفعول لہ ہونے کی بناء پر منصوب ہو۔

﴿تشریح﴾: .... خدا تعالیٰ کی طرف سے آنحضور ﷺ کو تعلیم دی جارہی ہے کہ جب بدعملی کے نتیجہ میں ان کفار ومشرکین پر عذاب آنے کا اندیشہ ہو تو اس وقت یہ دعا کرتے رہا کرو کہ اے اللہ مجھے ان عذابوں سے محفوظ ومستثنیٰ رکھنا۔ کہیں میں بھی (اس لپیٹ میں

نہ آ جاؤں۔ چنانچہ ترمذی شریف میں ہے کہ آنحضور ﷺ کی ایک دعا یہ بھی تھی کہ اے اللہ جب تو کسی قوم کے ساتھ فتنہ کا ارادہ کرے تو مجھے فتنہ میں ڈالنے سے پہلے اٹھا لے۔ بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر چہ اس دعا کی تعلیم آنحضور ﷺ کو دی گئی تھی مگر اصل مخاطب امت تھی۔ آپ ﷺ کو تو محض واسطہ بنایا گیا تھا کیونکہ پیغمبر کے عذاب میں مبتلا ہونے کا تو امکان ہی نہیں۔

پھر ارشاد ہوا کہ ہم تمہارے سامنے انہیں عذاب میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ لیکن آپ ﷺ اس کی تمنا نہ کیجئے اور نہ اپنی طرف سے کوئی انتقامی کارروائی کیجئے بلکہ ان کی خباثتوں کا جواب بھلائی سے دیجئے تا کہ شاید آپ ﷺ سے ان کی عداوت ونفرت، محبت والفت میں تبدیل ہو جائے۔ ویسے بھی آپ ﷺ کو انتقام لینے کی کیا ضرورت ہے۔ میں ان کو سزا دینے کے لئے کافی ہوں۔

ان مشرکین کی برائیوں سے بچنے کی ترکیب بتانے کے بعد فرمایا گیا کہ شیطانوں سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ اس سلسلہ میں خدا سے دعا کیا کرو کیونکہ شیطان کے وسوسے سے بچنے کے لئے اس کے سوا اور کوئی ہتھیار مؤثر وکارآمد نہیں۔

لمحات حسرت: .... ارشاد ہے کہ یہ کفار دنیاوی زندگی میں تو سوچتے نہیں ہیں اور مرنے کے وقت جب ان پر حقیقت حال منکشف ہوتی ہے تو حسرت وافسوس کے ساتھ اس کی آرزو کرتے ہیں کہ کاش ہم دنیا کی طرف لوٹا دیئے جائیں اور ہمیں کچھ اور زندگی مل جائے تو ہم نیک اعمال کرلیں۔ لیکن اس وقت ان کی یہ آرزو فضول اور لاحاصل ہوگی ان کی اس تمنا کی تکمیل ممکن نہ ہوگی۔

ارشاد ہے کہ اگر ان کی یہ تمنا پوری بھی کر دی جائے جب بھی یہ نیکی نہیں کریں گے بلکہ دنیا میں پہنچ کر پھر اسی کفر وانکار میں لگ جائیں گے۔ انہیں ڈرایا جارہا ہے کہ اب مرنے کے بعد قیامت سے پہلے پہلے عالم برزخ میں رہنا ہوگا اور عذاب میں مبتلا ہوں گے اور پھر قیامت قائم ہوگی تو اس دن کی ہولناکی اور عذاب عالم برزخ سے بھی زیادہ شدید ہوگا۔ اس دن سارے دنیاوی رشتے ناطے ختم ہو جائیں گے، دوستی بھی کچھ کام نہ آئے گی۔ اس دن تو نہ والدین کو اپنی اولاد کی کوئی فکر ہوگی اور نہ اولاد کو اپنے ماں باپ کا کچھ غم ہوگا، نہ شوہر بیوی کے کام آئے گا نہ بیوی شوہر کے۔ نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ ہر ایک کو اپنی فکر ہوگی۔ بلکہ اگر کسی کا کوئی حق اپنے والدین یا بچوں پر ہی کیوں نہ ہو وہ بھی اسے چھوڑنے کو تیار نہ ہوگا۔ جیسا کہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ سب کو جمع کریں گے اور پھر اعلان کرائیں گے کہ جس کسی کا کوئی حق کسی کے ذمہ ہو وہ اسے وصول کر لے تو اگر چہ کسی کا کوئی حق اپنے والدین یا بیوی یا اولاد ہی پر کیوں نہ ہوگا وہ بھی بھاگا ہوا آئے گا اور اپنے حق کا تقاضہ شروع کر دے گا۔ اس دن تو نہ صرف اپنے اعمال حسنہ ہی کام آئیں گے جس کی ایک نیکی بھی گناہوں سے بڑھ گئی وہ کامیاب ہو جائے گا اور اسے جنت مل جائے گی اور جس کی برائیاں نیکیوں کے مقابل میں زائد ہوں گی وہ ناکام ونامراد ہوگا اور ہمیشہ کے لئے جہنم میں جلنا مقدر ہو جائے گا۔ دوزخ کی آگ ان کے چہروں کو جھلسا دے گی اور اوپر کا ہونٹ اوپر اور نیچے کا ہونٹ نیچے کو لٹک جائے گا۔ یہ بالکل بے بس ہوں گے۔ آگ کو بھی نہیں ہٹا سکیں گے۔ قیامت کے دن جب ان کے کفر وشرک پر ڈانٹ ڈپٹ ہوگی اور کہا جائے گا تمہارے پاس رسول کو بھیجا تھا، تمہاری ہدایت کے لئے کتابیں نازل کی تھیں، لیکن اس کے باوجود تم شرک وکفر میں مبتلا رہے اور انبیاءؑ کی تکذیب کرتے رہے۔ یہ اسی کی سزا مل رہی ہے۔ اس وقت یہ اپنے جرم کا اعتراف کریں گے اور کہیں گے کہ واقعۃً آپ کی حجت پوری ہو چکی تھی۔ مگر ہم اپنی بدنصیبی سے گمراہی میں مبتلا رہے۔ اب آپ ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج کر دیکھئے، اگر ہم نے اب بھی ویسا ہی معاملہ کیا تو واقعی ہم قصور وار ہوں گے اور پھر جو سزا چاہیں دیں۔ اس وقت بڑے سے بڑا منکر بھی اعتراف جرم اور حسرت وندامت پر اپنے آپ کو مجبور

پائے گا۔ اس وقت انہیں جواب ملے گا کہ اب تو تم اسی ذلت میں پڑے رہو اور خبردار اب آئندہ مجھ سے سوال مت کرنا۔ یہ تو دارالجزا ہے دارالعمل ختم ہو چکا۔ اب پچھتانے سے کیا فائدہ...... انہیں شرمندہ اور پشیمان کرنے کے لئے ان کا یہ گناہ بیان کیا جائے گا کہ تم خدا کے محبوب بندوں کا مذاق بنایا کرتے تھے اور ان سے دل لگی کرتے تھے۔ اب دیکھ لو اس اخروی زندگی میں وہی لوگ کامیاب ہیں اور تم اپنے کئے ہوئے کا مزہ چکھ رہے ہو۔ تمہارا قصور اس قابل نہیں کہ اقرار اور اظہار ندامت کرنے سے اسے معاف کر دیا جائے۔ اسے اس طرح سمجھئے کہ کیا کوئی مجرم کسی کو قتل کرنے کے بعد حاکم عدالت سے کہنے لگے کہ اب معاف کر دیجئے، آئندہ ایسا نہیں کروں گا...... تو کیا کوئی دنیاوی عدالت اس کے اس اعتراف اور آئندہ کے نہ کرنے کے وعدہ کے باوجود چھوڑ سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو اس اخروی عدالت میں بھی یہ اعتراف کام نہ آئے گا۔

ایک سوال: .... ارشاد ہے کہ دنیا کی مختصر زندگی میں یہ بداعمالیوں میں مشغول رہے۔ کاش یہ نیکی کرتے اور اپنے آپ کو اجر کا مستحق قرار دیتے۔ انہیں سے سوال کیا جائے گا کہ تم دنیا میں کتنی مدت رہے وہ سراسیمگی اور بدحواسی کے عالم میں جواب دیں گے کہ ہمیں کچھ یاد تو ہے نہیں ویسے ایک دن یا اس سے بھی کم رہے۔ صحیح صحیح فرشتوں سے معلوم کر لیجئے جن کے پاس حساب و کتاب تھا۔

ارشاد ہوگا کہ آخرت کی مدت کے مقابلہ میں واقعۃً تم دنیا میں بہت کم رہے اور کاش تم نے دنیا ہی میں اس کا احساس کر لیا ہوتا۔ تم کیسی شدید حماقت میں مبتلا تھے کہ اپنی تخلیق کا مقصد بھی نہیں سمجھ سکے اور یہ سمجھتے رہے کہ تمہاری پیدائش میں کوئی حکمت ہی نہیں ہے۔ بیکار اور بے مقصد ہی پیدا کئے گئے ہو۔ کیا تم ثواب وعذاب کے مستحق نہیں ہو گے؟ اگر تمہارا یہ گمان ہے تو غلط ہے۔ خدا تعالیٰ اس سے برتر ہے کہ وہ کوئی عبث کام کرے۔ جس کا کوئی مقصد ہی نہ ہو۔ وہ حقیقی بادشاہ اور وہی لائق عبادت ہے وہ عرش کا مالک ہے جو مخلوقات میں سب سے بڑی چیز ہے۔

پھر مشرکین کو تنبیہ کی جاتی ہے اور احساس ذمہ داری دلاتے ہوئے ارشاد ہے کہ غیر اللہ سے لو لگانا کچھ کام نہ آئے گا۔ حساب و کتاب خدا تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس وقت پوری جوابدہی کرنی پڑے گی۔ خدا تعالیٰ کی عدالت میں کفار کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

پھر آنحضور ﷺ کو ایک دعا کی تعلیم دی جارہی ہے۔ رب اغفر میں طلب مغفرت ہے اور پیغمبروں کی مغفرت سے مراد ظاہر ہے کہ طلب بلندی مراتب ہی ہو سکتی ہے۔ وارحم میں طلب رحمت کی درخواست ہے۔ غفر اور رحمۃ کے درمیان یہ بھی فرق بیان کیا گیا ہے کہ غفو کے معنی تو گناہوں کو مٹا دینا اور مخلوق کی نظر سے مخفی رکھنے کے ہیں اور رحمت کے معنی اقوال وافعال میں توفیق خیر دینے اور صحیح راہ پر قائم رکھنے کے ہیں۔

سُــوْرَةُ النُّــوْرِ

سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اِثْنَتَانِ اَوْ اَرْبَعٌ وَ سِتُّوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذِهٖ **سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا** مُخَفَّفًا وَمُشَدَّدًا لِكَثْرَةِ الْمَفْرُوْضِ فِيْهَا **وَاَنْزَلْنَا فِيْهَا اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ** وَاضِحَاتِ الدَّلَالَةِ **لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴿۱﴾** بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الذَّالِ تَتَّعِظُوْنَ **اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ** اَيْ غَيْرُ الْمُحْصِنِيْنَ لِرَجْمِهَا بِالسُّنَّةِ وَاَلْ فِيْمَا ذُكِرَ مَوْصُوْلَةٌ وَهُوَ مُبْتَدَاءٌ وَلِشُبْهِهٖ بِالشَّرْطِ دَخَلَتِ الْفَاءُ فِيْ خَبَرِهٖ وَهُوَ **فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ** اَيْ ضَرْبَةٍ يُقَالُ جَلَدَهٗ ضَرَبَ جِلْدَهٗ وَيُزَادُ عَلٰى ذٰلِكَ بِالسُّنَّةِ تَغْرِيْبُ عَامٍ وَالرَّقِيْقُ عَلَى النِّصْفِ مِمَّا ذُكِرَ **وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ** اَيْ حُكْمِهٖ بِاَنْ تَتْرُكُوْا شَيْئًا مِنْ حَدِّهِمَا **اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** اَيْ يَوْمِ الْبَعْثِ فِيْ هٰذَا تَحْرِيْضٌ عَلٰى مَاقَبْلَ الشَّرْطِ وَهُوَ جَوَابُهٗ اَوْدَالٌّ عَلٰى جَوَابِهٖ **وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا** اَيِ الْجَلْدَ **طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۲﴾** قِيْلَ ثَلَاثَةٌ وَقِيْلَ اَرْبَعَةٌ عَدَدَ شُهُوْدِ الزِّنَا **اَلزَّانِيْ لَايَنْكِحُ** يَتَزَوَّجُ **اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْمُشْرِكٌ** اَيِ الْمُنَاسِبُ لِكُلٍّ مِنْهُمَامَاذُكِرَ **وَّحُرِّمَ ذٰلِكَ** اَيْ نِكَاحُ الزَّوَانِيْ **عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۳﴾** الْاَخْيَارِ نَزَلَ ذٰلِكَ لَمَّا هَمَّ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ اَنْ يَتَزَوَّجُوْا بَغَايَا الْمُشْرِكِيْنَ وَهُنَّ مُوْسِرَاتٌ لِيُنْفِقْنَ عَلَيْهِمْ فَقِيْلَ التَّحْرِيْمُ خَاصٌّ بِهِمْ وَقِيْلَ عَامٌّ وَنُسِخَ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ **وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ** الْعَفِيْفَاتِ بِالزِّنَا **ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ** عَلٰى زِنَاهِنَّ بِرُؤْيَتِهِمْ **فَاجْلِدُوْهُمْ** اَيْ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ **ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً** فِيْ شَيْءٍ **اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ**

الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴﴾ لِاِتْيَانِهِمْ كَبِيْرَةً **اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا** عَمَلَهُمْ **فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لَهُمْ قَذْفَهُمْ **رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾** بِهِمْ بِاِلْهَامِهِمُ التَّوْبَةَ فَبِهَا يَنْتَهِي فِسْقُهُمْ وَتُقْبَلُ شَهَادَتُهُمْ وَقِيْلَ لَا تُقْبَلُ رُجُوْعًا بِالْاِسْتِثْنَاءِ اِلَى الْجُمْلَةِ الْاَخِيْرَةِ **وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ** بِالزِّنَا **وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ** عَلَيْهِ **اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ** وَقَعَ ذٰلِكَ لِجَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ **فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ** مُبْتَدَاءٌ **اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ** نَصَبٌ عَلَى الْمَصْدَرِ **بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۶﴾** فِيْمَا رَمٰى بِهِ زَوْجَتَهٗ مِنَ الزِّنَا **وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۷﴾** فِيْ ذٰلِكَ وَخَبَرُ الْمُبْتَدَاءِ يَدْفَعُ عَنْهُ حَدُّ الْقَذْفِ **وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ** اَيْ حَدَّ الزِّنَا الَّذِيْ ثَبَتَ بِشَهَادَاتِهٖ **اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۸﴾** فِيْمَا رَمَاهَا بِهٖ مِنَ الزِّنَا **وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۹﴾** فِيْ ذٰلِكَ **وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ** بِالسِّتْرِ فِيْ ذٰلِكَ **وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ** بِقَبُوْلِهِ التَّوْبَةَ فِيْ ذٰلِكَ وَغَيْرِهٖ **حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾** فِيْمَا حَكَمَ بِهٖ فِيْ ذٰلِكَ وَغَيْرِهٖ لِيُبَيِّنَ الْحَقَّ فِيْ ذٰلِكَ وَعَاجَلَ بِالْعُقُوْبَةِ مَنْ يَّسْتَحِقُّهَا

ترجمہ: .... یہ سورت ہے جسے ہم نے نازل کیا اور جسے ہم نے فرض کیا (فرضنٰها بالتخفیف و بالتشدید دونوں طرح استعمال ہے۔ کیونکہ جو احکام اس سورت میں نازل ہوئے وہ تعداد میں بہت ہیں) اور ہم نے اس سورت میں قوانین واضح اور صاف صاف نازل کئے تاکہ تم انہیں سمجھ سکو (اور عمل میں سہولت ہو۔ تذکرون میں تا ثانی ذال میں مدغم ہے۔ سب سے پہلا قانون معاشرہ کی ایک بہت بڑی گندگی کو روکنے کے لئے یہ ہے کہ) بدکار عورت اور بدکار مرد کو ارتکاب زنا کی صورت میں سو سو کوڑے لگاؤ (حدیث نے یہ واضح کر دیا کہ اس قانون کا تعلق غیر شادی شدہ جوڑے سے ہے۔ الزانیة والزانی پر الف لام الذی کے معنی میں ہے۔ نیز یہی مبتداء ہے اور کیونکہ اس کا مضمون شرط کا ہے اسی لئے خبر فاجلدوا پر فا داخل ہوئی۔ گویا کہ سو کوڑے اس وقت لگائے جائیں گے جب زنا پائی جائے۔ شوافع کے خیال میں اس سزا کے علاوہ ایک سال کے لئے جلاوطن بھی کیا جائے گا۔ سزا میں یہ اضافہ ان کے خیال میں سنت سے ثابت ہے۔ نیز اگر غلام سے یہ بدفعلی غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں پائی جائے تو اس کی سزا پچاس کوڑے ہیں) دیکھو اس سزا کے نفاذ میں ترحم کے جذبہ کے تحت کوئی کارروائی نہیں ہونی چاہئے (کہ بالکل ہی سزا نہ دو یا کچھ تخفیف کر دو) اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو (کہ مومن قانون الٰہی کے نافذ ہونے میں کوئی رو رعایت نہیں کرتا۔)

یہ ارشاد یعنی "لاتاخذکم" الخ کارروائی کو ٹھیک طور پر انجام دینے کے لئے ہوا۔ اور بطور عبرت جب انہیں سزا دی جا رہی ہو تو مسلمان کو برموقعہ حاضر ہونے کی اجازت ہونی چاہئے (اگر تین چار مسلمان بھی ہوں تو عبرت پذیری کے لئے کافی ہیں۔ دوسرا قانون جو ایک طبعی تقاضہ ہے یہ ہے کہ) زانی زانیہ ہی سے شادی کرے گا یا مشرکہ سے اور زانیہ کا میلان طبیعت زانی یا کسی مشرک ہی کی جانب ہوگا۔ رہے اہل ایمان تو وہ اس صورت میں بتقاضہ ایمان یقیناً گریز کریں گے۔ (یہ قانون ...... کند ہم جنس باہم جنس پرواز ...... کا آئینہ ہے۔ حاصل جس کا یہ ہے کہ یہ میلان طبیعت کے مظاہرے ہیں کوئی قانون نہیں۔ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب غیر مہاجرین نے مالدار بدکار عورتوں سے شادی کرنی چاہی، تاکہ ان کی ریاست ان کے لئے کارآمد ہو۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ حرمت خاص ہے یا عام

اور پھر یہ قانون وانکحوا الایامی والی آیت سے منسوخ ہوگیا۔ تیسرا قانون یہ ہے کہ) جو "بدظن" پاکدامن لڑکیوں پر تہمت (زنا) لگائیں اور چار گواہ (بحیثیت عینی) شاہد پیش نہ کرسکیں تو ان تہمت تراشوں کو اسی کوڑوں کی سزادی جائے اور پھر (کسی بھی معاملہ میں) ان کی شہادت قبول نہ کی جائے۔ اس طرح کے لوگ فاسق ہیں۔ (کیونکہ تہمت اور زنا کی اور کسی پاک دامن لڑکی پر گناہ کبیرہ ہے) ہاں وہ لوگ جو توبہ کرلیں اور اپنا رویہ بھی درست کرلیں تو اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے۔ (ان کی افتراء پردازیوں کو معاف کردیں گے اور توفیق توبہ دے کران پر رحم فرمائیں گے۔

شوافعؒ کی رائے ہے کہ توبہ کرنے کے بعد اس کا فسق ختم ہوگیا اور ان کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے۔ مگر امام ابوحنیفہؒ توبہ کے بعد بھی انہیں شہادت کا اہل نہیں سمجھتے۔ کیونکہ قرآن نے **لاتقبلوا لهم شهادةً ابدا** فرمایا ہے اور **اولئك هم الفاسقون** فرما کران کے لئے دائمی فسق کا اعلان کیا ہے۔

چوتھا قانون یہ ہے کہ جو شوہر اپنی بیوی پر تہمت زنا لگائیں اور کوئی عینی شاہد نہ ہو بجز ان کے (اس طرح کا واقعہ صحابہؓ ہی کو پیش آیا تھا) تو شوہر اور بیوی کی شہادت ایک دوسرے کے خلاف چار شہادتیں ہیں کہ خدا کو گواہ بنا کر کہیں کہ وہ اپنے الزام زنا میں جو بیوی پر لگایا ہے سچا ہے (یہ چار مرتبہ کا بیان گویا چار آدمیوں کی شہادت ہے) اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اللہ کی لعنت الزام زنا عائد کرنے والے پر۔ اگر اس نے جھوٹا الزام لگایا (جب یہ بیان ہو چکے گا تو پھر الزام لگانے والے پر تہمت تراشی کی سزا جاری نہیں کی جائے گی) اور عورت پر زنا کی سزا نافذ نہیں کریں گے۔ بشرطیکہ وہ بھی چار مرتبہ یہ کہے کہ شوہر نے مجھ پر جھوٹا الزام لگایا اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اللہ کا غضب اس پر اگر اس کا شوہر الزام زنا میں سچا ہے اور دیکھو اگر خدا تعالیٰ تمہاری پردہ پوشی کر کے تم پر فضل نہ فرماتا (تو کتنا برا ہوتا اور کیسی تمہاری رسوائی ہوتی) اور اللہ تعالیٰ توبہ کا قبول کرنے والا اور دانا ہے (اگر کسی کو سزا دے تو وہ بھی پر حکمت قدم ہوگا اور اسی طرح معافی بھی حکمت سے خالی نہیں)۔

تحقیق وترکیب:............اس سورت کا نام "نور" اس وجہ سے ہے کہ اس میں لفظ نور آ رہا ہے۔ **كما قال الله تعالىٰ الله نور.** اس سورت میں عفت اور پاکدامنی نیز پردہ وغیرہ سے متعلق تفصیلی احکام ہیں۔ اسی لئے حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ اپنی بچیوں اور عورتوں کو سورۂ نور پڑھاؤ۔

هذه سورة. **هذه** کی تقدیر سے اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہ **هذه** مبتداء اور **سورة** اس کی خبر ہے۔

فرضناها. بعض قراء نے فرض کو راء کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ جبکہ دوسرے قراء نے راء کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

آيت بينت. مراد ہیں قوانین۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ اس سورت کی ابتداء میں احکام اور سزاؤں کا تذکرہ ہے اور آخر سورت میں دلائل توحید کے آتے ہیں۔

الزانية والزاني. زانیہ کو زانی پر مقدم کیا گیا۔ یہ اس لئے کہ اگر عورت باستثنائے جبر وقہر تیار نہ ہو تو زنا واقع ہی نہ ہو سکے گی۔

فشهادة کے مرفوع ہونے کی تین وجہیں ہوسکتی ہیں۔ **شهادة** مرفوع ہو۔ مبتداء ہونے کی بناء پر **عليهم** خبر مقدم ومقدر یا خبر موخر ہے۔ تقدیر عبارت ہوگی۔ **فشهادة احدهم كائنة او واجبة**...... دوسری صورت یہ ہے کہ یہ خود خبر ہے مبتداء محذوف کی، عبارت ہوگی **فالواجب شهادة احدهم.** تیسری صورت یہ ہے کہ یہ فعل مقدر کا فاعل ہے اور عبارت ہوگی۔ **فيكفى شهادة احدهم.**

ربط:............سورۂ نور سے پہلے سورۂ مومنون گزری۔ جس کی ابتداء میں فلاح یاب مومنین کی صفات کا تذکرہ تھا۔ ان صفات میں

ایک بڑی خوبی یہ ذکر کی گئی تھی۔ والذین هم لفروجهم حافظون کہ مومن وہ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ شرمگاہ کی حفاظت یا بالفاظ دیگر عفت و پاکدامنی مرد اور عورت کا ایک جوہر خصوصی ہے۔ جس پر اجتماعی وانفرادی زندگی کا صلاح اور معاشرہ کا سدھار موقوف ہے۔ قیام عفت میں داخلی وخارجی اسباب مفید وموثر ہیں۔ داخلی اسباب یہی ہیں کہ طبعاً مرد اور عورت بدکاری سے متنفر، حیا اور شرافت انسانی کا پیکر ہوں اور خارجی اسباب میں مرد اور عورت کا عدم اختلاط خصوصاً پردہ کا اہتمام تا آنکہ عورت اپنی آواز کا بھی پردہ کرے۔ اس لئے سورۂ مومنون کے بعد سورۂ نور متصل آئی۔ جس میں اختلاط زن ومرد پر مکمل پابندی پردہ کا حکم، اس کے حدود کا تذکرہ اور تمام مفید احتیاطی تدابیر کا مفصل بیان ہے۔

کسی عفیفہ پر الزام زنا کس قدر بھیانک ظلم ہے اور پھر رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت پر یہ قبیح الزام، مزاج اور طبیعت کی طغیانی کا بدترین مظاہرہ تھا۔ سیدۃ النساء حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جن کی نسبت ایک طرف حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسے عظیم باپ سے اور دوسری جانب سردار دوجہاں ﷺ ایسے شوہر نامدار سے ہے اور وہ خود عفت و پاکدامنی کا پیکر مجسم ہیں۔ جس کے متعلق کسی دوسرے اقدام کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ منافقین کی دسیسہ کاریوں کا وہ شکار ہوگئیں۔

اسی سورۂ نور میں شان نبوت کو آشکارا کرتے ہوئے فرمایا گیا تھا۔ **لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا** کہ تم رسول کے بلانے کو ایسا نہ سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلالیتا ہے۔

۱۔ سبحان اللہ! النبی الجلیل کے ساتھ گفتگو میں بھی ان کی جلالت شان کو قائم رکھنے کا حکم ہوا۔ پھر ذرا سوچئے کہ نبی کے خانوادہ کے ساتھ وہ نازیبا الزام تراشیاں رواہوں گی۔ جو ایک آدمی دوسرے آدمی پر بھی نہیں لگا سکتا۔

۲۔ سورۂ مومنون میں دلائل توحید کا انبار لگا دیا تھا۔ ایک مومن ان دلائل پر غور وفکر کے بعد ایک ذات کا سراغ لگائے گا۔ اس سراغ میں کامیابی اسے سورۂ نور میں جاکر ہوگی۔ جہاں ارشاد ہوا۔ اللّٰہ نور السمٰوات والارض کہ اللہ زمین وہ آسمان کا نور ہے۔ گویا کہ دلائل مذکورہ سورۂ مومنون معرف (پہچان کرانے والے) تھے اور سورۂ نور میں معرف (یعنی اللہ) کا تذکرہ آ گیا۔

۳۔ قیام عفت ومعاشرہ کی اصلاح کے لئے نکاح بھی بہت ضروری ہے جو قضائے شہوت کا جائز راستہ ہے۔ یہ کچھ مناسب نہ ہوتا کہ صرف عفت ہی پر زور دیتے چلتے اور قیام عفت کے اسباب کا تذکرہ نہ ہوتا۔ اس لئے سورۂ نور میں **وانکحوا الایامی** کے ساتھ نکاح کا حکم بھی آ گیا۔ مرد کی غربت اور ناداری اسے نکاح سے روکتی ہے تو اس پر بھی توجہ فرمائی گئی اور ارشاد ہوا کہ غربت کے اندیشہ سے ترک نکاح نہ کرو۔ خدا تعالیٰ غیب سے تمہاری مدد فرمائیں گے۔ پھر بھی بعض وہ بدنصیب ہیں کہ جن کی ناداریاں انتہاء کو پہنچی ہوئی ہیں۔ ان کے لئے نکاح کا حکم غیر حکیمانہ امر ہوتا۔ انہیں کے بارے میں ارشاد ہوا کہ جن لوگوں کو نکاح کا مقدور نہیں۔ انہیں چاہئے کہ ضبط سے کام لیں۔

پھر سورۂ نور میں دلائل توحید، اکرام نبوت، نبی کی مخالفت پر وعید اور سای طرح کے دوسرے مضامین زیر گفتگو آئے۔ انشاء اللہ اس ربط کو اگر سمجھ کر مطالعہ کیا گیا تو دونوں سورتیں معنوی اتحاد کا مظہر کامل نظر آئیں گی۔

شان نزول: .... ترمذی شریف میں ہے کہ مرثد ابن ابوالمرثد نامی ایک صحابی رات کے اوقات میں مکہ سے مسلمان قیدیوں کو خفیہ طور پر مدینے لے آتے۔ ایک رات وہ اسی مہم پر روانہ ہوئے اور مکے پہنچ کر دیوار پھلانگ کر ایک باغ میں پہنچے تو وہاں آپ کو عناق نامی ایک بدنام عورت سے ٹکراؤ ہوگیا۔ جس سے مکی زندگی میں آپ کے تعلقات رہ چکے تھے۔ اس نے حضرت مرثدؓ کو پہچان لیا تو اسے بڑی خوشی ہوئی اور انہیں اپنے گھر شب باشی کی دعوت دی۔ مگر حضرت مرثدؓ نے یہ کہہ کر انکار فرمادیا کہ اے عناق! زنا حرام کردیا گیا ہے۔

جب وہ مایوس ہوگئی تو غصہ میں اس نے شور مچا کر آپ کو پکڑوا دینا چاہئے۔ اس کے شور مچانے پر لوگ جاگ گئے اور ان کا تعاقب شروع ہوگیا۔ حضرت مرثدؓ کسی طرح بھاگنے میں کامیاب ہوگئے اور راستہ میں آپ ایک غار میں چھپ گئے۔ جب وہ لوگ تلاش کر کے مایوس ہوگئے تو اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت مرثدؓ کو یقین ہوگیا کہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں پہنچ کر سو چکے ہوں گے تو آپؓ پھر مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں سے ایک مسلمان قیدی کو ہمراہ لے آئے۔ جب حضرت مرثدؓ مدینے پہنچے تو آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ سنا کر عناق سے نکاح کی اجازت طلب کی۔ کیونکہ عناق کی محبت ان کے دل میں اب بھی موجود تھی۔ آنحضور ﷺ ان کی یہ بات سن کر خاموش رہے۔ حضرت مرثدؓ نے دوبارہ آپ ﷺ سے اجازت طلب کی۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ الزانی لاینکح الا زانیة او مشرکة الخ. پھر آنحضور ﷺ نے حضرت مرثدؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے مرثدؓ زانیہ سے نکاح زانی یا مشرک ہی کرسکتا۔ تم اس سے نکاح کا ارادہ ترک کردو۔

یہ آیات حضرت عائشہؓ کی برأت میں بھی ناطق ہیں۔ کیونکہ نبی معاذ اللہ زنا کار نہیں ہوسکتا کہ اس کا میلان کسی بدکار عورت کی طرف ہو۔ اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کے گھر میں کوئی بدکار عورت نہیں آسکتی۔

اور آیت والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الخ کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت ہلال ابن امیہؓ کچھ رات گزرنے پر کھیت سے اپنے گھر پہنچے تو ایک غیر مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ بدکاری کرتے ہوئے پایا۔ اور ان کی گفتگو کو بھی خوب اچھی طرح سنا۔ صبح ہوتے ہی حضرت ہلالؓ آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ سنا دیا۔ مگر ان کے پاس کوئی شاہد نہیں تھا جو آنحضور ﷺ پر بہت شاق گزرا۔ اس سے قبل کہ آنحضور ﷺ ہلال بن امیہؓ پر حد جاری کریں اور اس کی شہادت کو غیر معتبر ٹھہرائیں۔ حضرت ہلالؓ کہنے لگے کہ یارسول اللہ! میری بات آپ ﷺ کی طبیعت پر بہت گراں گزری۔ لیکن واللہ میں سچا ہوں۔ اس میں کسی قسم کا جھوٹ نہیں ہے۔ مگر چونکہ یہ کوئی گواہ پیش نہیں کرسکتے تھے تو قریب تھا کہ آنحضرت ﷺ ان پر حد جاری کرنے کا حکم فرماتے اتنے میں وحی اترنی شروع ہوئی۔ نزول وحی کے بعد آنحضور ﷺ نے حضرت ہلالؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ اے ہلال! مبارک ہو۔ خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے نجات کی راہ پیدا فرمادی اور پھر یہ حکم سنایا۔

﴿ تشریح ﴾: .... اس سورت کی ابتداء یہاں سے کی گئی کہ ہم نے اس سورت کو نازل کیا اور اس کے مضامین و مطالب ہم نے مقرر کئے ہیں تو ظاہر ہے کہ قرآن تو مکمل خدا تعالیٰ ہی کا نازل کردہ اور اس کے احکام بھی اسی کے مقرر کئے ہوئے ہیں۔ پھر یہاں خصوصیت کے ساتھ ان چیزوں کو اپنی جانب منسوب کرنا اس سورت اور اس کے احکامات کی اہمیت کو بتلانے کے لئے۔ حدیث میں بھی ہے عورتوں کو سورۂ نور کی تعلیم دو کیونکہ اس سورت کے مضامین عورتوں کی عفت سے متعلق ہیں۔

اور اس کے بعد پھر زنا کی سزا بیان کی گئی کہ زانی اور زانیہ کو سو سو کوڑے مارے جائیں۔ لیکن آنحضور ﷺ نے اس حکم کو غیر شادی شدہ کے لئے مخصوص کردیا کہ اگر کسی عاقل بالغ نے اس جرم کا ارتکاب کیا ہو۔ لیکن ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی تو سو سو کوڑے مارے جائیں۔ اور اگر وہ زانی یا زانیہ شادی شدہ ہو تو پھر اس کی سزا سنگساری ہوگی۔ آنحضور ﷺ کے اور پھر صحابہؓ کے دور میں بھی شادی شدہ کی یہی سزا رہی اور مجتہدین امت کا بھی اسی پر اجماع ہے۔ شریعت اسلامی نے شادی شدہ اور غیر شادی شدہ میں جو فرق رکھا، یہ اس کی دقت نظری کی علامت ہے۔

آپ خود سوچئے کہ ایک وہ شخص ہے جس کے گھر میں بیوی موجود ہے۔ قضائے شہوت کے جائز اور صحیح مواقع حاصل ہیں مگر اس

کے باوجود وہ حرامکاری کا مرتکب ہوتا ہے تو یہ اس کے خبث باطنی کی علامت ہے اور یہی حال عورت کا ہے، تو اس کا یہ فعل کسی رعایت کا مستحق نہیں۔ اسی وجہ سے شریعت نے بھی انہیں سنگسار کر کے مار ڈالنے کا حکم جاری کیا اور رہا غیر شادی شدہ مرد اور عورت کا معاملہ تو ان کے ساتھ شریعت کچھ نرمی اختیار کرتی ہے۔ وہ اس وجہ سے کہ جوانی کی امنگیں ہیں اور کوئی جائز موقع قضائے شہوت کا اس کو حاصل نہیں، اب وہ قوت مردمی سے مغلوب ہو کر یہ حرکت کرتا ہے۔ اسی طرح کنواری لڑکی بدکاری کرالے تو اس کے اس عذر کی وجہ سے شریعت نے ان کی سزا میں نرمی برتی۔ کیونکہ ان کا جرم شادی شدہ کے مقابلہ میں ہلکا تھا۔

اسی کے ساتھ یہ بھی فرمادیا گیا کہ یہ سزا شریعت کی مقرر کردہ ہے۔ اس میں تخفیف وترحم کا حق کسی کو حاصل نہیں۔ نیز سزا اعلانیہ طور پر مجمع کثیر میں دی جائے تا کہ لوگوں کو عبرت ہو اور ان کے دلوں میں خوف پیدا ہو۔ اسی کے ساتھ زانی کی رسوائی بھی ہوگی۔ متوقع ہے کہ اس سے لوگ رک جائیں گے۔ لیکن اس سزا کا نفاذ اس صورت میں کیا جاسکتا ہے کہ جہاں اسلامی حکومت ہو۔

ارشاد ہے کہ زانیہ کی طرف وہی متوجہ ہوسکتا ہے جو خود زانی یا مشرک ہو کہ جس کے نزدیک حلال وحرام کا کوئی سوال ہی نہیں۔ اسی طرح زانی کی طرف وہی رغبت کرسکتی ہے جو خود بدچلن ہو۔ نیز مشرکہ اور زانیہ سے نکاح بھی حرام ہے۔ مشرکہ سے جواز نکاح کی تو کوئی صورت ہے ہی نہیں ہے۔ البتہ زانیہ سے قانونی طور پر نکاح تو ہو جائے گا لیکن عنداللہ تو بہر حال معصیت ہی ہوگی۔

زانی اور زانیہ کی سزا بیان کرنے کے بعد ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو دوسروں پر تہمت زنا لگائیں اور اسے ثابت نہ کرسکیں تو ان کی سزا کیا ہوگی؟ ارشاد ہے کہ اگر کسی نے پاکدامن مرد یا عورت پر الزام زنا لگایا لیکن چار گواہ پیش نہ کرسکا تو اس کی سزا یہ ہے کہ اسے اسی کوڑے مارے جائیں اور ساتھ ہی ہمیشہ کے لئے اس کی گواہی غیر معتبر قرار دی جائے۔

آپ اندازہ لگائیں کہ اسلام نے معاشرہ کی صفائی اور پاکیزگی کا کس درجہ اہتمام کیا اور ساتھ ہی مسلم مرد وعورت کی عزت کے تحفظ کا کتنا خیال رکھا کہ زنا کے ثبوت کے لئے ایک دو نہیں بلکہ چار چار گواہ مقرر کئے اور پھر یہ بھی شرط لگادی کہ گواہ چشم دید ہوں اور دوسری طرف عدم ثبوت کی صورت میں تہمت لگانے والوں کے لئے اسی کوڑے سزا مقرر کی۔

اسی کے بعد فرمایا گیا کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی پر بدکاری کا الزام لگائے لیکن اس کے پاس گواہ نہ ہو تو اس سے حلفیہ بیان لیا جائے گا جسے اصطلاح میں لعان کہا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ گواہ پیش نہ کرنے کی صورت میں قاضی اس سے قسم کا مطالبہ کرے گا اور وہ چار مرتبہ قسم کھا کر یہ کہے گا کہ وہ سچا ہے اور جو بات وہ کہہ رہا ہے وہ حق ہے۔ اس کی یہ چار قسم ہی چار گواہوں کے قائم مقام ہو جائیں گی اور پانچویں مرتبہ یہ کہے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت ہو۔

شوہر کے اس بیان حلفی پر بیوی کے اوپر حد زنا جاری کردی جائے گی۔ لیکن اگر بیوی اس کی تردید کرے تو وہ بھی اسی طرح چار مرتبہ قسم کھا کر کہے گی کہ اس کا شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے گی کہ اگر وہ سچا ہے تو اس کے اوپر خدا کی لعنت ہو۔ عورت کے اس بیان حلفی پر وہ حد سے تو بچ جائے گی مگر اس مرد پر حرام ہوگی۔ قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کرادے گا۔

پھر ساری امت کو مخاطب بنا کر فرمایا گیا کہ یہ خدا تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ ایسا جامع قانون عطا فرمادیا۔ جس میں ہر ایک کی مصلحتوں کی رعایت رکھی گئی ہے۔ ورنہ تو شدید پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُ وْ بِالْاِفْكِ اَسْوَءَ الْكِذْبِ عَلٰی عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا بِقَذْفِهَا **عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ** جَمَاعَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَتْ حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ اَبِیٍّ وَمِسْطَحٌ وَحَمْنَةُ بِنْتُ جَحْشٍ **لَا تَحْسَبُوْهُ** اَیُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ غَیْرَالْعُصْبَةِ **شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ** یَاجُرُكُمُ اللّٰهُ بِهٖ وَیُظْهِرُ بَرَاءَةَ عَائِشَةَ وَمَنْ جَاءَ مَعَهَا مِنْهُ وَهُوَ صَفْوَانُ فَاِنَّهَا قَالَتْ كُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزْوَةٍ بَعْدَ مَا اُنْزِلَ الْحِجَابُ فَفَرَغَ مِنْهَا وَرَجَعَ وَدَنَا مِنَ الْمَدِیْنَةِ وَاٰذِنَ بِالرَّحِیْلِ لَیْلَةً فَمَشِیْتُ وَقَضَیْتُ شَانِیْ وَاَقْبَلْتُ اِلَی الرَّحْلِ فَاِذَا عِقْدِیْ اِنْقَطَعَ هُوَ بِكَسْرِ الْمُهْمَلَةِ الْقَلَادَةُ فَرَجَعْتُ اَلْتَمِسُهٗ وَحَمَلُوْا هَوْدَجِیْ هُوَ مَا یُرْكَبُ فِیْهِ عَلٰی بَعِیْرِیْ یَحْسَبُوْنَنِیْ فِیْهِ وَكَانَتِ النِّسَاءُ خِفَافًا اِنَّمَا یَاكُلْنَ الْعُلْقَةَ هُوَ بِضَمِّ الْمُهْمَلَةِ وَسُكُوْنِ اللَّامِ مِنَ الطَّعَامِ اَیِ الْقَلِیْلِ وَوَجَدْتُّ عِقْدِیْ وَجِئْتُ بَعْدَ مَا سَارُوْا فَجَلَسْتُ فِی الْمَنْزِلِ الَّذِیْ كُنْتُ فِیْهِ وَظَنَنْتُ اَنَّ الْقَوْمَ سَیَفْقِدُ وَنَنِیْ فَیَرْجِعُوْنَ اِلَیَّ فَغَلَبَتْنِیْ عَیْنَایَ فَنِمْتُ وَكَانَ صَفْوَانُ قَدْ عَرَّسَ مِنْ وَرَاءِ الْجَیْشِ فَادَّلَجَ هُمَا بِتَشْدِیْدِ الرَّاءِ وَالدَّالِ اَیْ نَزَلَ مِنْ اٰخِرِ اللَّیْلِ لِلْاِسْتِرَاحَةِ فَسَارَ مِنْهُ فَاَصْبَحَ فِیْ مَنْزِلِیْ فَرَاٰی سَوَادَ اِنْسَانٍ نَائِمٍ اَیْ شَخْصَهٗ فَعَرَفَنِیْ حِیْنَ رَاٰنِیْ وَكَانَ یَرَانِیْ قَبْلَ الْحِجَابِ فَاسْتَیْقَظْتُ بِاسْتِرْجَاعِهٖ حِیْنَ عَرَفَنِیْ اَیْ قَوْلَهٗ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ فَخَمَّرْتُ وَجْهِیْ بِجِلْبَابِیْ اَیْ غَطَّیْتُهٗ بِالْمُلَاءَةِ وَاللّٰهِ مَا كَلَّمَنِیْ بِكَلِمَةٍ وَلَا سَمِعْتُ مِنْهُ كَلِمَةً غَیْرَ اِسْتِرْجَاعِهٖ حِیْنَ اَنَاخَ رَاحِلَتَهٗ وَوَطَّی عَلٰی یَدِهَا فَرَكِبْتُهَا فَانْطَلَقَ یَقُوْدُ بِیَ الرَّاحِلَةَ حَتّٰی اَتَیْنَا الْجَیْشَ بَعْدَ مَا نَزَلُوْا مُوْغِرِیْنَ فِیْ نَحْرِ الظَّهِیْرَةِ اَیْ مِنْ اَوْغَرَایْ وَاقِفِیْنَ فِیْ مَكَانٍ وَغُرْفِیْ شِدَّةَ الْحَرِّ فَهَلَكَ مَنْ هَلَكَ فِیَّ وَكَانَ الَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَیِّ بْنِ سَلُوْلٍ اِنْتَهٰی قَوْلُهَا رَوَاهُ الشَّیْخَانِ قَالَ تَعَالٰی **لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ** اَیْ عَلَیْهِ **مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ** فِیْ ذٰلِكَ **وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ** اَیْ تَحَمَّلَ مُعْظَمَهٗ فَبَدَأَ بِالْخَوْضِ فِیْهِ وَاَشَاعِهٖ وَهُوَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَیٍّ **لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ** ﴿۱۱﴾ هُوَ النَّارُ فِی الْاٰخِرَةِ **لَوْلَآ** هَلَّا **اِذْ** حِیْنَ **سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ** اَیْ ظَنَّ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ **خَیْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ** ﴿۱۲﴾ كِذْبٌ بَیِّنٌ فِیْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ اَیْ ظَنَنْتُمْ اَیُّهَا الْعُصْبَةُ وَقُلْتُمْ **لَوْلَا** هَلَّا **جَآءُوْ** اَیِ الْعُصْبَةُ **عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ** شَاهَدُوْهُ **فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ** اَیْ فِیْ حُكْمِهٖ **هُمُ الْكٰذِبُوْنَ** ﴿۱۳﴾ فِیْهِ **وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْ مَآ اَفَضْتُمْ فِیْهِ** اَیُّهَا الْعُصْبَةُ اَیْ خُضْتُمْ **عَذَابٌ عَظِیْمٌ** ﴿۱۴﴾ فِی الْاٰخِرَةِ **اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ** اَیْ یَرْوِیْهِ بَعْضُكُمْ عَنْ بَعْضٍ وَحُذِفَ مِنَ

الْفِعْلِ اِحْدَى التَّائَيْنِ وَاِذْ مَنْصُوْبٌ بِمَسَّكُمْ اَوْ بِاَفَضْتُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا لَا اِثْمَ فِيْهِ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ فِى الْاِثْمِ وَلَوْلَا هَلَّا اِذْ حِيْنَ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ مَا يَنْبَغِىْ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هُوَ لِلتَّعَجُّبِ هُنَا هٰذَا بُهْتَانٌ كِذْبٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ يَنْهَاكُمْ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ تَتَّعِظُوْا بِذٰلِكَ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ فِى الْاَمْرِ وَالنَّهْىِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَاْمُرُبِهٖ وَيَنْهٰى عَنْهُ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ فِيْهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ بِاللِّسَانِ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِنِسْبَتِهَا اِلَيْهِمْ وَهُمُ الْعُصْبَةُ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا بِالْحَدِّ لِلْقَذْفِ وَالْاٰخِرَةِ بِالنَّارِ لِحَقِّ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنْتِفَاءَ هَا عَنْهُمْ وَاَنْتُمْ اَيُّهَا الْعُصْبَةُ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وُجُوْدَهَا فِيْهِمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اَيُّهَا الْعُصْبَةُ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ لَكُمْ لَعَاجَلَكُمْ بِالْعُقُوْبَةِ

ع ۲ / ۸

ترجمہ: ....جن لوگوں نے ایک بدترین افتراء پردازی کی وہ تمہیں سے ایک گروہ ہے۔ ان کے اس اقدام کو اپنے حق میں مضر نہیں بلکہ مفید ہی سمجھو (یہ زنا کا الزام تھا جو العیاذ باللہ مادر ملت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر چسپا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ بدقسمتی سے اس میں مشہور صحابی شاعر اسلام حسان بن ثابتؓ، مسطحؓ اور حمنہ بنت جحش بعض غلط فہمیوں کی بناء پر رئیس المنافقین ابی ابن سلول کے ہمنوا ہوگئے۔ حضرت عائشہؓ خود اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کرتی ہیں کہ وہ آنحضور ﷺ کی ہمراہی میں غزوہ بنی مصطلق میں تھیں۔ اس سے پہلے پردے کا حکم آ چکا تھا۔ غزوہ سے فراغت کے بعد مدینہ کی طرف واپسی ہوئی اور قافلہ مدینہ سے قریب تر ہوگیا۔ آخر شب میں آنحضور ﷺ نے کاروان مجاہدین کو مدینہ کی سمت روانگی کا حکم دیا۔ حضرت عائشہؓ قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئیں۔ واپسی پر دیکھا کہ ان کے گلے کا ہار گم ہے۔ وہ اسے تلاش کرنے کے لئے واپس گئیں۔ اس عرصہ میں قافلہ روانہ ہوگیا۔ حضرت عائشہؓ کے ہودج کو اونٹ پر رکھ دیا گیا۔ سوار کرانے والے یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت عائشہؓ اس میں ہیں۔ یہ زمانہ بڑی غربت و ناداری کا تھا۔ سیر شکم ہو کر کسی کو کھانا میسر نہ آتا تھا۔ جس کی بناء پر سب لوگ نہایت ہی دبلے پتلے تھے اور حضرت عائشہؓ تو خلقۃً بھی نہایت ہی دبلی پتلی تھیں۔ بیان کرتی ہیں کہ میں اپنی جگہ بیٹھ گئی اور سوچا کہ جب مجھے ہودج میں نہ پائیں گے تو تلاش کرتے ہوئے یہیں آئیں گے۔ بیٹھے بیٹھے میری آنکھ لگ گئی۔

ادھر صفوان جو قافلہ کی روانگی کے بعد اس خیال سے کہ کسی کی کوئی چیز چھوٹ نہ گئی ہو۔ میدان دیکھنے بھالنے کی ڈیوٹی پر مامور تھے۔ مہاجرین کی فرودگاہ کو حسب دستور دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے جو ایک انسان کو سوتے ہوئے دیکھا اور کیونکہ حضرت عائشہؓ کو پردہ کے حکم سے پہلے دیکھ چکے تھے اس لئے پہچان کر باآواز بلند انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ جس سے حضرت عائشہؓ بیدار ہوگئیں۔ خود بیان کرتی ہیں کہ میں نے فوراً چادر اوڑھ لی اور بحلف کہتی ہیں کہ نہ میں ان سے بولی، نہ وہ مجھ سے بولے۔ صفوان نے اپنا اونٹ بٹھا دیا۔ حضرت عائشہؓ اس پر سوار ہوگئیں اور دن چڑھے مجاہدین اور آنحضور ﷺ تک پہنچ گئیں۔ بس اتنی سی بات تھی جسے داستان بنالیا گیا اور لوگوں نے لغویات کہہ سن کر اپنی عاقبت خوب برباد کی۔ سب سے زیادہ مفسدانہ کردار اس میں ابی ابن سلول کا تھا۔

اس قصہ میں، جس نے جتنا گناہ کمایا اور وہ شخص جو سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا تھا شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ایسا کیوں نہیں ہوا (یعنی ہونا یہ چاہئے تھا کہ) جب اس طرح کی باتیں سن رہے تھے تو ایک دوسرے کے ساتھ اہل ایمان حسن ظن سے کام لیتے اور برملا کہہ دیتے تاکہ یہ کھلی تہمت ہے اور یہ کیوں نہیں کیا گیا (یعنی کرنا چاہئے تھا) کہ اپنے اس الزام کے ثبوت میں چار گواہیاں پیش کی جاتیں۔ جب مطلوبہ گواہیاں نہیں ہیں تو پھر یہ الزام دینے والا عنداللہ کھلے جھوٹے ہیں۔ اور یہ تو خدا کا فضل ہو گیا اور اس کی رحمت تھی ورنہ جو کچھ تم نے کہا سنا اس پر تمہیں عذاب آخرت کا مزہ چکھنا پڑتا (کیا لغویت ہے) کہ بلا تحقیق ہانکتے چلے جا رہے ہو اور جو کچھ بک رہے ہو اس کی حقیقت حال کا تمہیں علم تک نہیں اور پھر یہ بھی سمجھ رہے ہو کہ تمہارا یہ پاپ کوئی بڑا پاپ نہیں۔ حالانکہ اللہ کے یہاں یہ بہت بڑا پاپ ہے اور تم نے جب اسے سنا تھا تو یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہم کیسے ایسی بات منہ سے نکالیں (جو کہ ہمارے لئے کسی بھی طرح مناسب نہیں) نعوذ باللہ یہ تو سخت بہتان ہے۔ اللہ تمہیں سخت نصیحت کرتا ہے (اور منع کرتا ہے) کہ اس قسم کی حرکت کبھی مت کرنا۔ اگر تم صاحب ایمان ہو اور اللہ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ بڑا علم و حکمت والا ہے (اس کا کوئی فعل غیر حکیمانہ نہیں ہوتا) یقیناً جو لوگ چاہتے ہیں کہ مومنین کے درمیان بے حیائی کا چرچا رہے ان کے لئے دردناک سزا دنیا اور آخرت میں بھی ہے (دنیا میں بصورت حد قذف اور آخرت میں جہنم) اور اللہ تو جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑا شفیق ہے، بڑا رحیم ہے (تو تم بھی عذاب سے نہ بچتے)

شان نزول:............ یہ آیات حضرت عائشہؓ کی برأت میں نازل ہوئی ہیں۔ جبکہ منافقین نے ان پر تہمت زنا لگا دی اور بھولے بھالے کچھ مسلمان بھی اس میں شریک ہو گئے۔ قریباً ایک ماہ تک اس طرح کی افواہیں اڑتی رہیں۔ لیکن اس سلسلہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایت یا حضرت عائشہؓ کی برأت میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ جس سے آنحضور ﷺ کو شدید تکلیف پہنچی اور حضرت عائشہؓ کی طرف سے بدگمانی بڑھتی گئی۔ دوسری طرف جب عائشہؓ کو واقعہ تفصیل سے معلوم ہوا تو وہ بہت رنجیدہ ہوئیں اور بہت بڑے صدمے میں مبتلا ہو گئیں۔ جس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت کی گئی۔

﴿ تشریح ﴾:............ آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب بھی آپ ﷺ سفر میں تشریف لے جاتے تو اپنی ازواج مطہرات کے نام کی قرعہ اندازی کرتے۔ قرعہ میں جس کا نام نکلتا، انہیں آپ ﷺ اپنے ساتھ سفر میں شریک رکھتے۔ ۶ ہجری میں جب آپ ﷺ غزوہ بنی مصطلق کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت عائشہؓ آپ کے ہمراہ تھیں۔ واپسی میں ایک جگہ آپ ﷺ نے قیام فرمایا اور آخر شب میں قافلہ کو روانگی کا حکم دیا۔ وہ لوگ جو حضرت عائشہؓ کے ہودج کے اٹھانے پر مامور تھے۔ انہوں نے یہ سمجھ کر حضرت عائشہؓ اس میں موجود ہیں ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔ انہیں اس کا احساس بھی نہ ہوا کہ ہودج خالی کیونکہ حضرت عائشہؓ ایک تو کمسن تھیں دوسرے نہایت ہلکی پھلکی۔ تو جب آپ کا ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا گیا اور قافلہ روانہ ہو گیا۔ حضرت عائشہؓ جو قضائے حاجت کی غرض سے جنگل گئی ہوئی تھیں، اتفاق سے وہاں آپ کے گلے کا ہار کھو گیا۔ جسے ڈھونڈنے میں ان کو کافی تاخیر ہو گئی۔ جب آپ واپس آئیں تو دیکھا کہ قافلہ روانہ ہو چکا ہے۔ جس سے آپ بہت پریشان ہوئیں۔ مگر یہ سوچ کر کہ جب مجھے ہودج میں نہیں پائیں گے تو تلاش کرنے کے لئے کسی نہ کسی کو اس جگہ ضرور بھیجا جائے گا اور آپ وہیں چادر اوڑھ کر بیٹھ گئیں۔ بیٹھے بیٹھے نیند آ گئی۔ حضرت صفوانؓ جن کی ڈیوٹی یہ تھی کہ وہ قافلہ سے کچھ فاصلہ پر رہیں۔ تاکہ اگر لوگوں کی کوئی چیز چھوٹ گئی ہو یا راستہ میں گر گئی ہو تو وہ اس کی خبر گیری رکھیں۔ وہ جب قریب آئے تو کسی کو سوتا ہوا دیکھ کر چونک پڑے اور غور سے دیکھنے پر انہوں نے حضرت عائشہؓ کو پہچان لیا۔ کیونکہ پردہ کا حکم نازل ہونے

سے قبل آپ نے حضرت عائشہؓ کو دیکھ رکھا تھا۔ انہوں نے زور سے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ جس سے حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ فوراً اٹھیں اور چادر لپیٹ کر بیٹھ گئیں۔ حضرت صفوانؓ نے اپنا اونٹ بٹھایا اور حضرت عائشہؓ اس پر سوار ہو گئیں اس کے بعد حضرت صفوانؓ اونٹ کا نکیل پکڑ کر روانہ ہو گئے اور کچھ دیر میں قافلہ سے جا ملے۔ بات صرف اتنی تھی۔ مگر مدینہ جہاں کے منافقین بھی بہت تھے، ان کے سردار عبداللہ بن ابی کو ایک موقعہ مل گیا۔ اس نے اپنی خباثت سے اس میں خوب حاشیہ آرائی کی اور طرح طرح کی باتیں اڑائیں۔ بدقسمتی سے چند سادہ لوح مسلمان بھی اس کے فریب میں آ گئے۔ مثلاً حسانؓ بن ثابت، حضرت مسطحؓ اور حمنہؓ بنت جحش۔ اور وہ بھی ان کے اس پروپیگنڈے میں شریک ہو گئے۔ لیکن عام مسلمانوں کو اس سے شدید ترین تکلیف ہوئی اور بڑا رنج ہوا۔ آنحضور ﷺ کو جس قدر تکلیف پہنچی ہو گی وہ تو بیان بھی نہیں کی جا سکتی۔ مدینہ کی گلیوں میں اس کے چرچے ہوتے رہے۔ اس دوران آنحضور ﷺ تحقیق وتفتیش میں لگے رہے۔ لیکن اس طرح کی کوئی بات ہاتھ نہ لگ سکی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ واقعتاً حضرت عائشہؓ سے اس طرح کا کوئی فعل بدسرزد ہوا ہے۔ مگر اس کے باوجود حضرت عائشہؓ کے بیان کے مطابق آنحضور ﷺ ان سے کافی کشیدہ رہتے۔ یہاں تک کہ ایک مہینہ کے بعد قرآن میں ان کی برأت کی گئی اور آنحضور ﷺ اور مومنین کو تسلی دی گئی کہ اس بدنامی کا کچھ خیال نہ کیجئے۔ اس کا پھیلانے والا تو رئیس المنافقین ہے۔ اور مسلمانوں میں سے صرف تین حضرات اپنے بھولے پن کی وجہ سے اس میں شریک ہو گئے تھے۔ جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

جب یہ حادثہ پیش آیا تھا آپ ﷺ حضرت عائشہؓ سے بہت کشیدہ رہتے اور قریب بھی نہیں جاتے تھے۔ ایک دن آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور انہیں نصیحت کر رہے تھے۔ ساتھ ہی حقیقت حال معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے، اسی دوران میں یہ آیات نازل ہوئیں اور آپ ﷺ نے خوشخبری حضرت عائشہؓ کو سنادی۔

حسنِ ظن: .... اس کے بعد قرآن نے اپنے ماننے والوں کو اس کی تعلیم دی ہے کہ جب بھی مسلمانوں سے متعلق کوئی روایت معلوم ہو تو پہلے حسن ظن سے کام لینا چاہئے تاوقتیکہ اس کے خلاف کوئی شہادت یا ثبوت نہ مل جائے۔ سوچنا چاہئے کہ جب عام مسلمانوں کے متعلق ارشاد ہے تو حضرت صدیقہؓ سے تو ویسے بھی حسن ظن رکھنا چاہئے تھا اور اب جب کہ قرآن نے ان کی برأت میں شہادت دے دی پھر تو شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہی۔ اب حضرت عائشہؓ کی عصمت میں شک کرنا قرآن میں شک کرنے کے ہم معنی ہو گا۔

فقہاء نے کہا ہے کہ اگرچہ یہاں امر کا صیغہ نہیں ہے۔ لیکن یہ کلمہ تمنا امر سے بھی زیادہ موکد ہے۔ لہٰذا مومن کے لئے ضروری ہے کہ جب کسی کی برائی سے اور اس کا کوئی ثبوت یا اس پر کوئی معتبر شہادت نہ ہو تو حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اس پر یقین نہ کرنا چاہئے۔ اسی طرح صوفیائے نے کہا ہے کہ خبروں میں احتیاط وتحقیق سے کام لینا چاہئے۔

پھر فرمایا گیا کہ اثبات زنا کے لئے چار چشم دید گواہوں کا ہونا ضروری ہے تو اگر یہ لوگ سچے ہیں تو پھر چار گواہ کیوں نہیں پیش کرتے۔ ان کا گواہوں کا پیش نہ کرنا خود ان کے کاذب ہونے کی علامت ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کو جو مومن تھے، لیکن اپنی نادانی وسادگی کی وجہ سے اس فریب میں مبتلا ہو گئے تھے۔ انہیں خطاب کیا گیا کہ کسی پاکدامن مومنہ پر تہمت لگانا شدید ترین معصیت ہے۔ چہ جائیکہ زوجہ رسول ﷺ پر زنا کا الزام لگایا۔ یہ خوفناک قسم کی معصیت تھی۔ اگر خدا تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے تمہیں توبہ کی توفیق نہ دیتا اور آخرت میں تمہارے ایمان کی وجہ سے معاف نہ کر دیتا تو سخت ترین عذاب میں مبتلا ہو جاتے۔

پھر فرمایا گیا کہ تم لوگوں نے جس وقت حضرت صدیقہؓ کے متعلق یہ سنا تھا تو حیرت اس پر ہے کہ تمہارے قلوب نے اسے قبول کس

طرح کرلیا۔ تامل وتذبذب تو الگ رہا سنتے ہی فوراً اسے قبول کرنے سے انکار کردینا چاہئے تھا اور خبردار رہو، دیکھو! اس طرح کی کوئی حرکت نہ ہونے پائے اور اس قدرتی برأت کے بعد بھی جو لوگ اس گندے تذکرے کو باقی رکھنا چاہتے ہیں وہ دردناک عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔

بعض مفسرینؒ کی رائے یہ ہے کہ اگرچہ آیت میں اشارہ اسی خاص واقعہ کی طرف ہے، لیکن اس آیت کے مصداق وہ لوگ بھی ہوں گے جو مسلمانوں کے کسی بھی معاشرے میں گندی روایتوں کا چرچا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں بھی ہے کہ:

''بندگان خدا کو ایذاء وتکلیف نہ دیا کرو اور ان کی پوشیدہ باتوں کو ٹٹولنے کی کوشش نہ کرو اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب کو معلوم کرنے کی کوشش کرے گا اسے خدا تعالیٰ اتنا رسوا کرے گا کہ اس کے گھر والے بھی اس سے نفرت کرنے لگیں گے۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ طُرُقِ **الشَّيْطٰنِ** اَیْ تَزْيِيْنِهٖ **وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ** اَیِ الْمُتَّبَعَ **يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ** اَیِ الْقَبِيْحِ **وَالْمُنْكَرِ** شَرْعًا بِاتِّبَاعِهَا **وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَازَكٰى مِنْكُمْ** اَيُّهَا الْعُصْبَةُ بِمَا قُلْتُمْ مِنَ الْاِفْكِ **مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا** اَیْ مَاصَلَحَ وَطَهَرَمِنْ هٰذَا الذَّنْبِ بِالتَّوْبَةِ مِنْهُ **وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ** يُطَهِّرُ **مَنْ يَّشَآءُ** مِنَ الذَّنْبِ بِقَبُوْلِ تَوْبَتِهٖ مِنْهُ **وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ** لِمَا قُلْتُمْ **عَلِيْمٌ﴿۲۱﴾** بِمَا قَصَدْتُمْ **وَلَا يَاْتَلِ** يَحْلِفُ **اُولُوا الْفَضْلِ** اَیْ اَصْحَابُ الْغِنٰى **مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ** لَا **يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** نَزَلَتْ فِیْ اَبِیْ بَكْرٍ حَلَفَ اِنْ لَا يُنْفِقَ عَلٰى مُسْطَحٍ وَهُوَ ابْنُ خَالَتِهٖ مِسْكِيْنٌ مُهَاجِرٌ بَدْرِیٌّ لِمَا خَاضَ فِی الْاِفْكِ بَعْدَ اَنْ كَانَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ وَنَاسٍ مِنَ الصَّحَابَةِ اَقْسَمُوْا اَنْ لَا يَتَصَدَّقُوْا عَلٰى مَنْ تَكَلَّمَ بِشَیْءٍ مِنَ الْاِفْكِ **وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا** عَنْهُمْ فِیْ ذٰلِكَ **اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴿۲۲﴾** لِلْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ بَلٰى اَنَا اُحِبُّ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لِیْ وَرَجَعَ اِلٰى مُسْطَحٍ مَاكَانَ يُنْفِقُهٗ عَلَيْهِ **اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ** بِالزِّنَا **الْمُحْصَنٰتِ** الْعَفَائِفَ **الْغٰفِلٰتِ** عَنِ الْفَوَاحِشِ بِاَنْ لَا يَقَعَ فِیْ قُلُوْبِهِنَّ فِعْلُهَا **الْمُؤْمِنٰتِ** بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ **لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴿۲۳﴾ يَّوْمَ** نَاصِبُهُ الْاِسْتِقْرَارُ الَّذِیْ تَعَلَّقَ بِهٖ لَهُمْ **تَشْهَدُ** بِالْفَوْقَانِيَةِ وَالتَّحْتَانِيَةِ **عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۲۴﴾** مِنْ قَوْلٍ وَفِعْلٍ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ** يُجَازِيْهِمْ جَزَاءَهُ الْوَاجِبُ عَلَيْهِمْ **وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ﴿۲۵﴾** حَيْثُ حَقَّقَ لَهُمْ جَزَاءَهُ الَّذِیْ كَانُوْا يَشُكُّوْنَ فِيْهِ مِنْهُمْ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ اُبَیٍّ وَالْمُحْصَنٰتُ هُنَا اَزْوَاجُ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُذْكَرُ فِیْ قَذْفِهِنَّ تَوْبَةٌ وَمَنْ ذَكَرَ فِیْ قَذْفِهِنَّ اَوَّلَ سُوْرَةِ التَّوْبَةِ غَيْرُهُنَّ **اَلْخَبِيْثٰتُ** مِنَ النِّسَاءِ وَمِنَ الْكَلِمٰتِ **لِلْخَبِيْثِيْنَ** مِنَ النَّاسِ **وَالْخَبِيْثُوْنَ** مِنَ النَّاسِ **لِلْخَبِيْثٰتِ** مِمَّاذُكِرَ **وَالطَّيِّبٰتُ** مِمَّا ذُكِرَ **لِلطَّيِّبِيْنَ** مِنَ النَّاسِ **وَالطَّيِّبُوْنَ** مِنْهُمْ **لِلطَّيِّبٰتِ** مِمَّاذُكِرَ اَیِ اللَّائِقُ بِالْخَبِيْثِ مِثْلُهٗ وَبِالطَّيِّبِ

مِثْلُهٗ **اُولٰٓئِكَ** الطَّيِّبُوْنَ وَالطَّيِّبَاتُ مِنَ النِّسَاءِ وَمِنْهُمْ عَائِشَةُ وَصَفْوَانُ **مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ** اَيِ الْخَبِيْثُوْنَ وَالْخَبِيْثَاتُ مِنَ النِّسَاءِ فِيْهِمْ **لَهُمْ** لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ النِّسَاءِ **مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ**﴿۲۶﴾ فِي الْجَنَّةِ وَقَدِ افْتَخَرَتْ عَائِشَةُ بِاَشْيَاءٍ مِنْهَا اَنَّهَا خُلِقَتْ طَيِّبَةً وَوُعِدَتْ مَغْفِرَةً وَرِزْقًا كَرِيْمًا

ترجمہ:............ اے ایمان والو! تم شیطان کے قدم بقدم مت چلو، جو شیطان کی اتباع کرتا ہے تو وہ اس کو بری باتوں اور شرعاً منع کردہ چیزوں کی راہ پر ڈال دیتا ہے اور اگر خدا تعالیٰ کا تم پر فضل اور رحمت نہ ہوتی تو (تہمت تراش گروہ میں سے) کبھی بھی وہ کسی کو پاک نہ کرتا (اور اس سلسلہ میں تو یہ بھی بے سود رہتا) لیکن بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں (توبہ قبول کر کے گناہوں سے) پاک کر دیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والے اور جاننے والے ہیں (آور یہ بھی سنو کہ) مالدار اور دولت منداس کا عہد نہ کریں کہ وہ رشتہ دار اور مسکینوں کو یا اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہ دیں گے (خاص خطاب حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے ہے جو حضرت مسطح ؓ کی کفالت فرماتے تھے۔ یہ ان کے خالہ کے لڑکے اور ضرورت مند مہاجرین میں سے تھے۔ لیکن بدقسمتی سے حضرت عائشہ ؓ پر تہمت تراشی میں شریک ہو گئے تھے اور کچھ دوسرے صحابہ ؓ نے بھی صورت حال سے متاثر ہو کر عہد کیا تھا کہ اس واقعہ میں شریک لوگوں کو مالی امداد سے محروم کر دیں گے) انہیں معاف کر دو اور ان سے درگزر کرو۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ خدا تعالیٰ تم کو معاف فرمائے (اور یقیناً یہ پسند ہے تو پھر تم بھی دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرو) خدا تعالیٰ بڑے بخشنے والے، رحم کرنے والے ہیں۔ (ان آیات کے نزول پر حضرت ابوبکر ؓ بول اٹھے کہ میں خدا تعالیٰ سے اپنی لغزشوں کی معافی چاہتا ہوں اور مسطح کی بدستور مدد کرنے لگے) جو لوگ پاکدامن اور بھولی بھالی بیبیوں پر در آنحالیکہ وہ مسلمان ہیں تہمت تراشی کرتے ہیں تو ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت اور ان کو بہت بڑے عذاب سے سابقہ پڑے گا۔ جس دن (یوماً منصوب ہے استقر فعل کی وجہ سے یعنی بدستور اس عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ وہ دن ایسا خوفناک ہوگا کہ) ان کے کرتوت کی شہادت خود ان کی زبانیں اور ہاتھ پاؤں دیں گے (اور جب ایسا ہوگا) تو خدا تعالیٰ بھی ان کے کرتوت کا بھرپور بدلہ دے گا اور جان لیویں گے کہ اللہ تعالیٰ حق پسند اور حق کا انکشاف کرنے والے ہیں (یہی وجہ تو ہے کہ حق میں شک کرنے والے جیسے عبداللہ ابن ابی وغیرہ تھے ان کے سامنے حق کھول دیا اور پاکدامن بیبیوں سے مراد یہاں ازواج مطہرات ہیں۔ ان آیات میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ حضرت عائشہ ؓ پر بہتان تراشی کرنے والوں کو معاف کر دیا گیا تھا۔ رہا سورۂ توبہ میں معافی کا تذکرہ۔ وہ دوسری بیبیوں پر تہمت تراشی کے بارے میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عائشہ صدیقہ ؓ پر تہمت تراشی ایسا بدترین گناہ تھا جس کی معافی نہیں اور طے شدہ بات یہ ہے کہ) بدکار عورتیں برے مردوں کے لئے اور برے مرد پاپی عورتوں کے لئے اور پاکیزہ خصلت بیبیاں پاکیزہ صفات مردوں کے لئے اور پاکباز مرد پاکدامن عورتوں کے لئے منتخب کئے گئے ہیں (پھر آنحضور ﷺ کے نکاح میں کوئی بدکار کیسے آ سکتی ہے) یہ (پاکدامن بی بی یعنی عائشہ ؓ ور یہ پاکباز مرد یعنی صفوان ؓ) بالکل بری ہیں۔ اس تہمت سے جو ان پر باندھی گئی۔ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت ہے اور عمدہ رزق (جنت میں عائشہ رضی اللہ عنہا چند چیزوں پر ہمیشہ فخر فرماتی تھیں۔ ایک یہ کہ میں پاک نہاد ہوں اور یہ کہ مجھ سے مغفرت و رزق کریم کا وعدہ کیا گیا ہے)

شان نزول:............ آیت ولا یاتل اولوا الفضل منکم الخ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ انہوں نے حضرت مسطح کا وہ وظیفہ بند کر دیا جو وہ حضرت عائشہ ؓ پر تہمت لگانے سے پہلے ان کو دیا کرتے تھے۔

تفصیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ ؓ پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو اپنی سادگی و بھولے پن میں حضرت مسطح بھی اس میں شریک

ہوگئے۔ جو حضرت صدیق اکبرؓ کے خالہ زاد بھائی تھے اور غیر مہاجر تھے۔ ان کی کفالت حضرت صدیق اکبرؓ ہی کیا کرتے تھے۔ جب حضرت عائشہؓ کی برأت میں آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شدت ناراضگی میں ان کا وہ وظیفہ بند کردیا جو وہ انہیں دیا کرتے تھے۔ اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: .... ارشاد ہے کہ اے لوگو! شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔ وہ تو بے حیائی، بدکاری اور برائی کے راستے بتاتا ہے، اس لئے اس کے وسوسوں سے بچنے کی کوشش کرو۔ پھر کہا گیا کہ اگر خدا تعالیٰ کا فضل وکرم نہ ہوتو تم میں سے کوئی بھی شرک وکفر سے نہیں بچ سکتا تھا۔ یہ تو اس کا بہت بڑا احسان ہے کہ وہ تمہیں توبہ کی توفیق عطا فرماتا ہے اور اس طرح پر تمہیں پاک وصاف بنادیتا ہے۔ خدا تعالیٰ جسے چاہے راہ ہدایت عطا فرمادے اور جسے چاہے ہلاکت میں مبتلا کردے۔ وہ جانتا ہے کہ کون مستحق ہدایت ہے اور کسے اس کی ضلالت وگمراہی میں مبتلا رہنے دیا جائے۔

پھر حضرت ابوبکرؓ کو حضرت مسطحؓ کا وظیفہ شدت ناراضگی میں بند کردینے پر مخاطب بنا کر ایک عام بات بیان کی گئی کہ تم میں سے جو صاحب مقدرت ہیں اور صدقہ وخیرات کرنے والے ہیں، انہیں اس بات کی قسم نہ کھانا چاہئے کہ وہ اپنے رشتہ داروں، مسکینوں اور مہاجروں کی کوئی مدد نہ کریں گے۔

مزید توجہ دلانے کے لئے فرمایا گیا کہ اگر ان سے کوئی قصور ہوگیا ہو یا ان سے کوئی تکلیف پہنچی تو معاف کردینا چاہئے۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کا لطف وکرم ہے کہ وہ اپنے بندوں کو نیکی اور خیر ہی کا حکم دیتا ہے۔ گویا ان آیتوں میں بندوں کو اس کی تلقین کی گئی کہ جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ ان کی خطائیں اور قصور معاف کردیئے جائیں اسی طرح انہیں چاہئے کہ وہ دوسروں کی تقصیروں سے درگزر کریں۔

بدترین جرم: .... ارشاد ہوا کہ جو نیک اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں خدا تعالیٰ کی لعنت کے مستحق ہیں۔ جب عام عورتوں مومنہ پر تہمت لگانے والوں کی یہ سزا ہے تو خود سوچئے کہ حضرت عائشہؓ پر الزام زنا لگانے والوں کی کیا سزا ہوسکتی ہے۔ نیز بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ یہ آیت حضرت عائشہؓ سے متعلق ہے اور عام مومنہ عورتوں کے بارے میں وہ آیت ہے جس میں کہا گیا کہ اگر کسی نے پاکدامن عورت پر تہمت لگائی اور چار گواہ نہ پیش کرسکا تو اس پر حد قذف جاری کی جائے گی۔ لیکن دوسرے مفسرینؒ کی رائے یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ اس میں کوئی تخصیص نہیں۔

کافروں کے سامنے جب ان کی بداعمالیاں پیش کی جائیں گی تو وہ صاف انکار کرجائیں گے۔ اور اپنی بے گناہی بیان کرنے لگیں گے۔ اس وقت خود ان کے اعضاء ان کے خلاف شہادت دیں گے۔ زبان کہہ اٹھے گی کہ اس نے میرے ذریعہ فلاں فلاں کفر قولی کئے ہیں۔ اسی طرح ہاتھ پیر بھی کہنے لگیں کہ اس نے میرے ذریعہ فلاں فلاں عملی گناہ کئے ہیں۔ اس دن خدا تعالیٰ اس کے کئے ہوئے کا پورا بدلہ دیں گے۔ اس وقت انہیں احساس ہوجائے گا کہ خدا تعالیٰ صاحب عدل ہیں۔ ظلم سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں اور پھر یہ اپنی نجات سے بالکل مایوس ہوجائیں گے۔

پھر ارشاد ہوا کہ آنحضور ﷺ جو پاک وطیب ہیں، یہ ممکن نہیں کہ ان کے نکاح میں کوئی ایسی عورت آئے جو بدباطن وبدکردار ہو۔ خبیثہ عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہی لائق ہوسکتی ہیں۔ اس لئے فرمایا گیا کہ یہ لوگ ان تہمتوں سے پاک ہیں جو منافقین واسلام دشمن حضرات لگارہے ہیں اور ان منافقین کی بدکلامیوں سے جو انہیں اذیت اور تکلیف پہنچ رہی ہے وہ ان کے لئے مغفرت اور بلندی درجات کا سبب ہوگی۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا ای تستاذنوا **وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَهْلِهَا** فیقول الواحد السلام علیکم اادخل کما ورد فی حدیث **ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ** من الدخول بغیر استیذان **لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾** بادغام التاء الثانیة فی الذال خیریته فتعلمون به **فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَآ اَحَدًا** یاذن لکم **فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰی یُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِیْلَ لَكُمُ** بعد الاستیذان **ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ** ای الرجوع **اَزْكٰی** ای خیر **لَكُمْ** من القعود علی الباب **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ** من الدخول باذن وغیر اذن **عَلِیْمٌ ﴿۲۸﴾** فیجازیکم علیه **لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِیْهَا مَتَاعٌ** ای منفعة **لَّكُمْ** باستکنان وغیره کبیوت الربط والخانات المسبلة **وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ** تظهرون **وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾** تخفون فی دخول غیر بیوتکم من قصد صلاح او غیره وسیاتی انهم اذا دخلوا بیوتهم یسلموا علی انفسهم **قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ** عما لایحل لهم نظره ومن زائدة **وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ** عما لایحل لهم فعله بها **ذٰلِكَ اَزْكٰی** ای خیر **لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾** بالابصار والفروج فیجازیهم علیه **وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ** عما لایحل لهن نظره **وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ** عما لایحل فعله بها **وَلَا یُبْدِیْنَ** یظهرن **زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا** وهو الوجه والکفان فیجوز نظره لاجنبی ان لم یخف فتنة فی احد الوجهین والثانی یحرم لانه مظنة الفتنة ورجح حسما للباب **وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ** ای یسترن الرءوس والاعناق والصدور بالمقانع **وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ** الخفیة وهی ماعدا الوجه والکفین **اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ** جمع بعل ای زوج **اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ** فیجوز لهم نظره الا مابین السرة والرکبة فیحرم نظره لغیر الازواج وخرج بنسائهن الکافرات فلا یجوز للمسلمات الکشف لهن وشمل ماملکت ایمانهن العبید **اَوِ التّٰبِعِیْنَ** فی فضول الطعام **غَیْرِ** بالجر صفة والنصب استثناء **اُولِی الْاِرْبَةِ** اصحاب الحاجة الی النساء **مِنَ الرِّجَالِ** بان لم ینتشر ذکر کل **اَوِ الطِّفْلِ** بمعنی الاطفال **الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا** یطلعوا **عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ** للجماع فیجوز ان یبدین لهم ماعدا مابین السرة والرکبة **وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ** من خلخال یتقعقع **وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ**

مِمَّا وَقَعَ لَكُمْ مِنَ النَّظَرِ الْمَمْنُوْعِ مِنْهُ وَمِنْ غَيْرِهٖ **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ**﴿۳۱﴾ تَنْجُوْنَ مِنْ ذٰلِكَ لِقَبُوْلِ التَّوْبَةِ مِنْهُ وَفِى الْاٰيَةِ تَغْلِيْبُ الذُّكُوْرِ عَلَى الْاِنَاثِ **وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ** جَمْعُ اَيِّمٍ وَهِىَ مَنْ لَيْسَ لَهَا زَوْجٌ بِكْرًا كَانَتْ اَوْ ثَيِّبًا وَمَنْ لَيْسَ لَهٗ زَوْجَتُهٗ وَهٰذَا فِى الْاَحْرَارِ وَالْحَرَائِرِ **وَالصّٰلِحِيْنَ** اَىِ الْمُؤْمِنِيْنَ **مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ** وَعِبَادِ مِنْ جَمُوْعِ عَبْدٍ **اِنْ يَّكُوْنُوْا** اَىِ الْاَحْرَارِ **فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ** بِالتَّزَوُّجِ **مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ** لِخَلْقِهٖ **عَلِيْمٌ**﴿۳۲﴾ بِهِمْ **وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا** اَىْ مَايُنْكِحُوْنَ بِهٖ مِنْ مَهْرٍ وَنَفَقَةٍ مِنَ الزِّنَا **حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ** يُوَسِّعُ عَلَيْهِمْ **مِنْ فَضْلِهٖ ؕ** فَيَنْكِحُوْنَ **وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ** بِمَعْنَى الْمُكَاتَبَةِ **مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ** مِنَ الْعَبِيْدِ وَالْاِمَاءِ **فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ** اَىْ اَمَانَةً وَقُدْرَةً عَلَى الْكَسْبِ لِاَدَاءِ مَالِ الْكِتَابَةِ وَصِيْغَتُهَا مَثَلًا كَاتَبْتُكَ عَلٰى اَلْفَيْنِ فِىْ شَهْرَيْنِ كُلَّ شَهْرٍ اَلْفٌ فَاِذَا اَدَّيْتَهَا فَاَنْتَ حُرٌّ فَيَقُوْلُ قَبِلْتُ ذٰلِكَ **وَّاٰتُوْهُمْ** اَمْرٌ لِلسَّادَةِ **مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِىْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ** مَايَسْتَعِيْنُوْنَ بِهٖ فِىْ اَدَاءِ مَا اِلْتَزَمُوْهُ لَكُمْ وَفِىْ مَعْنَى اِيْتَاءِ حَطُّ شَىْءٍ مِمَّا اِلْتَزَمُوْهُ **وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ** اَىْ اِمَائِكُمْ **عَلَى الْبِغَآءِ** اَىِ الزِّنَا **اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا** تَعَفُّفًا عَنْهُ وَهٰذِهِ الْاِرَادَةُ مَحَلُّ الْاِكْرَاهِ فَلَا مَفْهُوْمَ لِلشَّرْطِ **لِّتَبْتَغُوْا** بِالْاِكْرَاهِ **عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ** نَزَلَتْ فِىْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُبَىٍّ كَانَ يُكْرِهُ جَوَارِىَ لَهٗ عَلَى الْكَسْبِ بِالزِّنَا **وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ** لَهُنَّ **رَّحِيْمٌ**﴿۳۳﴾ لِهُنَّ **وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ** بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا فِىْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ بَيَّنَ فِيْهَا مَاذُكِرًا وَبَيِّنَةً **وَّمَثَلًا** اَىْ خَبَرًا عَجِيْبًا وَهُوَ خَبَرُ عَائِشَةَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا **مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ** اَىْ مِنْ جِنْسِ اَمْثَالِهِمْ اَىْ اَخْبَارِهِمُ الْعَجِيْبَةِ كَخَبَرِ يُوْسُفَ وَمَرْيَمَ **وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ**﴿۳۴﴾ فِىْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَلَاتَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ الخ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ الخ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ الخ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا الخ وَتَخْصِيْصُهَا بِالْمُتَّقِيْنَ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا

ع ۸ / ۱۰

ترجمہ: .... اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں داخل مت ہو۔ جب تک کہ اجازت حاصل نہ کرلو اوران کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو (جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی کسی کے گھر پر جائے تو اسے چاہئے کہ دروازہ پر سے صاحب خانہ کو سلام کرکے اس کے اندر داخل ہونے کی اجازت لے لے) تمہارے حق میں یہی بہتر ہے (اس سے کہ تم لوگ بغیر اجازت اندر داخل ہو) شاید کہ تم لوگ اس کا خیال رکھو (تـذکـرون اصل میں تتـذکـرون تھا۔ دوسرے تا کو ذال میں ادغام کردیا گیا ہے) پھر اگر ان میں تمہیں کوئی آدمی نہ معلوم ہو (جو تمہیں اجازت دے) تو بھی ان میں داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ

مل جائے اور اگر تم سے کہہ دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو۔ یہی (لوٹ جانا) تمہارے لئے بہتر ہے (اس سے کہ تم اس کے گھر پر دھرنا دے کر بیٹھ جاؤ) اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے (اور اس پر بھی نظر ہے کہ تم دوسرے کے گھروں میں اجازت سے داخل ہوتے ہو۔ یا بغیر اجازت کے اور اسی کے مطابق تمہیں بدلہ بھی دے گا) تم پر کوئی گناہ اس میں نہیں ہے کہ تم ان مکانات میں داخل ہو جاؤ جن میں کوئی رہتا نہ ہو اور ان میں تمہارا کچھ مال ہو (مثلاً مسافر خانوں یا عامۃ الورود اصطبل وغیرہ میں چلتے چلاتے سردی اور گرمی سے بچنے کے لئے) اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو (اور وہ اسے بھی جانتا ہے کہ تم دوسروں کے گھروں میں کسی نیک ارادہ سے داخل ہو رہے ہو یا کوئی بد ارادہ رکھتے ہو) آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں (ان چیزوں سے جن کا دیکھنا ان کے لئے جائز نہیں) اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں (ان چیزوں سے جس کا ارتکاب جائز نہیں) اور اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ ہونے دیں۔ مگر ہاں جو اس (موقع زینت) میں سے کھلا ہی رہتا ہے (اور جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے۔ مثلاً چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں۔ بشرطیکہ اجنبی کے لئے ان کو دیکھنے میں کوئی اندیشہ نہ ہو اور یہ بھی ہے کہ مطلقاً دیکھنے کی ممانعت ہے۔ کیونکہ ابتلاء کا امکان بہر حال موجود ہے)۔

اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں (جس سے کہ سر، گردن اور سینہ وغیرہ ڈھکا رہے) اور اپنی زینت (کے مواقع مذکورہ) کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہر پر اور اپنے باپ پر اور اپنے شوہر کے باپ پر اور اپنے بیٹوں پر اور اپنے شوہر کے بیٹوں پر اور اپنے بھائیوں پر اور اپنے بھائیوں کے لڑکوں پر یا اپنی بہنوں کے لڑکوں پر اور اپنی (ہم مذہب) عورتوں پر اور اپنی باندی پر (کہ ان لوگوں سے کوئی پردہ نہیں ہے۔ البتہ ناف اور گھٹنوں کے درمیان کی شے سوائے شوہر کے کسی دوسرے کیسامنے کھولنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرے مذاہب کی عورتوں اور غلاموں سے بھی تمام چیزوں کا پردہ ہونا چاہئے) اور ان مردوں پر جو طفیلی ہوں (اور عورت کی طرف انہیں ذرا توجہ نہ ہو (غیــر کو اگر جر پڑھیں گے تو صفت ہوگی ماقبل کی اور اگر نصب پڑھیں تو استثناء ہوگا) اور ان لڑکوں پر جو ابھی عورتوں کی پردہ کی بات سے واقف نہیں ہوئے (یعنی جو ابھی بالکل بے شعور ہوں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ایسے بے شعور لڑکوں کے سامنے ناف اور گھٹنا کے درمیان کی شے کے انکشاف میں بھی کوئی حرج نہیں) اور عورتیں اپنے پیر زور سے نہ رکھیں کہ ان کا زیور مخفی معلوم ہو جائے (مثلاً جانجھر وغیرہ کہ جس میں آواز ہو) اور تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو۔ اے ایمان والو! (اگر تمہاری نظر ان ممنوع چیزوں پر پڑ گئی ہو) تا کہ تم فلاح پاؤ (اور تمہاری توبہ قبول ہو جائے۔ آیت میں غلبہ دے دیا گیا مردوں کو عورتوں پر۔ یعنی اس آیت میں خطاب مردوں کو کیا گیا اگر چہ عورتیں مراد ہیں)۔

اور تم اپنے بے نکاحوں کا نکاح کرو (ایـامٰی جمع ہے ایم کی جس کے معنی وہ عورت جس کا شوہر نہ ہو خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ ہو اسی طرح وہ مرد جس کی بیوی نہ ہو) اور تمہارے غلام اور باندیوں میں جو اس کے (یعنی نکاح کے) لائق ہوں اس کا بھی۔ اگر یہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا اور اللہ بڑا وسعت والا، بڑا جاننے والا ہے اور جن لوگوں کو نکاح کا مقدور نہیں۔ انہیں چاہئے کہ ضبط سے کام لیں (یعنی جن کے پاس مہر ونفقہ وغیرہ کے لئے کوئی چیز نہ ہو جس کی وجہ سے نکاح نہ کر سکتا ہو تو چاہئے کہ ضبط سے کام لے اور زنا سے بچے) یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے (تو پھر نکاح کا قصد کرے) اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں تو انہیں مکاتب بنا دیا کرو۔ اگر ان میں بہتری کے آثار پاؤ (مثلاً امانت اور کمانے پر قدرت وغیرہ رکھتا ہو تا کہ مال کتابت ادا کر سکے۔ کتابت کی صورت یہ ہے کہ مثلاً مالک یہ کہے کہ میں نے تمہیں دو ہزار پر مکاتب بنایا۔ ہر مہینہ تمہیں ایک ہزار روپے ادا کرنے ہوں گے، جسے غلام قبول کر لے) اور اللہ کے اس مال میں سے بھی انہیں دو جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے (یعنی یہ

غلام اگر مال کتابت کی ادائیگی میں جو تم نے ان پر لازم کیا ہے اس سلسلہ میں اگر وہ کچھ مالی مدد کے طالب نہ ہوں تو دریغ نہ کرنا چاہئے اور ایتاء کے دوسرے معنی کئے گئے ہیں کہ غلام کی درخواست پر مال کتابت میں سے کچھ معاف کر دو) اور اپنی باندیوں کو مجبور مت کرو زنا پر۔ جبکہ وہ پاکدامن رہنا چاہیں (اس ارادہ کی صورت میں ان کو بدکاری پر مجبور کرنا تو بڑا ہی پاپ ہے۔ درآنحالیکہ ان کو پاک رکھنا مطلقاً مطلوب ہے۔ خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں) محض اس کے لئے دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ تمہیں حاصل ہو جائے۔ (یہ آیت عبداللہ بن ابی سے متعلق نازل ہوئی جو اپنی باندی کو زنا کی کمائی پر مجبور کیا کرتا تھا) اور جو کوئی انہیں مجبور کرے گا سو اللہ ان کے مجبور کئے جانے کے بعد بخشنے والا ہے، مہربان ہے۔

اور ہم نے تمہارے پاس کھلے کھلے احکام بھیجے ہیں۔ (مبینٰت کے یا کو کسرہ اور فتحہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے) اور جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کی حکایتیں (مثلاً قصہ عائشہ رضی اللہ عنہا۔ اسی طرح ان سے پہلے قصہ یوسف و مریم وغیرہ) اور خدا سے ڈرنے والوں کے لئے نصیحت کی باتیں۔ (مثلاً ایک جگہ **لاتاخذکم بھما رافۃ فی الدین اللّٰہ الخ** اسی طرح دوسری جگہ **لو لا اذسمعتموہ ظن المؤمنون الخ** اور **یعظکم اللّٰہ ان تعودوا** وغیرہ اور متقین کی تخصیص اس وجہ سے کی کہ یہی ان آیتوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **حتیٰ تستانسوا**. اجازت واذن کے معنی میں ہے۔ طالب اجازت، اجازت سے قبل ذہنی وحشت میں مبتلا ہوتا ہے کہ اجازت ملتی ہے یا نہیں۔ حصول اجازت اس کی وحشت کے ازالہ کا موجب ہے۔ اس لئے یہ لفظ اختیار کیا گیا۔

تسلموا علی اھلھا. حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اجازت کے بعد باقاعدہ سلام مسنون بھی ضروری ہے اور یہ بھی دریافت کرنا کہ کیا میں آ سکتا ہوں۔ اپنے ذاتی گھر میں داخل ہونے سے پہلے صراحۃً یا اشارۃً اجازت طلبی بھی ضروری ہے کیونکہ کبھی گھر میں غیر عورتیں یا خود اہل خانہ ایسی حالت میں ہوتے ہیں کہ بغیر اجازت ان کے پاس جانا مناسب نہیں ہے۔

کبیوت الربط. بیوت ربط۔ رباط کی جمع ہے۔ وہ جگہ جہاں جانور باندھے جاتے ہیں۔

خاناۃ. کا ترجمہ قاضی بیضاویؒ نے سرائے کیا ہے۔

مسبلۃ. مسافر جو کہیں قیام کا ارادہ کرتا ہو۔

یغضوا من ابصارھم. **من** زائدہ ہے آیت میں غض بصر کا حکم دیدہ بازی کے عام مرض کا سدباب ہے۔

الایامٰی جمع ہے ایم کی۔ غیر شادی شدہ مرد ہو یا عورت۔ اولیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کی شادی کا فکر و اہتمام کریں۔

ان اردن تحصنا. یہ مطلب نہیں کہ اگر باندیاں خود عفت پسند نہ ہوں تو انہیں کھلی آزادی دے دی جائے۔ ہر حال میں اس کی احتیاط ضروری ہے۔ اس لئے یہ شرط اپنے مفہوم مخالفت کے ساتھ معتبر نہیں۔

فان اللہ من بعد اکراھھن. یہ جملہ شرط کی جزا واقع ہو رہا ہے۔ اس میں شرط کا عائد محذوف ہے۔ اصل عبارت **غفور لھم** ہے۔

﴿تشریح﴾: .... دوسرے کے گھروں میں داخل ہونے کے شرعی آداب کا بیان ہے کہ جب کسی کے مکان پر جاؤ تو پہلے صاحب خانہ کو سلام کر کے اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کرو جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے۔ باہر کھڑے ہو کر آپؓ نے تین مرتبہ اجازت طلب کی۔ جب اندر سے کوئی جواب نہ ملا تو واپس ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ دیکھو عبداللہ ابن قیس آنا چاہتے ہیں۔ انہیں بلا لو۔ جب باہر دیکھا گیا تو وہ جا چکے تھے۔ اس کے بعد جب حضرت ابوموسیٰ کی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو فاروق اعظمؓ نے دریافت فرمایا

کہ آپ واپس کیوں چلے گئے تھے؟

اس پر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے وہ حدیث سنائی کہ اگر تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلا جانا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس حدیث پر کوئی شہادت پیش کرو ورنہ تمہیں سزا دی جائے گی۔ وہاں سے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ انصار کے ایک مجمع میں پہنچے اور سارا واقعہ بیان کر کے کہا کہ اگر تم میں سے کسی نے یہ حدیث سنی ہو تو میرے ساتھ چل کر شہادت دے دو۔ جس پر اسی مجمع میں موجود لوگوں نے کہا کہ ہم سب نے آنحضور ﷺ کی یہ حدیث سنی ہے اور ان میں سے ایک شخص آپ کے ساتھ ہولیا اور حضرت فاروق اعظم ؓ کے سامنے جا کر شہادت دے دی جس پر حضرت عمرؓ کو بہت افسوس ہوا کہ اب تک مجھے اس حدیث کا علم نہیں تھا۔

اسی طرح اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اجازت مانگنے والا دروازہ کے بالکل سامنے نہ کھڑا ہو بلکہ ادھر ادھر ہٹ کر کھڑا ہو تا کہ گھر کا سامنا نہ ہو۔ جس سے کہ بے پردگی کا اندیشہ ہو۔

نیز مکان مردانہ ہو یا زنانہ، دونوں صورتوں میں اجازت کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ البتہ کسی مکان میں سوائے بیوی یا باندی وغیرہ کے کوئی اور نہ ہو جو شرعاً حلال ہے وہ مکان اس سے مستثنیٰ سمجھا جائے گا۔ اسی طرح وہ مردانہ مکان بھی اس سے مستثنیٰ ہوگا جہاں آنے جانے پر کوئی پابندی نہ ہو اور اس کی اجازت ہو کہ جو چاہے آ جا سکتا ہے۔

نیز خطاب اگرچہ مردوں کو کیا گیا۔ مگر عورتوں کا بھی یہی حکم ہے۔ پھر فرمایا گیا کہ اجازت مانگنے میں کوئی ذلت محسوس نہ کرو۔ وہ تو بہت مفاسد کی جڑ کاٹ دینے کا ایک ذریعہ ہے جو ہر طرح مفید ہی مفید ہے اور اسی طرح اجازت مانگنے پر اگر صاحب مکان اجازت نہ دے تو اس پر کسی ناگواری کا اظہار بھی نہ کرنا چاہئے۔ اسی طرح پر اگر گھر سے تین مرتبہ اجازت مانگنے کے باوجود کوئی جواب نہ ملے تو واپس ہو جانا چاہئے۔ البتہ اگر اس طرح کے مکانات ہوں جس میں کسی خاص شخص کا قیام نہ ہو بلکہ ایسی عمارت ہو کہ جس میں ہر ایک کو داخلہ کی عام اجازت ہو۔ مثلاً مسافر خانہ، مہمان خانہ، دکانیں یا خانقاہیں وغیرہ تو اس طرح کی عمارتوں میں داخلہ کے وقت اجازت لینے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔

عفت و پاکدامنی: .... مومنین اور مومنات کو حکم دیا گیا کہ دنیا میں پاکیزہ زندگی گزارو اور جن چیزوں کو دیکھنا حرام کر دیا گیا ہے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھو کہ اس میں تمہارے لئے بہتری ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ اس ممانعت میں ہر وہ چیز آ جائے گی جو بدکاری اور ناجائز شہوت رانی کے باعث ہو سکتے ہیں۔ مثلاً شہوت کے ساتھ کسی اجنبی کو دیکھنا، عاشقانہ افسانے اور ڈرامے، اسی طرح سینما اور شہوت انگیز تصویریں وغیرہ۔

اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم چھ چیزوں کی ضمانت دے دو تو میں تمہارے لئے جنت کا ضامن بنتا ہوں۔ ان چھ چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ اپنی نظریں نیچی رکھو اور دوسرے یہ بھی کہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو اور چونکہ بدکاری وغیرہ کے ارتکاب میں انسان اخفاء اور پردہ کا خاص اہتمام رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا گیا کہ تم لاکھ چھپانے کی کوشش کرو، مگر خدا تعالیٰ سے کوئی چیز چھپا نہیں سکتے ہو۔ وہ تمام چیزوں سے واقف اور خبردار ہے۔

اس کے بعد بعض وہ احکامات بیان کئے گئے جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ فرمایا گیا کہ جس طرح مردوں کو حکم ہے کہ وہ اجنبی عورت کو شہوت کے ساتھ نہ دیکھیں اسی طرح عورتوں کو بھی حکم ہے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنے خاوند کے علاوہ کسی دوسرے مرد کو شہوت کی نظر سے نہ دیکھیں۔

حدیث میں بھی ہے کہ آنحضور ﷺ کے پاس حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیٹھی تھیں۔ اسی دوران حضرت ابن مکتوم ؓ تشریف لے آئے۔ آیت پردہ نازل ہوچکی تھی۔ آنحضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ پردہ کرلو۔ جس پر انہوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ وہ تو نابینا ہیں نہ ہمیں دیکھ سکیں گے نہ پہچان سکیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم تو نابینا نہیں ہو کہ انہیں دیکھ نہ سکوگی؟

لہٰذا عورتوں کو خود اپنی عصمت کی حفاظت کرنی چاہئے اور بدکاری سے بچنا چاہئے۔ نیز اپنے جسم کا مکمل پردہ کرنا چاہئے اور ہر اس چیز کا پردہ کرنا چاہئے جو مردوں کے لئے باعث شوق ورغبت ہوسکتی ہیں۔ نیز اپنے دوپٹہ کو اپنے سینہ پر لپیٹے رہیں اور پردہ کا مکمل اہتمام کریں۔ ہاں ان رشتہ داروں کے سامنے کچھ بے پردگی ہوجائے تو کوئی حرج نہیں۔ مثلاً شوہر، باپ، خسر، بیٹے اور اپنے شوہر کے بیٹوں اور اپنے بھائیوں۔ اسی طرح اپنے بھانجوں یا بہن کے لڑکوں اور اپنی ہم مذہب عورتوں اور اپنی باندیوں اور ان مردوں کے سامنے جو طفیلی ہوں۔

یہ تمام رشتہ دار محرم کہلاتے ہیں۔ یعنی جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہو۔ ان کے سامنے بے پردگی ہوجائے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن اس پرفتن دور میں ان سے بھی احتیاط سے کام لینا چاہئے۔

فرمایا گیا کہ جس طرح محرم رشتہ داروں کے سامنے بے پردگی ہوسکتی ہے۔ اسی طرح مسلمان عورتوں کے سامنے بھی بے پردگی میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ غیر مسلم عورتوں سے بھی احتیاط ہونی چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ غیر مسلم عورتیں اپنے شوہروں سے ان کی خوبصورتی اور حسن کے تذکرے کریں۔ جس کی مسلمان عورتوں سے توقع نہیں۔ کیونکہ اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ جیسا کہ بخاری ومسلم کی روایت میں ہے کہ کسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے مردوں کے سامنے دوسری عورتوں کے تذکرے اس طرح کرے کہ جیسے وہ اسے دیکھ رہا ہو۔

اس وجہ سے عمر فاروق ؓ نے حضرت ابوعبیدہ ؓ کو خط لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض مسلمان عورتیں غیر مسلم عورتوں کے ساتھ حمام میں جایا کرتی ہیں۔ یہ کسی طرح بھی جائز نہیں...... اسی طرح وہ مرد جو گھر میں کام کاج کرتے ہوں اور ان کی قوت شہوانیہ ختم ہوچکی ہو اور جنہیں عورتوں کی طرف التفات نہ ہو ان کا حکم بھی محرم مردوں جیسا ہے۔ یعنی ان کے سامنے اظہار زینت میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر وہ بدگو ہوں اور ان سے برائیوں کے پھیلنے کا اندیشہ ہو تو ان سے بھی احتیاط ہونی چاہئے۔

گویا کہ اسلام نے ان تمام مواقع سے روکا ہے جہاں کسی فتنہ کا اندیشہ ہو اور عورت کو اپنی عفت و پاکدامنی کی حفاظت کی تعلیم دی ہے اور اس سلسلہ میں اس درجہ احتیاط سے کام لیا کہ عورتوں کو اس سے بھی منع کردیا کہ اتنی زور سے اور پاؤں کو زمین پر مار کہ نہ چلیں کہ جس سے ان کے زیورات کی آواز پیدا ہو۔ اور چلنے والے اس کی طرف متوجہ ہوں۔ اسی وجہ سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ ہر وہ آواز اور ہر وہ صورت جو رغبت اور دل کشی کا سبب ہو اور جو مردوں کو عورتوں کی طرف متوجہ کرے۔ وہ ساری صورتیں ممنوع ہوں گی۔

اب آپ سوچئے کہ ایک طرف اسلام نے کس قدر پابندیاں عائد کی ہیں اور فتنہ کے تمام راستوں کو کتنی سختی سے بند کیا ہے اور دوسری طرف اس مہذب اور ترقی یافتہ دور میں طرح طرح کے سریلے باجے اور گانے ہی نہیں بلکہ عورتوں اور مردوں کے مشترک ناچ اور ڈانس کی کتنی آزادیاں ہیں اور جن کے نتائج سب کے سامنے ہیں۔

نکاح کی ترغیب:...........ارشاد ہے کہ تم میں سے جو بغیر بیویوں کے ہوں ان کی شادی کرادیا کرو۔ خواہ وہ غیر شادہ شدہ ہوں یا وفات اور طلاق وغیرہ کی صورت میں ان کی بیویاں نہ رہی ہوں۔ کیونکہ ایم کے معنی ہیں عورت بلا شوہر یا شوہر بلا عورت کے۔ خواہ سرے

سے ان کی شادی ہی نہ ہوئی ہو۔ یا وفات وطلاق کی وجہ سے نہ رہی ہو۔ جیسا کہ احادیث میں بھی ارشاد ہے کہ تم میں سے جو نکاح کی قدرت اور وسعت رکھتا ہو اسے چاہئے کہ وہ نکاح کرلے اور جسے اس کی قدرت نہ ہو اسے روزے رکھنے چاہئیں تا کہ اس سے قوت شہوانی کم ہو۔ بعض کی رائے تو یہ ہے کہ جسے نکاح کی قدرت ہو اسے نکاح کرنا واجب ہے۔

پھر فرمایا گیا کہ اپنے غلاموں اور باندیوں کی بھی جو نکاح کے لائق ہوں ان کی شادی کرادینی چاہئے۔ مزید فرمایا گیا کہ اگر چہ وہ تنگ دست اور غریب ہوں، ان کی شادی کرادینی چاہئے۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے انہیں مالدار بنادے گا۔ یہ ارشاد یا تو نکاح و شادی کی طرف رغبت دلانے کے لئے ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ فقر وافلاس کو نکاح کے مانع نہ قرار دینا چاہئے۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ جو سر دست فقیر ہے خدا تعالیٰ آئندہ اس کے فقر کو دور کرکے اس کی معاشی حالت درست کردے۔ نکاح اس مشیت میں مانع نہیں۔ لیکن آیت میں کوئی وعدہ نہیں ہے کہ اہل فقر وافلاس کو نکاح کے بعد یقیناً غنا حاصل ہی ہو جائے گا بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ اگر تمام موافق حالات میسر ہوں تو محض فقر کو نکاح کا مانع قرار نہیں دینا چاہئے۔ ویسے حدیث میں ہے کہ تین قسم کے لوگ وہ ہیں جن کی خدا تعالیٰ مدد فرماتا ہے اور جب وہ اس کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو غیب سے خدا تعالیٰ اس کے انتظامات فرمادیتے ہیں۔ ان میں سے ایک وہ لوگ بھی ہیں جو بدکاری سے بچنے کے لئے نکاح کا ارادہ کرلیں تو ان کے لئے بھی خدا تعالیٰ غیب سے انتظامات فرمادیتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ جو نکاح کی قدرت نہ رکھتا ہو اور سامان نکاح سے بالکل محروم ہو اسے چاہئے کہ صبر سے کام لے اور عفت و پاکدامنی کی حفاظت کے لئے روزے رکھے۔ تا کہ اس سے شہوت کم ہو اور کسی برائی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔

اس کے بعد ان لوگوں کو خطاب ہے جو غلاموں کے مالک ہیں۔ ارشاد ہے کہ اگر ان کے غلام ان سے اپنی آزادی کے بارے میں کوئی معاملہ کرنا چاہیں تو انہیں انکار نہیں کرنا چاہئے۔ یہ معاملہ جسے اصطلاح شریعت میں مکاتبت کہا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ غلام اپنے مالک سے کہے کہ میں کما کر تمہیں اتنا مال ادا کردوں تو میں آزاد ہو جاؤں گا جسے مالک منظور کرلے تو اب تاوقتیکہ غلام مال کتابت ادا نہ کردے اس وقت تک اگر چہ وہ غلام ہی رہے گا لیکن تجارت وغیرہ کرنے کا اسے اختیار ہوگا۔ اگر وہ اس مقررہ مدت میں متعینہ مال ادا کردے تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا اور اگر شرط کو پورا نہ کرسکا تو قاضی مکاتبت کو فسخ کرادے گا۔ اسی کے متعلق ارشاد ہے کہ اگر غلام مال کتابت ادا کرکے آزاد ہو جانا چاہے تو اس کی اس درخواست کو منظور کرلینا چاہئے۔ اکثر علماء کی رائے ہے کہ یہ حکم ضروری نہیں ہے بلکہ بطور استحباب کے ہے۔

اسی سے متعلق ایک دوسرا ارشاد ہے کہ اگر غلام اپنے اس مال کتابت کی ادائیگی میں تم سے امداد کا طالب ہو تو اس سے بھی اعراض نہ کرنا چاہئے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ یا تو خدا تعالیٰ نے جو دولت تمہیں عطا کی ہے۔ اس میں سے کچھ غلام کو دے دیا یا یہ کہ اس طے شدہ رقم میں سے کچھ چھوٹ دے دو۔ یہ بھی امداد کی ایک صورت ہے اور اس کا دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ مالک اور دوسرے مسلمان بھی زکوۃ سے اس کی امداد کریں تا کہ وہ وقت مقررہ میں طے شدہ رقم ادا کرکے آزادی حاصل کرسکے۔

پھر ارشاد ہے کہ اپنی باندیوں سے زبردستی بدکاریاں نہ کراؤ۔ زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ آقا اپنی باندیوں سے عصمت فروشی کرا کے روپے کمایا کرتے تھے۔ اگر باندی انکار کرتی تو اسے زدوکوب کیا جاتا تھا تو حکم ہوا کہ باندیوں پر یہ ظلم نہ کرو۔ اس طرح کی کمائی بالکل حرام ہے۔ اس لئے اسے چھوڑ دو۔ سورت میں شروع سے بدکرداری کی قباحت اور عفت و پاکدامنی کی تاکید نیز غلاموں اور باندیوں کے نکاح کی تاکید اور باندیوں کی عصمت کے تحفظ کا مضمون سب اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَیْ مُنَوِّرُهُمَا بِالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ **مَثَلُ نُوْرِهٖ** اَیْ صِفَتُهٗ فِیْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ **كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ** هِیَ الْقِنْدِیْلُ وَالْمِصْبَاحُ السِّرَاجُ اَیِ الْفَتِیْلَةُ الْمَوْقُوْدَةُ وَالْمِشْكٰوةُ الطَّاقَةُ غَیْرُ النَّافِذَةِ اَیِ الْاُنْبُوْبَةِ فِی الْقِنْدِیْلِ **اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا** وَالنُّوْرُ فِیْهَا **كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ** اَیْ مُضِیْءٌ بِكَسْرِ الدَّالِ وَضَمِّهَا مِنَ الدَّرْءِ بِمَعْنَی الدَّفْعِ لِدَفْعِهٖ الظَّلَامَ وَبِضَمِّهَا وَتَشْدِیْدِ الْیَاءِ مَنْسُوْبٌ اِلَی الدُّرِّ اللُّؤْلُؤِ **یُّوْقَدُ** الْمِصْبَاحُ بِالْمَاضِیْ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِمُضَارِعِ اُوْقِدَ مَبْنِیًّا لِلْمَفْعُوْلِ بِالتَّحْتَانِیَةِ وَفِیْ اُخْرٰی بِالْفَوْقَانِیَةِ اَیِ الزُّجَاجَةِ **مِنْ** زَیْتِ **شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ** بَلْ بَیْنَهُمَا فَلَا یَتَمَكَّنُ مِنْهَا حَرٌّ وَلَا بَرْدٌ مُضِرَّیْنِ **یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ** لِصَفَائِهٖ **نُوْرٌ** بِهٖ **عَلٰی نُوْرٍ** بِالنَّارِ وَنُوْرُ اللّٰهِ اَیْ هُدَاهُ لِلْمُؤْمِنِ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرِ الْاِیْمَانِ **یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ** اَیْ دِیْنِ الْاِسْلَامِ **مَنْ یَّشَآءُ وَیَضْرِبُ** یُبَیِّنُ **اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ** تَقْرِیْبًا لِاَفْهَامِهِمْ لِیَعْتَبِرُوْا فَیُؤْمِنُوْا **وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴿۳۵﴾** مِنْهُ ضَرْبُ الْاَمْثَالِ **فِیْ بُیُوْتٍ** مُتَعَلِّقٌ بِیُسَبِّحُ الْاٰتِیْ **اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ** تُعَظَّمَ **وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ** بِتَوْحِیْدِهٖ **یُسَبِّحُ** بِفَتْحِ الْمُوَحَّدَةِ وَكَسْرِهَا اَیْ یُصَلِّیْ **لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ** مَصْدَرٌ بِمَعْنَی الْغَدَوَاتِ اَیِ الْبُكَرِ **وَالْاٰصَالِ﴿۳۶﴾** الْعَشَایَا مِنْ بَعْدِ الزَّوَالِ **رِجَالٌ** فَاعِلٌ یُسَبِّحُ بِكَسْرِ الْبَاءِ وَعَلٰی فَتْحِهَا نَائِبُ الْفَاعِلِ لَهٗ وَرِجَالٌ فَاعِلٌ فِعْلٍ مُقَدَّرٍ جَوَابُ سُؤَالٍ مُقَدَّرٍ كَاَنَّهٗ قِیْلَ مَنْ یُسَبِّحُهٗ **لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ** اَیْ شِرَاءٌ **وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ** حُذِفَ هَاءُ اِقَامَةٍ تَخْفِیْفًا **وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ** تَضْطَرِبُ **فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ﴿۳۷﴾** مِنَ الْخَوْفِ الْقُلُوْبُ بَیْنَ النَّجَاةِ وَالْهَلَاكِ وَالْاَبْصَارُ بَیْنَ نَاحِیَتَیِ الْیَمِیْنِ وَالشِّمَالِ هُوَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ **لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا** اَیْ ثَوَابَهٗ وَاَحْسَنَ بِمَعْنٰی حَسَنٌ **وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴿۳۸﴾** یُقَالُ فُلَانٌ یُنْفِقُ بِغَیْرِ حِسَابٍ اَیْ یُوَسِّعُ كَاَنَّهٗ لَا یَحْسِبُ مَا یُنْفِقُهٗ **وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ** جَمْعُ قَاعٍ اَیْ فِیْ فَلَاةٍ وَهُوَ شُعَاعٌ یُرٰی فِیْهَا نِصْفَ النَّهَارِ فِیْ شِدَّةِ الْحَرِّ یُشْبِهُ الْمَاءَ الْجَارِیَ **یَّحْسَبُهُ** یَظُنُّهُ **الظَّمْاٰنُ** اَیِ الْعَطْشَانُ **مَآءً حَتّٰٓی اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْئًا** مِمَّا حَسِبَهٗ كَذٰلِكَ الْكَافِرُ یَحْسِبُ اَنَّ عَمَلَهٗ كَصَدَقَةٍ تَنْفَعُهٗ حَتّٰی اِذَا مَاتَ وَقَدِمَ عَلٰی رَبِّهٖ لَمْ یَجِدْ عَمَلَهٗ اَیْ لَمْ یَنْفَعْهُ **وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ** عِنْدَ عَمَلِهٖ **فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ** اَیْ اَنَّهٗ جَازَاهُ عَلَیْهِ فِی الدُّنْیَا **وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ﴿۳۹﴾** اَیِ الْمُجَازَاةِ **اَوْ** الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اَعْمَالُهُمُ السَّیِّئَةُ **كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ** عَمِیْقٍ **یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ** اَیِ الْمَوْجِ **مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ** اَیِ الْمَوْجِ الثَّانِیْ **سَحَابٌ** اَیْ غَیْمٌ هٰذِهٖ **ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا**

فَوْقَ بَعْضٍ ظُلْمَةُ الْبَحْرِ وَظُلْمَةُ الْمَوْجِ الْاَوَّلِ وَظُلْمَةُ الْمَوْجِ الثَّانِي وَظُلْمَةُ السَّحَابِ **اِذَآ اَخْرَجَ** النَّاظِرُ **يَدَهٗ** فِي هٰذِهِ الظُّلُمٰتِ **لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا** اَيْ لَمْ يَقْرُبْ مِنْ رُؤْيَتِهَا **وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَالَهٗ مِنْ نُّوْرٍ** ﴿۴۰﴾ اَيْ مَنْ لَمْ يَهْدِهِ اللّٰهُ لَمْ يَهْتَدِ

ترجمہ: .... اللہ ہی آسمانوں اورزمین کا نور ہے (جس نے ان دونوں کوسورج اور چاند کے ذریعہ منور کررکھا ہے) اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک طاق ہے اس میں چراغ ہے اور چراغ قندیل میں ہے۔ قندیل گویا ایک چمکدار ستارہ ہے۔ (دری بمعنی منور۔ دال کے کسرہ اورضمہ کے ساتھ ماخوذ ہے درء سے معنی دفع کرنا۔ اس وجہ سے کہ یہ تاریکی کو دور کرتا ہے اور دال کے ضمہ اور یا کی تشدید کے ساتھ ہے۔ منسوب الی درموتی کے معنی میں) چراغ روشن کیا جاتا ہے۔ ایک نہایت مفید درخت زیتون سے جو نہ پورب رخ ہے اور نہ پچھم رخ (بلکہ ان کے درمیان ہے۔ اس وجہ سے کہ اس میں نہ مضر رساں سردی پائی جاتی ہے اور نہ گرمی۔ یوقد میں ماضی اور مضارع دونوں قرأت ہیں۔ یا بنی للمفعول ہے۔ نیز یو قدیا اور تا دونوں سے پڑھا گیا ہے) اس کا تیل ایسا صاف اور سلگنے والا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا۔ اگر چہ آگ اسے نہ بھی چھوئے اور اگر آگ بھی لگ گئی تو پھر نور ہی نور ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے اس نور ہدایت (یعنی دین اسلام) کی طرف جسے چاہتا ہے، ہدایت دے دیتا ہے اور خدا تعالیٰ لوگوں کے لئے یہ مثالیں بیان کرتا ہے (تاکہ جو بات کہنی ہے وہ قریب الفہم ہوجائے اور اس سے فائدہ اٹھا کر لوگ ایمان لے آئیں) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ وہ (ہدایت یافتہ اشخاص) ایسے گھروں میں (عبادت کرتے ہیں) جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔ اس میں وہ لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ (فی بیوت یہ متعلق ہے یسبح کے یسبح کے با کو فتحہ اور کسرہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ غدو مصدر ہے معنی میں صبح کی وقت کے اور اصال سے مراد زوال کے بعد سے غروب تک کا وقت ہے۔ رجال یسبح کا فاعل ہوگا۔ جب باء کو کسرہ پڑھا جائے اور اگر یسبح کے با کو فتحہ پڑھا جائے تو نائب فاعل ہوگا۔ اور رجال فاعل ہوجائے گا۔ فعل مقدر کا جو جواب ہوگا سوال مقدر کا۔ مثلاً اگر سوال کیا جائے کہ من یسبحه تو جواب ہوگا رجال ایسے لوگ جنہیں اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے نیز ادائیگی زکوۃ نہ تجارت غفلت میں ڈالتی ہے اور نہ خرید وفروخت۔ وہ ڈرتے رہتے ہیں۔ ایسے دن سے جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں لٹ جائیں گی (نجات اور ہلاکت کے خوف سے یعنی قیامت کے دن) ان لوگوں کا انجام یہ ہوگا کہ اللہ ان کے اعمال کا ان کو بہت ہی اچھا بدلہ دے گا۔ بلکہ اپنے فضل سے ان کو اور بھی زیادہ دے گا اور خدا تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے چٹیل میدان میں چمکتی ہوئی ریت (قیعة جمع ہے قاع کی معنی چٹیل میدان۔ یعنی ایسا میدان کہ جس میں چمکتے ہوئے ریت ہوں جو دوپہر میں سورج کی شعاعوں کے پڑنے سے ایسے معلوم ہوں جیسے پانی ہو کہ) جسے پیاسا آدمی دور سے پانی خیال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اسے کچھ بھی نہ پایا (اور جو کچھ خیال کر رکھا تھا وہ غلط نکلا۔ یہی مثال کافروں کی ہے جو یہ خیال رکھتے ہیں کہ ان کے اعمال ان کو فائدہ پہنچائیں گے۔ لیکن جب وہ دنیا کو چھوڑتے ہیں اور خدا کی حضور میں حاضر ہوتے ہیں تو انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اعمال بے کار اور غیر مفید ثابت ہوئے۔ جو کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکے) اور اس کے پاس قضائے الٰہی کو پایا۔ سو اللہ نے ان کا حساب پورا چکا دیا (اور دنیا ہی میں اس کے اعمال کا بدلہ دے دیا) اللہ بہت ہی جلد حساب کر دیتا ہے۔ یا (کفار کے اعمال) جیسے بڑے گہرے سمندر کے اندرونی اندھیرے کو اس کو ایک بڑی موج نے ڈھانپ لیا ہو۔ پھر اس موج کے اوپر ایک اور موج ہو۔ پھر اس کے اوپر بادل ہو۔ غرض اوپر تلے اندھیرے

ہیں۔ (ایک تو گہرے سمندر کی تاریکی، دوسرے موج اول، تیسری موج ثانی اور چوتھے بادل کی تاریکی) اگر کوئی اپنا ہاتھ نکالے (اس تاریکی میں) تو اس کے دیکھنے کا کوئی احتمال نہیں اور جس کو اللہ ہی نور ہدایت نہ دے اس کے لئے کہیں سے نور نہیں (یعنی جس کو اللہ ہدایت نہ دے وہ ہدایت نہیں پا سکتا)۔

تحقیق وترکیب: .... اللّٰہ نور السمٰوٰت. نور کو اسم فاعل منور کے معنی میں لیا گیا ہے اس لئے کہ نور ایک ایسی کیفیت ہے جس کا بینائی سے ادراک کیا جاتا ہے۔ اس لئے اس کا اطلاق ذات خدا پر نہیں ہوسکتا۔ صحت اطلاق کے لئے اسم فاعل کے معنی میں لینا ضروری ہے۔

کمشکٰوۃ. مضاف محذوف ہے عبارت ہے کنور مشکوۃ. مومن کے قلب میں جو علوم ومعارف ہیں انہیں کو نور مشکٰوۃ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ گویا کہ مومن کا سینہ چراغ ہے اور علم ومعرفت اس کی روشنی۔

زیتونۃ. یا یہ بدل ہے یا پھر عطف بیان مبدل منہ شجرۃ ہے۔

لاشرقیۃ ولا غربیۃ. یعنی ایسا نہیں ہے کہ کبھی سورج کی شعاعیں اس پر پڑتی ہوں اور کبھی نہ پڑتی ہوں۔ بلکہ ہمیشہ اس پر روشنی پڑتی ہے، جیسا کہ پہاڑ کی چوٹیاں یا کھلے صحرا، جن پر سورج کی کرنیں ہمیشہ پہنچتی رہتی ہیں۔

فی بیوت. اس میں چھ اعراب ہیں۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ یہ صفت ہو مشکوۃ کی اصل عبارت یہ ہوگی۔ کمشکٰوۃ فی بیوت. دوسری صورت یہ ہے کہ یہ صفت ہو مصباح کے لئے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ یہ صفت ہو، زجاجہ کے لئے اور چوتھی صورت یہ ہے کہ یہ متعلق ہو توقــد کے۔ ان صورتوں میں بیوت کے اوپر وقف نہیں کیا جائے گا۔ پانچویں صورت یہ ہوگی کہ یہ متعلق ہو محذوف کا۔ اصل عبارت یہ ہوگی سبحوہ فی بیوت اور چھٹی صورت یہ ہوگی کہ یہ یسبح سے متعلق ہو۔ اصل عبارت ہوگی۔ یسبح رجال فی بیوت. آخر کی دو صورتوں میں فی بیوت پر توقف کیا جائے گا۔

یخافون یوماً تتقلب. یا تو یہ صفت ثانی ہوگا۔ رجال کے لئے تلهيهم کے مفعول سے حال واقع ہوگا اور یوماً مفعول بہ ہوگا۔ ظاہری قول کے مطابق یہ ظرف نہیں ہوگا اور تتقلب صفت ہوگی یوماً کی۔

والذین کفروا اسم موصول مبتداء ہے کفروا. اس کا صلہ اعمالهم مبتداء ثانی کسراب خبر ثانی۔ یہ دونوں جملہ ہو کر پھر خبر ہیں مبتداء اول کی۔

﴿ تشریح ﴾: .... ارشاد ہے کہ اہل آسمان اور اہل زمین یعنی جملہ مخلوقات کو خدا تعالیٰ ہی نور ہدایت بخشنے والا ہے اس کے بعد مثل نورہٖ کی ضمیر کا مرجع بعض کے نزدیک تو خود خدا تعالیٰ ہی ہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ کی ہدایت جو مومن کے قلب میں ہے اس کی مثال یہ ہے اور بعض کے نزدیک اس کا مرجع مومن ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مومن کے دل کے نور کی مثال مثل طاق کے ہے۔ گویا کہ مومن کے دل کی صفائی کو بلوری فانوس سے تشبیہ دی گئی اور اسے قرآن وحدیث سے جو خارجی مدد ملتی رہتی ہے اسے زیتون کے تیل سے تشبیہ دی گئی جو کہ صاف وشفاف اور چمکیلا ہوتا ہے۔

روغن زیتون اپنی لطافت وصفائی کے لئے عرب میں مشہور ہے۔ زیتون کے بارے میں جو یہ فرمایا گیا کہ یہ نہ پورب رخ ہے نہ پچھم رخ۔ مطلب یہ ہے کہ اس کا فیض شرق وغرب کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کا فیض ہر ایک کے لئے یکساں ہے۔

یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اس کا رخ نہ مشرق کی جانب ہے کہ سورج نکلتے ہی دھوپ پڑنے لگے اور نہ رخ مغرب کی جانب

ہے کہ سورج غروب ہونے سے پہلے اس سے سایہ ہٹ جائے۔ بلکہ وسط میں ہے، جس کی وجہ سے صاف دھوپ اور کھلی ہوا اسے لگتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا تیل بھی پاک وصاف اور روشن ہوتا ہے۔

بہر کیف مومن کے ایمان کو زیتون سے تشبیہ دی گئی جس میں خود اعلیٰ درجہ کے نور کی قابلیت تھی اور اس قدر لطیف گویا بغیر جلائے روشنی دے اور پھر اس کا آگ کی ساتھ اجتماع ہوگیا۔ ان کیفیات کے ساتھ کہ چراغ قندیل میں رکھا ہو۔ جس سے روشنی خود بڑھ جاتی ہے اور پھر وہ ایسے مکان میں رکھا ہو جو ایک طرف سے بند ہے۔ ایسے موقعہ پر شعاعیں ایک جگہ جمع ہو کر روشنی تیز ہو جاتی ہیں۔ اور پھر تیل بھی زیتون کا جو روشنی کی زیادتی میں مشہور ہے۔ تو ان وجوہ کی بناء پر روشنی اس قدر تیز ہوگئی جیسے بہت سی روشنیاں جمع ہوگئی ہوں۔ اسی کو نور علی نور فرمایا گیا۔

تو خدا تعالیٰ نے مومن کے دل کی ہدایت کی مثال نور سے دے کر گویا یہ بتانا چاہا کہ مومن کے قلب میں خدا تعالیٰ جب نور ہدایت ڈالتا ہے تو دن بدن اس میں قبول حق کی صلاحیت بڑھتی جاتی ہے اور ہر وقت عمل کے لئے تیار رہتا ہے۔

مومن کے دل کی ہدایت کی مثال نور سے دے کر فرمایا گیا کہ یہ مثالیں اس وجہ سے بیان کی جاتی ہیں تا کہ بات قریب الفہم ہو جائے اور لوگ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔

پھر ارشاد ہوا کہ یہ ہدایت یافتہ اشخاص ان گھروں میں عبادت کرتے ہیں جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب و احترام کیا جائے اور اس میں خدا تعالیٰ کا نام لیا جائے تو یہ حضرات ان گھروں میں صبح وشام خدا تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ اس صبح و شام سے محاورہ میں دوام مراد لیا جاتا ہے۔ گویا کہ یہ ہمیشہ تسبیح وتہلیل ہی میں لگے رہتے ہیں۔

ان ترفع میں رفع کے لفظی معنی تو بلند کرنے کے لئے ہیں۔ لیکن یہاں مادی بلندی مراد نہیں بلکہ معنوی بلندی مراد ہے۔ یعنی ان مساجد کی تعظیم وتکریم۔

پھر فرمایا گیا کہ ان حضرات کو نماز اور ادائیگی زکوٰۃ سے نہ ان کی تجارتیں روکتی ہیں۔ اور نہ خرید وفروخت بلکہ ان تمام دنیاوی کاموں کے ساتھ ساتھ یہ اپنے اس فریضہ کی ادائیگی میں بھی لگے رہتے ہیں۔ یہ دنیوی معاملات میں پڑے رہنے کے باوجود فرائض میں غفلت نہیں کرتے اور نہ ادائیگی حقوق میں سستی برتتے ہیں۔ نیز یہ کمال خشیت وتقویٰ کی وجہ سے احکام خداوندی کے اتنے پابند ہوتے ہوئے بھی ہر وقت روزِ جزا سے ڈرتے رہتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ احسن الجزاء یعنی جنت عطا فرمائے گا۔ اس کے علاوہ خدا تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے جسے جتنا چاہے نواز سکتا ہے۔ اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں۔

مومنین کی مثال بیان کرنے کے بعد کفار کی مثال بیان کی جاتی ہے۔ ان میں دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو ان کافروں کی ہے جو اپنے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے اپنے گمان کے مطابق وہ اعمال صالحہ میں لگے رہے اور ساتھ ہی جزائے آخرت کے امیدوار رہے۔ ان کی مثال تو ایسی ہے جیسے کسی پیاسے کو جنگل میں دور سے ریت کا چمکتا ہوا تودہ دکھائی دے اور وہ اسے پانی سمجھ بیٹھے۔ جیسا کہ جنگلوں میں دوپہر کے وقت سورج کی تیز روشنی پڑنے سے ریت اس طرح چمکتی ہے جیسے کہ پانی ہو اور شدت پیاس میں جب انسان وہاں تک پہنچتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہاں پانی کا نام ونشان بھی نہیں تو اس کی حیرت وحسرت کی انتہا نہیں رہتی ہے۔ اسی طرح یہ کفار سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے بہت کچھ نیک اعمال کئے ہیں۔ لیکن قیامت کے دن ان پر حقیقت حال منکشف ہوگی اور دیکھیں گے کہ ان کے پاس کوئی بھی نیکی نہیں تو ان کی حسرت کی انتہا نہ رہے گی۔

اور دوسری مثال ان کافروں کی ہے جو سرے سے لا مذہب اور ملحد تھے اور جنہیں آخرت کا کوئی تصور بھی نہیں تھا۔ ان کی غایت

ظلمانیت کی مثال گہرے سمندر کی اندھیریوں جیسی ہے جسے اوپر سے تہہ بہ تہہ موجوں نے ڈھانپ رکھا ہے اور اوپر سے ابر چھایا ہوا ہو۔ غرضیکہ تاریکی ہی تاریکی ہے۔ ایک سمندر کی تاریکی اور پھر سطح سمندر کے اوپر موج در موج اور پھر اس پر چھائی ہوئی گھٹائیں۔

تو گویا کہ اپنے اعراض اور سرکشی کی وجہ سے ایسی تاریکیوں میں گھرے ہوئے ہیں کہ ان کا کوئی سہارا نہیں اور انجام کار یہ کہ جسے خدا تعالیٰ اپنے نور کی ہدایت نہ دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور پھر وہ جہالت میں مبتلا رہ کر ہلاکت میں پڑ جاتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمِنَ التَّسْبِيحِ صَلٰوةٌ **وَالطَّيْرُ** جَمْعُ طَائِرٍ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ **صٰٓفّٰتٍ** حَالٌ بَاسِطَاتٌ اَجْنِحَتِهِنَّ **كُلٌّ قَدْ عَلِمَ** اللّٰهُ **صَلٰوتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ﴿۴۱﴾** فِيهِ تَغْلِيبُ الْعَاقِلِ **وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** خَزَائِنُ الْمَطَرِ وَالرِّزْقِ وَالنَّبَاتِ **وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ﴿۴۲﴾** الْمَرْجِعُ **اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا** يَسُوقُهُ بِرِفْقٍ **ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ** يَضُمُّ بَعْضَهُ اِلٰى بَعْضٍ فَيَجْعَلُ الْقِطَعَ الْمُتَفَرِّقَةَ قِطْعَةً وَاحِدَةً **ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا** بَعْضُهُ فَوْقَ بَعْضٍ **فَتَرَى الْوَدْقَ** الْمَطَرَ **يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ** مَخَارِجِهِ **وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ** زَائِدَةٌ **جِبَالٍ فِيْهَا** فِی السَّمَاءِ بَدَلٌ بِاِعَادَةِ الْجَارِ **مِنْ بَرَدٍ** اَیْ بَعْضَهُ **فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ يَكَادُ** يَقْرُبُ **سَنَا بَرْقِهٖ** لَمَعَانُهُ **يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ﴿۴۳﴾** النَّاظِرَةِ لَهُ اَیْ يَخْطَفُهَا **يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ** اَیْ يَاْتِیْ بِكُلٍّ مِنْهُمَا بَدَلَ الْاٰخَرِ **اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ** التَّقْلِيبِ **لَعِبْرَةً** دَلَالَةً **لِّاُولِی الْاَبْصَارِ﴿۴۴﴾** لِاَصْحَابِ الْبَصَائِرِ عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی **وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ** اَیْ حَيَوَانٍ **مِّنْ مَّآءٍ** اَیْ نُطْفَةٍ **فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ** كَالْحَيَّاتِ وَالْهَوَامِ **وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ** كَالْاِنْسَانِ وَالطَّيْرِ **وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى اَرْبَعٍ** كَالْبَهَائِمِ وَالْاَنْعَامِ **يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ** اَیْ بَيِّنَاتٍ هِیَ الْقُرْاٰنُ **وَاللّٰهُ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ** طَرِيقٍ **مُّسْتَقِيْمٍ﴿۴۶﴾** اَیْ دِيْنِ الْاِسْلَامِ **وَيَقُوْلُوْنَ** اَیِ الْمُنَافِقُوْنَ **اٰمَنَّا** صَدَّقْنَا **بِاللّٰهِ** بِتَوْحِيْدِهِ **وَبِالرَّسُوْلِ** مُحَمَّدٍ **وَاَطَعْنَا** هُمَا فِيْمَا حَكَمَا بِهِ **ثُمَّ يَتَوَلّٰی** يُعْرِضُ **فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ** عَنْهُ **وَمَآ اُولٰٓئِكَ** الْمُعْرِضُوْنَ **بِالْمُؤْمِنِيْنَ﴿۴۷﴾** الْمَعْهُوْدِيْنَ الْمُوَافِقِ قُلُوْبُهُمْ لِاَلْسِنَتِهِمْ **وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ** الْمُبَلِّغِ عَنْهُ **لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴿۴۸﴾** عَنِ الْمَجِیْءِ اِلَيْهِ **وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ﴿۴۹﴾** مُسْرِعِيْنَ طَائِعِيْنَ **اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ** كُفْرٌ **اَمِ ارْتَابُوْٓا** اَیْ شَكُّوْا فِیْ نُبُوَّتِهِ **اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ** فِی الْحُكْمِ اَیْ يُظْلَمُوْا فِيْهِ لَا **بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴿۵۰﴾** بِالْاِعْرَاضِ عَنْهُ

ترجمہ: .... کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور پرند بھی جو پر پھیلائے ہوئے ہیں (اور زمین وآسمان کے درمیان پرواز کررہے ہیں) ہر ایک کو اپنی اپنی دعا اور تسبیح معلوم ہے اور خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں اور اللہ ہی کی ملک ہیں زمین اور آسمان (اسی طرح بارشیں اور سبزیوں کا اگانا اور رزق رسانی بھی خدا تعالیٰ ہی کا کام ہے) اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف واپسی ہے۔ کیا تجھے یہ علم نہیں کہ اللہ ایک ایک بادل کو چلاتا رہتا ہے۔ پھر سب کو باہم ملا دیتا ہے (اس طرح چھوٹے چھوٹے ٹکڑے باہم مل کر ایک ٹکڑا بن جاتے ہیں) پھر اس کو تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے۔ پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس بادل کے بیچ میں سے نکلتی ہے اور پھر اسی بادل سے یعنی اس کے بڑے بڑے حصوں میں سے اولے برساتا ہے، پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ہٹا دیتا ہے اور اس بادل کی بجلی کی چمک کی یہ حالت ہے کہ جیسے اس نے اب بینائی لی (اور آنکھوں کو چکا چوند کر دیتی ہے) اور اللہ تعالیٰ رات کو اور دن کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے (یعنی رات کو دن میں تبدیل کرتا رہتا ہے) اس (الٹ پھیر) میں اہل دانش کے لئے (خدا تعالیٰ کی قدرت پر) بڑا سبق ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے ہر چلنے والے جانور کو پانی (نطفہ) سے پیدا کیا۔ پھر ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ (مثلاً سانپ اور حشرات الارض وغیرہ) اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں (جیسے انسان اور پرندے وغیرہ) اور بعض وہ ہیں جو چار پیروں سے چلتے ہیں (جیسے چوپائے اور درندے وغیرہ) خدا تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ بے شک ہم نے کھلے ہوئے نشان (یعنی حق کو سمجھانے کے لئے دلائل مثلاً قرآن) نازل کئے اور اللہ جسے چاہے راہ راست (یعنی دین اسلام) کی طرف ہدایت کر دیتا ہے اور یہ (منافق) لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ (کی وحدانیت) اور رسول (کی رسالت) پر ایمان لے آئے اور ان کا (یعنی خدا اور رسول کا) حکم مانا۔ پھر ان میں کا ایک گروہ اس کے بعد سرتابی کر جاتا ہے اور یہ لوگ ہرگز ایمان والے نہیں (اور ان کے قلوب ان کے اقوال کے مطابق نہیں) اور جب یہ (مبلغین کے ذریعہ) اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ رسول ﷺ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو ان میں کا ایک گروہ (آنے سے) پہلو تہی کرتا ہے اور اگر ان کا حق (کسی کی طرف نکلتا) ہے تو سر تسلیم خم کئے ہوئے آپ کے پاس چلے آتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض ہے یا یہ (نبوت کی طرف سے) شک میں پڑے ہوئے ہیں یا ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم نہ کرنے لگیں۔ نہیں بلکہ یہ لوگ تو خود ہی ظالم ہیں (اعراض کر کے)۔

تحقیق وترکیب: .... کل قد علم. ان ضما کے بارے میں متعدد صورتیں ہوسکتی ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ کہ یہ تمام ضمائر کل قد علم کی طرف راجع ہوں۔ یہ صورت سب سے زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ اس میں سب ضمائر متفق ہو جاتی ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جو ضمیر لہ من فی السموات والارض میں ہے وہ خدا کی طرف لوٹتی ہو اور صلاتہ و تسبیحہ کی ضمیر کل کی طرف لوٹتی ہو اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ ضمیر لہ کی المسبّح کی طرف لوٹتی ہے۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ ہر چیز اس تسبیح کے طور وطریق کو جانتی ہے۔ جس کا اسے حکم کیا گیا ہے۔ علم میں جو ضمیر ہے اور صلاتہ و تسبیحہ میں ان کا مرجع کل ہے۔ خدا تعالیٰ نے حیوانات کو بھی تسبیح اسی طرح الہام کی ہے جیسا کہ انسانوں کو علوم کا الہام کیا گیا ہے۔

يؤلف بينهم. یعنی مختلف اجزاء کو جمع کرتا ہے اور اجزاء کے متعدد ہونے کی بناء پر بین کا استعمال صحیح ہے۔ مختلف بادل کے ٹکڑے ایک ٹکڑے کے حکم میں ہیں اور اگر سحاب سحابة کی جمع ہے تو بات صاف ہے۔ کوئی چیز مقدر نہیں ماننا پڑے گی۔

وينزل من السماء من جبال. السماء سے بدل بعض واقع ہو رہا ہے۔ اس صورت میں من زائدہ ہے اور رابطہ دونوں کے درمیان

فیہا ہے۔ یہ بھی امکان ہے کہ جار مجرور یعنی من جبال پہلے جار مجرور یعنی من السماء کا بدل ہو۔ اس صورت میں من ابتدائیہ ہوگا۔

من برد. مصنف نے اس کے بعد بعضہ نکال کر من کے تبعیضیہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ترجمہ یہ ہوگا کہ آسمان میں موجود برفانی پہاڑوں سے کچھ حصہ اتارتا ہے۔ بعض مفسرین نے من کو بیانیہ بھی بنایا ہے اور من ثانیہ کو زائدہ قرار دیا ہے۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ آسمان سے برف کے تودے اتارتے ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: .... ارشاد ہے کہ تمام انسان، جنات، فرشتے، حیوان اور پرندے یہاں تک کہ جمادات بھی خدا تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہیں۔ جو جو تسبیح ان کے مناسب تھیں وہ انہیں سکھا دیں اور ان کی عبادت کے جداگانہ طریقے مقرر فرما دیئے۔ عبدیت کے بیان کے موقعہ پر پرندوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر ممکن ہے۔ اس مصلحت کی بنیاد پر کہ جاہلی قوموں میں پرندہ پرستی سب سے زیادہ پھیلتی رہی ہے اور باز، طوطے، نیل کنٹھ اور نہ معلوم کتنے پرندے پوجے جا چکے ہیں۔

خدا تعالیٰ پر کوئی کام مخفی نہیں۔ وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کو جو دلائل کے باوجود ایمان سے اعراض وانکار میں لگے ہوئے ہیں ان کو وہ وقت مناسب پر سزا دے کر رہے گا۔ حاکم ومتصرف اور تمام کائنات کے مالک صرف خدا تعالیٰ ہی ہیں اور قیامت کے دن سب کو انہیں کی طرف لوٹنا ہے۔ اس وقت خدا تعالیٰ کی ملکیت اور حاکمیت بہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

یہ بادل جو شروع میں دھوئیں کی شکل میں ہوتے ہیں، پھر وہ سب مل کر ایک جسم بن جاتے ہیں اور ایک دوسرے پر جم جاتے ہیں۔ پھر ان سے بارشیں برستی ہیں۔ جس کے نتیجہ میں زمین قابل کاشت ہو جاتی ہے اور اسی بال سے اولے بھی برساتے ہیں۔ تو ایک مناسب وقت پر مناسب موسم پر ابر کو پیدا کرنا مناسب بلندی پر لے جانا۔ ہوائیں ان کے مناسب تغیر پیدا کرنا اور ابر کے منتشر ٹکڑوں کو یکجا جمع کر کے ان کو گھنگھور گھٹا کی شکل میں تبدیل کر دینا اور پھر ایک مناسب مقدار میں بارشیں برسانا۔ یہ سب کام اسی صانع مطلق کے ہیں۔ غرض یہ کہ خدا تعالیٰ اپنی مشیت تکوینی کے یہ عجیب وغریب مناظر ہر وقت دکھاتا رہتا ہے۔ مگر اسے دیکھنے کے لئے بصیرت وبصارت سے بھرپور آنکھیں ہونی چاہئیں۔

اور پھر اسی بادل سے خدا تعالیٰ اولے بھی برساتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنی مشیت کے مطابق جان و مال کو نقصان پہنچا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس کے جان و مال کو اس کی تباہی و بربادی سے محفوظ کر دیتا ہے۔

پھر بجلی کی چمک کی قوت کے بارے میں ارشاد ہے کہ اس کی چمک اتنی تیز ہے کہ جیسے آنکھوں کی روشنی کھو دے گی۔ دن اور رات کا صرف بھی اسی کے قبضہ میں ہے۔ کبھی رات کو بڑی اور دن کو چھوٹا اور کبھی دن کو بڑا اور رات کو چھوٹی کر دیتا ہے۔ اسی طرح دن ختم کر کے ت اور رات کی تاریکی سے صبح کا نور پھیلا دیتا ہے۔ یہ سب کے سب خدا تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ جس میں صاحب عقل و نش کے لئے بہت سی دلیلیں موجود ہیں۔

پھر خدا تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا مزید بیان فرماتے ہیں کہ اس نے طرح طرح کی مخلوق پیدا فرما دی۔ بعض وہ ہیں جو پیٹ کے بل لئے والے ہیں۔ جیسے سانپ اور دیگر حشرات الارض اور بعض وہ ہیں جو دو پیروں پر چلنے والے ہیں جیسے انسان اور پرندے وغیرہ۔ اسی رح بعض ایسے جانور پیدا کئے جو چار پیروں پر چلنے والے ہیں جیسے حیوان اور چوپائے وغیرہ۔ خدا تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔ وہ ہر پر قادر ہے جس طرح کا چاہے جانور پیدا فرما دے۔

یہ پراز حکمت احکام اور یہ واضح مثالیں خدا تعالیٰ نے اسی لئے بیان فرمائی ہیں۔ تاکہ صاحب عقل اور حق کے متلاشی اس سے راہ ست پر آسکیں۔

اس کے بعد منافقین کے احوال بیان کئے جاتے ہیں کہ یہ لوگ زبان سے تو ایمان اور اطاعت کا اقرار کرتے ہیں۔لیکن دل میں اس کے خلاف بات ہوتی ہے اور ان کا عمل ان کے قول کے خلاف ہوتا ہے۔انہیں جب ان کے جھگڑوں اور قضیوں کے فیصلہ کے لئے آنحضور ﷺ کی خدمت میں بلایا جاتا ہے۔تو یہ لوگ یہ سمجھ کر کہ وہاں تو فیصلہ تمام تر حق وانصاف کے مطابق ہوگا۔اس وجہ سے وہاں جانے میں ٹال مٹول کرتے ہیں اور اگر خود ان کا حق کسی کے ذمہ نکلتا ہے اور یہ مظلوم ہوتے ہیں تو پھر یہ بے تکلف وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ مگر چونکہ یہ خود ظالم ہوتے ہیں اس لئے ان مقدمات کو آنحضور ﷺ کی عدالت میں لانے سے پہلو بچاتے ہیں۔لہذا ان کا ایمان سے کوئی واسطہ نہیں بلکہ یہ کفر میں مبتلا ہیں۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَیْ بِالْقَوْلِ اللَّائِقِ بِهِمْ **اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا** بِالْاِجَابَةِ **وَاُولٰٓئِكَ** حِيْنَئِذٍ **هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۵۱﴾** النَّاجُوْنَ **وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَى اللّٰهَ** يَخَافُهُ **وَيَتَّقْهِ** بِسُكُوْنِ الْهَاءِ وَكَسْرِهَا بِاَنْ يُّطِيْعُهُ **فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴿۵۲﴾** بِالْجَنَّةِ **وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ** غَايَتَهَا **لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ** بِالْجِهَادِ **لَيَخْرُجُنَّ قُلْ** لَهُمْ **لَّا تُقْسِمُوْا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ** لِلنَّبِيِّ خَيْرٌ مِنْ قَسَمِكُمُ الَّذِيْ لَا تَصْدُقُوْنَ فِيْهِ **اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴿۵۳﴾** مِنْ طَاعَتِكُمْ بِالْقَوْلِ وَمُخَالَفَتِكُمْ بِالْفِعْلِ **قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا** عَنْ طَاعَتِهٖ بِحَذْفِ اِحْدَى التَّائَيْنِ خِطَابٌ لَهُمْ **فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ** مِنَ التَّبْلِيْغِ **وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ** مِنْ طَاعَتِهٖ **وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴿۵۴﴾** اَیِ التَّبْلِيْغُ الْبَيِّنُ **وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ** بَدَلًا عَنِ الْكُفَّارِ **كَمَا اسْتَخْلَفَ** بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ **الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ بَدَلًا عَنِ الْجَبَابِرَةِ **وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ** وَهُوَ الْاِسْلَامُ بِاَنْ يُّظْهِرَهٗ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَدْيَانِ وَيُوَسِّعُ لَهُمْ فِى الْبِلَادِ فَيَمْلِكُوْهَا **وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ** مِنَ الْكُفَّارِ **اَمْنًا** وَقَدْ اَنْجَزَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ لَهُمْ بِمَا ذَكَرَهٗ وَاَثْنٰى عَلَيْهِمْ بِقَوْلِهٖ **يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا** هُوَ مُسْتَاْنِفٌ فِيْ حُكْمِ التَّعْلِيْلِ **وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ** الْاِنْعَامِ مِنْهُمْ بِهٖ **فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴿۵۵﴾** وَاَوَّلُ مَنْ كَفَرَبِهٖ قَتَلَةُ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَصَارُوْا يَقْتَتِلُوْنَ بَعْدَ اَنْ كَانُوْا اِخْوَانًا **وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴿۵۶﴾** اَیْ رَجَاءِ الرَّحْمَةِ **لَا تَحْسَبَنَّ** بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّةِ وَالْفَاعِلُ الرَّسُوْلُ **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ** لَنَا **فِى الْاَرْضِ** بِاَنْ يَفُوْتُوْنَا **وَمَاْوٰىهُمْ** مَرْجِعُهُمُ **النَّارُ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴿۵۷﴾** الْمَرْجِعُ هِيَ

ع ۱۲

ترجمہ: .... مسلمانوں کا قول تو یہ ہے کہ جب وہ بلائے جاتے ہیں (کسی مقدمہ میں) اللہ اور اس کے رسول کی طرف تا کہ ان کے درمیان فیصلہ کردیں تو وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور (اس کو) مان لیا تو ایسے ہی لوگ فلاح یاب ہیں اور جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے گا اور اللہ سے ڈرے گا اور اس کی نافرمانی سے بچے گا تو بس ایسے ہی لوگ بامراد ہوں گے۔ (یتقہ میں ھا کا کسرہ اور سکون دونوں قرأت ہیں) اور یہ لوگ بڑے زور سے اللہ کی قسمیں کھاتے رہتے ہیں کہ اگر آپ ہمیں حکم دیں (جہاد کا) تو ہم ابھی نکل پڑیں۔ آپ کہئے کہ بس قسمیں نہ کھاؤ۔ تمہاری فرمانبرداری کی حقیقت معلوم ہے (اس لئے تمہارا اظہار فرمانبرداری نہ کرنا زیادہ بہتر ہے اس سے کہ تم قسمیں کھاؤ۔ اور اسے پورا نہ کرو) خدا تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے (کہ تم قولاً تو اظہار وفاداری کرتے ہو اور عملاً اس کے خلاف معاملہ ہوتا ہے) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر روگردانی کرو گے (اطاعت سے تولوا اصل میں تتولوا تھا ایک تا کو حذف کردیا گیا ہے۔ خطاب ان منافقین سے ہے) تو سمجھ لو کہ رسول کے ذمہ اسی قدر ہے (یعنی تبلیغ) جس کا بار ان پر رکھا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا ہے (یعنی اطاعت) اور اگر تم نے ان کی اطاعت کرلی تو راہ پر جا لگو گے اور رسول کے ذمہ تو صاف پہنچا دینا ہے (اور تبلیغ کردینا) تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ وعدہ کرتا ہے کہ (کفار کے بجائے) انہیں زمین میں حکومت عطا کرے گا۔ جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو (یعنی ظالم قوموں کے بجائے بنی اسرائیل کو) حکومت دے چکا ہے اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے ان کو ان کے واسطے قوت دے گا (وہ دین، دین اسلام ہے۔ اس کی قوت کی صورت یہ ہوگی کہ اسے دوسرے ادیان پر غلبہ عطا فرمائے گا اور تمام ممالک میں اسے پھیلا دے گا۔ جس کے نتیجہ میں یہ ممالک ان کے زیر اقتدار آ جائیں گے) اور ان کے خوف کے بعد اس کو امن میں تبدیل کردے گا۔ بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں اور کسی کو میرا شریک نہ بنائیں (یہ جملہ مستانفہ ہے اور گویا کہ ماقبل کے لئے علت ہے) اور جو شخص اس (انعام واکرام) کے بعد بھی کفر کرے گا سو ایسے ہی لوگ تو نافرمان ہیں (اس وعدہ کے باوجود سب سے پہلے اس کی خلاف ورزی کرنے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ پر چڑھائی کی اور پھر اس کے بعد برادر کشی کا سلسلہ شروع ہوگیا) اور نماز کی پابندی رکھو۔ زکوٰۃ دیتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو تا کہ تم پر رحمت (کامل) کی جائے۔ جو لوگ کافر ہیں ان کے متعلق یہ خیال نہ کرنا کہ وہ زمین میں ہمیں ہرا دیں گے (یحسبن میں یا اور تا دونوں قرأت ہیں۔ اور یحسبن کے فاعل آنحضور ﷺ ہیں) اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

تحقیق وترکیب: .... **انما کان قول**. عام رائی یہ ہے کہ **قول** کان کی خبر ہونے کی بناء پر منصوب ہے اور اس کا اسم ان مصدر یہ اور اس کے مابعد والی عبارت ہے۔ بعض مفسرین **قول** کو مرفوع بھی پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں یہ اسم ہوگا اور ان مصدر یہ کے مابعد والی عبارت اس کی خبر۔

یتقه. ھا کا سکون اور قاف مکسورہ پڑھا گیا ہے۔ اکثر قراء دونوں کو مکسور پڑھتے ہیں۔

جهد ایمانهم. جہد مفعول مطلق ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مصدریت کی بناء پر منصوب ہو۔ اصل عبارت **اقسم باللّٰه جهد الیمین جهدا** ہو۔ فعل یعنی **جهد** حذف کردیا گیا اور مصدر کو مقدر کردیا گیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ حال ہو۔ اصل عبارت ہے **مجتهدین فی ایمانهم**.

طاعة معروفة. اس کے بعد مصنفؒ نے **خیر من قسمکم** کی عبارت مقدر مان کر اشارہ کیا ہے کہ یہ مبتداء موصوف ہے۔ جس کی خبر محذوف ہے اور یہ بھی امکان ہے کہ اصل عبارت یہ ہو **امرکم ای الذی یطلب منکم طاعة معروفة**. یعنی ہم تم سے جو

چیز چاہتے ہیں وہ متعارف طاعت ہے۔

منکم. اس میں من تبعیضیہ ہے جو اپنے مجرور کے ساتھ مل کر صلہ ہے الذین کا۔

لایشرکون بی شیاء. جملہ مستانفہ ہے اور اس میں چند اعرابی صورتیں ہیں کہ یہ سوال مقدر کا جواب ہو یا مبتداء مقدر کی خبر ہو۔ وعدالله کے مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے۔ لیستخلفنهم کے مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے یا اسی کے فاعل سے لیبدلنهم کے مفعول سے حال واقع ہو رہا ہو یا پھر اسی کے فاعل سے ہے۔

لایحسبن. یحسبن اور تحسبن دونوں ہو سکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں رسول فاعل ہوگا اور الـذیـن کفروا اور اس کا مابعد اس کا مفعول۔

﴿ تشریح ﴾:............ منافقین کے تذکرہ کے بعد اب مومنین کا ذکر ہے کہ یہ لوگ قرآن وحدیث کے احکام کی کامل ومکمل پابندی کرتے ہیں اور اس پر فوراً لبیک کہتے ہیں۔ ان کا عمل ان کے قول کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کی خلاف ورزی کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ تو ایسے ہی لوگ کامیاب و بامراد ہیں اور جو شخص خدا اور رسول کا فرمانبردار بن جائے جو حکم ملے اسے بجالائے اور جن چیزوں سے روکا جائے اس سے باز رہے وہ دنیا وآخرت میں فلاح یاب ہیں۔ ان کے مقابل میں پھر انہیں منافقین کا تذکرہ ہے کہ وہ آنحضور ﷺ کے پاس آ کر خیر خواہی اور وفاداری کرتے ہیں اور قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتے ہیں کہ ہم جہاد کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ صرف آپ کے حکم کی تاخیر ہے۔ حکم ملتے ہی بال بچوں کو چھوڑ کر میدان جنگ میں پہنچ جائیں گے۔ اس پر ارشاد خداوندی ہے کہ قسمیں نہ کھاؤ۔ تمہاری اطاعت وفرمانبرداری کی حقیقت خوب اچھی طرح معلوم ہے۔ زبانی دعوؤں سے کچھ نہیں ہوتا۔ مخلصانہ عمل کی ضرورت ہے۔ تم کچھ بھی ظاہر کرتے رہو۔ خداتعالیٰ تمام چیزوں سے واقف ہے۔

ارشاد ہے کہ خدا اور اس کے رسول کی اتباع کرو۔ اگر تم نے اس سے روگردانی کی تو اس کا وبال تمہارے سروں پر ہے۔ کیونکہ نبی کے ذمہ تو صرف پیغام خداوندی کو لوگوں تک پہنچا دینا تھا۔ سو وہ تبلیغ کے فرائض کو پوری طرح ادا کر چکے۔ اب اس پر عمل کرنا نہ کرنا تمہارا کام ہے۔ اور ہدایت صرف اطاعت رسول میں ہے کیونکہ صراط مستقیم کا داعی وہی ہے اور احکام خداوندی و مرضیات الٰہی کے علم کا بندوں کے پاس سوائے وساطت رسول کے اور کوئی راستہ نہیں۔ رسول کا کام تو صرف بندوں تک پہنچا دینا تھا۔ زبردستی کسی کو ہدایت پر مجبور کرنا اس کا کام نہیں۔

پھر آنحضور ﷺ کو خطاب ہے کہ آپ کی امت کو حکومت وسلطنت عطا کی جائے گی۔ ممالک پر ان کا قبضہ ہوگا۔ آج یہ کفار سے لرزاں وترساں ہیں۔ آئندہ کل میں حکومت ان کی ہوگی۔ یہ اطمینان وسکون کی زندگی گزاریں گے۔ جیسا کہ ان سے پہلے جالوت اور دوسری ظالم قوموں کے مقابل میں طالوت کو حکومت ملی اور اسی طرح سرکش و نافرمان قوم عمالقہ کے مقابلہ میں بنو اسرائیل کو حکومت دی گئی۔

ارشاد ہے کہ جو قوم بھی ایمان ومقتضیات ایمان پر عمل کرے گی اسے خداتعالیٰ ایسے ہی غلبہ عطا فرماتے ہیں۔ یہ پیشین گوئی صحیح اور درست ہو کر رہی کہ خیبر، جزیرہ عرب اور یمن وغیرہ تو خود آنحضور ﷺ کے دور میں ہی فتح ہو چکے تھے اور آپ ﷺ کے بعد بھی فتوحات کا یہ سلسلہ جاری رہا اور شام، مصر، اندلس، قبرص اور یہاں تک کہ چین تک یہ فتوحات حاصل ہوئیں اور اقصائے مشرق سے انتہائے مغرب تک یہ دین پھیل گیا۔ اس آیت کی وضاحت کے وقت اس کا زمانہ نزول ذہن میں ضرور ہے۔ جبکہ مسلمان تمام تر حالت مغلوبیت میں تھے۔ آنحضور ﷺ کی تکذیب کی جا رہی تھی۔ مسلمان ہر وقت خائف و پریشان رہتے تھے۔ اس وقت یہ حکومت ارضی کی پیشین گوئی صحیح

ثابت ہوئی اور فتوحات کا یہ سلسلہ قائم ہوا۔ لیکن اس حکومت، سلطنت کے حصول کے لئے شرط یہ تھی کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔

اور جب تک یہ بات رہی اس وقت تک مسلمانوں کا غلبہ واقتدار قائم رہا اور ان کی سلطنتیں قائم رہیں اور جوں جوں ایمان کمزور ہوتا گیا یہ دنیوی سلطنت اور شان وشوکت بھی جاتی رہی۔ اور آج مسلمانوں کی بدحالی و پستی کی یہی وجہ ہے۔ اسی کو فرمایا گیا کہ اس وعدۂ حکومت ارضی کے پورا ہونے کے باوجود جو کوئی کفر کرے گا وہ نافرمان وسرکش ہوگا اور ایسے لوگوں سے حکومت ارضی کا کوئی وعدہ نہیں۔

اسی مضمون کی تاکید کے لئے مزید ارشاد ہے کہ نمازوں کی پابندی کرو۔ غریبوں اور مسکینوں کی خبر گیری رکھو اور اپنے مال میں سے ان فقراء کے لئے بھی خدا کے نام پر کچھ نکالو اور ہر چیز میں خدا اور خدا کے رسول کی اطاعت کرو۔ یہی طریقہ خدا کی رحمت کے حاصل کرنے کا ہے۔

آنحضور ﷺ سے فرمایا گیا کہ آپ یہ گمان نہ کریں کہ آپ کو جھٹلانے والے یا آپ کو نہ ماننے والے ہم پر غالب آجائیں گے یا ادھر ادھر بھاگ کر ہمارے عذاب اور ہماری گرفت سے بچ جائیں گے۔ ہم نے ان کا ٹھکانہ جہنم مقرر کردیا ہے اور یہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنَ الْعَبِيْدِ وَالْاِمَاءِ **وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ** مِنَ الْاَحْرَارِ وَعَرَفُوْا اَمْرَ النِّسَاءِ **ثَلٰثَ مَرّٰتٍ** فِيْ ثَلٰثَةِ اَوْقَاتٍ **مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ** اَيْ وَقْتِ الظُّهْرِ **وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ** بِالرَّفْعِ خَبَرُ مُبْتَدَاٍ مُقَدَّرٍ بَعْدَهٗ مُضَافٌ وَقَامَ الْمُضَافُ اِلَيْهِ مَقَامَهٗ اَيْ هِيَ اَوْقَاتٌ وَبِالنَّصَبِ بِتَقْدِيْرِ اَوْقَاتٍ مَنْصُوْبًا بَدَلًا مِنْ مَّحَلِّ مَاقَبْلَهٗ قَامَ الْمُضَافُ اِلَيْهِ مَقَامَهٗ وَهِيَ لِاِلْقَاءِ الثِّيَابِ فِبُهَا تُبْدُوْ فِيْهَا الْعَوْرَاتُ **لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ** اَيِ الْمَمَالِيْكِ وَالصِّبْيَانِ **جُنَاحٌ** فِي الدُّخُوْلِ عَلَيْكُمْ بِغَيْرِ اِسْتِيْذَانٍ **بَعْدَهُنَّ** اَيْ بَعْدَ الْاَوْقَاتِ الثَّلٰثَةِ هُمْ **طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ** لِلْخِدْمَةِ **بَعْضُكُمْ** طَائِفٌ **عَلٰى بَعْضٍ** وَالْجُمْلَةُ مُؤَكِّدَةٌ لِمَا قَبْلَهَا **كَذٰلِكَ** كَمَا بَيَّنَ مَا ذُكِرَ **يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ** اَيِ الْاَحْكَامَ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ** بِاُمُوْرِ خَلْقِهٖ **حَكِيْمٌ** ﴿۵۸﴾ بِمَا دَبَّرَهٗ لَهُمْ وَاٰيَةُ الْاِسْتِيْذَانِ قِيْلَ مَنْسُوْخَةٌ وَقِيْلَ لَا وَلٰكِنْ تَهَاوَنُ النَّاسُ فِيْ تَرْكِ الْاِسْتِيْذَانِ **وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ** اَيُّهَا الْاَحْرَارُ **الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا** فِيْ جَمِيْعِ الْاَوْقَاتِ **كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** اَيِ الْاَحْرَارُ الْكِبَارُ **كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ** ﴿۵۹﴾ **وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ** قَعَدْنَ عَنِ الْحَيْضِ وَالْوَلَدِ لِكِبَرِهِنَّ **الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا** لِذٰلِكَ **فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ** مِنَ الْجِلْبَابِ وَالرِّدَاءِ وَالْقِنَاعِ فَوْقَ الْخِمَارِ **غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ** مُظْهِرَاتٍ **بِزِيْنَةٍ** خَفِيَّةٍ كَقِلَادَةٍ وَسِوَارٍ وَخَلْخَالٍ **وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ** بِاَنْ لَا يَضَعْنَهَا **خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ** لِقَوْلِكُمْ **عَلِيْمٌ** ﴿۶۰﴾

بِمَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ فِی مُوَاکَلَةِ مُقَابِلِیْهِم وَّلَا حَرَجَ عَلٰۤی اَنْفُسِکُمْ اَنْ تَاْکُلُوْا مِنْۢ بُیُوْتِکُمْ اَیْ بُیُوْتِ اَوْلَادِکُمْ اَوْبُیُوْتِ اٰبَآئِکُمْ اَوْبُیُوْتِ اُمَّهٰتِکُمْ اَوْبُیُوْتِ اِخْوَانِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِکُمْ اَوْبُیُوْتِ اَعْمَامِکُمْ اَوْبُیُوْتِ عَمّٰتِکُمْ اَوْبُیُوْتِ اَخْوَالِکُمْ اَوْبُیُوْتِ خٰلٰتِکُمْ اَوْمَا مَلَکْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَیْ خَزَنْتُمُوْهُ لِغَیْرِکُمْ اَوْصَدِیْقِکُمْ ؕ وَهُوَ مَنْ صَدَّقَکُمْ فِیْ مَوَدَّتِهِ الْمَعْنٰی یَجُوْزُ الْاَکْلُ مِنْ بُیُوْتِ مَنْ ذُکِرَ وَاِنْ لَمْ یَحْضُرُوْا اَیْ اِذَا عَلِمَ رِضَاءَ هُمْ بِهٖ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْکُلُوْا جَمِیْعًا مُجْتَمِعِیْنَ اَوْاَشْتَاتًا ؕ مُتَفَرِّقِیْنَ جَمْعُ شَتٍّ نَزَلَ فِیْمَنْ تَحَرَّجَ اَنْ یَّاْکُلَ وَحْدَهٗ وَاِذَا لَمْ یَجِدْ مَنْ یُؤَاکِلُهٗ یَتْرُکُ الْاَکْلَ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا لَکُمْ لَا اَهْلَ فِیْهَا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِکُمْ اَیْ قُوْلُوْا اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ فَاِنَّ الْمَلَائِکَةَ تَرُدُّ عَلَیْکُمْ وَاِنْ کَانَ بِهَا اَهْلٌ فَسَلِّمُوْا عَلَیْهِمْ تَحِیَّةً مَصْدَرُ حَیَّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَکَةً طَیِّبَةً ؕ مُثَابٌ عَلَیْهَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ اَیْ یُفَصِّلُ لَکُمْ مَعَالِمَ دِیْنِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ لِکَیْ تَفْهَمُوْا ذٰلِکَ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا کَانُوْا مَعَهٗ اَیِ الرَّسُوْلِ عَلٰۤی اَمْرٍ جَامِعٍ کَخُطْبَةِ الْجُمُعَةِ لَّمْ یَذْهَبُوْا لِعُرُوْضِ عُذْرٍ لَهُمْ حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَکَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْکَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ اَمْرِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ بِالْاِنْصِرَافِ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۲﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا ؕ بِاَنْ تَقُوْلُوْا یَامُحَمَّدُ بَلْ قُوْلُوْا یَانَبِیَّ اللّٰهِ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فِیْ لِیْنٍ وَتَوَاضُعٍ وَخَفْضِ صَوْتٍ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْکُمْ لِوَاذًا ۚ اَیْ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْمَسْجِدِ فِی الْخُطْبَةِ مِنْ غَیْرِ اِسْتِئْذَانٍ خُفْیَةً مُسْتَتِرِیْنَ بِشَیْءٍ وَقَدْ لِلتَّحْقِیْقِ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ بَلَاءٌ اَوْیُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۳﴾ فِی الْاٰخِرَةِ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مُلْکًا وَخَلْقًا وَعَبِیْدًا قَدْ یَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ اَیُّهَا الْمُکَلَّفُوْنَ عَلَیْهِ ؕ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالنِّفَاقِ وَ یَعْلَمُ یَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ فِیْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ اَیْ مَتٰی یَکُوْنُ فَیُنَبِّئُهُمْ فِیْهِ بِمَا عَمِلُوْا ؕ مِنَ الْخَیْرِ وَالشَّرِّ وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ مِنْ اَعْمَالِهِمْ وَغَیْرِهَا عَلِیْمٌ ﴿۶۴﴾

ترجمہ:............ اے ایمان والو! تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو لڑکے حد بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں (لیکن عورتوں سے دلچسپی لینے لگے

ہیں اوران کے مسائل سے واقف ہو چکے ہیں) ان کو تم سے تین وقتوں میں اجازت لینا چاہئے۔ایک نماز صبح سے پہلے، دوسرے دوپہر کو جب اپنے کپڑے کو اتار دیا کرتے ہو اور تیسرے نماز عشاء کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے پردہ کے ہیں (ثلث مرفوع ہے مبتداء مقدر کی خبر ہونے کی بناء پر اس مبتداء کے بعد ایک مضاف ہے۔ مضاف الیہ یعنی ثـلـٰـث۔ اس مقدر مضاف کے قائم مقام کیا گیا۔ عبارت اس طرح ہے۔ ھی اوقات ثلث عورۃ یاثلث منصوب ہے اور لفظ اوقات مقدر ہے جو محلاً منصوب ہے بدل ہونے کی بناء پر مضاف الیہ قائم مقام مضاف ہے۔ اب عبارت یوں ہوگی۔ تلک الاوقات الثلثة لالقاء الثیاب فیھا من الجسد ان اوقات کے سوا نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ ان (مملوکوں) پر (بغیر جازت کے داخل ہونے پر) وہ (ان تینوں اوقات کے علاوہ) بکثرت آتے جاتے رہتے ہیں۔ کوئی کسی کے پاس (خدمت کے لئے) اسی طرح پر خدا تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے (لوگوں کے امور کو) حکمت والا ہے (اور اپنی اسی حکمت کے مطابق لوگوں کو یہ تدبیر بتائی۔ یہ آیت جس میں بغیر اجازت کے داخلہ کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ بعضوں کی رائے ہے کہ یہ منسوخ ہو چکی ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم ابھی باقی ہے۔ لیکن خود لوگوں نے اجازت لینے میں سستی کر رکھی ہے) اور جب تم میں کے لڑکے بلوغ کو پہنچ جائیں تو انہیں بھی (تمام اوقات میں) اجازت لینی چاہئے۔ جیسا کہ ان سے اگلے لوگ (یعنی وہ لوگ جو بالغ ہیں) اجازت لیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تم سے احکام صاف صاف بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا ہے اور بڑی بوڑھیاں (جنہیں حیض کا آنا بند ہو گیا اور پیدائش اولاد کا سلسلہ رک چکا ہے) جن کو نکاح کی امید نہ رہی ہو، ان کو اس بات مین کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے زائد کپڑے (مثلاً پردہ، چادر اور سر پر ڈالنے والا رومال) اتار رکھیں۔ بشرطیکہ زینت کو دکھلانے والیاں نہ ہوں۔ اور اگر (اس اجازت کے باوجود اس سے بھی) احتیاط رکھیں تو ان کے حق میں اور بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ (سب کچھ) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے۔ نہ اندھے آدمی کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے آدمی کے لئے کچھ مضائقہ، اور نہ بیمار کے لئے کچھ مضائقہ اور نہ خود تمہارے لئے اس میں کچھ مضائقہ کہ تم اپنے گھروں سے (یعنی اپنی اولاد کے گھروں سے) کھانا کھالو۔ یا اپنے باپ کے گھر سے یا اپنی ماں کے گھر سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے (مطلوب یہ ہے کہ ان مذکورہ گھروں سے بغیر ان کی اجازت کے ان کی عدم موجودگی میں بھی کھا سکتے ہو۔ کیونکہ ان گھروں میں عموماً اجازت حاصل ہی ہوتی ہے) تم پر (اس میں بھی) کوئی الزام نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ (اشـتـاتـاً جمع ہے شت کی۔ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو تنہا کھانے میں دشواری محسوس کرتے تھے اور جب تک کوئی دوسرا ساتھ کھانے والا نہ ہوتا تو کھانا چھوڑ دیتے) پھر جب گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے لوگوں کو سلام کر لیا کرو (دوسرا ترجمہ۔ جب گھر میں داخل ہونے لگو اور وہاں کوئی موجود نہ ہو تو اپنے اوپر سلام کر لیا کرو اور کہو کہ السلام علینا وعلٰی عباداللہ الصالحین. اور اگر گھر میں کوئی موجود ہو تو انہیں سلام کر لیا کرو) جو کہ دعا کے طور پر ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے اور برکت والی عمدہ چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ تم سے کھول کر اسی طرح احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ پس مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہے (جیسے خطبہ جمعہ وغیرہ کے لئے) اور اتفاقاً وہاں سے جانے کی ضرورت پڑتی ہے تو جب تک اجازت نہیں لے لیتے نہیں جاتے۔ بے شک جو لوگ آپ سے (ایسے موقعہ پر) اجازت لیتے ہیں تو وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ تو جب (اہل ایمان) ایسے مواقع پر اپنے کسی کام کے لئے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کے لئے چاہیں اجازت دے دیا کریں اور آپ ان کے لئے اللہ

سے مغفرت کی دعا بھی کیجئے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے (اور نبی کو جب تمہیں مخاطب کرنا ہو تو یا محمد ''ﷺ'' کہہ کر آواز نہ دو۔ بلکہ ادب واحترام کے ساتھ یا نبی اللہ یا یا رسول اللہ وغیرہ جیسے الفاظ کے ساتھ نرمی سے آواز دو۔ اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو دوسروں کی آڑ میں ہو کر تم میں سے (مجلس نبوی ﷺ سے) کھسک جاتے ہیں (اسی طرح خطبہ جمعہ وغیرہ کے درمیان بغیر کسی اجازت کے چھپ چھپا کر چلے جاتے ہیں) ان لوگوں کو جو اللہ کے حکم کی مخالفت کررہے ہیں۔ اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں ان پر (دنیا ہی میں) کوئی آفت نازل ہو جائے یا انہیں کوئی دردناک عذاب آ پکڑے۔ یاد رکھو کہ اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حالت کو بھی جانتا ہے جس پر تم اب ہو (یعنی ایمان یا نفاق پر) اور اللہ تعالیٰ اس دن کو بھی جانتا ہے جس میں سب اس کے پاس لوٹائے جائیں گے۔ پھر وہ ان سب کو جتلا دے گا جو کچھ انہوں نے (اچھا یا برا) کیا تھا اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

تحقیق وترکیب:.............. **ثلٰث مرات**. ثلث منصوب بر بناء ظرف ہے۔ عبارت ہے۔ ثلٰث اوقات یہ بھی ممکن ہے کہ منصوب مصدریت کی بناء پر ہو۔ اب عبارت ہوگی۔ ثلٰث استیذانات . **ثلث عورات لکم**. یہ خبر مقدر ہے عشاء پر وقف کرنا ہوگا اور اگر ثلث کو منصوب پڑھیں تو پھر لکم پر وقف کرنا ہوگا۔

بدلا من محل. یعنی من قبل صلٰوۃ الفجر سے بدل واقع ہو رہا ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ ھی الاوقات الثلٰثۃ مبتدا ہو اور تبدوا فیھا العورات اس کی خبر۔

غیر متبرجٰت بزینۃ اس میں با تعدیہ کی ہے۔ اسی وجہ سے متعدی کے ساتھ تفسیر کی گئی۔ لازم کی متعدی کے ساتھ تفسیر اکثر و بیشتر کر دی جاتی ہے۔ زینۃ تبرج کے مفعول، میں داخل نہیں جیسا کہ بعضوں کو وہم ہو گیا۔ اس لئے با کو مفعول پر زائد ماننا غلط ہے۔

بیوت اولادکم اپنی اولاد کے گھر مراد ہیں۔ کیونکہ اولاد اوران کے اموال عرفاً وشرعاً باپ ہی کی ملکیت سمجھے جاتے ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ ذاتی گھر مراد لینے میں کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ انسان کو اپنے گھر کھانے میں کوئی تکلف نہیں ہوتا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اعزہ و اقارب کے گھروں کو ذاتی گھر کا درجہ دیا گیا ہو۔

لواذاً ممکن ہے کہ یہ مصدر ہونے کی بناء پر منصوب ہو اور اصل عبارت یوں ہو۔ یتسللون منکم تسللاً ویلا بذون لواذا. اور دوسرا امکان یہ ہے کہ مصدر قائم مقام حال ہے یعنی بمعنی ملابذین.

﴿ تشریح ﴾:.............. اس سورت کے شروع میں اجنبیوں وغیرہ سے متعلق حکم آ چکا ہے۔ اب یہ حکم اپنے قریبی رشتہ داروں، نوکروں اور نابالغ لڑکوں سے متعلق ہے، جنہیں گھروں میں بار بار آنے جانے کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ ان کے لئے سابقہ حکم کی پابندی دشوار تھی۔ اس وجہ سے ان کے لئے الگ سے حکم نازل ہو رہا ہے۔

ارشاد ہے کہ تین وقتوں میں نوکروں اور نابالغ بچوں کو بھی اجازت مانگنی چاہئے۔ صبح کی نماز سے پہلے، دوپہر میں اور عشاء کی نماز کے بعد۔ کیونکہ یہ تینوں وقت عام طور پر تخلیہ واستراحت کے ہوتے ہیں۔ لیکن فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ان تینوں وقتوں کی تخصیص نہیں ہے بلکہ جہاں جیسی ضرورت ہوگی اسی کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔ ہاں ان اوقات کے علاوہ دوسرے وقتوں میں ان کے اوپر کوئی پابندی نہیں۔ ورنہ دشواری ہو جائے گی۔ البتہ اگر بچہ جوان ہو جائے تو پھر انہیں ان تین وقتوں کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی اجازت لے

کرہی آنا چاہئے۔ جیسا کہ اس سے پہلے حکم آچکا ہے اور وہ عورتیں جو بوڑھی ہوچکی ہوں اور ان کی طرف اب کوئی رغبت باقی نہ رہی ہو اور ان کی بے پردگی سے کسی فتنہ کا احتمال نہ ہو تو پھر انہیں اجازت ہے کہ وہ پردہ کا زیادہ اہتمام نہ کریں۔لیکن اظہار زینت مقصود نہ ہو۔ ویسے اگر یہ بوڑھی عورتیں بھی احتیاط سی کام لیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے۔

ایک خاص حکم:............ جاہلیت عرب میں دستور یہ تھا کہ جو شخص کسی کے یہاں جاتا تو بے تکلف اس کے یہاں کی چیزیں کھانا پینا شروع کردیتا۔ بلکہ اس میں نوبت ظلم تک پہنچ چکی تھی۔ جس سے گھر والے پریشان ہوجاتے۔ جب آیت **لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل** نازل ہوئی تو متقی مسلمان ضرورت سے زیادہ احتیاط کرنے لگے اور ان جگہوں میں بھی کھانے پینے سے پرہیز کرنے لگے جہاں رضا یقینی طور پر معلوم تھی۔ اور اپنے ساتھ اندھے، لنگڑے اور معذوروں وغیرہ کا لے جانا تو بالکل ہی ختم ہوگیا۔ اس شدت احتیاط کو توڑنے اور اعتدال قائم کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

مطلب یہ ہے کہ ان مذکورہ گھروں میں خود کھالینے یا معذورین کو کھلا دینے میں جب کہ صاحب خانہ کی رضا کا یقین ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ گھروں کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا گیا کہ اپنے لڑکوں کے گھروں میں، اپنے باپ اور ماں کے گھروں میں، بھائی اور بہنوں کے گھروں میں، چچا، ماموں، پھوپھی، خالہ کے گھروں میں، اسی طرح اپنے دوستوں کے گھروں میں اور وجہ اس کی یہی ہے کہ اغلباً ان جگہوں پر رضا حاصل ہی ہوتی ہے۔ البتہ اگر کہیں عدم رضا ہو تو فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ان جگہوں پر یہ حکم باقی نہیں رہے گا۔

اسی طرح ان گھروں کے علاوہ بھی کہیں رضا حاصل ہو تو وہاں بھی یہ حکم ثابت ہوجائے گا۔ غرض یہ کہ اس حکم کا مدار صاحب خانہ کی رضا وعدم رضا ہے۔ البتہ اجازت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ صریحی ہو۔ بلکہ ضمنی وعرفی اجازت بھی اجازت ہی ہے۔

بعض صحابہ کرامؓ کو فرط تقویٰ میں اپنے متعلق یہ خیال ہوگیا کہ ساتھ ساتھ کھانے میں کہیں ایسا نہ ہو کہ میں زیادہ کھا جاؤں اور ساتھیوں کی حق تلفی ہو۔ اس تنگی اور دشواری کو دور کرنے کے لئے ارشاد ہوا کہ اس طرح کے دقیق احتمالات قابل اعتنا نہیں۔ یعنی صرف اس وسوسے کی بناء پر کہ کہیں میں زیادہ نہ کھالوں، ساتھ کھانا چھوڑ دیا جائے۔ یہ کوئی بات نہیں۔ البتہ اگر کسی کے ساتھ کھانے پر گھر والے کی رضا نہ ہو تو اس صورت میں اجتناب کرنا چاہئے۔

فرمایا گیا کہ جب اپنے گھروں میں داخل ہو سلام کرلیا کرو۔ یہ خیر و برکت کی چیز ہے۔ اسی طرح بعضوں نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب تم ان مذکورہ گھروں میں داخل ہوا اور وہاں کوئی موجود نہ ہو تو پھر بھی سلام کرلیا کرو۔ جس کے الفاظ یہ ہوں۔ **السلام علینا وعلی عباداللہ الصالحین**۔ کیونکہ انسانوں کی عدم موجودگی میں فرشتے اس کا جواب دیا کرتے ہیں۔

بارگاہ رسالت:............ منافقین کو تو آنحضور ﷺ کی مجلس میں حاضری ہی بار گزرتی تھی اور اگر آ بھی جاتے تو موقعہ پا کر چپکے سے کھسک جاتے۔ ان کے مقابل میں مومنین کا یہ معاملہ تھا کہ اگر انہیں جانے کی کوئی ضرورت بھی پیش آجاتی تو بغیر اجازت کے مجلس سے نہ اٹھتے۔ بلکہ پہلے آنحضور ﷺ سے اجازت طلب کرتے اور جب اجازت مل جاتی تو جاتے تھے۔

اسی کی تعلیم قرآن نے ان کو دی بھی کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ جب رسول ﷺ کسی کام کے لئے انہیں جمع کریں اور درمیان میں کسی ضرورت کی وجہ سے جانے کی ضرورت پیش آجائے تو اجازت لے کر وہاں سے اٹھنا چاہئے اور خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ کسی ضروری

امر کے لئے مجلس ہو رہی ہو۔ مثلاً نماز جمعہ، نماز عید یا اسی طرح کی کوئی مجلس شوریٰ ہو اور دوسری تعلیم آنحضور ﷺ کو دی گئی کہ اگر ان مسلمانوں میں سے کوئی اپنے کسی ضروری کام کے لئے آپ سے اجازت طلب کر لے تو آپ ﷺ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیا کریں اور جس کا جانا آپ مناسب نہ سمجھیں، اسے روک لیا کریں۔

پھر ارشاد ہوا کہ نبی کا ادب و احترام رکھو اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو آواز دیتے ہو۔ اسی طرح آنحضور ﷺ کو بھی صرف یا محمد کہہ کر نہ پکارو۔ بلکہ کمال ادب و احترام کے ساتھ یا نبی اللہ...... یا...... یارسول اللہ کہہ کر آواز دو اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ رسول ﷺ جب تم کو بلائیں تو ان کے ساتھ یہ معاملہ نہ ہونا چاہئے کہ جی چاہا آ گئے اور جی چاہا تو نہ آئے بلکہ رسول کا بلانا ایک حاکمانہ حیثیت رکھتا ہے۔ جس پر لبیک کہنا واجب ہے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ یہی حکم امام کا ہے کہ اگر وہ بلائے تو جانا واجب ہے اور بغیر اجازت وہاں سے آنا ناجائز ہے اور یہی مطلب ماقبل کے مضمون کے اعتبار سے زیادہ مناسب ہے۔

بعد کی آیت میں انہیں منافقین کے لئے وعید آئی ہے جو بغیر اجازت کے چھپ چھپا کر مجلس سے چلے جاتے تھے کہ کہیں ان پر دنیا ہی میں کوئی آفت نہ آ جائے یا پھر آخرت میں کسی دردناک عذاب میں مبتلا کر دیئے جائیں۔

اب اپنے اختیار واقتدار کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہے کہ وہ ذات جو زمین وآسمان کی مالک ہے وہ بندوں کے تمام احوال سے واقف ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ بندوں کے تمام اعمال وعقائد کو خوب جانتا ہے اور جب یہ خدا تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے تو انہیں اپنے کئے ہوئے کی سزا مل جائے گی۔

سُـورَةُ الْفُـرْقَـانِ

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اِلٰى رَحِيْمًا فَمَدَنِيٌّ وَهُوَ سَبْعٌ وَسَبْعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾ تَبٰرَكَ تَعَالٰى **الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ** الْقُرْاٰنَ لِاَنَّهٗ فَرَّقَ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ **عَلٰى عَبْدِهٖ** مُحَمَّدٍ **لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ** اَيِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ دُوْنَ الْمَلٰئِكَةِ **نَذِيْرًا ﴿۱﴾** مُخَوِّفًا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ **الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ** مِنْ شَانِهٖ اَنْ يُخْلَقَ **فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴿۲﴾** سَوَّاهُ تَسْوِيَةً **وَاتَّخَذُوْا** اَيِ الْكُفَّارُ **مِنْ دُوْنِهٖٓ** اَيِ اللّٰهِ اَيْ غَيْرِهٖ **اٰلِهَةً** هِيَ الْاَصْنَامُ **لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا** اَيْ دَفْعَهٗ **وَّلَا نَفْعًا** اَيْ جَرَّهٗ **وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً** اَيْ اِمَاتَةً لِاَحَدٍ وَاِحْيَاءً لِاَحَدٍ **وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾** اَيْ بَعْثًا لِلْاَمْوَاتِ **وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ** اَيْ مَا الْقُرْاٰنُ **اِلَّآ اِفْكٌ** كِذْبٌ **اِفْتَرٰىهُ** مُحَمَّدٌ **وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ** وَهُمْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ قَالَ تَعَالٰى **فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ﴿۴﴾** كُفْرًا وَكِذْبًا اَيْ بِهِمَا **وَقَالُوْٓا** اَيْضًا هُوَ **اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ** اَكَاذِيْبُهُمْ جَمْعُ اُسْطُوْرَةٍ بِالضَّمِّ **اكْتَتَبَهَا** انْتَسَخَهَا مِنْ ذٰلِكَ الْقَوْمِ بِغَيْرِهٖ **فَهِيَ تُمْلٰى** تُقْرَأُ **عَلَيْهِ** لِيَحْفَظَهَا **بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۵﴾** غُدْوَةً وَعَشِيًّا قَالَ تَعَالٰى رَدًّا عَلَيْهِمْ **قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ** الْغَيْبَ **فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا** لِلْمُؤْمِنِيْنَ **رَّحِيْمًا ﴿۶﴾** بِهِمْ **وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ** هَلَّا **اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ﴿۷﴾** يُصَدِّقُهٗ **اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ** مِنَ السَّمَاءِ يُنْفِقُهٗ وَلَا يَحْتَاجُ اِلَى الْمَشْيِ فِي الْاَسْوَاقِ لِطَلَبِ الْمَعَاشِ **اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ** بُسْتَانٌ **يَّاْكُلُ مِنْهَا** اَيْ مِنْ ثِمَارِهَا

فَيَكْتَفِىْ بِهَا وَفِىْ قِرَاءَةٍ تَاكُلُ بِالنُّوْنِ اَىْ نَحْنُ فَيَكُوْنُ لَهٗ مَزِيَّةٌ عَلَيْنَا بِهَا **وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ** اَىِ الْكَافِرُوْنَ
لِلْمُؤْمِنِيْنَ **اِنْ** مَا **تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾** مَخْدُوْعًا مَغْلُوْبًا عَلٰى عَقْلِهٖ قَالَ تَعَالٰى **اُنْظُرْ كَيْفَ**
ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ بِالْمَسْحُوْرِ وَالْمُحْتَاجِ اِلٰى مَا يُنْفِقُهٗ وَاِلٰى مَلَكٍ يَقُوْمُ مَعَهٗ بِالْاَمْرِ **فَضَلُّوْا** بِذٰلِكَ
ع ۹ ۱۶ عَنِ الْهُدٰى **فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹﴾** طَرِيْقًا اِلَيْهِ **تَبٰرَكَ** تَكَاثَرَ خَيْرًا **الَّذِىْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ**
خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ الَّذِىْ قَالُوْا مِنَ الْكَنْزِ وَالْبُسْتَانِ **جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ** اَىْ فِى الدُّنْيَا لِاَنَّهٗ
شَاءَ اَنْ يُّعْطِيَهٗ اِيَّاهَا فِى الْاٰخِرَةِ **وَيَجْعَلْ** بِالْجَزْمِ **لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾** اَيْضًا وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ اِسْتِيْنَافًا **بَلْ**
كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ الْقِيَامَةِ **وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿۱۱﴾** نَارًا مُّسْعَرَةً اَىْ مُشْتَدَّةً **اِذَا**
رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ ۢبَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا غَلَيَانًا كَالْغَضْبَانِ اِذَا غَلَا صَدْرُهٗ مِنَ الْغَضَبِ **وَّزَفِيْرًا ﴿۱۲﴾**
صَوْتًا شَدِيْدًا اَوْ سِمَاعُ التَّغَيُّظِ رُؤْيَتُهٗ وَعِلْمُهٗ **وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ بِاَنْ
يُّضَيَّقَ عَلَيْهِمْ وَمِنْهَا حَالٌ مِّنْ مَّكَانًا لِاَنَّهٗ فِى الْاَصْلِ صِفَةٌ لَّهٗ **مُّقَرَّنِيْنَ** مُصَفَّدِيْنَ قَدْ قُرِنَتْ اَيْدِيْهِمْ اِلٰى
اَعْنَاقِهِمْ فِى الْاَغْلَالِ وَالتَّشْدِيْدُ لِلتَّكْثِيْرِ **دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾** هَلَاكًا فَيُقَالُ لَهُمْ **لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ**
ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾ لِعَذَابِكُمْ **قُلْ اَذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرُ مِنَ الْوَعِيْدِ وَصِفَةِ النَّارِ **خَيْرٌ**
اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِىْ وُعِدَ هَا **الْمُتَّقُوْنَ كَانَتْ لَهُمْ** فِىْ عِلْمِهٖ تَعَالٰى **جَزَآءً** ثَوَابًا **وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾** مَرْجِعًا
لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ حَالٌ لَازِمَةٌ كَانَ وَعْدُهُمْ مَا ذُكِرَ **عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ﴿۱۶﴾**
فَيَسْاَلُهٗ مَنْ وَعَدَ بِهٖ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلٰى رُسُلِكَ اَوْ يَسْاَلُهٗ لَهُمُ الْمَلَائِكَةُ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنِ
الَّتِىْ وَعَدْتَّهُمْ **وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ** بِالنُّوْنِ وَالتَّحْتَانِيَّةِ **وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَىْ غَيْرَهٗ مِنَ الْمَلَائِكَةِ
وَعِيْسٰى وَعُزَيْرٍ وَالْجِنِّ **فَيَقُوْلُ** تَعَالٰى بِالتَّحْتَانِيَّةِ وَالنُّوْنِ لِلْمَعْبُوْدِيْنَ اِثْبَاتًا لِلْحُجَّةِ عَلَى الْعَابِدِيْنَ **ءَ اَنْتُمْ**
بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰى وَتَرْكِهٖ **اَضْلَلْتُمْ**
عِبَادِىْ هٰٓؤُلَآءِ اَوْقَعْتُمُوْهُمْ فِى الضَّلَالِ بِاَمْرِكُمْ اِيَّاهُمْ بِعِبَادَتِكُمْ **اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾** طَرِيْقَ
الْحَقِّ بِاَنْفُسِهِمْ **قَالُوْا سُبْحٰنَكَ** تَنْزِيْهًا لَكَ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِكَ **مَا كَانَ يَنْۢبَغِىْ** يَسْتَقِيْمُ **لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ**
دُوْنِكَ اَىْ غَيْرِكَ **مِنْ اَوْلِيَآءَ** مَفْعُوْلٌ اَوَّلٌ وَمِنْ زَائِدَةٌ لِتَاكِيْدِ النَّفْيِ وَمَا قَبْلَهٗ الثَّانِىْ فَكَيْفَ نَاْمُرُ بِعِبَادَتِنَا
وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ مِنْ قَبْلِهِمْ بِاِطَالَةِ الْعُمُرِ وَسَعَةِ الرِّزْقِ **حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ** تَرَكُوا الْمَوْعِظَةَ
وَالْاِيْمَانَ بِالْقُرْاٰنِ **وَكَانُوْا قَوْمًا ۢبُوْرًا ﴿۱۸﴾** هَلْكٰى قَالَ تَعَالٰى **فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ** اَىْ كَذَّبَ الْمَعْبُوْدُوْنَ **بِمَا**

تَقُوْلُوْنَ بِالْفَوْقَانِيَةِ اَنَّهُمْ اٰلِهَةٌ **فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ** بِالْفَوْقَانِيَةِ وَالتَّحْتَانِيَةِ اَىْ لَاهُمْ وَلَا اَنْتُمْ **صَرْفًا** دَفْعًا لِلْعَذَابِ عَنْكُمْ **وَّلَا نَصْرًا** مَنْعًا لَكُمْ مِنْهُ **وَمَنْ يَّظْلِمْ** يُشْرِكْ **مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا** ﴿۱۹﴾ شَدِيْدًا فِى الْاٰخِرَةِ **وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ** فَاَنْتَ مِثْلُهُمْ فِىْ ذٰلِكَ وَقَدْ قِيْلَ لَهُمْ كَمَا قِيْلَ لَكَ **وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً** بَلِيَّةً اِبْتَلَى الْغَنِىَّ بِالْفَقِيْرِ وَالصَّحِيْحَ بِالْمَرِيْضِ وَالشَّرِيْفَ بِالْوَضِيْعِ يَقُوْلُ الثَّانِىْ فِىْ كُلِّ مَالِىَ لَا اَكُوْنُ كَالْاَوَّلِ فِىْ كُلِّ **اَتَصْبِرُوْنَ** عَلٰى مَا تَسْمَعُوْنَ مِمَّنْ اُبْتُلِيْتُمْ بِهِمْ بِمَعْنَى الْاَمْرِ اَىْ اِصْبِرُوْا **وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا** ﴿۲۰﴾ بِمَنْ يَصْبِرُ وَبِمَنْ يَجْزَعُ

ع ۲ / ۱۱ / ۱۷

ترجمہ:............ بڑی عالیشان ہے وہ ذات جس نے یہ فیصلہ کیا کہ کتاب (یعنی قرآن) اپنے بندۂ خاص (آنحضور ﷺ) پر اتاری تاکہ وہ سارے دنیا جہان والوں کے لئے (باستثناء فرشتہ) ڈرانے والا ہو (خدا تعالیٰ کے عذاب سے۔ قرآن کے لئے فرقان کا لفظ اس وجہ سے مستعمل ہے کہ یہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے) ایسی ذات کہ آسمان و زمین اس کی ملک ہیں اور اس نے کسی کو اپنی اولاد قرار نہیں دیا اور نہ اس کا کوئی حکومت میں شریک ہے اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ پھر سب کا الگ الگ انداز رکھا اور (مشرکوں نے) اللہ کے علاوہ (دیگر ایسے) خدا قرار دے رکھے ہیں جو کسی چیز کے خالق نہیں (بلکہ) خود ہی مخلوق ہیں اور خود اپنے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع کا اور نہ کسی کی موت کا اختیار رکھتے ہیں، نہ کسی کی زندگی کا اور نہ کسی کے دوبارہ اٹھانے کا (یعنی نہ تو یہ کسی کو مارنا چاہیں تو مار سکتے ہیں اور نہ مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں اور نہ مرنے کے بعد حیات ثانی دینے کا اختیار رکھتے ہیں) اور جو لوگ کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) نرا جھوٹ ہے جس کو اس شخص (یعنی محمد ﷺ) نے گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگ (یعنی اہل کتاب) نے اس میں ان کی مدد کی ہے (اس کے جواب میں خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ) یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) تو اگلوں کی بے سند باتیں ہیں (اساطیر جمع ہے اسطورۃ کی) جن کو اس شخص نے لکھوالیا ہے پھر وہی اس (شخص) کو صبح شام پڑھ کر سناتا ہے (خدا تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ) آپ کہہ دیجئے کہ اس کو اس ذات نے اتارا ہے جس کو آسمانوں اور زمین کے ہر راز کی خبر ہے۔ بے شک وہ بڑا مغفرت والا ہے (مومنین کے ساتھ) اور بڑا رحمت والا ہے (مومنین کے ساتھ) اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیسا ہے یہ رسول، جو کہ کھانا کھاتا ہے اور (ہماری طرح) بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ رہ کر ڈراتا یا اس کے پاس کوئی خزانہ غیب سے آپڑتا (تاکہ اسے کسب معاش کے لئے بازار وغیرہ جانا نہ پڑتا) یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا پیتا (اور جو اس کے لئے کفایت کرتا) اور ایک قرأت میں بجائے یاکل کے ناکل جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس باغ ہوتا تو ہم اس سے کھاتے پیتے اور یہ ہماری اوپر ان کی فضیلت کا ایک ذریعہ ہوتا) اور (ایمانداروں سے) یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم لوگ تو بس ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو (جس کی عقل سلب ہو چکی ہے) اللہ نے فرمایا دیکھئے تو یہ لوگ آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان کرتے ہیں (کہ یہ سحر زدہ اور غریب ہیں یا یہ کہ کوئی فرشتہ ان کے شریک کار ہونا چاہئے تھا) سو وہ بالکل گمراہ ہو گئے۔ پھر وہ بالکل راہ نہ پا سکے۔ وہ ذات بڑی عالیشان ہے۔ اگر وہ چاہے تو آپ کو اس (باغ اور خزانہ) سے بھی بہتر چیز دے دے (یعنی بہت سے) باغات کہ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور آپ کو (بہت سے) محل دے دے۔ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کے منکر ہیں اور ہم نے اس کے لئے جو قیامت کو جھٹلائے، دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ وہ ان کو

دور سے دیکھے گی تو یہ اس کا جوش وخروش (دور ہی سے) سنیں گے۔ (وہ شدت غضب میں اس طرح کھول رہی ہوگی جیسے غصہ کی حالت میں دل دھڑکنے لگتا ہے۔ اور اس کے اندر خوفناک قسم کی آواز بھی ہوگی) اور جب وہ اس میں کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیئے جائیں گے (ضیقاً تشدید اور بغیر تشدید دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور منھا حال واقع ہو رہا ہے۔ مکاناً سے ویسے اصل میں یہ صفت ہے مکاناً کی۔ لیکن جب نکرہ کی صفت موصوف پر مقدم ہو تو اسے حال کا اعراب دیتے ہیں) تو وہ موت کو پکاریں گے (اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ) آج ایک ہی موت کو مت پکارو۔ بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو۔ آپ کہئے کہ آیا (یہ آگ کی مصیبت) اچھی ہے یا ہمیشہ رہنے کی جنت (اچھی ہے) جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ ان کے لئے (ان کی اطاعت کا) صلہ ہے اور آخری ٹھکانہ۔ انہیں وہاں جو کچھ وہ چاہیں گے ملے گا (آمین) وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ وعدہ ہے ان کے پروردگار کے ذمہ اور قابل درخواست ہے (یا تو وہ شخص خود درخواست کرے گا اور کہے گا۔ ربنا اٰتنا ماوعدتنا علی رسلك کہ آپ نے جو اپنے رسول کے ذریعہ وعدہ کر رکھا ہے اسے پورا کیجئے یا فرشتے ان کی طرف سے درخواست کریں گے اور کہیں گے کہ اے اللہ آپ انہیں اس جنت میں داخل کر دیجئے جس کا آپ نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے۔) اور جس روز اللہ جمع کرے گا انہیں اور ان لوگوں کو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے (یعنی فرشتے۔ حضرت عیسیٰ، حضرت عزیز اور اسی طرح جنوں وغیرہ کو)۔ یحشرھم ی کے ساتھ اور نون کے ساتھ دونوں قرأت ہیں۔ پھر ان (معبودین) سے (بطور اتمام حجت) کہے گا کہ کیا تمہیں نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا۔ یا یہ (خود ہی) راہ سے بھٹک گئے تھے؟ وہ (معبودین) عرض کریں گے کہ سبحان اللہ، ہماری مجال نہ تھی کہ ہم آپ کے سوا اور کارساز وں کو تجویز کریں (اولیاء مفعول اول ہے نتخذ کا اور من زائد ہے نفی کی تاکید کے لئے)۔

لیکن آپ نے تو ان کو اور ان کے بڑوں کو خوب آسودہ کیا (طول عمر اور کثرت رزق دے کر) یہاں تک کہ یہ آپ کی یاد ہی کو بھلا بیٹھے اور یہ لوگ خود ہی برباد ہو کر رہے (اس وقت خدا تعالیٰ ان عابدین سے کہے گا کہ تمہارے معبودوں ہی نے) تمہاری باتوں کو جھٹلا دیا۔ سو اب نہ تو تم خود (عذاب کو) ٹال سکتے ہو اور نہ تمہیں مدد ہی پہنچ سکتی ہے اور جو تم میں سے ظلم کرے گا اپنے اوپر (شدت کرکے) اسے ہم بڑا عذاب چکھائیں گے۔

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازروں میں چلتے پھرتے تھے (آپ بھی انہیں کی طرح ہیں۔ نیز آپ سے پہلے ان انبیاء پر بھی اسی قسم کے اعتراضات کئے گئے) اور ہم نے تم میں سے ایک کو دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے (مثلاً امیر کو غریب کے ساتھ، تندرست کو بیمار کے ساتھ اور شریف کو رذیل کے ساتھ۔ چنانچہ یہ دوسرے طبقہ کے لوگ کہتے ہیں کہ ہم اول کی طرح نہیں) تو اب بھی صبر کرو گے؟ (اس آزمائش پر جس کا تذکرہ ہوا یہ استفہام معنی میں امر کے ہے کہ صبر کرنا چاہئے) اور آپ کا پروردگار بڑا دیکھنے والا ہے (کہ کون صبر کرتا ہے اور کون جزع فزع کرتا ہے اور بےصبری کا مظاہرہ کرتا ہے۔

تحقیق وترکیب: .... جرہ. یہ حاصل معنی کا بیان ہے۔ نفع وضرر میں مضاف کی تقدیر نہیں۔ نفع ونقصان ملک کی ضروریات میں سے ہیں۔ اس لئے بھی مضاف مقدر ماننے کی ضرورت ہوگی۔

ظلماً. منصوب ہے نزع الخافض اور جمل میں ہے کہ ظلماً جاء واسے منصوب ہے۔ کیونکہ یہ متعدی استعمال ہوتا ہے۔

قال الظالمون. ضمیر کے بجائے اسم ظاہر استعمال کیا گیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ ان کے ظلم کی انتہاء ہوگئی۔

التی وعدھا المتقون. قاضی بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ موصول کی جانب راجع ضمیر محذوف ہے اور خطیب کی عبارت یہ ہے کہ وعدھا اللّٰہ تعالیٰ لھم اس صورت میں موصول کی جانب لوٹنے والی وعدھا میں ھا ضمیر مونث ہے۔

۱۶انتـــم. دونوں ہمزوں کے درمیان الف کا استعمال وترک استعمال ہوسکتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دیا جائے اور الف کو مسہلہ کے درمیان داخل کر کے دوسرے کو ترک کر دیا جائے۔

من اولیاء. یہ مفعول اول ہے تتخذوا کا۔ من زائدہ ہے نفی کی تاکید کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے یعنی من دونک مفعول ثانی تھا۔

بورا. بائر کی جمع ہوسکتی ہے جیسے عائذ کی جمع عوذ. اور یہ بورا مصدر بھی ہوسکتا ہے۔ بورا سے ماخوذ ہوگا جس کے معنی ہلاکت کے ہیں۔ مصدر ہونے کی صورت میں مذکر ومونث، مفرد وتثنیہ وجمع برابر ہوں گے۔

ربط :............سورۂ فرقان سے پہلے سورۂ نور گزری ہے۔ جس میں خانوادۂ رسول ﷺ کی تقدیس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تقدس کا تفصیلی تذکرہ اور منافقین کی چیرہ دستیوں کا بیان تھا۔ مگر ان کور باطنوں کے لئے اہلبیت کی عظمت کا بیان کیا تشفی بخش ہوتا جب کہ ان کو خود نبوت، نبی اور کتاب منزل کے بارے میں شکوک وشبہات تھے۔ بنیاد کی مضبوطی واستحکام کے بغیر اس پر کھڑی عمارت ہر وقت خطرہ میں ہے۔ اس لئے طبعی طور پر بنیاد کی استواری پہلی ضرورت ہے۔ اس لئے سورۃ الفرقان میں انہیں اشکالات واعتراضات اور شکوک وشبہات کا جواب ہے جو نبوت کے سلسلہ میں تھے۔ جہالت پیشہ افراد انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو مافوق الفطرت صفات و خصوصیات سے آراستہ دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کی نظروں میں انبیاء کی بشریت، اکل وشرب، ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے خرید و فروخت حیرت انگیز تھی۔

اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ انبیاء بشر ہیں اور تمام بشری ضرورتیں ان کے ساتھ وابستہ ہیں۔ بشریت ان کے لئے عیب نہیں بلکہ ہنر ہے اور بہت سی مصالح کی بناء پر ان کا بشر ہی ہونا ضروری ہے۔

قرآن مجید کے بارے میں ان کا خیال خام یہ تھا کہ یہ ایک کتاب ہے جسے محمد (ﷺ) دوسروں کی مدد سے تصنیف کر رہے ہیں۔ سورۂ فرقان میں اس مہمل شبہ کا بھی جواب دیا گیا۔ مزید یہ بھی بتایا گیا کہ ان کو چند ہی چیزوں میں شبہ نہیں بلکہ حقائق کا کل دفتر ان کے نزدیک مشکوک ومشتبہ ہے۔ اس لئے اس سورت میں زیادہ تر رخ ان واہی شبہات کے ازالہ کی طرف ہی رہا۔ اس طرح یہ سورت سورۃ النور کا تتمہ وتکملہ کہلانے کی مستحق ہے۔

﴿ تشریح ﴾:............ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس نے اس قرآن کو آنحضور ﷺ پر اتارا۔ یہاں لفظ نزل لایا گیا ہے۔ جس سے بار بار اور بکثرت اترنے کے معنی مفہوم ہیں۔ جبکہ دوسری آسمانی کتب کے لئے لفظ انزل استعمال کیا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ قرآن کے علاوہ اور بقیہ کتب پوری کی پوری ایک مرتبہ نازل ہوتی تھیں اور قرآن کریم تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت اترتا رہا۔ کبھی کچھ آیتیں، کبھی کچھ سورتیں اتر گئیں۔ کبھی کوئی احکام نازل ہو گئے۔ جیسی ضرورت ہے اسی کے مطابق ہدایت ملتی اور اس میں ایک حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ لوگوں کو اس پر عمل کرنا دشوار نہ ہو۔

اس سورت میں ہے کہ کافروں کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ یہ قرآن پورا کا پورا ایک بار کیوں نازل نہ ہو گیا۔ جواب یہی دیا گیا کہ بتدریج اس وجہ سے نازل ہوا کہ اس پر عمل کرنا دشوار نہ ہو۔ اگر سارے کے سارے ایک ہی بار نازل ہو جاتے تو طبیعت گھبرا جاتی۔ نیز قرآن کے لئے فرقان کا لفظ استعمال کیا گیا۔ اس وجہ سے کہ یہ حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے اور اس کتاب کے نازل کرنے کا مطلب یہ بتایا گیا کہ اس سے آپ تخویف وترہیب کا کام لے سکیں۔

عـــالـمیـن کے لفظ سے اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ اس کی مخاطب ساری دنیا ہے۔ کوئی

مخصوص قوم یا جماعت نہیں۔ پھر آگے چل کر شرک کی تردید کر دی گئی کہ نہ تو خدا کے اولاد ہے جیسا کہ عیسائیوں نے سمجھ لیا اور نہ اس کا کوئی اور شریک ہے۔ جیسا کہ کافروں کا عقیدہ ہے اور کائنات میں جو چیز بھی ہو رہی ہے وہ سب مشیت الٰہی کے مطابق ہے۔ اسی کے ساتھ مشرکین کی جہالت کا بیان ہے کہ ایسی قادر مطلق خدا کے ساتھ ایک ایسی مخلوق کو شریک کر رہے ہیں جو بے بس ہیں کہ کسی چیز کی تخلیق پر قدرت نہیں رکھتے، بلکہ وہ خود بھی خدا کے بنائے ہوئے ہیں اور اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ انہیں تو اتنا بھی اختیار نہیں کہ کوئی نقصان خود اپنے سے دور کر سکیں یا کوئی نفع اپنے لئے حاصل کر سکیں۔ چہ جائیکہ دوسروں کو وہ نفع ونقصان پہنچا سکیں۔ نیز وہ تو اپنی موت وزیست کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔ پھر دوسروں کی کیا جان لے سکتے ہیں یا کسی کو کیا زندگی دے سکتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان چیزوں کا اختیار صرف خدا ہی کو ہے وہی مار سکتا ہے۔ وہی جلا سکتا ہے اور پھر وہی قیامت کے دن تمام مخلوق کو از سر نو زندہ کرے گا۔

مشرکین کی ایک جہالت جو خدا تعالیٰ کی ذات سے متعلق تھی اس کی تردید کر دی گئی۔ اب ان کی دوسری جہالت کا تذکرہ ہے جو آنحضور ﷺ سے متعلق ہے۔ یہ مشرکین کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ قرآن خدا کی طرف سے نازل کردہ کتاب نہیں ہے۔ وہ تو خود محمد (ﷺ) نے اوروں کی مدد سے گھڑ لیا ہے۔ یہ الزام آج بھی یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف سے لگائے جاتے ہیں۔

اس کی تردید میں ارشاد ہے کہ یہ ان کا ظلم اور سراسر جھوٹ ہے۔ حقیقت اور اصلیت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ثبوت و تحقیق سے قطعاً عاری یہ لوگ الزام تو لگاتے ہیں۔ لیکن ثبوت ان کے پاس ادنیٰ سا بھی موجود نہیں۔ ارشاد ہے کہ قرآن کی سچائی کی خبریں خدا تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی ہیں جو عالم الغیب ہے۔ جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ اس کے بعد اپنی غفاریت اور رحم وکرم کا بیان ہے کہ خدا تعالیٰ مغفرت کرنے والا اور رحمت والا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ ان بے ہودہ گوئیوں پر بھی فوراً گرفت نہیں کرتا۔ بلکہ انہیں ملت دیتا ہے اور اگر یہ اپنی اس مذموم حرکت سے باز آ جائیں اور توبہ کر لیں تو وہ انہیں معاف بھی کر دے گا۔

اب مشرکین رسالت کے انکار کی جو وجہ بیان کرتے تھے اس کا مختصر تذکرہ اور پھر تردید آ گئی۔ کہا گیا کہ ان مشرکین کی حماقت کا کیا علاج کیا جائے جو رسالت کے انکار کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ رسول تو ہم لوگوں کی طرح پر ہی کھاتا پیتا ہے اور بازاروں میں لین دین کے لئے بھی آتا ہے۔ آخر کیوں؟ نبی کو ان چیزوں سے کیا واسطہ۔ نیز ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں جو ان کے دعوے کی تصدیق کرتا اور لوگوں کو اس کے دین کی طرف بلاتا۔ نیز خدا تعالیٰ اسے کوئی خزانہ یا باغ وغیرہ دے دیتا تاکہ یہ معاشی اعتبار سے بے فکر ہوتا۔ خود بھی آرام سے زندگی بسر کرتا اور لوگوں کو دے دلا کر اپنے ساتھ لگاتا۔

خود تو یہ بے بنیاد اعتراضات کرتے ہی تھے بلکہ مسلمانوں کو بھی بہکاتے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے کہ جب اس میں کوئی خدائی یا ملکوتی قوت موجود ہی نہیں اور پھر اس پر یہ مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی عقل میں فتور ہے اور یہ مجنون یا سحر زدہ ہے اور تم لوگ اس کے چکر میں آ گئے ہو۔ اس پر قرآن مجید میں آنحضور ﷺ کو مخاطب کر کے کہا گیا کہ دیکھئے یہ لوگ آپ کی نبوت کے انکار میں کس حد تک پہنچ گئے ہیں اور اسے نہ مان کر کیسی کیسی لغو اور بے سروپا باتوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ یہ کبھی آپ کو شاعر، کبھی ساحر، کبھی سحر زدہ، کبھی مجنون اور کبھی کذاب کہتے ہیں۔ خود ان کی باتوں میں تضاد ہے، کسی چیز پر ٹھہراؤ اور اطمینان تو ہے ہی نہیں۔

کہا گیا کہ ویسے اگر خدا تعالیٰ چاہتا اور اس کی مشیت ہوتی تو وہ اپنے رسول کو اس سے بہت بڑھ کر اور اس سے بھی زیادہ دیتا جس کا یہ کفار مطالبہ کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے لئے تو یہ بہت آسان کام تھا۔ جیسا کہ آپ سے پہلے بعض انبیاءؑ کو اس قدر دیا جا چکا ہے کہ ان کے آگے دنیا کی حکومتیں بھی ہیچ تھیں۔ جیسے حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام وغیرہ کو۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ خود آنحضور ﷺ کو بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ پیشکش کی جا چکی ہے کہ اگر آپ چاہیں تو زمین کے خزانے اور اس قدر دنیا کا مالک بنا دیا جائے کہ اس سے کسی کو

بھی اتنا نہ ملا ہو اور ساتھ ہی آپ کی آخرت کی نعمتیں بھی باقی رہیں گی۔ لیکن آپ نے خود ہی اسے پسند نہیں کیا اور جواب دیا کہ مجھے تو آخرت ہی میں چاہئے۔ دنیا کی دولت اور حکومت کی کوئی ضرورت نہیں...... پھر ارشاد ہوا کہ یہ لوگ جو واہی مطالبات پیش کر رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہیں حق کی تلاش وطلب ہے اور دوران تحقیق کچھ شکوک پیش آ گئے بلکہ اپنے تکبر، ضد اور عناد کی وجہ سے شکوک و شبہات پیش کرتے ہیں۔ بالفرض اگر ان کے شبہات دور بھی کر دیئے جائیں تو پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ممکن ہے کہ اپنی خباثت کی بناء پر کچھ اور شکوک نکال لیں اور یہ لوگ تو قیامت کے بھی منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ آئے گی نہیں۔ تو ایسے لوگوں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھے ہیں اور دوزخ ان بدبختوں کو دیکھ کر اس قدر غضبناک ہوگی کہ یہ دور ہی سے اس کا جوش وخروش سن لیں گے۔ اس وقت ان کے اوسان خطا اور ہوش وحواس ختم ہو جائیں گے اور یہ بدبخت وبدنصیب دوزخی جو دوزخ کی ناقابل برداشت ہولنا کیوں سے گھبرا کر پکار اٹھیں گے کہ کاش ہمیں موت ہی آ جاتی۔ اس وقت انہیں جواب دیا جائے گا کہ ایک موت کیسی، اب تو تمہاری قسمت میں موت ہی موت ہے۔ اس سے قبل ان لوگوں کا بیان تھا جو اپنی سرکشی ونادانی کی وجہ سے جہنم کے مستحق ہوں گے۔ اب اس کے بعد ارشاد ہے کہ انہیں ان دردناک عذابوں کی اطلاع دے کر پوچھئے کہ یہ اچھے ہیں یا وہ جو دنیا میں گناہوں سے بچتے رہے اور جن کے دلوں میں خوف خدا تھا۔ جس کی جزا انہیں یہ ملے گی کہ وہ جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔ جہاں ہر قسم کی ابدی اور لازوال نعمتیں انہیں میسر ہوں گی۔ ان سے کہئے کہ انہیں اب بھی سوچنے سمجھنے کی مہلت ہے۔ یہ خود غور وخوض کر کے یہ فیصلہ کریں کہ ایک طرف دوزخ کی یہ ناقابل برداشت مصیبتیں ہیں جو کفر وانکار کی سزا ہے اور دوسری طرف جنت اور اس کی بے شمار راحتیں ہیں جو اطاعت وفرمانبرداری کرنے والوں کے لئے ہیں۔ جہاں عمدہ قسم کے کھانے، بہترین لباس، عالیشان محلات، بنی سنوری ہوئی حوریں اور نامعلوم کیسی کیسی نعمتیں ہوں گی کہ جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مگر یہ سب کے سب انہیں کو ملیں گے جو صاحب ایمان ہوں گے۔ انہیں سے خدا تعالیٰ نے ان نعمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جو یقیناً ہو کر رہے گا۔ جس کا عدم ایفاء ناممکن ہے۔ خود مومن کو بھی توجہ دلا دی گئی کہ تم سے جو وعدہ کیا گیا ہے اس کی طرف خدا تعالیٰ کو توجہ دلاؤ اور اس کے ایفاء کا مطالبہ کرو۔ بلکہ قیامت کے دن فرشتے بھی مومن سے کئے گئے وعدہ کے پورا کرنے کا مطالبہ کریں گے۔ بہرکیف خدا تعالیٰ مومن سے جو جنت اور اس کی راحتوں کا وعدہ کئے ہوئے ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔

سوال وجواب:.......... مشرکین کو قائل اور نادم کرنے کے لئے انبیاء، ملائکہ اور ان لوگوں سے جن کی یہ خدا کے سوا عبادت کیا کرتے تھے، ان عابدوں کے سامنے ان سے سوال کیا جائے گا کہ کیا تم نے ان سے اپنی عبادت کرنے کو کہا تھا اور انہیں زبانی سرزنش بھی کی جائے گی۔ تا کہ ان عابدوں کے سامنے ان کے ان معبودوں کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ جس طرح ان کے اور معبودوں سے سوال ہوگا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی یہی سوال کیا جائے گا۔ جس پر وہ جواب دیں گے کہ میں نے انہیں ہرگز اس بات کی تعلیم نہیں دی تھی جس کا آپ کو خوب اچھی طرح علم ہے۔ میں نے تو ان سے وہی کہا تھا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ عبادت کے لائق صرف خدا تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی قابل پرستش نہیں۔

دوسرے معبودوں کا بھی یہی جواب ہوگا اور کہیں گے کہ ہمارے لئے یہ کس قدر مناسب تھا کہ آپ کو چھوڑ کر انہیں اپنی عبادت کا حکم دیتے۔ یہ تو خود گمراہ ہوئے ہیں اور ان کی گمراہی کا سبب یہ ہے کہ انہیں طویل عمریں اور اچھی غذائیں میسر آئیں جو اسباب شکر تھے اور جس کا مقتضی یہ تھا کہ منعم کا شکر اور اس کی عبادت وطاعت میں لگ جاتے۔ مگر ان بدبختوں نے اس کے برعکس راستہ اختیار کیا اور بدمستی میں بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ آپنے آپ کو تباہی وبربادی میں ڈال لیا۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ ان مشرکین سے فرمائیں گے کہ لو یہ تمہارے معبود بھی تمہاری تکذیب کر رہے ہیں۔ جسے تم نے اپنا سمجھ

کر پوجا تھا اور جن کی پرستش تم نے اس خیال سی کی تھی کہ یہ تمہیں خدا کا مقرب بنا دیں گے۔ مگر یہ تو اظہار بیزاری کر رہے ہیں۔ لہذا اب تمہارے چھٹکارے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی اور نہ کوئی تمہارا مددگار ہوگا جو یہاں تمہارے کام آ سکے گا۔ خدا کے ساتھ شرک کرنے والوں کے لئے ایسا ہی سخت عذاب ہے۔

کافر جو یہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ نبی کو کھانے پینے سے کیا واسطہ۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ بشریت اور رسالت میں کوئی تضاد نہیں اور ان سے پہلے سارے پیغمبر بھی انسانی ضرورتیں رکھتے تھے۔ کھانا پینا ان کے ساتھ بھی تھا۔ اسی طرح کسب معاش اور دوسری ضروریات ان سے بھی وابستہ تھیں۔ اس لئے یہ کوئی اعتراض نہیں اور نہ یہ کوئی نئی بات ہے۔ البتہ خدا تعالیٰ انہیں پاکیزہ اوصاف وعمدہ خصائل اسی طرح معجزے عنایت فرماتے ہیں جس کی بناء پر صاحب عقل مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ ان کی نبوت کو تسلیم کرے۔

اور ہم تو تم میں سے ایک کی دوسرے سے آزمائش کرلیا کرتے ہیں۔ تاکہ فرمانبردار اور نافرمان کا پتہ چل جائے۔ چنانچہ انبیاءؑ کو بھی ایسے حالات میں رکھا کہ جن سے امت کی پوری آزمائش ہو جائے کہ کون ان کی صفات بشری پر نظر رکھتے ہوئے تکذیب کر رہا ہے اور کون ان کے کمالات نبوت کی تصدیق کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی لوگوں کے حالات کو بھی خدا تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ تاکہ ان کے اعمال کے مطابق انہیں جزا اور سزا دی جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

﴿الحمدللہ کہ پارہ نمبر ۱۸ کی تفسیر تمام ہوئی﴾

پارہ نمبر ۱۹

وَقَالَ الَّذِيْنَ

فہرست پارہ ﴿وقال الذین﴾

وَقَالَ الَّذِيْنَ

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَايَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا لَايَخَافُوْنَ الْبَعْثَ **لَوْلَآ** هَلاَّ **اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ** فَكَانُوْا رُسُلًا اِلَيْنَا **اَوْنَرٰى رَبَّنَا** ط فَيُخْبِرُنَا بِاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ تَعَالٰى **لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا** تَكَبَّرُوْا **فِيْٓ** شَانِ **اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا** طَغَوْا **عُتُوًّا كَبِيْرًا** ﴿۲۱﴾ بِطَلَبِهِمْ رُؤْيَةَ اللّٰهِ فِي الدُّنْيَا وَعَتَوْا بِالْوَاوِ عَلٰى اَصْلِهٖ بِخِلَافِ عُتِيَّ بِالْاِبْدَالِ فِيْ مَرْيَمَ **يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ** فِيْ جُمْلَةِ الْخَلَائِقِ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَنَصْبُهٗ بِاُذْكُرْ مُقَدَّرًا **لَابُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ** اَيِ الْكَافِرِيْنَ بِخِلَافِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَهُمُ الْبُشْرٰى بِالْجَنَّةِ **وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا** ﴿۲۲﴾ عَلٰى عَادَتِهِمْ فِي الدُّنْيَا اِذَا نَزَلَتْ بِهِمْ شِدَّةٌ اَىْ عَوْذًا مَعَاذًا يَسْتَعِيْذُوْنَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ قَالَ تَعَالٰى **وَقَدِمْنَآ** عَمِدْنَا **اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ** مِنَ الْخَيْرِ كَصَدَقَةٍ وَصِلَةِ رَحِمٍ وَقِرٰى ضَيْفٍ وَاِغَاثَةِ مَلْهُوْفٍ فِي الدُّنْيَا **فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا** ﴿۲۳﴾ هُوَمَايُرٰى فِي الْكُوٰى الَّتِيْ عَلَيْهَا الشَّمْسُ كَالْغُبَارِ الْمُفَرَّقِ اَىْ مِثْلُهٗ فِيْ عَدَمِ النَّفْعِ بِهٖ اِذْ لَاثَوَابَ فِيْهِ لِعَدَمِ شَرْطِهٖ وَيُجَازُوْنَ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا **اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا** مِنَ الْكَافِرِيْنَ فِي الدُّنْيَا **وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا** ﴿۲۴﴾ مِنْهُمْ اَىْ مَوْضَعَ قَائِلَةٍ فِيْهَا وَهِيَ الْاِسْتِرَاحَةُ نِصْفَ النَّهَارِ فِي الْحَرِّ وَاُخِذَ مِنْ ذٰلِكَ انْقِضَاءُ الْحِسَابِ فِيْ نِصْفِ نَهَارٍ كَمَا وَرَدَ فِيْ حَدِيْثٍ **وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ** اَىْ كُلُّ سَمَاءٍ **بِالْغَمَامِ** اَىْ مَعَهٗ وَهُوَغَيْمٌ اَبْيَضُ **وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ** مِنْ كُلِّ سَمَاءٍ **تَنْزِيْلًا** ﴿۲۵﴾ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَنَصْبُهٗ بِاُذْكُرْ مُقَدَّرًا وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَشْدِيْدِ شِيْنِ تَشَّقَّقُ بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْاَصْلِ فِيْهَا وَفِيْ اُخْرٰى نُنْزِلُ بِنُوْنَيْنِ الثَّانِيَةُ سَاكِنَةٌ وَضَمِّ اللَّامِ وَنَصْبِ الْمَلَائِكَةُ **اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ نِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ** ط لَايُشْرِكُهٗ فِيْهِ اَحَدٌ **وَكَانَ** الْيَوْمُ **يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا** ﴿۲۶﴾ بِخِلَافِ الْمُؤْمِنِيْنَ **وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ** الْمُشْرِكُ عُقْبَةُ بْنُ اَبِيْ مُعَيْطٍ كَانَ نَطَقَ بِالشَّهَادَتَيْنِ ثُمَّ رَجَعَ رِضَاءً لِاُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ

عَلٰى يَدَيْهِ نَدَمًا وَتَحَسُّرًا فِى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ يَقُوْلُ يَا لِلتَّنْبِيْهِ لَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ مُحَمَّدٍ سَبِيْلًا
﴿۲۷﴾ طَرِيْقًا اِلَى الْهُدٰى يٰوَيْلَتٰى اَلِفُهٗ عِوَضٌ عَنْ يَاءِ الْاِضَافَةِ اَىْ وَيْلَتِىْ وَمَعْنَاهُ هَلَكَتِىْ لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ
فُلَانًا اَىْ اُبَيًّا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ اَىِ الْقُرْاٰنِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ط بِاَنْ رَدَّنِىْ عَنِ الْاِيْمَانِ
بِهٖ قَالَ تَعَالٰى وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ الْكَافِرِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ بِاَنْ يَتْرُكَهٗ وَيَتَبَرَّءَ مِنْهُ عِنْدَ الْبَلَاءِ وَقَالَ
الرَّسُوْلُ مُحَمَّدٌ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى قُرَيْشًا اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ مَتْرُوْكًا قَالَ تَعَالٰى
وَكَذٰلِكَ كَمَا جَعَلْنَا لَكَ عَدُوًّا مِنْ مُشْرِكِىْ قَوْمِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ قَبْلَكَ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ط
الْمُشْرِكِيْنَ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرُوْا وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا لَكَ وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾ نَاصِرًا لَكَ عَلٰى اَعْدَائِكَ وَقَالَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا هَلَّا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ج كَالتَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالزَّبُوْرِ قَالَ تَعَالٰى
نَزَّلْنَاهُ كَذٰلِكَ ج اَىْ مُتَفَرِّقًا لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ نُقَوِّىْ قَلْبَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ اَىْ اَتَيْنَا بِهٖ شَيْئًا بَعْدَ
شَىْءٍ بِتَمَهُّلٍ وَتُؤَدَةٍ لِيَتَيَسَّرَ فَهْمُهٗ وَحِفْظُهٗ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ فِىْ اِبْطَالِ اَمْرِكَ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ
الدَّافِعِ لَهٗ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ بَيَانًا هُمُ الَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَىْ يُسَاقُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ لا
اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا هُوَ جَهَنَّمُ وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾ ع اَخْطَاءُ طَرِيْقًا مِنْ غَيْرِهِمْ وَهُوَ كُفْرُهُمْ

ترجمہ: .... وہ لوگ جو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں رکھتے (بعث بعد الموت کا اندیشہ نہ ہونے کی وجہ سے) وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے۔ یا ہم اپنے پروردگار کو دیکھ ہی لیتے (تاکہ وہ خود اس کی اطلاع دے دیتے کہ محمد خدا کے رسول ہیں۔ ارشاد ہو کہ) یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں۔ اور یہ لوگ حد سے بہت دور نکل گئے ہیں (دنیا میں خدا تعالیٰ کی رویت کا مطالبہ کرکے۔ عتو، واو کے ساتھ اپنے اصل پر ہے۔ بخلاف عتی کے سورہ مریم میں کہ وہ بدل دیا گیا) جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے (دیگر مخلوقات کے ساتھ قیامت کے دن) اس روز مجرموں کے لئے کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی (بخلاف مومنین کے کہ انہیں جنت کی خوشی ہوگی) اور یہ (کفار) کہیں گے کہ پناہ پناہ (جیسا کہ ان کی دنیا میں عادت تھی کہ انہیں جب کوئی تکلیف پہنچتی تو فرشتوں سے پناہ مانگتے۔ ارشاد باری ہے کہ) ہم ان کے کاموں کی طرف متوجہ ہوں گے جو یہ کر چکے ہیں (دنیا میں مثلاً صدقہ، صلہ رحمی، مہمان نوازی، مظلوم کی دادرسی اور دیگر اعمال خیر) سو ان کو ایسا بیکار کر دیں گے جیسے پریشان غبار (جیسا کہ روشندان سے جب سورج کی شعاع پڑتی ہے تو اس سے منتشر گرد و غبار کی ایک لکیر نظر آتی ہے۔ اس تمثیل سے مقصد کفار کے اعمال کو ایمان کی عدم موجودگی میں غیر نفع بخش بتانا ہے) البتہ اہل جنت اس روز قیام گاہ (یعنی دنیا) میں بھی اچھے رہیں گے (کفار سے) اور آرام گاہ (یعنی جنت) میں بھی اچھے رہیں گے (ان کفار سے۔ مقیلاً سے مراد جنت میں قیلولہ کرنے کی جگہ۔ قیلولہ دوپہر میں آرام کرنے کو کہتے ہیں۔ اسی سے لوگوں نے یہ اخذ کیا ہے کہ حساب و کتاب دوپہر تک ختم ہو جائے گا اور اس سے فراغت کے بعد مومنین کو قیلولہ کو موقع مل جائے گا۔ حدیث سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے) اور جس روز آسمان ایک بدلی پر سے پھٹ جائے گا اور فرشتے (آسمان سے زمین پر) بکثرت اتارے جائیں گے (اور وہ قیامت کا دن ہوگا۔ یوم کو نصب اس وجہ سے ہے کہ اس سے پہلے اذکر

مقدر ہے اور ایک قرأت میں تشقق کے شین کو تشدید ہے اور ایک قرأت میں ننزل میں دونون ہیں۔ دوسرا نون ساکن اور ل کو ضمہ اور ملائکۃ کے تا کو فتحہ ہے) اس روز حقیقی حکومت خدائے رحمٰن ہی کی ہوگی (اس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہوگا) اور وہ دن کافروں پر بہت سخت ہوگا جس روز ظالم اپنا ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا (جیسے عقبہ ابن معیط وغیرہ جو کہ ایمان لے آنے کے بعد ابی بن خلف کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مرتد ہوگیا۔ وہ حسرت وندامت سے کہے گا) کاش میں رسول ﷺ کے ساتھ (دین کی) راہ پر لگ جاتا۔ ہائے میری شامت! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ (یویلتا میں الف یاء اضافی کے بدلہ میں ہے۔ اصل عبارت ہے ویلتی معنی ہلاکت کے ہیں۔ یقیناً اس کمبخت نے مجھ کو نصیحت آئے پیچھے بہکا دیا (اور مرتد بنادیا۔ ارشاد باری ہوا) شیطان تو انسان کو (عین وقت پر) امداد کرنے سے جواب دے ہی دیتا ہے (اور ابتلاء و پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے) اور اس دن رسول کہیں گے اے میرے پروردگار میری اس قوم (قریش) نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا (ارشاد ہوا) اور ہم اس طرح (جس طرح یہ لوگ آپ سے عداوت رکھتے ہیں) ہر نبی کے دشمن مجرم لوگوں میں سے بناتے رہتے ہیں (تو جس طرح ان لوگوں نے صبر کیا، آپ بھی صبر سے کام لیجئے) اور ہدایت کرنے کو اور (دشمنوں کے مقابل میں) مدد کرنے کو آپ کا رب کافی ہے۔ اور کافر یہ کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) پر قرآن ایک بارگی پورا کیوں نہیں نازل کر دیا گیا (جیسا کہ توریت وزبور اور انجیل نازل ہوا۔ ارشاد خداوندی ہو کہ) اس طرح تدریجاً ہم نے اس لئے نازل کیا کہ ہم اس کے ذریعہ سے آپ کے دل کو قوی رکھیں۔ اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے۔ (وقتاً فوقتاً تا کہ اس کا یاد کرنا اور سمجھنا آسان ہو جائے) اور یہ لوگ (آپ کی باتوں کو غلط ثابت کرنے کے لئے) کیا ہی عجیب سوال آپ کے سامنے پیش کریں۔ مگر ہم اس کا ٹھیک اور نہایت واضح جواب آپ کو عنایت کر دیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے۔ یہ لوگ جگہ کے لحاظ سے بدترین اور طریقہ میں بھی بہت گمراہ ہیں۔ (دوسروں سے اپنے کفر کے سبب)۔

تحقیق وترکیب: ....عتوا عتوا کبیرا. عتوا. یہاں اپنی اصل پر ہے۔ جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور سورۂ مریم میں فواصل کی رعایت کی بناء پر بجائے عتوا کے عتی استعمال ہوا ہے۔

هجرا مهجورا. معنی میں استعاذہ کے ہے۔ مهجوراً بطور تاکید ایسے ہی استعمال ہوا۔ جیسے حرام محرم میں محرم حرام کی تاکید کے لئے استعمال ہوا۔ هجر کے معنی روک دینا۔ جس وقت کوئی کامیاب نہیں ہوتا تو عرب هجرا مجهورا استعمال کرتے ہیں۔ مخاطب ناکامی کو سمجھ لیتا ہے۔ دوسرے معنی اس کے استعاذہ کے بھی آتے ہیں اور یہاں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

قریٰ ضیف. مہمان نوازی اور اگر قاف کا کسرہ ہو مع الف مکسورہ یا قاف کا فتح مع الف ممدودہ تو بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

یوم یرون الملائکۃ. یعنی وہ فرشتے جو عذاب پر مسلط کئے گئے ہیں۔ **لابشریٰ یومئذ.** یہ حال ہے ملائکہ سے عبارت اس طرح ہے کہ فرشتے ان کو دیکھ کر کہیں گے لابشریٰ لهم. اس کے لئے کوئی خوشخبری نہیں ہے۔

تشقق السماء بالغمام. با اس میں تین معنی کے لئے ہو سکتی ہے۔ یا تو یہ باسببیت کے لئے یا حال کے لئے۔ یا پھر معنی عن کے یعنی عن الغمام عبارت ہوگی۔ جیسا کہ یوم تشقق الارض عنهم میں عنهم سے مراد وہی لوگ ہیں جن سے زمین ہٹالی جائے گی۔

الملك یومئذ. الملك مبتداء ہے اور یومئذ ظرف ہے اس مبتداء کا۔ الحق اسی مبتداء کی صفت ہے اور الرحمٰن اس مبتداء کی خبر ہے۔ کفی بربك میں باء زائدہ ہے۔

﴿ تشریح ﴾ : .... یہ کفار انکار نبوت کے لئے ایک بہانہ یہ بھی بناتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کو کوئی رسول ہی بھیجنا تھا تو کسی فرشتہ کو کیوں نہیں بھیجا اور چونکہ یہ مشرکین دیوی دیوتا کے قائل تھے تو اپنی اسی عادت کے مطابق کہتے کہ اگر یہ رسول اپنی دعوے نبوت میں سچے ہیں تو ان کے ساتھ کوئی آسمانی دیوتا یعنی فرشتے کیوں نہیں بھیجے جو ان کے دعویٰ کی تصدیق کرتے۔ یا اس سے آگے کی بات یہ ہے کہ خدا نے خود کو کیوں نہیں دکھا دیا تا کہ ہم براہ راست اس کی زبان سے اس کے دعووں کی تصدیق سن لیتے اور ہمارے دلوں میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہتا۔ ان کا یہ قول صرف کبر وغرور اور عناد وسرکشی کی وجہ سے تھا۔ ورنہ ایمان لانے کی نیت نہیں تھی۔ جیسا کہ خود خدا تعالیٰ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ اگر ہم ان پر فرشتوں کو اتارتے اور مردے ان سے باتیں کرنے لگتے اور دوسری غیب کی چیزیں بھی ان کے سامنے کردیتے، جب بھی انہیں ایمان کی توفیق نصیب نہ ہوتی۔

ان کا یہ مطالبہ ویسے بھی پورا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ کیونکہ کافروں کا کفر وعدم ایمان نہ رویت باری کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ ملائکہ رحمت ان سے دوچار ہوسکتے تھے۔ اسی وجہ سے فرمایا گیا کہ جب بھی کافروں کا فرشتوں سے سامنا ہوگا تو وہ عذاب ہی کے فرشتے ہوں گے۔ وہ وقت کافروں کی مسرت وخوشی کا نہیں بلکہ انتہائی مصیبت کا وقت ہوگا۔ فرشتے ان سے کہیں گے کہ (جو خوشخبریاں مومنوں کے واسطے ہیں ان سے تم محروم ہو)۔ یہ ترجمہ اس وقت ہوگا جب هجراً محجوراً فرشتوں کا قول مانا جائے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مقولہ اس وقت کافروں کا ہوگا وہ فرشتوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ خدا کرے تم ہم سے آڑ میں رہو۔ تمہیں ہمارے پاس آنا نہ ملے۔ یہ هجراً محجوراً ایک محاورہ ہے جو جاہلیت میں جب کسی کو کوئی ابتلاء پیش آتا یا کوئی اپنے دشمن کو دیکھتا اور یہ خیال ہوتا کہ وہ اس پر حملہ کرے گا تو اس وقت یہ جملہ کہتا۔

پھر ارشاد ہے کہ قیامت کے دن جب اعمال کا حساب وکتاب ہوگا اس وقت کافروں کو اپنے جن جن اعمال پر غرور ہوگا وہ سب کے سب اکارت ہوجائیں گے اور یہ جنہیں اپنی نجات کا ذریعہ سمجھے ہوئے تھے قیامت کے دن انہیں بے مصرف کرکے دکھا دیا جائے گا۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ کافروں کے اعمال کی مثال راکھ جیسی ہے جسے تیز ہوا اڑا دے۔ ان کے مقابل میں اہل ایمان کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا کہ وہ جنت کے اعلیٰ درجوں میں عیش وعشرت کے ساتھ ہوں گے۔

سعید ابن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ آدھے دن میں بندوں کے حساب وکتاب سے فارغ ہوجائیں گے اور جنتیوں کے دوپہر کے سونے کا وقت جنت میں ہوگا اور جہنمیوں کا جہنم میں۔

قیامت کے دن جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو آسمان اور زمین پھٹ پڑیں گے اور پوری کائنات تباہ وبرباد ہوجائے گی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا۔ جس کے نتیجہ میں زمین وآسمان از سرنو درست ہوجائیں گے۔ پھر زمین پر ملائکہ کا نزول ہوگا۔ حساب وکتاب شروع ہوجائے گا۔ خدا تعالیٰ کی ایک تجلی خاص اس حساب وکتاب کے لئے ہوگی۔ جس کے اردگرد ملائکہ کا ہجوم ہوگا۔

یہاں تشقق السماء سے مراد آسمان کا پھٹنا بطور تخریب اور فنا کے نہیں ہے کیونکہ وہ تو نفخ اول کے وقت ہوچکا ہوگا۔ بلکہ یہاں آسمان کا پھٹنا بطور کھلنے کے ہوگا۔ گویا کہ اب یہ آسمان وزمین از سرنو دوبارہ وجود میں آئیں گے جو کہ نفخ ثانیہ کے وقت ہوگا۔ اس دن بادشاہت صرف خدا ہی کے لئے ہوگی۔ کسی اور کو دخل وتصرف کی قطعاً گنجائش نہ ہوگی۔ وہ دن کافروں پر بہت گراں گزرے گا۔ لیکن مومنین کو قطعاً گھبراہٹ یا پریشانی نہ ہوگی۔

ارشاد ہے کہ جو کوئی پیغمبر علیہ السلام کے طریقہ سے اعراض کرے گا، اس کے لائے ہوئے دین سے روگردانی کرے گا وہ اس

دن بہت نادم ہوں گے اور حسرت وافسوس کے ساتھ اپنے ہاتھ کاٹ رہے ہوں گے اور آہ وزاری کرتے ہوئے کہہ رہے ہوں گے کہ کاش ہم نبی ﷺ کی راہ چھوڑ کر دوسرے راستے اختیار نہ کرتے۔

ارشاد ہے کہ شیطان انسان کو رسوا کرنے والا ہے اور وہ اسے ناحق کی طرف بلاتا ہے۔ حالانکہ قیامت کے دن زبانی ہمدردی بھی نصیب نہ ہوگی۔ دنیا میں ہر طرح کی گمراہی کسی نہ کسی انسان ہی کے ذریعہ آتی ہے اور شیطان جب بھی آتا ہے تو کسی دوست وآشنا کے قالب میں آتا ہے۔ اسی سے فقہاء نے یہ بات نکالی ہے کہ صحبت بد کا ترک واجب ہے۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ آیت میں اشرار کی صحبت سے بچنے کی تعلیم ہے اور شریر اسے کہتے ہیں جو ذکر الٰہی سے بعید ہونے کا سبب بن جائے۔

قیامت کے دن سردار دوجہاں ﷺ جناب باری میں اپنی امت کی شکایت کریں گے کہ یہ قوم جو میری مخاطب بنائی گئی تھی اس کا قرآن کو ماننا اور اس پر عمل کرنا تو درکنار رہا۔ انہوں نے تو قران کو قابل التفات بھی نہ سمجھا۔ بلکہ یہ دوسروں کو بھی اس کے سننے سے روکتے۔ جیسا کہ کفار کا یہ مقولہ خود قرآن میں نقل کیا گیا کہ لا تسمعوا لهٰذا القراٰن و الغوا فیه. یعنی اس قرآن کو نہ سنو اور اس کے پڑھے جانے کے وقت شور وغل مچاؤ۔

آپ غور کریں کہ آنحضور ﷺ کو اپنی مظلومیت کی شکایت نہ ہوگی۔ نہ آپ طائف کے باشندوں کی شکایت کریں گے اور نہ کفار مکہ کے مظالم کا شکوہ فرمائیں گے بلکہ اگر شکایت ہوگی تو قرآن مجید کے چھوڑنے کی اور اس کی طرف سے بے توجہی کی۔

جواب میں ارشاد ہوا کہ اے نبی ﷺ جس طرح آپ کی قوم میں قرآن کو نظر انداز کر دینے والے لوگ ہیں۔ اسی طرح پچھلی امتوں میں بھی ایسے افراد تھے جو خود بھی کفر کرتے اور دوسروں کو بھی اپنے کفر میں شریک کرتے اور گمراہی پھیلانے کی فکر میں لگے رہتے۔ نیز ناحق شناس تو ہر زمانہ میں اپنے وقت کے پیغمبر کے دشمن رہے ہیں۔ لہٰذا کفر پسند عناصر جو آپ سے بھی عداوت رکھتے ہیں، آپ اس کا کوئی غم نہ کیجئے۔ خدا تعالیٰ ان میں سے جسے چاہے گا ہدایت عطا فرمائے گا اور وہ لوگ جو راہ راست پر نہ آئیں گے ان مجرموں اور سرکشوں سے جب مقابلہ کی ضرورت ہوگی تو منجانب اللہ آپ ﷺ کی مدد بھی ہوتی رہے گی۔ اس لئے آپ بےفکر رہیں۔

اعتراض اور اس کا جواب:.......... کافروں کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ جس طرح توریت، انجیل، زبور وغیرہ پوری کی پوری ایک مرتبہ پیغمبروں پر نازل ہوتی رہیں، اسی طرح یہ قرآن بھی ایک دفعہ ہی آنحضور ﷺ پر نازل کیوں نہیں ہوا۔ اگر یہ خدا کا کلام ہوتا تو رفتہ رفتہ کیوں نازل ہوتا۔ یہ تو (نعوذ باللہ) انہیں کا کلام معلوم ہوتا ہے۔ سوچ سوچ کر حسب ضرورت تصنیف کرتے رہتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ واقعۃً یہ قرآن متفرق طور پر رفتہ رفتہ نازل ہوا۔ جیسی جیسی ضرورت پڑتی گئی۔ جو واقعات ہوتے رہے اسی کے مطابق احکام نازل ہوتے رہے۔ لیکن اس تدریجی نزول میں ایک بڑی مصلحت یہ تھی کہ رسول کی تقویت قلب رہے۔ نیز اس پر عمل کرنا کوئی مشکل و دشوار نہ ہو۔

پھر فرمایا گیا کہ ہم ان کے اعتراضات کا صحیح صحیح اور تسلی بخش جواب دیں گے جو قطعی بھی ہوگا اور قریب الفہم بھی۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو منہ کے بل جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے۔ یہ برے ٹھکانے اور گمراہ طریقے والے ہیں۔ جگہ سے مراد جہنم اور طریقہ سے مراد مسلک اور مذہب ہے۔

ایک شخص نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا کہ کافر جہنم میں منہ کے بل کس طرح لے جائے جائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ جس نے انہیں پیر کے بل چلایا ہے وہ سر کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔ اس سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ قادر مطلق اس پر پوری طرح قادر ہے کہ جس عضو اور جس قوت سے جو کام جس وقت چاہے لے لے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾ مُعِينًا فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اَيِ الْقِبْطِ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ فَذَهَبَا اِلَيْهِمْ بِالرِّسَالَةِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ اَهْلَكْنَاهُمْ اِهْلَاكًا وَ اذْكُرْ قَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ بِتَكْذِيْبِهِمْ نُوْحًا لِطُوْلِ لُبْثِهٖ فِيْهِمْ فَكَاَنَّهٗ رُسُلٌ اَوْ لِاَنَّ تَكْذِيْبَهٗ تَكْذِيْبٌ لِبَاقِي الرُّسُلِ لِاشْتِرَاكِهِمْ فِي الْمَجِيْءِ بِالتَّوْحِيْدِ اَغْرَقْنٰهُمْ جَوَابُ لَمَّا وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ بَعْدَهُمْ اٰيَةً ۭ عِبْرَةً وَاَعْتَدْنَا فِي الْاٰخِرَةِ لِلظّٰلِمِيْنَ الْكَافِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾ مُؤْلِمًا سِوٰى مَا يَحُلُّ بِهِمْ فِي الدُّنْيَا وَّ اذْكُرْ عَادًا قَوْمَ هُوْدٍ وَّثَمُوْدَاْ قَوْمَ صَالِحٍ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ اِسْمُ بِئْرٍ وَنَبِيُّهُمْ قِيْلَ شُعَيْبٌ وَقِيْلَ غَيْرُهٗ كَانُوْا قُعُوْدًا حَوْلَهَا فَانْهَارَتْ بِهِمْ وَبِمَنَازِلِهِمْ وَقُرُوْنًاۢ اَقْوَامًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ اَيْ بَيْنَ عَادٍ وَاَصْحٰبِ الرَّسِّ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ فِيْ اِقَامَةِ الْحُجَّةِ عَلَيْهِمْ فَلَمْ نُهْلِكْهُمْ اِلَّا بَعْدَ الْاِنْذَارِ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾ اَهْلَكْنَا اِهْلَاكًا بِتَكْذِيْبِهِمْ اَنْبِيَاءَهُمْ وَلَقَدْ اَتَوْا مَرُّوْا اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ مَصْدَرُ سَاءَ اَيْ بِالْحِجَارَةِ وَهِيَ عُظْمٰى قُرٰى قَوْمِ لُوْطٍ فَاَهْلَكَ اللّٰهُ اَهْلَهَا لِفِعْلِهِمُ الْفَاحِشَةَ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ فِيْ سَفَرِهِمْ اِلَى الشَّامِ فَيَعْتَبِرُوْنَ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ يَخَافُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾ بَعْثًا فَلَا يُؤْمِنُوْنَ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ مَا يَتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ مَهْزُوًّا بِهٖ يَقُوْلُوْنَ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ فِيْ دَعْوَاهُ مُحْتَقِرِيْنَ لَهٗ عَنِ الرِّسَالَةِ اِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ اِنَّهٗ كَادَ لَيُضِلُّنَا يُصَرِّفُنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ لَصَرَّفَنَا عَنْهَا قَالَ تَعَالٰى وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ عِيَانًا فِي الْاٰخِرَةِ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ اَخْطَاُ طَرِيْقًا اَهُمْ اَمِ الْمُؤْمِنُوْنَ اَرَاَيْتَ اَخْبِرْنِيْ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَيْ مَهْوِيَّهٗ قَدَّمَ الْمَفْعُوْلَ الثَّانِيْ لِاَنَّهٗ اَهَمُّ وَجُمْلَةُ مَنِ اتَّخَذَ مَفْعُوْلٌ اَوَّلٌ لِرَاَيْتَ وَالثَّانِيْ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾ حَافِظًا تَحْفَظُهٗ عَنِ اتِّبَاعِ هَوَاهُ لَا اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ سِمَاعَ تَفَهُّمٍ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ مَا تَقُوْلُ لَهُمْ اِنْ مَا هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾ اَخْطَاُ طَرِيْقًا مِنْهَا لِاَنَّهَا تَنْقَادُ لِمَنْ يَتَعَهَّدُهَا وَهُمْ لَا يُطِيْعُوْنَ مَوْلَاهُمُ الْمُنْعِمَ عَلَيْهِمْ

ترجمہ: .... اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (یعنی توریت) دی تھی اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی کو معین بنادیا تھا۔ پھر ہم نے کہا کہ دونوں آدمی ان لوگوں کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا ہے (یعنی فرعون اور اس کی قوم۔ باری تعالیٰ کے حکم پر یہ دونوں ان کے پاس پیغام خداوندی لے کر گئے۔ مگر انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا۔ سو ہم نے انہیں بالکل ہی ہلاک کردیا اور (یاد کیجئے)

قوم نوح " کو...... کہ جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا (کـذبـوا الـرسل. یہاں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ حالانکہ پیغمبر صرف ایک یعنی حضرت نوح علیہ السلام تھے تو ان کے دو جواب ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں اتنی مدت تک رہے کہ گویا کئی رسولوں کے قائم مقام ہو گئے۔ دوسرا جواب یہ کہ ان کا جھٹلایا گویا کہ انبیاء علیہ السلام کی پوری جماعت کو جھٹلانا ہوا۔ کیونکہ مقصد ہر نبی کا ایک ہوتا ہے۔ یعنی توحید کی دعوت دینا۔ اس وجہ سے رسـل جمع کا صیغہ لایا گیا) ہم نے ان کو (طوفان سے) غرق کر دیا اور ہم نے ان (کے واقعہ) کو لوگوں کے لئے ایک نشان عبرت بنا دیا۔ (اغرقنا جواب ہے لما کذبوا کا) اور ہم نے ان ظالموں کے لئے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے (جو دنیاوی عذاب کے علاوہ ہوگا) اور (یاد کیجئے) ہم نے اسی طرح عاد (یعنی قوم ہودؑ) اور ثمود (یعنی قوم صالحؑ) اور اصحاب الرس کو (یہ ایک قوم تھی جس کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام تھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ان کے علاوہ کوئی اور نبی تھے) اور ان کے درمیان میں بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا۔ اور ہم نے (امم مذکورہ میں سے) ہر ایک (کی ہدایت) کے لئے عجیب عجیب مضامین بیان کئے (ان لوگوں کے اتمام حجت کے لئے اور (جب نہ مانے تو) ہر ایک کو ہم نے بالکل ہی برباد کر دیا (انبیاء کی تکذیب کی سزا میں) اور یہ (کفار مکہ) اس بستی پر سے گزر رہے ہیں جس پر پتھر بری طرح برسائے گئے تھے (مطر السوء میں سوء مصدر ہے ســاء کا معنی پتھر برسانا۔ یہ پتھروں کی بارش قوم لوط کے ایک بڑے گاؤں پر ہوئی تھی۔ جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے پوری آبادی کو ہلاک کر کے رکھ دیا تھا اور یہ سزا تھی ان کے برے اعمال کی) سو کیا یہ لوگ اسے دیکھتے نہیں رہتے (جب یہ ملک شام کی طرف سفر کرتے تھے۔ پس انہیں اس سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ یہاں استفہام تقریر کے لئے ہے) بات یہ ہے کہ یہ لوگ مر کر دوبارہ زندہ ہونے کا خیال ہی نہیں رکھتے (گویا کہ آخرت کے منکر ہیں اس وجہ سے یہ لوگ ان چیزوں سے ڈرتے نہیں اور نہ ایمان لاتے ہیں) اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے تمسخر کرنے لگتے ہیں (اور مذاق بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ) کیا یہی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے (اور پھر حقارت کے ساتھ کہتے ہیں کہ) اس شخص نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے ہٹا ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر (مضبوطی سے) قائم نہ رہتے (ان کـاد میں ان مخففہ من الثقیلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے جو انــہ ہے۔ ان کے مذاق کے جواب میں ارشاد باری ہے کہ) عنقریب یہ جان لیں گے جب عذاب دیکھ لیں گے کہ کون شخص راہ سے ہٹا ہوا تھا (یہ لوگ یا مومنین؟ اے پیغمبر آپ نے اس کی بھی حالت دیکھی ہے جس نے اپنی خواہشوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے (مفعول ثانی کو اس کی اہمیت کی بنا پر مقدم کر دیا گیا ہے اور جملہ من اتخذ. رأیت کا مفعول اول ہے۔ اور مفعول ثانی افانت تکون ہے) سو کیا آپ اس کے ذمہ دار رہ سکتے ہیں (کہ انہیں ان کی خواہشات نفسانی سے باز رکھ سکیں۔ نہیں ایسا نہیں آپ کر سکتے) یا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں (جو کچھ آپ ان سے کہتے ہیں) نہیں یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں (اس لئے کہ یہ تو ان کی اتباع کرتے ہیں جو ان سے کسی چیز کا وعدہ کر لیتے ہیں نہ کہ اپنے منعم حقیقی کی۔

تحقیق وترکیب:............ کلاً ضربنا میں کلاً منصوب ہے فعل محذوف کی بناء پر فعل محذوف خوفنا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ ہم نے سمجھانے بجھانے کی لاکھ کوششیں کیں مگر وہ راہ راست پر نہیں آئے۔ پھر ہم نے بھی انہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔

مطرا لسوء. مفعول ثانی ہے اصل عبارت یہ ہے کہ **امطرت القوم مطر السوء** یعنی قوم پر بدترین بارش برسی۔

مـن اضـل سبیلاً. مـن استفہامیہ مبتداء ہے اضـل اس کی خبر ہے۔ سبیلاً تمیز ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ پھر یہ جملہ محلاً منصوب ہے **یعلمون** کے دو مفعول کے قائم مقام ہونے کی بناء پر۔

مـن اتـخـذ الٰھـہ ھـواہ. یہاں مفعول ثانی کو مقدم کیا گیا۔ ایک ترکیب میں تقدیم وتاخیر نہیں ہے۔ کیونکہ معرفہ ہونے

میں دونوں برابر ہیں۔ابو سعود نے لکھا ہے کہ الٰـہ اتخذ کا مفعول ثانی ہے جسے مفعول پر بربنائے اہتمام مقدم کردیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی خواہشات کو اپنا امام بنالیا اور قطعی دلائل بھی نظرانداز کردیئے۔

الا ھزواً ۔ یہ مصدر ہے معنی میں مفعول کے اور اس کا متعلق محذوف ہے۔

﴿ تشریح ﴾:.............ان آیات میں خدا تعالیٰ مشرکین اور آنحضور ﷺ کے مخالفین کو اپنے عذاب سے ڈرا رہے ہیں کہ جس طرح تم سے پہلے جن لوگوں نے انبیاءؑ کی تکذیب کی اور ان کی مخالفت کی، انہیں تباہ وبرباد کردیا گیا۔ چنانچہ قوم فرعون کی غرقابی مشہور واقعہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہارون علیہ السلام کو ان کے طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔ لیکن انہوں نے ان کے ساتھ برا معاملہ کیا۔ جس کے نتیجہ میں ہلاک کردیئے گئے۔ قوم نوحؑ کو دیکھو۔ انہوں نے بھی نبی کو جھٹلایا۔ جس کی وجہ سے تہس نہس کردیئے گئے۔ اسی طرح قوم عاد وثمود واصحاب الرس وغیرہ بھی اسی جرم میں ہلاک کئے گئے۔ قوم نوح کے ساتھ رسل کا صیغہ لایا گیا۔ حالانکہ ان میں حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا۔

تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ کیونکہ حضرت نوحؑ اپنی قوم کے درمیان بہت لمبی مدت تک قیام پزیر رہے اس لئے انہیں گویا کہ کئی رسول کے قائم مقام تصور کیا گیا اور جمع کا صیغہ استعمال ہوا۔

دوسرا جواب کسی ایک نبی کو جھٹلانا گویا تمام انبیاءؑ کی تکذیب کے ہم معنی ہے۔ اس وجہ سے جمع لایا گیا۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لوگ سلسلہ نبوت ہی کے منکر ہوں۔ جیسا کہ امام رازیؒ اور بعض دوسرے مفسرینؒ کی رائے ہے اور اصحاب رس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ لیکن محققین کی تحقیق کے مطابق ایک شہر یمامہ کے علاقہ میں تھا اور یہاں قوم ثمود کا کوئی قبیلہ آباد تھا۔ بہرکیف اور بھی بہت سی امتیں آئیں جو اس جرم میں ہلاک کردی گئیں اور ہم نے ان سب کے سامنے دلیلیں پیش کردی تھیں۔ معجزے دکھا دیئے تھے، مگر اس کے باوجود بھی جب یہ لوگ ایمان نہ لائے تو ہلاک کردیئے گئے۔

پھر ارشاد ہوا کہ یہ منکرین شام کے علاقہ سے گزرتے رہتے ہیں جہاں قوم لوط وغیرہ کی بستیوں کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، جن پر آسمان سے پتھر برسائے گئے۔ جس کے نتیجہ میں ساری آبادی ہلاک ہوکر رہ گئی اور ان کی بستیاں کھنڈر و ویران بن گئیں۔ گویا کہ خدائی قانون سے بغاوت وسرکشی کرنے والی قوموں کی عبرتناک سزائیں اور بربادیاں ان کے علم میں ہیں اور ان کے کھنڈرات اور مٹے ہوئے آثار ان کی نظروں کے سامنے ہیں۔ مگر اس کے باوجود یہ لوگ عبرت حاصل نہیں کرتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اس کا یقین ہی نہیں کہ عمل کی جزا اور سزا ملنے والی ہے۔

پیغمبر سے استہزاء:............ یہ کفار آنحضور ﷺ کا مذاق اڑاتے اور عیب جوئی کرتے۔ استہزاءً کہتے کہ اگر رسالت کوئی چیز ہے تو رسول کسی بڑے اور معزز شخص کو ہونا چاہئے تھا نہ کہ ایک معمولی آدمی کو۔ اور یہ کہ وہ تو اچھا ہوا کہ ہم استقامت کے ساتھ اپنے قدیم طرز پر جمے رہے، ورنہ اس نے تو ہمیں بہکانے میں کوئی کسر ہی نہیں چھوڑی تھی۔ اور اس شخص میں اس غضب کی جادو بیانی ہے کہ اس نے اکھاڑ ہی دیا ہوتا۔ جواب ملا کہ انہیں عنقریب معلوم ہوجائے گا کہ گمراہی میں مبتلا کون تھے؟ عذاب کو دیکھتے ہی ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

کہا گیا ان کی گمراہی کی بنیاد کوئی واقعی اور حقیقی شکوک وشبہات تو ہے نہیں۔ یہ تو محض خواہش پرستی پر مبتلا ہیں اور آپ ان پر مسلط کرکے تو بھیجے نہیں گئے ہیں۔ پھر آپ ان کی راہ روی پر کیوں غم کرتے ہیں۔

پھران کی بے حسی کو چوپایوں سے تشبیہ دی گئی اور کہا گیا کہ چوپائے تو مکلّف بھی نہیں ہیں اور یہ مکلّف ہوتے ہوئے چوپایوں سے بھی بدترین ہیں۔ دلائل ومعجزات کے بعد بھی نہ حق بات سنتے ہیں اور نہ فہم سے کام لیتے ہیں۔ نہ خدا کی وحدانیت اور نہ رسول ﷺ کی رسالت کو مانتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ تَنْظُرَ **اِلٰى** فِعْلِ **رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ** ج مِنْ وَقْتِ الْاِسْفَارِ اِلٰى وَقْتِ طُلُوْعِ الشَّمْسِ **وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا** ج مُقِيْمًا لَايَزُوْلُ بِطُلُوْعِ الشَّمْسِ **ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ** اَيِ الظِّلِّ **دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾** فَلَوْلَا الشَّمْسُ مَاعُرِفَ الظِّلُّ **ثُمَّ قَبَضْنٰهُ** اَيِ الظِّلَّ الْمَمْدُوْدَ **اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾** خَفِيًّا بِطُلُوْعِ الشَّمْسِ **وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا** سَاتِرًا كَاللِّبَاسِ **وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا** رَاحَةً لِلْاَبْدَانِ بِقَطْعِ الْاَعْمَالِ **وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾** مَنْشُوْرًا فِيْهِ لِاِبْتِغَاءِ الرِّزْقِ وَغَيْرِهٖ **وَهُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ** وَفِىْ قِرَاءَةٍ اَلرِّيْحَ **بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ** اَىْ مُتَفَرِّقَةً قُدَّامَ الْمَطَرِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِ الشِّيْنِ تَخْفِيْفًا وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِهَا وَفَتْحِ النُّوْنِ مَصْدَرٌ وَفِىْ اُخْرىٰ بِسُكُوْنِهَا وَضَمِّ الْمُوَحَّدَةِ بَدَلَ النُّوْنِ اَىْ مُبَشِّرَاتٍ وَمُفْرَدُ الْاُوْلىٰ نَشُوْرٌ كَرَسُوْلٍ وَالْاٰخِيْرَةُ بَشِيْرٌ **وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾** مُطَهِّرًا **لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا** بِالتَّخْفِيْفِ يَسْتَوِىْ فِيْهِ الْمُذَكَّرُ وَالْمُؤَنَّثُ ذَكَرَهٗ بِاعْتِبَارِ الْمَكَانِ **وَّنُسْقِيَهٗ** اَيِ الْمَاءِ **مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا** اِبِلًا وَبَقَرًا وَغَنَمًا **وَّاَنَاسِىَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾** جَمْعُ اِنْسَانٍ وَاَصْلُهٗ اَنَاسِيْنُ فَاُبْدِلَتِ النُّوْنُ يَاءً وَاُدْغِمَتْ فِيْهَا الْيَاءُ اَوْ جَمْعُ اِنْسِىٍّ **وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ** اَيِ الْمَاءَ **بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا** اَصْلُهٗ يَتَذَكَّرُوْا اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِى الذَّالِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ لِيَذْكُرُوْا بِسُكُوْنِ الذَّالِ وَضَمِّ الْكَافِ اَىْ نِعْمَةَ اللّٰهِ بِهٖ **فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾** جُحُوْدًا لِلنِّعْمَةِ حَيْثُ قَالُوْا مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا **وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾** يُخَوِّفُ اَهْلَهَا وَلٰكِنْ بَعَثْنَاكَ اِلٰى اَهْلِ الْقُرٰى كُلِّهَا نَذِيْرًا لِيَعْظُمَ اَجْرُكَ **فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ** فِىْ هَوَاهُمْ **وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ** اَيِ الْقُرْاٰنِ **جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾ وَهُوَ الَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ** اَرْسَلَهُمَا مُتَجَاوِرَيْنِ **هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ** شَدِيْدُ الْعُذُوْبَةِ **وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ** ج شَدِيْدُ الْمُلُوْحَةِ **وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا** حَاجِزًا لَايَخْتَلِطُ اَحَدُهُمَا بِالْاٰخَرِ **وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾** اَىْ سِتْرًا مَمْنُوْعًا بِهٖ اِخْتِلَاطُهُمَا **وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا** مِنَ الْمَنِىِّ اِنْسَانًا **فَجَعَلَهٗ نَسَبًا** ذَا نَسَبٍ **وَّصِهْرًا** ط بِاَنْ يَّتَزَوَّجَ ذَكَرًا كَانَ اَوْ اُنْثٰى طَلَبًا لِلتَّنَاسُلِ **وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾** قَادِرًا عَلٰى مَا يَشَاءُ **وَيَعْبُدُوْنَ** اَيِ الْكُفَّارُ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُهُمْ** بِعِبَادَتِهٖ **وَلَا يَضُرُّهُمْ** ط بِتَرْكِهَا وَهُوَ الْاَصْنَامُ **وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾** مُعِيْنًا لِلشَّيْطَانِ بِطَاعَتِهٖ **وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا** بِالْجَنَّةِ **وَّنَذِيْرًا ﴿۵۶﴾** مُخَوِّفًا مِنَ النَّارِ **قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ**

عَلَيْهِ اَیْ عَلٰی تَبْلِيْغِ مَا اُرْسِلْتُ بِهٖ **مِنْ اَجْرٍ اِلَّا** لٰكِنْ **مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا** ﴿۵۷﴾ طَرِيْقًا بِاِنْفَاقِ مَالٍ فِيْ مَرْضَاتِهٖ تَعَالٰى فَلَا اَمْنَعُهٗ مِنْ ذٰلِكَ **وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ** مُتَلَبِّسًا **بِحَمْدِهٖ** اَیْ قُلْ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ **وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا** ﴿۵۸﴾ عَالِمًا تَعَلَّقَ بِهٖ بِذُنُوْبِ هُوَ نِ **الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ** مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا اَیْ فِيْ قَدْرِهَا لِاَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ ثَمَّ شَمْسٌ وَلَوْ شَاءَ لَخَلَقَهُنَّ فِيْ لَمْحَةٍ وَالْعُدُوْلُ عَنْهُ لِتَعْلِيْمِ خَلْقِهِ التَّثَبُّتَ **ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ** هُوَ فِي اللُّغَةِ سَرِيْرُ الْمَلِكِ **اَلرَّحْمٰنُ** بَدَلٌ مِنْ ضَمِيْرِ اسْتَوٰى اَیْ اِسْتِوَاءً يَلِيْقُ بِهٖ **فَسْئَلْ** اَيُّهَا الْاِنْسَانُ **بِهٖ** بِالرَّحْمٰنِ **خَبِيْرًا** ﴿۵۹﴾ يُخْبِرُكَ بِصِفَاتِهٖ **وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ** لِكُفَّارِ مَكَّةَ **اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا** بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّةِ وَالْاٰمِرُ مُحَمَّدٌ وَلَا نَعْرِفُهٗ لَا **وَزَادَهُمْ** هٰذَا الْقَوْلُ لَهُمْ **نُفُوْرًا** ﴿۶۰﴾ عَنِ الْاِيْمَانِ

ترجمہ:............ کیا تو نے اپنے پروردگار (کے کام) پر نظر نہیں کی کہ اس نے سایہ کو کیونکر پھیلا دیا اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حالت پر ٹھہرایا ہوا رکھتا (اور یہ سایہ طلوع آفتاب کے نتیجہ میں غائب نہ ہوا کرتا) پھر ہم نے آفتاب کو اس (سایہ کی درازی اور کمی) پر ایک علامت مقرر کر دیا۔ (پس اگر یہ آفتاب نہ ہوتا تو سایہ کی معرفت مشکل ہوتی) پھر ہم نے اس (سایہ کی درازی) کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا (سورج کو روشن کر کے) اور وہی تو ہے جس نے تمہاری لئے رات کو پردہ کی چیز اور نیند کو (کام کاج کا سلسلہ منقطع کرا کے) آرام کی چیز بنا دیا اور دن کو گویا جی اٹھنے کا وقت بنا دیا (تا کہ حصول معاش کر سکو) اور وہی ہے جو اپنی بارش رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیج دیتا ہے کہ وہ (بارش کی امید لا کر) خوش کر دیتی ہیں (الرياح ایک قرأت میں الريح ہے۔بشراً میں ایک قرأت باء اورشین کے ضمہ کے ساتھ ہے۔دوسری قرأت شین کے سکون کے ساتھ ہے اور ایک قرأت شین کے سکون اور نون کے فتحہ کا ہے۔یعنی نشـراً ہے) اور ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں، خوب پاک وصاف کرنے والا تا کہ اس کے ذریعہ ہم مردہ بستی میں جان ڈال دیں (یہاں یہ اعتراض واقع ہوتا ہے کہ بلدة جو کہ موصوف ہے تو صفت میتا کو بھی مؤنث لانا چاہئے تھا۔اس کا جواب دیا گیا کہ اس میں مذکر ومؤنث دونوں برابر ہیں اور میتاً کو مذکر باعتبار بلـدة کے مکانیت کے استعمال کیا گیا) اور اپنی مخلوقات میں سے بہت مویشیوں اور بہت سے انسانوں کو سیراب کر دیں۔

(اناسی جمع ہے انسان کی اصل ان کی اناسین ہے۔نون کو یا سے بدل دیا گیا اور اس کو پہلے یا میں مدغم کر دیا گیا) اور ہم پانی کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں۔

ليذكروا کی اصل يتذكروا ہے تا کو ذال میں ادغام کر دیا گیا اور ایک قرأت میں ليذكروا ذال کے سکون اور کاف کے ضمہ کے ساتھ ہے) سو (چاہئے تھا کہ اس نعمت کا حق ادا کرتے۔لیکن) اکثر لوگ ناشکر گزار ہوئے بغیر نہیں رہتے (اس نعمت کا انکار کر کے اور کہتے ہیں کہ بارش پچھتر کی وجہ سے ہوئی) اگر ہم چاہتے تو آپ کے علاوہ ہر بستی میں ایک ایک ڈرانے والا بھیج دیتے (تا کہ وہ وہاں کے باشندوں کو ڈرائے۔لیکن ہم نے آپ ہی کو ساری بستی والوں کے لئے بھیجا۔تا کہ آپ کے اجر میں اضافہ

کردیں) سو آپ کافروں کا کہا نہ مانیئے اور (قرآن کے ذریعہ سے) ان کا مقابلہ زور وشور سے کیجئے اور وہی اللہ ہے جس نے دو دریاؤں کو ملایا (اور دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر بہایا) جن میں ایک (کا پانی) شیریں، تسکین بخش ہے۔ اور ایک (کا پانی) کھارا اور تلخ ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان (اپنی قدرت سے) ایک حجاب اور ایک مانع قوی رکھ دیا ہے (جس سے کہ وہ ایک ساتھ چلنے کے باوجود ایک دوسرے سے ملتے نہیں) اور وہ وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا (یعنی انسان منی سے جو کہ خود پانی ہی ہے) پھر اسے خاندان والا اور سسرال والا بنایا (اس طرح پر کہ مرد ہو یا عورت وہ ایک دوسرے سے افزائش نسل کے لئے شادیاں کرتے ہیں) اور آپ کا پروردگار بڑا قدرت والا ہے (وہ ہر چیز پر قادر ہے) اور (اس کے باوجود یہ مشرک) اللہ کے مقابلہ میں انکی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ نفع پہنچا سکیں (عبادت کرنے پر) اور نہ انہیں نقصان پہنچا سکیں (ترک عبادت پر) اور کافر تو اپنے پروردگار کا مخالف ہی ہے (اور شیطان کا معین و مددگار بنا ہوا ہے بتوں کی پرستش کر کے) اور ہم نے تو آپ کو صرف اس لئے بھیجا ہے (کہ اہل ایمان کو جنت کی) خوشخبری سنائیں اور (کافروں کو جہنم سے) ڈرائیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ تو مانگتا نہیں۔ ہاں (یہ البتہ چاہتا ہوں کہ) جو کوئی چاہے اپنے پروردگار تک راستہ اختیار کرلے (انفاق فی سبیل اللہ کر کے) اور آپ بھروسہ اسی زندگی پر رکھئے جسے کبھی موت نہیں اور اسی کی تسبیح وتحمید میں لگے رہئے اور اپنے بندوں کے گناہوں سے خوب خبردار ہے (بذنوب متعلق ہے خبیراً کے) وہ وہی ہے جس نے آسمان وزمین اور جو کچھ دونوں کے درمیان ہے اسے پیدا کردیا۔ چھ دنوں میں (یعنی چھ روز کی مقدار میں پیدا کردیا۔ یہ جواب ہے اس اعتراض کا کہ دن اور رات کا تو اس وقت وجود ہی نہیں تھا۔ پھر یہ چھ دن کس طرح کہہ دیا گیا؟ اور اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو ان چیزوں کو ایک لمحہ میں پیدا کرسکتا تھا۔ مگر اس ترتیب سے مقصد مخلوق کو تدریج کی تعلیم دینا ہے) پھر وہ تخت (شاہی) پر قائم ہوگیا۔ وہی ہے خدائے رحمٰن سو (اے انسان) اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھنا چاہئے (جو اس کی صفات سے واقف ہے) اور جب ان (کفار مکہ) سے کہا جاتا ہے کہ خدائے رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن ہے کیا چیز؟ کیا ہم اسے سجدہ کرنے لگیں گے جس کے لئے تم ہمیں حکم دو گے (اے محمد ﷺ حالانکہ ہم اسے جانتے بھی نہیں۔ تامر . تا اور یا دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے) اور انہیں اور زیادہ نفرت ہوگئی ہے (ایمان سے)۔

تحقیق وترکیب: ....**الم تر الی ربك**. خدا تعالیٰ نے اپنی وحدانیت پر ان آیات میں محسوسات سے پانچ دلائل قائم کئے ہیں۔ پہلی دلیل تو یہی کہ سایہ کو گھٹاتے اور بڑھاتے ہیں۔ دوسری دلیل یہ کہ رات کو تمہارے لئے ایک تاریک پردہ بنادیا۔ تیسری دلیل یہ کہ باران رحمت سے پہلے خوشگوار ہوائیں چلاتے ہیں۔ چوتھی یہ کہ میٹھا اور شور پانی ایک دوسرے سے قریب چلتے ہیں۔ پھر ایک دوسرے پر اثر انداز نہیں اور پانچویں یہ کہ ایک قطرہ سے تخلیق انسان کی۔ ان دلائل پر اگر کوئی غور کرے گا تو اسے خدا تعالیٰ کی وحدت اور کمال قدرت واضح طور پر معلوم ہوجائے گی۔

بشــراً بیــن یــدی. بــا اور شین کے ضمہ کے ساتھ۔ ابوعمرؒ اور ابن کثیرؒ کی یہی قرأت ہے اور ابن عامرؒ کی قرأت کے مطابق سکون شین کے ساتھ ہے اور حمزہ کی قرأت کے مطابق سکون شین اور نون کا فتحہ مصدر ہے اور عاصم کے یہاں باکا ضمہ نون کے عوض ہے۔ عاصمؒ کی قرأت میں یہ بشور کی جمع ہے جو معنی میں مبشــر کے ہے۔ امام رازیؒ نے ابومسلم اصفہانیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ بشراً جمع بشیر کی ہے۔

اناسی کثیراً. یہ اصل میں اناسین تھا۔ جیسا کہ سراجین. سیبویہؒ کی یہی تحقیق ہے اور اسی کو راجح قرار دیا گیا ہے۔ فرا اسے انسی کی جمع بتاتے ہیں۔ اگرچہ فراءؒ کے مذہب پر بعض اشکالات ہیں۔ کیونکہ انسی کی جمع اناسی نہیں آتی۔

اسجدوا للرحمٰن. الرحمن مرفوع ہے الذی خلق مبتداء کی خبر ہونے کی بناء پر یا مبتدا محذوف ہے۔ یعنی هو الرحمن اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ بدل ہو اس ضمیر سے جو استوی میں ہے اور اگر اسے مبتداء بنالیں تو فسئل به خبیراً پورا جملہ اس کی خبر ہو جائے گا۔

فسئل به خبیراً. یہ صلہ ہے جیسا کہ سئل سائل بعذاب واقع صلہ ہے یا صلہ صرف خبیر ہے یا خبیر سل کا مفعول بہ ہے۔

رحمٰن. خدا تعالیٰ کا وہ نام ہے جس کا سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی تذکرہ آچکا ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا گیا۔ اس رحمٰن کے بارے میں ان لوگوں سے پوچھئے جو سابقہ آسمانی کتاب کا علم رکھتے ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: ....اب خدا تعالیٰ کی قدرت کے دلائل بیان کئے جا رہے ہیں۔ ارشاد ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد چیزوں کے سایہ کا بڑھنا اور دوپہر کے وقت گھٹ جانا اور پھر بڑھتے بڑھتے شام تک معدوم ہو جانا۔ یہ سب امور خدا تعالیٰ کی قدرت پر موقوف ہے۔ یہ کوئی خود بخود نہیں ہو رہا ہے اور اس کا دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ متضاد چیزوں کو پیدا کر رہا ہے۔ صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک سایہ رہتا ہے اور پھر طلوع آفتاب پر سایہ ختم ہو کر دھوپ نکل آتی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ دھوپ کو ختم کر کے پھر سایہ کر دیتا ہے۔ یہ انقلاب تیزی سے ہوتا رہتا ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو اسے ایک ہی حالت پر باقی رکھتا۔ جیسے ارشاد ہے کہ اگر وہ رات ہی رات رکھے تو کوئی دن نہیں کر سکتا اور اگر دن ہی دن رکھے تو کوئی رات نہیں لا سکتا۔ لیکن خدا تعالیٰ ہر چیز کی ضد پیدا کرتا ہے تاکہ وہ چیز پہچان میں آسکے۔ اسی طرح اگر سورج نہ نکلتا تو سایہ کا حال معلوم نہ ہوگا اور نہ اس کی قدر ہوتی۔ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ پہلے سایہ پھر اس کے بعد دھوپ اور پھر دھوپ اور پھر اس کے بعد سایہ۔ یہ سب کا سب قدرت کا انتظام ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ اسی نے رات کو تمہارے لئے لباس بنایا اور حقیقت یہ ہے کہ رات کی تاریکی میں انسان جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کسی کو کچھ پتہ نہیں چلتا۔ یہاں بھی خدا تعالیٰ کی توحید و یکتائی کا بیان ہے کہ اس نے بغیر کسی کی شرکت کے کسی خاص مقصد و مصلحت کے لئے دن اور رات بنائے اور پھر اسی نے نیند کو راحت و سکون کا ذریعہ بنادیا۔ دن بھر کے کام کاج سے جو تھکن ہوگئی تھی وہ اس آرام سے ختم ہو جاتی ہے اور نیند کا باعث تفریح و تازگی ہونا خود ایک طبی حقیقت ہے۔ اسی کو کہا گیا کہ اس نے اپنی رحمت سے دن اور رات مقرر کئے تاکہ سکون و راحت بھی حاصل کرلو اور پھر دن کے اوقات میں فکر معاش میں لگ سکو۔

خدا تعالیٰ کی ایک تیسری قدرت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ بارش سے پہلے بارش کی خوشخبری دینے والی ہوائیں چلاتا ہے۔ ان ہواؤں میں بھی بہت سے خواص ہیں۔ بعض بادلوں کو منتشر کر دیتی ہیں۔ بعض انہیں اٹھاتی ہیں۔ بعض انہیں لے چلتی ہیں اور بعض بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں اور پھر آسمان سے پاک وصاف پانی برساتے ہیں۔ پھر فرمایا گیا کہ اسی پانی سے ہم بنجر اور غیر آباد زمین کو زندہ کر دیتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں وہ لہلہانے لگتی ہے اور تر و تازہ ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ پانی انسانوں اور حیوانوں کے پینے میں بھی کام آتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ میری یہ قدرت بھی دیکھو کہ گھٹا زوروں کی آئی ہے مگر بارش نہیں برستی۔ خدا تعالیٰ جہاں چاہتا ہے برساتا ہے اور جہاں چاہتا ہے نہیں برساتا۔ یہ سارے تصرفات اور پھر انسانوں کے درمیان پانی کی حسب مصلحت تقسیم کسی قادر مطلق ہی کی ہوسکتی ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ان دلائل و شواہد کو دیکھ کر خدا تعالیٰ پر ایمان لاتے اور اس کی ان نعمتوں کا حق ادا کرتے لیکن، یہ لوگ ناشکرے ہیں اور سب سے بڑی ناشکری تو کفر و شرک ہے۔

مصلحت اور دلیل قدرت: .... پھر ارشاد ہوا کہ اگر میں چاہتا تو ہر ہر بستی میں ایک نبی بھیج دیتا اور تنہا آپ پر اتنا بار نہ ڈالتا۔ لیکن ہماری مشیت اس کی مقتضی نہیں۔ ہم تو دنیا کی اصلاح کا کام آپ ہی کے ذریعہ چاہتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا کہ کافر تو یہ چاہتے ہیں کہ ان کی آزادی میں کوئی فرق نہ آنے پائے اور آپ ﷺ تبلیغ کے کام میں سست پڑ جائیں تو کہیں آپ ﷺ ان کے کہنے میں نہ آ جائیں۔ بلکہ آپ ﷺ قرآن کے بیان کئے ہوئے دلائل کے ساتھ اپنی تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھیں۔

نیز یہ بھی خدا تعالیٰ ہی کی قدرت ہے کہ اس نے ایک ہی ساتھ میٹھا اور کھارا پانی جاری کر دیا۔ دونوں ایک ساتھ چلنے کے باوجود ایک دوسرے سے ملتے نہیں۔ حالانکہ اوپر سے دونوں کی سطح ایک معلوم ہوتی ہے۔ لیکن قدرت الٰہی نے اس میں ایک ایسی حد فاصل رکھی ہے کہ ایک جانب سے پانی جائے تو شیریں ہے اور دوسری جانب سے لیا جائے تو تلخ۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے حاشیہ ترجمۃ القرآن کے بیان کردہ تفصیلات کے مطابق دو دریاؤں کے درمیان اس اختلاط کا مشاہدہ متعدد مقامات پر کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ہندوستان کے مشرقی سرحد پر اراکان اور چاٹگام کے درمیان، اسی طرح ضلع باریسال موجودہ بنگلہ دیش میں بھی دو ندیاں ایک دوسرے سے متصل اس قسم کی بیان کی گئی ہیں۔

اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں پانی کے دو ذخیرے ہیں۔ ایک سمندری پانی جو کہ کھارا اور بدمزہ ہوتا ہے، دوسرا پانی جو دریا، جھیل، چشموں اور کنوؤں وغیرہ میں ملتا ہے۔ جو کہ شیریں اور خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ تو دونوں پانی ایک قسم کے ہونے کے باوجود الگ الگ خصوصیات پر قائم رہتے ہیں۔

نیز اسی قادر مطلق نے انسان کو ایک معمولی نطفہ سے پیدا کیا اور پھر کچھ نسبی رشتہ دار پیدا کر دیئے اور کچھ سسرالی رشتہ دار اور اس میں عقد و مناکحت کے نتیجہ میں دور دراز کے دو خاندانوں کے درمیان تعلقات قائم کر دیئے۔ خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی قدرتیں سب کے سامنے ہیں۔ مگر اس کے باوجود یہ مشرکین بت پرستی میں لگے ہوئے ہیں جو انہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ ان مشرکین کو تو خدا اور اس کے رسول سے کچھ دشمنی سی ہے۔ اس لئے آپ ان کا فکر کیوں کرتے ہیں اور ان کے ایمان و ہدایت کی پرواہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ ﷺ کا کام تو صرف اطاعت گزاروں کو جنت کی خوشخبری دینا اور نافرمانوں کو جہنم کے عذاب سے ڈرانا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی کوئی ذمہ داری ہی نہیں۔ ویسے آپ ﷺ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میں اپنی تبلیغ اور اپنے وعظ کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا ہوں، بلکہ میرا مقصد تو صرف اتنا ہے کہ تم میں سے جو کوئی راہ راست پر آنا چاہے اسے صحیح راستے کی رہنمائی کر دوں۔

اس کے بعد آنحضور ﷺ کو مخاطب کیا گیا کہ آپ ﷺ تمام کاموں میں خدا تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے جو حی و قیوم ہے اور تمام چیزوں کا مالک ہے۔ اپنی تمام پریشانیوں میں اسی کی طرف رجوع کیجئے۔ وہی ناصر و مددگار ہے اور اپنے بندوں کے تمام اعمال سے واقف ہے۔ وہ خود ہی جب مناسب سمجھے گا ان مخالفین کو پوری سزا دے دے گا۔ خدا تعالیٰ تمام چیزوں کا مالک ہے۔ وہی ہر جاندار کا روزی رساں ہے۔ اس نے اپنی قدرت سے آسمان و زمین جیسی عظیم مخلوق کو صرف چھ دن میں پیدا کر دیا اور پھر تخت حکومت پر خود تخت نشین ہو گیا۔

ارشاد ہوا کہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کی شان و شوکت تو ان لوگوں سے معلوم کی جائے جو اس کی حقیقت سے واقف ہیں۔ یہ کفار و مشرکین خدا تعالیٰ کی رحمت کی کیا قدر جانیں۔ ان مشرکین نے تو اپنے دیوی دیوتاؤں کو ہوا بنا رکھا ہے۔ ان کا کام تو ان سے ڈرنا اور خوف کھانا ہے۔ صفت رحمانیت کا مظہر ہونا ان کی سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ کہا کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ کو تو ہم بھی معبود کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ لیکن یہ رحمٰن کیا بلا ہے۔ کیا یہ کوئی دوسرا خدا ہے۔ بہرکیف یہ مشرکین بجائے اسلام سے قریب ہونے کے اور دور ہوتے چلے گئے۔

قَالَ تَعَالٰی **تَبٰرَكَ** تَعَظَّمَ **الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا** اِثْنَیْ عَشَرَ الْحَمَلَ وَالثَّوْرَ وَالْجَوْزَاءَ وَالسَّرَطَانَ وَالْاَسَدَ وَالسُّنْبُلَةَ وَالْمِیْزَانَ وَالْعَقْرَبَ وَالْقَوْسَ وَالْجَدِیَّ وَالدَّلْوَ وَالْحُوْتَ وَهِیَ مَنَازِلُ الْكَوَاكِبِ السَّبْعَةِ السَّیَّارَةِ الْمِرِّیْخِ وَلَهُ الْحَمَلُ وَالْعَقْرَبُ وَالزُّهْرَةُ وَلَهَا الثَّوْرُ وَالْمِیْزَانُ وَعُطَارِدُ وَلَهُ الْجَوْزَاءُ وَالسُّنْبُلَةُ وَالْقَمَرُ وَلَهُ السَّرَطَانُ وَالشَّمْسُ وَلَهُ الْاَسَدُ وَالْمُشْتَرِیْ وَلَهُ الْقَوْسُ وَالْحُوْتُ وَزُحَلُ وَلَهُ الْجَدْیُ وَالدَّلْوُ **وَّجَعَلَ فِیْهَا** اَیْضًا **سِرٰجًا** هُوَ الشَّمْسُ **وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا** ﴿۶۱﴾ وَفِیْ قِرَاءَةٍ سُرُجًا بِالْجَمْعِ اَیْ نَیِّرَاتٍ وَخُصَّ الْقَمَرُ مِنْهَا بِالذِّكْرِ لِنَوْعِ فَضِیْلَةٍ **وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً** اَیْ یَخْلُفُ كُلٌّ مِنْهُمَا الْاٰخَرَ **لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ** بِالتَّشْدِیْدِ وَالتَّخْفِیْفِ كَمَا تَقَدَّمَ مَافَاتَهُ فِیْ اَحَدِهِمَا مِنْ خَیْرٍ فَیَفْعَلُهُ فِی الْاٰخَرِ **اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا** ﴿۶۲﴾ اَیْ شُكْرًا لِنِعْمَةِ رَبِّهِ عَلَیْهِ فِیْهِمَا **وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ** مُبْتَدَأٌ وَمَا بَعْدَهُ صِفَاتٌ لَهُ اِلٰی اُولٰٓئِكَ یُجْزَوْنَ غَیْرَ الْمُعْتَرِضِ فِیْهِ **الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا** اَیْ بِسَكِیْنَةٍ وَتَوَاضُعٍ **وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ** بِمَا یَكْرَهُوْنَهُ **قَالُوْا سَلٰمًا** ﴿۶۳﴾ اَیْ قَوْلًا یَسْلَمُوْنَ فِیْهِ مِنَ الْاِثْمِ **وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا** جَمْعُ سَاجِدٍ **وَّقِیَامًا** ﴿۶۴﴾ بِمَعْنٰی قَائِمِیْنَ اَیْ یُصَلُّوْنَ بِاللَّیْلِ **وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا** ﴿۶۵﴾ اَیْ لَازِمًا **اِنَّهَا سَآءَتْ** بِئْسَتْ **مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا** ﴿۶۶﴾ هِیَ اَیْ مَوْضِعُ اِسْتِقْرَارٍ وَاِقَامَةٍ **وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا** عَلٰی عِیَالِهِمْ **لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا** بِفَتْحِ اَوَّلِهِ وَضَمِّهِ اَیْ یُضَیِّقُوْا **وَكَانَ** اِنْفَاقُهُمْ **بَیْنَ ذٰلِكَ** الْاِسْرَافِ وَالْاِقْتَارِ **قَوَامًا** ﴿۶۷﴾ وَسَطًا **وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ** قَتْلَهَا **اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ** اَیْ وَاحِدًا مِنَ الثَّلٰثَةِ **یَلْقَ اَثَامًا** ﴿۶۸﴾ اَیْ عُقُوْبَةً **یُّضٰعَفْ** وَفِیْ قِرَاءَةٍ یُضَعَّفُ بِالتَّشْدِیْدِ **لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَیَخْلُدْ فِیْهِ** بِجَزْمِ الْفِعْلَیْنِ بَدَلًا وَبِرَفْعِهِمَا اِسْتِیْنَافًا **مُهَانًا** ﴿۶۹﴾ حَالٌ **اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا** مِنْهُمْ **فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ** الْمَذْكُوْرَةَ **حَسَنٰتٍ** فِی الْاٰخِرَةِ **وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا** ﴿۷۰﴾ اَیْ لَمْ یَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ **وَمَنْ تَابَ** مِنْ ذُنُوْبِهِ غَیْرَ مَنْ ذُكِرَ **وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَی اللّٰهِ مَتَابًا** ﴿۷۱﴾ اَیْ یَرْجِعُ اِلَیْهِ رُجُوْعًا فَیُجَازِیْهِ خَیْرًا **وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ** اَیِ الْكِذْبَ وَالْبَاطِلَ **وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ** مِنَ الْكَلَامِ الْقَبِیْحِ وَغَیْرِهِ **مَرُّوْا كِرَامًا** ﴿۷۲﴾ مُعْرِضِیْنَ عَنْهُ **وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا** وُعِظُوْا **بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ** اَیِ الْقُرْاٰنِ **لَمْ یَخِرُّوْا** یَسْقُطُوْا **عَلَیْهَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا** ﴿۷۳﴾ بَلْ خَرُّوْا سَامِعِیْنَ نَاظِرِیْنَ مُنْتَفِعِیْنَ **وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا**

هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا بِالْجَمْعِ وَالْاَفْرَادِ قُرَّةَ اَعْيُنٍ لَنَا بِاَنْ نَرَاهُمْ مُطِيْعِيْنَ لَكَ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ فِي الْخَيْرِ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ الدَّرَجَةَ فِي الْجَنَّةِ بِمَا صَبَرُوْا عَلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ وَيُلَقَّوْنَ بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ مَعَ فَتْحِ الْيَاءِ فِيْهَا فِي الْغُرْفَةِ تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ مَوْضَعُ اِقَامَةٍ لَهُمْ وَاُولٰٓئِكَ وَمَا بَعْدَهُ خَبَرُ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الْمُبْتَدَاءِ قُلْ يَا مُحَمَّدُ لِاَهْلِ مَكَّةَ مَا نَافِيَةٌ يَعْبَؤُا يَكْتَرِثُ بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ج اِيَّاهُ فِي الشَّدَائِدِ فَيَكْشِفُهَا فَقَدْ اَيْ فَكَيْفَ يَعْبَؤُبِكُمْ وَقَدْ كَذَّبْتُمْ الرَّسُوْلَ وَالْقُرْاٰنَ فَسَوْفَ يَكُوْنُ الْعَذَابُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾ ع مُلَازِمًا لَكُمْ فِي الْاٰخِرَةِ بَعْدَ مَايَحُلُّ بِكُمْ فِي الدُّنْيَا فَقُتِلَ مِنْهُمْ يَوْمَ بَدْرٍ سَبْعُوْنَ وَجَوَابُ لَوْلَا دَلَّ عَلَيْهِ مَاقَبْلَهَا

ترجمہ: .... (ارشاد باری تعالیٰ) بڑا عالی شان ہے وہ جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے (جن کی تعداد بارہ ہے اور وہ یہ ہیں حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت اور یہ بارہ ستارے گویا کہ قیامگاہ ہیں۔ ساتوں سیارہ ستاروں کے اور وہ اس طرح پر کہ مریخ کا قیام گاہ حمل اور عقرب ہے۔ زہرہ کا قیام گاہ ثور و میزان ہے۔ عطارد کا قیام گاہ جوزاء اور سنبلہ ہے، قمر کا قیام گاہ سرطان ہے۔ شمس کا قیام گاہ اسد، مشتری کا قیام گاہ قوس وحوت ہے اور زحل کا قیام گاہ جدی اور دلو ہے) اور اس (آسمان) میں ایک چراغ (یعنی سورج) اور نورانی چاند بنادیا (سراجاً ایک قرأت میں سرجاً ہے۔ جمع کے معنی میں یعنی روشن سیارے اور چاند کا تذکرہ خاص طور پر اس لئے کیا گیا کہ وہ زیادہ روشن ہے) اور وہ وہی تو ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنادیا (اس طرح پر کہ دن ختم ہوتے ہی رات اور رات ختم ہوتے ہی دن آجاتا ہے۔ یہ سارے دلائل) اس شخص کے لئے ہیں جو سمجھنا چاہے یا شکر ادا کرنا چاہے (یذکر میں دو قرأت ہے۔ ایک قرأت میں ذال اور کاف مشدد ہے اور دوسری قرأت میں ذال اور کاف بغیر تشدید کے۔ اس صورت میں ذال ساکن ہوگا اور کاف کو ضمہ ہوگا) اور خدائے رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں۔ (عبادالرحمٰن مبتداء ہے اور اس کے بعد کی آیتیں اولئک یجزون تک اس کی صفت ہیں۔ درمیان میں جملہ معترضہ مثلاً ان عذابها كان غراما اور ومن يفعل ذلك يلق اثاماً وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں) اور جب ان سے جہالت والے لوگ (ناپسندیدہ) باتیں کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ وقیام (یعنی نماز) میں لگے رہتے ہیں اور وہ جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھیو۔ بے شک اس کا عذاب پوری تباہی ہے اور بے شک وہ (جہنم) برا ٹھکانہ اور برا مقام ہے اور وہ لوگ جب (اپنے اہل وعیال پر) خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس (افراط وتفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص (کے قتل کرنے) کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے۔ ہاں مگر حق پر۔ اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص (ان تینوں میں سے کوئی) کام کرے گا تو اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل وخوار ہو کر رہے گا۔

یضٰعف ایک قرأت میں عین کے تشدید کے ساتھ ہے۔ یضعف اور یخلدون دونوں کو جزم پڑھیں تو بدل واقع ہوگا۔ یلق سے اور اگر ان دونوں کو رفع پڑھیں تو جملہ مستانفہ ہوگا) مگر ہاں (ان میں سے) جو توبہ کرلے ایمان لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ان کے (گذشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ تو بڑا مغفرت والا، بڑا رحمت والا ہے۔ (یعنی وہ تو

متصف ہی ہے صفت رحمت و مغفرت کے ساتھ) اور جو کوئی توبہ کرتا ہے (اس کے علاوہ دوسرے گناہوں سے بھی) اور نیک کام کرتا ہے تو وہ (بھی عذاب سے بچا رہے گا کیونکہ وہ) اللہ تعالیٰ کی طرف خاص رجوع کر رہا ہے۔ اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ بے ہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور جب وہ لغو مشغلوں (یعنی جہاں بیہودہ باتیں وغیرہ ہو رہی ہوں۔ اس) کے پاس سے گزرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ (اس سے منہ موڑے ہوئے) گزر جاتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے پروردگار کی آیت (یعنی قرآن) کے ذریعہ تو یہ ان پر اندھے، بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ یہ اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس سے نفع اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں) اور یہ وہ لوگ ہیں جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) عطا فرما (اس طرح پر کہ یہ آپ کے اطاعت گزار اور فرمانبردار ہوں۔ ذریتنا میں جمع اور واحد دونوں قرأت ہیں) اور ہم کو پرہیزگاروں کا سردار بنادے۔ ایسے لوگوں کو بالاخانے ملیں گے (جو جنت کا ایک درجہ ہے) بوجہ (اطاعت پر) ثابت قدم رہنے کے اور ان کو اس (جنت کے بالاخانے) میں (فرشتوں کی جانب سے) دعا وسلام ملے گا۔

(یلقون میں تشدید و تخفیف دونوں قرأت ہیں۔ تخفیف کی صورت میں یا کو فتحہ ہوگا) اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا اچھا ہے وہ ٹھکانہ اور مقام (جوان کے مقام کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ عبادالرحمن مبتداء ہے اور اولئک اور اس کے بعد کی آیتیں اس کی خبر ہیں) آپ ﷺ (اے محمد ﷺ کفار مکہ سے) کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار تمہاری پرواہ ذرا بھی نہیں کرے گا اگر تم عبادت نہ کرو گے۔ (اور اگر عبادت کرو گے تو وہ تمہاری پریشانیوں کو دور کردے گا) سوتم (کس طرح لاپرواہ و بے فکر ہو حالانکہ) خوب جھٹلا چکے (رسول اور قرآن کو) سو عنقریب (یہ تکذیب) وبال بن کر رہے گی (آخرت میں جب کہ دنیا میں بھی سزا مل گئی جیسا کہ جنگ بدر میں یہ لوگ مارے گئے۔ لولا کا جواب اس سے پہلے کا جملہ یعنی ما یعبؤ بکم ہے)

تحقیق وترکیب: .... فی السماء بروجاً. بروج برج کی جمع ہے۔ بلند مقام اور محل کو کہتے ہیں۔ یہ برج سات ستاروں کے لئے بطور محل ہیں۔ اس لئے انہیں بروج کہا گیا۔

خلفة. رات اور دن میں ان احوال کو گردش دیتے رہتے ہیں جوان کے مناسب ہے۔ یہ اصل میں **ذوالخلفة** تھا۔ کیفیت حالت کے نمایاں کرنے کے لئے ہے۔ جیسا کہ **جلسة** نشست کی کیفیت کو بیان کرتا ہے اور اگر قاموس کی اس تشریح کو سامنے رکھا جائے کہ یہ مختلفہ کے معنی میں ہے تو پھر کسی مضاف کی تقدیر کی بھی ضرورت نہیں رہے گی اور خلفة کو مفرد اس لئے استعمال کیا کہ مصدر کے وزن پر ہے۔

سجداً. یہ حال ہے اور لربھم سجداً کے متعلق ہے۔

ساء ت. یہ معنی میں احزنت کے ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں یہ مفعول کا صیغہ ہوگا اور ترجمہ ہوگا کہ جہنم جہنمیوں کے لئے موجب رنج ہوگی۔

لم یقتروا. لم یضیقوا. کے معنی میں ہے۔ یعنی خرچ واخراجات میں تنگی نہیں کرتے۔

فیہ مھاناً. یخلد اور یضٰعف دونوں مجزوم ہیں اور بدل واقع ہو رہے ہیں یلقٰی سے۔

لزاماً. یہ مصدر لازم ہے لیکن یہاں اسم فاعل کے معنی میں ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت دیکھو کہ اس نے آسمان میں برج بنائے۔ برج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں اور اس میں ایک چراغ یعنی سورج بنایا اور چاند بنایا جو منور اور روشن ہے اور دن رات کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنایا۔ یعنی دن جاتا ہے تو رات آتی ہے اور رات جاتی ہے تو دن آتا ہے۔ چاند اور سورج کا اپنے مقررہ وقت پر طلوع ہونا (اس طرح کہ نہ سورج چاند سے آگے بڑھ سکے اور نہ رات دن سے سبقت کرسکے۔ ان سب کا ایک نظام کے ماتحت ہونا یہ

سب کا سب اس خالق کی قدرت ہے اور اس کی صفت یکتائی پر ایک دلیل ہے۔ سمجھنے والوں کے لئے ہی استدلال کا کام دے سکتی ہے اور شکر ادا کرنے والوں کی نظر میں انعامات ہیں۔

مکارم اخلاق اور پاکیزہ خصلتیں:............ اس کے بعد خدا تعالیٰ کے مطیع وفرمانبردار بندوں کے اوصاف بیان کئے جاتے ہیں کہ یہ لوگ بجائے فخر وغرور کو جو جاہلیت اور جاہل قوموں کا شعار ہے۔ وہ زمین پر سکون اور وقار کے ساتھ تواضع اور فروتنی اختیار کر کے چلتے پھرتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ بیماروں اور کمزوروں جیسی چال چلی جائے۔ بلکہ اسے تو سلف صالحین نے مکروہ قرار دیا ہے اور حضرت فاروق اعظم ؓ نے جیسا کہ ایک نوجوان کو دیکھا کہ وہ آہستہ آہستہ چل رہا ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم بیمار ہو۔ اس نے کہا، نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر یہ کیا چال ہے۔ خبردار آئندہ اس طرح کبھی نہ چلنا ورنہ کوڑے لگیں گے۔

تو اپنی چال میں عاجزی اور فروتنی اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پروقار اور شریفانہ چال ہونی چاہئے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب نماز کے لئے آؤ تو دوڑو نہیں بلکہ وقار کے ساتھ آؤ جو حصہ جماعت کے ساتھ مل جائے ادا کرلو اور جتنی رکعتیں فوت ہو جائیں اسے بعد میں پوری کرلو۔

عبادالرحمٰن میں بندوں کی اضافت رحمٰن کی جانب ان کے اظہار فضیلت کے لئے ہے۔ ورنہ تو سارے ہی انسان خدا کے بندے ہیں۔ نیز ان حضرات کا جب جاہلوں سے واسطہ پڑتا ہے اور وہ لغو بے ہودہ باتیں کرتے ہیں تو جواب میں یہ بھی جہالت پر نہیں اتر آتے بلکہ درگزر سے کام لیتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ نہ صرف اپنے معاملات میں متواضع ہیں بلکہ دوسروں کے مقابلہ کے وقت بھی ضبط وتحمل سے کام لیتے ہیں اور خود کسی پر زیادتی کرنا تو دور کی بات، اگر دوسرے ان پر زیادتی کرنے لگیں جب بھی مشتعل ہوکر آمادہ جنگ نہیں ہوجاتے بلکہ صبر سے کام لیتے ہیں۔ سلاماً کے معنی خیر کے ہیں اور اردو محاورے میں یہ ایسے ہی موقع پر آتا ہے جہاں بات کو ختم کرنا اور درگزر کرنا مقصود ہو۔

ان کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ ان کی راتیں خدا تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت میں بسر ہوتی ہیں۔ کسی غلط کام میں ان کے اوقات ضائع نہیں ہوتے۔ اس درجہ طاعت وعبادت کے باوجود ان کی خشیت قلب کی کیفیت یہ رہتی ہے کہ ہر وقت اس کی دعا کرتے رہتے ہیں کہ خدایا جہنم سے دور رکھیو۔ وہ تو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

ان کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ خرچ واخراجات میں اعتدال ومیانہ روی سے کام لیتے ہیں۔ نہ تو اسراف ہی کرتے ہیں اور نہ بخل۔ یعنی نہ تو اپنے ضروری اخراجات اور طاعت وعبادت کے موقعہ پر خرچ کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں اور نہ افراط سے کام لے کر کسی غلط مصرف میں خرچ کرتے اور غیر ضروری کاموں میں لٹاتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جو افراط وتفریط سے بچتا ہے وہ کبھی فقیر محتاج نہیں ہوتا۔

خدا کے انہی برگزیدہ بندوں کے اوصاف چل رہے ہیں۔ ان کے اندر یہ بھی وصف ہے کہ اپنی توحید میں شرک کا کوئی شائبہ بھی نہیں آنے دیتے اور نہ بجز اس صورت کے کہ کسی کے قتل کے جواز پر کوئی شرعی سند مل جائے۔ ان کا دامن قتل وخونریزی سے پاک وصاف رہتا ہے۔ اس وصف کی قدر آپ کے اس وقت ہوگی جب آپ کے پیش نظر یہ بھی رہے کہ اہل عرب اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں قتل وخونریزی میں کس قدر بے باک تھے۔ بات بات پر تلواریں نکل آتیں اور گردنیں کٹ جاتی تھیں۔

حدیث کی مشہور کتاب بخاری ومسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا کہ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ خدا کے ساتھ شرک کرنا۔ حالانکہ اسی نے سب کو پیدا کیا۔ انہوں نے کہا اس سے کم۔ آپ نے فرمایا۔ تمہارا اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالنا کہ تم اسے کہاں سے کھلاؤ گے۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ نے پوچھا اس کے بعد؟ آپ نے جواب دیا تمہارا اپنے پڑوس کی عورت سے زنا کرنا۔ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ پڑوس کی عورت سے زنا کرنا دس عورتوں سے زنا کرنے سے بھی بدتر ہے۔

مگر اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ پڑوس کے علاوہ دوسری عورتوں سے زنا کرنا ہلکے درجہ کا گناہ ہے۔ نہیں۔ چونکہ پڑوس کی عورت کے ساتھ بمقابلہ دوسری عورتوں کے زنا کے امکانات زیادہ ہیں۔ کیونکہ وہ قریب رہتی ہے۔ اس وجہ سے آپ نے بتاکید اس سے روک دیا اور اس کے بارے میں سخت سے سخت وعید کا ذکر فرمایا۔

ارشاد ہوا کہ جو ان مذکورہ اعمال یعنی شرک، قتل، زنا وغیرہ کو کرے گا انہیں سخت سے سخت عذاب دیا جائے گا۔ ویسے یہاں عذاب کے ساتھ زیادتی عذاب و دوام عذاب کی قیدوں سے مقصود کفار و مشرکین ہی معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ گناہگار مومن پر اگر عذاب ہوگا بھی تو اصلاح تطہیر کی غرض سے ہوگا۔ مگر اس سزا سے وہ بچ جائیں گے جو دنیا ہی میں اس سے توبہ کرلیں۔ یعنی جو شخص اپنے کفر کو اسلام سے بدل دے اور اپنے فسق کو طاعت سے تو خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کی توبہ کو قبول کرلیں گے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاتل کی توبہ بھی قبول ہوگی۔ ویسے سورۂ نساء میں جو آیا ہے کہ **ومن یقتل مومناً متعمداً الخ** تو وہ مطلق ہے، اس وجہ سے کہ اسے ان قاتلوں پر محمول کی جائے گی جو اپنے اس فعل سے توبہ نہ کریں اور یہ آیت ان قاتلوں کے بارے میں ہے جو توبہ کرلیں۔ صحیح حدیثوں سے بھی قاتل کی توبہ کا قبول ہونا ثابت ہے۔

ان کے اوصاف میں ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ لایعنی مشاغل میں مشغول نہیں ہوتے بلکہ وہ بے ہودگیوں سے نظریں نیچی کئے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ **زور** کے معنی جھوٹ کے ہیں اور **یشھدون الزور** کے معنی لئے گئے ہیں ناجائز مجمع میں حاضری۔ اسی کے تحت میلے ٹھیلے، ناچ رنگ کی محفلیں، تھیٹر وسینما وغیرہ داخل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ لغو اور باطل کاموں سے پرہیز کرتے ہیں۔ بری محفلوں میں نشست و برخاست نہیں رکھتے۔ **زور** کے دوسرے معنی جھوٹی گواہی دینے کے بھی کئے گئے ہیں۔ اس صورت میں مطلب ہوگا جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس سے مراد مجلس زور ہے جس میں اللہ ورسول سے متعلق باتیں گھڑ گھڑ کر بیان کی جاتی ہیں۔

امام رازیؒ نے بیان کیا ہے کہ یہ سب معنی درست ہو سکتے ہیں، مگر زور کا استعمال جھوٹ کے معنی میں زیادہ تر ہوتا ہے۔ ان کے بہت سے اوصاف میں سے ایک وصف یہ ہے کہ قرآن کی آیتیں سن کر ان کے دل دہل جاتے ہیں اور قرآن کے حقائق و معارف کی طرف سے اندھے بہرے نہیں ہوجاتی ہیں بلکہ عقل و فہم کے ساتھ اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور تعمیل احکام میں لگ جاتے ہیں اور اس سے نفع حاصل کرتے اور اپنی اصلاح کرتے ہیں بخلاف کفار کے کہ ان پر کلام الٰہی کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ اپنی سرکشی وطغیانی سے باز آتے ہیں۔

ان اوصاف کو بیان کرنے کے بعد اب ان کی ایک دعا نقل کی جاتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کے گھر والے اور ان کے بیوی بچے بھی انہیں کی طرح خدا تعالیٰ کی فرمانبردار و اطاعت گزار اور موحد ہوں تاکہ انہیں دیکھ کر ان کا دل ٹھنڈا رہے اور آخرت میں بھی انہیں اچھی حالت میں دیکھ کر خوش ہوں۔ نیز ان کی یہ دعا بھی تھی کہ انہیں تقویٰ میں اس درجہ کمال حاصل ہو کہ دوسرے اہل تقویٰ بھی ان سے ہدایت پائیں۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ انسان کا خود دیندار ہونا کافی نہیں۔ بلکہ اپنے گھر والوں کی دینداری کی دیکھ بھال بھی ضروری ہے۔

اب آخر میں ان کے اوصاف اور ان کی دعا بیان کرنے کے بعد ان کے اجر کا تذکرہ ہے۔ ارشاد ہے کہ انہیں جنت ملے گی۔ وہاں ان کی عزت ہوگی۔ ان کے ساتھ ادب واحترام کا معاملہ ہوگا۔ فرشتے بھی تعظیماً وتکریماً ان پر سلام بھیجیں گے اور ان کی سلامتی کی دعا کریں گے او ریہ سب کچھ ان کے ساتھ اس وجہ سے ہوگا کہ یہ دین پر ثابت قدم رہے اور ہجوم مشکلات میں صبر واستقامت سے کام لیا۔ یہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ از خود نکلیں گے اور نہ نکالے جائیں گے اور نہ ان کی نعمتوں وراحتوں میں کوئی فرق آئے گا۔ وہ جگہ بڑی سہانی اور خوش منظر ہوگی۔

اب آخر میں ایک تنبیہ ہے۔ ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی تسبیح وتہلیل کے لئے پیدا کیا ہے۔ اگر مخلوق نے اس فریضہ کو انجام نہیں دیا تو خدا تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قدر ومنزلت نہیں ہے۔ اس میں ان لوگوں کا رد بھی آگیا جو محض تبرکات یا کسی بزرگ کے ساتھ انتساب کو مقبولیت کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ مشرکین کو خطاب کیا گیا کہ تم نے احکام الٰہیہ کو جھٹلایا تو یہ نہ سمجھو کہ بس معاملہ ختم ہوگیا۔ نہیں بلکہ اس کا وبال تمہارے سر ہے، دنیا اور آخرت میں تم تباہ وبرباد ہوگے۔ عذاب الٰہی سے چھٹکارا ممکن نہیں۔

سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ

سُوْرَةُ الشُّعَرَاءِ مَكِّيَّةٌ اِلَّاوَالشُّعَرَآءُ اِلٰى اٰخِرِهَا فَمَدَنِيٌّ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسَبْعٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمٓ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ **تِلْكَ** اَيْ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ **اٰيٰتُ الْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ الْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى مِنَ **الْمُبِيْنِ**﴿۲﴾ اَلْمُظْهِرُ الْحَقَّ مِنَ الْبَاطِلِ **لَعَلَّكَ** يَامُحَمَّدُ **بَاخِعٌ نَّفْسَكَ** قَاتِلُهَا غَمًّا مِنْ اَجْلِ **اَنْ لَّايَكُوْنُوْا** اَيْ اَهْلَ مَكَّةَ **مُؤْمِنِيْنَ**﴿۳﴾ وَلَعَلَّ هُنَا لِلْاِشْفَاقِ اَيْ اَشْفَقَ عَلَيْهَا بِتَخْفِيْفِ هٰذَا الْغَمِّ **اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ** بِمَعْنَى الْمُضَارِعِ اَيْ تَدُوْمُ **اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ**﴿۴﴾ فَيُؤْمِنُوْنَ وَلَمَّا وُصِفَتِ الْاَعْنَاقُ بِالْخُضُوْعِ الَّذِيْ هُوَلِاَرْبَابِهَا جُمِعَتِ الصِّفَةُ مِنْهُ جَمْعَ الْعُقَلَاءِ **وَمَايَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ** قُرْاٰنٍ **مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ** صِفَةٌ كَاشِفَةٌ **اِلَّاكَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ**﴿۵﴾ **فَقَدْ كَذَّبُوْا** بِهٖ **فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْبٰٓؤُا** عَوَاقِبُ **مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ**﴿۶﴾ **اَوَلَمْ يَرَوْا** يَنْظُرُوْا **اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا** اَيْ كَثِيْرًا **مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ**﴿۷﴾ نَوْعٍ حَسَنٍ **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً** دَلَالَةً عَلٰى كَمَالِ قُدْرَتِهٖ تَعَالٰى **وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ**﴿۸﴾ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ وَكَانَ قَالَ سِيْبَوَيْهِ زَائِدَةٌ **وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَالْعَزِيْزُ** ذُوالْعِزَّةِ يَنْتَقِمُ مِنَ الْكَافِرِيْنَ **الرَّحِيْمُ**﴿۹﴾ يَرْحَمُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاذْكُرْ يَامُحَمَّدُ لِقَوْمِكَ **اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى** لَيْلَةَ رَاَى النَّارَ وَالشَّجَرَةَ **اَنِ** اَيْ بِاَنِ **ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ**﴿۱۰﴾ رَسُوْلًا **قَوْمَ فِرْعَوْنَ** مَعَهٗ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ بِالْكُفْرِ بِاللّٰهِ وَبَنِيْ اِسْرَاءِيْلَ بِاسْتِعْبَادِهِمْ **اَلَا** الْهَمْزَةُ لِلْاِسْتِفْهَامِ الْاِنْكَارِيْ **يَتَّقُوْنَ**﴿۱۱﴾ اللّٰهَ بِطَاعَتِهٖ فَيُوَحِّدُوْنَهٗ **قَالَ** مُوْسٰى **رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ**﴿۱۲﴾ **وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ** مِنْ تَكْذِيْبِهِمْ لِيْ **وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ** بِاَدَاءِ

الرِّسَالَةِ لِلْعُقْدَةِ الَّتِي فِيهِ **فَارْسِلْ اِلٰى اَخِيْ هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾** مَعِي **وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ** بِقَتْلِي الْقِبْطِيَّ مِنْهُمْ **فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾** بِهِ **قَالَ** تَعَالٰى **كَلَّا** اَيْ لَايَقْتُلُوْنَكَ **فَاذْهَبَا** اَيْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ فَفِيهِ تَغْلِيْبُ الْحَاضِرِ عَلَى الْغَائِبِ **بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾** مَاتَقُوْلُوْنَ وَمَا يُقَالُ لَكُمْ اُجْرِيَا مَجْرَى الْجَمَاعَةِ **فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا** اَيْ كُلًّا مِنَّا **رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾** اِلَيْكَ **اَنْ** اَيْ بِاَنْ **اَرْسِلْ مَعَنَا** اِلَى الشَّامِ **بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۷﴾** فَاَتَيَاهُ فَقَالَا لَهُ مَاذُكِرَ **قَالَ** فِرْعَوْنُ لِمُوْسٰى **اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا** فِي مَنَازِلِنَا **وَلِيْدًا** صَغِيْرًا قَرِيْبًا مِنَ الْوِلَادَةِ بَعْدَ فِطَامِهِ **وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾** ثَلَاثِيْنَ سَنَةً يَلْبَسُ مِنْ مَلَابِسِ فِرْعَوْنَ وَيَرْكَبُ مِنْ مَرَاكِبِهِ وَكَانَ يُسَمّٰى اِبْنَهُ **وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ** هِيَ قَتْلُهُ الْقِبْطِيَّ **وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾** الْجَاحِدِيْنَ لِنِعْمَتِي عَلَيْكَ بِالتَّرْبِيَةِ وَعَدَمِ الْاِسْتِعْبَادِ **قَالَ** مُوْسٰى **فَعَلْتُهَآ اِذًا** اَيْ حِيْنَئِذٍ **وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾** عَمَّا اٰتَانِيَ اللّٰهُ بَعْدَهَا مِنَ الْعِلْمِ وَالرِّسَالَةِ **فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا** عِلْمًا **وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ** اَصْلُهُ تَمُنُّ بِهَا **اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾** بَيَانًا لِتِلْكَ النِّعْمَةِ اَيْ اتَّخَذْتَهُمْ عَبِيْدًا وَلَمْ تَسْتَعْبِدْنِي لَانِعْمَةَ لَكَ بِذٰلِكَ لِظُلْمِكَ بِاسْتِعْبَادِهِمْ وَقَدَّرَ بَعْضُهُمْ اَوَّلَ الْكَلَامِ هَمْزَةَ اِسْتِفْهَامٍ لِلْاِنْكَارِ **قَالَ فِرْعَوْنُ** لِمُوْسٰى **وَمَارَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾** الَّذِيْ قُلْتَ اِنَّكَ رَسُوْلُهُ اَيْ اَيُّ شَيْءٍ هُوَ وَلَمَّا لَمْ يَكُنْ سَبِيْلٌ لِلْخَلْقِ اِلٰى مَعْرِفَةِ حَقِيْقَتِهِ تَعَالٰى وَاِنَّمَا يَعْرِفُوْنَهُ بِصِفَاتِهِ اَجَابَ مُوْسٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بِبَعْضِهَا **قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا** اَيْ خَالِقُ ذٰلِكَ **اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾** بِاَنَّهُ تَعَالٰى خَالِقُهُ فَاٰمِنُوْا بِهِ وَحْدَهُ **قَالَ** فِرْعَوْنُ **لِمَنْ حَوْلَهٗٓ** مِنْ اَشْرَافِ قَوْمِهِ **اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾** جَوَابَهُ الَّذِيْ لَمْ يُطَابِقِ السُّوَالَ **قَالَ** مُوْسٰى **رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾** وَهٰذَا وَاِنْ كَانَ دَاخِلًا فِيْمَا قَبْلَهُ يَغِيْظُ فِرْعَوْنُ وَلِذٰلِكَ **قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ** مُوْسٰى **رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾** اِنَّهُ كَذٰلِكَ فَاٰمِنُوْا بِهِ وَحْدَهُ **قَالَ** فِرْعَوْنُ لِمُوْسٰى **لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾** كَانَ سِجْنُهُ شَدِيْدًا يَحْبِسُ الشَّخْصَ فِي مَكَانٍ تَحْتَ الْاَرْضِ وَحْدَهُ لَايُبْصِرُ وَلَا يَسْمَعُ فِيْهِ اَحَدًا **قَالَ لَهٗ** مُوْسٰى **اَوَلَوْ** اَيْ اَتَفْعَلُ ذٰلِكَ وَلَوْ **جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾** اَيْ بُرْهَانٍ بَيِّنٍ عَلٰى رِسَالَتِيْ **قَالَ** فِرْعَوْنُ لَهٗ **فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾** فِيْهِ **فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾** حَيَّةٌ عَظِيْمَةٌ **وَّنَزَعَ**

يَدَهُ اَخْرَجَهَا مِنْ جَيْبِهٖ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ ذَاتَ شُعَاعٍ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ خِلَافَ مَا كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْاُدْمَةِ قَالَ فِرْعَوْنُ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ فَائِقٌ فِيْ عِلْمِ السِّحْرِ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ اَخِّرْ اَمْرَهُمَا وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ جَامِعِيْنَ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾ يَفْضُلُ مُوْسٰى فِيْ عِلْمِ السِّحْرِ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَهُوَ وَقْتُ الضُّحٰى مِنْ يَوْمِ الزِّيْنَةِ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ الْاِسْتِفْهَامُ لِلْحَثِّ عَلَى الْاِجْتِمَاعِ وَالتَّرَجِّيْ عَلٰى تَقْدِيْرِ غَلَبَتِهِمْ لِيَسْتَمِرُّوْا عَلٰى دِيْنِهِمْ فَلَا يَتَّبِعُوْا مُوْسٰى فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا حِيْنَئِذٍ لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى بَعْدَ مَاقَالُوْا لَهٗ اِمَّا اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّا اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَالْاَمْرُ مِنْهُ لِلْاِذْنِ بِتَقْدِيْمِ اِلْقَائِهِمْ تَوَسُّلًا بِهٖ اِلٰى اِظْهَارِ الْحَقِّ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ بِحَذْفِ اِحْدَى التَّائَيْنِ مِنَ الْاَصْلِ تَبْتَلِعُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ يُقَلِّبُوْنَهٗ بِتَمْوِيْهِهِمْ فَيَتَخَيَّلُوْنَ حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ اَنَّهَا حَيَّاتٌ تَسْعٰى فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ لِعِلْمِهِمْ بِاَنَّ مَاشَاهَدُوْهُ مِنَ الْعَصَا لَايَتَاَتّٰى بِالسِّحْرِ قَالَ فِرْعَوْنُ ءَاٰمَنْتُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا لَهٗ لِمُوْسٰى قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ اَنَا لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَعَلَّمَكُمْ شَيْئًا مِنْهُ وَغَلَبَكُمْ بِاٰخَرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَايَنَالُكُمْ مِنِّيْ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَيْ يَدَ كُلِّ وَاحِدٍ اَلْيُمْنٰى وَرِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَاضَيْرَ لَاضَرَرَ عَلَيْنَا فِيْ ذٰلِكَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا بَعْدَ مَوْتِنَا بِاَيِّ وَجْهٍ كَانَ مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ رَاجِعُوْنَ فِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا نَطْمَعُ نَرْجُوْ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ اَنْ اَيْ بِاَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ فِيْ زَمَانِنَا

ترجمہ: ....طسم (خدا تعالیٰ اس کی مراد کو جانتا ہے) یہ (مضامین جو آپ پر نازل ہوتے ہیں) کتاب واضح (یعنی قرآن کریم) کی آیتیں ہیں۔ شاید کہ آپ (اے محمد ﷺ) ان (کفار مکہ) کے ایمان نہ لانے پر (رنج کرتے کرتے) اپنی جان دے دیں۔ (لعل مضمون شفقت کے اظہار کے لئے ہے۔ شفقۃً آنحضور ﷺ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ کفار کی روش پر خود کو غم مفرط میں نہ ڈالئے) ہم اگر چاہیں تو ان پر آسمان سے کوئی ایسا نشان اتار دیں کہ ان کی گردنیں اس کے آگے بالکل جھک جائیں (اور وہ ایمان لے آئیں اور

کیونکہ خضوع انسانوں کی صفت ہے اور آیت میں اسے گردن کی صفت بنا دیا گیا۔ اس لئے جمع میں اہل عقل کی رعایت کی گئی) اور ان کے پاس کوئی بھی تازہ فہمائش خدائے رحمٰن کی طرف سے ایسی نہیں آتی کہ یہ اس سے بے رخی نہ کرتے ہوں۔ چنانچہ یہ جھٹلا کر رہے ہیں۔ پس عنقریب ان کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جس کے ساتھ یہ استہزاء کر رہے ہیں۔ کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کس قدر عمدہ عمدہ قسم کی بوٹیاں اگائی ہیں۔ بے شک اس میں (توحید اور خدا تعالیٰ کے کمال قدرت کی) بڑی نشانی ہے۔ لیکن (خدا تعالیٰ کو معلوم ہے کہ) ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے (سیبویہ نے کہا ہے کہ کان اکثر ھم میں کان زائد ہے) اور بلاشبہ آپ کا پروردگار بڑا غالب ہے (ان کفار سے انتقام لے کر رہے گا) اور بڑا رحیم ہے (مومنین کے حق میں) اور (اے محمد ﷺ اپنی قوم سے اس قصہ کا ذکر کیجئے۔ جب آپ کے پروردگار نے (آگ تلاش کرنے والی رات میں) موسیٰ کو پکارا کہ تم (بحیثیت رسول) ان ظالم لوگوں یعنی قوم فرعون کے پاس جاؤ (جو فرعون کے ساتھ لگ کر اور خدا کے ساتھ کفر کر کے اور بنی اسرائیل پر جبر کر کے اپنے نفس پر ظلم کر رہے ہیں) کیا یہ لوگ نہیں ڈرتے۔ (خدا تعالیٰ سے اور اس کی وحدانیت کو تسلیم نہیں کرتے۔ انہوں نے عرض کیا (موسیٰ علیہ السلام نے) اے میرے پروردگار مجھے بس اسی کا اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور میرا دل (ان کی تکذیب کی وجہ سے) تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان (ادائیگی رسالت میں) اچھی طرح نہیں چلتی (اس لکنت کی وجہ سے جو میری زبان میں ہے) اس لئے (میرے بھائی) ہارون علیہ السلام کے پاس وحی بھیج دیجئے (تاکہ وہ میرے لئے مددگار ثابت ہوں) اور میرے ذمے ان لوگوں کا ایک جرم بھی ہے (قبطی کے مار ڈالنے کا) سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ مجھے قتل ہی کر ڈالیں گے۔ ارشاد ہوا کہ ہرگز نہیں (قتل کر سکتے) تم دونوں (یعنی تم اور تمہارے بھائی) ہمارے احکام لے کر جاؤ (یہاں بجائے حاضر کے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے) ہم خود تمہارے ساتھ سنتے رہیں گے (کہ تم کیا کہتے ہو اور اس کا جواب تمہیں کیا دیا جاتا ہے۔ صرف دو کے لئے جمع کا صیغہ تعظیماً لایا گیا ہے) سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم پروردگار عالم کے رسول ہیں (تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں) تاکہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ (شام) جانے دے۔ (انہوں نے حسب حکم یہ بات فرعون کو پہنچا دی۔ جس پر فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا کہ ہم نے تمہیں بچپن میں (اپنے گھر میں) پرورش نہیں کیا تھا؟ (یہاں بچپن سے مراد شیر خوارگی کے بعد کا دور)۔

اور تم اپنی اس عمر میں برسوں ہم لوگوں میں رہا کئے (تقریباً تیس سال رہے اور وہی معیار زندگی رہا جو فرعون کا تھا اور اس انداز میں رہے جیسے فرعون کی اولاد ہو) اور تم نے وہ حرکت بھی تو کی جو کی تھی (یعنی قبطی کو قتل کیا تھا) اور تم بڑے ناشکرے ہو (میری نعمت کے بھی منکر ہو گئے۔ جو ہم نے زمانہ تربیت میں تمہارے ساتھ کی تھی اور مثل اپنے بیٹے کے بنا کر رکھا تھا...... موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ واقعی میں وہ حرکت کر بیٹھا تھا اور مجھ سے نادانستہ غلطی ہو گئی تھی۔ پھر جب مجھے ڈر لگا تو میں تمہارے یہاں سے مفرور ہو گیا۔ پھر میرے رب نے مجھے حکمت عطا کی اور مجھے پیغمبروں میں شامل کر دیا اور یہی وہ احسان ہے جس کا بار تو مجھ پر رکھ رہا ہے (اصل میں عبارت تمن بھا تھا۔ بـا حرف جر کو حذف کر کے ضمیر کو فعل کے ساتھ متصل کر دیا کہ تو نے بنی اسرائیل کو سخت غلامی میں ڈال رکھا ہے (یعنی کیا تمہارا یہی احسان ہے کہ تم نے بنی اسرائیلیوں کو غلام بنا رکھا ہے۔ اگرچہ تم نے میرے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا۔ لیکن ان بنی اسرائیلیوں کو غلام بنانا اور مجھے آزاد چھوڑ دینا۔ یہ میرے لئے کوئی انعام نہیں ہے اور بعض لوگوں نے تلک سے پہلے ہمزہ استفہام انکاری کو محذوف مانا ہے۔

فرعون نے (حضرت موسیٰ علیہ السلام سے) کہا کہ اچھا پروردگار عالم کیا چیز ہے (یعنی تم جو کچھ کہتے ہو کہ تم خدا کے رسول ہو تو یہ بتلاؤ کہ آخر وہ خدا کیا چیز ہے؟ اور یہ کہ اب تک لوگوں کو اس کی حقیقت کی معرفت کیوں نہ ہو سکی۔ جبکہ صرف اس کی صفات کی لوگوں کو اطلاع ہے۔ اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے) کہا کہ وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا۔

اگر تم کو یقین حاصل کرنا ہو کہ (ان چیزوں کا خالق خدا ہے تو صرف خدا پر ایمان لاؤ۔ جس پر فرعون نے) اپنے اردگرد والوں (معزز ترین قوم) سے کہا کہ تم لوگ کچھ سنتے ہو کہ (سوال کچھ جواب کچھ موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا کہ وہ پروردگار ہے تمہارا اور تمہارے پہلے بزرگوں کا (اگر یہ جواب حضرت موسیٰ کے پہلے جواب یعنی خدا پروردگار ہے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس میں آ چکا تھا۔ مگر موسیٰ علیہ السلام کے اس جملہ نے فرعون کے غیظ وغضب کو بڑھا دیا اور اس نے) کہا کہ یہ تمہارا رسول جو تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہے یہ تو مجنون ہے۔

(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا کہ وہ پروردگار ہے مشرق ومغرب کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کا بھی۔ اگر تم عقل سے کام لو (تو ایسا ہی پاؤ گے اور تمہیں خدا کی وحدانیت پر ایمان لے آنا چاہئے۔ جس پر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے) کہا کہ اگر تم نے میرے سوا اور کوئی معبود تجویز کیا تو میں تمہیں قید میں ڈال دوں گا۔ (فرعون کا قید خانہ بڑا ہی خطرناک تھا۔ وہ قیدی کو زیر زمین کسی کمرہ میں تنہا بند کر دیتا۔ جہاں وہ نہ کسی کو دیکھ سکتے اور نہ کسی طرح کی آواز ان کے کانوں میں پہنچ پاتی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے) کہا کہ اگر میں کوئی صریح دلیل (اپنی رسالت پر) پیش کر دوں تو؟ (کیا پھر بھی نہیں مانے گا۔ فرعون نے) کہا کہ اچھا تو وہ دلیل پیش کرو (اگر تم سچے ہو۔ پھر (موسیٰ علیہ السلام نے) اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ یک بیک نمایاں اژدہا بن گیا اور اپنا ہاتھ (گریبان سے) نکالا تو وہ یک بیک دیکھنے والوں کی نظر میں بہت ہی چمکدار ہو گیا (جس پر فرعون نے) اپنے اہل دربار سے جو اس کے آس پاس موجود تھے کہا کہ یہ بڑا جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے ملکوں سے اپنے جادو کے زور سے نکال دے۔ سو اب کیا کہتے ہو؟ درباریوں نے کہا آپ اسے اور اس کے بھائی کو کچھ مہلت دیجئے اور شہروں میں ہرکاروں کو بھیج دیئے کہ وہ ماہر فن جادوگروں کو جمع کر کے آپ کے پاس لے آئیں (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سحر کا زیادہ جاننے والا ہو) چنانچہ جادوگر ایک معین دن کے خاص وقت پر جمع کر لئے گئے۔ (اور وہ عید کے دن چاشت کا وقت تھا) لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ جمع ہو جاؤ تا کہ جادوگر اگر غالب ہو جائیں تو ہم انہیں کی راہ پر رہیں۔ (**هل انتم مجتمعون** میں استفہام دراصل لوگوں کو متعینہ جگہ پر جمع ہونے کے لئے اکسانا اور برانگیختہ کرنا ہے۔ اسی طرح **لعلنا نتبع السحرة** میں ان جادوگروں کی اتباع مقصود نہیں ہے۔ بلکہ ان کی کامیابی کی صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع سے چھٹکارہ اور اپنے دین پر جمار ہنا مراد ہے۔ اسی کو کنایۃً ساحروں کی اتباع سے تعبیر کر دیا) پھر جب جادوگر آئے تو فرعون سے بولے کہ اگر ہم غالب آ گئے تو کیا ہم کو کوئی بڑا انعام ملے گا؟ (ائن میں ایک قرأت دونوں ہمزہ کے باقی رکھنے کا اور ایک قرأت ہمزہ کو حذف کر دینے کا ہے۔ فرعون نے) کہا کہ ضرور اور اس صورت میں تم ہمارے مقرب لوگوں میں شمار ہو جاؤ گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں سے کہا (جب کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا کہ ہم پہلے ڈالیں یا تم پہلے ڈالو گے) کہ تم کو جو کچھ ڈالنا ہو ڈالو (امر کا صیغہ یہاں حکم کے لئے نہیں بلکہ ان لوگوں کو اپنی کارروائی کو ابتداءً دکھانے کی اجازت کے لئے تا کہ اظہار حق ہو سکے)۔

سو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور کہنے لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم یقیناً ہم ہی غالب رہیں گے۔ پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا۔ سو وہ ان کے بنائے ہوئے گورکھ دھندے کو نگلنے لگا (جو انہوں نے فریب کاری اور ملمع سازی کر کے اپنے لاٹھیوں اور رسیوں کو زندہ سانپوں کی صورت میں دکھایا تھا) سو (یہ دیکھ کر) جادوگر سجدہ میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے پروردگار عالم پر جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے (غالباً اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جادگروں نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کو دیکھا تو انہیں یقین آ گیا کہ یہ کرتب جادو کے ذریعہ ممکن نہیں۔ فرعون) کہنے لگا کہ تم موسیٰ پر ایمان لے آئے بغیر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ ضرور یہی تمہارا سردار ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے (اس نے تمہیں جادو کے کچھ حصے سکھائے اور بعض داؤ چھپائے رکھے تھے

جس کے ذریعہ اب اس نے تمہیں مغلوب کیا) اچھا تو تمہیں ابھی حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے۔ (دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہوں) میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔ جادوگروں نے کہا کچھ حرج نہیں (تم جس طرح چاہو ہمیں مار ڈالو۔ مرنے کے بعد) ہم اپنے پروردگار کے پاس جا پہنچیں گے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کرے۔ اس لئے کہ (اپنے دور میں) ہم سب سے پہلے ایمان لے آئے۔

تحقیق وترکیب: ....ان نشا ننزل. میں ان حروف شرط ہے اور نشا فعل شرط۔ ننزل جواب شرط۔

فظلت اعناقھم. ماضی کا مضارع پر کلمہ فا کے ساتھ مرتب ہونا باقاعدہ عربی صحیح نہیں۔ اس لئے ماضی کو مضارع کے معنی میں لینا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شارح نے ظلت کے بعد بمعنی المضارع کے الفاظ بڑھا دیئے۔

لھا خاضعین. خضوع کو گردنوں کی صفت قرار دے دیا گیا۔ حالانکہ یہ گردن والوں کی صفت ہے۔ اسی وجہ سے خاضعین کی جمع اہل عقل کی جمع کی طرح لائی گئی۔ خاضعین میں دو اعراب ہیں۔ ایک تو یہ کہ اعناقھم کو مبتداء بنا دیا جائے اور خاضعین اس کی خبر۔ لیکن یہ اشکال باقی رہتا ہے کہ غیر اہل عقل کو جمع عقلاء کی طرح کیسے لائی گئی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اعناق سے مراد گردن والے ہیں۔ دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مضاف محذوف ہو اور اصل عبارت یہ ہو۔ فظل اصحاب الاعناق. تیسری صورت جب عقلاء کی طرف مضاف کر دیا گیا تو اس نے عقلاء ہی کا حکم لے لیا۔ چوتھی صورت یہ کہ اعناق سے مراد عضو (گردن) مراد ہی نہیں۔ بلکہ گردن والے مراد ہیں۔ وغیرہ نحوی ترکیب کے اعتبار سے۔ دوسری صورت یہ بھی ممکن ہے کہ یہ منصوب بر بناء حال ہو اور ذو الحال اعناقھم کی ضمیر۔

اذ نادیٰ ربک. یہاں پر یہ مراد نہیں کہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کا اس وقت میں سنایا جائے جبکہ خدا تعالیٰ نے ان کو ندا دی تھی بلکہ مراد نزول قرآن کے وقت میں سنانا ہے۔

ان عبدت. نحوی ترکیب چند ممکن ہیں۔ (۱) محلاً مرفوع تلک کا عطف بیان ہونے کی وجہ سے۔ (۲) محلاً منصوب مفعول لہ ہونے کی بناء پر۔ (۳) نعمۃ سے بدل۔ (۴) تمنھا میں جو ھا ہے اس سے بدل۔ (۵) مجرور ایک باء جارہ مقدرہ کی بناء پر اصل میں عبارت ہے بان عبدت. (۶) ھی مبتداء محذوف کی خبر۔ (۷) ساتواں قول منصوب ہے اعنی منصوب کا مفعول ہونے کی بناء پر۔

ماانتم ملقون. یہ ایک اشکال کا جواب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سحر جیسی باطل چیز کی نمائش اور تقدیم کا حکم کیسے دے دیا۔ جواب یہ ہے کہ یہ عارضی نمائش اظہار حق کی تمہید بنتی۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بطلان کے اس مظاہرہ کو خواہی نخواہی برداشت کیا۔

فاذا ھی تلقف. تلقف اصل میں تلتقف تھا۔ پھر اسے مشدد اور مخفف ہر دو طرح پڑھ سکتے ہیں۔

ربط: ....سورۂ فرقان کے خاتمہ پر ان بندوں کی کچھ خصوصیات اور صفات زیر بحث تھیں۔ جو عبدیت کے پیکر، تواضع اور فروتنی کے سراپا، قلب و دماغ کے متواضع، حلم و تحمل کے مجسمے، حسن کردار و حسن اقوال کے بلند روشن مینارے تھے۔ سورۂ شعراء کے آغاز میں اسی کے بالمقابل ایک سرکش، جابر و قاہر اور کبر و غرور میں مبتلا ناپاک ترین انسان کے احوال کا عبرت انگیز مرقع پیش نظر ہے۔ یہ جابر و قاہر فرعون تھا۔ جس کی اصلاح و ہدایت کے لئے ایک برگزیدہ پیغمبر (موسیٰ علیہ السلام) روانہ کئے گئے تھے۔

آنحضور ﷺ کو یہ بھی بتایا گیا کہ بدنصیب اور متکبرین کی ہدایت جب وہ مقدر نہ ہو تو ان کا زیادہ پیچھا کرنا خود کو تعب اور زحمت میں ڈالنا ہے جس سے تبلیغ اور خود امور دین میں توسط واعتدال کی تعلیم ملتی ہے۔ پھر دلائل توحید کے بیان میں دونوں سورتیں متحد ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: .... طٰسٓمٓ کے بعض مفسرینؒ نے مطلب بیان کئے ہیں۔ مثلاً مشہور تفسیر تفسیر کبیر میں ہے کہ ط سے اشارہ ہے طرب قلوب عارفین کی طرف اور س سے سرور محبین کی جانب اور م سے مناجات مریدین کی طرف اور دوسرا قول روح المعانی کا ہے کہ ط ذوی الطّول کا مخفف ہے اور س قدوس کا اور م رحمٰن کا۔ لیکن بات یہ ہے کہ ان حروف مقطعات کے صحیح معنی تو خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

ارشاد ہوا کہ یہ قرآن کی آیتیں ہیں جو بالکل صاف، واضح اور حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کو سمجھایا گیا کہ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے پر اس قدر غم و تاسف بیکار ہے۔ ہمارا کام تو اثبات حق کے ساتھ صرف صحیح دلائل کا نازل کر دینا ہے۔ اب ایمان لانا نہ لانا ان لوگوں کے اختیار میں ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان لوگوں کے پیچھے آپ ﷺ اپنی جان کھودیں۔ یہاں آنحضور ﷺ کی غمخواری اور دلسوزی کا ایک نقشہ بیان کیا گیا جو آپ ﷺ کو منکرین اور کافروں کے لئے تھا۔ صاحب روح المعانی نے آیت سے دو باتیں اخذ کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ آنحضور ﷺ اپنی امت پر کمال شفقت رکھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ کافر کی ایمان پر حرص حکم ازلی کے منافی نہیں ہے۔

ارشاد ہوا کہ اگر مشیت خداوندی یہ ہوتی کہ سب کے سب ایمان لے آئیں تو غیب سے کوئی نہ کوئی ایسا نشان دکھایا جاتا اور ایسی دلیل پیش کر دی جاتی کہ جس کے بعد تردد و تامل کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی۔ بلکہ سب کے سب ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے۔ لیکن اس صورت میں یہ عالم ابتلاء باقی نہیں رہتا۔ حالانکہ یہاں تو مقصود ہی انسان کی قوت اختیار کا امتحان ہے اور یہی دیکھنا ہے کہ کون کس حد تک اپنی اختیار کو صحیح مصرف میں استعمال کرتا ہے۔ فرمایا گیا کہ جب کبھی کوئی آسمانی کتاب نازل ہوئی تو بہت سے لوگوں نے اس پیغام حق اور لانے والے پیغمبر پر حق کی تکذیب کی اور اس سے اعراض کیا۔ یہاں ان کے جرم کے تینوں مرتبے بیان کر دیئے گئے۔ پہلے اعراض، پھر تکذیب اور استہزاء جو تکذیب کا آخری درجہ ہے۔ تو جس طرح پچھلی قوموں نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ معاملہ کیا۔ اسی طرح نبی آخر الزمان کی بھی ان کی قوم نے تکذیب کی۔ انہیں بھی عنقریب اس کا بدلہ مل جائے گا اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ کس گمراہی میں مبتلا تھے۔

اس کے بعد اپنی شان و شوکت اور کمال قدرت بیان فرماتے ہیں کہ جس کے کلام کو اور جس کے قاصد کو تم جھٹلا رہے ہو اور جس کا تم مذاق اڑا رہے ہو اس کی قدرتوں اور کمال صناعی کا یہ عالم ہے کہ اسی نے زمینیں بنائیں اور اس میں جاندار و بے جان چیزیں پیدا کیں اور پھر کھیتوں میں پھل پھول، باغ و بہار سب اسی کی کرشمہ قدرت کا نتیجہ ہیں۔ اس میں اس کے علاوہ خدائے تعالیٰ کی قدرت کی اور بھی بے شمار نشانیاں ہیں۔ مگر اس کے باوجود بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے۔ بلکہ اعراض اور سرکشی میں لگے ہوئے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے۔ اس کے سامنے ساری مخلوق عاجز ہے۔ صفت عزیز کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ سب پر غالب ہے لہٰذا ان مجرموں کو ہلاک کر ڈالتا۔ مگر ساتھ ہی وہ رحیم بھی ہے اور اس کی رحمت ہر ایک کے لئے عام ہے۔ اس وجہ سے باوجود انتقام پر کمال قدرت ہوتے ہوئے بھی ان مجرموں کو مہلت دے رکھی ہے تاکہ وہ اپنے برے اعمال سے باز آ جائیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر یہ راہ راست پر نہیں آتے تو پھر انہیں سختی سے پکڑ لیتا ہے۔

مکالمہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون:............ خدائے تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کوطور پہاڑ پر حکم دیا تھا۔ اسے بیان فرمارہے ہیں کہ ہم نے تمہیں برگزیدہ رسول بنادیا اور فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ جوظلم پر کمربستہ تھے اور انہیں خدائے تعالیٰ کا ڈروخوف نام کا بھی باقی نہیں رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مجھے تعمیل حکم میں کیا عذر ہوسکتا ہے۔ مگر یہ خیال ہوتا ہے کہ کہیں وہ میری تکذیب نہ کردیں۔ جس سے مجھے تکلیف پہنچے گی۔ نیز میری زبان میں لکنت بھی ہے۔

روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب تین چار سال کے تھے تو ایک جلتا ہوا انگارہ آپ نے اپنی زبان پر رکھ لیا تھا۔ اس سے زبان میں لکنت پیدا ہوگئی تھی۔ اس کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ میری زبان میں لکنت ہونے کی وجہ سے مفہوم کو صحیح انداز میں ادا کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس لئے تبلیغ کے فرائض انجام دینے میں دشواری پیش آئے گی۔ لہٰذا آپ ہارون کو بھی شریک نبوت کردیجئے۔ حضرت ہارون علیہ السلام پر کسی قبطی وغیرہ کے قتل کا بھی الزام نہیں ہے اور مجھ پر ایک قبطی کو مارڈالنے کا الزام ہے۔ اس لئے میں نے مصر چھوڑا تھا۔ اب جاتے ہوئے ڈرلگتا ہے کہ کہیں وہ بدلہ نہ لیں۔

ارشاد ہوا کہ بے خوف وخطر ہوکر تم فرعون کے پاس جاؤ۔ کسی بات کا کھٹکا نہ رکھو۔ ہم تمہارے بھائی ہارونؑ کو بھی تمہارا ساتھی بنادیتے ہیں۔ وہ لوگ تمہیں کوئی ایذاء نہیں پہنچاسکیں گے۔ تم میری آیتیں لے کر جاؤ۔ میں تمہاری ان کی سب کی باتیں سنتا رہوں گا۔ میری حفاظت اور میری نصرت وتائید تمہارے ساتھ رہے گی۔ تسکین وتشفی کا یہ اعلیٰ مقام ہے۔ بندہ کو جب پروردگار عالم کی معیت پر یقین ہوجائے تو اس سے بڑھ کر اطمینان اور کیا ہوسکتا ہے۔

چنانچہ یہ دونوں خدائے تعالیٰ کا پیغام لے کر فرعون کے پاس پہنچے اور کہا کہ ہم پروردگار عالم کے فرستادہ ہیں۔ تم ان بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ ان کے وطن ملک شام جانے دو۔ وہ خدا کے مومن بندے ہیں۔ تم نے انہیں غلام بنا رکھا ہے اور تم ان کے ساتھ ذلت آمیز معاملہ کرتے ہو۔ اب انہیں آزاد کردو۔

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس پیغام کو حقارت کے ساتھ سنا اور بگڑ کر کہنے لگا کہ کیا تم وہی نہیں ہے جسے ہم نے پرورش کیا۔ مدتوں تمہاری خبرگیری کی اور اس احسان کا بدلہ تم نے یہ دیا کہ ہم میں سے ایک شخص کو مارڈالا۔ تم تو بڑے ناشکرے اور احسان فراموش ہو۔ قصر فرعونی میں قیام کے متعلق یہود کی روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا قیام اٹھارہ سال کی عمر تک رہا۔ دوسری روایت تیس سال تک کی ہے اور ایک روایت چالیس سال تک کی ہے۔

بہرکیف موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جواب میں کہا کہ یہ سب باتیں نبوت سے پہلے کی ہیں اور نادانستہ طریقہ پر مجھ سے وہ غلطی سرزد ہوگئی تھی اور پھر تمہارے ڈر سے میں نے فرار اختیار کیا تھا۔ لیکن اب بحیثیت رسول خدا تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ اس غلطی کے بعد جو مجھ سے غیر ارادی طور پر سرزد ہوگئی اور جس کے نتیجہ میں، میں فرار ہوگیا تھا۔ یہ خدائے تعالیٰ کا مجھ پر بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے میری وہ خطا معاف فرمادی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے احسان جتلانے کا جواب دیتے ہیں کہ مجھے پرورش کرنے کا جو تو احسان جتلاتا ہے تو اس کی حقیقت بھی یہی ہے کہ تیرے ہی ظلم کی وجہ سے مجھے دریا میں بہادیا گیا اور پھر تو نے لاوارث سمجھ کر مجھے نکلوادیا اور میری پرورش کی۔ اگر بنی اسرائیل کے بچوں پر تمہارا یہ ظلم نہ ہوتا تو نہ مجھے دریا میں ڈالا جاتا اور نہ تیرے یہاں پرورش ہوتی۔ اور اگر بالفرض تو نے مجھ پر احسان بھی کیا تو مجھ پر احسان کرنے سے کیا ہوتا ہے جبکہ تم دوسری طرف میری قوم کے ساتھ ظلم وبدسلوکی کا معاملہ کررہے ہو۔

فرعون جو مبتلائے شرک تھا اور عقیدۂ توحید سے نا آشنا تھا۔ مصری عقیدہ کے اعتبار سے سورج سب سے بڑا دیوتا تھا اور پھر اس کے بعد خود فرعون۔ اور یہی فرعون نے اپنی رعایا کو بتلا رکھا تھا کہ سب سے بڑا خدا میں ہی ہوں۔ میرے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں پروردگار عالم کا رسول ہوں تو حیرت کے ساتھ فرعون نے کہا کہ یہ رب العالمین کیا چیز ہے؟ یہ کیسا انوکھا لفظ ہے۔ یہ عالمگیر ربوبیت کا تخیل ہی اس کے دماغ سے باہر تھا۔ وہ ہر ایک کا الگ الگ دیوی دیوتا تو مان لیتے۔ لیکن اس حقیقت کو کہ ساری مخلوق کا ایک خدا ہے اسے ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔

فرعون کے اس سوال پر کہ رب العالمین کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا خالق و مالک ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اپنے جواب میں خدا تعالیٰ کی صفت ربوبیت پر سب سے زیادہ زور دے رہے ہیں۔ یعنی کوئی بھی چیز خدا تعالیٰ کی صفت خالقیت و ربوبیت سے باہر نہیں۔ نیز مصریوں کے عقیدہ کے مطابق آسمان، زمین اور فضائے درمیانی۔ تینوں کے خدا الگ الگ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب سے اس کی بھی تردید آ گئی۔

موسیٰ علیہ السلام کا جواب سن کر فرعون اپنے اہل دربار سے کہنے لگا۔ جو سب عقیدۂ توحید کے بالکل نا آشنا و نامانوس تھے کہ دیکھو تو سہی یہ شخص کیسی بے پر کی عجیب وغریب باتیں اڑا رہا ہے اور یہ میرے سوا کسی اور کو خدا مانتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے اس طرز سے گھبرائے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے وجود پر اور دلائل بیان کرنے لگے اور ساتھ ہی ان کے جواب سے مصریوں کے دوسرے عقیدے کی بھی تردید ہوتی گئی۔ مثلاً مصریوں نے انسانی آبادی کو مختلف ٹکڑیوں میں تقسیم کر رکھا تھا اور سب کے دیوی دیوتا الگ الگ تھے۔ نیز ان کا ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ خود مردہ اسلاف ہی معبودیت کے مقام پر پہنچ جاتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے جواب پر لوٹ کر فرمایا کہ وہ پروردگار ہے تمہارا اور تمہارے اگلوں بزرگوں کا بھی۔ نیز اگر آج تم لوگ فرعون کو خدا مانتے ہو تو سوچو تو سہی کہ فرعون سے پہلے اس دنیا کا کون خدا تھا؟ فرعون سے پہلے بھی تو آسمان وزمین کا وجود تھا تو آخر اس کا موجد کون ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی خدا کوئی اور ہے۔ وہی میرا خدا ہے اور سارے جہان کا۔ اسی کا میں بھیجا ہوا ہوں۔

فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان دلائل کو سن کر کہنے لگا کہ چھوڑو بھی یہ تو کوئی پاگل آدمی معلوم ہوتا ہے۔ جب ہی تو ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ جو مشرق ومغرب کا پروردگار ہے وہی میرا رب ہے۔ اسی کے حکم سے سورج، چاند، ستارے طلوع اور غروب ہوتے ہیں۔ سورج کو دیوتا ماننے والے اور اس کی پرستش کرنے والوں کے سامنے خدا کو مشرق ومغرب کا رب اور مالک کی حیثیت سے پیش کرنا کمال بلاغت ہے۔

جب فرعون کو یہ اندیشہ ہوا کہ اس سے بحث مباحث کرنا مضر ہوگا اور کہیں اس کے دلائل سے یہ لوگ متاثر نہ ہوں۔ تو اس بحث مباحثہ کو چھوڑ کر اس نے اپنی طاقت اور قوت کا مظاہرہ کرنا چاہا اور کہنے لگا کہ اے موسیٰ! اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو پھر تمہیں جیل میں ڈال دوں گا۔ اس زمانے کے جیل اپنی شدائد ومصائب میں مشہور تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ وعظ ونصیحت اس پر اثر نہیں کرتی ہے، لہٰذا اسے کسی اور طریقہ سے قائل کیا جائے اور چونکہ فرعون اور اس کے متبعین سحر وغیرہ جیسی خرافات میں مبتلا تھے۔ اس لئے فرمایا کہ اگر تم خرق عادت چیزوں ہی کو صداقت کی دلیل سمجھتے ہو تو کہو میں بھی کوئی خرق عادت ایسا معجزہ پیش کروں جس کا تمہیں بھی قائل ہونا پڑے۔ یہ سن کر فرعون کہہ بھی کیا سکتا تھا۔ اس نے کہا کہ اگر تو سچا ہے کہ تو کوئی چیز پیش کر۔ آپ نے سنتے ہی ایک لکڑی جو آپ کے ہاتھ میں تھی زمین پر ڈال دی۔ زمین پر ڈالنا تھا کہ وہ ایک موٹا تازہ اژدہا بن گیا جسے ہر ایک نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ساتھ ہی اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ چاند کی

طرح چمکتا ہوا نکلا۔ فرعون کی تقدیر میں چونکہ ایمان نہیں تھا۔ ایسے واضح معجزے دیکھ کر بھی اپنی ضد پر قائم رہا اور اپنے درباریوں سے کہنے لگا کہ یہ تو کوئی بہت بڑا جادوگر ہے اور فن کا ماہر معلوم ہوتا ہے۔ پھر اپنی قوم سے کہنے لگا کہ یہ تو ایسے ایسے شعبدے دکھا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرلے گا اور جب کچھ لوگ اس کے ساتھ لگ لیں گے تو پھر یہ بغاوت کرے گا اور تمہیں مغلوب کر کے ملک کو اپنے تسلط میں کرلے گا اور حکومت کرے گا۔ لہذا ابھی سے اس کے فتنوں کا مقابلہ کرنا چاہئے۔

یہ پرجوش تقریر کر کے اس نے ان لوگوں سے کہا کہ بتاؤ اس سلسلہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ بولے کہ پہلے تو انہیں کچھ مہلت دیجئے۔ شاید باز آجائیں۔ ورنہ تو پھر ان کے مقابلہ کے لئے جادوگروں کو جمع کیا جائے تاکہ وہ مقابلہ کر کے ان کے زور کو توڑیں۔ سحار مبالغہ کا صیغہ ہے۔ ساحر کا اور علیم بھی اسی صفت سحر کو بڑھانے کے لئے لایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ماہر فن جادوگروں کو جمع کیا جائے جو ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرسکیں۔

معرکہ حق و باطل، حق کا غلبہ اور باطل کی سرنگونی:............ ان لوگوں کے مشورہ کے مطابق ماہر فن جادوگروں کو جمع کیا گیا اور ان کے سامنے تمام صورت حال رکھ دی گئی۔ مقابلہ کا وقت اور مقام طے ہوگیا۔ اور اس کے بعد حکومت کی طرف سے عام منادی کرادی گئی کہ لوگ اپنی نظروں سے اس مقابلہ کو دیکھ لیں۔ ماہرین فن کے کمالات کا مشاہدہ کریں اور مشاہدہ کے بعد اپنے اسی دین فرعونی کی صداقت پر جم جائیں۔ فرعون نے جم کر یہ بات اس وجہ سے کہی کہ اسے یقین تھا کہ اس کے جادوگروں کی پارٹی کامیاب ہوکر رہے گی۔

جب یہ جادوگر دربار میں حاضر ہوئے تو ان لوگوں نے فرعون سے یہ یقین دہانی حاصل کرنی چاہی کہ جب ہم کامیاب ہوجائیں گے تو ہمیں انعام واکرام سے نوازا جائے گا۔ اس پر فرعون نے کہا کہ نہ صرف انعام دیا جائے گا بلکہ تمہیں ہم اپنے مقرب لوگوں میں شامل کرلیں گے اور ہر طرح سے تمہیں نوازا جائے گا اور تمہاری حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

اس کے بعد وہ خوشی خوشی متعینہ میدان میں پہنچے اور وہاں پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ پہلے تم اپنا کارنامہ دکھاؤ گے یا ہم دکھائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ نہیں پہلے تم ہی ابتداء کرو۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کیا آپ سحر کی اجازت دے رہے ہیں جو کہ بدترین معصیت ہے۔

صاحب روح المعانیؒ نے اس کا جواب دیا کہ مقصود سحر کا رد تھا۔ لیکن وہ رد خود موقوف تھا۔ ان کے اظہار سحر پر۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسی کسی زندیق سے کہا جائے کہ اپنے دعویٰ پر دلیل دو اور مقصود اس دلیل کا ابطال ہو...... نیز امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں جو شکوک وشبہات تھے اسے مٹانے کے لئے صرف یہی صورت باقی رہ گئی تھی تو اس وجہ سے سحر کی اجازت جائز ہوگئی تھی۔

موسیٰ علیہ السلام کا جواب پاتے ہی انہوں نے اپنی چھڑیاں اور رسیاں میدان میں ڈال دیں اور کہنے لگے فرعون کی عزت کی قسم ہم ہی غالب رہیں گے۔ ان کی ڈالی ہوئی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ کی شکل اختیار کرگئیں اور پورے میدان میں سانپ ہی سانپ نظر آنے لگے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کا جواب اسی انداز میں دینا چاہا جس طرح انہوں نے کرتب دکھائے تھے اور ان کے ہاتھ میں جو لکڑی تھی اسے میدان میں ڈال دیا۔ ان کی لکڑی ایک بڑے سانپ کی شکل اختیار کرگئی اور ان جادوگروں کے مصنوعی سانپوں کو نگلنا شروع کردیا۔ ماہرین فن یہ دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ کوئی جادوگر نہیں ہے۔ اگر جادوگر ہوتا تو ہمارے مقابل میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے متاثر اور اس کے سامنے بے بس ہوکر یہ تو اسی وقت وہیں خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر

گئے اور اسی مجمع میں اپنے ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔

فرعون اپنی آنکھوں سے اتنا بڑا انقلاب دیکھ رہا تھا۔ مگر اس کے باوجود اسے ایمان نصیب نہیں ہوا، بلکہ اب بھی اپنی طاقت اور قوت کے ذریعہ حق کو کچلنے کی کوشش کی اور ان جادوگروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ہاں مجھے سارے مکر وفریب کا علم ہو گیا ہے۔ یہ موسیٰ تمہارا استاد ہے اور اسے تم نے پہلے بھیج دیا اور بظاہر تم مقابلہ کے لئے آئے تھے۔ لیکن طے شدہ پروگرام کے تحت تم خود ہار گئے اور اس کی بات مان گئے۔ تو گویا تمہاری نظروں میں میری کوئی حیثیت ہی نہیں تھی اور بغیر مجھ سے پوچھے تم نے موسیٰ کی بات مان لی۔ اس بغاوت وسرکشی کا مزہ تمہیں بہت جلد چکھا دیا جائے گا۔ تم میں سے ہر ایک کے ہاتھ پاؤں الٹے جانب سے کاٹ دوں گا۔ یعنی دایاں ہاتھ بایاں پیر اور بایاں ہاتھ اور دایاں پیر۔ اور پھر تم سب کو سولی کے تختہ پر چڑھا دوں گا۔ تم میں سے ایک بھی اس سزا سے نہیں بچ سکے گا۔ فرعون نے یہ ساری تقریر اس وجہ سے کی کہ حاضرین پر ان کے ہار مان لینے کا برا اثر نہ پڑے اور اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ سب کے سب ایمان نہ لے آئیں۔

لیکن جادوگروں کا جواب بھی سننے کے قابل تھا۔ انہوں نے متفقہ طور پر جواب دیا۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ تم سے جو کچھ ہو سکے کر لو۔ ہمیں اس کی مطلق پرواہ نہیں۔ ہمیں تو خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے جو حقیقی، دائمی، امن وعافیت اور راحت کا ٹھکانہ ہے۔ ہماری تو اب صرف ایک ہی آرزو ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے پچھلے گناہوں پر ہماری پکڑ نہ کرے۔ اسی وجہ سے ہم سب سے پہلے ایمان لے آئے۔ سبحان اللہ ان کے صبر اور ایمان پر استقامت کا کیا کہنا کہ فرعون جیسا ظالم وجابر حکمران سامنے ڈرا دھمکا رہا ہے اور یہ نڈر و بے خوف ہو کر اس کی منشاء کے خلاف جواب دے رہے ہیں۔ وجہ اس کی یہی تھی کہ کفر ان کے دلوں سے دور ہو چکا تھا اور اس کا یقین ہو گیا تھا کہ خدائے تعالیٰ کے مقابلہ میں ان مادی اور عارضی طاقتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ نیز ان کے دلوں میں یہ بات جم گئی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس خدا کا دیا ہوا معجزہ ہے۔ یہ کوئی جادو نہیں ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے اسی وقت بلا کسی تاخیر کے حق کو قبول کر لیا۔

اَوْحَيْنَآ اِلٰى **مُوْسٰى** بَعْدَ سِنِيْنَ اِقَامَهَا بَيْنَهُمْ يَدْعُوْهُمْ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ اِلَى الْحَقِّ فَلَمْ يَزِيْدُوْا اِلَّا عُتُوًّا **اَنْ اَسْرِ عِبَادِىْٓ** بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِكَسْرِ النُّوْنِ وَوَصْلِ هُمْزَةِ اَسْرِ مِنْ سَرٰى لُغَةٌ فِىْ اَسْرٰى اَىْ سِرْبِهِمْ لَيْلًا ى الْبَحْرِ **اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ** ﴿۵۲﴾ يَتَّبِعُكُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ فَيَلِجُوْنَ وَرَاءَ كُمُ الْبَحْرَ فَاُنْجِيْكُمْ وَاُغْرِقُهُمْ **اَرْسَلَ فِرْعَوْنُ** حِيْنَ اُخْبِرَ بِسَيْرِهِمْ **فِى الْمَدَآئِنِ** قِيْلَ كَانَ لَهٗ اَلْفُ مَدِيْنَةٍ وَاِثْنَتَا عَشَرَةَ اَلْفِ قَرْيَةٍ **حٰشِرِيْنَ** ﴿۵۳﴾ جَامِعِيْنَ الْجَيْشَ قَائِلًا **اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ** طَائِفَةٌ **قَلِيْلُوْنَ** ﴿۵۴﴾ قِيْلَ كَانُوْا سِتَّمِائَةِ اَلْفٍ وَسَبْعِيْنَ اَلْفًا وَمُقَدَّمَةُ جَيْشِهٖ سَبْعُمِائَةِ اَلْفٍ فَقَلَّلَهُمْ بِالنَّظَرِ اِلٰى كَثْرَةِ جَيْشِهٖ **وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ** ﴿۵۵﴾ فَاعِلُوْنَ مَا يُغِيْظُنَا **وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ** ﴿۵۶﴾ مُتَيَقِّظُوْنَ وَفِىْ قِرَاءَةٍ حَاذِرُوْنَ مُسْتَعِدُّوْنَ قَالَ تَعَالٰى **فَاَخْرَجْنٰهُمْ** اَىْ فِرْعَوْنَ وَجُنُوْدَهٗ مِنْ مِصْرَ لِيَلْحَقُوْا مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ **مِّنْ جَنّٰتٍ** بَسَاتِيْنَ كَانَتْ عَلٰى جَانِبَىِ

النِّيلِ **وَعُيُونٍ** ﴿۵۷﴾ اِنَّهَا جَارِيَةٌ فِي الدُّوْرِ مِنَ النِّيلِ **وَكُنُوزٍ** اَمْوَالٍ ظَاهِرَةٍ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَسُمِّيَتْ كُنُوزًا لِاَنَّهُ لَمْ يُعْطَ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْهَا **وَمَقَامٍ كَرِيمٍ** ﴿۵۸﴾ مَجْلِسٍ حَسَنٍ لِلْاُمَرَاءِ وَالْوُزَرَاءِ يَحِفُّهُ اَتْبَاعُهُمْ **كَذٰلِكَ** ط اَيْ اِخْرَاجُنَا كَمَا وَصَفْنَا **وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيٓ اِسْرَآئِيلَ** ﴿۵۹﴾ بَعْدَ اِغْرَاقِ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ **فَاَتْبَعُوهُمْ** لَحِقُوْهُمْ **مُشْرِقِينَ** ﴿۶۰﴾ وَقْتَ شُرُوقِ الشَّمْسِ **فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ** اَيْ رَاٰى كُلٌّ مِنْهُمَا الْاٰخَرَ **قَالَ اَصْحٰبُ مُوسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُونَ** ﴿۶۱﴾ يُدْرِكُنَا جَمْعُ فِرْعَوْنَ وَلَاطَاقَةَ لَنَا بِهِ **قَالَ** مُوسٰى **كَلَّا** ج اَيْ لَنْ يُدْرِكُوْنَا **اِنَّ مَعِيَ رَبِّي** بِنَصْرِهِ **سَيَهْدِينِ** ﴿۶۲﴾ طَرِيقَ النَّجَاةِ قَالَ تَعَالٰى **فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ** ط فَضَرَبَهُ **فَانْفَلَقَ** اِنْشَقَّ اِثْنَيْ عَشَرَ فِرْقًا **فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ** ﴿۶۳﴾ اَلْجَبَلِ الضَّخْمِ بَيْنَهُمَا مَسَالِكُ سَلَكُوْهَا لَمْ يَبْتَلَّ مِنْهَا سُرُجُ الرَّاكِبِ وَلَالِبْدُهُ **وَاَزْلَفْنَا** قَرَّبْنَا **ثَمَّ** هُنَالِكَ **الْاٰخَرِينَ** ﴿۶۴﴾ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ حَتّٰى سَلَكُوْا مَسَالِكَهُمْ **وَاَنْجَيْنَا مُوسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِينَ** ﴿۶۵﴾ بِاِخْرَاجِهِمْ مِنَ الْبَحْرِ عَلٰى هَيْئَتِهِ الْمَذْكُوْرَةِ **ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِينَ** ﴿۶۶﴾ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ بِاِطْبَاقِ الْبَحْرِ عَلَيْهِمْ لَمَّا تَمَّ دُخُوْلُهُمُ الْبَحْرَ وَخُرُوْجُ بَنِيْ اِسْرَاءِيْلَ مِنْهُ **اِنَّ فِي ذٰلِكَ** اَيْ اِغْرَاقِ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ **لَاٰيَةً** ط عِبْرَةً لِمَنْ بَعْدَهُمْ **وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ** ﴿۶۷﴾ بِاللّٰهِ لَمْ يُؤْمِنْ مِنْهُمْ غَيْرَ اٰسِيَةَ اِمْرَاَةِ فِرْعَوْنَ وَ حِزْقِيلَ مُؤْمِنُ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَمَرْيَمُ بِنْتُ نَامُوْصٰى الَّتِيْ دَلَّتْ عَلٰى عِظَامِ يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ **وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ** فَانْتَقَمَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ بِاِغْرَاقِهِمْ **الرَّحِيمُ** ﴿۶۸﴾ بِالْمُؤْمِنِيْنَ فَاَنْجَاهُمْ مِنَ الْغَرَقِ

ع ۱۷ ۸

ترجمہ:.........اور ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی (چند سال ان لوگوں کے درمیان قیام کر لینے اور یہ دیکھ لینے کے بعد کہ یہ لوگ موسیٰ کی دعوت پر لبیک کہنے کے بجائے سرکشی و نافرمانی میں اور بڑھتے جا رہے ہیں) کہ شبا شب میرے ان بندوں (بنو اسرائیل) کو لے کر نکل جاؤ (ان اسر میں دوسری قرأت نون کے کسرہ اور اسر کے ہمزہ کو حذف کر دینے کا ہے۔ سری یسری سے مطلب وہی ہے کہ راتوں رات انہیں سمندر کی طرف لے کر نکل جاؤ) تم لوگوں کا (فرعون کی طرف) پیچھا بھی کیا جائے گا (اور سمندر کے قریب فرعون اور اس کا لشکر تمہیں آ بھی پکڑے گا۔ لیکن ہم تمہیں بچا لیں گے اور ان کو غرق کر دیں گے) فرعون نے شہروں میں جاسوس دوڑا دیئے (جب اسے اسرائیلیوں کے بھاگ جانے کا علم ہوا اور ان جاسوسوں کے ذریعہ یہ کہلا بھیجا) کہ یہ لوگ ایک چھوٹی سی جماعت ہیں (کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی۔ جب کہ فرعون کے لشکر کا اگلا دستہ ہی سات لاکھ پر مشتمل تھا۔ جملہ فوج تو بہت زیادہ تھی۔ تو فرعون کے لشکر کی تعداد کے مقابل میں انہیں قلیلون کہا گیا) انہوں نے ہم کو بہت غصہ دلایا ہے اور ہم سب کو ان سے خطرہ ہے (حذرون کے معنی چوکنا اور بیدار ہونے کے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہم ان سے غافل نہیں ہیں اور ایک قرأت میں حاذرون الف کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں معنی مستعد ہونے کے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے کہ) پھر ہم نے (فرعون اور اس کے لشکر کو) نکال باہر کیا۔

باغوں سے (جو دریائے نیل کے دونوں جانب تھے) اور چشموں سے (جو نیل کے قریب تھے) اور خزانوں سے (یعنی بے دخل کر دیا ان کے ظاہری اموال، سونا، چاندی وغیرہ سے) اور عمدہ مکانات سے (جہاں امراء ووزراء کی مجلسیں لگتی تھیں) یونہی ہوا (جس طرح ہم نے بیان کیا اور فرعون اور اس کی قوم کے ڈوبنے کے بعد) اور ان کا مالک بنی اسرائیل کو بنا دیا۔

غرض سورج نکلنے پر انہوں نے ان کو پیچھے سے جالیا۔ پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ہمراہی گھبرا کر بول اٹھے کہ ہم تو بس پکڑے گئے (اب ہمارے لئے کوئی راہ فرار نہیں ہے) فرمایا (موسیٰ نے) کہ ہرگز نہیں (پکڑے جائیں گے) کیونکہ میرے ہمراہ پروردگار (کی مدد) ہے۔ وہ مجھے ابھی راہ (نجات) بتادے گا۔ پھر ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ اپنے عصاء کو دریا پر مارو (چنانچہ انہوں نے اس پر عصا مارا جس سے) وہ دریا پھٹ گیا (بارہ حصوں میں) اور ہر حصہ اتنا بڑا تھا کہ جیسے بڑی پہاڑی (جن کے درمیان راستے ہیں جس سے یہ لوگ چل کر جاتے ہیں مگر چلنے والوں کے قدم تر بھی نہیں ہوئے) اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس مقام کے قریب پہنچا دیا (یعنی فرعون اور اس کے لشکر کو کہ وہ بھی اسی راستہ پر چل پڑے) اور ہم نے موسیٰ اور ان کے ساتھ والوں کو بچالیا۔ (اس دریا سے بحفاظت گزار کر) پھر دوسرے فریق کو غرق کر دیا (یعنی فرعون اور اس کے لشکر کو دریا میں آپس میں ملا کر جب تمام فرعون دریا میں داخل ہو گئے اور ادھر بنی اسرائیل دریا عبور کر چکے تھے) بے شک (فرعون کی اس غرق آبی کے) واقعہ میں بڑی عبرت ہے (بعد والوں کے لئے) اس کے باوجود ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے (سوا فرعون کی بیوی آسیہ اور اس کی اولاد میں سے حزقیل کے) آپ کا پروردگار بڑا قوت والا ہے (کفار سے ان کو غرق کر کے انتقام لے لیا) اور بڑا رحمت والا ہے (کہ مومنین کو ڈوبنے سے بچالیا)۔

تحقیق وترکیب:............ **اسر بعبادی**. **سریٰ یسری** سے ماخوذ ہے جو معنی میں **اسریٰ** کے ہے۔

یلجون. **لام** کا کسرہ اور مخفف استعمال ہے۔ **ولوج** مصدر یعنی داخل ہونا۔ **انجیناکم واغرقنھم**. دونوں فعل مرفوع استعمال ہوئے ہیں۔ عطف ہے **یلجون** پر۔ لیکن جواب امر ہونے کی بناء پر منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں۔

حٰذرون. قاموس میں ہے کہ اس کے معنی احتیاط کرنے کے آتے ہیں۔ اس لئے رجل حاذر کے معنی محتاط و پرہیزگار ہیں۔

﴿ تشریح ﴾:............ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ کرتے ہوئے ایک عرصہ گزر گیا، لیکن فرعون کی سرکشی و نافرمانی میں کوئی فرق نہیں آیا اور فرعون کی طرف سے اسرائیلیوں کو ستانے کا سلسلہ جاری رہا تو اب اس کے سوا کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی کہ ان پر عذاب آجائے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم خداوندی یہ ملا کہ راتوں رات اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر نکل جاؤ۔ اگرچہ فرعون تمہارا زبردست تعاقب کرے گا لیکن ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق بنو اسرائیل کو لے کر روانہ ہو گئے۔ صبح کے وقت جب فرعون کو معلوم ہوا کہ بنو اسرائیل رات میں فرار ہو گئے ہیں تو سناٹے میں آ گیا اور غصے کی وجہ سے سرخ ہو گیا۔ اسی وقت اپنے لشکر کو جمع کرنے لگا۔ ان سب کو جمع کر کے ان سے کہنے لگا کہ یہ بنو اسرائیل کا چھوٹا سا گروہ ہے۔ جس سے ہر وقت ہمیں کوفت ہوتی رہی ہے اور ان سے اندیشہ رہتا ہے کہ نا معلوم کیا کر بیٹھیں۔ لہٰذا امن عامہ کی خاطر فوراً ان کا قلع قمع کر دینا چاہئے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آج بھی حکومت کی طرف سے اس قسم کے اعلانات آتے رہتے ہیں کہ مٹھی بھر لوگ ہمارے خلاف شورش پھیلا رہے ہیں اور قانون شکنی کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا امن عامہ کی خاطر ان کو دبا دینا چاہئے اور اگر **حٰذرون** کے بجائے **حاذرون** الف کے ساتھ پڑھیں تو اس صورت میں

ترجمہ ہوگا کہ فرعون نے اپنی فوجوں کو غیرت دلاتے ہوئے کہا کہ یہ بنواسرائیل تو مٹھی بھر ہیں اور ہم ان کے مقابلے میں کثیر اور ہتھیار بند ہیں۔ لہٰذا اب انہیں ان کی سرکشی کا مزہ چکھا دینا چاہئے اور راستہ میں گھیر کر گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دینا چاہئے۔ لیکن خدا تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وہ بجائے بنواسرائیل کو تباہ کرنے کے خود برباد ہوئے۔

ارشاد خداوندی ہے کہ یہ اپنی طاقت اور کثرت کے بل بوتے پر بنواسرائیل کے تعاقب میں انہیں نیست و نابود کر دینے کے ارادہ سے نکلے اور ہم نے اس طرح انہیں ان کے باغات، چشموں، نہروں، خزانوں اور بارونق مکانات سے نکال باہر کیا اور انہیں غرق کر کے ان چیزوں کے مالک بنواسرائیل کو بنا دیا اور انہیں تخت و تاج اور سلطنت و حکومت عطا فرمائی۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد فلسطین میں اسرائیلیوں کی حکومت قائم ہوگئی اور داؤد علیہ السلام کی بادشاہت رہی۔ نیز حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں تو مصر کا علاقہ بھی دارالسلطنت میں شامل ہوگیا اور یرمیاہ نبی کے زمانہ حکومت میں مصراز سرنو یہودیوں کا وطن بن گیا۔ یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ اب پھر اصل قصہ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ فرعون اپنے لشکر اور مصر و بیرون مصر کے لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر بنی اسرائیل کو تہس نہس کر دینے کے ارادے سے نکل پڑا۔ ان کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ مگر قرآن نے ان کی کوئی تعداد بیان نہیں فرمائی ہے۔ اس لئے کوئی صحیح تعداد بیان نہیں کی جا سکتی۔ طلوع آفتاب کے وقت یہ ان کے پاس پہنچ گیا۔ انہیں دیکھ کر بنی اسرائیل گھبرا اٹھے اور بے ساختہ بول پڑے کہ اے موسیٰ بتلاؤ اب ہم کیا کریں۔ ہم تو پکڑ لئے گئے۔ کیونکہ آگے بحر قلزم ہے اور پیچھے فرعون کی فوج تو ظاہر ہے ان لوگوں کا اپنے مقابل میں باقاعدہ شاہی فوج کو دیکھ کر گھبرا جانا ایک طبعی امر تھا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وعدہ نصرت الٰہی پر پورا بھروسہ تھا۔ وہ پیغمبرانہ وقار کے ساتھ بولے گھبراؤ مت ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ میرے پروردگار نے میرا کہیں ساتھ نہیں چھوڑا ہے۔ وہ کوئی نجات کا راستہ مجھے دکھا کر رہے گا۔ اسی وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے موسیٰ اس دریا پر اپنی لکڑی مارو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بحکم خدا لکڑی مارنا تھا کہ دریا پھٹ گیا اور اس میں سے بارہ راستے نکل گئے۔ یہ اس وجہ سے کہ بنی اسرائیل کے قبیلے بھی بارہ ہی تھے اور ہر حصہ اتنا بڑا تھا جیسے کوئی پہاڑی ہو۔ خدا تعالیٰ تو موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی کی ضرب کے بغیر بھی دریا میں سے راستہ نکال دینے پر قادر تھا مگر اس واسطہ کے اختیار کرنے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کا بھی اظہار ہوگیا۔ دریا میں راستہ نکلتے ہی بنواسرائیل کا ہر قبیلہ ایک ایک راستے سے دریا عبور کرنے لگا اور جب حضرت موسیٰ بنواسرائیل کو لے کر دریا سے نکل گئے تو فرعونی جو کہ ان کے تعاقب میں آ رہے تھے وہ بھی سمندر میں راستہ دیکھ کر اسے پار کرنے لگے تو خدا تعالیٰ کے حکم سے سمندر کا پانی جیسا تھا ویسا ہی ہوگیا اور سارے کے سارے قبطی ڈبو دیئے گئے اور ان کا کبر و غرور دھرا کا دھرا رہ گیا۔

ارشاد ہے کہ اس واقعہ میں لوگوں کے لئے بہت بڑی عبرت ہے۔ لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا قوت والا ہے اور بڑا رحمت والا ہے۔ صفت عزیز کے تقاضہ سے وہ جب اور جسے چاہے سزا دے دے اور صفت رحیم کے تقاضہ سے فوراً گرفت میں نہیں لیتا بلکہ موقع اور ڈھیل دیتا رہتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ اَیْ کُفَّارَ مَکَّةَ **نَبَاَ** خَبَرَ **اِبْرٰهِيْمَ﴿۶۹﴾** وَيُبْدَلُ مِنْهُ **اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاتَعْبُدُوْنَ﴿۷۰﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا** صَرَّحُوْا بِالْفِعْلِ لِيَعْطِفُوْا عَلَيْهِ **فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ﴿۷۱﴾** اَیْ نُقِيْمُ نَهَارًا عَلٰی عِبَادَتِهَا زَادُوْهُ فِی الْجَوَابِ اِفْتِخَارًا بِهٖ **قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ** حِيْنَ **تَدْعُوْنَ﴿۷۲﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ** اِنْ عَبَدْتُّمُوْهُمْ **اَوْ يَضُرُّوْنَ﴿۷۳﴾** كُمْ اِنْ لَمْ تَعْبُدُوْهُمْ **قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ﴿۷۴﴾** اَیْ مِثْلَ فِعْلِنَا **قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ** لَا اَعْبُدُهُمْ **اِلَّا** لٰكِنْ **رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۷۷﴾** فَاِنِّیْ اَعْبُدُهٗ **الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ﴿۷۸﴾** اِلَی الدِّيْنِ **وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ﴿۸۰﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ** اَرْجُوْا **اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ﴿۸۲﴾** اَیِ الْجَزَاءِ **رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا** عِلْمًا **وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴿۸۳﴾** اَیِ النَّبِيِّيْنَ **وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ** ثَنَاءً حَسَنًا **فِي الْاٰخِرِيْنَ﴿۸۴﴾** الَّذِيْنَ يَاْتُوْنَ بَعْدِیْ اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ﴿۸۵﴾** اَیْ مِمَّنْ يُعْطَاهَا **وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ﴿۸۶﴾** بِاَنْ تَتُوْبَ عَلَيْهِ فَغَفَرَلَهٗ وَهٰذَا قَبْلَ اَنْ يَّتَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوُّ اللّٰهِ كَمَا ذُكِرَ فِیْ سُوْرَةِ بَرَاءَةٍ **وَلَا تُخْزِنِيْ** تُفْضَحْنِیْ **يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ﴿۸۷﴾** اَیِ النَّاسُ قَالَ تَعَالٰی فِيْهِ **يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ﴿۸۸﴾** اَحَدًا **اِلَّا** لٰكِنْ **مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴿۸۹﴾** مِنَ الشِّرْكِ وَالنِّفَاقِ وَهُوَ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْفَعُهٗ ذٰلِكَ **وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ** قُرِّبَتْ **لِلْمُتَّقِيْنَ﴿۹۰﴾** فَيَرَوْنَهَا **وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ** اُظْهِرَتْ **لِلْغٰوِيْنَ﴿۹۱﴾** الْكَافِرِيْنَ **وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَیْ غَيْرِهٖ مِنَ الْاَصْنَامِ **هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ** بِدَفْعِ الْعَذَابِ عَنْكُمْ **اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ﴿۹۳﴾** بِدَفْعِهٖ عَنْ اَنْفُسِهِمْ لَا **فَكُبْكِبُوْا** اُلْقُوْا **فِيْهَا هُمْ وَالْغٰوٗنَ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ** اَتْبَاعُهٗ وَمَنْ اَطَاعَهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ **اَجْمَعُوْنَ﴿۹۵﴾ قَالُوْا** اَیِ الْغَاوُوْنَ **وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ﴿۹۶﴾** مَعَ مَعْبُوْدِيْهِمْ **تَاللّٰهِ اِنْ** مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَیْ اَنَّهٗ **كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴿۹۷﴾** بَيِّنٍ **اِذْ** حَيْثُ **نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۹۸﴾** فِی الْعِبَادَةِ **وَمَآ اَضَلَّنَآ** عَنِ الْهُدٰی **اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ﴿۹۹﴾** اَیِ الشَّيَاطِيْنُ اَوْ اَوَّلُوْنَ الَّذِيْنَ اِقْتَدَيْنَا بِهِمْ **فَمَا لَنَا مِنْ شٰفِعِيْنَ﴿۱۰۰﴾** كَمَا لِلْمُؤْمِنِيْنَ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ **وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ﴿۱۰۱﴾** اَیْ يَهِمُّهٗ اَمْرُنَا **فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً** رَجْعَةً اِلَی الدُّنْيَا **فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۰۲﴾** لَوْهُنَا لِلتَّمَنِّیْ وَنَكُوْنُ جَوَابُهٗ **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرِ مِنْ قِصَّةِ اِبْرَاهِيْمَ وَقَوْمِهٖ **لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴿۱۰۳﴾**

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ:............ اور آپ ان (کفار مکہ) کے سامنے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیجئے جب کہ انہوں نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو (اذقال لابیہ بدل واقع ہورہا ہے (ابراہیم سے) انہوں نے کہا کہ ہم تو بتوں کی عبادت کرتے ہیں (اور مزید فخراً یہ بھی کہا کہ) ہم انہیں پر جمے رہتے ہیں۔ (قالوا نعبدا صناما میں صرف اصناما کہہ دینا کافی تھا۔ لیکن اصناما سے پہلے نعبد فعل بھی لایا گیا۔ تاکہ فنظل کا اس پر عطف ہوسکے ابراہیمؑ نے) فرمایا کہ یہ تمہاری سنتے ہیں۔ جب تم انہیں پکارتے ہو۔ یا یہ تم کو کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں (جب تم ان کی عبادت کرتے ہو) یا تم کو ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ (اگر تم ان کی عبادت نہ کرو) ان لوگوں نے کہا (اس طرح کی کوئی بات تو نہیں) بلکہ ہم نے اپنے بڑوں کو ایسا کرتے ہوئے پایا ہے (جس طرح ہم کررہے ہیں ابراہیمؑ نے) فرمایا بھلا تم نے ان کی (اصلی حالت کو) دیکھا بھی ہے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ تم خود اور تمہارے پرانے بڑے بھی۔ یہ تو میری نظر میں باعث ضرر ہیں (اسی وجہ سے میں انہیں نہیں پوجتا) مگر ہاں پروردگار عالم (جس کی میں عبادت کرتا ہوں وہ ہے) جس نے مجھ کو پیدا کیا۔ پھر وہی میری راہنمائی کرتا ہے (دین فطرت کی طرف) اور وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے۔ وہی مجھے موت دے گا۔ پھر مجھے زندہ کرے گا اور وہی ہے جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ میری غلط کاری کو قیامت کے دن معاف کردے گا۔ اے میرے رب مجھ کو حکمت (یعنی علم) عطا فرما اور مجھ کو نیک لوگوں کے ساتھ شامل فرما اور میرا ذکر (خیر) آئندہ آنے والوں میں (قیامت تک) جاری رکھ اور مجھے جنت نعیم کے مستحقوں میں سے کردے اور میرے باپ کی مغفرت کردیجئے کہ وہ گمراہوں میں سے ہے (حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا اس وقت تھی جب کہ یہ بات منکشف نہیں ہوئی تھی کہ وہ بھی خدا تعالیٰ کے نافرمانوں میں سے ہے۔ جیسا سورۂ براءت میں ذکر آیا ہے) اور مجھے رسوا نہ کرنا اس دن جب سب لوگ اٹھائے جائیں گے (اس کے جواب میں ارشاد ہے کہ) اس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد۔ مگر ہاں (اس کی نجات ہوگی) جو اللہ کے پاس (شرک وکفر سے) پاک دل لے کر آئے (اور وہ مومن کا دل ہی ہوسکتا ہے اور اس دن) جنت متقیوں کے نزدیک کردی جائے گی اور گمراہوں (یعنی کافروں) کے سامنے دوزخ ظاہر کردی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ اب وہ (بت وغیرہ) کہاں گئے جن کی تم عبادت کرتے تھے اللہ کے سوا۔ کیا وہ تمہارا ساتھ دے سکتے ہیں؟ (اور تمہیں عذاب سے نجات دلا سکتے ہیں) یا وہ اپنا ہی بچاؤ کرسکتے ہیں (اس عذاب سے نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا) پھر وہ اور گمراہ لوگ اور ابلیس کا لشکر (انسانوں اور جنوں میں سے جنہوں نے ان کی اتباع کی ہوگی) سب کے سب اس دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیئے جائیں گے۔ دوزخ میں (یہ کفار) باہم جھگڑتے ہوئے (اپنے معبودوں سے) کہیں گے کہ بخدا بے شک ہم صریح گمراہی میں تھے جبکہ تم کو (عبادت میں) رب العالمین کے برابر کرتے تھے (ان کنا میں ان مخففہ من الثقیلہ اور اس کا اسم محذوف ہے) اور ہم کو تو بس ان بڑے مجرموں (شیاطین اور ان لوگوں نے جن کی ہم نے اقتداء کی انہوں) نے گمراہ کیا۔ سو اب کوئی ہمارا سفارشی نہیں (جیسا کہ مومنین کے لئے فرشتے، انبیاء اور خود دوسرے مومنین ہیں) اور نہ کوئی مخلص دوست ہی ہے کہ (دلسوزی ہی کرلے) سو کاش ہمیں دنیا میں پھر جانے کا موقع ملتا تو ہم مومن ہوجاتے (فلو ان لنا میں لو تمنی کے لئے ہے اور اس کا جواب یہ آنے والی آیت ہے) بے شک اس (واقعہ ابراہیمؑ اور ان کی قوم) میں ایک بڑی عبرت ہے (اس کے باوجود) ان مشرکین میں سے اکثر ایمان نہیں لائے اور بے شک آپ کا پروردگار بڑا قدرت والا اور بڑا رحمت والا ہے۔

تحقیق وترکیب:.............. اذ تــدعــون. منصوب ہے اپنے ماقبل سے اس کے ماقبل ومابعد دو ماضی کے صیغے ہیں۔ معنی میں اگر چہ لفظاً مستقبل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اذا. اذا کے معنی میں ہے۔ لیکن زمخشریؒ کی رائی ہے کہ اذ سے حال ماضی کی حکایت مقصود ہے۔ زمخشری کی تحقیق کے مطابق تبکیت (خاموش کرنا) کا مفہوم خوب واضح ہوگا۔

افرایتم میں **فــا عاطفہ** ہے اور عطف ایک محذوف پر ہورہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا تم ان کی عبادت کی لغویت پر مطلع ہوئے کہ وہ نہ نفع پہنچا سکیں اور نہ نقصان۔

الا رب العالمین. الا مستثنیٰ منقطع ہے اور بعضوں کے خیال میں استثناء متصل۔

الـذی خـلقنی. یہ منصوب بھی ہوسکتا ہے رب العـالمین کی صفت ہونے کی بناء پر یا بدل اور عطف بیان ہونے کی وجہ سے اعنی مقدر مان لیں تو جب بھی یہ منصوب ہوگا اور اگر اسے مرفوع قرار دیا جائے تو یہ ایک مبتداء محذوف کا خبر ہوگا۔

فھو یھدین محلاً مرفوع ہے مبتداء ہونے کی بناء پر

یوم لاینفع. یہ خداتعالیٰ اور حضرت ابراہیمؑ دونوں کا قول ہوسکتا ہے۔ اگر مقولہ ابراہیمؑ ہے تو یوم یبعثون سے بدل واقع ہوگا۔

ان کنا عام طور پر اگر چہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس ان کا اسم محذوف ہے۔ لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ان مہملہ ہے۔ ان کے اسم اور خبر کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ لام موجود ہے۔

لو ان لنا ۔لو تمنا کے لئے ہے اور نکون اس کا جواب ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ لو شرطیہ ہے اور اس کا جواب محذوف ہے اور نکون کا عطف کرۃ پر ہورہا ہے۔ عبارت ہوگی لو ان لنا کرۃ فنکون من المؤمنین لرجعنا عما کنا علیہ او خلصنا من العذاب۔

﴿ **تشریح** ﴾:............. آنحضور ﷺ کو حکم ملا کہ اپنی قوم کو امام الموحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنائیے۔ تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھاسکیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کی فطرت میں توحید رچی ہوئی تھی۔ انہوں نے لوگوں کو کفر وشرک میں مبتلا دیکھ کر اپنے والد اور اپنی قوم سے فرمایا کہ یہ کیا بت پرستی کررہے ہو۔ اس سے کیا فائدہ؟ کیا یہ تمہاری دعاؤں کو سنتے ہیں؟ یا کسی طرح کا نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں؟ ظاہر ہے یہ اس کا کیا جواب دے سکتے تھے اور دنیا میں کسی بت پرست کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ لہٰذا قوم نے جواب دیا کہ ہم تو اپنے بڑوں کی تقلید کررہے ہین اور ان کی اتباع کرتے ہیں۔ گویا کہ نہ کوئی دلیل عقلی اور نہ نقلی۔ بس اندھی تقلید کئے جارہے ہیں۔

قوم کا یہ جواب سن کر ابراہیم خلیل اللہؑ نے ان کے معبودان باطل سے اظہاری بیزاری کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ یہ تمہارے معبود میرے معاون ومددگار تو کیا ہوتے یہ تو اور دشمن ہیں۔ انہی کے ذریعہ گمراہی پھیل رہی ہے اور یہ تباہی وبربادی کے باعث ہیں۔ اس لئے تو میں اس رب العالمین کا پرستار ہوں جس کی ذات تمام کمالات کی جامع ہے۔ وہی خالق ہے۔ وہی ہادی ہے اور اسی کے ہاتھ میں پوری کائنات کا نظم وانتظام ہے۔ یہ نہیں کہ پیدا کرنے والا کوئی دوسرا دیوتا اور نظم وانتظام اور ہدایت کا دیوتا کوئی اور ہو۔ اسی طرح کھانا اور پانی بھی وہی خدائے واحد دیتا ہے۔ ایسا نہیں کہ زراعت کا دیوتا کوئی اور ہے اور بارش کا دیوتا کوئی اور۔ جیسا کہ مشرک اور جاہل قوموں نے ہر کام کے لئے علیحدہ علیحدہ دیوی دیوتا کو تسلیم کر رکھا ہے۔ اسی طرح صحت وشفا بھی اسی خدائے برتر کے ہاتھ میں

ہے۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کمال ادب دیکھئے کہ بیماری کی نسبت تو اپنی طرف کی اور شفا کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف۔ یہ نہیں کہ وہی مجھے بیمار ڈالتا ہے اور وہی شفا دیتا ہے۔ بلکہ یہ کہا کہ جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی شفاء دیتا ہے۔ اور وہی موت وفنا طاری کرنے والا ہے اور وہی جزاوسزا کے لئے دوبارہ زندہ کرنے والا ہے اور پھر مغفرت ونجات کی امیدیں بھی اسی خدائے واحد کی ذات سے ہیں۔ ابراہیم خلیل اللہ اپنی گفتگو میں کس درجہ ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ ہر بری چیز کو اپنی جانب منسوب کرتے ہیں اور اچھی چیز کو خدائے تعالیٰ کی طرف۔ اسی طرح اپنے لئے خطیئہ (غلط کاری) کو تسلیم کرتے ہیں اور پھر اپنی مغفوریت کو جزم کے ساتھ بیان نہیں کرتے۔ بلکہ خدا تعالیٰ سے امید وتوقع وابستہ کرتے ہیں۔ اسی کا نام رعایت ادب اور ادائے حق عبدیت ہے۔

خشوع وخضوع اور بیتاب دعائیں:............ خدا تعالیٰ کے کمالات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ یاالٰہی مجھے حکمت عطا فرما اور نیک لوگوں میں شامل رکھ۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکمت تو آپ کو پہلے سے حاصل تھی۔ پھر اس دعا کا کیا مطلب؟ تو کہا گیا ہے کہ اس سے مراد علم وعقل میں مزید حصول کمال کی خواہش ہے۔ والحقنی بالصالحین سے مراد یہاں عالی مرتبت انبیاء ہیں۔ پھر دعا کرتے ہیں کہ میرا ذکر خیر میرے بعد بھی لوگوں میں جاری رکھیو تا کہ وہ لوگ میرے طریقہ پر چلیں اور میرے لئے اضافہ اجر وثواب کا باعث ہوں۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ آج بھی مسلمان جب نماز پڑھتا ہے تو درود میں آنحضور ﷺ کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیمؑ پر بھی سلام بھیجتا ہے بلکہ ہر مذہب کے لوگ حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

فقہاء نے اس آیت سے یہ بات نکالی ہے کہ انسان کا اپنے ذکر خیر کو پسند کرنا اور اس کی تمنا کرنا عام حالات میں مذموم ومعیوب نہیں۔ سلسلہ دعا بھی جاری ہے۔ انہیں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی کہ دنیا میں ذکر خیر باقی رکھنے کے ساتھ آخرت میں بھی جنت کا مستحق بنا دیجئے اور اے اللہ میرے گمراہ باپ کو بھی معاف فرما دیجئے۔ کافر باپ کے لئے آپ کا استغفار کرنا اس وقت تھا جب کہ اس کا دشمن خدا ہونا آپ پر واضح نہیں ہوا۔ لیکن جب دشمن خدا ہونا ظاہر ہو گیا تو آپ نے اس سے برأت اور اظہار بیزاری فرمایا۔ جیسا کہ سورۃ توبہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔

اور اگر کان من الضالین میں کان کا ترجمہ ''تھا'' کے بجائے ''ہے'' کیا جائے تو پھر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ اس صورت میں گویا کہ یہ دعا مرنے کے بعد کی نہیں بلکہ آزر کی زندگی ہی میں تھی اور زندگی میں ایمان لے آنے کا امکان تھا تو دعا کا حاصل یہ ہوگا کہ اے اللہ اسے ایمان کی توفیق عطا فرما اور کفر کے زمانہ کی خطائیں معاف فرما دے۔ آپ کی ایک دعا یہ تھی کہ اے اللہ مجھے قیامت کے دن کی رسوائی سے بچا لینا۔ جس دن کہ نہ مال کام آئے گا نہ اولاد۔ البتہ اسے کوئی کھٹکا نہیں ہوگا جو خدا کے پاس پاک وصاف دل لے کر آئے گا۔ ایسا دل جو کفر وشرک اور فاسد عقیدوں سے پاک ہوگا۔

سوچئے تو سہی کہ ابراہیمؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی یہی دعا کر رہے ہیں کہ اے پروردگار قیامت کی رسوائی سے بچا لینا تو پھر عام لوگوں کا کیا حال ہوگا۔

اکرام مومن:............ ارشاد ہے کہ قیامت کے دن جنت اپنی تمام آرائش وزیبائش کے ساتھ متقین کو قریب نظر آئے گی۔ جسے دیکھ کر وہ مسرور ومحفوظ ہوں گے۔ یہ مومنین ومتقین کا ایک اکرام ہوگا۔ کہ بجائے انہیں جنت کی طرف جانے کے الٹی جنت ہی خود ان کی طرف بڑھ آئے گی۔

اسی طرح دوزخ کو مجرموں سے قریب لے آئیں گے۔ تاکہ داخل ہونے سے پہلے ہی خوف کی وجہ سے لرز اٹھیں گے۔ پھر ان سے سوال کیا جائے گا کہ تمہارے وہ معبودان باطل کہاں گئے۔ جن کی تم خدا کے علاوہ پرستش کیا کرتے تھے۔ وہ نہ تمہاری مدد کر کے عذاب سے چھڑا سکتے ہیں اور نہ بدلہ ہی لے سکتے ہیں۔ وہ تمہاری تو کیا مدد کریں گے۔ ان کی بے بسی و بے چارگی کا تو یہ عالم ہے کہ خود اپنے کو بچانے پر بھی قادر نہیں۔ پھر یہ بت اور بت پرست اور ابلیس کا سارا لشکر جو اس کی اتباع کرنے والے تھے، سب کو اوندھے منہ دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔ وہاں پہنچ کر آپس میں جھگڑیں گے۔ ایک دوسرے کو الزام دیں گے اور بالآخر اپنی گمراہی کا اعتراف کریں گے اور یہ مشرکین اور ان کے پجاری اپنے دیوی، دیوتاؤں سے کہیں گے کہ واقعی ہم سے بڑی سخت غلطی ہوئی کہ ہم نے تم کو رب العالمین کے برابر کر دیا اور تمہاری عبادت کرتے رہے۔ افسوس ہمیں اس غلط اور بری راہ پر ان شیطانوں نے لگائے رکھا اور اب نہ کوئی بت کام دیتا ہے اور نہ کوئی شیطان مدد کو پہنچتا ہے بلکہ وہ خود ہی دوزخ میں جل رہے ہیں۔

وہ آپس میں پوچھیں گے کہ کیا کوئی شفیع ہے، جو ہماری شفاعت کرے یا کم از کم اس آڑے وقت میں کوئی دوست ہے جو ہمدردی ہی کا اظہار کرے۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ہم دوبارہ دنیا کی طرف لوٹائے جائیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہم وہاں سے اب پکے اور سچے مومن بن کر آئیں گے۔

ارشاد ہے کہ اس قصہ ابراہیم میں لوگوں کے لئے عبرت ہے۔ مگر اس کے باوجود لوگ ایمان نہیں لاتے اور غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ بے شک خدا تعالیٰ بڑا قادر و غالب اور بڑا رحمت والا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحِ بِ**الْمُرْسَلِينَ**﴿۱۰۵﴾ بتكذيبهم لَهُ لِاشْتِرَاكِهِمْ فِي الْمَجِيءِ بِالتَّوْحِيدِ أَوْ لِأَنَّهُ لِطُولِ لُبْثِهِ فِيهِمْ كَأَنَّهُ رُسُلٌ وَتَانِيثُ قَوْمٍ بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ وَتَذْكِيرُهُ بِاعْتِبَارِ لَفْظِهِ **إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ** نَسَبًا **نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ**﴿۱۰۶﴾ اللّٰهَ **إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ**﴿۱۰۷﴾ عَلَى تَبْلِيغِ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ**﴿۱۰۸﴾ فِيمَا آمُرُكُمْ بِهِ مِنْ تَوْحِيدِ اللّٰهِ وَطَاعَتِهِ **وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ** عَلَى تَبْلِيغِهِ **مِنْ أَجْرٍ إِنْ** مَا **أَجْرِيَ** أَيْ ثَوَابِيَ **إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعٰلَمِينَ**﴿۱۰۹﴾ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ**﴿۱۱۰﴾ كَرَّرَهُ تَاكِيدًا **قَالُوا أَنُؤْمِنُ** نُصَدِّقُ **لَكَ** لِقَوْلِكَ **وَاتَّبَعَكَ** وَفِي قِرَاءَةٍ وَأَتْبَاعُكَ جَمْعُ تَابِعٍ مُبْتَدَأٌ **الْأَرْذَلُونَ**﴿۱۱۱﴾ السُّفَلَةُ كَالْحَاكَةِ وَالْأَسَاكِفَةِ **قَالَ وَمَا عِلْمِي** أَيْ عِلْمٌ لِي **بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ**﴿۱۱۲﴾ **إِنْ** مَا **حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَى رَبِّي** فَيُجَازِيهِمْ **لَوْ تَشْعُرُونَ**﴿۱۱۳﴾ تَعْلَمُونَ ذٰلِكَ مَا عِبْتُمُوهُمْ **وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ**﴿۱۱۴﴾ **إِنْ** مَا **أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ**﴿۱۱۵﴾ بَيِّنُ الْإِنْذَارِ **قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يٰنُوحُ** عَمَّا تَقُولُ لَنَا **لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ**﴿۱۱۶﴾ بِالْحِجَارَةِ أَوْ بِالشَّتْمِ **قَالَ** نُوحٌ **رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ**﴿۱۱۷﴾ **فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا** أَيْ احْكُمْ **وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ**﴿۱۱۸﴾ قَالَ تَعَالَى **فَأَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ**﴿۱۱۹﴾ الْمَمْلُوءِ مِنَ النَّاسِ

وَالْحَيَوَانِ وَالطَّيْرِ **ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ** اَىْ بَعْدَ اَنْجَائِهِمُ **الْبَاقِيْنَ**﴿۱۲۰﴾ مِنْ قَوْمِهٖ **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ**﴿۱۲۱﴾ **وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ**﴿۱۲۲﴾ **كَذَّبَتْ عَادُ** ن **الْمُرْسَلِيْنَ**﴿۱۲۳﴾ **اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ**﴿۱۲۴﴾ **اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ**﴿۱۲۵﴾ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ**﴿۱۲۶﴾ **وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ** مَا **اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ**﴿۱۲۷﴾ **اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ** مَكَانٍ مُرْتَفِعٍ **اٰيَةً** بِنَاءً عَلَمًا لِلْمَارَّةِ **تَعْبَثُوْنَ**﴿۱۲۸﴾ بِمَنْ يَمُرُّبِكُمْ وَتَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ تَبْنُوْنَ **وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ** لِلْمَاءِ تَحْتَ الْاَرْضِ **لَعَلَّكُمْ** كَاَنَّكُمْ **تَخْلُدُوْنَ**﴿۱۲۹﴾ فِيْهَا لَاتَمُوْتُوْنَ **وَاِذَا بَطَشْتُمْ** بِضَرْبٍ اَوْ قَتْلٍ **بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ**﴿۱۳۰﴾ مِنْ غَيْرِ رَاْفَةٍ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ** فِىْ ذٰلِكَ **وَاَطِيْعُوْنِ**﴿۱۳۱﴾ فِيْمَا اَمَرْتُكُمْ بِهٖ **وَاتَّقُوا الَّذِىْٓ اَمَدَّكُمْ** اَنْعَمَ عَلَيْكُمْ **بِمَا تَعْلَمُوْنَ**﴿۱۳۲﴾ **اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ**﴿۱۳۳﴾ **وَجَنّٰتٍ** بَسَاتِيْنَ **وَّعُيُوْنٍ**﴿۱۳۴﴾ اَنْهَارٍ **اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ**﴿۱۳۵﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِنْ عَصَيْتُمُوْنِىْ **قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ** مُسْتَوٍ عِنْدَنَا **اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ**﴿۱۳۶﴾ اَصْلًا اَىْ لَانَرْعَوِىْ لِوَعْظِكَ **اِنْ** مَا **هٰذَآ** الَّذِىْ خَوَّفْتَنَا بِهٖ **اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ**﴿۱۳۷﴾ اَىْ اِخْتِلَاقُهُمْ وَكَذِبُهُمْ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْخَاءِ وَاللَّامِ اَىْ مَاهٰذَا الَّذِىْ نَحْنُ عَلَيْهِ مِنْ اَنْ لَا بَعْثَ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ اَىْ طَبِيْعَتُهُمْ وَعَادَتُهُمْ **وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ**﴿۱۳۸﴾ **فَكَذَّبُوْهُ** بِالْعَذَابِ **فَاَهْلَكْنٰهُمْ** فِى الدُّنْيَا بِالرِّيْحِ **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ**﴿۱۳۹﴾ **وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ**﴿۱۴۰﴾

ترجمہ:............نوح علیہ السلام کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا (یہاں جمع کا صیغہ ہے۔اس وجہ سے کہ کسی ایک نبی کا جھٹلانا گویا کہ تمام انبیاء کی تکذیب کرنا ہے۔ کیونکہ ہر ایک کا مقصد ایک ہوتا ہے۔ یعنی دعوت توحید یا یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے درمیان اتنا طویل وقت گزارا کہ انہوں نے کئی انبیاء کا دور دیکھا ہو۔اس وجہ سے جمع کا صیغہ لایا گیا اور قوم کو مؤنث استعمال کرنا باعتبار معنی کے ہے۔اگرچہ باعتبار لفظ کے یہ مذکر ہے) جب کہ ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ میں ہوں تمہارا راستباز پیغمبر (بھیجا گیا ہوں اس چیز کی تبلیغ کے لئے جو مجھے عطا کی گئی ہے) سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو (جو کچھ میں تمہیں حکم دوں۔خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی اطاعت کے بارے میں) اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی صلہ نہیں مانگتا۔میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے۔سو (میری اس نیک نیتی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ) اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو (اس جملہ کو تاکید کے لئے مکرر لایا گیا ہے) وہ لوگ بولے تو کیا ہم تمہیں ماننے لگیں درآنحالیکہ تمہارے پیرو رذیل (اور پست اقوام جیسے نور باف اور جوتہ ساز وغیرہ) ہی ہیں۔(واتبعک ایک قرأت ہے واتباعک ہے جمع ہے تابع کی اور ترکیب میں مبتداء واقع ہے نوح علیہ السلام نے) فرمایا کہ ان کے (پیشہ اور) کام سے مجھے کیا بحث۔ان سے حساب کتاب لینا تو بس میرے پروردگار ہی کا کام ہے۔(وہی انہیں جزاو سزا دے

گا) کاش تم اسے سمجھتے (اور جانتے جوتم نے انہیں عیب لگایا) اور میں ایمان والوں کو (اپنے پاس سے) دور کرنے والا نہیں۔ میں تو بس ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ اے نوح اگر تم (اس کہنے سننے سے) باز نہ آئے تو ضرور سنگسار کردیئے جاؤ گے۔ (پتھروں سے مار مار کر ہلاک کردیا جائے گا یا سب وشتم کر کے پریشان کردیا جائے گا۔ نوحؑ نے) دعا کی کہ اے میرے پروردگار، میری قوم مجھے جھٹلا رہی ہے۔ سو آپ ہی میرے اور ان کے درمیان کھلا ہوا فیصلہ فرما دیجئے اور مجھے اور میرے ساتھ جو ایمان والے ہیں انہیں نجات دیجئے (ارشاد ہوا) چنانچہ ہم نے (ان کی دعا قبول کی اور) انہیں اور جو ان کے ساتھ (انسانوں، حیوانوں اور پرندوں سے) بھری ہوئی کشتی میں تھے، سب کو نجات دی۔ پھر اس کے بعد (قوم کے) باقی لوگوں کو غرق کردیا۔ اس واقعہ میں بھی بڑی عبرت ہے اور (اس کے باوجود) ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بے شک آپ کا رب بڑا قوت والا، بڑی رحمت والا ہے۔

قوم عاد نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ہی ذمہ ہے۔ تو کیا تم ایک یادگار (کے طور پر عمارت) ہر اونچے مقام پر بناتے ہو (اور وہاں سے ہر گزرنے والوں کا مذاق بناتے اور فضول کارروائی کرتے ہو۔ یہ جملہ حال واقع ہو رہا ہے تبنون کی ضمیر سے) اور (زمین سے نیچے پانی کے لئے) بڑے بڑے بند بناتے ہو۔ جیسے (دنیا میں) تم کو ہمیشہ رہنا ہے اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو بالکل جابر و ظالم بن کر دارو گیر کرتے ہو (بغیر کسی نرمی کے) سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو (جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں) اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری مدد ان چیزوں سے کی جنہیں تم جانتے ہو (یعنی) تمہاری مدد کی مویشیوں، بیٹوں، باغوں اور چشموں سے، مجھے اندیشہ ہے تمہارے لئے بڑے سخت دن کے عذاب کا (دنیا اور آخرت میں اگر تم اپنی معصیت و نافرمانی سے باز نہ آئے) وہ لوگ بولے کہ ہمارے لئے برابر ہے خواہ تم نصیحت کرو خواہ تم ناصح نہ بنو (اس سے ہمارے اندر کوئی فرق نہیں آئے گا) یہ (تمہارا ڈرانا دھمکانا) تو بس اگلے لوگوں کی ایک عادت ہے۔ (خلق الاولین کا ترجمہ ایک تو یہ ہے کہ اگلے لوگوں کی من گھڑت اور جھوٹی باتیں ہیں اور اگر خا اور لام کو ضمہ پڑھیں تو ترجمہ ہوگا کہ یہ اگلوں کی ایک عادت ہے) اور ہم کو ہرگز عذاب نہ ہوگا۔ غرض ان لوگوں نے (حضرت ہودؑ کو اور دوسرا قول یہ ہے کہ عذاب کو) جھٹلایا تو ہم نے ان کو (دنیا میں آندھی کے عذاب سے) ہلاک کردیا۔ اس واقعہ میں بھی عبرت ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے اور آپ کا پروردگار بے شک بڑا قوت والا، بڑا رحمت والا ہے۔

تحقیق وترکیب:............ **وما علمی** . بظاہر یہ ما استفہامیہ ہے۔ مرفوع میں بناء مبتدا ہے اور علمی اس کی خبر اور ہوسکتا ہے کہ ما نافیہ ہو اور با متعلق **علمی** کے ہو۔ اس صورت میں خبر مقدر ماننا پڑے گی۔

وما انا بطارد. بیضاوی میں ہے کہ **ما انا بطارد المؤمنین** تردید ہے اور ان کے اس قول کی کہ آپ ﷺ اپنے پاس سے ان حقیر مسلمانوں کو ہٹا دیجئے۔ کیونکہ یہی ہمارے واسطے ایمان لانے سے مانع ہیں۔ اس صورت میں **ان انا الا نذیر مبین** علت ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ میں نذیر ہوں۔ میرے پاس ہر قسم کے آدمیوں کا اجتماع ہوگا۔ اس لئے میں کسی کو آنے سے روک نہیں سکتا۔

کذبت عاد. **عاد**، مونث استعمال ہوا ہے۔ چونکہ مراد قبیلہ ہے اور قبیلہ مونث ہے۔

اٰیة بناء. صاحب جلالینؒ نے **علماً** نکال کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں موصوف مقدر ہے۔ اس طرح **علماً** تبنوں کا مفعول ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ تم عمارتیں بناتے ہو جو گزرنے والے مسافروں کے لئے علامت ہوتی ہیں۔

تتخذون مصانع. **مصنع** کی جمع مراد ہے۔ حوض، تالاب اور پانی کے ذخیرے جو وہ جمع کرتے۔

امدکم بانعام. ہوسکتا ہے کہ ثانی جملہ اولیٰ کی تفسیر ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ انعام بما تعلمون سے بدل ہو۔ لیکن اکثر بدل کی ترکیب کے مقابلہ میں اسے مکرر قرار دیتے ہیں۔

سواءعلینا. خبر مقدم ہے اور اس کے بعد مفرد کی تاویل میں ہوگا۔ مراد ہے کہ الوعظ وعدمه مستو. اس میں ہمزہ مفہوم مساوات کی وضاحت کے لئے۔ مراد یہ ہے کہ نصیحت کرو یا نہ کرو، ہمارے خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔

الاخلق الاولین. مختلف اعراب کی بناء پر ترجمہ من گھڑت بھی ہوسکتا ہے۔ یعنی تمہاری باتیں اگلوں کے گھڑے ہوئے افسانے اور تراشیدہ خیالات ہیں۔

بالریح. برفانی ہوائیں اور سرد جھونکے۔ برفانی ہواؤں کا یہ طوفان سردی کے اختتام پر ہوا تھا۔

﴿ تشریح ﴾: .... زمین پر جب بت پرستی شروع ہوئی اور لوگ غلط راستوں پر چلنے لگے تو خدا تعالیٰ نے اولوالعزم پیغمبروں کا سلسلہ شروع کیا اور سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا۔ جنہوں نے آکر لوگوں کو خدا کے عذاب سے ڈرایا اور انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ آپ نے قوم سے فرمایا کہ میں دیانت وامانت کے ساتھ خدا تعالیٰ کا پیغام بلا کم وکاست تم کو پہنچاتا ہوں۔ مجھ پر اور میرے لائے ہوئے پیغام پر اعتماد کرو اور خدا تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی معاوضہ بھی نہیں مانگتا۔ میرے اس تبلیغ کا اجر وثواب تو میرا پروردگار ہی مجھ کو عنایت فرمائے گا۔ ایسے بے غرض اور بے لوث آدمی کی بات مانو اور صحیح عقائد کے قائل ہوجاؤ۔ لیکن حضرت نوح علیہ السلام کی یہ تقریر سننے کے بعد بھی وہ اپنے کرتوت سے باز نہ آئے۔ بت پرستی کو چھوڑنے کے لئے آمادہ نہ ہوئے بلکہ الٹا حضرت نوح علیہ السلام کو جھوٹا کہا اور ان کے ایذاء رسانی کے درپے ہوگئے۔ اسی کو قرآن نے کہا کہ قوم نوح نے پیغمبروں کی تکذیب کی۔ مرسلین یہاں جمع اس وجہ سے ہے کہ کسی ایک پیغمبر کی تکذیب سارے سلسلہ نبوت کی تکذیب کے ہم معنی ہے۔ کیونکہ اس کا مقصد کسی خاص پیغمبر کی شخصی تکذیب نہیں ہوتی ہے بلکہ یہ تو رسالت ہی کے منکر ہوتے ہیں۔

قوم نوحؑ نے اپنے پیغمبر کی باتوں کا جواب اس انداز میں دیا کہ یہ تھوڑے سے رذیل اور نیچ قوم کے لوگ اپنی نمود کے لئے تیرے ساتھ ہوگئے تو اس سے کیا ہوتا ہے اور ہمارا شرف وامتیاز اس کی کب اجازت دے سکتا ہے کہ ہم ان رذیلوں کے دوش بدوش تمہاری مجلسوں میں بیٹھا کریں۔ لہذا پہلے انہیں اپنے پاس سے ہٹاؤ۔ پھر دیکھا جائے گا۔

یہ بات ہمیشہ سے چلی آرہی ہے کہ پیغمبروں اور داعیان حق پر شروع شروع میں ایمان لانے والے اور ان کی دعوت کو قبول کرنے والے زیادہ تر غریب اور عوام ہی ہوا کرتے تھے۔

چنانچہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام پر بھی شروع میں ایمان والے یہی عوام تھے جنہیں ان بدبختوں نے رذیل اور نیچ قوم سے خطاب کیا ہے۔ ان کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے ان کے پیشوں کے اعلیٰ وادنیٰ ہونے سے کیا بحث۔ نیز ان کا ایمان دل سے ہے یا صرف زبانی ہے۔ اس کی بھی میرے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں۔ اس کا صلہ اور حساب تو خدا تعالیٰ کے یہاں ہوگا۔ میرا کام تبلیغ ہے۔ دلوں کو ٹٹولنا اور ان کا احتساب میرا کام نہیں۔ بہرحال ان غریب مومنین کو تمہیں خوش کرنے کی خاطر اپنے پاس سے دھکے دینا ممکن نہیں اور تمہاری اس غلط خواہش کو پورا کرنا میرے اختیار سے باہر ہے۔ جس پر قوم نے کہا کہ بس اپنی نصیحت بند کرو اور اگر تم اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے تو سنگسار کردیئے جاؤ گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ان باتوں سے تنگ آکر خدا تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اٹھادیئے اور عرض کیا کہ میرے اور ان

کے درمیان عملی فیصلہ فرمادیجئے اور ان کے راہ راست پر آنے کی کوئی توقع باقی نہیں رہی۔ میں عاجز ہو چکا ہوں۔ میری مدد فرمائیے...... اور میرے ساتھیوں کو بھی بچالیجئے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے متبعین کے کشتی میں سوار ہو جانے کے بعد آسمان وزمین میں سے ایک طوفان امنڈ آیا اور روئے زمین کے کفار ومشرکین کا قلع قمع کر دیا گیا۔ اس واقعہ میں لوگوں کے لئے بے پناہ عبرت ہے۔ لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اس میں شبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ بہت قادر مہربان ہے۔

قوم نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ انہوں نے بھی حضرت نوح علیہ السلام کی طرح اپنی قوم عاد کو جو ملک یمن میں احقاف نامی جگہ کے رہنے والے تھے۔ اپنی اپنی اطاعت اور خدا کی وحدانیت کی دعوت دی۔ سمجھانے بجھانے کی کوشش کی اور خدا کے عذاب سے ڈرایا اور ساتھ ہی اپنی بے غرضی، نیک نیتی بھی ظاہر فرمادی اور اپنے اخلاص کا یقین دلایا۔ جس طرح کہ حضرت نوح علیہ السلام نے کیا تھا۔ مگر ان ساری کوششوں کا قوم پر کوئی اثر نہیں ہوا اور حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلاتے رہے۔ مگر اس کے باوجود حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ قوم عاد کا ایک خاص مشغلہ یہ تھا کہ اونچے اونچے مقامات پر بلاضرورت بطور یادگار کے عالیشان مکانات اور مینارے بناتے اور اس میں بڑی بڑی کاریگریاں دکھاتے اور اس طرح اپنے مال و دولت کو بیکار ضائع کرتے۔ اس سے بھی حضرت ہود علیہ السلام روکنے کی کوشش کرتے۔ کیونکہ اس سے دین و دنیا کا نہ کوئی فائدہ ان کے پیش نظر ہوتا اور نہ واقعتاً یہ کوئی مفید کام تھا۔ انہیں سمجھاتے ہوئے کہتے کہ تم جو یہ عالیشان مکانات بناتے ہو۔ اس سے کیا فائدہ۔ کیا تم نے یہ سوچ رکھا ہے کہ تمہیں ہمیشہ اسی دنیا میں رہنا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ خود یہ دنیا بھی ختم ہونے والی ہے۔ اور تم خود بھی فنا ہو جاؤ گے۔ نیز تم نے جو خدا کی مخلوق پر ظلم وستم کر کے اور کمزوروں کو تنگ کر کے انہیں پریشان کر رکھا ہے۔ اپنے اس ظلم وستم اور کبر وغرور سے باز آ جاؤ اور میری بات مانو۔ پھر انہیں وہ نعمتیں یاد دلائیں جو خدا تعالیٰ نے انہیں عطا کی تھیں۔ ان سے کہا گیا کہ تمہیں جو اپنی کثرت تعداد اپنے ملک کے باغات اور چشموں اور اپنے مال و دولت پر ناز ہے۔ یہ سب کچھ اسی خدائے واحد کے دیئے ہوئے ہیں۔ تو کیا اس منعم حقیقی کا تمہارے ذمہ کوئی حق نہیں ہے۔ تمہیں تو اور زیادہ توحید کا قائل ہونا چاہئے تھا۔ لیکن اگر تمہاری سرکشی ونافرمانی ختم نہیں ہوئی تو مجھے اندیشہ ہے کہ پہلی قوموں کی طرح کہیں تم بھی کسی آفت میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔

حضرت ہود علیہ السلام کے ان موثر بیانات اور تقریروں سے قوم نے کوئی اثر نہیں لیا اور کہنے لگے کہ تمہارا یہ جادو ہم پر چل نہیں سکتا اور تمہاری نصیحتیں بیکار ہیں۔ اس قسم کے وعظ ونصیحت تو پرانے زمانے کے لوگ ہمیشہ کرتے آئے ہیں۔ مگر اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ تو اس سے ہم کو کیا اندیشہ ہو سکتا ہے اور نہ ان عذاب کی دھمکیوں کا ہمیں کوئی خوف اور دوسری قرأت ہے خلق الاولین. خا اور لام کے ضمہ کے ساتھ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہم جس طریقہ پر ہیں وہی ہمارے آباء واجداد کا طریقہ تھا۔ ہم تو اسی پر اپنی زندگی گزار دیں گے اور یہ سب بیکار اور لغو باتیں ہیں کہ ہم پھر زندہ کئے جائیں گے اور ہمیں عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ تو بالآخر ان کی اس تکذیب ونافرمانی کی وجہ سے زبردست اور تیز آندھیوں کے ذریعہ انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔

اس واقعہ میں لوگوں کے لئے سامان عبرت ہے کہ کس طرح ان کے مال و دولت دھرے کے دھرے رہ گئے اور کوئی چیز کام نہیں آئی۔ مگر اس کے باوجود لوگ ایمان نہیں لاتے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ مَا اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِىْ مَا هٰهُنَآ مِنَ الْخَيْرِ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِىْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ لَطِيْفٌ لَيِّنٌ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَطِرِيْنَ وَفِىْ قِرَاءَةٍ فَارِهِيْنَ حَاذِقِيْنَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ فِيْمَا اٰمُرُكُمْ بِهٖ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِالْمَعَاصِىْ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ بِطَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ الَّذِيْنَ سُحِرُوْا كَثِيْرًا حَتّٰى غَلَبَ عَلٰى عَقْلِهِمْ مَآ اَنْتَ اَيْضًا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ فِىْ رِسَالَتِكَ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ نَصِيْبٌ مِنَ الْمَاءِ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ بِعَظَمِ الْعَذَابِ فَعَقَرُوْهَا اَىْ عَقَرَهَا بَعْضُهُمْ بِرِضَاهُمْ فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ عَلٰى عَقْرِهَا فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ الْمَوْعُوْدُ بِهٖ فَهَلَكُوْا اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ مَا اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ اَىِ النَّاسِ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ اَىْ اَقْبَالِهِنَّ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ مُتَجَاوِزُوْنَ الْحَلَالَ اِلَى الْحَرَامِ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ عَنْ اِنْكَارِكَ عَلَيْنَا لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ مِنْ بَلْدَتِنَا قَالَ لُوْطٌ اِنِّىْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ الْمُبْغِضِيْنَ رَبِّ نَجِّنِىْ وَاَهْلِىْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ اَىْ مِنْ عَذَابِهٖ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا اِمْرَاَتَهٗ فِى الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلْبَاقِيْنَ اَهْلَكْنَاهَا ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَهْلَكْنَاهُمْ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ حِجَارَةً مِنْ جُمْلَةِ الْاِهْلَاكِ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ مَطَرُهُمْ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَّمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾

ترجمہ: .... قوم ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ ان سے ان کے بھائی صالح علیہ السلام نے کہا کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ بس میرا صلہ تو پروردگار

عالم کے ذمہ ہے۔ کیا تمہیں انہیں چیزوں میں بےفکری سے رہنے دیا جائے گا جو یہاں (دنیا میں) موجود ہیں۔ یعنی باغوں میں، چشموں میں اور کھیتوں اور خوب گندھے ہوئے گچھے والے کھجوروں میں؟ اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر اتراتے (اور فخر کرتے) ہوئے مکان بناتے ہو (اور ایک قرأت میں فرهین کے بجائے فارهین ہے۔ جس کے معنی ہیں ماہرانہ انداز) سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو (جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں) اور حدود سے نکل جانے والوں کا کہنا نہ مانو جو ملک میں فساد کرتے رہتے ہیں اور (خدا تعالیٰ کی اطاعت وبندگی اختیار کر کے اپنی) اصلاح نہیں کرتے۔ ان لوگوں نے کہا کہ تم پر تو کسی نے سخت جادو کر دیا ہے (جس کی وجہ سے تمہاری عقل مغلوب ہو کر رہ گئی ہے) تم ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو۔ سو کوئی معجزہ پیش کرو۔ اگر تم (دعویٰ رسالت میں) سچے ہو۔ (صالح علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ ایک اونٹنی ہے پانی پینے کے لئے ایک باری اس کی ہے اور ایک مقرر دن میں تمہاری۔ اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا۔ ورنہ تمہیں ایک بڑے دن کا عذاب آ پکڑے گا۔ پھر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں (یہاں یہ اشکال ہے کہ کاٹنے والے تو چند تھے مگر جمع لاکر منسوب سب کی طرف کر دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کارروائی سب کی مرضی سے کی گئی تھی۔ اس وجہ سے جمع کا صیغہ لایا گیا۔ اسی کو صاحب جلالینؒ نے عقرها بعضهم برضاهم سے بتانا چاہا ہے) پھر (اس پر) پچھتائے۔ پھر ان کو عذاب نے آ لیا۔ بے شک اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے اور (اس کے باوجود) ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ بے شک آپ کا پروردگار بڑا قوت والا، بڑی رحمت والا ہے۔

قوم لوط علیہ السلام نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ ان سے ان کے بھائی لوط علیہ السلام نے کہا کہ تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے تمام دنیا جہان والوں میں سے تم (یہ حرکت کرتے ہو کہ) لڑکوں سے فعل بد کرتے ہو اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے جو بیبیاں پیدا کی ہیں انہیں چھوڑے رہتے ہو۔ بات یہ ہے کہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو (نہ حلال کا خیال نہ حرام کا) وہ لوگ کہنے لگے اے لوط! اگر تم (ہمارے کہنے سننے سے) باز نہیں آؤ گے تو تم ضرور (بستی سے) نکال دیئے جاؤ گے۔ (لوط علیہ السلام نے) کہا۔ میں تمہارے اس کام سے سخت نفرت رکھتا ہوں۔

(لوط علیہ السلام نے دعا کی کہ) اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے متعلقین کو اس کام (کے وبال) سے نجات دے جو یہ کرتے ہیں۔ سو ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین کو نجات دی۔ بجز ایک بڑھیا کے کہ وہ (عذاب کے اندر) رہنے والوں میں رہ گئی (اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی والہ تھی) پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم کا (یعنی پتھروں کا) مینہ برسایا۔ سو کیسا برا مینہ تھا جو ان لوگوں پر برسا۔ جن کو (عذاب الٰہی سے) ڈرایا گیا تھا۔ بے شک اس (واقعہ) میں بھی بڑی عبرت ہے اور (باوجود اس کے) ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ بے شک آپ کا پروردگار بڑا قوت والا، بڑا رحم والا ہے۔

تحقیق وترکیب: .... **فیما ههنا**. مراد دنیاوی نعمتیں ہیں۔

اٰمنین. تترکون سے حال واقع ہو رہا ہے۔ اور فی جنت۔ فیما ھُهنا کی تفسیر ہے۔

نـخـل. اسم جمع ہے۔ اس کا واحد نـخـلـة ہے۔ اسم جمع مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ البتہ نخیل مونث ہی مستعمل ہے۔

لاتـطیعوا امر المسرفین. مراد ہے مسرفین کی اطاعت نہ کرو۔ مسرفین سے مراد عام مشرکین بھی ہو سکتے ہیں اور وہ سرکش بھی جنہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں۔

مـن القالين. یہ ایک محذوف جوقال ہے اس سے متعلق ہے اور پھر یہ محذوف خبر ہے ان کی اور مـن القالين صفت ہے اور لـعلكم متعلق ہے خبر محذوف کے۔ اور اگر مـن القالين کو ان کی خبر بنایا جائے تو قـالين لعملكم میں عمل کرے گا۔ اس صورت میں صلہ موصول پر مقدم ہو جائے گا۔ الف لام کی موجودگی میں جس کا جواب ہے قـالين باب ضـرب سے مستعمل ہے۔ بغض شدید کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

﴿ تشریح ﴾:.............اب حضرت صالح علیہ السلام کا بیان ہو رہا ہے جو اپنی قوم ثمود کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے جو ملک شام کے قریب حجر نامی شہر میں رہتے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں خدا کی وحدانیت اور اپنی رسالت کی دعوت دی۔ جس طرح ان سے پہلے دوسرے انبیاء دیتے آئے تھے۔ مگر انہوں نے بھی انکار کیا اور اپنے پیغمبر کی تکذیب کی۔ مگر اس کے باوجود حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی تبلیغی کوششیں جاری رکھیں اور خدا کے عذاب سے ڈراتے رہے۔ ساتھ ہی اپنے رسول امین ہونے کا یقین دلاتے ہوئے اسے بھی واضح کر دیا کہ میں تم سے کسی اجر ومعاوضہ کا طالب نہیں۔ میرا اجر تو خدا تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ مگر قوم نے کسی طرح راہ ہدایت اختیار نہ کی۔ حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کو سمجھاتے ہوئے خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جس ذات نے تمہیں باغات، چشمے اور پھل پھول عنایت فرمائے ہیں اور پھر ان کھجوروں کے باغات میں تہ بہ تہ میٹھی اور خوش ذائقہ کھجوریں لگادی ہیں۔ کیا تمہاری نافرمانیوں کے باوجود وہ تمہیں انہی نعمتوں میں چھوڑ دے گا۔ کیا تم نے یہی خیال کیا ہے کہ ہمیشہ اسی عیش وآرام میں رہو گے اور پہاڑوں کو تراش کر جو پر تکلف مکان تیار کئے ہیں۔ اس سے کبھی نہ نکلو گے؟ یہ پتھر کے مضبوط مکانات تمہیں خدا کے عذاب سے بچالیں گے؟

نہیں، یہ ہرگز ممکن نہیں۔ افسوس ہے کہ تم خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے اور بلاوجہ اپنا سرمایہ ان مکانات کے نقش ونگار میں صرف کر رہے ہو۔ جس سے کوئی نفع ہونے والا نہیں۔ بلکہ اس کا وبال تمہارے اوپر پڑ کر رہے گا۔ لہٰذا تمہیں خدا سے ڈرنا چاہئے اور اپنے منعم حقیقی فرمانبرداری اور اطاعت میں لگ جانا چاہئے۔ قانون خداوندی کو نہ ماننے اور اس پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ دنیا میں ہمیشہ خرابیوں کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔

عوام کو مخاطب بنا کر کہا گیا کہ تم ان مفسدوں اور شیطانوں کے پیچھے چل کر اور ان کی اتباع کر کے اپنے آپ کو تباہ وبرباد نہ کرو۔ یہ تو زمین میں خرابی پھیلا رہے ہیں اور خود بھی گناہ اور فسق وفجور میں لگے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی طرف بلا رہے ہیں۔ اصلاح کرنے اور نیک وصحیح مشورہ دینے کی کوشش نہیں کرتے۔

اس کا جواب قوم نے اس انداز میں دیا کہ حضرت صالح علیہ السلام کو سحر زدہ قرار دیا اور کہنے لگے کہ تم پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے جس سے العیاذ باللہ تمہاری عقل ماری گئی ہے اور تم ہم جیسے ہی ایک انسان ہو۔ ہم میں اور تم میں فرق کیا۔ اور اگر اپنے قول کے مطابق نبی ہو اور ہم سے کسی بھی اعتبار سے ممتاز ہو تو اپنے خدا سے کہہ کر کوئی ایسا معجزہ دکھاؤ جسے ہم بھی تسلیم کر لیں اور پھر خود ہی فرمائش کی کہ اچھا پتھر کی اس چٹان سے جو ہمارے سامنے ہے اس خصوصیت کی اونٹنی نکال دو۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر ہم نے تمہارا یہ مطالبہ پورا کر دیا اور خدا تعالیٰ میرے ہاتھوں پر تمہیں یہ معجزہ دکھادے، پھر تو تمہیں میری نبوت کے ماننے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ سب نے وعدہ وعید کئے کہ نہیں۔ اس کے بعد انکار کی کوئی وجہ باقی نہیں رہے گی۔

چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی اور خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے نتیجے میں یہ معجزہ دکھلا دیا اور اسی وقت وہ

چٹان پھٹی اوران کی فرمائش کے مطابق انہی خصوصیات کی حامل ایک اونٹنی نکل آئی۔ مگراس کے باوجود اکثر منکر ہی رہے۔ وہ اونٹنی یونہی آزاد پھرتی اورجس جنگل میں یہ چرنے جاتی یا جس تالاب پر یہ پانی پینے جاتی، تمام جانوراسے دیکھ کر بھاگ پڑتے۔ چنانچہ یہ طے کیا گیا کہ ایک دن یہ اونٹنی اس جگہ پانی پیئے اور دوسرے دن دوسروں کے جانور پانی پیا کریں اورحضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو متنبہ کردیا کہ اب باری مقرر کردی گئی ہے۔ اس کے بعد کوئی اس اونٹنی کے ساتھ برا معاملہ نہ کرے ورنہ بدترین عذاب آئے گا۔ کچھ دن تو یہ اس ہدایت پرعمل کرتے رہے لیکن ان کی فطرتیں خراب تھیں۔ یہ کب تک اس سے باز رہتے۔ بالآخر بدقسمتی سے ان میں سے کسی نے اونٹنی کے پچھلے پاؤں کی رگ کاٹ ڈالی جس کے نتیجہ میں سارا خون بہہ گیا اوروہ اونٹنی مرگئی۔

اس کے بعد یہ بہت نادم ہوئے اور شرمندہ ہوگئے۔ مگر یہ پچھتانا ان کے لئے بے کار تھا۔ کیونکہ عذاب کا فیصلہ ہو چکا تھا اور پھر ایک دھماکہ ہوا جس سے سب ہلاک کردیئے گئے۔ اس واقعہ میں لوگوں کے لئے بے پناہ عبرت کے سامان ہیں۔ مگر کسی کی بدبختی و بدنصیبی کا کیا علاج کہ ان عبرت آمیز واقعات کو دیکھنے اورسننے کے باوجود ایمان نہ لائے۔

عبرت انگیز واقعہ:.......... حضرت صالح علیہ السلام کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ بیان کیا جارہا ہے۔ آپ نے بھی دوسرے انبیاء علیہ السلام کی طرح اپنی قوم کو دعوت دین دی۔ مگر پچھلی قوموں کی طرح انہوں نے بھی تکذیب کی اوراپنے آپ کو ہلاک کرلیا۔

اس سورۃ میں مختلف انبیاءؑ کی دعوت میں بار بار ایک ہی طرح کے جملے کی تکرار اس وجہ سے ہے کہ ان کی تبلیغ اورطرز تبلیغ ایک ہی تھی۔ ہر ایک خدا تعالیٰ کی وحدانیت اوراپنی رسالت کی لوگوں کو دعوت دینے کے لئے تشریف لائے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ تمہاری فطرتیں مجرمانہ ہیں۔ کیا دنیا میں صرف مرد ہی تمہاری شہوت رانی کے لئے رہ گئے ہیں؟ تم اپنی بیویوں سے خواہش پوری کیوں نہیں کرتے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسی مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ تم لڑکوں سے بدفعلی نہ کیا کرو۔ یہ خلاف فطرت کام کرکے تم حدودِ انسانیت سے بھی نکل چکے ہو۔

اس کا جواب قوم نے یہ دیا کہ اے لوطؑ! یہ وعظ ونصیحت چھوڑ دو اوراگر آئندہ تم نے ہمیں پریشان کیا تو ہم تمہیں جلا وطن کردیں گے۔ لوط علیہ السلام نے فرمایا۔ میں تمہاری اس حرکت سے نفرت اوراظہار بیزاری کرتا ہوں۔ نیز میں تمہاری ان دھمکیوں سے مرعوب ہوکر اپنا وعظ ونصیحت بند نہیں کرسکتا۔ پھر آپ نے خدا تعالیٰ سے ان کے لئے بددعا فرمائی اوراپنے گھرانہ ومتعلقین کے لئے نجات طلب کی۔

چنانچہ خدا تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق آپ مومنین کو ساتھ لے کر اس بستی سے نکل گئے۔ آپ کا اس بستی سے نکلنا تھا کہ قوم پر پتھروں کی بارش ہوئی اورسب کے سب ہلاک کردیئے گئے۔ ان ہلاک ہونے والوں میں آپ کی بیوی واہلہ بھی تھی جو قوم کے ساتھ ملی ہوئی تھی اوران کے فعل سے خوش تھی۔ ارشاد ہوا کہ ان عبرت انگیز واقعات کے بعد بھی لوگ ایمان نہیں لاتے اورراہ ہدایت اختیار نہیں کرتے۔

كَذَّبَ اَصۡحٰبُ لۡئَیۡكَةِ وَفِیۡ قِرَاءَةٍ بِحَذۡفِ الۡهَمۡزَةِ وَالۡقَاءِ حَرۡكَتِهَا عَلَى اللَّامِ وَفَتۡحِ الۡهَاءِ هِیَ غَیۡضَةُ شَجَرٍ قُرۡبَ مَدۡیَنَ **الۡمُرۡسَلِیۡنَ**﴿۱۷۶﴾ **اِذۡ قَالَ لَهُمۡ شُعَیۡبٌ** لَمۡ یَقُلۡ اَخُوۡهُمۡ لِاَنَّهٗ لَمۡ یَكُنۡ مِنۡهُمۡ **اَلَا تَتَّقُوۡنَ**﴿۱۷۷﴾ **اِنِّیۡ لَكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ**﴿۱۷۸﴾ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوۡنِ**﴿۱۷۹﴾ **وَمَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ اِنۡ مَا اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ**﴿۱۸۰﴾ **اَوۡفُوا الۡكَیۡلَ** اَتِمُّوۡهُ **وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُخۡسِرِیۡنَ**﴿۱۸۱﴾ اَلنَّاقِصِیۡنَ **وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ**﴿۱۸۲﴾ اَلۡمِیۡزَانِ السَّوِیِّ **وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡیَآءَهُمۡ** لَا تَنۡقُصُوۡهُمۡ مِنۡ حَقِّهِمۡ شَیۡئًا **وَلَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِیۡنَ**﴿۱۸۳﴾ بِالۡقَتۡلِ وَغَیۡرِهٖ مِنۡ عَثِیَ بِكَسۡرِ الۡمُثَلَّثَةِ اَفۡسَدَ وَمُفۡسِدِیۡنَ حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ لِمَعۡنٰی عَامِلِهَا تَعۡثَوۡا **وَاتَّقُوا الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ وَالۡجِبِلَّةَ** الۡخَلِیۡقَةَ **الۡاَوَّلِیۡنَ**﴿۱۸۴﴾ **قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِیۡنَ**﴿۱۸۵﴾ **وَمَاۤ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا وَاِنۡ** مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِیۡلَةِ وَاسۡمُهَا مَحۡذُوۡفٌ اَیۡ اِنَّهٗ **نَّظُنُّكَ لَمِنَ الۡكٰذِبِیۡنَ**﴿۱۸۶﴾ **فَاَسۡقِطۡ عَلَیۡنَا كِسَفًا** بِسُكُوۡنِ السِّیۡنِ وَفَتۡحِهَا قِطۡعَةً **مِّنَ السَّمَآءِ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ**﴿۱۸۷﴾ فِیۡ رِسَالَتِكَ **قَالَ رَبِّیۡۤ اَعۡلَمُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ**﴿۱۸۸﴾ فَیُجَازِیۡكُمۡ بِهٖ **فَكَذَّبُوۡهُ فَاَخَذَهُمۡ عَذَابُ یَوۡمِ الظُّلَّةِ** هِیَ سَحَابَةٌ اَظَلَّتۡهُمۡ بَعۡدَ حَرٍّ شَدِیۡدٍ اَصَابَهُمۡ فَاَمۡطَرَتۡ عَلَیۡهِمۡ نَارًا فَاحۡتَرَقُوۡا **اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ**﴿۱۸۹﴾ **اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ**﴿۱۹۰﴾ **وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ**﴿۱۹۱﴾

ترجمہ: .... اصحاب الایکہ نے پیغمبروں کو جھٹلایا (دوسری قرأت) میں ایکہ کے ہمزہ کو حذف کرکے اس کا اعراب لام کو دیتے ہیں اور ھا کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے اور یہ مدین کے قریب درختوں کا ایک جھنڈ ہے) جبکہ ان سے شعیب علیہ السلام نے کہا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں (دوسرے انبیاء کی طرح یہاں اخوھم شعیب نہیں کہا بلکہ صرف شعیب کہا۔ وہ اس وجہ سے کہ حضرت شعیب ان کے قبیلہ اور خاندان میں سے نہیں تھے) میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے۔ تم لوگ پورا ناپا کرو اور نقصان پہنچانے والے نہ بنو اور صحیح ترازو سے تولا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان نہ کیا کرو اور (قتل وغارت گری کے ذریعہ) ملک میں فسادات مت مچایا کرو (عثی عین کے کسرہ کے ساتھ افسد کے معنی میں مفسدین حال مؤکدہ ہے۔ جس میں عامل تعثوا کا معنی ہے) اور اس خدا سے ڈرو جس نے تمہیں اور اگلی مخلوق کو پیدا کیا۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ بس تم پر تو کسی نے بڑا جادو کر دیا ہے اور تم تو ہماری طرح محض ایک معمولی آدمی ہو اور ہم تو تم کو جھوٹے لوگوں میں سے خیال کرتے ہیں۔ اچھا تو تم ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا لا کر گراؤ۔ اگر تم (اپنی رسالت میں) سچے ہو۔ (کسفاً میں س کو ساکن اور فتحہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ جس کے معنی ٹکڑا کے ہیں اور ان نظنک میں ان مخففہ من الثقیلہ ہے اور اس کا اسم انہ محذوف ہے۔ شعیب علیہ السلام نے) کہا کہ میرا پروردگار ہی خوب جانتا ہے جو تم کرتے رہتے ہو (اور اس پر جزا وسزا بھی وہی دے گا) پھر ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا۔ سو انہیں پکڑ لیا سائبان والے دن کے عذاب نے (ہوا یہ کہ شدید ترین گرمی کے بعد

بادل آیا جو سائبان کی طرح ان پر سایہ فگن ہو گیا۔ جب سب کے سب اس سایہ کے نیچے جمع ہو گئے تو پھر ان پر آگ کی بارش ہوئی۔ جس کے نتیجہ میں سب جل کر راکھ ہو گئے۔ بے شک وہ بڑے سخت عذاب کا دن تھا۔ یقیناً اس واقعہ میں بھی لوگوں کے لئے عبرت ہے۔ مگر اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور آپ کا پروردگار بڑا قوت والا، بڑا رحم والا ہے۔

﴿ تشریح ﴾:............ حضرت شعیب علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تھا جو مدین کے رہنے والے تھے۔ یہاں اسی قوم مدین کو اصحاب الایکہ کہہ کر خطاب کیا گیا۔ ایکہ ایک درخت تھا جسے یہ لوگ پوجتے تھے۔ اسی کی طرف نسبت کر کے انہیں اصحاب الایکہ کہا گیا۔ اور اسی وجہ سے حضرت شعیب علیہ السلام کو اخوھم سے تعبیر نہیں فرمایا۔ جب کہ آپ سے پہلے سارے انبیاء کو اخوھم سے تعبیر کیا گیا۔ درآنحالیکہ حضرت شعیب علیہ السلام بھی اسی قوم سے تعلق رکھتے تھے مگر چونکہ انبیاءؑ کی اخوت قومی و نسبی بنیادوں پر مبنی تھی جب کہ یہاں اصحاب الایکہ کہہ کر مذہبی نسبت سے قوم کا ذکر کیا گیا۔ لہٰذا حضرت شعیب علیہ السلام کو اخوھم فرمانا ان کے شایانِ شان نہیں تھا۔ اگرچہ بعض مفسرین اور خود صاحب جلالین نے یہ بیان کیا ہے کہ چونکہ حضرت شعیب علیہ السلام اس قوم سے تعلق نہیں رکھتے تھے، اس وجہ سے اخوھم نہیں کہا گیا۔

لیکن ابن کثیرؒ کی تحقیق یہی ہے کہ آپ کا تعلق اسی قوم سے تھا مگر چونکہ قوم کا تذکرہ ایک مذہبی نسبت سے کیا گیا۔ لہٰذا اب اخوھم کہنا حضرت شعیب علیہ السلام کی شان کے خلاف تھا۔ غرضیکہ یہ قوم مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی قوم ہے۔ جس کی طرف شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔

آپ نے سابقہ انبیاء کی طرح قوم کو دعوت توحید دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ معاملات میں خیانت و بے انصافی نہ کرو۔ جس طرح لینے کے وقت پورا ناپ تول کر لیتے ہو، اسی طرح دیتے وقت بھی پورا پورا ناپ کر دو۔ اس کے حق میں کچھ کمی نہ کرو۔ ترازو اور تولنے کے بانٹ بھی صحیح رکھا کرو۔ ڈنڈی مارنے اور ناپ تول میں کمی کرنے سے باز آجاؤ۔ ان ہدایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی زراعت پیشہ و تجارت پیشہ قوم تھی۔ اور تجارتی بداخلاقی و بددیانتی میں مبتلا تھی۔ اسی کو دور کرنے کی انہیں تعلیم دی جارہی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام مزید فرما رہے ہیں کہ ملک میں لوٹ مار، غارت گری اور ڈاکے مت ڈالو اور لوگوں کو ڈرا دھمکا کر ان کے حقوق ضائع مت کرو۔ اس خدا کے عذاب سے ڈرو۔ جس نے تمہیں اور تمام اگلی مخلوق کو پیدا کیا۔

اس پر آپ کو قوم نے وہی جواب دیا جو قوم ثمود نے اپنے نبی کو دیا تھا کہ تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے جس سے تمہاری عقل ماری گئی ہے۔ (العیاذ باللہ) اور تم تو ہم ہی جیسے ایک انسان ہو۔ بلکہ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ تم نبوت کے دعوے اور عذاب وغیرہ کی دھمکیوں میں جھوٹے ہو۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اور اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ہم پر بادل یا آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا کر ہلاک کیوں نہیں کر دیتے۔

آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کو تمہارے اعمال بخوبی معلوم ہیں اور وہی جانتا ہے کہ کس جرم پر کونسی اور کتنی سزا دینی چاہئے۔ سزا دینا میرا کام نہیں۔ میرا جو کام تھا وہ میں نے انجام دے دیا۔ اب تم جانو اور خدا جانے۔ عجیب اتفاق ہے کہ جس قسم کا عذاب یہ مانگ رہے تھے اسی قسم کا عذاب ان پر آ کر رہا۔ عذاب آنے سے پہلے ایک سایہ نمودار ہوا اور اس سے پہلے شدید گرمی محسوس ہوئی۔ کسی جگہ سایہ کا نام و نشان نہیں تھا۔ لوگ بے قرار ہو اٹھے اور اس شدت کی گرمی سے تڑپنے لگے تھے۔ اچانک ایک سیاہ بادل کو آتا ہوا دیکھ کر ٹھنڈی ہوا کے شوق میں لوگ اس کے نیچے جمع ہو گئے۔ ان کا اس ابر کے نیچے جمع ہونا تھا کہ اس میں سے آگ برسنا شروع ہوئی اور

زمین کو ایک بھونچال آیا۔ جس سے ایک دھماکہ ہوا اور سب کے سب وہیں جل کر تباہ ہو گئے۔ وہ ابر سائبان کی طرح ان پر سایہ فگن ہو گئی تھی۔ اس وجہ سے اسے سائبان والے عذاب سے تعبیر کیا گیا۔ فرمایا گیا کہ ان واقعات میں لوگوں کے لئے کتنی عبرت ہے مگر پھر بھی یہ ایمان نہیں لاتے۔

وَاِنَّهٗ اَیِ الْقُرْاٰنُ **لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۱۹۲﴾ **نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ** ﴿۱۹۳﴾ جِبْرِيْلُ **عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ** ﴿۱۹۴﴾ **بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ** ﴿۱۹۵﴾ بَيِّنٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَشْدِيْدِ نَزَّلَ وَنَصْبِ الرُّوْحِ وَالْفَاعِلُ اللّٰهُ **وَاِنَّهٗ** اَيْ ذِكْرُ الْقُرْاٰنِ الْمُنَزَّلِ عَلٰى مُحَمَّدٍ **لَفِيْ زُبُرِ** كُتُبِ **الْاَوَّلِيْنَ** ﴿۱۹۶﴾ كَالتَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ **اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ** لِكُفَّارِ مَكَّةَ **اٰيَةً** عَلٰى ذٰلِكَ **اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ** ﴿۱۹۷﴾ كَعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهٖ مِمَّنْ اٰمَنُوْا فَاِنَّهُمْ يُخْبِرُوْنَ بِذٰلِكَ وَيَكُنْ بِالتَّحْتَانِيَّةِ وَنَصَبَ اٰيَةً وَبِالْفَوْقَانِيَّةِ وَرَفْعِ اٰيَةٌ **وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ** ﴿۱۹۸﴾ جَمْعُ اَعْجَمَ **فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ** اَيْ كُفَّارِ مَكَّةَ **مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ** ﴿۱۹۹﴾ اَنَفَةً مِنِ اتِّبَاعِهٖ **كَذٰلِكَ** اَيْ مِثْلَ اِدْخَالِنَا التَّكْذِيْبَ بِهٖ بِقِرَاءَةِ الْاَعْجَمِ **سَلَكْنٰهُ** اَدْخَلْنَا التَّكْذِيْبَ بِهٖ **فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ** ﴿۲۰۰﴾ اَيْ كُفَّارِ مَكَّةَ بِقِرَاءَةِ النَّبِيِّ **لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ** ﴿۲۰۱﴾ **فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ** ﴿۲۰۲﴾ **فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ** ﴿۲۰۳﴾ لِنُؤْمِنَ فَيُقَالُ لَهُمْ لَا قَالُوْا مَتٰى هٰذَا الْعَذَابُ قَالَ تَعَالٰى **اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ** ﴿۲۰۴﴾ **اَفَرَءَيْتَ** اَخْبِرْنِيْ **اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ** ﴿۲۰۵﴾ **ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ** ﴿۲۰۶﴾ مِنَ الْعَذَابِ **مَآ** اِسْتِفْهَامِيَّةٌ بِمَعْنٰى اَيُّ شَيْءٍ **اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ** ﴿۲۰۷﴾ فِيْ دَفْعِ الْعَذَابِ اَوْ تَخْفِيْفِهٖ اَيْ لَمْ يُغْنِ **وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ** ﴿۲۰۸﴾ رُسُلٌ تُنْذِرُ اَهْلَهَا **ذِكْرٰى** عِظَةً لَهُمْ **وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ** ﴿۲۰۹﴾ فِيْ اِهْلَاكِهِمْ بَعْدَ اِنْذَارِهِمْ وَنَزَلَ رَدًّا لِقَوْلِ الْمُشْرِكِيْنَ **وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ** بِالْقُرْاٰنِ **الشَّيٰطِيْنُ** ﴿۲۱۰﴾ **وَمَا يَنْبَغِيْ** يَصْلَحُ **لَهُمْ** اَنْ يَنْزِلُوْا بِهٖ **وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ** ﴿۲۱۱﴾ ذٰلِكَ **اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ** لِكَلَامِ الْمَلٰٓئِكَةِ **لَمَعْزُوْلُوْنَ** ﴿۲۱۲﴾ مَحْجُوْبُوْنَ بِالشُّهُبِ **فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ** ﴿۲۱۳﴾ اِنْ فَعَلْتَ ذٰلِكَ الَّذِيْ دَعَوْكَ اِلَيْهِ **وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ** ﴿۲۱۴﴾ وَهُمْ بَنُوْ هَاشِمٍ وَبَنُوْ الْمُطَّلِبِ وَقَدْ اَنْذَرَهُمْ جِهَارًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ **وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ** اَلِنْ جَانِبَكَ **لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** ﴿۲۱۵﴾ اَلْمُوَحِّدِيْنَ **فَاِنْ عَصَوْكَ** اَيْ عَشِيْرَتُكَ **فَقُلْ** لَهُمْ **اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ** ﴿۲۱۶﴾ مِنْ عِبَادَةِ غَيْرِ اللّٰهِ **وَتَوَكَّلْ** بِالْوَاوِ وَالْفَاءِ **عَلَى**

الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ اللّٰهِ اَیْ فَوِّضْ اِلَيْهِ جَمِيْعَ اُمُوْرِكَ **الَّذِیْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ** ﴿۲۱۸﴾ اِلَى الصَّلٰوةِ **وَتَقَلُّبَكَ** فِی اَرْكَانِ الصَّلٰوةِ قَائِمًا وَقَاعِدًا وَرَاكِعًا وَسَاجِدًا **فِی السّٰجِدِيْنَ** ﴿۲۱۹﴾ اَیِ الْمُصَلِّيْنَ **اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ** ﴿۲۲۰﴾ **هَلْ اُنَبِّئُكُمْ** اَیْ كُفَّارَ مَكَّةَ **عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ** ﴿۲۲۱﴾ بِحَذْفِ اِحْدَى التَّائَيْنِ مِنَ الْاَصْلِ **تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ** كَذَّابٍ **اَثِيْمٍ** ﴿۲۲۲﴾ فَاجِرٍ مِثْلَ مُسَيْلَمَةَ وَغَيْرِهٖ مِنَ الْكَهَنَةِ **يُّلْقُوْنَ** اَیِ الشَّيَاطِيْنُ **السَّمْعَ** اَیْ مَاسَمِعُوْهُ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ اِلَى الْكَهَنَةِ **وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ** ﴿۲۲۳﴾ يَضُمُّوْنَ اِلَى الْمَسْمُوْعِ كِذْبًا كَثِيْرًا وَكَانَ هٰذَا قَبْلَ اَنْ حُجِبَتِ الشَّيَاطِيْنُ عَنِ السَّمَاءِ **وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ** ﴿۲۲۴﴾ فِی شِعْرِهِمْ فَيَقُوْلُوْنَ بِهٖ يَرْوُوْنَ عَنْهُمْ فَهُمْ مَذْمُوْمُوْنَ **اَلَمْ تَرَ** تَعْلَمَ **اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ** مِنْ اَوْدِيَةِ الْكَلَامِ وَفُنُوْنِهٖ **يَّهِيْمُوْنَ** ﴿۲۲۵﴾ يَمْضُوْنَ فَيُجَاوِزُوْنَ الْحَدَّ مَدْحًا وَهِجَاءً **وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ** فَعَلْنَا **مَا لَا يَفْعَلُوْنَ** ﴿۲۲۶﴾ اَیْ يَكْذِبُوْنَ **اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** مِنَ الشُّعَرَاءِ **وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا** اَیْ لَمْ يَشْغَلْهُمُ الشِّعْرُ عَنِ الذِّكْرِ **وَّانْتَصَرُوْا** بِهَجْوِهِمْ مِنَ الْكُفَّارِ **مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا** بِهَجْوِ الْكُفَّارِ لَهُمْ فِی جُمْلَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَيْسُوْا مَذْمُوْمِيْنَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَااعْتَدٰى عَلَيْكُمْ **وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا** مِنَ الشُّعَرَاءِ وَغَيْرِهِمْ **اَیَّ مُنْقَلَبٍ** مَرْجِعٍ **يَّنْقَلِبُوْنَ** ﴿۲۲۷﴾ يَرْجِعُوْنَ بَعْدَ الْمَوْتِ

ترجمہ:............ اور بے شک یہ (قرآن) پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے۔ اسے روح الامین (جبرئیل علیہ السلام) نے آپ کے قلب پر صاف عربی زبان میں اتارا تا کہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں (ایک قرأت میں نـزل تشدید کے ساتھ ہے اور روح کو نصب اور فاعل اللہ ہے) اور بے شک اس (قران) کا ذکر پہلی امتوں کی کتابوں (مثلاً توریت وانجیل وغیرہ) میں ہے۔ کیا ان (کفار مکہ) کے لئے یہ بات دلیل نہیں کہ اس (پیشین گوئی) کو علمائے بنی اسرائیل (جیسے عبداللہ ابن سلام اور ان کے اصحاب جن پر انہیں اعتماد ہے وہ) جانتے ہیں (اوراس کے متعلق) انہیں اطلاع بھی دیتے رہتے ہیں۔ لیکن یـاء کے ساتھ اور تـاء کے ساتھ دونوں طرح ہے۔ اسی طرح آیۃ کو رفع اور نصب دونوں طرح پڑھا گیا ہے) اگر ہم اس (قرآن) کو کسی عجمی پر نازل کرتے۔ پھر وہ ان (کفار مکہ) کے سامنے اسے پڑھ بھی دیتا۔ جب بھی یہ لوگ اسے (عناد کی وجہ سے) نہ مانتے (جس طرح ہم نے ان کے دلوں میں انکار ڈال رکھی ہے۔ اعجمی کی قرأت کی صورت میں) ہم نے اسی طرح اس (انکار اور ایمان نہ لانے) کو ان فرمانوں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے۔ یہ لوگ اس (قرآن) پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں گے۔ جو اچانک ان کے سامنے آ کھڑا ہوگا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ پھر (اس وقت) کہیں گے کہ کیا اب ہمیں مہلت مل سکتی ہے (تا کہ ہم ایمان لے آئیں۔ کہا جائے گا ہرگز نہیں۔ اور یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ کب آئے گا وہ عذاب، ارشاد ہے کہ) یہ لوگ ہمارے عذاب (کوس کر اس) کی کیا جلدی چاہتے ہیں۔ ذرا بتلاؤ تم اگر ہم ان کو چند سال تک عیش میں رہنے دیں۔ پھر جس (عذاب) کا ان سے وعدہ ہے وہ آ جائے تو ان کا عیش ان کے کیا کام آ سکتا

ہے (عذاب کورد کئے یا اس کو ہلکا کرنے میں۔ ما اغنی میں ما استفہامیہ معنی میں ای شیء کے ہے) اور ہم نے جتنی بھی بستیاں ہلاک کیں سب میں نصیحت کے واسطے ڈرانے والے (پیغمبر) آ چکے (جنہوں نے وہاں کے باشندوں کو خدا کے عذاب سے ڈرایا) اور ہم کوئی ظلم کرنے والے تو تھے نہیں (کہ قبل از وقت بغیر کسی تخویف کے انہیں ہلاک کر دیتے۔ آگے کی آیت ان مشرکین کے رد میں ہے جو یہ کہا کرتے تھے کہ یہ قرآن (العیاذ باللہ) شیطان کی جانب سے ہے) اور اس (قرآن) کو شیطان لے کر نہیں آئے اور نہ وہ اس قابل اور نہ ان کے بس کی بات۔ وہ تو (وحی آسمانی کے) سننے سے محروم کئے جا چکے ہیں (اور اگر وہ سننے کی کوشش کریں تو ان پر آگ کے انگارے برسائے جاتے ہیں) آپ اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکاریئے ورنہ (اگر آپ نے ایسا کیا تو) آپ کو بھی سزا ہونے لگے گی۔ اور اپنے کنبہ کے عزیزوں میں (مثلاً بنو ہاشم و بنو مطلب وغیرہ کو) ڈراتے رہئے اور جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلے تو آپ ان کے ساتھ (مشفقانہ) فروتنی سے پیش آیئے اور اگر یہ لوگ آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے اعمال سے (جو تم غیر اللہ کی پرستش کرتے ہو اس سے) بیزار ہوں اور آپ خدائے قادر و رحیم پر توکل رکھئے (اور اپنے سارے امور اس کے سپرد کر دیجئے۔ وتوکل اور فتوکل دونوں قرأت ہیں) جو آپ کو جب آپ (نماز کے لئے) کھڑے ہوتے ہیں اور نمازیوں کے ساتھ (قیام وقعود اور رکوع وسجود میں) آپ کی نشست و برخاست کو دیکھتا رہتا ہے۔ بے شک وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔

(اے کفار مکہ) کیا میں تم کو بتاؤں کہ شیطان کس پر اترا کرتے ہیں۔ (تنزل اصل میں تتنزل تھا ایک تاء کو حذف کر دیا گیا) وہ اترتے ہیں ہر جھوٹے گناہگار (مثلاً مسلیمہ اور دوسرے کاہنوں) پر لا ڈالتے ہیں (یہ شیاطین) سنی ہوئی بات (جو کچھ وہ فرشتوں سے سن لیتے ہیں) اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہی ہوتے ہیں (کیونکہ یہ شیاطین فرشتوں سے سنی ہوئی باتوں میں اپنی طرف سے اضافے کر کے کاہنوں تک پہنچاتے ہیں اور یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ شیاطین کو آسمان پر آنے جانے کی پابندی عائد نہیں ہوئی تھی) اور شاعروں کی پیروی تو بے راہ لوگ کرتے ہیں (یہ کفار بھی شاعروں کی باتوں کو سنتے ہیں اور پھر اسی کو نقل کرتے ہیں۔ لہذا ان شاعروں کی مذمت کی گئی جو بے سروپا باتیں کرتے ہیں) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ (شاعر) لوگ تو (خیالی مضامین کے) ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں (اور کسی کی تعریف یا تنقیص میں حد سے آگے گزر جاتے ہیں) اور وہ باتیں کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں ہیں۔ البتہ جو (شعراء) لوگ ایمان لے آئے اور اچھے کام کئے اور انہوں نے (اپنے اشعار میں) کثرت سے اللہ کا ذکر کیا اور بدلہ لیا (کفار کی ہجو کر کے) بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا (کفار کی جانب سے ہجو کے نتیجہ میں جو ان کی اور جملہ مومنین کی، کی گئی تو اس صورت میں یہ برے نہیں کہلائیں گے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے کہ اللہ کو پسند نہیں کسی کی بری بات کو ظاہر کرنا۔ مگر جس پر ظلم ہو چکا ہو اور دوسری جگہ فرمایا گیا کہ جس نے تم پر زیادتی کی تو تم اس سے بدلہ لے سکتے برابر سرابر) اور عنقریب ان شعراء وغیرہ شعراء) کو معلوم ہو جائے گا جنہوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ (مرنے کے بعد) کیسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے۔

تحقیق وترکیب: .... نزل به ایک قرأت میں نزل تنزیل سے استعمال ہوا ہے۔

روح نزل کا مفعول بہ ہے۔

اٰية یہ یکن مقدم کی خبر ہے اور اگر آیت کو مرفوع پڑھ لیا جائے تو پھر یکن کا اسم ہوگا اور لهم خبر۔ ان یعلمه اس کے اسم سے بدل ہے اور لهم اس صورت میں حال ہوگا۔

الا عجمين اعجم کی جمع ہے۔ اگر مذکر ہو تو افعل کے وزن پر اور مونث کی صورت میں فعلاء کے وزن پر استعمال ہے۔ لیکن جمع بالیاء والنون کی شرائط میں ہے کہ وصف نہ ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعجمی کی جمع ہے۔ جس میں یاء نسبتی تھی جسے تخفیفاً حذف کر دیا گیا۔

ما کانوا بہ مؤمنین. آنفہ مجرد کا مصدر ہے۔ ناگواری واستنکاف کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ماکانوا مومنین میں مامصدریہ، استفہامیہ اور موصولہ تینوں ہوسکتا ہے۔ ترجمہ یہ ہے کہ طویل عشرت انہیں خدا کے عذاب سے بچا نہیں سکتی۔

افرایت. اگر چہ یہ اخبرنی کے معنی میں ہوتو یہ متعدی بہ دومفعول ہوگا۔ جس میں سے ایک مفعول مفرد ہوگا اور دوسرا جملہ استفہامیہ افرایت اور جاء ھم ماکانو یوعدون میں تنازع ہے کہ کون اس کو اپنا معمول بنائے۔ اگر ثانی کو عمل دے دیا جائے تو ماکانوا فاعل ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہوگا اور جملہ استفہامیہ مفعول ثانی بن جائے گا۔ لیکن اس ما کو اگر نافیہ بنالیا جائے تو مفعول ثانی جملہ استفہامیہ نہیں ہوگا۔

الا لھا منذرون. یہ پورا جملہ قریہ کی صفت بن سکتا ہے اور حال بھی۔ زمخشری نے لکھا ہے کہ الا کے بعد واؤ ضرور ہونا چاہئے۔ جواب یہ ہے کہ چونکہ جملہ صفت ہے قریہ کی اس لئے واؤ کا ترک ہی بہتر ہے۔

﴿تشریح﴾: .... اس صورت کے ابتداء میں قرآن کریم کا ذکر آیا ہے اور اس کی تکذیب پر ڈرایا دھمکایا گیا تھا۔ درمیان میں ان مکذبین کے کچھ واقعات بیان ہوئے اور اب پھر اسی قرآن کا تفصیلی ذکر ہے۔ فرمایا گیا کہ قرآن وہ مبارک کتاب ہے کہ جسے کسی مخلوق نے نہیں بلکہ خود رب العالمین نے اتارا ہے اور روح الامین حضرت جبرئیل علیہ السلام جیسے زبردست محافظ اور امانتدار فرشتے نے انہیں پہنچایا ہے۔ جن کے لائے ہوئے پیغام پر کسی غلطی یا تحریف کا امکان نہیں۔ اور پھر آپ کے پاک وصاف قلب پر اتاری گئی اور وہ بھی نہایت فصیح، واضح اور شگفتہ عربی زبان میں۔ تاکہ آپ اپنی قوم کو خدا کے عذاب سے ڈرائیں۔ قرآن کے مخاطب اول چونکہ عرب تھے اس وجہ سے اسے عربی زبان میں نازل کیا گیا تا کہ ہر شخص اسے پڑھ سکے اور اس کے مضامین سمجھ سکے اور کسی کا کوئی عذر باقی نہ رہے۔

اس آیت سے بعض مفسرین نے یہ مطلب نکالا ہے کہ صرف مضامین قرآن آپ کے قلب پر اتار دیئے گئے اور آپ نے اسے اپنے الفاظ میں ادا کر دیا۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ بلکہ الفاظ ومعانی سب بذریعہ وحی آپ کے قلب میں القا کئے گئے۔ نیز قرآن کے عربی زبان ہونے پر جو بار بار زور دیا گیا ہے۔ اس سے فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ غیر عربی قرآن یعنی قرآن کے ترجمے پر حکم قرآن کا نہیں لگایا جاسکتا ہے اور اس کے لانے والے کی پیشین گوئی انبیاء سابقین برابر کرتے چلے آئے ہیں۔

دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس قرآن کے بیشتر مضامین سابقہ کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس آیت سے بعض مفسرین مثلاً حصاص اور صاحب مدارک وغیرہ نے بھی یہ استدلال کیا ہے کہ چونکہ قرآن کا "زبر الاولین" میں ہونا فرمایا گیا ہے۔ حالانکہ سابقہ کتابوں میں قرآن بجنسہ عربی زبانی میں نہیں۔ اس لئے قرآن کا اطلاق غیر عربی قرآن پر بھی ہوسکتا ہے۔ اسی استدلال سے کام لیتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ نے نماز میں قرآن کے فارسی ترجمے کو خود قرآن کے قائم مقام کر دیا اور اس کی اجازت دے دی، مگر پھر بعد میں امام اعظمؒ نے اپنے اس قول سے رجوع فرمالیا تھا۔

انکار قرآن: .... پھر ارشاد ہوا کہ اگر یہ کفار ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لیں تو قرآن کی حقانیت پر کیا یہی دلیل کم ہے کہ خود بنی اسرائیل کے علماء جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب ہے اور پیغمبر ہے جس کی اطلاع سابقہ آسمانی کتابوں میں دی گئی تھی اور وہ اسے مانتے بھی ہیں اور ان علماء میں سے بعض جو حق گو ہیں وہ اس کا لوگوں کے سامنے اعلانیہ اظہار بھی کر رہے ہیں۔

پھر فرمایا گیا کہ آپ تو فصحاء عرب میں سے ہیں۔ ممکن ہے مشرکین مکہ بات بنانے کو یہ کہیں کہ قرآن خود آپ کی اپنی تصنیف

ہے اور وہ اسے ماننے کے لئے آمادہ نہ ہوں۔ لیکن ان کی ہٹ دھرمی اور بدبختی کا تو یہ عالم ہے کہ اگر یہ قرآن کو کسی غیر فصیح عرب یا عجمی انسان پر اتار دیتے جو عربی سے بالکل ناآشنا ہوتا اور اس کا ایک حرف بھی بولنے پر قادر نہ ہوتا پھر تو قرآن کے ہمارا کلام ہونے میں کوئی شک نہ ہوگا مگر یہ اس وقت بھی اپنی سرکشی کی وجہ سے ایمان نہ لاتے۔

جب انسان گناہوں کا خوگر ہوجاتا ہے اور نافرمانی اور سرکشی میں لگا رہتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اپنی عادت کے مطابق ڈھیل دیتا رہتا ہے۔ اسی کو فرمایا گیا ہے کہ وہ لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر شدت کے ساتھ قائم ہیں اور جب تک یہ عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں گے اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے اور جب عذاب کو آتا ہوا دیکھ لیں گے اس وقت یہ پیغمبر اور اس کی لائی ہوئی کتاب کی صداقت کا اقرار کریں گے۔ مگر اس وقت کا اقرار اور تسلیم کرنا بے سود ہوگا۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ عذاب کے آجانے کے بعد یہ کہیں گے کہ کیا اب ہمیں کچھ مہلت مل سکتی ہے۔ تاکہ ہم توبہ کرلیں اور نیک بن جائیں۔ مگر وہ وقت نہ مہلت ملنے کا ہوگا اور نہ قبول ایمان کا ہوگا۔

ان کی بدبختی کا حال یہ ہے کہ عذاب کی وعیدیں سن کر کہتے ہیں کہ اگر یہ اطلاع صحیح ہے اور اس کی کوئی حقیقت ہے تو عذاب آخر کیوں نہیں آجاتا۔ ارشاد ہوا کہ اگر بالفرض ہم انہیں کچھ مہلت دے بھی دیں اور عذاب کچھ دنوں کے لئے روک دیں تو اس سے کیا فائدہ۔ یہ سالہا سال کی ڈھیل اور مہلت بھی جو انہیں دی گئی تھی اس وقت کچھ کام نہ آئے گی جب ان پر عذاب آنا ہی ہے اور ان کا ایمان نہ لانا بھی طے ہے۔ تو پھر اس عارضی مہلت اور التواء سے کوئی ان کی جان تو نہ بچ جائے گی؟ اور اس وقت نہ ان کا مال و دولت اور نہ عزت و مرتبہ انہیں کوئی فائدہ پہنچا سکے گا۔

پھر فرمایا گیا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انبیاءؑ کو بھیجنے سے پہلے کسی امت کو ہلاک کردیا گیا ہو۔ عذاب بھیجنے سے پہلے انہیں کافی مہلت دی گئی اور راہ راست پر لانے کے لئے انبیاء بھیجے گئے تاکہ لوگ غفلت میں نہ رہیں۔ لیکن جب یہ کسی طرح نہ مانے اور اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے بلکہ الٹی انبیاء کی تکذیب و تضحیک میں لگ گئے تو پھر انہیں ہلاک کردیا گیا۔

ایک غلط فہمی اور اس کی تردید:............ابتداء سورت میں قرآن کا تذکرہ تھا اور درمیان میں مکہ میں قران کے کچھ احوال بیان فرما کر پھر اسی موضوع کو دہرا رہے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ یہ کتاب خدا تعالیٰ کے یہاں سے جبرئیل امین لے کر آئے۔ یہ کوئی شیاطین کے ذریعے نہیں بھیجی گئی ہے۔ اس وجہ سے اس میں کسی تحریف یا ردو بدل کا امکان نہیں ہے اور شیاطین تو اس عظیم و متبرک امانت کو اٹھانے کے اہل اور لائق بھی نہیں چہ جائیکہ وہ اپنی طرف سے ایسی کوئی کتاب پیش کرسکیں۔ جیسا کہ مشرکین کا خیال تھا کہ شیاطین آکر یہ قرآن آنحضور ﷺ کو سکھا جاتے ہیں (العیاذ باللہ) اسی کو فرمایا گیا کہ شیاطین کا کام تو بہکانا اور گمراہ کرنا ہے نہ کہ راہ راست پر لانا۔ نیز شیاطین تو تمام تر ظلمت و ضلالت ہیں اور قرآن از اول تا آخر نور ہدایت۔ اور پھر شیطانوں میں اتنی قوت و قدرت ہی کہاں کہ وہ وحی الٰہی کو گھڑ سکیں یا اپنی طرف سے اس میں کچھ اجزاء شامل کرسکیں۔ کیونکہ نزول قرآن کے زمانہ میں اس کی حفاظت کے لئے تمام آسمانوں پر سخت پہرے لگادیئے گئے تھے۔ جس کی وجہ سے شیطان اس کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتے تھے۔ اور اگر یہ اوپر چڑھنے کی کوشش بھی کرتے تو ان پر اوپر سے آگ برسائی جاتی۔ لہٰذا ایک حرف بھی سن لینا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ جب اسے واضح کردیا گیا کہ یہ قرآن منجانب اللہ نازل شدہ ایک متبرک کتاب ہے۔ شیطان کا اس میں ذرہ برابر بھی دخل نہیں تو ارشاد ہوا کہ اب اس پر عمل کرو۔ اس کی اصل تعلیم وحدانیت کا سبق دینا اور کفر و شرک سے روکنا ہے۔ لہٰذا ان چیزوں سے باز آجاؤ اور خدا کے علاوہ اور کسی کو عبادت میں شریک نہ کرو۔ جو بھی خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک

کرے گا وہ ضرور مستحق سزا ہوگا۔ یہاں اگر چہ خطاب آنحضور ﷺ کو کیا گیا مگر مراد کوئی اور ہیں۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنحضور ﷺ کو مخاطب بنانا لوگوں کو ڈرانے اور اس کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے ورنہ ظاہر ہے کہ پیغمبر سے شرک کس طرح ممکن ہے۔

پھر فرمایا گیا کہ دوسروں سے پہلے اپنے عزیز و اقارب کو تنبیہ کیجئے اور انہیں سمجھائیے کہ ایمان کے علاوہ کوئی چیز کام آنے والی نہیں ہے۔ قریبی عزیزوں کا ذکر خاص طور پر اس وجہ سے کیا گیا تا کہ انہیں بھی معلوم ہو جائے کہ پیغمبروں کی اتباع کے بغیر نجات ممکن نہیں ہے۔ صرف رشتہ داری قیامت کے دن کچھ کام نہ دے گی۔ چنانچہ آپ نے اس کی تعمیل کی اور اپنے رشتہ داروں کو جمع کر کے اس بات کی تبلیغ فرمائی۔ جس کی تفصیلات احادیث میں موجود ہیں۔

آپ نے اپنی صاحبزادی اور پھوپھی کو مخاطب بنا کر فرمایا کہ اے فاطمہ بنت محمد ﷺ اور اے صفیہ بنت عبدالمطلب میرے پاس جو کچھ مال ہو اس میں سے تم جتنا چاہو دینے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن یہ خوب اچھی طرح سن لو کہ خدا کے یہاں میں کچھ کام نہیں آ سکتا ہوں۔ اسی طرح ایک جگہ آپ نے فرمایا کہ اے فاطمہ بنت محمد (ﷺ) اپنے کو دوزخ سے بچالو۔ قسم ہے خدا کے یہاں کسی چیز کا میں مالک نہیں ہوں۔ البتہ تمہاری قرابت داری ہے جس کے دنیوی حقوق ادا کرنے کے لئے میں ہر طرح تیار ہوں۔

اس کے بعد حکم ملا کہ اپنے موحدین اور پیرو متبعین کے ساتھ خواہ وہ اپنے ہوں یا پرائے، لیکن ایمان لا چکے ہوں تو ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ کیجئے اور فروتنی عاجزی کے ساتھ ملئے جو خدا کے حکم کی نافرمانی کرے اور مخالف توحید وسنت ہو تو اس سے بے تعلق رہئے اور ان سے اظہار بیزاری کر دیجئے۔ یہ نافرمانی کرنے والے کوئی ہوں اور تعداد میں کتنے ہی ہوں وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ صرف خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھئے۔ وہی حافظ و ناصر ہے اور اس کی نظر عنایت ہر وقت آپ ﷺ پر ہے۔ وہ آپ کی دعاؤں کو خوب سننے والا اور آپ کے حالات سے اچھی طرح واقف ہے۔ نیز آپ ﷺ کے دشمنوں کی دشمنی بھی اس کے سامنے ہے۔

شیطانی الہام: .... مشرکین کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ کا لایا ہوا یہ قرآن حق نہیں ہے۔ اسے اس نے یا تو خود گھڑ لیا ہے یا شیاطین اس کے پاس اس قرآن کو لاتے ہیں۔ قرآن مجید ان کو اسی شبہ کا جواب دے رہا ہے اور خود مشرکین کو مخاطب بنا کر فرمایا گیا کہ آؤ تمہیں بتائیں کہ شیطانی الہام کس قسم کے لوگوں پر ہوتا ہے۔ یہ الہام جھوٹے، بدکردار اور بدکاروں پر ہوتا ہے جو شیطان کے متبعین ہیں اور اس کی مرضی پر چلتے ہیں نہ کہ اس پاکیزہ اور فرشتہ صفت انسان پر جس کا صدق وامانت اور پاکبازی وخدا ترسی سب کو معلوم ہے۔ نیز قرآنی تعلیمات تو شیطانی خواہشات کے قطعاً خلاف ہیں۔

اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ شیطان سے تعلق رکھنے والے اور اس کے فیض یافتہ کس سیرت اور کس اخلاق کے ہوتے ہیں۔ پھر کیا یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایسا پاکیزہ اور لوگوں کو ہدایت کی راہ دکھانے والا وہ قرآن لا سکتا ہے۔ ان کا کام تو غلط راستہ دکھانا ہے نہ راہ راست پر لگانا۔ فرمایا گیا کہ غیبی امور سے متعلق ایک آدھ بات کی بھنک ان شیاطین کے کانوں میں پڑ جاتی ہے تو وہ اسے لے بھاگتے ہیں۔ اور پھر اس میں اپنی طرف سے جھوٹ سچ ملا کر انسانوں تک پہنچا دیتے ہیں اور یہ بھی اس وقت تھا جب کہ انہیں آسمان پر آنے جانے کی اجازت تھی اور جب نزول قرآن کے وقت اس پر بھی پابندی لگا دی گئی تو اس کا بھی امکان باقی نہ رہا تو ان کی وحی کی یہ حقیقت ہے۔ خلاف انبیاء کی وحی کے کہ اس میں ایک حرف بھی جھوٹ کا نہیں ہو سکتا۔ اسی کو فرمایا گیا کہ یہ مشرکین سب کے سب جھوٹے ہیں۔

اکثرھم کاذبون میں سے اکثر مراد کل لیا گیا ہے اور زمخشریؒ نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ان میں سے اکثر خود دعویٰ ہانت میں جھوٹے ہیں۔ مشرکین آنحضور ﷺ کو کبھی کاہن کہتے اور کبھی شاعر بتاتے۔

فرمایا گیا کہ شاعری کی باتیں تو محض خیالی ہوتی ہیں۔ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا اور یہ تو محض ایک تفریح طبع کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اس سے کوئی ہدایت یاب نہیں ہوتا۔ حالانکہ قران کی حقیقت تو یہ ہے کہ اسی کوسن کر ہزاروں انسان نیک و پرہیز گار بن گئے۔ شاعروں کی پشت پناہی اور اس کی اتباع تو اوباش اور وہ لوگ کرتے ہیں جو خود بھٹکے ہوئے ہوں۔ شاعروں کو عمل کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوا۔ بس زبانی باتیں کرتے ہیں اور عمل سے بالکل کورے۔ ان کا قول کچھ ہوتا ہے اور عمل کچھ۔ نیز شعراء خالی مضامین میں ٹکریں مارتے پھرتے ہیں۔

جھوٹ، مبالغہ آمیزی صبح شام کا مشغلہ۔ کسی کی تعریف کرتے ہیں تو آسمان پر پہنچادیتے ہیں اور کسی مذمت و برائی پر آتے ہیں تو دنیا کے سارے عیوب اس میں جمع کردیتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ ایک پیغمبر کو اس طرز زندگی سے کیا واسطہ اور لگاؤ ہوسکتا ہے۔ اسی کو فرمایا گیا کہ **وماعلمنا٘ه الشعر وما ینبغی له** کہ ہم نے نہ تو انہیں شعر سکھایا اور نہ ہی ان کے لئے مناسب تھا۔ آپ ﷺ تو حسن عمل کے پیکر تھے۔ آپ ﷺ کے اعمال اقوال کے عین مطابق یہ نہیں کہ کہتے کچھ اور کرتے کچھ تھے اور آپ ﷺ کی جو بات ہوتی وہ نہایت جچی تلی اور حقیقت سے قریب ہوتی۔ پھر آپ ﷺ کو شاعر اور قرآن کو ایک شاعرانہ کلام کہنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔

اسلام نہ عام شاعری کو پسند کرتا ہے اور نہ شاعروں کی کچھ ہمت افزائی کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اس عام شاعری سے وہ شاعری یقیناً مستثنٰی ہوگی جس میں حقائق وصداقت سے کام لیا گیا ہو اور وہ اشعار جو اسلام کی حمایت اور اللہ تعالیٰ کی حمد میں کہے گئے ہوں گے اور جس سے کسی نیکی اور بھلائی کی ترغیب ہوتی ہو۔ اسی طرح وہ اشعار جو کفر کی مذمت اور گناہوں کی برائی میں کہے گئے ہوں۔ اس طرح کے اشعار مذموم اور غیر پسندیدہ نہیں کہے جاسکتے۔

اب آخر میں ارشاد ہوا کہ یہ ظالم جو آنحضور ﷺ کو شاعر و کاہن قرار دے کر ان کی تکذیب کررہے ہیں اور جو خدا اور اس کے رسول کے حقوق تلف کررہے ہیں، انہیں بہت جلد اس کا انجام معلوم ہوجائے گا اور پتہ چل جائے گا کہ جہاں وہ لوٹ کر جانے والے ہیں وہ کتنی تکلیف دہ اور بری جگہ ہے۔ **واللّٰہ اعلم بالصواب**

سُوْرَةُ النَّمْلِ

سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثٌ اَوْ اَرْبَعٌ اَوْ خَمْسٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ **تِلْكَ** هٰذِهِ الْاٰيَاتُ **اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ** اَيْ اٰيَاتٌ مِنْهُ **وَكِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾** مُظْهِرُ الْحَقِّ الْبَاطِلِ عَطْفٌ بِزِيَادَةِ صِفَةٍ هُوَ **هُدًى** اَيْ هَادٍ مِنَ الضَّلَالَةِ **وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾** اَلْمُصَدِّقِيْنَ بِهٖ بِالْجَنَّةِ **الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ** يَاْتُوْنَ بِهَا عَلٰى وَجْهِهَا **وَيُؤْتُوْنَ** يُعْطُوْنَ **الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾** يَعْلَمُوْنَهَا بِالْاِسْتِدْلَالِ وَاُعِيْدَهُمْ لِمَا فُصِلَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْخَبَرِ **اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ** الْقَبِيْحَةَ بِتَرْكِيْبِ الشَّهْوَةِ حَتّٰى رَاَوْهَا حَسَنَةً **فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۴﴾** يَتَحَيَّرُوْنَ فِيْهَا لِقُبْحِهَا عِنْدَنَا **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ** اَشَدُّهٗ فِي الدُّنْيَا الْقَتْلُ وَالْاَسْرُ **وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۵﴾** لِمَصِيْرِهِمْ اِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِمْ **وَاِنَّكَ** خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ** اَيْ يُلْقٰى عَلَيْكَ بِشِدَّةٍ **مِنْ لَّدُنْ** مِنْ عِنْدِ **حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ﴿۶﴾** فِيْ ذٰلِكَ اُذْكُرْ **اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ** زَوْجَتِهٖ عِنْدَ مَسِيْرِهٖ مِنْ مَدْيَنَ اِلٰى مِصْرَ **اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ** اَبْصَرْتُ مِنْ بَعِيْدٍ **نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ** عَنْ حَالِ الطَّرِيْقِ وَكَانَ قَدْ ضَلَّهَا **اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ** بِالْاِضَافَةِ لِلْبَيَانِ وَتَرْكِهَا اَيْ شُعْلَةِ نَارٍ فِيْ رَاسِ فَتِيْلَةٍ اَوْعُوْدٍ **لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۷﴾** وَالطَّاءُ بَدَلٌ مِنْ تَاءِ الْاِفْتِعَالِ مِنْ صَلِيَ بِالنَّارِ بِكَسْرِ اللَّامِ وَفَتْحِهَا تَسْتَدْفِئُوْنَ مِنَ الْبَرْدِ **فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْ** اَيْ بِاَنْ **بُوْرِكَ** اَيْ بَارَكَ اللّٰهُ **مَنْ فِي النَّارِ** اَيْ مُوْسٰى **وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ** اَيِ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوِ الْعَكْسُ وَبَارَكَ يَتَعَدّٰى بِنَفْسِهٖ وَبِالْحَرْفِ وَيُقَدَّرُ بَعْدُ فِيْ مَكَانٍ **وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸﴾** مِنْ جُمْلَةِ مَانُوْدِيَ وَمَعْنَاهُ تَنْزِيْهُ اللّٰهِ مِنَ السُّوْءِ **يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗ** اَيِ الشَّاْنُ

اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾ وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَاَلْقَاهَا فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ تَتَحَرَّكُ كَاَنَّهَا جَآنٌّ حَيَّةٌ خَفِيْفَةٌ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يَرْجِعُ قَالَ تَعَالٰى يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ مِنْهَا اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَىَّ عِنْدِىْ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۰﴾ مِنْ حَيَّةٍ وَغَيْرِهَا اِلَّا لٰكِنْ مَنْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا اَتَاهُ بَعْدَ سُوْٓءٍ اَىْ تَابَ فَاِنِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱﴾ اَقْبَلُ التَّوْبَةَ وَاَغْفِرُلَهٗ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِىْ جَيْبِكَ طَوْقِ الْقَمِيْصِ تَخْرُجْ خِلَافَ لَوْنِهَا مِنَ الْاُدْمَةِ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ بَرَصٍ لَهَا شُعَاعٌ يَغْشِى الْبَصَرَ اٰيَةً فِىْ تِسْعِ اٰيٰتٍ مُرْسَلًا بِهَا اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً اَىْ مُضِيْئَةً وَاضِحَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ بَيِّنٌ ظَاهِرٌ وَجَحَدُوْا بِهَا اَىْ لَمْ يَقِرُّوْا وَقَدِ اسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ اَىْ تَيَقَّنُوْا اَنَّهَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ تَكَبُّرًا عَنِ الْاِيْمَانِ بِمَا جَاءَ بِهٖ مُوْسٰى رَاجِعٌ اِلَى الْجَحْدِ فَانْظُرْ يَامُحَمَّدُ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾ الَّتِىْ عَلِمْتَهَا مِنْ اِهْلَاكِهِمْ

ترجمہ: .... طٰسٓ (خداتعالیٰ جانتا ہے اس کی مراد) یہ آیتیں ہیں قرآن اور ایک واضح کتاب کی (جو کہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔ قرآن کا عطف کتب مبین کے اوپر صفت کی زیادتی کی وجہ سے کیا گیا۔ یہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ قرآن اور کتاب دونوں ہم معنی الفاظ ہیں۔ پھر اس عطف کی کیا ضرورت تھی تو اس کا جواب ہے کہ اگر چہ یہ دونوں ہم معنی الفاظ ہیں۔ مگر جب معطوف علیہ سے معطوف میں زیادہ صفت پائے جاتے ہوں اور اس سے معطوف علیہ کی وضاحت ہوتی ہو تو اس صورت میں عطف مفید ہوتا ہے) یہ آیتیں ایمان والوں کے لئے موجب ہدایت و بشارت ہیں (خوشخبری یہ ہے کہ یہ جنت کی تصدیق کرنے والی ہیں) اور یہ خوشخبری ان کے لئے ہے جو نماز پابندی سے پڑھتے رہتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اور آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں (اور دلائل کے ساتھ اس کا علم رکھتے ہیں۔ ضمیر ھم دومرتبہ لانے کی وجہ لکھتے ہیں کہ ھم مبتداء اور اس کی خبر یوقنون کے درمیان بالآخرۃ کا فصل آ گیا تھا۔ اس وجہ سے پھر دوبارہ فرمایا گیا ھم یوقنون) اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ ہم نے ان کے اعمال (بد) ان کی نظر میں خوشنما بنا رکھے ہیں (وہ معاصی اور شہوت دنیا میں مبتلا ہیں اور اسے بہت اچھا سمجھ رہے ہیں) سو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں (اور ان کا یہ بھٹکنا ہماری نظروں میں ہے بوجہ معاصی کی قباحت کے ورنہ تو ان کی نظروں میں تو یہ ایک پسندیدہ چیز ہے۔ اس وجہ سے اس کا اس طرف خیال بھی نہیں جاتا ہے) یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے سخت عذاب ہے (دنیا میں بصورت قتل اور قید) اور آخرت میں تو وہ بڑا سخت نقصان اٹھانے والے ہیں (بوجہ جہنم میں ڈالتے جانے کے ہمیشہ کے لئے) اور آپ کو (اے محمد ﷺ) یقیناً قرآن دیا جا رہا ہے (جس میں آپ کو کچھ دشواری محسوس ہوگی لیکن یہ) ایک بڑے حکمت والے بڑے علم والے کی طرف سے ہے (وہ قصہ یاد کیجئے) جب موسیٰ نے (مدین سے مصر کی جانب سفر کے دوران) اپنے گھر والوں (یعنی بیوی) سے کہا میں نے (دور سے) آگ دیکھی ہے (اور ہم جو راستہ بھول گئے ہیں تو راستہ کی صحیح تفصیلات کی) میں ابھی وہاں سے کوئی خبر لے کر آتا ہوں یا تمہارے پاس آگ کا شعلہ لکڑی وغیرہ میں لگا ہوا لاتا ہوں (شھاب کی اضافت قبس کی جانب اس کی مزید تشریح کے لئے ہے اور بعضوں نے اس اضافت کی کوئی چیز محسوس نہیں کی وہ اس وجہ سے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ قبس یا شھاب سے واقع ہو رہا ہے یا اس کی صفت ہے کہ ایسی

آگ جولکڑی وغیرہ میں لگی ہوئی ہو) تاکہ تم تاپ سکو(تصطلون کی طاء تاء افتعال سے بدلی ہوئی ہے اور یہ ماخوذ صلی بالنار سے ہے۔ اس کے مصدر میں لام کے کسرہ اور فتحہ دونوں طرح کی قرأت ہے۔ معنی ہے سردی سے بچنے کے لئے تاپنا) پھر جب وہ اس (آگ) کے پاس پہنچے تو انہیں آواز دی گئی کہ برکت ہو ان پر جو آگ کے اندر ہیں (یعنی موسیٰ) اور اس پر بھی جو اس کے پاس ہیں (یعنی فرشتے یا اس کا الٹا یعنی من فی النار سے مراد فرشتے اور من حولها سے مراد موسیٰ ہیں اور لفظ بارک یہ متعدی بنفسہ اور متعدی بالحرف بھی ہے۔ یعنی اس کا صلہ فی علی اور لام وغیرہ بھی آتا ہے اور اس کے بغیر بھی استعمال ہے اور فی کے بعد لفظ کان مقدر مانا گیا ہے۔ عبارت اس طرح ہوگی۔ بورک من فی مکان النار اور پاک ہے اللہ پروردگار عالم (ہر نقص سے) اے موسیٰ یہ (جو کلام کررہا ہے) میں اللہ ہوں بڑا غلبہ والا، بڑا حکمت والا اور تم اپنا عصا ڈال دو (حکم ملتے ہی۔ انہوں نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی) پھر جب انہوں نے اسے دیکھا کہ وہ حرکت کررہا ہے جیسے (ایک چھوٹا) سانپ ہو تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (ارشاد ہوا کہ) اے موسیٰ (اس سے) ڈرو نہیں۔ ہمارے حضور میں پیغمبر (سانپ وغیرہ سے) نہیں ڈرا کرتے۔ ہاں البتہ جس سے کوئی قصور ہوجائے۔ پھر برائی کے بعد بجائے اس کے نیک کام کرے (یعنی توبہ کرلے) تو میں بڑا مغفرت والا، رحمت والا ہوں (توبہ قبول کرکے معاف کردیتا ہوں) اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر لے جاؤ تو وہ بلا کسی عیب (یعنی بغیر کسی مرض برص وغیرہ) کے سفید ہوکر نکلے گا (جس میں اس قدر چمک ہوگی کہ آنکھوں کو چکا چوند کردے گی۔ یہ نو معجزات میں سے ہیں (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو) فرعون اور اس کی قوم کے مقابل میں (دے کر بھیجا گیا) بے شک وہ لوگ حد سے گزر جانے والے ہیں۔

غرض ان لوگوں کے پاس جب ہمارے معجزات پہنچے جو نہایت واضح تھے تو وہ بولے یہ تو محض کھلا ہوا جادو ہے۔ اور ظلم وتکبر کی راہ سے ان معجزات کے بالکل منکر ہوگئے۔ درآنحالیکہ ان کے دلوں نے اس کا یقین کرلیا تھا (کہ یہ منجانب اللہ ہے) سو (اے محمد ﷺ) دیکھئے کیسا انجام ہوا ان مفسدوں کا (جیسا کہ آپ کو ان کی ہلاکت کا حال معلوم ہوچکا ہے)۔

تحقیق وترکیب:............ **هم یوقنون.** ہم مبتداء ہے یوقنون اس کی خبر۔ بالاٰخرۃ متعلق ہے کبر کے۔ خبر اور مبتداء میں فصل ہونے کی بناء پر مبتداء کا تکرار کیا گیا۔ زمخشریؒ نے لکھا ہے کہ تکرار ضمیر تخصیص وتاکید کے لئے ہے ورنہ ضمیر ثانی خود اختصار کا فائدہ دے رہی تھی۔ واو عاطفہ اور حالیہ دونوں طرح ہوسکتا ہے۔

هم الاخسرون. افعل تفضیل کے لئے اور بتانا یہ ہے کہ کفار کا خسران آخرت میں اور بھی بڑھ گیا اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ اخسر افعل کے وزن پر مبالغہ کے لئے۔ مضمون شرکت کی ادائیگی کے لئے نہیں۔ کیونکہ آخرت میں مومن کسی بھی خسران میں مبتلا نہ ہوگا۔

بشهاب قبس. کوفی کیونکہ اس کو بدل قرار دیتے ہیں۔ اس لئے ترک اضافت کرتے ہیں۔

نودی. کیونکہ یہ فعال کے قائم مقام ہے۔ اس لئے چند صورتیں ہوں گی۔ اول یہ کہ ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب راجح ہے۔ اس صورت میں ان مفسرہ للمضارع ہوگا جو ماقبل کے قول کی تفسیر کرتا ہے۔ ثانی یہ ان ناصب مضارع ہوگا۔ تیسرے ان مخففه ہے اور ضمیر شان اس کا اسم ہے اور بورک خبر۔

تخرج بیضاء. بظاہر یہ ادخل کا جواب ہے۔ مطلب ہے کہ تم اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالو تو وہ چمکتا ہوا نکلے گا اور بعضوں نے کچھ کلام حذف مانا ہے۔ عبارت یوں ہوگی۔ ادخل یدك ندخل واخرجها تخرج۔

کیف کان. کیف خبر مقدم ہے۔ عاقبة اس کا اسم اور پورا جملہ محل نصب میں ہے۔

ربط:............کفار مکہ اور مشرکین عرب قرآن مجید کو ایک شعری مجموعہ قرار دیتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ میں حقیقت پر سے نقاب کشائی کرتے ہوئے فرمایا کہ خیالات اور افکار کا فیضان شیطان کی جانب سے بھی ہوتا ہے اور پاک رحمٰن کی طرف سے بھی۔ شیطان کا دیا ہوا فکر اور تخیل، خیالات کی وادیوں میں بھٹکنا، بےعمل زندگی، غیر مہذب خیالات کی اشاعت وغیرہ ہے اور رحمانی افکار پاکیزہ، صاف ستھرے، عمل کی دعوت دینے والے اور عمل پر ابھارنے والے ہوتے ہیں۔ سورہ شعراء کے خاتمہ پر شاعروں کی فکری ماخذ کی نشاندہی کرنے کے بعد سورۂ نمل کے آغاز میں انك لتلقى القرآن من لدن حكيم عليم (اور آپ کو یقیناً قرآن دیا جارہا ہے۔ ایک بڑے حکمت والے، بڑے علم والے کی طرف سے) فرما کر آنحضور ﷺ کے شستہ ورفتہ ماخذ کی تعیین کی ہے اور توحید کے دلائل، کفر وشرک کی باہمی تفریق، جانوروں کا تکلم اور ان کا شعور، فطرات کا ادراک بتا کر کافروں کی اس زندگی کو سامنے لایا گیا ہے۔ جس میں نہ اپنے رب حقیقی کی معرفت ہے اور نہ فکر آخرت ہے۔ مواخذہ آخرت کا اندیشہ گویا ان کی زندگی جانوروں سے بھی گئی گزری ہوئی ہے۔ اس طرح ان دونوں سورتوں میں معنوی ارتباط واضح طور پر موجود ہے۔

﴿ تشریح ﴾:............ارشاد ہوا کہ یہ آیتیں اس قرآن کی ہیں جو واضح اور روشن ہے۔ اس میں اہل ایمان کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔ کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے احکامات پر عمل کرتے ہیں۔ نمازیں قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ بھی پوری کی پوری ادا کرتے ہیں اور ساتھ ہی آخرت پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ یعنی عقائد واعمال دونوں کے بارے میں بڑے پختہ ہیں اور وہ لوگ جو اسے جھٹلاتے ہیں اور قیامت کو نہیں مانتے تو ہم بھی انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ انہیں ان کی برائیاں اچھی لگتی ہیں۔ یعنی جنہیں اپنے انجام کی فکر نہیں ہوتی وہ اپنی ساری زندگی اس دنیا کے حصول اور اس کی ترقیوں میں لگائے رکھتے ہیں۔ ان تمام کوششوں کا مرکز یہی چند روزہ زندگی ہوتی ہے اور اپنی سرکشی وگمراہی میں بڑھتے رہتے ہیں۔ انہیں دنیا اور آخرت میں بدترین سزا ملے گی اور قیامت کے دن یہ سب سے زیادہ نقصان میں رہیں گے۔ فرمایا گیا کہ ان بدبختوں کو ان کی گمراہی میں بھٹکنے دیجئے اور آپ خدا کا شکر ادا کیجئے کہ آپ کو اس علیم وحکیم کی جانب سے ایسی عظیم الشان کتاب (قرآن) دی گئی جو انسانی ضرورتوں کا ایک جامع نسخہ ہے۔

خدا کا دین:............اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ یاد دلایا جارہا ہے۔ جب وہ حضرت شعیب علیہ السلام سے رخصت لے کر اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر مدین سے مصر کی طرف روانہ ہوئے تو کوہ طور کے قریب سے گزرتے ہوئے جب آپ مصر کا راستہ بھول گئے، سردی کا موسم اور اندھیری رات تھی تو آپ نے اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ تم یہیں ٹھہرو، مجھے ایک جگہ آگ کا شعلہ دکھائی دے رہا ہے۔ میں اس روشنی کے پاس جاتا ہوں۔ اگر کوئی وہاں موجود ہوا تو اس سے راستہ معلوم کرتا ہوں ورنہ کم ازکم وہاں سے تاپنے کے لئے کچھ آگ لیتا آؤں گا۔ فرماتے ہیں کہ جب وہاں پہنچے تو معاملہ ہی عجیب دیکھا۔ وہ دنیا کی آگ نہیں بلکہ نورانی آگ ہے۔ حضرت موسیٰ سخت متعجب تھے اور ان کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آرہی تھی کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ اچانک آواز آئی کہ آگ میں جو تجلی ہے وہ بھی مبارک ہے اور اس کے دائرہ میں یا اس کے آس پاس جو ہستیاں ہیں مثلاً فرشتے یا خود حضرت موسیٰ علیہ السلام وہ سب بھی مقدس ہیں۔ یہ کلام غالباً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانوس کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔

اس کے بعد فوراً اس خیال سے کہیں کوئی اس تجلی کو جو بشکل آگ محدود تھی اسے خدا نہ سمجھ لے تو فرمایا گیا کہ خدا تعالیٰ کی ذات مکان، جسم، صورت اور رنگ وغیرہ سے پاک ہے۔ اس لئے بشکل آگ اس کی تجلی کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ اس کی ذات آگ

میں حلول کر آئی ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا کہ اس وقت تم سے کلام کرنے والا میں ہوں، جو سب پر غالب ہے اور ساری چیزیں اس کے ماتحت اور اس کے زیر حکم ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ اے موسیٰ اپنی لکڑی زمین پر ڈال دو اور پھر اپنی آنکھوں سے خدا تعالیٰ کی قدرت دیکھ لو۔ حکم ملتے ہی موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لکڑی زمین پر ڈال دی اور اسی وقت وہ ایک سانپ کی شکل اختیار کر گئی۔ اسے چلتا پھرتا دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام خوفزدہ ہو گئے اور اس تیزی کے ساتھ بھاگے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ یہ خوف، خوف طبعی تھا۔ جو نبوت کے منافی نہیں ہے۔ پھر خدا تعالیٰ نے آواز دی کہ اے موسیٰ! ڈرو نہیں۔ میں تمہیں اپنا برگزیدہ رسول بنانا چاہتا ہوں۔ اس مقام پر پہنچ کر کسی مخلوق یا سانپ وغیرہ سے ڈرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ خدا کے حضور میں تو خوف واندیشہ صرف اسے ہونا چاہئے جو کوئی غلطی کر کے آیا ہو۔ درآں حالیکہ اس کے بارے میں بھی ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ وہ دل سے توبہ کر لے اور برائیوں کے بدلہ نیکیاں کرنے لگے تو خدا تعالیٰ اپنی رحمت سے اسے معاف کر دیں گے۔

تو ایک معجزہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لکڑی کے سانپ بنانے کا ملا اور دوسرا معجزہ یہ دیا جاتا ہے کہ جب بھی آپ اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال کر نکالیں گے تو وہ چاند کی طرح چمکتا ہوا نکلے گا۔ یہ دونوں معجزے ان نو معجزات میں سے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملے تھے اور جن کی تفصیل آیت ولقد اتینا تسع ایات بینات الخ میں ذکر کی گئی ہے۔

جب یہ واضح اور صریح معجزات فرعونیوں کو دکھلائے گئے تو اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لینے کے باوجود اس میں تاویلات کرنے شروع کر دیں اور کہنے لگے کہ اسے حقانیت سے کیا واسطہ۔ یہ تو سب جادو کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ انہیں یقین تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام برحق ہیں اور یہ معجزات منجانب اللہ ہیں۔ یہ جادو اور نظر بندی نہیں ہے۔ مگر پھر بھی صرف اپنی ضد اور نفسانیت کی وجہ سے اپنے ضمیر کے خلاف انکار کرتے رہے۔ جس کا نتیجہ کیا نکلا۔ چند روز کے بعد معلوم ہو گیا کہ ان مفسدین کا انجام کیا ہوتا ہے۔ دنیا میں سب کے سب غرقاب کئے گئے اور آخرت میں شدید ترین عذاب کے مستحق ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ کو سنانے سے مقصد آنحضرت ﷺ کے منکرین کو تنبیہ کرنا ہے کہ تم بھی اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ ورنہ اسی طرح تباہ و برباد کر دیئے جاؤ گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِبْنَهٗ **عِلْمًا**ۚ بِالْقَضَاءِ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْطِقَ الطَّيْرِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **وَقَالَا** شُكْرًا لِلّٰهِ **الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا** بِالنُّبُوَّةِ وَتَسْخِيْرِ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالشَّيَاطِيْنِ **عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ**﴿۱۵﴾ **وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ** النُّبُوَّةَ وَالْعِلْمَ **وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ** اَیْ فَهْمَ اَصْوَاتِهٖ **وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ**ؕ يُؤْتَاهُ الْاَنْبِيَاءُ وَالْمُلُوْكُ **اِنَّ هٰذَا** الْمُؤْتٰى **لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ**﴿۱۶﴾ الْبَيِّنُ الظَّاهِرُ **وَحُشِرَ** جُمِعَ **لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ** فِیْ مَسِيْرٍ لَهٗ **فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ**﴿۱۷﴾ يُجْمَعُوْنَ ثُمَّ يُسَاقُوْنَ **حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ**ۙ هُوَ بِالطَّائِفِ اَوْ بِالشَّامِ نَمْلُهٗ صِغَارٌ اَوْ كِبَارٌ **قَالَتْ نَمْلَةٌ** مَلِكَةُ النَّمْلِ وَقَدْ رَاَتْ جُنْدَ سُلَيْمَانَ **يٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ**ۚ **لَا يَحْطِمَنَّكُمْ** يُكَسِّرَنَّكُمْ **سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ**ۙ **وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ**﴿۱۸﴾ بِهَلَاكِكُمْ نَزَلَ النَّمْلُ مَنْزِلَةَ الْعُقَلَاءِ فِی الْخِطَابِ بِخِطَابِهِمْ **فَتَبَسَّمَ** سُلَيْمَانُ اِبْتِدَاءً **ضَاحِكًا** اِنْتِهَاءً **مِّنْ قَوْلِهَا** وَقَدْ سَمِعَهٗ مِنْ ثَلٰثَةِ اَمْيَالٍ حَمَلَتْهُ الرِّيْحُ اِلَيْهِ فَحَبَسَ

جُنُدَهُ حِيْنَ اَشْرَفَ عَلٰى وَادِيْهِمْ حَتّٰى دَخَلُوْا بُيُوْتَهُمْ وَكَانَ جُنُدُهُ رُكْبَانًا وَمَشَاةً فِى هٰذَا الْمَسِيْرِ **وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِىٓ** اَلْهِمْنِىْ **اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِىٓ اَنْعَمْتَ** بِهَا **عَلَىَّ وَعَلٰى وَالِدَىَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَدْخِلْنِىْ بِرَحْمَتِكَ فِىْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ﴿۱۹﴾** الْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ **وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ** لِيَرَى الْهُدْهُدَ الَّذِىْ يَرَى الْمَاءَ تَحْتَ الْاَرْضِ وَيَدُلُّ عَلَيْهِ بِنَقْرِهٖ فِيْهَا فَتَسْتَخْرِجُهُ الشَّيٰطِيْنُ لِاِحْتِيَاجِ سُلَيْمَانَ اِلَيْهِ لِلصَّلٰوةِ فَلَمْ يَرَهُ **فَقَالَ مَالِىَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ** اَىْ اَعَرَضَ لِىْ مَا مَنَعَنِىْ مِنْ رُؤْيَتِهٖ **اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ﴿۲۰﴾** فَلَمْ اَرَهُ لِغَيْبَتِهٖ فَلَمَّا تَحَقَّقَهَا قَالَ **لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا** اَىْ تَعْذِيْبًا **شَدِيْدًا** بِنَتْفِ رِيْشِهٖ وَذَنَبِهٖ وَرَمْيِهٖ فِى الشَّمْسِ فَلَا يَمْتَنِعُ مِنَ الْهَوَامِ **اَوْلَا اَذْبَحَنَّهٗٓ** بِقَطْعِ حُلْقُوْمِهٖ **اَوْلَيَاْتِيَنِّىْ** بِنُوْنٍ مُشَدَّدَةٍ مَكْسُوْرَةٍ اَوْ مَفْتُوْحَةٍ يَلِيْهَا نُوْنٌ مَكْسُوْرَةٌ **بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴿۲۱﴾** بُرْهَانٍ بَيِّنٍ ظَاهِرٍ عَلٰى عُذْرِهٖ **فَمَكَثَ** بِضَمِّ الْكَافِ وَفَتْحِهَا **غَيْرَ بَعِيْدٍ** اَىْ يَسِيْرًا مِنَ الزَّمَانِ وَحَضَرَ لِسُلَيْمَانَ مُتَوَاضِعًا بِرَفْعِ رَاْسِهٖ وَاِرْخَاءِ ذَنَبِهٖ وَجَنَاحَيْهِ فَعَفَا عَنْهُ وَسَاَلَهُ عَمَّا لَقِىَ فِىْ غَيْبَتِهٖ **فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ** اَىْ اِطَّلَعْتُ بِمَا لَمْ تَطَّلِعْ عَلَيْهِ **وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ** بِالصَّرْفِ وَتَرْكِهٖ قَبِيْلَةٌ بِالْيَمَنِ سُمِّيَتْ بِاسْمِ جَدٍّ لَهُمْ بِاعْتِبَارِهٖ صُرِفَ **بِنَبَاٍ** بِخَبَرٍ **يَّقِيْنٍ﴿۲۲﴾ اِنِّىْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ** اَىْ هِىَ مَلِكَةٌ لَهُمْ اِسْمُهَا بِلْقِيْسُ **وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ** تَحْتَاجُ اِلَيْهِ الْمُلُوْكُ مِنَ الْاٰلَةِ وَالْعُدَّةِ **وَّلَهَا عَرْشٌ** سَرِيْرٌ **عَظِيْمٌ﴿۲۳﴾** طُوْلُهٗ ثَمَانُوْنَ ذِرَاعًا وَعَرْضُهٗ اَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا وَارْتِفَاعُهٗ ثَلٰثُوْنَ ذِرَاعًا مَضْرُوْبٌ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ مُكَلَّلٌ بِالدُّرِّ وَالْيَاقُوْتِ الْاَحْمَرِ وَالزَّبَرْجَدِ الْاَخْضَرِ وَالزُّمُرُّدِ وَقَوَائِمُهٗ مِنَ الْيَاقُوْتِ الْاَحْمَرِ وَالزَّبَرْجَدِ الْاَخْضَرِ وَالزُّمُرُّدِ عَلَيْهِ سَبْعَةُ بُيُوْتٍ عَلٰى كُلِّ بَيْتٍ بَابٌ مُغْلَقٌ **وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ** طَرِيْقِ الْحَقِّ **فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ** اَىْ اَنْ يَسْجُدُوْا لَهٗ فَزِيْدَتْ لَا وَاُدْغِمَ فِيْهَا نُوْنُ اَنْ كَمَا فِىْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ وَالْجُمْلَةُ فِىْ مَوْضِعِ مَفْعُوْلِ يَهْتَدُوْنَ بِاِسْقَاطِ اِلٰى **الَّذِىْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ** مَصْدَرٌ بِمَعْنَى الْمَخْبُوْءِ مِنَ الْمَطَرِ وَالنَّبَاتِ **فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ** فِىْ قُلُوْبِهِمْ **وَمَا تُعْلِنُوْنَ﴿۲۵﴾** بِاَلْسِنَتِهِمْ **اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴿۲۶﴾** السجدة ۸ اِسْتِيْنَافٌ جُمْلَةُ ثَنَاءٍ مُشْتَمِلٍ عَلٰى عَرْشِ الرَّحْمٰنِ فِىْ مُقَابَلَةِ عَرْشِ بِلْقِيْسَ وَبَيْنَهُمَا بَوْنٌ عَظِيْمٌ **قَالَ** سُلَيْمَانُ لِلْهُدْهُدِ **سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ** فِيْمَا اَخْبَرْتَنَا بِهٖ **اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴿۲۷﴾** اَىْ مِنْ هٰذَا النَّوْعِ فَهُوَ اَبْلَغُ مِنْ اَمْ كَذَبْتَ فِيْهِ ثُمَّ دَلَّهُمْ عَلَى الْمَاءِ فَاسْتُخْرِجَ وَارْتَوَوْا وَتَوَضَّؤُا وَصَلُّوْا ثُمَّ كَتَبَ

سُلَيمَانُ كِتَابًا صُورَتُهُ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ سُلَيمَانَ بْنِ دَاوٗدَ اِلٰى بِلْقِيسَ مَلَكَةِ سَبَابِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ فَلَا تَعْلُوا عَلَيَّ وَاْتُونِيْ مُسْلِمِيْنَ ثُمَّ طَبَعَهُ بِالْمِسْكِ وَخَتَمَهُ بِخَاتِمِهٖ ثُمَّ قَالَ لِلْهُدْهُدِ **اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ** اَيْ بِلْقِيسِ وَقَوْمِهَا **ثُمَّ تَوَلَّ** اِنْصَرِفْ **عَنْهُمْ** وَقِفْ قَرِيْبًا مِنْهُمْ **فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ** ﴿۲۸﴾ يَرُدُّوْنَ مِنَ الْجَوَابِ فَاَخَذَهُ وَاَتَاهَا وَحَوْلَهَا جُنُدُهَا فَاَلْقَاهُ فِيْ حِجْرِهَا فَلَمَّا رَأَتْهُ اِرْتَعَدَتْ وَخَضَعَتْ خَوْفًا ثُمَّ **قَالَتْ** لِاَشْرَافِ قَوْمِهَا **يٰاَيُّهَا الْمَلَؤُا** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ بِقَلْبِهَا وَاوًا مَكْسُوْرَةً **اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ** ﴿۲۹﴾ مَخْتُوْمٌ **اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ** اَيْ مَضْمُوْنَهُ **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ** ﴿۳۰﴾ **اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ** ﴿۳۱﴾ **قَالَتْ يٰاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ بِقَلْبِهَا وَاوًا اَيْ اَشِيْرُوْا عَلَيَّ **فِيْٓ اَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا** قَاضِيَةً **حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ** ﴿۳۲﴾ تَحْضُرُوْنَ **قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ** اَيْ اَصْحَابُ شِدَّةٍ فِي الْحَرْبِ **وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ** ﴿۳۳﴾ نُطِعْكِ **قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا** بِالتَّخْرِيْبِ **وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ** ﴿۳۴﴾ اَيْ مُرْسِلُوا الْكِتَابِ **وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ** ﴿۳۵﴾ مِنْ قُبُوْلِ الْهَدِيَةِ اَوْرَدِّهَا اِنْ كَانَ مَلِكًا قَبِلَهَا اَوْ نَبِيًّا لَمْ يَقْبَلْهَا فَاَرْسَلَتْ خَدَمًا ذُكُوْرًا اَوْ اِنَاثًا اَلْفًا بِالسَّوِيَّةِ وَخَمْسَمِائَةِ لَبِنَةٍ مِنَ الذَّهَبِ وَتَاجًا مُكَلَّلًا بِالْجَوَاهِرِ وَمُسْكًا وَعَنْبَرًا اَوْغَيْرِ ذٰلِكَ مَعَ رَسُوْلٍ بِكِتَابٍ فَاَسْرَعَ الْهُدْهُدُ اِلٰى سُلَيْمَانَ يُخْبِرُهُ الْخَبَرَ فَاَمَرَاَنْ تَضْرِبَ لَبِنَاتِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَاَنْ تَبْسُطَ مِنْ مَوْضِعِهٖ اِلٰى تِسْعَةِ فَرَاسِخَ مَيْدَانًا وَاَنْ يَبْنُوْا حَوْلَهُ حَائِطًا مُشَرَّفًا مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَاَنْ يُؤْتٰى بِاَحْسَنِ دَوَابِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ مَعَ اَوْلَادِ الْجِنِّ عَنْ يَمِيْنِ الْمَيْدَانِ وَشِمَالِهٖ **فَلَمَّا جَآءَ** الرَّسُوْلُ بِالْهَدِيَةِ وَمَعَهُ اَتْبَاعُهُ **سُلَيْمٰنَ قَالَ** سُلَيْمَانُ **اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ** مِنَ النُّبُوَّةِ وَالْمُلْكِ **خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ** مِنَ الدُّنْيَا **بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ** ﴿۳۶﴾ لِفَخْرِكُمْ بِزَخَارِفِ الدُّنْيَا **اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ** بِمَا اَتَيْتَ بِهٖ مِنَ الْهَدِيَةِ **فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ** لَا طَاقَةَ **لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ** مِنْ بَلَدِهِمْ سَبَا سُمِّيَتْ بِاسْمِ اَبِيْ قَبِيْلَتِهِمْ **اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ** ﴿۳۷﴾ اَيْ اِنْ لَمْ يَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ فَلَمَّا رَجَعَ اِلَيْهَا الرَّسُوْلُ بِالْهَدِيَةِ جَعَلَتْ سَرِيْرَهَا دَاخِلَ سَبْعَةِ اَبْوَابٍ دَاخِلَ قَصْرِهَا وَقَصْرِهَا دَاخِلَ سَبْعَةِ قُصُوْرٍ وَاَغْلَقَتِ الْاَبْوَابَ وَجَعَلَتْ عَلَيْهَا سَرِيْرَهَا حَرَسًا وَتَجَهَّزَتْ لِلْمَسِيْرِ اِلٰى سُلَيْمَانَ لِتَنْظُرَمَا يَامُرُهَا بِهٖ فَارْتَحَلَتْ فِيْ اِثْنَيْ عَشَرَ اَلْفِ قَيْلٍ مَعَ كُلِّ قَيْلٍ اُلُوْفٌ كَثِيْرَةٌ اِلٰى اَنْ قَرُبَتْ مِنْهُ

عَلٰی فَرْسَخِ شَعْرِیِهَا **قَالَ یٰٓاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّکُمْ** فِی الْهَمْزَتَیْنِ مَاتَقَدَّمَ **یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ﴿۳۸﴾** اَیْ مُنْقَادِیْنَ طَائِعِیْنَ فَلِیْ اَخْذُهٗ قَبْلَ ذٰلِكَ لَا بَعْدَهٗ **قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ** هُوَ الْقَوِیُّ الشَّدِیْدُ **اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ** ۚ اَلَّذِیْ تَجْلِسُ فِیْهِ لِلْقَضَاءِ وَهُوَ مِنَ الْغَدَاةِ اِلٰی نِصْفِ النَّهَارِ **وَاِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ** اَیْ عَلٰی حَمْلِهٖ **اَمِیْنٌ﴿۳۹﴾** اَیْ عَلٰی مَافِیْهِ مِنَ الْجَوَاهِرِ وَغَیْرِهَا قَالَ سُلَیْمَانُ اُرِیْدُ اَسْرَعَ مِنْ ذٰلِكَ **قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ** الْمُنْزَلِ وَهُوَ اٰصِفُ بْنُ بَرْخِیَا کَانَ صِدِّیْقًا یَعْلَمُ اِسْمَ اللّٰهِ الْاَعْظَمِ الَّذِیْ اِذَا دُعِیَ بِهٖ اَجَابَ **اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ** ؕ اِذَا نَظَرْتَ بِهٖ اِلٰی شَیْءٍ مَا قَالَ لَهٗ اُنْظُرْ اِلَی السَّمَاءِ فَنَظَرَ اِلَیْهَا ثُمَّ رَدَّ بِطَرْفِهٖ فَوَجَدَهٗ مَوْضُوْعًا بَیْنَ یَدَیْهِ فَفِیْ نَظْرِهٖ اِلَی السَّمَاءِ دَعَا اٰصِفُ بِالْاِسْمِ الْاَعْظَمِ اَنْ یَاْتِیَ اللّٰهُ بِهٖ فَحَصَلَ بِاَنْ جَرٰی تَحْتَ الْاَرْضِ حَتّٰی اِرْتَفَعَ عِنْدَ کُرْسِیِّ سُلَیْمَانَ **فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا** اَیْ سَاکِنًا **عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا** اَیِ الْاِتْیَانُ لِیْ بِهٖ **مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ** ۫ **لِیَبْلُوَنِیْٓ** لِیَخْتَبِرَنِیْ **ءَاَشْکُرُ** بِتَحْقِیْقِ الْهَمْزَتَیْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِیَةِ اَلِفًا وَتَسْهِیْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَیْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰی وَتَرْکِهٖ **اَمْ اَکْفُرُ** ؕ النِّعْمَةَ **وَمَنْ شَکَرَ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِهٖ** ۚ اَیْ لِاَجْلِهَا لِاَنَّ ثَوَابَ شُکْرِهٖ لَهٗ **وَمَنْ کَفَرَ** النِّعْمَةَ **فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ** عَنْ شُکْرِهٖ **کَرِیْمٌ﴿۴۰﴾** بِالْاِفْضَالِ عَلٰی مَنْ یَّکْفُرُهَا **قَالَ نَکِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا** اَیْ غَیِّرُوْهُ اِلٰی حَالٍ تُنْکِرُهٗ اِذَا رَاَتْهُ **نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْٓ** اِلٰی مَعْرِفَتِهٖ **اَمْ تَکُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا یَهْتَدُوْنَ﴿۴۱﴾** اِلٰی مَعْرِفَةِ مَا تُغَیَّرُ عَلَیْهِمْ قَصَدَ بِذٰلِكَ اِخْتِبَارَ عَقْلِهَا لَمَّا قِیْلَ لَهٗ اَنَّ فِیْهِ شَیْئًا فَغَیَّرُوْهُ بِزِیَادَةٍ اَوْ نَقْصٍ اَوْغَیْرِ ذٰلِكَ **فَلَمَّا جَآءَتْ قِیْلَ** لَهَا **اَهٰکَذَا عَرْشُكِ** ؕ اَیْ اَمِثْلُ هٰذَا عَرْشُكِ **قَالَتْ کَاَنَّهٗ هُوَ** ۚ اَیْ فَعَرَفَتْهُ وَشَبَّهَتْ عَلَیْهِمْ کَمَا شَبَّهُوْا عَلَیْهَا اِذْ لَمْ یَقُلْ اَهٰذَا عَرْشُكِ وَ لَوْقِیْلَ هٰذَا قَالَتْ نَعَمْ قَالَ سُلَیْمَانُ لَمَّا رَاٰی لَهَا مَعْرِفَةً وَعِلْمًا **وَاُوْتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَکُنَّا مُسْلِمِیْنَ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا** عَنْ عِبَادَةِ اللّٰهِ **مَا کَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** ؕ اَیْ غَیْرَهٗ **اِنَّهَا کَانَتْ مِنْ قَوْمٍ کٰفِرِیْنَ﴿۴۳﴾ قِیْلَ لَهَا** اَیْضًا **ادْخُلِی الصَّرْحَ** ۚ هُوَ سَطْحٌ مِنْ زُجَاجٍ اَبْیَضَ شَفَّافٍ تَحْتَهٗ مَاءٌ جَارٍ فِیْهِ سَمَكٌ اِصْطَنَعَهٗ سُلَیْمَانُ لَمَّا قِیْلَ لَهٗ اِنَّ سَاقَیْهَا وَرِجْلَیْهَا کَقَدَمَیْ حِمَارٍ **فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً** مِنَ الْمَاءِ **وَّکَشَفَتْ عَنْ سَاقَیْهَا** ؕ لِتَخُوْضَهٗ وَکَانَ سُلَیْمَانُ عَلٰی سَرِیْرِهٖ فِیْ صَدْرِ الصَّرْحِ فَرَاٰی سَاقَیْهَا وَقَدَمَیْهَا حِسَانًا **قَالَ** لَهَا **اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ** مُمَلَّسٌ **مِّنْ قَوَارِیْرَ** ۬ اَیْ زُجَاجٍ وَدَعَاهَا اِلَی الْاِسْلَامِ **قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ** بِعِبَادَةِ غَیْرِكَ **وَ اَسْلَمْتُ** کَائِنَةً **مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴿۴۴﴾** ۧ وَاَرَادَ تَزَوَّجَهَا فَکَرِهَا شَعْرَ سَاقَیْهَا فَعَمِلَتْ لَهٗ

الشَّيَاطِيْنُ النَّوْرَةَ فَازَالَتْهُ بِهَا فَتَزَوَّجَهَا وَاَحَبَّهَا وَاَقَرَّهَا عَلٰى مُلْكِهَا وَكَانَ يَزُوْرُهَا كُلَّ شَهْرٍ مَرَّةً وَيُقِيْمُ عِنْدَهَا ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَانْقَضٰى مُلْكُهَا بِانْقِضَاءِ مُلْكِ سُلَيْمَانَ رُوِيَ اَنَّهٗ مَلَكَ وَهُوَابْنُ ثَلَاثَ عَشَرَةَ سَنَةً وَمَاتَ وَهُوَابْنُ ثَلَاثٌ وَخَمْسِيْنَ سَنَةً فَسُبْحَانَ مَنْ لَاانْقِضَاءَ لِدَوَامِ مُلْكِهٖ

ترجمہ: ....اور ہم نے داؤ داور (ان کے بیٹے) سلیمان کو (ایک خاص) علم (اصول حکمرانی اور پرندوں کی زبان دانی وغیرہ سے متعلق) عطا فرمایا اور یہ دونوں (خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے) کہنے لگے کہ ساری تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ جس نے ہمیں (نبوت اور جن وانس اور شیاطین کو مسخر کر کے) اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی اور داؤد کے جانشین (اس علم اور نبوت کے) سلیمانؑ ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی سمجھنے کی تعلیم دی گئی ہے اور ہم کو ہر قسم کی چیزیں (جو انبیاء اور بادشاہوں کو ملتی ہیں) عطا ہوئی ہیں۔ بے شک یہ تو خدا تعالیٰ کا کھلا ہوا فضل ہے اور سلیمانؑ کے لئے ان کا لشکر جمع کیا گیا (ایک سفر میں جس میں) جن بھی (تھے) اور انسان و پرندے بھی اور انہیں (صف بندی کے لئے) روکا جاتا تھا (اور سب کو اکٹھا کر کے جب صف بندی ہو جاتی تو پھر چلنے کا حکم دیا جاتا) یہاں تک کہ ایک مرتبہ جب وہ چیونٹی کے میدان میں پہنچے (یہ وادی طائف یا شام میں تھی) تو ایک چیونٹی نے (جو ان سب چیونٹیوں کی سردار تھی سلیمانؑ کے لشکر کو آتا دیکھ کر) کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں میں جا گھسو، کہیں سلیمان ؑ اور ان کا لشکر تمہیں روند نہ ڈالیں اور انہیں (تمہارے پس جانے کی) خبر بھی نہ ہو۔ سو سلیمانؑ اس کی بات سے مسکراتے ہوئے ہنس پڑے (ان کی بات آپ نے تین میل پہلے سن لی تھی جسے ہوا نے آپ تک پہنچا دیا تھا۔ یہ سن کر آپ نے اپنی فوجوں کو جب وہ اس وادی میں پہنچے روک دیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے اپنے سوراخوں میں گھس گئیں۔ آپ کے اس سفر میں پیدل اور گھڑ سوار دونوں طرح کی فوجیں تھیں) اور کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اس پر بھی مداومت دیجئے) کہ میں نیک کام کروں۔ جس سے آپ خوش ہوں اور مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں (یعنی انبیاء اور اولیاء) میں داخل رکھئے اور انہوں نے پرندوں کی حاضری لی (تا کہ ہدہد کے بارے میں پتہ چل سکے کہ وہ موجود ہے یا نہیں) جو کہ زمین کے نیچے پانی تلاش کرتا اور اپنی چونچ سے اس کی نشاندہی کر دیتا تھا کہ فلاں جگہ پانی موجود ہے۔ جب نشاندہی مکمل ہو جاتی تو شیاطین سلیمان علیہ السلام کی نماز وغیرہ کی ضرورت کے لئے زمین کے نیچے سے پانی نکالتے۔ حاضری لینے پر جب ہدہد نظر نہیں آیا تو سلیمان علیہ السلام فرمانے لگے کہ یہ کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا۔ کیا وہ غیر حاضر ہے۔ (جس کی وجہ سے نظر نہیں آ رہا ہے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ وہ واقعی غیر حاضر ہے تو آپ نے فرمایا کہ) میں اسے سخت سزا دوں گا (اور یہ کروں گا کہ اس کے پر وغیرہ اکھڑوا کر سورج کی روشنی میں پھینکوا دوں گا۔ اس طرح وہ چوپایوں سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکے گا) یا (اس کا گلا کاٹ کر) اس کو ذبح کر ڈالوں گا۔ یا وہ (غیر حاضری کا) کوئی صاف عذر میرے سامنے پیش کرے۔ (لیاتینی۔ میں نون مشددہ مکسورہ ہے۔ اور ایک قرأت کے مطابق نون مفتوحہ اور اس کے بعد ایک نون مکسورہ) سو تھوڑی ہی دیر میں وہ (سلیمان علیہ السلام کے دربار میں متواضعانہ اپنی سر کو اٹھائے ہوئے اور اپنے پر اور دم کو نیچے گراتے ہوئے) آ گیا (اس پر سلیمان علیہ السلام نے اسے معاف فرما دیا اور اس سے غیوبت کی وجہ دریافت فرمائی) تو کہنے لگا کہ میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں (اس کا اجمالی بیان یہ ہے) کہ میں آپ کے پاس قبیلہ سبا کی ایک تحقیقی خبر لایا ہوں۔ (سبا منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح ہے۔ یہ یمن میں ایک قبیلہ ہے جس کا نام اس کے قبیلہ کے جدامجد کے نام پر رکھا گیا ہے) میں نے ایک عورت کو دیکھا۔ وہ ان لوگوں پر حکومت کر رہی ہے۔ (یعنی وہ ان کی ملکہ ہے جس کا نام بلقیس ہے) اور اس کو (سلطنت کے لوازمات میں سے) ہر سامان

میسر ہے اور اس کے پاس ایک بڑا تخت ہے (جس کا طول اسی گز اور چوڑائی چالیس گز اور اس کی اونچائی تیس گز ہے۔ اس پر سونے اور چاندی کا ملمع ہے اور قیمتی موتی یاقوت اور زمرد سے جڑا ہوا ہے اور اس کے پائے بھی یاقوت اور زمرد کے ہیں۔ اس کے اوپر سات گھر ہیں اور ہر گھر کا دروازہ بند ہے) میں نے اسے اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر آفتاب کی پوجا کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال ان کی نظر میں خوشنما کر رکھے ہیں اور ان کو راہ حق سے روک رکھا ہے۔ چنانچہ وہ راہ ہدایت پر نہیں چلتے اور اس خدا کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو باہر لاتا ہے۔ (خبء مصدر ہے بمعنی مخبوء کے اور الایسجدوا میں اصل عبارت ہے۔ ان یسجدوا، لا زائد ہے اور ان کی نون کواس میں مدغم کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ کے قول لئلا یعلم اھل الکتاب میں ہوا ہے اور یہ جملہ مفعول کی جگہ میں واقع ہے) اور جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہو (اپنے دلوں میں) اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو (اپنی زبانوں سے) سب کو جانتا ہے۔ اللہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ بشکل تعریف اور بلقیس کے تخت کے مقابل میں عرش رحمٰن کا تذکرہ ہے۔ درآں حالیکہ رحمٰن اور بلقیس کے تخت میں فرق عظیم ہے) کہا (سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے) ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ (تو نے جو خبر دی ہے) تو سچ کہتا ہے یا تو جھوٹوں میں سے ہے۔ (ام کنت من الکاذبین) - یہ زیادہ بلیغ ہے ام کذبت فیہ سے۔ پھر اس ہدہد نے پانی کی نشاندہی کی تو پانی نکالا گیا اور لوگ اس سے سیراب ہوئے۔ وضو کیا۔ پھر نماز پڑھی گئی۔ اس کے بعد سلیمان علیہ السلام نے ایک مکتوب لکھا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔

من عبداللّٰہ سلیمان بن داؤد الی بلقیس ملکۃ سبا . بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. السلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد. فلا تعلوا علی وأتونی مسلمین.

پھر اسے مشک سے خوشبودار بنا کر اس پر آپ نے اپنی مہر لگا دی اور ہدہد سے کہا، اچھا تو میرا یہ خط لے جا اور اسے اس (بلقیس اور اس کی قوم) کے پاس ڈال دینا۔ پھر (وہاں سے ذرا) ہٹ جانا (اور دور کھڑے ہو کر) دیکھنا کہ آپس میں کیا سوال و جواب کرتے ہیں (ہدہد نے اس مکتوب کو لیا اور اسے بلقیس کے کمرے میں ڈال دیا۔ جہاں اس کے لشکری بھی موجود تھے۔ بلقیس اسے دیکھ کر خوف سے لرز اٹھی اور اپنی قوم کے سرداروں سے) کہا اے اہل دربار میرے پاس ایک نہایت باوقعت خط ڈالا گیا ہے۔ (یاایھا الملأ میں دونوں ہمزہ کو باقی رکھا گیا ہے اور دوسری قرأت میں دوسرے ہمزہ کو واو مکسورہ سے بدل دیا گیا ہے) وہ سلیمانؑ کی طرف سے ہے اور (اس کا مضمون) یہ ہے۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ تم لوگ ہمارے مقابلہ میں بڑائی مت کرو اور میرے پاس مطیع ہو کر چلے آؤ۔ بلقیس نے کہا کہ اے اہل دربار تم مجھ کو میرے معاملہ میں رائے دو۔ میں کبھی کسی معاملہ کا فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس موجود نہ ہو۔ (افتونی میں دو قرأت ہیں۔ ایک دونوں ہمزہ کو باقی رکھنے کا۔ دوسرے ایک ہمزہ کو بغرض تسہیل واؤ سے بدل دینے کا) وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم بڑے طاقتور، بڑے لڑنے والے ہیں۔ لیکن اختیار آپ ہی کو ہے۔ آپ دیکھ لیجئے۔ آپ کو کیا حکم دینا ہے۔ (ہم آپ کے حکم کی اطاعت کریں گے) وہ بولی کہ بادشاہ جب کسی بستی میں فاتحانہ) داخل ہوتے ہیں تو اسے تہہ و بالا کر دیتے ہیں اور اس کے رہنے والوں میں جو عزت والے ہوتے ہیں انہیں وہ ذلیل کر دیتے ہیں اور (یہ مکتوب بھیج چکے ہیں عدم اطاعت کی صورت میں) یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے اور میں ان لوگوں کے پاس کچھ ہدیہ بھیجتی ہوں۔ پھر دیکھوں گی کہ ایلچی کیا جواب لے کر آتے ہیں۔ (ہدیہ کو قبول کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں۔ اگر وہ دنیاوی بادشاہ ہوگا تو اس ہدیہ کو قبول کرلے گا اور اگر نبی ہوگا تو کبھی قبول نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس نے ایک ہزار کم عمر لڑکے اور لڑکیاں بطور غلام اور باندی کے اور پانچ سو سونے کی اینٹیں اور تاج جن پر جواہر کا کام کیا تھا اور مشک وعنبر اس کے علاوہ قاصد کے ساتھ ایک تحریر بھی تھی۔ ہدہد فوری طور پر یہ اطلاع لے کر حضرت سلیمانؑ کے پاس پہنچا۔ حضرت

سلیمانؑ نے فوراً حکم دیا کہ سونے اور چاندی کی اینٹیں تیار کی جائیں اور انہیں میدان میں نو میل تک پھیلا دیا جائے اور سونے اور چاندی کا ایک محل فوراً تیار کیا جائے اور بر و بحر کے عمدہ ترین جانور جنات کے ساتھ میدان کے دائیں بائیں جانب کھڑے کر دیے جائیں) سو جب وہ ایلچی (تحفہ وغیرہ لے کر) سلیمانؑ کے پاس پہنچا۔ تو آپ نے کہا کہ کیا تم لوگ میری مدد مال سے کرنا چاہتے ہو۔ سو اللہ نے جو کچھ مجھ کو (نبوت اور سلطنت) دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو اس نے تم کو (اسباب دنیا) دیا ہے۔ ہاں تم ہی اپنے ہدیہ پر اتراتے ہو گے۔ (دنیاوی مال اور دولت پر فخر ہونے کی وجہ سے) تم (ان ہدایا کے لوکر) لوٹ جاؤ۔ ان لوگوں کے پاس ہم ایسی فوج بھیجیں گے کہ ان لوگوں سے ان کا ذرا بھی مقابلہ نہ ہو سکے گا اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ ماتحت ہو جائیں گے۔ (اگر وہ ایمان نہ لائے تو جب یہ قاصد لوٹ کر بلقیس کے پہنچا اور سارا قصہ سنایا تو اس نے اپنے شاہی تخت کو ایک کمرہ میں بند کیا۔ جس میں جانے کے لئے سات دروازے پار کرنے پڑتے تھے اور وہ کمرہ سات محلوں کے درمیان میں تھا تو ان تمام دروازوں کو بند کر کے اس پر حفاظت کے لئے پہرہ بٹھا دیا۔ اس کے بعد سلیمان علیہ السلام کی طرف روانگی کا پروگرام بنایا۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔)

سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ اے درباریو! تم میں سے کون ایسا ہے جو اس (بلقیس) کا تخت میرے پاس لے آئے۔ اس سے قبل کہ وہ لوگ مطیع ہو کر حاضر ہوں (کیونکہ اسلام سے قبل تو اس کا لینا میرے لئے جائز ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ حربی ہیں اور بعد اسلام لینا جائز نہیں) ایک قوی ہیکل جن بولا۔ اسے میں آپ کی خدمت میں لے آؤں گا۔ قبل اس کے کہ آپ اپنے اجلاس سے اٹھیں (جہاں آپ فیصلوں کے لئے تشریف رکھتے ہیں اور جو سلسلہ چاشت کے وقت سے سورج ڈھلنے تک جاری رہتا ہے) اور (اگرچہ وہ بہت بھاری ہے مگر) میں اس (کے لانے) پر قدرت رکھتا ہوں۔ (اور اگرچہ وہ بڑا قیمتی، جواہرات سے مرصع ہے مگر) امانت دار بھی ہوں۔ (اس پر سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں۔ تو جسے کتاب کا علم حاصل تھا (اور وہ آصف بن برخیا تھا جسے اسم اعظم معلوم تھا جس کے ذریعہ دعائیں قبول ہوتی ہیں) اس نے کہا کہ میں اسے تیرے پاس لے آؤں گا قبل اس کے کہ تیری پلک جھپکے۔ (آصف نے سلیمانؑ سے کہا کہ آپ آسمان کی طرف دیکھئے۔ جب سلیمانؑ نے آسمان سے نظر ہٹا کر نیچے دیکھا تو اس تخت کو اپنے سامنے پایا۔ گویا اس دوران جب سلیمانؑ کی نظر آسمان کی جانب تھی۔ آصف نے دعا کی۔ جس کے نتیجے میں خدا تعالیٰ نے اسے یہاں پہنچا دیا) پھر جب سلیمانؑ نے اسے اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو بولے۔ یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے تاکہ میری آزمائش کرے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری (اس کے نعمت کی ء اشکر میں چند قرأتیں ہیں۔ دونوں ہمزہ کے باقی رکھنے کا، دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دینے کا) اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے شکر کرتا ہے (اس وجہ سے کہ اس شکر کا ثواب اسی کو ملتا ہے) اور جو کوئی (نعمتوں پر) ناشکری کرتا ہے تو میرا پروردگار غنی ہے، کریم ہے (یہی وجہ ہے کہ ناشکری کے باوجود اسے نوازتا ہے)۔

اس کے بعد سلیمانؑ نے حکم دیا کہ اس کے لئے اس کے تخت کی صورت بدل دو (تاکہ وہ اسے دیکھ کر پہچان نہ سکے) ہم دیکھیں کہ اس کا پتہ لگ جاتا ہے یا وہ انہی لوگوں میں سے ہے۔ جنہیں (ایسی باتوں کا) پتہ نہیں لگتا (اور مقصد اس میں نقص پیدا کر دینے یا اس میں کچھ اضافہ کر کے اس کی صورت بدل دینے سے بلقیس کی عقل کی آزمائش کرنی تھی۔ کیونکہ اس کی عقل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں کچھ فتور ہے) خیر جب وہ آئی تو (اس سے) کہا گیا کہ کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے وہ بولی کہ ہاں ہے تو ایسا ہی (گویا کہ وہ پہچان گئی لیکن اس نے بھی انہیں شبہ اور چکر میں ڈال دیا۔ جیسا کہ انہوں نے اهكذا عرشك کا سوال کر کے انہیں شبہ میں ڈالنے کی کوشش کی

تھی) اور ہم کو اس واقعہ سے پہلے ہی آپ کی نبوت کی تحقیق ہو چکی ہے اور ہم مطیع ہو چکے ہیں اور اس کو (ایمان لانے سے) غیر اللہ کی عبادت نے روک رکھا تھا (اس وجہ سے کہ) وہ کافر قوم تھی۔ اس سے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو (جسے اس طرح بنایا گیا تھا کہ اس کی سطح صاف وشفاف شیشے کی تھی اور نیچے پانی کی لہریں تھیں جس میں مچھلیاں بھی نظر آتی تھیں) تو جب اس نے دیکھا تو اسے پانی سے بھرا ہوا سمجھا اور (اس کے اندر گھسنے کے لئے) اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں۔ (سلیمان علیہ السلام جو کہ محل کے بیچ میں تخت نشین تھے۔ اس کے پیر اور پنڈلیاں دیکھ لیں اور اسی وقت انہوں نے) فرمایا کہ یہ تو ایک محل ہے جو شیشوں سے بنایا گیا ہے (اور پھر آپ نے اسے دعوت اسلام پیش کی تو) وہ کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار میں نے (اب تک) اپنے اوپر ظلم کیا تھا (کہ شرک میں مبتلا تھی) اور اب میں سلیمانؑ کے ساتھ ہو کر اللہ پروردگار عالم پر ایمان لے آئی (اور بعد میں سلیمان علیہ السلام نے اس کی ساتھ شادی کا ارادہ کیا۔ لیکن اس کی پنڈلیوں کے بال انہیں ناگوار معلوم ہوئے تو ان کے حکم پر جنات نے ہڑتال تلاش کی جس سے ان کے بال صاف کئے گئے۔ پھر آپ نے اس سے شادی فرمالی اور اس طرح اس کا ملک بھی آپ کے زیر حکومت آ گیا۔ وہاں آپ ہر مہینہ اس کے ملک تشریف لے جاتے اور دو تین دن وہاں مقیم رہتے۔ سلیمانؑ کی سلطنت ختم ہونے کے ساتھ اس کی حکومت بھی ختم ہوگئی۔

ایک روایت ہے کہ سلیمان علیہ السلام کو جب بادشاہت ملی تو آپ تیرہ سال کے تھے اور جب آپ کی وفات ہوئی تو ترپن سال کے تھے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کی بادشاہت کبھی ختم نہ ہوگی۔

تحقیق وترکیب: .... **منطق الطیر**. بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ اصطلاح میں منطق ان الفاظ کو کہتے ہیں جو مافی الضمیر کی ادائیگی کریں۔ خواہ وہ مافی الضمیر مفرد ہو یا مرکب اور کبھی منطق واطلاق صورت تشبیہ پر ہوتا ہے۔

حتی اذا اتوا. **یوزعون حتی** کی مغیا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک وادی میں داخل ہو گئے اور ہوسکتا ہے کہ حتی کی غایت محذوف ہو۔

یاایھا النمل. علماء بلاغت کہتے ہیں کہ یہ قول بلاغت کی متعدد وجوہ پر مشتمل ہے۔ مثلاً اس میں ندا ہے "ای" کا لفظ ہے تنبیہ کے لئے "ھا" ہے۔ نمل کا اسم موجود ہے۔ ادخلوا صیغہ امر موجود ہے۔ سلیمان علیہ السلام کے نام کی صراحت ہے وغیرہ۔

من سبا. یہ یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ اگر اسے منصرف پڑھیں تو اس لئے کہ یہ ایک شخص کا نام ہے جو اس قبیلہ کا مورث اعلیٰ تھا اور غیر منصرف پڑھنے کی وجہ قبیلہ کا نام ہے۔ اس میں دو سبب، ایک معرفہ اور دوسرا تانیث ہے۔

واویت من کل شیء. یہ جملہ **تملکھم** پر بھی معطوف ہوسکتا ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ماضی کا مضارع پر عطف جائز ہے۔ کیونکہ مضارع ماضی ہی کے معنی میں ہے اور ہوسکتا ہے کہ **تملکھم** سے حال ہو۔

الایسجدوا. مشدد ہے، مطلب ہے کہ اس طرز عبادت نے انہیں راہ حق سے روک دیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ خدائے واحد کے سامنے سجدہ ریز نہ ہو سکے۔ اس صورت میں جار ومجرور دونوں محذوف ہیں اور **نون** کو لام میں مدغم کر دیا گیا اور "لا" زائد بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں معنی ہوں گے کہ معبود برحق تک انہیں رسائی نہیں ہوتی۔ ان دونوں ترکیب میں سجدہ تلاوت واجب ہوگا۔ ہاں زجاج کی تحقیق پر اگر تشدید کی صورت ہے تو سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا۔

ماذا یرجعون. انظر، کو اگر غور وفکر کے معنی میں لیا جائے۔ تو ما استفہامیہ ہوگا اور تقدیر عبارت **ای شیء یرجعون** ہوگی۔ اور ہوسکتا ہے کہ "ما" مبتداء ہو، ذا، **الذی** کے معنی میں اور "**یرجعون**" صلہ عبارت ہوگی۔ **ای بشیء الذی یرجعون**. پھر یہ موصول، ما استفہامیہ کی خبر ہوگا۔

الا تعلوا علی. ان مفسرہ اور "لا" للنھی ہے۔ مطلب ہے کہ ایسا کبر کا مظاہرہ نہ کرو۔ جیسا کہ متکبرین کرتے ہیں اور ان مصدر یہ بنانے کی صورت میں ناصبہ للفعل ہوگا۔ بعض دوسری تراکیب نحوی یہاں ذکر ہوئیں جو شروع سے معلوم ہوسکتی ہیں۔

حتی تشھدون. یہ حتی سے منصوب ہے اور اظہار نصب نون کو حذف کر کے کیا گیا ہے۔

ماذا تامرین. یہ تامرین کا مفعول ثانی ہے۔ جبکہ پہلا مفعول محذوف ہے۔ عبارت تھی تامر میتا۔

فناظرۃ. عطف ہے مرسلۃ پر اور بما کا تعلق یرجع سے ہے۔ معنی ہے کہ ہم فرستادہ کے لوٹنے کا انتظار کریں گے کہ وہ کیا جواب لے کر آتا ہے۔

مستقراً. استقرار کی تفسیر سکون سے کی۔ ملحوظ رہے کہ یہ افعال عامہ سے نہیں کہ جس کا حذف کرنا واجب ہے۔

اھکذا عرشک. اس میں ہمزہ استفہام کے لئے ہے اور ھا صرف تنبیہ کاف حرف جر جار مجرور خبر مقدم اور عرشک مبتداء مؤخر۔

﴿ تشریح ﴾: .... یہاں سے خدا تعالیٰ ان نعمتوں کا تذکرہ فرما رہے ہیں جو آپ نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں۔ ان دونوں کو خدا تعالیٰ نے بے شمار نعمتوں سے نوازا تھا۔ ساتھ ہی انہیں ان نعمتوں پر شکریہ کی بھی توفیق عطا فرمائی تھی جو خود ایک نعمت ہے۔ آپ نے تحدیث نعمت کرتے ہوئے فرمایا کہ فضلنا علی کثیر۔ گویا آپ کو افضلیت کل مومنین پر نہیں بلکہ اکثر مومنین پر دی گئی تھی۔ فضیلت کلی تو صرف آنحضور ﷺ کو حاصل ہوئی۔ یہاں ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اظہار فضیلت ہر حال میں مذموم نہیں بلکہ صرف اس صورت میں ممنوع ہے جبکہ کبر و غرور پیش نظر ہو۔

فرمایا گیا ہے کہ داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ان کے صحیح جانشین حضرت سلیمان علیہ السلام ہوئے جنہیں خدا تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہت دونوں عطا فرمائی تھی اور حد تو یہ ہے کہ ہوا اور پرندوں تک کو آپ کے لئے مسخر کر دیا تھا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ اے لوگو! مجھے خدا تعالیٰ نے پرندوں کی زبان اور ان کی بولی بھی سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے اور حکومت و سلطنت سے متعلق جن چیزوں کی بھی ضرورت ہوسکتی تھی، سب کچھ دی گئی ہیں اور یہ صرف خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے۔

جہاں تک پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا سوال ہے تو اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس وجہ سے پرندے جو بولتے ہیں تو اس میں بھی افہام و تفہیم بہر حال پایا جاتا ہے۔ خود قرآن نے اطلاع دی تھی کہ ہر چیز خدا تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل میں مصروف ہے۔ مگر تم اسے سمجھ نہیں پاتے ہو اور پرندے بھی خدا تعالیٰ کی تحمید میں لگے ہوئے ہیں۔ احادیث سے بھی حیوانات بلکہ جمادات تک کا کلام کرنا ثابت ہے اور اب تو خود یورپ بھی اپنی تحقیقات کے نتیجہ میں اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہے اور بطور معجزہ کے خدا تعالیٰ کسی نبی کو پرندوں کی بولیوں کو سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمادے تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے۔

سلیمان علیہ السلام جب کہیں روانہ ہوتے تو جنات، انسان اور پرندے تینوں قسم کے لشکروں میں سے حسب ضرورت آپ اپنے ساتھ لے جاتے اور ان میں ایک نظم و ضبط بھی قائم رکھا جاتا۔ ایسا نہیں کہ پیچھے کی جماعت آگے نکل جائے بلکہ جس ترتیب سے صف بندی کی جاتی اسی کے وہ پابند رہتے۔ تو ایک مرتبہ آپ انہیں ساتھ لے کر آپ کسی ایسی جگہ سے گزر رہے تھے کہ جہاں بکثرت چیونٹیاں آباد تھیں تو جب انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو آتا ہوا دیکھا تو ایک دوسرے سے یا ان میں سے کسی ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا کہ اپنے اپنے سوراخوں میں جا گھسو۔ کہیں لاعلمی میں سلیمان علیہ السلام کا لشکر تمہیں روند نہ ڈالے۔

وھم لایشعرون سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان سے ارادۃً تو ظلم ممکن نہیں ہے۔ البتہ بے خبری اور لاعلمی میں کہیں ان سے یہ زیادتی نہ ہوجائے۔ یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام کو مسکراہٹ بلکہ ہنسی آ گئی اور چیونٹی کی بولی سمجھ لینے پر آپ اس قدر خوش اور مسرور ہوئے کہ فوراً مصروف شکر ہو گئے اور فرمایا کہ اے اللہ! میں آپ کی ان نعمتوں کا کس طرح شکر یہ ادا کروں۔ لہذا آپ سے یہی التجا اور درخواست ہے کہ مجھے ہمیشہ زبان و عمل سے شاکر بنا دیجئے اور عمل مقبول عنایت فرمائیے اور اپنے نیک بندوں میں شامل رکھئے۔ پرندوں کی بولی کا علم تو آپ کو تھا ہی۔ اس قصہ سے معلوم ہوا کہ پرندوں کے علاوہ درندے و حیونات کی بولیوں کا علم بھی آپ کو حاصل تھا۔ مفسرینؒ کی رائے ہے کہ یہ وادی جہاں یہ واقعہ پیش آیا ملک شام میں ہے۔

علماء حیوانات کی تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے کہ چیونٹی نہایت ذہین جانور ہے اور انسانوں کی طرح ان کے بھی خاندان وقبائل ہوتے ہیں۔ ماہرین فن کے بیان کے مطابق چیونٹی کی زندگی تنظیم اور تقسیم کار کے اعتبار سے بہت کامل و مکمل ہے۔ ر انظام حکومت میں بھی یہ انسانوں سے بہت مشابہ ہے۔ چیونٹی کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب اسے کسی خطرہ کا احساس ہوتا ہے تو پہلے ایک چیونٹی باہر نکلتی ہے اور پھر وہ اپنی قوم کو اطلاعات بہم پہنچاتی ہے۔ اس سے متعلق اور بھی بہت سی چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ مگر تفصیلات بیان کرنے کا یہ موقعہ نہیں ہے اور نہ اس کی گنجائش ہے۔

پرندوں سے سلیمان علیہ السلام مختلف کام لیا کرتے تھے۔ مثلاً گرمیوں میں یہ پرندے آپ کے سروں پر سایہ کر لیتے تھے یا ضرورت کے وقت پانی وغیرہ کی تلاش بھی انہی پرندوں سے کراتے۔ اسی طرح نامہ بری کا کام بھی آپ انہی سے لیتے۔ کسی ضرورت کی خاطر آپ نے پرندوں کا جائزہ لیا تو اس میں ہدہد نظر نہیں آیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ آج ہدہد نظر نہیں آیا ہے۔ کیا پرندوں کے جھنڈ کی وجہ سے وہ مجھ کو نظر نہیں آ رہا ہے یا واقعۃً وہ غیر حاضر ہے اور اگر وہ فی الواقع غیر حاضر ہے تو اسے سخت سزا دوں گا۔ اس کے بال و پر نوچ کر پھینک دوں گا تا کہ درندے اسے صاف کر دیں یا ذبح کر ڈالوں گا۔ الا یہ کہ وہ اپنی غیر حاضری پر کوئی معقول عذر پیش کر دے تو سزا سے بچ سکتا ہے۔ ممکن ہے ہدہد کی اس وقت کوئی خاص ضرورت پیش آئی ہو۔ کیونکہ ہدہد سے متعلق یہ مشہور ہے کہ اسے زمین کے نیچے پانی کا ادراک ہوجاتا ہے کہ اس جگہ پانی ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کتنی گہرائی میں۔ اس کی نشاندہی پر حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں کو حکم دیتے کہ زمین کھود کر پانی نکالیں اور پھر اس سے لوگ سیراب ہوتے تھے۔ شاید اسی ضرورت کی خاطر آپ کو اس کی تلاش ہو۔ یا یہ حاضری محض انتظام کی خاطر لی گئی اور فوج سے غیر حاضری خود ایک جرم ہے۔ اس وجہ سے آپ نے یہ سزا مقرر کی ہو۔ تھوڑی دیر بعد جب ہدہد واپس آیا تو اس نے اپنی غیر حاضری کا عذر پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں کسی نافرمانی کی وجہ سے غیر حاضر نہیں تھا بلکہ میری غیر حاضری حکومت ہی کی خاطر تھی۔ اور میں ایک ایسی خبر لے کر آیا ہوں جس کی آپ کو خبر بھی نہیں ہے۔ میں ملک سبا سے آ رہا ہوں۔ وہاں بلقیس نامی ایک عورت بادشاہت کرتی ہے۔ وہ وہاں کی ملکہ ہے۔ اسے حکومت و سلطنت کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوسکتی ہے وہ سب کثرت کے ساتھ حاصل ہے۔ مال و دولت، افواج و اسلحہ اور حسن و جمال بھی میسر ہے اور اس کا تخت جسامت میں بھی بڑا ہے اور مرصع بیش قیمت بھی ہے۔ یہ قوم سورج پرست ہے اور ان میں ایک بھی خدا کی پرستش کرنے والا نہیں ہے اور شیطان نے ان مشرکانہ رسوم ورواج وہی ان کی نظروں میں خوشنما بنا رکھا ہے اور ایسی گمراہی میں مبتلا کر رکھا ہے کہ راہ راست پر آنے کی انہیں توفیق نہیں ہوتی ہے۔ صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ صرف خدا کو سجدہ کے لائق مانا جائے۔ نہ سورج، چاند اور ستارے کو۔ سجدہ صرف اسی خدا کو کرنا چاہئے جو پوشیدہ چیزوں کو آسمان اور زمین سے نکالتا رہتا ہے۔ مثلاً آسمان سے پانی اور زمین سے نباتات وغیرہ اور جو ہر مخفی اور ظاہر کام کو جانتا ہے اور ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ وہی معبود برحق ہے اور عرش عظیم کا رب وہی ہے جس کے آگے بلقیس کے تخت کی کیا

حیثیت ہے۔ امام رازیؒ نے کہا کہ بلقیس کے تخت کو جو عظیم کہا گیا وہ دوسرے بادشاہوں کے تخت کے مقابلے میں کہا گیا اور خدا تعالیٰ کے عرش عظیم کو تمام مخلوقات کے مقابلہ کہا گیا ہے۔

ہدہد کی لائی ہوئی خبر سننے کے بعد سلیمان علیہ السلام اس کی تحقیقات میں لگ گئے اور فرمایا کہ ابھی تمہارا امتحان ہو جاتا ہے کہ تم سچے ہو یا جھوٹے اور آپ نے ایک خط لکھ کر ہدہد کو دیا کہ اسے بلقیس کے پاس پہنچا دے اور اس کا جواب لے کر آ۔ ساتھ ہی اسے یہ بھی ہدایت کر دی کہ خط دے کر ذرا دور ہٹ کر دیکھنا کہ وہ آپس میں کیا باتیں کرتے ہیں۔ پرندوں کے ذریعے خطوط رسانی کا ذریعہ کوئی نیا نہیں بلکہ بہت پرانا ہے۔ بہرکیف ہدہد اس خط کو لے کر گیا اور بلقیس کے خلوت خانہ میں ایک طاق میں اس کے سامنے رکھ دیا۔ بلقیس کو اس سے سخت حیرت ہوئی اور کچھ خوف وڈر بھی محسوس کیا۔ پھر اس خط کو پڑھنے کے بعد اس نے اپنے مشیروں اور وزراء کو جمع کیا اور خط کے مضمون اور تمام صورت حال سے باخبر کیا اور کہا کہ یہ خط سلیمان علیہ السلام کا ہے اور اس میں اسلام کی دعوت دی گئی ہے۔

خط کا مضمون یہ تھا کہ میرے سامنے تکبر اور سرکشی سے کام نہ لو اور خیریت اسی میں ہے کہ اسلام قبول کر لو۔ اور مطیع وفرمانبردار بن کر میرے پاس چلے آؤ۔

بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط انہیں سنانے کے بعد ان سے مشورہ طلب کیا اور کہا کہ تمہیں تو معلوم ہے کہ میں تنہا کسی معاملہ کا فیصلہ نہیں کرتی ہوں تاوقتیکہ تم لوگوں سے مشورہ نہیں کر لیتی ہوں۔ لہٰذا اس معاملہ میں بھی تم سے مشورہ چاہتی ہوں کہ بتاؤ کیا جواب دیا جائے اور کیا کارروائی کی جائے۔ اس پر سب نے متفقہ طور پر جواب دیا کہ ہماری جنگی طاقت کسی سے کم نہیں ہی اور سامان حرب کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ آپ کا حکم ہو تو ہم سلیمان سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اب آگے آپ کا جو حکم ہو ہم اس کی اطاعت وتابعداری کریں گے۔ ان کے جواب سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جنگ کے بھی خواہشمند تھے۔ لیکن بلقیس چونکہ سمجھدار اور عاقبت اندیش تھی وہ جنگ کو مناسب نہیں سمجھتی تھی۔ کیونکہ جنگ کے خوفناک نتائج اس کے سامنے تھے اور اس کی تباہی و بربادی سے خوب واقف تھی۔ اس وجہ سے اس نے اپنے مشیروں سے کہا کہ بادشاہوں کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ جب کسی ملک کو فتح کرتے ہیں تو اسے برباد کر دیتے ہیں اور وہاں کے ذی عزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ اس وجہ سے سر دست تو میں صلح و دوستی کی کوشش کرتی ہوں اور کچھ ہدیہ وغیرہ کسی کے ذریعہ بھیجتی ہوں۔ اس کا جواب آنے پر پھر کچھ سوچا جائے گا۔

یہودی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زر وجواہر کے علاوہ ملکہ نے چھ ہزار ہم عمر اور ہم لباس لڑکے اور لڑکیاں بطور غلام اور باندی کے روانہ کئے۔ لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کے ان تحفوں وتحائف کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور فرمایا کہ میں نے تو اسلام کی دعوت دی تھی۔ اس مال ودولت سے ہمیں کیا لینا ہے اور کیا یہ ہمیں مالی رشوت دے کر اپنے ساتھ کرنا چاہتی ہے تو خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے مال ودولت اور طاقت وقوت خوب عطا فرمائی ہے۔ وہ بلقیس سے کہیں زیادہ ہے۔ پھر آپ نے قاصدوں سے فرمایا کہ یہ ہدیئے انہیں واپس کر دو اور ان سے کہہ دو کہ وہ مقابلہ کے لئے تیار ہو جائیں۔ عنقریب میں فوج کشی کر کے ان بے دینوں اور لامذہبوں کا صفایا کر ڈالوں گا اور ان کی یہ شان وشوکت سب ختم ہو جائے گی اور اسیری وغلامی کی زندگی بسر کرنی پڑے گی۔

جب قاصد واپس پہنچا اور سلیمان علیہ السلام کے دربار کے حالات بتائے اور ان کا پیغام سنایا تو اسے سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا یقین آ گیا اور آپ کے دربار میں حاضری کا اس نے ارادہ کیا۔ ملک کے انتظامات کسی کے سپرد کر کے اپنے بیش قیمت تخت کو سات محلوں کے اندر مقفل کر دیا اور اس پر محافظ ونگران مقرر کر دیئے۔ اس کی اطلاع وحی الٰہی یا جنات وغیرہ کے ذریعہ کسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہو گئی۔ جب وہ وہاں سے روانہ ہو چکی تو آپ نے اپنے دربار میں موجود جن وانس سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی

ہے کہ اس کے تخت کو اس کے پہنچنے سے پہلے یہاں اٹھا لائے۔ یہ سن کر ایک طاقتور سرکش جن بولا کہ آپ مجھے حکم دیں تو میں آپ کے دربار برخواست کرنے سے پہلے اسے یہاں لا دیتا ہوں۔

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صبح سے دوپہر تک دربار میں تشریف رکھا کرتے تھے۔ اس جن نے مزید کہا کہ میں اسے اٹھانے کی طاقت بھی رکھتا ہوں اور ساتھ ہی امانتدار بھی ہوں۔ لہذا اس میں کچھ خرد برد کرنے کا امکان بھی نہیں ہے۔ جس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس سے بھی پہلے وہ میرے پاس پہنچ جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مقصد حضرت سلیمانؑ کا اپنے معجزے اور طاقت بلقیس کو دکھانا تھا کہ وہ تخت اس نے سات محلوں میں مقفل کر کے اور اس پر محافظ و نگران متعین کر کے آئی تھی وہ اس کے آنے سے پہلے دربار سلیمانی میں موجود ہے۔

بہرکیف حضرت سلیمان علیہ السلام کے عجلت کا مطالبہ سن کر ایک شخص نے کہا جسے علم کتاب حاصل تھا کہ میں اسے پلک جھپکنے سے بھی پہلے لا دوں گا۔ یہ کہنے والا کون تھا۔ اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام یا کوئی اور فرشتہ تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ کہنے والے آصف بن برخیا تھے جو وزیر سلطنت تھے اور اکثر مفسرینؒ کی یہی رائے ہے۔

بہرحال یہی ہوا کہ آپ نے اپنی نظر اوپر کو اٹھائی اور پھر نیچے دیکھا تو وہ تخت بلقیس موجود تھا۔ ذرا سی دیر میں یمن سے بیت المقدس میں وہ تخت پہنچ گیا۔ جس پر آپ نے فرمایا کہ یہ صرف میرے پروردگار کا فضل ہے اور وہ مجھے آزمانا چاہتا ہے کہ میں اس پر اس کا شکر ادا کرتا ہوں یا نہیں اور جو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے وہ اپنا ہی نفع کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے وہ اپنا ہی نقصان۔ خدا تعالیٰ کو کسی کے شکر کرنے سے نہ نفع ہوتا ہے اور نہ کسی کی ناشکری سے کوئی نقصان۔ خدا تعالیٰ تو بندوں کی بندگی سے بے نیاز ہے۔

اس تخت کے آجانے پر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اس میں کچھ تغیر و تبدل کر کے اس کی صورت کو بدل دیا جائے تاکہ بلقیس کی عقلمندی اور ذہانت کا امتحان لیا جائے کہ وہ اپنے تخت کو پہچانتی ہے یا نہیں؟ جب وہ دربار سلیمانی میں حاضر ہوئی تو اس سے دریافت کیا گیا کہ کیا یہ تیرا ہی تخت ہے؟ اس نے بڑی عقلمندی سے جواب دیا کہ بالکل اسی جیسا ہے۔ نہ سرے سے انکار ہی کیا اور نہ اقرار، بلکہ درمیانی صورت اختیار کی اور کہا کہ اسی کی مثل یا اسی جیسا ہے۔ اور پھر اس نے کہا کہ ہم لوگ تو اس معجزہ کو دیکھنے سے پہلے ہی ایمان لا چکے ہیں اور آپ کے مطیع و فرمانبردار ہو چکے ہیں۔ فرمایا گیا کہ ایسی ذہین اور صاحب فہم ملکہ کو اس کی بت پرستی اور کفر نے خدا تعالیٰ کی عبادت اور وحدانیت سے روکے رکھا۔

سلیمان علیہ السلام کو جب بلقیس کے آنے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے جنوں وغیرہ کی مدد سے ایک محل بنوایا تھا جو کہ شفاف شیشے کا تھا اور اس کے نیچے پانی سے بھرا ہوا حوض اس کمال صناعی سے بنایا گیا تھا کہ آنے والا شبہ میں پڑ جاتا کہ وہ فرش پر چل رہا ہے یا اس حوض کو عبور کرنا ہے۔ چنانچہ جب بلقیس کو محل میں داخل ہونے کے لئے کہا گیا تو اس نے بھی پانی کے حوض کو دیکھ کر اپنے پائنچے اوپر کو اٹھا لئے تاکہ بھیگنے نہ پائیں اور اس طرح اس کی پنڈلیاں حضرت سلیمان علیہ السلام کو نظر آ گئیں۔

اس وقت آپ نے فرمایا کہ تمہیں غلط فہمی ہوئی۔ یہ شیشے کا فرش ہے۔ پائنچے اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ سلیمان علیہ السلام اس سے شادی کرنا چاہتے تھے مگر آپ کو اطلاع ہوئی کہ اس کی پنڈلیوں میں کچھ عیب ہے۔ اسی کو دیکھنے کے لئے آپ نے یہ صنعت اختیار کی اور دوسرا قول وہی ہے کہ اس سے مقصد صرف اپنی حکومت اور سلطنت کا زور دکھا کر اس کے کبر و غرور کو ختم کرنا تھا۔ مگر اسرائیلی روایات اور بعض اسلامی روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بلقیس بعد میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے عقد میں آ گئی تھیں۔ اگرچہ قرآن و احادیث میں اس کی کوئی وضاحت یا ثبوت نہیں ہے۔

ملکہ بلقیس آپ کی نبوت کی تو پہلے ہی قائل ہو چکی تھی۔ اب جبکہ دنیوی سلطنت اور اس کی عظمت وشوکت دیکھی تو اور بھی متاثر ہوئی اور یقین آ گیا کہ آپ واقعی خدا تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور اسی وقت اپنے شرک وکفر سے توبہ کر کے مسلمان ہو گئی اور خدا تعالیٰ کی عبادت وبندگی میں لگ گئی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ مِنَ الْقَبِیْلَۃِ **صٰلِحًا اَنِ** اَیْ بِاَنْ **اعْبُدُوا اللّٰہَ** وَحْدَہٗ **فَاِذَا ھُمْ فَرِیْقٰنِ یَخْتَصِمُوْنَ**﴿۴۵﴾ فِی الدِّیْنِ فَرِیْقٌ مُؤْمِنُوْنَ مِنْ حِیْنِ اِرْسَالِہٖ اِلَیْھِمْ وَفَرِیْقٌ کَافِرُوْنَ **قَالَ** لِلْمُکَذِّبِیْنَ **یٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّیِّئَۃِ قَبْلَ الْحَسَنَۃِ** اَیْ بِالْعَذَابِ قَبْلَ الرَّحْمَۃِ حَیْثُ قُلْتُمْ اِنْ کَانَ مَا اَتَیْتَنَا بِہٖ حَقًّا فَاْتِنَا بِالْعَذَابِ **لَوْلَا** ھَلَّا **تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰہَ** مِنَ الشِّرْکِ **لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ**﴿۴۶﴾ فَلَا تُعَذَّبُوْنَ **قَالُوا اطَّیَّرْنَا** اَصْلُہٗ تَطَیَّرْنَا اُدْغِمَتِ التَّاءِ فِی الطَّاءِ وَاُجْتُلِبَتْ ھَمْزَۃُ وَصْلٍ اَیْ تَشَاءَ مْنَا **بِکَ وَبِمَنْ مَّعَکَ** اَیِ الْمُؤْمِنِیْنَ حَیْثُ قُحِطُوا الْمَطَرَ وَجَاعُوْا **قَالَ طٰٓئِرُکُمْ** شُؤْمُکُمْ **عِنْدَ اللّٰہِ** اَتَاکُمْ بِہٖ **بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ**﴿۴۷﴾ تُخْتَبَرُوْنَ بِالْخَیْرِ وَالشَّرِّ **وَکَانَ فِی الْمَدِیْنَۃِ** مَدِیْنَۃِ ثَمُوْدَ **تِسْعَۃُ رَھْطٍ** اَیْ رِجَالٍ **یُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ** بِالْمَعَاصِیْ مِنْھَا قَرْضُھُمُ الدَّنَانِیْرَ وَالدَّرَاھِمَ **وَلَا یُصْلِحُوْنَ**﴿۴۸﴾ بِالطَّاعَۃِ **قَالُوْا** اَیْ قَالَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ **تَقَاسَمُوْا** اَیْ اَحْلِفُوْا **بِاللّٰہِ لَنُبَیِّتَنَّہٗ** بِالنُّوْنِ وَالتَّاءِ وَضَمِّ التَّاءِ الثَّانِیَۃِ **وَاَھْلَہٗ** اَیْ مَنْ اٰمَنَ بِہٖ اَیْ نَقْتُلُھُمْ لَیْلًا **ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ** بِالنُّوْنِ وَالتَّاءِ وَضَمِّ اللَّامِ الثَّانِیَۃِ **لِوَلِیِّہٖ** اَیْ وَلِیِّ دَمِہٖ **مَاشَھِدْنَا** حَضَرْنَا **مَھْلِکَ اَھْلِہٖ** بِضَمِّ الْمِیْمِ وَفَتْحِھَا اَیْ اِھْلَاکَھُمْ اَوْھِلَاکَھُمْ فَلَا نَدْرِیْ مَنْ قَتَلَہٗ **وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ**﴿۴۹﴾ **وَمَکَرُوْا** فِیْ ذٰلِکَ **مَکْرًا وَّمَکَرْنَا مَکْرًا** اَیْ جَازَیْنَاھُمْ بِتَعْجِیْلِ عُقُوْبَتِھِمْ **وَّھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ**﴿۵۰﴾ **فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ مَکْرِھِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰھُمْ** اَھْلَکْنَاھُمْ **وَقَوْمَھُمْ اَجْمَعِیْنَ**﴿۵۱﴾ بِصَیْحَۃِ جِبْرِیْلَ اَوْبِرَمْیِ الْمَلَائِکَۃِ بِحِجَارَۃٍ یَرَوْنَھَا وَلَایَرَوْنَھُمْ **فَتِلْکَ بُیُوْتُھُمْ خَاوِیَۃً** خَالِیَۃً وَنَصَبُہٗ عَلَی الْحَالِ وَالْعَامِلُ فِیْھَا مَعْنَی الْاِشَارَۃِ **بِمَا ظَلَمُوْا** بِظُلْمِھِمْ اَیْ کُفْرِھِمْ **اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً** لَعِبْرَۃً **لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ**﴿۵۲﴾ قُدْرَتَنَا فَیَتَّعِظُوْنَ **وَاَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** بِصَالِحٍ وَھُمْ اَرْبَعَۃُ اٰلَافٍ **وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ**﴿۵۳﴾ الشِّرْکَ **وَلُوْطًا** مَنْصُوْبٌ بِاُذْکُرْ مُقَدَّرًا قَبْلَہٗ وَیُبْدَلُ مِنْہُ **اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَۃَ** اَیِ اللِّوَاطَۃَ **وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ**﴿۵۴﴾ یُبْصِرُ بَعْضُکُمْ بَعْضًا اِنْھِمَاکًا فِی الْمَعْصِیَۃِ **اَئِنَّکُمْ** بِتَحْقِیْقِ الْھَمْزَتَیْنِ وَتَسْھِیْلِ الثَّانِیَۃِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَیْنَھُمَا عَلَی الْوَجْھَیْنِ **لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَھْوَۃً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْھَلُوْنَ**﴿۵۵﴾ عَاقِبَۃَ فِعْلِکُمْ **فَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِہٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ** اَیْ اَھْلَہٗ **مِّنْ**

قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ مِنْ اَدْبَارِ الرِّجَالِ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ قَدَّرْنٰهَا جَعَلْنَاهَا بِتَقْدِيْرِنَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَلْبَاقِيْنَ فِي الْعَذَابِ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ هُوَ حِجَارَةُ السِّجِّيْلِ اَهْلَكَتْهُمْ فَسَآءَ بِئْسَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ بِالْعَذَابِ مَطَرُهُمْ قُلِ يَامُحَمَّدُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى هِلَاكِ كُفَّارِ الْاُمَمِ الْخَالِيَةِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ هُمْ ءٰٓاللّٰهُ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰى تَرْكُهٗ خَيْرٌ لِمَنْ يَعْبُدُهٗ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اَيْ اَهْلِ مَكَّةَ بِهِ الْاٰلِهَةَ خَيْرٌ لِعَابِدِيْهَا

ع ۴ ۱۹

ترجمہ: ....اور ہم نے قوم ثمود کے پاس ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو۔ سو ان میں دو فریق ہو گئے جو (دین کے بارے میں) باہم جھگڑنے لگے۔ (منکرین سے صالح علیہ السلام نے کہا) کہ اے میری قوم والو! تم لوگ نیکی کے بجائے عذاب کو کیوں جلدی مانگ رہے ہو (میرے بارے میں یہ کہہ کر کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے انکار پر عذاب کیوں نہیں آ جاتا) تم لوگ اللہ کے سامنے (کفر سے) معافی کیوں نہیں چاہتے۔ جس سے توقع ہو کہ تم پر رحم کیا جائے (اور عذاب سے محفوظ ہو جاؤ) وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو منحوس سمجھ رہے ہیں (کہ تمہاری وجہ سے بارشیں رک گئیں اور لوگ بھوکے مرنے لگے۔

اطیرنا اصل میں تطیرنا تھا۔ تا کو طا میں ادغام کر دیا گیا اور اس سے پہلے ہمزہ وصل لے آیا گیا تا کہ تلفظ میں آسانی ہو۔ کیونکہ طا مدغم کا تلفظ مشکل ہو جاتا۔ صالح علیہ السلام نے کہا کہ تمہاری نحوست کا سبب تو اللہ کے علم میں ہے۔ البتہ تم ہی وہ لوگ ہو کہ عذاب میں مبتلا ہو گے اور شہر (ثمو) میں نو شخص تھے جو ملک میں فساد کیا کرتے تھے اور اصلاح نہ کرتے تھے۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ سب خدا کی قسم کھاؤ۔ ہم شب کے وقت صالح اور ان کے متعلقین (مومنین) کو جا ماریں گے۔

(لنبیتنه اور لتبیتنه نون اور تاء دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے) پھر ان کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم ان کے متعلقین کے مارے جانے کے وقت موجود بھی نہ تھے (اس وجہ سے ہمیں اس کا کوئی علم نہیں ہے) اور ہم بالکل سچے ہیں (لنقولن اور لتقولن دونوں قرأت ہیں اور مھلک اھله، میں میم کو ضمہ اور فتحہ بھی پڑھا گیا ہے) اور ایک چال وہ چلے اور ایک چال ہم چلے (کہ ان کی چال کی سزا بطور عذاب کے ہم نے دی) اور ہماری چال کی انہیں خبر بھی نہ ہوئی۔ سو دیکھئے کہ ان کی چال کا کیا انجام ہوا۔ ہم نے ان کی قوم اور ان سب کو ہلاک کر ڈالا (جبرئیل علیہ السلام کی چنگھاڑ یا فرشتوں کی سنگساری کے ذریعہ اور یہ ان فرشتوں کو دیکھ بھی نہ سکے) سو یہ ان کے گھر ہیں جو ویران پڑے ہیں، ان کے کفر کے باعث۔

(خالیةً منصوب بر بناء حال ہے اور اس میں عامل تلک اسم اشارہ کا معنی ہے) بلاشبہ اس واقع میں بڑی عبرت ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو صاحب علم ہیں (اور ہماری قدرتوں سے واقف ہیں۔ انہیں اس سے نصیحت حاصل کرنی چاہئے اور ہم نے نجات دی ان لوگوں کو جو ایمان لائے (صالح علیہ السلام پر اور وہ چار ہزار کے قریب تھے) اور جو بچتے تھے (شرک سے) اور لوط علیہ السلام جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو۔ درآنحالیکہ تم سمجھدار ہو (اور جانتے ہو کہ یہ فعل معصیت ہے لوطاً منصوب ہے۔ اس وجہ سے کہ اس سے پہلے اذکر مقدر ہے اور اذ قال لقومه اس سے بدل واقع ہو رہا ہے) کیا تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر۔ مگر اس سلسلہ میں تم جہالت کر رہے ہو (اور اس کے انجام سے غافل ہو۔ ائنکم میں دونوں ہمزہ کے

باقی رکھنے یا ایک ہمزہ کو حذف کر دینا دونوں قرأت ہیں۔ مگر دونوں صورتوں میں الف باقی رہے گا۔
سوان کی قوم کوئی جواب نہ دے سکی۔ بجز اس کے کہ آپس میں یہ کہنے لگے کہ لوط علیہ السلام کے لوگوں کو تم بستی سے نکال دو (کیونکہ) یہ لوگ بڑے پاک وصاف بنتے ہیں۔ سو ہم نے لوط علیہ السلام اور ان کے متعلقین کو نجات دی۔ بجز لوط علیہ السلام کی بیوی کے۔ انہیں ہم نے (عذاب میں مبتلا) رہ جانے والوں میں تجویز کر رکھا تھا اور ہم نے ان کے اوپر ایک نئی طرح کا مینہ برسادیا (اور پھر وہ پتھروں کی بارش تھی۔ جس نے ان لوگوں کو ہلاک کر دیا) سو جو لوگ ڈرائے جا چکے تھے ان کے لئے مینہ کیسا برا ہوا۔ اور آپ (اے محمد ﷺ! ان منکرین کی ہلاکت) پر کہہ دیجئے کہ ہر تعریف اللہ ہی کے لئے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جنہیں اس نے منتخب کیا۔ آیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ (اس کا) شریک کرتے ہیں۔
(ء اللہ میں دونوں ہمزہ کا باقی رکھنا اور دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دینا اور دونوں ہمزہ کی درمیان الف کا لانا یہ سب صورتیں ہیں اسی طرح یشرکون میں یا اور تا دونوں قرأت ہیں)۔

تحقیق وترکیب:.......... **تسعة رهط.** اکثر نحویوں کا کہنا ہے کہ عدد کی تمیز من کے ذریعہ مجرور ہوتی ہے۔ جیسا کہ **اربعة من الطير.** صاحب جلالینؒ نے رجال کی تقدیر سے ایک اشکال کے جواب کی جانب توجہ دلائی ہے۔ اشکال یہ ہے کہ **رهط** جمع مجرور ہے۔ پھر اس کی تمیز مفرد کیسے استعمال ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ یہ لفظاً مفرد ہے اور معنیً جمع۔

انا دمرناهم. انا کا ہمزہ استینافیہ ہے۔ کوفیین اسے بفتح الہمزہ پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں کان کا اسم ہوگا۔

عاقبة. صاحب جلالینؒ بتانا چاہتے ہیں کہ **تجعلون** کا مفعول محذوف ہے۔

فما كان جواب قومه. خبر مقدم ہے۔

الله خير. اصل میں **ء الله خير** تھا۔ ہمزہ اولیٰ استفہامیہ اور دوسرا ہمزہ وصلی ہے۔ ہمزہ اولیٰ کو تخفیفاً مد کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

﴿ **تشریح** ﴾:.......... حضرت صالح علیہ السلام جب اپنی قوم ثمود کے پاس نبی بنا کر بھیجے گئے اور انہوں نے قوم کو خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت دی تو بجائے اس کے کہ یہ سب کے سب دعوت توحید پر متفق ہوجاتے۔ ان میں دو فریق بن گئے۔ ایک جماعت مومنین کی اور دوسرا گروہ کافروں کا جو کہ ان سے جھگڑنے لگے اور کہنے لگے کہ تم اگر سچے پیغمبر ہو تو عذاب لا کر دکھاؤ۔ جس پر آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ بجائے رحمت طلب کرنے کے عذاب مانگ رہے ہو۔ خدا تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرو۔ شاید وہ رحمت کے ساتھ متوجہ ہو۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں تو یقین ہے کہ ہماری تمام مصیبتوں کا سبب تم اور تمہارے متبعین ہیں۔ جب سے تم نے اس نئے مذہب کی تبلیغ شروع کی ہے قوم میں ایک انتشار پیدا ہوگیا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے اعمال خدا کو اچھی طرح معلوم ہیں اور ساری نحوست تمہارے انہی اعمال بد کے نتیجہ میں ہے اور ابھی کیا ہے، تمہیں تو اس کفر کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہونا ہے۔

ارشاد ہے کہ قوم ثمود کے شہر میں نو شخص انتہائی فسادی تھے۔ جن کی طبیعت میں خیر تھی ہی نہیں۔ انہوں نے جمع ہوکر آپس میں مشورہ کیا کہ آج رات کو صالح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو قتل کر ڈالو۔ ان کے درمیان عہد و پیمان مکمل ہوگیا اور قتل کا پورا منصوبہ تیار ہوگیا اور یہ کہ اگر پوچھ گچھ کی نوبت آئے تو ان کے متعلقین سے کہہ دو کہ ہمیں کیا خبر، ہمیں تو اس کی اطلاع بھی نہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ

نے ان کے سارے منصوبوں پر پانی پھیر دیا اور قبل اس کے کہ یہ کوئی اقدام کریں۔ خدا تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اسی کو فرمایا گیا کہ انہوں نے ایک چال چلی تھی مگر ہم نے انہیں ان کی چالبازی کا مزہ چکھا دیا اور انہیں اس کا علم بھی نہ ہو سکا۔

ارشاد ہوا کہ ان کے بارونق شہر اور ان کی بستیاں ان کے ظلم کی وجہ سے ویران پڑی ہیں اور یہ ہلاک کر دیئے گئے۔ اس ہلاکت و بربادی میں خدا تعالیٰ کی قدرت وحکمت اور انبیاء علیہ السلام کی صداقت کے بے شمار نشانات ہیں اور اس سے لوگ عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔ فرمایا کہ ہم نے مومنین اور خدا تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو صاف بچالیا۔ عذاب سے بھی اور کفار کی سازش قتل سے بھی۔

قوم ثمود کے بعد قصہ لوط علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کا سمجھانے کی کوشش کی کہ تم جو یہ بے ہودہ فعل یعنی اغلام بازی کرتے ہو اس کی قباحت کسی سے پوشیدہ نہیں یہ لوگ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہشات نفسانی پورا کرتے تھے اسی پر فرمایا کہ اپنی اس جہالت سے باز آجاؤ اور کیا تم اتنے گئے گزرے ہوئے ہو کہ اگر شرعی پاکیزگی کا خیال نہیں تو طبعی طہارت بھی تم سے جاتی رہی ہے۔ اس کا جواب قوم نے یہ دیا کہ جب لوطؑ اور ان کے متعلقین تمہارے اس فعل سے بیزار ہیں اور تمہاری ان سے نہیں بنتی ہے تو ہمیشہ کے لئے اس جھگڑے کو ختم کر دو اور لوط علیہ السلام کو شہر سے نکال دو۔ جب کافروں نے اس کا پختہ ارادہ کر لیا اور اس سلسلہ میں ایک پروگرام بنالیا تو خدا تعالیٰ نے انہیں قبل اس کے کہ وہ اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنا سکیں ہلاک کر دیا اور حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے متبعین کو ان کی سازش اور اپنے عذاب سے بھی محفوظ رکھا۔ البتہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی قوم کے ساتھ ہلاک کر دی گئی۔ کیونکہ وہ ان کی معاون ومددگار تھی اور ان کی بداعمالیوں کو پسند کرتی تھی۔

عذاب اس انداز پر آیا کہ ان پر پتھروں کی بارش کی گئی۔ جس کے نتیجہ میں سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ ان کی سرکشی اور اس کی سزا بیان کرنے کے بعد آنحضور ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ خدا تعالیٰ کی حمد اور اس کی تعریف بیان کیجئے اور کہئے کہ ساری تعریفوں کا مستحق صرف خدا تعالیٰ ہی ہے۔ اسی نے اپنے بندوں کو بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں اور وہی عالی صفات ہے اور ساتھ ہی آپ ﷺ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں پر سلام بھیجیں اور خدا تعالیٰ ان چیزوں سے جسے مشرکین اس کا شریک ٹھہراتے ہیں، سب سے پاک اور بری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

﴿الحمد للہ کہ پارہ نمبر ۱۹ کی تفسیر تمام ہوئی﴾

پارہ نمبر ﴿۲۰﴾

اَمَّنْ خَلَقَ

فہرست پارہ ﴿امن خلق﴾

اَمَّنْ خَلَقَ

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ مِنَ الْغَيْبَةِ اِلَى التَّكَلُّمِ **بِهٖ حَدَآئِقَ** جَمْعُ حَدِيْقَةٍ وَهُوَ الْبُسْتَانُ الْمُحَوَّطُ **ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ** حُسْنٍ **مَّا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ** لِعَدَمِ قُدْرَتِكُمْ عَلَيْهِ ءَ اِلٰهٌ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ فِيْ مَوَاضِعِهِ السَّبْعَةِ **مَّعَ اللّٰهِ ؕ** اِعَانَةٌ عَلٰى ذٰلِكَ اَيْ لَيْسَ مَعَهٗ اِلٰهٌ **بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ؕ﴿۶۰﴾** يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَهٗ **اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا** لَاتَمِيْدُ بِاَهْلِهَا **وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ** فِيْمَا بَيْنَهَا **اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ** جِبَالًا اَثْبَتَ بِهَا الْاَرْضَ **وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ** بَيْنَ الْعَذْبِ وَالْمِلْحِ لَا يَخْتَلِطُ اَحَدُهُمَا بِالْاٰخَرِ **ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾** تَوْحِيْدَهٗ **اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ** الْمَكْرُوْبَ الَّذِيْ مَسَّهُ الضُّرُّ **اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ** عَنْهُ وَعَنْ غَيْرِهٖ **وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ** الْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى فِيْ اَيْ يَخْلُفُ كُلُّ قَرْنٍ اَلْقَرْنَ الَّذِيْ قَبْلَهٗ **ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ﴿۶۲﴾** تَتَّعِظُوْنَ بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّةِ وَفِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الذَّالِ وَمَا زَائِدَةٌ لِتَقْلِيْلِ الْقَلِيْلِ **اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ** يُرْشِدُكُمْ اِلٰى مَقَاصِدِكُمْ **فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ** بِالنُّجُوْمِ لَيْلًا وَبِعَلَامَاتِ الْاَرْضِ نَهَارًا **وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ** اَيْ قُدَّامَ الْمَطَرِ **ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ؕ﴿۶۳﴾** بِهٖ غَيْرَهٗ **اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ** فِي الْاَرْحَامِ مِنْ نُّطْفَةٍ **ثُمَّ يُعِيْدُهٗ** بَعْدَ الْمَوْتِ وَاِنْ لَّمْ يَعْتَرِفُوْا بِالْاِعَادَةِ لِقِيَامِ الْبَرَاهِيْنِ عَلَيْهَا **وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ** بِالْمَطَرِ **وَالْاَرْضِ ؕ** بِالنَّبَاتِ **ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ** اَيْ لَا يَفْعَلُ شَيْئًا مِمَّا ذُكِرَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا اِلٰهَ مَعَهٗ **قُلْ** يَامُحَمَّدُ **هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ** حُجَّتَكُمْ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾** اِنَّ مَعِيَ اِلٰهًا فَعَلَ شَيْئًا

مِمَّا ذُكِرَ وَسَالُوْهُ عَنْ وَقْتِ قِيَامِ السَّاعَةِ فَنَزَلَ **قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** مِنَ الْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ **الْغَيْبَ** اَيْ مَاغَابَ عَنْهُمْ **اِلَّا** لٰكِنَّ **اللّٰهُ** يَعْلَمُهُ **وَمَايَشْعُرُوْنَ** اَيْ الْكُفَّارُ كَغَيْرِهِمْ **اَيَّانَ** وَقْتُ **يُبْعَثُوْنَ** ﴿۶۵﴾ **بَلِ** بِمَعْنٰى هَلْ **ادّٰرَكَ** بِوَزْنِ اَكْرَمَ فِي قِرَاءَةٍ وَفِي اُخْرٰى ادَّارَكَ بِتَشْدِيْدِ الدَّالِ وَاَصْلُهُ تَدَارَكَ اُبْدِلَتِ التَّاءُ دَالًا وَاُدْغِمَتْ فِي الدَّالِ وَاجْتُلِبَتْ هَمْزَةُ الْوَصْلِ اَيْ بَلَغَ وَلَحِقَ اَوْ تَتَابَعَ وَتَلَاحَقَ **عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ** اَيْ بِهَا حَتّٰى سَاَلُوْا عَنْ وَقْتِ مَجِيْئِهَا لَيْسَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ **بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ** ﴿۶۶﴾ مِنْ عَمَى الْقَلْبِ وَهُوَ اَبْلَغُ مِمَّا قَبْلَهُ وَالْاَصْلُ عَمِيُوْنَ اسْتُثْقِلَتِ الضَّمَّةُ عَلَى الْيَاءِ فَنُقِلَتْ اِلَى الْمِيْمِ بَعْدَ حَذْفِ كَسْرِهَا

ترجمہ:............ یا وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے اگائے (لفظ انبتنا میں غائب صیغہ سے متکلم کی طرف صفت التفات ہے) پانی کے ذریعہ باغ (لفظ حدائق حديقة کی جمع ہے۔ جس کے معنی چار دیواری والے محفوظ باغ کے ہیں) رونق دار (خوبصورت) تم سے تو ممکن نہ تھا کہ تم ان کے درختوں کو اگا سکو (اس پر تمہاری قدرت نہ ہونے کی وجہ سے) کیا اور بھی خدا ہے (لفظ الٰہ یہاں سات جگہ آیا ہے۔ ان سب میں دو ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسری ہمزہ کی تسہیل کرتے ہوئے نیز ان دونوں صورتوں میں دونوں ہمزہ کے درمیان الف بڑھا کر چاروں طریقہ سے پڑھا گیا ہے) اللہ کے ساتھ (اس کام پر اس کی مدد کے لئے؟ یعنی ہرگز اللہ کے ساتھ دوسرا خدا نہیں ہے) مگر ہاں یہ لوگ اللہ کے برابر ٹھہراتے ہیں (اللہ کے ساتھ دوسری ہستیوں کو شریک کرتے ہیں) یا وہ ذات جس نے زمین کو قرارگاہ بنایا (کہ اپنے رہنے والوں کے ساتھ ڈگمگاتی نہیں ہے) اور بنائیں ان زمینوں کے درمیان (بیچ میں) ندیاں اور زمین کی خاطر بوجھل پہاڑ بنائے (جن سے زمین کو ٹھہرایا) اور دریاؤں کے درمیان حد فاصل بنائی (جو شیریں اور شور پانیوں کو ایک دوسرے سے ملنے نہیں دیتی) کیا اللہ کے ساتھ اور بھی خدا ہے؟ مگر ہاں ان میں سے اکثر تو (اس کی توحید کو) سمجھتے بھی نہیں۔ یا وہ ذات جو بے قرار کی فریاد سنتی ہے (کہ جو تکلیف کے مارے بے چین ہو) جب وہ اس کو پکارتا ہے اور وہ مصیبت دور کر دیتا ہے (پکارنے والے سے بھی اور دوسروں سے بھی) اور تمہیں زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے۔ خلفاء الارض میں اضافت بواسطہ فی ہے۔ یعنی ہر پچھلا قرن پہلے قرن کا قائم مقام ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ اور بھی خدا ہے؟ تم لوگ بہت ہی کم غور کرتے ہو (کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ اکثر قراء کے نزدیک لفظ تذکرون تا کے ساتھ ہے اور ابو عمر قاری کے نزدیک یا کے ساتھ آیا ہے۔ یہ لفظ اصل میں تتذکرون تھا۔ تا کو ذال میں ادغام کر دیا ہے اور لفظ ما زائد ہے۔ قلت کی تقلیل کی زیادتی کے لئے لایا گیا ہے) یا وہ ذات جو تمہیں راستہ سجھاتی ہے (تمہاری منزل مقصود کی طرف رہنمائی کرتی ہے) خشکی اور تری کی اندھیریوں میں (رات کو ستاروں کے ذریعہ اور دن میں زمین کے نشانات کے ذریعہ) اور جو ہواؤں کو بارش سے پہلے (رحمت سے یہاں مراد بارش ہے) بھیجتا ہے خوش کر دینے کے لئے کیا اللہ کے ساتھ اور خدا ہے؟ اللہ برتر ہے ان کے شرک سے (جو دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں) یا وہ ذات اول بار مخلوق کو پیدا کرتی ہے۔ (نطفہ کو رحم میں ڈال کر) پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گی مرنے کے بعد۔ اگرچہ یہ اس کا اقرار نہ کریں۔ مگر اس پر دلائل موجود ہیں) اور جو تمہیں رزق دیتا ہے آسمان سے (بارش کے ذریعہ) اور زمین سے (اگا کر) کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی خدا ہے؟ یعنی مذکورہ بالا چیزوں میں سے کوئی ایک چیز بھی اللہ کے سوا

کوئی دوسرا نہیں بنا سکتا اور اللہ کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے) آپ (اے محمد ﷺ!) کہئے اپنی دلیل (حجت) پیش کرو۔ اگر تم سچے ہو (اس بارے میں کہ میرے ساتھ اور خدا ہے جس نے مذکورہ چیزوں میں سے کچھ بھی بنایا ہو اور چونکہ کفار مکہ نے قیامت کا وقت پوچھا تھا۔ اس لئے اگلی آیت نازل ہوئی) آپ کہہ دیجئے آسمانوں اور زمین میں جتنی مخلوق ہے (وہ خواہ فرشتے ہوں یا انسان) کوئی بھی غیب (نگاہوں سے اوجھل چیز) کو نہیں جانتا۔ بجز (سوائے) اللہ کے (وہ جانتا ہے اور یہ کفار وغیرہ) نہیں جانتے کہ کب (کس وقت) دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ بات یہ ہے (بل بمعنی هل ہے) نیست و نابود ہوگیا ہے (لفظ ادرک بروزن اکرم ہے۔ ابوعمرو کی قرأت میں اور دوسروں کے قرأت میں ادرک ہے۔ دال مشدد کے ساتھ۔ اصل میں تدارک تھا۔ تا کو دال سے بدل کر دال کا دال میں ادغام کردیا اور ہمزہ وصل حذف کردیا ہے۔ یعنی اتنا بڑھ گیا اور مسلسل ہوگیا) ان کا علم آخرت کے متعلق (حتیٰ کہ قیامت آنے کا وقت پوچھنے کی نوبت آ گئی۔ واقعہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ان کا کچھ علم نہیں ہے) بلکہ یہ اس کی طرف سے شک میں ہیں۔ بلکہ اس کی طرف سے اندھے بنے ہوئے ہیں۔ لفظ عمون۔ عمی القلب سے ماخوذ ہے۔ دوسرا جملہ پہلے جملہ سے بڑھ کر ہے۔ عمون دراصل عميون تھا۔ یا پر ضمہ دشوار ہونے کی وجہ سے ماقبل میم کو دے دیا۔ میم کا حذف کر کے)۔

تحقیق وترکیب: .... امن۔ اسم ام منقطعہ بمعنی بل ہے۔ ہمزہ استفہامیہ ہے یا اضراب کے لئے ہے خبر محذوف ہے۔ یعنی خبر اور ام متصلہ بھی ہوسکتا ہے۔ تقدیری عبارت اس طرح ہوگی۔ الاصنام خير ام الذى خلق السمٰوٰت الخ قرینہ کے ہوتے ہوئے حذف کی گنجائش ہے۔ البتہ اس سے پہلی آیت اللّٰه خير اما يشركون میں سوال اجمالی کے وقت تو لفظ اللّٰه کو مقدم ذکر کیا گیا ہے اور "امن خلق الخ" میں تفصیلی سوال کے موقع پر ذکر اصنام کو مقدم اور اللہ کے ذکر کو مؤخر کیا گیا اور نکتہ اس میں یہ ہے کہ تفصیلی سوال میں اوصاف کا استحضار چونکہ مقصود ہے۔ اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ اولاً ذہن ایک چیز سے فارغ ہوجائے۔ پھر پوری توجہ موصوف بالکمالات کی طرف ہو سکے گی۔ یعنی بتوں کا ذکر چونکہ اجمالی سوال میں مؤخر آیا ہے۔ سوال تفصیلی میں اسے مقدم کردیا گیا ہے۔ تاکہ ذہن فارغ ہوکر بالکلیہ ذکر اللہ کی طرف متوجہ ہوجائے جو متصف بالکمالات ہے۔ اگر تفصیلی سوال میں ذکر اللہ کو مقدم کردیا جاتا تو بتوں کا ذکر اجمالی سوال کی طرف تفصیلی سوال میں بھی مؤخر ہوجاتا اور ذہن فارغ نہ ہوتا اور ام منقطعہ کی صورت میں یہ توجیہ کی جائے گی کہ اجمالی سوال سے ذہن چونکہ تفصیلی سوال کی طرف منتقل ہوگیا ہے اس لئے امن خلق الخ فرمادیا گیا ہے۔ اس صورت میں من مبتداء ہوگا وار اس کی خبر ما کے بعد محذوف ہوگی۔ یعنی خبر پھر اما يشركون اس پر معطوف ہوجائے گا۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ آالذی خلق وفعل كذا وكذا خيرا ام الذى يشركون خير اسی طرح اگلے الفاظ میں بھی توجیہ کی جائے گی۔

فيه التفات. فعل انبات کو اللہ کے ساتھ مخصوص کرنے میں اس کلمہ کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ دیکھو ہم نے ایک ہی پانی سے رنگ برنگ کے درخت اور کھیتیاں پیدا کردیں، جن کے ذائقے بھی مختلف اور تاثیرات بھی مختلف ہیں۔

ذٰلك. مذکورہ تخلیق کی طرف اشارہ ہے۔ اور ء اله میں استفہام انکاری کی طرف مفسرؒ علام نے اشارہ کردیا ہے۔

يعدلون. یہ لفظ عدول بمعنی تجاوز سے بھی ہوسکتا ہے۔ یعنی اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور عدل کے معنی برابری کے بھی ہوسکتے ہیں۔ یعنی اللہ کو ذکر کے برابر قرار دیتے ہیں۔

امن جعل الارض یہ جملہ اور اگلے تینوں جملے امن خلق الخ سے بدل ہوسکتے ہیں۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ ہر جملہ کو پہلے جملہ سے اضراب پر محمول کیا جائے اور اس طرح مختلف جہات سے ایک تبکیت سے دوسری تبکیت کی طرف منتقل ہوجائے۔ یہ صورت الزام حجت کے لئے زیادہ موثر ہوگی۔

لاتمید. اس میں زمین کی ذاتی حرکت وسکون سے بحث نہیں ہے جوفلاسفہ قدیم وجدید کے درمیان بحث طلب مسئلہ ہے۔ کیونکہ قرآن کا یہ موضوع نہیں ہے بلکہ حرکت عرضی مراد ہے۔ جس کے معنی ڈگمگانے کے ہیں۔ یعنی زمین، پانی اور ہوا کی حرکت سے ڈگمگاتی نہیں ہے مضبوط پہاڑوں کی میخوں نے جمادیا ہے۔ مجال نہیں کہ ذرا بھی ڈانوڈول ہوسکے۔

خلالها. اگر جعل بمعنی خلق ہے تو یہ اس کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ اور اگر جعل بمعنی صیر متعدی بدو مفعول ہے تو یہ مفعول ثانی کی جگہ ہوجائے گا۔

رواسی. جمع راسیة کی بمعنی مضبوط۔

اذا دعاه. اس میں اشارہ ہے کہ مضطر کی اجابت اس کی دعا پر موقوف ہے۔ حالت اضطرار میں بھی ترک دعا کی بجائے دعا ہی موثر ہوگی۔

لتقليل القليل. یعنی بالکلیہ نفی مراد ہے۔

لقيام البراهين. یعنی ابتداء خلق کے جب یہ معترف ہیں تو اعادہ بہ نسبت ایجاد کے آسان ہے۔ اس کا اعتراف بھی ضرور ہونا چاہئے۔ گویا ابتداء تخلیق اعادہ تخلیق کی واضح دلیل ہے۔ دراصل بعثت وقیام کا اثبات تین مقدمات پر موقوف ہے اور وہ تینوں ظاہر وباہر ہیں۔ پس اثابت قیامت بھی بدیہی ہے اور وہ مقدمات حسب بیان قاضی بیضاویؒ یہ ہیں:

۱۔ موثر حقیقی یعنی حق تعالیٰ کا عالم ہونا۔

۲۔ اس کا قادر ہونا۔

۳۔ متاثر یعنی مادہ میں قابلیت کا علیٰ حالہ موجود رہنا۔

اللہ کا عالم وقادر ہونا تو ان آیات سے ظاہر ہے۔ اسی طرح مادہ کائنات میں وجود عدم کی قابلیت کا بدستور رہنا بھی واضح ہے۔ پھر قیامت میں عالم کا دوبارہ پیدا ہونا کیوں قابل تامل بنا ہوا ہے۔

برهانكم. میں اللہ کے مستحق عبادت ہونے پر تو مذکورہ دلائل قائم ہیں۔ اب شرک کے ثبوت وصحت پر نہیں دلائل پیش کرنے چاہئیں۔

ان معى. یہ بطور حکایت ہے ورنہ معه ہونا چاہئے تھا اور جلالین کے بعض نسخوں میں معه الله ہے۔ اس صورت میں تو جیہ کی حاجت ہی نہیں رہتی۔

من في السموات. اس میں دو ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ یعلم کا فاعل من ہو اور فی السموات والارض جن سے مراد بقول شارح انسان اور فرشتے ہیں۔ فاعل کی صفت ہے اور الغیب مفعول بہ ہے اور الله مبتداء ہے۔ جس کی خبر کی طرح شارح نے یعلمه نکال کر اشارہ کیا ہے اور "الا" کی تفسیر "لكن" سے کر کے استثناء منقطع ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہوسکتی ہے کہ من مفعول ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہو اور لفظ الغیب اس سے بدل ہو اور یعلم کا فاعل الله ہو۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ قل لايعلم الاشياء التى تحدث فى السموات والارض الغائبة عنا الاالله تعالىٰ ۔ الا یہاں استثناء متصل کے لئے نہیں ہوسکتا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا منجملہ کائنات ہونا لازم آئے گا اور محتاج مکان ماننا پڑے گا جو بظاہر ہے کہ صحیح نہیں ہے۔ البتہ تاویل کرتے ہوئے استثناء متصل بھی بتایا جاسکتا ہے۔ جیسے وبلدة ليس بها انيس. الا اليعا فير والاالعيس۔ میں یعافیر و یعیس کو انیس میں داخل کرلیا گیا ہے۔ اور بقول علامہ زمخشریؒ مبدل منہ اگر مرفوع ہوتو بنی تمیم کے لغت پر مستثنیٰ منقطع بھی بطور

بدل کے مرفوع ہوتا ہے۔

ایان بمعنی متی ہے۔ مفسر علامؒ نے وقت کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ مگر وہ یہاں کے ضمنی استفہام کے مناسب نہیں رہے گی اور متی کے ساتھ تفسیر مناسب ہے۔ لفظ ایان مرکب ہے۔ ای اور آن سے اصل عبارت اس طرح تھی۔ ای وقت ان یبعثون۔

بل بمعنی هل. اگرچہ نحو ولغت کی کتابوں میں بل بمعنی هل نہیں ہے۔ مگر حضرت ابن عباسؓ کی قرأت اادرک دو ہمزہ کے ساتھ اور حضرت اور ابی بن کعبؓ کی قرأت ام تدارك علیهم اس معنی پر دلالت کر رہی ہے۔

ای بلغ. مفسر علامؒ نے چونکہ دو قراءتیں ذکر فرمائی ہیں۔ ایک ادرک دوسرے ادارک اس لئے لفظ بلغ پہلی قراءت کے معنی کی طرف مشیر ہے۔ چنانچہ ادرک علمی بولتے ہیں۔ بمعنی بلغه و ادرکه اور لفظ تابع و تلاحق سے دوسری قراءت کے معنی کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ تدارک بنو فلاں بولا جاتا ہے۔ یعنی ہلاکت میں لگا تار لگ گئے۔

علمهم فی الا خره. اس میں دو توجیہات ہوسکتی ہیں۔ ایک کی طرف مفسر علامؒ نے ای بها کہہ کر اشارہ کیا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے علمی بزید کذا کہا جائے۔ اس صورت میں استفہام انکاری ہوگا۔ جس کی طرف لیس الا مر کذلک سے مفسرؒ نے اشارہ فرمایا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ فــی کو اپنے معنی پر رکھا جائے اور لفظ ادرک اگرچہ لفظاً ماضی ہے۔ مگر معنی مستقبل ہوگا۔ قیامت کے یقینی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ جیسے اتی امر الله فرمایا گیا ہے۔ پہلی توجیہ پر فی کا تعلق علم سے اور دوسری صورت میں فی کا ادرک سے ہوگا۔ یعنی علم قیامت کے اسباب کامل و مستحکم ہیں اور انہیں حاصل بھی ہوچکے۔ مگر پھر بھی یہ شکوک و جہالت میں گرفتار ہیں۔

بعد حذف کسرها. اور ضمہ کے بعد یا بھی ساکن ہونے کی وجہ سے گر جائے گی۔

ربط وشانِ نزول: ....شروع صورت سے یہاں تک رسالت سے متعلق بحث تھی۔ اب آیت سابقہ قل الحمد الخ سے ایک موثر اور بلیغ خطبہ کے بعد آیات "امن خلق" سے بحث توحید کا آغاز ہے۔ ان پانچ آیات میں پانچ قسم کی دلیلیں پیش فرمائی گئی ہیں۔ چونکہ بہترائی کا انحصار عقلی ہونے کی وجہ سے کفار کے نزدیک بھی اللہ ہی کے لئے تھا اور اس سے خدا کی یکتائی کا لزوم قضیہ عقلیہ ہے۔ اس لئے مقدمات کے بدیہی ہونے کی وجہ سے اگرچہ یہ بیان اجمالاً بھی کافی تھا۔ مگر زیادہ اہتمام کرتے ہوئے بطور تبرع تفصیل بیان فرمائی جارہی ہے۔

﴿ تشریح ﴾:...... کائنات کا پیداواری نظام دلیل وحدانیت ہے: ....توحید پر زور اور شرک کی تمام صورتوں کی تردید کرتے ہوئے پہلی آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ وہی کائنات کا پیدا کرنے والا، پانی برسانے والا، نباتات اگانے والا ہے۔ نہ کوئی میگھ دیوتا اور بارش کا خدا ہے اور نہ زمین کی زراعت و پیداوار اور باغوں کے بہار کی دیوی ہے۔ یہ سب کام صرف اللہ کے ہیں۔ انسان خوب غور کر کے دیکھے کہ کاشت کاری یا باغبانی کے عظیم الشان نظام کے کسی جز میں بھی اس کو کچھ دسترس حاصل ہے۔ وہ زمین میں پیداوار کی صلاحیت ڈال سکتا ہے؟ مٹی میں نمو کی قوت رکھ دینا کیا اس کے بس کی بات ہے؟ مناسب وقت اور مناسب جگہ بارش لانا کیا اس کے اختیار میں ہے؟ بارش کے قطروں میں نباتات کے اگانے کی تاثیر، درختوں، پودوں سبزیوں، پھل پھلا دیوں کو سورج کی گرمی ایک خاص مقدار میں پہنچانا کیا اس کی قدرت نہیں ہے؟ الحاصل کھاد، سورج، پانی میں پیداواری صلاحیت اور تاثیر رکھ دینا اور اسے ایک مناسب حد تک بروئے کار لانا کیا غریب انسان کے قبضہ میں ہے؟ پس جب اس نباتاتی نظام کی کوئی سی کڑی بھی انسان کے اختیار میں نہیں ہے تو پھر اللہ کے علاوہ کوئی دوسری ہستی اس کی شریک خدائیت ہے؟ اندھے، بہرے بے سمجھ مادہ میں

تو یہ سارے کرشمے نہیں ہو سکتے۔ پھر یہ توحید حق کے ڈگر سے برگشتگی اور بے راہ روی کیسی؟ افسوس کہ کلدانی ہوں یا مصری، ہندی ہوں یا سندھی، ایرانی ہوں یا یونانی، ترکی ہوں یا ساسانی اپنے عروج وتمدن اور کمال تہذیب کے دور میں بھی اس موٹی سی بات کو نہ سمجھ سکے۔ اکثرھم لا یعلمون.

مصیبت زدوں کی فریادرسی: .... اللہ کی صفات خالقیت و ربوبیت کے بعد آیت امن یجیب المضطر الخ میں اس کی صفت دادرسی اور فریادرسی کو یاد دلایا جارہا ہے۔ البتہ پہلی آیات میں عام مشرکین کو خطاب تھا اور اس آیت میں خاص طور سے مسیحوں اور روح پرستوں کی طرف روئے سخن ہے کہ بتلاؤ اس کے سوا کون مضطر کی پکار سنتا ہے؟ لیکن آیت کا یہ منشا نہیں ہے۔ کہ اللہ ہمیشہ اور ہر فریاد منظور کر لیتا ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ جب بھی فریادرسی ہوتی ہے اسی کی طرف سے ہوتی ہے کوئی دوسرا نہیں۔ جو دعا سنے اور مصیبت دور کرے۔ طالب علمانہ زبان میں کہنا چاہئے یہ قضیہ دائمی نہیں بلکہ مطلقہ ہے۔ رہا یہ کہ کون سی دعا قبول کی جائے اور کب منظور کی جائے۔ یہ اللہ کی مصالح اور حکمت پر موقوف ہے۔ اس لئے اب کوئی اشکال نہیں رہا۔

قیامت کی تعیین علم غیب میں داخل ہے: .... اور کفار مکہ عقیدہ قیامت کے غلط ہونے کی ایک وجہ چونکہ یہ بھی بتلاتے تھے۔ کہ پوچھنے پر بھی اس کو بتلایا نہیں جاتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قیامت نہیں ہوگی۔ گویا قیامت کے متعین نہ کرنے کو قیامت نہ ہونے کی دلیل بنارہے ہیں۔ اس لئے اس مضمون کو علم غیب کے اللہ کے ساتھ خاص ہونے سے شروع کرتے ہوئے قل لا یعلم الخ فرمایا جارہا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ کفار کا یہ استدلال ہی غلط ہے۔ کہ قیامت کی تعیین کسی کو معلوم نہیں کہ ٹھیک ٹھیک ناپ تول کر کوئی وقت متعین کر سکے۔ تو اس سے یہ سمجھ لینا کہ پھر قیامت کا وقوع ہی نہیں ہوگا کیونکہ قیامت ہی کی کیا تخصیص ہے۔ اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جن کا پہلے سے ناپا تلا علم کسی کو نہیں دیا گیا۔ مگر وہ پھر واقع ہوتی ہیں۔ اللہ کو تو بے بتلائے پہلے سے سب کچھ معلوم ہے۔ کسی اور کو بے بتلائے کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ پھر کیا ان سب چیزوں کا انکار کر دیا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کا معلوم نہ ہونا اس کے نہ ہونے کو مستلزم نہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ بعض چیزوں کا چھپانا اور پوشیدہ رکھنا ہی اللہ کو منظور اور اس کی مصلحت ہوتا ہے۔ پس قیامت کی تعیین بھی انہی مخفی امور میں سے ہے۔ اسی لئے کسی کو اس کا علم نہیں دیا گیا۔ مگر اس سے فی نفسہا قیامت کی نفی کیسے لازم آگئی۔

انکار قیامت کے باب میں درجہ بدرجہ منکرین کی ترقی: .... اور خیر دوسروں کو صرف تعیین قیامت کا علم نہیں۔ مگر ان کفار کو تو اس سے بڑھ کر نفس قیامت کا علم ہی نہیں ہے۔ یہ تو سرے سے اس کے ہی منکر ہیں۔ جو ظاہر ہے پہلے سے بڑھ کر ہی ہے اور قابل مذمت بھی۔ کیونکہ معاد جسمانی کا ماننا واجب ہے اور واجب چھوڑ دینا مذموم ہوتا ہے۔ بلکہ کفار اس سے بھی آگے قیامت کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں اور شک کا لاعلمی سے بڑھ کر ہونا اس معنی کو ظاہر کرتا ہے کہ لاعلمی خالی الذہن کو بھی شامل ہوتی ہے۔ لیکن شک میں التفات ذہن کے باوجود پھر عدم تصدیق ہوتی ہے۔ اس لئے یہ حالت پہلے سے بھی بدتر ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر قیامت کے باب میں یہ لوگ بالکل اندھے بنے ہوئے ہیں۔ جس طرح ایک اندھے کو جب راہ ہی نظر نہیں آتی تو منزل پر رسائی کہاں۔ اسی طرح ضد وعناد کی وجہ سے جب انہیں صحیح دلائل ہی نظر نہیں آتے اور نہ ان میں تامل وتدبر کرتے ہیں۔ تو تصدیق آخرت کی منزل تک کامیابی کیسی؟ پس یہ حالت شکی حالت سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ گرفتار شک بعض دفعہ دلائل میں نظر کرنے سے رفع شک کر لیتا ہے۔ لیکن جو نظر ہی کھو بیٹھا ہو وہ مقصود سے ہمکنار کیسے ہوسکتا ہے۔

غرض کہ ایمان یبعثون سے بڑھ کر تدارک علم کا درجہ ہے اور اس سے بڑھ کر شک کا اور اس سے بڑھ کر اعمیٰ (اندھے پن) کا آخری درجہ ہے۔ پس آیت میں یہ انتقالات ترقی کے لئے ہیں اور ترقی کے اگلے مرتبہ میں پچھلے مرتبہ کی نفی نہیں ہوتی۔ کہ تعارض کا شبہ ہو۔ بلکہ اصل چیز کے ساتھ زائد کا اثبات ہوتا ہے۔ اس طرح آخری درجہ میں پہلے سب درجات برقرار رہتے ہیں اور چونکہ ہر پہلا درجہ بہ نسبت بعد کے درجہ کے لا بشرط شئی کے مرتبہ میں بلحاظ مفہوم عام ہوتا ہے اس لئے اجتماع میں کوئی اشکال نہیں اور ان میں عموم وخصوص بھی ظاہر ہے۔

منکرین آخرت کے مختلف طبقات کو خطاب: .... دراصل منکرین آخرت کے کئی طبقے ہیں۔ جن کی نفسیات کی ان آیات میں الگ الگ تشریح کر دی گئی۔ ایک طبقہ وہ ہے۔ جن کا سطحی اور حسی علم آخرت کے سمجھنے سے عاری ہے۔ یہ طبقہ اپنی لاعلمی پر قانع ہو کر بیٹھ رہا۔ بل ادرٰک علمھم میں ان کی نشاندہی کی گئی۔ دوسرا طبقہ بے خبری کے مرحلے سے آگے قدم بڑھ کر اس عقیدے پر جرح قدح کرنے پر تل جاتا ہے اور شک وارتیاب کی وادیوں میں بھٹکنے لگتا ہے۔ بل ھم فی شك کا مصداق یہی گروہ ہے۔

تیسرا طبقہ وہ ہے کہ تمام دلائل وشواہد سے یکسر آنکھیں موند لیتا ہے۔ ان کی راہ پر آنے سے قطعاً مایوسی ہے۔ یہ لوگ بل ھم منھا عمون کا مصداق ہیں۔ عقیدہ آخرت کی اہمیت کے پیش نظر اور مخالفین کے شد ومد کی وجہ سے خاص طور پر اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

لطائف سلوک: .... امن خلق السموات الخ سے معلوم ہوا کہ کائنات کا مطالعہ اگر فی نفسہ مقصود ہو تو وہ مانع اور منافی توحید وایمان ہے۔ جیسا کہ سائنس دانوں اور مادہ پرستوں میں عام طور سے اس کا مشاہدہ ہے۔ لیکن جب وصول الی الحق کا ذریعہ ہو تو نہ صرف یہ کہ منافی توحید نہیں بلکہ ذکر فکری ہے۔ جیسا کہ آیت ان فی خلق السموات الخ میں تدبر وتفکر کو دانشوروں کا شیوہ قرار دیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَيْضًا فِيْ اِنْكَارِ الْبَعْثِ **ءَ اِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَا اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ** ﴿۶۷﴾ اَيْ مِنَ الْقُبُوْرِ **لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ** مَا **هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ** ﴿۶۸﴾ جَمْعُ اُسْطُوْرَةٍ بِالضَّمِّ اَيْ مَا سُطِرَ مِنَ الْكَذِبِ **قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ** ﴿۶۹﴾ بِاِنْكَارِهِمْ وَهِيَ هَلَاكُهُمْ بِالْعَذَابِ **وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ** ﴿۷۰﴾ تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْ لَا تَهْتَمَّ بِمَكْرِهِمْ عَلَيْكَ فَاِنَّا نَاصِرُكَ عَلَيْهِمْ **وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ** بِالْعَذَابِ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿۷۱﴾ فِيْهِ **قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ** قَرُبَ **لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ** ﴿۷۲﴾ فَحَصَلَ لَهُمُ الْقَتْلُ بِبَدْرٍ وَبَاقِي الْعَذَابِ يَاْتِيْهِمْ بَعْدَ الْمَوْتِ **وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ** وَمِنْهُ تَاخِيْرُ الْعَذَابِ عَنِ الْكُفَّارِ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ** ﴿۷۳﴾ فَالْكُفَّارُ لَا يَشْكُرُوْنَ تَاخِيْرَ الْعَذَابِ لِاِنْكَارِهِمْ وُقُوْعَهٗ **وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ** تُخْفِيْهِ **وَمَا يُعْلِنُوْنَ** ﴿۷۴﴾ بِاَلْسِنَتِهِمْ **وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ** اَلتَّاءُ لِلْمُبَالَغَةِ اَيْ شَيْءٍ فِيْ غَايَةِ

الْخِفَاءِ عَلَى النَّاسِ **اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ** ﴿۷۵﴾ بَيِّنٍ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ وَمَكْنُوْنُ عِلْمِهٖ تَعَالٰى وَمِنْهُ تَعْذِيْبُ الْكُفَّارِ **اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ** الْمَوْجُوْدِيْنَ فِىْ زَمَنِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ** ﴿۷۶﴾ اَىْ بِبَيَانِ مَاذُكِرَ عَلٰى وَجْهِهِ الرَّافِعِ لِلْاِخْتِلَافِ بَيْنَهُمْ لَوْاَخَذُوْا بِهٖ وَاَسْلَمُوْا **وَاِنَّهٗ لَهُدًى** مِنَ الضَّلَالَةِ **وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ** ﴿۷۷﴾ مِنَ الْعَذَابِ **اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِىْ بَيْنَهُمْ** كَغَيْرِهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **بِحُكْمِهٖ** اَىْ عَدْلِهٖ **وَهُوَ الْعَزِيْزُ** الْغَالِبُ **الْعَلِيْمُ** ﴿۷۸﴾ بِمَا يَحْكُمُ بِهٖ فَلَا يُمْكِنُ اَحَدًا مُخَالِفَتُهٗ كَمَا خَالَفَ الْكُفَّارُ فِى الدُّنْيَا اَنْبِيَاءَهٗ **فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ** ثِقْ بِهٖ **اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ** ﴿۷۹﴾ اَىِ الدِّيْنِ الْبَيِّنِ فَالْعَاقِبَةُ لَكَ بِالنَّصْرِ عَلَى الْكُفَّارِ ثُمَّ ضَرَبَ لَهُمْ اَمْثَالًا بِالْمَوْتٰى وَالصُّمِّ وَالْعُمْىِ فَقَالَ **اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْيَاءِ **وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ** ﴿۸۰﴾ **وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اِنْ** مَا **تُسْمِعُ** سِمَاعَ اِفْهَامٍ وَقَبُوْلٍ **اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا** الْقُرْاٰنِ **فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ** ﴿۸۱﴾ مُخْلِصُوْنَ بِتَوْحِيْدِ اللّٰهِ **وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ** حَقَّ الْعَذَابُ اَنْ يَّنْزِلَ بِهِمْ فِىْ جُمْلَةِ الْكُفَّارِ **اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ** اَىْ تُكَلِّمُ الْمَوْجُوْدِيْنَ حِيْنَ خُرُوْجِهَا بِالْعَرَبِيَّةِ تَقُوْلُ لَهُمْ مِنْ جُمْلَةِ كَلَامِهَا نَائِبَةً عَنَّا **اَنَّ النَّاسَ** اَىْ كُفَّارُ مَكَّةَ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ هَمْزَةِ اِنَّ بِتَقْدِيْرِ الْبَاءِ بَعْدَ تُكَلِّمُهُمْ **كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ** ﴿۸۲﴾ اَىْ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ الْمُشْتَمِلِ عَلَى الْبَعْثِ وَالْحِسَابِ وَالْعِقَابِ وَبِخُرُوْجِهَا يَنْقَطِعُ الْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْىُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَا يُؤْمِنُ كَافِرٌ كَمَا اَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ

ترجمہ: .... اور یہ کافر (انکار قیامت کرتے ہوئے یہ بھی) کہتے ہیں کہ جب ہم اور ہمارے باپ دادا خاک ہو گئے تو کیا ہم نکالے جائیں گے (قبروں سے) اس کا وعدہ تو ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ تو بس بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں (اساطیر، لفظ اسطورہ بالضم کی جمع ہے جھوٹی لکھی ہوئی باتیں) آپ کہئے تم زمین پر چل کر دیکھو کہ مجرمین کا انجام کیا ہوا ہے؟ (اپنے انکار کی وجہ سے عذاب میں تباہ و برباد ہوئے) اور آپ ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ سازشیں کر رہے ہیں ان میں تنگ نہ ہوجئے (اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ ان کی چالوں سے پریشان نہ ہوجئے کیونکہ ہماری مدد آپ کے شامل حال ہے) اور یہ پوچھتے ہیں کہ یہ وعدہ (عذاب کا) کب پورا ہوگا؟ اگر تم سچے ہو (اس بارے میں) آپ کہہ دیجئے جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو عجب نہیں کہ اس کا کچھ حصہ تمہارے پاس (قریب) ہی آ گیا ہو (چنانچہ غزوہ بدر میں بہت سے مارے گئے اور بقیہ عذاب موت کے بعد بھگتنا ہوگا) اور آپ کا پروردگار لوگوں پر بڑا فضل رکھنے والا ہے (کفار کو سیر دست عذاب نہ دینا بھی فضل ہی کا ایک حصہ ہے) لیکن اکثر آدمی شکر ادا نہیں کرتے (چنانچہ یہ کفار بھی عذاب کے ملتوی ہونے پر شکر گزار نہیں

ہوتے۔ کیونکہ یہ سرے سے عذاب ہی کے منکر ہیں) اور بلاشبہ آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے اور جو کچھ یہ (اپنی زبانوں سے) ظاہر کرتے ہیں اور آسمان وزمین میں کوئی ایسی مخفی چیز نہیں ہے (لفظ غائبة میں تاء مبالغہ کے لئے ہے یعنی پوشیدہ چیز) جو لوح محفوظ میں درج نہ ہو (لفظ مبین بمعنی بین ہے۔ کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے یا علم الٰہی جو سربستہ رہتا ہے عذاب کفار بھی اسی میں داخل ہے) بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر (جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہیں) بہت سی ان باتوں کو ظاہر کر دیتا ہے جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں (ایسے انداز سے بیان کر دیتا ہے کہ اگر اس کو قبول کر لیں اور مان لیں تو سارا اختلاف دور ہو جائے) اور یقیناً قرآن ایمان داروں کے لئے (گمراہی سے) ہدایت اور (عذاب سے) رحمت ہے۔ بالیقین آپ کا پروردگار ان میں (اور دوسروں میں قیامت کے روز) اپنے حکم (انصاف) سے فیصلہ فرما دے گا اور وہ زبردست علم والا ہے (فیصلہ سے پورے طور پر واقف۔ لہذا کوئی اس کا خلاف نہیں کر سکے گا۔ جیسا کہ کفار دنیا میں انبیاء کا خلاف کرتے رہتے ہیں) سو آپ اللہ پر بھروسہ (اعتماد) رکھئے۔ یقیناً آپ صریح حق پر ہیں (دین واضح پر اس لئے آخر کار کفار پر فتح آپ کی ہوگی۔ پھر آگے کفار کی مثال مردوں، بہروں، اندھوں سے دیتے ہوئے ارشاد ہے) آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں۔ جب کہ (لفظ ءاذا دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسری ہمزہ کو پہلی ہمزہ اور یاء کے درمیان تسہیل کرتے ہوئے پڑھا گیا ہے) وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔ اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راستہ دکھلانے والے ہیں۔ آپ (سمجھانے اور قبولیت کا سنانا) انہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات (قرآن) پر یقین رکھتے ہیں پھر وہی مانتے ہیں (اللہ کی توحید میں مخلص ہیں) اور جب وعدہ ان پر پورا ہونے کو ہوگا (عذاب کا حق تو یہ ہے کہ منجملہ کفار کے ان پر بھی واقع ہو جاتا) تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا (عرب کے موجودہ لوگوں پر اس کا ظہور ہوتا اور وہ ہماری نیابت کرتے ہوئے ان سے کہتا) کہ یہ لوگ (کفار مکہ اور ایک قراءت میں ان فتح ہمزہ کے ساتھ ہے لفظ تکلمهم کے بعد بتقدیر با) ہماری آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے (یعنی قرآن پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ جس میں قیامت، حساب، عذاب کا ذکر ہے۔ اس جانور کے ظہور کے بعد امر بالمعروف نہیں عن المنکر موقوف ہو جائے گا اور کوئی کافر ایمان نہیں لائے گا۔ جیسا کہ آیت انه لن یومن من قومك الا من قد اٰمن الخ میں حضرت نوح علیہ السلام کو بذریعہ وحی پیش گوئی فرما دی گئی تھی)۔

تحقیق وترکیب:.......... اذا. ہمزہ کا مدخول مقدر ہے جو عامل ہے اذا کا۔ اور لفظ آباؤنا کان کے اسم یعنی ضمیر پر معطوف ہے اور فصل بالخبر کی وجہ سے یہ عطف جائز ہے اور ائنا لمخرجون یہ لفظ تاکید کے لئے ہے اور لفظ اذا میں عامل نہیں ہے۔ کیونکہ ہمزہ استفہام اور ان اور لام ابتداء، ان کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا اور یہاں یہ تینوں موانع موجود ہیں۔ ہمزہ کا تکرار تاکید کے لئے ہے۔

سیروا. یہ امر تہدیدی ہے گویا اشارہ اس طرف ہے کہ یہ اپنے سابقہ خیالات سے رجوع نہیں کریں گے اس لئے ان پر سابقہ لوگوں کی طرح عذاب ہی نازل ہو کر رہے گا۔

لا تحزن. غم مافات کو کہتے ہیں اور خوف واندیشہ فردا کو کہتے ہیں۔ ان دنوں لفظوں میں دونوں سے آنحضرت ﷺ کو مطمئن فرمایا گیا ہے۔

ضیق. اس میں فتح ضاد اور کسر ضاد کے ساتھ دونوں قراءتیں متواتر ہیں اور دونوں ابن کثیرؒ کی ہیں۔

عسیٰ. قاضیؒ کی رائے ہے کہ الفاظ عسیٰ، لعل، سوف وعدوں کے سلسلہ میں شاہانہ طرز خطاب ہے۔ بڑوں کا امید دلا دینا بھی دوسروں کے یقینی وعدوں سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ اس طرز خطاب میں وقار وتمکنت اور خود اعتمادی کی بھی جھلک ہے۔

ردف. اس میں تین ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔

ا۔سب سے بہتر یہ ہے کہ بقول ابن عباسؓ یہ لفظ متعدی باللام فعل کے معنی کو متضمن ہے۔جیسے ونا. قرب اور لفظ بعض الذی اس کا فاعل ہو۔

۲۔دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا مفعول محذوف ہو اور لام علۃ کا مانا جائے۔تقدیر عبارت اس طرح ہو۔ردف الخلق لا جلکم ولشرمکم.

۳۔تیسری صورت یہ ہے کہ لام مفعول پر تاکید کے لئے زیادہ ہے۔عام طور پر اس کا استعمال بغیر صلہ ولام کے آتا ہے۔ردفه، اردفه بمعنی تبعه، اتبعه بعض نحویوں کی رائے ہے کہ اس پر لام بوقت اضافت لایا جاتا ہے اور بعض کی رائے میں یہ زور کلام کے لئے لایا گیا ہے۔یعنی ''قریب ہی آلگا''

وما یعلنون. یعنی ان کا حال مخفی ہونے کی وجہ سے عذاب سے نہیں بچ رہے۔بلکہ وقت موعود کا انتظار ہے۔اور ماتکن وما یعلنون سے مراد پیغمبر کی عداوت بھی ہوسکتی ہے۔جس پر ضرور یہ سزایاب ہوں گے اور ایک قراءت تکن بھی ہے۔کننت الشئی واکننته بولتے ہیں بمعنی چھپانا۔

غائبة. یہ صفت کا صیغہ ہے۔مگر بغیر نقل الی الاسمیت کے اسمیت کے معنی میں ہے اور یہ تسمبالغہ کے لئے ہوگی۔جیسے روایۃ بمعنی کثیر الروایۃ اور علامۃ بمعنی کثیر العلم۔اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس میں تا عاقبۃ اور عافیۃ کی طرح نقل من الوصفیت الی الاسمیت کے لئے ہو اور بقول علامہ زمخشریؒ ذبیحہ، نطیحہ، رمیہ کی طرح اسماء غیر صفات میں سے ہوسکتا ہے۔پہلی صورت میں اس کا اجراء موصوف مذکر کے لئے بھی ہوسکتا ہے بخلاف دوسری صورت کے۔

ومکنون. اس میں واؤ بمعنی او ہے۔اس دوسری صورت میں علم الٰہی پر کتاب کا اطلاق بطور استعارہ تصریحیہ کے ہے۔گویا وہ دفتر الٰہی ہے جس میں حوادث وواقعات کا اندراج ہے۔

یختلفون. جیسے حضرت مسیح کے متعلق اہل کتاب میں شدید اختلافات تباغض کے درجہ میں ہیں۔

ای عدله. اس میں مفسرؒ علام اس شبہ کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں کہ قضا اور حکم دونوں کے ایک ہی معنی آتے ہیں۔پس یہ عبارت یقضی بقضاءٖ یا تحکم بحکمہ کے درجہ میں ہوگئی اور یہ ایسے ہی غلط ہے جیسے زید یضرب بضربه کہنا غلط ہے۔مگر مفسر علامؒ نے حکم بمعنی عدل کہہ کر اس کا ازالہ کردیا اور یا ملابستہ کے لئے ہے۔ای متلبسا بالعدل.

انک علی الحق. معلوم ہوا کہ جو شخص برسرحق ہو وہی مستحق نصرت الٰہی ہوتا ہے۔

لا تسمع الموتیٰ. بعض حضرات نے اس سے سماع موتی کی نفی پر استدلال کیا ہے۔لیکن قائلین سماع کا کہنا ہے کہ بہت سی نصوص وروایات سے اس کا اثبات ہوتا ہے اور اس آیت میں سماع کی نفی ہے۔یعنی جس طرح آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔اسی طرح ان کفار کو آپ ہدایت نہیں دے سکتے۔لیکن اس سے سماع یعنی خود ان کے سننے کی نفی نہیں ہوتی اور بعض حضرات نے اس میں سکوت کو بہتر قرار دیا ہے۔اس میں شک نہیں کہ بعض غالی لوگ اولیاء اللہ کے متعلق طرح طرح کے عقائد وخیالات میں مبتلا ہوکر ان سے استمداد اور استغاثہ کر کے شرکیہ انعال میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ان کا لحاظ بھی ضروری ہے۔

دفع القول. اس سے مراد بعض علامات قیامت ہیں اور بعض نے کفار پر غضب الٰہی مراد لیا ہے۔قتادہؒ کی رائے یہی ہے۔ اور مجاہدؒ قول سے مراد انهم لایؤمنون لیتے ہیں۔اور ابن عمرؓ ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ترک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

پر اللہ کی ناراضگی مراد ہے۔ اور ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد علماء کی وفات، علم کا اور قرآن کا اٹھ جانا ہے...... اور روح البیان میں ہے کہ قرآن میں جہاں بھی لفظ وقع آیا ہے وہ عذاب وشدائد ہی کے موقعہ پر آیا ہے۔ اذا وقع کے معنی قریب آ پہنچنے کے ہیں۔ جیسے اذابلغن اجلھن میں قرب مدت کے معنی لئے ہیں۔

دابة ۔ یہ بھی منجملہ علامات قیامت ہے۔ اس کی تفصیل معالم التنزیل میں ہے۔ تاہم مختلف جانوروں سے اس کو تشبیہ دی گئی ہے اور اس کو مختلف الخلقت بتایا گیا ہے۔ صفا پہاڑ پر یہ چڑھے گا اور ایک رات جب کہ لوگ مزدلفہ میں ہوں گے نکلے گا اور بعض نے مقام حجر اور بعض نے طائف سے نکلنا بتلایا ہے۔ اس کے ساتھ عصائے موسیٰ اور سلیمانی انگشتری ہوگی۔ وہ کسی کے بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ مؤمن کے ماتھے پر عصائے موسیٰ سے سفید نشان لگائے گا اور کافر کے منہ اور ناک پر سیاہ داغ لگائے گا اور روایت کے مطابق تین بار خروج ہوگا۔

متکلم الموجودین ۔ بقول مقاتلؒ عربی زبان میں بات کرے گا اور اللہ کی طرف سے کلام کی حکایت کرے گا۔ اس جانور کا نام جساسہ ہوگا۔ دجال کی خبروں کی جاسوسی کی وجہ سے اس کی لمبائی ساٹھ ہاتھ اور اس کے چار ہاتھ پاؤں۔ رواں۔ پر، بازو، داڑھی ہوگی۔ مومن کی پیشانی پر اس کے عصا کا نشان لگانے سے لفظ مومن انت یا فلاں من اھل الجنة اور انگشتری کے نشان سے کافر کی پیشانی پر کافر انت یا فلاں من اھل النار لکھ دیا جائے گا۔ البتہ علامات قیامت کے ظہور کی ترتیب کیا ہوگی؟ اس کا فیصلہ نہایت مشکل ہے۔

ان الناس ۔ کوفیوں کے نزدیک ان مفتوح ہے باسبیہ یا تعدیہ کی تقدیر کے ساتھ اور باقی حضرات کے نزدیک ان مکسور ہوگا استیناف کی وجہ سے۔

والنھی عن المنکر ۔ جلالین کے بعض نسخوں میں اس کے بعد ولا یبقی نائب ولا تائب بھی ہے یعنی کوئی توبہ وانابت کرنے والا باقی نہیں رہے گا...... لایؤمن ...... یعنی لا یقبل ایمانه ۔

ربط آیات :............ پہلی آیات میں انکار قیامت پر ملامت کی گئی تھی۔ آیت وقال الذین الخ میں ان کا ایک اور انکار نقل کر کے جواب دیا جا رہا ہے اور چونکہ قیامت عقلاً ممکن اور نقلاً مسلم ہے۔ جس کی خبر پہلے دی جا چکی ہے اور خبروں کی سچائی کا مدار خبر دینے والے کی سچائی پر ہوا کرتا ہے۔ اور خبر دینے والا قرآن کریم ہے۔ اس لئے آیت ان ھذا القران الخ میں اس کی صداقت اور اعجاز کا ایک خاص طور سے بیان ہے۔ پھر بھی کفار کے انکار پر اصرار سے آنحضرت ﷺ کو رنج والم ہوسکتا ہے۔

اس لئے آیت ان ربک الخ سے آپ کی تسلی کا سامان ہے۔ آخر میں آیت اذا وقع القول سے علامات قیامت کا ذکر ہے۔

﴿ تشریح ﴾:............ **پرانے افسانے** :............ قیامت کے سلسلہ میں اگرچہ بالاتفاق سب پیغمبر اطلاع دیتے چلے آئے ہیں مگر آج تک نہ اس کا وقوع ہوا اور نہ کسی نے ٹھیک ٹھیک وقت بتلایا۔ اس لئے اس کو پرانے افسانے کہہ کر ٹال رہے ہیں۔ چونکہ اس پر عقلی نقلی دلائل قائم کئے جا چکے ہیں۔ اس لئے دھمکی آمیز جواب دیا جا رہا ہے کہ یا تو اپنی سرتابی سے باز آ جاؤ ورنہ سزائے الٰہی بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور یقین نہ آئے تو دنیا میں گھوم پھر کر مجرمین کا انجام اور ان کی تباہی و بربادی کو عبرت کی نگاہ سے دیکھو کہ کس طرح وہ باوجود اپنی شان وشوکت اور قوت وسطوت کے بالآخر پھر اسی دنیا میں کیسے تباہ و برباد ہوئے۔ آج ان کے عظیم قلعوں، شاندار محلات کے گرے پڑے، ٹوٹے پھوٹے کھنڈرات آثار قدیمہ میں تبدیل ہو کر کس طرح دیدۂ عبرت کے لئے تماشہ گاہ بنے ہوئے ہیں۔

ناسازگار حالات سے مصلح کو تنگ دل نہیں ہونا چاہئے: .... مخالفین کی معاندانہ مسلسل سرگرمیوں سے آنحضرت ﷺ کے قلب پر دوہی اثر پڑ سکتے تھے۔ ایک انتہائی شفقت سے ان کی حالت پر آپ کا کڑھنا آیت لا تحزن الخ میں اسی کا ازالہ ہے۔ دوسرے اس فکر میں گھلنا کہ کہیں ان کی مخالفانہ روش کے نتیجہ میں اسلامی رفتار ترقی نہ رک جائے۔ آیت ولا تکن فی ضیق الخ میں اس کا سدباب کیا جارہا ہے۔ پچھلے انبیاء پر بھی یہ احوال بیت چکے ہیں۔ لا یشکرون کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کی مہلت کو غنیمت سمجھ کر اپنی اصلاح اور درستی کی کوشش کرتے۔ مگر الٹا اس کا مذاق اڑانے لگے۔ کسی مصلحت سے تاخیر عذاب کو یہ نہ سمجھیں کہ سزا ہی نہیں ہوگی۔ کیونکہ بداعمالیاں ایک طرف تو سزا کا سبب ہیں اور دوسری طرف یہ ساری بدکرداریاں دفتر الٰہی میں محفوظ بھی ہیں اور ان پر سزا کا ہونا بھی صحیح اطلاعات سے ثابت ہے۔ پھر سزا نہ ہونے کے کیا معنی؟ چنانچہ قحط سالی، قتل وغارت جیسی سزائیں ان کو مل چکی ہیں۔ اور کچھ سزائیں برزخ میں واقع ہوجائیں گی۔ جو قریب ہی ہیں اور باقی سزائیں آخرت میں دی جائیں گی۔ ہر چیز کا علم براہ راست اگرچہ حق تعالیٰ کو ہے مگر ظاہری طور پر بھی باضابطہ ساری باتیں دفتر الٰہی میں محفوظ ہیں۔

یختلفون ۔ یعنی قرآن نے اہل کتاب پر بہت سے وہ حقائق روشن کردیئے ہیں۔ جن میں وہ غلط فہمیوں کا شکار تھے اپنے صحائف میں دانستہ نادانستہ بہت کچھ کتر بیونت کرچکے تھے۔ قرآن نے جچے تلے فیصلے صادر کئے اور جن حقائق کو وہ بھلا چکے تھے انہیں پھر سے روشن کردیا ہے۔

فیصلہ کن شخصیت سب سے فائق ہونی چاہئے: .... اختلافیات میں فیصلہ کن ہستی ظاہر ہے کہ فریقین سے زیادہ علم رکھنے والی ہونی چاہئے۔ اب فیصلہ کن شخصیت کے علم حاصل کرنے کے دوہی ذریعہ ہوسکتے ہیں۔ یا براہ راست خالق سے یا مخلوق سے۔ رسول اللہ ﷺ کے متعلق کسی مخالف سے مخالف نے بھی یہ الزام نہیں لگایا اور نہ یہ احتمال نکالا کہ آپ نے کسی سے استفادہ کیا ہے۔ اس لئے پہلی صورت ہی متعین ہے۔ جس سے قرآن کا وحی اور آنحضرت ﷺ کا صاحب وحی ہونا ثابت ہوگیا۔ اور قرآن صادق ہے۔ لہٰذا اس کی بیان کردہ خبر قیامت بھی راست ہوگی۔ البتہ صدق وحی کے سلسلہ میں اعجازی بلاغت کا تعلق اس کے الفاظ سے ہے۔ جس سے اولاً استدلال علمائے بلاغت کرسکتے ہیں اور ان کے واسطہ سے وہ استدلال عام ہوسکتا ہے۔ لیکن رفع اختلاف کی قرآنی صفت معنوی استدلال ہے۔ جس کا تعلق علمائے بلاغت اور غیر علماء سب سے عام ہے اور شاید اسی عموم کی وجہ سے یہاں اس استدلال عام کو اختیار کیا گیا ہے۔ البتہ یہ تو قرآن کی ظاہری برکت ہے۔ جو موافق مخالف سب کے لئے عام ہے۔ لیکن جہاں تک اس کی معنوی برکات کا تعلق ہے۔ سو کوئی اس ذائقہ کو چکھ کر دیکھے کہ وہ ہدایت ورحمت ہے۔ یہاں خصوصی ہدایت ورحمت مراد ہے۔ جو بلحاظ طاعات وثمرات کے ہے۔ ورنہ عمومی ہدایت ورحمت تو ساری دنیا کے لئے ہے۔

اصل کلام چونکہ قیامت کی صحت اور قرآن کی صداقت میں ہورہا ہے۔ اس لئے یہ عبارت النص ہوئی۔ مگر اس سے صدق رسالت بھی ہورہا ہے۔ اس لئے اس میں یہ آیت اشارۃ النص ہوئی۔ نیز اہل کتاب کے اختلافی امور قرآنی فیصلوں سے کم تھے۔ تب تو لفظ اکثر اپنے معنی پر ہے۔ ورنہ بمعنی کثیر لیا جائے گا۔

آیت " ان ربک " میں قیامت کے روز عملی فیصلے مراد ہیں۔ ورنہ عقلی، نقلی فیصلے تو دنیا میں بھی شریعت نے فرمادیئے ہیں۔ مقصود دراصل آپ کی تسلی ہے۔ اسی طرح آیت انک لا تسمع میں آپ کی تسلی مدنظر ہے کہ کفار مردوں، اندھوں، بہروں کی طرح ہیں۔ ان سے فہم وہدایت کی توقع بیکار ہے اور جب توقع ہی نہ ہوگی۔ تو آپ کو رنج وکلفت بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ تکلیف ہوا کرتی

ہے خلاف توقع ہونے سے۔

مردوں کا سننا یا نہ سننا:............ مردوں کے سننے نہ سننے کے متعلق علماء دو خیال کے ہو گئے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ مردے سنتے ہیں۔ اور بعض کی رائے ہے کہ وہ مطلقاً نہیں سنتے جو علماء مردوں کے نہ سننے کے قائل ہیں وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ اگر چہ آیت میں مردوں سے مراد تشبیہاً کفار ہیں۔ مگر تشبیہ اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جب کہ مردے نہ سنتے ہوں۔ جو علماء مردوں کا سننا مانتے ہیں۔ وہ ان احادیث کو استدلال میں پیش کرتے ہیں جن سے مردوں کا سننا ثابت ہوتا ہے اگر چہ قریبی جگہ سے سہی۔

اب ایک طرف تو آیت وحدیث میں تعارض ہو رہا ہے۔ یعنی آیت سے بظاہر انکار اور حدیث سے ثبوت ہو رہا ہے۔ ادھر کفار کا بالکل نہ سننا بھی مشاہدہ کے خلاف ہے۔ جس سے بظاہر دوسری جماعت کا استدلال کمزور نظر آتا ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس کی تین طرح توجیہ کی جائے۔

۱۔ ایک یہ کہ آیت میں مطلقاً سننے کا انکار مقصود نہیں۔ بلکہ خاص قسم کے یعنی نفع بخش سننے کا انکار کرنا ہے۔ یعنی جس طرح مردوں کو نصیحت کرنا بیکار ہے۔ اسی طرح کفار کو نصیحت بے فائدہ ہے۔ اس صورت میں آیت وحدیث میں تعارض بھی نہیں رہتا۔ اور کفار کے متعلق یہ اشکال بھی نہیں رہتا کہ مطلقاً ان کے سننے سے انکار خلاف مشاہدہ ہے۔ قرآن شریف پڑھنے سے یا اور کسی طرح مردوں کو ثواب سے فائدہ ہونا یہ دوسری بات ہے۔ ہاں تو مقصود یہ ہے کہ وعظ ونصیحت مردوں کے لئے کارگر نہیں۔ کیونکہ عمل کا موقع اب ختم ہو چکا ہے۔ گویا ایک خاص قسم کے نفع کی نفی کرتا ہے۔

۲۔ بعض نے یہ تاویل کی ہے کہ آیت میں اسماع یعنی سنانے کی نفی کرتا ہے۔ سننے کی نفی کرنا نہیں ہے۔ یعنی کفار اور مردوں دونوں کو سنا دینا آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے اختیار میں ہے۔ اس کا حاصل بھی وہی نکلتا ہے کہ ایسا سنا دینا جو مفید ہو ہمارے بس میں ہے۔

۳۔ اور بعض نے یہ توجیہ کی ہے کہ مردے کے نہ سننے سے مراد اس کا بدن ہے کہ وہ نہیں سنتا۔ لیکن اس سے روح کا نہ سننا لازم نہیں آتا۔ اس طرح بھی آیت وحدیث میں تطبیق ہو سکتی ہے۔ علامات قیامت کے سلسلہ میں جس دابہ کا ذکر اس آیت میں ہے اس کا اصل نام حدیث میں "جساسۃ" ہے۔ جو مختلف الخلقت ہوگا اور مـــن الارض کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی پیدائش عام طریقہ سے نہیں ہوگی۔ بلکہ اچانک اس کا ظہور ہو جائے گا۔ بحر کے حوالہ سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ دابہ یہاں بطور اسم جنس کے ہے۔ ہر ہر شہر سے ایک ایک جانور برآمد ہوگا۔

امام رازیؒ کی رائے ہے کہ آیت اس کی تفصیلات سے خاموش ہے۔ روایت صحیحہ سے جو بات ثابت ہوگی وہ قابل تسلیم ہے ورنہ لائق رد ہے۔ قیامت کی بہت سی علامات ہیں۔ اس کا ظہور سب سے آخر میں ہوگا۔ اس لئے یہ علامت سب سے زیادہ عجیب وغریب ہوگی۔ مگر جس طرح بہت سی ایجادات پہلے عجیب معلوم ہوا کرتی ہیں مگر نا قابل انکار۔ اسی طرح قیامت کے قریب عجائب اور غرائب کو سمجھنا چاہئے۔ اس وقت کفار کی تصدیق چونکہ اضطراری ہوگی اس لئے معتبر نہیں ہوگی۔ البتہ ظہور سے پہلے اگر تصدیق کر لیتے تو وہ اختیاری اور معتبر ہوگی۔

لطائف سلوک:............ قل سیروا الخ سے معلوم ہوا کہ دنیا کی سیاحت اگر کسی دینی غرض سے اور عبرت وموعظت کے لئے ہو تو وہ بھی عبادت ہے۔ ورنہ دنیاوی اغراض کے لئے یا محض تفریحی مشغلہ کے طور پر گھومنا پھرنا معرفت وطریقت نہیں ہے۔ آیت

ولا تحزن الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق میں مشغولیت خواہ اصلاح وارشاد ہی کے لئے ہو اس میں بھی اعتدال ہونا چاہئے۔

فتوکل علی اللہ میں توکل کی علت آنحضرت ﷺ کا برسرحق ہونا بتلایا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حق پر ہونے کی خاصیت ہی قوت قلب ہوتی ہے۔جس کی وجہ سے دل مضبوط ہوتا ہے۔یہ نعمت اہل باطل کو حاصل نہیں ہوتی۔

آیت انک تسمع الخ سے معلوم ہوا کہ جب انبیاء سے سنانے اور نفع پہنچانے کی نفی کی جارہی ہے تو کسی غریب شیخ کے بس میں ہدایت کا کسی کے دل میں اتار دینا کہاں ہے؟

وَاذْكُرْ **يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا** جَمَاعَةً **مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ** وَهُمْ رُؤَسَاؤُهُمُ الْمَتْبُوْعُوْنَ **فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ** ﴿۸۳﴾ اَیْ يُجْمَعُوْنَ بِرَدِّ اٰخِرِهِمْ اِلٰى اَوَّلِهِمْ ثُمَّ يُسَاقُوْنَ **حَتّٰى اِذَا جَآءُوْ** مَكَانَ الْحِسَابِ **قَالَ** تَعَالٰى لَهُمْ **اَكَذَّبْتُمْ** اَنْبِيَائِيْ **بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا** مِنْ جِهَةِ تَكْذِيْبِهِمْ **بِهَا عِلْمًا اَمَّا** فِيْهِ اِدْغَامُ اَمْ فِيْ مَا الْاِسْتِفْهَامِيَّةِ **ذَا** مَوْصُوْلٌ اَیْ مَا الَّذِیْ **كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** ﴿۸۴﴾ مِمَّا اُمِرْتُمْ **وَوَقَعَ الْقَوْلُ** حَقَّ الْعَذَابُ **عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا** اَیْ اَشْرَكُوْا **فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ** ﴿۸۵﴾ اِذْ لَا حُجَّةَ لَهُمْ **اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا** خَلَقْنَا **الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ** كَغَيْرِهِمْ **وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا** بِمَعْنٰى يُبْصَرُ فِيْهِ لِيَتَصَرَّفُوْا فِيْهِ **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ** دَلَالَاتٍ عَلٰى قُدْرَتِهٖ تَعَالٰى **لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ** ﴿۸۶﴾ خُصُّوْا بِالذِّكْرِ لِانْتِفَاعِهِمْ بِهَا فِي الْاِيْمَانِ بِخِلَافِ الْكَافِرِيْنَ **وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ** اَلْقَرْنِ النَّفْخَةُ الْاُوْلٰى مِنْ اِسْرَافِيْلَ **فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ** اَیْ خَافُوا الْخَوْفَ الْمُفْضِیَ اِلَى الْمَوْتِ كَمَا فِیْ اٰيَةٍ اُخْرٰى فَصَعِقَ وَالتَّعْبِيْرُ فِيْهِ بِالْمَاضِیْ لِتَحَقُّقِ وُقُوْعِهٖ **اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ** اَیْ جِبْرَئِيْلُ وَمِيْكَائِيْلُ وَاِسْرَافِيْلُ وَعِزْرَائِيْلُ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا هُمُ الشُّهَدَاءُ اِذْهُمْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ **وَكُلٌّ** تَنْوِيْنُهٗ عِوَضٌ عَنِ الْمُضَافِ اِلَيْهِ اَیْ كُلُّهُمْ بَعْدَ اِحْيَائِهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **اَتَوْهُ** بِصِيْغَةِ الْفِعْلِ وَاسْمِ الْفَاعِلِ **دٰخِرِيْنَ** ﴿۸۷﴾ صَاغِرِيْنَ وَالتَّعْبِيْرُ فِي الْاِتْيَانِ بِالْمَاضِیْ لِتَحَقُّقِ وُقُوْعِهٖ **وَتَرَى الْجِبَالَ** تُبْصِرُهَا وَقْتَ النَّفْخَةِ **تَحْسَبُهَا** تَظُنُّهَا **جَامِدَةً** وَاقِفَةً مَكَانَهَا لِعِظَمِهَا **وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ** اَلْمَطَرِ اِذَا ضَرَبَتْهُ الرِّيْحُ اَیْ تَسِيْرُ سَيْرَهٗ حَتّٰى تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ فَتَسْتَوِیْ بِهَا مَبْثُوْثَةً ثُمَّ تَصِيْرُ كَالْعِهْنِ ثُمَّ تَصِيْرُ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا **صُنْعَ اللّٰهِ** مَصْدَرٌ مُؤَكِّدٌ لِمَضْمُوْنِ الْجُمْلَةِ قَبْلَهٗ اُضِيْفَ اِلٰى فَاعِلِهٖ بَعْدَ حَذْفِ عَامِلِهٖ اَیْ صَنَعَ اللّٰهُ ذٰلِكَ صُنْعًا **الَّذِیْٓ اَتْقَنَ** اَحْكَمَ **كُلَّ شَیْءٍ** صَنَعَهٗ **اِنَّهٗ خَبِيْرٌ بِمَا تَفْعَلُوْنَ** ﴿۸۸﴾ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اَیْ اَعْدَاؤُهٗ مِنَ الْمَعْصِيَةِ وَاَوْلِيَاؤُهٗ مِنَ الطَّاعَةِ **مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ** اَیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **فَلَهٗ خَيْرٌ** ثَوَابٌ **مِّنْهَا** اَیْ بِسَبَبِهَا وَلَيْسَ لِلتَّفْضِيْلِ اِذْ لَا فِعْلَ خَيْرٌ مِنْهَا وَفِیْ اٰيَةٍ اُخْرٰى

عَشْرُ اَمْثَالِهَا **وَهُمْ** اَيِ الْجَاؤُنَ بِهَا **مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ** بِالْاِضَافَةِ وَكَسْرِ الْمِيْمِ وَبِفَتْحِهَا وَفَزَعٌ مُنَوَّنًا وَفَتْحِ الْمِيْمِ **اٰمِنُوْنَ**﴿۸۹﴾ **وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ** اَيِ الشِّرْكِ **فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ** بِاَنْ وُلِّيَتْهَا وَذُكِرَتِ الْوُجُوْهُ لِاَنَّهَا مَوْضَعُ الشَّرَفِ مِنَ الْحَوَاسِ فَغَيْرُهَا مِنْ بَابِ اَوْلٰى وَيُقَالُ لَهُمْ تَبْكِيْتًا **هَلْ** اَیْ مَا **تُجْزَوْنَ اِلَّا** جَزَاءَ **مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ**﴿۹۰﴾ مِنَ الشِّرْكِ وَالْمَعَاصِيْ قُلْ لَهُمْ **اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ** اَیْ مَكَّةَ **الَّذِیْ حَرَّمَهَا** اَیْ جَعَلَهَا حَرَمًا اٰمِنًا لَا يُسْفَكُ فِيْهَا دَمُ اِنْسَانٍ وَلَا يُظْلَمُ فِيْهَا اَحَدٌ وَلَا يُصَادُ صَيْدُهَا وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا وَذٰلِكَ مِنَ النِّعَمِ عَلٰى قُرَيْشٍ اَهْلِهَا فِیْ رَفْعِ اللّٰهِ عَنْ بَلَدِهِم الْعَذَابَ وَالْفِتَنَ الشَّائِعَةَ فِیْ جَمِيْعِ بِلَادِ الْعَرَبِ **وَلَهٗ** تَعَالٰى **كُلُّ شَیْءٍ** فَهُوَ رَبُّهٗ وَخَالِقُهٗ وَمَالِكُهٗ **وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ**﴿۹۱﴾ لِلّٰهِ بِتَوْحِيْدِهٖ **وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ** عَلَيْكُمْ تِلَاوَةَ الدَّعْوَةِ اِلَى الْاِيْمَانِ **فَمَنِ اهْتَدٰى** لَهٗ **فَاِنَّمَا يَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ** اَیْ لِاَجْلِهَا لِاَنَّ ثَوَابَ اِهْتِدَائِهٖ لَهٗ **وَمَنْ ضَلَّ** عَنِ الْاِيْمَانِ وَاَخْطَاَ طَرِيْقَ الْهُدٰى **فَقُلْ** لَهٗ **اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ**﴿۹۲﴾ الْمُخَوِّفِيْنَ فَلَيْسَ عَلَیَّ اِلَّا التَّبْلِيْغُ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ **وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا** فَاَرَاهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ بَدْرٍ الْقَتْلَ وَالسَّبْیَ وَضَرْبَ الْمَلٰئِكَةِ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَعَجَّلَهُمُ اللّٰهُ اِلَى النَّارِ **وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ**﴿۹۳﴾ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ وَاِنَّمَا يُمْهِلُهُمْ لِوَقْتِهِمْ ع ۱۱ ۳

ترجمہ: .... اور (یاد کیجئے) جس دن ہر امت میں سے ایک ایک گروہ (جماعت) ان کا جمع کریں گے...... جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے (یعنی سردار، پیشوا) پھر ان کو صف بستہ کھڑا کر دیا جائے گا۔ (یعنی آخر والے اول والے کی طرف لوٹا کر اکٹھا کیا جائے گا۔ پھر انہیں ہنکایا جائے گا) یہاں تک کہ جب سب حاضر ہو جائیں گے۔ (حساب کتاب کی جگہ) تو اللہ تعالیٰ (ان سے) ارشاد فرمائیں گے کہ کیا تم نے (میرے پیغمبروں کو) میری آیتوں کے ساتھ جھٹلایا تھا حالانکہ (بلحاظ تکذیب کے) تم ان کو اپنے احاطہ علمی میں بھی نہیں لائے تھے۔ بلکہ اور کیا کیا (لفظ اما میں لفظ ام ما استفہامیہ میں ادغام ہو گیا ہے اور ذا موصول ہے بمعنی مالذی) کام کرتے رہے (جن کا تمہیں حکم دیا گیا تھا) اور وعدہ (عذاب) ان پر پورا ہو گیا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے زیادتیاں کی تھیں (شرک کیا تھا) سو وہ لوگ بات بھی نہ کر سکیں گے (کیونکہ ان کے پاس حجت نہیں ہوگی) کیا انہوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے رات بنائی (پیدا کی) تاکہ یہ لوگ (اور لوگوں کی طرح) آرام کر سکیں اور دن بنایا تاکہ لوگ دیکھیں بھالیں (یعنی کام کاج کے لئے اجالا کیا) بلاشبہ اس میں بڑی دلیلیں ہیں (اللہ کی قدرت کی نشانیاں) ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں (ایمانداروں کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہ ایمان کی وجہ سے دلیلوں سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں برخلاف کفار کے) اور جس دن صور پھونکا جائے گا (حضرت اسرافیلؑ پہلا صور پھونکیں گے) سو جتنے آسمان و زمین میں ہیں سب کانپ اٹھیں گے (کہ مارے ڈر کے دم نکلنے کے قریب ہوگا جیسے دوسری آیت فصعق الخ میں ہے اور ماضی کے صیغہ سے بیان وقوع کے یقینی ہونے کی وجہ سے ہے) بجز اس کے کہ جس کو

خدا چاہے (یعنی جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ شہداء مراد ہیں جو اللہ کے یہاں زندہ ہیں اور انہیں وہاں رزق دیا جاتا ہے) اور سب کے سب (لفظ کــل پر تنوین مضاف الیہ کے بدلہ میں ہے ای کــلهــم. قیامت میں دوبارہ زندہ ہوکر) اسی کے سامنے حاضر رہیں گے۔

(لفظ اتـــــــوه حمزہ اور حفص کے نزدیک صیغہ ماضی کے ساتھ اور باقی قراء کے نزدیک اسم فاعل کے ساتھ منقول ہے) دبے جھکے (عاجزانہ صیغہ ماضی کے ساتھ لفظ اتـــوه کو لانا اس کے یقینی الوقوع ہونے کو ظاہر کرنا ہے) اور تو پہاڑوں کو دیکھ رہا ہے (صور پھونکتے وقت دیکھے گا) اور ان کی نسبت گمان (خیال) کر رہا ہے کہ یہ جنبش نہ کریں گے (اتنے بڑے ہیں کہ ہل نہ سکیں گے) حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑتے اڑتے پھریں گے (بارش کی طرح جو ہواؤں کی وجہ سے پھوار بن کر اڑتی پھرے۔ حتیٰ کہ زمین پر گر کر اس میں رل مل جائے پہلے بکھری رہے پھر دھنی ہوئی روئی کی طرح ہو جائی پھر ہوا میں اڑ جائے) یہ کاریگری اللہ ہی کی ہے (صنع اللّٰہ مصدر ہے پہلے مضمون جملہ کی تاکید کے لئے ہے۔ عامل کے حذف کرنے کے بعد فاعل کی طرف مضاف ہے اصل عبارت اس طرح ہوگی صـــنــع الــلــه ذلــک صنعاً) جس نے ہر چیز کو مضبوط (پائیدار) بنا رکھا ہے (ایجاد کیا ہے) یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری طرح خبر ہے (یـفـعـلـون۔ ابوعمرو ابن کثیر ابوبکر کی قرائت میں جمع غائب کے صیغہ سے یـا کے ساتھ ہے اور باقی قراء کے نزدیک صیغہ جمع حاضر یعنی تا کے ساتھ ہے یعنی مخالفین کی نافرمانی اور تابعداروں کی فرمانبرداری سب سے واقف ہے) جو کوئی نیکی (کلمہ توحید قیامت کے روز) لائے گا سو اس کو اس کے سبب اجر (ثواب) ملے گا (یعنی نیکی کی وجہ سے ثواب ملے گا۔ لفظ مـــن یہاں تفصیل کے لئے نہیں ہے کیونکہ کوئی چیز کلمہ توحید سے بڑھ کر نہیں ہے اور دوسری آیت میں اجر دس گنا بتلایا گیا ہے) اور وہ (نیکی لانے والے لوگ) اس روز کی بڑی گھبراہٹ سے ان میں رہیں گے (لفظ فــزع اضافت کے ساتھ اور یــومـئـذ فتح میم کے ساتھ بھی ہے) اور جو شخص بدی (شرک) لائے گا تو وہ لوگ اوندھے منہ آگ میں ڈال دیئے جائیں گے (انہیں آگ میں جھونک دیا جائے گا اور چہرہ کا ذکر اس لئے کیا کہ حواس میں یہ سب سے اشرف ہے پس دوسرے اعضاء بدرجہ اولیٰ جہنم میں جھونکے جائیں گے اور انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر کہا جائے گا) تمہیں سزا انہی کرتوتوں کی مل رہی ہے جو تم (شرک و معاصی) کیا کرتے تھے مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے مالک کی عبادت کیا کروں جس نے اس کو محترم بنایا ہے (یعنی مکہ کو حرم مامون بنایا ہے جس میں نہ کسی کی خونریزی کی اجازت ہے اور نہ کسی پر ظلم کرنے کی۔ نہ وہاں شکار کی اجازت ہے اور نہ گھاس اکھاڑنے کی اور یہ اہل مکہ قریش پر اللہ کی نعمتیں ہیں کہ ان کے شہر سے عذاب اور فتنوں کو اٹھا لیا ہے جو تمام بلاد عرب میں پھیلے ہوئے ہیں) اور یہ سب چیزیں اسی کی ہیں (وہی رب اور خالق و مالک ہے) اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں فرمانبردار ہوں (اللہ کی توحید بجالا کر) اور یہ بھی کہ میں قرآن پڑھ پڑھ کر سناؤں۔ (تمہیں دعوت ایمان دیتے ہوئے تلاوت کروں) سو جو شخص راہ پر آئے گا (یعنی اپنے فائدہ کے لئے کیونکہ) اس کی راہ یابی کا ثواب خود اسی کو ہوگا اور جو شخص گمراہ رہے گا (بچلے گا، طریقہ ہدایت سے بہکے گا) تو آپ (اسی سے) کہہ دیجئے کہ میں تو صرف ڈرانے والے پیغمبروں میں سے ہوں (مجھ پر بجز تبلیغ کے اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ جواب جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے) اور آپ کہہ دیجئے کہ سب خوبیاں محض اللہ ہی کے لئے ہیں وہ تمہیں عنقریب اپنی نشانیاں دکھلائے گا (چنانچہ غزوۂ بدر میں انہیں قتل و قید کی صورت میں اللہ نے دکھلا دیا ہے اور فرشتوں نے ان کے چہروں اور کمروں پر مارا ہے اور جلد ہی اللہ انہیں جہنم رسید کرے گا) اور آپ کا پروردگار ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم کر رہے ہو (لفظ یعلمون کی قراءت اور ابوعمرو کے نزدیک یا کے ساتھ اور دوسری قراءت کے ساتھ ہے۔)

تحقیق وترکیب:............ من كل امة. اس میں من تبعیضیہ ہے۔

ممن يكذب. اس میں من بیانیہ ہے فوج کا بیان ہے اور لفظ امة مومن وکافر سب کو شامل ہے۔

مكذبين. عام لفظ ہے جس میں عوام وخواص سب آجاتے ہیں۔اس لئے رؤسا کے ساتھ مفسرؒ علام کا خاص کرنا بہتر معلوم نہیں ہوتا۔

ولم تحيطوا. اس میں واؤ حالیہ ہے یا عطف کے لئے ہے۔دوسری صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ اجمعتم بين التكذيب بها وعدم القاء الا ذهان لتحققها.

اما ذا. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ ما استفہامیہ مبتداء ہے اور ذا موصول اس کی خبر ہے اور صلہ بعد میں ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ الشئ الذى كنتم تعملونه اور ام منقطعه بمعنی بل بھی ہوسکتا ہے۔

وقع. علم الٰہی کے اعتبار سے اگرچہ ماضی، حال، استقبال برابر ہیں۔لیکن ماضی کے صیغہ میں یقینی ہونے کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

جعلنا اليل. اس میں حذف ہے ای مظلماً. اب مبصرا کا مقابلہ ہوگیا۔اسی طرح النهار مبصرا میں بھی حذف ہے۔ای ليتحر كوافيه. اب يسكنوا فيه کا مقابلہ ہوگیا۔یہ صنعت احتباک ہے۔

ينفخ. پہلا نفخہ مراد ہے جیسے نفخة صعق اور نفحة فزع بھی کہا گیا ہے۔اس میں سب چیزیں فنا ہوجائیں گی اور دوسرے نفخہ میں پھر سب چیزیں دوبارہ زندہ ہوجائیں گی۔ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا فصل ہوگا اور بعض نے ان دونوں سے پہلے ایک اور نفخة الزلزله مانا ہے۔جس میں سارے عالم کانپ اٹھے گا۔صور کو یمنی لغت میں بوق اور ہندی میں نرسنگھا کہا جاتا ہے۔

فزع. انبیاء اور شہداء جو اپنی قبروں میں زندہ ہیں ان پر ایک طرح کی غشی طاری ہوجائے گی۔

من شاء الله یعنی چاروں فرشتوں کو بھی موت یا غشی پہلے نفخہ کے وقت نہیں ہوگی بلکہ اس کے بعد دوسرے نفخہ سے پہلے ہوگی۔یہ استثناء مفرغ ہے۔

المطر. ملاعلیؒ قاری فرماتے ہیں کہ سحاب کی تفسیر مطر کے ساتھ کرنا مناسب نہیں۔عقل ونقل اس کے موافق نہیں ہے۔ بعض سائنسی مزاج رکھنے والے حضرات نے تمر مر السحاب سے زمین کی حرکت پر استدلال کیا ہے اور آیت کا یہ مفہوم بتلایا ہے کہ پہاڑ اگرچہ بظاہر جمے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت وہ بادلوں کی طرح تیزی سے رواں دواں ہیں۔یہ مفہوم سیاق آیت کے بالکل خلاف ہے اور تمر کو استقبال کے بجائے حال کے ساتھ خاص کرنا ہے۔

بالحسنة. ابومعشرؒ اور ابراہیمؒ تو حسنه کی تفسیر کلمہ طیبہ کے ساتھ حلفیہ کرتے تھے اور بعض نے مطلقاً نیکی کے معنی لئے ہیں۔

منها. یعنی آخرت میں جو کچھ بھی ثواب اور نعمتیں ہوں گی وہ سب کلمہ توحید کی بدولت ہوں گی۔یہ نہیں کہ وہ اس کلمہ سے افضل ہوں گی اور بعض نے اس کا مصداق رضوان اللہ کہا ہے۔جس کی نسبت دوسری آیت میں ورضوان من الله اكبر فرمایا گیا ہے اور محمد بن کعبؒ اور عبدالرحمٰن نے فله خير منها کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ایک نیکی کے ثواب کا دس گنا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایک کے مقابلہ میں دس گنا افضل ہوتا ہے۔غرض یہ کہ حسنة سے مراد اگر کلمہ توحید ہو تو پھر خیر تفضیل کے لئے نہیں ہوگا بلکہ من سببیہ ہوگا۔البتہ حسنة سے مراد اگر کلمہ توحید کے علاوہ نیکیاں ہوں تو پھر یہ تفضیل کے لئے ہوسکتا ہے۔

فزع يومئذ مفسر علامؒ نے تین مشہور قرأتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔مفسر کی عبارت میں واؤ بمعنی او ہے۔

فزع یومئذ. پہلے فزع سے مراد صور کی دہشت ہے اور اس سے مراد عذاب الٰہی ہے۔ اس لئے ان دونوں معنی کے اعتبار سے پہلے معنی کے ثبوت اور دوسرے کی نفی میں کوئی منافات نہیں ہے۔

بالسیئة. اس سے شرک مراد لینے پر جملہ **فکبت وجوھھم** میں بھی قرینہ ہے۔ اور ابن عباسؓ سے حاکمؒ نے **حسنة** کی تفسیر کلمہ طیبہ سے اور **سیئه** کی تفسیر شرک نقل کی ہے۔

حرمھا. حرم بنانے کی نسبت اللہ کی طرف حکم کے لحاظ سے ہے اور حدیث ان ابراہیم حرم مکة میں حضرت ابراہیم کی طرف نسبت بلحاظ اظہار حکم کے ہے۔

خلاھا. تر گھاس کو خلا اور سوکھی گھاس کو حشیش کہا جاتا ہے۔

اتلوا. مفسر علامؒ نے بہ نیت تبلیغ ودعوت تلاوت مراد لی ہے۔ لیکن تدبر وتفکر کے لئے تلاوت کا جاری رکھنا بھی مراد ہوسکتا ہے۔

فقل له. مفسرؒ نے **له** سے اشارہ کر دیا کہ **من ضل** کے جواب میں ربط محذوف ہے اور یہ اس سے بہتر ہے کہ بعض لوگوں نے جواب کو محذوف مان کر تقدیر عبارت اس طرح بتلائی ہے۔ **فوبال امره علیه.** توحید، رسالت، بعثت کے تین حقائق میں سے اول میں لفظ قل مقدر ہے۔ ای **قل انما** صرحت، باقی دونوں میں مذکور ہے۔ یعنی **قل انما انا من المنذرین** اور **قل الحمد للّٰه.**

ربط آیات: .... آیت **اذا وقع القول** میں بھی آیت **قل لایعلم الخ** کی طرح قیامت کا ذکر ہے۔ پہلے علامات قیامت کا ذکر کیا۔ پھر **یوم نحشر الخ** میں حشر کا واقع ہونا بتلایا گیا۔ پھر آیت **الم یروا الخ** میں امکان بعث کی دلیل ہے۔ پھر آیت **یوم ینفخ** میں قیامت کے کچھ واقعات کا تذکرہ ہے۔ پھر آیت **من جاء بالحسنة الخ** میں جزاوسزا کا بیان ہے۔ اسی طرح ابتداء سورت میں نبوت وتوحید اور معاد کا بیان تھا۔ آیت **انما امرت الخ** میں انہی تین مضامین کا اجمالاً ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... آیت **فھم یوزعون** میں قیامت کے ہجوم کو بیان کیا جا رہا ہے کہ لوگوں کی اتنی کثرت ہوگی کہ چلنے کے وقت اگلوں کو روکا جائے گا تاکہ پچھلے بھی ان کے ساتھ آملیں اور آگے پیچھے ہو کر نہ چلیں بلکہ اکٹھے ہو کر سب ساتھ چلیں۔

آیت **ولم تحیطوا** کا مطلب یہ ہے کہ آیات سنتے ہی ایک دم جھٹلا دیتے ہیں اور فکر وتدبر نہیں کرتے۔ **اما ذا کنتم تعملون** میں یہ بتلانا ہے کہ تکذیب کے علاوہ اور بہت سے کام کئے جیسے انبیاء کو ستانا اور اعمال اور اعتقادات کفریہ اختیار کرنا۔

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا عقلاً ممکن ہے: .... آیت **الم یروا** میں بعث کے امکان کا بیان ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ روزانہ سونے جاگنے میں بعث کا نقشہ سامنے ہوجاتا ہے۔ کیونکہ موت نام ہے بدن سے روح کے تعلق کا ختم ہوجانا۔ چنانچہ نیند میں بھی ایک درجہ میں تعلق ختم ہوجاتا ہے۔ اسی طرح دوبارہ زندگی اسی پہلے تعلق کے دوبارہ قائم ہونے کا نام ہے اور جاگنے میں بھی یہی ہوتا ہے۔ پس ان دونوں حالتوں میں پوری طرح مماثلت پائی گئی اور ان سے ایک نظیر یعنی سونے جاگنے سے اللہ کی قدرت کا تماشہ روزانہ دیکھنے میں آتا رہتا ہے اور یہ تعلق کسی اور علت کا محتاج نہیں بلکہ اللہ کی ذات اس کی مقتضی ہے۔

ادھر محل قدرت کا ممتنع ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ اس کا امکان بدیہی ہے اور اس کی نظیر یعنی خواب وبیداری کا بدیہی ہونا، اس کی بداہت کو اور بھی واضح کر دیتا ہے۔ اس سے دوسری نظیر یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا بھی ممکن ہوگیا اور یہ عقلی دلیل اگرچہ سب کے لئے عام ہے۔ مگر نفع خاص خاص لوگ ہی اٹھاتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ نظر وفکر کرتے ہیں جو نتیجہ نکالنے کے لئے ضروری ہے اور عوام یعنی کفار اس سے محروم۔ اس لئے نتیجہ یعنی نفع سے بھی محروم ہیں۔

صور قیامت اور اس کا اثر:............ اور حشر جو دوسرا نفخہ ہے اس سے پہلے ایک مرتبہ اور صور پھونکا جائے گا اس سے سب گھبرا اٹھیں گے اور پھر مر جائیں اور جو پہلے مر چکے تھے ان کی روحیں بے ہوش ہو جائیں گی۔ البتہ حدیث مرفوع کے مطابق چاروں مشہور فرشتے اور حاملان عرش اس موت اور گھبراہٹ سے محفوظ رہیں گے۔ پھر حسب بیان درمنشور ان کی وفات بھی بغیر نفخہ کے اثر کے ہو جائے گی اور جانداروں کی طرح بے جان چیزوں میں بھی اس پہلے نفخہ کا اثر ہوگا۔

وتری الجبال الخ میں اسی کا بیان ہے کہ بادلوں کی طرح ہلکے پھلکے ہو کر اڑے پھریں گے۔ پھر آیت صنع اللّٰہ میں اس شبہ کا جواب ہے کہ پہاڑوں جیسی ٹھوس اور وزنی چیز کو ڈھل ڈھلا اور ہلکا پھلکا کس طرح کر دیا جائے گا۔ فرمایا کہ ہم نے ہی تو پہاڑوں کو مضبوط بنایا ہے۔ ورنہ ابتداء میں تو کوئی چیز بھی موجود نہ تھی۔ چہ جائیکہ مضبوط۔ اسی نے ناپید کو پیدا کیا اور کمزور کو قوی بنایا۔ پس وہ الٹا بھی کر سکتا ہے۔ کیونکہ موصوف اور صفات دونوں اس کے بس میں ہیں۔ اس کی ذاتی قدرت مقدورات کے ساتھ یکساں ہے۔ بالخصوص متماثل اور متشابہ چیزوں کا تماثل تو اور بھی واضح ہے۔

حاصل یہ ہے کہ پہاڑوں کو نہ صرف یہ کہ موجود کیا بلکہ کمزور سے مضبوط بنایا۔ اسی طرح پہاڑوں سے بڑھ کر زمین و آسمان جیسی عظیم مخلوق میں بھی ہمارے جاری کردہ تغیرات ہوں گے۔ وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدۃ پہلے نفخہ کے بعد پھر دوسرا نفخہ ہوگا۔ جس کے اثر سے روحیں ہوش میں آ کر بدن سے متعلق ہو جائیں گی اور حشر برپا ہو جائے گا۔ اس کے بعد قیامت قائم ہوگی جس میں قانون مجازات جاری کیا جائے گا۔ من جاء بالحسنۃ الخ۔

صور کتنی مرتبہ پھونکا جائے گا؟ اس میں اختلاف ہے۔ آیات سے اس کا متعدد ہونا تو معلوم ہوتا ہے مگر کسی خاص تعداد کی صراحت نہیں ہے۔ تعداد کا کم از کم اور یقینی درجہ چونکہ دو ہے اور وہ تمام واقعات جو نفخوں سے متعلق منقول ہیں دو نفخوں میں پورے ہو سکتے ہیں۔ اس لئے دو نفخے مان لینا کافی ہوگا۔ تین چار نفخے ماننے کی ضرورت نہیں رہتی۔ نہ عقلاً نہ نقلاً۔

دو آیتوں میں تعارض کا شبہ:............ البتہ اس مقام پر ایک اشکال ہے کہ آیت ففزع من فی السمٰوٰت الخ سے پہلے نفخہ سے سب کا متاثر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ھم من فزع یومئذ اٰمنون سے معلوم ہو رہا ہے کہ مومن اس سے محفوظ رہیں گے۔ اس طرح دونوں باتوں میں تعارض ہو گیا۔ جواب یہ ہے کہ چونکہ دونوں کا وقت اور ان کی حقیقت اور اثرات الگ الگ ہیں اس لئے کوئی تعارض نہیں ہوتا۔ کیونکہ پہلا فزع نفخہ کے وقت ہوگا۔ جس سے سب متاثر ہوں گے اور دوسرا فزع دوسرے نفخہ کے وقت ہوگا۔ جس سے مومن محفوظ رہیں گے۔ نیز پہلے فزع کی حقیقت طبعی دہشت اور ہول دلی ہے اور اس کا اثر موت ہے۔ لیکن دوسرے فزع کی حقیقت دائمی عذاب کا ڈر ہے۔

لطائف سلوک:............ آیت اکذبتم باٰیٰتی الخ سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ جس کو انسان نہ سمجھے تو ایک اس کا انکار کر دینا برا ہے۔ جیسے بعض خشک لوگ عارفین کے کلام پر بے سوچے سمجھے رد کرنے لگتے ہیں۔ اگر تائید نہیں کر سکتے تو تردید سے بہتر تو یہ ہے کہ سکوت کریں۔

آیت وتری الجبال الخ سے معلوم ہوا کہ پہاڑوں کو بادلوں کی طرح اڑے اڑے پھرنا اتقان صنعت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اتقان کے معنی یہ ہیں کہ ہر چیز کو حکمت کے مطابق بنایا جائے۔ پس ہر چیز کی مضبوطی اس کے مناسب حال ہوتی ہے۔ جب انہیں جمانا ہو تو جمے رہیں اور جب حکمت کا تقاضہ ان کے ختم کر دینے کا ہو تو ختم ہو جائیں گے۔ جب ٹھوس رکھنا مصلحت ہو تو ٹھوس

رہیں اور جب تخلخل تقاضائے حکمت ہو تو تخلخل قبول کر لے۔ یہی کمال کاریگری ہے۔

من جاء بالحسنة. ایک طرف تو اعتقادیات میں توحید و رسالت بھی ہے۔ جس کا بہتر ہونا ظاہر ہے اور ہر جزا میں کھانے پینے کی چیزیں بھی ہیں۔ جس کی لذت سے عبادات کا افضل ہونا ظاہر ہے۔ لیکن اس کے باوجود جزا کو اطاعت سے افضل فرمایا گیا ہے؟ مگر کہا جائے گا کہ جزاء بالذات، طاعت سے افضل نہیں۔ بلکہ اس لئے ہے کہ وہ عطائے حق ہے اور طاعت بندہ کا فعل ہے اور عطائے حق بندہ کے عمل سے بہتر ہوتی ہے۔ پس نعمتوں کی لذتوں سے تو عبادت و طاعت افضل ہے اور عبادت و طاعت سے عطائے حق افضل ہے۔ **انما امرت الخ** سے واضح ہے کہ تکلیفات شرعیہ سے انبیاء علیہم السلام بھی مستثنیٰ نہیں۔ پس اولیاء اللہ کو کس طرح شرعی طاعت سے سبکدوش سمجھا جا سکتا ہے۔

آیت **قل الحمد الخ** سے معلوم ہوا کہ فیوض و برکات کو اپنے مجاہدہ و عمل کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے بلکہ اسے توفیق الٰہی اور بخشائش خداوندی سمجھنا چاہئے۔

سُــوْرَةُ الْقَصَصِ

سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا اِنَّ الَّذِىْ فَرَضَ اَلْاٰيَةُ نَزَلَتْ بِالْجُحْفَةِ وَاِلَّا الَّذِيْنَ اٰتَيْنَاهُمُ الْكِتٰبَ اِلٰى نَبْتَغِ الْجَاهِلِيْنَ وَهِىَ سَبْعٌ اَوْ ثَمَانٌ وَ ثَمَانُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥

طٰسٓمّٓ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ **تِلْكَ** اَىْ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ **اٰيٰتُ الْكِتٰبِ** الْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى مِنْ **الْمُبِيْنِ**﴿۲﴾ اَلْمُظْهِرِ الْحَقِّ مِنَ الْبَاطِلِ **نَتْلُوْا** نَقُصُّ **عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ** خَبَرِ **مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ** بِالصِّدْقِ **لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ**﴿۳﴾ لِاَجْلِهِمْ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهٖ **اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا** تَعَظَّمَ **فِى الْاَرْضِ** اَرْضِ مِصْرَ **وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا** فِرَقًا فِى خِدْمَتِهٖ **يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ** وَهُمْ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ **يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ** اَلْمَوْلُوْدِيْنَ **وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ** ؕ يَسْتَبْقِيْهِنَّ اَحْيَاءً لِقَوْلِ بَعْضِ الْكَهَنَةِ لَهٗ اِنَّ مَوْلُوْدًا يُوْلَدُ فِىْ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ يَكُوْنُ سَبَبَ ذِهَابِ مُلْكِكَ **اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ**﴿۴﴾ بِالْقَتْلِ وَغَيْرِهٖ **وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ يَاءً يُقْتَدٰى بِهِمْ فِى الْخَيْرِ **وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ**﴿۵﴾ مُلْكَ فِرْعَوْنَ **وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ** اَرْضِ مِصْرَ وَالشَّامِ **وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا** وَفِىْ قِرَاءَةٍ وَيَرٰى بِفَتْحِ التَّحْتَانِيَّةِ وَالرَّاءِ وَرَفْعِ الْاَسْمَاءِ الثَّلٰثَةِ **مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ**﴿۶﴾ يَخَافُوْنَ مِنَ الْمَوْلُوْدِ الَّذِىْ يَذْهَبُ مُلْكُهُمْ عَلٰى يَدَيْهِ **وَاَوْحَيْنَآ** وَحْىَ اِلْهَامٍ اَوْمَنَامٍ **اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى** وَهُوَ الْمَوْلُوْدُ الْمَذْكُوْرُ وَلَمْ يَشْعُرْ بِوِلَادَتِهٖ غَيْرُ اُخْتِهٖ **اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ** الْبَحْرِ اَىِ النِّيْلِ **وَلَاتَخَافِىْ** غَرَقَهٗ **وَلَاتَحْزَنِىْ** ۚ لِفِرَاقِهٖ **اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ**

الْمُرْسَلِيْنَ﴿۷﴾ فَارْضَعَتْهُ ثَلٰثَةَ اَشْهُرٍ لَايَبْكِيْ وَخَافَتْ عَلَيْهِ فَوَضَعَتْهُ فِي التَّابُوْتِ مَطْلِي بِالْقَارِ مِنْ دَاخِلٍ مُمَهَّدٍ لَهُ فِيْهِ وَاَغْلَقَتْهُ وَاَلْقَتْهُ فِيْ بَحْرِالنِّيْلِ لَيْلًا **فَالْتَقَطَهٗ** بِالتَّابُوْتِ صَبِيْحَةَ اللَّيْلِ **اٰلُ** اَعْوَانُ **فِرْعَوْنَ** فَوَضَعُوْهُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَفُتِحَ وَاُخْرِجَ مُوْسٰى مِنْهُ وَهُوَ يَمُصُّ مِنْ اِبْهَامِهٖ لَبَنًا **لِيَكُوْنَ لَهُمْ** اَيْ فِيْ عَاقِبَةِ الْاَمْرِ **عَدُوًّا** يَقْتُلُ رِجَالَهُمْ **وَّحَزَنًا** يَسْتَعْبِدُ نِسَاءَهُمْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْحَاءِ وَسُكُوْنِ الزَّايِ لُغَتَانِ فِي الْمَصْدَرِ وَهُوَ هُنَا بِمَعْنٰى اِسْمِ الْفَاعِلِ مِنْ حَزَنَهٗ كَاَحْزَنَهٗ **اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ** وَزِيْرَهٗ **وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ**﴿۸﴾ مِنَ الْخَطِيْئَةِ اَيْ عَاصِيْنَ فَعُوْقِبُوْا عَلٰى يَدِهٖ **وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ** وَقَدْ هَمَّ مَعَ اَعْوَانِهٖ بِقَتْلِهٖ هُوَ **قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۖ لَاتَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا** فَاَطَاعُوْهَا **وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ**﴿۹﴾ بِعَاقِبَةِ اَمْرِهِمْ مَعَهٗ **وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى** لَمَّا عَلِمَتْ بِالْتِقَاطِهٖ **فٰرِغًا** ۖ مِمَّا سِوَاهُ **اِنْ** مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ اَنَّهَا **كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ** اَيْ بِاَنَّهٗ اِبْنُهَا **لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا** بِالصَّبْرِ اَيْ سَكَّنَّاهُ **لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ**﴿۱۰﴾ الْمُصَدِّقِيْنَ بِوَعْدِ اللّٰهِ وَجَوَابُ لَوْلَا دَلَّ عَلَيْهِ مَاقَبْلَهَا **وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ** مَرْيَمَ **قُصِّيْهِ** اِتَّبِعِيْ اَثَرَهٗ حَتّٰى تَعْلَمِيْ خَبَرَهٗ **فَبَصُرَتْ بِهٖ** اَيْ اَبْصَرَتْهُ **عَنْ جُنُبٍ** مِنْ مَكَانٍ بَعِيْدٍ اِخْتِلَاسًا **وَّهُمْ لَايَشْعُرُوْنَ**﴿۱۱﴾ اَنَّهَا اُخْتُهٗ وَاَنَّهَا تَرْقُبُهٗ **وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ** اَيْ قَبْلَ رَدِّهٖ اِلٰى اُمِّهٖ اَيْ مَنَعْنَاهُ مِنْ قَبُوْلِ ثَدْيِ مُرْضِعَةٍ غَيْرِ اُمِّهٖ فَلَمْ يَقْبَلْ ثَدْيَ وَاحِدَةٍ مِنَ الْمَرَاضِعِ الْمُحْضَرَةِ **فَقَالَتْ** اُخْتُهٗ **هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى اَهْلِ بَيْتٍ** لَمَّا رَأَتْ حُنُوَّهُمْ عَلَيْهِ **يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ** بِالْاِرْضَاعِ وَغَيْرِهٖ **وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ**﴿۱۲﴾ وَفُسِّرَتْ ضَمِيْرُ لَهٗ بِالْمَلِكِ جَوَابًا لَهُمْ فَاُجِيْبَتْ فَجَاءَتْ بِاُمِّهٖ فَقَبِلَ ثَدْيَهَا وَاَجَابَتْهُمْ عَنْ قُبُوْلِهٖ بِاَنَّهَا طَيِّبَةُ الرِّيْحِ طَيِّبَةُ اللَّبَنِ فَاَذِنَ لَهَا بِاِرْضَاعِهٖ فِيْ بَيْتِهَا فَرَجَعَتْ بِهٖ كَمَا قَالَ تَعَالٰى **فَرَدَدْنٰهُ اِلٰى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا** بِلِقَائِهٖ **وَلَاتَحْزَنَ** حِيْنَئِذٍ **وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بِرَدِّهٖ اِلَيْهَا **حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ** اَيْ النَّاسِ **لَا يَعْلَمُوْنَ**﴿۱۳﴾ بِهٰذَا الْوَعْدِ وَلَا بِاَنَّ هٰذِهٖ اُخْتُهٗ وَهٰذِهٖ اُمُّهٗ فَمَكَثَ عِنْدَهَا اِلٰى اَنْ فَطَمَتْهُ وَاُجْرِيَ عَلَيْهَا اُجْرَتُهَا لِكُلِّ يَوْمٍ دِيْنَارٌ وَاَخَذَتْهَا لِاَنَّهَا مَالُ حَرْبِيٍّ فَاَتَتْ بِهٖ فِرْعَوْنَ فَتَرَبّٰى عِنْدَهٗ كَمَا قَالَ تَعَالٰى حِكَايَةً عَنْهُ فِيْ سُوْرَةِ الشُّعَرَاءِ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ

ترجمہ: ....سورۂ قصص مکی ہے بجز آیت ان الذی فرض کے کہ وہ مقام جحفہ میں نازل ہوئی ہے اور بجز آیت الذین اٰتیناھم الکتٰب سے لانبتغی الجاھلین تک اس میں کل آیات ۸۷ یا ۸۸ ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ طٰسم (اس کی قطعی مراد اللہ کو زیادہ معلوم ہے) یہ آیات روشن کتاب کی ہیں (اٰیات الکتاب میں اضافہ تو بواسطہ من ہے اور مبین کے معنی حق و باطل کو واضح

کرتا ہیں) ہم آپ کو موسیٰ وفرعون کا کچھ قصہ (خبر) ٹھیک ٹھیک (سچائی کے ساتھ) پڑھ کر سناتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں (یعنی خاص ان کے لئے کیونکہ یہی لوگ نفع اٹھاتے ہیں) بلاشبہ فرعون (مصر) کے ملک میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف طبقات میں بانٹ رکھا تھا (اپنی بیگار کے لئے مختلف ٹکڑیاں کر لی تھیں) ان میں سے ایک طبقہ (بنی اسرائیل) کا زور گھٹا رکھا تھا۔ ان کے لڑکوں کو (پیدا ہوتے ہی) مروا ڈالتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا (جینے دیتا تھا۔ بعض کاہنوں کی پیشنگوئی کرنے سے کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا ہوگا جو تیری سلطنت کی تباہی کا باعث بنے گا) واقعی وہ (قتل و غارت کر کے) بڑا ہی فسادی تھا اور ہمیں یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زور ملک میں گھٹایا جا رہا ہے ہم ان پر احسان کریں اور انہیں پیشوا بنا دیں (لفظ ائمہ اکثر قراء کے نزدیک دونوں ہمزہ کی تحقیق کرتے ہوئے اور نافع اور ابوعمر و اور ابن کثیر کے نزدیک پہلی ہمزہ کی یـــا سے تبدیلی ہے۔ بھلائی کے کاموں میں انہیں آگے بڑھایا جائے تاکہ لوگ ان کی پیروی کریں) اور ہم انہیں (سلطنت فرعون کا) مالک بنائیں اور (ملک شام میں) انہیں سلطنت بخش دیں اور فرعون وہامان اور ان کے لاؤ لشکر کو دکھلا دیں (حمزہ اور علی کی قرأت میں لفظ یـری یا مفتوح اور را مفتوح کے ساتھ آیا ہے اور تینوں الفاظ فرعون، ہامان، جـنـود ھـمـا مرفوع ہیں) ان کی جانب سے وہ واقعات جن سے وہ بچنا چاہتے تھے (لڑکے کے پیدا ہونے کے ڈر سے کہ کہیں اس کے ہاتھوں سے سلطنت نہ چھن جائے) اور ہم نے الہام کیا (وحی سے مراد الہام ہے یا خواب میں بتلا دینا) موسیٰ کی والدہ کو (کہ یہ وہی بچہ ہے۔ اس کے پیدا ہونے کی خبر ان کی بہن کے علاوہ کسی کو نہ ہوئی) کہ تم اسے دودھ پلاؤ۔ پھر جب تمہیں ان کی نسبت اندیشہ ہو تو اسے دریا (نیل) میں چھوڑ دینا اور (اس کے ڈوبنے) کا فکر نہ کرنا اور نہ (اس کی جدائی پر) رنج کرنا۔ ہم ضرور پھر اسے تمہارے پاس ہی پہنچا دیں گے اور انہیں پیغمبر بنائیں گے۔ (چنانچہ تین ماہ تک ان کی والدہ نے اس طرح دودھ پلایا کہ موسیٰ نے چوں تک نہ کی۔ انہیں بچہ کی نسبت ڈر پیدا ہوا تو انہوں نے ایک صندوق کے اندرونی حصہ میں تارکول لگا کر بستر بچھایا اور بچہ کو اس پر لٹا کر رات کے وقت دریائے نیل میں چھوڑ دیا۔ چنانچہ (اسی رات کی صبح) فرعون کے لوگوں (مددگاروں) نے موسیٰ کو اٹھالیا (فرعون نے صندوق سامنے رکھ کر کھولا اور موسیٰ کو اس میں سے باہر نکالا جو اپنے انگوٹھے سے دودھ چوس رہے تھے) تاکہ وہ ان کے لئے (آخرکار) دشمن ثابت ہو (ان کے مردوں کو قتل کر کے) اور رنج کا باعث بنیں (ان کی عورتوں کو باندی بنا کر ایک قرأت میں لفظ حـزنـاً ضمہ حـا اور سکون زاء کے ساتھ ہے مصدر میں یہ دونوں لغت ہیں اور یہاں مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ یہ ماخوذ ہے حـزنـه اور احـزنـه سے۔ بے شک فرعون اور (اس کا وزیر) ہامان اور لاؤ لشکر سب بڑے خطاء کار تھے (لفظ خاطئین ماخوذ ہے خطیئۃ سے۔ یعنی نافرمان تھے۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں سزایاب ہوئے) اور فرعون کی بیوی بولیں جب کہ فرعون کے ملازمین نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا کہ یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل مت کرنا۔ عجب نہیں کہ یہ ہمیں کچھ فائدہ پہنچائے یا ہم اسے بیٹا بنالیں (پس ان لوگوں نے فرعون کی بیگم کا حکم مان لیا) اور انہیں کچھ خبر نہیں تھی (اپنے اور موسیٰ کے انجام کی) اور موسیٰ کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا (جب انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اٹھا لینے کا حال معلوم ہوا) یکسر (موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ سب سے فارغ) حقیقت میں (ان مشدد تھا جس کی تخفیف ہو گئی۔ اس کا اسم محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے انهـا) قریب تھا کہ موسیٰ کی والدہ ان کا حال ظاہر کر دیتیں (کہ یہ میرا بیٹا ہے) اگر ہم ان کے دل کو اسی طرح سے مضبوط نہ کئے رہتے (انہیں صبر دلا کر یعنی ہم نے انہیں سکون بخشا) کہ وہ یقین کئے رہیں (اللہ کے وعدہ کو سچ سمجھ کر۔ لـولا کا جواب محذوف ہے۔ جس پر پہلا جملہ دلالت کر رہا ہے) اور انہوں نے اس (موسیٰ علیہ السلام) کی بہن (مریم) سے کہا کہ اس (موسیٰ علیہ السلام) کا سراغ تو لگانا۔ یعنی پتہ لگانے کے لئے ان کے پیچھے پیچھے جاؤ۔ سو بہن نے اس (موسیٰ) کو دور سے اچٹتی نگاہ کے ساتھ فاصلہ سے)

دیکھا اور وہ لوگ بے خبر تھے (کہ مریم، موسیٰ کی بہن ہے اور اس کی ٹوہ میں لگی ہوئی ہے) اور ہم نے موسیٰ پر دایوں کی بندش پہلے ہی کر رکھی تھی۔ (موسیٰ کے اپنی والدہ کے پاس واپس آنے سے پہلے یعنی ماں کے علاوہ کسی بھی دودھیاری کے دودھ پینے سے روک دیا تھا۔ چنانچہ آنے والی دودھیاریوں میں سے کسی کا دودھ بھی موسیٰ علیہ السلام نے قبول نہیں کیا) سو (موسیٰ کی بہن) کہنے لگی کیا میں تم لوگوں کو ایسے گھرانہ کا پتہ بتلاؤ (جبکہ بہن نے بچہ کی طرف ان لوگوں کا جھکاؤ دیکھا) جو تمہارے لئے (دودھ پلا کر اور دوسری ذمہ داریاں اٹھا کر) پرورش کریں اور ساتھ ہی اس بچہ کے خیر خواہ بھی ہوں (لیکن بہن نے لہ کی ضمیر سے مراد بادشاہ بیان کیا جب ان سے پوچھا گیا۔ غرض کہ بہن کی نشاندہی منظور کر لی گئی اور وہ اپنی والدہ کو لے آئیں۔ چنانچہ بچہ فوراً ان کی چھاتی سے لپٹ گیا اور جب اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو والدہ نے جواب دیا کہ میری گود (اور دودھ بہترین ہے جس پر انہیں دودھ پلانے کے لئے بچہ کو اپنے گھر لے جانے کی اجازت مل گئی اور وہ اسے لے کر گھر واپس آ گئیں۔ اسی کو حق تعالیٰ بیان فرماتے ہیں) غرض ہم نے اس (موسیٰ) کو اس کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دیا۔ تاکہ (ان کو پا کر) ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ (اب) غم میں نہ رہیں اور یہ کہ اس بات کو جان لیں۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ (بچہ کے انہیں واپس ملنے کا) سچا ہے۔ البتہ اکثر لوگ علم نہیں رکھتے (نہ اس وعدہ کا اور نہ اس کا یہ موسیٰ کی بہن اور یہ والدہ ہیں۔ چنانچہ موسیٰ پورے شیر خواری کے زمانے میں اپنی والدہ کے پاس رہے۔ اس طرح روزانہ ایک اشرفی بطور اجرت ملتی رہی اور وہ اسے قبول کرتی رہیں۔ کیونکہ وہ روپیہ حربی کافر کا تھا۔ پھر وہ فرعون کے پاس بچہ کو لے جا کر پرورش کرتی رہیں۔ جیسا کہ سورۃ الشعراء کی آیت الم نربك فینا ولیداً ولبثت فینا من عمرك سنین میں حق تعالیٰ نے فرعون کی طرف سے نقل فرمایا ہے۔

تحقیق وترکیب: .... سورۃ القصص . اس میں واقعات واخبار چونکہ بیان کئے گئے ہیں اس لئے قصص نام رکھا گیا یہ مصدر بمعنی اخبار ہے۔ اس سورت کا نام سورۂ موسیٰ بھی ہے۔

بالجحفة. بقول مقاتلؒ ہجرت کے موقعہ پر رات کو غار سے نکل کر عام راستہ سے ہٹ کر چلنے لگے۔ تاکہ دشمن تعاقب نہ کر سکے۔ اور پھر عام راستہ پر آ کر مقام جحفہ میں فروکش ہوئے تو مکہ کی سڑک نظر پڑی۔ جس سے وطن کا شوق ابھرا۔ اس پر تسلی کے لئے آیت ان الذی فرض نازل ہوئی۔ جس میں معاد سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ اس لئے عازمین مسافروں کو رخصت کرتے ہوئے تفاولاً یہ آیت تلاوت کرتے ہیں۔ اس صورت میں یہ آیت نہ مکی ہے اور نہ مدنی بلکہ جحفہ میں نازل ہوئی۔

لیکن سعید نے حضرت ابن عباسؓ سے معاد سے مراد موت نقل کی ہے۔ اسی طرح مجاہدؒ اور عکرمہؒ اور زہریؒ اور حسنؒ سے معاد کے معنی قیامت کے منقول ہیں اور بعض نے ان الذین اٰتیناھم الکتاب آیت کا استثناء کیا ہے۔

نتلوا علیك اس کا مفعول محذوف بھی ہو سکتا ہے۔ جس کی صفت "من نبا موسیٰ" ہوگی۔ تقدیر عبارت اس صورت میں اس طرح ہوگی۔ نتلوا علیك شیاءً من نبا موسیٰ میں من تبعیضیہ ہے اور اخفشؒ کی رائے پر من زائد بھی ہو سکتا ہے اور بالحق اس لئے کہا کہ اسرائیلیوں میں یہ قصہ ناتمام مشہور تھا۔

بعض الکھنة. ابن جریرؒ، سدیؒ سے تخریج کرتے ہیں کہ فرعون نے خواب میں ایک آگ دیکھی جو بیت المقدس سے نکل کر سارے مصر میں پھیل گئی اور جہاں جہاں قبطی ہیں سب کے گھر جلا کر بھسم کر ڈالے۔ لیکن بنی اسرائیل کے مکانات محفوظ رہے۔ فرعون نے معبرین کو بلا کر خواب کی تعبیر پوچھی۔ انہوں نے وہی تعبیر دی جس کا ذکر مفسرؒ علام کر رہے ہیں۔ اس پر فرعون نے اسرائیلی بچوں کے قتل کے سخت احکامات نافذ کر دیئے اور بیگار لینے کے لئے لڑکیوں کو چھوڑ دیا۔

ونمکن. معرفہ کو دوبارہ ذکر کرنے سے اگرچہ پہلا ہی معرفہ مراد ہوتا ہے اور اس قاعدہ سے الارض سے مراد صرف مصر

ہونا چاہئے تھا۔ لیکن اول تو یہ قاعدہ یکسر نہیں اکثر ہے۔ دوسرے اسرائیلیوں کا استقرار بھی ملک شام رہا۔ اس لئے مفسرؒ نے شام ومصر دونوں مراد لئے ہیں۔

جنودھما. اس میں تغلیب ہے۔

اوحینا. قتادہؒ اس کی تاویل الہام کے ساتھ کرتے ہیں اور مقاتلؒ کہتے ہیں کہ جبرئیل متمثل ہوئے تھے اور بعض نے خواب میں یہ کہنا نقل کیا ہی۔ غرضیکہ اس پر سب کا تعلق ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پیغمبر نہیں تھیں۔ کیونکہ وہی عام معنی میں بھی مستعمل ہے۔ جیسے واوحی ربك الی النحل مطلقاً دل میں ڈال دینا۔

ام موسیٰ. ان کا نام یارخا، ایارخت نوحانذ۔ یوحانذ مختلف طریقہ سے ذکر کیا گیا ہے اور ثعلبی نے لوخابنت حاتذ بن لادی بن یعقوب بتلایا ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ کا نام کلثوم یا کلثمہ ہے۔ اگرچہ ایک روایت میں مریم بھی آیا ہے۔

ولا تخافی. دوسری آیت میں فاذا خفت علیه ہے۔ جس سے خوف کا ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہاں لاتخافی سے نفی معلوم ہورہی ہے۔ مفسر علامؒ نے اس تعارض کو دور کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے غرقہ کہا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ غرق کے خوف کی نفی مراد ہے اور اثبات خوف سے ذبح کا خطرہ مراد ہے۔ پس تعارض نہیں رہا۔ خوف کہتے ہیں آئندہ خطرہ کو اور حزن کہتے ہیں گزشتہ رنج کو۔ گویا خوف ماآت کا نام ہے اور حزن مافات کو کہتے ہیں۔ اس آیت میں دوامر دونہی، دوخبر، دوبشارتیں ہیں جو انتہائی بلاغت ہے۔

لیکون. یعنی لام عاقبۃ کا ہے۔ لام علت نہیں ہے کیونکہ علت التقاط دوستی ہوا کرتی ہے نہ کہ دشمنی۔ آیت میں استعارہ تبعیہ ہے۔

حزنا. اس میں یہ دونوں لغت ہیں۔ حزنہ قریش کا لغت ہے اور احزنہ بنوتمیم کا لغت ہے۔ قاموس میں ہے کہ حزنہ الارض حزنا واحزنه جعله حزینا فهو محزون ومحزن وحزین کہا جاتا ہے اور صراح میں ہے حزنہ واحزنہ۔ بمعنی اندوہگین کرد۔

فالتقطه. بطور لقطہ کے اٹھالیا۔ تاکہ بچہ ضائع نہ ہو۔

لیکون. اس میں استعارہ تہکمیہ ہے۔ کیونکہ بچہ کو اٹھانے کی اصل غرض محبت ودوستی ہوا کرتی ہے نہ کہ دشمنی۔

خطئین. اگر یہ لفظ خطیئۃ ہے تو گناہ کے معنی ہیں اور خطا سے ہو تو بمعنی غلطیں

امرأة فرعون. ان کا نام آسیہ بنت مزاحم بن عبید بن ریان بن ولید ہے جو حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں فرعون مصر تھا۔ نیز انبیاءؑ کی اولاد سے تھیں اور بہترین اوصاف کی مالک تھیں۔ فرعون نے گرچہ سخت قانون قتل نافذ کیا تھا، مگر انہوں نے کہا ہوگا کہ یہ بچہ بظاہر یہاں کا معلوم نہیں ہوتا۔ کہیں باہر دوسری بستی سے بہہ کر آیا ہوگا اور ممکن ہے بعد میں فرعون نے قانون کو نرم کرتے ہوئے ایک سال قتل کرنے اور ایک سال چھوڑ دینے کا حکم دیا ہو۔ اس پر آسیہ نے کہا ہو کہ یہ بچہ تو اس سال کا معلوم نہیں ہوتا، پچھلے سال کا ہوگا۔ اس لئے چھوڑ دیا جائے۔

قرت عین. یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ای هو قرة عین. دوسری بعید صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہ مبتداء ہو اور اس کی خبر لاتقتلوه ہو اور قرة کی تفخیم شان کی وجہ سے آسیہ نے لنا کی بجائے لی ولك کہا اور چونکہ فرعون کو بہ نسبت اپنے آسیہ کی خاطر زیادہ عزیز تھی، اس لئے وہ زیادہ اظہار محبت کررہا تھا۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آسیہ نے لی ولك کہہ کر خود کو مقدم ذکر کیا تاکہ فرعون ان کی خاطر قتل کے منصوبہ سے باز رہے۔ اس کے برعکس کہنے میں یہ نکتہ نہ ہوتا۔ غرض کہ آسیہ نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دونوں کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کہا تھا۔ مگر فرعون بولا قرة عین لك لالی. حدیث میں ہے کہ اگر فرعون آسیہ کے جواب میں لی ولك کہہ لیتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں کے لئے قرۃ عین ہوتے۔

لاتقتلوہ. اس کا مخاطب اگر صرف فرعون ہو جمع تعظیم کے لئے ہے۔ ورنہ تغلیباً اپنی اصل پر ہے۔ چاہے وہاں اس وقت درباری نہ ہوں۔

ان ینفعنا. حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرہ بشرہ سے ہونہار ہونے کے آثار محسوس کر کے آسیہ یہ بولیں۔ مشہور ہے کہ ہونہا بروا کے چکنے چکنے پات۔

لایشعرون. حق تعالیٰ کا ارشاد ہے یا آسیہ کا مقولہ ہے۔ علمائے معانی و بیان اس آیت کی بلاغت سے بڑے ہی لطف اندوز ہوتے ہیں۔

فارغا. حاکم اور ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے اس کے معنی خالی کے بیان کئے ہیں۔ ای خالیا عن الصبر اور ابوعبیدہؒ اس کے معنی قرار دل کے لیتے ہیں۔ لیکن طبریؒ تمام اقوال کے مخالف ہونے کی وجہ سے اس کی تردید کرتے ہیں۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ شیطان حضرت موسیٰؑ کی والدہ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ فرعون تمہارے فرزند کو مار ڈالے گا اور پھر تمہارے ہاتھوں فرعون غرق ہو کر ہلاک ہوگا۔ وہ یہ سن کر اس قدر ملول اور رنجیدہ ہوئیں کہ ہمہ تن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں فکرمند اور منہمک ہوگئیں اور انہیں وعدۂ الٰہی کا دھیان بھی نہ رہا۔

لتبدی. یعنی مارے شدت خوشی یا شدت رنج کے راز کھول دینے کے قریب ہوگئیں۔ چونکہ لفظ بتدی تصرح کے معنی کو متضمن ہے۔ اس لئے با کے ذریعہ تعدیہ کیا گیا ہے اور بقول سمین با زائد بھی ہوسکتی ہے۔ لیکن باسببیہ ہوسکتی ہے اور مفعول محذوف ہو اور ضمیر بہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یا وحی کی طرف راجع ہو۔

جواب لولا. تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ لابدت بانه ابنها۔

لاخته. حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خدیجہؓ سے فرمایا۔ **اشعرت ان اللّٰہ زوجنی معک فی الجنة ومریم بنت عمران وکلثوم اختٗ موسیٰ واسیة امرأة فرعون فقالت اللّٰہ اخبرک بذلک فقال نعم فقالت بالرفاء والبنین** ۔جس سے معلوم ہوا کہ ان کا نام کلثوم تھا اور لبنتها کی بجائے لاخته اس لئے کہا کہ امتثال حکم کا مدار جس جہت پر ہے اس کی تصریح ہو جائے۔

حرمنا. تحریم شرعی مراد نہیں۔ کیونکہ بچہ مکلّف نہیں ہوتا بلکہ بطور مجاز یا استعارہ کے ممانعت کے معنی میں ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کسی کافر عورت کے بجائے ماں باپ کے پاس رکھ کر انہی کے دودھ سے پرورش کرانا چاہتے تھے۔

مراضع. محل رضاع۔ پستان کے معنی ہیں اور مرضع دودھیاری کے معنی بھی ہوسکتے ہیں۔ تذکیر تانیث کی اس میں ضرورت نہیں۔ اس لئے مرضع اور مرضعۃ دونوں برابر ہیں۔

له ناصحون. جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے یہ کہا تو ہامان اور فرعونیوں کو شبہ ہوا کہ یہ بچہ کو جانتی ہے۔ اس لئے ان سے بچہ کے گھر والوں کی نشاندہی چاہی۔ مگر انہوں نے فوراً بطور توریہ کہا کہ میری مراد توله سے فرعون ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی گود میں رو رہے تھے اور وہ انہیں بہلا رہا تھا۔ جوں ہی ان کی والدہ سامنے آئیں فوراً چپ ہوگئے۔ اس پر بھی لوگوں کو شبہ ہوا کہ ہونہ ہو بچہ انہی کا معلوم ہوتا ہے۔ مگر انہوں نے کہا کہ میری گود صاف اور دودھ عمدہ ہے۔ اس لئے سب ہی بچے میرے پاس آ کر خوش اور مانوس ہو جاتے ہیں۔ اس طرح بات آئی گئی ہوگئی اور ایک ہفتہ کی پریشانی دور ہوگئی۔

فطمته. دودھ چھڑانا۔

واخذتھا۔ حاصل جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے یہ مال دودھ پلانے کی اجرت کے طور پر نہیں لیا بلکہ مال حربی ہونے کی وجہ سے لیا جو مباح ہے۔ اس لئے کوئی شبہ نہ رہا۔

ربط آیات:.............. اس سے پہلی سورت (نمل) کے آخر میں تلاوت قرآن کا حکم مذکور ہے۔ سورۂ قصص کا آغاز بھی حقیقت قرآن سے کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مفصل واقعات کا تذکرہ ہے۔ آدھی سورت تک حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعات چلے گئے اور آخر سورت کے قریب حضرت موسیٰ اور قارون کے واقعات ذکر فرمائے ہیں۔ جس سے سورہ نمل کی آخری آیت ومن ضل الخ کے ساتھ بھی اور اس طرح دونوں سورتوں میں فی الجملہ ارتباط ہو جاتا ہے۔

﴿تشریح﴾:.............. مومنین سے مراد عام ہے، خواہ حقیقۃً مومن ہوں یا ان میں ایمان کی طلب ہو۔ کافر ہی سہی۔ مگر ضدی اور ہٹ دھرم نہ ہوں۔ ان پر حق واضح ہو جائے تو وہ ایمان قبول کرلیں۔ اولاً آیت ان فرعون الخ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی اجمالی تفصیل اور پھر آیت واوحینا الی موسیٰ شرح وبسط کے ساتھ اس کی تفصیلات ذکر کی جارہی ہیں۔ فرعون نے ملکی باشندوں کو دو حصوں میں تقسیم کردیا تھا۔ قبطیوں کو ہر قسم کے اعزازات سے نوازتا تھا اور سبطیوں (اسرائیلیوں) کو نیچ سمجھ کر ان سے بیگار لیتا تھا۔ حق تعالیٰ کا منشا اس کے نقل کرنے سے مسلمانوں کو تسلی دینا ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کمان میں بنی اسرائیل کو باوجود یکہ وہ کمزور تھے مظفر ومنصور فرمایا، اس طرح مسلمان جو فی الحال مکہ میں ناتواں اور ضعیف ہیں آنحضرت ﷺ کے زیر کمان رہ کر ایک وقت آئے گا کہ اپنے بے شمار اور طاقتور حریفوں پر فتح پائیں گے۔

فرعون کا خواب اور اس کی تعبیر:.............. فرعون نے ایک ڈراؤنا خواب دیکھا۔ جس کی تعبیر نجومیوں نے یہ دی کہ کسی اسرائیلی کے ہاتھوں تیری سلطنت چھن جائے گی۔ اس لئے اس خطرہ کی پیش بندی اور سد باب کے لئے یہ ظالمانہ اور احمقانہ منصوبہ بنایا کہ اسرائیلیوں کو کمزور کرتے رہنا چاہئے تاکہ ان میں سیاسی شعور ہی پیدا نہ ہو سکے اور حکومت کے مدمقابل نہ آسکیں۔ چنانچہ اس منصوبہ کے مطابق پہلے تو یہ اسکیم جاری کی کہ اسرائیلی لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالا جائے۔ چنانچہ کتنے ہی معصوم بچے اس طرح اس کے ظلم کا شکار ہوئے۔ مگر پھر جب خدمت گاروں کی کمی کا اندیشہ ہوا ہوگا تو ایک سال قتل کرنے اور ایک سال قتل نہ کرنے کی ترمیم منظور کری۔ البتہ لڑکیوں سے اس زمانہ میں کسی سیاسی یا غیر سیاسی تحریک کا اندیشہ نہیں تھا۔ بلکہ انہیں باندیاں بنا کر رکھنے کا مفاد سامنے تھا۔ نیز ان کے زندہ رکھنے میں اسرائیلیوں کی تذلیل کے مواقع بھی ملتے تھے۔ اس لئے انہیں قتل نہیں کیا۔

اور حافظ ابن کثیرؒ کا کہنا ہے کہ اسرائیلی حضرت ابراہیمؑ کی ایک پیش گوئی بیان کیا کرتے تھے کہ سلطنت مصر کی تباہی ایک اسرائیلی جوان کے ہاتھ پر مقدر ہے۔ فرعون نے سنا تو تقدیری فیصلہ کو بدلنے کے لئے ظلم کی یہ انوکھی مشین ایجاد کی۔ جس کی سرشت میں ظلم وستم ہوا سے کیا جھجک ہو سکتی تھی۔ کبر وغرور، دولت وسلطنت کے نشہ میں جو جی میں آیا بلا سوچے سمجھے کر گزرا۔

فرعون کی بدتدبیری پر قدرت ہنس رہی ہوگی:.............. ایک طرف فرعون نوشتہ تقدیر بدلنے پر آمادہ تھا۔ دوسری طرف قدرت اس پر ہنس رہی تھی۔ اللہ کا فیصلہ زیردستوں کو زبردست بنا کر اور گرے ہوؤں کو اٹھا کر انقلاب لانے کا تھا۔ وہ متکبروں اور ظالموں سے سرزمین مصر کو خالی کر کے پسی ہوئی اور آفت رسیدہ قوم بنی اسرائیل کے سر پر تاج رکھ دینا چاہتا تھا۔ اللہ کا ارادہ غالب ہوا اور دینی سیادت کے ساتھ مظلوم قوم تاج وتخت کی مالک بنی اور بنی اسرائیل جو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور فرعون کے

ساتھ اس کا وزیر ہامان بھی اس کا شریک ظلم وستم اور آلہ کار بنا ہوا تھا۔ دونوں ناانصافی کی چکی میں ان کو پیس رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دینی سیاسی کمان کے نیچے آزادی اور رہائی نصیب ہوئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اعلیٰ پرورش کے لئے دشمن کی گود منتخب کی گئی:

.... ماکانوا یحذرون کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح خطرہ کی وجہ سے انہوں نے لاکھوں اسرائیلی بچوں کو تہ وتیغ کرڈالا تھا۔ اللہ نے چاہا کہ وہی خطرہ ان کے سامنے آئے۔ فرعونی حکومت کی پوری مشینری حرکت میں آ گئی کہ کس طرح اس بچہ سے نجات مل جائے جس کے ہاتھوں ان کی تباہی مقدر تھی مگر تقدیر الٰہی کہاں ٹلنے والی تھی۔ وہ بچہ اسی کے محلات میں، اسی کی گود میں پلا اور شاہانہ ناز برداریوں کے ساتھ پلا، تاکہ معلوم ہوجائے کہ خدائی نظام کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام ہوا یا خواب دیکھا یا کسی اور طریقہ سے انہیں بتلا دیا گیا کہ بے کھٹکے بچے کو دودھ پلاتی رہیں اور جب کوئی اندیشہ ہو تو بحفاظت تابوت میں رکھ کر دریائے نیل میں چھوڑ دیں۔ بچہ ضائع نہیں ہوگا اور بچہ کی عارضی جدائی سے غمگین مت ہونا، وہ بہت جلد تمہاری آغوش شفقت میں پہنچا دیا جائے گا۔ وہ منصب رسالت پر فائز ہوگا۔ اس سے بڑے بڑے کام لینے ہیں۔ اس سلسلہ کی تمام رکاوٹیں دور کردی جائیں گی۔

ماں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ تابوت بہتا ہوا ایسی جگہ جالگا جہاں سے آسیہ نے دیکھ لیا۔ بچہ کی موہنی صورت دیکھ کر تڑپ اٹھی اور فرعون سے بااصرار لے پالک بنالینے پر اصرار کیا۔ فرعون کو کیا خبر تھی کہ جس کے ڈر سے ہزاروں معصوم بچوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں، وہ یہی بچہ ہے جسے بڑے چاؤ، پیار سے پال پوس کر اپنی تباہی کو دعوت دے رہا ہوں۔ فرعونی بڑے ہی چوکے کہ لاکھوں بچوں کو جس شبہ میں قتل کیا، اسی شبہ کو پروان چڑھایا، اور کیسے نہ چوکتے۔ کیا خدائی تقدیر کو بدل سکتے تھے۔ ان کی بڑی چوک تو یہ تھی کہ انسانی تدابیر سے تقدیر الٰہی کو روکنے کی کوشش کررہے تھے

وھم لایشعرون کا مطلب یہ ہے کہ انہیں یہ تو خبر نہ تھی کہ بڑا ہو کر یہ بچہ کیا کرے گا؟ یہ سمجھے کہ کسی بیرونی شہر سے یہ تابوت بہہ کر آیا ہوگا۔ یا یہیں کسی اسرائیلی نے ڈر کے مارے پھینک دیا ہوگا۔ مگر ایک لڑکے کو نہ مارا تو کیا ہوا۔ یہ کیا ضرور ہے کہ جس بچہ سے ہم ڈر رہے ہیں، یہ وہی بچہ ہے۔ بلکہ امید ہے کہ ہماری پرورش کے زیر اثر رہے گا اور ہمارے احسانات کے تلے دبا رہے گا۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم سے ہی دشمنی کرنے لگے۔ مگر انہیں کیا پتہ تھا کہ وہ اپنے دشمن کو پال رہے ہیں۔ وہ اس کا دوست ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ جب تم اس کے غدار ہو تو پھر وہ تمہارا مخالف کیوں نہیں ہوگا۔ فرعون کا قانون قتل اگرچہ سب سے بڑی رکاوٹ تھا، مگر **القیت علیک** کے پردہ میں مشیت الٰہی کارفرما تھی۔ جو بھی بچہ کو دیکھتا تھا، اسے بے اختیار پیار آتا تھا۔

ان وعداللّٰہ حق. یعنی جس طرح حیرت انگیز طریقہ پر ہم نے ماں کے پاس پہنچا دینے کا وعدہ پورا کر دکھایا ہے، اسی طرح **وجاعلوہ من المرسلین** کے وعدہ کو بھی سمجھنا چاہئے کہ پورا ہو کر رہے گا۔ کیونکہ اللہ کا وعدہ پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔ البتہ بیچ میں جو بعض دفعہ بڑے بڑے پھیر پڑ جاتے ہیں ان کی وجہ سے کچھ لوگ بے یقین ہونے لگتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور بہن کی دانشمندی:

.... **واصبح فؤاد** کا مفہوم یہ ہے کہ حکم الٰہی کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ انہیں پانی میں تو ڈال آئیں مگر ماں کی مامتا کہاں چین سے رہنے دیتی۔ دل سے قرار جاتا رہا۔ رہ رہ کر بچہ کی یاد آتی رہی۔ موسیٰ علیہ السلام کی یاد کے سوا کوئی چیز دل میں باقی نہ رہی۔ قریب تھا کہ صبر وضبط کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹ

جائے اور راز اگل دیں۔ لیکن اللہ نے عین وقت پر مدد کی اور ان کے دل کو تھام لیا اور وہ سنبھل گئیں۔ اس طرح قبل از وقت راز نہ کھل سکا اور نوشتۂ الٰہی سربستہ رہا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اندرونی ہلچل کو دباتے ہوئے ان کی بہن کو ٹوہ میں لگادیا کہ وہ اس تماشہ کو بڑی احتیاط سے دیکھے۔ لڑکی ہوشیار تھی۔ وہ اجنبی بن کر حالات کا مطالعہ کرتی رہی اور ماں کو تازہ حالات سے روشناس کراتی رہی۔ ادھر موقعہ بہ موقعہ مناسب رنگ بھرتی رہی کہ کسی کو ہوا تک نہ لگی کہ یہ بچہ کی بہن ہے۔

حرمنا علیه المراضع. دودھیاری کی تلاش شروع ہوئی۔ مختلف دائیاں طلب ہوئیں۔ مگر قدرت نے بچہ پر بندش لگادی۔ جس کی وجہ سے وہ ماں کے سوا کسی کا دودھ نہ پکڑ سکیں۔ اس کشمکش اور تگ ودو میں موسیٰ کی بہن نے نہایت ہوشیاری سے ایک بہترین دایہ کی پیش کش کی اور کہا کہ نہایت شریف گھرانہ ہے۔ شاہی خاندان کا خیرخواہ ہے۔ لڑکی کی نشاندہی پر ان کی والدہ کی طلبی ہوئی۔ بچہ کا چھاتی سے لگانا تھا کہ دودھ پینا شروع کردیا۔ سب کو غنیمت معلوم ہوا کہ بچہ نے ایک عورت کا دودھ پینا شروع کردیا ہے۔ دھوم دھام سے خوشیاں منائی گئیں اور کسی کو خیال بھی نہ گزرا کہ یہ کیا عجوبہ ہے۔ انعام واکرام لے کر دودھیاری نے اپنا گھر چھوڑ کر شاہی محل میں رہنے سے کوئی مجبور ظاہر کی۔ مرتا کیا نہیں کرتا۔ سب کو خاموش ہوجانا پڑا اور بخوشی بچہ کو گھر لے جانے پر رضامندی دی گئی۔ اس طرح وعدہ الٰہی پورا ہوکر رہا اور شاہی روزینہ مفت ہاتھ آیا۔

موسیٰ کی بہن نے جب **وهم له ناصحون** کہا تو بقول ابن جریج لوگوں کو شبہ ہوا کہ یہ لڑکی بچہ اور بچہ والوں کو پہچانتی ہے۔ مگر لڑکی نے فوراً ذہانت سے بات کا رخ بدل دیا کہ میری مراد شاہی خیرخواہی تھی۔ علم بدیع میں اس کو موجہ کہتے ہیں۔ دوسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ میری مراد یہ تھی کہ وہ گھرانہ اپنی فطری شرافت اور جبلت سے بچہ کا ہمدرد ہوتا ہے۔

دودھ پلانے کی اجرت:............ درمنثور کی مرفوع وموقوف روایت کی بناء پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دودھ پلانے کی اجرت لینے پر شبہ ہوتا ہے کہ وہ تو ماں پر واجب ہے اور واجب پر اجرت لینا جائز نہیں۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ان کی شریعت میں جائز ہوگی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کافر حربی کا مال اس کی رضامندی سے لینا کسی بھی طریقہ سے ہو ہمارے یہاں بھی جائز ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس وقت وہاں کسی شریعت کا وجود نہیں تھا۔ انہوں نے جو کچھ کیا وہ محض اپنی رائے سے کیا ہے اور شریعت کے حکم سے پہلے کوئی کام کرنا قابل خلاف نہیں ہے۔ پھر ممکن ہے اجرت نہ لینے کی صورت میں ان پر ماں ہونے کا شبہ گزرتا۔ اس لئے لے لینے میں مصلحت سمجھی۔

ان وعدالله حق. یعنی جس طرح حیرت انگیز طریقہ پر ہم نے ماں کے پاس پہنچادینے کا وعدہ پورا کردکھایا ہے، اسی طرح **وجاعلوه من المرسلين** کے وعدہ کو بھی سمجھنا چاہئے کہ پورا ہوکر رہے گا۔ کیونکہ اللہ کا وعدہ پورا ہوکر ہی رہتا ہے۔ البتہ بیچ میں جو بعض دفعہ بڑے بڑے پھیر پڑجاتے ہیں، ان کی وجہ سے کچھ لوگ بے یقین ہونے لگتے ہیں۔

لطائف سلوک:............ آیت **نريد ان نمن** سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبر کے زائل ہونے سے فضل الٰہی کی رکاوٹ دور ہوجاتی ہے اور مرتبہ امامت حاصل ہوجاتا ہے جو فضل کا فرد اعلیٰ ہے۔

لاتخافی الخ نقصانات کے خطرات سے جو خوف وحزن پیش آتا ہے وہ اگرچہ اختیاری اور عقلی ہے لیکن اس میں طبعی غیر اختیاری خوف وحزن بھی شامل ہوسکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ممکن تھا کہ اس اختیاری خوف سے بھی بچنے کا اہتمام نہ

کرتیں۔ اس لئے تنبیہ کی گئی کہ اس اختیاری خوف سے بچنے کا اہتمام کریں۔ پس سالکین کو بعض دفعہ اختیاری اور غیر اختیاری کے ساتھ اور اسی طرح طبعی غیر اختیاری وعقلی اختیاری کے ساتھ مشتبہ ہوجاتا ہے۔ اس میں فرق کرنا ضروری ہے۔

قرت عین لی اس سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ کی محبت اگرچہ طبعی ہو، تاہم ایمان وہدایت کے لئے مفید ہوتی ہے۔ بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو۔

ام موسیٰ فارغا سے معلوم ہوا کہ کاملین میں بھی طبعی امور ابھر آتے ہیں۔ اس پر مغموم نہیں ہونا چاہئے۔ البتہ کاملین ان طبعی امور کے تقاضوں پر عمل نہیں کرتے۔ نیز لولا ان ربطنا سے یہ معلوم ہوا کہ صرف انسانی قوت اخلاق کی تکمیل کے لئے کافی نہیں ہوتی بلکہ اس کا مدار امداد الٰہی پر ہے۔

آیت لاخته قصیه الخ سے معلوم ہوا کہ اعتدال کے ساتھ تدبیر توکل کے منافی نہیں۔

آیت لتعلم ان وعدالله حق سے معلوم ہوا کہ مشاہدہ کے بعد جو اطمینانی کیفیت حاصل ہوتی ہے وہ مشاہدہ سے پہلے نہ ہو تو وہ کمال ایمان کے منافی نہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام کے ذریعہ کمال ایمان، وعدۂ الٰہی کے مشاہدہ سے پہلے بھی حاصل تھا۔ البتہ اب اس میں اطمینانی کیفیت مزید ہوگئی۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَهُوَ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً اَوْ وَثَلٰثٍ **وَاسْتَوٰٓى** اَیْ بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً **اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا** حِكْمَةً **وَّعِلْمًا** فِقْهًا فِی الدِّیْنِ قَبْلَ اَنْ یَّبْعَثَ نَبِیًّا **وَكَذٰلِكَ** كَمَا جَزَیْنَاهُ **نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ** ﴿۱۴﴾ لِاَنْفُسِهِمْ **وَدَخَلَ** مُوْسٰی **الْمَدِیْنَةَ** مَدِیْنَةَ فِرْعَوْنَ وَهِیَ مُنْفُ بَعْدَ اَنْ غَابَ عَنْهُ مُدَّةً **عَلٰی حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا** وَقْتَ الْقَیْلُوْلَةِ **فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ** اَیْ اِسْرَائِیْلِیٌّ **وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ** اَیْ قِبْطِیٌّ یُسَخِّرُ الْاِسْرَائِیْلِیَّ لِیَحْمِلَ حَطَبًا اِلَی مَطْبَخِ فِرْعَوْنَ **فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ** فَقَالَ لَهٗ مُوْسٰی خَلِّ سَبِیْلَهٗ فَقِیْلَ اِنَّهٗ قَالَ لِمُوْسٰی لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَحْمِلَهٗ عَلَیْكَ **فَوَكَزَهٗ مُوْسٰی** اَیْ ضَرَبَهٗ بِجَمْعِ كَفِّهٖ وَكَانَ شَدِیْدُ الْقُوَّةِ وَالْبَطْشِ **فَقَضٰی عَلَیْهِ** اَیْ قَتَلَهٗ وَلَمْ یَكُنْ قَصْدُ قَتْلِهٖ وَدَفَنَهٗ فِی الرَّمَلِ **قَالَ هٰذَا** اَیْ قَتْلُهٗ **مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ** اَلْمُهَیِّجِ غَضَبِیْ **اِنَّهٗ عَدُوٌّ** لِاِبْنِ اٰدَمَ **مُّضِلٌّ** لَهٗ **مُّبِیْنٌ** ﴿۱۵﴾ بَیِّنُ الْاِضْلَالِ **قَالَ** نَادِمًا **رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ** بِقَتْلِهٖ **فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ** ﴿۱۶﴾ اَیِ الْمُتَّصِفُ بِهِمَا اَزَلًا وَاَبَدًا **قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ** بِحَقِّ اِنْعَامِكَ **عَلَیَّ** بِالْمَغْفِرَةِ اَعْصِمْنِیْ **فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا** عَوْنًا **لِّلْمُجْرِمِیْنَ** ﴿۱۷﴾ اَلْكَافِرِیْنَ بَعْدَ هٰذِهٖ اِنْ عَصَمْتَنِیْ **فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ** یَنْتَظِرُ مَایَنَالُهٗ مِنْ جِهَةِ الْقَتِیْلِ **فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ** یَسْتَغِیْثُ بِهٖ عَلٰی قِبْطِیٍّ اٰخَرَ **قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓی اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ** ﴿۱۸﴾ بَیِّنُ الْغَوَایَةِ لِمَا فَعَلْتَهٗ اَمْسِ وَالْیَوْمِ **فَلَمَّآ اَنْ** زَائِدَةٌ **اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا** لِمُوْسٰی وَالْمُسْتَغِیْثِ بِهٖ **قَالَ** الْمُسْتَغِیْثُ ظَانًّا

أَنَّهُ يَبْطِشُ بِهِ لَمَّا قَالَ لَهُ **يٰمُوْسٰٓى أَتُرِيْدُ أَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ إِنْ مَا تُرِيْدُ إِلَّآ أَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ أَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ** ﴿۱۹﴾ فَسَمِعَ الْقِبْطِيُّ ذٰلِكَ فَعَلِمَ أَنَّ الْقَاتِلَ مُوْسٰى فَانْطَلَقَ إِلٰى فِرْعَوْنَ فَأَخْبَرَهُ بِذٰلِكَ فَأَمَرَ فِرْعَوْنُ الذَّبَّاحِيْنَ بِقَتْلِ مُوْسٰى فَأَخَذُوا الطَّرِيْقَ إِلَيْهِ قَالَ تَعَالٰى **وَجَآءَ رَجُلٌ** هُوَ مُؤْمِنُ اٰلِ فِرْعَوْنَ **مِّنْ أَقْصَا الْمَدِيْنَةِ** اٰخِرِهَا **يَسْعٰى** يُسْرِعُ فِيْ مَشْيِهِ مِنْ طَرِيْقٍ أَقْرَبَ مِنْ طَرِيْقِهِمْ **قَالَ يٰمُوْسٰٓى إِنَّ الْمَلَأَ** مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ **يَأْتَمِرُوْنَ بِكَ** يَتَشَاوَرُوْنَ فِيْكَ **لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ** مِنَ الْمَدِيْنَةِ **إِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ** ﴿۲۰﴾ فِي الْأَمْرِ بِالْخُرُوْجِ **فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ** لُحُوْقَ طَالِبٍ أَوْ غَوْثَ اللّٰهِ إِيَّاهُ **قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۲۱﴾ قَوْمِ فِرْعَوْنَ

ع ۲/۸/۵

ترجمہ:........... اور موسیٰ علیہ السلام جب اپنی پختگی کو پہنچ گئے (تیس یا تینتیس سال کی عمر ہوگئی) اور پورے طور پر سنبھل گئے (چالیس سال کے ہوگئے) ہم نے انہیں حکمت اور علم (نبوت سے پہلے جتنی سمجھ بوجھ) عطا کیا اور ہم اسی طرح (جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بدلہ عطا کیا۔ نیکوکاروں کو صلہ دیا کرتے ہیں اور (موسیٰ علیہ السلام) شہر میں (فرعون کی بستی منف مراد ہے۔ جس میں ایک مدت بعد پھر آئے) داخل ہوئے۔ ایسے وقت کہ وہاں کے باشندے (دوپہر کو سونے میں) بے خبر تھے تو انہوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے پایا، ایک تو ان میں سے ان کی (اسرائیلی) برادری کا تھا اور ایک ان کے مخالفین میں سے تھا (یعنی قبطی جو اسرائیلی پر فرعون کے مطبخ کی لکڑیاں بیگار اٹھوائے ہوئے تھا) سو ان کی برادری کے آدمی نے اس کے مقابلہ میں دادخواہی چاہی جو اس کے مقابلہ میں مخالفین سے تھا (حضرت موسیٰ نے اس سے کہا کہ اس کو بیگار سے چھوڑ دے۔ اس پر بعض کی رائے ہے کہ وہ بولا کہ اے موسیٰ پھر کیا تم پر اس گھٹے کو لاددوں؟) سو موسیٰ نے اس کے گھونسہ مارا (یعنی بھر پور مکہ رسید کر دیا۔ اور حضرت موسیٰ بڑے طاقتور مضبوط تھے) سو اس کا کام تمام کر دیا (یعنی اسے ان سے مار ڈالا۔ حالانکہ انہوں نے ارادۃً ایسا نہیں کیا۔ پھر اس کی نعش کو ریت میں چھپا دیا) موسیٰ بولے یہ (قتل) تو شیطانی حرکت ہوگئی (غصہ کے ہیجان سے یہ ہوا) بلاشبہ شیطان (انسان کا) دشمن کھلم کھلا بہکانے والا ہے۔ عرض کیا (شرمندہ ہوتے ہوئے) اے میرے پروردگار مجھ سے (اس کے مارنے کا) قصور ہوگیا۔ سو بخش دیجئے۔ پھر انہیں بخش دیا۔ بلاشبہ وہی ہے بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا (یعنی ان خوبیوں سے ہمیشہ متصف رہتا ہے) موسیٰ نے عرض کیا اے میرے پروردگار آپ نے مجھ پر جو انعام کیا ہے (اس کا واسطہ، میری مغفرت کر کے مجھے بچائیے) سو میں مجرموں کی مدد نہیں کروں گا (اگر آپ نے مجھے بچا لیا تو میں کافروں کی مدد نہیں کروں گا) موسیٰ کو شہر میں صبح ہوئی خوف اور دہشت کی حالت میں دیکھئے مقتول کی جانب سے کیا کچھ ہوتا ہے کہ اتنے میں وہی شخص جس نے گذشتہ کل ان سے مدد چاہی تھی وہ پھر انہیں پکار رہا ہے (کسی دوسرے قبطی کے مقابلہ میں دہائی دے رہا ہے) موسیٰ اس سے فرمانے لگے تو ہی بڑا بدراہ ہے (کل اور آج کی کارروائی کی رو سے نہایت غلط کار ہے) پھر جب (موسیٰ نے) اس پر (ان زائد ہے) ہاتھ بڑھایا جو ان دونوں (موسیٰ اور فریادی) کا مخالف تھا تو (اسرائیلی) بول اٹھا کہ (فریادی یہ سمجھا کہ موسیٰ فریاد کے جواب میں اسے پکڑیں گے) اے موسیٰ کیا اب مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کل ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو۔ پس تم دنیا میں اپنا زور بٹھانا چاہتے ہو اور صلح کروانا نہیں چاہتے (قبطی نے جب یہ ماجرا سنا تو سمجھ گیا کہ قاتل موسیٰ ہی ہیں فوراً ہی فرعون کے پاس جا شکایت کی۔ فرعون نے جلادوں کو حکم دیا کہ موسیٰ کو مار ڈالا جائے۔ چنانچہ ان کو گرفتار کرنے کے لئے سپاہی دوڑے) حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اور ایک صاحب (قبطی مسلمان) شہر

کے (آخری) کنارے سے دوڑے ہوئے آئے (نزدیک راستہ سے بھاگ کر) کہنے لگے اے موسیٰ اہل دربار (فرعون کے درباری) آپ کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں (تمہاری نسبت سوچ بچار کر رہے ہیں) کہ آپ کو قتل کر دیں سو آپ (شہر سے) بھاگ جائیے۔ میں آپ کی خیر خواہی کر رہا ہوں (شہر سے نکل جانے کا مشورہ دے کر) چنانچہ (موسیٰ) وہاں سے نکل کھڑے ہوئے خوف وامید کے ساتھ (کسی پکڑنے والے کے آ پہنچنے سے یا تائید غیبی سے) کہنے لگے اے میرے پروردگار مجھے ان (فرعونی) ظالموں سے بچا لیجئے۔

تحقیق وترکیب: .... اشد. جمع شدت کی جیسے انعم جمع نعمت کی ہے۔ کمال قوت وعقل مراد ہے۔

استوی. عمر کی پختگی مراد ہے جو چالیس سال میں ہوتی ہے۔ اکثری طور پر یہی سال نبوت ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مصر میں تیس ۳۰ سال اور مدین میں دس ۱۰ سال قیام رہا۔ واقعہ قتل مدین کو روانگی سے پہلے ہوا تھا۔ مجاہدؒ بلوغ اشد تینتیس سال اور زمانہ استویٰ چالیس سال مانتے ہیں۔ اور ابن عباسؓ زمانہ اشد اٹھارہ سے تیس سال اور زمانہ استویٰ تیس سے چالیس سال کے درمیان مانتے ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اشخاص واحوال، زمان ومکان کے لحاظ سے کمال قوت وعقل پر مدار ہے نہ کہ عمر کے تعیین پر۔

قبلک ان یبعث. مدین سے بیوی کے ساتھ واپسی پر نبوت وہمکلامی سے سرفراز ہوئے۔

منف. علمیت وعجمہ یا تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ مصر سے دو فرسخ کے فاصلہ پر فرعون کا شہر ہے قاہرہ سے ۱۲ میل جانب جنوب میں اپنے زمانہ کا بڑا نامور شہر تھا۔ اب مطراتہ اس جگہ پر ہے۔

علیٰ حین غفلة. علیٰ بمعنی فی ہے۔ بعض نے مغرب وعشاء کا درمیانی وقت کہا ہے۔ اس وقت پوشیدہ طریقہ سے آنے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ کو فرعون کا شہزادہ کہا جاتا تھا۔ اسی لئے وہ شاہی لباس اور شاہی سواری استعمال کرتے تھے۔ ایک روز حضرت موسیٰ کی غیر موجودگی میں فرعون سوار ہو کر کہیں نکلا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے آ کر معلوم کیا تو وہ بھی اس کے پیچھے نکل کھڑے ہوئے اور اس کی بستی منف میں ایسے وقت پہنچے کہ راستے سنسان اور بازار بند ہو چکے تھے۔

من عدوہ. یہ فرعون کا باورچی تھا۔ جو کسی اسرائیلی سے باورچی جانے کے لئے لکڑیاں بیگار لے جانا چاہتا تھا۔

فقضٰی علیه. یہ علیٰ کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے۔

ای انھی حیوتہ. اس کی زندگی ختم کر دی۔ کافر حربی مستامن کو قتل کرنا جائز نہیں یا اس وقت تک حضرت موسیٰ کو کسی کافر کے مار ڈالنے کی اجازت نہیں تھی۔ پھر کیسے قتل کر دیا؟ مفسر علامؒ نے اس کا جواب ''من غیر قصد'' کہہ کر دیا ہے۔ یعنی اتفاقاً مکہ زور سے پڑ گیا اور وہ مر گیا۔ اس لئے عصمت انبیاء پر بھی کچھ اشکال نہیں رہا۔ گویا قتل خطا تھا یا مدافعانہ قتل تھا جو جائز ہے۔ البتہ استغفار حسنات الابرار سیئات المقربین کے اعتبار سے کیا۔

بما انعمت. یہ قسم ہے جواب محذوف ای اقسم بانعامک علی بالمغفرة لا توبین یا محض استعطاف کے لئے بھی ہوسکتا ہے۔ ای رب اعصمنی بحق ما انعمت علی من القتل.

فلن اکون ۔ یہ جملہ دعائیہ بھی ہوسکتا ہے۔ ای فلا تجعلنی یا رب ظھیرا للمجرمین اور مقدر پر اس کا عطف بھی ہوسکتا ہے۔ ای اذکر نعمتک فلن اکون مفسر علامؒ نے بما انعمت میں ما مصدریہ کی طرف اور اعصمنی سے با کے متعلق کے مقدر ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے قلن اکون شرط مقدر کا جواب ہے ای ان اعصمنی فلن اکون الخ فا عاطفہ جواب امر کے لئے ہے اور بما میں با اعصمنی سے متعلق ہے اور علی استعطاف کے لئے ہے اور حضرت موسیٰ کو مغفرت کا علم بذریعہ الہام ہوا ہو یا بذریعہ خواب یا محض استغفار کی قبولیت کی امید پر سمجھے ہوں۔

فاصبح فی المدینة . لفظ خائفا خبر ہے اصبح کی اور فی المدینة متعلق ہے اور حال بھی ہوسکتا ہے اور فی المدینة خبر ہو اور یترقب خبر ثانی ہے یا حال ثانی ہے یا خبر اول یا حال سے حال ہے۔ یا خائفا کی ضمیر سے حال ہو۔ یعنی حال متداخلہ اور یترقب کا مفعول محذوف ہے۔ ای یترقب المکروہ او الفرج.

فاذا الذی. اس میں اذا مفاجاتیہ ہے اور الذی مبتدا اور صفت ہے محذوف کی۔ ای فاذا الا سرائیلی الذی . لفظ استنصرہ صلہ ہے اور لفظ یستصرخہ خبر ہے مبتداء کی۔

غوی مبین. حضرت موسیٰ کے اسی جملہ سے اسرائیلی یہ سمجھا کہ اب موسیٰ میری بھی خبر لیں گے۔ اس لئے وہ بول پڑا اترید ان تقتلنی یا حضرت موسیٰ کے زیادہ غضب ناک اور پرجلال ہونے کی وجہ سے وہ از خود گھبرا گیا ہو کہ کہیں میری بھی کمبختی نہ آ جائے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قال یا موسیٰ الخ کا قائل اسرائیلی نہ ہو۔ بلکہ یہ دوسرا قبطی ہو۔ وہ اسرائیلی کو حضرت موسیٰ کے برا بھلا کہنے سے یہ سمجھا کہ گذشتہ روز قبطی کا قتل اسی اسرائیلی کی وجہ سے ہوا ہے اور اس کے قاتل موسیٰ ہیں۔ اور غوی اس بے تدبیری کی وجہ سے کہا کہ خود بھی مبتلا ہوا اور مجھے بھی مشکل میں ڈال دیا۔

ھو عدو لھما . یہ اس کی دشمنی اختلاف مذہب کی وجہ سے تھی یا اختلاف نسل کی وجہ سے۔

جاء رجل . ان کا نام حزقیل ہے جو فرعون کے بھتیجے تھے۔

انی لک من النا صحین . لک بیان ہے صلہ نہیں ہے۔ کیونکہ صلہ موصول پر مقدم نہیں ہوا کرتا۔ ای انی من الناصحین لک جیسے مرحباً لک وسقیاً لک کہا جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لک کا متعلق محذوف ہو۔ جس پر لفظ ناصحین دلالت کر رہا ہے۔ ای ناصح لک من الناصحین یا خود ناصحین سے متعلق ہو۔ کیونکہ ظروف میں توسع ہوتا ہے۔

یترقب. کسی آفت کا اندیشہ مراد ہے یا امداد الٰہی کا انتظار۔

﴿ تشریح ﴾:.............. یہ رکوع بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

واستوی. یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام ابھی نبی تو نہیں ہوئے تھے۔ مگر آثار نبوت اور سامان رشد و ہدایت قوائے جسمانی وعقلی کے علاوہ سب بیدار ہو چکے تھے۔

کذلک نجری المحسنین . میں اسی طرف اشارہ ہے کہ نیک چلنی کی برکت سے علوم میں بھی ترقی ہوتی ہے اور یہ کہ حضرت موسیٰ کسی وقت بھی فرعون کے مسلک پر نہیں چلے۔ بلکہ ہمیشہ اس کے ظلم وکفر سے بیزار رہتے اور حکومت کی پوری مشینری اور اس کی قوم کے افراد کو اسی کے کل پرزے سمجھتے۔ اسرائیلی جو فرعونی مظالم کی چکی میں بری طرح پس رہے تھے۔ وہ ان کے جوان ہونے پر ان سے امیدیں لگائے ہوئے تھے اور ان کے گرد جمع رہتے۔ ادھر قبطی بھی صورت حال کو اپنے لئے خطرہ سمجھ رہے تھے۔ انہی ڈر تھا کہ یہ غیر قوم کا نوجوان کہیں زور نہ پکڑ جائے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ کی آمد و رفت جہاں اپنی والدہ اور برادری کے پاس رہتی۔ وہیں وہ شاہی محلات میں بھی بڑے ٹھاٹ باٹ کے ساتھ رہتے۔ اتفاقاً ایک اسرائیلی سے ایک شاہی باورچی قبطی کو الجھتے ہوئے دیکھا۔

حضرت موسیٰ کا واقعہ لغزش:.............. اتفاقاً ایک اسرائیلی سے ایک شاہی باورچی کو الجھتے ہوئے دیکھا اپنی آنکھ سے دیکھ کر ان کی زیادتیوں کی تصدیق ہوگئی۔ پہلے انہوں نے قبطی کو سمجھایا بجھایا ہوگا۔ ممکن ہے قبطی نے طیش میں آ کر جواب میں کوئی تیز لفظ کہہ دیا ہو۔ جس نے آگ پر تیل کا کام کیا اور موسیٰ علیہ السلام تاب نہ لا سکے اور بطور گوشمالی ایک مکا رسید کر ہی دیا۔ چونکہ طاقت ور جوان تھے۔

اس لئے ایک ہی گھونسہ میں قبطی نے پانی نہ مانگا۔ موسیٰ کو یہ اندازہ نہ تھا کہ اس طرح وہ کمبخت ایک دم دم توڑ دے گا اور ایک ہی گھونسہ میں کام تمام ہو جائے گا۔ مانا کہ قبطی کافر حربی تھا، ظالم تھا اور حضرت موسیٰ کی نیت بھی کچھ مار ڈالنے کی نہ تھی۔ بلکہ محض تادیب وتنبیہ کے لئے کچھ سرزنش کا ارادہ تھا۔ مگر گھونسہ کچھ بے جگہ پڑ گیا اور قبطی وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس وقت کوئی معرکہ جہاد نہ تھا اور نہ ہی حضرت موسیٰ نے اس کو کوئی الٹی میٹم دیا تھا۔ ادھر مصری بھی ان کی عادات واطوار کو دیکھ کر انہیں اس طرح کا کوئی شبہ بھی نہیں گزرا کہ وہ یونہی کسی کی جان و مال کو نقصان پہنچائیں گے۔ صرف ایک وقتی جوش کا نتیجہ تھا کہ ایک گھونسہ میں قبطی ٹھنڈا ہو گیا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی پر تعزیری کی جائے اور وہ اتفاقاً مر جائے۔ تو ہمارے یہاں بھی نہ قاضی پر گناہ ہوگا نہ جلاد پر۔ مگر اس پر بھی حضرت موسیٰ پچھتائے کہ بے ارادہ یہ خون ہو گیا۔ جوش غضب میں معاملہ کی تحقیق سرسری ہوئی اور اس کا بھی اندازہ نہ کر سکے کہ سرزنش کے لئے کتنی مار کافی ہے۔ پھر فرقہ وارانہ اشتعال کا اندیشہ دامن گیر ہوا ہوگا کہ کہیں اور فتنوں کا دروازہ نہ کھل جائے۔ اس لئے اپنے فعل پر نادم ہوئے کہ اس میں شیطانی دخل معلوم ہوتا ہے۔ انبیاءؑ کی فطرت چونکہ پاک وصاف ہوتی ہے۔ وہ نبوت سے پہلے ہی اپنے ذرہ ذرہ کاموں کا محاسبہ کرتے رہتے ہیں۔ ایک ذرا سی لغزش اور معمولی خطا پر بھی توبہ تلا کرنے لگتے ہیں۔ کیونکہ نبوت سے پہلے بھی وہ ولی ہوتے ہیں۔ کاملین کی عام عادت ہوتی ہے کہ اپنی خفیف سی بے احتیاطی کو بھی پہاڑ سمجھتے ہیں۔ **حسنات الا برار سيئات المقربين**.

واقعات معیت اور عصمت انبیاءؑ: .... **رب انی ظلمت نفسی الخ** حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عرض کرنا یہ سنت آدمؑ ہے۔ وہ بھی ایک ذرا سی لغزش پر گھبرا اٹھے تھے اور **ربنا ظلمنا انفسنا** کا ورد زبان سے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ رحمت باری کو جوش آیا اور **فتاب علیہ** کی بشارت سنائی۔ یہاں حضرت موسیٰؑ کو بھی الہام یا منام میں بشارت ہوگئی ہوگی۔ البتہ اس کا قطعی علم نبوت کے بعد ہوا ہوگا۔

عصمت انبیاءؑ چونکہ دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔ اس لئے وہ تو عقیدہ مسلمہ رہے گا۔ البتہ جہاں اس سے ہٹ کر کوئی بات سامنے آئے گی اس کی مناسب توجیہ وتاویل کرنی ہوگی۔ کہیں روایات موضوع میں، کہیں خبر واحد ظنی سے بعض واقعات کا پتہ چلتا ہے۔ کہیں نبوت سے پہلے کا کوئی جزئی واقعہ ہے۔ کہیں محض خلاف اولیٰ کا ارتکاب ہوا ہے۔ کہیں کوئی ادنیٰ لغزش سہو ونسیان یا خطائے اجتہادی کا نتیجہ ہے۔ غرض یہ کہ مسئلہ عصمت جو قطعی ہے وہ بدستور محفوظ رہے گا۔ توجیہات ان واقعات میں کی جائیں گی۔

اسی طرح شیطان کا تصرف انبیاءؑ پر ہو سکتا ہے۔ مگر وہ ان سے معصیت نہیں کرا سکتا۔ صرف اس کے تصرف سے کوئی خلاف اولیٰ بات ان سے سرزد ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ یہاں حضرت موسیٰ کے ہاتھوں فرعونی حربی کا اتفاقیہ مارا جانا ہوا۔ اس لئے کوئی اشکال نہیں رہتا۔

مجرمین کون تھے؟: .... حضرت موسیٰ کے **فلن اکون ظهيرا للمجرمين** عرض کرنے کا منشاء ظالم کفار ہوں انہیں مجرم کہا ہو یا ممکن ہے۔ اسرائیلی فریادی کا مجرم ہونا کچھ محسوس ہوا ہو یا چونکہ وہ اس بے احتیاطی کا سبب بنا ہے۔ پہلے آئندہ احتیاط کا وعدہ کر رہے ہوں یا مجرمین سے مراد شیاطین لئے ہوں کہ میں آئندہ کبھی ان کی وسوسہ اندازی میں نہیں آؤں گا کہ بعد میں پچھتانا پڑے۔ بلکہ ہمیشہ چوکنا رہوں گا۔

چونکہ یہ واقعہ بھری دوپہر یا رات کے وقت پیش آیا تھا۔ سڑکیں اور بازار سنسان ہوں گے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ لیکن صبح ہوئی تو حضرت موسیٰ کچھ متفکر رہے کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے اور اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ کہیں واقعہ کا چرچا نہ ہوا ہو اور فرعون تک نہ پہنچی ہو۔ نتیجۃً کیا گل کھلتا ہے۔

دوسرے دن کا ہنگامہ:............ اگلے روز دیکھا تو وہی اسرائیلی کسی اور قبطی سے الجھ رہا ہے۔ فرمایا تو روز ظالموں سے لڑتا ہے اور مجھ کو لڑواتا ہے۔ لیکن فرعونی کی زیادتی دیکھ کر اسے روکنے کے لئے آگے بڑھے۔ فرعونی چونکہ اسرائیلیوں کا مخالف تھا۔ اس لئے ان دونوں کا بھی مخالف ہوا۔ گویا بالتعیین حضرت موسیٰ کو اسرائیلی نہ سمجھتا ہو یا چونکہ حضرت موسیٰ کا فرعونی طور طریق سے متنفر ہونا مشہور ہو چکا ہے۔ اس لئے منجملہ قبطیوں کے یہ بھی حضرت موسیٰ کا مخالف تھا۔ بہر حال حضرت موسیٰ فرعونی کی طرف لپکے اور اس سے پہلے اسرائیلی پر خفا ہو چکے تھے۔ ہاتھ ڈالنا چاہا اس ظالم پر، بول اٹھا مظلوم۔ سمجھا کہ زبانی مجھ پر غصہ کیا ہے تو ہاتھ بھی مجھ پر چلائیں گے۔ کہنے لگا کہ جس طرح کل ایک کو مارا تھا آج مجھے ماروگے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم دنیا میں اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو۔ زور زبردستی سے قتل کرنا ہی آتا ہے۔ یہ نہ ہوا کہ سمجھا بجھا کر دونوں میں صلح کرا دیتے قاتل کی تلاش تو تھی ہی۔ اتنا سراغ ملنا کافی تھا۔ سنتے ہی قبطی نے جا فرعون کے کان بھر دیئے۔ وہاں مشورے ہوئے کہ غیر قوم کا آدمی اور یہ حوصلہ کہ سرکاری ملازموں اور بادشاہ کے آدمیوں کو قتل کر ڈالے۔ ممکن ہے خواب کا اندیشہ بھی فرعون کے سامنے ہو۔ سپاہی دوڑائے گئے۔ وارنٹ گرفتاری جاری ہوا۔ شاید مل جاتے تو قتل کر دیتے۔

حضرت حزقیلؑ کی بروقت مدد:............ مگر ایک نیک طینت شخص کے دل میں اللہ نے موسیٰ کی خیر خواہی ڈال دی اور وہ مجلس سے جلدی اٹھ کر کسی مختصر راستہ سے بھاگا ہوا حضرت موسیٰ کے پاس آیا اور انہیں صورت حال بتلا کر مشورہ دیا کہ تم فوراً شہر سے کہیں نکل جاؤ۔ یہ سنتے ہی حضرت موسیٰ مصر سے نکل کھڑے ہوئے۔ راستوں سے واقف نہ تھے۔ اللہ سے دعا کی۔ اس نے مدین جانے والی سیدھی سڑک پر ڈال دیا۔ جو مصر سے آٹھ دس دن کی مسافت پر تھا۔

لطائف سلوک:............ رب انی ظلمت. یہ فرعونی اگرچہ حربی تھا۔ مگر معاہد اور قولی معاہد نہ سہی۔ مگر معاہد حالی تھا۔ تاہم حضرت موسیٰ کا ارادہ اس کو بالکل مار ڈالنے کا نہیں تھا کہ اشکال ہو۔ بلکہ صرف تادیب کی نیت سے مکا مارا۔ اتفاقاً لگ گیا اس طرح کہ مر گیا۔ اس وقت تو غصہ میں خیال نہیں ہوا۔ مگر بعد میں سوچا تو سمجھ میں آیا کہ یہ ظلم تو کسی اور طریقہ سے بھی دفع ہو سکتا تھا۔ اس سے کئی مستفاد ہوئیں۔

ا۔ غصہ وغیرہ طبعی چیزیں کاملین سے بھی سرزد ہو جاتی ہیں۔

۲۔ حسنات الابرار سیئات المقربین کے لحاظ سے وہ اپنی معمولی لغزشوں پر بھی پچھتاتے ہیں۔ یہاں حسنہ دفع ظلم ہے۔

۳۔ کاملین کو دوسروں سے زیادہ خشیت ہوتی ہے۔

فلن اکون ظھیرا للمجرمین. سے معلوم ہوا کہ ظالم کا مددگار ہونا بھی جائز نہیں اور حکومت کی دعا ظالم کے لئے ایک طرح کی اعانت ہے۔ اس لئے اہل اللہ کسی ظالم کے لئے حکومت کی دعا نہیں کرتے۔ البتہ ضرورت کے موقعہ پر خیر کی قید کے ساتھ دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ استخارہ میں خیر کی قید کے ساتھ دعا ماثور ہے۔

خائفا یترقب. اگر اس سے مراد خوف ہے تو اول تو اس وقت تک حضرت موسیٰ نبی نہیں ہوئے تھے کہ اشکال ہو اور اگر نبی بھی ہوں تو طبعی خوف تھا جو کمال کے منافی نہیں ہے۔ خوف عقلی منافی ہے اور وہ ثابت نہیں۔ لیکن اگر یترقب سے تائید غیبی کا انتظار مراد ہو تو پھر کوئی اشکال ہی نہیں رہتا۔

انک لغوی مبین. سے معلوم ہوا کہ کاملین دشمن کی طرح دوست پر بھی سیاست ومواخذہ کرتے ہیں۔ ماوشما کا ان کے یہاں فرق نہیں ہوتا۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ قَصَدَ بِوَجْهِهِ **تِلْقَآءَ مَدْيَنَ** جِهَتَهَا وَهِيَ قَرْيَةُ شُعَيْبٍ مَسِيْرَةَ ثَمَانِيَةِ اَيَّامٍ مِنْ مِصْرَ سُمِّيَتْ بِمَدْيَنَ ابْنِ اِبْرَاهِيْمَ وَلَمْ يَكُنْ يَعْرِفُ طَرِيْقَهَا **قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ** ﴿۲۲﴾ اَيْ قَصْدَ الطَّرِيْقِ اَيِ الطَّرِيْقَ الْوَسْطَ اِلَيْهَا فَاَرْسَلَ اللّٰهُ اِلَيْهِ مَلَكًا بِيَدِهِ عَنَزَةٌ فَانْطَلَقَ بِهٖ اِلَيْهَا **وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ** بِئْرٌ فِيْهَا اَيْ وَصَلَ اِلَيْهَا **وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً** جَمَاعَةً كَثِيْرَةً **مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ** مَوَاشِيَهُمْ **وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ** اَيْ سِوَاهُمْ **امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ** تَمْنَعَانِ اَغْنَامَهُمَا عَنِ الْمَاءِ **قَالَ** مُوْسٰى لَهُمَا **مَا خَطْبُكُمَا** اَيْ شَانُكُمَا لَاتَسْقِيَانِ **قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ** جَمْعُ رَاعٍ اَيْ يَرْجِعُوْنَ مِنْ سَقْيِهِمْ خَوْفَ الزِّحَامِ فَنَسْقِيْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ يُصْدِرُ مِنَ الرُّبَاعِيِّ اَيْ يُصْرِفُوْا مَوَاشِيَهُمْ عَنِ الْمَاءِ **وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ** ﴿۲۳﴾ لَايَقْدِرُ اَنْ يَّسْقِيَ **فَسَقٰى لَهُمَا** مِنْ بِئْرٍ اُخْرٰى بِقُرْبِهَا رَفَعَ حَجَرًا عَنْهَا لَايَرْفَعُهٗ اِلَّا عَشَرَةُ اَنْفُسٍ **ثُمَّ تَوَلّٰٓى** اِنْصَرَفَ **اِلَى الظِّلِّ** لِسَمُرَةٍ مِنْ شِدَّةِ حَرِّ الشَّمْسِ وَهُوَ جَائِعٌ **فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ** طَعَامٍ **فَقِيْرٌ** ﴿۲۴﴾ مُحْتَاجٌ فَرَجَعَتَا اِلٰى اَبِيْهِمَا فِيْ زَمَنٍ اَقَلَّ مِمَّا كَانَتَا تَرْجِعَانِ فِيْهِ فَسَاَلَهُمَا عَنْ ذٰلِكَ فَاَخْبَرَتَاهُ بِمَنْ سَقٰى لَهُمَا فَقَالَ لِاِحْدٰهُمَا اُدْعِيْهِ لِيْ قَالَ تَعَالٰى **فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ** اَيْ وَاضِعَةً كُمَّ دِرْعِهَا عَلٰى وَجْهِهَا حَيَاءً مِنْهُ **قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا** فَاَجَابَهَا مُنْكِرًا فِيْ نَفْسِهٖ اَخْذَ الْاُجْرَةِ وَكَاَنَّهَا قَصَدَتِ الْمُكَافَاةَ اِنْ كَانَ مِمَّنْ يُرِيْدُهَا فَمَشَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ فَجَعَلَتِ الرِّيْحُ تَضْرِبُ ثَوْبَهَا فَتَكْشِفُ سَاقَهَا فَقَالَ لَهَا امْشِيْ خَلْفِيْ وَدُلِّيْنِيْ عَلَى الطَّرِيْقِ فَفَعَلَتْ اِلٰى اَنْ جَاءَ اَبَاهَا وَهُوَ شُعَيْبٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَعِنْدَهٗ عِشَاءٌ قَالَ لَهٗ اجْلِسْ فَتَعَشَّ قَالَ اَخَافُ اَنْ يَّكُوْنَ عِوَضًا مِمَّا سَقَيْتُ لَهُمَا وَاَنَا اَهْلُ بَيْتٍ لَانَطْلُبُ عَلٰى عَمَلِ خَيْرٍ عِوَضًا قَالَ لَاعَادَتِيْ وَعَادَةُ اٰبَائِيْ نَقْرِي الضَّيْفَ وَنُطْعِمُ الطَّعَامَ فَاَكَلَ وَاَخْبَرَهٗ بِحَالِهٖ قَالَ تَعَالٰى **فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ** مَصْدَرٌ بِمَعْنَى الْمَقْصُوْصِ مِنْ قَتْلِهِ الْقِبْطِيَّ وَقَصْدِهِمْ قَتْلَهٗ وَخَوْفِهٖ مِنْ فِرْعَوْنَ **قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۲۵﴾ اِذْ لَاسُلْطَانَ لِفِرْعَوْنَ عَلٰى مَدْيَنَ **قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا** وَهِيَ الْمُرْسَلَةُ الْكُبْرٰى اَوِ الصُّغْرٰى **يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ** اتَّخِذْهُ اَجِيْرًا يَرْعٰى غَنَمَنَا اَيْ بَدْلَنَا **اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ** ﴿۲۶﴾ اَيْ اِسْتَاْجِرْهُ لِقُوَّتِهٖ وَاَمَانَتِهٖ فَسَاَلَهَا عَنْهُمَا فَاَخْبَرَتْهُ بِمَا تَقَدَّمَ مِنْ رَفْعِهٖ حَجَرَ الْبِئْرِ وَمِنْ قَوْلِهٖ لَهَا امْشِيْ خَلْفِيْ وَزِيَادَةَ اَنَّهَا لَمَّا جَاءَتْهُ وَعَلِمَ بِهَا صَوَّبَ رَاْسَهٗ فَلَمْ يَرْفَعْهُ فَرَغِبَ فِيْ اِنْكَاحِهٖ **قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ** وَهِيَ الْكُبْرٰى اَوِ الصُّغْرٰى **عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ** تَكُوْنَ اَجِيْرًا لِيْ

فِیْ رَعْیِ غَنَمِیْ **ثَمَانِیَ حِجَجٍ** ج اَیْ سِنِیْنَ **فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا** اَیْ رَعْیَ عَشْرِسِنِیْنَ **فَمِنْ عِنْدِكَ** ج اَلتَّمَامُ **وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ** ط بِاشْتِرَاطِ الْعَشْرِ **سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ** لِلتَّبَرُّكِ **مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴿۲۷﴾** اَلْوَافِیْنَ بِالْعَهْدِ **قَالَ** مُوْسٰی **ذٰلِكَ** الَّذِیْ قُلْتَ **بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ** ط **اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ** الثَّمَانُ اَوِالْعَشْرُ وَمَازَائِدَةٌ اَیْ رَعْیَةٌ **قَضَیْتُ** بِهٖ اَیْ فَرَغْتُ عَنْهُ **فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ** ط بِطَلَبِ الزِّیَادَةِ عَلَیْهِ **وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ** اَنَا وَاَنْتَ **وَكِیْلٌ﴿۲۸﴾** ع حَفِیْظٌ اَوْشَهِیْدٌ فَتَمَّ الْعَقْدُ بِذٰلِكَ وَاَمَرَشُعَیْبٌ اِبْنَتَهٗ اَنْ یُّعْطِیَ مُوْسٰی عَصًا یَدْفَعُ بِهَا السِّبَاعَ مِنْ غَنَمِهٖ وَكَانَتْ عِصِیُّ الْاَنْبِیَاءِ عِنْدَهٗ فَوَقَعَ فِیْ یَدِهَا عَصَا اٰدَمَ مِنْ اٰسِ الْجَنَّةِ فَاَخَذَهَا مُوْسٰی بِعِلْمِ شُعَیْبٍ .

ع ۷ / ۳ / ۲

ترجمہ:............ اور جب (موسیٰ نے) رخ کیا (متوجہ ہوئے) مدین کی طرف (یہ شہر مصر سے ایک ہفتہ کی مسافت پر تھا۔ اس شہر کا نام مدین ابن ابراہیم کے نام پر ہے۔ حضرت موسیٰ اس کا راستہ نہیں جانتے تھے) تو بولے امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھی راہ چلائے گا (مدین کے درمیانی راستہ سے لے جائے گا۔ چنانچہ ایک فرشتہ نے آپ کی رہنمائی شہر مدین کی طرف کی جس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا نیزہ بھی تھا) اور جب وہ مدین کے پانی کے کنویں پر پہنچے تو اس پر ایک مجمع (بھیڑ) کو دیکھا لوگوں کے کہ (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہے ہیں اور مردوں کے علاوہ (سوا) دو عورتوں کو دیکھا جو ایک طرف کو (پانی سے اپنے جانوروں کو) روکے کھڑی ہیں۔ (موسیٰ نے ان سے) پوچھا تمہارا مدعا کیا ہے (کیوں اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا رہی ہو) دونوں بولیں ہم اس وقت تک پانی نہیں پلاتیں جب تک یہ چرواہے اپنے جانوروں کو نہیں ہٹا لے جاتے (لفظ رعاء راعی کی جمع ہے بھیڑ کے ڈر سے ان کی واپسی تک ہم رکی رہتی ہیں پھر ہم پانی پلاتی ہیں۔ اور ایک قراءت میں لفظ یصدر رباعی سے ہے یعنی تاوقتیکہ اپنے جانوروں کو کنویں سے نہ ہٹا لیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں (جانوروں کو خود پانی نہیں پلا سکتے) پس ان لڑکیوں کا خیال کرتے ہوئے موسیٰ نے پانی پلا دیا۔ (نزدیک کے دوسرے کنویں کا ایسا بڑا پتھر ہٹا کر جس کو دس آدمی بھی ہلا نہ سکیں) پھر ہٹ کر (مڑ کر) سایہ میں آ گئے (سخت گرمی کے مارے کیکر کے نیچے بھوک کی حالت میں) پھر دعا کی اے میرے پروردگار تو جو نعمت (کھانا) بھی دے دے میں اس کا حاجت مند ہوں (محتاج ہوں۔ چنانچہ لڑکیاں واپسی کے معمول سے پہلے ہی جلدا پنے باپ کے پاس پہنچ گئیں۔ انہوں نے جلد آنے کی وجہ پوچھی لڑکیوں نے پانی پلانے والے کا حال سنایا۔ باپ نے ایک لڑکی سے کہا انہیں میرے پاس بلا لاؤ۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) پھر ان میں سے ایک لڑکی (موسیٰ کے پاس) آئی شرماتی ہوئی چلتی تھی (یعنی موسیٰ سے شرم کرتے ہوئے چہرہ پر آستین کا پلہ کر لیا) بولی کہ میرے والد آپ کو یاد فرماتے ہیں۔ جو آپ نے ہماری خاطر ہماری بکریوں کو پانی پلایا ہے اس کا بدلہ دینے کے لئے (چنانچہ موسیٰ نے اسے منظور کر لیا۔ مگر دل میں طے کر لیا کہ اجرت نہیں لوں گا۔ حالانکہ لڑکی کا منشا یہ تھا۔ کہ موسیٰ اگر چاہیں گے تو اس احسان کا بدلہ احسان کی صورت میں ہو جائے گا۔

غرضیکہ لڑکی موسیٰ کے آگے آگے چلی۔ مگر ہوا سے اس کی لنگی کا پلہ ہٹ گیا جس سے اس کی پنڈلی کچھ کھل گئی۔ حضرت موسیٰ نے فوراً کہا کہ میرے پیچھے چلو اور راستہ بتلاتی رہنا۔ لڑکی نے ایسا ہی کیا اور اس طرح اپنے والد حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں لا کر پیش کیا۔ وہ رات کے دسترخوان پر تشریف فرما تھے انہوں نے کھانے پر حضرت موسیٰ کی تواضع فرمائی۔ موسیٰ نے عرض کیا ایسا نہ ہو کہ یہ

ضیافت میرے پانی پلانے کی اجرت ہو جائے اور ہم اہل بیت کسی بھلائی پر اجرت کے خواہاں نہیں ہوا کرتے۔ فرمایا ایسا نہیں بلکہ ہماری اور ہمارے خاندان کی روایات مہمان نوازی اور کھانا کھلانا رہا ہے۔ یہ سنتے ہی موسیٰ علیہ السلام کھانے میں شریک ہو گئے اور حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنی سرگذشت سنا دی۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) پھر (موسیٰ) جب (حضرت شعیبؑ کی) خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے سب حالات بیان کئے۔

(قصص مصدر ہے بمعنی مقصوص یعنی قبطی کا مارا جانا اور فرعونیوں کا آمادہ قتل ہو جانا اور فرعون سے خوف) فرمایا کہ کچھ اندیشہ مت کرو تم ظالم لوگوں سے بچ آئے (کیونکہ شہر مدین فرعونی حدود سلطنت سے باہر ہے) ان میں سے ایک لڑکی بولی (جسے بلانے کے لئے بھیجا تھا خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی) اے ابا جان انہیں آپ نوکر رکھ لیجئے (بکریوں کی دیکھ بھال پر ہماری بجائے انہیں مقرر کر لیجئے) کیونکہ اچھا نوکر وہی ہوتا ہے جو مضبوط اور امانتدار ہو (یعنی ان کی قوت و امانت کی وجہ سے انہیں کارندہ بنا لیجئے۔ والد نے لڑکی سے ان دونوں باتوں کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے ان سے وہی بیان کر دیا کہ جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ یعنی کنویں کے بھاری پتھر کو تنہا ہٹا دینا اور لڑکی کو پیچھے چلنے کی ہدایت دینا۔ اور نیز یہ زائد بات بھی بتلائی کہ جب وہ ان کے سامنے گئی اور انہیں معلوم ہوا تو فوراً سر نیچے کر لیا اور پھر نہیں اٹھایا۔ یہ احوال سن کر حضرت شعیبؑ کی ان سے شادی کرنے کی رغبت ہوگئی) کہنے لگے کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں (بڑی یا چھوٹی) لڑکیوں میں سے ایک کو تمہارے نکاح میں دے دوں اس شرط پر کہ تم میری نوکری کرو (میری بکریاں چرانے کا کام کرو) آٹھ سال (برس) پھر اگر دس سال پورے کرو (یعنی دس برس بکریاں چراؤ) تو یہ تمہاری طرف سے (پورا کرنا) ہے اور میں تم پر کوئی مشقت (دس سال مدت کی شرط کر کے) ڈالنا نہیں چاہتا۔ تم انشاء اللہ (یہ لفظ تبرکاً ہے) مجھے خوش معاملہ پاؤ گے۔ کہنے لگے (موسیٰ) یہ بات (آپ نے جو فرمائی ہے) میرے اور آپ کے درمیان ہو چکی ہے۔ ان دونوں مدتوں میں سے جو بھی (آٹھ سال یا دس سال۔ لفظ ایما میں ما زائد ہے یعنی اس مدت میں چرائی) پوری کر دوں (اسے مکمل کر دوں) مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا (اور زیادہ فرمائش کر کے) اور ہم (میں اور آپ) جو بات کر رہے ہیں اللہ اس کا گواہ ہے (نگراں یا شاہد ہے۔ اس جملہ سے معاملہ طے ہو گیا۔ اور حضرت شعیب علیہ السلام نے صاحبزادی سے فرمایا کہ انہیں لاٹھی لا دو جس کے ذریعہ درندوں سے بکریوں کی حفاظت کریں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس انبیاء کی بہت سی لاٹھیاں تھیں۔ جن میں سے لڑکی کے ہاتھ حضرت آدم علیہ السلام کی لاٹھی آئی جو جنتی ساگوان کی تھی۔ حضرت موسیٰ نے اس لاٹھی کو حضرت شعیب علیہ السلام کے علم میں آنے کے بعد قبول کر لیا۔)

تحقیق وترکیب: .... تلقاء مدین. حضرت موسیٰ کو مدین چلے جانے کا الہام ہوا۔ کیونکہ یہ شہر فرعون کی عملداری سے باہر تھا۔ یہ شہر حضرت ابراہیمؑ کے صاحبزادے مدین کے نام پر آباد ہوا تھا۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کے چار صاحبزادے ہوئے ہیں۔ ۱۔ حضرت اسماعیلؑ۔ ۲۔ حضرت اسحٰقؑ مشہور پیغمبر۔ ۳۔ مدین۔ ۴۔ مدائن جو پیغمبر نہیں ہوئے۔ اس طرح مدین اور مصر کے درمیان قرابتداروں کے روابط بھی تھے۔ ان تعلقات کی وجہ سے حضرت موسیٰ کے لئے اس شہر کا انتخاب کیا گیا ہوگا۔

سواء السبیل. مصر سے مدین جانے کے تین راستے تھے۔ جن میں سے درمیانی راستہ سے حضرت موسیٰ گئے اور ان کے تعاقب میں جانے والی پولیس دو راستوں پر تلاش کرتی رہی اور ناکام رہی۔ حضرت جبرائیلؑ نے چوبدار کی حیثیت سے حضرت موسیٰ کی راہنمائی کی۔

ماء مدین. تلاب یا کنواں۔

تذودان. مردوں کے ازدحام یا اختلاط سے بچنے کے لئے یا بکریوں کو اختلاط سے بچانے کے لئے لڑکیاں الگ کھڑی

رہیں گاؤں کے کنوؤں اور تالابوں کو جو اہمیت حاصل ہے۔ وہ آج کے دور میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

یصدر الرعاء . ابوعمرو اور ابن عامر کی قراءت **یصدر** اور جمہور اور عاصم کی قراءت **یصدر** باب افعال سے رباعی ہے۔

ابو ناشیخ کبیر . اول تو عرب اور عجم کے تمدنی اور معاشرتی حالات میں اسی طرح شہر اور دیہات کے ماحول میں آج بھی نمایاں فرق دیکھا جا سکتا ہے۔ پھر اس دور کے ماحول میں اور آج کے معاشرہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پھر گھر میں بوڑھے معذور باپ کے سوا کوئی نہ ہو تو آخر عورتیں اور لڑکیاں کام کاج کے لئے باہر نہیں آئیں جائیں گی۔ تو کس طرح زندگی کی گاڑی چلے گی۔ **فان الضرورات تبیح المحذورات**.

من خیر فقیر . ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہفتہ سے حضرت موسیٰ بھوکے تھے یا فقیر سے مراد ترک دینا ہے۔

علی استحیاء. **علیٰ** بمعنی **مع** ہے **تمشی** سے حال ہے۔ لفظ **حیاء** بالمد بمعنی حشمت ہے لفظ **استحیت** ایک یا اور دو یا کے ساتھ ہے بمعنی خود اور کبھی حرف کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے **استحیة استحیت منه** دونوں طرح ہوتے ہیں گھونگھٹ اور پردہ کے ساتھ مردوں سے ضروری کلام کی اجازت معلوم ہو رہی ہے۔

فاجابها . مفسر علامؒ اس عبارت سے اس شبہ کا جواب دے رہے ہیں کہ دعویٰ فقر کے ساتھ حضرت موسیٰ نے اجابت دعوت کیسے کی؟ حاصل جواب یہ ہے کہ پانی تو لوجہ اللہ پلایا۔ اجابت دعوت بلا اشراف نفس کے محض حصول برکت کے لئے۔ یا بھوک کی شدت کی وجہ سے جیسا کہ حضرت خضرؑ کے واقعہ میں بھی اسی طرح حضرت موسیٰ نے کہا تھا کہ **لو شئت لا تخذت علیه اجرا**. لیکن امام رازیؒ نے اس دوسری توجیہ کو تسلیم نہیں کیا۔ کیونکہ واقعہ خضرؑ میں ابتداءً استیجار مراد ہے جو بلا کراہت جائز ہے اور یہاں پانی پلانا محض بہ نیت خیر تھا اس پر اجرت مناسب نہیں ہے۔

وقص . مصدر بمعنی مفعول اور قص بمعنی اقتصاص بھی آتا ہے۔

قال لا تخف کہا جاتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی عمر تین ہزار یا ساڑھے تین ہزار سال ہوئی ہے اور بکریوں کی تعداد تو کتنی ہوگی۔ جب کہ ان کے رکھوالی کتے بارہ ہزار بتلائے جاتے ہیں۔

احدٰهما . ابن جریجؒ اور وہبؒ اور زمخشریؒ کی رائے ہے کہ بڑی لڑکی تھی جس کا نام صفرا تھا۔ لیکن خطیب نے اپنی تاریخ میں ابوذرؓ سے مرفوعاً تخریج کی ہے کہ چھوٹی لڑکی تھی جس کا نام صفیرا تھا۔ اسی نے **استاجره** کہہ کر سفارش کی تھی۔

انی ارید ان انکحك . یہ وعدۂ نکاح ہے نکاح نہیں ہے۔ ورنہ **انکحتک** کہنا چاہئے تھا۔

ثمانية حجج . جمع حجۃ ہے بمعنی سال۔ جانوروں کی چرائی بالاتفاق مہر بن سکتی ہے۔ البتہ خدمت کے بدل مہر بننے میں اختلاف ہے۔

اتممت عشرا . مفسر علامؒ نے لفظی **رعی** نکال کر تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فمن عندك . یعنی یہ مدت واجب نہیں بلکہ تبرعاً ہے جس کا پورا کرنا اختیاری ہے۔ ضروری نہیں۔

ان شاء اللّٰه. یعنی یہ قضیہ شرطیہ بطور تعلیق کے نہیں ہے بلکہ صرف تبرکاً کہا ہے۔

ایما الاجلین . یہ شرط ہے اور **فلا عدوان** جزاء ہے اور **ما** زائد ہے یا پھر نکرہ ہے اور **اجلین** بدل ہے۔ مفسر علامؒ نے ای **رعیه** نکال کر اشارہ کیا ہے کہ لفظ **ایما** مفعول ہے **قضیت** کا تقدیر مضاف **ای قضیت رعی ای الاجلین**.

فلا عدوان . یعنی جس طرح دس سال سے زیادتی کا مطالبہ **عدوان** ہے۔ اسی طرح آٹھ سال سے زیادتی کا مطالبہ بھی

نہیں کروں گا۔ اس کو بھی عدوان سمجھتا ہوں۔ طرفین کے ایجاب وقبول کے بعد اب عقد نکاح مکمل ہو گیا اور بعض نے علیحدہ ایجاب وقبول مانا ہے۔ اس سے عورت کی بکریوں کی چرائی کے بدل مہر بننے اور نکاح اور اجارہ دونوں کے ایک صنعت میں جمع کرنے کا جواز معلوم ہوا۔ نیز یہ کہ مالداری کفاوت میں داخل نہیں ہے۔

واللّٰہ علیٰ مانقول وکیل. معلن نے اس کو گواہوں کے شرط نکاح نہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ گواہوں کی موجودگی اسلام میں شرط نکاح ہے۔ ممکن ہے ان کی شریعت میں جائز ہو جو ہمارے لئے حجت نہیں اور یا کہا جائے کہ اس سے محض وعدہ کی پختگی مراد ہے نہ کہ گواہوں کا غیر ضروری ہونا۔

عصا اٰدم. حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس انبیاء علیہم السلام کے مختلف تبرکات ہوں گے۔ ان میں حضرت آدمؑ کا یہ عصا بھی تھا۔ چنانچہ مشائخ کے یہاں عصا وغیرہ تبرکات میں رائج ہے۔

﴿ **تشریح** ﴾:............ حضرت موسیٰ وہاں بھوکے پیاسے پہنچے۔ دیکھا کہ کنویں پر لوگ مویشیوں کو پانی پلا رہے ہیں۔ ان میں دو عورتوں کو بھی دیکھا کہ الگ کو اپنی بکریاں لئے حیا کے ساتھ کھڑی ہیں۔ شاید اوروں سے بچا ہوا پانی پلاتی ہوں یا سب کے چلے جانے کے بعد کھینچ کر پلاتی ہوں۔ اور موسیٰ کے پوچھنے پر کہنے لگیں بوڑھے باپ کے علاوہ ہمارے یہاں کوئی مرد نہیں۔ اس لئے مجبوراً ہمیں ہی آنا پڑتا ہے۔

خدمت خلق ترقی کا زینہ:............ موسیٰ علیہ السلام اگرچہ تھکے ماندے بھوکے پیاسے تھے۔ مگر ترس آیا کہ میری موجودگی میں عورت ذات اس درجہ مجبور و پریشان رہے اور میں انسانی ہمدردی کچھ نہ کرسکوں۔ اٹھے اور لڑکیوں کے جانوروں کو سیراب کر دیا۔ حضرت موسیٰ میں پیغمبرانہ اعلیٰ اوصاف تھے۔ ایک عام انسان بھی ایسے موقعہ پر ہمدردی سے تڑپ اٹھتا ہے اور جو کچھ بس میں ہو کر گزرتا ہے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ کی بارگاہ میں ملتجی ہوئے کہ اے اللہ میں کسی مخلوق سے کسی صلہ کی طمع نہیں رکھتا۔ البتہ آپ سے ہر قت بھلائی کا محتاج وامیدوار ہوں۔

ان لڑکیوں نے حضرت موسیٰ کی ہیئت اور دوسرے قرائن سے ان کے مسافر اور بھوکا پیاسا ہونے کا اندازہ کرلیا۔ آج یہ لڑکیاں معمول کے خلاف چونکہ جلد گھر لوٹیں۔ اس لئے والد نے حال دریافت کیا۔ تو انہوں نے سارا ماجرا اپنے بوڑھے باپ حضرت شعیب علیہ السلام سے کہہ سنایا۔ سن کر اس شرافت سے وہ بھی بے حد متاثر ہوئے اور ایک لڑکی کو حکم دیا کہ جاؤ انہیں بلالاؤ۔ ایک نے ان میں سے تعمیل کی اور فطری شرافت اور نسوانی شرم وحیا کے ساتھ حضرت موسیٰ کو باپ کا حکم پہنچایا۔ حضرت موسیٰ ابھی دعا مانگ کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ غیر متوقع طور پر قبولیت دعا کے یہ آثار دیکھے، قبول کیوں نہ کرتے۔ اٹھ کر فوراً ساتھ ہو لئے اور لڑکی کو ہدایت فرمادی کہ میں آگے رہوں گا تم پیچھے چلنا۔ اس خیال سے کہ مبادا بلا ضرورت اجنبیہ پر نظر نہ پڑے۔ چنانچہ لڑکی شرمیلی پیچھے پیچھے چلی اور راستہ بتلاتی اپنے گھر لے آئی۔ ضرورت کی وجہ سے عورتوں کا اس طرح آنا جانا باعث اشکال نہیں ہونا چاہئے۔ حضرت موسیٰ کا حضرت شعیبؑ کے دولت کدہ پر حاضری کا منشاء پانی پلانے کی اجرت لینا نہیں تھا۔ بلکہ حالات کے لحاظ سے کسی شفیق ہمدرد اور ٹھکانہ کے البتہ جویا تھے اگر بھوک کی شدت بھی اس جانے میں دخیل ہو۔ تب بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ اس کا اجرت سے کوئی تعلق نہیں اور دعوت کی خواہش خاص کر ضرورت کے وقت اور بالخصوص ایک کریم شخص سے کچھ ذلت کی بات نہیں چہ جائیکہ دوسرے کی خواہش پر دعوت کو منظور کرنا اس میں تو احتمال ذلت بھی نہیں۔

حضرت موسیٰ کی شادی:............ حضرت موسیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنی داستان سنائی ہوگی انہوں نے تسلی تشفی دیتے ہوئے فرمایا کہ مدین چونکہ حدود سلطنت سے باہر ہے اس لئے تم بےفکر رہو۔ ظالم قوم کے پنجہ سے تم نکل گئے۔ ایک لڑکی بولی کہ ابا جان آپ بوڑھے ہوگئے ہیں اور آپ کو سہارے کی ضرورت ہے۔ ہم بھی سیانی ہوگئی ہیں۔ اب ہمیں گھر میں ہی رہنا چاہئے۔ آپ انہیں کیوں نہیں رکھ لیتے۔ ان میں دونوں خوبیاں ہیں۔ طاقت وقوت کا اندازہ تو تنہا ان کے اتنے بڑے ڈول کھینچ لینے سے ہوا۔ اور امانتداری ان کے بےلالچ اور عفیفانہ برتاؤ سے معلوم ہوگئی۔ ایک عورت کسی مرد کی خوبی اس سے زیادہ بلاغت کے ساتھ اور کیا بیان کرسکتی ہے۔

یہ سن کر وہ بزرگ موسیٰ علیہ السلام سے بولے۔ میاں میں چاہتا ہوں کہ تم آٹھ سال میری خدمت کرو تو تمہیں ایک لڑکی بیاہ دوں۔ آٹھ سال تو ضروری مدت ہے۔ باقی دو سال کا اضافہ بطور تبرع ہے۔ جس طرح مال بدل مہر ہوتا ہے۔ اور بیوی کی نوکری اور خدمت گاری بدل مہر ہوتی ہے۔ اسی طرح بالغہ عورت کی رضامندی سے دوسرے عزیز واقارب کی خدمت گاری بھی بدل مہر بن سکتی ہے۔ بکریاں لڑکی کی ہوں یا ان کے والد کی۔ دونوں صورتوں میں کوئی شبہ ہماری شریعت کی رو سے بھی نہیں رہتا۔ اور پردیسی موسیٰ کی اجنبیت دور کرنے کے لئے یہ بھی فرمایا کہ تم سے کوئی سخت خدمت نہیں لی جائے گی۔ میں بری طبیعت کا آدمی نہیں۔ بلکہ بفضل خدا خوش معاملہ ہوں۔ میری صحبت میں رہ کر انشاءاللہ گھبراؤ گے نہیں۔ تمہیں خود اس کا تجربہ اور اندازہ ہوجائے گا۔

موسیٰ علیہ السلام اس بات چیت سے مطمئن اور اس معاملہ پر رضامند ہوگئے۔ اور عرض کیا کہ خدا کا بھروسہ مجھے منظور ہے۔ اور ان دونوں مدتوں میں مجھے اختیار ہوگا۔ مگر حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے دس سال کی مدت پوری کی۔

حضرت موسیٰ سے اثنائے گفتگو میں ان کا اولاد ابراہیم سے ہونا معلوم ہوگیا ہو۔ اس لئے یہ شبہ نہیں رہتا۔ کہ حضرت شعیبؑ نے تحقیق نسب وکفاءت کیوں نہ کی۔ اور اس معاہدہ سے یہ لازم نہیں۔ کہ اسی وقت نکاح ہوگیا۔ اور نہ واللّٰہ علی ما نقول کہنے سے یہ لازم آتا ہے کہ نکاح بغیر گواہوں کے ہوا۔ بلکہ یہ صورت نکاح کی ابتدائی گفتگو تھی۔ بعد میں انہوں نے ایک لڑکی کی تعیین اور اس کی رضامندی اور گواہوں کی موجودگی سب شرائط پوری کرلی ہوں گی۔

موسیٰ علیہ السلام کی اس سرگذشت میں آنحضرت ﷺ کے لئے بھی پیغام اور بشارت ہے کہ مخالفین آپ کی جان لینے کی بھی فکر کریں گے اور آپ کو بھی وطن سے بےوطن ہونا پڑے گا اور آٹھ سال بعد پھر بخیرت وطن واپسی ہوگی۔ چنانچہ واقعہ ہجرت پیش آیا اور آٹھ برس میں مکہ فتح کیا اور دسویں برس تک کافروں سے پاک کردیا۔

لطائف سلوک:............ فسقٰی لھما سے معلوم ہوا کہ خدمت خلق سے کاملین کو عار نہیں آتی۔

رب انی لما انزلت میں اس کی تعلیم ہے کہ کاملین کو چھوٹی بڑی ہر چیز میں اللہ کی طرف احتیاج کرنی چاہئے۔ حق تعالیٰ کی نعمتوں سے بےنیازی اور لاپرواہی متکبر مدعیان زہد کا شیوہ ہے۔

ان ابی یدعوك سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کام کرنے کے وقت مزدوری کی نیت نہ ہو اور کام کے بعد اشراف نفس کے بغیر عوض قبول کرلیا جائے تو یہ اخلاص کے خلاف نہیں ہے۔ البتہ جس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ایک صحابی کو تعلیم دینے کے بدلہ کمان قبول کرلینے پر واپسی کا حکم دیا تھا۔ وہ ممانعت سد ذرائع کے طور پر ہوگی۔ جس کو قرائن سے عربی سمجھ سکتا ہے۔

علیٰ ان تاجرنی ۔ سے معلوم ہوا کہ اسباب معاش اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں۔ ہاں اگر کوئی معاش میں مشغول ہوکر علم وعمل سے محروم رہنے کا اندیشہ رکھتا ہو یا وہ تکالیف کو جھیل سکتا ہو۔ پھر اسباب معاش کا چھوڑ دینا اس کے لئے بہتر ہے۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ اَىْ رَعْيَهٗ وَهُوَ ثَمَانٌ اَوْ عَشْرٌ سِنِيْنَ وَهُوَ الْمَظْنُوْنُ بِهٖ **وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ** زَوْجَتِهٖ
بِاِذْنِ اَبِيْهَا نَحْوَ مِصْرَ **اٰنَسَ** اَبْصَرَ مِنْ بَعِيْدٍ **مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ** اِسْمُ جَبَلٍ **نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا** هُنَا
اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّىْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ عَنِ الطَّرِيْقِ وَكَانَ قَدْ اَخْطَاَهَا **اَوْ جَذْوَةٍ** بِتَثْلِيْثِ الْجِيْمِ
قِطْعَةٌ اَوْ شُعْلَةٌ **مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ** ﴿۲۹﴾ تَسْتَدْفِئُوْنَ وَالطَّاءُ بَدَلٌ مِنْ تَاءِ الْاِفْتِعَالِ مِنْ صَلَّى بِالنَّارِ
بِكَسْرِ اللَّامِ وَفَتْحِهَا **فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِىَ مِنْ شَاطِئِ** جَانِبِ **الْوَادِ الْاَيْمَنِ** لِمُوْسٰى **فِى الْبُقْعَةِ**
الْمُبٰرَكَةِ لِمُوْسٰى لِسِمَاعِهٖ كَلَامَ اللّٰهِ فِيْهَا **مِنَ الشَّجَرَةِ** بَدَلٌ مِنْ شَاطِئٍ بِاِعَادَةِ الْجَارِ لِنَبَاتِهَا فِيْهِ وَهِىَ
شَجَرَةُ عُنَّابٍ اَوْ عُلَّيْقٍ اَوْ عَوْسَجٍ **اَنْ** مُفَسِّرَةٌ لَا مُخَفَّفَةٌ **يّٰمُوْسٰٓى اِنِّىْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۳۰﴾ **وَاَنْ اَلْقِ**
عَصَاكَ ؕ فَاَلْقَاهَا **فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ** تَتَحَرَّكُ **كَاَنَّهَا جَآنٌّ** وَهِىَ الْحَيَّةُ الصَّغِيْرَةُ مِنْ سُرْعَةِ حَرَكَتِهَا
وَّلّٰى مُدْبِرًا هَارِبًا مِنْهَا **وَّلَمْ يُعَقِّبْ** ؕ اَىْ يَرْجِعْ فَنُوْدِىَ **يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ** قف **اِنَّكَ مِنَ**
الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ **اُسْلُكْ** اَدْخِلْ **يَدَكَ** الْيُمْنٰى بِمَعْنَى الْكَفِّ **فِىْ جَيْبِكَ** هُوَ طَوْقُ الْقَمِيْصِ وَاَخْرِجْهَا
تَخْرُجْ خِلَافَ مَا كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْاُدْمَةِ **بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ** ز اَىْ بَرَصٍ فَاَدْخَلَهَا وَاَخْرَجَهَا تُضِيْءُ
كَشُعَاعِ الشَّمْسِ تَغْشَى الْبَصَرَ **وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ** بِفَتْحِ الْحَرْفَيْنِ وَسُكُوْنِ
الثَّانِىْ مَعَ فَتْحِ الْاَوَّلِ وَضَمِّهٖ اَىِ الْخَوْفِ الْحَاصِلِ مِنْ اِضَاءَةِ الْيَدِ بِاَنْ تُدْخِلَهَا فِىْ جَيْبِكَ فَتَعُوْدُ اِلَى
حَالَتِهَا الْاُوْلٰى وَعَبَّرَ عَنْهَا بِالْجَنَاحِ لِاَنَّهَا لِلْاِنْسَانِ كَالْجَنَاحِ لِلطَّائِرِ **فَذٰنِكَ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ اَىِ
الْعَصَا وَالْيَدُ وَهُمَا مُؤَنَّثَانِ وَاِنَّمَا ذَكَّرَ الْمُشَارَ بِهٖ اِلَيْهِمَا الْمُبْتَدَاَ لِتَذْكِيْرِ خَبَرِهٖ **بُرْهَانٰنِ** مُرْسَلَانِ **مِنْ رَّبِّكَ**
اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ **اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ** ﴿۳۲﴾ **قَالَ رَبِّ اِنِّىْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا** هُوَ الْقِبْطِىُّ
السَّابِقُ **فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ** ﴿۳۳﴾ بِهٖ **وَاَخِىْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّىْ لِسَانًا** اَبْيَنُ **فَاَرْسِلْهُ مَعِىَ رِدْاً**
مُعِيْنًا وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الدَّالِ بِلَا هَمْزَةٍ **يُّصَدِّقُنِىْٓ** ز بِالْجَزْمِ جَوَابُ الدُّعَاءِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ وَجُمْلَتُهٗ صِفَةُ
رِدْءًا **اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ** ﴿۳۴﴾ **قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ** نُقَوِّيْكَ **بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا**
سُلْطٰنًا غَلَبَةً **فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا** ج بِسُوْٓءٍ اِذْهَبَا **بِاٰيٰتِنَآ ج اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ** ﴿۳۵﴾ لَهُمْ **فَلَمَّا**
جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ وَاضِحَاتٍ حَالٌ **قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى** مُخْتَلَقٌ **وَّمَا سَمِعْنَا**
بِهٰذَا كَائِنًا فِىْ اَيَّامِ **اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ** ﴿۳۶﴾ **وَقَالَ** بِوَاوٍ وَبِدُوْنِهَا **مُوْسٰى رَبِّىْٓ اَعْلَمُ** اَىْ عَالِمٌ **بِمَنْ جَآءَ**
بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ الضَّمِيْرُ لِلرَّبِّ **وَمَنْ** عَطْفٌ عَلٰى مَنْ **تَكُوْنُ** بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّةِ **لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ** ؕ

اَیِ الْعَاقِبَةُ الْمَحْمُوْدَةُ فِی الدَّارِ الْاٰخِرَةِ اَیْ وَهُوَ اَنَا فِی الشِّقَّیْنِ فَاَنَا مُحِقٌّ فِیْمَا جِئْتُ بِهٖ **اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾** اَلْکَافِرُوْنَ **وَقَالَ فِرْعَوْنُ یٰٓاَیُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ ج فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ** فَاطْبَخْ لِیَ الْاٰجُرَّ **فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا** قَصْرًا عَالِیًا **لَّعَلِّیْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓی اِلٰهِ مُوْسٰی** لا اَنْظُرُ اِلَیْهِ وَاَقِفُ عَلَیْهِ **وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ ﴿۳۸﴾** فِیْ اِدِّعَائِهٖ اِلٰهًا اٰخَرَ وَاَنَّهٗ رَسُوْلُهٗ **وَاسْتَکْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾** بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَلِلْمَفْعُوْلِ **فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ** طَرَحْنَاهُمْ **فِی الْیَمِّ ج** اَلْبَحْرِ الْمَالِحِ فَغَرِقُوْا **فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾** حِیْنَ صَارُوْا اِلَی الْهَلَاکِ **وَجَعَلْنٰهُمْ** فِی الدُّنْیَا **اَئِمَّةً** بِتَحْقِیْقِ الْهَمْزَتَیْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِیَةِ یَاءً رُؤُسَاءَ فِی الشِّرْکِ **یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ ج** بِدُعَائِهِمْ اِلَی الشِّرْکِ **وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾** بِدَفْعِ الْعَذَابِ عَنْهُمْ **وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ج** خِزْیًا **وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ﴿۴۲﴾** اَلْمُبْعَدِیْنَ ع ۱۴ ۷

ترجمہ:............ پھر موسیٰ جب اس مدت کو پورا کر چکے (بکریاں چرانے کی مدت آٹھ سال۔ یا غالباً دس سال پورے کئے ہوں گے) اور اپنی اہلیہ کو لے کر روانہ ہوئے (بیوی کو ان کے والد کی اجازت سے مصر کی طرف) تو انہیں دکھلائی دی (دور سے نظر آئی) کوہ طور کی طرف سے (ایک پہاڑ کا نام ہے) ایک آگ انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا تم ٹھہرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے شاید میں وہاں سے کچھ خبر لاؤں (راستہ کے متعلق کیونکہ وہ راستہ بہک گئے تھے) یا کوئی انگارہ ہی (لفظ جــذوة تینوں طرح ہے) جیم کے فتحہ، کسرہ، ضمہ کے ساتھ ٹکڑہ یا شعلہ) آگ لیتا آؤں تا کہ تم سینک لو (گرمائی لے لو۔ لفظ تصطلون اصل میں ط کی بجائے ف کے ساتھ تھا باب افتعال سے صلی بالنار سے ماخوذ ہے لام کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ آگ سے تاپنا) سو جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں آواز آئی اس میدان کی داہنی طرف (جانب) سے (حضرت موسیٰ کے داہنے سے) اس مبارک مقام میں (حضرت موسیٰ کے لئے وہ مقام بابرکت تھا۔ کیونکہ وہاں انہوں نے کلام الٰہی سنا تھا) ایک درخت سے (من الشجرة بدل ہے لفظ شاطی سے اعادہ جار کے ساتھ کیونکہ یہ درخت اس جانب اگے ہوءے تھے۔ عناب کے درخت ہوں یا گھا سبیل یا جھڑ بیری کے (لفظ ان مفسرہ ہے ان مخففہ نہیں ہے) اے موسیٰ میں اللہ رب العالمین ہوں اور یہ کہ تم اپنا عصا ڈال دو (چنانچہ حضرت موسیٰ نے لاٹھی ڈال دی) پھر جب انہوں نے اسے لہراتا ہوا (دوڑتا ہوا) دیکھا جیسا پتلا سانپ (سپولیا۔ پھرتیلا ہونے میں) تو وہ پشت پھیر کر بھاگے (سانپ کی وجہ سے) اور پھر کر بھی نہ دیکھا (یعنی مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ پھر انہیں پکارا گیا۔ اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت۔ تم مامون ہو۔ ڈالو (داخل کرو) اپنا ہاتھ (داہنا۔ مراد ہتھیلی ہے) اپنے گریبان میں (چاک میں ڈال کر پھر نکال لو) نکلے گا (برخلاف اس کے جو پہلے اس کا رنگ گندمی تھا) خوب روشن ہو کر بغیر کسی بیماری کے (یعنی برص کے بغیر۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکال لیا تو آفتاب کی شعاع کی طرح چمکنے لگا۔ جس سے نگاہ چکا چوند ہو جاتی) اور پھر اپنے سے ملا لینا اپنا بازو خوف کی وجہ سے۔

(لفظ رہب پہلے دو حرفوں کے ضمہ کے ساتھ اور دوسرے حرف کے سکون اور پہلے حرف کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ تینوں طرح ہے یعنی جو خوف ہاتھ کیا چمک سے پیدا ہوگا جب کہ گریبان میں ہاتھ ڈال کر پھر نکالنے سے وہ پہلی حالت پر لوٹ ئے گا۔ اور ہاتھ کو جناح سے تعبیر

کیا ہے۔ کیونکہ انسانی ہاتھ جانور کے بازو کے حکم میں ہوتے ہیں) سو یہ (لفظ ذانک تشدید اور تخفیف دونوں طریقہ سے آیا ہے۔ اس سے عصا اور ید مراد ہیں اور اسم اشارہ جو مبتداء ہے اس کا خبر لانا خبر کے مذکر ہونے کی وجہ سے ہے) دوسندیں ہیں (جو بھیجی جارہی ہیں) آپ کے پروردگار کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس یقیناً وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔

عرض کیا اے پروردگار میں نے ان میں سے ایک شخص (پہلے قبطی) کا قتل کیا ہے۔ سو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے (اس کے بدلہ میں) قتل کرڈالیں گے۔ اور میرے بھائی ہارون کہ وہ مجھ سے بھی زیادہ خوش بیان (رواں زبان) میں انہیں بھی میرا مددگار بنا کر رسالت سے نواز دیجئے۔

(لفظ رداً یعنی معاون۔ ایک قراءت میں فتحہ دال کے ساتھ بلا ہمزہ کے بھی ہے) کہ وہ میری تصدیق کرتے رہیں (یصدقنی جزم کے ساتھ تو جواب دعا ہے اور ایک قراءت میں مرفوع یہ جملہ رداً کی صفت ہوگا) مجھے یہ اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب بھی کریں گے۔ فرمایا ہم ابھی تمہاری قوت بازو بنائے دیتے ہیں (تمہیں مضبوط کئے دیتے ہیں) تمہارے بھائی کو اور تم دونوں کو ایک شوکت (غلبہ) عطا کئے دیتے ہیں سو انہیں تم دونوں پر دسترس نہ ہوگی (بدسلوکی کرنے کی۔ تم دونوں جاؤ) ہمارے نشانات لے کر۔ باؤ۔ تم دونوں اور جو تمہارا تابعدار ہوگا وہ غالب رہے گا (فرعونیوں پر) پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہمارے کھلے نشانات لے کر پہنچے (جو واضح تھے لفظ بینات حال ہے) تو وہ بولے کہ یہ تو محض ایک گھڑا ہوا (من گھڑت) جادو ہے اور ہم نے ایسی بات (کا ہونا) اپنے اگلے باپ دادوں کے وقت (زمانہ) میں تو سنا نہیں اور موسیٰ نے (قال واؤ کے ساتھ اور غیر واؤ کے دونوں طرح ہے) فرمایا کہ میرا پروردگار خوب جانتا ہے (واقف ہے) اس کو جو اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے (عندہ کی ضمیر رب کی طرف راجع ہے) اور جسے (لفظ من کا لفظ من پر عطف ہے...... یکون اکثر قراء کے نزدیک تا کے ساتھ ہے اور حمزہ کے نزدیک یا کے ساتھ ہے) آخرت کا گھر ملنے والا ہے (یعنی آخرت میں بہترین انجام کس کا ہوگا؟ یعنی میں ہی ان دونوں باتوں کا مصداق ہوں لہذا میرا پیغام برحق ہے) بلاشبہ ظالم (کافر) کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔ اور فرعون بولا اے سردارو! مجھے تو اپنے سوا کوئی تمہارا خدا معلوم نہیں ہوتا۔ تو اے ہامان میرے لئے مٹی کو آگ میں پکا (اینٹوں کا پزاوہ بھٹہ لگا) پھر میرے لئے ایک بلند عمارت (اونچا مینار) بنا۔ تاکہ میں موسیٰ کے خدا کو دیکھو (نظر دوڑا کر معلوم کروں) اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں (کہ میرے علاوہ اور کوئی خدا ہے اور اس کا رسول ہے) اور فرعون اور اس کے لاؤلشکر نے ملک میں ناحق اپنا سر اٹھا رکھا تھا اور یہ سمجھ رکھا تھا کہ انہیں لوٹ کر ہمارے پاس آنا نہیں ہے۔

(لا یرجعون معروف اور مجہول دونوں طرح ہے) سو ہم نے اس کو اور اس کے لاؤلشکر کو پکڑ کر پھینک دیا (ڈال دیا) سمندر میں (کھارے پانی میں وہ سب ڈوب گئے) سو دیکھئے ظالموں کا انجام کیا ہوا؟ اور ہم نے انہیں (دنیا میں) ایسا رئیس بنا دیا تھا جو (لفظ ائمۃ دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے ہمزہ کو یا سے بدل کر دونوں طرح ہے۔ شرک کی پیشوائی مراد ہے) جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے رہے (شرک کی دعوت دے کر) اور قیامت کے روز کوئی ان کا ساتھ نہیں دے گا (ان سے عذاب دور کرنے میں) اور دنیا میں بھی (رسوائی کے لئے) ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن بھی وہ لوگ بدحال (راندہ) لوگوں میں ہوں گے۔

تحقیق وترکیب: .... سار باھلہ. تورات میں ہے کہ آپ کی بیوی کا نام صفورا تھا اور ان کے دو بچے تھے۔ جیسا کہ امکثوا صیغہ جمع سے اشارہ ہوتا ہے۔

جذوۃ. حمزہؒ نے ضمہ جیم کے ساتھ اور عاصم نے فتحہ اور باقی قراءؒ نے کسرہ جیم کے ساتھ پڑھا ہے۔ بقول صاحب کشافؒ موٹی لکڑی۔ جس کے سرے پر آگ روشن ہو۔ اور بقول زجاجؒ موٹے ٹکڑے کو جذوہ کہتے ہیں۔ اس کو تاء مبالغہ کی وجہ سے کہا گیا ہے۔

انی انا اللّٰہ ۔ یہ کلام بلا کیف تھا۔ جس سے حضرت موسیٰ کو یقین ہوگیا۔ کہ یہ کلام الٰہی ہے اور سرسبز درخت پر آگ روشن دیکھ کر یقین ہوگیا کہ یہ صرف قدرت الٰہی کا کرشمہ ہے۔

من الشجرۃ. لفظ شاطی سے بدل الاشتمال ہے۔

علیق. بقول قاموسؒ ایک قسم کی گھاس جو درخت پر پھیلتی ہے۔ اس کے چبانے سے مسوڑھے مضبوط ہوجاتے ہیں اور عوسج بقول صراح گھاس بیل یا کانٹے دار جنگلی درخت جس پر پھل چنے کے برابر آتے ہیں قدرے لمبے۔

و اد ایمن . حضرت موسیٰ کی داہنی جانب ہونے کے لحاظ سے ہے۔

ان یٰموسیٰ. ان مفسرہ ہے ای بان یموسیٰ. ان مخففہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ معنی مقصود اس صورت میں حاصل نہیں ہے۔ اس سے ان لوگوں پر رد ہوگیا۔ جو اسم ان کو ضمیر مکان محذوف مانتے ہیں ای نو دی بانه.

جان . اس آیت میں " فاذا ھی ثعبان مبین ہے۔ جس کے معنی بڑے موٹے اژدہا کے ہیں۔ مفسر علامؒ نے من سرعۃ حرکتھا کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ جان کہنا بلحاظ تیز رفتاری کے ہے اور ثعبان کہنا بلحاظ جثہ کے ہوگا۔ یا ابتداء میں جان ہوتا ہو اور بڑا ہوتے ہوتے ثعبان بن جاتا ہے۔

جناحك . یہاں جناح کو مضموم اور سورۂ طہٰ کی آیت واضمم یدك الیٰ جناحك میں مضمون الیہ فرمایا گیا ہے دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ یہاں داہنا بازو اور سورہ طہٰ میں بایاں بازو مراد لیا جائے اور جس طرح خوف وامن کے وقت پرندوں کے بازو پھیلتے اور سکڑتے ہیں۔ اسی طرح انسان کے بازوؤں کا حال ہے۔ اس لئے جناح سے تعبیر کیا اور گریبان یا بغل میں ہاتھ ڈال کر طبعی خوف کے ازالہ کی تدبیر مقصود ہوگی۔ جو لکڑی کے تغیرات سے پیش آیا تھا۔

من غیر سوء. اس سے موجودہ تورات کے اس بیان کی تغلیط ہوگی کہ عیاذاً باللہ آپ کو برص کی بیماری تھی۔

ذانك. مشدد قراءت ابوعمروؒ اور ابن مالکؒ کی ہے۔ اسی صورت میں ذلك کا تثنیہ ہوگا۔ لام کو عوض مشدد کر دیا گیا اور مخفف باقی قراء کی قراءت ہے۔ اور ذاک تثنیہ ہے۔ البتہ اس کا مشار الیہ عصا اور ید ہیں۔ اس لئے اسم اشارہ لفظ تان آنا چاہئے تھا۔ مفسر علامؒ نے جواب دیا۔ کہ اس کی خبر برھانان کے مذکر ہونے کی وجہ سے اسم اشارہ مذکر لایا گیا ہے۔

من ربك . مفسر علامؒ نے اس کا متعلق مرسلان نکالا ہے۔ لفظ کائنان بھی مقدر ہوسکتا ہے۔ بہرصورت یہ برھانان کی صفت ہے۔ اور کرخیؒ نے الیٰ فرعون کا متعلق محذوف نکالا ہے۔ ای اذھب الیٰ فرعون . یصدقنی . یہ ارسلهٗ کا جواب ہونے کی وجہ سے مجزوم بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن جمہور اور عاصم کی قرائت میں مرفوع ہے اور جملہ صفت ہوجائے گی ردءاً کی۔ اس صورت میں جواب کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ قاضی نے جواب نکالا ہے۔ کیونکہ ہر امر اس کا جواب ضروری نہیں۔

عضدك. قاضی بیضاویؒ نے اس میں دوہرا مجاز مرسل مانا ہے۔ سبب اول مسبب مراد لیا گیا ہے۔ کیونکہ شدت عضد سبب ہے شدت ید کا اور شدت ید سبب ہے قوت شخصی کا۔

بایٰتنا. اس میں کئی صورتیں ہوسکتی ہیں:۔

۱۔ نجعل کے متعلق کہا جائے۔

۲۔ یصلون کے متعلق کہا جائے۔

۳۔ محذوف کے متعلق کہا جائے ای اذھبا بایاتنا.

۴۔ بیان مان کر محذوف سے متعلق ہے۔

۵۔ غالبون سے متعلق ہے اور الغالبون میں الف لام موصول ہو یا موصول نہ ہو ظروف میں توسع ہوتا ہے۔

۶۔ یہ قسم ہے اور اس کا جواب محذوف ہو جس پر فلا یصلون دلالت کر رہا ہے۔

۷۔ قسم لغو ہے یہاں آیات سے اگر چہ عصا اور ید بیضا مراد ہیں۔ مگر جمع کے ساتھ تعبیر بہت سی نشانیوں پر ان دونوں کے مشتمل ہونے کی وجہ سے ہے۔

ما سمعنا . یہ محض عناد کی وجہ سے کہا ہے۔ ورنہ حضرت ابراہیم واسحاق ویعقوب علیہم السلام اور ان کی تعلیمات مشہور تھیں۔

وقال . ابن کثیرؒ بغیر واؤ کے پڑھتے ہیں۔ کیونکہ یہ ان کے قول کا جواب ہے۔ لیکن اکثر قراء واؤ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ گویا دونوں قول کی حکایت بطریق عطف کردی۔ تاکہ ناظر صحیح اور غیر صحیح میں امتیاز کر سکے۔

ربی اعلم . مفسر علامؒ نے اسم تفصیل کو بمعنی اسم فاعل کہا ہے۔ اس لئے اب یہ شبہ نہیں ہوسکتا۔ کہ اسم تفصیل تو اسم ظاہر کو نصب نہیں دے سکتا۔

من تکون . عام قراءؒ تا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ عاقبة اسم اور لهٗ خبر ہے اور اسم ضمیر قصہ بھی ہوسکتی ہے اور تانیث بھی اسی وجہ سے ہے اور لهٗ عاقبة الدار یہ جملہ خبر کی جگہ ہے اور بعض نے یکون پڑھا ہے۔ عاقبة اسم اور مذکر ہونا فصل کی وجہ سے نیز مجازی ہونے کی وجہ سے ہے اور اسم ضمیر شان اور جملہ خبر بھی ہوسکتا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ تکون تامہ ہو اس میں ضمیر جس کا مرجع من ہو اور جملہ حال ہو۔

عاقبة الدار . قاضی بیضاویؒ نے دار سے مراد دنیا اور عاقبة سے مراد خیریت لی ہے۔ لیکن مفسر علامؒ دار سے دار آخرت اور عاقبة سے مراد محمود لے رہے ہیں۔ جس کا قرینہ لهٗ کا لام ہے۔ جس کے معنی نفع کے ہیں۔

فاوقد . اینٹوں کے بھٹہ اور پزادہ کا موجد فرعون وہامان کو بتلایا جاتا ہے۔

انظر . احمق یہ سمجھا کہ خدا کوئی جسم ہے جو نظر آجائے گا۔ یا محض عوام کو دھوکہ دینے کے لئے یہ کہا ہو کہ حضرت موسیٰ کے معتقد اور مجھ سے فرنٹ نہ ہو جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہامان نے پچاس ہزار کاریگر بلوائے اور اتنا اونچا منارہ بنایا کہ اس سے پہلے کبھی اتنی بلند عمارت نہیں بنائی گئی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جبرائیلؑ کے ذریعہ اسے تہس نہس کرادیا۔

فانظر . آنحضرت ﷺ کو یا عام طور سے سب کو خطاب ہے۔

ائمة . اس میں دوسرے ہمزہ کو یا سے بدلنے کی قرائت کسی کی نہیں ہے۔ صرف عربیت کے لحاظ سے مفسر علامؒ نے بیان کردیا ہے۔ من المقبوحین . اس میں کئی صورتیں ہوسکتی ہیں:۔

۱۔ یوم القیامة کا تعلق مقبوحین سے ہو۔ درانحالیکہ الف لام موصول نہ ہو یا موصولہ ہو۔

۲۔ اس کا تعلق محذوف کے ساتھ ہو۔ اس کی تفسیر مقبوحین سے ہو رہی ہے ای وتجرا یوم القیامة .

۳۔ یوم القیامة کا عطف فی هذه الدنیا پر ہو ای واتبعنا هم لعنة ویوم القیمة.

۴۔ تبقدیر مضاف لعنة پر عطف کیا جائے۔ ای ولعنة یوم القیامة . مقبوح کے معنی مردود کے ہیں یا برا نشان جیسے چہرہ کی سیاہی آنکھوں کی نیل گونی وغیرہ۔

﴿ تشریح ﴾: .... شادی کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خسر حضرت شعیب علیہ السلام کی اجازت سے گھر واپسی کے لئے بیوی کے ساتھ رخصت ہوئے۔ اثنائے سفر میں ایک رات اتفاق سے سردی ہوئی اور حضرت موسیٰ راستہ بھی بھول گئے۔ کہ اچانک انہیں طور پہاڑ پر آگ کے شعلے نظر آئے۔ جو ایک درخت پر بھڑک رہے تھے۔ وہ ایک نور اور روشنی تھی جو انہیں آگ کی صورت میں نظر آئی اور یہ سمجھے کہ یہاں کہیں آبادی ہوگی۔ وہاں شرف ہمکلامی نصیب ہوا۔ جس کی وجہ سے وہ کلیم اللہ کہلائے۔ اور عصا کے اژدھا بن کر پھر لکڑی بن جانے اور ید بیضا کے دو معجزات بطور نبوت کی نشانیوں کے عطا ہوئے۔ لاٹھی کے سانپ بننے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو طبعی خوف ہوا۔ اس کے ازالہ کے لئے گریبان میں ہاتھ ڈالنے اور بازو کو پہلو سے ملا لینے کا حکم ہوا اور شاید آگے کے لئے بھی خوف دور کرنے کی یہ ترکیب بتلا دی ہو۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معجزہ تمام تر اللہ کا فعل ہوتا ہے۔ پیغمبر اس کا صرف واسطہ ہوتا ہے۔ اسے اس معجزہ کی تکوین وتخلیق میں مطلقاً دخل نہیں ہوتا۔ ورنہ پیغمبر کو کم از کم اپنے معجزہ سے تو خوف نہیں ہونا چاہئے۔ اسی لئے بعض عارفین نے **لاتخف** کی یہ توجیہ کی ہے کہ تخلیق کی طرح پیغمبر کو اس کے صادر کرنے کا اختیار بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے ڈر ہوا کہ کہیں اس کو ظاہر کرنا مناسب سمجھوں اور مصلحت خداوندی نہ ہوئی۔ تو پھر معجزہ کا اظہار بھی نہیں ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ شرمندہ ہونا پڑے۔

معجزات انبیاء اختیاری نہیں ہوتے اس لئے وہ خائف رہتے ہیں: .... یہ دو سندیں اس لئے عطا کی گئیں۔ تاکہ فرعون اور قبطیوں پر اتمام حجت ہو سکے۔ یہ عنایات ونوازش دیکھ کر حضرت موسیٰ نے خصوصی امداد کی درخواست پیش کرتے ہوئے دو باتیں عرض کیں۔ ایک تو قبطی کے واقعہ قتل کے نتائج کا فکر اور دوسرے اپنی زبان میں قدرے بستگی۔ جس سے بیان کی روانی میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ جو حجت ومباحثہ کے موقعہ پر مخل ہوسکتی ہے۔ اس لئے پہلے خطرہ کے سدباب کے ساتھ بڑے بھائی حضرت ہارونؑ کے لئے بطور تائید نبوت کی استدعا کی۔ حضرت موسیٰؑ کی زبان میں قدرے لکنت تھی۔ مگر حضرت ہارون علیہ السلام بڑے شگفتہ بیان صاف بیان تھے۔ بہرحال یہ دونوں درخواستیں منظور فرما کر مطمئن فرما دیا گیا۔ اصل داعی حضرت موسیٰؑ ہوئے اور ان کے معاون ومددگار حضرت ہارونؑ رہے۔

یہ واپسی اگر مصر کی طرف ہو رہی تھی تب تو فرعون کا خطرہ بالکل واضح ہے۔ واقعہ قتل گو پرانا ہو چکا تھا۔ مگر فرعون سے حضرت موسیٰؑ کا چھپا رہنا مشکل تھا۔ البتہ اگر حضرت موسیٰ ملک شام تشریف لے جا رہے تھے۔ تو بظاہر وہاں رہ کر فرعون سے اگرچہ کوئی خطرہ نہیں تھا۔ مگر ممکن ہے فرعون کے پاس مستقل طور پر جانے کے حکم پر حضرت موسیٰ نے یہ خدشہ ظاہر ہوا ہو۔ سورۂ اعراف، سورۂ طٰہٰ، سورۂ نمل میں بھی اس واقعہ ذکر آیا ہے۔

ہٹ دھرمی کی حد: .... ان نشانیوں اور حضرت موسیٰؑ کی گفتگو سن کر فرعونی لوگ بولے کہ یہ تو جادو ہے اور جو باتیں خدا کی طرف منسوب کر کے بیان کی جا رہی ہیں وہ بھی جادو ہے۔ جو خود ان کی من گھڑت ہیں۔ مگر نام ان کو وحی کا دیتے ہیں۔ یہ وحی وغیرہ کچھ نہیں۔ محض ساحرانہ تخیل ہے۔ مثلاً ساری دنیا کو پیدا کرنے والا ایک خدا کو کہنا اور ایک وقت میں سب کو فنا کر کے دوبارہ زندہ کر دینا اور خدا کا کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا یہ باتیں ہم نے آج تک اپنے بزرگوں سے نہیں سنی ہیں۔

پہلے تو فرعون نے درباریوں کے سامنے ڈینگ ماری۔ کہ دنیا میں میرے علاوہ دوسرا خدا کون ہے؟ اس میں شک نہیں کہ فرعون خود مختار، مطلق العنان جابر بادشاہ تھا۔ اس کی زبان سے صادر ہوئے فیصلہ کی اپیل کی بھی کہیں گنجائش نہیں تھی۔ وہ سب کچھ اپنے

اختیار سے کرسکتا تھا۔ اسی کو وہ اپنی خدائی سے تعبیر کر رہا ہے۔ ملک کی ایک بڑی اکثریت اس کو سب سے بڑے دیوتا کا اوتار سمجھتی تھی۔

بیچارے حضرت موسیٰ وہارونؑ تو پھر ایک محکوم مظلوم قوم کے فرد تھے۔ ان کو وہ کیا خاطر میں لاتا فراعنہ مصر۔ مصریوں کے عقیدہ میں خدائی اوتار تھے اور بادشاہ سب سے بڑے دیوتا سورج کا ترجمان ہوتا تھا اور اپنا رعب جمانے کے لئے اور لوگوں کو دھوکہ اور مغالطہ میں ڈالنے یا محض دفع الوقتی کے لئے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ پکی اینٹوں کا بھٹہ اور پزادہ لگا کر ایک نہایت اونچی لاٹھ بناؤ۔ میں ذرا آسمان کے قریب پہنچ کر موسیٰ کے خدا کو جھانک آؤں اور ذرا اس کی خبر لیتا آؤں۔ زمین میں تو مجھے اپنے سوا کوئی خدا نظر نہیں آتا۔ آسمان میں بھی خیال تو یہی ہے کہ کوئی نہ ہوگا۔ تاہم موسیٰ کی بات کا جواب ہو جائے گا اور لوگ سمجھیں گے بڑا ہی محقق ہے۔ اس تعمیر کا بننا نہ بننا کسی صحیح روایت میں نہیں آیا۔

فرعون کے تمسخر کا انجام: .... یہ بات اس ملعون نے یا تو تمسخر واستہزاء کے انداز میں کہی ہوگی یا پھر اس درجہ بدحواس اور پاگل ہوگیا ہو کہ اس طرح کی پوچ اور مضحکہ خیز تجویزیں سوچنے لگا۔ اپنے انجام سے غافل ہو کر اس قدر بلند بانگ دعویٰ کر بیٹھا اور یہ نہ سوچا کہ کوئی اس کی گردن نیچی کرنے والا اور سر توڑنے والا بھی موجود ہے۔ بالآخر خدائے قہار نے دنیا کو عبرت کا تماشہ دکھلانے کے لئے لاؤ لشکر سمیت فرعون کو بحر قلزم میں ڈبو کر ہمیشہ کے لئے اس کا قصہ پاک کر دیا۔ یہ تو ہوا دنیا میں ان کا انجام۔ لیکن جس طرح یہاں وہ سرکش اور برگشتہ لوگوں کے پیش پیش رہے۔ وہاں بھی دوزخیوں کے آگے امام بنا کر رکھا جائے گا۔ دنیا میں گمراہی کی قیادت کا انجام تو یہ ہوا کہ سب کی زبان پر ہمیشہ لعنت رہی۔ کوئی انہیں اچھا کہنے والا نہیں ہے۔ اسی طرح آخرت میں پیشوائی کا تمغہ ہمیشہ کے لئے رحمت خداوندی سے محرومی ہوگی۔

لطائف سلوک: .... **ویجعل لکما سلطانا** سے اہل اللہ کے لئے باوجود انتہائی سادگی اور بے سروسامانی کے ہیبت و جلال کا عطا ہونا معلوم ہوا اور یہ کہ اس ہیبت سے اگر خدمت دین میں کام لیا جائے تو خدا کا بہت بڑا انعام بھی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ **مِنْ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى** قَوْمَ نُوْحٍ وَعَادٍ وَثَمُوْدَ وَغَيْرَهُمْ **بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ** حَالٌ مِّنَ الْكِتَابِ جَمْعُ بَصِيْرَةٍ وَهِيَ نُوْرُ الْقَلْبِ اَيْ اَنْوَارًا لِلْقُلُوْبِ **وَهُدًى** مِنَ الضَّلَالَةِ لِمَنْ عَمِلَ بِهٖ **وَرَحْمَةً** لِمَنْ اٰمَنَ بِهٖ **لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴿۴۳﴾** يَتَّعِظُوْنَ بِمَا فِيْهِ مِنَ الْمَوَاعِظِ **وَمَا كُنْتَ** يَامُحَمَّدُ **بِجَانِبِ** الْجَبَلِ اَوِ الْوَادِيْ اَوِ الْمَكَانِ **الْغَرْبِيِّ** مِنْ مُّوْسٰى حِيْنَ الْمُنَاجَاةِ **اِذْ قَضَيْنَآ** اَوْحَيْنَآ **اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ** بِالرِّسَالَةِ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ **وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ﴿۴۴﴾** لِذٰلِكَ فَتَعْرِفُهٗ فَتُخْبِرُ بِهٖ **وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا** اُمَمًا بَعْدَ مُوْسٰى **فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ** اَيْ طَالَتْ اَعْمَارُهُمْ فَنَسُوا الْعُهُوْدَ وَانْدَرَسَتِ الْعُلُوْمُ وَانْقَطَعَ الْوَحْيُ فَجِئْنَابِكَ رَسُوْلًا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْكَ خَبَرَ مُوْسٰى وَغَيْرِهٖ **وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا** مُقِيْمًا **فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا** خَبَرٌ ثَانٍ فَتَعْرِفُ قِصَّتَهُمْ فَتُخْبِرُ بِهَا **وَلٰكِنَّا كُنَّا**

مُرْسِلِیْنَ﴿۴۵﴾ لَكَ وَاِلَيْكَ بِاَخْبَارِ الْمُتَقَدِّمِيْنَ **وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ** الْجَبَلِ **اِذْ** حِيْنَ **نَادَيْنَا** مُوْسٰى اَنْ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ **وَلٰكِنْ** اَرْسَلْنَاكَ **رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ** وَهُمْ اَهْلُ مَكَّةَ **لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴿۴۶﴾** يَتَّعِظُوْنَ **وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ** عُقُوْبَةٌ **بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ** مِنَ الْكُفْرِ وَغَيْرِهٖ **فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ** هَلَّا **اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ** الْمُرْسَلَ بِهَا **وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۴۷﴾** وَجَوَابُ لَوْلَا مَحْذُوْفٌ وَمَابَعْدَهَا مُبْتَدَأٌ وَالْمَعْنٰى لَوْلَا الْاِصَابَةُ الْمُسَبَّبُ عَنْهَا قَوْلُهُمْ اَوْلَوْلَا قَوْلُهُمْ الْمُسَبَّبُ عَنْهَا لَعَا جَلْنَاهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ وَلَمَّا اَرْسَلْنَاكَ اِلَيْهِمْ رَسُوْلًا **فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ** مُحَمَّدٌ **مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ** هَلَّا **اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى** مِنَ الْاٰيَاتِ كَالْيَدِ الْبَيْضَاءِ وَالْعَصَا وَغَيْرِهِمَا اَوِ الْكِتَابُ جُمْلَةً وَاحِدَةً قَالَ تَعَالٰى **اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ** حَيْثُ **قَالُوْا** فِيْهِ وَفِيْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **سِحْرٰنِ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ سِحْرَانِ اَيِ التَّوْرٰةُ وَالْقُرْاٰنُ **تَظَاهَرَا** تَعَاوَنَا **وَقَالُوْآ اِنَّا بِكُلٍّ** مِّنَ النَّبِيَّيْنِ وَالْكِتَابَيْنِ **كٰفِرُوْنَ﴿۴۸﴾ قُلْ** لَهُمْ **فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ** مِنَ الْكِتَابَيْنِ **اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴿۴۹﴾** فِيْ قَوْلِكُمْ **فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ** دُعَاءَكَ بِالْاِتْيَانِ بِكِتَابٍ **فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ** فِيْ كُفْرِهِمْ **وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ** اَيْ لَا اَضَلَّ مِنْهُ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴿۵۰﴾** الْكَافِرِيْنَ ع ۸

ترجمہ:............ اور بالیقین ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی تھی۔ اگلی امتوں (قوم عاد وثمود وغیرہ) کے ہلاک ہونے کے بعد۔ جولوگوں کے لئے دانش مندیوں کا ذریعہ تھی (یہ حال ہے الکتاب سے بصائر جمع ہے بصیرة کی بمعنی نور قلب ای انوارا للقلوب) اور ہدایت کا (گمراہوں کے لئے) اور (مومنین کے لئے) رحمت کا۔ تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں (اس میں جو نصیحت آمیز باتیں ہیں ان سے سبق سیکھیں) اور (اے محمد ﷺ) آپ موجود نہ تھے (پہاڑ یا وادی یا مکان کی) غربی جانب (حضرت موسیٰ کے مناجات کرتے وقت) جب ہم نے احکام دیئے (وحی کی) موسیٰ کو (فرعون اور اس کی قوم کے پاس جانے کے لئے) اور نہ آپ قیام پذیر (ٹھہرے ہوئے) تھے اہل مدین میں کہ ہماری آیتیں ان لوگوں کو پڑھ کر سنا رہے ہوتے (یہ خبر ثانی ہے کہ اس طرح آپ ان کے حالات سے باخبر ہوکر ان کو بیان کر سکتے) لیکن ہم ہی آپ کو رسول بنانے والے ہیں (آپ کو پیغمبر بنا کر اور آپ کی طرف پچھلے حالات کی پیغام رسانی کر کے) اور نہ آپ طور (پہاڑ) کے دامن میں تھے جب ہم نے آواز دی (موسیٰ کو کہ مضبوطی سے کتاب تھامو) لیکن (ہم نے آپ کو پیغمبر بنایا) آپ کے پروردگار کی رحمت سے تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا (مکہ کے لوگ مراد ہیں) کیا عجب ہے کہ یہ لوگ نصیحت قبول کریں (عبرت پکڑیں) اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان پر کوئی مصیبت (سزا) نازل ہوجاتی ان کے کرتوتوں کے سبب (کفر وغیرہ کی وجہ سے) تو یہ کہنے لگتے اے ہمارے پروردگار آپ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیج دیا کہ آپ کے احکام کی پیروی کرتے (جو آپ نے بھیجے ہیں) اور ایمان لانے والوں میں ہوجاتے

(لولا کا جواب محذوف ہے اور اس کے بعد کا جملہ مبتداء ہے۔ معنی یہ ہوں گے کہ اگر وہ مصیبت نہ آتی جس کا سبب ان کا یہ کہنا ہوتا۔ یا ان کا یہ کہنا باعث نہ ہوتا تو ہم اسے فوراً سزا دے دیتے اور آپ کو ان کے پاس رسول بنا کر نہ بھیجتے) جو جب ان لوگوں کے پاس ہماری طرف سے حق (یعنی حضرت محمد ﷺ) پہنچے تو کہنے لگے کہ اس رسول کو وہ کیوں نہ ملا جیسا موسیٰ کو ملا تھا (یعنی ید بیضاء۔ عصا وغیرہ نشانیاں یا پوری کتاب ایک دم۔ فرمایا) کیا جو موسیٰ کو ملا تھا تو پہلے یہ لوگ اس کے منکر نہ ہوئے تھے کہنے لگے (موسیٰ کے متعلق یا محمد ﷺ کی نسبت) کہ دونوں کو جادو کہیں (اور ایک قراء میں لفظ سحران ہے مراد تورات وقرآن ہے) ایک دوسرے کے مددگار (معاون) اور کہتے ہیں ہم تو ہر ایک (نبی یا کتابوں) کے منکر ہیں۔ آپ (ان سے) کہیے کہ اچھا تو کوئی کتاب اللہ کے پاس سے ایسی لے آؤ۔ جو ہدایت میں ان (دونوں کتابوں) سے بہتر ہوں۔ میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا۔ اگر تم (اپنی بات میں) سچے ہو۔ پھر اگر یہ لوگ (کتاب لانے کے متعلق) آپ کا یہ کہنا نہ کر سکیں تو آپ سمجھ لیجئے کہ یہ لوگ (اپنی کفریات میں) محض اپنی نفسانی خواہشات پر چلتے ہیں اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کے علاوہ محض اپنی نفسانی خواہش پر چلے (یعنی اس سے بڑھ کر گمراہ کوئی نہیں) بلاشبہ اللہ ایسے ظالموں (کافروں) کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

تحقیق وترکیب: .... بصائر۔ حال۔ مفعول لہ مبالغہ کے لئے ہوسکتا ہے۔ بصیرۃ نور نظر کو بصارت اور نور قلب کو بصیرۃ کہا جاتا ہے۔ بصائر۔ انوار قلوب۔

جانب الغربی۔ مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے کہ موصوف کی اضافت الی الصفت ہو رہی ہے۔ بتقدیر المضاف جو کوفیوں کے نزدیک جائز ہے۔ قرآن وحدیث میں بکثرت اس کی مثالیں ہیں۔ اور بصریین نے ان میں جو تاویلات کی ہیں وہ رکیک اور بارد ہیں۔ اور بصری نحاۃ اضافت موصوف الی الصفت جائز نہیں مانتے۔ کیونکہ اس میں اضافت الشئی الیٰ نفسہ لازم آتی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ صفت سے مضاف مقدر ماننے سے فی الجملہ مغائرت ہو جاتی ہے اور یہ اشکال نہیں رہتا۔

من الشاهدين۔ بظاہر ما کنت بجانب المغربی کے بعد اس جملہ کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ کیونکہ دونوں جملوں کا مفہوم ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر کہا جائے گا۔ کہ دونوں کا مفہوم الگ الگ ہے۔ کیونکہ کسی جگہ موجود ہونے سے وہاں کے واقعات کا دیکھنا لازم نہیں آتا۔

ما کنت ثاویا۔ بظاہر بلحاظ ترتیب یہ جملہ پہلے مانا جائے گا۔ مگر مقصود متعدد نعمتوں کا مستقل طور پر شمار کرنا ہے اور وہ غیر مرتب صورت میں واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ کیونکہ بالترتیب بیان کرنے میں دھوکہ ہوسکتا ہے کہ پورا ایک ہی واقعہ بیان کرنا ہے۔

اباتنا۔ خبر ثانی کی طرح حال بھی بن سکتا ہے۔

بجانب الطور۔ جس چوٹی کا نام طور ہے وہ کوہستان سینا کی جانب مغرب میں ہے۔ حضرت موسیٰ کی طور پر یہ حاضری تورات عطا ہونے کے سلسلہ میں تھی اور پہلی عطائے نبوت کے لئے ان دونوں کے درمیان تیس سال فصل ہے اور بعض نے اس کی ترتیب برعکس بیان کی ہے۔

من قبلك۔ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے بعد آنحضرت ﷺ پہلے عرب ہیں اور کوئی پیغمبر نہیں آئے۔ خالد بن سنان کا نبی ہونا اگر درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو کہا جائے گا۔ کہ ان کی رسالت عرب میں شائع نہیں ہوئی ہوگی۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ کی دعوت کی تفصیلات نہیں پہنچی ہوں گی اور حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کی دعوت بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھی۔ اس لئے فی الجملہ عرب کا اعتذار صحیح ہوتا۔ مگر آنحضرت ﷺ کی رسالت سے اتمام حجت ہو گیا۔

لولا ان تصیبھم ۔ یہ **لولا** امتناعیہ ہے اوران اورما مرفوع ہیں۔ابتداء کی وجہ سے ای **لولا اصابۃ المصیبۃ لھم** جواب محذوف ہے۔زجاجؒ نے **مالرسلنا الیھم مرسلا** مانا ہے اورابن عطیہؒ نے **لعاجلنا ھم بالعقوبۃ** اور **فیقولوا** کا عطف **تصیبھم** پر ہے اوردوسرا **لولا** تحضیضیہ ہے اور **فنتبع** اس کا جواب ہے۔منصوب باضماران مفسرؒعلام کاقول **لولا الا صابۃ مقتضی** ترکیب کابیان ہے اور **ولولا قولھم** سے حاصل معنی کا بیان ہے۔اس آیت پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر مصائب آئے ہوں گے اورانہوں نے مذکورہ قول بھی کہا ہوگا۔حالانکہ نزول آیت کے وقت یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں......جواب یہ ہے کہ یہ گفتگومحض بفرض محال اور برسبیل تقدیر ہے جس میں صرف احتمال بھی کافی ہوتا ہے۔یعنی بالفرض اگران پرمصیبت آتی اور یہ بطور عذر کہتے کہ ہمارے پاس کیوں نہیں کسی کو بھیج دیا ہوتا ہم ضرور اس کی پیروی کرتے......عربی اسلوب بیان میں ایسے مواقع پر حذف اور تقدیر کلام کمال حسن اورعین فصاحت ہے۔

ربط آیت:......... **ولقداتینا الخ** سے واقعات بنی اسرائیل کا حوالہ دے کرانبیاءؑ کی بعثت ورسالت کی ضرورت ہرزمانہ کے لحاظ سے بیان کی جارہی ہے کہ لوگ جب خراب ہوجاتے ہیں تو انبیاءؑ کے ذریعہ ان کی اصلاح کرادی جاتی ہے۔اسی طرح آنحضرت ﷺ تمام عالم کی تاقیامت اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے۔اس رکوع کی اگلی آیات میں آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل اور بعض شبہات کے جوابات ذکرفرمائے گئے ہیں۔

﴿ تشریح ﴾:......... **مشروعیت جہاد کے بعد آسمانی عذاب موقوف:**.............. **من بعد ما اھلکنا القرون** تورات سے پہلے تو دنیا میں تباہ و برباد اور بالکل غارت کردینے والے عذاب آئے۔مگر بعد میں عام سماوی ہلاکت کی بجائے جہاد کا طریقہ مشروع کردیا گیا۔کیونکہ کچھ نہ کچھ لوگ شریعت پر قائم رہے۔جن کی وجہ سے بالکل نیست ونابودنہیں کیا گیا اور سچ تو یہ ہے۔کہ قرآن شریف کے بعدتورات ہی کادرجہ ہے۔جس میں قرآن سے ملتی جلتی بہت خوبیاں ہیں اورآج جب کہ اس کی پیروؤں نے اسے ضائع کردیا تو قرآن ہی اس کے ضروری علوم وہدایات کی حفاظت کررہا ہے۔قرآن کے ذریعہ آنحضرت ﷺ پچھلے تاریخی واقعات باوجودامی محض ہونے کے من وعن ایسے بیان کردیتے کہ گویا آپ ان واقعات کودیکھ رہے ہیں۔واقعات موسیٰ ہی کو لے لیجئے ایسی صحت وصفائی سے آپ بیان فرمارہے ہیں جیسے وہیں طور کے پاس کھڑے دیکھ رہے ہوں۔حالان کہ نہ آپ ﷺ وہاں موجود تھے اور نہ کسی عالم کی صحبت میں رہے۔ٹھیک ٹھیک واقعات کا جید عالم مکہ میں تھا ہی کہاں؟ پھرزمانہ ہوگیا تھا ان واقعات کو بیتے ہوئے، ان کے تذکرے بھی مٹ مٹاگئے تھے۔اب ان حالات میں ایک بالکل امی شخص جب ان کواس طرح کھول کھول کر بتلائے کہ کہیں ایک نقطہ اور ایک شوشہ کافرق نہ رہے تو آخر یہ کس بات کی شہادت وعلامت ہے؟

کسی بات کومعلوم کرنے کے چارطریقے:.......... کسی واقعہ کے جاننے کی چارہی صورتیں ہوسکتی ہیں:۔

۱۔عقلیات میں تو عقل، اورظاہر ہے کہ یہ واقعات عقلی نہیں کہ زورعقل سے معلوم کرلئے جائیں۔

۲۔نقلیات ہوں تو ان کے جاننے والوں سے اس کا علم۔

۳۔یا پھراپنا مشاہدہ۔ان دونوں صورتوں کا آنحضرت ﷺ کے لئے اتنا جلی ہے کہ مخالفین بھی انکارنہیں کرسکتے۔

۴۔پس اب یہ بات متعین ہوگئی کہ آپ ﷺ کوبذریعہ وحی اسی علیم وخبیر نے یہ حالات بتلائے ہیں جس کے سامنے ہرغائب بھی حاضر ہے۔

آیت وما كنت بجانب الغربی میں یہ بتلانا ہے کہ یہ حق تعالیٰ کا انعام ہے کہ آپ کو ان حقائق وواقعات سے آگاہ کیا۔ نیز آپ ﷺ کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا جو حضرت موسیٰ کے ساتھ کیا تھا۔ گویا ''مکہ مدینہ میں'' مدین کی اور جبل النور (غار حرا) میں جبل طور کی تاریخ دہرادی گئی۔

واقعات کی ترتیب بدلنے کا نکتہ:............ ان تین واقعات میں مدین کا قیام پہلے ہوا۔ اس کے بعد عطائے نبوت کے سلسلے میں کوہ طور پر حاضری پھر اس کے بعد عطائے تورات کے سلسلہ میں طور پر دوبارہ حاضری۔ مگر آیات میں ترتیب بدل دی گئی ہے۔ تا کہ مستقلاً ان متعدد انعامات کا ہونا معلوم ہو۔ ورنہ ترتیب واقعی کی صورت میں سب کے ایک دلیل ہونے کا شبہ ہوتا۔

کفار کے شبہات کے جوابات:............ آیت لولا ان تصیبنا الخ میں یہ بتلانا ہے کہ ان میں پیغمبر کا بھیجنا خوش قسمتی ہے۔ حق تعالیٰ ان کی کھلی ہوئی بے عقلیوں اور بے ایمانیوں پر بغیر پیغمبر بھیجے بھی عذاب نازل فرما دیتا اور سزا دے دیتا۔ تب بھی ظلم نہ ہوتا۔ لیکن اس نے ازراہ کرم واحسان اتمام حجت کر دیا۔ اب انہیں یہ کہنے کا موقع نہیں رہتا۔ کہ صاحب ہمارے پاس کوئی پیغمبر تو بھیجا نہیں جو ہماری غلطیوں پر ہمیں متنبہ تو کر دیتا۔ بس ایک دم عذاب میں رکھ کر گھسیٹ دیا۔ لیکن یہ عذر بھی ختم ہو گیا۔ اور ایسے عالی شان پیغمبر بھیجے جن کا جواب نہیں مگر اب اور کوئی بہانہ نہیں ملا تو یہی کہنے لگے کہ صاحب ہم تو جب جانیں کہ ان کے پاس بھی حضرت موسیٰ کی طرح ''عصاء اور ید بیضا'' جیسے معجزات ظاہر ہوتے یا ایک دم پوری کتاب لکھی لکھائی اتر آئی۔ یہ کیا کہ دو دو چار چار آیتیں آتی ہیں...... اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اچھا موسیٰ کو یہ کچھ ملا تو نتیجہ کیا ہوا؟ کیا ان کی قوم نے خواہ مخواہ کی کج بحثی نہیں کی اور آسانی سے ان کی سب باتوں کو مان لیا۔ شبہے نکالنے والے انہیں بھی ساحر ومفتری کہتے رہے۔

ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں ہے:............ بات یہ ہے کہ جسے ماننا نہیں ہوتا وہ ہر بات میں کچھ نہ کچھ اینچ پینچ نکال لیتا ہے۔ مثلاً انہی کفار مکہ نے جب آپ کا پیغام نہ سنا تو یہ حیلہ بہانہ کیا۔ مگر جب اپنے اطمینان کے لئے یہود سے پوچھنے گئے اور انہوں نے تورات کی بہت سی آیتیں آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کے مطابق بتلائیں تو بول اٹھے کہ یہ دونوں (یعنی معاذ اللہ تورات وقرآن) جادو ہیں اور محمد ﷺ وموسیٰ جادوگر ہیں (العیاذ باللہ) ''خوئے بدرا بہانہ بسیار'' اسی کو کہتے ہیں۔ گویا یہ سمجھے کہ دونوں کی ملی بھگت ہے۔ فرمایا جب یہ ایک انسان کا بنایا ہوا جادو ہے تو تم ساری دنیا کے جادوگروں کو اکٹھا کر کے اس سے بڑا جادو لے آؤ۔ آخر جادو تو ایسی چیز نہیں جس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے۔ اور نہ کر سکے تو معلوم ہوا کہ جادو نہیں وَ۔ بلکہ جادو کا توڑ کلام الٰہی ہے۔

پس جب یہ نہ مقابلہ میں کوئی چیز پیش کرتے ہیں اور نہ قرآن کو قبول کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوا انہیں راہ ہدایت پر چلنا منظور ہی نہیں۔ محض اپنی خواہشات کی پیروی مقصود ہے۔ جس کو دل چاہا مان لیا اور جسے مرضی اور خواہش کے خلاف پایا رد کر دیا۔ بتلایئے ایسے ہوا پرست ظالموں کو کیا ہدایت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ان کے انکار کا منشاء کوئی عقلی اشتباہ یا نادانستہ غلط فہمی نہیں ہے۔ بلکہ نفس کے بندے اور غلام بنے ہوئے ہیں۔ ایسوں کو ہدایت کیوں کر نصیب ہو۔ اللہ کی عادت اسی کو ہدایت دینے کی ہے۔ جو ہدایت پانے کا ارادہ کرے اور محض ہوا وہوس کو حق کا معیار نہ بنالے۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا بَيَّنَّا **لَهُمُ الْقَوْلَ** الْقُرْاٰنَ **لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴿۵۱﴾** يَتَّعِظُوْنَ فَيُؤْمِنُوْنَ **اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ** اَيِ الْقُرْاٰنِ **هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ﴿۵۲﴾** اَيْضًا نَزَلَ فِيْ جَمَاعَةٍ اَسْلَمُوْا مِنَ الْيَهُوْدِ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَغَيْرِهٖ وَمِنَ النَّصَارٰى قَدِمُوْا مِنَ الْحَبْشَةِ وَمِنَ الشَّامِ **وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ** الْقُرْاٰنُ **قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ﴿۵۳﴾** مُوَحِّدِيْنَ **اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ** بِاِيْمَانِهِمْ بِالْكِتَابَيْنِ **بِمَا صَبَرُوْا** بِصَبْرِهِمْ عَلَى الْعَمَلِ بِهِمَا **وَيَدْرَءُوْنَ** يَدْفَعُوْنَ **بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ** مِنْهُمْ **وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴿۵۴﴾** يَتَصَدَّقُوْنَ **وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ** الشَّتْمَ وَالْاَذٰى مِنَ الْكُفَّارِ **اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۫ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۫** سَلَامٌ مُتَارَكَةٌ اَيْ سَلِمْتُمْ مِنَّا مِنَ الشَّتْمِ وَغَيْرِهٖ **لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ﴿۵۵﴾** لَانَصْحَبُهُمْ وَنَزَلَ فِيْ حِرْصِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اِيْمَانِ عَمِّهٖ اَبِيْ طَالِبٍ **اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ** هِدَايَتَهٗ **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ** اَيْ عَالِمٌ **بِالْمُهْتَدِيْنَ﴿۵۶﴾** **وَقَالُوْٓا** اَيْ قَوْمُهٗ **اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ** اَيْ نُنْتَزَعُ مِنْهَا بِسُرْعَةٍ قَالَ تَعَالٰى **اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا** يَاْمَنُوْنَ فِيْهِ مِنَ الْاِغَارَةِ وَالْقَتْلِ الْوَاقِعِيْنَ مِنْ بَعْضِ الْعَرَبِ عَلٰى بَعْضٍ **يُّجْبٰٓى** بِالْفَوْقَانِيَةِ وَالتَّحْتَانِيَةِ **اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ** مِنْ كُلِّ اَوْبٍ **رِّزْقًا لَّهُمْ مِّنْ لَّدُنَّا** اَيْ عِنْدَنَا **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿۵۷﴾** اَنَّ مَا نَقُوْلُهٗ حَقٌّ **وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ** اَيْ عَيْشَهَا وَاُرِيْدَ بِالْقَرْيَةِ اَهْلُهَا **فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ** لِلْمَارَّةِ يَوْمًا اَوْ بَعْضَهٗ **وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ﴿۵۸﴾** مِنْهُمْ **وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى** بِظُلْمِ اَهْلِهَا **حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا** اَيْ اَعْظَمِهَا **رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ﴿۵۹﴾** بِتَكْذِيْبِ الرُّسُلِ **وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ** اَيْ تَتَمَتَّعُوْنَ وَتَتَزَيَّنُوْنَ بِهٖ اَيَّامَ حَيٰوتِكُمْ ثُمَّ يُفْنٰى **وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ** وَهُوَ ثَوَابُهٗ **خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴿۶۰﴾** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اَنَّ الْبَاقِيَ خَيْرٌ مِّنَ الْفَانِيْ

ع ۶ ۱۰ ۹

ترجمہ: .... اور ہم نے وقتاً فوقتاً بھیجا (بیان کیا) ان کے لئے کلام (قرآن) یکے بعد دیگرے تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ (متاثر ہو کر ایمان لے آئیں) جن لوگوں کو ہم نے (قرآن سے) پہلے کتابیں دی تھیں وہ ان پر ایمان لائے ہیں (یہ آیات بھی یہود میں سے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو مسلمان ہوئے۔ جیسے عبداللہ ابن سلام وغیرہ اور ان عیسائیوں کے متعلق بھی جو ملک حبشہ اور شام سے حاضر ہوئے تھے) اور جب (قرآن) ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے یہ حق ہے ہمارے پروردگار کی طرف سے اور ہم تو اس سے پہلے بھی مانتے تھے (توحید پرست تھے) ان لوگوں کو دوہرا ثواب ملے گا (تورات وقرآن پر ایمان لانے کی وجہ سے) اس لئے یہ پختہ (ان پر عمل کرنے میں مضبوط) رہے اور یہ لوگ دفعیہ

(بدلہ) کرتے رہتے ہیں نیکی سے (ان کی) بدی کا اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خیرات (صدقہ) کرتے رہتے ہیں اور جب کوئی لغو بات (کفار کی گالم گلوچ اور تکلیف دہ باتیں) سنتے ہیں تو اسے ٹال جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں۔ کہ ہمارا عمل ہمارے لئے ہے اور تمہارا کیا ہوا تمہارے سامنے آئے گا تمہیں ہم سلام کرتے ہیں (یہ سلام تعلق توڑ لینے کا ہے یعنی ہم اب برا بھلا بھی نہیں کہیں گے) ہم بے سمجھ لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے (تعلق رکھنا نہیں چاہتے۔ اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب آنحضرت ﷺ اپنے چچا ابو طالب کے ایمان لانے کے لئے کوشاں رہے) جس کو آپ چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے۔ البتہ اللہ جسے چاہے ہدایت دے سکتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے (واقف ہے) ہدایت پانے والوں کو اور یہ (آپ کی قوم کے لوگ) کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت پر چلنے لگیں تو فوراً اپنی سرزمین سے نکال باہر کر دیئے جائیں (ایک دم دیس نکالا دے دیا جائے۔ ارشاد فرمایا۔ کہ) کیا ہم نے ان کو امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی (جہاں لوٹ مار اور قتل و غارت سے محفوظ کر دیا۔ جو سارے عرب میں ایک دوسرے پر جاری رہتا ہے) وہاں ہر قسم کے پھل پھلاری کھنچے (لفظ یجبی تا اور یا کے ساتھ ہے) چلے آتے ہیں (ہر طرف سے ان کے کھانے کے لئے) جو ہمارے پاس سے کھانے کو ملتے ہیں۔ لیکن ان میں اکثر لوگ اتنی بات بھی نہیں جانتے (کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں حق ہے) اور ہم کتنی ہی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جنہیں اپنے سامان عیش پر ناز تھا (یعنی خوش عیشی پر اور قریہ سے اہل قریہ مراد ہیں) سو یہ ان کے گھر ہیں کہ ان کے بعد آباد ہی نہ ہوئے مگر تھوڑی دیر کے لئے (راہ گیر کے لئے ایک آدھ دن) اور ہم ہی (ان کے) مالک رہے اور آپ کا پروردگار بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا (وہاں والوں کے ظلم کی وجہ سے) جب تک ان کے صدر مقام (بڑے مرکزی شہر) میں کسی پیغمبر کو نہ بھیج لے جو انہیں ہمارے آیتیں پڑھ کر سنا دے اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے بجز اس حالت کے کہ وہاں کے باشندے (پیغمبروں کو جھٹلا کر) سخت شرارت کرنے لگیں اور تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کے برتنے کے لئے اور اسی کی زینت ہے (یعنی تم اپنی زندگی تک ہی اس سے نفع اور آرائش حاصل کر سکتے ہو پھر سب قصہ ختم) اور جو کچھ اللہ کے ہاں (ثواب) ہے وہ بہتر بھی ہے اور نہایت پائیدار بھی۔ سو کیا تم لوگ نہیں سمجھتے (یا اور تا کے ساتھ ہے۔ بلکہ باقی رہنے والی چیز فانی چیز سے بہتر ہوتی ہے)۔

تحقیق و ترکیب: .... **الذین.** یہ مبتداء اول اور **ھم** مبتداء ثانی ہے اور **یومنون** اس کی خبر۔ پھر جملہ مل کر اول کی خبر ہے اور **بہ** متعلق ہے **یومنون** کے۔

یدرؤن. برائی کا جواب برائی کے ساتھ۔ برائی ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اکثر حالات میں نہ ختم ہونے والا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے اس لئے اسلام نے تسکین جذبات کی خاطر برائی سے برائی کی اجازت تو دی ہے۔ مگر اس کی ہمت افزائی نہیں فرمائی۔ زیادہ زور برائی کو بھلائی کے ذریعہ ختم کرنے پر دیا ہے۔

سلام علیکم. یہ سلام متارکت ہے۔ تحیتی سلام نہیں ہے۔ **واذا مروا باللغو مروا کراما.** یعنی بس ہمارا سلام آئندہ ہم سے کوئی واسطہ مطلب نہیں۔ کیونکہ تمہاری اصلاح سے مایوسی ہو چکی ہے۔

انک لا تھدی. بظاہر یہ آیت دوسری آیت **انک تھدی الی صراط مستقیم** کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ ایک میں ہدایت کا اثبات اور دوسری میں ہدایت کی نفی معلوم ہو رہی ہے۔ مگر کہا جائے گا کہ آیت نفی میں ہدایت کی ایجاد کی جارہی ہے کہ کسی کو ہدایت دے دیں۔ یہ آپ ﷺ کے اختیار میں نہیں ہے اور آیت اثبات میں دلالت اور رہنمائی مراد ہے۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ آپ کا کام صرف راہنمائی اور صحیح راستہ دکھلا دینا اور بتلا دینا ہے۔ رہا کسی کو ہدایت دے دینا اور کسی کو ٹھیک کر دینا یہ ہمارا کام ہے۔ دوسرے

الفاظ میں کہنا چاہئے کہ طریق تو آپ کر سکتے ہیں۔مگر ایصال مطلوب آپ کے اختیار میں نہیں۔ یہ اللہ کا کام ہے۔

اولم نمکن لھم . بقول ابوالبقاءؒ مکن متعدی میں بمعنی جعل جیسے کہ دوسری آیت میں اولم یروا انا جعلنا حرماً فرمایا گیا ہے۔لیکن مکن بغیر تضمین جعل کے بھی متعدی آتا ہے۔جیسے مکناھم فیما ان مکنا کم فیه .

امنا بمعنی مومن ہے۔مامون ومحفوظ اور بعض بطور اسناد مجازی آمن کے معنی لیتے ہیں اور بعض نے ذی امن پناہ دہندہ کے معنی لئے ہیں۔

یجبی الیہ ثمرات . بعض عارفین فرماتے ہیں کہ بیت اللہ میں حاضر ہونے والے مراد ہیں کہ وہ چیدہ اور مجتبیٰ افراد ہوتے ہیں۔

اوب. بمعنی جانب کفار۔

کم اھلکنا . اس میں کفار کی تردید ہے کہ دین وایمان تباہی کا سبب نہیں۔ بلکہ کفر وشرک بربادی کا پیش خیمہ ہیں۔چنانچہ پہلی قوموں کی تباہ کاریاں اسی کا نتیجہ رہی ہیں۔

معیشتھا . اس میں کئی صورتیں ہوسکتی ہیں:۔

۱۔بطرت کو بمعنی حشرت متضمن کر کے مفعول بہ مانا جائے۔(زجاجؒ)

۲۔لفظ فی محذوف ہوا ی فی معیشتھا.

۳۔تمیز ہو۔

۴۔مفعول بہ کے مشابہ ہو۔بطر بمعنی اترانا۔اکڑنا۔

فتلک مساکنھم ۔جملہ لم تسکن حال ہے۔اس میں عامل بمعنی تلک ہے اور خبر ثانی بھی ہوسکتی ہے۔

الا قلیلا . ای سکناً قلیلاً جیسے مسافر کہیں پڑاؤ پر برائے نام ٹھہرتا ہے۔

وما کان ربک. حاصل یہ ہے کہ عادۃ اللہ ہمیشہ رہی ہے کہ جب تک کسی ہادی اور نذیر کو بھیج کر اتمام حجت نہ کرلیں کسی بستی اور قوم پر عذاب نازل نہیں کرتے۔

وما اوتیتم . اس میں ما شرطیہ اور من شئی اس کا بیان ہے اور متاع الحیواۃ مبتدائے محذوف کی خبر ہے اور جملہ اس کا جواب ہے ای فھو متاع الحیٰوۃ الدنیا اور ایک قراءت فمتاعا الحیٰوۃ بھی ہے مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور حیوۃ منصوب علی الظرفیۃ ہے۔

ربط:............پچھلی آیت فلما جاء ھم الحق الخ میں منکرین کی بہانہ بازی بیان کی تھی کہ وہ اس لئے آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لاتے کہ آپ کو ایسے معجزات تو ملے ہی نہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے تھے۔معلوم ہوا کہ آپ ﷺ پیغمبر نہیں ہیں۔ان آیات میں یہ بتلایا جارہا ہے کہ سب اہل کتاب عذر لنگ کرنے والے نہیں ہیں۔ان میں بہت سے اہل انصاف اور طالب حق بھی ہیں۔جہاں بھی انہیں ہدایت وحکمت ملتی ہے وہ اسے برضا ورغبت قبول کر لیتے ہیں۔پہلی قسم کے موسویوں کو ان نیک دل اور صاف باطن موسویوں سے سبق لینا چاہئے۔نیز یہ بھی بتلانا ہے کہ اسلام کسی تعصب اور تنگ دلی کا شکار نہیں ہے کہ وہ بہر صورت ایک طرف سے سب موسیوں کو دوسری نظر سے دیکھے۔ بلکہ وہ انصاف پسند لوگوں کا قدردان ہے خواہ وہ کسی قوم سے ہوں۔ پھر علمائے اہل کتاب کا آنحضرت ﷺ کو مان لینا ایک درجہ میں میں آپ ﷺ کی رسالت کی دلیل بھی ہے۔

آیت انک لاتھدی الخ میں یہ بتلانا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے رہنمائی کی کوشش تو سب کے لئے یکساں ہے اس میں آپ کوئی کسر اٹھانہیں رکھتے اور ماوشما کا فرق نہیں کرتے۔ البتہ یہ دوسری بات ہے کہ کسی کی قسمت میں ہدایت قبول کر لینا ہے۔ جیسے بعض علمائے اہل کتاب وغیرہ اور کسی کے مقدر میں اس نعمت سے حرمان ہے خواہ وہ آپ کے قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔ کسی کو ہدایت دے دینا آپ کے اختیار میں نہیں۔ یہ اللہ نے اپنے قبضہ قدرت میں رکھا ہے آگے آیات وقالوا ان نتبع الھدیٰ الخ سے کفار کے چند موانع ایمان کے ازالہ کا بیان ہے اور ان کے شبہات کے جوابات ہیں۔

شانِ نزول:............ بقول ابن سعیدؒ حضرت جعفر طیارؓ کے ہمراہ حبشہ سے چالیس افراد کے وفد کی صورت میں حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ یہاں صحابہؓ کی زبوں حالی دیکھ کر یہ لوگ نہایت متاثر ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض گزار ہوئے کہ اجازت ہو تو اپنا مال لاکر پیش کریں۔ اس پر آیت الذین یتلون نازل ہوئی۔ لیکن بقول ابن عباسؓ اسی افراد اہل کتاب کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی۔ جن میں چالیس وفد نجران کے اور تیس حبشہ کے اور آٹھ شام کے افراد تھے۔ یعنی کچھ نصرانی تھے اور کچھ یہودی۔ ان میں سے بعض ناموں کی تصریح بھی ملتی ہے۔ جیسے ابورفاعہ سلمان، عبداللہ ابن سلام، امین ابن یامین وغیرہ۔ ابوجہل وغیرہ مشرکین نے یہ صورت حال دیکھ کر اہل کتاب کو لعنت ملامت کرتے ہوئے کہا تبا لکم اعرضتم عن دینکم وترکتموہ ۔ اس پر اہل کتاب نے جواب دیا۔ کہ لنا اعمالنا ولکم اعمالکم آیت واذا سمعوا اللغو اعرضوا اسی سلسلہ میں نازل ہوئی۔

آنحضرت ﷺ کے چچا ابوطالب کی وفات ہونے لگی تو آنحضرت ﷺ نے امید و یاس کے ساتھ بڑے اصرار سے فرمایا۔ کہ یا عم قل لا الٰہ الا اللّٰہ کلمۃ احاج لک بھا عند اللّٰہ تعالیٰ. ابوطالب بولے۔ یا ابن اخی قد علمت انک صادق ولکن اکرہ ان یقال جزع عند الموت ولو لا ان یکون علیک وعلی بنی ابیک غضاضۃ بعدی لقلتھا لا قرت بھا عینک عند الفراق لما اریٰ من شدۃ وجدک ونصیحتک اس کے بعد یہ اشعار پڑھے۔

ولقد علمت بان دین محمد	من خیر ادیان البریۃ دیناً
لو لا الملامۃ او حذار مسبۃ	لوجدتنی سمحاً بذاک مبیناً

اور کہنے لگے ولکنی سوف اموت علی ملۃ الا شیاخ عبدالمطلب وھاشم وعبد مناف اور یہ کہتے ہوئے جان دے دی اخترت العار علی الغار. آنحضرت ﷺ کو بے حد صدمہ اور ملال ہوا۔ اس پر تسلی کے لئے آیت انک لا تھدی الخ نازل ہوئی۔ زجاجؒ اور بیضاویؒ کی یہی رائے ہے۔

اسی طرح بقول ابن عباسؓ حارث بن عثمان بن نوفل ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ نحن نعلم انک علی الحق لکنا نخاف ان اتبعناک خلفنا العرب وانما نحن اکلۃ الراس (ای نحن قلیلون بحیث ناکل راسا واحدا) ان یتخطفونا من ارضنا اس کی تردید میں ایۃ وقالوا ان نتبع الھدیٰ نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:............ آیت ولقد وصلنا الخ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ مختلف ادوار میں وحی کا سلسلہ جاری رہا اور وقتاً فوقتاً مسلسل انبیاءؑ آتے رہے اور یکے بعد دیگرے وحی نازل ہوتی۔ حتیٰ کہ قرآن کریم بھی ایک دم نہیں اتر گیا۔ بلکہ تدریجاً بیس سال یا تئیس سال میں پورا ہوا۔ کیونکہ اس سے سوچنے سمجھنے کا موقعہ بھی ملتا ہے اور اس کو یاد رکھنا اور اس پر عمل آوری بھی آسان ہوتی ہے۔ اور

شان تربیت بھی اس کی متقاضی ہے۔

تدبیر تقدیر کونہیں بدل سکتی: .... آیت ان الذین یتلون الخ میں یہ بتلانا ہے کہ آپ کے فیض تبلیغ وتربیت میں اگرچہ کسی کے ساتھ امتیاز نہیں برتا جاتا۔ بلکہ آپ سب کو راہ راست پر لانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ مگر فکری استعداد اور صلاحیت کے وجود وفقدان اور قسمت کی خوبی یا خرابی سے بھی کوئی کامیاب ہوجاتا ہے اور کوئی محروم۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید ودر شورہ بوم خس

اور ''نصیحت نااہلاں چوں گردگاں برگنبداست'' ایک طرف جاہل مشرکین کا یہ حال کہ نہ اگلی کتابوں کو مانیں اور نہ پچھلی کو۔ اور دوسری طرف انصاف پسند اہل کتاب کو دیکھو کہ وہ سب برحق کتابوں کو تسلیم کرتے جاتے ہیں۔ تورات وانجیل آئی تو انہیں بھی مانا اور قرآن آیا تب بھی بول اٹھے کہ بلا شبہ یہ کتاب برحق ہے۔ فی الحقیقت ہم آج سے مسلمان نہیں۔ بہت پہلے سے مسلمان ہیں۔ پچھلی کتابوں کو ہم نے منا۔ جن میں قرآن اور پیغمبران کے متعلق صاف صاف پیشین گوئیاں تھیں۔ اس وقت ان پر ہمارا ایمان اجمالی تھا۔ آج اس کی تفصیل اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

شیخ اکبر کا نکتہ: .... بقول شیخ اکبرؒ مومن اہل کتاب کا پہلا ایمان جس طرح اپنے انبیاء پر بالاستقلال اور ان کے ذیل میں آنحضرت ﷺ پر ضمناً ہوتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کے وقت آپ پر بالاستقلال اور انبیاء سابقین پر ضمناً ہوتا ہے۔ گویا دونوں صورتوں میں ان کا ایمان دوہرا ہے استقلال عدم استقلال کا فرق ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں ارشاد ہے۔ ثلاث یؤتون اجو رھم مرتین۔ یعنی (۱) مومن کتابی کو (۲) اور جس نے اپنی شرعی باندی کو ادب وتعلیم دے کر آزاد کردیا اور پھر اس کی رضا مندی سے خود نکاح کرلیا (۳) اور وہ غلام جو اللہ کی بہترین عبادت کے ساتھ اپنے آقا کی پوری خدمت گزاری بھی کرے۔ ان تینوں کو دوہرا ثواب ملے گا جس کی مشہور وجہ تو یہی ہے کہ ان تینوں نے دوہرا عمل کیا ہے اس لئے دوہرے ثواب کے مستحق ہوں گے۔

اہل کتاب کو دوہرے ثواب کا مطلب: .... مگر بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس سے ان تین کی تخصیص کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ جو شخص بھی دو عمل کرے اور وہ دو عمل کوئی بھی ہوں۔ بہرصورت انہیں دوہرا ثواب ملنا چاہئے۔ پھر ان تین کی کیا تخصیص؟

اس کا جواب پہلی توجیہ کرنے والوں نے یہ دیا ہے کہ یہاں تخصیص مقصود نہیں ہے۔ اگرچہ بظاہر تخصیص مقصود معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ ازواج مطہرات کے لئے بھی نوتھا اجرھا مرتین فرمایا گیا ہے۔ مگر بعض حضرات کی رائے یہ ہوئی کہ ان تین قسموں کی ہی تخصیص مقصود ہے اور وہ یہ کہ فقط ان کے تمام اعمال پر یا صرف انہی تین اعمال پر انہیں دوہرا ثواب عطا ہوگا۔ مثلاً اوروں کے کسی عمل پر اگر دس گنا ثواب ملے گا تو انہیں بیس گنا ثواب ملے گا۔ جیسا کہ قرض کی نسبت اٹھارہ گنا تک ثواب ملنے کا وعدہ ہے ان آیات سے جہاں انصاف پسندوں کی تعریف اور اسلام کی کشادہ قلبی معلوم ہوتی ہے کہ وہ ہر اچھے آدمی کا خیر مقدم اور بلا تفریق سب کی قدر ومنزلت کرتا ہے وہیں علمائے کتاب کے قرآن اور صاحب قرآن پر ایمان لانے سے ان دونوں کی حقانیت کی ایک دلیل اور ہاتھ آجاتی ہے۔

حب جاہ، حب مال:........... یدرؤن کے لفظ سے ان حضرات کا حب جاہ سے اور ینفقون سے حب مال سے پاک ہونا معلوم ہو رہا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ قبول حق سے یہی دو رذیلے اکثر رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ آیت بقرہ اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ میں بھی ان دو کی تخصیص کا یہی نکتہ ہے۔

حاصل یہ ہے کہ کوئی ان کے ساتھ برائی سے پیش آئے تو یہ اس کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں اور شراف ومروت سے اس پر احسان کرتے ہیں اور یا یہ مطلب ہے کہ ان سے اگر کوئی برا کام سرزد ہو جائے تو اس کی تلافی کوئی نیک کام کر کے کر دیتے ہیں۔ تاکہ اس تدارک سے ان کی نیکیوں کا پلہ بدیوں پر بھاری ہو جائے۔ ان الحسنات یذھبن السیئات۔

ان کی سلامت روی اور صلح جوئی کا یہ حال ہے کہ انہیں کوئی گالی بھی دے تو یہ اس سے الجھتے نہیں اور بات بڑھانا نہیں چاہتے۔ بلکہ یہ کہہ کر بات ختم کر دیتے ہیں کہ بس بخشو ہمارا تو دور ہی سے سلام، اپنی جہالت کی پوٹ تم اپنے ہی پاس رکھو۔ تمہارا کیا تمہارے ساتھ، ہمارا کیا ہمارے ساتھ ایسے متعنت جاہلوں سے کنارہ کشی ہی بہتر ہے۔

انسان کو تو کسی کی صلاحیت ہدایت کا علم بھی نہیں چہ جائیکہ ہدایت کا اختیار:........... آیت انک لا تھدی من احببت الخ میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے۔ آنحضرت ﷺ کو اپنے چاچا کے انکار اسلام سے سخت دھکا لگا۔ کہ دور کے لوگ تو اسلام کی نعمت سے متمتع ہوں اور اپنے گھر کے لوگ اس دولت سے محروم رہیں۔ یہ حزن وملال چونکہ طبعی تھا اس لئے بطور تشفی فرمایا جا رہا ہے کہ جہاں تک سمجھانے بجھانے اور رہنمائی کا تعلق ہے۔ جسے صورۃً ہدایت کہنا چاہئے۔ آپ نے کبھی اس میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ لیکن جہاں تک راہ یاب اور کامیاب ہونے کا تعلق ہے۔ وہ نہ آپ کی ذمہ داری ہے اور نہ آپ اس کے مکلّف ہیں۔ اس لئے قطعاً اس فکر میں نہ پڑیئے۔ اس کا تعلق ہمارے مصالح اور تکوینیات سے ہے۔ آپ کو یا کسی دوسرے کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ کسی میں ایمان کی صلاحیت واستعداد ہے بھی یا نہیں۔ اس کو تو اللہ ہی جانتا ہے۔ یہ ایک نہایت نازک مقام ہے۔ ایک طرف تو طبعی جذبہ وجوش اور رنج وملال کا ہونا کہ جس کے بغیر دعوت وتبلیغ ممکن نہیں جو ایک شرعی مصلحت ہے اور دوسری طرف تکوینی مصالح کی رعایت۔ بس ان دونوں پہلوؤں کا لحاظ ہی اعتدال پیدا کر سکتا ہے۔

ابوطالب کا ایمان:........... اس واقعہ اور آیت سے متعلق بعض الفاظ کے پیش نظر بعض حضرات ابوطالب کے ایمان کی طرف اور بعض کفر کی طرف گئے۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ ان کے ایمان وکفر کو موضوع بحث نہیں بنانا چاہئے۔ اسی باتوں میں توقف کرنا ہی اسلم ہے۔ جیسا کہ صاحب روح المعانی نے تصریح کی ہے۔ کیونکہ اول تو یہ عقائد میں سے نہیں ہے کہ ہم اس کی تحقیق کے مکلّف ہوں۔ دوسرے یہ واقعہ گزر چکا ہے۔ اب اس بحث میں پڑنے سے کیا فائدہ؟ پھر ان کو برا بھلا کہنے میں علویین کی بے حرمتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آنحضرت ﷺ کی اذیت کا احتمال ہے۔ اس لئے خاموشی ہی بہتر ہے۔

موانعات ایمان اور ان کا ازالہ.......(۲): پچھلی آیت میں کفار کی طرف کچھ شبہات اور موانعات کا ذکر تھا۔ ان میں سے ایک کا بیان آیت لولا اوتی مثل ما اوتی موسیٰ میں مع جواب کے گذر چکا ہے۔ دوسرا اشکال آیت فلما جاء ھم الحق میں مع جواب کے ذکر کیا جا رہا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے عرض کیا کہ بلاشبہ ہمیں یقین ہے کہ آپ نبی برحق ہیں۔ لیکن اگر ہم اسلام قبول کر کے آپ کے ساتھ ہو جائیں تو سارا عرب ہمارا دشمن ہو جائے گا۔ آس پاس کے قبائل ہم پر چڑھ دوڑیں گے۔ نہ

ہماری جان سلامت رہے گی اور نہ مال...... حق تعالیٰ جواباً فرماتے ہیں کہ اچھا یہ بتلائیں کہ اب یہ لوگوں کی دشمنی سے کس کی پناہ میں بیٹھے ہیں۔ یہی اللہ کے حرم کا ادب مانع ہے کہ باوجود آپس کی عداوتوں کے باہر والے تم پر چڑھائی نہیں کر سکتے ورنہ تمہیں باہر نکال دیتے۔ اسی طرح اسلام اگر لے آؤ گے تو پناہ دینے والا اب بھی موجود ہے۔ یہ کیا کہ کفر وشرک کے باوجود تو وہ پناہ دے دے اور ایمان وتقویٰ اختیار کرنے پر وہ پناہ نہیں دے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعض دفعہ آزمائش کے لئے کوئی بات پیش آجائے۔ اس سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ پس بعض نومسلموں کو کچھ تکالیف پہنچ جانا یہ اولم نمکن لھم کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ حرم میں قتل وغارت کا انکار کیا گیا ہے پریشانیوں کا انکار نہیں۔ دوسرے مسلمانوں کی اس وقت کا باعث قلت ہے۔ بکثرت لوگ اگر مسلمان ہوجاتے تو نوبت یہاں تک نہ آتی۔

تیسرے نومسلموں کو حرم میں باہر والوں نے آ کر نہیں ستایا اور تخطف سے یہی مراد ہے۔ بلکہ خود مکہ والوں نے حرم کی حرمت پامال کر کے اندرونی طور پر مسلمانوں کو ستایا۔ جو اس بیان کے خلاف میں نہیں آتا۔ پھر آخر اس کو بھی تو سوچو کہ اگر ایمان نہ لاتے تو اللہ کا عذاب ہے جو دشمنوں کے وہمی خطرات سے بڑھ کر ہے اور یقینی ہے۔

(۳) پھر کتنی قومیں گزر چکی ہیں کہ انہیں اپنے سامان عیش پر ناز تھا۔ مگر انہوں نے اللہ سے سرکشی کی تو کس طرح تباہ وبرباد کر دی گئیں۔ آج ان کے کھنڈرات تو ان پر گریہ کناں ہیں پر ان کا نام لیوا کوئی نہیں رہا۔ کوئی بھولا بسرا مسافر تماشہ دیکھنے کے لئے یا دم لینے کے لئے ان کھنڈرات میں جا اترے۔ تو وہ دوسری بات ہے۔ ورنہ وہ کسی کا رین بسیرا نہیں ہیں۔ سب مرمرا گئے۔ سدا رہے نام اللہ کا۔

(۴) یہ بیان تھا تیسرے مانع کا۔ جو کفار کو ایمان سے روک رہا تھا یعنی مال ودولت کا نشہ۔ اس کے بعد آیت **وما کان ربك مهلك القرىٰ** میں چوتھے مانع کے دور ہونے کا بیان ہے۔ یعنی ہمارا قانون مکافات یہ ہے کہ ہم کسی ملک وقوم کو برباد نہیں کرتے۔ تاوقتیکہ اس کے مرکزی مقام پر (جس کے اثرات دور دور پھیل سکیں) کوئی رسول نہ بھیج دیں۔ پھر اس کے بعد بھی فوراً ہم ہلاک نہیں کرتے۔ بلکہ سنبھلنے کا موقع دیتے ہیں کہ شاید اب بھی باز آجائیں۔ مگر ظلم کا پانی جب سر سے گزر رہی جاتا ہے۔ تو پھر ہمارا قانون پاداش حرکت میں آتا ہے۔ مکہ چونکہ تمام روئے زمین کی آبادیوں کا صدر مقام ہے۔ اس لئے وہاں سب سے بڑے اور آخری پیغمبر بھیجے گئے۔ پھر انہیں سوچنے سمجھنے اور شرارتوں سے باز آنے کے لئے کافی مہلت بھی دے دی گئی۔ مگر جب اس کے بعد بھی نہ سنبھلے تو پھر غزوۂ بدر سے قانون قدرت گردش میں آگیا۔

(۵) اس کے بعد آیت **وما اوتيتم** الخ میں ایمان کے پانچویں مانع کا بیان ہے کہ ایمان سے محرومی کا ایک سبب دنیا کا نقد ہونا اور آخرت کا ادھار ہونا ہے۔ اسی لئے اول کی طرف رغبت اور دوسرے کی طرف بے رغبتی رہتی ہے اور چونکہ دنیا کی رغبت سے دل خالی نہیں رہتا۔ اس لئے آخرت کی رغبت کی اس میں گنجائش کہاں؟ سو فرمایا کہ انسان کو عقل سے کام لے کر اتنا سمجھنا چاہئے کہ دنیا میں کتنے دن جینا ہے اور یہاں کی چہل پہل اور چار دن کی چاندنی سے کب تک بہاریں لوٹ سکتے ہو۔ مان لو دنیا میں عذاب بھی نہ آیا تو کیا ہوا۔ موت کا ہاتھ تو تم سے یہ سب رونق چھین لے گا۔ پھر آخر خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے وہاں کا سکھ چین نصیب ہوجائے تو پھر یہاں کے عیش کی کیا حقیقت ہے۔ کون عقلمند ہے جو ایک کدورتوں سے لبریز زندگی کو صاف ستھری زندگی پر اور فانی لذتوں کو باقی نعمتوں پر ترجیح دے۔ لہٰذا اس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جلد ایمان کی فکر کرو۔ اس میں دنیا کی لذتوں اور اخروی نعمتوں کا مقابلہ ہی کیا؟ اس دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت بھی محض عارضی اور چند روزہ ہے۔ برخلاف عیش آخرت کے کہ وہ کیفیت و

نوعیت کے لحاظ سے بھی اعلیٰ اور بقاء کے اعتبار سے بھی دائمی اللھم لا عیش الا عیش الاخرۃ.

لطائف سلوک: .... آیت اولٰئک یوتون اجرھم میں اہل اللہ کے بعض اخلاق وملکات کا ذکر ہے۔ آیت انک لا تھدی سے صاف واضح ہے کہ کسی کو ہدایت دے دینا کسی نبی کے بھی اختیار میں نہیں ہے۔ چہ جائیکہ کسی ولی کے بس میں ہو۔ ہمہ وقت ڈرتے رہنے کا مقام ہے۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ مُصِيْبُهٗ وَهُوَ الْجَنَّةُ **كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** فَيَزُوْلُ عَنْ قَرِيْبٍ **ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ﴿۶۱﴾** النَّارَ الْاَوَّلُ الْمُؤْمِنُ وَالثَّانِيْ الْكَافِرُ اَيْ لَاتَسَاوِيْ بَيْنَهُمَا وَ اذْكُرْ **يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ** اللّٰهُ **فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴿۶۲﴾** هُمْ شُرَكَائِيْ **قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ** بِدُخُوْلِ النَّارِ وَهُمْ رُؤَسَاءُ الضَّلَالَةِ **رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا** مُبْتَدأٌ وَصِفَةٌ **اَغْوَيْنٰهُمْ** خَبَرُهٗ فَغَوَوْا **كَمَا غَوَيْنَا** لَمْ نُكْرِهْهُمْ عَلَى الْغَيِّ **تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ** مِنْهُمْ **مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ﴿۶۳﴾** مَانَافِيَةٌ وَقَدَّمَ الْمَفْعُوْلَ لِلْفَاصِلَةِ **وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ** اَيِ الْاَصْنَامَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ شُرَكَاءُ اللّٰهِ **فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ** دُعَاءَهُمْ **وَرَاَوُا** هُمْ **الْعَذَابَ** اَبْصَرُوْهُ **لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ﴿۶۴﴾** فِي الدُّنْيَا مَارَاَوْهُ فِي الْاٰخِرَةِ وَ اذْكُرْ **يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ** اللّٰهُ **فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ﴿۶۵﴾** اِلَيْكُمْ **فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْبَآءُ** الْاَخْبَارُ الْمُنْجِيَةُ فِي الْجَوَابِ **يَوْمَئِذٍ** اَيْ لَمْ يَجِدُوْا خَبَرًا لَهُمْ فِيْهِ نَجَاةٌ **فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ﴿۶۶﴾** عَنْهُ فَيَسْكُتُوْنَ **فَاَمَّا مَنْ تَابَ** مِنَ الشِّرْكِ **وَاٰمَنَ** صَدَّقَ بِتَوْحِيْدِ اللّٰهِ **وَعَمِلَ صَالِحًا** اَدَّى الْفَرَائِضَ **فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ﴿۶۷﴾** النَّاجِيْنَ بِوَعْدِ اللّٰهِ **وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ** مَايَشَاءُ **مَا كَانَ لَهُمْ** لِلْمُشْرِكِيْنَ **الْخِيَرَةُ** الْاِخْتِيَارُ فِيْ شَيْءٍ **سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴿۶۸﴾** عَنْ اِشْرَاكِهِمْ **وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ** تُسِرُّ قُلُوْبُهُمْ مِنَ الْكُفْرِ وَغَيْرِهٖ **وَمَا يُعْلِنُوْنَ﴿۶۹﴾** بِاَلْسِنَتِهِمْ مِنَ الْكِذْبِ **وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى** الدُّنْيَا **وَالْاٰخِرَةِ** الْجَنَّةِ **وَلَهُ الْحُكْمُ** الْقَضَاءُ النَّافِذُ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ **وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴿۷۰﴾** بِالنُّشُوْرِ **قُلْ** لِاَهْلِ مَكَّةَ **اَرَاَيْتُمْ** اَيْ اَخْبِرُوْنِيْ **اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا** دَائِمًا **اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ** بِزَعْمِكُمْ **يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ** نَهَارٍ تَطْلُبُوْنَ فِيْهِ الْمَعِيْشَةَ **اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ﴿۷۱﴾** ذٰلِكَ سِمَاعَ تَفَهُّمٍ فَتَرْجِعُوْنَ عَنِ الْاِشْرَاكِ **قُلْ** لَهُمْ **اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ**

مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ بِزَعْمِكُمْ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ تَسْتَرِيْحُوْنَ فِيْهِ ۭ مِنَ التَّعَبِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾ مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ مِنَ الْخَطَاءِ فِي الْاِشْرَاكِ فَتَرْجِعُوْنَ عَنْهُ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ تَعَالٰى جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ فِي اللَّيْلِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ فِي النَّهَارِ بِالْكَسْبِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ اَلنِّعْمَةَ فِيْهِمَا وَ اذْكُرْ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ ذَكَرَ ثَانِيًا لِيَبْنِيَ عَلَيْهِ قَوْلَهٗ وَنَزَعْنَا اَخْرَجْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا وَهُوَ نَبِيُّهُمْ يَشْهَدُ عَلَيْهِمْ بِمَا قَالُوْهُ فَقُلْنَا لَهُمْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ عَلٰى مَاقُلْتُمْ مِنَ الْاِشْرَاكِ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ فِي الْاِلٰهِيَّةِ لِلّٰهِ لَايُشَارِكُهٗ فِيْهَا اَحَدٌ وَضَلَّ غَابَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فِي الدُّنْيَا مِنْ اَنَّ مَعَهٗ شَرِيْكًا تَعَالٰى عَنْ ذٰلِكَ

ع ۱۵
۱۰

ترجمہ: .... بھلا وہ شخص جس سے ہم نے ایک عمدہ وعدہ کر رکھا ہے اور وہ اسے پالینے والا ہے (جنت میں پہنچنے والا ہے) کیا اس شخص جیسا ہوسکتا ہے جسے ہم نے دنیوی زندگی کا چندروزہ فائدہ دے رکھا ہے (جو جلد ہی اس سے چھن جائے گا) اور وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں ہوگا جو گرفتار کر کے (جہنم میں) لائے جائیں گی (پہلے شخص سے مراد مومن اور دوسرے سے مراد کافر ہے۔یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے اور یاد کیجئے) اس دن کو جب (اللہ) انہیں پکار کر کہے گا کہ وہ میرے شریک کہاں ہیں جن کو تم گمان میں لئے ہوئے تھے (کہ وہ ہمارے شریک ہیں) تو بول اٹھیں گے وہ لوگ جن پر فرمان صادر ہو چکا ہوگا (جہنم میں ڈالنے کا یعنی گمراہی کے راس رئیس) اے ہمارے پروردگار یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا تھا (یہ مبتدا ہے مع صفت کے) ہم نے انہیں ویسا ہی بہکایا (یہ خبر ہے۔ پس وہ بہک گئے) جیسا کہ ہم خود بہکے تھے (ہم نے انہیں بہکنے پر مجبور نہیں کیا تھا) ہم آپ کے سامنے (آن سے) دستبرداری فردیتے ہیں۔یہ لوگ کچھ ہم کو پوجتے نہ تھے (اس میں مــا نافیہ ہے اور فاصلہ آیات کی وجہ سے مفعول کو مقدم کر دیا ہے) اور کہا جائے گا کہ اپنے شرکاء کو بلالاؤ (یعنی ان بتوں کو جو تمہارے گمان میں شریک خدائیت تھے) چنانچہ وہ انہیں پکاریں گے مگر وہ (ان کی پکار کا) جواب بھی نہ دیں گے اور یہ لوگ عذاب کو دیکھ لیں گے (مشاہدہ کرلیں گے) کاش یہ دنیا میں راہ راست پر رہے ہوتی (تو پھر یہ عذاب آخرت نہ دیکھتے) اور (یاد کیجئے) جس دن اللہ کافروں سے پکار کر کہے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا (جو تمہارے پاس گئے تھے) سوان سے سارے مضامین گم ہو جائیں گے (عذاب سے بچاؤ کے جوابات) اس روز (یعنی انہیں کوئی جواب نہیں آسکے گا جس سے ان کی نجات ہو جائے) اور آپس میں بھی پوچھ پاچھ نہ کرسکیں گے (رہائی کے سلسلہ میں لہذا خاموش رہ جائیں گی) البتہ جو شخص (۔مشرکوں میں سے) توبہ کرلے اور ایمان لے آئے (اللہ کی توحید مان لے) اور اچھے کام کرے (فرائض ادا کرے) تو عجب نہیں کہ ایسے لوگ فلاح پانے والوں میں ہوں (اللہ کے وعدہ کے بموجب نجات پانے والے ہوں) اور آپ کا پروردگار جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے (جو چاہے) ان (مشرکین) کو تجویز کا کوئی حق نہیں ہے (کسی قسم کا اختیار نہیں ہے) اللہ پاک اور برتر ہے (ان کے شرک سے) جو یہ شرک کرتے ہیں اور آپ کا پروردگار سب چیزوں کی خبر رکھتا ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے (کفر وغیرہ جو سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں) اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں (اپنی زبانوں سے جھوٹ) اور اللہ وہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اسی کی تعریف ہے اول (دنیا میں) بھی اور آخرت (جنت) میں بھی اور حکومت (ہر چیز کا ناطق فیصلہ) بھی اور تم سب (قیامت میں) اس کے پاس لوٹ کر جاؤ گے آپ (اہل مکہ سے) کہئے بھلا یہ تو بتلاؤ (مجھے جواب دو) کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لئے قیامت تک (دائمی

طور سے) رات ہی رہنے دے تو خدا کے سوا (تمہارے گمان میں) وہ کون سا خدا ہے جو تمہارے لئے روشنی لے آئے (دن کر دے تا کہ تم معاش کے کام کر سکو (تو کیا تم سنتے نہیں (یہ بات سمجھتے نہیں کہ شرک سے باز آ جاؤ) آپ (ان سے) کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک دن ہی رہنے دے تو خدا کے سوا (تمہارے گمان کے مطابق) وہ کون سا خدا ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آئے جس میں تم آرام پاسکو (تعب سے راحت حاصل کر سکو) کیا تم نہیں دیکھتے (موجودہ شرک کے طریقہ سے باز آ جاؤ) اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن بنایا تا کہ تم (رات میں) آرام پاؤ اور تا کہ اس کی روزی تلاش کرو۔ (دن میں روزی کما کر) اور تا کہ تم شکر ادا کرتے رہو (ان دونوں نعمتوں کا) اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکار کر کہے گا کہ جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے وہ کہاں گئے (شرک کا حال دوبارہ ذکر کیا تا کہ اس پر اگلا جملہ منطبق ہو سکے) اور ہم ہر امت میں سے ایک کو گواہ نکال لائیں گے (ان کے پیغمبر جو ان کی باتوں کے خلاف گواہی دیں گے) پھر ہم (ان سے) کہیں گے کہ اپنی دلیل پیش کرو (جو تم نے شرکیہ باتیں کی ہیں) سو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ (خدائیت کے متعلق) سچی بات اللہ ہی کی تھی (اس میں کوئی اس کا ساجھی نہیں ہے) اور کسی کا پتہ نہ رہے گا (گم ہو جائیں گی) جو کچھ باتیں وہ گھڑا کرتے تھے (دنیا میں کہ خدا کا کوئی شریک ہے حالانکہ وہ شرک سے بری ہے۔)

تحقیق وترکیب: .... **افمن وعدناہ**. ابن جریرؒ۔ مجاہدؒ سے نقل کرتے ہیں کہ اول سے مراد آنحضرت ﷺ اور دوسرے سے مراد ابوجہل ہے۔ یہ بطور تمثیل کہا ہے۔

ثم هو. لفظ ثم سے تراخی تمتع دنیا سے احضار جہنم کے لئے ہے۔

قال الذین. یہ جملہ مستانفہ سوال مقدر کا جواب ہے **ای ماذا قالوا**. اور سوال کا جواب ہے **حصل التنازع بین الاتباع والمتبوعین** اسی مضمون کو دوسری آیت **وبرزوا للّٰه جمیعا** اور **اذیتحاجون فی النار** ہے۔

هؤلآء الذین. **هولاء** مبتدا اور **الذین** صفت ہے اور عائد محذوف ہے **ای اغوینا هم** ۔ اور **اغوینا هم** خبر ہے مبتداء کی اور چونکہ خبر **کما** کے ساتھ مقید ہے۔ اس لئے صلہ کے **اغوینا** سے فرق ہو گیا۔ اب دونوں میں اتحاد کا اعتراض نہیں رہے گا۔ اور **فغووا** مفسر علامؒ نے جو نکالا ہے وہ بھی مقید ہے۔ یعنی وہ گمراہ باختیار خود ہوئے ہیں۔ جیسے کہ ہم خود بالاختیار گمراہ ہوئے تھے۔

ماراوہ. یہ **لو لا** محذوف کے جواب کا بیان ہے۔

فعمیت ۔ مفسر علامؒ **ای لم یجدوا** سے اس میں صنعت قلب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو محسنات کلام میں شمار کی جاتی ہیں۔ تقدیر عبارت **فعموا عن الا بناء** تھی مبالغہ کے لئے قلب کیا گیا ہے اور لفظ **عمیت** کے **علی** کے ساتھ متعدی کرنے میں معنی خفاء کی طرف اشارہ ہے ورنہ **عن** کے ذریعہ تعدیہ ہوتا۔

فاما من تاب. چونکہ پچھلی آیت میں کفار تباع اور متبوع کا حال بیان ہوا ہے۔ اس لئے دفع دخل کے طور پر فرمایا گیا۔ کہ مومنین تابع متبوع کا یہ حال نہیں ہوگا۔

عسیٰ ان یکون یہ لفظ عادۃ کرام کے لحاظ سے تحقیق کے لئے ہے۔ گویا یہ وعدہ کریم ہے جو خلاف نہیں ہوگا یا بمعنی ترجی ہے۔ **ای فلیتوقع ان یفلح**.

وربك یخلق. بقول ابن عباسؓ اس کے معنی ہیں **وربک مایشاء من خلقه ویختار منهم بطاعته**. اور بقول نقاشؒ معنی یہ ہیں۔ **وربک یخلق مایشاء یعنی محمد صلی اللّٰه علیه وسلم ویختار الا نصار لدینه** . اور مسند بزار میں جابرؓ سے مرفوع روایت ہے۔ **ان اللّٰه اختار اصحابی علی العالمین سوی النبیین والمرسلین واختار لی من اصحابی**

اربعة يعنى ابا بكر وعمرو عثمان وعليا فجعلهم اصحابى وفى اصحابى كلهم خير واختار امتى على سائع الامم واختيار لى من امتى اربعة قرون.

ما كان لهم الخيرة ۔اس میں کئی توجیہات ہوسکتی ہیں:۔

۱۔اگر ما نافیہ ہے تو یختار پر وقف کیا جائے۔

۲۔ ما مصدر یہ ہے ای یختار اختیار هم اور مفعول مطلق مفعول بہ کی جگہ ہے۔

۳۔ما بمعنی الذی ہے اور عائد محذوف مانا جائے ای ما كان لهم الخيرة فيه اور بقول زمخشریؒ ما كان لهم الخيرة بیان ہے يختار کا ای ويختار مايشاء اسی لئے ان دونوں کے درمیان واؤ عاطفہ نہیں لایا گیا۔اس صورت میں معنی یہ ہوں گے۔ان الخيرة لله تعالىٰ فى افعاله وهو اعلم بوجود الحكمة فيها ليس لاحد من خلقه ان يختار عليه . اہل علم کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ یختار پر وقف کرنا اور ما نافیہ سے ابتداء کرنا طریقہ اہل سنت ہے اور معتزلہ کا مذہب ما موصولہ کو یختار کے ساتھ ملا کر پڑھنا ہے اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ ما موصولہ مفعول ہے یختار کا اور ضمیر راجع محذوف ہے۔ای ويختار الذى كان لهم فيه الخيرة اى الخير والصلاح اور بقول قاضیؒ اس میں بندوں کے بالکلیہ اختیار کی نفی مراد ہے۔کیونکہ بندوں کی طرح ان کا اختیار بھی اللہ کی مخلوق ہے اور جن اسباب سے اختیار کا تعلق ہے وہ بھی مخلوق ہیں۔لفظ خيرة یا کی حرکت وسکون دونوں طرح ہے۔بمعنی تخير جیسے طيرة بمعنی تطيرة ہے یعنی اس بمعنی مصدر مستعمل ہے۔

سرمدا ۔یہ جعل کا مفعول ثانی ہے سرود سے ماخوذ ہے بمعنی متابعت اس میں میم زائد ہے۔

بزعمكم. مفسر علامؒ اشارہ کر رہے ہیں کہ یہاں مناسب "هل اله غير الله" تھا۔کیونکہ یہ طلب تصدیق کے لئے ہے۔ من سے طلب تعیین مقصود نہیں ہے۔جو اصل وجود کو مقتضی ہوتا ہے۔لفظ زعم لا کر یہ بتلانا ہے۔کہ ان کے خداؤں کا وجود محض زعمی ہے۔

تكن صدورهم. يكنون کی بجائے تکن زمانے میں اشارہ ہے کہ منشاء خبث سینہ ہے جس میں اولاً کفر مرتسم ہوتا ہے۔ پھر وہ ظاہر ہوتا ہے۔

ارءيتم . لفظ ارئيتم اور جعل دونوں فعلوں کا تنازع اللیل میں ہورہا ہے اور یہ ثانی کا معمول ہے اور ارايتم کا مفعول ثانی بعد کا جملہ استفہامیہ ہے جس میں عائد محذوف ہے ای بضياء بعده اور جواب شرط محذوف ہے اور جعل اگر بمعنی تصيير ہے تب تو سرمداً مفعول ثانی ہے اور بمعنی خلق ہے تو پھر حال ہوگا۔

سرمدا. بمعنی دائماً متصلاً۔

تسكنون. جس طرح لیل کے ساتھ تسكنون فرمایا ہے نہار کے ساتھ تتصرفون نہیں فرمایا بلکہ لفظ ضياء فرمایا ہے جس کے معنی دھوپ کے ہیں۔کیونکہ دھوپ سے عام منافع کا تعلق ہے صرف معاشی تصرف کا نہیں اور ظلمت لیل اس درجہ کی نہیں۔اسی لئے لفظ ضیاء کے ساتھ افلا تسمعون فرمایا گیا۔کیونکہ سمع سے ان چیزوں کا ادراک ہوجاتا ہے جن کا ادراک بصر سے نہیں ہوسکتا جیسے منافع اور فوائد اور لیل کے ساتھ افلا تبصرون فرمایا گیا ہے لان غيرك يبصر من منفعة الظلام ماتبصره انت من السكون ونحو . افلا تسمعون اور افلا تبصرون کی موجودہ ترتیب کا برعکس کیا۔حالانکہ ضیاء کے مناسب الغبار ہوتا ہے اور لیل کے مناسب السمع تھا۔غالباً اس میں یہ نکتہ ہوسکتا ہے کہ دونوں جگہ العباد اور سمع کو جمع کرنا ہوگا۔چنانچہ ابصار کا تحقق ضیا کے ساتھ چونکہ بدیہی ہے اس لئے اس کی صراحت نہیں کی۔بلکہ وہاں سمع پر تنبیہ فرمادی، ادھر سمع کا تحقق چونکہ لیل میں واضح ہے۔اس لئے یہاں اس

کی صراحت نہیں کی۔ بلکہ ابصار پر تنبیہ فرمادی۔ نیز ضیاء کو نہار کے ساتھ مقید نہ کرنے میں ضیاء کے مقصود ہونے اور لیل کو سکون کے ساتھ مقید کرنے میں سکون کے مقصود ہونے کی طرف اشارہ ہے یعنی ظلمت مقصود نہیں۔

لتبتغوا من فضله۔ اس میں طلب رزق کی تحسین ہے چنانچہ الکاسب حبیب اللّٰہ فرمایا گیا ہے۔

ذکر ثانیا۔ مفسر علامؒ کے اس نکتہ کے علاوہ قاضی بیضاویؒ کی رائے ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ شرک سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز ناپسند نہیں ہے۔ یا پہلی مرتبہ ذکر کرنے میں ان کی رائے کے غلط ہونے اور دوسری میں شرک کے بے سند ہونے کی طرف اشارہ کرنا ہے۔

شهيدا۔ مجاہدؒ اور قتادہؒ اس کا مصداق نبی کو فرماتے ہیں۔ البتہ آیت وجیٔ بالنبيين والشهداء فرمایا گیا ہے جس سے شہداء کا غیر انبیاء ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مگر کہا جائے گا کہ قیامت کے احوال مختلف ہوں گے۔ اس لئے دونوں باتیں صحیح ہیں کبھی انبیاء شہادت دیں گے اور کبھی دوسری چیزیں۔

ربط:............ پچھلی بہت سی آیتوں میں گمراہی اور کفر پر زجر وتوبیخ کا بیان ہوا۔ پھر اس کے بعد کی آیات لعلهم يتذكرون. هو اعلم بالمهتدين۔ الذين اٰتينا هم الكتاب ما عند اللّٰه خير وابقى میں ایمان وہدایت کی ترغیب کا بیان ہوا ہے۔ اب آئندہ آیات میں قیامت کے دن کفر وایمان کے ثمرات کا ذکر ہے۔ پہلے آیت افمن وعدناه میں اجمالاً دونوں کا فرق۔ پھر آیت يوم ينا ديهم سے فاما من تاب تک اس فرق کی تفصیل کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد آیت وربك يخلق میں شرک کی مذمت اور برائی اور توحید اور اس کے ضمن میں انعامات واحسانات کا بیان ہے۔

شان نزول:............ بقول صاویؒ آیت وربك يخلق الخ کا شان نزول یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ آنحضرت ﷺ پر وحی اور قرآن اترنے اور آپ کی نبوت کو مستبعد سمجھتا تھا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿تشریح﴾:............ آیت افمن وعدناه کا حاصل یہ ہے کہ مومن وکافر دونوں انجام کے اعتبار سے کس طرح برابر ہوسکتے ہیں۔ ایک کے لئے دائمی نعمتوں کا وعدہ، دوسرے کے لئے چند روزہ عیش وعشرت کے بعد وارنٹ گرفتاری اور دائمی جیل خانہ۔ یہ فرق ایسا ہے جیسے ایک شخص خواب دیکھے کہ میرے سر پر تاج رکھا ہے۔ خدم وحشم پرے جمائے سامنے کھڑے ہیں۔ ایوان نعمت دسترخوان پر چنے ہوئے ہیں۔ جن سے لذت اندوز ہورہا ہوں۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ پولیس انسپکٹر گرفتاری کا وارنٹ اور بیڑی ہتھکڑی لئے کھڑا ہے اور فوراً گرفتار کرکے حوالہ جیل کردیا اور حبس دوام کی سزا دے دی۔ بتلاؤ کہ وہ خواب کی بادشاہت اور خیالی پلاؤ زردے اور یہ واقعی دائمی رنج والم کیا دونوں برابر ہوسکتے ہیں اور دونوں میں فرق کے لئے یہ گرفتاری ہی کافی تھی۔ مگر استحضار سے چونکہ دنیاوی ساز وسامان مانع تھا اس لئے اس سے بھی تعارض فرمایا۔

آیت قال الذين الخ کا خلاصہ یہ ہے کہ پوچھ گچھ تو مشرکین سے ہوگی۔ مگر بہکانے والے شرکاء سمجھ جائیں گے کہ ہمیں بھی ڈانٹ بتلائی گئی ہے۔ اس لئے سبقت کرکے جواب دیں گے۔ کہ خداوندا بے شک ہم نے انہیں ایسا ہی بہکایا جیسے ہم خود بہکے جیسے ہم پر کسی نے جبر نہیں کیا۔ اسی طرح ہم نے بھی ان پر کوئی جبر واکراہ نہیں کیا۔ کہ زبردستی اپنی بات ان سے منوائی ہوتی۔ یہ ان کی اپنی غلطی تھی کہ ہمارے بہکانے میں آگئے۔ اس لحاظ سے یہ ہمیں نہیں پوجتے تھے۔ بلکہ اپنی خواہشات کی پرستش کرتے تھے۔ اس لئے آج ہم ان کی پوجاپاٹ سے اظہار بیزاری کرتے ہیں۔ گویا اغواء اپنا جرم ہے۔ مگر اس کو قبول کرلینا یہ ان کا جرم ہے جس سے ہم بری ہیں۔

ہر شخص اپنے کئے کا ذمہ دار ہے:............ اور حق علیھم القول سے مراد لا ملان جھنم کا حکم ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ بلا شبہ ہم نے ان کو بہکایا۔ مگر نیک لوگوں کا نام لے کر بہکایا۔ لہٰذا انہوں نے درحقیقت ہماری نہیں بلکہ نیکوں کی عبادت کی ہے۔ اس لئے ہم ان کی عبادت سے تبری کرتے ہیں اور اعتبار سے قیل ادعوا کے یہی دو مفہوم ہیں۔ ایک یہ کہ جب مشرکین سے کہا جائے گا کہ اپنی مدد کے لئے اپنے مددگاروں کو بلاؤ۔ مگر مددگار چونکہ خود اپنی مصیبت میں گرفتار ہوں گے اس لئے وہ کیا کسی کی مدد کرتے۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہوگا کہ ان مشرکین سے کہا جائے گا کہ ان نیکوں کو پکارو۔ جن کے نام پر تم نے کفر وشکر کیا تھا۔ مگر وہ نیک کچھ ہوا نہ دیں گے۔ کیونکہ وہ ان سے راضی نہ تھے۔

قیامت میں توحید کی طرح رسالت کے متعلق بھی سوال ہوگا:............ آیت ویوم ینادیھم میں یہ بتلانا ہے۔ کہ توحید کی طرح رسالت کی نسبت بھی ان سے سوال ہوگا۔ کہ اگر تم نے اپنی عقل سے حق کو نہ سمجھا تھا۔ تو پیغمبروں کے سمجھانے سے سمجھا ہوتا اور ان کے بتلانے سے پہچانا ہوتا۔ بتلاؤ ان کے ساتھ تم نے کیا برتاؤ کیا۔ اس وقت کسی کو جواب نہ آئے گا۔

آیت "عسی ان یکون" میں شاہانہ انداز کا وعدہ ہے۔ کہ اگر ہم پر کسی کا دباؤ نہیں ہے۔ کہ ناچار ایسا کرنے پر ہم مجبور ہیں۔ لیکن ہم محض اپنے کرم سے وعدہ کرتے ہیں۔

آیت "وربک یخلق" کا مقصد یہ ہے کہ ہر چیز کا پیدا کرنا اور کسی چیز کو پسند کرنا یا چھانٹ کر منتخب کر لینے کا حق صرف اسی کو ہے جو چاہے احکام بھیجے، جس کو چاہے کسی خاص منصب پر فائز کر دے۔ جس کسی میں استعداد دیکھے راہ ہدایت دکھلا کر کامیاب کر دے اور مخلوق میں سے کسی جنس یا کسی نوع کو یا کسی فرد کو اپنی حکمت بالغہ سے دوسری جنس یا نوع یا فرد سے ممتاز کرنا چاہے تو اسے کون روک ٹوک سکتا ہے۔ لوگوں نے اپنی تجویز سے جو شرکاء ٹھہرا لئے ہیں وہ سب باطل اور بے سند ہیں۔ لوگ دل میں جو فاسد عقائد و خیالات رکھتے ہیں۔ اور زبان، ہاتھ، پاؤں سے جو کام کرتے ہیں وہ ان سب سے واقف ہے اور انہی کے مطابق معاملہ کرے گا اور جس طرح وہ اس تخلیق و انتخاب اور علم میں یگانہ ہے۔ اسی طرح وہ الوہیت میں بھی یکتا ہے۔ اسی کا فیصلہ ناطق ہے۔ اسی کو اقتدار کلی حاصل ہے اور انجام کار اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ رات دن میں جس قدر بھلائیاں پہنچتی ہیں۔ اسی کے انعام و اکرام ہیں۔ بلکہ دن رات کی ادلی بدلی بھی اسی کا کرشمہ احسان ہے۔

چاند سورج بڑے دیوتا نہیں، ان سے بھی اوپر ایک بالا دست طاقت ہے:............ وہ اگر سورج کو طلوع نہ ہونے دے یا اس سے روشنی چھین لے تو تم روشنی کہاں سے لا سکتے ہو۔ یا وہ سورج کو غروب نہ ہونے دے۔ ہمیشہ تمہارے سروں پر کھڑا رکھے۔ تو جو راحت و سکون رات کے آنے سے ہوتے ہیں۔ ان کا سامان پھر کون کر سکتا ہے۔ یہ بات اتنی روشن اور صاف ہے کہ سنتے ہی سمجھ میں آ جائے۔ تو کیا تم سنتے بھی نہیں اور کیا ایسی روشن حقیقت بھی تمہیں نظر نہیں آتی۔

آنکھ سے دیکھنا چونکہ عادۃً روشنی پر موقوف ہے جو دن میں پوری طرح رہتی ہے اور رات کے اندھیری میں دیکھنے کی صورت نہیں۔ البتہ سننا ممکن ہے۔ اس لئے ان جعل اللّٰہ علیکم النھار سرمداً کے مناسب افلا تبصرون اور ان جعل اللّٰہ علیکم الیل سرمداً کے ساتھ افلا تسمعون ہی موزوں ہے۔

یہاں ایک اشکال علم کلام کا ہے۔ کہ اگر رات سرمدی ہو جائے تو روشنی کا ہونا اس طرح دن اگر سرمدی ہو تو ظلمت کا ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ دونوں ضدیں ہیں۔ پھر غیر اللہ کے ساتھ کیوں مقید کیا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ مقصد صرف یہ بتلانا ہے کہ دن کے بعد را

اور رات کے بعد دن کرنے پر غیر اللہ قادر نہیں۔ جب کہ اللہ ان کے استمرار کا ارادہ فرمالے۔ ہاں اللہ اس پر قادر ہے۔ بغیر اس پر نظر کئے کہ یہ کرنا بغیر ارادہ کے ہے۔..... آیت ومن رحمتہ کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رات دن کا الٹ پھیر کرتا رہتا ہے۔ تاکہ رات کی تاریکی اور خنکی میں سکون وآرام حاصل کرسکو اور دن کے اجالے میں کاروبار جاری رکھ سکو اور اس طرح روز وشب کے مختلف النوع انعامات پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔

ہادیوں کی گواہی:.............. من کل امۃ شھیدا. یوں تو کافروں پر حجت خود انہی کے قول سے پوری ہو جائے گی مگر مزید اہتمام کے لئے بیرونی شہادتیں بھی فراہم کردی جائیں گی۔ یعنی انبیاء اور ان کے سچے متبعین بتلائیں گے کہ لوگوں نے احکام الٰہیہ اور شرائع سماویہ کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟ اور ھاتوا برھانکم سے مراد یہ ہے کہ خدا کے شریک ٹھہرانے پر سند اور دلیل لاؤ اور حرام وحلال کے احکام کہاں سے لئے تھے۔ پیغمبروں کو جب تم نے مانا نہیں۔ پھر کس نے تم سے بتلایا کہ یہ حکم ہے اور یہ نہیں۔ اس وقت صاف نظر آجائے گا۔ کہ سچی بات صرف اللہ کی ہے اور معبودیت صرف اسی کا حق ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ پیغمبر جو بتلاتے تھے وہی ٹھیک ہے۔ مشرکین نے جو عقیدے گھڑے تھے اور جو باتیں اپنے دل سے جوڑی تھیں۔ وہ سب کافور ہو جائیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

غرض کہ جتنے سہارے انہوں نے گھڑ رکھے تھے ان میں سے کوئی ذرا بھی کام نہ آسکے گا۔

لطائف سلوک:.............. فاما من تاب . یہ آیت منازل سلوک کی جامع ہے۔ کیونکہ وصول مقصود کو تین باتوں پر معلق فرمایا ہے۔ ایک توجہ قلب جو توبہ ہے۔ دوسرے تصحیح عقائد جو ایمان ہے۔ تیسرے اصلاح اعمال آیت وربک یخلق سے معلوم ہوا کہ بندہ سے مطلقاً اختیار کی نفی نہیں ہے بلکہ مستقل اختیار کی نفی کرنا یعنی خدا کا سا اختیار مطلق نہیں ہے۔ پس اپنے اختیار کے غیر مستقل ہونے کو بلحاظ علم وعمل مستحضر رکھنا یہی جبر محمود ہے۔

نیز لہ الحمد الخ سے یہ نکتہ معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کا ہر کام بالآخر خیر محض ہے۔ ورنہ ہر حال میں حمد کا کیا مطلب؟ آیت لتبتغوا سے معلوم ہوا کہ معاشی مشاغل بھی مستحسن اور محمود ہیں۔ الکاسب حبیب اللہ اور یہ اسباب کی مشغولی توکل کے خلاف نہیں ہے۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اِبْنُ عَمِّهٖ وَابْنُ خَالَتِهٖ وَاٰمَنَ بِهٖ **فَبَغٰى عَلَيْهِمْ** ۖ بِالْكِبْرِ وَالْعُلُوِّ وَكَثْرَةِ الْمَالِ **وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓءُ** تَثْقُلُ **بِالْعُصْبَةِ** الْجَمَاعَةِ **اُولِى** اَصْحَابِ **الْقُوَّةِ** ۗ اَیْ تُثْقِلُهُمْ فَالْبَاءُ لِلتَّعْدِيَةِ وَعِدَّتُهُمْ قِيْلَ سَبْعُوْنَ وَقِيْلَ اَرْبَعُوْنَ وَقِيْلَ عَشَرَةٌ وَقِيْلَ غَيْرُ ذٰلِكَ اُذْكُرْ **اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ** الْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ بَنِىْٓ اِسْرَائِيْلَ **لَا تَفْرَحْ** بِكَثْرَةِ الْمَالِ فَرَحَ بَطَرٍ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ** ﴿۷۶﴾ بِذٰلِكَ **وَابْتَغِ** اُطْلُبْ **فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ** مِنَ الْمَالِ **الدَّارَ الْاٰخِرَةَ** بِاَنْ تُنْفِقَهٗ فِىْ طَاعَةِ اللّٰهِ **وَلَا تَنْسَ** تَتْرُكْ **نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا** اَیْ اَنْ تَعْمَلَ فِيْهَا لِلْاٰخِرَةِ **وَاَحْسِنْ** لِلنَّاسِ بِالصَّدَقَةِ **كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ** تَطْلُبْ **الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ** ۖ بِعَمَلِ الْمَعَاصِىْ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ** ﴿۷۷﴾ بِمَعْنٰى اَنَّهٗ يُعَاقِبُهُمْ **قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ** اَیِ الْمَالَ **عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ** ۖ اَیْ فِىْ مُقَابَلَتِهٖ وَكَانَ اَعْلَمَ بَنِىْٓ اِسْرَائِيْلَ بِالتَّوْرٰةِ

بَعْدَ مُوْسٰی وَهَارُوْنَ قَالَ تَعَالٰی **اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ** الْاُمَمِ **مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا** لِلْمَالِ اَیْ وَهُوَ عَالِمٌ بِذٰلِكَ وَيُهْلِكُهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی **وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ﴿۷۸﴾** لِعِلْمِهٖ تَعَالٰی بِهَا فَيَدْخُلُوْنَ النَّارَ بِلَا حِسَابٍ **فَخَرَجَ** قَارُوْنُ **عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِيْنَتِهٖ** بِاَتْبَاعِهِ الْكَثِيْرِيْنَ رُكْبَانًا مُتَحَلِّيْنَ بِمَلَابِسِ الذَّهَبِ وَالْحَرِيْرِ عَلٰی خُيُوْلٍ وَبِغَالٍ مُتَحَلِّيَةٍ **قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا** لِلتَّنْبِيْهِ **لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ** مَا فِی الدُّنْيَا **اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ** نَصِيْبٍ **عَظِيْمٍ﴿۷۹﴾** وَافٍ فِيْهَا **وَقَالَ** لَهُمْ **الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ** بِمَا وَعَدَ اللّٰهُ فِی الْاٰخِرَةِ **وَيْلَكُمْ** كَلِمَةُ زَجْرٍ **ثَوَابُ اللّٰهِ** فِی الْاٰخِرَةِ بِالْجَنَّةِ **خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا** مِمَّا اُوْتِیَ قَارُوْنُ فِی الدُّنْيَا **وَلَا يُلَقّٰهَآ** اَیِ الْجَنَّةَ الْمُثَابَ بِهَا **اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ﴿۸۰﴾** عَلَی الطَّاعَةِ وَعَنِ الْمَعْصِيَةِ **فَخَسَفْنَا بِهٖ** بِقَارُوْنَ **وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** مِنْ غَيْرِهٖ بِاَنْ يَمْنَعُوْا عَنْهُ الْهَلَاكَ **وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ﴿۸۱﴾** مِنْهُ **وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ** اَیْ مِنْ قَرِيْبٍ **يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ** يُوَسِّعُ **الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ** يُضَيِّقُ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ وَوَیْ اِسْمُ فِعْلٍ بِمَعْنٰی اَعْجَبُ اَیْ اَنَا وَالْكَافُ بِمَعْنَی اللَّامِ **لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا** بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ **وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴿۸۲﴾** لِنِعْمَةِ اللّٰهِ كَقَارُوْنَ

ترجمہ: .... قارون موسیٰ کی برادری میں سے تھا (چچازاد، خالہ زاد بھائی تھا اور موسیٰ پر ایمان لے آیا تھا) سو اس نے لوگوں کے مقابلہ میں گھمنڈ اختیار کیا (کبر، شیخی اور مالداری کی وجہ سے) اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ اس کی کنجیاں گرانبار (بوجھل) کر دیتی تھیں ایک جماعت زور آور کو (بالعصبة میں با تعدیہ کے لئے ہے کنجی برداروں کی تعداد ۷۰، ۴۰، ۱۰ وغیرہ بتلائی گئی ہے اور یاد کیجئے) جب کہ اس کی برادری (میں سے مومنین بنی اسرائیل) نے کہا کہ تو اترا مت (زیادہ مالداری کے گھمنڈ میں) واقعی اللہ میاں (ان پر) اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جستجو کر (طلب رکھ) تجھ کو خدا نے جتنا کچھ (مال) دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی (اللہ کی راہ میں خرچ کر کے) اور مت بھلا (چھوڑ) اپنا مقصد دنیا سے بھی (یعنی دنیا میں رہ کر آخرت کا کام کر جا) اور احسان کیا کر (لوگوں پر صدقہ کر کے) جس طرح کہ اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے اور مت پھیلا (ڈھونڈ) زمین پر فساد (گناہ کر کے) بلا شبہ اللہ ایسے فسادیوں کو پسند نہیں کرتا (یعنی انہیں سزا دے گا) قارون کہنے لگا کہ مجھ کو تو یہ (مال) اپنی ہنرمندی سے ملا ہے (یعنی اپنے علم کی وجہ سے۔ کیونکہ وہ بنی اسرائیل میں تورات کا سب سے بڑا عالم۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بعد شمار ہوتا تھا۔ فرمایا کہ) کیا اسے یہ خبر نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے گذشتہ امتوں میں ایسے ایسوں کو ہلاک کر دیا ہے جو قوت میں اس سے کہیں بڑھے ہوئے اور جمع کرنے میں اس سے زیادہ تھے (مال کے اعتبار سے۔ یعنی وہ یہ جانتا تھا اور اللہ نے ان سب کو برباد کر ڈالا تھا) اور مجرموں سے ان کے گناہوں کی بابت سوال نہیں پڑے گا (کیونکہ اللہ انہیں خوب جانتا ہے۔ لہٰذا وہ جہنم میں بلا حساب ہی داخل کر دیئے جائیں گے) پھر وہ

(قارون) اپنی برادری کے سامنے اپنی آرائش کے ساتھ نکلا (لشکر جرار کے ساتھ سنہری زیورات اور حریری لباس پہن کر آراستہ گھوڑوں، خچروں پر سوار) جو لوگ دنیا کے طلب گار تھے کہنے لگے اے کاش! (لفظ یا تنبیہ کے لئے ہے) ہمیں بھی ویسا ہی سامان ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے (دنیا میں) واقعی بڑا ہی (پورا) صاحب نصیب (قسمت) ہے جن لوگوں کو (وعدہ آخرت کا) علم عطا ہوا تھا وہ (ان سے) بولے۔ ارے تمہارا ناس ہو (یہ کلمہ ڈانٹ کا لفظ ہے) اللہ کے ہاں کا ثواب (آخرت میں جنت) ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک کام کرے (بہ نسبت قارون کے دنیاوی مال کے) اور وہ (جنتی ثواب) انہی کو دیا جاتا ہے جو (اطاعت پر بھی) صبر کرنے والے ہیں (اور گناہوں سے بھی) پھر ہم نے اس (قارون) کو اور اس کے محل سرا کو زمین میں دھنسا دیا۔ سو کوئی جماعت اس کے لئے ایسی نہ ہوئی جو اللہ سے بچا لیتی (غیر اللہ کی جماعت اس سے تباہی کو دفع کر دیتی) اور نہ وہ خود اپنے کو (اللہ سے) بچا سکا اور کل (یعنی ابھی گذشتہ زمانے میں) جو لوگ اس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ کہنے لگے بس جی یوں معلوم ہوتا اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے روزی زیادہ (خوب) دیتا ہے اور تنگی سے دینے لگتا ہے (جسے چاہے اور لفظ وی اسم فعل بمعنی اعجب ہے بصیغہ متکلم ہے اور کاف بمعنی لام ہے) اللہ تعالیٰ کی اگر ہم پر مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو بھی دھنسا دیتا (لفظ خسف معروف اور مجہول دونوں طرح ہے) بس جی معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہے (جو اللہ کی نعمتوں کے منکر ہیں جیسے قارون)۔

تحقیق وترکیب: .... قارون. علمیت وعجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ ان کا نسب نامہ اس طرح ہے۔ قارون بن یصهیر بن قاهث بن لاوی اور حضرت موسیٰ بن عمران بن قاهث ابن لاوی.

مفاتیح. جمع مفتح بالکسر کنجی یا خزانہ اور بفتح المیم قیاسی ہے۔

لتنوء. ماخوذ ہے۔ تاء بہ الجمل سے اونٹ جب اونٹ اتنا بوجھل ہو جائے کہ اس میں جھکاؤ ہونے لگے۔ اس میں دو صورتیں ہیں۔ باء ہمزہ کی طرح تعدیہ کے لئے مانی جائے۔ اس صورت میں کلام میں قلب نہیں ہوگا۔ ای لتنوء المفاتح العصبة الا قویا کنجیوں نے جماعت کو بوجھل کر دیا۔ دوسری صورت کلام میں قلب ماننے کی ہے۔ اصل عبارت لتنوء العصبة بالمفاتح ہے۔ بقول ابن عباسؓ چالیس افراد اٹھاتے تھے۔ اور تفسیر کبیر میں ہے کہ ساٹھ اونٹوں پر لادی جاتی تھیں۔

لا تفرح. دنیا پر فرحت مطلقاً مذموم ہے۔ الا یہ کہ حصول آخرت کا ذریعہ بنایا جائے۔ حدیث میں ہے۔ اغتنم خمساً قبل خمس، شبابک قبل هرمک وصحتک قبل سقمک وغناک قبل فقرک وفراغک قبل شغلک وحیاتک قبل موتک.

علم من عندی. موصوف صفت ہے۔ قارون کو علم تورات یا علم کیمیا حاصل تھا۔ چنانچہ وہ سونا بنانا جانتا تھا یا علم معاشیات مراد ہو کہ تجارت وزراعت میں ماہر تھا۔ یا حضرت یوسفؑ کے خزائن سے واقف ہونا مراد ہے۔ ای فی مقابلة کہہ کر مفسر اشارہ کر رہے ہیں۔ کہ یہ ظرف لغو ہے او تیتہ ف سے متعلق ہے اور علی بمعنی یا ہے جو مقابلہ کے لئے آتا ہے اور بعض نے حال کی ترکیب کی ہے۔

اولم یعلم. یعنی تورات یا تو راسخ سے اسے یہ معلومات تھیں۔

لا یسئل. دوسری آیت میں فوربک لنسئلنهم اجمعین فرمایا گیا ہے۔ جس سے بظاہر دونوں آیات میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ سوال دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک سوال استعتاب جس کے بعد معافی ہو جاتی ہے۔ اس آیت میں وہی مراد ہے اور دوسرا سوال عقاب اور ڈانٹ کے لئے ہوتا ہے۔ دوسری آیت سے مراد وہی ہے جس کے بعد جہنم ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ قیامت کا زمانہ چونکہ ممتد ہوگا۔ اس لئے دونوں آیتوں سے مراد الگ الگ دو وقت ہوں۔ اب تعارض

نہیں رہے گا۔

بعض حضرات نے فلایسئل کا مطلب یہ لیا ہے کہ چونکہ مجرمین کو سزا دینی ہوگی۔ اس لئے پوچھنے گچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی قتادہؒ کی رائے یہی ہے۔ اور مجاہدؒ کہتے ہیں کہ فرشتے ان سے پوچھ گچھ نہیں کریں گے۔ کیونکہ وہ خود علامات سے پہچانتے ہیں۔ اور حسنؒ ان دونوں آیات میں تطبیق، سوال استعتاب اور سوال عقاب پر محمول کرنے کو کہتے ہیں۔

فخرج. اس کا عطف قال پر ہے یا انما او تیة پر، اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ سنیچر کے دن یہ قارونی جلوس نکلا۔ جس میں چار ہزار یا نوے ہزار آدمی زرد لباس میں شامل تھے اور داہنی طرف شائستہ غلام اور بائیں جانب آراستہ باندیوں کا جھرمٹ تھا۔

الذین یریدون الحیٰوۃ الدنیا. اس سے مراد مومن ہیں۔ مگر محجوبین کہ جن کی نظر آخرت کی بجائے دنیا پر ہے۔ برخلاف ان اہل علم کے جن کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔ وہ عالم الدنیا نہیں عالم الآخرۃ ہیں۔ اول علماء سوء ہیں اور دوسرے علماء ربانی حقانی ہیں۔

الصابرون. صبر کی تین قسمیں ہیں۔ صبر علی البلاء. صبر علی الطاعة. صبر علی المعصیة. مؤخر الذکر کا صلہ عن آتا ہے اور ثانی الذکر کا صلہ علیٰ آتا ہے۔

من فئة. کان ناقصہ ہونے کی صورت میں من فئة اسم اور لہٗ خبر ہے یا ینصرونه خبر ہے اور اگر کان تامہ ہے تو من فئة فاعل اور ینصرونه فئة کی صفت ہے جو لفظاً مجرور اور محلاً مرفوع ہے۔ کیونکہ من زائد ہے۔

مکانه. ای مثل مکانه. مفسر علامؒ نے لفظ امس سے مراد معین وقت نہیں لیا۔ بلکہ زمانہ قریب لیا ہے۔

ویکان. لفظوی اسم فعل بمعنی صه ہے۔ بقول خلیلؒ بمعنی اعجب ہے۔ مفسر علامؒ نے انا کہہ صیغہ متکلم کی طرف اشارہ کر دیا ہے اور بقول سیبویہؒ یہ کلمہ تنبیہ ہے جو ندامت وخطا کے موقعہ پر آیا ہے اور کاف بمعنی لام ہے۔ ای اعجب انا اور بقول بیضاویؒ ویکان بصریین کے نزدیک لفظ مرکب ہے وی تعجبیہ اور کان تشبیہ سے ای ما اشبه الا مر.

لخسف. حفصؒ ویعقوبؒ کی قراءت معروف کی ہے مفعول محذوف ہے ای خسف اللّٰه الا رض اور باقی قراءؒ کے نزدیک مجہول ہے۔ ای لو لا امن اللّٰه علینا فلم یعطنا ما تمنینا من غنی قارون لخسف بنا لتو لیده فینا ما ولده فیه فخسف به لا جلة.

ربط:............ آیت سابقہ قالوا ان نتبع الهدیٰ سے لے کر ضل عنهم الخ تک مختلف عنوانات سے کفر کا ناپسندیدہ اور باعث خسران ہونا معلوم ہوا تھا۔ پھر دنیا پر اتراہٹ کر ہلاکت وعذاب سے نہ بچا سکنا معلوم ہوا تھا۔ آیت ان قارون الخ سے اس کی تائید میں قارون کا عبرت ناک واقعہ ذکر کیا جارہا ہے۔ جس میں تکبر، نافرمانی اور اترانے کی برائی اور جن میں یہ باتیں پائی جائیں ان کی مذمت معلوم ہوتی تھی۔

﴿ تشریح ﴾:............ پہلے سے دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی پائیداری کا بیان چلا آرہا ہے۔ اس کی تائید کے لئے قارون کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ قبطی نہیں تھا اسرائیلی تھا۔ بلکہ حضرت موسیٰ کا حقیقی چچازاد بھائی تھا اور ممکن ہے ماں کی جانب سے خالہ زاد بھی ہو۔ اور مفسر علامؒ کے بیان کے مطابق بظاہر مومن بھی تھا۔ مگر توراۃ کے بیان کے مطابق اسے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام سے حسد ہوگیا تھا اور اسرائیلی ڈھائی سو افراد کی ایک ٹکڑی اس کے ساتھ ہوگئی تھی۔ جو قوم میں مؤثر اور نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔

کسی قوم کی بربادی قوم فروش افراد کی بدولت ہوتی ہے:............ ظالم قوموں اور حکومتوں کا پرانا دستور چلا آ رہا ہے کہ کسی قوم کا خون چوسنے کے لئے انہی میں سے کچھ مؤثر افراد کو آلہ کار بنا لیتے ہیں فرعون نے بھی قارون کو اس کام کے لئے چن لیا تھا۔ وہ فرعون کے دربار کی پیشی میں رہتا تھا۔ وقت سے فائدہ اٹھا کر اس نے دونوں ہاتھ سے خوب دولت سمیٹی اور پورا اختیار حاصل کر لیا۔ مگر فرعون جب غرق ہو کر مبتلائے عذاب ہوا اور حضرت موسیٰ کی زیر کمان اسرائیلیوں کو رہائی اور آزادی نصیب ہوئی۔ تو اس کی سرداری خاک میں مل گئی اور مالی ذرائع مسدود ہو گئے۔ تو حضرت موسیٰ سے دل میں خلش رکھنے لگا۔ اگرچہ بظاہر مومن اور تورات کا عالم تھا۔ مگر دماغ میں یہ خناس گھسا کہ جب موسیٰ وہارون نبی ہو سکتے ہیں تو میں بھی ان کے برابر کا بھائی ہوں۔ اس کے کیا معنی کہ میں محروم ہوں۔ اس مایوسانہ چڑچڑاہٹ میں کبھی ڈینگیں مارتا اور کہتا کہ اگر دونوں کو نبوت مل گئی تو کیا ہوا۔ میرے پاس دولت کے انبار ہیں۔ دنیا میرے قدموں میں پڑی ہے۔

ایک دفعہ حضرت موسیٰ نے اسے زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا۔ تو کہنے لگا کہ اب تک تو موسیٰ کے احکام ہم نے برداشت کئے۔ مگر ان کی نظر اب ہمارے مال پر بھی پڑنے لگی۔ تو کیا تم لوگ اس کو برداشت کر لو گے؟

ایک اخلاق سوز، رسوا کن بھونڈی اسکیم:............ اس پر کچھ خوشامدی اور اس کے دستر خوان کے چمچے اس کے ہمنوا ہو گئے اور حضرت موسیٰ کو بدنام کرنے کے لئے بقول ابن عباسؓ ایک گندی سازش کی اور اسکیم کی۔ ایک ہیروئن عورت کو بنا کر بہکایا اور آمادہ کیا۔ کہ بھرے مجمع میں جب حضرت موسیٰ زنا کی حد بیان کریں تو تم اپنے ساتھ ان کو متہم کر دینا (نعوذ باللہ) منصوبہ کے مطابق شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر عورت کہہ گزری۔ مگر حضرت موسیٰ نے جب پر جلال لہجہ میں ایک خاص کیفیت سے سخت قسمیں دیں اور جھوٹ کے ادبار اور اللہ کے غضب کو سامنے رکھا۔ تو وہ عورت کانپ اٹھی اور صاف صاف کہہ دیا۔ کہ قارون نے ہی یہ پٹی پڑھائی تھی۔ اس پر حضرت موسیٰ کو جوش الٰہی ہوا اور انہوں نے بددعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ تیر نشانہ پر لگا اور قارون کا بیڑہ مال ومنال سمیت غرق ہوا اور وہ اپنے بے پناہ خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ (درمنثور)

قارون کا خزانہ اور اس کی کنجیاں:............ بعض سلف نے مفاتیح کی تفسیر خزائن سے کی ہے۔ لیکن اکثر مفسرین اس کی تفسیر کنجیوں کے ساتھ کرتے ہیں اور جب کنجیوں کا وزن ایک جماعت کے لئے بھی ناقابل برداشت ہے تو پھر خزانوں کا کیا پوچھنا اور مال و دولت کی کیا انتہا؟ یہ چنداں مستبعد بات نہیں۔ عقلاً تو کیا عادۃً بھی بعید نہیں ہے۔ کیونکہ بقول اہل لغت اگر عقبہ سے مراد دس آدمیوں کی جماعت ہے اور فی کس ایک دھڑی وزن فرض کیا جائے اور چابیوں کا گچھا ہاتھ یا جیب یا ازار بند میں معمول کے مطابق مانا جائے۔ ادھر ہر تالی ایک ایک تولہ تجویز کی جائے فی کس چار سو کنجیاں ہوتی ہیں۔ اس طرح دس آدمیوں کے لئے چار ہزار چابیاں ماننی پڑتی ہیں۔ اور ہر صندوق میں اگر ایک تالا مانا جائے تو اس طرح صندوقوں کی مجموعی تعداد چار ہزار ہوتی ہے۔ مہاجنوں کی دنیا میں یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔

رہ گئی کنجیوں کے اٹھانے کی دشواری سو اول تو ڈھلڈ ھلے اجسام کے مقابلہ میں ٹھوس اجسام کا اٹھانا گو وزن میں دونوں برابر ہوں باعث دشواری ہوتا ہے۔ پھر دشواری بھی ایک تو مزدوری کی ہوتی ہے اور ایک بنک منیجروں کی ہوتی ہے۔ دونوں کی حیثیت میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اور اگر بنک کے مختلف تہہ خانوں، چور دروازوں، کمروں، الماریوں، تجوریوں ان کے مختلف خانوں اور صندوقچوں کی تعداد سینکڑوں ہزاروں ہو تو اس میں ذرا بھی استبعاد نہیں رہ جاتا۔ آج بھی کروڑ پتی، ارب، کھرب پتی سیٹھ ساہوکاروں

کے ہاں خزانچیوں، منشیوں، محاسبوں، نائبوں، چپراسیوں، پہرہ داروں، مددگاروں کا کتنا بڑا عملہ کام میں جٹا ہوا ہوتا ہے۔

مال ودولت کا نشہ، سانپ کاٹنے کے نشہ سے کم نہیں:............ لا تفرح کا منشاء یہ ہے۔ کہ ایسی اتراہٹ اور گھمنڈ ٹھیک نہیں۔ جس کے نشہ میں انسان خدا اور بندوں کے حقوق تلف کر بیٹھے اور یہاں تو کم ظرف قارون ایک پیغمبر برحق کے مقابلہ میں آ کھڑا ہوا۔ حالانکہ اس بے حقیقت دنیا اور فانی دولت پر کوئی کیا ناز کرے جس کی وقعت اللہ کے ہاں پشہ کے پر کے برابر بھی نہیں۔ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اکڑنے اور اترانے والے اللہ کو نہیں بھاتے۔ اور جو اللہ کو نہ بھائے اس کا نتیجہ بجز تباہی و بربادی کے اور کیا ہے؟ خدا کا دیا ہوا مال اس لئے ہے کہ انسان اسے توشہ آخرت بنائے نہ یہ کہ کبر وغرور کے نشہ میں چور ہو کر سرکشی کی راہ اپنائے۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ ساری کی ساری دولت بندگانِ خدا کو دے دو۔ خود کھاؤ پیو عیش کرو، مگر حدود میں رہ کر متعلقہ حقوق بھی ادا کرتے رہو...... سلسلہ فہمائش جاری رکھتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اے قارون بلا وجہ حضرت موسیٰ کے مقابلہ اور ضد سے باز آ جا۔ ملک میں خواہ مخواہ کی تباہی مت پھیلا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کفر ومعصیت کی راہ اختیار کرنے اور غیر اسلامی طریقوں کو اپنانے سے نظام امن وامان درہم برہم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ معاشیات کا ہر طالب علم یہ چاہتا ہے کہ آج سرمایہ پرست معاشی توازن کو بگاڑ کر دنیا میں کیا کچھ تباہی و بربادی لا سکتے ہیں۔

روشن خیال قارون نے جواب دیا کہ یہ کیا دقیانوسی باتیں ہیں۔ میں ماہر مالیات ومعاشیات ہوں یا علم کیمیا میں یکتائے روزگار ہوں۔ سونا بنا لینا میرے اپنے ہاتھ کی بات ہے۔ جو کچھ مجھے ملا ہے اس میں نہ کسی کا احسان ہے اور نہ مجھ پر کسی کا حق ہے۔ میں نے اپنی قوت بازو اور علم وہنر کے زور اور قابلیت ولیاقت سے یہ عروج اور دولت کمائی ہے۔ کیا یوں ہی بیٹھے بٹھائے مفت میں کچھ مل گیا ہے کہ موسیٰ کے حکم اور تمہارے کہنے سے لٹا دوں؟...... آگے قارون کی حماقت وکج فہمی بیان ہو رہی ہے کہ اسے اتنی بھی سمجھ نہیں آئی کہ اگر دولت مندی، ہنرمندی اور فن دانی ہی کا یہ نتیجہ ہوتی۔ تو بڑے بڑے ساہوکار خود کو کیوں تباہ وبرباد ہونے دیتے۔ آخر یہ نہ سوچا کہ یہ دولت کمانے کی لیاقت کس نے دی۔ یہ دماغ کس نے دیا۔ اس میں یہ مشینری کس نے فٹ کی؟ منعم حقیقی کو بھول کر دولت ولیاقت پر غرہ کرنے لگا۔ اسے معلوم نہیں کہ کتنے دولت مند اور اس سے زیادہ اقتدار کے مالک تباہی سے نہ بچ سکے۔ ان کے انجام سے اسے کچھ عبرت نہ ہوئی۔

رہا کسی کے جرائم کی تحقیقات سو اللہ کو پوچھ پاچھ کی کیا ضرورت اسے پہلے ہی سب کچھ معلوم ہے۔ ہاں کسی کو فضیحت ورسوا کرنا ہو اور اس پر حجت قائم کرنے کے لئے یا دوسروں کو عبرت دلانے کے لئے اور سرزنش وتنبیہ کے لئے سوالات کئے جائیں تو دوسری بات ہے یا یہ کنایہ ہے جرائم کی کثرت سے کہ اتنے زیادہ ہیں اور واضح ہیں کہ ایک ایک جزئی پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

قارون کا جلوس اور عروج وزوال کی کہانی:............ ایک روز قارون لباس فاخرہ پہن کر بڑے کروفر کے ساتھ نوکروں چاکروں کو جلو میں لئے بڑی شان وشوکت سے نکلا۔ حتیٰ کہ اس کی ٹیپ ٹاپ دیکھ کر دنیا پرستوں کی نگاہیں خیرہ اور چکا چوند ہو گئیں۔ بولے بڑا ہی صاحب اقبال نصیبہ ور، قسمت کا دھنی ہے۔ کسی کے ساز وسامان کو دیکھ کر رال ٹپک جانا یہ بشری کمزوری ہے۔ جس سے کوتاہ نظر مسلمان آج بھی دو چار ہوتے رہتے ہیں۔ اس سے یہ سمجھنا کہ کہنے والے کافر ہو گئے تھے صحیح نہیں ہے۔ تاہم سمجھدار اور ذی عقل لوگوں نے لقمہ دیا کہ مجنو! اس دنیوی ٹیپ ٹاپ میں کیا رکھا ہے۔ اس خالی چمک دمک پر کیوں ریجھتے ہو، ایمان داروں، نیک چلن لوگوں کو اللہ کے ہاں جو دولت ملنے والی ہے۔ اس کے سامنے یہ ہیچ ہے۔ اتنی بھی نسبت نہیں جتنی ذرہ کو آفتاب سے ہوتی ہے۔

ویــل کلمہ عربی محاورہ میں ترحم یا تنبیہ کے لئے آتا ہے اور وہی یہاں مراد ہے بد دعا مقصود نہیں ہے اور فرمایا۔ کہ دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو وہی جانتا ہے۔ جس نے محنت سہی ہو۔ حرص کے مارے، بے صبرے تو دنیا پر مکھیوں کی طرح چمٹے رہتے ہیں ...... اور یہ نہیں دیکھتے کہ دنیا میں کچھ آرام تو دس بیس سال کا ہے، پر مرنے کے بعد کانٹے ہیں، ہزاروں برس کے۔

دنیا داروں اور دینداروں میں نظر وفکر کا فرق: .... قارن کے زمین میں دھنسنے کا ماجرا توراۃ میں اسی طرح آیا ہے۔ تب خداوند کا جلال اس سارے گروہ کے سامنے ظاہر ہوا اور خداوند تعالیٰ نے موسیٰ و ہارون علیہم السلام کو خطاب کر کے کہا۔ تم خود کو اس گروہ سے جدا کرو تا کہ میں انہیں ایک پل میں ہلاک کردوں۔ پس نہ کوئی قارون کی مدد کو پہنچ سکا اور نہ ہی وہ کسی کو مدد کے لئے پکار سکا۔ غرض یہ کہ نہ اپنی مدد کام آسکی اور نہ دوسروں کا سہارا۔ اور جو ابھی کل تک اس پر رشک کر رہے تھے سب کے سب گھبرا گئے اور یہ منظر دیکھ کر بولے۔ کہ بے شک یہ ہماری حماقت تھی کہ دولت کی کمی بیشی کو ہم بختی اور خوش بختی سمجھ رہے تھے۔ آج اس کا برا انجام دیکھ کر سب کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے اور سمجھے کہ ایسی دولت تو ایک خوبصورت سانپ کی طرح ہے۔ جس کے اندر زہر ہی زہر بھرا ہوا ہے۔ مال و دولت کی فراوانی مقبولیت کی دلیل نہیں اور نہ غربت وافلاس کچھ نشان مردودیت ہے۔ یہ تقسیم سراسر تکوینی مصالح پر مبنی ہے۔ دنیا کی حرص وطمع تو ہم پر بھی مسلط ہو چکی ہے۔ مگر خدا کا احسان ہے کہ ہمیں قارون جیسا نہ بنایا۔ ورنہ یہی گت ہماری بنتی۔ اللہ نے خیر کی کہ ہماری وہ آرزو پوری نہ کی۔ ورنہ قارون کی طرح ہمارا یہی حشر ہوتا۔ اب تو قارون کا انجام دیکھ کر ہمیں خوب کھل گیا۔ کہ محض مال و دولت کی ترقی سے حقیقی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔

لطائف سلوک: .... لا تــفــرح سے مفہوم ہوا کہ باطنی احوال اور قلبی کیفیات وواردات کی نسبت اپنی طرف کرکی اترانا مذموم ہے اور اپنا ذاتی کمال سمجھنا برا ہے۔ ہاں عطیہ الٰہی جانتے ہوئے اظہار مسرت وفرحت کرنا محمود و مستحسن ہے۔

امـا بـنعمة ربك فحدث فبذلك فليفر حوا. اور اپنی طرف نسبت کرنے سے مراد صرف اس کا استحضار ہے نہ کہ اعتقاد۔ کیونکہ غیر اللہ کی اعتقاد بلا شبہ کفر ہے۔

انـمـا اوتيتـه عـلـىٰ علم من عندى سے معلوم ہوا کہ باطنی ثمرات کو اپنی کوشش اور ریاضت ومجاہدہ کا ثمرہ سمجھنا بھی اسی طرح مذموم ہے۔ البتہ انعام الٰہی سمجھتے ہوئے اس نسبت میں مضائقہ نہیں ہے۔

الـذيـن اوتوا العلم اور الـذيـن يـريـدون الحيٰوة الدنيا . کے تقابل سے معلوم ہوا کہ معتبر وہی علم ہے جس میں دنیا مطلوب نہ ہو۔

ويلكم . یہ کلمہ زجر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات اگر واضح ہو اور مخاطب بھی نہ سمجھے تو نصیحت کے لئے ڈانٹ کی اجازت ہے۔

ولا يلقها الا الصبرون سے مجاہدہ کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ اَيِ الْجَنَّةُ **نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَايُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ** بِالْبَغْيِ **وَلَافَسَادًا** بِعَمَلِ الْمَعَاصِيْ **وَالْعَاقِبَةُ** الْمَحْمُوْدَةُ **لِلْمُتَّقِيْنَ** ﴿۸۳﴾ عِقَابَ اللّٰهِ بِعَمَلِ الطَّاعَاتِ **مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا** ج ثَوَابٌ بِسَبَبِهَا وَهُوَ عَشْرُ اَمْثَالِهَا **وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا** جَزَاءَ **مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۸۴﴾ اَيْ مِثْلَهٗ **اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ** اَنْزَلَهٗ **لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ** ط اِلٰى مَكَّةَ وَكَانَ قَدِ اشْتَاقَهَا **قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ**

ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۸۵﴾ نَزَلَ جَوَابًا لِقَوْلِ کُفَّارِ مَکَّۃَ لَہٗ اِنَّکَ فِیْ ضَلَالٍ اَیْ فَھُوَ الْجَائِیْ بِالْھُدٰی وَھُمْ فِی الضَّلَالِ وَاَعْلَم بِمَعْنٰی عَالِمٌ وَمَا کُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ یُّلْقٰٓی اِلَیْکَ الْکِتٰبُ اَلْقُرْاٰنُ اِلَّا لٰکِنْ اُلْقِیَ اِلَیْکَ رَحْمَۃً مِّنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ ظَھِیْرًا مُعِیْنًا لِّلْکٰفِرِیْنَ ﴿۸۶﴾ عَلٰی دِیْنِھِمُ الَّذِیْ دَعَوْکَ اِلَیْہِ وَلَا یَصُدُّنَّکَ اَصْلُہٗ یصدوننک حُذِفَتْ نُوْنُ الرَّفْعِ لِلْجَازِمِ وَالْوَاوُ الْفَاعِلُ لِاِلْتِقَائِھَا مَعَ النُّوْنِ السَّاکِنَۃِ عَنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْکَ اَیْ لَاتَرْجِعُ اِلَیْھِمْ فِیْ ذٰلِکَ وَادْعُ النَّاسَ اِلٰی رَبِّکَ بِتَوْحِیْدِہٖ وَعِبَادَتِہٖ وَلَاتَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۸۷﴾ بِاِعَانَتِھِمْ وَلَمْ یُؤَثِّرِ الْجَازِمُ فِی الْفِعْلِ لِبِنَائِہٖ وَلَا تَدْعُ تَعْبُدُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ اِلَّا اِیَّاہُ لَہُ الْحُکْمُ اَلْقَضَاءُ النَّافِذُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾ بِالنُّشُوْرِ مِنَ الْقُبُوْرِ

ترجمہ:............ یہ عالم آخرت (جنت) ہم انہیں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں (بغاوت پھیلا کر) بڑا بننا نہیں چاہتے اور نہ (گناہوں کے ذریعہ) فساد اور (بہترین) انجام تو متقیوں کا حصہ ہے (جو نیکیاں کرتے ہوئے عذاب الٰہی سے ڈرتے ہیں) جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کو اس سے بہتر ملے گا (دس گنا اجر ایک نیکی کی وجہ سے ملے گا) اور جو بدی لے کر آئے گا۔ پس ایسے لوگ جو بدی کا کام کرتے ہیں بس اتنا بدلہ ہی ملے گا جتنا کام وہ کرتے تھے جس نے آپ پر قرآن فرض (نازل) کیا ہے وہ آپ کو آپ کے وطن پہنچا کر رہے گا (مکہ میں جس کا آپ کو اشتیاق ہے) آپ فرما دیجئے میرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون سچا دین لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں ہے (کفار مکہ کے آنحضرت کی نسبت انک فی ضلال کہنے کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ یعنی فی الحقیقت آپ ہدایت لے کر آنے والے ہیں اور اہل مکہ گمراہی میں ہیں اور لفظ اعلم بمعنی عالم ہے) اور آپ کو یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب (قرآن) نازل کی جائے گی۔ مگر (آپ پر نازل کی گئی) آپ کے پروردگار کی مہربانی سے۔ سو آپ ان کافروں کی ذرا تائید (اعانت) نہ کیجئے (اپنے جس مذہب کی طرف یہ لوگ آپ کو بلا رہے ہیں) اور ایسا نہ ہونے پائے کہ یہ لوگ آپ کو روک دیں (یصدنک اصل میں یصدوننک تھا نون جمع جازم کی وجہ سے اور واو علامت فاعل نون ساکن کے ساتھ جمع ہونے کی وجہ سے حذف ہو گیا ہے) اللہ کے احکام سے آپ کے پاس ان کے آنے کے بعد (یعنی اس کے بعد ان کی طرف رخ نہ کیجئے) اور آپ اپنے پروردگار (کی توحید اور عبادت) کی طرف بلاتے رہیے اور ان مشرکوں میں شامل نہ ہو جائیے (ان کی تائید کر کے۔ لاتکونن میں مبنی ہونے کی وجہ سے جازم نے عمل نہیں کیا) اور اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود نہ کیجئے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں بجز اس کی ذات کے اسی کی حکومت (حکم نافذ) ہے اور اسی کی طرف تم سب کو جانا ہے (قبروں سے اٹھ کر)

تحقیق وترکیب:............ تلك . یہ اشارہ ہے ثواب اللہ خیر کی طرف۔

نجعلها. اس لفظ سے معتزلہ نے غیر موجود ہونے پر استدلال کیا ہے۔ کیونکہ مستقبل کا صیغہ ہے۔ لیکن اہل سنت کی طرف سے جواب یہ ہے کہ جعل بمعنی خلق نہیں ہے۔ بلکہ عطا کرنا تخصیص مراد ہے۔

من جاء . بجائے عمل کے لفظ جاء لانے میں یہ نکتہ ہے کہ ثواب کا استحقاق محض ابتدائے عمل سے نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اختتام عمل پر ہے اور عملوا میں بھی اسی طرف اشارہ ہو جاتا ہے۔ یہ نکتہ علامہ آلوسی نے تفسیر کبیر سے نقل کیا ہے۔ اور امام راغب

فرماتے ہیں۔ کہ عـمـلـوا میں مقصد وارادہ کی طرف اشارہ ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ۔ ثواب کے لئے ارادہ ونیت اور اختتام عمل دونوں ضروری ہیں اور حسنـہ کو مفرد اور سیئـات کو جمع لانے میں یہ نکتہ ہے کہ برائی کو برائی کے ساتھ ملانے پر وہی ثمرہ مرتب ہوگا۔ جو ایک برائی پر ہوتا ہے برخلاف نیکی کے۔ کیونکہ ہر نیکی کا ثواب مستقل ہوگا۔

بـالحسنة. حسنہ سے مراد اگر کلمہ طیبہ ہو تو خیر سے مراد جنت ہوگی اور یہ تفصیل کے لئے نہیں ہوگا۔ اور من تعلیلیہ ہوگا۔ لیکن اگر حسنہ سے مراد مطلق طاعت ہو تو پھر خیر سے مراد دس گنا حساب ہوگا۔ جیسا کہ مفسر علامؒ نے بھی "ثواب بسببها" سے اشارہ کیا ہے اور تضاعف اجر ستر گنا اور سات سو گنا یا اس سے بھی زائد بقدر اخلاص ہوسکتا ہے اور تضاعف اس امت کے خواص میں سے ہے۔ نیز یہ اس نیکی کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنے لئے یا دوسرے کے لئے کی جائے۔

ماکانوا یعملون ۔ مفسر علامؒ نے مثلهٗ نکال کر اشارہ کر دیا ہے محذوف کی طرف۔ اصل عبارت جزاء مثلهٗ تھی۔ مبالغہ فی المماثلہ کے لئے مثلہ کی بجائے ماکانوا یعملون فرمایا گیا ہے اور لفظ سیئۃ کا تکرار برائی کی برائی بیان کرنے کے لئے ہے۔

مـعـاد . بقول ابن عباسؓ مکہ مکرمہ مراد ہے اور ابوالسعود میں اس کی مراد مقام محمود ہے اور تاریخ بخاری میں ابن عباسؓ سے جنت مراد لی گئی ہے اور ابوسعید سے موت منقول ہے۔ مکہ کو معاد اس لئے کہا گیا ہے کہ فتح مکہ سے مسلمانوں کا غلبہ اور شوکت اور کفار کی مغلوبیت وتحقیر نمایاں ہوتی ہے۔

مـا کنت ترجوا . یعنی تجویز نبوت اور انتخاب نبی میں کسی کے ارادہ اور کوشش کو دخل نہیں ہے۔ کیونکہ نبوت سراسر موہبت الٰہی اور فضل خداوندی ہے کسبی نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو پہلے سے اس کا وہم تک نہیں تھا۔ کہ کیا ہونے والا ہے کہ آپ جدو جہد کرتے۔ محض عطائے خداوندی سے ایسا ہوا۔

لا یـصـدنـک . الئے نہی مضارع پر داخل ہے اور واو نون حالت جزم میں حذف ہوگئے اور نون تاکید باقی ہے۔ عن ایات الله ای عن تبلیغ او قراء ة اٰیات اللّٰه .

لا تکونن. نون ثقیلہ کی وجہ سے چونکہ مبنی ہے اس لئے لائے جازمہ کا لفظاً عمل نہیں ہوا صرف محلاً مجزوم کیا جائے گا۔

لا تـــدع. اس سے خوارج استدلال کرتے ہیں۔ کہ کسی زندہ مردہ کو طلب اور مدد کے لئے پکارنا شرک ہے۔ لیکن مفسر علامؒ نے تعبد نکال کر اشارہ کر دیا کہ بندگی کے لئے کسی کو پکارنا مراد ہے اور وہ بلاشبہ شرک ہے۔ البتہ کسی زندہ کو عادی اسباب کے تحت مدد کے لئے پکارنا اور بلانا قطعاً شرک نہیں ہے۔ اسی طرح کسی مردے سے اسے محض وسیلہ سمجھتے ہوئے روحانی استعانت شرک نہیں ہے۔ ہاں اس کو قدرت الٰہی میں دخیل سمجھ کر یا مستقل مختار گردانتے ہوئے استمداد بلاشبہ شرک ہے۔

الا وجهه. بطور مجاز مرسل ذات مراد ہے۔ کیونکہ کل مـمـکنات فی حد ذاته معدوم اور ہالک ہیں اور اشراف ذوات پر بھی بطور خاص وجہ کا اطلاق ہوتا ہے جو یہاں بھی ہے۔

ربط :........ پچھلے رکوع میں فرعون وقارون کے تکبر وتعلّی اور اس کی بدانجامی اسی طرح حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کی تواضع اور نیا مندی اور اس پر سربلندی کا بیان تھا۔ آیت تـلـک الـدار الاٰخـرة سے اسی مضمون کی تائید مقصود ہے۔ کہ اصلی مدار ایمان اور اعمال پر ہے مال ودولت پر نہیں۔ نیز آیت ان الـذیـن فرض سے سورۃ کے خاتمہ پر توحید ورسالت وبعثت تینوں مضامین کا تکرار ہے۔ جو ساری سورۃ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ گویا یہ پوری سورۃ کا اجمال ہے۔

شان نزول:........ واقعہ ہجرت میں جب آنحضرت ﷺ امام جحفہ میں پہنچے تو مکہ بہت یاد آیا۔ اس پر آپ ﷺ کو تسلی اور بشارت دی گئی جو فتح مکہ کے وقت پوری ہوئی۔ کفار مکہ آپ ﷺ کو انک لـفـی ضلال کہا کرتے تھے۔ اس پر آیت قـل ربی نازل

ہوئی۔ نیز یہ بھی کہا کرتے تھے۔ کہ آپ اپنے آباء واجداد کے طریقہ کو اختیار کر لیجئے۔ اس پر آیت لا تکونن ظھیرا نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: .... آیت تلک الدار سے دنیا داروں اور دینداروں کے تقابلی نتائج کا بیان ہو رہا ہے۔ چنانچہ کچھ نادان سطحی لوگوں نے دنیا کی چمک دمک، دولت کی ریل پیل دیکھ کر کہہ دیا تھا کہ اجی قارون سے بڑھ کر کون خوش قسمت ہوگا؟ لیکن جب جلد ہی اس کا انجام سامنے آیا تو جلد بازوں نے کانوں پر ہاتھ دھرنے شروع کئے اور ان پر کھل گیا کہ یہ دنیا کچھ نہیں۔ اصل خوشی یعنی آخرت کی کامرانی ہے اور وہ صرف پرہیز گاروں کی راہ اختیار کرنے والوں کے لئے ہے نہ ان کے لئے جو اللہ کے ملک میں شرارت و فساد پھیلانا چاہتے ہیں۔ علو سے مراد نفسانی گناہ اور فساد سے مراد وہ نافرمانیاں ہیں جن کا اثر دوسروں تک پہنچتا ہو۔

معتزلہ کا رد: .... پس یہ علو فساد اگر حد کفر تک پہنچ جائیں تو ظاہر ہے کہ آخرت کی کامیابی بالکل نہیں ہے اور شرک و کفر سے کم درجہ کی یہ دونوں برائیاں ہوں تو پھر اصل نجات کے درجہ کی کامیابی تو ہوگی۔ مگر کامل کامیابی سے البتہ محرومی رہے گی۔ اس لئے آیت معتزلہ کے لئے مفید نہیں ہے۔ اور لایریدون سے معلوم ہوا کہ گناہ کا ارادہ بھی گناہ ہی ہے۔ گو اس گناہ پر قدرت نہ ہو۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی زبان پر دم رحلت آخری کلمات والعاقبة للمتقین تھے۔

تارک الدنیا اور متروک الدنیا کا فرق: .... غرض کہ اللہ اور آخرت کے طلب گار اس فکر میں نہیں رہتے کہ اپنی ذات کو سب سے اونچا رکھیں۔ بلکہ پرہیز گاری کی راہ اختیار کرتے ہوئے ان کی سعی اپنے دین کو اونچا رکھنے کی ہوتی ہے۔ حق کا بول بالا ہو۔ قوم کا سر اونچا رہے۔ وہ دنیا اور مال ومنال کے حریص نہیں ہوتے۔ آخرت کے عاشق ہوتے ہیں۔ وہ تارک الدنیا مگر متروک الدنیا نہیں ہوتے۔ مقصد اصلی آخرت ہوئی۔ دنیا اس کا وسیلہ اور ذریعہ بن جائے فبہا ونعمت ورنہ پر پشہ کے برابر نہیں۔

آگے قانون مکافات کا ذکر ہے کہ دنیا میں جو کوئی ایمان کے ساتھ بھلائی کرے گا آخرت میں اس کے مقتضی سے کم از کم دس گونہ بڑھ کر اس کے ساتھ بھلائی کی جائے گی اور زیادہ بھلائی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ بہر حال بھلائی پر تو بھلائی کا وعدہ ہے جو ضرور مل کر رہے گا۔ مگر برائی پر برائی حتمی نہیں ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بالکل معاف ہو جائے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اپنے کئے سے زیادہ سزا نہیں ملے گی۔ پہلا حکم مقتضی فضل ہے اور دوسرا مقتضی عدل۔ معتزلہ کو بولنے کی گنجائش نہیں ہے۔

اچھا انقلاب: .... اور جس طرح پرہیز گاروں کے لئے عقبیٰ کی کامرانی ہے۔ اسی طرح دنیا میں بھی آخری فتح انہیں کی ہوتی ہے۔ آج جس مکہ کے لوگ تم پر بے انتہا مظالم ڈھا رہے ہیں۔ وہ وقت دور نہیں کہ پھر تم فاتحانہ کامیابی کے ساتھ یہیں واپس آؤ گے۔ ہجرت کے وقت آپ ﷺ کی تسلی فرمائی گئی کہ جلد ہی تمہارے قدم اس سرزمین کو نہ صرف یہ کہ چھوئیں گے۔ بلکہ پورے غالب ہو کر رہو گے۔ معاد سے بعض مفسرین نے مکہ اور بعض نے موت اور بعض نے آخرت اور بعض نے جنت مراد لی ہے اور بعض نے سرزمین شام جہاں آپ شب معراج میں تشریف لے گئے تھے مراد لی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے ان سب اقوال میں اس طرح لطیف تطبیق دی ہے کہ اول آپ کو شاندار طریقہ پر مکہ میں لایا جائے گا پھر وقت مقررہ پر وفات ہوگی اور پھر سرزمین شام کی طرف حشر ہوگا (جیسا کہ روایات سے ثابت ہے) پھر آخرت میں شان وشوکت سے تشریف لاویں گے اور آخری منزل جنت کے اعلیٰ علیین میں ہوگی۔ ..... فرض علیک القراٰن سے معلوم ہوا کہ قرآن پر عمل کرنا آپ ﷺ پر فرض ہے۔

آپ ﷺ فرما دیجئے کہ اللہ میری ہدایت اور مخالفین کی گمراہی سے پوری طرح واقف ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کو حال کے موافق بدلہ دے گا۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ کہ وہ میری کوششوں کو ضائع کر ڈالے یا گمراہوں کو رسوا نہ کرے۔ یا یہ مطلب ہے کہ میری ہدایت اور تمہاری

گمراہی پر قطعی دلائل قائم ہیں۔ مگر غور ہی نہ کرو تو اس کا کیا علاج؟ آخر جواب کے طور پر یہ ہے۔ کہ اللہ ہی بتلا دے گا۔

نبوت کسبی نہیں ہوتی بلکہ وہبی ہوتی ہے: .... آیت وما کنت ترجوا الخ کا حاصل یہ ہے کہ آپ پہلے سے کوئی نبوت کی آس لگائے نہیں بیٹھے تھے اور نہ اس کے لئے کوئی آرزو یا جدوجہد کی تھی۔ یہ محض عطیہ خداوندی اور موہبت الٰہی ہے۔ اس لئے اللہ ہی پر نظر رہے اور جس طرح اب تک کفر وشرک سے الگ تھلگ رہے ہیں۔ آئندہ بھی بالکلیہ اس سے کنارہ کش رہئے اور اپنی قوم کو اپنا نہ سمجھئے۔ جنہوں نے تمہارے ساتھ بدی کی اور دیس نکالا دیا اب جو تمہارا ساتھ دے وہی اپنا ہے۔ دین کے کام میں کسی کی رو رعایت نہ کیجئے۔ اور نہ خود کو ان میں شمار کیجئے۔ اس میں بظاہر خطاب آپ کو ہے۔ مگر روئے سخن کفار کی طرف ہے غلبہ کے وقت خطاب محبوب سے اور عتاب مبغوض پر ہوا کرتا ہے۔ اور بعض مفسرینؒ نے لفظاً مخاطب آپ کو اور مراداً امت کو کہا ہے۔ غرض ان آیات میں اس شبہ کی تردید بھی کر دی گئی ہے۔ کہ آپ نے نبوت کوشش وسعی کر کے حاصل کی ہے۔ کیونکہ نبوت کسبی نہیں ہوتی۔ اسی طرح آپ کا دامن تقدس ہمیشہ شرک کے دھبوں سے پاک رہا۔

کل شیئ ھالک...... الا کل شیء ما خلا اللّٰہ باطل. ہر چیز اپنی ذات سے معدوم ہے اور ہر چیز اپنے وقت میں فنا ہو کر رہے گی بجز اللہ کی ذات کے۔ اس میں رد ہے ان کا جو اللہ کے ساتھ روح یا مادہ یا کسی اور چیز کو قدیم ازلی مانتے ہیں البتہ درمنثور کی بعض روایات میں اگر ان کی سندیں صحیح ہوں۔ عرش، کرسی، جنت، جہنم کا فنا نہ ہونا آیا ہے۔ لیکن "ھالک" میں تعمیم کی جائے گی۔ خواہ ہالک الذات ہو یا ہالک الصفات۔ پس بجز ذات حق کے سب چیزیں ہلاک ہوں گی اور استدلال مکمل ہو جائے گا۔ کیونکہ چیزیں اگر ہلاک نہیں ہوں گی تو اس میں صفات کا ردوبدل تو ہوگا۔ بالخصوص زمانہ کا تغیر۔ پس یہ چیزیں محل حوادث ہوئیں اور محل حادث حادث ہوتا ہے قدیم اور واجب نہیں ہوسکتا۔ پس سب چیزیں حادث ہوئیں اور استدلال عام رہا۔

یا یہ مطلب ہے کہ سارے کام مٹ جائیں گے۔ البتہ جو کام خالصۃً للہ کیا جائے وہ باقی رہے گا۔ ایک دن سب کو اس کی بارگاہ عدالت میں پیش ہونا ہے۔ جہاں حقیقۃً اور صورۃً ہر طرح صرف اسی کا حکم چلے گا۔ اے اللہ اس وقت اس گناہگار کا تیرے سوا اور کون آسرا ہوگا؟

لطائف سلوک: .... آیت تلک الدار میں فساد سے مراد چونکہ گناہ اور معاصی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ آخرت سے مانع ہوں گے۔ علی ھذا تکبر بھی آخرت سے مانع ہوگا۔ اسی لئے اہل طریقت گناہوں کی طرح کبر کے ازالہ کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ آیت کل شیئ ھالک الا وجھه سے معلوم ہوا کہ بجز ذات حق کے ہر چیز معدوم یعنی مثل معدوم کے ہے۔ یعنی اللہ کے وجود کے سامنے کائنات کا وجود اتنا ضعیف اور کمزور ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ کیونکہ اللہ کا وجود ذاتی ہونے کی وجہ سے ناقابل عدم ہے اور ممکنات کا وجود ذاتی نہ ہونے کی وجہ سے ہر وقت قابل عدم ہے۔ اس لئے اس کو ہالک کہہ دیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت ہر چیز پر عمل فنا جاری ہے۔ اگر یھلک بصیغہ مضارع کہا جاتا تو مطلب یہ ہوتا کہ عمل فنا آئندہ ہوگا۔ مگر بصیغہ اسم فاعل ہالک کہا۔ گویا ہر چیز کو کالعدم اور معدوم کہہ دیا گیا ہے اور یہی حاصل ہے۔ وحدۃ الوجود کا۔ پس یہ آیت وحدۃ الوجود کی دلیل ہے۔ البتہ وحدۃ الوجود کا یہ مطلب لینا کہ خلاق اور مخلوق کا وجود ایک ہی ہے۔ وہ وحدۃ الوجود نہیں ہے۔ بلکہ اسے وحدۃ الموجودات کہنا چاہئے۔ جو بہت سی غلط فہمیوں کا اور مفاسد کا باعث ہے۔ اسی لئے علماء نے اس کو منع کیا ہے۔

سُــوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ آيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ **اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا** اَيْ بِقَوْلِهِمْ **اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ﴿۲﴾** يُخْتَبَرُوْنَ بِمَا يَتَبَيَّنُ بِهِ حَقِيْقَةُ اِيْمَانِهِمْ نَزَلَ فِيْ جَمَاعَةٍ اٰمَنُوْا فَاٰذَاهُمُ الْمُشْرِكُوْنَ **وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا** فِيْ اِيْمَانِهِمْ عِلْمَ مُشَاهَدَةٍ **وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ﴿۳﴾** فِيْهِ **اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ** الشِّرْكَ وَالْمَعَاصِيَ **اَنْ يَّسْبِقُوْنَا** يَفُوْتُوْنَا فَلَانَنْتَقِمُ مِنْهُمْ **سَآءَ** بِئْسَ مَا الَّذِيْ **يَحْكُمُوْنَ﴿۴﴾** هُ حُكْمُهُمْ هٰذَا **مَنْ كَانَ يَرْجُوْا** يَخَافُ **لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ** بِهِ **لَاٰتٍ** فَلْيَسْتَعِدَّ لَهُ **وَهُوَ السَّمِيْعُ** لِاَقْوَالِ الْعِبَادِ **الْعَلِيْمُ﴿۵﴾** بِاَفْعَالِهِمْ **وَمَنْ جٰهَدَ** جِهَادَ حَرْبٍ اَوْ نَفْسٍ **فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ** لان منفعة جِهَادِهِ لَهُ لَا لِلّٰهِ **اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴿۶﴾** الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلٰئِكَةِ وَعَنْ عِبَادَتِهِمْ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ** بِعَمَلِ الصَّالحات **وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ** بمعنى حسن ونصبه بنزع الخافض الباء **الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۷﴾** وَهو الصَّالحات **وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا** اى ايصاء ذا حُسن بان يبرهما **وَاِنْ جٰهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ** باشراكه **عِلْمٌ** مُوافقة للواقع فلا مفهوم له **فَلَا تُطِعْهُمَا** فى الاشراك **اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۸﴾** فَاُجَازِيْكُمْ بِهِ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ﴿۹﴾** الْاَنبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ بِاَنْ نَحْشُرَهُمْ مَعَهُمْ **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ**

فَاِذَآ اُوْذِیَ فِی اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ ای اذاهم لَهٗ **كَعَذَابِ اللّٰهِ** فی الخوف منه فیُطیعُهم فینافق **وَلَئِنْ** لام قسم **جَآءَ نَصْرٌ** لِلْمُؤْمِنِیْنَ **مِّنْ رَّبِّكَ** فغنموا **لَیَقُوْلُنَّ** حُذِفَ منه نُونُ الرَّفع لِتَوَالِی النُّونَاتِ وَالْواوِ ضَمِیرِ الْجَمْعِ لِالْتقاءِ السَّاکِنَیْنَ **اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ** فِی الْاِیْمَان فَاشْرِکُونَا فِی الْغَنِیْمَةِ قَالَ اللّٰه تَعَالٰی **اَوَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ** اَیْ بِعالم **بِمَا فِیْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰﴾** فِیْ قُلُوْبِهِمْ مِنَ الایْمَان وَالنفاق بلٰی **وَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** بِقُلُوْبِهِمْ **وَلَیَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ ﴿۱۱﴾** فَیُجَازِی الْفَرِیْقَیْنِ وَاللَّامِ فِی الْفِعْلَیْنِ لام قسم **وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا** طَرِیْقَنَا فِیْ دِیْنِنَا **وَلْنَحْمِلْ خَطٰیٰكُمْ** فِیْ اِتِّبَاعِنَا اِنْ کَانَتْ وَالْاَمْرُ بِمَعْنَی الخبر قال تعالی **وَمَا هُمْ بِحٰمِلِیْنَ مِنْ خَطٰیٰهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾** فِیْ ذٰلِکَ **وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ** اَوْزَارَهُمْ **وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ** بِقَوْلِهِمْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا وَاِضْلَالِهِمْ مقلّدیهم **وَلَیُسْئَلُنَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾** یَکْذِبُوْنَ عَلَی اللّٰهِ سُؤَال تَوْبِیْخٍ فاللَّام فی الفعلین لام قسم وحذف فاعلهما الواو ونون الرفع

ترجمہ: .... یہ سورۂ عنکبوت مکی ہے، جس میں ۶۹ آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم . الم (اس کی حقیقی مراد اللہ کو معلوم ہے) کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ محض اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گی (یعنی ان کے اس کہنے کی وجہ سے) کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا (ان کے ایمان کی حقیقت جانچنے کے لئے ان کی آزمائش کی جائے گی۔ یہ آیت ان نومسلموں کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ جنہیں ایمان لانے پر مشرکین نے ستایا تھا) اور ہم تو انہیں بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ سو اللہ ان لوگوں کو جان کر رہے گا۔ جو (اپنے ایمان میں) سچے تھے (علم مشاہدہ کے درجہ میں) اور (اس بارہ میں) جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا۔ ہاں کیا جو لوگ (شرک اور گناہوں کے) برے برے کام کر رہے ہیں وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے کہیں نکل بھاگیں گے (چھوٹ جائیں گے اور ہم ان سے انتقام نہیں لے پائیں گے) نہایت بیہودہ (بھدی) ہے ان کی یہ تجویز (ان کا یہ فیصلہ) جو شخص اللہ سے ملاقات کی امید رکھتا ہو (ڈرتا) ہو۔ سو وہ اللہ کا وقت معین ضرور آنے والا ہے (لہٰذا اس کی تیاری کرلو) اور وہ سب کچھ (بندوں کی باتیں) سنتا ہے اور وہ سب کچھ (ان کے کام) جانتا ہے اور جو شخص محنت کرتا ہے (جہاد یا مجاہدہ وہ اپنے ہی لئے محنت کرتا ہے کیونکہ اس کی محنت کا فائدہ اسی کو ہوگا اللہ کا کیا نفع؟) بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے (انسان، جن، فرشتوں اور ان کی عبادت سے) اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں۔ ہم ان کے گناہ ان سے دور کر دیں گے (ان کے نیک کاموں کی وجہ سے) اور ان کو زیادہ اچھا بدلہ دے کر رہیں گے (احسن بمعنی حسن ہے اور منصوب ہے باجارہ حذف کرنے کے بعد) ان کے (نیک) اعمال کا اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے (یعنی بہترین حکم کہ والدین کے ساتھ عمدہ سلوک کرنا) اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو کسی ایسی چیز کو میرا شریک بنا جس کی (شرک کی) تیرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے (جو واقع کے مطابق ہو۔ لہٰذا یہ قید احترازی نہیں ہے) تو تو ان کا کہنا نہ ماننا (شرک کے متعلق) تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، سو میں تم کو تمہارے سب کام جتلا دوں گا (اور ان پر بدلہ دوں گا) اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے

ہم انہیں نیک بندوں میں داخل کریں گے (انبیاء اور اولیاء کے ساتھ ان کا حشر کریں گے) اور بعضے آدمی ایسے بھی ہیں جو کہہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ پھر جب ان کو اللہ کی راہ میں تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو لوگوں کی ایذاء رسانی (ان کے ستانے) کو ایسا سمجھ جاتے ہیں جیسے خدا کا عذاب (دہل جاتے ہیں۔ لہٰذا ان کا کہنا مان کر منافق بن جاتے ہیں) اور اگر (لام قسمیہ ہے) کوئی مدد (مسلمانوں کی) آپ کے پروردگار کی طرف سے آ پہنچتی ہے (جس سے انہیں بھی مال غنیمت مل جاتا ہے) تو بول اٹھتے ہیں (لیقولن میں مسلسل تین نون جمع ہونے کی وجہ سے نون علامت کے رفع کو اور التقائے ساکنین کی وجہ سے واؤ ضمیر جمع کو حذف کر دیا گیا ہے) کہ ہم بھی تو تمہارے ساتھ ہی تھے (ایمان لانے میں لہٰذا ہمیں بھی غنیمت میں شریک کرو، فرمایا) کیا اللہ تعالیٰ کو دنیا جہان والوں کے دلوں کی باتیں معلوم نہیں ہیں؟ (دلوں کا ایمان ونفاق ضرور معلوم ہیں) اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا (دونوں کو ان کے کئے کا بدلہ دے گا۔ لام ان دونوں فعلوں میں قسمیہ ہے) اور کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں تم ہماری راہ چلو (ہمارے دین پر ہمارے طریقہ کے مطابق) اور تمہارے گناہ ہمارے ذمہ (ہماری پیروی کرنے میں اگر وہ بری نکلی صیغہ امر بمعنی فعل مضارع ہے فرمایا) حالانکہ یہ لوگ ان کے گناہوں میں سے ذرا بھی نہیں لے سکتے۔ یہ بالکل جھوٹ بک رہے ہیں (اس کے متعلق) اور یہ لوگ اپنے گناہ (قصور) اپنے اوپر لادے ہوں گے اور اپنے گناہوں کے ساتھ کچھ اور گناہ بھی (ایک تو مسلمانوں سے اپنی پیروی کو کہنا دوسرے اپنے پیروکاروں کو گمراہ کرنا) اور ان سے قیامت کے دن باز پرس ہو کر رہے گی۔ جیسی جیسی جھوٹی باتیں یہ گھڑتے تھے (اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشیاں، یہ سوال بطور ڈانٹ کے ہوگا۔ دونوں فعلوں میں لام قسم ہے اور واؤ فاعل اور نون رفع حذف کر دیئے گئے ہیں۔

تحقیق وترکیب:..........**سورۃ العنکبوت**۔ یہ مبتدا خبر ہے اور بعض نسخوں میں عبارت اس طرح ہے۔ **سورۃ العنکبوت وھی تسع وستون اية مکية** جس میں مبتدا خبر کے درمیان جملہ حالیہ کا فصل ہوگا۔ سورتوں کے نام اگرچہ توقیفی ہیں۔ تاہم اس میں چونکہ عنکبوت کا ذکر ہے اس لئے تسمیۃ الکل باسم الجز کے طور پر نام ہوا۔

ان یقولوا۔ مفسر نے مصدر یہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور با محذوف ہے تقدیر عبارت اگر **حسبوا ترکھم غیر مفتونین بقولھم امنا** ہے تو ترک مفعول اول اور **بقولھم** مفعول ثانی ہوگا اور یا تقدیر عبارت **حسبوا انفسھم متروکین غیر مفتونین بقولھم امنا** ہے بتقدیر اللام ہے ای **یسبولھم امنا** ہے۔

لا یفتنون۔ ہجرت وجہاد جیسی تکالیف اور خواہشات نفسانی کا ترک اور وظائف عبودیت اور جانی مالی مصائب مراد ہیں۔ جس سے کھرے کھوٹے کا امتیاز ہو جاتا ہے۔

ولقد فتنا۔ **احسب الناس** کے فاعل سے حال ہے یا **لا یفتنون** کے فاعل سے حال ہے۔ پہلی صورت میں ان کے غلط گمان پر تنبیہ مقصود ہوگی اور اس صورت میں سب کے ساتھ یکساں سلوک کی اطلاع دیتی ہے۔

الذین صدقوا۔ یہاں تو فعل کے ساتھ اور کذب کو اسم فاعل کے صیغہ سے لانے میں اشارہ ہے کہ جھوٹ ان کا وصف مستمر ہے اور سچے لوگوں کا جھوٹ دور ہو کر ان میں سچ پیدا ہو گیا ہے۔

علم مشاھدۃ۔ مفسر علامؒ اس شبہ کے دفعیہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اللہ کا علم تو ازلی ہے علم حادث اور متجدد نہیں ہے۔ پھر **فلیعلمن** کیوں فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ اللہ کا علم ذاتی ازلی مراد نہیں ہے۔ وہ تو پہلے سے ہے۔ بلکہ کھرے کھوٹے کا مشاہدہ کرنا ہے اور وہ متجدد ہے۔ اس لئے کوئی اشکال نہیں رہا۔

ام حسب۔ یہ ام منقطعہ ہے جو ترقی کے لئے ہے یعنی ان کا یہ دوسرا گمان پہلے گمان سے کہیں زیادہ برا ہے۔ کیونکہ پہلے

گمان کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ ان کے ایمان کا امتحان نہیں ہوگا۔ مگر دوسرے گمان کا منشاء یہ ہے کہ ان کی برائیوں کی سزا نہیں ملے گی اور یہ گمان نہایت غلط ہے۔ اسی لئے آخر میں ساء مایحکمون فرمایا ہے۔

السیئات. بغویؒ نے اس کی تفسیر شرک کے ساتھ اور زمخشریؒ نے معاصی کے ساتھ کی ہے۔ مگر مفسر علامؒ قاضی کی طرح دونوں پر مشتمل عام تفسیر کررہے ہیں۔

ان یسبقونا. یہ حسب کے دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے اور ان مخففہ ہے یا مصدر یہ ہے جو دو مفعولوں کے قائم مقام ہوسکتا ہے جیسے عسیٰ ان یقوم زید میں ہے۔

فلا ننتقم. گنہگار مسلمانوں کا گمان اگرچہ اللہ سے چھوٹ جانے کا نہیں۔ تاہم ان کے اصرار معاصی کی وجہ سے ان کو بھی اس گمان میں شریک کرلیا گیا ہے۔

یحکمون. مفسر علام نے ما موصولہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور یحکمون صلہ ہے۔ جس میں عائد محذوف ہے۔ یعنی ھذا اور جملہ فاعل ہوگا ساء کا اور مخصوص بالمذمت محذوف ہے۔ یعنی حکمھم اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ما تمیز یہ ہو جس کی صفت یحکمون ہو اور فاعل مضمر ہو جس کے تفسیر ما سے ہو رہی ہے اور مخصوص بالمذمت اس صورت میں بھی محذوف ہوگا۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ ما مصدریہ ہو۔ اس صورت میں تمیز محذوف ہوگی اور مصدر مول مخصوص بالمذمۃ ہوگا۔ ای ساء حکمھم اور حکموا کی بجائے یحکم لانے میں دو نکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ غلط فیصلے کرنا ان کی عادت ہے۔ دوسرے یہ کہ فاصلہ آیات کی رعایت سے یہ تغیر کیا گیا ہے۔

رجوا. اس کے معنی بعض مفسرین نے خوف کے لئے ہیں مگر یہ ضعیف الاستعمال ہے۔ مشہور خیر اور امید کے معنی ہیں۔ مفسر علامؒ نے فلیستعد کہہ کر اشارہ کردیا ہے کہ جواب شرط محذوف ہے اور فان اجل اللہ لآت جواب نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا۔ کہ جو اللہ کی ملاقات کا امیدوار نہ ہو یا ڈرتا نہ ہو اس کو موت بھی نہ آئے۔ کیونکہ شرط نہ پائے جانے کی صورت میں جزاء بھی نہیں پائی جاتی۔ مگر امام رازیؒ نے اس شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں مطلقاً موت کی نفی مراد نہیں۔ بلکہ وہ موت مراد ہے۔ جس پر ثواب مرتب ہو اور وہ یقیناً امیدوار ہونے کی صورت میں ہوگی۔ ورنہ نہیں۔ اس لئے اس جملہ کو جزاء بنایا جاسکتا ہے اور پھر حذف جواب کی ضرورت نہیں رہتی۔

من جاھد. مفسر علامؒ نے اشارہ کردیا ہے کہ جہاد کی دونوں صورتیں مراد ہوسکتی ہیں جہاد متعارف اور مجاہدہ نفس۔

احسن. یہاں تفصیل مراد نہیں بلکہ صرف دست حسن مقصود ہے۔ ورنہ بعض صورتیں جن میں عمل کا بدلہ عمل کے برابر ہوگا۔ اور اس سے بڑھ کر نہیں ہوگا۔ ان کا اس حکم سے خارج ہونا لازم آتا ہے۔ اس لئے احسن بمعنی حسن ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ باب اولیٰ کے قبیل سے ہے۔ یعنی جب عمل سے بڑھ کر بدلہ ملے گا تو برابر ملنا بدرجہ اولیٰ معلوم ہوا۔ اس طرح گویا اعلیٰ سے ادنیٰ پر تنبیہ ہوگئی ادنیٰ مسکوت عنہ نہیں رہا۔ ورنہ احسن بمعنی حسن لینے کی صورت میں بھی ایسا ہی اشکال رہے گا۔ کہ اس سے برابر کا بدلہ ملنا تو معلوم ہوا۔ مگر بڑھ کر بدلہ ملنا مسکوت عنہ رہا۔ اور احسن اصل میں باحسن تھا باجارہ کو حذف کردیا۔ منصوب ہوگیا دوسری صورت بتقدیر مضاف کی یہی ہوسکتی ہے ای ثواب احسن۔

حسنا. اشارہ ہے کہ اس کا موصوف بھی محذوف ہے اور مضاف بھی تقدیر عبارت وصینا ایصاء ذاحسن اور اس طرح بھی ہوسکتی ہے وصینا فعلا ذا حسن یا مبالغہ کے لئے فعل پر مصدر کا اطلاق کردیا ہے۔

ان جاھداک. بتقدیر قول اس کا عطف وصینا پر ہے۔

لیس لک بہٖ علم علم کی نفی سے معلوم کی نفی مقصود ہے یعنی شریک چونکہ موجود نہیں۔ اس لئے اس کا علم بھی نہیں ہے پس شرک مطلقاً ممنوع رہا خواہ اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ اس جملہ کے یہ معنی نہیں کہ اگر شریک کا علم ہو تو شرک جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔ مفسر علامؒ نے فلا مفهوم لهٗ کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ قید احترازی نہیں کہ اس کا اعتبار کیا جائے۔ بلکہ قید واقعی نفس الامری ہے۔ اس لئے شرک بہر حال ممنوع رہا۔

لندخلنهم. عالم برزخ میں سب ارواح طیبہ کا اجتماع رہتا ہے۔ پھر قیامت کے دن حسب مرات الگ الگ درجات میں داخلہ ہوگا۔

فی اللّٰہ. اس میں فی سببیہ ہے۔

اولیس اللّٰہ . اس کا معطوف علیہ محذوف ہے۔ ای اقول ینجیهم ولیس اللّٰہ باعلم اور بعض نے تقدیر عبارت الیس المتفرسون الذین ینظرون فی احوالهم عالمین ولیس اللّٰہ باعلم یایخفی هذا علی اللّٰہ ولیس الخ ثانی ہے۔ بہر صورت لفظ اعلم اپنی اصل پر صیغہ تفضیل رہے گا۔ مفسر کی طرح اعلم بمعنی عالم کہنے کی ضرورت نہیں۔

ولنحمل. یہ امر بمعنی خبر ہے یعنی فی الحقیقت یہاں کسی چیز کی حقیقت اور وجوب مقصود نہیں ہے۔ بلکہ زمخشری کے مطابق دو چیزوں کا اجتماع فی الوجود مقصود ہے جیسے کہا جائے۔ لیکن منک العطا یا ولیکن منی الدعاء . یہاں بھی لیکن منا الحمل تقدیر ہوگی۔ اور حسن اور عیسیٰ کی قرأت میں لام امر مکسور ہے اہل حجاز کے لغت پر۔

من خطٰیٰهم اس میں من بیانیہ ہے اور من شئی میں من زائد ہے۔ تاکید استغراق یا تاکید نفی کے لئے۔

لکٰذبون . بعض محققین کہتے ہیں کہ کذب کبھی منطوق کلام کی طرف راجع ہوتا ہے اور کبھی لازم کی طرف۔ یہاں بھی کافروں نے جو گناہوں کو اٹھانے کا وعدہ کیا تھا اس کے ضمن میں جو یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ وہ خود کو ایفائے عہد وعدہ پر قادر سمجھتے ہیں۔ اس میں لازم ضمنی کی تکذیب مقصود ہے۔

اثقالامع اثقالهم ۔ایک گناہ خود برائی کرنے کا دوسرا گناہ برائی کرانے کا ہے الدال علی الشر کفا عله۔

ربط :............زیادہ تر اس صورت میں دین پر پختگی سے رکاوٹوں کا بیان ہے۔ چنانچہ چار موانع اور ان کے احکام کا ذکر ہو رہا ہے۔

۱۔ کفار کی عملی ایذائیں جن سے سورت کو شروع کیا گیا ہے اور زبانی ایذائیں بھی جیسا کہ اہل کتاب حق تعالیٰ کی شان میں ان اللّٰہ فقیر اوریداللّٰہ مغلولۃ کہا کرتے تھے یا رسالت و نبوت کا انکار کرتے تھے۔ جس کے متعلق ارشاد فرمایا گیا۔ لا تجادلوا اهل الکتاب .

۲۔ کچھ کافر مسلمانوں پر زبانی جبر بھی کرتے تھے جیسا کہ ووصینا الانسان سے معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ کفار مسلمانوں کو اغواء کرنے کی کوشش بھی کرتے تھے۔ جس کا ذکر آیت وقال الذین الخ میں ہے۔ جس کا حاصل مسلمانوں کو ان کے دین سے ہٹانا تھا۔ پچھلی سورت کے خاتمہ پر آیت " ولا یصدنک" میں بھی یہی مضمون خاص تھا۔ پس اس طرح بھی پچھلی سورت کے خاتمہ میں ارتباط ہو گیا۔

پھر ان موانع کے درمیان دوسرے مناسب مضامین بھی آ گئے۔ پھر کئی طریقہ سے آنحضرت ﷺ کی تسلی فرمائی گئی ہے۔

۱۔ مثلاً یہ کہ اہل حق ہمیشہ اہل باطل سے برسر پیکار رہتے ہیں۔ جس کی اجمالی ذکر آیت ولقد فتنا الخ میں ہے۔

۲۔ یا یہ کہ اہل حق کو ان کے صبر و استقلال کا پھل دنیا وآخرت دونوں میں ملتا ہے۔ جیسا کہ آیت الذین آمنوا میں اور واقعہ ابراہیمی کے ذیل میں آیت ۱۱ حروہ الخ فرمایا گیا ہے۔

۳۔ یا یہ کہ اہل باطل ہمیشہ آخر میں خائب وخاسر رہا کرتے ہیں۔ جیسا کہ آیت ام حسب میں فرمایا گیا۔
۴۔ مسلمانوں کو چوتھی رکاوٹ روٹی کپڑے کی تنگی تھی۔ کہ کس طرح گھر کو خیر باد کہہ کر مدینہ کے نئے ماحول میں جا کر کیسے کھپیں گے آیت **یا عبادی الذین امنوا** سے اس پر تعرض کیا گیا ہے۔ اوران مجموعی مضامین کے دوران توحید ورسالت کی بحثیں بھی آ گئیں کہ تمام تر مخالفت اور ایذاء رسانی کا بنیادی سبب یہی باتیں تھیں۔ چنانچہ آیت **الذین اتخذوا** اور **لئن سالتھم** میں توحید اور آیت **ما کنت تتلوا** سے بطریق مناظرہ اور **قل ما اوحی** سے بطور تحقیق کے نبوت پر روشنی ڈالی گئی ہے اوران اولیٰ مباحث کے ساتھ کچھ مہتم بالشان فرعی احکام بھی واضح طور پر آ گئے ہیں۔ حتیٰ کہ آخر میں آیت **والذین جاھدوا الخ** سے ان دشواریوں پر صبر کرتے ہوئے راہ مستقیم پر جمے رہنے والوں کو بشارت عظمیٰ دے کر سورت ختم کر دی گئی ہے۔

اور یہی بیان شروع سورت کی آیت **ومن جاھد الخ** میں تھا۔ اس سے سورت کی ابتداء انتہا دونوں متناسب ہوگئیں۔ البتہ پہلی آیت کے الفاظ **انما یجاھد لنفسہ** اوران **اللہ لغنی** سے جو ہیبت اور آخر آیت کے **لنھدینھم** اور **ان اللہ لمع المحسنین** سے جو آنسوٹیک رہا ہے وہ وجد آفرین ہے۔

شان نزول:............ عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ آیت **الم. احسب الناس** عمار بن یاسرؓ کے متعلق نازل ہوئی۔ جب انہیں مشرکین نے اذیت ناک تکلیفیں دیں۔ اور قتادہ اور عبد بن حمید کے تخریج سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ سے جو صحابہؓ مدینہ ہجرت فرمانا چاہتے تھے تو مشرکین آڑے آتے اور انہیں اس ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی، اس پر یہ آیات اتریں۔ مدنی صحابہ نے مکی صحابہ کو اس کی اطلاع کی۔ اس پر دوبارہ صحابہ نے کمر ہمت باندھی اور پختہ ارادہ کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔ مزاحم ہونے والوں کے ساتھ قتل وقتال ہوا۔ بعض شہید ہوئے اور بعض مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ اسپر آیت **ثم ان ربک الخ** نازل ہوئی اور آیت **وان جاھداک الخ** سعد بن ابی وقاصؓ اوران کی والدہ حمنہ بنت ابی سفیان کے بارے میں نازل ہوئی۔ جنہوں نے حلف اٹھایا تھا کہ جب تک سعد مرتد نہیں ہو جائیں گے۔ اس وقت تک میرا کھانا پینا بند۔ اور آیت **ومن الناس من یقول** منافقین کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾:............ مشرکین کی ناقابل برداشت سختیوں سے تنگ آ کر ایک مرتبہ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضرت ہمارے لئے دعا فرمایئے اور اللہ کی مدد کی درخواست کیجئے۔ آپ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ پہلے زمانہ میں آدمی کو زمین کھود کر زندہ گاڑ دیا جاتا تھا اوراس کے سر پر آرا چلا کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے۔ بعض کے بدن پر لوہے کے کنگھے پھیر کر چمڑا اور گوشت ادھیڑ دیا جاتا تھا۔ مگر یہ سختیاں بھی انہیں دین سے نہیں ہٹا سکیں۔ پہلے انبیاء کے متبعین بڑے امتحان اور سخت آزمائشوں میں ڈالے جا چکے ہیں۔ ایمان کا دعویٰ کرنا کچھ آسان نہیں ہے۔ کیونکہ جو ایمان کا دعویٰ کرے گا اسے ابتلاء اور امتحان کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ کہ کسوٹی کھرے کھوٹے کو پہچاننے کی ہے۔ سب سے سخت امتحان انبیاء کا ہوا ہے۔ پھر صالحین کا پھر درجہ بدرجہ ان لوگوں کا جو ان کے ساتھ مشابہت رکھتے ہوں۔

غرض کہ ہر شخص کا امتحان دین میں اس کی پختگی اور غیر پختگی کے لحاظ سے ہوا کرتا ہے۔ اس لئے گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ بلکہ ہمت اور صبر کی دعوت ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:............ اس ابتلاء اور آزمائش پر شبہ نہ کیا جائے۔ بہت سے مسلمان نہایت آرام کی زندگی گزارتے ہیں اور انہیں ذرا تکلیف نہیں ہوتی۔ پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہے کہ ایمان کے بعد آزمائش ہوتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ الناس میں **الف لام** عہد کا ہے۔ جس سے خاص وہ مسلمان مراد ہیں جو مبتلائے آزمائش ہوئے سب مراد نہیں۔ یا **الف لام** جنس مراد لیا جائے۔ تب بھی اس کا تحقق

بعض افراد کی آزمائش سے ہو گیا...... سب کی آزمائش اس کے سچ ہونے کے لئے ضروری نہیں ہے۔

ایک نادر علمی تحقیق:...... اس آزمائش سے اللہ کی حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ علانیہ طور پر یہ بات کھل کر سامنے آجائے کہ دعویٰ ایمان میں کون سچا ہے اور کون جھوٹا نکلتا ہے۔ اسی کے مطابق پھر ہر ایک انعام یا سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ گو اللہ کو پہلے سے سب کچھ معلوم ہے۔ مگر وہ دنیا کو سچے اور جھوٹوں کا فرق دکھلا دینا چاہتا ہے۔ اس لئے اب یہ شبہ نہیں رہتا کہ کیا اللہ میاں کو پہلے سے فرق معلوم نہیں تھا جو یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا۔ علماء نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں۔ کسی نے علم کو بمعنی رویت لیا ہے۔ کسی نے صیغہ مستقبل کو ماضی کے معنی میں لیا ہے بعض نے اس علم حادث کو پیغمبر، مومنین، مخاطبین کی طرف لوٹایا ہے بعض محققینؒ نے علم حالی مراد لیا ہے۔ جو معلوم کے موجود ہونے کے بعد متحقق ہوتا ہے اور بعض نے نہایت دقیق دو توجیہیں بیان کی ہیں۔ ایک یہ کہ علم الٰہی ازلی میں تمام چیزیں یکساں طور پر سامنے رہتی ہیں۔ ان میں تقدم تاخر کا کچھ فرق نہیں ہوتا۔ ماضی حال مستقبل سب یکساں ہوتے ہیں۔ البتہ ان چیزوں میں باہمی تقدم تاخر ہونے کی وجہ سے ان میں ماضی حال استقبال کے خطوط بھی ہو جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ اپنے کلام میں کبھی پہلی حیثیت کا لحاظ رکھتے ہیں اور کبھی دوسری حیثیت کے پیش نظر ماضی حال استقبال کے صیغے استعمال فرما دیتے ہیں۔ ان میں باہمی تقدم و تاخر ملحوظ ہوتا ہے بلحاظ علم الٰہی نہیں ہوتا۔ دوسری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ علم کبھی بلاواسطہ ہوتا ہے جیسے آگ کا علم براہ راست آنکھ سے دیکھ کر اور کبھی بالواسطہ ہوتا ہے۔ جیسے آگ کا علم دھویں کو دیکھ کر ہوتا ہے۔ پھر بسا اوقات یہ دونوں کبھی ایک ساتھ جمع ہوتے ہیں۔ جیسے آگ اور دھویں دونوں کو دیکھ کر آگ کا علم۔ ایک ان میں سے علم بلاواسطہ کہلائے گا اور دوسرا بالواسطہ اور یہ دونوں ہر چند کہ ساتھ ہیں آگے پیچھے نہیں ہوتے۔ مگر بالواسطہ علم براہ راست علم میں اس طرح محو اور گم ہو جاتا ہے کہ اس کی طرف دھیان بھی نہیں جاتا۔

علیٰ ہذا کبھی ان دو چیزوں کا بلاواسطہ علم بھی ایک ساتھ حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسے آگ اور دھویں دونوں کو ایک ساتھ دیکھنے سے؟ کبھی ایک چیز کا علم بلاواسطہ دوسری چیز کے بلاواسطہ علم کا ذریعہ بن جاتا ہے اور دونوں ایک ساتھ ہو جاتے ہیں۔ مثلاً آگ اور دھویں میں ہر ایک کا علم دوسرے کے لئے ذریعہ بن جائے اور دونوں ساتھ ہو جائیں۔ پس جس طرح قلم ہاتھ میں لے کر لکھنے سے دونوں ساتھ ہی ہلتے ہیں۔ مگر ہاتھ ہلنے کو پہلے اور قلم ہلنے کو بعد میں کہا جاتا ہے۔

غرض کہ واسطہ پہلے ہوتا ہے اور ذی الواسطہ بعد میں۔ اسی طرح حق تعالیٰ کا تمام چیزوں کو جاننا بھی انہی دونوں طریقوں سے ساتھ ساتھ بھی ہے اور آگے پیچھے بھی کہلائے گا۔ پس جہاں ماضی حال استقبال کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے وہ علم بلاواسطہ کے اعتبار سے ہے زمانہ کے لحاظ سے اس میں کچھ فرق نہیں ہے۔ اور کلام الٰہی کے مخاطب چونکہ بندے ہیں ان کا علم بلاواسطہ ہوتا ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ ان کی مصلحت سے علم بالواسطہ کے طور پر ماضی حال استقبال کے صیغے استعمال کر دیتے ہیں۔ ایسے مواقع پر علم بلاواسطہ کا استعمال بندوں کے لئے مفید نہ ہوتا اور ایسے کلام سے ان پر الزام قائم نہ ہوتا اور چونکہ انسانوں کو علم بلاواسطہ حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ بالواسطہ ہوتا ہے۔ پھر ان واسطوں کا علم بھی ان کے موجود ہو جانے کے بعد ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے انسانی علوم برابر حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے انسان اپنے اوپر قیاس کر کے خدا کے علم کو بھی ایسا ہی حادث سمجھ بیٹھتا ہے اور حیران رہ جاتا ہے کہ ماضی حال استقبال کے صیغوں سے تو علم الٰہی کا حدوث ثابت ہو گیا۔ حالانکہ نکتہ شناس علم بلاواسطہ اور علم بالواسطہ کے فرق کو سمجھتے ہیں اس لئے وہ مغالطہ میں نہیں آتے۔

ظالم کی رسی دراز نہیں ہوتی صرف ڈھیل دی جاتی ہے:...... جس طرح آیت احسب الناس آفت رسیدہ مسلمانوں کی ڈھارس بندھانے کے لئے آئی۔ اسی طرح دوسری آیت ام حسب الذین ستانے والے کافروں کو خبردار کرنے کے لئے

آئی ہے کہ وہ کمزوروں کے دبنے سے یہ نہ سمجھ بیٹھیں۔ کہ وہ مزے سے ظلم کرنے کے لئے آزاد رہیں گے۔ وہ ہم سے بچ کر کہاں جا سکتے ہیں۔ فی الحال عارضی مہلت سے اگر وہ یہ سمجھ رہے ہیں۔ کہ ہم ہمیشہ مامون رہیں گے اور خدا کے ہاتھ نہیں آئیں گے۔ تو یہ سمجھ لیں کہ یہ بہت ہی احمقانہ اور عاجلانہ فیصلہ ہوگا۔ جو آنے والی آفت کو نہیں روک سکتا۔ تم خدا کو اپنے دیوی دیوتاؤں پر قیاس نہ کرو۔ اس کے یہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں۔

دنیا کی کامیابی اور ناکامی آخرت کے مقابلہ میں ہیچ ہے: .... اور جو شخص دین کی خاطر دنیا میں اس لئے سختیاں جھیل رہا ہے کہ اسے ایک دن اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ جہاں کوئی بات اٹھا نہ رکھی جائے گی۔ وہاں اگر ناکام رہا تو یہاں کی سختیوں سے بڑھ کر سختیاں جھیلنی پڑیں گی۔ اور کامیاب ہوگیا تو پھر ساری کلفتیں ڈھل دھلا جائیں گی۔ ایسا شخص یاد رکھے کہ اللہ کا وعدہ پورا ہوکر رہے گا۔ اس کی امیدیں بر آ کر رہیں گی۔ اس کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی کی جائیں گی۔ وہ سب کی سنتا دیکھتا جانتا ہے۔ کسی کی محنت رائیگاں نہ جائے گی۔

مشرک جاہلی قوموں کا فلسفہ یہ تھا۔ کہ بندے جس طرح خدا کے محتاج ہیں۔ خدا بھی اسی طرح ان کا محتاج ہے۔ وہ جس طرح ان کی نگرانی کرتا رہتا ہے یہ بھی تو برابر اس کی خدمت میں لگے رہتے ہیں۔ آیت و من جاھد الخ میں اس خیال کی یہ کہہ کر جڑ کاٹ دی کہ بندے ہر طرح محتاج اور اللہ ہر طرح غنی اور بے نیاز ہے۔ یہاں غنی کے معنی لا پرواہ کے نہیں۔ بلکہ غیر محتاج کے ہیں۔ کسی بھی لحاظ سے اس کے دست نگر ہونے کا خیال جاہلانہ ہے۔ وہ بے نیاز ہوکر بھی اپنے فضل سے سب کی محنت ٹھکانے لگاتا ہے۔ کچھ گناہ تو محض توبہ سے معاف ہوجائیں گے اور توبہ بھی بہرحال ایک نیک عمل ہے اور کچھ گناہ کچھ نیکیاں کرنے سے دھل جائیں گے اور کچھ گناہ محض فضل خداوندی سے صاف ہوجائیں گے۔

اطاعت والدین کی حدود: .... آیت و وصینا الانسان الخ میں والدین کی اطاعت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ اس کی تاکیدات آئی ہیں۔ مگر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے مسلمان ہونے پر جوان کی والدہ حمنہ بنت ابوسفیان آڑے آئیں اور ان کو مرتد بنانے کے لئے دباؤ ڈالتے ہوئے انہوں نے بھوک ہڑتال شروع کردی اور نڈھال ہوگئیں۔ ہوسکتا تھا کہ بیٹے کا دل ماں کی مامتا کے سامنے پگھل جائے اور وہ ہتھیار ڈال دیں۔ مگر اسلام کا نشہ ایسا نہیں تھا جسے کوئی ترشی اتار سکے۔ سعدؓ نے صاف کہہ دیا کہ ایک نہیں ہزار دفعہ ماں جان دے دے میں اپنی جگہ سے نہیں ہٹوں گا۔ بلاشبہ ماں باپ کا حق دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ مگر ایک ہستی ان سے بھی اوپر ہے۔ اللہ کا حق ان سے بھی زیادہ ہے۔ جہاں تک ممکن ہو دونوں کا حق ادا کیا جائے۔ مگر جب ٹکراؤ ہونے لگے تو اللہ کا حق مقدم ہے کہ وہ خالق حقیقی ہے اور یہ مجازی۔ ان کی وجہ سے دین نہیں چھوڑا جائے گا۔ لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق۔ گویا یہ بھی مسلمان کے لئے ایک طرح کی آزمائش ہے اسے ثابت قدم رہنا ہے ڈگمگانا نہیں چاہئے۔ ایک وقت آئے گا۔ کہ اللہ کی کچہری میں سب کو حاضر ہونا ہوگا۔ اس وقت سب کو پتہ چل جائے گا۔ کہ اولاد و ماں باپ میں سے کس کی زیادتی تھی اور کون حق پر تھا؟ اور جو اس قسم کی زبردست رکاوٹوں کے باوجود ایمان اور نیکی کی راہ پر گامزن رہے ان کا حشر بندگان خاص میں ہوگا۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اولاد اگر ماں باپ کی ناحق بات نہ مانے اور ماں باپ اسی ناحق بات پر جمے رہیں تو اولاد ماں باپ کی بجائے صالحین کی زمرہ میں شامل رہے گی المرء مع من احب میں چونکہ طبعی محبت نہیں۔ بلکہ دینی محبت مراد ہے۔ اس لئے والدین کا قرب طبعی ونسبی دینی بعد پر راجح نہیں ہوگا۔

ضعیف القلوب یا منافقین کی حالت: .... آگے آیت ومن الناس میں ضعیف الایمان یا منافقین کا حال بیان کیا جارہا ہے کہ ان کی زبان پر تو ایمان رہتا ہے۔ مگر جب آزمائش کا وقت آتا ہے تو ایک دم گھبرا اٹھتے ہیں اور اپنی جان و مال بچانے کے لئے زبانی دعووں سے ایسے دستبردار ہونے لگتے ہیں جیسے کوئی عذاب الٰہی آرہا ہو اور اس سے جان بچانے کے لئے ناچار اقرار کر لیتا ہے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی تھی۔ یہی حال ضعیف القلوب مسلمانوں کا یا منافقین کا ہے جہاں ذرا دین کی وجہ سے آنچ آئی اور فوراً پلٹے اور بھاگنے کی فکر ہوئی پتہ کھڑ کا اور بندہ سر کا۔ لیکن یہی لوگ جو باطل کا پلہ جھکتا دیکھ کر اسی کا کلمہ سراہنے لگے تھے۔ جب دیکھتے ہیں کہ ہوا کا رخ بدل گیا۔ اور مسلمانوں کا عروج دکھائی دینے لگا تو باتیں بنانے لگتے ہیں کہ ہم تو شروع ہی سے مسلمان تھے اور تمہارے ساتھ تھے۔ اب بھی تمہارے اسلامی بھائی ہیں۔ فرماتے ہیں ہمیں سب کچھ معلوم ہے تم کتنے پانی میں ہو اور کتنے مسلمانوں کے ساتھ ہو۔ کیا محض زبانی خرچ سے تم اپنے دلوں کا حال اللہ سے چھپا سکتے ہو۔ اسے پہلے ہی سب کچھ معلوم تھا۔ لیکن واقعات کے شکنجہ میں جکڑ کر وہ کھلے بندوں دکھلا دینا چاہتا ہے کہ کون اپنے کو سچا مومن ثابت کرتا ہے اور کون جھوٹا۔ دغاباز۔ منافق بنتا ہے۔

ہر چند کہ مجبوری اور اکراہ کے وقت کلمہ کفر کہنے کی اجازت ہے۔ مگر صدور کے لفظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ملامت اس پر ہے کہ دل سے کفر کیوں کیا۔ اس صورت میں تو زبان پر کفر کیا ایمان بھی ہوگا تب بھی قابل ملامت ہے۔ غرض کہ آئندہ کے لئے ان کے قبول اسلام سے انکار نہیں۔ بلکہ گذشتہ دعویٰ اسلام سے انکار نہیں ہے۔

عقیدہ کفار کا بطلان: .... آیت وقال الذین کا حاصل یہ ہے کہ کفار مسلمانوں کو بہلانے پھسلانے کے لئے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ تم اسلام چھوڑ کر اپنی برادری میں آملو اور ہماری راہ پر رہو۔ مفت میں کیوں مصیبیں جھیل رہے ہو۔ بالفرض اگر تمہیں خدا کے مواخذہ کا ڈر ہے تو وہاں بھی ہمارا نام لے دینا کہ انہوں نے ہمیں یہ مشورہ دیا تھا۔ اس وقت ساری ذمہ داری ہم اپنے سر لیں گے اور تمہارا بال بیکا ہونے نہیں دیں گے۔ سارا بوجھ اپنے سر رکھ لیں گے؟ فرمایا اس خبط میں مت رہنا۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ ہر شخص اپنے کئے کا ذمہ دار ہے۔ یہ جھوٹے ہیں۔ تمہارا بوجھ رتی برابر بھی ہلکا نہیں کر سکتے۔ بلکہ الٹا اپنے بوجھ بھاری کر رہے ہیں۔ ایک اپنے ذاتی گناہوں کا بوجھ اس پر دوسرے کے بہکانے اور ورغلانے کا وبال علیحدہ جو اصل گناہ سے بڑھ کر ہوگا اور اصل قصوروار بری بھی نہیں ہوں گے۔

اس سے کفار کے عقیدہ کا بطلان واضح ہوگیا۔ جس کے عیسائی قائل ہیں کہ حضرت مسیح سب کے گناہوں کا کفارہ بن کر سولی پر چڑھ گئے۔ تاکہ سب کی نجات ہو جائے۔ یا بعض جاہل مسلمانوں میں کہیں کہیں رائج ہے کہ کفارہ میں کچھ روپیہ پیسہ، غلہ کپڑا وغیرہ دے دیتے ہیں اور ان چیزوں کو لے لینے والا گناہوں کا ضامن بنا جاتا ہے۔ کچھ ٹھکانہ ہے اس جہالت کا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔

ازالہ تعارض: .... بظاہر آیت وما هم بحاملين الخ اور وليحملن اثقالهم میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ ایک ہی چیز کا انکار اقرار ہورہا ہے۔ مگر وما هم بحاملين میں اس ذمہ داری کا انکار ہے۔ جس سے اصل سبکدوش ہو جائے اور وليحملن میں جرم اغواہ کی ذمہ داری کا اقرار ہے۔ لہٰذا دونوں کا محل بدل گیا یعنی گمراہ کرنے والے ایسا بوجھ نہیں اٹھائیں گے کہ اصل گمراہ بچ جائے۔ بلکہ وہ بھی پکڑا جائے گا اور یہ بھی ایک گمراہ ہونے کی وجہ سے، دوسرا گمراہ کرنے کی وجہ سے۔ اب کوئی شبہ نہیں رہا۔

لطائف سلوک: .... آیت احسب الناس سے معلوم ہوا کہ مجاہدہ اگرچہ اضطراری ہو۔ وصول مقصود کی شرائط عادیہ میں سے ہے۔ ان يقولوا امنا الخ سے معلوم ہوا کہ نفس ایمان کی وجہ سے کبھی نہ کبھی جہنم سے چھٹکارا ہو جائے گا اور آزمائش میں پورا اترا تو

جائے گا ہی نہیں۔

من جاهد فانما يجاهد لنفسه میں جب یہ معلوم ہوگیا کہ مجاہدے کا فائدہ خود مجاہدہ کرنے والے کو پہنچتا ہے۔ وہ کسی پر احسان نہیں کرتا بلکہ اپنا نفع کرتا ہے تو اس سے قدرتاً بڑی سے بڑی مشقت آسان بھی ہوجاتی ہے اور عجب وخود پسندی اور دعوی استحقاق کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

وقال الذين سے ان ناعاقبت اندیش پیروں کی تردید ہوگئی۔ جو لوگوں کو پھانسنے کے لئے گناہوں کا ذمہ لے لیتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ وعمره اَرْبَعُوْنَ سَنَة اَوْ اَكْثَرَ **فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ط** يَدْعُوْهُمْ اِلٰى تَوْحِيْدِ اللّٰهِ فَكَذَّبُوْهُ **فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ** اَىِ الْمَاءُ الْكَثِيْرُ طَافَ بِهِمْ وَعَلَاهُمْ فَغَرِقُوْا **وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾** مُشْرِكُوْنَ **فَاَنْجَيْنٰهُ** اَىْ نُوْحًا **وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ** اَىِ الَّذِيْنَ كَانُوْا مَعَهٗ فِيْهَا **وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً** عبرة **لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾** لِمَنْ بَعْدَهم مِنَ النَّاسِ اِنْ عَصَوْا رُسُلَهمْ وَعَاشَ نُوْحٌ بَعْدَ الطُّوْفَانِ سِتِّيْنَ سَنَةً اَوْ اَكْثَرَ حَتّٰى كَثُرَ النَّاسُ وَاذْكُرْ **اِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ط** خَافُوْا عِقَابَهٗ **ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ** مِمَّا انتم عليه مِنْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ **اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾** الْخَيْرَ مِن غَيْرِهٖ **اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَىْ غيره **اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ط** تَقُوْلُوْنَ كَذِبًا اِنَّ الْاَوْثَانَ شُرَكَاءُ لِلّٰهِ **اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا** لَا يَقْدِرُوْنَ اَنْ يَرْزُقُوْكُمْ **فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ** اُطْلُبُوْهُ مِنْهُ **وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ط اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا** اَىْ تُكَذِّبُوْنِىْ يَااَهْلَ مَكَّةَ **فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ط** مِنْ قَبْلِىْ **وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾** الابلاغ البين فى هَاتَيْنِ الْقِصَّتَيْنِ تسلية لِلنَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ تَعَالٰى فى قومه **اَوَلَمْ يَرَوْا** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ يَنْظُرُوْا **كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ** بِضَمِّ اَوَّلِهٖ وَقُرِئَ بِفَتْحِهٖ من بدأ وابدأ بمعنى اى يخلقهم ابتداء **ثُمَّ** هُوَ **يُعِيْدُهٗ ط** اَىِ الخلقَ كما بدأهٗ **اِنَّ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرَ مِنَ الخلق الاول وَالثَّانى **عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾** فَكَيْفَ تُنْكِرُوْنَ الثَّانِىَ **قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ** لِمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ وَاَمَاتَهُمْ **ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ط** مَدًّا وَقَصْرًا مَعَ سُكُوْنِ الشِّيْنِ **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾** ومنه البدء والاعادة **يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ** تَعْذِيْبَهٗ **وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ج** رَحْمَتَهٗ **وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾** تردون **وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ** رَبَّكُمْ عَنْ ادراككُمْ **فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ** لَوْ كُنْتُمْ فِيْهَا اَىْ لَاتَفُوْتُوْنَهٗ **وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَىْ غَيْرِهٖ **مِنْ وَّلِىٍّ** يمنعكم منه **وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾** يَنْصُرُكُمْ مِنْ عَذَابِهٖ

ع ۹ ۱۴

ترجمہ: ....اور ہم نے نوحؑ کو یقیناً اس کی قوم کی طرف بھیجا (اس وقت ان کی عمر چالیس سال یا اس سے زائد تھی) سو وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار برس رہے (دعوت توحید دیتے رہے اور لوگ انہیں جھٹلاتے رہے) پھر ان لوگوں کو طوفان نے آدبایا (بے انتہا پانی میں گھر گئے اور ڈوب گئے) اور وہ بڑے ظالم (مشرک) لوگ تھے۔ پھر ہم نے نوحؑ کو بچالیا اور اہل کشتی کو (جو کشتی میں ان کے ہمراہ تھے) اور ہم نے اس واقعہ کو نشانی (عبرت) بنادیا تمام جہان والوں کے لئے (بعد کی نسلوں کے لئے اگر انہوں نے رسولوں کی نافرمانی کی اور حضرت نوحؑ اس طوفان کے فرو ہونے کے بعد ساٹھ سال یا زائد حیات رہے۔ حتیٰ کہ لوگوں کی آبادی پھر ہوگئی) اور ہم نے ابراہیمؑ کو بھیجا جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو اور (اس کے عذاب سے) ڈرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا (تمہاری بت پرستی کے مقابلہ) اگر تم سمجھ رکھتے ہو (بھلائی برائی کی) تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر بعض بتوں کو پوج رہے ہو اور جھوٹی باتیں گھڑتے ہو (غلط بیانی کرتے ہو کہ بت اللہ کے شریک ہیں) خدا کو چھوڑ کر جنہیں تم پوج رہے ہو۔ وہ تم کو کچھ بھی روزی دینے کا اختیار نہیں رکھتے (تمہیں رزق نہیں دے سکتے) سو تم روزی اللہ کے پاس تلاش کرو (ڈھونڈو) اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اور اگر تم لوگ مجھے جھوٹا سمجھتے ہو (اے مکہ والو!) سو تم سے (مجھ سے) پہلے بھی بہت سی قومیں جھوٹا سمجھ چکی ہیں اور پیغمبروں کے ذمہ تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے (بلاغ مبین بمعنی ابلاغ بدین ہے۔ ان دونوں واقعات میں آنحضرت ﷺ کے لئے تسلی ہے آپ کی قوم سے ارشاد ہے) کیا ان لوگوں کو خبر نہیں (یروا اور تا کے ساتھ بمعنی ینظروا ہے) کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو کس طرح اول بار پیدا کرتا ہے (لفظ یبدی ضم یا کے ساتھ ہے اور فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے بدأ اور ابدأ سے ماخوذ ہے۔ یعنی ابتداء مخلوق کو کیسے پیدا کیا) پھر وہی دوبارہ مخلوق کو پیدا کرے گا (پہلی مرتبہ کی طرح) یہ (پہلی بار اور دوسری بار پیدا کرنا) اللہ کے نزدیک بہت آسان بات ہے (پھر دوسری بار پیدا کرنے کا انکار کیسے کرتے ہو) آپ کہئے کہ تم لوگ زمین پر چلو پھرو اور دیکھو کہ اللہ نے مخلوق کو پہلی بار کس طریقہ سے پیدا کیا ہے (تم سے پہلوں کو اور ان کو موت دی) پھر اللہ دوبارہ بھی پیدا فرمائے گا (لفظ نشاۃ مد کے ساتھ اور قصر کے ساتھ دونوں طرح سکون شین سے پڑھا ہے) بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے (منجملہ اس کے اول پیدائش اور بعد کی پیدائش بھی ہے) وہ جسے (عذاب دینا) چاہے عذاب دے گا۔ اور جس پر (رحم کرنا) چاہے رحم فرمائے گا تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے (پیش ہوں گے) اور تم ہرا نہیں سکتے (اپنے پروردگار کو، تمہیں گرفتار کرنے سے) نہ زمین میں اور نہ آسمان میں (اگر تم آسمان میں پہنچ جاؤ یعنی تم اس سے چھوٹ نہیں سکتے) اور خدا کے سوا (علاوہ) تمہارا نہ کوئی سارساز ہے (کہ تمہیں اس سے بچائے) اور نہ کوئی مددگار ہے (کہ اس کے عذاب سے نجات دلا دے)۔

تحقیق وترکیب: ....فلبث ۔ بقول ابن عباسؓ ایک ہزار پچاس سال کی عمر حضرت نوحؑ کی ہوئی اور چالیس سال میں نبوت ملی اور ساٹھ سال اور بقول جامع الاحوال پچاس سال طوفان کے ختم ہونے کے بعد حیات رہے۔ پھر جب خوب آبادی ہوگئی تو رحلت فرمائی۔ الف منصوب ہے بناء برظرفیت کے اور خمسین منصوب ہے استثناء کی وجہ سے اور بعض نے اسماء عدد میں استثناء کو ناجائز کہا ہے۔ وہ اس آیت کی توجیہ کریں گے۔ باقی مدت کے اس خاص طرز بیان میں یہ نکتہ ہے کہ ٹھیک ٹھیک مدت بیان کرتی ہے تخمینی مدت یا مجازی مراد نہیں ہے۔ اگر تسعمأ تہ وخمسین کہا جاتا تو یہ احتمالات رہتے کہ تقریبی مدت مراد ہوگی اور چونکہ آنحضرت ﷺ کی تسلی مقصود ہے۔ کہ اتنی طویل مدت حضرت نوحؑ مشکلات جھیلتے رہے اور پھر بھی زیادہ لوگ فائدہ نہ اٹھا سکے۔ برخلاف رسول اللہ ﷺ کے کہ تھوڑی مدت میں نہایت عظیم الشان کام سرانجام دے لیا پھر آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ اس لئے الف سنۃ کہہ دیا۔ تا کہ سنتے ہی لمبی مدت کا تخیل پیدا ہو جائے جو تسلی میں معاون ہوگا۔ اور نیز ان لوگوں کی خام خیالی پر تنبیہ کرنی ہے۔ جو گمان کرتے ہیں کہ ہم بلا

آزمائش چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ اور دونوں عدد کی تمیز الگ الگ الفاظ سے بیان کی ہے۔ الف کی تمیز لفظ سنة سے اور خمسین کی تمیز عاما سے بیان کی دونوں تمیزیں یکساں نہیں لائی گئیں۔ لفظی ثقالت اور تکرار سے بچنے کے لئے۔ نیز اہل عرب قحط سالی کے ساتھ لفظ سنة اور خوشحالی کے لئے عام کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ پس اس طرح اولی لفظ سنة اور بعد میں لفظ عام لاکر اشارہ کر دیا کہ تبلیغ ودعوت کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی پریشانیوں کا دور گزر چکا اب راحت وآرام کا دور آرہا ہے۔

فاخذ هم الطوفان ۔ یہ پانی پہاڑوں سے بھی چالیس یا پندرہ فٹ بلند ہو گیا تھا۔ جس کی تفصیل سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔ کشتی میں کل ۷۸ انسان تھے آدھے مرد آدھی عورتیں۔ منجملہ ان کے حضرت نوحؑ کے تین بیٹے حام۔ سام۔ یافث اور ان تینوں کی بیویاں بھی تھیں۔ بعد میں اکثر انسانوں کی نسل انہیں تین سے چلی ہے۔

وعاش نوح ۔ ابوالسعود سورۂ اعراف میں کہتے ہیں کہ طوفان کے بعد حضرت نوحؑ ڈھائی سوسال زندہ رہے اور ان کی عمر بارہ سو چالیس سال ہوئی ہے۔ اور وہب سے منقول ہے کہ حضرت چودہ سوسال حیات رہے،۔ ملک الموت نے ان سے دریافت کیا۔ کہ پیغمبروں میں تمہاری عمر سب سے زیادہ ہوئی ہے۔ تم نے دنیا کو کیسا پایا؟ فرمایا جیسے ایک گھر کے دروازے ہوں۔ ایک سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل گیا ہو۔

وجعلناها ۔ ضمیر مؤنث عقوبة یا سفینه یا نجات کی طرف راجع ہے۔

اذقال ۔ یہ ظرف ہے ارسال کا۔ اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ارسال تو دعوت سے پہلے ہو چکا ہے۔ پھر کیسے دعوت کے وقت کو ارسا کا ظرف کہا جائے؟ جواب یہ ہے کہ ارسال ممتد ہے وقت دعوت تک۔ پس اس طرح دونوں وقت مل گئے اور ظرفیت صحیح ہو گئی۔

لا یملکون رزقا ۔ رزقاً مصدریت کی وجہ سے منصوب ہوسکتا ہے اور ناصب لا یملکون ہے۔ کیونکہ دونوں ہم معنی ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اصل عبارت لا یملکون ان یرزقوکم ۔ اور یرزقوکم مفعول ہو یملکون کا۔ اور رزقا بمعنی مرزوق بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا اور چونکہ یہ نکرہ تحت النفی ہے اس لئے تنکیر تقلیل کے لئے ہے۔

وان تکذبوا ۔ اس کا عطف مقدر پر ہے۔ ای فان تصد قونی فقد فزتم وان تکذبوا الخ مفسرؒ علام نے یا ظاہر کر کے مفعول بہ کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ اور یا اهل مكة کہہ کر اشارہ کر دیا کہ حضرت ابراہیمؑ کے کلام کے درمیان آنحضرت ﷺ کی گفتگو بطور جملہ معترضہ کے ہے اور مقصود آپ ﷺ کی تسلی ہے۔ عمرؓ اور قتادہؒ سے ایسے ہی منقول ہے اور ابن جریرؒ نے اسی کو اختیار کیا۔ لیکن بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ بھی حضرت ابراہیمؑ کا کلام ہے اور قاضی نے دوسری صورت کو اظہر فرمایا ہے۔

من قبلی ۔ من موصولہ اور کذب مفعول ہوگا۔

اولم یروا ۔ حمزہؒ، شعبہؒ کسائیؒ کی قراءت تا کے ساتھ ہے اور باقی قراءیا کے ساتھ پڑھتے ہیں اور ضمیر امم کی طرف راجع ہے۔ اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے۔ کہ انسان نے پہلی پیدائش کو کہاں دیکھا ہے۔ اور پھر اولم یروا کیسے کہا گیا۔ جواب یہ ہے کہ رویت سے مراد علم ظاہر بدیہی ہے جو مثل رویت ہی کے ہوتا ہے۔ اور پہلی پیدائش کا علم ہر شخص کو ہے۔ توحید ورسالت کے بعد یہ بعث کا بیان ہے۔

ثم هو یعیده ۔ اس کا عطف اولم یروا پر ہے یبدء پر نہیں ہے اور یعیده پر بھی عطف ہوسکتا ہے اور بقول قاضی ثم کا عطف یروا پر ہے اور انسانی اعادۂ حیات کی نظیر ہر سال کھیت اور باغات کے موسم بہار میں دیکھی جا سکتی ہے کہ کس طرح زمین مردہ ہونے کے بعد پھر موسم بہار میں لہلہا اٹھتی ہے؟

فانظروا کیف بدأ ۔ پہلی آیت میں تو لفظ یبدء کے ساتھ اسم ظاہر اور اعادہ کے ساتھ مضمر لایا گیا ہے اور دوسری آیت میں

اس کا برعکس لایا گیا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ پہلی آیت میں اللہ کا ذکر چونکہ پہلے نہیں ہوا کہ یبدء کی اسناد اس کی طرف مضمر کردی جاتی۔ اس لئے یبدء الله کہنا ضروری ہو گیا۔ برخلاف دوسری آیت کے اس میں یبدء کی اسناد مضمر کی طرف صحیح ہے۔ البتہ ثم اللّٰه ینشئ میں اسم ظاہر لانے کی وجہ ذہن سامع میں اللہ کی کمال قدرت، علم، ارادہ جاگزیں کرنا ہے اور یعیدہ کی بجائے ینشئ لانے میں یہ نکتہ ہے کہ نشاۃ عام ہے۔ ابداء اور اعادہ دونوں پر بولا جاتا ہے اور امتیاز کے لئے اولیٰ اخریٰ کہہ دیا جائے گا۔ نیز بدء ابدء دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ مگر اعادہ کے ساتھ ابداء استعمال ہوتا ہے اور ثم اللّٰه کا عطف، سیروا پر ہے بدء پر نہیں ہے۔

الاٰخرۃ. ابوعمر اور ابن کثیر مد کے ساتھ فعالۃ کے وزن پر اور باقی قراء قصر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

من یشاء . مشیت کا مفعول ماقبل کی جنس ہوتا ہے اور عبث سے بچنے کے لئے اس کا حذف لازمی سا ہے۔

لا فی السماء. مفسرؒ علام نے قطرب کی توجیہ نقل کی ہے جیسے کہا جائے۔ ما یفوتنی فلان ههنا و لا بالبصرۃ لو کان بها . لیکن فراءؒ نے اس کی توجیہ اس طرح کی ہے لا من فی السماء ومعجز اور یہ توجیہات اس صورت میں ہیں۔ جب کہ زمین وآسمان حقیقی مراد ہوں۔ ورنہ مجازی معنی سفل اور علو کے بھی ہو سکتے ہیں۔ پھر اس تکلف کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ فی الارض اور فی السماء کے متعلقات محذوف ہیں اول کا متعلق هرب اور دوسرے کا متعلق تحصن ہے۔ ای ما انتم بمعجزین بالهرب فی الارض ولا بالتحصن فی السماء .

ربط: .... پچھلی آیت میں چونکہ ابتلاء اور امتحان کا ذکر تھا۔ اس لئے آیت ولقد ارسلنا سے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی تسلی کے لئے گذشتہ قوموں کے چند تاریخی واقعات بیان فرمائے جارہے ہیں۔ جن کا ماحصل یہی ہے کہ جھوٹوں نے ہمیشہ سچوں کی راہ میں کانٹے بوئے ہیں۔ اور اغواء اور شرارتوں کے جال بچھائے ہیں۔ جن کی وجہ سے مدتوں سچوں کو ابتلاء اور آزمائش کے دور سے گزرنا پڑا۔ مگر آخری نتیجہ سچوں ہی کے حق میں رہا سچے کامیاب وسربلند ہوئے اور جھوٹے خائب وخاسر رہے۔ ان کے سارے جال تارعنکبوت ثابت ہوئے اور خاص طور سے حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ اس لئے بھی ذکر کیا کہ وہ آپ ﷺ کے جدامجد ہیں اور آپ ﷺ کی قوم بھی ان کی قوم کی طرح ہم جد ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: .... حضرت نوحؑ کی عمر کے متعلق تورات میں ہے۔ اور طوفان کے بعد نوحؑ ساڑھے تین سو برس جیتا رہا اور نوحؑ کی ساری عمر ساڑھے نو برس کی تھی تب وہ مر گیا۔

حضرت آدمؑ سے حضرت نوحؑ تک دس پشتیں گذر چکی تھیں۔ اس زمانہ کا اوسط عمر آج کے دور سے کہیں زیادہ تھا۔ حضرت نوحؑ کے والد کی عمر ۷۷۳ سال اور ان کے دادا کی عمر ۹۹۹ برس کی تھی۔ ہزار برس کے لگ بھگ عمر کا ہونا اور اس دور کی عام عادت تھی اس لئے حضرت نوحؑ کی درازی عمر باعث استعجاب نہیں ہونی چاہئے۔

اٰیۃ للعالمین. کہا جاتا ہے کہ ایک زمانہ تک حضرت نوحؑ کا جہاز جودی پہاڑ کے دامن میں لگا رہا۔ تاکہ لوگوں کے لئے عبرت ہو۔ یوں تو اب بھی ہر جہاز اور ہر کشتی واقعہ نوحؑ یاد دلانے کے لئے ایک درس عبرت ہے۔ انہیں دیکھ کر طوفان نوحؑ کی یاد تازہ ہو جانی چاہئے اور قدرت الٰہی کا نمونہ نظروں کے سامنے رہنا چاہئے۔

یا یہ مطلب ہے کہ ہم نے کشتی کے اس افسانہ کو ہمیشہ کے لئے سامان عبرت بنا دیا۔

وتخلقون افکا. یعنی اپنے ہاتھوں سے بت بنا کر کھڑے کر لئے۔ جھوٹ موٹ خدا کہنے لگے۔ اس طرح کے اور جھوٹے

عقیدے تراش لئے اور وہی خیالات واوہام کی بھول بھلیوں میں کھو گئے ہو۔ اکثر مخلوق روزی کے پیچھے جان وایمان دیتی ہے۔ مگر ان جھوٹے اور خیالی معبودوں کا حال یہ ہے کہ روزی تو کجا یہ تو اس کے اسباب پر ہی قدرت نہیں رکھتے۔ نہ ہوا میں چلانے پر قادر، نہ مون سون اٹھانے پر قادر، نہ فضا میں بادل پھیلانے پر قادر، نہ پانی کو بوندوں کی شکل میں اتارنے پر قادر، نہ زمین میں قوت نمو پیدا کرنے پر قادر، نہ آفتاب سے زمین تپانے پر قادر، غرض کہ زراعت، فلاحت، تجارت، صنعت وحرفت اسباب معاش کے کسی ایک ذرہ پر بھی ان کا بس نہیں۔ پھر یہ بیچارے روزی رساں کیا ہوں گے؟ اللہ ہی ہر نفع کا مالک اور منبع ہے۔ پس اللہ خالق معاش بھی ہے۔ اسی سے سب وسائل نکلتے ہیں۔ اسی پر جا کر ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے عبادت وشکر کا مستحق بھی وہی ہے۔ اور مالک نفع ہونے کے ساتھ وہ مالک ضرر بھی ہے۔ سارا حساب کتاب اسی کو دینا ہوگا۔

و ما علی الرسول ۔ یعنی تمہارے جھٹلانے سے میرا کچھ نہیں بگڑتا۔ میں اپنا فرض پورا کر چکا بھلا برا سمجھا چکا۔ نہ مانو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔

آیت اولم یروا کا حاصل یہ ہے کہ تم خود اپنی ذات میں غور کرو۔ پہلے تم کچھ نہ تھے اللہ نے پیدا کر دیا، ایسے ہی مرنے کے بعد پیدا کر دے گا۔ شروع تو دیکھ رہے ہو دہرانا بھی اسی سے سمجھ لو۔ اللہ کو تو کچھ مشکل نہیں۔ البتہ تمہارے سمجھنے کے لئے کہا جا رہا ہے۔ کہ جس نے نمونہ کے بغیر پہلی بار کسی چیز کو ایجاد کر دیا اسے نمونہ قائم ہو جانے کے بعد تو بنانا اور زیادہ آسان سمجھنا چاہئے۔ مگر تم الٹے چل رہے ہو اور اپنی ذات سے ہٹ کر ذرا نظر کو وسیع کرو۔ عالم میں دوسری چیزوں کی پیدائش پر غور کرو تمہیں نظر آئے گا کیسی کیسی عجیب وغریب اس نے بنا ڈالی۔ اس پر دوبارہ زندہ ہونے کا قیاس کر لو۔ اب اس کی قدرت کچھ کم تو نہیں ہوگئی ہے۔ پھر دوبارہ زندہ کرنے کے بعد جسے چاہے گا ازروئے انصاف سزا دے گا اور جسے چاہے گا ازراہ فضل نواز دے گا۔ ''عدل کرے تو لٹیاں فضل کرے تو چھٹیاں'' کون کس کا مستحق ہے یہ وہی خوب سمجھتا ہے۔ اللہ جسے سزا دینا چاہے وہ زمین کے سوراخوں میں گھس کر سزا سے نہیں بچ سکتا۔ نہ آسمان میں اڑ کر نگاہوں سے اوجھل ہو سکتا ہے۔ نہ کائنات کا کوئی گوشہ اس کو پناہ دے سکتا ہے اور نہ دنیا کی کوئی طاقت اس کی حمایت اور مدد کو پہنچ سکتا ہے۔

اس سے ملتا جلتا مضمون عہد عتیق میں بھی ہے ...... ''تیری روح سے میں کدھر جاؤں اور تیرے حضور سے میں کہاں بھاگوں اگر میں آسمان پر چڑھ جاؤں تو تو وہاں ہے۔ اگر میں پاتال میں اپنا بستر بچھالوں تو تو وہاں بھی ہے۔ اگر صبح کے پنکھ لیکے میں سمندر کی تہہ میں جا رہوں تو وہاں بھی تیرا ہاتھ لے چلے گا۔'' (زبور)

لطائف سلوک: .... آیت قل سیروا فی الارض میں ان اہل طریق کے لئے اصل نکلتی ہے جو سیاحی اس لئے کرتے ہیں کہ چل پھر کر زمانہ کے واقعات سے تجربہ اور سبق سیکھیں اور حالات سے عبرت پکڑیں اور اس طرح لوگوں سے کم آمیزی رہے اور گمنامی ویکسوئی رہے۔ گناہوں سے بچنے کی صورت نکلے۔ لیکن بے مقصد سیاہی یا دینی مقاصد سے ہٹ کر خالی گھومنا پھرنا اور تماشا گاہ عالم میں کھو جانا یقیناً اس سے کوسوں دور ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖ اَيِ الْقُرْاٰنِ وَالْبَعْثِ **اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ** اَيْ جَنَّتِيْ **وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿۲۳﴾ مؤلم قَالَ تَعَالٰى فِيْ قِصَّةِ اِبْرَاهِيْمَ **فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ** الَّتِيْ قَذَفُوْهُ فِيْهَا بِاَنْ جَعَلَهَا عَلَيْهِ بَرْدًا وَّسَلَامًا **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** اَيْ اِنْجَائِهٖ مِنْهَا **لَاٰيٰتٍ** هِيَ عَدَمُ تَاْثِيْرِهَا فِيْهِ مَعَ عِظَمِهَا وَاِخْمَادُهَا وَاِنْشَاءُ رَوْضٍ مَكَانَهَا فِيْ زَمَنٍ يَسِيْرٍ **لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ** ﴿۲۴﴾ يُصَدِّقُوْنَ بِتَوْحِيْدِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا **وَقَالَ** اِبْرَاهِيْمُ **اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا** تَعْبُدُوْنَهَا وَمَا مَصْدَرِيَّةٌ **مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ** خَبَرُ اِنَّ وَعَلٰى قِرَاءَةِ النَّصَبِ مَفْعُوْلٌ لَهٗ وَمَا كَافَّةٌ اَلْمَعْنٰى تَوَادَّدْتُمْ عَلٰى عِبَادَتِهَا **فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ** يَتَبَرَّأُ الْقَادَةُ مِنَ الْاَتْبَاعِ **وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا** يَلْعَنُ الْاَتْبَاعُ الْقَادَةَ **وَّمَاْوٰىكُمْ** مَصِيْرُكُمْ جَمِيْعًا **النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ** ﴿۲۵﴾ مَانِعِيْنَ مِنْهَا **فَاٰمَنَ لَهٗ** صَدَّقَ بِاِبْرَاهِيْمَ **لُوْطٌ** وَهُوَ ابْنُ اَخِيْهِ هَارَانَ **وَقَالَ** اِبْرَاهِيْمُ **اِنِّيْ مُهَاجِرٌ** مِنْ قَوْمِيْ **اِلٰى رَبِّيْ** اَيْ اِلٰى حَيْثُ اَمَرَنِيْ رَبِّيْ وَهَجَرَ قَوْمَهٗ وَهَاجَرَ مِنْ سَوَادِ الْعِرَاقِ اِلَى الشَّامِ **اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ** فِيْ مُلْكِهٖ **الْحَكِيْمُ** ﴿۲۶﴾ فِيْ صُنْعِهٖ **وَوَهَبْنَا لَهٗٓ** بَعْدَ اِسْمَاعِيْلَ **اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ** بَعْدَ اِسْحَاقَ **وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ** فَكُلُّ الْاَنْبِيَاءِ بَعْدَ اِبْرَاهِيْمَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ **وَالْكِتٰبَ** بِمَعْنَى الْكُتُبِ اَيِ التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَالزَّبُوْرَ وَالْقُرْاٰنَ **وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا** وَهُوَ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ فِيْ كُلِّ اَهْلِ الْاَدْيَانِ **وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ** ﴿۲۷﴾ اَلَّذِيْنَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلٰى وَاذْكُرْ **وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ فِي الْمَوْضَعَيْنِ **لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ** اَيْ اَدْبَارَ الرِّجَالِ **مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۲۸﴾ اَلْاِنْسِ وَالْجِنِّ **اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ** طَرِيْقَ الْمَارَّةِ بِفِعْلِكُمُ الْفَاحِشَةَ بِمَنْ يَمُرُّ بِكُمْ فَتَرَكَ النَّاسُ الْمَمَرَّ بِكُمْ **وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ** مُتَحَدِّثِكُمْ **الْمُنْكَرَ** فِعْلَ الْفَاحِشَةِ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ **فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ** ﴿۲۹﴾ فِي اسْتِقْبَاحِ ذٰلِكَ وَاَنَّ الْعَذَابَ نَازِلٌ بِفَاعِلِيْهِ **قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ** بِتَحْقِيْقِ قَوْلِيْ فِيْ اِنْزَالِ الْعَذَابِ **عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ** ﴿۳۰﴾ الْعَاصِيْنَ بِاِتْيَانِ الرِّجَالِ فَاسْتَجَابَ اللّٰهُ دُعَاءَهٗ

ع ۸ ۳ ۱۵

ترجمہ: .... اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کے اور اس کے سامنے جانے (یعنی آیات قرآنیہ اور قیامت) کے منکر ہیں وہی تو میری رحمت (جنت) سے مایوس ہوں گے اور یہی تو ہیں جنہیں دردناک عذاب ہوگا (تکلیف دہ آگے بقیہ واقعہ ابراہیمی کا ذکر ہے) سو ان کی

قوم کا جواب بس یہی تھا۔ کہنے لگے یا توانہیں قتل کرڈالو یاانہیں جلا ڈالو، سواللہ نے ابراہیم کواس آگ سے بچالیا (جس میں انہیں جھونکا تھا اس طرح کہ اس آگ کوان کے حق میں بردوسلام بنادیا) بلاشبہ اس واقعہ (نجات) میں بہت کچھ نشانیاں ہیں (انتہائی ہولناک ہونے کے باوجود آگ کا ابراہیم پر اثر نہ کرنا، اس کا بجھ جانا اور فوراً ہی آگ کا گلزار ہوجانا) ان لوگوں کے لئے جوایمان رکھتے ہیں (اللہ کی توحیداور قدرت کو مانتے ہیں دراصل ایسے ہی لوگوں کو فائدہ ہوسکتا ہے) اور (ابراہیم نے) فرمایاتم نے جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو تجویز کر رکھا ہے (بندگی کرنے کے لئے ما مصدر یہ ہے) پس یہ تمہارے باہمی تعلقات کی بناء پر ہے (یہ ان کی خبر ہے اور قراءت نصب یہ مفعول لہٗ اور ما کافہ ہے۔ یعنی ان کی پوجا پاٹ تمہارا آپس کا مشغلہ ہے) دنیاوی زندگانی تک پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کے مخالف ہوجاؤ گے (قائدین اپنے پیروکاروں سے دامن چھڑا ئیں گے) اور ایک دوسرے پر لعنت کی بوچھاڑ کریں گی (پیروکار قائدین پر پھٹکار ڈالیں گے) اور تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا (جو تمہیں دوزخ سے بچالے) پھر حضرت لوطؑ نے ان کی (ابراہیمؑ کی) تصدیق فرمائی (یہ ابراہیمؑ کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے) اور ابراہیمؑ بولے میں (اپنی قوم کو چھوڑ کر) اپنے پروردگار کی طرف چلا جاؤں گا (جہاں مجھے حکم الٰہی ہوگا۔ چنانچہ قوم کو چھوڑ کر ترک وطن کرتے ہوئے سواد عراق سے شام کی راہ لی۔ بے شک وہی دنیا میں) بڑا زبردست بڑی حکمت والا ہے۔ اور ہم نے ابراہیمؑ کو (اسماعیلؑ کی پیدائش کے بعد) اسحاقؑ عطا کیا (اور اسحاقؑ کے بعد) یعقوبؑ عطا کیا۔ اور ان کی نسل میں نبوت قائم رہی (چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد سارے نبی انہی کی نسل سے ہوئے ہیں) اور کتاب دی (یعنی آسمانی کتابیں تورات، انجیل، زبور اور قرآن پاک) اور ہم نے ان کو اس کا صلہ دنیا میں بھی دیا) تمام ادیان ان کا احترام کرتے ہیں۔ اور آخرت میں بھی یقیناً نیکوکاروں میں سے ہوں گے (جن کے لئے بلند رتبے ہیں) اور (یاد رکھئے) ہم نے لوطؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا یقیناً تم (لفظ ائنکم تحقیق ہمزتین اور دوسری ہمزہ کی تسہیل کے ساتھ درمیان میں الف داخل کرتے ہوئے دونوں طریقہ سے دونوں جگہ پڑھا گیا ہے) ایسی بے حیائی کا کام کررہے ہو (یعنی لواطت) کہ تم سے پہلے دنیا جہان میں (انسان یا جن نے) کسی نے نہیں کیا۔ ارے تم تو مردوں سے فعل کررہے ہو اور تم ڈاکہ ڈالتے ہو (دن دہاڑے سرراہ لوگوں سے بدفعلی کرتے ہو۔ کہ لوگوں نے ان راستوں پر چلنا ہی چھوڑ دیا) اور تم بھری مجلس میں (چوپال میں) ممنوعات کا ارتکاب کرتے ہو (آپس میں حرام کاری) سوان کی قوم کا جواب بس یہی تھا۔ کہ ہم پر عذاب لے آؤ اگر سچے ہو (اس کام کو برا کہنے میں اور یہ کہ ایسا کام کرنے والے پر عذاب الٰہی ہوتا ہے) عرض کیا اے میرے پروردگار! مجھے غالب کر (عذاب نازل ہونے کے متعلق میری بات سچ کردکھا) ان مفسدوں پر (جو حرام کاری کرنے والے ہیں۔ چنانچہ اللہ نے حضرت لوطؑ کی دعا قبول فرمالی)۔

تحقیق وترکیب: .... **یئسوا من رحمتی** ۔ صیغہ ماضی یقینی ہونے کی وجہ سے رحمت کی نسبت اپنی طرف کی اور عذاب کی نسبت اپنی طرف نہیں کی سبقت رحمتی علیٰ غضبی کی وجہ سے۔

فما کان جواب قومه ۔ ''تنگ آمد بجنگ آمد'' اسی کو کہتے ہیں۔

او حرقوه ۔ یہاں دو باتیں بطور تردد کے اور سورۂ انبیاء میں صرف ایک بطور تعیین کے ذکر کی ہے۔ گویا یہاں رائے اور مشورہ کا حال بیان کیا ہے اور سورۂ انبیاء میں طے شدہ کو ذکر کردیا ہے۔

من النار ۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس روز ہر جگہ کی آگ ٹھنڈی ہوگئی۔

خمدت النار۔ اس وقت بولتے ہیں جب آگ کی لپٹیں ماند پڑ جائیں اور بالکل بجھ جائے تو **ھمدت النار** بولتے ہیں۔ بہرحال احراق کی نفی مقصود ہے۔ چنانچہ صرف وہ رسی جلی جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باندھ رکھا تھا۔

ما اتخذتم . اس میں تین ترکیبیں ہوسکتی ہیں:۔

ا۔ایک یہ کہ ماموصولہ بمعنی الذی اور عائد محذوف ہو۔ جومفعول اول ہے اور او ثاناً مفعول ثانی ہے۔اور مودة قرات رفع کی صورت میں خبر ہوگی۔ ای الذی اتخذ تموہ او ثاناً مودة ای ذو مردة بتقدیر المضاف اوعلیٰ المبالغة اور مودة کی قراءت منصوب ہوتو خبر محذوف ہوگی۔ ای الذین اتخذ تموہ اوثاناً لا جل المودة لا ینفعکم.

۲۔ما کافہ ہواور او ثاناً مفعول بہ ہے اور النار متعدی بیک مفعول ہے اور متعدی بدومفعول کی صورت میں مفعول ثانی من دون اللہ ہے۔اس صورت میں مودة قراءت رفع پر خبر ہوگی مبتدائے محذوف کی ای ھی مودة بمعنی ذات مودة اوعلی المبالغة اور جملہ یا اوثاناً کی صفت ہوجائے گی۔اور یا مستانفہ ہوگا اور مودة کی قراءت نصب پر مفعول لہ، ہوگا یا اعنی مقدر مانا جائے گا۔

۳۔ما مصدر یہ ہواور پہلے مضاف محذوف ہو۔ای سبب اتخاذ کم او ثانا مردة اور مودة مرفوع ہواور بغیر حذف مضاف کے بطور مبالغہ نفس اتخاذ کو مودة ہی کہا جاسکتا ہے اور مودة کے نصب کی صورت میں خبر محذوف ہوگی۔ابن کثیرؒ، ابوعمرؒ کسائیؒ، مودة کو مرفوع بلاتنوین اور بینکم کو مجرور پڑھتے ہیں۔اور نافعؒ، ابن عامرؒ، ابوبکرؒ مودة اور بینکم کو منصوب پڑھتے ہیں۔اور حمزہؒ، حفصؒ مودة کا نصب بغیر تنوین اور بینکم کو مجرور پڑھتے ہیں۔اور عاصمؒ مودة کا رفع بلاتنوین اور بینکم کا نصب پڑھتے ہیں اور مودة کی اضافت بینکم کی طرف ظرف ہونے کی وجہ سے توسعاً کرلی گئی ہے اور بین اسم غیر متمکن کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے مبنی ہے۔بمعنی لقد تقطع بینکم.

تواددتم . مفاعلت سے باہم محبت کرنا۔

فامن . حضرت لوطؑ ایمان تو پہلے لا چکے تھے۔مگر یہاں تصدیق وتائید مراد ہے۔

وقال . چونکہ انی مھاجر حضرت ابراہیمؑ کا مقولہ ہے اس لئے قال آیا ہے۔ورنہ کلام لوط ہونے کا ایہام ہوتا۔صاحب کشافؒ کی رائے ان کے متعلق حضرت ابراہیمؑ کا بھانجہ ہونے کی ہے۔مگر صحیح یہ ہے کہ وہ بھتیجے تھے۔جب حضرت ابراہیمؑ آتش نمرود سے سلامتی کے ساتھ نکلے تو سب سے پہلے یہی ایمان لائے اور ہجرت میں بھی حضرت ابراہیمؑ اوران کی بیوی سارہ کے ہمراہ رہے۔

الیٰ ربی . چونکہ اللہ کے لئے جنت کا ایہام ہوسکتا تھا۔اس لئے مفسرؒ علام نے امر ربی تقدیر عبارت نکالی۔حضرت ابراہیمؑ بعمر ۷۵ سال اپنی بیوی اور چچازاد بہن سارہ کو لے کر مع اپنے بھتیجہ حضرت لوطؑ کے بہ نیت ہجرت حران اس کے بعد شام اور فلسطین جا پہنچے اور حضرت لوطؑ کو سدوم شہر پر مامور فرمایا۔

ووھبنالہ اسحاق. حضرت اسماعیلؑ کے نام کی تصریح نہیں فرمائی یا تو اس لئے کہ حضرت اسحٰقؑ کی ولادت بوڑھی بیوی سے ہوئی۔جو بہ نسبت ولادت اسماعیل زیادہ باعث امتنان ہے۔دوسرے ان کی ولادت کی طرف لفظ ذریت میں تلویح ہوچکی ہے تیسرے خطاب چونکہ آنحضرت ﷺ سے ہے اور آپ ﷺ اولاد اسماعیل ہونے کی وجہ سے پوری طرح واقف ہیں۔تاہم ولادت اسماعیل کے ۱۴ سال بعد ولادت اسحٰق ہوئی۔

فی ذریتہ النبوة. بعد کے تمام انبیاء کا سلسلہ حضرت اسماعیلؑ واسحٰقؑ ومدین پر منتہیٰ ہوتا ہے۔

تاتون الفاحشة . لواطت مراد ہے۔چوراہوں اور سڑکوں پر یہ لوگ بیٹھ جاتے اور راہ گیر مسافروں پر کنکریں پھینکتے۔جس کے کنکری لگ جاتی وہی بدکاری کرنے کا حق دار سمجھا جاتا تھا۔

تقطعون السبیل . ترمذی کی روایت ہے کہ وہ راہ گیروں سے تمسخر کرتے تھے اور کنکریاں مارتے تھے۔اور مجاہد سے منقول

ہے۔ کہ سیٹیاں بجاتے، کبوتر بازی وغیرہ کرتے اور بعض نے گانا بجانا مراد لیا ہے۔ عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دوسرے پر تھوکتے تھے۔ اور بقول قاسم گوز مارتے تھے۔ اور مکحولؒ فرماتے ہیں انگلیوں میں مہندی لگانا، دانتوں میں مسی لگانا، علک چبانا ان کا شعار تھا۔ غرض کہ شہدوں اور غنڈوں کی سی حرکات وسکنات اور وضع قطع رکھتے تھے۔ جس سے شریف لوگوں نے ان راستوں کو چلنا ہی چھوڑ دیا تھا جسے قطع طریق کہا گیا ہے۔

﴿ تشریح: ﴾: .... اس رکوع میں حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ کا بقیہ حصہ بیان ہو رہا ہے۔ فرمایا کہ جو لوگ قیامت کے قائل ہی نہیں۔ انہیں رحمت الٰہی کی امید کیسے بندھ سکتی ہے۔ اس لئے وہ آخرت میں بھی مایوس ہی رہیں گے۔

تنگ آمد بجنگ آمد: .... بہر حال حضرت ابراہیمؑ کی معقول باتوں کا جواب جب دلیل سے نہ دے سکے۔ تو تنگ آمد بجنگ آمد لگے تشدد کی تدابیر سوچنے۔ ایک رائے ہوئی کہ ان کا قصہ ہی پاک کردو۔ ایک رائے ہوئی کہ آگ میں ڈال دو۔ شاید تکلیف نا قابل برداشت پہنچنے پر باز آجائے تو نکال لیں گے۔ ورنہ راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ جائے گا۔ چنانچہ یہی طے ہوا کہ انہیں گوپیے کے ذریعہ آگ میں جھونک دیا گیا۔ لیکن وہ آگ گلزار ابراہیمی بن گئی۔

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو تمام چیزوں میں تاثیر بالذات نہیں ہوتی۔ کہ کسی طرح ان سے الگ ہونا ممکن ہی نہ ہو۔

اسباب میں تاثیر فی الجملہ ہوتی ہے: .... جیسے آگ کے لئے احراق، پانی کے لئے اغراق اور پہاڑوں پتھروں کے لئے اخراق لازم ہیں۔ بلکہ یہ سب تاثیرات اسباب حق تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں وہ جب چاہتے ہیں سورج کی چمک اور کرنیں چھین لیں۔ جب چاہیں پانی کی صفت غرق چھین لیں۔ جیسے حضرت موسیٰؑ وفرعون کے واقعہ نیل میں ہوا۔ اور جب چاہیں آگ سے جلانے کا اثر چھین لیں، جیسے واقعہ ابراہیمی میں ہوا۔ یہ سب واقعات عادۃً بعید تو ہیں اور اسی لئے انہیں معجزات کہا جاتا ہے۔ مگر نا ممکن اور محال نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی۔ کہ اپنے سچے بندوں کو وہ کس طرح مصائب سے بچالیتا ہے اور مخالفین کو کیسے ذلیل وخوار کر دیتا ہے۔ غرض کہ آگ سے نکلتے ہی انہوں نے پھر حسب سابق نصیحت شروع کر دی۔ جاہلی مشرک قوموں میں ہر برادری اور قبیلہ کے دیوی دیوتا الگ الگ ہوتے تھے۔ جس کا راز یہ بتلایا جاتا ہے کہ اس طرح ہر جتھے کا نظم برقرار رہتا ہے۔ گویا محض سیاسی یا معاشی مصالح کی وجہ سے خیالی اور فرضی خدا تجویز کر رکھے تھے۔ لیکن قیامت میں جب منکشف ہو جائے گا کہ یہ سب احمقانہ تخیلات تھے تو ایک دوسرے کے خلاف خوب بخار نکالیں گے۔

مشہور شخصیتوں کی یادگار صورت یا مورت: .... پس کسی غیر معقول بات کی محض اندھی تقلید یا قومی رسم ورواج اور مروت ولحاظ کی مصنوعی پاسداری کس قدر مہمل بات ہے اور بعض دفعہ یہی ہوا کہ کوئی بڑی ہستی اور مشہور شخصیت اٹھ گئی۔ اس کی یادگار کے لئے صورت یا مورت بنالی اور اس کی تعظیم کرنے لگے۔ بڑھتے بڑھتے ایک آدھ نسل کے بعد یہ تعظیم۔ عبادت کی حد تک پہنچ گئی۔ اسی لئے اسلام نے صورت اور مورت اور سجدہ تعظیمی کی ممانعت کر دی۔ کہ اس سے نوبت شرک تک نہ پہنچ جائے۔

وما لکم من ناصرین۔ یعنی جس طرح میرے پروردگار نے مجھے آتش نمرود سے بچالیا۔ تمہیں دوزخ کی آگ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔

فامن لہ' لوط۔ حضرت ابراہیمؑ کے خاندان سے بابل میں سوائے ان کے بھتیجے حضرت لوطؑ کے کوئی ایمان نہیں لایا۔ دونوں

وطن سے نکل کھڑے ہوئے اور شام پہنچ گئے۔ اس لئے الـی ربـی حضرت ابراہیمؑ یا حضرت لوطؑ دونوں میں سے کسی کا بھی قول ہوسکتا ہے۔ اور امام رازیؒ نے خوب لکھا ہے کہ قرآنی فقرہ الیٰ ربی تفسیری فقرہ الیٰ حیث امرنی ربی سے کہیں بلیغ ودقیع ہے۔ کیونکہ اس میں تمام تر توجہ پروردگار کی طرف ظاہر ہورہی ہے۔ کسی مقام اور جہت کی طرف نہیں۔ حضرت یعقوبؑ پوتے ہیں جن کا لقب اسرائیل ہے اور بنی اسرائیل ان کی نسل ہے۔ اسی لئے حضرت ابراہیمؑ ابوالانبیاء کہلائے۔ کہ بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل سب آپ کی نسل ہے اور یہ بہت بڑی نعمت اور دولت ہے۔ الکتاب سے جنس کتاب مراد ہے۔

مـن الصالحين پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ نبوت کا مقام تو صالحین سے اونچا ہوتا ہے۔ پھر مقام تعریف میں اس لفظ کے کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ صالح کلی مشکک ہے جس کا ادنیٰ درجہ عام مومنین ہیں اور اعلیٰ درجہ انبیاء کرام ہیں۔

مـا سبقكم. یعنی قوم لوط سے پہلے کسی انسان نے بھی یہ حرکت نہیں کی۔ بلکہ جانور تک نر مادہ کا امتیاز رکھتے ہیں۔ گویا بدفعلی کرنے والا شخص جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ اسی لئے فقہاء نے اس کی سزا سخت ترین تجویز کی ہے۔ کسی نے آگ میں جلا دینے کو کہا۔ کسی نے پہاڑ سے گرا دینے کو اور کسی نے گردن مار دینے کو کہا۔ اس طرح جس جانور سے لواطت یا جماع کیا جائے اس کو بھی جلا دینے یا مار دینے کا حکم دیا۔ کیونکہ اس نے انسانی فطرت کے خلاف تو کیا ہی ہے۔ اس لئے جانوروں سے بھی گر گیا ہے۔

تـقـطعون السبيل سے مراد ڈاکہ زنی ہے یا راہ گیر مسافروں کے ساتھ بدکاری علانیہ کھلے عام بندوں کرنا اور ہنسی مذاق چھیڑ چھاڑ ٹھٹھے کرنا جس سے تنگ آ کر لوگوں نے راستہ چلنا ہی چھوڑ دیا ہو۔ اور یا یہ مطلب ہو کہ تم نے فطری اور معتاد راستہ چھوڑ کر توالدو تناسل کا سلسلہ منقطع کیا ہے۔ بـعـذاب اللّٰه دوسری جگہ فرمایا گیا ہے۔ فـمـا كـان جـواب قـومـه الا ان قالوا اخرجو هم من قـريتـكـم ممکن ہے کسی نے یہ کہا ہو اور کسی نے وہ۔ یا ایک وقت یہ کہا ہو اور دوسرے وہ۔ پہلے عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اڑایا ہو۔ پھر آخری فیصلہ دیس نکالا دینے کا کیا ہو۔ خلاصہ یہ کہ ان کی فطرتیں اس درجہ مسخ ہو چکی تھیں کہ خلاف فطرت بدکاری پر خوف خدا کا کوئی شائبہ بھی دلوں میں نہ رہا تھا۔ عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ نصیحت کرنے والے پیغمبر کو نکال دینے پر آمادہ تھے اور پورا مقابلہ کرتے تھے۔ جرم کی یہ نوعیت ہی اگرچہ ان کو ہلاک کر دینے کے لئے کافی تھی۔ اس پر طرفہ توحید اور رسالت سے انکار اس لئے حضرت لوطؑ کو یقین ہو گیا تھا۔ کہ ان کی آئندہ نسلیں بھی درست ہونے والی نہیں ہیں۔ اب خدا کی خاص نصرت بغیر ان سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے۔

بیک کرشمہ دوکار:............ پس پکار اٹھے رب انـصـرنـی. دعا قبول ہوئی فرشتوں کی جونکڑی بھیجی گئی۔ وہ بیک کرشمہ دوکار کا مصداق تھا۔ ایک طرف بوڑھے ابراہیمؑ کو بیٹے پوتے سے گود بھرنے کی بشارت دی۔ دوسری طرف قوم لوط اور سدوم کی آبادی کو الٹ دینے کا پیغام لائی۔ گویا ایک قوم سے خدا کی زمین کو خالی کیا جانے والا ہے۔ تو دوسری طرف ایک عظیم الشان قوم کی داغ بیل ڈالی جانے والی ہے اور چونکہ سبقت رحمتی علیٰ غضبی فرمایا گیا ہے۔ اس لئے بشارت ابراہیمی کو پہلے اور قوم لوط کا انداز بعد میں کیا گیا ہے۔

لطائف سلوک:............ قـال انـمـا اتـخـذتـم سے مفہوم ہوا کہ دین وآخرت کی سربلندی کے ساتھ دنیاوی جاہ واقبال جو بعض اہل اللہ کو حاصل ہوتا ہے وہ ان کی اخروی مرتبہ کو گھٹاتا نہیں ہے۔

قـال رب انـصـرنـی سے معلوم ہوا کہ دشمنان دین کے لئے بددعا کرنا جائز ہے۔ نیز یہ ان کے علم وکرم جیسے اخلاق عالیہ کے خلاف نہیں ہے۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى بِاِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ بَعْدَهٗ **قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ** اَىْ قَرْيَةِ لُوْطٍ **اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾** كَافِرِيْنَ **قَالَ** اِبْرَاهِيْمُ **اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ط قَالُوْا** اَىِ الرُّسُلُ **نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا لَنُنَجِّيَنَّهٗ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾** اَلْبَاقِيْنَ فِى الْعَذَابِ **وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ** حَزِنَ بِسَبَبِهِمْ **وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا** صَدْرًا لِاَنَّهُمْ حِسَانُ الْوُجُوْهِ فِىْ صُوْرَةِ اَضْيَافٍ فَخَافَ عَلَيْهِمْ قَوْمَهٗ فَاَعْلَمُوْهُ بِاَنَّهُمْ رُسُلُ رَبِّهٖ **وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ قف اِنَّا مُنَجُّوْكَ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾** وَنَصْبُ اَهْلَكَ عَطْفًا عَلٰى مَحَلِّ الْكَافِ **اِنَّا مُنْزِلُوْنَ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا** عَذَابًا **مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا** بِالْفِعْلِ الَّذِىْ **كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾** بِهٖ اَىْ بِسَبَبِ فِسْقِهِمْ **وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةً بَيِّنَةً** ظَاهِرَةً هِىَ اٰثَارُ خَرَابِهَا **لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾** يَتَدَبَّرُوْنَ **وَ** اَرْسَلْنَا **اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا لا فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ** اِخْشَوْهُ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾** حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ لِعَامِلِهَا مِنْ عَثِىَ بِكَسْرِ الْمُثَلَّثَةِ اَفْسَدَ **فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ** الزَّلْزَلَةُ الشَّدِيْدَةُ **فَاَصْبَحُوْا فِىْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۳۷﴾** بَارِكِيْنَ عَلَى الرُّكَبِ مَيِّتِيْنَ **وَ** اَهْلَكْنَا **عَادًا وَّثَمُوْدَا۟** بِالصَّرْفِ وَتَرْكِهٖ بِمَعْنَى الْحَىِّ وَالْقَبِيْلَةِ **وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ** اِهْلَاكُهُمْ **مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ قف** بِالْحِجْرِ وَالْيَمَنِ **وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ** مِنَ الْكُفْرِ وَالْمَعَاصِىْ **فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ** سَبِيْلِ الْحَقِّ **وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾** ذَوِىْ بَصَائِرَ **وَ** اَهْلَكْنَا **قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ قف وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى** مِنْ قَبْلُ **بِالْبَيِّنٰتِ** بِالْحُجَجِ الظَّاهِرَاتِ **فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾** فَائِتِيْنَ عَذَابَنَا **فَكُلًّا** مِنَ الْمَذْكُوْرِيْنَ **اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ج فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ج** رِيْحًا عَاصِفًا فِيْهَا حَصْبَاءُ كَقَوْمِ لُوْطٍ **وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ج** كَثَمُوْدَ **وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ج** كَقَارُوْنَ **وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ج** كَقَوْمِ نُوْحٍ وَفِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ **وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ** فَيُعَذِّبَهُمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ **وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾** بِارْتِكَابِ الذَّنْبِ **مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ** اَىْ اَصْنَامًا يَرْجُوْنَ نَفْعَهَا **كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ج اتَّخَذَتْ بَيْتًا ط** لِنَفْسِهَا تَاوِىْ اِلَيْهِ **وَاِنَّ اَوْهَنَ** اَضْعَفَ **الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ م** لَا يَدْفَعُ عَنْهَا حَرًّا وَلَا بَرْدًا كَذٰلِكَ الْاَصْنَامُ لَا تَنْفَعُ عَابِدِيْهَا **لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾** ذٰلِكَ مَا عَبَدُوْهَا **اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا** بِمَعْنَى الَّذِىْ **يَدْعُوْنَ** يَعْبُدُوْنَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **مِنْ دُوْنِهٖ** غَيْرِهٖ

مِنْ شَیْءٍ ط **وَهُوَ الْعَزِیْزُ** فِی مُلْکِهٖ **الْحَکِیْمُ**﴿۴۲﴾ فِی صُنْعِهٖ **وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ** فِی الْقُرْاٰنِ **نَضْرِبُهَا** نَجْعَلُهَا **لِلنَّاسِ** ج **وَمَا یَعْقِلُهَآ** اَیْ یَفْهَمُهَا **اِلَّا الْعَالِمُوْنَ**﴿۴۳﴾ اَلْمُتَدَبِّرُوْنَ **خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ** ط اَیْ مُحِقًّا **اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً** دَلَالَةً عَلٰی قُدْرَتِهٖ تَعَالٰی **لِّلْمُؤْمِنِیْنَ**﴿۴۴﴾ ع خَصُّوْا بِالذِّکْرِ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا فِی الْاِیْمَانِ بِخِلَافِ الْکَافِرِیْنَ

ترجمہ: .... اور جب ہمارے قاصد فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر پہنچے (اسحاقؑ اور ان کے بعد یعقوبؑ کی) تو ان فرشتوں نے کہا کہا کہ ہم (لوطؑ کی) اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں وہاں کے باشندے بڑے شریر (کافر) ہیں۔ ابراہیم بولے کہ وہاں تو لوط ہیں (قاصد فرشتوں نے) جواب دیا کہ جو جو وہاں رہتے ہیں ہم کو سب خبر ہے ہم ان کو بچالیں گے (یہ لفظ تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) اور ان کے خاص متعلقین کو بجز ان کی بیوی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں سے ہوگی (عذاب سے اسے چھٹکارا نہیں ملے گا) اور ہمارے وہ فرستادے جب لوط کے پاس پہنچے تو لوط ان کی وجہ سے رنجیدہ ہوئے (قوم کے لوگوں کی وجہ سے غمگین ہوئے) اور ان کے سبب بہت کڑھے (کیونکہ وہ خوبصورت بن کر آئے تھے اس لئے لوط اپنی قوم کے لوگوں کے ان کے ساتھ برتاؤ سے فکرمند ہوئے مگر فرشتوں نے لوط کو بتلا دیا کہ ہم پروردگار کے فرستادے ہیں) اور (فرشتے) کہنے لگے کہ آپ اندیشہ نہ کریں اور نہ غمگین نہ ہوجئے ہم آپ کو بچالیں گے (تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے) اور آپ کے خاص متعلقین کو بجز آپ کی بیوی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں سے ہوگی (اور اھلک پر نصب محل کاف پر عطف کی وجہ سے ہے) ہم نازل کرنے والے ہیں (یہ لفظ تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے) اس بستی کے باشندوں پر آسمانی عذاب (ان بدکاریوں کی پاداش میں) گناہوں کی وجہ سے جن کا ارتکاب وہ کرتے ہیں (یعنی ان کے گناہوں کی وجہ سے) اور ہم نے اس بستی کے کچھ نشان رہنے دیئے ہیں جو کھلے ہوئے ہیں (جو ان بستیوں کے بگڑنے کی ظاہر علامات ہیں) ان لوگوں کے لئے جو عقل مند (مدبر) ہیں۔ اور (ہم نے بھیجا ہے) مدین والوں کے پاس ان کے بھائی شعیبؑ کو پیغمبر بنا کر۔ سو انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اور آخری دن (قیامت کے روز) سے ڈرو اور سرزمین میں فساد مت پھیلاؤ (یہ عامل کا حال مؤکدہ ہے لا تعثو ماخوذ ہے عثی سے جو ثا کے کسرہ کے ساتھ ہے بمعنی افسد) مگر ان لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا۔ پس زلزلہ (شدید جھٹکے) نے انہیں آدبایا۔ پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے گر کر رہ گئے (گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے مر گئے) اور عاد و ثمود کو ہم نے ہلاک کیا (لفظ ثمود منصرف اور غیر منصرف ہے بمعنی قبیلہ اور خاندان) اور (ان کا ہلاک ہونا) تمہیں نظر آ رہا ہے ان کے رہنے کے مکانات سے (حجر اور یمن میں) اور شیطان نے ان کے (کفر و گناہوں کے) اعمال کو ان کی نظروں میں خوشنما کر دکھایا تھا اور انکو (حق کے) راستہ سے روک رکھا تھا اور وہ لوگ (ہوشیار) سمجھدار تھے اور (ہم نے ہلاک کر ڈالا) قارون اور فرعون اور ہامان کو اور ان کے پاس موسیٰ (پہلے) نشانیاں (دلائل) لے کر گئے تھے پھر ان لوگوں نے زمین میں سرکشی کی اور بھاگ نہ سکے (ہمارے عذاب سے بچ نہ سکے) سو ہم نے ان میں سے ہر ایک کو اس کے گناہ کی پاداش میں پکڑ لیا سو ان میں سے کسی پر تو ہم نے تیز و تند ہوا بھیجی (آندھی جس میں کنکریاں بھی شامل تھیں جیسے قوم لوط پر) اور ان میں سے کسی کو ہولناک آواز نے آدبایا (جیسے قوم ثمود) اور ان میں سے کسی کو زمین میں دھنسا دیا (جیسے قارون) اور ان میں سے کسی کو ہم نے غرق کر دیا (جیسے قوم نوح اور فرعون اور اس کی قوم کو) اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا (کہ بلاقصور انہیں سزا دے دیتا) البتہ یہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے (گناہ کر کے) جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں (یعنی بت جن سے فائدہ کی امید لگائے ہوئے ہیں) ان کی مثال مکڑی کی سی ہے جس نے ایک گھر

بنایا (اپنے ٹھکانے کے لئے) اور مکڑی کا جالا سب گھروں میں سب سے بودا (کمزور) ہوتا ہے (جس میں نہ گرمی کا بچاؤ ہو سکے اور نہ سردی کا۔ یہی حال بتوں کا ہے کہ وہ اپنے عابدوں کو بھی نفع نہیں پہنچا سکتے) کاش یہ لوگ اس کو سمجھ لیتے (تو بت پرستی نہ کرتے) ان سب چیزوں کو اللہ جانتا ہے (ما بمعنی الذی ہے) جس جس کو وہ پکارتے ہیں (بندگی کرتے ہیں لفظ یدعون یا اورتا کے ساتھ ہے) اللہ کے سوا (علاوہ) اور وہ زبردست ہے (اپنے ملک میں) حکمت والا ہے (اپنی کاریگری میں) اور ہم مثالوں کو لوگوں کے لئے (قرآن میں بیان کرتے ہیں اور ان مثالوں کو سمجھتے نہیں مگر علم والے (تدبر کرنے والے) اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حقیقۃً (فی الواقع) بنایا ہے اس میں بڑی دلیل ہے (اس کی قدرت پر رہنمائی کرنے والے) ایمانداروں کے لئے (خاص طور پر مؤمنین کا ذکر اس لئے کیا کہ وہ ہی ان سے ایمان کے سلسلہ میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں برخلاف کفار کے)۔

تحقیق وترکیب: .... لننجینہ. حمزہؒ اور علیؒ کے نزدیک تخفیف سے اور باقی قراء کے نزدیک تشدید کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

کانت من الغبرین. حضرت لوطؑ کی اس بیوی نے چونکہ ان مہمان فرشتوں کا آنا لوگوں کو بتلا دیا تھا اور وہ ان سے ساز باز رکھتی تھی۔ اس لئے عذاب میں وہ بھی الدال علی الفعل کفاعلہ کی رو سے انہی میں شمار کی گئی۔ باقی حضرت لوطؑ کے کافرہ سے نکاح پر شبہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ پچھلی شریعتوں میں بلکہ ابتدائے اسلام میں بھی اس کی اجازت تھی۔ بعد میں آہستہ آہستہ احکام شروع ہوئے ہیں۔

ذرعا. یہ تمیز دراصل فاعل تھی ای ضاق ذرعہٗ بھم فاسیہ ہے اور صدر اصل معنی ہیں ورنہ ذرع کے معنی طاقت کے ہیں ضاق الذرع تم طاقت ور ہو۔

منجوك. کاف کا محل اضافت کی وجہ سے مجرور ہے اور سیبویہؒ کے نزدیک نون بھی اس لئے حذف کیا گیا ہے۔ اور واھلك منصوب ہے فعل حضر کی وجہ سے ای ننجی اھلك. اور اخفشؒ اور ہشامؒ کی رائے میں کاف محل نصب میں ہے اور واھلک اس پر معطوف ہے اور نون اس لئے حذف کیا گیا ہے کہ ضمیر اپنے ماقبل سے شدید اتصال چاہتی ہے۔ ابوعمرو اور ابن عامر اور نافعؒ اور حفصؒ کے نزدیک تشدید کے ساتھ اور باقی قراء کے نزدیک تخفیف سے پڑھا گیا ہے۔

رجزا. بولتے ہیں ارتجز بمعنی اضطراب عذاب چونکہ باعث اضطراب ہوتا ہے۔ اس لئے عذاب کے معنی ہو گئے۔ اس بارہ میں اختلاف ہے کہ یہ عذاب کس شکل میں آیا تھا۔ بعض نے سنگباری اور بعض نے آتش باری اور بعض نے زمین میں دھنسنا بتلایا ہے۔

الی مدین اخاھم شعیبا. قوم نوح، قوم ابراہیم، قوم لوط کا چونکہ کوئی مخصوص نام اور کوئی خاص نسبت نہیں تھی۔ اس لئے انبیاء کی طرف ان کو منسوب کیا گیا ہے اور انبیاء کا نام پہلے اور قوم کا ذکر بعد میں ہوا ہے۔ لیکن قوم شعیب، قوم ہود اور قوم صالح ان کی نسبتیں چونکہ مشہور ہیں۔ اس لئے ان کے بیان میں طرز اصلی اختیار کیا گیا اور حضرت شعیبؑ کو بھائی اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ بھی مدین بن ابراہیمؑ کی اولاد ہیں۔ جو اس شہر کے جد اعلیٰ ہیں۔

وارجوا. رجاء بمعنی توقع وامید ہے اور بمعنی خوف بھی ہو سکتا ہے۔

فکذبوہ. یہ شبہ نہ کیا جائے کہ تصدیق وتکذیب تو خبروں کی ہوا کرتی ہے نہ کہ امر ونہی انشاء کی جو احکام میں ہوتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ ہر امر ونہی متضمن خبر کو ہوتا ہے۔ اس لئے تکذیب کا تعلق اس ضمنی خبر کے ساتھ ہوگا۔

فاخذتھم الرجفۃ. یہاں اور سورۂ اعراف میں رجفہ اور سورۂ ہود میں صیحۃ کا لفظ آیا ہے۔ حالانکہ واقعہ ایک ہی ہے۔ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے ان کی تباہی دونوں طریقہ سے ہوئی ہو۔ کہیں ایک سبب ذکر کر دیا اور کہیں دوسرا سبب اور اسباب میں تزاحم نہیں ہوا کرتا۔ اور بعض حضرات نے اس طرح تطبیق دی ہے۔ کہ اول جبرائیل نے چیخ ماری۔ جس سے ان کے دلوں پر خوف ودہشت طاری

ہوگئی اور سب مر گئے۔ پس ایک جگہ سبب اور دوسری جگہ سبب السبب بیان کر دیا ہے۔

عادا۔ عاد قوم ہود ہے اور ثمود قوم صالح کو کہتے ہیں یہ معمول ہے فعل مقدر کا۔

ای قد تبین لکم الخ۔ مفسر علامؒ نے اھلاکھم نکال کر اشارہ کر دیا کہ تبین کا فاعل مضمر ہے۔

مساکنھم۔ حجر ایک میدان کا نام ہے جو شام اور مدینہ کے درمیان پڑتا ہے۔ قوم ہود کی آبادی یہیں تھی۔

حاصبا۔ تیز ہوا جس سے کنکریاں اور پتھریاں اڑ جاتی ہوں۔

العنکبوت۔ مکڑی کو کہتے ہیں۔ اس میں نون اصلی اور واو تازائد ہیں۔ جیسا کہ جمع عناکب اور تصغیر عینکب سے معلوم ہوتا ہے اور بقول قاموس نر و مادہ پر اطلاق ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اسم جنس میں یہ تعمیم ہوتی ہے اللہ کی مدد کے بغیر تو پہاڑ بھی بیکار ہوجاتا ہے۔ البتہ خدا کی تائید ہوتی ہو تو تار عنکبوت بھی محافظ بن جاتا ہے۔ جیسا کہ غار حرا میں آنحضرت ﷺ کے لئے مکڑی نے جالا تن دیا تھا۔ لفظ اتخذت۔ بیان ہے حدوث عنکبوت کا اور وجہ جامع ہے مشرکین مشبہ اور عنکبوت مشبہ بہ ہے۔ علیٰ ہذا اولیاء مشبہ اور عنکبوت مشبہ بہ ہے۔

لو کانوا۔ اس کے جواب محذوف کی طرف مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے۔

مایدعون۔ **ما** استفہامیہ منصوب ہے **یدعون** سے اور یا موصولہ ہے **یعلم** کا مفعول ہے اور **یدعون** کا مفعول عائد محذوف ہے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ ما نافیہ ہو اور من مفعول بہ پر زائد ہے۔ **ای ما یدعون من دونہ ما یستحق ان یطلق علیہ شئی** پہلا من **یدعون** سے متعلق ہے اور دوسرا من **یتبین** کے لئے ہے اور **یدعون** ابو عامرؒ و عاصمؒ کے نزدیک یا کے ساتھ اور باقی قراءؒ کے نزدیک تا کے ساتھ ہے۔

نضربھا۔ یہ تلک کی خبر ہے اور امثال صفت ہے۔ یا بدل یا عطف بیان۔ اور نیز امثال خبر ہی ہوسکتی ہے اور **نضربھا** حال ہے یا خبر ثانی۔

بالحق مفسر علامؒ اشارہ کر رہے ہیں کہ باملابستہ کے لئے ہے اور جار مجرور لفظ اللہ سے حال ہے۔

﴿تشریح﴾:.......... **ان فیھا لوطا** یعنی کیا لوطؑ کی موجودگی میں یہ بستی تباہ کی جائے گی۔ جب وہ اپنی آنکھوں سے اس تباہی کو دیکھیں گے تو ان کا کیا حال ہوگا؟ اور منشاء غالباً از راہ شفقت یہ ہوگا کہ شاید حضرت لوطؑ کا سہارا لے کر عذاب ٹل جائے۔ کیونکہ لوطؑ خدا کے خاص بندے اور پیغمبر ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے عذاب نہیں آنا چاہئے۔ ادھر فرشتوں نے چونکہ کوئی استثناء نہیں کیا تھا۔ اس لئے انکے ذہن میں صرف ایک شق ہی آئی۔ مگر فرشتوں نے اطمینان دلایا کہ دوسری شق اختیار کی جائے گی۔ کہ لوطؑ اور ان کے پیرو کاروں کو بجز ان کی کافرہ بیوی کے بستی سے بحفاظت وسلامتی نکال لیا جائے گا۔ بیوی چونکہ قوم کی طرف دار اور ان کے طور طریق کو اختیار کئے ہوئے ہے۔ اس لئے اسے بھی تباہی کا سامنا کرنا ہوگا۔

قوم لوط کی تباہی:.......... چنانچہ فرشتے جب خوبصورت اور حسین لڑکوں کی صورت میں حضرت لوطؑ کے ہاں پہنچے تو حضرت لوطؑ اول وہلہ میں پہچان نہیں سکے۔ وہ انہیں مہمان سمجھے اور ناہنجار قوم کی حرکات کا خیال آتے ہی ملول اور رنجیدہ ہوگئے۔ کہ اب مہمانوں کی عزت کس طرح بچاؤں۔ ٹھہراؤں تو یہ مصیبت اور نہ ٹھہراؤں تو پھر مہمان نوازی اور مروت کے خلاف ہے۔ فرشتوں نے حضرت لوطؑ کے خدشات کو بھانپ لیا اور تسلی دیتے ہوئے بولے کہ آپ گھبرائیے نہیں اور کسی طرح کا فکر نہ کیجئے ہم انسان نہیں فرشتے ہیں۔ تمہیں اور تمہارے ہم مشربوں کو نکال کر باقی قوم کو تباہ کرنے آئے ہیں۔

عروج وزوال کی کہانی:............ آیت " والی مدین " سے اہل مدین کا ذکر ہے۔ حضرت شعیبؑ ان سے برادرانہ رشتے رکھتے تھے اور انہی میں سے ایک فرد تھے انہوں نے پیغمبرانہ نصیحت کرتے ہوئے قوم کو توحید اور آخرت کی طرف دعوت دیتے ہوئے امن وسلامتی کا پیغام دیا۔ خرابی سے مراد ممکن ہے لین دین میں دغابازی کرنا، سودیٹہ لگانا ہو جو اس قوم میں ناسور کی طرح لگی ہوئی تھی اور یا پھر ڈاکہ زنی مراد ہوگی۔ یتبین لکم میں اہل عرب کو متوجہ کیا جارہا ہے کہ تم ان کی تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈرات نہیں دیکھتے ان سے عبرت پکڑو کہ وہ لوگ دنیاوی معاملات میں کس درجہ ہوشیار تھے پھر شیطان کے چکر میں آگئے اور نہ بچ سکے اور ضروری نہیں کہ جس کے پاس عقل معاش ہو وہ عقل معاد سے بھی بہرور ہو۔ یہ لوگ خدا کی کھلی نشانیاں دیکھ کر حق کے آگے نہ جھک سکے اور کبر وغرور نے ان کی گردن نیچی نہ ہونے دی مگر کیا ہوا؟ کیا بڑے بن کر سزا سے بچ گئے یا خدا کو تھکا دیا؟

ہر ایک کو اس کے جرم کے مطابق سزا ملی۔ قوم لوط پر تو پتھراؤ ہوا ہی بعض نے قوم عاد کو بھی اس میں داخل کیا ہے اور قوم ثمود یا اہل مدین کی تباہی ایک چیخ کے ذریعہ ہوئی۔

خدا چاہے تو مکڑی سے بھی کام لے سکتا ہے نہ چاہے تو پہاڑ بھی بیکار ہے:............ گھر سے مقصود جان و مال کی حفاظت ہے جو ظاہر ہے مکڑی کے جالے سے پورا نہیں ہوسکتا۔ یہی مثال اور حال ہے اس شخص کا جو خدا کو چھوڑ کر دوسروں کا سہارا تکے۔ لیکن خدا چاہے تو مکڑی سے بھی حفاظت کرسکتا ہے جیسے غار حرا میں ہجرت کے وقت آنحضرت ﷺ کا مامون ومحفوظ رہنا۔ ان اللّٰہ یعلم کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ بعض لوگ بتوں کو پوجتے ہیں اور بعض اگنی پوجا کرتے ہیں اور بعض اولیاءؒ اور انبیاءؑ یا فرشتوں کی پوجا کرتے ہیں اور یہ سب اگرچہ برابر نہیں ہیں اللہ (ان کے فرق مراتب سے واقف ہے۔ مگر اللہ کے آگے بے بسی اور مستقل قدرت نہ ہونے میں سب یکساں ہیں۔ اسی لئے سب کو ایک لڑی میں پرو دیا۔ اللہ چونکہ عزیز وغالب ہے اس لئے اسے کسی کی رفاقت کی حاجت نہیں اور چونکہ وہ حکیم مطلق ہے اس لئے کسی کے مشورہ کا محتاج نہیں۔ آیت تلك الا مثال میں مشرکین کا رد ہے جو کہا کرتے تھے کہ قرآن میں مچھر، مکھی، مکڑی جیسے خسیس اور ادنیٰ چیزوں کا ذکر ہے۔ جو کلام الٰہی کی عظمت کے منافی ہے۔ معلوم ہوا کہ قرآن کلام الٰہی نہیں ہے۔

اس کا جواب سورۂ بقرہ کی آیت ان اللّٰہ لا یستحی میں دیا گیا تھا۔ یہاں بھی حکیمانہ جواب ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ مثال کا انطباق مثال دینے والے پر نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ جس چیز کی مثال دی جائے اس پر انطباق ضروری ہے۔ مقتضائے حال کے مطابق جس درجہ مثال ہوگی اتنی ہی فصاحت وبلاغت سمجھی جائے گی۔ اگر کوئی چیز حقیر وذلیل ہے تو تمثیل میں بھی حقیر وکمزور چیز کا ذکر کرنا ناگزیر ہوگا۔ اس کی مثال دینے والے کی عظمت سے کیا تعلق۔ چنانچہ کتب سابقہ، آسمانی صحیفے، علماء کا کلام بکثرت مثالوں سے لبریز ہے۔

لطائف سلوک:............ ان فیھا لوطا سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ کی موجودگی عذاب الٰہی کے لئے رکاوٹ ہوتی ہے اور غیر موجودگی سے وہ رکاوٹ دور ہوجاتی ہے اور برکات کا یہ ظہور مقتضی اصلی ہے کسی عارضی مصلحت سے اس کے خلاف بھی ہوسکتا ہے۔

ولما ان جاءت سے معلوم ہوا کہ طبعی رنج وغم بشرطیکہ حدود شرع سے تجاوز نہ ہو کمال کے خلاف نہیں ہے۔

الا امرأتك سے معلوم ہوا کہ بغیر ایمان کے محض مقبولین کے تعلق سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

وزین لھم الشیطان سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل ونظر اگر ہو، خواہ اس کا استعمال ہو یا نہ ہو تو شیطان اور نفس کی فریب دہی کو عذر نہیں سمجھا جائے گا۔ بلکہ مجرم ہی کہلائے گا۔

الحمدللہ جلد چہارم مکمل ھوئی

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ الْقُرْاٰنِ **وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ**
شَرْعًا اَیْ مِنْ شَانِہَا ذٰلِکَ مَادَامَ الْمَرْءُ فِیْہَا **وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ** مِنْ غَیْرِہٖ مِنَ الطَّاعَاتِ **وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا**
تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَیُجَازِیْکُمْ بِہٖ **وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَھْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ** اَیْ بِالْمُجَادَلَۃِ الَّتِیْ **ھِیَ اَحْسَنُ**
کَالدُّعَاءِ اِلَی اللّٰہِ بِاٰیَاتِہٖ وَالتَّنْبِیْہِ عَلٰی حُجَجِہٖ **اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْھُمْ** بِاَنْ حَارَبُوْا وَاَبَوْا اَنْ یُّقِرُّوْا بِالْجِزْیَۃِ
فَجَادِلُوْھُمْ بِالسَّیْفِ حَتّٰی یُسْلِمُوْا اَوْیُعْطُوا الْجِزْیَۃَ **وَقُوْلُوْٓا** لِمَنْ قَبِلَ الْاِقْرَارَ بِالْجِزْیَۃِ اِذَا اَخْبَرُوْکُمْ بِشَیْءٍ
مِمَّا فِیْ کُتُبِہِمْ **اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ** وَلَا تُصَدِّقُوْھُمْ وَلَا تُکَذِّبُوْھُمْ فِیْ ذٰلِکَ **وَاِلٰھُنَا**
وَاِلٰـھُکُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ مُطِیْعُوْنَ **وَکَذٰلِکَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ** الْقُرْاٰنَ اَیْ
کَمَا اَنْزَلْنَا اِلَیْہِمُ التَّوْرٰۃَ وَغَیْرَھَا **فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ** التَّوْرٰۃَ کَعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سَلَامٍ وَغَیْرِہٖ **یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ**
بِالْقُرْاٰنِ **وَمِنْ ھٰٓؤُلَآءِ** اَیْ اَھْلِ مَکَّۃَ **مَنْ یُّؤْمِنُ بِہٖ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ** بَعْدَ ظُھُوْرِھَا **اِلَّا الْکٰفِرُوْنَ** ﴿۴۷﴾
اَیِ الْیَھُوْدُ وَظَھَرَ لَھُمْ اَنَّ الْقُرْاٰنَ حَقٌّ وَالْجَائِیَ بِہٖ مُحِقٌّ وَجَحَدُوْا ذٰلِکَ **وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِہٖ** اَیِ
الْقُرْاٰنِ **مِنْ کِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیْنِکَ اِذًا** اَیْ لَوْ کُنْتَ قَارِئًا کَاتِبًا **لَّارْتَابَ** شَکَّ **الْمُبْطِلُوْنَ** ﴿۴۸﴾ اَیِ
الْیَھُوْدُ فِیْکَ وَقَالُوْا الَّذِیْ فِی التَّوْرٰۃِ اَنَّہٗ اُمِّیٌّ لَا یَقْرَأُ وَلَا یَکْتُبُ **بَلْ ھُوَ** اَیِ الْقُرْاٰنُ الَّذِیْ جِئْتَ بِہٖ **اٰیٰتٌ**
بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَیِ الْمُؤْمِنِیْنَ یَحْفَظُوْنَہٗ **وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ** ﴿۴۹﴾
اَلْیَھُوْدُ جَحَدُوْھَا بَعْدَ ظُھُوْرِھَا لَھُمْ **وَقَالُوْا** اَیْ کُفَّارُ مَکَّۃَ **لَوْلَآ** ھَلَّا **اُنْزِلَ عَلَیْہِ** عَلٰی مُحَمَّدٍ **اٰیَۃٌ مِّنْ**
رَّبِّہٖ وَفِیْ قِرَاءَ ۃٍ اٰیَاتٌ کَنَاقَۃِ صَالِحٍ وَعَصَامُوْسٰی وَمَائِدَۃِ عِیْسٰی **قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ** یُنْزِلُھَا
کَمَا یَشَاءُ **وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ** ﴿۵۰﴾ مُظْھِرٌ اِنْذَارِیْ بِالنَّارِ اَھْلَ الْمَعْصِیَۃِ **اَوَلَمْ یَکْفِھِمْ** فِیْمَا طَلَبُوْہُ **اَنَّآ**

اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ القرآن يُتْلٰى عَلَيْهِمْ فهو اية مستمرة لا انقضاء لها بخلاف ماذكر من الأيات اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ الكتاب لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى عظة لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: .... جو کتاب (قرآن) آپ پر وحی کی گئی، اس کو پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی کیجئے۔ بے شک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی ہے (جو شرعاً برے ہوں۔ یعنی زمین میں جب تک انسان رہے اس وقت تک اس کی یہ حالت رہتی ہے) اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے (بہ نسبت اور طاعات کے) اور اللہ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے (لہٰذا اس پر تمہیں بدلہ دے گا) اور تم اہل کتاب مباحثہ مت کرو۔ بجز اس (مباحثہ) کے جو مہذب طریقہ ہے (جیسے آیات و دلائل کی روشنی میں خدا کی طرف دعوت دینا) ہاں! جو لوگ ان میں سے زیادتی کریں (لڑنے لگیں اور جزیہ نہ دیں تو تم بھی تلوار سنبھال لو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں یا جزیہ گزار نہ بن جائیں اور یہ کہو (اس غیر مسلم سے جو جزیہ مانتے ہوئے اپنی مذہبی کتابوں میں سے کوئی بات بیان کرے) کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور ان کتابوں پر بھی جو تم پر نازل ہوئی (اہل کتاب کی اس بارے میں تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو) اور ہمارا اور تمہارا معبود تو ایک ہی ہے اور ہم تو اس کے فرمانبردار (مطیع) ہیں اور اسی طرح ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی (قرآن۔ جیسے کہ پہلے انبیاء پر توریت وغیرہ نازل کیں) سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب (تورات) دی ہے (جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ) وہ اس (قرآن) پر ایمان لے آتے ہیں اور ان لوگوں میں سے بعض اس پر ایمان لے آتے ہیں اور ہماری آیتوں کا (ان کے ظاہر ہونے کے بعد) بجز کافروں کے کوئی انکار کرنے والا نہیں (مراد یہود ہیں اور نشانیوں سے ان کے لئے یہ بات ثابت ہوگئی کہ قرآن برحق ہے اور اس کا لانے والا بھی برحق ہے۔ مگر یہودی پھر بھی نہیں مانتے) اور آپ اس (قرآن) سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے۔ اس وقت (جب کہ آپ پڑھ یا لکھ سکتے) ناحق شناس لوگ شبہ نکالنے لگتے (مراد یہودی ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ تورات میں تو یہی کہ وہ نبی امی ہوں۔ نہ پڑھنا جانیں گے اور نہ لکھنا) بلکہ یہ کتاب (قرآن جو آپ پیش کر رہے ہیں) خود بہت سی واضح دلیلیں ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم عطا ہوا ہے (مسلمان حفاظ) اور ہماری آیتوں سے بس ضدی لوگ ہی انکار کئے جاتے ہیں (یہود جو دلائل واضح ہو جانے کے بعد بھی انکار کئے جاتے ہیں اور یہ (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ ان (محمد) پر کوئی نشان ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہیں اترا (ایک قرأت میں لفظ آیات ہے جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور عصائے موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے دسترخوان) آپ کہہ دیجئے بس نشانیاں تو اللہ کے قبضہ میں ہیں (وہ جب اور جیسے چاہے اتارے، اور میں تو بس ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں (کھلے بندوں نافرمانوں کو جہنم سے) کیا (ان کی فرمائشوں کے سلسلہ میں) ان کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ (ﷺ) پر کتاب (قرآن) اتاری ہے جو ان کو سنائی جاتی رہے۔ (یہ نشانی تو ایک دائمی اور مسلسل نشانی ہے برخلاف دوسری نشانیوں کے) بے شبہ اس (کتاب) میں بڑی رحمت اور نصیحت (وعظ) ہے ایمانداروں کے لئے۔

تحقیق وترکیب: .... ان الصلوٰۃ تنھی. مفسر علامؒ اس شبہ کا دفعیہ کر رہے ہیں کہ بہت سے نمازی تو برائیوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں؟ حاصل جواب بقول ابن عوفؒ یہ ہے کہ مطلقاً اور دواماً فواحش سے بچنا مراد نہیں بلکہ نماز میں مشغول ہونے تک برائیوں سے بچنا مراد ہے اور وہ صحیح ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ نماز کے بچانے سے مراد حسی بچانا نہیں ہے کہ نماز ڈنڈے کے زور سے بچاتی ہو۔ بلکہ معنوی بچانا مراد ہے۔ یعنی نماز کی ہیئت اس کے متقاضی ہے کہ نمازی برائیوں سے بچے، جیسے کہ قانون کی تعریف کی جائے کہ وہ برائیوں سے بچانے والا ہے۔ یعنی اس کی رعایت برائیوں سے محفوظ رکھے گی۔ لیکن کوئی اس کی پرواہ نہ کرے تو اس سے نماز

یا اس قانون پر شبہ نہیں ہوگا۔
تیسری توجیہ لفظ صلوٰۃ سے سمجھ میں آتی ہے اس میں الف لام عہد کا ہے حقیقی نماز مراد ہے۔ جسے نماز حضوری یا نماز دائمی کہنا چاہئے۔ وہ انسان کو برائیوں سے محفوظ رکھتی ہے، لیکن نماز غائب جو خشوع وخضوع سے خالی ہو یا پابندی سے نہ ہو۔ اس پر ان ثمرات کے مرتب ہونے کا وعدہ نہیں ہے۔ ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ **ان الصلوٰۃ تنھی وتزجر عن معاصی اللّٰہ فمن لم تامرہ صلوتہ بالمعروف ولم تنہ عن المنکر لم یزدد بصلاتہ من اللّٰہ الا بعدا** اور قتادہؓ اور حسنؒ سے منقول ہے۔ **من لم ینہ صلوتہ عن الفحشاء والمنکر فصلاتہ وبال علیہ.**
چوتھی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ قضیہ مہملہ ہے قضیہ کلیہ نہیں ہے اور مہملہ حکم میں جزئیہ کے ہوا کرتا ہے۔ پس بعض صورتوں میں بھی اگر نماز برائیوں سے حفاظت کا ذریعہ بن گئی تو ارشاد ربانی صحیح رہے گا۔ اس کی صداقت کے لئے سو فیصدی پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ مقصد یہ بتلانا ہے کہ نماز برائیوں سے بچانے کا بہت ہی بڑا ذریعہ ہے۔
لذکر اللّٰہ اکبر. ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت سے افضل عبادت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ **الذاکرون اللّٰہ کثیرا.** صحابہؓ نے عرض کیا مجاہد فی سبیل اللہ سے بھی ذاکر کا مرتبہ بڑھا ہوا ہے؟ فرمایا کہ اگر مجاہد کی تلوار کفار ومشرکین کو قتل کرتے کرتے ٹوٹ بھی جائے اور وہ خون میں نہاتا بھی رہے تب بھی ذاکرین اس سے بلند تر ہوں گے۔ اکبر بمعنی افضل ابوالسعودؒ سے مروی ہے کہ ذکر اللہ سے مراد نماز ہے۔ یعنی نماز جملہ عبادات وطاعات سے افضل ہے۔ کیونکہ نماز اول سے آخر تک ذکر اللہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ البتہ ابن زیدؒ اور قتادہؓ نے یہ قید لگائی ہے۔ کہ ذکر اللہ ان طاعات سے افضل ہے جن میں ذکر اللہ نہ ہو۔ لیکن ابن عطیہ مطلقاً طاعات سے ذکر اللہ کو افضل کہتے ہیں۔ اور بعض حضرات اس کے یہ معنی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو یاد فرمانا بندوں کے اسے یاد کرنے سے بڑھا ہوا ہے۔
لا تجادلوا. قتادہؓ اور مقاتلؒ اس کو آیت **قاتلوا الذین لا یؤمنون باللّٰہ** سے منسوخ مانتے ہیں۔
الا الذین ظلموا. یہ استثنائے متصل ہے۔ ایک معنی تو یہ ہوں گے۔ **فلا تجادلوھم بالخصلۃ الحسنۃ بل جادلوھم بالسیف** اور دوسرے معنی ہوں گے۔ **جادلوھم بغیر التی ھی احسن** یعنی جس طرح وہ تم سے سختی سے پیش آتے ہیں تم بھی درشتی سے پیش آؤ۔ اور ابن عباسؓ نے **الا** حرف تنبیہ پڑھا ہے۔ مفسر علامؒ نے **بان حاربوا** کہہ کر اشارہ کر دیا کہ ظالم سے مراد یہاں مطلقاً کافر نہیں۔ بلکہ وہ کافر مراد ہیں جو مقابل آتے ہیں۔
اٰمنا بالذی. بخاری نے ابوہریرہؓ کی روایت مرفوع نقل کی ہے۔ **لا تصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوھم وقولوا امنا الخ.**
کعبد اللّٰہ بن سلام. حالانکہ یہ سورت مکی ہے اور حضرت عبداللہؓ مدینہ طیبہ میں مسلمان ہوئے ہیں۔ مگر جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ مکہ ہی میں پیشگوئی فرما دی گئی ہوگی۔ یا کسی سورت کے مکی یا مدنی ہونے سے لازم نہیں کہ اس کی ہر آیت مکی یا مدنی ہو۔
بیمینک. یہ تاکید کے لئے ہے جیسے **رأیت بعینی** وغیرہ۔
المبطلون. خواہ یہود ونصاریٰ ہوں یا مشرکین وکفار۔ مفسر علامؒ نے جو **الیھود** کہا ہے وہ تخصیص کے لئے نہیں۔ بلکہ **کالیھود** کے درجہ میں ہے اور قتادہ **مبطلون** سے اہل مکہ مراد لیتے ہیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ نبوت کے بعد آنحضرت ﷺ پڑھنا لکھنا جانتے تھے یا نہیں؟ بعض نے اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ بخاری میں صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں یہ الفاظ ہیں۔ **فاخذ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الکتاب ولیس یحسن یکتب فکتب** اور بعض نے انکار کیا ہے۔ ارشاد ہے۔ **نحن امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب** اور

منکرین نے فکتب کی تاویل امر بالکتابۃ کی ہے اور قائلین لا نکتب کی تاویل اکثر امت کے ساتھ کرتے ہیں۔

وقالوا الذین فی التوارۃ. یعنی آنحضرت ﷺ میں یہود کے خیال کے اعتبار سے یہ علامت نہیں تھی۔ اس لئے وہ آپ کے منکر رہے۔

فی صدور الذی. یہ قرآن اور امت محمدیہ کی خصوصیت ہے کہ کتاب اللہ سفینوں کی طرح سینوں میں ہی محفوظ ہے۔ جیسا کہ پچھلی کتابوں میں بھی ان الفاظ کے ساتھ اس کا ذکر ہے۔ صدورھم انا جیلھم. اس طرح قرآن تحریف سے مکمل طور پر محفوظ ہو گیا برخلاف دوسری کتابوں اور دوسرے مذاہب کے ان میں ایک بھی حافظ نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ محض سفینوں پر ہوتا ہے اسی لئے ان میں بکثرت تحریفات ہوتی رہیں۔

ایۃ. ابن کثیرؒ، حمزہؒ، علیؓ، ابوبکرؒ کی قرأت مفرد لفظ سے اور باقی قراء کے نزدیک جمع کے صیغہ سے ہے۔ چونکہ معجزہ خلاف عادت ہے۔ اس لئے تمام تر مشیت اور فضل کے تابع ہوتا ہے۔

یتلیٰ علیھم. قرآن کریم ایک علمی معجزہ ہے اور دوامی معجزہ ہے برخلاف دوسرے معجزات کے کہ وہ عملی تھے اور وقتی تھے۔ آج ان میں سے کوئی بھی دنیا میں نہیں ہے۔ بلکہ مصدقہ طور پر ان کا معجزہ ہونا بھی آنحضرت ﷺ سے معلوم ہوا ہے۔ لفظ یتلی مضارع سے استمرار معلوم ہوا۔

ربط:............ پہلے توحید کا ذکر تھا۔ آگے توحید و رسالت کا اس ترتیب سے بیان ہے کہ پہلے اتل ماا وحی سے آپ ﷺ کو تبلیغ قولی اور اقم الصلوٰۃ سے تبلیغ فعلی کا حکم ہو رہا ہے اور بعد کے جملوں میں اعمال کی فضیلت اور علم الٰہی کے بیان سے ترغیب و ترہیب شرائع ہو رہی ہے۔ جو تبلیغ کے لئے معین ہے۔ اور لا تجادلوا سے منکرین رسالت سے کلام ہے پہلے اہل کتاب سے پھر دوسروں سے۔

﴿تشریح﴾:............ اتل ماا وحی سے جہاں تبلیغ قولی کا حکم ہو رہا ہے وہیں آپ ﷺ کی تسلی بھی مقصود ہے۔ کہ اگر آپ کو اپنے بھائی بندوں کے کفر پر تاسف ہے تو ذرا انبیاء سابقین کی سیرت اور ان کی بداطوار قوموں کا کردار ملاحظہ فرمائیے کہ یہی سب کچھ ہوا یا نہیں۔ تو بس اپنے دل کو مضبوط رکھئے۔ تلاوت کا ثواب حاصل کیجئے۔ اس کے معارف و حقائق میں غور کیجئے۔ دوسرے بھی سن کر اس سے منتفع ہوں اور نہ ماننے والوں پر حجت تمام ہے۔

ان الصلوٰۃ تنھی پر جو مشہور اشکال ہے کہ بہت سے پابند نماز بھی برے کاموں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس کی مختلف توجیہات اوپر ذکر ہو چکی ہیں۔ اسی کے ساتھ کہا جائے گا کہ نماز کا یہ روکنا زبان حال سے ہے کہ اے نمازی! جس خدا کی تو اتنی تعظیم بجالاتا ہے۔ پس فواحش و منکرات کر کے اس کی بے تعظیمی کس طرح روا ہے اور نماز کی طرح دوسرے اعمال خیر بھی پابندی کے لائق ہیں۔ کیونکہ ان سب میں زبان یا عمل سے اللہ ہی کی یاد رکھی ہوئی ہے۔

نماز برائی سے کیوں کر روکتی ہے:............ بہرحال شبہ کا منشاء دراصل یہ ہے کہ کسی چیز کے روکنے اور منع کرنے سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ رک جانا لازم ہو جاتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ روکنا اور چیز ہے اور رک جانا دوسری بات ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے بڑھاپے کو نذیر کہتے ہوئے ارشاد ربانی ہے وجاء کم النذیر۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں بہت سے بوڑھے ڈرتے نہیں۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ زبان حال کی اس نہی پر اگر بار بار نظر ڈالی جائے تو اکثر اس پر انتہا یعنی برائیوں سے باز آ جانا مرتب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جابرؓ و ابوہریرہؓ وغیرہ کی روایت ہے۔ قیل لہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان فلانا یصلی فاذا اصبح سرق قال سینھاہ ماتقول. آپ کو بذریعہ وحی یا

الہام معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ شخص نماز کی برکت سے چوری چھوڑ دے گا اور نماز کی نہی مؤثر ہو جائے گی۔ اس سے عموم نکال کر اشکال کر دینا صحیح نہیں ہوگا۔

بہت سے نمازی برائیاں کرتے ہیں:............ خلاصہ یہ ہے کہ نماز کے برائیوں سے روکنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بطور اقتضاء کے ہو کہ اس کی ہر ہئیت اور ہر ذکر اس کا متقاضی ہے کہ بارگاہ خداوندی میں اس طرح بندگی اور نیاز مندی بجالانے والا شخص ہمہ وقت اس حالی عہد کا پابند رہے اور سر مو بھی حکم عدولی نہ کرے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی کی نماز ہی اس شان کی نہ ہو۔ قلب لاہی کے ساتھ یا ریاکاری کے ساتھ ادا کی جائے یا پھر نماز تو صحیح پڑھ رہا ہے۔ آداب ظاہری و باطنی کے ساتھ مگر اس کے اقتضاء پر دھیان نہیں دیتا۔ اس پر نماز اگر مؤثر نہیں تو یہ نماز کا قصور نہیں بلکہ نماز کا اپنا فتور ہے وہ خدا ہی کے روکنے سے نہیں رکتا تو نماز کے روکنے سے کیا رکے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نماز کو ادا کی طرح بالخاصہ مقید مانا جائے کہ وہ گناہوں سے بالخاصہ بچاتی ہے۔ مگر جس طرح دوا کی ہمیشہ ایک ہی خوراک کافی نہیں ہوتی۔ اسی طرح نماز بھی پوری پابندی کے ساتھ اور بد پرہیزی سے مکمل بچتے ہوئے ادا کی جائے تو ضرور مؤثر اور کارگر ہوتی ہے۔ لیکن جس درجہ نماز کی صورت، حقیقت میں کوتاہی ہوگی وہ لازمی طور پر اس کی تاثیر پر بھی اثر انداز ہوگی۔ اور فواحش کی تصریح میں نکتہ یہ بھی ہے کہ دوسرے مذاہب اور قوموں میں بے حیائی کو اگر جز وعبادت بنایا گیا ہے۔ اور فواحش ومنکرات کو ان کی عبادت گاہوں میں اگر پناہ ملتی ہو۔ جیسا کہ مغربی مفکرین کا نقطہ نظر اور زاویہ نگاہ ہے تو ہوا کرے اسلام تو اس کے جواز کا روادار ہی نہیں۔ چہ جائیکہ جز وعبادت بنانے کی نوبت آئے۔

اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سب سے بڑی دولت ہے:............ ولذکر اللّٰہ اکبر. کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد وغیرہ تمام عبادات، دیانات، اخلاقیات، معاشرات، تعزیرات کی روح کہنا چاہئے۔ یہ ہے تو سب کچھ ہے یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ ہر عبادت جسد بے روح اور لفظ بے معنی ہے۔ ابوالدرداءؓ کی روایت کے پیش نظر تو کہنا چاہئے کہ اللہ کی یاد سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں اس کی فضیلت اصلی اور ذاتی ہے۔ عارضی طور پر اگر کوئی دوسری چیز اس پر سبقت لے جائے تو وہ الگ بات ہے۔ پھر بھی غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس عمل میں بھی فضیلت ذکر اللہ ہی کی وجہ سے آئی ہے اور ذکر اللہ جب نماز کے ذیل میں ہو تو افضل ترین ہوگا۔

ایک صحابی نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ احکام اسلام تو بہت ہیں مگر مجھے کوئی جامع مانع چیز بتلا دیئے آپ ﷺ نے فرمایا۔ لایزال لسانک رطبا من ذکر اللّٰہ.

ولذکر اللّٰہ اکبر کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ بڑائی تو بس اسی کے ذکر کی ہے نہ کسی اور کے ذکر کی۔ بلکہ بہت سے صحابہؓ اور تابعین سے۔ حتیٰ کہ خود آنحضرت ﷺ سے بھی یہ معنی منقول ہیں لذکر اللّٰہ ایاکم افضل من ذکرکم ایاہ. یعنی اللہ کا بندوں کو یاد فرمانا بندوں کے اللہ کو یاد کرنے سے بڑھ کر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ذاکر اور غافل سب سے باخبر ہے وہ ہر ایک سے اسی اعتبار سے جداگانہ معاملہ کرے گا۔

مباحثہ اور مناظرہ کی حدود کیا ہیں:............ ولا تجادلوا میں یہ بتلانا ہے کہ قرآن کی تلاوت اور تبلیغ کے سلسلہ میں مباحثے اور مناظروں کے مواقع بھی آئیں گے ان میں موقع محل کا لحاظ ضروری ہوگا۔ اہل کتاب کا مذہب اصل میں چونکہ سچا تھا وہ توحید و رسالت کے فی الجملہ قائل ہیں برخلاف مشرکین کے انکار دین جڑ سے ہی غلط ہے۔ لہٰذا دونوں کو ایک لاٹھی مت ہانکو۔ اہل کتاب سے اس طرح مت جھگڑو کہ جڑ سے ہی ان کی بات کٹنے لگے۔ بلکہ نرمی، متانت، صبر وتحمل کے ساتھ بات سمجھاؤ۔ تاکہ انہیں اسلام کی ترغیب ہو۔

البتہ ان میں جو صریح بے انصاف، ضدی اور ہٹ دھرم ہوں تو ان سے مناسب سختی کے ساتھ نبٹو۔ غرض کہ بحث کے وقت فریق مقابل کی دینی، علمی حیثیت کا خیال ضرور رکھو۔ جوش مناظرہ میں سچائی اور اخلاق کا دامن ہاتھ سے جانے نہ پائے۔ بدزبان، ضدی، ہٹ دھرمی لوگوں کو حسب مصلحت ان کے رنگ میں ترکی بہ ترکی جواب بھی دیا جاسکتا ہے۔

قولوا امنا. یعنی ہمارے تمہارے درمیان بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ اس لئے بہ نسبت اوروں کے تم ہم سے زیادہ قریب ہو۔ مثلاً: توحید ہی کو لیا جائے اور لوگ تو ملکی یا قومی یا قبائلی خداؤں کو مانتے ہیں۔ لیکن ہم تم تو ایک پروردگار عالم کے قائل ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ ہم تنہا اللہ ہی کو پروردگار عالم مانتے ہیں اور اسی کو آلہ کائنات سمجھ کر اسی کے حکم پر چلتے ہیں۔ یہ ہمارا امتیازی نشان ہے۔ تم اس سے ہٹ کر اوروں کو بھی خدائی کے حقوق واختیارات میں شریک سمجھتے ہو۔ حضرت مسیحؑ، حضرت عزیزؑ یا ان کے احبار و رہبان کو شریک خدائیت گردانتے ہو۔ اس لحاظ سے تم ملائکہ پرست، کواکب پرست لوگوں یا علاقائی، قومی، ملکی، دیومالائی نظریات والوں کی لائن میں آ جاتے ہو۔ اسی طرح دوسرا بنیادی مسئلہ نبوت و رسالت کا ہے۔ اس میں بھی ہم سب سلسلہ وارِ وحی و نبوت کے قائل ہیں۔ ہم تمہارے سارے نبیوں اور اصلی کتابوں کو مانتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ تمہاری کتابیں تمہاری دست برد سے محفوظ نہیں رہیں مگر جہاں تک اصل کتابوں کا تعلق ہے وہ بلا ریب مسلمہ ہیں تو اب بات ہی کیا رہ جاتی ہے جو تم ہمارے آخری پیغمبر اور آخری صحیفہ آسمانی کا انکار کرتے ہو۔

دنیا کی مشترک حقیقت:........ غرض کہ ہمارے تمہارے درمیان یہ جھگڑا نہیں کہ ہم فلاں فلاں دیوتا کو مانتے ہیں اور تم فلاں فلاں دیوتا کے پجاری ہو۔ دونوں ایک پروردگار کو مانتے ہیں۔ تھوڑا بہت جو فرق رہ گیا ہے غور و تامل سے وہ بھی دور ہوسکتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی نہیں کہ تم جن رسولوں کو مانتے ہو ہم ان سے منکر ہیں یا تم جن کتابوں کو آسمانی صحیفے مانتے ہو ہم ان کو رد کرتے ہوں بلکہ بلا تفریق ہم سب کو تسلیم کرتے ہیں۔ اب بات صرف پیغمبر آخر الزماں، وحی آخر قرآن کی رہ جاتی ہے۔ جب ان کی صداقت اتنی کھلی ہوئی ہے کہ عرب کے ان پڑھ مشرک بھی انہیں مانتے چلے جارہے ہیں۔ تو تم تو پھر اہل علم ہو اس لئے ان باتوں کو نہ ماننا انصاف سے بعید ہے، بجز حق پوش اور باطل کوشش کے کسی کو بھی مجال انکار نہیں ہے۔

الذین اتینا ھم سے مراد منصف مزاج اہل کتاب یہود و نصاریٰ ہیں۔ لیکن امام رازیؒ اس کی تفسیر انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ کرتے ہیں جنہیں براہ راست کتابیں عطا ہوئی ہیں۔ اسی طرح من ھو لاء اور الا الکافرین سے ہٹ دھرم اور ضدی مشرکین مراد ہیں۔ لیکن امام رازیؒ من ھو لاء کی تفسیر بعض اہل کتاب سے کرتے ہیں اور اسی کو عقل و نقل سے قریب تر قرار دے رہے ہیں۔

اہل وطن کو چیلنج:........ قرآن آنے سے پہلے آپ ﷺ کی عمر کے چالیس سال مکہ والوں میں ہی گزرے، سب جانتے ہیں کہ اس مدت میں نہ آپ ﷺ کسی استاد کے پاس بیٹھے، نہ کوئی کتاب پڑھی، نہ ہاتھ میں کبھی قلم پکڑا۔ اگر ایسا ہوتا تب بھی ان باطل پرستوں کو شبہ نکالنے کی کچھ گنجائش رہتی۔ کہ شاید اگلی کتابیں پڑھ پڑھ کر یہ باتیں نوٹ کرلی ہوں گی۔ اس وقت کچھ تو منشاء اشتباہ ان لوگوں کے پاس ہوتا اور کہہ سکتے کہ پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ دوسری آسمانی کتابوں سے مضامین چرالئے ہوں گے۔ حالانکہ قرآن کے وجوہ اعجاز اتنے کھلے ہوئے ہیں کہ اس وقت بھی ان کے دعویٰ کو چلنے نہ دیتے۔ کیونکہ کوئی لکھا پڑھا انسان بلکہ دنیا کے تمام لکھے پڑھے آدمی مل کر بھی ایسی بے نظیر کتاب تیار نہیں کرسکتے۔ لیکن بہر حال کچھ تو گنجائش ہوتی اور جھوٹوں کو بہانہ بنانے کا موقع ہاتھ لگتا۔ مگر اب تو انگلی رکھنے کی بھی جگہ نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کا امی ہونا مسلمات میں سے ہے۔ اب تو اس سرسری شبہ کی جڑ بھی کٹ گئی۔ لیکن ناانصاف لوگوں کا گروہ اور پادریوں کا ایک ٹولہ آج تک برابر اس پر مصر چلا آرہا ہے اور کتابیں رسالے چھاپتا چلا آرہا ہے کہ آپ ﷺ ضرور پڑھے لکھے تھے۔ آخر

باطل پرستی کی بھی کوئی انتہاء ہے۔

اعجاز قرآنی: .... اور عجیب بات ہے کہ امی پیغمبر سے جس طرح قرآن محفوظ چلا۔ اسی طرح ہمیشہ بن لکھے سینوں میں محفوظ رہے گا۔ دوسری آسمانی کتابیں صحیفے یاد ہوں یا نہ ہوں۔ مگر قرآن کا یہ بھی اعجاز ہے۔ کہ غیر زبان والوں کو بلکہ معصوم بچوں کو قرآن نوک زبان رہتا ہے۔ یہ کتاب حفظ ہی سے باقی ہے۔ لکھنا مستزاد برآں ہے اسی لئے تحریف کے دروازے بند ہو گئے۔ لیکن ضد بندی اور ناانصافی کا کیا علاج۔ ایک شخص اگر یہ ٹھان لے کہ میں کبھی سچی بات نہ مانوں گا تو وہ روز روشن کا انکار بھی کر سکتا ہے کوئی کیا کرے۔
بہر حال حاصل یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا باطل ہونا آپ کی تلاوت و کتابت نہ کرنے ہی کی صورت میں نہیں۔ بلکہ آپ کے پڑھے لکھے ہونے کی صورت میں بھی ہوتا ... اور درمنثور میں ہے کہ اہل علم سے مراد اہل کتاب اور ھو کی ضمیر آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ اپنے امی ہونے کے ساتھ اہل کتاب کے سینوں میں بھی ہیں۔ پچھلی کتابوں میں جو علامات آئی ہیں وہ آپ میں صاف موجود ہیں۔ یا ضمیر ھو قرآن کی طرف راجع کی جائے تب بھی حاصل یہی نکلے گا۔

فرمائشی معجزات: .... وقالوا لولا انزل میں فرمائشی معجزات جن کا منشاء طلب حق نہیں۔ بلکہ صرف بہانہ جوئی اور کٹ حجتی ہے۔ اس کا رد ہے کہ آپ فرما دیجئے کہ تمہاری مطلوبہ نشانیاں میرے قبضہ میں نہیں کہ میں جب چاہوں اور جس کو چاہوں دکھلا دوں اور کسی نبی کی تصدیق کسی خاص نشان پر موقوف بھی نہیں ہے۔ میرا کام تو صرف نتائج عمل سے صاف لفظوں میں آگاہ کر دینا ہے جو تشریعی پہلو ہے۔ جس کا میں داعی ہوں۔ تکوینیات میں میرا دخل نہیں وہ حق تعالیٰ کی مشیت کی چیز ہے میری تصدیق کے لئے جو چاہے نشان دکھلا دے میری صداقت کی جانچ کرنا ہے تو میری تعلیمات کو پرکھو۔ کیا یہ کافی نہیں جو کتاب دن رات انہیں سنائی جاتی ہے اس سے بڑا نشان اور کیا ہوگا؟ اس کتاب کے ماننے والے اللہ کی رحمت سے کس طرح بہرور ہوتے ہیں۔

لطائف سلوک: .... اتل ما اوحی الخ میں اعمال سلوک کے سب اصول آ گئے۔ تلاوت، نماز، ذکر، مراقبہ، باقی اعمال اشغال سب انہیں کے تابع ہیں۔ ولا تجادلوا سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ کو اول مخالفین کے ساتھ نرمی برتنی چاہئے اور عناد ظاہر ہو تو خشونت کی اجازت ہے۔ البتہ طالبین کے ساتھ دوسرا طرز رکھنا چاہئے۔ یعنی جب تک ناواقفیت کا عذر ہے نرمی کرنی چاہئے اور جب یہ عذر نہ رہے تو سختی کی جائے۔ حضرات صحابہؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا یہی طرز عمل تھا۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ بِصِدْقِىْ **يَعْلَمُ مَافِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ** وَمِنْهُ حَالِىْ وَحَالُكُمْ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ** وَهُوَ مَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ **وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ** مِنْكُمْ **اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾** فِى صَفْقَتِهِمْ حَيْثُ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ **وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۗ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى** لَهُ **لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ۗ** عَاجِلًا **وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾** بِوَقْتِ اِتْيَانِهٖ **يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۗ** فِى الدُّنْيَا **وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ** الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ **وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ** فِيْهِ بِالنُّوْنِ اَىْ نَامُرُ بِالْقَوْلِ وَبِالْيَاءِ اَىْ

يَقُوْلُ الْمُوَكَّلُ بِالْعَذَابِ **ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** ﴿۵۵﴾ اَىْ جَزَاءَهٗ فَلَا تَفُوْتُوْنَنَا **يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِىْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّاىَ فَاعْبُدُوْنِ** ﴿۵۶﴾ فِىْ اَىِّ اَرْضٍ تَيَسَّرَتْ فِيْهَا الْعِبَادَةُ بِاَنْ تُهَاجِرُوْا اِلَيْهَا مِنْ اَرْضٍ لَمْ يَتَيَسَّرْ فِيْهَا نَزَلَ فِىْ ضُعَفَاءِ مُسْلِمِىْ مَكَّةَ كَانُوْا فِىْ ضَيْقٍ مِنْ اِظْهَارِ الْاِسْلَامِ بِهَا **كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ** ﴿۵۷﴾ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ بَعْدَ الْبَعْثِ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ** نُنْزِلَنَّهُمْ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالْمُثَلَّثَةِ بَعْدَ النُّوْنِ مِنَ الثَّوٰى اَلْاِقَامَةُ وَتَعْدِيَتُهٗ اِلٰى غُرَفٍ بِحَذْفِ فِىْ **مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ** مُقَدَّرِيْنَ الْخُلُوْدَ **فِيْهَا نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ** ﴿۵۸﴾ هٰذَا الْاَجْرُ لَهُمْ **الَّذِيْنَ صَبَرُوْا** عَلٰى اَذَى الْمُشْرِكِيْنَ وَالْهِجْرَةُ لِاِظْهَارِ الدِّيْنِ **وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ** ﴿۵۹﴾ فَيَرْزُقُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُوْنَ **وَكَاَيِّنْ** كَمْ **مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا** لِضُعْفِهَا **اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ** اَيُّهَا الْمُهَاجِرُوْنَ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ مَّعَكُمْ زَادٌ وَّلَا نَفَقَةٌ **وَهُوَ السَّمِيْعُ** لِقَوْلِكُمْ **الْعَلِيْمُ** ﴿۶۰﴾ بِضَمِيْرِكُمْ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **سَاَلْتَهُمْ** اَىِ الْكُفَّارَ **مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ** ﴿۶۱﴾ يُصْرَفُوْنَ عَنْ تَوْحِيْدِهٖ بَعْدَ اِقْرَارِهِمْ بِذٰلِكَ **اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ** يُوَسِّعُهٗ **لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ** اِمْتِحَانًا **وَيَقْدِرُ** يُضَيِّقُ **لَهٗ** بَعْدَ الْبَسْطِ اَوْ لِمَنْ يَّشَآءُ اِبْتِلَاءً **اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ** ﴿۶۲﴾ وَمِنْهُ مَحَلُّ الْبَسْطِ وَالتَّضْيِيْقِ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ** فَكَيْفَ يُشْرِكُوْنَ بِهٖ **قُلِ** لَهُمْ **الْحَمْدُ لِلّٰهِ** عَلٰى ثُبُوْتِ الْحُجَّةِ عَلَيْكُمْ **بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ** ﴿۶۳﴾ تَنَاقُضَهُمْ فِىْ ذٰلِكَ **وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ** وَاَمَّا الْقُرَبُ فَمِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ لِظُهُوْرِ ثَمَرَتِهَا فِيْهَا **وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ** بِمَعْنَى الْحَيٰوةِ **لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۶۴﴾ ذٰلِكَ مَا اٰثَرُوا الدُّنْيَا عَلَيْهَا **فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ** اَىِ الدُّعَاءَ اَىْ لَا يَدْعُوْنَ مَعَهٗ غَيْرَهٗ لِاَنَّهُمْ فِىْ شِدَّةٍ وَّلَا يَكْشِفُهَا اِلَّا هُوَ **فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ** ﴿۶۵﴾ بِهٖ **لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ** مِنَ النِّعْمَةِ **وَلِيَتَمَتَّعُوْا** بِاجْتِمَاعِهِمْ عَلٰى عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِ اللَّامِ اَمْرُ تَهْدِيْدٍ **فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ** ﴿۶۶﴾ عَاقِبَةَ ذٰلِكَ **اَوَلَمْ يَرَوْا** يَعْلَمُوْا **اَنَّا جَعَلْنَا** بَلَدَهُمْ مَكَّةَ **حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ** قَتْلًا وَّسَبْيًا دُوْنَهُمْ **اَفَبِالْبَاطِلِ** الصَّنَمِ **يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ** ﴿۶۷﴾ بِاِشْرَاكِهِمْ **وَمَنْ اَظْلَمُ** اَىْ لَا اَحَدَ اَظْلَمُ **مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا** بِاَنْ اَشْرَكَ بِهٖ **اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ** النَّبِىِّ اَوِ الْكِتٰبِ **لَمَّا جَآءَهٗ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى** مَاْوٰى **لِّلْكٰفِرِيْنَ** ﴿۶۸﴾

اَیْ فِیْهِ ذٰلِكَ وَهُوَ مِنْهُمْ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا فِیْ حَقِّنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ اَیْ طُرُقَ السَّیْرِ اِلَیْنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۶۹﴾ اَلْمُؤْمِنِیْنَ بِالنَّصْرِ وَالْعَوْنِ

ترجمہ:.............. آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان (میری سچائی پر) بطور گواہ کے، اسے ہر چیز کی خبر ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (میرا اور تمہارا حال بھی اسی میں ہے) جو لوگ ایمان لائے باطل پر (جو غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں) اور اللہ کے منکر ہوگئے (تم میں سے) تو یہ لوگ بڑے زیاں کار ہیں (ٹوٹے میں پڑے ہوئے ہیں۔ کہ کفر کو ایمان کے بدلہ خرید لیا) اور یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اور اگر میعاد مقرر نہ ہوتی تو ان پر (جلد) عذاب آ چکا ہوتا۔ اور وہ عذاب ان پر دفعۃً آ پہنچے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں (دنیا میں) اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جہنم ان کافروں کو گھیرے گا جس دن کہ عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے نیچے سے انہیں گھیرے گا۔ اور حق تعالیٰ فرمائے گا (نقول نون کے ساتھ یعنی ہم حکم دیں گے۔ اور یا کے ساتھ بھی ہے یعنی مؤکل عذاب فرشتہ کہے گا) کہ جو کچھ تم کرتے رہے ہو چکھو (اس کی سزا بھگتو بچ نہیں سکتے) اے میرے ایماندار بندو! میری زمین فراخ ہے سو خالص میری ہی عبادت کرو (جس سرزمین میں بھی عبادت کرنا ممکن ہو یعنی جہاں عبادت ممکن نہ رہے وہاں سے ہجرت کر جاؤ اس جگہ جہاں عبادت ہو سکے۔ یہ آیات ان کمزور مکی مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئیں جو وہاں اظہار اسلام سے عاجز تھے) ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے پھر تم سب کو ہمارے پاس آنا ہے (قیامت کے دن۔ ترجعون تا اور یا کے ساتھ ہے) اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ہم ان کا قیام کرائیں گے (مکان دیں گے۔ ایک قراءت میں لنثوینهم نون کے بعد ثا کے ساتھ ہے ثوی سے ماخوذ ہے اور غرف کی طرف متعدی ہے فی محذوف ہے) جنت کے بالاخانوں میں جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے (ان میں ہمیشہ رہنے کی تجویز کر لی گئی ہے) کیا ہی اچھا اجر ہے نیک کام کرنے والوں کا (مذکورہ اجر والے وہ لوگ ہیں) جنہوں نے صبر کیا (مشرکین کے ستانے پر غلبہ دین کے لئے ہجرت کرنے پر) اور اپنے خدا پر توکل کرتے رہے (لہذا ان کو ایسی صورتوں سے رزق ملا جن کی طرف ان کا وہم و گمان بھی نہیں تھا) اور کتنے جانور ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے (کمزور ہونے کی وجہ سے) اللہ ہی انہیں روزی پہنچاتا ہے اور تمہیں بھی (اے مہاجرین! اگرچہ فی الحال تمہارے پاس سامان نہیں ہے) اور وہی خوب سننے والے ہے (تمہاری باتوں کو) خوب جاننے والا ہے (تمہاری پوشیدہ چیزوں کو) اور یقیناً (لام قسمیہ ہے) آپ اگر (کفار سے) دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا ہے؟ تو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے، تو پھر یہ الٹے کدھر چلے جا رہے ہیں (توحید کا اعتراف کرنے کے بعد پھر اس سے پھر رہے ہیں) اللہ ہی روزی فراخ کر دیتا ہے اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے (بطور آزمائش کے) اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لئے چاہے، بلاشبہ اللہ ہی سب چیز سے واقف ہے (منجملہ ان کے فراخ اور تنگ کرنے کے مواقع کا جاننا ہے) اور اگر آپ (لام قسمیہ ہے) ان سے پوچھئے کہ آسمان سے پانی کس نے برسایا۔ پھر اس سے زمین کو خشکی کے بعد تروتازہ کر دیا۔ تب بھی یہ لوگ کہیں گے اللہ نے (پھر کیسے اس کے ساتھ شرک کر رہے ہیں) آپ کہئے الحمد للہ (کہ تم پر حجت قائم ہو چکی ہے) لیکن اکثر لوگ ان میں سے سمجھتے بھی نہیں (اس بارے میں اپنے تضاد کو) اور یہ دنیاوی زندگانی بجز کھیل تماشہ کے کچھ بھی نہیں ہے (البتہ قرابت داریاں سو وہ آخرت میں داخل ہیں۔ کیونکہ ان کے ثمرات آخرت سے تعلق رکھتے ہیں) دراصل زندگانی آخرت کی ہے (حیوان بمعنی حیاۃ ہے) کاش انہیں اس کا علم ہوتا (تو یہ دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دیتے) اور یہ لوگ جب کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں (دین بمعنی دعا ہے یعنی اس کے ساتھ کسی اور کو نہیں

پکارتے ۔ کیونکہ وہ ایسی سختی میں مبتلا ہوتے ہیں جس سے اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا) پھر جب وہ انہیں نجات دے کر خشکی طرف لے آتا ہے تو پھر ایک دم شرک کرنے لگتے ہیں ۔یعنی جو (نعمت) ان کو دی ہے اس کی ناشکری کرنے لگتے ہیں ۔ یہ لوگ چندے اور حظ اٹھالیں (بت پرستی پر جمع ہوکر اور ایک قرأت میں ولیتمتعوا لام کے سکون کے ساتھ بصیغہ امر تہدید کے لئے آیا ہے) پھر تو انہیں عنقریب معلوم ہوا ہی جاتا ہے (اس کا انجام) کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی (انہیں معلوم نہیں) کہ ہم نے (ان کے شہر مکہ کو) امن والا حرم بنایا ہے ۔ حالانکہ ان کے گردوپیش لوگوں کو نکالا جارہا ہے (مار دھاڑ کرنے اور گرفتار کر کے اور یہ لوگ محفوظ ہیں) کیا یہ لوگ جھوٹے معبود (بتوں) پر ایمان رکھیں گے اور اللہ کی نعمت کی ناشکری ہی کرتے رہیں گے (شرک کر کے) اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے؟ (کوئی نہیں) جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے ۔ یا سچی بات (پیغمبر یا کتاب) کو جھٹلائے جب اس کے پاس آئے ۔ کیا کافروں کا ٹھکانہ جہنم میں نہ ہوگا (یہ مکہ والے بھی انہیں میں ہوں گے) اور جو لوگ ہمارے (حق) میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (تک پہنچنے کے) راستے ضرور دکھلائیں گے اور بلاشبہ اللہ خلوص والوں کے ساتھ ہے (مدد اور اعانت کے لئے)

تحقیق وترکیب: .... **لو لا اجل** بمعنی وقت ۔ اور ضمیر اگر قوم کی طرف راجع ہو تو بمعنی مدت ہے ۔

لا یشعرون. یہ بغتۃً کی تاکید بھی ہوسکتا ہے اور مستقل جملہ بھی ہوسکتا ہے ۔

یستعجلونک. اس میں ان کی انتہائی بلادۃ کی طرف اشارہ ہے ۔

یوم یغشٰھم. اس کا تعلق **لمحیطة** کے ساتھ ہے ۔

من فوقھم. صرف اوپر نیچے کی جہتیں بیان کرنے میں جہنم اور دنیا کی آگ میں امتیاز کرنا ہے ۔ کیونکہ دنیا کی آگ نیچے سے اٹھتی ہے اور پاؤں کے روندنے سے بجھ جاتی ہے ۔ مگر جہنم کی آگ اوپر سے لگے گی اور پاؤں سے روندی نہیں جاسکے گی ۔

نقول ابوعمرؒ، ابن کثیرؒ، ابن عامرؒ کے نزدیک نون کے ساتھ ہے اور نافع اور کوفیین کے نزدیک یا کے ساتھ ہے اول صورت میں قائل اللہ اور دوسری صورت میں فرشتے قائل ہوں گے ۔

ان ارضی واسعة. دار الکفر و المعصیة سے دار الاسلام والطاعة کی ہجرت مراد ہے ۔ حدیث میں ہے ۔ **من فربدینه من ارض الیٰ ارض وان کان شبرامن الارض استو جب الجنة.**

فایای. یہ منصوب ہے اعبدو امضمر کی وجہ سے اور فاعبدون دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے ۔ **فایای** میں فا شرطیہ ہے ۔ **ای ان ضاق بکم موضع فایای فاعبدون.**

کل نفس. یعنی موت کا ڈر ہجرت میں رکاوٹ نہیں بننا چاہئے ۔ موت تو ہر جگہ اپنے وقت پر آکر رہے گی ۔

لنبوئنھم. یہ لفظ اگر نواء سے ماخوذ ہے بمعنی اقامۃ ۔ تو اس قراءت پر غرفا مفعول بہ ہوجائے گا ۔ نثوی کو بمعنی ننزل لے کر مجرد میں رہتے ہوئے یہ لفظ لازم ہے ۔ اس پر ہمزہ تعدیہ کے لئے آئے گا اور مفعول منصوب ہوگا ۔ تشبیہ ظرفیت کی وجہ سے اور یا توسعاً جار کو محذوف مان لیا جائے ای **فی غرف.** لیکن پہلی قرأت پر **غرفاً** مفعول ثانی ہوگا ۔ کیونکہ **بوع** متعدی بہ دو مفعول ہے جیسے **تبوی المؤمنین مقاعد** میں ہے اور کبھی لام کے ذریعہ بھی متعدی ہوجاتا ہے ۔ جیسے **اذبوأ نالا براھیم** اور **تجری. غرفاً** کی صفت ہے ۔

اللہ یرزقھا. اس کا منشاء ترک اسباب نہیں ہے ۔ بلکہ اسباب عادیہ یقینیہ ظنیہ اختیار کرتے ہوئے اللہ پر اعتماد و توکل کرنا مقصود ہے ۔

السمیع العلیم. صفات الٰہی میں ان دو صفتوں کی تخصیص توکل کے حکم میں زیادہ مؤثر ہونے کی وجہ سے ہے ۔

خلق السمٰوات. آسمان و زمین کے ساتھ لفظ خلق اور شمس و قمر کے ساتھ لفظ سخر میں اشارہ ہے کہ آسمان و زمین کی پیدائش ہی

میں منافع ہیں۔ برخلاف شمس وقمر کے کہ ان کے منافع کا تعلق ان کی تسخیر میں ہے۔

ویقدر لہ. خواہ روزی کی وسعت اور تنگی ایک شخص پر ہو یا دونوں کا محل الگ الگ ہو۔ چنانچہ بعد البسط کہہ کر مفسرؒ نے پہلی صورت کی طرف اور او لمن یشاء کہہ کر دوسری صورت کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس وقت لہ کی ضمیر من یشاء کی جگہ ہوگی۔ یہ ایسا ہی ہے۔ جیسے وما یعمر من معمر ولا ینقص من عمرہ ہے ای لا ینقص من معمر اخر. یا کہا جائے عندی درھم ونصفہ ای نصف درھم اخر. یہ بات صنعت استخدام کے قریب قریب ہوگی۔

بکل شئ علیم. یعنی کون غنی اور کون فقیر بنانے کے لائق ہے۔ ورنہ امیر کو غریب اور غریب کو امیر بنا دینے سے مفاسد لازم آئیں گے۔

الحمد للّٰہ. اس کے متعلقات مختلف نکالے گئے ہیں۔ مفسر علامؒ نے علی ثبوت الحجۃ اور قرطبیؒ نے علی ما اوضح من الحجج والبراھین علیٰ قدرتہ اور بعض نے علی اقرارھم بذالک اور بعض نے علی انزال الماء و احیاء الارض بالبنات نکالے ہیں۔

لایعقلون. یعنی ایک طرف تو صرف اللہ کو مبدی عالم مانتے ہو اور دوسری طرف اس کا شریک ٹھہراتے ہو یہ تضاد بیان کیسی؟

الالھو. امام رازیؒ نے دنیاوی لذت کے سننے کو لہو کہا ہے اور بعض نے لایعنی۔ یعنی اور چیزوں میں پڑنے کو لہو اور بے کار چیزوں میں پڑنے کو عبث کہا ہے۔

الدار الاخرۃ. موصوف صفت ہے۔

الحیوان. یہ حی کا مصدر ہے۔ اصل قیاس کے مطابق حییان تھی۔ دوسری یاء کو واؤ سے تبدیل کر لیا اور حیوۃ کی بجائے حیوان لانے میں اشارہ ہے کہ فعلان کا وزن حرکت واضطراب میں مبالغہ کے لئے ہے ورنہ حیوۃ صرف حرکت اور موت سکون کو کہتے ہیں اور لفظ حیوان پر وقف کیا جائے گا۔ کیونکہ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ لو کانوا یعلمون حقیقۃ الدارین لما اختاروا اللھو الفانی علی الحیوان الباقی اور وصل کرنے کی صورت میں وصف الحیوان کو معلق کرنا پڑے گا شرط علم پر حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔

فاذا رکبوا. اس کا تعلق محذوف کے ساتھ ہے۔ ای ھم علی ما وصفوا بہ من الشرک والعناد فاذا رکبوا الخ. کچھ لوگ دریائی سفر میں بتوں کو ساتھ رکھتے تھے۔ لیکن جب مصائب میں زیادہ گھر جاتے تو بتوں کو سمندر کی نذر کر کے خدا کے نام کی دہائی دینے لگتے۔

ولیتمتعوا. سکون لام امر کی قرأت جمہور کی ہے اور مفسر علامؒ کی عبارت امر تھدید اس اشکال کے ازالہ کے لئے ہے کہ اس سے امر بالکفر لازم آتا ہے؟ حاصل جواب یہ ہے کہ یہ حقیقت امر نہیں ہے۔ بلکہ بطور تہدید کے فرمایا ہے۔ جیسے اعملوا ماشئتم میں ہے اور لام امر کو مکسور پڑھنے کی صورت میں لام کے ہوگا یا لام عاقبۃ ہے جو مسبب پر داخل ہے اور مسبب قائم مقام سبب ہے۔

یتخطف. اختلاس اور اچکنے کے معنی ہیں۔

الیس. مفسر علامؒ نے فیہ ذالک الخ عبارت نکال کر استفہام تقریری کی طرف اشارہ کیا ہے اور منجملہ کفار کے یہ مکذبین بھی جہنم میں ہوں گے۔

والذین جاھدوا. بقول مفسرین یہ آیت اگر مکی ہے تو جہاد سے بالنفس مراد ہوگا۔ اور بقول فضیلؒ بن عیاض جہاد سے طلب علم مراد ہے اور لنھدینھم سبلنا علم کے مطابق عمل کی راہیں آسان کرنا ہے اور سہیل بن عبداللہؒ جہاد سے طاعت اور سبل سے ثواب مراد

لیتے ہیں اور بعض کے نزدیک جہاد سے علوم معلومہ اور سبلنا سے غیر معلومہ مراد ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ من عمل بما علم، علمه الله علم مالم يعلم اور مفسر علامؒ نے فی حقنا تفسیری عبارت میں تقدیر مضاف کی طرف اور نی کے تعلیلیہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ای من اجل حقنا.

مع المحسنين. اسم ظاہر بجائے ضمیر، احسان کی شرافت ظاہر کرنے کے لئے ہے اور لام تاکید یہ ہے۔ اور لفظ مع اسم ہے یا حرف ہے۔ پہلی صورت میں لام کا داخل ہونا واضح ہے۔ کیونکہ لام تاکیدا سماء پر داخل ہوتا ہے اور دوسری صورت میں بھی معنی استقرار کی حیثیت سے لام کا داخل ہونا صحیح ہے۔ جیسے ان زیداً لفی الدار اور لفظ مع سکون عین کے ساتھ حرف ہے اور فتح عین کے ساتھ اسم وحرف دونوں ہوسکتا ہے۔

ربط: .... آیت قل كفىٰ بالله الخ اگر چہ دلیل کا انکار کرنے والوں کے مقابلہ میں ہے۔ تاہم اس میں بھی دلیل ہی کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے نبوت ورسالت کی سچائی پر جو دلائل قائم کئے ہیں وہ بھی ایک طرح سے خدائی شہادت ہے اور باطل کے عموم میں تمام خواہشات اور جھوٹے معبود بھی داخل ہیں اور پچھلی آیات میں چونکہ کفار کی عداوت کا اور توحید ورسالت کے ذیل میں بھی اہل حق اور حق سے ان کی عداوت کا بیان تھا۔ اور وہ بعض اوقات ہجرت کی متقاضی ہو جاتی ہے۔ اس لئے آیت یا عبادی الذین میں ہجرت کا حکم ہو رہا ہے۔ پھر اس ہجرت میں عزیز واقرباء کی محبت اور خیال آئندہ فقر وفاقہ اندیشہ رکاوٹ بن سکتا ہے۔ ان دشواریوں پر قابو پانے کے لئے صبر وتوکل اور اقامت دین کی تلقین کی جارہی ہے۔ آیت ولئن سألتهم میں توحید کا بیان ہے اور شروع سورت سے مختلف پریشانیوں اور مصائب کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اس لئے خاتمہ سورت پر آیت والذين جاهدوا میں برداشت کرنے والوں کو بشارت عظمیٰ دی جارہی ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... قل كفى بالله کا حاصل یہ ہے کہ قرآن پاک جو رات دن انہیں سنایا جاتا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا نشان ہوگا۔ کیا دیکھتے نہیں کہ اس کے ماننے والے کس طرح سمجھ حاصل کرتے جارہے ہیں۔ خدا کی اس سرزمین پر اس کے آسمان کے نیچے علانیہ طور پر میں رسالت ونبوت کا دعویٰ کر رہا ہوں۔ جسے اللہ دیکھتا سنتا ہے۔ پھر روز بروز میرے ماننے والوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور اسی کے ساتھ میرے ذریعہ ایسے خوارق ظاہر کئے جارہے ہیں جس کی نظیر لانے سے ساری دنیا عاجز ہے۔ کیا میری صداقت پر اللہ کی یہ عملی گواہی کافی نہیں؟

انسان کی بدترین شقاوت: .... ایک سچے مذہبی شخص کے پاس اس سے بڑھ کر اور کیا واسطہ رہ جاتا ہے کہ وہ خدا کو درمیان میں ڈال کر کسی بات کا یقین دلائے اور انسان کی یہ کتنی بڑی شقاوت ہے کہ جھوٹی سے جھوٹی بات کو فوراً قبول کرلے اور سچی بات کو خواہ وہ کتنی ہی روشن ہو جھٹلاتا رہے اور خدائی عذاب کا مذاق اڑائے۔ انہیں سن لینا چاہئے کہ ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے اس لئے گھبراؤ نہیں وہ عذاب دنیا ہی میں آنے والا ہے اور اب تمہاری درگت بنا ہی چاہتی ہے اور ممکن ہے عذاب سے اخروی عذاب مراد ہو۔ جیسا کہ جواب کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ اور یوں بھی دیکھا جائے تو دنیا میں ہی آخرت کا عذاب شروع ہو جاتا ہے۔ یہ کفر اور گناہ دوزخ نہیں تو اور کیا ہے۔ جس نے انہیں ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ مرنے کے بعد حقیقت کھل جائے گی کہ دوزخ کیا ہے۔ جب اعمال کے سانپ بچھو جسم کو چمٹیں گے۔ اس وقت حق تعالیٰ فرمائیں گے یا عذاب ہی بول اٹھے گا۔ کہ اب اپنے کئے کا مزہ چکھو۔

ارض خدا تنگ نیست، پائے مرا لنگ نیست: .... آیت یا عبادی میں یہ بتلانا ہے کہ اگر مکہ کے لوگ تمہیں تنگ کر رہے ہیں تو خدا کی سرزمین تو تنگ نہیں ہوگئی کہیں اور جا کر عبادت کرو۔ اور وطن چھوڑ دو۔ کیونکہ یہ زندگی کوئی (کتنی) دن کی ہے۔ وطن اصلی تو دوسرا ہے اس کی فکر کرو ایک جواب تو یہ ہوا۔ جس سے مصیبت زدہ مسلمانوں کی تسلی مقصود ہے۔

گھر بار، روٹی ٹکڑہ ہجرت میں حائل نہ ہونے چاہئیں: .... دوسرا جواب کل نفس الخ سے دیا جارہا ہے کہ جن چیزوں کا چھوڑنا آج شاق گزر رہا ہے ان سے دوری اور مجبوری ایک دن تو بہر حال ناگزیر رہی ہے تو آج ہی اپنے ارادہ اور اختیار سے کیوں نہ حاصل کر لی جائے۔ وطن، خویش واقارب، دوست واحباب آج نہیں کل چھوٹیں گے۔ مان لو کہ اس وقت مکہ سے ہجرت نہ کی تو ایک دن دنیا سے ہجرت کرنا ضروری ہے۔ فرق اتنا ہے کہ وہ بے اختیاری کے ساتھ ہوگی۔ مگر بندگی اس کا نام ہے کہ اپنی خوشی اور اختیار سے مرغوبات و مالوفات کو چھوڑ دے جو پروردگار عالم کی بندگی میں حارج ہوں۔ جو لوگ دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ وہ بالکل نیست و نابود نہیں ہو جاتے۔ بلکہ حساب کتاب کے لئے ان کی پیشی ہوگی اور وہ پیشی صرف بارگاہ خداوندی میں ہوگی کسی دوسرے کے یہاں نہیں۔ اس لئے جو صبر و استقلال کے ساتھ ایمان کی راہ پر جمے رہیں گے۔ اور وطن سے نکل کھڑے ہوں گے۔ انہیں وطن کے بدلے وطن، گھر کے بدلے گھر ملیں گے۔

رہا روزی کا معاملہ، سو جانوروں کو دیکھ کر اکثر کے پاس اگلے دن کا سامان نہیں ہوتا۔ پھر کیا انہیں بے روزی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ پھر جو خدا جانوروں کو روزی پہنچاتا ہے وہ کیا اپنے وفادار عاشقوں کو نہ پہنچائے گا۔ رازق حقیقی تو وہی ہے۔ کتنے جانور ہیں جو اپنی روزی کمر پر لادے نہیں پھرتے۔ پھر بھی رازق حقیقی روزانہ انہیں روزی پہنچاتا ہے ہر ایک کا ظاہر و باطن اس کے سامنے ہے۔ وہ سب کی سنتا اور سب کو دیکھتا ہے۔ پس جو لوگ اس کی راہ میں نکلے ہیں وہ انہیں ضائع نہیں کریگا۔ ہاں مگر اللہ کے جو نیک بندے ہیں ضروری نہیں کہ سارے تکوینی حالات ان کی اپنی مرضی کے مطابق ہی پیش آئیں۔ اس لئے وہ بے صبری کے بجائے صبر سے کام لیتے ہیں۔ اور ہر چھوٹے بڑے کام میں وہ اللہ ہی پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں۔ وہ سب کو دیتا ہے۔ مگر جتنا وہ چاہے نہ جتنا کہ تم چاہو۔ اور یہ پتہ اسی کو ہے کہ کس کو کتنا دینا چاہئے۔ یہ ناپ تول اسی کے پاس ہے۔ اس کا اپنے بندوں سے تعلق صرف معاد ہی کا نہیں۔ بلکہ ناسوتی زندگی کی ایک ایک جزئی اس سے وابستہ ہے۔

دنیا کی چمک دمک ایک خواب ہے: .... وہ بارش برساتا ہے مگر ہر جگہ برابر نہیں۔ ایک ایک قطرہ کی ضرورت اور مصلحت اس کے سامنے ہے۔ اسی طرح سے اسے لوگوں کی حالت بدلتے دیر نہیں لگتی۔ ذرا سی دیر میں وہ تاج اتار کر سر پر ٹوکری رکھ دے اور ٹوکری اتار کر تاج رکھ دے۔ تخت سے تختہ پر اور تختہ سے تخت پر پہنچا دے۔ اس لئے دانشمند کو چاہئے کہ یہاں کی چند روزہ چمک دمک کا اعتبار نہ کرے۔ اخروی زندگی کی فکر کرے جو دائمی اور پائدار ہے۔ دنیا کے کھیل تماشہ میں گم نہ ہو جائے۔ بلکہ دنیاوی زندگی کو آخرت کا توشہ بنائے۔ یہ لوگ تکوینیات میں اس کی یگانگت کو اس کی معبودیت اور الوہیت میں یگانگت کا وسیلہ کیوں نہیں بنا لیتے۔ جب اس کے سوا کوئی خالق، مالک اور پالنہار نہیں۔ تو اس کے سوا الٰہ کیوں ہو۔ پس تمہارے اقرار خالقیت سے اس شرک کی تو جڑ کٹ جانی چاہئے۔ کہ بارش کا ایک دیوتا ہے اور زراعت کا ایک دیوتا ہے۔

دنیا کے عیش میں پڑ کر آخرت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ مگر لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب جہاز طوفان میں گھر جائے تو پکے سے پکا ملحد بھی اللہ کو پکارنے لگتا ہے اور طوفان سر سے ٹلا اور خشکی پر قدم رکھا۔ پھر اللہ سے منہ موڑ کر لگے چھوٹے معبودوں کی پوجا پاٹ کرنے، اس

سے بڑھ کر کفران نعمت اور کیا ہوگا۔ اچھا دنیا کے مزے اڑالو۔ جلد ہی پتہ لگ جائے گا۔

آیت اولم یروا الخ میں مکہ والوں کی احسان فراموشی کا ذکر ہے کہ سارا عرب فتنہ وفساد کی آماجگاہ بنا رہتا ہے مگر اللہ کا گھر ان کی مکمل پناہ گاہ ہے۔ پھر بھی اللہ کے سچے احسان سے مکر کر بتوں کے جھوٹے احسانات کے تلے دبے رہتے ہیں۔ دنیا میں سب سے بڑی ناانصافی یہ ہے کہ کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے اور اس کی طرف ایسی باتیں منسوب کرے جو اس کے شایان شان نہیں۔ یا پیغمبروں کی سچائی کو سنتے ہی جھٹلانا شروع کردے۔ کیا ان ظالموں کو معلوم نہیں کہ ان منکروں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ ہاں! یہ لوگ اللہ کے لئے محنت ومشقت اٹھاتے ہیں، سختیاں جھیلتے ہیں۔ اللہ انہیں ایک خاص نور بصیرت عطا فرماتا ہے اور اپنے رضوان وجنت کی راہیں سجھاتا ہے۔ اللہ کی حمایت ونصرت نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

لطائف سلوک: .... آیت وما هٰذه الحيٰوة الدنيا دنیا سے زہد اور آخرت کی رغبت میں واقع ہے اور یہ کہ جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دے وہ جاہل ہے۔

آیت فاذا رکبوا الخ میں یہ دعا اگر خلوص دل سے نہیں تو معلوم ہوا کہ عمل کی نری صورت کافی نہیں ہے۔ اور خلوص دل سے اگر دعا ہے تو معلوم ہوا کہ کوئی عمل بلا استقامت کافی نہیں۔

آیت الذین جاهدوا سے معلوم ہوا کہ مجاہدہ مفتاح مشاہدہ ہے۔

تتمہ از روح المعانی: .... احسب الناس الخ ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ کی محبت کا دعویٰ کرنے والے یہ گمان نہ کریں کہ انہیں آزمایا نہیں جائے گا۔ اور انہیں ظاہری اور باطنی بلاؤں میں ڈالا نہیں جائے گا۔

ومن الناس من يقول میں جھوٹے دعوائے محبت کرنے والوں کی حالت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگوں کی تکالیف سے گھبرا کر محبت سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔

فابتغوا عندالله الرزق سہلؒ فرماتے ہیں کہ رزق کو کسب کی بجائے توکل میں تلاش کرنا چاہئے۔ کیونکہ کسب میں رزق کی تلاش عوام کا مشغلہ ہے۔

انی مهاجر الی ربی یعنی خودی کو چھوڑ کر خدا ملتا ہے۔

وتاتون فی نادیکم المنکر حضرت جنیدؒ کا ارشاد ہے کہ ذکر کے علاوہ کسی چیز پر لوگ جمع ہوں تو وہ منکر ہے۔

مثل الذين اتخذوا ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کی سوا کسی چیز پر اعتماد کرے گا تو اس میں اس کی ہلاکت ہے۔

وتلك الا مثال نضربها میں اشارہ ہے کہ دقائق معارف کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو صاحب حال اور اللہ کی ذات وصفات اور شیون سے باخبر ہوں۔

بل هو ایات بینات میں اشارہ ہے کہ حقائق قرآن کے محاسن صرف عارفین اور علمائے ربانیین کی ارواح پر منکشف ہوتے ہیں۔

یاعبادی الذین حضرت سہلؒ فرماتے ہیں کہ برائیوں کے اڈوں کو چھوڑ کر نیکیوں کے مقامات کی طرف چلا جانا چاہئے۔

کل نفس ذائقة الموت معلوم ہوا کہ موت کے ڈر سے سفر چھوڑنا نہیں چاہئے۔

وکاین من دابة زاد راہ اور توشہ نہ ہونے یا نہ اٹھا سکنے کی وجہ سے بھی سفر ترک نہ کرنا چاہئے۔

سُوْرَةُ الرُّوْمِ

سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتُّوْنَ اَوْتِسْعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **غُلِبَتِ الرُّوْمُ**﴿۲﴾ وَهُمْ اَهْلُ كِتَابٍ غَلَبَتْهَا فَارِسٌ وَلَيْسُوْا اَهْلَ كِتَابٍ بَلْ يَعْبُدُوْنَ الْاَوْثَانَ فَفَرِحَ كُفَّارُ مَكَّةَ بِذٰلِكَ وَقَالُوْا لِلْمُسْلِمِيْنَ نَحْنُ نَغْلِبُكُمْ كَمَا غَلَبَتْ فَارِسُ الرُّوْمَ **فِيْ اَدْنَى الْاَرْضِ** اَيْ اَقْرَبَ اَرْضِ الرُّوْمِ اِلٰى فَارِسَ بِالْجَزِيْرَةِ اِلْتَقٰى فِيْهَا الْجَيْشَانِ وَالْبَادِئُ بِالْغَزْوِ الْفُرْسُ **وَهُمْ** اَيِ الرُّوْمُ **مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ** اُضِيْفَ الْمَصْدَرُ اِلَى الْمَفْعُوْلِ اَيْ غَلَبَةُ فَارِسَ اِيَّاهُمْ **سَيَغْلِبُوْنَ**﴿۳﴾ فَارِسَ **فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ** ۵ هُوَ مَا بَيْنَ الثَّلَاثِ اِلَى التِّسْعِ اَوِ الْعَشْرِ فَالْتَقَى الْجَيْشَانِ فِي السَّنَةِ السَّابِعَةِ مِنَ الْاِلْتِقَاءِ الْاَوَّلِ وَغَلَبَتِ الرُّوْمُ فَارِسَ **لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ** ط اَيْ مِنْ قَبْلِ غَلَبَةِ الرُّوْمِ وَمِنْ بَعْدِهٖ الْمَعْنٰى اَنَّ غَلَبَةَ فَارِسَ اَوَّلًا وَغَلَبَةَ الرُّوْمِ ثَانِيًا بِاَمْرِ اللّٰهِ اَيْ اِرَادَتِهٖ **وَيَوْمَئِذٍ** اَيْ يَوْمَ تَغْلِبُ الرُّوْمُ **يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ**﴿۴﴾ **بِنَصْرِ اللّٰهِ** ط اِيَّاهُمْ عَلٰى فَارِسَ وَقَدْ فَرِحُوْا بِذٰلِكَ وَعَلِمُوْا بِهٖ يَوْمَ وُقُوْعِهٖ يَوْمَ بَدْرٍ بِنُزُوْلِ جِبْرَئِيْلَ بِذٰلِكَ فِيْهِ مَعَ فَرْحِهِمْ بِنَصْرِهِمْ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ فِيْهِ **يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ** الْغَالِبُ **الرَّحِيْمُ**﴿۵﴾ بِالْمُؤْمِنِيْنَ **وَعْدَ اللّٰهِ** مَصْدَرٌ بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ بِفِعْلِهٖ وَالْاَصْلُ وَعَدَهُمُ اللّٰهُ النَّصْرَ **لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ** بِهٖ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** اَيْ كُفَّارَ مَكَّةَ **لَا يَعْلَمُوْنَ**﴿۶﴾ وَعْدَهٗ تَعَالٰى بِنَصْرِهِمْ **يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** ج اَيْ مَعَايِشَهَا مِنَ التِّجَارَةِ وَالزِّرَاعَةِ وَالْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ**﴿۷﴾ اِعَادَةُ هُمْ تَاكِيْدٌ **اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ** قف لِيَرْجِعُوْا عَنْ غَفْلَتِهِمْ **مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى** ط لِذٰلِكَ تَفْنٰى عِنْدَ انْتِهَائِهٖ وَبَعْدَهُ الْبَعْثُ

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ اَیْ کُفَّارُ مَکَّۃَ **بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ** ﴿۸﴾ اَیْ لَایُؤْمِنُوْنَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ **اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** ؕ مِنَ الْاُمَمِ وَهِیَ اِهْلَاکُهُمْ بِتَکْذِیْبِهِمْ رُسُلَهُمْ **كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً** کَعَادٍ وَثَمُوْدَ **وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ** حَرَثُوْهَا وَقَلَّبُوْهَا لِلزَّرْعِ وَالْغَرْسِ **وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا** اَیْ کُفَّارُ مَکَّۃَ **وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ** ؕ بِالْحُجَجِ الظَّاهِرَاتِ **فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ** بِاِهْلَاکِهِمْ بِغَیْرِ جُرْمٍ **وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ** ﴿۹﴾ بِتَکْذِیْبِهِمْ رُسُلَهُمْ **ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى** تَانِیْثُ الْاَسْوَءِ الْاَقْبَحِ خَبَرُ کَانَ عَلٰی رَفْعِ عَاقِبَةُ وَاِسْمُ کَانَ عَلٰی نَصَبِ عَاقِبَةَ وَالْمُرَادُ بِهَا جَهَنَّمُ وَاِسَاءَتُهُمْ **اَنْ** اَیْ بِاَنْ **كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** الْقُرْاٰنِ **وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ** ﴿۱۰﴾ ع

ترجمہ: ....سورۃ الروم مکی ہے جس میں ۶۰ یا ۵۹ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

الــم (اس کی قطعی مراد اللہ کو معلوم ہے) رومی لوگ مغلوب ہو گئے (یہ اہل کتاب تھے جن پر فارس کے لوگ غالب آ گئے تھے جو کتابی نہیں تھے بلکہ آتش پرست تھے جس پر کفار مکہ نے خوشیاں منائیں اور مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ جس طرح فارسی رومیوں پر غالب آ گئے ہم بھی تم پر غالب آ کر رہیں گے) قریب ہی کی سرزمین میں (یعنی یہ رومی خطہ بہ نسبت فارسیوں کے عرب سے قریب تر تھا جو ایک جزیرہ کی صورت میں تھا۔ وہاں دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی اور حملہ کی ابتداء فارسیوں کی طرف سے ہوئی) اور وہ (رومی) اپنے مغلوب ہونے کے بعد (**غلب** مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی فارسیوں کے رومیوں پر غلبہ کے بعد) عنقریب (فارسیوں پر) غالب آ جائیں گے چند سال میں (تین سال سے لے کر نو یا دس سال کے عرصہ میں۔ چنانچہ ساتویں سال پھر آویزش ہوئی اور رومی فارسیوں پر غالب آ گئے) اللہ ہی کے لئے پہلے بھی اختیار تھا اور بعد میں بھی اسی کا اختیار ہے (یعنی رومیوں کے غلبہ سے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ حاصل یہ ہے کہ پہلے حملہ میں فارسیوں کی کامیابی اور دوسرے حملہ میں رومیوں کی کامیابی اللہ ہی کے حکم اور ارادہ سے ہوئی ہے) اور اس روز (جب رومی کامیاب ہوں گے) مسلمان خوش ہوں گے اللہ کی امداد پر (جو رومیوں کی فارسیوں کے مقابلہ میں ہوئی ہے۔ چنانچہ غزوۂ بدر کے موقع پر جب مسلمانوں کو مشرکین مکہ کے مقابلہ میں فتح ہوئی تو جبرائیلؑ رومیوں کے غلبہ کی خبر لائے تو مسلمانوں کو بڑی شادمانی ہوئی) اللہ جسے چاہے غالب کر دیتا ہے وہ زبردست (غالب) ہے (مسلمانوں پر) بڑا مہربان ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے (یہ مصدر لفظی طور پر بجائے فعل کے ہے۔ اصل عبارت **وعدهم الله النصر** تھی) اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کیا کرتا۔ البتہ اکثر (کفار مکہ میں سے) نہیں جانتے (اللہ کے وعدہ مدد کو) یہ لوگ صرف دنیاوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں (یہاں کی معاشیات، تجارت، زراعت، عمارت، باغبانی وغیرہ کو) اور آخرت سے یہ لوگ بے خبر ہیں (لفظ ہم کا تکرار تاکید کے لئے ہے) کیا انہوں نے اپنے دلوں میں غور نہیں کیا (تاکہ غفلت سے باز رہتے) کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے کسی حکمت ہی سے اور ایک مقررہ میعاد تک کے لئے پیدا کیا ہے (اسی لئے مدت پوری ہونے پر دنیا ختم ہو جائے گی اس کے بعد قیامت ہے) اور کثرت سے (مکہ کے باشندے) اللہ کی ملاقات کے منکر ہیں (یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو نہیں مانتے) کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں۔ جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا کیا انجام ہوا؟ (پچھلی قوموں کو ان کے پیغمبروں کے جھٹلانے کی وجہ سے تباہ کر دیا گیا) وہ ان سے طاقت میں بڑھے ہوئے تھے (جیسے: قوم عاد و ثمود) انہوں نے زمین کو بویا جوتا (کاشت کی اور زمین کو زراعت اور باغبانی کے لئے گاہا) اور اسے آباد کیا تھا اس سے زیادہ جتنا انہوں نے (کفار مکہ نے) آباد کر رکھا ہے اور ان کے ہاں بھی ان کے پیغمبر معجزے (کھلی نشانیاں) لے کر

آئے تھے۔ سواللہ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرتا (بے قصور انہیں ہلاک کر دیتا) لیکن وہ تو خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے (اپنے پیغمبروں کو جھٹلا کر) پھران لوگوں کا انجام جنہوں نے برا کیا تھا برا ہی ہوا (لفظ سوء ا۔ اسوء کامؤنث ہے بمعنی اقبح اور عــاقبة کو مرفوع پڑھنے کی صورت میں اسوء۔ کان کی خبر ہوگا اور عاقبة منصوب پڑھنے کی صورت میں کان کا اسم ہوگا اس سے مراد جہنم اور اس کی برائی ہے اور یہ برائی) اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ کی آیات (قرآن) کو جھٹلایا اور ان کا مذاق اڑاتے رہے۔

تحقیق وترکیب:............ **سورة الروم.** یہ مبتداء ہے اور ستون خبر اول اور مکیۃ خبر ثانی ہے۔

بالجزيرة. جزیرۂ عرب مراد نہیں۔ بلکہ دجلہ اور فرات کے درمیان ایک ٹاپو مراد ہے۔ **ای ارض الروم الكائنة بالجزيرة. البادى بالغزو.** یعنی حملہ میں پہل فارسیوں نے کی تھی۔

من بعد غلبهم ای من بعد مغلوبيتهم. اور فاعل مقدر کی طرف مفسر علامؒ نے **غلبة فارس اياهم** سے اشارہ کر دیا ہے۔

مــن الا لتـقـاء الاول. اگر رومیوں اور فارسیوں کے درمیان پہلی جنگ ہجرت سے پانچ سال پہلے مانی جائے تو دوسری جنگ غزوۂ بدر کے موقعہ پر ہوئی ہے اور پہلی جنگ ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی ہوگی۔ تو دوسری جنگ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوئی ہوگی اور دوسری جنگ میں ڈیڑھ ہزار فوج سے رومیوں نے حملہ کر کے فارسیوں پر کامیابی حاصل کی ہے۔

من قبل ای من قبل كل شئ ومن بعد كل شئ اوحين غلبو او حين يغلبون بہر حال کلی اختیار اللہ کو ہے

تلك الا يام ندا ولها بين الناس اور المعنى سے مفسر علامؒ ایک شبہ کا جواب دے رہے ہیں۔ اشکال یہ ہے کہ **غلبت الروم** کی بعد **سيغلبون** کہنے سے خود سمجھ میں آ گیا کہ فارسیوں کی مغلوبیت ان کے غلبہ کے بعد ہوگی۔ پھر **من بعد ای من بعد غلبة الروم** کہنے سے کیا فائدہ ہے؟...... جواب یہ ہے کہ اس میں خالص اللہ کی قدرت کے کرشمہ کو بیان کرنا ہے کہ رومیوں کا غلبہ ان کی اپنی شوکت کے سبب نہیں ہوا۔ وہ تو ضعیف ہی تھے۔ مگر اللہ نے پہلی کمزوری کے وقت شکست دی اور بعد میں کمزوری کے باوجود انہی کو فتح عنایت فرما دی۔ حضرت ابن عمرؓ، ابوسعید خدریؓ اور حسن نے **غلبت الروم** اور **سيغلبون** پڑھا ہے۔ اب معنی یہ ہوں گے کہ رومی اگر چہ دوسری جنگ میں فارسیوں کے مقابلہ میں غالب آ گئے۔ مگر عنقریب چند سال میں مسلمانوں کے مقابلہ میں پھر شکست کھائیں گے اور مسلمان غالب ہو جائیں گے۔ چنانچہ غزوہ موتہ کے موقع پر ۸ھ میں مسلمان رومیوں کے مقابلہ میں فاتح بنے۔ اور ان دونوں قراءتوں میں تطبیق بھی ہوسکتی ہے کہ یہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہو۔ مکہ میں تو **غُلبت** ضمہ کے ساتھ اور غزوۂ بدر کے موقعہ پر **غَلَبت** کے لفظ سے۔

وعد الله یعنی لفظی طور سے یہ مصدر بجائے فعل کے ہے۔ جیسے کہا جائے۔ **على الف عرفاً ای اعترفت له بها. اعترافاً.**

لا يعـلـمون. یہ بمنزلہ لازم کے بھی ہوسکتا ہے کہ مفعول کی حاجت نہ ہو۔ نیز مفعول عام بھی فعل متعدی ہونے کی صورت میں مانا جاسکتا ہے **ای لا يعـلـمون شيئاً** مفسر علامؒ کی عبارت **وعـده تـعـالىٰ بنصر هم** بھی اسی قبیل سے ہے اور مفعول محذوف کی یہ تقدیر استدراک کے مناسب ہے۔

هـم غـفلون. یہ تکرار مفید تاکید لفظی ہے کہ یہ لوگ معدن غفلت ہیں مقصود تاکید لفظی سے مجاز یا تخصیص کو دفع کرنا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دوسرا **هم** مبتداء اور **غفلون** خبر پھر جملہ پہلے **هم** کی خبر ہو۔

مــا خـلـق الله ما نافیہ ہے اور اس جملہ میں دو توجیہیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ جملہ مستانفہ ہو پہلے جملہ سے بے تعلق دوسرے یہ کہ **يتـفـكـر** سے متعلق ہو اور حذف جار کے ساتھ محل نصب میں ہو اور **مـا** کو استفہامیہ بمعنی نفی ماننا ضعیف ہے۔ تاہم دونوں مذکورہ وجوہ اس میں بھی جاری ہوسکتی ہیں اور **بالحق** سبب ہے یا حال بمعنی امر واقعی۔

اثاروا۔ اثارہ کے معنی پلٹنے اور تغیر کرنے کے ہیں۔

فما کان اللہ لیظلمھم۔ یعنی اللہ حقیقۃً تو ظالم ہے ہی نہیں۔ صورۃً بھی ظالم نہیں ہے۔ بالفرض اگر وہ بلاقصور سزا بھی دے دے کیونکہ وہ مالک مختار ہے۔ جو کچھ اپنے اوپر پابندی اللہ نے عائد کر رکھی ہے وہ از راہ فضل و کرم ہے۔

السوائی۔ یہ اسوء کا مؤنث ہے جیسے حسنی احسن کا مؤنث ہے۔ نافعؒ، ابن کثیرؒ، ابو عمرؒ نے عاقبۃ کو مرفوع پڑھا ہے اس وقت کان کا اسم ہوگا۔ اور فعل مذکر لایا گیا ہے۔ کیونکہ السوای مؤنث مجازی ہے۔ کان کی خبر میں دو صورتیں ہوں گی۔ ایک یہ کہ السوای خبر ہو ای الفعلۃ السوء کی۔ دوسرے یہ کہ ان کذبوا خبر ہو ای آخر امر ھم التکذیب لیکن پہلی صورت میں پھر ان کو کذبوا میں دو صورتیں ہو جائیں گی۔ ایک یہ کہ لام علت یا سببیہ حروف جر محذوف ہوں۔ دوسرے یہ کہ السوی سے بدل ہو اور سوی اس صورت میں اساء کا مصدر ہوگا اور مصدر محذوف کی صفت بھی بن سکتا ہے ای اساؤ االفعلۃ اور عاقبۃ منصوب ہے باقی قراء کے نزدیک کان کی خبر ہونے کی وجہ سے پھر اسم میں دو صورتیں ہوں گی۔ ایک السوی ای کانت الفعلۃ السوی عاقبۃ المسیئین وان کذبوا۔ دوسرے یہ کہ ان کذبوا اسم ہو اور السوی میں سابقہ دونوں صورتیں ہوں۔

اساء تھم ان کذبوا۔ ای حصلت لھم الا ساء ۃ بسبب تکذیبھم الایات۔ مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے کہ بتقدیر با محذوف کی خبر ہے اور بعض کے نزدیک علت یا عطف بیان یا سوء کا بدل بھی ہوسکتا ہے۔

ربط: .... سورۂ روم میں متعدد مضامین بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ پچھلی سورت کے آخر میں کفار سے مسلمانوں کو جو تکالیف پیش آئیں اس مجاہدہ کی فضیلت بیان ہوئی تھی۔ یہاں پہلے مسلمانوں کی خوشی کے لئے رومیوں کی فتح کی پیشگوئی کی جارہی ہے جس میں رنج کا ازالہ بھی ہے اور ساتھ ہی مسلمانوں کی فتح کی بشارت بھی ہے اور یہ پیشگوئی ایک نشان عظیم ہے آنحضرت ﷺ کی رسالت کا۔

۲۔ کافروں کا عناد اور ضد اور کفر و تکذیب پر ڈانٹ ڈپٹ اور اس کو مؤثر بنانے کے لئے پچھلے مکذبین کی بدانجامی۔

۳۔ قیامت اور اس کے احوال و اہوال کا تذکرہ جس سے مضمون ثانی کی تقویت ہو رہی ہے۔

۴۔ توحید اور اس کے دلائل۔

۵۔ حقوق توحید سے متعلق بعض ضروری اعمال فرعیہ کا ذکر ہے۔ پھر آخر میں ان بلیغ مضامین سے کفار کے متاثر نہ ہونے پر آنحضرت ﷺ کی تسلی کی جارہی ہے۔

شان نزول: .... آیت الم کا زمانہ نزول ہجرت سے پہلے ۶ ھ یا ۷ ھ یعنی ۶۱۵ ھ یا ۶۱۶ ھ ہے۔ "روم" سے مراد "قدیم" رومن امپائر کا وہ مشرقی حصہ ہے جو ۳۹۵ء کو اس سے کٹ کر خود ایک مستقل سلطنت بن گیا تھا۔ مسیحیوں کے قبضہ میں یہ سلطنت ۱۴۵۴ء تک رہی۔ اس کے بعد ترکوں کے قبضہ میں آ گئی۔ جس کا دارالسلطنت استنبول یا قسطنطنیہ تھا اور اس کا قدیم نام "جدید رومہ" بھی ہے۔ ایشیائے کوچک کے علاقے سب اسی میں شامل تھے۔ ۶۱۴ء میں مسیحی رومیوں کو ایرانی مجوسیوں کے مقابلہ میں سخت ہزیمت اٹھانی پڑی تھی۔ آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ایرانی مجوسیوں کا مذہب چونکہ مشرکین عرب سے ملتا جلتا تھا اور دونوں رسالت کے قائل نہ تھے۔ اس لئے قدرتاً اہل مکہ اپنے ہم مذہب لوگوں کی فتح کو اپنی فتح سمجھ کر بڑے خوش ہوئے اور چرچے کرنے لگے کہ جس طرح ایرانی دیوتاؤں کے ماننے والوں کو رومی عیسائیوں کے مقابلہ میں فتح ہوئی ہے اسی طرح ہم مسلمانوں کے مقابلہ میں کامیاب ہوں گے۔ مسلمانوں کی

ہمدردی قدرتاً رومی عیسائیوں کے ساتھ اور مشرکین کی ہمدردی ایرانیوں کے ساتھ تھی۔ لیکن قرآن کریم نے دعویٰ کے ساتھ یہ پیشگوئی کردی کہ کافر اس نتیجہ جنگ پر خوش نہ ہوں۔ نو سال کی قلیل مدت کے اندر اندر پانسہ پلٹنے والا ہے۔ آج جو فاتح نظر آ رہے ہیں وہ مفتوح ہوکر رہیں گے۔ یہ پیشگوئی اگرچہ اس وقت کی جنگی صورت حال کے بالکل منافی تھی۔ کیونکہ ادھر تو فرمانروائے روم کا عہد حکومت بے تدبیری اور بداقبالی کا شکار تھا۔ افسران فوج نااہل، خزانہ خالی، بہادر اور تجربہ کار فوج کا قحط۔ اور ادھر شاہنشاہ ایران خسرو دوم کی اقبال مندی عروج پر تھی۔ اور ملکی، سیاسی، اقتصادی، معاشرتی حالت اوج پر تھی۔ غرض ظاہری اسباب وحالات تمام رومیوں کے خلاف تھے اور بڑے بڑے جنگی مبصروں کی پیشگوئیاں اور قیاس آرائیاں رومیوں کے خلاف ہی تھیں۔ مگر ایسے میں قرآن نے ڈنکے کی چوٹ پر نقشہ جنگ پلٹنے کا اعلان کرکے تہلکہ مچادیا اور مخالفین کی صفوں میں کھلبلی مچادی۔ چنانچہ شکست کے ساتویں سال ۶۲۲ء میں یکا یک حالات نے پلٹا کھایا۔ ہرقل سنبھلا اور بجائے مدافعانہ کسی کارروائی کے اب ایران میں جارحانہ کارروائی شروع کردی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایران کی قسمت پلٹ گئی ۶۲۴ء میں اس کی قوت بالکل ٹوٹ کر رہ گئی۔ یہاں تک کہ ایرانیوں کے مقدس ترین آتش کدے برباد ہونے لگے اور خود شہنشاہ کو بھاگنا پڑا۔

﴿ تشریح ﴾: .... الم مقطعات قرآنیہ کے سلسلہ میں یہاں امام رازیؒ نے ایک اچھی بات لکھی ہے کہ عام طور سے مقطعات قرآنیہ کے فوراً بعد قرآن یا کتاب یا تنزیل کا ذکر آیا ہے۔ لیکن تین مقام اس سے مستثنیٰ ہیں۔

نکتۂ نادرہ: .... منجملہ ان کے ایک موقعہ یہ ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ قرآن کتاب یا تنزیل کے الفاظ اس کی شان اعجاز ظاہر کرنے کے لئے لائے گئے ہیں۔ مگر یہاں چونکہ خود پیشگوئی کا حرف بحرف پورا ہونا ایک عظیم الشان اعجاز ہے۔ اس لئے ان الفاظ کے لانے کی چنداں حاجت نہیں رہی۔

ادنی الارض سے مراد ''اذرعات وبصریٰ'' کے درمیان کا خطہ ہے جو شام کی سرحد پر حجاز سے ملتا ہوا مکہ کے قریب پڑتا ہے یا فلسطین مراد ہے جو رومیوں کے ملک سے قریب تھا۔ یا ''جزیرہ ابن عمر'' مراد ہے جو ایران سے قریب تر تھا ابن حجرؒ پہلے قول کی تصحیح کررہے ہیں۔

جانبین سے شرط لگانا قمار ہے: .... حدیث میں بضع کا لفظ تین سے نو تک بولا گیا ہے۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے سلسلہ میں ابی بن خلف نے حضرت ابوبکرؓ سے شرط کرنی چاہی۔ اس وقت چونکہ ایسی شرط لگانا جائز تھا۔ اس لئے صدیق اکبرؓ نے جوش یقین میں اپنی رائے سے دس اونٹوں کی شرط تین سالہ مدت کے لئے کرلی۔ مگر آنحضرت ﷺ کو جب معلوم ہوا تو فرمایا تم نے تین سال کی کم مدت کیوں رکھی۔ زائد مدت مدت نو سال کیوں نہ رکھی۔ بالآخر مدت بھی بڑھائی گئی اور مقدار انعام بھی سو اونٹ ہوئے۔ ادھر ہرقل شاہ روم نے نذر اور منت مانی کہ اگر اللہ نے مجھے ایران پر فتح دے دی تو حمص سے پیدل چل کر ایلیا۔ بیت المقدس حاضری دوں گا۔ امام طحاویؒ اور امام ترمذیؒ نے انہ کان قبل تحریم القمار کے الفاظ فرمائے ہیں۔ اس لئے اس واقعہ سے دارالحرب میں عقود فاسدہ کے جواز پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

رومیوں اور ایرانیوں کی جنگ کا انجام: .... واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ کی دو بھاری سلطنتیں ایران و روم زمانہ دراز سے آپس میں ٹکراتی چلی آ رہی تھیں ۶۰۲ء سے ۶۱۴ء تک ان کی حریفانہ نبرد آزمائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ ادھر ۵۷۰ء کو آنحضرت ﷺ کی ولادت ہوئی اور ۶۱۰ء میں چالیس سال بعد آپ ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا۔ روم وفارس کی جنگی اطلاعات مکہ میں آتی رہتی تھیں۔ اسی دوران اسلامی تحریک نے ان جنگی خبروں میں اہل مکہ کے لئے ایک خاص دلچسپی پیدا کردی۔ مشرکین ایرانی مجوسیوں کو مذہباً اپنے قریب سمجھ کر ان کی فتح سے شاداں ومسرور ہوئے اور اس سے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے غلبہ کی فال لینے لگے اور خوش آئند خواب دیکھنے لگے۔ جس سے مسلمانوں کو ایک گونہ طبعی صدمہ ہوا کہ وہ مذہباً بہ نسبت مشرکین کے ان سے قریب تھے اور یوں بھی انہیں مشرکین

کے ہدف کا نشانہ بننا پڑے گا۔ آخر ولادت نبوی کے پینتالیس سال بعد اور ہجرت سے پانچ سال پہلے ۶۱۵ تا ۶۱۶ء میں خسرو پرویز نے روم کو ایک تباہ کن اور فیصلہ کن شکست دے دی۔ ایشائے کوچک کے تمام ممالک رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے اور شاہ روم کو قسطنطنیہ میں پناہ گزین ہونے پر مجبور کر دیا۔ بڑے بڑے پادری مارے اور پکڑے گئے۔ عیسائیوں کی سب سے مقدس صلیب بھی ایرانی فاتحین بیت المقدس سے لے اڑے اور رومیوں کا اقتدار بالکلیہ فنا ہو گیا اور پھر ان کے ابھرنے کے لئے امید کی بظاہر کوئی کرن بھی باقی نہ رہی۔

بدر کی کامیابی اور رومیوں کی فتح سے مسلمانوں کی دوہری خوشی: .... مگر خدا کی قدرت کہ قرآنی پیشگوئی کے مطابق نو سال کے اندر اندر عین بدر کے دن ایک طرف مسلمان مشرکین کے مقابلہ میں نمایاں کامیابی حاصل کر رہے تھے اور خوشیاں منا رہے تھے۔ دوسری طرف اس خوشی نے ان کی مسرت میں اضافہ کر دیا اور آنحضرت ﷺ اور قرآن کی حیرت ناک صداقت کا ظہور ہو گیا۔ بہت سے لوگوں نے یہ دیکھ کر اسلام قبول کر لیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے شرط کے مطابق سو اونٹ وصول کر لئے اور آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق صدقہ کر ڈالے۔ لیکن اسی کے ساتھ اس واقعہ میں ایک اور بشارت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ گو آج رومیوں کو ایرانی فوج پر فتح ہو رہی ہے اور مسلمانوں کو مشرکین پر لیکن وہ وقت دور نہیں کہ ان رومیوں کو پھر شکست سے دو چار ہونا پڑے گا اور مسلمان ان کے مقابلہ میں فاتح بنیں گے۔ ترتیب کیا خوب کہ پہلے مذہباً دور کے دشمنوں سے فراغت حاصل ہو گی۔ پھر نیم ہم مذہب لوگوں سے نبٹا جائے گا۔ چنانچہ دور فاروقی میں مسلمانوں نے رومیوں پر فوج کشی کر کے سارا شام و فلسطین قبضہ میں لے لیا۔ کوئی اس انقلاب کو دیکھے کہ پہلے ایرانی پھر ان پر رومی پھر ان پر مسلمان درجہ بدرجہ غالب آتے چلے گئے۔

مادی کامیابی معیار حق نہیں: .... اور فاتح مفتوح اور مفتوح فاتح بنا دیئے گئے تو اسے للّٰہ الامر کا عین الیقین اور حق الیقین ہو جائے گا۔ مگر محض اتنی سی بات سے کسی قوم کے مقبول یا مردود ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کبھی تکوینی مصالح اور حکمت مشیت کے تقاضہ سے بھی ہوتا ہے۔ تلك الایام نداولها بین الناس. لیکن حقیقی نصرت وقبولیت کا مدار ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ عزیز اور رحیم دونوں شانیں مقام کے نہایت مناسب ہیں۔ یعنی وہ جسے چاہے مغلوب کر دے کوئی روک ٹوک نہیں کر سکتا اور جس کو چاہے از راہ مہربانی غالب کر دے۔ کس کی مجال ہے کہ چوں کرے۔ اکثر لوگ انسان کے غالب مغلوب کرنے کی مصلحتیں نہیں جانتے۔ وہ اپنی سرسری اور ظاہر بین نظر سے یہی سمجھتے ہیں کہ غالب مقبول الٰہی ہوتا ہے اور مغلوب مردود۔ آخرت تو دور کی بات ہے۔ اتنی دور کیوں جایا جائے۔ قریب دنیا ہی میں دیکھ لیجئے کہ ایک قوم شروع میں عروج حاصل کرتی ہے مگر آخر میں ذلت ونکبت کا شکار ہو جاتی ہے۔ پس کیا اس کو مقبول اور مردود کہہ کر تضاد کو جمع کیا جائے گا؟ اس ظاہری اور عارضی غلبہ کا اعتبار نہیں۔ حقیقی اور پائیدار غلبہ پر نظر رہنی چاہئے۔

دنیا ہی سب کچھ دولت نہیں ہے: .... یعلمون ظاهرا. یہ لوگ دنیوی زندگی اور اس کی ظاہری سطح ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ ان کی ساری عقلیں ساری کوششیں بھی اسی مادی کائنات اور اس کے آئین وقوانین تک محدود ہیں۔ یہاں کا کھانا پینا، پہننا اوڑھنا، بونا جوتنا، کوٹنا پیسنا، پیسہ کمانا، مزے اڑانا بس یہی ان کے علم وتحقیق کی انتہائی پرواز ہے۔ اس کی خبر ہی نہیں کہ اس زندگی کی تہہ میں ایک دوسری زندگی کا راز چھپا ہوا ہے۔ اس مادی زندگی سے آگے اپنے ذہن کو لے جاتے ہی نہیں۔ حالانکہ دائمی زندگی وہی ہے جہاں پہنچ کر اس دنیوی زندگی کے بھلے برے نتائج سامنے آئیں گے۔ ضروری نہیں کہ جو یہاں خوشحال رہا وہ وہاں بھی خوش حال رہے۔

دنیا کی بناوٹ ہی دلیل آخرت ہے: .... اولم یتفکروا. میں دعوت فکر دی جا رہی ہے کہ دیکھو اس کائنات کا اتنا زبردست نظام اللہ نے بیکار نہیں پیدا کیا جو اس سے مقصود ہے وہ آخرت میں جا کر نظر آ جائے گا۔ اس کے تغیرات اور حالات میں

غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ اس کی حد اور انتہا ضرور ہے۔ یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہتا تو ایک بات تھی۔ مگر یہ عالم ایک مقررہ وعدہ پر فنا ہو جائے گا۔ پھر دوسرا عالم نتیجہ کے طور پر قائم کیا جائے گا۔ کائنات کی بناوٹ خود اس کی مقتضی ہے کہ اس کے سلسلہ کی ہر کڑی اختتام کو پہنچے اور انجام کے طور کے لئے ایک دن ہو انسان خود اپنی خلقت میں ہی اگر غور کرتا رہے تو وہ اسے نتیجہ تک پہنچا دینے کے لئے کافی ہے۔ مگر وہ سمجھتا ہے کہ کبھی خدا کے سامنے جانا ہی نہیں جو حساب وکتاب دینا پڑے۔

اولم یسیروا۔ میں یہ بتلانا ہے کہ دنیا میں بڑی بڑی طاقتور قومیں جنہوں نے اپنے دماغ، عقل، ہاتھ، پاؤں کے زور سے طرح طرح کی ایجادات کر کے دنیا کو چار چاند لگائے۔ مکہ کے باشندوں سے زیادہ تمدن کو ترقی دی۔ لمبی عمریں پائیں۔ مگر آج وہ کہاں ہیں؟ ان کا نام ونشان بھی کہیں ہے؟ انہوں نے اللہ کے پیغمبروں، ان کے کھلے کھلے نشانات اور صاف صاف احکام کا مقابلہ کیا۔ تو کس طرح برباد ہوئے۔ ان کے ویران کھنڈرات آج بھی ملک میں چل پھر کر دیکھ سکتے ہو۔ کیا ان بے فکروں کے لئے ان داستانوں میں کوئی عبرت نہیں؟ یہ لوگ خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہیں اور وہ کام کر رہے ہیں جس کا نتیجہ بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ تو اپنی جان پر خود ہی ظلم کرنا ہوا۔ ورنہ اللہ کے عدل وانصاف کا حال تو یہ ہے کہ رسول بھیجے بغیر اور پوری طرح ہوشیار کئے بغیر کسی کو پکڑتا بھی نہیں۔

ثم کان۔ یعنی یہ تو دنیاوی نتیجہ تھا۔ اب آخرت میں جو اس جھٹلانے اور ٹھٹھہ کرنے کی سزا بھگتنی ہوگی وہ الگ رہی۔ غرض کہ قوموں کے احوال سے سبق لینا چاہئے۔ سزا کے معاملے میں بھی اور فنا ہونے میں بھی، ایک قوم کو جو سزا ملی سب کو وہی مل سکتی ہے۔ ایک قوم فنا ہوئی تو سب قومیں بھی فنا ہو سکتی ہیں۔

لطائف سلوک: .... یعلمون ظاھرا۔ میں ان لوگوں کی برائی ہے۔ جو دنیاوی لذات اور مادی حسی چمک دمک تک ہی نظر محدود رکھتے ہیں اور آخرت جو مقصود اصلی ہے اس سے غافل رہتے ہیں ایسے لوگوں کو بقول صاحب روح المعانی محجوبین کہا جاتا ہے۔ ہر ایک چیز کا ایک ظاہر ہوتا ہے۔ جس کا ادراک ظاہری حواس کے ذریعہ ہو جاتا ہے اور دوسرا باطن ہوتا ہے۔ جو بذریعہ عقل ادراک کیا جاتا ہے اور ادراک کا ایک طریقہ عقل سے بھی بالا ہوتا ہے۔ یعنی مکمل تہذیب نفس کے ساتھ مبداء فیاض کے فیضان سے انکشاف ہو جائے۔ یہ ایک ایسی صورت حال ہوتی ہے جسے نہ تو استنباط عقلی کہا جا سکتا ہے اور نہ محال عقلی۔ جیسا کہ بعض حضرات کو وہم ہو گیا ہے۔ بلکہ عقل اس کو تسلیم کر لیتی ہے مگر براہ راست عقل ادراک نہیں کر سکتی۔ یعنی اس باطنی ادراک میں ظاہری ادراک واسطہ نہیں ہوتا بلکہ فیضان الٰہی ہوتا ہے اور یہ سب سے اعلیٰ قسم ہے۔ مگر اس ظاہر سے ظاہر شرع مراد نہیں ہے۔ کیونکہ باطنی ادراکات بالاتفاق ظاہر شرع پر موقوف مانے گئے ہیں۔

اولم یسیروا سے بعض مشائخ کے اس طریقہ کی راہ نکلتی ہے کہ وہ مصالح دینیہ کے پیش نظر سیر وسیاحت کرتے رہتے ہیں۔ البتہ محض حظ نفس کے لئے سیر وسیاحت کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ اَیْ يُنْشِئُ خَلْقَ النَّاسِ **ثُمَّ يُعِيْدُهٗ** اَیْ خَلْقَهُمْ بَعْدَ مَوْتِهِمْ **ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴿۱۱﴾** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ﴿۱۲﴾** يَسْكُتُ الْمُشْرِكُوْنَ لِانْقِطَاعِ حُجَّتِهِمْ **وَلَمْ يَكُنْ** اَیْ لَايَكُوْنُ **لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ** مِمَّنْ اَشْرَكُوْهُمْ بِاللّٰهِ وَهُمُ الْاَصْنَامُ لِيَشْفَعُوْا لَهُمْ **شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا** اَیْ يَكُوْنُوْنَ **بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴿۱۳﴾** اَیْ مُتَبَرِّئِيْنَ مِنْهُمْ **وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ** تَاكِيْدٌ **يَّتَفَرَّقُوْنَ﴿۱۴﴾** اَیِ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْكَافِرُوْنَ **فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ** جَنَّةٍ **يُّحْبَرُوْنَ﴿۱۵﴾** يُسَرُّوْنَ **وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا** الْقُرْاٰنِ **وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ** الْبَعْثِ وَغَيْرِهٖ **فَاُولٰٓئِكَ فِي**

الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ **فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ** اَیْ سَبِّحُوا اللّٰهَ بِمَعْنٰی صَلُّوْا **حِیْنَ تُمْسُوْنَ** اَیْ تَدْخُلُوْنَ فِی الْمَسَاءِ وَفِیْهِ صَلَاتَانِ الْمَغْرِبُ وَالْعِشَاءُ **وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ** ﴿۱۷﴾ تَدْخُلُوْنَ فِی الصَّبَاحِ وَفِیْهِ صَلٰوةُ الصُّبْحِ **وَلَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اِعْتِرَاضٌ وَمَعْنَاهُ یَحْمَدُهٗ اَهْلُهُمَا **وَعَشِیًّا** عَطْفٌ عَلٰی حِیْنٍ وَفِیْهِ صَلٰوةُ الْعَصْرِ **وَّحِیْنَ تُظْهِرُوْنَ** ﴿۱۸﴾ تَدْخُلُوْنَ فِی الظَّهِیْرَةِ وَفِیْهِ صَلٰوةُ الظُّهْرِ **یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ** كَالْاِنْسَانِ مِنَ النُّطْفَةِ وَالطَّائِرِ مِنَ الْبَیْضَةِ **وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ** النُّطْفَةَ وَالْبَیْضَةَ **مِنَ الْحَیِّ وَیُحْیِ الْاَرْضَ** بِالنَّبَاتِ **بَعْدَ مَوْتِهَا** اَیْ یُبْسِهَا **وَكَذٰلِكَ** الْاِخْرَاجِ **تُخْرَجُوْنَ** ﴿۱۹﴾ مِنَ الْقُبُوْرِ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَلِلْمَفْعُوْلِ **وَمِنْ اٰیٰتِهٖ** تَعَالٰی الدَّالَّةِ عَلٰی قُدْرَتِهٖ تَعَالٰی **اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ** اَیْ اَصْلَكُمْ اٰدَمَ **ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ** مِنْ دَمٍ وَّلَحْمٍ **تَنْتَشِرُوْنَ** ﴿۲۰﴾ فِی الْاَرْضِ **وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا** فَخُلِقَتْ حَوَّاءُ مِنْ ضِلَعِ اٰدَمَ وَسَائِرُ النِّسَاءِ مِنْ نُطَفِ الرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ **لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَیْهَا** وَتَالَفُوْهَا **وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ** جَمِیْعًا **مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرِ **لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ** ﴿۲۱﴾ فِیْ صُنْعِ اللّٰهِ تَعَالٰی **وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ** اَیْ لُغَاتِكُمْ مِنْ عَرَبِیَّةٍ وَّعَجَمِیَّةٍ وَّغَیْرِهِمَا **وَاَلْوَانِكُمْ** مِنْ بَیَاضٍ وَسَوَادٍ وَغَیْرِهِمَا وَاَنْتُمْ اَوْلَادُ رَجُلٍ وَاحِدٍ وَامْرَاَةٍ وَاحِدَةٍ **اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ** دَلَالَاتٍ عَلٰی قُدْرَتِهٖ تَعَالٰی **لِّلْعٰلِمِیْنَ** ﴿۲۲﴾ بِفَتْحِ اللَّامِ وَكَسْرِهَا اَیْ ذَوِی الْعُقُوْلِ وَاُولِی الْعِلْمِ **وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ** بِاِرَادَتِهٖ تَعَالٰی رَاحَةً لَّكُمْ **وَابْتِغَآؤُكُمْ** بِالنَّهَارِ **مِّنْ فَضْلِهٖ** اَیْ تَصَرُّفُكُمْ فِیْ طَلَبِ الْمَعِیْشَةِ بِاِرَادَتِهٖ **اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ** ﴿۲۳﴾ سَمَاعَ تَدَبُّرٍ وَاعْتِبَارٍ **وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ** اَیْ اِرَاءَتَكُمُ **الْبَرْقَ خَوْفًا** لِلْمُسَافِرِ مِنَ الصَّوَاعِقِ **وَّطَمَعًا** لِلْمُقِیْمِ فِی الْمَطَرِ **وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا** اَیْ یُبْسِهَا بِاَنْ تُنْبِتَ **اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرِ **لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ** ﴿۲۴﴾ یَتَدَبَّرُوْنَ **وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ** بِاِرَادَتِهٖ مِنْ غَیْرِ عَمَدٍ **ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْاَرْضِ** بِاَنْ یَنْفُخَ اِسْرَافِیْلُ فِی الصُّوْرِ لِلْبَعْثِ مِنَ الْقُبُوْرِ **اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ** ﴿۲۵﴾ مِنْهَا اَحْیَاءً فَخُرُوْجُكُمْ مِنْهَا بِدَعْوَةٍ مِنْ اٰیَاتِهٖ تَعَالٰی **وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** مِلْكًا وَخَلْقًا وَّعَبِیْدًا **كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ** ﴿۲۶﴾ مُطِیْعُوْنَ **وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ** لِلنَّاسِ **ثُمَّ یُعِیْدُهٗ** بَعْدَ هَلَاكِهِمْ **وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ** مِنَ الْبَدْءِ بِالنَّظْرِ اِلٰی مَا عِنْدَ الْمُخَاطَبِیْنَ مِنْ اَنَّ اِعَادَةَ الشَّیْءِ اَسْهَلُ مِنْ اِبْتِدَائِهٖ وَالْاَفْهُمَا عِنْدَهٗ تَعَالٰی سَوَاءٌ فِی السُّهُوْلَةِ **وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اَیِ الصِّفَةُ الْعُلْیَا

وَهِيَ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّاهُوَ وَهُوَ الْعَزِيْزُ فِيْ مُلْكِهٖ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ فِيْ خَلْقِهٖ

ترجمہ: .... اللہ ہی خلق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے (یعنی لوگوں کی پیدائش کی ابتداء وہی کرتا ہے) پھر وہی اسے دوبارہ بھی پیدا کر دے گا (یعنی لوگوں کے مرنے کے بعد انہیں جلائے گا) پھر اسی کے پاس تم لائے جاؤ گے (یہ تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے) اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز مجرم بے آس ہو کر رہ جائیں گے (ان کے پاس دلیل نہ ہونے کی وجہ سے چپ رہ جائیں گی) اور نہیں ہوگا ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں سے (جنہیں ان لوگوں نے خدا کا ساجھی ٹھہرایا تھا یعنی بت تا کہ وہ ان کے سفارشی ہوں) کوئی ان کا سفارشی اور ہو جائیں گے۔ یہ لوگ اپنے شرکاء سے منکر (یعنی ان سے الگ تھلگ) اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز (یہ تاکید ہے) سب لوگ جدا جدا ہو جائیں گے (یعنی مومن اور کافر) چنانچہ جو لوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے اچھے کام کئے تھے وہ تو باغ (جنت) میں مگن (مسرور) ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا اور ہماری (قرآنی) آیات کو اور آخرت کے پیش آنے (بعث وغیرہ) کو جھٹلایا تھا سوایسے لوگ عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ پس تم اللہ کی تسبیح کیا کرو (اللہ کی تسبیح پڑھتے رہو یعنی نماز پڑھا کرو) شام کے وقت (یعنی جب تم شام کرو۔ اس میں مغرب اور عشاء کی نمازیں آ گئیں) اور صبح کے وقت (صبح ہونے پر اس میں نماز فجر آ گئی) اور عام آسمانوں اور زمین میں اس کی حمد ہوتی ہے (یہ جملہ معترضہ ہے یعنی آسمان وزمین میں رہنے والے اسی کی حمد کرتے ہیں اور زوال کے بعد (اس کا عطف لفظ حیـــــن پر ہے اس میں نماز عصر آ گئی) اور ظہر کے وقت بھی (ظہر میں جب آؤ۔ اس میں نماز ظہر آئی) اور وہ جاندار کو بے جان سے باہر نکالتا ہے (جیسے انسان نطفہ سے اور پرند انڈے سے) اور بے جان (نطفہ اور انڈے) کو جاندار سے باہر لاتا ہے اور زندہ کرتا ہے زمین کو (سبزیوں سے) اس کے مردہ (خشک) ہونے کے بعد، اس (نکالنے) کی طرح تم بھی باہر لائے جاؤ گے (قبروں سے۔ تخرجون معروف اور مجہول دونوں طرح ہے) اور اسی کی نشانیوں میں سے (جو اللہ کی قدرت پر رہنمائی کرنے والی ہیں) یہ ہے کہ تمہیں مٹی سے پیدا کیا (یعنی تمہارے باپ آدمؑ کو) پھر تھوڑے ہی روز بعد تم (خون گوشت سے) آدمی بن کر (زمین میں) پھیل گئے اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی ہم جنس بیویاں بنائیں (چنانچہ حوا کو آدم کی پسلی سے اور باقی عورتوں کو مردوں اور عورتوں کے نطفوں سے پیدا کیا تا کہ تم کو ان کے پاس سکون حاصل ہو (ان سے الفت ہو) اور تم میاں بیوی میں (باہمی) محبت اور ہمدردی پیدا کی۔ اس (بیان کردہ بات) میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو (اللہ کی صنعت میں) فکر سے کام لیتے رہتے ہیں اور اسی کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا بنانا ہے اور الگ الگ ہونا ہے تمہاری زبانوں کا (عربی، عجمی وغیرہ زبانیں) اور رنگتوں کا (سفید، سیاہ وغیرہ حالانکہ تم سب ایک جوڑہ کی پیداوار ہو) اس میں نشانیاں (اللہ کی قدرت کی دلیلیں) ہیں دانشوروں کے لئے (یہ لفظ لام کے فتح اور کسرہ کے ساتھ ہے یعنی عقلمند اور اہل علم کے لئے) اور اسی کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا لیٹنا ہے رات اور دن میں (اللہ کے ارادہ سے تمہیں آرام پہنچانے کے لئے) اور (دن میں) تمہارا اللہ کی روزی کو تلاش کرنا ہے (اللہ کے حکم سے طلب معاش کے لئے تمہارے وسائل اختیار کرنا ہے) اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ جو سنتے ہیں (غور اور عبرت کا سننا) اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو دکھلاتا ہے بجلی جس سے (مسافروں کو کڑک سے) ڈر بھی معلوم ہوتا ہے اور (مقیم لوگوں کو بارش کی) امید بھی نظر آتی ہے اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے اور اس سے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے (یعنی سوکھ جانے کے بعد اس میں پیداوار کرتا ہے) اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں (تدبیر کرتے ہیں) اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں (بلاستون محض اس کے ارادہ پر) پھر جب وہ تمہیں پکار کر زمین سے بلائے گا (اس طرح کہ اسرافیل قبروں سے اٹھنے کے لئے صور پھونکیں گے) تو تم یکبارگی نکل پڑو گے (زمین سے زندہ ہو کر۔ سو اللہ کے حکم سے تمہارا زمین سے نکل پڑنا اللہ کی نشانیوں میں سے ہے) اور اسی کے ملک ہیں جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں (مملوک اور مخلوق اور بندے ہیں) سب اسی کے تابع (مطیع) ہیں اور وہ وہی ہے جو اول بار مخلوق (لوگوں) کو پیدا

کرتا ہے پھر وہی دوبار پیدا کرے گا (مرنے کے بعد) اور یہ تو اس کے لئے بہت آسان ہے (بہ نسبت ابتدائی پیدائش کے۔ مخاطبین کے اس نقطہ نظر کی رو سے کہ کسی چیز کا دہرانا بہ نسبت پہلی دفعہ کے سہل ہوا کرتا ہے ورنہ خدا کے لئے تو ابتداء اور اعادہ دونوں سہولت میں یکساں ہیں) اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان اعلیٰ ہے (بلند صفت ہے۔ یعنی یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور وہ (اپنی سلطنت میں) زبردست اور (پیدا کرنے میں) حکمت والا ہے۔

تحقیق وترکیب:............ یبدء الخلق. مضارع قیامت تک فعل خلق کے تجدد کے لئے لایا گیا ہے۔

یبلس. چنانچہ بولتے ہیں ناظرته فابلس. یعنی میں نے اس سے مناظرہ کیا۔ تو ناامید اور لاجواب ہوگیا۔

لمن یکن. مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ معناً ماضی ہے۔ مگر مراد مضارع ہے اور ماضی سے تعبیر کرنا تحقق وقوع کے لئے ہے اور یہی نکتہ بعد کے جملہ یکونون کی بجائے کانوا سے تعبیر کرتے ہیں اور چونکہ ماضی منفی بلم کو مضارع کے معنی میں لیا ہے اسی لئے مضارع پر بجائے لم کے لا کے ساتھ نفی کی گئی ہے۔

یوم تقوم. لفظ یوم دوبارہ تعدیل کے لئے اور سہ بارہ تاکید لفظی کے لئے لایا گیا ہے یا بدل ہے تعدیل کے لئے ہے اور یومئذ پر تنوین جملہ کے عوض میں لائی گئی۔ ای یوم اذ تقوم الساعة.

روضة یحبرون. روضہ باغ کو کہتے ہیں۔ جس میں سرسبزی وشادابی ہوتی ہے اور یحبرون بمعنی یکرمون و ینعمون بما تشبه الا نفس والا عین. قاموس میں ہے۔ والحبرة بالفتح السرور جیسے حبور. والحبرة والحبرة محركة واحبره. روایت میں آتا ہے کہ اہل جنت کو جب سماع کا شوق ہوگا تو ایک ہوا چلے گی۔ اس سے درختوں کی شاخیں لڑیں گی اور چاندی کی گھنٹیوں سے زمزمہ سنجی ہوگی۔

فسبحان الله. یبدء الخلق میں مخلوق چونکہ عام ہے۔ خواہ جنتی خواہ جہنمی۔ اس لئے اس میں اشارہ ہے کہ تسبیح وتحمید ایک کے لئے جنت میں پہنچنے کا اور دوسرے کے لئے جہنم سے نجات کا وسیلہ ہوگی اور ان پانچ اوقات میں چونکہ نعماء الٰہیہ کا خاص طور سے بندوں پر ورود ہوتا ہے۔ اس لئے ان میں پنجگانہ نمازیں مشروع ہوئیں۔ مفسر علامؒ نے فسبحوا سے اشارہ کیا ہے سبحان کے مفعول مطلق اور اس کے عامل ناصب کے واجب الحذف ہونے کی طرف اور بمعنی صلوا سے اشارہ کیا ہے جملہ خبریہ کے معنی انشا ہونے کی طرف۔ حاکم نے تخریج کی ہے کہ نافع بن ازرق نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ پنجگانہ نمازوں کا ذکر قرآن میں ہے؟ انہوں نے استشہاد میں یہی آیت تلاوت فرمائی۔

وله الحمد. جملہ معترضہ ہے اور فی السموات حال ہے حمد سے۔

عشیا. مفسر علامؒ تو اس کا عطف حین پر کر رہے ہیں اور بعض کے نزدیک اس کا عطف فی السموات پر ہے تو اس صورت میں حمد کا عطف ماقبل پر ہوگا۔ البتہ اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ عشیاً ظرف زمان ہے اور فی السموات ظرف مکان اور ان میں سے ایک کا دوسرے پر عطف نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے بہتر یہ ہوگا کہ اس کا عطف مقدر پر کیا جائے ای له الحمد فیها دائماً و عشیاً رہی یہ بات کہ عشاء کا ظہر سے پہلے کیوں ذکر کیا گیا جب کہ اوراوقات کی ترتیب واقعی ہے تو کہا جائے گا کہ یا تو رعایت فاصلہ کی وجہ سے ایسا کیا اور یا پھر کہا جائے کہ چونکہ عصر، ظہر کی نسبت ایسا ہے جیسے مساء بہ نسبت صبح۔ پس جیسے ترتیب وجودی کے لحاظ سے مساء کو صبح پر مقدم کیا گیا ایسے ہی اس نکتہ نسبت کی وجہ سے عشاء کو ظہر پر مقدم کیا گیا ہے۔ البتہ لفظ عشیاً میں اسلوب کی تبدیلی اس لئے ہے کہ اس سے کوئی فعل نہیں آتا جس سے دخول فی العشی کے معنی سمجھ میں آجائیں برخلاف مساء، صباح، ظہیرہ کے۔

وفیه صلوة الظهر. ضمیر فیه کا مرجع ظہیرہ بمعنی چین ہے۔

ثم اذا انتم بشر. لفظ ثم کی مہلت اور ترتیب سے تخلیق کے مراحل اور ادوار کی طرف اشارہ ہے۔

تنتشرون. حال ہے اذا مفاجاتیہ سے اکثر یہ فا تعقیبیہ کے بعد آیا کرتا ہے۔ لیکن یہاں ثم کے بعد انہی تخلیقی ادوار کی طرف

اشارہ کرنے کے لئے لایا گیا ہے یعنی مرحلہ وار اس ترتیب سے گزرتے ہی ایک دم بشریت اور آثار زندگی مرتب ہوجاتے ہیں۔ گویا تراخی رتبی اور مفاجاۃ حقیقی ہے یا دونوں حقیقی ہوں مگر انتقال دفعی ہو زمانہ دراز کے بعد۔

من ضلع ادم. من تبعیضیہ ہے اور انفس حقیقی معنی میں ہے اور من ابتدائیہ ہو تو پھر انفس مجاز ہوگا بمعنی جنس جیسے **لقد جاء کم رسول من انفسکم.**

تسکنوا. یہ انفسکم کے ساتھ مقید کرنے کی رعایت ہے کیونکہ مجالست ہی اصل موانست ہے۔

بینکم. اس میں تغلیب ہے۔

مودۃ. بقول ابن عباسؓ اس میں جماع اور اولاد کی محبت بھی داخل ہے۔ یا میاں بیوی کا آپس کا میل ملاپ مراد ہے۔

یتفکرون. یعنی حظ نفس مقصود نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ ان دلائل ربوبیت اور نشانات قدرت میں تامل کرنا چاہئے جس سے معرفت حق حاصل ہو۔ اسی لئے بعض عرفاء کا مقولہ ہے۔ **لذت الجماع ربما کافت من ابواب الوصول الی اللہ.**

اختلاف. زبان اور رنگت کا اختلاف اگرچہ آیات نفسیہ حقیقیہ میں سے ہے جن کا ذکر پہلے آچکا ہے آیات آفاقیہ میں سے نہیں ہے جن کا ذکر یہاں ہورہا ہے۔ لیکن پہلی مسلک کی بجائے دوسری مسلک میں لانے میں اشارہ کرتا ہے۔ ان آیات کے مستقل ہونے کی طرف اور یہ وہم نہ ہو کہ یہ متممات تخلیق میں سے ہے۔

للعالمین. مفسر علامؒ نے عالم بکسر لام کے معنی **ذوی العقول واولی العلم** سے کئے ہیں۔

منامکم. اس تقدیم میں تاخیر ہوگئی۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ **منامکم باللیل وابتغائکم من فضلہ بالنہار** ہے۔ **النہار** سے جار حذف کردیا **اللیل** پر داخل ہونے کی وجہ سے اور حرف عطف کو قائم مقام جار کے کرلیا گیا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ تکلف اختیار نہ کیا جائے۔ بلکہ عبارت بدستور رہنے دی جائے۔ کیونکہ رات کے سونے کی طرح دن میں بھی قیلولہ ہوتا ہے جو عرب کو بہت مرغوب ہے۔

یریکم. مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے کہ فعل معنی حدثی مصدری میں استعمال ہورہا ہے۔ جیسے **تسمع بالمعیدی خیر من ان تراہ** میں ہے۔

خوفا وطمعا. اس کے منصوب ہونے کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ فعل مذکور کے لازم فعل کا مفعول لہ مانا جائے یعنی **رؤیتھم جوارء تکم** کالازم ہے ای **تجعلکم رائین للخوف والطمع.** دوسری صورت یہ ہے کہ فعل مذکور اراءۃ کی وجہ سے بتقدیر مضاف نصب ہو ای **ارءۃ خوف وطمع.** تیسری صورت یہ ہے کہ اراءۃ کو اضافت اور اطماع کی تاویل میں کرکے اس کا مفعول مطلق بنایا جائے۔ **ای یخافون خوفا ویطمعون طمعا.**

اذا انتم. یہ اذا مفاجاتیہ ہے جو فا جزائیہ کے قائم مقام ہے۔

قانتون. تکوینی اطاعت مراد ہے کہ اللہ زندہ کرے تو زندہ، بیمار کرے تو بیمار، بھوکا رکھے تو بھوکا رہے۔ یا اطاعت سے شرعی فرمانبرداری مراد ہے۔

وھو الذی یبدء. مفسر علامؒ نے اس کو مصدر قرار دیا ہے۔ **للناس** کو متعلق کرکے اس صورت میں **ثم یعیدہ** کی ضمیر اسی کی طرف صنعت استخدام کے طور پر راجع ہوگی اور "**ھو اھون**" کی ضمیر اعادہ کی طرف راجع ہے جو **یعیدہ** سے مفہوم ہورہا ہے اور ضمیر کا مذکور ہونا بمعنی رد ہونے کی وجہ سے ہے یا خبر کی رعایت سے ہے۔

اھون علیہ. اگر اھون کو اسم تفضیل مانا جائے تب تو مفسر علامؒ کی تقریر رفع اشکال کے لئے کافی ہے دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو تفضیل نہ مانا جائے۔ بلکہ یہ صفت بمعنی حین ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ **علیہ** کی ضمیر اللہ کی طرف راجع نہ کی جائے بلکہ خلق کی طرف راجع ہو۔ گویا پہلی توجیہ کے قریب قریب یہ تیسری توجیہ رہے گی اور ابتداء بہ نسبت اعادہ اس لئے مشکل ہے کہ ابتداء میں تدریجی مراحل طے کرنے پڑتے ہیں برخلاف ارادہ کے اس میں تدریجی کی بجائے دفعی اثر ہوتا ہے۔

لہ المثل الاعلیٰ. بقول زجاجؒ اس کا تعلق اھون علیہ کے ساتھ ہے اور بعض نے اگلے جملہ ضرب حکم کے ساتھ کہا ہے تیسری صورت یہ ہے کہ مثل بمعنی وصف اور فی السمٰوات دونوں لفظ اعلیٰ سے متعلق ہوں یعنی اللہ ان دونوں جہتوں میں اعلیٰ ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ محذوف کے متعلق کرتے ہوئے لفظ اعلیٰ سے یا مثل یا ضمیر اعلیٰ سے حال کہا جائے۔ مثل الاعلیٰ کی تفسیر قتادہؒ سے کلمہ توحید اور صفت وحدانیت ہے اور بقول ابن عباسؓ اس سے لیس کمثلہ شئی مراد ہے۔ مثل شریک فی الوصف کو کہتے ہیں اور مثل شریک فی النوع کو کہتے ہیں۔

ربط: .... غلبہ روم کی پیشگوئی جو دلیل نبوت تھی اس کے بعد لا یعلمون فرمایا تھا۔ جس سے کفار کا جہل نبوت معلوم ہوا۔ اس کے بعد آیت یعلمون ظاھرا سے جہل آخرت کا بیان ہوا مع زجر جو جہل نبوت کی فرع ہے۔ اس کے بعد آیت اللہ یبدء سے آخرت کا واقع ہونا اور انکار و تکذیب اور ایمان و تصدیق کے مآل کا ذکر ہے۔ ایمان و عمل صالح کی فضیلت یعنی جنت کے ذیل میں تسبیح و تحمید کا ذکر آیت فسبحان اللہ میں ہے۔ جس میں سب سے بڑی عبادت نماز کا تذکرہ ہے اور اس کے خواص کا بیان ہے اور کفار چونکہ قیامت کے امکان ہی کو نہیں مانتے تھے۔ اس لئے آیت یخرج الحی سے قیامت کا امکان و صحت کا ثبوت دلائل قدرت سے دیا جارہا ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ قیامت فی نفسہ ممکن ہے۔ کیونکہ اس کے ناممکن ہونے کی کوئی دلیل آج تک بھی کوئی نہیں لا سکا اور نہ عقلاً کوئی دلیل ہے۔ رہا قیامت کا مستبعد ہونا۔ سو قدرت کے اور بہت سے کام ایسے ہیں جن سے زیادہ قیامت مستبعد نہیں ہے۔ پس وجود قبول کرنے میں قیامت اور دوسری سب چیزیں برابر ہیں۔ ادھر اللہ کی قدرت بھی ذاتی ہے۔ جس کا تعلق تمام مقدورات سے برابر ہے کوئی امتیاز نہیں ہے۔ پس جب قیامت عقلاً ممکن ہے اور مستبعد بھی نہیں ہے اور سچی خبروں اور سچے مخبر نے اس کا واقع ہونا بیان کر دیا تو اس کا ماننا ضروری ٹھہرا۔

﴿تشریح﴾: .... اللہ یبدء میں یہ بتلانا ہے کہ خلق کی ایجاد اور آخرت کے حساب کتاب کے لئے دوبارہ زندہ کر کے بارگاہ خداوندی میں پیشی۔ ان سب کا تعلق صرف اللہ کی ذات سے ہے۔

بشر کاء ھم کافرین. یعنی جنہیں دنیا میں شرکاء سمجھتے رہے جب وقت پڑنے پر وہ کام نہ آئیں گے تو شرک کرنے والے بول اٹھیں گے بخدا ہم مشرک نہ تھے۔

اچھے برُے لوگوں کا امتیاز: .... یتفرقون. اچھے برُے لوگ چھانٹ دیئے جائیں گے اور دونوں کا ٹھکانہ بھی الگ الگ کر دیا جائے گا۔ نیک لوگ ہر طرح کے انعام و اکرام، راحت و آرام سے ہمکنار ہوں گے اور برے لوگ مصائب اور شدائد سے دوچار رہیں گے۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ اہل جنت کے بیان میں محبرون کی بجائے یحبرون فرمایا۔ جس میں نعمتوں کے تجدد کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر ہے۔ جس میں دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ کوئی عمل بغیر ایمان معتبر نہیں ہے۔ دوسرے ایمان کے ساتھ اعمال ہوں تو مراتب عالیہ کا مستحق ہوگا۔ گویا نفس ایمان پر استحقاق جنت ہے ایمان بھی دائمی ہے اور جنت بھی دائمی۔ لیکن نیک اعمال باعث مراتب اور سونے پر سہاگہ۔ برخلاف کفر کے وہ دوامی ہونے کی وجہ سے دوام جہنم کا استحقاق رکھتا ہے۔ تاہم اس میں بدعملی شرط نہیں ہے۔ کفر پر بھی ابدی عذاب کا استحقاق ہے بداعمالیاں "کریلے نیم چڑھے" کا مصداق ہیں۔ اب رہ جاتی ہے ایک تیسری قسم کہ ایمان کے ساتھ بداعمالیاں ہوں۔ اس کا ذکر ان آیات میں نہیں ہے۔ مگر علماء اہل سنت نصوص کی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ اولاً بداعمالیوں کی اسے سزا ہوگی اور پھر اصل ایمان کی وجہ سے نجات ہو جائے گی دوام عذاب اس کے لئے نہیں ہے۔

پنجگانہ نماز ہر قسم کے اذکار کی جامع ہے:.......... فسبحٰن اللّٰہ. یعنی اللہ کی یاد دل، زبان، جوارح سب سے کرو۔ نماز میں چونکہ یہ تینوں یادیں جمع کر دی گئی ہیں۔ اس لئے اس کی ادائیگی ہر قسم کے اذکار کی ادائیگی سمجھی جائے گی۔ نماز کے پنجگانہ اوقات آیت میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان اوقات میں حق تعالیٰ کی رحمت، قدرت، عظمت کے آثار بہت زیادہ نمایاں ہیں۔ سورج جیسا عظیم کرہ جس سے سارا عالم بلا واسطہ اور بالواسطہ مستنیر و مستفید ہوتا رہتا ہے اور جس کی عظیم تاثیرات سے مبہوت ہو کر بڑی بڑی قومیں اس کو سب سے بڑا دیوتا ماننے لگیں اور اس کے نام کے بڑے بڑے مندر بنا ڈالے۔ ان پانچ اوقات میں چونکہ اس کی کھلی عاجزی اور بے چارگی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اس لئے موحدین کو حکم ہوا کہ ان پانچ اوقات میں خدائے اکبر کی عبادت کریں۔

۱۔ صبح کو جب تک سورج طلوع نہ ہو۔

۲۔ اور دوپہر ڈھلنے پر جب اس کے عروج کا زوال ہونے لگے۔

۳۔ اور پھر جب اس کی چمک دمک اور تیزی ماند پڑ جائے۔

۴۔ اور غروب کے بعد ہی جب اس کے پجاری اس کی نورانی شعاعوں سے محروم ہو جائیں۔

۵۔ اور پھر اس کے بعد جب شفق اور سورج کے آثار تک غائب ہو جائیں۔ بندگان خدا اپنی نیازمندیوں کا اظہار کریں۔

آیت لہ الحمد میں یہ بتلانا ہے کہ جس ذات کی خوبی ساری کائنات زبان حال وقال سے بیان کر رہی ہے۔ وہی تسبیح وتنزیہ کے لائق ہے کوئی مجبور و عاجز مخلوق خواہ وہ کتنی ہی بڑی دکھائی دیتی ہو یہ استحقاق نہیں رکھتی۔

آیت یخرج الحی الخ میں اللہ کی شیون عظیمہ اور صنعات کاملہ کا بیان ہے اور اس ذیل میں مسئلہ بعث پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

زندگی اور موت کا چکر:.......... آیت ومن اٰیاتہ میں یہ ظاہر کرنا ہے کہ زندگی اور موت حقیقی ہو یا مجازی حسی ہو یا معنوی سب کی باگ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ انسان سے نطفہ کو اور نطفہ سے انسان کو، جانور سے انڈا، انڈے سے جانور، مومن سے کافر، کافر سے مومن وہی پیدا کر کے اپنی قدرت کا اظہار کرتا ہے مٹی سے آدم کا پتلا بنایا اور اس ایک جان سے عالم میں کیا کچھ باغ و بہار آئی۔ اس طرح کہ اولاً اس سے اس کا جوڑا نکالا تاکہ تنہائی کی وحشت دور ہو کر باہمی الفت اور خاص قسم کا پیار پیدا ہو۔ جس سے انسانی نسل پھیلے۔ چنانچہ وہ پھیلی اور خوب ہی پھیلی۔ اولاد مختلف جگہ چلی گئی۔

بھانت بھانت کی بولیاں:.......... سب کی بولیاں الگ الگ ہوئیں۔ حتیٰ کہ ایک ملک کی زبان دوسرے ملک کے لئے تو اجنبی ہوئی ہی لب ولہجہ کا اختلاف اتنا بڑھا کہ اب کوئی دو آدمی ایسے نہیں ملیں گے۔ جن کا تلفظ، طرز گفتگو، لب ولہجہ بالکل یکساں ہو۔ اسی طرح رنگتوں کا اختلاف اتنا بڑھا کہ کوئی دو آدمی ایسے نہیں ہیں جو ہم رنگ و ہم روپ ہوں۔ دونوں کی شکل وصورت بالکل ایک ہو۔ ابتدائے عالم سے آج تک برابر نئی صورتیں اور بولنے کے نئے نئے طور طریق نکلے چلے آ رہے ہیں۔ اس خزانہ میں کبھی ٹوٹا نہیں آیا۔ پھر جانوروں کی بولیاں اسی طرح الگ الگ جنسی، نوعی، صنعتی اختلافات تو خیر ظاہر و باطن ہی ہیں۔ ممکن ہے یہاں بھی فردی اختلافات زبان اور رنگت کے انسان ہی کی طرح ہوں۔

غرض یہ کہ آیت گویا اسلام کے مجلسی اور خانگی نظام زندگی میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں تین باتیں بطور اصل کے بیان ہوئی ہیں۔

۱۔ من انفسکم. تمہاری بیویاں تمہاری ہی ہم جنس مخلوق ہیں۔ تمہاری ہی جیسی خواہشات، جذبات واحساسات رکھتی ہیں۔ بے جان

مخلوق نہیں ہیں۔

۲۔ تسکنوا الیھا. ان کی غایت آفرینش یہی ہے کہ وہ تمہارے لئے سرمایہ راحت وتسکین اور باعث سکون خاطر ہوں۔ تمہارا دل ان سے لگے جی بہلے۔

۳۔ بینکم مودۃ ورحمۃ. میاں بیوی کے تعلقات کی بنیاد باہمی الفت واخلاق اور ہمدردی پر ہونی چاہئے۔ اسلام میں عورت کی حیثیت کنیز کی نہیں۔ جیسا کہ بعض مذاہب میں ہے۔ بلکہ رفیقیہ حیات، جیون ساتھی، انیس وصاحب کی ہے۔ ماہرین اجتماعیات انہی اصول اور کلیات سے چاہیں تو ایک پورا فلسفہ تیار کر سکتے ہیں۔

عائلی زندگی کا نظام:............ ومن اٰیاتہ منامکم. انسان کی دو حالتیں ہیں جو بدلتی رہتی ہیں۔ سویا تو بےخبر کی طرح اور روزی کی تلاش میں لگا تو ایسا کہ اس سے زیادہ ہوشیار کوئی نہیں۔ اصل رات ہے سونے کو اور دن تلاش روزی کے لئے ہے۔ پھر دونوں کام دونوں وقت ہوتے رہتے ہیں۔

یسمعون میں نکتہ یہ ہے کہ اپنے سونے کا حال نظر نہیں آیا۔ مگر لوگوں کی زبانی سنتے رہتے ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ نصیحتیں محض سنتے ہی نہیں بلکہ سن کر محفوظ بھی رکھتے ہیں۔

طوفانِ باد وباراں:............ یریکم البرق. بجلی کی چمک دیکھ کر لوگ ڈر جاتے ہیں کہ کہیں کسی پر گر نہ پڑے۔ یا بارش زیادہ نہ ہو جائے جس سے آبادیاں برباد ہو جائیں۔ اور بارش سے امیدیں بھی باندھتے ہیں۔ کاشت کاروں کے چہرے کھل جاتے ہیں۔ غلہ، پھل، پھلاری کی ریل پیل ہوتی ہے۔ مسافر بھی کبھی اندھیرے میں اس کی چمک کو غنیمت سمجھتا ہے اور کبھی خوف کے مارے کانپ جاتا ہے۔ غرض کہ موسم اور مناسب وقت اور مناسب مقدار میں بارشیں جہاں زمین سے سونا اگلتی ہیں اور ماحول کو جنت بداماں کر دیتی ہیں۔ وہیں طوفانی بارشیں کھیتوں، باغات کی تباہی، آبادیوں کی بربادی کا پیش خیمہ بھی ہوتی ہیں۔ زمانہ حال کی ساری برقی ترقیات اور برقی آلات کی مدد سے جہاں انسان طرح طرح کی امیدیں قائم کر سکتا ہے۔ وہیں ان سے ہلاکت آفرینی کا خطرہ بھی لگا رہتا ہے۔ غرض کہ خوفاً وطمعاً کا پورا پورا مظاہرہ اول سے آخر تک ہے۔ ماہرین بارش کے لئے اس میں اشارات ہیں۔

ھی الارض. چونکہ بعث کا ذکر ہے اور زمین کی سالانہ پیداوار اور اس کا ایک خاص نمونہ ہے۔ اس لئے یہ جملہ دوبارہ لایا گیا ہے۔

یعقلون. یعنی دانشمند سمجھ لیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا اللہ کو کیا مشکل ہے۔ الفاظ یتفکرون، للعالمین، یسمعون، یعقلون میں فواصل کا اختلاف تفنن عبارت کے لئے ہے جو وجوہ بلاغت میں سے ہے۔

ان تقوم السماء. یعنی کائنات کی پیدائش کے لئے نظام عالم کا قیام بھی اللہ ہی کے حکم سے وابستہ ہے۔ مجال نہیں کہ کوئی اپنے مرکز ثقل سے ہٹ جائے، یا ایک دوسرے پر گر کر یا سبقت لے جا کر نظام کائنات کو درہم برہم کر دے۔

سلسلہ اسباب کی تان کہاں ٹوٹتی ہے:............ پھر جب دنیا کی میعاد پوری ہو جائے گی۔ اللہ کی ایک پکار پر تم سب قبروں سے میدان حشر کی طرف نکلے چلے آؤ گے۔ مادی علوم، اسباب کا جال جتنا بھی پھیلاتے جائیں آخر کہیں تو ان کا سلسلہ ختم ہوگا اور اسی آخری سبب کا نام امر الٰہی ہے۔ پھر خود ہر قریبی اور ظاہری سبب بھی بغیر حکم الٰہی کے سرتا سر غیر مؤثر ہے۔ کائنات میں کسی کی مجال نہیں کہ ایک ذرہ بھی بلا مشیت حرکت کر سکے۔

تخرجون. یہ تکرار تاکید کے لئے ہے۔

یبدء الخلق. میں قدرت الٰہی کے سامنے تو ابتداء اور اعادہ سب برابر ہیں۔ لیکن تمہارے محسوسات کے لحاظ سے ایجاد سے زیادہ آسان کسی چیز کا دہرانا اور دوبارہ بنانا ہے۔ پھر یہ کیا تماشہ ہے کہ اول پیدائش پر اسے قادر مانتے ہو اور دوسری بار پیدا کرنے کو ناممکن یا مستبعد سمجھو حالانکہ اس کی شان نرالی اور اس کی اعلیٰ سے اعلیٰ صفات ہیں آسمان و زمین میں کوئی چیز حسن و خوبی میں اس سے لگا نہیں کھا سکتی۔

اللّٰہ. کا علوا ضافی نہیں بلکہ مطلق ہے۔ وہ اعلیٰ اس وقت سے ہے۔ جب کہ علو کے مقابل ڈنوّ کا وجود بھی نہیں تھا۔ اسی لئے اللہ کو دنی صفات سے ذکر کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسے عالم، عاقل، شجاع کہنا اور اللہ یبدی الخلق جو پہلے آیا ہے وہ بطور دعویٰ کے ہے اور یہاں جو آیا ہے وہ مطلوب پر تفریع کے لئے ہے۔

لطائف سلوک: .... فسبحٰن اللّٰہ. مومن اور کافر کے ذکر کے بعد فسبحٰن اللہ کا ترتب بتلا رہا ہے۔ کہ اللہ جس طرح صفات جمالیہ کی وجہ سے مستحق ثناء ہے۔ اسی طرح صفات جلالیہ کی وجہ سے بھی وہ ثناء کا مستحق ہے۔

ومن اٰیاتہ ان خلق لکم سے معلوم ہوا کہ بیویوں کی طرف میلان حق تعالیٰ کے احسانات میں سے ہے۔ لہٰذا منافی کمال نہیں۔ جیسا کہ زاہدان خشک سمجھتے ہیں۔ بلکہ عارفین اس میں شیون قدرت کا مشاہدہ کر کے عرفان حاصل کرتے ہیں من آیاتہ منامکم سے معلوم ہوا کہ سونا اور اسی طرح دوسرے معاشی اسباب و وسائل اختیار کرنا منافی کمال نہیں ہے۔ البتہ ان میں انہماک بلاشبہ ممنوع ہے۔

خوفا و طمعا سے معلوم ہوا کہ طبعی خوف و طمع کمال کے منافی نہیں ہے۔

لہ المثل الا علیٰ. مثل بمعنی مثال ہے۔ اس آیت میں مطلقاً اثبات ہے اور دوسری آیت مثل نورہ کمشکوٰۃ الخ میں ایراد جزئیاً ہے۔ لیکن آیت لیس کمثلہ شیء میں مثل کی نفی کی گئی ہے۔ پس وضاحت کے لئے حق تعالیٰ کو کوئی مثال پیش کرنا بشرطیکہ خلاف شان نہ ہو جائز ہے اور مثل کا استعمال جائز نہیں ہے۔

ضَرَبَ جَعَلَ **لَكُمْ** اَيُّهَا الْمُشْرِكُوْنَ **مَّثَلًا** كَائِنًا **مِّنْ اَنْفُسِكُمْ** وَهُوَ **هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ** اَىْ مِنْ مَمَالِيْكِكُمْ **مِنْ شُرَكَآءَ** لَكُمْ **فِىْ مَارَزَقْنٰكُمْ** مِنَ الْاَمْوَالِ وَغَيْرِهَا **فَاَنْتُمْ** وَهُمْ **فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ** ط اَىْ اَمْثَالَكُمْ مِنَ الْاَحْرَارِ وَالْاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى النَّفْيِ الْمَعْنٰى لَيْسَ مَمَالِيْكُكُمْ شُرَكَاءَ لَكُمْ اِلٰى اٰخِرِهٖ عِنْدَكُمْ فَكَيْفَ تَجْعَلُوْنَ بَعْضَ مَمَالِيْكِ اللّٰهِ شُرَكَاءَ لَهٗ **كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ** نُبَيِّنُهَا مِثْلَ ذٰلِكَ التَّفْصِيْلِ **لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ** ﴿۲۸﴾ يَتَدَبَّرُوْنَ **بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا** بِالْاِشْرَاكِ **اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ** ج **فَمَنْ يَّهْدِىْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ** ط اَىْ لَاهَادِىَ لَهٗ **وَمَالَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ** ﴿۲۹﴾ مَانِعِيْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ **فَاَقِمْ** يَامُحَمَّدُ **وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا** ط مَائِلًا اِلَيْهِ اَىْ اَخْلِصْ دِيْنَكَ لِلّٰهِ اَنْتَ وَمَنْ تَبِعَكَ **فِطْرَتَ اللّٰهِ** خِلْقَتَهُ **الَّتِىْ فَطَرَ** خَلَقَ **النَّاسَ عَلَيْهَا** ط وَهِىَ دِيْنُهٗ اَىِ الْزَمُوْهَا **لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ** ط لِدِيْنِهٖ اَىْ لَاتُبَدِّلُوْهُ بِاَنْ تُشْرِكُوْا **ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ** ق الْمُسْتَقِيْمُ تَوْحِيْدًا لِّلّٰهِ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** اَىْ كُفَّارُ مَكَّةَ **لَا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۳۰﴾ تَوْحِيْدَ اللّٰهِ **مُنِيْبِيْنَ** رَاجِعِيْنَ **اِلَيْهِ** تَعَالٰى فِيْمَا اَمَرَ بِهٖ

وَنَهٰى عَنْهُ حَالٌ مِنْ فَاعِلِ اَقِمْ وَمَا اُرِيْدَ بِهٖ اَىْ اَقِيْمُوْا **وَاتَّقُوْهُ** خَافُوْهُ **وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَاتَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِيْنَ** بَدَلٌ بِاِعَادَةِ الْجَارِ **فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ** بِاخْتِلَافِهِمْ فِيْمَا يَعْبُدُوْنَهٗ **وَكَانُوْا شِيَعًا** فِرَقًا فِىْ ذٰلِكَ **كُلُّ حِزْبٍ** مِنْهُمْ **بِمَا لَدَيْهِمْ** عِنْدَهُمْ **فَرِحُوْنَ﴿۳۲﴾** مَسْرُوْرُوْنَ وَفِىْ قِرَاءَةٍ فَارَقُوْا اَىْ تَرَكُوْا دِيْنَهُمُ الَّذِىْ اُمِرُوْا بِهٖ **وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ** اَىْ كُفَّارَ مَكَّةَ **ضُرٌّ** شِدَّةٌ **دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ** رَاجِعِيْنَ **اِلَيْهِ** دُوْنَ غَيْرِهٖ **ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً** بِالْمَطَرِ **اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ** اُرِيْدَ بِهِ التَّهْدِيْدُ **فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴿۳۴﴾** عَاقِبَةَ تَمَتُّعِكُمْ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ **اَمْ** بِمَعْنٰى هَمْزَةِ الْاِنْكَارِ **اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا** حُجَّةً وَكِتَابًا **فَهُوَ يَتَكَلَّمُ** تَكَلُّمَ دَلَالَةٍ **بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ﴿۳۵﴾** اَىْ يَاْمُرُهُمْ بِالْاِشْرَاكِ لَا **وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ** كُفَّارَ مَكَّةَ وَغَيْرَهُمْ **رَحْمَةً** نِعْمَةً **فَرِحُوْا بِهَا** فَرَحَ بَطَرٍ **وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ** شِدَّةٌ **بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ﴿۳۶﴾** يَيْئَسُوْنَ مِنَ الرَّحْمَةِ وَمِنْ شَاْنِ الْمُؤْمِنِ اَنْ يَّشْكُرَ عِنْدَ النِّعْمَةِ وَيَرْجُوْ رَبَّهٗ عِنْدَ الشِّدَّةِ **اَوَلَمْ يَرَوْا** يَعْلَمُوْا **اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ** يُوَسِّعُهٗ **لِمَنْ يَّشَآءُ** اِمْتِحَانًا **وَيَقْدِرُ** يُضَيِّقُهٗ لِمَنْ يَّشَآءُ اِبْتِلَاءً **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴿۳۷﴾** بِهَا **فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى** اَلْقَرَابَةِ **حَقَّهٗ** مِنَ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ **وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ** اَلْمُسَافِرَ مِنَ الصَّدَقَةِ وَاُمَّةُ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَعٌ لَهٗ فِىْ ذٰلِكَ **ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ** اَىْ ثَوَابَهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ **وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۳۸﴾** اَلْفَائِزُوْنَ **وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا** بِاَنْ يُّعْطٰى شَيْئًا هِبَةً اَوْ هَدِيَّةً لِيَطْلُبَ اَكْثَرَ مِنْهُ فَسُمِّىَ بِاسْمِ الْمَطْلُوْبِ مِنَ الزِّيَادَةِ فِى الْمُعَامَلَةِ **لِّيَرْبُوَاْ فِىْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ** اَلْمُعْطِيْنَ اَىْ يَزِيْدُ **فَلَا يَرْبُوْا** يَزْكُوْا **عِنْدَ اللّٰهِ** اَىْ لَا ثَوَابَ فِيْهِ لِلْمُعْطِيْنَ **وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ** صَدَقَةٍ **تُرِيْدُوْنَ** بِهَا **وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴿۳۹﴾** ثَوَابَهُمْ بِمَا اَرَادُوْهُ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ **اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ** مِمَّنْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ **مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَىْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴿۴۰﴾**

ترجمہ: .... اللہ بیان فرماتا ہے (اے مشرکین) تمہارے لئے ایک عجیب مضمون جو تمہارے ہی حالات میں سے ہے (اور وہ یہ ہے) کیا تمہارے غلاموں میں (جو تمہارے مملوک ہوں) کوئی شخص تمہارا شریک ہے (اس مال وغیرہ میں جو ہم نے تم کو دیا ہے کہ تم اور وہ آپس میں برابر ہوں جن کا تم ایسا ہی خیال کرو۔ جیسا کہ تم اپنے آپس والوں کا خیال رکھتے ہو؟ (یعنی جو تم جیسے آزاد ہوں۔ اس میں استفہام بمعنی نفی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ تمہارا کوئی غلام بھی تمہارے برابر کا تمہارے نزدیک شریک نہیں سمجھا جاتا۔ پھر اللہ کے کچھ بندوں کو تم اس کا شریک کیسے گردانتے ہو) ہم اسی طرح صاف صاف دلائل بیان کیا کرتے ہیں (جیسے یہاں کھول کر بیان کر دیا ہے)

سمجھ داروں (تدبیر کرنے والوں) کے لئے۔ بلکہ (شرک کرنے والے) ان ظالموں نے اتباع کر رکھا ہے بلا دلیل اپنے خیالات کا، سو جن کو اللہ گمراہ کرے اس کو کون راہ پر لاسکتا ہے (یعنی کوئی اس کا راہنما نہیں ہوسکتا) اور ان کا کوئی حمایتی نہ ہوگا (عذاب الٰہی کو روکنے والا) سو (اے محمد) تم اپنا رخ اس دین کی طرف یکسو رکھو (دین کی طرف متوجہ ہو کر یعنی اپنا دین آپ اور آپ کے پیروکار اللہ کے لئے خالص رکھئے) اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو (جو اس کی پیدا کردہ ہے) جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے (اور اس کا دین ہے۔ یعنی تم اسے لازم پکڑو) اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں (یعنی اس کے دین میں۔ تم اسے شرک کر کے تبدیل مت کرو) یہی ہے سیدھا دین (راہ مستقیم اللہ کی توحید ہے) لیکن اکثر لوگ (کفار مکہ) نہیں جانتے (اللہ کی توحید) تم اسی کی طرف رجوع ہو (جس چیز کا اس نے حکم دیا اور جس بات سے منع کیا۔ منیبین حال ہے اقم کے فاعل سے اور جو اقم کی مراد میں داخل ہوں۔ یعنی تم سب متوجہ ہو جاؤ) اور اسی سے ڈرو اور نماز کی پابندی رکھو اور شرک کرنے والوں میں مت رہو۔ یعنی ان لوگوں میں (یہ بدل حرف جار کو لوٹاتے ہوئے) جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا (طریقہ عبادت یا معبود میں اختلاف کی وجہ سے) اور بہت سے گروہ ہو گئے (دین میں فرقے بن گئے) ہر گروہ (ان میں سے) اس طریقہ پر (جو ان کا بنایا ہوا ہے) نازاں ہے (خوش ہے اور ایک قراءت میں لفظ فــــارقــوا ہے یعنی انہوں نے اپنے اس دین کو چھوڑ دیا جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا) اور جب (کفار مکہ میں سے) لوگوں کو کوئی تکلیف (مصیبت) پہنچ جاتی ہے تو اپنے پروردگار کو پکارنے لگتے ہیں اسی کی طرف رجوع ہو کر (دوسری طرف نہیں) پھر اللہ تعالیٰ جب اپنی عنایت (بارش) کا کچھ مزہ چکھا دیتے ہیں تو پھر ان میں سے بعض لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتے ہیں کہ ہم نے انہیں جو کچھ دے رکھا ہے اس سے ناشکری کریں (اس کا مقصد دھمکی ہے) سو کچھ اور حظ حاصل کرلو پھر جلد ہی تمہیں پتہ چل جائے گا (اپنے مزے اڑانے کا انجام، اس میں غائب کے صیغہ سے التفات ہے) کیا (ہمزہ انکار کے معنی میں ہے) ہم نے ان پر کوئی سند اتاری ہے (حجت اور کتاب) کہ وہ کہہ رہی ہو (زبان حال سے) جو یہ لوگ شرکیہ کام کر رہے ہیں (یعنی ان کو شرک کرنے کا حکم دیتی ہو؟ ایسا نہیں ہے) اور جب ہم (کفار مکہ وغیرہ کو) کچھ عنایت (نعمت) کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں (مستی سے اتراتے ہیں) اور اگر ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے ان کے اعمال کے بدلہ میں جو پہلے کر چکے ہیں تو بس وہ لوگ ناامید ہو جاتے ہیں (رحمت سے مایوس، حالانکہ مومن کی شان تو یہ ہے کہ نعمت پر شکر گزار رہو اور مصیبت میں اللہ سے امید باندھے رہے) کیا ان کی نظر اس پر نہیں (جانتے نہیں) کہ اللہ ہی کھول کر روزی دیتا ہے جسے چاہتا ہے (آزمائش کے طور پر) اور تنگ کر دیتا ہے (جسے چاہے آزمائش کے لئے گھٹا دیتا ہے) بے شک اس میں نشانیاں ہیں ایمان داروں کے لئے۔ سو قرابت داروں کو اس کا حق دیا کرو (بھلائی اور نیک سلوک کر کے) اور مسکین اور مسافر کو بھی (راہ گیر کو خیرات میں سے آنحضرت ﷺ کی امت بھی اس حکم میں آپ کے تابع ہے) یہ ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو اللہ کی خوشنودی کے طلبگار ہیں (اپنے اعمال کے ثواب کے) اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں (کامیاب) اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ زیادہ ہو جائے (اس طرح سے کہ کوئی ہبہ یا ہدیہ کے طور پر کسی کو اس لئے دے کہ اس سے زیادہ حاصل ہو جائے۔ اس لئے معاملہ میں زیادتی کو مطلوب کا نام دیا گیا ہے) لوگوں کے مال میں شامل ہو کر (جو مال دینے والے ہیں یعنی مال بڑھ جائے) سو یہ اللہ کے نزدیک بڑھتا نہیں ہے (یعنی اس میں دینے والوں کو ثواب نہیں ملے گا) اور جو تم صدقہ دو گے اور جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے۔ سو ایسے لوگ اللہ کے پاس بڑھاتے رہیں گے (اس میں خطاب سے التفات ہے) اللہ ہی وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر تمہیں روزی دی۔ پھر تمہیں موت دیتا ہے۔ پھر تمہیں جلائے گا۔ کیا تمہارے شرکاء میں بھی کوئی ایسا ہے (جنہیں تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے) جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے؟ (کوئی نہیں ہے) وہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔

تحقیق وترکیب: .... من انفسکم ای کائنا. اس میں من ابتدائیہ ہے دوسرا من تبعیضیہ ہے اور من شرکاء میں من

زائد ہے اور انتم فیه سواء جواب استفہام ہے جو متضمن معنی نفی کو ہے۔

هل لکم. یہ مبتداء ہے اور لکم خبر ہے فما ملکت ایمانکم متعلق ہے محذوف کے شرکاء سے حال ہے کیونکہ اصل میں یہ نعت ہے نکرہ کی جو مقدم کردی گئی ہے اور اس جار میں عامل خبر ہے جو مبتداء کے بعد مقدر ہے۔ فیما رزقنکم متعلق ہے شرکاء کے اور ماملکت کے ما سے مراد نوع مملوک ہے۔ پوری عبارت کی تقدیر اس طرح ہے۔ هل شرکاء فیما رزقنا کم کائنو ن من النوع الذی ملکت ایمانکم مستقرون لکم اور بعض نے ممامملکت کو خبر اور لکم کا متعلق وہی کہا ہے جو خبر کا متعلق ہے۔ اور فانتم الخ جواب استفہام ہے بمعنی نفی اور فیہ متعلق ہے سواء کے اور تخا فونهم خبر ثانی ہے انتم کی۔ ای فانتم مستوون معهم فیما رزقنا کم خائفو هم کخوف بعضکم بعضا. اور مراد تینوں باتوں کی نفی کرنا ہے۔ شرکت برابری غلاموں کی اور ان سے ڈرنا۔ یہ نہیں کہ شرکت کا ثبوت اور دنوں چیزوں کی نفی کرنا مقصود ہو۔ جیسا کہ ما تاتینا فتحدثنا میں منجملہ دونوں توجیہوں کے ایک توجیہ ماتا تینا محدثانا بل تاتینا و لا تحد ثنا ہے بلکہ سب کی نفی مقصود ہے۔

کخیفتکم. ای خیفة مثل خیفتکم مصدر مضاف الی الفاعل ہے۔

کذٰ لک. ای مثل هذا التفصیل.

بل تبع الذین. یہ ماقبل سے اعراب ہے۔ یعنی ان کے پاس شرکت کی کوئی دلیل وحجت نہیں ہے صرف خواہشات کی پیروی ہے۔

اقم. لفظاً افراد ہے معنیً جمع ہے۔ شاید اس میں ہر ایک کے لئے بالا ستقلال مامور بالتوحید ہونے کا اہتمام مقصود ہے یعنی ظاہراً باطناً صرف ہمت کیجئے۔ مقصد آنحضرت ﷺ کی تسلی ہے۔

حنیفا. مفسر علامؒ نے اشارہ کیا کہ یہ ضمیر اقم سے حال ہے اور یہ کہ فعیل بمعنی فاعل ہے اور بمعنی مفعول ہو کر دین سے بھی حال بن سکتا ہے۔ حنف کے معنی گمراہی سے استقامت کی طرف میلان ہے اس کی ضد جنف ہے ای اخلص کہہ کر مفسرؒ نے بطور کنایہ معنی مرادی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ اخلاص دین کے لئے توجہ لازم ہے۔

فطرة الله. حدیث میں ہے۔ کل مولود یولد علی الفطرة وانما ابواہ یهود انه وینصرا نه ویمجسا نه مراد عہد الست ہے جو ہر انسان کی فطرت میں ودیعت ہے۔

التی فطر. یہ وصف وجود امتثال حکم کی تاکید کے لئے ہے الزموها سے مفسرؒ اشارہ کررہے ہیں منصوب بطور افراد ہونے کی طرف اور علیکم محذوف ہوگا اگر عوض معوض کا حذف ہونا جائز ہو۔

لا تبدیل. مفسرؒ نے اشارہ کیا کہ نفی بمعنی نہی ہے اور مجاہدؒ اور ابراہیمؒ سے ماینبغی کی تاویل بھی منقول ہے۔ لیکن اگر فطرة کے معنی طبیعت سلیم اور جبلت مستقیم لئے جائیں تو پھر جملہ خبر یہ بحالہ رہے گا تاویل کی حاجت نہیں۔ کیونکہ خلقی طبیعت اور فطرت ناقابل تبدیل ہوتی ہے۔ ''جبل گردد جبلت نہ گردد'' پہلی تاویل پر گویا لزوم فطرت اور وجوب امتثال کی علت ہے اس میں بجائے ضمیر اسم ظاہر ہے۔ پہلی توجیہ کا حاصل یہ نکلے گا کہ شرعاً عقلاً تبدیل فطرت کی اجازت نہیں ہے۔ واقعہ کی نفی نہیں بلکہ نہی اور ممانعت کرنی ہے اور بصورت خبر مبالغہ کی وجہ سے بیان فرمایا گیا ہے۔

لایعلمون. مفسرؒ نے اس کے مفعول محذوف کو استدراک کے قرینہ سے نکال ہے۔

منیبین. فاعل اقم سے حال ہے اور اقم کا خطاب بلا واسطہ آنحضرت ﷺ کو اور بالواسطہ آپ کی امت کو ہے۔ جسے مفسرؒ نے یاارید سے تعبیر کیا ہے حال ذوالحال کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

ای اقیموا. سے مفسرؒ نے اقم کے فاعل معنوی کی طرف اشارہ کیا جوذ الحال ہے۔یعنی امت اور امام امت اور یہ کہ و اتقوہ کا یہ معطوف علیہ ہے اگر چہ بظاہر اقم معطوف علیہ ہے۔

من الذین. یہ من المشرکین سے بدل ہے باعادۃ الجاراور پہلے جار مجرور سے بھی بدل ہوسکتا ہے۔

ترکوا. مرادعدم اختیار اور اعراض کرنا ہے۔

اذا مس الناس. یہ شرط ہے دعوا ربھم جزاء ہے اور الناس لفظاً عام ہے۔مگر شان نزول کی وجہ سے خاص کر دیا ہے۔

ضر. لفظ ضر و رحمت میں تنکیر تقلیل مبالغہ کے لئے ہے۔

لیکفروا. لام امر ہونے کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔فتمتعوا اس کا قرینہ ہے جو بمعنی لیتمتعوا ہے اور بعض نے لام عاقبہ مانا ہے۔

سلطانا. ابن عباسؓ حجت مراد لیتے ہیں اور قتادہؒ کتاب مراد لیتے ہیں۔

یتکلم. جیسے دوسری آیت میں ہے۔ھذا کتابنا ینطق مراد شہادت ہے بطور استعارہ مدحیہ یا کنایہ کے۔

فرحوا. اظہار شکر کے لئے اور منعم پر نظر کرتے ہوئے فرحت مطلوب و مستحسن ہے۔جیسے قل بفضل اللہ الخ مگر نفسانی فرحت اور اترانا ممنوع ہے۔

فات ذا القربیٰ. مستحقین کے بقیہ اصناف کا ذکر نہ کرنا قرینہ ہے کہ زکوۃ مراد نہیں۔ بلکہ صدقات وخیرات مراد ہے۔اسی لئے امام اعظمؒ نے اس آیت سے نفقہ محارم کو واجب کہا ہے اور امام شافعیؒ اموال وفروع کے علاوہ تمام اقرباء کو چچازاد بھائی پر قیاس کرتے ہیں۔اس لئے کہ ان میں ولادت کا تعلق نہیں ہوتا۔

من ربا. رباء حقیقی سود بھی مراد ہوسکتا ہے جو حرام ہے اور ربائے حلال بھی مجازاً مراد ہوسکتا ہے۔یعنی وہ ہدیہ اور ہبہ جس میں خلوص نہ ہو صرف ریاکاری ہو یا بعینہ اس کی واپسی کی امید پر دیا جائے۔ جیسا کہ آج کل شادیوں میں نیوتہ دینے کا رواج اور دستور ہے۔اس سے اس کا ناپسند ہونا معلوم ہو گیا اور آنحضرت کو تو خصوصیت سے لا تمنن تستکثر فرما کر منع اور حرام کر دیا۔اگر واپسی کی شرط پر ہبہ یا ہدیہ کیا جائے تو واپس کر دینا ضروری ہے ورنہ اس کی قیمت بشرطیکہ مثلی ہو ادا کرنی چاہئے۔

زکوٰۃ. صدقہ کو زکوۃ اس لئے کہہ دیا کہ اس سے مال، بدن، اخلاق کی تطہیر ہو جاتی ہے۔

المضعفون. الحسنة بعشر امثالھا کی وجہ سے تضعیف ہوئی اور التفات میں تعمیم ہو جانے کی وجہ سے حسن آ گیا ہے۔ای من فعل ھذا فسبیلہ سبیل المخاطبین.

ربط:............ پچھلی آیات میں بعث کا بیان تھا اور استدلال میں حق تعالیٰ کے افعال اور صفات کمال کو بیان کیا گیا تھا۔آیت ضرب لکم مثلاً سے توحید کا بیان ہے۔ نیز عام طور سے توحید وبعث کا مضمون قرآن میں متلاصق رہتا ہے۔پھر صفات الٰہیہ اور توحیدیوں بھی متناسب ہیں۔اس لئے دو وجہ سے ربط ہو گیا۔ پورے رکوع میں یہ مضمون پھیلا ہوا ہے۔البتہ دلائل توحید کے ذیل میں رزاقیت کی مناسبت سے ضمناً انفاق مالی کی بعض فروع اور ان کی اغراض کا ذکر آ گیا ہے۔

﴿ تشریح ﴾:............ شرک کی قباحت بیان کرنے کے لئے آیت ضرب لکم میں اللہ تعالیٰ نے انسانی احوال کو سامنے رکھ کر ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ کوئی اپنے نوکر، غلام، ملازم کو اپنے مال و جائداد میں برابر کا شریک کرنا گوارا نہیں کرسکتا۔ جیسے اپنے بھائی بند

شریک ہوتے ہیں کہ ہر وقت ان سے یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ مشترک چیز استعمال کرنے پر برہم ہو جائیں یا کم از کم سوال کر بیٹھیں کہ ہماری اجازت اور مرضی کے بغیر فلاں کام کیوں کیا۔ یا زمین، جائداد، مال و متاع تقسیم کرانے لگیں۔ حالانکہ انسان نہ پورا مالک ہے اور نہ نوکر ملازم مملوک ہیں۔ مگر انسان انسان ہونے میں برابر، کوئی اونچ نیچ نہیں ہے اور اللہ نہ صرف یہ کہ مالک اور مالک بھی کامل بلکہ وہ خالق اور رب بھی ہے۔ پس جب ایک جھوٹے مالک کا یہ حال ہے کہ اس سچے مالک کو اپنے غلام کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ جس کو تم حماقت سے اس کا ساجھی گنتے ہو۔ ایک غلام تو آقا کی ملک میں شریک نہ ہو سکے۔ حالانکہ دونوں خدا کی مخلوق ہیں اور اس کی دی ہوئی روزی کھاتے ہیں۔ مگر ایک مخلوق بلکہ مخلوق در مخلوق، خالق کی خدائی میں شریک ہو جائے۔ ایسی اجہل بات کوئی عقلمند سن سکتا ہے؟ ایک طرف غلام آقا، دونوں انسانوں میں اضافی فرق ہے حقیقی نہیں۔ پھر جو نعمتیں آقا کی ہیں وہ ذاتی نہیں۔ بلکہ عطیہ الٰہی ہیں۔ دوسری طرف خدا میں کمال ذاتی ہے۔ کوئی چیز اس کے مماثل نہیں۔ وہ مالک علی الاطلاق ہے اور معبودان باطل مملوک بلکہ مخلوق بلکہ مخلوق کی مصنوع۔ مگر بے انصاف لوگ ایسی واضح اور صاف بات کو کیا سمجھیں اور وہ سمجھنا بھی نہیں چاہتے۔ انہیں تو ہوا پرستی اور اوہام و خیالات کے تانے بانے سے ہی فرصت نہیں اور جسے اللہ نے ہی اس کی بے انصافی اور ہوا پرستی کی بدولت راہ حق پر چلنے اور سمجھنے کی توفیق نہ دی۔ اب کون طاقت ہے جو اسے سمجھا کر راہ حق پر لے آئے۔ اس لئے آپ ان کی طرف ملتفت نہ ہو جائے۔ ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیے اور دین فطرت پر جمے رہئے۔ فطرت کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص میں اللہ نے خلقۃً یہ استعداد اور صلاحیت رکھی ہے کہ اگر حق کو سن کر سمجھنا چاہے تو وہ سمجھ میں آ جاتا ہے اور اس کی پیروی کا مطلب یہ ہے کہ اس استعداد اور قابلیت سے کام لے اور اس کے مقتضیٰ یعنی ادراک حق پر عمل پیرا ہو۔ اسلام جو ایک دین فطرت ہے یعنی انسانی فطرت سلیمہ کے عین مطابق ہے اور فطرت انسانی میں تبدیلی ممکن نہیں۔ پس اس میں یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ اس دین میں کسی قسم کی تبدیلی و ترمیم کی خواہش کرنا سرتاسر بے عقلی اور نادانی ہے۔ یہ دین قدیم خلقی اور ازلی ہے۔ اس کے قبول کی صلاحیت بشر میں رکھ دی گئی ہے۔ یہ بدل نہیں سکتا۔

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کو "حنفا" پیدا کیا۔ پھر شیاطین نے انہیں سیدھے راستے سے اغوا کر کے بھٹکا دیا۔

بہر حال دین حق، دین حنیف، دین قیم وہ ہے کہ اگر انسان کو اس فطرت کی طرف مخلی بالطبع چھوڑ دیا جائے تو اپنی طبیعت سے اسی کی طرف جھکے۔ تمام انسانوں کی فطرت، ساخت، تراش و خراش اللہ نے ایسی ہی بنائی ہے جس میں کوئی تفاوت اور تبدیلی نہیں۔ گرد و پیش اور ماحول اگر اثر انداز نہ ہو اور خراب اثرات سے انسان متاثر نہ ہو اور اصلی طبیعت پر چھوڑ دیا جائے تو یقیناً دین حق اختیار کرے گا۔ فرعون اور ابو جہل میں اگر صلاحیت نہ ہوتی تو ایمان کا مکلف کیوں بنایا جاتا۔ آخر ت اینٹ، پتھر، درخت جانوروں کی طرح شرائع سے غیر مکلف کیوں نہ رکھا گیا۔ فطرت انسانی کی اسی یکسانیت کا اثر ہے کہ دین کے اصول مہمہ کسی نہ کسی رنگ میں تقریباً سب انسان تسلیم کرتے ہیں۔ گویا ان پر ٹھیک ٹھیک نہیں رہتے اور حضرت خضر علیہ السلام نے جس بچہ کو قتل کیا تھا اور حدیث میں اس کے لئے طبع کافراً کے الفاظ ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں قبول حق کی صلاحیت اور استعداد نہیں تھی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کی قسمت میں یہ تھا کہ وہ آئندہ چل کر کافر ہوگا اور یہی مفہوم ہے پیدائشی کافر ہونے کا۔

لا تبدیل لخلق اللّٰہ. اصل پیدائش کے اعتبار سے کوئی فرق اور تغیر نہیں۔ ہر انسان کی فطرت قبول حق کے لئے مستعد بنائی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے جس فطرت میں پیدا کیا تم اپنے اختیار سے بدل کر خراب نہ کرو۔ ہم نے تم میں بیج ڈال دیا ہے اسے بے توجہی یا بے تمیزی سے ضائع مت کرو۔ علماء نے ڈاڑھی منڈانا، کٹانا، شملہ کرنا، ناشروع خضاب کرنا، مردوں کو عورتوں کی ہیئت اور عورتوں کو مردوں کی ہیئت بنانا، ناک کان چھیدنا، کریم پاؤڈر لگانا، بھبوت ملنا وغیرہ سب اسی میں داخل کئے ہیں۔ البتہ شریعت نے

جس تغیر کی اجازت دی ہے جیسے زیر ناف، زیر بغل بال صاف کرنا، مونچھیں کم کرنا، ختنہ کرنا، عقیقہ کرنا، عورتوں کو زیب وزینت وغیرہ وہ اس سے مستثنیٰ ہیں حکم شارع کی وجہ سے۔ایک دوسری آیت لا تبدیل لکمات اللہ کا مفہوم بھی یہی ہے۔کلمات اللہ سے مراد کلمات تکوینی اور خلقی ہیں یا کلمات تشریعی اور احکام شرعی ہوں۔تو اصول وکلیات مراد ہوں گے جو اٹوٹ ہیں۔لہٰذا یہ آیت نسخ احکام کے خلاف نہیں ہے۔

منیبین الیہ الخ. اصل دین تھامے رہو اور دین فطرت کے اصول مضبوط پکڑے رہو۔مثلاً: خدا کا ڈر، نماز کی اقامت ہر قسم کے ادنیٰ تک شرک سے مکمل بیزاری، اور مشرکین کی طرح دین و مذہب میں پھوٹ نہ ڈالنا۔جنہوں نے گروہ بندی اور پارٹی بازی کر کے مختلف فرقے بنالئے۔ہر ایک کا عقیدہ الگ، مذہب و مشربٌ جدا۔جس کسی نے عذر کاری یا ہوا پرستی سے کوئی عقیدہ قائم کر دیا یا کوئی طریقہ ایجاد کرلیا ایک جماعت اس کے پیچھے ہوگئی۔بہت سے فرقے ہوگئے۔پھر ہر فرقہ اپنے ٹھہرائے ہوئے اصول وعقائد پر خواہ کتنے ہی مہمل کیوں نہ ہوں ایسا فریفتہ اور مفتون ہے کہ اپنی غلطی کا امکان بھی اس کے تصور میں نہیں آتا۔البتہ اہل حق کے مختلف طبقے اس میں داخل نہیں ہیں۔کیونکہ وہ نفسانیت کا شکار نہیں ہیں۔بلکہ سب جویائے حق اور طالب منشاء خداوندی ہیں۔ہاں فرحت کا مفہوم عام لیا جائے کہ سچی خوشی ہو یا جھوٹی تو پھر اہل حق بھی کل حزب میں داخل ہو جائیں گے۔

واذا مس الناس ضر. میں خوف اور سختی کے وقت بڑے سے بڑا سرکش مصیبت میں گھر کر خدائے واحد کو پکارنے لگتا ہے۔اس وقت جھوٹے سہارے سب ذہن سے نکل جاتے ہیں۔وہی سچا مالک یاد رہ جاتا ہے۔مگر افسوس کہ انسان دیر تک اس حالت پر قائم نہیں رہتا۔جہاں خدا کی مہربانی سے مصیبت دور ہوئی۔پھر اس کو چھوڑ کر جھوٹے دیوتاؤں کے بھجن گانے لگتا ہے۔گویا سب کچھ انہیں کا دیا ہوا ہے خدا نے کچھ نہیں دیا۔اچھا چندروز مزے اڑالو آگے چل کر معلوم ہو جائے گا۔کہ اس کفر و ناشکری کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔اگر آدمیت ہوتی تو سمجھتا کہ اس کا ضمیر جس خدا کو سختی اور مصیبت کے وقت پکار رہا تھا وہی اس لائق ہے کہ ہمہ وقت یاد رکھا جائے۔

امر انزلنا. یعنی دلائل تو ہزاروں ہیں۔مگر شرک پر کوئی ایک دلیل بھی آج تک قائم کر کے دکھلائی ہے عقل سلیم اور فطرت انسانی شرک کو صاف طور پر رد کرتی ہے۔تو کیا اس کے خلاف وہ کوئی حجت اور سند رکھتے ہیں؟ اگر نہیں تو انہیں معبود بننے کا استحقاق کہاں سے ہوا؟

واذا اذقنا الناس. یعنی لوگوں کی حالت عجیب ہے کہ اللہ کی مہربانی سے جب عیش میں ہوتے ہیں تو پھولے نہیں سماتے۔ایسے اترانے لگتے ہیں اور آپے سے باہر ہو جاتے ہیں کہ محسن حقیقی کو بھی یاد نہیں رکھتے۔اور کسی وقت شامت اعمال کی وجہ سے مصیبت کا کوئی کوڑا پڑا تو ایک دم ساری ہیکڑی بھول گئے اور آس توڑ کر بیٹھ رہے۔گویا اب کوئی نہیں جو مصیبت کو دور کرنے پر قادر ہو۔لیکن مومن کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے۔وہ عیش وآرام میں منعم حقیقی کو یاد رکھتا ہے۔اس کے فضل ورحمت پر خوش ہو کر زبان ودل سے شکر گزار رہتا ہے۔اور مصیبت میں پھنس جائے صبر وتحمل کے ساتھ اللہ سے مدد مانگتا ہے اور امیدوار رہتا ہے کہ کتنی ہی مصیبت ہو اور ظاہر اسباب کتنے ہی مخالف ہوں اس کے فضل سے سب بادل چھٹ جائیں گے۔

پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ لوگ سختی کے وقت خالص خدا کو پکارنے لگتے ہیں اور یہاں فرمایا کہ برائی پہنچتی ہے تو آس توڑ کر بیٹھ رہتے ہیں۔بظاہر دونوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے۔مگر کہا جائے گا کہ خدا کو پکارنا مصیبت کی پہلی منزل میں ہوتا ہے۔پھر جب مصیبت سخت ہو جاتی ہے تو گھبرا کر مایوس ہو جاتا ہے۔یا بعض لوگوں کی وہ حالت ہوتی ہے اور بعض کی حالت یہ ہو جاتی ہے۔

اسی طرح فرحت فرحت میں بھی فرق ہوتا ہے۔مومن کی فرحت محمود ومطلوب ہے۔قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا میں اس کی طلب ہے اور لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین میں نافرمانوں کی اتراہٹ ہے۔جس سے منع کیا گیا ہے۔

او لم یروا ان اللّٰه. میں مومنین کی حالت کا بیان ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کی سختی، نرمی، روزی کا بڑھانا گھٹانا، سب اسی رب قدیر کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا جو حال آئے بندہ کو صبر وشکر سے راضی برضا رہنا چاہئے۔ نعمت کے وقت شکر گزار رہے اور ڈرتا رہے کہ کہیں چھن نہ جائے اور سختی کے وقت صبر کرے اور امید رکھے کہ اللہ اپنی رحمت سے سختیوں کو دور فرما دے گا۔ پس جو لوگ اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اس کے دیدار کے آرزومند ہیں۔ انہیں چاہئے۔ کہ اس کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کریں۔ غریب، محتاج، رشتہ داروں، قرابت داروں کی خبرلیں، درجہ بدرجہ خاندان والوں کے حقوق ادا کریں، مسافروں کی خبر گیری کریں۔ ایسے لوگوں کو دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہوگی۔ فقہائے حنفیہ نے حاجت مند قریبی عزیزوں کا نفقہ اسی آیت سے مستنبط کیا ہے۔ اسلامی نظام معاشیات کے بہت سے اصول وضوابط اسی روشنی میں مرتب ہیں۔

ما اٰتیتم من ربا. سود بیاج سے گو بظاہر مال بڑھتا دکھائی دیتا ہے۔ مگر حقیقت میں وہ گھٹ رہا ہے جیسے بیماری سے کسی آدمی کا بدن پھول جائے اور وہ ورم ظاہر نظر میں طاقت دکھائی دینے لگے۔ مگر دراصل وہ پیام موت ہے۔ اسی لئے اسلام نے سود اور مہاجنی نظام کو معاشیات اور اقتصادی ڈھانچہ کے لئے ناسور اور سرطان قرار دیا اور سختی سے پورے رخنے بند کر ڈالے۔ حتیٰ کہ محققین نے نیوتہ کی رسم کو اسی میں داخل کر کے ممنوع قرار دیا ہے۔ برادری کی تقریبات میں ہدایا اور تحفوں کا لینا دینا اس نیت سے کہ وہ رقم بعینہٖ یا اس سے زائد ہو کر واپس آئے گی۔ چنانچہ نہ آنے کی صورت میں حکایت شکایت ہوتی ہے۔ بلکہ بعض برادریوں کے کھاتوں میں اس کا اندراج بھی ہوتا ہے۔ غرض کہ یہ بھی ایک لعنت ہے۔

ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ العطیة التی تعطی للاقارب للزیادة فی اموالهم اور ابن عباسؓ مجاہد وغیرہ اکابر سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں۔ هو الرجل رب الشئ یرید ان یناب افصل منه فذالک الذی لا یربوا عند اللّٰه و لا یرجوا صاحبه فیه و لا اثم علیه (جصاص) قال عکرمة الربا رجوا ان ربا حلال و رباحرام فامرا لربوا الحلال فهو الذی یهدی یلتمس ماهوا فضل منه (قرطبی) ہاں کوئی واپسی کی نیت سے نہ دے۔ بلکہ یک طرفہ سلوک کرے وہ اس میں داخل نہیں ہے اور خصوصیت سے پیغمبر علیہ السلام کے لئے تو لا تمنن تستکثر فرمادیا گیا ہے۔ یعنی گو امت کے حق میں اس ربا، حلال (نیوتہ) کی اباحت ہے مگر آپ ﷺ کے لئے ممانعت ہی ہے۔

آیت ما اتیتم من زکوة. اگر مکی ہے تب تو زکوۃ بمعنی مطلق صدقہ ہے ورنہ مدنی ہونے کی صورت میں زکوۃ متعارف ہوگی۔

لطائف سلوک: .... بل اتبع الذین ظلموا سے خواہشات نفسانی کی پیروی کا مذموم ہونا واضح ہے۔

لا تبدیل لخلق اللّٰه. سے معلوم ہوتا ہے کہ فطریات میں تبدیلی نہیں ہو سکتی تمام شریعت اور طریقت کی ریاضتوں کا حاصل تبدیلی نہیں۔ بلکہ امالہ کر کے تعدیل مقصود ہوتی ہے اور یہ فن کا بہت بڑا مسئلہ اور نکتہ ہے۔

واذا مس الناس ضر. میں اشارہ ہے کہ انسانی طبیعت ہدایت و گمراہی سے مرکب ہوتی ہے مصیبت کے وقت ہدایت کا ظہور اور مصیبت کے بعد گمراہی کا ظہور ہوتا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ اَيِ الْقِفَارِ بِقَحْطِ الْمَطَرِ وَقِلَّةِ النَّبَاتِ وَالْبَحْرِ اَيِ الْبِلَادِ الَّتِيْ عَلَى الْاَنْهَارِ بِقِلَّةِ
مَائِهَا بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ مِنَ الْمَعَاصِيْ لِيُذِيْقَهُمْ بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا اَيْ
عُقُوْبَتَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾ يَتُوْبُوْنَ قُلْ لِكُفَّارِ مَكَّةَ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾ فَاُهْلِكُوْا بِاِشْرَاكِهِمْ وَمَسَاكِنُهُمْ وَمَنَازِلُهُمْ خَاوِيَةٌ فَاَقِمْ
وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ دِيْنِ الْاِسْلَامِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يَوْمَئِذٍ
يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الصَّادِ يَتَفَرَّقُوْنَ بَعْدَ الْحِسَابِ اِلَى الْجَنَّةِ وَالنَّارِ مَنْ كَفَرَ
فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَبَالُ كُفْرِهٖ هُوَ النَّارُ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ يُوَطِّئُوْنَ مَنَازِلَهُمْ
فِي الْجَنَّةِ لِيَجْزِيَ مُتَعَلِّقٌ بِيَصَّدَّعُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ يُثِيْبُهُمْ اِنَّهٗ
لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ اَيْ يُعَاقِبُهُمْ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ تَعَالٰى اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ بِمَعْنٰى لِتُبَشِّرَكُمْ
بِالْمَطَرِ وَّلِيُذِيْقَكُمْ بِهَا مِّنْ رَّحْمَتِهٖ الْمَطَرِ وَالْخِصْبِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ السُّفُنُ بِهَا بِاَمْرِهٖ بِاِرَادَتِهٖ
وَلِتَبْتَغُوْا تَطْلُبُوْا مِنْ فَضْلِهٖ الرِّزْقَ بِالتِّجَارَةِ فِي الْبَحْرِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ هٰذِهِ النِّعَمَ يَا اَهْلَ مَكَّةَ
فَتُوَحِّدُوْنَهٗ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ بِالْحُجَجِ الْوَاضِحَاتِ
عَلٰى صِدْقِهِمْ فِيْ رِسَالَتِهِمْ اِلَيْهِمْ فَكَذَّبُوْهُمْ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ اَهْلَكْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْهُمْ وَكَانَ
حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ عَلَى الْكَافِرِيْنَ بِاِهْلَاكِهِمْ وَاِنْجَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ
فَتُثِيْرُ سَحَابًا تُزْعِجُهٗ فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ مِنْ قِلَّةٍ وَكَثْرَةٍ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا بِفَتْحِ السِّيْنِ
وَسُكُوْنِهَا قِطَعًا مُتَفَرِّقَةً فَتَرَى الْوَدْقَ الْمَطَرَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ اَيْ وَسَطِهٖ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ بِالْوَدْقِ
مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ يَفْرَحُوْنَ بِالْمَطَرِ وَاِنْ وَقَدْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ
عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ تَاكِيْدٌ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ اٰيِسِيْنَ مِنْ اِنْزَالِهٖ فَانْظُرْ اِلٰى اٰثَرِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ اٰثَارِ رَحْمَتِ اللّٰهِ
اَيْ نِعْمَتِهٖ بِالْمَطَرِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اَيْ يُبْسِهَا بِاَنْ تُنْبِتَ اِنَّ ذٰلِكَ الْمُحْيِيَ الْاَرْضَ
لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَئِنْ لَامُ قَسَمٍ اَرْسَلْنَا رِيْحًا مُضِرَّةً عَلٰى نَبَاتٍ
فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا صَارُوْا جَوَابُ الْقَسَمِ مِنْۢ بَعْدِهٖ اَيْ بَعْدَ اصْفِرَارِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ يَجْحَدُوْنَ
النِّعْمَةَ بِالْمَطَرِ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ
الثَّانِيَةِ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْيَاءِ وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ مَا تُسْمِعُ

سِمَاعُ اَفْھَامٍ وَقُبُوْلٍ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الْقُرْاٰنِ فَھُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ مُخْلِصُوْنَ بِتَوْحِیْدِ اللّٰہِ

ترجمہ: .... بلائیں پھیل پڑی ہیں خشکی میں (یعنی جنگلات میں بارش کے قحط اور پیداوار نہ ہونے سے) اور تری میں (یعنی ساحلی علاقوں میں پانی کی کمی کی وجہ سے) لوگوں کے اعمال کے سبب (یعنی گناہوں کے) تا کہ اللہ ان کے بعض اعمال کا مزہ (بدلہ) چکھائے (نون اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے) تا کہ وہ لوگ باز آ جائیں (توبہ کرلیں) آپ فرما دیجئے (کفار مکہ سے) کہ ملک میں چلو پھرو، پھر دیکھو جو لوگ پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا۔ ان میں اکثر مشرک ہی تھے۔ (چنانچہ وہ شرک کی پاداش میں تباہ ہو گئے۔ ان کے گھر، محلات کھنڈرات بنے پڑے ہیں) سو آپ اپنا رخ دین قیم (اسلام) کی طرف رکھئے قبل اس کے کہ ایسا دن آ جائے جس کے لئے پھر اللہ کی طرف سے ہٹنا نہیں ہوگا (یعنی قیامت کا دن) اس دن سب لوگ جدا جدا ہو جائیں گے (**یصدعون** کی اصل تا کا صاد میں ادغام ہو گیا ہے۔ حساب کتاب کے بعد جنت و جہنم میں الگ الگ بٹ جائیں گے) جو شخص کفر کر رہا ہے اس پر تو اس کا کفر پڑے گا (کفر کا وبال۔ جہنم) اور جو نیک عمل کر رہا ہے سو یہ لوگ اپنے لئے سامان کر رہے ہیں (جنت میں اپنے لئے محل تیار کر رہے ہیں) منشاء یہ ہے کہ اللہ جزاء دے (یہ متعلق ہے **یصدعون** کے) ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اپنے فضل سے (انہیں ثواب عطا فرمائے گا) واقعی اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا (یعنی انہیں سزا دے گا) اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوشخبری دیتی ہیں (یعنی وہ ہوائیں بارش کا پیغام لاتی ہیں) اور تا کہ تم کو ان ہواؤں کے سبب اپنی رحمت (بارش اور سرسبزی) کا مزہ چکھائے اور تا کہ کشتیاں (جہاز ہواؤں کے سبب) چلیں اللہ کے حکم (ارادہ) سے اور تا کہ تم تلاش کرو (ڈھونڈو) اس کی روزی (سمندری تجارت کے ذریعہ معاش) اور تا کہ تم شکر کرو (اے مکہ والو! ان نعمتوں کا لہٰذا توحید بجالاؤ) اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر، ان کی قوموں کے پاس بھیجے اور وہ ان کے پاس دلائل لے کر آئے (کھلی حجتیں اپنی رسالت کی سچائی پر۔ لیکن انہوں نے ان کو جھٹلا دیا) سو ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جو جرائم کے مرتکب ہوئے تھے (ہم نے رسولوں کے جھٹلانے والوں کو برباد کر دیا) اور ایمان داروں کو غالب کر دینا ہمارے ذمہ تھا (کافروں کے مقابلہ میں۔ کفار کو ہلاک کر کے اور مسلمانوں کو تجارت دے کر) اللہ ہی وہ ہے کہ ہوائیں بھیجتا ہے۔ پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں (ہنکاتی ہیں) پھر اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا تا ہے (کم یا زیادہ) اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے (کسفاً سین کے فتحہ اور سکون کے ساتھ۔ متفرق ٹکڑے) پھر تم بارش (مینہ) کو دیکھتے ہو کہ اس کے اندر (بیچ) سے نکلتی ہے۔ پھر وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے (بارش) پہنچا دیتا ہے۔ تو بس وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں (بارش کی وجہ سے خوش ہو جاتے ہیں) اور واقعہ یہ ہے (ان بمعنی قد) کہ وہ لوگ قبل اس کے کہ ان کے خوش ہونے سے پہلے (لفظ من قبلہ تاکید ہے) ناامید تھے (بارش سے مایوس) سو دیکھو اثر (ایک قراءت میں آثار ہے) رحمت الٰہی کا (یعنی بارش کی نعمت) کہ اللہ کس طرح زندہ کرتا ہے مردہ زمین کو ہونے کے بعد (یعنی خشک ہونے کے بعد قابل پیداوار کر دیتا ہے) کچھ شک نہیں کہ وہی ہے (زمین کو زندگی بخشنے والا) مردوں کو جلانے والا اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور یقیناً اگر ہم (لام قسم ہے) ان پر اور ہوا چلا دیں (کھیتوں کو نقصان پہنچانے والی) پھر یہ لوگ کھیتی کو زرد ہوا دیکھیں تو ہو جائیں (ظلموا بمعنی صاروا ہے۔ یہ جواب قسم ہے) اس کے بعد (زرد ہونے کے بعد) لوگ ناشکری کرنے والے (بارش کی نعمت کا انکار کرنے لگیں) سو آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو آواز سنا سکتے ہیں جب کہ (تحقیق ہمزتین کے ساتھ اور دوسری ہمزہ کی تسہیل کرتے ہوئے ہمزہ اور یا کے درمیان) یہ لوگ پیٹھ پھیر کر چل دیں اور آپ اندھوں کو ان کی بے راہ روی سے راہ پر نہیں لا سکتے پس آپ سنا سکتے ہیں (ان بمعنی ما ہے۔ سمجھ کر اور قبول کر کے سننا) انہی لوگوں کے جو ہماری آیتوں (قرآن) کا یقین رکھتے ہیں (توحید میں مخلص ہیں)

تحقیق وترکیب: .... القفار. بکسر القاف جمع قفر کی ہے۔ ایسا جنگل جس میں گھاس پانی کچھ نہ ہو اور بفتح القاف بغیر سالن

روئی کو کہتے ہیں۔

البحر. مراد ساحلی علاقہ۔ بحر سے قرب کی وجہ سے اس کو بھی بحر کہہ دیا ہے۔ اور عکرمہؓ سے منقول ہے۔ کہ عرب شہروں کو بھی بحر کہتے ہیں ان کی وسعت کی وجہ سے اور جس طرح بارش نہ ہونے سے خشکی میں قحط سالی کا نقصان ہے اسی طرح سمندروں میں بھی نقصان ہوتا ہے۔ سیپیاں خشک رہتی ہیں۔ موتی نہیں بنتے۔ مچھلیاں وغیرہ کم ہوجاتی ہیں۔ اور بقول ابن عباسؓ، عکرمہؓ، مجاہدؒ خشکی کا فساد قابیل کا ہابیل کو قتل کرنا اور سمندر کا فساد واقعہ خضر میں ظالم بادشاہ کا کشتیوں کو غصب کرنا ہے۔ ممکن ہے یہ بطور تمثیل فرمایا ہو۔ ورنہ وجہ تخصیص کچھ نہیں ہے۔

لیذیقهم. ابن کثیرؒ نون کے ساتھ اور باقی قراءؒ یاء کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

بعض الذی. مفسر علامؒ نے عقوبة نکال کر تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ای عقوبة بعض الذی سبب ہونے کی وجہ سے اطلاق کیا گیا ہے۔

اقم. امام ہونے کی وجہ سے خطاب آنحضرت ﷺ کو ہے۔ مگر مراد سب ہیں۔

یتصدعون. برتن کا پھٹ جانا۔ مگر یہاں مطلقاً تفریق کے معنی ہیں۔

فلا نفسهم. یعنی ان کے اعمال کی وجہ سے انہیں جنت عطا ہوگی۔ مگر خود ان کی طرف اضافت کردی گئی ہے۔ اور دونوں جگہ ظرف اس لئے مقدم کیا گیا۔ کہ ایمان وکفر کے نفع نقصان کا اصل تعلق مومن وکافر کے ساتھ معلوم ہوجائے۔

لیجزی. لام عاقبت کا ہے یا تعلیلیہ اس کا تعلق اگر یصعدون سے بقول مفسرؒ اگر کیا جائے تو صرف مومن کی جزاء پر اکتفاء کرنے میں یہ نکتہ ہوگا کہ وہ مقصود بالذات ہے۔ لیکن اگر یمهدون کے متعلق کیا جائے تو پھر اس توجیہ کی حاجت نہیں رہے گی۔

الریاح. جنوبی شمالی ہوا کو کہتے ہیں اور صبا رحمت کی ہوا پچھوا ہوا دبور عذاب کی ہوا پروا ہوا۔ ریاح اور ریح کے فرق پر یہ حدیث ہے۔ اللهم اجعلها ریاحا ولا تجعلها ریحا.

ولقدار سلنا. آنحضرت ﷺ کی تسلی مقصود ہے۔

وکان حقا. بعض حضرات حقاً پر عطف کرتے ہیں اور بعد میں کان کا اسم مضمر مان کر اور حقا کو اس کی خبر مان کر علیحدہ جملہ کر لیتے ہیں ای وکان الا نتقام حقاً. اور بعض حقاً کو مصدر کی بنا پر منصوب مانتے ہیں اور کان کا اسم ضمیر شان اور علینا خبر مقدم اور نصر مبتداء مؤخر اور پھر جملہ کو کان کی خبر کہتے ہیں اور بعض حقا کو مصدریت کی وجہ سے منصوب مانتے ہوئے اور علینا خبر مقدم اور نصر کو مبتداء مؤخر کہتے ہیں۔ لیکن اچھا یہ ہے کہ نصر کان کا اسم اور حقاً خبر اور علیها یا حقا سے متعلق ہو یا محذوف سے متعلق ہوکر خبر کی صفت ہو۔

تزعجه. متحرک اور برانگیختہ کرنا۔ اپنی جگہ سے ہٹا دینا۔

کسفا. کسف بمعنی قطعہ جمع کسفٌ و کِسَف.

ان کانوا. بقول بغویؒ ان بمعنی قد ہے۔ لیکن دوسرے مفسرینؒ ان مخففہ مانتے ہیں۔ اسم ضمیر شان محذوف ہے ای وان الشان کانوا. چنانچہ لمبلسین کا لام اس کی تائید کرتا ہے۔

من قبله. اس تاکید میں اشارہ ہے کہ انتہائی مایوسی کے بعد انہیں کامیابی ہوئی۔

فانظر. اس میں فا سرعت پر دلالت کر رہی ہے۔

کیف یحیی. حذف جار کرتے ہوئے محل نصب میں ہے ای فانظرا لی احیائه البدیع للارض بعد موتها. اور بعض نے کیف کو حال کی وجہ سے منصوب مانا ہے۔

لظلوا. چونکہ یہاں شرط اور قسم دونوں ہیں اور شرط مؤخر ہے۔ اس لئے اس کا جواب حذف کردیا گیا جواب قسم کے دلالت

کرنے کی وجہ سے ای و باللہ لئن ارسلنا ریحا حارۃ او باردۃ خضرت مز رعھم بالصفرۃ فراوہ مصفر الظلوا من بعدہ یکفرون۔

فانک. یہ علت ہے ماقبل کے مفہوم کی ای لا تحزن لعدم تذکیرک فانک لا تسمع الموتیٰ. ابن ہمامؒ اور بہت سے مشائخ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے سماع موتی کے منکر ہیں۔اسی لئے تلقین میت کے بھی یہ حضرات قائل نہیں۔ نیز اگر کوئی شخص حلف کرے " لا اکلم فلانا" اور اس کے مرنے کے بعد بات چیت کرے تو حانث نہیں ہوگا۔البتہ واقعہ" قلیب بدر" سے ان حضرات پر اعتراض ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے " ما انتم باسمع منھم " فرمایا جس سے سماع موتی ثابت ہے۔

اس کے دو دو جواب ہوسکتے ہیں۔ایک یہ کہ حضرت عائشہؓ اس کی منکر ہیں۔دوسرے یہ کہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خصائص اور معجزات میں سے ہو یا بطور تمثیل ارشاد فرمایا ہو جیسا کہ حضرت علیؓ سے منقول ہے۔ نیز ان حضرات پر مسلم کی روایت سے بھی اعتراض ہوسکتا ہے۔ان المیت یسمع قرع نعالھم اذا انصرفوا مگر ممکن ہے قبر میں نکیرین کے سوال وجواب کی ابتدائی حالت پر یہ روایت محمول ہو اور بعد میں مردہ کی یہ کیفیت نہ رہتی ہو۔اس طرح آیت اور روایت دونوں میں تطبیق ہوسکتی ہے۔قائلین سماع موتیٰ اس آیت کو مجاز پر محمول کرتے ہیں اور یہ کہ موتیٰ اور من فی القبور سے مراد مردے نہیں ہیں بلکہ کفار ہیں۔نفع سے محرومی کی وجہ سے انہیں موتیٰ کہا گیا ہے اور یا حقیقی معنی اگر لئے جائیں تو ممکن ہے کہ سماع خاص کی نفی مقصود ہو۔یعنی ایسا سننا جس پر اثرات مرتب ہوں یعنی اجابت اور تکلم ایسا سننا مردوں میں نہیں ہوتا۔ مطلق سماع کی نفی مراد نہیں ہے۔اس پر کچھ کلام پہلے سورۂ نمل کے آخر میں بھی گزر چکا ہے۔

ربط: .... پچھلی آیات میں توحید کو ثابت اور شرک کو باطل کہا گیا تھا۔آیت ظھر الفساد سے گناہوں کا جس میں شرک وکفر سب سے برا اور بڑا گناہ ہے۔دنیاوی وبال اور آخرت کی شامت اعمال بیان کی جارہی ہے اور اس کے مقابلہ میں توحید اور نیکیوں کا اچھا مآل مذکور ہے۔

آیت ومن ایاتہ ان یرسل سے کچھ تھوڑے سے اختلاف سے وہی مضمون ہے جو پہلے بھی گزر چکا ہے۔مگر پہلے دلائل توحید کی حیثیت سے بیان ہوا تھا اور یہاں انعامات خداوندی ثمرہ اعمال ہونے کے لحاظ سے مذکور ہے۔حاصل مجموعہ کا یہ ہے کہ یہ تصرفات کونیہ دلائل ہونے کے اعتبار سے بھی توحید کا ثبوت فراہم کررہے ہیں اور انعامات الٰہیہ ہونے کی رو سے بھی مقتضی توحید ہیں کہ توحید باعث شکر ہوتی ہے اور شرک اعلیٰ درجہ کی ناشکری ہے اور چونکہ مشرکین اس کے باوجود اپنے طور طریق پر مصر ہیں جس سے آپ کو بے حد رنج وملال تھا۔اس لئے آیت ولقد ارسلنا اور آیت انک لاتسمع الموتیٰ میں آپ کو تسلی مقصود ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ آیاتِ الٰہی میں ان کا تدبر نہ کرنا تو اس لئے ہے کہ یہ مردود بہروں اور اندھوں کے مشابہ ہیں۔اس لئے ان سے امید نہ رکھی جائے،اور چونکہ عنقریب ان سے انتقام لیا جائے گا اس لئے ان کی ناشکری اور مخالفت حق کی طرف بھی التفات نہ کیجئے اور چونکہ ضرب لکم مثلاً سے شروع میں توحید پر استدلال کیا گیا تھا اس لئے عدم تدبر کے مضمون پر کہ استدلال سے متعلق ہے کلام اختتام مناسب ہوا، گویا مبداء اور منتہا ایک ہوگیا جو ابلغ ہے۔اس لئے انک لا تسمع اخیر میں لائے اور لقد ارسلنا کو جو کہ عدم تشکر کی تسلی کو متضمن ہے احوال یا ریاح کے درمیان بطور جملہ معترضہ لے آئے ہیں پس ذکر میں مقدم مضمون کی تسلی مؤخر اور مؤخر مضمون کی تسلی مقدم ہوگئی۔

﴿ تشریح ﴾: .... بندوں کی بدکاریوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں خرابی پھیلنا گو ہمیشہ ہوتا رہا اور ہوتا رہے گا۔لیکن جس خوفناک عموم کے ساتھ بعثت محمدی سے پہلے یہ تاریک گھٹا مشرق ومغرب اور بحر و بر پر چھا گئی تھی۔دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ شاید اس عموم فتنہ وفساد کو پیش نظر رکھ کر قتادہؒ نے آیت کا محمل زمانہ جاہلیت کو قرار دیا ہے۔

انسان کی بداعمالیاں ساری دنیا کی مصیبت کا ذریعہ ہیں: .... یہ سب اللہ تعالیٰ نے اس لئے چاہا کہ بندوں کی بداعمالیوں کا تھوڑا سا مزہ دنیا میں بھی چکھا دیا جائے۔ پوری سزا تو آخرت میں ملے گی۔ ممکن ہے کچھ لوگ ڈر کر راہ راست پر آ جائیں۔ نظام عالم قائم ہی طاعت الٰہی سے ہے اور اسلام کی راست روی سے کجروی کا نتیجہ یہ ہے کہ اخلاقی عمارت کے ستون گر جائیں۔ اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ آخر زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام کی عہد حکومت میں زمین عدل و انصاف سے بھر جائے گی۔ اس کا راز بھی یہی ہے کہ اس وقت شریعت اسلام کا سکہ چل رہا ہوگا۔ اسلام آنے سے پہلے دنیا میں بڑی تہذیبیں دو ہی تھیں۔ ایک رومی مسیحی، دوسرے ایرانی مجوسی۔ یہ دونوں اخلاقی انحطاط کی آخری پستیوں تک پہنچ چکی تھیں۔ یہاں تک کہ قرآن نے آ کر اعلان کیا کہ ہر مرض کا مداوا میرے ہی شفاخانہ میں ہے۔ **عن ابن عباس و كان ظهر الفساد براو بحرا وقت بعثة رسول الله صلى الله عليه وسلم و كان الظلم عم الارض فاظهر الله به الدين.** غرض کہ الفساد والبر والبحر میں عموم ہے زماناً بھی اور مکاناً بھی۔

تکوینی مصائب اصلاح خلق کا ذریعہ ہیں: .... اکثروں پر تو یہ شامت کفر و شرک کی وجہ سے آئی اور بعض پر دوسرے گناہوں کی وجہ سے بھی آئی ہوگی۔ اور ان حوادث تکوینی کا راز یہی ہے کہ یہ بلائیں اس لئے آتی ہیں کہ انسان ان کی وجہ سے اپنی طرف توجہ کرنا سیکھے۔ ان بلاؤں کا مقصود بھی اصلاح خلق ہی ہے۔ علامہ آلوسی نے صحیح لکھا ہے کہ شر مقصود بالذات نہیں ہوتا۔ اس کی حیثیت نشتر کی ہے جو محض آلہ ہوتا ہے حصول صحت و شفا کا جو مقصود اصلی ہے دین قیم پر رہنا ہی سب خرابیوں کا علاج ہے اور یہ دنیا میں رہ کر اس دن کے آنے سے پہلے ہی ہو سکتا ہے کہ جس کا آنا اٹل ہے نہ کوئی طاقت اسے پھیر سکتی ہے نہ خود اللہ میاں ملتوی کریں گے اور جو کفر کر رہے ہیں اس کا وبال خود اسی کو بھگتنا پڑے گا اور جو نیک کام کر رہا ہے وہ اپنے ہی لئے جنت کی تیاری کر رہا ہے۔

امام رازیؒ نے اس میں یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت چونکہ غضب سے وسیع تر ہے۔ اس لئے بدی کا بدلہ تو بدکاری تک محدود رکھا۔ مگر نیکی کا دائرہ وسیع کر کے **فلانفسهم يمهدون** فرمایا۔ جس میں عزیز واقربا بھی آ جائیں گی۔ نیز فرمایا کہ "**من كفر**" کے مقابلہ میں **من آمن** کی بجائے **من عمل** فرمایا تاکہ عمل صالح کی ترغیب ہو جائے۔ اور ایمان کی تکمیل ہو سکے اور **من كفر** کی علت میں **فعليه كفره** اور **من عمل صالحاً** علت کی بجائے **من فضله** فرما کر اشارہ کر دیا کہ سزا تو بلا علت نہیں ہوتی مگر رحمت بلا علت محض فضل سے ہوتی ہے۔

عربوں کی جہاز رانی: .... **ان يرسل الرياح.** قرآن کے پہلے مخاطب اہل عرب تھے اور عرب میں برساتی ہواؤں کی خوشگواری خود ایک مستقل نعمت ہے لیکن عام طور سے دوسرے زراعتی ملکوں کے لئے بھی مون سون کسان کے لئے کیا عظیم بشارت نہیں۔ اول ٹھنڈی ہوائیں باران رحمت کی خوشخبری لاتی ہیں۔ پھر خدا کی رحمت سے مینہ برستا ہے اور زمین سونا اگلتی ہے۔ بارش کے علاوہ انہی ہواؤں کا ایک کام یہ بھی ہے۔ کہ وہ بحری سفر کو ممکن بنا دے۔ بادبانی، جہاز اور کشتیاں تو خیر ہوا سے چلتی ہی ہیں۔ دخانی جہاز اور اسٹیمر میں بھی ہواؤں کی مدد شامل رہتی ہے۔ آج دنیا کی متمول ترین قوموں کا راز بھی تجارت ہے جسے عربوں نے قرآنی اشارات سے بہت پہلے سمجھ لیا تھا۔ "عربوں کی جہاز رانی" مشہور ہے۔

پہلے خشکی و تری میں فساد پھیلنے کا ذکر تھا۔ یہاں بشارت و نعمت کا تذکرہ ہوا۔ شاید اس میں یہ بھی اشارہ ہو کہ آندھی اور غبار پھیلنے کے بعد امید رکھو کہ باران رحمت آیا ہی چاہتی ہے۔ ٹھنڈی ہوائیں چل پڑی ہیں۔ جو رحمت و فضل کی خوشخبری سنا رہی ہیں۔ کافروں کو چاہئے کہ کفران نعمت اور شرارت سے باز آ جائیں اور خدا کی مہربانیاں دیکھ کر شکر گزار بندے بنیں۔ یہی اس کتاب مبین کا امتیاز ہے کہ قدم قدم پر ساری مادی نعمتوں اور ترقیوں کے بعد انسان کو حدود عبدیت کے اندر رہنے کا درس دیتی رہتی ہیں۔

انتقام خداوندی:.......... فانتقمنا. بعض کم فہموں کو انتقام کے لفظ پر شبہ ہوگیا کہ یہ شان الٰہی سے بعید ہے؟ لیکن بنیاد اس شبہ کی تمام تر ''کینہ پروری اور انتقام'' کے درمیان فرق نہ کرنا ہے۔ انتقام کے معنی مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے ہیں جو قیام عدل کا ایک لازمہ ہے ورنہ پھر نظام عدل ہی کو سرے سے خیر باد کہہ دیا جائے اور کینہ پروری محض ذاتی پرخاش کا نام ہے جو بلاسبب ہو۔

نیز اصل آیت میں مومنوں اور کافروں کی عام آویزش کا بیان نہیں اور نہ ہر حال میں مومنین کی نفرت کا کوئی عام وعدہ ہے۔ بلکہ کہنا یہ ہے کہ جب پیغمبروں کی تکذیب اور براہ راست مقابلہ کیا جائے اس وقت آخری شکست منکروں کی ہوتی ہے۔ آگے پھر ہوا کا ذکر ہے کہ جس طرح باران رحمت سے پہلے ہوائیں چلتی ہیں۔ اسی طرح دین کے غلبہ کی نشانیاں روشن ہوتی جاتی ہیں۔

الله الذی یرسل. یعنی پہلے لوگ ناامید ہو رہے تھے۔ حتیٰ کہ بارش آنے سے ذرا پہلے تک بھی امید نہ تھی کہ مینہ برس کر ایک دم رت بدل جائے گی۔ مگر انسان کا حال بھی عجیب ہے ذرا دیر میں ناامید ہو کر منہ لٹکا لیتا ہے پھر ذرا دیر میں خوشی سے اچھل کود کرنے لگتا ہے اور کھل جاتا ہے۔ کاشت کاروں کی نفسیات سے جو واقف ہوں گے وہ قرآنی فقروں کی دل کھول کر داد دیں گے۔

انسان کی خودغرضی اور قدرت کی نیرنگی:.......... فانظر الیٰ اثار. کچھ دیر پہلے ہر طرف خاک اڑ رہی تھی اور زمین خشک بے رونق مردہ پڑی تھی۔ ناگہاں اللہ کی رحمت سے زندہ ہو کر لہلہانے لگی۔ بارش نے اس کی پوشیدہ قوتوں کو کتنی جلدی ابھار دیا۔ یہی حال روحانی بارش کا سمجھو۔ اس سے مردہ دلوں میں جان پڑے گی اور انہیں روحانی زندگی عطا کرے گا اور قیامت کے دن مردہ لاشوں میں دوبارہ جان ڈال دے گا۔ اس کی قدرت کے آگے کچھ مشکل نہیں۔ بارش نہ ہونے سے پہلے انسان ناامید ہوتا ہے۔ بارش آئی زمین جی اٹھی۔ خوشیاں منانے لگے۔ اس کے بعد اگر ہم ایک ہوا چلا دیں جس سے کھیتیاں خشک ہو کر زرد پڑ جائیں تو یہ لوگ ایک دم پھر بدل جائیں اور اللہ کے احسانات ایک ایک کر کے بھلا دیں۔ انسان تو اپنی غرض کا بندہ ہے اسے بدلتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ اللہ کی قدرت رنگا رنگ ہے۔ معلوم نہیں نعمت کب چھین لے اور شاید اس میں اس طرف بھی اشارہ ہو کہ دین کی کھیتی سرسبز ہو کر پھر مخالف ہواؤں کے جھونکوں سے مرجھا کر زرد پڑ جائے گی اس وقت مایوس ہو کر ہمت ہارنی نہیں چاہئے۔

مردے سنتے ہیں کہ نہیں:.......... فانک لا تسمع الموتیٰ۔ اس موقعہ پر مفسرینؒ نے سماع موتی کی بحث چھیڑ دی ہے۔ یوں تو صحابہؓ کے زمانہ سے اس مسئلہ میں اختلاف چلا آ رہا ہے اور دلائل دونوں جانب ہیں۔ یہاں تو صرف اتنی بات سمجھ لینی چاہئے۔ کہ ارشاد ربانی ہے کہ تم یہ نہیں کر سکتے کہ کچھ بولو اور اپنی آواز مردے کو سنا دو۔ کیونکہ اس طرح مردوں کو سنانا اسباب عادیہ کی رو سے انسان کا کام نہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے تمہاری کوئی بات مردے کو سنوا دے تو ممکن ہے۔ کسی مسلمان کو اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ پس جن نصوص سے مردوں کا سننا ثابت ہے وہ غیر معمولی ہے۔ ہمیں اسی حد تک تسلیم کرنا چاہئے۔ خواہ مخواہ سننے کے دائرے کو وسیع نہیں کر سکتے کہ وہ ہر بات کو ہر وقت ہر جگہ سن سکتے ہیں۔

غرض کہ آیت میں سنانے کی نفی کی گئی ہے اس سے سننے کی نفی لازم نہیں آتی۔ تاہم بزرگوں کی قبور کی نسبت جو جاہلوں میں بد عقیدگیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کو دیکھتے ہوئے سکوت اور توقف بہتر ہے۔

لطائف سلوک:.......... ظهر الفساد. میں اشارہ ہے کہ تکوینی شرور و آفات مقصود بالذات نہیں ہوتے۔ بلکہ مواد فاسد نکالنے کے لئے نشتر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مقصود اصلی صحت روحانی ہے۔

فانظر الیٰ آثار. اس میں حق تعالیٰ کے افعال کی تجلی کے مشاہدہ کا حکم ہے۔

فانك لا تسمع. تینوں جملوں سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ گمراہی اور ہدایت نہ کسی نبی کے قبضہ میں ہے اور نہ کسی ولی کے بس میں ہے۔ پس کچھ لوگوں کا یہ گمان کہاں تک درست ہے کہ کسی کو کامل بنا دینا مشائخ کے اختیار میں ہے۔

ان تسمع الا. اس آیت میں یہ کہا گیا کہ آپ صرف مومن کو سنا سکتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ سننے کی شرط ایمان ہے۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے کہ سننا ایمان لانے کی شرط ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ایمان سے مراد استعداد کا درجہ اور بالقوۃ مرتبہ مراد ہے جس سے فعل کا استعداد پر موقوف ہونا ثابت ہوا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ مَاءٍ مَّهِیْنٍ **ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ** اٰخَرَ وَهُوَ ضُعْفُ الطُّفُوْلِیَّةِ **قُوَّةً** اَیْ قُوَّةَ الشَّبَابِ **ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَیْبَةً** ضُعْفُ الْكِبَرِ وَشَیْبُ الْهَرَمِ وَالضُّعْفُ فِی الثَّلَاثَةِ بِضَمِّ اَوَّلِهٖ وَفَتْحِهٖ **یَخْلُقُ مَایَشَآءُ** مِنَ الضُّعْفِ وَالْقُوَّةِ وَالشَّبَابِ وَالشَّیْبَةِ **وَهُوَ الْعَلِیْمُ** بِتَدْبِیْرِ خَلْقِهٖ **الْقَدِیْرُ** ﴿۵۴﴾ عَلٰی مَایَشَاءُ **وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ** یَحْلِفُ **الْمُجْرِمُوْنَ** اَلْكَافِرُوْنَ **مَالَبِثُوْا** فِی الْقُبُوْرِ **غَیْرَ سَاعَةٍ** قَالَ تَعَالٰی **كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ** ﴿۵۵﴾ یُصْرَفُوْنَ عَنِ الْحَقِّ الْبَعْثِ كَمَا صُرِفُوْا عَنِ الْحَقِّ الصِّدْقِ فِیْ مُدَّةِ اللُّبْثِ **وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِیْمَانَ** مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَغَیْرِهِمْ **لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ** فِیْمَا كَتَبَهٗ فِیْ سَابِقِ عِلْمِهٖ **اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ** الَّذِیْ اَنْكَرْتُمُوْهُ **وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ** ﴿۵۶﴾ وُقُوْعَهٗ **فَیَوْمَئِذٍ لَّایَنْفَعُ** بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ **الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ** فِیْ اِنْكَارِهِمْ لَهٗ **وَلَاهُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ** ﴿۵۷﴾ لَایُطْلَبُ مِنْهُمُ الْعُتْبٰی اَیِ الرُّجُوْعُ اِلٰی مَایَرْضَی اللّٰهُ **وَلَقَدْ ضَرَبْنَا** جَعَلْنَا **لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ** تَنْبِیْهًا لَهُمْ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **جِئْتَهُمْ** یَامُحَمَّدُ **بِاٰیَةٍ** مِثْلَ الْعَصَا وَالْیَدِ لِمُوْسٰی **لَّیَقُوْلَنَّ** حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِی النُّوْنَاتِ وَالْوَاوُ ضَمِیْرُ الْجَمْعِ لِاِلْتِقَاءِ السَّاكِنَیْنِ **الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا** مِنْهُمْ **اِنْ** مَا **اَنْتُمْ** اَیْ مُحَمَّدٌ وَاَصْحَابُهٗ **اِلَّا مُبْطِلُوْنَ** ﴿۵۸﴾ اَصْحَابُ اَبَاطِیْلَ **كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَایَعْلَمُوْنَ** ﴿۵۹﴾ التَّوْحِیْدَ كَمَا طَبَعَ عَلٰی قُلُوْبِ هٰؤُلَاءِ **فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بِنَصْرِكَ عَلَیْهِمْ **حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ** ﴿۶۰﴾ بِالْبَعْثِ اَیْ لَایَحْمِلَنَّكَ عَلَی الْخِفَّةِ وَالطَّیْشِ بِتَرْكِ الصَّبْرِ اَیْ لَا تَتْرُكَنَّهٗ

ترجمہ: .... **اللہ** ہے جس نے تم کو ناتوانی کی حالت میں بنایا (حقیر پانی سے) پھر ناتوانی (بچپن کی کمزوری) کے بعد (جوانی کی قوت) توانائی عطا کی۔ پھر توانائی کے بعد ضعف اور بڑھاپا دیا (بڑھاپے کی کمزوری اور انتہائی کمزوری اور لفظ ضعف تینوں جگہ ضمہ اول اور فتحہ اول کے ساتھ ہے) وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے (کمزوری اور قوت، جوانی اور بڑھاپا) اور وہ (اپنی مخلوق کی تدبیر) جاننے والا (جو چاہے اس پر) قدرت رکھنے والا ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی قسم کھا بیٹھیں گے (حلف اٹھالیں گے) مجرم (کافر) کہ وہ

(قبروں میں) ایک گھڑی سے زیادہ رہے ہی نہیں (اللہ فرمائے گا) اسی طرح یہ لوگ الٹے چلا کرتے تھے (قیامت کے حق ہونے سے ایسے ہی پھر گئے جیسے ٹھہرنے کی مدت سے سچائی سے منہ موڑ رہے ہیں۔) اور جن لوگوں کو علم اور ایما عطا ہوا ہے (فرشتے وغیرہ) وہ کہیں گے کہ تم نوشتہ الٰہی کے مطابق (جو اس نے علم ازلی کے موافق لکھا ہے) قیامت کے دن تک رہے ہو۔ سو قیامت کا دن یہی ہے (جس کا تم انکار کیا کرتے تھے) لیکن تم یقین نہ کرتے تھے (اس کے ہونے کا) غرض اس روز نفع نہ دے گا (تا اور یا کے ساتھ ہے) ظالموں کو ان کا عذر کرنا (قیامت کے انکار کے سلسلہ میں) اور نہ ان سے خدا کی خفگی کا تدارک چاہا جائے گا (خدا کی ناراضی دور کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ یعنی خدا کی خوشنودی کی طرف رجوع کرنے کے لئے) اور ہم نے بیان کئے (بنائے) لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر طرح کے عمدہ مضامین (ان کی تنبیہ کے لئے) اور اگر (لام قسمیہ ہے) آپ (اے محمد ﷺ) ان کے پاس کوئی نشان لے آئیں (جیسے عصائے موسیٰ اور ید بیضاء) تب بھی یہی کہیں گے (لیقولن سے نون رفع حذف کر دیا گیا ہے تین نون جمع ہو جانے کی وجہ سے اور واؤ ضمیر جمع بھی حذف کر دیا گیا ہے۔ التقاء ساکنین کی وجہ سے) وہ لوگ جو (ان میں) کافر ہیں کہ تم سب (اے محمد ﷺ اور ان کے ساتھیو) محض باطل پر (غلط کار لوگ) ہو اسی طرح اللہ مہر کر دیتا ہے ان کے دلوں پر جو یقین نہیں کرتے (توحید پر جیسے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے) سو آپ صبر کیجئے۔ بے شک اللہ کا وعدہ (ان کے مقابلہ میں آپ کی مدد کا) سچا ہے اور بے یقین لوگ آپ کو بے برداشت نہ کرنے پائیں (جو قیامت کے منکر ہیں۔ یعنی وہ آپ کو ہلکے پن اور طیش میں مبتلا کر کے بے قابو ہونے پر آمادہ نہ کرنے پائیں یعنی صبر کا دامن نہ چھوڑیئے۔

تحقیق وترکیب: .... خلقکم من ضعف. ای ابتداء کم ضعفاء وجعل الضعف اساس امر کم. دوسری آیت میں خلق الانسان ضعیفاً فرمایا گیا ہے اور ضعف کہتے ہیں استعارہ کلیہ ہے کہ ضعف کو بنیاد اور مادہ سے تشبیہ دی گئی۔ اور لفظ من استعارہ تخلیلیہ کے طور پر داخل کیا گیا ہے مبتداء خبر سے مل کر جملہ خبریہ ہے۔

من بعد ضعف. مفسر علامؒ نے صفت اس لئے کہا ہے کہ نکرہ جب دوبارہ لایا جاتا ہے تو اس سے پہلے کے خلاف مراد ہوتا ہے۔ اگرچہ اس قاعدہ اکثریہ کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں قوتوں سے مراد بھی الگ الگ ہو۔ مگر چونکہ ان کے اتحاد کا قرینہ ہے اس لئے تغایر نہیں کیا۔

ضعفا وشیبة. لفظ شیبہ یا تو ضعف کا بیان ہے اور یا دونوں لفظوں سے اندرونی اور ظاہر قوتوں کا تغیر مراد ہے اور یا لفظ ضعف سے ابتدائی درجہ اور شیبہ سے انتہائی درجہ مراد ہوگا۔ شیبہ کہتے ہیں سیاہ بالوں کا سفید ہو جانا جو عموماً تینتالیس سال کی عمر میں شروع ہوتا ہے جو ابتدائی سن کہولت ہے اور پچاس کے بعد سے تریسٹھ سال تک زمانہ نقصان ہے اور یہ ابتدائے سن شیخوخت ہے جس میں جسمانی اور عقلی نقصان شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن اہل صلاح وتقویٰ کی عقل البتہ بڑھتی ہے اور ''زمانہ ہرم'' بڈھے کھوسٹ ہونے کا وقت ہوتا ہے۔ جس میں انسان ہر طرح دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔ حدیث میں اس حالت سے استعاذہ کیا گیا ہے۔ **اللھم انی اعوذبک من الھرم** ۔ یہ وقت قابل رحم ہوتا ہے۔ تاویلات نجمیہ میں ہے۔ یتخلق فی السعید قوۃ الایمان وضعف البشریة وفی الشقی قوۃ البشریة بقول الکفر وضعف الروحانیة یقول الایمان.

ما لبثوا غیر ساعة. قیامت کی ہولناکیوں کے آگے یہ زمانہ ہیچ معلوم ہوگا۔ جیسے کسی کو پھانسی کا حکم ہو جائے اور ایک ماہ کی میعاد ہو جائے تو مہینہ گزرنے پر ایسا معلوم ہوگا کہ مہینہ گزرا ہی نہیں کل ہی کی بات ہے۔ لفظ الساعة یہ قیامت کا نام ہے تغلیباً جیسے النجم. ثریا کا اور الکوکب زہرہ کا علم ہو گیا ہے۔

فیومئذ. یوم منصوب ہے لاینفع کی وجہ سے اور اذ پر مضاف الیہ کے عوض تنوین آ گئی اور معذرة بمعنی عذر چونکہ مؤنث غیر

حقیقی ہے اور لا ینفع اور معذرۃ کے درمیان فصل بھی ہوگیا ہے۔ اس لئے ینفع مذکر اور مؤنث دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

یستعتبون. الا ستعتاب طلب العتبی اور عتبیٰ، اعتاب کا اسم ہے بمعنی ازالہ عتب، عتب بمعنی غضب ہے۔ جیسے **استعطاء** طلب عطا کے معنی میں۔ استعتاب خدا کی خوشنودی طلب کرنا اور توبہ کر کے غصہ دور کرنا۔ کہا جاتا ہے۔ **استعتبنی فلان فاعتبته** ای استر ضانی فارضیته.

لیقولن. مفسر علامؒ کی عبارت حذف منه الخ سبقت قلم کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے فعل کا مضموم اللام ہونا اور فاعل کا واؤ محذوف ہونا معلوم ہوتا ہے جو التقاء ساکنین کی وجہ سے گر گئی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ **یقولن** فعل مضارع نون تاکید کی وجہ سے مبنی برفتحہ ہے۔ پس لام بالاتفاق قراء مفتوح اور فاعل اسم موصول از قبیل اسم ظاہر ہے۔

ان انتم. لئن جئتهم. میں واحد مخاطب تو ظاہر کے مطابق ہے لیکن ان انتم میں جمع لانا اس میں نکتہ یہ ہے کہ کفار اپنے گمان میں یہ سمجھتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو تنہا مدعی بنانے میں صحابہ کے شاہد ہونے کا احتمال رہتا اور جب آپ کے دعوے پر بہت سے شاہد ہوتے تو کفار کا کہنا غلط ہو جاتا۔ اس لئے انہوں نے سب کو ملا کر اہل باطل کہہ دیا۔ تا کہ گواہوں کی بجائے سب کو مدعی کی لائن میں کھڑا کر دیا جائے۔

لایستخفنك. یہ نہی ایسی ہے جیسے کہا جائے۔ لا ارضیک ھھنا. یعنی اگرچہ بظاہر ممانعت آپ کو ہو رہی ہے۔ مگر مقصود دوسروں کو سنانا ہے۔

ربط: .... توحید کے بعد پھر بعث اور قیامت کی بحث چھیڑ دی اور یہ مضمون مکرات و مرات آ چکا ہے۔ شروع میں انسانی تغیرات بیان کرتے ہوئے اللہ الــــذی مانا گیا ہے۔ جس سے ایک طرف فاعل کا صاحب قدرت اور مؤثر ہونا معلوم ہوا۔ اور دوسری طرف منفعل یعنی انسان کا متاثر ہونا معلوم ہوا۔ اس لئے بعث و قیامت کے ہونے میں کیا اشکال رہ جاتا ہے۔

اس کے بعد آیت ولقد ضربنا میں دو مضمون بطور نتیجہ سورۃ کے بیان کئے جا رہے ہیں۔ ایک سورت کے مفصل مضامین کی تعریف اور بلاغت کا اجمالی ذکر جس سے اس کا بے حد مؤثر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اس شدت تاثیر کے باوجود کفار کا محروم ہونا آپ کے لئے باعث رنج و ملال تھا۔ اس لئے آپ کی تسلی کے لئے جہالت اور معاندت بیان کر دی گویا ان میں انفعالیت کا فقدان ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... آیت اللہ الــــذی کا حاصل یہ ہے کہ اللہ ہر تصرف میں آزاد و خود مختار ہے۔ وہی جب چاہے نیست کو ہست کر دے ضعیف سے قوی اور قوی سے ضعیف بنا دے۔

طاقت کا سر چشمہ اللہ کی ذات ہے: .... کسی کی مجال نہیں کہ چون و چرا یا روک ٹوک کر سکے۔ زندگی اور موت، قوت وضعف کا اتار چڑھاؤ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ پہلی ضعف سے مراد حالت جنین یا نطفہ کی کمزوری ہے اور دوسری ضعف سے عہد طفولیت اور بچپن کی ناطاقتی اور بے بسی مراد ہے اور قوت سے جوانی کی طاقت مراد ہے۔ شاید اس میں اشارہ اس طرف بھی ہو کہ جس طرح تمہیں کمزوری کے بعد زور دیا مسلمانوں کو بھی کمزوری کے بعد طاقت عطا کی جائے گی جو دین بظاہر اس وقت کمزور نظر آتا ہے کچھ دنوں بعد وہ زور پکڑ جائے گا۔ اس کے بعد ہو سکتا ہے کہ پھر مسلمانوں پر کمزوری کا دور آئے۔ خاص اسباب کے ماتحت اگرچہ مد و جزر ہوتا ہے مگر اصل سر چشمہ اللہ کی ذات ہے۔

دنیاوی زندگی یا برزخ کا واقعہ محشر کی ہولناکی کے آگے ہیچ ہے:............ ویقسم المجرمون. فی نفسہ اگرچہ دنیا کی مدت طویل رہی۔ مگر منکرین کے سامنے جب قیامت کا منظر آیا۔ تو انہیں اچانک معلوم ہوا کہ جیسا کہ خلاف توقع کوئی بات پیش آ جانے پر ایسا ہی معلوم ہوا کرتا ہے برخلاف اس کے اگر پہلے سے کسی چیز کا شوق وانتظار ہو تو انسان گھڑیاں گنتا رہتا ہے اور تھوڑا وقت بہت معلوم ہوا کرتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ قیامت کے ہولناک مناظر کے آگے دنیا کی پہاڑ سی زندگی بھی خواب وخیال نظر آئے گی۔ یا یہ مطلب ہے۔ کہ برزخ اور قبر کا واقعہ حشر سامانیوں کے آگے گرد معلوم ہوگا۔ جب مصیبت سر پر کھڑی نظر آئے گی۔ تو کہیں گے افسوس بڑی جلدی یہ وقفہ ختم ہوگیا کچھ بھی مہلت نہ ملی۔ جو ذرا دیر اس مصیبت سے بچے رہتے۔ اس طرح کی مغالطہ آمیز باتیں کرنا ان کی پرانی عادت ہے۔ دنیا میں بھی حقائق کے ادراک میں اسی طرح کی کج اندیشیاں کرتے رہتے تھے۔ فرشتے، انبیاء علماء یا مؤمنین یہ کہہ کر ان کی غلط بیانیوں کا پردہ چاک کر دیں گے کہ تم جھوٹ بکتے ہو یا دھوکہ میں پڑے ہوئے ہو۔ تم ٹھیک اللہ کے علم کے مطابق دنیا یا برزخ میں رہے۔ ایک منٹ کی کمی بھی نہیں ہوئی۔ اگر پہلے سے اس دن کا یقین کرتے اور تیاری کرتے تو تمہیں شوق میں محسوس ہوتا کہ اس دن کے آنے میں بہت دیر لگی۔ اس کا ان کے پاس کوئی معقول جواب نہیں ہوگا۔

توبہ تلا کا وقت بیت چکا اب تو سزا بھگتنی ہے:............ اس وقت ان سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ چلو اب توبہ کرلو اور اللہ کو راضی کر کے معافی تلافی کرلو۔ کیونکہ اس کا وقت گزر چکا ہوگا اب تو سزا بھگتنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہوگا۔ اس وقت پچھتائیں گے۔ مگر پچھتانے سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ دنیا میں رہ کر ان سب باتوں کا موقعہ تھا۔ کیونکہ وہ دارالعمل ہے۔ اس کو تو گنوا دیا اور قرآن کی صاف صاف دلیلوں کو جھٹلا دیا۔ واضح معجزات کا انکار کیا، پیغمبروں کا مذاق اڑایا، قرآن کو جادو اور من گھڑت بتلایا۔ ظاہر ہے کہ جو شخص نہ سمجھے اور نہ ہی سمجھنے کی کوشش کرے اور ہٹ دھرمی سے ہر بات کا انکار کرتا رہے تو قبول حق کی فطری استعداد بھی کھو بیٹھتا ہے۔ اس کے دل پر آخر کار مہر لگ جاتی ہے۔ اور جب یہ اس درجہ میں پہنچ گئے تو ظاہر ہے کہ آپ کے لئے پیغمبرانہ حوصلہ اور برداشت کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔ آپ ان سے ہٹ کر اپنے کام میں لگئے اور رنج وملال کی بجائے اصلاح ودعوت کے مشغلہ میں بدستور لگے رہئے۔

یہ لوگ آپ کا بال بیکا نہیں کر سکیں گے۔ اور نہ آپ کو آپ کے مقام سے بال برابر جنبش دے سکیں گے۔ اللہ کے وعدہ نصرت وفتح میں ظاہر ہے تفاوت یا تخلف نہیں ہوسکتا۔

نفسانی انتقام گو جائز ہے۔ مگر صاحب تبلیغ کے لئے بالخصوص ابتداء اسلام میں مناسب نہیں سمجھا گیا اور جہاد کو نفسانی انتقام نہیں کہا جائے گا کہ دونوں میں تعارض مان کر ناسخ منسوخ ماننا پڑے۔

لطائف سلوک:............ فاصبر ان وعداللہ حق. اس میں اہل ارشاد کو جو آنحضرت ﷺ کے سچے پیروکار ہیں۔ منکرین کے انکار کرنے پر صبر کرنے کا اشارہ ہے۔

سُــوْرَةُ لُقْـمَانَ

سُوْرَةُ لُقْمَانَ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَلَوْ اَنَّ مَافِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ اَلْاٰيَتَيْنِ فَمَدَنِيَّتَانِ وَهِيَ اَرْبَعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **تِلْكَ** اَيْ هٰذِهِ الْاٰيٰتِ **اٰيٰتُ الْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ **الْحَكِيْمِ** ﴿۲﴾ ذِي الْحِكْمَةِ وَالْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى مِنْ هُوَ **هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ** ﴿۳﴾ بِالرَّفْعِ وَفِيْ قِرَاءَةِ الْعَامَّةِ بِالنَّصْبِ حَالًا مِنَ الْاٰيٰتِ الْعَامِلُ فِيْهَا مَا فِيْ تِلْكَ مِنْ مَعْنَى الْاِشَارَةِ **الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ** بَيَانٌ لِلْمُحْسِنِيْنَ **وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ** ﴿۴﴾ هُمُ الثَّانِيْ تَاكِيْدٌ **اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** ﴿۵﴾ اَلْفَائِزُوْنَ **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ** اَيْ مَا يُلْهِيْ مِنْهُ عَنْ مَا يَعْنِيْ **لِيُضِلَّ** بِفَتْحِ الْيَاءِ وَضَمِّهَا **عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** طَرِيْقِ الْاِسْلَامِ **بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا** بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلٰى يُضِلَّ وَبِالرَّفْعِ عَطْفًا عَلٰى يَشْتَرِيْ **هُزُوًا** مَهْزُوًّا بِهَا **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ** ﴿۶﴾ ذُوْ اِهَانَةٍ **وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا** الْقُرْاٰنِ **وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا** مُتَكَبِّرًا **كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا** صَمَمًا وَجُمْلَتَا التَّشْبِيْهِ حَالَانِ مِنْ ضَمِيْرِ وَلّٰى اَوِ الثَّانِيَةُ بَيَانٌ لِلْاُوْلٰى **فَبَشِّرْهُ** اَعْلِمْهُ **بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ** ﴿۷﴾ مُؤْلِمٍ وَذِكْرُ الْبَشَارَةِ تَهَكُّمٌ بِهٖ وَهُوَ النَّضْرُ بْنُ الْحَارِثِ كَانَ يَاْتِي الْحِيْرَةَ يَتَّجِرُ فَيَشْتَرِيْ كُتُبَ اَخْبَارِ الْاَعَاجِمِ وَيُحَدِّثُ بِهَا اَهْلَ مَكَّةَ وَيَقُوْلُ اِنَّ مُحَمَّدًا يُحَدِّثُكُمْ اَحَادِيْثَ عَادٍ وَثَمُوْدَ وَاَنَا اُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثَ فَارِسَ وَالرُّوْمِ فَيَسْتَمْلِحُوْنَ حَدِيْثَهٗ وَيَتْرُكُوْنَ اِسْتِمَاعَ الْقُرْاٰنِ **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ** ﴿۸﴾ **خٰلِدِيْنَ فِيْهَا** حَالٌ مُقَدَّرَةٌ اَيْ مُقَدَّرًا خُلُوْدُهُمْ فِيْهَا اِذَا دَخَلُوْهَا **وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا** اَيْ وَعَدَهُمُ اللّٰهُ ذٰلِكَ وَحَقَّهٗ حَقًّا **وَهُوَ الْعَزِيْزُ** الَّذِيْ لَا يَغْلِبُهٗ شَيْءٌ فَيَمْنَعُهٗ عَنْ اِنْجَازِ وَعْدِهٖ وَوَعِيْدِهٖ

الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾ الَّذِیْ لَا یَضَعُ شَیْئًا اِلَّا فِیْ مَحَلِّهٖ **خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا** اَیِ الْعَمَدَ جَمْعُ عِمَادٍ وَهُوَ الْاُسْطُوَانَةُ وَهُوَ صَادِقٌ بِاَنْ لَا عَمَدَ اَصْلًا **وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ** جِبَالًا مُرْتَفِعَةً **اَنْ لَا تَمِیْدَ** تَتَحَرَّكَ **بِكُمْ وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا** فِیْهِ الْتِفَاتٌ عَنِ الْغَیْبَةِ **مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ** ﴿۱۰﴾ صِنْفٍ حَسَنٍ **هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ** اَیْ مَخْلُوْقُهٗ **فَاَرُوْنِیْ** اَخْبِرُوْنِیْ یَا اَهْلَ مَكَّةَ **مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ** غَیْرِهٖ اَیْ اٰلِهَتُكُمْ حَتّٰی اَشْرَكْتُمُوْهَا بِهٖ تَعَالٰی وَمَا اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ مُبْتَدَأٌ وَذَا بِمَعْنَی الَّذِیْ بِصِلَتِهٖ خَبَرُهٗ وَاَرُوْنِیْ مُعَلَّقٌ عَنِ الْعَمَلِ وَمَا بَعْدَهٗ سَدَّ مَسَدَّ الْمَفْعُوْلَیْنِ **بَلِ** لِلْاِنْتِقَالِ **الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ** ﴿۱۱﴾ بَیِّنٍ بِاِشْرَاكِهِمْ وَاَنْتُمْ مِنْهُمْ

ترجمہ: .... سورۂ لقمان کی ہے۔ بجز آیت ولو ان مافی الارض من شجرۃ اقلام دوآیتوں کے وہ مدنی ہیں۔اس سورت میں ۳۴ آیات ہیں۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. الم. (حقیقی مراد کا اللہ کو علم ہے) یہ (آیتیں) آیات ہیں کتاب (قرآن) حکیم کی (جو حکمت والی ہے آیات الکتاب میں اضافت بواسطہ من ہے۔ وہ قرآن) جو کہ ہدایت اور رحمت ہے (رفع کے ساتھ ہے) نیکوکاروں کے لئے (عام قرأت میں رحمت نصب کے ساتھ آیات سے حال ہے اور اس میں عامل تلک کے معنی اشارہ ہیں) جو نماز کی پابندی کرتے ہیں (محسنین کا بیان ہے) اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں (دوسرا ھم تاکید ہے) یہی لوگ ہیں اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت کے راستہ پر، اور یہی لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں (کامیاب) اور ایک آدمی ایسا بھی ہے جو اللہ سے غافل کرنے والی باتیں خریدتا ہے (جو ضروریات چھوڑ کر فضولیات میں لگادیتی ہیں) تاکہ گمراہ کردے (فتحہ یا اور ضمہ یا کے ساتھ) اللہ کی راہ (اسلام) سے بے سمجھے بوجھے اور اڑائے اس کی (لفظ یتخذ نصب کے ساتھ یضل پر عطف ہوگا اور رفع کے ساتھ یشتری پر عطف ہوگا) ہنسی (مذاق) ایسے ہی لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے (اہانت آمیز) اور جب اس کے سامنے ہماری (قرآنی) آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے تکبر کرتے ہوئے جیسے اس نے سنا ہی نہیں گویا اس کے کانوں میں ثقل ہے (بہراپن اور دونوں تشبیہی جملے ولّی کی ضمیر سے حال ہیں یا دوسرا جملہ پہلے جملہ کا بیان ہے) سو آپ اس کو خبر سنا دیجئے (بتلا دیجئے) دردناک عذاب کی (جو شدید ہوگا اور بشارۃ کا لفظ بطور مذاق کے ہے۔ اور وہ شخص نضر بن الحارث تھا جو تجارت کی غرض سے مقام حیرہ میں آیا کرتا اور وہاں سے عجمی تاریخ کی کتابیں خرید کر لے جاتا اور جا کر مکہ والوں کو سنایا کرتا اور کہا کرتا کہ محمد (ﷺ) تو تمہیں عاد وثمود کے قصے بیان کیا کرتے ہے۔ لیکن میں فارس اور روم کے حالات سناتا ہوں۔ چنانچہ لوگوں کو اس کی داستان سرائی میں مزہ آتا اور قرآن سننا چھوڑ دیتے) البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ان کے لئے عیش کی جنتیں ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے (یہ حال مقدرہ ہے۔ یعنی یہ لوگ اس حال میں جنت میں جائیں گے۔ کہ ان کے لئے دوام تجویز ہوگا) یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے (یعنی اللہ نے ان سے یہ وعدہ کیا ہے اور سچا وعدہ کیا ہے) اور وہ زبردست ہے (اس پر کوئی غالب نہیں کہ اسے اپنے وعدہ اور وعید کے پورا ہونے سے روک سکے) حکمت والا ہے (ہر چیز ٹھیک برمحل رکھتا ہے) اس نے آسمانوں کو بلا ستون کے بنایا ہے۔ تم ان کو دیکھ رہے ہو (یعنی ستون کو دیکھ رہے ہو؟ عمد جمع

عماد کی ہے ستون کو کہتے ہیں۔ یہ فرمانا اس صورت میں بھی صحیح ہوسکتا ہے کہ بالکل ستون ہی نہ ہو) اور زمین میں پہاڑ ڈال رکھے ہیں (اونچی اونچی چٹانیں) کہ وہ تم کو لے کر ڈانواڈول (ڈگمگانا) نہ ہونے لگے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلار کھے ہیں۔ اور ہم نے برسایا (اس میں غیبت سے التفات ہے) آسمان سے پانی۔ پھر اس زمین میں ہر طرح کے عمدہ اقسام اگائے (اچھی قسمیں) یہ تو اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں (مخلوق) ہیں۔ اب تم مجھ کو دکھاؤ (اے مکہ والو! مجھے بتلاؤ) کہ اللہ کے علاوہ جو ہیں انہوں نے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں (غیر اللہ یعنی تمہارے معبودوں نے حتی کہ تم انہیں خدا کا شریک تجویز کرنے لگے ہو اور مـا استفہام انکار کے لئے مبتداء ہے اور ذا بمعنی الذی مع اپنے صلہ کے اس کی خبر ہے اور ارونی عمل سے متعلق ہے اور اس کے بعد دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے) بلکہ (لفظ بل انتقال کلام کے لئے ہے) یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں (جوان ظالموں کے شرک سے واضح ہے۔ تم لوگ بھی انہی ظالموں میں سے ہو۔)

تحقیق وترکیب: .... ولـوان مـافـی الارض. ایک رائے یہ ہے۔ دوسرا قول پوری سورت کے مکی ہونے کا ہے اور تیسرا قول" ولو ان مافی الارض " سے تین آیات مدنی ہیں باقی سورت مکی ہے۔

تلکؔ یعنی تلک بمعنی ھذہ ہے جو قریب کے لئے آتا ہے علو مرتبہ کی وجہ سے۔ قرآن میں اسم اشارہ بعید لایا گیا ہے۔

الحکیم. قرآن کی صفت بتقدیر المضاف ہونے کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔ اور کشاف میں زمخشریؒ نے کہا ہے کہ اللہ کی صفت سے مجازاً قرآن کو متصف کیا گیا ہے۔ اصل عبارت یہ تھی الـحکیم قائلة مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو قائم مقام کر دیا گیا یعنی ضمیر مجرور اس کے بعد ضمیر مجرور مرفوع ہو کر صفت مشبہ حکیم میں مستتر ہوگئی۔ یہ حسن صناعت کا طریقہ ہے۔

معنی الا شارة. ای اشار الیٰ ایات الکتاب الحکیم.

مـن الناس. خبر مقدم اور من مبتداء مؤخر ہے۔ یہ لفظاً مفرد اور معنیً جمع ہے۔ آئندہ ضمائر میں اس کی لفظی حیثیت کا لحاظ کیا گیا اور اولئک الخ میں معنی کی رعایت کی گئی۔ نضر بن الحارث تاریخ کی کتابیں خرید کر رستم واسفندیار کے قصے سنایا کرتا۔ یا بعض کی رائے کے مطابق اس نے دو باندیاں خرید کر انہیں بیسوا بنا دیا تھا۔ تا کہ نوجوان مسلمانوں کو پھانس کر ورغلائیں۔ اور ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہما دونوں حلفیہ غنا اور گانے کو لہو الحدیث میں داخل فرماتے تھی۔ اور اشـتـراء سے مراد یہ ہے کہ قرآن کی بجائے غنا اور مزامیر سنے جائیں۔ لہو الحدیث میں لہو کی اضافت حدیث کی طرف بواسطہ مـن کے ہے اور یہ اضافت الخاص الی العام ہے۔ کیونکہ لہو کبھی قولی کی بجائے فعلی ہوتا ہے۔ غنا و مزامیر۔ خرافات وفضولیات سب اس میں داخل ہیں۔

لیضل. حفصؒ، حمزہؒ، علیؒ نصب کے ساتھ اور باقی قراء رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

مـن ضـمـیـر ولـی. ای ولـی مشـابـهـا حـالـه بحال من لم یسمعه ومشابها کمن فی اذنیه وقر لا یقدران یسمع. دوسرا جملہ پہلے جملہ کا بیان بھی ہوسکتا ہے اور حال متداخلہ بھی۔ اور زمخشریؒ نے دونوں جملوں کو مستانفہ بھی کہا ہے۔

بشرہ. مطلقاً خبر کے معنی میں ہے بطور تجرید کے۔ اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ بشر کی بجائے تہکماً بشارة کہا ہے، مفسر علامؒ کے لئے مناسب تھا کہ لفظ او کے ساتھ بیان کرتے۔

وعـد اللہ حـقـا. پہلا جملہ مفعول مطلق تاکید لنفسہ ہے۔ کیونکہ وعدہ سے مراد جنت النعیم ہی ہے اور حقاً تاکید لغیرہ ہے۔ کیونکہ ہر وعدہ حق نہیں ہوتا۔ بعض وعدے ناحق بھی ہوتے ہیں۔ دونوں جملوں کی تقدیر مفسرؒ علام نے بیان فرما دی۔

بـغـیـر عـمـد ترونها. یہ وجود موضوع اور عدم موضوع دونوں صورتوں میں صادق آتا ہے یعنی آسمان ستون پر ہے۔ مگر ستون نظر نہیں آتا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ ستون ہی نہ ہو۔ پس ستون اور دیکھنے دونوں کی نفی ہو جائے۔ صرف اللہ کے حکم اور

قدرت سے آسمان قائم ہیں۔ مگر یہ توجیہات آسمانوں کی کرویت کے منافی نہیں ہیں، کیونکہ مقصد تو یہ ہے کہ اتنا عظیم کرہ بلا سہارے کے قائم کر رکھا ہے۔

جبالا۔ بقول ابن عباسؓ سترہ پہاڑ ہیں۔ منجملہ ان کے کوہ قاف، جبل ابوقبیس، جودی، لبنان، طور سینا ہیں اس کا مقصد زائد کی نفی نہیں ممکن ہے اس وقت ان کو اتنے ہی تحقیق ہوئے ہوں یا خاص حصہ زمین کے اعتبار سے یہ تعداد ہو۔ ساری دنیا کے لئے نہیں کہا۔

ان تمید۔ زمین کی حرکت ذاتی کی نفی سے مقصود نہیں۔ بلکہ حرکت عرضی کی نفی مقصود ہے۔ یعنی پانی پر ڈگمگا رہی تھی۔ پہاڑوں کی وجہ سے وہ بند ہو گیا۔ رہی اس کی ذاتی حرکت اس کی نفی اور اثبات سے بحث نہیں۔ یہ فلسفہ کا موضوع قرآن کا موضوع نہیں ہے۔

ارونی ماذا۔ تعلیق نجومیوں کی اصطلاح میں لفظاً ابطال عمل کو کہتے ہیں۔ یہاں استفہام کی وجہ سے ارونی کا عمل معلق ہو گیا۔ لیکن بعد کے جملہ کو مفعولوں کے قائم مقام کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں عمل جاری ہے۔ چنانچہ علامہ رضیؒ کو اس میں کلام ہے اور ماذا استفہامیہ کو خلق کی وجہ سے بھی منصوب کہا جا سکتا ہے۔

ربط: .... پچھلی سورت کے اختتام پر قرآن کی تعریف کی گئی تھی۔ اس سورت کا آغاز بھی مدح قرآن سے کیا جا رہا ہے اسی کے ساتھ قرآن کی تصدیق کرنے والوں کی تعریف اور جھٹلانے والوں اور اعراض کرنے والوں کی برائی اور سزا بیان ہوئی۔ پھر ان الذین امنوا میں قرآن کی تصدیق کرنے والوں کی جزا اور خلق السمٰوات سے کل ختار کفور تک توحید کا بیان ہے اور درمیان میں تکمیل کے لئے حضرت لقمانؑ کا واقعہ اور اس ذیل میں بعض احکام فرعیہ اور و اذا قیل لھم اتبعوا سے متمسک مشرکین کا ضعف اور متمسک موحدین کی قوت اور من کفر سے مشرکین کی وعید اور آنحضرت ﷺ کی تسلی کا بیان ہے۔ پھر یا ایھا الذین سے وعظ کے پیرایہ میں آیت نمتعھم قلیلا سے مشرکین کی وعید اور اس کے واقع ہونے کے وقت۔ قیامت کی تقریر کی گئی ہے اور آخری آیت ان اللّٰہ عندہ میں علم غیب کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہونا مذکور ہے۔

شانِ نزول: .... آیت ومن الناس الخ نضر بن الحارث کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ عجمی تاریخی کتابیں خرید کر لوگوں کو رستم و اسفندیار وغیرہ کے قصے سناتا تھا اور قرآن کریم سے لوگوں کو ہٹانے کی کوشش کرتا۔ اسی طرح کچھ بیسواؤں کے ذریعہ بھی سادہ لوح نو مسلموں کو ورغلانے کی سعی کرتا تھا۔

﴿ تشریح ﴾: .... آیت تلک آیات میں قرآن مجید کی اہمیت و عظمت کا بیان ایک عجیب لطیف انداز سے ہے۔ محسن وہی لوگ کہلائیں گے جو قرآن پر عمل کر کے کمال اخلاق تک پہنچ گئے ہیں۔ قرآن کی ہدایت کا ان کے ساتھ خاص ہونا بلحاظ نفع کے ہے ورنہ جہاں تک نصیحت و فہمائش کا تعلق ہے وہ انس وجن سب کے لئے عام ہے۔ اس مضمون کی آیت سورہ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔

لھو الحدیث سے عام طور پر غنا اور گانا مراد لیا گیا ہے۔ روح المعانی میں ہے۔ وفی الایة عند الا کثرین ذم للغناء باعلی صوت اور کتاب قرطبی میں ہے۔ الغناء فی قول ابن عباس و ابن مسعود وغیر ھما وھو ممنوع بالکتاب والسنة۔ غنا کے متعلق محدثین اور فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔

درمختار میں ہے۔ التغنی لنفسہ لدفع الوحشة لا باس به عندا لعامة علی ما فی العنایة وصححه النبی والیه ذهب شمس الائمة السرخسی۔ روح المعانی میں ہے۔ ولو فیه وعظ وحکمة فجائز اتفاقا۔ غرض کہ اس قسم کے

خاص مواقع میں فقہائے حنفیہ بھی غنا کی اجازت دیتے ہیں۔ لیکن آج کل خانقاہوں، مسجدوں، مزاروں پر جو قوالیاں اور گانے بجانے ہوتے ہیں۔ یا بیاہ شادیوں کے موقعہ پر یا عید وغیرہ کے جشن میں جو ناچ، گانے، رنگ رلیاں مجمع فساق کے ساتھ ہوتی ہیں وہ تو کسی کے نزدیک کسی طرح بھی جائز نہیں ہے اور عبادت یا تصوف سمجھ کر اس کو کرنا تو اور بھی برا ہے۔ جس چیز کو مٹانے کے لئے آنحضرت ﷺ تشریف لائے ہوں اور جن کو علامات قیامت میں شمار کیا ہو۔ وہ مستحسن اور عبادت کیسے ہوسکتی ہے؟ زیادہ سے زیادہ بعض خاص صورتوں میں جو جواز کا درجہ ہے اور یہی توجیہ ہے۔ بعض اسلاف صوفیہ کے عمل کی۔ وصاحب الهداية والذخيرة سمياه كبيرة هذا في التغني للناس في غيره الا عياد والاعراس ويد خل فيه تغني صوفية زماننا في المساجد والدعواة فالاشعارو الاذكارمع اختلاط اهل الا هواء والمراد بل هذا اشد من كل تغن لا نه مع اعتقاد العبادة (روح) فاما ابتدعته الصوفيه اليوم من الا ديان على سماع المغانى بالا لات المطربة من الشبابات و الطار من المعازف والاوقار فحرام (قرطبى) واما ما ابتدعته الصوفية فى ذالک فمن قبيل ما لايختلف فى تحريمه لكن النفوس الشهوانية غلبت على كثير ممن ينسب الى الخير حتى لقد ظهرت فى كثير منهم فعلات المجانين والصبيان حتى رقصوا بحركات متنا بعة وتقطيعات متلا حقة وانتهى التواقع يقوم منهم الىٰ ان جعلوها من باب القرب وصالح الاعمال وان ذالک يثمر سنى الا حوال وهذا على التحقيق من اثار الزندقة(روح) واماما رسمه اهل زماننا من انتم يهيون المجالس ويرتكبون فيها بالشرب والفواحش ويجمعون الفساق والا ماء يطلبون المغنيين والطواف ويسمعون منهم الغناء يتلذذون بها كثير امن الهواء النفسانية والخرافات الشيطانيه ويحمدون على المغنيين باعطاء النعيم العظيم ويشكرون عليهم بالا حسان العميم فلا شک ان ذالک ذنب كبيروا ستحلاله كفر قطعا ويقيناً لا نه عين لهو الحديث فى شانهم. (احمدى)

تاہم محققین کا فیصلہ یہ ہے کہ گانے بجانے، رقص وسرور اور سماع ہی پر منحصر نہیں۔ سب فضول اور لا یعنی مشاغل، بیکار دھندے اس میں آجاتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے۔ لهو الحديث هو الغناء واشباهه پس سینما، تھیٹر، پکچر، گیلری، کبوتر بازی، تیتر بازی، بٹیر بازی، پتنگ بازی، آتش بازی، شطرنج بازی، چوسر بازی، تاش بازی کی کہاں گنجائش نکل سکتی ہے۔ آج خصوصیت سے مسلمانوں کے معاشرہ کو ان ساری بازیوں نے اتنا بگاڑ کر رکھ دیا ہے کہ آج مسلمان بازی گر ہوکر رہ گیا ہے۔ اسی طرح ادبیات میں افسانہ اور سوقیانہ شعر وشاعری کا وہ بہت بڑا ذخیرہ جسے آرٹ کا خوبصورت نام اور خوشنما عنوان دیا گیا ہے سب ''لہو الحدیث'' میں داخل ہیں۔ کیونکہ شان نزول گو خاص ہے۔ مگر اعتبار عموم الفاظ کا ہوا کرتا ہے اس لئے حکم عام ہی رہے گا جو شغل دین واسلام سے پھر جانے یا پھیر دینے کا موجب ہو حرام بلکہ کفر سمجھا جائے گا اور جو کام احکام شرعیہ ضروریہ سے باز رکھے یا معصیت کا سبب بنے۔ بلاشبہ وہ معصیت ہوگا۔ البتہ جو ''لہو'' اور کھیل کسی واجب پر اثر انداز نہ ہو اور نہ کوئی شرعی غرض ،مصلحت اس سے فوت ہوتی ہو وہ مباح مگر لایعنی ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ کہا جائے گا۔ البتہ جو مشاغل تقویت دل ودماغ کا باعث ہوں یا ان سے شرعی مقاصد کی تکمیل ہوتی ہو وہ ''لہوالحدیث'' سے مستثنیٰ ہوکر مستحسن یا ضروری سمجھے جائیں گے جیسے ورزشیں، بنوٹ، گھڑ دوڑ، تیراندازی، نشانہ بازی ملکی قانون کی رعایت رکھتے ہوئے مناسب ہتھیار چلانے کی مشق، اخبار بینی اور ریڈیو خبروں کے لئے وغیرہ۔

ليضل عن سبيل الله۔ میں بھانڈ، نقال، قوال، گویئے، میراسی، ہجڑے، کسبیاں، ایکٹر، ایکٹرس سب داخل ہیں۔ آخرت کی رسوائی تو الگ رہی۔ دنیا ہی میں اچھے معاشرہ میں جس عزت کی نظر سے انہیں اب بھی دیکھا جاتا ہے وہ ظاہر ہے۔

واذا تتلی الخ یعنی غرور وتکبر کی وجہ سے ہماری آیتیں سننا نہیں چاہتے بالکل بہرا بن جاتا ہے۔ گویا گانا بجانا وغیرہ جو نہ سننے کی چیزیں ہیں انہیں تو دل لگا کر سنتا ہے اور مزہ لیتا ہے۔ لیکن سننے کی چیزوں سے بہرہ بن جاتا ہے۔ اور بے بہرہ بنا رہتا ہے۔

خلق السموات۔ یعنی آسمان جیسی عظیم الشان مخلوقات کو بغیر کسی ظاہری اور مرئی سہارے کے قائم رکھنا اس کی کمال قدرت کی دلیل ہے۔ یا بقول ابن عباس لها عمد لا ترو نها سہارا بھی ہو۔ مگر غیر مرئی نظام جذب وکشش کے اصول پر۔ تو وہ بھی عظیم حکمت کا نشان ہے یا ہلکی پھلکی سطح زمین پر اس مصلحت سے کہ وہ ڈانواڈول نہ ہوجائے اور وہ اپنی اتنی تیز گردش سے ڈگمگانے نہ لگے۔ بھاری بھرکم پہاڑوں کی میخیں ٹھوک دینا عجیب کمال صنعت گری ہے۔ یہ منشا نہیں کہ پہاڑوں کی حکمت صرف زمین کے ارتعاش کو روکنے میں منحصر ہے اور بھی خدا جانے کتنی مصلحتیں ہوں گی۔ زمین میں ہزار ہا قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہر قسم کے پر رونق، خوش منظر، نفیس وکار آمد درخت اور بیلیں اگا دیں اور جانداروں اور بہت سے درختوں میں جوڑے بھی بنا دیئے۔ یہ تو خدا کے کارنامے ہیں۔ اب مشرکین دکھلائیں کہ ان کے معبودوں نے ایک چیونٹی کی ٹانگ اور مچھر کا پر بھی پیدا کیا ہو؟ پھر بغیر تخلیق وترزیق کے خدائیت کیسی؟

مگر ناانصافوں کو سوچنے سمجھنے سے کیا سروکار۔ اندھیرے میں پڑے بھٹک رہے ہیں۔ شرک میں لتھڑے ہوئے لوگوں کو چیلنج ہے کہ زمین سے آسمان تک اللہ کی قدرت، حکمت صنعت سے کائنات بھری پڑی ہے۔ اب تم بھی دکھلاؤ کہ تمہاری دیوی دیوتاؤں کے کیا کارہائے نمایاں ہیں۔

لطائف سلوک:......... ومن الناس من یشتری میں اس گمان کی حرکت بھی آگئی جو اعتقاداً گمراہی کا موجب ہو اور عملاً دینی غفلت کا ذریعہ ہو۔ البتہ جو کام ان دونوں برائیوں سے مبرا ہو۔ اس کا یہ حکم بھی نہیں ہوگا۔ اس باب میں قول فیصل یہی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ مِنْهَا الْعِلْمُ وَالدِّيَانَةُ وَالْاِصَابَةُ فِي الْقَوْلِ وَحِكْمَةٌ كَثِيْرَةٌ مَاثُوْرَةٌ كَانَ يُفْتِي قَبْلَ بَعْثِ دَاوُدَ وَاَدْرَكَ زَمَنَهُ وَاَخَذَ مِنْهُ الْعِلْمَ وَتَرَكَ الْفُتْيَا وَقَالَ فِي ذٰلِكَ اَلَا اَكْتَفِي اِذَا كُفِيْتُ وَقِيْلَ لَهُ اَيُّ النَّاسِ شَرٌّ قَالَ الَّذِيْ لَا يُبَالِيْ اَنْ رَاٰهُ النَّاسُ مُسِيْئًا **اَنِ** اَيْ وَقُلْنَا لَهُ اَنْ **اشْكُرْ لِلّٰهِ** ؕ عَلٰى مَا اَعْطَاكَ مِنَ الْحِكْمَةِ **وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ** ۚ لِاَنَّ ثَوَابَ شُكْرِهٖ لَهٗ **وَمَنْ كَفَرَ** النِّعْمَةَ **فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ** عَنْ خَلْقِهٖ **حَمِيْدٌ** ﴿۱۲﴾ مَحْمُوْدٌ فِيْ صُنْعِهٖ وَاذْكُرْ **اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ** تَصْغِيْرُ اِشْفَاقٍ **لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ** ؕ **اِنَّ الشِّرْكَ** بِاللّٰهِ **لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ** ﴿۱۳﴾ فَرَجَعَ اِلَيْهِ وَاَسْلَمَ **وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ** اَمَرْنَاهُ اَنْ يَّبَرَّهُمَا **حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ** فَوَهَنَتْ **وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ** اَيْ ضَعُفَتْ لِلْحَمْلِ وَضَعُفَتْ لِلطَّلْقِ وَضَعُفَتْ لِلْوِلَادَةِ **وَّفِصٰلُهٗ** فِطَامُهٗ **فِيْ عَامَيْنِ** وَقُلْنَا لَهٗ **اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ** ؕ **اِلَيَّ الْمَصِيْرُ** ﴿۱۴﴾ اَيِ الْمَرْجِعُ **وَاِنْ جٰهَدٰكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ** مُوَافَقَةً لِلْوَاقِعِ **فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا** ؗ اَيْ بِالْمَعْرُوْفِ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ **وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ** طَرِيْقَ **مَنْ اَنَابَ** رَجَعَ **اِلَيَّ** ۚ بِالطَّاعَةِ **ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۵﴾ فَاُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ وَجُمْلَةُ الْوَصِيَّةِ وَمَا بَعْدَهَا

اِعْتِرَاضٌ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اَيِ الْخَصْلَةُ السَّيِّئَةُ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْفِي السَّمٰوٰتِ اَوْفِي الْاَرْضِ اَيْ فِيْ اَخْفٰى مَكَانٍ مِنْ ذٰلِكَ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ فَيُحَاسِبُ عَلَيْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ بِاسْتِخْرَاجِهَا خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ بِمَكَانِهَا يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ بِسَبَبِ الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ اِنَّ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ اَيْ مَعْزُوْمَاتِهَا الَّتِيْ يُعْزَمُ عَلَيْهَا لِوُجُوْبِهَا وَلَا تُصَعِّرْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ تُصَاعِرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ لَا تُمِلْ وَجْهَكَ عَنْهُمْ تَكَبُّرًا وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اَيْ خُيَلَاءَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ مُتَبَخْتِرٍ فِيْ مَشْيِهٖ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ عَلَى النَّاسِ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ تَوَسَّطْ فِيْهِ بَيْنَ الدَّبِيْبِ وَالْاِسْرَاعِ وَعَلَيْكَ السَّكِيْنَةُ وَالْوَقَارُ وَاغْضُضْ اخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ اَقْبَحَهَا لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾ اَوَّلُهٗ زَفِيْرٌ وَّاٰخِرُهٗ شَهِيْقٌ

ترجمہ: ۔۔۔۔۔۔۔۔ اور بے شک ہم نے لقمان کو دانش مندی عطا کی (منجملہ اس کے علم، دیانت، بات میں پختگی اوران کی دانائی کی بہت سی باتیں منقول ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوت سے پہلے وہ فتویٰ دیا کرتے تھے اور حضرت داؤدؑ کے ہمعصر ہیں ان سے علم حاصل کیا اور فتویٰ دینا چھوڑ دیا اور معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ "جب حاجت نہیں رہی تو کیوں نہ بس کروں" ان سے پوچھا گیا کہ سب سے بدترین کون شخص ہے؟ فرمایا کہ لوگ اسے بدترین حالت میں بھی دیکھیں تو کسی کی پرواہ نہ کرے) یہ کہ (یعنی ہم نے انہیں حکم دیا کہ) اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے رہو (جو ہم نے تمہیں دانائی عطا کی ہے) اور جو شخص شکر ادا کرے گا وہ اپنے ذاتی نفع کے لئے ہی شکر ادا کرتا ہے (کیونکہ اس کے شکر بجالانے کا ثواب خود اسی کو ہوگا) اور جو کوئی (نعمت کی) ناشکری کرے گا سو اللہ تعالیٰ (اپنی مخلوق سے) بے نیاز خوبیوں والا (اپنی کاریگری میں لائق ستائش) ہے اور (آپ یاد کیجئے) جب کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا (یہ تصغیر شفقت کے لئے ہے) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا بے شک (اللہ سے) شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے (بیٹے نے شرک چھوڑ دیا اور مسلمان ہوگیا) اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی (ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا) اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا (یعنی ایک تو حمل سے کمزور ہوئی، دوسرے دردزہ کی وجہ سے کمزوری ہوئی تو تیسرے پیدائش کی کمزوری آئی) اور بچہ کا الگ ہونا (دودھ چھوٹنا) دو سال میں ہوا (اور ہم نے انسان کو حکم دیا کہ) تو میرے اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کر، میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے (یعنی ٹھکانہ ہے) اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس دلیل کوئی نہ ہو (واقعہ کے مطابق) تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کئے جانا (یعنی احسان، نیک سلوک اور صلہ رحمی سے پیش آنا) اور اسی کی راہ (ڈگر) پر چلنا جو میری طرف (تابعداری سے) رجوع کئے رہو۔ پھر تم سب کو میرے ہی پاس آنا ہے۔ پھر تم جو کچھ کرتے رہتے تھے میں تمہیں سب جتلا دوں گا (ان کاموں پر تمہیں بدلہ دوں گا اور جملہ وصینا الانسان سے آخر تک جملہ معترضہ ہے) بیٹا اگر کوئی عمل (یعنی بری عادت) رائی کے دانہ کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا وہ آسمانوں کے اندر ہو یا وہ زمین کے اندر ہو (یعنی اس سے بھی کہیں زیادہ پوشیدہ جگہ ہو) تب بھی اللہ تعالیٰ اسے عاجز کردے گا (اس کا حساب کرے گا) بے شک اللہ بڑا باریک بین (برائی کے برابر کرنے میں) بڑا

باخبر ہے (اس کی جگہ کے متعلق) بیٹا نماز پڑھا کرو اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کرو اور برے کاموں سے روکا کرو اور تم پر جو مصیبت پڑے اس پر صبر کیا کرو (کسی بات کو کرنے یا نہ کرنے کی وجہ سے) بے شک یہ (بات) ہمت کے کاموں میں سے ہے (یعنی ضروری ہونے کی وجہ سے ان پختہ کاموں میں سے جو لائق عزم ہیں) اور مت پھیرنا (اور ایک قرأت میں لا تصاعر ہے) اپنا رخ لوگوں سے (شیخی کی وجہ سے ان سے اکڑ مت جانا) اور زمین پر اترا کر مت چلنا (شیخی سے) بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے (اینٹھ مروڑ سے چلنے والے) فخر کرنے والے کو (لوگوں کے آگے) پسند نہیں کرتا اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر (جو میٹھی چال اور بھاگ دوڑ کے درمیان اعتدالی چال ہو اور سنجیدگی اور وقار پیش نظر رکھ) اور اپنی آواز پست رکھ بے شک سب سے بھدی (ناگوار) گدھے کی آواز ہوتی ہے (کہ جس کے شروع میں اور لے۔ آخر میں اور لے ہوا کرتی ہے۔)

تحقیق وترکیب: .... **لقمان.** اس کے عربی عجمی ہونے میں تو اختلاف ہے۔ مگر غیر منصرف ہونے میں اختلاف نہیں۔ جو حضرات اسے عربی کہتے ہیں ان کے نزدیک الف نون زائد اور علمیت کی وجہ سے۔ اور جو عجمی مانتے ہیں وہ علمیت اور عجمہ ہونے کی وجہ سے غیر منصرف کہتے ہیں۔ اسی طرح لقمان کون تھے؟ کہاں اور کب پیدا ہوئے؟ اس میں بھی اختلاف ہے محمد بن اسحاق کہتے ہیں یہ لقمان بن فاغور بن ناخور بن تارخ (آزر) ہیں اور وہب کی رائے ہے کہ ایوب علیہ السلام کے بھانجے اور بقول مقاتلؒ حضرت ایوب علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے۔ دراصل کلام جاہلیت میں اس نام کی تین شخصیتوں کا ذکر ملتا ہے۔ تاریخ یونان میں حکیم الیسپ ۶۱۹ ھ تا ۵۶۴ ق م کا ذکر آتا ہے۔ ان کے بعض حالات بھی حضرت لقمان کے نام سے ملتے جلتے ہیں۔ ہمارے یہاں کی روایتوں میں ہے کہ آپ ملک نوبیا یا سوڈان (افریقہ) کے ایک سیاہ فام غلام تھے۔ ابن کثیر میں ہے۔ **كان لقمان من سودان مصر ذومشافر. ولقمان الحكيم كان اسود نوبيا ذامشافر.** ان میں سے لقمان ثانی کا لقب ''حکیم لقمان'' مشہور ہے۔ عجب نہیں کہ قرآن مجید کا اشارہ انہی کی طرف ہو۔ تاریخی روایات کی بنیاد پر مفسر علامؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہم عصر تھے۔ ملک حبشہ کے رہنے والے ایک آزاد شدہ غلام تھے۔

اسی طرح حضرت لقمان کے نبی ہونے نہ ہونے میں بھی سلف سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ عکرمہؒ اور لیثؒ اسی کے قائل تھے کہ لقمان نبی تھے۔ لیکن وہ اپنی اس رائے میں منفرد ہیں۔ معالم میں ہے۔ **واتفق العلماء على انه كان حكيما ولم يكن نبيا الا عكرمة فانه قال كان لقمان نبيا وتفرد بهذا القول.** لیکن اکثریت بلکہ جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔ **اختلف السلف فى لقمان هل كان نبياً او عبداً صالحاً من غير نبوة على قولين الاكثرون على الثانى.** اور مدارک میں ہے۔ **والجمهور على انه كان حكيما ولم يكن نبياً.** حکیم ترمذیؒ نے نوادر میں مرفوع روایت نقل کی ہے کہ ان کو حضرت داؤدؑ سے پہلے خلافت دی جا رہی تھی۔ لیکن انہوں نے عرض کیا کہ اگر یہ حکم ہے تو سر آنکھوں پر۔ لیکن اگر میری مرضی پر ہے تو میں معافی چاہتا ہوں۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام کو خلافت دی گئی۔

درمنثور میں بھی ابن عباسؓ وغیرہ سے یہی روایات ان کے نبی نہ ہونے کی ہیں۔ تاہم وہ ایک مقبول برگزیدہ بندے تھے اور مشہور دانشور۔ حتیٰ کہ عرب بھی ان کے کلمات سے متعارف و مانوس تھے۔ ان کے نام کے ساتھ انبیاء کا مخصوص لقب ''علیہ السلام'' کا استعمال تو خیر ان کی متنازع شخصیت کی وجہ سے کچھ گنجائش رکھتا بھی ہے۔ جب کہ صحیح العقیدہ لکھے پڑھے بہت سے مسلمانوں کی زبان پر روافض اور شیعوں کی برکت کے اثر سے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کے نام نامی کے ساتھ بھی ''علیہ السلام'' کا مخصوص عنوان جاری رہتا ہے۔ روافض سے تو یوں شکایت نہیں کہ وہ انبیاء کو معصوم مانیں یا نہ مانیں۔ مگر اپنے ائمہ کو معصوم ضرور مانتے ہیں۔ البتہ

شکایت صحیح العقیدہ لوگوں سے ہے کہ وہ ان کے ہم نفیر وہم صفیر کیوں ہو گئے۔

الحکمۃ. علم وعمل کے مجموعہ کو حکمت کہتے ہیں اور حکیم عالم باعمل کو کہا جاتا ہے۔ اور بعض نے حکمت کے معنی معرفتہ اور امانت لکھے ہیں اور بعض نے قلبی نور سے تعبیر کیا ہے۔ جس سے چیزوں کا معنوی ادراک ہو جاتا ہے۔ جیسے آنکھ سے دیکھ کر محسوس علم ہوتا ہے۔

الا اکتفی. یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کافی ہیں اب میرے فتویٰ کی ضرورت نہیں رہی۔

ان اشـکـر. معلوم ہوا کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی بھی حکمت میں داخل ہے اور حکیم اس وقت تک نہیں ہوگا۔ تاوقتیکہ اس کے قول وعمل، معاشرہ اور صحبت سب میں حکمت نہ ہو۔ سری سقطیؒ فرماتے ہیں۔ کہ شکر یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کی وجہ سے اس کی نافرمانی نہ ہو۔ اور جنیدؒ فرماتے ہیں کہ نعمتوں میں کسی کو اللہ کا شریک نہ کرنا شکر ہے۔ اور بعض نے اقرار عجز کو شکر کہا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قلب کا شکر معرفت اور زبان کا شکر حمد اور ارکان کا شکر طاعت ہے اور کلیۃً اعتراف عجز دلیل قبولیت ہے۔ ان اشـکـر سے پہلے قلنا کی تقدیر اس لئے ہے کہ لقد آتینا پر عطف ہو جائے لام تعلیلیہ ہے اور بعض نے تفسیر یہ اور بعض نے حکمت سے بدل مانا ہے۔ اور تقدیر عبارت اس طرح بھی ہو سکتی ہے۔ اتینا لقمان الحکمة امرین قائلین له ان اشکر للّٰه.

لابنه. حضرت لقمان کے بیٹے کا نام ثاران ہے اور کلبی کی رائے میں مشکم اور بعض نے انعم کہا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ وہ پہلے موحد تھے یا مشرک؟ بعض نے کہا ہے کہ وہ اور ان کی والدہ کافر تھے۔ حضرت لقمان دونوں کو نصیحت فرماتے رہتے تھے۔ حتی کہ ایک دفعہ دانوں سے بھر کر ایک تھیلی اپنے پاس رکھ لی۔ ہر مرتبہ کی نصیحت پر ایک دانہ باہر نکال کر رکھ لیتے تھے۔ جب سب دانے ختم ہو گئے اور تھیلی خالی ہو گئی تو فرمایا۔ میاں میں نے تمہیں اتنی نصیحت کی کہ اگر پہاڑ بھی ہوتا تو پگھل جاتا۔ یہ سنتے ہی بیٹے نے مارے ہیبت کے دم توڑ دیا۔

مفسر علامؒ کے الفاظ فرجع الیه واسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے کافر تھا بعد میں لقمان کا دین قبول کر لیا۔ اور بعض نے مسلمان مان کر آئندہ کے لئے شرک کی ممانعت پر محمول کیا ہے۔

یعظه. رقت آمیز نصیحت کو وعظ کہتے ہیں۔

الانسان. اگرچہ اس سے اشارہ سعد بن ابی وقاصؓ کی طرف ہے۔ مگر شان نزول کا اعتبار نہیں ہوتا۔ عموم الفاظ کا اعتبار ہوا کرتا ہے۔

وهنا. مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے کہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ فا کے ذریعہ جملہ کا جملہ پر عطف ہو رہا ہے اور قاضی نے فعل اور مضاف کو محذوف مان کر حلال مانا ہے۔ ای تهن وهنا او ذات وهن بمعنی کمزوری اور صرف دودھ مقصود نہیں۔ بلکہ مختلف کمزوریوں کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔ اور ام کی تخصیص زیادتی مشقت کی وجہ سے ہے۔

ان اشـکـر. سفیان ابن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ پنجگانہ نماز پڑھنا اللہ کا شکر ہے اور نمازوں کے بعد والدین کے حق میں دعا کرنا ان کا شکریہ ہے۔ اور خازن کی رائے ہے کہ ان مفسرہ ہے یا ان مصدریہ ہے اور وصینا کی وجہ سے بقول زجاجؒ منصوب المحل ہے۔

لیس لک به علم. مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ قید احترازی نہیں بلکہ قید واقعی ہے۔ اس لئے فلا مفهوم لها اس کا اعتبار نہیں ہے۔

فی الدنیا. یعنی دنیاوی امور میں ان کی اطاعت مقدم ہے حضرت لقمان کی نصیحت کے درمیان ان کی تائید کے لئے یہ ارشاد ربانی جملہ معترضہ ہے۔

معروفاً. مصدر محذوف کی صفت ہے۔ ای صحابا معروفا عندالشرع.

انھا ان تک. خصلت حسنہ یا خصلت سیئہ دونوں کو عام ہے۔ کسی ایک کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے اور بنی کی تصغیر تحقیر کے لئے نہیں بلکہ ترحم کے لئے ہے۔ حضرت لقمان کے بیٹے نے جب عرض کیا کہ اگر میں ایسی جگہ گناہ کروں جہاں کوئی نہ دیکھ سکے؟ تو انہوں نے یہ ارشاد فرمایا۔ بیٹے کے کافر ہونے کی صورت میں تو یہ سوال ممکن ہے اور دیندار ہونے کی صورت میں بے محل ہوگا۔ البتہ ارشاد کا مقصد پھر علم سے معرفت ومشاہدہ کی طرف انتقال ہوگا۔ اسی کیفیت کا اثر دل پر ہونے سے ان کی روح پرواز کرگئی ہوگی۔

فی صخرۃ. اس سے مراد وہ پتھر ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے کہ جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔ خلق اللّٰہ الارض علی حوت والحوت فی الماء علی ظھر صفاۃ والصفاۃ علی ظھر ملک وقیل علی ظھر ثور و ھو علی الصخرۃ پس یہ آسمان وزمین کے علاوہ ہوا۔ اس لئے اولایا گیا ہے۔

لطیف خبیر. یہی وہ آخری کلمہ ہے جس کو سن کر لقمان کے بیٹے کا پتہ پانی ہوگیا۔

عزم الامور. چونکہ بعض باتیں اس میں مستحب اور مندوب بھی ہیں۔ اس لئے عزم کے معنی مندوب کے نہیں بلکہ عزیمت اور اہمیت کے معنی ہیں جو عام ہیں وجوب اور استحباب دونوں کو شامل ہیں۔

لا تصعر. صعر اونٹ کی گردن کی بیماری جس میں گردن اکڑ جاتی ہے۔ اس لئے اینٹھ مروڑ کے معنی ہوں گے۔ لام تعلیلہ یا صلہ کا ہے۔ بقول ابن عباسؓ کسی سے رخ دے کر بات نہ کرنا اور بقول مجاہدؒ دو آدمیوں کا ایک دوسرے سے کنارہ کشی اور ترک تعلق کر لینا صعر ہے۔ ربیع ابن انسؒ فرماتے ہیں کہ امیر وغریب نظر میں یکساں رہنے چاہئیں۔

مرحا. مصدر موقعہ حال میں ہے۔ ای اذا مرح اور تمرح مرحاً.

دبیب. نرم اور دھیمی چال۔

کل مختار. اگرچہ یہاں رفع ایجاب کلی ہے مگر مراد سلب کلی ہے۔

ان انکر. جملہ علت ہے آواز کو پست رکھنے کا ابلغ طریقہ ہے۔

لصوت الحمیر. اہل جہنم کے لئے بھی "لھازفیر وشھیق" فرمایا گیا ہے۔ ثوری فرماتے ہیں کہ سب آوازوں میں بجز گدھے کی آواز کے تسبیح ہوتی ہے۔ حمیر بقول زمخشریؒ اسم جنس ہے اور بعض نے جمع کہا ہے۔ مگر الف لام جنس کی وجہ سے اس کی جمعیت زائل ہوگئی اور بعض تعمیم اور مبالغہ کے لئے جمع مانتے ہیں۔ بہت سے گدھے مل کر آواز میں آواز ملائیں تو کیا خوب سماں ہوتا ہے۔ قدرت کی عجیب ستم ظریفی جھلکتی ہے۔ ممکن ہے جمع لانے میں یہی نکتہ ہو۔

ربط:.......... گذشتہ آیات میں توحید کا بیان تھا۔ آگے آیت ولقد اٰتینا سے اس کی تائید میں حضرت لقمانؑ کا اپنے بیٹے کو نصیحت کرنا بیان کیا جارہا ہے۔ تاکہ معلوم ہوجائے کہ توحید انبیاء ہی کی تعلیم نہیں۔ بلکہ دنیا کے دانشور بھی اسی اعتقاد کو اپنائے رہے اور اسی کی دوسروں کو تعلیم دیتے رہے۔ اور جس طرح توحید تکمیل اعتقادیات کے لئے مرکزی حیثیت رکھتی ہے اسی طرح تکمیل عمل کی تعلیم بھی ضروری ہے۔ جس کا ذکر علم وعمل کے تناسب سے کردیا گیا اور مقصود اصلی چونکہ توحید کا ذکر ہے اس لئے حضرت لقمان کی نصائح کے درمیان ووصینا الانسان بطور ضمیمہ بیان کردیا گیا ہے۔

شانِ نزول:.......... ووصینا الانسان حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مگر عموم الفاظ کی وجہ سے حکم عام رہے گا۔

واتبع سبیل من اناب. اس میں تمام مکلفین کو عام خطاب ہے اور سبیل من اناب سے آنحضرت ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ ہیں۔ لیکن بقول ابن عباسؓ اس سے حضرت ابوبکرؓ مراد ہیں۔ کیونکہ جب وہ مسلمان ہوئے تو حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ان کے پاس آئے اور پوچھا کہ کیا محمد ﷺ سچے ہیں اور کیا تم ان پر ایمان لے آئے؟ فرمایا کہ ہاں! وہ سچے ہیں تم بھی ایمان لے آؤ۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر سب مسلمان ہو گئے۔

﴿ تشریح ﴾: .... اس رکوع میں حق تعالیٰ شرک اور گناہوں کی برائی کے سلسلہ میں حضرت لقمان کی نصائح نقل فرما رہے ہیں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دانائی پا کر اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ بلکہ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت لقمان پیغمبر نہیں تھے۔ ایک مشہور دانشور اور متقی اور پاکباز انسان تھے۔ انہوں نے اعلیٰ درجہ کی عقل و دانش، متانت و دانائی پائی تھی۔ ان کی عاقلانہ باتیں اور حکمت آمیز نصیحتیں پیغمبرانہ تعلیمات و ہدایات کے مطابق اور لوگوں میں مسلمہ تھیں۔ قرآن میں ان کے بعض ارشادات کو نقل کرنا اس کی دلیل نہیں کہ وہ پیغمبر تھے۔ بلکہ رب العزت نے ان کی عزت افزائی فرمائی اور یہ تاثر دیا کہ شرک اور گناہ اتنی بڑی چیز ہیں کہ انسانی فطرت اور وحی الٰہی سے تو خیر ان کی قباحت ثابت ہی ہے۔ دنیا کے منتخب اور چیدہ عقلمند بھی عقلی طور پر اس کی تائید و تصدیق کرتے چلے آئے ہیں۔ اس لئے شرک اور گناہ چھوڑ کر توحید ذات باری انسانی شعار ہونا چاہئے۔

حضرت لقمان کی صد پند سودمند: .... حکیم لقمان سے کسی نے پوچھا کہ تم میں اتنی دانائی کہاں سے آئی؟ فرمایا۔ نادانوں سے۔ جو جو کام ان کے دیکھتا رہا انہیں چھوڑتا رہا۔ وبضدها تتبین الا شیاء. حضرت لقمان کی ''صد پند سودمند'' آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہے فرزند کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ان میں سے اکثر نصائح یہ ہیں۔ اے جان پدر! (۱) اللہ کو پہچان (۲) اوروں کو جو نصیحت کرو اس پر پہلے خود بھی عمل پیرا ہو۔ (۳) اپنی حیثیت کے مطابق بات کرو (۴) مردم شناس بنو۔ (۵) سب کا حق پہچانو۔ (۶) اپنا راز داں کسی کو نہ بناؤ۔ (۷) دوست کو مصیبت کے وقت آزماؤ۔ (۸) نفع اور نقصان دونوں میں دوست کو پرکھو۔ (۹) بے وقوف اور ناداں لوگوں سے گریزاں رہو۔ (۱۰) زیرک اور دانا کو دوست بناؤ۔ (۱۱) کار خیر میں بھرپور حصہ لو۔ (۱۲) گفتگو مدلل کرو۔ (۱۳) دوستوں کو عزیز جانو۔ (۱۴) دوست دشمن سب سے خندہ پیشانی سے ملو۔ (۱۵) ماں باپ کو غنیمت سمجھو۔ (۱۶) استاد کو بہترین باپ سمجھو۔ (۱۷) آمدنی پر نظر کرتے ہوئے خرچ کرو۔ (۱۸) ہر کام میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرو۔ (۱۹) جواں مردی کو اپنا شیوہ بناؤ۔ (۲۰) زبان کو قابو میں رکھو۔ (۲۱) جسم اور کپڑوں کو پاک صاف رکھو۔ (۲۲) جماعت کے ساتھ رہو۔ (۲۳) اگر ممکن ہو تو سواری اور تیر اندازی سیکھ لو۔ (۲۴) ہر شخص کا اندازہ کر کے اس کے ساتھ معاملہ کرو۔ (۲۵) رات کے وقت بات کرنا ہو تو آہستہ اور نرمی کے ساتھ کرو۔ (۲۶) دن میں بات کرنی ہو تو پہلے ہر طرف نگاہ ڈال لو۔ (۲۷) کم کھانے، کم سونے، کم بولنے کی عادت ڈالو۔ (۲۸) اپنے لئے جو بات پسند نہ ہو دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کرو۔ (۲۹) عقل و تدبیر سے کام کیا کرو۔ (۳۰) بغیر سیکھے استاد مت بنو۔ (۳۱) دوسروں کے مال پر نظر نہ رکھو۔ (۳۲) بد اصلوں سے امید وفا مت رکھو۔ (۳۳) کسی بھی کام میں بے فکر مت رہو۔ (۳۴) نہ کیا ہوا کام کیا ہوا مت سمجھو۔ (۳۵) آج کرنے کا کام کل پر نہ رکھو۔ (۳۶) اپنے سے بڑوں تک کے ساتھ مذاق نہ کرو۔ (۳۷) بڑوں کے سامنے طویل گفتگو نہ کرو۔ (۳۸) ضرورت مندوں کو ناامید مت کرو۔ (۳۹) پچھلی لڑائی یاد مت کرو۔ (۴۰) اپنا مال دوست و دشمن سب کو دکھاتے مت پھرو۔ (۴۱) اپنوں سے اپنائیت ختم مت کرو۔ (۴۲) نیک لوگوں کی غیبت

مت کرو۔ (۴۳) خود پسندی مت کرو۔ (۴۴) لوگوں کے سامنے منہ اور ناک میں انگلی مت ڈالو۔ (۴۵) لوگوں کے سامنے خلال مت کرو۔ (۴۶) بلند آواز کی ساتھ تھوکو، سنکو مت۔ (۴۷) جمائی لیتے وقت منہ پر ہاتھ رکھ لو۔ (۴۸) ہزل آمیز بیہودہ باتیں مت کرو۔ (۴۹) کسی کو سب کے سامنے شرمندہ مت کرو۔ (۵۰) آنکھیں مٹکا کر اشارے نہ کرو۔ (۵۱) کہی ہوئی بات بار بار نہ دہراؤ۔ (۵۲) ہنسی مذاق سے پرہیز کرو۔ (۵۳) کسی کے سامنے خود ستائی نہ کرو۔ (۵۴) عورتوں کی طرح سنگار پٹار نہ کرو۔ (۵۵) بات کرتے وقت ہاتھ مت گھماؤ چلاؤ۔ (۵۶) کسی شخص کے بدخواہ سے تم گھلو ملومت۔ (۵۷) مرنے کے بعد کسی کو برائی سے یاد نہ کروکہ بے فائدہ ہے۔ (۵۸) جہاں تک ہو سکے لڑائی اور خصومت سے بچو۔ (۵۹) اچھے لوگوں کے متعلق اچھا ہی گمان رکھو۔ (۶۰) اپنا کھانا دوسرے کے دستر خوان پر مت کھاؤ۔ (۶۱) جلد بازی سے کام نہ کرو۔ (۶۲) دنیا کی خاطر خود کو رنج میں نہ ڈالو۔ (۶۳) غصہ میں بھی سنجیدہ بات کرو۔ (۶۴) آستین سے ناک صاف نہ کرو۔ (۶۵) دن چڑھے تک مت سوتے رہو۔ (۶۶) راستہ میں بزرگوں سے آگے نہ چلو۔ (۶۷) دوسروں کی بات چیت میں دخل نہ دو۔ (۶۸) ادھر ادھر تانک جھانک نہ کرو۔ (۶۹) مہمان کے آگے کسی پر غصہ نہ کرو۔ (۷۰) مہمان سے کام مت لو۔ (۷۱) دیوانہ اور مد ہوش سے باتیں نہ کرو۔ (۷۲) عوام اور آزاد لوگوں کے ساتھ راستوں پر مت بیٹھو۔ (۷۳) ہر نفع نقصان کے موقعہ پر اپنی آبرو کا دھیان رکھو۔ (۷۴) مغرور ومتکبر مت بنو۔ (۷۵) جنگ وفتنہ سے دامن کش رہو۔ (۷۶) تواضع اختیار کرو۔ (۷۷) خدا سے صدق کے ساتھ (۷۸) اور نفس سے قہر کے ساتھ (۷۹) اور مخلوق سے انصاف کے ساتھ (۸۰) اور بزرگوں سے خدمت گزاری کے ساتھ۔ (۸۱) چھوٹوں پر شفقت (۸۲) اور درویشوں کی موافقت (۸۳) اور دشمنوں سے بردباری (۸۴) اور علماء سے تواضع (۸۵) اور جاہلوں کو نصیحت کرتے ہوئے زندگی گزار دو۔

اللہ کی شکر گزاری کا فائدہ:............ ومن یشکر. یعنی اللہ کا شکر ادا کرنے سے فائدہ خود شکر گزار کو ہے اللہ کا کچھ فائدہ نہیں اور ناشکری کا نقصان بھی خود ناشکر گزار کا ہے اللہ کا کچھ نقصان نہیں، وہ تو منبع الکمالات اور جامع الصفات ہے۔ اس کی حمد وثناء ساری کائنات زبان حال سے کر رہی ہے اسے کسی کے شکریہ کی کیا پرواہ۔

لا تشرك باللہ سے بیٹے کا مشرک ہونا لازم نہیں آتا۔ ممکن ہے وہ موحد ہو اور مزید استقامت کے لئے لقمان نے درس توحید دیا ہو۔ اور ظلم کے معنی وضع الشئ فی غیر محلہ ہیں۔ شرک سے بڑھ کر اور ناانصافی کیا ہوگی۔ کہ عاجز ترین مخلوق کو ایک خالق مختار کا منصب دے دیا جائے اور اس سے زیادہ حماقت اور ظلم اپنی جان پر اور کیا ہوگا۔ کہ اشرف المخلوقات ہو کر ایک ارذل ترین مخلوق کے آگے سر عبودیت جھکائے۔ فیا للعجب.

ماں باپ کا درجہ:............ بوالدیہ. باپ سے چونکہ تربیت کا تعلق اور ماں سے پرورش کا علاقہ ہے۔ اس لئے اطاعت میں باپ اور خدمت میں ماں مقدم ہوگی۔ البتہ چونکہ ماں زیادہ مصیبتیں جھیلتی ہے اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔ وہ مہینوں اس کا بوجھ اٹھائے پھری، پھر وضع حمل کی تکلیف سے بمشکل جانبر ہو سکی اور گویا دوبارہ زندگی پائی۔ پھر دو سال دودھ پلا کر پالا پوسا۔ اس طویل مدت میں اس نے کیا کیا پاپڑ بیلے۔ اور اتنی سختیاں جھیل کر بچہ پر آنچ نہیں آنے دی۔ اس لئے ضروری ہے کہ اللہ کے حق کی ادائیگی کے بعد ماں باپ کے حقوق کو مقدم سمجھے۔ البتہ اگر ماں باپ کی فرمانبرداری اللہ کے حقوق سے ٹکرائے تو اللہ چونکہ خالق حقیقی اور ماں باپ خالق مجازی ہیں۔ اس لئے اللہ ہی کا حق سب سے مقدم ہوگا۔ اسی کے سامنے سب کو عاجز ہونا ہوگا۔ انسان سوچ لے کہ کیا منہ لے کر

وہاں جائے گا۔

حضرت لقمانؑ نے بیٹے کو وصیت میں خصوصیت سے باپ کا حق نہیں بتلایا۔ کہ کہیں خود غرضی کا شبہ نہ ہو۔ باپ نے اللہ کا حق بتلایا۔ اللہ نے باپ کا حق بتلایا۔ باقی پیغمبر اور استاد، مرشد ہادی کا حق بھی اس کے ذیل میں سمجھو۔ کہ وہ اللہ کے نائب ہیں۔

دودھ چھڑانے کی مدت: .... دودھ چھڑانے کی مدت جمہور کے نزدیک اس آیت کی وجہ سے دو سال ہے۔ لیکن امام اعظمؒ ڈھائی سال فرماتے ہیں اور آیت **حملہ وفصالہ ثلاثون شھرا** سے استدلال فرماتے ہیں۔ بقاعدۂ عربیت اس آیت کی رو سے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت ڈھائی سال ہونی چاہئے۔ مگر دوسری نص کی وجہ سے کہ حمل دو سال سے زائد نہیں رہ سکتا۔ مدت حمل زیادہ سے زیادہ دو سال قرار پائی اور فطام کی مدت ڈھائی سال رہی۔ رہا اس آیت میں دو سال فرمانا سو اکثری عادت عرف عام اور اعتبار غالب کے فرمایا گیا ہے۔ اور آیت بقرہ **حولین کاملین** سے دو سال کا کامل مدت ہونا معلوم ہوا؟ مگر ڈھائی سال کو اکمل کہا جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ دو سال سے زائد دودھ نہ پلایا جائے اور کسی وجہ سے پلا دیا گیا تو حرمت رضاعت ڈھائی سال تک ثابت ہو جائے گی۔

خالق حقیقی کا حق مجازی خالق سے مقدم ہے: .... **مالیس لک بہ علم**. یہ کوئی قید احترازی نہیں۔ بلکہ قید اولویت ہے کہ جب بے خبری میں شرک کی اجازت نہیں تو جانتے بوجھتے کیسے گنجائش ہوگی۔ جہاں تک دنیاوی معاملات کا تعلق ہے جیسے خورد ونوش اور خانگی امور ان میں اطاعت والدین مقدم ہوگی۔ والدین کی شکر گزاری بہر صورت واجب ہے۔ بجز اس صورت کے کہ ان کی شکر گزاری میں اللہ کی ناشکری لازم آئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شریعت کی خلاف ورزی کی صورت میں والدین کی اطاعت نہیں ہوگی۔ کیونکہ ان کی اطاعت کا حکم بھی تو شریعت نے ہی دیا ہے۔ پس اصل کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ اجماع کا شرعی حجت ہونا علاوہ دوسری نصوص کے **واتبع سبیل من اناب الی** سے بھی ثابت ہے۔ احکام القرآن جصاص میں ہے۔ **یدل علی صحۃ اجماع المسلمین لامر اللہ تعالی ایانا باتباعھم**.

اخلاق فاضلہ: .... **یا بنی انھا**. انسان کو چاہئے کہ عمل کرتے وقت یہ بات دھیان میں رکھے کہ ہزاروں پردوں میں رہ کر جو کام کیا جائے گا وہ اللہ کے سامنے ہے۔ انسانی اخفاء معلومات کے جس قدر ذرائع ہو سکتے ہیں۔ وہ سب اس آیت میں مذکور ہیں۔ مشرکین نے اپنی دیوی دیوتاؤں کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہوئے انہی حالات میں معذور اور ان کے علم کو ناقص سمجھا ہے۔ قرآن مجید نے ان میں سے ہر ممکن سبب کی تردید کرتے ہوئے بتلا دیا کہ خدا کا علم کامل ومحیط ہے۔ کسی لحاظ سے بھی ناقص وناتمام نہیں ہے۔ کوئی اچھائی برائی اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی چھوٹی ہوگی اور فرض کرو پتھر کی کسی سخت چٹان یا آسمانوں کی بلندی یا زمین کی تاریک گہرائیوں میں وہ رکھی ہو، وہ بھی اللہ سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ اس لئے اللہ کی توحید اور بندگی پر قائم رہو اور دوسروں کو بھی نصیحت کرو۔ کہ بھلی بات کریں اور برائی سے بچیں اور اس دعوت کے سلسلہ میں اکثر جو سختیاں پیش آتی ہیں انہیں صبر وتحمل اور اولوالعزمی سے گوارا کریں۔ شدائد سے گھبرا کر ہمت ہار دینا حوصلہ مندوں کا کام نہیں۔ کسی کو حقیر نہ سمجھو، متکبروں کی طرح بات نہ کرو، خندہ پیشانی سے پیش آؤ، اترانے شیخی مارنے سے آدمی کی عزت نہیں بڑھتی، بلکہ گھٹتی ہے۔ لوگ سامنے نہیں تو پیچھے برا کہتے ہیں۔ تواضع، متانت اور اعتدال کی چال چلو، بے ضرورت نہ بولو، زور سے چلا کر بات نہ کرو، اونچی آواز سے بولنا اگر کوئی کمال ہوتا تو گدھے کی آواز دیکھو کس

قدر زور سے بگل بجاتا ہے اور کیا ایک دوسرے کے سر سے سر ملاتا ہے۔ یہ تھا لقمان کا اپنے بیٹے کو حکیمانہ وعظ۔

لطائف سلوک: .... اتینا لقمان الحکمة. حکمت سے مراد الہام حق ہے اور اہل طریق کے نزدیک حکمت بھی نبوت کی طرح کسبی نہیں بلکہ وہبی ہوتی ہے۔ تاہم معمول حکمت میں کسب کو دخل ضرور ہے۔ حدیث میں ہے۔ من اخلص اللہ اربعین صباحاً تفجرت ینابیع الحکمة من قلبه. نیز واقعہ لقمان سے توحید اور مقام جمع الجمع اور عین الجمع اور اتباع کاملین اور ماسوے سے اعراض اور دوسروں کی تکمیل اور شدائد پر صبر اور لوگوں سے تواضع اور رواداری، حسن معاملہ، حسن سیرت اور چال رفتار میں اتراہٹ کی بجائے میانہ روی، گفتار میں چیخنے چلانے کی بجائے اعتدال کی طرف اشارات ہیں۔

ان اشکرلی ولوالدیك. اس سے معلوم ہوا کہ منعم کی شکر گزاری کے ساتھ واسطہ انعام کا شکریہ بھی بجالانا مطلوب ہے۔ اس میں والدین، استاد، مربی، مرشد سب آ گئے۔ البتہ شریعت سے مقابلہ کی صورت میں شریعت کی اطاعت واجب ہے۔

ولا تصعر خدك. انواع اصلاح میں سے ان آیات میں بعض اخلاق کی تعلیم ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا تَعْلَمُوْا يَامُخَاطَبِيْنَ **اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ** مِنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالنُّجُوْمِ لِتَنْتَفِعُوْا بِهَا **وَمَا فِى الْاَرْضِ** مِنَ الثِّمَارِ وَالْاَنْهَارِ وَالدَّوَابِّ **وَاَسْبَغَ** اَوْسَعَ وَاَتَمَّ **عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً** وَهِىَ حُسْنُ الصُّوْرَةِ وَتَسْوِيَةُ الْاَعْضَاءِ وَغَيْرُ ذٰلِكَ **وَّبَاطِنَةً** هِىَ الْمَعْرِفَةُ وَغَيْرُهَا **وَمِنَ النَّاسِ** اَىْ اَهْلِ مَكَّةَ **مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى** مِنْ رَّسُوْلٍ **وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ** ﴿۲۰﴾ اَنْزَلَهُ اللّٰهُ بَلْ بِالتَّقْلِيْدِ **وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا** قَالَ تَعَالٰى اَيَتَّبِعُوْنَهٗ **اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ** ﴿۲۱﴾ اَىْ مُوْجِبَاتِهٖ لَا **وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ** اَىْ يُقْبِلْ عَلٰى طَاعَتِهٖ **وَهُوَ مُحْسِنٌ** مُوَحِّدٌ **فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى** بِالطَّرَفِ الْاَوْثَقِ الَّذِىْ لَا يُخَافُ انْقِطَاعُهٗ **وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ** ﴿۲۲﴾ مَرْجِعُهَا **وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ** يَامُحَمَّدُ **كُفْرُهٗ** لَاتَهْتَمَّ بِكُفْرِهٖ **اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** ﴿۲۳﴾ اَىْ بِمَا فِيْهَا كَغَيْرِهٖ فَمُجَازٍ عَلَيْهِ **نُمَتِّعُهُمْ** فِى الدُّنْيَا **قَلِيْلًا** اَيَّامَ حَيٰوتِهِمْ **ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ** فِى الْاٰخِرَةِ **اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ** ﴿۲۴﴾ وَهُوَ عَذَابُ النَّارِ لَايَجِدُوْنَ عَنْهُ مَحِيْصًا **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ** حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِى الْاَمْثَالِ وَوَاوِ الضَّمِيْرِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ **قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ** عَلٰى ظُهُوْرِ الْحُجَّةِ عَلَيْهِمْ بِالتَّوْحِيْدِ **بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۲۵﴾ وُجُوْبَهٗ عَلَيْهِمْ **لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** مِلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا فَلَا يَسْتَحِقُّ الْعِبَادَةَ فِيْهِمَا غَيْرُهٗ **اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِىُّ** عَنْ خَلْقِهٖ **الْحَمِيْدُ** ﴿۲۶﴾ اَلْمَحْمُوْدُ فِىْ صُنْعِهٖ **وَلَوْ اَنَّمَا فِى الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ** عَطْفٌ عَلٰى اِسْمِ

اَنْ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّانَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اَلْمُعَبَّرُ بِهَا عَنْ مَعْلُوْمَاتِهٖ بِكُتُبِهَا بِتِلْكَ الْاَقْلَامِ بِذٰلِكَ الْمِدَادِ وَلَا بِاَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ لِاَنَّ مَعْلُوْمَاتِهٖ تَعَالٰى غَيْرُ مُتَنَاهِيَةٍ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ لَا يُعْجِزُهٗ شَيْءٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾ لَا يَخْرُجُ شَيْءٌ عَنْ عِلْمِهٖ وَحِكْمَتِهٖ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ خَلْقًا وَبَعْثًا لِاَنَّهٗ بِكَلِمَةِ كُنْ فَيَكُوْنُ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ يَسْمَعُ كُلَّ مَسْمُوْعٍ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾ يُبْصِرُ كُلَّ مُبْصَرٍ لَا يَشْغَلُهٗ شَيْءٌ عَنْ شَيْءٍ اَلَمْ تَرَ تَعْلَمْ يَا مُخَاطَبًا اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ يُدْخِلُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ يُدْخِلُهٗ فِي الَّيْلِ فَيَزِيْدُ كُلَّ مِنْهُمَا بِمَا نَقَصَ مِنَ الْاٰخَرِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ مِنْهُمَا يَّجْرِيْ فِيْ فَلَكِهٖ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرُ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الثَّابِتُ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ الزَّائِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ عَلٰى خَلْقِهٖ بِالْقَهْرِ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾ الْعَظِيْمُ اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ السُّفُنَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ يَا مُخَاطَبِيْنَ بِذٰلِكَ مِّنْ اٰيٰتِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ عِبَرًا لِّكُلِّ صَبَّارٍ عَنْ مَعَاصِي اللّٰهِ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ لِنِعَمِهٖ وَاِذَا غَشِيَهُمْ اَيْ عَلَا الْكُفَّارَ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ كَالْجِبَالِ الَّتِيْ تُظِلُّ مَنْ تَحْتَهَا دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اَيِ الدُّعَاءَ بِاَنْ يُّنْجِيَهُمْ اَيْ لَا يَدْعُوْنَ مَعَهٗ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ مُتَوَسِّطٌ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْاِيْمَانِ وَمِنْهُمْ بَاقٍ عَلٰى كُفْرِهٖ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ وَمِنْهَا الْاِنْجَاءُ مِنَ الْمَوْجِ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ غَدَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾ لِنِعَمِ اللّٰهِ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اَيْ اَهْلَ مَكَّةَ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ يُغْنِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ فِيْهِ شَيْئًا وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ فِيْهِ شَيْئًا اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بِالْبَعْثِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا عَنِ الْاِسْلَامِ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ فِيْ حِلْمِهٖ وَاِمْهَالِهٖ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ الشَّيْطَانُ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ مَتٰى تَقُوْمُ وَيُنَزِّلُ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ الْغَيْثَ بِوَقْتٍ يَّعْلَمُهٗ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ اَذَكَرٌ اَمْ اُنْثٰى وَلَا يَعْلَمُ وَاحِدًا مِنَ الثَّلَاثَةِ غَيْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا مِنْ خَيْرٍ اَوْ شَرٍّ وَيَعْلَمُهُ اللّٰهُ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ وَيَعْلَمُهُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِكُلِّ شَيْءٍ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ بِبَاطِنِهٖ كَظَاهِرِهٖ رَوَى الْبُخَارِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ حَدِيْثَ مَفَاتِحِ الْغَيْبِ خَمْسَةٌ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ اِلٰى اٰخِرِ السُّوْرَةِ

ترجمہ: .... کیا تم لوگوں کی نظر اس پر نہیں (اے ناظرین! تمہیں معلوم نہیں) کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہی کام میں لگا رکھا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے (آفتاب و ماہتاب اور ستارے تمہاری خدمت کے لئے بیگار میں لگا رکھے ہیں) اور جو کچھ زمین میں ہے

(پھل، نہریں، چوپائے) اور اس نے تم پر اپنی نعمتیں پوری کر رکھی ہیں ...... (وسیع اور مکمل دے رکھی ہیں) ظاہری نعمتیں بھی (خوبصورتی، سلامتی اعضاء وغیرہ) اور باطنی نعمتیں بھی (معرفت حق وغیرہ) اور بعض آدمی (مکہ کے) ایسے ہیں کہ جھگڑا کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر واقفیت اور بغیر دلیل کے اور بغیر (کسی پیغمبر کی) ہدایت کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے (جو اللہ نے اتاری ہو بلکہ محض تقلید کی بنیاد پر) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کا اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم اس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے (حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا تم اس وقت بھی ان بڑوں کا اتباع کرو گے) اگر شیطان ان کو عذاب دوزخ کی طرف بلاتا رہا (یعنی اسباب دوزخ کی طرف) اور جو شخص اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے (یعنی اللہ کی اطاعت کی طرف متوجہ ہو جائے) اور وہ مخلص (موحد) بھی ہو تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا (پکا سرا جس کے ٹوٹنے کا احتمال نہیں ہے) اور سب کاموں کا اخیر (انجام) اللہ ہی تک پہنچے گا، اور جو شخص کفر کرے سو اس کا کفر آپ کے لئے (اے محمد!) باعث غم نہیں ہونا چاہئے۔ ان سب کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے سو ہم جتلا دیں گے جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ بے شک اللہ کو دلوں کے اندر کی باتیں خوب معلوم ہیں (یعنی دلوں کی بھی اور دلوں کے علاوہ بھی لہٰذا ان کا بدلہ دے گا) ہم ان کو (دنیا میں) چند روزہ عیش دیئے ہوئے ہیں (دنیا کی زندگی میں) پھر ان کو (آخرت میں) ایک سخت عذاب کی طرف کشاں کشاں لے آئیں گے (عذاب جہنم جس سے چھٹکارہ نہیں ہو سکے گا) اور اگر (لام قسمیہ ہے) آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان وزمین کس نے پیدا کئے۔ تو ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے (لیقولن میں نون رفع متعدد نون جمع ہو جانے کی وجہ سے حذف ہو گیا اور واؤ جمع التقائے ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گیا) آپ کہئے کہ الحمد للہ (توحید کی حجت ان پر غالب ہو گئی) لیکن ان میں سے نہیں جانتے (توحید کے واجب ہونے کو) سب اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمان وزمین میں ہے (اسی کی ملک، اسی کی مخلوق، اسی کے بندے ہیں۔ لہٰذا جہان میں اس کے سوا عبادت کا کوئی اور مستحق نہیں ہے) بے شک اللہ ہی (مخلوق سے) بے نیاز اور (اپنی کاریگری میں) بڑی خوبیوں والا ہے اور جتنے درخت زمین بھر میں ہیں اگر وہ سب قلم بن جائیں اور اس سمندر (اسم ان پر عطف ہے) کے علاوہ سات سمندر اور اس میں (روشنائی بن کر) شامل ہو جائیں تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہونے پائیں (جن سے اللہ کی معلومات کا پتہ چلے، ان قلموں اور اس روشنائی سے لکھ کر، اور نہ ان سے زیادہ سے کیونکہ اللہ کی معلومات غیر متناہی ہیں) بے شک اللہ زبردست ہے (اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا) حکمت والا ہے (اس کے علم وحکمت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے) تم سب کا پیدا کرنا اور دوبارہ جلانا بس ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کا (پیدا کرنا، زندہ کرنا کیونکہ کلمہ کــن کے ذریعہ ہوتا ہے بیشک اللہ سب کچھ سنتا (ہر آواز سنتا ہے) دیکھتا ہے۔ (ہر دکھائی دینے والی چیز دیکھتا ہے۔ کوئی ایک چیز دوسری چیز سے بے توجہ نہیں بنا سکتی) کیا تجھے خبر نہیں (اے مخاطب! تجھے معلوم نہیں) اللہ شامل (داخل) کرتا ہے رات کو دن میں اور دن کو شامل (داخل کرتا ہے رات میں (اس طرح ہر ایک میں اضافہ ہو جاتا ہے جو دوسرے سے کم ہوتا ہے) اور اس نے سورج وچاند کو کام پر لگا رکھا ہے، ان (دونوں میں سے) ہر ایک (اپنے مدار میں) گردش کرتا رہے گا مقررہ میعاد (قیامت) تک۔ اور یہ کہ اللہ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے) یہ (مذکورہ بات) اس سبب سے ہے کہ اللہ ہی ہستی میں کامل (ثابت شدہ) حقیقت ہے اور جن چیزوں کو یہ پکار رہے ہیں (یا اور تا کے ساتھ ہے۔ بندگی کرتے ہیں) اللہ کے علاوہ۔ وہ بالکل لچر (نیست و نابود) ہیں اور اللہ ہی عالی شان (مخلوق پر غالب) ہے اور بڑا (عظمت والا) ہے۔ کیا تجھے پتہ نہیں کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی (جہاز) دریا میں جاری ہوتی ہے۔ تا کہ (اے مخاطبین! اس کے ذریعہ) تمہیں دکھلائے اپنی نشانیاں، بلا شبہ اس میں نشانیاں (عبرتیں) ہیں (گناہوں سے) ہر بچنے والے (اللہ کی نعمتوں کا) شکر بجالانے والے کے لئے اور جب ان کو گھیر لیتی ہیں (کفار پر غالب آ جاتی ہیں) سائبانوں کی طرح

موجیں (جو پہاڑوں جیسی کشتیوں کے نیچے اٹھتی رہتی ہیں) تو وہ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں (سلامتی کی دعا مانگتے ہیں کسی اور کو نہیں پکارتے۔) پھر جب ان کو سلامتی سے خشکی کی طرف لے آتا ہے۔ سو بعض ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں (ایمان وکفر کے درمیان اور کچھ ان میں کافر ہی رہتے ہیں) اور ہماری آیتوں کے بس وہی لوگ منکر ہوتے ہیں (منجملہ ان نشانیوں کے موج سے ان کو سلامت نکال لینا بھی ہے) جو بدعہد (غدار) ناشکرے (اللہ کی نعمتوں کے) ہیں۔ اے لوگو! (مکہ کے باشندو!) اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو کہ مطالبہ ادا نہیں کر سکے گا (بے نیاز نہیں بنا سکے گا) کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے (کچھ بھی) اور نہ کوئی بیٹا ہی ہے کہ وہ مطالبہ ادا کر سکے گا اپنے باپ کی طرف سے (ذرا بھی) یقیناً اللہ کا وعدہ (قیامت کے بارے میں) سچا ہے سو تم کو دنیاوی زندگانی (اسلام سے ہٹا کر) دھوکہ میں نہ ڈالے اور نہ وہ بڑا فریبیا۔ اللہ (کی بردباری اور ڈھیل دینے) کے بارے میں دھوکہ میں رکھے (شیطان) بے شک اللہ ہی کو خبر ہے قیامت کی (کب آئے گی) اور وہی برساتا ہے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) مینہ (ٹھیک وقت پر جس کا اسے پتہ ہے) اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے (لڑکا یا لڑکی۔ اور ان تینوں باتوں میں سے کسی کی خبر بھی اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا (اچھا کام یا برا کام۔ لیکن اللہ کو خبر ہے) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا (مگر اللہ جانتا ہے) بیشک اللہ ہی (سب باتوں کا) جاننے والا باخبر ہے (ظاہر کی طرح باطن سے واقف ہے۔ بخاریؒ نے ابن عمرؓ سے حدیث مفاتح الغیب خمسة ان اللّٰه عنده علم الساعة الخ نقل کی ہے۔)

تحقیق وترکیب: .... سخر لکم. تسخیر سے مراد ظاہری اور باطنی تصرفات بھی ہیں۔ جو انسان کائنات میں کرتا رہتا ہے اور منافع متعلقہ کا انسان کے لئے پیدا کرنا بھی ہوسکتا ہے۔

نعمه. نافع، ابو عمر نعمه جمع نعمت کی مضافاً الی الضمیر پڑھتے ہیں۔ ترکیب میں ظاهرة حال ہوگا اور باقی قراء نعمة سکون عین اور تنوین تا کے ساتھ اسم جنس بمعنی جمع پڑھتے ہیں اب ظاهرة نعمت ہوگا۔ بقول ابن عباسؓ ظاہری نعمت اسلام اور قرآن اور باطنی سے مراد یہ کہ گناہوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے گا۔ لیکن الفاظ عام ہیں۔ اس لئے تعمیم ہی بہتر ہے اور یہ فرمانا بطور تمثیل کے ہو جائے گا، چنانچہ ضحاکؒ سے باطنی کے معنی معرفت نقل کئے گئے ہیں۔ کائنات کی ہر چیز بلا واسطہ یا بالواسطہ انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہے۔ جو دلیل ہے اس کے اشرف المخلوقات ہونے کی۔" بغیر علم " میں دلیل عقلی اور "لا هدی" میں دلیل نقلی کی نفی مقصود ہے۔

اولو کان. مفسر علامؒ نے تقدیر شرط کے حال ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ای ایتبعو نهم ولو کان الشیطان یدعوهم اور یتبعونه کی ضمیر ماوجدوا کی طرف یا شیطان کی طرف راجع ہے۔ لیکن بقول قاضی "لوْ" کا جواب محذوف ہے اور واؤ عاطفہ ہے" ای لا یتبعوه" اور چونکہ استفہام انکاری ہے۔ اس لئے عطف علی الانشاء لازم نہیں آئے گا اور ضمیر یدعو هم ان کی اور ان کے آباء کی طرف راجع ہوگی۔

الی الله. اسلام جب الٰی کے ذریعہ متعدی ہو تو معنی تفویض اور توکل کے ہوں گے۔ ہمہ تن اللہ کی طرف رجوع۔

محسن. مفسر علامؒ واحدی کی اتباع میں موحد کے ساتھ تفسیر کر رہے ہیں اور بقول بغویؒ وزمخشریؒ محسن فی عملہ مراد ہے۔

الوثقی. اسلام کا مضبوط حلقہ چھوٹ تو سکتا ہے مگر ٹوٹ نہیں سکتا۔

نضطرهم. اشارہ ہے کہ دنیاوی تکلیف وراحت بطور سزا جزا کے نہیں ہوتی۔ اصلی سزا و جزا آخرت میں ہوگی۔

لیقولن یہ جواب قسم ہے اور جواب شرط قاعدہ کے مطابق محذوف ہے اور الله فعل محذوف کا فاعل ہے۔ یا خبر محذوف کی

مبتداء ہے۔ای خلقھن اللّٰہ او اللّٰہ خالق لھن.

لا یعلمون بعض نے اس کا مفعول" ان ذلک الزام لھم" محذوف مانا ہے۔

والبحر . اسم ان یعنی ما پرعطف ہے" رای ولو ان البحر یمدہ" یہ ترکیب البحر بقرأت ابوعمرو منصوب پڑھنے کی صورت میں ہے اور باقی قراء کے نزدیک مرفوع ہے محل ان پرعطف ہوگا اور اسی کا معمول ہوگا۔ کیونکہ یہ فعل مضمر کا فاعل ہے ای لو ثبت یا مبتداء ہے اوراس کی خبر یمدہ ہے اور جملہ حال ہے ای فی حال کو نہ البحر ممدودا۔

یمدہ . ای جعلہ ذامدادا.

سبعة ابحر یہ فاعل ہے یمدہ کا اس میں ضمیر بحر بمعنی مکان کی طرف راجع ہے اور من بعد کی ضمیر بھی البحر بمعنی الماء کی طرف بطور صفت استخدام راجع ہے اور حذف مضاف پر بھی محمول ہوسکتا ہے۔اور البحر کو منصوب ماننے کی صورت میں جملہ اس کی خبر ہوجائے گا اور مرفوع پڑھنے کی صورت میں حال ہوگا۔اور سات کا عدد تکثیر کے لئے تعیین کے لئے نہیں ہے۔

مانفدت . یہ جواب لو ہے لیکن یہاں لو سے مشہور معنی انتفاء جزاء کی وجہ سے انتفاء شرط یا انتفاء شرط کی وجہ سے انتفاء جزا کے نہیں ہیں ورنہ کلمات اللہ کا ختم ہونا لازم آئے گا۔ بلکہ ثبوت جواب کے معنی ہیں۔ یا حرف شرط ہے مستقبل کے لئے۔اور کلمات اللہ سے مراد کلام لفظی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تو حادث ہے۔ بلکہ کلام نفسی قدیم مراد ہے۔ جو غیر مختتم اور غیر متناہی ہے۔اور المعبر کا مطلب علی سبیل الفرض ہے۔ورنہ کلام نفس کی غیر متناہی تعبیر کلام لفظی محدود سے ممکن نہیں ہے۔

بکتبھا . ای بسبب کتا بتھا .

کنفس واحدۃ . ای کخلق نفس واحدۃ وبعث نفس واحدۃ اختصاراً حذف کردیا گیا ہے۔

یولج . دن ورات میں بارہ بارہ گھنٹے اصل ہیں۔جن میں چار گھنٹے زائد ہیں۔ جو تدریجاً ایک دوسرے میں زائد ہوتے رہتے ہیں اور زمانہ اعتدال میں دن ورات برابر رہتے ہیں اور یولج کو مضارع سے اور سخر صیغہ ماضی سے تعبیر کیا ہے کیونکہ ایلاج متجدد ہوتا رہتا ہے برخلاف تسخیر کے۔

الی اجل . یہاں الی کے ساتھ اور سورۂ فاطر وزمر میں لام کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔محض تفنن کے لئے ورنہ الی اور لام دونوں انتہا کے لئے ہیں اور مقررہ مدت سے مراد قمری حساب سے تو مہینہ ہے اور شمسی حساب سے سال ہے اور میعاد مطلق قیامت ہے۔ اجل مسمی کا مدلول صرف سورج کا مقررہ وقت تک جاری رہنا ہے۔لیکن اگر کبھی خلاف عادت یہ پہلے ہوجائے جیسے قیامت کے قریب مغرب سے سورج کا نکلنا یا مقررہ مدت کے بعد بھی جب تک خدا چاہے جاری رہے تو اس سے ان دونوں صورتوں کی نفی لازم نہیں آتی۔

غشیھم . مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے کہ غشیان بمعنی اتیان نہیں ہے بلکہ اوپر سے ڈھانپنے کے معنی ہیں۔

کالظلل . جمع ظلۃ پہاڑ، بادل وغیرہ جو سایہ فگن ہوں۔

مقتصد . یعنی کفر میں غلو نہیں رہتا۔لیکن بہتر یہ ہے کہ مقتصد کے معنی عدل کے لئے جائیں۔تاکہ توحید بھی عدل میں داخل ہوجائے۔جیسا کہ شان نزول سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

ختار . بمعنی غدار، صابر کا مقابل ہے جیسے کفور، شکور کا مقابل ہے لا یجزی ۔قاموس میں بمعنی یقتضی ہے۔دونوں جملے یو ما کی صفت ہیں۔ ہر ایک میں عائد مقرر ہے۔مفسرؒ نے اس کی تقدیر فیہ ظاہر کی ہے۔ باپ بیٹے کا تعلق انتہائی شفقت وعظمت

کا ہے۔ مگر قیامت میں جب یہ ناطے بھی نا کارہ ہیں تو دوسرے رشتے بدرجہ اولیٰ منقطع ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں **مقتصد** یہاں **ختار کفور** کے مقابلہ میں نہیں آتا۔ اس کا قرینہ ہے کہ یہاں مطلق مؤمن مراد ہے۔ لیکن سورۂ فاطر میں **ظالم لنفسه** اور **سابق بالخیرات** کے مقابلہ میں آنا قرینہ ہے گناہ اور طاعات کے برابر ہونے کا۔ اس لئے وہاں مؤمن خاص مراد ہوگا۔ پس اس آیت میں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ تقسیم قاصر نہیں ہے۔

لا مولود. مبتداء اول اور **هو** مبتداء ثانی ہے **جاز** اس کی خبر ہے پھر جملہ **مولود** کی خبر ہے اور **مولود** اگرچہ نکرہ ہے مگر تحت النفی ہے۔ اس لئے مبتداء بننا صحیح ہوگیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ **مولود** کا عطف **والد** پر ہو اور جملہ اس کی صفت ہو۔ اور **شیئاً** مفعول بہ ہے یا مصدریت کی بناء پر منصوب ہے۔ کیونکہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ ای **جزاء شیئاً**. اور **مولود** کی سابقہ دونوں ترکیبوں پر **سیئاً** میں تنازع فعلین ہو رہا ہے۔ پہلے جملہ **لایجزی والد** میں تاکید نہ لانے اور دوسرے جملہ **ولا مولود** الخ میں تاکید لانے کا نکتہ یہ ہوسکتا ہے کہ دونوں جملوں میں نفی ہے۔ پس بقاعدہ بلاغت ترقی کا تقاضا یہی ہے کہ دوسرا جملہ پہلے سے بڑھا ہوا ہو۔ اگر ان جملوں کی ترتیب بالعکس ہوتی تو تاکید بھی برعکس ہوتی۔

جاز. بمعنی **قاضی** و **مودی** ہے۔

لایغرنکم. یعنی مغفرت کی امید سے گناہوں پر دلیر ہو جانا فریب نفس و شیطان ہے۔

بالله. باسببیہ ہے اور مضاف محذوف ہے۔ ای **بسبب حلم الله** جیسا کہ مفسرؒ نے اشارہ فرمایا ہے۔

ینزل. ابوعمرو، ابن کثیر، حمزہ، علی تخفیف کے ساتھ اور بقیہ قراء تشدید سے پڑھتے ہیں۔ اول انزال سے دوسری تنزیل سے ہے۔

ان الله عنده تر د. یہاں دو مقصد ہیں۔ ایک تینوں چیزوں کے علم کا اللہ کے ساتھ خاص ہونا۔ دوسرے ان کا علم دوسروں کو نہ ہونا۔ اس لئے پہلی آیت میں تین چیزوں کے ساتھ علم الٰہی کی صراحت فرمادی اور غیر اللہ کے علم کی نفی صراحت سے نہیں فرمائی۔ برخلاف دوسرے جملہ کہ اس میں **ماتدری** سے دونوں چیزوں کے علم کی غیر اللہ سے صراحۃً نفی فرمادی اور اللہ کے لئے علم کا اثبات صراحۃً نہیں فرمایا۔ مفسر علامؒ نے تقدیری عبارتیں نکال کر اس نکتہ کی طرف اشارہ فرمادیا ہے۔ بہرحال ان پانچوں باتوں کا علم بھی دوسرے تمام علوم کی طرح ذاتی طور پر اللہ کے ساتھ مختص ہے۔ دوسروں کو علم ذاتی نہیں ہے بلکہ اللہ کے علم کرانے سے بذریعہ وحی یا الہام وکشف ہو یا پھر بالواسطہ آلات کے ذریعہ سے ہو، وہ اس کے خلاف نہیں ہے۔

ربط: .... آیت **الم تر و الخ** میں بھی پچھلی آیات کی طرح توحید کا مضمون ہے۔ آیت **اذا قیل الخ** تقلیدی شرک و معصیت کا ابطال اور **ومن یکفر الخ** سے کفر پر آنحضرت ﷺ کے رنجیدہ رہنے کی وجہ سے تسلی ہے اور کفار کو دھمکی ہے۔ پھر **ولئن سألتهم** سے توحید پر استدلال ہے، اور اسی کے ضمن میں شرک کا ابطال ہے اور **ماخلقكم** میں بعث وقیامت کا اثبات اور **الم تر ان الله** سے پھر دلائل وحدانیت ہیں۔

"**یا ایها الناس**" میں عام وعظ کے رنگ میں قیامت کی تذکیر اور شرک وکفر پر تفصیلی تہدید ہے اور اسی سلسلہ میں قیامت کی تعیین کا علم اگر کسی کو نہیں تو اس سے یہ لازم نہیں کہ قیامت آئے گی ہی نہیں۔ علم غیب تو اللہ کے ساتھ مختص ہے، جو دلیل الوہیت ہے۔ معبودان باطل ناقص العلم بلکہ فاقد العلم ہیں۔ اس لئے وہ خدائی کے لائق بھی نہیں۔ پس آخری آیت کا پہلے مضمون کے ساتھ دو طرح ربط ہو گیا اور حاصل سورت یہی دو مضمون ہیں۔ جزا وسزا۔ جس کا اصل وقت قیامت ہے اور توحید۔ غرضیکہ یہ آیت اس طرح پوری سورت کے مضامین کی جامع ہوگئی۔ اس لئے اس پر سورت ختم کرنا عین بلاغت ہے۔

شان نزول: .... آیت و من الناس. نضر بن الحارث، ابی بن خلف جیسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جواللہ کی ذات وصفات کے بارے میں کج بحثی کیا کرتے تھے۔

ولو ان مافی الارض. بقول قتادہؒ مشرکین کہا کرتے تھے کہ محمد اوران کی وحی قرآنی کا سلسلہ کچھ دنوں بعد ختم ہو جائے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ نیز ان سے یہ بھی منقول ہے کہ یہود نے خود یا یہود کے مشورہ سے مشرکین نے آنحضرت ﷺ پر آیت و ما اوتیتم من العلم الا قلیلا کے سلسلہ میں اعتراض کیا کہ ہمیں تورات عطا ہوئی ہے جس میں تمام علوم وحکمتیں ہیں۔ پھر کیسے ہمیں علم قلیل کا دیا جانا فرمایا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تورات کا علوم اگرچہ تمہارے اعتبار سے کثیر ہیں۔ لیکن مجموعہ علم الٰہی کے لحاظ سے تو قلیل ہی ہیں۔

آیت ماخلقکم پر ابی ابن خلف اوراس کی جماعت نے آنحضرت ﷺ پر اعتراض کیا کہ انسان کی ابتدائی خلقت تو مرحلہ وار درجہ بدرجہ تین چلوں میں ہوتی ہے۔ بعث ایک دم کیسے ہو جائے گا۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

فمنھم مقتصد. عکرمہؓ بن ابوجہل فتح مکہ کے موقع پر فرار ہوکر سمندری جہاز پر سوار ہو گیا۔ راستہ میں طوفان نے آگھیرا تو اس نے دعا مانگی کہ اگر میں سلامتی سے پار ہو گیا تو جاکر محمد (ﷺ) کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں گا۔ چنانچہ جہاز طوفان سے بچ گیا اور عکرمہؓ حاضر ہوکر صدق دل سے مسلمان ہو گیا۔

﴿ تشریح ﴾: .... الم تروا ظاھرۃ سے مراد آگ، پانی، ہوا، مٹی، تکوینی حسی نعمتیں جن کا ادراک حواس سے ہوتا ہے اور باطنۃ سے مراد وہ تکوینی نعمتیں جن کا ادراک عقل سے ہو سکے اور جو مومن کافر سب کے لئے عام ہیں۔ یعنی کل مخلوق اللہ نے تمہارے کام میں لگا دی تو تم اللہ کے کام میں کیوں نہیں لگتے۔ مشرک اور جہالت زدہ لوگوں پر تعریض ہے کہ یہ چاند، سورج، ستارے، زمین، آسمان سب تمہاری بیگار اور خدمت کے لئے وقف ہیں۔ پھر یہ کیا شامت سوار ہے کہ تم الٹے انہیں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہو۔

ومن الناس. یعنی اتنے کھلے احسانات کو دیکھ کر بھی اللہ کی ذات وصفات یا اس کے احکام شرع میں بے سند جھگڑتے ہو۔ اس سوال بے جا کی بنیاد نہ کسی صحیح علم پر ہے اور نہ عقلی استدلال پر اور نہ نقلی آسمانی کتاب پر۔ بلکہ محض اپنی کج فہمی اور کج بحثی پر ہے اور بس باپ دادوں کی اندھی تقلید پر، تو کیا شیطان اگر تمہارے باپ دادوں کو دوزخ کی طرف لے جا رہا ہو تو کیا پھر بھی تم ان کے پیچھے پیچھے چلے جاؤ گے، جہاں وہ گریں گے تم بھی گرو گے۔ آخر یہ کیا اندھیر ہے۔ اللہ کی رسی لٹکی ہوئی ہے۔ جس نے اسے نہ صرف ظاہری طور پر بلکہ اخلاص کے ساتھ تھاما اور خود کو اللہ کے حوالہ کر دیا اس نے ایک مضبوط حلقہ تھام لیا ہے جو چھوٹ تو سکتا ہے مگر ٹوٹ نہیں سکتا۔ یہ کڑا جب تک کوئی پکڑے رہے گا نہ گرے نہ چوٹ کھائے گا۔

آیت ومن کفر میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ ان کے بگڑنے کا غم اپنے سر کیوں لیں، آخر ان کو بھی تو ہمارے ہاں آنا ہے۔ اس وقت سب کیا دھرا سامنے آجائے گا۔ یہ سب کھول کر رکھ دے گا، اس سے کیا چھپ سکتا ہے، وہ تو دلوں کے بھید جانتا ہے۔ تھوڑے دنوں کی عیش اور بے فکری ہے۔ اس کے بعد تو مہلت ختم ہونے پر انہیں سزا بھگتنا ہی ہے۔ کہاں چھوٹ کر جائیں گے؟

ولئن سالتھم. یعنی اللہ کو خالق عالم تو یہ بھی مانتے ہیں جو دلیل کا اہم مقدمہ ہے تو آخر دوسرے معمولی مقدمہ میں آکر گاڑی کیوں اٹک جاتی ہے۔ منطقی استدلال کی ترتیب اس طرح ہوگی کہ ساری کائنات اللہ کی مخلوق ہے اور کوئی مخلوق بھی معبود نہیں

ہوسکتی۔ اس لئے کائنات میں بجز اللہ کے کوئی چیز بھی معبود نہیں بن سکتی۔ غرضیکہ اللہ کی تنہا خالقیت تو مسلم مگر تنہا اس کی معبودیت ان کے گلے سے نہیں اترتی۔

ولو ان مافی الارض۔ یعنی تنہا معبود ہونا اس لئے بھی ہے کہ ان کے کمالات لامتناہی ہیں اور ذاتی خوبیاں لامحدود ہیں، اتنی کہ اس دنیا جیسی ہزاروں دنیائیں ہوں اور ان کے سارے درختوں کے انگنت قلم اور ان کے سمندروں کو روشنائی میں تبدیل کردیا جائے تو وہ سارے قلم اور روشنائی ختم ہوجائیں گی پر اللہ کے کلمات و کمالات کی تہہ نہیں ملے گی۔ **اللّٰھم لااحصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک**۔ رہا پہلی پیدائش اور دوبارہ زندہ کرنا، خواہ وہ ایک انسان کو ہو یا سارے عالم کا، اس کی کن فیکونی قدرت اور حکم کے آگے سب برابر ہیں۔ بس اس کے ارادہ کی دیر ہے۔ اس نے ارادہ کیا اور وہ فوراً مراد وجود پذیر ہوگئی۔ لفظ **کن** کہنے پر ہی موقوف نہیں۔ یہ تو سمجھانے کے لئے ایک تعبیر ہے۔ رہا مرحلہ وار تدریجی طور پر وجود میں آنا یا ایک دم موجود ہوجانا، سو حرکت تدریجی اور حرکت دفعی کا یہ فرق اس کی قدرت کے آگے کچھ نہیں۔ آخر ایک آواز کا سننا اور بیک وقت تمام دنیا کی آوازیں سننا، ایسے ہی ایک چیز کا دیکھنا اور بیک وقت سارے عالم کو دیکھنا جب اللہ کے لئے برابر ہے تو ایک آدمی کا اور تمام جہان کا مارنا جلانا یکساں کیوں نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح دوبارہ جلادینے کے بعد بیک وقت کل کائنات کا رتی رتی حساب کتاب پل بھر میں چکادے تو کیا مشکل ہے جبکہ وہ سب کچھ دیکھتا، سنتا ہے، کوئی کھلی چھپی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

اجل مسمی۔ اس سے مراد قیامت ہے یا چاند سورج کے ماہانہ اور سالانہ دورے کہ وہ بھی پورا ہونے کے بعد گویا ازسرنو چلتے ہیں۔ پس جو قوت ان عظیم الشان کروں کو نوکروں کی طرح کام میں لگائے رکھتی ہے، اسے دوبارہ جلانے اور اچھے برے کئے کا حساب کتاب چکانے میں کیا دشواری ہوسکتی ہے۔ بس اللہ کا واجب الوجود ہونا اور موجود بالذات ہونا "**ھو الحق**" سے سمجھ میں آرہا ہے اور دوسروں کو باطل اور ہالک الذات ہونا اس کو مستلزم ہے کہ اکیلے اسی کے لئے یہ کمالات و صفات ثابت ہوں۔ پس وہی معبود بننے کے لائق ہے۔

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ آیت **خلق السمٰوات** اور **یولج** اور **سخر** میں تو توحید کا اثبات بالافعال تھا اور آیت "**ذٰلک بان**" میں افعال کا بالتوحید ہو رہا ہے؟ بات یہ ہے کہ پہلا اثبات ذہنی ہے اور دلیل انی ہے اور دوسرا اثبات خارجی یعنی دلیل لمی ہے۔ اسی لئے اس پر باداخل کیا گیا ہے۔

الم تر ان الخ۔ یعنی ان اتھاہ اور بے پناہ جوش مارتے ہوئے سمندر پر انسان جیسے مشت خاک کو قدر دینا اور اتنی عقل وفہم سے بہرہ ور کردینا کہ وہ لکڑی کے تختوں کو جوڑ جاڑ کر اور ان میں کیلیں ٹھونک ٹھانک کر اور ہوا، بھاپ، بجلی کی قوتوں سے کام لے کر چھوٹی بڑی کشتیاں، آبدوزیں، اسٹیمر وغیرہ تیار کرسکے اور ان کے ذریعہ ہزاروں میل کا فاصلہ طے کرکے بحری تجارت و سیاحت سے عظیم الشان فوائد حاصل کرتا ہے۔ بھاری بھاری سامان لادکر جہاز کس طرح سمندر کی موجوں کو چیرتا پھاڑتا چلا جاتا ہے۔ عجب نہیں کہ جہاز کی اس ساری داستان میں یہ تاثر دینا بھی ہو کہ جب یہ بادبانی اور دخانی جہاز بغیر کسی رہبر، معاون، ڈرائیور یا پائلٹ کے بغیر نہیں چل سکتا اور منجدھاروں سے سلامت نہیں نکل سکتا تو کائنات کا اتنا عظیم جہاز بغیر کسی کھویا اور چلانے والے کے کیسے وجود میں آگیا اور کیسے چل رہا ہے اور حوادثات کا تلاطم کون بپا کرتا ہے اور بھنور کے تھپیڑوں سے بچاکر اسے گودی کی طرف کون لے جارہا ہے؟ کیا اس میں توحید کی صدا بلند نہیں ہو رہی ہے؟ سنا ہے کہ امام اعظمؒ نے وحدانیت پر یہی دلنشین استدلال پیش کیا تھا اور مخالفین کو مبہوت بنادیا تھا۔

انسان غور کرے، جب پہاڑ جیسے طوفان اٹھ رہے ہوں اور جہاز بھنور کی لپیٹ اور پانی کے تھپیڑوں میں آگیا ہو تو کس قدر

صبر وتحمل کا وقت ہوتا ہے اور اس موت وحیات کی کشمکش کے بعد جب سلامتی سے کنارہ اور گودی پر لگ جائے تو کس درجہ مقام شکر ہوتا ہے۔ سمندر میں طغیانی کے وقت پانی کی موجیں پانی کی سطح سے گردن اونچی کر کے جب کشتیوں، جہازوں پر تھپیڑے مارتی ہیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ بدلیاں چھا گئی ہیں۔

کالظلل فرما کر قرآن نے سارا منظر نگاہوں کے سامنے کر دیا۔ پہلے دلائل وشواہد سے اللہ کا ایک ہونا اور اس کے خلاف سب باتوں کا جھوٹا ہونا بتلایا تھا۔ یہاں یہ بتلا دیا کہ طوفانی موجوں میں گھر کر کٹر سے کٹر مشرک بھی بڑی عقیدت مندی اور اخلاص سے اللہ کو پکارنے لگتا ہے۔ معلوم ہوا کہ انسانی ضمیر اور فطرت کی اصلی آواز یہی ہے۔ باقی سب بناوٹ اور ڈھکوسلے ہیں۔ اسے کوئی اختیار سے نہیں مانتا تو وہ جبر سے خود منوالیتا ہے، مگر اصل ماننا اختیار ہی سے ہے۔ مگر انسان ہے بڑا ہی ناشکرا، ابھی تھوڑی دیر پہلے طوفان میں گھر کر جو قول وقرار اللہ سے کئے تھے، بچ نکلنے کے بعد سب سے پھر گیا۔ کچھ دن بھی اس پر اثر نہ رہا اور بھول بھال گیا۔ البتہ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ تھوڑی بہت ان میں تبدیلی آ جاتی ہے، ورنہ اکثر جوں کے توں رہتے ہیں اور طوفان کے وقت جہاز کے مسافروں میں جو افراتفری ہوا کرتی ہے کہ ہر ایک اپنی جان بچانے کی فکر میں رہتا ہے، دوسروں کی فکر نہیں ہوتی۔

البتہ ماں باپ اور اولاد کا حال اوروں سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کو بچانے کی فکر میں رہتے ہیں بلکہ بعض دفعہ دوسرے کو بچانے کے نتیجہ میں خود مبتلائے مصیبت ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایک ہوش ربا دن اور بھی آنے والا ہے جب ہر طرف نفسی نفسی ہوگی۔ کوئی بھی دوسرے کی مصیبت سر لینے کو تیار نہ ہوگا اور کسی کی کوئی تجویز نہ چل سکے گی۔ اس لئے اس دن کی فکر کرو۔ آج اگر سمندر سے بچ گئے تو اس دن کیسے بچو گے، وہ دن آ کر رہے گا۔ اللہ کا وعدہ اٹل ہے اور چند روزہ بہار اور چہل پہل سے دھوکا مت کھاؤ۔ کیا یہی آرام وہاں بھی رہے گا۔ وہ تو نتائج عمل کی دنیا ہوگی۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے، جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔ بالخصوص شیطان مکار کے چکر سے چوکنا رہنا جو اللہ کا نام لے لے کر دھوکے دیتا ہے۔ کبھی کہتا ہے میاں ابھی عمر پڑی ہے، بعد میں توبہ کر لیں گے، کبھی کہتا ہے اللہ غفور ورحیم ہے۔ وہ تو بہت معاف کرنے والا ہے اور ماں باپ سے بھی مہربان ہے، وہ سب بخش دے گا، کبھی کہتا ہے کہ اگر قسمت میں جنت لکھ دی ہے تو کتنے ہی گناہ کرو ضرور پہنچ کر رہو گے اور دوزخ لکھی ہے تو کچھ بھی کر لو بچ نہیں سکتے اور کبھی کہتا ہے جب لکھا پورا ہوتا ہے تو ہمارا کیا قصور؟ خود ہی لکھیں خود ہی سزا دے دیں، آخر یہ کیا تماشا ہے۔ غرضیکہ مختلف داؤں سے راہ مارنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اس لئے تم ایسے فریبی سے ہوشیار ہو جاؤ۔

رہا یہ کہ قیامت کب آئے گی؟ یہ اور اسی قسم کی اور مخفی باتیں مثلاً: بارش کب آئے گی؟ ماں کیا جنے گی؟ کل کیا ہوگا؟ کوئی کہاں مرے گا؟ وغیرہ وغیرہ۔ دراصل یہ قدرت کے پوشیدہ راز ہیں جسے وہ ہر ایک کو نہیں بتلاتا۔ ہر چیز کا ذاتی طور پر بلاواسطہ علم، اسی طرح تمام چیزوں کو محیط اور حاوی علم صرف اللہ کو ہے۔ کوئی اس میں اس کا شریک نہیں ہے۔ یہ پانچ مسئلے بطور مثال اور نمونے کے یہاں بیان ہوئے ہیں۔ حصر مقصود نہیں ہے اور انہیں پانچ کی وجہ تخصیص یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے انہی پانچ باتوں کے بارے میں پوچھا گیا تھا اس لئے جواب میں بھی انہی پانچ کا ذکر ہوا ہے، دوسرے عام طور پر لوگ انہی باتوں کے معلوم کرنے کے شائق رہتے ہیں۔

تفصیل میں جانے سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ''مغیبات'' کی صرف دو صورتیں ہیں۔ ایک ''جنس احکام'' دوسرے ''جنس اکوان'' پھر اکوان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ''کونیات زمانی'' اور ''کونیات مکانی'' پھر زمانی کونیات کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ ماضی، ۲۔ حال، ۳۔ مستقبل

جہاں تک غیبی احکام کا تعلق ہے ان کا کل علم انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمایا گیا ہے اور ان کے جزئیات کی تفصیل اور ترتیب اذکیاء امت کرتے رہتے ہیں۔ البتہ مغیبات کونیہ کا کلی علم حق تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ ہاں جزئیات کونیہ کا علم حسب استعداد بندوں کو بھی عطا فرماتا رہتا ہے۔ بالخصوص آنحضرت ﷺ کو اتنا بڑا حصہ عطا ہوا ہے کہ جس کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔

اس آیت میں جن پانچ باتوں کا علم فرمایا گیا ہے، حدیث میں ان کو مفاتیح الغیب فرمایا گیا ہے۔ فی الحقیقت ان میں اکوان غیبیہ کی پانچ انواع کی طرف اشارہ ہے۔

بای ارض تموت میں غیوب مکانیہ اور **ماذا تکسب غدا** میں غیوب زمانیہ مستقبلہ اور **مافی الارحام** میں غیوب کونیہ حالیہ اور **ینزل الغیث** میں غیوب کونیہ ماضیہ کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ بارش آتی معلوم ہوتی ہے، مگر کسی کو ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہوتا کہ اس وقت، اسی جگہ، اتنی مقدار میں، مسلسل یا غیر مسلسل بارش ہونی ہے؟ اسی طرح ماں پیٹ سے بچہ کو لئے پھرتی ہے، مگر اسے خبر نہیں کہ پیٹ میں کیا چیز ہے لڑکا یا لڑکی؟ آئندہ واقعات پر انسان حاوی ہونا چاہتا ہے مگر نہیں جانتا کہ کل میں خود کیا کام کروں گا۔ علم قطعی اور تفصیلی کی نفی مقصود ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ اجمالی صورت میں کوئی نہ کوئی پروگرام تو اگلے زمانہ کے لئے انسان رکھتا ہی ہے اور جب انسان کو اپنے بارے میں کل کی بھی حقیقی خبر نہیں ہو سکتی تو ''کب'' کے متعلق تو اور بھی محال ہے، کیونکہ مکان وقت تو اس وقت بھی موجود ہیں اور بعض دفعہ مرنے والے کے مشابہ بھی آچکی ہوتی ہے۔ مگر ''زمان موت'' تو حواس ظاہری سے بھی تمام تر مخفی اور مستور رہتا ہے۔ اس جہل و بے چارگی کے باوجود تعجب ہے کہ انسان دنیوی زندگی پر مفتون ہو کر خالق حقیقی اور اس دن کو بھول جائے جب پروردگار کی عدالت عالیہ میں کشاں کشاں حاضر ہونا پڑے گا اور قیامت کب آئے گی؟ یقیناً آکر رہے گی۔ مگر اس کا نپا تلا وقت اور ٹھیک تاریخ کی تعیین اللہ کے علم میں ہے، نہ معلوم یہ کارخانہ توڑ پھوڑ کر کب برابر کر دیا جائے۔

آلات رصد یہ سے ماہرین موسمیات جو کچھ پیشگوئیاں کرتے ہیں یا ایکسرے اور دوسری مشینوں سے اور علامات کی مدد سے اگر ڈاکٹر رپورٹ دیں تو اس کے منافی نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ علم بالواسطہ ہیں۔ یہی حال کشف و کرامات اور معجزات کا ہے کہ وہ بالذات عموم نہیں ہیں بلکہ بالواسطہ ہیں۔ نیز علم الٰہی کے اثبات میں جو علم کا مادہ لایا گیا ہے اور مخلوق سے علم کی نفی میں دلالت کا مادہ لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ درایت اگرچہ کسبی ہوتی ہے مگر علم غیب، کسب اور سعی سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ نیز علم ساعت کو جملہ اسمیہ سے اور **ینزل** اور **یعلم** کو جملہ فعلیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ قیامت تو ایک متعین حقیقت ہے جو اپنے مقررہ وقت پر ایک بار ظاہر ہو جائے گی۔ لیکن بارش اور استقرار حمل تو ہمیشہ ہوتا ہی رہتا ہے اور یہ دونوں باتیں وقتاً فوقتاً متجدد ہوتی رہتی ہیں۔

نیز **علم الساعۃ** کی طرح **ینزل** میں علم کی صراحۃً اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی گئی۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ خود بارش برسانے میں بہت سے فوائد و منافع تھے۔ ان کی اہمیت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے **یعلم تنزیل** کی بجائے صرف **ینزل** فرمایا گیا ہے اور ''**ماذا تکسب غدا**'' میں مخاطب کی تخصیص کا نکتہ یہ ہے کہ جب انسان کو خود اپنا حال معلوم نہیں ہو سکتا تو دوسروں کا حال کیا جان سکتا ہے۔

اسی طرح **بای ارض تموت** میں جگہ کی تخصیص کا نکتہ یہ ہے کہ جب مرنے کی جگہ کا حال معلوم نہیں تو موت کے وقت کا حال کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جگہ اور مکان تو موجود بھی ہے اور وقت تو ابھی آیا بھی نہیں اور موجود ہی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں پہلے جملوں میں اختصاص کو علم الباری کے اثبات سے اور اخیر جملوں میں اختصاص کو علم مخلوق کی نفی سے تعبیر کرتے ہیں۔ نکتہ یہ ہے کہ کام کرنا اور مرنا خود اپنے احوال ہیں اور اقرب الی العلم ہیں۔ پس جب اقرب میں صراحۃً نفی فرما دی تو پھر دوسروں کا حال چونکہ بعید تھا اس لئے

اس میں نفی کی ضرورت ہی نہیں۔ ہاں! اس کا امکان تھا کہ مخلوق پر قیاس کر کے اللہ سے بھی علم کی نفی نہ سمجھی جائے۔ اس لئے صراحۃً اللہ کے لئے ان میں اثبات کیا گیا ہے۔

ان گذارشات سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ علم غیب کے مسئلہ میں غوغائیوں نے جو خواہ مخواہ ہنگامہ کھڑا کر رکھا ہے وہ کیا اصلیت رکھتا ہے؟ یقیناً آنحضرت ﷺ کو احکام شرعیت کے کلیات وجزئیات کا علم سارے عالم سے زیادہ عطا ہوا ہے اور بہت سی جزئیات کونیہ کا علم بھی آپ کو دیا گیا ہے۔ لیکن اس کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ کا علم ذاتی ہے اور آنحضرت ﷺ کا علم عطائی ہے۔ دوسرے اللہ کا علم محیط ہے، جس میں علم الاحکام، کلیات وجزئیات سب آ گئے اور علم الاکوان خواہ مکانی ہو یا زمانی، سب اللہ کے ساتھ مختص ہیں۔ ان میں کسی کا کچھ دخل نہیں۔ جیسا کہ لفظ **مفاتح** میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد تو یہ ہنگامہ آرائی نزاع لفظی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، اور پھر یہ بات الگ رہ جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اولیت علم الاولین والآخرین کے باوجود ''عالم الغیب'' کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ انصاف کی آنکھ سے ملاحظہ فرمانے والوں سے امید ہے کہ اللہ کی پوری عظمت اور آنحضرت ﷺ کی پوری محبت سے سینے معمور اور زبانیں شکر بار رکھیں گے اور تعبیر میں پاس ادب ملحوظ رہے گا۔

لطائف سلوک:............ **واسبغ علیکم** حضرت جنید ؒ فرماتے ہیں کہ حسن اخلاق ظاہری نعمتیں ہیں اور معارف الٰہیہ باطنی نعمتیں ہیں۔

ومن کفر الخ سے معلوم ہوا کہ لوگوں کی اصلاح میں زیادہ مبالغہ اور غلو نہ کرے اور ان کا پابند ہو کر نہ رہ جائے بلکہ خود کو آزاد رکھے۔

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ ايَةً

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ** الْقُرْانِ مُبْتَدأٌ **لَا رَيْبَ** شَكَّ **فِيْهِ** خَبَرٌ اَوَّلُ **مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ**﴿۲﴾ خَبَرٌ ثَانٍ **اَمْ** بَلْ **يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ** مُحَمَّدٌ لَا **بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ** بِهٖ **قَوْمًا مَّآ** نَافِيَةٌ **اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ**﴿۳﴾ بِاِنْذَارِكَ **اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ** اَوَّلُهَا الْاَحَدُ وَاٰخِرُهَا الْجُمُعَةُ **ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ** وَهُوَ فِي اللُّغَةِ سَرِيْرُ الْمَلِكِ اِسْتِوَاءً يَلِيْقُ بِهٖ **مَا لَكُمْ** يَا كُفَّارَ مَكَّةَ **مِّنْ دُوْنِهٖ** غَيْرِهٖ **مِنْ وَّلِيٍّ** اِسْمُ مَا بِزِيَادَةِ مِنْ اَيْ نَاصِرٍ **وَّلَا شَفِيْعٍ** يَدْفَعُ عَنْكُمْ عَذَابَهٗ **اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ**﴿۴﴾ هٰذَا فَتُؤْمِنُوْنَ **يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ** مُدَّةَ الدُّنْيَا **ثُمَّ يَعْرُجُ** يَرْجِعُ الْاَمْرُ وَالتَّدْبِيْرُ **اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ**﴿۵﴾ فِي الدُّنْيَا وَفِيْ سُوْرَةِ سَالَ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ لِشِدَّةِ اَهْوَالِهٖ بِالنِّسْبَةِ اِلَى الْكَافِرِ وَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَكُوْنُ اَخَفَّ عَلَيْهِ مِنْ صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ يُصَلِّيْهَا فِي الدُّنْيَا كَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيْثِ **ذٰلِكَ** الْخَالِقُ الْمُدَبِّرُ **عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ** اَيْ مَا غَابَ عَنِ الْخَلْقِ وَمَا حَضَرَ **الْعَزِيْزُ** الْمَنِيْعُ فِيْ مُلْكِهٖ **الرَّحِيْمُ**﴿۶﴾ بِاَهْلِ طَاعَتِهٖ **الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ** بِفَتْحِ اللَّامِ فِعْلًا مَاضِيًا صِفَةٌ وَبِسُكُوْنِهَا بَدَلُ اِشْتِمَالٍ **وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ** اٰدَمَ **مِنْ طِيْنٍ**﴿۷﴾ **ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ** ذُرِّيَّتَهٗ **مِنْ سُلٰلَةٍ** عَلَقَةٍ **مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ**﴿۸﴾ ضَعِيْفٍ هُوَ النُّطْفَةُ **ثُمَّ سَوّٰىهُ** اَيْ خَلَقَ اٰدَمَ **وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ** اَيْ جَعَلَهٗ حَيًّا حَسَّاسًا بَعْدَ اَنْ كَانَ جَمَادًا **وَجَعَلَ لَكُمُ** اَيْ الذُّرِّيَّةِ **السَّمْعَ** بِمَعْنَى الْاَسْمَاعِ **وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ** الْقُلُوْبَ **قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ**﴿۹﴾ مَا زَائِدَةٌ

مُؤَكِّدَةٌ لِلْقِلَّةِ **وَقَالُوْٓا** اَیْ مُنْكِرُوا الْبَعْثِ **ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ** غِبْنَا فِیْهَا بِاَنْ صِرْنَا تُرَابًا مُخْتَلِطًا بِتُرَابِهَا **ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ** اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ بِتَحْقِیْقِ الْهَمْزَتَیْنِ وَتَسْهِیْلِ الثَّانِیَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَیْنَهُمَا عَلَی الْوَجْهَیْنِ فِی الْمَوْضِعَیْنِ قَالَ تَعَالٰی **بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ** بِالْبَعْثِ **كٰفِرُوْنَ﴿۱۰﴾ قُلْ** لَهُمْ **یَتَوَفّٰكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ** اَیْ بِقَبْضِ اَرْوَاحِكُمْ **ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ﴿۱۱﴾** اَحْیَاءً فَیُجَازِیْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ

ترجمہ:............سورۃ السجدہ مکی ہے اوراس میں تیس آیتیں ہیں۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. الم (حقیقی مراد کا اللہ کو علم ہے) یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے (قرآن۔ یہ مبتداء ہے) اس میں کچھ شبہ نہیں (شک نہیں یہ خبر اول ہے) رب العالمین کی طرف سے ہے (خبر ثانی ہے) یہ لوگ کیا یوں کہتے ہیں کہ پیغمبر (ﷺ) نے اپنے دل سے بنالیا ہے۔ (نہیں) بلکہ یہ کتاب سچی ہے آپ کے پروردگار کی طرف سے۔ تاکہ آپ (ان کے ذریعہ) ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا (ما نافیہ ہے) تاکہ وہ لوگ راہ پر آجائیں (آپ کے ڈرانے سے) اللہ ہی ہے جس نے آسمان اور زمین کو اور جو ان دونوں کے درمیان ہے چھ روز میں پیدا کیا ہے (اتوار سے شروع کر کے جمعہ تک پورا کر دیا ہے) پھر عرش پر قائم ہوگیا (لغت میں عرش شاہی تخت کو کہتے ہیں اس پر اللہ کا استویٰ اس کے شایان شان ہے) اس کے سوا (علاوہ) تمہارا (اے کافران مکہ) نہ کوئی مددگار ہے (من زائد اور ولی اسم ما کا ہے بمعنی ناصر) اور نہ کوئی سفارش کرنیوالا ہے (کہ اس کے عذاب کو تم سے دفع کر سکے) سو کیا تم سمجھتے نہیں ہو (یہ بات کہ ایمان لے آؤ) آسمان سے لے کر زمین تک ہر کام کی وہی تدبیر کرتا ہے (دنیا کی زندگانی میں) پھر ہر امر پہنچ جائے گا (ہر امر ہر تدبیر لوٹ جائے گی) اسی کے حضور ایک ایسے دن جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہوگی (دنیا کے دن کی شمار سے اور سورہ سأل میں پچاس ہزار سال ہیں مراد قیامت کا دن ہے۔ کافر کو تو ہولنا کی کی وجہ سے طویل ہوگا۔ لیکن مومن کو ایک نماز فرض سے بھی ہلکا معلوم ہوگا۔ جو دنیا میں وہ ادا کرتا تھا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے) وہی (خالق مدبر) جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کا (یعنی جو مخلوق سے اوجھل ہے اور جو سامنے ہے) زبردست ہے (اپنے ملک میں غالب) رحمت والا ہے (اطاعت گزاروں پر) وہی جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی (خلقہ فتح لام کے ساتھ فعل ماضی ہے صفت ہے اور سکون لام کے ساتھ بدل اشتمال ہے) اور انسان (آدم) کی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر بنایا اس کی نسل (ذریت) خلاصہ اختلاط (خون بستہ) ایک حقیر قطرہ سے (جو معمولی ہوتا ہے یعنی نطفہ) پھر اسے درست کیا (یعنی آدم کو پیدا کر دیا) اور اس میں اپنی طرف سے روح ڈالی (یعنی اس کو زندہ حساب بنا دیا۔ حالانکہ وہ ایک بے جان مادہ تھا) اور بنائے تمہارے لئے (اے اولاد آدم!) کان (بمعنی سمع سامع ہے) اور آنکھیں اور دل۔ تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو (ما زائد ہے قلت کی تاکید کے لئے) یہ لوگ (منکرین قیامت) کہتے ہیں کہ ہم زمین میں نیست و نابود ہو گئے (مٹی میں مل کر خود بھی مٹی ہو گئے اور رل مل گئے) تو کیا پھر ہم نئے جنم میں آئیں گے (استفہام انکاری ہے۔ دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسری تسہیل کے ساتھ اور ان دونوں صورتوں میں دونوں جگہ دونوں ہمزوں کے درمیان الف زائد کرتے ہوئے فرمایا) بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے پروردگار سے ملنے ہی سے (قیامت میں) منکر ہیں آپ (ان سے) فرما دیجئے تمہاری جان موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے (تمہاری جان نکالنے کے لئے) پھر تم

اپنے پروردگار کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے (زندہ کر کے۔ چنانچہ وہ تمہارے کئے کا بدلہ دے گا۔

تحقیق وترکیب: .... الم یہ مبتدا ہے اور تنزیل الکتاب میں پانچ وجہیں ہوسکتی ہیں۔

ایک یہ کہ الم کی خبر ہو اور الم سے مراد سورت یا بعض قرآن لیا جائے اور تنزیل بمعنی منزل ہو اور لاریب فیه الکتاب سے حال ہو اور عامل تنزیل ہے اور من رب العالمین اس سے متعلق ہو اور فیہ کی ضمیر سے حال بھی ہوسکتا ہے اور فیہ خبر ہو یا اس میں ظرف عامل ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ تنزیل مبتداء ہو اور لاریب فیه اس کی خبر ہو اور من رب العالمین ضمیر فیه سے حال ہو اور تنزیل کے متعلق کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ تنزیل مبتداء ہے اس لئے اس میں عامل نہیں ہوسکتا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ تنزیل مبتداء ہو اور من رب العالمین خبر اور لاریب حال یا جملہ معترضہ ہو۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ لاریب فیہ اور من رب العالمین دونوں خبر ہوں تنزیل مبتداء کی۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ تنزیل خبر ہو مبتداء مضمر کی۔ اسی طرح لاریب فیه اور من رب العالمین بھی مبتداء محذوف کی خبریں ہو کر مستقل جملے ہو جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دونوں جملے تنزیل سے حال ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ لاریب اور من رب جملہ معترضہ ہوں۔

ام تقولون . یعنی ام منقطعہ بمعنی بل ہے ای بل یقولون. افتراہ ہمزہ انکاری ان کے عجز پر تعجب کے لئے ہے۔

ما اتاهم. اس سے زمانہ فترت مراد ہے بقول ابن عباسؓ کے اور قتادہؒ کا قول ہے۔ کانوا امة امية لم يا تهم نذير قبل محمد صلى الله عليه وسلم اور جن بعض مصلحین اور صالحین کا نام لیا گیا ہے وہ پیغمبر نہیں تھے۔ بلکہ وہ اولیائے زمانہ ہوں گے۔

استوی. مفسر علامؒ نے سلف صالحین کے طرز پر اس کی تفسیر نہیں کی۔ استواء یلیق بشانه کہہ کر مجمل رکھا۔ امام مالکؒ کا ارشاد ہے الا ستواء معلوم و کیفیة مجهول والسوال عنه بدعة اور طریق اسلم یہی ہے۔ لیکن متاخرینؒ نے عقول عامہ کی رعایت کرتے ہوئے متشابہات میں تاویل کا راستہ اختیار کیا۔ تا کہ بات قریب الی الفہم ہو جائے۔ چنانچہ استواء کے معنی استیلاء اور قہر کے لئے ہیں۔

من دونه. یہ حال ہے لفظ ولی یاشفیع سے اور لکم کی ضمیر مجرور سے بھی حال ہوسکتا ہے۔ ای ما استقرلکم مجاوزین اليه شفيع.

من السماء الى الارض. یہ دونوں محذوف سے متعلق ہیں اور وہ "امر بمعنی شیٔ" کا حال ہے۔ ای کل امر كائن من ابتداء السماء الى انتهاء الارض اور فی یوم متعلق ہے یعرج بمعنی یرجع کے۔

الف سنة ۔ زمین وآسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت مانی گئی ہے۔ اس طرح صعود ونزول میں ہزار سال لگ جاتے ہیں۔ سورہ سال کی آیت سے جو بظاہر یہ مقدار متعارض نظر آتی ہے۔ اس کی ایک توجیہ تو مفسرؒ نے فرمائی ہے کہ دن کی لمبائی اور چھوٹائی اضافی ہے احوال کے اعتبار سے مختلف ہے۔ دوسری توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ زمانہ قیامت میں بعض دنوں کی مقدار پچاس ہزار سال اور بعض دن کی ایک ہزار سال ہوگی۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ دونوں سے مراد متعین مقدار نہیں ہے بلکہ کثرت بیان کرنا ہے اور اس آیت کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ فرشتہ کے آنے جانے کی مقدار مسافت ایک دن اور انسان کے لئے ایک ہزار سال ہے۔ اس صورت میں الیه کی ضمیر مبداء کی طرف راجع ہوگی اور سورۂ سَاَلَ کی مقدار سے مراد زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک مسافت ہے۔ جیسا کہ مجاہد، قتادہ، ضحاکؒ سے یہی تفسیر منقول ہے البتہ ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ جب کہ ان سے پچاس ہزار سال کی نسبت پوچھا گیا۔ ایام سما ها

اللہ لا ادری ما ھی واکرہ ان اقول فی کتاب اللہ ما لا اعلم.

عالم الغیب. عام قراءت میں عالم، عزیز، رحیم مرفوع ہے ذلک مبتداء، اور عالم، عزیز، رحیم سب خبریں ہیں یا عزیز، رحیم کو نعت کہا جائے۔ یا العزیز الرحیم مبتداء اور صفت ہوں اور الذی احسن خبر ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ عزیز الرحیم مبتداء محذوف کی خبر ہو۔ البتہ زید بن علیؒ نے عالم عزیز رحیم تینوں کو مجرور پڑھا ہے۔ ذالک فاعل ہوگا یوجع کا اور یہ تینوں لفظ ضمیر سے بدل ہو جائیں گے۔ ای ثم یعرج الا مر المدبر الیہ الی عالم الغیب اور ابوزیدؒ نے عالم کو مرفوع اور العزیز الرحیم کو مجرور پڑھا ہے اس صورت میں ذالک عالم مبتداء خبر ہیں اور العزیز الرحیم دونوں الیہ کی ضمیر سے بدل ہوں گے اور ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

خلقہ. ابن کثیرؒ، ابوعمروؒ، ابن عامرؒ، نے سکون لام کے ساتھ اور باقی قراء نے فتح لام کے ساتھ پڑھا ہے۔ پہلی صورت میں کئی ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ خلقہ بدل اشتمال ھو من کل شیء سے اور ضمیر کل کی طرف راجع ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خلقہ بدل الکل ہو اور ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو اور احسن بمعنی حسن ہو۔ ای المخلوقات کلھا حسنۃ. تیسری صورت یہ ہے کہ کل شیء مفعول اول اور خلقہ مفعول ثانی ہو اور احسن متضمن معنی اعطی ہو۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ کل شئی مفعول ثانی مقدم ہو اور خلقہ مفعول اول ہو اور احسن متضمن معنی الھم وعرف ہو۔ ان میں پہلی ترکیب سب سے بہتر ہے۔ لیکن دوسری قراءت پر خلق فعل ہے اور جملہ صفت ہوگی مضاف یا مضاف الیہ کی۔ اس لئے منصوب المحل یا مجرور المحل ہوگا۔

سواہ. اشارہ اس طرف ہے کہ سوی کی ضمیر آدم کی طرف راجع ہے اور نسل کی طرف بھی راجع ہوسکتی ہے۔ ای سوی اعضاہ.

نسلہ ۔ اس میں غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے اور نکتہ یہ ہے کہ نفخ روح کے بعد اب نسل قابل خطاب ہوگی۔

من سلالۃ. سورۂ مومنین کے پہلے رکوع میں من سلالۃ میں من ابتدائیہ ہے۔ سلالہ کے معنی ابتداء کے ہوں گے۔ اور یہاں "من ماء مھین" ہے جس میں من بیانیہ ہے سلالہ کے معنی خلاصہ اختلاط ہوں گے اور لفظ سلالہ دونوں پر اطلاق ہوسکتا ہے۔

فیہ من روحہ. روح اگر مادی ہو تب توفیہ کے معنی ظاہر ہیں۔ لیکن اگر مجرد ہو تو پھر تعلق بالبدن کے معنی مجازی ہوں گے۔ اور من روحہ میں اضافت تشریفی ہوگی۔ جیسے بیت اللہ، ناقۃ اللہ اس لئے جزئیت اور حلول کا شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

لکم السمع والا بصار. امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ سماعت چونکہ آن واحد میں مختلف جہۃ کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتی ہر حال میں حکم وحدت میں ہے اس لئے بصیغہ واحد آ رہا ہے برخلاف بصارت اور قلبی ادراک کے کہ وہ بیک وقت متعدد چیزوں کی طرف ملتفت ہوسکتے ہیں۔ اس لئے دونوں جمع لائے گئے۔

فی الموضعین. اس سے مراد اذا ضللنا اور انا لفی خلق جدید ہیں اور ضللنا یہ ماخوذ ہے ضل المتاع اذا ضاع سے یعنی مٹی میں مل کر نا پید ہو جائیں گے۔

اور انا لفی خلق میں استفہام تاکید انکار کے لئے ہے نہ کہ انکار تاکید کے لئے۔

ربط: .... پچھلی سورت میں توحید وقیامت کا ذکر تھا۔ اس سورت کے شروع میں قرآن کی حقیقت اور اس سے رسالت کا اثبات ہے۔ ان مضامین میں تناسب ظاہر ہے۔ پھر آیت اللہ الذی سے توحید کا اور آیت قالوا ا اذا ضللنا الخ سے قیامت کا ذکر ہے۔ اور پہلا مضمون دوسرے مضمون پر بھی مشتمل ہے۔ اس کے بعد آیت ولقد اتینا موسیٰ سے رسالت کی تائید اور آنحضرت ﷺ کی تسلی ہے اور آیت "اولم یھد الخ" سے آخر تک مخالفین کو تہدید ہے۔ نیز اس کے بعض اقوال کا جواب ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... تنزیل الکتاب یعنی شک وریب اور تذبذب کا اس کتاب میں کہیں گزر نہیں۔ یہ لوگ ذرا غور وانصاف کرتے تو پتہ چل جاتا کہ یہ کتاب پروردگار کی طرف سے اس لئے آئی ہے کہ آپ قوم کو درست کرنے اور راہ راست پر لانے کی سعی کریں۔ جن کے پاس قرنوں سے کوئی بیدار کرنے والا پیغمبر نہیں آیا۔ ایسی کتاب جو بے نظیر ہو۔ کیا کوئی خود بنا کر پیش کر سکتا ہے۔

قرآن کے کلام الٰہی ہونے کی وجدانی دلیل: .... حد ہوگئی جب ایسی روشن کتاب میں بھی انہوں نے شبہات نکالنے شروع کر دیئے تو ان کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے۔

سوچنے کی بات ہے کہ کسی ملک میں دفعۃً ایسی بات منہ سے نکال دینا جو وہاں کی سینکڑوں برس کی مسخ شدہ ذہنیت اور مذاق کے یکسر خلاف ہو اور جس کے قبول کرنے کی ادنیٰ استعداد بھی نہ پائی جاتی ہو کسی سمجھ دار کا کام نہیں ہوسکتا۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص وہی ہوسکتا ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر کچھ پیش کرنے پر مجبور ہو۔ اگر آپ ﷺ اپنی طرف سے کچھ بات بنا کر لاتے تو وہ عرب کی عام فضا کے مناسب اور عام جذبات کے موافق ہوتی۔ اسی سے ایک انصاف پسند سمجھ سکتا ہے کہ آپ ﷺ جو کتاب اور احکام لائے ہیں وہ من گھڑت نہیں بلکہ خدائی پیغام ہیں۔

ہزار سال کا مطلب: .... یدبر الامر یہ نہیں کہ اس نے ایک بار پیدا کر کے کائنات کو یوں ہی معلق چھوڑ دیا۔ بلکہ ہر آن اس کا دخل جاری رہتا ہے بڑے کام اور بڑی بات کے متعلق اللہ کے پایہ تخت سے جب کوئی حکم اترتا ہے تو حسی، معنوی، ظاہری، باطنی اسباب اس کے انصرام کے لئے آسمان وزمین کے جمع ہو جاتے ہیں۔ آخر وہ انتظام اللہ کی حکمت ومصلحت سے مدتوں جاری رہتا ہے۔ پھر زمانہ دراز کے بعد وہ اٹھ جاتا ہے۔ اور اللہ کی طرف سے دوسرا نظم اور رنگ اترتا ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے پیغمبر جن کا اثر قرنوں رہا اور بڑی بڑی قوموں میں سرداری نسلوں تک چلتی رہی وہ ہزار برس اللہ کے یہاں کا ایک دن ہے۔ حضرت مجاہدؒ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ ہزار سال کے انتظامات فرشتوں کو القا فرما دیتا ہے اور یہ اس کے ہاں کا ایک دن ہے۔ پھر فرشتے جب اس نظم سے فارغ ہو جاتے ہیں تو آئندہ ہزار سالہ انتظامات پھر القاء فرما دیتا ہے قیامت تک یہی سلسلہ جاری رہے گا۔

بعض مفسرینؒ فرماتے ہیں کہ ایک کام اللہ کو کرنا ہوتا ہے تو اس کے مبادیات واسباب کا سلسلہ ہزار سال پہلے سے شروع کر دیتے ہیں۔ پھر وہ حکمت الٰہیہ کے مطابق مختلف ادوار سے گزر کر تدریجی مراحل طے کرتا ہوا اپنے منتہائے کمال کو پہنچتا ہے۔ اس وقت جو نتائج واثرات اس پر مرتب ہوتے ہیں وہ سب بارگاہ ربوبیت میں پیش ہونے کے لئے چڑھتے ہیں۔

اور بعض مفسرینؒ یہ مطلب فرماتے ہیں کہ اللہ کا حکم آسمان سے زمین پر اترتا ہے۔ پھر اس پر جو کارروائیاں ہوتی ہیں وہ دفتر اعمال میں درج ہونے کے لئے اوپر چڑھتی ہیں اور جو آسمان دنیا کے محدب حصہ پر واقع ہے زمین سے وہاں تک کی انسانی مسافت تو ہزار سال ہے۔ یوں فرشتے اس کو چاہے منٹوں میں طے کر لیتے ہوں۔

اور بعض یوم سے مراد قیامت کا دن لیتے ہیں جو دنیاوی ہزار سال کے برابر ہوگا۔ جس کی کمی بیشی مختلف اعتبارات سے ہوگی۔ حاصل یہ کہ بعض نے "فی یوم" کو یدبر کے اور بعض نے یعرج کے متعلق قرار دیا ہے اور بعض نے تنازع فعلین قرار دیا ہے۔

فطرت کی کمال صناعی: .... ذالک عالم الغیب یعنی جس کو جس مصلحت کے لئے پیدا کیا ٹھیک اسی کے مناسب حال اس کی ساخت وفطرت رکھی۔ یا یہ کہ ہر چیز کو اس کے مطابق ضروریات فطری الہام سے واضح کر دیا۔ ایسا مکمل اور زبردست

انتظام اسی ہستی کا کام ہے جو ہر ظاہر و پوشیدہ کی خبر رکھے اور انتہائی طاقتور و مہربان ہو۔ اس نے اپنی کمال صناعی اور حکمت سے منی کے ایک قطرہ سے جو ایک طرف تو عرف عام میں نہایت ہی گندہ سمجھا جاتا ہے۔ دوسری طرف وہ تمام غذاؤں کا نچوڑ ہوتا ہے۔ اس سے انسان کو پیدا کر دیا اور اس کے جوڑ، بند، شکل وصورت، اعضاء، سب متناسب و موزوں رکھے۔

اللہ کی روح ہونے کا مطلب:............ یوں تو ہر چیز اللہ کی ہے مگر کسی کی عزت بڑھانے کو اللہ اپنا کہہ دیں تو یہ اس کے لئے قربت ہے۔ سو انسان کی جان عالم غیب سے آئی مٹی پانی سے نہیں بنی اس لئے اسے اپنا کہہ دیا۔ تفسیر کبیر میں ہے۔ اضافة الروح الی نفسه کما ضافة البيت الی نصف الشريف . ورنہ تو جان بدن میں ہوگی اور بدن حادث ہے تو روح اور اللہ کا حادث ہونا بھی لازم آئے گا۔ واللازم باطل فالملزوم مثله اور بعض نے اضافت تملیکی مانی ہے یعنی روح اللہ کی مملوک ای الروح التی هی ملکه (کبیر) وهی اضافة ملک الی مالک وخلق الی خالق اور نفخ روح سے تعلق بالبدن مجازی معنی مراد ہیں۔ اللہ کی ان گنت نعمتوں کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ اس کی تکوینی آیات کو آنکھوں سے اور تنزیہی آیات کو کانوں سے دیکھتے سنتے اور دل سے دونوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کی کوشش کرتے اور پھر سمجھ کر عمل کرتے۔ مگر انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ اس نے اس پر تو غور نہ کیا کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ الٹی نظر اس پر گئی کہ مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ کس طرح بنائے جائیں گے اور محض شبہ کی حد تک نہیں۔ بلکہ صاف طور پر مرنے کے بعد جینے کے منکر ہو گئے۔ حالانکہ انسان محض بدن کا نام نہیں۔ کہ دھڑ مٹی میں رل مل کر برابر ہو گیا۔ بلکہ حقیقت میں جان کا نام انسان ہے جسے فرشتہ لے جاتا ہے وہ فنا نہیں ہوتی۔ امام غزالیؒ اور بعض متکلمین اور فلاسفہ نے روح کو مجرد غیر مادی کہا ہے۔ اور ابن قیمؒ بڑے شدومد سے روح کو مجرد کی بجائے جسم لطیف مانتے ہیں۔ لیکن دنیا کے مادہ پرست خواہ وہ عرب کے مشرک و کافر ہوں یا یونان و روما کے مادہ پرست فلاسفہ یا آج کل یورپ و مغرب کے سائنس داں سب مادہ میں غرق اور قیامت کے منکر ہیں۔ مگر ان سب کو سابقہ اور واسطہ اللہ ہی سے پڑے گا۔

موت کا فرشتہ کوئی مستقل حاکم یا دیوتا نہیں ہے:............ قل يتو فكم . یعنی فرشتہ موت کوئی بااختیار، جانوں کا مالک نہیں ہے۔ بلکہ وہ اللہ کا مقرر کردہ محض ایک درمیانی واسطہ ہے۔ ایک چیونٹی کی جان بھی بغیر حکم الٰہی نہیں نکال سکتا۔ ابن کثیرؒ کی روایت ہے کہ ملک الموت نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ والله يا محمد لو انی اردت ان اقبض روح بعوضة ماقدرت علی ذالک حتی يکون الله هو الا مر بقبضها اس سے ان جاہل قوموں کا بھی رد ہو گیا جو موت کو ایک دیوتا مانتی ہیں کہ وہ ایک متصرف حاکم ہے۔

لطائف سلوک:............ مالکم من دونه . اس میں اسباب کی طرف التفات اور اعتماد نہ کرنے کا اشارہ ہے۔

يدبر الا مر . اس میں اشارہ ہے کہ اللہ کی تدبیر کے سامنے بندہ کی تدبیر کچھ نہیں۔ لہٰذا مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنی تدبیر کی بجائے اللہ کی تدبیر پر نظر رکھتے ہیں۔

الذی احسن . اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی پیدا کی ہوئی ہر چیز فی نفسہ اچھی ہے۔ البتہ بے محل استعمال سے اس میں برائی آجاتی ہے۔ ساری شریعت وطریقت کا حاصل ہی یہ ہے کہ وہ محل استعمال صحیح کرے۔ برمحل استعمال سے بری سے بری چیز بھی اچھی ہو جاتی ہے اور بے محل استعمال سے اچھی چیز بھی بری بن جاتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ حسن و قبح وعزم میں فرق مراتب رہے گا۔

وبدأ خلق الا نسان . اس میں ترقی منازل اور مراتب حسن کے ارتقاء کی طرف اشارہ ہے کہ کہاں مٹی کا پتلہ اور کہاں انسان

؟انسان کمالات ذات وصفات کا منبع ہے اور مٹی کچھ بھی نہیں ہے۔

ثم سواہ. جس کے معنی اجزاء کو برابر کر دینے کے ہیں جو خواص اجسام میں سے ہے۔ نفخ روح کا ذکر فرمانے سے بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ کہ روح جسم نہیں ہے جیسا امام غزالیؒ اس کو مجرد فرماتے ہیں لیکن جمہور اس کو جسم لطیف کہتے ہیں۔ لیکن بنظر تحقیق ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ روح مجرد کا تعلق بدن سے جسم لطیف کے واسطہ سے ہوتا ہو۔

انما یؤمن. اس میں کامل الایمان لوگوں کے احوال اور سجدہ وتسبیحات، حمد وثنا اور عظمت الٰہی کے آگے تواضع جیسی شان عالی کی طرف اشارہ ہے۔

وَلَوْتَرٰٓی اِذِا لْمُجْرِمُوْنَ اَلْکَافِرُوْنَ **نَاکِسُوْا رُءُ وْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ** ط مُطَاطِئُوْهَا حَیَاءً یَقُوْلُوْنَ **رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا** مَا اَنْکَرْنَا مِنَ الْبَعْثِ **وَسَمِعْنَا** مِنْكَ تَصْدِیْقَ الرُّسُلِ فِیْمَا کَذَّبْنَا هُمْ فِیْهِ **فَارْجِعْنَا** اِلَی الدُّنْیَا **نَعْمَلْ صَالِحًا** فِیْهَا **اِنَّا مُوْقِنُوْنَ** ﴿۱۲﴾ اَلْاٰنَ فَمَا یَنْفَعُهُمْ ذٰلِكَ وَلَا یَرْجِعُوْنَ وَجَوَابُ لَوْلَرَاَیْتَ اَمْرًا فَظِیْعًا قَالَ تَعَالٰی **وَلَوْشِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا** فَتَهْتَدِیْ بِالْاِیْمَانِ وَالطَّاعَةِ بِاخْتِیَارٍ مِنْهَا **وَلٰکِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ** وَهُوَ **لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ** اَلْجِنِّ **وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ** ﴿۱۳﴾ وَتَقُوْلُ لَهُمُ الْخَزَنَةُ اِذَا دَخَلُوْهَا **فَذُوْقُوْا** الْعَذَابَ **بِمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ هٰذَا** ج اَیْ بِتَرْکِکُمُ الْاِیْمَانَ بِهٖ **اِنَّا نَسِیْنٰکُمْ** تَرَکْنَاکُمْ فِی الْعَذَابِ **وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ** الدَّائِمِ **بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۴﴾ مِنَ الْکُفْرِ وَالتَّکْذِیْبِ **اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا** الْقُرْاٰنِ **الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا** وُعِظُوْا **بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا** مُتَلَبِّسِیْنَ **بِحَمْدِ رَبِّهِمْ** اَیْ قَالُوْا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ **وَهُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ** ﴿۱۵﴾ السجدۃ ۹ عَنِ الْاِیْمَانِ وَالطَّاعَةِ **تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ** تَرْتَفِعُ **عَنِ الْمَضَاجِعِ** مَوَاضِعِ الْاِضْطِجَاعِ بِفَرْشِهَا لِصَلَاتِهِمْ بِاللَّیْلِ تَهَجُّدًا **یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا** مِنْ عِقَابِهٖ **وَّطَمَعًا** فِیْ رَحْمَتِهٖ **وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ** ﴿۱۶﴾ یَتَصَدَّقُوْنَ **فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ** خُبِّئَ **لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ** ج مَا تَقَرُّبِهٖ اَعْیُنُهُمْ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِسُکُوْنِ الْیَاءِ مُضَارِعٌ **جَزَآءً** ۢ **بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۷﴾ **اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقًا** ط **لَا یَسْتَوٗنَ** ﴿۱۸﴾ اَیِ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْفَاسِقُوْنَ **اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰی نُزُلًا** ز وَهُوَ مَا یُعَدُّ لِلضَّیْفِ **بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۹﴾ **وَاَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا** بِالْکُفْرِ وَالتَّکْذِیْبِ **فَمَاْوٰهُمُ النَّارُ** ط **کُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا اُعِیْدُوْا فِیْهَا وَقِیْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِیْ کُنْتُمْ بِهٖ تُکَذِّبُوْنَ** ﴿۲۰﴾ **وَلَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰی** عَذَابَ الدُّنْیَا بِالْقَتْلِ وَالْاِسْرِوَالْجَدْبِ سِنِیْنَ وَالْاَمْرَاضِ **دُوْنَ** قَبْلَ **الْعَذَابِ الْاَکْبَرِ** عَذَابِ الْاٰخِرَةِ **لَعَلَّهُمْ** اَیْ مَنْ بَقِیَ مِنْهُمْ **یَرْجِعُوْنَ** ﴿۲۱﴾ اِلَی الْاِیْمَانِ **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ** الْقُرْاٰنِ **ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا** ط

ای لا احد اظلم منہ انا من المجرمین ای المشرکین منتقمون ﴿۲۲﴾

ترجمہ: .... اور اگر آپ دیکھیں تو عجیب حال دیکھیں جب کہ یہ مجرم لوگ (کافر) اپنے پروردگار کے حضور سر جھکائے ہوں گے۔ (شرم کے مارے سرنگوں، عرض کریں گے) اے ہمارے پروردگار! بس اب ہماری آنکھیں کھل گئیں (کہ ہم نے قیامت کا انکار کیا تھا) اور ہمارے کان کھل گئے (پیغمبروں کی تصدیق ہوگئی جن باتوں کے متعلق ہم نے انہیں جھٹلایا تھا) سو ہم کو پھر بھیج دیجئے (دنیا میں) ہم (وہاں رہ کر) نیک کام کریں گے۔ ہمیں پورا یقین آ گیا (اب۔ مگر وہ یقین انہیں کارآمد نہیں ہوگا اور انہیں دنیا میں نہیں بھیجا جائے گا اور لو کا جواب لرأیت امرا فظیعاً محذوف ہے۔ ارشاد ہے) اور اگر ہم کو منظور ہوتا تو ہم ہر شخص کو اس کا رستہ عنایت فرما دیتے (جس سے وہ ایمان واطاعت کی راہ باختیار خود اپنا لیتا) اور لیکن میری یہ بات متحقق ہو چکی ہے (وہ یہ) کہ میں جہنم کو ضرور بھروں گا جنات اور انسان دونوں سے (اور جہنم میں داخلہ کے وقت داروغہ جہنم ان سے بولیں گے) سو لو اب مزہ چکھو (عذاب کا) کہ تم اپنے اس دن کے آنے کو بھولے ہوئے تھے (اس دن کا یقین نہ کرتے ہوئے) ہم نے تمہیں بھلا دے میں ڈال دیا (عذاب میں رکھ چھوڑا) اور ابدی عذاب کا مزہ چکھو اپنے اعمال (کفر وتکذیب کی) بدولت ہماری آیتوں (قرآن) پر ایمان تو بس وہی لوگ لاتے ہیں کہ جب انہیں یاد دلائی جائیں (نصیحت کی جائے) اس کی آیتیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور تسبیح کرنے لگتے ہیں اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ (متلبس ہوتے ہوئے یعنی سبحان اللہ وبحمدہ پڑھتے جاتے ہیں) اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے (ایمان اور اطاعت سے) ان کے پہلو علیحدہ (دور) رہتے ہیں خواب گاہوں سے (نماز تہجد کی وجہ سے بستروں سے الگ رہتے ہیں) اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں (اس کے عذاب سے) ڈرتے ہوئے اور (اس کی رحمت سے) امید رکھتے ہوئے اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کر رکھا ہے اس میں سے خرچ (صدقہ) کرتے رہتے ہیں۔ سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو خزانہ غیب میں سامان (چھپا ہوا) ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا موجود ہے (جس سے ان کی آنکھوں کو چین ہو۔ ایک قراءت میں لفظ اخفی سکون یا کے ساتھ مضارع ہے) یہ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ ہے۔ تو جو شخص مومن ہو وہ اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو نافرمان ہو۔ یہ یکساں نہیں ہو سکتے (یعنی مومن وفاسق) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے۔ سو ان کے لئے ہمیشہ کا ٹھکانہ جنتیں ہیں جو بطور مہمانی کے ہیں (وہ ماحضر جو مہمان کے سامنے پیش کیا جائے) ان کے اعمال کے بدلہ میں اور جو لوگ کہ نافرمان تھے (کفر وتکذیب کر کے) سو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے وہ لوگ جب اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کا وہ عذاب چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور انہیں قریب کا عذاب بھی چکھا دیں گے (دنیا میں قتل، قید، قحط سالی، بیماریوں کی صورت میں) علاوہ (پہلے) بڑے عذاب (آخرت) کے شاید کہ یہ لوگ (یعنی جو ان میں سے باقی رہ جائیں گے) پھر جائیں (ایمان کی طرف) اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس کو اس کے پروردگار کی آیتیں (قرآن کی) یاد دلا دی جائیں پھر وہ ان سے منہ موڑ کر رہے (یعنی ان سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہے) ہم ایسے مجرموں (مشرکین) سے بدلہ لے کر رہیں گے۔

تحقیق وترکیب:............ **ولو تری**. ای نکس المجرمین ووقوفا علی النار۔ یا لفظ تری بمنزلہ ہے ای **ولو تری ان یخاطب** کے۔ لو اور اذا اگرچہ ماضی کے لئے ہوتے ہیں مگر مضارع سے لانے میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا متوقع بمنزلہ موجود کے ہوتا ہے۔

لاٰتینا کل نفس. اس میں جمع لانا اور منی میں مفرد لانا اشارہ ہے ہدایت کے بدفعات ہونے اور نبوت قول اور ملاء جہنم کے ایک دفعہ ہو جانے کی طرف۔

حق القول منی. اس میں جنات کواس لئے مقدم کیا گیا ہے کہ جہنمیوں میں ان کی کثرت ہوگی اوراس میں ان کی تحقیر بھی ہے، جیسا کہ لفظ جنۃ مؤنث لانے میں ان کی تحقیر ہے۔

اجمعین کے معنی یہ ہیں کہ سب جنات اورانسان جہنم میں جائیں گے، بلکہ عوام افراد کی بجائے عموم انواع مراد ہے۔

بما نسیتم. نسیان چونکہ سبب ترک ہے،اس لئے مجازاً یہی معنی لئے گئے ہیں، کیونکہ حق تعالیٰ کے لئے نسیان حقیقی ناممکن ہے یا پھر بطور استعارہ کے اطلاق کیا گیا۔ یابقول زمخشریؒ مشاکلت اور مقابلۃ نسیان کا اطلاق جزاء سیئۃ سیئۃ ہے۔

انما یومن. آنحضرت ﷺ کی تسلی مقصود ہے۔

خروا سجدا. چونکہ احادیث میں سجدۂ تلاوت کے مواقع متعین ہیں اس لئے انہی مواقع میں سجدہ قابل مدح ہوگا۔اس لئے دوسری آیات پرسجدۂ تلاوت مستحسن نہیں ہوگا۔

تتجافیٰ. اس کے معنی پہلوتہی کے ہیں۔ یہ جملہ مستانفہ ہے یا حال ہے۔اسی طرح لفظ یدعون میں بھی دوصورتیں ہیں اور یدعون کاجنوبھم کی ضمیر سے حال بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ مضاف جزءمضاف الیہ ہوتا ہےاور حال ثانی بھی ہوسکتا ہےاور خوفاو طمعا مفعول لہ ہیں یا حال ہیں یا فعل محذوف کے مصدر ہیں۔

مااخفی لھم. ما موصولہ تعلم کا مفعول ہے جوبمعنی تصرف ہےاور حمزہ یعقوب کی قرأت میں سکون یا کے ساتھ مضارع ہے ای اخفیت.

جزاء. فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے ای جوزوا جزاء یااخفی کا مفعول لہ ہے۔

بما کانوا. میں باسببیہ ہے یامعاوضہ کے لئے ہے۔

افمن کان. ہمزہ مدخول مقدر ہے ای افبعد مابینھما.

لایستون سے نابرابری کی تاکید ہوگئی۔ مومن کا مقصد جیسے حضرت علیؓ اور کافر کا مصداق عقبہ ابن عامر ہے۔

جنٰت الماویٰ. جنت کی اضافت ماویٰ کی طرف اضافت الی الصفۃ ہے۔ کیونکہ جنت ہی اصل ٹھکانہ ہے۔

اما الذین فسقوا. یہاں اعمال سیئہ کی قید نہ لگانا اشارہ ہے کہ نفس کفر دخول جہنم کے لئے کافی ہے۔

اعیدوافیھا. لفظ فی میں اشارہ ہے کہ صرف ایک مکان سے دوسرے مکان میں تبدیل ہوگا۔کلیۃً جہنم سے باہرآنا نہیں ہوگا۔

عذاب الادنیٰ. اکبر کے مقابلہ میں اصغراور ادنیٰ کے مقابلہ میں ابعد نہیں کہا۔ کیونکہ مقصد تہدید وتخویف ہےاور وہ قرب وکبر سے حاصل ہوسکتی ہے نہ صغر سے اور نہ بعد سے۔

ربط :............ پہلی آیات میں توحید کا مضمون تھا۔آیت ولوتری سے قیامت اور جزاء کا بیان ہےاور منکرین کوزیادہ ڈرانے کے لئے مزید دنیاوی نعمتوں کی دھمکی ہےاوراسی کے ساتھ اس کی وجہ بدترین ظالم ومجرم ہونا بتلایا ہے۔

شانِ نزول :............ ولید بن عقبہ نے ایک دفعہ حضرت علیؓ کو یہ کہہ کر ڈانٹ دیا کہ چپ رہو،تم بچے ہو، میں تم سے زیادہ قادرالکلام، بہادراور لاؤلشکر والا ہوں۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ خاموش رہ،توفاسق ہے۔اس پرآیت فمن کان الخ نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾:............ کافر ذلت وندامت کے ساتھ قیامت میں سرنگوں ہوکر بول اٹھیں گے کہ واقعی اب ہماری آنکھیں کھل گئیں۔پیغمبر ٹھیک کہا کرتے تھے۔ سچ یہ ہے کہ ایمان وعمل صالح ہی یہاں کام دیتا ہے۔اے اللہ! ہمیں ایک دفعہ دنیا میں اور بھیج کر

دیکھ لیجئے کہ آئندہ کیسے نیک چلن ثابت ہوتے ہیں۔فرمایا جائے گا کہ تمہاری افتادطبع ہی ایسی ہے کہ دوبارہ بھی وہی شرارتیں کرو گے۔ بلاشبہ ہمیں یہ قدرت تھی کہ ہم ایک طرف سے سب کو راہ ہدایت پر قائم کردیتے،لیکن سب کو ایک ڈگر پر زبردستی چلانا بھی ہماری مصلحت کے خلاف تھا۔اس لئے ہم نے اختیار کی باگ ڈور تمہارے ہاتھ دی تاکہ دعوئ ابلیسی کے مطابق جہنم کا حصہ بھی پورا ہو اور جس طرح تم نے ہمارا پاس ولحاظ نہیں رکھا،آج ہم نے بھی تمہیں نظر انداز کردیا۔

ایمان دار کی پہچان:............ آیت انما یؤمن سے اہل ایمان وکفر دونوں کا تقابلی فرق بتلا دیا کہ ایک کا یہ حال ہے کہ خوف و خشیت سے لبریز اللہ کے آگے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔زبان سے اللہ کی تسبیح وتحمید اور دل کبر وغرور سے خالی،نماز تہجد میں میٹھی نینداور نرم بستروں کو چھوڑ دیتے ہیں اور اللہ ہی سے خوف ورجاء رکھتے ہوئے اس سے دعائیں کرتے ہیں اور بدنی عبادت ہی نہیں بلکہ مالی انفاق بھی کرتے رہتے ہیں۔پس جس طرح انہوں نے اندھیریوں میں چھپ چھپ کر ہماری پرخلوص بندگی کی۔ہم نے بھی ان کے لئے ایسی ایسی نعمتیں چھپا کر رکھی ہیں جو نہ کبھی آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں اور نہ کسی بشر کے دل میں گزریں۔ظاہر ہے کہ اس سے صرف روحانی نعمتیں ہی مراد نہیں، بلکہ حسی نعمتیں بھی مراد ہیں۔جیسا کہ دوسری آیات سے ثابت ہے۔اس لئے عیسائیوں کی تقلید میں بعض مسلمانوں کا روحانی نعمتوں پر اکتفا کرنا اسلامی نظام اعتقادیات کے خلاف ہے۔نیک و بد اگر خدا کے یہاں برابر ہوجائیں تو سمجھو کہ خدا کے ہاں نرا اندھیرا ہے، بلکہ اس کے یہاں اچھائیاں محض اس کی مہربانی سے جنت کا برائیاں اس کے عدل سے دوزخ کا سبب بن جائیں گی۔

فاسق سے مراد یہاں فقہی اصطلاح نہیں بلکہ لغوی معنی ہیں۔صلاح وفسق دونوں مشکک کلیاں ہیں ادنیٰ سے اعلیٰ افراد تک ان کو بولا جاتا ہے۔دنیاوی سزا کا مقصد زیادہ تر کفار کے لئے بھی تادیب وتہذیب ہی ہے کہ ممکن ہے جیسے قتل وقید،قحط سالی اور جانی امراض اور شکست وناکامی میں مبتلا ہوکر باز آجائیں،تاہم عقاب اکبر آخرت ہی میں ہوگا۔

امام رازیؒ کا نکتہ:............ امام رازیؒ نے ادنیٰ کے تقابل میں اکبر لانے میں یہ نکتہ سنجی کی ہے کہ مقصود اصلی کفار کی تخویف ہے اور یہ مقصد دنیا کو ہلکا کرکے اور عذاب آخرت کو دوری سے تعبیر کرنے سے پورا نہیں ہوسکتا۔اس لئے قرآن نے باکمال بلاغت سے دونوں عذابوں کی اثر تخویف کو بڑھانے والی خصوصیات کو چن لیا۔یعنی دنیاوی عذاب اگرچہ بہ نسبت عذاب اخروی ہلکا ہے،مگر اتنا قریب ہے کہ بس آیا ہی چاہتا ہے۔علیٰ ہذا عذاب آخرت گو فی الحال نہیں بعد میں ہے،مگر اتنا شدید ہے کہ ناقابل تصور ہے۔بہرحال جب تمام گنہگاروں اور مجرموں سے بدلہ لینا ہے تو یہ ظالم ترین کیسے بچ سکتے ہیں۔

لطائف سلوک:............ تتجافی جنوبھم. احادیث میں چونکہ اس کی تفسیر تہجد سے آئی ہے۔اس لئے تہجد کی فضیلت بھی معلوم ہوئی۔نیز مناجات محبوب اور جمال وجلال کے مشاہدہ کے لئے جاگنے کی فضیلت معلوم ہوگئی۔

مما رزقنٰھم میں معارف الٰہیہ اور فیوض ربانی بھی داخل ہیں۔اس میں اشارہ ہے کہ وہ اپنے نفس کا کمال حاصل کرکے دوسروں کی تکمیل کرتے ہیں۔لنذیقنھم. میں عذاب ادنیٰ دنیا کی حرص ہے اور عذاب اکبر عذاب آخرت ہے جو اس پر ہوگا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ **فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ** شَكٍّ **مِّنْ لِّقَآئِهٖ** وَقَدِ الْتَقَيَا لَيْلَةَ الْاِسْرَاءِ **وَجَعَلْنٰهُ** اَىْ مُوْسٰى اَوِ الْكِتَابَ **هُدًى** هَادِيًا **لِّبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ** ﴿۲۳﴾ **وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ يَاءً قَادَةً **يَّهْدُوْنَ** النَّاسَ **بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا** عَلٰى دِيْنِهِمْ وَعَلَى الْبَلَاءِ مِنْ عَدُوِّهِمْ **وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا** الدَّالَّةِ عَلٰى قُدْرَتِنَا وَوُحْدَانِيَّتِنَا **يُوْقِنُوْنَ** ﴿۲۴﴾ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِكَسْرِ اللَّامِ وَتَخْفِيْفِ الْمِيْمِ **اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ** ﴿۲۵﴾ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ **اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ** اَىْ لَمْ يَتَبَيَّنْ لِكُفَّارِ مَكَّةَ اِهْلَاكُنَا كَثِيْرًا **مِّنَ الْقُرُوْنِ** الْاُمَمِ بِكُفْرِهِمْ **يَمْشُوْنَ** حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ لَهُمْ **فِيْ مَسٰكِنِهِمْ** فِىْ اَسْفَارِهِمْ اِلَى الشَّامِ وَغَيْرِهَا فَيَعْتَبِرُوْا **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ** دَلَالَاتٍ عَلٰى قُدْرَتِنَا **اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ** ﴿۲۶﴾ سَمَاعَ تَدَبُّرٍ وَاتِّعَاظٍ **اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ** الْيَابِسَةِ الَّتِىْ لَا نَبَاتَ فِيْهَا **فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ** ﴿۲۷﴾ هٰذَا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّا نَقْدِرُ عَلٰى اِعَادَتِهِمْ **وَيَقُوْلُوْنَ** لِلْمُؤْمِنِيْنَ **مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ** بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿۲۸﴾ **قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ** بِاِنْزَالِ الْعَذَابِ بِهِمْ **لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَاهُمْ يُنْظَرُوْنَ** ﴿۲۹﴾ يُمْهَلُوْنَ لِتَوْبَةٍ اَوْ مَعْذِرَةٍ **فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ** اِنْزَالَ الْعَذَابِ بِهِمْ **اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ** ﴿۳۰﴾ بِكَ حَادِثَ مَوْتٍ اَوْ قَتْلٍ فَيَسْتَرِيْحُوْنَ مِنْكَ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِقِتَالِهِمْ

ترجمہ:............ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) دی تھی۔ سو اس کے ملنے میں کچھ شک (شبہ) نہ کیجئے (چنانچہ معراج کی رات دونوں کی ملاقات ہوئی) اور ہم نے اس کو (یعنی موسیٰ یا توریت) کو ہدایت (کا موجب) بنایا۔ اسرائیلیوں کے لئے اور ہم نے ان میں سے بہت سے پیشوا بنادیے تھے (لفظ ائمۃ دونوں ہمزہ کی تاکید کے ساتھ اور دوسری ہمزہ کو یا سے بدل کر ہے۔ بمعنی (قائد) جو ہمارے حکم سے (لوگوں کو) ہدایت کیا کرتے تھے جبکہ وہ لوگ صبر کئے رہے (اپنے دین پر اور دشمنوں کی مصیبت پر) اور وہ لوگ ہماری آیتوں کا (جو ہماری قدرت و وحدانیت پر دلالت کرنے والی تھیں) یقین رکھتے تھے (اور ایک قرأت میں لام کے کسرہ اور میم کی تخفیف کے ساتھ ہے) بلاشبہ آپ کا پروردگار سب کے درمیان فیصلہ قیامت کے دن ان امور میں کردے گا۔ جن میں یہ باہم اختلاف کیا کرتے تھے (دین کے معاملہ میں) کیا ان کی ہدایت کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنے ہلاک کر چکے ہیں (کیا کفار مکہ پر یہ واضح نہیں کہ ہم نے ہلاک کردیا ہے بہت سی) امتوں کو (ان کے کفر کی وجہ سے) یہ آتے جاتے رہتے ہیں (ضمیر لھم سے یہ حال ہے) ان کے مقامات میں (شام وغیرہ کے سفروں میں۔ پس ان سے عبرت حاصل کرنی چاہئے) اس کے اندر صاف صاف نشانیاں ہیں (ہماری قدرت کے دلائل ہیں) تو کیا یہ لوگ سنتے نہیں (وعظ و نصیحت کے طور پر سننا) کیا انہوں نے اس پر نظر نہیں کی۔ ہم خشک زمین کی طرف پانی پہنچاتے رہتے ہیں (سوکھی زمین جس میں گھاس پھوس نہ ہو) ہم اس کے ذریعہ سے کھیتی پیدا کرتے ہیں۔ جس سے ان کے مویشی اور وہ خود بھی کھاتے ہیں۔ تو کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں (یہ منظر اس لئے انہیں یقین کر لینا چاہئے کہ ہم انہیں

دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہیں) اور یہ لوگ کہتے ہیں (مسلمانوں سے) کہ یہ فیصلہ کب ہوگا (ہمارے تمہارے درمیان) اگر تم سچے ہو۔ آپ کہہ دیجئے، اس فیصلہ کے دن (ان پر عذاب نازل ہونے کے متعلق) کافروں کو ان کا ایمان لانا ذرا بھی نفع نہ دے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی (توبہ یا معذرت کا انہیں موقعہ بھی نہیں دیا جائے گا) سو آپ ان کی باتوں کا خیال نہ کیجئے۔ آپ انتظار کیجئے (ان پر عذاب نازل ہونے کا) یہ بھی منتظر رہیں (آپ کی وفات یا شہادت کے۔ جس سے انہیں آپ کی طرف سے چین آجائے، یہ حکم جہاد مشروع ہونے سے پہلے کا ہے)۔

تحقیق وترکیب:.......... ولقد اٰتینا. اس سے آنحضرت ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین قریب بیان کرنا ہے اور یہ کہ کچھ لوگ دین موسوی پر ابھی تک موجود ہیں ورنہ یہ ذکر لا حاصل تھا۔

من لقائه. ضمیر کا مرجع حضرت موسیٰ ہوں اور مصدر مضاف الی المفعول هو ای من لقائک موسیٰ لیلة الاسراء یا پھر ضمیر کا مرجع کتاب ہو اور مصدر مضاف الی الفاعل ہو۔ای من لقاء الکتاب لموسیٰ یا مضاف الی المفعول ہو۔ای من لقاء موسیٰ الکتاب. لقاء کی نسبت موسیٰ اور کتاب دونوں کی طرف ہوسکتی ہے۔ چنانچہ شب اسریٰ آنحضرت ﷺ اور دوسرے انبیاء کی ملاقاتوں میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی ہے۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں۔ لاتکن فی مریة من تلقی موسیٰ الکتاب بالرضاء والقبول. اور حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً منقول ہے جعل موسیٰ هدی لبنی اسرائیل فلا تکن فی مریة من لقاء موسیٰ ربه.

ائـــمة. مفسر علامؒ نے ابدال کی ترکیب کا جو ذکر کیا ہے وہ محض عربیت کے اعتبار سے ہے۔ قرأۃ نہیں۔ غالباً ان سے تسامح ہوگیا ہے۔

لما صبروا. جمہور کی قرأت میں لما مشدد ہے اور اس میں جزاء کے معنی ہیں اور یہ ظرف بمعنی حین ہوگا۔ای جعلنا هم ائمة حین صبروا اور ضمیر ائمة کی طرف راجع ہوگی قرب کی وجہ سے اور جواب محذوف ہوگا جس پر وجعلنا منهم دلالت کر رہا ہے یا خود یہی جواب ہے۔ای لما صبروا جعلنا منهم ائمة اور حمزہ وکسائی مخفف پڑھتے ہیں اور لام تعلیلیہ ای بسبب صبرهم علی دینهم وعلی البلاء ومن عدوهم. دوسری صورت یہ ہے کہ صبروا کی ضمیر بنی اسرائیل کی طرف راجع ہو۔لیکن پہلی صورت ترغیب صبر کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہے برخلاف دوسری صورت کے اس میں اگرچہ صبر کا فائدہ سب کی طرف لوٹ رہا ہے مگر بظاہر ثمرہ صبر کی عطا بعض صابرین کے لئے معلوم ہوتی ہے۔ جس سے ترغیب صبر نامکمل رہ جاتی ہے۔ صبر بہرحال نہایت بہترین وصف ہے۔ الصبر کالصبر مرفی مذاقته لکن عراقبه ادل عن العسل. ''صبر تلخ ست بر شیریں دارد''۔

بینهم. یعنی انبیاء کے مابین یا مسلمان اور کفار کے درمیان۔

اولم یهد. معطوف علیہ مقدر ہے ای لم یتعظوا ولم یهتدوا اور بعض کی رائے میں عطف نہیں ہے ہمزہ کا مابعد سے تعلق ہے۔ مفسر علامؒ کا ظاہر کلام بتلا رہا ہے کہ فاعل مضمون جملہ ہے اور قائم مقام کی موجودگی میں حذف فاعل میں کچھ حرج نہیں ہے۔

قاضی بیضاویؒ کی رائے ہے کہ ضمیر کم اهلکنا کا مدلول مرجع ہے ای کم اهلکنا کثرتهم یا اللہ کی طرف ضمیر راجع کی جائے۔ چنانچہ دوسری قرأت ''نهد'' اس کی مؤید ہے اور لفظ کم بھی فاعل ہوسکتا ہے۔ استفہام ہونے کی وجہ سے ماقبل میں عمل نہیں کرے گا۔ بلکہ کم اهلکنا کی وجہ سے محل نصب میں ہوگا۔

قائل. یہ لفظ اس لئے بڑھایا ہے کہ دلیل محسوس ہوجائے۔

لاینفع الذین کفروا. یہ عام کافر خواہ استہزاء کرنے والے ہوں یا نہ ہوں اور ضمیر کی بجائے اسم لانے میں کنہ کی تصریح ہے اور

یہ کہ نفع نہ ہونے کی وجہ کفر ہے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ یــوم الــفتــح سے قیامت مراد ہو اور اگر غزوۂ بدر یا فتح مکہ مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ قتل اور موت کے وقت ایمان مفید نہیں ہوگا۔ ایمان اضطراری کی وجہ سے۔

ربط: .... پچھلی آیات فذوقوا. بما کنتم. کمن کان وغیرہ میں کفار کی تکذیب ومخالفت کا ذکر تھا۔ جس سے آنحضرت ﷺ کو صدمہ ہوا اور کفار کے مخالفانہ رویہ سے خود مسلمانوں کو بھی تکلیف تھی۔ اس لئے آیت ولقد اٰتینا موسیٰ الخ سے آپ کی تسلی اور مسلمانوں کی تسکین کی جارہی ہے۔ اور اسی ذیل میں کفار کے بعض شبہات کا جواب بھی ہے۔

شانِ نزول: .... من لقائہ سے اگر آنحضرت ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات مراد ہو جیسا کہ خود مفسر علامؒ کی رائے ہے تو ابن عباسؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ رایت اسری بی موسیٰ رجلاً ادماً طوالا صعیدا کانہ من رجل شنوۃ. حضرت قتادہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ نے کہا کہ ایک دن آئے گا کہ ہم بھی اطمینان کا سانس لیں گے اور تم سے نجات مل جائے گی۔ اس پر مشرکین بولے متی ھذا الفتح ان کنتم صادقین.

قل یوم الفتح. چنانچہ فتح مکہ کے موقعہ پر بنو کنانہ جب بھاگے تو خالد بن ولیدؓ نے انہیں گھیر لیا۔ انہوں نے کلمہ پڑھا۔ مگر حضرت خالدؓ نے ان کا اسلام قبول نہیں کیا اور ان کو قتل کردیا۔ یہی مطلب ہے لاینفع الذین الخ کا۔

﴿تشریح﴾: .... ولقد اٰتینا. یعنی ہم نے موسیٰ کو کتاب ہدایت دی۔ جس سے بنی اسرائیل کو رہنمائی حاصل ہوئی۔ ان میں بڑے بڑے مذہبی پیشوا ہو گزرے۔ آپ کو بھی بلاشبہ ایک کتاب مبین ملی ہے جو عظیم الشان ہے۔ جس سے ابتداءً عرب کی اور پھر بعد میں بتدریج سارے عالم کی اصلاح ہوگی۔ آپ کی امت میں بڑے بڑے امام و رہنما اٹھیں گے۔ غرض آنحضرت ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امتوں کے مابین گوناگوں وجوہ مشابہت بھی ذکر موسیٰ علیہ السلام کی وجہ تخصیص ہے۔

فلا تکن فی مریۃ. یا تو جملہ معترضہ ہے کہ دونوں کو کتاب کا ملنا بلا ریب و شک ہے۔ اس میں کوئی دھوکہ، فریب نہیں ہے۔ یا شب معراج میں آنحضرت ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باہمی ملاقات کے متعلق کہا جارہا ہے کہ بلاشبہ ہوئی ہے۔

صبر ناگزیر ہے: .... اور لما صبروا میں مسلمانوں کے لئے بھی درس تسلی ہے کہ تم جب صاحب یقین ہو اور صاحب یقین کے لئے صبر ضروری ہے تو تمہارے لئے بھی صبر ضروری ہے۔ اور فرمایا کہ گو دنیا میں دلائل و شواہد کی رو سے اگرچہ حقانیت اسلام کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے (مگر شاید وہ ان کے لئے ناکافی ہیں۔ یہ عملی فیصلہ کے منتظر ہیں تو ٹھہریں تو وہ وقت بھی قریب آیا ہی چاہتا ہے۔ اہل حق اور پرستاران باطل کے درمیان دوٹوک فیصلہ بھی قیامت کے دن ہو ہی جائے گا کہ اہل حق جنت میں اور باطل پرست دوزخ میں داخل کردیئے جائیں گے، ورنہ دنیا میں کیا ایسے تماشے بارہا نہیں دکھلائے جا چکے ہیں جس سے دونوں کا امتیاز واضح ہو جائے۔ عاد و ثمود مشہور مبغوض اور تباہ شدہ قوموں کے کھنڈرات زبان حال سے اپنے باشندوں کی داستانیں کیا آج تک نہیں سنائے چلے جارہے ہیں۔ جس پر شام و یمن کے سفروں میں تمہارا گزر ہوتا رہتا ہے۔ تعجب ہے کہ یہ سب کچھ دیکھنے سننے پر بھی انہیں کچھ تنبیہ نہ ہو کہ کسی قوم کی اس طرح بربادی اس کے گمراہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

زمین مردہ کی زندگی کی طرح مردہ انسان بھی زندہ کئے جائیں گے: .... اسی طرح سوکھی زمین خواہ وہ سرزمین مصر ہو، جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے اور الماء سے مراد دریائے نیل لیا ہے اور یا بقول حافظ ابن کثیرؒ عام زمین اور عام دریاؤں، نہروں، بارشوں کے پانی مراد ہیں۔ ان نشانات کو دیکھ کر حق تعالیٰ کی قدرت، رحمت اور حکمت کا قائل ہونا چاہئے کہ مردہ لاشوں میں بھی دوبارہ جان ڈال دینا اس کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ انہیں جان و دل سے اللہ کی نعمتوں کا شکرگزار ہونا چاہئے تھا، یہ اور الٹے قیامت کا نام سن کر مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں، اگر تم سچے ہو تو بتاؤ وہ دن کب آئے گا؟ یا خالی دھمکیاں ہی ہیں قیامت وغیرہ کچھ نہیں۔ فرمایا کہ ابھی موقعہ ہے اللہ اور رسول کے کہنے پر یقین کر کے اس دن کی تیاری کرلو ورنہ اس دن کے آجانے پر پھر ایمان و توبہ بھی کام نہیں آئے گی۔ کیونکہ ایمان وہی معتبر ہے جو اختیاری ہو اور وہ دنیا و عالم ناسوت میں رہتے ہوئے ہی ہوسکتا ہے۔

ایمان بالغیب کا اصل مقام دنیا ہے: .... پس دنیا میں ایمان لانا ہی نافع اور مقبول ہے، ورنہ قیامت کے دن جب کشف ہوجائے گا اور ایمان بالغیب کا موقعہ ہاتھوں سے نکل جائے گا تو اس وقت تو بڑے سے بڑا معاند کافر بھی ایمان لانے کے لئے مضطر و مجبور ہوجائے گا۔ مگر اس کا کیا اعتبار! اس وقت کی مہلت کو غنیمت سمجھو، پھر یہ مہلت بھی نہیں رہے گی۔ اس وقت نہ سزا میں ڈھیل ہوگی اور نہ تخفیف۔ اس لئے آئندہ چال چلن درست کر کے حاضر ہوجاؤ اور تکذیب واستہزاء چھوڑ دو۔ جو گھڑی آنے والی ہے وہ آکر رہے گی۔ کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گی۔ پھر اس غم میں پڑنے کا کیا حاصل کہ کب آئے گی اور کب فیصلہ ہوگا۔ آنحضرت ﷺ کے لئے ارشاد ہے کہ آپ تو حق دعوت وتبلیغ مکمل طور پر ادا کر چکے ہیں۔ یہ اب بھی راہ راست پر نہیں آئے بلکہ ایسے بے حس ہیں کہ انتہائی مجرم ہونے کے باوجود برابر فیصلہ اور سزا کے دن کا مذاق اڑائے چلے جا رہے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ ان کا خیال چھوڑیئے اور ان کے نتیجہ اور بربادی کا انتظار کیجئے۔ جیسا کہ یہ بھی بزعم خود عیاذاً باللہ آپ کے لئے تباہی کے منتظر ہیں۔

لطائف سلوک: .... جعلنا منهم ائمة. میں اس پر دلالت ہے کہ مرید میں ریاضت و یقین کے مشاہدہ کے بعد خلافت دے دینی چاہئے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مرشد میں عبادت ومعصیت میں صبر کرنا اور شہوتوں سے پرہیز کرنا اور آیات الٰہیہ پر یقین جیسے اوصاف ہونے چاہئیں۔ ان اوصاف کے بغیر اگر کوئی مرشدی کا مدعی ہو تو وہ ضال ومضل ہے۔

ویقولون هذا الفتح. مناظرانہ جواب کی بجائے ناصحانہ جواب میں اس کی دلالت ہے کہ نصیحت کے موثر ہونے کے لئے بحث ومباحثہ چھوڑ دینا چاہئے۔

فاعرض. اس میں اشارہ ہے کہ عرفاء اور سالکین پر استہزاء کرنے والوں میں اگر نصیحت وارشاد قبول کرنے کا مادہ نہیں ہے تو ان سے اعراض ہی مناسب ہے اور یہ کہ وہ مغرور تباہ و برباد ہوکر رہے گا۔

سُــــــوْرَةُ الْاَحْـــزَابِ

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ دُمْ عَلٰى تَقْوَاهُ **وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ** فِيْمَا يُخَالِفُ شَرِيْعَتَكَ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا** بِمَا يَكُوْنُ قَبْلَ كَوْنِهٖ **حَكِيْمًا ﴿۱﴾** فِيْمَا يَخْلُقُهٗ **وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ** اَيِ الْقُرْاٰنَ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۲﴾** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْفَوْقَانِيَّةِ **وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ** فِيْ اَمْرِكَ **وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۳﴾** حَافِظًا لَكَ وَاُمَّتُهٗ تَبَعٌ لَهٗ فِيْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ **مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ** رَدًّا عَلٰى مَنْ قَالَ مِنَ الْكُفَّارِ اَنَّ لَهٗ قَلْبَيْنِ يَعْقِلُ بِكُلٍّ مِنْهُمَا اَفْضَلُ مِنْ عَقْلِ مُحَمَّدٍ **وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰئِيْ** بِهَمْزَةٍ وَيَاءٍ وَبِلَا يَاءٍ **تُظٰهِرُوْنَ** بِلَا اَلِفٍ قَبْلَ الْهَاءِ وَبِهَا وَالتَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْاَصْلِ مُدْغَمَةٌ فِي الظَّاءِ **مِنْهُنَّ** بِقَوْلِ الْوَاحِدِ مَثَلًا لِزَوْجَتِهٖ اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ **اُمَّهٰتِكُمْ** اَيْ كَالْاُمَّهَاتِ فِيْ تَحْرِيْمِهَا بِذٰلِكَ الْمُعَدِّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ طَلَاقًا وَاِنَّمَا تَجِبُ بِهِ الْكَفَّارَةُ بِشَرْطِهٖ كَمَا ذُكِرَ فِيْ سُوْرَةِ الْمُجَادَلَةِ **وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ** جَمْعُ دَعِيٍّ وَهُوَ مَنْ يُدْعٰى لِغَيْرِ اَبِيْهِ اِبْنًا لَهٗ **اَبْنَآءَكُمْ** حَقِيْقَةً **ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ** اَيِ الْيَهُوْدِ وَالْمُنَافِقِيْنَ قَالُوْا لَمَّا تَزَوَّجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ الَّتِيْ كَانَتْ اِمْرَاَةَ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ الَّذِيْ تَبَنَّاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا تَزَوَّجَ مُحَمَّدٌ اِمْرَءَةَ اِبْنِهٖ فَاَكْذَبَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ذٰلِكَ **وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ** فِيْ ذٰلِكَ **وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ﴿۴﴾** سَبِيْلَ الْحَقِّ لٰكِنْ **اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ** اَعْدَلُ **عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ** بَنُوْ عَمِّكُمْ **وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ** فِيْ ذٰلِكَ **وَلٰكِنْ** فِيْ **مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ** فِيْهِ وَهُوَ بَعْدَ النَّهْيِ **وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا** لِمَا كَانَ مِنْ قَوْلِكُمْ قَبْلَ النَّهْيِ **رَّحِيْمًا ﴿۵﴾** بِكُمْ فِيْ ذٰلِكَ **اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ**

مِنْ اَنْفُسِهِمْ فِيمَا دَعَاهُمْ اِلَيْهِ وَدَعَتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ اِلَى خِلَافِهِ **وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ** فِي حُرْمَةِ نِكَاحِهِنَّ عَلَيْهِمْ **وَاُولُوا الْاَرْحَامِ** ذُوُو الْقَرَابَاتِ **بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ** فِي الْاِرْثِ **فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ** اَيْ مِنَ الْاِرْثِ بِالْاِيْمَانِ وَالْهِجْرَةِ الَّذِيْ كَانَ اَوَّلَ الْاِسْلَامِ فَنُسِخَ **اِلَّآ** لٰكِنْ **اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا** بِوَصِيَّةٍ فَجَائِزٌ **كَانَ ذٰلِكَ** اَيْ نَسْخُ الْاِرْثِ بِالْاِيْمَانِ وَالْهِجْرَةِ بِاِرْثِ ذَوِي الْاَرْحَامِ **فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا** ﴿۶﴾ وَاُرِيْدَ بِالْكِتَابِ فِي الْمَوْضَعَيْنِ اَللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ **وَ** اذْكُرْ **اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ** حِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ صُلْبِ اٰدَمَ كَالذَّرِّ جَمْعُ ذَرَّةٍ وَهِيَ اَصْغَرُ النَّمْلِ **وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ** بِاَنْ يَعْبُدُوا اللّٰهَ وَيَدْعُوا النَّاسَ اِلٰى عِبَادَتِهٖ وَذِكْرُ الْخَمْسَةِ مِنْ عَطْفِ الْخَاصِّ عَلَى الْعَامِّ **وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا** ﴿۷﴾ شَدِيْدًا بِالْوَفَاءِ بِمَا حَمَلُوْهُ وَهُوَ الْيَمِيْنُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى ثُمَّ اَخَذَ الْمِيْثَاقَ **لِّيَسْئَلَ** اللّٰهُ **الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ** فِيْ تَبْلِيْغِ الرِّسَالَةِ تَبْكِيْتًا لِلْكَافِرِيْنَ بِهِمْ **وَاَعَدَّ** تَعَالٰى **لِلْكٰفِرِيْنَ** بِهِمْ **عَذَابًا اَلِيْمًا** ﴿۸﴾ مُؤْلِمًا هُوَ عَطْفٌ عَلٰى اَخَذْنَا

ترجمہ: .... سورۂ احزاب مدنی ہے۔ اس میں ۷۳ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے نبی! اللہ سے ڈرتے رہیئے۔ (تقویٰ پر مداومت کیجئے) اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے (خلاف شرع باتوں میں) بے شک اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا ہے (ہونے والی بات سے اس کے ہونے سے بھی پہلے) بڑی حکمت والا ہے (ہر چیز کے پیدا کرنے میں) اور جو حکم (یعنی قرآن) آپ کے پروردگار کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے، اسی کی پیروی کیجئے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس سے خوب باخبر ہے جو کچھ تم کرتے رہتے ہو (تعلمون ایک قراءۃ میں تائے فوقانیہ کے ساتھ ہے) اور آپ (اپنے کام میں) اللہ پر بھروسہ رکھئے اور اللہ ہی کارسازی کے لئے کافی ہے (آپ کا محافظ ہے اور آپ کی امت اس بات میں آپ کی پیروکار ہے) اللہ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے (اس میں اس کافر کی تردید ہے جو یہ دعویٰ کرتا تھا کہ اس کے دو دل ہیں۔ ہر ایک دل سے محمد (ﷺ) کی عقل سے زیادہ ادراک کر لیتا ہے) اور تمہاری بیویوں کو جن سے (اللائی ہمزہ اور یا کے ساتھ اور بغیر یا کے ہے) تم ظہار کر لیتے ہو (تظھرون ھا سے پہلے الف نہیں ہے اور الف کے ساتھ بھی ہے اور اصل میں جو دوسری تا تھی وہ ظاہر ہو کر ظاء میں مدغم ہو گئی) ان کو (مثلاً کسی کے بیوی کو انت علی کظھر امی کہہ دینے سے) تمہاری مائیں نہیں بنا دیا ہے (یعنی ماں کی طرح انہیں بالکل حرام نہیں کر دیا۔ جیسا جاہلیت میں اسے طلاق سمجھا جاتا تھا۔ البتہ شروط کی ساتھ اس پر کفارہ آئے گا۔ جیسا کہ سورۂ مجادلہ میں ہے) اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو (ادعیاء جمع ہے دعی کی۔ دوسری کے بیٹے کو متبنیٰ بنالینا) تمہارا (حقیقۃً) بیٹا نہیں بنا دیا ہے۔ یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے (یعنی یہود و منافقین نے اس وقت اعتراض کیا جب آنحضرت ﷺ نے اپنے متبنیٰ کی بیوی سے خود نکاح فرمالیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی) اور اللہ حق بات فرماتا ہے (اس بارے میں) اور وہ سیدھا راستہ (حق کا راستہ) دکھاتا ہے (ہاں البتہ) تم ان کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کیا کرو کہ یہی اللہ کے نزدیک راستی (انصاف) کی بات ہے۔ اگر تم ان کے باپوں کو نہیں جانتے ہو

تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور تمہاری برادری کے (چچازاد بھائی) ہیں اور (اس میں) تم سے جو بھول چوک ہو جائے تو اس سے تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ ہاں گناہ تو اس صورت میں ہے کہ تم جان بوجھ کر کہو (اور وہ بھی ممانعت کے بعد) اللہ تعالیٰ (ممانعت سے پہلے جو کچھ تمہارے منہ سے نکلا ہے) بڑی مغفرت کرنے والا (اور اس بارے میں تم پر) بڑی رحمت کرنے والا ہے۔ نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں (جس پیغام کی طرف انہوں نے دعوت دی۔ درانحالیکہ تمہارے نفسوں نے اس کے خلاف کی طرف بلایا ہے) اور آپ ﷺ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں (ان بیویوں سے انہیں نکاح کرنا حرام ہے) اور رشتہ دار (قرابت دار) ایک دوسرے سے (میراث میں) زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ کتاب اللہ کی رو سے بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے (یعنی ایمان و ہجرت کی وجہ سے جو میراث ابتداء اسلام میں تھی پھر منسوخ ہوگئی) مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے کچھ سلوک کرنا چاہو (وصیت کر کے تو جائز ہے) یہ بات (یعنی ایمان و ہجرت کی بات ذوی الارحام کی وجہ سے منسوخی) نوشتۂ الٰہی میں لکھی جا چکی تھی (کتاب سے مراد دونوں جگہ لوح محفوظ ہے) اور (یاد کیجئے) جبکہ ہم نے تمام پیغمبروں سے ان کا اقرار لیا (جس وقت وہ حضرت آدمؑ کی پشت سے چیونٹیوں کی طرح برآمد ہوئے تھے۔ ذر جمع ہے ذرۃ کی چھوٹی چیونٹی کو کہتے ہیں) اور آپ سے بھی اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی (اللہ کی عبادت کرنا اور لوگوں کو بھی اس کی عبادت کی دعوت دینا اور پانچ پیغمبروں کا ذکر، خاص کا عام پر عطف ہے) اور ہم نے ان سے خوب پختہ عہد لیا تھا (جو ذمہ داری ان پر ڈالی گئی اس کے پورا کرنے کا قسموں کے ذریعہ یقین دلایا، پھر اس کے بعد عہد لیا) تاکہ ان سچوں سے (اللہ) ان کے سچ کی نسبت سوال کرے (تبلیغ رسالت کے بارے میں۔ ان سے نفرت کرنے والوں پر حجت قائم کرنے کے لئے) اور کافروں کے لئے (اللہ تعالیٰ نے) دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے (جو تکلیف دہ ہوگا۔ اعد کا عطف اخذنا پر ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... **یاایھا النبی**. دوسرے انبیاء کی طرح آپ کا نام نہ لینا بلکہ منصبی لقب سے یاد فرمانا آپ ﷺ کی تعظیم کے لئے مشیر ہے اور جہاں آپ کا نام صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے وہاں بھی وصف لقبی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جیسے **محمد رسول اللہ. ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبین. وما محمد الا رسول** وغیرہ۔

اتق. امر کا صیغہ جس طرح کسی فعل کے ایجاد کے لئے آتا ہے، اسی طرح اس کے ابقاء کے لئے بھی آتا ہے۔ یعنی جیسے آپ پہلے سے تقویٰ پر ہیں۔ آئندہ بھی تقویٰ پر برقرار رہئے۔ اس لئے تحصیل حاصل یا آپ کے غیر متقی ہونے کا اشکال نہیں رہا۔

کفی باللہ. لفظ اللہ. کفی کا فاعل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور وکیلا مفعول ہے بیان یا حال کے طور پر۔

ماجعل اللہ لرجل. ابو معمر جمیل بن اسد فہری اس کا مصداق ہے۔ جسے عرب دانشور ہونے کی وجہ سے "ذوالقلبین" کہا کرتے تھے اور بقول ابن عباسؓ منافقین آنحضرت ﷺ کو ذوالقلبین کہا کرتے تھے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ **لرجل** سے مراد **لاحد** عام ہو۔ خواہ کوئی مرد ہو یا عورت اور مرد کی تخصیص مردانہ قوت کی وجہ سے ہے ورنہ کوئی عورت بھی دو دل نہیں ہوتی۔

فی جوفه. تاکید کے لئے یہ لفظ بڑھایا ہے۔ جیسے **قلوب التی فی الصدور** میں ہے۔

اللائی. ابن عامرؒ اور کوفیوں کی نزدیک ہمزہ کے بعد یا کے ساتھ ہے اور ورشؒ اور ابن کثیرؒ کے نزدیک ہمزہ کے بعد یا نہیں ہے اور بعض نے **اللتی** کو جمع مانا ہے۔

تظھرون. ابو عمرؒ کے نزدیک ظا کے بعد اور ھا سے پہلے الف نہیں ہے اور دوسروں کے نزدیک ظ کے بعد اور ہا سے پہلے الف کے ساتھ ہے۔

ادعیاء. جمع دعی بمعنی مدعو ہے۔ چنانچہ فعیل بمعنی مفعول آتا ہے۔ متبنیٰ کو کہتے ہیں۔ **دعی** دراصل **دعیو** تھا۔ صرفی قاعدہ

سے ادغام ہوگیا اور ادعیاء دعی کی جمع غیر قیاسی ہے۔ کیونکہ معتل اللام فعیل جب فاعل کے معنی میں ہو تو اس کی جمع افعلاء پر آنا قیاسی ہے۔ جیسے تقی اور غنی کی جمع اتقیاء، اغنیاء مگر دعی بمعنی مفعول ہے۔ اس کی جمع فعلاء کے وزن پر آنی چاہئے تھی۔ جیسے قتیل کی جمع قتلی ہے اور جریح کی جمع جرحی ہے۔ مگر دعی کی جمع ادعیاء شاذ ہوگئی۔ جیسے اسیر کی جمع اسری تو قیاسی ہے مگر اساری شاذ ہے۔

فاخوانکم. ای فھم اخوانکم یعنی نرا نام لے کر پکارنا، اگرچہ جائز ہے مگر تالیف قلب کے لئے بھائی کہو خواہ وہ رشتہ کے اعتبار سے ہو یا دینی ناطہ سے کہا جائے اور اخوان و اخوت اگرچہ ناطہ میں برابر ہیں مگر بہن کی بجائے بھائی کہا۔ کیونکہ متبنیٰ بنانا ذکور کے لئے ہوتا ہے، اناث کے لئے نہیں ہوتا۔ جیسا کہ جاہلیت کا دستور تھا اور موالی کی تفسیر میں مفسر علامؒ نے بنو عم اس لئے کہا کہ عرب میں موالی کے کئی معنی آتے ہیں۔ فاخوانکم مبتداء محذوف کی خبر ہے اور جملہ جواب شرط یا قائم مقام جواب ہے ای قولوا ھذا اخی وھذا مولای لانھم اخوانکم. مولیٰ کا استعمال اگرچہ مولی الموالات اور مولی العتاقہ میں معروف ہے۔ مگر مفسر علامؒ نے عموم کی وجہ سے ابن عم کے ساتھ تفسیر کی۔ جیسے حضرت زکریاؑ کا قول قرآن کریم میں ہے۔ انی خفت الموالی.

ولکن ماتعمدت. اس میں دو ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ مجرور المحل ہو۔ اس کا عطف ماقبل مجرور پر ہو۔ ای ولکن الجناح فیما تعمدت. دوسری صورت یہ ہے کہ یہ مرفوع المحل ہو۔ مبتداء کی وجہ سے جس کی خبر محذوف ہے۔ ای تواخذون بہ. یا علیکم فیہ الجناح.

فی کتاب اللہ. اس کا تعلق اولی کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اسم تفضیل ظرف میں عمل کرتا ہے اور محذوف کے متعلق بھی ہوسکتا ہے۔ اولی کی ضمیر سے حال بنا کر اور اولی عامل ہو۔ البتہ اولوا سے حال بنانا جائز نہیں ہے فصل کی وجہ سے اور اس لئے بھی کہ اولی اور اولوا میں عامل نہیں ہے۔

من المؤمنین. اس میں بھی دو ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ مفضل علیہ پر من داخل ہے۔ جیسے زید افضل من عمرو میں ہے۔ ای اولوا الارحام اولی بالارث من المومنین. دوسری صورت یہ ہے کہ من بیانیہ ہو اولوا الارحام کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔ اب اس کا تعلق محذوف سے ہوگا۔ ای اولوا الارحام من المؤمنین اولی بالارث من الاجانب.

الا ان تفعلوا. مفسر علامؒ نے الا کے منقطع ہونے کی طرف اشارہ کردیا۔ کیونکہ بعضھم اولی ببعض میں مافی الاولویۃ سے مراد توارث ہے، اس لئے استثناء خلاف جنس سے ہوا جو فحوائے کلام سے سمجھ میں آرہا ہے۔ ای لاتوارثوا غیرا ولی الارحکام لکن فعلکم بناءً علی ان المصدریۃ معروفا جائز فیکون ذالک بالوصیۃ لا بالتوارث. اور ان تفعلوا تاویلِ مصدر مبتداء ہے۔ جس کی خبر محذوف ہے، جیسا کہ مفسرؒ نے فجائز تقدیر عبارت نکالی ہے۔

بوصیۃ. یعنی مواخات وغیرہ کی میراث چونکہ منسوخ ہوگئی اس لئے ثلث مال سے وصیت کی اجازت ہے۔

اذ اخذنا. یہ ظرف اذکر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور فی الکتاب کے محل پر عطف بھی ہوسکتا ہے۔ اور مسطور اس میں عامل ہوگا۔ ای کان ھذا الحکم مسطورا فی الکتاب وقت اخذنا.

منک. اولوالعزم انبیاءؑ کا ذکر، ان کی فضیلت کے پیش نظر کیا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کو پہلے ذکر کرنے میں آپ کی برتری کی طرف اشارہ ہے ورنہ ترتیب زمانی کے لحاظ سے تو آپ کا ذکر سب سے آخر میں ہونا چاہئے تھا اور یا مخاطب ہونے کی وجہ سے آپ مقدم ہوگئے یا تقدم فی الخلق کی وجہ سے آپ کا نام پہلے آیا ہے۔ حدیث میں ہے۔ کنت اول الانبیاء فی الخلق واخرھم فی البعث.

میثاقا غلیظا. اس سے مراد امر نبوت کا عہد ہے۔ جیسے آیت اذ اخذاللہ میثاق النبیین میں فرمایا گیا ہے اور پہلا عہد اللہ کے

اقرار سے متعلق تھا اور بعض نے دوسرے عہد کو پہلے عہد کی تاکید مانا ہے۔ انبیاءؑ سابقین سے تو آنحضرت ﷺ کی ہی تصدیق نبوت کا عہد لیا گیا اور آپ سے خاتم الانبیاء ہونے کا جس کو "لانبی بعدی" سے آپ نے ظاہر فرمایا۔

لیسئل۔ یہ لام "کے" ہے۔ ای یسئل المومنین عن صدقهم والکافرین عن کذبهم۔ مفعول ثانی کو اس لئے حذف کر دیا کہ اس کا مسبب یعنی اعد موجود ہے اور صدق کا مفعول محذوف ہے۔ تفسیری عبارت جس پر دلالت کر رہی ہے اور بعض نے لام صیر ورۃ کے لئے مانا ہے۔ ای اخذ المیثاق علی الانبیاء لیصیر الامر الی کذا۔ اور لیسال متعلق ہے اخذنا کے اور کلام میں تکلم سے غیبت کی طرف التفات ہے جیسا کہ مفسر علامؒ نے ثم اخذ المیثاق سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور صادقین سے مراد رسل ہیں اور چونکہ اخذ میثاق کا مقصد تبلیغ ہے، تاکہ مومنین مستحق ثواب ہوں۔ پس اخذنا المیثاق قوۃ میں اثاب المومنین کے ہے۔ اب عطف میں تناسب ہو گیا۔

ربط:............ اس سورت کی آیات میں قدر مشترک آنحضرت ﷺ کی منصوریت، محبوبیت، اکرمیت، خصوصیت کا مختلف طریقوں سے بیان ہے اور متعدد پیرایوں میں آپ کی تعظیم کا واجب ہونا اور لوگوں کی ایذاء دہی کی ممانعت ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے مضامین یا اس قدر مشترک کے مقدمات ہیں اور یا تتمات۔ اور اس سے پچھلی سورت میں بھی آخری مضمون آپ کی تسلی کا تھا جو آپ کی محبوبیت کی دلیل ہے۔ پس اس سے دونوں سورتوں کا ارتباط بھی واضح ہو گیا۔

اور ایذاء رسول ایک کلی مشکک ہے۔ جس کے بعض افراد شدید اور بعض خفیف ہیں۔ منجملہ ان کے کفار کی طرف سے یہ ناشائستہ اقوال تھے کہ آپ عیاذاً باللہ دعوت وتبلیغ سے اگر رک جائیں تو ہم آپ کو مالا مال کر دیں گے اور بعض نے قتل تک کی دھمکیاں دیں۔ جس سے آپ کو صدمہ ہوا۔ چنانچہ سورت کا آغاز اسی مضمون سے ہو رہا ہے اور چونکہ اس سورت کا خلاصہ آنحضرت ﷺ کی جلالت شان ہے جو مختلف عنوان سے ذکر کی گئی ہے منجملہ ان کے آپ کی اتباع اور تعظیم کا واجب ہونا ہے۔ اس کی مختلف نوعوں میں سے ایک جامع کا ذکر آیت "النبی اولی بالمؤمنین" میں فرمایا جا رہا ہے۔ یعنی مومنین کے ساتھ آپ کی اولیت کا تعلق ہے۔ اور اس اولویت کے معنوی ہونے کی مناسبت سے مسئلہ توارث کی تحقیق بھی فرمائی جا رہی ہے۔ جو اولیت کا صوری پہلو ہے اور چونکہ آیت "اتبع ما یوحی" میں آنحضرت ﷺ کو وحی اور آیت النبی اولی الخ میں مومنین کو صاحب وحی کی اتباع کا حکم ہے۔ اس لئے اس آیت کے بعد آیت "واذ اخذنا الخ" میں اسی کی تاکید کے لئے انبیاءؑ کے عہد کا اور منکرین کے استحقاق عذاب کا ذکر ہے۔ بہرحال "النبی اولی الخ" میں اجلال نبوی ﷺ کی پہلی قسم بیان ہو رہی ہے۔

شانِ نزول:............ بقول ابن عباسؓ ولید بن مغیرہ اور شیبہ ابن ربیعہ وغیرہ کفار مکہ نے آنحضرت ﷺ کو دعوت حق سے باز رہنے کے لئے مالی لالچ دیا۔ نیز یہود مدینہ اور منافقین نے آپ کو قتل کی دھمکیاں دیں۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی، مغیب بن قشیر اور جد بن قیس آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ آپ ہمارے معبودوں کا ذکر چھوڑ دیجئے بلکہ ان کے شفیع اور نافع ہونے کا اعتراف کیجئے۔ ہم بھی تمہارے معبود کو کچھ نہیں کہیں گے۔ یہ بات آپ کو اور مسلمانوں کو ناگوار گزری اور لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ چونکہ ایک طرف جنگ کرنا، ناجنگی معاہدہ کی خلاف ورزی تھی اور دوسری طرف ان کے مطالبہ کی تائید بھی مشکل تھی۔ اس لئے دونوں پہلوؤں کی رعایت کرتے ہوئے آیت یا ایھا النبی اتق اللہ نازل ہوئی۔

اور بعض نے ابوسفیان بن حرب اور عکرمہ بن ابی جہل اور ابوالاعور اور عمرو بن سفیان سلمی کے نام بھی گنائے ہیں کہ یہ لوگ غزوۂ

احد کے بعد عبداللہ بن ابی کے پاس آئے اور ان کے ساتھ عبداللہ بن ابی سرح اور طعمہ بن ابیرق بھی شامل ہو گئے اور سب مل کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں فاروق اعظمؓ کی موجودگی میں پہنچے۔ اور مندرجہ بالا گفتگو کی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے برافروختہ ہو کر ان کے قتل کی اجازت چاہی۔ مگر آپ ﷺ نے معاہدہ کی وجہ سے اجازت نہیں دی۔ البتہ انہیں مدینہ سے ناکام واپس کرادیا گیا۔

آیت میں قلبین فی جوفہ کا مصداق بعض نے ابومعمر جمیل بن اسد فہری کو قرار دیا ہے۔ لیکن بقول ابن عباسؓ منافقین آنحضرت ﷺ کو دو دل والا کہتے تھے کہ ایک دل ہمارے ساتھ ہے اور دوسرا دل مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ گویا جیسے خود تھے ویسے ہی آپ کو سمجھا۔ مگر بہتر یہ ہے کہ اس کو عموم پر رکھا جائے۔ یعنی کسی کے بھی دو دل نہیں ہوتے۔

آیت ماجعل ادعیاء کم کا واقعہ نزول یہ ہے کہ زید بن حارثہؓ عربی الاصل بنی کلیب میں سے تھے۔ اپنی ننہال بنی معن میں گئے ہوئے تھے کہ شام کے قیدیوں میں زبردستی پکڑ کر مکہ لائے گئے۔ حکیم بن حزام نے خرید کر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کو ہدیہ کر دیا جو آنحضرت ﷺ کی پہلی بیوی تھیں۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیۃً پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر کے متبنیٰ بنالیا۔ چنانچہ زید بن محمد کہلانے لگے۔ بعد میں پتہ چلنے پر زید کے والد اور چچا ان کو لینے کے لئے حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے انہیں جانے کا اختیار دے دیا۔ لیکن انہوں نے آپ کی خدمت میں رہنے کو ترجیح دی اور والد کے ہمراہ جانے سے انکار کر دیا۔ آپ ﷺ نے ان کی شادی زینبؓ بنت جحش سے کرادی۔ مگر ان میں ناچاقی رہی اور نباہ نہ ہو سکا اور نوبت طلاق تک جا پہنچی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے خود عقد فرمایا۔ اس پر بڑی چہ میگوئیاں ہوئیں اور منافقین نے کہنا شروع کیا کہ محمد ﷺ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کر لی۔ حالانکہ خود ہی سسر اور بہو کے نکاح کو منع کرتے ہیں۔

اس کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ لیکن یہ ترمذیؒ کی روایت کے منافی نہیں ہے۔ جس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو نماز میں خطرہ گزرا تھا۔ کیونکہ دونوں باتیں سبب نزول ہو سکتی ہیں۔ پہلے آپ کے دل میں خطرہ اور وسوسہ گزرا ہو اور بعد میں منافقین نے ہنگامہ کر دیا ہو یا اس کا عکس ہوا ہو۔

﴿تشریح﴾: .... یاایھا النبی اتق اللّٰہ. یعنی حسب معمول آپ آئندہ بھی اللہ ہی سے ڈرتے رہئے۔ یہ فرمانے کا زیادہ مقصد مخالفین کو سنا کر مایوس کرنا ہے کہ آپ تو اسی حالت میں قائم و دائم رہیں گے۔ تمہاری کوششیں کسی طرح بارآور نہیں ہوں گی اور کافروں کی کھلم کھلا مخالفتوں سے اور منافقین کی درپردہ سازشوں سے خواہ وہ کتنا ہی بڑا گٹھ جوڑ کر لیں، ہرگز پریشان نہ ہوئیے۔

ایک شبہ کا ازالہ: .... اس سے یہ شبہ نہیں رہا کہ جب دین کے خلاف ایسے ایسے مشورے دیا کرتے تھے تو پھر وہ منافق کہاں رہے، بلکہ کافر مجاہر ہو گئے؟ لیکن "درپردہ" کے لفظ نے شبہ کو صاف کر دیا۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کھلم کھلا مشورہ چالاکی سے کسی مباح امر میں چھپا کر پیش کیا ہو۔ مثلاً: عرض کیا ہو کہ حضور ﷺ فی الحال مختلف فیہ اور متنازع مسائل کو نہ چھیڑیئے، تاکہ لوگوں کو وحشت نہ ہو۔ آہستہ آہستہ بعد میں دیکھا جائے گا اور ظاہر ہے کہ مصالح وتقیہ کے تحت ایسا کرنا عین حکمت ہے۔ مگر کہنے والوں کی نیت میں چونکہ کھوٹ تھا اس لئے نفاق ہی کہلائے گا۔

اس تقریر سے "لاتطع" کی توجیہ اور بھی سہل ہو جائے گا، ورنہ کفار کی اطاعت کا ارادہ بھی خلاف عصمت ہونے کی وجہ سے شان رسالت کے منافی ہے۔

غرضیکہ آپ کو حکم ہے کہ بدستور آپ ان کے جھوٹے مطالبات، عیارانہ مشوروں کی طرف ادنیٰ التفات نہ کیجئے اور اللہ کے سوا کسی کا

ڈر پاس نہ آنے دیجئے۔ ساری دنیا بھی اکٹھی ہوکر آ جائے تب بھی اس کے خلاف کسی کی نہ سنیئے۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ اسی کے حکم پر چلتے رہو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔ تنہا اسی کی ذات بھروسہ کے لائق ہے۔

اللہ کا ہر حکم مصلحت پر مبنی ہوتا ہے:.......... اس کا ہر حکم مصلحتوں اور حکمتوں کو لئے ہوئے ہوتا ہے۔ کسی انسان کا یہ کہنا کہ فلاں حکم الٰہی خلاف مصلحت ہے۔ خود اپنے جہل و سفاہت کا اعتراف ہے۔ آپ نہ خود رائی سے کام لیجئے، نہ کسی کے مشوروں پر کان دھریئے۔ جو لوگ آپ ﷺ کی مخالفت و مزاحمت میں لگے ہوئے ہیں وہ خبردار ہیں کہ سب اپنے کیفر کردار کو پہنچیں گے جو سارے دل سے اسی کا ہو رہا، وہ دوسری طرف دل کیسے لگا سکتا ہے، کیونکہ "سینہ میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے۔"

جاہلیت کی تین غلط باتوں کی اصلاح:.......... اور فرمایا کہ جیسے ایک آدمی کے سینہ میں دو دل نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح دو حقیقی مائیں نہیں ہو سکتیں اور نہ دو حقیقی باپ ہو سکتے ہیں۔ ہاں! معنوی یعنی غیر حقیقی یا ایک حقیقی اور دوسرا غیر حقیقی ہو تو یہ دوسری بات ہے۔

جاہلیت میں اگر کوئی بیوی کو ماں کہہ دیتا تو ہمیشہ کے لئے اس سے جدائیگی ہو جاتی، اس سے لازم آیا کہ گویا وہ سگی ماں بن گئی۔ اسی طرح اگر کسی کو منہ بولا بیٹا بنا لیا تو سچ مچ وہ بیٹا سمجھا جاتا اور سب احکام اس پر بیٹے کے جاری ہوتے تھے۔ حالانکہ عرب میں جیسے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں کی ایک نہیں دو زبانیں یا ڈھائی ہاتھ کی زبان ہے، یا فلاں کے دو آنکھ نہیں چار آنکھیں اور چار کان ہیں، بلکہ یہ استعارہ کی زبان اور مجاز کا پیرایہ بیان ہوتا ہے۔ اسی طرح اس محاورہ کا مطلب کہ فلاں کے دو دل ہیں یہ کیوں لیا جائے کہ واقعی اس کے سینہ میں دو دل ہیں۔ اسی طرح مجازاً کسی کو بیٹا کہہ دینے یا عرفاً سمجھ لینے سے یہ کیونکر لازم آ گیا کہ معاملات میں بھی صلبی اور حقیقی بیٹے کی طرح اس سے برتاؤ کیا جائے۔

قرآن کریم کی اس آیت میں تشریح الابدان یا تشریح اعضاء سے متعلق کوئی مسئلہ بیان کرنا نہیں ہے کہ یہ اس کے موضوع سے خارج ہے بلکہ یہ بتلانا ہے کہ جو الفاظ کسی زبان میں مجاز یا استعارہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں انہیں واقعاتی رنگ دے دینا جہل ہے اور لفظی اور مصنوعی تعلق کو حقیقی اور قدرتی درجہ دے دینا نادانی ہے۔ ان آیات میں ان تینوں رسموں کی تردید بڑے شد و مد سے کی جا رہی ہے۔ بیوی کو ماں کہہ دینے سے جاہلیت کے دستور پر اگر واقعی ماں بن جاتی ہے تو کیا دو ماؤں سے انسان پیدا ہوتا ہے۔ ایک ماں وہ جو جنتی ہے اور ایک ماں وہ جو محض کہہ دینے سے ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کسی نے اگر کسی کو بیٹا بنا لیا تو ایک باپ تو حقیقی پہلے سے موجود تھا اور ایک باپ یہ ہوا تو کیا یہ ماننا پڑے گا کہ وہ دونوں باپوں سے پیدا ہوا ہے۔ جب ایسا نہیں ہے تو پھر حقیقی ماں باپ اور حقیقی اولاد کے احکام کیسے ان پر جاری ہو سکتے ہیں۔ بس سیاق کلام سے یہاں زیادہ تر تو تیسری غلطی کی اصلاح مقصود تھی۔ مگر اس کی تقویت کے لئے پہلی دو غلطیوں کی اور اصلاح کر دی۔

تینوں باتوں میں ترتیب کا نکتہ:.......... چنانچہ پہلی غلطی اول تو محسوسات میں سے ہونے کی وجہ سے بالکل واضح تھی۔ دوسرے بعض آثار سے بھی بسہولت اس کی حقیقت معلوم ہو سکتی تھی۔ چنانچہ ایک شخص دو دل ہونے کا مدعی تھا جب غزوۂ بدر سے اس طرح بھاگا کہ ایک جوتا اس کے پاؤں میں اور دوسرا اسکے ہاتھ میں تھا۔ جب ابوسفیان نے اس حال میں دیکھ کر اسے ٹوکا تو کہنے لگا تو میں سمجھا کہ دونوں جوتے پاؤں میں ہیں، اسی سے اس دعویٰ کی قلعی کھل گئی۔ اس لئے ماجعل اللّٰہ لرجل میں اس کو مقدم فرما دیا۔

البتہ بالفرض اگر تحقیق سے کسی کے دو دل ثابت ہو جائیں تو اول تو قرآن کا مقصد چونکہ تشریح اعضاء نہیں ہے، اس لئے یہ اس کے مقصد کے بالکل معارض نہیں ہے، دوسری کسی اکثری حکم کو کلیہ کی صورت میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ مگر مراد اکثری حکم ہوتا ہے اور یہاں اس

کے اکثری ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ تیسرے یہاں جعل ماضی کا صیغہ ہے۔ جس سے گذشتہ زمانہ میں دودلوں کی نفی کی گئی ہے۔ آئندہ کے لئے انکار نہیں کیا گیا جس سے شبہ کی گنجائش رہے۔

رہ گئی دوسری غلطی یعنی بیوی کو ماں کہہ دینے سے ساری عمر کے لئے وہ حرام ہوجائے۔ یہ چونکہ امور معنویہ میں سے ہے، پہلی غلطی کی طرح واضح نہیں، اس لئے اس کو مؤخر فرمادیا۔ مگر ظہار میں چونکہ صراحۃً تشبیہ ہوتی ہے جس سے حقیقی ماں اور بیوی میں فرق کھلا ہوا ہے، پس اس کی تاثیر کا کمزور ہونا بھی واضح ہوگا۔ جس پر دائمی حرمت کا ثمرہ مرتب ہونا ممکن تھا۔ اس لئے مقصد اصلی سے اس کو بھی مقدم کرکے دوسرے درجہ پر رکھ دیا۔ تیسرے نمبر پر مقصد اصلی یعنی مسئلہ تبنیت رکھا ہے۔

اور اس تدریجی ترتیب میں نکتہ یہ ہے کہ مقصود اصلی سمجھنے میں ان دو مقدموں سے مدد ملے۔ کیونکہ یہ بتلانا ہے کہ فلاں فلاں یہ دو باتیں جس طرح مشہور ہیں، مگر غلط ہیں۔ اسی طرح لے پالک کا حقیقی بیٹے کے حکم میں ہونا بھی اگرچہ مشہور ہے مگر محض غلط ہے۔

منطقی طرز استدلال: .... اور یا یہ کہا جائے کہ مقصود اصلی کی تقویت بطور قیاس تمثیلی کے ہے اور ان تینوں کے درمیان نسبت "مانعۃ الجمع" ہے کیونکہ ان سب میں ایک امر واقعی اور ایک امر غیر واقعی کے درمیان جمع نہ ہونا پایا جاتا ہے۔ چنانچہ پہلی صورت میں ایک قلب واقعی ہے اور ایک قلب غیر واقعی یعنی ادعائی ہے۔ پس یہ دونوں جمع نہیں ہوتے۔ اسی طرح دوسری صورت میں ایک طرف زوجیت واقعیہ ہے اور دوسری طرف دلیل نہ ہونے کی وجہ سے دائمی حرمت غیر واقعیہ ہے۔ پس یہاں بھی دونوں جمع نہیں ہوئے۔ اسی طرح تیسری صورت میں ایک طرف حقیقی باپ کے لحاظ سے بیٹا ہونا واقعی ہے اور دوسری طرف حقیقی باپ نہ ہونے کی وجہ سے حقیقی بیٹا ہونا غیر واقعی ہے۔ یہاں بھی دونوں جمع نہ ہوئے۔

غرضیکہ اس مانعۃ الجمع میں یہ تینوں صورتیں ہیں۔ ایک طرف یقیناً ثابت ہیں۔ پس منطقی قاعدہ سے مانعۃ الجمع میں چونکہ عین مقدم کا استثناء نقیض تالی کا نتیجہ دیا کرتا ہے اور عین تالی کا استثناء نقیض مقدم کا نتیجہ دے گا۔ اس لئے یہاں دوسری طرف یعنی حقیقی باپ نہ ہونے کے اعتبار سے بیٹے ہونے کی نفی ہوجائے گی اور یہی مدعا ہے۔

احکام اعتبار یہ پر احکام نفس الامری جاری نہیں ہوا کرتے: .... اس کے بعد ذٰلکم قولکم بافواھکم میں ان احکام کی وجہ بتلا دی۔ جیسا کہ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ انسانی کلام دو طرح کا ہوا کرتا ہے۔ ایک وہ جو دل سے نکلے، دوسرے وہ جسے انسان محض زبان سے بک دے۔ بہتری باتیں ایسی ہی ہیں جو محض زبان سے کہہ دینے کی ہوتی ہیں انکی حقیقت واقع میں وہ نہیں ہوتی جو الفاظ میں ادا کی جاتی ہے۔ جیسے دو غلے اور دورخے انسان کو دومونہا یا دودلا کہہ دینا یا مستقل مزاج اور قوی دل آدمی کو دو دل والا کہنا۔ حالانکہ سینہ چیر کر دیکھا جائے تو ایک ہی دل نکلے گا۔ اسی طرح ماں کے سوا کسی کو تعظیم کے لحاظ سے یا کسی اور لحاظ سے ماں کہہ دینے سے یا باپ بیٹے کے علاوہ کسی اور کو باپ بیٹا کہہ دینے سے وہ نسبت حاصل نہیں ہوجائے گی جو بغیر ہمارے کہے بھی قدرت نے قائم کر رکھی ہے۔

حقیقی اور مصنوعی تعلقات گڈمڈ نہیں ہونے چاہئیں: .... خلاصہ یہ ہے کہ حقیقی اور مصنوعی تعلقات کو خلط ملط نہیں کردینا چاہئے۔ قرآن کریم نے ایسی زبانی جمع خرچ کے موقعہ پر ایسے ہی الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جیسے یہاں ذالکم قولکم الخ فرمایا۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ کی نسبت عیسائیوں کے عقیدہ ابنیت کے بارے میں فرمایا "ذالکم قولکم بافواھکم" یہاں بھی عرب جاہلیت کی گھریلو زندگی کی دوریت رسموں کا ذکر ہے۔

ایک یہ کہ لے پالک کو حقیقی اور صلبی بیٹے کی طرح سمجھنے لگے اور اس کی طلاق پائی ہوئی بیوی سے نکاح کرنے کو ایسا ہی برا جانتے جیسے اپنی سگی بہو سے نکاح کرنے کو برا جانتے ہیں۔ چنانچہ ہندو اور کیتھولک فرقوں میں آج تک لے پالک کو اتنی ہی اہمیت دی جاتی ہے۔ اسلام نے آ کر اس رسم پر ضرب کاری لگائی۔

دوسرا رواج یہ تھا کہ بیوی کو اشارہ کنایہ میں ماں کہہ دیتے تو پھر اسے اپنے نکاح سے خارج سمجھنے لگے۔ اور اس کے حقوق زوجیت ذرا بھی ادا نہ کرتے۔ لیکن اسی کے ساتھ اسے اپنے سے علیحدہ بھی نہ کرتے اور اسے دوسری جگہ نکاح نہ کرنے دیتے۔ وہ بدستور پہلے ہی شوہر سے بندھی رہتی۔ گویا ایک ہی وقت میں وہ مطلقہ بھی ہوتی اور معلقہ بھی۔ اسلام نے اس ظالمانہ دستور کا بھی خاتمہ کر دیا اور بتلایا کہ اس قسم کے فقروں سے کوئی بیوی ماں نہیں بن جاتی۔ ظہار کا تفصیلی بیان سورۂ مجادلہ میں آئے گا۔

دو شبہوں کا جواب:............ ان دونوں مسئلوں پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اگر ظہار کرنا اور متبنیٰ بنانا امر واقعی نہیں ہے تو پھر کفارۂ ظہار کیسے رکھا گیا ہے۔ اسی طرح فقہ حنفی کی رو سے اپنے غلام کو بیٹا کہہ دینے سے وہ آزاد کیوں ہوجاتا۔ یہ واقعی احکام، امر غیر واقعی پر کیوں مرتب ہوتے ہیں۔ پھر یہ افواہی کہاں رہے؟ جواب یہ ہے کہ دراصل ظہار کا کفارہ اس بری بات کے کہنے کی سزا ہے کہ تم نے کلام میں اس درجہ بے احتیاطی کیوں کی۔ اس لئے اس کی سرزنش کے لئے واقعی حرمت کی سزا دے دی۔ تا کہ آئندہ تم بول چال میں احتیاط رکھو اور جو منہ میں آئے نہ بک دو۔ اس میں دائمی حرمت کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اسی طرح غلام کو بیٹا کہنے میں قول تو موجود واقعی ہے مگر معنی مجازی آزاد کرنے میں استعمال کیا گیا ہے اور مجازی لفظ سے آزادی کا ہوجانا ایک امر واقعی ہے جو صحیح دلیل سے ثابت ہے۔

پس امر واقعی کا ترتب امر واقعی پر ہوا۔ یہ نہیں کہ ایک غیر واقعی امر پر۔ دوسرا غیر واقعی امر مرتب ہوگیا ہے برخلاف دعویٰ جاہلیت کے کہ اس کی بنیاد حقیقی وجود کے اعتبار سے تو یقیناً غلط ہے اور وجود حکمی یعنی تاثیر کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ اس لئے حکم واقعی کا ترتب امر غیر واقعی پر لازم آیا جو با قاعدہ مذکورہ صحیح نہیں۔

صحیح نسبتوں کا تحفظ ضروری ہے:............ ادعوهم لاباء هم یعنی ٹھیک انصاف کی بات یہی ہے کہ ہر شخص کی نسبت اس کے باپ کی طرف کی جائے۔ لے پالک بنا لینے سے حقیقی باپ نہیں بن جاتا۔ غرضیکہ نسبی تعلقات اور ان کے احکام میں اشتباہ اور التباس نہیں ہونا چاہئے۔ یوں شفقت و محبت سے کوئی کسی کو بیٹا یا باپ کہہ کر پکار لے یا کسی کو فرزندی میں لے کر بغیر کسی کی حق تلفی کے جائیداد بھی حوالہ کر دے تو وہ دوسری بات ہے۔ البتہ اگر جاہلیت کا اعتقاد نہ رکھتے ہوئے بھی کوئی یہ سمجھ کر کہ اس سے جاہلیت کی ترویج ہوگی اسی کو بیٹا کہے، تب بھی قصداً کہنا جائز نہیں ہوگا۔ ہاں پرانی عادت کے مطابق یا سبقت لسانی سے کسی کے منہ سے نکل جائے تو وہ اخطأتم میں داخل ہو کر معاف ہے۔

ابتداء اسلام میں جب آنحضرت ﷺ نے زیدؓ بن حارثہ کو متبنیٰ بنالیا تو دستور کے مطابق لوگ انہیں زید بن محمد کہہ کر پکارنے لگے۔ مگر جب یہ آیت نازل ہوئی تو پھر سب زید بن حارثہ کہنے لگے اور بالفرض اگر کسی کا باپ معلوم نہ ہو تو پھر انسانی یا دینی ناطہ سے وہ تمہارا بھائی ہے۔ بھائی کہہ کر پکارنا چاہئے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے بھی زید بن حارثہؓ کو "انت اخونا ومولانا" فرمایا۔

دو فقہی مسئلے:............ فقہاء نے فان لم تعلموا اٰبائهم کے اقتضاء النص سے یہ مسئلہ بھی استنباط کیا ہے کہ جو چھوٹا بچہ اگر پڑا ملے یا دارالاسلام میں قید ہو کر آ جائے تو وہ مومن سمجھا جائے گا۔ اسی طرح فقہائے مفسرین نے ولکن ماتعمدت قلوبکم کے ذیل میں کہا ہے کہ نامحرم سے گفتگو میں فاسد نیت رکھنا یا اسکے تصور سے لذت اندوز ہونا داخل معصیت ہے۔

مسلمانوں کے ایمان کی کرنیں آفتاب نبوت سے نکل رہی ہیں:......... آفتاب نبوت سے نور ایمان کی جو کرنیں نکلتی ہیں۔ مومنین کا نور ایمان اسی کی ایک شعاع ہے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ایک مسلمان کا ایمانی وجود اپنے منبع اور مخزن سے وابستہ ہے اور جس طرح آفتاب حسی طور پر اپنے نور سے بہ نسبت دھوپ کے نور کے زیادہ نزدیک ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کا وجود مسعود بہ نسبت ہمارے وجود کے زیادہ قریب ہے۔ یا جس طرح بیٹے کا حسی وجود باپ کے وجود کا پرتو ہوتا ہے اور بیٹے کا جسم باپ کے جسم سے نکلتا ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ باپ کا وجود بیٹے سے بہ نسبت خود بیٹے کے وجود کے اقرب ہے۔

اسی طرح کہنا چاہئے کہ نبی کا ایمانی وجود اصل ہے اور امت کا ایمانی وجود اس کا ظل ہے اور اس سے نکلا ہوا ہے۔ نبی روحانی باپ اور امت روحانی اولاد ہے۔ پس نبی کا روحانی وجود امت کے اپنے وجود سے بھی نزدیک تر ہے۔ باپ کا تعلق طبعی اگر ساری دنیا سے بڑھ کر ہے اور اس کی مادی شفقت سب سے بڑھ کر ہونے کی وجہ سے اس کا حق تعظیم و تربیت بھی سب سے بڑھ کر ہے۔

اسی طرح حدیث ابوداؤد انما انالکم بمنزلة الوالد کی رو سے آنحضرت ﷺ کی شفقت و محبت بھی ساری دنیا سے بڑھ چڑھ کر ہونے کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ تعظیم واطاعت کی مستحق ہے۔

آنحضرت ﷺ کی روحانیت کبریٰ ہی مربی ہے:......... باپ کے ذریعہ اگر اللہ نے ہمیں عارضی حیات عطا فرمائی تو آنحضرت ﷺ کی روحانیت کبریٰ کی بدولت ہمیں جاودانی زندگانی عطا ہوئی ہے۔ اس لئے آپ کا تعلق سب تعلقات سے اونچا ہے خود ہمارے اپنے نفس کو بھی ہم سے وہ ہمدردی نہیں جو آنحضرت ﷺ کو ہماری خیر خواہی اور خیر اندیشی مطلوب ہے۔ کیونکہ نفس دو حال سے خالی نہیں۔ نفس یا برا ہوگا جسے نفس امارہ بالسوء کہنا چاہئے اور یا نفس اچھا ہوگا جسے نفس مطمئنہ کہنا چاہئے۔ جہاں تک نفس امارہ کا تعلق ہے ظاہر ہے وہ کسی درجہ میں بھی خیر خواہ نہیں ہے۔ اس لئے اس کے حق کا بھی کوئی سوال نہیں۔ البتہ نفس مطمئنہ بلاشبہ ہمدرد ہے۔ مگر اس کا علم ناقص و ناتمام ہونے کی وجہ سے بہت سی باتیں اس پر مخفی رہ سکتی ہیں۔ اس لئے وہ خیر سگالی کرنا بھی چاہے تو کس طرح کرے، مجبور ہے۔ لہٰذا اس کے مشورے ناقابل اعتماد ہیں۔ برخلاف آنحضرت ﷺ کے، وہ اللہ کے نائب اور علم میں بھی نائب ہیں اور شفقت و رحمت میں بھی نائب ہیں۔ ان کا علم مکمل ہے تو ان کی خیر خواہی بھی اکمل ہے۔ اسی لئے ہمیں اپنے جان و مال میں تصرف کا اتنا حق نہیں جتنا کہ پیغمبر کو ہے۔ نبی کا جتنا تصرف چلتا ہے۔ اتنا کسی کا نہیں چلتا۔ یہی وجہ ہے کہ دہکتی ہوئی آگ میں اپنی جان ڈال دینا یا کسی اور طریقہ سے خود کو ہلاک کر دینا خودکشی اور حرام ہے۔ لیکن پیغمبر کے حکم سے جان و مال دے ڈالنا فرض ہو جاتا ہے۔ انہی حقائق کے پیش نظر آپ نے ارشاد فرمایا۔ لایومن احدکم حتی اکون احب الیه من ولده ووالده والناس اجمعین.

ازواج مطہرات ؓ مسلمانوں کی مائیں ہیں:......... اور آنحضرت ﷺ چونکہ روحانی اور معنوی باپ ہیں، اس لئے آپ کی تمام بیویاں تمام مسلمانوں کی روحانی مائیں سمجھی جائیں گی۔ اسی وجہ سے ازواجه امهاتکم میں ان کو امہات المومنین فرمایا گیا ہے اور تعظیم کی ایک نوع ان سے نکاح کا حرام ہونا بھی ہے۔ اس لئے لاتنکحوا ازواجه من بعده ابداً فرمایا گیا اور چونکہ نکاح کا احتمال مردوں ہی سے ہو سکتا ہے قابلیت نکاح کی وجہ سے، لیکن عورتوں میں عورتوں سے نکاح کی قابلیت ہی نہیں۔ اس لئے حضرت عائشہؓ کے الفاظ انا ام رجالکم لا ام نسائکم اسی تخصیص کی طرف اشارہ ہے ورنہ جہاں تک نفس تعظیم کا تعلق ہے اس میں مسلمان مرد اور عورت سب برابر ہیں۔ ازواج مطہرات ؓ جس طرح امہات المومنین ہیں، وہ امہات المومنات بھی ہیں۔ جس کی طرف حضرت ام سلمہؓ

کے الفاظ انا ام الرجال منکم و النساء منشیر ہیں اور معنوی روحانی باپ ہونے میں چونکہ سارے انبیاء شریک ہیں۔ اسی لئے مجاہدؒ سے منقول ہے "کل نبی اب لامته" حضرت لوط علیہ السلام نے بھی اسی بنیاد پر ھولاء بناتی فرمایا تھا۔ البتہ اس اصل کی فرع تمام انبیاء علیہم السلام کی بیویوں کا حکم بھی امہات المومنین جیسا ہے کہ ان سے بھی نکاح حرام ہے۔ اس کی نفی یا اثبات سے متعلق کوئی قطعی یا کافی دلیل کا علم نہیں۔ البتہ علامہ آلوسیؒ نے مواہب لدنیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔ رہی یہ بات کہ ازواج مطہرات جب امہات المومنین ہیں تو ان سے پردہ نہیں ہونا چاہئے، بلکہ بے پردگی اور ان کی طرف نظر کرنے اور ان سے خلوت وتنہائی کی اجازت ہونی چاہئے۔

جواب یہ ہے کہ اصل حکم تو تعظیم کا ہے اور بے پردگی کا تعظیم سے کوئی تعلق نہیں؟ بلکہ کہنا چاہئے کہ پردہ کا ایک گونہ تعظیم سے تعلق ہے۔ اس لئے حجاب کا حکم بدستور رہا۔ باقی خلوت یا نظر یا مس کرنا۔ سو چونکہ ازواج مطہرات حقیقی مائیں نہیں ہیں، اس لئے ان کا جواز بھی ثابت نہیں ہوگا۔

حقیقی اور مجازی ماؤں کے احکام کا فرق: .... خاص تعظیم اور اس کی ایک فرع حرمت نکاح کے اعتبار سے مجازاً انہیں ماں کہا گیا ہے۔ چنانچہ آیت "انما المومنون اخوة" میں بھی حقیقی بھائی بندی مراد نہیں۔ بلکہ بطور استعارہ ایمانی رشتہ کے لحاظ سے بھائی بندی مقصود ہے۔ اس لئے اس ناطہ سے میراث کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ ہاں! ایمان وہجرت کے تعلق سے بعض مصالح وقتیہ کی رو سے ایک خاص وقت تک میراث کا حکم رہا۔ لیکن اب مصالح بدل جانے سے وہ حکم بھی منسوخ ہوگیا ہے۔ آیت "واولوا الارحام الخ" میں اسی مشہور واقعہ ہجرت کی طرف اشارہ ہے۔ جس کی وجہ سے عارضی طور پر مہاجرین کو انصار کے ساتھ شریک میراث کردیا گیا تھا، جنہوں نے اپنے وطن کو چھوڑا، بھائی بندوں سے ٹوٹے اور پردیسی یا شرنارتھی بن کر مکہ سے مدینہ آرہے تو آنحضرت ﷺ نے ان تارکین وطن اور مدنی مسلمانوں کے درمیان مواخات اور بھائی چارہ کرادیا۔ اس میں باہمی میراث کا تعلق بھی قائم ہوا۔ مگر بعد میں جب آنے والے مہاجرین کے انصار سے رشتے ناطے ہوگئے۔ تب فرمایا کہ قدرتی رشتہ ناطہ اس بھائی چارہ سے بھی مقدم ہے۔ اب میراث وغیرہ رشتہ ناطہ کے مطابق تقسیم ہوا کرے گی۔ کتاب یعنی قرآن کریم میں یہ حکم ہمیشہ کے لئے جاری ہوگیا یا تورات میں بھی یہی حکم ہوگا یا کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ یعنی اس عارضی مصلحت کے بعد یہ وقتی اور ہنگامی حکم بھی ختم ہوگیا اور اصلی حکم لوح محفوظ کا نافذ اور جاری ہوگیا۔

انبیاءؑ اور صادقین سے عہد و پیمان: .... واذاخذنا۔ انبیاء علیہم السلام سے عہد ومیثاق کا حاصل یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تائید وتصدیق کریں اور دین کے قائم کرنے اور پیغام حق پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھیں گے۔ اور چونکہ سارے نبیوں کا مشن ایک ہی رہا ہے اس لئے ایک کی تصدیق وتکذیب دوسرے کی تصدیق تکذیب کو مستلزم ہوتی ہے اور چونکہ جانوں سے زیادہ حق ان کا تسلیم کیا گیا ہے اس لئے ان کی ذمہ داری بھی سب سے زیادہ سمجھی گئی۔ یہ پانچ پیغمبر اولوالعزم ہیں۔ جن کے اثرات ہزاروں سال دنیا میں پھیلتے رہے اور رہتی دنیا تک رہیں گے۔ بالخصوص آنحضرت ﷺ جن کا ظہور اگرچہ سب سے آخر میں ہوا۔ مگر عالم بالا میں تجویز نبوت کے اعتبار سے اور عالم دنیا میں شرف مجد کے اعتبار سے سب سے مقدم ہیں۔

پس جس طرح انبیاء کرام نے ایفائے عہد فرمایا، اسی طرح ان کے پیرو کار صادقین سے بھی پوچھ گچھ ہوگی کہ انہوں نے پیغمبروں کی ہدایات پہنچائیں تاکہ سچوں کا سچائی پر رہنا ظاہر ہو اور انہیں انعامات سے نوازا جائے اور مخالفین اپنے کیفر کردار کو پہنچیں۔

لطائف سلوک: .... یا ایھا النبی اتق اللہ. اس آیت میں تقویٰ کی عظمت شان معلوم ہوئی۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے دشمنوں کی اطاعت نہ کرنے کا چونکہ حکم ہے اور اطاعت وصحبت دونوں لازم وملزوم ہیں۔ پس ان کی صحبت سے بھی ممانعت ہوگئی۔

واتبع ما یوحی سے معلوم ہوا کہ کامل سے بھی کسی وقت تکلیفات شرعیہ معاف نہیں ہوتیں۔ ہر وقت دوسروں کی طرح وہ بھی مکلّف رہتا ہے۔

ماجعل اللہ لرجل. اس میں اس قول کی اصل نکلتی ہے کہ نفس ایک آن دو طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اس اصول پر بہت سی فروع مبنی معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ وسوسہ کا ایک علاج یہ ہے کہ ذکر کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اس طرح وسوسہ سے دھیان ہٹ جائے گا۔ نیز اس شخص کا جھوٹا ہونا بھی اس سے واضح ہو جاتا ہے جو تسبیح بھی پھراتا جاتا ہے اور باتیں بھی کرتا رہتا ہے اور دعویٰ یہ ہے کہ میں ذکر اللہ میں مشغول ہوں۔

فاخوانکم فی الدین. اس سے سگے بھائیوں کی طرح پیر بھائیوں کے اور حقیقی باپ کی طرح پیر کے حقوق ثابت ہو رہے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ مِنَ الْكُفَّارِ مُتَحَزِّبُوْنَ اَيَّامَ حَفْرِ الْخَنْدَقِ **فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا** مَلَائِكَةً **وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ** بِالتَّاءِ مِنْ حَفْرِ الْخَنْدَقِ وَبِالْيَاءِ مِنْ تَحْزِيْبِ الْمُشْرِكِيْنَ **بَصِيْرًا** ﴿۹﴾ **اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ** مِنْ اَعْلَى الْوَادِيْ وَاَسْفَلِهِ مِنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ **وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ** مَالَتْ عَنْ كُلِّ شَيْءٍ اِلٰى عَدُوِّهَا مِنْ كُلِّ جَانِبٍ **وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ** جَمْعُ حَنْجَرَةٍ وَهِيَ مُنْتَهَى الْحُلْقُوْمِ مِنْ شِدَّةِ الْخَوْفِ **وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا** ﴿۱۰﴾ اَلْمُخْتَلِفَةَ بِالنَّصْرِ وَالْيَاسِ **هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ** اُخْتُبِرُوْا لِيَتَبَيَّنَ الْمُخْلِصُ مِنْ غَيْرِهٖ **وَزُلْزِلُوْا** حُرِّكُوْا **زِلْزَالًا شَدِيْدًا** ﴿۱۱﴾ مِنْ شِدَّةِ الْفَزَعِ وَ اذْكُرْ **اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ** ضُعْفُ اِعْتِقَادٍ **مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ** بِالنَّصْرِ **اِلَّا غُرُوْرًا** ﴿۱۲﴾ بَاطِلًا **وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ** اَيِ الْمُنَافِقِيْنَ **يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ** هِيَ اَرْضُ الْمَدِيْنَةِ وَلَمْ تَنْصَرِفْ لِلْعَلَمِيَّةِ وَوَزْنِ الْفِعْلِ **لَا مُقَامَ لَكُمْ** بِضَمِّ الْمِيْمِ وَفَتْحِهَا اَيْ لَا اِقَامَةَ وَلَا مَكَانَةَ **فَارْجِعُوْا** اِلٰى مَنَازِلِكُمْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ وَكَانُوْا خَرَجُوْا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى سَلْعٍ جَبَلٌ خَارِجَ الْمَدِيْنَةِ لِلْقِتَالِ **وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ** فِي الرُّجُوْعِ **يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ** غَيْرُ حَصِيْنَةٍ نَخْشٰى عَلَيْهَا قَالَ تَعَالٰى **وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا** ﴿۱۳﴾ مِنَ الْقِتَالِ **وَلَوْ دُخِلَتْ** اَيِ الْمَدِيْنَةُ **عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا** نَوَاحِيْهَا **ثُمَّ سُئِلُوا** اَيْ سَاَلَهُمُ الدَّاخِلُوْنَ **الْفِتْنَةَ** الشِّرْكَ **لَاٰتَوْهَا** بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ اَيْ اَعْطَوْهَا وَفَعَلُوْهَا **وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا**

يَسِيرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْاَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُولًا ﴿۱۵﴾ عَنِ الْوَفَاءِ بِهِ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا اِنْ فَرَرْتُمْ لَّا تُمَتَّعُونَ فِي الدُّنْيَا بَعْدَ فِرَارِكُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ بَقِيَّةَ اٰجَالِكُمْ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ يُجِيْرُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اِهْلَاكًا اَوْ هَزِيْمَةً اَوْ يُصِيْبُكُمْ بِسُوْءٍ اِنْ اَرَادَ اللّٰهُ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ خَيْرًا وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيْ غَيْرِهِ وَلِيًّا يَنْفَعُهُمْ وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ يَدْفَعُ الضَّرَّ عَنْهُمْ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ الْمُثَبِّطِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ تَعَالَوْا اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ الْقِتَالَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ رِيَاءً وَسُمْعَةً اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖ بِالْمُعَاوَنَةِ جَمْعُ شَحِيْحٍ وَهُوَ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ يَاْتُوْنَ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ كَنَظَرِ اَوْ كَدَوَرَانِ الَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ اَيْ سَكَرَاتِهِ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ وَحِيْزَتِ الْغَنَائِمُ سَلَقُوْكُمْ اٰذَوْكُمْ وَضَرَبُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ اَيِ الْغَنِيْمَةِ يَطْلُبُوْنَهَا اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا حَقِيْقَةً فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ الْاِحْبَاطُ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾ بِاِرَادَتِهِ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ مِنَ الْكُفَّارِ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ اِلٰى مَكَّةَ لِخَوْفِهِمْ مِنْهُمْ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ كَرَّةً اُخْرٰى يَوَدُّوْا يَتَمَنَّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ اَيْ كَائِنُوْنَ فِي الْبَادِيَةِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ۚ اَخْبَارِكُمْ مَعَ الْكُفَّارِ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ هٰذِهِ الْكَرَّةَ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾ رِيَاءً وَخَوْفًا مِنَ التَّعْيِيْرِ

ع ۱۲ / ۱۸

ترجمہ: .... اے ایمان والو! اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے تھے (کفار کے بہت سے جتھے خندق کھودنے کے موقعہ پر) پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج (فرشتوں کی) بھیجی جو تمہیں دکھائی نہ دیتی تھی اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال (تا۔ کے ساتھ ہے یعنی خندق کا کھودنا اور یا کے ساتھ مشرکین کی توڑ پھوڑ) دیکھ رہے تھے۔ جب کہ وہ لوگ تم پر چڑھ آئے تھے اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی (مشرقی سمت کے اعلیٰ حصہ سے اور مغربی سمت کے نچلے حصہ سے) اور جب کہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں (ہر طرف سے ہٹ کر دشمن پر لگ رہی تھی جو ہر جانب سے حملہ آور تھا) اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے (خوف کے مارے۔ حناجر۔ حنجر کی جمع ہے نرخرے کو کہتے ہیں) اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے (مدد آنے اور مایوسی کے مختلف گمان) اس موقعہ پر مسلمانوں کا پورا امتحان لیا گیا (ان کی پوری آزمائش کی گئی تا کہ مخلص غیر مخلص سے نمایاں ہو جائیں) اور انہیں خوب جھڑ جھڑایا گیا (سخت خوف کے مارے حرکت میں آ گئے) اور (یاد کیجئے) جبکہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ (اعتقاد کی کمزوری) ہے کہہ رہے تھے کہ ہم سے اللہ ورسول نے (مدد کے متعلق) دھوکہ (جھوٹ) کا وعدہ کر رکھا ہے اور جب کہ ان میں بعض لوگوں (منافقین) نے کہا اے یثرب کے لوگو! (اہل مدینہ یثرب علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہے) تمہارے ٹھہرنے کا موقعہ نہیں (مقام ضمہ میم اور فتحہ کے ساتھ ہے۔ یعنی نہ ٹھہرنا ہے اور نہ اس کی جگہ ہے) سو لوٹ چلو (مدینہ اپنے اپنے

گھر اور یہ منافقین مدینہ سے باہر سلع پہاڑ تک آنحضرت ﷺ کے ساتھ میدان جنگ میں جانے کے لئے آئے تھے) اور ان میں سے بعض لوگ پیغمبر سے (واپسی کی) اجازت مانگتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں ہیں (کھلے پڑے ہیں ہمیں ان کا خطرہ ہے۔ ارشاد فرمایا کہ) حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں ہیں۔ یہ محض (جنگ سے) بھاگنا ہی چاہتے تھے اور اگر آ گھسے (مدینہ میں) ان پر آس پاس سے (مدینہ کے اردگرد سے) پھر ان سے فساد (شرک) کی درخواست (یعنی آنے والے ان سے استدعا کریں) تو اسے منظور کرلیں گے (یہ لفظ مد کے ساتھ اور بغیر مد کے ہے۔ یعنی ان کی خواہش پوری کرتے ہوئے شریک فتنہ ہوجاؤ گے) اور اپنے ان گھروں میں برائے نام ہی ٹھہریں۔ حالانکہ یہی لوگ (پیشتر) اللہ سے عہد کرچکے تھے کہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کی (پورا کرنے کے متعلق) بازپرس ہوگی۔ آپ فرما دیجئے تمہیں بھاگنا کچھ بھی نفع نہیں دے سکتا۔ اگر تم مرنے سے یا قتل ہونے سے بھاگتے ہو اور اس حالت میں (اگر تم بھاگے) تو کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے (بھاگنے کے بعد دنیا میں) مگر چند روزہ (باقی زندگی) آپ کہہ دیجئے وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے (پناہ دے کر) اگر اللہ تمہارے ساتھ برائی کرنا چاہے (ہلاک کر کے یا شکست دے کر) یا (وہ کون ہے جو تمہیں مصیبت میں ڈال سکے اگر) تم پر فضل (مہربانی) کرنا چاہے اور وہ لوگ اللہ کے سوا کسی کو اپنا حمایتی (نفع بخش) نہ پائیں گے اور نہ کوئی مددگار (جو ان سے نقصان ہٹا سکے) اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو رکاوٹ بنتے ہیں (ٹال مٹول کرتے رہتے ہیں) اور جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ (بھاگ آؤ) اور یہ لوگ لڑائی (جنگ) میں نام ہی کو آتے ہیں (ریاکاری اور شہرت کی نیت سے) تمہارے حق میں بخیلی لئے ہوئے (امداد کے لحاظ سے، اشحة جمع ہے شحیح کی اور ترکیب میں یہ ضمیر یــاتــون سے حال ہے) پھر جب کوئی خطرہ پیش آتا ہے تو ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں (دیکھنا یا گھمانا اس شخص کا) کہ اس پر موت کی بے ہوشی طاری ہو (یعنی سکرات شروع ہوگئی ہو) پھر وہ خطرہ جب ٹل جاتا ہے (اور مال غنیمت جمع ہونے لگتا ہے) تو تمہیں تیز تیز زبانوں سے طعنے دیتے ہیں (ستانے اور مارنے کی صورت میں) مال پر ریجھتے ہوئے (مال غنیمت کی تلاش میں رہتے ہیں) یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے (فی الحقیقت) چنانچہ اللہ نے ان کے اعمال بیکار کر رکھے ہیں اور یہ (بیکار کردینا) اللہ کی (ارادہ کے) لئے بالکل آسان ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ لشکر (کفار) گئے نہیں ہیں (مکہ لوٹ کر انہیں ان سے خطرہ ہے) اور یہ لشکر اگر آ پڑیں (دوبارہ حملہ کر کے) تو یہ لوگ یہی چاہیں گے (تمنا کریں گے) کاش! یہ دیہات میں باہر رہتے (یعنی جنگل میں بسے ہوتے) تمہاری خبریں پوچھتے رہتے، (تمہارے اور کفار کے حالات) اور اگر تم میں ہی رہیں (اس حملہ میں) تو کچھ یوں ہی سا لڑیں (دکھاوے کے لئے اور عار کے خطرہ سے)۔

تحقیق وترکیب: .... جــنــود. قریش، غطفان، یہود قریظہ، بنی نضیر کے قبائل مراد ہیں جو غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق میں چاروں طرف سے مسلمانوں پر چڑھ آئے۔

جنود الم تروھا سے فرشتوں کا لشکر مراد ہے۔ اذ پہلے اذ سے بدل ہے۔

من فوقکم. مشرق و مغرب، اعلیٰ و اسفل سے علی الترتیب بدل ہیں۔

زاغت. زاغ البصر، نگاہ کا خیرہ ہوجانا، پتھرا جانا۔

بــلــغــت القلوب. یا تو حقیقۃً غصہ کے وقت دل مدافعت کے لئے اوپر کو اچھلتا ہے اور خوف کے وقت نرخرہ اور گلے کی طرف نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سے بعض دفعہ سانس بھی رک جاتا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ شدت خوف، گھبراہٹ اور انتہائی غم میں پھیپھڑا پھول جاتا ہے اور گلے کی طرف ابھر آتا ہے اور اسی کے ساتھ دل بھی پھول کر اوپر ابھر آتا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ مجازاً مبالغہ پر محمول کیا جائے۔

حناجرۃ. سانس کی نالی یا کھانے کی نالی کو کہتے ہیں۔

الظنونا. نافع، ابن عامر، ابوبکر نے بعد میں الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ جیسا کہ اطعنا اور اضلونا کے آخر میں بھی الف ہے۔ کیونکہ یہ تینوں الفاظ مصحف عثمانی میں اسی طرح لکھے ہوئے ہیں۔ نیز یہ الف ہائے سکتہ کے مشابہ ہے۔ اس لئے وقف اور وصل دونوں حالتوں میں الف برقرار رہے اور ابو عامرؒ نے وقف اور وصل دونوں میں بغیر الف کے پڑھا ہے۔ کیونکہ الف لانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ رہا قوافی کے لئے فواصل کی رعایت کی وجہ سے الف لانا۔ سو قافیہ میں وقف ضروری ہوتا ہے اور فواصل آیت پر وقف ضروری نہیں ہے۔ اس لئے دونوں کا حکم بھی ایک نہیں ہوگا اور بعض نے حالت وقف میں الف کے ساتھ اور حالت وصل میں حذف الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ قافیہ اور ہائے سکتہ پر قیاس کرتے ہوئے کیونکہ وقف میں یہ دونوں باقی اور وصل میں حذف ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کو نصرت کا اور منافقین کو مایوسی کا گمان رہتا ہے۔

ھنالك. یہ ظرف مکان ظرف زمان کے معنی میں ہے۔

طائفة منھم. اوس بن یقظی اور اس کے رفقاء منافقین مراد ہیں۔

یثرب. ثرب بمعنی ملامت مدینہ کا نام ہے۔ حدیث میں یہ نام ناپسند کیا گیا ہے۔ آیت میں یہ لفظ ممانعت سے پہلے آیا ہوگا۔

مقام. حفصؒ نے ضمہ میم کے ساتھ اور باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ مصدر یا ظرف ہے۔

فریق منھم. بنو حارثہ اور بنو سلمہ منافقین مراد ہیں۔

عورۃ. لغت میں خلل کے معنی ہیں۔ فلاں یحفظ عورته. عمارت کے ٹوٹ پھوٹ سے حفاظت کرنا۔ شرمگاہ کو بھی کہتے ہیں۔ مصدر مبالغہ کے لئے ہے۔

دخلت. دخلت علی دارہ کہا جاتا ہے۔ فاعل حذف کرنے میں یہ اشارہ کرنا ہے کہ حملہ آور اور دوسرے سب حکم میں برابر ہیں۔

وما تلبثوبھا. ضمیر مجرور بیوت کی طرف راجع ہے۔

اوارادبکم. تقدیر عبادت یصیبکم نکال کر اشارہ حذف کی طرف ہے جو اختصاراً کیا گیا ہے۔ جیسے کہا جائے کہ متقلد السیف ورمحاً ای وحامل رمح. اور بعض نے تقدیر عبارت اس طرح نکالی ہے "من یمنع الله من ان یرحمکم" کیونکہ عصمت میں منع کے معنی ہیں۔

اشحة علیکم. قاموس میں ہے کہ با اور علی دونوں سے متعدی ہوتا ہے "الشح علی الشئ" کے معنی کسی چیز کو باقی رکھنے کے ہیں۔ مگر خفاجی نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ بہرحال اگر قاموس کی تحقیق صحیح ہے تو الشحة علی مالکم عبارت تھی۔ بعد کی عبارت اشحة علی الخیر کے قرینہ سے مضاف کو حذف کر دیا ہے۔

کالذی یغشی. اس میں دو صورتوں کی ترکیب ایسے ہو سکتی ہے۔ اول تو مصدر محذوف کی صفت ہو۔ ای ینظرون الیک نظرا کنظر الذی یغشی علیه اور دوسری ترکیب یہ ہے کہ وہ مصدر بھی محذوف کی صفت ہو۔ ای تدور دور انا کدوران عین الذی یغشی علیه. یعنی دونوں جگہ دوران اور عین مضاف محذوف ہوں گے۔

سلقوکم. زبان یا ہاتھ غصہ کے مارے کھینچنا اس میں استعارہ بالکنایہ ہے۔ زبان کو تلوار سے تشبیہ دیتے ہوئے اور مشبہ بہ کہ ذکر نہیں کیا۔ بلکہ اس کے لام سلق کو ذکر کر دیا اور لازم کا اثبات استعارہ تخییلیہ اور حدادا استعارہ ترشیحیہ ہے۔

ربط: .... آیت "النبی اولی" میں اتباع نبوی ﷺ کا حکم دیا گیا تھا۔ جن کی اطاعت، طاعت الٰہی ہے۔ آگے آیت "یاایھا الذین" سے دوواقعات کا ذکر ہے۔ ان غزوات میں سخت پریشانیوں کو دور فرما کر کامیاب وکامران فرمایا۔ تاکہ اس تذکیر نعمت سے ترغیب طاعت ہو اور اسی ذیل میں کفر کے قتال اور منافقین کے ناشائستہ اقوال ماوعدنا الله. لا مقام لکم. ان بیوتنا عورة اور زبان درازی سلقوکم بالسنة میں بیان فرمائی ہے۔ جس سے ایذائے رسول ﷺ کی مذمت ہوتی ہے جو اہم مقاصد سورت میں سے ہے۔ تاکہ آنحضرت ﷺ کی جلالت شان، منصوریت، محبوبیت، شرف پر بھی روشنی پڑ جائے اور اجلال نبوی ﷺ کی دوسری قسم ہے اور تیسری قسم اجلال نبوی ﷺ کی کفار کا آپ کے ساتھ تعالی کرکے غضب الٰہی کو دعوت دینا ہے اور چوتھی قسم منافقین کی طرف سے ناشائستہ اقوال سے ایذاء رسول ﷺ کا مرتکب ہونا ہے۔

شان نزول: .... یہود بنی نضیر کو جب مدینہ سے آنحضرت ﷺ نے جلاوطن کردیا جس کی تفصیل سورۂ حشر میں انشاء اللہ آئے گی تو انہوں نے ۴ ہجری یا ۵ ہجری میں قبائل کو بہکایا۔ دس بارہ یا پندرہ ہزار جن میں چار ہزار تو قریشی ہی تھے۔ تین سو سوار اور ڈیڑھ ہزار شتر سوار تھے۔ احابیش عرب بنی کنانہ، اہل تہامہ کے بہادر شریک تھے، جن کی کمان ابوسفیان کر رہے تھے۔ قبیلہ غطفان، اہل نجد جن کی قیادت عیینہ بن حصین اور قبیلہ ہوازن کے عامر بن طفیل کر رہے تھے۔ اور یہود قریظہ وبنونضیر۔ غرضیکہ ایک لشکر جرار چاروں طرف سے امڈ پڑا۔ مسلمان بچوں، عورتوں کو پہاڑی ٹیلوں پر چڑھا دیا گیا اور سخت خوف و ہراس پھیل گیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے آنحضرت ﷺ نے مدینہ کے گرداگرد اہم ناکوں پر خندقیں کھدوادیں۔ جن میں سے ایک خندق ساڑھے تین میل لمبی تھی اور تین ہزار مسلمانوں کی جمعیت سے آنحضرت ﷺ مدمقابل اور صف آراء ہوئے۔ کچھ معمولی سی جھڑپیں بھی ہوتی رہیں۔ تیر اور پتھر برسائے گئے، مگر باقاعدہ جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ ایک مہینہ تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ آخر حق تعالیٰ نے غیب سے مسلمانوں کی نصرت فرمائی۔ ظاہری اسباب میں ایک تیز وتند برفانی اور طوفانی ہوا چلی۔ سردی سے لوگ بری طرح ٹھٹھر گئے اور گردوغبار لوگوں کی آنکھوں میں گھس گیا۔ خیمے اکھڑ گئے۔ آگ وغیرہ سب بجھ گئی۔ روشنی کا سامان ناکارہ ہوگیا۔ گھوڑے بدک کر بھاگ کھڑے ہوئے اور باطنی سبب نصرت یہ ہوا کہ ایک ہزار فرشتوں کی تازہ کمک بھیجی گئی۔ جنہوں نے مسلمانوں کے دلوں کو تقویت بخشی اور دشمن پر ہیبت مسلط کردی۔ طلیحہ بن خویلد اسدی پکار اٹھا۔ اما محمد فقد ابداکم بالسحر فالنجا النجا. اس لئے دشمن کو بری طرح شکست وناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ امام بخاریؒ نے موسیٰ بن عقبہ سے نقل کیا ہے کہ شوال ۴ ہجری میں غزوۂ خندق ہوا، جسے غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں۔

چونکہ یہود بنی قریظہ نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ان کفار محاصرین کو مدد دی تھی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے غزوۂ خندق کی مشکل سے نکلتے ہی ان پر چڑھائی کردی۔ لشکر اسلام کو دیکھتے ہی بنوقریظہ قلعہ بند ہوگئے اور بیس پچیس روز تک محصور رہے۔ یہاں بھی باقاعدہ جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ آخر یہود تنگ آکر باہر نکل کھڑے ہوئے، کچھ مارے گئے اور کچھ گرفتار ہوئے۔

اس واقعہ میں منافقین کی بہت سی طوطا چشمیاں ظاہر ہوئیں۔ چنانچہ معتب بن قشیر بولا۔ یعدنا محمد بفتح فارس والروم واحدنا لایقدران یتبرز فرقاً ماھذا الا وعد غرور. چنانچہ اس پر آیت واذ یقول المنافقون نازل ہوئی۔ بہت سی بے تکی اور بے مروتی کی باتیں ان سے سرزد ہوئیں۔

﴿تشریح﴾: .... ۴ھ یا ۵ھ کی بات ہے کہ یہود بنی نضیر مدینہ سے نکالے گئے تو ہر قوم میں گھومے پھرے اور ایک ایک کو اکسایا اور ایک لشکر جرار جو پورے ساز و سامان سے لیس تھا اور طاقت کے نشہ میں چور تھا چڑھا لانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہود بنو قریظہ جو مدینہ کے مشرقی جانب ایک مضبوط قلعہ میں آباد تھے نضیری یہود کے بھرے میں وہ بھی آ گئے اور مسلمانوں سے معاہدہ کو نظر انداز کر دیا۔

حالات کی ناسازگاری مسلمانوں کے قدم ڈگمگا نہیں سکی: .... سخت جاڑے کا موسم تھا، غلہ کی گرانی تھی، بھوک کی وجہ سے صحابہ کرامؓ اور خود آنحضرت ﷺ پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے اوپر سے عرب نے اتنی بڑی فوج کشی کی جس کی مثال اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ حضرت سلمان فارسی صحابی کے مشورے سے اسلام کے سپہ سالار اعظم نے بہ نفس نفیس گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کا دورہ کرنے کے بعد حکم دیا کہ شہر کے گرد جس جس رخ سے دشمن کا داخلہ ممکن ہو خندق کھودی جائے۔ عرب کے لئے یہ ایک نئی حکمت جنگ تھی۔ قریش اس پر دنگ رہ گئے۔ مسلمان اور ان کے سپہ سالار اعظم اس سنگلاخ زمین کی کھدائی میں حیرت انگیز طاقت اور ہمت مردانہ کے ساتھ مشغول ہوئے۔ مجاہدین پتھریلی زمین پر کدال مارتے جاتے اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔ نحن الذین بایعوا محمدا. علی الجهاد مابقینا ابدا. آپ ﷺ بھی یہ کہتے ہوئے اس رجز میں شامل ہو گئے۔ اللهم لاعیش الا عیش الاخرة فاغفر الانصار والمهاجرة.

رسول اللہ ﷺ نے خود دست مبارک میں کدال لے کر ایک پتھر پر جو ضرب لگائی تو آگ کے شرارے پیدا ہو گئے۔ اس روشنی میں آپ ﷺ کو نگاہ کشفی سے شام و یمن کے محلات دکھائے گئے اور آپ ﷺ نے اپنے رفیقوں کو بشارت دی کہ یہ سب ملک میری امت کو دے دیئے گئے ہیں اور فرمایا کہ آئندہ کفار ہم پر چڑھائی نہ کر سکیں گے۔ ہم ہی ان پر چڑھائی کیا کریں گے۔

غزوۂ خندق کا محاصرہ: .... غرض خندق تیار ہو گئی۔ دشمن کے مقابل اسلامی لشکر نے مورچے جمالئے۔ پورے ایک مہینہ فوجیں آمنے سامنے پڑے رہنے کے باوجود بیچ میں خندق آ جانے کی وجہ سے باقاعدہ جنگ نہ ہو سکی۔ البتہ اکا دکا وارداتیں ہوتی رہیں اور تیر اندازی کا سلسلہ جاری رہا۔ محاصرہ نے طول کھینچا۔ شوال ختم ہو کر ذیقعدہ شروع ہونے لگا جسے عرب شہر حرام سمجھتے تھے۔ آخر سپہ سالار اسلام ہی کی حسن تدبیر سے دشمن اور ان کے حلیفوں کے درمیان بدگمانیاں اور غلط فہمیاں پھیل گئیں۔ چنانچہ نعیم ابن مسعود الاشجعی کی لطیف اور عاقلانہ تدبیر سے مشرقین اور یہود بنو قریظہ میں پھوٹ پڑ گئی۔

نصرت الٰہی نے مسلمانوں کی مدد کی: .... لشکر کفار غیر مرئی لشکر سے مرعوب ہو رہا تھا۔ سردار ابوسفیان بھی بددل ہو گیا کہ حکم قضا سے ایک روز طوفانی ہوا اور بارش کا زور شور ہوا اور اس کی پوری زد لشکر کفار پر پڑی۔ پروا ہوا سے ریت اور سنگریزے آنکھوں میں گھس گئے، خیمے اکھڑ گئے۔ چولہے ٹھنڈے ہو گئے، برتن لڑھک گئے، کھانے پکانے کی کوئی صورت نہ رہی، روشنیاں بجھ گئیں، گھوڑے بھاگ کھڑے ہوئے۔ لشکر پریشان ہو گیا اور ہر طرف ابتری پھیل گئی۔ آخر ابوسفیان نے جن کے ہاتھ میں اس وقت تمام کفار فوجوں کی اعلیٰ کمان تھی۔ طبل رحیل بجا دیا۔ ناچار سب بے نیل و مرام واپس چلے گئے۔

وجنودا لم تروها. کا مطلب یہ ہے کہ عام طور پر فرشتے لوگوں کو نظر نہیں آتے تھے۔ البتہ بعض حضرات جیسے حضرت ابوحذیفہؓ کو زیارت ہوئی تو وہ اس کی منافی نہیں ہے۔

جنگ احزاب میں مسلمانوں کی مشکلات: ....اذ جاؤکم یعنی کچھ فوجیں مدینہ کے نشیبی حصہ میں آ کر خیمہ انداز ہوگئی تھی اور کچھ بالائی حصہ میں۔ مدینہ کی مشرقی سمت اونچی اور مغربی سمت نیچی ہے۔ جنہیں معلی اور مسفلہ کہا جاتا ہے۔ قبیلہ بنی اسد، قبیلہ غطفان معلی سے اور قریش اور بنی کنانہ کی فوجیں مسفلہ سے آ گئیں، حالات کی ناسازگاری کا حال یہ تھا کہ آنکھیں پھٹی رہ گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور لوگ طرح طرح کے خیالات میں تھے اور ایسے ناگفتہ بہ حالات میں ایسا ہونا نہ کچھ مستبعد ہے اور نہ منافی کمال، کچے اور کمزور مسلمان تو دودلے ہو ہی رہے تھے اور اپنی جان کی خیر منا رہے تھے۔ منافقین نے طنز واستہزاء سے کہنا شروع کر دیا کہ لیجئے، حالت تو یہ ہو رہی ہے کہ مسلمان قضاء حاجت کے لئے بھی نہیں نکل سکتے اور خواب دیکھ رہے ہیں قیصر وکسریٰ کے شاہی محالات کے۔ یہ وہ حالات کہ مومن تو عشق الٰہی سے ثابت قدم اور دامن رسول ﷺ سے وابستہ رہے، مگر منافقین دل کی باتیں بولنے لگے اور دوستی جتانے والے آنکھیں چرانے لگے۔

منافقین ہر قدم پر مسلمانوں کے لئے سوہان روح ثابت ہوئے: ....بعض بولے کہ اب مورچوں پر جمے رہنا صریحاً موت کے منہ میں جانا ہے۔ بعض خدمت اقدس ﷺ میں آ کر طرح طرح کے بہانے تراشنے لگے۔ کہنے لگے کہ ہم اپنے گھروں کو غیر محفوظ چھوڑ آئے ہیں۔ صرف عورتیں، بچے ہیں، چوروں، ڈاکوؤں کا ہر وقت خطرہ ہے، ایسے میں ہمیں یہاں رہنے کا ٹھکانہ کہاں؟ ایسی عام افراتفری میں اچھے اچھوں کے قدم بھی ڈگمگا جاتے ہیں۔ یہ لوگ تو پہلے ہی سے روگی تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایسے سب لوگوں کو چلے جانے کی اجازت دے دی جو دوسروں کے پاؤں اکھیڑنے کا باعث بن رہے تھے۔ صرف تین سو نفوس قدسیہ آپ کے ساتھ باقی رہ گئے تھے۔ حالانکہ یہ سب بہانے جھوٹے تھے۔ نہ گھر غیر محفوظ تھے اور نہ بیوی بچے خطرہ میں تھے۔

فرمایا کہ فرض کرو یہ لوگ شہر میں ہوں اور کوئی غنیم چڑھ آئے۔ پھر مطالبہ کرے کہ مسلمانوں سے لڑو اور فتنہ وفساد برپا کرو۔ اس وقت ان کے جھوٹ کا پول کھل جائے گا۔ فوراً ان کی آواز پر نکل کھڑے ہوں گے، نہ گھر کھلے رہنے کا کھٹکا ہوگا اور نہ لٹنے کا خطرہ۔ اسلام کے ظاہری دعویٰ سے دستبردار ہو کر فوراً فتنہ کی آگ میں کود پڑیں گے۔ حالانکہ جنگ احد کے بعد انہوں نے اقرار کیا تھا کہ پھر ہم ایسی حرکت نہیں کریں گے۔ اللہ اس کی پوچھ کریں گے کہ اب کہاں گیا وہ قول وقرار۔

ڈر اور بزدلی موت سے نہیں بچا سکتی: ....بات یہ ہے کہ جس کی قسمت میں موت مقدر ہے وہ کہیں بھی چلا جائے بچ نہیں سکتا۔ قضائے الٰہی ہر جگہ پہنچ کر رہے گی۔ اور موت ابھی مقدر نہیں تو کچھ بھی کر لے بال بیکا نہیں ہو سکتا۔ کیا میدان جنگ میں سب مارے جاتے ہیں اور کیا گھروں میں سب محفوظ رہتے ہیں۔ اس لئے میدان جنگ سے بھاگنے سے کیا فائدہ؟ اور فرض کرو بھاگنے سے بچاؤ ہو ہی گیا تو کتنے دن کے لئے؟ آخر موت تو آتی ہے، اب نہیں تو چند روز بعد سہی اور نہ معلوم کہ کس سختی اور ذلت سے آئے۔ اللہ کے ارادہ کو کون روک سکتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں نہ کوئی حیلہ یا تدبیر چل سکتی ہے اور نہ کوئی طاقت کارگر ہو سکتی ہے۔ دنیا کی برائی، بھلائی، سختی، نرمی یقیناً پہنچ کر رہے گی۔ پھر اس کے راستہ میں بزدلی کیوں دکھائی اور وقت پر کیوں جان چرائے۔ دنیا کی تکلیف تو ہٹ نہیں سکی مگر عاقبت خراب ہو جائے۔ اس لئے آدمی کو چاہئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھے اور اسی کی مرضی کا طلب گار رہے۔

منافقین کے ڈھول کا پول کھل کر رہا: ....فلا یعلم اللہ یعنی اپنی کم ہمتی اور برائے نام ایمان کی بناء پر اول تو لڑائی میں شریک ہی کب ہوتے ہیں اور اگر محض نام کرنے کے لئے شریک بھی ہو گئے اور محض ظاہری وضعداری اور دکھلاوے کر شرما

شرمی کبھی میدان میں آ کھڑے بھی ہوئے تو انہیں یہ گوارا ہوتا ہے کہ مال غنیمت مسلمانوں ہی کو ملے۔ یہ چاہتے ہیں کہ کسی کو کچھ نہ ملے۔ سارا مال سمیٹ کر ہم ہی لے جائیں۔ اسی لالچ میں دبے دبائے چلے آتے ہیں۔ ورنہ گھروں میں رہ کر عیش اڑانے سے انہیں فرصت ہی کہاں۔ وہ تو سچے مسلمانوں کو بھی روکتے رہتے ہیں اور آڑے وقت مسلمانوں کا ساتھ دینے سے جی چراتے ہیں۔ ڈر کے مارے جان نکلتی ہے۔ ہاں فتح کے بعد آ کر ڈینگیں مارتے ہیں اور مردانگی جتاتے ہیں۔ مال غنیمت لینے کی خاطر گرے پڑتے ہیں۔ مسلمانوں کو دل خراش باتیں کہنے سے بھی نہیں چوکتے۔ کہتے ہیں کہ ہماری مدد سے تمہیں فتح میسر آئی۔ حالانکہ حقیقی ایمان تو ان میں پہلے ہی نہیں تھا اور اسی لئے ان کے کسی ظاہری عمل اور طاقت کا اجر بھی نہیں۔

اللہ کی حکمت وعدل سے یہ بات اگرچہ بظاہر بعید نظر آتی ہے کہ وہ کسی کی ادنیٰ نیکی بھی ضائع کرے، لیکن جب اس نیکی ہی میں اندرونی طور پر ایسی خرابی چھپی ہوئی ہو جو گھن کے کیڑے کی طرح ہر وقت اسے چاٹ کر ختم کرتی رہے تو پھر وہ نیکی کہاں رہ سکتی ہے۔ ایمان نہیں تو عمل کی روح بھی نہیں اور بے روح عمل تن مردہ ہے، پھر قبولیت کہاں؟ اس لئے کافر کتنی ہی محنت کرے سب اکارت ہے۔

منافقین صرف زبان سے دعویٰ اسلام کرتے ہیں۔ حقیقۃً اسلام سے خالی ہیں۔ اسی لئے ان کی بزدلی کی یہ انتہاء ہے کہ فوج چلی گئی اور یہ اب تک اس کے ڈر سے دبے سہمے ہوئے ہیں۔ ان ڈرپوکوں کو ان کے چلے جانے کا یقین ہی نہیں آتا۔ ان میں اتنی بھی ہمت نہیں کہ ان جگردوز معرکوں کے دیکھنے کی تاب لاسکیں۔ چاہتے ہیں کہ کہیں دور دیہات میں چلے جائیں اور وہیں دور بیٹھے آنے جانے والوں سے پوچھ لیا کریں اور بس خبریں سن لیا کریں کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے اور نقشہ جنگ کیسا ہے؟ یہ محض گفتار کے غازی ہیں اور کردار کے پاجی، چکنی چپڑی باتیں بنا کر کام نکالنا چاہتے ہیں اور عمل میں صفر۔

لطائف سلوک: .... مازاغت الابصار میں صحابہ کرامؓ کی حیرت ودہشت اور اوہام ووساس کا تذکرہ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ طبعی غیر اختیاری احوال ایمان کے تو کیا کمال ایمان کے بھی منافی نہیں ہے۔

ھنالك ابتلی المؤمنون میں آزمائش کے مختلف بلیات کا پیش آجانا معلوم ہوا۔ جن میں قبض وغیرہ باطنی مکارہ بھی داخل ہیں جو صدق ویقین اور استقامت کے امتحان کے لئے ہوسکتے ہیں۔ اس لئے سالک کو ہر حال میں واجب ہے کہ صبر کرے اور طاعات پر ثابت قدم رہے، کیونکہ گاہے یہ مکارہ معارف کی ترقی کا باعث بن جاتے ہیں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ بِكَسْرِ الْهَمْزَةِ وَضَمِّهَا **حَسَنَةٌ** اِقْتِدَاءٌ بِهِ فِي الْقِتَالِ وَالثُّبَاتِ فِي مَوَاطِنِهِ **لِّمَنْ** بَدَلٌ مِنْ لَكُمْ **كَانَ يَرْجُوا اللهَ** يَخَافُهُ **وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾** بِخِلَافِ مَنْ لَيْسَ كَذٰلِكَ **وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ** مِنَ الْكُفَّارِ **قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللهُ وَرَسُوْلُهٗ** مِنَ الْاِبْتِلَاءِ وَالنَّصْرِ **وَصَدَقَ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ** فِي الْوَعْدِ **وَمَا زَادَهُمْ** ذٰلِكَ **اِلَّآ اِيْمَانًا** تَصْدِيْقًا بِوَعْدِ اللهِ **وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾** لِاَمْرِهٖ **مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ** مِنَ الثُّبَاتِ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ** مَاتَ اَوْ قُتِلَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ **وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ** ذٰلِكَ **وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾** فِي الْعَهْدِ وَهُمْ بِخِلَافِ حَالِ الْمُنَافِقِيْنَ **لِيَجْزِيَ اللهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ**

الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ بِاَنْ يُمِيْتَهُمْ عَلٰى نِفَاقِهِمْ **اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ** اِنْ شَآءَ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا** لِمَنْ تَابَ **رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾** بِهٖ **وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** اَيِ الْاَحْزَابَ **بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا** مُرَادَهُمْ مِنَ الظَّفَرِ بِالْمُؤْمِنِيْنَ **وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ** بِالرِّيْحِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ **وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا** عَلٰى اِيْجَادِ مَا يُرِيْدُهٗ **عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾** غَالِبًا عَلٰى اَمْرِهٖ **وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ** اَيْ قُرَيْظَةَ **مِنْ صَيَاصِيْهِمْ** حُصُوْنِهِمْ جَمْعُ صِيْصِيَّةٍ وَهُوَ مَا يُتَحَصَّنُ بِهٖ **وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ** الْخَوْفَ **فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ** مِنْهُمْ وَهُمُ الْمُقَاتِلَةُ **وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾** مِنْهُمْ اَيِ الذَّرَارِيْ **وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا** بَعْدُ وَهِيَ خَيْبَرُ اُخِذَتْ بَعْدَ قُرَيْظَةَ **وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾** **يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ** وَهُنَّ تِسْعٌ وَطَلَبْنَ مِنْهُ مِنْ زِيْنَةِ الدُّنْيَا مَا لَيْسَ عِنْدَهٗ **اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ** اَيْ مُتْعَةَ الطَّلَاقِ **وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾** اُطَلِّقْكُنَّ مِنْ غَيْرِ ضِرَارٍ **وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ** اَيِ الْجَنَّةَ **فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ** بِاِرَادَةِ الْاٰخِرَةِ **اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾** اَيِ الْجَنَّةَ فَاخْتَرْنَ الْاٰخِرَةَ عَلَى الدُّنْيَا **يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ** بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا اَيْ بُيِّنَتْ اَوْ هِيَ بَيِّنَةٌ **يُّضٰعَفْ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ يُّضَعَّفْ بِالتَّشْدِيْدِ وَفِيْ اُخْرٰى نُضَعِّفْ بِالنُّوْنِ مَعَهٗ وَنَصْبِ الْعَذَابِ **لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ** ضِعْفَيْ عَذَابِ غَيْرِهِنَّ اَيْ مِثْلَيْهِ **وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾**

ترجمہ:.........تم لوگوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کا نمونہ (لفظ اسوۃ کسرۂ ہمزہ اور ضمہ ہمزہ کے ساتھ ہے) بہترین موجود ہے (اصول جنگ میں آپ کی پیروی کرنے اور موقعہ محل پر ثابت قدمی دکھلانے میں) یعنی اس شخص کے لئے (یہ لکم سے بدل ہے) جو اللہ اور روز آخرت سے ڈرتا (خوف رکھتا ہو) اور ذکر الٰہی کثرت سے کرتا ہو (برخلاف اس شخص کے جو ایسا نہ ہو) اور جب اہل ایمان نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے، یہی وہ ہے جس کی ہمیں اللہ ورسول ﷺ نے خبر دی تھی (یعنی آزمائش ونصرت الٰہی) اور اللہ و رسول نے (وعدہ) سچ فرمایا تھا (اس سے) ان کے ایمان (اللہ کا وعدہ سچا جاننے میں) اور (حکم کی) فرمانبرداری میں ترقی ہی ہوئی۔ ان اہل ایمان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے (انتقال کر گئے یا شہید ہو گئے) اور کچھ ان میں کے (اس کے) مشتاق ہیں اور انہوں نے ذرا فرق نہیں آنے دیا (عہد میں۔ ان کی حالت منافقین کے برخلاف ہے) یہ واقعہ اس لئے ہوا کہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا صلہ دے اور منافقین کو اگر چاہے تو سزا دے دے (ان کو نفاق کی حالت میں موت دے کر) یا (چاہے) تو انہیں توبہ کی توفیق دے دے۔ بے شک اللہ تعالیٰ (توبہ کرنے والے کے لئے) غفور ورحیم ہے اور اللہ تعالیٰ نے کافروں (کی جماعتوں) کو ان کے غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ ان کے کچھ بھی ہاتھ نہ لگا۔ (مسلمانوں پر کامیابی کی آرزو برنہیں آئی) اور جنگ میں اہل ایمان کی طرف سے اللہ ہی کافی ہو گیا ہو (اور فرشتوں کو بھیج کر) اور اللہ تو (اپنے ارادہ کے پورا کرنے پر) بے ہی بڑا طاقت والا، زبردست (اپنے حکم پر غالب) اور

جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی (یعنی بنی قریظہ) انہیں ان کے قلعوں سے اتار دیا۔ (صیاصی جمع ہے صیصۃ کی۔ بمعنی محافظ قلعے مراد ہیں) اوران کے دلوں میں تمہاری دھاک (دہشت) بٹھادی۔ پھر کچھ لوگوں کو (ان میں سے بعض فوجیوں کو) تم قتل کرنے لگے اور (ان میں سے) بعض (یعنی عورتوں، بچوں) کو تم نے گرفتار کرلیا اور تمہیں مالک بنادیا ان کی زمینوں کا، ان کے گھروں کا، انکے مالوں کا اوراس زمین کا جس پر تم نے قدم رکھا (اب تک اور وہ سرزمین خیبر ہے جو جنگ قریظہ کے بعد حاصل ہوئی ہے) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے (نو بیویاں جنہوں نے آنحضرتؐ سے ایسی آرائشی چیزوں کا مطالبہ کیا تھا جو آپ کے پاس فراہم نہیں تھیں) کہ اگر تم دنیاوی زندگانی اوراس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر (متعہ طلاق) خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردوں (بغیر نقصان پہنچائے طلاق دے دوں) اور اگر اللہ ورسول اور آخرت (جنت) کو چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیک کرداروں کے لئے (جو طلب گار آخرت ہوں) اجر عظیم مہیا کررکھا ہے۔ (یعنی جنت۔ چنانچہ ازواج مطہراتؓ نے دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دی) اے نبی کی بیویو! تم میں سے اگر کوئی کھلی ہوئی بے ہودگی کرے گی (لفظ مبینۃ فتح یا اور کسرۂ یا کے ساتھ ہے یعنی بینت کی تاویل میں یا بینۃ کی تاویل ہوگی) تو (ایک قرأت میں بضعف تشدید کے ساتھ ہے اور دوسری قرأت میں تضعف نون کے ساتھ ہے اور لفظ عذاب منصوب ہے) اس کو دوسری سزا (دوسری عورتوں کے مقابلہ میں دوگنی یعنی اوروں سے دوچند) اور یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے۔

تحقیق وترکیب:............ لقد کان. یہ خطاب متعلقین غزوۂ اور منافقین کو ہے یا مخلصین اور مومنین کو اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ پچھلی آیات کی طرح ان میں بھی منافقین پر عتاب ہے۔ دوسرا یہ کہ مومنین کو خطاب ہے۔ جیسا کہ اگلے جملہ لمن کان یرجوا اللّٰہ الخ سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح اس میں بھی دورائیں ہیں کہ آپ کے اسوہ کی پیروی واجب ہے یا مستحب؟ ایک قول یہ ہے کہ مستحب ہے۔ الا یہ کہ کوئی دلیل وجوب ہو۔ دوسرا یہ کہ دینی امور میں وجوب اور دنیاوی چیزوں میں استحباب پر محمول کیا جائے۔

اسوۃ. اگر مصدر ہے تو قدرۃ کے معنی ہیں اور مایقتدی بہ کے معنی ہیں تو پھر کلام تجرید پر محمول ہوگا اور یا کہا جائے گا کہ نیک خصلت بھی نیک آدمی کے لئے لائق تقلید ہوتی ہے۔ یہ لفظ ضمہ ہمزہ کے ساتھ عاصمؒ کی قرأت ہے اور کسرۂ ہمزہ کی قرأت اکثر قراء کی ہے۔

لمن کان. مفسر علامؒ اس کو لکم سے بدل کہہ رہے ہیں۔ بعض کے نزدیک ضمیر سے اگرچہ بدل نہیں ہوتا، مگر جار مجرور سے بدل ہوسکتا ہے۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ بدل البعض ہے۔ کیونکہ مخاطبین میں بعض لوگ لایرجوا اللّٰہ والیوم الاخر ہیں اور عائد محذوف ہے۔ یعنی منکم. لیکن کوفیوں اور اخفشؒ کے نزدیک ضمیر مخاطب سے بدل ہوسکتا ہے اور جن کے نزدیک یہ جائز نہیں وہ من کان الخ کو حسنۃ کا صلہ یا صفت مانتے ہیں۔

یرجوا اللّٰہ. رجا بمعنی خوف بھی آتا ہے۔ جیسا کہ مفسر علامؒ فرمارہے ہیں۔ لیکن امید کے معنی بھی ہوسکتے ہیں۔

ماوعدنا اللّٰہ ورسولہ. اللہ کا وعدہ تو بقول ابن عباسؓ ان آیات میں ہے ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ الخ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے وعدہ سے مراد یہ روایات ہیں۔

۱. سیشتد الا باجتماع الاحزاب علیکم والعاقبۃ لکم علیھم.

۲. ان الاحزاب سائرون الیکم بعد تسع لیال او عشر.

صدق اللّٰہ ورسولہ. بجائے ضمیر کے اللہ کو اسم ظاہر لانے میں تعظیم کی طرف اشارہ ہے۔ نیز اگر ضمیر لائی جاتی تو ضمیر تثنیہ ہوتی۔ جس میں اللہ ورسول دونوں کا ایک ضمیر میں جمع کرنا لازم آتا اور آنحضرت ﷺ نے اس کو ناپسند فرمایا۔ چنانچہ ایک خطیب نے جب خطبہ میں یہ کہا۔ من یطع اللّٰہ ورسولہ فقد رشدو من یعصھما فقد غوی. تو آپ نے فرمایا۔ بئس الخطیب انت قل ومن یعص اللہ ورسولہ.

من قضی نحبہ. نحب کے معنی نذر کے ہیں۔ موت کے لئے مستعار ہے کیونکہ موت بھی نذر کی طرح لازم ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے۔ قضی فلان نحبہ ای وفی بنذرہ. اسی طرح مشہور ہے قضی نحبہ بمعنی مات. آیت میں دونوں معنی ہو سکتے ہیں اور بعض اجلہ نے اس کو موت شہادت کے لئے استعارہ مانا ہے۔

لیجزی اللّٰہ. عامل مقدر ہے ای وقع ما وقع لیجزی اللّٰہ. اس میں ام متعلق ہے۔ لما رأ المؤمنون کے معنی سے ای انما ابتلاھم اللّٰہ بھذا لیجزی الصدقین یا یہ متعلق مابدلوا کے ساتھ ای مابدل المؤ منون و بدل المنافقون لیجزی اللّٰہ.

کفی اللّٰہ. صحیح بخاری کی روایت ہے۔ نصرت بالصبا واھلکت عاد بالدبور.

صیاصیھم. جمع صیصیۃ جس کے ذریعہ بچاؤ کیا جا سکے۔ جیسے بیل، بکری، ہرن کے سینگ یا مرغ وغیرہ کا پنجہ

تاسرون. اس کے معنی رسی سے باندھنا۔ قیدی کو اسیر اسی لئے کہتے ہیں۔ پھر مطلقاً قیدی کو کہتے ہیں۔ اگرچہ اس کو باندھا نہ جائے۔

وارضا لم تطؤھا. اس کا عطف ارضھم پر ہے۔ اور اورثکم کو عموم مجاز پر محمول کیا جائے گا۔ تاکہ ماضی اور مستقبل وراثت کو شامل ہو جائے۔

قل لازواجک. (۱) عائشہؓ (۲) حفصہؓ (۳) ام حبیبہؓ (رملہ بنت ابی سفیان) (۴) ام سلمہؓ (ہند بن ابی امیہ) (۵) سودہؓ بنت زمعہ عامریہ (۶) زینبؓ بنت جحش اسدیہ (۷) میمونہؓ بنت الحارث الہلالیہ (۸) صفیہؓ بنت حی ابن اخطب خیبریہ (۹) جویریہؓ بنت الحارث خزاعیہ۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد یہ ازواج تھیں۔ ان میں سب سے پہلے ام سلمہؓ نے ایک منقش پردہ کی فرمائش کی۔ اور حضرت میمونہؓ نے یمنی حلہ کی خواہش کی اور حضرت زینبؓ نے یمنی دھاریدار چادر کی۔ اسی طرح حضرت ام حبیبہؓ نے سحولی کپڑے کی استدعا کی اوروں نے بھی کچھ کچھ مطلب رکھے۔ اس تخییر میں کلام ہے۔ بعض نے دنیا یا آخرت پر اس اختیار کو محمول کیا۔ جیسا کہ حسنؒ، قتادہؒ اور اکثر کی رائے یہی ہے۔ چنانچہ الفاظ فتعالین اس پر دال ہے اور حضرت عائشہؓ مجاہدؒ، شعبیؒ کا قول یہ ہے کہ اختیار طلاق، عدم طلاق کا تھا۔ بہرحال سب نے آپ ﷺ کے دامن سے وابستگی کو ترجیح دی اور اس دنیا سے بالکلیہ زہد اختیار کر لیا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے پاس بیت المال سے اسی ہزار درہم آئے تو انہوں نے اسی وقت سب خیرات اور تقسیم کر دیئے اور روزہ پانی سے افطار فرمایا۔ اللھم ارحمھا۔

بفاحشۃ. حسنات الابرار سیئات المقربین کے لحاظ سے سخت لب ولہجہ ازواج کی عظمت شان کو ظاہر کرتا ہے۔ یہاں فاحشہ سے مراد قولی برائی ہے یا فعلی جیسے شوہر کی حکم عدولی، بدخلقی دنیا اور رونق دنیا کو اللہ ورسول کے مقابلہ میں ترجیح دینا اور یہ خطاب ایسا ہی ہے جیسے آنحضرت ﷺ سے خطاب ہے۔ لئن اشرکت لیحبطن عملک. ظاہر ہے کہ نہ آپؐ سے شرک کا امکان ہے اور نہ ازواج مطہراتؓ سے متعارف فاحشہ کا صدور ہوا۔

ربط: .... پچھلی آیات میں غزوۂ احزاب کے سلسلہ میں مخلصین اور منافقین دونوں کا کردار کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ آیت لقد

کان لکم الخ میں آنحضرت ﷺ کے طرز عمل کونمونہ کہا جا رہا ہے۔ جس سے ایک طرف منافقین کو عار اور غیرت دلائی ہے کہ تمہیں اپنے مخدوم کے طرز عمل کو دیکھ کر شرمانا چاہئے کہ آپ دینی راستہ میں اس قدر مشکلات برداشت فرمائیں اور تم دعوائے خادمیت وجاں نثاری کرنے والے تن پروری، تن آسانی اور حیلے بہانوں میں لگے رہو اور دوسری طرف سچے مخلصین کو خوشخبری اور بشارت سنائی ہے کہ واقعی تم نے حق وفاداری ادا کر دکھایا اور آپ کے اسوۂ حسنہ کے پورے تابعدار نکلے۔

اس کے بعد لیجزی اللّٰہ میں غزوہ اور جہاد برپا کرنے کی حکمت ومصلحت پر گفتگو ہے کہ لوگ چار حصوں میں بٹ گئے۔ مخلصین جن کے تین طبقے ہو گئے۔

۱۔ اللہ سے عہد کر کے اسے پورا کر دکھایا اور جام شہادت نوش کر لیا۔

۲۔ گو اللہ سے عہد تو نہیں کیا مگر کیا وہی جو عہد کرنے والوں نے کیا، یعنی جاں شیریں جان آفریں کے سپرد کر دی۔

۳۔ ہر لحہ شوق شہادت میں انتظار کی منزلوں سے گزر رہے ہیں۔ یہ تینوں طبقے تو صادقین کے ہیں۔

اس کے بعد آیت وانزل الذین میں یہود بنوقریظہ کے خیبر میں محصور ہونے کا تذکرہ ہے کہ اللہ کی قدرت کا تماشہ دیکھو کہ ابھی مسلمان مدینہ میں محصور تھے کہ دم کے دم میں مسلمانوں کے دشمن تقریباً اتنی ہی مدت مدینہ کے قریب محصور کر دیئے گئے اور چونکہ سورت کے اہم مقاصد میں سے آنحضرت ﷺ کو ایذاء رسانی سے ممانعت ہے، جس کی ایک نوع وہ ہے جو ازواج مطہرات کی طرف سے بعض مطالبات کی صورت میں ظاہر ہوئی اور قلب مبارک مکدر ہوا۔ ازواج مطہرات کا ارادہ اگر چہ ایذا رسانی کا نہیں تھا۔ مگر اس سے آپ کو اذیت تو ہوئی۔ اللہ کو یہ بھی گوارا نہیں۔ اس لئے آیات یا ایھا النبی الخ سے ازواج مطہرات کو اس لغزش پر تنبیہ وتہدید فرمائی جا رہی ہے۔

شان نزول: .... حضرت عثمان، طلحہ، سعید بن جبیر، حمزہ، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ نے کسی موقعہ پر نذر مانی تھی کہ جب کوئی معرکہ کارزار گرم ہوگا تو ہم بھی حضور ﷺ پر جان نثار ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضرت حمزہؓ اور مصعبؓ نے تو جام شہادت نوش فرمالیا اور اس طرح قضی نحبہ کا مصداق بن گئے۔ بقیہ حضرات شہادت کے انتظار میں گھڑیاں گنتے رہے۔

آیت کفی اللّٰہ المؤمنین کی تائید میں سلمان بن صرد کی روایت بخاری نے نقل کی ہے کہ غزوۂ احزاب سے فارغ ہو کر آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ الان نغزوھم ولا یغزوننا ونحن نسیر الیھم.

آیت فتعالین الخ جب نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کو آیت سنا کر فرمایا۔ **لاتعجلی حتی تشیری ابویک.** سنتے ہی حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ کیا میں آپ کی نسبت والدین سے مشورہ کروں گی؟ **انا اخترت اللّٰہ ورسولہ** اور پھر جذبہ سوت سے متاثر ہو کر عرض کیا کہ میرے اس فیصلہ کی اطلاع دوسری ازواج کو نہ دیجئے۔ فرمایا کہ میں کسی کو خیر سے روک نہیں سکتا۔ بہرحال آیت یا ایھا النبی الخ سے ازواج مطہراتؓ کو بلاقصد بھی ایذاء رسول سے بچانا ہے اس لئے یہ پانچویں قسم سب سے ہلکی ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

هذه الاية الكريمة اصل كبير فى التاسى برسول الله صلى الله عليه وسلم فى اقواله وافعاله واحواله ولهذا امر تبارك و تعالى الناس بالتاسى بالنبى يوم الاحزاب فى صبر ومصابرته ومرابطته ومجاهدته وانتظاره الفرج من ربه عزوجل صلوات الله وسلامه عليه دائما الى يوم الدين.

سیرت کا عنوان قرآن ہے اور قرآن کی صحیح تفسیر سیرت ہے: ...... اسی طرح قرطبی میں ہے الا سوۃ القدوۃ الاسوۃ مایتاسی به ای یتعزی به فیقتدی به فی جمیع افعاله ویتعزی به فی جمیع احواله. زندگی کے ہر شعبہ اور ہر پہلو میں رسول اللہ ﷺ کا اتباع مسلمانوں پر ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں واجب ہے۔ آپ کی زندگی انسان کے لئے انفرادی، اجتماعی، خانگی، ملی، معاشرتی، اخلاقی، ہر ہر گوشہ میں شمع ہدایت ہے۔ خصوصی طور پر اگرچہ یہاں جنگی استقامت اور ثبات قدمی کا اشارہ ہے، لیکن فقہائے مفسرینؒ نے عموم ہی کو ترجیح دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے لفظ نے یہ بات صاف کردی کہ جس طرح وصف رسالت میں عموم ہے اسوہ بھی عام ہی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی بے نظیر شجاعت واستقامت: ...... آپ ﷺ کی ذات سب سے زیادہ خطرہ کے نشانہ پر تھی۔ لیکن مجال نہیں کہ پائے استقامت میں ذرا جنبش ہوجائے جویائے حق لوگوں کو چاہئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے لئے مکمل نمونہ سمجھیں۔ ہر معاملہ، ہر حرکت، وسکون، نشست وبرخاست، ہمت واستقلال میں بھرپور آپ کی پیروی کریں، گویا قرآنی ہدایات وفرامین کا آپ ﷺ ایک جامع عملی نسخہ ہیں۔ اس لئے کہیں بھی سرمو علمی اور عملی نسخوں میں جھول یا فقدان نہیں ہے۔ آپ کی سیرت کا یہ پہلو بھی نہایت اہم ہے کہ آپ نے لاکھوں بہترین نمونے دنیا کے سامنے انسانی شکل میں پیش کردیئے۔ آیت "ولما رأى المومنون" میں انہی کی طرف اشارہ ہے کہ چاروں طرف، بے شمار خطرات میں گھر کر بھی نہیں گھبرائے۔ تذبذب یا انتشار کی بجائے پوری اطاعت شعاری، ثبات قدمی، سچی وفاداری کا جذبہ اور اللہ ورسول ﷺ پر یقین واعتماد کا داعیہ ان میں اور بھی زیادہ بڑھ گیا اور بول اٹھے کہ یہ تو وہی وعدہ الٰہی ہے جس کا ایک ایک حرف پورا ہوتا آج ہم دیکھ رہے ہیں۔

منافقین کی غداری اور صحابہؓ کی جاں نثاری: ...... ایک منافقین کا وعدہ تھا جس کے تار و پود خود انہوں نے اپنے ہاتھوں بکھیر کر رکھ دیئے اور پوری ڈھٹائی، کھلی بے حیائی کے ساتھ میدان سے پسپائی اختیار کرلی اور ایک سچے فداکاروں کا عہد ہے جس کا ایک ایک تار مضبوط نکلا۔ بڑی سے بڑی سختی کے وقت بھی منہ نہیں موڑا اور پیغمبر کی حمایت ورفاقت سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔ اللہ و رسول ﷺ کو جو انہوں نے زبان دی تھی ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ کچھ نے تو جیسے انس بن نضر، حضرت طلحہؓ شہدائے بدر واحد نے اپنی جان شیریں جان آفریں کے قدموں پر نچھاور کردی اور کچھ وہ ہیں جنہوں نے بلا نذر و پیمان ہی بے مثال جانبازیاں دکھلا کر جام شہادت نوش کرڈالا اور کچھ وہ بھی ہیں جو اسی آرزو میں تصویر اشتیاق بنے بیٹھے ہیں۔

غرض ان سب نے عہد و پیمان خوب نبھایا۔ اس لئے اب ہمارے ایفائے عہد کا نمبر ہے۔ ہم قول وقرار کے سچوں عہد و پیاؤں کے پکوں کو بھرپور بدلہ دیں اور دغاباز بدعہدوں کو اپنی حکمت ومصلحت سے چاہے سزا دے دیں اور چاہے توبہ کی توفیق دے کر معاف کریں۔ ان کی شان کریمی سے کچھ بعید نہیں ہے۔

اہل سنت اور خوارج کا ایک مرکزی نقطۂ اختلاف: ...... یہ آیت مسلک خارجیت کی تردید کے لئے قطعاً کافی ہے۔ مومنین کی نجات یقینی ہے، برخلاف منافق اور کافر کے۔ ان کی سزائیں مشروط ہیں۔ دنیاوی مصلحت کے دنیاوی سزا اور آخرت میں جنت کے تحت عذاب یا مغفرت ہوگی اس سے رحمت کا غضب کے مقابلہ میں وسیع ہونا عیاں ہے۔

وردّ اللّٰه الذين كفروا. ہزیمت شدہ لشکر کفار پیچ وتاب کھاتا ہوا اور غصہ سے دانت پیستا ہوا ذلت وخواری کے ساتھ ناکام واپس ہوا اور وہ لوگ جتنے ہی بہادر گنوا بیٹھے۔ عمر بن عبد وُد جو ہزار سواروں کے برابر شمار کیا جاتا تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ

سے کھیت رہا۔ مشرکین کو اتنا صدمہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو اس کی نعش کے بدلہ دس ہزار کی پیشکش کی۔ آپؐ نے فرمایا، ہم مردوں کی قیمت کھانے والے نہیں۔ تم یوں ہی اٹھالے جاؤ۔ اس معرکہ میں اکادکا جھڑپوں اور انفرادی وارداتوں کے علاوہ کسی عام لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ اللہ نے غیبی مدد کی۔ طوفانی ہواؤں اور فرشتوں کی منڈلی نے پانسہ پلٹ کر رکھ دیا اور دشمن سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اللہ کی زبردست طاقت کے آگے کون ٹھہر سکتا ہے؟

محاصرۂ بنوقریظہ: .... وانزل الذین میں محاصرہ بنی قریظہ کا ذکر ہے جس میں مسلمان محصور ہونے کی بجائے محاصر بن گئے اور یہود محاصر کی جگہ چھوڑ کر محاصرہ کے کٹہرے میں پہنچ گئے۔ اس قلعہ کے یہود کو اگرچہ مسلمانوں کے ساتھ حلیفانہ صلح نامہ کے مطابق پابند رہنا چاہئے تھا، مگر جنگ احزاب کے موقعہ پر یہود کے ایک بااثر پیشوا حی بن اخطب نے تمام معاہدات کو بالائے طاق رکھ کر اپنی قوم کو ورغلایا اور اکسایا اور مشرکین کی مدد پر حریفانہ لا کھڑا کیا۔ ان میں سے بعض نے مسلمان عورتوں پر بھی بزدلانہ حملہ کرنا چاہا۔ جس کا جواب بڑی بہادری سے حضرت صفیہؓ بن حی نے دیا۔ جو ایک طرف آنحضرت ﷺ کی اہلیہ تھیں اور دوسری طرف حی بن اخطب کی بیٹی بھی تھیں۔ مگر عشق رسول ﷺ میں باپ اور خاندان کی پرواہ نہیں کی۔

آنحضرت ﷺ ہنگامہ احزاب سے فارغ ہو کر ابھی غسل ہی فرمارہے تھے کہ جبرئیل امین آئے۔ چہرہ مبارک غبار آلود تھا۔ عرض کیا، یارسول اللہ! آپ نے ہتھیار اتار دیئے، حالانکہ قریش ابھی ہتھیار بند ہیں۔ بنوقریظہ پر حملہ کا حکم الٰہی لے کر حاضر ہوا ہوں۔ فوراً منادی ہوگئی اور دم کے دم میں چڑھائی کر کے تمام قلعوں کا محاصرہ کرلیا۔ چوبیس پچیس روز نہایت کامیاب محاصرہ رہا۔

حضرت سعد بن معاذؓ کی ثالثی اور فیصلہ: .... محاصرہ کی تاب نہ لاکر یہود نے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کی اور بالآخر اپنے حلیف حضرت سعد بن معاذؓ کے ثالث اور سرپنچ بنانے کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے اس درخواست کو منظور فرمالیا۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے ایک ''مسلم حکم'' کی حیثیت سے فیصلہ دیا کہ بنی قریظہ کے سب جوان قتل کردیئے جائیں اور عورتیں بچے گرفتار کرلئے جائیں اور سب مال و جائیداد حوالہ مہاجرین ہو۔ یہ فیصلہ اللہ و رسول کی مرضی کے مطابق اور یہود کی غداری کی سزا کے ساتھ ساتھ خود تورات کے عین مطابق بھی تھا۔ اس لئے کئی سو یہودی قتل کئے گئے اور کئی سو عورتیں بچے جنگی قیدی بنالئے گئے اور مال و جائیداد پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ مدینہ کے قریب کی یہ زمین آنحضرت ﷺ نے مہاجروں میں تقسیم فرمادی اور اس طرح انصار کا بوجھ ہلکا ہوگیا اور مہاجرین کے گزران کی سبیل نکل آئی۔

وارضالم تطؤھا سے مراد خیبر کی زمین ہے جو دو سال بعد قبضہ میں آئی۔ جس سے صحابہ کرامؓ کو آسودگی ہوئی اور بعض نے اس سے فتح مکہ مراد لیا۔ اور بعض نے فارس و روم کی زمینیں مراد لی ہیں جو خلفاء کے عہد میں فتح ہوئیں اور بعض نے قیامت تک ہونے والی فتوحات کو اس میں شامل کیا ہے۔

آنحضرت ﷺ اعلیٰ سویلین مدبر اور بہترین فوجی جنرل تھے: .... جس طرح آنحضرت ﷺ حالت امن میں ایک بہترین مدبر و منتظم تھے، اسی طرح حالت جنگ میں بھی اعلیٰ درجہ کے کمانڈر اور جرنیل تھے اور آپ کی کتاب سیرت اس کی شاہد ہے۔

عام صحابہؓ کی آسودگی سے ازواج مطہراتؓ متاثر ہوئیں اور آنحضرت ﷺ کی بدستور تنگی گزران کو دیکھتے ہوئے اپنی آسودگی کی فرمائش کردی اور بعض نے اس سلسلہ میں گفتگو بھی کی۔ مگر آنحضرت ﷺ کو یہ باتیں شاق گزریں اور قسم کھالی کہ مہینہ بھر گھر نہ جائیں گے اور مسجد نبوی

کے قریب ایک بالا خانہ پر تنہا رہنے لگے۔ صحابہؓ مضطرب تھے بالخصوص ابوبکرؓ و عمرؓ فکرمند تھے کہ کسی طرح یہ گتھی سلجھ جائے اور حضرت حفصہؓ و عائشہؓ کی وجہ سے اور بھی تشویش ہوئی کہ کہیں یہ حضور ﷺ کو مکدر کر کے اپنی عاقبت خراب نہ کرلیں۔ دونوں نے دونوں کو دھمکایا، سمجھایا اور خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر کچھ بے تکلفی کی باتیں بھی کیں، جن سے قدرے آپ منشرح ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کا گھریلو کردار محو حیرت بنا دینے والا ہے: .... ایک مہینہ کے بعد آیت تخییر **یاایھا النبی الخ** نازل ہوئی کہ آپ سب بیویوں سے صاف صاف کہہ دیں کہ ان دو راستوں میں سے ایک کا انتخاب کرلیں۔ اگر تمہیں دنیا کی بہار عزیز ہے تو کہہ دو، میرا تمہارا نباہ نہیں ہو سکے گا۔ میں تمہیں خوش اسلوبی سے شرعی طلاق دے کر اور مطلقہ کا جوڑا تیار کر کے خوبصورتی سے رخصت کردوں اور اللہ و رسول کی خوشنودی اور آخرت کے مراتب عالیہ کی جویا ہو تو پیغمبر ﷺ کی خدمت کرنے میں اس کی کمی نہیں ہے۔

اول آپ ﷺ نے یہ حکم حضرت عائشہؓ کو سنایا۔ وہ کمسن ہونے کے باوجود نہایت زیرک تھیں۔ برجستہ آپ ﷺ کا دامن تھامنے کا فیصلہ کرلیا۔ دوسری ازواج نے بھی یہی راہ اپنائی اور حضور ﷺ کے یہاں ہمیشہ اختیاری فقر و فاقہ اور صبر و قناعت کو شیوہ بنائے رکھا۔ جو کچھ آتا سب لٹا دیا جاتا اور خود قرض ادھار پر گزران رہتی۔ عیش و عشرت کا تصور ہی دل و دماغ سے نکال ڈالا۔

اعد للمحسنات میں بشارت کا عام عنوان اختیار کیا گیا ہے۔ قرآن میں صاف طور پر کسی کو خوشخبری نہیں دی گئی تاکہ کہیں بے فکر اور نڈر نہ ہو جائیں۔ ہر وقت خاتمہ کا ڈر لگا رہنا چاہئے۔

آنحضرت ﷺ کی بیویاں امت کی مائیں ہیں لہٰذا ان کا روحانی کردار، اخلاقی کیریکٹر قابل تقلید ہے: ....

جس طرح آنحضرت ﷺ کی سیرت مبارکہ امت کے لئے نمونہ ہے، اسی طرح ازواج مطہرات امہات المومنینؓ اور مسلمانوں کی واجب الاحترام مائیں ہیں۔ وہ بھی ماؤں کے اعلیٰ معیار پر امت کے لئے نمونہ ہونی چاہئیں۔ ضروری ہے کہ وہ اس بے مثال بزرگی کی اخلاقی، روحانی، اعلیٰ قدروں کی ذمہ دارانہ نگہداشت کریں اور دنیا کو نبی کے گھرانے کے پاکیزہ ماحول کا آئینہ دکھلائیں۔ یاد رکھو! بالفرض اگر تم سے کوئی اخلاقی لغزش، اونچ نیچ اور غلطی ہوگئی تو اوروں کو ایک اور تمہیں دوگنی سزا ملے گی۔ پھر اللہ تمہاری اس وجاہت کی پرواہ نہیں کرے گا۔ اس لئے اس کے لئے سزا آسان ہے۔

فقہی مسائل اور نکات: .... ۱۔ اہل علم کی اکثریت تو اس طرف گئی ہے کہ شوہر کی طرف سے بیوی کو اختیار طلاق دینے کی صورت میں اگر بیوی خاوند کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کردے، تب تو اس پر کچھ نہیں بدستور رہے گی۔ لیکن اگر علیحدگی کا فیصلہ کرتی ہے تو پھر اسی اختیاری فیصلہ سے اس پر ایک طلاق پڑے گی۔ امام اعظمؒ کے نزدیک تو ایک طلاق بائنہ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایک طلاق رجعی۔ اور زید بن ثابتؓ کا ارشاد اور امام مالکؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ بیوی اگر خاوند کے ساتھ رہنا پسند کرتی ہے، تب بھی ایک طلاق ہو جائے گی اور علیحدگی کو اختیار کرتی ہے تو پھر تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ ممکن ہے کہ اپنے مدعا کے ثبوت میں اکثریتی حضرات روایت عائشہؓ کے یہ الفاظ پیش کریں۔ **خیرنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاخترناہ ولم یعد طلاقاً** لیکن ظاہر ہے کہ آیت میں دنیا و آخرت میں سے ایک کے انتخاب کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس میں متعارف فقہی مسئلہ خیار نہیں ہے جو خاوند و بیوی کو اپنے ساتھ رہنے نہ دینے کا حق دیتا ہے مگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو پہلے عنوان کا حاصل بھی یہی نکلتا ہے۔ اگرچہ تعبیر کا تھوڑا سا فرق ہے۔ اس لئے حضرت عائشہؓ کا استدلال زید بن ثابتؓ کے مقابلہ میں خاصا وزنی ہے۔

۲۔ اسی طرح اس میں بھی کلام ہوا ہے کہ یہ اختیار دینا تفویض طلاق تھا یا محض رائے کا دریافت کرنا تھا۔ ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں تو بیویوں کا خود کو اختیار کر لینا ہی طلاق شمار ہو جاتا۔ آپ کے طلاق دینے کی حاجت نہ رہتی۔ البتہ اگر دوسری صورت ہے تو پھر یہ اختیار کر لینا محض رائے کا اظہار ہوتا، طلاق نہ ہوتی۔ بلکہ اختیار کر لینے کے بعد بھی آپ کے طلاق دینے کی حاجت رہتی۔ تاہم آیت کا انطباق دونوں صورتوں میں ہوسکتا ہے۔

۳۔ آیت تخییر نازل ہونے کے وقت آپ کی مشہور نو بیویاں تھیں۔ جن میں سے پانچ قریشی تھیں۔ عائشہؓ، حفصہؓ، ام حبیبہؓ، سودہؓ، ام سلمہؓ۔ اور چار دوسرے خاندانوں کی یہ تھیں۔ صفیہ خیبریہؓ، میمونہ ہلالیہؓ، زینب اسدیہؓ، جویریہ مصطلقیہؓ۔ آپ ﷺ نے سب کو یہ آیت پڑھ کر سنا دی۔ سب نے آپ ﷺ کے دامن سے وابستہ رہنے کا فیصلہ کر لیا۔

۵۔ اعد للمحسنات منکن میں اگر من تبیینیہ ہے تو کوئی اشکال نہیں ہے۔ لیکن اگر من تبعیضیہ ہو تو پھر یہ شبہ ہوگا کہ بعض بیویوں کا غیر محسنہ ہونا معلوم ہوا؟ اس اشکال کی دو توجیہیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ بعض روایت کی رو سے اس تخییر کے بعد ایک عورت عامریہ حمیریہ نے آپ کی بیوی رہنا نہیں چاہا۔ پس گویا من تبعیضیہ سے اس کو مستثنیٰ کرنا مقصود ہوگا۔ لیکن اگر یہ روایت صحیح نہ ہو تو دوسری توجیہ یہ ہے کہ سب بیویاں محسنات ہی تھیں۔ مگر واقعہ اختیار سے پہلے اس کا ظہور نہ ہوسکا تھا۔ سرسری طور پر گویا ان میں دونوں احتمال فرض کر لئے گئے۔ ورنہ واقعہ میں سب محسنہ تھیں۔ یہ تبعیض نفس الامر نہ ہوئی بلکہ بطور معنی تعلیقی کے ہوئی۔ یعنی من احسن منکن فلها اجر عظیم. دوسرے لفظوں میں اس کی تعبیر یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ ''مطلق بعض'' کا تحقق جس طرح بضمن بعض مقابل للکل کے ذیل میں ہوتا ہے، اسی طرح کبھی اس کا تحقق بضمن کل بھی ہوتا ہے اور یہاں دوسری صورت ہے۔

۵۔ طلاق کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک طلاق سنت، دوسرے طلاق بدعت۔ پھر بدعت کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ طریقِ طلاق غیر شرعی ہو، جیسے ماہواری کی حالت میں طلاق دینا کہ سب کے نزدیک بدعت ہے۔ یا ایک دم تین طلاق دے ڈالنا، خاص طور پر حضرات حنفیہ کے نزدیک بدعت ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی عارض کی وجہ سے بدعت ہو جائے مثلاً مطلقہ کو کسی قسم کا نقصان پہنچانا۔ لیکن طلاق سنت میں یہ سب باتیں نہیں ہوتیں۔ ''اسرحکن سراحاً جمیلا'' میں طلاق سنت مراد ہے۔

٦۔ ان کنتن تردن الحیٰوۃ الدنیا کی جزاء میں اسرحکن کے واقع ہونے سے صاحب روح المعانی نے امام صاحب سے یہ مسئلہ نقل کیا ہے کہ اگر کوئی بیوی دنیا کے لالچ میں خود کو اختیار کر لے تو دوسری جگہ اس کو نکاح کرنا جائز ہے۔ کیونکہ آیت میں اگر دوسرے نکاح کے بغیر دنیا کا حصول مراد ہوتا تو وہ آنحضرت ﷺ کی بیوی رہتے ہوئے بھی ممکن تھا۔ پھر ''تسریح'' کی کیا ضرورت تھی؟ معلوم ہوا کہ حصول دنیا سے مراد وہی ہے جو دوسرے نکاح کے ذریعہ سے ہو۔

۷۔ صاحب روح المعانی نے امام رازی سے ایک اور مسئلہ یہ نقل کیا ہے کہ اس تخییر کے سلسلہ میں ازواج مطہراتؓ کے اللہ ورسول ﷺ کو اختیار کر لینے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے لئے ان کو طلاق دینا جائز نہیں معلوم ہوتا۔ ورنہ تخییر اور اختیار دینے سے کیا فائدہ؟ لیکن صاحب بیان القرآن نے یہ فرما کر اس استدلال کو ضعیف قرار دیا ہے کہ ازواج کا دنیا کو اختیار کر لینے سے جو استحقاق طلاق ہو جاتا وہ ایک عارض تھا۔ اب اللہ ورسول کو اختیار کر لینے کے بعد زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ طلاق کا ایک عارض نہیں رہا۔ مگر یہ کیا ضرور ہے کہ ایک عارض نہ ہو تو دوسرے عوارض سے بھی طلاق نہ دی جاسکے۔ چنانچہ حضرت سودہؓ اور حضرت حفصہؓ کو طلاق دینے کا ارادہ یا ایک رجعی طلاق دے دینا جو بعض روایات میں آیا ہے، اگر وہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ہوا ہے تب بھی اس تحقیق کے بعد کچھ اشکال نہیں رہتا۔ فللّٰه درہ. یہ ہیں ہمارے اکابر کے علوم وکمالات! یقین ہے کہ علامہ آلوسی یا امام رازی علیہم الرحمۃ اگر یہ نکتہ کو سن لیتے تو ضرور قدر

دائی فرماتے۔

۸۔اور نیز صاحب روح المعانیؒ نے یہ مسئلہ بھی نقل کیا ہے کہ بظاہر اس نص سے دنیا کو اختیار کرنے والی بیوی کے لئے آنحضرت ﷺ پر طلاق دینا واجب ہوتا ہے اور چونکہ یہ حکم وجوب عام نہیں، اس لئے دوسروں کے لئے بے شرع عورت کو اس طرح کہہ کر علیحدہ کر دینا صرف مستحب ہوگا واجب نہیں ہے۔ چنانچہ فقہاءؒ نے تصریح فرمادی ہے۔ لایجب تطلیق الفاجرۃ۔

۹۔لفظ اختاری کنایات طلاق میں سے ہے۔ محض اس کہہ دینے سے طلاق واقع نہیں ہوپاتی۔ خواہ بیوی چپ رہے یا اخترتک کہہ دے۔ البتہ اگر اس کے جواب میں اخترت نفسی کہہ دیتی ہے تو پھر طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

"امتعکن" متعہ کے جوڑہ کی تفصیلات سورۂ بقرہ کی آیت وللمطلقات متاع کے تحت گزر چکی ہے۔

۱۰۔فاحشہ کے معنی متعارف مراد نہیں ہے۔ان کا احتمال بھی ازواج میں نہیں ہے بلکہ مقاتلؒ نے اس کی تفسیر انها العصیان للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نقل کی ہے۔ جس میں نان ونفقہ سے زائد کا مطالبہ داخل ہے جو آنحضرت ﷺ کے لئے باعث تکدر ہوتا۔

حضرت مقاتلؒ کی نقل کے علاوہ دو دلیلیں اور بھی اس کی موید ہیں۔ ایک لفظ مبینۃ جو متعارف معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ دوسرے اس کے مقابلہ میں ومن یقنت فرمایا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہاں قنوت کے خلاف معنی مراد ہیں۔

لطائف سلوک:............... من قضی نحبہ سے موت شہادت مراد ہے جس کا مصداق حضرت طلحہؓ کو بھی کہا گیا ہے۔ حالانکہ وہ اس وقت حیات تھے۔ پس اس مسئلہ میں فناء کی طرف اشارہ ہوگیا اور ومنھم من ینتظر سے چونکہ شوق شہادت مراد ہے۔ اس لئے اس میں حب موت کی طرف بھی اشارہ ہوگیا۔

اسرحکن سے دنیا اور رونق دنیا کا اور اللہ ورسول ﷺ کی محبت کے لئے سبب بعد ہونا معلوم ہوا۔

یضاعف لها العذاب ۔ جس طرح بڑوں کی طاعت بڑی، اسی طرح ان کی معصیت بھی بڑی۔ خود سرور عالم ﷺ کے لئے ارشاد ہے۔ اذاً لاذقناک ضعف الحیات وضعف الممات

﴿ الحمدللہ کہ پارہ اتل ما اوحی کی تفسیر مکمل ہوئی ﴾

پارہ نمبر ۲۲

وَمَنْ يَّقْنُتْ

فہرست پارہ ﴿ومن یقنت﴾

وَمَنْ يَّقْنُتْ

وَمَنْ يَّقْنُتْ يُطِعْ مِنكُنَّ **لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ** اَیْ مِثْلَیْ ثَوَابِ غَيْرِهِنَّ مِنْ نِّسَاءٍ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالتَّحْتَانِيَّةِ فِیْ تَعْمَلْ وَنُؤْتِهَا **وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا**﴿۳۱﴾ فِی الْجَنَّةِ زِيَادَةً **يٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ** كَجَمَاعَةٍ **مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ** اللّٰهَ فَاِنَّ كُنَّ اَعْظَمُ **فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ** لِلرِّجَالِ **فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ** نِفَاقٌ **وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا**﴿۳۲﴾ مِنْ غَيْرِ خُضُوْعٍ **وَقَرْنَ** بِكَسْرِ الْقَافِ وَفَتْحِهَا **فِیْ بُيُوْتِكُنَّ** مِنَ الْقَرَارِ وَاَصْلُهٗ اِقْرِرْنَ بِكَسْرِ الرَّآءِ وَفَتْحِهَا مِنْ اِقْرَرْنَ بِفَتْحِ الرَّآءِ وَكَسْرِهَا نُقِلَتْ حَرَكَةُ الرَّآءِ اِلَى الْقَافِ وَحُذِفَتْ مَعَ هَمْزَةِ الْوَصْلِ **وَلَا تَبَرَّجْنَ** بِتَرْكِ اِحْدَى التَّائَيْنِ مِنْ اَصْلِهٖ **تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰی** اَیْ مَا قَبْلَ الْاِسْلَامِ مِنْ اِظْهَارِ النِّسَاءِ مَحَاسِنَهُنَّ لِلرِّجَالِ وَالْاِظْهَارُ بَعْدَ الْاِسْلَامِ مَذْكُوْرٌ فِیْ اٰيَةِ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا **وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ** الْاِثْمَ يَا **اَهْلَ الْبَيْتِ** اَیْ نِسَاءَ النَّبِیِّ **وَيُطَهِّرَكُمْ** مِنْهُ **تَطْهِيْرًا**﴿۳۳﴾ **وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰی فِیْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ** الْقُرْاٰنِ **وَالْحِكْمَةِ** ؕ السُّنَّةِ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا** بِاَوْلِيَائِهٖ **خَبِيْرًا**﴿۳۴﴾ بِجَمِيْعِ خَلْقِهٖ

ع ۱

ترجمہ: .... اور جو کوئی تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری (اطاعت) کرے گی اور اچھے عمل کرتی رہے گی تو ہم اس کو ثواب دوہرا دیں گے (یعنی اور عورتوں کو جتنا ثواب ہوتا ہے اس سے دوگنا ملے گا۔ ایک قرأت میں لفظ یعمل اور یوتھا یا کے ساتھ ہے) اور ہم نے اس کے لئے عمدہ روزی تیار رکھی ہے (جنت میں زائد نعمت) اے نبی کی بیویو! تم معمولی عورتوں (کی جماعت)

کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم تقویٰ رکھو (اللہ سے تو تم سب سے زیادہ باعظمت ہو) پس بولنے میں (مردوں سے) نزاکت مت اختیار کرو کہ ایسے شخص کو خیال ہونے لگے۔ جس کے دل میں روگ (نفاق) ہے اور قاعدہ کے مطابق بات کیا کرو (بغیر رنج کے) اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہا کرو (لفظ قرن کسرہ) قاف اور فتحہ قاف کے ساتھ ہے۔ قرار سے ماخوذ ہے۔ دراصل قررن کسرۂ راء اور فتحہ را کے ساتھ تھا۔ اقررن فتحہ را اور کسرہ را ہے۔ را کی حرکت نقل کر کے قاف کو دے دی اور اس کے بعد را اور ہمزہ وصل حذف ہو گئے) اور مت دکھاتی پھرو اپنے کو (تبرجن کی دراصل دو تا تھی ایک حذف کر دی گئی ہے) پرانی جاہلیت کے دستور کے مطابق (یعنی اسلام سے پہلے عورتیں جس طرح مردوں کو لبھانے کے لئے بن ٹھن کر اپنی نمائش کرتی پھرتی تھیں۔ لیکن اسلام میں جس اظہار کی گنجائش ہے وہ آیت ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا میں مذکور ہے) اور تم نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا کرو۔ اللہ تو بس یہی چاہتا ہے۔ اے (نبی کی) گھر والیو تم! سے (گناہ کی) آلودگی دور رکھے اور تمہیں پاک وصاف رکھے اور تم (قرآن کی) ان آیات الہیہ کو اور علم (سنت) کو یاد رکھو، جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔ بلاشبہ اللہ (اپنے دوستوں پر) مہربان (ساری خدائی سے) باخبر ہے۔

تحقیق وترکیب: .... لستن کاحد۔ مفسر علامؒ نے لفظ احد کو جماعت واحدہ پر محمول کیا ہے۔ کیونکہ ازواج بھی جماعت ہیں۔ یعنی تمہارے جیسی کوئی جماعت نہیں ہے۔ لیکن احد کو افراد پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے۔ یعنی بیویوں کے افراد دوسری تمام عورتوں کے افراد سے بڑھ کر ہیں۔ پہلا تفاضل جماعتی ہے اور یہ تفاضل افرادی۔

ان اتقیتن۔ مفسر علامؒ نے ان کن اعظم کہہ کر جواب شرط کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی بشرط تقویٰ تم اوروں کی برابر نہیں، بلکہ اوروں سے بڑھ کر ہو۔ اسی صورت میں فلا تخضعن جملہ مستانفہ ہو جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اسی کو جواب شرط قرار دیا جائے۔

فلا تخضعن۔ یعنی اول تو نامحرموں سے بلاضرورت بات ہی نہ کرو اور ضرورت پڑ جائے تو عورتوں کی طرح نزاکت سے بات نہ کرو۔ بلکہ لہجہ میں روکھا پن اور اجنبیت ہونی چاہئے۔ جیسی ماں اولاد سے کرتی ہے۔

وقرن۔ مفسر علامؒ نے دونوں قرأتوں کی توجیہات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کسرہ کی قرأت میں قرار بمعنی سکون سے ماخوذ ہے۔ قریقر وقار۔ قرن دراصل اوقرن تھا۔ پہلے تخفیفاً واؤ حذف ہوا، پھر ضرورت نہ رہنے کی وجہ سے ہمزہ وصل حذف ہو کر قرن رہ گیا۔ یا قریقر مضارع مکسور القاف ہو جس کی اصل اقررن بکسر الراء ہوگی۔ یہ جمہور کی قرأت ہے۔ لیکن نافعؒ، عاصمؒ، ابوعمرؒ نے مضارع میں فتحہ قاف پڑھا ہے۔ اصل اقررن تھا۔

لاتبرجن۔ نازوانداز سے چلنے کو تبرج کہتے ہیں اور بعض نے بن سنور کر نکلنے اور اظہار زیبائش کے معنی کہے ہیں۔ اسلام سے پہلے کے دستور بے پردگی کو جاہلیت اولیٰ اور اسلام کے بعد بے پردگی وغیرہ رسوم جاہلیت کرنے کو جاہلیت جدیدہ کہا جائے گا۔ یعنی پرانی جاہلیت کو دہرا کر اس کو تازہ جاہلیت مت بناؤ۔

لیذھب عنکم الرجس۔ گناہ سے استعارہ ہے اور طہر تقویٰ سے استعارہ ہے۔ کیونکہ ظاہری گندگی کی طرح باطنی گندگی اور ظاہری پاکیزگی کی طرح باطنی پاکیزگی ہوتی ہے۔

یااھل البیت۔ مفسر علامؒ نے اس کے مغلوب علی النداء ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اہل بیت سے مراد کون ہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے ازواج مطہرات کو اور بعض نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ، حضرات حسنینؓ اور خود سرور عالم ﷺ (پنجتن) کو

مانا ہے۔ لیکن بہتر تعمیم ہے کہ دونوں مراد ہیں۔ اصل ازواج اہل بیت ہیں۔ لیکن آپ کی ذریت بھی اس میں داخل ہے۔ مفسر علامؒ نے نساء النبی کہہ کر خاص کیا ہے۔

ربط: .... پچھلی آیت یاایھا النبی الخ میں اجلال نبوی کی پانچویں نوع بیان ہوئی تھی۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ آپ کی ازواج کوئی ناشائستہ حرکت کرکے آپ کو ایذاء نہ پہنچائیں۔ ورنہ دوہری سزا کی مستحق ہوں گی۔ آیت ومن یقنت الخ سے اس کا دوسرا پہلو ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی فرمانبرداری کرکے آپ کو راحت پہنچانے سے اسی طرح دوہرے اجر کی مستحق ہوں گی۔ بہرحال آنحضرت ﷺ کے انتساب سے تم ساری جہاں سے ممتاز ہوگئی ہو۔ اسی ذیل میں کچھ ہدایات مزید اور بھی دی جارہی ہیں۔ جن سے پیغمبر کے گھرانہ کا ماحول خداترسی اور تقویٰ شعاری کا ہوجائے جو آپ کے لئے باعث راحت وسکون ہو۔

شان نزول: .... ام نائلہؒ کی روایت ہے کہ ابوبرزہ اسلمیؓ اپنے مکان میں تشریف لائے تو گھر میں اپنی زوج ام ولد کو دیکھا کہ نہیں ہیں۔ گھر والوں نے اطلاع دی کہ مسجد میں گئی ہیں۔ چنانچہ وہ جب واپس آئیں تو بہت بگڑے کہ حق تعالیٰ نے عورتوں کو باہر نکلنے سے منع کردیا ہے۔ گھر میں رہیں، نہ جنازوں میں شریک ہوں اور نہ مسجد میں جائیں، نہ نماز جمعہ میں شریک ہوں۔

اسی طرح حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ "تبرج جاھلیت اولی" یہ ہے کہ عورت مردوں کے ساتھ باہر پھرے اور مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ عورت کا محض سر پر دوپٹہ ڈال لینا کہ جس سے گلے کا ہار، کانوں کے بندے بالیاں وغیرہ نمایاں ہوتی رہیں تبرج میں داخل ہے۔ (درمنثور)

اھل البیت سے کون مراد ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ازواج مطہراتؓ مراد ہیں اور عکرمہؒ تو بازار میں کھلم کھلا اس کا اعلان کرتے تھے، کہ یہ آیت ازواج کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ لیکن ابوسعید خدریؓ، مجاہدؒ، قتادہؒ اس کے قائل ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؓ، فاطمہؓ اور حسنینؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور دلیل یہ دی کہ علیکم اور یطھرکم میں ضمیر مذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ ازواج کیسے مراد ہوسکتی ہیں۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ آیت کو عام مانا جائے۔ جس میں ازواج اور ذریت سب داخل ہوں۔ بلکہ حقیقۃً اہل خانہ کا اطلاق بیویوں پر ہوتا ہے۔ اولاد تو ان کا ثمرہ ہوتی ہے۔ اس لئے توسعاً وہ بھی شامل ہوجاتی ہے۔

دوسری وجہ عموم یہ ہے کہ بیویاں تو اس لئے داخل ہیں کہ سیاق اور سباق دونوں میں کلام ازواج ہی کے بارے میں چل رہا ہے اور ذریت اس لئے داخل ہیں کہ حدیث مباہلہ میں ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرات حسنینؓ آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان چاروں کو اپنی کملی میں لے کر انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت آیت تلاوت فرمائی۔

اسی طرح حضرت ام سلمہؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرماتھے، آپ ﷺ نے ان چاروں کو کملی میں لے لیا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ اللھم اھل بیت وجاشی فاذھب الرجس عنھم طھرھم تطھیرا۔ ام سلمیٰؓ نے جھانک کر عرض کیا کہ حضور (ﷺ) میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا انک علی خیر۔ یہ آیت تطہیر چونکہ پہلی آیت تخییر سے موخر ہے اور آیت تخییر آیت حجاب کے بعد کی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ام سلمہؓ کا حضرت علیؓ سے پردہ ہوچکا تھا۔ اس لئے وہ خود کملی میں داخل نہیں ہوئیں۔ بلکہ آپ سے داخل کرنے کی درخواست کی، تاکہ پردہ کی رعایت فرمائیں۔

بہرحال چاہے ازواج کو اصل مان کر ذریت کا بالاولویت شامل کیا جائے یا ذریت کو اصل مصداق مانتے ہوئے ازواج کو بدرجہ اولیٰ داخل کیا جائے۔ یہ عموم ایسا ہی ہوگا جیسے آیت لمسجد اسس علی التقوی میں ہے۔ کیونکہ ایک طرف دیکھا جائے تو یہ آیت "مسجد

قبا" کی تعریف میں نازل ہوئی ہے۔ اور دوسری طرف آنحضرت ﷺ سے جب پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ **ھو مسجدی ھذا** وہاں بھی تطبیق کی صورت یہی ہے کہ جب مسجد قبا کی یہ حقیقت ہے تو مسجد نبوی ﷺ بدرجہ اولیٰ اس عظمت شان کی مستحق ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... یعنی جس طرح تمہارا وزر، اوروں کے مقابلہ میں دوگنا ہے، اسی طرح تمہارا اجر بھی دوسروں کی نسبت دوگنا ہے اور یہ سب اجلال نبوی ہے کہ تمہیں اللہ نے پیغمبر کی زوجیت کے لئے منتخب کیا ہے۔ تم مسلمانوں کی محترم مائیں ہو، تمہیں قابل تقلید نمونہ پیش کرنا چاہئے، اسی لئے تمہاری بدی اور نیکی دونوں کا وزن خدا کے یہاں سب سے زیادہ ہے۔

عورتوں کی خاص شان: .... اس کے بعد ایک ادب سکھلایا کہ اگر کسی مرد سے بات کہو تو اس طرح کہو جیسے ماں بیٹی سے کہتی ہے اور بات بھی بھلی معقول ہونی چاہئے۔ امہات المومنین کو غیر مردوں سے مسئلے مسائل یا خانگی امور کے متعلق بات کرنے کی خاص طور پر ضرورت پیش آسکتی ہے۔ اس لئے یہ ادب بتلایا کہ اللہ سے ڈرنے اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ بلا ضرورت نامحرموں سے کلام نہ کیا جائے۔ کیونکہ عورت کی آواز بھی عورت ہے۔ اس لئے عورت کو اذان کہنے کی اجازت نہیں ہے اور ضروری بات کہنی ہو تو اس کی رعایت رکھو کہ نرم اور دلکش لہجہ نہ ہو۔ بلاشبہ عورت میں قدرتی اور طبعی طور پر ایک نزاکت اور آواز میں لوچ اور سریلا پن ہوتا ہے۔ مگر پاکباز عورتوں کی شان یہ ہونی چاہئے کہ بہ تکلف ہی سہی غیر مردوں سے گفتگو کرتے وقت لہجہ میں قدرے خشونت اور روکھا پن ہو تاکہ کسی بدباطن کو ادھر ادھر بھٹکنے کا موقعہ نہ رہے۔ یہ حکم اگرچہ سب عورتوں کے لئے عام ہے، مگر ازواج کا بلند مقام اور بھی اہتمام و احتیاط کا تقاضہ کرتا ہے۔ کہیں کوئی روگی اپنی عاقبت ہی تباہ نہ کر بیٹھے۔ پاک دل، پاک نظر، صاف ستھرا ماحول نبی کے گھرانہ کے لئے ضروری ہے۔

جاہلیت اولیٰ اور جاہلیت اخریٰ: .... اور گھروں سے باہر مردوں کے شانہ بشانہ آزادی سے عورتوں کے گھومنے پھرنے کا جو دستور قدیم جاہلیت سے چلا آرہا ہے اور اس پر طرہ یہ کہ مردوں کو لبھانے کے لئے پورے بناؤ سنگھار کے ساتھ عورتیں برملا بناؤ سنگھار کرتی پھرتی تھیں، اسلام نے اس گندہ معاشرہ اور بگڑے ہوئے ماحول پر قدغن لگائی۔ اس نے عام طور سے سب عورتوں کو اور ازواج مطہرات کو خاص طور پر حکم دیا کہ وہ زینت محل بنیں زینت محفل نہ بنیں۔ عورت کی بحیثیت عورت اسی میں عزت ہے کہ وہ گھر کی بااختیار ملکہ بنے۔ اس میں نہیں کہ وہ آزادی اور مساوات کے بہانے مرد کے لئے ایک تفریحی کھلونا بنی رہے۔ **زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین** سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے کہ لڑکے تو لوگوں کے لئے زینت ہیں، مگر عورتیں لوگوں کے لئے نہیں بلکہ گھر کی رونق ہیں۔ اس لئے باہر نکل کر حسن و جمال کی نمائش نہ کرتی پھریں۔ البتہ شرعی یا طبعی ضرورت کی وجہ سے بغیر زیب و زینت برقعہ پوش ہو کر سادگی سے نکلیں اور کسی فتنہ کا اندیشہ بھی نہ ہو تو نصوص اور قرون خیر کے عملی نمونوں کی بنیاد پر اس کی گنجائش ہے، لیکن نئی روشنی اور ترقی یافتہ دور نے معاشرہ کو جو اندھیرا دیا ہے، حتیٰ کہ پرانے دور جاہلیت کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اس کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ آج عورت سب کچھ ہے، پر عورت نہیں رہی۔ اس کی عزت اور زیور حیات سب کچھ لٹ چکا ہے۔ مغرب کا یہ کینسر مشرق کے جسم میں بھی سرایت کر گیا ہے اور سارا معاشرہ تباہ ہو رہا ہے۔ یہ جاہلیت اخریٰ ہے جو پہلے سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔

نبی کا گھرانہ: .... **واقمن الصلوٰۃ** الخ یعنی نبی کے گھرانہ کو اسلام کا مکمل گہوارہ بنادو۔ جس میں عبادت اور اللہ و رسول کی لگن کا چرچا ہو اور قلبی ستھرائی، صفائی اور اخلاقی بہترائی سے سارے ماحول کو پاکیزہ بنادو۔ تطہیر سے مراد یہاں وہ نہیں ہے جو آیت وضو

ولکن یرید لیطھرکم آیا ہے اور نہ وہ ہے جو قصۂ بدر کے سلسلہ میں لیطھرکم بہ ویذھب عنکم رجز الشیطان فرمایا گیا ہے۔ بلکہ تزکیہ باطن اور تصفیۂ قلب، تہذیب نفس کا وہ اعلیٰ مقام ہے جو اولیائے کاملین کو حاصل ہوتا ہے، جس کے بعد وہ انبیاء کرام کی طرح معصوم تو نہیں بن جاتے، البتہ محفوظ ضرور ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اراد اللہ کی بجائے یرید اللہ لیذھب فرمانا خود اس کی دلیل ہے کہ اہل بیت کے لئے عصمت ثابت نہیں ہے۔

اہل بیت کون ہیں؟...... ان آیات کے سیاق وسباق میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل البیت کا مصداق حقیقۃً ازواج ہی ہیں۔ ابن عباسؓ کا ارشاد ہے۔ نزلت فی نساء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم خاصۃً. عکرمہؓ تو یہاں تک فرماتے ہیں۔ من شاء باھلته انھا نزلت فی شان نساء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اور فرمایا کہ لیس بالذی تذھبون الیہ انما ھو نساء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم (درمنثور) رہا عنکم میں ضمیر مذکر کا ہونا۔ سو یا تو بطور تغلیب حضور مراد ہیں اور یا لفظ اہل کی رعایت سے ضمیر مذکر آئی ہے۔ چنانچہ آیت قال لاھلہ امکثوا میں بعینہ یہی صورت ہے۔

اس کے علاوہ بھی قرآن میں عموماً اسی سیاق میں استعمال ہوا ہے۔ حضرت سارہؑ کو فرشتوں نے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔ اتعجبین من امر اللّٰہ رحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت. اسی طرح مطلقہ بیوی جو ابھی عدت میں ہے مکان کو اس کی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ ولا تخرجوھن من بیوتھن. نیز حضرت یوسفؑ کے واقعہ میں زلیخا کی طرف مکان کی نسبت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وراودتہ التی ھو فی بیتھا. حاصل یہ ہے کہ گھر والی تو بیوی ہی ہوتی ہے اور عرف میں بھی وہی گھر والی کہلاتی اور سمجھی جاتی ہے۔ البتہ اولاد اور داماد بھی چونکہ گھر والوں میں ہی شمار ہوتے ہیں، اس لئے وہ بھی اہلیت کے مفہوم میں داخل ہو جائیں گے۔ بلکہ بعض حیثیتوں میں وہ اس خطاب کے زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ حضرت فاطمہؓ کے آگے سے گزرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ الصلوٰۃ اھل البیت یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس. باقی چونکہ ان آیات میں صراحۃً ازواج اہل بیت میں داخل ہو چکی تھیں، اس لئے اللھم ھولاء اھل بیتی کہنے میں ان کو داخل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ کہ وہ تو پہلے ہی سے داخل ہیں۔ ضرورت اولاد اور داماد کو داخل کرنے کی تھی کہ ان کا شمار غیر ظاہر تھا۔ غرضیکہ آیت وروایت کو ملا کر دونوں کو اہل بیت میں شمار کیا جائے گا۔

پس حدیث مذکور کی رو سے اہل عبا کے آیت کا مصداق ہونا یا حدیث ام سلمہؓ کی رو سے ازواج کا مصداق نہ ہونا جو بظاہر معلوم ہو رہا تھا اب وہ شبہ نہ رہا۔ کیونکہ بات دراصل یہ ہے کہ آیت اور حدیث میں اہل بیت کا ایک ہی مفہوم نہیں ہے بلکہ حدیث ھـؤلاء میں تو اہل بیت سے عترت مراد ہیں۔ رہی آیت سو اس میں یا تو عام مفہوم مراد ہے جس کی ایک قسم یعنی ازواج تو آیت کا مدلول ہی ہے اور دوسری قسم یعنی عترت کا مدلول ہونا مخفی تھا۔ آپ نے ان کو داخل کر کے عملاً ظاہر فرما دیا اور آیت کا مفہوم اگر خاص ازواج ہیں تو پھر عترت کو عبا میں داخل کر کے آیت یا آیت کے مناسب دعائیہ کلمات پڑھنا بطور علم الاعتبار ہوگا۔ جیسا کہ آپ نے آیت "نساء صباح المنذرین" خیبر کے موقعہ پر پڑھی تھی۔ حالانکہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یا مسئلہ تقدیر کے سلسلہ میں آپ نے آیت "فاما من اعطی" پڑھی تھی، اسی طرح یہاں بھی یہ مطلب ہوگا کہ اے اللہ! اہل بیت کی نوع ایک یہ بھی ہے جن کے لئے میں دعا کر رہا ہوں۔ اور علم الاعتبار ہونے پر ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ دعا میں گندگی دور ہونے اور پاکی حاصل ہونے سے مراد تکوینی پلیدی اور پاکی ہے۔ کیونکہ آیت میں تطہیر شرعی مراد ہے جو حدیث میں نہیں ہے، ورنہ پھر اس دعا کے کوئی معنی نہیں رہتے۔

رہا ام سلمہؓ کو "انک علی خیر" فرمانے سے یہ سمجھنا کہ تم اہل بیت نہیں ہو باعث اشکال نہیں، کیونکہ منشاء یہی ہے کہ تم پہلی نوع

میں ہو اس دوسری نوع میں نہیں ہو اور یہی حاصل ہے۔ حضرت زید بن ارقمؓ کے اس ارشاد کا کہ اہل بیت وہ ہیں جن پر صدقہ کرنا حرام ہے۔ یعنی عترت اس سوال کے جواب میں جو ان سے اہل بیت کے معنی کے متعلق کیا گیا تھا۔ پس قرینہ حالیہ مقالیہ سے انہوں نے یہ معنی ارشاد فرمائے۔ نہ ان سے آیت کی تفسیر پوچھی گئی اور نہ انہوں نے آیت کے متعلق یہ ارشاد فرمایا۔ لہذا ان کے اس فرمانے سے ام سلمہ کے اہل بیت میں نہ ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے جبکہ اسی روایت میں ان کا یہ قول بھی ہے "نسـاء ه من اهل بيته" بلکہ خود ام سلمہ کے اس سوال پر کہ کیا میں اہل بیت نہیں ہوں۔ بسند متصل معالم میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد منقول ہے۔ "بلٰى انشاء الله"

حاصل یہ نکلا کہ اہل بیت کے دو مفہوم ہیں۔ ایک ازواج دوسرے عترت۔ خصوصی قرائن کی وجہ سے کہیں ایک مفہوم مراد ہوتا ہے اور کہیں دوسرا، اور کہیں عام مفہوم بھی مراد ہوسکتا ہے۔ پس آیت میں مفہوم اول تو ظاہراً مراد ہے اور تیسرا عام مفہوم بھی محتمل ہے۔ لیکن حدیث ثقلین، حدیث حرمت صدقہ، حدیث عبا میں البتہ دوسرا مفہوم مراد ہے۔ اس تقریر سے آیت اور تمام روایات میں پوری طرح تطبیق ہوگئی اور کوئی اشکال نہیں رہا۔

ردِ روافض: .... شیعہ صاحبان اول تو ''ازواج مطہرات'' کو اہل بیت میں داخل نہیں کرتے۔ وہ صرف ''پنجتن'' کو اہل بیت سمجھتے ہیں۔ دوسرے اہل بیت کو معصوم مانتے ہیں۔ ان دونوں کے جوڑ نے ان کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔ ایک طرف آیت پر نظر کی جاتی ہے جس کا مصداق ازواج ہیں۔ تب تو مسئلہ عصمت کھٹائی میں پڑتا ہے اور روایات کی مدد سے اہل بیت پنجتن کے لئے اگر وہ عصمت کو ضروری سمجھتے ہیں، تو پھر آیت ہاتھ سے جاتی ہے۔ ازواج کو مسئلہ عصمت میں شریک کرنا پڑتا ہے۔

بہر حال اول تو ثبوت عصمت کے لئے کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہے ورنہ ازواج کو بھی شریک کرنا پڑے گا۔ جس کو وہ نہیں مانتے۔ اور بالفرض اگر ازواج کو شامل نہ بھی کیا جائے تب بھی گناہوں سے معصوم کیسے معلوم ہوا۔ بہت ممکن ہے گناہوں کو معاف کر کے پاک صاف کرنا مراد ہے، بلکہ لفظ تطہیر پر نظر کرنے سے یہی معنی قرین قیاس معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ میل ہوگا تو پاک صاف کرنا کہا جائے گا ورنہ کس چیز کی تطہیر کی جارہی ہے۔ تحصیل حاصل ہے اور بالفرض اگر عصمت کے معنی گناہ نہ کرنے کے ہی تسلیم کر لئے جائیں تو یہ کیسے معلوم ہوا کہ گناہوں کا وقوع نہیں ہوا۔ زیادہ سے زیادہ وہ اثبات مدعا میں آیت "يـريـد الـلـه الخ" کو پیش کرتے ہیں تو اس کے جواب میں بقول علامہ ابن تیمیہؒ اصول قدریہ اور امامیہ پر تو یہ کہا جائے گا کہ اللہ کے ارادہ کے مطابق مراد پوری نہیں ہوئی۔ یعنی گناہوں سے بچنا پورا نہیں ہوا۔ یہ ایسا ہی ہوگا کہ اللہ نے سارے جہاں کے اعمال کا ارادہ کیا۔ مگر وہ پورا نہیں ہوا کہ ہر زمانہ میں کافر رہے ہیں اور زیادہ رہے ہیں۔ لیکن اصول اہل سنت پر بھی یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ اللہ کے ارادہ کی دو قسمیں ہیں۔ ارادہ تشریعیہ، ارادہ تکوینیہ۔ ارادہ تشریعیہ تو اللہ کی محبت و رضا پر مشتمل ہوتا ہے۔ جیسے ان آیات میں ہے۔

۱. يريد الله بكم اليسر و لا يريد بكم العسر.

۲. يريد الله ليبين لكم ويهديكم سنن الذى من قبلكم ويتوب عليكم.

۳. والله يريد ان يتوب عليكم ويريدالذين يتبعون الشهوات.

یہ سب باتیں اللہ کی پسندیدہ اور مرضی کے مطابق ہیں۔ اگرچہ لوگ خلاف کرتے رہتے ہیں، مگر اس سے اللہ کے ارادہ تشریعی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ بدستور باقی ہے۔ دوسری قسم کا ارادہ تکوینیہ ہے جو تقدیر و تخلیق خداوندی پر مشتمل ہوتا ہے۔ جیسے آیت فـمـن يـرد الله ان يشـرح صـدرهٔ لـلاسـلام ومـن يرد ان يضله يجعل صدره ضيقاً حرجاً میں ارادہ تکوینیہ کا بیان ہے۔ اس میں اگر خلاف ہوا تو

ارادہ تکوینی کے خلاف ہونا لازم آئے گا جو ممکن نہیں۔ پس آیت یرید اللّٰہ لیذهب عنکم الرجس میں تشریعی ارادہ مراد ہے اور تھوڑی دیر کے لئے اس آیت کو اگر عام بھی مان لیا جائے، تب بھی خطا سے عصمت کیسے لازم آئی۔ جس کے روافض قائل ہیں۔ ممکن ہے صرف گناہ سے عصمت ہو خطا سے عصمت نہ ہو۔ پھر یرید کہہ کر آئندہ کے لئے وعدہ فرمایا ہے۔ اراد نہیں فرمایا کہ پچھلے گناہوں کے صدور کا انکار ہو۔ غرض اتنے احتمالات ہوتے ہوئے آیت سے اہل بیت کی عصمت پر استدلال کی قطعاً گنجائش نہیں رہی۔ خواہ اہل بیت کے خاص معنی مراد ہوں یا مفہوم عام اور خواہ ارادہ تشریعیہ کا مراد ہونا یقینی ہو یا محتمل اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

آخر عام مومنین کے لئے بھی تو دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔ ولٰکن یرید لیطهرکم. اب رہی یہ بات کہ جب ارادہ تشریعیہ تمام مکلفین کے لئے عام ہے تو پھر اہل بیت کی کیا فضیلت رہی۔

جواب یہ ہے کہ تطہیر ایک کلی مشکک ہے۔ جس میں علی قدر مراتب عوام وخواص سب شریک ہیں۔ مگر اہل بیت کی طرف حق تعالیٰ کا زیادہ اعتناء اور التفات ہوگا۔ جیسا کہ خود اہل بیت کا عنوان بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ پس وہ فضیلت ونجات میں بھی سب سے بڑھ کر ہوں گے۔ اس سے زائد جو اور ان کے فضائل ہیں وہ اس آیت پر موقوف نہیں۔ دوسری آیات وروایات ان پر دال ہیں۔

نکات آیات: .... ۱۔ آیت میں جس طرح اہل بیت کے لئے دہرا اجر فرمایا گیا۔ اسی طرح ایک حدیث میں تین شخصوں کے لئے بھی دہرے اجر کا وعدہ فرمایا گیا۔ پس پر وہ حدیث اس آیت کے معارض نہیں ہے۔ کیونکہ عدد سے انحصار مقصود نہیں۔ چنانچہ دوسری روایت میں چار کا عدد آیا ہے اور ازواج مطہرات کو بھی ان میں شمار کیا گیا ہے۔ عن امامۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اربعة یوتون اجرهم مرتین منهم ازواج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم. (درمنثور)

۲۔ عذاب کے دہرا ہونے کو تو صرف ایک عمل یعنی "فاحشۃ مبینۃ" پر مرتب فرمایا۔ لیکن دہرے اجر کو فرمانبرداری اور نیک چلنی یعنی شریعت کے مجموعہ پر مرتب فرمایا ہے۔ کیونکہ مقبولیت عامہ کے لئے تو کل اور مجموعہ کا پایا جانا ضروری ہے۔ مگر سزا کے لئے تو فی الجملہ کمی بھی کافی ہے۔

۳۔ عذاب کے دوگنا ہونے سے آیت من جاء بالسیئة فلا یجزیٰ الا مثلها کے تعارض کا شبہ نہ کیا جائے۔ جس میں کوئی جرم کی برابر سزا کا حکم عام ہے۔ کیونکہ ازواج کی خصوصیات کے پیش نظر جرم بھی شدید سمجھا جائے گا۔ پس شدید سزا بھی اس کے مماثل ہی رہے گی۔ جیسا جرم ویسی ہی سزا۔

۴۔ ان اتقیتن میں تقویٰ کے مدار فضیلت ظاہر کرنے کے لئے یہ عنوان اختیار کیا گیا ہے اور افضلیت کا تقویٰ پر معلق ہونا بتلایا ہے۔ پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ازواج متقی نہ تھیں۔ دوسری توجیہ یہ بھی ممکن ہے کہ اتقیتن کے معنی "ومن علی التقویٰ" کے ہوں۔ یعنی افضلیت کو دوام تقویٰ سے وابستہ کیا گیا ہے۔

۵۔ لاتخضعن بالقول گو بظاہر مطلق ہے مگر مقصود خاص اجابت ہیں کہ ان سے گفتگو میں احتیاط برتو۔

۶۔ ان آیات میں اگرچہ الفاظ خاص ہیں۔ جس کی مخاطب ازواج مطہرات ہیں۔ مگر چونکہ مقصد عفت وعصمت وحیا ہیں۔ ان کی حفاظت کے لئے یہ احکام مشروع ہوئے۔ پس اس دلالت کے اعتبار سے یہ احکام سب عورتوں کے لئے عام ہیں۔ چنانچہ مقاتلؒ نے لاتبرجن کے متعلق فرمایا ہے ثم عمت نساء المومنین فی التبرج بلکہ تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ احکام چونکہ سد ذرائع کے طور پر مشروع ہوئے ہیں، ان کی علت معاشرہ سے برائیوں کو روکنا ہے اور عام عورتیں اس کی زیادہ محتاج ہیں۔ اس لئے دوسری سب عورتیں بدرجہ اولیٰ ان احکام کی مکلف ہوں گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ لفظ قرن کے مقابل تبرج کو جاہلیت کے ساتھ تشبیہ دی گئی

ہے۔ جس سے گھروں میں عورتوں کے نہ ٹھہرنے کی برائی واضح ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی برائی دوسری عورتوں کے لئے جائز نہیں ہوسکتی۔ تیسری بات یہ کہ احادیث میں بھی ہے۔ المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشیطان. جس سے ان احکام کا سب عورتوں کے لئے عام ہونا ثابت ہوگیا۔ پس خصوصی خطاب کی وجہ سے حکم کو خاص نہیں کیا جائے گا اور الفاظ لستن کاحد من النساء سے شبہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس کا حاصل تو یہ ہے کہ ازواج مطہراتؓ اوروں سے زیادہ اہتمام احکام کی مستحق ہیں اور بعض علماء نے سدِ ذرائع کی وجہ سے حجاب کو صرف ازواج کے لئے واجب لغیرہ کہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لاتخضعن اور لاتبرجن کو کسی نے خاص نہیں کہا۔ پس قرن بھی خاص نہیں ہوگا۔ جو دونوں عمومی احکام کے درمیان واقع ہے۔ البتہ قرآن کے حکم سے ضروریات مستثنیٰ ہیں۔ ارشاد نبوی قد اذن لکم ان تخرجن لحاجتکن کی وجہ سے نیز آنحضرت ﷺ کے ازواج مطہراتؓ کو سفر اور حج میں لے جانے کی وجہ سے۔

۷۔ بیوتکن میں گھروں کی نسبت ازواج مطہراتؓ کی طرف دونوں طرح کی ہوسکتی ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں ان کو مالک بنادیا ہو۔ کیونکہ میراث کا تو احتمال ہی نہیں اور یا پھر آپ کی اجازت سے سکنیٰ کے طور پر رہتی ہوں اور وفات نبوی کے بعد بھی مالکانہ تصرف نہیں ہوگا۔ بلکہ ضرورتمندوں کے اوقاف سے منتفع ہونے کے طور پر ہوگا۔ غرضیکہ ان دونوں احتمالات میں سے کسی ایک کی تعیین تو مستقل دلیل کی محتاج ہوگی۔ پھر بیوتکن کا اظہار دونوں صورتوں پر ہوسکتا ہے۔

لطائف سلوک: .... فلا تخضعن بالقول. اس میں فتنہ کے اسباب سے بچے رہنے کا حکم ہے۔ اگرچہ اسباب بعیدہ ہی ہوں۔ بالخصوص عورتوں سے کہ ان کا قصہ بڑا سخت ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ الْمُطِيْعَاتِ **وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ** فِي الْاِيْمَانِ **وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ** عَلَى الطَّاعَاتِ **وَالْخٰشِعِيْنَ** الْمُتَوَاضِعِيْنَ **وَالْخٰشِعٰتِ** الْمُتَوَاضِعَاتِ **وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ** عَنِ الْحَرَامِ **وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً** لِلْمَعَاصِيْ **وَّاَجْرًا عَظِيْمًا** ﴿۳۵﴾ عَلَى الطَّاعَاتِ **وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **لَهُمُ الْخِيَرَةُ** الْاِخْتِيَارُ **مِنْ اَمْرِهِمْ** ؕ خِلَافَ اَمْرِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ نَزَلَتْ فِي عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ وَاُخْتِهٖ زَيْنَبَ خَطَبَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنٰى لِزَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ فَكَرِهَا ذٰلِكَ حِيْنَ عَلِمَاهُ لِظَنِّهِمَا قَبْلُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَهَا لِنَفْسِهٖ ثُمَّ رَضِيَا لِلْاٰيَةِ **وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا** ﴿۳۶﴾ بَيْنًا فَزَوَّجَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِزَيْدٍ ثُمَّ وَقَعَ بَصَرُهٗ عَلَيْهَا بَعْدَ حِيْنٍ فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِهٖ حُبُّهَا وَفِيْ نَفْسِ زَيْدٍ كَرَاهَتُهَا ثُمَّ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرِيْدُ فِرَاقَهَا فَقَالَ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى **وَاِذْ** مَنْصُوْبٌ بِاُذْكُرْ **تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ** بِالْاِسْلَامِ

وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ بِالْاِعْتَاقِ وَهُوَ زَیْدُ بْنُ حَارِثَةَ کَانَ مِنْ سَبْیِ الْجَاهِلِیَّةِ اِشْتَرَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ الْبِعْثَةِ وَاَعْتَقَهٗ وَتَبَنَّاهُ **اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ** فِیْ اَمْرِ طَلَاقِهَا **وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ** مُظْهِرُهٗ مِنْ مُحَبَّتِهَا وَاَنَّ لَوْفَارَقَهَا زَیْدٌ تَزَوَّجْتَهَا **وَتَخْشَی النَّاسَ** اَنْ یَّقُوْلُوْا تَزَوَّجَ مُحَمَّدٌ زَوْجَةَ ابْنِهٖ **وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ** فِیْ کُلِّ شَیْءٍ وَیُزَوِّجُکَهَا وَلَا عَلَیْكَ مِنْ قَوْلِ النَّاسِ ثُمَّ طَلَّقَهَا زَیْدٌ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی **فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا** حَاجَةً **زَوَّجْنٰكَهَا** فَدَخَلَ عَلَیْهَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِغَیْرِ اِذْنٍ وَاَشْبَعَ الْمُسْلِمِیْنَ خُبْزًا وَّلَحْمًا **لِکَیْ لَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَکَانَ اَمْرُ اللّٰهِ** مَقْضِیُّهٗ **مَفْعُوْلًا** ﴿۳۷﴾ **مَا کَانَ عَلَی النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ** اَحَلَّ **اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ** اَیْ کَسُنَّةِ اللّٰهِ فَنُصِبَ بِنَزْعِ الْخَافِضِ **فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ** مِنَ الْاَنْبِیَاءِ اَنْ لَا حَرَجَ عَلَیْهِمْ فِیْ ذٰلِكَ تَوْسِعَةً لَهُمْ فِی النِّکَاحِ **وَکَانَ اَمْرُ اللّٰهِ** فِعْلُهٗ **قَدَرًا مَّقْدُوْرًا** ﴿۳۸﴾ مَقْضِیًّا **الَّذِیْنَ** نَعْتٌ لِلَّذِیْنَ قَبْلَهٗ **یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَیَخْشَوْنَهٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ** فَلَا یَخْشَوْنَ مَقَالَةَ النَّاسِ فِیْمَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَهُمْ **وَکَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیْبًا** ﴿۳۹﴾ حَافِظًا لِاَعْمَالِ خَلْقِهٖ وَمُحَاسِبُهُمْ **مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ** فَلَیْسَ اَبَا زَیْدٍ اَیْ وَالِدُهٗ فَلَا یَحْرُمُ عَلَیْهِ التَّزَوُّجُ بِزَوْجَتِهٖ زَیْنَبَ **وَلٰکِنْ** کَانَ **رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ** فَلَا یَکُوْنُ لَهٗ ابْنُ رَجُلٍ بَعْدَهٗ یَکُوْنُ نَبِیًّا وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ التَّاءِ کَاٰلَةِ الْخَتْمِ اَیْ بِهٖ خَتَمُوْا **وَکَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا** ﴿۴۰﴾ مِنْهُ بِاَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَهٗ وَاِذَا نَزَلَ السَّیِّدُ عِیْسٰی یَحْکُمُ بِشَرِیْعَتِهٖ

ترجمہ:.............. بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار (اطاعت شعار) عورتیں اور (ایمان میں) راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور (طاعات پر) صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع (تواضع) کرنے والے مرد اور خشوع (تواضع) کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور (حرام کاری سے) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔ ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے (گناہوں کی) مغفرت اور (فرمانبرداریوں پر) اجر عظیم تیار کر رکھا ہے اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دیں کہ ان کو (تــــکــــون تا اور یا کے ساتھ ہے) ان کے اس کام میں اختیار باقی ہے۔ (اللہ ورسول کے حکم کے برخلاف یہ آیت عبداللہ بن جحشؓ اور ان کی بہن زینبؓ کے متعلق جن کو آنحضرت ﷺ نے بہ نیت زید بن حارثؓ پیغام نکاح دیا۔ مگر ان دونوں کو ناگوار گزرا جب کہ انہیں یہ معلوم ہوا کہ یہ رشتہ زیدؓ کے لئے ہے۔ حالانکہ پہلے ان کو یہ گمان تھا کہ یہ پیغام آنحضرتؐ نے خود

اپنے لئے دیا ہے۔ تاہم اس کے بعد آیت کی وجہ سے دونوں راضی ہو گئے۔ اور جو کوئی اللہ اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں جا پڑا۔ (چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح کر دیا۔ کچھ دنوں بعد آنحضرت ﷺ کی نگاہ زینبؓ پر پڑی تو آپ ﷺ کے دل میں ان کی محبت پیدا ہوگئی اور زید کے دل میں ان سے نفرت، کچھ وقت کے بعد آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میرا ارادہ اسے چھوڑنے کا ہے۔ مگر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے ہی پاس رہنے دو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) اور اس وقت جبکہ (لفظ اذ منصوب ہے اذکر کی وجہ سے) آپ اس شخص سے فرما رہے تھے، جس پر اللہ نے (اسلام دے کر) انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا (آزاد کر کے یعنی زید بن حارثہؓ جو جاہلیت کے اسیروں میں تھے اور آنحضرت ﷺ نے انہیں نبوت کا اعلان کرنے سے پہلے خریدا اور آزاد کیا اور متبنیٰ بنالیا تھا) کہ اپنی بیوی کو اپنے ہی پاس رہنے دو اور (طلاق کے متعلق) اللہ سے ڈرو اور اپنے دل میں آپ ﷺ وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ تعالیٰ ظاہر فرمانے والا تھا (اس سے محبت کو ظاہر کر ڈالے گا اور زید چھوڑ دے گا تو ہم تمہارا نکاح ان سے کر دیں گے) اور آپ لوگوں سے اندیشہ کر رہے تھے (کہ لوگ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کر لی ہے) حالانکہ ڈرنا تو اللہ ہی سے زیادہ سزاوار ہے (پھر بعد میں اللہ آپ کا نکاح زینبؓ سے کر دے گا اور لوگوں کی باتوں کا آپ پر کچھ اثر نہیں ہوگا۔ غرضیکہ زیدؓ نے زینبؓ کو طلاق دے دی۔ اور طلاق کی عدت گزر گئی۔ ارشاد ربانی ہے) پھر زید کا جب اس سے جی بھر گیا (حاجت نہیں رہی) ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا۔ (چنانچہ آنحضرت ﷺ زینبؓ کے یہاں بلا اجازت تشریف لے گئے اور گوشت روٹی سے مسلمانوں کو شکم سیر کیا) تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کچھ تنگی نہ رہے۔ جب وہ ان سے اپنا جی بھر لیں اور اللہ کا حکم (فیصلہ) تو ہونے ہی والا تھا۔ یعنی اللہ نے جو کچھ مقرر (حلال) کر دیا تھا اس میں نبی پر کوئی الزام نہیں ہے اللہ کا یہی معمول رہا ہے۔ (یعنی یہ معاملہ اللہ کی عادت کے مطابق ہے۔ پس لفظ سنۃ منصوب ہے حذف جار کے بعد) ان کے بارے میں جو آپ سے پہلے ہو چکے ہیں (انبیاءؑ کہ اس بارے میں ان کے لئے تنگی نہیں رکھی۔ ان کو نکاح میں وسعت دینے کے لئے) اور اللہ تعالیٰ کا حکم (کام) خوب تجویز کیا ہوا (پورا) ہوتا ہے۔ (یہ جملہ پہلے جملہ کی صفت ہے) جو اللہ کے پیغامات پہنچایا کرتے تھے اور اسی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے (لہٰذا آپ بھی لوگوں کے پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوئیے۔ ان احکام کے سلسلے میں جو اللہ نے ان کے لئے حلال کئے ہیں) اور اللہ حساب کے لئے کافی ہے (لوگوں کے اعمال کا نگراں اور باز پرس کرنے والا) محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں (چنانچہ آپ ﷺ زید کے والد بھی نہیں ہیں۔ اسی لئے ان کی بیوی زینبؓ سے آپ ﷺ کا نکاح بھی ناجائز نہیں ہے) لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں (اسی لئے آپ کا کوئی بیٹا نہیں رہا کہ وہ آپ کے بعد نبی ہوتا اور ایک قرأت میں لفظ خاتم ضمہ تا کے ساتھ ہے۔ یعنی آپ مہر کی طرح ہیں جو کسی کام کے ختم پر لگائی جاتی ہے) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (منجملہ ان کے یہ بات بھی کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو آپ ہی کی شریعت کے مطابق فیصلے فرمائیں گے)۔

تحقیق وترکیب: ...... ذاکرین اللّٰہ. زبان ودل ہمہ وقت ذکر سے تر رہیں۔ کثرت ذکر کی علامت یہ ہے کہ آنکھ کھلتے ہی زبان پر اللہ کا نام جاری ہو جائے اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ کوئی کثیر الذکر اس وقت تک نہیں کہا جائے گا جب تک اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں ذکر کا ورد نہ ہو جائے۔

ماکان لهم الخیرة. مفسر علامؒ نے اختیار سے تفسیر کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ مصدر ہے خلاف قیاس جیسے طیرۃ اور لهم اور امرهم کی ضمیر جمع نکرہ کی طرف بلحاظ معنی راجع ہے اور علامہ طیبی نے ضمیر جمع کی طرف عدول کا نکتہ لکھا ہے کہ جس طرح ہر فرد کو اللہ و

رسول کے مقابلہ میں اختیار باقی نہیں رہتا۔ اجتماعی طور پر بھی یہ اختیار باقی نہیں ہے۔ اگرچہ جماعتی تاثیر وقوت ایک ایک فرد سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور لفظ ماکان لھم ممانعت کے معنی میں آتا ہے اور کبھی امتناع عقلی کے لئے بھی آتا ہے جیسے ماکان لکم ان تنبتو ا شجرھا میں اور کبھی امتناع شرعی کے لئے بھی آتا ہے، جیسے ماکان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا میں ہے۔

اشترا ہ۔ یہ صورۃ شراء ہے۔ ورنہ آزاد کی خرید وفروخت ظاہر ہے کہ صحیح نہیں۔ حضرت زیدؓ اصل سے شریف عرب تھے۔ لڑکپن میں کوئی ظالم انہیں پکڑ کر لے آیا اور مکہ کے بازار میں بیچ گیا۔ نیز وہ زمانہ فترۃ کا واقعہ ہے۔ اس وقت تک اسلام نہیں آیا تھا۔ پھر مسلمانوں کے جنگی قیدی کہاں ہوئے۔ اسی طرح دراصل ان کو حضرت خدیجہؓ نے حکیم بن حزام کے ذریعہ چارسو درہم میں خرید کر حضور ﷺ کو ہبہ کیا تھا۔ آپؐ نے خود نہیں خریدا تھا۔ اس لئے یہ دونوں باتیں تسامح پر محمول ہوں گی۔

حضرت زیدؓ جب ذرا ہوشیار ہوئے تو ایک تجارتی سفر میں اپنے وطن کے قریب سے گزرے۔ ان کے اعزہ کو پتہ لگ گیا۔ آخر ان کے باپ، چچا، بھائی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چاہا کہ معاوضہ لے کر زیدؓ ان کے حوالہ کردیں۔ مگر آپ نے بلا معاوضہ ان کو لے جانے کی اجازت دے دی۔ لیکن زید جانے پر رضامند نہ ہوئے۔ آپ نے ان کو آزاد کر کے بیٹا بنالیا۔ چنانچہ ان کا نام زید بن محمد پڑ گیا۔ مگر آیت ادعوھم کے بعد جب شرف نسب منقطع ہوگیا اور ان کا اصلی نام زید بن حارثہ پکارا جانے لگا تو اللہ نے اس کی تلافی اس طرح فرمائی کہ قرآن میں صراحت کے ساتھ ان کا نام ہمیشہ کے لئے ثبت ہوگیا جو تمام صحابہؓ میں ان کے لئے امتیاز و شرف کا باعث بنا۔

للذی انعم اللہ۔ اس عنوان میں نکتہ یہ ہے کہ خلاف ضمیر بات وہی کہی جاتی ہے جہاں تکلف کے پردے حائل ہوں یا کسی کی وجاہت مانع ہو۔ مگر زید جب آپ کے ممنون احسان ہیں تو آپ ان سے بے تکلف دل کی بات فرما سکتے تھے۔ اس رکھ رکھاؤ کی آخر کیا ضرورت تھی۔ (روح المعانی)

امسک۔ معنی حبس کے متضمن ہونے کی وجہ سے علی کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے۔

وتخفی فی نفسک۔ یعنی آپ ﷺ کو یقین تھا کہ ان پر نبھاؤ نہیں ہو سکے گا اور نوبت طلاق کی آئے گی اور آپ ﷺ کو خود نکاح کرنا ہوگا۔ مگر بیرونی مصالح کی وجہ سے آپ ﷺ زبان پر نہیں لا رہے تھے۔ لیکن افسانہ محبت کو محققین نے بے بنیاد اور بے اصل کہا ہے۔

قضی زید منھا وطرا۔ وطر کے معنی حاجت کے ہیں۔ بیوی کی طرف جب التفات نہیں رہتا تو پھر طلاق کی نوبت آجاتی ہے۔

زوجنا کھا۔ یعنی یہ آسمانی نکاح ہے۔ معمول کے مطابق عام نکاح نہیں کہ باقاعدہ اولیاء اور گواہوں کی ضرورت پیش آئے۔

بغیر اذن۔ آسمان پر یہ جوڑی چونکہ مل چکی تھی اس لئے نہ اجازت کی ضرورت زنان خانے میں جانے کے لئے پیش آئی اور نہ کوئی مہر بندھا اور نہ رسمی طور پر عقد نکاح ہوا۔ یہ آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔ ۳ یا ۵ ہجری میں یہ واقعہ ہوا۔ چنانچہ ایک بکری ذبح ہوئی اور گوشت روٹی کا ولیمہ ہوا۔

سنۃ اللہ۔ بمعنی دستور یہ جملہ ماکان علی النبی من حرج کی تاکید کے لئے۔

ماکان محمد۔ آنحضرت ﷺ کا نام نامی محمد جو آپ ﷺ کے جد امجد کا تجویز کردہ اور اس عالم ناسوت میں معروف ہے۔ قرآن کریم میں چار جگہ آیا ہے۔ سورۂ آل عمران وما محمد الا رسول اور احزاب ماکان محمد ابا احد اور سورۂ محمد نزل علی محمد سورۂ فتح محمد رسول اللہ اور چاروں جگہ وصف رسالت کے ساتھ بلکہ اس آیت میں وصف خاتمیت رسالت بھی لایا گیا ہے۔ محمد اور محمود بمعنی ستودہ صفات یہ نام آپ سے پہلے کسی کا نہیں ہوا۔ جس طرح آپ کا نام بے مثال ہے۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ

آپ بھی بے مثال ہی رہے۔ اس کے مقابلہ میں کفار نے آپ کا نام "مذمم" رکھ لیا تھا اور یہ نام لے کر آپ کو برا بھلا کہتے تھے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا یہ لوگ مذمم کی برائی کر رہے ہیں اور میں مذمم نہیں محمد ہوں۔ الحمد للہ کہ اس طرح اللہ نے مجھے ان کی برائی سے بچالیا ہے۔ صرف ایک جگہ قرآن میں آپ کا آسمانی اور کتب سابقہ میں تجویز کردہ اسم گرامی احمد سورۂ صف میں آیا ہے۔ "**اسمہ احمد**" پہلے نام میں بلحاظ محمودیت مبالغہ ہے اور اس نام میں باعتبار حامدیت مبالغہ ہے۔ واقعی دونوں صاف اوصاف ہیں۔ آپ سب سے بڑھ کر ہیں۔ آپ کسی مرد کے حقیقی باپ نہیں ہیں اور نہ کوئی مرد آپ کا حقیقی بیٹا ہے۔ بلاشبہ آپ کے دو تین صاحبزادے ہوئے، مگر بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ مرد کہلانے کی حد تک نہیں پہنچ سکے۔ اسی طرح حضرت فاطمہؓ وغیرہ دختری اولاد ہیں پسری نہیں ہیں۔ اس لئے لفظ رجال پر شبہ نہ کیا جائے۔

یا لفظ **کم** پر نظر کی جائے۔ یعنی صحابہ میں آپ کسی کے حقیقی باپ نہیں اور نہ کوئی صحابی آپ کے حقیقی بیٹے ہیں۔ زید بلاشبہ صحابی ہیں، مگر مجازاً بیٹے ہیں۔ یعنی لے پالک۔ اس سے ان کی اور عام مسلمانوں کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آ جاتا۔ قیامت تک سب مسلمان مثل اولاد کے ہیں۔ پس یہ علاقہ زید کی مطلقہ بیوی سے آپ کے نکاح میں حارج نہیں بن سکتا۔ ہاں منہ بولے باپ ہونے کے علاوہ دوسری روحانی حیثیت آپ کے رسول اللہ ہونے کی ہے۔ اس طرح آپ مربی ہونے کی وجہ سے روحانی باپ اور زید آپ کے روحانی بیٹے ہو گئے اور اس میں بھی خاتم الانبیاء ہونے کی وجہ سے آپ کی حیثیت اکمل ترین مربی کی ہے۔

ربط: .... پچھلی آیات کے احکام میں اصل روئے سخن ازواج مطہراتؓ کی طرف تھا اور ان کے اعمال پر اجر وثواب اور پاکیزگی کی بشارت تھی۔ اسی کے ساتھ عام مسلمانوں کے مرد ہوں یا عورتیں، اسی خصوصی فضل وعنایت کی بشارت دی جارہی ہے۔ چنانچہ ایک طرف "مغفرت" کا لفظ ہے اور دوسری طرف اذھاب رجس کا، اسی طرح ایک طرف اجر عظیم کے الفاظ ہیں اور دوسری طرف "**اجرھا مرتین**" کے الفاظ۔ پس یہ دونوں اطراف قریب قریب مفہوم رکھتے ہیں۔ نیز شان نزول کی روایت سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔

اور چونکہ سورت کے اہم ترین مقاصد میں سے اجلال نبوی ہے۔ اسی کی ایک شاخ آپ کی ایذا رسانی سے بچنا ہے۔ ایذا رسانی کی دوسری نوع جس کا اجمالی ذکر پہلے آچکا ہے، اس کا تفصیلی ذکر آیت **واذ تقول** میں آرہا ہے۔ اس سے پہلے آیت **وما کان لمؤمن** میں اس واقعہ کا ابتدائی حصہ بیان کیا جارہا ہے۔ یعنی زید وزینب کی شادی کا تذکرہ، جس میں آنحضرت ﷺ کے متعلق تیسری نوع کی عظمت مقصود ہے کہ باوجود طبعاً کسی چیز کے ناپسند ہونے کے نبی کا حکم ہونے کی وجہ سے ان کو مان لینا ضروری ہے۔ اس سے اطاعت رسول ﷺ کا وجوب ثابت ہوا۔

شانِ نزول: .... بقول قتادہؒ کسی عورت نے آپ کی کسی بیوی سے آ کر عرض کیا کہ ازواج کا ذکر تو قرآن میں ہے پر ہمارا ذکر یہاں کہیں نہیں آیا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ تب تو اس کی تائید ظاہر ہے ہی۔ البتہ اگر دوسری روایت لی جائے، جس میں حضرت ام سلمہؓ کی طرف اس تمنا کی نسبت ہے تو اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ازواج کا ذکر تو چل ہی رہا ہے۔ پھر کیسے یہ تمنا ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ عام احکام میں عورتوں کی شمولیت کی ان کی تمنا تھی۔ تاہم عورتوں کے ساتھ مردوں کا ذکر ملا دینے میں جواب کی طرف اشارہ ہے کہ عورتوں کا مستقل تذکرہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ ضمناً سب احکام میں وہ شریک ہیں۔

آیت **وما کان لمؤمن** اس وقت نازل ہوئی جب آنحضرت ﷺ نے اپنے متبنّٰی کے لئے پیغام نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کے لئے بھیجا۔ وہ یہ سمجھیں کہ آپ یہ رشتہ خود اپنے لئے چاہتے ہیں لیکن صورت حال جب معلوم ہوئی تو اپنی عالی نسبی اور

خوبصورتی کے عزم میں زید بن حارثہؓ کے معاملہ پر نظر ڈالی تو آزاد شدہ غلام اور پھر سیاہ فام، اس لئے بہن بھائی دونوں کو یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہ آئی اور رشتہ نامنظور کر دیا۔ مگر آیت نازل ہونے کے بعد نکاح ہوگیا۔ مفسر علامؒ نے بعد کے واقعہ کی جونوعیت لکھی ہے ائمہ تفسیر میں سے مقاتلؒ اور قتادہؒ سے ایسی ہی منقول ہے اور ابن جریرؒ وغیرہ نے بھی اسی کو لیا ہے اور یہ کہ زیدؓ کو جب آپ ﷺ کی دلی خواہش کے حال معلوم ہوا، ادھر زینبؓ کی زبان ومزاج کی تیزی سے وہ خود برداشتہ خاطر تھے، تو ان وجوہات سے انہوں نے طلاق کا ارادہ کرلیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے روکا اور سمجھایا کہ طلاق دینے سے باز رہیں۔ اور مقاتلؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ زیدؓ کی تلاش میں ان کے گھر پہنچے تو زینب پر نظر پڑی جو سور ہی تھیں۔ بے ساختہ آپ کی زبان سے نکلا۔ **سبحان الله مقلب القلوب**۔ حضرت زینبؓ نے یہ کلمات سن کر زیدؓ سے نقل کئے۔ زیدؓ نے صورت حال کی نزاکت کو محسوس کر کے آنحضرت ﷺ سے طلاق کی اجازت چاہی۔ جس سے آپ ﷺ نے روکا۔

لیکن قشیریؒ اور قاضی عیاضؒ نے اس سارے افسانہ کی تردید کردی۔ کیونکہ اول تو زینبؓ آپ کی قریبی رشتہ دار تھیں۔ بچپن سے آپ کی دیکھی بھالی ہوں گی۔ نیز عورتیں آپ سے اس وقت پردہ بھی نہیں کرتی تھیں۔ پھر خود آپ نے ہی زور دے کر ان کا نکاح زیدؓ سے کرایا۔ اندریں حالات اس کی اصلیت کیا رہ جاتی ہے اور بعض نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔ اگر چہ کہنے والے کی طرف اس کی نسبت صحیح ہو۔ تاہم نبوت کی شان عالی کے قطعاً منافی ہے۔ بلکہ محققین کی جماعت اخفاء محبت کی بجائے اخفاء نکاح کو لفظ **تخفی** کا مقصد قرار دیتی ہے۔ چنانچہ علی بن حسین سے بھی یہی منقول ہے اور قرطبیؒ نے بھی اسی کی تحسین کی ہے اور زہریؒ، قاضی بیضاویؒ، ابوبکر بن علاءؒ، قاضی ابوبکرؒ بن عربی جیسے راسخین کی رائے بھی یہی ہے۔

زوجنا کھا۔ چنانچہ بقول انسؓ حضرت زینبؓ فخریہ کہا کرتی تھیں۔ **زوجکن به اها لیکن و زوجنی الله من فوق سبع سموات**۔ یا پھر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کرتیں۔ **جدی و جدک واحد ولیس من نسائک من ھی کذالک غیر وقد انکحنیک الله والسفیر فی ذالک جبریل**۔ اور نکاح کی نوعیت بھی خصوصی اور غیر معمولی ہوئی کہ زینب کی طلاق اور عدت کے بعد آنحضرت ﷺ نے خود زید کو ایلچی بنا کر بھیجا اور فرمایا۔ **ما اجد احدا اوثق فی نفسی منک اخطب علی زینب**۔ چنانچہ حضرت زیدؓ جب پیغام لے کر پہنچے تو حضرت زینبؓ آٹا گوندھ رہی تھیں۔ انہوں نے بشارت سنائی۔ جس سے وہ خوش ہوگئیں اور آپ بلا اطلاع پھر ان کے پاس خلوت میں تشریف لے گئے۔ تو زینبؓ نے عرض کیا بھی **بغیر خطبة و بغیر شهود**؟ فرمایا۔ **الله المزوج و جبریل الشاهد**۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بیویوں میں سب سے پہلے ترپن سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔

﴿ تشریح ﴾: .... عام صحابیات میں سے کسی عورت نے اس خواہش کا اظہار کیا ہوگا کہ ازواج کی طرح قرآن میں ہمارا بھی ذکر ہوتا یا حضرت ام سلمہؓ نے یہ تمنا کی ہو کہ عام احکام شرع میں مردوں کی طرح ہمارا بھی مستقل ذکر ہونا چاہئے۔ حالانکہ جو احکام مردوں سے متعلق قرآن میں آئے ہیں وہی عموماً عورتوں پر بھی عائد ہوتے ہیں۔ جداگانہ نام لینے کی ضرورت نہیں۔

قرآن میں عورتوں کو خصوصی خطاب: .... البتہ جہاں تک عورتوں کے خصوصی مسائل اور احکام کا تعلق ہے، وہ الگ بتلا دیئے گئے ہیں۔ تاہم پھر بھی عورتوں کی دلداری اور دلجمعی کے لئے آیات "ان المسلمین الخ" نازل ہوئی، جس کا حاصل یہی ہے کہ جس طرح مردوں کو روحانی، اخلاقی ترقی کرنے کے ذرائع حاصل ہیں، عورتوں کے لئے بھی یہ میدان کشادہ ہے اسی کے ساتھ ازواج مطہراتؓ کا ان آیات میں خصوصی ذکر ان کی عزت اور شرف کا باعث ہے۔

چند نکات: .... اسلام سے مراد فرائض اعمال ہیں اور ایمان سے مراد عقائد شرعیہ ہیں اور قنوت کا تعلق جملہ عقائد واعمال سے ہے کہ ان میں مکمل اطاعت ہو۔ کچھ پس وپیش اور کراہت نہ ہو اور صادقین میں صدق قولی، صدق عملی، صدق اعتقادی سب آ گئے۔ یعنی بات میں جھوٹا، عمل میں سست اور نیت واعتقاد میں ریاکار منافق نہ ہو۔

اسی طرح صابرین میں صبر طاعات، صبر معاصی، صبر مصائب تینوں قسمیں آ گئیں۔ خاشعین اس میں تواضع اور عبادات میں قلب وجوارح کی توجہ بھی داخل ہے۔ المتصدقین۔ اس میں زکوٰۃ اور صدقات وخیرات سب آ گئے۔ اسی طرح صائمین میں فرضی، نفلی ہر قسم کے روزے آ گئے۔

الحافظین مردوں کے ذکر میں فروجهم کی تصریح کرنے اور **الحافظات** سے عورتوں کے تذکرہ میں تصریح نہ کرنے کا نکتہ یہ ہے کہ اس میں اول تو عورتوں کو حیا کی تعلیم دینی ہے کہ جب ہم تعلیم کے موقعہ پر بھی محض اشارہ کنایہ پر اکتفاء کرتے ہیں تو تمہیں حیا کا کتنا اہتمام کرنا چاہئے۔ نیز مردوں کو صرف شرمگاہ اور ان کے متعلقات کا تحفظ کافی ہے، لیکن عورت کی ہر چیز عورت ہوتی ہے۔ اسے رفتار، گفتار، آواز، لباس، ہر چیز میں حفظ واحتیاط کی پاسداری ضروری ہے۔

میاں بیوی کی جوڑی بے جوڑ ہوگئی: .... اول تو حضرت زینبؓ کی خاندانی حیثیت بہت بلند تھی، پھر مزید آپ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں مگر زید بن حارثہؓ بظاہر غلامی کا داغ اٹھا کر آزاد ہوئے تھے اس لئے باوجود آنحضرت ﷺ کی خواہش کے انہیں اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحشؓ کو یہ رشتہ پسند نہیں تھا۔ لیکن اللہ ورسول کے پیش نظر یہ مصلحت تھی کہ اس طرح کی موہوم تفریقات اور توہمات نکاح کے راستہ میں حائل نہ ہوا کریں۔ اس لئے آیت "وما كان لمؤمن الخ" نازل ہوئی سن کر سب نے اپنی مرضی اللہ ورسول کی مرضی پر قربان کردی اور زیدؓ وزینبؓ رشتہ نکاح میں منسلک ہو گئے۔ مسئلہ کفایت اس سے متعلق مصالح بلاشبہ صحیح اور قابل لحاظ ہیں۔ لیکن محض خیالی اونچ نیچ اور عرفی وہمی مزعومات پر ضرب کاری لگانے کے لئے آنحضرت ﷺ نے یہ شادی کرا کر ایک مثال قائم کردی۔

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کہاں کہاں واجب ہے: .... من امرهم عام ہے دینی امر ہو یا دنیاوی کوئی بھی حکم اگر آپ جزماً فرمادیں تو اس کی تعمیل واجب ہوگئی۔ البتہ جو بات محض رائے اور مشورہ کے طور پر دنیاوی معاملات میں فرمائیں۔ اس کا یہ درجہ نہیں۔ جیسا کہ حدیث تابیر انتم اعلم بامور دنیا کم میں ارشاد ہے اور دنیاوی امور کی قید اس لئے لگائی کہ گو دینی معاملات میں بھی اگر کوئی حکم جزماً نہ فرمائیں تو اس کا اتباع بھی واجب نہیں ہے۔ جیسے کہ نوافل میں۔ لیکن اتنی بات ضروری ہے کہ اس میں اعتقادی اتباع واجب رہے گا۔ عملاً اتباع نہ سہی برخلاف دنیاوی امور کے ان میں ان کے مصلحت یا نافع ہونے پر اعتقاد کرنا بھی ضروری نہیں۔ اس لئے حدیث تابیر میں آپ نے انتم اعلم بامور دنیاکم کے مقابلہ میں اذا امرتکم بشیء من الدین فرمایا۔

زینبؓ کے نکاح اول کی مشکل گتھی: .... یہاں نکاح زینبؓ کے سلسلہ میں آپ نے دینی مصالح کے پیش نظر زور دے کر اصرار فرمایا ہوگا۔ اس لئے تعمیل ضروری ہوئی۔ لیکن جب نکاح ہوگیا تو زینبؓ کی نظر میں زید فقیر لگنے لگے اور تھیں بھی حضرت زینبؓ کچھ تیز مزاج۔ اس لئے موافقت نہ ہوسکی۔ بات بات پر تکرار ہونے لگی۔ زید آ کر آنحضرت ﷺ سے شکایت کرتے کہ اس طرح نبھاؤ

مشکل ہے۔ اس لئے میں چھوڑتا ہوں۔ مگر آپ منع فرما دیتے کہ اس نے اپنی منشاء کے خلاف اللہ ورسول کی خاطر یہ ایثار کیا۔ اور اس عرفی ذلت کو برداشت کیا۔ اب چھوڑو گے تو خاندان کے لوگ یہ دوسری ذلت سمجھیں گے۔ اس لئے اللہ سے ڈرو۔ اس ارادہ سے باز رہو اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بگاڑ نہ کرو۔ نبھاؤ کی کوشش کرو۔ مگر گاڑی نہ چل سکی۔ بریک لگ گئے اور نوبت طلاق کی جا پہنچی۔ ممکن ہے حضرت زیدؓ قرائن سے یہ سمجھ گئے ہوں کہ طلاق نہ دینے کو محض آپ بطور رائے ومشورہ کے فرما رہے ہیں۔ اس کو نہ ماننا **"ومن یعص اللہ"** میں داخل نہیں ہے۔ جیسا کہ اسی قسم کے واقعہ نکاح میں حضرت بریرہؓ کو حضرت مغیثؓ کے پاس رہنے کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا اور انہوں نے وضاحت چاہی کہ یہ مشورہ ہے یا حکم؟ فرمایا کہ محض مشورہ ہے تو بریرہؓ نے اس مشورہ کو منظور نہیں کیا اور شرعی اختیار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علیحدگی اختیار کرلی تھی۔

غرضیکہ اس مرحلہ پر پہنچ کر آپ عجیب نازک صورتحال سے دو چار ہو گئے۔ ادھر تو زینبؓ کے ایثار وقربانی کا خیال، پھر اس پر یہ ملال کہ اب عرف میں ایک آزاد شدہ غلام کی مطلقہ کہلائے گی۔ ایک نہیں دو صدمے برداشت کرنے پڑیں گے محض میری بات رکھنے کے لئے۔ اس لئے اس کی تلافی اور تدارک کی بجز اس کے کوئی صورت نظر نہ آئی کہ خود زینبؓ سے نکاح کرلیں۔ جس بات کا پہلے دھوکہ کھا چکی تھیں اسے حقیقت سے بدل دیں۔ شاید اس کا ٹوٹا ہوا دل جڑ جائے۔ لیکن ساتھ ہی جاہل نادانوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ ہوا کہ کہیں گے اپنے بیٹے کی جورو گھر میں رکھ لی۔ ادھر تیسرا رخ یہ کہ اللہ کو منظور تھا کہ پیغمبر عملی طور پر اس جاہلانہ خیال کی تغلیط کردیں اور پہلے خود اقدام کر کے مسلمانوں کے لئے راہ آسان کردیں کہ آئندہ اس میں کوئی ہچکچاہٹ رکاوٹ باقی نہ رہے اور جاہلانہ خیال کا قلع قمع ہو جائے۔

حکم الٰہی کے اظہار اور اس پر عملدرآمد میں ادنیٰ تامل باعث شکایت ہے:............آیت **اذ تقول الخ** میں محبت آمیز عتاب ہے جس میں یہ تاثر بھی ہو رہا ہے کہ آپ کو بذریعہ وحی جب پہلے سے زینبؓ کے ساتھ اپنا نکاح ہونا معلوم ہو چکا تھا۔ پھر آپ زیدؓ کو کیوں فہمائش کرتے رہے؟ اگرچہ اس نکاح ثانی کے وقت کی تعیین نہ ہونے کی وجہ سے یہ فہمائش کچھ اس کے منافی بھی نہ تھی۔ تاہم آپ چاہتے ہوں گے کہ جب تک وہ وقت نہ آئے نکاح کو برقرار رکھنا ہی بہتر ہے اور **"زوجنا کھا"** کی دونوں تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ ہم نے نکاح کر دیا ہے۔ اب رسمی طور پر نکاح، گواہ، مہر کی حاجت نہیں۔ چنانچہ امام محمدؒ نے بغیر گواہوں کے نکاح کی اباحت مانی ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ ہماری تجویز کے مطابق آپ نکاح کرلیں۔ جیسا کہ ابن ہشامؒ کی روایت میں ہے۔ **زوجھا ایاھا اخوھا ابو احمد بن حجش وامھرلھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع مائۃ درھم.** فقہاء نے **زوجناک** سے مسئلہ ولایت نکاح بھی مستنبط کیا ہے۔

قرطبی میں ہے۔ **فیہ دلیل علی ثبوت الولی فی النکاح.** الحاصل **تخفی فی نفسک** سے مراد نکاح کی یہی گتھی ہے۔ اس میں تین گرہیں پڑ رہی تھیں۔ ایک طرف زینبؓ کی قربانی اور دلجوئی دوسری طرف آسمانی پیش گوئی، تیسری طرف عوام کے طعن وتشنیع اس لئے نکاح کی بات زبان پر لاتے بھی اول اول جھجکتے اور زیدؓ کو طلاق دینے کا مشورہ دیتے بھی حیا دامن گیر ہوتی۔ آخر خواہی نہ خواہی یہ سارے مراحل ہو گئے اور آپ نے عزیمت اور پختگی سے اللہ کی تکوین تشریع کے مطابق قدم اٹھا دیا۔ قرآن نے **"قضاء وطر"** کا جامع لفظ بول دیا۔

بعض مفسرین کی قلمی لغزش: ....کشاف میں ہے۔ والمعنی فلما لم یبق لزید فیھا حاجۃ وتقاصرت عنھا ھمتہ، وطابت عنھا نفسہ وانقضت عدتھا. اس موقعہ پر حاطب اللیل مفسرین ومورخین نے جو بے سروپا اور لغو قصے درج کردیئے ہیں وہ نقلاً اور عقلاً ناقابل اعتناء ہونے کے ساتھ شان رسالت کے بھی منافی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ لاینبغی التشاغل بھا کا مشورہ دیتے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ اجبنا ان نضرب عنھا صفحا لعدم صحتھا فلا نوردھا.

علاوہ ازیں تخفی فی نفسک کا مصداق بعض مفسرین اگر محبت قرار دیتے ہیں تو پھر ما اللہ مبدیہ کے مطابق اس محبت کا اعلان و اظہار کہاں ہوا ہے۔ اسی لئے محققین نے اس تفسیر کو درخور اعتناء نہیں سمجھا۔ رہ گئے بعض عیسائی اہل قلم، انہوں نے بھی اس موقع پر نامہ اعمال خوب خوب سیاہ کیا ہے۔ لیکن خدا کی شان انہیں میں اہل انصاف نے اس کا توڑ بھی کردیا ہے۔

آگے ما کان علی النبی من حرج سے یہ بتلانا ہے کہ جب اللہ کا حکم اٹل ہے اور اس کی طے کی ہوئی بات پوری ہو کر رہتی ہے۔ پھر آپ کو اس میں کیا تامل؟ اللہ کے نبیوں، رسولوں کو پیغام الٰہی پہنچانے میں نہ پہلے کبھی تردد ہوا اور نہ آپ کو کبھی تردد ہوا۔ پھر یہ نکاح کے معاملہ میں رکاوٹ کیسی؟ آخر حضرت داؤد علیہ السلام کے سو بیویاں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہزار بیویاں تھیں۔ کہنے والوں کا منہ نہ تو اس وقت بند ہوا اور نہ اب بند ہو۔ پھر ان کی پرواہ کیا؟ آپ ان نکتہ چینیوں کا مطلقاً خیال نہ کیجئے۔

ایک علمی نکتہ اور ضروری تحقیق: ....وکان امر اللہ مفعولا. یہی مضمون دوبارہ وکان امر اللہ قدراً مقدوراً کے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے آپ کے قصہ میں پھر انبیاءؑ کے تذکرہ میں اس مضمون کو دہرانے میں اشارہ کرنا ہے کہ اللہ کے تمام کام چونکہ مبنی بر مصالح ہوتے ہیں، اس لئے ان میں نبی پر طعن درحقیقت اللہ پر طعن کرنا ہوگا۔ پہلا جملہ تو صرف اللہ کی تجویز کو پورا ہو کر رہنے پر "بمادتہ" دلالت کر رہا تھا۔ اس میں تقدیر کی نسبت الی اللہ پر دلالت نہیں تھی۔ اس لئے مکرر خاص عنوان لاکر نسبت الی اللہ سے اس نکتہ کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ البتہ جن امور پر حق تعالیٰ ملامت فرمادیں وہ اگرچہ مقدر ہونے کی وجہ سے حکمت و مصلحت کو متضمن ہوں، مگر اس پر ملامت اور نکیر ہونا اس کے متضمن بمفاسد ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ اس لئے ان مفاسد کی رو سے ان پر نکیر اور روک ٹوک صحیح ہوگی۔

آخر وجہ حرمت نکاح کیا ہے؟: ....ذرا سوچنے کی بات ہے کہ آپ زیدؓ کے جب حقیقی باپ نہیں ہیں تو پھر علاقہ زوجیت کے لئے کوئی بھی سبب حرمت نہیں ہے۔ پھر جب طعن کا مبنیٰ ہی غلط ہے تو بناء فاسد علی الفاسد ہوئی اور ایک زید کیا۔ آپ تو مردوں میں سے کسی کے بھی حقیقی باپ نہیں ہیں۔ کیونکہ نرینہ اولاد تو اس آیت کے نزول کے وقت پیدا ہی نہیں ہوئی اور کچھ لڑکے اس سے پہلے گزر گئے، دختری اولاد ہوئی۔ لیکن ان میں سے بھی حضرت فاطمہؓ سے نسل چلی۔ یوں تو مردوں کی طرح آپ دوسری عام عورتوں کے بھی باپ نہیں ہیں۔ لیکن رجالکم کی تخصیص اول تو اس لئے ہے کہ کلام زید میں ہو رہا ہے۔ دوسرے مردوں کی بیویوں سے نکاح کرنے کا محل تو ہے، پر عورتوں کی بیویوں سے نکاح کرنے کے کوئی بھی معنی نہیں۔ البتہ آپ رسول اللہ ﷺ کے ہونے کے ناطے بلاشبہ روحانی باپ اور مربی کامل ہیں۔ بلکہ خاتم الانبیاء ہونے کے لحاظ سے ابدی طور پر روحانی اور اکمل ترین مربی ہیں۔ مگر وہ موجب اعتراض اور باعث حرمت نہیں۔ بلکہ اور قاطع اعتراض اور وجہ حلت ہے۔ غرضیکہ آپ اور زیدؓ میں جو علاقہ ہے وہ وجہ حرمت نہیں اور جو وجہ حرمت ہے وہ علاقہ یہاں موجود نہیں ہے، پھر اعتراض کیسا؟

آفتابِ نبوت ورسالت کی ضیا پاشی: .... آپ چونکہ خاتم الانبیاء ورسول اور مہر نبوت ورسالت ہیں۔اس لئے اب کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی۔جن کو ملنی تھی مل چکی۔اس لئے آپ ﷺ کی نبوت کا دور سب نبیوں کے بعد رکھا جو تا قیامت جاری رہے گا۔حضرت مسیح علیہ السلام اگر چہ نبی ہیں،مگر آخر زمانہ میں جب وہ تشریف لائیں گے تو ان کی نبوت کا عمل جاری نہ ہوگا۔ بلکہ بحیثیت امتی کارگزار ہوں گے۔ جہاد کا موقوف کرنا، جزیہ کو اٹھا دینا،صلیب توڑ دینا، یہ سب آنحضرت ﷺ کے ہی ارشاد فرمودہ احکام ہوں گے جن کے تنفیذ وہ فرمائیں گے۔حدیث میں ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی بجز میری اتباع کے چارہ نہ ہوتا۔

اسی لئے بعض محققین کے نزدیک آپ ﷺ کی مثال آفتاب جیسی ہے کہ جس طرح عالم اسباب میں روشنی کے تمام مراتب سورج پرختم ہو جاتے ہیں اور وہی اصل کرۂ نور ہے،تمام چاند،ستارے،اسی سے مستنیر ہوتے ہیں۔رات میں چاہے سورج دکھلائی نہ دے پر چاند ستارے اسی سے منور رہتے ہیں۔اسی طرح نبوت ورسالت کے سارے منازل آپ پرختم ہیں اور انبیاء سابقین اپنے اپنے عہد میں بھی آپ ہی کی روحانیت کبریٰ سے مستفیذ ہوتے رہے ہیں۔آپ رتبی، زمانی، مکانی، ہرلحاظ سے خاتم ہیں،جن کو نبوت ملی آپ ہی کی مہر لگ کر ملی۔ختم نبوت کا عقیدہ،قرآن وحدیث،اجماع،قطعی دلائل سے ثابت ہے۔اس کا منکر کسی بھی لحاظ سے ہو،ظلی، بروزی،اصلی نیز وہ بڑا ہو یا چھوٹا بلاشبہ سب کی تکفیر کی جائے گی۔البتہ ارباب بصیرت جن کو اہل اللہ سمجھتے ہوں۔ان میں سے کسی کی زبان قلم سے اگر کوئی سکری کلمہ نکل گیا ہو اور وہ ثابت بھی ہو جیسے شیخ اکبر کے متعلق کہا جاتا ہے تو ان کے حسن حال کے پیش نظر اس کی تاویل کی جائے گی۔

لطائفِ سلوک: .... وتخشی الناس سے معلوم ہوا کہ جس کام میں دینی مصلحت ہو جیسے اس واقعہ زینب میں شرعی مصلحت تھی۔جس کو لکیلا یکون علی المؤمنین من حرج میں ظاہر فرمایا گیا ہے تو اس میں کسی کی ملامت اور طعن وتشنیع کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔البتہ جس کام میں مصلحت کی بجائے عامہ مومنین کے لئے کسی مفسدہ کا مظنہ ہو اس میں اقدام کرنے سے احتیاط کرنی چاہئے۔جیسے حطیم بیت اللہ کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ نے کیا تھا۔

ماکان محمد اباحد سے معلوم ہوا کہ معنوی باپ جیسے استاد،شیخ،ان کا حکم حقیقی باپ جیسا نہیں ہے۔مثلاً: میراث یا نفقہ یا حرمت نکاح کے احکام میں اس کے لئے عوام جہلا کا یہ خیال غلط ہے کہ مریدنیوں کا پیر سے کیا پردہ۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ﴿۴۱﴾ **وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا** ﴿۴۲﴾ اَوَّلَ النَّهَارِ وَاٰخِرَهٗ **هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ** اَیْ یَرْحَمُکُمْ **وَمَلٰٓىِٕكَتُهٗ** اَیْ یَسْتَغْفِرُوْنَ لَکُمْ **لِیُخْرِجَكُمْ** لِیُدِیْمَ اِخْرَاجَهٗ اِیَّاکُمْ **مِّنَ الظُّلُمٰتِ** اَیِ الْکُفْرِ **اِلَى النُّوْرِ** اَیِ الْاِیْمَانِ **وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا** ﴿۴۳﴾ **تَحِیَّتُهُمْ** مِنْهُ تَعَالٰی **یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ** بِلِسَانِ الْمَلٰٓئِکَةِ **وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِیْمًا** ﴿۴۴﴾ هُوَ الْجَنَّةُ **یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا** عَلٰی مَنْ اُرْسِلْتَ اِلَیْهِمْ **وَّمُبَشِّرًا** مَنْ صَدَّقَكَ بِالْجَنَّةِ **وَّنَذِیْرًا** ﴿۴۵﴾ مُنْذِرًا مَنْ كَذَّبَكَ

بِالنَّارِ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ اِلٰى طَاعَتِهٖ بِاِذْنِهٖ بِاَمْرِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ اَيْ مِثْلَهٗ فِي الْاِهْتِدَاءِ بِهٖ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ هُوَ الْجَنَّةُ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ فِيْمَا يُخَالِفُ شَرِيْعَتَكَ وَدَعْ اُتْرُكْ اَذٰهُمْ لَا تُجَازِهِمْ عَلَيْهِ اِلٰى اَنْ تُؤْمَرَ فِيْهِمْ بِاَمْرٍ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط فَهُوَ كَافِيْكَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾ مُفَوَّضًا اِلَيْهِ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَفِيْ قِرَاءَةٍ تُمَاسُّوْهُنَّ اَيْ تُجَامِعُوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ج تُحْصُوْنَهَا بِالْاَقْرَاءِ اَوْ غَيْرِهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ اَعْطُوْهُنَّ مَا يَتَمَتَّعْنَ بِهٖ اَيْ اِنْ لَّمْ يُسَمِّ لَهُنَّ اَصْدِقَةً وَاِلَّا فَلَهُنَّ نِصْفُ الْمُسَمّٰى فَقَطْ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾ خَلُّوْا سَبِيْلَهُنَّ مِنْ غَيْرِ اِضْرَارٍ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ مُهُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ مِنَ الْكُفَّارِ بِالسَّبْيِ كَصَفِيَّةَ وَجُوَيْرِيَّةَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ز بِخِلَافِ مَنْ لَّمْ يُهَاجِرْنَ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ق يَطْلُبُ نِكَاحَهَا بِغَيْرِ صَدَاقٍ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ط النِّكَاحُ بِلَفْظِ الْهِبَةِ مِنْ غَيْرِ صَدَاقٍ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ مِنَ الْاَحْكَامِ بِاَنْ لَّا يَزِيْدُوْا عَلٰى اَرْبَعِ نِسْوَةٍ وَلَا يَتَزَوَّجُوْا اِلَّا بِوَلِيٍّ وَّشُهُوْدٍ وَّمَهْرٍ وَفِيْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ مِنَ الْاِمَاءِ بِشِرَاءٍ اَوْ غَيْرِهٖ بِاَنْ تَكُوْنَ الْاَمَةُ مِمَّنْ تَحِلُّ لِمَالِكِهَا كَالْكِتَابِيَّةِ بِخِلَافِ الْمَجُوْسِيَّةِ وَالْوَثَنِيَّةِ وَاَنْ تُسْتَبْرَاَ قَبْلَ الْوَطْءِ لِكَيْلَا مُتَعَلِّقٌ بِمَا قَبْلَ ذٰلِكَ يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ط ضِيْقٌ فِي النِّكَاحِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا فِيْمَا يَعْسُرُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾ بِالتَّوْسِعَةِ فِيْ ذٰلِكَ تُرْجِيْ بِالْهَمْزَةِ وَالْيَاءِ بَدَلَهٗ تُؤَخِّرُ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ اَيْ اَزْوَاجِكَ عَنْ نَوْبَتِهَا وَتُـْٔوِيْٓ تَضُمُّ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ط مِنْهُنَّ فَتَاْتِيْهَا وَمَنِ ابْتَغَيْتَ طَلَبْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ مِنَ الْقِسْمَةِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ط فِيْ طَلَبِهَا وَضَمِّهَا اِلَيْكَ خُيِّرَ فِيْ ذٰلِكَ بَعْدَ اَنْ كَانَ الْقَسْمُ وَاجِبًا عَلَيْهِ ذٰلِكَ التَّخْيِيْرُ اَدْنٰٓى اَقْرَبُ اِلٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ مَا ذُكِرَ الْمُخَيَّرُ فِيْهِ كُلُّهُنَّ ط تَاكِيْدٌ لِلْفَاعِلِ فِيْ يَرْضَيْنَ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ط مِنْ اَمْرِ النِّسَاءِ وَالْمَيْلِ اِلٰى بَعْضِهِنَّ وَاِنَّمَا خَيَّرْنَاكَ فِيْهِنَّ تَيْسِيْرًا عَلَيْكَ فِيْ كُلِّ مَا اَرَدْتَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا بِخَلْقِهٖ حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾ عَنْ عِقَابِهِمْ لَا يَحِلُّ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ ۢ بَعْدُ

التسع اللّٰتی اخترنک وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بترك احدی التائین فی الاصل بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ بان تطلقهن او بعضهن و تنکح بدل من طلقت وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَامَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ط من الاماء فتحل لك وقد ملك بعدهن ماریة القبطية وولدت له ابراهیم ومات فی حیوته وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾ حفیظا

ع ۱۲ ۳

ترجمہ:............ اے ایمان والو! اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو اور صبح وشام (شروع دن، آخر دن) اس کی تسبیح کرتے رہا کرو کہ وہ ایسا ہے کہ تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی (تمہارے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں) تا کہ تم کو نکالتا رہے (ہمیشہ اس کی طرف سے تمہیں نکالنا جاری رہے کفر کی) تاریکیوں سے (ایمان کے) نور کی طرف اور اللہ تعالیٰ مومنین پر بہت مہربان ہے، ان کی دعا (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) جس روز اللہ سے ملیں گے، سلام ہوگا (فرشتوں کی زبانی) اور اس نے ان کے لئے بہترین جزا (جنت) تیار کر رکھی ہے۔ اے نبی! بلاشبہ ہم نے آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا کہ آپ گواہ ہوں گے (جن کے پاس تم کو بھیجا گیا ہے) اور آپ (اپنے ماننے والوں کو جنت کی) بشارت دینے والے (نہ ماننے والوں کو جہنم کی آگ سے) ڈرانے والے ہیں اور اللہ کی (اطاعت کی) طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں (یعنی راہ دکھلانے میں چراغ کی طرح ہیں) اور ایمان والوں کو خوشخبری دے دیجئے کہ ان پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہونے والا ہے (جنت کا) اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ کیجئے (اپنی شریعت کی مخالفت میں) اور نظر انداز کیجئے (چھوڑ یئے) ان کی ایذا رسانی کو (ان سے بدلہ نہ لیجئے۔ تاوقتیکہ اپ کو اس بارے میں حکم نہ دیا جائے) اور اللہ پر بھروسہ کیجئے (وہی آپ کو کافی ہے) اور اللہ ہی کارسازی کے لئے بس ہے (سب کچھ اس کے حوالے) اے ایمان والو! تم جب مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر تم انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو (اور ایک قرائت میں تماسوھن ہے یعنی تمہارے ہم بستر ہونے سے پہلے) تو تمہاری ان پر کوئی عدت نہیں ہے جسے تم شمار کرنے لگو (حیض کے ذریعہ یا طہر کے ذریعہ) تو کچھ متعہ کا سامان دے دو (یعنی اتنا دے دو کہ وہ اپنا کچھ کام چلا لیں۔ اگر ان کا مہر مقرر نہیں ہوا۔ ورنہ انہیں مہر مقررہ کا صرف آدھا حصہ دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد یہی ہے اور امام شافعیؒ کا مسلک بھی) اور خوبی کے ساتھ انہیں رخصت کر دو (بغیر نقصان پہنچائے انہیں جانے دو) اے نبی! ہم نے آپ کے لئے آپ کی یہ بیویاں جن کو آپ مہر دے چکے ہیں حلال کی ہیں اور وہ عورتیں بھی جو آپ کی ملک میں ہیں جنہیں اللہ نے آپ کو غنیمت میں دیا ہے (کافروں کو قید کر کے جیسے حضرت صفیہؓ اور حضرت جویریہؓ) اور آپ کے چچاؤں کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو (برخلاف ان مذکورہ قرابت دار عورتوں کے جنہوں نے ہجرت نہیں کی) اور اس مسلمان عورت کو بھی جو بلاعوض خود کو نبی کے حوالہ کر دے بشرطیکہ پیغمبر اسے نکاح میں بھی لانا چاہیں (بلامہر اس سے نکاح کے خواہش مند ہوں) یہ آپ کے لئے مخصوص ہے نہ اور مومنین کے لئے (بلامہر۔ ہبہ کے لفظ سے نکاح کا ہو جانا) ہمیں معلوم ہے جو ہم نے ان پر مقرر کیا ہے (مسلمانوں پر) ان کی بیویوں کے بارے میں (یعنی یہ احکام کہ چار بیویوں سے زیادہ نہ کریں اور بغیر ولی، گواہ، مہر کے نکاح نہ کریں) اور ان کی باندیوں کے بارے میں (خواہ وہ خریدی ہوئی ہوں یا کسی اور طرح سے آئی ہوں۔ یہ حکم کہ وہ باندی ایسی ہونی چاہئے۔ جو اپنے آقا کے لئے حلال ہو جیسے کتابیہ باندی برخلاف مجوسی اور بت پرست باندی کے اور یہ حکم کہ آپ ہم بستر ہونے سے پہلے استبراء رحم کر لیں) تا کہ (اس کا تعلق

ماقبل سے ہے) آپ کے لئے کسی قسم کی تنگی نہ رہے (نکاح کی دشواری) اور اللہ (جن باتوں سے بچنے میں دشواری ہوا نہیں) بخشنے والا (اس کو آسان بنا کر) رحمت کرنے والا ہے۔ دور رکھ سکتے ہیں (لفظ تــرجـی ہمزہ کے ساتھ اور ہمزہ کے بدلہ یا کے ساتھ مؤخر کر سکتے ہیں) ان میں سے آپ جس کو چاہیں (یعنی بیویوں کی باری کو) اور قریب رکھ سکتے ہیں (اپنے پاس) آپ جس کو چاہیں (خواہش مند ہوں) اور اگر آپ یاد کرائیں (بلائیں) ان عورتوں میں سے جنہیں آپ نے (باری سے) دور کر رکھا تھا۔ تب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں ہے (ان کا طلب کرنے اور اپنے پاس رکھنے میں یہ اختیار آپ کو بعد میں ملا ہے پہلے آپ پر بیویوں کی نوبت مقرر کرنا ضروری تھا) اس (اختیار دینے) میں زیادہ توقع (امید) ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور آزردہ خاطر نہ ہوں گی اور جو کچھ بھی آپ انہیں عنایت کردیں گے (مذکورہ اختیارات میں سے) اس پر سب کی سب راضی رہیں گی (لفظ کـلـهن فاعل یـر ضين کی تاکید ہے) اور اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی سب باتیں جانتا ہے (عورتوں کا حال اور ان میں سے بعض کی طرف آپ کا میلان۔ اور آپ کو یہ اختیار دینے کا مقصد آپ کی خواہش کے مطابق سہولت دینا ہے) اور اللہ تعالیٰ (اپنی مخلوق کے مطابق) سب کچھ جاننے والا (ان کو سزا دینے میں) برد باری سے کام لینے والا ہے حلال نہیں ہیں (تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے) آپ کے لئے ان کے علاوہ عورتیں (نو عورتیں جنہوں نے دنیا کے مقابلہ میں آپ کو ترجیح دے لی ہے) اور نہ یہ درست ہے کہ آپ تبدیل کرلیں (تبدل دراصل تتبدل تھا۔ ایک تا حذف کردی گئی ہے) ان بیویوں کی جگہ دوسری بیویاں کرلیں ان سب کو یا بعض کو طلاق دے دیں اور مطلقہ کے بدلہ دوسری سے نکاح کرلیں) چاہے آپ کو حسن بھلا ہی لگے۔ مگر ہاں بجز ان کے جو آپ کی باندیاں ہوں (باندیاں اور بھی حلال ہیں۔ چنانچہ ماریہ قبطیہ اس کے بعد آپ کے حرم میں داخل ہوئیں جن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور آپ کے سامنے ہی وفات پا گئے) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پورا نگراں (محافظ) ہے۔

تحقیق وترکیب: .... سبـحـوه ۔صبح شام کی تخصیص ان اوقات کی فضیلت کی وجہ سے ہے اور تسبیح سے مراد سبحـان الله والـحـمد لله ولا الٰه الا الله والله اكبر ولا حول ولا قوة الا بالله ہے مجموعہ پر تسبیح کا حکم کردیا گیا ہے اور بعض نے نماز صبح وعصر مراد لی ہے اور کلبی لفظ بکرۃ سے نماز فجر اور اصیلاً سے بقیہ چاروں نمازیں مراد لیتے ہیں۔

يـصـلـی ۔ رحيماً کے قرینہ کی وجہ سے اس کے معنی رحمت کے ہیں اور رحمت اللہ اور فرشتوں میں قدرے مشترک ہے۔ اگرچہ دونوں کی حقیقت میں فرق ہے۔ یا عموم مجاز کے طریق پر عنایت واہتمام کے معنی لئے ہیں۔ اللہ کی طرف نسبت کی صورت میں رحمت کے معنی اور فرشتوں اور انسانوں کی طرف نسبت کرنے میں دعا واستغفار کے معنی ہوں گے۔ ہر ایک کا اعتناء اس کے شایان شان ہوگا۔

ليـخــرجـكم ۔ مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے کہ کفر سے اخراج تو محض ایمان لانے سے ہوجاتا ہے۔ البتہ کفر وغفلت اگر مسلسل ہوگی تو پھر اخراج بھی دوامی ہوگا۔

يوم يلقونه ۔ موت کا وقت یا قبر سے اٹھنے کا وقت یا جنت میں داخل ہونے کا وقت مراد ہے۔

تحيتهم ۔ مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے۔

نذيراً ۔ مفسرؒ علامؒ نے اشارہ کیا ہے کہ فعيل بمعنی مفعول ہے جیسے اليم بمعنی مولم اور جريح بمعنی مجروح۔

باذنه ۔ اس حکم سے مراد اگر انا ارسلنا لك ہے تب تو وہ حاصل ہے پھر باذنه کا کیا منشا تو کہا جائے گا کہ اذن سے مراد سہولت و آسانی ہے۔

سراجاً منیراً. مراد سورج ہے یا چراغ اور منیر کی قید اس لئے ہے کہ سورج گرہن اور بادلوں میں گھرا ہوا نہ ہو اور چراغ میں تیل بتی کم نہ ہو۔ بہرحال آنحضرت ﷺ کو دونوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

تمسوھن. مفسر علامؒ نے شافعی المسلک ہونے کی رعایت کرتے ہوئے دونوں قرائتوں کی تفسیر جماع سے کی ہے امام اعظمؒ کے نزدیک خلوت صحیحہ جماع ہی کے حکم میں ہے۔

فما لکم. لام سے اشارہ اس طرف عدت میں شوہر کا مفاد پیش نظر ہے۔ تاکہ استقرار حمل کی صورت میں نسبت محفوظ رہے۔ البتہ بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں نفس نکاح کو ہم بستری کے قائم مقام قرار دے دیا گیا ہے۔ جیسے: خلوت صحیحہ سے پہلے ہی شوہر انتقال کر جائے بالخصوص نابالغی کی حالت میں۔

فمتعوھن. مطلقہ بیوی سے اگر مجامعت ہو چکی ہے یا بغیر مجامعت کے ہے۔ مگر مہر مقرر ہے یا مجامعت ہو چکی مگر مہر مقرر نہیں۔ تو ان تینوں صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک متعۃ الطلاق مستحب ہے اور مہر بھی مقرر نہیں اور ہم بستری بھی نہیں ہوئی۔ تو ایسی مطلقہ کو متعہ دینا واجب ہوگا۔ امام احمدؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے اور امام مالکؒ سب صورتوں میں مستحب کہتے ہیں۔ بجز اس کے کہ مہر مقرر ہو اور جماع نہ ہوا ہو۔ اس صورت میں واجب ہے۔ امام شافعیؒ کے جدید قول میں اس کا برعکس ہے اور متعہ اصح قول کی بناء پر قمیص دوپٹہ چادر تین کپڑے ہیں۔

افاء اللہ علیک. صفیہؓ اور جویریہؓ کو بطور مثال بیان کرنا اس وقت صحیح ہوگا۔ جب کہ ماملکت کا عطف اتیت اجورھن صلہ پر کیا جائے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں سے نکاح ان کو آزاد کرنے کے بعد کیا تھا۔ لیکن اگر ماملکت کا عطف ازواجک پر کیا جائے۔ تو پھر مثال میں ماریہ اور ریحانہ کا ذکر کرنا صحیح ہوگا۔

ھاجرن معک. جیسے ام ہانی جنہوں نے ہجرت نہیں کی۔ اس لئے ان سے نکاح ناجائز رہا۔

بنت عمک. آیت میں دادھیالی نانہالی لڑکیوں کا ذکر ہے۔ لفظ عم اور لفظ خال کو مفرد اور عمات و خالات کو جمع کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ پہلے دونوں لفظ بغیر تا کے ہیں اضافت کی وجہ سے ان میں عموم ہو سکتا ہے۔ لیکن عمات و خالات میں تا کی وجہ سے عموم نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ بھی اس کی توجیہ کے سلسلہ میں بہت سے نکات بیان کئے گئے ہیں۔ جن میں سے یہ تین سب سے بہتر ہیں۔

۱۔ ان الفاظ میں صنعت جناس کی ایک نوع کی رعایت منظور ہے۔ یعنی عین میم کا ایک ساتھ ہو کر الفاظ عم وعمات میں پایا جانا اسی طرح خ، الف، لام کا ایک ساتھ ہو کر الفاظ خال و خالات میں پایا جانا۔ اگر بجائے عم و خال کے اعمال واخوال لائے جاتے تو مذکورہ حروف میں اتصال باقی نہ رہتا اور صنعت تجنیس فوت ہو جاتی۔

۲۔ منجملہ فوائد نکاح کے دو گھرانوں میں باہمی معاونت اور ایک دوسرے کی مدد کرنا ہوتا ہے اور ظاہر ہے۔ کہ یہ تعاون مردوں سے ہوا کرتا ہے نہ کہ عورتوں سے اور تعاون کے لئے ضروری ہے کہ سب مل کر ایک ہو جائیں۔ اس لئے عم و خال مذکروں کو مفرد لایا گیا ہے۔ عمات و خالات مؤنثوں کو مفرد لانے میں یہ نکتہ نہیں تھا۔ اس لئے انہیں مفرد نہیں لایا گیا۔

۳۔ اشعار عرب میں کہیں بھی ابن و بنت کے الفاظ اعمام کے ساتھ استعمال نہیں ہیں۔ بلکہ مفرد لفظ عم کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں یعنی ابن عم۔ بنت عم کہتے ہیں۔ ابن اعمام بنت اعمام نہیں کہتے اور خال کو بھی عم کی طرح اسی مناسبت کی وجہ سے مفرد لایا گیا ہے۔ لیکن عمات وخالات کو اپنی اصل پر جمع لایا گیا ہے۔

وامرأۃ مؤمنۃ. اس کا اور بنات وخالات کا ناصب اگر احللنا ہے تو بعض حضرات نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ احللنا ماضی

ہے اور امرأۃ کی صفت ان وھبت مستقبل ہے اور احللنا جواب شرط کے درجہ میں ہے۔ حالانکہ جواب شرط معناً ماضی نہیں ہوا کرتا۔ لیکن یہ اعتراض درست نہیں ہے۔ کیونکہ احلال کے معنی یہاں فعل واقع ہوجانے کے بعد جواز کی اطلاع دینے کے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ مستقبل ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے۔ ابحت لک ان تکلم فلانا ان سلم علیک. اس میں بھی جواز تکلم ترتب سلام کرنے کے بعد ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ امرأۃ کا ناصب تحل لک فعل مقدر ہے اور یہی تقریر "بنات خالتک" کی ہوگی۔

خالصۃ. عافیۃ کی طرح مصدر ہے اس کی عام قراءت نصب ہے۔ اس میں کئی ترکیبیں ہوسکتی ہیں:۔

۱۔ فاعل وھبت سے حال ہو۔

۲۔ امرأۃ سے حال ہو اور صفت کی وجہ سے خالص نکرہ نہیں رہا یہ رائے زجاج کی ہے۔ دونوں ترکیبوں کا حاصل ایک ہی ہے۔

۳۔ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ ای ھبۃ خالصۃ اس میں عامل وھبت ہے۔

۴۔ مفعول تاکید کے لئے ہے وعد اللّٰہ کی طرح یا تقدیر عبارت اس طرح ہو۔ خلص لک ھذہ الا حلالات خصوصا لا یشارکہ فیھا غیرک. بلا مہر نکاح کا آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص ہونا ائمہ ثلاثہ کی رائے ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک دوسروں کا نکاح بھی بغیر مہر منعقد ہوجائے گا۔ البتہ حضور ﷺ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ پر مہر واجب نہیں ہے دوسروں پر مہر واجب ہے۔ پھر شوافع کے نزدیک مقدار مہر کی کوئی تعیین نہیں ہے نہ کمی کی لحاظ سے اور نہ زیادتی کی اعتبار سے ان کے نزدیک مہر ثمن کی طرح ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک مقدار مہر کم از کم دس درہم ہے۔ آیت قد علمنا ما فرضنا کی وجہ سے جو مجمل ہے۔ حدیث لا مھرا قل من عشرۃ دراہم اس کا بیان ہے یا حد سرقہ یعنی ید پر قیاس کرلیا جائے جو کم از کم دس درہم مالیت چرانے پر جاری ہوگی۔ البتہ مقدار مہر کی زیادتی غیر متعین ہے۔

لکیلایکون. اس کا تعلق خالصۃ لک کے ساتھ ہے اور قد علمنا جملہ معترضہ ہے۔

ممن عزلت. یعنی نوبت اور باری سے خارج مراد ہے۔ لیکن طلاق رجعی کے ذریعہ خارج ہونا مراد لیا ہے۔

فلا جناح. آیت کی تفسیریں مختلف کی گئی ہیں۔ مشہور معنی یہ ہیں کہ پہلے بیویوں کی باری آپ پر بھی واجب تھی۔ مگر اس کے بعد اختیاری رہ گئی۔

لا یحل لک. یہ آیت پہلی آیت انا احللنا کی وجہ سے منسوخ ہوگئی ہے۔ جو تلاوۃً مقدم اور نزولاً مؤخر ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے۔ مامات رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حتی حل لہ من النساء ما شاء اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ ان چار مذکورہ قسموں کے علاوہ اور کوئی قسم آپ کے لئے جائز نہیں ہے۔ پس اس صورت میں آیت محکم رہے گی منسوخ نہیں ہوگی۔ کشاف اور مدارک میں بھی ایسا ہی ہے۔ لیکن قاضی نے آیت لا یحل کا ناسخ آیت ترجی من تشاء الخ کو مانا ہے جو تلاوۃ مقدم اور نزولاً مؤخر ہے اور بعض کے نزدیک اس کا عکس ہے۔

چنانچہ ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ حبسہ اللّٰہ علیھن کما حبسھن علیہ. حسنؒ اور ابن سیرینؒ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ علامہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ لا یحل لک میں اختلاف یہ ہے کہ اس سے مراد آیا یہ ہے کہ ان اوصاف مذکورہ کے علاوہ دوسری اور کوئی قسم کی عورت آپ کے لئے حلال نہیں ہے۔ جیسا کہ ابی ابن کعبؓ اور ان کے موافقین اس طرح گئے ہیں۔ اور یا یہ مطلب ہے کہ موجودہ بیویوں میں آپ کو اختیار دینے کے بعد کوئی مزید نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اکثر قراء نے لایحل پڑھا ہے۔ کیونکہ فاعل جمع مؤنث غیر حقیقی ہے اور ابوعمر و یعقوب نے لاتحل پڑھا ہے۔

الا ماملکت. اس میں دوصورتیں ہیں۔ایک یہ کہ من النساء نے مستثنیٰ ہو۔ پھر اس میں دوصورتیں ہیں۔اصل استثناء کی وجہ سے نصب یا بدل کی وجہ سے رفع۔ اور یہی مختار ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ازواج مستثنیٰ ہو۔ اس میں بھی اصل استثناء کی وجہ سے نصب ہواور یالفظ منھن سے بدل کی وجہ سے موضع جر میں ہواور یامنھن سے بدل بناتے ہوئے محل نصب میں ہو۔

ربط :.......... نکاح زینبؓ کے سلسلہ میں طعن وتشنیع کا رد کیا گیا تھا اور اسی میں آپ ﷺ کی رسالت اور ختم نبوت کے شرف کا ذکر تھا۔آیت یا ایھا الذین میں مسلمانوں کواس کے شکریہ میں ذکر اللہ اور اطاعت الٰہی کا حکم اور اپنے مختلف احسانات کا تذکرہ کیا جارہا ہے اور نیز آنحضرت ﷺ کی فضیلت اور دفعیہ طعن کی تاکید کے لئے آپ کے مزید فضائل بیان کئے جارہے ہیں۔جلالت نبوی ﷺ کی یہ چوتھی قسم ہوئی۔

اس کے بعد آیت یا ایھا الذین اٰمنوا...... الخ سے جلالت شان کی پانچویں قسم بیان کی جارہی ہے۔یعنی حضور ﷺ کے نکاح سے متعلق اختصاصی احکام کا بیان مقصود ہے۔ اصل اختصاصی مضمون تو یاایھا النبی ..... الخ سے شروع ہوگا۔لیکن اس سے پہلے بطور تمہید عام مسلمانوں کے لئے نکاح سے متعلق ایک حکم بیان کیا جارہا ہے۔تا کہ احکام امت اور احکام نبی میں امتیاز اور خصوصیت نمایاں ہوجائے۔

شان نزول:.......... عبد بن حمید اور ابن المنذر کی تخریج ہے کہ جب آیت ان اللہ وملائکتہ الخ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔یارسول اللہ! آپ کے لئے جب بھی کوئی خیر آئی تو اس میں ہمیں بھی شریک کیا گیا ہے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ھو الذی یصلی علیکم وملائکتہ.

ابن جریرؒ اور ابن عکرمہؒ نے تخریج کی ہے کہ جب آیت لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تاخر نازل ہوئی۔تو صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! ہمیں معلوم ہے کہ اللہ کے یہاں آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔مگر ہم یہ نہیں جانتے کہ ہمارا کیا بنے گا۔اس پر آیت وبشر المومنین بان لھم من اللّٰہ فضلاً کبیراً نازل ہوئی۔ترمذی کی روایت ام ہانیؓ سے ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے پیغام نکاح دیا تو میں نے عذر کیا کہ میں نے ہجرت نہیں کی۔اس پر آیت التی ھاجرن معک نازل ہوئی اور آپ کو اجازت نکاح نہیں ہوئی۔

﴿تشریح﴾:...... **آفتاب نبوت ورسالت**:.......... آنحضرت ﷺ کو سراجاً منیراً سے تشبیہ دی گئی ہے جس کا مصداق چراغ یا آفتاب ہے چراغ تک رسائی بھی آسان اور اس سے روشنی حاصل کرنا ہر وقت ممکن ہے اور وہ سہل الحصول بھی ہے۔نیز اس سے روشنی حاصل کرنا بالقصد ہوتا ہے اور صحیح المزاج وتندرست انسان کو اس سے ناگواری کسی وقت بھی نہیں ہوتی۔اسی کے ساتھ اس میں ایک شان انیس ہونے کی بھی ہے۔ان سب وجوہ کو انبیاء علیہم السلام کی شان سے زیادہ مناسبت ہے۔لیکن شاید چراغ اس جگہ اس معنی میں ہو جس کا ذکر سورۂ نوح کی آیت جعل القمر فیھن نوراً وجعل الشمس سراجاً میں ہے یعنی آپ آفتاب نبوت وہدایت ہیں جس کے طلوع ہونے کے بعد کسی دوسری روشنی کی ضرورت نہیں رہی سب روشنیاں اس نور اکبر اور نور اعظم میں گم ہوگئیں۔

مخالفین کی خوشی کا سامان نہ ہونے دیجئے:.......... ولا تطع الکافرین یعنی مخالفین کی ہر طرح کی ایذاء رسانیوں کے خیال کو چھوڑ کر اللہ پر بھروسہ رکھئے۔اپنی رحمت سے کام بنانا اور منکروں کو راہ پر لانا یا سزا دینا سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔آپ اس کی فکر

اورالجھن میں نہ پڑ جائے۔ مخالفین کا منشا یہی ہے کہ طعن وتشنیع سے گھبرا کر اور شرارتوں سے پریشان ہو کر کام چھوڑ بیٹھیں ہر چند کہ آپ سے اس کا احتمال نہیں۔ مگر خود رنج فی نفسہ اس کا مظنہ ہوسکتا ہے۔ بالفرض اگر آپ ایسا کریں گے تو ان کا مطلب پورا کر دیں گے اور حد درجہ اس سے بچنے کے لئے اس خیال کو بھی اطاعت سے تعبیر کیا ہے ورنہ عصمت کے ہوتے ہوئے انبیاءؑ سے یہ کیسے ممکن ہے۔

نکاح کا ایک عمومی حکم: .... چونکہ حضرت زینبؓ کے نکاح کا ذکر ہوا۔ اس مناسبت سے آگے آنحضرت ﷺ کے لئے خصوصی احکام نکاح بیان کئے جارہے ہیں۔ مگر ان سے پہلے عمومی انداز میں پہلے کچھ احکام نکاح بطور تمہید ارشاد ہیں کہ اگر بیوی کو جماع سے پہلے طلاق دینے کی نوبت آجائے تو ایسی حالت میں عدت کی ضرورت نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک بیوی سے خلوت صحیحہ کرنے کا حکم بھی ہم بستر ہونے کا ہے۔ ایسی عورت کو ایک جوڑا پوشاک حسب حیثیت یا اوسط درجہ کا دے کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردو۔

آیت میں مومنات کی قید احترازی نہیں ہے بلکہ قید اولویت ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں کتابیہ بیویوں کا حکم بھی یہی ہے۔ متعۃ الطلاق کی تفصیل اور احکام سورۂ بقرہ کی آیت **لا جناح علیکم ان طلقتم** کے ذیل میں گزر چکی ہے اور خوبصورتی کا مطلب یہ ہے کہ ناحق اس کو نہ روکے رکھے۔ اس کا جو کچھ حق ہو اس کو بھی نہ دبائے اور جو کچھ اس کو دے چکا ہے۔ اس میں سے واپس نہ لے۔ کوئی تیز ترش بات اس کو نہ کہے۔ روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ جب آپ ﷺ اس کے نزدیک گئے۔ بولی "اللہ تجھ سے پناہ دے" آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے بہت بڑے کی پناہ پکڑی اور ایک جوڑا دے کر آپ ﷺ نے اس کو رخصت کر دیا۔ پھر وہ اپنی محرومی پر ساری عمر پچھتاتی رہی۔

اس پر یہ آیت **اذا نکحتم المؤمنات** نازل ہوئی اور خطاب عام مسلمانوں سے اس لئے فرمایا کہ تخصیص کا شبہ نہ رہے۔ سب مسلمانوں کے لئے بھی یہی حکم ہے۔

آنحضرت ﷺ کے لئے نکاح کے سات خصوصی احکام: .... اس کے بعد سات خصوصی احکام بیان کئے جارہے ہیں جن کا تعلق ذات اقدس سے ہے۔

۱۔ آپ ﷺ کی موجودہ بیویاں جن کی تعداد نو (۹) تھی اور جن کا مہر بھی آپ ادا کر چکے ہیں۔ یہ سب آپ کے لئے حلال ہیں۔ اس میں خصوصیت اور آپ کی فضیلت ظاہر ہے کہ اتنی تعداد بیک وقت کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ زائد سے زائد ایک مسلمان بیک وقت چار بیویاں کرسکتا ہے اس میں " **آتیت اجورھن** " کی قید احترازی نہیں بلکہ قید واقعی ہے یعنی سب کو آپ نے مہر دیا ہے۔

۲۔ جو باندیاں آپ کو غنیمت میں دستیاب ہوئی ہیں۔ وہ بھی خاص طور پر آپ کے لئے حلال ہیں۔ اس میں **مما افاء الله** کی قید اتفاقی ہے یہ بھی قید احترازی نہیں ہے۔ مقصد اصلی صرف یہ ہے کہ سبب ملک کا شرعی ہونا یقینی ہو۔ مال فی اور غنیمت صرف بطور مثال کے ہے۔ چنانچہ باندی خریدنے یا کسی کے ہبہ کر دینے سے جواز ہی رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آخر آیت میں صرف **ماملکت یمینک** ہے جس میں کوئی قید نہیں ہے۔ رہی اس حکم کی وجہ تخصیص؟ سو عجب نہیں کہ جو لونڈی وفات تک آپ کے پاس رہی جیسے حضرت ماریہ قبطیہؓ وہ بھی آپ کی ازواج مطہرات کی طرح دوسروں کے لئے حرام ہو۔ کیونکہ اخیر دم تک ساتھ رکھنا محبت وخصوصیت کی دلیل ہے اور محبت وخصوصیت کے لوازم عادیہ میں سے غیرت ہے۔ پس ایسی باندی اگر دوسرے کے لئے حلال کر دی جاتی تو ممکن ہے تعلق وخصوصیت اور شدت غیرت سے یہ سوچ کر آپ کو کلفت اور تنگی ہوتی۔ کہ دوسرا اس میں شریک ہوگا۔ ہاں آپ کسی کو اپنی باندی ہبہ کر دیں یا فروخت کر دیں تو یہ بیچنا اور ہبہ کرنا خود دلیل ہے۔ ضعف تعلق وترک خصوصیت کی اس لئے آپ کو رنجش وکلفت بھی نہ ہوگی۔

اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے جوایک چیز پسند کر لینے کا آپ کو اختیار تھا جسے اصطلاح میں صفی کہا جاتا ہے یعنی شاہی خاصہ، پس خاصہ میں اگر کسی باندی کو پسند فرمالیں تو یہ آپ کی خصوصیت ہوگی۔ جیسے غزوۂ خیبر میں حضرت صفیہؓ کو آپ نے پسند فرمایا۔ نیز اہل حرب کی طرف سے بھی جو ہدیہ آپ کو ملتا تھا وہ خاصہ کہلاتا تھا۔ دوسروں کو صفی کا لینا جائز نہیں تھا۔ جیسے شاہ مقوقس نے ماریہ قبطیہؓ پیش کی تھی۔ غرض اس طرح وجوہ تخصیص تین ہو جاتی ہیں۔ یا ممکن ہے اس کے علاوہ اور وجوہ تخصیص ہوں جو آپ کے دور کے لوگوں کو معلوم ہوں اور ضرورت بھی انہی لوگوں کے معلوم ہونے کی تھی۔ کیونکہ خصوصیات کے اثرات ظاہر ہونے کا وقت دراصل وہی تھا۔

۳۔ آپ کی دادھیالی، نانہیالی خاندان کی وہ عورتیں جو آپ کی طرح ہجرت میں شریک ہوں۔ خواہ کسی وقت بھی انہوں نے ہجرت کی ہو وہ آپ کے لئے حلال ہیں۔ اس میں " **بنات عم و خال** " تو قید احترازی نہیں ہے۔ والد یا والدہ کے رشتہ کی تمام عورتیں اس میں داخل ہیں۔ جیسا کہ معالم وغیرہ تفسیروں سے معلوم ہوتا ہے۔ البتہ **ھاجرن** کی قید بظاہر احترازی ہے چنانچہ آپ کی چچازاد بہن ام ہانی فرماتی ہیں۔ **فلم اکن احل لہ لا نی لم اھاجر معہ کنت من الطلقاء**۔ ابن عباسؓ اور مجاہدؒ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے اور **معک** سے معیت زمانی یا مکانی مراد نہیں۔ بلکہ فعلی معیت مراد ہے اور وجہ اس شرط لگانے کی یہ ہوسکتی ہے کہ قرابت دار چونکہ عموماً بے تکلف زیادہ ہوتے ہیں اور زیادہ بے تکلفی درستی اخلاق کئے بغیر اکثر باعث کلفت ہوجایا کرتی ہے اور درستی اخلاق اور اصلاح نفس کا بہت بڑا ذریعہ ہجرت ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اس میں جو پریشانیاں اور مشکلات پیش آتی ہیں اور انہیں برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس سے بہت حد تک مزاج ٹھکانے لگ جاتا ہے اور اس شکنجہ میں سے نکل کر نفس راستی پر آجاتا ہے۔ ادھر آنحضرت ﷺ سے قرابتداری ایک طرح کا سرمایہ نازوافتخار ہے اور افتخار اکثر باعث کلفت ہوجاتا ہے۔ اس کی اصلاح وتلافی ہجرت کے ذریعہ کرنا مناسب سمجھی گئی ہوگی اور اہل قرابت کے علاوہ اجنبیوں میں چونکہ یہ عوارض نہیں ہیں۔ اس لئے ان میں صرف مومنہ ہونے پر اکتفاء کیا گیا ہے بہرحال قرابتداروں میں یہ شرط لگا کر ایک نمایاں امتیاز وشرف آپ کے لئے تجویز کردیا۔

۴۔ مسلمان عورت اگر خود کو بلا مہر آپ کو ہبہ کرنا چاہے اور آپ بھی اس سے نکاح کا ارادہ رکھتے ہوں تو اس میں بھی آپ کے لئے خصوصی اجازت ہے۔ اس میں ایمان کی قید ضروری ہے۔ کافرہ سے آپ کا نکاح جائز نہیں ہے مجاہدؒ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ **لا یحل لک النساء من بعد یھودیات و لانصرانیات لا ینبغی ان یکن امھات المومنین الا ما ملکت یمینک قال ھی الیھودیات والنصرانیات لا باس ان یشتریھا**۔ البتہ وھبت کی قید اشتراطی نہیں ہے کیونکہ آزادعورت محل ہبہ ہوتی ہی نہیں بلکہ یہ قید اولویت ہے۔ رفع شبہ کے لئے جب بلاعوض اس طرح عقد سے وہ حلال ہوجاتی ہے تو نکاح بالعوض سے بدرجہ اولی حلال ہوجائے گی۔ گویا محط فائدہ صرف دوسری شرط " **ان اراد النبی** " ہے۔ رہا یہ قاعدہ کہ جب دوشرطیں جمع ہوجائیں تو دوسری شرط پہلی شرط کے لئے شرط ہوجاتی ہے۔ اکثری قاعدہ ہے اور اس وقت کے لئے جب کہ تعلیق کا تعلق دونوں شرطوں سے ہو۔ لیکن جہاں دوسری مقصود ہو جیسا کہ یہاں۔ پس پہلی شرط ان وصیلہ کے حکم میں ہوگی۔ پس تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ **احللنالک المومنۃ بشرط قبول النبی لھا وان کانت وھبت واما اذا سمی المھر فبا لا ولیٰ**۔

جس کا حاصل یہ ہوگا کہ قرابت داروں کے لئے تو ہجرت شرط ہے۔ مگر اجنبی عورتوں کے لئے صرف ایمان کافی ہے۔ اگرچہ نکاح بلاعوض ہو۔ اس میں اختلاف ہے کہ آپ کی ایسی کوئی بیوی تھیں یا نہیں؟ بعض حضرات نے ایسی بیویوں کے نام خولہ بنت حکم، ام شریک، میمونہ، لیلی بنت حطیم بتلائے ہیں۔ جن میں سے میمونہ کا ازواج میں ہونا معروف ہے اور ام شریک کی نسبت آنحضرت ﷺ کا انہیں

قبول کرنا بھی منقول ہے۔ بقیہ تین عورتوں کو ممکن ہے آپ ﷺ نے منظور نہ فرمایا ہو۔

اور بعض دوسرے حضرات انکار کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں۔ لم یکن عند رسول اللّٰہ امرأۃ وھبت نفسھا له اور پہلوں کی روایات کو یہ حضرات ثابت نہیں مانتے۔ اور حاصل آیت قضیہ شرطیہ ہے جس میں دو شرطیں ہیں۔ ایک " ان وھبت" دوسرے " ان اراد النبی" جب ان دونوں شرطوں کا تحقق ہوگا تو نکاح کا وقوع بھی ہو جائے گا۔ لیکن دوسری شرط یعنی آپ کا ارادہ نہیں پایا گیا۔ اگرچہ پہلی شرط یعنی عورتوں کی طرف سے خود کو ہبہ کرنا یقیناً پایا گیا۔ اور ممکن ہے ان میں سے جس کے ساتھ آپ نے نکاح کیا ہو۔ وہ ہبہ کے لفظ سے ہوا ہو۔

۵۔ یہ تمام احکام آپ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ عامۃ المسلمین ان میں شریک نہیں ہیں اور یہ امتیاز اس لئے ہے کہ آپ کے لئے کوئی تنگی نہ رہے۔ زمخشریؒ خالصۃ کو پہلے چاروں احکام سے متعلق مانتے ہیں اور لکیلایکون علیك حرج. کا پانچوں احکام کی طرف اشارہ ہے اور وجہ امتیاز ان میں ظاہر ہے۔ کیونکہ عامہ مومنین سے متعلق حکم فمتعوھن تھا۔ جس میں نکاح کے لئے مہر کا لازم ہونا معلوم ہوا۔ خواہ حقیقۃً ہو یا حکماً بلحاظ وجوب ہو یا ذکر کر دینے کی وجہ سے ہو۔ لیکن دفعہ نمبر ۴ میں آپ کا نکاح بلا مہر محض ہبہ سے جائز ہوا۔ رہا آپ کے لئے ان احکام میں توسع کا ہونا پس پہلی دفعہ نمبر ۱ اور چوتھی دفعہ نمبر ۴ میں توسع بالکل ظاہر ہے۔ البتہ دفعہ نمبر ۳ و نمبر ۵ جن میں بظاہر آپ کے لئے قید اور پابندی ہے۔ ان میں تنگی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ آپ کی خاص مصالح کے پیش نظر ہم نے ان احکام میں یہ قیود بڑھائی ہیں۔ پس ان قیود کے نہ ہونے سے آپ کی مصالح فوت ہو جائیں گی اس وقت آپ کو تنگی ہوگی۔ مگر اب مصلحت کی خاطر قید لگا دینے سے وہ تنگی نہیں رہی اور اس طرح آپ کے لئے توسع ہوگیا۔ اور حرج اور تنگی کا دور کرنا کچھ ان احکام خاصہ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ عامہ مومنین سے متعلق حکم میں بھی اس کی رعایت پیش نظر ہے۔ ان سب احکام کا ماحصل تو یہ تھا کہ فلاں فلاں قسم کی عورتوں سے آپ کا نکاح جائز اور فلاں فلاں سے ناجائز۔ مگر آئندہ احکام کا تعلق اس بات سے ہے۔ کہ موجودہ بیویوں سے متعلق کیا احکام ہیں؟

۶۔ موجودہ بیویوں میں سے آپ جس کو اور جب چاہیں باری نہ دیجئے اور جس کو اور جب چاہیں باری دے دیجئے۔ یا سابقہ دلیل تبدیل کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ غرض ان سب باتوں کی آپ کے لئے اجازت ہے۔ اس بارے میں آپ پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ اس میں بڑی مصلحت یہ ہے کہ اس طرح بیویاں آپ سے زیادہ مطمئن اور خوش رہیں گی۔ جو کچھ بھی آپ ان کو مرحمت فرمائیں گے وہ قناعت کے ساتھ راضی رہیں گی۔ کیونکہ رنج وکلفت کی عادۃً بنیاد۔ حق تلفی پر ہوا کرتی ہے اور حق تلفی کا سوال اس وقت ہو جب کوئی حق قائم کیا جائے۔ لیکن جب اس کی جڑ بنیاد ہی ختم کر دی۔ جو کچھ بھی آپ کر دیں گے وہ محض تبرع اور احسان ہوگا۔ اس لئے اب شکایت کیسی؟ اور باندیوں کا باری میں شامل نہ ہونا سب کو معلوم ہے۔ کیونکہ ان سے اتنا انبساط نہیں ہوتا۔ محمدؒ بن کعب قرظیؒ اور قتادہؒ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم موسعا علیه فی قسم ازواجه ان یقسم بینهن کیف یشاء اور باندیوں کے متعلق ابوذرؓ کا ارشاد ہے۔ لا یحل لک النساء من بعد قال من المشرکات الا سبیت فملکته یمینک.

آگے واللّٰہ یعلم میں تنبیہ ہے۔ کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ یہ احکام آپ کے لئے خاص کیوں ہوئے سب کے لئے عام ہونے چاہیں تھے۔ کیونکہ یہ در پردہ اللہ پر اعتراض ہے اور اس کے رسول پر حسد ہے۔ جس سے استحقاق سزا ہو جاتا ہے۔ یوں کسی کو جلد سزا نہ ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ اللہ میاں کو کچھ پتہ ہی نہیں۔ بلکہ وہ جاننے کے باوجود بردبار بھی ہے۔

اس کے بعد آیت لا یحل لك النساء میں دفعہ نمبر ۳ و نمبر ۵ کا تتمہ ہے جن میں ہجرت وایمان کی قید تھی۔ پس جن عورتوں میں

یہ بات نہ ہو وہ حلال نہیں۔قرابت داروں میں غیر مہاجرات اور اجنبی عورتوں میں غیر مومنات سے نکاح جائز نہیں ہے۔

لایحل لک النساء کی تفسیر مجاہدؒ سے اس طرح منقول ہے۔ **لا یحل لک النساء من بعد ما بنیت لک من ھذہ الا صناف بنات عمک. فاحل لہ من ھذہ الا صناف ماشاء** . پس حضرت عائشہؓ کے ارشاد **لم یمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی احل اللہ لہ ' ان یتزوج من النساء ما شاء الا ذات محرمہ** کی وجہ سے اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ آیت "**لایحل**" منسوخ ہے۔آیت "**ترجی من تشاء**" سے جو اگرچہ تلاوت میں مقدم ہے مگر نازل بعد میں ہوئی ہے۔ کیونکہ اس تفسیر پر تو آیت لایحل الخ نو بیویوں سے زائد کے حرام ہونے پر دلالت ہی نہیں کرتی۔

اعجبک حسنھن. پر کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ اول تو حسن سے متاثر ہو جانا غیر اختیاری ہے۔ دوسرے اس کی حقیقت **اذا راک الشئی علی ما ھو علیہ** ہے، جو واقع میں ایک کمال ہے۔ جو قابل اعتراض نہیں۔ ہاں! البتہ بلاضرورت اور بغیر اجازت شرعی قصداً نامحرم پر نظر ڈالنا یا اس کے تصور سے لذت اندوز ہونا بلا شبہ بری بات اور قابل اعتراض ہے۔ جس پر یہ الفاظ قطعاً دلالت نہیں کرتے۔ بلکہ دوسرے دلائل سے اس کی نفی ثابت ہو رہی ہے۔

ے۔موجودہ بیویوں میں سے کسی کی جگہ دوسری عورت سے نکاح کرنا آپ کے لئے جائز نہیں ہے۔ ہاں بغیر تبدیلی کے کسی کو طلاق دینا چاہیں یا زائد کرنا چاہیں تو دوسری بات ہے اس کی اجازت ہے۔ ممانعت تو اس تبدل کے مجموعہ کی ہے۔ البتہ باندیاں دفعہ نمبر ۵ و نمبر ے سے مستثنیٰ ہیں یعنی وہ کتابیہ ہونے پر بھی حلال ہیں اور ان میں تبدل بھی جائز ہے۔

عبداللہ بن شداد سے یہی تفسیر منقول ہے۔ **قال لو طلقھن لم یحل لہ ان یستبدل وقد کان ینکح بعد مانزلت ھذہ الا یۃ ما شاء** . امام زین العابدینؒ، انس ابن مالکؓ سے بھی ایسے ہی منقول ہے۔اس حکم کا خاص ہونا تو ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ تبدیلی آپ کے لئے جائز نہیں ہے۔ باقی امتیوں کے لئے جائز ہے۔ البتہ باعث شرف ہونا اس لئے ہے کہ اس تبدل سے عدد کی قید کا شبہ ہوتا تھا۔ یعنی اگر آپ ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری سے نکاح کر لیں تو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید بغیر اس کے چھوڑے دوسری عورت سے نکاح جائز نہیں۔ جیسا کہ امتیوں میں سے کسی کے پاس اگر چار بیویاں ہوں تو اس کے لئے بغیر کسی کو طلاق دیئے پانچویں عورت سے نکاح جائز نہیں ہے۔ اس لئے اس تبدیلی کی آپ کے لئے ممانعت ہوگی۔ لہذا اس قسم کی شرافت پہلی قسم کی شرافت کے قریب قریب ہوگئی ہے۔

اس حکم کی مصلحت وحکمت یہ بیان کی جا سکتی ہے کہ اس طرح کے تبدل میں کم فہموں کو غرض پرستی کا شبہ ہو سکتا تھا کہ اپنی نفسانی غرض کے پیش نظر نئی بیوی کو لانے کے لئے پرانی بیوی کو صاف کر دیا گیا ہے۔ لیکن اگر یہ دونوں باتیں جمع نہ ہوں یعنی پرانی کو طلاق اور نئی سے نکاح۔ تو پھر اس شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

اس حکم میں عرب جاہلیت کے اس دستور پر ضرب کاری لگائی گئی ہے۔ کہ شوہر اپنی بیویوں میں باہمی تبادلہ کر لیا کرتے تھے۔ بعض مفسرینؒ نے اس آیت کے تحت اس جاہلیت کے رواج کا تذکرہ کیا ہے۔ **کانت العرب فی الجاھلیۃ یتبادلون بازواجھم یقول الرجل للرجل بادلنی با مرأتک وابادلک با مرأتی (سالم) قال ابن زید ھذا الشئ کانت العرب تفعلہ یقول احدھم خذزوجتی واعطنی زوجتک (قرطبی) مسھلا من بیان القران.**

الا ما ملکت. آنحضرت ﷺ کی دو حرم مشہور ہیں۔ ایک ماریہ قبطیہؓ، جن سے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ پیدا ہو کر بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ دوسری ریحانہ رضی اللہ عنہا۔

تعدد ازدواج پر نکتہ چینیوں کا مُسکت جواب:............ آنحضرت ﷺ نے عمر کے پچیس سال جو شباب کی امنگوں کے اصلی دن ہوتے ہیں محض تجرد میں گزارے پھر اقرباء کے اصرار اور پھر خود حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی درخواست پر ایسے وقت ان سے نکاح کیا۔ جب وہ دومرتبہ بیوہ ہوچکی تھیں اور ان کی عمر بھی ڈھل چکی تھی اور ۵۳ سال کی عمر تک پورے سکون واطمینان سے اسی پاک باز بیوی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ یہی زمانہ تھا کہ آپ ساری دنیا سے الگ تھلگ غاروں اور پہاڑوں میں جاکر خدائے واحد کی عبادت کیا کرتے تھے اور یہ اللہ کی نیک بندی آپ ﷺ کے لئے توشہ تیار کرتیں۔ زندگی کے اس طویل عرصہ میں جو دوسرے لوگوں کے لئے عموماً نفسانی جذبات کی تنہائی ہنگامہ خیزیوں کے اٹھ اٹھ کر ختم ہوجانے کا زمانہ ہوتا ہے کوئی معاند سے معاند اور کٹر سے کٹر متعصب دشمن بھی ایک حرف ایک نقطہ ایک شوشہ آپ کی پیغمبرانہ عصمت و پاکدامنی کے خلاف کچھ لب کشائی نہیں کرسکتا اور یہ اس کامل ترین انسان کا کردار ہے۔ جن کو بقول خود چالیس جنتی مردوں کے برابر طاقت ملی تھی۔ جب کہ ایک جنتی مرد کی قوت دنیا کے سو آدمیوں کے برابر ہے تو اس حساب سے چار ہزار انسانوں کے برابر طاقت آپ کو عطا ہوئی تھی۔ تو اس لحاظ سے کم ازکم چار ہزار عورتوں سے یا عام مسلمانوں کی اجازت کے پیش نظر سولہ ہزار عورتوں سے نکاح کرنے کی آپ میں طاقت تھی۔ مگر اللہ اکبر اس شدید ریاضت اور ضبط نفس کا کیا ٹھکانہ کہ ترپین ۵۳ سال کی عمر اسی تجرد یا زہد کے ساتھ گزاردی۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد حضرت عائشہؓ اور آٹھ بیواؤں سے مزید نکاح کیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویوں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار بیویوں کے ہوتے ہوئے کیا کوئی انصاف پسند صرف نو بیویوں کی وجہ سے آپ ﷺ پر کثرت ازدواج کا الزام لگا سکتا ہے۔ پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی عمر ترپین ۵۳ سال سے تجاوز ہوچکی تھی اور باوجود عظیم الشان فتوحات کے ایک دن پیٹ بھر کر کھانا نہ کھایا۔ جو آیا اللہ کے راستہ میں دے ڈالا۔ اختیاری فقروفاقہ سے پیٹ پر پتھر باندھے رہے، مہینوں ازواج مطہراتؓ کے مکانوں سے دھواں نہ نکلا اور پانی کھجور پر گزارہ رہا۔ روزہ پر روزہ رکھتے کئی کئی دن افطار نہ کرتے۔ راتوں کو اللہ کی عبادت میں کھڑے رہنے سے پاؤں پر ورم آجاتا۔ لوگ دیکھ دیکھ کر رحم کھانے لگتے۔ عیش وطرب کا سامان تو کجا تمام بیویوں سے صاف کہہ دیا تھا کہ جسے آخرت کی زندگی پسند ہو ہمارے ساتھ رہے۔ جو دنیا کا عیش چاہے رخصت ہوجائے۔ جیسا کہ اسی سورت کی آیات تخییر میں اس کا بیان گزرا ہے۔ پھر مختلف قبائل وطبقات کی عورتوں کے آپ کی خدمت میں رہنے سے جو اس قبائل اور جماعتوں کو آپ کی دامادی کا شرف حاصل ہوا اور اس طرح ان کی وحشت ونفرت میں کمی ہوئی اور اپنے کنبہ کی عورتوں سے آپ کی پاک دامنی، خوبی اخلاق، حسن معاملہ، بےلوث کیرکٹر کوسن کر اسلام کی طرف رغبت بڑھی۔ شیطانی شکوک واوہام کا ازالہ ہوا۔ اسلام کی تبلیغ اور احکام اسلام کی نشرواشاعت ہوئی۔ بالخصوص خانگی امور اور عورتوں سے متعلق سینکڑوں مسائل امت کے سامنے آئے اور مختلف المزاج عورتوں کے اس خوبی سے حقوق ادا کئے اور خوش اسلوبی سے برتاؤ کیا کہ سب آپ کی دلدادہ رہیں اور اخیر دم تک سب آپ ہی کا کلمہ پڑھتی رہیں۔ کیا یہ کچھ کمال کی بات نہیں اور ایک یہ کیا ساری زندگی ہی آپ کی معجزانہ تھی اور دوسروں کے لئے مکمل نمونہ تھی۔ جس سے دنیا کے ہادیوں کی وہ عظیم الشان جماعت تیار ہوئی جس سے زیادہ پرہیزگار وپاک باز کوئی جماعت بجز انبیاء کے آسمان کے نیچے کبھی نہیں پائی گئی۔ کیا کسی بڑے کرکٹر کے انسان سے ایسا ہونا کبھی ممکن ہے؟

(ملخصاً فوائد العلامة العثمانیؒ)

لطائف سلوک:............ یا ایها النبی انا احللنالک سے معلوم ہوا کہ تعدد ازدواج کمال زہد کے منافی نہیں ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ فِي الدُّخُوْلِ بِالدُّعَاءِ اِلٰى طَعَامٍ
فَتَدْخُلُوْا غَيْرَ نٰظِرِيْنَ مُنْتَظِرِيْنَ اِنٰهُ نَضْجَهُ مَصْدَرُ اَنٰى يَاْنِىْ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ
فَانْتَشِرُوْا وَلَا تَمْكُثُوْا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ مِنْ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ الْمُكْثُ كَانَ يُؤْذِى
النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ اَنْ يُخْرِجَكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ اَنْ يُخْرِجَكُمْ اَىْ لَا يَتْرُكُ بَيَانَهُ
وَقُرِئَ يَسْتَحِيْ بِيَاءٍ وَّاحِدَةٍ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ اَىْ اَزْوَاجَ النَّبِيِّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ
سِتْرٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ مِنَ الْخَوَاطِرِ الْمُرِيْبَةِ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ
بِشَيْءٍ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ ذَنْبًا عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ
تُبْدُوْا شَيْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ مِنْ نِكَاحِهِنَّ بَعْدَهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ
لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْۤ اٰبَآئِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَاۤ اِخْوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ
وَلَا نِسَآئِهِنَّ اَىِ الْمُؤْمِنَاتِ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ مِنَ الْاِمَاءِ وَالْعَبِيْدِ اَنْ يَرَوْهُنَّ وَيُكَلِّمُوْهُنَّ مِنْ غَيْرِ
حِجَابٍ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ فِيْمَا اُمِرْتُنَّ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ اِنَّ
اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ
وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ اَىْ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلِّمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَهُمُ
الْكُفَّارُ يَصِفُوْنَ اللّٰهَ بِمَا هُوَ مُنَزَّهٌ عَنْهُ مِنَ الْوَلَدِ وَالشَّرِيْكِ وَيُكَذِّبُوْنَ رُسُلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِ اَبْعَدَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ ذَا اِهَانَةٍ وَهُوَ النَّارُ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا يَرْمُوْنَهُمْ بِغَيْرِ مَا عَمِلُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا تَحَمَّلُوْا كَذِبًا وَّاِثْمًا
مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾ بَيِّنًا

ع ۴

ترجمہ:............ اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں مت جایا کرو۔ بجز اس صورت کے جب تمہیں اجازت دی جائے (حاضر ہونے کی) کھانے کے لئے (اس وقت گھروں میں جا سکتے ہو) ایسے طور پر کہ انتظار میں نہ رہو (منتظر ہو کر نہ بیٹھنا پڑے) اس کی تیاری کے (پکنے کے انا مصدر ہے انی یانی کا) البتہ جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو۔ پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو (ٹھہرے مت رہا کرو) جی لگا کر بیٹھے مت رہا کرو باتیں کرنے کے لئے (آپس میں) اس بات (ٹھہرنے) سے پیغمبر کو ناگواری ہوتی ہے۔ سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں (اٹھ جانے کے لئے نہیں کہتے) لیکن اللہ صاف صاف بات کہنے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا (کہ باہر ہو جاؤ۔ یعنی اس کے بیان کرنے سے نہیں چوکتا، اور ایک قراءت میں یستحی ایک یا کے ساتھ ہے) اور جب تم ان (ازواج نبی) سے مانگو کوئی

چیز تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو۔ یہ بات تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے (وساوس وشبہات سے) اور تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کو کسی طرح بھی (کسی چیز کی) تکلیف پہنچاؤ اور نہ جائز ہے کہ تم آنحضور ﷺ کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔ یہ اللہ پاک کے نزدیک بڑی بھاری بات (گناہ) ہے اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے یا اسے دل میں پوشیدہ رکھو گے (یعنی آپ کے بعد بیویوں سے نکاح) تو اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (لہذا وہ اس پر تمہیں سزا دے گا) پیغمبر کی بیویوں پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اپنے باپوں، بیٹوں، بھائیوں بھتیجوں، بھانجوں اور نہ اور (مسلمان) عورتوں اور اپنی باندیوں کے بارے میں (یعنی باندی غلام آپ کی بیویوں کو دیکھ بھی سکتے ہیں اور بلا پردہ بات کرنے کی بھی اجازت ہے) اور (مذکورہ احکام کے متعلق) اللہ سے ڈرتی رہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ناظر ہے (کوئی چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہے) بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی (محمد ﷺ) پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی آنحضرت ﷺ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو (اللهم صلى على محمد وسلم پڑھا کرو) بلاشبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ستاتے ہیں (کفار جو اللہ کے لئے تو بیٹے اور شریک جیسے اوصاف مانتے ہیں جن سے اللہ پاک ہے اور اس کے رسولوں کو جھٹلاتے رہتے ہیں) اللہ ان پر لعنت کرتا ہے دنیا اور آخرت میں (انہیں اپنے سے دور کر دیا ہے) اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب (اہانت آمیز آگ) تیار کر رکھی ہے اور جو لوگ ایمان لانے والے مردوں، ایمان والی عورتوں کو ستاتے رہتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہو (بلاقصور ان پر اتہام لگاتے رہتے ہیں) تو وہ لوگ بہتان (جھوٹ) اور کھلا ہوا (صریح) گناہ اٹھاتے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... الا ان یؤذن . بتقدیر المضاف ہے ای وقت الا ذن بمعنی دعوۃ. اسی لئے الی کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے۔

غیر ناظرین. ادخلوا مصدر کے فاعل سے حال ہے ای ادخلوا وقت الاذن غیر ناظرین.

لا مستانسین . یہ بھی مقدر سے حال ہے۔ ای لا تمکثوا مستا نسین .

اناہ. نضج ، بلوغ، ادراک کے معنی میں ہے گوشت وغیرہ کا پکنا، تیار ہونا۔

من الحق. یعنی بتقدیر المضاف ہے جیسا کہ بعد کے قرینہ سے معلوم ہو رہا ہے۔

ای من اخراجکم . کیونکہ ذات سے حیاء مقصود نہیں۔ بلکہ فعل اخراج سے حیا بیان کرنا ہے۔ بجائے اخراج کے من الحق ذکر کر دیا اور چونکہ حقیقۃً اللہ کے لئے حیا مراد نہیں اسی لئے لازمی معنی ترک کے بیان کر دیئے۔

یستحی . اس کے اخیر میں دو یاء اور ایک یائی دو قراءتیں ہیں۔

ابائھن. چچا اور ماموں بھی اس میں داخل ہیں۔ کیونکہ یہ بھی والدین کے حکم میں ہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ عم الرجل صنو ابیه .

ربط: .... پچھلی آیات میں ایذاء رسول کی بعض انواع کا ذکر ہوا تھا۔ آیت یا ایھا الذین امنوا سے بھی ایذاء کی ایک ہلکی نوع کا بیان ہو رہا ہے۔ جو بلاقصد ہونے کے اعتبار سے دفعہ نمبر۵ جیسی ہے۔ اصل مقصد کا بیان تو فاذا طعمتم الخ سے شروع ہو رہا ہے۔ لیکن انتظام واہتمام کے لئے پہلے آیت لا تدخلوا الخ سے کچھ احکام بیان کئے جا رہے ہیں۔ اور پھر مسئلہ حجاب پر بھی روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ جس سے اجلال نبوی مقصود ہے۔ اور ذیل میں کچھ احکام ارشاد فرما کر " ان اللہ و ملائکتہ" سے آنحضرت ﷺ کو صلوٰۃ

وسلام کے ساتھ یاد کرنے کا حکم ہے۔ جس سے انتہائی اجلال نبوی ظاہر کرنا ہے۔

اس کے بعد آیت " ان الـذین یؤذون " سے آپ کی ایذاء کو اللہ کی ایذاء قرار دیا۔ جس پر سخت وعید ہے اسی طرح ایذاء مومنین کو بھی کبیرہ گناہ شمار کیا ہے۔ جس سے ایذاء رسول کی برائی اور زیادہ مؤکد ہوگئی۔ کہ جب مؤمنین کی ایذاء ایسی ہے تو سید المومنین کی ایذاء کیسی ہوگی؟

شانِ نزول: .... آنحضرت ﷺ کا نکاح جب حضرت زینبؓ سے ہوا تو آپ ﷺ نے گوشت روٹی کا ولیمہ بڑے اہتمام سے کیا اور لوگوں کو مدعو کیا۔ کچھ لوگ کھانا کھا کر باتیں کرنے لگے۔ آپ ﷺ اٹھنا چاہتے تھے۔ تاکہ لوگ اس اشارہ کو سمجھ کر اٹھ جائیں مگر لوگ نہ سمجھے۔ آخر آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ کو دیکھ کر سب اٹھ کھڑے ہوئے مگر تین صاحبان پھر بھی بیٹھے رہے۔ آپ ﷺ انہیں دیکھ کر پھر لوٹ گئے۔ تب وہ لوگ بھی اٹھ کر چلے گئے۔ جس کی اطلاع حضرت انسؓ نے آپ ﷺ کو دے دی۔ تب آپ ﷺ تشریف لائے۔ اس پر آیت یا ایھا الـذین امنوا لا تدخلوا نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ کی خدمت میں اچھے برے ہر قسم کے آدمی رہتے ہیں آپ ﷺ امہات المومنین کو پردہ کرالیں تو زیادہ مناسب ہے۔ اس پر آیت اذا سالتموھن نازل ہوئی۔ یہ بات ذیقعدہ ۵ھ کی ہے۔

طلحہ بن عبید اللہؓ ایک صحابی نے خیال ظاہر کیا۔ کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد میں آپ ﷺ کی کسی بیوی سے نکاح کروں گا۔ یہ سن کر آپ ﷺ کو ایک گونہ کلفت ہوئی۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ کسی نے مسئلہ حجاب پر یہ کہا کہ جب ہم سے ہماری چچازاد بہنوں کو چھپایا جاتا ہے تو ہم بھی آپ کی وفات کے بعد آپ کی بیویوں سے نکاح کریں گے۔ تب الفاظ ولا ان تـنکحوا نازل ہوئے اور آیت حجاب جب اتری۔ تو آپ کی ازواج مطہراتؓ کے باپ بیٹوں نے عرض کیا کہ ہم جیسے قرابت دار بھی کیا پس پردہ بات چیت کریں۔ تب آیت " لا جـنـاح علیھن " نازل ہوئی۔ بقول ابن عباسؓ آیت ان الـذیـن یؤذون اللہ و رسولـہ ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی۔ جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے حضرت صفیہؓ بنت حی کے لینے پر اعتراض کیا تھا۔ نیز جن لوگوں نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے میں حصہ لیا تھا۔ ان کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں ہیں۔

﴿تشریح﴾: .... **بلا قصد ایذاء سے بھی بچنا چاہئے:** .... دراصل مقصود اصلی فاذا طعمتم فانتشروا ہے۔ مگر بطور مقدمہ کے لا تد خلوا کے حکم سے شروع کیا ہے۔ اول تو اس لئے کہ مقدمات کا اہتمام کرنا اصلی مقصد کے عظیم الشان ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ دوسرے حضرت انسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ عین کھانا کھانے کے وقت حضور ﷺ کے دولت کدہ پر جا پہنچتے تھے۔ اور وہاں کھانا پکنے کے انتظار میں بیٹھے باتیں کرتے رہتے تھے۔ یوں تو کھانا کھلانے والا حضور ﷺ سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے۔ مگر اس طرح بیٹھ رہنا بے شک گراں گزرتا تھا بالخصوص ایسی حالت میں کہ حجاب کا حکم بھی نہیں ہوا تھا۔ پس اس طرح "لاتـدخـلـوا" کے حکم میں اس کا انتظام بھی ہوگیا۔ پھر پردہ کا حکم آنے کے بعد تو ایسے واقعات کا ہمیشہ کے لئے انسداد ہوگیا۔ نیز اسی کے ساتھ حجاب میں حضور ﷺ کی شان کی جلالت وعظمت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

آدابِ معاشرت: .... حاصل یہ ہے کہ بغیر بلائے اول تو اس طرح از خود نہ جاؤ اور دعوت ہو تو جب تک بلایا نہ جائے یا مقررہ وقت نہ ہو جائے تو پہلے سے جا کر نہ بیٹھو کہ انتظار کرنا پڑے اور گھر والوں کے کام کاج میں حرج واقع ہو اور جب کھانے سے فارغ

ہو جاؤ تو اپنے گھر کا رستہ لینا چاہئے۔ وہیں بیٹھ کر مجلس جمانے سے میزبان اور اس کے گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ یہ احکام اگر چہ شان نزول کے لحاظ سے خاص ہیں۔ مگر منشاء ایک عام ادب سکھلانا ہے کہ بے دعوت کسی کے یہاں جا بیٹھنا یا طفیلی بن کر ساتھ ہو لینا یہ کھانے سے پہلے یونہی مجلس جمانا یا فارغ ہونے کے بعد یونہی گپ شپ لڑانا درست نہیں ہے۔ پاس لحاظ کی وجہ سے آپ تو صاف صاف کہتے نہیں کہ اٹھ جاؤ مجھے کلفت ہوتی ہے، حیاء ومروت اور اخلاق کی وجہ سے اپنے پر تکلیف برداشت کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اللہ کو بندوں کی اصلاح وتادیب میں کیا چیز مانع ہوسکتی ہے۔ بہر حال اس نے اپنے پیغمبر کی زبانی اپنے احکام سنا دیئے۔

ایک شبہ کا ازالہ: .... اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ کیا حضور ﷺ کبھی حیاء کی وجہ سے حق کا اظہار نہیں فرماتے تھے؟ بات یہ ہے کہ جہاں تک اپنی ذات اور نفس کا حق ہے اس کے اظہار میں آپ عام طور پر شرماتے تھے اور خود تکلیف اٹھا لیتے تھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حق شرعی کا اخفاء بھی کرتے تھے۔

اور فرمایا کہ کوئی چیز مانگنی بھی ہو تو وہ پردہ کے پیچھے سے مانگیں اور جب ضرورت میں بھی پردہ کا حکم ہے تو بلا ضرورت سامنے آنے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟ بہر حال اس میں جانبین کے دل صاف ستھرے رہتے ہیں اور شیطانی وساوس کا استیصال ہو جاتا ہے اور یہ اگر چہ آیت حجاب ''وقــرن'' سے تلاوت میں موخر ہے۔ مگر نزول کے لحاظ سے مقدم ہے۔ کیونکہ اس آیت کا نزول حضرت زینبؓ کی پہلی شادی میں ہو چکا تھا اور آیت تخییر جس سے آیت وقــرن الخ متعلق ہے۔ حضرت زینبؓ کے نکاح سے بہت بعد نازل ہوئی۔ چنانچہ نفقہ طلب کرنے والی بیویوں میں وہ بھی تھیں۔ حالانکہ اس قسم کے مطالبات کا شادی کے بہت بعد اتفاق ہوا کرتا ہے۔ پس پردہ کا حکم اس آیت سے ہوا ہے اور آیت وقرن الخ سے اس کی تائید ہوگئی۔

مومنین کو ایذائے نبوی سے بچنے میں زیادہ محتاط رہنا چاہئے: .... آیت وماکان لکم کا حاصل یہ ہے کہ مخالفین جو چاہیں بکتے پھریں اور حضور ﷺ کو ستانے میں کوشش میں لگے رہیں مگر مومنین کے لئے لائق نہیں کہ حضور ﷺ کی حیات میں کوئی رنج دہ بات کہیں یا کریں یا وفات کے بعد آپ ﷺ کی ازواج مطہرات سے کوئی نکاح کرنا چاہے یا ایسے کوئی بے ہودہ ارادہ کا اظہار بھی حضور ﷺ کی موجودگی میں کرے۔ کیونکہ ازواج کی عظمت حضور ﷺ ہی کے تعلق کی وجہ سے قائم ہوئی ہے کہ روحانی حیثیت سے وہ تمام مومنین کی محترم مائیں ہیں۔ علاوہ اس کے کہ یہ خیال حضور ﷺ کے تکدر وکلفت کا باعث ہے اور اس کا باعث خسران ہونا ظاہر ہے۔ خود ازواج مطہرات بھی کسی کے نکاح میں آنے کے بعد کیا ان کا وہ ادب واحترام ملحوظ رہ سکتا ہے؟ یا آپ ﷺ کے بعد وہ خانگی بکھیڑوں میں پڑ کر تعلیم وتربیت کی ان اعلیٰ قدروں کو پورا کرسکتی ہیں۔ جس کے لئے قدرت نے انہیں پیغمبر کی زوجیت کے لئے چن لیا تھا اور کیا کوئی پرلے درجہ کا بے حس وبے شعور انسان بھی یہ باور کرسکتا ہے کہ انہیں حضور ﷺ کی خدمت میں رہنے کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی کسی دوسری جگہ قلبی سکون وراحت میسر آسکتا ہے۔

ازواج مطہراتؓ سے نکاح: .... ازواج مطہراتؓ سے نکاح کا حرام ہونا مجملاً تو منصوص اور اجماعی ہے۔ البتہ کچھ تفصیلات میں اختلاف ہے۔ امام الحرمینؒ اور ''رافعی'' کے نزدیک حرمت کا تعلق صرف ان بیویوں کے ساتھ خاص ہے جن سے خاوند کے معاملات ہو چکے ہیں اور امام رازیؒ، امام غزالیؒ نے ان بیویوں سے نکاح کو جائز رکھا ہے جو آیت تخییر کے بعد دنیا کو اختیار کرلیں اور بعض علماء نے ان حرموں سے نکاح کو حرام کہا ہے جو وفات تک حضور ﷺ کے پاس رہی ہیں۔

اور آیت لا جنــاح علیھم میں پردہ سے جن عزیزوں کو مستثنیٰ کیا ہے، صرف انہی کی تخصیص مقصود نہیں ہے بلکہ تمام محارم نسبیہ و رضاعیہ مراد ہیں۔ جن کا ذکر سورۂ نور میں ہو چکا ہے۔ پردہ کے احکام کے موقعہ پر و اتـقیـن اللہ نہایت برمحل جملہ ہے۔ یعنی پوری طرح ان احکام کو ملحوظ رکھو۔ ذرا بھی گڑ بڑ نہ ہونے پائے۔ ظاہر و باطن میں حدود الٰہیہ محفوظ رہنی چاہئے۔

اللہ اور فرشتوں اور مومنین کے درود کا مطلب:.............. ان اللہ و ملائکتہ کے تحت علماء نے کہا ہے کہ ''صلوٰۃ اللہ'' سے مراد اللہ کی رحمت اور فرشتوں کی صلوٰۃ سے مراد ان کا استغفار کرنا اور مومنین کی صلوٰۃ ان کا دعا کرنا ہے۔ پھر اس میں حقیقت و مجاز کے جمع کرنے نہ کرنے کی بحثیں شروع ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ یہاں رحمت سے رحمتِ عامہ مشترکہ مراد نہیں کہ یہ بحثیں کھڑی کی جائیں، بلکہ وہ ''رحمت خاصہ'' مراد ہے جو آپ کے شایان شان ہے۔ جس سے حق تعالیٰ آپ کو نوازتا ہے۔ اسی طرح فرشتوں کا رحمت بھیجنا بھی ان کے شایان شان مراد ہے اسی طرح جس رحمت کے بھیجنے کا مومنین کو حکم ہو رہا ہے اس سے مراد بھی رحمت خاصہ کی دعا کرنا ہے، جسے ہمارے محاورہ میں ''درود'' کہتے ہیں۔ پس یہ حقیقۃ و مجاز کا جمع کرنا بالعموم مشترک نہیں ہے کہ خلاف قواعد ہو۔ بلکہ اس کو عموم مجاز کہنا چاہئے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ باپ بیٹے پر، بیٹا باپ پر، بھائی بھائی پر، استاد شاگرد پر، شوہر بیوی پر مہربان ہے۔ یا ایک دوسرے سے محبت کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس طرح کی محبت و مہربانی باپ کی بیٹے پر ہے وہ اس نوعیت کی نہیں جو بیٹے کو باپ پر ہے۔ یہی حال بھائی کی بھائی سے محبت کا ہے۔ وہ ان دونوں سے جداگانہ ہوتی ہے۔ غرض خاوند، بیوی، استاد، شاگرد، سب کے تعلقات کا یہی حال ہے کہ ہر ایک کا رنگ الگ اور مخصوص ہے۔

عموم مجاز:.............. ٹھیک اسی طرح یہاں بھی سمجھ لیا جائے کہ اللہ کے نبی پر رحمت بھیجنے کا مطلب، شفقت کے ساتھ آپ کی ثناء اور آپ کا اعزاز کرنا ہے۔ فرشتے اور انسان بھی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس اعزاز میں شریک ہوتے ہوئے بھی ہر ایک کے اعزاز کا رنگ الگ ہے اور گو حضور ﷺ مراتب عالیہ پر پہلے سے فائز ہیں، لیکن ان میں ترقی و عروج کی چونکہ کوئی حد نہیں، اس لئے ''صلوٰۃ و سلام'' کے نتیجہ میں ہر لحہ مراتب میں اضافات ہوتے رہتے ہیں۔ جن سے کوئی بڑے سے بڑا بھی کسی وقت بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضور ﷺ نے اذان کے بعد تمام امتیوں کو اپنے لئے دعائے وسیلہ و شفاعت کرنے کی تعلیم فرمائی ہے۔

نیز عمرہ کے موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اشر کنا فی الدعاء فرمایا۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح بڑوں سے دعا کی استدعا اور التجاء کی جاتی ہے، دعا کی یہ استدعاء اپنے چھوٹوں سے بھی ہونی چاہئے۔ کیونکہ جس ذات عالی سے دعا کا تعلق ہے اس کے آگے تو بلا استثناء سب ہی محتاج ہیں۔

آنحضرت ﷺ پر سلام بھیجنے کا مطلب:.............. آنحضرت ﷺ پر سلام بھیجنے کے معنی آپ کی حیات میں تو سلامتی آفتاب اور ثناء و تعریف کے ہیں۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد عرفی معنی محض ثناء کے رہ جاتے ہیں۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اس تسلیم سے مقصود اللہ کے سلام کی استدعا ہو اور اس سلام سے مقصود سلامتی کی بشارت ہو۔ جس کا حاصل یہ ہوگا۔ اللھم بشر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالسلامۃ الابدیۃ الموعودۃ لہ اور یہ معنی وفات کے بعد بھی بے تکلف صحیح ہو سکتے ہیں۔

صلوٰۃ و سلام کی نسبت صلوٰۃ و سلام پیش کرنے والے کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی نصلی و نسلم اور اللہ کی طرف بھی بطور دعا کے اسناد کی جا سکتی ہے۔ یعنی اللھم صل اللھم سلم یاصلی اللہ علیہ وسلم علیٰ ہذا نماز کے تشہد میں جو الفاظ السلام علیک

ایھا النبی آتے ہیں۔ اس میں بھی یہ نسبت دونوں طرح ہو سکتی ہے۔ اپنی طرف اسناد کرتے ہوئے یعنی سلام علیک دوسرے ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کی طرح اللہ کی طرف اسناد کرتے ہوئے یعنی سلام اللہ علیک، البتہ احادیث کے الفاظ پر نظر کرتے ہوئے دوسری توجیہ راجح معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ پہلی توجیہ صلاتی وسلامی اضافت ادنیٰ ملابست کی وجہ سے دوسری توجیہ کی طرف بھی راجح ہو سکتی ہے۔ صلوٰۃ اللہ منی وسلام اللہ منی۔

منعم حقیقی اور محسن مجازی: .... بلاشبہ منعم حقیقی حق تعالیٰ ہیں۔ لیکن تمامی انعامات واحسانات کا واسطہ خواہ وہ تشریعی ہوں یا تکوینی۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس ہے اور واسطہ احسان بھی محسن ہی شمار ہوتا ہے۔ اس لئے ہر امتی پر یہ احسان شناسی لازم اور ضروری ہے۔ پس اس کے اعتراف کی یہی صورت نسب ہے کہ اللہ کی حمد وثنا کے ساتھ آپ ﷺ کو بھی صلوٰۃ وسلام میں یاد رکھا جائے۔ جس سے یاد رکھنے والے کا خود اپنا فائدہ بھی ہے۔ چنانچہ ارشاد گرامی ہے کہ ایک مرتبہ درود بھیجنے سے درود پیش کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی دس گونہ رحمتیں ہوتی ہیں۔

درود کے احکام: .... اور قطعی الدلالت قطعی الثبوت نصوص میں چونکہ امر کا صیغہ محققین کے نزدیک فرضیت کے لئے ہوا کرتا ہے اور ہر امر مقتضی تکرار نہیں ہوتا، اس لئے کلمہ توحید کی طرح عمر بھر میں ایک بار "صلوٰۃ" بھی فرض ہے اور جس مجلس میں آپ کا ذکر خیر ہو، احادیث میں درود چھوڑنے پر جو وعیدیں آئی ہیں ان پر نظر کرتے ہوئے نیز نفی حرج کے دلائل پر نظر کرتے ہوئے اس مجلس میں بھی ایک بار آپ پر درود بھیجنا واجب ہے اور فضائل درود پر نظر کی جائے تو زیادہ سے زیادہ درود پڑھنا مستحب ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک صحابیؓ نے اپنی دعا کے تہائی حصہ کو وقف درود کر دینے اور پھر آدھی دعا کو اور پھر دو تہائی دعا کو اور آخر میں پوری دعا کو وقف درود کر دینے کی استدعا، جب حضور ﷺ سے کی تو آپ ﷺ نے "اذا کفیت" کی بشارت عطا فرمائی۔ یعنی اللہ تعالیٰ پھر تیری دعا خود پوری فرمادیں گے۔ اسی لئے بزرگوں نے دعا کے اول وآخر درود پڑھنے کو استجابت دعا میں نہایت موثر اور کارگر بتلایا ہے کہ دونوں طرف سے درود قبولیت دعا کے لئے زور لگائے گا۔ ورنہ اللہ کی رحمت سے یہ بعید ہے کہ صرف درود قبول فرمالے اور دعا کو رد کردے۔ یہ ساری تفصیل نماز کے باہر کے درود کی ہے۔ لیکن نماز میں درود پڑھنا امام اعظمؒ کے نزدیک سنت ہے۔

حضور ﷺ پر سلام کے احکام: .... اسی طرح صیغہ امر کا لحاظ کرتے ہوئے بعض حضرات نے عمر بھر میں ایک بار سلام کو بھی فرض کہا ہے۔ لیکن الفاظ صلوٰۃ وسلام کے معنی پر اگر نظر کی جائے تو صلوٰۃ بھیجنے سے سلام کے حکم کا امتثال ہو جاتا ہے۔ پس اس اتحادِ مقصد کے پیش نظر بالاستقلال سلام کی فرضیت محل کلام بن جاتی ہے۔ شاید اسی لئے ان اللہ وملائکتہ یصلون کے ساتھ یسلمون نہیں فرمایا۔ اگرچہ مقصود یصلون علی النبی ویسلمون ہی ہے۔ کیونکہ اگلا جملہ صلوا علیہ وسلموا تسلیما اسی پر متفرع اور منطبق ہے اور چونکہ حضور ﷺ کے حقوق کا از بس عظیم ہونا مطلب ہے، اسی اہمیت کے پیش نظر اگلے جملہ میں "صلوا علیہ وسلموا تسلیما" فرمایا۔ تاکہ دونوں حکموں کی الگ الگ تصریح ہو جائے اور مفعول مطلق کے ذریعہ دوسرے جملہ کی تاکید ہو جائے۔ اسی طرح حضور ﷺ کے حقوق کا مزید تاکید مقصد ہے۔ شاید اسی لئے نماز کے قعدۂ اخیرہ کے تشہد میں اول سلام اور اس کے بعد صلوٰۃ (درود ابراہیمی) دونوں کو جمع کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ "صلوٰۃ وسلام" دونوں کو جمع کرنا اولیٰ وافضل ہے۔ اگرچہ صرف صلوٰۃ اور صرف سلام پر اکتفا کرنا بھی بلاکراہت جائز ہے۔ جیسا کہ نماز کے پہلے قعدہ کے تشہد میں صرف سلام پر اکتفاء کیا گیا

ہے جو جواز بلا کراہت کی واضح دلیل ہے۔

نبی کا امت پر حق اور امت کا ایفائے حق:............ حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے تمام انبیاء سے بڑھ کر اپنی امت کے لئے تکلیفیں اور صعوبتیں جھیلی ہیں۔ پس امت مسلمہ کا فریضہ بھی یہی تھا کہ وہ ساری امتوں سے بڑھ چڑھ کر اور محبت نبوی میں سرشار ہوکر آپ کی قدر ومنزلت پہچانیں۔ چنانچہ اس نے بہت حد تک قدر ومنزلت پہچانی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث کا شغل رکھنے والے محدثینؒ ہر مجلس میں بار بار نام نامی آنے کے باوجود مختصر ہی سہی، مگر صلوٰۃ وسلام کے لکھنے پڑھنے کا معمول ہمیشہ ان میں رہا ہے، اس لئے کیا عجب ہے، امت میں سب سے زیادہ ''درود وسلام'' کے ہار بارگاہِ رسالت میں محدثینؒ ہی کی طرف سے پیش ہوتے ہیں اور یوں بھی ہر وقت مزار پرانوار پر حاضر ہوکر سلام پیش کرنے والوں کو براہ راست ساعت کی سعادت بلکہ بعض اوقات جواب کی سعادت بھی حاصل ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ ایک اعرابی صحابی نے جب مزار اقدس پر صلوٰۃ وسلام کے بعد عرض کیا کہ یارسول اللہ! حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما** میں اپنے ظلم وقصور کا اعتراف واستغفار کرتے ہوئے حاضر خدمت ہوا ہوں۔ لہٰذا آپ بھی میرے لئے استغفار فرمایئے۔ تاکہ اللہ کی مغفرت ورحمت سے نوازا جاؤں۔ مزار اقدس سے پرامید جواب سنا تو چونکہ عاشق زار تھے، اس لئے فرط جوش میں تاب نہ لا سکے اور سنتے ہی نعرۂ شوق بلند ہوا اور وہیں جان جان آفرین کی سپرد کردی۔

اسی طرح حضرت سید احمد رفاعیؒ جب روضہ اقدس پر حاضر ہوئے تو عرض کیا۔ **السلام عليك ياجدی.** جواب ملا **وعليك السلام ياولدی.** اس پر انہیں وجد ہوا اور بے ساختہ زبان پر یہ اشعار جاری ہوگئے:

فی حالة البعد روحی كنت ارسلها　　تقبل الارض عنی وهی نائبتی
فهذه دولة الاشباه قد حضرت　　فامدد يمينك تحظی بها شفتی

لکھا ہے کہ قبر مبارک سے فوراً ایک منور ہاتھ نمایاں ہوا، جسے بے ساختہ دوڑ کر انہوں نے بوسہ دیا اور وہیں بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ اس واقعہ کے دیکھنے والے ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو بھی اس وقت کچھ رشک ہوا تھا؟ فرمایا کہ ہم تو کیا اس وقت تو فرشتوں کو بھی رشک ہوا۔

اس کے علاوہ سارے عالم سے فرشتوں کی ایک مخصوص جماعت کے ذریعہ ہر لمحہ، ہر ساعت جو درود وسلام کے ہدیے بارگاہ رسالت میں پیش ہوتے ہوں گے ان کا تو کیا ہی شمار۔ گویا ہمہ وقت ایک تانتا بندھا رہتا ہے۔ کیا ہی عجب اور دلگداز منظر رہتا ہوگا۔

عامہ مومنین بھی عشق رسول ﷺ سے خالی نہیں:............ اور دیندار تو خیر دیندار ہی ہیں، انہیں تو عشق رسول ﷺ جتنا بھی ہو کم ہے۔ مگر بہت سے آزاد اور بےعمل مسلمان دیکھے جاتے ہیں کہ وہ بھی ناموس رسول ﷺ پر سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں۔ حتیٰ کہ لکھے پڑھے، تو کچھ مصالح کی الجھنوں میں پھنسے بھی رہ جاتے ہیں۔ مگر دیکھا یہی گیا ہے کہ ہر طرف سے لاپرواہ ہوکر خود کو قربان کردینے کے لئے یہی بےعمل میدان میں کو دپڑتے ہیں۔ بلکہ بعض دفعہ دھوکہ یہ ہوتا ہے کہ عشق رسول ﷺ شاید عشق الٰہی سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ حالانکہ بنظر غائر دیکھا جائے تو واقعہ میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تو نگاہوں سے اوجھل اور وراء الوراء ہے۔ اس لئے اس کی محبت بھی لاشعوری اور غیر محسوس ہے۔ مگر حضور چونکہ ہم جنس ہیں۔ آپ کی قربانیاں اور واقعات سامنے ہیں۔ اس لئے آپ کی محبت بھی محسوس ہے جو بادی النظر میں بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ حقیقی محبت اللہ ہی سے ہے۔ **اللهم صل على سيدنا**

ومولانا محمد وعلى ال سيدنا ومولانا محمد وبارک وسلم.

شکوۂ محبت: .... مگر حیف ہے ان پیشہ ور واعظوں پر جو محض اپنا اسٹنٹ قائم رکھنے کے لئے یا گرمی محفل اور تقریروں کا تال میل درست رکھنے کے لئے خود تو محروم لیکن وقفہ وقفہ کے ساتھ سامعین جلسہ سے باآواز بلند مروجہ صلوٰۃ وسلام پڑھواتے ہیں یا درود خوانی کراتے ہیں۔ گویا انکا نعرہ یہ ہوتا ہے کہ "تم پڑھواور ہم پئیں دودھ" یہ تو وہی بچکانہ بات ہوئی کہ "اللہ اللہ کیا کرو، نام نبی کا لیا کرو، دودھ جلیبی کھایا کرو۔

اسی طرح یہ حضرات آپ ﷺ کا نام نامی آنے پر اکثر بجائے ﷺ زبان سے کہنے کے صرف انگلیوں کو چوم کر آنکھوں سے لگا لیتے ہیں اور وہ بھی محض اذان میں اشهد ان محمد ارسول الله کہنے پر اور دلیل میں کوئی روایت پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ علامہ سخاویؒ مقاصد حسنہ میں اس روایت کو صحیح نہیں مانتے، بلکہ شرح یمانی میں انگوٹھا اور انگلیاں چومنے کو مکروہ لکھا ہے۔ البتہ جوش عقیدت ومحبت میں کوئی ﷺ کہنے کے ساتھ انگلیاں بھی چوم لے تو وہ دوسری بات ہے۔ تاہم نہ کرنے والے پر نکیر کرنا بلکہ اس کو برا بھلا کہنا یقیناً ایک طرح کی زیادتی اور رسم پرستی ہے۔ تاہم بعض اہل محبت نے آشوب چشمی کے ازالہ کے لئے اس عمل کو مفید بتلایا ہے۔

آخر اذان ہی میں یہ کیوں کہا جاتا ہے۔ دوسرے اوقات میں کیوں نہیں کیا جاتا۔ پھر جو کلمہ طیبہ کا ورد کرنے والے پر یا تفسیر، حدیث کے شغل کی وجہ سے بکثرت ان کی زبانوں پر نام نامی رہتا ہے۔ وہ کس طرح اس پر عمل پیرا ہوسکتے ہیں؟ غرضیکہ اس طرح یہ اصرار کرنے والے حضرات التزام مالا یلزم کے دائرہ میں آجاتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو قصداً ستانا: .... پچھلی آیات میں تو بلا قصد ایذاء دہی کی ممانعت تھی۔ اس کے بعد اب آیت ان الذین یؤذون سے بالقصد ایذاء دہی کی ممانعت فرمائی جارہی ہے اور اللہ کے ناراض کرنے کو بطور عموم مجاز ایذاء سے تعبیر کیا ہے اور ان آیات میں ایذاء کے بالقصد مراد ہونے پر تین دلیلیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایذاء دینا افعال اختیاریہ میں سے ہے اور افعال اختیاریہ میں قصد شرط ہوا کرتا ہے۔ دوسرے جس فعل سے بلا قصد ایذاء ہوجائے اور فی الحقیقت ایذاء نہیں ہے، بلکہ مقدمہ ایذاء ہے جسے مجازاً ایذاء کہا جاسکتا ہے۔ مگر کلام حقیقت میں ہورہا ہے اور وہ ایذاء قصدی کے ساتھ خاص ہے۔ تیسرے حدیث رفع عن امتی الخطاء والنسیان کی وجہ سے بلا قصد افعال پر وعید نہیں ہے اور یہاں وعید لعنهم الله الخ موجود ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ ایذاء قصدی ہے اور بغیر مااکتسبوا کی قید سے تادیب وسیاست شرعی کا جائز ہونا ثابت ہوگیا۔

لطائف سلوک: .... ان ذٰلکم کان یؤذی النبی کا اشارہ کرنے کے بعد حضور ﷺ کے دولت کدہ پر ٹھہرا رہنا ہے۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ ایسے مواقع پر صاف طور پر نہ کہنا طبع کریم کا مقتضیٰ ہے اور صاف صاف کہہ دینا عقل حکیم کا مقتضیٰ ہے۔ پس مصلح مقتضائے عقل کو مقتضائے طبع پر ترجیح دیتا ہے۔ دوسری بات معاشرت کی اصلاح کا واجب ہونا ہے اور جس حرکت سے دوسرے کو ایذاء ہو اور وہ ضروری بھی نہ ہو اس کا ہونا حرام ہے۔ آج کل ایسی باتوں میں اہل علم ومشائخ تک احتیاط نہیں کرتے۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ جَمْعُ جِلْبَابٍ وَهِيَ الْمُلْحَفَةُ الَّتِيْ تَشْتَمِلُ بِهَا الْمَرْأَةُ اَيْ يُرْخِيْنَ بَعْضَهَا عَلَى الْوُجُوْهِ اِذَا خَرَجْنَ لِحَاجَتِهِنَّ اِلَّا عَيْنًا وَّاحِدَةً ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَقْرَبُ اِلٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ بِاَنَّهُنَّ حَرَائِرُ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ بِالتَّعَرُّضِ لَهُنَّ بِخِلَافِ الْاِمَاءِ فَلَا يُغَطِّيْنَ وُجُوْهَهُنَّ وَكَانَ الْمُنَافِقُوْنَ يَتَعَرَّضُوْنَ لَهُنَّ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا لِمَا سَلَفَ مِنْهُنَّ مِنْ تَرْكِ السَّتْرِ رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ بِهِنَّ اِذَا سَتَرَهُنَّ لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ عَنْ نِفَاقِهِمْ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ بِالزِّنَا وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِقَوْلِهِمْ قَدْ اَتَاكُمُ الْعَدُوُّ وَسَرَايَاكُمْ قُتِلُوْا اَوْ هُزِمُوْا لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ لَنُسَلِّطَنَّكَ عَلَيْهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ يُسَاكِنُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ ثُمَّ يُخْرَجُوْنَ مَّلْعُوْنِيْنَ ۛۚ مُبْعَدِيْنَ عَنِ الرَّحْمَةِ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا وُجِدُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ اَيِ الْحُكْمُ فِيْهِمْ هٰذَا عَلٰى جِهَةِ الْاَمْرِ بِهِ سُنَّةَ اللّٰهِ اَيْ سَنَّ اللّٰهُ ذٰلِكَ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ مِنَ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ فِيْ مُنَافِقِيْهِمُ الْمُرْجِفِيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾ مِنْهُ يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ اَيْ اَهْلُ مَكَّةَ عَنِ السَّاعَةِ مَتٰى تَكُوْنُ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ يُعْلِمُكَ بِهَا اَيْ اَنْتَ لَا تَعْلَمُهَا لَعَلَّ السَّاعَةَ ؕ تَكُوْنُ تُوْجَدُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ اَبْعَدَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾ نَارًا شَدِيْدَةً يَدْخُلُوْنَهَا خٰلِدِيْنَ مُقَدَّرًا خُلُوْدُهُمْ فِيْهَاۤ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا يَحْفَظُهُمْ عَنْهَا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾ يَدْفَعُهَا عَنْهُمْ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يَا لِلتَّنْبِيْهِ لَيْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ وَقَالُوْا اَيِ الْاَتْبَاعُ مِنْهُمْ رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَفِيْ قِرَاءَةٍ سَادَاتِنَا جَمْعُ الْجَمْعِ وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾ طَرِيْقَ الْهُدٰى رَبَّنَاۤ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ اَيْ مِثْلَيْ عَذَابِنَا وَالْعَنْهُمْ عَذِّبْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾ ع عَدَدُهُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْمُوَحَّدَةِ اَيْ عَظِيْمًا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا مَعَ نَبِيِّكُمْ كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى بِقَوْلِهِمْ مَثَلًا مَا يَمْنَعُهُ اَنْ يَّغْتَسِلَ مَعَنَا اِلَّا اَنَّهُ اٰدَرُ فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ بِاَنْ وَضَعَ ثَوْبَهُ عَلٰى حَجَرٍ لِيَغْتَسِلَ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِهٖ حَتّٰى وَقَفَ بَيْنَ مَلَاٍ مِّنْ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ فَاَدْرَكَهُ مُوْسٰى فَاَخَذَ ثَوْبَهُ فَاسْتَتَرَ بِهٖ فَرَاَوْهُ لَا اُدْرَةَ بِهٖ وَهِيَ نَفْخَةٌ فِي الْخُصْيَةِ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾ ذَا جَاهٍ وَمِمَّا اُوْذِيَ بِهٖ نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُ قَسَّمَ قَسْمًا فَقَالَ رَجُلٌ هٰذِهٖ قِسْمَةٌ مَا اُرِيْدَ بِهَا وَجْهُ اللّٰهِ فَغَضِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذٰلِكَ وَقَالَ يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوْسٰى لَقَدْ اُوْذِيَ بِاَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ صَوَابًا **يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ** يَتَقَبَّلُهَا **وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾** نَالَ غَايَةَ مَطْلُوْبِهٖ **اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ** اَلصَّلٰوَاتِ وَغَيْرَهَا مِمَّا فِيْ فِعْلِهَا مِنَ الثَّوَابِ وَتَرْكِهَا مِنَ الْعِقَابِ **عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ** بِاَنْ خَلَقَ فِيْهَا فَهْمًا وَنُطْقًا **فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ** خِفْنَ **مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۗ** اٰدَمُ بَعْدَ عَرْضِهَا عَلَيْهِ **اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا** لِنَفْسِهٖ بِمَا حَمَلَهٗ **جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾** بِهٖ **لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ** اَللَّامُ مُتَعَلِّقَةٌ بِعَرَضْنَا الْمُتَرَتَّبُ عَلَيْهِ حَمْلُ اٰدَمَ **الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ** اَلْمُضَيِّعِيْنَ الْاَمَانَةَ **وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۗ** اَلْمُؤَدِّيْنَ الْاَمَانَةَ **وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا** لِلْمُؤْمِنِيْنَ **رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾** بِهِمْ

ترجمہ: .... اے نبی! کہہ دیجئے اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی بیویوں سے کہ نیچی کرلیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں (جلابیب جمع ہے جلباب کی چادر یا برقعہ جس کو عورت اپنے اوپر لپیٹ لے۔ یعنی جب کسی ضرورت سے باہر نکلیں تو اس کے کچھ حصہ سے منہ چھپالیا کریں۔ البتہ آنکھیں کھلی رکھنے کی اجازت ہے) اس سے وہ بہت جلد پہچان لی جایا کریں گی (کہ وہ آزاد ہیں) تو اس طرح پھر ستائی نہیں جایا کریں گی (ان سے چھیڑ چھاڑ کر کے، البتہ باندیاں اپنے چہروں کو نہ چھپائیں، کیونکہ منافقین آزاد عورتوں ہی کو ستایا کرتے تھے) اور اللہ تعالیٰ تو بڑا مغفرت والا ہے (جواب تک انہوں نے پردہ نہیں کیا تھا) رحم کرنے والا ہے (جب وہ پردہ کریں گی) اگر (لام قسمیہ ہے) یہ منافقین (اپنے نفاق سے) اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (زنا) کا روگ ہے اور جو مدینہ میں افواہیں اڑایا کرتے ہیں (مومنین سے کہتے پھرتے ہیں کہ دشمن حملہ آور ہوگیا ہے اور مسلمانوں کا لشکر ہار گیا یا مارا گیا ہے) باز نہ آئے تو ہم خود ضرور آپ کو ان پر مسلط (غالب) کردیں گے۔ پھر یہ لوگ آپ کے پاس نہیں رہنے پائیں گے (ٹھہر نہیں سکیں گے) پائے جائیں مدینہ میں مگر بہت ہی کم (پھر نکال دیئے جائیں گے) وہ بھی پھٹکارے ہوئے (رحمت سے راندہ) جہاں ملیں گے (پائے جائیں گے) پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جائے گی (یعنی ان کے متعلق امر کے طریقہ پر یہ حکم ہے) اللہ کا یہی دستور رہا ہے (یعنی اس نے یہی دستور مقرر کیا ہے) ان لوگوں میں بھی جو پہلے ہو گزرے ہیں (گذشتہ امتوں میں منافقین مسلمانوں کو ڈرایا کرتے تھے) اور آپ اللہ کے دستور میں ردوبدل نہ پائیں گے۔ یہ لوگ (مکہ والے) آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں (کہ کب آئے گی؟) آپ فرما دیجئے کہ اس کی خبر تو بس اللہ ہی کے پاس ہے اور آپ کو اس کی کیا خبر (یعنی آپ نہیں جانتے) عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی واقع (موجود) ہو جائے۔ بلاشبہ اللہ نے کافروں کو دور (بعید) کر دیا ہے اور ان کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے (نہایت تیز آگ جس میں یہ جھونکے جائیں گے) جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اس میں ہمیشہ رہنا ان کے لئے تجویز ہو چکا ہے) نہ کوئی یار پائیں گے (جو ان کی حفاظت کر سکے) اور نہ کوئی مددگار (جو انہیں بچا سکے) جس روز ان کے چہرے دوزخ میں الٹ پلٹ کر دیئے جائیں گے۔ یوں کہتے ہوں گے اے (تنبیہ کے لئے ہے) کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی اور یوں کہیں گے (جو ان کے پیروکار تھے) اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں کا کہنا مانا (ایک قرأت میں سادا تنا جمع الجمع کے صیغہ سے ہے)

اور اپنے بڑوں کا۔ سو انہوں نے ہمیں (سیدھی) راہ سے بھٹکا دیا۔ اے ہمارے پروردگار! انہیں دوہرا عذاب (ہمارے سے دگنی سزا) دے دیجئے اور ان پر لعنت کیجئے (انہیں عذاب دیجئے) بہت زیادہ (تعداد میں ایک قرأت میں با کے ساتھ کبیــرا ہے یعنی بہت بڑا) اے ایمان والو! تم (اپنے پیغمبر کے متعلق) ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو ایذا دی تھی (مثلاً یہ کہا تھا کہ یہ ہمارے ساتھ مل کر اس لئے غسل نہیں کرتے کہ انہیں فتق کا عارضہ ہے) سو اللہ نے انہیں بری ثابت کر دیا ان کے الزام سے (اس طرح کہ انہوں نے ایک دفعہ نہانے کے لئے کپڑے نکال کر پتھر پر رکھے تو پتھر انہیں لے کر چلتا بنا۔ حتیٰ کہ بنی اسرائیل کے ایک مجمع کے سامنے جا کر ٹھہر گیا۔ جسے حضرت موسیٰ نے پکڑ کر اس سے اپنے کپڑے چھین لئے اور فوراً ستر چھپالیا۔ غرض لوگوں نے دیکھ لیا کہ انہیں فتق یعنی خصیتین پھولنے کی بیماری نہیں ہے) اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے معزز تھے (ذی وجاہت۔ چنانچہ ہمارے پیغمبر کو بھی لوگوں نے جن باتوں میں ستایا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ ایک شخص بولا کہ اس تقسیم میں نیک نیتی نہیں تھی۔ اس پر آپ نہایت برہم ہوئے اور فرمایا کہ اللہ موسیٰ پر رحم فرمائے کہ انہیں اس سے بھی زیادہ ستایا گیا۔ مگر انہوں نے صبر کیا۔ (بخاری)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی (سچائی) کی بات کہو۔ اللہ تمہارے اعمال کو قبول فرمائے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا (منزل مقصود پر گامزن ہو جائے گا) ہم نے یہ امانت پیش کی (پنج وقتہ نمازیں وغیرہ ثواب کے کام کو جن کے چھوڑنے سے عذاب ہوگا) آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے (انہیں سمجھ اور بولنے کی طاقت دے دی) ان سب نے انکار کر دیا۔ اس کی ذمہ داری ہے اور وہ اس سے ڈرے (خائف ہوئے) اور انسان نے اپنے ذمہ لے لیا (حضرت آدمؑ نے جب کہ انہیں پیش کش کی گئی) بے شک وہ بڑا ظالم ہے (اپنے اوپر یہ بوجھ لے لیا) بڑا جاہل ہے۔ انجام یہ ہوا کہ اللہ (لیعذب میں لام عوضنا کے متعلق ہے جس پر انسان کا ذمہ داری قبول کرنا مرتب ہوا ہے) منافق مردوں اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو سزا دے گا (جنہوں نے امانت ضائع کر دی ہے) اور ایمان والوں اور ایمان والیوں پر (جو امانت ادا کرنے والے ہیں) توجہ فرمائے گا اور اللہ (مومنین کی) بڑی مغفرت کرنے والا (ان پر) رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق وترکیب: .... یدنین. ادناء کے معنی قریب کرنے کے ہیں۔ چونکہ سدل دارخاء کے معنی کو متضمن ہے۔ اس لئے علیٰ کے ذریعہ تعدیہ کیا گیا ہے۔

المرجفون. ارجاف. رجفة سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی زلزلہ کے ہیں۔ جھوٹی خبریں بھی چونکہ متزلزل اور غیر ثابت ہوتی ہیں، اس لئے جھوٹے پروپیگنڈہ کے معنی ہیں۔

لنغرینك. کہا جاتا ہے کہ اعزاہ بکذا یعنی کسی چیز کو حاصل کرنے کے لئے برانگیختہ کرنا۔ مراد تسلط اور غلبہ ہے۔

ملعونین. یہ یجاورونك کے فاعل سے حال ہے۔ علامہ زمخشریؒ کہتے ہیں کہ حرف استثناء اور ظرف دونوں پر ایک ساتھ داخل ہے۔ جیسے الا ان یؤذن لکم الیٰ طعام غیر ناظرین میں ہے اور زمخشریؒ منصوب علی الذم بھی مانتے ہیں اور ابن عتیبہ کے نزدیک "قلیلا" بدل بھی ہوسکتا ہے اور ملعونین کو قلیلاً کی صفت بھی کہا جا سکتا ہے اور منصوب ہو یجاورونك سے حال ہونے کی بناء پر ای لایجاورونک منھم احد الا قلیلا ملعونا اور لفظ اخذوا سے بھی منصوب ہوسکتا ہے جو جواب شرط ہے۔ کسائیؒ اور فراءؒ کے نزدیک۔ کیونکہ ان کے نزدیک جواب کے معمول کو اداۃ شرط پر مقدم بھی کیا جا سکتا ہے، جیسے خیر ان تاتینی نصب.

سنة الله. مصدر موکد ہوکر منصوب ہے۔

وما یدریك. ما مبتداء ہے اور یدریك جملہ خبر ہے اور استفہام انکاری ہے۔ جیسا کہ مفسر علامؒ نے ای انت لاتعلم سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

لعل الساعة. لعل تمنی کے لئے ہے اور قریباً کان کی خبر ہے موصوف محذوف مان کر ای شیئا قریباً اور بعض نے تقدیر قیام الساعة مانی ہے۔ تکون کی تانیث سے الساعة کی اور قریباً کی تذکیر میں مضاف محذوف کی رعایت رکھی گئی ہے اور بعض کی رائے ہے کہ لفظ قریب بکثرت ظرف کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پس یہ ظرف ہی خبر کی جگہ ہے اور الساعة لعل کا اسم اور تکون جملہ خبر ہے اور قریباً حال ہے اور تکون تامہ ہے جیسا کہ مفسرؒ نے توجد کہہ کر اشارہ کیا ہے۔ ای اترا جی وجود الساعة عن قریب.

خالدین فیھا. ضمیر سعیر کی طرف راجع جو مونث ہے یا معنی میں جہنم کے ہے۔ ابدا تاکید ہے خالدین کی لایجدون حال ثانی ہے یا خالدین سے حال ہے۔

تقلب۔ گھسیٹنا۔ الٹنا۔ پلٹنا۔

یقولون. سوال مقدر کا جواب ہے ای ماذا صنعوا عند ذالك.

ساداتنا. جمع الجمع ہے کثرت پر دلالت کرنے کے لئے۔ یہ ابن عامرؒ کی قرأت ہے اور باقی قرأ نے بغیر الف کے فتح تا کے ساتھ جمع تکسیر کی صورت میں پڑھا ہے۔ سادة کی اصل سودة ہے۔ فعیل میں یہ شاذ ہے۔ البتہ اگر سائد کی جمع مانی جائے تو قیاس کے مطابق ہوگی۔ جیسے فاجر کی جمع فجرة.

کبیرا. عاصمؒ نے با کے ساتھ اور باقی قرأ نے ثا کے ساتھ پڑھا ہے۔

قولاً سدیداً. اللہ کی پسندیدہ بات۔ اس میں تمام طاعات قولیہ آ گئیں۔ ابن عباسؓ نے صواب کے معنی لئے ہیں اور قاموس میں قول و عمل کی درستی کے معنی ہیں۔

عرضنا الامانة. حق تعالیٰ نے فرمایا۔ ان احسنتن اثبناکن وان اساتن عوقبتن امانت کے متعلق میں اختلاف ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں۔ قیل ھی کلمة التوحید قبل العقل وھو صحیح وبه فضل علی کثیر ممن خلقه. ابن عباسؓ فرائض مراد لیتے ہیں۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، سچ بولنا، دین کا ادا کرنا، ناپ تول پورا کرنا امانت ہے ابوالعالیہ کی رائے میں امر اور نہی جن چیزوں سے متعلق ہے وہ امانت ہے اور تفسیر کبیر میں ہے کہ امانت کی بہت سی صورتیں ہیں۔ بعض نے تکلیف شرعی اور بعض نے معرفت الٰہی کو کہا ہے۔

اور روح البیان میں ہے کہ امانت، خیانت کی ضد ہے۔ اس کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ تکلیفات شرعیہ امور دینیہ ہے کہ امانت کی طرح لازم الاذل ہیں۔ دوسرا مرتبہ محبت و عشق اور جذب الٰہی ہے۔ جو پہلے درجہ کا ثمرہ ہے۔ اسی کی وجہ سے انسان فرشتوں سے برتر ہوا۔ کیونکہ عشق الٰہی اگرچہ دونوں میں مشترک ہے مگر تکالیف شاقہ سے انسان ہی گزرتا ہے۔ تیسرا مرتبہ براہ راست فیضان الٰہی کا ہے۔ اس کو امانت اس لئے کہتے ہیں کہ یہ صفات الٰہیہ میں سے ہے۔ یہ فیضان حجابات وجود ظلومیت اور جہولیت سے نکل کر ہویۃ اور بقاء ربوبیت میں پہنچ کر حاصل ہوتا ہے اور یہ مرتبہ دوسرے مرتبہ کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ عشق تو محبت صفاتیہ میں سے ہے اور یہ فیض وفنائیت محبوبیت ذاتیہ کے مقام میں سے ہے۔

حملھا الانسان. آسمان وزمین پر امانت کی پیشی اختیاری تھی لازمی نہیں تھی۔ ورنہ انکار ممکن نہیں تھا۔ پھر اللہ نے انسان سے

فرمایا کہ هل انت اخذبما فیها عرض کیا۔ یارب مافیها؟ فرمایا۔ ان حملتها اجرت وان ضیعتها عذبت عرض کیا حملتها بما فیها. چنانچہ ظہر سے عصر تک وقت کی مقدار جنت میں رہ سکا کہ ابلیس نے نکلوا کر چھوڑا۔ ابن عباسؓ نے تو یہی تفسیر کی ہے۔ تابعین اور اکثر سلف کی رائے بھی یہی ہے۔ حسن بصریؒ، مقاتلؒ اور مجاہدؒ بھی انہی میں سے ہیں۔

لیکن بقول زجاجؒ اور بعض علماء کے نزدیک آسمان، زمین، پہاڑ کے حق میں تو امانت اللہ کی مشیت وارادہ کے آگے انقیاد وخضوع ہے اور انسان کے حق میں طاعت وفرائض ہیں۔ اس صورت میں ابین ان یحملنها کے معنی یہ ہوں گے کہ آسمان زمین نے امانت اٹھائی۔ مگر عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ کہا جاتا ہے۔ فلان حامل الامانة ومتحملها ای لا یو دیها الی صاحبها. حسنؒ سے بھی یہی منقول ہے اور قاموس میں ابین ان یحملنها کے معنی یخنها وخانها الانسان کے ہیں اور انسان سے مراد کافر ومنافق ہے اور ظلومیت وجہولیت باعتبار جنس کے ہے۔ ظلومیت سے یہاں حقیقۃً حدود شرع سے تجاوز مراد نہیں بلکہ امانت کے ناقابل برداشت بوجھ کو اٹھالینا مراد ہے جو قابل مدح ہے۔ ظالم وجاہل ایسی ذات کو کہا جاتا ہے، جس میں عدل وعلم کی اہلیت ہو۔ مگر پھر ان کی فعلیت میں نہ لائے۔ دیوار، درخت وغیرہ کو ظالم وجاہل نہیں کہا جائے گا۔ یہ انسان ہی کے لئے امتیاز ہے۔ یہ کلمات بطور لاڈ اور پیار کے فرمائے ہیں۔ جیسے ہم محبت میں کسی کو باؤلا کہہ دیتے ہیں۔ حقیقت مراد نہیں۔

لیعذب. لام عاقبۃ ہے۔ یہ حمل امانت کی علت ہے بطور نتیجہ۔

ربط:............ پچھلی آیات میں ایذاء رسانی کی ممانعت بیان ہوئی تھی۔ آیت یا ایها النبی الخ سے بھی بعض ایذاؤں کا اور ان کے انتظام کا تذکرہ ہے۔ دراصل منافقین دوطرح سے ستاتے تھے۔ ایک یہ کہ بعض شریر طینت، راستہ چلتی مسلمانوں کی باندیوں کو چھیڑا کرتے اور بعض شریف آزاد عورتوں کو بھی باندیوں کے شبہ چھیڑا کرتے تھے۔ دوسرے مسلمانوں کو ڈرانے کے لئے پریشان کن جھوٹی خبریں اڑایا کرتے تھے۔ ان دونوں باتوں سے آنحضرت ﷺ اور مسلمان آزردہ تھے۔ اس لئے آزاد عورتوں کے لئے تو ضرورت میں باہر نکلنے پر پردہ اور برقعہ کو لازم کر دیا اور باندیوں کے لئے شریروں کو ڈرایا دھمکایا اور چونکہ سابقہ آیت "ان الذین یوذون الخ" میں آخرت کی لعنت اور عذاب کا ذکر تھا۔ ادھر بعض لوگ قیامت کا نام آتے ہی استہزاء کرنے لگتے اور اس کے وقت کی تعیین کے بہانے سوالات کرنے لگتے۔ اس سلسلہ میں آیت یسئلك عن الساعة آیات نازل ہوئیں اور چونکہ ایذاء رسانی کا انجام تباہی وہلاکت بھی ان آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ ادھر آیت "یالیتنا اطعنا الخ" سے اللہ ورسول کی اطاعت کا ذریعہ نجات ہونا معلوم ہوا۔ اس لئے آگے مسلمانوں کو اللہ ورسول کی مخالفت اور اس کے مضرات سے بچانے اور موافقت کرنے اور اس کے مفید نتائج سے باخبر کرنے کے لئے یاایها الذین آمنوا الخ سے ترغیب وترہیب کی جارہی ہے اور اس صورت کے تمام تر مضامین کا خلاصہ اللہ ورسول کی اطاعت کا ضروری اور مخالفت کا حرام ہونا ہے۔ جس کا مقصود اعظم اجلال نبوی ہے اور آپ کی کسی بھی ایذاء رسانی سے کلیۃً اجتناب ہے۔ اس لئے خاتمہ سورت پر آیت "انا عرضنا الا مانة" سے اسی کی تقویت وتاکید کے لئے انسان کا مکلف ہونا بعنوان امانت بیان کر کے بتلایا کہ حقوق شرع کی ادائیگی کرنے والے مورد عنایت اور ان کو ضائع کرنے والے مستوجب سزا ہوں گے۔

شان نزول:............ باندیاں چونکہ فی الجملہ آزاد پھرتی ہیں۔ ان کے شبہ میں کچھ منافقین شریف زادیوں سے بھی چھیڑ خانی کرتے تھے اور پوچھنے پر کہہ دیتے کہ ہم نے باندی سمجھا تھا۔ اس لئے برقعہ پوش اور چادر پوش ہو کر نکلنے کی ہدایت "قل لازواجك الخ" میں نازل ہوئی۔ قتادہؒ، محمد بن کعب، عبیدؒ بن جنین، لئن لم ینته المنافقون سے سب جملوں کا مصداق منافقین کو قرار دیتے ہیں۔

لیکن عکرمہ **الذین فی قلوبھم** کا مصداق غنڈوں کو قرار دیتے ہیں اور سدیؒ عبداللہ بن ابی سلول، عبداللہ بن تنبل، مالک بن داعس کو قرار دیتے ہیں۔

دراصل منافقین تین قسم کے تھے۔

۱۔ کچھ تو رئیس اور سردار تھے، وہ خود تو ایسی حرکات نہیں کرتے تھے۔ البتہ دوسروں کو اکساتے رہتے تھے۔

۲۔ عوام میں سے بعض مستورات کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتے۔

۳۔ اور بعض پروپیگنڈہ کی ہوائی مشنری کو حرکت دیتے رہتے اور مسلمانوں کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتے رہتے۔

لاتکونوا کالذین . حضرت زیدؓ و زینبؓ کے نکاح کے بعد کے واقعات کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی کہ جس طرح لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ستایا۔ اسی طرح آپ کو مکدر کیا جارہا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ بخدا اس پتھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مارنے کے چھ سات نشانات تھے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر فرار ہوگیا تھا کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

پوشاند لباس ہرکرا عیبے دید　　　بے عیباں را لباس عریانی داد

لیکن ابن عباسؓ کی روایت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام دونوں پہاڑ پر چڑھے۔ وہاں حضرت ہارونؑ کی وفات ہوگئی تو اسرائیلی بولے کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں مار ڈالا۔ تب فرشتوں نے ان کی نعش اسرائیلیوں کے سامنے کردی، جس سے انہیں اطمینان ہوا۔ طبریؒ نے اسی کو ایذاء موسیٰ علیہ السلام قرار دیا۔

اسی طرح ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ قارون نے ایک داشتہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگانے کے لئے انعام کا لالچ دیا۔ وہ واقعہ یہاں مراد ہے۔ لیکن اسباب میں چونکہ تزاحم نہیں ہوتا۔ اس لئے سب ہی واقعات باعث ایذاء ہوسکتے ہیں۔

قولا سدیداً کے متعلق بعض حضرات کی رائے ہے کہ زینبؓ کے قصہ میں نامناسب بات کہنے سے روکا گیا ہے۔ **حملھا الانسان** . بقول مجاہدؒ حضرت آدم علیہ السلام مع ذریت مراد ہیں۔

لیعذب اللہ . حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص سورۂ احزاب پڑھے اور اپنے گھر والوں کو سکھلائے تو اسے عذاب قبر سے امان مل جائے گا۔

﴿ تشریح ﴾ : .... **منافقین کی دو شرارتیں اور ان کا علاج** : .... **یدنین** . روایات میں ہے کہ اس آیت کے بعد مسلمان عورتیں بدن اور چہرہ چھپا کر نکلتی تھیں۔ صرف ایک آنکھ دیکھنے کے لئے کھلی رہتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ فتنہ کے وقت عورت کو چہرہ بھی چھپالینا چاہئے۔ البتہ باندیوں کا سر چونکہ داخل ستر نہیں اور چہرہ کھولنے میں بھی انہیں ضرورت کی وجہ سے گنجائش ہے۔ ورنہ کاروبار میں حرج عظیم ہوگا۔ پس اس طرح آزاد عورتوں کا باندیوں سے امتیاز بھی ہوجائے گا۔ جس سے شریعت کے حکم کا امتثال ہوگا اور شریروں سے وہ محفوظ بھی رہ سکیں گی۔ تاہم اس گھونگھٹ نکالنے اور پردہ پوشی میں بلاارادہ اگر کچھ کمی یا بے احتیاطی ہوجائے تو اللہ تعالیٰ مہربان ہے امید عفو رکھنی چاہئے۔

آگے عام چھیڑ چھاڑ پر دھمکی ہے۔ خواہ وہ بی بی سے ہو یا باندی سے کہ اب تک تو نفاق کی آڑ میں یہ لوگ بچے پھرتے رہے۔ لیکن اب جب کہ کھلم کھلا اس طرح کی حرکتیں کریں گے تو پھر یاد رکھیں گے کہ اب ان کی درگت بنے گی۔ چند روز میں مدینہ سے نکال باہر

کئے جائیں گے اور جتنے عرصہ رہیں گے ذلیل وخوار ہوکر رہیں گے۔ چنانچہ یہود نکالے گئے اور منافقین نے اپنا رویہ درست کرلیا۔ اس لئے سزا سے بچے رہے اور فتنہ وشورش کی سرکوبی ہوگئی جو مقصود اصلی تھا۔

اس طرح آزاد عورتوں اور باندیوں کو اطمینان کا سانس آیا اور سزا انہی شورش پسندوں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ عادۃ اللہ پہلے سے بھی وہی ہے کہ پیغمبروں کے مقابلہ میں شرارت کرنے والوں کو کیفر کردار تک پہنچایا گیا ہے یا یہ مطلب ہے کہ پرانی کتابوں میں بھی یہی دستور درج ہے کہ شریروں کا یہ علاج کیا جائے۔ ممکن تھا کہ اگر پہلے یہ دستور نہ ہوتا تو انہیں سزا مستبعد معلوم ہوتی یا بعد میں اللہ کے ارادہ سزا میں تبدیلی آجانے سے انہیں اطمینان ہوجاتا۔ مگر اب سنۃ اللہ کہہ کر قبل الوقوع احتمال کا دفعیہ فرمادیا اور لن تجد فرما کر بعد الوقوع احتمال کا دفعیہ فرمادیا۔ بہرحال آزاد عورتوں کا انتظام تو پردہ کی صورت میں فرمادیا اور باندیوں کا انتظام لنغرینک سے فرمادیا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آزاد بیبیوں کی بےحجابی سے باندیوں کی حفاظت تو ہوگی نہیں۔ بلکہ یک نہ شد دوشد کا مضمون ہوجائے گا۔ اس لئے انہیں اپنی اصلی وضع حجاب وجلباب کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس میں ان کی حفاظت بھی سہل ہے۔ البتہ باندیوں کی حفاظت دوسرے طریقہ سے کی جائے گی۔ یہ آیت عورت کے چہرہ کو نہ کھولنے میں صریح ہے۔

ایک مسئلہ اور ایک شبہ: .... رہا یہ شبہ کہ یہ حکم تو عارضی مصلحت کی وجہ سے تھا مستقل نہیں تھا۔ جواب یہ ہے کہ مقصد اس کا فتنہ کا انسداد تھا۔ پس جہاں فتنہ ہوگا۔ وہاں چہرہ کھولنا بھی منع رہے گا۔ کسی خاص فتنہ کی خصوصیت معتبر نہیں ہے۔ تاہم یہ وجوب لغیرہ ہے۔ اسی لئے بوڑھی عورتیں مستثنیٰ ہیں۔ البتہ ازواج مطہراتؓ کے لئے دوسری دلیل سے واجب بعینہ ہے۔

آگے یسئلك الناس سے قیامت کے متعلق سوال وجواب مذکور ہے۔ منافقین نے یہ ہتھکنڈا اختیار کیا ہوگا کہ جس چیز کا دنیا میں کسی کے پاس جواب نہیں۔ اسی کا بار بار سوال کریں۔ فرمایا کہ ٹھیک ٹھیک نپا تلا نشان تو کسی کو نہیں دیا گیا۔ مگر سمجھ کہ بہت ہی نزدیک ہے جس کو حدیث میں انا والساعۃ کھاتین کے ساتھ تعبیر فرمایا۔

قرب قیامت: .... یعنی جتنی یہ میری بیچ کی انگلی بڑھی ہوئی ہے۔ قیامت سے بس اتنے ہی پہلے میرا آنا ہوا ہے۔ قیامت بہت قریب آلگی ہے۔ قرب سے مراد یا تو صرف نزدیک ہے اور یا اقربیت مراد ہے۔ لیکن اگر اقربیت مراد ہو تو پھر اس کا اب تک واقع نہ ہونا محل اشکال نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ بندوں کے لحاظ سے لعل فرمایا گیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ بندوں سے جب اس کی تعیین مخفی ہے تو انہیں صرف بہت نزدیک ہونے کا احتمال پیش نظر رکھ کر ڈرتے رہنا چاہئے۔ خواہ وہ قرب واقع ہو یا نہ ہو اور یہی قرب ہر زمانہ میں محتمل ہے۔ پس ڈر بھی ہر زمانہ میں عام ہونا چاہئے اور اگر مطلق قرب مراد ہے تو پھر لعل تحقیق کے لئے بھی ہوسکتا ہے اور وہ قرب واقع کے موافق بھی ہے۔ کیونکہ روز بروز قیامت قریب سے قریب تر ہی ہوتی جاتی ہے۔ دوسرے قیامت کی ہولناکیوں کے سامنے دنیا میں طویل وقفہ بھی برائے نام ہی معلوم ہوگا۔ اس لئے قیامت کو قریب کہا۔ غرضیکہ احتمال قرب کی وجہ سے یا روزانہ قریب تر ہوتے جانے سے قیامت کے طویل وہول کے مقابلہ کی وجہ سے بہرصورت یہ تہدید صحیح ہے۔

اللہ کی پھٹکار اور اثر: .... آگے فرمایا کہ ان پر اللہ کی پھٹکار ہے۔ اسی کا یہ اثر ہے کہ لایعنی اور دوراز کار سوالات میں وقت ضائع کرتے رہتے ہیں اور انجام کی فکر نہیں۔ جب انجام سامنے آئے گا، اس وقت حسرت ہوگی کہ کاش! ہم دنیا میں رہتے ہوئے اللہ و رسول ﷺ کے کہنے پر چلتے تو وہ دن دیکھنا نہ پڑتا مگر بےسود۔ اس وقت حسرت سے کیا فائدہ۔ جب کہ عمل کا وقت جاچکا۔ اس وقت اور

تو کچھ بن نہیں پڑے گا۔ اپنا جی ہلکا کرنے کے لئے ایک دوسرے پر الزام تراشی کو غنیمت سمجھیں گی۔ چھوٹے بڑوں پر الزام تراشی دھریں گے کہ انہوں نے ہی ہماری راہ ماری تھی۔ لہذا ان پر دوہری لعنت اور انہیں دوہری سزا ملنی چاہئے۔ سورۂ اعراف کے چوتھے رکوع میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے اور آئندہ سورۂ سباء کے چوتھے رکوع میں بھی اس کی تفصیل آ رہی ہے۔ غرضیکہ اس طرح سرداروں کو دوہری سزا دلوا کر اپنا دل ٹھنڈا کرنا چاہیں گے۔

آگے یاایھا الذین سے مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ تم ایسی کوئی بات یا کوئی کام ہرگز نہ کرنا جس سے تمہارے پیغمبر کو اذیت پہنچے۔ نبی کا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ وہ ہمارے محبوب ہیں۔ ہم ان کی اذیت دور کر دیں گے۔ مگر یاد رکھو کہ تمہاری عاقبت برباد ہو جائے گی۔

آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کس کس طرح ان کے لوگوں نے پریشان کیا۔ مگر کیا ہوا پریشان کرنے والوں کا نام ونشان مٹ گیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا نام روشن رہا۔

مختلف اشکال و جواب: .... "لاتکونوا" سے یہ لازم نہیں آتا کہ کبھی مسلمانوں نے ایسا کیا ہو۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ ہمیشہ محتاط رہو۔ جیسے اب تک محتاط رہے ہو اور روایات میں بعض واقعات آئے ہیں۔ ان کا تعلق یا تو منافقین سے ہوگا یا بعض مزاج ناشناس مسلمانوں کی زبان سے بے توجہی کے ساتھ ایسے الفاظ نکل گئے ہوں جو باعث اذیت ہوں۔

مفسر علامؒ نے کپڑوں کے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تو اس لئے اعتراض نہیں کہ آپ کے اختیار کو اس میں دخل نہیں۔ شدت غیض میں اضطراری حرکات پر مجبور ہو گئے تھے۔ زیادہ سے زیادہ مغلوب فی الحال ہونے کا شبہ رہے گا۔ مگر گاہ گاہ کاملین کو بھی غلبہ حال ہو جاتا ہے۔ جبکہ اس میں بھی کوئی حکمت ومصلحت ہو۔ اسی طرح حق تعالیٰ پر بھی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ اعتراض کے محکوم نہیں ہیں۔ بلکہ مبنی بر حکمت ومصلحت ہونے کی وجہ سے اس کو مناسب کہا جائے گا اور وہ حکمت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برأت عیب تھی اور خود برأت کی حکمت نبی سے نفرت کا نہ رہنا ہے۔ کیونکہ نفرت طبعاً کسی کی پیروی سے رکاوٹ بن جایا کرتی ہے اور پتھر کا کپڑوں کو لے کر بھاگنا خرق عادت تھا اور چونکہ حضور ﷺ نے اس واقعہ کو بیان فرما کر فذالک قوله تعالیٰ یا ایھا الذین امنوا ارشاد فرمایا۔ اس لئے واقعہ کا بطور تفسیر ہونا تو یقینی ہو گیا۔ البتہ دوسرے واقعات ایذاء بھی اس عموم میں داخل کئے جا سکتے ہیں اور اس واقعہ کی تخصیص کو تمثیل پر محمول کر لیا جائے تو مناسب ہوگا۔ باقی اس واقعہ کے تفسیر ہونے کا انکار صحیح نہیں ہے۔

اور طاعت وتقویٰ کی بہت سی صورتوں میں "قول سدید" کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اول تو اکثر لوگ اس کو سہل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ دوسرے زبان کا گھاؤ سب تکلیفوں سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔

جراحات السنان لها التيام　　　　ولا يلتام ماجرح اللسان

تیسرے اس لئے کہ زبان کی آفتیں بہ نسبت اور قصوروں کے کثیر الوقوع ہیں اور "تقویٰ اور قول سدید" پر یصلح بمعنی یتقبل کا مرتب ہونا بالکل واضح ہے۔ کیونکہ کسی عمل کا مقبول ہونا جن شرائط پر موقوف ہے وہ سب اجزاء تقویٰ ہیں۔ پس جب کسی مقبول عمل میں کوئی نقصان آئے گا تو تقویٰ کے کسی جزو کا ضرور فقدان ہوگا۔

امانت الٰہیہ کی پیش کش: .... انا عرضنا الامانة. جس میں امانت کا ذکر ہے یا حدیث لاایمان لمن لاامانة له میں اور حدیث حذیفہؓ ان الا امانة نزلت من السماء فی جذر قلوب الرجال ثم علموا من القرن میں جس کی صراحت ہے وہ امانت الٰہیہ ہے۔ جو انسانی قلوب میں تخم ہدایت بنا کر ڈالا گیا ہے۔ پھر اس پر علوم الٰہیہ کی بارش ہوئی۔ جس سے ٹھیک طریقہ پر انتفاع

کرنے کی صورت میں ایمان کا پوداا گ جاتا ہے۔ پھر وہ اعمال کی آبیاری اور نلائی سے بڑھتا، پھولتا ہے۔ پھر آدمی کو اس کے ثمرات سے متمتع ہونے کا موقع ملتا ہے۔ لیکن اگر انتقاع میں نقصان رہ جائے تو اسی قدر اس کے ابھرنے، پھولنے، پھلنے میں کمی رہ جاتی ہے اور بالکل غفلت برتنے کی صورت میں سرے سے یہ تخم ہی برباد ہو جاتا ہے۔ یہی امانت تھی جو اللہ نے پہلے آسمان، زمین، پہاڑوں کو دکھلائی۔ مگر کسی میں بھی اس امانت عظیمہ کے اٹھانے کا بوتہ اور استعداد نہ تھی۔ ہر ایک نے زبان حال یا قال سے ناقابل برداشت ذمہ داریوں کے بوجھ سے گھبرا کر انکار کر دیا اور معذرت کر دی کہ ہم سے یہ بار نہ اٹھ سکے گا۔ آخر انسان نے ہمت سے آگے بڑھ کر یہ ذمہ داری اٹھالی:

آسماں بار امانت نتوانست کشید قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

بار امانت کس نے اٹھالیا:............ بات دراصل یہ ہے کہ کائنات کی چیزوں میں معمولی شعور رکھ کر قدرت نے احکام شرع کی ذمہ داری اس اختیار کے ساتھ رکھی کہ اگر تم اس پر پورے اترے تو مستحق انعام واکرام ہوگے۔ ورنہ ناکامی کی صورت میں تمہیں یہ سزائیں بھگتنی ہوں گی۔ مگر سب نے احتمال ثواب کو نظر انداز کر دیا اور عذاب کے خوف سے گھبرا کر صاف معذرت کر دی۔ لیکن انسانوں نے اس دعوت واختیار کو پوری ہمت وحوصلہ اور عزم مصمم کے ساتھ قبول کر لیا۔ اس لئے اسے مکلّف بنانے کے لئے جس درجہ عقل وادراک کی ضرورت تھی۔ وہ اسے بخش دی گئی۔ لیکن کائنات کی اور چیزیں انکار کی وجہ سے عقل تکلیفی کی دولت سے محروم رہیں۔ ورنہ قبول امانت کی صورت میں انہیں بھی اس دولت سے سرفراز فرما دیا جاتا۔

غالباً امانت کی یہ پیشکش میثاق ازل سے پہلے ہوئی ہوگی۔ بلکہ عہد الست اسی کی فرع ہوگا۔ اس میثاق کے وقت عقل تکلیفی ادا کر دی گئی ہوگی اور انسان سے صرف آدم مراد نہیں۔ بلکہ عہد میثاق کی طرح امانت کی یہ پیشکش بھی عام ہے اور منشاء دونوں کو یاد دلانے کا یہ ہے کہ جب تم نے خود التزام کیا ہے تو اب ان دونوں باتوں کو پورا کر کے دکھلاؤ۔

فی الحقیقت اس عظیم الشان امانت کا بوجھ بجز انسان کے اور کون سی مخلوق اٹھا سکتی تھی اور کون اس کا حق ادا کر سکتا تھا؟ اس نے اپنی جان پر ستم ڈھائے اور اس نادان نے اپنے نازک کندھوں پر وہ وزن اٹھالیا۔ جس سے زمین، آسمان، پہاڑ تھرتھرا رہے تھے۔ اس نے اپنے اوپر ترس نہ کھایا۔ ایک افتادہ زمین کو جس میں مالک نے تخم ریزی کر دی تھی۔ خون پسینہ ایک کر کے باغ وبہار بنالینا اسی ظلوم وجہول کا حصہ ہو سکتا ہے۔

امانت کہتے ہیں اپنی خواہش روک کر پرائی چیز رکھنا اور حفاظت سے رکھنا۔ زمین وآسمان میں اول تو کوئی خواہش نہیں اور ہے بھی تو وہی جس پر وہ قائم ہیں اور انسان میں خواہش ہے۔ مگر حکم الٰہی اس کے برخلاف آتا ہے۔ پس پرائی چیز کو اپنی خواہش کے برخلاف اپنا جی مسل کر تھامنا بڑا زور چاہتا ہے۔ یہی کشاکش ہے، جس میں اس کا امتحان ہے اور اس پر اس کی کامیابی وناکامی کا انحصار ہے۔ یہ امانت جان کر کوئی ضائع کر دے تو علاوہ حقیقی مالک کی سزا کے مجازی مالک کو تاوان بھی دینا ہوگا اور بے اختیار ضائع ہو جائے تو بدلہ دینا نہیں پڑے گا۔ البتہ منکرین کو قصور پر پکڑا جائے گا اور فرمانبرداروں کا قصور معاف کر دیا جائے گا یا ان پر ایک طرح کی نگاہِ مہر رکھی جائے گی۔

انسان کا ظلوم وجہول ہونا امانت کا بوجھ اٹھالینے سے ہوا:............ ظالم وجاہل جن کا مبالغہ ظلوم وجہول ہیں اسے کہتے ہیں جو بالفعل تو عدل اور عدل سے خالی ہو۔ مگر ان کے حصول کی استعداد وصلاحیت رکھتا ہو۔ پس یہ بات انسان ہی میں پائی جاتی

ہے۔ فرشتے جو فطری طور پر ان خوبیوں سے متصف ہیں، ایک لمحہ کے لئے بھی ان اوصاف سے خالی نہیں ہوئے، یا آسمان، زمین، پہاڑ وغیرہ جن کی فطرت ہی اس استعداد سے بالکلیہ خالی رہی، دونوں اس امانت الٰہیہ کے حامل نہیں بن سکے۔ لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعاً متصدعاً من خشیۃ اللّٰہ. ابن جریج کا قول ہے کہ تین روز تک یہ معاملہ پیش ہوتا رہا مگر سب نے باکمال خشیت عذر ہی کیا۔ رہ گئے جنات، اگرچہ وماخلقت الجن والانس کے لحاظ سے وہ بھی اس کے مخاطب تھے۔

فرشتے، جنات اور دوسری مخلوق میں امانت کی ذمہ داری:............مگر یہ بیچ ہے کہ ادائے حق وامانت کی استعداد ان میں اتنی ضعیف تھی کہ بار اٹھانے کے سلسلے میں انہیں مستقل طور پر قابل ذکر اور لائق اعتناء نہیں سمجھا گیا۔ گویا وہ اس معاملہ میں انسان کے تابع سمجھے گئے۔ یا یہ کہا جائے کہ جنات بھی انسان کی طرح مکلف ہیں اور اس عرض وحمل میں وہ بھی شریک ہیں، مگر یہاں صرف انسان کا ذکر اس لئے ہے کہ اس جگہ ذکر انسان ہی کا چل رہا ہے اور انسان کو ظلوم وجہول کہنا اکثری افراد کے لحاظ سے ہے۔ ورنہ انبیاءؑ اور اولیاءؒ محفوظین اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یا لاڈ اور ناز کے طور پر فرمادیا ہے۔ جیسے کسی کو باؤلا یا نادان کہہ دیا جائے تو حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے اور حمل امانت کا نتیجہ اور انجام، عذاب اور رحمت کو جو کہا گیا ہے وہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے نہ کرنے کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔ الحمدللہ کہ اب کوئی نقلی عقلی اشکال نہیں رہا۔

لطائف سلوک:............ذالک ادنیٰ ان یعرفن سے یہ مستنبط ہوا کہ لباس میں امتیاز رکھنا برا نہیں ہے، جبکہ اس میں کسی برائی سے بچاؤ پیش نظر ہو اور تکبر کے ارادہ سے نہ ہو۔

وقالوا ربنا انا اطعنا سے معلوم ہوا کہ برائیوں میں اور وہ بھی محض بے سمجھے بوجھے دوسروں کی نقالی اور تعبیر معتبر نہیں ہے۔ آج کل بہت سے مبتدعین اور رسوم کے دلدادہ لوگ رسم وبدعات کے اختیار کرنے میں اسی قسم کے نکات پیش کیا کرتے ہیں۔ جن کا کالعدم ہونا معلوم ہوگیا۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال کو جس طرح حصول ثواب میں دخل ہے۔ اسی طرح دوسرے عمل کی اصلاح کا ذریعہ بھی بن سکتے ہیں۔ دونوں عملوں میں تعلق ونسبت اور روابط ایک دقیق چیز ہے۔ جس کو مصلح محقق ہی خوب سمجھتا ہے۔ اسی لئے بعض دفعہ ایک عمل خود مقصود نہیں۔ مگر دوسرے عمل کی اصلاح کے لئے تجویز کردیا جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک امانت سے مراد تجلی ذاتی کی استعداد وصلاحیت ہے۔ جنات عبادت سے صالح بن سکتے ہیں اور فرشتے عصمت سے مقرب ہیں۔ مگر انوار صفات سے ترقی کرکے تجلی ذاتی تک یہ دونوں اصناف بھی مشرف نہیں ہوسکیں۔ کیونکہ عنصر خاک کی ترکیب کے بغیر اس نور کا تحمل ممکن نہیں ہے۔ اجسام شفاف پر انوار کا قیام نہیں ہوسکتا۔ اس کا محل ومحمل تو جسم کثیف ہی ہوسکتا ہے۔

سُــوْرَةُ السَّـبَا

سُوْرَةُ السَّبَا مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَلْاٰيَةُ وَهِيَ اَرْبَعٌ اَوْ خَمْسٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ حَمِدَ اللّٰهُ تَعَالٰى نَفْسَهٗ بِذٰلِكَ الْمُرَادُ بِهِ الثَّنَاءُ بِمَضْمُوْنِهٖ مِنْ ثُبُوْتِ الْحَمْدِ وَهُوَ الْوَصْفُ بِالْجَمِيْلِ **لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ** مِلْكًا وَّخَلْقًا وَّعَبِيْدًا **وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ** ط كَالدُّنْيَا يَحْمَدُهٗ اَوْلِيَاؤُهٗ اِذَا دَخَلُوا الْجَنَّةَ **وَهُوَ الْحَكِيْمُ** فِيْ فِعْلِهٖ **الْخَبِيْرُ** ﴿۱﴾ بِخَلْقِهٖ **يَعْلَمُ مَايَلِجُ** يَدْخُلُ **فِي الْاَرْضِ** كَمَاءٍ وَغَيْرِهٖ **وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا** كَنَبَاتٍ وَّغَيْرِهٖ **وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ** مِنْ رِّزْقٍ وَّغَيْرِهٖ **وَمَا يَعْرُجُ** يَصْعَدُ **فِيْهَا** ط مِنْ عَمَلٍ وَغَيْرِهٖ **وَهُوَ الرَّحِيْمُ** بِاَوْلِيَائِهٖ **الْغَفُوْرُ** ﴿۲﴾ لَهُمْ **وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَاتَاْتِيْنَا السَّاعَةُ** ط اَلْقِيَامَةُ **قُلْ** لَهُمْ **بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ** لا **عٰلِمِ الْغَيْبِ** ج بِالْجَرِّ صِفَةٌ وَالرَّفْعِ خَبَرُ مُبْتَدَاءٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ عَلَّامٍ بِالْجَرِّ **لَا يَعْزُبُ** يَغِيْبُ **عَنْهُ مِثْقَالُ** وَزْنُ **ذَرَّةٍ** اَصْغَرُ نَمْلَةٍ **فِي السَّمٰوٰتِ وَلَافِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّافِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ** ﴿۳﴾ بَيِّنٍ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ **لِّيَجْزِيَ** فِيْهَا **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** ط **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ** ﴿۴﴾ حَسَنٌ فِي الْجَنَّةِ **وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ** اِبْطَالِ **اٰيٰتِنَا** الْقُرْاٰنِ **مُعٰجِزِيْنَ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ هُنَا وَفِيْمَا يَاْتِيْ مُعَاجِزِيْنَ اَيْ مُقَدِّرِيْنَ عَجْزَنَا اَوْ مُسَابِقِيْنَ لَنَا فَيَفُوْتُوْنَنَا لِظَنِّهِمْ اَنْ لَا بَعْثَ وَلَا عِقَابَ **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ** سَيِّءِ الْعَذَابِ **اَلِيْمٌ** ﴿۵﴾ مُؤْلِمٌ بِالْجَرِّ وَالرَّفْعِ صِفَةٌ لِرِجْزٍ اَوْ عَذَابٍ **وَيَرَى** يَعْلَمُ **الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ** مُؤْمِنُوْا اَهْلِ الْكِتٰبِ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهٖ **الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ** اَيِ الْقُرْاٰنَ **هُوَ** فَصْلٌ **الْحَقَّ** لا **وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ** طَرِيْقِ **الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ** ﴿۶﴾ اَيِ اللّٰهِ ذِي الْعِزَّةِ الْمَحْمُوْدَةِ **وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا**

اَیْ قَالَ بَعْضُهُمْ عَلٰی جِهَةِ التَّعَجُّبِ لِبَعْضٍ **هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ** هُوَ مُحَمَّدٌ **يُنَبِّئُكُمْ** يُخْبِرُكُمْ اِنَّكُمْ **اِذَا مُزِّقْتُمْ** قُطِّعْتُمْ **كُلَّ مُمَزَّقٍ** بِمَعْنٰی تَمْزِيْقٍ **اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۷﴾ اَفْتَرٰی** بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ لِلْاِسْتِفْهَامِ وَاسْتَغْنٰی بِهَا عَنْ هَمْزَةِ الْوَصْلِ **عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا** فِيْ ذٰلِكَ **اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ** جُنُوْنٌ تَخَيَّلَ بِهٖ ذٰلِكَ قَالَ تَعَالٰی **بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ** الْمُشْتَمِلَةِ عَلَی الْبَعْثِ وَالْحِسَابِ **فِي الْعَذَابِ** فِيْهَا **وَ الضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ﴿۸﴾** مِنَ الْحَقِّ فِي الدُّنْيَا **اَفَلَمْ يَرَوْا** يَنْظُرُوْا **اِلٰی مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ** مَا فَوْقَهُمْ وَمَا تَحْتَهُمْ **مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا** بِسُكُوْنِ السِّيْنِ وَفَتْحِهَا قِطْعَةً **مِّنَ السَّمَآءِ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ فِي الْاَفْعَالِ الثَّلٰثَةِ بِالْيَاءِ **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** الْمَرْئِيِّ **لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۹﴾** رَاجِعٍ اِلٰی رَبِّهٖ تَدُلُّ عَلٰی قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَی الْبَعْثِ وَمَا يَشَاءُ

ترجمہ:...........سورۃ السبا مکی ہے بجز آیت **ویری الذین اوتوا العلم الخ** اس میں کل ۵۴ یا ۵۵ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. ساری حمد (اللہ نے اپنی یہ حمد فرمائی ہے۔ اس سے مراد اس کے مضمون یعنی حمد کے ثبوت کی ثناء ہے اور حمد کہتے ہیں اچھی خوبیاں بیان کرنے کو) اسی اللہ کو سزاوار ہے آخرت میں (دنیا کی طرح۔ اس کے اولیاء جنت میں داخلہ کے وقت اس کی حمد کریں گے) اور وہی (اپنے کام میں) بڑی حکمت والا (اپنی مخلوق کی) بڑی خبر رکھنے والا ہے۔ وہی جانتا ہے جو کچھ گھستا ہے (داخل ہوتا ہے) زمین میں (جیسے پانی وغیرہ) اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے (جیسے کہ گھاس وغیرہ) اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے (رزق وغیرہ) اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے (عمل وغیرہ) اور وہ (اپنے دوستوں پر) بڑا رحم والا (ان کی) بڑی مغفرت کرنے والا ہے اور یہ کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہ آئے گی۔ آپ (ان سے) فرما دیجئے کیوں نہیں؟ قسم ہے میرے پروردگار عالم الغیب کی کہ وہ تم پر ضرور آئے گی (عالم الغیب جر کی صفت کے ساتھ ہے اور رفع کے ساتھ مبتداء کی خبر ہے اور ایک قرأت میں علام جر کے ساتھ ہے) ہیں او جھل (غائب) ہے اس سے کوئی ذرہ برابر (وزن) بھی (چھوٹی چیونٹی) نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ کوئی چیز ہے اس سے چھوٹی اور نہ کوئی چیز بڑی ہے۔ مگر یہ کہ سب کتاب مبین میں ہے (جو واضح ہے یعنی لوح محفوظ) تاکہ ان لوگوں کو (اس میں) صلہ دے جو ایمان لائے تھے اور نیک کام کئے تھے۔ ایسے لوگوں کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی ہے (جو عمدہ ہے جنت میں) اور جو لوگ ہماری (قرآن کی) آیتوں کے (باطل کرنے میں) کوشش کرتے رہتے ہیں ہرانے کے لئے (اور ایک قرأت میں یہاں اور آگے "معاجزین" ہے۔ یعنی ہمارا عجز فرض کرتے ہوئے یا ہم سے آگے بڑھنے کے لئے تاکہ وہ ہم سے چھوٹ جائیں۔ کیونکہ ان کا خیال یہ ہے کہ نہ قیامت ہوگی اور نہ عذاب) ایسے لوگوں کو سختی کا (بدترین) عذاب ہوگا۔ دردناک (تکلیف دہ یہ لفظ جر اور رفع کے ساتھ رجز یا عذاب کی صفت ہے) اور سمجھتے (جانتے) ہیں وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے (مؤمنین کتاب جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کی رفقاء) وہ اس کتاب کو جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر اتاری گئی ہے (قرآن) وہ (بغیر فصل) حق ہے اور وہ راستہ (راہ) دکھاتا ہے غلبہ والے قابل حمد کا (یعنی اللہ بہترین عزت والے کا) اور یہ کافر کہتے ہیں (آپس میں بطور تعجب کے) کیا ہم تمہیں کسی ایسے شخص (محمد ﷺ) کا پتہ بتلائیں جو تم کو یہ اطلاع (خبر) دیتا ہے (کہ تم) جب ریزہ ریزہ (ٹکڑے ٹکڑے) ہو جاؤ بالکل برادہ (ممزق بمعنی تمزیق ہے) تم ضرور ایک نئے جنم میں آ جاؤ گے۔ اس نے جھوٹ

بہتان باندھا ہے (فتحہ ہمزہ استفہامیہ کے ساتھ ہے ہمزہ وصل کی حاجت نہیں رہی) اللہ پر (اس بارے میں یا اسے کسی طرح کا جنون ہے (جس کی وجہ سے اسے یہ خیالات آ رہے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) بلکہ جولوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے (جو بعث وحساب پر مشتمل ہے) وہی (آخرت کے) عذاب میں ہوں گے اور (دنیا میں) یہ دور کی گمراہی میں تھے (حق سے) تو کیا انہوں نے اپنے آگے اور اپنے پیچھے (اوپر نیچے) نہیں دیکھا (نظر نہیں کی) آسمان وزمین کی طرف۔ اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر ٹکڑے برسادیں (کسفا سکون سین اور فتحہ سین کے ساتھ ہے) آسمان سے (اور ایک قرأت میں تینوں افعال یا کے ساتھ ہیں) اس میں (جو دکھائی دیتا ہے) پوری دلیل ہے ہر جھکنے والے بندہ کے لئے (جو اللہ کی طرف رجوع ہونے والا ہے۔ دلالت کرتی ہے اللہ کی قدرت پر قیامت کے متعلق اور جو کچھ چاہے اس پر۔

تحقیق وترکیب: .... **ومـا يعـرج**. عروج بمعنی سیر کو متضمن ہے۔ اس لئے الی کی بجائے فی سے متعدی کیا گیا ہے۔ اس میں قبولیت اعمال صالحہ کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اگر الی لایا جاتا تو یہ نکتہ نہ پیدا ہوتا۔ جیسا کہ **اليـه يصعد الكلم الطيب** میں آسمانوں پر وقوف معلوم ہوا۔

لاتـاتينا. قیامت کے وجود کا بالکلیہ انکار مقصود ہے یہ نہیں کہ نفس الامر میں تو موجود ہے مگر ہمارے پاس نہیں آئے گی اور یہ تعبیر اس لئے اختیار کی کہ قیامت کے آنے ہی سے ڈرایا گیا تھا نہ کہ فی نفسہ اس کے وجود سے۔

عـالـم الغيـب. اس صفت کی لانے میں یہ نکتہ ہے کہ قیام بھی غیب اور مستور ہے۔ ابن کثیر اور ابوعمر کی قرأت جر کی ہے اور نافع ابن عامر کی قرأت رفع کی ہے اور حمزہ وکسائی علام پڑھتے ہیں۔

لایعزب. عزب ای غاب و بعد.

لااصغر. رفع کی صورت میں دونوں مبتداء ہیں اور "الافی کتاب" خبر ہے اور یا مثقال کے لفظ پر ہے اور لا نفی **لایعزب** کے لئے تاکید نفی ہے۔ قتادہؒ اور اعمشؒ کی یہ قرأت ہے اور ابوعمرؒ، نافعؒ فتحہ را کی قرأت کرتے ہیں اس میں بھی دو ہی ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ ایک کو لاتبری کے لئے ہے۔ اس کا اسم مبنی ہے اور **الا فـی کتـاب** خبر ہے۔ دوسرے ذرۃ کے لفظ پر ہو۔ آیت میں اگر چہ اکبر لانے کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر اس لئے لایا گیا تاکہ معلوم ہوجائے کتاب میں جس طرح چھوٹی چیزیں نہیں چھوڑی گئیں، اسی طرح بڑی چیزوں کو بھی چھوڑا نہیں گیا۔

لیجزی. اس کا تعلق لتاتینکم کے ساتھ ہے۔ اس کی علت ہے مفسرؒ نے **فيها** سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

والذین. یہ مبتداء ہے اور **اولئك** اس کی خبر ہے اور یا پہلے **الذین** پر اس کا عطف کرلیا جائے اور پہلا **اولئك** جملہ مستانفہ اور دوسرا **اولئك** خبر ہے۔

معٰجزین. مفسرؒ علام نے مقدرین سے اس قرأت کی تفسیر کی ہے اور دوسری قرأت کی تفسیر مسابقین سے کی ہے۔

ویری. اس کا عطف **یجزی** پر ہے اور منصوب ہے اور مرفوع ہو تو پھر مستانفہ ہوگا اور تفسیری عبارت **یعلم** میں بھی یہ دونوں صورتیں ہوسکتی ہیں۔ **الذین** فاعل ہے اور **الذی انزل** مفعول اول ہے۔ ہو ضمیر فعل اور **الحق** مفعول ثانی ہے اور **یهدی** مفعول ثانی پر معطوف ہے۔ لیکن یہ **مستـانفـه** بھی ہوسکتا ہے اور اس کا فاعل یا ضمیر ہوگی یا اللہ ہوگا۔ اسی طرح **یهدی** کا عطف اور **الحق** پر بھی ہوسکتا ہے۔ ای **وانـه یهـدی** اور اس کا عطف **الـحق** پر بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ فعل کو اسم کی تاویل میں کرلیا جائے گا۔ جیسے آیت **صافات ویقبضن** ای **قابضات** نیز یہ حال بھی ہوسکتا ہے۔ ای **وهو یهدی**.

الحق. منصوب ہونے کی صورت میں یریٰ کا مفعول ثانی ہے اور الذی انزل مفعول اول ہے۔
انکم اذا مزقتم. مفسر کا لفظ انکم. اذا کے عامل کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ لیکن اس سے مقصد برآری نہیں ہوتی۔ اچھا یہ ہے کہ تقدیر عبارت اس طرح ہو۔ اذا مزقتم تحشرون یا انکم تبعثو ن اذا مزقتم جیسا کہ اگلا جملہ انکم لفی خلق جدید. اس پر دلالت کر رہا ہے۔ البتہ لفظ ینبئکم اذا میں عامل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ وقت تنبیہ نہ ہوگا اور مزقتم بھی اس میں عامل نہیں ہے، کیونکہ مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ مضاف میں عامل نہیں ہوا کرتا اور نہ حال ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کیا کرتا۔ الا یہ کہ ظروف میں توسع اختیار کیا جائے۔ یہ تمام ترکیبیں اذا ظرفیہ ہونے کی صورت میں تھیں، لیکن اگر اذا شرطیہ مانا جائے تو پھر جواب مقدر ہوگا اور وہی اذا میں عامل ہوگا۔ ای تبعثو ن اور جملہ شرطیہ ینبئکم کا مفعول بھی ہوسکتا ہے۔ ای یقول لکم اذا مزقتم تبعثون اور انکم لفی خلق جملہ تاکید یہ ہے اور ینبئکم سے متعلق بھی ہوسکتا ہے۔ قائم مقام مفعولین کے ہوجائے گا۔ لفی خلق میں اگر لام نہ ہوتا تو ان مفتوحہ ہوتا اور جملہ شرطیہ، جملہ معترضہ ہوجاتا۔ اگرچہ نحاۃ کی ایک جماعت باب اعلم کی تعلیق کو ناجائز کہتی ہے۔ مگر صحیح جواز ہے۔ جیسا کہ اس شعر میں ہے۔

حذار فقد نبئت انک للذی ستجزی بما تسعیٰ فتسعد او تشقیٰ

افتریٰ. ہمزہ استفہام کی وجہ سے ہمزہ وصل حذف کردیا جاتا ہے۔ اگر ابتداء میں وصل کا موقعہ ہو تو ہمزۂ وصل آ جاتا ہے۔ لفظ افتریٰ سے جاحظ نے صدق وکذب کی تعریف میں نفس الامر کے ساتھ اعتقاد کی موافقت عدم مطابقت کی قید لگا کر واسطہ ثابت کیا ہے۔ جس کا جواب جمہور نے یہ دیا ہے کہ یہاں مطلق خبر کی تقسیم نہیں ہے بلکہ آیت میں کذب کی دوصورتیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک کذب عدم جس کو افتریٰ کہا گیا ہے۔ دوسرے کذب بلا عمد جس کو ام بہ جنة سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پس قسم ثانی مطلق کذب کی قسم نہیں ہے، بلکہ کذب عمدہ کی قسم ہے۔ اس لئے واسطہ ثابت نہیں ہوا اور خبر دوقسموں میں منحصر رہی۔
فی العذاب والضلال. اس میں عذاب کو پہلے لانے میں اس کی مسارعت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ کفار کے حق میں ناگوار ہے اور گمراہی پر جلد مرتب ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ گویا عذاب ضلال سے بھی پہلے آنا چاہتا ہے اور ضلال کے ساتھ بعید لگا کر مبالغہ کردیا۔
کسفاً جمع ہے کسفة کی۔ اس لئے مفسر علامؒ کو تفسیری عبارت میں قطعاً جمع کی صورت میں لانا چاہئے تھا۔

ربط: .... اس سورت کے مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ اول توحید کا بیان ہے جو امانت کلی کی ایک نہایت مہتم بالشان جزئی ہے اور شرک کی مقابل ہے۔ اس طرح اس سورت کی ابتداء پچھلی سورت کی خاتمہ سے مربوط ہوگئی۔ اس کے بعد قیامت کا اثبات دلائل کے ساتھ ہے۔ جس سے امکان قیامت معلوم ہورہا ہے اور چونکہ قرآن قیامت جیسے مضامین حقہ پر مشتمل ہے۔ اس لئے قرآن کی حقانیت بھی معلوم ہوئی۔
اس کے بعد آیت ان فی ذٰلک لاٰیة لکل عبد منیب کی مناسبت سے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ ہے جو اعلیٰ درجہ کے منیب تھے۔ ان سے انابت کی ترغیب مقصود ہے۔ پھر عدم انابت کی ترہیب کے لئے بعض غیر منیبین کفار سبا کا ذکر ہے۔ پھر منیبین اور غیر منیبین کا شیطان کی پیروی کرنا نہ کرنا اور شیطان کے تسلط کی حکمت کا بیان ہے۔
اس کے بعد توحید کا مضمون پھر دہرایا گیا ہے اور ما ارسلنا سے رسالت کا اثبات اور پھر ویقولون سے قیامت کا بیان دہرایا گیا۔ اس کے بعد آیا وما ارسلنا فی قریة سے کفار کے کفر وفخر کے متعلق آنحضرت ﷺ کو تسلی اور کفار کے منشاء تفاخر کی تردید اور ماانفقتم سے کفار کی بعض ضرر رساں چیزوں کا مسلمانوں کے لئے نافع ہونا بیان کیا گیا جو علاوہ مقابلہ کے رزق کی وسعت کے مضمون

پر متفرع بھی ہے۔

پھر یوم نحشرھم سے بعث کا بیان اور "اذا تتلی" سے رسالت کا مضمون دہرا کر آیت "ولو تریٰ" سے ان اصول کے انکار کرنے والوں کی اخروی تباہی پر سورت کو ختم کر دیا گیا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ....ساری تعریفیں دنیا وآخرت میں اللہ کے لئے سزاوار ہیں: ....الحمد للہ یعنی اتنی خوبیاں اور کمالات رکھنے والے اللہ سے یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے یہ سارے جہاں یوں ہی پیدا کر دیئے ہوں۔ ایسے دانائے حکیم کی نسبت یہ گمان ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ضرور ہے کہ یہ نظام آخر میں کسی اعلیٰ نتیجہ پر جا کر منتہیٰ ہو اسی کو آخرت کہتے ہیں اور جس طرح وہ دنیا میں ساری تعریفوں کا مستحق ہے، کل جب انکشاف حقائق اور بروز کامل ہوگا صرف وہی لائق حمد نظر آئے گا۔ یعنی یہاں تو چونکہ اللہ کے تمامی افعال مخلوق کے افعال کے پردہ میں رہتے ہیں اور اس کے کمالات کے لئے بھی مخلوق کے کمالات آڑ لیتے رہتے ہیں۔ اس لئے لوگ یہاں مخلوق کی تعریفیں بھی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جب وسائط کے یہ حجابات اور پردے اٹھ جائیں گے اور صاف نظر آجائے گا کہ جو کچھ ہے اسی کا ظہور ہے۔ اسی لئے بس تعریف بھی اسی کی رہ جائے گی۔

مفسر علام نے حمد کے متعلق ان آیات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ الحمد للہ الذی ھدانا لھذا. اور الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن. الحمدللہ الذی صدقنا وعدہ. لہ الحمدُ للہ مافی السمٰوات وما فی الارض تینوں جگہ لام اختصاص کا ہے۔

یعلم مایلج معلومات کی جتنی صورتیں ہوسکتی ہیں، آیت میں سب کا احاطہ کرلیا ہے۔ بڑی چھوٹی یہاں، وہاں کوئی چیز بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔ جو چیزیں زمین کے اندر چلی جاتی ہیں، جیسے بارش، تخم، نباتات اور زمین سے نکلنے والی چیزیں، جیسے نباتات، معدنیات، حشرات اور جو چیزیں آسمان سے اترتی ہیں، جیسے وحی، فرشتے، بارش، تقدیر اور جو اوپر چڑھتی ہیں، جیسے فرشتے، اعمال، ارواح، دعائیں، غرض کوئی چیز بھی اللہ کے علم سے باہر نہیں۔

رحیم. مبداء کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔ یعنی یہ ساری دنیا کی چہل پہل اس کی رحمت کا کرشمہ ہے اور "غفور" منتہیٰ کے لحاظ سے ہے۔ یعنی کائنات کا حسن انجام تک پہنچانا اسی کی شان غفاری ہے۔ جاہلی قوموں نے زیادہ ٹھوکریں اللہ کی صفت علم ہی سے کھائی ہیں۔ اس لئے قرآن نے اس کی پوری وضاحت فرمادی۔

انکار قیامت سراسر ہٹ دھرمی ہے: ....ایک خداپرست کے لئے قسم سے بڑھ کر یقین کی اور کیا صورت ہوسکتی ہے۔ پھر وہ بھی ایک مقدس اور معصوم انسان کی زبانی، وہ قسم کھا کر خبر دیتا ہے کہ قیامت ضرور آکر رہے گی۔ پھر تسلیم نہ کرنے کی کیا وجہ؟ نہ یہ محال ہے اور نہ خلاف حکمت، پھر انکار کرنا ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے؟ ہاں البتہ اس کی تعیین ہم نہیں کرسکتے اور تعیین خلاف حکمت بھی ہے۔ ورنہ پھر ایمان وآزمائش کا مقصد ہی فوت ہوجائے گا۔ اس کی تو اسی کو خبر ہے۔ جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔ جتنی بات اس نے بتلائی بے کم وکاست وہی پہنچادی گئی اور جس کے علم سے ایک ذرہ بھی خارج نہیں وہ ہمارے مٹی میں ملے ہوئے ذرات کو یکجا کرکے سب کو جلادے کیا مشکل ہے۔ پس نبی کے متعین طور پر نہ جاننے سے قیامت کا نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ پھر علاوہ اللہ کے علم ذاتی کے خدائی رجسٹر لوح محفوظ میں بھی قیامت کی تعیین باضابطہ درج ہے اور قیامت کا آنا یوں بھی ضرور ہے کہ بغیر جزا اور سزا کے یہ سلسلہ کائنات ہی ناتمام رہ جاتا ہے۔ اسی سے لوگوں کی نیکیوں اور بدیوں کا میٹھا اور کڑوا پھل ملے گا۔ پس قیامت کے متعلق دونوں شبہوں کا جواب ہوگیا۔

آگے فرمایا کہ جولوگ ہمیں ہرانے کے لئے دوڑے دوڑے پھر رہے ہیں، کیا وہ ہم سے چھوٹ جائیں گے اور وہ ہمارے ہاتھ نہیں آئیں گے؟ ہاں البتہ جو اہل علم قیامت کو علم الیقین کے درجہ میں مانتے تھے، وہ قیامت کو آنکھوں سے دیکھ کر عین الیقین اور حق الیقین حاصل کرلیں گے۔ اس لئے بھی قیامت کا آنا ضروری ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جولوگ ہماری آیات کو جھٹلانے کے لئے ہمارے ہرانے کی فکر میں ہیں، ان کی تکذیب سے کیا ہوتا ہے۔ اعتبار تو اہل علم کا ہے اور وہ اس کو حق مانتے ہیں۔ پس ان کا علم بڑی دلیل ہے حقانیت قرآن کی۔

وقال الذین کفروا سے منکرین قیامت کا قول نقل کرکے تردید کی جارہی ہے۔ قیامت کا تو ان کے ذہن میں کوئی تصور اور امکان ہی نہیں تھا۔ پیغمبر کی زبان سے جب اس عقیدہ کو سنتے تو پہلے اسے ایک عجیب وغریب خبر سمجھ کر آپس میں چرچا کرتے اور طرح طرح کے تبصرے کرتے اور پھر کہنے والے کی ذات کو اپنی تنقید کا نشانہ بنالیتے۔ قریشی کفار نے گستاخانہ آپ ﷺ کی شان میں کہا کہ لوگو آؤ تمہیں ایک شخص دکھلائیں، جو کہتا ہے کہ تم گل سڑ کر اور ریزہ ریزہ ہوکر جب خاک میں مل جاؤ گے تو پھر ایک دم تمہیں پلا پلایا کرکے کھڑا کردیا جائے گا۔ پھر بتلاؤ کوئی سمجھدار اسے باور کرسکتا ہے؟ پس یا تو جان بوجھ کر یہ شخص اللہ پر بہتان باندھ رہا ہے کہ اس نے یہ خبر دی ہے اور یا پھر سودائی ہے۔ دیوانوں کی سی بے تکی باتیں کرتا ہے۔ سٹھیا گیا ہے۔ (العیاذ باللہ)

مستشرقین اسلام کی ہفوات جاہلین عرب سے کم نہیں ہیں:............ ٹھیک آج بھی ''مستشرقین اسلام'' جب قلم سے نبرد آزما ہوتے ہیں تو کچھ اسی قسم کی گلفشانیاں کیا کرتے ہیں کہ دعویٔ رسالت تو بہر حال صحیح نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا مدعی رسالت یا تو خود فریب کا شکار ہے یا دوسروں کو دھوکہ دے کر مبتلائے فریب کرنا چاہتا ہے۔ (**ونعوذ باللّٰہ من شرورھم**) یہاں بھی بطور اصول موضوعہ یہ تو طے کرلیا گیا ہے کہ قیامت محال ہے۔ اب یہ دانستہ جھوٹ بول رہے ہیں اور یا نادانستگی میں فساد تخیل پر مبنی ہے۔ فرمایا یہ دونوں باتیں غلط اور بے ہودہ ہیں۔ دراصل یہی لوگ عذاب اور دور کی گمراہی میں پڑے ہیں۔ اسی گمراہی کا اثر یہ ہے کہ سچے کو مفتری اور مجنون کہہ رہے ہیں اور مالی اثر عذاب جہنم بھگتنا ہوگا۔

افلم یروا کیا یہ لوگ اندھے ہوگئے ہیں۔ انہیں زمین وآسمان بھی نظر نہیں آتے۔ جو آگے پیچھے ہر طرف نظر ڈالنے سے نظر آسکتے ہیں اور یہ اس کو مانتے ہیں کہ اللہ ہی نے انہیں بنایا ہے اور جو بنا سکتا ہے وہ توڑ پھوڑ بھی کرسکتا ہے۔ پس جو اتنے بڑے بڑے کرے بنا اور بگاڑ سکتا ہے اسے ایک گارے کے انسان کو بنانا اور پھر بگاڑنا اور پھر بنانا نہیں آتا۔ کیا انہیں ڈر نہیں لگتا کہ اسی آسمان کے نیچے، اسی کی زمین پر ایسے گستاخانہ کلمات نکالتے پھر رہے ہیں۔ وہ چاہے تو ابھی انہیں زمین میں دھنسا کر یا آسمان سے ایک ٹکڑا گرا کر پاش پاش کرسکتا ہے۔ اس طرح قیامت کا ایک چھوٹا سا نمونہ بھی سہی، اسی کے ساتھ اللہ کے جو بندے عقل وانصاف سے کام لے کر اس کی طرف جھکتے ہیں، آسمان کے نیچے ان کے لئے بڑی نشانی اور اسی زمین پر بڑی موعظت ان کے لئے موجود ہے۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ اتنا محکم اور منظم نظام ضرور ایک دن کسی اعلیٰ نتیجہ اور انجام تک پہنچنے والا ہے اور وہی دار آخرت ہے۔

لَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا نُبُوَّةً وَّكِتَابًا وَّقُلْنَا **يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ** رَجِّعِيْ **مَعَهٗ** بِالتَّسْبِيْحِ **وَالطَّيْرَ** بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلٰى مَحَلِّ الْجِبَالِ اَيْ وَدَعَوْنَاهَا لِلتَّسْبِيْحِ مَعَهٗ **وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ** ﴿۱۰﴾ فَكَانَ فِيْ يَدِهٖ كَالْعَجِيْنِ وَقُلْنَا **اَنِ اعْمَلْ** مِنْهُ **سٰبِغٰتٍ** دُرُوْعًا كَوَامِلَ يَجُرُّهَا لَابِسُهَا عَلَى الْاَرْضِ **وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ** اَيْ نَسْجِ الدُّرُوْعِ قِيْلَ لِصَانِعِهَا سَرَّادًا اَيْ اِجْعَلْهُ بِحَيْثُ يَتَنَاسَبُ حَلَقُهٗ **وَاعْمَلُوْا** اَيْ اٰلُ دَاوٗدَ مَعَهٗ **صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ** ﴿۱۱﴾ فَاُجَازِيْكُمْ بِهٖ **وَ** سَخَّرْنَا **لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ بِتَقْدِيْرِ تَسْخِيْرُ **غُدُوُّهَا** مَسِيْرُهَا مِنَ الْغُدْوَةِ بِمَعْنَى الصَّبَاحِ اِلَى الزَّوَالِ **شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا** مَسِيْرُهَا مِنَ الزَّوَالِ اِلَى الْغُرُوْبِ **شَهْرٌ** اَيْ مَسِيْرَتُهٗ **وَاَسَلْنَا** اَذَبْنَا **لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ** اَيِ النُّحَاسِ فَاُجْرِيَتْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ بِلَيَالِيْهِنَّ كَجَرْيِ الْمَاءِ وَعَمِلَ النَّاسُ اِلَى الْيَوْمِ مِمَّا اُعْطِيَ سُلَيْمَانُ **وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ** بِاَمْرِ **رَبِّهٖ وَمَنْ يَّزِغْ** يَعْدِلُ **مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا** لَهٗ بِطَاعَتِهٖ **نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ** ﴿۱۲﴾ النَّارِ فِي الْاٰخِرَةِ وَقِيْلَ فِي الدُّنْيَا بِاَنْ يَّضْرِبَهٗ مَلَكٌ بِسَوْطٍ مِنْهَا ضَرْبَةً تَحْرِقُهٗ **يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ** اَبْنِيَةٍ مُرْتَفِعَةٍ يَصْعَدُ اِلَيْهَا بِدَرَجٍ **وَتَمَاثِيْلَ** جَمْعُ تِمْثَالٍ وَهُوَ كُلُّ شَيْءٍ مَثَّلْتَهٗ بِشَيْءٍ اَيْ صُوَرٌ مِنْ نُحَاسٍ وَزُجَاجٍ وَرُخَامٍ وَلَمْ تَكُنْ اِتِّخَاذُ الصُّوَرِ حَرَامًا فِيْ شَرِيْعَتِهٖ **وَجِفَانٍ** جَمْعُ جَفْنَةٍ **كَالْجَوَابِ** جَمْعُ جَابِيَةٍ وَهِيَ حَوْضٌ كَبِيْرٌ يَجْتَمِعُ عَلَى الْجَفْنَةِ اَلْفُ رَجُلٍ يَاْكُلُوْنَ مِنْهَا **وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ** ثَابِتَاتٍ لَهَا قَوَائِمُ لَا تَتَحَرَّكُ عَنْ اَمَاكِنِهَا تُتَّخَذُ مِنَ الْجِبَالِ بِالْيَمَنِ يُصْعَدُ اِلَيْهَا بِالسَّلَالِمِ وَقُلْنَا **اِعْمَلُوْٓا** يَا **اٰلَ دَاوٗدَ** بِطَاعَةِ اللّٰهِ **شُكْرًا** لَهٗ عَلٰى مَا اٰتَاكُمْ **وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ** ﴿۱۳﴾ اَلْعَامِلُ بِطَاعَتِيْ شُكْرًا لِنِعْمَتِيْ **فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ** عَلٰى سُلَيْمَانَ **الْمَوْتَ** اَيْ مَاتَ وَمَكَثَ قَائِمًا عَلٰى عَصَاهُ حَوْلًا مَّيِّتًا وَالْجِنُّ تَعْمَلُ تِلْكَ الْاَعْمَالَ الشَّاقَّةَ عَلٰى عَادَتِهَا لَا تَشْعُرُ بِمَوْتِهٖ حَتّٰى اَكَلَتِ الْاَرَضَةُ عَصَاهُ فَخَرَّ مَيِّتًا **مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ** مَصْدَرُ اُرِضَتِ الْخَشَبَةُ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ اَكَلَتْهَا الْاَرَضَةُ **تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ** بِالْهَمْزَةِ وَتَرْكِهٖ بِاَلِفٍ عَصَاهُ لِاَنَّهَا يُنْسَاُ يُطْرَدُ وَيُزْجَرُ بِهَا **فَلَمَّا خَرَّ** مَيِّتًا **تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ** اِنْكَشَفَ لَهُمْ **اَنْ** مُخَفَّفَةٌ اَيْ اَنَّهُمْ **لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ** وَمِنْهُ مَا غَابَ عَنْهُمْ مِنْ مَوْتِ سُلَيْمَانَ **مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ** ﴿۱۴﴾ اَلْعَمَلِ الشَّاقِّ لَهُمْ لِظَنِّهِمْ حَيَاتَهٗ خِلَافَ ظَنِّهِمْ عِلْمَ الْغَيْبِ وَعُلِمَ كَوْنُهٗ سَنَةً بِحِسَابِ مَا اَكَلَتْهُ الْاَرَضَةُ مِنَ الْعَصَا بَعْدَ مَوْتِهٖ يَوْمًا وَلَيْلَةً مَثَلًا **لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ** بِالصَّرْفِ وَعَدَمِهٖ قَبِيْلَةٌ سُمِّيَتْ بِاِسْمِ جَدٍّ لَهُمْ مِنَ الْعَرَبِ **فِيْ مَسْكَنِهِمْ** بِالْيَمَنِ **اٰيَةٌ** دَالَّةٌ عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ **جَنَّتٰنِ** بَدَلٌ **عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ** عَنْ يَّمِيْنِ وَادِيْهِمْ وَشِمَالِهٖ وَقِيْلَ لَهُمْ

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ عَلٰى مَا رَزَقَكُمْ مِنَ النِّعْمَةِ فِيْ اَرْضِ سَبَا **بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ** لَيْسَ بِهَا سَبَّاخٌ وَلَا بَعُوْضَةٌ وَلَا ذُبَابَةٌ وَلَا بَرْغُوْثٌ وَلَا عَقْرَبٌ وَلَا حَيَّةٌ وَيَمُرُّ الْغَرِيْبُ بِهَا وَفِيْ ثِيَابِهٖ قُمَّلٌ فَيَمُوْتُ لِطِيْبِ هَوَائِهَا **وَّ** اللّٰهُ **رَبٌّ غَفُوْرٌ** ﴿۱۵﴾ **فَاَعْرَضُوْا** عَنْ شُكْرِهٖ وَكَفَرُوْا **فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ** جَمْعُ عَرِمَةٍ وَهُوَ مَا يُمْسِكُ الْمَاءَ مِنْ بِنَاءٍ وَغَيْرِهٖ اِلٰى وَقْتِ حَاجَتِهٖ اَيْ سَيْلَ وَادِيْهِمُ الْمَمْسُوْكِ بِمَا ذُكِرَ فَاَغْرَقَ جَنَّتَيْهِمْ وَاَمْوَالَهُمْ **وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ** تَثْنِيَةُ ذَوَاتٍ مُفْرَدٍ عَلَى الْاَصْلِ **اُكُلٍ خَمْطٍ** مُرٍّ بَشِعٍ بِاِضَافَةِ اُكُلٍ بِمَعْنٰى مَاكُوْلٍ وَتَرْكِهَا وَيُعْطَفُ عَلَيْهِ **وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ** ﴿۱۶﴾ **ذٰلِكَ** التَّبْدِيْلُ **جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا** بِكُفْرِهِمْ **وَهَلْ نُجٰزِيْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ** ﴿۱۷﴾ بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ مَعَ كَسْرِ الزَّايِ وَنَصْبِ الْكَفُوْرِ اَيْ مَايُنَاقِشُ اِلَّا هُوَ **وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ** بَيْنَ سَبَاوَهُمْ بِالْيَمَنِ **وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا** بِالْمَاءِ وَالشَّجَرِ وَهِيَ قُرَى الشَّامِ الَّتِيْ يَسِيْرُوْنَ اِلَيْهَا لِلتِّجَارَةِ **قُرًى ظَاهِرَةً** مُتَوَاصِلَةً مِنَ الْيَمَنِ اِلَى الشَّامِ **وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ** بِحَيْثُ يَقِيْلُوْنَ فِيْ وَاحِدَةٍ وَيَبِيْتُوْنَ فِيْ اُخْرٰى اِلَى انْتِهَاءِ سَفَرِهِمْ وَلَا يَحْتَاجُوْنَ فِيْهِ اِلٰى حَمْلِ زَادٍ وَمَاءٍ وَقُلْنَا **سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ** ﴿۱۸﴾ لَاتَخَافُوْنَ فِيْ لَيْلٍ وَلَانَهَارٍ **فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بَاعِدْ **بَيْنَ اَسْفَارِنَا** اِلَى الشَّامِ اِجْعَلْهَا مَفَاوِزَ لِيَتَطَاوَلُوْا عَلَى الْفُقَرَاءِ بِرُكُوْبِ الرَّوَاحِلِ وَحَمْلِ الزَّادِ وَالْمَاءِ فَبَطِرُوا النِّعْمَةَ **وَظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ** بِالْكُفْرِ **فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ** لِمَنْ بَعْدَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ **وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ** فَرَّقْنَاهُمْ بِالْبِلَادِ كُلَّ التَّفْرِيْقِ **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرِ **لَاٰيٰتٍ** عِبَرًا **لِّكُلِّ صَبَّارٍ** عَنِ الْمَعَاصِيْ **شَكُوْرٍ** ﴿۱۹﴾ عَلَى النِّعَمِ **وَلَقَدْ صَدَّقَ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **عَلَيْهِمْ** اَيِ الْكُفَّارِ مِنْهُمْ سَبَا **اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ** اَنَّهُمْ بِاِغْوَائِهٖ يَتَّبِعُوْنَهٗ **فَاتَّبَعُوْهُ** فَصَدَقَ بِالتَّخْفِيْفِ فِيْ ظَنِّهٖ اَوْصَدَّقَ بِالتَّشْدِيْدِ ظَنَّهٗ اَيْ وَجَدَهٗ صَادِقًا **اِلَّا** بِمَعْنٰى لٰكِنْ **فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** ﴿۲۰﴾ لِلْبَيَانِ اَيْ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ لَمْ يَتَّبِعُوْهُ **وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ** تَسْلِيْطٍ مِّنَّا **اِلَّا لِنَعْلَمَ** عِلْمَ ظُهُوْرٍ **مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ** فَنُجَازِيْ كُلًّا مِّنْهُمَا **وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ** ﴿۲۱﴾ رَقِيْبٌ

ترجمہ: .... اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی تھی (نبوت و کتاب۔ اور ہم نے کہا کہ) اے پہاڑو! تسبیح کرتے رہو، ان کے ساتھ (شریک رہوترانہ تسبیح میں) اور پرندوں کو بھی حکم دیا (الطیر نصب کے ساتھ محل جبال پر عطف کرتے ہوئے یعنی داؤدؑ کے ساتھ انہیں بھی تسبیح میں شامل ہونے کا حکم دیا) اور ہم نے داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کر دیا (چنانچہ لوہا ان کے ہاتھ میں جا کر آٹے کی طرح نرم ہو جاتا۔ اور ہم نے حکم دیا کہ) تم (اس سے) مکمل زرہیں بناؤ (پوری زرہیں کہ پہننے والے پر زمین تک لٹکتی رہیں) اور جوڑنے میں مناسب اندازہ رکھو (یعنی زرہ کی بناوٹ میں زرہ بنانے والے کو سراد کہا جاتا ہے۔

یعنی اس طرح اس کو بنو کہ اس کی کڑیاں مناسب رہیں) اور تم سب نیک کام کرتے رہو (داؤد علیہ السلام کے خاندان والوں) میں تمہارے سب اعمال خوب دیکھ رہا ہوں (لہٰذا ان کا تمہیں بدلہ ملے) اور (ہم نے مسخر کر دیا) سلیمانؑ کے لئے ہوا کو (اور ایک قرأت میں الریح رفع کے ساتھ ہے تقدیر عبارت تسخر ہوگی) کہ ان کی صبح کی منزل (اس کی رفتار صبح سے لے کر زوال تک) مہینہ بھر کی ہوتی اور اس کی شام کی منزل (اس کے رفتار زوال سے غروب تک) مہینہ بھر کی ہوتی (یعنی مہینہ کی مسافت کے برابر) اور ہم نے بہا دیا (پگھلا دیا) ان کے لئے تانبے کا چشمہ (قطر کے معنی تانبے کے ہیں۔ چنانچہ تین شبانہ روز پانی کی طرح تانبہ کا چشمہ بہتا رہا اور لوگ آج تک اسی کو کام میں لا رہے ہیں جو سلیمانؑ کو عطا ہوا تھا) اور جنات میں کچھ وہ تھے جو ان کے آگے پروردگار کے حکم سے کام کرتے رہتے اور ان میں سے جو کوئی سرتابی (حکم عدولی) کرے ہمارے حکم سے (جو اس کی اطاعت کے بارے میں ہو) تو ہم اسے دوزخ کا مزہ بھی چکھا دیں گے (آخرت کی آگ کا اور بعض نے دنیا میں آگ مراد لی ہے کہ فرشتہ آگ کا ہنٹر مارتا ہے جس سے جنات بھسم ہو جاتے ہیں) اس (سلیمانؑ) کے لئے وہ سب کچھ بنا دیئے جو وہ چاہتے تھے۔ بڑی بڑی عمارتیں (ایسی اونچی کہ جن پر زینوں کے ذریعہ چڑھا جاتا) اور مجسمے (جمع تمثال کی ہے کسی کی شکل کی مورتی یعنی تانبہ اور شیشہ اور خاص قسم کے پتھر "سنگ مرمر" کی مورتیاں بناتے۔ ان کی شریعت میں مورت وصورت بنانا حرام نہیں تھا)) اور لگن (جمع جفنہ کی ہے) حوض کی طرح کے (جمع جابیۃ کی بڑی حوض کو کہتے ہیں۔ ایک ایک لگن اتنی بڑی تھی کہ جس میں ہزار ہزار آدمی کھانا کھاتے تھے) اور جمی ہوئی دیگیں (گڑی ہوئی جن کے پائے بھی تھے اپنی جگہ سے ہلتی نہیں تھیں۔ یعنی پہاڑوں سے تراشی گئی تھیں سیڑھیاں لگا کر ان میں اترا جاتا تھا اور ہم نے حکم دیا کہ اے داؤد کے خاندان والو! تم سب (اللہ کی اطاعت کے) کام کرتے رہو۔ شکر گزاری میں (تمہیں جو نعمتیں ملی ہیں ان کے شکریہ میں) اور میرے بندوں پر کم ہی شکر گزار ہوتے ہیں (جو شکر نعمت کے طور پر میری فرمانبرداری کرتے ہوں) پھر جب ہم نے ان (سلیمانؑ) پر موت کا حکم جاری کر دیا (یعنی ان کی وفات ہوگئی اور سال بھر تک عصا کے سہارے ان کی نعش کھڑی رہی اور جنات معمول کے مطابق دشوار کام انجام دیتے رہے۔ انہیں اس وقت تک وفات کا پتہ نہ چل سکا جب تک لکڑی کو گھن کے کیڑے نے کھا نہ لیا اور ان کی نعش گر پڑی) تو کسی چیز نے ان کی موت کا پتہ نہ دیا بجز گھن کے کیڑے کے (ارض مصدر ہے ارضت الخشبۃ بصیغۂ مجہول بولتے ہیں کہ زمین کے کیڑے نے لکڑی کو کھالیا) جو سلیمانؑ کے عصا کو کھاتا رہا (منساۃ ہمزہ کے ساتھ اور ہمزہ کی بجائے الف کے ساتھ ہاتھ کی لکڑی کو کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ آلہ دفاع ہوتی ہے) سو جب وہ گر پڑے (مردہ ہو کر) تب جنات پر حقیقت ظاہر (منکشف) ہوئی کہ اگر وہ (ان مخففہ ہے یعنی اگر وہ) غیب داں ہوتے (منجملہ ان کی سلیمانؑ کی موت ان سے غائب رہی) تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے (دشوار گزار کاموں میں انہیں زندہ سمجھ کر لگے رہے۔ حالانکہ علم غیب ان کے گمان کے برخلاف نکلا۔ اور ایک سال مدت اس حساب سے معلوم ہوئی کہ مثلاً ایک دن رات میں کیڑے نے کتنا عصا کھایا) سبا والوں کے لئے تھا (لفظ سبا منصرف، غیر منصرف دونوں طرح ہے۔ ایک قبیلہ ہے عرب کا جس کا نام کسی دادا کے نام پر پڑا تھا) ان کے وطن (یمن) میں نشان موجود تھا (اللہ کی قدرت پر دلالت کرنے والا) دو قطاریں باغ کی تھیں (یہ بدل ہے) داہنے اور بائیں (وادی کے دائیں بائیں مراد ہے۔ انہیں حکم دیا گیا کہ) اپنے پروردگار کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر بجالاؤ۔ (کہ سبا کی سرزمین میں تمہیں نعمتوں کی روزی دی) شہر پاکیزہ (کہ جس میں زنبور مچھر، مکھی، پسو، بچھو، سانپ کا نشان تک نہیں تھا۔ کوئی پردیسی اگر وہاں سے گزرتا تو وہاں کی ہوا کے اثر سے اس کے کپڑوں کی جوئیں مر جاتیں) اور (اللہ) پروردگار بخشنے والا۔ سو انہوں نے سرتابی کی (اللہ کا شکر بجالانے سے اور کفر کیا) تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا (عرم جمع ہے عرمۃ کی۔ پانی روکنے کا ڈیم اور بند تعمیر وغیرہ کے ذریعہ، ضرورت کی خاطر۔ یعنی ان کی وادی کا مذکورہ طریقہ پر رکا ہوا پانی جس کے نتیجہ میں

ان کے باغات اور مال برباد ہو گئے) اور ہم نے ان کے دورویہ باغوں کے عوض دو باغ اور دے دیئے۔ جو (ذواتی تثنیہ ہے ذات مفرد کا اصل کے اعتبار سے) بدمزہ پھل (کڑوا بدذائقہ، اکل مضاف ہو رہا ہے۔ بمعنی اور ترک اضافت کے ساتھ ہے اور اس پر عطف ہو رہا ہے) اور جھاؤ اور قدرے قلیل بیری والے تھے یہ (تبدیلی) ہم نے ان کی ناسپاسی (ناشکری) کے سبب سزا دی تھی اور ہم ایسی سزا بڑے ناسپاس ہی کو دیا کرتے ہیں (یجازی یا اور نون کے ساتھ کسرۂ زا کی ساتھ اور کفور منصوب ہے یعنی یہ سرزنش صرف کفران نعمت کرنے والے کو کی جاتی ہے) اور ہم نے ان کے (یعنی یمن میں سبا والوں کے) ان کی بستیوں کے درمیان جہاں ہم نے برکت دے رکھی تھی (پانی اور درختوں کی وجہ سے اور یہ تمام شام کی آبادیاں تھیں جن کا تجارتی سفر کیا کرتے تھے) بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے جو دکھائی دیتے تھے (شام سے مسن تک مسلسل تھے) اور ہم نے ان دیہات کے درمیان سفر کا ایک خاص انداز مقرر کر دیا تھا۔ اس طرح کہ ایک بستی میں اگر دوپہر کا آرام کرتے تھے تو دوسری بستی میں شب گزاری کر لیتے تھے۔ سفر ختم ہونے تک یہی سلسلہ قائم رہتا اور انہیں زادراہ اٹھا کر لے چلنے کی ضرورت نہ پیش آتی اور ہم نے حکم دیا کہ) دن رات بے کھٹکے سفر کرتے رہو (نہ رات میں کوئی خطرہ تھا اور نہ دن میں) پھر وہ کہنے لگے اے ہمارے پروردگار درازی کر دے (اور ایک قرأت میں باعد ہے) ہمارے سفروں میں (شام کی جانب، انہیں جنگلوں میں تبدیل کر دے، تاکہ انہیں فقراء کے مقابلہ میں سواریوں پر سفر ہو کر نکلنے اور ناشتہ ساتھ لے جانے کی وجہ سے گھمنڈ دکھلانے کا موقعہ مل سکے۔ چنانچہ انہوں نے نعمت پر اترانا شروع کر دیا) اور اپنی جانوں پر انہوں نے (کفر کر کے) ستم ڈھایا۔ سو ہم نے انہیں فسانہ بنا دیا (بعد والوں کے لئے اس بارے میں) اور ان کو بالکل تتر بتر کر کے رکھ دیا (شہروں میں یکلخت پھیلا کر رکھ دیا) اس (مذکورہ واقعہ) میں بڑی بڑی نشانیاں (عبرتیں) ہیں ہر ایک (گناہوں سے) بچنے والے اور (نعمتوں پر) شکر گزار کے لئے اور واقعی سچ کر دکھلایا (تخفیف اور تشدید کی ساتھ دونوں طرح ہے) ان لوگوں کے بارے میں (یعنی کفار کے متعلق جن پر سبا کے باشندے بھی ہیں) ابلیس نے اپنا گمان (کہ وہ اس کے بہکانے میں آخر اس کی پیروی کر بیٹھیں گے) چنانچہ یہ لوگ اسی کی راہ پر ہو لئے (لفظ صدق تخفیف کے ساتھ اگر ہے تو معنی یہ ہیں کہ اس کا گمان سچ ثابت ہوا۔ اور تشدید کی صورت میں معنی یہ ہیں کہ اس نے اپنا گمان سچ کر دکھایا، یعنی اس نے اپنے گمان کو سچ پایا) بجز (لا بمعنی لکن ہے) ایمان والوں کے گروہ کے (اس میں من بیانیہ ہے یعنی مومنین نے اس کی پیروی نہیں کی) اور ابلیس کا تسلط (ہماری جانب سے) ان لوگوں پر بجز اس کے کسی اور وجہ سے نہیں کہ ہم (کھلے بندوں) معلوم کرنا چاہتے ہیں ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، ان لوگوں سے الگ کر کے جو اس کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں (لہٰذا ہم ان میں سے ہر ایک کو اس کا بدلہ دیں گے) اور آپ کا پروردگار ہر چیز کا نگران (نگہبان) ہے۔

تحقیق و ترکیب

فضلا. نعمت واحسان۔

یاجبال. مفسرؒ علام نے پہلے **قلنا** نکال کر اشارہ کر دیا کہ **یاجبال اوبی** بدل ہے **اتینا** سے **قلنا** مضمر مان کر۔

اوبی. تاویب، اوب بمعنی رجوع سے ماخوذ ہے، یعنی تسبیح داؤدی کے ساتھ نغمہ سنجی کرو۔

والطیر. امرنا یادعونا مقدر ہے۔ چونکہ پہاڑ جمود میں اور طیور نفوذ میں سب سے زیادہ ہوتے ہیں۔ پس یہ بھی وقف تسبیح ہو گئے تو دوسری تمام چیزیں بھی وقف تسبیح ہو گئی ہوں گی۔ بعض لوگوں نے پہاڑ کی تسبیح خوانی کی بجائے یہ معنی بیان کئے کہ پہاڑوں کی ساخت اور مضبوطی وغیرہ پر نظر اور تامل کرنے سے حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی تسبیح کی۔ گویا پہاڑوں نے انہیں تسبیح پر آمادہ کیا۔ لیکن یہ معنی اول تو روایات کے برخلاف ہیں۔ دوسرے اس معنی کے لحاظ سے حضرت داؤد علیہ السلام کی کیا خصوصیت وفضیلت رہی۔ نیز اس کو پھر معجزہ کیسے کہا جائے؟

اسی طرح بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں پر جو پہاڑوں میں آہ وبکا کرتے تھے، اس کی صدائے بازگشت جو پہاڑوں سے نکلتی تھی، یہ اسی کا بیان ہے۔ لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ صدائے بازگشت پہاڑوں کی حقیقۃً آواز نہیں ہوتی بلکہ وہ متکلم کی آواز کا اثر ہوا کرتا ہے۔ حالانکہ اوبی معه کا حکم صاف بتلا رہا ہے کہ پہاڑ بھی اس نغمہ سنجی میں مستقلاً شریک تھے۔ ورنہ پھر حضرت داؤد علیہ السلام کی کیا خصوصیت اور معجزہ رہا۔ یہ صدائے بازگشت تو ہر ایک کی ہوسکتی ہے۔ غرضیکہ بنیاد ان تمام تر تاویلات کی انکار معجزہ اور خوارق کے نہ ماننے پر معلوم ہوتی ہے، اس لئے حقیقی اور ظاہری معنی ہی متعین ہیں۔

النا. لینت سے ہے نرم کرنا۔

ان اعمل. یہاں بھی تقدیر قول کر کے مفسر نے اس کے منصوب ہونے کا اشارہ کیا ہے۔

سابغات. کامل زرہ۔ مفسر نے موصوف کے مقدر ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی بدن کا کوئی حصہ کھلا نہ رہے، بلکہ اوپر سے نیچے تک بدن پرفٹ آ جائیں کہ گویا پہننے والا انہیں گھسیٹ رہا ہے۔

فی السرد. یعنی اس کی کڑیاں ہموار و یکساں ہوں نہ کوئی ہتھیار ان پر اثر انداز ہو اور نہ پہننے والے پر بوجھل وگراں ہو۔

غــدوهـا. صبح کو دمشق سے چل کر دوپہر کا قیلولہ اور اصطخر میں اور شام کو اصطخر سے چل کر رات بابل میں گزارتے تھے۔ اور ان شہروں میں پیدل سفر ایک ماہ میں ہوتا تھا۔ جو لوگ قرآن میں معجزہ کے وجود کا انکار کرتے ہیں، پہاڑوں کی تسبیح اور لوہے کے موم کی طرح نرم ہوجانے اور ہوا کے مسخر ہونے کو ان کے خلاف پیش کیا جاسکتا ہے۔ البتہ جو لوگ سرے سے خوارق ہی کے منکر ہیں وہ یہاں بھی دوراز کار تاویلات کرتے ہیں۔ مفسرؒ علام ''عمل الناس'' سے تانبہ کے چشموں کے سیال شکل میں قابل استعمال ہونے کو معجزۂ سلیمانی کی برکت بتلا رہے ہیں۔

مــن یــعــمــل. یہ مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور من الجن خبر ہے اور فعل مقدر کی وجہ سے منصوب بھی ہوسکتا ہے۔ ای **سخرنا من یعمل** اور **من الجن** کا تعلق کرنا محذوف سے ہے یا حال یا بیان بھی ہوسکتا ہے۔

من یزغ. یہ من مبداء کی وجہ سے مرفوع ہے۔ یا اس سے پہلے قلنا مقدر مانا جائے۔

محاریب. جمع محراب کی مبالغہ کا صیغہ ہے اسم آلہ سے منقول نہیں ہے بلکہ اسم فاعل ہے بنانے والے مالک کے اعتبار سے بنا کو محراب کہہ دیا گیا ہے گویا کہ وہی دشمنوں سے حفاظت کر رہی ہے۔

رخــــام. سنگ مرمر کو کہتے ہیں جو سفید ہوتا ہے۔ اس کی مورتیاں خوبصورت ہوتی ہیں۔ پہلے زمانہ میں کسی مقصد صحیح کی وجہ سے مورتیاں بنائی جاتی ہوں گی۔ اس لئے اجازت تھی۔ لیکن جب مقاصد صحیح نہ رہے، بلکہ بت پرستی اور شرک کو فروغ ہونے لگا۔ اس لئے حرام قرار دے دی گئیں۔

الجواب. جابیۃ کی جمع ہے جبایۃ سے ماخوذ ہے بمعنی حوض۔

قــدور راسیــت. اجمیر (ہند) میں حضرت خواجہ اجمیریؒ کے مزار پر اکبر بادشاہ نے تانبہ کی دو عظیم دیگیں جو نصب کرائی ہیں، سیڑھی لگا کر، روئی کے کپڑے اور چمڑے کے دستانے پہن کر لوگ اس میں اترتے ہیں اور خیراتی کھانا، فقراء وغیرہ کو لٹایا جاتا ہے وہ شاید سلیمانی پتھر کی دیگوں کا نمونہ ہوں۔

شکرا. اس میں کئی ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ **اعملوا** کا مفعول بہ ہو۔ دوسرے یہ کہ **اعملوا** کا مفعول مطلق ہو۔ معنی ای **اشکر واشکرا**. تیسرے یہ کہ مفعول لہ ہو ای **لاجل الشکر**. چوتھے یہ کہ حال ہو ای **شاکرین**۔ پانچویں یہ کہ مفعول مطلق ہو فعل

شکر محذوف کا۔ ای اشکروا شکرا. جیسے یہ کہ مصدر محذوف کی صفت ہو۔ ای اعملوا عملا شکرا۔

دابۃ الارض. اس جملہ کی دوصورتیں ہیں۔ایک یہ کہ ارض سے مراد زمین اور دابۃ سے مراد کیڑا ہو۔یعنی گھن کا کیڑا۔ جو زمین اور مٹی سے نکل کر لکڑی کو چاٹ جاتا ہے۔دوسری صورت وہ ہے جس کی طرف مفسر علام اشارہ کررہے ہیں۔یعنی ارض مصدر ہو ارضت الدابۃ الخشبۃ تارضھا ارضا بولتے ہیں۔باب ضرب سے اور مٹی وہی ہے یا جیسے جدءت انفہ جدعا بولتے ہیں یہ اضافۃ الشئی الی فعلہ کہلاتی ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ ارض مصدر نہیں ہے بلکہ ارضۃ کی جمع ہے۔اس صورت میں اضافۃ عام الی الخاص ہو جائے گی۔

منساتہ. نسات البعیر. بولتے ہیں اونٹ کو ہنکا دینا یا نساتہ سے ماخوذ ہے بمعنی دھکا دینا۔ پیچھے لوٹا دینا۔ ڈنڈے، چھڑی، بید کو کہتے ہیں۔

تبینت الجن. تبین متعدی بمعنی عرف اور الجن فاعل اور بعد کا جملہ مفعول ہے اور تبین لازمی بھی ہوسکتا ہے۔ بمعنی ظہر اور الجن فاعل اور مابعد مفعول ہو۔پہلی صورت میں لھم کی ضمیر جنات کی طرف اور دوسری صورت میں الناس کی طرف راجع ہوگی۔غرضیکہ گھن کے کیڑے کو ایک لکڑی پر بٹھا کر دیکھا کہ ایک دن رات میں کتنی لکڑی کھاتا ہے۔اس حساب سے ایک سال وفات کا تخمینہ کیا گیا۔حضرت سلیمانؑ نے تیرہ سال کی عمر میں تخت حکومت سنبھالا۔ چار سال بعد بیت المقدس کی تعمیر کا پرداز ڈالا اور ترپین سال کی عمر میں وفات پائی۔

جنتان. یہ آیت سے بدل ہے اور یا مبتداء محذوف کی خبر ہے۔اتنے بڑے باغ تھے کہ کوئی شخص، خالی ٹوکرا سر پر رکھ کر اگر چلے تو گزرتے ہوئے ٹپکنے والے پھلوں سے خود بخود بھر جاتا تھا۔اسی تسلسل کی وجہ سے سب باغات کو ایک باغ قرار دیا ہے۔

بلدۃ طیبۃ. مبتداء محذوف ہے ای بلدکم بلدۃ طیبۃ وربکم رب غفور.

سیل العرم. اور بعض نے عرم کے معنی شدت وصعوبت لئے ہیں۔عرامہ سے ماخوذ ہے اور یہ اضافت موصوف الی الصفت ہے یا بقول ابن عباسؓ وادی کا نام ہے یعنی اس کا بلند ڈھلوان حصہ۔اضافت ادنیٰ ملابست کی وجہ سے یا بقول مفسرؒ علام عرمۃ کی جمع ہے بند اور ڈیم کے معنی میں۔

جنتین. بطور مشاکلت اور تہکم کے ان کو جنت کہا گیا ہے۔

ذواتی. ذوات مفرد ہے، کیونکہ اس کی اصل ذویت ہے مونث ذو دکا اس میں تعلیل ہوگئی ہے۔تعلیل سے پہلے ذواتان اور تعلیم کے بعد ذاتان تثنیہ ہوگا۔تفسیری عبارت "علی الاصل" کا تعلق تثنیہ سے ہے۔یعنی اس کا تثنیہ ہونا اصل کے لحاظ سے ہے تعلیل سے پہلی حالت پر۔

خمط. ترش یا تلخ۔بعض کے نزدیک پیلو کی ایک قسم کے پھل جنہیں بریر کہا جاتا ہے۔ابوعمروؒ کی قرأت اضافت موصوف الی الصفت کی ہے۔ثوب خز کی طرح اور جمہور بلا اضافت کے پڑھتے ہیں اور خمط صفت ہے اور اکل نافعؒ اور ابن کثیرؒ سکون کاف کے ساتھ اور باقی قراء ضمہ کاف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

اثل. جھاؤ کا درخت۔

ذٰلک. جزینا. کا مفعول ثانی مقدم ہے۔بقول خفاجی قرآن میں مجازاۃ جہاں بھی ہے عتاب وعذاب کے معنی میں ہے۔برخلاف لفظ جزاء کے وہ عام ہے۔اسی لئے پہلے لفظ جزینا ہم کو بما کفروا کے ساتھ مقید کیا گیا ہے اور دوسرے نجازی کو مقید نہیں کیا گیا۔ابوعمروؒ، ابن کثیرؒ، نافعؒ، ابن عامرؒ یجازی غائب مجہول صیغہ سے اور کفور مرفوع پڑھتے ہیں۔لیکن قراء کوفہ علاوہ ابوبکر کے متکلم معروف

صیغہ سے اور کفور نصب سے پڑھتے ہیں۔ یہ سیل العرم کا عذاب زمانہ فترۃ میں پیش آیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنحضرت ﷺ سے پہلا وقفہ ہے۔ تفسیری عبارت ای ماینا قش میں آیت کی وجہ حصر کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی سزا صرف کفار کو ملتی ہے اور مومن کے لئے تو اس کی نیکیاں کفارہ بن جاتی ہیں۔

وجعلنا. اس کا عطف لقد کان لسبا پر ہے اور فقالوا ربنا کا عطف فاعرضوا پر ہے۔ گویا نعمت کا نعمت پر اور نقمت کا نقمت پر عطف ہے۔

قری ظاهرة. کل قریئے چار ہزار تھے۔ جن میں سے ساتھ سو آبادیاں تو سبا سے شام کے علاقہ تک مسلسل پھیلتی چلی جارہی ہیں، جس سے اس زمانہ کے تمدن کی وسعت کا پتہ چلتا ہے۔

سیروا. یہ امر تمکین ہے یا امر بمعنی خبر ہے۔ یعنی حقیقۃً امر نہیں ہے بلکہ ان کے تمکن سیر اور منازل کی یکسانیت کو بمنزلہ قلنا مقدر کے مان لیا ہے۔ یہ امر اباحت کے لئے ہے۔

لیالی وایاما. یہ منصوب بنا پر حالیت کے ہیں۔

باعد. ابوبکرؒ ابن کثیرؒ کی قرأت بعّد ہے اور باقی قراء کے نزدیک باعد ہے۔ بنی اسرائیل کی طرح انہوں نے بھی انعامات الٰہیۃ کی یہ قدردانی کی۔ بات یہ ہے کہ نازبرداریوں سے نااہلوں کا دماغ اور زیادہ خراب ہوجاتا ہے۔

مفاوز ۔ مفازۃ کی جمع ہے۔ مہلک جگہ کو کہتے ہیں۔ فوز فلان ای مات. اور بعض نے فاز سے ماخوذ مانا ہے۔ بمعنی سلامتی۔ پہلی صورت میں وجہ تسمیہ ظاہر ہے اور دوسری صورت میں تفاولاً۔ لق ودق جنگل کو مفازہ کہہ دیا۔

احادیث. احدوثۃ کی جمع ہے عجیب وغریب قصے کہانیاں جو قابل عبرت ہوں۔

فرقناهم. غسانی، شام میں اور قبیلہ اوس وخزرج یثرب میں اور خزاعہ تہامہ میں اور قبیلہ ازدعمان کی طرف نکل کھڑے ہوئے اور وہیں رس بس، مرکھپ گئے۔

علیهم. اس کا تعلق ظنہ سے نہیں بلکہ ماقبل سے ہے اور ضمیر مطلق کفار کی طرف راجع ہے۔ منجملہ ان کے کفر سبا بھی ہیں۔ خاص کفار سبا کی طرف سے راجع نہیں ہے۔ اکثر قرأ صدق کو تخفیف کے ساتھ پڑھتے ہیں، اس صورت میں ظنہ ظرف ہوگا اور صدق بالتشدید کوفیوں کی قرأت ہے۔ اب ظنہ مفعول بہ ہوگا یا ظن بمعنی حقق مجاز ہے۔

الا فریقا. بمعنی لکن یعنی استثنا منقطع ہے اور متصل بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ جو مومن گناہ کرتے ہیں وہ شیطان کا اتباع کرتے ہیں۔ پس الا فریقاً سے مومن غیر عاصی مراد ہوں گے۔ تاہم اول صورت اقرب ہے۔ چنانچہ خود ابلیس نے لاغرینا هم اجمعین الا عبادک میں انبیاء معصومین کو مستثنیٰ کیا تھا۔

من یؤمن. اگر من استفہامیہ ہے تو پھر یہ علم کے مفعولین کے قائم مقام ہوجائے گا۔ لیکن یہ ظاہر نہیں ہے، کیونکہ معنی یہ ہوں گے۔ الا لنمیز ونظهر اللناس من یومن ممن لایومن. پس بجائے ممن لایومن کے ممن هو منها فی شک سے تعبیر کیا گیا۔ جو اس کا لازم اور نتیجہ ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ من موصولہ ہو اور یہی ظاہر ہے۔ البتہ ان دونوں صلوں کی ترتیب میں یہ نکتہ ہے کہ پہلا جملہ فعلیہ ہے جو حدوث پر دلالت کرتا ہے اور دوسرا اسمیہ ہے جو دوام پر دلالت کررہا ہے اور ایمان کے مقابلہ میں شک لایا گیا ہے۔ تاکہ معلوم ہوجائے کہ کفر کا ادنیٰ درجہ بھی ہلاکت میں گرادیتا ہے اور فی شک میں شک کو محیط کردینا اور صلہ کو مقدم لانا اور کلمہ من کی طرف عدول کرنا حالانکہ فی کے ذریعہ سے لفظ شک متعدی ہوتا ہے۔ مبالغہ کے لئے اور شدت بیان کرنے کے لئے اور یہ کہ اس کے

زوال کی امید نہیں ہے۔

اور علامہ طیبیؒ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ پہلے صلہ میں ایمان اور اس کے مقابلہ میں دوسرے صلہ میں شک لائے ہیں اور یوں نہیں کہا۔ من ھو مومن بالاخرۃ فمن ھو کافر بھا. من یوقن بالاخرۃ ممن ھو فی شک منھا. تاکہ معلوم ہو جائے کہ آخرت کے بارے میں ادنیٰ شک کفر ہے اور یہ کہ کافروں کو یقین حاصل نہیں ہوتا اور وہ ہمیشہ تردد اور شک میں رہتے ہیں۔ لیکن پہلی تقریر اوجہ ہے۔

روایات:............حضرت داؤد علیہ السلام نظام سلطنت کا معائنہ کرنے کے لئے ہیئت تبدیل کر کے نکلا کرتے تھے اور منجملہ تفتیش احوال کے لوگوں سے داؤد کے بارے میں پوچھتے کہ داؤد کیسے ہیں؟ لوگ تعریف کرتے۔ ایک مرتبہ فرشتہ انسانی شکل میں نمودار ہوا۔ انہوں نے اس سے دریافت کیا کہ داؤد کیسے ہیں؟ فرشتہ بولا کہ ان میں ایک بات اگر نہ ہوتی تو بڑے اچھے تھے۔ پوچھا کیا بات ہے؟ کہا کہ اپنا روزینہ بیت المال سے لیتے ہیں۔ اگر وہ کسی دستکاری سے اور اپنی محنت سے روزی کماتے تو کیا اچھا ہوتا۔ چنانچہ انہوں نے اللہ سے دعا کی۔ جس کے نتیجہ میں انہوں نے زرہ سازی شروع کر دی۔ اور اس صنعت کو اتنے عروج پر پہنچا دیا کہ ان کے ہاتھ کی بنی ہوئی زرہیں چار چار، چھ چھ ہزار میں بکتیں، جن میں سے دو ہزار اپنے عیال پر اور باقی روپے فقراء پر صرف کرتے۔

اسی طرح سدیؒ سے منقول ہے کہ ایک فرشتہ حضرت سلیمانؑ کے ہمراہ رہتا۔ جس کے ہاتھ میں آگ کا کوڑا ہوتا جو جن سرتابی کرتا اس کے ہنٹر لگتا اور وہ بھسم ہو جاتا۔ اسی طرح تماثیل کے ذیل میں روایت ہے کہ ان کی کرسی کے نیچے دو شیر اور ان پر دو گدھ بنے ہوئے تھے۔ جب وہ کسی پر چڑھنا چاہتے تھے تو شیر بازو پھیلا دیتے تاکہ وہ بآسانی ان پر پاؤں رکھ کر چڑھ سکیں اور گدھ بازوؤں سے ان پر سایہ کر لیتے۔

علیٰ ہذا روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے فسطاط موسیٰ علیہ السلام پر بیت المقدس کی بنیاد رکھی اور تعمیر شروع کر دی۔ لیکن تکمیل سے پہلے ان کی وفات ہوگئی اور حضرت سلیمانؑ کو تکمیل کی وصیت کی۔ چنانچہ انہوں نے جنوں کو بیگار پر لگا کر ان سے تعمیر کا کام لیا اور خود بہ نفس نفیس تعمیر کی نگرانی ایک شیش محل میں رہ کر کیا کرتے۔ ایک روز عصا کے سہارے کھڑے اسی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ وفات کا وہ واقعہ پیش آیا جو آیت میں مذکور ہے۔

ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب وہ اپنے مصلے پر ہوتے تو ان کے سامنے کوئی درخت نمودار ہو جاتا تو وہ اس سے پوچھتے تو کس کام کے لئے۔ اگر وہ دوا کا درخت ہوتا تو اپنی بیاض میں لکھ لیتے اور بونے کا ہوتا تو اس کو نصب کرا دیتے۔ اسی طرح ایک درخت سامنے آیا۔ اس کا نام پوچھا تو حزنوب بتلایا۔ پھر اس کی غرض پوچھی۔ تو اس نے جواب دیا۔ "لخراب ھذا البیت" یہی درخت ہوگا جس کی لکڑی پر ٹیک لگائے ان کی وفات ہوگی۔

﴿ تشریح ﴾:......**لحن داؤدی سے سب چیزیں متاثر ہو کر وقف تسبیح ہو جاتیں:**............پچھلی آیت میں عبد منیب کا لفظ آیا ہے۔ جس میں اللہ کی طرف رجوع ہونے والے نیک بندوں کی اجمالاً تعریف تھی۔ اب آیت ولقد اٰتینا داؤد الخ میں اس کی تائید کرتے ہوئے مثال کے طور پر تفصیل کے درجہ میں حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ نے غیر معمولی خوش الحانی عطا فرمائی تھی۔ لحن داؤدی مشہور ہے۔ پہاڑوں میں جب وہ یاد الٰہی میں مشغول ہوتے اور اپنی سریلی آواز میں زبور پڑھتے، وقف تسبیح وتہلیل ہوتے تو اس کی معجزانہ تاثیر سے ہر چیز متاثر ہو کر شریک تسبیح ہو جاتی۔ حتیٰ کہ پہاڑ وپرند

تک اسی سوز میں ڈوب کران کے ساتھ تسبیح پڑھنے لگتے۔

اسی اعجاز کے ساتھ ایک دوسرا معجزہ انہیں یہ عنایت ہوا کہ لوہا ان کے لئے موم بنا دیا گیا تھا۔ اکل حلال اور محنت کی روزی کے لئے زرہ سازی کی ماہرانہ صنعت انہیں الہام فرمائی گئی۔ حالانکہ وہ بادشاہ وقت تھے۔ انہیں کسی بات کی کمی نہ تھی۔ مگر دست کاری اور اپنے ہاتھ کی کمائی میں جو لطف اور قوت و برکت ہے وہ اور طریقہ میں کہاں؟ تورزقی تحت رمحی ارشاد نبوی ہے۔ اور فرمایا کہ معاش سے بے فکر ہو کر وقت عزیز کا ایک بڑا حصہ یاد الٰہی اور اعمال صالحہ میں گزار دو۔ کہ نبوت وسلطنت جیسی نعمتوں کا تقاضا اصلی یہی ہے۔

لائق باپ کا لائق بیٹا جانشین بنا:............ ایسے لائق باپ کے بعد ان کے لائق بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام تخت نشین ہوئے اور ان کی گدی سنبھالی تو اللہ نے انہیں اور چار چاند لگا دیئے۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں اگر شاہی خاصہ کے گھوڑے قربان کر دیئے تو اللہ نے انہیں وہ تخت سلیمانی عطا کیا جو مسخر ہواؤں کے دوش پر انہیں سوار کر کے ان کی حدود سلطنت میں سیاحی کراتے۔ اس قدرتی سواری کے آگے کل پرزوں اور مشینری سے چلنے والے ہوائی جہاز اور راکٹ، انسانی صنعت وکمال کا شاہکار کیا حیثیت رکھتا ہے اور پھر یمن کی طرف تانبے کا بہتا ہوا چشمہ انہیں مرحمت فرما دیا۔ تاکہ بغیر آلات اس سے مصنوعات تیار ہو سکیں اور جنات کو مسخر فرما دیا۔ جس سے انہوں نے عظیم کارنامے انجام دلائے۔ غیر جاندار چیزوں کی مورتیاں بنواتے اور جاندار چیزوں کی مورتیاں اور مجسمے بھی ہوں۔ تو ان کی شریعت میں اس کی اجازت تھی اور جنات سارے مسخر ہوں یا بعض۔ مگر ظاہر ہے کہ بیگار بعض ہی سے لی جاتی تھی۔ جیسا کہ من تبعیضیہ سے مفہوم معلوم ہو رہا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کو بھی حضرت داؤدؑ کی طرح مع اہل وعیال کے شکر نعمت بجالانے کا حکم ہوا۔ کیونکہ حسی غیر حسی طریقہ پر وہ بھی ان انعامات میں شریک تھے۔ کم سے کم یہی کہ ان کا انتساب ایسی بزرگ ہستیوں کی طرف تھا۔ جن پر سرتاسر اللہ کے انعامات تھے۔

حضرت داؤدؑ کی بہترین شکر گزاری:............ چنانچہ اسی حکم کے امتثال میں حضرت داؤدؑ نے سارے خاندان کے اوقات تقسیم فرما دیئے تھے۔ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی وقت ایسا نہ تھا جب کوئی نہ کوئی ان کے گھرانہ میں عبادت الٰہی میں مشغول نہ رہتا ہو۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ زرہ سازی میں خرق عادت کا اثبات اور دستکاری سے کمانے کی فضیلت اور ہر کام میں اعتدال، انتظام وتناسب کی رعایت حتیٰ کہ دنیاوی اور حسی امور میں بھی ثابت ہو رہی ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام تانبے کے سیال اور رقیق چشمے سے بلا آلات وہ وہ صنعتیں سرانجام دیتے تھے جن کی نظیر آج سائنسی دنیا بھی پیش نہیں کر سکتی۔ گرم اور رقیق تانبے کے یہ چشمے ان پر منکشف کر دیئے گئے تھے۔

روشن خیالوں کا گروہ:............ لیکن آج کی طرح پہلے بھی فرقہ باطنیہ کے کچھ "روشن خیال" ایسے تھے جو پہاڑوں اور پرندوں کی زبانی تسبیح کی بجائے حالی تسبیح اور ہوا کی تسخیر سے مشینری کے ذریعہ ہوائی اور فضائی سفر، اسی طرح جنات سے قدر آور دیوہیکل انسان مراد لیتے رہے ہیں۔ لیکن ان تاویلات کی تمام تر بنیاد دراصل خرق عادت کے انکار پر ہے۔ جس کی تردید صاحب بحر نے ان الفاظ میں کر دی ہے۔ **ولبعض الباطنية او من يشبههم تحريف في هذه الجمل وهذا تاويل فاسدو خروج بالجملة عما يقوله اهل التفسير في الاية.** امام رازیؒ رقم طراز ہیں۔ **وهذا كلها فاسد** اسی طرح تمثال کے لفظ سے سند پکڑ کر بعض نے جو تصویر سازی کا جواز نکالا ہے۔ بحر میں ہے۔ **وحكى في البداية ان قوماً اجازوا التصوير.** لیکن اس کو نقل کرتے ہوئے تردید فرمائی۔ کہ مجھے کسی عالم ربانی کا علم نہیں۔ جس نے تصویر کو جائز رکھا ہو۔ **و ما احفظ من ائمة العلم من تجوزة.** صاحبؒ روح

المعانی نے اس کی تائید فرمائی ہے۔ فلا یلتفت الیٰ هذا القول و لا یصح الا حتجاج .

ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ مجسمے انبیاء، ملائکہ اور صالحین کے تھے۔ جن میں حضرت سلیمانؑ کی دعا سے جان پڑ گئی تھی۔ لیکن صاحب روح نے یہ کہہ کر اس کی تردید فرمادی ہے۔ **هذا عجب العجاب و لا ینبغی اعتقاد صحته وما هو الا حدیث خرافة.**

ہیکل سلیمانی عمارتیں شاہکار تھیں: .... حضرت سلیمان علیہ السلام نے عبادت گاہیں، مسجدیں مقبرے ایسے ایسے تعمیر کرائے کہ آج بھی لوگ ان نشانیوں کو دیکھ دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ بالخصوص بیت المقدس کی یادگار تعمیر ان کا انوکھا کارنامہ ہے۔ جنات کے ہاتھوں اسی کی تجدید فرما رہے تھے۔ کہ آپ کو اپنی وفات کے آ پہنچنے کا علم ہوا تو جنات کو نقشہ کے مطابق ہدایات دے کر ایک "شیش کمرہ" میں دروازہ بند کر کے اس شان سے مصروف عبادت ہوگئے۔ کہ عصا پر دونوں ہاتھ اور ہاتھوں پر ٹھوڑی رکھے ہوئے کرسی پر تشریف فرما ہیں اور آنکھیں کھلی ہوئی کہ گویا مشغول نگرانی ہیں۔ اسی حالت میں آپ کی روح قبض ہوگئی۔ مگر عرصہ تک کسی کو احساس نہ ہو سکا اور نعش لکڑی کے سہارے بدستور رہی۔ حتیٰ کہ تعمیر مکمل ہوگئی اور گھن نے لکڑی کو چاٹ کھایا اور جب سہارا نہ رہا تو نعش گر پڑی۔ تب لوگوں کو وفات کا پتہ چلا۔

دنیاوی مصلحت تو اس خارق عادت طریقہ میں بیت المقدس کی تعمیر کا مکمل ہو جانا تھا اور دینی مصلحت یہ تھی کہ کسی مخلوق کے لئے علم غیب کے اعتقاد کی غلطی واضح ہو جائے۔ گو جنات تو پہلے ہی جانتے تھے۔ مگر یہاں یہ ظاہر کرنا تھا کہ دل میں اگرچہ جانتے ہو لیکن دوسروں سے چھپاتے ہو اور انہیں بہکاتے ہو۔ اس لئے آج بھانڈا پھوٹنے کے بعد اس کا موقعہ نہیں۔ سب نے کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور یہ بھی ظاہر ہو گیا۔ کہ تسخیر جنات حضرت سلیمانؑ کا ذاتی کمال نہ تھا بلکہ فضل ربانی تھا کہ موت کے بعد بھی نعش سے یہ تسخیر وابستہ رہی اور بتلا دیا کہ پیغمبروں کے اٹھائے ہوئے کاموں کو اللہ کس طرح جاری اور کس تدبیر سے پورا کرتے ہیں۔ نیز یہ کہ ہوا میں اڑ کر اور جنات اور جانوروں پر بھی حکومت قائم کر کے حضرت سلیمان علیہ السلام موت سے نہ بچ سکے۔ تو کسی دوسرے بندے بشر کا کیا ذکر۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں۔ تنبیهاً للخلق علیٰ ان الموت لا بد منه ولو نجا منه لکان سلیمان اولی بالنجاة منه .

شکر گزار بندوں کے بعد ناسپاس قوم کا ذکر: .... یہاں تک تو دو منیب (شکر گزار) بندوں کا ذکر تھا۔ آگے ایک تعرض (ناسپاس) قوم سبا کا ذکر ہے۔ تا کہ آنحضرت ﷺ کے موافقین اور مخالفین کے سامنے یہ دونوں رخ آ جائیں۔ اور قوم سبا کی تخصیص اس لئے ہے کہ اہل مکہ اس واقعہ کی شہرت کی وجہ سے زیادہ متاثر ہو سکتے تھے اور وہی قرآن کے اولین مخاطب ہیں۔ پھر دوسروں کے بالواسطہ متاثر ہونے کا موقعہ بھی مل سکتا ہے۔

سبا دراصل ایک شخص کا نام تھا۔ بعد میں ان کے خاندان اور قوم کا نام پڑ گیا۔ اس عظیم خاندان کی بہت سی شاخیں یمن کے مشہور شہر "مارب" (بروزن منزل) میں رہتی تھیں۔ جن میں بڑے بڑے دولت مند اور صاحب عیش لوگ تھے۔ جو خوش حالی اور فارغ البالی کی آخری منزلوں کو چھو رہے تھے۔ یہ قوم یمن کی ذی اقتدار اور صاحب سلطنت قوم تھی۔ جو صدیوں تک بڑے جاہ وجلال سے ملک پر حکومت کرتی رہی۔ ان میں خدا پرست بھی ہوئے اور بت پرست بھی۔ انہی میں ملکہ بلقیس بھی تھی۔ دربار سلیمانی میں جس کی حاضری کا واقعہ سورہ نمل میں گزر چکا ہے۔ یہاں شاید سلیمانؑ کے بعد سبا کا ذکر اس مناسبت سے بھی ہوا ہو۔

قوم سبا کی داستان عروج وترقی: .... بہر حال سبا کی اقتصادی اور تمدنی کیفیت کا ادنیٰ حال یہ تھا کہ دائیں بائیں باغات کے دو طویل سلسلے میلوں تک چلے گئے تھے۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ ان باغوں کی وسعت ۳۰۰ مربع میل تک پھیلی ہوئی تھی

اور یہ سارا رقبہ خوبصورت وخوشبودار درختوں اور طرح طرح کے لذیذ میووں اور پھلوں سے بھرا پڑا تھا۔ دار چینی اور چھواروں کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل تھے۔ سلسلہ عمارت میں ایک قابل دید چیز پانی کا ڈیم اور بند بھی تھا۔ جسے عرب سد اور اہل یمن عرم کہتے تھے۔ عرب میں چونکہ کوئی دریا نہیں تھا جو ہمیشہ رواں رہتا ہو پہاڑوں سے بہہ کر پانی ریگستانوں میں جا کر خشک اور ضائع ہو جاتا اور زراعتی کام میں نہ آتا۔ اس لئے سبا نے پہاڑوں اور وادیوں کے درمیان مختلف مناسب موقعوں پر بڑے بڑے بند باندھ دیئے۔ کہ پانی کا خزانہ محفوظ رہے۔ جو بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت کارآمد ہو سکے۔ اس طرح سینکڑوں بند تیار ہو گئے۔ جن میں سب سے زیادہ مشہور تاریخی بند ''مآرب'' تھا۔ جو سبا کے دارالسلطنت مآرب میں واقع تھا۔ یہ موجودہ شہر صنعا سے کوئی ۶ میل جانب مشرق میں اور سطح سمندر سے کوئی ۳۹۰۰ فٹ بلند اور کئی میل لمبا چوڑا بند انجینئروں کی اعلیٰ فنکاری کا نمونہ تھا اور بعض نے مآرب کے جانب جنوب میں دائیں بائیں دو پہاڑوں کے درمیان جن کا نام کوہ ابلق ہے تقریباً ۸۰۰ قبل مسیح میں یہ بند باندھا۔ جس کی لمبائی ڈیڑھ سو فٹ اور چوڑائی پچاس فٹ تھی۔

شہر کی آب وہوا نہایت صاف ستھری اور صحت افزا تھی اور دور تک پاس پاس شہروں کا سلسلہ قائم ہو گیا جس سے مسافروں کو آرام وسہولت اور امن واطمینان کے ساتھ سفر ممکن ہو گیا۔ سبا کی دولت وثروت کی بنیاد صرف تجارت تھی۔ جو کسی ملک کے دولت مند ہونے کا ...... بڑا ذریعہ ہے۔ یمن ایک طرف سواحل ہند کے مقابل واقع ہے اور دوسری طرف سواحل افریقہ کے۔ سونا، بیش قیمت پتھر، مسالہ، خوشبوئیں، ہاتھی دانت یہ چیزیں ہند اور حبشہ سے یمن آ کر اترتی تھیں وہاں سے اونٹوں پر لاد کر بحر احمر کے کنارے خشکی کے راستہ حجاز سے گزر کر شام ومصر لائی جاتیں۔ ان تجارتی کاروانوں کی آمد ورفت کے سبب یمن سے شام تک آبادیوں کی ایک قطار قائم تھی۔ جہاں بے خوف وخطر سفر ہو سکتا تھا۔ یہ راستے مامون تھے۔ سڑک کے کنارے کنارے دیہات کا سلسلہ ایسے انداز اور تناسب سے چلا گیا تھا کہ مسافر کو ہر منزل پر کھانا پانی اور آرام کا ٹھکانہ ملتا تھا، نہ مسافر کا جی گھبراتا تھا اور نہ چوروں ڈاکوؤں کا کھٹکا تھا۔

قوم سبا کا تنزل وزوال: ...... لیکن لوگوں نے ان نعمتوں کی قدردانی نہ کی اور اللہ کی اطاعت وشکر گزاری کی بجائے کفران نعمت اور حکم عدولی کی آرام وعیش میں مستی آنے لگی تھی۔ اور جیسے بنی اسرائیل نے من وسلویٰ سے اکتا کر لہسن و پیاز مانگی تھی۔ اسی طرح انہوں نے زبان حال یا قال سے کہا کہ اس طرح سفر کا لطف نہیں آتا۔ منزلیں دور دور ہوں اور آبادیاں آس پاس نہ ملیں، راستہ میں بھوک پیاس ستائے۔ جیسا دوسرے ملکوں کا حال سنتے ہیں تب سفر کا مزہ ہے۔ جس پر قدرتی انتقامی مشینری حرکت میں آ گئی ۵۴۲ء ظہور اسلام سے کچھ پہلے ایک کاہن کی پیشگوئی کے مطابق یہ عظیم الشان بند ٹوٹا۔ جس کا ذریعہ ایک چھچھوندر بن گئی۔ اس نے بند میں سوراخ کر دیا۔ جو بڑھتے بڑھتے ساری آبادی اور باغات کو لے ڈوبا۔ اس تباہ کاری کے آثار ونشان صدیوں تک رہے۔ اکثر حصہ تو اب اس کا کھنڈر بن چکا ہے۔ تاہم ایک تہائی حصہ باقی بتلایا جاتا ہے۔ اس پر جا بجا کتبات لگے ہوئے ہیں۔

پانی خشک ہو جانے کے بعد ان باغات کی جگہ جھاڑ جھنکار ہو گئے۔ انگوروں، چھواروں کی جگہ پیلو کے درختوں، جھاؤ کے جھاڑوں، کڑوے کسیلوں، بدمزہ پھل والے درختوں نے لے لی۔ یہ تباہی دیکھ کر بہت سے قبائل از دعمان، از سراۃ، کندہ، مذحج، اشعریین، انمار، بجیلہ، عاملہ، غسان، لخم، جذام، قعناء، خزاعہ، آل جفنہ، شعبہ عفان، اوس، خزرج، آل مالک بن فہم، آل عمرو، آل جزیمہ، ابرش، اہل حیرہ، آل محرق، یہ سب عمان، سراۃ، مدینہ، تہامہ، مکہ، شام، اجا، سلمی، اور عراق میں پھیل گئے اور آباد ہو گئے۔ حتیٰ کہ عربی ''ضرب المثل'' (کہاوت) ہو گئی تفرقوا ایدی سبا۔ یعنی افراد قوم سبا تتر بتر ہو گئے۔ اب ان کی کہانیاں رہ گئیں کہ لوگ سن کر عبرت پکڑیں۔ ان کا عظیم الشان تمدن اور شان وشوکت سب خاک میں مل گئی۔ یونانیوں اور رومیوں نے مصر وشام پر قبضہ پا کر ہندوستان اور افریقہ کی

تجارت کو خشکی کے راستہ سے بحری راستہ کی طرف منتقل کردیا اور تمام مال کشتیوں کے ذریعہ بحر احمر کی راہ مصر و شام کے سواحل پر اترنے لگا۔ جس سے اس علاقہ میں خاک اڑنے لگی اور سبا تباہ ہوگیا۔

نازونعم میں اخلاقی قدریں گرجایا کرتی ہیں:............ یہ واقعہ سیل عرم حضرت عیسیٰؑ سے پہلے کا ہے۔ اگرچہ بعض روایات میں تیرہ انبیاءؑ کا اس قوم کی طرف تشریف لانا بتلایا گیا ہے۔ تاہم وہ حضرت عیسیٰؑ سے پہلے آئے ہوں گے۔ محققین آثار قدیمہ کو "ابرہتہ الاشرم" کے زمانہ کا ایک بہت بڑا کتبہ "سدعرم" کی بقیہ دیوار پر ملا ہے۔ اس میں بھی اس بند کے ٹوٹنے کا ذکر ہے۔ مگر غالباً یہ واقعہ واقعۂ قرآنی کے بعد ہوا ہوگا۔

شیطان کا گمان سچ نکلا:............ بہر حال اس پوری تاریخ میں دانشمندوں کے لئے کیا کچھ عبرت کا سامان نہیں کہ انہیں عیش و عشرت میں کیسے رہنا چاہئے اور تکلیف و مصیبت میں کیسے؟ اور یہ کہ شیطان کا یہ کام نہیں کہ کسی کو لاٹھی لے کر زبردستی راہ حق سے ہٹا دے۔ ہاں بہلا پھسلا کر گمراہ کرنا اس کا وطیرہ رہا ہے۔ اس نے پہلے سے اندازہ کرلیا تھا کہ میرے لئے سبا والوں میں کافی مال مسالہ موجود ہے۔ چنانچہ اس کا یہ گمان ٹھیک نکلا۔ ان لوگوں نے اس کے خیال کو سچ کر دکھایا۔ اور اللہ کی حکمت و مصلحت کا تقاضا بھی یہی رہا ہے کہ ہدایت و غفلت کی دونوں راہیں اس نے کھلی رکھیں۔ کسی کو کسی کام پر مجبور نہیں کیا گیا۔ اس نے اختیار اور آزادی دے رکھی ہے۔ تاکہ آزمائش کا مقصد پورا ہو سکے۔

لطائف سلوک:............ والنا له الحديد الخ اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک خوارق کا اثبات دوسرے دستکاری اور کسب کی فضیلت، تیسرے اعتدال انتظام و سہولت کی رعایت دنیاوی اور حسی چیزوں میں بھی کرنی چاہئے۔

من يعمل بين يديه الخ جنات کی تسخیر اگر محض منجانب اللہ بغیر کسی عمل وغیرہ کے ہے تو یہ عبدیت کے منافی نہیں ہے۔

قضينا عليه الموت الخ میں اشارہ ہے کہ کبھی قوی کو بھی ضعیف سے بعض علوم حاصل ہو سکتے ہیں۔

فاعرضوا فارسلنا الخ سے معلوم ہوا کہ طاعت و معصیت کو بھی دنیاوی نعمتوں کے حصول اور زوال میں دخل ہے چنانچہ اگلی آیت ذالک جزينا هم بما كفروا میں اس کی تصریح بھی ہے۔

قُلِ يَامُحَمَّدُ لِكُفَّارِ مَكَّةَ **ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ** اَیْ زَعَمْتُمُوْهُمْ الِهَةً **مِّنْ دُوْنِ اللهِ** اَیْ غَيْرِهٖ لِيَنْفَعُوْكُمْ بِزَعْمِكُمْ قَالَ تَعَالٰى فِيْهِمْ **لَايَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ** وَزْنَ **ذَرَّةٍ** مِنْ خَيْرٍ اَوْشَرٍّ **فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَمَالَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ** شِرْكَةٍ **وَّمَالَهٗ** تَعَالٰى **مِنْهُمْ** مِنَ الْاٰلِهَةِ **مِّنْ ظَهِيْرٍ** ﴿۲۲﴾ مُعِيْنٍ **وَلَاتَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ** تَعَالٰى رَدٌّ لِقَوْلِهِمْ اِنَّ اٰلِهَتَهُمْ تَشْفَعُ عِنْدَهٗ **اِلَّالِمَنْ اَذِنَ** بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ وَضَمِّهَا **لَهٗ** فِيْهَا **حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ** بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَلِلْمَفْعُوْلِ **عَنْ قُلُوْبِهِمْ** كُشِفَ عَنْهَا الْفَزَعُ بِالْاِذْنِ فِيْهَا **قَالُوْا** قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اِسْتِبْشَارًا **مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ** فِيْهَا **قَالُوا** الْقَوْلَ **الْحَقَّ** اَیْ قَدْ اَذِنَ فِيْهَا **وَهُوَ الْعَلِیُّ**

فَوْقَ خَلْقِهِ بِالْقَهْرِ **الْكَبِيرُ** ﴿۲۳﴾ الْعَظِيمِ **قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ** الْمَطَرِ **وَالْاَرْضِ** النَّبَاتِ **قُلِ اللّٰهُ** اِنْ لَمْ يَقُوْلُوْهُ لَاجَوَابَ غَيْرُهٗ **وَاِنَّآ اَوْاِيَّاكُمْ** اَيْ اَحَدِ الْفَرِيْقَيْنِ **لَعَلٰى هُدًى اَوْفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ** ﴿۲۴﴾ بَيِّنٍ فِي الْاِبْهَامِ تَلَطُّفٌ بِهِمْ دَاعٍ اِلَى الْاِيْمَانِ اِذَا وُفِّقُوْا لَهٗ **قُلْ لَّاتُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا** اِذْ نَبْنَا **وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ** ﴿۲۵﴾ لِاَنَّـا بَرِيْؤُنَ مِنْكُمْ **قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا** يَوْمَ الْقِيَامَةِ **ثُمَّ يَفْتَحُ** يَحْكُمُ **بَيْنَنَا بِالْحَقِّ** فَيُدْخِلُ الْمُحِقِّيْنَ الْجَنَّةَ وَالْمُبْطِلِيْنَ النَّارَ **وَهُوَ الْفَتَّاحُ** الْحَاكِمُ **الْعَلِيْمُ** ﴿۲۶﴾ بِمَا يَحْكُمُ بِهٖ **قُلْ اَرُوْنِيَ** اَعْلِمُوْنِي **الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ** فِي الْعِبَادَةِ **كَلَّا** رَدْعٌ لَهُمْ عَنْ اِعْتِقَادِ شَرِيْكٍ لَهٗ **بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ** الْغَالِبُ عَلٰى اَمْرِهٖ **الْحَكِيْمُ** ﴿۲۷﴾ فِي تَدْبِيْرِهٖ لِخَلْقِهٖ فَلَا يَكُوْنُ لَهٗ شَرِيْكٌ فِي مُلْكِهٖ **وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً** حَالٌ مِنَ النَّاسِ قُدِّمَ لِلْاِهْتِمَامِ بِهٖ **لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا** مُبَشِّرًا لِلْمُؤْمِنِيْنَ بِالْجَنَّةِ **وَّنَذِيْرًا** مُنْذِرًا لِلْكَافِرِيْنَ بِالْعَذَابِ **وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ **لَايَعْلَمُوْنَ** ﴿۲۸﴾ ذٰلِكَ **وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ** بِالْعَذَابِ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿۲۹﴾ فِيْهِ **قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّاتَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَاتَسْتَقْدِمُوْنَ** ﴿۳۰﴾ عَلَيْهِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ

ترجمہ:............ آپ فرمائیے (اے محمد! کفار مکہ سے) تم پکارو تو جنہیں تم سمجھ رہے ہو (کہ وہ معبود ہیں) اللہ کے سوا (اللہ کے علاوہ کو تاکہ تمہارے گمان کے مطابق تمہیں نفع پہنچا دیں۔ ان کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں) وہ ذرہ برابر (نفع یا نقصان کا) اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت (ساجھا) ہے اور نہ ہی اس اللہ کا ان (معبودوں) میں سے کوئی مددگار (معاون) ہے اور نہ اس کے دربار میں کوئی سفارش کام آتی ہے (ان کے اس قول کی تردید ہے کہ ان کے معبود اللہ کے یہاں سفارشی ہوں گے) مگر ہاں اس کے حق میں کہ اجازت دے دے (اذن فتحہ ہمزہ اور ضمہ ہمزہ کے ساتھ ہے) اللہ جس کو (سفارش کی) یہاں تک کہ گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے (یہ لفظ معروف ہے اور مجہول) ان کے دلوں سے (دور ہو جائے گھبراہٹ ان کے دلوں سے شفاعت کی اجازت سے) تو وہ پوچھتے ہیں (ایک دوسرے سے خوشخبری سننے کے لئے) تمہارے پروردگار نے کیا حکم فرمایا۔ وہ کہتے ہیں (حق بات کا) حکم فرمایا (یعنی سفارش کی اجازت دے دی ہے) اور وہ عالی شان (اپنی مخلوق پر غالب) ہے سب سے بڑا (زبردست) ہے۔ آپ پوچھئے تم کو آسمان میں (بارش) اور زمین میں (پیداوار) کون دیتا ہے؟ آپ کہئے کہ اللہ! (اگر یہ لوگ خود جواب نہ دیں۔ کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی جواب ہے ہی نہیں) اور بلاشبہ ہم یا تم (دونوں فریقوں میں سے ایک) یقیناً راہ راست پر ہیں اور یا صریح گمراہی پر (جو کھلی ہوئی ہو اور مبہم بیان کرنے میں ان کو دعوت ایمان دینے کے لئے نرمی کا پہلو اختیار کرنا ہے اگر انہیں توفیق ایمان ہو) آپ فرما دیجئے نہ تم سے ہمارے جرائم (گناہوں) کی باز پرس ہوگی اور نہ ہم سے تمہارے اعمال کے بارے میں سوال ہوگا (کیونکہ ہم تمہاری ذمہ داری سے سبکدوش ہیں) آپ فرما دیجئے کہ ہمارا پروردگار (قیامت میں) ہم سب کو جمع کرے گا۔ پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ (حکم) فرمائے گا (چنانچہ حق پرست جنت میں اور باطل پرست جہنم میں داخل کر دیئے جائیں گے) اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا (حاکم) بڑا جاننے والا (فیصلہ کا) ہے۔ آپ کہئے کہ ذرا تو دکھلا دو (بتلا دو) مجھے جن کو تم نے خدا

کے ساتھ (عبادت میں) شریک بنا کر رکھا ہے، ہرگز نہیں (شرکیہ اعتقاد پر انہیں ڈانٹ ڈپٹ ہے) بلکہ وہی اللہ زبردست ہے (اپنے کام پر غالب) حکمت والا ہے (مخلوق کی تدبیر کرنے میں ۔لہذا اس کے ملک میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے) اور ہم نے تو آپ کو سارے ہی (کافۃ الناس سے حال ہے اہتمام کے لئے مقدم کر دیا گیا ہے) انسانوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔خوشخبری دینے والے (مؤمنین کو جنت کی بشارت سنانے والے) ڈرانے والے (کفار کو عذاب سے ڈرانے والے) لیکن اکثر لوگ (کفار مکہ) نہیں سمجھتے ہیں (یہ بات) اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (عذاب) کب پورا ہوگا۔اگر تم (اس بارے میں) سچے ہو۔آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لئے ایک خاص دن کا وعدہ ہے کہ نہ اس سے ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو (وہ قیامت کا دن ہے)۔

تحقیق وترکیب:

............ادعوا. امر توبیخی ہے۔

فی السموت. کل عالم مراد ہے۔

لا تنفع. یعنی غیر اللہ کی شفاعت کا وجود بھی نہیں ہوگا۔چہ جائیکہ نافع ہو۔لیکن چونکہ مقصود شفاعت کے موجود ہونے سے نفع ہوتا ہے۔اس لئے صراحۃً نفع کی نفی پر اکتفاء کیا وجود کی نفی کی ضرورت نہیں سمجھی۔

لمن اذن لہ. اس میں کئی ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ایک یہ کہ لام نفس شفاعت سے متعلق ہو جیسے کہا جاتا ہے شفعت لہ دوسرے یہ کہ لام تنفع کے متعلق ہو۔یہ دونوں صورتیں ابوالبقاء نے بیان کی ہیں۔دوسری صورت میں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ مفعول میں لام کی زیادتی بے موقعہ ماننی پڑے گی اور یا تنفع کے مفعول کو حذف کرنا پڑے گا۔حالانکہ یہاں دونوں باتیں خلاف اصل ہیں۔تیسری صورت یہ ہے کہ شفاعت کے مفعول مقدر سے اس کو استثناء مفرغ مانا جائے۔ای لا تنفع الشفاعۃ لا حد الا لمن اذن لہ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ مستثنیٰ منہ مقدر، مشفوع لہ ہو اور ظاہر بھی یہی ہے۔البتہ اس میں شافع کا ذکر صراحۃً نہیں۔صرف فحوائے کلام سے سمجھ میں آرہا ہے۔تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔لا تنفع الشفاعۃ لا حد من المشفوع لھم الا لمن اذن تعالیٰ للشافعین انیشفعوا فیہ اور یہ ہوسکتا ہے کہ شافع اور مشفوع لہ دونوں مذکور نہ ہوں اور تقدیر عبارت یوں ہو۔لا تنفع الشفاعۃ من احد الا الشافع اذن لہ ان یشفع . پس اس طرح لہ میں لام تبلیغ کہلائے گا نہ کہ لام علۃ۔

بالاذن فیھا. فیہا کی ضمیر شفاعت کی طرف راجع ہے اور قلوبہم کی ضمیر شافعین اور مشفوع لہم کی طرف راجع ہوگی۔یعنی اجازت اذن کے الفاظ سے سنتے ہی گھبراہٹ دور ہو جائے گی۔یہ تفسیر تو متاخرین کے طرز پر ہے۔لیکن متقدمین کی رائے یہ ہے کہ وحی الٰہی سنتے ہی فرشتے ہیبت سے کانپ جائیں گے اور مدہوش ہو جائیں گے۔لیکن جب افاقہ ہوگا تو پھر ایک دوسرے سے یہ سوال کریں گے۔اس صورت میں قلوبھم کی ضمیر ملائکہ کی طرف راجع ہوگی۔

قل من یرزقکم. یہ سوال تبکیت ہے۔مشرکین کو چپ کرانے کے لئے کیا گیا ہے۔کیونکہ اللہ کا خالق ورازق ہونا اوران کے معبودوں کا ذرہ برابر بھی مالک نہ ہونا خودان کے مسلمات میں سے تھا۔لیکن الزام سے بچنے کے لئے ممکن ہے جواب میں مصنوعی ہکلاہٹ اور ہچکچاہٹ کا اظہار کریں تو ارشاد فرمایا۔قل اللہ لعلیٰ ھدی مومنین کے ساتھ علیٰ لاکر ان کے استعلا کی طرف اشارہ ہے کہ جیسے بلند جگہ پر بیٹھنے والا نیچے کی چیزوں سے واقف یا سواری پر سوار ہوکر قابو یافتہ ہوتا ہے۔یہی حال مومنین کا ہے اور اہل ضلال کے ساتھ فی لاکر گمراہی میں ان کے ڈوبنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

عما اجرمنا اپنی طرف جرم کی نسبت اور مخالفین کی جانب صرف عمل کی نسبت یہ بھی تلطفاً ہے۔اس طرح مخاطب پر نعمت اثر انداز ہوجاتی ہے۔

اروني ۔ اس میں دوترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ایک یہ کہ رویت علمیہ باب افعال میں سے پہلے ہی متعدی بدومفعول ہو ہمزہ تعدیہ داخل کرنے کے بعد متعدی بسہ مفعول ہو گیا۔ پہلا مفعول یائے متکلم اور دوسرا مفعول الذین اور تیسرا مفعول شرکاء ہو اور عائد موصول محذوف ہو ای الحقتموھم ۔دوسری ترکیب یہ ہے کہ پہلے رویت بصر یہ متعدی بیک مفعول ہو۔اور باب افعال میں بجائے دو مفعول ہو جائیں۔ایک یائے متکلم دوسرا الذین اور شرکاء منصوب علی الحال ہو اور موصول کا عائد ہو۔ ای بصروني الملحقين به حال کونهم شرکاء له کفار پر الزام حجت کے بعد استفسار سے مقصود زیادتی تبکیت ہے۔

کافة ۔ کف سے ماخوذ ہے عموم کے بعد چونکہ عام چیز کافی ہو جاتی ہے اس لئے جمیعاً کے معنی آتے ہیں۔زجاجؒ کہتے ہیں کہ کاف کے معنی لغت میں احاطہ کے ہیں۔ترکیب میں کافة حال ہو رہا ہے مفعول کا۔اس میں تا روایة اور علامة کی طرح مبالغہ کے لئے ہے۔لیکن مفسر علامؒ للناس سے حال مقدم فرمار ہے ہیں۔دراصل نحاۃ کا اس میں اختلاف ہے کہ حال مجرور بحرف یا مجرور بالاضافة مقدم ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بہت سے جواز کے قائل ہیں۔ابن مالکؒ، ابوحیانؒ، رضیؒ آیت میں اسی کو ترجیح دیتے ہیں اور بہت سے ناجائز کہتے ہیں۔ یہاں ایک شبہ ہے وہ یہ کہ الا کے ماقبل کا عمل مابعد میں لازم آرہا ہے سبب کہ مابعد نہ مستثنیٰ ہے نہ مستثنیٰ منہ اور نہ تابع ۔ حالانکہ یہ جائز نہیں ہے جواب یہ ہے کہ یہ مستثنیٰ ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے وما ارسلنک لشئی من الا شیاء الا لتبليغ الناس کافة وما ارسلناک للخلق مطلقاً الا للناس کافة.

یقولون ۔ یہ بطور استہزاء اور تمسخر یہ کے کہنا مراد ہے۔

ربط: ....شروع سورت میں توحید کا بیان تھا۔آیت قل ادعوا الذین سے پھر اسی مضمون کا اعادہ ہے۔نیز قوم سبا کی ناسپاسی کا ذکر ہوا تھا اور کفران نعمت سے بڑھ کر کفر اور کیا ہو سکتا ہے۔پس اب کفر کی تردید بھی مقصود ہے۔

روایات: ....حضرت ابو ہریرہؓ ارشاد نبوی نقل کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ جب کوئی فیصلہ صادر کرتے ہیں تو فرشتے اپنے باز و تسلیم و انقیاد کے لئے جھکا دیا کرتے ہیں اور پھر جب انہیں اس حالت سے افاقہ ہوتا ہے تو آپس میں پوچھتے ہیں۔ماذا قال ربکم؟ دوسرے فرشتے جواب دیتے ہیں "الحق" یعنی فرمان خداوندی برحق ہے۔صحیح روایات کی وجہ سے یہی تفسیر احسن ہے۔اسی سے فرشتوں کا شفاعت کا اہل ہونا معلوم ہوتا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ....ردِ شرک و دعوت توحید: ....آیت قل ادعوا الذین میں یہ بتلا دیا کہ ایجاد عالم سے لے کر روزانہ کے تصرفات تک کسی چیز میں بھی ذرہ برابر لوگوں کے خیالی معبودوں کو اختیار نہیں ہے۔شرک کی جتنی قسمیں بھی عام طور پر پھیلی ہوئی ہیں، سب کی تردید آیت میں آ گئی۔مشرکین کو خطاب ہے کہ اللہ کے سوا جن چیزوں پر تم کو خدائی گمان ہے، ذرا کسی آڑے وقت میں ان کو پکارو تو سہی۔دیکھیں وہ کیا کام آ سکتے ہیں؟ وہ خود تو کسی کے کام کیا کرتے، اللہ تعالیٰ سے کچھ سفارش کر کے کام کرانے کی بھی مجال نہیں رکھتے۔ جمادات میں تو خیر کیا اہلیت ہوتی۔شیاطین بھی جو اللہ کے یہاں اپنی مقبولیت کھو چکے ہیں، زبان ہلانے کی مجال نہیں۔حتیٰ کہ فرشتوں جیسی مقبول مخلوق بھی بلا اجازت مجال دم زدن نہیں رکھتی۔فرشتوں کا حال سمع و طاعت میں تو یہاں تک ہے کہ حکم الٰہی کے آثار نزول دیکھتے ہی گھبرا اٹھتے ہیں اور تھرتھراتے ہوئے محو تسبیح اور وقف سجود ہو جاتے ہیں۔ان کے مجمع میں ہلچل سی مچ جاتی ہے اور غایت احتیاط کی وجہ سے اپنے حفظ و فہم پر اعتماد نہ کرتے ہوئے گھبرا گھبرا کر ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں اور پھر ایک دوسرے کی تسکین و تقویت کے لئے کہہ اٹھتے ہیں کہ جو ارشاد ہوا برحق ہے۔جس مخلوق کی یہ حالت ہو وہ ابتداءً بلا اذن بولنے کی کیا جرأت کر سکتی

ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس تفسیر کے علاوہ دوسری تفسیروں کو کمتر قرار دیا ہے۔

جب خالق ورازق ایک تو پھر معبود کئی کیوں؟ .... یہ تو مسئلہ شفاعت تھا، جس کی نسبت عام قومیں گمراہی میں پھنسی ہوئی ہیں۔ اب شرک وتوحید جیسے بنیادی مسئلہ کو لے لیا جائے۔ منکرین کے نزدیک بھی جب عالم میں روزی رساں صرف اللہ کی ذات ہے، پھرالوہیت میں اس کی یکتائی کیوں نہیں مانتے۔ اس میں دوئی کہاں سے آ گئی؟ حدیث قدسی ہے۔ انی والانس والجن فی بناء عظیم اخلق ویعبد غیری وارزق ویشکر غیری. (طبرانی) توحیداور شرک دونوں کو صحیح ماننے کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ارتفاع نقیضین کو مستلزم ہے۔ پس دونوں فریقوں میں سے ایک فریق سچا اور دوسرا جھوٹا ہے۔ اس لئے سوچ سمجھ کر سچی بات قبول کر لیتے چاہئے۔ بات کی پیچ اور ضد چھوڑ دینی چاہئے۔ اس میں ان لوگوں کا جواب بھی ہوگیا جو کہتے ہیں میاں ہمیشہ سے دوفرقے چلے آئے ہیں، اس لئے جھگڑا کیا ضرور ہے؟ یہاں بتلا دیا کہ یقیناً ایک خطا کار وگمراہ ہے، البتہ تعیین کے ساتھ گمراہ نہ کہنے میں حکیمانہ روش اور دعوت وقبولیت کا ایک بہترین اسلوب ہے، تاکہ مقابل ایک دم اشتعال میں نہ آ جائے، بلکہ ٹھنڈے دل سے بات سننے اور غور کرنے کے لئے آمادہ ہو جائے۔ یعنی لو ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے، اتنا ضرور ہے کہ ایک یقیناً غلطی پر ہے۔ لیکن دلائل میں غور کر کے خود ہی فیصلہ کرلو کہ کون غلطی پر ہے؟

اسی کے ساتھ ہم میں سے ہر ایک کو اپنی عاقبت کی فکر لازمی ہے۔ کوئی بھی دوسرے کی غلطی یا قصور کا ذمہ دار یا جوابدہ نہ ہوگا۔ اتنی صاف اور واضح بات سننے کے بعد بھی اگر تم اپنی روش پر غور کے لئے تیار نہیں ہو تو ہمارا کام اتنا ہی تھا کہ کلمۂ حق پہنچادیں۔ اب آگے خود تمہارا کام رہ گیا ہے۔

قیامت میں اللہ کی حضور سب کی پیشی: .... یاد رکھو اللہ کے حضور بلا استثناء سب کی پیشی ہونی ہے اور سب کو اپنی اپنی جوابدہی کرنی ہے۔ مگر اس وقت اصلاح کا موقعہ کھو چکے ہوں گے۔ آخر ذرا ہم بھی تو دیکھیں وہ خدا کے کون سے ساجھی ہیں اور ان کے کیا کچھ اختیارات ہیں۔ کیا یہ پتھر کی بے جان اور خود تراشیدہ مورتیاں ہیں؟ یا وہ خیالی معبود جن کی کوئی نمود و بود بھی کبھی نہیں ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ تمہیں اللہ اکیلے کے سوا کوئی نہیں دکھلائی دے گا۔ وہی طاقت کا خزانہ اور اختیارات کا سرچشمہ ہے۔ اس توحید کا درس عام دینے کے لئے ہی آپ کو دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ اب کوئی نہ سمجھے نہ مانے تو وہ جانے۔ سمجھداروں سے اگر چہ مان لینے ہی کی امید ہے، مگر وہ دنیا میں ہیں ہی کتنے؟ ہاں قیامت اور عذاب کا مذاق اڑانے کے لئے ضرور لوگ پیش پیش رہتے ہیں۔ ان سے کہہ دو گھبراؤ نہیں، وہ وعدہ اور وہ وقت بہت قریب ہے، اس کی فکر نہ کرو، فکر اس کی تیاری کی کرو۔

لطائف سلوک: .... حتی اذا فزع عن قلوبھم. اس میں اشارہ ہے کہ کبھی ہیبت بھی سمجھنے سے مانع ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ انسان کبھی معذور کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ جیسے بعض اہل حال ہو جاتے ہیں۔

انا او ایاکم. اس میں مخالف مجادل کے ساتھ ملاطفت اور نرمی کا مستحسن ہونا معلوم ہوا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ **لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ** اَيْ تَقَدَّمَهُ كَالتَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ الدَّالَّيْنِ عَلَى الْبَعْثِ لِاِنْكَارِهِمْ لَهُ قَالَ تَعَالٰى فِيْهِمْ **وَلَوْ تَرٰٓى** يَامُحَمَّدُ **اِذِ الظّٰلِمُوْنَ** الْكَافِرُوْنَ **مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ الْقَوْلَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا** الْاَتْبَاعُ **لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا** الرُّؤَسَاءِ **لَوْلَآ اَنْتُمْ** صَدَدْتُمُوْنَا عَنِ الْاِيْمَانِ **لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ** ﴿۳۱﴾ بِالنَّبِيِّ **قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ لَا بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ** ﴿۳۲﴾ فِيْ اَنْفُسِكُمْ **وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ** اَيْ مَكْرٌ فِيْهِمَا مِنْكُمْ بِنَا **اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا** شُرَكَاءَ **وَاَسَرُّوا** اَيِ الْفَرِيْقَانِ **النَّدَامَةَ** عَلٰى تَرْكِ الْاِيْمَانِ **لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ** اَيْ اَخْفَاهَا كُلٌّ عَنْ رَفِيْقِهِ مَخَافَةَ التَّعْيِيْرِ **وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** فِي النَّارِ **هَلْ** مَا **يُجْزَوْنَ اِلَّا** جَزَاءَ **مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۳۳﴾ فِي الدُّنْيَا **وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ** رُؤَسَاءُهَا الْمُتَنَعِّمُوْنَ **اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ** ﴿۳۴﴾ **وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا** مِمَّنْ اٰمَنَ **وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ** ﴿۳۵﴾ **قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ** يُوَسِّعُهُ **لِمَنْ يَّشَآءُ** اِمْتِحَانًا **وَيَقْدِرُ** يُضَيِّقُهُ لِمَنْ يَّشَاءُ اِبْتِلَاءً **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ **لَا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۳۶﴾ ذٰلِكَ **وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى** قُرْبٰى اَيْ تَقْرِيْبًا **اِلَّا** لٰكِنْ **مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا** اَيْ جَزَاءُ الْعَمَلِ الْحَسَنَةِ مَثَلًا بِعَشْرٍ فَاَكْثَرَ **وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ** مِنَ الْجَنَّةِ **اٰمِنُوْنَ** ﴿۳۷﴾ مِنَ الْمَوْتِ وَغَيْرِهٖ وَفِيْ قِرَاءَةٍ الْغُرْفَةُ وَهِيَ بِمَعْنَى الْجَمْعِ **وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا** الْقُرْاٰنِ بِالْاِبْطَالِ **مُعٰجِزِيْنَ** لَنَا مُقَدِّرِيْنَ عَجْزَنَا وَاَنَّهُمْ يَفُوْتُوْنَنَا **اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ** ﴿۳۸﴾ **قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ** يُوَسِّعُهُ **لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ** اِمْتِحَانًا **وَيَقْدِرُ** يُضَيِّقُهُ **لَهٗ** بَعْدَ الْبَسْطِ اَوْ لِمَنْ يَّشَاءُ اِبْتِلَاءً **وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ** فِي الْخَيْرِ **فَهُوَ يُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ** ﴿۳۹﴾ يُقَالُ كُلُّ اِنْسَانٍ يَرْزُقُ عَائِلَتَهٗ اَيْ مِنْ رِزْقِ اللّٰهِ **وَ** اذْكُرْ **يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا** الْمُشْرِكِيْنَ **ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الْاُوْلٰى يَاءً وَاِسْقَاطِهَا **كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ** ﴿۴۰﴾ **قَالُوْا سُبْحٰنَكَ** تَنْزِيْهًا لَكَ عَنِ الشَّرِيْكِ **اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ** اَيْ لَامُوَالَاةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ مِنْ جِهَتِنَا **بَلْ** لِلْاِنْتِقَالِ **كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ** الشَّيَاطِيْنَ اَيْ يُطِيْعُوْنَهُمْ فِيْ عِبَادَتِهِمْ اِيَّانَا **اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ** ﴿۴۱﴾ مُصَدِّقُوْنَ فِيْمَا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ قَالَ تَعَالٰى **فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ**

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ اَیْ بَعْضُ الْمَعْبُوْدِیْنَ لِبَعْضِ الْعَابِدِیْنَ **نَّفْعًا** شَفَاعَةً **وَّلَاضَرًّا** ط تَعْذِیْبًا **وَنَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا** كَفَرُوْا **ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ** ﴿۴۲﴾ **وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰیٰتُنَا** مِنَ الْقُرْاٰنِ **بَيِّنٰتٍ** وَاضِحَاتٍ بِلِسَانِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ **قَالُوْا مَاهٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ** ج مِنَ الْاَصْنَامِ **وَقَالُوْا مَاهٰذَآ** اَیِ الْقُرْاٰنُ **اِلَّآ اِفْكٌ** كِذْبٌ **مُّفْتَرًى** ط عَلَى اللّٰهِ **وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ** الْقُرْاٰنِ **لَمَّا جَآءَهُمْ** لا **اِنْ مَاهٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ** ﴿۴۳﴾ بَيِّنٌ قَالَ تَعَالٰى **وَمَا اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ** ﴿۴۴﴾ فَمِنْ اَيْنَ كَذَّبُوْكَ **وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** لا **وَمَا بَلَغُوْا** اَیْ هٰؤُلَاءِ **مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ** مِنَ الْقُوَّةِ وَطُوْلِ الْعُمْرِ وَكَثْرَةِ الْمَالِ **فَكَذَّبُوْا رُسُلِیْ** قف اِلَيْهِمْ **فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ** ﴿۴۵﴾ ع اِنْكَارِیْ عَلَيْهِمْ بِالْعُقُوْبَةِ وَالْاِهْلَاكِ اَیْ هُوَ وَاقِعٌ مَوْقِعَهٗ

ترجمہ: .... اور (مکہ کے) یہ کافر کہتے ہیں، ہم نہ اس قرآن کو مانیں اور نہ اس سے پہلی کتابوں کو (جو مقدم ہیں جیسی توارات وانجیل جن سے قیامت کا ہونا ثابت ہے۔ کیونکہ یہ لوگ قیامت کو مانتے ہی نہیں۔ ایسے لوگوں کی نسبت ارشاد باری ہے) اور کاش آپ (اے محمد ﷺ) اس وقت کی حالت دیکھیں جب یہ ظالم (کافر) اپنے پروردگار کے روبرو کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے پر بات ٹال رہا ہوگا۔ ادنیٰ درجہ کے لوگ (نوکر چاکر) بڑے لوگوں (آقاؤں) سے کہہ رہے ہوں گے۔ اگر تم نہ ہوتے (ہمیں ایمان سے باز نہ رکھتے) تو ہم ضرور (پیغمبر پر) ایمان لے آئے ہوتے۔ یہ بڑے لوگ ان ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روک دیا تھا۔ اس کے بعد کہ وہ تمہیں پہنچ چکی تھی؟ (نہیں) بلکہ تم ہی (اپنے نزدیک) قصوروار رہے ہو اور کم درجہ کے لوگ بڑے لوگوں سے پھر کہیں گے کہ نہیں، بلکہ تمہاری ہی رات دن کی تدبیروں (یعنی ہمارے بارے میں تمہاری رات دن کی سازشوں) نے روکا تھا۔ جب تم ہمیں آمادہ کرتے رہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر اختیار کریں اور اس کے ساجھی (شریک) تجویز کریں اور وہ لوگ (دونوں فریق) اپنی (ایمان نہ لانے کی) پشیمانی کو چھپائیں گے۔ جبکہ عذاب دیکھ لیں گے (یعنی ہر ایک اپنے فریق سے عار کے ڈر سے چھپائے گا) اور ہم کافروں کی گردن میں طوق ڈالیں گے (جہنم کے اندر) نہیں بھر پایا۔ مگر جیسا (دنیا میں) بھر پایا اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرسنانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں (عیش پسند امیروں) نے یہی کہا کہ ہم تو ان احکام کے منکر ہیں۔ جن کو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے اور یہ بھی کہا کہ ہم تو مال واولاد میں (ایمانداروں سے) زیادہ ہیں اور ہم کو کبھی عذاب نہ ہوگا۔ آپ کہئے کہ میرا پروردگار کشادہ (زیادہ) روزی دیتا ہے، جس کے لئے چاہتا ہے (آزمائشی طور پر) اور کم دیتا ہے (تنگی کر دیتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے آزمائش کے لئے) لیکن اکثر لوگ (کفار مکہ) واقف نہیں (اس سے) تمہارے اموال واولاد ایسی چیزیں نہیں جو تم کو کسی درجہ میں ہمارا مقرب بنادے (نزدیک کردے) مگر ہاں (لا بمعنی لکن) جو کوئی ایمان لائے اور نیک عمل کرے سو ایسے لوگوں کے لئے ان کے عمل کا کہیں بڑھا ہوا صلہ (یعنی نیکی کا بدلہ دس گنا اور اس سے بھی زیادہ) اور یہ (جنت کے) بالاخانوں میں چین سے بیٹھے ہوں گے (موت وغیرہ کے خطرہ سے، ایک قرأت میں غرفۃ بمعنی جمع ہے) اور جو لوگ ہماری آیتوں کے متعلق (قرآن کے باطل کرنے کی) کوشش کر رہے ہیں ہرانے کے لئے (ہمیں ہمارا عاجز ہونا فرض کر کے اور یہ کہ ہم سے بچ نکلیں گے) ایسے ہی لوگ عذاب میں لائے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار اپنے بندوں سے فراخ (کشادہ) روزی دیتا ہے (آزمائش کی خاطر) اور کم (تنگ) کر دیتا

ہے اس کے لئے (کشائش کے بعد، یا جس کے لئے چاہے آزمائش کے لئے) اور جو کچھ بھی تم (نیک کام میں) خرچ کرو گے۔سو وہ اس کا عوض عطا کرے گا اور وہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے (بولا جاتا ہے کہ ہر انسان اپنے عیال کو روزی دیتا ہے، یعنی اللہ کے رزق میں سے) اور (یاد کیجئے) جب اللہ ان سب (مشرکین) کو جمع کرے گا۔ پھر فرشتوں سے ارشاد فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری ہی (دونوں ہمزہ کی تحقیق کرتے ہوئے اور پہلی ہمزہ کو یا سے بدل کر پھر یا کو حذف کر کے) عبادت کرتے رہے ہیں؟ وہ عرض کریں گے پاک ہے تو (شریک سے تیرے لئے پاکی ہے) ہمارا تعلق تو صرف آپ سے ہے نہ کہ ان سے (یعنی ہمارے اور ان کے درمیان ہماری طرف سے کوئی وابستگی نہیں ہے) اصل یہ ہے (بل انتقال کے لئے ہے) کہ یہ لوگ جنات کی پوجا کرتے تھے (شیاطین کی یعنی ہماری پرستش کرنے میں ان کا کہا مانتے تھے) ان میں سے اکثر انہی کے معتقد بھی تھے (جو وہ کہتے تھے یہ اس کو مان لیتے تھے۔ ارشاد باری ہے) سو آج تم میں سے کوئی اختیار نہیں رکھتا ایک دوسرے کو (یعنی بعض معبود بعض عابدوں کو) نہ نفع پہنچانے (شفاعت کرنے) کا اور نہ نقصان پہنچانے (عذاب دینے) کا اور ہم ظالموں (کافروں) سے کہیں گے کہ اب چکھو مزہ دوزخ کی آگ کا جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور جب ان کے سامنے ہماری (قرآن کی) آیتیں صاف صاف (پیغمبر کی زبانی کھلی کھلی (پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص کا تو بس منشاء اتنا ہے کہ تم کو ان چیزوں سے باز رکھے۔ جن (بتوں) کی پرستش تمہارے بڑے کرتے چلے آئے ہیں اور کہتے ہیں یہ (قرآن) محض (اللہ پر) ایک تراشا ہوا افتراء (جھوٹ) ہے اور کافر حق (قرآن) کے بارے میں جب وہ ان کے پاس پہنچا۔ کہتے ہیں کہ یہ تو بس ایک کھلا ہوا جادو ہے (ارشاد باری ہے) اور ہم نے انہیں نہ کتابیں دی تھیں، جنہیں وہ پڑھتے پڑھاتے رہے ہوں اور نہ آپ سے پہلے ہم نے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا بھیجا تھا (پھر کیسے آپ کو جھٹلا رہے ہیں) اور ان سے پہلے جو لوگ ہوئے ہیں، انہوں نے بھی تکذیب کی تھی اور یہ (کافر) تو دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے۔ جو کچھ ہم نے ان پہلوں کو دیا تھا (قوت، درازی عمر، مال کی کثرت) غرض انہوں نے میرے پیغمبروں کی (جو ان کے پاس بھیجے گئے تھے) تکذیب کی، سو میرا عذاب ہوا؟ (ان پر سزا اور تباہی یعنی ٹھیک موقعہ سے ہوئی)۔

تحقیق وترکیب:............ ولو تریٰ. یہ لوتمنائیہ ہے، اس کا جواب مقدر ہے۔ ای رایت امرا عظیما. یرجع حال ہے اور یقول مستانفہ ہے۔

وقال الذین. چونکہ نچلے درجہ کے سابقہ کلام ہی کا تتمہ ہے۔ اس لئے اسی پر جوڑنے کے لئے واؤ عاطفہ لایا گیا، برخلاف متکبرین کے ان کا کلام ابتداءً ہی ادنیٰ لوگوں کے کلام کا جواب ہوگا۔ اس لئے عاطفہ کی ضرورت نہیں رہی۔

بل مکر الیل. یعنی ہمارا قصور نہیں بلکہ تمہارا قصور ہے۔ یہ اضراب سے اضراب ہوگیا اور مکر کی اضافت ظرف کی طرف توسعا ہے۔ مفعول بہ کے قائم مقام کرتے ہوئے گویا یہ دن رات ممکور ہیں یا ظرف کو فاعل کے قائم مقام کہا جائے۔ یعنی ماکرین بہر دو صورت مجاز عقلی ہے۔

اسروا. یہ اضداد میں سے ہے۔ یعنی اظہار واخفاء کے معنی ہیں۔ ہمزہ اثبات وسلب کے لئے آتا ہے۔ جیسے اشکیتہ.

بالتی. اموال واولاد کا مجموع مراد لینے سے تانیث صحیح ہو جائے گی یا موصوف محذوف کی صفت ہے ای الخصلة.

عندنا زلفی. مصدر ہے تقربکم کی وجہ سے منصوب ہے۔ جیسے انبتکم من الارض نباتا. زلفی زلفة. قربی قربة مرادف ہے۔ اور اخفشؒ زلفی کو مصدر کہتے ہیں۔ ای بالتی تقربکم عندنا تقریباً.

الا من امن. اس میں کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ استثناء منقطع ہو اور منصوب المحل ہو۔ دوسرے یہ کہ امو الکم کی ضمیر

سے بدل ہوکر محل جر میں ہو۔ جیسا کہ زجاجؒ کی رائے ہے۔ تیسرے یہ کہ مبتداء کی وجہ سے محل رفع میں ہواور اولئک الخ خبر ہو۔

امنین. موت، بیماری، بڑھاپے، افلاس کال جیسی تمام آفتوں سے امن رہے گا۔

الغرفة. الف لام جنس کی وجہ سے معنی جمع ہوجائے گا۔

قل ان ربی. بعض حضرات نے تو اس کو ماقبل قل ان ربی الخ کی تاکید کہا ہے اور بعض نے پہلی آیت کو متعدد اشخاص پر محمول کہا ہے کہ ایک کو امیر اور دوسرے کو غریب بنادے اور اس آیت کو شخص واحد کی دو حالتوں پر محمول کیا ہے کہ کبھی امیر اور کبھی غریب ہوجاتا ہے۔ مفسرؒ علام نے بھی تفسیری عبارت میں ان دونوں صورتوں کی طرف اشارہ کردیا ہے یا پہلی آیت کفار پر اور ایک آیت مومنین پر محمول کرلی جائے۔

ویقدرلہ. ضمیر لہ من یشاء کی طرف قید بسط کے ساتھ یا بلا قید بسط راجع ہوکر دو تفسیریں ہوجائیں گی۔ اور تفسیر میں ابتلاء یقدر کی علت ہے۔

الرازقین. حقیقی رازق اللہ واحد ہے، لیکن جمع کا صیغہ صورۃً رازق ہونے کی اعتبار سے ہے۔ رازق کا لفظ اگرچہ مشترک ہے مگر رازق اللہ کے ساتھ خاص ہے، دوسرے کے لئے استعمال جائز نہیں ہے۔

یوم یحشرھم. اذکر مقدر کا معمول ہے یا بعد میں آنے والی قالوا کا معمول ہے۔

التی کنتم. اس میں موصول مضاف الیہ کی صفت ہے اور سورۂ سجدہ کی آیت عذاب النار الذی کنتم الخ میں مضاف کی صفت ہے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ وہاں عذاب میں مبتلا اور گرفتار ہیں۔ لہٰذا عذاب کی صفت لائی گئی اور یہاں ابھی عذاب میں داخل نہیں ہوئے بلکہ آگ کو دیکھا ہی ہے، اس لئے نار کی صفت لانا مناسب ہوا۔

یعبدون الجن. مفسر علامؒ کی تفسیر کا حاصل تو یہ ہے کہ فرشتوں کی پرستش شیطان کے بہکانے سے کرتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جنات وشیاطین خود کو ان کے سامنے فرشتے ظاہر کرکے پرستش کراتے تھے۔ چنانچہ قبیلہ خزاعہ کے لوگ جنات کو فرشتے اور خدا کی بیٹیاں خیال کرتے تھے۔

اکثرھم. آیت میں اکثر کفار کا یہ شیوہ بتلایا ہے، حالانکہ تمام کفار کا یہی شیوہ تھا۔ اس کی ایک توجیہ تو یہ ہے کہ فرشتوں کو ایسا ہی معلوم ہوگا۔ انہوں نے اپنے خیال کے مطابق یہ کہا ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ ایمان کا تعلق قلب سے ہے۔ ممکن ہے سب کے دل میں یہ اعتقاد نہ ہو۔ اس لئے فرشتوں نے احتیاط کا پہلو اختیار کیا اور سب پر الزام نہیں لگایا۔ برخلاف عبادت اور پرستش کے، وہ ایک ظاہری عمل ہے۔ اس میں سب مبتلا تھے۔

یعبد اباء کم. نفسیاتی لحاظ سے نفرت بڑھانے کے لئے اپنی بجائے باپ دادا کی طرف نسبت کی ہے تاکہ غیظ زیادہ ہوجائے۔

افک مفتری. افک مرادف کذب اور عام ہے اور افتری کذب خاص، یعنی دانستہ جھوٹ کو کہتے ہیں۔ پس دوسرا لفظ تاکید نہیں بلکہ تاسیس ہے۔

معشار. بمعنی عشر ہے جیسے مرباع بمعنی ربع آتا ہے۔ اور واحدیؒ یہ کہتے ہیں کہ معشار، عشیر، عشر تینوں کے معنی دسویں کے ہیں۔ دس کے نہیں۔ یعنی یہ الفاظ عشر کا جزء ہیں۔ اگر فکذبوا رسلی کا عطف کذب الذین پر کیا جائے تو مابلغوا الخ جملہ معترضہ ہوجائے گا۔

فکیف کان نکیر. یعنی یہ عذاب نہایت برمحل ہے، ظلم وجور اور ناانصافی نہیں ہے۔

ربط:............ آیت ویقولون متی ھذا الوعد سے قیامت کا تذکرہ چل رہا ہے۔ وقال الذین کفروا سے منکرین کے احوال

قیامت کا سلسلہ ہے اور پھر آیت "وما ارسلنا فی قریة" سے منکرین کے اس خیال کی تغلیط ہے کہ دنیا کی خوشحالی دلیل اس کی ہے کہ آخرت میں بھی عذاب نہیں ہوگا۔ اس میں حضور ﷺ کی تسلی بھی ضمناً نکل رہی ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی قل ان ربی یبسط الخ سے چل رہی ہے۔ جس میں مسلمانوں کی اصلاح پیش نظر ہے کہ کہیں وہ کفار کی طرح خوشحالی کو دلیل مقبولیت اور تنگی کو مردودیت کا معیار نہ سمجھ بیٹھیں۔ کیونکہ رزق کی کمی بیشی محض مشیت الٰہی پر موقوف ہے۔ اس کو مقصود اصلی نہ سمجھیں بلکہ رضائے الٰہی اور قرب کا ذریعہ اور وسیلہ سمجھیں۔ آیت و اذا تتلی علیھم الخ میں پھر مسئلہ رسالت پر کلام کیا گیا ہے۔

﴿تشریح﴾: .... منکرین کو آسمانی کتابیں جنجال معلوم ہوتی ہیں: .... وقال الذین کفروا یعنی قرآن ہو یا تورات وانجیل سب آسمانی کتابیں دراصل انہیں جنجال نظر آتی ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ سب میں ایک ہی بات حساب کتاب و قیامت کی رٹ لگی ہوئی ہے۔ اس لئے ہم کسی طرح بھی اس انوکھی بات کو اپنے حلق سے نہیں اتار سکتے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ آخرت میں پہنچ کر جب انہیں ناکامیوں کا سامنا ہوگا تو اس وقت ایک دوسرے پر ڈالنے کی کوشش کریں گے اور ایک دوسرے کو مورد الزام گردانیں گے اور پچھتائیں گے کہ کاش ہم دنیا میں پیغمبروں کا کہا مان لیتے تو آج یہ دن دیکھنا نہ پڑتا، جن لوگوں کے بھروسہ پر دنیا میں ہم نے غلط کام کئے تھے، اب وہی الٹا ہمارا قصور بتلا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے صرف تمہیں کہا ہی تھا مجبور تو نہیں کیا تھا۔ تم نے ہمارا کہنا کیوں مانا۔ اب خود تم اپنے کئے کے ذمہ دار ہو۔ جس کے جواب میں نیچ لوگ کہیں گے کہ بلاشبہ تم نے ہمیں مجبور نہیں کیا، مگر اس انداز میں بہلایا پھسلایا اور مکر وفریب، ترغیب وترہیب سے کام لیا کہ ہم چکمہ میں آ گئے، اس لئے دراصل تم ہی ذمہ دار ہو۔

غرضیکہ جب ہولناک عذاب الٰہی سامنے آئے گا تو سب پچھتائیں گے۔ ہر ایک محسوس کرلے گا کہ واقعی قصوروار اور مجرم میں ہوں، لیکن مارے شرم کے ایک دوسرے پر ظاہر نہیں کریں گے اور ان پر کھل جائے گا کہ دنیا میں جو عمل کئے تھے آج وہ سزا کی صورت میں سامنے آ رہے ہیں۔ اپنی کرنی کو بھرنا پڑ رہا ہے۔

دنیاداروں اور دینداروں کے نقطۂ نظر کا فرق: .... آیت وما ارسلنا الخ میں آنحضرت ﷺ کے لئے تسلی ہے کہ آپ رؤسائے مکہ کی سازشوں اور سرکشیوں سے ملول نہ ہوئیے۔ ہر زمانہ میں بدبخت رئیسوں کا یہی ریکارڈ رہا ہے کہ انہوں نے اپنی دولت ورعونت کے نشہ میں چور ہو کر ہمیشہ خدائی رہبروں کا معارضہ کیا ہے۔ اقتدار طلبی اور جاہ پسندی انسان کو اندھا بہرا بنا دیتی ہے۔ وہ حق کی آواز سننا گوارا نہیں کرسکتے، حق کا بول بالا دیکھنا نہیں چاہتے۔ برخلاف غرباء اور مساکین کے وہ اس نخوت سے خالی ہوتے ہیں۔ اس لئے حق اور اہل حق کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ دنیادار تو دنیا ہی کو نشان مقبولیت ومحبوبیت سمجھتے ہیں اور اس سے حرمان کو دلیل مردودیت گردانتے ہیں۔ حالانکہ کتنے شریر و بدمعاش ملحد ودہریئے ہیں جو خدا کی زمین پر دندناتے پھرتے ہیں اور کتنے خدا پرست، نیک سیرت، پرہیزگار ہیں جو جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ رزق کی فراوانی اور روزی کی تنگی کا تعلق محض حکمت الٰہیہ اور مشیت خداوندی سے ہے:

ومن الدلیل علی القضاء وحکمه

بؤس اللبیب وطیب عیش الاحمق

بہرحال مال و دولت کی کثرت نہ قرب الٰہی کی علامت ہے اور نہ اس کا سبب، بلکہ کافر و فاسق کے لئے سبب بعد بن جاتا ہے۔

البتہ مومن دولت کو صحیح مصرف میں خرچ کر کے قربت حاصل کر سکتا ہے۔

غرضیکہ اللہ کے یہاں ایمان وعمل کی پوچھ ہے نہ کہ مال واولاد کی۔اس لئے ایمانداروں، نیکوکاروں کی بے حد قدر ومنزلت ہوگی او رجو بد بخت اللہ ورسول کو ہرانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، وہ سب عذاب میں ادھر گھسیٹے جائیں گے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کمی نہیں، برکت ہوتی ہے:.......... قل ان ربی سے مسلمانوں کو سنایا جارہا ہے کہ انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے وقت تنگی وافلاس سے ڈرنا نہیں چاہئے۔اس سے رزق تنگ نہیں ہوتا جو مقدر ہے وہ پہنچ کر رہتا ہے بلکہ دیکھا جائے تو خیر میں خرچ کرنے سے برکت ہوتی ہے۔ دنیا ہی میں کبھی اس کا صلہ عوض کی صورت میں اور کبھی غنائے قلبی اور قناعت پسندی کی شکل میں نصیب ہوتا ہے اور آخرت میں بہترین بدلہ یقینی ہے۔ بہر حال اللہ کے ہاں کیا کمی ہے۔انفق یا بلال ولا تخش من ذی العرش اقلالا اور جس طرح دنیا میں لوگوں کے حالات متفاوت ہیں۔اسی طرح آخرت میں بھی فرق مراتب یقینی ہے مگر معیار ہر جگہ الگ الگ ہوگا۔

بت پرستی کی ابتداء:.......... ویوم یحشرھم. صنم پرستی کی ابتداء دراصل ملائکہ پرستی ہی سے ہوتی ہے۔ بہت سے مشرکین فرشتوں کے فرضی ہیکل بنا بنا کر ان کی پرستش کرتے تھے اور انہیں خدا کی بیٹیاں گردانتے تھے۔''عمرو بن لحی'' یہ بدترین رسم شام سے لے کر حجاز آیا۔

قیامت میں فرشتوں سے سوال ہوگیا کہ کیا یہ لوگ تمہیں پوجتے تھے؟ یا تم نے ان سے ایسا کرنے کو نہیں کہا۔ یا تم ان کے کئے پر راضی تو نہیں ہو؟ مگر فرشتے یہ سن کر کانوں پر ہاتھ دھریں گے اور عرض کریں گے کہ خدا کی پناہ! ہمارا تو ان باتوں سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ ہم تو ان کے غلام فرمانبردار ہیں۔ فی الحقیقت ہمارا نام لے کر شیطان نے انہیں گمراہ کیا تھا تو اصل پرستش تو یہ شیطان کی کرتے ہیں۔ اس کے بعد جھوٹے معبودوں اور ان کے پجاریوں کے تعلق کا تانا بانا ٹوٹ پھوٹ جائے گا، سب خیالات سراسر سراب ثابت ہوں گے۔

قرآن اور صاحب قرآن کی شان میں گستاخی:.......... واذا تتلٰی علیھم. یعنی حضور ﷺ کی نسبت ان کے واہی خیالات کو دیکھو۔ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہمارے، باپ دادوں کا بنا ہوا جال توڑ پھوڑ کر اپنے جال میں پھنسنا چاہتے ہیں اور چند عجائب و غرائب دکھلا کر لوگوں کو فریب کا شکار کر رہے ہیں۔ باپ کو بیٹے سے، میاں کو بیوی سے جدا کر دیا گیا ہے۔ اس غیر معمولی تاثیر کو دیکھتے ہوئے یہی کہنا پڑتا ہے کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔ جس کی کوئی کاٹ نہیں ہے۔ حالانکہ نہ ان کے پاس اس سے پہلے کوئی نبی آیا اور نہ آسمانی کتاب کہ جس کی وجہ سے سمجھا جائے کہ ان کی شناخت معتبر ہے اور ان کی رائے وزنی ہے۔ انہیں پیاسوں کی طرح اس آب زلال کی قدر ومنزلت کرنی چاہئے تھی۔ خاص طور پر جبکہ انہیں اس کا اشتیاق وانتظار بھی تھا۔ انہیں تو نبی کو ہاتھوں ہاتھ لینا چاہئے تھے اور ان کی تعلیم وتربیت کو سروں پر رکھنا چاہئے تھا۔ کیا کسی کتاب یا نبی نے ان کو ایسا کرنے سے منع کر دیا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہ لوگ بھی پچھلے تکذیب کرنے والوں کے ڈگر ہی پر چل رہے ہیں۔ حالانکہ ان کی لمبی عمریں اور طویل ڈیل ڈول بھی عذاب الٰہی سے انہیں بچا نہ سکے تو پھر یہ کس شمار قطار میں ہیں۔''اس برتے پر یہ تتاپانی۔''

لطائف سلوک: .... بل کانوا یعبدون الجن. یہاں جنات سے مراد شیاطین ہیں کہ وہ ان کی اطاعت کرتے ہیں جو ایک درجہ میں ان کی پرستش ہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان بعض اوقات ایک کام کرتا ہے، مگر حاصل اس کا دوسرا عمل نکلتا ہے۔ جس کا وہ ارادہ بھی نہیں کئے ہوئے ہوتا۔ تاہم اس پر حکم دوسرے ہی عمل کا مرتب ہوتا ہے۔ مشائخ وصوفیاء اس ضابطہ سے اکثر کلام کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً مرید نے کسی موقعہ پر اپنی رائے پر عمل کرلیا تو شیخ کہہ دیتا ہے کہ تم چاہتے ہو میں تمہارا تابع بنوں تم میرے تابع نہ بنو۔

اذا تتلیٰ علیهم اٰیاتنا. یہی حال منکرین اولیاء کا ہے کہ وہ دوسروں کو بھی ان کے ساتھ اعتقاد رکھنے اور ان کی پیروی کرنے سے باز رکھتے ہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ هِيَ **اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ** اَيْ لِاَجْلِهِ **مَثْنٰى** اَيْ اِثْنَيْنِ اِثْنَيْنِ **وَفُرَادٰى** اَيْ وَاحِدًا وَاحِدًا **ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا** ۗ فَتَعْلَمُوْا **مَا بِصَاحِبِكُمْ** مُحَمَّدٍ **مِّنْ جِنَّةٍ** ۭ جُنُوْنٍ **اِنْ** مَا **هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ** اَيْ قَبْلَ **عَذَابٍ شَدِيْدٍ** ﴿۴۶﴾ فِي الْاٰخِرَةِ اِنْ عَصَيْتُمُوْهُ **قُلْ** لَهُمْ **مَا سَاَلْتُكُمْ** عَلَى الْاِنْذَارِ وَالتَّبْلِيْغِ **مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ** ۭ اَيْ لَآ اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا **اِنْ اَجْرِيَ** مَا ثَوَابِيَ **اِلَّا عَلَى اللّٰهِ** ۚ **وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ** ﴿۴۷﴾ مُطَّلِعٌ يَعْلَمُ صِدْقِيْ **قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ** ۚ يُلْقِيْهِ اِلٰى اَنْبِيَائِهِ **عَلَّامُ الْغُيُوْبِ** ﴿۴۸﴾ مَا غَابَ عَنْ خَلْقِهِ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ **قُلْ جَآءَ الْحَقُّ** الْاِسْلَامُ **وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ** الْكُفْرُ **وَمَا يُعِيْدُ** ﴿۴۹﴾ اَيْ لَمْ يَبْقَ لَهُ اَثَرٌ **قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ** عَنِ الْحَقِّ **فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ** ۚ اَيْ اِثْمُ ضَلَالِيْ عَلَيْهَا **وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ** ۭ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَالْحِكْمَةِ **اِنَّهٗ سَمِيْعٌ** لِلدُّعَاءِ **قَرِيْبٌ** ﴿۵۰﴾ **وَلَوْ تَرٰٓى** يَا مُحَمَّدُ **اِذْ فَزِعُوْا** عِنْدَ الْبَعْثِ لَرَاَيْتَ اَمْرًا عَظِيْمًا **فَلَا فَوْتَ** لَهُمْ مِنَّا اَيْ لَا يَفُوْتُوْنَنَا **وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ** ﴿۵۱﴾ اَيِ الْقُبُوْرِ **وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ** ۚ اَيْ بِمُحَمَّدٍ اَوِ الْقُرْاٰنِ **وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ** بِالْوَاوِ وَبِالْهَمْزَةِ بَدْلَهَا اَيْ تَنَاوُلَ الْاِيْمَانِ **مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ** ﴿۵۲﴾ عَنْ مَحَلِّهِ اِذْهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَمَحَلُّهُ الدُّنْيَا **وَقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ** ۚ فِي الدُّنْيَا **وَيَقْذِفُوْنَ** يَرْمُوْنَ **بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ** ﴿۵۳﴾ اَيْ بِمَا غَابَ عِلْمُهُ عَنْهُمْ غَيْبَةً بَعِيْدَةً حَيْثُ قَالُوْا فِي النَّبِيِّ سَاحِرٌ شَاعِرٌ كَاهِنٌ وَفِي الْقُرْاٰنِ سِحْرٌ شِعْرٌ كَهَانَةٌ **وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ** مِنَ الْاِيْمَانِ اَيْ قَبُوْلِهٖ **كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ** اَشْبَاهِهِمْ فِي الْكُفْرِ **مِّنْ قَبْلُ** ۭ اَيْ قَبْلَهُمْ **اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ** ﴿۵۴﴾ مُوْقِعٍ الرِّيْبَةَ لَهُمْ فِيْمَا اٰمَنُوْا بِهِ الْاٰنَ وَلَمْ يَعْتَدُّوْا بِدَلَائِلِهٖ فِي الدُّنْيَا

ع ۵ / ۱۲

ترجمہ: .... آپ یہ کہئے کہ میں تم کو ایک بات سمجھاتا ہوں (وہ یہ) کہ تم اللہ کے واسطے کھڑے ہو جاؤ (یعنی اس کی وجہ سے) دو دو (یعنی مثنیٰ اثنین کے معنی میں ہے) اور ایک ایک (یعنی فرادے، بمعنی واحد واحد ہے) پھر سوچو (تاکہ تمہیں یقین ہو جائے) کہ تمہارے ان صاحب (محمد ﷺ) کو جنون (دیوانگی) نہیں ہے، یہ تو تم کو بس ایک ڈرانے والے ہیں، پہلے سے عذاب شدید کے متعلق

(جو آخرت میں ہوگا اگر تم نے اللہ کی نافرمانی کی) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ میں نے تم سے (ڈرانے اور تبلیغ کرنے پر) معاوضہ مانگا ہوتو وہ تمہارا ہی رہا (یعنی میں تم سے بدلہ کا طلب گار نہیں ہوں) میرا معاوضہ (ثواب) تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے اور وہی ہر چیز پر پوری اطلاع رکھنے والا ہے (میری سچائی کو خوب جانتا ہے) آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار حق کو نازل کرتا ہے (اپنے نبیوں کو القاء کرتا ہے) جو غیوب جاننے والا ہے (آسمان وزمین میں جو کچھ چھپا ہے) آپ کہہ دیجئے کہ حق (اسلام) آ گیا اور باطل (کفر) نہ کرنے کا رہا اور نہ دھرنے کا (یعنی اس کا کچھ بھی نشان نہیں رہا) آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں (حق سے) گمراہ ہوگیا تو میری گمراہی کا وبال مجھ ہی پر رہے گا (یعنی میری گمراہی کا گناہ خود مجھ پر ہوگا) اور اگر ہدایت پر ہوں تو یہ اس وحی کی بدولت ہے جو (قرآن وحکمت) میرا پروردگار مجھ پر نازل کرتا رہتا ہے، بلاشبہ وہ (دعا کا) بہت سننے والا، بہت نزدیک ہے اور کاش آپ (اے محمد ﷺ) اس وقت کو دیکھتے، جب یہ گھبرائے پھریں گے (قیامت کے روز، تو بڑا ہولناک منظر آپ کو نظر آئے گا) پھر بھاگ نہ سکیں گے (یعنی ہم سے چھوٹ کر بچ نہ سکیں گے) اور پاس کے پاس (قبروں سے ہی) پکڑ لئے جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم ایمان لے آئے (محمد ﷺ پر یا قرآن پر) اور ان کے ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے (تناوش واؤ کے ساتھ اور ہمزہ کی ساتھ بجائے واؤ کے ہے۔ یعنی ایمان کا ہاتھ لگنا) اتنی دور جگہ سے (ایمان کے موقعہ سے کیونکہ یہ لوگ تو آخرت میں ہوں گے اور ایمان لانے کا محل دنیا ہے) حالانکہ یہ لوگ پہلے سے (دنیا میں) اس کا انکار کرتے رہے اور بے تحقیق باتیں دور دور ہی سے ہکا (بکا) کرتے تھے (یعنی ان کا علم ان سے بہت دور ہے۔ چنانچہ نبی کے بارے میں ساحر، شاعر، کاہن کہتے ہیں اور قرآن کے متعلق سحر، شعر، کہانت کہتے ہیں) اور ان میں ان کی آرزوؤں میں (ایمان یعنی اس کے مقبول ہونے سے متعلق) ایک آڑ کردی جائے گی۔ جیسا کہ ان کے ہم مشربوں کے ساتھ یہی کیا جائے گا (جو کفر میں انکے شریک ہیں) جو (ان سے) پہلے ہوگزرے ہیں۔ یہ سب بڑے شک میں پڑے ہوئے تھے۔ جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا تھا (جس بات کو اب ماننا چاہتے ہیں ان کا یقین ہی نہیں تھا اور دنیا میں اس کے دلائل کو خاطر ہی میں نہیں لانا چاہتے تھے)۔

تحقیق وترکیب: .... **بواحدة ای بخصلة واحدة.** یہ بدل ہے ان تقوموا سے یا بیان ہے یا مبتدائے محذوف کی خبر ہے۔ای ان تقوموا من مجلس النبی. واحدة کی تصریح کرنے میں مخاطبین کے لئے تسہیل کرنا ہے۔ مفسر علامؒ نے ھی سے ان تقوموا کے مبتداء مقدر کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ تاویلی مصدر ہے اور یہاں حقیقی قیام مراد نہیں، بلکہ مجازی معنی صرف ہمت اور توجہ کے ہیں۔

ثم تتفکروا. تفسیری عبارت میں اشارہ اس طرف ہے کہ فکر سے مجازاً علم یا عمل مراد ہے۔

مابصاحبکم. ما نافیہ ہے یا استفہامیہ ہے یا کلام مستانف ہے نظر عبرت کرنے کے لئے تنبیہ کرنا ہے اور حضور کو صاحب کہتے ہیں۔اشارہ اس طرف ہے کہ آپ کے احوال میں متعارف ہیں۔

قل ما سألتکم. پانچ بار لفظ قل لانے میں ہر بات کے مستقلاً مہتم بالشان ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ ما شرطیہ ہے اور مفعول مقدم ہے اور فھو لکم جواب ہے اور ما موصولہ بھی ہوسکتا ہے۔ مبتداء کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔ عائد محذوف ہے فھو لکم خبر ہے اور اس پر فلانا موصول کے مشابہ شرط ہونے کی وجہ سے ہے۔ بہر دو صورت معنی یہ ہوں گے کہ آپ نے معاوضہ بالکل طلب نہیں کیا۔ جیسے کہا جائے۔ان اعطیتنی شیئا فخذوہ. ایک ایسے شخص سے جس نے کچھ نہ دیا ہو۔ چنانچہ ان اجری الخ اسی معنی کا قرینہ ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ بالکلیہ سوال کا انکار مقصد نہیں ہے بلکہ جس سوال کے نفع کا تعلق آپ کی ذات سے ہو اس کی نفی کرتی ہے۔ البتہ جس سوال میں خود مخاطبین کا فائدہ ہو اس کی نفی نہیں ہے، بلکہ دوسری آیات میں اس کا اثبات ہے۔ مثلاً آیت لااسئلکم علیہ.

اجرا الا من شاء ان یتخذ الی ربہ سبیلا. لااسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ اوردونوں باتوں کا نفع ظاہر ہے کہ مخاطبین ہی کو پہنچتا ہے۔

علام الغیوب. ان کی خبر ثانی ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے یا یقذف کی ضمیر سے بدل ہے۔

ما یبداء ما نافیہ مراد بالکلیہ مٹ جانا ہے۔ کیونکہ ابتداء اور اعادہ دونوں زندوں کی خصوصیات میں سے ہیں، جیسے کہا جائے۔ فلان لایاکل ولا یشرب. یعنی فلاں مرگیا ہے اور قتادہؒ، سدیؒ، مقاتلؒ کی رائے ہے کہ باطل سے شیطان مراد ہے۔ یعنی شیطان مبدء ہے اور نہ معید۔ بلکہ صرف اللہ کی یہ شان ہے یا یہ مطلب ہے کہ شیطان اپنے ماننے والوں کو دارین میں نفع نہیں پہنچ سکتا۔

ان ضللت. باب ضرب سے یا علم سے ہے۔ ان میں مخاطبین پر تعریض ہے اور اس عنوان میں تلطف ہے تاکہ مخاطب مشتعل نہ ہو جائے۔ جیسے مالکم لاتعبدو ن کی بجائے مالی لااعبد دوسری آیت میں ہے۔

وان اھتدیت. پہلے جملہ کی طرح تقابل کا تقاضہ یہ ہے کہ فانما اھتدی لنفسی کہنا چاہئے تھا۔ لیکن مقتضی ادب کی رعایت کرتے ہوئے اللہ کی طرف نسبت کردی گئی ہے۔ اس طرح دونوں میں معنی تقابل ہو گیا اور آیت میں خطاب اگرچہ حضور ﷺ کو ہے، مگر مراد عام ہے۔ گویا اشارہ اس طرف ہے کہ آپ کو جب مکلّف بنایا گیا ہے تو دوسرے بدرجہ اولیٰ مخاطب ہیں۔

ولو تریٰ. اس کا مفعول محذوف ہے۔ ای لو تری حالھم وقت فزعھم اور اذ بھی مفعول ہو سکتا ہے۔ ای لو تریٰ وقت فزعھم اور رویت کی اسناد وقت کی طرف مجاز ہے ورنہ لوگوں کی طرف ہونی چاہئے تھی۔ مفسر علامؒ نے قیامت کا وقت مراد لیا ہے یا غزوۂ بدر کے موقعہ پر مسلمانوں کے ہاتھوں جو کچھ کفار کا حشر ہوا وہ مراد ہے اور بعض نے پیشگوئی پر محمول کیا ہے کہ آخر زمانہ میں کوئی قوم ان کی سرکوبی کرے گی۔

من مکان قریب. بقول ابن کثیرؒ بمعنی ابل ولبلہ نہ چھوٹنے کی تاکید کے لئے ہے۔ کیونکہ چھوٹ جانا دور چلے جانے پر ہوا کرتا ہے اور بقول روح المعانی سرعۃ عذاب اور ان کی تباہی کا ناقابل التفات ہونا مراد ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے لئے قرب وبعد یکساں ہے۔

لھم التناؤش. لھم التناؤش مبتداء ہے اور انی خبر ہے۔ ای کیف لھم التناوش ولھم حال۔ ناش نیوش بمعنی تناول۔

من مکان بعید. ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ انھم یسألون الردو لیس بحین رد. روح المعانی میں ہے کہ یہ تمثیل ہے ایمان کے ذریعہ چھٹکارہ پانے کی حالت کی۔ جب کہ ایمان فوت ہو چکا۔ کسی چیز کے دور نکل جانے کے بعد اسے حاصل کرنے کی ناکام کوشش کرنے سے۔

ویقذفون. اس کا عطف قد کفروا پر ہے۔ حکایت ماضی کے طور پر ای ویرمون النبی صلی اللہ علیہ وسلم بما یعلمون. یہ رائے مجاہدؒ کی ہے اور بقول قتادہؒ اٹکل پچو قیامت وغیرہ کا انکار مراد ہے۔

مکان بعید. یہاں دوسری جگہ تمثیل ہے علم حق سے دور ہونے والے ایسے شخص کے ساتھ جو مطلوب سے دور نکل گیا۔ یہ لفظ غیب کی تاکید کے لئے مفسر نے ماغاب سے اشارہ کیا ہے کہ من مکان بعید ظرف متعلق غیب کی صفت ہے، دوسرے مفسرینؒ اس کو یقذفون کا صلہ کہتے ہیں۔ ای یرمون میں جانب بعید۔

مایشتھون. حسنؒ کے نزدیک قبول ایمان مراد ہے اور بقول مجاہدؒ مال واولاد ہے۔

باشیاعھم. من قبل متعلق ہے فعل کے یا باشیاعھم کے ای الذین شایعوھم قبل ذالک الحین اور من قبل کو بحر میں صرف اشیاعھم کے متعلق قرار دیا ہے کیونکہ سب کے ساتھ ایک ہی وقت کارروائی ہوگی۔

ربط:.........اوپر کی آیت میں پیغمبروں کو جھٹلانے کا بیان تھا۔ آیت قل انما اعظکم الخ میں پیغمبروں کی تصدیق کا گر بتلاتے ہیں اور وہ ایک معیار ہے، کسی کے جھوٹ سچ پر کھنے کا۔ یعنی جو شخص قرآن کے بے مثل ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس میں غور وفکر کرو کہ ایسی جرأت کا اقدام دو ہی آدمی کر سکتے ہیں۔ ایک وہ جس کا دماغ بالکل ہی جواب دے چکا ہو اور اسے جھوٹا ثابت ہو جانے پر اپنی رسوائی کا بھی کچھ احساس نہ ہو۔ دوسرے وہ شخص جسے آفتاب نصف النہار کی طرح اپنی سچائی اور حقانیت کا یقین ہو اور اعتماد کی چٹان پر کھڑا ہو اسے جھوٹا ہو جانے کا وسوسہ تک نہ ہو۔ اس معیار سے حضور ﷺ کو پرکھ کر دیکھو۔ اس کی صداقت کی تصویر کیسی صاف نظر آتی ہے۔

اس کے بعد آیت قل ماسألتکم الخ میں اس شبہ کا جواب ہے کہ آپ یہ سب کچھ اپنے اقتدار کی خاطر نہیں کر رہے، جیسا کہ مخالفین کے فاسد خیالات سے معلوم ہو رہا ہے۔ ریاست اور حاکمیت تو دور کی بات ہے، آپ تو کسی سے ایک پیسہ کے بھی روادار نہیں۔ آپ کی سرتاسر توجہ انعامات الٰہیہ کی طرف ہے۔ اس طرح اثبات نبوت کے بعد آپ حق کے غلبہ اور ناحق کے پست ہو کر رہنے کا اعلان فرما دیجئے اور یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ خود حق لانے والا، حق کے خلاف گمراہی کی راہ اختیار کر کے سب سے بڑا خسارہ کیسے مول لے سکتا ہے؟ پھر آیت ولو تریٰ الخ سے ان کی دوامی سزا اور حسرت کا ذکر ہے جو ان اصولوں کے منکر ہیں جن کا اس سورت میں بیان ہوا۔

شان نزول:.........آیت قل ان ضللت الخ کا شان نزول یہ ہے کہ کفار مکہ نے حضور ﷺ پر اعتراض کیا تم اپنے آباء و اجداد کے طریقہ کو چھوڑ کر گمراہ ہو گئے ہو۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، جس کا حاصل یہ ہے کہ بقول تمہارے اس وجہ سے اگر میں گمراہ ہوں تو اس کا وبال ونقصان تو خود مجھ ہی کو ہوگا۔ تمہیں اس کی فکر کیوں ہے؟ تمہیں تو فکر خود اپنے نفع ونقصان کا ہونا چاہئے۔ حالانکہ اس فکر سے تمہارے دل ودماغ قطعاً خالی ہیں۔

﴿ تشریح ﴾:.....حقانیت قرآن کی دلیل امتناعی:.........آیت قل انما اعظکم الخ میں تصدیق نبوت کا ایک معیار "برہان امتناعی" بیان کیا جا رہا ہے کہ تم اپنی خواہشات ومزعومات سے تھوڑی دیر کے لئے الگ تھلگ ہو کر اور نفسانیت نکال کر محض للہ فی اللہ غور کرو کہ تم میں سے ہی ایک شخص جو قرآن کے بے مثل ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے ایسا دعویٰ دو ہی قسم کے آدمی کر سکتے ہیں۔ ایک وہ جو عقل سے بالکل کورا ہو اور انجام کی قطعاً اسے پروانہ ہو کہ اگر یہ دعویٰ غلط نکلا تو میری کرکری اور رسوائی ہوگی اور دوسرے وہ شخص اتنا بڑا دعویٰ کر سکتا ہے جو واقعی سچا نبی اور خدا کا فرستادہ ہو۔ جسے اپنی صداقت اور سچائی پر پورا اطمینان واعتماد ہو اور اسے ذرہ برابر بھی اپنے اس دعویٰ کے غلط ہونے کا شبہ نہ ہو۔ ورنہ نبی نہ ہونے کی صورت میں کوئی بھی دانشمند اس قسم کا ادعا کرتے ہوئے ہچکچائے گا کہ کہیں میری رسوائی کا سامان نہ ہو جائے۔ اگر کوئی اس کلام کا مثل بنا لایا تو مری کیا رہ جائے گی۔

بہرحال ان دونوں مسئلوں میں غور کرو اور غور وفکر عموماً کبھی تنہائی اور یکسوئی میں مفید ہوتا ہے اور کبھی ایک آدھ ہم مذاق کے ساتھ مل کر نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔ برخلاف مجمع عامہ کے کہ اکثر اس میں قوت فکر یہ منتشر اور پراگندہ ہو جاتی ہے۔ اس لئے "مثنیٰ و فرادیٰ" فرمایا گیا۔

حضور ﷺ کا چالیس سالہ تابناک دور:.........غرضیکہ تعصب وعناد اور نفسانیت چھوڑ کر خلوص نیت کے ساتھ اللہ کے نام پر کھڑے ہو جاؤ۔ خواہ تنہائی میں سوچو یا باہمی رل مل کر مشورہ کرلو کہ محمد ﷺ چالیس سال سے زیادہ تمہاری نظروں کے سامنے

رہے۔ بچپن اور جوانی کا ایک ایک لمحہ تمہارے سامنے گزرا، اس کی امانت، دیانت، صداقت کو تم نے پوری طرح پرکھا۔ کہیں کسی معاملہ میں تمہیں انگلی رکھنے کی جگہ نہیں ملی۔ پس کیا ایسے شخص کے بارے میں تم باور کر سکتے ہو کہ العیاذ باللہ وہ باؤلا ہو سکتا ہے کہ خواہ مخواہ اس نے سب کو اپنا دشمن بنالیا۔ کیا کوئی دیوانہ ایسی عقل و دانش اور علم و حکمت کی باتیں پیش کر سکتا ہے؟

یہ کام دیوانوں کا نہیں، بلکہ یہ کمالات ان اولوالعزم پیغمبروں کے ہوتے ہیں، جنہیں شریر دیوانے ہمیشہ دیوانہ کہتے اور سمجھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کے منزل من اللہ ہونے پر دلائل برہانیہ بھی قائم ہیں۔ جیسی اعجاز قرآنی وغیرہ۔ اس لئے یہاں صرف برہان اقناعی میں صرف تنبیہ کافی ہوتی ہے۔ اس سے تدریجی طور پر ذہن نظر وفکر کا عادی بھی ہو جائے گا اور حصول مقصد دونوں طریقوں سے ہو جائے گا۔

سیاست واقتدار مقصود نہیں وسیلہ ہے: .... آیت ماھٰذا الا رجل الخ سے جو آپ کے حصول اقتدار کا اعتراض کفار نے کیا تھا۔ اس کا جواب اگر چہ اثبات نبوت سے ہو جاتا ہے۔ تاہم مستقلاً بھی اس سے تعرض کیا جارہا ہے کہ **قل ماسالتکم من اجر** یعنی میں تم سے کسی صلہ کا طلبگار نہیں۔ اس میں مال و جاہ سب آ گئے۔ کیونکہ اعیان واعراض دونوں میں صلہ بننے کی صلاحیت ہے۔ تم اپنے صلہ اپنے پاس ہی رکھو، میرا صلہ تو اللہ کی پاس ہے۔ ہاں تم سے تمہارے ہی نفع کی خاطر ایمان واسلام کا ہی طالب ہوں۔ اس سے زائد میری کوئی غرض نہیں ہے۔ رہ گئے اصلاح معاملات اور فصل مقدمات، سیاسی، انتظامی سوان کا منشاء بھی تمہاری ہی بہترائی ہے۔ جیسے اپنے بچوں کی تادیب محض خیر خواہی کے مد میں کرتا ہے۔ کچھ اس میں خود غرضی نہیں ہوتی۔

اس لئے کان کھول کر سن لو کہ اللہ حق کو غالب کر رہا ہے۔ خواہ حجت سے، خواہ طاقت سے، اللہ کی وحی اتر رہی ہے، دین کی بارش ہو رہی ہے، موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دو، اس سے فائدہ اٹھاؤ، اللہ جب حق کو باطل کے سر مار رہا ہے، پھر باطل کے ٹھہرنے کا کیا سوال؟ جھوٹ کے پاؤں کہاں جو حق کے سامنے ٹک سکے۔ وہ تو اب نہ کرنے کا نہ دھرنے کا۔ فتح مکہ کے دن یہی آیت آپ کی زبان مبارک پر تھی۔ حق کے مٹ جانے کا یہ مطلب نہیں کہ اب کبھی باطل پرستوں کی شوکت نہیں ہوگی بلکہ منشاء یہ ہے کہ حق انے سے پہلے جس طرح باطل پر کبھی حق ہونے کا گمان ہو جایا کرتا تھا اب اس لحاظ سے اس کی یہ کیفیت مٹ مٹا گئی اور اسکا بطلان خوب کھل گیا اور ہمیشہ کے لئے پردہ اٹھ گیا۔

آپ ان سے یہ بھی سنا دیجئے کہ اگر میں نے یہ ڈھونگ خود کھڑا کیا ہے تو کتنے روز رہے گا۔ اس میں بھی تو خود میرا نقصان ہے۔ دنیا بھر کی لڑائی الگ اور آخرت کی رسوائی الگ۔ لیکن اگر میں سیدھے راستے پر ہوں اور واقعہ بھی یہی ہے تو یہ سب اللہ کی وحی وہدایت سے ہے، وہ اپنے پیغام کو دنیا میں چمکائے گا۔ تم مانو یا نہ مانو۔ یہاں تم جتنی چاہو ڈینگیں مارلو۔ مگر تمہارا برا وقت ہی آرہا ہے۔ اس وقت تمہیں پکڑنے کے لئے کہیں دور جانا نہیں پڑے گا۔ نہایت آسانی سے گرفتار ہو جاؤ گے۔ اس وقت بول اٹھو گے کہ ہمیں پیغمبروں کی باتوں پر یقین آ گیا۔ اس لئے جھک مار کر ماننا ہے اس کا کیا اعتبار! اس وقت دنیا میں تو کسی طرح مان کر نہیں دیا۔ اٹکل کے تیر ہی مارتے رہے۔ اب پچھتائے تو کیا۔ اب تو ان کی خواہشات اور ان کے درمیان ایک آڑ کھڑی کر دی گئی ہے۔ اسی قماش کے لوگ پہلے بھی گزر چکے ہیں۔ ان کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا، ان سے بھی وہی سلوک ہوا۔ وہ لوگ بھی اسی طرح کے اوہام و خدشات میں گھرے رہے ہیں۔ جن سے انہیں کبھی چین نصیب نہ ہوا۔ یہاں شک سے مراد عام ہے۔ جس میں جحود وانکار بھی داخل ہے اور اس تعبیر میں نکتہ

یہ ہے کہ جب حق میں شک کرنا بھی مہلک ہے تو جحود وانکار بدرجہ اولیٰ تباہ کن ہوگا اور لفظ ریب میں بھی اسی نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب حق میں تردد اور دل کا ڈانو ڈول ہونا مضر ہے تو خلاف حق پر جم جانا بدرجہ اولیٰ ضرر رساں ہوگا۔ یا کہا جائے کہ حق جب بار بار اہل باطل کے کان میں پہنچتا ہے تو کچھ نہ کچھ احتمال مخالف جانب کا بھی اکثر ہو ہی جاتا ہے۔ مگر چونکہ حق جزم کے درجہ میں نہیں پہنچا۔ اس لئے باطل کا اتنا اکھڑ جانا بھی مقبول نہیں ہوا۔

ایک آیت فارجعنا الخ میں کفار کے قول سے ان کا مقصود صرف رجوع الی الدنیا معلوم ہوتا ہے اور یہاں وقالوا امنا به الخ سے قبولیت توبہ وایمان کا مقصود ہونا معلوم ہوتا ہے۔ پس دونوں مقصدوں میں منافات ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ قبولیت توبہ کے مقصد میں تعمیم ہے، خواہ دنیا میں رجوع ہو یا نہ ہو۔ پس اب دونوں میں منافات نہیں رہی، بلکہ دونوں جگہ پر مقصود اصلی قبولیت ایمان اور نجات ہے۔ البتہ دنیا میں لوٹنا اس کا ایک طریقہ ہے، وہ مقصود نہیں، بلکہ اگر قبولیت ایمان کسی اور ذریعہ سے حاصل ہو جائے تو پھر رجوع دنیا کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

سُوْرَةُ فَاطِرٍ

سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ اَوْسِتٌّ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمِدَ تَعَالٰى نَفْسَهٗ بِذٰلِكَ كَمَا بُيِّنَ فِيْ اَوَّلِ سَبَا **فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** خَالِقُهُمَا عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ **جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا** اِلَى الْاَنْبِيَاءِ **اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ** فِي الْمَلٰٓئِكَةِ وَغَيْرِهَا **مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱﴾ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ** كَرِزْقٍ وَمَطَرٍ **فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ** مِنْ ذٰلِكَ **فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ** اَيْ بَعْدَ اِمْسَاكِهٖ **وَهُوَ الْعَزِيْزُ** الْغَالِبُ عَلٰى اَمْرِهٖ **الْحَكِيْمُ ﴿۲﴾** فِيْ فِعْلِهٖ **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ** اَيْ اَهْلَ مَكَّةَ **اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ** بِاِسْكَانِكُمُ الْحَرَمَ وَمَنْعِ الْغَارَاتِ عَنْكُمْ **هَلْ مِنْ خَالِقٍ** مِنْ زَائِدَةٍ وَّخَالِقٌ مُبْتَدَأٌ **غَيْرُ اللّٰهِ** بِالرَّفْعِ وَالْجَرِّ نَعْتٌ لِخَالِقٍ لَفْظًا وَمَحَلًّا وَخَبَرُ الْمُبْتَدَأِ **يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ** الْمَطَرِ **وَمِنَ الْاَرْضِ ؕ** النَّبَاتِ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ اَيْ لَا خَالِقَ رَازِقَ غَيْرُهٗ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳﴾** مِنْ اَيْنَ تُصْرَفُوْنَ عَنْ تَوْحِيْدِهٖ مَعَ اِقْرَارِكُمْ بِاَنَّهُ الْخَالِقُ الرَّازِقُ **وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ** يَا مُحَمَّدُ فِيْ مَجِيْئِكَ بِالتَّوْحِيْدِ وَالْبَعْثِ وَالْحِسَابِ وَالْعِقَابِ **فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ** فِيْ ذٰلِكَ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرُوْا **وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴﴾** فِي الْاٰخِرَةِ فَيُجَازِي الْمُكَذِّبِيْنَ وَيَنْصُرُ الْمُرْسَلِيْنَ **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بِالْبَعْثِ وَغَيْرِهٖ **حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۥ وقفه** عَنِ الْاِيْمَانِ بِذٰلِكَ **وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ** فِيْ حِلْمِهٖ وَاِمْهَالِهٖ **الْغَرُوْرُ ﴿۵﴾** الشَّيْطَانُ **اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ** بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَلَا تُطِيْعُوْهُ **اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ** اَتْبَاعَهٗ فِي الْكُفْرِ **لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۶﴾** النَّارِ الشَّدِيْدَةِ **اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۬ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۷﴾** فَهٰذَا بَيَانُ مَا لِمُوَافِقِي الشَّيْطَانِ وَمَا لِمُخَالِفِيْهِ ع۱ ۱۳

وَنَزَلَ فِی اَبِیْ جَهْلٍ وَغَیْرِہٖ اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ بِالتَّمْوِیْهِ فَرَاٰهُ حَسَنًا مِنْ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ كَمَنْ هَدَاهُ اللّٰهُ لَادَلَّ عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ عَلَى الْمُزَیَّنِ لَهُمْ حَسَرٰتٍ بِاِغْتِمَامِكَ اَنْ لَّا یُؤْمِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ﴿۸﴾ فَیُجَازِیْهِمْ عَلَیْهِ وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ وَفِیْ قِرَاءَةٍ الرِّیْحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا اَلْمُضَارِعُ لِحِكَایَةِ الْحَالِ الْمَاضِیَةِ اَیْ تُزْعِجُهٗ فَسُقْنٰهُ فِیْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَیْبَةِ اِلٰى بَلَدٍ مَّیِّتٍ بِالتَّشْدِیْدِ وَالتَّخْفِیْفِ لَانَبَاتَ بِهَا فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ مِنَ الْبَلَدِ بَعْدَ مَوْتِهَا یُبْسِهَا اَیْ اَنْبَتْنَابِهِ الزَّرْعَ وَالْكَلَاءِ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ﴿۹﴾ اَیِ الْبَعْثُ وَالْاِحْیَاءُ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِیْعًا اَیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ فَلَا تَنَالُ مِنْهُ اِلَّا بِطَاعَتِهٖ فَلْیُطِعْهُ اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ یَعْلَمُهٗ وَهُوَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَنَحْوُهَا وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ یَقْبَلُهٗ وَالَّذِیْنَ یَمْكُرُوْنَ الْمَكَرَاتِ السَّیِّاٰتِ بِالنَّبِیِّ فِیْ دَارِ النَّدْوَةِ مِنْ تَقْیِیْدِهٖ اَوْقَتْلِهٖ اَوْ اِخْرَاجِهٖ كَمَا ذُكِرَ فِی الْاَنْفَالِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ یَبُوْرُ ﴿۱۰﴾ یَهْلِكُ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ بِخَلْقِ اَبِیْكُمْ اٰدَمَ مِنْهُ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ اَیْ مَنِیٍّ بِخَلْقِ ذُرِّیَّتِهٖ مِنْهَا ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ذُكُوْرًاوَاِنَاثًا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ حَالٌ اَیْ مَعْلُوْمَةٍ لَّهٗ وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ اَیْ مَا یُزَادُ فِیْ عُمُرِ طَوِیْلِ الْعُمُرِ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اَیْ مِنْ ذٰلِكَ الْمُعَمَّرِ اَوْمُعَمَّرٍ اٰخَرَ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴿۱۱﴾ هَیِّنٌ وَمَا یَسْتَوِی الْبَحْرٰنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ شَدِیْدُ الْعُذُوْبَةِ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ شُرْبُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ شَدِیْدُ الْمُلُوْحَةِ وَمِنْ كُلٍّ مِنْهُمَا تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِیًّا هُوَالسَّمَكُ وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ مِنَ الْمِلْحِ وَقِیْلَ مِنْهُمَا حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا هِیَ اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ وَتَرَى تَبْصُرُ الْفُلْكَ السُّفُنَ فِیْهِ فِیْ كُلٍّ مِّنْهُمَا مَوَاخِرَ تَمْخُرُ الْمَاءُ اَیْ تَشُقُّهٗ بِجَرْیِهَا فِیْهِ مُقْبِلَةً وَمُدْبِرَةً بِرِیْحٍ وَاحِدَةٍ لِتَبْتَغُوْا تَطْلُبُوْا مِنْ فَضْلِهٖ تَعَالٰى بِالتِّجَارَةِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَللّٰهَ عَلٰى ذٰلِكَ یُوْلِجُ یُدْخِلُ اللّٰهُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ فَیَزِیْدُ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ یُدْخِلُهٗ فِی الَّیْلِ فَیَزِیْدُ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ مِنْهُمَا یَّجْرِیْ فِیْ فَلَكِهٖ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اَیْ غَیْرِہٖ وَهُمُ الْاَصْنَامُ مَا یَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ ﴿۱۳﴾ لِفَافَةِ النَّوَاةِ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا فَرْضًا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ مَا اَجَابُوْكُمْ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ بِاِشْرَاكِكُمْ اِیَّاهُمْ مَعَ اللّٰهِ اَیْ یَتَبَرَّءُوْنَ مِنْكُمْ مِنْ عِبَادَتِكُمْ اِیَّاهُمْ وَلَا یُنَبِّئُكَ بِاَحْوَالِ الدَّارَیْنِ مِثْلُ خَبِیْرٍ ﴿۱۴﴾ عَالِمٍ وَهُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى

ترجمہ: ....سورۂ فاطر مکیہ ہے جس میں ۴۵ یا ۴۶ آیات ہیں۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. ساری تعریف اللہ ہی کے لئے۔ (اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف خود کی ہے سورۂ سبا کے شروع میں اس کی وجہ گزر چکی ہے) جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (بغیر نمونہ کے بنانے والا) فرشتوں کو (پیغمبروں کے لئے) پیغام رساں بنانے والا ہے جو دو دو، تین تین، چار چار پردار بازو رکھتے ہیں۔ وہ (فرشتوں وغیرہ کی) پیدائش میں جو چاہے زیادہ کر سکتا ہے۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ جو رحمت (جیسے رزق، بارش) لوگوں کے لئے کھول دے۔ سو اس کو اس سے کوئی باز نہیں رکھ سکتا۔ اور جو کچھ اللہ روک لے (اس میں سے) اس کو کوئی جاری کرنے والا نہیں ہے۔ اس (روک دینے) کے بعد اور وہی (اپنے معاملہ میں) غلبہ والا (اپنے کام میں) حکمت والا ہے (مکہ کے) لوگو! اللہ کے احسانات اپنے اوپر یاد کرو (تمہیں حرم شریف میں سکونت بخش کر اور لوٹ مار سے مامون کر کے) کیا کوئی خالق ہے (من زائد اور خالق مبتداء ہے) اللہ کے سوا (لفظ غیر رفع اور جر کے ساتھ بلحاظ لفظ اور بلحاظ محل خالق کی صفت ہے اور مبتداء کی خبر آگے ہے) جو تمہیں آسمان سے (بارش کی صورت میں) اور زمین سے (پیداوار کی صورت میں) روزی پہنچاتا ہو (اس میں استفہام تقریر کے لئے ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی خالق رازق نہیں ہے) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ سو تم کہاں الٹے چلے جا رہے ہو (اس کی توحید سے کیسے پھرے جا رہے ہو۔ جبکہ تمہیں اس کے خالق رازق ہونے کا اقرار ہے) اور یہ لوگ اگر آپ کو جھٹلا رہے ہیں (اے محمد ﷺ) آپ کے پیغام توحید، بعث، حساب، عذاب کے بارے میں) تو آپ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر جھٹلائے جا چکے ہیں (انہی باتوں کی نسبت) لہٰذا (آپ بھی انہی کی طرح صبر کیجئے) یہ سب معاملات اللہ ہی کے روبرو پیش کئے جائیں گے (قیامت میں، چنانچہ جھٹلانے والوں کو سزا ہوگی اور پیغمبروں کی کامیابی) لوگو! اللہ کا وعدہ (دربارۂ قیامت وغیرہ) سچا ہے، ایسا نہ ہو کہ دنیا کی زندگانی تمہیں (ان پر ایمان کے متعلق) دھوکہ میں ڈال دے اور نہ تم کو اللہ (کے حلم اور مہلت دینے) سے وہ بڑا فریبیا (شیطان) دھوکہ میں ڈال دے۔ بلاشبہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے سو اس کو دشمن ہی سمجھتے رہو (اللہ کی فرمانبرداری رکھو اس کی پیروی نہ کرو) وہ تو (کفر کی طرف) اپنے پیروکاروں کو اس لئے بلاتا ہے کہ وہ لوگ دوزخیوں میں سے ہو جائیں (جہاں دہکتی آگ ہوگی) جو لوگ کافر ہو گئے، ان کے لئے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے (یہ بیان ہے شیطان کے موافقین ومخالفین کے انجاموں کا۔ آئندہ آیت ابوجہل وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے) سو کیا ایسا شخص جسے اس کا عمل بد (ملمع کر کے) خوشنما بنا کر بتلایا گیا اور وہ اس کو اچھا سمجھنے لگا (من مبتداء ہے اس کی خبر کمن ھداہ اللہ ہے۔ یعنی اللہ نے جس کو ہدایت دی ہو اس کے برابر ہو سکتا ہے، ہرگز نہیں، جیسا کہ اگلی عبارت اس پر دلالت کر رہی ہے) سو اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے، اس طرح کہیں آپ کی جان جاتی نہ رہے ان (فریب خوردہ لوگوں) پر افسوس کر کے (آپ کے اس غم کی وجہ سے کہ یہ ایمان کیوں نہیں لائے) اللہ تعالیٰ کو ان سب کرتوتوں کی خبر ہے (لہٰذا وہ ان کو اس کا بدلہ دے گا) اور وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے (ایک قرأت میں ریح ہے) پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہے (لفظ تثیر مضارع ہے حکایت حال ماضیہ کے لئے یعنی ہوا بادلوں کو ہنکاتی ہے) پھر ہم کھینچ لے جاتے ہیں، بادلوں کو (اس میں غائب سے متکلم کی طرف التفات ہے) خشک خطہ زمین کی طرف (لفظ میت تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے جس زمین میں سرسبزی نہ ہو) پھر ہم اس کے ذریعہ سے زمین (کے خشک خطہ) کو ہرا بھرا کر دیتے ہیں، اس کے ناکارہ ہو جانے کے بعد (سوکھ جانے پر یعنی اس میں سبزی گھاس اگا دیتے ہیں) اسی طرح جی اٹھنا ہوگا (قبروں سے جی اٹھنا) جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے تو تمامتر عذاب اللہ ہی کے لئے ہے (دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، سو وہ اس کی اطاعت سے ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس لئے اسے اللہ کی فرمانبرداری کرنی چاہئے) اچھی باتیں اسی تک پہنچتی ہے (لا الٰہ الا اللہ جیسے کلمات کو وہی جانتا ہے) اور نیک کام ان باتوں کو اونچا کر دیتا ہے (مقبول بنا دیتا ہے) اور جو لوگ بری بری تدبیریں (مکاریاں) کر رہے ہیں (پیغمبر کے متعلق دارالندوہ میں آپ کو گرفتار کرنے، قتل کرنے،

جلاوطن کر ڈالنے کی نسبت جیسا کہ سورۂ انفال میں گزر چکا ہے) انہیں سخت عذاب ہوگا اور ان لوگوں کا یہ مکر نیست و نابود (ناپید) ہو جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (یعنی نسل انسانی کے باپ آدم کو مٹی سے بنایا ہے) پھر نطفہ سے (یعنی ان کی اولاد کو ان کی منی سے پیدا کیا ہے) پھر اسی نے تمہیں (نر و مادہ کے) جوڑے جوڑے بنایا اور کسی عورت کو نہ حمل رہتا ہے۔ نہ وہ جنتی ہے مگر سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے (یہ حال ہے یعنی اس کو معلوم رہتا ہے) اور کسی کی عمر نہ زیادہ کی جاتی ہی (یعنی کسی کی عمر کو لمبی نہیں کیا جاتا) اور نہ کم کی جاتی ہے (پہلے ہی شخص کی عمر سے یا دوسرے شخص کی عمر سے) مگر یہ سب کتاب (لوح محفوظ) میں ہوتا ہے۔ یہ سب اللہ کے لئے آسان ہے اور دونوں دریا برابر نہیں ہیں۔ ایک تو شیریں (نہایت خوش ذائقہ) پیاس بجھانے والا ہے (اس کا پینا) اور ایک شور و تلخ ہے۔ (نہایت کھاری) اور تم (ان دونوں پانیوں میں سے) ہر ایک سے تازہ گوشت (مچھلی) کھاتے ہو اور برآمد کرتے ہیں (شور سمندر سے یا بعض نے کہا کہ شور و شیریں دونوں سمندروں سے) زیور جس کو تم پہنتے ہو (یہ موتی اور مانگا ہیں) اور تو دیکھتا ہے، کشتیوں کو اس میں (دونوں سمندروں میں) پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں (پانی کو پھاڑ دیتی ہے۔ یعنی آتے جاتے کشتی کے چلنے کی وجہ سے پانی پھٹ جاتا ہے ایک ہی ہوا سے) تاکہ تم اللہ کی روزی تلاش کر سکو (تجارت کے ذریعہ) اور تاکہ تم شکر گزار ہو سکو (اللہ کی ان نعمتوں پر) وہ (اللہ) رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے (جس سے دن بڑھ جاتا ہے) اور دن (داخل کرتا ہے) رات میں (جس سے وہ زیادہ ہو جاتی ہے) اور اس نے سورج چاند کو کام میں لگا رکھا ہے (ان میں سے) ہر ایک (اپنے مدار میں ایک مقررہ مدت قیامت) تک چلتے رہیں گے۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ اسی کی سلطنت ہے اور جن کو تم پکارتے ہو (بندگی کرتے ہو) اس کے سوا (اللہ کے علاوہ بتوں کی) وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے (جھلی) کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اگر تم ان کو پکارو بھی تو وہ تمہاری پکار سنیں گے نہیں، اور (بالفرض) سن بھی لیں تو تمہارا کہنا نہ کر سکیں اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کرنے ہی کے منکر ہوں گے (کہ تم نے انہیں اللہ کے ساتھ شریک کیا تھا۔ یعنی تم نے ان کی جو پرستش کی تھی اس کا انکار کر دیں گے) اور تجھ کو (دونوں جہاں کا حال) کوئی نہیں بتلا سکتا (اللہ) خبیر کے برابر۔

تحقیق وترکیب: .... **الحمد.** حق تعالیٰ نے اپنی تعظیم اور بندوں کی تعلیم کے لئے حمد فرمائی ہے۔ حمد کی اضافت اگر اللہ کی طرف ہو تو الف لام جنس یا استغراق کے لئے ہوگا۔ عہد کا اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس کے علاوہ دوسری کوئی چیز معبود نہیں ہے۔ البتہ اگر بندوں کا حمد کرنا مراد ہو تو الف لام عہد کا بھی ہو سکتا ہے اور معہود اللہ کی بیان کردہ حمد ہوگی۔

اور سورۂ سبا کی ابتداء میں گذرا کہ اللہ کا اپنی حمد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اوصاف کمال سے وہ متصف ہے۔ سورۂ انعام، کہف، سبا، فاطر چاروں کی ابتداء حمد سے کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ ان میں دنیاوی اور دینی نعمتوں کا بیان ہے جن پر سورۂ فاتحہ مشتمل ہے۔

فاطر. فطر بمعنی شق، خالق بھی چونکہ پردہ عدم پھاڑ کر مخلوق کو وجود میں لاتا ہے۔ اس لئے بمعنی خالق ہے اور چونکہ معنی ماضی ہے، اس لئے اضافت معنوی ہوگی، اسی لئے اللہ کی صفت بن گئی۔

جاعل الملائكة. جاعل بمعنی ماضی ہونے کی صورت میں یہ شبہ ہے کہ عامل نہیں ہو سکے گا۔ حالانکہ یہ عامل ہے رسلاً میں اگر معنی ماضی نہ ہو تو پھر یہ اضافت مخصصہ نہیں ہوگی۔ اس لئے معرفہ کی صفت بھی نہیں ہو سکے گی۔ مگر بقول طیبی جاعل استمرار ماضی کے لئے ہے۔ پس بمعنی ماضی ہونے کی وجہ سے تو معرفہ کی صفت ہو جائے گا اور حال و استقبال پر دلالت کی وجہ سے عامل بن جائے گا اور جاعل الملائكه سے بعض فرشتے مراد ہیں۔ کیونکہ تمام فرشتے پیغامبر نہیں ہیں۔

اور **اولی اجنحة** صفت ہے۔ رسلاً کی دونوں نکرہ ہونے کی وجہ سے لفظاً مناسب ہے یا ملائکہ کی صفت کاشفہ ہو اور یہ معنی مناسب ہے۔ کیونکہ سب فرشتے اولی اجنحہ ہیں۔

مثنیٰ . اس میں عدل معنوی ہے۔ اثنین اثنین سے عول ہوا ہے۔ یہی حال دوسرے الفاظ کا ہے اور مقصود ان الفاظ سے تعدد ہے نہ کہ حصر۔ کیونکہ بعض فرشتوں کے چھ سو باز و بھی روایات میں آئے ہیں۔

مایفتح الله. یہاں فتح مجاز ہے ارسال سے علاقہ سببیت کی وجہ سے۔ کیونکہ کسی بند چیز کو کھولنا اس کے اطلاق اور ارسال کا سبب ہوتا ہے۔ اسی لئے فتح کے مقابلہ میں لفظ یمسك لایا گیا۔ پھر اطلاق سے کنایہ اعطاء کی طرف ہے اور لفظ فتح کے ساتھ تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ رحمت الٰہی سب سے زیادہ نفیس خزانہ ہے اور تنکیر عموم کے لئے ہے کہ ہر چیز اللہ کی نعمت و رحمت ہے۔ حتیٰ کہ حضرت عروہؓ سواری کے وقت فرمایا کرتے۔ هی و اللّٰه رحمة فتحت للناس .ما يفتح الله للناس من رحمة الخ. یعنی سواری کا چلنا اور رکنا دونوں رحمت ہیں۔ ایک یفتح میں داخل اور دوسرا یمسك میں۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ سواری اگر چل کر نہ دے تب بھی مصیبت ہے اور اگر چل کر رکنے کا نام نہ لے، وہ بھی مصیبت اور آفت ہے۔ اس لئے سواری کا چلنا اور رکنا دونوں ہی اللہ کی رحمت سے ہیں۔ اس طرح موٹر، اسکوٹر، ٹرین، ہیلی کاپٹر، جہاز وغیرہ سب ہی سواریاں اس آیت کا مصداق ہیں۔

غیر اللّٰه. حمزہ، کسائی غیر کو مکسور پڑھتے ہیں، خالق کی صفت لفظی بناتے ہوئے۔

من خالق. مبتداء من زائد ہے۔ دوسرے قراء غیر کو مرفوع پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں متعدد ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ مبتداء کی خبر ہو یا خالق کی صفت محلاً ہو اور خبر یا محذوف ہے اور یا یرزقکم خبر ہے۔ تیسرے مرفوع ہو۔ اسم فاعل کی وجہ سے فاعلیت کی بناء پر

تؤفكون. افك بالفتح باب ضرب سے بمعنی صرف چنانچہ لتافكنا عن الهتنا میں ہے اور افك بالكسر بمعنی کذب ہے۔

فاصبر. حقیقۃ یہ جملہ جزاء ہے لیکن فقد كذبت جملہ سببیہ کو قائم مقام جزاء کر دیا گیا ہے۔

والى الله ترجع الامور. اس میں وعد اور وعید دونوں کا اشارہ ہے۔

الغرور. مراد شیطان ہے۔ کیونکہ وہ جھوٹی تمناؤں میں مبتلا کرتا ہے۔

الذين كفروا. اس میں تینوں اعراب ہو سکتے ہیں۔ مرفوع کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مبتداء ہو اور جملہ اس کی خبر ہو۔ دوسرے یہ کہ لهم خبر اور عذاب فاصل ہو یا لیکونوا کے واؤ سے بدل مانا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ منصوب مانا جائے حزبه سے بدل مان کر یا اس کی صفت مان کر یا اذم وغیرہ فعل محذوف مان کر۔ تیسری صورت مجرور ہونے کی ہے بطور صفت کے یا اصحاب سے بدل بنا کر اور لیکونوا میں لام علت ہے یا لام صیرورت۔

افمن زين. بقول ابن عباسؓ مشرکین کے اور بقول سعید بن جبیرؒ اہل بدعت کے بارے میں آئندہ آیت نازل ہوئی ہے۔ یہ مبتداء ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ ای كمن هو ليس كذالك یا بقول مفسرؒ كمن هداه الله ہے۔ جس پر فان الله يضل دلالت کر رہا ہے۔ یا اس کو كمن لم يزين له کی خبر کہا جائے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ افمن زين له سوء عمله ذهبت نفسک الخ اس دلالت کی وجہ سے جواب کو حذف کر دیا گیا ہے۔ آیت میں معتزلہ پر رد ہے جو بندوں کو خالق افعال مانتے ہیں۔ کیونکہ اضلال اور اہدی دونوں کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے جو مسلک معتزلہ کے خلاف ہے۔

فلا تذهب. زجاج کہتے ہیں کہ معنی یہ ہیں۔ افمن زين له سوء عمله فرأه ذهبت نفسک عليهم یا افمن زين له سوء عمله كمن هداه الله اور فلا تذهب کے معنی ہلاک نہ کرنے کے ہیں اور حسرات مفعول لہ ہے اور علیهم صلہ ہے تذہب کا جیسے کہا جائے هلك عليه حباً اور مات عليه حزناً حسرات سے متعلق کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مصدر کا صلہ مقدم نہیں ہو سکتا۔

حسرات. یہ مفعول لہ ہے اور حسرۃ مصدر ہونے کی وجہ سے اگرچہ قلیل و کثیر دونوں پر صادق آتا ہے۔ مگر حضور کے زیادہ عموم و صدمات بیان کرنے کے لئے جمع لایا گیا ہے۔

من کان. اس کی جزاء محذوف ہے۔ای فلیطلبها من الله .

ارسل الریاح. ابن کثیرؒ، حمزہؒ، علیؒ کے نزدیک ریح اور باقی قراء کے نزدیک جمع کے ساتھ ہے۔

فسقناہ. التفات میں مزید صنعت کے اختصاص کا نکتہ ہے اور بلد بمعنی قطعہ زمین اور نشور بمعنی حیات ہے۔

احیینابه. ضمیر سحاب کی طرف راجح ہے۔سبب بعید ہے حیات کا اور یا بتقدیر مضاف ہے ای بمائہ

من کان. اس کی جزاء محذوف ہے۔ای فلیطلبها من الله .

میت. نافعؒ اور کوفیوں کے نزدیک ابوبکر کے علاوہ تشدید کے ساتھ اور دوسرے قراء کے نزدیک تخفیف کے ساتھ ہے۔

الکلم الطیب. کلم اسم جمع جنسی ہے۔یہاں طیبہ آنا چاہئے تھا۔مگر جہاں جمع اور واحد میں تا کے ذریعہ فرق ہوتا ہے۔ وہاں مذکور و مؤنث دونوں جائز ہوتے ہیں۔یہاں لفظ کی رعایت سے مذکر لایا گیا اور طیب بایں معنی کہ عقل وشرع اور فرشتوں کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔مفسر علامؒ نے یعلمہ سے صعود کے مجازی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں علم الٰہی مراد ہے۔قبولیت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے صعود کہا گیا ہے۔علاقہ لزوم کی وجہ سے مجاز مرسل ہے یا استعارہ ہے۔قبول کو صعود کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور بعض نے حقیقت پر محمول کیا ہے،خواہ اعمال کا صعود ہو یا صحائف اعمال کا۔اور کلم طیب سے مراد عام بھلائیاں ہیں۔

یرفعه. یقبلہ سے مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یرفع کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے اور رفع سے مراد قبولیت ہے۔چنانچہ قتادہؒ فرماتے ہیں۔یرفع الله العمل لصاحبه. دوسری صورت یہ ہے کہ یرفع کی ضمیر عمل کی طرف اور ضمیر مفعول کلم کی طرف راجع ہو۔ اکثر آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے۔اس صورت میں العمل الصالح مبتداء اور یرفعه خبر ہو جائے گی۔چنانچہ جو شخص محض ذکر اللہ کرتا ہے اور فرائض نہ ادا کرتا ہو۔اللہ اس کے قول کو رد فرما دیتا ہے۔بقول بغویؒ، ابن عباسؓ، سعیدؒ بن جبیر، عکرمہؒ اور اکثر حضرات کی رائے یہی ہے۔تیسری صورت اس کا عکس ہے۔ای الکلم الطیب یرفع العمل الصالح. چنانچہ بلا توحید کوئی عمل مقبول نہیں ہے۔کلبی اور مقاتل کی یہی رائے ہے۔چوتھی صورت یہ ہے کہ ضمیر مرفوع عمل کی طرف اور ضمیر منصوب عامل کی طرف راجع ہو۔ای العمل الصالح یرفع العامل الی الشرف.

السیئات. یہ صفت ہے نکرات موصوف محذوف کی یا مفعول مطلق ہے۔یمکرون فعل لازم کا۔

مکرات. جمع مکرۃ کی ایک مرتبہ حیلہ ومکر کے معنی ہیں اور بعض نے یہاں ریاء اعمال کے معنی کئے ہیں۔

دار الندوۃ. ندوۃ بمعنی اجتماع، نادی، مجلس۔

والله خلقکم. بعث ونشر کی دوسری دلیل ہے۔

الا یعلمه. ای متلبسا بعلمه انثنی سے حال ہے استثنائے مفرغ ہے۔ای لاتحمل فی حال الاحال کونه متلبسة بعلمه معلومة له.

وما یعمر. عام قرأت یہی ہے۔

من عمره. ضمیر کا مرجع معمر ہے۔لیکن معنی متبادر کے لحاظ سے نہیں بلکہ تاویلی معنی کے اعتبار سے ہے۔یعنی مرجع میں معمر باعتبار مایول ہے اور ضمیر اصل محول عنہ کے لحاظ سے راجع کی گئی ہے۔لاینقص من عمر احد کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء ہی سے کسی کی عمر ناقص کی جاتی ہے تو لوح میں لکھ دی جاتی ہے۔جیسے کہا جائے ضیق فم الرکیة اس پر یہ شبہ کرنا کہ انسان معمر طویل العمر ہوگا یا قصیر العمر۔پھر اس میں ردوبدل کیسے ممکن ہے؟ جس کی آیت میں اطلاع دی گئی۔جواب دیا جائے گا کہ سامع اور مخاطب کے فہم پر اعتماد کر کے کلام کیا جا رہا ہے کہ ایک ہی شخص کی عمر کا طول وقصر مراد نہیں بلکہ دونوں کا مصداق الگ الگ اشخاص ہیں۔چنانچہ بولا جاتا ہے۔

لایشیب اللہ عبدا ولا یعاقبہ الا بحق یا یہ تاویل کی جائے کہ ایک شخص کی عمر صحیفہ میں درج ہوتی ہے۔ مگر جوں جوں زمانہ گزرتا رہتا ہے عمر کم ہوتی جاتی ہے۔ اس کمی کا اندراج بھی صحیفہ میں ہوتا رہتا ہے۔ نقصان عمر سے یہی مراد ہے اور قتادہؒ سے منقول ہے۔ **المعمر من بلغ ستین سنة والمنقوص من یموت قبل ستین سنة**۔

البحران. دریائے شور وشیریں سے کافر ومومن کی تمثیل ہے۔ اسی کے ساتھ صرف دریائے شور کی برتری کافری کے مقابلہ میں بیان کی جارہی ہے کہ دریائے شور مچھلیوں، موتیوں، کشتیوں اور جہازوں کے منافع رکھتا ہے۔ مگر کافر کسی مصرف کے نہیں ہوتے۔ جیسے دوسری آیت **ثم قست قلوبکم** میں کفار کے قلوب کا پتھروں سے بدتر ہونا بیان کیا گیا ہے۔

سائغ. سہل وخوشگوار اور شراب سے مراد پانی ہے۔

حلیة. مرجان یعنی چھوٹے موتی مراد ہیں۔ بقول زہری وغیرہ ایک جماعت کے اور بقول طرطوسی انگلیوں کے پوروں کے برابر سرخ رنگ کے تار مغربی سمندر میں دیکھے گئے ہیں۔ مچھلی اور موتی دریائے شور وشیریں دونوں سے برآمد ہوتے ہیں یا موتی مونگے دریائے شور سے اور مچھلیاں شور وشیریں دونوں سمندروں سے نکلتی ہیں۔

تری. صیغہ مفرد لانے میں اشارہ ہے کہ رویت ہر ایک کی انفرادی طور پر ہوتی ہے۔ برخلاف سمندروں سے انتفاع کے۔

قطمیر. چھوارے، کھجور کی گٹھلی پر باریک جھلی کو کہتے ہیں اور بعض نے گٹھلی کی کمر پر جو نکتہ ہوتا ہے اس کو قطمیر کہا ہے۔ گٹھلی میں چار چیزیں ہوتی ہیں، جن سے کسی چیز کی تقلیل بیان کی جاتی ہے۔ ایک فتیل جو گٹھلی کے شگاف میں باریک دھاگا سا ہوتا ہے، دوسرے قطمیر اس کے اوپر کی باریک جھلی کا غلاف، تیسرے نقیر جو گٹھلی کی کمر پر ہوتی ہے، چوتھے ثفروق جو کھجور اور گٹھلی کے درمیان سفید حصہ ہوتا ہے۔ صراح میں ہے قطمیر کے معنی پوستک تنک دانہ خرما کے ہیں۔

لاینبئك. یہ خطاب عام بھی ہوسکتا ہے حضور کو خطاب خاص بھی۔

ربط: .... اس سورت کا زیادہ تر حصہ توحید کے اثبات اور شرک کے ابطال پر مشتمل ہے اور بعض آیات میں آنحضرت ﷺ کی تسلی اور بعض میں بعث وجزاء کا بیان ہے اور بعض آیات میں اعمال کے منافع اور مضار کا بیان ہے اور بعض میں کفر کی برائی اور اس پر وعید کا ذکر ہے۔ پچھلی سورت کے آخر میں حق کے انکار پر عقاب آخرت کا ذکر تھا اور توحید بھی حق میں داخل ہے۔ اس سے دونوں سورتوں کے آخر اور اول کا مضمون مربوط ہوگیا۔

روایات: .... **رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ السلام جبریل علیہ السلام المعراج ولہ ستمائة جناح** بقول ابن عباسؓ آیت **افمن زین له** الخ ابوجہل وغیرہ کفار کے بارے میں اور بقول سعید ابن جبیرؓ اہل بدع کے باب میں نازل ہوئی ہے۔

من کان یرید العزة. اس آیت کا مضمون دوسری آیت **الذین یتخذون الکافرین** الخ کے قریب ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ **من اراد عز الدارین فلیطع العزیز.** زجاجؒ نے ایک عمدہ شعر نقل کیا ہے:

واذا تذللت الرقاب تواضعاً　　منا الیک فعزھا فی ذلھا

﴿ **تشریح** ﴾: .... فاطر کے لفظ میں اشارہ ہے کہ عالم کی تخلیق اور وجود بلا نمونہ کے ہوا ہے اور ملائکہ سے مراد عام ہے۔ خواہ وہ فرشتے شرائع لے کر آئیں یا بشارت۔ اور الفاظ مثنی وثلث ورباع میں سورۂ نساء کی آیت کی طرح زائد کی نفی نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت جبریلؑ کو چھ سو بازوؤں میں آنحضرت ﷺ کا دیکھنا روایت معراج میں آیا اور فرشتوں کی پیغامبری کے تذکرہ کی حکمت مشرکین کے

اعتقاد معبودیت کی تردید کرنا ہے۔

فرشتے اللہ کی طرف سے مامور و محکوم ہیں نہ کہ معبود: .... کہ وہ تو ہمارے محکوم و مامور ہیں۔ بھلا وہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں۔ نیز کسی حکمت کے پیش نظر اگر اللہ کسی مخلوق سے کوئی لے لے تو اس کے معنی محتاج ہونے کے نہیں۔ وہ بذات خود ہر چیز پر قادر ہے اور جسمانی رحمت ہو جیسے بارش اور روزی یا روحانی رحمت ہو، جیسے وحی الٰہی اور نبوت ورسالت کا سلسلہ۔ اللہ ہی ہے جو اس رحمت کا دروازہ کھولتا ہے اور اس کا کھولا ہوا دروازہ کون بند کر سکتا ہے؟ وہ اپنی حکمت بالغہ سے جو چاہے کرے اور کون روک سکتا ہے۔

خالق ورازق ہی معبود ہوسکتا ہے: .... اور جب اسی کو تنہا خالق ورازق مانتے ہو، پھر معبودیت کا استحقاق کسی دوسرے کو کہاں سے آ گیا، جو ذات وجود بخشنے والی، روزی رساں، یعنی وجود کو برقرار رکھنے والی ہے، وہی معبود بھی ہے۔ اتنی واضح اور کھلی ہوئی بات کو بھی اگر اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے یہ نہیں مانتے اور باز نہیں آتے تو ایسوں کا معاملہ اللہ کے حوالہ کیجئے۔ آپ غم نہ کیجئے، وہاں پہنچ کر سب باتوں کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اللہ کی بڑی عدالت میں سب کو حاضر ہونا ہے۔ دنیا کی چندروزہ بہار اور ٹیپ ٹاپ پر نہ رِجھو۔ اور اپنے دشمن اصلی دغاباز شیطان کے جال میں نہ پھنسو۔ وہ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔ بلکہ تباہ و برباد کرنے کی پوری کوشش کرے گا۔ بات تو جب ہے کہ اس کے چکموں میں نہ آؤ اور دوست کے لباس میں اس کی دشمنانہ کارروائیوں کو ناکام بنا دو۔ شیطان کے فریب میں آ کر جو شخص اچھائی، برائی کا امتیاز کھو بیٹھے، بھلا وہ اس کے برابر کیسے ہوسکتا ہے۔ جو نیکی کو نیکی، بدی کو بدی سمجھے، اور جس طرح یہ دونوں شخص برابر نہیں ان دونوں کا انجام بھی برابر نہیں ہوسکتا۔ اور یہ خیال نہ کرو کہ کوئی آدمی دیکھتی آنکھوں برائی کو بھلائی کیسے سمجھ سکتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ جس کی بدفطری اور بداستعدادی کی وجہ سے کسی کو بھٹکانا چاہے تو اس کی سمجھ اسی طرح اوندھی ہو جاتی ہے اور کسی سلامتی فطرت اور حسن اختیار کی وجہ سے ہدایت دینا چاہے تو کسی شیطان کی مجال نہیں جو اسی غلط راہ پر ڈال سکے یا الٹی بات سمجھا دے۔ پس جب ہدایت وضلالت دونوں اللہ کی مشیت وحکمت کے تابع ہیں۔ پھر آپ ان کی ہدایت کے غم میں کیوں گھلتے ہیں۔ آپ ان کا قصہ ایک طرف کیجئے، جیسی ان کی کرتوت ہوگی خود بھگت لیں گے۔ آپ غمگین نہ ہوں۔

آیت کی دوتقریریں: .... اس طرح الذین کفروا اور الذین اٰمنوا کے مضمون پر افمن زین لہ متفرع ہے اور زین لہ کا سبب فان اللہ یضل ہے اور فان اللہ یضل پر فلا تذھب متفرع ہے۔ اس مقام کی دوسری تقریر اس سے اچھی یہ ہے کہ افمن زین کو غرور شیطانی پر متفرع کیا جائے۔ یعنی شیطانی فریب کا شکار کچھ ایسے بھی ہیں جو بری باتوں کو اچھا سمجھتے ہیں۔ البتہ یہ تفریع محض ''رویت حسن'' کی اعتبار سے ہوگی، اچھائی برائی کو یکساں سمجھنے والوں کی برابری کی نفی پر متفرع نہیں ہے۔ مقصود اس تقریر پر بھی حضور ﷺ کو تسلی دینا ہے جب ان لوگوں کو نیک وبد میں امتیاز کی تمیز بھی نہیں رہی تو آپ مایوس ہو جائیے اور غم چھوڑ دیجئے۔ اس صورت میں فان اللہ یضل اس تسلی کا سبب ہو جائے گا۔ البتہ بدستور سابق ان اللہ یضل پر لا تذھب متفرع رہے گا یا افمن زین لہ سے جو مضمون تسلی مفہوم ہو رہا ہے اس پر متفرع ہوگا۔

مردہ زمین کی حیات کی طرح مردہ انسانوں کی حیات بھی یقینی ہے: .... واللہ الذی ارسل ۔ یعنی جہاں کھیتی اور سبزہ کچھ نہیں تھا، زمین ایک طرف مردہ پڑی ہوتی ہی۔ چاروں طرف خاک ہی خاک اڑتی ہوتی ہے۔ مگر اللہ کی حکم سے ہوائیں بادلوں کو اڑا لاتی ہیں، بارش ہوتی ہے اور اس مردہ زمین میں جان پڑ جاتی ہے۔ یہی حال انسانی مردوں کا ہوگا۔ حسب روایات عرش کے

نیچے سے خاص قسم کی با   س سے مردے جی اٹھیں گے۔ مشرکین عرب دوسرے معبودوں کی عبادت کو اللہ کے یہاں عزت و وجاہت کا ذریعہ سمجھتے تھے اور بہت سے لوگ اسی عزت کی خاطر مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستانہ مراسم رکھتے تھے۔ ایسے لوگوں کی تردید وتغلیط کے لئے من کان یرید العزة الخ فرمایا جارہا ہے کہ عزیز مطلق اور عزت کا خزانہ تو اللہ کی ذات ہے۔ تمام عزتوں کا مالک وہی اکیلا ہے۔ جس کسی کو عزت ملی یا ملے گی اسی کے خزانہ سے ملی یا ملے گی۔ لہٰذا اسی کی فرمانبرداری اور یادگاری کرو۔ حاصل یہ ہے کہ ذاتی اللہ کی عزت ہے، دوسروں کو جو کچھ عزت ہے وہ محض عطائی ہے۔ اس لئے یہ آیت ان العزة دوسری آیت وللہ العزة کے خلاف نہیں ہے۔

جتنی اچھی باتیں ہیں، خواہ وہ عبادات ذکر واذکار ہوں، تلاوت قرآن، وعظ ونصیحت ہو، سب بارگاہ رب العزت میں پیش ہوتی ہیں اور انہیں قبولیت کی بلندی نصیب ہوتی ہے اور ان اچھی باتوں اور عمدہ کلام کے لئے اچھے کام کا سہارا بن کر انہیں اوپر اٹھا دیتے ہیں اور مقام بلند تک پہنچا دیتی ہے اور جو لوگ حق کو مٹانے کے لئے داؤ گھات میں لگے رہتے ہیں، آخر نا کام اور سوار ہوں گے۔ دارالندوہ میں بیٹھ بیٹھ کر کیا کچھ سازشوں کے تانے بانے نہیں بنے مگر معرکہ بدر میں کیا انجام ہوا۔ چن چن کر سب کو ذلت کے گڑھے میں ڈال دیا گیا۔ جو اسلام کو مٹانا چاہتے تھے، وہ سب خود ہی مٹ گئے۔

اچھا کلام اچھا کام اللہ کے یہاں قبول ہیں:............ اچھے کلام میں کلمہ توحید اور تمام اذکار واوراد آ گئے، اور اچھے کام میں تصدیق قلبی اور تمام اعمال صالحہ خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی، سب داخل ہو گئے اور انکو بلند کرنا عام ہے۔ نفس قبول کو اور قبول تام کو۔ اس اجمال کی تفصیل دوسری دلائل سے معلوم ہوگئی کہ قلبی تصدیق کو تمام کلمات طیبات کے لئے نفس قبولیت کی شرط ہے اور اعمال صالحہ ان کلمات طیبات کے لئے قبولیت تام کی شرط ہے نہ کہ نفس قبولیت کی۔ پس کلمات طیبات اگر کسی فاسق سے بھی صادر ہوں گے، تب بھی قبول ہوں گے۔

یہ مضمون تو بطور جملہ معترضہ کے بیان ہوا۔ اصل مضمون توحید کا چل رہا ہے۔ توحید کی ایک دلیل تصرف تو الذی ارسل الخ میں بیان کی گئی تھی۔ دوسری دلیل تصرف واللہ خلقکم الخ میں بیان کی جارہی ہے کہ آدم کو مٹی سے اور ان کی اولاد کو پانی کی بوند سے اللہ نے پیدا کیا۔ پھر عورت مرد کے جوڑے بنائے، جس سے نسل انسانی چلی، استقرار حمل سے لے کر بچہ کی پیدائش تک جتنے مراحل گزرے، سب کی خبر خدا ہی کو ہے۔ ماں باپ بھی نہیں جانتے کہ اندر کیا گزر رہی ہے۔ اسی طرح کس کی عمر کتنی ہے اور عمر کے گھٹنے بڑھنے کے اسباب یا کون عمر طبعی کو پہنچے گا اور کون نہیں، سب اللہ کو معلوم ہے۔ ساری جزئیات وکلیات کا احاطہ بندوں کے لئے تو ناممکن ہے، پھر اللہ کے لئے کچھ دشوار نہیں۔ اس کا علم ذاتی اور قدیم ہے۔ اس کو اپنے اوپر قیاس نہیں کرو۔ اس کے کام دھیرے دھیرے ہوتے ہیں، جیسے آدمی کا بننا اور اس کا اپنی عمر کو پورا کرنا۔

اسلام کی تدریجی ترقی اور مدو جزر حکمت الٰہی کے مطابق ہے:............ اسلام کو بھی ایسا ہی سمجھو کہ بتدریج بڑھے گا اور آخر کار کفر کو مغلوب اور نیست ونابود کر کے رہے گا۔ اسلام اور کفر دونوں اگرچہ برابر نہیں، پر مسلمانوں کو دونوں سے فائدہ پہنچے گا۔ خود مسلمانوں سے دین کی قوت وشوکت کا اور کفار سے جزیہ اور خراج کا۔

وما یستوی البحران الخ سے دلائل قدرت کا بیان ہے کہ پانی کی طبیعت اور مادہ باوجود یکہ ایک ہے، مگر وحدت قابلیت کے باوجود اللہ نے شور وشیریں مختلف پانی پیدا کر دیئے۔ جن کی تاثیرات وخواص مختلف کر دیئے۔ تازہ بتازہ مچھلی کا لذیذ اور مفید گوشت، موتی، مونگے اور تجارتی منافع اور حمل ونقل کے لئے جہازوں کے ذریعہ سمندری سفر آسان کر دیا۔ یہ محض اللہ کا فضل ہے، ان تمام انعامات پر انسان کو اپنے مالک کا شکر گزار ہونا چاہئے۔

موتیوں کا برآمد ہونا اگر دریائے شور کے ساتھ خاص ہو، جیسا کہ مشہور ہے تو پھر استخراج حلیہ زیورات بھی دریائے شور کے ساتھ خاص ہوگا۔ گویا مچھلیوں کی برآمد ہوگی۔ البتہ اس خاص منفعت میں دریائے شور بڑھا ہوا ہے۔ علیٰ ہذا جہازوں کا سمندر میں چلنا بھی اگرچہ دونوں قسم کے دریاؤں میں عام ہے، مگر اکثر بڑے بڑے جہازوں کا دریائے شور میں چلنا ان منافع کی وجہ سے ممکن ہے کہ خاص ہو اور وتری الفلک فیه کی ضمیر بھی اسی اختصاص کی وجہ سے دریائے شور کی طرف راجع ہوگی۔

یولج الیل. میں یہ اشارہ ہے کہ دن رات کے ایک دوسرے پر غلبہ کی طرح اسلام وکفر میں بھی ایک دوسرے پر غلبہ اور مسابقت منشائے حکمت الٰہی ہے اور چاند وسورج کی طرح ہر چیز کی ایک مدت مقرر ہے۔ اس میں پل بھر دیر سویر نہیں ہوسکتی۔ پس مقرر وقت پر حق کا غلبہ بھی نمایاں ہوکر رہے گا۔

ذٰلکم اللّٰه. یعنی سچا پروردگار ہی ہے جو کل عالم کا رکھوالی ہے۔ باقی جن فرضی خداؤں کی تم پوجا پاٹ کرتے ہو، وہ تو کھجور کی گٹھلی پر جو باریک سی جھلی ہوتی ہے، اس کے بھی مالک نہیں۔ پس وہ تمہاری پکار کیا سن سکتے ہیں اور وہ کیا کام آسکتے ہیں۔ وہ تو خود تم سے وقت پڑنے پر بیزاری کا اظہار کریں گے اور تمہارے دشمن ثابت ہوں گے اور اس بارے میں اللہ سے زیادہ کون جان سکتا ہے اور اس سے زیادہ کس کی پکی اور ٹھیک بات ہوسکتی ہے؟

باطل معبودوں کا ناکارہ ہونا:............ پتھروں کے بت تو ساعت سے ہی محروم ہیں۔ البتہ کفار کے ذی روح معبود نفس ساعت تو رکھتے ہیں، مگر کفار کے عقیدہ کے مطابق دوام اور لزوم کے ساتھ ساعت نہیں رکھتے۔ اس لئے ان سے بھی نفع صحیح ہوگئی اور لایسمعوا دعاء کم فرمایا۔

اسی طرح ولو سمعوا الخ میں جمادات اور بے جان بتوں کی نسبت تو محض بطور فرض کے ہے اور قضیہ شرطیہ میں ظاہر ہے کہ مقدم کا وقوع ضروری نہیں ہوتا۔ البتہ ذی روح معبودوں میں یہ تقدیر کبھی واقع ہوسکتی ہے۔ مگر استجابت نہ ہونے میں وہ بھی شریک ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پتھروں کے بت تو استجابت کی قابلیت ہی نہیں رکھتے۔ اور ذی معبودوں میں جو اللہ کے یہاں مقبول ہیں، جیسے فرشتے۔ وہ ناراض ہونے کی وجہ سے استجابت نہیں کریں گے۔ البتہ جو معبودان باطل نامقبول ہیں، جیسے شیاطین وہ غیر اختیاری چیزوں میں تو مجبور و بے بس ہونے کی وجہ سے اور اختیاری کاموں میں مستقل قدرت نہ ہونے کی وجہ سے خارج ہیں۔ یہ تو کفار کے خداؤں کی دنیاوی حالت ہوئی اور رہ گیا قیامت کا حال، سو وہاں وہ خود اپنے پرستاروں کی مخالفت کریں گے۔

ان آیات میں اللہ کے علم کے دلائل سے قدرت کے دلائل زیادہ لانے میں ممکن ہے۔ یہ نکتہ ہو کہ آثار علم کے مقابلہ میں آثار قدرت زیادہ نمایاں ہیں۔ نیز دوسری طرف دلائل آفاقیہ اور درمیان میں انفسی دلائل ممکن ہے اس لئے ہوں کہ آفاقی دلائل کی طرف زیادہ التفات ہوتا ہے۔

لطائف سلوک:............ وان یکذبوك. اس میں آنحضرت ﷺ کے لئے تسلی ہے اور دشمنوں کی یہ تکذیب ومخالفت پر صبر کا ارشاد ہے۔

فلا تذهب نفسك. اس میں اعراض کرنے والوں پر زیادہ غم نہ کرنے کا حکم ہے۔

والذین تدعون. جہلاء غیر اللہ میں علم وقدرت مانتے تھے۔ آیت میں اس پر انکار ہے اور بامید اجابت غیر اللہ کے پکارنے پر تحمیق ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ بِكُلِّ حَالٍ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ عَنْ خَلْقِهٖ الْحَمِيْدُ ﴿١٥﴾ الْمَحْمُوْدُ فِيْ صُنْعِهٖ بِهِمْ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿١٦﴾ بَدَلَكُمْ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿١٧﴾ شَدِيْدٍ وَلَا تَزِرُ نَفْسٌ وَّازِرَةٌ اٰثِمَةٌ اَيْ لَا تَحْمِلُ وِّزْرَ نَفْسٍ اُخْرٰى ۚ وَاِنْ تَدْعُ نَفْسٌ مُّثْقَلَةٌ بِالْوِزْرِ اِلٰى حِمْلِهَا مِنْهُ اَحَدًا لِيَحْمِلَ بَعْضَهٗ لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ الْمَدْعُوُّ ذَا قُرْبٰى ۭ قَرَابَةٍ كَالْاَبِ وَالْاِبْنِ وَعَدَمُ الْحَمْلِ فِي الشِّقَّيْنِ حُكْمٌ مِّنَ اللّٰهِ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ اَيْ يَخَافُوْنَهٗ وَمَا رَاَوْهُ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِالْاِنْذَارِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اَدَامُوْهَا وَمَنْ تَزَكّٰى تَطَهَّرَ مِنَ الشِّرْكِ وَغَيْرِهٖ فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ فَصَلَاحُهٗ مُخْتَصٌّ بِهٖ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٨﴾ اَلْمَرْجِعُ فَيُجْزٰى بِالْعَمَلِ فِي الْاٰخِرَةِ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿١٩﴾ اَلْكَافِرُ وَالْمُؤْمِنُ وَلَا الظُّلُمٰتُ الْكُفْرُ وَلَا النُّوْرُ ﴿٢٠﴾ اَلْاِيْمَانُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿٢١﴾ اَلْجَنَّةُ وَالنَّارُ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَالْكُفَّارُ وَزِيَادَةُ لَا فِي الثَّلٰثَةِ تَاكِيْدٌ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ هِدَايَتَهٗ فَيُجِيْبُهٗ بِالْاِيْمَانِ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿٢٢﴾ اَيِ الْكُفَّارُ شَبَّهَهُمْ بِالْمَوْتٰى فَلَا يُجِيْبُوْنَ اِنْ مَآ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿٢٣﴾ مُنْذِرٌ لَّهُمْ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بِالْهُدٰى بَشِيْرًا مَنْ اَجَابَ اِلَيْهِ وَّنَذِيْرًا ۭ مَنْ لَّمْ يُجِبْ اِلَيْهِ وَاِنْ مَا مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا سَلَفَ فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿٢٤﴾ نَبِيٌّ يُّنْذِرُهَا وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ اَيْ اَهْلُ مَكَّةَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ الْمُعْجِزَاتِ وَبِالزُّبُرِ صُحُفِ اِبْرَاهِيْمَ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿٢٥﴾ هُوَ التَّوْرٰةُ وَالْاِنْجِيْلُ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِتَكْذِيْبِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٢٦﴾ ع اِنْكَارِيْ عَلَيْهِمْ بِالْعُقُوْبَةِ وَالْاِهْلَاكِ اَيْ هُوَ وَاقِعٌ مَوْقِعَهٗ اَلَمْ تَرَ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۭ كَاَخْضَرَ وَاَحْمَرَ وَاَصْفَرَ وَغَيْرِهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ ۢ جَمْعُ جُدَّةٍ طَرِيْقٌ فِي الْجَبَلِ وَغَيْرِهٖ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ وَصُفْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا بِالشِّدَّةِ وَالضُّعْفِ وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿٢٧﴾ عَطْفٌ عَلٰى جُدَدٌ اَيْ صُخُوْرٌ شَدِيْدَةُ السَّوَادِ يُقَالُ كَثِيْرًا اَسْوَدُ غِرْبِيْبٌ وَقَلِيْلًا غِرْبِيْبٌ اَسْوَدُ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ كَاخْتِلَافِ الثِّمَارِ وَالْجِبَالِ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ بِخِلَافِ الْجُهَّالِ كَكُفَّارِ مَكَّةَ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ فِيْ مُلْكِهٖ غَفُوْرٌ ﴿٢٨﴾ لِذُنُوْبِ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اَدَامُوْهَا وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً زَكٰوةً وَغَيْرَهَا يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿٢٩﴾ تَهْلِكَ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ ثَوَابَ اَعْمَالِهِمُ الْمَذْكُوْرَةِ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ لِذُنُوْبِهِمْ شَكُوْرٌ ﴿٣٠﴾ لِطَاعَتِهِمْ

وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ اَلْقُرْاٰنِ **هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ** تَقَدَّمَهُ مِنَ الْكُتُبِ **اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۳۱﴾** عَالِمٌ بِالْبَوَاطِنِ وَالظَّوَاهِرِ **ثُمَّ اَوْرَثْنَا** اَعْطَیْنَا **الْكِتٰبَ** اَلْقُرْاٰنَ **الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا** وَهُمْ اُمَّتُكَ **فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ** بِالتَّقْصِیْرِ فِی الْعَمَلِ بِهٖ **وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ** یَعْمَلُ بِهٖ فِیْ اَغْلَبِ الْاَوْقَاتِ **وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ** یَضُمُّ اِلَی الْعَمَلِ بِهِ التَّعْلِیْمَ وَالْاِرْشَادَ اِلَی الْعَمَلِ **بِاِذْنِ اللّٰهِ** بِاِرَادَتِهٖ **ذٰلِكَ** اَیْ اِیْرَاثُهُمُ الْكِتَابَ **هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۳۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ** اِقَامَةٍ **یَّدْخُلُوْنَهَا** اَیِ الثَّلَاثَةُ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَلِلْمَفْعُوْلِ خَبَرُ جَنَّاتِ الْمُبْتَدَاءُ **یُحَلَّوْنَ** خَبَرٌ ثَانٍ **فِیْهَا مِنْ** بَعْضِ **اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا** مُرَصَّعٌ بِالذَّهَبِ **وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ** جَمِیْعَهٗ **اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ** لِلذُّنُوْبِ **شَكُوْرُ ﴿۳۴﴾** لِلطَّاعَاتِ **الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ** اَیِ الْاِقَامَةِ **مِنْ فَضْلِهٖ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ** تَعَبٌ **وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾** اِعْیَاءٌ مِنَ التَّعَبِ لِعَدَمِ التَّكْلِیْفِ فِیْهَا وَذِكْرُ الثَّانِی التَّابِعُ لِلْاَوَّلِ لِلتَّصْرِیْحِ بِنَفْیِهٖ **وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا یُقْضٰی عَلَیْهِمْ** بِالْمَوْتِ **فَیَمُوْتُوْا** یَسْتَرِیْحُوْا **وَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا** طَرْفَةَ عَیْنٍ **كَذٰلِكَ** كَمَا جَزَیْنَاهُمْ **نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾** كَافِرٍ بِالْیَاءِ وَالنُّوْنِ الْمَفْتُوْحَةِ مَعَ كَسْرِ الزَّایِ وَنَصْبِ كُلَّ **وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا** یَسْتَغِیْثُوْنَ بِشِدَّةٍ وَعَوِیْلٍ یَقُوْلُوْنَ **رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا** مِنْهَا **نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ** فَیُقَالُ لَهُمْ **اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا** وَقْتًا **یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِیْرُ** اَلرَّسُوْلُ فَمَا اَجَبْتُمْ **فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ** الْكَافِرِیْنَ **مِنْ نَّصِیْرٍ ﴿۳۷﴾** یَدْفَعُ الْعَذَابَ عَنْهُمْ

ع ۱۱ / ۱۶

ترجمہ: .... اے لوگو! تم (ہر حال میں) اللہ کے محتاج ہو اور اللہ (اپنی مخلوق سے) سراسر بے نیاز، خوبیوں والا ہے (لوگوں کے ساتھ معاملات میں بہترین ہے) وہ اگر چاہے تو تم کو فنا کر دے اور (تمہارے بجائے) ایک نئی مخلوق پیدا کر دے اور یہ بات اللہ کو کچھ مشکل (دقت طلب) نہیں ہے اور کوئی (نفس) گنہگار (قصوروار) بوجھ نہیں اٹھائے گا کسی دوسرے (نفس) کا اور کوئی (نفس) اگر بلائے گا جو (گناہوں سے) لدا ہوا ہو کسی کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے تب بھی اس میں سے کچھ بوجھ بھی ہٹایا نہیں جائے گا۔ اگرچہ پکارا ہوا شخص رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو (مثلاً باپ بیٹا۔ اور دونوں صورتوں میں بوجھ نہ اٹھانے کا قانون اللہ کا ہے) آپ تو صرف انہی کو ڈرا سکتے ہیں جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں (یعنی بغیر دیکھے ہی اپنے اللہ سے خوف رکھتے ہیں کیونکہ فی الحقیقت ڈرانے سے فائدہ اٹھانے والے یہی لوگ ہیں) اور نماز کی پابندی کرتے ہیں (ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں) اور جو پاک ہوتا ہے (شرک وغیرہ سے صاف رہتا ہے) وہ اپنی ہی جان کے لئے صاف رہتا ہے (اس کی بھلائی خود اسی کو پہنچتی ہے) اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (لہٰذا وہی آخرت میں بدلہ دے گا) اور اندھا اور سنوکھا (کافر ومومن) برابر نہیں اور نہ (کفر کی) اندھیریاں اور نہ (ایمان کی) روشنی اور نہ چھاؤں اور نہ دھوپ (جنت وجہنم) برابر ہیں اور نہ زندے اور مردے برابر ہو سکتے ہیں (مومن وکافر۔ تینوں جگہ لا تاکید کے لئے ہے) بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے سنوا دیتا ہے (اللہ کی ہدایت کو پھر وہ اس کو ایمان لا کر قبول کر لیتا ہے) اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنوا سکتے جو قبروں میں

ہیں۔ (یعنی کفار۔ ان کو مردوں سے تشبیہ دی ہے چنانچہ وہ اس کا جواب نہیں دے سکتے) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔ (نذیر بمعنی منذر) ہم نے ہی آپ کو حق (ہدایت) کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری سنانے والا (اس کے ماننے والے کو) اور ڈرانے والا (اس کو نہ ماننے والے کو) اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو (نبی جس نے ان کو ڈرایا ہو) اور اگر یہ لوگ (اہل مکہ) آپ کو جھٹلائیں تو جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں انہوں نے بھی تو جھٹلایا تھا ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر کھلے ہوئے نشان (معجزے) اور صحیفے (ابراہیمی صحیفے) اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے (تورات وانجیل۔ جس طرح انہوں نے صبر سے کام لیا آپ بھی صبر سے کام لیجئے) پھر میں نے ان کافروں کو پکڑ لیا (ان کی تکذیب کی پاداش میں) سو میرا عذاب کیسا ہوا (ان کو سزا اور تباہی کا سامنا کرنا پڑا یعنی بروقت عذاب آ کر رہا) کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی (تو نہیں جانتا) کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے نکالے (اس میں غیبت سے التفات ہے) اس کے ذریعہ سے مختلف رنگوں کے پھل (جیسے سبز، سرخ، زرد وغیرہ) اور پہاڑوں میں بھی گھاٹیاں ہیں (جدد جمع ہے جدۃ کی پہاڑ وغیرہ کے ذرے) کوئی سفید اور کوئی سرخ (اور کوئی زرد) ان کی رنگتیں بھی مختلف ہیں (کچھ تیز کچھ ہلکی) اور کوئی بہت گہرے سیاہ (اس کا عطف جدد پر ہے یعنی نہایت کالے پتھر۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کثیرا اسود غربیب اور قلیلاً غربیب اسود) اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی ایسے ہیں کہ ان کے رنگ مختلف ہیں (پھلوں اور پہاڑوں کے مختلف رنگوں کی طرح) اللہ سے تو اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں (برخلاف جاہلوں کے جیسے کفار مکہ) بے شک اللہ (اپنے ملک میں) زبردست ہے (اپنے گنہگار مومن بندوں کی) بڑی مغفرت کرنے والا ہے بلاشبہ جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں (پڑھتے رہتے ہیں) اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں (ہمیشہ نماز ادا کرتے ہیں) اور ہم نے جو کچھ ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے رہتے ہیں (زکوٰۃ وغیرہ کی صورت میں) وہ ایسی تجارت کی آس لگائے ہوئے ہیں جو کبھی ماند (مندی) نہ پڑے گی تاکہ ان کو ان کا پورا پورا صلہ (ان کے ان اعمال کا بدلہ) دے اور اپنے فضل سے اور بڑھا بھی دے بے شک وہ (ان کے گناہوں کو) بڑا بخشنے والا (ان کی طاعتوں کی) قدردانی کرنے والا ہے اور جو کتاب (قرآن) ہم نے آپ کے پاس بطور وحی بھیجی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے بے شک اللہ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے (پوشیدہ اور علانیہ باتوں کو جانتا ہے) پھر ہم نے یہ کتاب (قرآن) ان لوگوں کے ہاتھوں میں بھی پہنچائی (عطا کی) جن کو اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا (اور وہ آپ کے امتی ہیں) پھر ان میں سے بعض تو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں (عمل میں کوتاہی کر کے) اور بعض ان میں سے متوسط درجہ کے ہیں (اکثر اوقات عمل کرتے رہتے ہیں) اور کچھ ان میں وہ بھی ہیں جو نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں (اعمال کے ساتھ دوسروں کو بھی تعلیم اور دعوت عمل دیتے رہتے ہیں) اللہ کی توفیق (مشیت) سے یہ (کتاب ان کو پہنچانا) بہت ہی بڑا فضل ہے وہ باغات ہیں ہمیشہ رہنے (بسنے) کے جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے (تینوں الفاظ معروف اور مجہول دونوں طرح ہیں اور جنت مبتداء کی خبر ہے) اس میں انہیں پہنائے جائیں گے (یہ خبر ثانی ہے) سونے کے کنگن (من تبعیضیہ ہے) اور موتی (جو سونے سے جڑاؤ کئے ہوں گے) اور ان کی پوشاک ریشم کی ہوگی۔ اور یہ لوگ کہیں گے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے (سارا) غم دور کیا۔ بیشک ہمارا پروردگار (گناہوں کا) بخشنے والا (طاعات کا) بڑا قدردان ہے جس نے ہمیں اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اتارا ہے جہاں ہمیں نہ کوئی تکلیف (دقت) ہوگی اور نہ ہمیں تھکن ہی محسوس ہوگی (مشقت کی وجہ سے کسی قسم کا اضمحلال نہیں ہوگا کیونکہ جنت تکلیف کا مقام نہیں ہے اس میں دوسرا جملہ جو پہلے جملہ کے تابع ہے صراحۃً نفی کے لئے لایا گیا ہے) اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے۔ نہ تو (مرکر) ان کی سزا آئے گی کہ مرہی جائیں (آرام میں ہو جائیں) اور نہ ان سے دوزخ کا عذاب (لمحہ بھر کے لئے بھی) ہلکا ہوگا ایسے ہی (جیسے ہم نے ان کو سزا دی) ہم ہر کافر کو سزا دیا کرتے ہیں (کفور بمعنی کافر ہے نجزی یا اور نون مفتوحہ کے ساتھ ہے مع کسر زا اور نصب کل کے) اور یہ اس میں چلائیں گے (شدت وسختی کی فریاد کریں گے۔ یہ کہیں گے) اے ہمارے پروردگار! ہمیں (یہاں سے نکال لے۔ اب ہم اچھے کام کریں گے برخلاف ان کاموں کے جو پہلے سے کرتے رہے ہیں (مگر ان کو جواب دیا جائے گا۔ کہ ہم نے تم کو اتنی عمر نہ

دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا تھا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا (پیغمبر مگر تم نے اس کو قبول نہیں کیا) سو مزہ چکھو کہ ظالموں (کافروں) کا کوئی مددگار نہیں ہے (جو انہیں عذاب سے بچا سکے۔)

تحقیق وترکیب :.........یا ایها الناس. اگر چہ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کا محتاج ہے۔ لیکن عالم میں غنا کا طلب گار صرف انسان ہے۔ نیز ساری مخلوق سے زیادہ انسان ضروریات اور حوائج رکھتا ہے۔ اس لئے خطاب میں اس کی تخصیص کی محتاجگی میں انسان سب سے بڑھ کر ہے۔ اسی لئے صدیق اکبرؓ کا ارشاد ہے۔ **من عرف نفسه فقد عرف ربه** بنی انسان کو اپنی احتیاج وفقر کی معرفت اللہ کے غنا کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

لا تزر وازرة. مفسر علامؒ نے لفظ نفس نکال کر موصوف کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے یعنی کوئی گنہگار دوسرے گنہگار کا بوجھ قیامت میں نہیں اٹھائے گا۔

الیٰ حملها. حمل بمعنی محمول ہے۔ مفسر علامؒ نے منه صفت محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے اور ضمیر مجرور الیها وزر کی طرف راجع ہے۔

فی الشقين. شقین سے مراد حمل قہری ہے جس کا ذکر لا تزر الخ میں ہے اور حمل اختیاری ہے جس کا ذکر وان تدع میں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قیامت میں کوئی ان دونوں بوجھوں میں سے کسی کو بھی نہیں اٹھا سکے گا۔

الظلمات. انواع کفر کی کثرت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے جمع کے ساتھ تعبیر کیا ہے برخلاف نور ایمان کے کہ وہ ایک ہی ہے۔

الحرور. گرم لو۔ جو دن میں ہوتی ہے اور سموم وہ گرم ہوا جو رات کو چلتی ہے اور بعض نے حرور اور سموم دونوں میں کوئی فرق نہیں کیا خواہ دن میں ہو یا رات میں۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حرور رات کی گرم ہوا اور سموم دن کی گرم ہوا۔ اور بعض نے حرور میں دھوپ کی قید بھی لگائی ہے اور لا تینوں مواقع میں تاکید نفی کے لئے زیادہ کیا گیا ہے ورنہ اصل نفی تو پہلی مرتبہ حاصل ہو چکی ہے اور بعض کی رائے ہے کہ جہاں جہاں تضاد ہے وہاں تکرار کیا گیا ہے برخلاف اعمیٰ اور بصیر کے۔ ان کی ذوات میں تضاد نہیں ہے۔ چنانچہ ایک شخص پہلے بصیر اور پھر اعمیٰ ہو سکتا ہے البتہ بلحاظ وصف دونوں میں تضاد پایا جاتا ہے۔

ان الله يسمع. یعنی اللہ ہی کو کسی کے ہدایت پانے نہ پانے کا علم ہے۔ لیکن پیغمبر کو یہ علم نہیں ہے کہ کون ہدایت پائے گا اور کون نہیں پائے گا۔ کفار کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ سنی ہوئی بات سے دونوں نفع نہیں اٹھا سکتے۔

بالزبر. لکھی ہوئی چیزیں جیسے حضرت ابراہیمؑ کو عطا کردہ صحیفے جن کی تعداد تیس ۳۰ تھی اور حضرت موسیٰؑ کو تورات سے پہلے دس صحیفے ملے اور ساٹھ صحیفے حضرت شیثؑ کو عطا ہوئے تھے۔ اس طرح کل صحائف وکتب آسمانی ۱۰۴ ہوئیں۔

كيف كان نكير. مفسر علامؒ نے انکاری سے نکیر بمعنی عذاب کی طرف اور "واقع موقعه" سے استفہام انکاری کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فاخرجنا. یہاں التفات میں نکتہ یہ ہے کہ پانی اتارنے سے بڑھ کر پھل پھلاری پیدا کرنے میں زیادہ احسان ہے کیونکہ اس میں کمال قدرت کا اظہار ہے۔

ومن الجبال. واؤ استینافیه.

جدد. جمع ہے جدة کی جن پہاڑوں میں قدرتی راستے ہوتے ہیں اور طرائق سے مراد پہاڑی راستوں کی رنگتیں ہیں۔ اور ابو الفضلؒ نے ایسے پہاڑوں کو جدد کہا ہے جن کے راستوں کی رنگتیں گرد وپیش سے مختلف ہوں۔ جدة اس گدھے کو بھی کہتے ہیں جس کی کمر

پرسیاہ خط ہو۔ زمخشریؒ اور امام رازیؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ بلحاظ ترکیب نحوی مختلف صفت ہے جدد کی اور الو انھا فاعل ہے۔ مختلف کو خبر مقدم اور الو ان کو مبتداء مؤخر ماننا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں مختلف ہونا چاہئے تھا۔

غرابیب سود. اس میں تین ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ ا۔ حمر پر عطف ہو۔ ۲۔ بیض پر عطف ہو۔ ۳۔ جدد پر عطف ہو۔ غرابیب غریب کی جمع ہے نہایت کالا۔ لفظ سود کا غرابیب ایسا ہی تابع ہے جیسے اصفر فاقع۔ احمر قانی میں ہے مبالغہ کے لئے صفت کو موصوف پر مقدم کیا گیا ہے۔

صخو. بڑے پتھر کو کہتے ہیں۔

مختلف. مبتدائے محذوف کی صفت ہے اور من الناس خبر ہے۔

انما یخشی اللّٰہ. یعنی اللہ کی خشیت کے لئے علم شرط ہے۔ چنانچہ جس قدر علم زیادہ ہوگا اتنی ہی خشیت بڑھے گی۔ حدیث میں ہے انا اخشا کم باللّٰہ و اتقا کم۔ البتہ علم کے لئے خشیت لازم نہیں ہے چنانچہ بہت سے اہل علم ہیں جن میں خشیت نہیں ہوتی۔ مگر خشیت بغیر علم نہیں ہوسکتی۔ ایک قراءت میں لفظ اللہ مرفوع اور العلمؤا منصوب ہے۔ ای یعظم. **ان اللّٰہ عزیز ای لان اللّٰہ عزیز** گویا وجوب خشیت کی یہ علت ہے۔

ان الذین. ان کی خبر کے متعلق دو صورتیں ہیں۔ ا۔ ایک یہ کہ جملہ یرجون خبر ہو اور لن تبور تجارۃ کی صفت ہو اور لیوفیھم متعلق ہے یرجون کے یا تبور کے یا محذوف کے، پہلی دونوں صورتوں میں لام عاقبۃ ہوگا۔ ۲۔ دوسری صورت یہ ہے۔ کہ انہ غفور شکور خبر ہو۔ زمخشریؒ نے حذف عائد کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے۔ ای غفور لھم اس صورت میں یرجون حال ہو جائے گا انفقوا سے۔

لیو فیھم. یہ متعلق ہے لن تبور کے مدلول سے یعنی اس تجارت میں کبھی ٹوٹا نہیں۔ بلکہ اجر وثواب محذوف ہے۔

من الکتاب. من بیانیہ ہے یا جنس کے لئے یا تبعیض کے لئے ہے اور لفظ ہو ضمیر فصل ہے یا مبتداء ہے اور مصدقا حال مؤکدہ ہے۔

ثم اور ثنا. امت محمدیہ اور دوسری امتوں میں بعد رتبی کے لئے ثم لایا گیا ہے۔ وراثت میں جس طرح بلا مشقت۔ مفت مال ہاتھ آتا ہے یہی حال کتاب الٰہی کا ہے کہ انسان کو بے محنت مل جاتی ہے اس لئے اعطاء کتاب کو میراث سے تعبیر کیا ہے۔

فمنھم ظالم. ان تینوں الفاظ ظالم، مقتصد، سابق کی تفسیر سلف سے مختلف منقول ہے۔ ابن عباسؓ سابق سے مخلص اور مقتصد سے ریا کار اور ظالم سے کفران نعمت کرنے والا مراد لیتے ہیں۔ ابو سعیدؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آیت میں مذکور تینوں شخص جنتی ہیں۔ اسی طرح حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ سابق سابق ہے اور مقتصد نجات یافتہ اور ظالم لائق مغفرت شخص ہے۔

ربیع بن انسؓ سے نقل ہے کہ ظالم کبیرہ گناہ کرنے والا اور مقتصد صغیرہ گناہ کرنے والا اور سابق ہر قسم کے گناہ سے بچنے والا۔ اور حسن فرماتے ہیں کہ ظالم وہ جس کے گناہ بڑھے ہوئے ہوں اور سابق وہ جس کے اعمال حسنہ بڑھے ہوئے ہوں اور مقتصد وہ کہ جس کی نیکیاں بدیاں دونوں برابر ہوں۔

عقبہ بن صہبان نے حضرت عائشہؓ سے اس آیت کی وضاحت چاہی۔ فرمایا یہ سب جنتی ہیں۔ اور ابوالدرداء حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے آیت تلاوت کر کے فرمایا کہ سابق بے حساب جنت میں جائے گا اور مقتصد سے معمولی طور پر پوچھ تاچھ ہوگی اور ظالم کی اچھی خاصی مزاج پرسی ہوگی۔ غرض ان الفاظ کی تشریح میں پینتالیس (۴۵) اقوال ہیں۔

لُؤ لُؤًا. تفسیری عبارت قراءت جر کی صورت میں ہے۔ لیکن عاصمؒ و نافعؒ کی قرأت نصب کی صورت میں من اساور کو محل پر عطف کیا جائے گا۔

الحزن. عام مراد ہے دنیا کا غم ہو یا موت کا ڈر، معاش کا غم ہو یا ابلیس کا وسوسہ۔ یہ سب تعبیرات بطور تمثیل ہیں۔ چنانچہ زجاجؒ کہتے ہیں کہ جنتی کے سارے غم کافور ہو جائیں گے۔

لا یمسنا. یہ حال ہے احلنا کے مفعول اول یا مفعول ثانی سے۔

لغوب. نصب کی نفی کے بعد لغوب کی نفی کیوں کی گئی۔ جب کہ دونوں سبب مسبب ہیں؟ جواب یہ ہے کہ سبب کی نفی اگر چہ مسبب کی نفی کو مستلزم ہے مگر مبالغہ کے لئے صراحۃً نفی کر دی گئی اور بعض نے دونوں میں فرق کیا ہے کہ نصب بدنی تکلیف کو اور لغوب نفسانی تکالیف کو کہتے ہیں۔ پس ایک دوسرے کو مستلزم نہیں ہیں۔ اس لئے الگ الگ نفی صحیح ہوگئی۔

اسی طرح قاموس میں ہے کہ نصب کے معنی محض عاجز ہونے کے ہیں۔ لیکن لغب باب سمع اور کرم سے زیادہ تھکنے کے ہیں پس دونوں میں فرق واضح ہوگیا۔ اور خطیب میں فرق اس طرح ظاہر کیا گیا ہے کہ نصب کہتے ہیں تعب ومشقت کو اور لغوب کہتے ہیں اس سے پیدا ہونے والے فتور کو جو اس کا نتیجہ اور ثمرہ ہوتا ہے اس لئے شبہ پھر وہی رہے گا کہ اول سبب ہے، دوسرے کے لئے اور انتفاء سبب مستلزم ہوتا ہے انتفاء مسبب کو پس نصب کی نفی کے بعد لغوب کی نفی کی ضرورت نہیں رہ جاتی پس سابقہ توجیہ ہی کی جائے گی کہ دونوں کی الگ الگ صراحۃً بھی کر دی ہے مبالغہ کے لئے۔

یجزی. ابوعمرو یائے مضمومہ اور زائے مفتوحہ کے ساتھ لفظ کل کو مرفوع پڑھتے ہیں اور باقی قراء نون مفتوحہ اور زائے مکسورہ کے ساتھ کل کو منصوب پڑھتے ہیں۔

عویل. اعول چلا کر رونا عول۔ عولۃ۔ عویل تینوں مرفوع اسماء ہیں۔

ربنا. تقدیر قول کے ساتھ ہے خواہ فعل مقدر مانا جائے ای یقولون ربنا الخ اور یا جملہ مستانفہ مقدر مانا جائے۔ ای اخرجنا من النار وردنا الی الدنیا اور یا فاعل یصطرخون سے حال مانا جائے ای قائلین ربنا.

صالحا غیر الذی. یہ دونوں لفظ مصدر محذوف کی صفت ہیں ای عملا صالحاً الخ اور مفعول بہ محذوف کی صفت بھی یہ دونوں لفظ ہو سکتے ہیں۔ ای نعمل شیئا صالحا غیر الذی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صالحاً مصدر کی صفت ہو اور غیر الذی مفعول بہ ہو۔

فیقال. زمانہ دراز کے بعد ان کو یہ جواب ملے گا۔

ما یتذکر. کی تفسیری عبارت میں ما کے نکرہ موصوفہ ہونے کی طرف اشارہ کیا اور یا مصدر یہ سے زمانہ مراد ہے۔

نذیر. اکثر کے نزدیک رسول کے معنی ہیں اور بعض نے بڑھاپے اور بعض نے عقل کے معنی کہے ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: .... اللہ کی ذات میں ساری خوبیاں اور تمام کمالات چونکہ جمع ہیں اور بندے ذاتی طور پر ان سے عاری ہیں۔ اس لئے اللہ کی شان غنی اور بندوں کی صفت محتاجگی ٹھہری اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ ہماری سرکشی کی صورت میں ہمیں فنا کر کے ایک فرمانبردار مخلوق پیدا کر دے۔ یہ ہمارا فی الحال ضرر ہوا اگر چہ احتمال ہی سہی تاہم اللہ کو کچھ مشکل نہیں کہ کسی مصلحت سے اگر اس نے ڈھیل دے رکھی ہے تو اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔

قیامت کی نفسا نفسی: .... آخرت کی سزا تو یقینی سر پر ہے ہی۔ وہاں ہر شخص کو ایسی نفسی نفسی پڑی ہوگی کہ کوئی کسی کا بوجھ اٹھانے کے لئے نہ از خود رعایۃً آمادہ ہوگا اور نہ بلانے پر کسی کے لئے تیار ہوگا چاہے وہ قرابتدار ہی کیوں نہ ہو۔ بس اللہ ہی کے فضل سے بیڑا پار ہوگا۔

آیت لا یحمل منه شئ آیت عنکبوت ولیحملن اثقالهم الخ کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں منشاء یہ ہے کہ دوسرا

بوجھ اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اصل مجرم بری الذمہ ہو جائے۔ بلکہ مجرم اور شریک کار دونوں پکڑے جائیں گے۔ اس تحذیر منکرین کے بعد آگے حضور اکرم ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ آپ کفار کے غم میں فضول کیوں گھل رہے ہیں۔ آپ کی نصیحت تو اسی پر کارگر ہو سکتی ہے جو بن دیکھے اللہ سے ڈرتا ہوا اور نماز کی پابندی رکھتا ہو۔ یعنی جو یائے حق کے لئے نصیحت نتیجہ خیز ہوا کرتی ہے خواہ فی الحال ایماندار ہو یا آئندہ جو شخص بھی آپ کی نصیحت پر کان دھرے گا اور اپنا حال درست کرے گا وہ خدا پر یا آپ پر احسان نہیں کرے گا۔ بلکہ اپنا ہی فائدہ کرے گا اور پورا فائدہ اللہ کے یہاں جاتے پر ہی ظاہر ہوگا۔ لیکن جس کے دل میں خوف خدا ہی نہ ہو وہ ان دھمکیوں سے کیا متاثر ہوگا۔ غرض کہ نفع اگر ہوگا تو ان کا ہوگا آپ غم میں کیوں گھلتے ہیں۔

دنیا کی چیزوں میں اختلاف فطری ہے:............ اور اصل راز یہ ہے کہ مومن و کافر دونوں برابر نہیں ہیں مومن کو اللہ نے آنکھ دی ہے وہ حق کے اجالے اور وحی کی روشنی میں بے کھٹکے راستہ قطع کرتا ہوا سیدھا جنت میں اور راحت الٰہی کے سایہ میں جا پہنچتا ہے۔ لیکن کافر جو دل کا اندھا اور ہوائے نفسانی کی اندھیریوں میں بھٹکتا ہوا جہنم کی جھلنے والی آگ کی طرف بے تحاشہ دوڑا چلا جاتا ہے۔ پس کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اگر اندھا اور سنوکھا برابر نہیں ہو سکتے۔ اگر اندھیرا اور اجالا دونوں ایک دوسرے کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اگر سایہ اور دھوپ دونوں برابر نہیں ہو سکتے اگر زندہ و مردہ برابر نہیں ہو سکتے۔ تو مومن و کافر میں تو اس سے زیادہ فرق ہے۔ وہ کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔

اصل دائمی زندگی تو ایمانی روح سے ملتی ہے۔ ورنہ کافر ایک زندہ نعش بلکہ ہزاروں مردوں سے بدتر سمجھنا چاہئے اور مردہ کو زندگی بخش دینا اللہ کی قدرت میں تو ہے پر بندہ کے بس کی بات نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ انہیں ہدایت دے دے تو اور بات ہے ورنہ آپ کی کوشش سے یہ حق قبول نہیں کریں گے۔ اللہ جسے چاہے سنوا سکتا ہے۔ مگر آپ قبروں میں ان مدفون لوگوں کو نہیں سنوا سکتے۔ پیغمبر کا کام تو صرف ڈراتے رہنا ہے اور یہ ڈراتے رہنا بھی بطور خود نہیں ہوتا۔ جیسا کہ منکرین نبوت کہا کرتے ہیں۔ بلکہ ہماری ہی طرف سے ہے۔ لیکن کافر ڈر بھی جائیں اور حق قبول بھی کر لیں یہ قطعاً آپ کی ذمہ داری نہیں پھر غیر متعلق بات کے غم میں آپ کیوں پڑیں۔

اشکال وجواب:............ ظلمت ونور اور ظل وحرور میں برابری کی نفی اس لئے نہیں کی جارہی ہے کہ ان کے مشبہ میں برابری کا شبہ تھا۔ بلکہ دراصل کفار کے ہدایت نہ ہونے پر استدلال ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دیکھو ان مذکورہ چیزوں کے شبہات یعنی ہدایت و ضلالت، جنت و دوزخ کی نابرابری تو معلوم ہے ہی اور ہر فریق کے لئے ایک ایک شق مقدر ہے۔ پس اس کے بعد کافروں کے لئے ہدایت کی توقع رکھنا ایسا ہوگا جیسے نور وظلمت میں برابری اور سایہ اور دھوپ میں یکسانیت کی توقع رکھنا جو محال ہے۔ پس بطور مبالغہ ملزوم بھی منفی ہے۔ وما انت بمسمع من فی القبور. یعنی آپ قبر میں پڑے ہوؤں کو نہیں سنا سکتے۔ حالانکہ حدیث میں قبرستان جا کر سلام پڑھنے کا حکم آیا ہے اور بھی بہت سی جگہ مردوں کو خطاب کیا گیا ہے۔

بات یہ ہے کہ مردے کی روح تو سنتی ہے جو عالم ارواح میں ہے مگر اس کا دھڑ نہیں سنتا۔ جو قبر میں پڑا ہوا ہے اور آیت ان انت الا نذیر پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس میں تو صفت نذیر کا حصر ہے۔ حالانکہ آئندہ آیت انا ارسلناك بشیرا ونذیرا میں آپ کی دونوں شانیں ذکر کی گئی ہیں۔ کیونکہ اول تو اس حصر سے مقصود آپ کے بشیر ہونے کی نفی نہیں ہے بلکہ آپ کے مسئول عنہ ہونے کی نفی مقصود ہے۔ جیسے دوسری آیت ولا تسئل عن اصحاب الجحیم میں فرمایا گیا ہے دوسرے اگر بشیر ہونے کی نفی ہی مقصود ہو تو صرف کفار کے لحاظ سے ہے یعنی آپ کفار کے حق میں صرف نذیر ہیں اور بشیر صرف مومنین کے لئے ہیں۔ وان من امة الا خلافیها نذیر میں نذیر سے مراد عام ہے خواہ نبی ہو یا اس کا قائم مقام۔

آیت و ان یکذبوک الخ میں آپ کو تسلی دینی ہے کہ آپ ان کی تکذیب کی پرواہ نہ کیجئے نہ یہ آپ کے لئے انوکھی بات ہے اور نہ ان کے لئے۔ پچھلے پیغمبر چھوٹی بڑی کتابیں صحیفے لے کر آئے اور روشن تعلیمات یا کھلے کھلے معجزات پیش کئے۔ مگر سب کے ساتھ یہی تکذیب کا نارواسلوک کیا آخر دیکھا ان کا کیا انجام بنا؟ وہی سب کچھ تمہارے ساتھ کیا جائے گا۔

دلائل توحید:.............. اس کے بعد آیت الم تر الخ سے مضمون توحید کا اعادہ ہے اور ساتھ ہی علم توحید کے ثمرہ عملی یعنی خشیت کو اور پھر اس کی علت میں بعض صفات الٰہیہ کا بیان ہے۔ فرماتے ہیں ہم نے بارش سے قسم قسم کے میوے اور ہر قسم میں رنگ برنگ کے پھل پیدا کئے۔ حالانکہ زمین ایک، پانی ایک، ہوا ایک۔ اس میں کس قدر قدرت کا اظہار ہے۔ پہاڑ پیدا کئے تو ان کی رنگتیں بھی مختلف درمختلف یہ سب نیرنگی قدرت ہے۔ پس جس طرح جمادات، نباتات، حیوانات میں اس درجہ اختلاف ہے تو سارے انسان مومن وکافر، نیک وبد کیسے ایک ہوسکتے ہیں۔ سب انسان ایک ہی رنگ اختیار کرلیں۔ ایک ہی ساخت کے ہوجائیں یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ پس جو لوگ ان دلائل قدرت میں غور کرتے ہیں ان کو عظمت خداوندی کا علم ہوجاتا ہے۔

مذکورہ بالا چیزوں میں رنگتوں کا اختلاف چونکہ اجلیٰ اور نمایاں ہے اور دلیل کے لئے مقدمات کا واضح اور روشن ہونا مفید ہوتا ہے اس لئے رنگتوں کی تخصیص کی ورنہ ان چیزوں کی تاثیرات، ذائقے، فوائد میں مختلف ہوتے ہیں۔ مگر رنگتوں کی طرح واضح نہیں ہیں۔

سابقہ آیات کے ارتباط کی دوسری عمدہ توجیہ:.............. نیز اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی بھی ہے کہ آپ اس اختلاف طبائع سے رنجیدہ نہ ہوں۔ چنانچہ انسانوں میں اللہ سے ڈرنے والے بھی ہیں اور نڈر بھی۔ مگر ڈرتے وہی ہیں۔ جنہیں اللہ کی عظمت وجلال کا علم ہے۔ دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی پائیداری کو سمجھتے ہیں۔ احکام الٰہی کا علم رکھ کر مستقبل کی فکر رکھتے ہیں جس میں جس درجہ یہ علم ہوگا وہ اسی درجہ خدا سے ڈرے گا، جو خوف خدا سے بہرور نہیں وہ فی الحقیقت عالم نہیں۔ اللہ کی شانیں دو ہیں۔ وہ زبردست ہے کہ ہر خطا پر پکڑ سکتا ہے اور غفور الرحیم بھی ہے کہ ہر گناہ معاف کرسکتا ہے۔ پس جب نفع نقصان دونوں اسی کے قبضہ میں ہیں تو بندہ کو دونوں حیثیتوں سے ڈرنا چاہئے۔ وہ جب چاہے نفع کو روک لے اور ضرر کو لگادے۔ عظمت الٰہی کا علم اگر اعتقادی ہے تو خشیت بھی اعتقادی ہے اور عظمت کا علم حالی ہے تو خشیت بھی حالی ہوگی۔

اب اس وضاحت کے بعد اس شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ بعض اہل علم کو خشیت سے خالی دیکھا جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ مدار خشیت علم پر ہے نہ کہ مدار علم خشیت پر یعنی علم بدون خشیت کے ہوسکتا ہے مگر خشیت بدون علم کے نہیں ہوسکتی۔

اس کے بعد آیت ان الذین یتلون الخ میں جزا اور سزائے آخروی کا تفصیلی بیان ہے جو لوگ اللہ سے ڈر کر اس کی باتوں کو مانتے ہیں اور اس کی کتاب عقیدت سے پڑھتے ہیں، عبادات بدنی اور مالی میں کوتاہی نہیں کرتے وہ فی الحقیقۃ ایک زبردست بیوپار کے امیدوار ہیں جس میں ٹوٹے کا کوئی کھٹکا نہیں ہے۔ کیونکہ خدا ان کے اعمال کا خود خریدار ہوگا۔ تو نقصان کا کیا احتمال سراسر نفع ہی نفع ہے۔ وہ بڑی سے بڑی خطائیں معاف کردیتا ہے اور معمولی سی طاعت کی بھی قدر ومنزلت کرلیتا ہے اور اعمال کا بدلہ مقررہ ضابطہ سے کہیں بڑھ چڑھ کر دیتا ہے۔

قرآن کی تلاوت اور جنت:.............. اور یہ انعام الٰہی قرآن کریم پر عمل کرنے کی بدولت چونکہ ہے۔ اس لئے یہ قرآن کی جامعیت اور کمال کی دلیل ہے۔ پس اس کا عامل بھی اجر کامل کا مستحق ہے۔ تلاوت قرآن پر عطائے جنت بطور سبب ہے بطور موقوف علیہ نہیں۔ البتہ جنت میں فوری داخلہ کے لئے قرآن کی تلاوت کو مدار بنایا جائے تو تلاوت سے مراد قرآن پر عمل کرنا ہوگا جو مقصود تلاوت

ہوتا ہے۔ کیونکہ عمل کے بغیر محض تلاوت مقصود نہیں ہے۔

پیغمبر کے بعد اس کتاب کا وارث بنایا جو مجموعی اعتبار سے سب امتوں سے بڑھ کر ہے اگرچہ افراد واشخاص کے لحاظ سے سب یکساں نہیں ہیں۔ کچھ ان میں بلحاظ اعمال تھرڈ کلاس بھی ہیں اور کچھ سیکنڈ درجہ کے ہیں اور کچھ وہ بھی ہیں جو فسٹ کلاس میں ہیں۔ یوں برگزیدہ ہونے میں سب شریک ہیں مگر فرق مراتب کے ساتھ۔ حدیث میں ہے کہ گنہگار مسلمان کی بھی معافی ہوجائے گی اور میانہ رو، سلامت رو ہے اور اعلیٰ درجہ کے وہ اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ اللہ کریم ہے اس کے یہاں بخل نہیں ہے۔ جنت میں داخل ہونے والوں کو سونے اور موتیوں کے گہنے اور ریشمی لباس پہنایا جائے گا۔

حدیث میں ہے کہ جو مرد دنیا میں ریشم اور سونا پہنے گا وہ آخرت میں نہیں پہنے گا۔ جنتی نعمائے الٰہی پر حمد باری بجالائیں گے۔ کہ اللہ نے دنیا اور محشر کا غم دور کیا۔ گناہ معاف کرکے از راہ قدر دانی طاعت قبول فرمائی اور اس سے پہلے رہنے کا کوئی گر نہ تھا۔ ہر جگہ چل چلاؤ، روزی کا غم، دشمنوں کا ڈر اور طرح طرح کے رنج ومشقت مگر وہاں پہنچ کر سب کافور ہوگئے۔ لیکن کفار کا حال یہ ہوگا کہ جہنم میں رہنے کے ساتھ نہ ختم ہونے والی تکالیف میں مبتلا رہیں گے۔ انہیں موت بھی نہ آئے گی کہ اسی سے تکالیف کا خاتمہ ہو اور نہ عذاب ہلکا پڑے گا۔ ایسے ناشکروں کی اللہ کے یہاں یہی سزا ہے۔ ہر چند کہ چیخیں چلائیں گے کہ ذرا دوزخ سے نکال دیجئے۔ اب کے ہم نیکیاں سمیٹ لائیں گے اور فرمانبردار بن کر حاضر ہوں گے۔ واقعی ہم سے بدعملیاں ہوگئیں۔ مگر جواب ملے گا کہ تمہیں تو کام کرنے کا موقعہ دیا گیا تھا۔ اتنی عمر اور سمجھ بھی دی تھی۔ جس سے کھرے کھوٹے کا امتیاز اور پرکھ کر سکتے تھے۔ حتیٰ کہ بہت سے ساٹھ ستر برس تک دنیا میں پڑے رہے اور انہیں خواب غفلت سے چونکا دینے والی باتیں پیش آئیں مگر کسی طرح نہ سنبھلے۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی عذر باقی رہ گیا ہے۔ اب اپنی کرنی کو بھگتو اور کسی طرف سے مدد کی آس نہ رکھو۔

بڑھاپا بھی نذیر ہے:............ **اولم نعمر کم** میں دراصل عمر بلوغ مراد ہے جس میں ضروری سمجھ بوجھ آجاتی ہے اور شرعاً مکلّف بن جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت قتادہؒ سے منقول ہے۔ **اعلموا ان طول العمر حجة نزلت وان فيهم لا بن ثمان عشر سنة** اور امام صاحب نے بلوغ کی اکثر مدت بھی اٹھارہ سال فرمائی ہے۔ اور بعض روایات میں جو ساٹھ سال تفسیر آئی ہے اس سے تخصیص مقصود نہیں۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ ساٹھ سال میں اور زیادہ حجت قائم ہوجاتی ہے۔ سفید بال اور پوتے نواسے بھی پیغام موت ہیں۔

لطائف سلوک:............ **انما يخشى الله الخ** سے وہ علماء مراد ہیں جنہیں اللہ کی ذات وصفات اور افعال وشیون کی معرفت ہے۔ محض صرف ونحو وغیرہ، علوم نقلیہ وعقلیہ جاننے والے اس کا مصداق نہیں۔ کیونکہ خشیت کی بنیاد پہلا علم ہے نہ کہ دوسرا۔

آیت **ثم اورثنا الخ** میں کوتاہ عمل کو بھی چنے ہوئے لوگوں میں سے شمار کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ولایت عام ہر مومن کو حاصل ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۳۸﴾ بِمَا فِي الْقُلُوْبِ فَعِلْمُهٗ بِغَيْرِهٖ اَوْلٰى بِالنَّظَرِ اِلٰى حَالِ النَّاسِ **هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ؕ** جَمْعُ خَلِيْفَةٍ اَيْ يَخْلُفُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا **فَمَنْ كَفَرَ** مِنْكُمْ **فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ؕ** اَيْ وَبَالُ كُفْرِهٖ **وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ** غَضَبًا **وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾** لِلْاٰخِرَةِ **قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ**

الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَیْ غَيْرِهٖ وَهُمُ الْاَصْنَامُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ شُرَكَاءُ اللّٰهِ تَعَالٰى **اَرُوْنِيْ** اَخْبِرُوْنِيْ **مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ** شِرْكَةٌ مَعَ اللّٰهِ **فِي** خَلْقِ **السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ** حُجَّةٍ **مِّنْهُ ۚ** بِاَنَّ لَهُمْ مَعِيَ شِرْكَةً لَاشَيْءَ مِنْ ذٰلِكَ **بَلْ اِنْ** مَا **يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ** الْكَافِرُوْنَ **بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾** بَاطِلًا بِقَوْلِهِمُ الْاَصْنَامُ تَشْفَعُ لَهُمْ **اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ** اَیْ يَمْنَعُهُمَا مِنَ الزَّوَالِ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **زَالَتَآ اِنْ** مَا **اَمْسَكَهُمَا** يُمْسِكُهُمَا **مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ ؕ** اَیْ سِوَاهُ **اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾** فِيْ تَاخِيْرِ عِقَابِ الْكُفَّارِ **وَاَقْسَمُوْا** اَیْ كُفَّارُ مَكَّةَ **بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ** اَیْ غَايَةَ اِجْتِهَادِهِمْ فِيْهَا **لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ** رَسُوْلٌ **لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ** اَلْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَغَيْرِهِمَا اَیْ اَیَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا لَمَا رَأَوْا مِنْ تَكْذِيْبِ بَعْضِهَا بَعْضًا اِذْ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ **فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ** مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **مَّا زَادَهُمْ** مَجِيْئُهٗ **اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۲﴾** تَبَاعُدًا عَنِ الْهُدٰى **اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ** عَنِ الْاِيْمَانِ مَفْعُوْلٌ لَهٗ **وَمَكْرَ** الْعَمَلِ **السَّيِّئِ ؕ** مِنَ الشِّرْكِ وَغَيْرِهٖ **وَلَا يَحِيْقُ** يُحِيْطُ **الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ** وَهُوَ الْمَاكِرُ وَوَصْفُ الْمَكْرِ بِالسَّيِّئِ اَصْلٌ وَاِضَافَتُهٗ اِلَيْهِ قَبْلَ اِسْتِعْمَالٍ اٰخَرُ قُدِّرَ فِيْهِ مُضَافٌ حَذَرًا مِنَ الْاِضَافَةِ اِلَى الصِّفَةِ **فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ** يَنْتَظِرُوْنَ **اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ** سُنَّةَ اللّٰهِ فِيْهِمْ مِنْ تَعْذِيْبِهِمْ بِتَكْذِيْبِهِمْ رُسُلَهُمْ **فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾** اَیْ لَا يُبَدَّلُ بِالْعَذَابِ غَيْرُهٗ وَلَا يُحَوَّلُ اِلٰى غَيْرِ مُسْتَحِقِّهٖ **اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ** فَاَهْلَكَهُمُ اللّٰهُ بِتَكْذِيْبِهِمْ رُسُلَهُمْ **وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ** يَسْبِقُهٗ وَيَفُوْتُهٗ **فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا** بِالْاَشْيَاءِ كُلِّهَا **قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾** عَلَيْهَا **وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا** مِنَ الْمَعَاصِيْ **مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا** اَیِ الْاَرْضِ **مِنْ دَآبَّةٍ** نَسَمَةٍ تَدُبُّ عَلَيْهَا **وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ** اَیْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾** فَيُجَازِيْهِمْ عَلٰى اَعْمَالِهِمْ بِاِثَابَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَعِقَابِ الْكَافِرِيْنَ

ترجمہ: .... بلاشبہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا جاننے والا ہے۔ بیشک وہی دلوں کے بھید جاننے والا ہے (دل کی باتیں پس دل کے علاوہ اور باتیں لوگوں کی نظر کے لحاظ سے بدرجہ اولیٰ جاننے والا ہے) وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں آباد کیا ہے (خلیفہ کی جمع خلائف ہے یعنی یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں) پھر جو کوئی (تم میں سے) ناشکری کرے تو اس پر ناشکری کا

وبال پڑے گا اور کافروں کے لئے ان کا کفران کے پروردگار کے سامنے ناراضگی (غصہ) ہی بڑھائے گا اور کافروں کے لئے ان کا کفر (آخرت میں) خسارہ ہی کا باعث بنے گا۔ آپ کہئے ذرا دیکھو تو اپنے قرار دادشریک کو جن کو تم خدا کے سوا پکارا کرتے تھے (یعنی اللہ کے علاوہ بتوں کو جنہیں تم اپنے گمان میں اللہ کا شریک سمجھتے تھے) مجھے دکھلاؤ (بتلاؤ) تو کہ انہوں نے زمین کا کون سا حصہ پیدا کیا ہے یا ان کا کچھ ساجھا ہے (اللہ کے ساتھ شرکت ہے) آسمانوں (کے بنانے) میں یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے کہ اس کی دلیل پر قائم ہوں (اس پر کہ میں نے ان سے ساجھا کر رکھا ہے ان میں کوئی سی شق بھی نہیں پائی جاتی) بلکہ یہ ظالم (کافر) ایک دوسرے سے دھوکہ کی باتوں کا وعدہ کرتے آئے ہیں (بے اصل بات کہ بت ان کے لئے سفارشی ہوں گے) یقینی بات ہے کہ اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ ٹل نہ جائیں (یعنی موجودہ حالت کو نہ چھوڑ بیٹھیں) اور اگر (لام قسمیہ ہے) وہ ٹل جائیں تو پھر اللہ کے سوا (علاوہ) کوئی انہیں سنبھال بھی نہ سکے وہ رہنمائی والا بخشش والا ہے (کفار کی سزا میں دیر کرکے) اور ان (مکہ کے) کفار نے بڑی زوردار قسمیں کھائی تھیں (پوری تاکید کے ساتھ) کہ اگر کوئی ان کے پاس ڈرانے والا (پیغمبر) آیا تو وہ ہر امت سے بڑھ چڑھ کر ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے (یعنی یہود نصاریٰ کوئی سی بھی امت ہو سب سے بڑھ کر رہیں گے کیونکہ یہود نصرانیوں سے کہا کرتے تھے کہ تم کچھ نہیں ہو اور نصاریٰ جواب دیتے کہ تم کچھ نہیں) مگر جب ان کے پاس ڈرانے والے (محمد ﷺ) آپہنچے تو (آپ کی تشریف آوری سے) ان کی نفرت ہی کو ترقی ہوئی (ہدایت سے دوری بڑھی) اپنے کو دنیا میں بالا سمجھنے کی وجہ سے (ایمان سے استکبارا مفعول لہ ہے) اور ان کے برے داؤ پیچ کی وجہ سے (شرک وغیرہ کرکے) اور بری تدبیروں کا وبال بری تدبیریں کرنے والوں ہی پر پڑتا ہے (یعنی مکار پر اور مکر کی صفت لفظ سے اپنی اصل پر ہے البتہ اس سے پہلے لفظ مکر السیء ایک دوسرے استعمال پر آیا ہے کہ اس میں مضاف مقدر مانا گیا ہے اضافت الی الصفت سے بچنے کے لئے) سو کیا یہ نظر (انتظار) نہیں کررہے ہیں مگر جو دستور اگلوں کے ساتھ ہوتا آیا ہے (کہ پیغمبروں کو جھٹلانے کی وجہ سے ان میں اللہ کے عذاب بھیجنے کا دستور رہا ہے) سو آپ خدا کے دستور کو کبھی بدلا ہوا نہیں پائیں گے اور نہ خدا کے دستور کو آپ کبھی ٹلتا ہوا پائیں گے (یعنی نہ عذاب کو کسی اور چیز سے بدلا جاتا ہے اور نہ اسے کسی غیر مجرم کی طرف پھیرا جائے گا) کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا بنا۔ حالانکہ وہ وقت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے (مگر اللہ نے ان کو اپنے پیغمبروں کے جھٹلانے کی وجہ سے تباہ کر ڈالا) اور اللہ ایسا نہیں کہ کوئی چیز اسے ہرادے (کہ اس سے آگے نکل کر اسے چھوڑ دے) نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہ (تمام باتوں کا) بڑا جاننے والا (ان پر) بڑی قدرت والا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ (ان) لوگوں پر داروگیر فرمانے لگتا ان کے اعمال (بد) کی وجہ سے تو روئے زمین پر ایک متنفس کو نہ چھوڑتا (جو زمین پر چل پھر سکتا) لیکن اللہ انہیں ایک معین مدت (قیامت) تک مہلت دے رہا ہے۔ سو جب وہ میعاد آپہنچے گی اللہ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا (لہٰذا وہ لوگوں کو ان کے کئے کا ضرور بدلہ دے گا مؤمنین کو ثواب اور کافروں کو عذاب۔)

تحقیق وترکیب: .... **ذات الصدور**. پہلے جملہ میں خود کو اللہ نے آسمان وزمین کا غیب داں بتلایا تھا یہ جملہ اس کی دلیل ہے کہ جب وہ دلوں کے بھید جانتا ہے تو اور باتیں بطریق اولیٰ جانتا ہے اور تفسیر عبارت **بالنظر الی حال الناس** یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ اللہ کو تو سب چیزوں کا علم برابر ہے۔ پھر ان میں بعض کو اولیٰ یا غیر اولیٰ کہنا کیسے صحیح ہے؟ جواب یہ ہے کہ لوگوں کی ظاہری نظر کے لحاظ سے ایسا کہہ دیا کہ ہم دل کا حال جاننے کو زیادہ مشکل سمجھتے ہیں۔ ورنہ حقیقۃً اللہ کا علم یکساں ہے۔ چنانچہ اللہ کو عالم الغیب کہنا انسانی نظر کے لحاظ سے ہے۔ ورنہ اللہ کے لئے سب شہادۃ اور حاضر ہے۔ ذات صدر کے معنی سینہ میں پوشیدہ راز وخطرات کے ہیں پس ذات بمعنی صحبت ہے۔

لا یزید. یہ بیان ہے **فعلیه کفره** کا اور بیان اگرچہ علیحدہ نہیں ہوتا۔ مگر زیادتی تفصیل کی وجہ سے فصل کردیا گیا ہے اور اس جملہ کے تکرار میں نکتہ اس تنبیہ اور تقریر کو زیادہ کرنا ہے کہ کفر پر دو مستقل وبال اللہ کی ناراضی اور خسارہ کے ایسے ہیں کہ ان میں ہر ایک

وبال بھی کفر سے پرہیز کے لئے کافی ہے چہ جائیکہ دونوں وبال اکٹھے ہو جائیں۔

ارایتم. اس میں دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ایک یہ کہ ہمزہ استفہام حقیقی ہے اور ارونی امر تعجیزی ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ استفہام مراد نہ لیا جائے بلکہ بمعنی اخبرونی ہو۔اس صورت میں یہ متعدی بدو مفعول ہوگا۔ایک مفعول شرکاء اور دوسرا مفعول استفہامیہ ہو۔یعنی ماذا خلقوا اور ارونی جملہ معترضہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تنازع فعلین ہو رہا ہے کہ ارایتم بھی ماذا خلقوا کو مفعول ثانی بنانا چاہتا ہے اور ارونی بھی مفعول لہ کا تقاضا کرتا ہے اور بطرز بصریین فعل ثانی کو عمل دے دیا جائے۔

ارونی. بمعنی اخبرنی ہونے کی وجہ سے ارایتم سے بدل الاشتمال ہے اور ہمزہ استفہام مانتے ہوئے بدل الکل بھی ہو سکتا ہے اور ارونی کو استیناف بھی مانا جا سکتا ہے ایک مفعول محذوف مان کر لیکن بدل کی صورت میں محذوف کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

ماذا خلقوا. ای ای شئ خلقوا. یہ مفعول ثانی کے قائم مقام ہے۔لیکن علامہ رضی کی رائے ہے کہ جو جملہ متضمن معنی استفہام ہو وہ محل اعراب نہیں ہوا کرتا۔

ام أتيناهم. اس میں التفات ہے۔

ان تزو لا عنها. سے مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ حذف جار کے بعد ان تزولا مفعول ثانی کے محل میں ہے اور مفعول لہ بھی بن سکتا ہے۔ ای کراهة تزولا یا لئلا تزولا.

ان امسكها. جواب قسم ہے اور جواب شرط محذوف ہے۔جس پر جواب قسم دلالت کر رہا ہے۔اسی لئے شرط فعل ماضی رہی۔

جهد ايمانهم. مفعول مطلق ہے ای اقساما بليغا اور حال بھی بن سکتا ہے ای جاهدين فی ايمانهم.

لئن جاء هم. یہ حکایت علی المعنی ہے۔

احدى الامم. یہود و نصاریٰ کہہ کر مفسر اشارہ کر رہے ہیں کہ الامم میں الف لام عہد کا ہے اور شان نزول کا قرینہ کی وجہ سے وہ امتیں برابر ہیں جو ایک دوسرے کی تکذیب کرتی ہیں۔لفظ احدی عام ہے کیونکہ ہر ایک امت سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ہونا مراد ہے کسی خاص امت سے ہدایت یافتہ ہونا پیش نظر نہیں ہے۔

فلماء جاهم. خبر محذوف ہے ای تجازی كلا منهم.

لا يحيق. قاموس میں حاق ا به احاط بہ جیسے احاق وفيه السيف حاك وبهم الا مر بمعنی لازم۔واجب اور نازل ہونا۔

مكر السئی. موصوف کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔اور خطیب نے اس کے علاوہ دو وجہیں اور بھی لکھی ہیں۔ ایک موصوف کی اضافت صفت کی طرف۔کیونکہ اصل میں المكر السیئ تھا۔دوسری ترکیب یہ ہے کہ ولا يحيق المكر السیئ اپنی اصل پر ہے یعنی وقت تابع ہے تفسیر کی عبارت الاصل سے یہی مراد ہے۔اور قبل سے مراد قبل ہذا الترکیب ہے۔یعنی والمكر السیئ جو خلاف اصل استعمال ہوا ہے جس میں صفت کی اضافت موصوف کی طرف کی گئی ہے۔مگر اس خرابی سے بچنے کے لئے کہا جائے گا کہ مکر محذوف کی طرف دراصل مضاف ہے اور وہ مضاف الیہ ہی موصوف ہے سئی کا۔

اور سمین میں لکھا ہے کہ مکر السئ میں دو توجیہیں ہیں۔واضح توجیہ تو یہ ہے کہ اس کو استکبار پر عطف کر لیا جائے۔دوسری صورت یہ ہے کہ نفور پر اس کا عطف کیا جائے۔یہ اصل میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے۔کیونکہ اس کی اصل المكر السئ ہے البتہ بصری حذف محذوف کی تاویل کرتے ہیں۔ای العمل السئ.

فهل ينظرون. مجازاً مستقبل میں پیش آنے والی چیزوں اور منتظرة سے تعبیر کیا ہے ورنہ متوقعاً ان کو کسی چیز کا انتظار نہیں تھا۔

سنة الا ولين. اس میں مصدر مضاف الی المفعول ہے۔

اور لن تجد لسنة الله. میں مضاف الی الفاعل ہے۔پس مصدر کی دونوں اضافتیں درست ہیں اور فلن تجد میں فا تعلیل کے لئے ہے عذاب منتظرہ کی اور سنت اللہ میں تبدیل وتحویل کے مصداق کی نفی سے مراد بطریق برہان ان کے وجود کی نفی ہے اور مستقلاً نفی

کرنے میں تاکید نفی ہے اور لفظ تبدیل میں اشارہ ہے کہ نفس عذاب میں کسی دوسری چیز سے تبدیلی نہیں ہوگی اور تحویل میں اشارہ ہے کہ عذاب مستحق سے منتقل کر کے غیر مستحق کو نہیں دیا جائے گا اور دونوں کو جمع کرنے میں تہدید اور توبیخ ہے۔

اولم یسیروا. اس میں ہمزہ انکار یا نفی کے لئے ہے اور واؤ عطف مقدر پر عطف کے لئے ہے۔ای **قعدوا فی مساکنھم ولم یسیروا فی الارض فینظروا الخ** یہ جملہ سنت اللہ کے استشہاد کے سلسلہ میں ہے۔

کیف کان. جملہ حالیہ ہے یا پہلے جملہ **من قبلھم** پر معطوف ہے۔

ما ترک. مثلاً بارش روک لے اور سخت سوکھا پڑ جائے اور پیداوار نہ ہو تو ظالم تو اپنی پاداش میں ہلاک ہوں اور ظالم کے علاوہ دوسرے انسان اور غیر انسان وہ چنے کے ساتھ گھن کی طرح تباہی میں شریک ہو جائیں اور ظہر ارض سے زمین کو دابہ سے تشبیہ دی گئی ہے بلحاظ تمکن۔اور کہیں لفظ وجہ الارض سے زمین کا ظاہر مراد ہے اور بطن سے باطن پس گویا ضدین کا اطلاق ایک چیز پر کیا جا سکتا ہے۔

روایات: .... درمنثور میں ابن ابی حاتمؒ نے ابو بلالؒ سے تخریج کی ہے کہ قریش کہا کرتے تھے اللہ اگر ہمارے پاس بھی کسی نبی کو بھیجتا تو ہم سے زیادہ نہ اللہ کا فرمانبردار کوئی ہوتا اور نہ نبی اور کتاب اللہ کا کوئی قدر دان ہوتا اور قسمیں کھا کر یقین دلایا کرتے۔اسی طرح انصار مدینہ سے جب یہود کی جنگ ہوتی تو یہود آپ کا واسطہ دے کر فتح ونصرت کی دعائیں کیا کرتے۔مگر آپ نے جب دعوت پیش کی تو انکار ومخالفت سے پیش آنے لگے۔آیت **واقسموا باللہ الخ** میں اسی صورت حال کا ذکر ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... آیت **ان اللہ عالم الغیب الخ** میں اللہ کے کمال علمی اور **وھو الذی جعلکم الخ** میں اس کے کمال عملی کا تذکرہ اور آگے **ولا یزید الکافرین** سے انسانوں کی نافرمانیوں کا ..... شکوہ ہے۔بلاشبہ وہ عالم کے ذرہ ذرہ کے کلی حالات اور دلوں کے بھید سے واقف ہے۔ہر ایک کی نیت اور استعداد وصلاحیت کو جانتا ہے اور اسی کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔

نافرمانوں کے جھوٹے وعدے: .... اسے خوب معلوم ہے کہ جو چلا رہے ہیں کہ "ہمیں چھوڑ دو آئندہ ایسی غلطی نہیں کریں گے" وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔اگر ہزار بار بھی لوٹائے جائیں تب بھی شرارت سے باز نہیں آئیں گے۔کیونکہ ان کی افتاد اور ساخت ہی ایسی ہے۔دنیا میں آمدورفت کا ایک سلسلہ لگا ہوا ہے اگلے موت کی آغوش میں جا رہے ہیں پچھلے ان کی جگہ سنبھال رہے ہیں۔لوگوں کو چاہئے کہ اس کا حق بجالائیں۔کسی کی ناشکری سے اس کا اپنا نقصان تو ہے مگر اللہ کا کیا جاتا ہے۔وہ ہماری تعریف وعبادت کا محتاج نہیں ہے۔کفر وطغیان اور ناسپاسی سے اللہ کی ناراضی اور ناشکرے کے لئے ٹوٹا ہے۔آخر جنہوں نے اللہ کے علاوہ پرستش کے ٹھکانے بنائے ہیں وہ دکھلائیں تو انہوں نے زمین کا کون سا ٹکڑہ بنایا یا آسمان کے کس حصہ کو تھام رکھا ہے اور جب کچھ نہیں تو پھر تخت خدائی کس طرح انہیں نصیب ہو گیا۔

شرک پر نقلی عقلی دلیل کچھ نہیں ہے: .... عقلیں کہاں ماری گئیں اور عقلی دلیل نہیں مل سکتی تو معتبر نقلی دلیل ہی پیش کر دو جس سے تمہارا کچھ تو بھرم رہ جائے۔مگر دلیل کے نام سے ان کے پاس خاک نہیں۔بات دراصل یہ ہے کہ شیطان نے یہ پٹی پڑھا دی ہے کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں۔حالانکہ سفارش تو کیا کوئی بڑی سے بڑی ہستی کفار کے حق میں زبان تک نہیں ہلا سکے گی۔کیا ٹھکانہ ہے اس کے محکم نظام قدرت کا کہ اتنے بڑے عظیم کرے کس طرح تھامے ہوئے ہے۔مجال نہیں کہ بال برابر اس میں فرق آجائے اور بالفرض اگر یہ چیزیں موجودہ نظام سے ٹل جائیں تو کون ہے جو ان کو قابو میں رکھ سکے۔قیامت میں جب یہ سارا نظام اللہ درہم برہم کرے گا تو کوئی نہ روک سکے گا۔

زمین حرکت کرتی ہے یا آسمان: .... آسمان وزمین کی موجودہ حالت خواہ حرکت بالفعل کی ہو یا سکون کی، پھر حرکت اینیہ ہو یا حرکت وضعیہ وہ برقرار ہے اس میں اگر کوئی تغیر ہوتا تو کسی کی طاقت نہیں کہ سنبھال سکے۔ اس وضاحت کے بعد آیت سے زمین وآسمان کی حرکت وسکوت پر استدلال کرنا بے محل ہے اور یوں بھی قرآن کا یہ موضوع ہی نہیں اور نہ آیت اس سے تعرض کر رہی ہے۔

آگے ارشاد ہے۔ انہ کان حلیماً غفوراً یعنی تمہاری شرارتوں کو دیکھا جائے تو ایک دم سارا نظام عالم درہم برہم کر دیا جانا چاہئے۔ مگر اس کے تحمل وبردباری نے دنیا کو تھام رکھا ہے۔

واقسموا باللہ الخ میں کفار کی حالت کا نبی کی آمد سے پہلے اور بعد میں موازنہ کر کے بتلایا جا رہا ہے کہ ان کے تکبر وغرور نے ان کو پیغمبر کے آگے گردن جھکانے کی اجازت نہیں دی اور وہ طاعت کی بجائے بغاوت پر کمربستہ ہو گئے۔ بلکہ مخالفانہ داؤ گھات اور سازشوں کا تانا بانا بننے میں منہمک ہو گئے۔ لیکن خوب یاد رکھیں کہ یہ اپنے بنے ہوئے سازشوں کے جال میں خود پھنسیں گے۔ لیکن دنیا میں کسی وجہ سے اگر بچ بھی گئے تو وہاں آخرت سے تو کسی طرح نہ بچ سکیں گے۔

اللہ کا قانون پاداش: .... اس لئے کفار کے حق میں ضرر کا حصر واقعی ہے یہ اگر انہیں نتائج کے منتظر ہیں جو پہلے مجرمین بھگت چکے ہیں تو انہیں مطمئن رہنا چاہئے کہ یقیناً ان کے ساتھ بھی ضرور ہی ایسا ہوگا کیونکہ اللہ کا قانون پاداش اٹل ہے اس میں نہ تبدیلی ہوتی ہے اور نہ وہ ٹلتا ہے۔ تبدیلی یہ کہ مجرم کے ساتھ سزا کی بجائے نوازش کا معاملہ ہونے لگے اور اٹل ہونا یہ کہ اصل مجرم چھوڑ کر غیر مجرم کے گلے میں پھندا ڈال دیا جائے۔ غرض کہ دونوں باتیں نہیں ہوں گی۔ سنۃ اللہ کی اس تفہیم کے بعد معجزات وخوارق کے انکار پر اس آیت سے استدلال کی گنجائش نہیں رہی۔

اولم یسیروا کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کے بڑے سے بڑے زورآور جیسے فرعون، عاد وثمود بھی اللہ کی پکڑ سے نہ بچ سکے یہ بیچارے تو کیا چیز ہیں کوئی طاقت اللہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی وہ علم وقدرت کا خزانہ ہے اور اللہ بڑی سمائی سے کام لیتا ہے ورنہ اگر ذرا ذرا سی بات پر پکڑ شروع کر دے تو کسی کا کہیں کوئی ٹھکانہ نہ رہے۔ نافرمان تو اپنی نافرمانی کی وجہ سے تباہ کر دیئے جائیں اور سچے پکے اطاعت گزار جو عادۃً بہت ہی کم ہوتے ہیں اپنی انتہائی کم عددی کی وجہ سے نہ رہ سکیں۔ کیونکہ معدودے چند انسانوں کا باقی رہنا اس حکمت الٰہی کے مطابق نہیں جس کی رو سے نظام عالم قائم ہے اور جب انسان نہ رہا تو دوسری ہی چیزیں کیا رہیں گی۔ کیونکہ کائنات کی یہ ساری محفل انسان ہی کے لئے سجائی گئی ہے۔ پھر اس نے ایک مقررہ مدت تک ڈھیل دے رکھی ہے کہ ہر ہر جرم پر اور ہر ایک کی خود گرفت نہیں کرتا وقت مقررہ پر سب کو اس کے آگے پیش ہونا ہے۔ کوئی ذرہ بھی اس کے علم محیط سے باہر نہیں ہے، اچھے برے کا دوٹوک فیصلہ فرما دے گا جس سے نہ مجرم بچ سکے گا اور نہ فرمانبردار کا حق مارا جائے گا۔ یہی حاصل ہے ولو یؤاخذ اللہ کا۔

لطائف سلوک: .... آیت فلما جاء ھم سے اہل سلوک کا یہ فرمانا صحیح ہو گیا کہ اوراد ووظائف سے ایک فاسد الاستعداد شخص کا اخلاقی اور روحانی روگ اور بڑھ جاتا ہے اور استکبار اسے بھی اسی طرف اشارہ نکلتا ہے۔

سُــوْرَةُ يٰـسٓ

سُوْرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ اِلَّا قَوْلُهٗ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا الْاٰيَةُ اَوْ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰسٓ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ**﴿۲﴾ اَلْمُحْكَمِ بِعَجِيْبِ النَّظْمِ وَبَدِيْعِ الْمَعَانِيْ **اِنَّكَ** يَا مُحَمَّدُ **لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ**﴿۳﴾ **عَلٰى** مُتَعَلِّقٌ بِمَا قَبْلَهٗ **صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ**﴿۴﴾ اَيْ طَرِيْقِ الْاَنْبِيَاءِ قَبْلَكَ التَّوْحِيْدِ وَالْهُدٰى وَالتَّاكِيْدُ بِالْقَسَمِ وَغَيْرِهٖ رَدٌّ لِقَوْلِ الْكُفَّارِ لَهٗ لَسْتَ مُرْسَلًا **تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ** فِيْ مُلْكِهٖ **الرَّحِيْمِ**﴿۵﴾ بِخَلْقِهٖ خَبَرُ مُبْتَدَاءٍ مُقَدَّرٍ اَيِ الْقُرْاٰنِ **لِتُنْذِرَ** بِهٖ **قَوْمًا** مُتَعَلِّقٌ بِتَنْزِيْلٍ **مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ** اَيْ لَمْ يُنْذَرُوْا فِيْ زَمَنِ الْفَتْرَةِ **فَهُمْ** اَيِ الْقَوْمُ **غٰفِلُوْنَ**﴿۶﴾ عَنِ الْاِيْمَانِ وَالرُّشْدِ **لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ** وَجَبَ **عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ**﴿۷﴾ اَيِ الْاَكْثَرُ **اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا** بِاَنْ تَضُمَّ اِلَيْهَا الْاَيْدِيْ لِاَنَّ الْغُلَّ يَجْمَعُ الْيَدَ اِلَى الْعُنُقِ **فَهِيَ** اَيِ الْاَيْدِيْ مَجْمُوْعَةٌ **اِلَى الْاَذْقَانِ** جَمْعُ ذَقَنٍ وَهُوَ مُجْتَمَعُ اللَّحْيَيْنِ **فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ**﴿۸﴾ رَافِعُوْنَ رُءُوْسَهُمْ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ خَفْضَهَا وَهٰذَا تَمْثِيْلٌ وَالْمُرَادُ اَنَّهُمْ لَا يُذْعِنُوْنَ لِلْاِيْمَانِ وَلَا يُخْفِضُوْنَ رُءُوْسَهُمْ لَهٗ **وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا** بِفَتْحِ السِّيْنِ وَضَمِّهَا فِي الْمَوْضَعَيْنِ **فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ**﴿۹﴾ تَمْثِيْلٌ اَيْضًا لِسَدِّ طُرُقِ الْاِيْمَانِ عَلَيْهِمْ **وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰى وَتَرْكِهٖ **اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ**﴿۱۰﴾ **اِنَّمَا تُنْذِرُ** يَنْفَعُ اِنْذَارُكَ **مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ** الْقُرْاٰنَ **وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ**

بِالْغَيْبِ ۚ خَافَهٗ وَلَمْ يَرَهٗ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۱﴾ هُوَ الْجَنَّةُ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى لِلْبَعْثِ وَنَكْتُبُ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ مَا قَدَّمُوْا فِيْ حَيٰوتِهِمْ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ لِيُجَازُوْا عَلَيْهِ وَاٰثَارَهُمْ ۖ مَا اسْتُنَّ بِهٖ بَعْدَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ نَصَبَهٗ بِفِعْلٍ يُفَسِّرُهٗ اَحْصَيْنٰهُ ضَبَطْنَاهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾ كِتَابٍ بَيِّنٍ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ وَاضْرِبْ اِجْعَلْ لَهُمْ مَّثَلًا مَفْعُوْلٌ اَوَّلٌ اَصْحٰبَ مَفْعُوْلٌ ثَانٍ الْقَرْيَةِ ۘ اِنْطَاكِيَةٌ اِذْ جَآءَهَا اِلٰى اٰخِرِهٖ بَدَلُ اِشْتِمَالٍ مِنْ اَصْحَابِ الْقَرْيَةِ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اَيْ رُسُلُ عِيْسٰى اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا اِلٰى اٰخِرِهٖ بَدَلٌ مِنْ اِذِ الْاُوْلٰى الخ فَعَزَّزْنَا بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ قَوَّيْنَا الْاِثْنَيْنِ بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ جَارٍ مَجْرَى الْقَسَمِ وَزِيْدَ التَّاكِيْدُ بِهٖ وَبِاللَّامِ عَلٰى مَا قَبْلَهٗ لِزِيَادَةِ الْاِنْكَارِ فِيْ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ اَلتَّبْلِيْغُ الْبَيِّنُ الظَّاهِرُ بِالْاَدِلَّةِ الْوَاضِحَةِ وَهِيَ اِبْرَاءُ الْاَكْمَهِ وَالْاَبْرَصِ وَالْمَرِيْضِ وَاِحْيَاءُ الْمَيِّتِ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا تَشَاءَمْنَا بِكُمْ ۚ لِاِنْقِطَاعِ الْمَطَرِ عَنَّا بِسَبَبِكُمْ لَئِنْ لَامُ قَسَمٍ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ بِالْحِجَارَةِ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ مُؤْلِمٌ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ شُؤْمُكُمْ مَّعَكُمْ ۚ اَئِنْ هَمْزَةُ اِسْتِفْهَامٍ دَخَلَتْ عَلٰى اِنِ الشَّرْطِيَّةِ وَفِيْ هَمْزَتِهَا التَّحْقِيْقُ وَالتَّسْهِيْلُ وَاِدْخَالُ اَلِفٍ بَيْنَهَا بِوَجْهَيْهَا وَبَيْنَ الْاُخْرٰى ذُكِّرْتُمْ ۚ وُعِظْتُمْ وَخُوِّفْتُمْ وَجَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوْفٌ اَيْ تَطَيَّرْتُمْ وَكَفَرْتُمْ وَهُوَ مَحَلُّ الْاِسْتِفْهَامِ وَالْمُرَادُ بِهِ التَّوْبِيْخُ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ مُتَجَاوِزُوْنَ الْحَدَّ بِشِرْكِكُمْ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ هُوَ حَبِيْبُ النَّجَّارُ كَانَ قَدْ اٰمَنَ بِالرُّسُلِ وَمَنْزِلُهٗ بِاَقْصَى الْبَلَدِ يَّسْعٰى يَشْتَدُّ عَدْوًا لِمَا سَمِعَ بِتَكْذِيْبِ الْقَوْمِ الرُّسُلَ قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا تَاكِيْدٌ لِلْاَوَّلِ مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا عَلٰى رِسَالَتِهٖ وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ....سورہ یٰسین مکی ہے بجز آیت و اذا قیل لھم انفقوا الخ کے یا یہ سورت مدنی ہے اس میں ۸۳ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

پس (آ س کی واقعی مراد تو اللہ کو معلوم ہے) قسم ہے قرآن حکیم کی (جو پکا اور عجیب نظم اور بہترین معانی والا ہے) بلاشبہ آپ (اے محمد ﷺ!) پیغمبروں میں سے ہیں۔ سیدھے (علیٰ کا تعلق پہلے سے ہے) رستہ پر ہیں (جو آپ سے پہلے انبیاء کا راستہ توحید و ہدایت ہے اور قسم وغیرہ کے ذریعہ تاکید لانے میں کفار کے قول "ولست مرسلا" کی تردید ہے) یہ قرآن نازل کیا گیا ہے خدا کی طرف سے جو (اپنے ملک میں) زبردست ہے (اپنی مخلوق پر) مہربان ہے (یہ جملہ خبر ہے مبتدائے محذوف یعنی قرآن کی) (تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں (لتنذر متعلق ہے تنزیل کے) جن کے کبھی باپ دادے نہیں ڈرائے گئے۔ (یعنی زمانہ فترۃ میں انہیں ڈرایا نہیں گیا) اس

لئے یہ بے خبر ہے (ایمان وہدایت سے) ان میں سے اکثروں پر بات ثابت (محقق) ہو چکی سو اسی لئے (اکثر) ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں (اس طرح کہ گلے پر ہاتھ باندھ دیئے کیونکہ غل کے معنی ہاتھوں کو گردن کی طرف اکٹھا کرنے کے ہیں) پھر وہ (گردن پر بندھے ہوئے ہاتھ) ٹھوڑیوں تک جا پہنچے ہیں (ذقن کی جمع ہے دونوں طرف کے جبڑوں کے ملاپ کی جگہ) جس سے ان کے سر اٹھ گئے (اوپر کو کھچ گئے کہ اب نیچے کو نہیں ہو سکتے یہ تو ایک مثال ہے ورنہ مراد یہ ہے کہ انہیں ایمان کا یقین ہی نہیں اور نہ سروں کو ایمان کے لئے جھکاتے ہیں) اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دیا اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی (لفظ سد دونوں جگہ فتح سین اور ضمہ سین کے ساتھ ہے) جس سے ہم نے ان کو گھیر دیا۔ سو وہ نہیں دیکھ سکتے (یہ بھی کفار پر راہ ایمان بند کر دیئے کے لئے ایک تمثیل ہے) ان کے لئے برابر ہے آپ کا ڈرانا (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسری ہمزہ کو الف سے بدل کر اور تسہیل ہمزہ ثانیہ کے ساتھ اور ہمزہ مسہلہ اور غیر مسہلہ کے درمیان الف داخل کرتے ہوئے اور بغیر الف کے بڑھائے ہوئے) یا نہ ڈرانا۔ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ تو ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں (آپ کا ڈرانا مفید ہو سکتا ہے) جو (قرآن کی) نصیحت پر چلے اور بے دیکھے خدا سے ڈرتا ہو (اللہ کو دیکھا نہیں پھر بھی ڈرتا ہے) سو آپ اس کو مغفرت اور بہترین صلہ (جنت) کی خوشخبری سنا دیجئے۔ بے شک ہم مردوں کو جلائیں گے (قیامت کے لئے) اور ہم نے (لوح محفوظ میں) لکھ دیا ہے ان کے ان اعمال کو جو وہ پہلے کر چکے (اپنی زندگی میں نیکی اور بدی تا کہ ان کو بدلہ دیا جائے) اور ان کے پیچھے چھوٹنے والے اعمال بھی (جن کو بعد کے لوگ اپنا اسوہ بنا لیں گے) اور ہر چیز کو (یہ منصوب ایسے فعل کے ذریعہ سے جس کی تفسیر کر رہا ہے) محفوظ (ضبط) کر دیا ہے ایک واضح کتاب میں (کھلی کتاب یعنی لوح محفوظ) اور آپ بیان کیجئے ان لوگوں کو ایک قصہ (یہ مفعول اول ہے) ایک بستی (انطاکیہ) والوں کا (یہ مفعول ثانی ہے) جب کہ (یہاں سے یہ عبارت ''اصحاب القریۃ'' سے بدل اشتمال ہے) آئے وہاں پیغامبر (یعنی حضرت عیسیٰ کے بھیجے ہوئے پیغامبر) جس وقت ہم نے ان کے پاس دو کو بھیجا تو ان لوگوں نے ان دونوں کو جھٹلا دیا (یہ عبارت پہلے اذ سے بدل ہے) پھر ہم نے ان دونوں کی تیسرے شخص کے ذریعہ تائید کی (لفظ عــزز نــا تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے یعنی ہم نے ان دونوں پیامبروں کو تیسرے پیامبر سے مضبوط کر دیا) سو وہ تینوں پیامبر بولے کہ ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم تو ہماری طرح معمولی آدمی ہو اور خدائے رحمٰن نے کچھ بھی نازل نہیں کیا تم ہی بس جھوٹ بول رہے ہو۔ پیامبر بولے ہمارا پروردگار علیم ہے (یہ جملہ بجائے قسم ہے پہلے جملہ کے مقابلہ میں یہاں انکار زیادہ ہو جانے کی وجہ سے یعلم کے ذریعہ تاکید لائی گئی ہے اور لام کی وجہ سے بھی تاکید کی گئی ہے جو اگلے جملہ میں ہے) بلاشبہ ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمہ تو بس واضح طور پر پہنچا دینا تھا (تبلیغ کا کھلا ہوا ہونا دلائل واضحہ کی وجہ سے ہے اور وہ کوڑھیوں، جذامیوں اور بیماروں کا علاج اور مردے کو زندہ کر دینا ہیں) بستی والے کہنے لگے ہم تو تمہیں منحوس (بدبخت) سمجھتے ہیں (۔ کیونکہ تمہاری وجہ سے بارش ہی ختم ہو گئی ہے) تم اگر باز نہ آئے (لام قسمیہ ہے) تو ہم تم پر پتھراؤ کریں گے اور تمہیں ہماری طرف سے اذیت ناک عذاب ہوگا۔ پیامبروں نے جواب دیا کہ تمہاری نحوست (بدبختی) تو تمہارے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے۔ کیا تمہیں اگر (ان شرطیہ پر ہمزہ استفہام داخل ہے اور اس ہمزہ میں تحقیق اور تسہیل ہے اور ان دونوں صورتوں میں پھر ان دونوں ہمزاؤں کے درمیان الف داخل کرنا ہے) نصیحت کی جائے (وعظ کہا جائے ڈرایا جائے۔ جواب شرط محذوف ہے یعنی تم پھر بھی منحوس سمجھتے ہو اور کفر پر اتر آتے ہو اور یہ جواب شرط ہی استفہام کا محل ہے مراد اس سے توبیخ ہے) بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو (شرک کر کے حد سے بڑھ جانے والے ہو) اور ایک شخص اس شہر کے کسی دور دراز مقام سے آیا (یعنی حبیب نجار جو ان پیغمبروں پر ایمان رکھتا تھا اور اس کا مکان شہر کے دروازہ پر تھا) دوڑتا ہو (تیز بھاگتا ہوا جب اس کو معلوم ہوا کہ قوم ان فرستادوں کی تکذیب کر رہی ہے) کہنے لگے اے میری قوم ان

پیامبروں کی راہ چلو (دوسرا اتبعوا پہلے اتبعوا کی تاکید کے لئے ہے) جوتم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے (پیامبری پر) اور وہ خود ہدایت یافتہ بھی ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... "علیٰ صراط" اس کا تعلق مرسلین سے ہے۔ ای ارسلوا الیٰ صراط مستقیم اور حال بھی ہوسکتا ہے ضمیر جار مجرور سے جو آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے یا صفت کی ضمیر مستتر سے حال ہے جو ضمیر موصول ہے اور خبر بعد خبر بھی ہوسکتی ہے۔

تنزیل. اگر اس کو مرفوع پڑھا جائے حمزہؒ، کسائیؒ، ابن عامرؒ حفصؒ کے نزدیک نصب کی قراءت میں مفعول مطلق ہوگا مقدر کے لئے ای نزل القراٰن تنزیلا پھر فاعل کی طرف اضافت کردی گئی یا منصوب علی المدح ہو۔

عزیز الرحیم. ان دونوں صفت کے لانے میں اشارہ ہے کہ صفات قہر کا تعلق کفار کے ساتھ اور صفات مہر کا تعلق مومنین کے ساتھ ہیں۔

ما انذر. اس میں ما نافیہ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ سے پہلے قریش میں کوئی بھی نبی نہیں آیا۔ پس یہ جملہ قوماً کی صفت ہوجائے گا۔ ای قوماً لم ینذر وا اور یہ ما موصولہ یا نکرہ موصوفہ بھی ہوسکتا ہے اور دونوں صورتوں میں عائد محذوف ہوگا۔ ای ما انذرہ اباٰئهم پس ما مع صلہ اور صفت کے مفعول ثانی کے محل میں ہونے کی وجہ سے منصوب المحل ہوگا۔ ای لتنذر قوما عذابا انذرہ اباؤهم من العذاب یا تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔

فهم غافلون. ما نافیہ کی صورت میں اس کا تعلق نفی کے ساتھ ہوگا۔ فا سب پر داخل ہے ای لم ینذرو نهم غافلون اور دوسری صورت میں اس کا تعلق لمن المرسلین سے ہوگا۔ ای ارسلناک الیهم لتنذرهم فهم غافلون اس وقت فا تعلیلیہ سبب پر داخل ہوگی۔

حق القول. اس سے مراد لا ملان جهنم الخ ہے۔

فی اعناقهم. بقول نقشبندی دنیا کی شہوات، لذات، حرص وتمنائیں مراد ہیں اور اغلال کہتے ہیں ہاتھوں کو گردن میں باندھ دینا۔ پس اس کا تعلق گردن سے ہوا نہ کہ ہاتھ سے۔ چنانچہ ابن مسعودؓ کی قراءت میں ہے انا جعلنا فی ایما نهم اور ابن عباسؓ کی قراٰت میں فی ایدیهم ہے پس لفظاً دلالت اس پر نہیں ہے۔

مقمحون. مقمح جس کی آنکھیں بند اور سر اوپر کردیا جائے قمح البعیر فهو قامح بولتے ہیں جب اونٹ کا سر اوپر آنکھیں نیچے کردی جائیں۔ دونوں ہاتھوں کو اگر تھوڑی کے نیچے کر کے باندھ دیا جائے تو پھر سر نیچے ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ بطور تمثیل اور استعارہ کے کہا گیا ہے ورنہ یہاں اغلال کہاں بلکہ جس طرح صاحب اغلال دیکھ نہیں سکتا۔ اسی طرح کفار بے التفاتی اور بے توجہی سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ یہ تمثیل زیادہ دور کی گمراہی میں مبتلا لوگوں کے لئے ہے اور آئندہ کی تمثیل کم درجہ کے گمراہوں کے لئے ہے اور ابوحیانؒ اس کو آخرت کے احوال پر حقیقۃً محمول کرتے ہیں۔ تمثیلاً نہیں مانتے۔

اس پر بظاہر سیاق سباق سے بے جوڑ ہونے کا شبہ ہوسکتا ہے لیکن اس کی یہ توجیہ ممکن ہے کہ حق القول کے بیان کے درجہ میں مان لیا جائے تو بے جوڑ نہیں رہتا۔ تاہم پہلے معنی تمثیل کی تائید ان آیات کے شان نزول سے ہوسکتی ہے جو آئندہ آرہا ہے۔ مگر اس کو بھی دونوں صورتوں پر منطبق کیا جاسکتا ہے۔ غرض کہ تمثیل اور حقیقۃً دونوں معنی میں ہوسکتے ہیں اول دنیاوی اور ثانی آخرت میں۔

من بین ایدیھم. اس سے مراد تمام جوانب واطراف ہیں۔

سدا. حمزہؒ، علیؒ، حفصؒ کے نزدیک فتح سین کے ساتھ اور باقی قراء کے نزدیک دونوں جگہ ضمہ کے ساتھ ہے اور اس میں یہ دونوں لغت ہیں۔ لیکن خلیلؒ کہتے ہیں مفتوح مصدر ہے اور مضموم اسم ہے۔ اور بعض اہل علم کی رائے ہے کہ انسانی فعل سے جس کا تعلق ہو وہ فتح سین کے ساتھ اور خدائی تخلیق سے جس کا تعلق ہو جیسے پہاڑ وغیرہ وہ ضم سین کے ساتھ ہے، یہ دوسری تمثیل قریبی رکاوٹوں کی ہے جو ایمان وہدایت کی راہ میں حائل ہوں۔ سد کی جمع اسداد آتی ہے۔

فاغشینا ھم. حذف مضاف کی صورت میں ہے ای اغشینا ابصارھم.

سواء علیھم. یہ پہلے جملہ کا نتیجہ ہے اور لا یؤ منون اس میں برابری کا بیان ہے اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے۔

اثارھم جیسے حدیث میں ہے۔ من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها من غیر ان ینقص من اجورھم شیئا ومن سن سنة سیئه فله وزرها ووزر من عمل بها من غیر ان ینقص او زارھم شیئا. ثم تلاھذہ الایة و نکتب ما قدموا واثارھم.

اصحب. قاضیؒ نے اس کا عکس کہا ہے۔ ای اجعل مثل اھل القریة مثلالھم. اور بعض کی رائے میں یہ متعدی بیک مفعول ہے اور ثانی اول سے بدل ہے۔ بتقدیر المضاف ای مثل اصحاب القریة اس بدلیت میں تفسیر بعد الابہام نہایت واضح ہے۔

اذ جاء ھا. یہ مقدر کا ظرف ہے۔ ای القصة الواقعة وقت المجئی.

اذارسلنا. یہ پہلے اذ سے بدل ہے اور ارسلنا الیھم فرمایا ہے ارسلنا الیھا نہیں کہا۔ حالانکہ اذ جاء ھا کے مطابق دوسری عبارت ہوتی مگر حقیقۃً ارسال لوگوں کے لئے تھا بستی کے لئے نہیں تھا بر خلاف مجی کے پھر فکذبو ھما اس کے بعد لانا اور بھی اس کو نمایاں کر رہا ہے۔

اثنین. یوحنا اور یوقس مراد ہیں یا بقول بیضاویؒ یحییٰؒ، اور یونسؒ، اور بقول ابوالسعودؒ دوسرے دو حوری مراد ہیں۔

فعززنا. ای قوینا وشددنا. مفعول کو حذف کر دیا گیا ہے ماقبل کی دلالت کی وجہ سے کیونکہ مقصود تو معزز بہ کا ذکر ہے۔ ای عززنا ھما۔ یہ تیسرے حواری شمعون صفا جن کو شمعون صخرہ بھی کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کے رفع سماوی کے بعد ان کے خلیفہ اور رئیس الحواریین تھے۔ ان تینوں کو حضرت عیسیٰ نے بامر اللہ تبلیغ دین کے لئے بھیجا ہے اس لئے اللہ نے اپنی طرف نسبت کر دی اور بعض حضرات ان کو رسول مانتے ہیں جو انطاکیہ کے بت پرستوں کی اصلاح کے لئے مامور ہوئے تھے۔ سب سے پہلے حبیب نجار سے ملاقات ہوئی جو جنگل میں بکریاں چرا رہے تھے اپنے بیمار لڑکے کے لئے ان سے دعا چاہی۔ انہوں نے دست مسیحائی پھیر دیا جس سے وہ شفایاب ہو گیا اور حبیب ان پر ایمان لے آیا اور لوگ بھی کچھ معتقد اور گرویدہ ہو گئے۔ شدہ شدہ یہ خبر بادشاہ وقت تک پہنچی وہ بھی ایمان لے آیا۔

ربنا یعلم. اور پہلے انا الیکم مرسلون. کو اس لئے مؤکد لایا گیا کہ بقول صاحب مفتاح وعلامہ سکاکیؒ دو فرستادوں کو جھٹلانا تیسرے کی تردید ہے اتحاد دعوت کی وجہ سے پھر جوں جوں انکار میں اضافہ ہوا تاکید میں بھی اضافہ ہوتا رہا ہے۔ ربنا یعلم یہ تاکید میں قسم کے قائم مقام ہے۔ اس کا جواب بھی وہی جواب قسم ہے پہلے انا الیکم میں صرف دو تاکیدیں ہیں۔ ان اور اسمیت جملہ لیکن جملہ ما انتم الخ میں تین وجوہ سے تاکید ثانی ہے۔ اس لئے انا الیکم لمرسلون میں بھی تین ہی تاکیدات لائی گئی ہیں۔ تفسیری عبارت زید کا تعلق لام سے ہے یعنی اس کی صفت ہے۔

بہر حال صاحب مفتاح کا نقطہ نظر تو ابھی گزرا۔ لیکن صاحب کشاف زمخشریؒ انا الیکم مرسلون میں کم تاکید اور

دوسرے انا الیکم لمرسلون میں لام کی وجہ سے زیادہ تاکید مانتے ہیں۔ان کے نزدیک دو کی تکذیب سے تین کی تکذیب نہیں ہورہی ہے۔ کیونکہ پہلی مرتبہ جب تین فرستادے آئے ہی نہیں اور تینوں نے خبر نہیں دی۔ پھر تینوں کی تکذیب کیسی؟ ہاں پہلی تاکید صرف اعتناء اور اہتمام خبر کے لئے ہے۔

بالادلة. ای المؤید بالا دلة الواضحة.

انا تطیرنا. پرندوں کے ذریعہ زمانہ جاہلیت میں عرب اپنے کاموں کے متعلق اچھی بری فال لیا کرتے تھے۔ سانح کو خیر اور بارح کو باعث شر سمجھتے تھے۔ پھر مطلقاً فال کے معنی ہوگئے طائر الانسان اس کا عمل ہے جو اس کے گلے کا ہار ہے۔اور مطیر نظیر سے اسم بھی آتا ہے۔ چنانچہ لا طیر الا طیر اللّٰہ. لا امر الا امر اللّٰہ کی طرح بولتے ہیں۔اور ابن سکیتؒ طائر اللہ لا طائرک کی اجازت دیتے ہیں لیکن طیر اللہ کہنے کی اجازت نہیں دیتے۔اسم طیرۃ بروزن عبۃ ہے۔حدیث میںؐ ہے۔ کان رسول اللہ یحب الفال ویکرہ الطیرۃ نیک فال میں چونکہ اللہ سے نیک گمان ہوتا ہے جو تقویت قلب کا باعث ہے اس لئے پسند فرمایا اور بدفالی میں بدگمانی ہوتی ہے جو انتشار اور ضعف قلب کا باعث ہے اس لئے ناپسند فرمایا۔قرآن کریم یا مثنوی دیوان حافظ وغیرہ سے فال لینے میں علماء کا اختلاف ہے بعض نے اجازت دی بعض نے مکروہ کہا اور مالکیہ حرام کہتے ہیں۔ممکن ہے جن حضرات کی نظر معنی پر رہی انہوں نے فال کو جائز یا مکروہ کہا ہو اور جن کی نظر صرف معنی پر گئی انہوں نے منع کر دیا ہو۔لیکن صحیح یہ ہے کہ مؤثر حقیقی اگر صرف اللہ کو یقین کرے تو جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔

ائن ذکرتم. اہل کوفہؒ، ابن عامرؒ کے نزدیک تحقیق ہمزتین اور ابن کثیرؒ اور ورشؒ کے نزدیک تسہیل ہے اور ابوعمرؒ، قالونؒ کے نزدیک تسہیل کے ساتھ دونوں کے درمیان الف بھی ہے۔اس کا جواب سیبویہؒ کے نزدیک محذوف ہے۔ کیونکہ شرط واستفہام جب کہیں جمع ہوجائیں تو وہ جواب استفہام ہوجائے گا۔لیکن یونس کے نزدیک وہ جواب شرط ہوگا۔ چنانچہ سیبویہؒ کے نزدیک تقدیر عبارت ائن ذکرتم تتطیرون ہے اور یونسؒ کے نزدیک تطیروا مجزوم ہے۔

رجل. بقول ابن عباسؓ ومقاتل ومجاہد۔ان کا نام حبیب ابن اسرائیل النجار تھا۔ بت تراش تھے۔ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی بشارت چونکہ انبیاء سابقین دیتے آئے ہیں اس لئے بہت سے لوگ آپ پر غائبانہ ایمان لائے ہیں جیسے حبیب نجار، تبع اکبر، ورقہ بن نوفل۔

یسعی. روح البیان میں ہے کہ سعی جلد اور لپک کر چلنا اس سے او پر عدو بمعنی دوڑنا ہے۔

اتبعوا. من لا یسئلکم اجرا. یہ بدل ہے من المرسلین سے اعادہ عامل کے ساتھ۔لیکن شیخ کی رائے ہے کہ یہ حرف جار عامل کسی صورت میں خاص ہے۔اس کے علاوہ کی صورت میں بدل نہیں کہا جائے گا بلکہ تابع نام رکھا جائے گا یعنی تاکید لفظی۔

روایات:............ یسین. ابن عباسؓ سے اس کے معنی اے انسان کے منقول ہیں لغت بنی طے میں۔اور محمدؒ بن الحنفیہ سے اے محمد (ﷺ) کے ہیں۔حدیث میں ہے۔ سمانی فی القران سبعة اسماء محمد واحمد وطه ویٰسین والمزمل و المدثر وعبد الله.

ترمذی میں حضرت انسؓ کی روایت ہے۔ قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان لکل شئ قلبا وقلب القران یٰسین ومن قرء یٰسین کتب الله بها قراءة القران عشر مرات. حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ان فی القران لسورة تشفع لقاریها وتغفر لمستمعها الا وهی سورة یٰسین تدعی فی التوراة المعمة قیل یا

رسول اللہ ومـا الـمـعمة؟ قال تعم صاحبها بخير الدنيا وتدفع عنه اهوال الاخرة وتداعى ايضا الدافغة والقاصية قيل يا رسول اللہ وكيف ذالک قال تدفع عن صاحبها كل سوء وتقضى له كل حاجة.

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔قـال الـنبى صلى اللہ عليه وسلم ان لكل شئى قلبا وقلب القران يسين من قـرائهـا يريد بها وجه اللہ ......غفر اللہ له واعطى من الا جر كانما قرا ء القران عشر مرات وايما مسلم قرى عـنـده اذا نـزل بـه مـلـک الـمـوت سـور ة يٰسين نزل بكل حرف منها عشرة ملائک يقومون بين يديه صفوفا يـصـلـون عليه ويستغفرون له ويشهدون غسله ويشبعون جنازته ويصلون عليه ويشهدون دفنه وايما مسلم قرأ سورة يسين وهو فى سكرات الموت لم يقبض ملک الموت روحه حتى يجيئه رضوان بشربه من الجنة فيشربها وهو على فراشه فيقبض روحه وهو ريان ويمكث فى قبره وهو ريان ولا يحتاج الىٰ حوض من حياض الا نبياء حتى يد خل الجنة وهو ريان.

آیت وجـعلنا من بين ايديهم سدا کا سبب نزول یہ ہے کہ ابوجہل نے ایک مرتبہ قسم کھائی کہ محمد اگر نماز پڑھیں گے۔تو میں پتھروں سے ان کا سر کچل دوں گا۔ چنانچہ حضور ﷺ کو نماز میں مشغول دیکھ کر ابوجہل پتھر اٹھالایا لیکن مارنے کے لئے جب ہاتھ اٹھایا تو پتھر ہاتھ سے چپک کر رہ گیا اور ہاتھ شل ہو گیا۔ ناکام اپنے ساتھیوں میں پہنچا تب پتھر ہاتھ سے گرا۔ایک دوسرا مخزومی بولا کہ میں اس پتھر سے محمد ﷺ کا کام تمام کر کے آتا ہوں۔وہاں پہنچا تو اندھا ہو گیا۔

واضرب لهم مثلا اصحاب القرية کے ذیل میں روایت ہے کہ شہر انطاکیہ کے باشندے بت پرست تھے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دو خاص ایلچی ان کے پاس پیغام ہدایت دے کر بھیجے۔وہ جب بستی کے قریب پہنچے تو حبیب بخار ایک شخص کو بکریاں چراتے ہوئے پایا۔اس کو دعوت پیش کی تو اس نے نشان صداقت طلب کیا۔انہوں نے بتلایا۔کہ ہم لاعلاج بیماروں کو اچھا کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے بیمار لڑکے کے پاس لے گیا۔انہوں نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ اچھا ہو گیا۔یہ دیکھ کر حبیب بخار ایمان لے آیا۔اس کے بعد بہت سے لوگ شفایاب ہوئے۔ بادشاہ کو اطلاع ہوئی تو اس نے پوچھا کہ ہمارے معبودوں کے علاوہ کیا تمہارا کوئی اور خدا ہے؟ فرمایا ہاں! جس نے تجھے اور تیرے ان معبودوں کو پیدا کیا ہے۔بولا کہ اچھا ٹھہرو میں غور کرتا ہوں۔یہ کہہ کر انہیں محبوس کر دیا۔تب حضرت عیسیٰ نے شمعون کو روانہ فرمایا۔وہ اپنی ہئیت تبدیل کر کے دربار شاہی میں پہنچے......اور درباری امراء سے آشنائی پیدا کر کے بادشاہ تک رسائی حاصل کر لی اور اثنائے گفتگو میں بادشاہ سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے دو آدمیوں کو گرفتار کر رکھا ہے۔کیا آپ نے کبھی ان کے خیالات اور باتیں بھی سنی ہیں۔بادشاہ نے انکار کیا۔چنانچہ پھر دونوں کو دربار میں طلب کیا گیا اور شمعون نے ان سے دریافت کیا کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے؟ کہا کہ اللہ الـذى خلق كل شئ وليس له شريک. شمعون بولے کہ اس کی کچھ صفات مختصر طور پر بتلاؤ۔ انہوں نے کہا۔يـفـعـل مـايـشـاء ويحكم مايريد. شمعون نے دریافت کیا۔تمہارے پاس رسول ہونے کا نشان کیا ہے؟ کہنے لگے بادشاہ جو چاہیں۔چنانچہ ایک لڑکا جس کی آنکھ ضائع ہو چکی تھی لایا گیا۔انہوں نے دعا کی اور آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔پھر پوچھا تم کسی مردے کو زندہ کر سکتے ہو۔جواب ملا ہاں! چنانچہ ایک ہفتہ کے مردہ لڑکے کو انہوں نے زندہ کر دیا۔لڑکے نے زندہ ہو کر کہا کہ مجھے جہنم کے ساتویں طبقے میں رکھا گیا تھا۔لہٰذا تمہاری خیر اسی میں ہے کہ تم ان ایلچی کی بات کو مان لو۔چنانچہ ایک خلقت ایمان لے آئی۔مگر بہت سے پھر بھی منکر رہے۔اور صیحۂ جبریل سے تباہ و برباد ہو گئے۔

تاہم یہ ساری تفصیلات سیاق وسباق سے معلوم نہیں ہوتی۔ یہاں تو صرف حبیب نجار کا موافق اور مومن ہونا معلوم ہو رہا

ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ مخفی طور پر بادشاہ وغیرہ عمال حکومت ایمان لے آئے ہوں۔

تفسیر زاہدی سے بھی اسی کی تائید ہورہی ہے۔

قشیری سے روح البیان میں صرف بادشاہ کا خفیہ ایمان لانا مقصود ہے۔ اس کے بعد جب لوگوں میں شورش زیادہ ہوئی۔ تو بقول وہب بن بلتعہ اور کعب احبار بادشاہ بھی مرتد ہوگیا اور حضرت عیسیٰ کے ان حواریوں کو شہید کرڈالا۔

آیت قالوا طائر کم. نیک فالی کی اسلام نے اجازت دی اور آنحضرت ﷺ بھی پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جب آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت کررہے تھے تو راستہ میں مدینہ سے آتے ہوئے ایک شخص ملے۔ آپ نے ان کا نام دریافت فرمایا۔ عرض کیا ''بریدہ'' ارشاد ہوا برد امرنا وصلح ای سھل.

ربط: .... سورہ یٰسین کا حاصل ایک تو اثبات رسالت ہے۔ جس سے یہ سورت شروع ہورہی ہے اور پچھلی سورت کفار کے انکار رسالت پر ختم ہوئی تھی۔ اس طرح پہلی سورت کا خاتمہ اور حالیہ سورت کا فاتحہ یکساں ہوگیا۔ اسی مناسبت سے انا جعلنا الخ میں آپ کی تسلی کی جارہی ہے اور اسی کی تائید کے لئے اصحاب القریۃ کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔ آیت وما علمناہ الشعر الخ میں بھی یہی مضمون ہے۔

دوسرے اثبات حشر مقصود ہے۔ پہلے تو مجمل طور پر انا نحن نحی میں پھر آیت ویقولون سے چوتھے رکوع کے قریب تک یہی مضمون چلا گیا ہے اور اس سورت کے اختتام پر پھر یہی مضمون دہرایا گیا ہے۔

تیسرے اثبات توحید ہے جو تیسرے رکوع میں آیت آیت کر کے دلائل توحید بیان کئے گئے۔ اور آیت واذا قیل لھم اتقوا اور آیت واذا قیل لھم انفقوا میں کفار کا ان دلائل سے کسی طرح بھی متاثر نہ ہونا بیان کیا گیا ہے کہ نہ ترغیب مفید ہوئی اور نہ ترہیب موثر بنی۔

پھر آیات اولم یروا کم اھلکنا اور لو نشاء لطمسنا میں کفار کے لئے کفر پر عذاب کی سخت دھمکی ہے۔

﴿تشریح﴾: .... والقرآن الحکیم میں نہایت موکد طریقہ سے یہ تاثر دینا مقصود ہے کہ قرآن جیسی بیش بہا حکمت سے لبریز کتاب جب ایک امی محض لے کر آئے تو کیا اس سے بڑھ کر بھی کسی اور نشان صداقت کی ضرورت رہ جاتی ہے۔ قرآن کی قسم اگر کلام نفس کے درجہ میں ہے تب تو غیر مخلوق کی قسم ہے جو باعث اشکال نہیں ہے اور اگر کلام لفظی کی حیثیت سے ہے تو پھر اس کی توجیہ آیت لعمرک میں گذر چکی ہے۔ بلاشبہ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں اور آپ کی راہ سیدھی راہ ہے۔ اس کی پیروی کرنے والا یقیناً راہ یاب اور کامیاب ہے۔

قرآن کی خوبی: .... یہ قرآن ایسی ذات کی صفات کا آئینہ دار ہے جو قہر ومہر دونوں رکھتی ہے کہ اس سے مخالف بچ نہیں سکتا اور وہ موافق پر بخشائش سے بھی چوک نہیں سکتا۔ ایک اس کے قہر کے آگے اگر مرحوم نہیں تو دوسرا مہر کی چوکھٹ پر محروم نہیں ہے۔

نبی امی کا کمال اور قوم وامت کو دعوت: .... لتنذر قوما. یعنی یہ کٹھن کام ایک زبردست پیغمبر ہی سرانجام دے سکتا ہے جہاں صدیوں سے کوئی نور ہدایت نہ چمکا ہو اور ساری سرزمین بنجر پڑی ہو۔ جہاں ایک ایسی بے شعور قوم ہو جس کے پاس نہ شاندار

ماضی اور نہ پر امید مستقبل نہ نیک و بد پر اس کی نظر اور نہ اسے برے بھلے کی تمیز۔ ایسوں کو تاریک در تاریک گہری اندھیریوں سے نکال کر بام عروج پر پہنچا دینا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ اول اپنی قوم کو اور پھر ساری انسانیت کو اونچا اٹھانے میں یقیناً آپ نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔ پر جس کی قسمت ہی کھوٹی ہو اور ازل ہی سے وہ حرماں نصیب ہو۔ وہ اگر رہبر کامل سے بھی تشنہ ہی رہے تو یہ اس کا اپنا کھوٹ ہے رہبر کا کیا قصور؟ ایسے لوگ بے شبہ نتائج بھگت کر رہیں گے۔ پھر آپ سے امید یہی ہے کہ اصلاح اور رہنمائی کی راہ میں اگر آپ کو ایسے ہمت شکن واقعات کا مقابلہ کرنا پڑے تو آپ خوش دلی سے اپنا فرض بجالائے جائیے ہرگز ملول ورنجیدہ نہ ہو جائیے بلکہ نتیجہ اللہ کے حوالے کیجئے۔

شبہات وجوابات:............ اہل عرب میں اگرچہ بعض مضامین پچھلی شریعتوں کے منقول ہوتے چلے آئے ہیں۔ لیکن جو بات پیغمبر کے آنے سے ہوتی ہے وہ محض کچھ اخبار اور وہ بھی ناتمام نقل ہونے سے ہرگز نہیں ہوسکتی۔ بالخصوص جب کہ نقل میں بھی ردوبدل ہو گیا ہو اور آنحضرت ﷺ نے اول اپنی قوم عرب کو اور پھر تمام امت کو دعوت دی ہے۔ اس لئے اس آیت سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔

طوق سلاسل سے کیا مراد ہے:............ وجعلنا الا غلال۔ ان لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے جو رسوم وعادات کی جکڑ بندیوں اور جاہ واموال کی زنجیروں میں اور آباء واجداد کے ریت پر چلنے کے طوق وسلاسل میں بندھے ہوئے ہیں۔ انہی بندوشوں نے ان کے گلے جکڑ بند کر رکھے ہیں۔ اور کبر وغرور کے مارے ان کے سر نیچے نہیں ہوتے۔ گردنیں اکڑی ہی رہتی ہیں۔ پیغمبر سے عداوت نے ان کے اور قبولیت ہدایت کے درمیان لمبی چوڑی دیواریں حائل کر دی ہیں۔ خاندانی رسم ورواج اور سماجی برائیوں میں اس طرح گھرے ہوئے ہیں کہ انہیں آگا پیچھا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اور نہ ماضی ومستقبل پر ان کی نظر رہتی ہے۔

یا ان دونوں آیات کو تمثیل پر محمول کر لیا جائے یعنی ایمان سے ان کی دوری اور مجبوریوں کو یوں سمجھو کہ گویا ہم نے ان کی گردنوں میں طوق اور پاؤں میں زنجیریں ڈال دی ہیں کہ وہ طوق اڑ کر رہ گئے اور سر اوپر کو الل گئے۔ جس سے نیچے دیکھ کر راہ ہدایت پانے کی توقع نہیں رہی۔

یا یوں سمجھو کہ ہم نے ان میں اور قبولیت ہدایت کے درمیان بہت سی رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں۔ اب انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ چونکہ تمام اچھائیاں اور برائیاں اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اس لئے ان افعال کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ معتزلہ ایسے تمام مواقع پر سخت پریشان ہوتے ہیں اور اپنے بنائے ہوئے ترغے سے نکلنے کے لئے ہرچند ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ مگر کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ علم کلام کے طلبہ پر واضح ہے۔

معتزلہ کا رد اور امام رازیؒ کے دو نکتے:............ امام رازیؒ نے اس مقام پر بڑا عمدہ نکتہ لکھا ہے کہ پہلی آیت میں مقمحون فرما کر کفار سے دلائل انفسی پر غور کرنے کی نفی فرما دی ہے کیونکہ جب سر اوپر کو الل جائے تو اپنے بدن پر کیسے نظر پڑے گی؟ اسی طرح دوسری آیت میں آفاقی دلائل میں فکر کرنے کی بھی نفی ہو رہی ہے۔

آیت سواء علیھم الخ کا حاصل یہ ہے کہ ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کو سمجھانا خود ان کے لئے مفید نہ ہو۔ مگر ناصح کے لئے تو سراسر مفید ہے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کی خیر اندیشی میں لگے رہنا بڑا صبر آزما کام ہے جو ایک بلند ہمت صاحب عزیمت ہی کر سکتا ہے اور کبھی اس کی یہ بے لوث کوشش اور پرخلوص سعی دوسروں کی ہدایت ہو جانے کا سبب بن جاتی ہے ہاں جس کے دل میں اللہ کا ڈر

ہواور نصیحت مان کر اس پر عمل پیرا ہونا چاہے اسے بلاشبہ نصیحت سودمند ہوتی ہے اور جسے نہ خوف خدا، نہ دنیا کی شرم وحیا اور نہ نصیحت کی کچھ پروا۔ اس پر نبی کے ڈرانے کا کیا خاک اثر ہوگا۔ وہ چکنے گھڑے کی طرح ہوگا کہ پانی پڑا اور ڈھلکا۔ ایسے لوگ تو عزت کے بجائے ذلت کے مستحق ہیں۔

آگے اشارہ ہے کہ ان دونوں فریق کی اصل عزت وذلت کا آغاز اور اظہار زندگی کے دوسرے دور میں ہوگا۔ جس کی ابتداء مرنے کے بعد ہوگی۔ دنیا اصل سزا وجزا کے ظہور کی جگہ نہیں۔ یوں کسی کو یہیں سزا جزا شروع ہوجائے تو دوسری بات ہے۔

مردہ شخص کو زندہ کرنے کی طرح کبھی مردہ قومیں بھی زندہ کردی جاتی ہیں:............ آیت" انا نحن نحی الموتی" میں اسی یقینی زندگی کی اطلاع دی گئی ہے۔ نیز اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کبھی کبھی مردہ قوموں میں بھی خدا کی قدرت سے زندگی کی روح پھونک دی جاتی ہے کہ وہ کارہائے نمایاں کر کے آنے والی نسلوں کے لئے بڑی بڑی یادگاری نشانات چھوڑ جاتی ہیں۔

ماقدموا سے مراد انسان کے خود اپنے ہاتھ سے کئے ہوئے کام ہیں اور واثارھم سے وہ کام جو دوسروں کے لئے گمراہی اور ہدایت کا باعث بن جائیں۔ اس کے عموم میں قوموں کے وہ نشانات بھی آجاتے ہیں جو عبادت کرتے وقت کسی جگہ پڑ جائیں۔ جیسے حدیث میں ہے۔ دیارکم نکتب اثارکم جس طرح حق تعالیٰ کو تمام کاموں سے پہلے اور بعد دونوں میں علم رہتا ہے۔ اسی طرح اس کے یہاں کتابت اعمال کا نظم بھی دوہرا ہے۔ ایک لوح محفوظ میں اعمال سے پہلے کتابت اور ایک عمل کے بعد اعمال نامہ مرتب ہونا کراماً کاتبین کے ذریعہ اور یہ محض انتظامی مصالح کے پیش نظر کتابت کا نظام ہے ورنہ اللہ کے علم ازلی قدیم میں ہر چھوٹی بڑی چیزیں پہلے ہی سے ہیں۔ اسی کے موافق لوح محفوظ میں اندراج ہوگئیں۔ لوح محفوظ کو مبین بلحاظ تفصیلات کے فرمایا ہے۔

حضرت عیسیٰ کے فرستادوں کی جماعتی دعوت:............ آیت واضرب لھم الخ سے مومنین کی بشارت اور منکرین کی عبرت کے لئے ایک بستی کا حال بیان کیا جارہا ہے۔ بائبل میں اسی کے قریب قریب شہر انطاکیہ کا قصہ بیان ہوا ہے جس کو اکثر مفسرینؒ نے بھی انطاکیہ کے نام سے ذکر کردیا۔ لیکن ابن کثیر نے تاریخی روشنی میں اور سیاق قرآن میں اس پر کچھ اعتراضات کئے ہیں اور صاحب فتح المنان نے ان اعتراضات کے جوابات بھی دیئے ان اعتراضات وجوابات کا ضعف وقوت دراصل فروعی اختلاف پر ہوا کرتا ہے۔ البتہ چونکہ آیت کی تفسیر کسی خاص شہر پر موقوف نہیں ہے۔ اس لئے ابہام ہی بہتر ہے۔

بہر حال بستی کوئی ہو اس میں خدا کے یا کسی پیغمبر کے فرستادے پہنچے قصہ کے مختلف ہوجانے کی وجہ سے یہاں بھی ابہام اور تعمیم ہی مناسب ہے اگر وہ براہ راست اللہ کے رسول تھے تب تو ارسلنا اپنے ظاہر پر رہے گا اور نائب رسول تھے تو پھر ارسلنا بالواسطہ ہوگا۔ اولاً دو تھے بعد میں ایک کا اور اضافہ ہوگیا اور پھر تینوں نے اپنا پیغمبر ہونا ظاہر کیا۔ مگر لوگوں نے دیکھ کر کہا ہرگز نہیں تم محض معمولی آدمی ہو۔ تم میں کیا سرخاب کے پر لگ رہے ہیں۔ خواہ مخواہ خدا کا نام لیتے ہو جیسے تم ویسے ہم۔ تم تینوں ملی بھگت کررہے ہو۔ وہ بولے کہ بالفرض اگر ہم جھوٹے ہیں خدا تو دیکھ رہا ہے اور عملاً تائید کررہا ہے کیا وہ جھوٹوں کی مسلسل تائید کرسکتا ہے۔ رہا تمہارا انکار کردینا سو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ یہ تمہاری اپنی مرضی کی بات ہے تم مانو نہ مانو اللہ پر خوب روشن ہے کہ ہم اس کے فرستادے ہیں خود ساختہ نہیں۔ ورنہ وہ ہماری عملاً تصدیق کیوں کرتا۔ ہم اپنی ذمہ داری اور فرض منصبی بجالا چکے ہیں اب آگے تمہارا کام رہ گیا تردید وانکار کی صورت میں ذرا اپنے انجام پر بھی نظر کرلینا غرضیکہ تینوں کے پیغمبر ہونے کی صورت میں ما انتم الا بشر مثلنا کا ظاہری مفہوم ہوگا یعنی تم انسان ہو اور

انسان پیغمبر نہیں ہوا کرتے۔ کیونکہ انسان اور نبی میں منافات ہے اور اگر نائب رسول ہوں تو پھر کلام سے اصل میں اثبات مماثلت مقصود ہوگی یعنی تم ہم بالکل برابر ہیں تم میں کوئی امتیازی وصف نہیں کہ تمہیں ہم نائب رسول سمجھیں۔ اور ما انزل الرحمٰن سے مطلق پیغمبری کی نفی مقصود ہوگی۔ نیز اگر یہ حضرات رسول تھے۔ تب تو رسالت کی تائید اس واقعہ سے ظاہر ہے۔ البتہ اگر نائب رسول ہیں تو پھر نیابت بھی بالواسطہ اثبات رسالت کے لئے مفید ہوگی۔

علیٰ ہذا نبی ہونے کی صورت میں بلاغ مبین کی تفسیر معجزات سے ہوگی اور نیابت کی صورت میں اثبات خوارق کی ضرورت ہی نہیں۔ اس کی ضرورت تو نبی کو ہوتی ہے بلکہ دلائل علمیہ مراد ہوں گے۔

نحوست سے کیا مراد ہے:............ غرض کہ اس صاف وصریح دعوت کو یک لخت جھٹلا دیا جس کی شامت سے بقول معالم مبتلائے قحط ہوئے یا اس دعوت کے سلسلے میں انہوں نے اپنے اندر بے حد اختلافات پیدا کر لئے اور وہ موت کا شکار ہوگئے۔ وہ بولے کہ میاں جب سے تمہارے قدم یہاں آئے ہیں۔ ہم ہی مصیبت میں پھنس گئے۔ یہ تمہاری ہی نحوست ہے پہلے ہم سکھ چین سے رہ رہے تھے۔ بس تم اپنی نصیحت کے دفتر لے کر چلتے بنو ورنہ ہم پتھراؤ کر کے نکال دیں گے۔ رسول بولے کہ یہ نحوست تو خود تمہاری پیدا کردہ ہے جس کا الزام ہمیں دے رہے ہو۔ اگر پیغام حق مان لیتے تو کچھ بھی نہ بگڑتا۔ یہ سب وبال تمہارے حق قبول نہ کرنے کا ہے۔ محض اتنی سی بات پر کہ نصیحت وفہمائش کی۔ قتل کی دھمکیاں دیتے ہو، کڑوی کسیلی باتیں کہتے ہو۔ تم آدمیت اور معقولیت سے ہی خارج ہوگئے ہو۔

علی الاطلاق اتحاد واتفاق کوئی مستحسن یا محمود چیز نہیں ہے:............ خدائی فرستادوں سے پہلے ان میں جو کچھ اتحاد واتفاق تھا۔ وہ چونکہ باطل پر تھا اس لئے مستحسن نہیں کہا جا سکتا۔ فی نفسہ اتحاد اتفاق نہ محمود ہے نہ مطلوب ومقصود۔ ورنہ چوروں، ڈاکوؤں غنڈوں کا اتحاد واتفاق بھی مذموم نہیں رہے گا۔ البتہ صحیح مقاصد کے لئے اتحاد واتفاق بلاشبہ مطلوب ہے۔ اسی طرح پہلے قحط کا نہ ہونا وہ بطور استدراج یا حق نہ پہنچنے کی وجہ سے تھا۔ پس استدراجی حالت بھی کچھ سعادت مندی تو نہیں ہے۔ اسی سعادت مندی کی تحصیل کے لئے یہ پیامبر آئے اور ان کی لائی ہوئی سعادت کو ٹھکرا دیا تو انصاف کی آنکھ سے دیکھو کہ نحوست تو خود تم نے پیدا کی کہیں باہر سے نہیں آئی۔ باہر سے تو سعادت آئی تھی جو تمہیں پسند نہ آئی۔

حبیب النجار کی طرف سے دعوت کی پذیرائی وتائید:............ اس باہمی بات چیت اور گفتگو کا چرچا ہوا اور یہ خبر شائع ہوئی تو انہیں میں سے ایک شخص حبیب نامی اپنی قوم کی خیر خواہی کی مد میں اس اندیشہ سے کہ کہیں اشتعال میں لوگ پیامبروں کو قتل نہ کر ڈالیں۔ یہ صالح شخص شہر کے ایک کنارے رہتا۔ اپنی روزی حلال طریقہ سے کماتا اور اللہ اللہ کرتا تھا مگر یہ خبر سنتے ہی دوڑ پڑا۔ اس کی فطری صلاحیت نے چپ بیٹھنے نہ دیا۔ بلکہ ان کی بھرپور تائید میں کھڑا ہوگیا اور قوم کو للکارا کہ تم دیکھتے نہیں کیسے بے غرض لوگ ہیں خالص تمہاری خیر خواہی کے لئے سرگرداں ہیں۔ کچھ تم سے معاوضہ نہیں چاہتے۔ پھر ایسے بے لوث سچے بزرگوں کا کہا کیوں نہ مانا جائے۔

لطائف سلوک:............ آیت انما تنذر الخ سے ثابت ہوا کہ تربیت پر جو فوائد مرتب ہوتے ہیں ان میں دراصل جویائے حق کی استعداد وصلاحیت کا ظہور ہوتا ہے۔ ظاہر ہے مربی شیخ کی وہ عطا نہیں ہوتی۔

اذ ارسلنا۔ بقول صاحب روح المعانی حضرت عیسیٰ کے فرستادے تھے۔ جو اصلاح ودعوت کے لئے دوسرے شہروں میں

بھیجے گئے تھے۔ پس اسی طرح مشائخ کا اپنے خلفاء کو اصلاح وارشاد کے لئے مختلف شہروں میں مامور کرنا ہوتا ہے۔

قالوا ما انتم کا منشاء یہ ہے کہ ایک مبتدی اور منتہی بظاہر ایک دوسرے سے مشابہ معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں یوں بعید ہوتے ہیں۔

قالوا انا تطیر نا. بقول روح دعوت کو ٹھکرانے کے نتیجہ میں جس طرح ان پر قحط یا جذام مسلط ہو گیا اسی طرح بعض اوقات مقبولین کے انکار سے بھی اس قسم کی گرفتیں ہونے لگتی ہیں۔

قالوا طائر کم معکم میں ان کی بد استعدادی کی طرف اشارہ ہے۔

﴿الحمد للہ کہ پارہ ۲۲ **ومن یقنت** کی تفسیر مکمل ہوئی﴾

پارہ نمبر ﴿۲۳﴾

وَمَالِیَ

فہرست پارہ ﴿ومالی﴾

وَمَالِـــىَ

فَقِيلَ لَهُ اَنْتَ عَلٰى دِيْنِهِم فَقَالَ **وَمَالِىَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِىْ فَطَرَنِىْ** خَلَقَنِىْ اَىْ لَامَانِعَ لِىْ مِنْ عِبَادَتِهٖ الْمَوْجُوْدُ مُقْتَضِيْهَا وَاَنْتُم كَذٰلِكَ **وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ** ﴿۲۲﴾ بَعْدَ الْمَوْتِ فَيُجَازِيْكُمْ كَغَيْرِكُمْ **ءَ اَتَّخِذُ** فِى الْهَمزتَيْنِ مِنْهُ مَاتَقَدَّمَ فِى ءَ اَنْذَرْتَهُمْ وَهُوَ اِسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَى النَّفْيِ **مِنْ دُوْنِهٖٓ** اَىْ غَيْرِهٖ **اٰلِهَةً** اَصْنَامًا **اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّىْ شَفَاعَتُهُمْ** الَّتِىْ زَعَمْتُمُوْهَا **شَيْئًا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ** ﴿۲۳﴾ صِفَةُ اٰلِهَةٍ **اِنِّىْٓ اِذًا** اِنْ عَبَدْتُ غَيْرَ اللّٰهِ **لَّفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ** ﴿۲۴﴾ بَيِّنٍ **اِنِّىْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ** ﴿۲۵﴾ اَىْ اِسْمَعُوْا قَوْلِىْ فَرَجَمُوْهُ فَمَاتَ **قِيْلَ** لَهٗ عِنْدَ مَوْتِهٖ **ادْخُلِ الْجَنَّةَ** وَقِيْلَ دَخَلَهَا حَيًّا **قَالَ يَا** حَرْفُ تَنْبِيْهٍ **لَيْتَ قَوْمِىْ يَعْلَمُوْنَ** ﴿۲۶﴾ **بِمَا غَفَرَلِىْ رَبِّىْ** بِغُفْرَانِهٖ **وَجَعَلَنِىْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ** ﴿۲۷﴾ **وَمَآ** نَافِيَةٌ **اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ** اَىْ حَبِيْبٍ **مِنْ ۢ بَعْدِهٖ** بَعْدَ مَوْتِهٖ **مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ** اَىْ مَلَائِكَةٍ لِاِهْلَاكِهِمْ **وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ** ﴿۲۸﴾ مَلَائِكَةً لِاِهْلَاكِ اَحَدٍ **اِنْ** مَا **كَانَتْ** عُقُوْبَتُهُمْ **اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً** صَاحَ بِهِمْ جِبْرَئِيْلُ **فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ** ﴿۲۹﴾ سَاكِتُوْنَ مَيِّتُوْنَ **يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ** هٰؤُلَاءِ وَنَحْوُهُمْ مِمَّنْ كَذَّبُوا الرُّسُلَ فَاُهْلِكُوْا وَهِىَ شِدَّةُ التَّاَلُّمِ وَنِدَاؤُهَا مَجَازٌ اَىْ هٰذَا اَوَانُكِ فَاحْضُرِىْ **مَايَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ** ﴿۳۰﴾ مَسُوْقٌ لِبَيَانِ سَبَبِهَا لِاشْتِمَالِهٖ عَلٰى اِسْتِهْزَائِهِمُ الْمُؤَدِّىْ اِلٰى اِهْلَاكِهِمُ الْمُسَبَّبُ عَنْهُ الْحَسْرَةُ **اَلَمْ يَرَوْا** اَىْ اَهْلُ مَكَّةَ الْقَائِلُوْنَ لِلنَّبِيِّ لَسْتَ مُرْسَلًا وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ اَىْ عَلِمُوْا **كَمْ** خَبَرِيَّةٌ بِمَعْنٰى كَثِيْرٍ مَعْمُوْلَةٌ لِمَا بَعْدَهَا مُعَلِّقَةٌ لِمَا قَبْلَهَا عَنِ الْعَمَلِ وَالْمَعْنٰى اَنَّا **اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ** كَثِيْرًا **مِّنَ الْقُرُوْنِ** الْاُمَمِ **اَنَّهُمْ** اَىِ الْمُهْلَكِيْنَ **اِلَيْهِمْ** اَىِ الْمُكَذِّبِيْنَ **لَايَرْجِعُوْنَ** ﴿۳۱﴾ اَفَلَا يَعْتَبِرُوْنَ بِهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلٰى اٰخِرِهٖ بَدَلٌ مِمَّا قَبْلَهٗ بِرِعَايَةِ الْمَعْنَى الْمَذْكُوْرِ **وَاِنْ** نَافِيَةٌ اَوْ مُخَفَّفَةٌ **كُلٌّ** اَىْ كُلُّ الْخَلَائِقِ مُبْتَدَاٌ **لَّمَّا** بِالتَّشْدِيْدِ بِمَعْنٰى اِلَّا وَبِالتَّخْفِيْفِ فَاللَّامُ فَارِقَةٌ وَمَا مَزِيْدَةٌ **جَمِيْعٌ** خَبَرُ الْمُبْتَدَاِ اَىْ مَجْمُوْعُوْنَ **لَّدَيْنَا** عِنْدَنَا فِى الْمَوْقِفِ بَعْدَ

جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۳۲ للحساب خبر ثان

ترجمہ: .... (پس اس کو کہا گیا کیا تو ان کے دین پر ہے تو اس نے کہا) اور میرے لئے آخر کیا عذر ہے کہ میں اس معبود کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا (یعنی اللہ کی عبادت کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں بلکہ عبادت کا تقاضا کرنے والی چیزیں پائی جاتی ہیں اور بالکل یہی حال تمہارا بھی ہے) اور تم سب کو لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے (مرنے کے بعد لہٰذا دوسروں کی طرح تمہیں بھی بدلہ ملے گا) کیا میں (ان دونوں ہمزاؤں میں وہی تفصیل ہے جو لفظ "انذرتھم" میں پہلے گزر چکی ہے لفظ مالی استفہام بمعنی نفی ہے) اللہ کے علاوہ (اوروں کو) خدا قرار دے لوں کہ اگر خدائے رحمٰن مجھ کو کچھ تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ ان معبودوں کی سفارش میرے کچھ کام آسکے (جس کا تمہیں گمان ہے) اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں (یہ آلہتہ کی صفت ہے) میں اگر ایسا کروں (کہ غیر اللہ کی پوجا کرنے لگوں) تو کھلی گمراہی میں جا پڑوں گا (مبین بمعنی بین ہے) میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا سو تم میری بات سن لو (یعنی میری بات سن کر مان جاؤ۔ مگر سب لوگوں نے اس کو سنگسار کر دیا۔ جس سے وہ شہید ہو گیا۔ ارشاد ہوا (موت کے وقت اس سے فرمایا گیا) کہ جا جنت میں داخل ہو (بعض کی رائے ہے کہ زندہ ہی جنت میں داخل ہوا) کہنے لگا اے (یا حرف تنبیہ ہے) کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے (اپنی بخشش سے) میرے قصور معاف فرما دیئے اور مجھے عزت داروں میں شامل کر دیا۔ اور ہم نے اس (حبیب کی قوم پر کوئی لشکر نہیں اتارا اس (مـــا نافیہ ہے۔ حبیب کے مرنے) کے بعد آسمان سے (یعنی ان کی ہلاکت کے لئے فرشتے) اور نہ ہمیں (کسی کو ہلاک کرنے کے لئے فرشتوں کو) اتارنے کی ضرورت ہے، نہیں (ان نافیہ ہے) وہ سزا مگر بس ایک سخت چیخ (جو جبرائیل نے ماری تھی) اور وہ سب اسی دم بجھ کر رہ گئے (خاموش مردے) ان بندوں پر افسوس (اور ان جیسے سب پر جنہوں نے پیغمبروں کو جھٹلا کر تباہی لے لی۔

(حســرۃ. سخت مصیبت اور اس پر حرف ندا داخل کرنا مجازاً ہے یعنی بربادی آجا کہ تیرے آنے کا یہی موقعہ ہے) ان کے پاس کبھی کوئی رسول نہیں آیا جس کی انہوں نے ہنسی نہ اڑائی ہو (منشاء اس کا ان کی تباہی کا سبب بیان کرنا ہے کیونکہ پیغمبروں کی آمد پر انہوں نے ٹھٹھہ اڑایا اور وہ سبب بنا تباہی کا اور تباہی باعث بنی حسرت وافسوس کی) کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی (مراد مکہ والے ہیں جنہوں نے پیغمبر سے کہہ دیا تھا **لست مر سلا** اور استفہام تقریری ہے یعنی یہ لوگ جانتے ہیں) کہ کتنی (کم خبر یہ بمعنی کثیر ہے اپنے بعد **کم اھلکنا** کا معمول اور اپنے پہلے کو عمل سے روک دینے والا ہے اور معنی یہ ہیں کہ یقیناً) صدیاں ان سے پہلے غارت کر چکے کہ وہ (برباد شدہ) پھر ان (مکہ والوں) کی طرف لوٹ کر نہیں آسکے (پس کیا اس سے انہیں عبرت نہیں ہوتی اور **انھـــم الـــخ** ماقبل سے بدل ہے معنی مذکور کی رعایت کرتے ہوئے) اور ان میں سے (یعنی ساری مخلوق یہ مبتداء ہے) کوئی ایسا نہیں (ان نافیہ ہے یا مخففہ ہے) جو (**لـمـا** تشدید کے ساتھ بمعنی الا ہے اور تخفیف کے ساتھ بھی ہے۔ پس لام ہی فرق کرنے والا ہے اور ما زائدہ ہے) مجتمع طور پر (یہ خبر ہو مبتداء کی یعنی مجموعی لحاظ سے) ہمارے روبرو پیش نہ کئے جائیں (حساب کے لئے یہ خبر ثانی ہے۔)

تحقیق وترکیب:

.... **ومـــالـــی.** لطف آمیز طریقہ سے دعوت پیش کرنے کے لئے یہ طرز کلام اختیار کیا گیا کہ مخاطب کی بجائے خود اپنے کو نصیحت کرنا یہ زیادہ موثر ہوتا ہے۔ اس میں صنعت احتباک پائی جاتی ہے کہ کلام کے شروع سے کچھ حذف کر کے آخر میں اس کا اضافہ کر دیا جائے۔ ای **ومالی لا اعبد الذی فطرنی وفطر کم والیہ ترجعون وارجع.**

اتخذ. سورہ بقرہ کے شروع میں لفظ انذرتھم میں چار بلکہ پانچ قراءتیں گزر رہیں وہی یہاں بھی مراد ہیں۔

فوطوہ. ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ان کو پاؤں تلے روند دیا اور کچل ڈالا۔ جس سے ان کی آنتیں باہر نکل پڑیں۔
ادخل الجنة. شہید ہونے کی وجہ سے یہ خصوصی اعزاز بخشا گیا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ ان کو لوگ قتل کرنا چاہتے تھے مگر زندہ اٹھا کر جنت میں پہنچا دیا گیا ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ کے ساتھ ہو۔ ادخل الجنة امر تکوینی ہوگا۔ یعنی کن فیکونی حکم جس کا منشا جلد تعمیل حکم ہوتا ہے۔

علی العباد. الف لام جنسی ہے کفار منکرین مراد ہیں یہ تحسر فرشتوں یا مومنین کی طرف سے ہوتا ہے یا اللہ کی طرف سے۔ اس صورت میں اللہ کی طرف اس کی نسبت ضحک، نسیان، سخریہ، تعجب و تمنی جیسے الفاظ کی نسبت کی طرح ہوگی اور بعض نے عباد سے انبیاء اور رسول مراد لئے ہیں۔ اور علی بمعنی من ہے۔ الم یروا رویت علمیہ سے ہے اور کم خبریہ اھلکنا کا مفعول مقدم اور قبلھم. اھلکنا کا اور من القرون کم کا بیان ہے۔

معمولة لما بعدھا. یعنی یروا کا عمل کم میں نہیں۔ کیونکہ کم خبریہ صدارت کلام چاہنے کی وجہ سے ماقبل کا معمول نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ مابعد یعنی اھلکنا کا معمول ہے اور یہ کم خبریہ کو ماقبل کے عمل سے بھی بے تعلق کر دیتا ہے۔ کیونکہ استفہام اصل ہے۔

والمعنی انا اھلکنا ای قد علموا انا اھلکنا ای اھلاکنا للامم السابقة کثیرا۔

انھم. یہ مفعولیت کی وجہ سے محل نصب میں ہے اور لفظ اھلکنا سے بدل معنوی ہے۔

ای لم یعلموا کثرة اھلاکنا القرون الماضیة والامم السابقة کونھم ای الھا لکین غیر

برعایة المعنی المذکور. یعنی ہلاک شدگان کا دوبارہ واپس نہ آنا۔

ان کل. تشدید لما کی صورت میں ان نافیہ ہے اور تخفیف لما کی صورت میں ان مخففہ من المثقلہ ہوگا اور کل پر تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے ای کل الخلائق. ان نافیہ کی حالت میں یہ مبتداء اور ان مخففہ مانتے ہوئے اسم ان ہو جائے گا۔ جمیع خبر اول ہے اور محضرون خبر ثانی ہے۔

○ تشریح ○: .... **روش کلام میں تبدیلی کا نکتہ**: .... آیت وما لی میں اصل گفتگو کا رخ مخاطب کی طرف ہے یعنی وما لکم یعنی آخر تمہیں کیا ہوا کہ ناصح میں جب خود غرضی نہیں ہے جو مانع اتباع ہوتی ہے بلکہ اھتداء ہے جو اتباع پر ابھارنے والی بات ہوتی ہے پھر تم اللہ کی عبادت کیوں نہیں کرتے؟ اور روش کلام کی تبدیلی میں یہ نکتہ ہے کہ روئے سخن مخاطب کی طرف کرنے سے کہیں اس کو ہیجان اور اشتعال نہ ہو جائے۔ جو غور وفکر اور تدبر کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ مگر اپنے اوپر رکھ کر دوسروں کو سنانے میں اس کا خدشہ نہیں ہوتا۔

غرض کہ جب اللہ نے ہم کو پیدا کیا ہے اور پیدا کر کے آزاد بھی نہیں چھوڑ دیا کہ اب اس سے کوئی واسطہ نہ رہے۔ بلکہ سب کو پھر اس کے پاس جانا ہے۔ لہٰذا ابھی سے اس کی فکر رکھو۔ یعنی اسی کی بندگی میں لگے رہو۔ یہ تو اللہ کی عبادت کا استحقاق ہوا۔ آگے جھوٹے معبودوں کے عدم استحقاق عبادت کا بیان ہے کہ یہ کس درجہ نادانی اور ناسمجھی ہے کہ مہربان قادر مطلق کو چھوڑ کر ایک عاجز محض کا سہارا تکا جائے جو نہ خود قادر اور نہ قادر تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔ کیونکہ اول تو اینٹ پتھروں میں خود شفاعت کی قابلیت نہیں اور ہو بھی تو شفاعت بغیر اذن متحقق نہیں ہے۔

اور سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے یہ بھی کہا کہ سب سن رکھیں کہ میں کھلے بندوں اللہ پر ایمان لانے کا اعلان کرتا ہوں۔ مرسلین تو اس لئے سنیں کہ اللہ کے ہاں گواہ ہوں اور دوسروں کو سنانا اس لئے ہے کہ وہ بھی متاثر ہوں یا کم از کم دنیا کو ایک مرد مومن کی قلبی قوت

معلوم ہو جائے کہ کس طرح ایک تنہا کمزور آدمی بے دھڑک سب کو للکارتا ہے۔ مگر ان پتھروں پر کیا اثر ہوتا اور ہوا تو الٹا اثر یہ کہ انہیں بری طرح سے شہید کر ڈالا۔ مگر فوراً ہی جنت کا پروانہ مل گیا۔ چنانچہ شہداء کے لئے خصوصیت سے حشر سے پہلے ہی جنت میں جانا روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

جنت میں داخل ہونے سے کیا مراد ہے:............ تاہم جنت میں داخلہ سے مراد اگر فی الفور داخل ہونا ہے تو پھر جنت سے مراد حوالی جنت لی جائے گی۔ کیونکہ ادھر تو جنت میں داخل ہونے کے بعد پھر نکلنا نہیں اور حشر نشر یقیناً جنت سے باہر ہے۔ ہاں اگر جنت میں داخل ہونے کے بعد پھر حساب کتاب کے لئے باہر حشر نشر میں آ کر دوبارہ جنت میں جانا صحیح ہوتا یا حشر ونشر ہی جنت کے اندر ہوتے تو دونوں صورتوں میں کوئی اشکال نہیں تھا۔ لیکن فوری طور پر جنت میں داخلہ سے اشکال ہوگا۔ جس کے رفع کی صورت یہ ہے کہ جنت میں جانے سے مراد جنت کے آس پاس جانا ہے۔ اور اگر جنت کی خوشخبری مراد ہے تو پھر جنت اپنے متعارف معنی میں رہے گا۔ کسی توجیہ کی حاجت نہیں رہتی۔ لیکن کیا ٹھکانا ہے اس عالی ظرفی اور ہمدردی کا کہ اپنی ناہنجار قوم کو وہاں بھی وہ فراموش نہ کر سکا اور ایک آس لگا بیٹھا کہ شاید میری خوشحالی کو دیکھ کر انہیں ایمان کی رغبت ہو۔ مگر قوم کے دن نہیں پھرے تھے۔ اس لئے بدستور وہ لوگ اپنی اکڑ میں رہے۔ حتی کہ عذاب الٰہی نے انہیں آ گھیرا اور تباہی نے انہیں آ دبایا۔

عذاب کے لئے فرشتوں کے بھیجنے کی نہ حاجت پڑی اور نہ اہمیت دی گئی:............ اور ان کی سزا کے لئے اللہ کو کچھ اہتمام نہیں کرنا پڑا کہ فرشتوں کی ٹکڑیاں بھیجتے اور حق تعالیٰ کو ایسا کرنے کی حاجت بھی نہیں۔ یوں کبھی کسی خاص مصلحت سے کہیں فرشتے بھیج دیئے ہوں تو وہ دوسری بات ہے۔ اللہ کے یہاں تو بڑے بڑے سرکشوں اور گردن کشوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے بس ایک ڈانٹ ہی کافی ہے۔ یہی ہوا کہ جبرائیل وغیرہ کسی فرشتے نے ایک چیخ ماردی تو سارے یک لخت ڈھیر ہو گئے۔ غزوہ بدر وغیرہ میں فرشتوں کی آمد سے اشکال نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہاں مقصود صرف اللہ کی حاجت کی نفی ہے مصلحت کی نفی نہیں ہے۔ اگر کسی مصلحت سے کبھی فرشتوں کو بھیج دے تو گنجائش ہے۔

آگے بطور تذلیل کے فرماتے ہیں یا حسرۃ الخ لوگ دیکھتے سنتے ہیں کہ دنیا میں پیغمبروں سے ٹھٹھا کرنے والوں کا کیا عبرت ناک انجام ہوا۔ کس طرح عذاب کی چکی میں پس کر برابر ہو گئے۔ مگر افسوس کہ اس پر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ جب کوئی نیا پیغمبر آیا انہوں نے وہی ڈگر اپنایا۔ چنانچہ حضور سرور کائنات ﷺ کی تشریف آوری پر پھر اپنی تاریخ دہرانے لگے۔

تباہ شدہ قوم سے مراد اہل مکہ ہیں یا دنیا کی اکثر قومیں:............ یہ نہ سمجھے کہ محض دنیا کی سزا پر قصہ ختم ہو جائے گا۔ ایک دن اللہ کی عدالت کے کٹہرے میں سب مجرمین کو پھر دھر گھسیٹا جائے گا۔

آیت الم یروا الخ کی ضمیر اگر صرف اہل مکہ کی طرف نہ لوٹائی جائے بلکہ سب کے لئے عام ہو تو پھر ہلاکت کا حکم بلحاظ اکثریت ہوگا۔

کیونکہ سب سے پہلے جو قرن ہلاک ہوا ہوگا اس پر کم اھلکنا قبلھم صادق نہیں آئے گا۔ حبیب نجار کے بعد تینوں پیامبروں کا کیا ہوا قرآن اس سے ساکت ہے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ عَلَى الْبَعْثِ خبرٌ مُقَدَّمٌ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ اَحْيَيْنٰهَا بِالْمَاءِ مُبْتَدَأٌ وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا كَالْحِنْطَةِ فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ بَسَاتِيْنَ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾ اَىْ بَعْضِهَا لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ بِفَتْحَتَيْنِ وَبِضَمَّتَيْنِ اَىْ ثَمَرِ الْمَذْكُوْرِ مِنَ النَّخِيْلِ وَغَيْرِهٖ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ اَىْ لَمْ تَعْمَلِ الثَّمَرَ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَنْعُمَهٗ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ سُبْحٰنَ الَّذِىْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ الْاَصْنَافَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنَ الْحُبُوْبِ وَغَيْرِهَا وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ مِنَ الذُّكُوْرِ وَالْاِنَاثِ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ مِنَ الْمَخْلُوْقَاتِ الْغَرِيْبَةِ الْعَجِيْبَةِ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ عَلَى الْقُدْرَةِ الْعَظِيْمَةِ الَّيْلُ نَسْلَخُ نَفْصِلُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ دَاخِلُوْنَ فِى الظَّلَامِ وَالشَّمْسُ تَجْرِىْ اَلْخ مِنْ جُمْلَةِ الْاٰيَةِ لَهُمْ اَوْ اٰيَةٌ اُخْرٰى وَالْقَمَرُ كَذٰلِكَ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا اَىْ اِلَيْهِ لَا يَتَجَاوَزُهُ ذٰلِكَ جَرْيُهَا تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ فِىْ مُلْكِهٖ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ بِخَلْقِهٖ وَالْقَمَرَ بِالرَّفْعِ وَالنَّصْبِ وَهُوَ مَنْصُوْبٌ بِفِعْلٍ يُفَسِّرُهٗ مَا بَعْدَهٗ قَدَّرْنٰهُ مِنْ حَيْثُ سَيْرُهٗ مَنَازِلَ ثَمَانِيَةً وَّعِشْرِيْنَ مَنْزِلًا فِىْ ثَمَانٍ وَّعِشْرِيْنَ لَيْلَةً مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَيَسْتَتِرُ لَيْلَتَيْنِ اِنْ كَانَ الشَّهْرُ ثَلٰثِيْنَ يَوْمًا وَّلَيْلَةً اِنْ كَانَ تِسْعَةً وَّعِشْرِيْنَ يَوْمًا حَتّٰى عَادَ فِىْ اٰخِرِ مَنَازِلِهٖ فِىْ رَاْىِ الْعَيْنِ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ اَىْ كَعُوْدِ الشَّمَارِيْخِ اِذَا عَتَقَ فَاِنَّهٗ يَدُقُّ وَيَتَقَوَّسُ وَيَصْفَرُّ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِىْ يَسْهَلُ وَيَصِحُّ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ فَتَجْتَمِعُ مَعَهٗ فِى اللَّيْلِ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ فَلَا يَاْتِىْ قَبْلَ انْقِضَائِهٖ وَكُلٌّ تَنْوِيْنُهٗ عِوَضٌ عَنِ الْمُضَافِ اِلَيْهِ مِنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالنُّجُوْمِ فِىْ فَلَكٍ مُسْتَدِيْرٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾ يَسِيْرُوْنَ نُزِّلُوْا مَنْزِلَةَ الْعُقَلَاءِ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ عَلٰى قُدْرَتِنَا اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ وَفِىْ قِرَاءَةٍ ذُرِّيَّاتِهِمْ اَىْ اٰبَاءَهُمُ الْاُصُوْلَ فِى الْفُلْكِ اَىْ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ الْمَمْلُوْءِ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ اَىْ مِثْلِ فُلْكِ نُوْحٍ وَهُوَ مَا عَمِلُوْهُ عَلٰى شَكْلِهٖ مِنَ السُّفُنِ الصِّغَارِ وَالْكِبَارِ بِتَعْلِيْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْهِ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ مَعَ اِيْجَادِ السُّفُنِ فَلَا صَرِيْخَ مُغِيْثَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ يُنْجَوْنَ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾ اَىْ لَا يُنَجِّيْهِمْ اِلَّا رَحْمَةٌ مِّنَّا لَهُمْ وَتَمْتِيْعُنَا اِيَّاهُمْ بِلَذَّاتِهِمْ اِلٰى انْقِضَاءِ اٰجَالِهِمْ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ مِنْ عَذَابِ الدُّنْيَا كَغَيْرِكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْاٰخِرَةِ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَعْرَضُوْا وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِيْلَ اَىْ قَالَ فُقَرَاءُ الصَّحَابَةِ لَهُمْ اَنْفِقُوْا عَلَيْنَا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ مِنَ الْاَمْوَالِ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِسْتِهْزَاءً بِهِمْ اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ

اطْعَمَهٗ فِی مُعْتَقَدِكُمْ هٰذَا اِنْ مَا اَنْتُمْ فِی قَوْلِكُمْ لَنَا ذٰلِكَ مَعَ مُعْتَقَدِكُمْ هٰذَا **اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ** ﴿۴۷﴾ بَیِّنٍ وَالتَّصْرِیْحِ بِكُفْرِهِمْ مَوْقِعٌ عَظِیْمٌ **وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ** بِالْبَعْثِ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ** ﴿۴۸﴾ فِیْهِ قَالَ تَعَالٰی **مَا یَنْظُرُوْنَ** یَنْتَظِرُوْنَ **اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً** وَهِیَ نَفْخَةُ اِسْرَافِیْلَ الْاُوْلٰی **تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ یَخِصِّمُوْنَ** ﴿۴۹﴾ بِالتَّشْدِیْدِ اَصْلُهٗ یَخْتَصِمُوْنَ نُقِلَتْ حَرَكَةُ التَّاءِ اِلَی الْخَاءِ وَاُدْغِمَتْ فِی الصَّادِ اَیْ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ عَنْهَا بِتَخَاصُمٍ وَتَبَایُعٍ وَاَكْلٍ وَشُرْبٍ وَغَیْرِ ذٰلِكَ وَفِیْ قِرَاءَةٍ یَخْصِمُوْنَ كَیَضْرِبُوْنَ اَیْ یَخْصِمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا **فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً** اَیْ بِاَنْ یُّوْصُوْا **وَّلَآ اِلٰٓی اَهْلِهِمْ یَرْجِعُوْنَ** ﴿۵۰﴾ مِنْ اَسْوَاقِهِمْ وَاَشْغَالِهِمْ بَلْ یَمُوْتُوْنَ فِیْهَا

ترجمہ: .... اور ایک نشانی ان لوگوں کے لئے (قیامت ہونے پر، یہ خبر مقدم ہے) مردہ زمین ہے (لفظ میتة تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) ہم نے اس کو زندگی بخشی (پانی کے ذریعہ سے یہ مبتداء ہے) اور ہم نے غلہ کے دانے نکالے (جیسے گیہوں) سو ان میں سے کچھ لوگ کھاتے ہیں اور ہم نے اس میں کھجوریں اور انگوروں کے باغ (چمن) لگائے اور اس میں ہم نے (بعض) چشمے بہائے تاکہ لوگ باغوں کے پھلوں میں سے کھائیں (ثمرہ دونوں پر فتح، دونوں پر ضمہ یعنی کھجور وغیرہ مذکورہ پھل) اور ان کو ان کے ہاتھوں نے نہیں اگایا (یعنی پھلوں کو نہیں بنایا) سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے (خدا تعالیٰ نے ان پر جو نعمتیں فرمائی ہیں) پاک ہے وہ ذات جس نے طرح طرح (کی قسموں) کے کل پھل پیدا کئے۔ زمین کی نباتات سے بھی (غلے وغیرہ) اور آدمیوں میں سے بھی (مرد و عورت) اور ان چیزوں میں سے جن کو لوگ نہیں جانتے (عجیب وغریب مخلوقات) اور ایک نشانی لوگوں کے لئے (اللہ کی قدرت عظیم پر) رات ہے کہ اس پر سے دن کو اتار لیتے (الگ کر لیتے) ہیں سو یکایک لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں (تاریکی میں چلے جاتے ہیں) اور سورج گردش کرتا رہتا ہے (یہ بھی لوگوں کے لئے منجملہ نشانیوں کے ہو یا مستقل نشانی ہے اور یہی حال چاند کا ہے) اپنے محور کی طرف (اس سے ہٹ نہیں سکتا) یہ (رفتار) نشانہ مقرر کیا ہوا ہے۔ ایک زبردست طاقتور کا (زمین پر) واقف کار (مخلوق سے) اور چاند کے لئے (رفع اور نصب کے ساتھ یہ منصوب ہے ایسے فعل کے ساتھ جس کی تفسیر بعد میں آتی ہے) مقرر کی ہیں منزلیں (اس کی چال کے حساب سے ۲۸ درجے ہر ماہ کی ۲۸ راتیں اور مہینہ اگر تیس کا ہو تو دو روز تک اور انتیس کا ہو تو ایک دن رات نظر نہیں آئے گا) یہاں تک کہ رہ جاتا ہے (آخیر درجوں میں دکھائی پڑتا ہے) جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی (کھجور کی شاخ جب پرانی ہو کر سوکھ جائے اس وقت وہ پتلی بھی ہو جاتی ہے کمان کی طرح اور زرد پڑ جاتی ہے) نہ سورج کی یہ مجال ہے (آسان اور لائق ہے) کہ چاند کو جا پکڑے (اور رات میں دونوں اکٹھے ہو جائیں) اور نہ رات، دن سے پہلے آسکتی ہے (تاوقتیکہ دن ختم ہو رات نہیں آجاتی) اور دونوں میں سے ہر ایک (تنوین مضاف الیہ کے بدلہ میں ہے یعنی سورج چاند ستارے) اپنے اپنے مدار (دائرہ) میں تیرتے رہتے ہیں (رواں دواں رہتے ہیں الفاظ میں ان کو بمنزلہ ذی عقل چیزوں کے مان لیا ہے) اور ایک نشانی (ہماری قدرت کی) ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو سوار کیا (ایک قرأت میں ذریاتهم ہے یعنی ان کے باپ دادے، اصول) کشتی (نوح) میں جو لدی (بھری) ہوئی تھی اور ہم نے ان کے لئے کشتی ہی جیسی اور چیزیں پیدا کیں (کشتی نوح کی طرح کی تھیں یعنی اس کی ہم شکل چھوٹی بڑی اور کشتیاں اور جہاز اللہ کی تعلیم سے انہوں نے بنائے) جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں اور ہم چاہیں (باوجود کشتیاں ایجاد کرنے کے) تو ان کو ڈبو دیں۔ پھر نہ تو کوئی فریادرس ہو ان کے لئے اور نہ یہ

خلاصی (رہائی) دیئے جائیں مگر یہ ہماری مہربانی ہے اوران کوایک مقررہ وقت تک نفع پہنچانا ہے (یعنی کشتیوں سے پار نہیں لگ سکتے ہیں بجز ہماری رحمت کے البتہ ہم ان کی عمریں پوری ہونے تک انہیں لذت اندوز ہونے کا موقعہ دے رہے ہیں) اور جب ان سے کہا جاتا کہ تم لوگ اس عذاب سے ڈرو جو (دنیا میں تمہارے اوراوروں کے) سامنے ہے اورتمہارے بعد (آخرت میں) ہے تاکہ تم پر رحمت کی جائے (تو وہ بے رخی اختیار کر لیتے ہیں) اوران کے پروردگار کی آیات میں سے کوئی آیت بھی ان کے پاس ایسی نہیں آتی جس سے یہ سرتابی نہ کرتے ہوں اور جب ان سے کہا جاتا ہے (فقراء صحابہ کہتے ہیں) کہ اللہ نے جو کچھ تم کو (مال) دیا ہے اس میں سے (ہم پر) خرچ کرو تو یہ کفار مسلمانوں سے (پھبتیاں کستے ہوئے) کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسے لوگوں کو کھانے کو دیں جن کو اللہ اگر چاہے تو کھانا دے سکتا ہے (تمہارے عقیدے کی رو سے) تم لوگ (اسی عقیدے کے ساتھ ایسی باتیں کہنے میں) محض کھلی گمراہی میں پڑے ہو (اوران کے کفر کی صراحت میں موقع عظیم ہے) اور کہتے ہیں کہ یہ وعدہ قیامت کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو (اس وعدہ میں ارشاد ہے) یہ لوگ منتظر ہیں بس ایک چیخ کے (اسرافیل کا پہلا صور پھونکنا) جو آ پکڑے گی اور وہ سب باہم لڑ جھگڑ رہے ہوں گے (تشدید کے ساتھ اصل میں **یختصمون** تھا۔ تا کی حرکت منتقل کردی گئی اور صاد میں ادغام کردیا گیا۔ یعنی لوگ قیامت سے لاپرواہی اور آپسی جھگڑے کھانا پینا وغیرہ اور ایک قرأت میں **یخصمون** یعنی ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہوں گے۔ سو نہ وصیت کرنے کی فرصت ہوگی (کہ ایک دوسرے کو کہیں) اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جاسکیں گے (بازاروں سے اور کام کاج سے واپسی نہیں بلکہ وہیں مر رہے ہوں گے)۔

تحقیق وترکیب: .... **اٰية لهم.** موصوف صفت ہو کر خبر مقدم اور **الارض الميتة** مبتداء مؤخر ہے۔

ميتة. نافع تشدید کے ساتھ اور باقی قراء تخفیف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

احييناها. استیناف بھی ہوسکتا ہے۔ اورارض کی خبر یاارض سے حال بھی ہوسکتا ہے اور زمخشریؒ لفظ **احيينا** اور **نسلخ** دونوں کوارض اور لیل کی صفت بنانے کی بھی گنجائش دیتے ہیں۔ اگر چہ یہ الف لام کی وجہ سے معرفہ معلوم ہوتے ہیں الف لام جنسی تو نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے۔

من ثمره. اصل میں **ثمرها** ہونا چاہئے تھا۔ لیکن تفسیری عبارت میں مذکور کو مرجع قرار دیا ہے۔

ما عملته. اس ما میں چار احتمال ہیں ایک موصولہ اور عبارت گویا یوں ہے۔ **ومن الذى عملته ايديهم** دوسرے نافیہ **اى لم يعملوه هم بل الفاعل له هو الله تعالىٰ.** تیسرے نکرہ موصوفہ ہو اس میں عبارت کی تقدیر موصولہ کی طرح ہوگی۔ چوتھے ما مصدریہ اور مصدر مفعول بہ ہو اور تقدیر عبارت موصولہ یا موصوفہ کی طرح رہے گی۔

افلا يشكرون. فاعاطفہ مقدر پر عطف ہو **اى لا يذكرون النعمة فلا يشكرون.**

الازواج. انواع واصناف مراد ہیں۔

ما لا يعلمون. چنانچہ خشکی اور تری میں ہزارہا مخلوق ایسی ہے جو انسانی معلومات سے باہر ہے۔

نسلخ. روح میں اس کے دو معنی لکھے ہیں ایک بکری کی کھال کھینچنا۔ دوسرے معنی اخراج۔ چنانچہ **سلخت الا هاب عن الشاة. سلخت الشاة من الا هاب** بولتے ہیں۔

منه. میں من بمعنی عن ہے یعنی رات کے اوپر دن کا پردہ پڑا ہوا تھا اس کو اتارلیا۔ اسی لئے **اذا هم مظلمون** فرمایا گیا۔ لفظ **سلخ** میں استعارہ ہے مراد دن کے بعد رات کا ہونا ہے پس نہار سے مراد روشنی ہے مجازاً یا مضاف محذوف ہے۔ اور معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے رات کی جگہ سے اوراس کی اندھیری کے محل یعنی ہوا سے روشنی سلب کرلی اور کھینچ لی۔ اس لئے کہ دن رات نام ہے سورج کا افق سے

اوپراور نیچے ہوجانا۔ پس ایک دوسرے سے کشف کے معنی کچھ نہیں بنتے۔

فاذاھم. یہاں بظاہر فا مفاجات کے لئے ماننے میں یہ اشکال ہے۔ کہ مفاجات غیر متوقع صورت میں ہوا کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ نسلخ نہار کے بعد اظلام متوقع ہے۔ جواب یہ ہے کہ دن ختم ہونے کے بعد اس قدر تیز روشنی کا ایک دم اندھیرا ہوجانا غیر متوقع تھا۔ آہستہ آہستہ بہت دیر میں اندھیرا آتا۔ مگر آ گیا تھوڑی ہی دیر میں۔ اس لئے اذا مفاجاتیہ لانا صحیح ہوگیا۔

والشمس تجری. تفسیری عبارت میں اشارہ ہے کہ یہ معطوف ہے آیت پر یا مبتداء ہے اور تجری صفت ہے اس صورت میں تفسیری عبارت "او آیۃ اخری" مبتداء ہوگی جس کی خبر محذوف ہے اور تجری کو بھی خبر بنایا جاسکتا ہے اس صورت میں جملہ معترضہ ہوجائے گا۔

والقمر کذالک کے معنی یہ ہیں کہ سورج کی طرح چاند بھی ایک نشانی ہے۔ لفظ تجری کا ظاہر سورج کی حرکت کو بتلا رہا ہے اور یہ کہ سورج کی حرکت ذاتی ہے حرکت فلک کے تابع نہیں ہے بلکہ مخالف یہ تاویل کرسکتا ہے کہ ظاہر نظر میں سورج حرکت میں ہے۔ رہی زمین کی حرکت تو مشہور یہی ہے کہ سورج کی حرکت کا قائل زمین کی حرکت کا منکر اور زمین کی حرکت کا قائل سورج کی حرکت کا منکر ہے۔ حالانکہ عقلاً دونوں کی حرکت ممکن ہے۔

لمستقر. لام بمعنی الیٰ ہے مستقر ظرف زمان ہے جہاں جا کر زمانہ ختم ہوجائے۔ ظاہر ہے دنیا کا منتہی قیامت ہوگا اور بعض کے نزدیک آسمان کا انتہائی بلندی پر عروجی نقطہ جو موسم گرما میں نقطہ انقلاب صیفی سرطان کہلاتا ہے اسی طرح انتہائی نقطہ ہبوطی موسم سرما میں اول جدی ہوتا ہے۔ اس دوسرے تیسرے قول پر **مستقر** ظرف مکان ہوگا۔ چنانچہ بخاریؒ کی روایت میں آنحضرت ﷺ نے مستقر شمس تحت العرش فرمایا ہے اور یہ کہ سورج وہاں حاضر ہوکر سجدہ ریز ہوتا ہے۔

اس روایت کے سلسلہ میں صاحب جامع البیان کی رائے یہ ہے کہ عرش چونکہ کرہ محیط ہے اس لئے اس کی تحتیت مخصوص مکان کے لحاظ سے ہوگی اور بعض روایات کے ظاہر کی رو سے عرش ایک قبہ ہے جسے فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ اس اعتبار سے وقت ظہر اقرب عرش ہوگا اور نصف شب ابعد عرش ہوگا۔ اس لئے آدھی رات سورج طلوع کی اجازت چاہتے ہوئے سجدہ ریز ہوتا ہوگا۔

والقمر. اس میں اختلاف ہے کہ ہر مہینہ نیا چاند نکلتا ہے جیسا کہ رملی شافعی کی رائے ہے یا ایک ہی چاند ہے جو ہمیشہ ماہانہ نکلتا ہے۔ جیسا کہ اکثر روایات اور حکماء کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے۔ لفظ قمر ابوعمروؒ، ابن کثیرؒ، نافعؒ، علیؒ کی قرأت پر مرفوع اور باقی قراء کے نزدیک منصوب ہے۔ مابعد اس کی تفسیر کررہا ہے اور چونکہ نفس قمر کی تقدیر مقصود نہیں۔ اس لئے منازل مضاف مقدر مانا جائے گا۔ اسی قدر نا منازلہ اور بعض نے منصوب علی الظرفیہ مانا ہے اور بعض نے حذف وایصال کے اعتبار سے تقدیر اس طرح مانی ہے **قدر نالہ منازل.** یہ بارہ برج ہیں جن کے لئے ۲۸ منزلیں ہیں۔ قاضی بیضاویؒ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔ **ینزل القمر کل لیلۃ فی واحد منہا.**

لاالشمس. سورج کی سلطنت اور تسلط دن میں اور چاند کا رات میں ہے۔ سورج کا دائرہ ہے کہ بڑا ہے اس لئے اس کا دورہ بھی بڑا ہے کہ سال بھر میں پورا ہوتا ہے اور چاند کا مدار چھوٹا ہے اس کی رفتار تیز معلوم ہوتی ہے۔ اس کا دورہ ماہانہ مکمل ہوجاتا ہے۔ اس لئے لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر فرمایا۔ لیکن لاالقمر ان تدرک الشمس نہیں فرمایا۔ کیونکہ چاند بعض دفعہ سورج کو پالیتا ہے۔ مگر کسی کا دوسرے پر تسلط نہیں ہے ورنہ نظام عالم درہم برہم ہوجائے۔

کل فی فلک. اس جملہ میں صفت قلب پائی جاتی ہے۔ سیدھا الٹا دونوں طرف سے یہی جملہ رہتا ہے۔ بعض نے فلک سے

مراد فلک اعلیٰ لیا ہے جس کو فلک الافلاک کہتے ہیں۔ اسی کی حرکت سے نجوم متحرک ہوتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں ابن حزمؒ اور ابن جوزیؒ سے اس پر اجماع نقل کرتے ہیں کہ آسمان کروی ہے اور حرکت مستدیر رکھتا ہے اور اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فلکه. فلكة المغزل کی طرح ہے اور اہل نجوم لفظ یسبحون سے چاند سورج ستاروں کے جاندار ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ لفظ ذی روح اور ذی عقل ہی پر بولا جاتا ہے۔ مگر امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اہل نجوم کی اس سے مراد اگر یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ کی تسبیح خواں ہیں تب تو صحیح ہے وان من شئ الا يسبح کی رو سے۔ لیکن اگر ان کی مراد کچھ اور ہے تو وہ محتاج ثبوت ہے۔ رہا اس لفظ کا استعمال سو اس سے استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرح کا استعمال تو قرآن میں بتوں کے لئے بھی ہوا ہے جیسے الا تاكلون يامالكم لاتنطقون.

علامہ نسفیؒ یہی فرماتے ہیں کہ سیاحت اور سبقت اور ادراک، اسی طرح واونون کے ساتھ جمع لانا یہ سب صفات عقلاء ہیں جو ان ستاروں کے لئے ثابت کی گئی ہیں اگرچہ ان کو اختیار افعال نہیں ہے۔

ذريتهم. لفظ ذریت مشترک ہے ضدین کے۔ لئے اصول وفروع دونوں کے لئے یہاں بھی دونوں معنی ہو سکتے ہیں اور فی الفلك سے خاص کشتی نوح مراد ہے یا عام کشتی اور جہاز؟ دونوں احتمال ہیں۔ ارضی آیات چونکہ زیادہ نظر آتی ہیں۔ اس لئے ان ہی سے ابتداء ہوئی اور انہی پر اختتام ہوا۔

الصريخ. بمعنی فریادرس۔

الذين كفروا. سے مکہ کے دہریئے مراد ہیں جو خدا کے منکر ہیں۔ ابن عباسؓ سے بھی ایسے ہی مروی ہے۔

انطعم. انفقوا کے جواب میں انـنفق کہنا چاہئے تھا لیکن ممکن ہے انفاق سے مراد اطعام ہی ہو یا نطعم بمعنی نعطی لیا جائے یا اطعام کی ممانعت سے غیر اطعام کی ممانعت پر بدرجہ اولیٰ دلالت کرنے کے لئے یہ لفظ لایا گیا ہے۔

من لويشاء الله. یہ انطعم کا مفعول ہے اور اطعمه لو کا جواب ہے۔

في معتقد كم. مفسر علامؒ نے یہ قید اس لئے لگائی کہ بقول ابن عباسؓ اس سے مراد فرقہ معتزلہ ہے جو خدا کے وجود اور اس کی صفت اطعام کا منکر ہے۔ لیکن اگر اس سے قریش مراد ہوں تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ خدا جب باوجود قدرت کے اپنی مشیت اور مصلحت سے کسی کو رزق نہیں دیتا، تو ہم بھی اس کی موافقت کرتے ہوئے نہیں دیں گے۔

ان انتم. یہ اللہ کا ارشاد ہے یا مومنین کا مقولہ ہے اور یا منجملہ قول کفار کے ہے مسلمانوں کو جواب دیتے ہوئے۔

والتصريح. بكفرهم سے مفسر علامؒ یہ بتلا رہے ہیں کہ قال الذين كفروا میں کفر کی تصریح کر کے اشارہ مکہ کے دہریوں کی طرف ہے جو مشرکین سے بڑھ کر ہیں۔

يخصمون. فتح خاء اور تشدید کے ساتھ ابن کثیرؒ، ورشؒ، ہشامؒ وغیرہ اکثر قراء کے نزدیک ہے اور ان کے علاوہ دوسرے قراء کے نزدیک علاوہ حمزہؒ کے کسر خا کے ساتھ ہے، يخصمون دراصل يختصمون تھا۔ تا ساکن کر کے صاد سے تبدیل کر دیا اور پھر ادغام کر دیا اور کسرۂ خا التقاء ساکنین کی وجہ سے ہوا۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات میں رسالت سے متعلق مضمون تھا۔ جس کے ذیل میں توحید بھی مفہوم ہو رہی تھی۔ آئندہ آیات میں بالقصد توحید کو ایسے دلائل کے ساتھ ذکر کیا جا رہا ہے۔ جن میں انعامات الٰہی اور احسانات خداوندی بھی ضمناً واضح ہو رہے ہیں اس لحاظ سے شرک کی برائی دوگونہ ہوگئی۔ اور آخر میں ذکر فلک کی مناسبت سے اشارہ ایک وعید کی طرف بھی کر دیا گیا ہے اور پھر اس وعید میں

بھی قدرت شرکا، کی نفی کی طرف اشارہ ہورہا ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **دوبارہ زندگی کی مثال**: .... مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو منکرین کبھی گلے سے نیچے اتارنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔ قرآن اسی حقیقت کو مردہ زمین کی مثال سے سمجھا رہا ہے۔ ارشاد ہے وایة لھم الارض المیتة کہ اس کو یوں سمجھو کہ زمین خشک اور مردہ پڑی ہوتی ہے۔ مگر دیکھتے ہی دیکھتے اللہ اس میں زندگی کی لہر دوڑا دیتا ہے وہ لہلہا اٹھتی ہے کہ ہر طرف سبزہ اور فرش مخملی نظر آنے لگتا ہے۔ پھل پھلاری اور میوؤں سے وہی زمین لد جاتی ہے۔ اسی طرح جان لو کہ مردہ جسموں میں بھی زندگی پھونک دی جائے گی۔ خدا کی اس نشانی میں جس قدر غور کرو گے مرنے کے بعد کی زندگی اتنی ہی ذہن نشین ہو جائے گی۔

پچھلی آیات میں ترہیبی انداز سے توحید کا بیان تھا۔ ان آیات میں ترغیب کا پہلو نمایاں کیا جا رہا ہے کہ خدا کی نعمتوں سے لدی ہوئی اس زمین پر تم ہمہ قسم کی نعمتوں سے مستفید ہو رہے ہو۔ پس کیوں نہیں تم میں شکر گزاری کے جذبات ابھرتے۔

کیا مردہ دل قوم زندہ دل نہیں بن سکتی ہے: .... ماعملته ایدیھم میں ابن مسعودؓ اور عموماً سلف نے ما کو موصولہ مانا ہے۔ لیکن اکثر متاخرین مـــا نافیہ مراد لیتے ہیں۔ زمین تخم ریزی اور آب پاشی وغیرہ اگرچہ انسانی ہاتھوں سے عمل میں آتی ہے۔ مگر درختوں، سبزیوں، پھلوں اور غلوں کو ان کی صورت نوعیہ عطا کرنا یقیناً دست قدرت کا عمل ہے اور خدائی نعمتوں کی شکر گزاری دراصل توحید کا پہلا زینہ ہے۔

آیات ارضی اور آیات نفسی سے استدلال توحید: .... بعض آفاقی ارضی نشانیوں سے استدلال کے بعد آیت سبحن الذی الخ سے عام استدلال کیا جا رہا ہے خواہ وہ ارضی آیات ہوں یا انفسی۔ چنانچہ زمینی نباتات اور انسانوں میں اور دوسری مخلوق میں جن کی انہیں پوری خبر بھی نہیں جوڑے بنائے ہیں۔ جن میں سے بعض متماثل ہیں۔ مثلاً ایک ہی رنگ اور ایک ہی مزہ کے پھل اور ایک ہی شکل وصورت کے جانور اور بعض متقابل ہیں۔ جیسے مرد وعورت، نر و مادہ، کھٹا میٹھا، سیاہ سفید، رات، دن، اندھیرا اجالا یا اس تقابل سے بڑھ کر بھی اگر کچھ اختلاف ہو۔ بشرطیکہ وہ مقولات عشرہ میں سے کسی نہ کسی مقولہ کے نیچے آتا ہو۔ خواہ بلاواسطہ ہو جیسے جزئیات اور اجناس سافلہ یا بواسطہ جزئیات کے ہو جیسے اجناس عالیہ کہ ان کی جزئیات کسی نہ کسی مقولہ میں ضرور داخل ہیں۔ بہرحال مخلوق میں کوئی مخلوق بھی ایسی نہیں جس کا مماثل یا مقابل نہ ہو۔

یہ صرف خدا ہی کی ذات پاک ہے جس کا نہ کوئی مقابل ہے اور نہ مماثل کیونکہ مقابلہ اور مماثلت ان چیزوں میں ہو سکتی ہے جو کسی درجہ میں اشتراک رکھتی ہوں۔ خالق ومخلوق میں کیا اشتراک؟ کیونکہ مقولات عشرہ میں سے جو کہ اجناس عالیہ ہیں کوئی بھی مقولہ یا جنس اللہ پر صادق نہیں آتی۔ بلکہ کسی موجود کے ساتھ بھی کسی ذاتی میں اس کی شرکت نہیں۔

غرض کہ سب ازواج مخلوق اور وہ ان سب کا خالق ہے۔ پس آیت ومن کل شئ خلقنازوجین کا مفہوم بھی اس تقریر سے واضح ہو گیا۔ آگے بعض آیات سماویہ آفاقیہ اور ان کے بعض آثار سے استدلال ہے۔

آیات سماویہ آفاقیہ بعض آثار سے توحید پر استدلال: .... رات کو اس لحاظ سے نشانی کہا جا رہا ہے کہ جس طرح بکری کی کھال اتار دینے سے مضغہ گوشت نمایاں ہو جاتا ہے۔ اسی طرح رات کی اندھیری پر سے اگر دن کی چادر اتر جائے تو ہر طرف اندھیرا چھا جاتا ہے سورج آ کر پھر اجالا کر دیتا ہے۔ اس تشریح میں ظلمت کو اصل مانا گیا ہے کہ اجرام نیرہ (چاند، سورج، ستارے) ظاہر

ہے کہ سب حادث ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو ان کا نور بھی نہ ہوتا۔ دن رات کے ان تقلبات سے یہ کھل جاتا ہے کہ اس عالم کو بھی وجود کی چادر اتار کر پھر پہنا دی جائے گی اور فنا کے بعد پھر یہ وجود پذیر ہوگا۔

نیز اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو ذات قدیر رات کو دن میں تبدیل کرسکتی ہے وہ کفر کی جہالت کی اندھیری کو آفتاب رسالت کے ذریعہ دور کر کے رہے گی۔

چاند کا روزانہ نقطہ افقیہ اور سورج کے سالانہ دورہ کا نقطہ افقیہ: .... لیکن ہر کام کا ایک مقررہ نظام ہے۔ وہ اسی کے مطابق ظہور پذیر ہوگا۔ سورج کی چال نقطہ افقیہ پر رات دن اس کی یومیہ گردش میں اور اسی طرح سال بھر کے چکر میں جہاں جہاں جس وقت اسے سالانہ دورہ کر کے نقطہ افقیہ پر پہنچنا ہے وہ پہنچ کر رہتا ہے، مقررہ رفتار اور مقدار سے ایک انچ یا ایک سیکنڈ ادھر ادھر نہیں ہوسکتا۔ کسی دم قرار نہیں۔ حتیٰ کہ ایک وقت آئے گا کہ اس پروگرام میں تبدیلی ہوگی، اسے حکم ہوگا کہ وہ طلوع وغروب کی سمت بدل دے۔ یہی وقت ہوگا کہ توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ پھر نہ ایمان لانا معتبر ہوگا اور نہ توبہ قبول ہوگی۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک حدیث بھی ہے کہ سورج کا مستقر عرش ہے کہ روزانہ سورج سجدہ ریز ہوکر طلوع کی اجازت چاہتا ہے اور تا قرب قیامت یہی سلسلہ رہے گا۔ پھر طلوع وغروب کے نظام میں تبدیلی کا حکم ہوگا جو انقلاب عظیم یعنی قیامت کی طرف گویا اشارہ ہوگا۔ اس موقعہ پر چند تحقیقات پیش نظر رہنی چاہئیں۔

ا۔ مستقر کے تحت العرش ہونے میں دونوں افقی نقطے اور دونوں حرکتیں یعنی روزانہ اور سالانہ دورے بھی داخل ہیں رہا یہ شبہ کہ پھر تو مستقر تمام آسمانوں کے نیچے ہی ہونا چاہئے۔ نیز یہ نقطے بھی عام ہونے چاہئیں۔ پھر عرش کے ساتھ تخصیص کی کیا وجہ؟

جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ تخصیص ہی مقصود ہو بلکہ ممکن ہے یہ قید صرف واقعہ کا اظہار ہو اور مقصد اصلی سورج کے سجدہ کرنے کی اطلاع دینا ہو اور اس تعبیر کا فائدہ سورج کا امر الٰہی کے ماتحت ہونے کی تصریح کرنا ہو۔ کیونکہ بہت سی آیات میں استواء عرش کو احکام کے نفاذ تصرفات سے کنایہ کیا گیا ہے۔

روزانہ سورج کے سجدہ کرنے سے کیا مراد ہے: .... ۲۔ چونکہ تمام مخلوقات میں من وجہ شعور مانا گیا ہے۔ جیسا کہ آیات وروایات سے واضح ہے۔ پس ممکن ہے کہ سورج بھی اسی شعور کی وجہ سے بارگاہ الٰہی میں خشوع وخضوع سے عرض ومعروض کرتا ہو اسی کو حدیث میں سجدہ سے تعبیر کردیا گیا اور سب سے عمدہ اور آسان بات یہ ہے کہ سورج کی روح کو سجدہ ریز کہا جائے۔

۳۔ بظاہر سجدہ کے وقت سورج ساکن ہو جانا چاہئے۔ حالانکہ دلائل رصدیہ سے سورج کی مسلسل دائمی حرکت ثابت ہے...... جواب یہ ہے کہ سجدہ کرنے کی جو توجیہات ابھی کی گئی ہیں ان کے لئے اول تو ساکن ہونا ضروری نہیں بحالت حرکت بھی یہ سجدہ ہوسکتا ہے۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سکون تو آنی ہو اور حرکت زمانی ہو۔ اس لئے اس سجدہ سے نہ حساب رصدی میں فرق پڑتا ہے اور نہ یہ سکون خفی ہونے کی وجہ سے آلات رصدیہ سے محسوس ہوسکتا ہے۔

۴۔ چونکہ سورج کا غروب حقیقی کبھی نہیں ہوتا بلکہ غروب اضافی ہوتا ہے۔ یعنی ایک جگہ طلوع ہے تو دوسری جگہ غروب ہے پھر اس حدیث کے کیا معنی ہوئے؟

جواب یہ ہے کہ ممکن ہے معظم معمورہ یعنی دنیا کی اکثر آبادی کا غروب مراد ہو۔ یا خط استواء کا غروب مراد ہو جو آفتاب کی حرکت اعتدالی کا محل ہوتا ہے یا پھر خاص مدینہ منورہ کا غروب مراد ہو جو مقام وحی ہے۔ غرض کہ یہ مخبر صادق کا فرمان ہے جس میں کوئی عقلی

اشکال بھی نہیں اس لئے اس پر ایمان واجب اور اس کو ماننا ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ خواہ مخواہ خیالی موشگافیاں نکال کر اس کا رد کیا جائے۔

چاند کا گھٹنا بڑھنا بھی نشان قدرت ہے: .... سورج کی طرح چاند بھی ایک نشانی ہے۔ مگر وہ سورج کی طرح ہمیشہ یکساں نہیں رہتا۔ بلکہ روزانہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ اللہ نے اس کے لئے ۲۸ منزلیں مقرر فرمادی ہیں جنہیں وہ ایک مقررہ نظام کے تحت طے کرتا ہے۔ پہلی آیت میں سورج کا ذکر تھا۔ جس سے فصل اور سال بنتے ہیں۔ اس آیت میں چاند کا تذکرہ ہے جس کی رفتار سے قمری مہینوں کا حساب وابستہ ہے۔ مہینہ کے آخر میں جب چاند سورج ملتے ہیں تو چاند چھپ جاتا ہے۔ پھر جب وہ آگے بڑھ جاتا ہے تب نظر آتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ حتی کہ چودھویں کو پورا ہو جاتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ گھٹنے لگتا ہے۔ حتیٰ کہ اسی پہلی حالت پر آ پہنچتا ہے اور کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح دبلا پتلا خمدار ہو کر بے رونق سا ہو کر رہ جاتا ہے کھجور کی شاخ سے تشبیہ پتلی اور خمدار ہونے میں ہے اور ممکن ہے رنگت کی زردی میں بھی تشبیہ دی گئی ہو۔

چاند سورج کی حدود سلطنت الگ الگ ہیں: .... سورج کی سلطنت دن میں ہے۔ تو چاند کی رات میں ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ سورج چاند کو آدبائے اور دن آگے بڑھ کر رات کا کچھ حصہ اڑالے یا دن کے ختم ہونے سے پہلے رات سبقت کر کے آجائے جہاں جہاں جو انداز مقرر کر دیا ان کروں کی یہ مجال نہیں کہ ایک سیکنڈ آگے پیچھے ہوسکیں۔ ہر ایک سیارہ اپنے اپنے مدار میں برابر چکر لگا رہا ہے۔ بال برابر ادھر ادھر نہیں ہوسکتا اور اس قدر تیز رفتاری کے باوجود اور اتنی کھلی ہوئی فضا ہوتے ہوئے نہ ہی ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے اور نہ اپنی مقررہ رفتار سے تیز یا سست ہوتا ہے۔

کیا یہ اس بات کا واضح نشان نہیں کہ یہ سب عظیم الشان مشینیں اور اس کے تمام پرزے کسی ایک زبردست مدبر، دانا ہستی کے قبضہ اقتدار میں اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔ پھر جو ذات چاند، سورج اور دن رات کی ادلی بدلی کرتی ہے۔ وہ تمہارے فنا کرنے اور پھر دوبارہ پیدا کرنے سے کیا عاجز ہوگی۔ (فوائد عثانی)

چاند سورج اور موجودہ سائنس: .... اخیر مہینہ میں چاند سورج کا جو ملاپ ہوتا ہے اس میں چاند تو سورج کو پکڑتا ہے مگر سورج، چاند کو نہیں پکڑتا۔ اسی لئے لا الشمس ینبغی الخ فرمایا گیا لا القمر ینبغی نہیں کہا گیا۔

موجودہ سائنسی تھیوری یہ ہے کہ چاند بھی بہت سے ہیں اور سورج کی بھی نسل ہے اور متعدد سورج ہیں واللہ اعلم۔ اس صورت میں الشمس اور القمر کو اسم جنس ماننا پڑے گا کہ تعدد شمس وقمر کی رو سے آیت میں اشکال نہ رہے۔ رملی شافعی کا قول ابھی گزر چکا ہے۔ نیز چاند سورج کا تخن فلک یعنی آسمان کے دل میں ہو کر تیرنا ضروری نہیں۔ جیسا کہ " فی فلک " کے ظاہر سے مفہوم ہوتا ہے اور قدیم حکمائے یونان اور فلاسفہ کے ایک نظریہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ بلکہ فلک سے مراد ان سب کے مدار ہیں۔ نیز چاند سورج ستارے سب فضا میں گردش کرتے ہیں۔ آسمان دنیا یا چوتھے آسمان پر نہیں گھومتے۔ جیسا کہ قدیم فلاسفہ یونان کا ایک نظریہ یہ بھی ہے۔ پس راکٹوں کے ذریعہ چاند، سورج، سیاروں میں جانا آنا، رہنا سہنا ناممکن نہیں ہے۔ بلکہ اب تو عام بات ہوگئی ہے۔

طوفان نوح کے وقت نسل انسانی کو اس بھری ہوئی کشتی پر پار کرانا بھی ایک نشانی ہے جو نوح نے اللہ کی نگرانی میں بنائی تھی۔ اگر کشتی کے ذریعہ گنے چنے انسانوں کو نہ بچایا جاتا۔ تو انسان کی نسل ہی نہ چلتی۔ اس لئے حضرت نوح گویا آدم ثانی ہوئے۔ پھر اس کے بعد بھی اسی نمونہ کی دوسری کشتیاں اور جہاز قدرت نے انسان کے لئے ایجاد کرادیئے۔ جن پر ساز وسامان کے ساتھ انسان لدا پھرتا ہے۔

کشتی اور جہاز تین وجوہ سے نعمت الٰہی ہیں: ....اس طرح کی اور سواریاں بھی انسان کی خاطر پیدا کر دیں۔ چنانچہ خشکی میں اونٹ جیسا بے تکان جانور پیدا کر دیا جسے عرب میں سفائن البر والسراب بحار ہا کہا جاتا ہے۔ ان کشتیوں کا نعمت ہونا تین وجوہ سے ہے اول یہ کہ ایک طرف تو کشتی بھری ہوئی ہے اور ادھر پانی ہے۔ پس بوجھل ہونے کی وجہ سے ڈوب جانی چاہئے تھی۔ مگر پانی کی سطح پر اللہ نے رواں دواں کر دیا۔ دوسرے ان بچے ہوئے انسانوں کی پھر نسل چلا دینا۔ تیسرے سمندری تجارتی سفر اور شکاری کشتیوں سے مچھلیاں پکڑ کے روزی رزق دینا جس سے خود تو گھر بیٹھے رہیں اور اولاد کاروبار کرے۔ خوفناک سمندروں میں جہاں بڑے بڑے پہاڑوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ ایک بڑے سے بڑا جہاز محض ایک تنکا کی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر اس لاغر اور کمزور انسان کو دیکھو بڑے بڑے سمندروں کو عبور کر لیتا ہے۔ اگر قدرت اسے غرق کرنے لگے تو کون ہے جو بچا سکے۔ مگر نادان انسان پھر بھی قدر نعمت نہیں کرتا۔

واذا قیل الخ یعنی جب انسان کو نصیحت کی جاتی ہے کہ قیامت کی سزا اور اپنے کرتوتوں کی پاداش سے بچنے کی فکر کر۔ تو نصیحت پر ذرا کان نہیں دھرتا۔ بلکہ ہمیشہ خدائی احکام وقوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

کفار کی حماقت کا نمونہ: .... واذا قیل لهم انفقوا. یعنی ان کی سرتابی اور بدبختی تو یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ کہ فقیروں محتاجوں مسکینوں پر خرچ کرنا خود ان کے نزدیک بھی انسانیت کے بہترین کام ہیں۔ مگر برا ہو اس بدعقلی کا کہ محض پیغمبر کی ضد اور مسلمانوں کی مخالفت نے ان کو اتنا اندھا کر دیا ہے کہ اپنی مسلمہ بات کو بھی نہایت بھونڈے طریقے اور پھبتی کے انداز میں اڑا دیتے ہیں۔ جب وہی بات مسلمان ان سے کہتے ہیں تو یہ کہہ کر انکار کر دیتے ہیں کہ جنہیں اللہ نے کھانے کو نہیں دیا انہیں ہم کیوں کھانے کو دیں۔ بھلا ہم اللہ کے خلاف کیسے کریں؟ جب اسی کا منشاء ہے کہ ہم امیر اور مسلمان غریب محتاج رہیں تو پھر محتاج کر دینا اللہ کی مزاحمت کرنا ہے۔

کیا ٹھکانہ ہے اس بلادت اور سفاہت کا۔ کیا خدا کسی کو کچھ دینا چاہے تو اس کی بس یہی ایک صورت ہے کہ اس کے ہاتھ پر رزق رکھ دے، اسباب و وسائل کے ذریعہ دلانا بھی اگر اسی کا دلانا ہے تو پھر یہ فیصلہ کیسے کر لیا کہ اللہ انہیں روٹی دینا نہیں چاہتا۔ انہوں نے یہ کیوں نہ خیال کر لیا کہ وہ اغنیاء کا امتحان لینے کے لئے ان کو محتاجوں کی خبر گیری کا ذمہ دار قرار دے رہا ہے۔ پس جو اس امتحان میں ناکام ہوگا اسے اپنی شقاوت و بدنصیبی پر رونا چاہئے۔

کافروں سے خرچ مانگنے کا مطلب: ....مسلمانوں کا کافروں سے انفقوا کہنا حکم شرعی کے طور پر نہیں تھا۔ کیونکہ کفار اول تو احکام جزئیہ فرعیہ کے مکلف نہیں اور ہوں بھی تو بغیر ایمان ان کے اعمال فرعیہ مقبول نہیں ہیں۔ بلکہ مسلمان غرباء کی طرف سے اگر جملہ کہا گیا ہے تو حاجت اور شدید ضرورت کے وقت بطور سوال کے تھا جو جائز ہے اور بغیر حاجت اور سوال کے بھی اگر تھا تو محض سفارش پر محمول ہوگا اور سوال اور سفارش دونوں ظاہر ہے۔ کہ کسی کے کفر کی حالت میں بھی کی جا سکتی ہے۔

نیز کفار کا جواب بھی محض شرارۃً تھا۔ جس کا مقصد مسلمانوں پر الزام واعتراض تھا کہ تم جب اللہ کو مانتے ہو پھر ہم سے سوال یا سفارش کیوں کرتے ہو۔ اللہ رازق ہے تو اسی سے مانگو ہم سے کیوں مانگتے ہو۔

ایک شبہ کا ازالہ: ....اب یہ شبہ کرنا کہ کفار کا یہ کہنا تو فی نفسہ صحیح تھا۔ کہ ''خدا جس کو چاہے کھانے کو دے'' درست نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا مقصد تو محض مسلمانوں کو چپ کرانا بلکہ ان پر اعتراض والزام تھا۔ حالانکہ اعتقاد مشیت رکھتے ہوئے بھی انفاق کا حکم دیا جا سکتا ہے۔ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ جس شخص کی عادت بھلائی میں خرچ کرنے کی ہوتی ہے اس کے لئے ذرا سا محرک بھی

کافی ہوجاتا ہے۔ وہ مانگنے والے کی خصوصیت کو نہیں دیکھتا۔ کوئی بھی سوال کرے وہ بخشش کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔ لیکن کفار نے مانگنے والے مسلمانوں کی خصوصیت پر جب نظر کی اور ان سے دشمنی ان کے لئے بخشش میں رکاوٹ بنی تو کفار کے اس اعتراض سے نعمتوں کی تذکیر اور ترغیب کا انفاق میں مؤثر نہ ہونا ثابت ہوگیا۔

اور واقعہ یہ ہے کہ کفار کا یہ اعتراض ہی مہمل ہے جیسا کہ ابھی گزر چکا۔ انسان کا کسی دوسرے کو کچھ دے دینا یہ اللہ کے دے دینے کے خلاف نہیں۔ بلکہ بندوں کا ایک دوسرے کو دینا یہ بالواسطہ اللہ ہی کا دینا ہے۔ چنانچہ کفار کے اعتراض سے پہلے رزقکم اللہ اسی جواب کی طرف اشارہ ہے۔

پھر یہ اعتراض تو خود کفار پر بھی پڑتا ہے کہ جب وہ اللہ کی رزاقیت کو تسلیم کرتے ہیں تو پھر اپنے دینے کو اس کے خلاف کیوں سمجھتے ہیں۔ اور بعض سلف نے ان آیات کو زندیقوں کے حق میں کہا ہے۔ اس صورت میں یہ مقولہ بطور تمسخر نہیں ہوگا۔ بلکہ بطور حقیقت ہوگا۔

کفار کی بہکی بہکی باتیں: ....ان انتم الا فی ضلل مبین. یہ جملہ ظاہر یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا کفار کے متعلق ارشاد ہے کہ دیکھو یہ کیسی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ نیک کام کا موقعہ آیا تو تقدیر کا حوالہ دے دیا اور جان بچالی۔ اور اپنے مطلب کی بات ہوئی تو حرص وطمع اور لالچ کا شکار رہے۔ لیکن یہ جملہ اگر کفار کا مقولہ بنایا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اے مسلمانو! تم صریح گمراہی میں پڑے ہو۔ جو ایسے لوگوں کو پیٹ بھرنا چاہتے ہو جن کا خدا پیٹ بھرنا نہیں چاہتا۔

ویقولون الخ یہ بھی کفار کا مقولہ بطور استہزاء ہے۔

ماینظرون. یعنی قیامت ایسی اچانک آئے گی۔ کہ یہ کچھ بھی نہ کرسکیں گے۔ علامات قیامت کا سلسلہ اگرچہ بہت پہلے سے چل رہا ہوگا۔ اور اس معنی کر اس کو اچانک نہیں کہا جاسکتا۔ مگر منکرین کے حق میں تو وہ اچانک ہی ہوگی۔ کیونکہ وہ ہر علامت کا انکار کرتے رہے ہیں۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ هُوَ قَرْنُ النَّفْخَةِ الثَّانِيَةِ لِلْبَعْثِ وَبَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً **فَاِذَا هُمْ** الْمَقْبُوْرُوْنَ **مِّنَ الْاَجْدَاثِ** الْقُبُوْرِ **اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ** ﴿۵۱﴾ يَخْرُجُوْنَ بِسُرْعَةٍ **قَالُوْا** اَيِ الْكُفَّارُ مِنْهُمْ **یٰا** لِلتَّنْبِيْهِ **وَیْلَنَا** هَلَاكُنَا وَهُوَ مَصْدَرٌ لَافِعْلَ لَهٗ مِنْ لَفْظِهٖ **مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا** ۜ لِاَنَّهُمْ كَانُوْا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ نَائِمِيْنَ لَمْ يُعَذَّبُوْا **هٰذَا** اَيِ الْبَعْثُ **مَا** اَيِ الَّذِيْ **وَعَدَ** بِهٖ **الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ** فِيْهِ **الْمُرْسَلُوْنَ** ﴿۵۲﴾ اَقَرُّوْا حِيْنَ لَا يَنْفَعُهُمُ الْاِقْرَارُ وَقِيْلَ يُقَالُ لَهُمْ ذٰلِكَ اِنْ مَا **كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا** عِنْدَنَا **مُحْضَرُوْنَ** ﴿۵۳﴾ **فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا** جَزَاءَ **مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** ﴿۵۴﴾ **اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ** بِسُكُوْنِ الْغَيْنِ وَضَمِّهَا عَمَّا فِيْهِ اَهْلُ النَّارِ مِمَّا يَلْتَذُّوْنَ بِهٖ كَافْتِضَاضِ الْاَبْكَارِ لَاشُغُلٌ يَتْعَبُوْنَ فِيْهِ لِاَنَّ الْجَنَّةَ لَانَصَبٌ فِيْهَا **فٰكِهُوْنَ** ﴿۵۵﴾ نَاعِمُوْنَ خَبَرٌ ثَانٍ لِاَنَّ وَالْاَوَّلُ فِيْ

شُغْلٍ **هُمْ** مُبْتَدأٌ **وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ** جَمْعُ ظُلَّةٍ اَوْ ظِلٍّ خَبَرٌ اَيْ لَا تُصِيْبُهُمُ الشَّمْسُ **عَلَى الْاَرَآئِكِ** جَمْعُ اَرِيْكَةٍ وَهِيَ السَّرِيْرُ فِي الْحَجَلَةِ اَوِ الْفُرُشِ فِيْهَا **مُتَّكِئُوْنَ** ﴿۵۶﴾ خَبَرٌ ثَانٍ مُتَعَلِّقٌ عَلٰى **لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ** فِيْهَا **مَّا يَدَّعُوْنَ** ﴿۵۷﴾ يَتَمَنَّوْنَ **سَلٰمٌ** مُبْتَدأٌ **قَوْلًا** اَيْ بِالْقَوْلِ خَبَرُهٗ **مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ** ﴿۵۸﴾ بِهِمْ اَيْ يَقُوْلُ لَهُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ وَ يَقُوْلُ **امْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ** ﴿۵۹﴾ اَيْ اِنْفَرِدُوْا عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ عِنْدَ اخْتِلَاطِهِمْ بِهِمْ **اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ** اٰمُرْكُمْ **يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ** عَلٰى لِسَانِ رُسُلِيْ **اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ** لَا تُطِيْعُوْهُ **اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ** ﴿۶۰﴾ بَيِّنُ الْعَدَاوَةِ **وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ** وَحِّدُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْنِيْ **هٰذَا صِرَاطٌ** طَرِيْقٌ **مُّسْتَقِيْمٌ** ﴿۶۱﴾ **وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا** خَلْقًا جَمْعُ جَبِيْلٍ كَقَدِيْمٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْبَاءِ **كَثِيْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ** ﴿۶۲﴾ عَدَاوَتَهٗ وَاِضْلَالَهٗ اَوْ مَاحَلَّ بِهِمْ مِنَ الْعَذَابِ فَتُؤْمِنُوْنَ وَيُقَالُ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ **هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ** ﴿۶۳﴾ بِهَا **اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ** ﴿۶۴﴾ **اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ** اَيِ الْكُفَّارِ لِقَوْلِهِمْ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ **وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ** وَغَيْرُهَا **بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ** ﴿۶۵﴾ فَكُلُّ عُضْوٍ يَنْطِقُ بِمَا صَدَرَ مِنْهُ **وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ** لَاَعْمَيْنَاهَا طَمْسًا **فَاسْتَبَقُوا** ابْتَدَرُوا **الصِّرَاطَ** الطَّرِيْقَ ذَاهِبِيْنَ كَعَادَتِهِمْ **فَاَنّٰى** فَكَيْفَ **يُبْصِرُوْنَ** ﴿۶۶﴾ حِيْنَئِذٍ اَيْ لَا يُبْصِرُوْنَ **وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ** قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ اَوْ حِجَارَةً **عَلٰى مَكَانَتِهِمْ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ مَكَانَاتِهِمْ جَمْعُ مَكَانَةٍ بِمَعْنٰى مَكَانٍ اَيْ فِيْ مَنَازِلِهِمْ **فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ** ﴿۶۷﴾ اَيْ لَمْ يَقْدِرُوْا عَلٰى ذِهَابٍ وَّلَا مَجِيْءٍ

ترجمہ: .... اورصور پھونکا جائے گا (قیامت کے لئے دوسری مرتبہ صور پھونکنا مراد ہےاور دونوں مرتبہ صور پھونکنے کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا) سووہ (قبروں کے مردے) یکا یک بوسیدہ (قبروں سے) اپنے پروردگار کی طرف لپکتے ہوں گے (بڑی تیزی کے ساتھ قبروں سے نکل پڑیں گے) کہیں گے (کافر مردے) کہ ہائے (یا تنبیہ کے لئے ہے) ہماری کمبختی (تباہی۔ویل مصدر ہےان الفاظ میں اس کا فعل نہیں آتا) ہمیں قبروں سے کس نے اٹھادیا (کیونکہ دونوں نفخوں کے درمیانی وقفہ میں یہ بلا عذاب سورہے تھے) یہ (قیامت کا اٹھنا) وہی ہے (ما بمعنی الذی) جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا تھااور پیغمبر سچ کہا کرتے تھے (یہ اقراراس وقت کریں گے جب کہ اقرار سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور بعض کے نزدیک ان سے یہ کہا جائے گا) وہ بس ایک زور کی آواز ہوگی جس سے یکا یک سب جمع ہوکر ہمارے پاس حاضر کردیئے جائیں گے۔ پھراس روز کسی شخص پر ذرا ظلم نہ ہوگا۔ اورتمہیں بس انہی کاموں کا بدلہ ملے گا جوتم کیا کرتے تھے۔ اہل جنت بےشک اس روز اپنے مشغلوں میں ہی (شغل سکون غین اور ضمہ غین۔ جہنمیوں کے دھندوں سے الگ تھلک مزے کی باتوں میں لگے ہوں گے جیسے باکرہ عورتوں سے لطف اندوز ہونا۔ تکلیف دہ مشغولیت مراد نہیں ہے۔ کیونکہ بہشت آزار کی جگہ نہیں ہے) مگن ہوں گے (مسرور۔ یہ ان کی دوسری خبر ہے اور پہلی خبر فی شغل ہے) وہ (مبتداء ہے) اوران کی بیویاں سایوں میں

(ظلال جمع ہے ظلۃ یا ظل کی۔ خبر ہے یعنی دھوپ نہیں ستائے گی) مسہریوں پر (ار ائک جمع اریکۃ دلہنوں کا چھپر کھٹ یا اس کا قالین غالیچہ) تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے (یہ دوسری خبر ہے اور علی الا رائک سے متعلق ہے) ان کے لئے وہاں میوے ہوں گے اور جو کچھ خواہش (تمنا) کریں گے انہیں عطا ہوگا۔ ان کو سلام (مبتداء ہے) فرمایا جائے گا (زبانی، اس کی خبر آ گے آ رہی ہے) مہربان پروردگار کی جانب سے (یعنی ان کو سلام علیکم کہا جائے گا) اور (کہہ دیا جائے گا کہ) اے مجرمو! آج الگ ہو جاؤ جب کہ کفار مسلمانوں کے ساتھ رلے ملے ہوں گے) کیا میں نے تم کو تاکید نہیں کی تھی (حکم نہیں دیا تھا) اے آدم کی اولاد (اپنے پیغمبروں کی معرفت) کہ تم شیطان کی پرستش (پیروی) نہ کرنا وہ تمہارا کھلا (مشہور) دشمن ہے اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا (مجھے ایک سمجھنا اور میری ہی پیروی کرنا) یہی سیدھا رستہ ہے اور وہ تم میں سے ایک بڑی جماعت کو گمراہ کر چکا (جبلا بمعنی مخلوق جبیل کی جمع ہے جو بروزن قدیم ہے اور ایک قراءت ضمہ با کے ساتھ ہے) کیا تم اتنی بات نہیں سمجھتے (یعنی اس کی دشمنی اور اس کا بہکانا یا ان پر کیا عذاب نازل ہوا کہ تم ایمان لے آئے اور آخرت میں ان سے بولا جائے گا کہ) یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا آج اپنے کفر کی وجہ سے اس میں داخل ہو جاؤ۔ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے (یعنی کفار کے منہ پر ان کے و اللّٰہ ربنا ما کنا مشرکین کہنے کے سبب) اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں (وغیرہ) شہادت دیں گے جو کچھ یہ لوگ کیا کرتے تھے (چنانچہ ہر عضو بول اٹھے گا اس نے جو کچھ کیا ہوگا) اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھوں کو ملیا میٹ کر دیتے۔ (اندھا نپٹ بنا دیتے) پھر یہ دوڑتے (بھاگتے) پھرتے راستہ کی طرف (جیسا کہ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ایسے میں بھاگنے کا راستہ ڈھونڈتے ہیں) سو ان کو کہاں دکھائی دیتا (اس وقت یعنی ان کو نظر نہ آتا) اور اگر ہم چاہتے تو ان کی صورتیں بگاڑ ڈالتے (بندر یا خنزیر یا پتھر بنا کر) اس حالت میں کہ یہ جہاں ہیں وہیں کہ وہیں رہ جاتے (اور ایک قراءت میں مکانا تھم ہے جمع مکانۃ بمعنی مکان۔ یعنی ان کی جگہوں ہی پر) جس کی وجہ سے یہ لوگ نہ آگے کو نکل سکتے اور نہ پیچھے کو لوٹ سکتے (یعنی نہ ان میں جانے کی طاقت رہتی اور نہ آنے کی۔)

تحقیق وترکیب: .... الاجداث بمعنی جدث بمعنی قبر۔ چونکہ اجزاء بدن اجزاء قبر میں پیوست ہوں گے۔ گویا ہر جز وجدث ہے۔

ینسلون. چیونٹیوں کے نال کی طرح ایک دم نکل پڑنا خود سے نہیں ہوگا۔ بلکہ جبراً حکم الٰہی سے ہوگا۔

یا ویلنا. ضمیر متکلم کی طرف اضافت ہے اس میں تائے تانیث نہیں ہے ای یا ویلنا اور ابوالبقاء کوفیوں کی رائے نقل کرتے ہیں۔ کہ ویل مستقل کلمہ ہے اور اس میں لنا جار مجرور ہے تاہم یہ تکلف بارد ہے کیونکہ وہ تفسیر بمعنی اعجب منا اس طرح گویا عبارت یہ ہوگی یا عجب لنا اور ابن ابی لیلیٰ اس میں تائے تانیث مانتے ہیں اور یاویلتی بھی کہتے ہیں یا کو الف سے بدل کر جمع لانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک یاویلتی کہے گا۔

من بعثنا. عام قراء فتح میم اور بعث فعل کے ساتھ پڑھتے ہیں ماقبل کی خبر اور ابن عباسؓ اور ضحاک وغیرہ کسر میم کے ساتھ حرف جر اور بعث مصدر مجرور پڑھتے ہیں۔ پہلا من ویل کے متعلق ہے اور دوسرا من بعث کے متعلق ہے۔

مرقد. رقاد معنی میں مصدر ہے یا ظرف مکان۔ مفرد قائم مقام جمع ہے لیکن پہلی توجیہ بہتر ہے۔ کیونکہ مصدر مطلقاً مفرد لایا جاتا ہے بمعنی بستر مراد قبر ہے۔

ما وعد. ای وعدنا بہ اور صدق المرسلون ای صدقونا فیہ یاصدق فیہ المرسلون دونوں کے مفعول محذوف ہیں۔ مگر مفسر علامؒ نے اس طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔ اور اقرؤا الخ تفسیری عبارت میں اشارہ ہے کہ یہ کفار کا مقولہ ہوگا۔ اس صورت میں ھذا مبتدا ہوگا اور موصول صلہ اس کی خبر ہوگی اور جملہ قالوا کی وجہ سے محل نصب میں ہوگا۔ سوال کا جواب چونکہ نہیں ملے گا۔

اس لئے سوال وجواب خود ہی کرلیں گے پس مـرقـدنـا پروقف تام ہوجائے گا۔اور قیل سے دوسری رائے نقل کررہے ہیں کہ یہ جواب مؤمنین یا ملائکہ یا اللہ کی طرف سے ان کو دیا جائے گا۔اس وقت ھذا مبتداء اور مابعد خبر ہوجائے گی۔

اور بعض نے ھـذا کومـرقـدنـا کی صفت یا بدل بنایا ہے اس صورت میں یہ جملہ متانفہ ماقبل سے بے تعلق ہوجائے گا۔مـا موصولہ مبتداء اور خبر مقدر ہے۔ای الذی وعدہ الرحمن وصدق المرسلون حق اور یہ بھی ممکن ہے کہ مامبتداء مضمر کی خبر ہو ای ھذا وعد الرحمن یاالذی وعدہ الرحمن یہ جواب حکیمانہ اسلوب پر ہے یعنی اہم بات یہ سوال ہے کہ ہولناک روز بعث کیا ہے؟

ان کانت. اس سے مقصود قیامت کی ہولنا کی بیان کرنا ہے۔

فاذاھم. یہ مبتداء ہے اور جمیع موصوف محضرون صفت مجموعہ خبر ہے۔

مـحـضـرون. اس میں حشر جسمانی کے ساتھ حشر معنوی کی طرف بھی اشارہ ہے جو دنیا ہی میں سالک عاشق کو پیش آتی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ کائنات عالم کبیر ہے اور انسان عالم صغیر۔پس جس طرح عالم کبیر کے تمام اجزاء پہلے نفخہ میں منتشر اور دوسرے نـفـخـہ میں مجتمع ہوجائیں گے۔یعنی وجود بعد العدم ہوگا۔اسی طرح سالک عاشق پر بھی جذبہ الٰہی سے انقطاع تعینات کی کیفیات طاری ہوتی ہیں۔پھر اس پر دوسرا ظہور طاری ہوتا ہے۔یہ بقا بعد الفناء ہے اور سالک اس مرتبہ پر پہنچ کر اسرافیل وقت ہوجاتا ہے۔

ہیں کہ اسرافیل وقت انداولیاء	مردہ راز ایشان حیات ست ونما
جاں ہر یک مردہ از گورتن	بر جہد زاد از شاں اندر کفن

فـی شـغـل. وہ کیفیت جو انسان کو بے خود بنادے کمال استغراق مسرت کی وجہ سے جو یہاں مراد ہے یا کمال انہماک غم کی وجہ سے اس کو مبہم لاکر اس کی رفعت شان کی طرف اشارہ کردیا۔تفسیری عبارت میں لفظ افـتـضـاض کے معنی توڑنے کے ہیں کنایہ ہے باکرہ عورتوں سے جماع کرنا۔لیکن جنت میں ازالہ بکارت نہیں ہوگا۔ہر مرتبہ حالت بدستور رہے گی۔

فاکھون. طیب نفس۔طبیعت کی فرحت۔

لھـم مـا یدعون. خبر مقدم مبتداء مؤخر جملہ معطوفہ ہے۔دوسری ترکیب یہ ہے کہ خبر از سلام ہو۔ای مسـلـم خائص یا ذو سلامۃ ہے۔اس میں تعلیل ہوئی ہے۔دراصل یـدتعیون تھا بروزن یـفـتـعلون. یا پر ضمہ دشوار ہونے کی وجہ سے ماقبل منتقل کردیا۔ پھر التقائے ساکنین کی وجہ سے حذف کردیا یـد تعون ہوا۔پھر تا کو دال بنا کر دال میں ادغام کردیا گیا دعا سے ماخوذ ہے بمعنی طلب اور افتعل بمعنی فعل بکثرت مستعمل ہے اور ادعاء سے بھی ماخوذ ہوسکتا ہے بمعنی تمنی ادع ماشئت ای تمنی علی. اور ما میں تین احتمال ہیں۔(۱) موصولہ اسمیہ یا (۲) نکرہ موصوفہ۔ان دونوں صورتوں میں عائد محذوف ہوگا۔یا (۳) ما مصدریہ ہے۔

سلام قولا. مفسرؒ نے بـالـقـول کہہ کر منصوب بنزع الخافض کی طرف اشارہ کیا ہے۔لیکن دوسرے حضرات کے نزدیک یہ منصوب ہے فعل کے ذریعہ اور وہ سلام کی صفت ہے۔اس میں کئی ترکیبیں ہوسکتیں ہیں۔۱۔مایدعون کی خبر ہو۔۲۔بدل ہو۔۳۔ما کی صفت ہو جب کہ مـا نکرہ موصوفہ ہوگی۔لیکن اگر بمعنی الـذی ہو یا مصدریہ ہوتو پھر یہ ترکیب نہیں ہوگی۔کیونکہ نکرہ معرفہ کا فرق ہوجائے گا۔۴۔مبتدائے محذوف کی خبر ہوگی ای ھو سلام. ۵۔سلام مبتداء ہواس کی خبر قولا کا ناصب ہو۔ای یـقـال لھم قولا. اور بعض نے کہا کہ سـلام علیکم تقدیر عبارت ہوگی۔۶۔یہ مبتداء ہو اور من رب خبر ہو اور قولا مفعول مطلق تاکید کے لئے ہے اور یہ مبتدا خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور مفسر علامؒ نے یـقـول لھـم سے جو تفسیر کی ہے اس کی تائید ابن ابی حاتم کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔

بینا اهل الجنة فی نعیمهم اذ سطع لهم نور فرفعوا رؤسهم فاذا الرب اشرف علیهم من فوقهم فقال السلام علیکم یا اهل الجنة فذالک قوله سلام قولا من رب الرحیم فینظرون الیه وینظر الیهم فلا یلتفتون الیٰ شئ مادام ینظرون الیه حتی یحتجب منهم وبقی نوره وبرکته الیهم.

نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ما یدعون سے سلام بدل ہو یا مبتداء محذوف الخبر ہو ای علیهم السلام اور جملہ خبر ثانی ہو۔ ان دونوں صورتوں میں قولاً مصدر فعل محذوف ہوگا۔ای یقال قولا کائنا من رب الرحیم یااغنی مقدر مان کر منصوب علی المدح بھی ہوسکتا ہے۔

وامتازوا. مفسر علام نے یقول نکال کر اشارہ کردیا کہ اس کا عطف مضمون جملہ سابقہ پر ہو رہا ہے۔ای انفردوا عن المومنین عند اختلاطهم بهم. میدان حشر میں سب مخلوط ہوں گے۔اس کے بعد جنت وجہنم میں جانے کے لئے چھٹائی ہوجائے گی۔

جبلا. ابن کثیرؒ،حمزہؒ،علیؒ کی قرأت میں ضمہ یا اور تخفیف لام کے ساتھ ہے اور یعقوبؒ کے نزدیک تشدید لام کے ساتھ ہے اور ابوعمر،ابن عامر کے نزدیک ضمہ جیم اور سکون با کے ساتھ ہے۔

هذه جهنم. مفسرؒ نے تقدیر قال سے جملہ مستانفہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

الیوم نختم. حدیث میں ہے ان اول عظم من الانسان یتکلم یوم یختم علی افواهم فخذمن الرجل الیسریٰ اسی طرح ابوموسیٰ اشعریؒ سے ابن جریرؒ نے روایت کی ہے۔یدعی الکافر والمنافق للحساب فیعرض علیه فیجحدویقول ای رب وعزتک لقد کتب علی الملک مالم اعمله فیقول له الملک اما عملت کذا یوم کذا فیقول لا وعزتک ای فیختم علی فیه ویشهد علیه جوارحه. اس سے بعض حضرات نے کفار کے اعمال فرعیہ کے مکلف ہونے پر استدلال کیا ہے۔لیکن ممکن ہے یہاں خاص اعمال کفریہ پر جوارح کی شہادت مراد ہو۔عام انعال فسقیہ مراد نہ ہوں۔اس لئے استدلال ممکن نہیں ہے۔

فاستبقوا. اس کا عطف لطمسنا پر ہے تو یہ محض علی سبیل الفرض ہوگا۔لیکن عیسیٰ نے استبقوا صیغہ امر کے ساتھ پڑھا ہے یا تقدیر قول ہو۔ای فیقال لهم استبقوا اور یا صراطاً ظرف مکان خاص ہو۔جمہور کی رائے کے مطابق اسی لئے فعل کے تعلق میں تاویل کرنی پڑے گی کہ یہ مجازاً مفعول بہ ہے اور استبقوا علی ما وردوا کے معنی کو متضمن ہے۔یا حرف جار کہا جائے۔ای فاستبقوا الی الصراط.

علی مکانتهم. مقدر سے متعلق ہوکر حال ہے ای مسخنا هم مقعدین علی مکانتهم.

مضیا. دراصل مضوی تھا۔واو ساکن یا کے ساتھ پائی گئی۔اس لئے یا سے تبدیل کر کے ادغام کردیا اور ضمہ ضاد کو یا کی مناسبت اور تخفیف کے لئے کسرہ سے تبدیل کردیا۔

﴿تشریح﴾:..........ونفخ فی الصور. سے نفخہ ثانیہ کو ذکر فرمایا جارہا ہے جس کے بعد مردے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور فرشتے انہیں میدان حشر کی طرف دھکیل دیں گے۔یہاں ینسلون اور دوسری جگہ فاذا هم قیام ینظرون فرمایا، ممکن ہے اول وہلہ میں ہولناک مناظر دیکھ کر ہکابکا رہ جائیں اور پھر فرشتوں کے ہانکنے سے دوڑنا شروع کردیں۔

اور مرقدنا ممکن ہے اس لحاظ سے کہیں گے کہ قیامت کی ہولنا کیوں کے سامنے عذاب قبر غنیمت اور ایک طرح کا آرام اور نیند معلوم ہوگی اور یا پھر دونوں نفخوں کے درمیان واقعۃً ان پر نیند طاری ہوگی۔اور مرقد سے مراد بطور تجرید مرگھٹ ہے۔

احوال آخرت :......... هذا ما وعد. منجانب اللہ جواب دیا جائے گا۔ کہ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو یہ اللہ کا وعدہ اور پیغمبروں کا کہا ہوا سچ ہورہا ہے۔ یہ روز قیامت کے جواب کی فی الحال نقل ہے یا فی الحال ہی مستقبل کو حاضر قرار دے کر ارشاد ہے۔

الیوم لا تظلم. یعنی آج ٹھیک ٹھیک انصاف ہوگا جو بھی اچھا برا کام کیا ہوگا وہی بعینہ جزا اور سزا کی صورت میں سامنے آجائے گا نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی اور نہ کسی کی سزا جرم سے زیادہ ہوگی۔

اہل جہنم کے ذکر کے بعد ان اصحاب الجنة سے جنتیوں کا ذکر کیا جارہا ہے۔ پہلے لذائذ جسمانی کا ذکر قدرے تفصیل سے اور پھر سلام الخ سے روحانی لذائذ کی طرف اشارہ ہے اور جنت میں سلام سے مقصود یا محض اکرام ہے یا دائمی سلامتی کی بشارت دینا ہے۔ پس تحصیل حاصل کا شبہ نہ کیا جائے۔

ازواجهم سے عورت اور مسلمان بیویاں انفراداً اور اجتماعاً مراد ہیں۔ اور یدعون کے معنی اگر مانگنے کے ہوں تو اس میں بھی ایک طرح کا لطف ہوگا جو باعث کلفت نہیں ہوگا۔ بلکہ باعث نشاط ہوگا اور یدعون کے معنی اگر تمنا کرنے کے لئے جائیں تو جنت میں مانگنے کی کلفت کا سوال بھی نہیں رہتا اور جنتیوں کو سالم یا براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور یا فرشتوں کے ذریعہ ہوگا۔ جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے۔ لیکن جہنمیوں کو ان سب لذائذ سے محروم کر کے الگ تھلگ کر دیا جائے گا۔

اشکال کا حل :......... الم اعهد میں انبیاء کے ذریعہ جو یہ ہدایات دی گئی تھیں انہی کو یاد دلایا جارہا ہے اور لقد اضل الخ میں اسی پر اظہار افسوس کیا جارہا ہے اور کثیراً اس لئے فرمایا کہ سب سے پہلے کافروں نے تو دوسرے کفار کا گمراہ ہونا اور ان پر وبال آنا نہیں دیکھا تھا۔ پس وہ خطاب میں شامل نہیں ہیں۔ لیکن ان کے لئے دوسری تنبیہات تھیں۔ اس لئے کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

خلاصہ آیات یہ ہے کہ روز جزاء سے انبیاء علیہم السلام کی زبانی تمہیں بار بار سمجھایا گیا۔ کہ دیکھو شیطان کی پیروی ہرگز نہ کرنا جو تمہارا صریح دشمن ہے۔ وہ جہنم میں پہنچائے بغیر نہ چھوڑے گا۔ اگر ابدی نجات چاہتے ہو تو یہ سیدھی راہ پڑی ہوئی ہے اس پر چلو اور اکیلے خدا کی پرستش کرو۔ مگر وائے افسوس کہ اتنی فہمائش پر بھی تمہیں عقل نہ آئی اور دوست دشمن میں تمیز نہ کر سکے۔ اپنے نفع نقصان کو نہ پہچان سکے۔ دنیا کے کاموں میں تو اس قدر ہوشیاری دکھاتے ہو۔ مگر آخرت کے معاملے میں اتنے غبی بن گئے کہ موٹی موٹی باتوں کے سمجھنے کی لیاقت بھی نہ رہی۔ اب اپنی حماقتوں کا خمیازہ بھگتو۔ یہ دوزخ تیار ہے۔ جو کھوٹا ٹھکانہ ہے اس لئے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاؤ۔ شیطان ملعون کے ہاتھوں کس قدر خلقت برباد ہوئی۔

قیامت میں ہاتھ پاؤں کی گواہی :......... اليوم نختم. میں یہ تبلانا ہے کہ آج تم اپنی زبان سے اپنے جرموں کا اعتراف نہ بھی کرو تو کیا ہوتا ہے ہم تمہارے منہ بند کر کے ہاتھ پاؤں سے سب کچھ اگلوالیں گے۔ غرض زبان، آنکھ، کان، کھال ہر عضو اپنے کئے کی گواہی دے گا۔

ختم. بمعنی مہر لگانا خواہ حقیقۃً ہو یا سکوت محض سے کنایہ اور مجاز ہو اور زبانی شہادت اور منہ پر مہر لگانے میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

ولو نشاء لطمسنا. میں اعضاء کے ردوبدل کا امکان بطور سزا کے دنیا ہی میں بتلاتے ہیں کہ قوم لوط کی طرح بینائی یا آنکھیں سلب کر لی جائیں یا اصحاب السبت کی طرح صورتیں مسخ کر کے خنزیر و بندر بنادیئے جائیں اور وہ بھی اپاہج قسم کے جانور بنادیئے جائیں تو پھر کیا کریں گے؟ اس لئے ہماری آیات سے کیوں اندھے بن رہے ہیں اور شیطانی راستوں سے ہٹ کر اللہ کی راہ کیوں نہیں

چلتے۔ یہ ہماری طرف سے ڈھیل تھی۔ آج وہی آنکھیں اور ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے کہ انہوں نے کن غلط کاموں میں ان کو لگایا تھا۔

جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستین کا

لطائف سلوک: .... **الم اعهد اليكم الخ** روح المعانی میں ہے کہ اس آیت میں شیطان کی اطاعت وپیروی کو اظہار نفرت کے لئے اس کی عبادت کرنے سے تعبیر کیا ہے۔ پس بعض صوفیاء کی عبارت میں جو اپنی نسبت بت پرست وغیرہ الفاظ ملتے ہیں۔ ان کو اقرار کفر پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ نفس کی اطاعت مراد ہوگی۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ باطالة اجله **نُنَكِّسْهُ** وَفِی قراءة بالتَّشْدِيد من التَّنْكِيس **فِى الْخَلْقِ** ؕ اى خلقه فيكونُ بَعد قُوّته وشَبابه ضَعيفًا وهرمًا **اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ** ﴿۶۸﴾ اِنَّ القَادرَ على ذٰلكَ المَعْلُومِ عندهُم قَادرٌ على البَعث فيُؤمنُوْنَ وَفِى قراءة بالتَّاءِ **وَمَا عَلَّمْنٰهُ** اى النَّبِىَّ **الشِّعْرَ** رَدٌّ لِقَوْلِهِم انَّ مَا اَتٰى بِه مِنَ القُرانِ شِعرٌ **وَمَا يَنْۢبَغِىْ** يَتَسَهَّلُ **لَهٗ** ؕ الشِّعْرُ **اِنْ هُوَ** لَيسَ الَّذِى اَتى بِه **اِلَّا ذِكْرٌ** عِظَةٌ **وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ** ﴿۶۹﴾ مُظْهِرٌ لِلاَحْكَامِ وغَيرِهَا **لِيُنْذِرَ** بالياءِ والتَّاءِ به **مَنْ كَانَ حَيًّا** يَعْقِلُ مَا يُخَاطَبُ به وَهُمُ المُؤمِنُوْنَ **وَيَحِقَّ الْقَوْلُ** بِالعذابِ **عَلَى الْكٰفِرِيْنَ** ﴿۷۰﴾ وَهُمْ كَالمَيّتِيْنَ لَايَعْقِلُوْنَ مَايُخَاطَبُوْنَ به **اَوَلَمْ يَرَوْا** يَعْلَمُوْا وَالاِسْتفهَامُ لِلتَّقْرِيرِ وَالوَاوُ الدَّاخِلُ عَلَيهَا لِلعَطفِ **اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ** فِى جُمْلَةِ النَّاسِ **مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ** اى عَمِلْنَاهُ بلا شَرِيكٍ وَلَا مُعِينٍ **اَنْعَامًا** هِىَ الاِبِلُ وَالبَقَرُ وَالغَنَمُ **فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ** ﴿۷۱﴾ ضَابِطُوْنَ **وَذَلَّلْنٰهَا** سَخَّرْنَاهَا **لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ** مَرْكُوبُهُم **وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ** ﴿۷۲﴾ **وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ** كَاَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَا **وَمَشَارِبُ** ؕ مِنْ لَبَنِهَا جَمْعُ مَشْرَبٍ بِمَعنَى شُرْبٍ اَو مَوْضِعهُ **اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ** ﴿۷۳﴾ المُنْعِمَ عَلَيهِم بِهَا فَيُؤمِنُوْنَ اى مَا فَعَلُوا ذٰلِكَ **وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اى غَيرِهِ **اٰلِهَةً** اَصْنَامًا يَعْبُدُونَهَا **لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ** ﴿۷۴﴾ؕ يُمْنَعُوْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ بِشَفَاعَةِ اٰلِهَتِهِمْ بِزَعْمِهِمْ **لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ** اى اٰلِهَتُهُمْ نَزَلُوا مَنْزِلَةَ العُقَلَاءِ **نَصْرَهُمْ وَهُمْ** اى اٰلِهَتُهُمْ مِنَ الاَصْنَامِ **لَهُمْ جُنْدٌ** بِزَعْمِهِمْ نَصْرَهُمْ **مُّحْضَرُوْنَ** ﴿۷۵﴾ فِى النَّارِ مَعَهُم **فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ** ۘ لَكَ لَسْتَ مُرْسَلًا وَغَيرُ ذٰلِكَ **اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ** ﴿۷۶﴾ مِنْ ذٰلِكَ وَغَيرِهِ فَنُجَازِيهِم عَلَيهِ **اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ** يَعْلَمُ وَهُوَ العَاصُ بْنُ وَائِلٍ **اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ** مَنِىٍّ اِلٰى اَنْ صَيَّرْنَاهُ شَدِيدًا قَوِيًّا **فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ** شَدِيدُ الخُصُومَةِ لَنَا **مُّبِيْنٌ** ﴿۷۷﴾ بَيِّنُهَا فِى نَفْىِ البَعْثِ **وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا** فِى ذٰلِكَ **وَّنَسِىَ خَلْقَهٗ** ؕ مِنَ المَنِىِّ وَهُوَ اَغْرَبُ مِنْ مَثَلِهِ **قَالَ مَنْ يُّحْىِ الْعِظَامَ وَهِىَ رَمِيْمٌ** ﴿۷۸﴾ اى بَالِيَةٌ وَلَمْ يَقُلْ بِالتَّاءِ لِاَنَّهُ اِسْمٌ لَا صِفَةٌ رُوِىَ اَنَّهُ اَخَذَ عَظْمًا رَمِيمًا فَفَتَّتَهُ وَقَالَ لِلنَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ

وَسَلَّمَ اَتَرٰی یُحْیِ اللّٰہُ ھٰذَا بَعْدَ مَا بَلِیَ وَرَمَّ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَیُدْخِلُکَ النَّارَ **قُلْ یُحْیِیْھَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَھَآ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ؕ وَھُوَ بِکُلِّ خَلْقٍ** اَیْ مَخْلُوْقٍ **عَلِیْمُ** ﴿۷۹﴾ مُجْمَلًا وَمُفَصَّلًا قَبْلَ خَلْقِہٖ وَبَعْدَ خَلْقِہٖ **اِلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ** فِیْ جُمْلَۃِ النَّاسِ **مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ** الْمَرْخِ وَالْعَفَارِ اَوْ کُلِّ شَجَرٍ اِلَّا الْعِنَابَ **نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْہُ تُوْقِدُوْنَ** ﴿۸۰﴾ تَقْدَحُوْنَ وَھٰذَا دَالٌّ عَلَی الْقُدْرَۃِ عَلَی الْبَعْثِ فَاِنَّہٗ جَمَعَ فِیْہِ بَیْنَ الْمَاءِ وَالنَّارِ وَالْخَشَبِ فَلَا الْمَاءُ یُطْفِئُ النَّارَ وَلَا النَّارُ یُحْرِقُ الْخَشَبَ **اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ** مَعَ عِظَمِھِمَا **بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَھُمْ ؕ** اَیِ الْاَنَاسِیَّ فِی الصِّغَرِ **بَلٰی ۚ** اَیْ ھُوَ قَادِرٌ عَلٰی ذٰلِکَ اَجَابَ نَفْسَہٗ **وَھُوَ الْخَلّٰقُ** الْکَثِیْرُ الْخَلْقِ **الْعَلِیْمُ** ﴿۸۱﴾ بِکُلِّ شَیْءٍ **اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ** شَاْنُہٗ **اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا** اَیْ خَلْقَ شَیْءٍ **اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ** ﴿۸۲﴾ اَیْ فَھُوَ یَکُوْنُ وَفِیْ قِرَاءَۃٍ بِالنَّصَبِ عَطْفًا عَلٰی یَقُوْلُ **فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ** مُلْکُ زِیْدَتِ الْوَاوُ وَالتَّاءُ لِلْمُبَالَغَۃِ اَیِ الْقُدْرَۃِ عَلٰی **کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ** ﴿۸۳﴾ تُرَدُّوْنَ فِی الْاٰخِرَۃِ

(رکوع ۱۶ / ۵)

ترجمہ: .... اور ہم جس کی عمر بڑھا دیتے ہیں (لمبی مدت کر کے) تو اس کو لوٹا دیتے ہیں (ایک قرأت میں لفظ ننکسہ تشدید کے ساتھ تنکیس سے ماخوذ ہے) طبعی حالت میں (یعنی اس کی خلقت الٹ جاتی ہے قوت و شباب کے بعد کمزور اور بوڑھا ہو جاتا ہے) سو کیا وہ لوگ نہیں سمجھتے (کہ جو ذات ان کی اس معلومہ بات پر قدرت رکھتی ہے وہ مردوں کو جلانے پر بھی قادر ہے لہٰذا ان کو ایمان لے آنا چاہئے۔ ایک قراءت میں تعقلون تا کے ساتھ ہے) اور ہم نے آپ (یعنی نبی) کو شاعری نہیں سکھلائی (کفار کی اس بات کی تردید ہو رہی ہے کہ آپ کو جو قرآن ملا ہے وہ شعر ہے) اور آپ کے شایان شان (آسان) بھی نہیں ہے (شعر) وہ تو (جو کلام آپ پیش کر رہے ہیں) محض نصیحت اور واضح آسمانی کتاب ہے (جس میں احکام وغیرہ کا بیان ہے) تاکہ اس کے ذریعہ ڈرائے (یا اور تا کے ساتھ ہے) زندہ شخص کو (جو اس کلام کو سمجھتا ہو یعنی مومن کے لئے) اور وہ اس لئے کہ حجت (عذاب) کافروں پر ثابت ہو جائے (جن کی مثال مردوں جیسی ہے جو کلام سمجھتے ہی نہیں) کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی (نہیں جانتے۔ استفہام تقریری اور واؤ عاطفہ ہے) کہ ہم نے ان کے لئے (منجملہ اور لوگوں کے) پیدا کئے اپنے ہاتھ کی ساختہ چیزوں میں سے (جنہیں بلاشرکت غیرے صرف ہم نے پیدا کیا) مویشی (اونٹ گائے۔ بکری) پھر یہ لوگ ان کے مالک (قابض) بن رہے ہیں اور ہم نے ان مویشیوں کو ان کا بے گاری (تابع محض) بنا دیا ہے سو ان میں بعض تو ان کی سواریاں (رکوب بمعنی مرکوب) ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں اور ان مویشیوں میں لوگوں کے اور منافع (اون، رواں، بال) بھی ہیں اور پینے کی چیزیں بھی ہیں (یعنی ان کا دودھ۔ مشارب مشرب کی جمع ہے پینے یا پینے کی جگہ کے معنی ہیں) سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے (ان انعامات کا کہ ایمان لے آتے یعنی انہوں نے ایسا نہیں کیا۔)

اور انہوں نے غیر اللہ کو معبود بنا رکھا ہے (بت پرستی کرتے ہیں) اس امید پر کہ ان کی مدد کی جائے گی (ان کا گمان یہ ہے کہ بتوں کی سفارش سے انہیں عذاب الٰہی سے چھٹکارا مل جائے گا) وہ ان کی کچھ بھی مدد نہیں کر سکتے (یعنی ان کے معبود جن کو بمنزلہ عقلاء کلام میں فرض کر لیا گیا ہے) اور وہ (یعنی ان کے معبود بت) ان لوگوں کے حق میں (ان کی مدد کے گمان پر) فریق بن جائیں گے جو (ان کے

ساتھ جہنم میں) حاضر کئے جائیں گے۔ سوان لوگوں کی باتیں (جیسے یہ کہ آپ پیغمبر نہیں ہیں) آپ کے لئے آزردگی کا باعث نہیں ہونی چاہئیں۔ بلاشبہ ہم سب کچھ جانتے ہیں جو یہ دل میں رکھتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں (خاص اسی بارہ میں اور دوسری چیزوں کے متعلق۔ لہٰذا ہم ان کو اس پر سزا دیں گے) کیا آدمی کو یہ بات معلوم نہیں (عاص بن وائل نہیں جانتا) کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے (منی سے حتیٰ کہ ہم نے اسے مضبوط قوی بنا دیا) پھر لگا وہ جھگڑنے (سخت جھگڑالو بن کر) کھلم کھلا (انکار قیامت علانیہ طور پر) اور ہماری شان میں (اس کے متعلق) ایک عجیب مضمون اس نے بیان کر ڈالا اور اپنی پیدائش بھول گیا (جو منی کے قطرہ سے ہوئی ہے۔ حالانکہ وہ اس کی مثال سے بھی بڑھ کر غریب ہے) کہنے لگا کہ کون ہے جو زندہ کر دے ہڈیوں کو جب وہ کھوکری ہو جائیں (یعنی بوسیدہ اور لفظ رمیم تا کے ساتھ نہیں لایا گیا۔ کیونکہ یہ اسم ہے صفت نہیں ہے۔

روایت میں آتا ہے کہ عاص ابن وائل نے ایک پرانی ہڈی اٹھائی اور اسے چورا چورا کر کے حضور ﷺ سے عرض کرنے لگا کہ کیا آپ کا خیال ہے کہ اللہ اسے اتنی پرانی ہونے کے بعد بھی زندہ کر دے گا؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک! اور تجھے جہنم رسید کرے گا) آپ جواب میں فرما دیجئے کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار ان کو بنایا اور وہ سب خلقت (مخلوق) کو جانتا ہے (مجملاً بھی اور مفصلاً بھی۔ پیدا کرنے سے پہلے بھی اور پیدا کرنے کے بعد بھی) وہ ایسا ہے کہ اس نے تمہارے لئے (منجملہ عام لوگوں کے) پیدا کر دی ہرے بھرے درخت سے (مرخ اور عفار نامی درختوں سے یا عام درختوں سے بجز عناب کے درخت کے) آگ۔ پھر تم اس سے اور آگ سلگا لیتے ہو (جلا لیتے ہو۔ اس سے قدرت حشر دلالت ہو رہی ہے۔ کیونکہ درخت میں پانی، آگ اور لکڑی جمع کر دی۔ پس نہ پانی آگ کو بجھاتا ہے اور نہ آگ لکڑی جلاتی ہے) کیا جس نے آسمان و زمین (بڑے بڑے) پیدا کئے۔ وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسوں (معمولی آدمیوں) کو پیدا کر دے؟ ضرور ہے (یعنی انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر ضرور قادر ہے۔ یہ اللہ نے خود جواب ارشاد فرمایا ہے) اور وہی بڑا پیدا کرنے والا خوب جاننے والا ہے (ہر چیز کا) بس اس کا معمول (شان) تو یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو حکم کر ڈالتا ہے کہ ہو جا۔ بس وہ چیز ہو جاتی ہے (یعنی بن جاتی ہے اور ایک قراءت میں فیکون نصب کے ساتھ ہے یقول پر عطف کرتے ہوئے) سو اس کی پاک ذات ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا پورا اختیار ہے (ملکوت دراصل ملک ہے جس میں واؤ اور تا مبالغہ کے لئے زیادہ کر دیئے گئے بمعنی قدرت) اور تم سب کو اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے (آخرت میں پیش ہوں گے۔)

تحقیق وترکیب: .... نکسه. بقول مدارک تنکیس السهم سے ماخوذ ہے۔ تیر کو الٹا کرنا۔

و ماینبغی لہ. یعنی آپ کی فطری ساخت ایسی تھی کہ نہ آپ اشعار لکھ سکتے تھے۔ جیسا کہ روایات میں ہے اور نہ پڑھ سکتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے دریافت کیا۔ کہ آپ ﷺ کو کوئی شعر یاد تھا؟ فرمایا کہ آپ کو شعر سے مناسبت نہیں تھی۔ ایک مرتبہ ابن رواحہؓ کا یہ شعر۔

ستبدی لک الا یام ماکنت جاهلا　　ویاتیک بالا خبار من لم تزود

آنحضرت ﷺ نے اس طرح پڑا۔ وما یاتیک بالاخبار.

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ حضور ﷺ شعر اس طرح نہیں ہے۔ فرمایا کہ میں شاعر نہیں ہوں اور نہ میرے لئے مناسب ہے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ روئے کہ جس کو دوسرے کا شعر بھی صحیح پڑھنا نہ آئے اس پر شاعریت کا الزام لگایا جاتا ہے۔

چنانچہ علماء فرماتے ہیں کہ آپ کسی کا شعر صحیح نہیں پڑھ سکتے تھے۔ تاکہ آپ پر شاعری کی تہمت نہ آسکے۔ البتہ بلاقصد و بلا

تکلف کلام کا موزوں ہو جانا دوسری بات ہے، جیسا کہ بعض آیات وروایات کی تقطیع کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ مثلاً آیت لن تنا لوا البر حتی تنفقوا مما تحبون. اورحدیث حنین انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب یاھل انت الا اصبع دمیت وفی سبیل اللہ ما لقیت یا غزوہ خندق کے موقعہ پر باسم الا لہ و بیدانا ولو عبدنا غیرہ شقینا.

پس گاہے گاہے بلا ارادہ کلام موزوں ہو جانے سے آپ کا شاعر ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اتفاقیہ کلام کو شعر نہیں کہتے۔ شعر دراصل نام ہے علم دقیق کا۔ چنانچہ بولا جاتا ہے لیت شعری اور عرف واصطلاح میں کلام موزوں مقفی بالقصد کو کہتے ہیں اور شاعر وہ ہوتا ہے کہ صناعت شعر سے واقف ہو اور آیت میں شعر سے مراد منطقی تخیلات اور مقدمات کاذبہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ وحی اور کلام نبی سے واہی خیالات کا کیا جوڑ کذا قال الشریف الجر جانی فی حاشیۃ المطالع حیا اس میں استعارہ ہے۔

ایدینا. یہ حصر کے لئے کنایہ عرفی ہے۔ جیسے کتبت بیدی وخلقت بیدی کہتے ہیں۔ بمعنی انفراد اور شرکت کی نفی ہے۔ اس آیت میں یدی تثنیہ ہے اور ید اللہ فوق ایدیھم میں مفرد، یہ عبارت کا تفنن ہے۔

ضابطون. بمعنی طاقتور رجل ضابط، جمل ضابط بولا جاتا ہے۔

رکوب. جیسے حصور اور حلوب بمعنی مفعول ہیں۔

مشارب. مشرب کی جمع ہے مصدر بمعنی مفعول یا اسم ظرف ہے دودھ مراد ہے جو عام مشروبات میں بہترین اور اہل عرب کے لئے مرغوب ہوتا ہے اور جمع لانے میں اس کے مختلف اصناف کی طرف اشارہ ہے۔

وھم لھم. ھم مبتداء اور جند خبر اول اور لھم بمعنی علیھم ہے جند سے متعلق ہے اور محضرون خبر ثانی ہے یا جند کی صفت ہے۔ بقول مفسر علامؒ ضمیر کا مرجع اصنام ہے اور کفار کی طرف بھی ضمیر راجع ہو سکتی ہے۔ محضرون کے معنی حسن کے نزدیک یمنعون عنہ کے ہیں۔ اور قتادہؓ کے نزدیک یغضبون لھم کے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک معنی یہ ہیں کہ کفار بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور سنتری پہرہ داروں کی طرح ان کے آگے کھڑے رہتے ہیں۔ گویا ان کے محافظ دستے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ کفار عابد اور بت معبود سب جہنم میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ ایک دوسرے کا دفاع نہیں کر سکیں گے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ اصنام اللہ کا لشکر ہوں گے جو کفار پر لعنت بھیجیں گے اور کفار کی پرستش سے تبریہ کریں گے۔

مثلاً. عجیب بات۔

ونسی خلقہ. اس کا عطف ضرب پر ہے۔ نفی کے تحت ہے اور خلق مصدر کی اضافت ضمیر کی طرف ہے جو مفعول ہے۔

رمیم. فعیل بمعنی فاعل ہے۔ اگرچہ مذکر ومؤنث کا فرق ضروری ہوتا ہے۔ لیکن مفسر علامؒ نے اسم لاصفۃ کہہ کر جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ صفت کے صیغہ میں تو یہ فرق ضروری ہے۔ البتہ اس پر اسمیت غالب آ جانے کی وجہ سے یہ لفظ دونوں کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔ رمیم، رفت، رفات، تینوں کے معنی بوسیدہ ہڈیاں۔

ویدخلك النار. اس جملہ سے عاص کا قطعی کافر ہونا معلوم ہوا اور جواب میں آنحضرت ﷺ کی طرف سے یہ اضافہ اسلوب حکیم پر ہے۔ کیونکہ معاند ومتعنت کو ایسا ہی جواب ملنا چاہئے۔

الشجر الا خضر. مرخ یہ درخت بہت جلد آگ پکڑ لیتا ہے۔ اس کو عفار پر مارا جاتا ہے۔ عفار کو مرخ پر رگڑا جاتا تھا۔

جس سے چنگاریاں نکلتی تھیں۔ عفار بروزن سحاب بقول زمخشری مرخ مثل نر کے ہے اور عفار مثل مادہ کے۔ اور بعض علماء کے نزدیک عام درخت مراد ہے کہ سب لکڑیوں میں آگ کا مادہ ودیعت ہوتا ہے۔ بجز عناب کی لکڑی کے۔

کن۔ یہ بطور استعارہ ہے سرعت تاثیر مراد ہے یعنی فوراً کام ہوجانا۔

ملکوت۔ مفردات میں ہے کہ ملکوت مخصوص ہے ملک اللہ کے لئے۔

ترجعون۔ عام قرأت مجہول صیغہ کی ہے۔ لیکن زید بن علی معروف پڑھتے ہیں۔

شان نزول: .... آیت اولـم یـرالا نسـان کے ذیل میں حاکم بتوسط سعید بن جبیرؒ، ابن عباسؓ سے ناقل ہیں، کہ عاص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک بوسیدہ ہڈی کو چوراچورا کرکے کہنے لگا۔ کہ کیا اسی کو اللہ دوبارہ جلائے گا؟ فرمایاہاں۔ اور تو مرے گا پھر دوبارہ زندہ کرکے جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ لیکن ابن مردویہ ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی۔ اور مجاہد، قتادہ سے عبدالرزاق ابن المنذر نے اور ان سے ابوحاتم نے تخریج کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابی ابن خلف کے بارہ میں نازل ہوئی۔ جس کو حضور ﷺ نے قتل فرمایا تھا اور ابوالسعود کی رائے میں یہ ایک پوری جماعت منکرین تھی۔ جس میں مذکورہ بالا تینوں اور ولید ابن مغیرہ داخل ہیں اور عموم الفاظ کا اعتبار ہوا کرتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔

ربط آیات: .... سابقہ آیات ولـو نشـاء لـطـمسنا الخ میں انقلاب اعضاء کی سزا کا دنیا ہی میں ہونا بتلایا تھا اور اسی ذیل میں صورتوں کے مسخ کرڈالنے کا بھی ذکر تھا۔

آگے آیت ومن نعمره الخ میں اس مسخ کی نظیر ارشاد ہے۔ یہاں تک قیامت وحشر کا ذکر تھا۔

اس کے بعد آیت ومـا عـلـمناه الشعر سے رسالت اور سب سے بڑی اس دلیل قرآن کی حقانیت کا ذکر ہے۔ جس سے سورت شروع کی گئی تھی۔

نیز آیت سابقہ لهم الارض میں دلائل کے ساتھ توحید کا بیان تھا اور اسی ذیل میں خدائی نعمتوں کا ذکر تھا۔ آیت اولـم یروا انـا خـلقنا الخ میں اسی مضمون کو دہرایا گیا ہے۔ البتہ شرکاء کا یہاں انکار صراحت کے ساتھ ہے اور پہلے اشارۃً تھا اور چونکہ پچھلی آیات میں دلائل توحید کو انتہائی واضح صورت میں بیان فرمایا گیا ہے اور ان کا انکار مشرکین کی انتہائی معاندت ہے۔ جس سے حضور ﷺ کو صدمہ ہوسکتا ہے۔ اس لئے فلا یحزنک قولهم سے آپ کی تسلی فرمائی جارہی ہے۔

اور انـا نـعلـم الخ سے اسی کی تائید بیان ہورہی ہے۔ اس سے مضمون رسالت کی بھی تائید ہوگئی۔ کہ جب توحید وبعث جیسے واضح حقائق کو بھی یہ لوگ جھٹلا رہے ہیں تو آپ کی رسالت کو جھٹلا دینا ان سے کیا بعید ہے اس لئے آپ کیوں رنج میں پڑے ہیں غرض کہ اس تقریر سے توحید ورسالت وبعث تینوں مضامین میں ربط ظاہر گیا۔

آیت ویقولون متٰی هٰذا الوعد میں قیامت کے واقع ہونے سے بحث تھی۔

آگے آیت اولـم یـرالا نسـان میں قیامت کے امکان پر کلام کیا جارہا ہے۔ جیسا کہ عاص کے واقعہ سے معلوم ہورہا ہے اگرچہ بالکل آخری آیت میں دوبارہ قیامت کے وقوع کا بیان ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... آیت ومن نعمرہ الخ میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ دنیا میں آنکھیں اور بینائی چھین لینے اور ان کی صورتیں بگاڑ کر بالکل اپاہج بنا ڈالنے کو یہ لوگ مستبعد نہ سمجھیں۔ اس کی نظیر ان کے سامنے موجود ہے۔ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ایک توانا و تندرست آدمی جب زیادہ بوڑھا ہوجاتا ہے تو کس طرح چلنے پھرنے دیکھنے سننے سے بالکل معذور ہوجاتا ہے۔ بچپن میں جس طرح آہستہ آہستہ یہ قوتیں اس میں آئی تھیں۔ بڑھاپے میں سب اعضاء ایک ایک کرکے کس طرح جواب دے جاتے ہیں اور بچپن کی طرح بڑھاپے میں بھی دوسروں کا ہر طرح محتاج اور دست نگر ہوکر رہ جانا پڑتا ہے اور رنگ وروغن، حسن و جمال سب ہی اڑ جاتا ہے۔ تو کیا یہ سب کیفیتیں بڑھاپے کی طرح جوانی میں خدا نہیں کرسکتا۔ پھر آخر کیوں اس درجہ بے فکر اور لاپرواہ بنے ہوئے ہیں۔

قرآن کوئی دیوان اشعار نہیں بلکہ حقائق واقعیہ کا صحیفہ ہے: .... اور یہ باتیں محض شاعرانہ تخیلات نہیں۔ بلکہ حقائق واقعیہ ہیں۔ پیغمبر کو ہم نے جو قرآن دیا ہے۔ وہ نصیحتوں اور بہترین ہدایات سے لبریز ہے۔ کوئی اشعار کا دیوان نہیں ہے۔ کہ ہوائی باتوں سے دماغی تفریح کا سامان ہو۔ آپ کی فطرت سلیمہ کو تو ہم نے اس کوچہ سے کوسوں دور رکھا ہے۔ حالانکہ آپ کے اعلیٰ خاندان قریش کی معمولی بچیاں بھی بہترین شعر کہنے کا سلیقہ رکھتی ہیں۔ مگر آپ مدت العمر اس دھندہ سے دور ہی رہے۔ یوں اتفاقیہ طور پر کبھی آپ کی زبان مبارک سے ایک آدھ رجز یہ موزوں کلمات نکل گئے ہوں وہ علیحدہ بات ہے۔ اسے شعر وشاعری نہیں کہا جاتا۔ آپ خود تو شعر کیا کہتے۔ دوسروں کا ایک آدھ مصرعہ بھی اگر کبھی نقل فرمایا تو اسے بدل دیا۔ کہ شعر نہ معلوم ہوا۔ البتہ اس کا مقصد ادا ہوجائے۔

آپ جن حقائق واقعیہ کے بلا کم وکاست اظہار کے لئے تشریف لائے تھے، ان میں شعری مبالغہ آرائی اور خیالی اور فرضی نکتہ آفرینی مقاصد کے خلاف تھی۔ البتہ شعر کا قابل تعریف پہلو اس کی تاثیر اور دلنشینی ہوسکتی ہے۔ سو وہ قرآن کریم کی معجزانہ عبارت میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

قرآن کا اعجازی بیان اشعار سے زیادہ مؤثر ہے: .... ساری دنیا نے اس کی شدت تاثیر کا لوہا مانا ہے۔ گویا سارے شعروں کی روح اس میں نچوڑ دی گئی ہے۔ حتیٰ کہ بڑے بڑے فصحائے عرب دنگ ہوکر قرآن کو شعر وسحر کہہ اٹھے۔ حالانکہ دیکھنے اور سوچنے کی بات ہے کہ آج تک کسی شعر یا شاعر نے دنیا کی کایا اس طرح پلٹ کر رکھ دی ہے جس طرح قرآن عظیم اور رسول کریم ﷺ نے جسموں، روحوں، قوموں، ملکوں کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ یہ کام شاعر کا نہیں پیغمبر کا ہے۔ اسی لئے اللہ نے آپ کو شعر وشاعری سے دور رکھا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ آپ نے شاعری سے ترقی کرکے پیغمبری کا دعویٰ کرڈالا۔

حضرت ابوبکرؓ آنحضرت ﷺ کے دوسروں کا شعر بھی غلط پڑھنے پر رد کردیا کرتے تھے کہ لوگ پھر بھی آپ پر شاعری کی تہمت رکھتے ہیں۔ غرضیکہ آپ نہ وہبی طور پر شاعر ہیں اور نہ کسب کرکے شعر گوئی کرتے ہیں۔ سورۃ شعراء کی آیت والشعراء یتبعهم الخ کی تفسیر بھی ملاحظہ کرلی جائے۔

لتنذر من کان الخ میں مقصد قرآن کو بیان فرمایا جارہا ہے کہ یہ زندہ دل اور نیک آدمی کے لئے اللہ سے ڈرنے کا ذریعہ ہے اور منکروں کے حق میں حجت تمام کرتا ہے۔

آیات تکوینیہ کا بیان: .... آیات تنزیلیہ کے بعد آیات اولم یروا انا خلقنا الخ سے تکوینی آیات بیان کی جارہی ہیں کہ ایک طرف قرآن جیسی نصیحت آمیز کتاب کو دیکھو، دوسری طرف خدا کے بے پایاں احسانات کا سلسلہ نظر میں رکھو کہ اس نے کیسے کیسے

کارآمد اور مفید جانوروں کا تمہیں مالک بنادیا اور مختلف قسم کے تصرفات کا حق عطا فرمادیا۔ بڑے ڈیل ڈول اور تن وتوش کے جانور بھی ایک کمزور انسان کے سامنے بے بس و بے دم رہتے ہیں۔ ہزاروں اونٹوں کی نکیل ایک کمسن بچہ پکڑ کر جہاں چاہے لے جائے، چوں نہیں کر سکتے۔ وہ شہ زور جانوروں کی سواری کرتا ہے، گوشت خوری کے علاوہ ان کے روئیں، بال، کھال، دانت، آنت، ہڈیوں کو کام میں لاتا ہے اور اللہ نے دودھ کے چشمے تھنوں سے جاری کردیئے، مگر لوگ ہیں کہ پھر ناشکرے بنے رہتے ہیں اور ہاتھوں سے ساختہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پیدا کرنے میں کسی دوسرے کا دخل نہیں ہے۔

ایک اشکال کا حل: ....انعام سے اگر خاص حلال جانور مراد ہو تو منها تاکلون میں اگر من ابتدائیہ لیا جائے تب تو کوئی اشکال ہی نہیں، لیکن اگر من تبعیضیہ مراد ہو تو اس کی صحت کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک تو ان جانوروں کی علت بلحاظ اجزاء کے ہوگی۔ جانوروں کے افراد اور جزئیات کے لحاظ سے علت نہ ہوگی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جانور کے تمام اجزاء کھانے میں نہیں آتے، بلکہ صرف بعض اجزاء کھائے جاتے ہیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ علت تو بلحاظ جانوروں کے جزئیات اور افراد ہی کے لی جائے۔ مگر ان میں بعضیت بلحاظ مشروعیت کے نہیں، بلکہ واقعہ کے اعتبار سے ہے، کیونکہ کھانا اگرچہ کل حلال جانوروں کا جائز مشروع ہے، مگر کل کھائی نہیں جاتے بلکہ بعض کھائے جاتے ہیں۔

کفار کی احسان ناشناسی کا انجام: ....آیت واتخذوا الخ کا منشاء کفار کی احسان ناشناسی بیان کرنا ہے کہ ایک طرف تو ہمارے ان بے شمار اور عظیم احسانات کو دیکھو اور دوسری طرف ان کی نالائقیوں اور ناسپاسیوں کا موازنہ تو کرو کہ انہوں نے معبود حقیقی اور محسن عظیم کو چھوڑ کر بتوں کی چوکھٹوں پر سر رکھ دیا اور یہ سمجھے کہ آڑے وقت یہی کام آئیں گے اور ہماری مدد کریں گے۔ یاد رکھو کہ وہ تمہاری مدد تو کیا کرتے خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ بلکہ وقت پڑنے پر الٹا تمہیں ہی گرفتار کردیں گے۔ اس وقت صاف دکھائی دے گا کہ عمر بھر جن کے لئے مرتے پھرے کس طرح آج وہ آنکھیں دکھانے لگے۔

آگے ولا یحزنك میں آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے کہ جب ہمارے ساتھ ان کا یہ حال ہے تو آپ کی کیا پرواکر سکتے ہیں۔ اس لئے دلگیر نہ ہوئیے، بلکہ ان سے آس لگائے ہوئے بغیر اپنا فرض انجام دیتے ہوئے ان کو ہمارے حوالے کیجئے۔ ہم ان کے اندر باہر سے خوب واقف ہیں، ہم اچھی طرح ان کی مزاج پرسی کردیں گے۔

انسان کی پیدائش سبق آموز ہے: ....اولم یر الانسان میں بدفطرت انسان کا حال بیان کیا جارہا ہے کہ اسے اپنی اصل یاد نہیں کہ ایک معمولی اور گندہ قطرہ تھا۔ مگر خدا نے اپنی قدرت سے کیا سے کیا کردیا۔ پانی کی اس بوند کا حال یہ ہے کہ خدا ہی کے مقابلہ میں کودنے اچھلنے لگا، بولنا سکھلایا تو بات بات پر ہمارے سے ہی الجھنے لگا اور خم ٹھونکنے لگا۔ کیسے کیسے فقرے ہم پر کستا ہے۔ کہتا ہے کہ جب بدن ریزہ ریزہ ہوگیا، ہڈی تک کھوکھلی ہوکر گر گئی تو اس میں کون جان ڈال سکتا ہے؟ ایسا کہتے وقت اسے اپنی پیدائش بھی یاد نہیں رہتی اور خدا کی عظمت وقدرت بھی پیش نظر نہیں رہتی ورنہ اتنی بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بناتا۔ کچھ تو شرماتا، کچھ تو اس کی عقل پر پانی پڑتا اور اس فطری آواز کو عقل کے کانوں سے سنتا۔ بھلا جس نے پہلی دفعہ ان ہڈیوں میں جان ڈالی، اسے دوسری بار جان ڈالنا آخر کیا مشکل ہے۔ خدائی نقطہ نظر سے تو دونوں مرحلے یکساں آسان ہیں، لیکن انسانی نقطہ نظر سے تو دوسرا مرحلہ پہلے مرحلہ کے مقابلہ میں آسان ہونا چاہئے، پھر یہ کیا تماشہ کہ مشکل صورت کو تو مانتا ہے اور آسان کو نہیں مانتا۔ آخر بدن کے اجزاء ہڈیوں کے ریزے جہاں کہیں بھی ہوں گے کیا اللہ کو ان کا پتہ نہیں؟ یا ان پر قدرت نہیں رہی؟ یا ان ذرات اور ریزوں میں قدرتی تاثیر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رہی؟ لیکن اگر یہ تینوں

مقدمات پہلے ہی کی طرح صحیح ہیں تو پھر اس ناہنجار انسان کو اس اجماعی عقیدہ کے قبول کرنے میں کیوں تردد تامل ہے؟ درختوں ہی کو دیکھ لو کہ اول اللہ نے پانی سے پیدا کیا، سرسبز وشاداب بنایا، پھر اسے سکھا کر ایندھن بنا دیا، جس سے تم آگ نکال رہے ہو۔ پس جب اللہ ان حالات کی لوٹ پھیر کر سکتا ہے تو کیا وہ ایک ہی چیز کی موت وحیات میں ادلی بدلی نہیں کر سکتا؟

مثلھم کے معنی محاورہ کے لحاظ سے ''تم جیسوں کے ہیں'' یعنی تمہاری تخصیص نہیں ہے، بلکہ سب کو پیدا کر سکتا ہوں، بعض سلف نے درختوں سے مراد خاص قسم کے درخت لئے ہیں۔ جن کے رگڑنے سے آگ نکلتی ہے جیسے بانس یا عرب میں ''مرخ وعفار''

امکان اور وقوع قیامت پر استدلال:........ اللہ نے جب آسمان، زمین، چاند، سورج، ستارے جیسے بڑے بڑے کرے، کائنات میں بنا ڈالے تو انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ اور چھوٹی چیز ہو یا بڑی اسے پیدا کرنے میں دقت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ وہ سامان اسباب کا محتاج نہیں کہ ان کی فراہمی میں دشواری ہو۔ اس کے ہاں تو بس ارادہ کی دیر ہے۔ ادھر اس نے ارادہ کیا، ادھر وہ چیز موجود ہوگئی اور کہا ہوجا! بس فوراً وہ چیز ہوئی رکھی ہے۔ ایک لمحہ کی بھی دیر نہیں۔ گویا پہلی آیت میں اگر بدن پیدا کرنے کا بیان تھا تو اس میں روح کے نفخ کا مطلب سمجھا دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح فی الحال ساری کائنات اس کے ہاتھ میں ہے، آئندہ بھی سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اس کی ذات ہر قسم کے نقص وعیب سے پاک ہے۔

ان آیات میں متعدد استدلال جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اول یحیھا جس کی طرف خلقنه من نطفة اونسی خلقه میں بھی اشارہ ہے۔ دوسرے وھو بکل خلق علیم اور وھو الخلاق العلیم تیسرے الذی جعل لکم چوتھے اولیس الذی پانچواں انما امرہ الخ۔

اور آیت فسبحن اللہ کی فا سے اشارہ ہے مذکورہ دلائل سے مطلوب کے ثبوت کی طرف اور کن فیکون کی ایک نادر تحقیق پہلے پارہ الم کے آخر میں گزر چکی جو قابل مطالعہ ہے۔ نیز چیزوں کے پیدا کرنے کے اسباب میں اگر چہ تدریج ہوتی ہے، مگر ان پر صورت نوعیہ کا ترتب دفعی ہوتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ تدریجی چیزوں میں کن تدریجاً ہوتا ہے اور دفعی چیزوں میں کن بھی دفعی ہوتا ہے فلا اشکال۔

لطائف سلوک:........ آیت فلا یحزنك الخ میں اشارہ ہے کہ مخالفین کی ریشہ دوانیوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ اللہ سب حالات سے باخبر ہے۔ وہ خود ہی مناسب انتقام لے لے گا۔

فضائل سورۂ یٰسین:........ حدیث میں آتا ہے کہ سکرات موت کے وقت سورۂ یٰسین پڑھی جائے تو ہر حرف پر دس دس فرشتے مقرر اور صف بستہ ہوتے ہیں اور مرنے والے کے لئے استغفار کرتے ہیں اور کفن، دفن، غسل ونماز سب میں شریک رہتے ہیں۔ نیز جو مسلمان سکرات کی حالت میں سورۂ یٰسین تلاوت کرے تو قبض روح سے پہلے ہی اس کو جنت کی بشارت سنا دی جاتی ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ سورۂ یٰسین کی تلاوت کا ثواب بیس حج کے برابر ہے اور اس کے سننے کا ثواب ایک ہزار اشرفیاں اللہ کی راہ میں خیرات کرنے کے برابر ہے اور جو اس کو لکھ کر پی لے گا تو گویا اس نے ہزار دوائیں پی لی ہیں اور ہزار نور اور ہزار برکتیں اور ہزار رحمتیں اس میں داخل ہو گئیں اور وہ ہر بیماری اور کھوٹ سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

نیز ارشاد ہے کہ سورۂ یٰسین پڑھا کرو کہ اس میں دس برکتیں ہیں۔ اس کے پڑھنے سے بھوک رفع ہوتی ہے، پیاس دور ہو جاتی ہے اور ننگے کو لباس مل جاتا ہے اور اس کی برکت سے شادی ہو جاتی ہے اور خوف وخطر جاتا رہتا ہے اور قیدی کو رہائی نصیب ہو جاتی ہے اور مسافر کے لئے سفر میں معین بن جاتی ہے اور گمشدہ چیز مل جاتی ہے اور سکرات میں سہولت ہو جاتی ہے۔ بیمار اچھا ہو جاتا ہے۔

نیز حدیث میں ہے کہ یٰسین جس غرض کے لئے بھی تلاوت کی جائے وہ پوری ہو جاتی ہے۔ (تفسیر زاہدی روح البیان)
امام ترمذی کی روایت حضرت انسؓ سے ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کا ایک قلب ہوتا ہے اور قرآن کا قلب سورۂ یٰسین ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح نظام بدن قلب سے وابستہ ہوتا ہے، اسی طرح تعلیمات قرآن عقیدۂ آخرت سے منسلک ہیں۔ امام رازیؒ اس رائے کی تحسین فرماتے ہیں۔

اور علامہ نسفیؒ کی تقریر کا حاصل یہ ہے کہ اس سورت میں چونکہ وحدانیت، رسالت اور حشر تین بنیادی اصول بیان کردیئے گئے ہیں اور ان تینوں کا تعلق دل سے ہے اس لئے اس کو قلب کا درجہ دیا گیا ہے برخلاف دوسری سورتوں کے۔ ان میں اعمال لسان وارکان بیان کئے گئے ہیں اور چونکہ اعمال قلب اسی سورت میں ذکر کئے گئے ہیں۔ ادھر سکرات کی حالت میں زبان اور ہاتھ پاؤں کمزور اور سست و بیکار ہو جاتے ہیں۔ صرف قلب بیدار اور متوجہ الی اللہ رہتا ہے اس لئے اس سورت کی تلاوت کا حکم ہے۔

سُوْرَةُ الصَّآفَّاتِ

سُوْرَةُ وَالصَّافَاتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مَائَةٌ وَّاثْنَتَانِ وَثَمَانُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾ اَلْمَلَائِكَةُ تَصِفُّ نُفُوْسَهَا فِي الْعِبَادَةِ اَوْ اَجْنِحَتَهَا فِي الْهَوَاءِ تَنْتَظِرُ مَا تُؤْمَرُ بِهٖ **فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا** ﴿۲﴾ اَلْمَلَائِكَةُ تَزْجُرُ السَّحَابَ اَيْ تَسُوْقُهُ **فَالتّٰلِيٰتِ** جَمَاعَةُ قُرَّاءِ الْقُرْاٰنِ تَتْلُوْهُ **ذِكْرًا** ﴿۳﴾ مَصْدَرٌ مِنْ مَعْنَى التَّالِيَاتِ **اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ** ﴿۴﴾ **رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ** ﴿۵﴾ اَيْ وَالْمَغَارِبِ لِلشَّمْسِ لَهَا كُلَّ يَوْمٍ مَشْرِقٌ وَّمَغْرِبٌ **اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ** ﴿۶﴾ اَيْ بِضَوْءِهَا اَوْبِهَا وَالْاِضَافَةُ لِلْبَيَانِ كَقِرَاءَةِ تَنْوِيْنِ زِيْنَةِ الْمُبَيَّنَةِ بِالْكَوَاكِبِ **وَحِفْظًا** مَنْصُوْبٌ بِفِعْلٍ مُقَدَّرٍ اَيْ حَفِظْنَاهَا بِالشُّهُبِ **مِّنْ كُلِّ** مُتَعَلِّقٌ بِالْمُقَدَّرِ **شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ** ﴿۷﴾ عَاتٍ خَارِجٍ عَنِ الطَّاعَةِ **لَا يَسَّمَّعُوْنَ** اَيِ الشَّيَاطِيْنُ مُسْتَانَفٌ وَسِمَاعُهُمْ هُوَ فِي الْمَعْنَى الْمَحْفُوْظِ عَنْهُ **اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى** اَلْمَلَائِكَةِ فِي السَّمَاءِ وَعَدَّى السَّمَاعَ بِاِلٰى لِتَضَمُّنِهٖ مَعْنَى الْاِصْغَاءِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَشْدِيْدِ الْمِيْمِ وَالسِّيْنِ اَصْلُهٗ يَتَسَمَّعُوْنَ اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي السِّيْنِ **وَيُقْذَفُوْنَ** اَيِ الشَّيَاطِيْنُ بِالشُّهُبِ **مِنْ كُلِّ جَانِبٍ** ﴿۸﴾ مِنْ اٰفَاقِ السَّمَاءِ **دُحُوْرًا** مَصْدَرٌ دَحَرَهٗ اَيْ طَرَدَهٗ وَاَبْعَدَهٗ وَهُوَ مَفْعُوْلٌ لَهٗ **وَّلَهُمْ** فِي الْاٰخِرَةِ **عَذَابٌ وَّاصِبٌ** ﴿۹﴾ دَائِمٌ **اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ** مَصْدَرٌ اَيِ الْمَرَّةَ وَالْاِسْتِثْنَاءُ مِنْ ضَمِيْرِ يَسْمَعُوْنَ اَيْ لَا يَسْمَعُ اِلَّا الشَّيْطَانُ الَّذِيْ سَمِعَ الْكَلِمَةَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فَاَخَذَهَا بِسُرْعَةٍ **فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ** كَوْكَبٌ مُضِيْءٌ **ثَاقِبٌ** ﴿۱۰﴾ يَثْقُبُهٗ اَوْيُحْرِقُهٗ اَوْيُخْبِلُهٗ **فَاسْتَفْتِهِمْ** اِسْتَخْبِرْ كُفَّارَ مَكَّةَ تَقْرِيْرًا اَوْ تَوْبِيْخًا **اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا** مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِيْنَ وَمَا فِيْهِمَا وَفِي الْاِتْيَانِ بِمَنْ تَغْلِيْبُ الْعُقَلَاءِ **اِنَّا**

خَلَقْنٰهُمْ اَیْ اَصْلَهُمْ اٰدَمَ **مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ** ﴿۱۱﴾ لَازِمٍ یَلْصَقُ بِالْیَدِ الْمَعْنٰی اَنَّ خَلْقَهُمْ ضَعِیْفٌ فَلَا یَتَکَبَّرُوْا بِاِنْکَارِ النَّبِیِّ وَالْقُرْاٰنِ الْمُؤَدِّیْ اِلٰی هَلَاکِهِمُ الْیَسِیْرَ **بَلْ** لِلْاِنْتِقَالِ مِنْ غَرَضٍ اِلٰی اٰخَرَ وَهُوَ الْاِخْبَارُ بِحَالِهٖ وَحَالِهِمْ **عَجِبْتَ** بِفَتْحِ التَّاءِ خِطَابًا لِلنَّبِیِّ اَیْ مِنْ تَکْذِیْبِهِمْ اِیَّاکَ **وَ هُمْ یَسْخَرُوْنَ** ﴿۱۲﴾ مِنْ تَعَجُّبِکَ **وَاِذَا ذُکِّرُوْا** وُعِظُوْا بِالْقُرْاٰنِ **لَا یَذْکُرُوْنَ** ﴿۱۳﴾ لَا یَتَّعِظُوْنَ **وَاِذَا رَاَوْا اٰیَةً** کَانْشِقَاقِ الْقَمَرِ **یَّسْتَسْخِرُوْنَ** ﴿۱۴﴾ یَسْتَهْزِءُوْنَ بِهَا **وَقَالُوْٓا** فِیْهَا **اِنْ** مَا **هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ** ﴿۱۵﴾ بَیِّنٌ وَقَالُوْٓا مُنْکِرِیْنَ لِلْبَعْثِ **ءَ اِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ** ﴿۱۶﴾ فِی الْهَمْزَتَیْنِ فِی الْمَوْضِعَیْنِ التَّحْقِیْقُ وَتَسْهِیْلُ الثَّانِیَةِ وَاِدْخَالُ اَلِفٍ بَیْنَهُمَا عَلَی الْوَجْهَیْنِ **اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ** ﴿۱۷﴾ بِسُکُوْنِ الْوَاوِ عَطْفًا بِاَوْ وَبِفَتْحِهَا وَالْهَمْزَةُ لِلْاِسْتِفْهَامِ وَالْعَطْفُ بِالْوَاوِ وَالْمَعْطُوْفُ عَلَیْهِ مَحَلُّ اِنَّ وَاسْمِهَا اَوِ الضَّمِیْرُ فِیْ لَمَبْعُوْثُوْنَ وَالْفَاصِلُ هَمْزَةُ الْاِسْتِفْهَامِ **قُلْ نَعَمْ** تُبْعَثُوْنَ **وَاَنْتُمْ دٰخِرُوْنَ** ﴿۱۸﴾ صَاغِرُوْنَ **فَاِنَّمَا هِیَ** ضَمِیْرٌ مُبْهَمٌ یُفَسِّرُهٗ مَابَعْدَهٗ **زَجْرَةٌ** اَیْ صَیْحَةٌ **وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ** اَیِ الْخَلَائِقُ اَحْیَاءٌ **یَنْظُرُوْنَ** ﴿۱۹﴾ مَا یُفْعَلُ بِهِمْ **وَقَالُوْا** اَیِ الْکُفَّارُ یَا لِلتَّنْبِیْهِ **وَیْلَنَا** هَلَاکُنَا وَهُوَ مَصْدَرٌ لَافِعْلَ لَهٗ مِنْ لَفْظِهٖ وَتَقُوْلُ لَهُمُ الْمَلَائِکَةُ **هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ** ﴿۲۰﴾ اَیِ الْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ **هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ** بَیْنَ الْخَلَائِقِ **الَّذِیْ کُنْتُمْ بِهٖ تُکَذِّبُوْنَ** ﴿۲۱﴾

ترجمہ:........ سورۂ صافات مکی ہے، جس میں ایک سو بیاسی (۱۸۲) آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم. قسم ہے ان فرشتوں کی جو صف باندھ کر کھڑے رہتے ہیں (فرشتے خود عبادت کے لئے صف بستہ کھڑے یا فضاؤں میں پیرے جما کر حکم الٰہی کے منتظر ہیں) پھر ان فرشتوں کو جو ہنکانے والے ہیں (بادلوں کے چلانے پر مامور ہیں) پھر ان فرشتوں کی جو ذکر (قرآن کی تلاوت) کرنے والے ہیں (ذکر معناً مصدر ہے تالیات کا) بلاشبہ تمہارا معبود ایک ہے، وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اس کا اور پروردگار ہے مشرقی حصوں کا (اور مغربی حصوں کا بھی۔ روزانہ آفتاب کا طلوع وغروب الگ الگ ہوتا ہے) اور ہم نے آراستہ کیا ہے آسمان دنیا کو ایک عجیب خوبصورتی سے ستاروں کی (یعنی ستاروں کی چمک دمک سے یا خود ستاروں ہی کے ذریعہ۔ اس میں اضافت بیانیہ ہے۔ جیسا کہ زینۃ کی تنوین کواکب کے بیان کے لئے) اور حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے (حفظا منصوب ہے فعل مقدر کے ذریعہ، یعنی آسمانوں کی حفاظت شہاب ستاروں کے ذریعہ کردی ہے) ہر شریر (سرکش باغی) شیطان سے (من کل فعل مقدر سے متعلق ہے) وہ شیاطین کان بھی نہیں لگا سکتے (یعنی شیاطین۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور شیاطین کا سننا دراصل محفوظ عنہ ہے) عالم بالا کی طرف (آسمانوں میں جو فرشتے ہیں لفظ سماع کو الیٰ کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے۔ معنی اصغاء کے ساتھ تضمین کر کے اور لفظ یسمعون ایک قرأت میں تشدید میم وتشدید سین کے ساتھ ہے۔ اصل میں یتسمعون تھا تا کو سین میں ادغام کردیا گیا ہے) اور وہ مار بھگائے گئے ہیں (یعنی شیاطین کو شہاب، ستاروں سے مار بھگا دیا جاتا ہے) ہر طرف سے (آسمانی کناروں کی) دھکے دے کر (دحور دحرہ کا مصدر ہے بمعنی دور کردینا یہ مفعول لہ ہے) اور ان کے لئے (آخرت میں) دائمی عذاب ہوگا (مسلسل) مگر جو شیطان کچھ خبر لے ہی بھاگے (الخطفة

مصدر ہے یعنی ایک مرتبہ اچکنا اور استثناء ضمیر یسمعون سے ہے۔ یعنی آسمانی خبر کوئی نہیں سن سکتا، سوائے شیطان کے جو کوئی فرشتوں سے سن کر ایک دم اچک لے) تو ایک (چمکتا ہوا ستارہ) دہکتا ہوا انگارہ اس کے پیچھے لگ لیتا ہے (اس میں سوراخ کر ڈالتا ہے یا اسے جلا کر بھسم کر ڈالتا ہے یا اسے بدحواس بنا دیتا ہے) تو آپ ان سے پوچھئے (کفار مکہ سے دریافت کیجئے بطور تقریر یا توبیخ کے) کہ یہ لوگ بناوٹ میں زیادہ سخت ہیں یا ہماری یہ پیدا کی ہوئی چیزیں (یعنی فرشتے، آسمان، زمین اور ان کے درمیان کی مخلوق اور مَن لانے میں عقلاء کی تغلیب ہے) ہم نے ان لوگوں (یعنی ان کی اصل آدم) کو پیدا کیا چکنی مٹی سے (جو ہاتھ کو چپک جاتی ہے۔ یعنی ان کی بناوٹ کمزور ہے۔ لہٰذا پیغمبر قرآن کا انکار کر کے تکبر نہ کریں جو جلد تباہی کی طرف انہیں لے جائے) بلکہ (یہ ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف انتقال کے لئے۔ یعنی آپ کے اوران کے حال کی خبر دینا ہے) آپ تو تعجب کرتے ہیں۔ فتحہ تا کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے۔ یعنی ان کے آپ کو جھٹلانے سے) اور یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں (آپ کے تعجب پر) اور جب ان کو سمجھایا جاتا ہے (قرآن کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے) تو یہ سمجھتے نہیں (نصیحت حاصل نہیں کرتے) اور جب یہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں (جیسے معجزہ شق القمر) تو اس کی ہنسی (مذاق) اڑاتے ہیں اور (اس کے متعلق) کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا (واضح) جادو ہے (اور منکرین قیامت ہیں کہ) بھلا جب ہم مر گئے، اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا پھر ہم زندہ کئے جائیں گے (دونوں لفظوں کی دونوں ہمزاؤں میں تحقیق ہے اور دوسری ہمزہ کی تسہیل بھی ہے اور پھر ان دونوں صورتوں میں دونوں ہمزاؤں کے درمیان الف کی قرأت بھی ہے) اور کیا ہمارے باپ دادا بھی (لفظ او سکون واؤ کے ساتھ او کے ذریعہ عطف ہوگا اور فتحہ واؤ کے ساتھ بھی ہے۔ دونوں صورتوں میں ہمزہ استفہامیہ ہوگا اور واؤ عطف کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ معطوف علیہ ان مع اسم کا محل ہوگا یا معطوف علیہ مبعوثون کی ضمیر ہے اور ہمزہ استفہام فاصل ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہاں (تم دوبارہ جلائے جاؤ گے) اور ذلیل بھی ہو گے، قیامت تو بس ایک للکار (چیخ) ہی ہوگی (ھی ضمیر مبہم ہے جس کی تفسیر آگے ہے) سو یکا یک سب (مخلوق زندہ ہو کر) دیکھنے بھالنے لگیں گے (کہ ان کے ساتھ کیا کارروائی ہوتی ہے) اور (کفار) کہیں گے ہائے ہماری کمبختی (یا تنبیہ کے لئے ہے ویل بمعنی ہلاکت مصدر ہے ان لفظوں میں اس کا کوئی فعل نہیں ہے۔ فرشتے کافروں سے کہیں گے) یہ ہے روز جزاء (حساب اور بدلہ کا دن) یہ ہے (مخلوق کے) فیصلہ کا دن جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

تحقیق وترکیب: ....والصّافات۔ یہاں فرشتوں کی مختلف قسموں کی قسمیں کھائی گئی ہیں۔ صافات نمازوں میں صف بستہ۔

زاجرات۔ بازاروں میں گھومنے والے یا گناہوں سے ڈانٹ ڈپٹ کرنے والے۔

تالیات۔ کتب الٰہیہ کی تلاوت اور ذکر اللہ کرنے والے فرشتے مراد ہیں۔ جیسا کہ ابن عباسؓ وابن مسعودؓ اور مجاہدؒ کی رائے ہے اور یا علماء باعمل کے نفوس قدسیہ مراد ہیں۔

صافات۔ تہجد گزار۔ پابند نماز۔ زاجرات وعظ ونصیحت کرنے والے۔ تالیات۔ آیات واحکام الٰہی کی تلاوت وتدریس کرنے والے یا پھر مجاہدین فی سبیل اللہ مراد ہیں۔ جو صف بستہ ہو کر لڑیں۔ فوجی گھوڑوں کو ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش کرنے والے فوجی ہیں اور اسی کے ساتھ ذکر الٰہی میں مصروف رہنے والے سالکین بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان آیات میں ارواح کی چار صفیں مراد ہیں۔ اول صف ارواح انبیاء ومرسلین کی۔ دوسری صف ارواح اولیاء کی۔ تیسری صف ارواح مؤمنین کی۔ چوتھی صف کفار ومنافقین کی جو اپنے اجسام میں داخل ہوتی ہیں۔

زاجرات سے مراد الہامات ربانیہ ہیں جو عوام کو منکرات سے اور خواص کو اپنی اطاعت پر گھمنڈ کرنے سے روکتے ہیں۔ اور اخص خواص کو غیر اللہ کے التفات سے باز رکھتے ہیں اور تالیات ذاکرات سے ہمہ وقت ذکر اللہ میں وقف حضرات مراد ہیں۔

صـفـا اور زجـرا مصادر مؤ کدہ ہیں اور فـا ترتیب وارفضیلت کے لئے ہے۔ خواہ اول سے آخر کی طرف یا آخر سے اول کی طرف۔ ذکر کا اطلاق قرآن پر بھی آ تا ہے۔ ھـذا ذکـر مبارك . انا نحن نزلنا الذکر . مفسر علامؒ اشارہ کرر ہے ہیں کہ ذکر مصدر ہے تالیات کا بغیر لفظی اشتراک کے۔لیکن ظاہر یہ ہے کہ مفعول بہ ہے۔ان بہت سی قسموں کو لانے میں اشکال یہ ہے کہ اگر مخاطب مومن ہیں تو انہیں ایک بھی قسم کی حاجت نہیں وہ ہر صورت میں تصدیق کرتے ہیں۔اور کفار اگر مخاطب ہیں تو ان کے سامنے اتنی ہی قسمیں اور بھی استعمال کر لی جائیں تب بھی کوئی فائدہ نہیں۔وہ بہر صورت یقین کرنے والے نہیں؟ لیکن جواب یہ ہے کہ قسم کا مقصد کسی مضمون کی محض تاکید اور اہمیت واضح کرنا ہے۔

الـمشارق. چونکہ مشارق، مغارب کو مستلزم ہے۔اس لئے ایک پر اکتفاء فرمایا گیا ہے۔قرآن کریم میں دوسری جگہ دونوں کو ذکر فرمایا گیا ہے۔اسی طرح مفرد الفاظ بھی آئے ہیں۔جنس کا ارادہ کرتے ہوئے اور تثنیہ بھی آیا ہے۔سرما اور گرما کی موسموں کا اعتبار کرتے ہوئے۔اور جمع کے صیغہ سے بھی آیا ہے روزانہ کے مشرق ومغرب کا مستقل اعتبار کرتے ہوئے۔

الـکواکب. زینة سے بدل ہے۔اگر کواکب سے مراد ستارہ ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ کوکب کی ضوء اور روشنی مراد ہو۔اگر چہ تمام ستارے آسمان دنیا کے علاوہ دوسرے مختلف آسمانوں پر ہیں۔تاہم نیچے رہنے والوں کو آسمان دنیا کی زینت نظر آتے ہیں۔حمزہؒ اور عاصمؒ کے علاوہ دوسرے قراء کی قراءت پر اضافت بیانیہ ہے۔مفسر علامؒ بیانیہ کی تائید میں فرماتے ہیں کہ زیـنـة کی تنوین کی قراءت حمزہؒ اور حفصؒ کے نزدیک بینہ کواکب ہے عطف بیان یا بدل ہونے کی بناء پر اور ابوبکرؒ کی قراءت پر کواکب منصوب ہے مصدر کا مفعول ہونے کی وجہ سے یا اعـنـی مضمر مان کر یا محل زینت سے بدل کے طور پر۔اس صورت میں بعض کی رائے پر اضافت مصدر مفعول کی طرف ہو جائے گی۔ای بان ذان اللّٰہ الکواکب وحسنھا اور مصدر کی اضافت فاعل کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے۔

حفظا. یہ مقدر کا مفعول مطلق ہے۔ای وحفظنا ھابه حفظا اور معناً زینة پر بھی عطف ہو سکتا ہے۔ای انا خلقناھا زینة وحفظا ای حفظنا بالشھب من کل شیطان.

لا یسمعون. تخفیف کی قراءت پر معنی ہوں گے نہیں سنتے ہیں۔اور تشدید کی قراءت پر معنی یہ ہیں کہ کان نہیں لگاتے۔

لا یـسـمـعـون کے متانف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کلام مستقل اور الگ ہے یا وجہ حفاظت کے سوال کا جواب اور بیان بھی ہو سکتا ہے۔

یـقـذفـون. کیفیت حفاظت کا بیان ہو جائے گا اور مقصود اصلی شیاطین کے سننے سے حفاظت کرنی ہے یا یوں کہا جائے کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ای من سماع کل شیطان مارد.

الـمـلاء الاعـلـی. چونکہ فرشتے آسمانوں میں ہیں۔اس لئے ملاء اعلیٰ کہا گیا اور انس وجن زمینی ہیں۔ان کو ملاء اسفل کہا جائے گا۔الـی کے ذریعہ تعدیہ کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ معنی اصغاء کے ساتھ تضمین کی گئی ہے جب اصغاء کی نفی ہوگئی تو سماع کی نفی بدرجہ اولیٰ ہوگئی۔

دحورا. بلحاظ معنی یہ یقذفون کا مفعول مطلق ہے۔

واصب. بمعنی دائم.

الا من خطف. یسمعون کی ضمیر سے استثناء ہے اور من بدل ہے اور استثناء باعتبار مجموعہ کے استماع اور سمع کے۔ای لا یستمعون ولا یسمعون الا من خطف فیستمع ویسمع.

فاتبعہ بمعنی تبعہ۔

شھاب ۔ بروزن کتاب آگ کا شعلہ اور لپٹ جمع شھب ضمتین اور کسرہ کے ساتھ۔ مواہب میں ہے کہ شہاب کے اثر سے شیاطین غول بن کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

لازب ۔ دراصل لازم تھا میم کو باء سے تبدیل کر دیا۔ جیسے بکہ سے مکہ۔ طین کے صفت لانے سے اس کی صورت اور حقارت کا استحضار مقصود ہے۔

بل ۔ یہ اضراب کے لئے نہیں ہے بلکہ انتقال کے لئے ہے اور بعض نے کفار کا حال دریافت کرنے سے اضراب پر محمول کیا ہے ای لا یستفتھم فاتھم معاندون مکابرون. بل کا مدخول مجموعہ ہے باعتبار یسخرون کے۔

عجبت ۔ حمزہؒ اور کسائیؒ کے نزدیک ضمہ تا کے ساتھ ہے اور باقی قراء کے نزدیک فتحہ تا کے ساتھ ہے۔ اول صورت میں تعجب کی نسبت اللہ کی طرف انکار کے معنی میں ہے اور استحسان ورضاء کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے۔ جیسے کہ حدیث میں ہے۔ عجب ربک من شاب لیس لہ صبوۃ اور اللہ کی طرف ایسی ہی ہے۔ جیسے سخر اللہ اور نسو اللہ میں ہے۔

یستسخرون ۔ پہلے لفظ یسخرون سے دلیل کا مذاق اڑانا مراد ہے۔ اس لئے مجرد صیغہ لایا گیا اور یستسخرون میں دعویٰ کا استہزاء مقصود ہے۔ اس لئے باب استفعال لایا گیا ہے۔

اذا متنا ۔ اصل کلام اس طرح تھا۔ انبعث اذا متنا الخ لیکن ظرف کو مقدم کر دیا گیا ہے اور ہمزہ مکرر لایا گیا اور جملہ اسمیہ دوام اور استمرار کے لئے ہے۔ گویا انکار بعث میں مبالغہ کیا گیا ہے۔

او اباؤنا ۔ او کے ذریعہ محل اَنْ اور اس کے اسم پر عطف ہے اور شک کے لئے ہے۔ ای انحن مبعوثون ام اباؤنا اس صورت میں ضمیر لمبعوثون پر فصل نہ ہونے کی وجہ سے عطف درست نہیں۔ البتہ اگر لفظ او فتحہ واؤ کے ساتھ ہے تو ہمزہ استفہام انکار کے لئے ہوگا۔ اور تیسری صورت یہ کہ لفظ او نہ ہو بلکہ واؤ عاطفہ ہو اور اس تیسری قراءۃ پر ضمیر لمبعوثون پر عطف ہوجائے گا اور وہی ضمیر عامل ہوگی۔ رہا یہ شبہ کہ ہمزہ کا بعد ہمزہ سے پہلے کیسے عمل کرسکتا ہے؟ اس لئے بہتر یہ ہے کہ مبتداء محذوف الخبر قرار دیا جائے عبارت گویا اس طرح ہوگی۔ او اباء نا یبعثون.

اور شہابؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ہمزہ اس صورت میں چونکہ مقصود نہیں بلکہ محض پہلے کی تاکید کے لئے ہے پس ہمزہ کو اول ہی فرض کیا جائے گا۔ اب گویا ہمزہ کا ماقبل ہمزہ کے بعد عامل ہوا اور ہمزہ کو ضمیر لمبعوثون، معطوف علیہ اور اٰباءنا معطوف کے درمیان فاصل مانا جائے گا۔

وانتم داخرون ۔ جملہ حالیہ ہے اس میں عامل معنی نعم ہیں۔ ای تبعثون والحال انکم صاغرون .

ربط آیات: .... سورۂ صافات مضمون توحید سے شروع کی گئی ہے۔ اس کے بعد دوسرے رکوع میں آخر تک قیامت کا ذکر ہے اور پھر آخر سورت تک مختلف انبیاء کرام کے حالات کے ذیل میں رسالت کی بحث چلی گئی ہے۔ غرض کہ پوری سورت میں لوٹ پھیر کر یہی مضامین ثلاثہ بیان کئے گئے ہیں۔ اس کلی ربط سے پچھلی سورت کے ساتھ بھی اس سورت کا ربط ظاہر ہوگیا۔

﴿ تشریح ﴾: .... صافات سے مراد قطار در قطار فرشتے ہوں یا عبادت گزار اور مجاہد انسان ہوں جو نمازوں میں صف بستہ اور میدان جہاد میں صف آراء ہوتے ہیں۔ قسم منکر کے مقابلہ میں تاکید کے لئے ہوتی ہے یا کسی مضمون کے مہتم بالشان ظاہر کرنے کے لئے

ہوا کرتی ہے۔

قرآنی قسمیں:............ پس قرآن کریم میں جن چیزوں کی قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ وہ ان چیزوں کے لئے بطور دلیل وشواہد ہوتی ہیں جن کے لئے قسمیں استعمال کی گئی ہیں۔

زاجرات سے وہ فرشتے مراد ہیں جو آسمانی راز چوری چھپے سننے والے شیاطین کو ڈانٹ کر مار بھگاتے ہیں۔ یا انسانوں کو نیک راہ سمجھا کر برائیوں سے باز رکھتے ہیں۔ یا پھر وہ نیک نفس انسان مراد ہیں جو اپنے آپ کو بدی سے روکتے ہیں۔ اور دوسرے شریروں کو ڈانٹ ڈپٹ رکھ کر باز رکھتے ہیں۔ بالخصوص میدان جہاد میں دشمنوں کو للکارتے ہیں۔

اسی طرح تالیات سے مراد بھی عام ہے خواہ فرشتے ہوں یا انسان احکام الٰہی پڑھتے پڑھاتے سنتے سناتے ہیں۔ یہ سب چیزیں اس کی شاہد قولاً فعلاً ہر زمانہ میں رہی ہیں کہ اللہ ہی سب کا مالک ومعبود ہے۔ جن فرشتوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں ظاہر یہ ہے کہ یہ فرشتوں کی مختلف جماعتیں ہیں۔ کوئی احکام لانے پر، کوئی زمین کی تدبیر وانتظام پر، کوئی عبادت کرنے پر مقرر ہیں اور یہ فرشتے فرمانبرداروں کی طرح قطاریں باندھ کر کھڑے رہتے ہوں گے یا اصطفاف سے مراد تعمیل حکم کے لئے ہمہ وقت پر تولے رکھنا ہے۔

اسی طرح آسمانی فرشتوں میں کچھ تو تدبیر وانتظام میں مصروف ہوں گے۔ شیاطین کو دھتکارنا اور للکارنا بھی اسی میں داخل ہے اور کچھ تسبیح وتہلیل میں وقف رہتے ہوں گے۔ اس تفریق کی صورت میں تو عطف کے معنی ظاہر ہیں۔ لیکن اگر یہ سب کام ایک ہی جماعت سے وابستہ ہوں تو پھر عطف صفات میں مغایرت کی بنا پر درست ہو جائے گا اور کلمہ فا کی تعقیب قسم کے لحاظ سے ہے یعنی آگے پیچھے کئی قسمیں کھاتے ہیں اور جب قسمیں متعدد ہوں تو تلفظ میں تعاقب ضروری ہے۔

اور مخلوق کی قسم کھانے کی تحقیق سورۂ حجرات کی آیت لعمرك میں گزر چکی ہے اور مقصود ان قسموں سے استدلال نہیں ہے کیونکہ استدلال آگے آ رہا ہے۔ دوسری نظیر یہ کہ صرف کلام کی تاکید کے لئے قسم لائی گئی اور ان مختلف قسموں میں مقسم علیہ کے احوال سے استدلال کی طرف اشارہ ہے یا یہ کہ مقسم بہ مقسم علیہ کی نظیر ہے۔ کیونکہ آیت نظیر میں بھی ایک گونہ استدلال ہوتا ہے۔ چنانچہ ان فرشتوں کے حالات سے جو مصنوع ہیں وجود صانع اور توحید پر استدلال ظاہر ہے۔

آسمانوں کا عجیب وغریب نظام:............ مشارق سے مراد شمال سے جنوب تک وہ نقطے ہیں جن سے روزانہ سورج اور دوسرے ستارے طلوع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے بالمقابل دوسری جانب کے فرضی نقطوں کو مغارب کہا جائے گا۔ ان کا ذکر یہاں تو اس لئے نہیں کیا کہ مقابلہ سے وہ خود سمجھ میں آ جائیں گے اور یا اس لئے کہ اللہ کی شان کبریائی نمایاں کرنے میں جتنا دخل طلوع کو ہے غروب کو نہیں ہے۔ گو دوسری متعدد وجوہ سے غروب کی دلالت زیادہ واضح ہے۔

اندھیری رات میں آسمان بے شمار ستاروں کی جگمگاہٹ سے کتنا خوبصورت، پرکشش اور رونق دار معلوم ہوتا ہے اور جہاں ان ستاروں سے آسمان کی زینت وآرائش مقصود ہے وہیں بعض ستاروں سے یا ان کے ٹکڑوں یا کرنوں سے شیاطین کو مار بھگایا بھی جاتا ہے۔ یہ نوری کواکب مستقل ہیں یا ان کی شعاعوں سے ہوا متکیف ہو کر سلگتی نظر آتی ہے اس میں حکماء مختلف ہیں۔

غرض اس طرح شیاطین کو فرشتوں کی مجلس میں پہنچنے نہیں دیا جاتا اور ہر طرف سے مار بھگایا جاتا ہے۔ یہ ذلت اور پھٹکار تو دنیا میں ہمیشہ ان پر رہے گی اور آخرت کا دائمی عذاب الگ رہا۔ اس تگ ودو میں کبھی تو شیاطین سننے کا ارادہ کرتے ہی مار ڈالے جاتے ہیں اور کبھی سنتے ہی تباہ کر دیئے جاتے ہیں اور ان خبروں کو دوسروں تک پہنچانے کی نوبت نہیں آتی اور بھاگ دوڑ میں کوئی ایک آدھ بات

اچک لینے پر بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ یہ تمام تر انتظامات ایک اللہ کی کبریائی پر دلالت کرتے ہیں۔ اس دلیل کے بعض مقدمات اگرچہ نقلی ہیں لیکن خود اس سمعی دلیل کی صحت چونکہ عقلی دلیل سے ثابت ہے۔ اس لئے نقلی مقدمات بھی مثل عقلی کے ہوگئے ہیں۔ پس یہ دلیل توحید بھی معنی عقلی ہی رہی۔

علم ہئیت کے اشکال کا حل:............آیت انا زینا السماء الدنیا الخ سے ان کواکب نوریہ کا آسمان دنیا میں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور قدیم حکماء کے بیانات سے ان کا الگ الگ آسمانوں پر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اول تو حکماء کی دلیل ناکافی ہے۔ دوسرے اگر کسی صحیح دلیل سے یہ بات ثابت بھی ہوجائے تو آیت کی یہ توجیہ ہوگی یہ ستارے اگر اوپر بھی ہوں تب بھی نچلے آسمان کے نیچے ہی سے نظر آئیں گے۔ اور یہ معلوم ہوگا۔ کہ اسی آسمان میں ٹک رہے ہیں اور ظاہر ہے لا یسمعون سے اکثر جنات وشیاطین سے سننے کی نفی ہورہی ہے۔ پھر ایک آدھ بات شیاطین کے پلہ پڑبھی جائے تو یقذفون سے اس کی نفی اور اس کے بعد بھی اتفاقیہ ایک آدھ بات کے نکل جانے کی نفی اتبعه سے معلوم ہورہی ہے۔ اور من کل جانب کا مطلب یہ نہیں کہ ہر طرف سے ان پر بوچھاڑ ہوتی ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ جس طرف بھی شیطان جاتا ہے ادھر ہی سے مار مار کر بھگا دیا جاتا ہے۔

اور شیطان کی اس حالت کے بیان کرنے سے جہاں توحید پر استدلال ہے وہیں شرک کی تردید بھی دوسرے طریقہ سے ہوجاتی ہے کہ جب شیاطین اس درجہ مردود ہیں کہ اوپر بھی نہیں جاسکتے۔ تو پھر لائق پرستش کیسے ہوسکتے ہیں۔

اور اس سے وحی ورسالت کی حفاظت وصحت بھی ثابت ہوگئی کہ اس میں کہانت وغیرہ کا شائبہ تک نہیں ہے۔ اور قیامت کا اثبات آگے خود آرہا ہے۔ یعنی منکرین غور کرکے بتلائیں کہ جس خدا نے زمین وآسمان، چاند، سورج، ستارے، فرشتے، جنات وغیرہ بے شمار مخلوق بناڈالی۔ وہ ان کے نزدیک زیادہ مشکل کام ہے یا خود ان کو پیدا کرنا؟ اور وہ بھی پہلی مرتبہ نہیں بلکہ دوبارہ پیدا کرنا جو انسانی نقطہ نظر سے بہ نسبت اول کے آسان ہے۔

عقیدہ قیامت عقلاً ونقلاً صحیح ہے:............انسان اپنی اصل اور اول پیدائش پر نظر ڈالے کہ ایک طرح کا چپکتا ہوا گارا تھا جس میں نہ طاقت تھی اور نہ صلابت۔ پس اس سے بنے ہوئے انسان میں طاقت وصلابت کہاں سے آئی۔ اس عقلی دلیل سے واضح ہوگیا کہ قیامت ممکن ہے۔ رہا قیامت کا ممکن ہونا تو وہ پیغمبروں کے فرمان سے معلوم ہوتا ہے۔ اور پیغمبروں کی پیغمبری معجزات سے معلوم ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ معجزہ دیکھ کر بھی یہ ٹھٹھا کرتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ (العیاذ باللہ) یہ شخص کیسی بے سروپا باتیں کرتا ہے۔ وہی مرغے کی ایک ٹانگ گائے جاتا ہے۔ بھلا جب مرگل گئے اور ہڈیاں تک برادہ ہوکر خاک میں مل گئیں۔ تو پھر ہم کس طرح مان لیں کہ قرن اور صدیاں بیت جانے پر پھر جلا کر کھڑے کردیئے جائیں گے؟

فرماتے ہیں کہ ضرور اٹھائے جاؤ گے اور اس انکار کی سزا بھگتو گے۔ ایک ہی ڈانٹ میں سب اٹھ کھڑے ہوں گے اور ہکا بکارہ جائیں گے اور پکار اٹھیں گے کہ ہائے یہ تو وہی سزا بھگتنے کا وقت آگیا۔ جس کی پیغمبروں نے برابر رٹ لگائے رکھی اور ہم نے ایک نہ سن کردی۔

وَيُقَالُ لِلْمَلٰئِكَةِ **اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** اَنْفُسَهُمْ بِالشِّرْكِ **وَاَزْوَاجَهُمْ** قُرَنَاءَهُمْ مِنَ الشَّيٰطِيْنِ **وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَيْ غَيْرَهُ مِنَ الْاَوْثَانِ **فَاهْدُوْهُمْ** دُلُّوْهُمْ وَسُوْقُوْهُمْ **اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾** طَرِيْقِ النَّارِ **وَقِفُوْهُمْ** اِحْبِسُوْهُمْ عِنْدَ الصِّرَاطِ **اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾** عَنْ جَمِيْعِ اَقْوَالِهِمْ وَاَفْعَالِهِمْ وَيُقَالُ لَهُمْ تَوْبِيْخًا **مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾** لَا يَنْصُرُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا كَحَالِكُمْ فِي الدُّنْيَا وَيُقَالُ لَهُمْ **بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾** مُنْقَادُوْنَ اَذِلَّاءُ **وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾** يَتَلَاوَمُوْنَ وَيَتَخَاصَمُوْنَ **قَالُوْٓا** اَيِ الْاَتْبَاعُ مِنْهُمْ لِلْمَتْبُوْعِيْنَ **اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾** عَنِ الْجِهَةِ الَّتِيْ كُنَّا نَاْمَنُكُمْ مِنْهَا بِحَلْفِكُمْ اَنَّكُمْ عَلَى الْحَقِّ فَصَدَّقْنَاكُمْ وَاتَّبَعْنَاكُمْ الْمَعْنٰى اَنَّكُمْ اَضْلَلْتُمُوْنَا **قَالُوْا** اَيِ الْمَتْبُوْعُوْنَ لَهُمْ **بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾** وَاِنَّمَا يَصْدُقُ الْاِضْلَالُ مِنَّا اَنْ لَوْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ فَرَجَعْتُمْ عَنِ الْاِيْمَانِ اِلَيْنَا **وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ** قُوَّةٍ وَّقُدْرَةٍ تَقْهَرُكُمْ عَلٰى مُتَابَعَتِنَا **بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾** ضَالِّيْنَ مِثْلَنَا **فَحَقَّ** وَجَبَ **عَلَيْنَا** جَمِيْعًا **قَوْلُ رَبِّنَآ** بِالْعَذَابِ اَيْ قَوْلُهُ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ **اِنَّا** جَمِيْعًا **لَذَآئِقُوْنَ ﴿۳۱﴾** الْعَذَابَ بِذٰلِكَ الْقَوْلِ وَنَشَاَ عَنْهُ قَوْلُهُمْ **فَاَغْوَيْنٰكُمْ** الْمُعَلَّلُ بِقَوْلِهِمْ **اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾** قَالَ تَعَالٰى **فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾** لِاشْتِرَاكِهِمْ فِي الْغَوَايَةِ **اِنَّا كَذٰلِكَ** كَمَا نَفْعَلُ بِهٰؤُلَاءِ **نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾** غَيْرِ هٰؤُلَاءِ اَيْ نُعَذِّبُهُمُ التَّابِعَ مِنْهُمْ وَالْمَتْبُوْعَ **اِنَّهُمْ** اَيْ هٰؤُلَاءِ بِقَرِيْنَةِ مَا بَعْدَهُ **كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا** فِيْ هَمْزَتَيْهِ مَا تَقَدَّمَ **لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾** اَيْ لِاَجْلِ قَوْلِ مُحَمَّدٍ قَالَ تَعَالٰى **بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾** الْجَائِيْنَ بِهِ وَهُوَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ **اِنَّكُمْ** فِيْهِ الْتِفَاتٌ **لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا** جَزَاءَ **مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾** اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ اَيْ ذُكِرَ جَزَاؤُهُمْ فِيْ قَوْلِهِ **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ** فِي الْجَنَّةِ **رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾** بُكْرَةً وَّعَشِيًّا **فَوَاكِهُ** بَدَلٌ اَوْ بَيَانٌ لِلرِّزْقِ وَهِيَ مَا يُؤْكَلُ تَلَذُّذًا لَا لِحِفْظِ صِحَّةٍ لِاَنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ مُسْتَغْنُوْنَ عَنْ حِفْظِهَا بِخَلْقِ اَجْسَامِهِمْ لِلْاَبَدِ **وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾** بِثَوَابِ اللّٰهِ **فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾** لَا يَرٰى بَعْضُهُمْ قَفَا بَعْضٍ **يُطَافُ عَلَيْهِمْ** عَلٰى كُلٍّ مِّنْهُمْ **بِكَاْسٍ** هُوَ الْاِنَاءُ بِشَرَابِهِ **مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾** مِنْ خَمْرٍ يَجْرِيْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ كَاَنْهَارِ الْمَاءِ **بَيْضَآءَ** اَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ

اللَّبَنِ **لَذَّةٍ** لَذِيذَةٍ **لِّلشّٰرِبِيْنَ** ﴿۴۶﴾ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا فَاِنَّهَا كَرِيْهَةٌ عِنْدَ الشُّرْبِ **لَا فِيْهَا غَوْلٌ** مَايَغْتَالُ عُقُوْلَهُمْ **وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ** ﴿۴۷﴾ بِفَتْحِ الزَّايِ وَكَسْرِهَا مِنْ نَزَفَ الشَّارِبُ وَاَنْزَفَ اَيْ يُسْكَرُوْنَ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا **وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ** حَابِسَاتُ الْاَعْيُنِ عَلَى اَزْوَاجِهِنَّ لَا يَنْظُرْنَ اِلَى غَيْرِهِمْ لِحُسْنِهِمْ عِنْدَهُنَّ **عِيْنٌ** ﴿۴۸﴾ ضِخَامُ الْاَعْيُنِ حِسَانُهَا **كَاَنَّهُنَّ** فِي اللَّوْنِ **بَيْضٌ** لِلنَّعَامِ **مَّكْنُوْنٌ** ﴿۴۹﴾ مَسْتُوْرٌ بِرِيْشِهٖ لَا يَصِلُ اِلَيْهِ غُبَارٌ وَلَوْنُهٗ وَهُوَ الْبَيَاضُ فِيْ صُفْرَةٍ اَحْسَنُ اَلْوَانِ النِّسَاءِ **فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ** بَعْضُ اَهْلِ الْجَنَّةِ **عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ** ﴿۵۰﴾ عَمَّامَرَّ بِهِمْ فِي الدُّنْيَا **قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ** ﴿۵۱﴾ صَاحِبٌ يُنْكِرُ الْبَعْثَ **يَّقُوْلُ** لِيْ تَبْكِيْتًا **ءَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ** ﴿۵۲﴾ بِالْبَعْثِ **ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا** فِي الْهَمْزَتَيْنِ فِي ثَلٰثَةِ مَوَاضِعَ مَا تَقَدَّمَ **لَمَدِيْنُوْنَ** ﴿۵۳﴾ مَجْزِيُّوْنَ وَمُحَاسَبُوْنَ اُنْكِرَ ذٰلِكَ اَيْضًا **قَالَ** ذٰلِكَ الْقَائِلُ لِاِخْوَانِهٖ **هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ** ﴿۵۴﴾ مَعِيَ اِلَى النَّارِ لِنَنْظُرَ حَالَهٗ فَيَقُوْلُوْنَ لَا **فَاطَّلَعَ** ذٰلِكَ الْقَائِلُ مِنْ بَعْضِ كُوَى الْجَنَّةِ **فَرَاٰهُ** اَيْ رَاٰى قَرِيْنَهٗ **فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ** ﴿۵۵﴾ اَيْ وَسْطِ النَّارِ **قَالَ** لَهٗ تَشْمِيْتًا **تَاللّٰهِ اِنْ** مُخَفَّفَةٌ مِّنَ الثَّقِيْلَةِ **كِدْتَّ** قَارَبْتَ **لَتُرْدِيْنِ** ﴿۵۶﴾ لَتُهْلِكُنِيْ بِاِغْوَائِكَ **وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ** اَيْ اِنْعَامُهٗ عَلَيَّ بِالْاِيْمَانِ **لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ** ﴿۵۷﴾ مَعَكَ فِي النَّارِ وَيَقُوْلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ **اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ** ﴿۵۸﴾ **اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى** اَيِ الَّتِيْ فِي الدُّنْيَا **وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ** ﴿۵۹﴾ هُوَ اسْتِفْهَامُ تَلَذُّذٍ وَتَحَدُّثٍ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ تَابِيْدِ الْحَيٰوةِ وَعَدَمِ التَّعْذِيْبِ **اِنَّ هٰذَا** الَّذِيْ ذُكِرَ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ **لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ** ﴿۶۰﴾ **لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ** ﴿۶۱﴾ قِيْلَ يُقَالُ لَهُمْ ذٰلِكَ وَقِيْلَ هُمْ يَقُوْلُوْنَهٗ **اَذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرُ لَهُمْ **خَيْرٌ نُّزُلًا** وَهُوَ مَايُعَدُّ لِلنَّازِلِ مِنْ ضَيْفٍ وَغَيْرِهٖ **اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ** ﴿۶۲﴾ اَلْمُعَدَّةُ لِاَهْلِ النَّارِ وَهِيَ مِنْ اَخْبَثِ الشَّجَرِ الْمُرِّ بِتَهَامَةَ يُنْبِتُهَا اللّٰهُ فِي الْجَحِيْمِ كَمَا سَيَاْتِيْ **اِنَّا جَعَلْنٰهَا** بِذٰلِكَ **فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ** ﴿۶۳﴾ اَيِ الْكَافِرِيْنَ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ اِذْ قَالُوْا النَّارُ تُحْرِقُ الشَّجَرَ فَكَيْفَ تُنْبِتُهٗ **اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْ اَصْلِ الْجَحِيْمِ** ﴿۶۴﴾ قَعْرِ جَهَنَّمَ وَاَغْصَانُهَا تَرْفَعُ اِلٰى دَرَكَاتِهَا **طَلْعُهَا** الْمُشَبَّهُ بِطَلْعِ النَّخْلِ **كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ** ﴿۶۵﴾ اَيِ الْحَيَّاتُ الْقَبِيْحَةُ الْمَنْظَرِ **فَاِنَّهُمْ** اَيِ الْكُفَّارُ **لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا** مَعَ قُبْحِهَا لِشِدَّةِ جُوْعِهِمْ **فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ** ﴿۶۶﴾ **ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ** ﴿۶۷﴾ اَيْ مَاءٍ حَارٍّ يَشْرَبُوْنَهٗ فَيَخْتَلِطُ بِالْمَاْكُوْلِ مِنْهَا فَيَصِيْرُ شَوْبًا لَهٗ **ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ** ﴿۶۸﴾ يُفِيْدُ اَنَّهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنْهَا لِشُرْبِ

الْجَحِيمِ وَإِنَّهُ لَخَارِجُهَا **إِنَّهُمْ أَلْفَوْا** وَجَدُوْا **آبَآءَ هُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿٦٩﴾ فَهُمْ عَلَى آثَارِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿٧٠﴾** يُزْعَجُوْنَ إِلَى اتِّبَاعِهِمْ فَيُسْرِعُوْنَ إِلَيْهِ **وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِيْنَ ﴿٧١﴾** مِنَ الْأُمَمِ الْمَاضِيَةِ **وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿٧٢﴾** مِنَ الرُّسُلِ مُخَوِّفِيْنَ **فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾** الْكَافِرِيْنَ أَيْ عَاقِبَتُهُمُ الْعَذَابُ **إِلَّا عِبَادَ اللهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٧٤﴾** أَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَإِنَّهُمْ نَجَوْا مِنَ الْعَذَابِ لِإِخْلَاصِهِمْ فِي الْعِبَادَةِ أَوْ لِأَنَّ اللهَ أَخْلَصَهُمْ لَهَا عَلَى قِرَاءَةِ فَتْحِ اللَّامِ

ترجمہ: .... (اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) جمع کرلو ان لوگوں کو جنہوں نے (شرک کر کے اپنی جانوں پر) ستم ڈھایا ہے اور ان جیسے اوروں کو (شیطانی دوستوں میں سے) اور ان معبودوں کو جن کی وہ لوگ عبادت کیا کرتے تھے خدا کو چھوڑ کر (اللہ کے علاوہ بت) پھر ان سبھوں کو دوزخ کا رستہ (جہنم کی راہ) بتلادو (دکھلا دو اور کھینچ کر ڈال دو) اور انہیں ٹھہرائے رکھو (جہنم کے پاس روکے رکھو) ان سے پوچھ گچھ کی جائے گی (ساری باتوں اور کاموں کی اور انہیں ڈانٹ پلائی جائے گی کہ) اب تمہیں کیا ہوگیا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے (دنیا کی طرح آپس میں کیوں کام نہیں آتے۔ ان سے جھڑک کر کہا جائے گا) بلکہ آج وہ سب کے سب سرافگندہ ہیں (سرنگوں، ذلیل) ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے سوال و جواب کرنے لگیں گے (ملامت اور جھگڑا کریں گے) کہیں گے (معمولی لوگ ذی حیثیت لوگوں سے) تم ہمارے پاس شان وشوکت سے آیا کرتے تھے (جسے دیکھ کر ہمیں تمہاری قسموں پر اطمینان ہوجاتا تھا کہ تم برسرحق ہو اس لئے تمہاری ہم تصدیق اور پیروی کیا کرتے تھے یعنی تم ہمیں بھی لے ڈوبے ہو) جواب میں بولیں گے (ان کے پیشوا) نہیں تم خود ہی ایمان نہیں لائے تھے (ہماری جانب سے گمراہ کرنا تو اس وقت کہا جاتا جب کہ خود تو تم ایمان لائے ہوئے ہوتے اور پھر ایمان سے روگردانی کر کے ہماری طرف پھر جاتے) ہماری تم پر کوئی زور زبردستی نہ تھی (ایسی کہ تمہیں اپنی پیروی پر مجبور کردیتے) بلکہ تم خود ہی سرکشی کیا کرتے تھے (ہماری طرح گمراہ تھے) ہم سب ہی پر ہمارے پروردگار کی بات متحقق ہوچکی (دوبارہ عذاب، ارشاد ربانی **لاملان جهنم من الجنة والناس اجمعين** کے مطابق) ہم سبھی کو مزہ چکھنا ہے (اس ارشاد ربانی کی وجہ سے عذاب کا۔ اسی ارشاد کے مطابق ان کی زبانوں پر بھی یہ بات آگئی) لہٰذا ہم نے تمہیں گمراہ بنایا (بقول ان کے گمراہی کا سبب بنے) ہم خود بھی گمراہ تھے (ارشاد الٰہی ہوا کہ) یہ سب لوگ (قیامت میں بھی) شریک عذاب رہیں گے (جیسے گمراہی میں شریک تھے) ہم ان کے ساتھ ایسا ہی کریں گے جیسے مجرمین کے ساتھ کیا کرتے ہیں (ان کے علاوہ یعنی ان پیروکاروں اور پیشواؤں سب کو سزادیں گے) وہ لوگ (یعنی کفار۔ بعد کی عبارت اس پر قرینہ ہے) ایسے تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے تو تکبر کیا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ کیا ہم (اس لفظ کی دونوں ہمزاؤں میں وہی تحقیق ہوگی جو گزر چکی ہے) اپنے معبودوں کو چھوڑ سکتے ہیں ایک دیوانہ شاعر (حضرت محمد ﷺ) کی وجہ سے (ارشاد ربانی ہے) بلکہ آپ ایک سچا دین لے کر آئے ہیں۔ اور دوسرے تمام پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں (جو کلمہ توحید کی دعوت لے کر آئے تھے) تم سب کو (اس میں صنعت التفات ہے) دردناک عذاب چکھنا پڑے گا اور تمہیں صرف تمہارے کئے کا بدلہ ملے گا۔ ہاں! مگر جو اللہ کے خاص بندے ہیں (یعنی مومن۔ یہ استثناء منقطع ہے۔ چنانچہ ان کا انعام آگے بیان کیا جارہا ہے) ان کے لئے (جنت میں) ایسی غذائیں ہوں گی جو مقرر ہیں (صبح شام) یعنی میوے (یہ رزق کا بدل یا بیان ہے اور پھل پھلاری محض ذائقہ اور مزے کے لئے ہوتے ہیں ان سے صحت کی حفاظت مقصود نہیں ہوتی۔ کیونکہ جنتیوں کے جسم ابدی ہوں گے جو حفاظت سے بے نیاز ہوں

گے) اور وہ لوگ (اللہ کی عطا سے) بڑی عزت سے آرام کے باغوں میں آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے (ایک دوسرے کی پیٹھ نہیں ہوگی) پیش کیا جائے گا (ان میں سے) ہر ایک پر ایسا جام (شراب کا پیانہ) جو بہتی شراب سے لبالب ہوگا (شراب کی نہر ایسی ہوگی جیسے زمین پر پانی کی نہر ہوتی ہے) سفید ہوگی (دودھ سے بھی زیادہ) پینے والوں کے لئے لذت دار (مزہ دار) ہوگی (دنیا کی شراب کے برخلاف جس کا پینا ناگوار ہوتا ہے) نہ اس میں بہکنا ہوگا (جس سے عقل میں فتور آ جائے) اور نہ اس میں بدمستی ہوگی (لفظ ینزفون فتحہ ز اور کسرہ ز کے ساتھ نزف الشارب وانزف سے ماخوذ ہے یعنی دنیا کی شراب جیسا نہیں ہوگا) اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی (جو صرف اپنے شوہروں کے نظارہ میں محو رہتی ہیں کسی اور طرف خوبصورت سمجھ کر نظر نہیں اٹھاتیں) بڑی بڑی آنکھوں والی ہوں گی (جن کی غزالی خوبصورت آنکھیں ہوں گی) گویا وہ (رنگت کے اعتبار سے شتر مرغ کے) انڈے ہیں جو محفوظ ہیں (پردوں میں چھپے ہوئے غبار سے محفوظ اور زرد آمیز سفید رنگ جو عورتوں میں پسندیدہ سمجھا جاتا ہے) ایک دوسرے کی طرف (جنتی) متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے (دنیا میں کس طرح گزری ہے) ان میں ایک بولے گا میرا ایک ملاقاتی تھا (جو قیامت کا منکر تھا) کہا کرتا تھا (مجھے سرزنش کرتے ہوئے) کہ کیا تو بھی (قیامت کے) معتقدین میں سے ہے۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے (تینوں مواقع کی دونوں ہمزاؤں میں گزشتہ تفصیل جاری ہوگی) تو کیا جزاء وسزا دیئے جائیں گے؟ (حساب کتاب ہوگا؟ اسے اس کا بھی انکار ہوگا) کہے گا (یہ کہنے والا اپنے دوستوں سے) کیا تم جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو (میرے ساتھ جہنم کو وہ بولیں گے نہیں) سو وہ خود جھانکے گا (جنت کے کسی روشن دان سے) سو اس (اپنے ساتھی) کو جہنم کے بیچوں بیچ دیکھے گا بولے گا (دشمن کی بدحالی پر خوش ہوتے ہوئے) بخدا تو تو (ان مخففہ ہے) مجھے تباہ ہی کرنے کو تھا (مجھے بہکا کر بربادی کے قریب پہنچا دیا تھا) اور اگر میرے پروردگار کا مجھ پر فضل نہ ہوتا (کہ ایمان کی دولت دے کر مجھ پر انعام کیا) تو میں بھی گرفتار ہو جاتا (تیرے ساتھ جہنم میں۔ اور جنتی بولیں گے کہ) کیا ہم پھر دوبارہ نہیں مریں گے پہلی بار مرنے کے علاوہ (جو دنیا میں ہو چکا ہے) اور نہ ہمیں عذاب ہوگا (یہ پوچھنا مزہ لینے کے لئے اور ابدی زندگی اور عذاب نہ ہونے کے انعام کو یاد رکھنے کے لئے ہوگا) یہ بے شک (جس کا ذکر جنتیوں کے لئے ہوا ہے) بڑی کامیابی ہے۔ ایسی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے (بعض کی رائے میں یہ بات اللہ کی طرف سے کہی جائے گی اور بعض کے نزدیک وہ خود آپس میں کہیں گے) بھلا یہ (اہل جنت کے بیان کردہ حالات) دعوت بہتر ہے (مہمان وغیرہ کی آمد پر جو کچھ پیش کیا جائے) یا زقوم کا درخت (جو جہنمیوں کے لئے تیار ہوگا۔ یہ تہامہ کے بدترین کڑوے درختوں میں سے ہے اللہ ان کے لئے دوزخ میں اگائے گا۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے) ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لئے ایک آزمائش بنایا ہے (مکہ کے کافروں کے لئے جنہوں نے کہا کہ آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے پھر کس طرح وہاں اُگے گا) وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی تہہ سے نکلے گا (جس کی جڑ قعر جہنم میں ہوگی اور شاخیں اس کے طبقات تک پھیلی ہوں گی) اس کے پھل (جو کھجور کے گچھوں کے برابر ہوں گے) ایسے ہیں جیسے سانپوں کے پھن (ہیبت ناک ناگ) سچ بات یہ ہے کہ یہ (کفار) اسی کو کھائیں گے (خراب ہونے کے باوجود، انتہائی بھوک کے مارے) اسی سے پیٹ بھریں گے پھر اس پر انہیں کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا (گرم پانی پلایا جائے گا جو کھانے کے ساتھ گھل مل جائے گا) پھر ان کا اخیر ٹھکانہ دوزخ ہی کی طرف ہوگا (لفظ مرجع سے یہ بات نکلتی ہے کہ گرم پانی پلانے کے لئے دوزخیوں کو باہر نکالا جائے گا اور گرم پانی دوزخ سے باہر ہوگا) انہوں نے اپنے بڑوں کو گمراہی کی حالت میں پایا تھا۔ پھر یہ انہی کے قدم بقدم تیزی سے چلتے رہے (یعنی ان کی پیروی میں دوڑ دھوپ کرتے رہے) اور ان سے پہلے بھی اگلے لوگوں میں (پچھلی امتوں میں) اکثر گمراہ ہو چکے ہیں اور ہم نے ان میں بھی ڈرانے والے (پیغمبر) بھیجے تھے۔ سو دیکھ لیجئے ان لوگوں کا کیسا برا انجام ہوا۔ جنہیں ڈرایا گیا تھا (یعنی کافروں کا انجام عذاب ہوا) ہاں مگر جو اللہ کے مخصوص بندے تھے (یعنی

مومن۔ انہیں اخلاص عبادت کی وجہ سے عذاب سے چھٹکارا رہا۔ یا اللہ نے انہیں بچالیا، جب کہ مخلصین میں فتحہ لام کی قراءت ہو۔)

تحقیق وترکیب: .... احشروا. یہ اللہ کا حکم فرشتوں کو ہوگا۔ یا ایک دوسرے کو آپس میں کہیں گے خواہ اپنی اپنی جگہ سے حشر کی طرف جانے کے لئے یا موقف سے دوزخ میں جانے کے لئے۔

ازواج. اس کے معنی مشابہ مماثل کے ہیں زوج الخف موزہ کی جوڑی کو کہتے ہیں۔ سورۂ واقعہ میں و کنتم ازواجا ثلثة. اسی قبیل سے ہے۔ بقول ضحاکؒ ومقاتلؒ ہر کافر اپنے ہمزاد شیطان کے ساتھ جہنم میں جھونکا جائے گا۔ اور ابن عباسؓ اور ابو عمرؓ فرماتے ہیں کہ بت پرست، بت پرستوں کے ساتھ کواکب پرست، کواکب پرستوں کے ساتھ علیٰ ہذا زناکار، زناکاروں کے ساتھ، شرابی شرابیوں کے ساتھ ہوں گے۔ اور حسنؒ کی رائے میں مشرک مرد مشرک بیویوں کے ساتھ رکھے جائیں گے۔

وقفوھم. پل صراط پر چونکہ پوچھ گچھ ہوگی اس لئے وہاں ٹھہرایا جائے گا۔

عن الیمین. یہ حال تاتونا کی ضمیر سے اور یمین سے مراد داہنا ہاتھ ہے اور مجاز مرسل یا استفادہ قوت سے ہے۔ کیونکہ داہنی جانب قوی ہوا کرتی ہے۔ اسی لئے اس سے چیزوں کو پکڑا جاتا ہے۔ ای تقصدو ننا عن السلطان والغلبة حتی تحملونا علی الضلال کذا قال الفراء اور یا حلف وقسم مراد ہے۔ کیونکہ معاملات طے کرنے میں قسم کھاتے ہوئے فریقین ایک دوسرے کا داہنا ہاتھ چھوتے ہیں۔ ای یا تو ننا مقسمین حالفین مفسر علامؒ نے دوسرے معنی لئے ہیں۔

فرجعتم عن الایمان. اس میں بھی دونوں احتمال ہیں۔ مفسر علامؒ، دوسرے معانی مراد لے رہے ہیں۔

انا لذائقون. یہ جملہ جہنمیوں کے قول کی حکایت ہے ورنہ انکم لذائقون کہنا چاہئے تھا۔

فاغوینا کم. بظاہر یہ انا کنا غوین کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ لیکن معنی یہ ہیں کہ ہم تمہاری گمراہی کا سبب تو بنے مگر ہم نے تمہیں گمراہی پر مجبور نہیں کیا تھا۔ صرف اپنی پسندیدہ راہ کی تمہیں دعوت دی تھی۔ جس کے ہم قصوروار ہیں مگر چلے تم اپنی مرضی سے۔ اس لئے تم ذمہ دار ہو۔

بالحق وصدق المرسلین. کافروں کی تردید فرمادی کہ توحید کی دعوت حق ہے جس پر دلائل قائم ہیں اور تمام انبیاءؑ کا متفقہ عقیدہ ہے۔

انکم. صیغہ غائب سے خطاب کی طرف التفات ہے شدت غضب ظاہر کرنے کے لئے۔

الا عباد اللہ. یہ استثناء منقطع ہے ما تجزون کی ضمیر سے بمعنی لکن اور اولئک خبر ہے۔ ای الکفار لا یجزون الا بقدر اعمالھم واما عباد اللہ المخلصون فانھم یجزون اضعافا مضاعفة یہی مطلب ہے عبارت مفسر ای ذکر جزاؤھم فی قولہ اولئک لھم الخ کا۔

فی جنت النعیم. یہ مکرمون کا متعلق بھی ہوسکتا ہے اور خبر ثانی بھی۔ اسی طرح یہ اور علی سرر اور متقابلین سب حال بھی ہوسکتے ہیں۔ نیز علی سرر، متقابلین کے متعلق بھی ہوسکتا ہے اور یطاف علیھم مکرمون کی صفت بھی بن سکتی ہے، یا متقابلین کی ضمیر سے یا دونوں جار مجرور میں سے کسی ایک کی ضمیر سے بھی حال ہوسکتا ہے جب کہ وہ بھی حال ہوں۔

بکاس. شیشہ کا پیمانہ گلاس جب کہ اس میں شراب ہو۔ ورنہ خالی کو قدح کہا جاتا ہے۔

من معین. کاس کی صفت ہے ای کائنة من معین اور معین کا موصوف مقدر ہے۔ ای من خمر معین بمعنی جاری۔

لذة. یہ لذ کا مؤنث ہے لذ بمعنی لذیذ جیسے طب بمعنی طبیب. مصدر مبالغہ کے لئے ہے۔

غول. دنیاوی شراب کی آفات بدحالی، بے عقلی، سرگرانی، بدمستی وغیرہ ہیں۔

ینزفون. نزف، الشارب فھو نزیف ومنزوف زوال عقل کے معنی ہیں۔ جب کہ اکثر قراء کے مطابق فتحہ ز کے ساتھ ہو اور بقول حمزہؒ اور علیؒ کسرہ ز کے ساتھ انزف الشارب بمعنی بے عقلی یا شراب کا چلا جانا۔

قاصرات الطرف. صفت مشبہ کے قبیل سے ہے ای قاصرات اطرافھن جیسے منطلق اللسان اس صورت میں مضاف الیہ مرفوع المحل ہوگا۔ اور اصل کا اعتبار کرتے ہوئے باب اسم فاعل سے بھی ہوسکتا ہے۔ اس وقت مضاف الیہ مرفوع المحل ہوگا۔ ای قصرت اطرافھن علی ازواجھن کنایہ ہے عفت اور پاک دامنی سے۔

عین. جمع ہے عیناء کی اور مذکر کے لئے اعین آتا ہے۔ بمعنی بڑی بڑی آنکھیں۔ بقر وحشی کو عیناء اور اعین بولتے ہیں۔

بیض اسم جنس ہے یا جنس ہے۔ واحد بیضۃ ہے اور نعامہ کی تخصیص اس کے مفہوم میں داخل نہیں ہے خارجی مفہوم ہے۔

مکنون. یہ مفرد لایا گیا ہے۔ حالانکہ بیض موصوف جمع ہے۔ کیونکہ جہاں مفرد و جمع میں صرف تا کی وجہ سے فرق ہو وہاں مذکر ومؤنث یکساں ہوتے) ہیں۔

یتساء لون. یہ تفریحی گفتگو مجلس شراب میں ہوگی۔

مطلعون. تا کہ قرین کا حال معلوم ہوسکے۔

افما نحن بمیتین. ہمزہ کے بعد اس کا معطوف علیہ مقدر ہے ای انحن مخلدین فما نحن بمیتین.

الا موتتنا الا ولی. مصدر کی وجہ سے منصوب ہے اور عامل اس سے پہلے وصف یہ استثناء مفرغ ہے یا استثناء منقطع ای لکن الموتۃ الا ولیٰ کانت لنا فی الدنیا اور یہ کلام باہمی جنتیوں کا تلذذ اور نشاط کے لئے ہوگا۔ اور یا فرشتوں کی طرف روئے سخن ہوگا۔

ان ھذا. یہ بھی جنتیوں کے کلام کا تتمہ ہے یا منجانب اللہ ہے لیکن اہل جنت کے لئے جنت میں نہیں۔ کیونکہ فلیعمل العاملون وہاں بے محل ہے۔ البتہ دنیا میں رہتے ہوئے ارشاد ہو رہا ہے۔

الشجرۃ الزقوم. یہ درخت زہریلا ہوتا ہے۔ بدن کو لگ جائے تو ورم ہو جاتا ہے۔ نہایت بدذائقہ بدبودار ہوتا ہے۔ پتے چھوٹے ہوتے ہیں۔ تہامہ بستی میں ہوتا ہے۔ جس طرح طوبی درخت کا پھیلاؤ اہل جنت کے لئے ہوگا اسی طرح زقوم جہنمیوں کے لئے ہوگا۔

رءوس الشیاطین. ناگ پھن اگر مراد ہیں تو کلام حقیقت پر محمول ہوگا ورنہ تشبیہ مراد ہے۔

ثم ان مرجعھم. بعض کی رائے یہ ہے کہ جہنم میں داخل ہونے سے پہلے ہی زقوم وحمیم دیا جائے گا۔ لیکن لفظ مرجع بے جوڑ ہو جاتا ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ جہنم سے باہر نکل کر واپس آنا مراد نہیں ہے۔ بلکہ جہنم میں رہتے ہوئے اپنے مستقر سے ہٹ کر پھر مستقر پر واپس ہونا مراد ہے اور ایک توجیہ مفسر علامؒ کر رہے ہیں۔

شان نزول: .... آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کی وفات کے وقت جب کلمہ توحید کی تلقین ودعوت فرمائی۔ تو قریش کا مجمع بھی وہاں تھا۔ آپ نے فرمایا۔ قولوا لا الہ الا اللہ تملکوا بھا العرب وتداین لکم بھا العجم. مگر قریش نے یہ کہتے ہوئے رد کر دیا۔ ائنا لتارکوا الھتنا لشاعر مجنون اس پر آیت انھم کانوا اذا قیل الخ نازل ہوئی۔

آیت افما نحن الخ کے سلسلہ میں خطیبؒ نے بعض کی طرف سے نقل کیا ہے کہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے جنتیوں کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ انہیں موت نہیں آئے گی۔ لیکن موت کو جب دنبہ کی صورت میں ذبح ہوتے دیکھیں گے تو فرشتوں سے بطور فرحت افما نحن الخ کہہ کر استفسار کریں گے۔ فرشتے ان کو بشارت سنا کر اطمینان دلائیں گے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ جنتی یہ کلام اپنے

قرین سے سرزنش کرتے ہوئے کہے گا۔آیت ان شجرۃ الزقوم جب نازل ہوئی تو ابوجہل بولا۔لا نعرف الزقوم الا التمر بالزبد اس کا یہ انکار محض عناداً تھا۔

﴿ تشریح ﴾: ....بعض احوال قیامت کی تفصیل ذکر فرمائی جارہی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوگا۔ احشروا الذین ظلموا.

اورازواج سے مراد شریک کفرومعصیت لوگ ہیں یا کافر بیویاں۔اورمایعبدون من دون اللّٰہ سے بت وشیاطین وغیرہ مراد ہیں۔اورموقف حشر میں کھڑا کرکے " وما لکم لاتنا صرون " کا سوال کیا جائے گا۔کہ دنیا میں تو"نحن جمیع منتصر" کہا کرتے تھے۔پھرآج کیا ہوا؟ایک دوسرے کی مدد تو کیا کرتے، جسے دیکھو کان ہلائے بغیر کشاں کشاں چلا آرہا ہے۔

دنیا کی چودھراہٹ قیامت میں کام نہیں آئے گی:............ واقبل بعضھم الخ سے دنیا میں جوزبردست اورزیر دست رہے ہوں گے ان کی گفتگو نقل ہورہی ہے۔زوروقوت چونکہ عموماً داہنے ہاتھ میں ہوا کرتا ہے۔اس لئے یمین سے زوروقوت مراد ہے۔یعنی دنیا میں تو بڑے زوردار طریقے سے ہم پر چڑھ دوڑا کرتے تھے۔اوریمین سے مراد حلف اور خیروبرکت ہوسکتی ہے یعنی قسمیں کھا کھا کر یا زور دے کر خیروبرکت سے ہمیں بازرکھتے تھے۔زیردستوں کے اس اعتراض کے جواب میں زبردست کہیں گے کہ ایمان تو خود نہیں لائے اورالزام ہم پر دھرتے ہو۔ہم نے اگر کچھ کہا بھی تھا تو زبردستی تو نہیں کی تھی۔ماننا نہ ماننا تو تمہارا کام تھا۔اسی طرح بے غرض نصیحت کرنے والوں اور بہکانے والوں میں امتیاز کرنا تمہارا کام تھا۔ہم چونکہ خود گمراہ تھے اس لئے دوسروں کو بھی گمراہی کی دعوت دے سکتے تھے۔ہم سے اور کیا توقع ہوسکتی تھی۔ہم نے وہی کیا جو ہمارے مناسب تھا۔تم آخر کیوں چکمے میں آگئے۔خدا نے تمہیں عقل دی تھی اس سے کام لینا تھا۔خیراب تو جو کچھ ہونا تھا ہوگیا۔خدا کی بات"لاملان جھنم الخ" پوری ہورہی ہے۔اس لئے ہمیں تمہیں اپنے کئے کی سزا بھگتنی ہے اورجس طرح دنیا میں درجہ بدرجہ شریک جرم رہے۔آج بھی فرق مراتب کے ساتھ شریک سزا رہیں گے۔

غرور گھمنڈ اور شیخی کا انجام:............ دنیا میں خدا کی یکتائی کو چاہے منکرین دل میں سمجھتے ہوں مگر شیخی کے ہاتھوں نبی کی دعوت توحید کورد کرتے رہے۔اوراسے شاعروں کی اپج اورمجذوبوں کی بڑ کہتے رہے۔حالانکہ شاعرانہ تخیلات اور ہوئی ہفوات کا پیغمبرانہ حقائق وواقعات سے کیا جوڑ؟اور کیا کسی دیوانہ نے ایسے سچے اور پختہ احوال پیش کئے ہیں؟اب انکار توحید اور گستاخی رسول کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوجاؤ۔رہے اللہ کے مخلص بندے ان کا کیا پوچھنا؟ان کے ساتھ تو خصوصی نوازش کا برتاؤ ہوگا۔آگے الوان جنت کا ذکر ہے۔

چیزوں کی تاثیرات ہر جگہ الگ الگ ہوتی ہیں:............ لا فیھا غول . یعنی دنیا کی طرح جنتی شراب میں سرگرانی، متلی، قے اورنشہ چڑھنے کی آفتیں نہیں ہوں گی اور نہ اس سے پھیپھڑے وغیرہ خراب ہوں گے اورحوریں شرم وحیا کی پتلی ہوں گی۔ عفت وپاک دامنی کی وجہ سے کسی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گی۔ان کی رنگت ایسی صاف شفاف ہوگی جیسے شترمرغ کے انڈے اور وہ بھی پروں کے نیچے چھپے ہوئے جو نہایت خوش رنگ ہوتے ہیں۔تشبیہ سفیدی میں نہیں بلکہ خوش رنگ ہونے میں ہے۔ چنانچہ سورۂ رحمٰن میں یاقوت ومرجان سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اسی میں تفریحی مجالس گرم ہوں گی اورلوگ دنیا کے بیتے ہوئے حالات کی طرف گفتگو کا رخ پھیرتے ہوئے کچھ واقعات کا تذکرہ کریں گے۔ایک بولے گا دنیا میں ہمارا ایک ملاقاتی تھا جو میرا آخرت پر یقین رکھنے کی وجہ سے مذاق اڑایا کرتا تھا۔وہ اس

بات کو مہمل سمجھتا تھا کہ ایک شخص نیست و نابود ہو جائے اور حساب و کتاب کے لئے پھر از سر نو اس کو زندہ کیا جائے۔ بھلا ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ یقیناً آج وہ دوزخ میں پڑا ہوگا۔ آؤ ذرا جھانک کر دیکھیں کہ اس کا کیا حال ہے؟ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ خود اللہ میاں جنتی سے فرمائیں گے کہ کیا تم اس کی حالت دیکھنا چاہتے ہو؟ کیونکہ بلا اجازت از خود جھانکنا بظاہر مستبعد معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال دوزخیوں کا معائنہ کرایا جائے گا جس سے جنتی کو بڑی عبرت ہوگی۔ اور اللہ کے فضل و احسان سے اس کا دل لبریز ہو جائے گا۔ کہے گا منحوس تو نے تو مجھے بھی اپنے ساتھ تباہی کے غار میں دھکیلنا چاہا تھا وہ تو خدا نے بچالیا اور مجھے ڈگمگانے نہیں دیا۔ ورنہ آج میرا بھی یہی حشر ہوتا جو تیرا ہو رہا ہے۔

فاطلع کے اکثری استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت اعلیٰ میں ہے اور دوزخ اسفل میں۔ اور اس وقت باہم ایسی نسبت ہوگی کہ جنت میں سے جھانکنے پر دوزخ نظر آجائے گی۔ اور جوش مسرت میں جنتی کہے گا کہ بس ایک دفعہ موت کا کڑوا گھونٹ بھرلیا اب تو ہمیشہ کی چین ہی چین ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا کامرانی ہوسکتی ہے۔ اس کے لئے تو بڑی سے بڑی قربانی گوارا ہے۔

بمثل هذا محاورہ میں **بمثل هٰذا** سے **هذا** ہی مراد ہے۔ جس جنتی کا یہاں حال بیان کیا جارہا ہے کسی صحیح روایت سے اس کی تعیین نہیں ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ساری جنت میں ایسا ایک ہی شخص ہو۔

جنتیوں کے مقابلہ میں دوزخیوں کا حال:............ اہل بہشت کی مہمانی کے بعد دوزخیوں کی مہمانی کا حال بھی سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ ان دونوں کے متقابلات کا ذکر بلاغت کلام کے اضافہ کا باعث ہے چنانچہ **فواکه** اور **زقوم** میں۔ **کاس** اور **حمیم** میں تو تقابل ہے ہی۔ **تساء لون** میں بھی دونوں جگہ معنیٰ تقابل ہے جس سے کلام کا لطف دوبالا ہوگیا۔

دوزخیوں کی غذا زقوم ہوگی:............ بقول بیضاویؒ زقوم ایک نہایت کڑوا بدبودار درخت ہوتا ہے جس کے پتے چھوٹے ہوتے ہیں۔ تہامہ میں بکثرت پایا جاتا ہے جیسے ہمارے یہاں اس کے قریب قریب تھوہڑ اور سینڈھ اور ناگ پھن کے درخت ہوتے ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل میں اسی کو **فتنة للناس** اور **الشجرة الملعونة** فرمایا گیا ہے۔ لیکن اس درخت کا آگ میں پیدا ہونا کسی اور دلیل سے کفار کو معلوم ہوا ہوگا یا بطور تفسیر کے خود حضور ﷺ نے فرمایا ہوگا۔ یا سورۂ واقعہ کی آیت **ثم انكم ايها الضالون المكذبون لاٰكلون من شجر من زقوم** کو سن کر بطور لزوم عادی کے سمجھے ہوں گے کہ وہ درخت آگ میں ہوگا۔ کیونکہ سورۂ واقعہ سورۂ بنی اسرائیل سے بھی پہلے نازل ہوئی ہے۔ اور اس پر کفار نے یہ کہہ کر استہزاء کیا ہوگا کہ زقوم تو کھجور کے ساتھ مکھن کو کہتے ہیں۔ اور عرب اسی کو سامنے رکھ کر دوسرے کی تواضع کرتے ہیں کہ آؤ زقوم کھاؤ۔ پھر تو دوزخ میں بڑی مزہ دار غذا ملے گی؟ اس پر صافات کی یہ آیت **انما تخرج من اصل الجحيم** نازل ہوئی۔ گویا پہلے تو بنی سرائیل میں اس کو فتنہ اھ بلا کہہ کر سمجھایا گیا پھر یہاں **صافات** میں صراحۃً آگ میں پیدا کرنا بتلایا گیا ہے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ زقوم دنیا میں بھی بلا ثابت ہوا کہ گمراہوں کو ہنسی کا موقعہ ملا۔ کہنے لگے کہ ہرا بھرا درخت آگ میں کیسے پیدا ہوا؟ حالانکہ نہ تو خدا کی قدرت سے یہ باہر ہے اور نہ یہ فی نفسہ محال ہے۔ کیونکہ ممکن ہے اس کا مزہ بھی آگ کا ہو۔ چنانچہ آج بھی ایسے درخت دنیا میں پائے جاتے ہیں جن کی پرورش آگ اور حرارت سے ہوتی ہے۔ آخر "سمندر" آگ کا کیڑا آگ میں کس طرح پلتا اور رہتا ہے۔ یہ تو دنیاوی آزمائش ہوئی اور آخرت میں بھی وہ ظالموں کے لئے تباہی ہوگا اول تو سخت بھوک کی بے قراری، پھر اس پر اس کا کھانا کچھ کم مصیبت نہیں ہوگا اور کھانے کے بعد جو اس کے اثرات سے بے چینی بڑھے گی وہ مستزاد برآں ہوگی۔

اشکال کا حل:............ بعض لوگوں کو یہ شبہ ہو گیا کہ زقوم آج کل عرب میں ''برشومی'' کو کہا جاتا ہے۔ جو نہایت لذیذ پھل ہوتا ہے، پھر جہنمیوں کے لئے اس کا کھانا، سزا کیا ہوئی؟ لیکن اولاً تو برشومی کو زقوم کا مصداق کہنا، ممکن ہے بعد کی اصطلاح ہو۔ قرآنی دور کی اصطلاح نہ ہو اور اصطلاحیں مختلف زبانوں اور قوموں میں بدلتی رہتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ قرآن میں زقوم کا درخت کھلانے کو کہا جا رہا ہے اس کا پھل کھلانے کا ذکر نہیں ہے کہ ''برشومی'' پر اشکال ہو اور جواب دہی کی فکر کی جائے۔

زقوم کے ساتھ حمیم:............ بہر حال جہنمیوں کو کھانے کے لئے تو زقوم دیا جائے گا جس سے پیٹ میں جا کر اور آگ لگ جائے گا اور پیاس بجھانے کے لئے کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جس سے آنتیں کٹ کٹ کر باہر نکل پڑیں گی اور یہ کھلانا آگ سے باہر ہوگا۔ جہنم سے باہر نہیں ہوگا کہ اشکال ہو اور پھر ان کے اصلی ٹھکانہ آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ جیسا کہ مرجع کے لفظ سے سمجھ میں آرہا ہے۔ انھم الفوا میں ان کی اندھی تقلید کا انجام بیان کیا۔ کہ جس راہ پر اگلے چلے پچھلوں نے آنکھیں بند کر کے اسی پر چلنا شروع کر دیا۔ نہ کنواں دیکھا نہ کھائی۔

اور اگلوں کے عذاب اور وبال کی وجہ خود ان کا گمراہی میں اصل ہونا ہے اور پچھلوں کے عذاب کا سبب پہلوں کی گمراہی کو اپنانا ہے۔ اللہ کی طرف سے ڈرانے والے ہر زمانہ میں آیا۔ لیکن ماننے والوں اور نہ ماننے والوں نے اپنا اپنا انجام دیکھ لیا۔ وہ تو بلاتفریق سب ہی کو ڈراتے ہیں۔ مگر بچتے ہیں اور بد بکتے ہیں۔

لطائف سلوک:............ ان ھذا لھوا لفوز العظیم لمثل ھذا فلیعمل العاملون. سابقہ آیات میں جنت کی نعمتوں حور و قصور کو بیان کر کے صراحۃً ان کو مطلوب فرمایا گیا اور ترغیب دی گئی۔ اس سے ان مدعیوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو کہتے ہیں کہ ہمیں جنت اور اس کی نعمتوں کی کیا پرواہ یا جہنم کا کیا ڈر۔ تاہم کاملین وہ ہیں جو مطلوب حقیقی اور مقصود اصلی تو ذات حق کو سمجھتے ہیں۔ مگر جنت کو بھی رضائے مولیٰ کی جگہ سمجھتے ہوئے مطلوب اور جہنم کو غضب خداوندی کا مظہر سمجھ کر واجب الاحتراز سمجھتے ہیں۔ مغلوب الحال حضرات کی بات دوسری ہے وہ اپنے حال اور کلام میں معذور ہیں۔

وَلَقَدْ نَادٰنَا نُوْحٌ بِقَوْلِهٖ رَبِّ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ **فَلَنِعْمَ الْمُجِیْبُوْنَ ﴿۷۵﴾** لَهٗ نَحْنُ اَیْ دَعَانَا عَلٰی قَوْمِهٖ فَاَهْلَكْنَاهُمْ بِالْغَرَقِ **وَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۶﴾** اَیِ الْغَرَقِ **وَجَعَلْنَا ذُرِّیَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِیْنَ ﴿۷۷﴾** فَالنَّاسُ كُلُّهُمْ مِنْ نَسْلِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَكَانَ لَهٗ ثَلٰثَةٌ اَوْلَادٌ سَامٌ وَهُوَ اَبُو الْعَرَبِ وَفَارِسَ وَالرُّوْمِ وَحَامٌ وَهُوَ اَبُو السُّوْدَانِ وَیَافِثُ اَبُو التُّرْكِ وَالْخُزَرِ وَیَاجُوْجُ وَمَاجُوْجُ وَمَاهُنَالِكَ **وَتَرَكْنَا** اَبْقَیْنَا **عَلَیْهِ** ثَنَاءً حَسَنًا **فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۷۸﴾** مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْاُمَمِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ **سَلٰمٌ** مِنَّا **عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ** كَمَا جَزَیْنَاهُ **نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۸۲﴾** كُفَّارَ قَوْمِهٖ **وَاِنَّ مِنْ شِیْعَتِهٖ** اَیْ مِمَّنْ تَابَعَهٗ فِیْ اَصْلِ الدِّیْنِ **لَاِبْرٰهِیْمَ ﴿۸۳﴾** وَاِنْ طَالَ الزَّمَانُ بَیْنَهُمَا وَهُوَ اَلْفَانِ وَسِتُّمِائَةٍ وَاَرْبَعُوْنَ سَنَةً وَكَانَ بَیْنَهُمَا هُوْدٌ وَصَالِحٌ **اِذْ جَآءَ** اَیْ تَابَعَهٗ وَقْتَ

قف لازم

مَجِیْئِهٖ **رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ** ﴿۸۴﴾ مِنَ الشَّكِّ وَغَیْرِهٖ **اِذْ قَالَ** فِیْ هٰذِهِ الْحَالَةِ الْمُسْتَمِرَّةِ لَهٗ **لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ** مُوَبِّخًا **مَاذَا** مَا الَّذِیْ **تَعْبُدُوْنَ** ﴿۸۵﴾ **اَئِفْكًا** فِیْ هَمْزَتَیْهِ مَا تَقَدَّمَ **اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِیْدُوْنَ** ﴿۸۶﴾ وَاِفْكًا مَفْعُوْلٌ لَهٗ وَاٰلِهَةً مَفْعُوْلٌ بِهٖ لِتُرِیْدُوْنَ وَالْاِفْكُ اَسْوَءُ الْكَذِبِ اَیْ اَتَعْبُدُوْنَ غَیْرَ اللّٰهِ **فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** ﴿۸۷﴾ اِذْ عَبَدْتُمْ غَیْرَهٗ اَنَّهٗ یَتْرُكُكُمْ بِلَا عِقَابٍ لَا وَكَانُوْا نَجَّامِیْنَ فَخَرَجُوْا اِلٰی عِیْدٍ لَهُمْ وَتَرَكُوْا طَعَامَهُمْ عِنْدَ اَصْنَامِهِمْ زَعَمُوا التَّبَرُّكَ عَلَیْهِ فَاِذَا رَجَعُوْا اَكَلُوْهُ وَقَالُوْا لِلسَّیِّدِ اِبْرَاهِیْمَ اُخْرُجْ مَعَنَا **فَنَظَرَ نَظْرَةً فِی النُّجُوْمِ** ﴿۸۸﴾ اِیْهَامًا لَهُمْ اَنَّهٗ یَعْتَمِدُ عَلَیْهَا لِیَتَّبِعُوْهُ **فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ** ﴿۸۹﴾ عَلِیْلٌ اَیْ سَاَسْقَمُ **فَتَوَلَّوْا عَنْهُ** اِلٰی عِیْدِهِمْ **مُدْبِرِیْنَ** ﴿۹۰﴾ **فَرَاغَ** مَالَ فِیْ خُفْیَةٍ **اِلٰی اٰلِهَتِهِمْ** وَهِیَ الْاَصْنَامُ وَعِنْدَهَا الطَّعَامُ **فَقَالَ** اِسْتِهْزَاءً **اَلَا تَاْكُلُوْنَ** ﴿۹۱﴾ فَلَمْ یَنْطِقُوْا فَقَالَ **مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ** ﴿۹۲﴾ فَلَمْ یُجِبْ **فَرَاغَ عَلَیْهِمْ ضَرْبًا بِالْیَمِیْنِ** ﴿۹۳﴾ بِالْقُوَّةِ فَكَسَرَهَا فَبَلَّغَ قَوْمَهٗ مَنْ رَاٰهُ **فَاَقْبَلُوْٓا اِلَیْهِ یَزِفُّوْنَ** ﴿۹۴﴾ اَیْ یُسْرِعُوْنَ الْمَشْیَ فَقَالُوْا نَحْنُ نَعْبُدُهَا وَاَنْتَ تَكْسِرُهَا **قَالَ** لَهُمْ مُوَبِّخًا **اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ** ﴿۹۵﴾ مِنَ الْحِجَارَةِ وَغَیْرِهَا اَصْنَامًا **وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ** ﴿۹۶﴾ مِنْ نَحْتِكُمْ وَمَنْحُوْتِكُمْ فَاعْبُدُوْهُ وَحْدَهٗ وَمَا مَصْدَرِیَّةٌ وَقِیْلَ مَوْصُوْلَةٌ وَقِیْلَ مَوْصُوْفَةٌ **قَالُوا** بَیْنَهُمْ **ابْنُوْا لَهٗ بُنْیَانًا** فَامْلَئُوْهُ حَطَبًا وَاَضْرِمُوْهُ بِالنَّارِ فَاِذَا الْتَهَبَ **فَاَلْقُوْهُ فِی الْجَحِیْمِ** ﴿۹۷﴾ النَّارِ الشَّدِیْدَةِ **فَاَرَادُوْا بِهٖ كَیْدًا** بِاِلْقَائِهٖ فِی النَّارِ لِتُهْلِكَهٗ **فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِیْنَ** ﴿۹۸﴾ الْمَقْهُوْرِیْنَ فَخَرَجَ مِنَ النَّارِ سَالِمًا **وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ** مُهَاجِرًا اِلَیْهِ مِنْ دَارِ الْكُفْرِ **سَیَهْدِیْنِ** ﴿۹۹﴾ اِلٰی حَیْثُ اَمَرَنِیْ بِالْمَصِیْرِ اِلَیْهِ وَهُوَ الشَّامُ فَلَمَّا وَصَلَ اِلَی الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ قَالَ **رَبِّ هَبْ لِیْ** وَلَدًا **مِنَ الصّٰلِحِیْنَ** ﴿۱۰۰﴾ **فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ** ﴿۱۰۱﴾ اَیْ ذِیْ حِلْمٍ كَثِیْرٍ **فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ** اَیْ اَنْ یَّسْعٰی مَعَهٗ وَیُعِیْنَهٗ قِیْلَ بَلَغَ سَبْعَ سِنِیْنَ وَقِیْلَ ثَلَاثَةَ عَشَرَ سَنَةً **قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی** اَیْ رَاَیْتُ **فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ** وَرُؤْیَا الْاَنْبِیَاءِ حَقٌّ وَاَفْعَالُهُمْ بِاَمْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی **فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی** مِنَ الرَّاْیِ شَاوَرَهٗ لِیَاْنَسَ بِالذَّبْحِ وَیَنْقَادَ لِلْاَمْرِ بِهٖ **قَالَ یٰٓاَبَتِ** اَلتَّاءُ عِوَضٌ عَنْ یَاءِ الْاِضَافَةِ **افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ** بِهٖ **سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ** ﴿۱۰۲﴾ عَلٰی ذٰلِكَ **فَلَمَّآ اَسْلَمَا** خَضَعَا وَانْقَادَا لِاَمْرِ اللّٰهِ **وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ** ﴿۱۰۳﴾ صَرَعَهٗ عَلَیْهِ وَلِكُلِّ اِنْسَانٍ جَبِیْنَانِ بَیْنَهُمَا الْجَبْهَةُ وَكَانَ ذٰلِكَ بِمِنٰی وَاَمَرَّ السِّكِّیْنَ عَلٰی حَلْقِهٖ فَلَمْ تَعْمَلْ شَیْئًا بِمَانِعٍ مِنَ الْقُدْرَةِ الْاِلٰهِیَّةِ **وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰهِیْمُ** ﴿۱۰۴﴾ **قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا** بِمَا اَتَیْتَ بِهٖ مِمَّا اَمْكَنَكَ

مِنْ اَمْرِ الذَّبْحِ اَیْ یَکْفِیْكَ ذٰلِكَ فَجُمْلَةُ نَادَیْنٰهُ جَوَابُ لَمَّا بِزِیَادَةِ الْوَاوِ **اِنَّا كَذٰلِكَ** كَمَا جَزَیْنَاكَ **نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ** ﴿۱۰۵﴾ اَنْفُسَهُمْ بِامْتِثَالِ الْاَمْرِ بِاِفْرَاجِ الشِّدَّةِ عَنْهُمْ **اِنَّ هٰذَا** الذَّبْحَ الْمَامُوْرَ بِهٖ **لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ** ﴿۱۰۶﴾ اَیِ الْاِخْتِبَارُ الظَّاهِرُ **وَفَدَیْنٰهُ** اَیِ الْمَامُوْرَ بِذَبْحِهٖ وَهُوَ اِسْمَاعِیْلُ اَوْ اِسْحَاقُ قَوْلَانِ **بِذِبْحٍ** بِكَبْشٍ **عَظِیْمٍ** ﴿۱۰۷﴾ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ الَّذِیْ قَرَّبَهٗ هَابِیْلُ جَاءَ بِهٖ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَذَبَحَهُ السَّیِّدُ اِبْرَاهِیْمُ مُكَبِّرًا **وَتَرَكْنَا** اَبْقَیْنَا **عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ** ﴿۱۰۸﴾ ثَنَاءً حَسَنًا **سَلٰمٌ** مِنَّا **عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ** ﴿۱۰۹﴾ **كَذٰلِكَ** كَمَا جَزَیْنَاهُ **نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ** ﴿۱۱۰﴾ لِاَنْفُسِهِمْ **اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ** ﴿۱۱۱﴾ **وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ** اُسْتُدِلَّ بِذٰلِكَ عَلٰی اَنَّ الذَّبِیْحَ غَیْرُهٗ **نَبِیًّا** حَالٌ مُقَدَّرَةٌ اَیْ یُوْجَدُ مُقَدَّرًا نُبُوَّتُهٗ **مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ** ﴿۱۱۲﴾ **وَبٰرَكْنَا عَلَیْهِ** بِتَكْثِیْرِ ذُرِّیَّتِهٖ **وَعَلٰٓی اِسْحٰقَ** وَلَدِهٖ بِجَعْلِنَا اَكْثَرَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ نَسْلِهٖ **وَمِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ** مُؤْمِنٌ **وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ** كَافِرٌ **مُبِیْنٌ** ﴿۱۱۳﴾ بَیِّنُ الْكُفْرِ

ترجمہ: ....اورنوحؑ نے ہمیں پکارا (رب انی مغلوب فانتصر سے دعا کرتے ہوئے) سوہم اچھی طرح فریاد سننے والے ہیں (نوح کی یعنی نوح نے اپنی قوم کے لئے بد دعا کی۔ چنانچہ ہم نے غرق کر کے انہیں ہلاک کر ڈالا) اور ہم نے ان کو اور ان کے پیروؤں کو بڑے بھاری غم (غرق) سے نجات دے دی۔ اور ہم نے ان کی اولاد کو ہی باقی رہنے دیا (چنانچہ سارے انسان اب انہی کی نسل سے رہ گئے کیونکہ ان کے تین بیٹے تھے۔ ۱۔ سام جن سے عرب، فارس اور روم کی نسل چلی۔ ۲۔ حام جو سوڈانیوں کی اصل ہیں۔ ۳۔ یافث سے ترک، خزرج، یاجوج و ماجوج اور دوسرے وہاں کے رہنے والوں کا سلسلہ منتہی ہوتا ہے) اور ہم نے ان کے لئے بعد کے آنے والوں (پیغمبروں اور قیامت تک امتوں) میں (ذکر خیر) رہنے دیا (ہماری طرف سے) نوح پر سلام ہو دنیا میں ہم اچھوں کو ایسا ہی صلہ (بدلہ) دیا کرتے ہیں بلاشبہ وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔ پھر ہم نے اوروں کو (ان کی قوم کے کافروں میں سے) غرق کر ڈالا اور نوح کے پیروکاروں میں سے (جو اصل دین میں ان کے نقش قدم پر تھے) ابراہیمؑ بھی تھے (اگرچہ ان دونوں حضرات کے درمیان طویل وقفہ دو ہزار چھ سو چالیس سال کی مدت کا گزر چکا تھا اور بیچ میں ہود و صالح علیہما السلام بھی تشریف لا چکے تھے) جب کہ وہ متوجہ ہوئے (حضرت نوحؑ کی پیروی کرتے ہوئے بعثت کے وقت) اپنے پروردگار کی طرف صاف دلی سے (شک وغیرہ سے پاک ہو کر) جب کہ انہوں نے (اپنی اس مسلسل حالت میں رہتے ہوئے) اپنے والد اور اپنی قوم سے (سرزنش کرتے ہوئے) کہا کہ تم کس چیز کی بندگی کیا کرتے ہو؟ کیا جھوٹ موٹ کے (ان دونوں ہمزاؤں میں پچھلی تحقیق جاری ہوگی) معبودوں کو اللہ کے سوا چاہتے ہو (لفظ افکاً مفعول لہ اور الهة مفعول بہ ہے تریدون کا اور افک بدترین جھوٹ کو کہتے ہیں یعنی کیا تم غیر اللہ کی پوجا کرتے ہو) سو پروردگار عالم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ (غیر اللہ کی پوجا کرنے سے کیا وہ تمہیں بلا سزا کے چھوڑ دے گا۔ یہ لوگ ستارہ پرست تھے۔ ان کا معمول یہ تھا کہ اپنے میلوں اور تہواروں میں شریک ہوتے ہوئے بتوں پر چڑھاوا چڑھاتے۔ اور واپسی پر تبرک سمجھتے ہوئے اس کو کھالیا کرتے۔ حضرت ابراہیمؑ سے بھی انہوں نے اپنے ساتھ شریک ہونے کو کہا) چنانچہ ابراہیمؑ نے ستاروں پر ایک نگاہ ڈالی (بطور ایہام یہ یقین دلانے کے لئے کہ وہ ان کے ہم عقیدہ ہیں تاکہ اس طرح لوگ ان کی پیروی کرنے لگیں) کہنے لگے کہ میں بیمار ہونے کو ہوں (جلد

ہی بیماری آنے والی معلوم ہوتی ہے) غرض وہ لوگ انہیں چھوڑ کر (اپنے میلے ٹھیلے میں) چلے گئے۔ پھر فوراً ہی ابراہیم (چپکے سے) ان کے بتوں میں جا گھسے (جہاں مندروں میں ان کے دیوتاؤں پر چڑھاوا بھی رکھا تھا) ان سے (مذاقیہ طور پر) کہنے لگے کہ کیا تم کھاتے نہیں ہو (اور وہ دیوتا بولتے نہیں تھے تو حضرت ابراہیم بولے کہ) تمہیں کیا ہو گیا کہ تم بولتے بھی نہیں؟ (مگر کسی نے کچھ جواب نہیں دیا) پھر بتوں پر ایک دم ٹوٹ پڑے اور پوری قوت سے مارنے لگے (طاقت سے انہیں توڑ پھوڑ دیا۔ جب یہ خبر ان کی قوم کو پہنچی) سو وہ لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے پہنچے (گرتے پڑتے آ کر کہنے لگے کہ ہم تو ان کی پوجا کرتے ہیں اور تم نے انہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے) ابراہیم نے (سرزنش کرتے ہوئے) جواب دیا کہ کیا تم ان بتوں کو پوجتے ہو جن کو تم خود تراشتے ہو (پتھر وغیرہ کے بت بنا رکھے ہیں) حالانکہ تم اور تمہاری ان بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے (یعنی تمہارا تراشنا اور تمہارے یہ تراشے سب اللہ کی طرف سے ہیں۔ لہٰذا صرف اسی ایک کی تمہیں عبادت کرنی چاہئے۔ اس میں ما مصدر یہ ہے اور بعض نے ما موصولہ اور بعض نے موصوفہ مانا ہے) کہنے لگے (کہ آپس میں) ابراہیم کے لئے ایک آتش کدہ تیار کرو (اس میں لکڑیوں کا انبار لگا کر اس میں آگ دھینگا اور جب لپٹیں اٹھنے لگیں) فوراً بھکتی (بھڑکتی) آگ میں انہیں جھونک دو۔ غرض ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برائی کرنا چاہا (آگ میں انہیں جھونک کر بھسم کر ڈالنے کے لئے) لیکن ہم نے نیچا ہی دکھا دیا (ناکام کر دیا۔ چنانچہ آگ کے الاؤ سے صحیح سلامت باہر نکل آئے) اور ابراہیم کہنے لگے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف (دارالکفر سے) ہجرت کر جاتا ہوں وہ مجھے منزل پر پہنچا ہی دے گا (جہاں مجھے ہجرت کا حکم ملا یعنی ملک شام۔ چنانچہ جب وہ اس پاک سرزمین پر پہنچے تو (دعا مانگی) اے میرے پروردگار! مجھے ایک نیک فرزند دے دے۔ سو ہم نے انہیں ایک بردبار (نہایت سنجیدہ) بیٹے کی بشارت سنائی۔ وہ لڑکا جب ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا (یعنی ان کے ساتھ کام کاج میں ہاتھ بٹانے لگا اور ان کی قوت بازو بن گیا۔ سات سالہ یا تیرہ سالہ ہو گیا تو) فرمایا برخوردار میں دیکھتا ہوں (خواب دیکھا) کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں (پیغمبروں کا خواب سچا ہوا کرتا ہے اور ان کے کام خدا کے حکم کے ماتحت ہوتے ہیں) سو تم بھی سوچ لو! تمہاری کیا رائے ہے (لفظ تری رائے سے ماخوذ ہے۔ حضرت ابراہیم نے بیٹے سے اس لئے رائے دریافت کی کہ وہ ذبح سے نہ اچٹیں بلکہ اس کے لئے تیار ہو جائیں عرض کیا ابا جان! (لفظ ابت کی تایائے اضافت کے بدلہ میں ہے) آپ کو جو حکم ہوا ہے اسے کر ڈالئے انشاء اللہ مجھے آپ (اس پر) ثابت قدم پائیں گے۔ غرض جب دونوں نے تسلیم کر لیا (آمادہ اور تیار ہو گئے) اور باپ نے بیٹے کو کروٹ کے بل لٹا دیا (پہلو پر گرا لیا۔ انسان کی جبین کے دو حصے ہوتے ہیں اور ان کے بیچ میں پیشانی ہوتی ہے۔ یہ واقعہ منیٰ میں پیش آیا۔ حضرت ابراہیم نے بیٹے کے گلے پر چھری چلانی چاہی مگر کند ہو گئی۔ کیونکہ قدرت الٰہی کو منظور نہیں ہوا) ہم نے ان کو آواز دی۔ کہ ابراہیم! تم نے خواب کو واقعی سچ کر دکھایا (ذبح کی جو ممکنہ صورت تمہارے بس میں تھی وہ کر دکھائی یعنی اتنا ہی کافی ہے۔

جملہ نا دینٰہ لما کا جواب ہے واؤ زیادہ (کر کے) ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (جو جی جان سے تعمیل کرتے ہیں ان کو مصیبت سے بچا لیتے ہیں) حقیقت یہ ہے کہ (حکم ذبح) تھا ہی بڑا امتحان (کھلی آزمائش) اور ہم نے اس کے عوض (جن کے بارے میں ذبح کا حکم ہوا وہ اسماعیل تھے یا اسحاق (علیہما السلام) اس میں دونوں رائیں ہیں) ایک ذبیحہ دے دیا (جنتی مینڈھا جو ہابیل نے بطور قربانی پیش کیا تھا جبرائیل نے اس کو لا حاضر کیا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم نے تکبیر پڑھتے ہوئے اس کو ذبح کر دیا) اور ہم نے بعد کے آنے والوں میں (ان کا ذکر خیر) باقی رہنے دیا۔ ابراہیم پر ہمارا سلام ہو ہم مخلصین (جی جان سے تعمیل کرنے والوں) کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (جیسا ان کو بدلہ دیا ہے) بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔ اور ہم نے ان کو اسحٰق کی بشارت سنائی (اس سے معلوم ہوا کہ ذبیح ان کے علاوہ اور تھے) کہ نبی (یہ حال مقدرہ ہے یعنی وہ پیدا ہوں گے ان کے لئے نبوت تجویز ہو چکی ہے) اور نیک بختوں میں

سے ہوں گے اور ہم نے ابراہیم پر (نسل کی کثرت کر کے) اور اسحاق پر (ابراہیمؑ کے صاحبزادے جن کی نسل میں اکثر انبیاء ہوئے ہیں) برکتیں نازل کی ہیں اور ان دونوں کی نسل میں بعض اچھے (مومن) بھی ہوتے ہیں اور بعض ایسے (کافر) بھی جو اپنا صریح نقصان (کھلا کفر) کر رہے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **ذریتہ خزر**. مشہور پہاڑ۔ حدیث ترمذی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سام ابوالعرب، حام ابوالحبش، یافث ابوالترک والخزر تھے۔

ترکنا. مفسر علامؒ نے **ثناء حسنا** کے مفعول ثانی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ کہ **ترکنا الخ** مستقل جملہ ہے اور **سلٰم علی نوح** مستقل جملہ دعائیہ ہے۔ اور ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ **ترکنا** کا مفعول ثانی **سلام الخ** ہے یعنی قیامت تک نوحؑ پر سلام ہوتا رہے۔ یعنی ان پر سلام بھیجتے رہو۔ یہ مضمون تو کرخیؒ کا ہے۔ لیکن سمین میں ہے کہ **سلٰم علیٰ نوح** مبتداء خبر ہے اور اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ **ترکنا** کی تفسیر ہو۔ دوسرے یہ کہ **ترکنا** کے مفعول محذوف کی تفسیر ہو۔ **ای ترکنا علیه شیئا وهو سلام علیٰ نوح**. تیسرے یہ کہ **ترکنا** کے بعد لفظ قول مقدر ہو۔ **ای فقلنا سلام**. چوتھے یہ کہ **ترکنا** متضمن معنی **قلنا** کو ہو۔ اور علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ کلمہ **سلام علی نوح فی العلمین** کو قیامت تک ان میں رہنے دیا۔ جیسے کہا جائے۔ قراءت سورۃ **انا انزلنا** گویا یہ بطور حکایت ہے۔ کوفیوں کی رائے بھی یہی ہے کہ یہ جملہ **ترکنا** کے دونوں مفعولوں کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔

اذجاء ربه ۔ بطور استعارہ تبعیہ توجہ قلبی مراد ہے۔

انفکاً. افلك بدترین جھوٹ۔ مفعول کو فعل پر مقدم اہمیت کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ اس میں کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ زمخشریؒ کی رائے میں مفعول لہ ہے۔ معمولات فعل اہتمام کی وجہ سے مقدم کر دیئے جاتے ہیں اور ابن عطیہؒ کے نزدیک مفعول بہ ہے **تریدون** کا اور **آلهة** بدل ہے مبالغہ کے لئے اس کو افک فرمایا گیا ہے۔ تیسری صورت کی طرف زمخشریؒ نے اشارہ کیا ہے کہ **تریدون** سے حال بنایا جائے۔ **ای تریدون الهة افکین** اور مصدر کو حال بنانا بکثرت ہے الا یہ کہ اما کے ساتھ ہو جیسے **اما علما فعالم**.

الی عبدهم. ہرمز نامی بستی میں یہ میلہ جمتا تھا۔

ایهاما. مفسر علامؒ نے علم نجوم میں اشتغال قوم کے لئے بتلایا۔ حضرت ابراہیمؑ کا یہ شغل نہیں تھا۔ بلکہ صورت حال سے انہوں نے فائدہ اٹھایا۔

انی سقیم. جیسے **انك میت** کے معنی **انک ستموت** میں۔ اسی طرح سقیم کے معنی **ساسقم** ہیں۔ یا قوم کی کسی ناشائستہ حرکات کو دیکھ کر مقدر ہونا مراد ہے۔ اور امام رازیؒ نے ایک اور توجیہ فرمائی ہے کہ ان کو بعض دفعہ دن رات میں بخار وغیرہ کی شکایت ہو جاتی۔ انہوں نے ستاروں کو دیکھ کر بیماری کے ٹھیک وقت کا اندازہ کرنا چاہا۔ جیسے کسی کو اوسرے سے بخار آتا ہو اور وہ گھڑی دیکھ کر اوسرہ اور باری کا وقت معلوم کرنا چاہے۔ اس لئے حضرت ابراہیمؑ صادق القول تھے۔ اور حدیث **لم یکذب ابراهیم الا ثلث کذبات** کے متعلق امام رازیؒ کا یہ فرمانا کہ اس میں راوی کی طرف کذب کی نسبت حضرت ابراہیمؑ کی طرف کذب کی نسبت کرنے سے بہتر ہے صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ روایت صحیحین کی ہے۔

فراغ. قاموس میں میلان اور حیلہ کرنے کے معنی ہیں۔

ضربا. یہ ضرب مقدر کا مفعول مطلق ہے یا فعل راغ کا مدلول ہے۔

یزفون. ازف کے دو معنی ہیں ایک دوڑنا، دوسرے زفاف العروس۔ دلہنوں کی طرح چلنا۔ ازف وغیرہ کے معنی ہیں۔

دوسرے کو زفیف یا زفاف پر آمادہ کرنا۔ یہ حال ہے اقبلوا کے فاعل سے یا الیہ سے اور حمزہؒ یزفون پڑھتے ہیں۔ مفسر علامؒ کے انت تکسرها کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم کے لوگ جانتے تھے کہ بت شکنی حضرت ابراہیمؑ نے کی ہے لیکن آیت "من فعل هذا" سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناواقف تھے؟

جواب یہ ہے کہ ممکن ہے بعض واقف ہوں اور بعض ناواقف۔ اس لئے دونوں باتیں جمع ہوسکتی ہیں۔ یا کہا جائے کہ اولاً ناواقف ہوں گے۔ اس لئے "من فعل هذا" کہا اور قرائن وشواہد سے جب جان گئے تو انت تکسرها کہنے لگے۔

ما تعملون. حرف میں چار احتمال ہیں۔ ۱۔ بمعنی الذی ۲۔ مصدریہ۔ اشاعرہ اسی لئے کہتے ہیں کہ بندوں کی طرح ان کے افعال کا خالق بھی اللہ ہے۔ ۳۔ استفہامیہ بطور توبیخ ۴۔ نافیہ بھی ہوسکتا ہے یعنی تم اپنے اعمال وافعال کے خالق نہیں۔ جملہ "والله خلقکم الخ" حالیہ بھی ہوسکتا ہے اور مستانفہ بھی۔

بنیانا. تیس ہاتھ اونچا اور دس ہاتھ چوڑا الاؤ تیار کیا گیا اور منجنیق کے ذریعہ حضرت ابراہیمؑ کو اس میں ڈال دیا گیا۔

فبشرناه. یہ جملہ محذوف پر مرتب ہے۔ ای فاستجبنا له فبشرناه سورۂ ہود وذاریات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بشارت فلسطین سے سدوم چلے جانے کے بعد دی گئی ہے۔

غلام. بچپن سے جوانی تک زمانہ یا بھرپور جوانی۔

فلما بلغ معه۔ لفظ معک کا تعلق بلغ کے ساتھ نہیں ہے۔ ورنہ دونوں کی بلوغ سعی ساتھ ہو جائے گی۔ کیونکہ بقول علامہ طیبیؒ لفظ مع اتحاد مصاحبت کے لئے ہے۔ بلغ سے حال ہونے کی وجہ سے اور معمول مصدر مقدم نہیں ہوا کرتا بلکہ لفظ مع محذوف کے متعلق ہے۔ گویا سوال ہوا کہ "من معه بلغ "جواب دیا گیا۔ مع ابیه اور ظروف میں توسع کی وجہ سے تقدیم کی گنجائش بھی ہے۔

اذبحك. حضرت ابراہیمؑ کو مقام خلۃ نصیب ہوا۔ جس میں غیر اللہ کے تعلق اور محبت کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے اور اولاد سے انسان کا طبعی تعلق خاطر ہوتا ہے۔ اس لئے ذبح اولاد کا حکم بطور آزمائش ہوا۔ جس سے اللہ کی محبت کا اولاد کی محبت پر غالب آنا معلوم ہوگیا۔ اور " اذبحك" سے یا تو مراد یہ ہے کہ میں فعل ذبح کر رہا ہوں اور یا یہ مقصد ہے کہ مجھے ذبح کا حکم دیا گیا ہے پہلے احتمال کی طرف۔ افعل اور دوسرے احتمال کی طرف "قد صدقت الرؤيا" اشارہ کر رہے ہیں اور چونکہ تین روز تک خواب دیکھنے میں رویت، رائے ومعرفت، قربانی ہوئی۔ اس لئے موسم حج میں پہلے روز کو "ترویہ" اور دوسرے کو "عرفہ" اور تیسرے کو "نحر" کہتے ہیں۔

ما تؤمر. ما موصولہ ہے اور حذف با کر کے بنفسہ فعل کا تعدیہ کر دیا گیا ہے اور ما مصدریہ ہو اور امر بمعنی مامور ہو تو پھر حذف کی ضرورت نہیں رہتی۔

و تله. اصل معنی ریت کا ٹیلہ پر ڈال دینا ہے۔ پھر مطلقاً پچھاڑنے کے معنی ہوں۔ یہ واقعہ صخرہ منیٰ پر پیش آیا تھا۔

للجبین. لام بمعنی علیٰ ہے۔ پیشانی کی دونوں جانبوں کو جبین اور درمیانی حصہ کو جبہہ کہتے ہیں۔

وناديناه. مفسر علامؒ اس کو لما کا جواب قرار دے رہے ہیں۔ لیکن زمخشریؒ لما کا جواب " صدقت الرؤيا" کے بعد محذوف مانتے ہیں۔ ای لما اسلما فكذا و كذا یعنی بے حد مسرور وخوش ہوئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض دفعہ اصل روح عمل پر نظر رہتی ہے صورت عمل پر نہیں۔ چنانچہ یہاں بھی قربانی نہ ہونے کا مقصود صرف ہمت واخلاص کو کافی سمجھ کر " قد صدقت الرؤياء" فرمادیا گیا ہے۔ کیونکہ اپنی طرف سے تو ان دونوں نے پوری کوشش دیکھ لی۔ اس لئے انہیں کار گزار ہی سمجھا جائے گا۔

وبشرناه باسحاق. مستدرک میں ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح ہیں۔ حسنؒ بھی

فرماتے ہیں کہ بلاشبہ حضرت اسماعیلؑ ہی مراد ہیں۔ اور امام احمدؒ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت اسماعیلؑ مراد ہیں۔ حضرت علیؓ، حضرت ابوہریرہؓ، سعید بن جبیرؒ اور شعبیؒ کی رائے بھی یہی ہے۔

لیکن ابن مسعودؓ، مجاہدؒ، عکرمہؒ، قتادہؒ، سدیؒ ابن اسحاقؒ وغیرہ کی رائے ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ اور حضرت علیؓ، ابن عباسؓ سے روایات مختلف ہیں۔ اور عمرو بن عبدالعزیزؒ کی رائے یہ ہے کہ حضرت اسحاقؑ کو ذبیح قرار دینا یہود کی تحریفات میں سے ہے۔ کیونکہ یہود ان کی نسل سے ہیں۔ اور عرب اولاد اسماعیلؑ ہیں اور بعض سلف کی رائے یہ ہے کہ اسحاق نے کعب احبار سے اسرائیلیات نقل کر دیں۔ اس بارے میں کوئی ضعیف روایت بھی نہیں ہے۔

قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت اسماعیلؑ کا ذبیح ہونا زیادہ ظاہر ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت انہی کی وجہ سے ہوئی۔ دوسرے یہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے مکہ میں انہی کو چھوڑا تھا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام اس وقت وہاں کہاں تھے؟ تیسرے حدیث انا ابـن الـذبيـحيـن بھی اسی کی مؤید ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ اولاد اسماعیلؑ میں سے ہیں نہ کہ اولاد اسحاقؑ میں سے۔ پس اول ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہوئے اور دوسرے ذبیح آپ کے والد عبداللہ ہیں۔ اس حدیث کی تصحیح ابن جوزیؒ نے کی ہے۔

یہ حدیث اگرچہ کتب حدیث میں نہیں پائی جاتی۔ تاہم حاکم نے یہ روایت تخریج کی ہے کہ ایک اعرابی نے یہ الفاظ کہہ کر آنحضرت ﷺ کو آواز دی۔ یا ابن الذبيحين تو آپ ﷺ سن کر مسکرائے۔

اور چوتھا قرینہ یہ ہے کہ **وبشـرناه باسحق** اور عطف **فبشـرناه بغلام حليم** پر ہو رہا ہے۔ اور اس کا مصداق ظاہر ہے کہ حضرت اسماعیلؑ ہیں۔ جو حضرت اسحٰق علیہ السلام سے بڑے تھے۔ دونوں جملوں کا مصداق ایک ہی شخص کو قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ذبـح عـظيم۔ یہ جانور چونکہ دو مرتبہ قربانی کے لئے پیش ہوا۔ ایک دفعہ ہابیل کی طرف سے اور دوسری مرتبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں۔ اس لئے عظیم فرمایا گیا۔ اس دنبہ کے سینگ بیت اللہ میں لٹکے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ عبداللہ ابن زبیرؓ کی شہادت کے واقعہ میں کعبہ میں آگ لگی اس وقت ضائع ہو گئے۔

استـدل بـذلک۔ یہ امام شافعیؒ کی رائے ہے۔ لیکن امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ اس دلالت کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ دونوں بشارتوں کا مصداق حضرت اسحٰق علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ اول بشارت ان کے وجود کی ہے اور دوسری بشارت ان کی نبوت کی۔

ربط آیات: .... مسلمانوں کی تسلی اور منکرین کی عبرت کے لئے آگے بعض منذرین انبیاء اور منذرین قوموں کا حال بیان فرمایا جا رہا ہے۔

﴿تشریح﴾: .... اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سے قیامت تک دنیا کی آبادی صرف حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے ہے۔ ظاہر آیات **لاتـذر عـلى الارض من الكافرين ديارا** اور **قـلـنـا احمل فيها من كل زوجين اثنين** وغیرہ سے اور مذکورہ بالا روایات ترمذی سے آیت **جـعـلـنـا ذريته هم الباقين** کا ظاہری مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوح عام ہوا۔

طوفان نوح: .... کفار تو سارے غرق ہو گئے اور مومن سواران کشتی سے نسل نہیں چلی۔ ساری نسل انسانی صرف انہی کے تین صاحبزادوں کے ذریعہ۔ جمہور اسی طرف ہیں۔ البتہ تھوڑے حضرات اس طرف ہیں کہ طوفان نوح صرف حجاز میں آیا تھا۔ جہاں حضرت نوح علیہ السلام تشریف فرما تھے اور نصوص سابقہ کو زمین حجاز تک ہی محدود سمجھتے تھے۔ پہلی صورت پر عموم بعثت کا شبہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ عموم

کا مفہوم یہ ہے کہ بہت سی مختلف قوموں کے نبی ہوں۔لیکن جہاں ایک مختصر سی تعداد رہ گئی ہو وہ عموم نہیں کہلائے گا۔جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی بعثت کو بھی کوئی عام نہیں کہہ سکتا۔

انا کذٰلک کا مطلب یہ ہے کہ جس درجہ کا احسان،اسی درجہ کی سزا ہے۔اسی لئے انبیاء اور غیر انبیاء میں برابری لازم نہیں آتی۔نیز ثم تراخی ذکری کے لئے ہے تاخر زمانی کے لئے نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ نوح پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اصول دین میں سب شریک ہیں اور ایک دوسرے کا تصدیق کنندہ اور موید ہے۔اگر چہ فروع اور تفصیلات الگ الگ ہوتی ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام پوری خوش اعتقادی اور خوش اخلاقی کے ساتھ تمام رذائل نفس سے پاک ہوکر خود ہی اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور قوم کو بھی شرک و بت پرستی سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

انفکاً الٰھۃً یعنی کیا سچ مچ جہان کی نگہبانی ان پتھر کی مورتیوں کے ہاتھ میں ہے یا کسی چھوٹے بڑے نقصان کے یہ مالک ہیں جو اللہ سچے مالک کو چھوڑ کر ان جھوٹے مالکوں کی خوشامد میں لگے ہو۔پھر کیا تمہیں اللہ کے وجود میں شبہ ہے یا اس کے مرتبہ اور شان سے ناواقف ہو کہ مورتیوں کو اس کے برابر ٹھہرا رہے ہو۔کیا اس کے غضب سے نہیں ڈرتے،تم نے خدا کو کیا سمجھ رکھا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا میلہ میں نہ جانے کا بہانہ اور اس کی توجیہات:............لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کے جب یہ تیور نوعمری ہی میں دیکھے تو سمجھے کہ ابھی بچہ ہے جو ایسی باتیں کرتا ہے،اسے اپنے ساتھ میلہ میں لے چلنا چاہئے۔ممکن ہے ہماری شان وشوکت دیکھ کر کچھ متاثر ہو جائے اور ہمارے طور طریق پر آ جائے۔اس لئے اس ڈوری پر لگانے کے لئے میلہ میں لے چلنا چاہئے۔چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لبھانے کے لئے میلہ میں چلنے کی پیشکش کی گئی۔مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت سے فائدہ اٹھانے کے لئے یہ ذہنی خاکہ اور منصوبہ مرتب کر لیا کہ میں اکیلا رہ کر اس تہوار کے موقعہ پر ان بتوں کی مرمت کروں گا۔ مگر حیلہ کے ساتھ،ورنہ شبہ ہو گیا تو ساری اسکیم فیل ہو جائے گی۔اس لئے بطور ایہام وتوریہ ستاروں پر نظر ڈال کر فرمایا کہ میں میلہ میں نہیں جا سکتا۔آنے جانے میں تھک جاؤں گا۔وہاں کے ازدحام اور بے آرام ہونے سے طبیعت بگڑ جائے گی۔یہی مطلب ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انی سقیم فرمانے کا کہ وہاں جا کر میری طبیعت بگڑ جائے گی یا مطلقاً مستقبل میں بیمار ہونا مراد لیا ہوگا اور ظاہر ہے کہ انسان کبھی نہ کبھی بیمار ہو جاتا ہی ہے اور بھی کچھ نہیں تو موت تو یقینی ہے اور اس سے پہلے متعارف بیماری نہ بھی ہو۔تب بھی موت نام ہے انزہاق روح کا اور اس سے پہلے اعتدالی حالت ہرگز نہیں رہ سکتی اور مزاج کا معتدل نہ رہنا یہی مرض ہے اور دنیا میں ایسا کون ہے جس کی طبیعت ہر طرح ٹھیک رہے۔کچھ نہ کچھ اندرونی بیرونی عوارض کسی نہ کسی صورت میں لگے ہی رہتے ہیں۔یہی بدمزگی کیا کم تھی کہ ہر وقت قوم کی بدحالی دیکھ دیکھ کر کڑھتے تھے۔پس بیمار ہونے سے یہی طبیعت کا مکدر اور بدمزہ ہونا مراد ہے۔

حاصل یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس فرمانے کو خلاف واقعہ یا غلط بیانی نہیں کہا جا سکتا۔تاہم حدیث میں جو ثلاث کذبات فرمایا گیا ہے وہ بلحاظ ظاہر فرمایا گیا ہے بظاہر حقیقت کے نہیں اور حدیث شفاعت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ڈرنا اپنی علو شان کے اعتبار سے ہے۔بڑے لوگ معمولی بات میں بھی ڈرتے ہیں۔

تاہم لوگ چونکہ علم نجوم اور تاثیرات فلکیہ کے قائل تھے۔سمجھے کہ شاید کسی زائچہ سے کسی آنے والی آفت کا علم ہوا ہوگا۔سن کر خاموش ہو گئے اور مزید تعرض اور اصرار نہیں کیا۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں پر نظر کرنا۔اللہ کی عظمت کے استحضار کے لئے ہوگا جو مقصد صحیح ہے اور اس نظر کا مستحسن ومطلوب ہونا دوسری آیت اولم ینظروا فی ملکوت السمٰوات ولارض. یتفکرون فی خلق السمٰوات والارض. قل

نظروا ماذا فی السموات والارض سے واضح ہے۔

شبہات اور جوابات:............ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ ایہام وتوریہ،قوم کی گمراہی کا سبب ہو گیا؟ جواب یہ ہے کہ گمراہ تو وہ پہلے ہی سے تھے۔رہ گیا گمراہی پر باقی رہنا۔سو چونکہ موقعہ پا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے توحید سے صراحۃ مناظرہ کرنا چاہتے تھے۔جیسا کہ پہلے بھی بار ہا مناظرے کر چکے تھے۔اس لئے اس ایہام کو گمراہی پر رہنے میں موثر نہیں مانا جائے گا۔رہا یہ شبہ کہ جب قوم صراحۃ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خیالات سے واقف تھی۔پھر ستاروں پر اس نظر کو ایہام کیسے کہا جائے؟

جواب یہ ہے کہ جو چیز خواہش اور منشاء کے مطابق ہوا کرتی ہے۔اس میں کمزور سے کمزور احتمال بھی خوش کن ہوا کرتا ہے اس لئے دل کو مطمئن کر لیا ہوگا۔یا یہ سمجھے ہوں کہ ابراہیم علیہ السلام کی رائے بدل گئی ہوگی اور اب عنقریب ہمارے پورے ہم خیال ہو جائیں گے۔لیکن اس کے باوجود اگر کسی درجہ میں پھر بھی گمراہ کرنے کا امکان متوہم ہو تو اول تو فوراً بعد کے مناظرہ سے وہ دور ہو گیا۔دوسرے خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ارادہ اس توریہ سے ان کو گمراہ کرنے کا نہیں تھا بلکہ منشا اپنی جان چھڑانا تھا تاکہ یہ ذریعہ بن جائے۔ان کو لاجواب کرنے کا۔غرض اتنی مصالح کے ہوتے ہوئے اتنے معمولی ضرر کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

علم نجوم جائز ہے یا ناجائز؟:............ علم نجوم کی غرض اگر عجائبات قدرت سے معرفت الٰہی نہ ہو تو پھر اس کا مطالعہ اور شغل شرعاً جائز نہیں ہے۔خواہ نجوم کے اصلاً باطل ہونے کی وجہ سے یا اس لئے کہ ستاروں کی تاثیرات سعادت ونحوست ثابت نہیں اور اس کے قواعد وضوابط کسی صحیح دلیل کی طرف مستند نہیں اور پھر اس پر بدعقیدگی اور شرک صریح اور توکل علی اللہ میں کمی اور علوم نافعہ سے محرومی جیسے مفاسد کثیرہ مرتب ہوتے ہیں،اس لئے علم نجوم کے شغل کی اجازت نہیں ہوگی۔

بظاہر ستاروں کی تاثیر سعادت ونحوست ایام نحسات اوریوم نحس مستمر سے جو سمجھ میں آ رہی ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ نحوست بلحاظ عذاب کے ہے اور وہ بھی اہل عذاب کے حق میں ہے۔ادنیٰ تعلق کی وجہ سے دونوں کی طرف نحوست کی نسبت کر دی گئی ہے۔فی نفسہ زمان یا مکان میں نحوست نہیں ہوا کرتی ہے۔ورنہ پہلی آیت کی رو سے جس کی تفسیر خود قرآن کریم میں **سبع لیال وثمانیة ایام** آئی ہے۔پورا ہفتہ منحوس ہونا چاہئے۔اسی طرح دوسری آیت کی تفسیر چہارشنبہ آئی ہے۔حالانکہ نجومی بھی ہر چہارشنبہ کو منحوس نہیں کہتے اور استمرار یعنی دوام یوم کی نسبت نہیں ہے بلکہ نحس مصدر کی صفت ہے۔یعنی ہمیشہ جہنم میں رہنے کی وجہ سے وہ نحوست بھی دوامی ہوگئی۔چنانچہ دوسری آیت میں قیامت کے دن کو **فذلک یومئذ یوم عسیر علی الکافرین غیر یسیر** فرمایا گیا ہے۔

اور بعض واقعات کا نجومیوں کے کہنے کے موافق ہو جانا۔اگر ان کے سچ ہونے کا تجربہ کہا جائے تو ان سے زیادہ واقعات کا خلاف ہو جانا ان کے جھوٹے ہونے کا بدرجہ اولیٰ تجربہ کہا جائے گا۔اس لئے بعض واقعات میں موافقت کو دلیل صداقت نہیں کہا جا سکتا۔

اور فرعون کو نجومیوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت اطلاع دینا بھی دلیل صداقت نہیں،کیونکہ ممکن ہے وہ خبر نجوم کی بجائے کہانت سے دی گئی ہو۔یعنی کچھ آسمانی خبریں شیاطین سے سن لی ہوں اور وہ خبر نجومیوں نے دی دی ہو تو اس کو نجوم سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

غرضیکہ حاصل یہ نکلا کہ نجوم میں یقین رکھنا شرعاً جائز نہیں ہے۔خواہ اس کے قبیح بعینہ ہونے کی وجہ سے یا قبیح لغیرہ ہونے کی وجہ سے۔

اور وحی کی بجائے خواب میں ذبح کا حکم ہونے میں شاید یہ حکمت ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی انتہائی فرمانبرداری ظاہر ہو جائے کہ اتنے بڑے کام پر ایک خوابی اشارہ کی وجہ سے آمادہ ہو گئے۔اس سے ان کے تعلق مع اللہ اور جذبہ صادقہ کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حکمت عملی: .... بہرحال اس تہوار اور میلہ سے فائدہ اٹھا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام مندر اور بت خانہ میں تبر لے کر جا گھسے۔ پہلے تو بتوں کو للکارا اور پھر ان پر جو چڑھاوا چڑھا تھا اس کے متعلق پوچھا کہ یہ تم کھاتے کیوں نہیں ہو؟ جب کچھ جواب نہ ملا تو کہنے لگے کہ تم بولتے کیوں نہیں؟ مقصد ان بتوں کا عجز ظاہر کرنا تھا اور یہ کہ کھاتے پیتے اور بولنے والے انسانوں کو دیکھ کر بے حس وحرکت مورتیوں کے آگے سربسجود ہوتے ہیں اور ان سے مدد کے طالب ہوتے ہیں۔ اس کے بعد تبر مار کر بڑے بت کی گردن اڑادی اور تبر اس کے کاندھے پر رکھ دیا۔ جیسا کہ سورۂ انبیاء میں مفصل گزر چکا ہے۔

لوگ جب میلے سے واپس آئے اور بتوں کا یہ منظر دیکھا تو غصہ میں جھنجھنا گئے اور قرائن سے یہ سمجھ کر کہ ہو نہ ہو یہ کام ابراہیم ہی کا ہوسکتا ہے۔ ان کی طرف جھپٹ پڑے۔ ابراہیم علیہ السلام بولے کہ یہ توڑ پھوڑ کسی نے بھی کی ہو، دیکھنا تو یہ ہے کہ تم یہ احمقانہ حرکتیں کرتے کیوں ہو؟ پتھر کی بے جان مورتیوں کو خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو اور پھر ان کی پرستش کرنے لگتے ہو اور جس خدا نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں مورتیاں تراشنے خراشنے کی طاقت اور ہنر دیا اس کو چھوڑ بیٹھے۔ بھلا ہر چیز کو پیدا تو وہ کرے اور تم بندگی خود اپنی مرضی ہوئی۔ گھڑی ہوئی مورتیوں کی کرو جو مخلوق در مخلوق ہیں۔ آخر یہ کیا اندھیر ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سخت آزمائش: .... حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان معقول باتوں کا جب ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو باہمی مشورہ سے یہ تجویز ٹھہری کہ آگ کا ایک الاؤ تیار کر کے ابراہیم علیہ السلام کو اس میں جھونک دو۔ اس کارروائی سے لوگوں کے دلوں میں دہل بیٹھ جائے گی کہ مخالفین کا انجام کیسا بھیانک ہوتا ہے کہ پھر کوئی ایسی جرأت نہیں کر سکے گا اور ماننے والوں میں عقیدت مزید راسخ ہو جائے گی۔ مگر اللہ نے ان کی ساری اسکیم فیل کر دی اور یہ آتش نمرود ابراہیم علیہ السلام کے حق میں گلزار بن گئی۔ جس سے ثابت ہو گیا کہ سارے مل کر بھی ایک سچے بندے کا بال بیکا نہیں کر سکے۔ آگ کی کیا مجال کہ بلا اجازت ایک بال پر بھی آنچ آ سکے۔ آگ کا کام بلا شبہ جلانا ہے اور پانی کا کام ڈبونا ہے اور پتھر کا کام توڑ پھوڑ کرنا ہے۔ لیکن دنیا کی کسی چیز میں بھی ذاتی تاثیر نہیں ہے بلکہ سب چیزیں اللہ کے اذن وارادہ کی محتاج ہیں۔ وہ جب چاہے اثر ظاہر ہو جاتا ہے اور جب چاہے اسباب سے تاثیر کھینچ لیتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت: .... اس ساری جدوجہد کے باوجود جب قوم کی طرف سے مایوسی ہوئی اور باپ نے بھی نگاہیں پھیر لیں تو مجبوراً حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی ٹھان لی۔ اللہ نے شام کی راہ دکھلا دی۔ وہاں پہنچ کر اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلا دیئے کہ اے اللہ! میں نے اپنا کنبہ اور وطن چھوڑا تو نیک اولاد عطا فرما جو دین کے کام میں میرا ہاتھ بٹائے اور یہ سلسلہ باقی رہے۔

رب ھب لی میں دعائے ابراہیم اور اس کی قبولیت کا ذکر ہے۔ چنانچہ پھر وہی لڑکا قربانی کے لئے پیش کیا۔

ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ تھے یا اسحٰقؑ؟: .... اس میں اختلاف ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے یا اسحٰق علیہ السلام! روایات دونوں طرح کی ہیں۔ آیت کے سیاق سے ظاہر یہی ہے کہ اسماعیل علیہ السلام ذبیح تھے۔ کیونکہ ذبح وغیرہ کا قصہ ختم کر کے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت کا جداگانہ ذکر و بشرناہ باسحٰق سے فرمایا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ **فبشرناہ بغلٰم حلیم** کا مصداق ان کے علاوہ اور لڑکا تھا۔ نیز یہاں حضرت اسحٰق کے نبی ہونے کی بھی بشارت سنائی گئی اور سورۂ ہود میں **ومن وراء اسحٰق** یعقوب سے یعقوبؑ کا مژدہ بھی سنایا گیا جو حضرت اسحٰق علیہ السلام کے صاحبزادے ہوں گے۔ پھر کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ حضرت

اسحٰق علیہ السلام ذبح ہوں۔ یعنی بنائے جانے اور اولاد عطا کئے جانے سے پہلے ہی ذبح کر دیئے جائیں۔

لامحالہ ماننا پڑے گا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ جن کی ولادت کی بشارت کے وقت نہ نبوت عطا فرمانے کا وعدہ ہوا نہ اولاد دیئے جانے کا۔ کیونکہ جب حضرت اسحٰق علیہ السلام کے صاحب اولاد ہونے کی بشارت ہو چکی تو خود معلوم ہو گیا کہ یہ ذبح نہ ہوں گے اور جب ذبح نہ ہونے کا اطمینان ہو گیا تو پھر امتحان عظیم کیا ہوا؟ چنانچہ موجودہ توریت سے بھی ثابت ہے کہ جولڑکا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے پیدا ہوا وہ اسماعیل علیہ السلام ہیں، اسی لئے ان کا نام ''اسماعیل'' رکھا۔

یہ نام دولفظوں سے مرکب ہے ''سمع'' جس کے معنی سننے کے ہیں اور ''ایل'' کے معنی اللہ کے ہیں۔ یعنی اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا سن لی۔ جیسا کہ توراۃ میں ہے کہ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ اسماعیل کے بارے میں، میں نے تیری سن لی ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے شواہد: .... یہی وجہ ہے کہ قربانی کی یادگار اور اس کی رسوم برابر اولاد اسماعیل علیہ السلام میں جاری رہی اور آج تم مسلمانوں میں جو اسماعیل کی روحانی اولاد ہیں یہ مقدس یادگاریں رائج ہیں۔

موجودہ توریت میں قربانی کا مقام ''موراہا مریا'' آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ وہی ''مروہ'' ہے جہاں طواف کعبہ کے بعد سعی کی جاتی ہے اور اس کے بعد عمرہ کرنے والے حلال ہو جاتے ہیں۔ ممکن ہے یہاں ''بلغ معه السعی'' سے مراد وہی سعی مروہ ہو۔

آنحضرت ﷺ نے بھی ''مروہ'' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کی اصل قربان گاہ ہے اور قرآن کریم کی آیت ھدیا بالغ الکعبة اور ثم محلها الی البیت العتیق سے بھی کعبہ کے قریب کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے حجاج اور قربانیوں کی کثرت کو دیکھتے ہوئے بعد میں منیٰ تک وسعت دے دی گئی ہو جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔

بہرحال آثار وقرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ذبیح اللہ اسماعیل علیہ السلام ہی تھے جو مکہ میں آکر رہے اور وہیں ان کی نسل پھیلی۔ توریت میں تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اکلوتے اور لاڈلے بیٹے کے ذبح کا حکم دیا گیا تھا اور یہ مسلم ہے کہ اسماعیل علیہ السلام عمر میں اسحاق علیہ السلام سے بڑے تھے۔ پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی موجودگی میں حضرت اسحٰق علیہ السلام اکلوتے کیسے ہو سکتے ہیں۔

اور یہ عجیب بات ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان ابراھیم لحلیم اواہ منیب اور ان ابراھیم لاواہ حلیم فرمایا گیا۔ اسی طرح ان کی دعا کی قبولیت میں جس لڑکے کی بشارت بغلام حلیم فرمایا گیا وہ اسماعیل ہی ہو سکتے ہیں۔ حلیم اور صابر کا مفہوم قریب قریب ہی ہے۔ چنانچہ اسی غلام حلیم کی زبانی ستجدنی ان شاء اللّٰه من الصابرین کہلا کر کس طرح وعدے کو سچا کر دکھایا گیا۔

غرض حلیم، صابر، صادق الوعد سب کا مصداق ایک ہی ہے۔ پس قرآن کریم میں حلیم کا اطلاق صرف باپ بیٹے ابراہیم و اسماعیل پر ہوا ہے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت کے سلسلہ میں غلام علیم فرمایا گیا ہے۔ نیز حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلقہ سورۂ مریم میں وکان عند ربه مرضیا فرمایا گیا اور سورۂ بقرہ میں دعائیہ الفاظ اس طرح ہیں۔ وجعلنا مسلمین لك ومن ذریتنا امة مسلمة لك یہاں قربانی کے ذکر میں ''فلما اسلما'' اسی تثنیہ کو ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے بڑھ کر اسلام اور تسلیم ورضا، صبر وتحمل اور کیا ہوگا جو دونوں باپ بیٹے نے ذبح کرنے اور ذبح ہونے کے متعلق دکھلایا۔ یہ اسی قربانی کا صلہ ہے کہ ان دونوں کی ذریت کو ''امت مسلمہ'' کا وقیع لقب عطا ہوا۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام کے ذبیح ہونے مؤیدات: .... دوسرے حضرات کی رائے یہ ہے کہ فبشرناہ بغلام حلیم اور وبشرناہ باسحٰق دونوں بشارتوں سے مراد اسحاق ہیں۔ پہلی بشارت ان کے پیدا ہونے کی اور دوسری بشارت ان کی نبوت کی ہے اور من وراء اسحاق ویعقوب کا یہ جواب دیا کہ دونوں بشارتوں کا ایک ہی وقت میں ہونا کیا ضروری ہے۔ ممکن ہے یہ تیسری بشارت اس قربانی کے واقعہ کے بعد ہوئی ہو اور کچھ حضرات کی رائے یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ ذبح دونوں کے ساتھ پیش آیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ منیٰ میں اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کے ساتھ شام میں۔ مگر یہ بات نہایت تکلف کی ہے۔

عظیم قربانی کیا تھی؟: .... اسی طرح "ذبح عظیم" کی تعیین میں بھی کلام ہوا ہے۔ بعض کے نزدیک معمولی دنبہ تھا اور عظیم کے معنی فربہ، تیار اور قیمتی کے ہیں اور بعض نے اس کو جنت سے آنا کہا ہے اور عظیم سے عظیم القدر مراد لی ہے۔ جس طرح حجر اسود کا جنت سے آنا ثابت ہے تو اس کے آنے میں کیا بُعد ہو سکتا ہے اور یہاں آ کر یہاں کی خاصیت پیدا ہو گئی۔ اس لئے یہ اشکال نہیں رہتا کہ جنت کی چیز قربان کیسے ہوگئی اور اس کی جان کیسے نکل گئی؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کی تعبیر: .... فلما بلغ معه السعی. اسماعیلؑ جب بڑے ہو کر اس قابل ہو گئے کہ باپ کے ساتھ سعی کر سکیں تو ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا اور مسلسل تین رات دیکھتے رہے۔ تیسرے روز یہ یقین رکھتے ہوئے بھی کہ انبیاء کا خواب وحی اور سچ ہوتا ہے، فرزند سے خواب کہہ سنایا۔ یہ دیکھنے کے لئے یہ بخوشی آمادہ ہو جاتے ہیں، تب تو طبیعت یکسو ہو جائے گی یا زبردستی کرنی پڑے گی تو اس صورت میں سمجھا بجھا کر تیار کرنا ہوگا۔ مگر ہونہار بیٹے نے سنتے ہی بلا توقف کہہ ڈالا کہ ابا جان! مالک کا جو حکم ہو فوراً کر ڈالیئے۔ امر الٰہی کے امتثال میں نہ مشورے کی چنداں حاجت اور نہ شفقت پدری اس میں حائل ہونی چاہئے۔ آپ دیکھ لیں گے کہ کس طرح تسلیم و رضا سے انشاء اللہ تعمیل حکم کرتا ہوں۔

کیا کہنے ہیں ایسے باپ اور بیٹے کے۔ باپ خواب کو سچ کر دکھلانے پر آمادہ ہو گئے اور بیٹے کے ایماء پر ان کو اوندھا لٹا دیا تاکہ آنکھ ملنے پر کچھ لحاظ نہ آ جائے، ہاتھ کانپ نہ جائیں، محبت پدری جوش نہ مارنے لگے اور کام ادھورا رہ جائے۔ یہ بات بیان سے باہر ہے کہ باپ کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی اور صبر آزما اور جاں گداز منظر کو دیکھ کر فرشتوں کا کیا حال ہوا ہوگا؟ باپ نے چھری چلانی چاہی، مگر نہ چل سکی کہ بغیر حکم الٰہی کے وہ گلا کیسے کاٹ سکتی تھی۔

فرمان الٰہی ہوا کہ بس بس! رہنے دو، تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا، بیٹے کو ذبح کرانا مقصود نہیں تھا، صرف امتحان محبت تھا۔ دونوں کامیاب نکلے اور پوری طرح پورے اترے۔

توریت میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جب بیٹے کو قربان کرنا چاہا تو فرشتہ نے پکار کر کہا بس ہاتھ روک لو۔ اللہ فرماتا ہے کہ تو نے اپنے اکلوتے بیٹے کو بچا نہیں رکھا اور اپنی طرف سے یہ کام کر دکھایا۔ اس لئے میں تجھے برکت دوں گا اور تیری نسل کو آسمان کے ستاروں اور ساحل سمندر کی ریت کی طرح پھیلا دوں گا۔

اولاد اسماعیلؑ و اسحٰق کی برکتیں: .... وبارکنا علیه وعلی اسحٰق الخ یعنی دونوں صاحبزادوں کی اولاد خوب پھیلی۔ چنانچہ اسماعیلؑ کی نسل میں عرب ہیں۔ آنحضرت ﷺ بھی اسماعیلؑ و ابراہیمؑ کی اولاد میں ہیں اور اسحٰق کی نسل بنی اسرائیل کہلائی۔ ان دونوں کی نسل میں نہ سب اچھے ہوئے اور نہ سب برے۔ بلکہ جو اچھے ہوئے انہوں نے اپنے بڑوں کا نام روشن کیا۔ لیکن برے ننگ

اسلاف اور ننگ خاندان بنے۔

ومن ذریتھما کی ضمیر ابراہیمؑ واسحٰق کی طرف لوٹانے کی نسبت، اسماعیل علیہ السلام واسحٰق علیہ السلام کی طرف لوٹانا مضمون میں زیادہ وسعت کا باعث ہے۔

لطائف سلوک:............ آیت ونجینٰہ سے معلوم ہوا کہ طبعی رنج وملال کمالات کے منافی نہیں ہے۔اسی لئے کاملین بھی طبعی اور بشری تقاضوں سے خالی نہیں ہوتے۔اس کے خلاف اگر کچھ منقول ہو تو وہ غلبہ حال کی بناء پر ہے۔

آیت اذ جاء ربه بقلب سلیم میں حق تعالیٰ کے آنے سے قرب خداوندی ہے۔مگر اس کے لئے قلب کا نیت واعتقاد اور صفات کے فساد وآفات سے سلامت رہنا شرط ہے۔

آیت فنظر نظرة سے دفع شر کے لئے حیلہ کا جائز ہونا معلوم ہوا۔وہ شر خواہ دینی ہو یا دنیاوی۔

آیت ان ھذا لھو البلاء المبین سے معلوم ہوا کہ کبھی خواص کی بھی آزمائش ہو جاتی ہے۔البتہ یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ خواص کی آزمائش ہی ہوا کرے یا جس کی بھی آزمائش ہو وہ خواص ہی میں سے ہو۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ بِالنُّبُوَّةِ **وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا** بَنِىْ اِسْرَآئِيْلَ **مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ** ﴿۱۱۵﴾ اَىْ اِسْتِعْبَادِ فِرْعَوْنَ اِيَّاهُمْ **وَنَصَرْنٰهُمْ** عَلَى الْقِبْطِ **فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ** ﴿۱۱۶﴾ **وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ** ﴿۱۱۷﴾ اَلْبَلِيْغَ الْبَيَانَ فِيْمَا اَتٰى بِهٖ مِنَ الْحُدُوْدِ وَالْاَحْكَامِ وَغَيْرِهِمَا وَهُوَ التَّوْرٰةُ **وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ** الطَّرِيْقَ **الْمُسْتَقِيْمَ** ﴿۱۱۸﴾ **وَتَرَكْنَا** اَبْقَيْنَا **عَلَيْهِمَا فِى الْاٰخِرِيْنَ** ﴿۱۱۹﴾ ثَنَاءً حَسَنًا **سَلٰمٌ** مِنَّا **عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ** ﴿۱۲۰﴾ **اِنَّا كَذٰلِكَ** كَمَا جَزَيْنَا هُمَا **نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ** ﴿۱۲۱﴾ **اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ** ﴿۱۲۲﴾ **وَاِنَّ اِلْيَاسَ** بِالْهَمْزِ اَوَّلَهٗ وَتَرْكِهٖ **لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ** ﴿۱۲۳﴾ قِيْلَ هُوَ ابْنُ اَخِىْ هَارُوْنَ اَخِىْ مُوْسٰى وَاُرْسِلَ اِلٰى قَوْمٍ بِبَعْلَبَكَّ وَنَوَاحِيْهَا **اِذْ** مَنْصُوْبٌ بِاُذْكُرْ مُقَدَّرًا **قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ** ﴿۱۲۴﴾ اللّٰهَ **اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا** اِسْمُ صَنَمٍ لَهُمْ مِنْ ذَهَبٍ وَبِهٖ سُمِّىَ الْبَلَدُ مُضَافًا اِلٰى بَكَّ اَىْ اَتَعْبُدُوْنَهٗ **وَّتَذَرُوْنَ** تَتْرُكُوْنَ **اَحْسَنَ الْخٰلِقِيْنَ** ﴿۱۲۵﴾ فَلَا تَعْبُدُوْنَهٗ **اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ** ﴿۱۲۶﴾ بِرَفْعِ الثَّلَاثَةِ عَلٰى اِضْمَارِ هُوَ وَبِنَصْبِهَا عَلَى الْبَدَلِ مِنْ اَحْسَنَ **فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ** ﴿۱۲۷﴾ فِى النَّارِ **اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ** ﴿۱۲۸﴾ اَىِ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُمْ فَاِنَّهُمْ نَجَوْا مِنْهَا **وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ** ﴿۱۲۹﴾ ثَنَاءً حَسَنًا **سَلٰمٌ** مِنَّا **عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ** ﴿۱۳۰﴾ هُوَ اِلْيَاسُ الْمُتَقَدِّمُ ذِكْرُهٗ وَقِيْلَ هُوَ وَمَنْ اٰمَنَ مَعَهٗ فَجُمِعُوْا مَعَهٗ تَغْلِيْبًا كَقَوْلِهِمْ لِلْمُهَلَّبِ وَقَوْمِهِ الْمُهَلَّبُوْنَ وَعَلٰى قِرَاءَةِ اٰلِ يَاسِيْنَ بِالْمَدِّ اَىْ اَهْلِهٖ الْمُرَادُ بِهٖ اِلْيَاسُ اَيْضًا **اِنَّا كَذٰلِكَ** كَمَا جَزَيْنَاهُ **نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ** ﴿۱۳۱﴾ **اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ** ﴿۱۳۲﴾ **وَاِنَّ لُوْطًا لَمِنَ**

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اُذْكُرْ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ اَلْبَاقِيْنَ فِي الْعَذَابِ ثُمَّ دَمَّرْنَا اَهْلَكْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ كُفَّارَ قَوْمِهٖ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ اَيْ عَلٰى اٰثَارِهِمْ وَمَنَازِلِهِمْ فِيْ اَسْفَارِكُمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ اَيْ وَقْتَ الصَّبَاحِ يَعْنِيْ بِالنَّهَارِ وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ يَا اَهْلَ مَكَّةَ مَاحَلَّ بِهِمْ فَتَعْتَبِرُوْنَ بِهٖ

ترجمہ:.......... اور ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہ السلام) پر بھی (نبوت کا) احسان کیا۔ اور ہم نے ان کو اور ان کی قوم (بنی اسرائیل) کو بڑی آفت (فرعون کا ان سے بیگاری لینا) سے نکال لیا۔ اور ہم نے (قبطیوں کے مقابلے میں) انکی مدد کی۔ سو یہی لوگ غالب آ گئے اور ہم نے ان دونوں کو واضح کتاب دی (جس میں حدود و احکام وغیرہ کو نہایت کھلے انداز میں بیان کیا گیا ہے یعنی (توریت) اور ہم نے انہیں سیدھے راستے پر رکھا اور ہم نے ان دونوں کے لئے پچھلی نسلوں میں (ذکر خیر) رہنے دیا۔ موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) پر (ہمارا) سلام ہے۔ ہم مخلصین کو اسی طرح (جیسے ان کو بدلہ دیا) صلہ دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ وہ دونوں ہمارے خاص ایماندار بندوں میں سے تھے اور الیاس (شروع میں ہمزہ اور بغیر ہمزہ دونوں طرح ہے) بھی پیغمبروں میں سے تھے (بعض کی رائے میں یہ حضرت موسیٰ کے بھائی ہارون کے بھتیجے تھے، جنہیں بعلبک کے باشندوں اور آس پاس والوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا تھا) جبکہ (یہ منصوب ہے اذکر مقدر کے ذریعہ) انہوں نے اپنی قوم کو للکارا کہ کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ کیا تم بعل بت کی پوجا کرتے ہو (سونے کے بت کا نام تھا پھر شہر کا نام ہو گیا۔ بک کی طرف اضافت کر کے یعنی کیا تم اس کی پرستش کرتے ہو) اور چھوڑ بیٹھے ہو اللہ سب سے بڑھ کر بنانے والے کو (یعنی اس کی بندگی نہیں کرتے) جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی پروردگار ہے (لفظ۔ الله ربكم ورب ابائكم تینوں مرفوع ہیں ضمیر ھو کو مضمر مان کر اور احسن سے بدل مان کر منصوب بھی ہو سکتے ہیں) سو ان لوگوں نے ان کو جھٹلا دیا۔ اس لئے وہ (جہنم میں) پکڑے جائیں گے مگر جو اللہ کے خاص بندے ہیں (مومن۔ وہ جہنم سے محفوظ رہیں گے) اور ہم نے الیاس کے بعد کی آنے والی نسلوں میں (ذکر خیر) رہنے دیا (ہمارا) سلام الیاس پر ہو (الیاسین۔ الیاس ہیں جس کا ذکر ہو رہا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ وہ اور ان پر ایمان لانے والے مراد ہیں۔ ان سب کو انہی کے ساتھ تغلیباً جمع کر دیا گیا ہے۔ جیسے مہلب اور اس کی قوم کو مہلبین کہتے ہیں اور ایک قرأت میں "آل یاسین" مد کے ساتھ آیا ہے۔ یعنی یاسین کے اہل اس سے بھی الیاس ہی مراد ہیں) ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (جیسے ان کو بدلہ دیا ہے) بلاشبہ وہ ہمارے خاص ایماندار بندوں میں سے تھے اور بے شک لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے (اس وقت کو یاد کیجئے) جبکہ ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین کو سب کو نجات دی۔ بجز ایک بڑھیا کہ جو (عذاب میں باقی) رہنے والوں میں رہ گئی۔ پھر ہم نے (ان کی قوم کے) اور کافروں کو تباہ (ہلاک) کر ڈالا اور تم ان پر گزر کرتے ہو (یعنی ان کے کھنڈرات اور مکانات پر سفر میں جاتے ہوئے) صبح (صبح کے وقت یعنی دن میں) اور رات کو۔ تو کیا پھر بھی نہیں سمجھتے ہو (مکہ والو! کہ ان کے حالات سے عبرت پکڑتے)۔

تحقیق وترکیب:.......... ولقد مننا۔ اس قصہ کا پہلے واقعات پر عطف ہے اور لام قسمیہ ہے۔ ای وعزتنا وجلالتنا لقد انعمنا الخ نبوت و رسالت تمام انعامات دینی دنیاوی میں فائق تر ہیں۔ اس لئے مفسرؒ نے اس کی تخصیص کی ہے۔

ان الیاس۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اخیافی بھائی حضرت ہارونؑ تھے اور حضرت الیاسؑ، حضرت ہارونؑ کے علاتی بھائی

کے صاحبزادے ہیں اور ابن مسعودؓ، قتادہؒ، ابن اسحٰقؒ، ضحاکؒ کی رائے میں یہ حضرت ادریسؑ ہیں۔ روح البیان میں ان کا شجرہ اس طرح ذکر کیا ہے۔ الیاس بن یاسین بن شیر ابن فخاص بن غیرار بن ہارون۔ گویا حضرت ہارونؑ کے پوتے ہوئے مشہور یہی ہے۔

اتدعون بعلا. بیس ہاتھ لمبا بت تھا۔ جس کے چار منہ تھے۔ لوگ اس کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ حتیٰ کہ چار سو خادم اس کے خدمت گزار تھے جو خود کو اس کی اولاد سمجھتے تھے۔ اس کے اندر سے آوازیں نکلتی تھیں۔ پہلے تو جہاں یہ بت تھا، اس بستی کا نام بک تھا بعد میں بعلبک نام پڑ گیا۔ دع اور ذر دونوں امر کے صیغے ہیں مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ علم سے پہلے ترک کرنے کو دع کہتے ہیں اور علم کے بعد کسی چیز کے ترک کرنے کو ذر بولتے ہیں۔ چنانچہ بعض ائمہ نے جب امام رازیؒ سے سوال کیا کہ تذرون احسن الخالقین کیوں فرمایا گیا۔ تدعون احسن الخالقین زیادہ فصیح تھا؟ تو امام نے جواب میں یہی نکتہ ارشاد فرمایا کہ اس علم کے باوجود کہ اللہ سب کا رب ہے، پھر اس کو چھوڑ دیا۔ اس لئے تدعون کی بجائے تذرون فرمایا گیا ہے۔ تذرون حال بھی ہوسکتا ہے اور تدعون پر عطف بھی اس وقت نفی کے تحت میں داخل ہوگا۔

احسن الخالقین. خلق بمعنی قدر اصل معنی اختراع کے آتے ہیں۔ پس احسن الخالقین بمعنی احسن المقدرین اس لئے معتزلہ کے نقطہ نظر پر خلق کی نسبت غیر اللہ کی طرف لازم نہیں آتی۔ اسم تفضیل کو مضاف الیہ کا بعض قرار دیتے ہوئے اور شہاب نے معتزلہ پر اس طرح رد کیا ہے کہ اللہ کا خلق تو بمعنی ایجاد ہے اور بندہ کا خلق بمعنی کسب ہے۔

الا عباد اللّٰہ. بظاہر یہ محضرون سے استثناء معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ کذبوہ کی ضمیر سے استثناء متصل ہے۔ یعنی قوم کے بعض لوگوں نے تکذیب نہیں کی تھی۔ اس کو استثناء منقطع ماننا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ معنی یہ ہوں گے کہ ان کے علاوہ دوسرے عباد اللّٰہ المخلصین عذاب کے وقت حاضر نہیں تھے۔ اس طرح نظم کلام مختل ہو جائے گا۔

الیاسین. الیاس مراد ہونے کی صورت میں یہ لفظ مفرد ہوگا اور علمیۃ وعجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا، دوسری صورت قیل سے بیان کی ہے۔ اس صورت میں جمع مذکر سالم ہو جائے گا۔ تغلیباً سب کو الیاسین کہہ دیا ہے۔ ممکن ہے اس پر یہ شبہ ہو کہ نحاۃ کے نزدیک علم جب تثنیہ یا جمع کیا جائے تو الف لام تعریف لانا ضروری ہے۔ تاکہ اس کی علمیت کی تلافی ہو سکے اور تغلیب وغیرہ سے اس ضابطہ پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔ بلکہ قاعدہ دونوں صورتوں میں یہ رہے گا۔ جیسا کہ ابن حاجبؒ نے شرح مفصل میں لکھا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ابن العیشؒ نے شرح مفصل میں اس کے خلاف لکھا ہے کہ علم کو تثنیہ اور جمع بنا کر نکرہ استعمال کر سکتے ہیں اور بطور صفت کے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ جیسے زیدون، کریمون، شیخ عبدالقادر جرجانیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

تیسری صورت آل یاسین کی قرأت پر ہوگی کہ آل سے مراد الیاس اور یاسین ان کے والد ہوں گے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ لفظ آل زائد ہے۔ جیسے آل موسیٰ، آل ہارون اور الیاسین سے مراد الیاس ہے۔ سریانی زبان میں یا اور نون بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے طور سینا، کو طور سینین کہا جاتا ہے۔

اذ نجیناہ. مفسر علامؒ نے اشارہ کر دیا کہ اس کا تعلق مرسلین کے ساتھ نہیں ہے۔ ورنہ اس کا ایہام ہوگا کہ نجات سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام پیغمبر نہیں تھے بلکہ اذکر مقدر کا ظرف ہے۔

تشریح: ......من الکرب العظیم یعنی فرعونیوں سے اور بحر قلزم کی ہولناک موجوں سے بسہولت نجات دی۔ فرعونیوں کا بیڑا غرق کر کے بنی اسرائیل کو مظفر ومنصور کر دیا اور قبطیوں کی جائیداد اور مال کا انہیں وارث بنا دیا اور پھر توریت دے کر احکام الٰہی کی تشریح کر دی اور دونوں پیغمبر بھائیوں کو ہر معاملہ میں سیدھی راہ چلایا جو عصمت کے لوازم میں سے ہے۔

حضرت الیاسؑ کون تھے؟:............ حضرت الیاسؑ کی نسبت طبری نے حضرت ہارونؑ کی نسل سے ہونا نقل کیا ہے۔ ملک شام کے شہر بعلبک کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور روح المعانی میں ہے کہ الیاسین الیاس ہی کا ایک لغت ہے اور کشاف سے نقل کیا ہے کہ شاید سریانی زبان میں یا اور نون کے کچھ معنی ہوں اور خاص طور سے یہاں فواصل کی رعایت پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے اور آل یاسین کی قرأت پر لفظ آل زائد بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے کما صلیت علی ال ابراھیم یااللھم صل علی ال ابی ادفی میں ہے۔

احسن الخالقین. اس لئے کہا کہ انسان بھی صنعت وحرفت، ترکیب وتحلیل کر کے اگر چہ بہت سی چیزیں بنا لیتے ہیں، مگر بہترین بنانے والا تو اللہ ہے، جو تمام اصول وفروع، جواہر واعراض، صفات وموصوفات سب کا حقیقی خالق ہے۔ جس نے تمہیں اور تمہارے باپ دادوں کو پیدا کیا۔ پھر ایسے حقیقی خالق کو چھوڑ کر بعل بت کی پرستش کی جائے اور اس سے مدد مانگی جائے جو ایک ذرہ کو ظاہری طور پر بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ بلکہ خود اس کی تراش خراش بھی پرستاروں کی رہین منت ہے۔ انہوں نے جیسا چاہا بنا کر کھڑا کر دیا۔

الا عجوزا. حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی مراد ہے جو اپنے کفر کی وجہ سے یا کافروں سے ساز باز رکھنے کی وجہ سے گرفتار عذاب ہوگئی۔

وانکم لتمرون. یہ اہل مکہ کو خطاب فرمایا جا رہا ہے، مکہ سے جو قافلے شام کو آتے جاتے تھے۔ قوم لوط کی یہ الٹی ہوئی بستیاں سر راہ نظر آتی تھیں اور دن رات ادھر گزرتے ہوئے ان کھنڈرات کی کہانیاں اور نشانات دیکھتے اور پھر بھی عبرت نہیں پکڑتے تھے۔ کیا یہ خطرہ نہیں ہوتا کہ جو حال ایک نافرمان قوم کا ہوا وہی حشر دوسری نابکار قوم کا بھی ہو سکتا ہے۔

وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ **اِذْ اَبَقَ** هَرَبَ **اِلَی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ** ﴿۱۴۰﴾ اَلسَّفِیْنَةِ الْمَمْلُوْءَةِ حِیْنَ غَاضَبَ قَوْمَهٗ لِمَا لَمْ یَنْزِلْ بِهِمُ الْعَذَابُ الَّذِیْ وَعَدَهُمْ بِهٖ فَرَکِبَ السَّفِیْنَةَ فَوَقَفَتْ فِیْ لُجَّةِ الْبَحْرِ فَقَالَ الْمَلَّاحُوْنَ هُنَا عَبْدٌ اٰبِقٌ مِنْ سَیِّدِهٖ تُظْهِرُهُ الْقُرْعَةُ **فَسَاهَمَ** قَارَعَ اَهْلَ السَّفِیْنَةِ **فَکَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ** ﴿۱۴۱﴾ اَلْمَغْلُوْبِیْنَ بِالْقُرْعَةِ فَاَلْقَوْهُ فِی الْبَحْرِ **فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ** اِبْتَلَعَهٗ **وَهُوَ مُلِیْمٌ** ﴿۱۴۲﴾ اَیْ اٰتٍ بِمَا یُلَامُ عَلَیْهِ مِنْ ذَهَابِهٖ اِلَی الْبَحْرِ وَرُکُوْبِهِ السَّفِیْنَةَ بِلَا اِذْنٍ مِنْ رَّبِّهٖ **فَلَوْلَآ اَنَّهٗ کَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ** ﴿۱۴۳﴾ اَلذَّاکِرِیْنَ بِقَوْلِهٖ کَثِیْرًا فِیْ بَطْنِ الْحُوْتِ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ **لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ** ﴿۱۴۴﴾ لَصَارَ بَطْنُ الْحُوْتِ قَبْرًا لَهٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ **فَنَبَذْنٰهُ** اَلْقَیْنَاهُ مِنْ بَطْنِ الْحُوْتِ **بِالْعَرَآءِ** بِوَجْهِ الْاَرْضِ اَیْ بِالسَّاحِلِ مِنْ یَوْمِهٖ اَوْ بَعْدَ ثَلٰثَةٍ اَوْ سَبْعَةِ اَیَّامٍ اَوْ عِشْرِیْنَ اَوْ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا **وَهُوَ سَقِیْمٌ** ﴿۱۴۵﴾ عَلِیْلٌ کَالْفَرْخِ الْمُمَعَّطِ **وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ** ﴿۱۴۶﴾ وَهُوَ الْقَرْعُ تُظِلُّهٗ وَهِیَ بِسَاقٍ عَلٰی خِلَافِ الْعَادَةِ فِی الْقَرْعِ مُعْجِزَةٌ لَهٗ وَکَانَتْ تَاْتِیْهِ وَعْلَةٌ صَبَاحًا وَّمَسَاءً یَشْرَبُ مِنْ لَبَنِهَا حَتّٰی قَوِیَ **وَاَرْسَلْنٰهُ** بَعْدَ ذٰلِكَ کَقَبْلِهٖ اِلٰی قَوْمٍ بِنِیْنَوٰی مِنْ اَرْضِ الْمَوْصِلِ **اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ** بَلْ

يَزِيْدُوْنَ ﴿١٤٧﴾ عِشْرِيْنَ اَوْ ثَلٰثِيْنَ اَوْ سَبْعِيْنَ اَلْفًا **فَاٰمَنُوْا** عِنْدَ مُعَايَنَةِ الْعَذَابِ الْمَوْعُوْدِيْنَ بِهٖ **فَمَتَّعْنٰهُمْ** اَبْقَيْنَاهُمْ مُتَمَتِّعِيْنَ بِمَالِهِمْ **اِلٰى حِيْنٍ**ؕ ﴿١٤٨﴾ تَنْقَضِىْ اٰجَالُهُمْ فِيْهِ **فَاسْتَفْتِهِمْ** اِسْتَخْبِرْ كُفَّارَ مَكَّةَ تَوْبِيْخًا لَهُمْ **اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ** بِزَعْمِهِمْ اَلْمَلٰئِكَةَ بَنَاتُ اللّٰهِ **وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ** ﴿١٤٩﴾ فَيَخْتَصُّوْنَ بِالْاَبْنَاءِ **اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ** ﴿١٥٠﴾ خَلْقَنَا فَيَقُوْلُوْنَ ذٰلِكَ **اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ** كِذْبِهِمْ **لَيَقُوْلُوْنَ**ۙ ﴿١٥١﴾ **وَلَدَ اللّٰهُ**ۙ بِقَوْلِهِمُ الْمَلٰئِكَةُ بَنَاتُ اللّٰهِ **وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ** ﴿١٥٢﴾ فِيْهِ **اَصْطَفَى** بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ لِلْاِسْتِفْهَامِ وَاسْتُغْنِىَ بِهَا عَنْ هَمْزَةِ الْوَصْلِ فَحُذِفَتْ اَىْ اَخْتَارَ **الْبَنٰتِ عَلَى الْبَنِيْنَ**ؕ ﴿١٥٣﴾ **مَا لَكُمْ**ٞ **كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ** ﴿١٥٤﴾ هٰذَا الْحُكْمَ الْفَاسِدَ **اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ**ۚ ﴿١٥٥﴾ بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِى الذَّالِ اَنَّهٗ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى مُنَزَّهٌ عَنِ الْوَلَدِ **اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ**ۙ ﴿١٥٦﴾ حُجَّةٌ وَاضِحَةٌ اَنَّ لِلّٰهِ وَلَدًا **فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ** اَلتَّوْرٰةِ فَاَرُوْنِىْ ذٰلِكَ فِيْهِ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿١٥٧﴾ فِىْ قَوْلِكُمْ ذٰلِكَ **وَجَعَلُوْا** اَىِ الْمُشْرِكُوْنَ **بَيْنَهٗ** تَعَالٰى **وَبَيْنَ الْجِنَّةِ** اَىِ الْمَلٰئِكَةِ لِاِجْتِنَانِهِمْ عَنِ الْاَبْصَارِ **نَسَبًا**ؕ بِقَوْلِهِمْ اَنَّهَا بَنَاتُ اللّٰهِ **وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ** اَىْ قَائِلِىْ ذٰلِكَ **لَمُحْضَرُوْنَ**ۙ ﴿١٥٨﴾ اَلنَّارَ يُعَذَّبُوْنَ فِيْهَا **سُبْحٰنَ اللّٰهِ** تَنْزِيْهًا لَهٗ **عَمَّا يَصِفُوْنَ**ۙ ﴿١٥٩﴾ بِاَنَّ لِلّٰهِ وَلَدًا **اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ** ﴿١٦٠﴾ اَىِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ اَىْ فَاِنَّهُمْ يُنَزِّهُوْنَ اللّٰهَ عَمَّا يَصِفُهٗ هٰؤُلَاءِ **فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ**ۙ ﴿١٦١﴾ مِنَ الْاَصْنَامِ **مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ** اَىْ عَلٰى مَعْبُوْدِكُمْ وَعَلَيْهِ مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهٖ **بِفٰتِنِيْنَ**ۙ ﴿١٦٢﴾ اَىْ اَحَدًا **اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ** ﴿١٦٣﴾ فِىْ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى قَالَ جِبْرَئِيْلُ لِلنَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَمَا مِنَّآ** مَعْشَرَ الْمَلٰئِكَةِ اَحَدٌ **اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ**ۙ ﴿١٦٤﴾ فِى السَّمٰوٰتِ يَعْبُدُ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى فِيْهِ لَايَتَجَاوَزُهٗ **وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ**ۚ ﴿١٦٥﴾ اَقْدَامَنَا فِى الصَّلٰوةِ **وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ** ﴿١٦٦﴾ اَلْمُنَزِّهُوْنَ اللّٰهَ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِهٖ **وَاِنْ** مُخَفَّفَةٌ مِّنَ الثَّقِيْلَةِ **كَانُوْا** اَىْ كُفَّارُ مَكَّةَ **لَيَقُوْلُوْنَ**ۙ ﴿١٦٧﴾ **لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا** كِتَابًا **مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ**ۙ ﴿١٦٨﴾ اَىْ مِنْ كُتُبِ الْاُمَمِ الْمَاضِيِيْنَ **لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ** ﴿١٦٩﴾ اَلْعِبَادَةَ لَهٗ قَالَ تَعَالٰى **فَكَفَرُوْا بِهٖ** اَىْ بِالْكِتَابِ الَّذِىْ جَاءَهُمْ وَهُوَ الْقُرْاٰنُ الْاَشْرَفُ مِنْ تِلْكَ الْكُتُبِ **فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ** ﴿١٧٠﴾ عَاقِبَةَ كُفْرِهِمْ **وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا** بِالنَّصْرِ **لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ**ۖۚ ﴿١٧١﴾ وَهِىَ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ اَوْ هِىَ قَوْلُهٗ **اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ**ۖ ﴿١٧٢﴾ **وَاِنَّ جُنْدَنَا** اَىِ الْمُؤْمِنِيْنَ **لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ** ﴿١٧٣﴾ اَلْكُفَّارَ بِالْحُجَّةِ وَالنُّصْرَةِ عَلَيْهِمْ فِى الدُّنْيَا وَاِنْ لَمْ يَنْتَصِرْ بَعْضٌ مِّنْهُمْ فِى الدُّنْيَا فَفِى الْاٰخِرَةِ **فَتَوَلَّ عَنْهُمْ**

مرض عَنْ كُفَّارِ مَكَّةَ **حَتّٰى حِيْنٍ** ﴿۱۷۴﴾ تُؤْمَرُ فِيهِ بِقِتَالِهِمْ **وَّاَبْصِرْهُمْ** اِذَا نَزَلَ بِهِمُ الْعَذَابُ **فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ** ﴿۱۷۵﴾ عَاقِبَةَ كُفْرِهِمْ فَقَالُوْا اِسْتِهْزَاءً مَتٰى نُزُوْلُ هٰذَا الْعَذَابِ قَالَ تَعَالٰى تَهْدِيْدًا لَهُمْ **اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ** ﴿۱۷۶﴾ **فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ** بِفِنَائِهِمْ قَالَ الْفَرَّاءُ اَلْعَرَبُ تَكْتَفِیْ بِذِكْرِ السَّاحَةِ عَنِ الْقَوْمِ **فَسَآءَ** بِئْسَ صَبَاحًا **صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ** ﴿۱۷۷﴾ وَفِيهِ اِقَامَةُ الظَّاهِرِ مَقَامَ الْمُضْمَرِ **وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ** ﴿۱۷۸﴾ **وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ** ﴿۱۷۹﴾ كَرَّرَ تَاكِيْدًا لِتَهْدِيْدِهِمْ وَتَسْلِيَةً لَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ** الْغَلَبَةِ **عَمَّا يَصِفُوْنَ** ﴿۱۸۰﴾ بِاَنَّ لَهُ وَلَدًا **وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ** ﴿۱۸۱﴾ مُبَلِّغِيْنَ عَنِ اللّٰهِ التَّوْحِيْدَ وَالشَّرَائِعَ **وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۱۸۲﴾ عَلٰى نَصْرِهِمْ وَهَلَاكِ الْكَافِرِيْنَ

ترجمہ: .... اور بلاشبہ یونسؑ بھی پیغمبروں میں سے تھے۔جس وقت بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے (کشتی بالکل تیار کھڑی تھی۔قوم سے بگڑ کر چلے گئے۔جس عذاب کی انہوں نے دھمکی دی۔جب وہ نہ آیا تو فوراً حضرت یونسؑ کشتی پر سوار ہو گئے۔پھر آگے چل کر کشتی بھنور میں پھنس گئی۔ملاح بولے کہ یہاں کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا معلوم ہوتا ہے۔قرعہ اندازی سے پتہ چل جائے گا) سو یونسؑ بھی قرعہ میں شریک ہوئے (جو کشتی والوں نے قرعہ اندازی کی) چنانچہ یہی ملزم ٹھہرے (قرعہ اندازی میں ان کا نام نکل آیا۔جس کی وجہ سے انہیں سمندر میں ڈال دیا گیا) پھر مچھلی نے ان کو نگل لیا اور یہ خود کو ملامت کر رہے تھے (یعنی ساحل سمندر کی طرف بھاگنا اور بلا اجازت خداوندی کشتی پر سوار ہو جانا لائق ندامت تھا) سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے (مچھلی کے پیٹ میں لاالہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین کا وردبکثرت نہ کرتے رہتے) تو قیامت تک اسی کے پیٹ میں رہتے (مچھلی کا پیٹ ہی قیامت تک ان کی قبر رہتا) سو ہم نے ان کو ایک میدان میں ڈال دیا (زمین کے ساحلی حصہ پر،اسی روز یا تیسرے یا ساتویں یا بیسویں یا چالیسویں روز) اور وہ اس وقت مضمحل تھے (پرندہ کے بے پر بچہ کی طرح) اور ہم نے ان پر ایک بیل دار درخت بھی اگا دیا تھا (کدو کی بیل ان پر سایہ فگن تھی۔خلاف عادت بطور معجزہ کے کدو کا درخت تنہ دار ہو گیا تھا اور صبح شام ایک ہرنی آ کر انہیں دودھ پلا جاتی تھی۔حتیٰ کہ ان کو قوت آ گئی) اور ہم نے ان کو رسول بنا کر بھیجا (اس واقعہ کے بعد بھی جیسا کہ پہلے بھی مبعوث ہوئے تھے سرزمین موصل میں قوم نینوا کے پاس) ایک لاکھ یا اس سے زائد آدمیوں کی طرف (بیس یا تیس یا ستر ہزار زیادہ) پھر وہ لوگ ایمان لے آئے تھے (مقررہ عذاب کے آثار دیکھتے ہی) تو ہم نے انہیں عیش دیا ایک مدت تک (اپنے مال ومتاع سے زندگی بھر نفع اٹھاتے رہے) سو ان لوگوں سے پوچھئے (کفار مکہ سے سرزنش کے طور پر معلوم کیجئے) کہ کیا تیرے پروردگار کے لئے تو بیٹیاں (اپنے عقیدہ کے مطابق فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے) اور ان کے لئے بیٹے (کہ نرینہ اولاد کو چاہتے ہیں) ہاں کیا ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا ہے اور وہ دیکھ رہے تھے (ہمارے پیدا کرنے کو جس پر وہ اس عقیدہ کا اظہار کرتے ہیں) خوب سن لو کہ وہ لوگ اپنی سخن سازی (دروغ بافی) سے کہتے ہیں کہ اللہ صاحب اولاد ہے (فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہنے کی وجہ سے) اور یقیناً وہ (اس میں) جھوٹے ہیں۔کیا اللہ نے زیادہ پسند کیں (یہ لفظ ہمزہ استفہامیہ کے فتحہ سے ہے اور چونکہ ہمزہ وصل کی ضرورت نہیں رہی۔اس لئے حذف ہو گیا۔مطلب یہ ہے کہ کیا اللہ نے منتخب کر لی ہیں) لڑکیاں،لڑکوں کے مقابلہ میں؟ تم کو کیا ہو گیا۔تم کیسا (غلط) حکم لگاتے ہو۔کیا تم سوچ سے کام نہیں لیتے ہو (تا کو ذال میں ادغام کر دیا۔یعنی یہ کہ اللہ اولاد سے پاک ہے) ہاں تمہارے پاس کوئی واضح دلیل موجود ہے (اس بات کی کھلی حجت کہ خدا کے اولاد ہے) سو

اپنی کتاب پیش کرو (توریت اور اس میں مجھے یہ مضمون دکھلاؤ) اگر تم سچے ہو (اس بارے میں) اور ان (مشرک) لوگوں نے اللہ تعالیٰ میں اور جنات میں (فرشتے مراد ہیں نگاہوں سے مستور ہونے کی وجہ سے) رشتہ داری قائم کر رکھی ہے (یہ کہہ کر کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں) اور جنات کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ (کافر جو اس کے قائل ہیں) گرفتار ہوں گے (جہنم میں انہیں عذاب دیا جائے گا) اللہ ان باتوں سے پاک (صاف) ہے۔ ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں (کہ اللہ کے اولاد ہے) مگر جو اللہ کے خاص بندے ہیں (یعنی مومن، استثناء منقطع ہے۔ یعنی مومن اللہ کو ان باتوں سے پاک سمجھتے ہیں جن کو کافر اللہ کے لئے مانتے ہیں) سو تم اور تمہارے سارے معبود (بت) خدا سے کسی کو (تمہارے معبود کی طرف۔ اس میں علیہ متعلق ہے اگلے قول سے) نہیں پھیر سکتے۔ مگر اسی کو جو جہنم رسیدہ ہونے والا ہے (اللہ کے علم کے مطابق جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا) اور ہم میں سے کوئی (فرشتہ) نہیں ہے مگر ہر ایک کا ایک معین درجہ ہے (آسمانوں میں اللہ کی بندگی کرتا ہے اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا) اور ہم صف بستہ کھڑے رہتے (نماز میں) اور ہم پاکی بیان کرنے میں لگے رہتے ہیں (نامناسب چیزوں کی نسبت اللہ کی طرف کرنے سے) اور یہ (کفار مکہ) کہا کرتے تھے (اِن مخففہ ہے) کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت (کتاب) پہلے لوگوں کے طور پر آتی (پچھلی امتوں کی کتابوں کے مطابق) تو ہم اللہ کی خاص بندگی کرنے والے (اس کے عبادت گزار) ہو جاتے (حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ) پھر یہ لوگ انکار کرنے لگے اس کا (قرآن پاک کا جو ان ساری کتابوں میں سب سے بڑھ کر ہے) سو اب ان کو معلوم ہوا جاتا ہے (کفر کا انجام) اور ہماری (مدد کی) بات ہمارے خاص بندوں پیغمبروں کے لئے پہلے ہی سے طے ہو چکی ہے (یعنی لاغلبن انا ورسلی یا اگلی آیت) کہ بلاشبہ وہی غالب کئے جائیں گے اور ہمارا لشکر (مسلمان) ہی غالب رہتا ہے (کفار پر دلیل اور مدد کے ذریعے دنیا میں۔ لیکن دنیا میں اگر غالب نہ ہوئے تو آخرت میں تو ضرور ہی غلبہ رہے گا) پس آپ ان کا خیال چھوڑ دیجئے (کفار مکہ کا دھیان نہ کیجئے) کچھ وقت تک (جب تک آپ کو ان سے اجازت جہاد نہ ہو) اور ان کو دیکھتے رہئے (ان پر عذاب نازل ہونے کے وقت) سو عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے (اپنے کفر کی پاداش اس پر تمسخرانہ انداز میں کفار کہنے لگے کہ عذاب کب آئے گا؟ ارشاد باری ہوا کہ) کیا یہ ہمارے عذاب کا تقاضا کر رہے ہیں۔ سو وہ جب ان کے روبرو آنازل ہوگا (ان کے گھروں میں اتر آئے گا۔ فراء کہتے ہیں کہ اہل عرب ساحة کا ذکر کر کے قوم مراد لیا کرتے ہیں) سو وہ دن (صبح کا وقت) بہت ہی برا ہوگا۔ ان لوگوں کے لئے جن کو ڈرایا گیا تھا (اس میں اسم ظاہر قائم مقام ضمیر کے کر لیا گیا ہے) اور آپ کچھ وقت تک ان کا خیال نہ کیجئے اور دیکھتے رہئے، سو یہ بھی عنقریب دیکھ لیں گے (یہ جملہ کفار کو دھمکانے اور آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لئے دہرایا گیا ہے) آپ کا پروردگار جو بڑی عظمت (غلبہ) والا ہے۔ پاک ہے ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں (کہ اس کے اولاد ہے) اور سلام ہو پیغمبروں پر (جو اللہ کا پیغام توحید و احکام پہنچا رہے ہیں) اور تمام تر خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ جو تمام عالم کا پروردگار ہے (مسلمانوں کی مدد اور کافروں کے تباہ کرنے پر)۔

تحقیق و ترکیب: ....یونس۔ یہ ذوالنون کہلاتے ہیں۔ یہ متی کے بیٹے ہیں۔ ان کی والدہ کے یہاں حضرت الیاس علیہ السلام قوم سے بھاگ کر کہتے ہیں چھ ماہ روپوش ہو گئے اور وہ ان کی خدمت کرتی رہیں۔ یونس علیہ السلام شیر خوار بچے تھے، پھر حضرت الیاس علیہ السلام اس قید تنہائی سے اکتا کر پہاڑوں میں نکل گئے۔ ادھر حضرت یونس علیہ السلام کی وفات ہو گئی۔ ان کی والدہ حضرت الیاس علیہ السلام کی تلاش میں پہاڑوں میں نکل گئیں۔ انہیں ڈھونڈ نکالا اور ان سے بیٹے کے زندہ ہونے کی دعا چاہی۔ چنانچہ حضرت الیاس علیہ السلام کی دعا کی برکت سے چودہ روز بعد حضرت یونس علیہ السلام زندہ ہوئے اور بڑے ہو کر سرزمین موصل کے شہر نینویٰ کی طرف مبعوث ہوئے۔

ابق. باب فتح سے اباق۔ آقا سے غلام کا بھاگ جانا یہاں بلا اجازت نکل جانے کو استعارہ تصریحیہ کے طور پر اباق فرمایا۔

اذ. محذوف کا ظرف ہے۔ تقدیر اذکر۔

غاضب. باب مفاعلت سے ہے۔ مگر شرکت کے معنی نہیں ہیں، بلکہ عاقبت اور سافرت کی طرح ہے اور اشتراک کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ یہ سارا سفر چونکہ بلا اجازت ہوا۔ اس لئے مچھلی کے پیٹ میں مبتلائے آزمائش ہوئے کشتی کے بھنور میں پھنس جانے پر ملاحوں کا ذہن اس زمانہ کے دستور کے مطابق آقا کی نافرمانی کی طرف گیا۔

المدحضین. اصل معنی مزلق اسم مفعول کے ہیں۔

ملیم. ہمزہ تعدیہ کے ہے۔ یعنی خود کو ملامت کی۔ قاموس میں ہے۔ الام ای اتی بما یلام علیه او صار ذالائمة.

الی یوم یبعثون. زندہ رہتے ہوئے یا وفات پا کر بطور خرق عادت مچھلی کے پیٹ میں قیامت تک رہتے یا صرف مرجانا مراد ہے اور ظاہر ہے کہ مرنا قیامت تک ہی سب کا ہوتا ہے۔ یعنی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئے ہوتے۔ وہاں سے رہائی نصیب نہ ہوتی اور مچھلی بھی نیست و نابود ہو جاتی۔

بالعراء. کھلا میدان جس میں چھپنے کی کوئی صورت نہ ہو۔ یہ میدان ساحل دجلہ پر ہو یا یمن کی جانب جیسا کہ قتادہؒ اور مقاتلؒ کی رائے ہے۔ مفسر علامؒ نے پانچ اقوال نقل کئے ہیں۔ اول شعبیؒ کی دوسری مقاتلؒ کی، تیسری عطاءؒ کی اور چوتھی ضحاکؒ اور پانچویں سدیؒ کی رائے ہے۔

ممعط. اصل لفظ منعط تھا۔ بدن پر بال نہ ہوں۔ امنعط الشعر بولتے ہیں۔ یعنی بال و پر جھڑ گئے۔ محض گوشت کا لوتھڑا رہ گیا۔

یقطین. بقول سعید ابن جبیرؒ بیل دار درخت کو کہتے ہیں۔ یہاں بطور خرق عادت تنہ دار درخت ہو گیا تھا۔ کدو کی بیل اول تو بہت جلد بڑھتی ہے، دوسرے اس پر مکھی نہیں آتی۔ چونکہ حضرت یونس علیہ السلام کی کھال ایسی ہو گئی تھی کہ مکھی سے اذیت ہوتی اور بعض کی رائے ہے کہ وہ انجیر کا درخت تھا اور بعض نے کیلا کا درخت مانا ہے، جس کے پتے بڑے ہوتے ہیں۔

او یزیدون. مقاتلؒ، کلبیؒ، فراءؒ، ابوعبیدہؒ او بمعنی بل مانتے ہیں اور ابن عباسؓ او بمعنی واؤ فرماتے ہیں۔ ایک قرأت میں و قیل او یزیدون ہے۔ یعنی دیکھنے والا زیادہ سمجھے۔ ترمذیؒ نے ابی بن کعبؓ سے مرفوعاً بیس ہزار زائد نقل کئے ہیں اور ابن عباسؓ سے تیس ہزار اور سعید ابن جبیرؒ نے حسن سے ستر ہزار زائد نقل کئے ہیں۔ جس طرح انبیاء سابقین کے لئے سلام ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت یونسؑ کے تذکرہ میں نہیں فرمایا گیا یا تو پہلے ذکر پر اکتفا کرتے ہوئے یا آخر سورۃ کے سلام علی المرسلین پر اکتفا کرتے ہوئے علیحدہ ضرورت نہیں سمجھی۔

ام خلقنا اورام لکم ہمزہ منقطعہ ہے وھم شاھدون مبالغہ کے لئے مشاہدہ کی تخصیص کی گئی ہے، جب یہ نہیں تو اور دلائل بدرجہ اولی نہیں ہیں۔

الا انھم. یہ استیناف ہے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے کفار کے عقیدۂ ابنیت پر رد ہے۔

وجعلوا. خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے جو اظہار نفرت کے لئے ہے۔

الجنة. فرشتوں کو جن کہنا مستور ہونے کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ مجاہدؒ و قتادہؒ کی رائے ہے یا جن ہی مراد ہوں۔

نسباً لغةً عام ہے نسبت سے مراد خاص تعلق زوجیت و دامادی کا ہے۔ فرشتوں کو قریش نے اللہ کی بیٹیاں کہا تو ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ان کی مائیں کون ہیں؟ کہنے لگے جنات کی شہزادیاں۔

سبحان اللّٰہ. یہ فرشتوں کا کلام ہے۔

الا عباد اللّٰہ. یہ استثناء منقطع ہے مستثنیٰ منہ یاجعلوا کا فاعل ہے یایصفون کا فاعل ہے یا ضمیر محضرون ہےاور جملہ تسبیح معترضہ رہے گا اور ابوالبقاءؒ کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ استثناء متصل بھی ہوسکتا ہے ضمیر جعلوا سے۔

ما انتم علیه. مدارک میں ہے کہ علیہ ای علی اللہ بفاتنین بولتے ہیں فتن فلان علی فلان امرأته ای اسندھا علیه. یعنی تم اللہ کے بارے میں کسی کو بچلا نہیں سکتے، بجز جہنمیوں کے اور مفسر علامؒ اشارہ کررہے ہیں کہ علیه کی ضمیر ما تعبدون کی طرف راجع ہے۔ یعنی تم لوگ جو یہ باتیں کررہے ہو بت پرستی پر کسی کو گمراہ نہیں کرسکتے سوائے جہنمیوں کے اور فاتنین کے مفعول محذوف کی طرف احدا سے اشارہ کردیا اور فاتنین چونکہ معنی استیلاء کو متضمن ہے اس لئے علیه متعلق ہے فاتنین کے اور بعض نے ماتعبدون کو قائم مقام خبر کے مانا ہے۔ یعنی تم اور تمہارے معبود ساتھ رہیں گے، دونوں مل کر بھی کسی کو خراب نہیں کرسکتے، بجز گمراہوں کے۔

وما منا. اس میں فرشتہ کی بندگی کے اعتراف کا ذکر ہے۔ جیسا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آسمان میں ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں۔ جہاں فرشتے مصروف تسبیح نہ ہوں۔ منا صفت ہے موصوف محذوف مل کر مبتداء ہے اور دوسری صورت، یہ ہے کہ مبتداء محذوف ہو اور "الاله" مقام صفت ہے۔ موصوف محذوف کی اور جار مجرور خبر ہے۔ ای وما منا احد الاله مقام معلوم. یہ فرشتوں کا کلام ہے تو بقول عامل مقدر ہے اور کلام الٰہی ہے تو بطور صفات ہے ورنہ مامنھم ہونا چاہئے تھا۔

ان کانوا. ان مخففہ میں لام ہوتا ہے اور ان نافیہ کے بعد الا آتا ہے۔

من الاولین ای من ذکر الاولین بمعنی من جنسه ومثله لاعین ذکر الاولین

کلمتنا. کلمہ عام لفظ ہے کلام پر بھی بولا جاسکتا ہے۔ لیکن مفرد کے ساتھ خاص کرنا نحوی اصطلاح ہے۔

المنصورون. رسولوں کے لئے تو مفعول کا صیغہ بولا گیا ہے۔ یعنی خدائی مددان کو شامل ہوگی۔ جند کے لئے غالبون کا لفظ بولا گیا ہے۔ کیونکہ جند کا لفظ عام ہے۔ دوسروں پر بھی بولا جاتا ہے اس لئے اس خصوصی تعلق کو ظاہر نہیں کیا گیا۔

وان لم ینتصر الخ سے مفسر علامؒ اس شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ بعض دفعہ لشکر اسلام غالب نہیں ہوتا؟ حاصل جواب یہ ہے کہ دنیا میں غالب نہیں تو آخرت میں غالب ہوں گے۔ بیضاویؒ نے دوسرا جواب دیا ہے کہ اکثریت کا اعتبار ہوتا ہے، غالب ہونا اکثری ہے اور مغلوب ہونا قلیل ہے۔

فسوف. یہ بطور وعید ہے نہ کہ بطور تبعید قرینہ مقامیہ کی وجہ سے، جیسے کہا جائے سوف انتقم منک.

بساحتھم. ساحۃ خالی میدان کو کہتے ہیں اور فناء دار پیش گاہ منزل کو کہتے ہیں جو مکان کی ضروریات کے لئے چھوڑ دیا جائے۔

بئس. مفسرؒ نے صباحاً سے اشارہ کیا ہے کہ ضمیر مخصوص بالمذمیت کی طرف راجع ہے اور تمیز محذوف ہے اور صباح المنذرین فاعل ہے مخصوص بالمذمیت نہیں ہے۔ اصل میں فساء صباحھم تھا یا صباح سے دن یا خاص وقت یا اس وقت کی لوٹ مراد لی جائے۔

ربط آیات:............جن انبیاء کا ذکر پہلے ہوا ان کی نبوت عقلاً ثابت ہے اور وہ سب موحد و مومن اور داعی توحید رہے ہیں۔ جس سے نقلاً توحید ثابت ہوئی۔ اس سے پہلے شروع سورت میں عقلی دلائل سے توحید ثابت ہوچکی ہے۔ پس آگے آیت فاستفتھم الخ سے بطور تفریع شرک وکفر کا بطلان فرمایا جارہا ہے۔ دلیل عقلی پر تو تفریع ظاہر ہے اور نقلی دلیل پر اس طرح ہے کہ نبوت کے لئے سچ لازم ہے۔ پس توحید ضروری ہوئی اور شرک کا بطلان اس کے لئے لازم ہے۔

اس کے بعد کفار ومشرکین کی برائی نقض وعدہ کی آیت وان کانوا لیقولون الخ سے بیان کی جارہی ہے اور اس پر ان کے

لئے وعیداور آنحضرت ﷺ کے لئے تسلی کا مضمون ہے اور جو کہ شروع سورت میں تین مضمون توحید، رسالت، بعثت اصل مقصود کے طور پر بیان ہوئے تھے۔

جہاں تک بعث کا تعلق ہے، اس کا اعتقاد واقعہ میں عقیدہ رسالت پر موقوف ہے اور رسالت کا ماننا توحید پر موقوف ہے۔ اگر چہ اعتقاد توحید، اعتقاد رسالت کو مستلزم نہیں ہے۔ اس لئے کلام کا آغاز بھی توحید سے ہوا اور اختتام بھی آیت سبحان ربك سے توحید ہی پر ہورہا ہے اور درمیان میں پیغمبروں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور توحید کے بیان میں نقص وعیب کی نفی چونکہ مقدم ہے بہ نسبت کمالات ثابت کرنے کے۔ اس لئے سبحان ربك سے تنزیہ پہلے و الحمد الخ سے حمد بعد میں بیان فرمائی گئی ہے۔

شانِ نزول: .... لربك البنات الخ روایت میں ہے کہ قریش نے فرشتوں کو جب خدا کی بیٹیاں کہا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ پھران کی مائیں کون ہیں؟ بولے کہ جنات کی شہزادیاں۔

وما منا الا له الخ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آسمان میں ایک بالشت جگہ بھی تسبیح کرنے والے فرشتوں سے خالی نہیں ہے اور بعض کی رائے ہے کہ آنحضرت ﷺ معراج میں جب سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو جبرائیل علیہ السلام نے علیحدہ ہونا چاہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اههنا تفارقني؟ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا ما استطیع ان تقدم عن مكانه هذا. اس وقت یہ تین آیات نازل ہوئیں جن میں فرشتوں کے عذر کو نقل کیا گیا ہے۔

سبحان ربك. حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ جو قیامت میں بے حد ثواب کا خواہشمند ہو، اسے اپنے کلام کے آخر میں یہ آیات پڑھنی چاہئیں۔

قرطبی میں ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے کہ میں نے بارہا آنحضرت ﷺ کو نماز کے آخر میں یا واپسی کے وقت یہ کلمات پڑھتے سنا۔

﴿تشریح﴾: .... حضرت یونسؑ نے قوم کو عذاب الٰہی کے بارے میں ڈرایا اور مقررہ دن پر اپنی رائے سے بستی سے باہر نکل گئے۔ لوگوں نے جب آثار عذاب دیکھے تو نادم وشرمندہ ہوئے اور ایمان لانے اور توبہ کے لئے حضرت یونس علیہ السلام کی تلاش شروع کردی۔ وہ نہیں ملے تو اللہ کے آگے توبہ تلا کی روئے، گڑگڑائے اور اجمالاً ایمان لے آئے عذاب ٹل گیا، ادھر کسی ذریعہ سے حضرت یونسؑ کو بھی یہ کیفیت معلوم ہوئی تو بلا اجازت خداوندی اس طرح از خود بستی سے نکلنے پر شرمندگی ہوئی اور اس اجتہادی غلطی کو محسوس کیا۔ اسی کیفیت کے غلبہ میں ساحل کی طرف بڑھتے۔ کشتی بھری تیار تھی، نیک سمجھ کر بلا کرایہ یا کرایہ لے کر سوار کرلیا۔ آگے طوفان آیا، کشتی ڈانواڈول ہونے لگی۔ ایسے میں مبتلائے مصیبت لوگوں کا دھیان مختلف اسباب کی طرف جاتا ہے۔ کشتی چکر کھانے لگی تو لوگ بولے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشتی میں کوئی نیا قصوروار ہے۔ کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام تو پہلے ہی سمجھے ہوئے تھے، رائے قرعہ اندازی کی ہوئی تو یہ خود بھی اس میں شامل ہوگئے اور انہیں کا نام نکل آیا۔ لوگ نیک صورت دیکھ کر تیار نہیں ہوئے ہوں گے، مگر بار بار نام نکلنے پر مجبور ہوگئے۔ انہوں نے بھی خود کو سمندر کے حوالے کردیا۔ کنارہ قریب ہوگا اور شناوری کرکے پایاب ہوجانا چاہتے ہوں گے۔ اس لئے خودکشی کا شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

قرعہ اندازی: .... قرعہ اندازی اگر کسی کا حق ثابت کرنے کے لئے ہو تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے لیکن یہاں قرعہ اندازی ایسی نہیں تھی۔ چنانچہ مالک کشتی کسی بھی وجہ سے کسی کو بھی کشتی سے اتار سکتے ہیں اور خود حضرت یونس علیہ السلام بھی اپنی خوشی سے کشتی سے اترنے کو تیار تھے۔ اس میں باہم کوئی تنازع نہیں تھا اور عذاب ٹل جانے سے وعدہ خلافی کا شبہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ وہ وعدہ ایمان نہ لانے

کی صورت میں تھا اور وہ صورت پائی نہیں گئی۔

آیت کریمہ کی برکت: .... حضرت یونسؑ کو ندامت تو تھی ہی، مچھلی نے جب انہیں ثابت نگل لیا تو خطا کا زیادہ احساس ہوا اور زبان وقف لا الہ الا انت الخ ہوگئی۔ اس لئے حق تعالیٰ کو جلد رحم آ گیا اور انہیں مچھلی کے انوکھے قید خانہ سے نجات مل گئی۔

مچھلی کے اتنے بڑے ہونے پر تعجب نہ کیا جائے جو سالم انسان کو نگل لے۔ حالیہ مشاہدات نے ساری حیرت ختم کر دی ہے۔ عجائب گھروں میں قدرت کے کیسے کیسے تماشے دیکھنے میں آ جاتے ہیں۔ البتہ حضرت یونس علیہ السلام کا زندہ سلامت رہنا یہ قدرت کا خاص کرشمہ تھا۔ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی تنکا بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ اللہ کا فضل نہ ہوتا تو حضرت یونس علیہ السلام کی قبر قیامت تک کے لئے مچھلی کا پیٹ بنتی۔ یعنی پیٹ سے نکلنا میسر نہ آتا بلکہ اسی کی غذا بن جاتے۔

یہ مطلب نہیں کہ وہ اور مچھلی کا پیٹ قیامت تک باقی رہتے، انبیاءؑ حقیقی گناہ سے تو پاک صاف ہوتے ہیں۔ البتہ کبھی کبھی رائے یا عمل کی لغزش ہو جاتی ہے تو ؎ مقرباں را بیش بود حیرانی ...... کی رو سے ان کو جسمانی پاداش کر دی جاتی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کی لاغری کا علاج اور غذا کا بندوبست: .... مچھلی کو حکم ہوا کہ یونس علیہ السلام کو کنارے پر اگل دے، لیکن مناسب ہوا اور غذا نہ پہنچنے کی وجہ سے وہ مضمحل ہو گئے تھے، اتنے کہ دھوپ کی شعاع اور بدن پر کسی مکھی کا بیٹھنا بھی ناگوار ہوتا تھا اس میدان میں کوئی تنہ دار درخت ہوگا، جس میں کدو کی بیل چوڑے پتے والی پھیلی ہوئی تھی یا بطور خرق عادت کدو کی بیل ہی تنہ دار ہوگئی تھی اور ایک آدھ درخت کا ہونا عراء بمعنی میدان کے منافی نہیں ہے۔ غذا کے لئے ہرنی کے دودھ کا انتظام ہوگیا۔

قوم کی تعداد جو لاکھ یا زیادہ بتلائی ہے اس میں لفظ او شک کے لئے نہیں ہے بلکہ منشاء یہ ہے کہ صرف بڑوں کو شمار کیا جائے تو لاکھ تھے اور چھوٹے بڑوں کو شمار کیا جائے تو زیادہ تھے۔ یا کہا جائے کہ دولاکھ سے کم تعداد تھی۔ پس کسر کو شمار نہ کیا جائے تو لاکھ اور شمار کیا جائے تو لاکھ سے زیادہ تعداد تھی، یعنی او تمیز کے لئے ہے۔

کفار کے خیال میں فرشتوں اور جنات کا ناطہ: .... ان انبیاءؑ کے حالات سے یہ واضح ہو گیا کہ بڑے سے بڑا مقرب بھی اس دستگیری اور اعانت و مدد سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اب آگے فاستفتھم الخ سے فرشتوں اور جنوں کا بھی کچھ حال سن لو۔ جن کی نسبت واہی خیالات گھڑ رکھے ہیں۔ عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے اور جناتی پریوں کو ان کی مائیں مانتے تھے۔ اس طرح فرشتوں اور جنات کا تانا بانا جوڑ رکھا تھا۔ نفس اولاد کا خدا کے لئے محال ہونا اپنی جگہ مسلم مگر ان کی حماقت ملاحظہ ہو کہ اس کے لئے اولاد بھی تجویز کی تو اپنے خیال کے مطابق گھٹیا اور پھر اس کے بالمقابل اپنے لئے بڑھیا کے خواہاں ہوئے۔

علاوہ اس قسمة ضیزیٰ کے مزید حماقت یہ کہ فرشتوں کو مادہ اور دیویاں فرض کیا کہ جس وقت ہم نے فرشتوں کو پیدا کیا، یہ کھڑے دیکھ رہے تھے کہ انہیں عورت بنایا جا رہا ہے۔

کیا ٹھکانہ اس جہالت کا کہ ایک غلط نظریہ اگر قائم کرنا ہی تھا تو بالکل بے تکا تو نہیں ہونا چاہئے تھا۔ آخر عیب کرنے کے لئے بھی تو کچھ ہنر چاہئے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اپنے لئے تو بیٹے پسند اور خدا کے لئے بیٹیوں کی تجویز! اتنی مہمل اور لایعنی بات کہاں سے نکالی ہے، عقل تو اس کو چھو بھی نہیں گئی۔ پھر کیا کوئی نقلی سند ہے۔ جس پر اس عقیدہ کی بنیاد قائم کر رکھی ہے؟ ایسا ہے تو بسم اللہ ضرور دکھلانا۔

سبحان اللہ کیا باتیں کرتے ہیں جنات کے ساتھ خدا کی دامادی کا رشتہ قائم کر دیا۔ موقعہ ملے تو ذرا ان جنوں سے پوچھ لینا کہ وہ خود اپنی نسبت کیا سمجھتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ دوسرے مجرموں کی طرح وہ بھی اللہ کے آگے پیش ہوں گے۔ کیا داماد کا سسرال کے

ساتھ یہی معاملہ ہوا کرتا ہے۔

اللہ سے جنات کے ناطے کا مطلب:............بعض حضرات نے نسب کا یہ مطلب لیا ہے کہ یہ لوگ شیاطین الجن کو اللہ کا حریف اور مدمقابل سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مجوس کا عقیدہ ہے کہ ایک نیکی کا خدا ''یزدان'' اور دوسرا بدی کا خدا ''اہرمن'' ہے۔ یہ لوگ ثنویت کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہاں! اللہ کے خاص بندے انسان ہوں یا جنات وہ بے شک قیامت کی پکڑ دھکڑ سے بچے رہیں گے۔

باقی یہ سمجھنا کہ فرشتوں کے ہاتھ میں نیکی کی اور جنوں کے ہاتھ میں بدی کی باگ ڈور ہے۔ وہ جسے چاہیں بھلائی پہنچائیں اور اللہ کا مقرب بنادیں اور جسے چاہیں برائی اور تکلیف میں ڈال کر گمراہ کردیں۔ محض مفروضہ خیالات ہیں۔ تمہارے اور ان کے ہاتھ میں کوئی مستقل اختیار نہیں۔ کسی کو اتنی بھی قدرت نہیں کہ اللہ کی مشیت کے بغیر زبردستی کسی کو گمراہ کرسکے۔

گمراہ وہی ہے جسے اللہ نے اس کی بداستعدادی کی بناء پر دوزخی لکھ دیا اور وہ اپنی بدکرداری کی وجہ سے دوزخ میں پہنچ گیا، فرشتوں کی زبانی اس حقیقت کا اعتراف اور اظہار کرتے ہوئے کہا جارہا ہے کہ ہر فرشتہ کی حد مقرر ہے، اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ پھر ان کا بیٹی، بیوی، دامادی کا رشتہ جوڑنا کیا حقیقت رکھتا ہے۔

مشرکین کی بہانہ بازیاں:............ان مشرکین عرب کا حال یہ ہے کہ پیغمبروں کا نام تو سنتے تھے مگر ان کی حقیقت سے ناآشنا تھے۔ اس لئے کہا کرتے کہ اگر ہمیں پہلے لوگوں کے علوم حاصل ہوگئے ہوتے یا کوئی کتاب اور نصیحت کی بات اتر آتی تو ہم خوب معرفت حاصل کرتے اور عبادت وعمل کرکے اللہ کے خاص بندوں میں شامل ہوجاتے۔ لیکن اب جو نبی آئے تو انہیں کچھ یاد نہ رہا اور سب وعدوں، قول وقرار سے پھر گئے۔ سوعنقریب اس انحراف وانکار کا انجام دیکھ لیں گے۔ اللہ کے علم میں یہ طے ہے کہ منکرین کے مقابلہ میں اللہ والوں کی مدد ہوتی ہے اور آخرکار خدائی لشکر ہی غالب رہتا ہے۔ درمیان میں حالات کتنے ہی پلٹے کھائیں، مگر آخری فتح وکامیابی مخلص بندوں ہی کے لئے ہے۔ دلیل وبرہان کے لحاظ سے بھی اور ظاہری مادی غلبہ کے اعتبار سے بھی بشرطیکہ واقعہ میں وہ اللہ کا لشکر ہوں۔ آپ چندے صبر فرمائیے۔ ان کے حالات دیکھتے رہئے، یہ خود ہی اپنا انجام دیکھ لیں گے۔

انسان اپنی بدعقلی سے آفت کا خواہاں ہوجاتا ہے:............یہ سن کر کفار نے کہا ہوگا کہ پھر دیر کیا ہے؟ ہمیں جلد ہمارا انجام دکھلا دیا جائے۔ اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ اپنی کم بختی کو دعوت دے رہے ہو؟ آفت آجائے گی تو وہ نہایت براوقت ہوگا۔ یوں سمجھو جیسے کوئی دشمن گھات میں لگا ہوا ہو اور وہ اچانک شب خون پر چھاپہ مار دے کہ کسی کو سنبھلنے کا موقع نہ مل سکے۔ یہی حال حشر میں ان لوگوں کا بھی ہوگا جنہیں بار بار چونکا دیا گیا تھا مگر گہری غفلت میں پڑے رہے۔

خاتمہ کلام پر تمام اصولی مضامین سورت کا خلاصہ کردیا گیا ہے۔ اللہ کی ذات کا جملہ نقائص سے بری ہونا اور تمام کمالات سے متصف ہونا جو توحید صحیح ہے اور انبیاء ورسل پر اللہ کا سلام جو ان کی عظمت وعصمت اور سالم ومنصور ہونے کی دلیل ہے۔ احادیث سے نماز کے بعد اور اختتام مجلس پر ان آیات کے پڑھنے کی فضیلت ثابت ہے۔

لطائف سلوک:............آیت اصطفی البنات الخ کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے لئے جس طرح لڑکیاں نہیں۔ اسی طرح لڑکے بھی نہیں۔ دونوں کی نفی اس لحاظ سے اگرچہ برابر ہے مگر ذہناً چونکہ لڑکیوں کو کم درجہ سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے اللہ کا اس سے منزہ ہونا بدرجہ اولی ضروری ہوگا۔

اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ جس وجہ سے اللہ کا تصور اضطراراً ہوتا ہو اختیاراً بھی اسی وجہ سے اس کا تصور ناجائز ہوگا جو پہلی وجہ سے ادنیٰ اور کم درجہ ہو۔ مثلاً کسی کو اللہ کا تصور بڑی مقدار کے بغیر اگر نہ ہوسکتا ہو تو اس کے لئے اس کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ کسی چھوٹی مقدار کے ساتھ اللہ کا تصور کرے۔ اگرچہ اللہ مطلقاً مقدار سے پاک ہے نہ بڑی مقدار اس کے لئے ہے اور نہ چھوٹی۔ لیکن چھوٹی مقدار کا دھیان عرفاً بھی برا ہوگا۔ جیسا کہ عقلاً اور شرعاً برا ہے۔ ہاں کوئی طبعاً مقدار ہونے کے اعتبار سے نہ بچ سکے تو وہ معذور سمجھا جائے گا۔ تاہم عقلاً اس سے بھی پاک ہونے کا اعتقاد رکھنا ضروری ہوگا۔ یہ مقام نازک ہے نااہل سے بیان کرنے میں احتیاط واجب ہے۔

آیت **وما منا الا له مقام** کے تحت روح المعانی نے سدیؒ سے نقل کیا ہے کہ فرشتوں کے لئے مقامات قرب ومشاہدہ وغیرہ متعین ہیں ان سے نہ ترقی ہوتی ہے اور نہ نزول۔ برخلاف انسان کے۔ اس کے لئے دونوں ہوتے ہیں۔

انی ذاهب الی ربی مشائخؒ اس کو سیر الی اللہ کہتے ہیں جو مطلوب ہے۔

سُوْرَةُ صٓ

سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ اَوْ ثَمَانٌ وَّثَمَانُوْنَ ايَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

صٓ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ** ؕ۱ اَيِ الْبَيَانِ اَوِ الشَّرَفِ وَجَوَابُ هٰذَا الْقَسَمِ مَحْذُوْفٌ اَيْ مَا الْاَمْرُ كَمَا قَالَ كُفَّارُ مَكَّةَ مِنْ تَعَدُّدِ الْاٰلِهَةِ **بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ **فِيْ عِزَّةٍ** حَمِيَّةٍ وَتَكَبُّرٍ عَنِ الْاِيْمَانِ **وَّشِقَاقٍ** ۲ خِلَافٍ وَعَدَاوَةٍ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **كَمْ** اَيْ كَثِيْرًا **اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ** اَيْ اُمَّةٍ مِنَ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ **فَنَادَوْا** حِيْنَ نُزُوْلِ الْعَذَابِ بِهِمْ **وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ** ۳ اَيْ لَيْسَ الْحِيْنُ حِيْنَ فِرَارٍ وَالتَّاءُ زَائِدَةٌ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ فَاعِلِ نَادَوْا اَيِ اسْتَغَاثُوْا وَالْحَالُ اَنْ لَا مَهْرَبَ وَلَا مَنْجَأَ وَمَا اعْتَبَرَ بِهِمْ كُفَّارُ مَكَّةَ **وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ** رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يُنْذِرُهُمْ يُخَوِّفُهُمْ بِالنَّارِ بَعْدَ الْبَعْثِ وَهُوَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ** فِيْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ **هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ** ۴ **اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا** حَيْثُ قَالَ لَهُمْ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَيْ كَيْفَ يَسَعُ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ اِلٰهٌ وَاحِدٌ **اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ** ۵ عَجِيْبٌ **وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ** مِنْ مَجْلِسِ اجْتِمَاعِهِمْ عِنْدَ اَبِيْ طَالِبٍ وَسَمَاعِهِمْ فِيْهِ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ **اَنِ امْشُوْا** اَيْ يَقُوْلُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اَنِ امْشُوْا **وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ** اُثْبُتُوْا عَلٰى عِبَادَتِهَا **اِنَّ هٰذَا** الْمَذْكُوْرَ مِنَ التَّوْحِيْدِ **لَشَيْءٌ يُّرَادُ** ۶ مِنَّا **مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ** اَيْ مِلَّةِ عِيْسٰى **اِنْ** مَا **هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ** ۷ كَذِبٌ **ءَاُنْزِلَ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ وَتَرْكِهٖ **عَلَيْهِ** عَلٰى مُحَمَّدٍ **الذِّكْرُ** الْقُرْاٰنُ **مِنْ بَيْنِنَا** وَلَيْسَ بِاَكْبَرِنَا وَلَا اَشْرَفِنَا اَيْ لَمْ يُنْزَلْ عَلَيْهِ قَالَ تَعَالٰى **بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ** وَحْيِيْ اَيِ الْقُرْاٰنُ حَيْثُ كَذَّبُوا الْجَائِيَ بِهٖ **بَلْ لَّمَّا** لَمْ

يَذُوْقُوْا عَذَابِ ۸ وَلَوْ ذَاقُوْهُ لَصَدَّقُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا جَاءَ بِهٖ وَلَا يَنْفَعُهُمُ التَّصْدِيْقُ حِيْنَئِذٍ **اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ** الْغَالِبِ **الْوَهَّابِ** ۹ مِنَ النُّبُوَّةِ وَغَيْرِهَا فَيُعْطُوْنَهَا مَنْ شَاءُوْا **اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا** اِنْ زَعَمُوْا ذٰلِكَ **فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ** ۱۰ الْمُوْصِلَةِ اِلَى السَّمَاءِ فَيَاْتُوْا بِالْوَحْيِ فَيَخُصُّوْا بِهٖ مَنْ شَاءُوْا وَاَمْ فِي الْمَوْضِعَيْنِ بِمَعْنٰى هَمْزَةِ الْاِنْكَارِ **جُنْدٌ مَّا** اَيْ هُمْ جُنْدٌ حَقِيْرٌ **هُنَالِكَ** اَيْ فِيْ تَكْذِيْبِهِمْ لَكَ **مَهْزُوْمٌ** صِفَةُ جُنْدٍ **مِّنَ الْاَحْزَابِ** ۱۱ صِفَةُ جُنْدٍ اَيْضًا اَيْ مِنْ جِنْسِ الْاَحْزَابِ الْمُتَحَزِّبِيْنَ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ قَبْلَكَ وَاُولٰئِكَ قَدْ قُهِرُوْا وَاُهْلِكُوْا فَكَذٰلِكَ يُهْلَكُ هٰؤُلَاءِ **كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ** تَانِيْثُ قَوْمٍ بِاعْتِبَارِ الْمَعْنٰى **وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ** ۱۲ كَانَ يَتِدُ لِكُلِّ مَنْ يَغْضَبُ عَلَيْهِ اَرْبَعَةَ اَوْتَادٍ وَيَشُدُّ اِلَيْهَا يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ وَيُعَذِّبُهٗ **وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ** اَيِ الْغَيْضَةِ وَهُمْ قَوْمُ شُعَيْبٍ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ **اُولٰئِكَ الْاَحْزَابُ** ۱۳ **اِنْ** مَا **كُلٌّ** مِنَ الْاَحْزَابِ **اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ** لِاَنَّهُمْ اِذَا كَذَّبُوْا وَاحِدًا مِنْهُمْ فَكَذَّبُوْا جَمِيْعَهُمْ لِاَنَّ دَعْوَتَهُمْ وَاحِدَةٌ وَهِيَ دَعْوَةُ التَّوْحِيْدِ **فَحَقَّ** وَجَبَ **عِقَابِ** ۱۴

ترجمہ: .... سورۂ ص مکی ہے۔ جس میں ۸۶ یا ۸۸ آیات ہیں۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ص (اس کی حقیقی مراد اللہ کو معلوم ہے) قسم قرآن کی جو نصیحت پر ہے (یعنی بیان وشرف والا ہے۔ اس قسم کا جواب، محذوف ہے۔ یعنی بہت سے خداؤں کا جو یہ کفار مانتے ہیں وہ غلط ہے) بلکہ یہ کافر (مکہ کے) تعصب (نخوت و کبر قبول ایمان میں) اور مخالفت کا شکار ہیں (پیغمبر ﷺ سے دشمنی اور عداوت رکھتے ہیں) ان سے پہلے کتنے ہی (بہت سے) لوگوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں (پچھلی امتوں میں) سوانہوں نے (عذاب آنے پر) بڑے ہائے پکار مچائی اور وہ وقت چھٹکارے کا نہیں تھا (یعنی بھاگنے کا وقت نہیں رہا تھا۔ ولات میں تا زائد ہے اور جملہ حال ہے نادوا کے فاعل سے یعنی فریاد وزاری کی مگر جب کہ موقعہ نکل چکا تھا۔ البتہ کفار مکہ اس سے عبرت نہیں پکڑتے) اور ان کفار نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان کے پاس ان میں سے ایک ڈرانے والا آیا ہے (انہی میں سے پیغمبر جو ڈراتا ہے اور قیامت میں دوزخ میں جانے سے ڈراتا ہے۔ اس سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں) اور کافر کہنے لگے (بجائے ضمیر کے اسم ظاہر لایا گیا ہے) کہ یہ شخص جادوگر جھوٹا ہے۔ کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود مان لیا جائے (کیونکہ لا الٰہ الا اللّٰہ پڑھنے کو کہتا ہے۔ یعنی ساری مخلوق کا صرف ایک خدا کیسے ہو سکتا ہے) واقعی یہ تو بڑی عجیب (غریب) ہے اور کفار قریش یہ کہتے ہوئے چلے (ابوطالب کی مجلس سے جب آنحضرت ﷺ سے لا الٰہ الا اللّٰہ پڑھنے کو سنا) کہ چلو (یعنی ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اٹھو) اور اپنے معبودوں پر جم جاؤ (انہی کی پوجا پاٹ میں لگے رہو) یہ (توحید کی دعوت) بھی کوئی مطلب کی بات ہے (جو ہم سے چاہی جارہی ہے) ہم نے تو یہ بات پچھلی ملت (عیسیٰ علیہ السلام کی ملت) میں سنی ہی نہیں۔ ہو نہ ہو، یہ من گھڑت (جھوٹ) ہے کیا نازل کیا گیا ہے۔ (دونوں ہمزاؤں کی تحقیق اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل کے ساتھ اور دونوں کے درمیان دونوں صورتوں میں الف داخل کر کے اور بغیر الف داخل کئے پڑھا گیا ہے) صرف اسی ایک شخص (محمد ﷺ) پر کلام الٰہی (قرآن) ہم سب میں (حالانکہ وہ ہم سب سے نہ بڑا ہے اور نہ سب سے برتر۔ پھر

کیوں اسی پر نازل ہوا۔ جواب میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) بلکہ یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ میری وحی کے متعلق یعنی قرآن کے بارے میں۔ اسی لئے اس کے لانے والے کو جھٹلا رہے ہیں) بلکہ انہوں نے ابھی تک میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا (اگر اس کا مزہ چکھ لیتے تو ضرور آپ کے پیغام کی تصدیق کرتے۔ حالانکہ اس وقت انہیں تصدیق کا فائدہ نہ ہوتا) کیا ان لوگوں کے پاس آپ کے پروردگار (زبردست) فیاض کی رحمت کے خزانے ہیں (یعنی نبوت وغیرہ کے کہ جسے یہ چاہیں بخش دیں) یا ان کو آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا اختیار حاصل ہے (اگر ان کا خیال ایسا ہی ہے) تو ان کو چاہئے کہ سیڑھیاں لگا کر چڑھ جائیں (جو آسمان تک انہیں پہنچادیں۔ پھر یہ وحی لاکر جسے چاہیں اس وحی کے ساتھ مخصوص کردیں۔ دونوں جگہ ام بمعنی ہمزۂ انکار ہے) یوں ہی ایک بھیڑ ہے (یعنی یہ ایک معمولی ہجوم ہے) اس مقام پر (آپ کے جھٹلانے کے سلسلہ میں) جو شکست دی جائے گی (یہ صفت ہے جند کی) منجملہ اور گروہوں کے (یہ بھی جند کی صفت ہے۔ یعنی یہ لوگ منجملہ ان پارٹیوں کے ہیں۔ جنہوں نے آپ سے پہلے انبیاء کے مقابلے میں پارٹی بندی کی تھی۔ پس ان لوگوں پر قہر نازل ہوا اور ہلاک ہوئے۔ ایسے ہی ان پر بھی ہلاکت آئے گی) جھٹلایا تھا ان سے پہلے بھی قوم نوح (لفظ قوم کی تانیث بلحاظ معنی ہے) اور عاد اور فرعون نے جس کے کھونٹے گڑ گئے تھے (جسے سزا دینی ہوتی تو اس کو فرعون چومیخا کرڈالتا اور دونوں ہاتھ پاؤں باندھ کر عذاب دیا کرتا تھا) اور ثمود اور قوم لوط اور اصحاب ایکہ نے (یعنی جھاڑی والے۔ یہ حضرت شعیبؑ کی قوم والے تھے) وہ گروہ یہی لوگ ہیں ان سب (پارٹیوں) نے صرف پیغمبروں کو جھٹلایا تھا (کیونکہ ایک پیغمبر کو جھٹلایا تو گویا سارے پیغمبروں کو جھٹلا دیا اس لئے کہ سب کا ایک ہی دعویٰ دعوائے توحید تھا) سو واقع (لازم) ہو گیا میرا عذاب۔

تحقیق وترکیب: .... ص. حروف معجمہ میں سے یہ ایک حرف تحدی کے لئے لایا گیا ہے۔ اس کے بعد قسم ذکر کی اور جواب محذوف ہے یعنی قسم ہے قرآن کریم کی یہ معجزانہ کلام ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ص مبتدائے محذوف کی خبر ہو سورت کا نام قرار دیتے ہوئے۔ یعنی قسم قرآن کی یہ سورت معجزہ ہے۔ گویا عبارت اس طرح ہوگی۔ **اقسمت بصاده القران ذی الذکر انه لکلام معجز** جیسے کہا جائے۔ **هذا حاتم و الله** جواب قسم کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔

ا۔ فراءؒ کے علاوہ کوفیوں کی اور زجاجؒ کی رائے میں جواب قسم **ان ذالک لحق** ہے۔ لیکن فراءؒ **والقران ذی الذکر** سے مؤخر ہونے کی وجہ سے اس کو مناسب نہیں سمجھتے۔

۲۔ فراءؒ اور ثعلبؒ کے نزدیک جواب قسم **کم اهلکنا** ہے۔ اصل میں **لکم اهلکنا** تھا۔ طول کلام کی وجہ سے لام حذف کر دیا ہے۔ جیسے **والشمس** کے بعد **قد افلح** میں لام حذف کر دیا گیا ہے۔

۳۔ اخفشؒ کے نزدیک جواب قسم **ان کل الا کذب الرسل** ہے۔

۴۔ فراءؒ اور ثعلب کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ جواب قسم ص ہے۔ جواب قسم کا مقدم ہونا جائز مانتے ہوئے اور یہ کہ حرف ص حرف مقطعہ پر دال ہے، حالانکہ یہ دونوں باتیں ضعیف ہیں۔

۵۔ جواب قسم محذوف ہے جو **فی لقد جاء کم الحق** وغیرہ عبارت مانتے ہیں اور ابن عطیہؒ بقول مفسر علامؒ **ما الامر کما قال الکفار** مانتے ہیں اور زمخشریؒ **انه لمعجز** اور شیخؒ **انک لمن المرسلین** کہتے ہیں۔

بل الذین. پہلا کلام جس مضمون کو متضمن ہے یعنی شرک کی نفی کا یا اعجاز قرآن کا یقین اس سے اضراب ہے **ای الکفار لایقرون ما قلنا بل یعاندون.**

فی عزة. مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے کہ حقیقی عزت مراد نہیں ہے بلکہ نری شیخی مراد ہے اور **فی عزة و شقاق** میں تنکیر شدة

کے لئے اور عزت کے معنی غفلت کے بھی کیے گئے ہیں۔ یعنی نظر صحیح اور اتباع حق سے غفلت میں ہیں۔

لات. سیبویہؒ اور خلیلؒ کے نزدیک یہ لا مشبہ بلیس ہے تائے تانیث تاکید معنی نفی کے لئے زیادہ کی گئی ہے۔ چنانچہ بناء کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔ یا علامۃ کی طرح تامبالغہ کی مانی جائے۔ اس صورت میں اسم محذوف ہوگا۔ ای لیس الحین مناص. خطیب میں ہے کہ اہل یمن کے لغت میں لا بمعنی لیس آتا ہے۔ لیکن اخفشؒ کے نزدیک لائے نفی جنس ہے جس پر تازیادہ ہے جیسے رب سے ربت اور ثم سے ثمت اور حین مناص اسم مقلوب ہے۔ خبر لھم محذوف ہے ای لاحین مناص لھم اور بعض نے اس کو فعل مقدر کے لئے نافیہ مانا ہے۔ ای لا ادی حین مناص ناص ینوص بمعنی فات یفوت قاموس میں ہے کہ مناص بمعنی ملجاء۔

بل عجبوا. یعنی رسول کا ان میں سے آنا ان کے نزدیک خارج از عقل ہونے کی وجہ سے باعث حیرت ہے۔

قال الکافرون. اسم ظاہر لا کر اشارہ کردیا کہ ایسی بات نمبری کافر ہی کہہ سکتا ہے۔

اجعل الالھۃ. جعل بمعنی تصییر ہے۔ لیکن تصییر خارجی نہیں بلکہ تصییر قولی اور ذہنی مراد ہے۔ پھر یہ جعل ایک چیز کا دوسری چیز پر حکم لگانا نہیں، بلکہ ایک چیز کا انکار اور دوسری چیز کا اثبات ہے۔ اس لئے اس کو وحدت الوجود کے انکار پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ استفہام تعجبی ہے اور سبب انکار کفار کا قدیم کو حادث پر قیاس کرنا ہے کہ جس طرح ہم میں سے کوئی ایک سارا کام نہیں کرسکتا، یہی حال خدا کا بھی ہونا چاہئے۔

وانطلق. انطلق متضمن معنی قول ہے یعنی یہ کہتے ہوئے اٹھ گئے۔

لشیٔ یراد. یعنی آپ کی دعوت توحید کوئی مفید مطلب بات نہیں۔

الملۃ الاخرۃ. عیسائی مذہب چونکہ سابقہ مذاہب کے لحاظ سے آخری ہے اور اس میں عقیدہ تثلیث ہے۔ اس لئے دعوت توحید گویا ایک انوکھی چیز ہے۔ یہ ابن عباسؓ کی رائے ہے۔ لیکن بعض کے نزدیک علۃ اخریٰ سے مراد خود قریش کا اپنا مذہب ہے۔

بل ھم. یہ مقدر سے اضراب ہے ای انکارھم للذاکرین عن علم بل ھم فی شک منہ.

بل لما. یہ اضراب انتقالی ہے۔ سبب شک بیان کے لئے یعنی چونکہ عذاب کا مزہ نہیں چکھا۔ اس لئے ابھی تک شک میں مبتلا ہیں۔ لیکن اس کے بعد تو قرآن پر ایقان وایمان ہوجائے گا۔ یہاں لما بمعنی لم ہے۔ گویا دونوں کلاموں سے اضراب ہے۔

فلیرتقوا. فا شرط مقدر کے جواب پر ہے۔ مفسر علامؒ نے "ان زعموا" پہلے شرط محذوف مانی ہے۔ اسباب بمعنی طرق مراد سیڑھی اور زینہ ہے۔

جندما. خبر ہے مبتدا مضمر کی ای ھم اور ما تقلیل کے لئے زائد ہے جس کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔

ھنالک. یہ ظرف ہے مھزوم کا یا جند کی صفت ثانیہ ہے مراد مکہ ہے، جہاں یہ باتیں بناتے تھے۔ اس لحاظ سے یہ پیش گوئی ہے جو واقع ہوئی یا مشار الیہ تکذیب ہے اور بعض نے جند کو مبتداء کہا ہے اور ما تکثیر کے لئے ہے اور مھزوم خبر ہے۔

المتحزبین. تحزبوا ای اجتمعوا۔

من الاحزاب. جند کی صفت ثالثہ ہے۔

ذوالاوتاد. اوتاد وتد کی جمع ہے میخ اور کیل کو کہتے ہیں۔ چومیخا کرنا۔ سزاؤں کا ایک بھیانک طریقہ تھا یا ذوالاوتاد استعارہ بلیغہ ہے۔ یعنی اولشکر اور میخوں خیموں والا بادشاہ۔

الایکۃ. جھاڑی اور بن کو کہتے ہیں، جہاں قوم شعیب رہتی تھی۔

ربط آیات: .... اس سورت میں زیادہ تر مضامین رسالت سے متعلق ہیں۔ بعض آیات میں نبوت کی تکذیب پر مذمت اور وعید ہے اور بعض میں اس کا اثبات ہے اور آنحضرت ﷺ کی تسلی مقصود ہے اور بعض واقعات سے اثبات رسالت اور تسلی کی تائید کی گئی ہے۔ اسی طرح بعض میں توحید اور قیامت کے انکار سے مخالفت رسول کی برائی بتلائی گئی ہے۔

اور بعض آیات میں توحید و بعث کی مجمل دلیل اور بعض میں دونوں کے واقع ہونے کی کچھ تفصیل ہے اور بعض آیات میں قرآن کی تعریف ہے جس سے مسئلہ رسالت کی تائید ہوتی ہے۔ اس سے پچھلی سورت میں بھی یہی مضامین تھے، پس اس سے دونوں سورتوں کے مابین اور ان کے مضامین میں باہمی ربط ظاہر ہو گیا۔

شان نزول: .... حضرت عمرؓ جب مسلمان ہوئے تو مسلمانوں میں تو خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مگر مشرکین میں صف ماتم بچھ گئی اور قریش میں سے ۲۵ چیدہ سردار آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب کے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے۔ **انت شیخنا و کبیرنا**. آپ ہمارے سب سے بڑے لیڈر ہیں۔ ان بے وقوف مسلمانوں نے جو صورتحال کر رکھی ہے وہ آپ کو معلوم ہے۔ ہم آپ کے پاس اس لئے جمع ہوئے کہ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھالیں اور ہمارے اور ان کے درمیان تصفیہ کرادیں۔

ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کو بلایا اور کہا کہ تمہاری برادری کے یہ لوگ تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ سب بولے کہ آپ ہمارا اور ہمارے معبودوں کا تذکرہ نہ کیا کیجئے۔ ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دیجئے۔ فرمایا کہ تم اس کے بدلہ میں میری صرف ایک بات اگر مان لو گے تو سارا عرب و عجم تمہارا غلام ہو جائے گا۔ لوگوں نے کہا ضرور بتلائے۔ فرمایا کہو لا الہ الا اللہ یہ سن کر سب لوگ بھڑک گئے اور کہنے لگے کہ تم سب معبودوں کو بس ایک کئے ڈال رہے ہو؟ **ان ھذا لشیء عجاب** اور غصہ میں سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس پر سورۂ ص کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

﴿تشریح﴾: .... **قرآنی قسموں کی توجیہ:** .... شروع میں جو قرآن کی قسم کھائی گئی ہے۔ اگر قرآن سے مراد کلام نفسی ہے۔ جو صفت الٰہی اور غیر مخلوق ہے تب تو کوئی اشکال نہیں۔ لیکن اگر کلام لفظی مراد ہے تو اس کی تشریح سورۂ حجر کی آیت **لعمرک** کے ذیل میں بیان ہو چکی ہے دیکھ لی جائے۔ اور سورۂ صافات کی قسموں کے سلسلہ میں جو کچھ حکمت بیان ہوئی۔ اس کی روشنی میں یہاں یہ تقریر ہوگی۔ کہ قرآن رسالت کی دلیل ہے اور کفار کا رسالت سے انکار اس لئے نہیں کہ قرآن کی تعلیم میں کچھ قصور ہے یا حضور ﷺ کی تبلیغ میں کچھ کوتاہی ہے۔ بلکہ نصیحت سے لبریز اور معرفت و ہدایت کا خزانہ قرآن بآواز بلند شہادت دے رہا ہے کہ اس انحراف و انکار کا اصلی سبب خود ان لوگوں کی جھوٹی شیخی، جاہلانہ نخوت و غرور معاندانہ رویہ ہے۔ ذرا اس دلدل سے نکلیں تو حق وصداقت کی صاف شاہراہ انہیں نظر آ جائے گی۔ اسی کبر و غرور کی بدولت بہت سی پچھلی قومیں انبیاء سے مقابلہ ٹھان کر تباہ و برباد ہو چکی ہیں۔ جب ان کا برا وقت آیا اور عذاب الٰہی نے انہیں آ گھیرا تو بدحواس ہو کر وہ خدا کو پکارنے لگے۔ مگر وقت جا چکا تھا۔ اس لئے چیخ و پکار سے کچھ فائدہ نہ ہوا پس کہیں یہی انجام ان منکرین کا بھی نہ ہو۔

توحید و رسالت کی دعوت باعث حیرت ہے: .... انہیں اس پر حیرت ہے کہ انہی میں سے ایک آدمی کھڑے ہو کر ڈرا رہا ہے اور خود کو اللہ کا پیامبر ظاہر کرتا ہے۔ آسمانی فرشتہ اگر آتا تو خیر ایک بات تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک جادوگر ہے۔ جو کچھ ڈھونگ رچا کر اور کچھ کرشمے دکھا کر اور کچھ قصے کہانیاں سنا کر جھوٹا دعوے کر رہا ہے کہ یہ اللہ کے اتارے ہوئے علوم ہیں اور میں اس کا فرستادہ

ہوں۔ بھلا بے شمار دیوتاؤں اور دیویوں کو خیر باد کہہ کر صرف ایک خدا کا سہارا لیتا ہے۔ آخر اتنے بڑے جہان کا سارا انظام صرف ایک خدا کیسے چلا سکتا ہے؟ زندگی کے مختلف گوشوں میں بہت سے خداؤں کی بندگی صدیوں قرنوں سے ہوتی چلی آرہی ہے۔ کیا وہ سب یک قلم موقوف کر دی جائے۔ گویا ہمارے سب باپ دادے نرے جاہل اور احمق تھے۔ کہ اتنے مندروں میں اور اتنے دیوتاؤں کے آگے سر جھکاتے تھے؟

ابوطالب کی بیماری میں ابوجہل وغیرہ سرداران قریش جب آنحضرت ﷺ کی یہی شکایت لے کر ان کے پاس پہنچے۔ تو آپ نے یہی فرمایا کہ میں تم سے صرف ایک بات منوانا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد ساری دنیا تمہارا دم بھرنے لگے گی۔ وہ خوش ہو کر بولے۔ بتلایئے وہ کیا بات ہے؟ آپ ایک کلمہ کہتے ہیں ہم آپ کے دس کلمے ماننے کو تیار ہیں۔ فرمایا کہ بس صرف ایک کلمہ **لا الـٰه الا اللّٰه** ہے۔ سنتے ہی طیش میں آ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے چلو جی! یہ اپنی رٹ سے کبھی باز نہ آئیں گے۔ یہ تو بس ہمارے معبودوں کے پیچھے ہی ہاتھ دھو کر پڑے ہیں۔ تم بھی مضبوطی سے اپنے دیوتاؤں کی پوجا پاٹ پر جمے رہو۔ ان کی انتھک کوشش کے مقابلہ میں ہمیں صبر و استقلال کی زیادہ ضرورت ہے۔

پیغمبر کی دعوت کی غلط توجیہ: .... **ان ھـٰذا لشـیء یـراد** کا منشاء یہ ہے کہ محمد (ﷺ) جو اپنے منصوبہ پر اتنی سختی سے جمے ہوئے ہیں اس میں ضرور ان کا مطلب پوشیدہ ہے۔ وہ یہ کہ ایک خدا کا نام لے کر ہمیں اپنا محکوم بنانا چاہتے ہیں۔ تا کہ اس طرح دنیا کی ریاست حاصل کر لیں۔

یا یہ مطلب ہے کہ یہ ایسی بات ہے جس کے پورا کرنے کی محمد ﷺ نے ٹھان لی ہے۔ یہ اس سے کسی طرح باز آنے والے نہیں ہیں۔ یعنی اپنی فکر مندی کا اظہار کیا ہے۔ اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ حالات کا رخ دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ بس اب منظور خدا بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ملک میں انقلاب آ کر رہے گا۔ آج ہم سے عمر نکل گئے، کل کوئی اور نکل جائے گا۔ اسی طرح دیکھتے دیکھتے یہ کامیاب ہو جائیں گی۔ جہاں تک ہو سکے صبر و تحمل سے اپنے قدیم ورثہ کی حفاظت میں لگے رہو باقی جو ہونے والی بات ہے اسے کون روک سکتا ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ از راہ تحقیر کہا ہو کہ یہ بھی کوئی کام کی بات کہی ہے؟ یعنی بے کار اور لغویات کہی ہے۔ ایسی باتیں کہیں چلا کرتی ہیں۔ لہٰذا تم اپنے ہی راستہ پر جمے رہو۔

اہل کتاب کے غلط نظریات کا سہارا: .... **مـلة الاخـرة** سے مراد یا تو اپنا آبائی طور طریق ہے جس ڈگر پر وہ چل رہے تھے یعنی ہم نے تو کبھی اپنے بزرگوں سے یہ بات نہیں سنی کہ ساری دنیا میں بس ایک ہی خدا ہے اور یا بقول مفسرؒ خاص عیسائی مذہب مراد ہے۔ یعنی اہل کتاب سے بھی ہم نے یہ نہیں سنا۔ وہ بھی تین خداؤں کے تو قائل ہیں ہی۔ اگر اس کی کچھ اصلیت ہوتی تو وہ بھی تو کہتے۔ معلوم ہوتا ہے یہ نری محمد (ﷺ) کی اپـــــج ہے۔ پھر اچھا چلو قرآن کو بھی اللہ کا کلام مان لو اور یہ بھی مان لو کہ آسمان سے فرشتہ آنے کی ضرورت نہیں۔ مگر یہ کیا اندھیر ہے کہ ہم سب میں اس کام کے لئے محمد (ﷺ) ہی رہ گئے تھے۔ آخر ایک سے ایک بڑھ کر ہمارے ملک میں رئیس امیر موجود ہیں ان میں سے کوئی خدا کو اس منصب کے لئے پسند نہیں آیا۔

فرمایا یہ واہیات بکواس ہے اصل یہ ہے کہ انہیں ہماری نصیحت کے بارے میں دھوکا لگا ہوا ہے۔ انہیں یقین نہیں کہ جس خوفناک اور بھیانک مستقبل سے ان کو آگاہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور پیش آ کر رہے گا۔ کیونکہ ابھی انہوں نے خدائی مار کا مزہ نہیں چکھا۔ جس

دن خدائی مار پڑے گی سب اگلی پچھلی بھول جائیں گے اور سارے شکوک وشبہات یک لخت کافور ہو جائیں گے۔ انہیں اتنی ہوش نہیں کہ رحمت کے خزانے اور زمین وآسمان کی حکومت سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ زبردست انتہائی بخشش والا ہے۔ وہ جس پر جو چاہے انعام کرے، کون نکتہ چینی کر سکتا ہے۔ اگر وہ اپنی حکمت ودانائی سے کسی انسان کو منصب رسالت سے نواز دے، تو تم دخل دینے والے کون ہو۔ کیا تم مالک، ومختار ہو جو اس قسم کے لغو اعتراضات کرتے پھرتے ہو۔ ہاں! اگر نبوت کا دینا ان کے اختیار میں ہوتا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ جب ہم نے فلاں کو نبی نہیں بنایا تو پھر وہ کیسے دعویٰ کرتا ہے۔ لیکن نبوت کا بخشنا تو اللہ کے قبضہ میں ہے۔ وہ جسے چاہے دے۔ اور بالفرض اگر کل خزانے ان کے قبضہ میں نہ ہوتے۔ بلکہ آسمان وزمین ہی قبضہ میں ہوتے۔ تب بھی نبوت کو اپنے قبضہ میں کہہ سکتے۔ اس لئے کہ نبوت کا تعلق شرعی نظام سے ہے۔ اور شرعی نظام سے تکوینی نظام متاثر ہے لیکن جب یہ بھی نہیں تو یہ بھی نہیں ہے۔

آسمان پر سیڑھیاں لگا کر رسّیاں باندھ کر چڑھ جائیں:........... اگر ہو تو اپنے تمام اسباب ووسائل کو کام میں لے آ ؤ۔ اور رسیاں تان کر آسمان پر چڑھ جاؤ اور وہاں جا کر محمد (ﷺ) پر وحی آنا بند کر دو اور اپنی منشاء کے مطابق انتظام سنبھالو۔ یہ نہیں تو پھر خدائی انتظامات میں دخل دینا دیوانگی اور بے حیائی ہے اور کچھ نہیں۔ زمین وآسمان کی حکومت اور اس کے خزانوں کے مالک تو کیا ہوتے۔ یہ بے چارے تو چند شکست خوردہ آدمیوں کی ایک بھیڑ ہے جو اگلی تباہ شدہ قوموں کی طرح برباد ہوتی نظر آتی ہے۔ پچھلوں نے آسمانوں میں چڑھنے کی کوشش کر کے کیا پالیا جو یہ پالیں گے۔ بدر سے فتح مکہ تک دنیا نے قرآن کی اس صداقت کا تماشہ بھی دیکھ لیا۔ آگے نوح، عاد، فرعون، ثمود، ایکہ، لوط کی قوموں کا سرسری جائزہ پیش کر دیا۔ کہ یہ عبرت کا سامان کافی ہے۔

اور فرعون کو ذوالا وتاد یا تو اس لئے کہا کہ اس نے اپنی حکومت وسلطنت کے کھونٹے گاڑ دیئے تھے۔ اور یا وہ چومیخا کرنے کی ایک خاص قسم کی بھیانک سزا دیا کرتا تھا۔ جس سے اس کا نام ہی ذوالاوتاد پڑ گیا تھا۔ پس اتنی نامور اور طاقتور قوموں کا انجام سامنے ہے پھر تمہاری کیا حقیقت ہے جو اس قدر اچھل رہے ہو۔

ان کل الا کذب الرسل کا یہ مطلب نہیں کہ ان میں کوئی اور برائی نہیں تھی۔ بلکہ اس وہم کو دفع کرنا ہے کہ شاید ان کی تباہی کا سبب کفر کے علاوہ کچھ اور ہو۔ پس گویا یہ حصر حقیقی نہیں۔ بلکہ ادعائی اضافی ہے یعنی اصل سبب کفر ہے۔ اگرچہ خود کفر کا سبب نافرمانیوں پر ان کا اصرار ہے۔

لطائف سلوک:........... اجعل الالٰهة الٰها واحدا. بعض اہل غلو نے اس سے وحدت الوجود ثابت کیا ہے کہ کفار نے سب خداؤں کو ایک خدا کہنے پر انکار کیا۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے وحدت کا دعویٰ فرمایا ہوگا۔ لیکن یہ استدلال غلط ہے۔ کیونکہ آپ نے سب کے اتحاد کا دعویٰ نہیں فرمایا تھا۔ بلکہ ایک حقیقی خدا کا اثبات کر کے دوسرے فرضی خداؤں کا انکار فرمایا تھا۔ پس یہ جعل کے معنی ایسے ہی ہیں جیسے حدیث میں ہے۔ من جعل الهموم هما واحداهم الاخرة. حدیث کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ دنیا بھر کے غموں کو آخرت کے غم سے ملا کر ایک کر دے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ دنیا کے سب غم مٹا کر اور بھلا کر صرف ایک غم آخرت سوار کر لے۔

ء انزل علیه الذکر سے معلوم ہوا کہ یہ کفریہ قول کبر سے پیدا ہوا۔ جس سے تکبر کی برائی واضح ہے کہ وہ کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

وَمَا يَنْظُرُ يَنْتَظِرُ **هٰٓؤُلَآءِ** اَىْ كُفَّارُ مَكَّةَ **اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً** هِىَ نَفْخَةُ الْقِيَامَةِ تَحُلُّ بِهِمُ الْعَذَابُ **مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ** ﴿۱۵﴾ بِفَتْحِ الْفَاءِ وَضَمِّهَا رُجُوْعٌ **وَقَالُوْا** لَمَّا نَزَلَ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِىَ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ الخ **رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا** اَىْ كِتَابَ اَعْمَالِنَا **قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ** ﴿۱۶﴾ قَالُوْا ذٰلِكَ اِسْتِهْزَاءً قَالَ تَعَالٰى **اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ** ج اَىِ الْقُوَّةِ فِى الْعِبَادَةِ كَانَ يَصُوْمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا وَيَقُوْمُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَنَامُ ثُلُثَهٗ وَيَقُوْمُ سُدُسَهٗ **اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ** ﴿۱۷﴾ رَجَّاعٌ اِلٰى مَرْضَاتِ اللّٰهِ **اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ** بِتَسْبِيْحِهٖ **بِالْعَشِىِّ** وَقْتَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ **وَالْاِشْرَاقِ** ﴿۱۸﴾ وَقْتَ صَلٰوةِ الضُّحٰى وَهُوَ اَنْ تُشْرِقَ الشَّمْسُ وَيَتَنَاهٰى ضَوْءُهَا **وَ** سَخَّرْنَا **الطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً** ط مَجْمُوْعَةً اِلَيْهِ تُسَبِّحُ مَعَهٗ **كُلٌّ** مِنَ الْجِبَالِ وَالطَّيْرِ **لَّهٗٓ اَوَّابٌ** ﴿۱۹﴾ رَجَّاعٌ اِلٰى طَاعَتِهٖ بِالتَّسْبِيْحِ **وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ** قَوَّيْنَاهُ بِالْحَرَسِ وَالْجُنُوْدِ كَانَ يَحْرُسُ مِحْرَابَهٗ كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلٰثُوْنَ اَلْفَ رَجُلٍ **وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ** النُّبُوَّةَ وَالْاِصَابَةَ فِى الْاُمُوْرِ **وَفَصْلَ الْخِطَابِ** ﴿۲۰﴾ اَلْبَيَانَ الشَّافِىَ فِىْ كُلِّ قَصْدٍ **وَهَلْ** مَعْنَى الْاِسْتِفْهَامِ هُنَا التَّعْجِيْبُ وَالتَّشْوِيْقُ اِلَى اسْتِمَاعِ مَا بَعْدَهٗ **اَتٰىكَ** يَا مُحَمَّدُ **نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ** ﴿۲۱﴾ مِحْرَابَ دَاوٗدَ اَىْ مَسْجِدَهٗ حَيْثُ مُنِعُوا الدُّخُوْلَ عَلَيْهِ مِنَ الْبَابِ لِشُغْلِهٖ بِالْعِبَادَةِ اَىْ خَبَرُهُمْ وَقِصَّتُهُمْ **اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ** ج نَحْنُ **خَصْمٰنِ** قِيْلَ فَرِيْقَانِ لِيُطَابِقَ مَا قَبْلَهٗ مِنْ ضَمِيْرِ الْجَمْعِ وَقِيْلَ اِثْنَانِ وَالضَّمِيْرُ بِمَعْنَاهُمَا وَالْخَصْمُ يُطْلَقُ عَلَى الْوَاحِدِ وَاَكْثَرَ وَهُمَا مَلَكَانِ جَاءَا فِىْ صُوْرَةِ خَصْمَيْنِ وَقَعَ لَهُمَا مَا ذُكِرَ عَلٰى سَبِيْلِ الْفَرْضِ لِتَنْبِيْهِ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلٰى مَا وَقَعَ مِنْهُ وَكَانَ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ امْرَأَةً وَطَلَبَ امْرَأَةَ شَخْصٍ لَيْسَ لَهٗ غَيْرُهَا وَتَزَوَّجَهَا وَدَخَلَ بِهَا **بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ** تَجُرْ **وَاهْدِنَآ** اَرْشِدْنَا **اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ** ﴿۲۲﴾ وَسَطِ الطَّرِيْقِ الصَّوَابِ **اِنَّ هٰذَآ اَخِىْ** قف اَىْ عَلٰى دِيْنِىْ **لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً** يُعَبَّرُ بِهَا عَنِ الْمَرْأَةِ **وَّلِىَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ** قف **فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا** اِجْعَلْنِىْ كَافِلَهَا **وَعَزَّنِىْ** غَلَبَنِىْ **فِى الْخِطَابِ** ﴿۲۳﴾ اَىِ الْجِدَالِ وَاَقَرَّهُ الْاٰخَرُ عَلٰى ذٰلِكَ **قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ** لِيَضُمَّهَا **اِلٰى نِعَاجِهٖ** ط **وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ** الشُّرَكَاءِ **لَيَبْغِىْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ** ط مَا لِتَاكِيْدِ الْقِلَّةِ فَقَالَ الْمَلَكَانِ صَاعِدَيْنِ فِىْ صُوْرَتِهِمَا اِلَى السَّمَاءِ قَضَى الرَّجُلُ عَلٰى نَفْسِهٖ فَتَنَبَّهَ دَاوٗدُ قَالَ تَعَالٰى **وَظَنَّ** اَىْ اَيْقَنَ **دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ** اَوْقَعْنَاهُ فِىْ فِتْنَةٍ اَىْ بَلِيَّةٍ بِمَحَبَّتِهٖ تِلْكَ الْمَرْأَةَ **فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا** اَىْ سَاجِدًا **وَّاَنَابَ** ﴿۲۴﴾ السجدة

وقف لازم

فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى اَیْ زِیَادَةُ خَیْرٍ فِی الدُّنْیَا وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ مَرْجِعٍ فِی الْاٰخِرَةِ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ تُدَبِّرُ اَمْرَ النَّاسِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى اَیْ هَوَی النَّفْسِ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اَیْ عَنِ الدَّلَائِلِ الدَّالَّةِ عَلٰی تَوْحِیْدِہٖ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَیْ عَنِ الْاِیْمَانِ بِاللّٰہِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا بِنِسْیَانِهِمْ يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ اَلْمُتَرَتَّبِ عَلَیْهِ تَرْکُهُمُ الْاِیْمَانَ وَلَوْ اَیْقَنُوْا بِیَوْمِ الْحِسَابِ لَاٰمَنُوْا فِی الدُّنْیَا

ترجمہ: .... اور یہ لوگ (کفار مکہ) بس ایک چیخ کے منتظر ہیں (قیامت کا بگل بجے گا تو ان پر عذاب آئے گا) جس میں دم لینے کی مہلت نہ ہوگی (فواق فتح فا اور ضمہ کے ساتھ ہے یعنی اس سے نکلنے کا موقع نہ ملے گا) اور یہ لوگ کہنے لگے (جب آیت فاما من اوتی کتابه بیمینه الخ نازل ہوئی) اے ہمارے پروردگار! ہمارا حصہ (اعمالنامہ) ہمیں روز حساب سے پہلے دے دے (یہ بات دل لگی کے طور پر کہی تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا) آپ ان لوگوں کی باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داؤدؑ کو یاد کرو جو بڑی طاقت والے تھے (یعنی عبادت کی بڑی طاقت رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور آدھی رات تک نماز میں کھڑے رہتے اور تہائی رات سو کر پھر چھٹے حصے میں کھڑے رہتے) وہ بہت جھکنے والے تھے (اللہ کی مرضیات کی طرف) ہم نے پہاڑوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ تسبیح کیا کریں ان کی (تسبیح کے) ساتھ شام (عشاء کی نماز) میں اور صبح کے وقت (چاشت کی نماز کے وقت۔ جس وقت سورج نکل کر خوب روشن ہو جائے) اور پرندوں کو (ہم نے مسخر کر دیا) جو اکٹھے ہو جاتے تھے (حضرت داؤدؑ کے ساتھ شریک تسبیح ہو جاتے تھے) سب چیزیں (پہاڑ۔ پرندے) اسی کی طرف مشغول ذکر رہتے (تسبیح کرتے ہوئے وقف طاعت رہتے) اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا (چوکیداروں پہرے داروں کی وجہ سے محفوظ کر دیا تھا۔ ہر رات تیس ہزار فوج پہرہ دیا کرتی تھی) اور ہم نے ان کو عطا کی تھی حکمت (نبوت اور ہر کام میں صحیح قوت فیصلہ) اور خوش بیانی (ہر بات کو عمدہ طرز سے بیان کر دینا) اور بھلا (یہاں استفہام تعجب کے لئے ہے اور بعد والی بات کو شوق سے سننے کے لئے) آپ کو (اے محمد) پہنچی ہے ان مقدموں والوں کی خبر جب کہ وہ عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر داؤدؑ کے مشغول عبادت ہونے کی وجہ سے یعنی آپ کو ان کا واقعہ اور قصہ معلوم ہوا ہے؟ جب وہ داؤدؑ کے سامنے پہنچے) تو وہ گھبرا گئے وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ ڈریئے نہیں (ہم) اہل معاملہ ہیں (بعض نے فرمایا کہ دو فریق مراد ہیں تا کہ پہلی ضمیر جمع کے مطابق ہو جائے اور بعض کی رائے ہے کہ صرف دو آدمی مراد ہیں اور ضمیر جمع معناً راجع ہوگی اور خصم ایک پر اور ایک سے زائد پر بھی بولا جاتا ہے۔ یہ دو فرشتے دو جھگڑالوؤں کی صورت میں پیش ہوئے تھے۔

وہ واقعہ فرضی صورت میں بیان کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے معاملہ پر تنبیہ کرنے کے لئے ہوا یہ کہ حضرت داؤدؑ کے ۹۹ بیویاں موجود تھیں۔ مگر پھر انہوں نے دوسری عورت سے جو کسی شخص کی تنہا بیوی تھی شادی کر لی اور اس سے بیوی جیسا معاملہ کر لیا) کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ اس لئے آپ انصاف سے ہمارا فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی (ظلم) نہ کیجئے اور ہم کو صحیح راہ (درمیانی راستہ جو درست ہے) بتلا دیجئے۔ یہ شخص میرا (دینی) بھائی ہے اس کے پاس ۹۹ دنبیاں ہیں (اشارہ ان کی بیویوں کی طرف تھا) اور میرے پاس ایک دنبی ہے۔ مگر یہ کہتا ہے کہ وہ بھی مجھے دے ڈال (میری تحویل میں دے دے) اور مجھ کو دباتا ہے (زور دکھاتا ہے) بات چیت میں (موجودہ تنازعہ میں دوسرے فریق نے اس کا اقرار بھی کر لیا) فرمایا داؤدؑ نے اس نے تجھ پر زیادتی کی ہے۔ تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں

ملانے کا سوال کر کے اور اکثر شرکاء (ساجھی) ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں۔ ہاں! مگر جو ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں (ما قلتہ کی تاکید کے لئے ہے۔ دونوں فرشتے اپنی صورت میں تبدیل ہو کر یہ کہتے ہوئے آسمان پر اڑ گئے۔ کہ اس شخص نے اپنے خلاف خود ہی فیصلہ صادر کر دیا ہے۔ فوراً حضرت داؤدؑ چونک پڑے۔ ارشاد باری ہے۔ کہ) داؤدؑ کو خیال (یقین) ہو گیا کہ ہم نے اس کا امتحان کیا ہے (ایک فتنہ میں ڈالا ہے۔ یعنی عورت کی بلائے محبت میں مبتلا کیا ہے) سو انہوں نے اپنے پروردگار کے آگے توبہ کی اور رکوع وسجدہ میں گر پڑے اور رجوع ہوئے۔ سو ہم نے ان کو معاف کر دیا اور ہمارے یہاں ان کا ایک مرتبہ ہے (دنیا میں بھلائی کی زیادتی اور نیک انجامی آخرت میں ہے) اے داؤد! ہم نے تم کو زمین پر حاکم بنایا ہے (لوگوں کے انتظامات کے لئے) سو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کرتے رہنا اور خواہش (نفس) کی پیروی نہ کرنا کہ وہ خدا کے راستہ سے (دلائل توحید سے) تمہیں بھٹکا دے گا۔ جو لوگ اللہ کے راستہ (ایمان) سے بھٹک گئے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہوگا ان کے روز حساب کو بھول جانے کے سبب سے (جس سے ایمان کی محرومی ہوئی اور اگر روز حساب کا یقین ہوتا تو دنیا ہی میں رہ کر ایمان لے آتے۔)

تحقیق وترکیب: .... من فواق. یہ مبتداء خبر سے مل کر جملہ محل نصب میں ہے۔ صیحۃ کی صفت ہونے کی وجہ سے اور من زائد ہے۔ لفظ فواق ضمہ اور فتحہ تا کے ساتھ دونوں لغت ہیں۔ پہلی مرتبہ دودھ دوھ کر دوسری مرتبہ جو دودھ دوہا جاتا ہے اس درمیانی وقفہ کو فواق کہتے ہیں۔

قطنا. قطہ بمعنی قطعہ یہاں حصہ اور نصب کے معنی ہیں صحیفہ جائزہ کو بھی کہتے ہیں۔ اسی لئے مفسرؒ نے اعمالنامہ کے معنی مراد لئے ہیں۔ ابن عباسؓ۔ قتادہؒ۔ مجاہدؒ سے یہی منقول ہے۔

ذا الاید. صوم داؤدی بظاہر تو صوم وصال سے سہل معلوم ہوتا ہے۔ مگر فی الحقیقت مشکل ہے۔ کیونکہ کھانا اور فاقہ دونوں عادت بننے نہیں پاتی۔ اس لئے طبیعت پر شاق معلوم ہوتا ہے۔

یسبحن. زبانی تسبیح مراد ہے اور حضرت داؤدؑ بطور خرق عادت اس تسبیح کو سمجھتے تھے۔ اور یا تسبیح حالی مراد ہے اور مضارع تجدد وحدوث کے لئے ہے۔

والطیر محشورة. بمعنی مجتمعة عام طور پر اس کو منصوب پڑھا ہے مفعول سخرنا پر عطف کرتے ہوئے یا حال در حال مانتے ہوئے۔ جیسے ضربت زید امکتوفا وعمرا مطلقا اور بعض حضرات نے دونوں کو مرفوع مانا ہے مستقل جملہ قرار دیتے ہوئے اور اس کا جملہ اسمیہ ہونا اللہ کی قدرت پر زیادہ دلالت کرتا ہے۔ ایک دم پرندوں کی ٹکڑیوں کا اڑنا زیادہ عجیب معلوم ہوتا ہے بہ نسبت یکے بعد دیگر سے اڑنے کے۔

بالعشی. اس سے مراد نماز مغرب ہے یا عشاء۔

والاشراق. ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نماز ضحیٰ میں نے اسی آیت سے سمجھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اشراق اور ضحیٰ ایک ہی ہے۔ جس کا اول وقت اشراق شمس سے شروع ہوتا ہے اور آدھے دن تک رہتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے کبھی اول وقت پڑھی اور کبھی آخر وقت۔ اس سے یہ سمجھا گیا کہ یہ دو نمازیں دو وقتوں میں ہیں۔ فقہائے شافعیہ کے اقوال سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

کل لہ اواب. ضمیر کا مرجع یا تو جبال وطیر ہیں اور یا اللہ کی طرف راجع کی جائے۔

الحکمة. عام معنی یہی ہیں اور خاص نبوت بھی مراد ہوسکتی ہے۔

فصل الخطاب. ای الخطاب الفاصل او المفصول.

اذا تسوروا. یہ منصوب ہے اتاک سے یا نبؤا سے یا محذوف کی وجہ سے مگر اتاک اور نبات دونوں نہ حضرت داؤدؑ کے زمانہ میں ہوئے ہیں اور نہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بلکہ اول آنحضرت ﷺ کے اور دوسرے حضرت داؤدؑ کے زمانہ میں ہوا۔ اس لئے ناصب محذوف ماننا ہی بہتر ہے۔ ای هل اتاک نباء تحاکم الخصم. حضرت جبرائیل ومیکائیل مدعی ومدعا علیہ ہوں گے اور دوسرے فرشتے گواہ اور دیگر لوگ مزکی ہوں گے۔

خصمان ضمیر جمع کا مرجع دو کرنے کی ایک توجیہ مفسرؒ نے یہ بھی بیان کی ہے کہ خصمان معنی جمع ہے۔ کیونکہ تثنیہ یہ میں جمع کے معنی ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے لحکمهم شاهدین میں حضرت سلیمانؑ وداؤدؑ مراد ہیں بلحاظ معنی کے چونکہ یہ نزاعی صورت فرضی تھی اس لئے فرشتوں پر جھوٹ کا شبہ نہیں ہوسکتا۔ جیسے استفتاء میں فرضی صورت پر بیان حکم ہوتا ہے۔ اس میں کذب نہیں کہا جاتا۔ دنبی کے فرضی واقعہ سے جس پر تنبیہ مقصود تھی وہ واقعہ یہ تھا کہ اوریا نامی ایک شخص کی بیوی پر اتفاقیہ حضرت داؤدؑ کی نظر پڑ گئی اور وہ ان کو بھا گئی تو اس کے خاوند سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ شوہر حضرت داؤدؑ کے دبدبہ اور ذاتی حیا کی وجہ سے انکار نہ کرسکا اور بیوی کو چھوڑ دیا۔ پھر وہ حضرت داؤدؑ کے نکاح میں آ گئی۔

اس قسم کی مروت کا معاملہ نہ صرف یہ کہ ان کی شریعت میں جائز تھا۔ بلکہ ابتدائے اسلام میں بھی ہوا ہے۔ جیسا کہ واقعہ ہجرت میں انصار نے اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو مہاجر بھائی کے لئے ضرورتاً چھوڑ دیا تھا۔ بعد میں جب اس کی ضرورت نہ رہی تو یہ عملدرآمد بھی ترک ہوگیا۔ مگر جہاں اس میں سابق شوہر کی مروت معلوم ہوتی ہے وہیں دوسرے شوہر کی بے مروتی بھی ہے۔ خاص کر جب کہ اس کے پاس بہت سی بیویاں ہوں اور دوسرے کے پاس صرف ایک ہی بیوی ہو۔ اس لئے حضرت داؤدؑ کو تنبیہ کی ضرورت پیش آئی۔

عزنی فی الخطاب. خطاب سے مراد یا تو گفتگو ہے یعنی بات چیت میں مجھ پر غالب آ جاتا ہے۔ اور خطبہ بمعنی پیغام نکاح ہے۔ یعنی خطبہ میں یہ مجھ سے بازی لے جاتا ہے۔ اشارہ حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ کی جانب ہوگا۔

واقــره الاخــر. کہہ کر مفسر علامؒ اس شبہ کو دور کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ نے صرف مدعی کے بیان پر کس طرح فیصلہ فرما دیا۔ ظاہر ہے کہ دوسرے فریق کے اقرار کے بعد یہ شبہ نہیں رہتا۔

الیٰ نعاجه. مفسر علامؒ نے الیٰ کے متعلق محذوف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ای یضمها الیٰ نعاجه یا لفظ ضم جب کہ نعجه کی طرف مضاف ہو اس کو متعلق مانا جائے۔ ای بسوال ضم نعجتک الیٰ نعاجه اور مشہور یہ ہے کہ یہ سوال سے متعلق ہے متضمن بمعنی ضم ہونے کی وجہ سے۔

راکعا چونکہ رکوع اور سجدہ دونوں میں جھکنا ہوتا ہے۔ اس لئے رکوع بول کر سجدہ مراد لیا ہے یا یوں کہا جائے کہ اول رکوع کیا، پھر سجدہ کیا، حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ چالیس روز تک سجدہ میں پڑے رہے۔ کھانا پینا موقوف کر دیا۔

واناب. شوافع کے نزدیک یہ آیت سجدہ نہیں ہے احناف اس کو آیت سجدہ سمجھتے ہیں۔

یا داؤد. مستقل کلام بھی ہوسکتا ہے یا ان له عندنا لزلفی کے معنی کئے گئے ہیں۔ یا قول محذوف کا مقولہ ہو کر فغفرنا کا معطوف علیہ ہوسکتا ہے۔ ای فغفرنا وقلنا الخ جس میں سابقہ خلافت کے باقی رہنے کی طرف اشارہ ہے۔

فاحکم. کیونکہ شرعی نظام میں تکوینی نظام کی بہترائی بھی مضمر ہوتی ہے اور بعض کی رائے ہے کہ ان کی امت مخاطب ہے۔ ورنہ نبی کے معصوم ہونے کی وجہ سے لا تتبع الهوىٰ کے خطاب میں اشکال رہے گا۔ لیکن حضرت داؤدؑ بھی مخاطب ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ نہی برائی کے ارتکاب کو مستلزم نہیں۔ اس لئے خلاف عصمت کوئی بات لازم نہیں آتی یا یوں کہا جائے کہ مبالغہ ہے کہ جب نبی باوجود عصمت

کے مخاطب ہیں تو دوسرے بدرجہ اولی مخاطب ہوں گے۔

یوم الحساب یہ مفعول ہے نسوا کا یا ظرف ہے لھم عذاب کا۔ نسیان سے مراد ترک ایمان ہے پس عذاب کا سبب تو ترک ایمان اور ترک ایمان کا سبب نسیان ہے۔

ربط وشان نزول:............ آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لئے حضرت داؤدؑ وغیرہ بعض انبیاء علیہم السلام کے کچھ احوال بیان کئے جارہے ہیں۔ چنانچہ حضرت داؤدؑ کی اتفاقیہ نظر ایک مرتبہ اوریا نامی ایک شخص کی بیوی پر پڑ گئی۔ تو اس کے شوہر سے اس کو چھوڑ دینے اور خود اپنے نکاح میں لے آنے کی خواہش کی تو اس نے بادل ناخواستہ تعمیل حکم کر دی اور اس وقت ایسا ہو جایا کرتا تھا۔ جیسا کہ ہجرت کے موقعہ پر مسلمانوں میں بھی مواخات کے سلسلہ میں ایسا ہوا ہے۔

﴿ تشریح ﴾:............ **صیحة** سے مراد ڈانٹ ڈپٹ ہے جو غصہ کے وقت ہوتی ہے اور یا صور قیامت مراد ہے کہ یہ ناہنجار اسی کے منتظر ہیں اور وہ بڑا ہولناک اور آناً فاناً میں ہو جائے گا۔ اور اس وقت پچھتانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

مگر ان کی بے حسی ملاحظہ ہو کہ یہ لوگ شوق عذاب میں اس قدر بے چین ہیں کہ جلد بھجوانے کی فرمائش کر رہے ہیں۔ گویا محض مسخراپن کرنے کے لئے۔

جالوتیوں کی تباہی اور داؤدؑ کی حکمرانی:............ خیر آپ ﷺ اس کو بھی کڑوا گھونٹ سمجھ کر نگل لیجئے اور ثابت قدمی سے جھیل جایئے۔ طبیعت زیادہ پریشان ہو تو حضرت داؤدؑ پر نظر ڈالیئے کہ انہوں نے جالوت کے عہد میں کتنا ظلم برداشت کیا۔ آخر کار نقشہ کیسا پلٹا کہ جالوت تباہ ہوا اور حکومت ان کے ہاتھ آئی۔

ذوالاید یعنی ہاتھ کے بل والا۔ اسی لئے کہا کہ اب طاقت کا توازن ان کے حق میں ہو گیا تھا۔ یا خاص معجزہ مراد ہے کہ موم کی طرح لوہا ان کے ہاتھ میں نرم ہو گیا تھا۔ یا یہ کہ شاہی خزانہ سے اپنے اخراجات پورے نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اپنی قوت بازو اور ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ جس سے کسب معاش کی فضیلت معلوم ہوئی۔ اور یہ کہ وہ توکل کے منافی نہیں ہے۔

چنانچہ اواب خدا کی طرف رجوع ہونے والا اس لئے کہا کہ ذرائع واسباب اختیار کرنے کے باوجود بھروسہ اللہ کی ذات پر تھا۔ اور پہاڑوں وغیرہ کے ان کے ساتھ تسبیح سے مراد بھی یہی ہو سکتی ہے کہ وہ بھی ان کے ساتھ اللہ ہی پر سہارا کرنے والے تھے۔

غرض کہ ان کو نیچے سے اوپر اٹھا کر تخت سلطنت پر بٹھلا دیا اور فوج فراء سے خوب ان کی دھاک بٹھلا دی۔ وہ بڑے دانا، مدبر، قوت فیصلہ کے مالک، زور بیان میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ اور ان سب سے بڑھ کر صاحب نبوت تھے۔ چنانچہ حضرت داؤدؑ نے اپنے دستور العمل تقسیم اوقات کے ساتھ اس طرح مرتب کر لیا تھا۔ کہ ایک دن دربار کرتے جس میں ملکی معاملات طے کرتے۔ ایک دن تدبیر منزل۔ گھریلو معاملات میں مصروف رہتے اور ایک دن خالص عبادت الٰہی اور خلوت میں گزارتے۔ عبادت کے دن کسی کو ان کے خلوت خانے میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔

حضرت داؤدؑ کی خلوت خاص میں دو اجنبیوں کا گھس آنا:............ ہوا یہ کہ ایک روز اچانک کئی انجان آدمی ان کی خلوت خاص میں گھس آئے اور وہ بھی دروازے کی بجائے دیوار پھاند کر داؤدؑ کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ باوجودیکہ حضرت داؤدؑ جی دار اور باہمت تھے۔ مگر اس ناگہانی ماجرے سے گھبرا اٹھے اور سوچ بچار میں پڑ گئے۔ کہ اگر یہ آدمی ہیں تو اس طرح آنے کی ہمت کیسے

ہوئی اور اگر کوئی اور بات ہے تو وہ کیا ہے؟ پھر آنے کا منشاء اور غرض کیا ہوسکتی ہے۔ غرض اچانک یہ عجیب وغریب منظر دیکھ کر مختلف سوالات ان کے ذہن میں ابھر گئے اور عبادت کی یکسوئی میں خلل پڑ گیا۔لیکن آنے والوں نے فوراً صورت حال کی نزاکت محسوس کر کے کہا کہ آپ گھبرائیے مت اور نہ ہم سے کچھ اندیشہ کیجئے۔ہم اپنا مقدمہ لے کر آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں۔ہم دونوں فریق ہیں۔ ہمارا منصفانہ فیصلہ فرما دیجئے۔جس میں نہ جانب داری ہو اور نہ ٹالنے والی بات۔ہم عدل وانصاف کے طالب ہیں اس طرز گفتگو سے ضرور حضرت داؤدؑ متحیر ہوئے ہوں گے۔آگے مقدمہ کی روئیداد بتلائی کہ ہمارے اس ساتھی کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔اور اسی کے ساتھ یہ مشکل آن پڑی ہے کہ مال میں جس طرح یہ مجھ سے بڑھ کر ہے زور بیان اور بات کرنے میں بھی مجھ سے تیز ہے۔جب بولتا ہے مجھے دبالیتا ہے اور لوگ بھی اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔اس طرح یہ اپنی سو (۱۰۰) دنبیاں پوری کرنا چاہتا ہے۔اور دھینگا مشتی کر کے میرے پاس ایک بھی رہنے نہیں دیتا اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا معاملہ کرتا ہے۔

حضرت داؤدؑ کی شخصیت وغیرہ سے متاثر ہو کر یا تو دوسرے فریق نے اس کا اقرار کرلیا ہوگا۔جیسا کہ مفسر علامؒ نے رائے پیش کی ہے اور یا شرعی قاعدہ کی رو سے مدعی کی جانب سے ثبوت مکمل پیش ہوگیا ہوگا اور یا پھر کشف نبوت سے حضرت داؤدؑ کو اطمینان ہوگیا ہوگا۔بہر حال ان تینوں احتمالات کا گوذکر نہیں، مگر اصول مقدمہ کی رو سے مان لیا جائے گا۔ورنہ فیصلہ یک طرفہ محض بیان پر ہوگا جو صحیح نہیں۔حضرت داؤدؑ نے مقدمہ سن کر فیصلہ فرمایا کہ یہ اس کی زیادتی اور ناانصافی ہے، چاہتا ہے کہ اپنے غریب بھائی کا حق ہڑپ کر جائے۔بھلا کس طرح اس بات کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

فرشتوں کے ظاہر ہوجانے کے بعد حضرت داؤدؑ کو تنبہ ہوا کہ یہ تو میرا امتحان ہوا تھا۔اس خیال کے آتے ہی لگے توبہ تلا کرنے اور خدا کے آگے جھک پڑے، معافی کے خواستگار ہوئے چنانچہ معافی مل گئی۔

حضرت داؤدؑ کے واقعہ کی تحقیق:............حضرت داؤدؑ کی وہ کیا غلطی تھی؟ مفسرینؒ نے تو لمبے قصے لکھ دیئے ہیں۔مگر حافظ ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ یہ تو اسرائیلیات ہیں اور اس باب میں آنحضرت ﷺ سے کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں جس کا اتباع ضروری ہو۔ اسی طرح حافظ ابن حزمؒ نے بھی بڑی شدت سے ان قصوں کی تردید کی ہے۔بلکہ تفسیر خازن میں ہے:۔

عن علی بن ابی طالب انه قال من حدثكم بحديث داؤد علی ما یرو یه القصاص جلدته مائة وستين جلدة وهو حد الفرية علی الانبياء.

نیز تفسیر حقانی میں اس قصہ کا ماخذ کتاب صموئیل کو کہا ہے۔حالانکہ اس کا پورا پتہ آج تک خود اہل کتاب کو بھی نہیں مل سکا کہ اس کا مصنف کون ہے۔دراصل یہ ایک تاریخی کتاب تھی جو یہود میں مروج رہی۔جس کو بعد میں اہل کتاب نے خواہ مخواہ الہامی کتاب فرض کرلیا۔

البتہ ابوحیانؒ وغیرہ نے اس داستان سرائی سے علیحدہ ہو کر آیات کا جو مجمل بیان کیا ہے وہ بھی تکلف سے خالی نہیں۔صاف بات حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بطور اعجاب حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ دن رات میں کوئی ساعت ایسی نہیں جس میں میرا عبادت خانہ خالی رہتا ہو، بلکہ میرے اہتمام کی وجہ سے ہر وقت آل داؤد میں سے کوئی نہ کوئی مشغول عبادت رہتا ہے، ممکن ہے اور بھی کچھ چیزیں اپنے حسن انتظام سے متعلق عرض کی ہوں گی، مگر یہ خودستائی حضرت داؤد علیہ السلام جیسے مقرب بندے سے اللہ کو پسند نہ آئی۔ارشاد ہوا کہ داؤد! یہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے ورنہ خود تم کچھ نہیں کر سکتے۔قسم ہے اپنے

جلال کی ایک روز اپنی توفیق سے ہٹا کر تمہیں تمہارے نفس کے حوالے کر دوں گا۔ پھر دیکھوں گا کہ کس طرح تم عبادت کرتے ہو۔ اور کس طرح نظام قائم رکھتے ہو۔ چنانچہ اسی روز یہ آزمائش ہوگئی اور حضرت داؤدؑ باوجود اطمینان و یکسوئی کے اس ناگہانی افتاد سے متاثر ہو گئے اور کچھ دیر کے لئے ان کا قلبی سکون متزلزل ہو کر رہ گیا۔ وہ گھبرا گئے، پھر فرشتوں کے اطمینان دلانے سے کچھ سانس میں سانس آیا اور حواس بجا ہوئے۔ اسی کو فتنہ فرمایا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ سامنے سے دونوں ننھے منے نواسے حسنؓ و حسینؓ قمیض پہنے لڑکھڑاتے آ گئے۔ آپ ﷺ نے خطبہ روک دیا اور نیچے اتر کر بے ساختہ انہیں گود میں اٹھا لیا اور کہا اللہ نے سچ فرمایا ہے۔ انما اموالکم و اولادکم فتنہ. غرض حضرت داؤدؑ کی اس خود پسندی کو ناپسند کر کے اس تنبیہ سے اس کا تدارک اور اصلاح مقصود تھی۔

حضرت داؤدؑ کی آزمائش: .... یا آزمائش کی تقریر معمولی تغیر سے اس طرح کی جائے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے صبر و استقلال کی جانچ مقصود تھی جو ایک سلطان اور حاکم کے لئے بے حد اہم اوصاف ہوتے ہیں۔ چنانچہ چوکی پہرہ کے باوجود ان کی خلوت خاص میں اس بے ڈھنگے پن سے آ گھسنا اور پھر بھدے طریقہ سے بات چیت شروع کرنا کہ ڈرومت کہ جس سے کہنے والے کا بڑا اور سننے والے کا چھوٹا ہونا ٹپکتا ہے۔ پھر یہ کہہ دینا کہ انصاف سے فیصلہ کیجئے۔ ناانصافی یا ٹال مٹول نہ کیجئے۔ حضرت داؤدؑ کو بھڑکانے کے لئے کافی تھا۔

اتنی گستاخی کو دیکھ کر بھی حضرت داؤدؑ سنبھلے رہے اور بے انتہاء برداشت کا برتاؤ کیا۔ اس سے اس کے غیر معمولی بھاری بھرکم ہونے کا امتحان ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ وہ اس منصب جلیل کے اہل ہیں، ورنہ اس گستاخانہ صورت پر دارو گیر کر سکتے تھے اور کچھ نہیں تو ان کا مقدمہ ملتوی کر کے ان پر توہین عدالت یا عزت ہتک کا مقدمہ قائم کر دیتے۔ مگر یہ سب کچھ نہیں کیا، بلکہ عفو و درگزر سے کام لیا اور مقدمہ کا فیصلہ نہایت ٹھنڈے دل سے بلا شائبہ ناراضگی کے کیا، جس کو کمال عدل کہا جائے گا۔ تاہم اتنا ضرور ہوا کہ شرعی دلیل قائم ہونے پر خواہ وہ ثبوت سے ہوئی یا اقرار فریق مخالف سے۔ صرف ظالم سے تعرض کرتے ہوئے انک ظالم او ظلمتہ کہنا چاہئے تھا۔ مگر انہوں نے مظلوم کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے لقد ظلمك فرمایا۔ جس سے ایک مظلوم سے ہمدردی ظاہر ہوئی۔ اگر چہ مظلوم کی یہ ہمدردی بھی عبادت ہے۔ بالخصوص مقدمہ ختم ہو جانے کے بعد۔ مگر فریق مقدمہ ہونے کی حیثیت سے یہ ہمدردی ایک طرح طرف داری اور جانبداری ہوگئی اور حاکم کی غیر جانب داری ہی فریقین کے اعتماد کا سبب ہوتی ہے۔ اس میں کسی جھول کا شائبہ بھی حضرت داؤدؑ کی عدالت عالیہ کے شایان شان نہ ہوا۔ ان کے انصاف کا پیمانہ تو سب سے اونچا ہونا چاہئے تھا اور گو مقدمہ ختم ہو گیا تھا مگر مجلس تو ختم نہیں ہوئی تھی جو جامع المتفر قات ہوتی ہے۔ اس لئے اس فرمانے کا تعلق ایک گونہ مقدمہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ بہر حال اس معمولی چوک پر حضرت داؤدؑ کو تنبیہ ہوا اور وہ خواستگار معافی ہو گئے۔ چنانچہ درگزر فرما دیا گیا۔ اس تقریر سے عدلیہ کی بہت اونچی مثال قائم ہو جاتی ہے۔

بعض حضرات کی رائے میں حضرت داؤدؑ کی کوتاہی .... بعض حضرات نے حضرت داؤدؑ کو بلا تحقیق لقد ظلمك کہہ دینے کو کوتاہی قرار دیا ہے۔ اگر چہ یہ جملہ تعلیقیہ بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی ان فعل کذا فقد ظلمک. مگر صورتاً غیر معلق ہے۔ ہاں مدعی علیہ کا اقرار اگر مان لیا جائے تو پھر حضرت داؤد علیہ السلام کا فرمانا صحیح ہوگا اور گنجائش تاویل نہیں رہے گی۔ اسی طرح بعض نے کہا ہے کہ حضرت داؤدؑ کو ان کی گستاخیوں پر غصہ آ گیا تھا۔ اس لئے استغفار کیا۔ مگر غصہ کا آنا ثابت نہیں ہے۔ اس لئے پہلی دونوں

تقریروں کو بےغبار اور الفاظ قرآنیہ کے مطابق کہا جائے گا۔

اصبر علی مایقولون کہہ کر اس قصہ کو یاد دلانا اس کا قرینہ ہے کہ اس قصہ میں بھی اقوال پر صبر تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ مشرکین مکہ یہ کلمات کہتے تھے اور قصہ داؤدؑ میں کچھ گستاخانہ الفاظ تھے۔ البتہ یہ بات ظنی ہے کہ حضرت داؤدؑ نے بھی آزمائش کی بنیاد اقوال پر رکھی ہے۔

خلطاء کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں فریق میں باہمی شرکت ہوگی اور معاملہ کی صورت ایسی ہوگی جس میں ظالم تلبیس کرسکتا تھا اور خلطاء کے معنی قرابت دار بھی ہوسکتے ہیں۔

یا داؤد انا جعلناک خلیفة. یعنی داؤدؑ چونکہ اللہ کے خلیفہ ہیں اس لئے شریعت کے مطابق عدل وانصاف سے فیصلے کیا کرو۔ جس میں خواہش نفس کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ آنے پائے۔ کیونکہ جو اللہ کی راہ سے بھٹکا پھرا، پھر اس کا ٹھکانہ کہاں؟ اور اکثر نفسانی خواہش جب ہی غالب ہوتی ہے جب انسان کو حساب کا دیئا نہ رہے۔ اس سے کام کی لطافت اور بڑھ گئی کہ داؤدؑ جس طرح تمہاری کچہری میں لوگ اہل مقدمہ بن کو پیش ہوتے ہیں، کبھی ہماری بڑی کچہری بھی ہوگی جس میں تمہیں اور سب کو پیش ہونا ہے اس کو دھیان میں رکھو۔

لطائف سلوک:............ وما ینظر کافر نہ قیامت کے معتقد تھے اور نہ منتظر۔ مگر پھر بھی ان کی دینی غفلت اور نیکی سے اعراض کی بناء پر ان کے حال سے یہ لازم آتا تھا کہ گویا وہ قیامت کے منتظر ہیں۔ اس کے آنے پر اپنی اصلاح کریں گے۔

اس سے ارشاد وتربیت میں بھی اس کی گنجائش نکل آئی کہ جو چیز خود بخود لازم آ رہی ہو اسی کو یوں سمجھ لینا چاہئے کہ کسی نے اس کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔ مثلاً: کوئی مرید خودرائی کرتا ہو اور شیخ کی اتباع نہ کرتا ہو اور شیخ اس کو یوں کہنے لگے کہ تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہارا اتباع کروں اور تم میرا اتباع نہ کرو۔ حالانکہ مرید نے یہ لازم نہیں کیا کہ شیخ اس کا اتباع کرے۔ مگر اس کے حال اور طرز سے یہی لازم آ رہا ہے۔ البتہ مقام افتاء میں لازم کو ملتزم کی طرح قرار نہیں دیا جاسکتا۔

انا سخرنا الجبال. اگر پہاڑ وغیرہ کی تسبیح سے مراد زبانی تسبیح لی جائے جیسا کہ ظاہر قرآن سے معلوم ہو رہا ہے اور اصحاب کشف بھی اس کو جانتے ہیں تو اس سے دو باتیں اور نکل رہی ہیں۔ ایک یہ کہ اجتماعی ذکر سے طبیعت میں نشاط اور ہمت میں قوت اور ذکر کی برکات کا باہمی انعکاس ہوتا ہے۔ دوسرے بعض ایسے اشغال کی صحت بھی معلوم ہوتی ہے جس سے تمام عالم کو ذاکر تصور کیا جاتا ہے اور یہ ذکر جمع ہمت اور قطع خطرات میں عجیب تاثیر رکھتا ہے۔

ولا تشطط. اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے گستاخانہ کلمات سن کر ضبط کر لینے سے معلوم ہوا کہ حاکم، مفتی، شیخ کو ایسی چیزوں کا تحمل کرنا چاہئے۔ نیز اپنے تقدس پر ناز کرنے والے کے لئے اس میں عبرت ہے کہ پیغمبر معصوم سے جب یہ کہا جاتا ہے کہ حد سے نہ بڑھئے تو غیر معصوم اپنے نفس پر وثوق کر کے کیسے کہہ سکتا ہے کہ مجھ میں یہ احتمال نہیں، اس کو ایسا سمجھنا کیسا ہے۔

وان کثیرا من الخلطاء. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر لوگوں میں جبلۃً یا عادۃً ظلم وشر ہی غالب ہوتا ہے۔ لیکن جو لوگ فطرۃً یا مجاہدہ کر کے اس رذیلہ سے پاک ہو جائیں وہ بہت کم ہوتے ہیں۔

ولا تتبع الھوی. اس میں ہوائے نفسانی کی مذمت جس قدر ہے وہ ظاہر ہے، کیونکہ نفس سب سے بڑا بت ہے۔ دوسری آیت میں افرأیت من اتخذ الٰھه ھواہ.

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا اى عبثا ذٰلِكَ اى خلق ماذكر لا لشىء ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ من اهل مكة فَوَيْلٌ وادٍ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿٢٧﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۖ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾ نزل لمّا قال كفار مكة للمؤمنين انا نعطى فى الاخرة مثل ما تعطون وام بمعنى همزة الانكار كِتٰبٌ خبر مبتدأ محذوف اى هذا اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اصله يتدبّروا اُدغمت التاء فى الدال اٰيٰتِهٖ ينظروا فى معانيها فيؤمنوا وَلِيَتَذَكَّرَ يتعظ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٩﴾ اصحاب العقول وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ابنه نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ اى سليمان اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿٣٠﴾ رجّاع فى التسبيح والذكر فى جميع الاوقات اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِىِّ هو مابعد الزوال الصّٰفِنٰتُ الخيل جمع صافنة وهى القائمة على ثلاث واقامة الاخرى على طرف الحافر وهى من صفن يصفن صفونا الْجِيَادُ ﴿٣١﴾ جمع جواد وهو السابق المعنى انها ان استوقفت سكنت وان ركضت سبقت وكانت الف فرس عرضت عليه بعد ان صلّى الظهر لارادته الجهاد عليها لعدوّ فعند بلوغ العرض تسع مائة منها غربت الشمس ولم يكن صلّى العصر فاغتمّ فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ اى اردت حُبَّ الْخَيْرِ اى الخيل عَنْ ذِكْرِ رَبِّىْ ۚ اى صلوة العصر حَتّٰى تَوَارَتْ اى الشمس بِالْحِجَابِ ﴿٣٢﴾ اى استترت بما يحجبها عن الابصار رُدُّوْهَا عَلَىَّ ۖ اى الخيل المعروضة فردّوها فَطَفِقَ مَسْحًا ۢ بالسيف بِالسُّوْقِ جمع ساق وَالْاَعْنَاقِ ﴿٣٣﴾ اى ذبحها وقطع ارجلها تقرّبا الى الله تعالى حيث اشتغل بها عن الصلوة وتصدّق بلحمها فعوّضه الله خيرا منها واسرع وهى الريح تجرى بامره كيف شاء وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ ابتليناه بسلب ملكه وذلك لتزوّجه بامرأة هويها وكانت تعبد الصنم فى داره من غير علمه وكان ملكه فى خاتمه فنزعه مرّة عند ارادة الخلاء ووضعه عند امرأته المسمّاة بالامينة على عادته فجاءها جنّى فى صورة سليمان فاخذه منها وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا هو ذلك الجنّى وهو صخر او غيره جلس على كرسى سليمان وعكفت عليه الطير وغيرها فخرج سليمان فى غير هيئته فراه على كرسيه وقال للناس انا سليمان فانكروه ثُمَّ اَنَابَ ﴿٣٤﴾ رجع سليمان الى ملكه بعد ايام بان وصل الى الخاتم فلبسه وجلس على كرسيه قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِىْ وَهَبْ لِىْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِىْ لا يكون لِاَحَدٍ مِّنْ ۢ بَعْدِىْ ۚ اى سواى نحو فمن يهديه من بعد الله اى سوى الله اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٣٥﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِىْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً لينة حيث

اَصَابَ ﴿۳۶﴾ اَرَادَ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ يَبْنِى الْاَبْنِيَةَ الْعَجِيْبَةَ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ فِى الْبَحْرِ لِيَسْتَخْرِجَ اللُّؤْلُؤَ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ مُقَرَّنِيْنَ مَشْدُوْدِيْنَ فِى الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ اَلْقُيُوْدُ بِجَمْعِ اَيْدِيْهِمْ اِلٰى اَعْنَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهٗ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَعْطِ مِنْهُ مَنْ شِئْتَ اَوْ اَمْسِكْ عَنِ الْاِعْطَاءِ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ اَىْ لَاحِسَابَ عَلَيْكَ فِىْ ذٰلِكَ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ تَقَدَّمَ مِثْلُهٗ

۳ ع۱۴ ۱۲

ترجمہ: .... اور ہم نے آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو بے کار (فضول) نہیں پیدا کیا۔ یہ (یعنی ان چیزوں کو خالی از حکمت پیدا کرنا) کفار (مکہ) کا گمان ہے۔ سو کافروں کے لئے بڑی خرابی ہے (یعنی جہنم کی تباہی یا وادی) ہاں تو کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے، اچھے کام کئے، ان لوگوں کے برابر کردیں گے جو دنیا میں فساد کرتے پھرتے ہیں یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کردیں گے۔ (یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب مکہ کے کافر مسلمانوں سے کہنے لگے کہ آخرت میں ہمیں بھی تم جیسا بدلہ ملے گا۔ یہاں ام بمعنی ہمزۂ انکار ہے) یہ ایک بابرکت کتاب ہے (خبر ہے مبتداء محذوف کی یعنی ھذا) جس کو آپ پر اس لئے نازل کیا ہے کہ لوگ غور کریں (اس کی اصل یتــدبــروا تھی تا کو دال میں ادغام کردیا گیا ہے) اس کی آیتوں میں اور نصیحت (موعظت) حاصل کریں۔ دانشور (عقلمند) اور ہم نے داؤد کو سلیمانؑ عطا کیا (بیٹا) بہت اچھے بندے تھے (سلیمان) یقیناً بہت رجوع کرنے والے تھے (ہر وقت تسبیح وذکر میں مصروف رہتے) جب شام کے وقت (زوال کے بعد) ان کے روبرو اصیل گھوڑے (صـافـنـات جمع ہے صافن کی جو گھوڑا تین ٹانگوں پر کھڑا ہو اور چوتھی ٹانگ کا کھر زمین پر رکھ لے۔ صـفـن یصفن صفونا سے ماخوذ ہے) عمدہ (جیاد جید کی جمع ہے، تیز رو گھوڑا یعنی ان گھوڑوں کو ٹھہرایا جائے تو ٹھہر جاتے تھے اور اگر ایڑھ لگائی جائے تو سب سے آگے نکل جاتے تھے۔ ہزار گھوڑے تھے جو ظہر کے بعد ان کے معائنہ کے لئے) پیش ہوئے۔ دشمن سے جہاد کی تیاری کے سلسلے میں۔ نو سو گھوڑے معائنہ ہونے پر سورج غروب ہوگیا۔ حضرت سلیمانؑ نے نماز عصر نہیں پڑھی تھی۔ اس لئے غمگین ہوئے تو کہنے لگے کہ میں (گھوڑوں) کی محبت میں اپنے پروردگار کی یاد سے غافل ہوگیا۔ (یعنی نماز عصر رہ گئی) یہاں تک کہ سورج غرب ہوگیا (روپوش ہونے کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتا تھا) کہا ان کو پھر پیش کرو (معائنہ کئے ہوئے گھوڑے دوبارہ لاؤ) چنانچہ انہوں نے گھوڑوں کی ٹانگوں (ســوق جمع ســاق کی ہے) اور گردنوں کو تلوار سے اڑانا شروع کردیا۔ (یعنی گھوڑوں کو اللہ کی راہ میں قربان کردیا اور ان کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ کیونکہ انہیں کے معائنہ کی وجہ سے نماز عصر چھوٹ گئی تھی اور ان قربانیوں کو خیرات کرڈالا۔ جس کے انعام میں اللہ نے ان کو ان سے بہتر اور تیز رفتار ہوا کو مسخر فرمادیا جو ان کے حکم کے مطابق جہاں چاہتے لے جاتی) اور ہم نے سلیمانؑ کو آزمائش میں ڈالا (ان کی سلطنت چھین کر ان کا امتحان لیا گیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ کسی عورت پر فریفتہ ہوکر انہوں نے شادی کرلی اور وہ ان سے چھپ کر بت پرستی کرتی رہی۔ ادھر ان کی سلطنت کی تسخیر میں ان کی انگوٹھی کو دخل تھا۔ ایک دفعہ اس کو اتار کر حضرت سلیمانؑ بیت الخلاء تشریف لے گئے اور انگشتری حسب عادت امینہ بیوی کے پاس رکھ دی۔ ایک جن حضرت سلیمانؑ کے حلیہ میں آکر انگوٹھی مانگ لے گیا) اور ہم نے ان کے تخت پر ایک دھڑ لا ڈالا (یعنی انگشتری لے جانے والا جن یا کوئی دوسرا جن سلیمانؑ کی جگہ تخت نشین ہوگیا۔ چنانچہ پرندہ وغیرہ سب چیزیں اس کے سامنے حاضر ہوئیں۔ اب جو سلیمانؑ نے غیر شاہی لباس میں آکر اس کو تخت نشین دیکھا اور لوگوں سے کہا کہ سلیمان تو میں ہوں تو کسی نے نہیں مانا) پھر انہوں نے رجوع کیا (یعنی کچھ روز بعد سلیمانؑ ہی سلطنت پر واپس آگئے۔ انگوٹھی ان کو پھر مل گئی اور وہ تخت نشین ہوگئے) دعا مانگی اے میرے پروردگار! میرا قصور معاف فرما اور مجھے ایسی سلطنت عنایت فرما جو میرے علاوہ کسی کو میسر نہ ہو۔ (بــعـدی سے مراد میرے سوائے

ہے جیسے دوسری آیت یھدیہ من بعد اللّٰہ میں بعد اللّٰہ سے مراد سوی اللہ ہے) بے شک آپ بڑے داتا ہیں سو ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے (ارادہ کرتے) نرمی (سہولت) سے چلتی اور جنات کو بھی ان کے تابع کر دیا۔ یعنی تمام تعمیر کرنے والے (عجیب وغریب عمارتیں بنانے والوں) اور غوطہ خوروں کو بھی (جو سمندر سے موتی نکال لاتے تھے) اور دوسرے جنات کو بھی (جس میں سے کچھ تو) زنجیروں سے بندھے (جکڑے) رہتے تھے (ہاتھ گردنوں میں جوڑ دیئے جاتے تھے اور ہم نے ان سے کہا) یہ ہمارا عطیہ ہے سو اس میں سے کسی کو دیجئے (بخشش کیجئے) یا نہ دیجئے (بخشش نہ کیجئے) تم سے کچھ دارو گیر نہیں (یعنی اس بارے میں تم سے کچھ باز پرس نہیں ہے) اور ان کے لئے ہمارے یہاں مرتبہ اور خوش انجامی ہے (پہلے یہ لفظ آچکے ہیں)۔

تحقیق وترکیب:............ **باطلا** . مصدر محذوف کی صفت ہے۔ یا حال ہے ضمیر سے ای ما خلقنا خلقا باطلا اور ضمیر فاعل سے حال ہے اور مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے۔

ذٰلک اشارہ مظنون مذکور کی طرف ہے۔ کفار اگرچہ اللہ کو خالق اکبر مانتے تھے، مگر قیامت کے منکر تھے اور جزائے اعمال ہی چونکہ خلق عالم کی حکمت ہے اس لئے جزاء کا منکر گویا حکمت خلق کا منکر ہے اور حکمت خلق کے انکار سے عالم کی تخلیق کا عبث اور بیکار ہونا لازم آتا ہے۔ اسی پر ردفرمایا جائے گا۔ پس اب یہ شبہ نہیں رہا کہ کفار اللہ کو مانتے تھے۔ پھر کیسے ان کو منکر حکمت خالق کہا گیا۔

لیدبروا. اس میں ضمیر سے مراد اولوا الالباب ہے۔ اس تنازع میں ثانی کو عمل دیا گیا ہے۔

ووھبنا لداؤد. ستر سال کی عمر میں اور یا بیوی سے سلیمان علیہ السلام پیدا ہوئے۔

صافنات. گھوڑے میں اس طرح کھڑے ہونے کی ہیئت بہترین ہونے کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ صافنات جمع مؤنث ہے اور تانیث بلحاظ اسم جنس یا جماعت کی صفت ہونے کے اعتبار سے ہے اور مؤنث کی مذکر پر تغلیب بھی ہوسکتی ہے یا صفن کی جمع ہو اور الف تا کے ساتھ جمع غیر ذوی العقول ہونے کی وجہ سے ہے۔ یہ گھوڑے یا جنگ دمشق یا نصیبین میں مال غنیمت کے طور پر حاصل ہوئے تھے یا بنی عمالقہ سے بطور میراث ان کے والد کی طرف سے ملے تھے۔ انہوں نے بیت المال میں ان کو داخل کر دیا اور بعض نے دریائی گھوڑے مانے ہیں جن کے پر بھی موجود تھے۔

حب الخیر. یہ احببت کا مفعول ہے۔ احببت بمعنی اثرت اور عن بمعنی علیٰ ہے۔ نیز مصدر بھی ہوسکتا ہے۔ زوائد حذف کر کے۔ اس میں احببت ناصب ہوگا۔ اور مصدر تشبیہی بھی ہوسکتا ہے۔ ای حبا مثل حب الخیر اور چوتھی صورت یہ ہے کہ احببت بمعنی اثبت کو متضمن ہو۔ اسی لئے عن کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے۔ پانچویں احببت بمعنی لزمت ہو۔ چوتھے یہ مفعول لہ کہا جائے۔ جیسا کہ ترجمہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔ حدیث میں بھی خیل کو خیر فرمایا گیا ہے۔ **الخیل معقود بنواصیھا الخیر**.

توارت ضمیر کا مرجع اگرچہ مذکور نہیں، لیکن لفظ عشی یا صافنات دلالت کر رہے ہیں۔

ردوھا. ضمیر خیل کی طرف راجع ہے اور بعض نے شمس کی طرف لوٹائی ہے۔ مگر پہلی بات جمہور کی اور مشہور ہے، کیونکہ حضرت یوشعؑ اور حضرت علیؓ کی طرح آفتاب کی رجعت قہقری حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ثابت نہیں ہے۔

مسحا. ابن عباسؓ، قتادہ، مقاتلؒ، حسنؒ اور اکثر کے نزدیک مسح کنایہ ہے۔ ذبح اور قطع سے اس زمانہ میں گھوڑوں کی قربانی صحیح تھی۔ اس لئے امام اعظمؒ کے خلاف حجت نہیں ہوسکتی۔ دوسرے امام رازیؒ یہ فرماتے ہیں کہ نہ گھوڑوں کو قربان کیا اور نہ ان کی کونچیں کاٹیں۔ نہ نماز عصر ناغہ ہوئی بلکہ مسح سے مراد ان گھوڑوں کو ہاتھ سے چھو کر دیکھ بھال کرنا ہے۔ حضرت سلیمانؑ گھوڑوں کے ماہر تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سلطنت کے تقاضہ سے فوجی گھوڑوں کی پرکھ کا کام خود کرتے تھے، جو ان کی دلچسپی، بیدار مغزی اور تواضع کی دلیل ہے۔

فتنا سلیمان. جس عورت کا ذکر مفسرؒ نے فرمایا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس کے باپ کا انتقال ہوا تو اس کو بے حد رنج ہوا۔ حضرت سلیمانؑ نے جنات کو حکم دیا، انہوں نے باپ کی ایک شبیہ تیار کر دی جس سے عورت کو سکون ہو گیا۔ عورت نے اپنے کپڑے شبیہ کو پہنا دیئے۔ سلیمان علیہ السلام جب کہیں چلے جاتے تو صبح شام برابر اظہار عقیدت کے لئے اس کے آگے جھکتی رہی ہوگی۔ پہلے کفار سے بھی شادی بیاہ کی اجازت تھی۔ ادھر سلیمانی انگشتری کی تاثیر سے جنات وغیرہ مسخر رہتے تھے۔ یہ جنتی انگشتری حضرت آدمؑ سے ان کو پہنچی تھی۔ صخر نامی جن نے آ کر بی بی امینہ سے دھوکہ دے کر انگشتری حاصل کر لی۔ ایک چلّہ ان کی بیوی چونکہ بت پرستی کرتی رہی اس لئے اتنی ہی مدت حضرت سلیمان علیہ السلام کو ابتلاء رہا۔

اس کے بعد جن بھاگ کھڑا ہوا اور انگشتری سلیمانؑ کو واپس مل گئی اور پہلے انقلاب کے بعد دوسرا انقلاب آیا کہ حضرت سلیمانؑ کے اختیارات پھر بحال ہو گئے۔

لیکن حسنؒ، وہبؒ بن منبہ کی اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ جن کو اللہ نے ان کی بیوی پر مسلط کر دیا۔ اسی طرح مجاہدؒ وغیرہ بھی حسنؒ کی تائید کرتے ہیں۔ علامہ زمخشریؒ اس سارے افسانے ہی کو یہودی خرافات اور حافظ ابن کثیرؒ اسرائیلیات کہتے ہیں۔ اسی طرح قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ انبیاءؑ ان واہیات باتوں سے پاک ہوتے ہیں۔ محققین اس سلسلہ میں صحیحین کی حدیث ابو ہریرہؓ پیش کرتے ہیں۔ اس سے یہ آیات بلاتکلف حل ہو جاتی ہے۔

لاینبغی لاحد. یا تو منشاء یہ ہے کہ وہ سلطنت میرے لئے معجزہ ہو یا یہ مطلب ہے کہ میری زندگی میں پھر کبھی انقلاب حکومت کا یہ واقعہ دہرایا نہ جائے اور دعا سے پہلے استغفار بطور وسیلہ کے کیا۔ اس سے استغفار کی اہمیت بھی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت سلیمانؑ کے اس جذبہ کو حسد یا منافرت یا بخل پر محمول نہ کیا جائے بلکہ اس زمانہ کے جبار سلاطین کے مقابلہ میں ایسے ہی معجزہ کی فرمائش مناسب تھی۔

رخاء. حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے یہ راحت افزا تھی۔ اگرچہ دوسروں کے حق میں تیز و تند ثابت ہوئی جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ **ولسلیمان الریح عاصفة** یا فی نفسہ ہوا تو سخت تھی مگر سلیمانؑ کے لئے نرم رہتی۔ یا دونوں صورتیں نرم و تیز، بیان کے ارادہ کے تحت ہوتی تھی۔ یا رخاء سے مراد یہ ہے کہ ہوا حضرت سلیمانؑ کے زیر فرمان رہتی۔ حکم عدولی نہیں کر سکتی تھی۔

اصاب. یہاں چونکہ فعل صواب مراد نہیں۔ اس لئے بمعنی اراد ہے۔ جیسے **اصاب الصواب فاخطاء والجواب ای ارادالصواب فاخطاء.**

اخرین. اس کا عطف کل پر ہے۔ یعنی جنات دو طرح کے تھے۔ کارگزار اور سرکش۔

الاصفاد. چونکہ ہاتھ گردن کے ساتھ بندھنا مراد ہے، اس لئے قید کے لفظ سے تفسیر مناسب نہیں، بلکہ طوق واغلال سے مناسب ہے۔ اگرچہ لفظ صفد میں دونوں کی گنجائش ہے۔

بغیر حساب. اس میں تین صورتیں ہیں۔ یا عطاء نا کے متعلق ہے۔ ای **اعطیناک بغیر حساب** مراد کثرت عطاء ہے اور یا عطاء نا سے حال ہے ای **فی حال کونه غیر محاسب علیه** یعنی بے شمار اور یا "امنن اور امسک" کے متعلق ہے اور ان کے فاعل سے حال بھی ہو سکتا ہے۔

ربط آیات: .... حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ سے پہلے توحید، رسالت، بعث تین مضامین کا بیان تھا۔ آیت **وماخلقنا الخ** سے انہی مضامین کو پھر دہرایا جا رہا ہے۔ اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت

سلیمانؑ کے حالات ذکر ہیں۔

شانِ نزول:............ شیخین نے حضرت ابوہریرہؓ سے حدیث نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمانؑ اپنے فوجی افسروں پر کسی جہادی کوتاہی کے سلسلہ میں ناراض ہوئے اور دل میں کہا میں ستر بیویوں سے آج ہمبستر ہوں گا۔ جن سے مجاہدین پیدا ہوں گے اور وہ منشاء کے مطابق کام کریں گے اور ان کمانڈروں کے نخروں سے بچ جاؤں گا اور یہ کہتے وقت انشاء اللہ نہیں کہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ایک بیوی کے بچہ ہوا اور وہ بھی ناقص الخلقت۔

﴿ تشریح ﴾:............ آیت وما خلقنا الخ میں یہ بات بتلائی جارہی ہے کہ جس کام کا کوئی نتیجہ نہ ہو، وہ کام بے کار ہے۔ اسی طرح دنیا کا نتیجہ آخرت ہے۔ کفار ومشرکین جو قیامت کا انکار کرتے ہیں اس سے تو اس کارخانہ کا فضول ہونا لازم آتا ہے جو ظاہر ہے کہ غلط ہے بلکہ دنیا، آخرت کی کھیتی ہے۔ یہاں رہ کر آخرت کے کام کرنے چاہئیں۔ یعنی نفسانی خواہشات چھوڑ کر فکر آخرت ہونی چاہئے۔ خالق ومخلوق دونوں سے اپنا معاملہ ٹھیک رکھنا چاہئے۔ یہ نہ سمجھے کہ بس جو کچھ ہے دنیا کی زندگانی ہے جو کھا پی کر ختم کردی جائے گی۔ آگے حساب کتاب کچھ نہیں۔

یہ تو کفار کا نظریہ ہے۔ جن کے لئے آگ تیار ہے۔ ہمارے انصاف وحکمت کا تقاضا ہے کہ نیک ایماندار بندوں کو شریروں اور فسادیوں کے یا ڈرنے والوں اور نڈر کو برابر نہ رہنے دیں۔ دونوں میں فرق کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جزاء وسزا کے حساب کتاب کا کوئی وقت ہو۔ دنیا میں تو ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے نیک مبتلائے آلام اور بدکار راحت وآرام میں رہتے ہیں۔ لیکن مخبر صادق نے یہ خبر دی ہے کہ یہ فرق آخرت میں بدلنا چاہئے۔ اس لئے بدلے گا۔ یہی حکمت ہے۔

آخرت کی حکمت واجبِ عقلی ہے یا واجب نقلی؟:............ پس جس طرح توحید حکمت ہے، اسی طرح قیامت بھی حکمت ہے۔ ان کے انکار سے حکمت الٰہی کا انکار لازم آتا ہے۔ معتزلہ تو اس حکمت کو واجب عقلی کہتے ہیں۔ مگر اہل سنت اس کا وجوب نقلی مانتے ہیں۔ یعنی سچے پیغمبروں کے فرمانے کو بھی اس ضروری ہونے میں شامل کیا جائے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس نقلی کی صحت عقلی ہے۔

رہا یہ شبہ کہ قیامت کا واقع نہ ہونا خلاف حکمت ہونے کی وجہ سے جب محال ہے تو یہی وجوب عقلی ہے؟ جواب یہ ہے کہ خود یہ حکمت ہی واجب الوقوع نہیں ہے بلکہ جائز الوقوع ہے۔ چنانچہ اگر قیامت اللہ کی مرضی سے واقع نہ ہوتی تو اس وقت واقع نہ ہونے میں حکمت ہوتی۔ پس چونکہ جائز الوقوع کی خبر سچے پیغمبروں کے ذریعے اور قطعی دلائل سے معلوم ہوگئی۔ اس لئے اس کا ماننا ایمان اور نہ ماننا کفر ہے۔ خوب سمجھ لینا چاہئے تاکہ صاحب کشافؒ کی طرح نزعہ اعتزال میں ابتلاء نہ ہو جائے۔

البتہ مشہور تفسیر کی رو سے اگر آیت و ما خلقنا السماء کے بیان کو حکمت قیامت پر محمول کیا جائے تو اس کی تقریر اس طرح ہوگی کہ ہم نے اس جہان کو بے حکمت پیدا نہیں کیا بلکہ حکمت سے بنایا اور منجملہ حکمت کے یہ ہے کہ لوگ اس سے نفع اٹھائیں اور پھر شکر و اطاعت بجالائیں۔ تاکہ وعدہ کے مطابق آخرت میں فرمانبرداروں کو پائیدار ثمرہ ملے اور نافرمانوں کو عذاب بھگتنا پڑے۔

مجازات کا انکار کفر کیوں ہے؟:............ اور ذلک ظن الذین کفروا میں مجازات اور قیامت کے ثواب عذاب نہ ماننے کو کفر اس لئے فرمایا کہ اس میں شریعت سے ثابت شدہ ایک حقیقت کا انکار لازم آتا ہے۔ بہرحال عقلاً تو اس حکمت کا واقع ہونا ممکن ہے، لیکن شرعی دلائل سے اس کا ماننا نقلاً واجب ہے اور دوسری آیت میں عنوان کی تبدیلی ممکن ہے اس لئے کردی گئی ہو کہ پہلے عنوان میں کفار

مومنین کے ایمان کو ایمان اور اپنے فساد کو فساد ہی نہیں سمجھتے تھے۔ برخلاف دوسرے عنوان کے وہ واضح ہے کیونکہ بہت سی برائیاں عقل سے معلوم ہو جاتی ہیں اور کفار مسلمانوں کا ان سے بچنا اور خود مبتلاء ہونا دیکھتے بھی تھے اور سمجھتے بھی تھے۔

تدبر سے قوت علمیہ اور تذکر سے قوت عملیہ کی طرف ممکن ہے اشارہ ہو۔

آگے پھر وہی انبیاءؑ کے واقعات کا سلسلہ شروع کر دیا کہ حضرت سلیمانؑ کے معائنہ کے لئے شائستہ اصیل فوجی گھوڑے پیش ہوئے۔ ان کی جانچ پڑتال میں ایسے لگے کہ دن چھپ گیا اور اسی دن میں ان کی نماز یا وظیفہ رہ گیا۔ مگر جس طرح اللہ کی یاد دین ہے اسی طرح جہادی کام کی مصروفیت بھی تعمیل حکم کی وجہ سے عملاً یاد الٰہی اور دین ہے۔ اسی جوش جہاد اور فرط حمیت میں فرمایا کہ گھوڑے پھر واپس لاؤ۔ واپس لائے گئے تو حضرت سلیمانؑ پیار و محبت سے ان پر ہاتھ پھیرنے لگے، اور ان کی ٹانگیں صاف کرنے لگے۔ جیسا کہ حدیث میں جہادی گھوڑوں کی خیر و برکت بیان فرمائی ہے۔ **الخیل معقود فی بنو اصیہ الخیر الی یوم القیمۃ** اور یہاں بھی حب الخیر ارشاد فرمایا گیا ہے۔

امام رازیؒ کی رائے عالی .... لیکن امام رازیؒ کی اس تفسیر کے علاوہ دوسرے علماء نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ سے وظیفہ یا نماز کا ذہول ہو گیا تو انہوں نے اپنی عالی ہمتی اور عالی ظرفی سے اس کو اپنی کوتاہی شمار کرتے ہوئے ان گھوڑوں ہی کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔ تاکہ فی الجملہ کچھ تلافی اور کفارہ ہو جائے۔

اور گھوڑوں کی قربانی ان کی شریعت میں جائز ہوگی اور ان کے پاس گھوڑے وغیرہ جہادی ساز و سامان اتنا ہوگا کہ ان گھوڑوں کی قربانی سے اس مقصد کو نقصان نہیں پہنچا ہوگا۔ کیونکہ **فطفق مسحاً** سے یہ بھی تو لازم نہیں آتا کہ سب گھوڑے ذبح ہی کر دیئے ہوں، محض اس کا شروع کرنا معلوم ہوا۔

جس نماز کے چھوٹ جانے کا یہاں ذکر ہوا، اگر وہ نفل تھی تب تو کوئی اشکال ہی نہیں۔ تاہم پیغمبرانہ عظمت شایان پر یہ بات کچھ گراں گزری۔ جس کا تدارک حضرت سلیمانؑ نے قربانی سے کیا اور اسی کو اللہ کی راہ میں پیش کر دیا۔ جو اس کی اطاعت میں رکاوٹ بنی تھی اور فرض نماز میں بھی تو ذہول و نسیان معصیت نہیں اور چونکہ قربانی تھی اس لئے اضاعت مال نہیں کہا جا سکتا۔

اسلام میں اگرچہ زندہ جانوروں کی کونچیں کاٹ ڈالنا جائز نہیں، لیکن یہاں اول تو یہ ضروری نہیں کہ زندہ گھوڑوں کے ساتھ انہوں نے یہ برتاؤ کیا ہو۔ ممکن ہے قربانی کے بعد جیسے جانوروں کے ہاتھ پاؤں الگ کئے جاتے ہیں اسی طرح یہاں ہوا ہو۔ چونکہ گھوڑوں کا اصل نفع چلنا پاؤں سے متعلق ہے۔ اس لئے بالتخصیص اس کو ذکر کر دیا یا ان کی شریعت میں جانوروں کی قربانی اس طرح بھی جائز ہوگی کہ ذبح کرتے وقت ٹانگیں ساتھ ساتھ کاٹ دی جائیں یا غلبہ جذبہ میں انہوں نے یہ کیا ہو۔

حضرت سلیمانؑ کی آزمائش .... **ولقد فتنا سلیمان** میں جس آزمائش کا ذکر ہے وہ وہی واقعہ ہے جو حدیث صحیحین میں آیا ہے کہ ستر یا سو بیویوں سے ہمبستر ہو کر مجاہدین کے پیدا ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔ مگر زبان سے انشاء اللہ نہیں کہا۔ دل میں کہہ لیا ہوگا۔ مگر آداب نبوت سے اس کو بعید سمجھا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صرف ایک بیوی کے بچہ ہوا اور وہ بھی ناقص۔ جس کو **جسداً** سے تعبیر کیا گیا۔ مگر جب تنبہ اور احساس ہوا تو فوراً عاجزی و زاری شروع کر دی اور استغفار کیا۔

یہاں بھی بہت سے بے سرو پا قصے کتب تفسیر میں لکھے گئے ہیں۔ جیسا کہ خود مفسر بھی ان کو لے رہے ہیں مگر محققین نے ان کو قبول نہیں کیا۔ کیونکہ عصمت انبیاءؑ نصوص قطعیہ اور اجماع سے ثابت شدہ ایک حقیقت ہے۔ پس محض بعض روایات سے اور وہ بھی

اسرائیلیات، یہ حقیقت متاثر نہیں ہوگی بلکہ قطعی چیز جوڑ دینے کی بجائے غیر معتبر روایات ہی کو نظر انداز کر دیا جائے گا اور جن حضرات نے ان کو قبول کیا ہے وہ بھی مناسب تاویلات کے ساتھ تا کہ حقیقت ثابتہ محفوظ رہے اور پھر جب ان سب انبیاءؑ نے اپنی زلات کے بعد توبہ اور استغفار کر لی اور ہر ایک کی معافی کا اعلان بھی ہو گیا تو اب معصیت کے صرف اس پہلو پر بحث رہ گئی کہ انبیاءؑ سے گناہ کا صدور بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ انشاء اللہ خاتمہ سورت میں اس پر کلام آ رہا ہے۔

ھب لی ملکا. حاصل دعا یہ ہے کہ بے نظیر سلطنت مجھے عنایت فرما کسی دوسرے میں اس کے سنبھالنے کی اہلیت ہی نہ ہو یا اس میں اتنا حوصلہ ہی نہ ہو کہ مجھ سے چھین سکے۔ سلیمان علیہ السلام چونکہ بادشاہ ہونے کے ساتھ نبی بھی تھے اس لئے سلطنت میں بھی اعجازی سلطنت کے طالب ہوئے۔ پھر چونکہ وہ زمانہ اور اس زمانہ کا مذاق اظہار شوکت وحشمت تھا اور ہر زمانہ کا معجزہ وقتی حالات کی مناسبت سے ہوا کرتا ہے۔ اس لئے اس اللہ نے ان کا تفوق اسی حیثیت سے ظاہر فرمایا۔ البتہ دیندار ہونے کی وجہ سے انہوں نے اس تفوق کو دین کی بالادستی کا ذریعہ بنایا۔

ہوا کی طرح جنات بھی حضرت سلیمانؑ کے لئے مسخر کئے گئے تھے اور وہ مختلف عظیم خدمات پر مامور تھے جو سرتابی کرتا وہ سزا یاب ہوتا۔ جنات چونکہ لطیف ہوتے ہیں اس لئے ان کی قید و بند بھی لطیف ہی لطیف ہوتی ہوگی۔ جیسے اب بھی عملیات کے ذریعہ ان کی گرفتاری سنی جاتی ہے۔

بغیر حساب. اللہ نے حضرت سلیمانؑ کو سب کچھ دیا اور بے روک ٹوک۔ مگر پھر بھی اپنے والد حضرت داؤدؑ کی طرح زرہ بنانے میں ان کے ساتھ شریک ہوں گے یا ٹوکرے بنا کر مزدوری کر کے روزی کماتے تھے۔

لطائف سلوک: .... جنہوں نے وحدت الوجود کی یہ غلط تعبیر کی ہے کہ خالق اور مخلوق دونوں ایک ہیں۔ وہ آیت **وما خلقنا السماء الخ** سے غلط طور پر استدلال کرتے ہیں۔ اس طرح کہ اس آیت کے ساتھ ایک تقریر حدیث کا مضمون ملا کر یوں کہتے ہیں۔ **الا کل شیء ما خلا اللّٰہ باطل. وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلا**. یعنی حدیث سے معلوم ہوا کہ باطل کے معنی ماسوی اللہ اور آیت سے معلوم ہوا کہ مخلوق باطل نہیں ہے تو مجموعہ سے یہ نکلا کہ مخلوق ماسوی اللہ نہیں۔ حالانکہ یہ استدلال محض غلط ہے۔ کیونکہ قرآن میں باطل کے معنی بے فائدہ اور حدیث میں آنا ناپائیدار کے ہیں۔ پس جب دونوں جگہ باطل کے معنی ایک نہیں، پھر یہ حد اوسط کیسا؟ اور نتیجہ کہاں نکلا؟ بلکہ معنی یہ ہوئے کہ مخلوق ناپائیدار ہے مگر بے فائدہ نہیں ہے پس کیا جوڑ ہوا؟

آیت **اذ عرض علیہ الخ** میں کئی باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ آرام کے سامان کا استعمال جائز ہے۔ خاص کر جبکہ اس میں دینی مصلحت بھی ہو۔ دوسرے یہ کہ خاص لوگوں سے مستحبات کا ذہول ممکن ہے۔ اگرچہ وہ مستحب ان کی شان عالی کے پیش نظر مؤکد تر ہو۔ تیسرے ایسے ذہول اور بہت معمولی کوتاہی پر اس چیز کو اپنے پاس ہی نہ رہنے دے جس کی وجہ سے یہ ذہول ہوا۔ اصطلاح میں اس کو غیرت کہتے ہیں۔

رب ھب لی. سلطنت خود مقصود نہیں بلکہ تقرب الی اللہ اور لوگوں کی تکمیل کا ذریعہ ہونے کی حیثیت سے مطلوب ہے اور اچھا یہ ہے کہ احدا سے مراد اہل دنیا ہوں۔ چونکہ ایسی سلطنت وشوکت اہل دنیا کے لئے مضر ہوتی ہے اس لئے شفقت کی بنا پر اہل دنیا کو مستثنیٰ کر دیا۔

پس جس طرح آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جاہ وکمال دونوں جمع ہو سکتے ہیں اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک چیز ناقص کو مضر ہوتی ہے مگر کامل کو مضر نہیں ہوتی۔

فسخر ناله الريح. یہ ایک خاص شان کی تسخیر تھی جو حضرت سلیمانؑ کے ساتھ مخصوص اور ان کا معجزہ تھی۔ ورنہ تسخیر تو اوروں کو بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لئے اب یہ شبہ نہیں رہا کہ بعض دفعہ اہل اللہ پر بھی عاملوں کی تسخیر چل جاتی ہے۔ کیونکہ حضرت سلیمانؑ کی تسخیر خاص شان تھی۔

هذا عطاؤنا. یعنی ہر طرح تمہیں تصرف کی اجازت رہے گی۔ نہ خرچ کرنے پر حساب ہوگا اور نہ رکھنے پر۔ جس میں حکمت یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا دل مبتلائے تشویش نہ رہے اور دنیا کے اسباب میں اصل نقصان یہ تشویش ہی ہوتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ بڑا سرمایہ سالک کا دل کی جمعیت اور سکون خاطر ہے۔ چنانچہ صوفیاء اس کا خاص اہتمام رکھتے ہیں۔

وقف لازم

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ اَيْ بِاَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ بِضُرٍّ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اَلَمٍ وَنَسَبَ ذٰلِكَ اِلَى الشَّيْطَانِ وَاِنْ كَانَتِ الْاَشْيَاءُ كُلُّهَا مِنَ اللّٰهِ تَاَدُّبًا مَعَهٗ تَعَالٰى وَقِيْلَ لَهٗ اُرْكُضْ اِضْرِبْ بِرِجْلِكَ الْاَرْضَ فَضَرَبَ فَنَبَعَتْ عَيْنُ مَاءٍ فَقِيْلَ هٰذَا مُغْتَسَلٌ ۢ اَيْ مَا يُغْتَسَلُ بِهٖ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ تَشْرَبُ مِنْهُ فَاغْتَسَلَ وَشَرِبَ فَذَهَبَ عَنْهُ كُلُّ دَاءٍ كَانَ بِظَاهِرِهٖ وَبَاطِنِهٖ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ اَيْ اَحْيَى اللّٰهُ لَهٗ مَنْ مَاتَ مِنْ اَوْلَادِهٖ وَرَزَقَهٗ مِثْلَهُمْ رَحْمَةً نِعْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى عِظَةً لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ لِاَصْحَابِ الْعُقُوْلِ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا هُوَ حُزْمَةٌ مِنْ حَشِيْشٍ اَوْ قُضْبَانٍ فَاضْرِبْ بِّهٖ زَوْجَتَكَ وَقَدْ كَانَ حَلَفَ لَيَضْرِبَنَّهَا مِائَةَ ضَرْبَةٍ لِاِبْطَائِهَا عَلَيْهِ يَوْمًا وَلَا تَحْنَثْ ۭ بِتَرْكِ ضَرْبِهَا فَاَخَذَ مِائَةَ عُوْدٍ مِنَ الْاِذْخِرِ اَوْ غَيْرِهٖ فَضَرَبَهَا بِهٖ ضَرْبَةً وَاحِدَةً اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اَيُّوْبُ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ رَجَّاعٌ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ اَصْحَابِ الْقُوٰى فِي الْعِبَادَةِ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ الْبَصَائِرِ فِي الدِّيْنِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ عَبْدَنَا وَاِبْرَاهِيْمَ بَيَانٌ لَهٗ وَمَا بَعْدَهٗ عَطْفٌ عَلٰى عَبْدِنَا اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ هِيَ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ الْاٰخِرَةِ اَيْ ذِكْرُهَا وَالْعَمَلُ لَهَا وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْاِضَافَةِ وَهِيَ لِلْبَيَانِ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْمُخْتَارِيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ جَمْعُ خَيِّرٍ بِالتَّشْدِيْدِ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ هُوَ نَبِيٌّ وَاللَّامُ زَائِدَةٌ وَذَا الْكِفْلِ ۭ اُخْتُلِفَ فِيْ نُبُوَّتِهٖ قِيْلَ كَفَلَ مِائَةَ نَبِيٍّ فَرُّوْا اِلَيْهِ مِنَ الْقَتْلِ وَكُلٌّ اَيْ كُلُّهُمْ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ جَمْعُ خَيِّرٍ بِالتَّثْقِيْلِ هٰذَا ذِكْرٌ ۭ لَهُمْ بِالثَّنَاءِ الْجَمِيْلِ هُنَا وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ الشَّامِلِيْنَ لَهُمْ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ مَرْجِعٍ فِي الْاٰخِرَةِ جَنّٰتِ عَدْنٍ بَدَلٌ اَوْ عَطْفُ بَيَانٍ لِحُسْنَ مَاٰبٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مِنْهَا مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَائِكِ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ حَابِسَاتُ الْعَيْنِ عَلٰى اَزْوَاجِهِنَّ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ اَسْنَانُهُنَّ وَاحِدَةٌ وَهُنَّ بَنَاتُ ثَلَاثٍ وَّثَلَاثِيْنَ سَنَةً جَمْعُ تِرْبٍ هٰذَا الْمَذْكُوْرُ مَا تُوْعَدُوْنَ بِالْغَيْبَةِ

وبالخطاب التفاتًا **لِيَوْمِ الْحِسَابِ** ﴿۵۳﴾ اى لاجله **اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَالَهٗ مِنْ نَّفَادٍ** ﴿۵۴﴾ اى انقطاع والجملة حال من رزقنا او خبر ثان لِاِنَّ اى دائمًا او دائم **هٰذَا** المذكور للمؤمنين **وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ** مستانف **لَشَرَّ مَاٰبٍ** ﴿۵۵﴾ **جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا** يدخلونها **فَبِئْسَ الْمِهَادُ** ﴿۵۶﴾ الفراش **هٰذَا** اى العذاب المفهوم مما بعده **فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ** اى ماء حار محرق **وَّغَسَّاقٌ** ﴿۵۷﴾ بالتخفيف والتشديد ماسيل من صديد اهل النار **وَّاٰخَرُ** بالجمع والافراد **مِنْ شَكْلِهٖ** اى مثل المذكور من الحميم والغساق **اَزْوَاجٌ** ﴿۵۸﴾ اصناف اى عذابهم من انواع مختلفة ويقال لهم عند دخولهم النار باتباعهم **هٰذَا فَوْجٌ** جمع **مُّقْتَحِمٌ** داخل **مَّعَكُمْ** النار بشدة فيقول المتبوعون **لَا مَرْحَبًا بِهِمْ** اى لا سعة عليهم **اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ** ﴿۵۹﴾ **قَالُوْا** اى الاتباع **بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ** اى الكفر **لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ** ﴿۶۰﴾ لنا ولكم النار **قَالُوْا** ايضًا **رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا** اى مثل عذابه على كفره **فِى النَّارِ** ﴿۶۱﴾ **وَقَالُوْا** اى كفار مكة وهم فى النار **مَالَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ** فى الدنيا **مِنَ الْاَشْرَارِ** ﴿۶۲﴾ **اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا** بضم السين وكسرها اى كنا نسخر بهم فى الدنيا والياء للنسبة اى امفقودون هم **اَمْ زَاغَتْ** مالت **عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ** ﴿۶۳﴾ فلم نرهم وهم فقراء المسلمين كعمار وبلال وصهيب وسلمان **اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ** واجب وقوعه وهو **تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ** ﴿۶۴﴾ كما تقدم

ترجمہ: ....اور آپ ہمارے بندے ایوب کو یاد کیجئے۔ جبکہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ شیطان نے مجھے رنج (تکلیف) اور آزار پہنچایا ہے (صدمہ) اس کی نسبت شیطان کی طرف کی ہے۔ حالانکہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہوتی۔ محض اللہ کا ادب مقصود ہے۔ ایوب علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ ماریئے اپنے پاؤں (زمین پر) چنانچہ انہوں نے جوں ہی زمین پر پاؤں مارا پانی ابلنے لگا۔ فرمایا یہ نہانے کے لئے ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کے لئے (چنانچہ ایوبؑ نے اس پانی سے غسل بھی کیا اور اس کو پیا بھی۔ جس سے ان کے ظاہری باطنی ہر قسم کے روگ دور ہو گئے) اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا فرمایا اور ان کے ساتھ انہی جیسے اور بھی (یعنی اللہ نے ان کے وفات پائے ہوئے اہل وعیال جیسے اور فوت شدہ رزق جیسا اور عنایت فرما دیا) اپنی رحمت (نعمت) خاصہ سے اور دانشمندوں (یعنی سمجھداروں) کے لئے یادگار (سبق آموز) رہے اور تم اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لو (گٹھا گھاس یا سینکوں کا) اور اس سے مارو (اپنی بیوی کو حضرت ایوبؑ نے یہ قسم کھائی تھی کہ میں سو کوڑے ماروں گا، جب کہ ایک روز کام سے گھر واپس پہنچنے میں دیر کر دی تھی) اور قسم نہ توڑیئے (مارنا ملتوی کر کے، چنانچہ حضرت ایوبؑ نے اذخر وغیرہ کی سو تیلیاں اکٹھی کر کے ایک ہی دفعہ بیوی کے مار دیں) بلاشبہ ہم نے ایوبؑ کو صابر پایا (ایوب) اچھے بندے تھے۔ بہت رجوع کرنے والے (اللہ کی طرف متوجہ ہونے والے) تھے اور ہمارے بندوں ابراہیم واسحاق ویعقوب کو یاد کیجئے جو طاقتور (عبادت کرنے والے مضبوط) اور دانشور تھے (دینی سمجھ بوجھ رکھنے والے۔ اور ایک قرأت میں عبدنا ہے اور ابراھیم اس کا بیان ہے اور یعقوب سے بعد کی عبارت عبدنا پر عطف ہے) ہم نے ان کو ایک خاص بات کے

ساتھ مخصوص کر رکھا تھا (یعنی آخرت کی یاد سے عقبیٰ کے ذکر اور اس کے لئے عمل کرنے کی دھن تھی۔ اور ایک قرأت میں اضافت بیانیہ کے ساتھ ہے) اور وہ ہمارے برگزیدہ (منتخب) اور اچھے لوگوں میں ہیں (اخیار خیر کی جمع ہے جو مشدد ہے) اور اسماعیل اور الیسع (جو کہ نبی تھے الف لام زائد ہے) اور ذوالکفل کو یاد کیجئے (ان کی نبوت میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ سو پیغمبروں کی انہوں نے کفالت کرلی تھی جو قتل ہونے سے بچ کر ان کی پناہ میں آ گئے تھے) یہ سب بہت اچھے لوگوں میں تھے (اخیار خیر مشدد کی جمع ہے) یہ ایک یادداشت ہے (ان کی خوبیوں کی) اور یقیناً پرہیزگاروں کے لئے (جن میں یہ جنات بھی ہیں) اچھا ٹھکانہ (آخرت کا گھر) ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں (یہ حسن مآب کا بدل یا عطف بیان ہے) جن کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوئے ہوں گے، وہ ان باغات میں (گدوں پر) تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اور وہاں بہت سے میوے اور پینے کی چیزیں منگوائیں گے اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی (محض اپنے شوہروں پر نگاہ رکھنے والی) ہم عمر عورتیں ہوں گی (سب کی عمریں یکساں ہوں گی۔ یعنی ۳۳ سال۔ اتـــــراب جمع تـــرب کی ہے) یہ مذکورہ (مضمون) وہ ہے جس کا تم سے (صیغہ غائب کے ساتھ اور صیغہ خطاب میں التفات ہے) روز حساب آنے پر (بالضرور) وعدہ کیا گیا ہے۔ بلاشبہ یہ ہماری نوازش ہے جس کا سلسلہ دوامی رہے گا (منقطع نہیں ہوگی اور جملہ حال ہے رزقنا سے یا ان کی خبر ثانی ہے اول صورت میں دائـــمـــا اور دوسری صورت میں دائم کے معنی ہوں گے) یہ (مومنین کے لئے) ہے اور سرکشوں کے لئے (جملہ مستانفہ ہے) برا ٹھکانہ جہنم ہے جس دوزخ میں ڈالے (داخل کئے) جائیں گے جو بہت بری جگہ (بستر) ہے یہ (یعنی جو عذاب بعد میں بیان کیا جارہا ہے) چکھو کھولتا ہوا پانی (انتہائی گرم) اور پیپ (تخفیف اور تشدید کے ساتھ وہ کچلہو جو جہنمیوں کے ساتھ زخموں سے بہے گا) اور دوسری بھی (لفظ جمع اور مفرد کے ساتھ ہے) اس قسم کی (جیسے کھولتے ہوئے پانی اور کچلہو کا ذکر ہوا) طرح طرح کی چیزیں ہوں گی (مختلف انواع عذاب کی قسمیں ہوں گی۔ جب انہیں مع اپنے پیروکاروں کے دوزخ میں ڈالا جائے گا تو یوں کہا جائے گا) کہ یہ ایک جماعت اور آئی جو تمہارے ساتھ گھس رہی ہے دوزخ میں زبردستی کر کے۔ تو پیش رو بولیں گے) ان پر خدا کی مار (یعنی انہیں چین نہ ملے) یہ بھی دوزخ میں آ رہے ہیں۔ کہیں گے (پیروکار) بلکہ تم پر ہی خدا کی مار تم نے ہی تو (کفر کو) پیش کیا ہے۔ سو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے (ہمارے تمہارے لئے دوزخ) دعا کریں گے کہ (نیز) اے ہمارے پروردگار جو شخص ہمارے آگے لایا اس کو دوزخ میں دوگنا عذاب دیجئے (جتنا کفر پر عذاب ہوا۔ اسی کے مثل)...... اور وہ لوگ (کفار مکہ دوزخ میں رہتے ہوئے) کہیں گے۔ کیا بات ہے کہ ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے، جن کو ہم برے لوگوں میں شمار کیا کرتے تھے۔ کیا ہم نے ان کی ہنسی کر رکھی تھی (ضمہ سین اور کسر سین کے ساتھ۔ یعنی دنیا میں ہم میں سے ہر ایک ان کا مذاق اڑاتا تھا۔ یا نسبتی ہے کیا وہ لوگ موجود نہیں ہیں) یا ان سے ہماری نگاہیں چکرا رہی ہیں (اس لئے ہمیں نظر نہیں آتے اور اس شان کے لوگ مسلمان غرباء، فقراء ہیں۔ جیسے عمار، بلال، صہیب، سلمان رضی اللہ عنہم اجمعین) یہ بات سچ ہے (یقیناً ہونے والی ہے یعنی) دوزخیوں کا آپس میں لڑنا جھگڑنا (جیسا کہ اوپر ابھی گزر رہا ہے)

تحقیق وترکیب:............ تـــادبـــا. کہا جائے کہ اسناد مجازی ہے۔ یعنی وسوسہ شیطانی کے سبب فعل ہونے کی وجہ سے۔ چنانچہ حضرت ایوبؑ کے متعلق کہا گیا ہے۔ استغاثه مظلوم فلم يغيثه یا اكل شاة وجاره جائع الى جنبه یا اعجب بكثرة ماله.

اركض. مفسرؒ نے "قيل له" سے اس کے مستانفہ ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ اللہ نے ان کے لئے دو چشمے ظاہر فرما دیئے۔ ایک جابیہ شام میں گرم چشمہ جس میں نہانے سے بیماری کا ظاہری سبب دور ہو گیا اور دوسرا ٹھنڈا چشمہ جس کا پانی پینے سے بیماری کا اندرونی اثر بھی دور ہو گیا۔

مغتسل. یعنی اسم مکان نہیں بلکہ اسم مفعول ہے۔ حذف وایصال کے ساتھ۔

باطنه. یعنی وساوس شیطانی بھی دور ہو گئے۔

اهــلــه. حضرت ایوبؑ کی بیوی رحمت بنت افرائیم بن یوسف تھیں۔ یہ ماخر بنت میشا ابن یوسف یا لیا بنت یعقوب یعنی حضرت یوسف کی ہمشیرہ تھیں۔

ضــغــث. لکڑی یا گھاس یا کاغذ وغیرہ کے مٹھے کو کہتے ہیں۔ امام مالکؒ تو قسم پوری کرنے کے لئے یہ صورت حضرت ایوبؑ کے ساتھ خاص رکھتے ہیں۔ لیکن امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ دونوں حضرات عطاءؒ کے قول سے اتفاق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اب بھی کوئی ایسا حلف کرے تو اس کو ایسا ہی کرنے کی اجازت ہے۔

بخالصة. اسم فاعل یعنی خصلة خالصة جلیلة الشان اور مضاف پڑھنے کی قرأت پر اضافت بیانیہ ہے۔ کیونکہ خالصة کبھی ذکریٰ ہوتی ہے اور کبھی غیر ذکریٰ اور خالصة مصدر بمعنی اخلاص ہے اور مضاف الــی الــمفعول ہے فاعل محذوف ہے ای بـان اخلصوا ذکری الدار جب کہ دنیا فراموش ہو کر خالص آخرت پیش نظر رہ جائے۔ فاعلة کے وزن پر مصدر آتا ہے۔ جیسے عاقبته یا یہ معنی ہوں گے کہ ہم نے ان پیغمبروں کے لئے آخرت کو خالص کر دیا۔ اسی طرح بلا اضافت کی قرأت پر بھی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ مصدر بمعنی اخلاص ہو اور ذکــریٰ اس کی وجہ سے منصوب ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خــالــصة بمعنی خلوص ہو۔ اس وقت ذکریٰ اس کی وجہ سے مرفوع ہو جائے گا اور مصدر اضافت اور بلا اضافت کے دونوں صورتوں میں عامل رہتا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اسم فاعل ہو اور ذکریٰ بدل یا اس کا بیان ہو اور یا بتقدیر اعنی منصوب ہو یا مبتداء مضمر مان کر اس کو مرفوع مانا جائے۔

دار. ذکریٰ کا مفعول بھی ہوسکتا ہے اور توسعاً ظرف بھی اور خالصة صفت کا موصوف محذوف ہے۔ ای خصلة خالصة.

اخیار. قاموس میں ہے کہ خیر بالتخفیف عادت و جمال کے لئے اور بالتشدید دین وصلاح کے لئے آتا ہے۔ اخیار خیر کی جمع ایسی ہی ہے جیسے اموات جمع ہے۔ میت یامیّت کی۔

الیســع. لام زائد مگر لازم اور ضروری ہے اور باوجود عجمی ہونے کے لئے اس میں کچھ حرج نہیں۔ جیسے الاسکندر اور ایک قرأة اللیسع دو لام کے ساتھ بھی ہے۔

ذوالـکـفل. حاکمؒ نے وہبؒ سے نقل کیا ہے کہ اللہ نے ایوب علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے بشیر کو نبی بنایا۔ انہی کو ذوالکفل کہتے ہیں اور صحیح یہی ہے کہ وہ نبی تھے اور ذوالکفل کہنے کی ایک وجہ تو مفسرؒ نے بیان فرمائی اور یا اس لئے کہ انہوں نے قائم اللیل صائم الدهر رہنے کا تکفل اور عہد کیا تھا اور یہ کہ لوگوں کے فیصلے کروں گا اور یہ کہ غصہ نہیں کروں گا اور پھر ایفائے عہد بھی کیا۔ اس لئے ذوالکفل لقب ہوا۔

مـفـتحة. یہ جنات کی صفات ہے اور یا حال ہے اور اس میں معنی فعل عامل ہے اور ابواب مرفوع ہے اسم مفعول کی وجہ سے اور حال ذوالحال میں یا تو بصریوں کی رائے پر ضمیر کو ربط مانا جائے ای الابــو اب مـنـهـا جیسا کہ مفسرؒ کی رائے ہے اور یا کوفیوں کی رائے پر الف لام کو اس کے قائم مقام مانا جائے۔

شراب. اس کی صفت بمعنی کثیر نہیں کہا۔ کیونکہ عادتاً ماکولات بہ نسبت مشروب کے کثیر النوع ہی ہوتی ہیں۔

الاتراب. جمع ترب کی بمعنی تارب جیسے مثل بمعنی مماثل. اصل میں پیدائش کے وقت مٹی پر گر جانے کے معنی ہیں۔ ہم عمر ہونے سے کنایہ ہے جو طبعاً باہمی انسیت میں مؤثر ہے جو نکاح کا مقصد ہوتا ہے۔

هذا. مفسرؒ نے خبر کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور مبتداء محذوف کی خبر بھی ہوسکتی ہی۔ ای الامـر هذا یا هذا

کما ذکر یاخذ لهذا.

المهاد. استعارہ تشبیہیہ ہے۔

هذا فلیذوقوه. یہ مبتداء ہے اور **حمیم** خبر ہے اور **فلیذوقوا** جملہ معترضہ ہے جیسے کہا جائے **زید فانهم رجل صالح** **فلیذ** پر عطف نہ کیا جائے۔ لیکن اگر اس کو خبر بنایا جائے تو پھر وقف ہوسکتا ہے اور نحاسؒ کی رائے ہے کہ **الامر هذا** بھی تقدیر ہوسکتی ہے اور حمیم وغساق خبر نہیں ہوں گی اور فراءؒ دونوں کو مرفوع کہتے ہیں۔ **ای منه حمیم و غساق** اور **زیدا اضربه** کی طرح ان کو منصوب علی اضمار التفسیر بھی کہہ سکتے ہیں اور **هذا** میں نصب بہتر ہے۔ اس وقت **فلیذوقوه** پر وقف کر کے حمیم وغساق کو علیحدہ پڑھا جائے یا تقدیر عبارت ہوگی۔ **لیذوقوه هذا فلیذوقوه** ہے فا زائد ہوگی۔ یا تفسیر تعقیبیہ ہوگی۔ یا عبارت اس طرح ہوگی **هو العذاب هذا فلیذوقوا** اس صورت میں حمیم خبر ہوگی۔ **هو** مبتداء محذوف کی۔

اخر. مبتداء ہے جس کی خبر محذوف ہے **ای لهم عذاب آخر.**

من شکله. یہ صفت آخر کی مفرد ہے۔ حالانکہ مرجع حمیم وغساق ہے بتاویل مذکور کے یا بحیثیت شراب کے دونوں کو شامل ہو جائے گی۔ اسی طرح لفظ آخر لفظاً مفرد اور معناً جمع ہے۔ کیونکہ عذاب مختلف انواع کا ہوتا ہے۔

ازواج. یہ دوسری صفت ہے آخر کی۔

لامرحبابهم. یہ مفعول بہ ہے۔ فعل واجب الحذف کا۔ اور بہم میں با بیانیہ ہے جن کے لئے بددعا ہے ان کا بیان ہے **ای لااتیتم مرحبا ولا سمعتم مرحبا.**

دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو مصدریت کی وجہ سے منصوب مانا جائے، **ای لاارحبتکم دارکم مرحبا بل ضیقاً** پھر یہ جملہ مستانفہ ہے بددعا کے لئے۔ دوسرے یہ جملہ حالیہ بھی ہوسکتا ہے رہا یہ کہ یہ جملہ دعائیہ حالیہ نہیں بن سکتا تو کہا جائے گا کہ بتقدیر قول حالی ہو جائے گی۔ **ای مقولا لهم لا مرحبا.**

انتم قدمتموه. یہ محض علت ہے حقیقت تقدیر مراد نہیں۔ یعنی ہر تباہی میں تم ہی پیش پیش رہے۔

فی النار. یہ زد کا ظرف ہے یا عذاب کی صفت یا حال ہے تخصیص کی وجہ سے یا زده سے حال۔

سخریا. یا دونوں قرائتوں پر نسبتی ہے مبالغہ کے لئے جیسے خصوص سے خصوصیۃ۔

ام زاغت. ام متصلہ ہے اور مقابلہ بلحاظ لازم کے لئے۔ یعنی ہم نے جن سے ٹھٹھا کیا تھا وہ لوگ کیا جہنم میں نہیں ہیں یا وہ جہنم میں تو ہیں مگر ہمیں نظر نہیں آتے۔ چونکہ فقراء مکہ میں کلام ہو رہا ہے اس لئے حضرت سلمانؓ کو ان میں شمار کرنا صحیح نہیں کیونکہ وہ مدینہ میں مسلمان ہوئے تھے۔

تخاصم. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ جملہ **ذلک** کا بیان ہے اور حق سے بدل بھی ہوسکتا ہے۔ چونکہ پیشرووں اور پیروکار دونوں کی گفتگو لامرحباً جیسے ناگوار کلمات کا تبادلہ ہوگا، اس لئے اسے تخاصم کہا گیا ہے۔

ربط آیات و روایات:......... حضرت ایوبؑ کی داستان صبر بھی واقعات انبیاءؑ کی ایک عجیب کڑی ہے اور انبیاء کا ذکر بھی آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لئے کیا جا رہا ہے۔

هذا ذکر الخ سے توحید و رسالت ومجازات کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ جس کو اجمالاً **و ما خلقنا الخ** میں بیان فرمایا گیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت ایوبؑ کی بیوی ان کی غیر معمولی علالت کی تیمارداری میں لگی رہتی تھیں۔ اسی سلسلہ میں کہیں دوا وغیرہ کی تلاش میں نکلی ہوں گی کہ سرراہ شیطان ایک طبیب کی صورت میں ملا۔ بیوی نے شوہر کی علالت کا تذکرہ کیا تو کہنے لگا میں علاج کر سکتا ہوں۔ مگر صحت کے بعد تمہیں یہ کہنا پڑے گا کہ میں نے شفا دی ہے۔ بیوی نے اس شرط کو مان لیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو جب صورت حال معلوم ہوئی تو انہیں یہ بات ناگوار گزری۔ کیونکہ یہ کلام شرکیہ ہے خفی ہی سہی۔

یا بقول مفسر علامؒ بیوی کو گھر واپسی میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی۔ جس کی وجہ سے حضرت ایوبؑ کو سخت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ بیماری میں انہیں قدم قدم پر تیماردار کی ضرورت رہتی تھی۔ ادھر گھر میں بیوی کے سوائے اور کوئی نہیں تھا۔ اس لئے حضرت ایوبؑ نے تنگ دل ہو کر قسم کھالی کہ میں بیوی کو سو کوڑے ماروں گا، مگر چونکہ بیوی نے غیر معمولی خدمت کی تھی اس لئے حق تعالیٰ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ ان کی خدمات کا یہ صلہ ملے۔ ادھر قسم کا پورا کرنا بھی ضروری تھا۔ اس لئے یہ جملہ ارشاد فرمایا گیا کہ سو سینکوں یا تیلیوں کی ایک جھاڑو لے کر ایک بیوی کے ماردو، قسم پوری ہو جائے گی۔

﴿ تشریح ﴾: .... حق تعالیٰ جل مجدہٗ کی طرف سے آزمائش کے دو طریقے ہیں، کبھی وہ نعمت وراحت میں آزماتے ہیں اور کبھی نعمت ومصیبت میں۔

حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کا امتحان تو اول صورت میں ہوا کہ باوجود دنیا کی سطوت وسلطنت کے بھی خدا کو نہیں بھولے۔ بلکہ ذرا سی چوک پر فوراً جھک پڑی اور توبہ واستغفار کر کے اپنی کامل نیازمندی کا ثبوت دے دیا۔

حضرت ایوبؑ کا بے مثال صبر: .... اس کے بعد حضرت ایوبؑ کی زندگی قابل عبرت ہے۔ وہ نعمت ومصیبت دونوں کی مکمل مرقع ہے۔ ایک طرف اگر وہ دولت وثروت میں شاکر بندے ثابت ہوئے تو دوسری جانب ناقابل برداشت مصائب اور ہر طرح کی مشکلات جھیل کر شاہکار صبر بنے رہے۔ انتہائی تکالیف کے باوجود جن کو ہنسی خوشی جھیلتے رہے۔ جب بیوی سے یہ معلوم ہوا کہ ایک طبیب صورت شخص نے علاج اور شفا کی یہ فیس چاہی کہ اس کو شافی کہہ دیا جائے، حالانکہ شافی مطلق اللہ ہے تو فرمایا کہ بھلی مانس وہ تو شیطان تھا۔ اس شرکیہ بات کا میرے پاس ہوتے ہوئے تجھے دھیان کیسے آیا؟ میری بیماری کی بدولت شیطان کا حوصلہ یہاں تک بڑھا کہ خاص میری بیوی سے ایسی بات کہلوا کر خوش ہونا چاہتا ہے۔ اس لئے میں عہد کرتا ہوں کہ اگر خدا نے مجھے شفا دے دی تو میں تیرے سو قمچیاں بطور کفارہ کے ماروں گا۔ چنانچہ پہلے بھی اگرچہ صحت کے خواہشمند تھے، لیکن اب اور زیادہ لگن سے دعائے صحت کی جو قبول ہوئی اور صحت بخش چشمہ کے ذریعہ اللہ نے انہیں مکمل تندرستی بخش دی۔

اس سلسلہ میں قصہ گوؤں نے جو مبالغہ آرائیاں کی ہیں وہ لائق احتیاط ہیں۔ کیونکہ گھناؤنی بیماریاں قابل نفرت ہوتی ہیں جو انبیاءؑ کی وجاہت کے خلاف ہیں۔ پس اتنا ہی بیان کرنا چاہئے جو امتحان وابتلاء کا مقصد بھی پورا کرتا ہو اور وجاہت انبیاء کے خلاف بھی نہ ہو۔

قرآن کریم کے تتبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن چیزوں میں کوئی شر یا ایذاء کا پہلو ہو یا کسی صحیح مقصد کے چھوٹ جانے کا شاخسانہ نکلتا ہو تو اس کو شیطان کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ حضرت ایوبؑ کا ذہن یا تو بیماری کے آنے کے سلسلے میں اس طرف گیا کہ ضرور مجھ سے کوئی تساہل یا غلطی ہوئی ہوگی جو میرے شایان شان نہیں تھی۔ اس کے نتیجہ میں یہ آزار ہوا اور یا بیماری کی حالت میں شدت کے وقت شیطان وسوسہ اندازی کی کوشش کرتا ہوگا اور حضرت ایوبؑ اس کی مدافعت میں تعب اور مشقت برداشت کرتے ہوں گے۔ اسی کو

''نصب و عذاب'' سے تعبیر فرمایا۔

اس ابتلائی دور کی کامیابی سے گزرنے کے بعد پھر اللہ نے ایک ایک نعمت انہیں بڑھا چڑھا کر واپس کردی۔ متاع صحبت کی بازیابی بھی ہوئی۔ گھرانے کے لوگ جو چھت کے نیچے دب کر مر گئے تھے اللہ نے ان کا نعم البدل عطا فرمادیا۔

جائز و ناجائز حیلے: .... تندرست ہونے کے بعد بیوی کو مارنے کا ایفائے عہد کرنا چاہا، مگر اول تو بیوی نے اس قدر وفاداری اور تندہی سے خدمت کی، پھر بے چاری چنداں قصوروار بھی نہ تھی۔ اس لئے اللہ نے اپنی مہربانی سے قسم سچا کرنے کا ایک حیلہ ان کو بتلا دیا جو ان ہی کے لئے مخصوص تھا۔ آج اگر کوئی اس طرح کی قسم کھا بیٹھے تو اس کے پورا کرنے کے لئے اتنی بات کافی نہ ہوگی بلکہ متبادر معنی لینے پڑیں گے البتہ جہاں سزا دینا واجب نہ ہو، وہاں قسم توڑ دینا جائز اور جہاں جائز نہ ہو وہاں واجب ہوگا۔

اور اس قصہ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ احکام میں ہر جگہ حیلہ جائز ہے۔ جیسے زکوٰۃ وغیرہ ساقط ہوجانے کے حیلے لوگوں نے نکال لئے ہیں۔ بلکہ اس میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس حیلہ سے کوئی شرعی حکم یا حکمت اور غرض دینی فوت ہوتی ہو وہ حرام و ناجائز ہے اور جہاں کسی مطلوب شرعی کی تحصیل اور کسی معروف کا ذریعہ بنتا ہو تو اس کی اجازت ہے، لیکن اس ضابطہ شرعی پر جزئیات کا انطباق و تبحر و تفقہ کو چاہتا ہے، ہر کس و ناکس کا یہ مقام نہیں ہے۔ عظمت حق پیش نظر رہنی چاہئے۔

انبیاء کا امتیاز یہ ہے کہ انہیں اللہ و آخرت سب سے زیادہ پیش نظر رہتے ہیں۔ اسی لئے اللہ کے یہاں بھی مرتبہ میں سب سے زیادہ ان کا امتیاز ہے۔

الیسع حضرت الیاسؑ کے خلیفہ تھے۔ پھر اللہ نے ان کو بھی نبوت عطا فرمادی۔ انبیاء کے بعد وان للمتقین سے عام متقین کا انجام بیان کیا جارہا ہے۔ یہاں مفتحۃ بغیر واؤ کے ہے۔ جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دروازے پہلے ہی سے اہل جنت کے لئے کھلے ہوئے ہوں گے۔ کھلوانے کے لئے انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ اس صورت میں وفتحت ابوابھا میں واؤ حالیہ ہوگا۔ لیکن بعض نے واؤ کو زائد مانا ہے۔ یعنی اہل جنت کے آنے کے بعد دروازے کھلیں گے۔ پس اس صورت میں مفتحۃ سے مقصود صرف دروازوں کا کھلنا ہوگا۔ پہلے ہونے کی قید ملحوظ نہیں ہوگی۔ لیکن واؤ کا زائد ہونا خلاف ظاہر ہے۔

اتراب. دنیا میں اگرچہ اپنے سے کم سن عورتوں کو ناز و انداز کی وجہ سے پسند کیا جاتا ہے، لیکن جنت میں یہ باتیں چونکہ اعلیٰ پیمانے پر ہوں گی اس لئے ہم عمری زیادہ ملاطفت و موافقت کا باعث ہوگی۔ نیز یہ ہم عمری سن و سال کے لحاظ سے نہیں ہوگی بلکہ خوبرو اور شکل صورت کے اعتبار سے ہوگی۔

وان للطاغین سے شریروں کا انجام مذکور ہے۔

غساق. بعض کے نزدیک راد پیپ ہے جس میں سانپ بچھوؤں کا زہر ملا ہوگا۔ اور بعض کے نزدیک حد سے زیادہ ٹھنڈا پانی مراد ہے جو حمیم کی ضد ہے۔ دونوں ہی اذیت ناک سزائیں ہیں۔

معکم سے مراد زمانی معیت نہیں ہے، بلکہ عذاب میں شرکت مقصود ہے۔

لطائف سلوک: .... اذ نادٰی ربہ انی مسنی الشیطان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کا تسلط کاملین پر بھی ممکن ہے، بشرطیکہ وہ بات معصیت کی نہ ہو۔

فاضرب بہ و لا تحنث. بعض نے اس سے ہر قسم کے حیلہ کا جواز سمجھ لیا حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ کسی حیلہ سے کوئی شرعی

غرض اگر فوت ہوتی ہوتو وہ حیلہ شرعاً ناجائز ہوگا۔ چنانچہ کامل اگر کوئی حیلہ تجویز کرے گا تو اس کی نظر ضابطہ پر ضرور ہوگی۔ اس لئے اس کی تجویز پر خواہ مخواہ اعتراض کرنا زیبا نہیں ہے۔

انا وجدناہ صابرا. حضرت ایوبؑ کا صبر اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ اس کی مصیبت سے لذت اندوز ہوکر شکر گزار ہوتے تھے۔ مقام صبر کو جب انتہاء ہوتی ہے تو وہ شکر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے بعض کامل عرفاء سے جب پوچھا گیا کہ شاکر نعمت افضل ہے یا صابر مصیبت؟ فرمایا کہ صابر مصیبت سب سے افضل ہے کیونکہ وہ اس کو یاد دوست کا ذریعہ سمجھتا ہے:

ہر چہ از دوست می رسد نیکوست

ان کی نظر مصیبت پر نہیں ہوتی بلکہ بھیجنے والے پر رہتی ہے۔ پھر وہ صورۃً تو مصیبت معلوم ہوتی ہے مگر ہزارہا مصلحتوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حقیقۃً وہ بھی نعمت ہو جاتی ہے۔

واذکر عبدنا ابراهیم. یعنی صاحب قوت تھے۔ نفس اور نفسانی خواہشات اور شیطان کے مقابلہ میں اور صاحب بصیرت تھے لطائف خمسہ نفس وعقل وقلب وسر واخفی کے سلسلہ میں۔

وعندهم قاصرات الطرف. مقام ترغیب میں اس کا ذکر کرنا اس کی دلیل ہے کہ جائز عورتوں کی طرف رغبت نہ کمال کے خلاف ہے اور نہ حب الٰہی کے۔ جیسا کہ بعض ناقص اور مغلوب الحال سمجھتے ہیں۔

قُلْ يَا مُحَمَّدُ لِكُفَّارِ مَكَّةَ **اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ** مُخَوِّفٌ بِالنَّارِ **وَّمَامِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾** لِخَلْقِهِ **رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ** الْغَالِبُ عَلٰى اَمْرِهِ **الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾** لِاَوْلِيَاءِهِ **قُلْ لَهُمْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿۶۷﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾** اَيِ الْقُرْاٰنُ الَّذِىْ اَنْبَاْتُكُمْ بِهٖ وَجِئْتُكُمْ فِيْهِ بِمَا لَا يُعْلَمُ اِلَّا بِوَحْيٍ وَهُوَ قَوْلُهٗ **مَاكَانَ لِىَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى** اَيِ الْمَلَائِكَةِ **اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾** فِىْ شَانِ اٰدَمَ حِيْنَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً **اِنْ** مَا **يُوْحٰى اِلَىَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا** اَىْ اِنِّىْ **نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۰﴾** بَيِّنُ الْاِنْذَارِ اُذْكُرْ **اِذْقَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿۷۱﴾** هُوَ اٰدَمُ **فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ** اَتْمَمْتُهٗ **وَنَفَخْتُ** اَجْرَيْتُ **فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ** فَصَارَ حَيًّا وَّاِضَافَةُ الرُّوْحِ اِلَيْهِ تَشْرِيْفٌ لِاٰدَمَ وَالرُّوْحُ جِسْمٌ لَطِيْفٌ يَحْيٰى بِهِ الْاِنْسَانُ بِنُفُوْذِهٖ فِيْهِ **فَقَعُوْالَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۷۲﴾** سُجُوْدَ تَحِيَّةٍ بِالْاِنْحِنَاءِ **فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾** فِيْهِ تَاكِيْدَانِ **اِلَّآ اِبْلِيْسَ** هُوَ اَبُو الْجِنِّ كَانَ بَيْنَ الْمَلٰئِكَةِ **اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾** فِىْ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى **قَالَ يَآ اِبْلِيْسُ مَامَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَىَّ** اَىْ تَوَلَّيْتُ خَلْقَهٗ وَهٰذَا تَشْرِيْفٌ لِاٰدَمَ فَاِنَّ كُلَّ مَخْلُوْقٍ تَوَلَّى اللّٰهُ خَلْقَهٗ **اَسْتَكْبَرْتَ** اَلْاٰنَ عَنِ السُّجُوْدِ اِسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ **اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿۷۵﴾** اَلْمُتَكَبِّرِيْنَ فَتَكَبَّرْتَ عَنِ السُّجُوْدِ لِكَوْنِكَ مِنْهُمْ **قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا** اَىْ مِنَ الْجَنَّةِ وَقِيْلَ مِنَ السَّمٰوٰتِ **فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۷۷﴾** مَطْرُوْدٌ **وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِىْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۷۸﴾** اَلْجَزَاءِ **قَالَ رَبِّ**

فَانْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ اَیِ النَّاسُ **قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ** ﴿۸۰﴾ **اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ** ﴿۸۱﴾ وَقْتِ النَّفْخَةِ الْاُوْلٰی **قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ** ﴿۸۲﴾ **اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ** ﴿۸۳﴾ اَیِ الْمُؤْمِنِیْنَ **قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ** ﴿۸۴﴾ بِنَصْبِهِمَا وَرَفْعِ الْاَوَّلِ وَنَصْبِ الثَّانِیْ فَنَصْبُهٗ بِالْفِعْلِ بَعْدَهٗ وَنَصْبُ الْاَوَّلِ قِیْلَ بِالْفِعْلِ الْمَذْکُوْرِ وَقِیْلَ عَلَی الْمَصْدَرِ اَیْ اُحِقُّ الْحَقَّ وَقِیْلَ عَلٰی نَزْعِ حَرْفِ الْقَسَمِ وَرَفْعُهٗ عَلٰی اَنَّهٗ مُبْتَدَاءٌ مَحْذُوْفُ الْخَبَرِ اَیْ فَالْحَقُّ مِنِّیْ وَقِیْلَ فَالْحَقُّ قَسَمِیْ وَجَوَابُ الْقَسَمِ **لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ** بِذُرِّیَّتِكَ **وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ** مِنَ النَّاسِ **اَجْمَعِیْنَ** ﴿۸۵﴾ **قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ** عَلٰی تَبْلِیْغِ الرِّسَالَةِ **مِنْ اَجْرٍ** جُعْلٍ **وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِیْنَ** ﴿۸۶﴾ اَلْمُتَقَوِّلِیْنَ الْقُرْاٰنَ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِیْ **اِنْ هُوَ** اَیْ مَا الْقُرْاٰنُ **اِلَّا ذِكْرٌ** عِظَةٌ **لِّلْعٰلَمِیْنَ** ﴿۸۷﴾ لِلْاِنْسِ وَالْجِنِّ الْعُقَلَاءِ دُوْنَ الْمَلَائِكَةِ **وَلَتَعْلَمُنَّ** یَا كُفَّارَ مَكَّةَ **نَبَاَهٗ** خَبَرَ صِدْقِهٖ **بَعْدَ حِیْنٍ** ﴿۸۸﴾ اَیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَعَلِمَ بِمَعْنٰی عَرَفَ وَاللَّامُ قَبْلَهَا لَامُ قَسَمٍ مُقَدَّرٍ اَیْ وَاللّٰهِ

ترجمہ: .... آپ (اے محمد! کفار مکہ سے) کہہ دیجئے کہ میں تو صرف (دوزخ کی آگ سے) ڈرانے والا ہوں اور اللہ واحد قہار کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں ہے۔ وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان کے درمیان کی مخلوق کا۔ زبردست (اپنے حکم پر حاوی) بڑا بخشنے والا ہے (اپنے دوستوں کو) آپ (ان سے) کہہ دیجئے، یہ ایک عظیم الشان مضمون ہے جس سے تم بے پرواہ ہو رہے ہو (یعنی جس قرآن کی میں تمہیں اطلاع دے رہا ہوں اور اس میں ایسی باتیں لے کر آیا ہوں جو بجز وحی کے معلوم نہیں ہوسکتیں وہ یہ کہ مجھ کو عالم بالا (فرشتوں کی) کچھ بھی خبر نہ تھی جبکہ وہ گفتگو کر رہے تھے (کہ حضرت آدمؑ کی شان میں اللہ تعالیٰ نے **انی جاعل فی الارض خلیفہ** فرمایا ہے) میرے پاس وحی محض اس لئے آتی ہے کہ میں صاف صاف ڈرانے والا ہوں (اور یاد کرو) جب کہ آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں گارے سے ایک انسان بنانے والا ہوں (آدم) سو جب میں اس کو پورا (مکمل) بنا چکوں اور اس میں جان ڈال دوں (اور وہ جان دار ہو جائے اللہ نے روح کی اضافت اپنی طرف آدم کی تکریم کے لئے کی ہے اور روح جسم لطیف ہے جس کے مادی جسم میں سرایت کرنے سے انسان زندہ ہو جاتا ہے) تو تم سب اس کے روبرو سجدہ میں گر پڑنا (ان کی تکریم کے لئے بطور آداب جھک جانا) سو سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا (اس میں دو تاکیدیں ہیں) مگر ابلیس (جنات کی نسل جس سے چلی فرشتوں میں رہا کرتا تھا) کہ وہ غرور میں آ گیا۔ (علم الٰہی میں) کافروں میں سے تھا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس کس چیز نے تجھ کو باز رکھا اس کو سجدہ کرنے سے جسے میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا (یعنی میں نے اس کو پیدا کرنے کی ذمہ داری لی۔ اس میں بھی آدمؑ کی تکریم مقصود ہے ورنہ سب ہی چیزیں اللہ کی پیدا کردہ ہیں) کیا تو غرور میں آیا (اب سجدہ کرنے سے، استفہام توبیخ کے لئے ہے) یا تو بڑے درجہ والوں میں سے ہے؟ (اس لئے تو سجدہ کرنے سے باز رہا کہ تو خود بڑا ہے) کہنے لگا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ آپ نے مجھ کو آگ سے بنایا ہے اور اس کو خاک سے۔ ارشاد ہوا کہ تو نکل جا یہاں (جنت یا آسمانوں) سے کیونکہ تو یقیناً مردود (راندہ) ہو گیا اور بلاشبہ قیامت تک تجھ پر میری لعنت رہے گی۔ کہنے لگا تو پھر مجھ کو قیامت (لوگوں کے اٹھنے) تک مہلت دے دیجئے۔ ارشاد ہوا کہ تجھے مقررہ وقت (پہلے صور)

تک مہلت دی گئی۔ کہنے لگا تو تیری عزت کی قسم کہ میں ان سب کو گمراہ کردوں گا بجز آپ کے منتخب بندوں (مومنین) کے۔ ارشاد ہوا میں سچ کہتا ہوں اور میں تو سچ ہی کہا کرتا ہوں (لفظ الحق دونوں جگہ منصوب ہے یا اول مرفوع اور دوسرا منصوب ہے۔ دوسرے لفظ کا نصب تو بعد کے فعل اقول کی وجہ سے ہے اور پہلے کے نصب میں بعض کی رائے بعد کے فعل ہی کی وجہ سے ہے اور بعض کے نزدیک مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے۔ ای احق الحق اور بعض کے نزدیک حرف قسم محذوف ہونے کی بناء پر ہے لیکن پہلے کا رفع مبتداء ہونے کی وجہ سے ہے جس کی خبر محذوف ہے۔ ای فالحق منی اور بعض نے تقدیر عبارت، فالحق قسمی نکالی ہے اس صورت میں جواب قسم آگے ہے) کہ میں تجھ سے (مع تیری نسل کے) اور جوان (لوگوں) میں تیرا ساتھ دے سب سے دوزخ بھردوں گا۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (تبلیغ رسالت) پر نہ کچھ معاوضہ (اجرت) چاہتا ہوں اور نہ ہی بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں (کہ قرآن اپنی طرف سے گھڑ لیا ہو) یہ (قرآن) تو دنیا جہاں والوں کے لئے (عقل رکھنے والے انسان و جنات کے لئے نہ کہ فرشتوں کے لئے) بس ایک نصیحت (وعظ) ہے اور (اے مکہ والو!) تمہیں اس کا حال (سچائی کی خبر) تھوڑے دنوں بعد معلوم ہوجائے گی (قیامت میں اور علم معرفت کے معنی میں ہے اور اس سے پہلے لام قسمیہ ہے یعنی واللہ قسم محذوف ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... انما انا. یہاں حصر سے ساحر، شاعر، کاہن ہونے کی نفی کرنا ہے۔ البتہ صرف آپ کا نذیر ہونا بیان کیا۔ حالانکہ آپ بشیر بھی تھے۔ کیونکہ آپ کی گفتگو کا رخ کفار کی طرف ہے اور ان کے لئے آپ نذیر ہیں۔

وھو قولہ. مفسر علامؒ نے اس بناء پر عظیم کا مصداق ما کان لی الخ کو مانا ہے۔ حالانکہ اس سے مراد اذ قال ربک الخ اگلا جملہ ہے۔ مگر چونکہ یہ پہلا جملہ دوسرے جملہ کی تمہید ہے اس لئے مفسرؒ نے اسی کو مصداق قرار دیا ہے۔

ما کان لی من علم. یعنی فرشتوں کی گفتگو کا علم بجز کتب سابقہ کے مطالعہ کے معلوم نہیں ہوسکتا اور آپ رسمی طور پر لکھنے پڑھنے سے واقف نہیں۔ پس بجز وحی کے اس کے معلوم ہونے کا اور طریقہ کیا ہے؟

اذ یختصمون. یہ مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے یا تقدیر مضاف ہے ای بکلام الملاء الاعلیٰ اور ضمیر ملاء اعلیٰ کی طرف راجع ہے۔ فرشتوں کی گفتگو کو مجازاً اختصام فرمایا ہے اور بعض نے قریش کی طرف راجع کی ہے۔ یعنی بعض قریش ان کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اور بعض کچھ اور۔

الا انا نذیر یعنی یا تو یہی وحی ہے۔ اس صورت میں لا کے بعد مرفوع ہوگا فاعلیت کی وجہ سے یا یہ معنی ہیں کہ مجھے صرف ڈرانے کا حکم ہوا ہے کفار کی وجہ سے ظاہر ہے کہ یہ تخصیص صحیح ہے۔

بشرا. صاف بدن جس پر نہ بال و پر ہوں اور نہ اون اور چھلکا ہو۔ رہا یہ شبہ کہ فرشتے تو بشر سے ناواقف تھے پھر کیسے بشر کہہ کر اس کی پیدائش کی اطلاع دے دی؟ سو ممکن ہے اس کے اوصاف وعوارض بتلا دیئے گئے ہوں اور یہاں مختصر لفظ بشر پر اکتفا کرلیا ہو۔

خلقت بیدی. یعنی ماں باپ کے بغیر براہ راست پیدا کیا ہے اور چونکہ انسان اکثر کام ہاتھوں سے کیا کرتا ہے اس لئے تغلیباً یدین کا ذکر کردیا اور اللہ کے لئے یہ لفظ تشابہ اور مجاز ہے۔

استکبرت. جمہور کے نزدیک ہمزہ استفہام توبیخی اور انکاری ہے اور ام متصلہ ہے۔ لیکن ابن عطیہؒ نے بعض نحویوں سے نقل کیا ہے کہ دونوں فعلوں کے مختلف ہونے کی صورت میں جیسا کہ یہاں ہے ام متصلہ بمعنی ہمزہ نہیں ہے۔ لیکن ایک فعل پر داخل ہونے کی صورت میں ہمزہ کے ساتھ آئے گا۔ جیسے اقام زیدا ام عمر یا ازید قام ام عمر. مگر یہ رائے جمہور کے خلاف اور غلط ہے۔ اس لئے سیبویہؒ نے اضربت زیدا ام قتلتہ کی اجازت دی ہے۔ گویا زید نے کچھ نہ کچھ کیا ہے مگر اس کی تعیین مطلوب ہے موقع فعل کی تحقیق

مقصود نہیں ہے۔لیکن ابن کثیرؒ وغیرہ ایک جماعت نے استکبرت کو ہمزہ وصل کے ساتھ پڑھا ہے۔اس میں دو ہی صورتیں ہوں گی یا ہمزہ وصل کو ہمزہ استفہام کے معنی میں لیا جائے، جیسا کہ ام سے معلوم ہو رہا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ام منقطعہ قرار دیتے ہوئے استکبرت کو صرف خبر قرار دے دیا جائے۔اس کے ساتھ الآن کی قید لگا کر مفسرؒ ایک شبہ کا جواب دے رہے ہیں۔

شبہ یہ ہے کہ عالین کے معنی بھی متکبر کے ہیں۔پس اس صورت میں تکرار ہو گیا۔ پھر دو صورتوں میں دائر کرنا کیسے صحیح ہوگا۔
جواب یہ ہے کہ تکبر کی دو صورتیں کر دی گئی ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ حالیہ تکبر کی وجہ سے تو نے سجدہ نہیں کیا یا قدیم تکبر کی وجہ سے باز رہا۔

انا خیر. نار کے نورانی ہونے اور خاک کے ظلماتی ہونے سے شیطان دھوکہ کھا گیا ورنہ خاک و نار میں ایک فرق قابل لحاظ اور بھی تھا، جس کو اس نے نظر انداز کر دیا ہے۔ آگ تو راکھ بن کر بیکار ہو جاتی ہے، لیکن خاک سے ہر چیز بنتی ہے۔ گھاس پھونس، سبزی، بھاجی، پھول، پھل، جانور، انسان۔ ہر انسان براہ راست قدرت کا شاہکار ہے۔ چنانچہ خلقت بیدی میں فاعل کی شرافت کا فعل کے واسطے سے مفعول میں سرایت کرنے کی طرف اشارہ ہے اور دوسری خوبی حسن صورت ہے۔ جس کی طرف نفخت فیہ من روحی میں اشارہ کیا گیا ہے اور تیسری فضیلت عنایت خاصہ ہے، جس کی طرف اسجدوا لادم سے اشارہ فرمایا گیا ہے۔

فالحق. اگر مبتداء ہونے کی وجہ سے رفع ہے تو تقدیر عبارت الحق منی ہے اور خبر ہونے کی وجہ سے ہے تو عبارت انا الحق ہوگی اور مقسم بہ نصب ہونے کی وجہ سے ہے۔ جیسے اللہ لافعلن کذا. اس صورت میں یا محذوف ہوگی اور لاملئن جواب ہوگا اور الحق اقول مقسم بہ اور مقسم علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہوگا اور الحق سے مراد اللہ کا نام ہے، جیسے ان اللہ ھو الحق فرمایا گیا ہے اور یا حق سے باطل کی ضد مراد ہے۔ دونوں جگہ فعل ناصب کا تکرار تاکید کے لئے ہوگا۔ بہرحال دوسرے لفظ الحق کے نصب کی تو صرف ایک ہی درجہ ہو سکتی ہے۔ مگر اول لفظ کے نصب کی تین وجوہ مفسر علامؒ نے ذکر کی ہیں اور اول کے مرفوع ہونے کی دو صورتیں نکلتی ہیں۔

العلمین. اگرچہ فرشتے بھی اس میں آتے ہیں، مگر چونکہ ذکر و موعظت صرف انسان و جنات کے لئے ہے اس لئے فرشتے خارج ہو گئے۔

بعد حین. لفظ حین منصوب ہے۔ حین کے معنی دنیا کی مدت ہیں اور ابن عباسؓ کے نزدیک موت کے بعد اور بعض کے نزدیک قیامت مراد ہے۔

ربط آیات: .... قل انما انا منذر سے نبوت و توحید کا بیان ہے اور رسالت کے ذریعہ توحید کامل معلوم ہوئی۔ اس لئے یہاں زیادہ رسالت کی طرف توجہ کی گئی ہے اور چونکہ ملاء اعلیٰ کے احوال سے رسالت پر استدلال کیا گیا ہے۔

آگے اذ قال ربك سے آدم علیہ السلام کے قصہ سے ان حالات کا بیان ہے اور چونکہ اختصام کا وقت بھی اس قصہ کا وقت ہے اس لئے اذ قال بدل ہو جائے گا اذ یختصمون کا، اب یہ شبہ نہیں رہتا کہ یہاں اختصام تو بیان نہیں کیا گیا ہے، البتہ یہ شبہ رہے گا کہ اذ یختصمون جب کہ آنحضرت ﷺ کا قول ہے تو اذ قال ربک بھی آپ ﷺ ہی کا ارشاد ہونا چاہئے۔ تو اس لحاظ سے اذ قال ربک کی بجائے اذ قال ربی ہونا چاہئے تھا؟ جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ قول اللہ کے الفاظ کی حکایت ہے۔ یہاں تک تو رسالت سے متعلق کلام مناظرانہ تھا؟ اب قل ما اسئلکم سے ناصحانہ کلام ہو رہا ہے۔

﴿ **تشریح** ﴾: .... قل انما انا. یعنی میرا کام تو اتنا ہی ہے کہ میں تمہیں آنے والی خوفناک گھڑی اور بھیانک مستقبل سے ہوشیار کر دوں۔ میں کوئی بازی گر یا نجومی نہیں۔ باقی اصل بالا جس حاکم سے تمہارا پڑنے والا ہے اس کے آگے چھوٹا بڑا کون دم مار سکتا

ہے۔ ہر چیز اس کے سامنے سرنگوں ہے۔ کائنات کا یہ کارخانہ جب تک وہ چاہے قائم رکھے اور جب چاہے توڑ پھوڑ کر برابر کردے۔ اس کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے اور اس کے قابو سے نکل کر کون بھاگ سکتا ہے۔ یہی حال اس کی وسیع رحمت کا ہے۔ کوئی اسے محدود نہیں کر سکتا۔ قرآن یا رسالت یا قیامت نہایت اہم اور بڑی بھاری بات ہے۔ مگر افسوس کہ تم ان کی طرف سے بالکل بے فکر ہو۔ تمہاری خیر خواہی کے لئے اگر کچھ کہا جاتا ہے تو دھیان میں نہیں لاتے بلکہ الٹا مذاق اڑانے لگتے ہو۔

ملاء اعلیٰ کی کونسل کا مباحثہ: .... ملاء اعلیٰ مقرب فرشتوں کی کونسل جن کے ذریعے نظام تکوینی نافذ ہوتا ہے۔ یعنی نظام اعلیٰ کے فنا و بقا کے سلسلہ میں جو بحثیں ہوتی ہیں مجھے ان کی کیا خبر جو تم سے بتلاؤں۔ اللہ نے جتنی باتیں فرمادیں ان کو بیان کر دیتا ہوں۔ چنانچہ مجھے حکم ہوا ہے کہ آنے والے خوفناک مستقبل سے سب کو آگاہ کردوں۔ رہا ٹھیک ٹھیک اس کا ناپا تلا وقت نہ اس کا مجھے پتہ دیا گیا ہے اور نہ اس کی چنداں ضرورت۔

اسی طرح ملاء اعلیٰ والوں کی باہمی گفتگو مثلاً قیامت کی تعیین کے سلسلہ میں یا اسی طرح اور باتوں کے متعلق ان میں قیل وقال رہتی ہے۔ جیسے حدیث میں اللہ تعالیٰ کا آنحضرت ﷺ سے کئی دفعہ فرمانا فیم یختصم الملاء الا علی اور آپ کا جواب دینا مذکور ہے۔ پس وہاں کے مباحثہ کا علم وحی الٰہی کے علاوہ اور کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہی ذریعہ ہے جس سے جہنمیوں کے تخاصم کی آپ کو اطلاع ہوئی۔ وحی کے ذریعہ ہی ملاء اعلیٰ کی بات چیت کی آپ کو خبر لگی۔ اسی طرح ابلیس کا آدم کے بارے میں تخاصم جس کا ذکر آرہا ہے وہ بھی وحی سے معلوم ہو۔ پس اس سے آپ کی رسالت ثابت ہوگئی۔

تخلیق آدمؑ کے تدریجی مراحل: .... اذ قال ربک. فرشتوں کو پہلے آگاہ کردیا جب کہ میں آدمؑ کا پتلا تیار کر کے اس میں جان ڈال دوں۔ تو آداب وتعظیم بجالانا۔

من طین. ادمؑ کی تخلیق کے سلسلہ میں مختلف الفاظ قرآن میں آئے ہیں۔ تواب۔ طین. طین لازب. حماٍ مسنون. صلصال. فخار سب کی اصل تراب ہے مختلف مراتب ومراحل کے لحاظ یہ یہ الفاظ آئے ہیں۔ کہیں قریب حالت کو اور کہیں بعید حالت کو بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔ سب احوال والفاظ صحیح ہیں۔

روحی. اس لئے فرمایا کہ روح کا تعلق عالم آب وگل سے نہیں ہے۔ بلکہ عالم امر سے ہے۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں گزر چکا۔

کان من الکٰفرین. یعنی علم الٰہی میں پہلے سے کافر تھا یا علم الٰہی کو جھٹلانے کی وجہ سے کافر ہوگیا تھا۔ محض سجدۂ واجب کے ترک کرنے کی وجہ سے کافر نہیں ہوا۔ جیسا کہ خوارج اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ بلکہ بدعقیدہ ہوجانے کی وجہ سے کافر ہوا۔ یہ دونوں توجیہیں اس لئے کی گئیں کہ یہ شبہ نہ ہو کہ جب شیطان نے اس سے پہلے کوئی کفر نہیں کیا تھا۔ پھر کان ماضی کا صیغہ کیسے لایا گیا ہے اور بعض نے کان بمعنی صار لیا ہے۔ لیکن ابن فورک نے اس کی تردید کی ہے۔ کیونکہ اول تو کان بمعنی صار کا آنا ثابت نہیں ہے۔ دوسرے اس صورت میں فکان آنا چاہئے تھا۔ لیکن سب سے بہتر بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ ابلیس اصل میں کافر تھا۔ حضرت آدمؑ کی پیدائش سے پہلے زمین میں جو کافر جنات رہتے تھے۔ وہ ان میں سے تھا۔ مگر عبادت وریاضت کرتے کرتے ترقی پا گیا اور فرشتوں کے پاس آنے جانے لگا۔

شیطان کی حقیقت: .... لیکن قاضی بیضاویؒ کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا۔ ورنہ اسجدوا کا حکم اس کو شامل نہیں ہوگا۔ اسی طرح الا ابلیس کا استثناء بھی صحیح نہیں ہوگا۔ اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ دوسری جگہ الا ابلیس کان من الجن فرمایا گیا۔ جس میں صاف طور پر اس کا جن ہونا معلوم ہوا۔ پھر اس کو فرشتہ کیسے کہا گیا؟ کیونکہ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو یہ کہ ممکن ہے ابلیس بلحاظ کام کے تو جن ہو لیکن باعتبار نوع کے فرشتہ ہو۔ پس کفار کہنا بھی صحیح رہا۔ اور آیت کے خلاف بھی نہ ہوا۔

دوسرے ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرشتوں کی ایک قسم ایسی ہے کہ جن میں نسل کا سلسلہ جاری رہتا ہے جنہیں جن کہا جاتا ہے۔ ابلیس بھی انہی میں سے ہے۔

بہرحال اس طرح دونوں آیات میں تطبیق ہوگئی۔ البتہ یہ ضرور ہوگا کہ جس طرح انسانوں میں اکثریت غیر معصوموں کی ہے۔ مگر اقلیت یعنی انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح فرشتوں میں اکثریت معصوم ہوتی ہے۔ مگر اقلیت غیر معصوم ہوتی ہے۔ تاہم یہ کہنا بھی غلط نہیں کہ ابلیس دراصل جن تھا۔ مگر فرشتوں میں رہنے سہنے کی وجہ سے انہی میں شمار ہوا اور اسی اعتبار سے حکم سجدہ کا مخاطب بنا اور استثناء بھی صحیح ہوگیا۔

یا یوں کہا جائے کہ ابلیس جنات میں سے تھا اور سجدہ کا حکم فرشتوں کی طرح جنات کو بھی ہوا تھا۔ مگر جس طرح نصوص میں عام طور پر صرف مردوں کو خطاب ہے۔ اگرچہ احکام مرد وعورت دونوں کے لئے عام ہیں۔ اسی طرح فرشتوں کے مخاطب بنانے پر اکتفا کرلیا گیا۔ مگر حکم دونوں کو ہوا تھا اب فسجدوا میں فرشتے اور جنات سب شامل ہوجائیں گے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ فرشتوں کی کوئی قسم ایسی بھی ہو جو ابلیس سے ماہیت وحقیقت کے لحاظ سے مختلف نہ ہو۔ بلکہ دونوں کی ذوات یکساں ہوں۔ مگر جس طرح سب انسان انسان ہوتے ہوئے بھی صفات وعوارض کے لحاظ سے نیک و بد دو حصوں میں تقسیم ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح ان میں بھی ہوا اور لفظ جن دونوں کو شامل ہو۔ اور ابلیس بھی اسی قسم میں داخل ہو۔ جیسا کہ ابن عباسؓ کا ارشاد نقل ہوچکا ہے۔ چنانچہ اب ارشاد الٰہی الا ابلیس کان من الجن ففسق عن امر ربه کے مطابق ابلیس میں تغیر حال بھی درست ہوگیا جو اصطلاح میں رجعت کہلاتی ہے اور اس پر ہبوط کا مرتب ہونا بھی درست ہوگیا۔

البتہ یہ شبہ رہ جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت انه علیه السلام قال خلقت الملائكة من النور وخلق الجن من مارج من النار کی رو سے تو معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کی حقیقتیں بھی مختلف ہیں۔ پھر یہ تقریر کیسے صحیح ہے؟

جواب یہ ہے کہ اس روایت سے تو اور اس کی تائید ہورہی ہے۔ کیونکہ اس میں دونوں کی حقیقت کو نور و نار کی حقیقت سے سمجھایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ نور و نار کی حقیقت روشن جوہر ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ آگ میں دھوئیں کی آمیزش بھی ہوتی ہے جو نور میں نہیں ہوتی۔ اس میں خالص روشنی ہی ہوتی ہے۔ اس لئے ان دونوں میں تحویل بھی ہوتا رہتا ہے۔ غرض اس طرح تمام نصوص میں بے تکلف تطبیق ہوجاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت آدمؑ کا مسجود ملائکہ ہونا: .... حضرت آدمؑ کے مسجود ملائکہ بننے سے آدمؑ کی فرشتوں پر برتری معلوم ہوتی ہے۔ جو اہل سنت کا مسلک ہے۔ اگرچہ یہ فضیلت جزئی ہی ہو۔ معتزلہ اس کے برعکس مانتے ہیں۔ نیز تکبر کی برائی معلوم ہوتی۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ کفر تک نوبت پہنچا دیتا ہے اور امتثال حکم کی ترغیب بھی معلوم ہوئی اور یہ کہ امر وجوب کے لئے آتا ہے اور یہ کہ اسرار الٰہی میں غور وخوض نہیں

کرنا چاہئے۔ بلکہ احکام کے ظاہر پر قناعت کر لینی چاہئے۔

اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ امر الٰہی میں جس کا کفر پر مرنا طے ہو چکا حقیقۃً کافر وہی ہے۔ کیونکہ مرنے سے پہلے کافر کے متعلق بھی امکان رہتا ہے کہ مسلمان ہو جائے اور مسلمان کے لئے بھی خطرہ رہتا ہے کہ وہ کافر مرنے۔ غرض خاتمہ کا اعتبار ہے۔ اشاعرہ کے یہاں یہ مسئلہ ''مواخات'' کہلاتا ہے۔

سجدہ کی حقیقت اور اس کی اجازت وممانعت: .... رہا یہ کہ سجدہ آدم کی حقیقت کیا ہے۔ غیر اللہ کو سجدہ کرنے کا حکم خود اللہ کی طرف سے کیسے ہوا۔ یہ تو کھلا ہوا شرک ہے؟ سو بات یہ ہے کہ سجدہ دراصل نام ہے پستی اور سرنگوں ہونے کا۔

ع تری الا کم فیہ سجد اللحوافر ...... یا جیسے وقلن لہ اسجد للیلی فاسجدا. ان دونوں جگہ سرنگوں ہونے کے معنی ہیں۔ لیکن شریعت میں سجدہ کہتے ہیں بطور عبادت زمین پر سر رکھ دینے کو، حضرت آدمؑ کے لئے فرشتوں کو جس سجدہ کا حکم دیا گیا وہ اگر شرعی تھا تو سجدہ فی الحقیقت اللہ کو کرنا تھا۔ آدم علیہ السلام تو کعبۃ اللہ کی طرح صرف جہت سجدہ اور قبلہ سجدہ ہوئے۔ جس سے آدم کی شان بڑھانی مقصود تھی یا وہ سجدہ واجب ہونے کا سبب اور باعث بنے۔ جیسا کہ کعبۃ اللہ میں بھی یہی دونوں باتیں تو جیہ سجدہ ہیں۔ نہ صورت آدم پیش نظر تھی اور نہ صورت کعبہ مقصود ہے۔ بلکہ دونوں تجلیات ربانی کا محور ومظہر ہیں۔ اور آدم علیہ السلام قدرت کا ایک مکمل شاہکار تھی۔ خلق اللّٰہ ادم علی صورتہ. پس اسجدوا لا دم میں لام ایسا ہے۔ جیسے اقم الصلوٰۃ لد لوک الشمس میں لام سببیہ ہے یا حضرت حسانؓ کے اس شعر میں جو حضرت علیؓ کی شان میں ہے

الیس اول من صلی لقبلتکم واعرف الناس بالقران والسنۃ

یعنی لام بمعنی الیٰ جانب اور طرف کے لئے ہے۔ غرض حضرت آدمؑ مسجود لہٗ نہیں تھے بلکہ مسجود الیہ تھے۔ اور یہ اگر یہ سجدہ تحیتی تھا سجدہ عبادت نہیں تھا تب تو بات اور ہلکی ہو جاتی ہے۔ یعنی تعظیم وآداب بجالانا مراد ہے۔ جیسا کہ حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائیوں نے سجدہ کیا تھا۔ یا آج بھی شاہی آداب میں سمجھا جاتا ہے۔

اور بعض نوابی ریاستوں اور رجواڑوں میں فرشی سلام کا طریقہ رائج ہے۔ لیکن شریعت اسلامیہ نے اس کو منع کر دیا ہے کیونکہ یہ مقدمہ شرک ہے اور اسلام کے پیش نظر کامل توحید ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے روبرو سجدہ سے، اسی طرح اپنی قبر مبارک کو سجدہ کرنا سختی سے منع فرما دیا اور فرمایا کہ اگر کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو بیوی کو اپنے شوہر کے لئے سجدہ کرنا روا ہوتا۔ اس لئے عبادتی اور تحیتی سجدوں کا فرق کر کے کسی جاہل کے لئے غیر اللہ کو کسی بھی قسم کا سجدہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

نیز سجدہ کے لغوی معنی لیتے ہوئے حضرت آدمؑ کو فرشتوں کے سجدہ کرنے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تکوینیات اور معاشیات وغیرہ میں ان کی اطاعت واعانت کریں اور ان کے خلاف نبرد آزما نہ ہوں۔

حضرت آدمؑ کو دونوں ہاتھوں سے بنانے کا مطلب: .... لما خلقت بیدی یعنی آدمؑ کے جسم کو ظاہر کے ہاتھ سے اور روح کو باطن وغیب کے ہاتھ سے بنایا۔ اللہ ظاہر کی چیزوں کو ایک طرح کی قدرت سے اور غیب کی چیزوں کو دوسری طرح کی قدرت سے پیدا فرماتا ہے۔ اور انسان میں ان دونوں طرح کی قدرتیں خرچ کی ہیں۔ کیونکہ وہ عالم صغیر ہے جو اس عالم کبیر کا نمونہ ہے۔ یہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی رائے کا خلاصہ تھا۔ لیکن اللہ کی صفات کے سلسلہ میں جمہور کا مسلک ہی احوط ہے۔

استکبرت. یعنی جان بوجھ کر خود کو بڑا بنانا چاہا یا واقع میں تو اپنا مرتبہ ہی اونچا سمجھتا ہے۔ آگ گرم اور پر جوش ہے اور مٹی

سرد وخاموش۔ ابلیس نے آگ کو پسند کیا اور اللہ نے مٹی کو۔

حضرت آدمؑ کی تخلیق کا ذکر قرآن کریم کے قصص مکررہ میں سے ہے۔ یہاں اگرچہ شجر ممنوعہ کے کھا لینے اور جنت سے اترنے کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن بہت سے انبیاء کا ذکر ختم ہو چکا ہے۔ ادھر عصمت انبیاءؑ کے مسئلہ پر کلام ابتدائے سورہ بقرہ میں حضرت آدمؑ کے واقعہ میں رہ گیا ہے اس لئے مختصر سی روشنی اس پر ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

قاضی بیضاویؒ نے حضرت آدمؑ کی ذلت ولغزش کے سلسلہ میں حشویہ کے چھ استدلال عصمت انبیاء کے خلاف نقل کر کے ان کے چار جواب ارقام فرمائے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

دلائل حشویہ: .... ۱۔ حضرت آدمؑ اس وقت بھی اللہ کے نبی تھے۔ جب کہ انہوں نے ممانعت کے باوجود اس کی خلاف ورزی کی جو معصیت ہے۔

۲۔ اللہ نے آدمؑ کو اس کی وجہ سے ظالم فرمایا اور ظالم کو ملعون قرار دیا گیا ہے۔ الا لعنة الله على الظّلمين.

۳۔ اللہ نے ان کے متعلق "عصٰى اٰدم ربهٗ فغوى" فرمایا جس سے ان کا عصیان وطغیان ثابت ہوا۔

۴۔ اللہ نے ان کو توبہ کرنے کو فرمایا اور توبہ کہتے ہیں گناہ پر پچھتانے اور اس سے باز رہنے کو۔

۵۔ خود حضرت آدمؑ نے اپنی دعا میں وان لم تغفرلنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين کہہ کر اس کا اعتراف کر لیا کہ اگر بخشش نہ ہوئی تو خاسر رہ جاؤں گا اور خاسر کے معنی گناہ کبیرہ کرنے والے کے ہیں۔

۶۔ اگر حضرت آدمؑ گنہگار نہ ہوتے تو لباس چھینے جانے، جنت سے نکالے جانے اور اوپر سے اترنے کا ماجرا نہ ہوتا۔

جوابات اہل حق: .... ۱۔ حضرت آدمؑ ممنوعہ چیز کھانے کے وقت نبی نہیں تھے۔ کیونکہ اس وقت کوئی امت ہی نہیں تھی۔ نبوت بعد میں آئی ہے۔ اسی وقت عصمت بھی مانی جائے گی جو ان کی نبوت اس وقت بھی ماننا ہو تو اس کو ثابت کرنا اس کے ذمہ ہے۔

۲۔ حضرت آدمؑ کے لئے کھانا حرام نہیں تھا کہ اعتراض ہو۔ بلکہ کراہت تنزیہی کے درجہ میں تھا جو خلاف عصمت نہیں رہا ان کا خود کو ظالم و خاسر کہنا تو ظلم وخسران کا معمولی مرتبہ مراد ہے جو ترک اولیٰ کے درجہ میں ہوتا ہے۔ لہٰذا دوسرا اور پانچواں استدلال غلط ہو گیا۔ البتہ غی و عصیان کی نسبت حضرت آدمؑ کی طرف اس کا جواب عنقریب آ رہا ہے لہٰذا تیسری دلیل بھی ساقط۔ اور حضرت آدمؑ کو توبہ کا حکم جو دیا گیا اسی طرح آپ پر جو کچھ عتاب ہوا وہ سب خلاف اولیٰ کے درجہ میں ہی تھے۔ اور جنت سے دنیا میں بھیجنا۔ وعدہ خلافت پورا کرنے کے لئے ہوا۔ جس کا اظہار اللہ نے فرشتوں سے کیا تھا۔ اس لئے چوتھا اور چھٹا استدلال بیکار ہو گیا۔

۳۔ حضرت آدمؑ سے قصور دانستہ سرزد نہیں ہوا۔ بلکہ سیان ونادانستگی میں ہوا ہے۔ جیسا کہ نسى ولم نجد له عزما سے معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ سہو ونسیان معصیت نہیں ہوتا۔ البتہ اس کے باوجود پھر عتاب ہونا یا تو اسباب نسیان کی نگہداشت نہ کرنے پر ہوا۔ اور یا عظمت انبیاءؑ کے پیش نظر ایک معمولی بات پر سخت گرفت کی گئی۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے۔ اشد الناس بلاءً الا نبياء ثم الا ولياء ثم الا مثل فالا مثل. مقرباں را بیش بود حیرانی۔ اسی لئے کہا گیا۔ حسنات الا برار سيئات المقربين. اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت آدمؑ کے لئے جو کچھ بھی جنتی لباس کا چھٹنا یا وہاں سے نکل کر دنیا میں آنا ہوا وہ بطور گرفت یا سزا کے نہیں ہوا۔ بلکہ لازمی ثمرہ یعنی موت وہلاکت وہ بہر حال ہو کر رہے گی۔ اس میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ یہی حال کوتاہیوں، قصوروں، لغزشوں، گناہوں اور کفر کا ہے۔ ہر ایک کا مزاج اور تاثیرات لازمی اور واقعی ہیں۔

رہ گئی آیات ماانہا کما ربکما اور قسمہما الخ جو بظاہر اس توجیہ کے برخلاف ہیں۔ سو ممکن ہے ممنوعہ چیز کھانے کے وقت یہ نہ کہا ہو۔ بلکہ یہ کہنا پہلے ہوا ہو۔ چنانچہ اس وقت حضرت آدمؑ کو شیطانی وسوسہ سے کھا لینے کی طرف رغبت ہوئی ہوگی۔ پھر ممانعت خداوندی کی وجہ سے شروع میں رکتے رہے ہوں۔ مگر پھر آگے چل کر تقدیر الٰہی غالب آگئی اور وہ بھول گئے۔ ادھر میلان طبعی پھر ابھر آیا اور حکم الٰہی کی یادداشت کی وجہ سے جو رکاوٹ ہو رہی تھی وہ دور ہو چکی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس بات سے بچ رہے تھے وہ کر بیٹھے۔

۴۔ حضرت آدمؑ سے خطائے اجتہادی ہوئی۔ یعنی وہ ممانعت الٰہی کو حرام سمجھنے کی بجائے معمولی بات خلاف اولیٰ اور کراہت تنزیہی سمجھ بیٹھے۔ جس کے بہت سے دواعی موجود تھے۔ یا ممکن ہے انہوں نے ممانعت کو کسی خاص درخت سے متعلق سمجھ کر اسی قسم کے دوسرے درخت کو استعمال کر لیا ہو۔ اور یہ سمجھے ہوں کہ میں ممنوعہ درخت سے بچ گیا۔ اس لئے خلاف ورزی نہیں ہوئی۔ حالانکہ منشائے الٰہی اس قسم کے تمام درختوں سے روکنا تھا۔ گویا خطائے عملی کی بنیاد خطائے فکری ہوئی یعنی ممنوعہ سمجھ کر نہیں کھایا بلکہ غیر ممنوعہ سمجھ کر کھایا۔ تاہم تشدد آمیز برتاؤ پھر اس لئے کیا گیا۔ تاکہ لغزش کی اہمیت جتلا دی جائے اور آئندہ اولاد محتاط رہے۔ اس تفصیل و تحقیق کا اصل موقعہ تو سورۂ بقرہ کا چوتھا رکوع ہی تھا۔ جیسا کہ قاضیؒ نے برمحل اس کو سپرد قلم کیا۔ لیکن اب اخیر میں ہی سہی۔ من لم یدرک الکل لم یترک البعض۔

لطائف سلوک: .... ما منعك ان تسجد. بعض اہل اشاعرہ نے " یدین " کی تاویل اللہ کی صفت مہر وقہر سے کی ہے اور باقی صفات انہی دو کی طرف راجع ہیں۔ پس اس سے انسان کا مظہر اتم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض اہل تاویل یہ کہتے ہیں کہ اپنے ہاتھوں سے کام کرنے کا مطلب بلاتوسط اسباب براہ راست کسی چیز کو تیار کرنا ہو۔ پس آدمؑ کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا اور اس عالم اصغر میں عالم اکبر کو سمو دیا ہے اور اس پر وہ خصوصی نوازشیں کیں جو کسی مخلوق پر نہیں ہوئیں۔ پوری توجہ سے اس میں مجموعہ محاسن بننے کی صلاحیت و اہلیت رکھ دی۔

وما انا من المتكلفين. اس میں تکلف اور تصنع کی برائی معلوم ہوتی ہے۔ جس میں اکثر علماء ومشائخ مبتلا پائے جاتے ہیں۔ علامہ بیہقیؒ نے شعب الایمان میں ابن المنذرؒ سے تخریج کی ہے۔ ثلاث ان ينازل من فوقه ويتعاطى مالا ينال ويقول مالا يعلم.

سُورَةُ الزُّمَرِ

سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ اِلَّاقُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلْاٰيَةَ فَمَدَنِيَّةٌ
وَهِيَ خَمْسٌ وَسَبْعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ مُبْتَدأٌ **مِنَ اللّٰهِ** خَبَرُهُ **الْعَزِيْزِ** فِيْ مُلْكِهٖ **الْحَكِيْمِ** ﴿١﴾ فِيْ صُنْعِهٖ **اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ** يَامُحَمَّدُ **الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ** مُتَعَلِّقٌ بِاَنْزَلْنَا **فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ** ﴿٢﴾ مِنَ الشِّرْكِ اَيْ مُوَحِّدًا لَّهٗ **اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ** لَايَسْتَحِقُّهُ غَيْرُهُ **وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ** اَلْاَصْنَامِ **اَوْلِيَآءَ** وَهُمْ كُفَّارُ مَكَّةَ قَالُوْا **مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى** قُرْبٰى مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى تَقْرِيْبًا **اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ** وَبَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ **فِيْمَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ** ۵ۘ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ فَيُدْخِلُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْجَنَّةَ وَالْكَافِرِيْنَ النَّارَ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ** فِيْ نِسْبَةِ الْوَلَدِ اِلَيْهِ **كَفَّارٌ** ﴿٣﴾ بِعِبَادَةِ غَيْرِ اللّٰهِ **لَوْاَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا** كَمَا قَالُوْا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا **لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَايَشَآءُ** وَاتَّخَذَهٗ وَلَدًا غَيْرَ مَنْ قَالُوْا مِنَ الْمَلَآئِكَةِ بَنَاتُ اللّٰهِ وَعُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ **سُبْحٰنَهٗ** تَنْزِيْهًا لَهٗ عَنِ اتِّخَاذِ الْوَلَدِ **هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ** ﴿٤﴾ لِخَلْقِهٖ **خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ** مُتَعَلِّقٌ بِخَلَقَ **يُكَوِّرُ** يُدْخِلُ **الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ** فَيَزِيْدُ **وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ** يُدْخِلُهٗ **عَلَى الَّيْلِ** فَيَزِيْدُ **وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ** فِيْ فَلَكِهٖ لِاَجَلٍ **مُّسَمًّى** لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ **اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ** الْغَالِبُ عَلٰى اَمْرِهٖ الْمُنْتَقِمُ مِنْ اَعْدَائِهٖ **الْغَفَّارُ** ﴿٥﴾ لِاَوْلِيَائِهٖ **خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ** اَيْ اٰدَمَ **ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا** حَوَّاءَ **وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ** الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ الضَّاْنِ وَالْمَعْزِ **ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ** مِنْ كُلٍّ زَوْجَانِ ذَكَرٌ وَاُنْثٰى كَمَا بَيَّنَ فِيْ سُوْرَةِ الْاَنْعَامِ

يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ اَیْ نُطَفًا ثُمَّ عَلَقًا ثُمَّ مُضَغًا فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ هِیَ ظُلْمَةُ الْبَطْنِ وَظُلْمَةُ الرَّحِمِ وَظُلْمَةُ الْمَشِيْمَةِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۶﴾ عَنْ عِبَادَتِهٖ اِلٰى عِبَادَةِ غَيْرِهٖ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكُمْ ۟ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ اَرَادَهٗ مِنْ بَعْضِهِمْ وَاِنْ تَشْكُرُوْا اللّٰهَ فَتُؤْمِنُوْا يَرْضَهُ بِسُكُوْنِ الْهَاءِ وَضَمِّهَا مَعَ اِشْبَاعٍ وَدُوْنِهٖ اَیِ الشُّكْرَ لَكُمْ ؕ وَلَا تَزِرُ نَفْسٌ وَّازِرَةٌ وِّزْرَ نَفْسٍ اُخْرٰى ؕ اَیْ لَا تَحْمِلُهٗ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۷﴾ بِمَا فِی الْقُلُوْبِ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ اَیِ الْكَافِرَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ تَضَرَّعَ مُنِيْبًا رَاجِعًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً اَعْطَاهُ اِنْعَامًا مِّنْهُ نَسِیَ تَرَكَ مَا كَانَ يَدْعُوْۤا يَتَضَرَّعُ اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَهُوَ اللّٰهُ فَمَافِیْ مَوْضِعِ مَنْ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا شُرَكَاءَ لِّيُضِلَّ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَضَمِّهَا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ دِيْنِ الْاِسْلَامِ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ بَقِيَّةَ اَجَلِكَ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ﴿۸﴾ اَمَّنْ بِتَخْفِيْفِ الْمِيْمِ هُوَ قَانِتٌ قَائِمٌ بِوَظَائِفِ الطَّاعَاتِ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاعَاتِهٖ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا فِی الصَّلٰوةِ يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ اَیْ يَخَافُ عَذَابَهَا وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ جَنَّةَ رَبِّهٖ ؕ كَمَنْ هُوَ عَاصٍ بِالْكُفْرِ اَوْ غَيْرِهٖ وَفِیْ قِرَاءَةٍ اَمْ مَنْ قَامَ بِمَعْنٰى بَلْ وَالْهَمْزَةُ قُلْ هَلْ يَسْتَوِی الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اَیْ لَا يَسْتَوِيَانِ كَمَا لَا يَسْتَوِی الْعَالِمُ وَالْجَاهِلُ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ يَتَّعِظُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۹﴾ اَصْحَابُ الْعُقُوْلِ

ترجمہ: ....سورۂ زمر مکی ہے بجز آیت قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم کے یہ مدنی ہے۔ اس میں کل ۷۵ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے (قرآن یہ مبتداء ہے) اللہ کی طرف سے (خبر ہے) جو غالب ہے (اپنی سلطنت میں) حکمت والا ہے (اپنی صنعت میں) ہم نے (اے محمد!) آپ کی طرف نازل کیا ہے بالکل صحیح طریقہ پر (یہ انزلنا کے متعلق ہے) سو آپ اللہ کی عبادت کرتے رہئے خالص اعتقاد کے ساتھ (شرک سے پاک یعنی توحید بجالاتے ہوئے) یاد رکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے (دوسرا کوئی اس کا مستحق نہیں ہے) اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور شرکاء (بت) تجویز کر رکھے ہیں (یعنی کفار مکہ کہتے ہیں) کہ ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو اللہ کا مقرب بنا دیں (زلفی بمعنی قربی مصدر ہے بمعنی تقرب) تو اللہ فیصلہ کر دے گا ان کے (اور مسلمانوں کے) باہمی اختلاف کا (یعنی دین کے متعلق لہذا مومنین کو جنت میں اور کفار کو دوزخ میں داخل کر دے گا) یقیناً اللہ ایسے شخص کو راہ پر نہیں لاتا جو جھوٹا ہو (اس کی طرف اولاد کی نسبت کرنے میں) اور کافر ہو (غیر اللہ کی عبادت کرنے میں) اگر اللہ کسی کو اولاد بنانے کا ارادہ کرتا (جیسا کہ ان کا کہنا ہے کہ رحمٰن نے بیٹا بنالیا ہے) تو ضرور اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا منتخب فرما سکتا تھا (ان کے علاوہ کو جو کہتے ہیں۔ کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور عزیر اور عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں) وہ پاک ہے (اولاد تجویز کرنے سے) وہ اللہ ایسا ہے واحد ہے اور (اپنی مخلوق پر) زبردست ہے۔ اس نے آسمان زمین کو حکمت سے پیدا کیا ہے (بالحق، خلق کے متعلق ہے) وہ رات کو

دن پر لپیٹتا ہے (زبردست ہے۔ اس نے آسمان زمین کو حکمت سے پیدا کیا ہے (بالحق، خلق کے متعلق ہے) وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے (داخل کرتا ہے لہٰذا دن بڑھ جاتا ہے) اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے (داخل کرتا ہے اس لئے رات بڑھ جاتی ہے) اور سورج اور چاند کو بے کار میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک (اپنے مدار میں) ایک مقررہ وقت (قیامت) تک چلتا رہے گا۔ یاد رکھو کہ وہ زبردست ہے (اپنے حکم کو چلا سکتا ہے۔ اپنے دشمنوں سے بدلہ لے سکتا ہے) بڑا بخشنے والا ہے۔ (اپنے ماننے والوں کو) اس نے تم لوگوں کو ایک تن (آدمؑ) سے پیدا کیا۔ پھر اسی سے اس کا جوڑا (حواؑ) بنایا اور تمہارے لئے چوپاؤں میں پیدا کئے (اونٹ، بیل، بھیڑ، بکری) آٹھ نر و مادہ (یعنی ہر قسم میں نر و مادہ کے جوڑے پیدا کئے۔ جیسے سورہ انعام میں گزر چکا ہے) وہ تمہیں پیدا کرتا ہے تمہاری ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر (نطفہ) خون بستہ، گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں) تین اندھیریوں میں (ایک پیٹ کی تاریکی، دوسرے رحم کی تاریکی، تیسرے بچہ دانی کی جھلی کی تاریکی) یہ ہے اللہ تمہارا پالنے والا۔ اسی کی سلطنت ہے اس کے علاوہ کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔ سو تم کہاں پھرے چلے جا رہے ہو (اس کی عبادت چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کر رہے ہو) اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تمہارا محتاج نہیں۔ اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا (اگر بعض بندوں کے لئے وہ کفر کا ارادہ کرتا ہے) اور اگر تم شکر کرو گے (اللہ کا یعنی تم ایمان لے آئے) تو اس کو پسند کرتا ہے (یرضہ سکون ھا کے ساتھ ہے اور ضمہ کے ساتھ بھی خواہ کھینچ کر خواہ بلا کھینچے ہوئے یعنی شکر سے راضی ہے) تمہارے لئے اور کوئی (نفس) کسی دوسرے (نفس) کا بوجھ نہیں اٹھاتا (برداشت نہیں کرتا) پھر اپنے پروردگار کے پاس تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔ سو وہ تم کو تمہارے سب اعمال جتلا دے گا۔ بلاشبہ وہ سینہ (دلوں) کے بھید جاننے والا ہے۔ اور آدمی (کافر) کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو (گڑگڑا کر) اپنے رب کو (رجوع ہو کر) پکارنے لگتا ہے۔ پھر جب اللہ اسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے (انعام سے نواز دیتا ہے) تو جس کو پہلے سے پکار رہا تھا (گڑگڑا رہا تھا) اس کو بھول بیٹھتا ہے (یعنی اللہ کو پس ما، من کی جگہ ہے) اور اللہ کا ساجھی (شریک) بنانے لگتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ گمراہ کرنے لگتا ہے دوسروں کو (یضل فتحہ یا اور ضمہ یا کے ساتھ ہے) اللہ کی راہ (مذہب اسلام) سے آپ کہہ دیجئے کہ اپنے کفر کی بہار تھوڑے دنوں (مرنے تک) اور لوٹ لے یقیناً تو دوزخیوں میں سے ہونے والا ہے۔ بھلا جو شخص (امن تخفیف میم کے ساتھ ہے) عبادت کر رہا ہو۔ (بندگی فرمانبرداری میں لگا ہو) رات کی گھڑیوں (لمحوں) میں سجدہ اور قیام کر کے (نماز پڑھتے ہوئے) آخرت سے ڈرتا ہو (اس کے عذاب کا خوف رکھتا ہو) اور اپنے پروردگار کی رحمت (جنت) کی امید رکھتا ہو (کیا وہ اس نافرمان کے برابر ہو سکتا ہے جو کفر وغیرہ کرے ایک قرائت میں "ام من" ہے پس ام. بل اور ہمزہ کے معنی میں ہے) آپ کہئے کہ کیا علم والے اور بے علم والے برابر ہو سکتے ہیں (یعنی نہیں۔ جیسا کہ عالم و جاہل برابر نہیں ہو سکتے) وہی لوگ نصیحت (موعظت) پکڑتے ہیں جو عقلمند (سمجھدار) ہیں۔

تحقیق و ترکیب: .... **بالحق.** اس میں باسببیہ ہے یہ ظرف ہے۔ لیکن ظرف مستقر بھی بن سکتا ہے۔ ای **متلبسا بالحق.**

مخلصا له الدين. یعنی شرک وغیرہ سے پاک اسی طرح ہوائے نفس، شرک وشرک سے آلودہ نہ ہو۔

والذين. مبتداء ہے خبر جملہ **ان الله يحكم** ہے۔

ما نعبدهم. حال ہے بتقدیر القول **اتخذوا** کا اور بعض کی رائے ہے کہ خبر محذوف ہے۔ ای **يقولون ما نعبدهم الخ**

اتخذ کا مفعول اول مفسرؒ نے **الا صنام** ظاہر کر دیا ہے اور **اولياء** مفعول ثانی ہے۔

زلفى. مفعول مطلق من غیر لفظہ ہے یا اسم قائم مقام مصدر ہے۔ جیسا کہ مفسرؒ نے فرمایا ہے۔ چنانچہ **انبتكم من الارض نباتا** اور **وتبتل اليه تبتيلا** میں مصدر ہے۔

بحکم بینهم علم وحجت کے لحاظ سے حق وباطل کا دنیا میں بھی فیصلہ ہو چکا۔ لیکن آخرت میں اہل حق اور اہل باطل کے مابین امتیاز کر کے حق ناحق کا فیصلہ ہو جائے گا۔

ان الله یهدی ای لا یوفق. یہ تمہید ہے لو اراد الله کی اور پہلے کا تتمہ بھی یعنی غیر اللہ کی طرف الوہیت کی نسبت کرنے میں جھوٹا ہے اور لو اراد میں بطور فرض وتقدیر گفتگو ہے۔ یہ آیت قیاس استثنائی ہے۔ جس کا صغریٰ اور نتیجہ محذوف ہے۔ پہلا مقدمہ تو آیت ہے اور دوسرا مقدمہ لکن لم یصطف من خلقه شیئا جس کا نتیجہ فلم یرد ان یتخذ شیئاً ولدا ہے۔

من الملائکة. یہ بیان ہے اور بنات الله خبر ہے مبتدائے محذوف کی اور جملہ مقولہ ہے۔ اور عزیرا مجرور معطوف ہے۔

سبحنه. اللہ کے لئے اولاد کا ہونا عقلاً نقلاً دونوں طرح ممتنع ہے۔ امتناع عقلی تو اس لئے کہ اولاد والدین کی ہم جنس ہوا کرتی ہے اور یہاں مجانست مستلزم حدوث ہے اور اللہ کا حادث ہونا باطل اور مستلزم باطل باطل ہوا کرتا ہے اور نقلاً اس لئے کہ قرآن وحدیث اور کتب آسمانی اس سے بھری پڑی ہیں۔

یکون تکریر کے معنی لپیٹنا ہے گرمی میں دن اور سردی میں رات بڑھ جاتی ہے۔

زوجها. حوا سے پہلے جیسا کہ کہا جا رہا ہے کہ اولاد آدم ان کی پشت سے ذرات کی شکل میں نکل آئی۔ اس کے بعد حوا بنائی گئیں۔

وانزل لکم من الانعام. چوپائے یا تو جنت ہی میں پیدا ہوئے۔ پھر حضرت آدمؑ کے ساتھ اترے۔ یا چونکہ یہ جانور چارہ کے محتاج ہیں اور چارہ پانی سے پیدا ہوتا ہے اور پانی اوپر سے نازل ہوتا ہے۔ اس لئے جانور بھی گویا اوپر سے اتر آئے۔

ذلکم الله. ذلکم مبتداء الله خبر اول ربکم خبر ثانی ہے۔ له الملک خبر ثالث اور لا اله الا هو خبر رابع بھی ہو سکتی ہے اور جملہ مستانفہ بھی۔

لا یرضی. کفر ومعصیت اللہ کے ارادہ سے ہوتے ہیں۔ مگر اس کی رضا ان سے متعلق نہیں۔ قتادہؒ اور سلف سے اسی طرح منقول ہے۔ جیسا کہ مسلک اہل سنت ہے۔ لیکن ابن عباسؓ اور سدیؒ سے نقل ہے کہ عباد سے مراد خاص مومن ہیں بعض اشاعرہ کی رائے بھی یہی ہے کہ کفر بھی اللہ کی رضا سے ہوتا ہے۔ مگر آیت ولا یرضی لعباده میں خاص مومن مراد ہیں۔ چنانچہ عباده کی اضافت تشریفی اس کا قرینہ ہے ماتریدیہ کی رائے یہ نہیں ہے۔

تاہم ابن ہمامؒ نے سائرہ میں لکھا ہے کہ یہ اس آیت کی تفسیر پر موقوف ہے۔ جو حضرات رضا اور ارادہ کو ایک سمجھتے ہیں۔ جس کے بالمقابل کراہت آتی ہے وہ دوسری بات کے قائل ہوتے ہیں اور جو رضا کے معنی محبت کے لیتے ہیں جس کے مقابلہ میں لفظ سخط آتا ہے بمعنی ناگواری وہ اول بات کے قائل ہو گئے۔ یعنی نزاع لفظی جیسا کہ اکثر مسائل میں اشاعرہ ماتریدیہ کے متعلق محققین کی رائے یہی ہے۔

یرضه. ضمہ اور اشباع کے ساتھ مکیؒ اور علیؒ کی قرائت ہے اور بغیر اشباع کے ضمہ کے ساتھ نافعؒ اور ہشامؒ اور عاصمؒ کی قرأت ہے اور ان کے علاوہ سکون ہا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ یرضه اصل میں یرضاه تھا۔ الف جزائے شرط ہونے کی وجہ سے گر گیا اور ضمیر شکر کی طرف راجع ہے۔

لا تزر. بظاہر یہ روایت الدال علی الشر الخ کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ مگر جہاں تک اصل فعل کی ذمہ داری ہے وہ خود فاعل پر رہے گی۔ دوسرا اس میں شریک نہیں ہوگا۔ البتہ جہاں تک رہنمائی کا تعلق ہے وہ رہنما کا فعل ہے اس کی ذمہ داری خود رہنما پر ہے کیونکہ وہ اس کا فعل ہے۔

غرض کہ اصلی بدی کے ثمرات تو خود کرنے والے پر ہوں گے۔ البتہ بھلائی برائی کا سبب اور ذریعہ بن جانا بلاشبہ اس سے رہنمائی کرنے والا نہیں بچ سکتا۔ اس طرح تمام نصوص میں تطبیق ہوجاتی ہے اب نہ مسئلہ شفاعت میں اشکال رہتا ہے۔ اور نہ ایصال ثواب میں۔ کیونکہ دوسرے کی برائی اٹھانے کی نفی کی گئی ہے۔ اس لئے شفاعت یا ثواب سے فائدہ اٹھانا وزر میں داخل ہی نہیں۔ البتہ کافر کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

نسی ماکان. یا توما بمعنی من ہے۔ جیسے وما خلق الذکر والا نثی میں اور یاما موموصولہ سے مراد ضرر ہے۔ جس کے دفعیہ کی دعا مانگتا رہا۔ تیسری صورت یہ کہ مامصدریہ ہو۔ ای نسی کونہ داعیا اور قبل سے مراد پچھلی حالت ہے۔

لیضل. ابوعمرؒ، ابن کثیرؒ ورشؒ کے نزدیک فتحہ یا کے ساتھ اور باقی قراءؒ کے نزدیک ضمہ کے ساتھ ہے اور یہ لام عاقبۃ ہے۔

امن ھو قانت . نافعؒ اور ابن کثیرؒ تخفیف میم کے ساتھ اور باقی قرا تشدید میم کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ پہلی قرأت میں دو صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو ہمزہ استفہام من بمعنی الذی پر داخل ہے اور استفہام تقریری ہے اور مقابل محذوف ہے۔ ای امن ھو قانت کمن جعل اللہ اندادا یا کہا جائے امن ھو قانت کغیرہ اور حاصل یہ ہوگا کہ اھذا القانت خیر ام الکافر المخاطب بقل تمتع الخ پس مبتداء کی خبر محذوف ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہوگی کہ ہمزہ ندائیہ ہو اور من منادی، جس سے آنحضرت ﷺ مراد ہیں اور وہی قل ھل یستوی الخ کے مخاطب ہیں۔ لیکن اگر دوسری قرأت لی جائے تو پھر ام داخل ہوگا۔ من موصولہ پر پھر دونوں میم میں ادغام ہے خواہ یہ ام متصلہ مانا جائے اور اس کا مقابل محذوف ہو ای الکافر خیر ام الذی ھو قانت اور یا ام منقطعہ کہا جائے بمعنی بل وھمزہ. ای بل امن ھو قانت کغیرہ.

انـــاء الیل . اول یا درمیان یا آخر شب میں تہجد یا نوافل پڑھنا۔ اس سے نہاری نوافل سے زیادہ لیلی نوافل کی فضیلت معلوم ہوئی۔ جیسا کہ احادیث فضائل سے ثابت ہے۔

ھل یستوی. اس سے فضیلت علم معلوم ہوئی اور چونکہ پہلی آیت میں قانت کا ذکر آ چکا۔ اس لئے بے عمل علماء کی برائی بھی واضح ہوئی اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قانتین سے مراد وہ لوگ ہیں جو فنافی اللہ ہو گئے۔

انـمـایتـذکـر. یہ مستقل کلام ہے قل کے تحت نہیں ہے۔ بلکہ حق تعالیٰ فرمارہے ہیں۔ کہ ان نصائح سے اہل عقل ہی فائدہ اٹھاتے ہیں بے عقل محروم رہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ بڑی دولت ہے۔ انسان اسی کی وجہ سے ممتاز ہے۔ اور یہی مدار احکام ہے۔

ربط آیات: .... پچھلی سورت میں زیادہ بیان رسالت کا تھا۔ اس سورت میں زیادہ زور توحید پر ہے۔ یعنی امکان اور وجوب توحید۔ موحدین کی تعریف وجزاء۔ اور اس کی ضد توحید کا بطلان وممانعت اور مشرکین کی مذمت وسزا اور فریقین کا حال و مال غرض کوئی رکوع اس کے اجمالی یا تفصیلی بیان سے خالی نہیں اور دوسرے مضامین ضمناً آ گئے ہیں۔ مثلاً قرآن کی حقانیت جس پر پچھلی سورت ختم ہوئی تھی۔ اس سورت کے شروع میں بیان کی گئی ہے۔ اس طرح آغاز واختتام مربوط ہو گئے۔

شان نزول: .... سورہ زمر میں چونکہ زمرۂ اہل جنت اور زمرۂ اہل جہنم کا ذکر ہے۔ اس لئے یہ نام تجویز ہوا اور زمرہ بمعنی جماعت۔ حدیث میں ہے۔ کان رسول اللہ لا ینام حتی یقروا الزمر وبنی اسرائیل. اور آیت لھم من فوقھا غرف کی وجہ سے اس کا نام سورہ غرف بھی ہے۔ حدیث میں ہے۔ من اراد یعرف قضاء اللہ فی خلقہ فلیقراء سورۃ الغرف. حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی مدینہ طیبہ میں مسلمان ہوئے۔ آیت قل یا عبادی الذین الخ انہی کی تسلی کے لئے نازل ہوئی۔

بعض کے نزدیک یہ آیت اور آیت اللہ نزل احسن الحدیث دونوں مدینہ میں نازل ہوئیں۔ اور بعض کی رائے میں آیت قل یا عبادی الذین سے سات آیات مدینہ میں نازل ہوئیں۔ اس طرح مدنی آیات کے بارے میں تین قول ہو گئے۔

مشرکین کہا کرتے تھے انما یعلمه بشر اوران به جنة اس پر جواباً آیت تنزیل الکتاب نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾:.......... اللہ کے زبردست کہنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ اس کے احکام نافذ ہو کر رہیں گے۔ کیونکہ اس کی شان محض حاکمانہ ہی نہیں حکیمانہ بھی ہے، دنیا کی کوئی کتاب بھی اس کی حکمتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور مخلصاً له الدین کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عبادت بھی خلوص نیت کے بغیر قبول نہیں ہو سکتی۔ خالی عمل کی پوچھ نہیں ہے۔

بتوں کی پوجا اور قرب خداوندی:.......... عام مشرکین کا دعویٰ یہ تھا کہ بتوں کی پوجا محض قرب الٰہی کے وسیلہ کے لئے ہے مگر یہ عذر لنگ اور پوچ بہانہ تھا۔ جس سے شرک کا جواز اور اہل حق کی توحید کا غلط ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ علمی دلائل سے اگر چہ بار بار اس کو واضح کیا جا چکا ہے۔ مگر آخرت میں اس کا عملی فیصلہ بھی ہو جائے گا۔ اس وقت اگر چہ یہ لوگ پچھتائیں گے مگر کیا فائدہ؟

واقعہ یہ ہے کہ جس نے ناحق پر کھڑے رہنے کی ٹھان لی اور سچ نہ بولنے کی قسم کھالی ہو۔ اور سچے محسن کو چھوڑ کر جھوٹے محسنوں کی لیپ پوت میں لگا رہے۔ اللہ کی عادت ہے کہ کبھی اس کو کامیابی و کامرانی نہیں دیتا۔ مسیحی لوگ حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور تین خداؤں کو ایک خدا مانتے ہیں اور اس چیتاں کو متشابہات مذہبی کا نام دیتے ہیں۔

اسی طرح یہود بے بہبود بھی عزیز کو یہی منصب دیتے ہیں اور بعض قبائل عرب ان سے بھی چار قدم آگے فرشتوں کو خدا کی بے شمار بیٹیاں مانتے ہیں۔ غرض اس دیو مالائی جال سے کوئی بچا ہوا نہیں۔ اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جب عالم میں خالق و مخلوق کے سوا اور کوئی نہیں۔ پس اللہ اگر کسی کو اولاد کے لئے منتخب کرتا تو مخلوق ہی میں سے کس کو منتخب کرتا اور اللہ واجب اور مخلوق ممکن۔ پس اس اختلاف جنسی کے ہوتے ہوئے اس رشتہ کی بیل منڈھے کیسے چڑھے۔ پس اولاد تجویز کرنا گویا محال تجویز کرنا ہے۔ اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں تجویز کرنے میں اس محال کے علاوہ عرفاً کہنا اولاد کا تجویز کرنا مزید برآں ہے مخلوق میں سے جب اولاد کے انتخاب ہی کی ٹھہری تو پھر اس کا کیا مطلب کہ اللہ اپنے لئے تو گھٹیا انتخاب کر لیتا اور بڑھیا اولاد چن چن کر تمہیں دے دیتا یہ کہاں کا انصاف ہے؟

پھر ہر چیز اس کے آگے سرنگوں، کوئی اس پر حاوی نہیں کہ دباؤ سے مجبور ہو کر وہ یہ کام کرے نہ اسے کوئی حاجت پھر آخر اولاد کس غرض سے ہو؟

نیز جس طرح وہ مالک مکان ہے اسی طرح مالک زمان بھی ہے۔ سارا زمانہ اس کے دست قدرت میں لپٹا ہوا ہے۔ دن چھپے پورب کو دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کنارے سے ایک اندھیری چادر اٹھتی چلی آ رہی ہے اور دن کی روشنی کو اپنے سامنے پچھم کی طرف لپیٹتی چلی جارہی ہے۔ یہی عجیب و غریب منظر صبح کے وقت دکھائی پڑتا ہے۔ کہ دن کا اجالا رات کی تاریکی کو پورب سے دھکیلتا ہوا آ رہا ہے۔ انسان کی شرارتیں اور گستاخیاں تو ایسی ہیں کہ زمان و مکان کا یہ سارا نظام یک لخت درہم برہم کر دیا جائے۔ لیکن وہ اپنے عفو و کرم سے مہلت دے رہا ہے۔ ایک دم نہیں پکڑتا۔

آگے اپنے مسلسل اور بیشمار احسانات کی یاد دلائی جارہی ہے کہ دیکھو ایک جان سے تمہیں پیدا کر کے اس کائنات سے متمتع ہونے کا موقعہ بخشا ہے۔ پس ایسے ہی کیوں نہیں یقین کرتے کہ یہ ساری کائنات ایک ہی ہستی سے وجود پذیر ہوئی ہے۔ کثرت کی بنیاد وحدت ہی نکلتی ہے۔

دفعۃً پیدائش سے زیادہ عجیب تدریجی پیدائش ہے:............ پھر انسان کی پیدائش بھی یک لخت نہیں رکھی۔ اگرچہ اللہ کی قدرت کن فیکونی ہے۔ یہ کوئی عجیب اور مشکل مرحلہ نہیں۔ مگر اس سے زیادہ حیرت ناک معاملہ مرحلہ وار سلسلہ وار پیدائش کا ہے۔ جسے دیکھ کر عقلیں دنگ ہیں کہ ایک بے حقیقت قطرہ تدریجی مراحل طے کر کے تین کوٹھڑیوں میں سے کمالات وخوبیوں کا پیکر بن کر چلا آتا ہے۔ بس جس کی قدرت کا کرشمہ یہ ہے جب وہی خالق، مالک، پالن ہار ہے تو پرستش کا حق دوسرے کو کیوں ملتا ہے۔ منزل سے اتنے قریب ہو کر بھی پھر انسان کہاں بھٹک اور بہک رہا ہے۔ اس طرح تمہارے منہ موڑنے سے اس کا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ تم کہیں کے نہ رہو گے۔ وہ تمہاری احسان فراموشی اور ناسپاسی سے کیسے خوش ہو سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ تم سے سخت بیزار ہے اس لئے اس کی خوشنودی ہی میں انسان کی اپنی بھلائی ہے۔

غرض جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ یہ نہیں کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ اور اللہ کے علم سے ایک ذرہ برابر باہر نہیں ہے سب کیا دھرا سامنے آ جائے گا۔

انسان کی عجیب وغریب فطرت:............ انسان کی یہ منطق بھی عجیب ہے کہ وقت پڑنے پر تو اسے یاد کرتا ہے۔ کیونکہ دیکھتا ہے کہ مصیبت کوئی ہٹانے والا نہیں۔ لیکن جونہی وقت نکلا اور انسان پھر پچھلی حالت یکسر فراموش کر دیتا ہے۔ نعمت کی سرمستیوں میں گم ہو کر ایسا بھول جاتا ہے کہ ہم سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔ اور اچانک دوسروں سے آشنائی کر کے خدا کی جگہ ان کو دے دیتا ہے اور یہی نہیں کہ خود بگڑتا ہے۔ بلکہ اپنے قول وعمل سے دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ فرما دیجئے کہ بہت اچھا اے انسان! کر لے جو کرنا ہے خوب مزے اڑا لے۔ چند روزہ عیش کے بعد تراٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ جہاں سے چھٹکارہ نصیب نہ ہوگا۔

اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا بندہ ہے جو رات کی نیند وآرام چھوڑ کر دست بستہ اللہ کے آگے کھڑا رہے۔ کبھی جھکے۔ ایک طرف اگر آخرت کا خوف اسے بے قرار رکھتا ہے تو دوسری طرف اللہ کی رحمت کا آسرا بھی باندھے ہوئے ہے بھلا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یقیناً ان میں سے ایک سعید ہے اور دوسرا بد بخت۔ اگر پہلا بد بخت اور دوسرا نیک بخت دونوں برابر ہو جائیں تو گویا عالم وجاہل اور عقلمند وبے وقوف میں کچھ فرق نہ رہا۔ مگر اس بات کو بھی وہی سمجھ سکتے ہیں جنہیں اللہ نے عقل دی ہے۔

لطائف سلوک:............ آیت فاعبد اللہ مخلصا له الدین میں اخلاص کا حکم ہے اور مطلق ہونے کی وجہ سے تمام مراتب اخلاص نفس وقلب وروح سب مرتب کو شامل ہے۔

آیت ما نعبدھم سے ثابت ہوا کہ اللہ کی خصوصیات دوسروں کے لئے ماننا قطعاً مذموم ہے اور اس میں بالذات اور بالعرض کا فرق لگانا سودمند نہیں ہے۔

آیت ان اللہ لا یھدی کے عموم الفاظ پر نظر کرتے ہوئے اس کے لئے تہدید ہے۔ جو ولایت کے کسی مرتبہ کا جھوٹا دعویٰ کرے بلکہ لا یھدی میں اس کے محروم ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

یکور الیل الخ میں ایک نظیر کو دوسری نظیر پر قیاس کرتے ہوئے سالکین کے احوال قبض وبسط، صحو وسکر، جمع وفرق، تجلی وستر کے یکے بعد دیگرے مرتب ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

امن قانت الخ میں آداب عبودیت کے مکمل اہتمام کی طرف اشارہ ہے۔ وہ آداب ظاہری ہوں یا باطنی بلا فتور ونقصان کے۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اى عذابه بان تطيعوه لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا بالطاعة حَسَنَةٌ ۚ وهى الجنة وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۚ فهاجروا اليها من بين الكفار ومشاهدة المنكرات اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ على الطاعات وما يبتلون به اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ بغير مكيال ولا ميزان قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴿۱۱﴾ من الشرك وَاُمِرْتُ لِاَنْ اى بان اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ من هذه الامة قُلْ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّىْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِىْ ﴿۱۴﴾ من الشرك فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۚ غيره فيه تهديد لهم وايذان بانهم لا يعبدون الله تعالى قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ بتخليد الانفس فى النار وبعدم وصولهم الى الحور المعدة لهم فى الجنة لو امنوا اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾ البين لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ طباق مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۚ من النار ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۚ اى المؤمنين ليتقوه يدل عليه يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ الاوثان اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اقبلوا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ بالجنة فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۚ وهو ما فيه صلاحهم اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ اصحاب العقول اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۚ اى لاملان جهنم الاية اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ تخرج مَنْ فِى النَّارِ ﴿۱۹﴾ جواب الشرط واقيم فيه الظاهر مقام المضمر والهمزة للانكار والمعنى لا تقدر على هدايته فتنقذه من النار لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ بان اطاعوه لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ اى من تحت الغرف الفوقانية والتحتانية وَعْدَ اللّٰهِ ۚ منصوب بفعله المقدر لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿۲۰﴾ وعده اَلَمْ تَرَ تعلم اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ ادخله امكنة نبع فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ ييبس فَتَرٰىهُ بعد الخضرة مثلا مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ۚ فتاتا اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى تذكيرا لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ يتذكرون به لدلالته على وحدانية الله تعالى وقدرته اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فاهتدى فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ كمن طبع على قلبه دل على هذا فَوَيْلٌ كلمة عذاب لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ اى عن قبول القران اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾ بين اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا بدل من احسن اى قرانا مُّتَشَابِهًا اى يشبه بعضه بعضا فى

النَّظْمِ وَغَيْرِهٖ **مَّثَانِيَ** ثُنِّيَ فِيْهِ الْوَعْدُ وَالْوَعِيْدُ وَغَيْرُهُمَا **تَقْشَعِرُّ مِنْهُ** تَرْتَعِدُ عِنْدَ ذِكْرِ وَعِيْدِهٖ **جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ** يَخَافُوْنَ **رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ** تَطْمَئِنُّ **جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ** اَيْ عِنْدَ ذِكْرِ وَعْدِهٖ **ذٰلِكَ** اَيِ الْكِتَابُ **هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ** ﴿٢٣﴾ **اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ** يَلْقٰى **بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ** اَيْ اَشَدَّهٗ بِاَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ مَغْلُوْلَةً يَدَاهُ اِلٰى عُنُقِهٖ كَمَنْ اٰمَنَ مِنْهُ بِدُخُوْلِ الْجَنَّةِ **وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ** اَيْ كُفَّارِ مَكَّةَ **ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ** ﴿٢٤﴾ اَيْ جَزَاءَهٗ **كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** رُسُلَهُمْ فِيْ اِتْيَانِ الْعَذَابِ **فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ** ﴿٢٥﴾ مِنْ جِهَةٍ لَا يَخْطِرُ بِبَالِهِمْ **فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ** الذُّلَّ وَالْهَوَانَ مِنَ الْمَسْخِ وَالْقَتْلِ وَغَيْرِهِمَا **فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا** اَيِ الْمُكَذِّبُوْنَ **يَعْلَمُوْنَ** ﴿٢٦﴾ عَذَابَهَا مَا كَذَّبُوْا **وَلَقَدْ ضَرَبْنَا** جَعَلْنَا **لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ** ﴿٢٧﴾ يَتَّعِظُوْنَ **قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا** حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ **غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ** اَيْ لَبْسٍ وَاخْتِلَافٍ **لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ** ﴿٢٨﴾ الْكُفْرَ **ضَرَبَ اللّٰهُ** لِلْمُشْرِكِ وَالْمُوَحِّدِ **مَثَلًا رَّجُلًا** بَدَلٌ مِنْ مَثَلًا **فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ** مُتَنَازِعُوْنَ سَيِّئَةٌ اَخْلَاقُهُمْ **وَرَجُلًا سَلَمًا** خَالِصًا **لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ** تَمْيِيْزٌ اَيْ لَا يَسْتَوِي الْعَبْدُ لِجَمَاعَةٍ وَالْعَبْدُ لِوَاحِدٍ فَاِنَّ الْاَوَّلَ اِذَا طَلَبَ مِنْهُ كُلٌّ مِنْ مَالِكِيْهِ خِدْمَتَهٗ فِيْ وَقْتٍ وَاحِدٍ تَحَيَّرَ مَنْ يَخْدُمُهٗ مِنْهُمْ وَهٰذَا مَثَلٌ لِلْمُشْرِكِ وَالثَّانِيْ مَثَلٌ لِلْمُوَحِّدِ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ** وَحْدَهٗ **بَلْ اَكْثَرُهُمْ** اَهْلُ مَكَّةَ **لَا يَعْلَمُوْنَ** ﴿٢٩﴾ مَا يَصِيْرُوْنَ اِلَيْهِ مِنَ الْعَذَابِ فَيُشْرِكُوْنَ **اِنَّكَ** خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ **مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ** ﴿٣٠﴾ سَتَمُوْتُ وَيَمُوْتُوْنَ فَلَا شَمَاتَةَ بِالْمَوْتِ نَزَلَتْ لَمَّا اسْتَبْطَاُوْا مَوْتَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **ثُمَّ اِنَّكُمْ** اَيُّهَا النَّاسُ فِيْمَا بَيْنَكُمْ مِنَ الْمَظَالِمِ **يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ** ﴿٣١﴾

ترجمہ: .... آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے ایمان والے بندو! اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو (یعنی اس کے عذاب سے ڈر کر فرمانبرداری کرو) جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں (فرمانبرداری کر کے) ان کے لئے بہترین صلہ (جنت) ہے اور اللہ کی سرزمین فراخ ہے (لہٰذا کفار اور برائیوں سے نکل کر وہاں چلے جاؤ) جو (نیکیوں اور اس کی آزمائشوں میں) مستقل مزاج رہتے ہیں ان کا صلہ بے شمار ہی ہوگا (بغیر ناپ تول کے) آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو حکم ہوا ہے کہ میں اس کے لئے (شرک سے) پاک صاف عبادت کروں اور مجھ کو حکم ہوا ہے کہ میں (اس امت کے) مسلمانوں میں سب سے اول ہوں ...... آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف رکھتا ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں اللہ ہی کی عبادت (شرک سے) پاک صاف کرتا ہوں۔ سو تم خدا کو چھوڑ کر جس چیز کی چاہے عبادت کرو (اس میں کافروں کو دھمکی ہے اور اس پر تنبیہ کرنا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو) آپ کہہ دیجئے کہ سخت ٹوٹے میں وہی لوگ ہیں جو اپنی جان اور متعلقین کے بارے میں قیامت کے روز ٹوٹے میں پڑیں گے (ہمیشہ دوزخ میں پڑ کر اور ان حوروں سے محروم رہ کر جو ایمان لانے کی صورت میں ان کو جنت میں نصیب ہوتیں) یاد رکھو کہ یہ کھلا ہوا ٹوٹا ہے۔ ان کے لئے اوپر

سے بھی آگ کے گھیرنے والے شعلے ہوں گے اور نیچے سے بھی۔ یہ وہی ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے (مسلمانوں کو تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔ اگلا جملہ اس پر دلالت کر رہا ہے) اے میرے بندو! مجھ سے ڈرو اور جو لوگ شیطان کی عبادت سے بچتے ہیں اور اللہ کی طرف جھکتے ہیں (رخ کرتے ہیں) وہ (جنت کی) خوشخبری سنانے کے مستحق ہیں۔ سو آپ میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو اس کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں۔ پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر (جن میں ان کی فلاح ہے) چلتے ہیں یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی اور یہی ہیں جو ہوش مند (عقلمند) ہیں۔ بھلا جس شخص پر عذاب کی بات (یعنی لاملان جھنم الخ) محقق ہو چکی تو کیا آپ ایسے شخص کو جو دوزخ میں ہے چھڑا سکتے ہیں؟ (یہ جواب شرط ہے جس میں اسم ظاہر بجائے ضمیر کے ہے اور ہمزہ انکاری ہے۔ یعنی تم ان کی ہدایت پر اس طرح قادر نہیں ہو کہ انہیں عذاب سے بچا سکو) لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں (اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں) ان کے لئے بالاخانے ہیں جن کے اوپر اور منزلیں ہیں جو بنے ہوئے تیار ہیں۔ ان کے نیچے نہریں چل رہی ہیں (یعنی بالائی اور زیریں منزلوں کے نیچے) یہ اللہ کا وعدہ ہے (فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے) وہ وعدہ خلاف نہیں ہے (میعاد بمعنی وعدہ)۔

کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی۔ کہ اللہ نے آسمان سے بارش برسائی۔ پھر اس کو سوتوں میں داخل کرتا ہے۔ (زمین کے اندر ذخیروں میں) زمین کے۔ پھر اس کے ذریعہ کھیتیاں پیدا کرتا ہے۔ جس کی مختلف قسمیں ہیں۔ پھر وہ کھیتی خشک ہو (سوکھ) جاتی ہے کہ تو اس کو زرد دیکھتا ہے (سرسبزی کے بعد مثلاً) پھر اس کو چورا چورا (ریزہ ریزہ) کر دیتا ہے۔ اس میں دانشمندوں کے لئے بڑی عبرت (نصیحت) ہے (جو اس سے سبق لیں۔ کیونکہ اس سے اللہ کی توحید وقدرت معلوم ہوتی ہے) سو جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا (جس سے اسے ہدایت نصیب ہوگئی) اور وہ اپنے پروردگار کے نور پر ہے (کیا وہ اس کے برابر ہو سکتا ہے جس کے دل پر مہر لگ گئی۔ جیسا کہ اگلے جملہ سے یہ سمجھ میں آ رہا ہے) سو جن لوگوں کے دل اللہ کے ذکر (قرآن قبول کرنے) کی صلاحیت نہیں رکھتے ان کے لئے بڑی خرابی (سزا کا بول) ہے یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے (یہ احسن سے بدل ہے یعنی قرآن پاک) جو باہم ملتی جلتی ہے (نظم وغیرہ میں ایک جیسی ہے) بار بار دہرائی گئی ہے (وعدہ ووعید وغیرہ کا بیان بار بار ہوتا رہتا ہے) اس سے کانپ اٹھتے ہیں (لرز جاتے ہیں وعید سن کر) بدن ان لوگوں کے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں (خوف زدہ ہیں) پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف (وعدہ ذکر ہونے کے وقت) متوجہ (مطمئن) ہو جاتے ہیں یہ (کتاب) اللہ کی ہدایت ہے جس کو وہ چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے ہدایت کر دیتا ہے اور خدا جس کو گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں۔

بھلا جو شخص اپنے منہ کو قیامت کے روز عذاب کی ڈھال بنائے گا (بدترین عذاب میں جھونک دیا جائے گا ہاتھ گردن میں باندھ کر۔ کیا وہ اس کے برابر ہو سکتا ہے جو جنت میں جانے کی وجہ سے دوزخ سے محفوظ ہو جائے) اور ایسے ظالموں (کفار مکہ) کو حکم ہوگا جو کچھ تم کیا کرتے تھے اس کا مزہ چکھو (سزا بھگتو) جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں انہوں نے بھی (عذاب کے معاملہ میں پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا ان پر عذاب ایسی طرح آیا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا (دل میں کبھی شبہ بھی نہیں گذرا تھا) سو اللہ تعالیٰ نے ان کو رسوائی کا مزہ چکھا دیا (ذلت وپستی، مسخ وقتل وغیرہ کی صورت میں) اسی دنیاوی زندگانی میں اور آخرت کا عذاب اور بھی بڑا ہے کاش یہ (جھٹلانے والے) سمجھ جاتے (عذاب کو تو اس کو جھٹلا نہ سکتے) اور ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کے مضامین بیان کئے ہیں تاکہ یہ لوگ نصیحت (موعظت) پکڑیں کہ وہ عربی قرآن ہے (حال مؤکدہ ہے) جس میں ذرا کجی نہیں (یعنی تلبیس واختلاف نہیں) تاکہ یہ لوگ (کفر سے) ڈریں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال (مشرک وموحد کی) بیان فرمائی کہ ایک شخص ہے (مثلاً سے بدل ہے) جس میں کئی ساجھی ہیں جن میں باہم ضدا ضدی ہے (جھگڑالو بدخلق ہیں) اور ایک شخص اور ہے کہ پورا کا پورا (سالم) ایک ہی شخص کا ہے کیا ان دونوں کی حالت

یساں ہے (مثلاً تمیز ہے یعنی مشترک غلام اور ایک آقا کا غلام برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ پہلے غلام سے ایک ہی وقت میں جب سب آقا اپنی اپنی خدمتوں کا مطالبہ کریں گے تو وہ حیران رہ جائے گا کہ کس کی خدمت بجالائے۔ یہ مثال تو مشترک کی ہے اور دوسری مثال پرستار توحید کی ہے) سب خوبیاں (ایک) اللہ کے لئے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر (اہل مکہ) سمجھتے بھی نہیں (کہ کس قسم کے عذاب میں گرفتار ہوں گے اسی لئے شرک کرتے رہتے ہیں) آپ کو بھی (پیغمبر کو خطاب ہے) مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے (ایک نہ ایک دن آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی۔ پھر کسی کے مرنے پر خوشیاں منانا کیسا؟ مخالفین چونکہ آپ کے انتقال کے منتظر تھے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی) پھر قیامت کے روز تم سب لوگ (اے لوگو! اپنے اپنے مظالم کے) مقدمات اپنے رب کے سامنے پیش کرو گے۔

تحقیق وترکیب: .... لـلـذيـن امنوا. جملہ متانفہ ہے۔ جس سے تقویٰ کے حکم کی علت معلوم ہورہی ہے۔ اور فی هذه الدنیا کے ساتھ مقید کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دنیا آخرت کی کاشت ہے اور ارض الله و اسعة کا اس پر عطف ہورہا ہے یعنی محبت وطن بھی اگر اللہ کی اطاعت میں رکاوٹ ہو تو وطن بھی ایک بت ہے۔ ہاں البتہ اگر ایک جگہ جانا کسی وجہ سے مناسب نہ ہو تو پھر ملک خدا تنگ نیست۔ دوسری مناسب جگہ تلاش کرلو۔ غرض کہ ترک وطن تو محض ہجرت کی صورت ہے۔ حقیقت ہجرت دراصل ہجران معاصی ہے۔ المهاجر من هجر عن مانهى الله به ۔ فتح مکہ سے پہلے ہجرت مدینہ اگرچہ شرط اسلام تھی۔ لیکن فتح مکہ کے بعد شرط کا درجہ منسوخ ہوگیا۔ لیکن بعض حالات میں واجب اور بعض میں مستحب ومباح رہی۔ بلکہ بعض صورتوں میں ہجرت مکروہ اور حرام بھی ہے۔ مثلاً بھلوں کو چھوڑ کر بروں کے یہاں چلا جانا۔

بغير حساب. ابن عباسؓ سے مرفوع روایت ہے۔ ان الميزان لا تنصب لا هل البلاء بل يصيب لهم الا مرحباً.

قل انى امرت. انسان کا اپنا عمل چونکہ اس کی نصیحت کو دوسروں پر اثر انداز بناتا ہے۔ اس لئے آپ کو یہ حکم ہوا۔ اسی لئے عربی کہاوت ہے۔ حال رجل فى الف رجل انفع من حال الف رجل فى رجل. اور بان سے مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ لام بمعنی با ہے اور بعض لام کو زائد مانتے ہیں اور بعض اجلیہ مانتے ہیں۔

لهم من فوقهم. لهم خبر مقدم ہے اور من فوقهم حال اور ظلل مبتداء ہے۔ آگ تو جلانے والی ہے۔ اس کو سائبان کہنا تہکم ہے۔ البتہ ماتحت کو ظلہ کہنا تو ایک وجہ تو یہ ہے کہ ایک ضد کا دوسری ضد پر بولنے کے باب سے کہا جائے۔ دوسرے یہ کہ نچلا حصہ خود اس کے لئے ظلہ نہ ہو۔ البتہ اس سے نچلے کے لئے ظلہ ہوسکتا ہے۔ کیونکہ جہنم کے اس طرح مختلف درجات ہیں جس طرح جنت کے لئے مختلف درجات ہیں۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ دونوں حصے اذیت پہنچانے میں یکساں ہیں۔ اس مماثلت ومشابہت کی وجہ سے ظلہ بول دیا گیا۔

افانت. من شرطیہ اور افانت الخ جزاء ہے یا جزاء محذوف ہے اور افانت مستقل جملہ ہے۔ سابق جملہ کی تاکید کے لئے۔

وعدالله. مصدر مؤکدہ ہے۔ ای وعدهم الله وعدا.

افمن شرح الله. جملہ متانفہ ہے اولوا الالباب کے ساتھ نصیحت خاص کرنے کی وجہ بیان کی جارہی ہے۔ اور شرح صدر سے مراد تکمیل استعداد ہے۔ کیونکہ سینہ محل قلب ہے اور قلب منبع روح ونفس ہے۔ پس سینہ کی شرح، نفس کا منشرح ہوجانا ہے۔ اس میں استفہام انکاری ہے اور فا عاطفہ ہے جو جملہ مقدرہ پر ای اكل الناس سواء. من موصولہ مبتدا محذوف الخبر ہے۔ ای كمن طبع على قلبه اور بعض نے اس کو جملہ شرطیہ کہا ہے۔

على نور. حدیث میں ہے کہ قلب میں جب نور آجاتا ہے تو دل منشرح ہوجاتا ہے۔ عرض کیا گیا۔ اس کی پہچان کیا ہے؟ فرمایا۔ الا نابة الى دار الخلود و التجافى عن دار الغرور والتاهب للموت قبل نزوله.

من ذکر اللہ. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔ کہ من بمعنی بسمن ہے اور مضاف محذوف ہے۔ یا من تعلیلیہ مانا جائے یعنی دل فاسد ہونے کی وجہ سے اس میں ذکر اللہ کرنے سے قساوت آ جاتی ہے۔ جیسا کہ عمدہ غذا خراب معدہ کے لئے مضر ہو جاتی ہے۔ بعض اہل دل کا ارشاد ہے۔ الا بذکر اللہ تزداد الذنوب وتنطمس البصائر والقلوب.

متشابھا. یعنی لفظی معنوی تشابہت ہے۔ اس سے قرآن کا متشابہ ہونا معلوم ہوا۔ اور ایک آیت میں کتاب احکمت اٰیاتہ فرمایا گیا ہے۔ جس سے قرآن کا محکم ہونا معلوم ہوتا ہے اور آیات محکمات ھن ام الکتاب واخر متشابھات سے دونوں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن وجہ تطبیق یہ ہے کہ اس آیت سے محاسن بلاغت میں لفظی ومعنوی یکسانیت ہونا مراد ہے اور آیات کتاب کے محکم ہونے سے مراد یقینی اور حق ہے اور بعض آیات کے متشابہ ہونے کا مطلب خفی المراد اور بعض کے محکم ہونے کا مطلب ظاہر المراد ہونا ہے۔

مثانی. وعدو وعید، قصص وامثال کا مکرر ہونا مراد ہے۔ رہا یہ اشکال کہ کتاب مفرد ہے۔ اس کے لئے مثانی جمع قلت کیسے لائی گئی ہے؟ جواب یہ ہے کہ قرآن کی تفصیلات کے پیش نظر جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔ جیسے کہا جائے الانسان عروق وعظام واعصاب.

الیٰ ذکر اللہ. الیٰ بمعنی عند ہے۔ اس کو تضمین فی الحرف کہتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تلیین بمعنی تسکین لی جائے۔ مفسر علامؒ نے دونوں کو جمع کر دیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مومن آیات وعدہ سے امید ورجاء کی کیفیت سے سرشار اور آیات وعید سے ہیبت زدہ رہتا ہے۔ الایمان بین الرجاء والخوف. پس خوف ورجاء اس کے لئے دو بازو ہیں۔

افمن یتقی. اس کی خبر محذوف ہے۔ ای کمن امن من العذاب.

وجھہ. اس لئے کہا کہ چہرہ سب سے زیادہ عزیز عضو ہے۔ اس کی حفاظت کی فکر بھی زیادہ ہوا کرتی ہے۔ اور جہنم کی آگ میں ہاتھ بندھے اوندھے گرنے والے کے چہرہ ہی پر سب سے پہلے آفت آئے گی۔ گویا چہرہ کی حفاظت کی بجائے الٹا اس سے مدافعت کا کام لینے پر مجبور ہو جائے گا۔

وقیل للظلمین. اس کا عطف پہلے مفہوم پر ہے۔ ای یعذب الظالمون ویقال لھم الخ اور بعض نے واؤ حالیہ کہا ہے و قد مقدر ہوگا۔

ذوقوا ما کنتم. مضاف مقدر یا بطور مجاز سبب کو مسبب پر بولا گیا ہے۔ من کل مثل. یعنی ضروری دینی مثالیں۔

قرانا عربیا. اس میں تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مدح کی وجہ سے منصوب ہو۔ دوسرے یہ کہ یتذکرون کی وجہ سے منصوب ہو۔ تیسرے یہ کہ قران سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہو حال مؤکدہ موطئہ ہے۔ جیسے جاء زید رجلاً صالحاً.

غیر ذی عوج. قرآن کی صفت یا حال ثانی ہے۔ علامہ زمخشریؒ نے مستقیماً کی بجائے غیر ذی عوج کہنے کا نکتہ یہ لکھا ہے کہ اس میں دو فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ قرآن میں کبھی بھی کجی نہیں ہو سکتی۔ دوسرے عوج معانی کے ساتھ مختص ہے اعیان کے ساتھ نہیں ہے۔ یعنی نفی کے بعد نکرہ ہے۔ اس لئے عموم نفی ہو رہی ہے نہ کہ نفی عموم۔ اور مستقیماً میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ اس لئے قرآنی لفظ ابلغ ہے۔ اور بعض نے عوج کے معنی شک والتباس کے لئے ہیں۔

ورجلا. یہ مثلاً سے بدل ہے بحذف مضاف ای مثل رجل۔ اور ضرب کا مفعول ثانی بھی ہو سکتا ہے اور شرکاء کا مبتداء ہے اور فیہ خبر ہے۔

متشاکسون. شرکاء کی صفت ہے اور جملہ رجلا کی صفت ہے۔ یا متشاکسون خبر ہو اور فیہ متعلق ہے اس لفظ

کے معنی باہم بدگوئی کرنے کے ہیں۔ابن کثیرؒ اور ابوعمروؒ وسالما الف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔اور باقی قراء جیسے نافعؒ، ابن عمرؒ اور کوفیؒ سلما پڑھتے ہیں۔اور ابن جبیرؒ سین کے کسرہ اور سکون لام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔اخیر کی دونوں قراءتیں مصدر ہوں گی بطور مبالغہ کے یا حذف مضاف کے ساتھ یا دونوں اسم فاعل کی بجائے ہیں۔پس دونوں قراءتوں کا مآل ایک ہی ہوگا۔

مثلاً اصل میں فاعل تھا اب تمیز ہوگئی۔اگر مثلین کی قراءت ہے تب تو کوئی اشکال نہیں۔لیکن اگر مثلاً ہے تو رجلین مذکورین کے مطابق نہیں ہے مفرد ہونے کی وجہ سے۔مگر ہر ایک کو انفراداً لے لیا جائے گا۔اس لئے اشکال نہیں رہے گا۔شماتت دشمن کی تکلیف پر خوش ہونے کو کہتے ہیں۔

ربط آیات: .... کفر وشرک کے ناپسندیدہ اور سخت عذاب کے مستحق ہونے کو اور اسی طرح ایمان واخلاص کے پسندیدہ اور مستحق انعام واکرام ہونے کو بیان فرما کر آیت قل انما امرت الخ میں ایمان واخلاص کا صریح حکم ہے۔جس سے ان کا پسندیدہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور اخاف الخ میں کفر وشرک کی ممانعت اور ناپسند ہونا اشارۃً ہے۔

آگے چل کر آخرت کی لازوال نعمتوں اور مصیبتوں کا ذکر کر کے ایمان واخلاص کی تقویت مقصود ہے۔

اس کے بعد آیت الم تر ان اللہ سے دنیا کے انہماک کا بیان ہے جو ایمان واخلاص میں سب سے بڑی رکاوٹ بنتی ہے۔

آیت افمن شرح اللہ میں مؤثر ایک اور تاثیر یکساں ہونے کے باوجود متاثر میں فرق ہو جانے سے تاثیرات بھی مختلف ہو جاتی ہیں۔خوف خدا رکھنے والے پر جو اثر ہوتا ہے نڈر شخص پر اس کا الٹا اثر ہوتا ہے۔آگے افمن یتقی سے دونوں کے مآل میں بھی فرق دکھلایا جارہا ہے۔

آیت ولقد ضربنا سے فی نفسہ قرآن کا مؤثر ہونا بتلایا جارہا ہے۔فرق جو کچھ ہے وہ لوگوں کی قابلیت کا ہے۔

اس کے بعد ضرب اللہ سے مثال کے ذریعہ اسی کی تنویر وتقریر کی جارہی ہے۔لیکن معاندین ان کھلے فیصلوں کو بھی نہ مانیں تو وہ جانیں آخری فیصلہ خداوند قدوس کی بارگاہ میں ہوگا سب تیار رہیں۔

شانِ نزول: .... کفار مکہ آنحضرت ﷺ سے کہنے لگے کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو اور کر رہے ہو اس سے تمہارا مقصد اپنے آبائی ملت کو اختیار کرنا اور ان کا نام اونچا کرنا ہے۔اس پر آیت قل انی اخاف الخ نازل ہوئی۔جس سے مقصود یہ ہے کہ جب آپ کو باوجود معصوم ہونے کے ڈرایا جارہا ہے۔تو پھر دوسروں کا کیا حال ہوگا۔

نیز یہ کہ انسان کی نصیحت اسی وقت ہوا کرتی ہے جب وہ کاربند ہو۔انبیاء وصلحاء بادشاہوں کی طرح نہیں ہوتے کہ دوسروں کو کہتے رہیں اور خود عمل پیرا نہ ہوں۔

آیت والذین یجتنبون الخ عثمان ابن عفان، عبدالرحمٰن ابن عوف، سعد، سعید، طلحہ، زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں نازل ہوئی۔جب انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے خود ان کے ایمان لانے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایمان قبول کرلیا ہے۔چنانچہ یہ سنتے ہی یہ سب ایمان لے آئے۔اور کلبیؒ کہتے ہیں کہ انسان اپنے احباب کے پاس بیٹھ کر اچھی بری باتیں سنے۔مگر صرف اچھی باتوں کو اپنائے۔وہ اس کا مصداق ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... قل یعباد یعنی اللہ کا پیغام اسکے بندوں کو پہنچادو کہ آخرت کے لئے جو کچھ کرنا ہے وہ دنیا میں رہ کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس زندگانی کو غنیمت جانو اور جو کچھ کرنا ہے کر گزرو۔ ایک جگہ اگر نیکی کرنے میں رکاوٹیں ہوں تو اس جگہ ہی کو خیر باد کہہ دو اور ہر چند کہ تکالیف نا قابل برداشت ہوں گی۔ مگر پرواہ مت کرو اور ہمت کر کے نکل کھڑے ہو اور دوسری مناسب جگہ منتقل ہو جاؤ۔ خدا اس کا بڑا ہی اجر عطا کرے گا۔

حب وطن اگر کوئی چیز ہے تو وطن سے مراد حقیقی وطن ہے جو واقعی ہے۔ یہ مادر وطن تو اصلی نہیں عارضی ہے بہر حال اس کو تو چھوٹنا ہے اللہ کے لئے خود چھوڑ دو تو کچھ بات ہے۔

آنحضرت ﷺ کے پہلے مسلمان ہونے کا مطلب: .... وامرت لان اکون اول میں حقیقت حال کو بتلایا گیا ہے۔ کیونکہ امت مسلمہ کے لحاظ سے آپ ﷺ کا اول ہونا تو بداہتہً اور مشاہدۃً ہے۔ لیکن بلحاظ عالم حقیقت کے بھی اولین و آخرین میں آپ ہی اول فرمانبردار ہیں۔ اس لئے آپ سنا دیجئے کہ میں تو صرف اللہ کیلئے کی بندگی کرتا ہوں تمہیں اپنا اختیار ہے۔ پر انجام کی فکر نہ ورنہ مشرکین نہ تو خود کو دوزخ سے بچا سکیں گے اور نہ گھر والوں کو۔ سب ہی کو جہنم میں جھلسنا ہوگا۔ جہاں ہر طرف آگ ہی آگ اور اس کی لپٹیں اور شعلے ہوں گے۔ البتہ جو سب سے ہٹ کر اللہ کا ہو جائے گا اس کے لئے یقیناً خوشخبری ہے۔ ایسے لوگ اگر چہ سب کی سب کچھ سنتے ہیں مگر چلتے ہیں صرف اچھی ہی باتوں پر۔ یا اچھی باتوں میں بھی اگر ادنیٰ اعلیٰ پہلو ہوں اور رخصت وعزیمت کے درجے ہوں تو یہ لوگ اعلیٰ قدروں کے قدر دان ہوتے ہیں۔

یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی سب ہی باتیں بہتر ہیں۔ ان سب ہی کا یہ اتباع کرتے ہیں۔ یا یہ کہ جن باتوں کے کرنے کا حکم ہو ان کا کرنا اسی طرح جن باتوں کے نہ کرنے کا حکم ہے۔ ان کا نہ کرنا بہتر ہے اور وہ ان سب کی پابندی کرتے ہیں۔ یہی کامیابی اور عقل کا راستہ ہے۔ لیکن جن کے لئے ضد وعناد اور بدعملیوں کی وجہ سے عذاب کا سزاوار ہونا ثابت ہو چکا۔ کیا یہ کامیابی کی راہ پا سکتے ہیں اور کوئی انہیں راہ پر لا سکتا ہے یا دوزخ کی آگ سے بچا سکتا ہے۔

بہر حال پرہیز گاروں کے لئے بجی سجائی جنت تیار ہے یہ نہیں کہ قیامت کے روز تیار کی جائے گی اور جب تیار ہے تو ان کو ملے گی بھی۔ اللہ تعالیٰ وعدہ خلاف نہیں ہے۔

زندگی اور موت کا عجیب نقشہ: .... آیت الم تران اللہ سے دلائل قدرت کا بیان ہے کہ ہر نئی فصل زمین کی رت بدلتی ہے اور کھیتیاں کس طرح لہلہا اٹھتی ہیں لیکن دیکھتے ہی دیکھتے یہ سارا منظر تبدیل ہو جاتا ہے اور وہ سارا سبزہ چورے میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ کچھ یہی حال اس دنیا کی چہل پہل اور رونق کا ہے کہ چار روزہ یہ چمک دمک ایک دن ختم ہو جائے گی۔ چاہئے کہ عقلمند اسی عارضی بہار میں کھو نہ جائیں اور انجام سے بے فکر اور بے پرواہ نہ بن جائیں۔

کھیتی کے سارے نظام پر نظر ڈالو کہ اس میں غلہ بھی نکلتا ہے جو آدمیوں کی غذا بنتا ہے اور بھوسا بھی ہوتا ہے جو جانوروں کے چارے کے کام آتا ہے اور ان دونوں کو محنت سے الگ الگ کر کے کارآمد بنایا جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا کی زندگانی میں نیکی، بدی، رنج وراحت ملی جلی ہیں۔ مگر قیامت کے کھلیان میں سب الگ الگ کر کے اپنے ٹھکانوں پر پہنچا دی جائیں گی۔

کھیتی کے سارے نقشہ پر نظر ڈال کر سمجھ دار اپنے لئے سبق سیکھ سکتے ہیں۔ نیز جس خدا نے آسمانی بارش سے زمین میں چشمے جاری کر دیئے۔ وہ جنت کے محلات میں بھی نہایت قرینہ سے نہروں کا سلسلہ جاری کرے گا۔ چشموں اور کنوؤں کے پانی بننے کے دو سبب ہوتے ہیں۔ ایک زمین کی برودت سے بخارات کا پانی بن جانا اور دوسرے بارش کے پانی کا زمین میں پیوست ہو کر اکٹھا ہو جانا۔

آیت میں دوسرے سبب کا ذکر ہے۔ لیکن اول سبب کی نفی بھی نہیں۔ اس لئے آیت کو مسئلہ فلسفیہ کے معارض نہیں کہا جائے گا۔ بالخصوص جب کہ بغدادی جیسے فلاسفہ کی رائے میں وہ بھی ایک سبب ہے۔

علم وعمل اور اخلاق کے اعلیٰ مراتب: .... افمن شرح الله میں نیکی بدی، نیک وبد کے فرق کو ایک دوسرے انداز سے سمجھایا جا رہا ہے کہ ایک وہ ہے جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے۔ اسے احکام الٰہیہ میں پوری طمانیت وسکون حاصل ہو جاتا ہے۔ علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین کی منازل طے کر کے روشنی اور اجالے میں پہنچ جاتا ہے۔ جہاں شک وشبہ کے کانٹوں کا شائبہ تک نہیں رہتا۔

یہ علم کا منتہیٰ اور کمال درجہ ہے۔ اس انشراح قلبی کے ساتھ عمل کی آخری حد بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ کہ احکام شرع میں کوئی تکلف نہیں رہتا۔ بلکہ عادت وعبادت، شریعت وطریقت یکساں ہو جاتی ہیں۔ دونوں میں مزاحمت اور کشاکش نہیں رہتی۔ بلکہ دونوں کے تقاضے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ اسے اخلاقی پختگی اتنی نصیب ہو جاتی ہے کہ وہ تخلقوا باخلاق الله کا مصداق بن جاتا ہے۔ اور وہ مختلف لوگوں کے طرز عمل سے متاثر نہیں ہوتا۔

اور دوسرا وہ بد بخت ہے جس کا دل پتھر کی طرح سخت ہو کہ نہ کوئی نصیحت اس پر کارگر ہو اور نہ وہ کسی خیر سے متاثر ہو، نہ کبھی اسے اللہ کی یاد کی توفیق ہو اور نہ اپنی اصلاح کی فکر بلکہ محض اوہام ورسوم کا بندہ بن کر رہ جائے۔ کیا یہ دونوں انسان برابر ہو سکتے ہیں۔

قرآنی آیات ایک سے ایک نرالی ہیں: .... الله نزل. قرآن پاک کا حال یہ ہے کہ صداقت، حقانیت، نافعیت اور فصیح وبلیغ اور مفید ومعقول ہونے میں سب آیات ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں کوئی کسی سے کم نہیں۔ باہمی آیتوں میں کوئی تخالف اور تضاد نہیں ہے اور کہیں جو بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے وہ ایسا نہیں کہ تامل کے بعد دور نہ کیا جا سکے۔ ترجیح، تنسیخ، تطبیق میں سے کسی نہ کسی صورت میں اس کو حل کیا جا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض آیات کی تفسیر خود آیات ہی کے ذریعہ بھی ہو سکتی ہے۔

اور قرآن اس معنی کے لحاظ سے مثانی ہے کہ اس کی آیات بار بار تلاوت کی جاتی ہیں۔ نیز بعض احکام اور قصص ومواعظ بار بار دہرائے جاتے ہیں اور بعض نے متشابہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قرآن کے بعض حصہ میں یا ایک ہی مضمون مختلف آیات میں دور تک چلا جاتا ہے۔

اور مثانی اس کے برخلاف یہ کہ ایک آیت میں ایک مضمون بیان کر کے دوسری آیت میں اس کے بالمقابل دوسری نوع کا مضمون ہے۔ مثلاً نیکی کے ساتھ بدی کا اور نیک کے ساتھ بد کا حال یا اس کے برعکس طریقہ بکثرت آیات میں آتا رہتا ہے۔

کلام الٰہی کی تاثیر اور وجد وحال: .... اس بے نظیر کلام کا اثر اللہ سے ڈرنے والوں پر تو یہ ہوتا ہے۔ کہ سن کر ان کا دل لرز جاتا ہے۔ بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یعنی ان کا ظاہر وباطن اللہ کے آگے جھک جاتا ہے اور یاد الٰہی کا اثر ان کے جسم وروح دونوں پر ہو جاتا ہے۔

یہ تو کاملین کا حال ہوا۔ رہ گئے وہ ضعفاء اور غیر کامل جن پر سن کر بے ہوشی، بے طاقتی یا وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے تو آیت میں اس کی نفی نہیں ہے۔ چنانچہ احادیث سے جہاں خلفائے اربعہ اور دوسرے اجلہ صحابہؓ کا حال معلوم ہوتا ہے وہیں ابوذرؓ اور ابو ہریرہؓ کی کیفیات بھی ماثور ہیں۔

بظاہر اگر چہ ان کیفیات کے حاملین اور جوش وخروش کرنے والے بڑھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مگر حقیقت حال ایسی نہیں ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ کمزوری کی وجہ سے مغلوب الحال لوگوں سے اسی قسم کی کیفیات کا اظہار ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بے خود ہو کر چھلک جاتے ہیں۔ مگر طاقت ور اور کامل حضرات غالب الاحوال اور ضابط رہتے ہیں۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے حالات سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

بہر حال اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے حکمت الٰہی مقتضی ہوتی ہے تو ان پر ہدایت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور یہ منزل مقصود کی طرف چلتے رہتے ہیں۔ لیکن جن کو ان کی بد استعدادی کی وجہ سے اللہ توفیق نہ دے۔ تو پھر کون ہے جو ان کی رہنمائی کر سکے۔

جنتی اور جہنمی دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟: .... آگے افمن یتقی سے افمن شرح اللہ کے بالمقابل کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ ایسا شخص جو بدترین عذاب کو اپنے منہ پر روکے اور اس سے کہا جائے کہ اب اپنے کئے کا مزہ چکھو جو دنیا میں تم نے کام کئے تھے۔ کیا وہ اس مومن کی طرح ہو سکتا ہے جو آخرت میں مامون ومحفوظ ہو؟ ہرگز نہیں آگے فرمایا جا رہا ہے کہ پچھلی کتنی قومیں انبیاء کو جھٹلانے کی پاداش میں تباہ اور رسوا کی جا چکی ہیں۔ اور آخرت کا بدترین عذاب ان پر جوں کا توں رہا۔ پھر کیا اب حال کے یہ معاندین مطمئن ہو بیٹھے ہیں کہ ان کے ساتھ کچھ نہیں کیا جائے گا۔ انہیں اگر سمجھ ہوتی تو اس کی کچھ فکر کرتے۔

کسی حملہ یا مصیبت کا روکنا اگر چہ ہاتھوں سے عام طور پر ہوا کرتا ہے۔ مگر جہنم میں چونکہ ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہوں گے اس لئے چہرہ کے ذریعہ دفاع کرنے کو کہا گیا ہے۔ جس میں مصیبت کے شدید ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ چہرہ کا تو بچاؤ کیا جاتا ہے نہ یہ کہ اس کو بچاؤ کا ذریعہ بنایا جائے۔ مگر سخت مجبوری میں اس کی بھی پروا نہیں کی جائے گی۔

قرآن کے کسی کو سمجھانے میں کوئی کمی یا فرق نہیں ہے۔ وہ تو ہر بات کو مثالوں اور دلیلوں سے سمجھاتا ہے کہ یہ لوگ دھیان کر کے اپنی عاقبت صحیح کر لیں۔ قرآن نے جن لوگوں کو پہلے پہل خطاب کیا۔ ان کی مادری زبان چونکہ عربی ہے اس لئے قرآن صاف عربی زبان میں آیا۔ جس میں سب سیدھی سچی باتیں ہیں۔ جو عقل سلیم کے لئے قابل قبول ہوں۔ اس میں کوئی ٹیڑھی، ترچھی بات نہیں۔ اس کے مضامین یا عبارت میں کوئی اینچ پینچ نہیں۔ وہ جن اعمال کی دعوت دیتا ہے نہ ان کا ماننا مشکل اور نہ ان پر عمل کرنا ناممکن۔ ہاں کوئی اپنی حماقت یا غفلت سے نہ سمجھے یا نہ کرے وہ دوسری بات ہے۔ مگر قرآن کی کوشش یہی ہے کہ لوگ بآسانی اس سے مستفید ہوں، اعتقادی یا تخیلی غلطیوں سے بچ کر چلیں۔ صاف صاف نصیحتیں سن کر اللہ سے ڈرتے رہیں۔

مشرک وموحد اور دنیا دار و دین دار کا مثالی فرق: .... قرآن میں اللہ کی بیان کردہ ایک مثال سنو۔ فرض کرو ایک شخص بہت سے لوگوں کا غلام اور وہ سب اتفاق سے بد خلق، کج فہم، بے مروت اور سخت ضدی ہوں۔ ہر آقا یہی چاہتا ہو کہ غلام تنہا اس کے کام میں لگا رہے۔ دوسرے حصہ حصہ داروں سے اس کو کوئی سروکار نہ رہے۔ اس کھینچ تان میں ظاہر ہے کہ غلام شخص الجھن میں رہے گا

کہ کس کس کو خوش کروں اور کس کس کا کام کروں۔ سب کو کیسے راضی رکھوں یا کسی ایک کو کیسے ترجیح دوں۔ غرض اس کا سارا وقت اسی ادھیڑ بن میں گزرے گا اور ایک وہ شخص ہے جو صرف ایک ہی آقا کا غلام ہو۔ ظاہر ہے کہ اسے پوری طرح یکسوئی رہے گی اور کئی آقاؤں کو خوش رکھنے کی کشمکش میں گرفتار نہ ہوگا۔

پس جیسے یہ دونوں غلام برابر نہیں ہو سکتے۔ یہی حال مشرک اور موحد کا ہے۔ مشرک کا دل تو ہر وقت ڈانوا ڈول اور سب کی خوشامد میں لگا رہتا ہے۔ لیکن ایک موحد کی ساری دوڑ دھوپ ایک ہی کے گرد رہتی ہے۔ وہ پوری دلجمعی سے اپنا مرکز توجہ صرف ایک کو بنائے رکھتا ہے۔ اسے دوسروں کی فکر نہیں ہوتی۔ اس کے لئے ایک ہی کی خوشنودی بس کرتی ہے۔

اسی طرح ان دونوں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ جو غلام کئی کا ہوگا ان میں سے کوئی بھی اسے اپنا نہ سمجھے گا۔ اور نہ اس کی پوری خبر لے گا۔ یہ مثال ہے کئی رب کے بندے کی۔ لیکن جو ایک کا غلام ہو تو وہ آقا بھی اس کو اپنا ہی سمجھے گا۔ اور اس کی پوری خبر گیری کرے گا۔ یہ مثال ہے ایک رب ماننے والے بندہ کی۔

الحمد للہ کہ قرآن کیسے حقائق اور اعلیٰ مطالب کو کیسی دلنشین مثالوں اور شواہد سے سمجھا دیتا ہے۔ اب کوئی بدنصیب اس پر بھی اتنی واضح مثالوں کو نہ سمجھے تو اس کا کیا علاج، علاج اگر ہے تو یہی کہ قیامت کے دن سب کے سامنے مشرک وموحد کے صحیح غلط ہونے کا عملی فیصلہ ہو جائے گا۔ جس وقت ایک طرف انبیاءؑ اور ان کے پیروکار ہوں گے اور دوسری طرف اشرار و کفار ہوں گے۔ جو فضول جھگڑے اور بحثیں نکالیں گے۔ اس روز دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ ہو جائے گا۔

حیات انبیاءؑ پر آیت سے روشنی: .... انک میت الخ سے معلوم ہوا کہ دوسروں کی طرح اگرچہ آنحضرت ﷺ کے لئے بھی وفات اور انتقال کا لفظ بولنا جائز ہے مگر حیات انبیاءؑ کے اجماعی مسئلہ کے خلاف یہ آیت نہیں ہے۔ کیونکہ انبیاءؑ کی حیات برزخی اتنی قوی ہوتی ہے کہ ناسوتی حیات کے تینوں اثرات برقرار رہتے ہیں۔

۱۔ ان کی ازواج سے نکاح کی اجازت نہیں ہے۔

۲۔ نہ ان کی میراث تقسیم ہوتی ہے۔

۳۔ ان کے اجسام میں زمین کے تغیرات پھولنا، پھٹنا، گلنا سڑنا نہیں پائے جاتے ہیں۔ انبیاءؑ سے کم درجہ شہداء کی حیات ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کے بدن بھی قبروں میں محفوظ رہتے ہیں۔ البتہ حرمت نکاح ازواج اور ممانعت میراث میں وہ انبیاءؑ کے ساتھ شریک نہیں ہوتے اور عامہ مؤمنین کی برزخی حیات تو اور بھی کم ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ جسم کی حفاظت کا وعدہ بھی ان سے نہیں ہے اور کفار کی حیات برزخی حد درجہ کمزور ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انک میت وانہم میتون فرمایا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ کیفیات موت میں انبیاءؑ اور غیر انبیاء برابر نہیں ہوتے۔ بلکہ نوعیت الگ الگ ہے ورنہ انکم میتون یا انک وانہم میتون مختصر عبارت فرمانا کافی تھا...... جیسا کہ یختصمون فرما کر سب کو شریک کر لیا گیا ہے۔ بہرحال حیات کی طرح ممات بھی مختلف ہے۔

لطائف سلوک: .... افمن شرح اللہ۔ حدیث میں اس نور اور شرح صدر کی پہچان یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ دار الخلد (آخرت) کی طرف توجہ اور اس دار الغرور (دنیاوی زندگی) سے بے تعلقی اور موت کے لئے تیاری ہونے لگتی ہے۔

فویل للقاسیة قساوت قلبی چونکہ شرح صدر کے مقابلہ میں ہے تو اس کی علامت بھی اس کی علامت کے بالمقابل ہوگی۔ یعنی شرح صدر کے آثار سے خالی ہونا۔ معلوم ہوا کہ بعض کو جو دھوکہ ہوا ہے کہ طبعی رقت نہ ہو تو قساوت ہے۔ غلط ہے۔

الله نزل احسن الحدیث میں ایک لطیف وجد کا ذکر ہے۔ لیکن اس سے بے ہوشی وغیرہ صحیح کیفیات کا غلط ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ بعض اسلاف ابن سیرینؒ وغیرہ نے جو وجد وتواجد کا انکار اور رد کیا ہے اس سے مراد جھوٹے ریاکار وجد وحال کرنے والے لوگ مراد ہیں۔ علیٰ ہذا صحیح وجد وحال بھی ضعف تحمل پر دلالت کرتا ہے جو کمال نہیں کہا جا سکتا۔ کمال وہی ضبط وبرداشت ہے۔ جیسا کہ حضرات صحابہؓ اور دور اول کے کاملین کی کیفیات تھیں۔

ضرب الله مثلاً یہی حالت دنیا کی کشاکش میں گرفتار اور فکر آخرت میں ڈوبے ہوئے اشخاص کی ہے کہ ایک سخت کشمکش میں مبتلا اور دوسرا سب الجھنوں سے آزاد ہوتا ہے۔

الحمدللہ کہ پارہ ومالی (۲۳) کی تفسیر مکمل ہوئی

پارہ نمبر ﴿۲۴﴾

فَمَنْ اَظْلَمُ

فہرست پارہ ﴿فمن اظلم﴾

فَمَنْ اَظْلَمُ

فَمَنْ اى لا احد اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ بنسبة الشريك والولد اليه وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ بالقران اِذْ جَآءَهٗ ط اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى ماوى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۳۲ بلى وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ هو النبى صلى الله عليه وسلم وَصَدَّقَ بِهٖٓ هم المؤمنون فالذى بمعنى الذين اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۳۳ الشرك لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ۳۴ لانفسهم بايمانهم لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِىْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۳۵ اسوأ واحسن بمعنى السيء والحسن اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ط اى النبى صلى الله عليه وسلم بلى وَيُخَوِّفُوْنَكَ الخطاب له بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ط اى الاصنام ان تقتله او تخبله وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ هَادٍ ۳۶ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ط اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ غالب على امره ذِى انْتِقَامٍ ۳۷ من اعدائه بلى وَلَئِنْ لام قسم سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ تعبدون مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى الاصنام اِنْ اَرَادَنِىَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ لا اَوْ اَرَادَنِىْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ط لا وفى قراءة بالاضافة فيهما قُلْ حَسْبِىَ اللّٰهُ ط عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۳۸ يثق الواثقون قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ حالتكم اِنِّىْ عَامِلٌ ج على حالتى فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۳۹ مَنْ موصولة مفعول العلم يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ ينزل عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۴۰ دائم هو عذاب النار وقد اخزاهم الله ببدر اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ج متعلق بانزل فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ج اهتداؤه وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ج وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ

بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾ فَتُجْبِرُهُمْ عَلَى الْهُدٰى اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَيَتَوَفَّى الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ اَيْ يَتَوَفَّاهَا وَقْتَ النَّوْمِ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اَيْ وَقْتَ مَوْتِهَا وَالْمُرْسَلَةُ نَفْسُ التَّمْيِيْزِ تَبْقٰى بِدُوْنِهَا نَفْسُ الْحَيٰوةِ بِخِلَافِ الْعَكْسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ لَاٰيٰتٍ دَلَالَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى ذٰلِكَ قَادِرٌ عَلَى الْبَعْثِ وَقُرَيْشٌ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْ ذٰلِكَ اَمِ بَلِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَيِ الْاَصْنَامَ اٰلِهَةً شُفَعَآءَ ۭ عِنْدَ اللّٰهِ بِزَعْمِهِمْ قُلْ لَهُمْ اَ يَشْفَعُوْنَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا مِنَ الشَّفَاعَةِ وَغَيْرِهَا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اَنَّكُمْ تَعْبُدُوْنَهُمْ وَلَا غَيْرَ ذٰلِكَ لَا قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ اَيْ هُوَ مُخْتَصٌّ بِهَا فَلَا يَشْفَعُ اَحَدٌ اِلَّا بِاِذْنِهِ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اَيْ دُوْنَ اٰلِهَتِهِمْ اشْمَاَزَّتْ نَفَرَتْ وَانْقَبَضَتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَيِ الْاَصْنَامِ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ بِمَعْنٰى يَا اللّٰهُ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مُبْدِعُهُمَا عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ مَا غَابَ وَمَا شُوْهِدَ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا ظَهَرَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ يَظُنُّوْنَ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ نَزَلَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَيِ الْعَذَابُ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الْجِنْسَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ اَعْطَيْنَاهُ نِعْمَةً اِنْعَامًا مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ۭ مِنَ اللّٰهِ بِاَنِّيْ لَهٗ اَهْلٌ بَلْ هِيَ اَيِ الْقَوْلَةُ فِتْنَةٌ بَلِيَّةٌ يُبْتَلٰى بِهَا الْعَبْدُ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَنَّ التَّخْوِيْلَ اِسْتِدْرَاجٌ وَامْتِحَانٌ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْاُمَمِ كَقَارُوْنَ وَقَوْمِهِ الرَّاضِيْنَ بِهَا فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۭ اَيْ جَزَاؤُهَا ۭ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ اَيْ قُرَيْشٍ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾ بِفَائِتِيْنَ عَذَابَنَا فَقُحِطُوْا سَبْعَ سِنِيْنَ ثُمَّ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوَسِّعُهُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِمْتِحَانًا وَيَقْدِرُ ۭ يُضَيِّقُهُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِبْتِلَاءً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: .... سو اس شخص سے زیادہ کون بے انصاف ہوگا؟ (کوئی نہیں) جو اللہ پر (شریک اور اولاد کی نسبت کرتے ہوئے)

جھوٹ باندھے۔ سچی بات (قرآن) کو جب کہ اس کے پاس پہنچے جھٹلا دے۔ کیا دوزخ میں کافروں کا ٹھکانہ (رہنے کا مقام) نہ ہوگا؟ (ضرور ہوگا) اور جو شخص (پیغمبر ﷺ) سچی بات لے کر آیا اور لوگوں نے اس کو سچ جانا (اس سے مراد مومنین ہیں لہٰذا الـذی معنی میں الـذین کے ہے) یہی لوگ پرہیزگار ہیں (شرک سے بچنے والے) وہ جو کچھ چاہیں گے ان کے پروردگار کے پاس سب کچھ ہے۔ یہ صلہ ہے ان کے احسان کا (اپنی جانوں پر ایمان لاکر) تا کہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے برے کاموں کو دور کردے اور ان کے نیک کاموں کے عوض ان کو ان کا ثواب عطا کرے (لفظ اسوا ء اور احسن۔ برائی اور حسن کے معنی میں ہے) کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں ہے (یعنی پیغمبر ﷺ کے لئے ضرور کافی ہے) اور یہ لوگ آپ کو (آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے) ڈراتے ہیں ان سے جو خدا سے سوا ہیں (یعنی بت تمہیں مار ڈالیں گے یا پاگل بنا دیں گے) اور جس کو گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے اور جس کو وہ ہدایت دے دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہے۔ کیا خدا (اپنے کام میں) زبردست (دشمنوں سے) بدلہ لینے والا نہیں ہے (ضرور ہے) اور اگر آپ (لام قسمیہ ہے) ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ آپ کہئے کہ بھلا پھر یہ تو بتلاؤ کہ خدا کے علاوہ جن معبودوں (بتوں) کو تم پوجتے (بندگی کرتے) ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے۔ کیا یہ معبود اس کی دی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں (ہرگز نہیں) یا اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی عنایت کرنا چاہے۔ کیا یہ معبود اس کی عنایت کو روک سکتے ہیں (ہرگز نہیں۔ ایک قراءت میں دونوں جگہ کاشفات اور ممسکات اضافت کے ساتھ ہیں) آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے برادران وطن! تم اپنی حالت (طریقہ) پر عمل کرتے رہو میں بھی (اپنی حالت پر) عمل پیرا ہوں۔ سو اب جلد ہی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے (مـن موصولہ علم کا مفعول ہے) جس پر ایسا عذاب آیا چاہتا ہے جو اس کو رسوا کردے گا اور اس پر دائمی عذاب نازل ہوگا (دوزخ کا عذاب۔ رہا رسوا کرنا سو وہ غزوۂ بدر میں ہو چکا ہے) ہم نے آپ پر یہ کتاب لوگوں کے لئے اتاری جو حق کو لئے ہوئے ہے (بـالـحـق انـزل کے متعلق ہے) سو جو شخص راہ راست پر آئے گا۔ سو (اس کا ہدایت پر آنا) اپنے نفس کے لئے ہے اور جو شخص بہکے گا تو اس کا بہکنا خود اسی پر ہوگا۔ اور آپ ان پر مسلط نہیں کئے گئے (کہ آپ ان کو راہ راست پر آنے کے لئے مجبور کر سکیں) اللہ ہی قبض کرتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور (قبض کرتا ہے) ان جانوں کو بھی جن کی موت نہیں آتی سونے کی حالت میں (یعنی سوتے وقت ان کو بھی قبض کرتا ہے) پھر ان جانوں کو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا اور باقی جانوں کو ایک مقررہ میعاد تک کے لئے رہا کر دیتا ہے (یعنی اس کی موت تک اور رہا شدہ تمیزی ہے جس کے بغیر بھی روح زندگی برقرار رہتی ہے برخلاف اس کی برعکس صورت کے) اس میں (جو بات ذکر ہوئی) نشانیاں (دلائل) ہیں ان لوگوں کے لئے جو سوچنے کے عادی ہیں (تا کہ انہیں پتہ لگ جائے کہ جو ذات اس نظم پر قادر ہے اسے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے اور قریش اس کو نہیں سوچتے تھے) ہاں کیا (ام بل کے معنی میں ہے) ان لوگوں نے خدا کے علاوہ دوسروں کو (بتوں کو معبود) قرار دے رکھا ہے۔ جو سفارش کریں گے (اللہ کے ہاں ان کے گمان کے مطابق) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ کیا (سفارش کریں گے) اگرچہ کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں (سفارش وغیرہ کی) اور کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں (کہ تم ان کی پوجا کرتے ہو اور نہ دیگر باتوں کی) آپ کہہ دیجئے کہ سفارش تمام تر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے (یعنی وہ اس کا خصوصی اختیار ہے۔ کوئی اس کی بلا اجازت سفارش نہیں کر سکے گا۔ تمام آسمان وزمین کی سلطنت اسی کی ہے۔ پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ اور جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (ان کے معبودوں کے بغیر) تو منقبض ہو جاتے ہیں (نفرت اور اعراض کرنے لگتے ہیں) ان لوگوں کے دل جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور جب اللہ کے علاوہ اوروں (بتوں) کا ذکر آتا ہے تو ایک دم وہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔ آپ کہئے کہ اے اللہ! (الـلھم بمعنی اے اللہ) آسمان وزمین کے پیدا (ایجاد) کرنے والے باطن اور ظاہر کے جاننے والے (جو نگاہوں سے اوجھل اور

آنکھوں کے سامنے ہو) آپ ہی اپنے بندوں کے درمیان ان باتوں میں فیصلہ فرمادیں گے جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے (مذہبی معاملہ میں آپ ان کے اختلافات میں مجھے حق کی طرف ہدایت فرمائیے) اور اگر ظلم کرنے والوں کے پاس دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اور ان چیزوں کے ساتھ اتنی ہی چیزیں اور بھی ہوں۔ تو وہ لوگ قیامت کے دن سخت عذاب سے چھوٹ جانے کے لئے دینے دلانے لگیں اور اللہ کی طرف سے ان کو وہ معاملہ پیش آئے گا جس کا ان کو گمان (خیال) بھی نہ تھا۔ اور ان کو تمام اپنے برے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور جس چیز (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھی۔ وہ ان کو آگھیرے گا۔ پھر جس وقت آدمی (انسان) کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے پھر جب اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت (انعام) عنایت (عطا) فرمادیتے ہیں۔ تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو مجھ کو تدبیر سے ملی ہے (یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ میں اس کا اہل تھا) بلکہ یہ (بول) ایک آزمائش ہے (جس میں بندہ مبتلا ہوتا ہے) لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں (کہ یہ بخشش ایک طرح کی ڈھیل اور امتحان ہوا کرتا ہے) یہ بات تو ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں (پچھلے لوگ جیسے قارون اور اس کے ہم خیال وافراد) سو ان کی کارروائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔ پھر ان کی تمام بداعمالیاں (یعنی ان کی سزائیں) ان پر آپڑیں اور ان میں بھی جو ظالم ہیں (یعنی قریشی) ان پر بھی ان کی بداعمالیاں ابھی پڑنے والی ہیں اور یہ بچ نہیں سکتے (ہمارے عذاب سے چھوٹ نہیں سکتے۔ چنانچہ قریش سات سال قحط میں مبتلا رہے پھر نجات ملی) کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے (بطور امتحان) اس کو زیادہ (کشادہ) رزق دے دیتا ہے اور وہی تنگی کر دیتا ہے (جسے چاہتا ہے آزمائشی طور سے روزی تنگ کر دیتا ہے) اور اس میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **بالصدق.** مبالغۃً قرآن کو صدق کہنا" **زید عدل**" کی طرح ہے۔

بلیٰ. حدیث ابوداؤد میں ہے۔ **من قرء الیس اللہ باحکم الحاکمین فلیقل بلیٰ ومن قرء الیس ذٰلک بقادر علی ان یحی الموتیٰ فلیقل بلیٰ** اسی لئے ایسے مواقع میں بلی کہنا مسنون ہے اور شوافع کے نزدیک تو نماز میں بھی کہنا چاہئے۔

الذی جاء مفسرؒ نے جاء اور صدق کا فاعل الگ الگ قرار دیا ہے۔ لیکن دونوں کا فاعل ایک بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ تغائر کی صورت میں **بالذی** کا اضمار لازم آئے گا جو جائز نہیں ہے اور یا اضمار قبل الذکر لازم آئیگا۔ جو کہ غیر مناسب ہے۔ **الذی** بمعنی **الذین** لے کر مفسرؒ نے اس کے عموم کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جیسا کہ بقول بعض **اولئک ھم المتقون** میں ضمیر جمع بھی عموم پر دلالت کر رہی ہے۔

جزاء المحسنین. معلوم ہوا کہ بھلائی برائی کا نفع نقصان انسان ہی کو ہوتا ہے اللہ کو نہیں۔

تخبلہ. قاموس میں ہے۔ **خبلہ افسد عقلہ او عضوہ.**

ذی انتقام. اس میں قریش کے لئے وعید اور مسلمانوں کے لئے وعدہ ہے۔

کاشفات. ابوعمروؒ کے علاوہ اور قراء نے دونوں لفظوں کو تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ مفسرؒ نے اسی قرأت کو لیا ہے۔

بوکیل. اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ اپنی حدود سے زیادہ بوجھ نہ اٹھائیے۔ نہ ہدایت وگمراہی آپ کے قبضہ میں ہے اور نہ جبر واکراہ آپ کے حدود میں۔

اللہ یتوفی الانفس. اس میں اختلاف ہے کہ انسان میں ایک ہی روح ہوتی ہے اور تعدد بلحاظ اوصاف ہوتا ہے۔ چنانچہ تحقیقی بات یہی ہے۔ یا دو روحیں ہوتی ہیں۔ ایک روح منامی کہ اس کے نکلنے پر انسان سو جاتا ہے اور واپس آنے پر جاگ جاتا ہے۔ اور دوسری روح حیاتی کہ اس کی موجودگی میں انسان زندہ رہتا ہے۔ سوتا جاگتا ہے۔ لیکن نکلنے پر مر جاتا ہے اور پھر تمیز واحساس سب ختم ہو جاتے ہیں۔

او لو کانوا. مفسرؒ نے ہمزہ کا مدخول یشفعون محذوف قرار دیا ہے۔

واذاذکر ۔یہ اذا شرطیہ ہے اوراذا هم میں اذا مفاجاتیہ ہے۔اس میں عامل معنی مفاجات ہیں۔ای فار حبوا وقت الذکر وقت الا ستبشار. اورظرفین کا تعلق ایک عامل سے ضروری نہیں ہے۔کیونکہ دوسرا اذا ظرفیت کی وجہ سے منصوب نہیں بلکہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ہے۔گویا اذا مفاجاتیہ ہے معنی مفاجات عامل ہیں اور اذا شرطیہ میں جواب عامل ہے۔کیونکہ اس صورت میں اذا شرطیہ کا عامل فعل نہیں ہوسکتا۔اس لئے کہ وہ اذا مفاجاتیہ کے مضاف الیہ کے درجہ میں ہوجائے گا۔پھر مضاف میں یا اس کے پہلے کیسے عمل کرسکتا ہے۔اس لئے دونوں میں معنی مفاجات کو عامل ماننا پڑے گا۔لیکن اگر معنی شرط کو عامل مانا جائے۔جیسا کہ بعض کی رائے ہے اور علامہ رضیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔تو پھر اذا معنی شرط کو متضمن ہوجائے گا۔اور اذا مفاجاتیہ میں مفاجات کو عامل ماننا یہ صرف علامہ زمخشریؒ کی رائے تھی۔جس میں علامہ ابن حاجبؒ نے ان کا اتباع کیا ہے۔لیکن ابن ہشامؒ اور ابوحیانؒ نے اس کو نہیں مانا۔علامہ رضیؒ بھی اس پر راضی نہیں ہیں۔کیونکہ اس صورت میں اذا کو مفعولیت سے خارج کرنا پڑے گا۔بلکہ ان حضرات نے اس میں خبر کو عامل مانا ہے خواہ خبر مذکور ہو یا مقدر۔

یہ تفصیل تو اذا کو ظرف مکان یا زمان ماننے کی صورت میں تھی۔لیکن اذا کو حرف ماننے کی صورت میں پھر عامل کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ہاں اذا ظرف مکان ماننے کی صورت میں جیسا کہ مبردؒ کی رائے ہے، یہ خبر ہوجائے گا۔کائن سے متعلق ہوکر بعد کے مبتداء کی۔اور ظروف عامہ کے متعلقات کے مشابہ ہوجائے گا۔خرجت فاذا السبع کی تقدیر خرجت فبا لمکان السبع ہوگی۔

اسی طرح اذا کو ظرف مکان ماننے کی صورت میں جیسا کہ زجاجؒ کی رائے ہے کہا جائے گا کہ اذا السبع میں اذا مابعد کی خبر ہوگا۔بتقدیر مضاف ای فاذا حصول السبع فی ذلک الوقت اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ خبر محذوف ہو اور اذا اس کا ظرف ہو۔مگر غیر قائم مقام ای ففی ذلک الوقت السبع بالباب. البتہ اگر خبر مذکور ہوگی جیسا کہ یہاں ہے تو پھر اذا میں وہی عامل ہوگی۔

یستبشرون. مومن تو اللہ کے ذکر سے خوش اور اس کے چھوٹنے سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔لیکن کفار ومشرکین کا حال برعکس ہے۔

اللهم. اس کی اصل یا اللہ ہے یا حذف کرکے اس کے عوض میم لایا گیا۔قرب حروف علت کی وجہ سے اور مشدد کردیا گیا تاکہ دونوں حرفوں کا عوض ہوجائے۔اسی لئے عوض اور معوض عنہ دونوں کو جمع کرکے یااللهم نہیں کہا جائے گا۔

اهدنی ۔یہی مقصود بالدعاء ہے۔

یستهزء ون. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ مضاف محذوف مان کر جزاء لهزئهم کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

خولناه نعمة. مفسرؒ نے انعام نکال کر تذکیر ضمیر کی توجیہ کردی ہے جو آگے انما اوتیته میں آرہی ہے۔لیکن یہ توجیہ ما کافہ کہنے کی صورت میں ہے اور ما موصولہ ہو تو پھر ضمیر اوتیته ما کی طرف راجع ہوگی اور ما کافہ زائد ہوتا ہے جو حروف نواسخ کے بعد آتا ہے جو افعال پر داخل ہوتے ہیں۔

بل هی. مفسرؒ نے اس کا مرجع قول کو قرار دیا ہے۔لیکن زمخشریؒ نعمة کی طرف راجع کرتے ہیں اور تانیث باعتبار خبر یا لفظ نعمت کے ہوگی۔تانیث خبر کی مثال جیسے ماجاء تک حاجتک.

ماکسبوا. مفسرؒ نے تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔یا "جزاء السیئة سیئة" کے قبیل سے مشاکلت پر محمول کیا جائے۔

ربط آیات: .... پچھلی آیت میں اختصام کا ذکر تھا۔آیت فمن اظلم الخ میں اس کا نتیجہ بیان کیا جارہا ہے۔اسی طرح اوپر کی آیات میں توحید کو واضح اور شرک کو باطل کہا گیا تھا۔اس پر بت پرست چراغ پا ہوئے کہ آپ ان کی شان میں گستاخی اور بے ادبی نہ

کیجئے۔ ورنہ اس کے اد بار میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس پر آیات الیس الله بکاف میں آپ کو تسلی دی جا رہی ہے۔

اس کے بعد آیت الله یتوفی الانفس سے توحید کا بیان ہے۔ اسی ذیل میں مشرکین کے عناد وتکبر کا ذکر ہوا۔ اس سے آپ دل گیر ہو سکتے ہیں۔ اس لئے پھر آیت قل اللھم میں آپ کو تسلی کے لئے دعا کی تعلیم ہے اور ان کی سزا کا شکر ہے اور چونکہ آیت "ام اتخذوا اور آیت اذا ذکر اللّٰہ" میں مشرکوں کے عناد کے ساتھ ذکر اللہ سے ان کی ناگواری اور بتوں کے ذکر سے ان کی خوشی کا ذکر بھی تھا۔ اس لئے آیت "فاذا مس الانسان الخ" سے بطور عکس ونکس مشرکین کی ایک حالت کو فاء تفریعیہ سے اور اس کی تمیم کے لئے پھر دوسری حالت کو بیان کر کے ان پر نتائج بد کا ثمرہ مرتب فرماتے ہیں۔

شانِ نزول: .... والذی جاء کے متعلق زجاجؒ حضرت علیؓ سے ناقل ہیں کہ اس سے مراد آنحضرت ﷺ اور "صدق به" سے مراد ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ صدق به سے مراد تمام مومنین ہیں۔

الله یتوفی الانفس کے ذیل میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ فی ابن ادم نفس و روح فالنفس هی التی بها العقل والتمییز والروح هی التی بها النفس والحرکة فاذا نام العبد قبض الله نفسه ولم یقبض روحه اور حضرت علیؓ سے منقول ہے۔ یخرج الروح عند النوم ویبقی شعاعه فی الجسدفاذا انتبه فی النوم عاد الروح إلی جسده باسرع من لحظة۔

نیز حاکمؒ اور طبرانیؒ نے حضرت علیؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ مامن عبدولاامرة بنام فیمتلی نوماً الا یعرج بروحه الی العرش فالذی لایستیقظ الاعنه العرش فتلک الرؤیا التی تصدق والذی یستیقظ دون العرش فتلک الرؤیا التی تکذب۔

طبرانی ابن عباسؓ سے ناقل ہیں۔ ان ارواح الاحیاء و ارواح الاموات تلتقی فی المنام فیتعارف منها ماشاء الله فیتساء لون بینهم فیمسک ارواح الموتی ویرسل ارواح الاحیاء ای اجسادها الی انقضاء مدة حیاتها۔

علی ہذا ابوالدرداء سے نقل ہے۔ اذا نام الانسان عرج بروحه حتی توتی بها الی العرش فمن کان منهم طاهرا اذن لها بالسجود وان کان جنبا لم یوذن لها فیه۔

﴿ تشریح ﴾: .... فمن اظلم الخ یعنی جس شخص نے اللہ کا شریک ٹھہرایا یا اس کے لئے اولاد مانی یا غلط سلط باتیں اس کی طرف منسوب کیں۔ یہ سب جھوٹ ہیں جو اللہ پر باندھے گئے ہیں۔ اسی طرح پیغمبر جو خدائی پیغامات پہنچاتا ہے اس کو سنتے ہی بلا سوچے سمجھے جھٹلانے لگا۔ بلاشبہ جو شخص سچائی کا اتنا دشمن ہو، اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے۔

اظلم کون ہے؟: .... لیکن بعض اکابر اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ نبی اگر خدا کا نام جھوٹ لے کر کچھ کہتا ہو تو اس سے برا کون ہے؟ اور اگر وہ تو سچا ہے مگر تم نے اسے جھٹلایا تو تم سے برا کون؟ پہلی صورت میں تو من کذب علی الله اور کذب بالصدق کا مصداق اسی طرح الذی جاء بالصدق وصدق به کا مصداق ایک ایک ہوا اور دوسری صورت میں دونوں کا مصداق الگ الگ ہوا۔

دوزخ میں اور جنت میں جانے کے مختلف اسباب: .... جہنم میں جانے کے لئے خدا پر جھوٹ بولنا اور سچائی کو جھٹلانا دونوں کا مجموعہ شرط نہیں ہے، بلکہ ہر ایک تنہا بھی سبب ہو سکتا ہے۔ اسی طرح نجات پانے کے لئے بھی سچ کی طرف بلانا اور سچ کو

مان لینا دونوں کا مجموعہ موقوف علیہ نہیں ہے بلکہ اول تو پچھلی آیت میں جن فریقین کے درمیان اختصام کا ذکر ہوا، ان میں دونوں طرف مجموعہ محقق تھا۔ دوسرے یہ کہ پہلی آیت میں برائی کی زیادتی اور دوسری آیت میں اچھائی میں زیادتی بیان کرنا مقصود ہے۔ خلاصہ یہ کہ دونوں جگہ یہ تخصیص توقف کی حد تک نہیں بلکہ واقعہ کے لحاظ سے ہے یا مذمت اور تعریف کی زیادتی کے لئے ہے۔

رفعِ تعارض:............ اظلمت کا ذکر آیات میں بھی متعدد جگہ آیا ہے۔ جیسے یہاں ہے۔ اسی طرح آیت **فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذباً** اور **ومن اظلم ممن ذکر بایات ربه** اور **ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ** وغیرہ میں۔ اسی طرح متعدد روایات میں بھی آیا ہے۔ لیکن اشکال یہ ہے کہ اظلم چونکہ اسم تفضیل ہے اور استفہام بمعنی نفی ہے ای **لااحد اظلم**۔ پس یہ خبر ہوئی جس کا مصداق ایک ہی فرد ہوسکتا ہے۔ پھر آخر وہ فرد کس کو قرار دیا جائے؟ اور چونکہ بقیہ سب افراد مفضل علیہ ہوں گے اس لئے ان کو پھر مفضل کس طرح بنایا جائے۔ کیونکہ اس سے ایک ہی چیز کا مفضل اور مفضل علیہ دونوں ہونا لازم آئے گا۔ جو تناقض ہے۔ اس کے کئی جواب ہیں۔

۱۔ ہر جگہ اظلمیت خاص اپنے صلہ کے لحاظ سے ہو۔ مثلاً: **لااحد من الکاذبین اظلم ممن کذب الخ** اسی طرح **لااحد من المفترین اظلم ممن افتری الخ** علیٰ ہذا **الاحد من الذاکرین اظلم ممن ذکر الخ** نیز **لااحد ممن اظلم ممن منع الخ** وغیرہ۔

۲۔ اظلمیت کی تخصیص بلحاظ سبقت ہو، یعنی سب سے پہلے ہونے کی وجہ سے بعد والوں پر یہ فائق ہے۔

۳۔ ابن حبانؒ اس توجیہ کو صواب کہتے ہیں کہ ان نصوص میں اظلمیت کی نفی کی جارہی ہے۔ اس سے ظالمیت کی نفی لازم نہیں آتی۔ کیونکہ مقید کی نفی سے مطلق کی نفی لازم نہیں آیا کرتی اور جب ظالمیت کی نفی نہ ہوئی تو تناقض بھی لازم نہیں آیا۔ کیونکہ اظلمیت میں برابری ثابت ہوئی اور جب برابری ہوگئی تو کوئی کسی سے بڑھا ہوا نہ رہا۔ بلکہ سب برابر ہوگئے۔ گویا اظلمیت انسان کی طرح کلی متواطی ہوگئی جو مساوی طور پر مکذب، مفتری، متذکر، مانع وغیرہ سب پر صادق آئے گی۔ اب نہ ان سب کی اظلمیت میں مساوات پر کوئی اشکال رہا اور نہ ایک کا دوسرے سے باہم اظلم ہونا لازم آیا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے **لااحد افقه ظلم منهم**۔ حاصل یہ کہ تفضیل کی نفی سے مساوات کی نفی نہیں ہوتی۔

۴۔ بعض متاخرین کی رائے یہ ہے کہ اس استفہام کا مقصد ہول دلانا اور ہیبت ناک بتلانا ہے۔ حقیقۃً اظلمیت کا نہ اثبات مقصود ہے اور نہ نفی۔

۵۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسم تفضیل بمعنی اسم فاعل ہے۔

مخالفین کی گیدڑ بھبکیاں:............ **لهم مایشاء ون** کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نیکوکاروں کو بہتر بدلہ دے گا اور غلطی سے جو برا کام سرزد ہوگیا اس کو معاف فرمادے گا۔ ممکن ہے **اسوء** اور **احسن** میں تفضیل کے صیغے اس لئے اختیار کئے ہوں کہ بڑوں کی بھلائی بھی بڑی ہوتی ہے اور برائی بھی بڑی۔

الیس اللہ بکاف۔ میں کفار کے جھوٹے معبودوں کی طرف سے آپ پر کسی گزند کے خطرہ کا جواب ہے کہ جو ایک زبردست خدا کا بندہ بن چکا ہوا سے ان عاجز اور بے بس خداؤں کی پکڑ کا کیا کھٹکا ہوسکتا ہے۔ یہ بھی مشرکین کا خبط اور پاگل پن ہے کہ خدائے واحد کے پرستار کو اس طرح کی گیدڑ بھبکیوں سے خوفزدہ کرنا چاہ رہے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کو اس کی بدتمیزی پر اللہ تعالیٰ کامیابی کا راستہ نہ دے وہ اسی طرح خبطی اور پاگل ہوجاتا ہے کہ موٹی موٹی باتوں کے سمجھنے کی بھی اس میں صلاحیت نہیں رہ جاتی۔ بھلا جو خدا کی پناہ میں آ گیا، کون سی طاقت ہے جو اس کا بال بیکا کرسکے۔ جو طاقت ٹکرائے گی پاش پاش کردی جائے گی۔ خدا کی غیرت

اپنے وفاداروں کا بدلہ لئے بدوں نہ چھوڑے گی۔

پتھر کی بے جان مورتیاں کیا پرستش کے لائق ہیں: .... ولئن سالتهم . ایک طرف تو خود تمہارے اقرار کے موافق تمام زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا خدا ہے اور دوسری طرف پتھر کی بے جان مورتیاں یا عاجز مخلوق جو سب مل کر بھی خدا کی بھیجی ہوئی ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف وراحت کو نہ ہٹا سکیں۔ تم ہی بتاؤ دونوں میں سے کس پر بھروسہ کیا جائے اور کس کو اپنی مدد کے لئے کافی سمجھا جائے۔ عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ خدائے واحد کا بندہ غالب آتا ہے یا ہزاروں دروازوں کے بھکاری کامیاب ہوتے ہیں۔ واقعات جلد بتلا دیں گے کہ جو بندہ اللہ کی حمایت اور پناہ میں آ گیا اس کا مقابلہ کرنے والا آخر کار ذلیل وخوار ہوا۔

انما انزلنا الخ کا حاصل یہ ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ آپ کی زبانی سچی بات سنادی گئی ہے اور دین کا راستہ ٹھیک ٹھیک بتلا دیا گیا ہے۔ آگے ہر ایک اپنا نفع نقصان سوچ لے، نصیحت پر چلے گا تو اسی کا بھلا ہے ورنہ اپنا ہی انجام خراب کرے گا۔ آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ صرف پیغام حق پہنچا دینا آپ کا فرض تھا۔ آپ نے ادا کر دیا، آگے معاملہ خدا کے سپرد کیجئے۔ جس کے ہاتھ میں مارنا، جلانا، ہنسانا، رلانا، سلانا، جگانا سب کچھ ہے۔

نینداور موت کی حالت میں جان کا نکل جانا: .... الله یتوفی الانفس . ایک جان وہ ہوتی ہے جسے ظاہری ہوش کہتے ہیں اور ایک جان وہ ہے جس سے سانس چلتی ہے اور نبضیں اچھلتی ہیں اور کھانا ہضم ہوتا ہے۔ پہلی جان ہر روز نیند میں کھنچ جاتی ہے، پھر جاگنے پر واپس بھیج دی جاتی ہے۔ یہی نشان ہے آخرت کا۔ معلوم ہوا کہ نیند میں جو جان کھینچی ہے وہی اگر کھنچی رہ جائے تو موت ہے اور دوسری جان موت سے پہلے نہیں کھنچتی۔ علامہ بغویؒ نے حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے۔ لیکن شعاع کے ذریعہ اس کا مخصوص تعلق بدن سے ایسے ہی رہتا ہے جیسے سورج لاکھوں میل سے شعاعوں کے ذریعہ زمین کو گرم رکھتا ہے۔ اس سے زندگی ختم نہیں ہوجاتی، لیکن موت کے وقت روح جب نکلتی ہے تو بدن سے بالکلیہ تعلق ختم ہوجاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ دونوں حالتوں میں روح ایک ہی ہے مگر اس کے نکلنے کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ کے یہاں سفارشی کون اور کس کے ہوں گے: .... ام اتخذوا . بتوں کی نسبت مشرکین کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں ان کے سفارشی ہیں۔ انہی کی سفارش سے کام لیتے ہیں۔ اسی لئے ان کی پوجا اور بھینٹ کی جاتی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ بالفرض وہ شفیع بھی ہوں تو اس سے ان کی عبادت کا جواز کہاں سے نکل آیا۔ دوسرے شفیع بننے کے لئے بھی اللہ کی اجازت درکار ہے۔ تیسرے اسی کے حق میں وہ سفارش ہوسکتی ہے جس کے لئے منظوری ہو اور یہاں نہ اجازت ہے اور نہ منظوری۔ پھر یہ ہوائی قلعہ بندی کیسی؟ اور پھر جب آخری بات اللہ ہی پر جارکتی ہے تو براہ راست کیوں نہ اسی کا دروازہ کھٹکایا جائے۔ ان بے بنیاد جھمیلوں میں کیوں پڑا جائے اور اسی پر بھی تو نظر کی جائے کہ بتوں کو نہ کوئی اختیار ہے اور نہ سمجھ۔ پھر ان کو شفیع ماننا کیا تماشا ہے؟ ادھر اللہ کی شان یہ ہے کہ یہ ساری کائنات اس وقت بھی اس کے زیر نگین ہے اور آخر بھی سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اس کی اجازت ورضا کے بغیر کسی کی کیا مجال کہ زبان ہلا سکے۔

صرف اللہ کے ذکر سے مخالفین خوش نہیں ہوتے: .... آیت واذا ذکر الله . میں کفار کی اس خصلت اور فطرت کا بیان ہے کہ اگرچہ بعض وقت ان کی زبان پر اللہ کا نام آجاتا ہے مگر ان کا دل اکیلے خدا کے ذکر سے خوش نہیں ہوتا۔ ہاں ان کے دیوتاؤں

کی تعریف کردی جائے تو مارے خوشی کے اچھلنے لگتے ہیں اور چہروں پر خوشی کے آثار محسوس ہونے لگتے ہیں۔ پس جب ایسی موٹی باتوں میں بھی جھگڑے ہونے لگے اور اللہ کا اتنا وقار بھی دلوں میں نہ رہا تو دعا کیجئے کہ اے اللہ! اب آپ ہی سے فریاد ہے۔ آپ ہی ان جھگڑوں کا عملی فیصلہ فرمائیے گا۔ قیامت کے دن جب ان اختلافات کا فیصلہ سنایا جائے گا تو اس وقت ان ظالموں کا سخت برا حال ہوگا جو اللہ کی شان گھٹایا کرتے تھے۔ اس روز روئے زمین کے خزانے بھی ان کے پاس ہوں تو چاہیں گے کہ سب دے دلا کر کسی طرح اپنا پیچھا چھڑالیں جو بدمعاشیاں دنیا میں کی تھیں، سب ایک ایک کر کے ان کی سامنے ہوں گی اور ایسے ہولناک قسم کے عذابوں کا مزہ چکھیں گے جو کبھی ان کے وہم وگمان میں بھی نہ گزرے تھے۔ غرض جس توحید خالص اور دین حق کا ٹھٹھا کیا کرتے تھے اس کا وبال ان پر پڑ کر رہے گا اور جس عذاب کا مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان پر الٹ پڑے گا۔

اور مصیبت کے وقت خدا یاد آتا ہے: .... آیت فاذا مس الانسان میں ناہنجاروں کی اس خصلت کا ذکر ہے کہ جب ان پر کوئی آفت آتی ہے تو اس وقت انہیں وہی خدا یاد آتا ہے جس کے ذکر سے بھی انہیں انقباض ہوا کرتا تھا اور جن دیوتاؤں کے ذکر سے خوش ہوا کرتے تھے۔ انہیں یک لخت بھول جاتے ہیں۔ لیکن جب انہیں کوئی نعمت یا راحت پہنچتی ہے تو پھر ان کی نظر اپنی لیاقت پر جاتی ہے۔

جب تک اللہ کا فضل نہ ہو کسی کی لیاقت پر کچھ کام نہیں آتی: .... مگر اللہ کے فضل وکرم پر دھیان نہیں جاتا۔ ایسے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ چونکہ ہم میں لیاقت ہے اور حصول ذرائع کا ہمیں علم ہے اور خدا کو ہماری صلاحیت معلوم ہے اس لئے یہ نعمت ہمیں ہی ملنی چاہئے تھی۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ نعمت دراصل خدا کی طرف سے ایک آزمائش ہے کہ بندہ اسے لے کر کہاں تک منعم حقیقی کو پہچانتا ہے اور اس کا ذکر گزار ہوتا ہے اگر ناشکری کی گئی تو یہ نعمت وبال بھی ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ پہلے مجرمین پر ان کی شرارتوں کا وبال پڑا۔ موجودہ شریروں پر بھی پڑنے والا ہے۔ یہ کسی تدبیر سے اللہ کو ہرا نہیں سکتے اور دنیا میں کسی کا دولت مند یا تنگدست ہو جانا ہرگز کسی کے مقبول یا مردود ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ روزی کا ملنا کچھ عقل وذہانت اور علم ولیاقت پر منحصر نہیں ہے۔

دیکھ لو کتنے بے وقوف یا بدمعاش چین اڑا رہے ہیں اور کتنے عقلمند اور نیک، فاقہ کشی کرتے ہیں۔ یہ تو رزق کے نظام تقسیم کی حکمت ومصلحت کے ماتحت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دو آدمیوں کے پاس ایک ہی سا سرمایہ اور ایک ہی سلیقہ، تدبیر و تجربہ ہوتا ہے۔ پھر ایک پر فراخی اور دوسرے پر تنگی رہتی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ وجہ فرق یہ ہے کہ ایک کی تدبیر بن آئی تو وہ کامیاب ہوگیا اور دوسرے کی بن نہیں پڑی اس لئے وہ ناکام ہوگیا تو یہ بھی غلط ہے، کیونکہ اگر وہ بن پڑنا دوسرے کے اختیار میں تھا تو اس نے کیوں نہیں اختیار کیا اور اگر اختیار میں نہیں ہے تو پھر ہمارا مدعا ثابت ہوگیا کہ انسان کی فارغ البالی اور تنگ حالی اختیاری نہیں ہے کیونکہ جب اس کی بنیاد اختیاری نہیں تو اس کی فروع بھی اختیاری نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ نظام روزگار میں فاعل مختار کی مشیت کارفرما ہے۔

لطائف سلوک: .... آیت فمن اظلم الخ کے عام الفاظ سے یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ جھوٹی ولایت کا دعویٰ کرتے ہیں، شریعت کو محض چھلکا سمجھ کر پس پشت ڈال دیتے ہیں وہ بھی اسی مفہوم میں داخل ہیں۔

آیت واذا ذکر اللّٰہ۔ اسی کے مشابہ جہلائے متصوفین کی یہ حالت بھی ہے کہ خدائے واحد کی قدرت وعظمت اور اس کی صفات کے لامحدود ہونے کا بیان ہو تو ان کے چہروں پر انقباض کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ مگر کسی پیر فقیر کا ذکر آجائے اور اس کی

جھوٹی کرامات اناپ شناپ بیان کردی جائیں تو چہرے کھل پڑتے ہیں اور دلوں میں جذبات مسرت موجزن ہوجاتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات خالص توحید کا بیان کرنے والا ان کے نزدیک منکر اولیاء سمجھا جاتا ہے۔

آیت وبـدالھـم سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہورہی ہے جو اعمال ومجاہدات کے مقابلہ میں کشف کو مقصود سمجھتے ہیں۔ کشف اگر کمال ہوتا تو کفار کو کیوں حاصل ہوتا۔

آیت ثـم اذا خـولناہ میں ایسے لوگوں کی برائی معلوم ہورہی ہے جو ثمرات طریق کو انعام خداوندی سمجھنے کی بجائے محض اپنے عمل ومجاہدہ کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا بِكَسْرِ النُّوْنِ وَفَتْحِهَا وَقُرِئَ بِضَمِّهَا تَيْأَسُوْا **مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا** لِمَنْ تَابَ مِنَ الشِّرْكِ اَیْ **اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ** ﴿۵۳﴾ **وَاَنِيْبُوْٓا** اِرْجِعُوْا **اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا** اَخْلِصُوا الْعَمَلَ **لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَاتُنْصَرُوْنَ** ﴿۵۴﴾ بِمَنْعِهٖ اِنْ لَمْ تَتُوْبُوْا **وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ** هُوَ الْقُرْاٰنُ **مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَاتَشْعُرُوْنَ** ﴿۵۵﴾ قَبْلَ اِتْيَانِهٖ بِوَقْتِهٖ فَبَادِرُوْا اِلَيْهِ قَبْلَ **اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى** اَصْلُهٗ يَاحَسْرَتِیْ اَیْ نَدَامَتِیْ **عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ** اَیْ طَاعَتِهٖ **وَاِنْ** مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ اَیْ وَاِنِّیْ **كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ** ﴿۵۶﴾ بِدِيْنِهٖ وَكِتَابِهٖ **اَوْتَقُوْلَ لَوْاَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ** بِالطَّاعَةِ اَیْ فَاهْتَدَيْتُ **لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ** ﴿۵۷﴾ عَذَابَهٗ **اَوْتَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْاَنَّ لِيْ كَرَّةً** رَجْعَةً اِلَى الدُّنْيَا **فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ** ﴿۵۸﴾ اَلْمُؤْمِنِيْنَ فَيُقَالُ لَهٗ مِنْ قِبَلِ اللّٰهِ **بَلٰى قَدْجَاۗءَتْكَ اٰيٰتِيْ** اَلْقُرْاٰنُ وَهُوَ سَبَبُ الْهِدَايَةِ **فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ** تَكَبَّرْتَ عَنِ الْاِيْمَانِ بِهَا **وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ** ﴿۵۹﴾ **وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ** بِنِسْبَةِ الشَّرِيْكِ وَالْوَلَدِ اِلَيْهِ **وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى** مَاْوًی **لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ** ﴿۶۰﴾ عَنِ الْاِيْمَانِ بَلٰی **وَيُنَجِّي اللّٰهُ** مِنْ جَهَنَّمَ **الَّذِيْنَ اتَّقَوْا** الشِّرْكَ **بِمَفَازَتِهِمْ** اَیْ بِمَكَانِ فَوْزِهِمْ مِنَ الْجَنَّةِ بِاَنْ يُّجْعَلُوْا فِيْهِ **لَايَمَسُّهُمُ السُّوْۗءُ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ** ﴿۶۱﴾ **اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَعَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ** ﴿۶۲﴾ مُتَصَرِّفٌ فِيْهِ كَيْفَ يَشَاءُ **لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** ۭ اَیْ مَفَاتِيْحُ خَزَائِنِهِمَا مِنَ الْمَطَرِ وَالنَّبَاتِ وَغَيْرِهِمَا **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** اَلْقُرْاٰنِ **اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ** ﴿۶۳﴾ مُتَّصِلٌ بِقَوْلِهٖ وَيُنَجِّی اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا الخ وَمَابَيْنَهُمَا اِعْتِرَاضٌ **قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْۗنِّىْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ** ﴿۶۴﴾ غَيْرَ مَنْصُوْبٌ بِاَعْبُدُ الْمَعْمُوْلِ لِتَاْمُرُوْنِّیْ بِتَقْدِيْرِ اَنْ بِنُوْنٍ وَاحِدَةٍ وَبِنُوْنَيْنِ وَاِدْغَامٍ وَفَكٍّ **وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ** ۚ وَاللّٰهِ **لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ** يَامُحَمَّدُ فَرْضًا **لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ** ﴿۶۵﴾ **بَلِ اللّٰهَ** وَحْدَهٗ

فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٦﴾ اِنْعَامَهٗ عَلَيْكَ وَمَاقَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ مَاعَرَفُوْهُ حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ اَوْمَاعَظَّمُوْهُ حَقَّ عَظْمَتِهٖ حِيْنَ اَشْرَكُوْا بِهٖ غَيْرَهٗ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا حَالٌ اَيْ السَّبْعُ قَبْضَتُهٗ اَيْ مَقْبُوْضَةٌ لَهٗ فِيْ مِلْكِهٖ وَتَصَرُّفِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ مَجْمُوْعَاتٌ بِيَمِيْنِهٖ بِقُدْرَتِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٧﴾ مَعَهٗ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ النَّفْخَةُ الْاُوْلٰى فَصَعِقَ مَاتَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الْحُوْرِ وَالْوِلْدَانِ وَغَيْرِهِمَا ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ اَيْ جَمِيْعُ الْخَلَائِقِ الْمَوْتٰى قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿٦٨﴾ يَنْتَظِرُوْنَ مَايُفْعَلُ بِهِمْ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ اَضَاءَتْ بِنُوْرِ رَبِّهَا حِيْنَ يَتَجَلّٰى لِفَصْلِ الْقَضَاءِ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ كِتَابُ الْاَعْمَالِ لِلْحِسَابِ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ اَيْ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُمَّتِهٖ يَشْهَدُوْنَ الْمُرْسَلَ بِالْبَلَاغِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ اَيْ الْعَدْلِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٩﴾ شَيْئًا وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ اَيْ جَزَاؤُهٗ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٠﴾ فَلَايَحْتَاجُ اِلٰى شَاهِدٍ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا بِعُنُفٍ اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا جَمَاعَاتٍ مُتَفَرِّقَةٍ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا جَوَابُ اِذَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ الْقُرْاٰنَ وَغَيْرَهٗ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ اَيْ لَاَمْلَاَنَّ جَهَنَّمَ الْاٰيَةَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧١﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ مُقَدَّرِيْنَ الْخُلُوْدَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى مَاوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٧٢﴾ جَهَنَّمَ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ بِلُطْفٍ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا اَلْوَاوُ فِيْهِ لِلْحَالِ بِتَقْدِيْرِ قَدْ وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ حَالًا فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿٧٣﴾ مُقَدَّرِيْنَ الْخُلُوْدَ فِيْهَا وَجَوَابُ اِذَا مُقَدَّرٌ اَيْ دَخَلُوْهَا وَسَوْقُهُمْ وَفَتْحُ الْاَبْوَابِ قَبْلَ مَجِيْئِهِمْ تَكْرِمَةٌ لَهُمْ وَسَوْقُ الْكُفَّارِ وَفَتْحُ اَبْوَابِ جَهَنَّمَ عِنْدَ مَجِيْئِهِمْ لِيَبْقٰى حَرُّهَا اِلَيْهِمْ اِهَانَةٌ لَهُمْ وَقَالُوْا عَطْفٌ عَلٰى دَخَلُوْهَا الْمُقَدَّرِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ بِالْجَنَّةِ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ اَيْ اَرْضَ الْجَنَّةِ نَتَبَوَّاُ نُنْزِلُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ لِاَنَّهَا كُلُّهَا لَايُخْتَارُ فِيْهَا مَكَانٌ عَلٰى مَكَانٍ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿٧٤﴾ اَلْجَنَّةُ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ حَالٌ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ مِنْهُ يُسَبِّحُوْنَ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ حَافِّيْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ مُلَابِسِيْنَ لِلْحَمْدِ اَيْ يَقُوْلُوْنَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بَيْنَ جَمِيْعِ الْخَلَائِقِ بِالْحَقِّ اَيْ الْعَدْلِ فَيَدْخُلُ الْمُؤْمِنُوْنَ الْجَنَّةَ وَالْكَافِرُوْنَ النَّارَ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٥﴾ خُتِمَ اِسْتِقْرَارُ الْفَرِيْقَيْنِ بِالْحَمْدِ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ

ترجمہ:.............آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں ناامید نہ ہوں (لاتقنطوا کسرۂ نون

اور فتحہ نون کے ساتھ ہے اور ایک قرأت میں ضمہ نون بھی ہے یعنی مایوس نہ ہو) اللہ کی رحمت سے۔ یقین ہے کہ اللہ سب گناہوں کو معاف کردے گا (شرک سے تائب ہوجانے والے کے) واقعی وہ بڑا بخشنے والا، بڑی رحمت والا ہے۔ تم رجوع ہوجاؤ (جھک جاؤ) اپنے پروردگار کی طرف اور اس کی فرمانبرداری کرو (عمل میں خلوص پیدا کرو) اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آنے لگے۔ پھر تمہاری مدد نہ کی جائے (عذاب موقوف کرنے کے لئے اگر تم نے توبہ نہ کی) اور تم پیروی کرو (ان اچھے اچھے کاموں کی جو تمہارے رب کی طرف سے آئے (یعنی قرآن) اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے اور تمہیں خیال بھی نہ ہو (ہروقت اس کے آنے سے پہلے۔ لہذا اللہ کی طرف لپکو) اس سے پہلے کہ کوئی کہنے لگے کہ افسوس (یاحسرتی کی اصل یا حسرتی ہے یعنی میری شرمندگی) اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کی جناب (اطاعت) میں کی اور میں تو (ان مخففہ ہے یعنی انی تھا) ہنستا ہی رہا (دین اور قرآن پر) یا کوئی یوں کہنے لگے کہ اللہ اگر مجھے ہدایت دیتا (اپنی فرمانبرداری کی، یعنی میں ضرور ہدایت پالیتا) تو میں بھی (عذاب سے) ڈرنے والوں میں ہوتا۔ یا کوئی عذاب دیکھ کر یوں کہنے لگے کہ کاش میرا لوٹنا ہوجائے (دنیا میں واپسی) تو پھر میں نیک بندوں میں ہوجاؤں گا (مومن۔ چنانچہ منجانب اللہ اسے حکم ہوگا) ہاں بے شک تیرے پاس میری آیتیں پہنچی تھیں (قرآن آیا جو ہدایت کا ذریعہ تھا) مگر تو نے ان کو جھٹلایا اور (ایمان لانے سے) غرور دکھلایا اور کافروں میں شامل رہا اور آپ قیامت کے دن جنہوں نے خدا پر جھوٹ بولا تھا (شریک اور اولاد کی نسبت اس کی طرف کرکے) چہرے سیاہ دیکھیں گے۔ کیا ان کا ٹھکانہ (رہنے کا مقام) دوزخ میں نہیں جنہوں نے (ایمان لانے سے) تکبر کیا (بلاشبہ ضرور ہے) اور جو لوگ (شرک سے) بچتے رہے اللہ انہیں (دوزخ سے) نجات عطا فرمائے گا کامیابی کے ساتھ (یعنی کامیابی کی جگہ جنت انہیں عطا کرے گا) نہ ان کو تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے (جو چاہے تصرف کرے) اسی کے بس میں ہیں کنجیاں آسمان وزمین کی (یعنی بارش۔ پیداوار وغیرہ کے اسباب وذرائع) اور جو لوگ اللہ کی آیتوں (قرآن) کو نہیں مانتے وہ بڑے خسارے میں رہیں گے (یہ مقابل ہے وینجی الذین اتقو الخ کے اور ان کے درمیان میں جملہ معترضہ ہے) آپ کہہ دیجئے کہ اے نادانو! کیا پھر بھی تم مجھ سے غیر اللہ کی عبادت کرنے کی فرمائش کرتے ہو (لفظ غیر۔ اعبد کی وجہ سے منصوب ہے جو تامرونی کا معمول ہے بتقدیران جو ایک نون کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور دونوں کے ساتھ مع ادغام اور بغیر ادغام کے بھی آیا ہے) اور آپ کی طرف اور آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوگزرے ہیں ان کی طرف یہی وحی بھیجی جاچکی ہے کہ (بخدا) آپ نے (اے محمد ﷺ بالفرض) اگر شرک کیا تو تمہارا کیا کرایا سب غارت ہوجائے گا اور تم خسارہ میں پڑ جاؤ گے۔ بلکہ اللہ ہی کی (تنہا) عبادت کرنا اور شکرگزار رہنا (جو اس نے آپ پر انعام کیا ہے اور ان لوگوں نے اللہ کی کچھ قدر نہ کی۔ جیسی کہ قدر کرنی چاہئے تھی (اللہ کی معرفت جیسی ہونی چاہئے تھی ویسی نہیں ہوئی۔ یا جیسی اس کی عظمت ہونی چاہئے وہ عظمت نہیں کی غیر اللہ کو شریک کرکے) حالانکہ ساری زمین (جمیعاً حال ہے یعنی ساتوں طبقات زمین) اس کی مٹھی میں ہوگی (یعنی قبضہ میں اس کی ملک اور تصرف کے لحاظ سے) قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوئے (ایک ساتھ) ہوں گے۔ اس کے داہنے ہاتھ میں (قدرت) ہیں۔ وہ پاک اور برتر ہے۔ ان کے شرک سے (جو وہ اللہ کے ساتھ کرتے ہیں) اور صور میں پھونک ماری جائے گی (پہلے نفخہ پر) سو تمام زمین وآسمان والوں کے ہوش اڑ جائیں گے۔ مگر جس کو اللہ چاہے گا (یعنی حوریں بچے وغیرہ) پھر اس میں دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو دفعتاً سب کے سب (تمام مری ہوئی مخلوق) کھڑے ہوجائیں گے دیکھنے لگیں گے (انتظار میں ہوں گے کہ ان کے لئے کیا کارروائی ہوتی ہے) اور زمین روشن (چمکیلی) ہوجائے گی اپنے پروردگار کے نور سے (جبکہ رونما ہوگی زمین مقدمات کے فیصلہ کے لئے) اور اعمالنامہ رکھ دیا جائے گا (حساب کا نامہ اعمال) اور پیغمبر اور گواہ حاضر کئے جائیں گے (آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت پیغمبروں کے حق میں گواہی دیں گے کہ پیغمبروں نے

لوگوں کو پیغام پہنچایا تھا) اور ان کا فیصلہ کیا جائے گا۔ (انصاف سے) ٹھیک ٹھیک اور ان پر ذرا (بالکل) ظلم نہ ہوگا اور ہر شخص کو پورا پورا بدلہ (معاوضہ) دیا جائے گا اس کے کئے کا اور سب کے کاموں کو خوب جانتا ہے (اس لئے اسے گواہ کی ضرورت نہیں ہے) اور جو کافر ہیں وہ (زبردستی) دوزخ کی طرف ہنکائے جائیں گے ٹکڑیاں بنا بنا کر (گروہ گروہ کرکے) یہاں تک کہ جب دوزخ کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے (یہ اذا کا جواب ہے) اور ان سے دوزخ کے محافظ کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم ہی لوگوں میں سے پیغمبر نہ آئے تھے جو تم کو تمہارے پروردگار کی آیتیں (قرآن وغیرہ) پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور تمہیں اس دن کے آنے سے ڈرایا کرتے تھے۔ کافر بولیں گے ہاں! لیکن عذاب کا وعدہ (لاملئن جهنم الخ) کافروں پر پورا ہوکر رہا۔ کہا جائے گا کہ دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو (ہمیشہ) اس میں رہا کرو۔ غرضیکہ تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانہ (رہنے کا مقام) ہے (دوزخ) اور جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرا کرتے تھے انہیں (مہربانی سے) جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا ٹھٹے بنا بنا کر۔ یہاں تک کہ جب جنت کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے (اس میں واؤ حالیہ ہے اور قد مقدر ہے) اور وہاں کے محافظ ان سے کہیں گے السلام علیکم تم مزے میں ہو (یہ حال ہے) اس میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ (یہاں سے کبھی بھی نکلنا نہیں پڑے گا۔ اذا کا جواب مقدر ہے یعنی وہ داخل ہو جائیں گے۔ جنتیوں کو ایسی حالت میں لے جانا کہ جنت کے دروازے پہلے سے کھلے ہوں گے۔ اس پر ان کا اعزاز ہوگا اور جہنمیوں کو اس حالت میں لے جانا کہ ان کے پہنچنے پر دوزخ کے دروازے کھلیں گے، ان کو گرمی کا جھونکا پہنچانے کے لئے۔ اس میں ان کی اہانت مقصود ہوگی) اور وہ پکار اٹھیں گے (اس کا عطف دخلوها مقدر پر ہے) کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ (جنت) سچ کر دکھایا اور ہمیں اس سرزمین (جنت کا مالک بنادیا کہ ہم جنت میں رہیں (ٹھہریں) جہاں چاہیں (کیونکہ ساری جنت یکساں ہوگی۔ کہیں روک ٹوک نہ ہوگی) غرض (جنت) عمل کرنے والوں کا اچھا بدلہ ہے اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے گرداگرد (ہر طرف) حلقہ باندھے ہوں گے۔ تسبیح وتحمید کرتے ہوں گے (ضمیر حافین سے حال ہے) اپنے پروردگار کی (تسبیح کے ساتھ حمد بھی کریں گے۔ یعنی سبحان الله وبحمده پڑھیں گے) اور (سب مخلوق کے درمیان) باہمی فیصلہ ٹھیک ٹھیک کردیا جائے گا (یعنی انصاف کے ساتھ۔ لہٰذا مومنین جنت میں اور کفار دوزخ میں داخل کردیئے جائیں گے) اور کہا جائے گا کہ ساری خوبیاں اللہ ہی کے لئے زیبا ہیں جو سارے جہانوں کا پالنہار ہے (دونوں فریق کے اپنے اپنے مقام پر پہنچنے کو فرشتوں کی حمد پر ختم کیا گیا ہے)۔

تحقیق وترکیب......... **لا تقنطوا**۔ قاموس میں ہے کہ قنط نصر اور ضرب سے قنوطا ہے اور قنط بروزن فرع قنطاً اور قناطةً سے ہے۔

جميعا۔ شرک کے علاوہ دوسرے گناہوں کی مغفرت بلاتوبہ کے مراد ہے۔ ورنہ توبہ کے بعد تو کفر وشرک بھی معاف ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ ان الله لايغفر سے سمجھ میں آرہا ہے۔ یہی اہلسنت کا مسلک ہے۔

احسن ما انزل۔ ماانزل سے مراد تو مطلقاً کتب سماویہ ہیں اور خطاب جنس کے لئے ہے اور احسن سے مراد قرآن کریم ہے۔

ان تقول۔ مفسرؒ نے فبادروا الخ عبارت مقدر مانی ہے۔ لیکن مشہور تقدیر یہاں ان تقول سے پہلے کراہت ان تقول یا لان لاتقول ہے۔

يا حسرتی۔ یعنی الف یائے متکلم سے بدلا ہوا ہے۔ چنانچہ ایک قرأت اصل کے موافق بھی ہے اور ایک قرأت یاحسرتائے بھی ہے عوض اور معوض دونوں کو جمع کرکے۔

جنب اللہ. یہ جانب سے ہے اور دوری چونکہ اشیاء لوازم سے ہے، اس لئے جنت کا لفظ حق، طاعت، امر پر بھی بولا جاتا ہے مجازاً۔

فاکون. منصوب ہے دو وجہ سے۔ ایک یہ کہ کرۃ مصدر صریح پر اکون مصدر تاویلی کا عطف مان لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جواب تمنی پر عطف کر لیا جائے۔ جو لوان لی کرۃ سے مفہوم ہو رہی ہے۔

بلٰی قد جاء تک. بلٰی چونکہ خاص ہے ایجاب نفی کے لئے اور یہاں کہیں نفی نہیں ہے اس لئے مفسر علامؒ نے تفسیر میں فیقال الخ نکال کر جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ "لو ان اللہ ھدانی" اور اس کا جواب چونکہ نفی ہدایت کو متضمن ہے تو گویا عبارت اس طرح ہوئی "ماھدانی اللّٰہ" اس کے جواب میں "بلٰی قد جاء تک" فرمایا جا رہا ہے۔ یہاں کفار کے کلام میں ترتیب وجودی ہے کہ جہنمی اولاً حسرت کریں گے۔ پھر کمزور باتوں کا سہارا لیتے ہوئے کہیں گے "لو ان اللہ ھدانی" پھر تیسرے نمبر پر دنیا میں واپسی کی تمنا کریں گے۔ تاہم یہاں "بلٰی قد جاء تک" سے دوسری بات کا جواب دیا جا رہا ہے۔

کذبوا. ظاہر آیت تو ہر جھوٹ کو عام اور شامل معلوم ہوتی ہے۔ جیسے جھوٹی روایت بیان کرنا یا غلط فتوے دینا، لیکن مفسرؒ نے خاص جھوٹ مراد لیا ہے جو منجر الی الکفر ہو۔

وجوھھم. یہ متبداء خبر مل کر حال ہے الذین کا اگر رویت بصریہ مراد لی جائے اور رویت علمیہ مراد ہو تو مفعول ثانی کے محل میں ہوگا۔ لیکن لفظ وجوہ اور مسودۃ چونکہ محسوسات میں سے ہیں، اس لئے رویت حسیہ لینا ہی بہتر ہے۔

بمفازۃ. بروزن مفعلۃ فوز سے ماخوذ ہے۔ بمعنی سعادت اور یافاز بالمطلوب سے اس کو مصدر میمی کہا جائے کامیاب ہونا یا فاز منہ سے ہو بمعنی نجات پانا۔

اللہ خالق. اس میں فرقہ ثنویہ اور معتزلہ پر رد ہو گیا۔

مقالید. مقلاد یا مقلید کی جمع ہے بمعنی کنجی۔ لیکن یہاں کنایہ ہے شدت تمکن اور تصرف سے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے اس لفظ کی تفسیر دریافت کی تو آپ ﷺ نے بھی اس کی تفسیر میں فرمایا کہ لاالٰہ الا اللہ واللہ اکبر و سبحان اللہ وبحمدہ واستغفر اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ھوالاول والاخر والظاھر والباطن بیدہ الخیر یحیی ویمیت وھو علی کل شئی قدیر. یہ کلمات مفاتح ہیں جو ان کو پڑھے گا اس کے لئے زمین وآسمان کے دروازے کھل جائیں گے۔

افغیر اللہ ای اتامرون ان اعبد غیر اللہ. مضارع مرفوع ہو گیا۔ بحذف ان اور اس کے معمول کی تقدیم جائز ہے۔ لیکن زمخشری وغیرہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ لہٰذا جن کے نزدیک تقدیم جائز ہوگی ان کے نزدیک غیر منصوب ہوگا اعبد کے ذریعہ اور تامرونی جملہ معترضہ ہوگا۔ لیکن جن کے نزدیک تقدیم ناجائز ہے ان کے نزدیک یا تو یہی ترکیب ہوگی اور یا مجموعہ تامرونی ان اعبد کے معنی فعل کی وجہ سے نصب ہوگا۔

اعبد. غیر کا تو عامل ہے، مگر تامرونی کا معمول ہے۔ ای تامرونی بان اعبد غیر اللہ. اعبد کا مفعول مقدم ہو گیا تامرونی سے جو عامل العامل ہے باضمار ان مصدریہ اور جب ان حذف ہو گیا تو اس کا عمل بھی باطل ہو گیا۔

لفظ تامرونی نافعؒ کے نزدیک ایک نون کے ساتھ مع فتحہ یا کے ہے اور ابن عامرؒ کی قرأت دونوں کے ساتھ ہے۔ پہلا نون مفتوحہ ہے اور دوسرا مکسورہ مع سکون یا کے۔ ادغام کی صورت میں سکون یا اور فتحہ یا دونوں ہیں اور بغیر ادغام کے حرف سکون یا ہے۔ اس پر چار قرأتیں ہو گئیں۔ تین قرأتیں دونون کی صورت میں اور ایک قرأت ایک نون کی صورت میں۔

لئن اشرکت. اگر مخاطب آنحضرت ﷺ ہیں تو بطور فرض فرمایا گیا۔ اس لئے عصمت انبیاء پر شبہ نہیں ہوگا۔ لیکن اگر مخاطب

عام افراد میں سے کوئی ہوتو پھر اشکال ہی نہیں کہ جواب دہی کی نوبت آئے۔ البتہ لئن اشر کتم کی بجائے اشر کت کہنا ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کسانا الامیر حلة ای کسا کل واحد مناحلة۔

ولتکونن من الخاسرین. مسبب کا عطف سبب پر ہورہا ہے اور جملہ معطوفہ قسم ثانی لئن اشر کت کا جواب ہے اور یہ پورا مل کر اول قسم لقد اوحی کا جواب ہو جائے گا۔ البتہ لئن اشر کت شرط کا جواب قاعدہ کے مطابق حذف ہو جائے گا۔

فاعبد. یہ شرط محذوف کی جزا ہے۔ ای لاتعبد ما امرک الکفار بعبادته بل ان عبدت فاعبد اللہ شرط حذف کر کے مفعول قائم مقام ہو گیا۔

وما قدروا اللہ. بظاہر معلوم ہوا کہ مومنین حق معرفت ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ خود حضور ﷺ کا ارشاد ماعرفناک حق معرفتک اس کی تردید کر رہا ہے؟

جواب یہ ہے کہ آیت میں جس معرفت کا حکم ہے وہ صفات کمالیہ سے متصف ماننا اور صفات نقص سے بری ماننا ہے۔ اس کا انسان مکلف ہے۔ لیکن حدیث میں جس معرفت کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد حقیقت اور کنہ کا دریافت کر لینا ہے۔ لہٰذا دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ یہی مطلب ہے اس ارشاد کا ان العجز عن الادراک ادراک والبحث عن الذات اشراک ولم یکلفنا اللہ الا بان نترهه عما سواه سبحانه وتعالیٰ۔

والارض. یہ مبتداء ہے اس کی خبر قبضہ ہے اور جملہ اللہ سے حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ قبضة بمعنی مقبوضة قبض سے ماخوذ ہے۔ مصدر بول کر مفعول مراد ہے۔ ایک مرتبہ قبض کرنا مجازاً ملک مراد ہے اور زمخشریؒ اس کو تخییل وتمثیل پر محمول کرتے ہیں۔ جیسے کہا جائے شابت لمة اللیل. بہرحال حقیقت پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ جسم وجسمانیات سے پاک ہے۔

الامن شاء اللّٰہ. دوسری آیت میں بلا استثناء کل نفس ذائقة الموت فرمایا گیا ہے۔ بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ آیت استثناء تفسیر ہے۔ آیت کل شیء ھالک الا وجهه اور آیت کل نفس ذائقة الموت کی یعنی یہاں بھی استثناء مراد ہے۔ اس لئے دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

ثم نفخ. پہلا نفخہ فزع اور دوسرا نفخہ بعث ہے۔ لیکن شیخ ابن عربی ایک تیسرا نفخہ بھی مانتے ہیں۔ جس کو نفخہ صعق کہا جائے گا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں صراحۃً بھی ہے۔ البتہ جمہور نفخہ فزع اور نفخہ صعق دونوں کو ایک ہی مانتے ہیں۔ کیونکہ دونوں متلازم ہیں اور استثناء بھی دونوں میں مشترک ہے۔

فاذا ھم قیام. قیام مرفوع ہے خبر کی وجہ سے اور زید بن علی حال کی وجہ سے منصوب کہتے ہیں۔ اس صورت میں ینظرون کی خبر ہوگی جو حال میں عامل ہے اور یا خبر عامل محذوف مانی جائے۔

ای فاذا ھم مبعوثون. لیکن اگر اذا مفاجاتیہ حرف ہوتو پھر حال کا عامل ینظرون ہوگا یا خبر مقدر ہوگی۔

بنور ربھا. یہ نور اللہ تعالیٰ براہ راست پیدا فرمائیں گے۔ اللہ کی طرف نسبت تشریفی ہے یا نور عدل وانصاف مراد ہے۔

زمرا. یہ زمرہ کی جمع ہے۔ زمر آواز کو کہتے ہیں اور مجمع آواز سے خالی نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے اس کے معنی جماعت کے ہیں۔

طبتم. اس کی تمیز محذوف ہے ای طابت حالکم وحسنت. اذا کے جواب میں تین توجیہات ہو سکتی ہیں۔

۱۔ واؤ زائد ہو یہ رائے اخفشؒ اور کوفیوں کی ہے فتحت جواب ہوگا۔

۲۔ جواب وقال لھم خزنتھا ہو یہاں بھی واؤ زائد مانا جائے۔

۴۔ جواب محذوف ہو۔ زمخشریؒ کی رائے یہ ہے کہ خالدین کے بعد مقدر مانا جائے۔ ای اطمأ نوا اور مبردؒ سعدوا مقدر مانتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں وفتحت جملہ محل نصب میں ہوگا اور اس واؤ کو واؤ ثمانیہ کہا جاتا ہے۔ ابواب جنت آٹھ ہونے کی وجہ سے اور بعض نے تقدیر عبارت اس طرح مانی ہے۔ حتی اذا جاؤھا وفتحت ابوابھا یعنی جواب لفظ شرط کے ساتھ ہے۔

من الجنة. حکماء اسلام فرماتے ہیں کہ جنت دو طرح کی ہے۔ ایک جسمانی، دوسری روحانی۔ جسمانی جنت میں تو شرکت نہیں ہوگی۔ لیکن ہر جنتی کا ایک مخصوص مقام اور حصہ ہوگا۔ دوسرا اس میں شریک نہیں ہو سکے گا۔ لیکن روحانی جنت میں شرکت ہو سکے گی۔ یہاں وہی مراد ہوگی۔ واللہ اعلم۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات میں شرک کی انتہائی برائی بیان ہوئی۔ اس پر بعض کو شبہ ہوا کہ جب شرک میں اس قدر برائی ہے تو اگر ہم ایمان بھی لے آئیں تب بھی ان وعیدوں کے مستحق رہیں گے اور عذاب بھگتنا پڑے گا۔ پھر اسلام لانے سے کیا فائدہ؟

آیت قل یا عبادی الخ میں اسی کا جواب ہے اور توحید کو انتہائی ضروری فرمایا گیا ہے اور اس پر لطف وعنایت کا ذکر ہوا اور شرک کی برائی اور اس پر وعید بھی آئی۔

آیت اللہ خالق کل شیءٍ سے اللہ کی صفات کمالیہ بیان فرمائی گئی۔ جس سے مقصود توحید اور اس پر وعدہ ہے اور اس شرک کی ممانعت اور اس پر وعید مذکور ہے۔

آیت والارض الخ سے مجازات کی تمہید اور اجمالی بیان ہے۔ پھر ونفخ فی الصور سے آخر سورت تک مجازات کا مفصل تذکرہ ہے۔

شان نزول وروایات: .... ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی نے آنحضرت ﷺ سے لکھ کر دریافت کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ من قتل او اشرک اوزنی یلقی اثاماً یضاعف له العذاب یوم القیمة اور میں ان جرائم کا مرتکب ہوں۔ ھل لی توبة؟ اس پر الا من امن الخ آیت نازل ہوئی۔ وحشی نے عرض کیا کہ یہ شرط سخت ہے اور میں اس پر پورا نہیں اترتا۔ کوئی دوسری آیت ارشاد فرمائیے۔ آپ ﷺ نے ان اللہ لایغفر آیت پڑھی۔ وحشی نے عرض کیا کہ اس سے تو مجھے اپنی مغفرت کا حال معلوم نہیں ہوا؟

اس پر قل یا عبادی الخ آیات نازل ہوئیں۔ اس کے بعد وحشی مسلمان ہو گئے اور گناہوں کی مغفرت خواہ فی الحال ہو جائے یا فی المآل۔ عذاب کے ساتھ یا بلا عذاب کے۔ اس لئے جمیعاً پر کوئی اشکال نہیں۔

اسی طرح ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ ہم پہلے یہ کہا کرتے تھے جو شخص مرتد ہو جائے تو اس کی توبہ نہیں ہو سکتی۔ مگر پھر آیات قل یا عبادی الخ نازل ہو گئیں۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ مشرکین نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ اتضلل اباء ک واجداد ک اس پر آیات افغیر اللہ نازل ہوئیں۔

ونفخ فی الصور. حدیث ابوسعید خدریؓ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ان صاحبی الصور بایدیھما قرنان یلاحظان النظر حتی یومران الخ. اس سے معلوم ہوا کہ نفخ صور حضرت اسرافیل وجبرائیل علیہما السلام دو فرشتے کریں گے۔

بنور ربھا. ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ سترون ربکم وقال کما لاتضارون فی الشمس فی یوم الضحو.

﴿ تشریح ﴾: .... **مسلک اہل سنت**: .... قل یا عبادی. مشرک، ملحد، زندیق، مرتد، یہودی، نصرانی، مجوسی، بدمعاش، بدعتی، فاسق، فاجر، کوئی ہو خدا کے اس بے پایاں اعلان رحمت کے بعد بالکلیہ خدا کی رحمت سے مایوس ہو جانے اور آس توڑ بیٹھنے کی کوئی وجہ نہیں رہ جاتی۔ اللہ چاہے تو کسی کے بھی سب گناہ معاف کر سکتا ہے۔ کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ سخت سے سخت مایوس العلاج مریضوں کے حق میں یہ آیت اکسیر شفاء کا حکم رکھتی ہے۔ ہاں دوسرے اعلانات سے اس نے یہ واضح کر دیا کہ کفر وشرک بلاتوبہ کئے معاف نہیں ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ علاوہ کفر وشرک کے دوسرے چھوٹے بڑے گناہ توبلاتوبہ کئے بھی چاہے تو معاف فرما سکتا ہے، جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے معتزلہ اس کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ مرجئہ مرجومہ کہتے ہیں۔

مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ توبہ کی ضرورت ہی نہیں بلکہ آیت و یغفر ما دون ذلک میں جو قید ہے وہ صرف مشیت کی ہے۔ یعنی کفر وشرک میں مشیت بغیر توبہ کے متعلق نہیں ہوگی۔ البتہ تمام گناہوں میں بلاتوبہ بھی مشیت متعلق ہو سکتی ہے۔

اللہ کے آگے جھک جاؤ: .... چنانچہ اگلی آیت وانیبوا الخ میں مغفرت کی امید دلا کر توبہ کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ یعنی پچھلے گناہوں پر شرمندہ ہو کر اور کفر وطغیان کی راہ چھوڑ کر رب کریم کی بارگاہ میں جھک جاؤ اور انتہائی نیازمندی اور اخلاص سے بالکلیہ اس کے سپرد کر دو اور اس کے آگے گردن جھکا دو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ وقت آجائے کہ توبہ کا دروازہ ہی بند ہو جائے اور موقعہ ہاتھ سے نکل جائے۔ موت سر پر آجائے یا عذاب نظر آنے لگے۔ اس وقت توبہ بھی قبول نہ ہوگی۔ نہ اس وقت کوئی مدد کو پہنچ سکتا ہے۔ اس وقت بس انسان یہی کہے گا کہ ہائے افسوس! میں نفس کا غلام اور ہوا و ہوس کا بندہ اور رسموں کا شکار ہو کر دنیا کے مزوں میں پڑ گیا اور خدا کو کچھ سمجھا ہی نہیں اور اس کے دین، پیغمبر اور عذاب کا مذاق اڑاتا رہا اور ان کی کوئی حقیقت ہی نہیں سمجھی کہ آج یہ برا وقت دیکھنا پڑا۔

حافظ ابن کثیرؒ کی رائے: .... اور مذاق سے اگر عام معنی مراد لئے جائیں کہ خواہ اعتقاداً یا عملاً تو پھر آیت بھی کافر وعاصی کو عام ہو جائے گی۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیرؒ کی رائے ہے۔

غرضیکہ یہ جہنمی کی پہلی کیفیت ہوئی۔ لیکن جب اس حسرت وندامت سے بھی کام نہیں چلے گا تو محض دل کے بہلانے کے لئے یہ مہمل بہانہ کرے گا کہ خدایا تو نے مجھے ہدایت نہ دی، ورنہ میں بھی متقین میں شامل ہو جاتا۔ جس کا جواب آگے قد جاء تک ایاتی آ رہا ہے۔ لیکن ممکن ہے یہ کلام محض پاس ادب کے طور پر ہو۔ یعنی میں ہی اس لائق نہیں تھا کہ مجھے راہ ہدایت دکھلا کر منزل تک پہنچایا جاتا۔ ورنہ اگر مجھ میں اہلیت وصلاحیت ہوتی اور اللہ میری دستگیری فرماتا تو میں بھی آج متقیوں کے زمرے میں شامل ہو جاتا۔ مگر جب یہ بہانہ بازی بھی نہ چلے گی اور دوزخ کا عذاب بالکل ہی سامنے آ کھڑا ہوگا تو گھبرا کر نہایت بے قراری سے بلبلائے گا کہ اچھا مجھے کسی طرح ایک دفعہ دنیا میں بھیج دیجئے اور دیکھئے کہ کیسا نیک بن کر آتا ہوں۔ یہ اس کے ترکش کا آخری تیسرا تیر ہوگا۔

مکمل مایوسی: .... مگر وہ بھی ناکارہ ہو جائے گا۔ جواب ملے گا۔ بلی قد جاء تک یعنی یہ غلط ہے کہ اللہ نے راہ نہیں دکھلائی۔ اللہ نے سب کچھ کیا۔ مگر تو نے ہی کسی کی کوئی بات نہیں سنی۔ تکبر اور غرور سے سب کو جھٹلاتا رہا۔ تیری شیخی نے ہی تجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ ہمیں معلوم تھا کہ تیری افتاد طبع کیسی ہے۔ اگر ہزار بار بھی تجھے دنیا میں بھیجا جائے تب بھی وہی کرے گا جو پہلے کر چکا ہے۔ اس سے باز

نہیں آئے گا۔ ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه.

ويوم القيامة. قیامت کے روز جھوٹ کی سیاہی منہ پر نمایاں ہو جائے گی اور تکبر کا انجام دوزخ کی رسوائی ہے۔ اليس فی جهنم میں یہی فرمایا گیا ہے۔ پس اسی طرح فکذبت بها واستكبرت میں کفار کے دو وصف جو فرمائے گئے ہیں، ان دونوں کا انجام بد سامنے آ گیا۔

ينجي الله. یعنی ایسی جگہ لے گی، جہاں دکھ کی بجائے سکھ ہی سکھ ہوگا۔ جس طرح دنیا میں اللہ نے ہر چیز کو وجود بخشا ہے۔ اسی طرح وجود کی بقا اور سامان بقا سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ایک آن بھی اس کی توجہ ہٹ جائے تو وجود باقی نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ قیامت میں یہی ہوگا۔ عالم کے خزانوں کی کنجیاں چونکہ اسی کے پاس ہیں، اسی لئے اس کی رحمت کا امیدوار اور اس کے غصہ سے خائف رہنا چاہئے۔ اس سے ہٹ کر آخر کہاں کسی کا ٹھکانہ ہے۔ مگر اس پر بھی کوئی خدا سے برگشتہ ہو کر دوسروں کی چوکھٹوں پر ماتھا ٹیکے یا پیغمبر سے الٹی توقع باندھے کہ وہ اپنی راہ چھوڑ کر ان کی راہ اختیار کرے گا تو اس کی حماقت و جہالت میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ مشرکین نے آپ کو اپنے دیوتاؤں کی پوجا کی دعوت دی۔

توحید کی دلیل نقلی: .... اس پر آیت قل افغير الله نازل ہوئی۔

آیت ولقد اوحی میں توحید کا نقلی پہلو واضح کیا جا رہا ہے کہ تمام ادیان سابقہ اور پچھلے تمام انبیاء توحید کی عصمت ودعوت میں متحد رہے ہیں اور شرک کے غلط ہونے پر سب متفق رہے ہیں اور عقلی حیثیت سے بھی دیکھا جائے تو نظر آ جائے گا کہ جب سب چیزیں اسی کی پیدا کردہ ہیں اور اسی نے تھام رکھی ہیں تو عبادت کا مستحق بھی بجز اس کے اور کون ہوسکتا ہے اور سب کی مرکزی وحی کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ آخرت میں مشرک کے تمام اعمال اکارت اور شرک لایعنی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ وہ سب سے کٹ کر صرف اللہ کا ہو رہے اور اسی کا شکر گزار اور وفادار بندہ بنے۔ مگر مشرک انسانوں نے اس کی قدر و منزلت نہ تو اس کی شایان شان پہچانی اور نہ ایک وفادار بندہ کی حیثیت سے جو پہچاننے کی حد تھی، اس کا لحاظ کیا۔ ورنہ کیا ایک پتھر کی بے جان مورتیوں کو اس کی برابری کا درجہ دیا جا سکتا تھا جس کی عظمت وقدرت کا حال یہ ہو کہ قیامت میں سارا جہاں اس کی مٹھی میں ہوگا اور یہ سارے آسمان لپٹے ہوئے کاغذ کی طرح اس کے ہاتھ میں ہوں گے۔ بلکہ ان کے شرکاء اس وقت بھی اسی کے زیر تصرف ہیں۔ ذرا زبان کان ہلا نہیں سکتے۔ مگر پھر ان کو شریک الوہیت گردانتا کہاں کا انصاف ہے؟

یمین وغیرہ الفاظ متشابہات کہلاتے ہیں۔ جن پر بلا کیف اور بلا چوں وچرا ایمان رکھنا ضروری ہے۔ اس سے خدا کی جسمیت کا شبہ نہ کیا جائے۔ جیسا کہ فرقہ مشبہ مجسمہ کو دھوکا ہو گیا ہے۔ چنانچہ بعض روایات میں و كلتا يديه يمين بھی آیا ہے۔

چار مرتبہ نفخ صور: .... ونفخ في الصور. بعض اکابر چار مرتبہ نفخ صور مانتے ہیں۔ پہلا صور عالم کی فنائیت کا ہوگا، دوسرا صور زندہ ہونے کا، تیسرا حشر کے بعد ایک طرح کی بے ہوشی اور چوتھا بارگاہ خداوندی میں پیشی کے لئے خبردار کرنے کا۔ مگر جمہور کی رائے صرف پہلی دو نفخوں ہی کی ہے۔

الا من شاء الله. میں بعض نے چاروں مقرب فرشتے مراد لئے ہیں اور بعض نے حاملین عرش فرشتوں کو بھی شامل کر لیا ہے اور بعض نے انبیاء وشہداء مراد لئے ہیں ور یہ استثناء دونوں نفخوں کے وقت ہے۔ پس ممکن ہے، اس کے بعد كل شيء هالك اور كل نفس ذائقة الموت اور لمن الملك اليوم الخ آیات کی رو سے یہ بھی فنا ہو جائیں گے۔ خواہ ایک لمحہ ہی کے لئے سہی۔

زمین نورِ الٰہی سے چمک اٹھے گی: .... اس کے بعد واشرقت الارض کا ظہور ہوگا۔ یعنی کہ حساب کتاب کے لئے اپنی شایانِ شان بے کیف نور کے ساتھ حق تعالیٰ اجلال فرمائیں گے۔ جس سے زمین محشر چمک اٹھے گی۔ یا نورِ عدل مراد ہے کہ میزان عدل قائم کی جائے گی اور انصاف کی کچہری سے مناسب فیصلے سرزد ہوں گے اور شہداء سے مراد امت محمدیہ کے نیک یا برامت کے نیک لوگ اور انسان کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء ہیں، جن کی گواہی معتبر ہوگی اور کسی کی نیکی بدی میں ذرہ برابر کمی بیشی نہیں ہوگی اور یہ گواہی محض اتمام حجت اور الزام کے طور پر ہوگی۔ ورنہ اللہ سے کیا چیز پوشیدہ ہے۔

فتحت ابوابها. دوزخ کی مثال دنیا میں جیل خانہ کی ہے۔ یہاں بھی قیدی کے آنے پر جیل خانہ کا پھاٹک کھلتا ہے۔ پہلے سے کھلا نہیں رہتا۔ وہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ برخلاف جنت کے، اس کی مثال مہمان خانہ کی ہے۔ اس میں پہلے سے مہمان کے انتظار میں دروازے کھلے رہتے ہیں۔ اکرام مہمان کی خاطر۔

قالوا بلیٰ. یعنی پیغمبر یقیناً آئے اور ضرور آئے۔ انہوں نے اللہ کے پیغامات سنائے۔ آج کے دن سے بہت کچھ ڈرایا۔ مگر ہماری بدبختی اور نالائقی کہ ہم نے ان کی ایک نہ سنی۔ آخر خدا کی اٹل تقدیر سامنے آ کر رہی۔ حکم ہوگا کہ اچھا اب تم شیخی اور غرور کا مزہ چکھو اور ہمیشہ دوزخ کی مصیبتیں بھگتو۔

جنتی اور جہنمیوں کی ٹکڑیاں: .... وسیق الذین. لفظ سیق کے دونوں جگہ بلحاظ نوعیت الگ الگ مفہوم ہوں گے۔ مجرمین کے ساتھ تو دھکیلنے کی کیفیت ہوگی اور جنتیوں کے ساتھ پرشوق انداز میں لپکنے کی ہوگی۔ اسی طرح چونکہ کفر اور ایمان کے مراتب مختلف رہے ہوں گے اس لئے وہاں بھی اسی مناسبت سے ٹکڑیاں بنائی جائیں گی۔ سب کو ایک لاٹھی سے نہیں ہنکایا جائے گا اور نہ سب کو ایک گھاٹ پانی پلایا جائے گا۔

وقال لهم خزنتها. یہ خوش آمدید کہنے والے فرشتوں کی استقبالی پارٹی ہوگی جو ترحیبی کمالات کہہ کر استقبال کرے گی۔ جس کے جواب میں آنے والے مہمان شکریہ کے مناسب الفاظ کہیں گے۔

حیث نشاء کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے مناسب مقررہ جگہیں تو ہوں گی۔ مگر سیر و سیاحت کے لئے عام آزادی بھی ہوگی۔ کوئی روک ٹوک نہ ہوگی۔ یا یہ مطلب ہے کہ اہل جنت کو اختیار دے دیا جائے گا کہ آزادی سے جہاں چاہیں رہیں۔ مگر خود وہ اختیار اور پسند انہی جگہوں کو کریں گے جو پروگرام کے مطابق پہلے سے طے شدہ ہوں گی۔

وتری الملائکة. یہ دربار کی برخاستگی کا منظر ہے جو نعرہ ہائے تسبیح وحمد کے درمیان برخاست ہوگی۔ سبحان اللہ والحمد للہ، اللهم ارزقناها برحمتک وبجاہ نبیک.

لطائف سلوک: .... ویوم القیامة. چونکہ عالم معاد، کشف حقائق کا عالم ہے، اس لئے وہاں قلب کی اندرونی سیاہی چہروں میں جھلکے گی۔ یوم تبلی السرائر اور یہ اس کے منافی نہیں کہ چہروں پر کلونس کا دوسرا سبب عذاب کی شدت بھی ہو۔

وسیق الذین اتقوا کے ذیل میں بعض عارفین تو یہ کہتے ہیں کہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے حدیث مسلم کی رو سے محشر میں چونکہ حق تعالیٰ کا دیدار ہو چکے گا اس لئے اس کیف کی مستی اور ذوق میں یا آئندہ دیدار کی امید پر جنت میں جانے سے ہچکچائیں گے اور فرشتوں کو سوق اور کھینچنے کی نوبت آئے گی۔ لیکن بعض عارفین کا خیال یہ ہے کہ لقائے رب کے شوق میں یہ سوق یعنی لپکنا ہوگا کہ دوڑ کر جنت میں جا کر دیدار کر لیں۔ بہرحال دونوں اقوال میں قدر مشترک جمال الٰہی کو مقصود بالذات سمجھنا ہے۔

وقف الھوی لی حیث انت فلیس لی متاخر عنہ ولا متقدم

ورنہ خالی جنت مقصود بالذات نہیں ہوگی۔ وسیلہ دیدارِ محبوب ہونے کی وجہ سے مطلوب رہے گی۔ تاہم ان دونوں اقوال میں اس طرح تطبیق بھی ہوسکتی ہے کہ جب تک انہیں یہ علم نہیں تھا کہ جنت تجلی گاہ ہے یا محشر کی سابقہ تجلیات میں سرشار ہونے یا دوبارہ تجلی محشر کے امیدوار ہونے کی وجہ سے اول اول تو فرشتوں کو سوق کی نوبت آئے گی لیکن جونہی انہیں معلوم ہوگا کہ جنت جلوہ گاہِ محبوب ہے تو ایک دم جنت کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ اس تقریر پر دونوں قول جمع ہوگئے۔

غرضیکہ جہنمیوں کے سائق تو ملائکہ غضب ہوں گے اور جنتیوں کے لئے ملائکہ رحمت یا ذوق وشوق سائق بنے گی۔ رہی حدیث مسلم تو اس کا حاصل یہ ہے کہ ابوہریرہؓ آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ محشر میں پہلے اللہ کی تجلی غیر متعارف صورت میں ہوگی اور انا ربکم کا اعلان ہوگا۔ مگر عشاق عرض گزار ہوں گے۔ نعوذ باللہ منک ھذا مکاننا حتی یاتینا ربنا. اس کے بعد تجلی متعارف ہوگی اور انا ربکم کہہ کر تعارفی اعلان ہوگا تو بے ساختہ پکار اٹھیں گے انت ربنا اور نور کے پیچھے چل پڑیں گے۔

سُوْرَةُ غَافِرٍ

سُوْرَةُ غَافِرٍ مَكِّيَّةٌ اِلَّا الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ الْاٰيَتَيْنِ خَمْسٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۞ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ مُبْتَدَأٌ **مِنَ اللّٰهِ** خَبَرُهٗ **الْعَزِيْزِ** فِيْ مُلْكِهٖ **الْعَلِيْمِ** ۞۲ بِخَلْقِهٖ **غَافِرِ الذَّنْبِ** لِلْمُؤْمِنِيْنَ **وَقَابِلِ التَّوْبِ** لَهُمْ مَصْدَرٌ **شَدِيْدِ الْعِقَابِ** لِلْكَافِرِيْنَ اَيْ مُشَدَّدُهٗ **ذِي الطَّوْلِ** اَيِ الْاِنْعَامِ الْوَاسِعِ وَهُوَ مَوْصُوْفٌ عَلَى الدَّوَامِ بِكُلٍّ مِّنْ هٰذِهِ الصِّفَاتِ فَاِضَافَةُ الْمُشْتَقِّ مِنْهَا لِلتَّعْرِيْفِ كَالْاَخِيْرَةِ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ** ۞۳ الْمَرْجِعُ **مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ** الْقُرْاٰنِ **اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ **فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ** ۞۴ لِلْمَعَاشِ سَالِمِيْنَ فَاِنَّ عَاقِبَتَهُمُ النَّارُ **كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ** كَعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَغَيْرِهِمَا **مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ** يَقْتُلُوْهُ **وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا** يُزِيْلُوْا **بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ** بِالْعِقَابِ **فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ** ۞۵ لَهُمْ اَيْ هُوَ وَاقِعٌ مَوْقِعَهٗ **وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ** اَيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ الْاٰيَةَ **عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ** ۞۶ بَدَلٌ مِّنْ كَلِمَةِ **اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ** مُبْتَدَأٌ **وَمَنْ حَوْلَهٗ** عَطْفٌ عَلَيْهِ **يُسَبِّحُوْنَ** خَبَرُهٗ **بِحَمْدِ رَبِّهِمْ** مُلَابِسِيْنَ لِلْحَمْدِ اَيْ يَقُوْلُوْنَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ **وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ** تَعَالٰى بِبَصَائِرِهِمْ اَيْ يُصَدِّقُوْنَ بِوَحْدَانِيَّتِهٖ تَعَالٰى **وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** يَقُوْلُوْنَ **رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا** اَيْ وَسِعَ رَحْمَتُكَ كُلَّ شَيْءٍ وَعِلْمُكَ كُلَّ شَيْءٍ **فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا** مِنَ الشِّرْكِ **وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ** دِيْنَ الْاِسْلَامِ **وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ** ۞۷ اَلنَّارِ **رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ** اِقَامَةٍ **الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ** عَطْفٌ عَلٰى هُمْ فِيْ وَاَدْخِلْهُمْ اَوْ فِيْ وَعَدْتَهُمْ **مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ** ۞۸ فِيْ صُنْعِهٖ **وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ**

اى عذابها ومن تق السَّيّات يومئذٍ يوم القيمة فقد رحمته وذلك هو الفوز العظيم ﴿٩﴾ اِنَّ الَّذين كفروا ينادون من قبل الملئكة وهم يمقتون انفسهم عند دخولهم النار لمقت الله اياكم اكبر من مقتكم انفسكم اذ تدعون فى الدنيا الى الايمان فتكفرون ﴿١٠﴾ قالوا ربنا امتنا اثنتين اماتتين واحييتنا اثنتين احيائين لانهم كانوا نطفا امواتا فاحيوا ثم اميتوا ثم احيوا للبعث فاعترفنا بذنوبنا بكفرنا بالبعث فهل الى خروج من النار والرجوع الى الدنيا لنطيع ربنا من سبيل ﴿١١﴾ طريق وجوابهم لا ذلكم اى العذاب الذى انتم فيه بانه اى بسبب انه فى الدنيا اذا دعى الله وحده كفرتم بتوحيده وان يشرك به يجعل له شريك تؤمنوا تصدقوا بالاشراك فالحكم فى تعذيبكم لله العلى على خلقه الكبير ﴿١٢﴾ العظيم هو الذى يريكم ايته دلائل توحيده وينزل لكم من السماء رزقا بالمطر وما يتذكر يتعظ الا من ينيب ﴿١٣﴾ يرجع عن الشرك فادعوا الله اعبدوه مخلصين له الدين من الشرك ولو كره الكفرون ﴿١٤﴾ اخلاصكم منه رفيع الدرجت اى الله عظيم الصفات او رافع درجات المؤمنين فى الجنة ذو العرش خالقه يلقى الروح الوحى من امره اى قوله على من يشاء من عباده لينذر يخوف الملقى عليه الناس يوم التلاق ﴿١٥﴾ بحذف الياء واثباتها يوم القيمة لتلاقى اهل السماء والارض والعابد والمعبود والظالم والمظلوم فيه يوم هم بارزون خارجون من قبورهم لا يخفى على الله منهم شىء لمن الملك اليوم يقوله تعالى ويجيب نفسه لله الواحد القهار ﴿١٦﴾ اى لخلقه اليوم تجزى كل نفس بما كسبت لا ظلم اليوم ان الله سريع الحساب ﴿١٧﴾ يحاسب جميع الخلق فى قدر نصف نهار من ايام الدنيا لحديث بذلك وانذرهم يوم الازفة يوم القيمة من ازف الرحيل قرب اذ القلوب ترتفع خوفا لدى عند الحناجر كاظمين ممتلئين غما حال من القلوب عوملت بالجمع بالياء والنون معاملة اصحابها ما للظلمين من حميم محب ولا شفيع يطاع ﴿١٨﴾ لا مفهوم للوصف اذ لا شفيع لهم اصلا فما لنا من شافعين او له مفهوم بناء على زعمهم ان لهم شفعاء اى لو شفعوا فرضا لم يقبلوا يعلم اى الله خائنة الاعين بمسارقتها النظر الى محرم وما تخفى الصدور ﴿١٩﴾ القلوب والله يقضى بالحق والذين يدعون يعبدون اى كفار مكة بالياء والتاء من دونه وهم الاصنام لا يقضون بشىء فكيف يكونون شركاء لله ان الله هو السميع لاقوالهم البصير ﴿٢٠﴾ بافعالهم

ترجمہ: .... سورۂ غافر مکی ہے۔ بجز الذین یجادلون دو آیات کے۔ کل ۸۵ آیات ہیں۔

بسم الله الرحمٰن الرحيم حٰمٓ (اس کی حقیقی مراد اللہ کو معلوم ہے) یہ کتاب اتاری گئی (مبتداء ہے) اللہ کی طرف سے (خبر ہے) جو (اپنے ملک میں) زبردست (اپنی مخلوق کا) جاننے والا ہے (مسلمانوں کے) گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا (ان کی، یہ مصدر ہے) یہ سخت سزا دینے والا ہے (کافروں کو اور شدید بمعنی مشدد ہے) وسعت والا ہے (یعنی وسیع انعام والا ہے اور اللہ ہمیشہ ان خوبیوں سے متصف ہے۔ ان مشتقات صیغوں کی اضافت تعریف کے لئے ہے۔ جیسا کہ ''ذی الطول'' میں بھی اضافت تعریفی ہے) اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ اسی کے پاس جانا ہے (لوٹنا) اللہ تعالیٰ کے ساتھ (قرآن کی) ان آیتوں میں وہی لوگ جھگڑے نکالتے ہیں جو (مکہ والوں میں سے) منکر ہیں۔ سو ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو اشتباہ میں نہ ڈالے (معاش میں خوش حالی ہونا۔ کیونکہ انکا انجام جہنم ہے) ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور دوسرے گروہوں نے بھی (جیسے عاد اور ثمود وغیرہ) جو انکے بعد ہوئے ہیں جھٹلایا تھا اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کو (قتل کے لئے) گرفتار کرنے کا ارادہ کیا تھا اور ناحق کے جھگڑے نکالے۔ تاکہ اس ناحق کے ذریعے حق کو ملیامیٹ (ناکارہ) کردیں۔ سو میں نے (عذاب کے ذریعہ) دارو گیر کی۔ سو ہماری سزا کیسی ہوئی (یعنی ان کو کیسی برموقعہ ہوئی) اور اسی طرح آپ کے پروردگار کی یہ بات (لازائد ہے یعنی لا ملأن جهنم الخ) تمام کافروں پر ثابت ہو چکی ہے کہ وہ لوگ دوزخی ہوں گے (یہ کلمہ سے بدل ہے) جو فرشتے کہ عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں (مبتداء ہے) اور جو فرشتے اس کے گرداگرد ہیں (یہ معطوف ہے) وہ تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں (خبر ہے) اپنے پروردگار کی (یعنی سبحان اللہ وبحمدہ پڑھتے رہتے ہیں) اور اس پر ایمان رکھتے ہیں (دلائل کے ساتھ۔ یعنی اللہ کی وحدانیت کی تصدیق کرتے ہیں) اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں (یہ کہتے ہوئے) کہ اے ہمارے پروردگار! (آپ کی رحمت اور علم) ہر چیز کو شامل ہے (یعنی آپ کی رحمت ہر چیز پر ہے اور آپ کا علم بھی عام ہے) سو ان لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے (شرک سے) توبہ کرلی ہے اور آپ کے راستے (دین اسلام) پر چلتے ہیں اور انہیں دوزخ کے عذاب (آگ) سے بچالیجئے۔ اے ہمارے پروردگار! اور ان کو داخل کردیجئے ہمیشہ رہنے کی بہشتوں (جنت) میں، جن کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے اور جو لائق ہوں (ادخلهم یاعدتهم میں جوهم ہے اس پر یہ معطوف ہے) ان کے ماں باپ اور بیویوں اور اولاد میں سے بھی ان کو داخل کردیجئے۔ بلاشبہ آپ زبردست حکمت والے ہیں (اپنی کاریگری میں) اور ان کو تکالیف (عذاب) سے بچائیے اور آپ جس کو اس دن کی تکالیف (عذاب) سے بچالیں تو اس پر آپ کی مہربانی ہوگی اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے جو لوگ کافر ہیں انہیں پکارا جائے گا (فرشتوں کی طرف سے جبکہ وہ دوزخ میں داخل ہوتے وقت خود کو برا بھلا کہتے ہوں گے) کہ اللہ کو تم سے بڑھ کر نفرت ہے اس نفرت کے مقابلہ میں جو تمہیں خود اپنے سے ہے جبکہ تم ایمان کی طرف (دنیا میں) بلائے جاتے تھے۔ پھر تم مانا نہیں کرتے تھے۔ وہ لوگ بولیں گے اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہم کو دو مرتبہ مردہ کیا اور دوبارہ زندگی بخشی (کیونکہ پہلے بے جان نطفے تھے۔ پھر زندہ کیا، پھر موت دی۔ پھر قیامت کے لئے جلایا) سو ہم اپنی خطاؤں (انکار قیامت) کا اقرار کرتے ہیں۔ سو کیا (دوزخ سے چھوٹ کر دوبارہ دنیا میں جاکر پروردگار کی اطاعت کے لئے) نکلنے کی کوئی صورت ہے (اس کا جواب یہ ہے کہ ''نہیں'') یہ (عذاب جس میں تم گرفتار ہو) اس لئے ہے کہ (یعنی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم (اس کی توحید کا) انکار کردیا کرتے تھے اور اگر کسی کو اس کے ساتھ شریک کرکے (شرک) بیان کیا جاتا تو تم مان لیتے تھے۔ (شرک کی تصدیق کردیتے) سو یہ فیصلہ اللہ کا ہے جو (اپنی مخلوق پر) بالادست بڑے رتبہ والا (بزرگ) ہے۔ وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں (دلائل توحید) دکھلاتا ہے اور آسمانوں سے تمہارے لئے رزق (بارش) اتارتا ہے اور صرف وہی شخص نصیحت (وعظ) قبول کرتا ہے جو (شرک سے) رجوع کرتا ہے۔ سو تم لوگ اللہ کو پکارو (اس کی عبادت کرو)

اس کے دین کو (شرک سے) پاک کر کے اگر چہ کافروں کو ناگوار گزرے (اللہ سے تمہارا اخلاص کرنا) وہ بلند مراتب ہے (یعنی اللہ بڑی شانوں والا ہے یا مومنین کے درجے جنت میں بلند کرنے والا ہے) وہ عرش کا مالک (خالق) ہے وہ (وحی) اپنا حکم (ارشاد) بھیجتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے تا کہ ڈرائے (خوف دلائے لوگوں کو) اکٹھے ہونے کے دن سے (لفظ تلاق حذف یا اور اثبات یا کے ساتھ دونوں طریقے سے ہے۔ قیامت کا دن جس میں تمام آسمان وزمین والے عابد، معبود، ظالم ومظلوم جمع ہوں گے) جس روز جب سب آموجود ہوں گے (قبروں سے نکل پڑیں گے) ان کی کوئی بات اللہ سے چھپی نہ رہے گی۔ آج کس کی حکومت ہے؟ (اللہ تعالیٰ ہی پوچھیں گے اور وہی خود جواب دیں گے کہ) بس اللہ ہی کی جو یکتا غالب ہے (اپنی مخلوق پر) آج ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا۔ آج کچھ ظلم نہ ہوگا اللہ بہت جلد حساب بنادے گا (سارے عالم کا حساب کتاب دنیا کے آدھے دن کے برابر وقت میں چیک کیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے) اور آپ ان لوگوں کو ایک قریب آنے والی مصیبت کے دن (قیامت۔ ازف الرحیل بمعنی قرب سے یہ لفظ بنا ہوا ہے) سے ڈرائیے۔ جس وقت کلیجے منہ کو آئیں گے (ڈر کے مارے نکلے پڑیں گے) گھٹ گھٹ جائیں گے (اندر ہی اندر غم میں گھلتے ہوئے۔ یہ قلوب سے حال ہے۔ کاظمین واؤنون کے ساتھ جمع لائی گئی۔ اصحاب قلوب کی رعایت کرتے ہوئے) ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا کہ جس کا کہا مانا جائے (اطاع یہ صفت احترازی نہیں ہے اس لئے اس کے مفہوم کی رعایت پیش نظر نہیں ہے۔ کیونکہ فی نفسہ ان کا کوئی سفارشی ہی نہیں ہوگا۔ جیسا کہ فمالنا من شافعین سے معلوم ہورہا ہے اور یا اس مفہوم کا لحاظ کیا جائے گا۔ مگر ان کے عقیدے کی رو سے کہ "ہمارے سفارشی ہوں گے۔" حاصل یہ ہوگا کہ اگر ان کا بالفرض سفارشی ہونا بھی مان لیا جائے تو وہ سفارش نہیں سنی جائے گی۔ وہ (اللہ) آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے (نامحرم کے گھورنے کو) اور ان کو بھی جو سینوں (دلوں) میں پوشیدہ ہیں اور اللہ تعالیٰ بالکل ٹھیک ٹھیک فیصلہ کردے گا اور جن کو یہ پکارتے ہیں (یعنی کفار مکہ جن کی عبادت کرتے ہیں یا اور تا کے ساتھ دونوں قرائتیں ہیں) اللہ کے علاوہ (بتوں کو) وہ کسی بھی طرح کا فیصلہ نہیں کرسکتے (پھر وہ اللہ کے شریک کیسے ہوگئے؟) اللہ ہی سب کچھ سننے والا (باتوں کا) سب کچھ دیکھنے والا (کاموں کا) ہے۔

تحقیق وترکیب: ....الا الذین۔ مفسرؒ کو الا ان الذین الخ کہنا چاہئے تھا۔

ایتیں۔ میں پہلی آیت تو یہی ہے اور دوسری آیت لخلق السموات ہے۔ یہ دونوں آیات مدنی ہیں۔

وقابل التوب۔ واؤلانے میں یہ نکتہ ہے کہ حق تعالیٰ مومنین کے لئے دونوں برتاؤ فرمائے گا۔ گناہوں کی معافی اور توبہ کا قبول کرنا۔ کیونکہ ان دونوں وصفوں میں تلازم نہیں۔ توبہ کے لئے تین باتیں شرعاً ضروری ہیں۔

۱۔ گناہ چھوڑ دینا۔

۲۔ اس پر اظہار ندامت کرنا۔

۳۔ آئندہ کے لئے نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنا۔

اور استغفار کے معنی یہ ہیں کہ گناہ کو برا سمجھ کر مغفرت مانگنا۔ پس توبہ پہلے ہوگی اور استغفار بعد میں۔

شدید۔ اگر فعیل کے وزن پر اس کو صفت مشبہ مانا جائے تو یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اس کی اضافت فاعل کی طرف اضافت لفظیہ ہونے کی وجہ سے مفید تعریف نہیں۔ اس لئے اس کو معرف کی صفت بھی نہیں بنایا جاسکتا۔ پس مفسرؒ کو مشددۃ کہہ کر اعتراض کے دفعیہ کی طرف اشارہ کرنا پڑا کہ فعیل صفت مشبہ نہیں بلکہ بمعنی اسم فاعل ہے۔ جیسے آذین بمعنی مؤذن۔

ذی الطول۔ فتح کے ساتھ ہے کہا جاتا ہے۔ لفلان علی فلان طول ای زیادۃ اسی لئے طول کو غنا بھی کہا جاتا ہے۔

کیونکہ مالداری سے زائد چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ اللہ کی طرف سے ثواب وانعام کو طول کہیں گے۔ یہی معنی ہیں انعام واسع کے اور بعض نے یہاں ترک عقاب مراد لیا ہے۔ قاموس میں اس کے معنی قدرت، غنی، سعت، فضل لکھے ہیں۔ ان آیات میں بعض صفات ترہیبی ہیں اور بعض ترغیبی۔

وھو موصوف الخ سے اس سابقہ شبہ کا جواب دے رہے ہیں یہ تینوں صفات اضافت لفظیہ کی وجہ سے مفید تعریف نہیں؟ حاصل جواب یہ ہے کہ ان میں استمرار ودوام کے معنی لئے جائیں گے تو پھر یہ اضافتیں مفید تعریف بن جائیں گی اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ تینوں بدل ہیں صفت نہیں ہیں اور بدل میں مبدل منہ کے تابع اور موافق ہونا شرط نہیں ہے اور ایک جواب پہلے گزر چکا ہے کہ یہ اسم فاعل ہے۔

فلا یغررک۔ شرط مقدر کی جزاء ہے۔ ای اذا علمت انھم کفار فلا یغررک اموالھم۔ اس میں آپ کو تسلی ہے۔ جیسا کہ آئندہ آیت کذبت قبلھم میں تسلی ہے۔

عقاب۔ مفسرؒ نے لھم کہہ کر حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے اور یعقوبؒ نے عقابی پڑھا ہے۔ تفسیر مدارک میں ہے یہ استفہام تقریر تثبیت یا تحقیق کے لئے ہے۔

وکذلک۔ یعنی آخرت میں ان کو پچھلے لوگوں کی طرح ضرور سزائیں ملیں گی۔ البتہ دنیا میں ان کو آپ کی برکت کی وجہ سے چھوڑ رکھا ہے۔

انھم اصحاب النار۔ اگر کلمہ سے مراد یہی جملہ ہے تب تو یہ بدل الکل ہوگا اور اگر مفسرؒ کی رائے کے مطابق لا ملان الخ ہو تو پھر بدل الاشتمال ہو جائے گا۔

ومن حولہ۔ یہ الذین یحملون پر معطوف ہے اور ربنا وسعت بیان یا حال ہو جائے گا یستغفرون کا۔ مفسرؒ نے ای وسع رحمتک الخ سے اشارہ کیا ہے کہ رحمۃ و علماً تمیز ہیں مگر دراصل فاعل تھے۔

ویؤمنون بہ۔ خطیبؒ کے کہنے کے مطابق یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ یسبحون سے متصف کرنے کے بعد یؤمنون کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر مفسرؒ نے ببصائرھم کہہ کر اشارہ جواب کی طرف کیا ہے کہ تسبیح کرنا تو زبان کے وظائف میں سے ہے۔ لیکن ایمان لانا وظائف قلب سے ہے۔ اس لئے دونوں کی ضرورت ہوئی۔ نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان جس طرح دنیا میں دلائل پر نظر رکھنے کی وجہ سے حقیقت ادراک سے محجوب رہتے ہیں، فرشتے بھی ادراک بالبصائر کے مرتبہ میں حقیقی ادراک سے محجوب رہتے ہیں۔

من اباء ھم۔ ان تینوں کے ساتھ جنت میں رہنا چونکہ باعث نشاط ہوگا اس لئے ان کے داخلہ کی دعا کی۔

ادخلھم۔ کے ہم پر داخلہ کرنے میں چونکہ صریح دعا ہے بنسبت وعدتھم کے ہم پر عطف کرنے کے اس لئے اول ترکیب بہتر ہے۔

لمقت اللہ۔ مفسر علامؒ نے دونوں وقتوں کا زمانہ ایک مانا ہے۔ یعنی دوزخ میں جانے کے وقت۔ مگر دونوں کے فاعل علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اول کا فاعل اللہ اور دوسرے کا فاعل خوف کفار۔ لیکن تقدیر عبارت اس طرح بھی ہوسکتی ہے۔ لمقت اللہ انفسکم فی الدنیا اذتدعون الی الایمان فتکفرون۔ اشد من مقتکم انفسکم الیوم وانتم فی النار۔ اس صورت میں پہلے مقت کا زمانہ دنیا اور دوسرے مقت کا زمانہ آخرت ہوگا۔ گویا فاعل کی طرح دونوں زمانے بھی مختلف ہوئے۔ یہ رائے مجاہدؒ سے منقول ہے۔ اس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ مصدر اور اس کے صلہ کے درمیان اجنبی یعنی خبر کا فصل ہو جائے گا۔ لیکن امالی ابن حاجب میں ہے کہ ظروف میں

توسع ہوتا ہے۔اس لئے گنجائش ہے۔

امتنا اثنتین. دونوں حالتوں کوموت سے تعبیر کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے۔سبحان من صغر جسم البعوضة و کبر جسم الفیل. اسی طرح دونوں حیات سے مراد دنیاوی اور اخروی زندگانی ہیں۔جیسا کہ ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ، قتادہؒ، ضحاکؒ کی رائے ہے۔لیکن سدی کی رائے ہے کہ پہلی زندگی سے مراد برزخی زندگی ہے۔پس پہلی صورت میں حقیقت ومجاز کا جمع کرنا یا عموم مشترک لازم آئے گا۔کیونکہ اماتت کی تفسیر اموات کو پیدا کرنا اگر مجازی ہیں تو پہلا اشکال یعنی حقیقت مجاز کا جمع کرنا رہے گا اور معنی حقیقی ہیں تو پھر دوسرا اشکال لازم آئے گا۔لیکن اماتت کے معنی اموات کردینے کے لے کرعموم مجاز کی توجیہ کرلی جائے گی۔

اس آیت سے تناسخ اور آواگون کا غلط ہونا معلوم ہوا۔کیونکہ یہاں صرف دو حالتوں میں حصر ہے۔یعنی موت بھی صرف دو مرتبہ اور زندگی بھی صرف دو مرتبہ۔حالانکہ تناسخ ماننے والے موت وحیات کا چکر مسلسل مانتے ہیں۔

رفیع الدرجات. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ رفیع صفت مشبہ خبر ہے مبتداء محذوف ھو کی۔

اور افع الخ سے اشارہ ہے کہ فعیل مبالغہ کے لئے ہے۔ورنہ دراصل اسم فاعل تھا۔بغویؒ نے صرف اخیر کی توجیہ کی ہے۔

یلقی الروح. وحی کوروح سے تعبیر کیا ہے۔یعنی جیسی روح بدن میں حلول سریانی کرتی ہے ایسے ہی وحی قلب میں سرایت کرتی ہے۔اس لئے انبیاء کونسیان وحی نہیں ہوتا۔

من امرہ. روح کا بیان یا حال ہے یا صفت ہے یا یلقی کے متعلق ہے اور من سببیہ ہے اور امر سے مراد قول ہے۔جیسا کہ مفسرؒ کی رائے ہے یا بقول ابن عباسؓ قضا مراد ہے۔

لینذر. مفسرؒ نے یخوف سے اس کے معنی ظاہر کردیئے اور مطلق علیہ اس کا فاعل ہے جو من یشاء کا مصداق ہے اور یہ کہ ینذر کا پہلا مفعول الناس محذوف یا کے ساتھ ہے۔لیکن ابن کثیرؒ اور یعقوبؒ یا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

یوم ھم. یہ بدل ہے یوم التلاق سے۔اس میں یوم جملہ اسمیہ کی طرف مضاف ہو رہا ہے۔جیسے کہا جائے۔اتیتک زمن الحجاج امیر.

لایخفی. یہ دوسری خبر ہے یا حال ہے۔یوں تو ہر آن اللہ سے کوئی بات مخفی نہیں۔مگر چونکہ قیامت کے اژدھام کی وجہ سے وہم اس گمان کا ہوسکتا تھا، اس لئے نفی میں اس روز کی تخصیص فرمادی۔

لمن الملك. خبر مقدم مبتداء موخر ہے اور یوم ظرف ہے اور للہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔جملہ مستانفہ سوال مقدر کے جواب میں ہے۔ای ماذایکون حینئذ یہ جواب حق تعالیٰ بہ نفس نفیس عطا فرمائیں گے۔یا اہل محشر کی طرف سے ہوگا۔

یوم الازفة. بمعنی قریبہ اس کا موصوف مقدر ہے ای الخطة. یہ قرب یا تو ماضی کی نسبت سے ہے اور یا اس لئے کہ کل ات قریب. ازف الرحیل کہا جاتا ہے۔

اذ القلوب. یہ کنایہ ہے شدت خوف یا انتہائی تکلیف سے۔

کاظمین. اس میں قلوب کا ذکر اصحاب قلوب پر دلالت کر رہا ہے جو ذوالحال ہے اور قلوب بھی ذوالحال ہوسکتا ہے۔ نیز مبتداء بھی ذوالحال بن سکتا ہے۔یہ ماخوذ ہے کظلم القربة سے۔مشکیزہ کا منہ بند کردینا۔چونکہ کظام افعال عقلاء میں سے ہے اس لئے جمع مذکر لائی گئی۔

خائنة الاعین. اس میں چار ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔

۱۔ یہ هو الذی یریکم أیاته کی خبر ثانی ہے اور یہی ظاہر ہے۔
۲۔ اس کا تعلق و انذرهم سے ہو۔
۳۔ یہ متصل هو سریع الحساب سے۔
۴۔ یہ متصل هو لایخفی علی الله سے۔

پہلی دونوں صورتوں میں یہ جملہ محل اعراب میں نہیں ہوگا۔ کیونکہ حکم انذار کے لئے بمنزلہ علت ہے اور آخر کی دونوں صورتوں میں یا قائم مقام علۃ کے ہوگا اور یا حال کی وجہ سے محل نصب میں مانا جائے گا۔

یدعون. اکثر کے نزدیک یا کے ساتھ اور نافع وہشام کے نزدیک تا کے ساتھ قرأت ہے بطور التفات کے یاقل مضمر مان کر۔

ربط آیات:.............اس صورت میں تین مضمون ہیں۔

۱۔ توحید ۲۔ مجادلین کی دھمکی ۳۔ آنحضرت ﷺ کو تسلی۔

توحید کا بیان کہیں استدلالی ہے اور کہیں اس کا حکم ہے اور کفر کی ممانعت اور کہیں اہل توحید کی تعریف و بشارت۔ اسی طرح مجادلین حق میں بھی عام ہیں۔ پس مخالفت رسالت بھی اس میں داخل ہے۔ ان کو دنیاوی عقوبت اور اخروی عذاب کی دھمکیاں ہیں اور مضمون تسلی کے سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ کسی قدر تفصیل سے اور پچھلے پیغمبروں کا مبعوث ہونا مجملاً بیان ہوا ہے۔

نیز پچھلی سورت کے ختم پر مومن وکافر کا اخروی فرق بیان فرمایا گیا تھا اور یہاں دونوں کا دنیاوی فرق بیان ہو رہا ہے کہ ایک فرمانبردار ہے تو دوسرا نبردآزما۔ پس اس طرح دونوں سورتوں کی ابتداء اور انتہاء میں بھی باہمی ربط ہوگیا اور اس دنیاوی حالت کے بیان سے پہلے قرآن کی حقانیت اور بھیجنے والے کی بعض صفات مع توحید جو ارشاد فرمائی جارہی ہے وہ بطور تمہید ہیں۔ اس لئے بے ڈھنگی کا شبہ نہ کیا جائے۔

سورہ مومن سے سورۂ احقاف تک مسلسل سات سورتیں حٰمٓ سے شروع ہوئی ہیں اور ان کا ابتدائی مضمون ایک ہی ہے کہ قرآن اللہ کی وحی ہے۔

شان نزول وروایات:.............ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حٰمٓ اسم اعظم ہے اور یہ کہ الٓر، حٰمٓ، نٓ یہ حروف مقطعات ہیں الرحمٰن کے۔

جنت عدن التی وعدتهم کا بیان یہ ہے کہ جنتی جنت میں داخل ہوکر عرض کرے گا۔ این ابی این امی این ولدی این زوجتی؟ جواب ملے گا۔ انهم لم یعملوا عملک. اس پر جنتی پھر عرض گزار ہوگا۔ انی کنت اعمل لی ولهم. چنانچہ سب کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت مل جائے گی۔ تاکہ اس کی خوشی مکمل ہوجائے۔

ربنا امتنا اثنتین کے ذیل میں ابن عباسؓ، قتادہؒ، ضحاکؒ سے منقول ہے۔ کانوا امواتا فی اصلاب اباء هم فاحیاهم الله تعالی فی الدنیا ثم اماتهم الموتة الاولی التی لابدمنها ثم احیاهم لبعث یوم القیمة فهما موتان وحیاتان. جیسا کہ دوسری آیۃ وکنتم امواتا فاحیاکم الخ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

یوم هم بارزون. حدیث میں ہے یحشرون عراتا حفاة غرلا یعنی ننگ دھڑنگ، برہنہ پا غیر مختون قبروں سے برآمد ہوں گے۔

﴿ تشریح ﴾:............ گناہوں کی مغفرت اور توبہ کی قبولیت دونوں کو جمع کرنے کا منشاء یہ ہے کہ وہ توبہ قبول کر کے ایسا پاک و صاف کر دیتا ہے کہ گویا کبھی گناہ کیا ہی نہیں تھا۔ بلکہ توبہ کو مستقل عبادت شمار کر کے اس پر مزید اجر عنایت فرماتا ہے۔

دنیا کے چندروزہ عیش پر نہ ریجھیں:............ مایجادل. اللہ کی آیات اور اس کی عظمت وقدرت کے نشانات ایسے واضح ہیں کہ ان میں کسی کے جھگڑے کی گنجائش ہی نہیں۔ مگر جن لوگوں نے یہ ٹھان کر قسم کھا رکھی ہے کہ روشن سے روشن دلائل اور کھلی کھلی باتوں کا بھی انکار کریں گے، وہی بچی باتوں میں ناحق جھگڑے نکالتے ہیں۔ پس ایسے لوگ اگرچہ ظاہراً مزے کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ہر طرف چلتے پھرتے، کھاتے پیتے دکھائی دیتے ہیں، مگر اس سے دھوکہ میں نہیں پڑنا چاہئے۔ یہ چندروزہ ڈھیل ہے۔ چندے چل پھر کر دنیا میں مزے اڑالیں۔ پھر ایک دم غفلت کے نشہ میں پوری طرح چور پکڑ لئے جائیں گے۔ ان کا انجام تباہی اور ہلاکت ہے۔ جیسا کہ پہلی قوموں کا بھی یہی حشر ہوا۔

چنانچہ پہلے شریروں نے اپنے پیغمبروں کو پکڑ کر قتل کرنا چاہا اور مقتول کے ڈھکوسلے کھڑے کر کے سچے دین کو مٹانا چاہا۔ حق کی آواز دبانے کی کوشش کی۔ مگر اللہ نے ان کا داؤ چلنے نہ دیا اور انہیں دھر گھسیٹا۔

دیکھ لو میری سزا کیسی ہوئی۔ ان کی سانس آواز تک نہ سنائی دی۔ ان تباہ شدہ قوموں کے کچھ آثار آج بھی بہت جگہ موجود ہیں۔ انہیں دیکھ کر ہی انسان ان کی تباہی کا اندازہ کر سکتا ہے۔

پس اگلی قوموں کے آئینہ میں ان شریروں کو بھی اپنے چہرے دیکھ لینے چاہئیں اور جس طرح دنیا میں پیغمبروں کی بات پوری اتری، آپ کے پروردگار کے یہاں یہ حقیقت بھی طے شدہ سمجھو کہ آخرت میں ان شریروں کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔

سچے مومنین کا حال ومآل:............ الذین یحملون. میں منکرین کے مقابل اطاعت شعار مومنین کا حال بیان کیا جارہا ہے جو فرشتے حاملین عرش اور اس کے اردگرد طواف کرنے والے ہیں۔ ان کی زبانوں پر تسبیح وحمد کے ترانے اور دلوں میں جذبہ طاعت موجزن رہتا ہے۔ وہ پروردگار کی بارگاہ میں مومنین کے حق میں دعاگو رہتے ہیں۔ گویا فرش خاک پر رہنے والے مومنین سے جو خطائیں سرزد ہوتی ہیں ان کے لئے بارگاہ صمدیت میں مقربان عرش غائبانہ دعائیں کرنے کے لئے مامور ہیں۔

ان کے دعائیہ کلمات کا حاصل یہ ہے کہ اے بار الٰہ! اگر تیرے ماننے والوں سے بتقاضائے بشریت کچھ لغزشیں اور کمزوریاں ہو جائیں تو آپ انہیں اپنے فضل وکرم سے معاف فرما دیجئے کہ دنیا میں ان سے کوئی دار وگیر ہو اور نہ دوزخ کا منہ دیکھنا پڑے۔ البتہ جو گنہگار مسلمان توبہ وانابت سے محروم ہیں ان آیات میں ان کا ذکر نہیں ہے اور نہ بظاہر فرشتے ان کے حق میں دعاگو ہوں گے۔ یہ شرف تو توبہ گذار مومنین کا معلوم ہوتا ہے۔

جنت میں متعلقین کی معیت:............ ومن صلح من ابائهم الخ کی قید سے اور دوسری نصوص سے یہ بات طے شدہ ہے کہ ایمان واصلاح کے بغیر محض کسی کے ایمان وعمل کی وجہ سے جنت میں داخلہ نہیں ہو سکے گا۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ ایک کے ایمان وعمل سے دوسروں کی ترقی مراتب ہو سکے گی۔ والذین امنوا واتبعتهم ذریتهم بایمان الحقنابهم ذریتهم وما التناهم من عملهم من شیء. اسی طرح یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہ لاحقین بھی دنیا میں آرزو رکھتے ہیں کہ ہم بھی اسی مرد صالح کی چال چلیں۔ ان کی یہ نیک بختی اللہ کے یہاں قبول ہو جائے تو فی الحقیقت ان لواحقین ہی کے عمل کا بدلہ ہوا۔ یا صلحاء کے اعزاز واکرام ہی کی ایک صورت یہ ہو کہ ان

کے متعلقین کو ان ہی کے درجہ میں رکھا جائے کہ دنیا کی طرح وہاں یہ بھی دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہیں۔

وقھم السیئات ۔ میں سیئات سے مراد خلاف مزاج ناگوار باتیں، پریشانیاں اور مصائب ہیں اور یا اعمال سیئہ مراد ہیں۔ یعنی انہیں ان دونوں سے محفوظ فرمادے اور ان میں ایسی خوبیاں پیدا کردے کہ یہ برائیوں کی طرف جائیں ہی نہیں اور جو دنیا میں برائیوں سے بچ گیا۔ اس پر اللہ کا فضل ہو گیا۔ وہ آخرت میں بھی برے نتائج سے محفوظ رہے گا۔ پہلی صورت میں یومئذ سے مراد آخرت اور دوسری صورت میں دنیا ہوگی۔

اللہ کی ناراضگی زیادہ ہونے کا مطلب: .... اور لمقت اللہ اکبر کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ آخرت کی تکالیف دیکھ کر جس قدر تم اپنی جانوں سے بیزار ہو رہے ہو، اللہ تعالیٰ دنیا میں تمہارے اعمال سے اس سے زیادہ بیزار تھا اور دوسرا یہ کہ آخرت میں جس قدر عذاب دیکھ کر تم اپنے لئے بیزار ہو رہے ہو اللہ اس سے زیادہ خود تم سے بیزار ہے۔ اس دوسری صورت میں دونوں بیزاریوں کا زمانہ ایک ہی رہا۔

ربنا امتنا ۔ یعنی پہلے مٹی یا نطفہ تھے تو مردے ہی تھے پھر جان پڑی تو زندہ ہوئے۔ پھر مرے۔ پھر زندہ کر کے اٹھا لئے گئے۔

وکنتم امواتا الخ یہ ہیں دو موتیں اور حیاتیں۔ بعض حضرات نے ان کا مصداق اور بیان کیا ہے۔ بہرحال اپنی اس غلطی کا اعتراف کریں گے کہ مرنے کے بعد پھر جینا نہیں ہے اور حساب کتاب اور کوئی قصہ بھی نہیں ہوگا۔ اسی لئے شرارتوں پر کمربستہ رہے۔ مگر اب دیکھ لیا کہ جس طرح پہلی موت کے بعد آپ نے ہم کو زندہ کیا، وجود بخشا، پھر موت کے بعد دوبارہ زندگی بخشی، اس ردوبدل سے دوبارہ زندہ ہونے کے تمام مراحل اور مناظر سامنے آ گئے، جن کا پہلے ہم انکار کیا کرتے تھے اور اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ ہم اپنی غلطیوں کا اقرار کریں۔ مگر افسوس کہ اب بظاہر یہاں سے بھاگ نکلنے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ ہاں! اللہ کے لئے ناممکن نہیں کہ جو اتنی تبدیلیوں پر قادر ہے وہ ایک تبدیلی اور کر کے ہمیں پھر دنیا میں لوٹا دے اور ایسا ہوا تو ہم خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں گے۔

دنیا میں دوبارہ آنے کی درخواست بہانہ بازی ہے: .... لیکن اس جھوٹے بہانہ کو یہ کہہ کر رد کر دیا جائے گا کہ تم نے دنیا میں رہتے ہوئے کبھی خدا کی دعوت وحدانیت پر کان ہی نہیں دھرا۔ ہمیشہ انکار ہی کرتے رہے، ہاں جھوٹے دیوتا کے نام سے کبھی کوئی پکار ہوئی تو فوراً اس کے پیچھے ہو لئے۔ اس سے تمہاری سرشت اور خو کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ تمہاری افتاد طبع یہ ہوئی کہ ہزار بار بھی تمہیں دنیا میں بھیجا جائے تو وہی کر کے آؤ گے جواب تک کر کے لائے ہو۔

عدالت عالیہ کے فیصلہ کی اپیل نہیں: .... بس اب تو تمہارے جرموں کی ٹھیک سزا یہی ہے جو عدالت عالیہ سے حبس دوام کا فیصلہ صادر ہو گیا ہے۔ اب آگے اس کی اپیل ہی نہیں۔ اس لئے رہائی کی آرزو فضول ہے۔

جہاں تک اللہ کی عظمت وقدرت کا تعلق ہے، انسان کی اپنی روزی کے انتظامات پر نظر ڈالنے سے ہی بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ زمین وآسمان کی ساری مشینری اور اس کے کل پرزے مسلسل جڑے ہوئے ہیں۔ مگر جب کوئی غور وفکر ہی نہ کرے تو کیا خاک سمجھ میں آ سکتا ہے۔ چاہئے تو یہی کہ خدا کے بندے سمجھ سے کام لے کر بلا شرکت غیرے صرف اللہ ایک کی پرخلوص عبادت میں جی جان سے جت جائیں۔ چاہے شرک زدہ لوگ اس موحدانہ طرز عمل پر ناک بھوں ہی کیوں نہ چڑھائیں کہ سارے دیوتاؤں کو اڑا کر صرف ایک ہی خدا پر قناعت کر لی مگر پکا موحد سب کو نظر انداز کر کے ایک ہی کا ہو رہتا ہے اور کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔

رفیع الدرجات ۔ تفسیر خازن وغیرہ کے مطابق اسکے دو معنی ہو سکتے ہیں۔

۱۔ رفیع بمعنی رافع چنانچہ دنیا میں بلندی درجات کی انتہاء نبوت ورسالت تک ہے۔ جیسا کہ یلقی الروح میں اس طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح قیامت میں بلحاظ اعمال ترقی مراتب فرمائے گا۔ جیسا کہ ھم درجات عند اللہ فرمایا گیا ہے۔
۲۔ مفسر علامؒ نے رفیع کے معنی مرتفع کے لئے ہیں۔ حقیقی معنی تو معارج ومدارج ہوں گے۔ مگر مجازاً صفات پر اطلاق کیا جائے گا۔ یعنی وہ عظیم الصفات ہے۔

محشر کی ہولنا کی نا قابل برداشت ہوگی: .... وحی الٰہی روح عالم ہے۔ جس سے روحانی حیات وابستہ ہے۔ نظام عالم جب درہم برہم ہوگا تو قبروں سے نکل کر اور سب اولین وآخرین مل کر اللہ کی عدالت میں پیشی کے لئے کھلے میدان میں حاضر ہوں گے اور اپنے اچھے برے کئے سے ملیں گے اور یہ اس کا دربار ہوگا۔ جس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔ سب اترے پتھرے کھل کر سامنے آجائیں گے۔

لمن الملك یعنی قیامت کے دن تمام وسائط اٹھ جائیں گے۔ ظاہری اور مجازی رنگ میں بھی کسی کی بادشاہت نہ رہے گی۔ بلکہ درمیانی سب حجابات اٹھ جائیں گے۔ کھلی آنکھوں اسی اکیلے شہنشاہ مطلق کا راج ہوگا۔ خوف اور گھبراہٹ سے دل دھڑک کر گلوں تک پہنچ رہے ہوں گے اور لوگ دونوں ہاتھ سے ان کو پکڑ کر دبائیں گے کہ کہیں سانس کے ساتھ باہر نہ نکل پڑیں۔

ایک علمی نکتہ: .... لمن الملك الیوم فرمانا درمنثور میں دومرتبہ آیا ہے۔ ایک نفخہ اولیٰ کے بعد جب سب کچھ فنا ہوجائے گا دوسرے نفخہ ثانیہ کے بعد حساب کتاب شروع ہونے سے پہلے۔ لیکن آیات کی تفسیر ان روایات پر موقوف نہیں ہے۔ ظاہراً قرآنی مدلول یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس ندا کی حکایت نہیں۔ جیسا کہ تحقیق کے ذیل میں عرض کیا گیا۔ بلکہ بطور مبالغہ اس دن کو حاضر فرض کر کے استفہام تقریری کے طریقہ پر سوار کرتے ہوئے ارشاد فرما رہے ہیں۔ اسی فرض کی وجہ سے یومئذ کی بجائے الیوم فرمایا ہے۔ پس یہ آیت نہ اس روایت کو مقتضی ہے اور نہ اس کے خلاف، یعنی نہ ان میں باہم تلازم ہے نہ تزاحم۔

اللہ کے یہاں سفارش: .... ما للظالمین یعنی نہ ان کا ایسا کوئی جگری دوست ہوگا اور نہ کوئی ایسا سفارشی کہ جس کی بات ضرور مانی جائے۔ کیونکہ سفارش میں دو پابندیاں ہوں گی۔
۱۔ سفارش کنندہ بھی اجازت کا پابند ہوگا۔
۲۔ اور جس کے لئے سفارش ہوگی وہ بھی بے اجازت نہ ہو سکے گی۔

غرضیکہ دنیا کی طرح اندھا دھند اور دھاندلی کی سفارش اس کے یہاں نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس کے دائرہ علم کا حال یہ ہوگا کہ مخلوق کی نظر بچا کر بھی کسی نے چوری چھپے اگر نگاہ ڈالی یا کن انکھیوں سے دیکھا یا دل میں کچھ نیت کی یا دل میں کوئی ارادہ یا خیال آیا تو اللہ ہر چیز کو چونکہ جانتا ہے اس لئے انصاف سے فیصلہ کردے گا۔ کیونکہ انصاف سے فیصلہ کرنا اسی کا کام ہوسکتا ہے جو سمجھنے اور جاننے والا ہو۔ بھلا پتھر کی بے جان مورتیاں جنہیں تم خدا کہہ کر پکارتے ہو کیا خاک فیصلہ کریں گی اور جو فیصلہ نہ کر سکے وہ خدائی کیا کرے گا۔

لطائف سلوک: .... مایجادل فی ایات اللہ میں مطلق جدال کی ممانعت نہیں ہے۔ چنانچہ فوراً بعد و جادلوا بالباطل الخ کا ارشاد ہے۔ بلکہ وجادلھم بالتی ھی احسن میں جدال حق کا حکم ہے۔ البتہ آیت میں جدال باطل کی مذمت ہے اور ان دونوں میں فرق کرنا اہل اللہ کے خواص سے ہے۔

الذین یحملون العرش میں ایمان اوراہل ایمان کا شرف واضح ہے کہ اللہ کے مقرب ترین فرشتے ان کے لئے غائبانہ وقف استغفار رہتے ہیں۔

یعلم خائنۃ الاعین۔ آیت کے اطلاق اور عموم میں وہ صورت بھی داخل ہے کہ محبوب حقیقی کے علاوہ پر بنظر استحسان واستلذ اذ نگاہ کی جائے یادل سے اس کی تمنا کی جائے۔ اسی طرح آیت میں تزکیہ ظاہر کے ساتھ تزکیہ باطن کا ہونا بھی ضروری معلوم ہورہا ہے۔

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ کَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ کَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَفِیْ قِرَاءَةٍ مِنْکُمْ **وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ** مِنْ مَصَانِعَ وَقُصُوْرٍ **فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ** اَهْلَکَهُمْ **بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا کَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ** ﴿۲۱﴾ عَذَابِهٖ **ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ کَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ** بِالْمُعْجِزَاتِ الظَّاهِرَاتِ **فَکَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ** ﴿۲۲﴾ **وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ** ﴿۲۳﴾ بُرْهَانٍ بَیِّنٍ ظَاهِرٍ **اِلٰی فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا** هُوَ **سٰحِرٌ کَذَّابٌ** ﴿۲۴﴾ **فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ** بِالصِّدْقِ **مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْیُوْا** اِسْتَبْقُوْا **نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا کَیْدُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ** ﴿۲۵﴾ هَلَاکٍ **وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی** لِاَنَّهُمْ کَانُوْا یَکُفُّوْنَهٗ عَنْ قَتْلِهٖ **وَلْیَدْعُ رَبَّهٗ ۚ** لِیَمْنَعَهٗ مِنِّیْ **اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ** مِنْ عِبَادَتِکُمْ اِیَّایَ فَتَتَّبِعُوْنَهٗ **اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ** ﴿۲۶﴾ مِنْ قَتْلٍ وَغَیْرِهٖ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْوَاوِ وَفِیْ اُخْرٰی بِفَتْحِ الْیَاءِ وَالْهَاءِ وَضَمِّ الدَّالِ **وَقَالَ مُوْسٰی** لِقَوْمِهٖ وَقَدْ سَمِعَ ذٰلِکَ **اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ** ﴿۲۷﴾ **وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ** قِیْلَ هُوَ ابْنُ عَمِّهٖ **یَکْتُمُ اِیْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ** اَیْ لِاَنْ **یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ** بِالْمُعْجِزَاتِ الظَّاهِرَاتِ **مِنْ رَّبِّکُمْ ؕ وَاِنْ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْهِ کَذِبُهٗ ۚ** اَیْ ضَرَرُ کَذِبِهٖ **وَاِنْ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ ؕ** بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ عَاجِلًا **اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ** مُشْرِکٌ **کَذَّابٌ** ﴿۲۸﴾ مُفْتَرٍ **یٰقَوْمِ لَکُمُ الْمُلْکُ الْیَوْمَ ظٰهِرِیْنَ** غَالِبِیْنَ حَالٌ **فِی الْاَرْضِ** اَرْضِ مِصْرَ **فَمَنْ یَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ** عَذَابِهٖ اِنْ قَتَلْتُمْ اَوْلِیَاءَهٗ **اِنْ جَآءَنَا ؕ** اَیْ لَا نَاصِرَ لَنَا **قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِیْکُمْ اِلَّا مَآ اَرٰی** اَیْ مَا اُشِیْرُ عَلَیْکُمْ اِلَّا بِمَا اُشِیْرُ بِهٖ عَلٰی نَفْسِیْ وَهُوَ قَتْلُ مُوْسٰی **وَمَآ اَهْدِیْکُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ** ﴿۲۹﴾ طَرِیْقَ الصَّوَابِ **وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ** ﴿۳۰﴾ اَیْ یَوْمِ حِزْبٍ بَعْدَ حِزْبٍ **مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ؕ** مِثْلَ بَدَلٌ مِنْ مِثْلَ قَبْلَهٗ اَیْ مِثْلَ جَزَاءِ عَادَةِ مَنْ کَفَرَ

قَبْلَكُمْ مِنْ تَعْذِيبِهِمْ فِي الدُّنْيَا وَمَا اللّٰهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَيٰقَوْمِ اِنِّيٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ بِحَذْفِ الْيَاءِ وَاِثْبَاتِهَا اَيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْثُرُ فِيهِ نِدَاءُ اَصْحَابِ الْجَنَّةِ اَصْحَابَ النَّارِ وَبِالْعَكْسِ وَالنِّدَاءُ بِالسَّعَادَةِ لِاَهْلِهَا وَالشَّقَاوَةِ لِاَهْلِهَا وَغَيْرِ ذٰلِكَ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ عَنْ مَوْقِفِ الْحِسَابِ اِلَى النَّارِ مَالَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَذَابِهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ مَانِعٍ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهُ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ اَيْ قَبْلَ مُوْسٰى وَهُوَ يُوْسُفُ بْنُ يَعْقُوْبَ فِي قَوْلٍ عُمِّرَ اِلٰى زَمَانِ مُوْسٰى اَوْيُوْسُفُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ يُوْسُفَ بْنِ يَعْقُوْبَ فِي قَوْلٍ بِالْبَيِّنٰتِ بِالْمُعْجِزَاتِ الظَّاهِرَاتِ فَمَازِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِّمَّاجَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰىٓ اِذَاهَلَكَ قُلْتُمْ مِنْ غَيْرِ بُرْهَانٍ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ اَيْ فَلَنْ تَزَالُوْا كَافِرِيْنَ بِيُوْسُفَ وَغَيْرِهٖ كَذٰلِكَ اَيْ مِثْلَ اِضْلَالِكُمْ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُشْرِكٌ مُّرْتَابُ ﴿۳۴﴾ شَاكٌّ فِيْمَا شَهِدَتْ بِهِ الْبَيِّنٰتُ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُعْجِزَاتِهٖ مُبْتَدَأٌ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ بُرْهَانٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ جِدَالُهُمْ خَبَرُ الْمُبْتَدَأِ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ اَيْ مِثْلَ اِضْلَالِهِمْ يَطْبَعُ يَخْتِمُ اللّٰهُ بِالضَّلَالِ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ بِتَنْوِيْنِ قَلْبٍ وَدُوْنِهٖ وَمَتٰى تَكَبَّرَ الْقَلْبُ تَكَبَّرَ صَاحِبُهٗ وَبِالْعَكْسِ وَكُلٌّ عَلَى الْقِرَاءَ تَيْنِ لِعُمُوْمِ الضَّلَالِ جَمِيْعَ الْقَلْبِ لَا لِعُمُوْمِ الْقُلُوْبِ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا بِنَاءً عَالِيًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ طُرُقَهَا الْمُوْصِلَةَ اِلَيْهَا فَاَطَّلِعَ بِالرَّفْعِ عَطْفًا عَلٰى اَبْلُغُ وَبِالنَّصْبِ جَوَابًا لِاِبْنِ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ اَيْ مُوْسٰى كَاذِبًا ۭ فِيْ اَنَّ لَهٗ اِلٰهًا غَيْرِيْ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذٰلِكَ تَمْوِيْهًا وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ طَرِيْقِ الْهُدٰى بِفَتْحِ الصَّادِ وَضَمِّهَا وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ خَسَارٍ

ترجمہ: .... کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا کیسا انجام رہا۔ وہ لوگ ان سے بہت زیادہ تھے قوت میں (ایک قرأت میں منھم کی بجائے منکم ہے) اور ان نشانات میں جو زمین پر چھوڑ گئے (محلات اور قلعے) سو اللہ نے انہیں پکڑ لیا (تباہ کر ڈالا) ان کے گناہوں کی وجہ سے اور ان کو خدا (کے عذاب) سے بچانے والا کوئی نہ ہوا۔ یہ اس لئے ہوا کہ ان کے پاس پیغمبر واضح دلیلیں (کھلے معجزات) لے کر آتے رہے مگر انہوں نے نہ مانا تو اللہ نے ان پر دار و گیر فرمادی۔ بلاشبہ وہ بڑی طاقت والا سخت سزا دینے والا ہے۔ اور ہم نے موسیٰ کو اپنے احکام اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تو وہ سب کہنے لگے کہ یہ جادوگر جھوٹا ہے۔ پھر جب وہ لوگوں کے پاس ہمارا دین حق (سچ) لے کر پہنچے تو وہ لوگ بولے کہ ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کی نرینہ اولاد کو ختم کر ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ (باقی) رہنے دو۔ اور ان کافروں کی تدبیر محض بے اثر (بے کار) رہی اور فرعون کہنے لگا کہ ذرا مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کا کام تمام کر دوں (کیونکہ لوگ فرعون کو موسیٰ کے قتل سے باز رکھے

ہوئے تھے) اور موسیٰ اپنے رب کو پکار لے (تا کہ وہ اس کو مجھ سے بچا لے) مجھے اندیشہ ہے کہیں وہ تمہارے دین کو بدل ڈالے (تمہیں میری پرستش سے روکے اور تم اس کا کہنا مان لو) یا ملک میں کوئی خرابی پھیلادے (قتل وغیرہ ۔ ایک قرأت میں لفظ واؤ ہے اور ایک اور قرأت میں لفظ یظھر فتحہ یا اور فتحہ ہا کے ساتھ اور لفظ الفساد ضمہ دال کے ساتھ ہے) اور موسیٰ نے (اپنی قوم سے یہ سن کر) فرمایا کہ میں اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ہر خردماغ سے جو روز حساب پر یقین نہیں رکھتا اور ایک مومن شخص نے جو کہ فرعون کے خاندان میں سے تھے (کہا جاتا ہے کہ فرعون کا چچازاد بھائی تھا) اپنے ایمان پوشیدہ رکھتے تھے ۔ کہا تم ایک شخص کو اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے ۔ حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں (کھلے پیغامات) لے کر آیا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہی ہے تو اس کا جھوٹ (یعنی جھوٹ کا نقصان) اسی پر پڑے گا اور اگر سچا ہو تو وہ جو کچھ پیشگوئی کر رہا ہے (جلد عذاب دنیا کی) اس میں کچھ تم پر پڑے گا ۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مقصود تک نہیں پہنچاتا جو حد سے گزرنے والا (مشرک) بہت جھوٹ بولنے والا (افتراء پرداز) ہو ۔ اے میرے بھائیو! آج تو تمہاری سلطنت ہے کہ اس سرزمین (مصر) میں تم حاکم ہو (غالب ۔ یہ حال ہے) سو خدا کے عذاب میں ہماری کون مدد کرے گا (اگر تم نے اس کے دوستوں کو مار ڈالا) اگر وہ ہم پر آ پڑا (یعنی کوئی ہمارا مددگار نہیں بن سکتا) فرعون کہنے لگا میں تو وہی رائے دوں گا جو خود سمجھ رہا ہوں (یعنی تمہارے لئے میرا وہی مشورہ ہے جو خود اپنے لئے ہے ۔ یعنی موسیٰ کو قتل کرنا) اور میں تمہیں عین طریق مصلحت (درست راستہ) بتلا رہا ہوں اور وہ مومن بولا کہ صاحبو! مجھے تمہارے متعلق (یکے بعد دیگرے) دوسری امتوں جیسے روز بد کا اندیشہ ہے جیسے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والوں کا حال ہوا تھا ۔ (دوسرا مثل پہلے مثل کا بدل ہے ۔ یعنی تم سے پہلے کفر کرنے والوں کو دنیا میں عذاب دینے کا جو طریقہ ہوا اس جیسا) اللہ تعالیٰ تو بندوں پر کسی طرح کا ظلم نہیں چاہتا اور صاحبو! مجھے تمہارے متعلق اس دن کا اندیشہ ہے جس میں بکثرت چیخ وپکار ہوگی (لفظ تـنـاد حذف یا اور اثبات یا کے ساتھ ہے ۔ یعنی قیامت کے روز جس میں جنتی جہنمیوں کو اور جہنمی جنتیوں کو بار بار پکاریں گے ۔ اہل سعادت کو سعادت کی اور اہل شقاوت کو شقاوت کی آواز لگے گی ۔ وغیرہ) اس روز پیٹھ پھیر کر لوٹو گے (حساب کتاب کے میدان سے دوزخ کی طرف) تمہیں اللہ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور اللہ جسے گمراہ کردے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں ہے اور اس سے پہلے تمہارے یوسف (یعنی موسیٰ سے پہلے ایک قول کے مطابق یوسف بن یعقوب ہیں جو موسیٰ کے وقت تک زندہ رہے اور ایک قول کے مطابق یوسف بن ابراہیم بن یوسف بن یعقوب ہیں) دلائل (کھلے معجزات) لے کر آ چکے تھے ۔ سو تم ان باتوں میں برابر شک ہی میں رہے جو وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے ۔ حتیٰ کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو تم لوگ کہنے لگے (بلا دلیل) کہ بس اب اللہ کسی رسول کو نہیں بھیجے گا (یعنی اسی لئے تم یوسف وغیرہ کے منکر رہے) اسی طرح (جیسے تم گمراہ ہو گئے) اللہ تعالیٰ بچلائے رکھتا ہے آپے سے باہر ہو جانیوالوں کو (مشرکوں) شبہات میں گرفتار رہنے والوں کو (جو یقینی باتوں کی نسبت شک میں پڑے رہتے ہیں) جو جھگڑے نکالتے رہتے ہیں اللہ کی آیتوں میں (معجزات میں ۔ مبتداء ہے) بلا کسی سند (حجت) کے جو ان کے پاس ہوتی ہے بڑی ہے (ان کی یہ لڑائی ۔ یہ خبر ہے مبتداء کی) نفرت اللہ کو اور مومنین کو اس سے ، اس طرح (جیسے یہ گمراہ ہوئے) مہر کردیتا ہے (گمراہی کی) ہر مغرور وجابر کے پورے دل پر (قلب تنوین کے ساتھ اور بلا تنوین کے ہے اور دل کے تکبر کا اثر دل والے پر اور دل والے کے تکبر کا اثر دل پر پڑتا ہے اور لفظ کل پورے دل کی گمراہی کے لئے نہ کہ ہر دل کی تعمیم کے لئے) اور فرعون بولا ۔ اے ہامان! میرے لئے ایک بلند (اونچی) عمارت بنواؤ ممکن ہے میں آسمان پر جانے کی راہوں تک (جو آسمان میں لے جانے والی ہوں) پہنچ جاؤں ۔ پھر دیکھوں بھالوں (اطلع رفع کے ساتھ ہے ابلغ پر عطف ہے اور نصب کے ساتھ ابن کا جواب ہے) موسیٰ کے خدا کو اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں (اس بارے میں کہ میرے علاوہ اس کا کوئی معبود ہے ۔ تعمیر کا حکم فرعون نے تبلیس کے لئے

کیا تھا) اور اسی طرح فرعون کی بدکرداریاں اس کو بھلی معلوم ہوتی تھیں اور وہ رستہ سے بہک گیا تھا۔ (سیدھی راہ سے۔لفظ صد فتحہ صاد اور ضمہ صاد کے ساتھ آیا ہے) اور فرعون کی تدبیر غارت (ناکام) ہوگئی۔

تحقیق وترکیب: .... اولم یسیروا. ای اغفلوا ولم یسیروا الخ کیف خبر مقدم ہے کان کی اور عاقبة اسم ہے او رجملہ مفعول ہونے کی وجہ سے محض نصب میں ہے اور کانوا جواب ہے کیف کا جس میں ضمیر اسم فصل کے لئے اور اشد خبر ہے۔

مصنع حوض اور ڈیم کو کہتے ہیں جہاں پانی جمع کیا جائے۔ مصانع قلعہ۔

فقالوا. موسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ الفاظ فرعون اور اس کی قوم نے کہے تھے۔ تغلیباً سب کی طرف کردی گئی۔ ہامان اور قارون نے یہ باتیں نہیں کیں۔

ذرونــــی لوگوں نے اس خیال سے موسیٰ کو قتل کرنے سے روکا ہوگا کہ لوگ یہ نہ کہیں دلیل کا جواب تلوار سے دیا گیا۔ لیکن ذرونی کا مفہوم بلحاظ محاورہ بھی ہوسکتا ہے کہ ذرا مجھے چھوڑنا، فلاں کو ٹھیک کردوں یا میرا جوتا دینا میں فلاں کی مرمت کردوں۔

او ان یـظهر. ابوعمرؒ، ابن کثیرؒ، نافعؒ، ابن عامرؒ کے نزدیک واؤ کے ساتھ ہے اور باقی قراء کے نزدیک او کے ساتھ ہے اور حفصؒ کے علاوہ کوفیوں کے نزدیک فتحہ یا کے ساتھ ہے اور الـفـســاد ضمہ دال کے ساتھ فاعل ہے اور جمہور کی قرأت پر منصوب ہے مفعول کی بناء پر۔

رجـل مؤمن. ابن عباسؓ فرماتے ہیں فرعون کی بیوی آسیہ مومنہ تھی۔ اور ایک مومن وہ جنہوں نے آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی تھی۔ ان الملأ یاتمرون بك لیقتلوك اور تیسرے مومن یہ تھے جو درپردہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے۔

من اٰل فـرعون. صفت ہے رجل کی اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ فرعون کے چچازاد بھائی نہیں تھے بلکہ یہ اسرائیلی تھے۔ اس صورت میں من آل فــرعـون. یکتم کا صلہ ہوجائے گا۔ یعنی فرعونیوں سے اپنا ایمان پوشیدہ رکھتے ہوئے۔ لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو فرعون ان کی بات کی طرف دھیان نہ دیتا۔ خاندانی تعلق کی وجہ سے بھی ان کی بات قابل التفات سمجھی۔ ابن عباسؓ اور اکثر کے نزدیک ان کا نام حزقیل تھا۔ اور بعض حبیب اور بعض شمعان کہتے ہیں۔

قد جاء کم. یہ رجلا مفعول سے حال ہوسکتا ہے۔ رہا جملہ کا نکرہ ہونا۔ سو چونکہ استفہام کی خبر ہے۔ اس لئے مبتداء بنانے کی بھی گنجائش ہے اور حال بنانے کی بھی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یقول کے فاعل سے حال ہو۔

ان یلك کـاذبـا. مؤمن کا یہ کلام انتہائی انصاف اور بے تعصبی پر مبنی ہے۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت جھوٹ کے احتمال کو پہلے بیان کیا۔ قوم کی نفسیات اور مذاق کی رعایت کرتے ہوئے۔ نیز سچا ہونے کی تقدیر پر معمولی مصیبت پر بھی بچنے کی کوشش ضروری ہے۔ چہ جائیکہ پورے عذاب کا خطرہ ہو تو عاقل کو اور بھی محتاط ہونا چاہئے۔ نیز کم از کم دنیاوی عذاب ہی کا لحاظ رکھو۔ اگر آخرت کا خیال پیش نظر نہیں ہے۔

ان الله لایهـدی. یہ مومن کا کلام موسیٰ کے لئے ہے یا فرعون کے حق میں ہے۔ اول صورت میں حاصل مفہوم یہ ہے کہ موسیٰ چونکہ معجزات کے ساتھ پیغام ہدایت لے کر آئے ہیں، اس لئے وہ مسرف کذاب نہیں ہیں اور دوسری صورت میں حاصل کلام یہ ہے کہ فرعون حضرت موسیٰ کے ارادۂ قتل میں مسرف ہے اور دعوائے الوہیت میں کاذب ہے۔ اس لئے یقیناً اللہ ایسے کو ہدایت نہیں دے گا۔

لـکـم الملك الیوم. یعنی موجودہ سلطنت کے گھمنڈ میں آکر کہیں اس شخص کو قتل مت کر ڈالنا۔ ایسا نہ ہو کہ پھر عذاب الٰہی کی زد سے نہ بچ سکو۔

یوم الاحزاب۔ احزاب جمع ہے حزب کی۔مختلف اوقات میں عذاب آیا ہے۔ایک ہی دن نہیں۔

ظلماً للعباد۔ یعنی نہ بلاقصور سزا دیتا ہے اور نہ قصوروار کو چھوڑتا ہے۔

یوم التناد سورۂ اعراف کی آیات ونادی اصحاب الجنۃ کی طرف اشارہ ہے اور اہل سعادت وشقاوت کو نام بنام پکارا جائے گا۔علیٰ ہذا موت کے ذبح کرنے پراعلان ہوگا۔یا اهل الجنة خلود فلا موت وياأهل النار خلود فلا موت۔

یوسف من قبل۔ یہ یوسف علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک زندہ رہے۔یا فرعون یوسف موسیٰ علیہ السلام کے وقت تک جیتا رہا۔جیسا کہ زمخشریؒ، قاضیؒ، نسفیؒ کی رائے ہے اور صحیح یہ ہے کہ فرعون موسیٰ قبطی تھا۔جس کا نام ریان ہے اور فرعون یوسف عمالقہ سے تھا جس کا نام ولید تھا اور یوسف وموسیٰ کے درمیان ۴۶۰ سال کا فصل ہے۔اسی لئے مفسرینؒ نے مفسر علامؒ کی رائے سے اتفاق نہیں کیا۔اسی لئے مفسرؒ کو یوں کہنا چاہئے تھا۔عمر الی زمن فرعون۔ کیونکہ فرعون کی عمر اتنی لمبی ہوئی ہے۔مفسرؒ کے دوسرے قول سے اس کی تائید ہورہی ہے۔اس صورت میں ولقد جاء کم کا خطاب فرعون اور اس کی قوم کو ہوگا۔گویا دوسرے قول میں یوسف ثانی اول یوسف کے پوتے ہوئے جو بیس سال تک نبوت پر مامور رہے۔

من بعده رسولا۔ بظاہر آیت کے دونوں میں تعارض معلوم ہورہا ہے۔اول سے شک کی وجہ سے یوسف پر ایمان نہ ہونا معلوم ہورہا ہے۔لیکن لن یبعث اللہ سے معلوم ہورہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو رسول مانتے تھے۔حتیٰ کہ ان کے بعد رسول کے آنے سے ناامید ہوگئے تھے۔مفسر علامؒ نے تفسیری عبارت ای فلن تزالوا میں اسی شبہ کا ازالہ کیا ہے۔حاصل یہ ہے کہ یوسف کی جاہ وسلطنت سے مرعوب ہوکر مطیع بنے ہوئے تھے۔فی الحقیقت دل سے مومن نہیں تھے۔

الذین یجادلون۔ یہ مسرف سے بدل ہورہا ہے باوجود جمع ہونے کے۔کیونکہ ایک مسرف مراد نہیں ہے بلکہ ہر مسرف مراد ہے جو حکماً جمع ہے۔

علی کل قلب۔ لفظ قلب میں چونکہ مفسرؒ نے دو قرأتیں ذکر کی ہیں، اس لئے ان دونوں میں تطبیق کے لئے ومتی تکبر القلب سے توجیہ کی ہے۔ابوعمروؒ اور ابن ذکوان کی قرأت تو تنوین کے ساتھ ہے۔گویا قلب متکبر ہوا اور باقی قرأ اضافت مانتے ہیں۔اب صاحب قلب متکبر ہوئے اور زمخشری پہلی قرأت میں بھی مضاف مقدر مانتے ہیں۔ای علی کل ذی قلب متکبر۔اس صورت میں دونوں قرأتوں کا مآل صاحب قلب ہی نکلتا ہے اور یہ کل افرادی نہیں بلکہ کل مجموعی ہے۔یعنی پورا دل "بطور اخراج کلام علی خلاف مقتضی ظاہر ہے۔کیونکہ ظاہر تو یہی ہے کہ لفظ کل نکرہ یا معرفہ مجموعہ پر داخل ہو تو عموم افراد ہونا چاہئے۔جیسا کہ یہاں ہے اور جب مفرد معرفہ پر داخل ہو تو عموم اجزاء مراد ہونے چاہئیں۔

وقال فرعون۔ یہ بطور ملمع سازی کے کہا یا جاہلانہ گفتگو کی۔

صرحا۔ واضح عمارت کو کہتے ہیں۔اس لئے لاٹھ یا اونچا منارہ مراد ہے۔

وصد۔ دونوں قرأتیں مشہور ہیں۔

ربط آیات:...........پچھلی آیات میں آخرت کی ہولناکیوں کا ذکر کفار کی تخویف کے لئے کیا گیا تھا۔

آیت اولم یسیروا الخ سے دنیاوی عقوبتوں کا ذکر ہے۔

اس کے بعد آیات ولقد ارسلنا سے آنحضرت ﷺ کو تسلی اور منکرین توحید ورسالت کی تہدید کے لئے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون اور دونوں کے ماننے والوں کے واقعات بیان فرمائے جارہے ہیں۔ضمناً حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کی امت کا ذکر بھی آگیا۔

﴿ تشریح ﴾: .... اولم یسیروا یعنی ماضی کے واقعات سے سبق حاصل کرو کہ یہ لوگوں کے پاس کیسے مضبوط قلعے، شاندار عمارتیں اور ہر طرح کا ساز وسامان تھا۔ لیکن جب قہر الٰہی کا بگل بجا تو کچھ کام نہ آسکا۔ جب دنیا میں یہ ہوا تو آخرت میں کون کام آئے گا۔ اب پیغمبر اسلام کے مخالفین کو اپنے انجام پر غور کر لینا چاہئے۔

آیات سے معجزات اور سلطان مبین سے خاص معجزات مراد ہیں۔ یا آیات سے احکام اور تعلیمات مراد ہوں اور سلطان مبین سے معجزات یا پھر تائید غیبی اور پیغمبروں کی قوت قدسیہ مراد ہو۔ جس کے آثار دیکھنے والوں کو کھلے طور پر نظر آجایا کرتے ہیں۔

فرعون، ہامان، قارون کا مثلث: .... فرعون شاہ مصر کا عام لقب تھا اور ریان نام تھا۔ ہامان اس کا وزیر اور قارون اس دور کا رئیس اعظم اور ملک التجار تھا۔ گویا ملک کا سارا طاقتور حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدمقابل آگیا تھا۔ انہوں نے دعویٰ رسالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا اور معجزات کے سلسلہ میں جادوگر مشہور کر دیا۔ جیسا کہ سرمایہ داروں کے پروپیگنڈہ کی عادت ہوتی ہے اور بنی اسرائیل کے لئے قتل اولاد کا حکم دوسری بار معلوم ہوتا ہے۔ جس کا منشاء اسرائیلیوں کو کمزور کرنا اور ان کی توہین وتذلیل تھا اور سب سے بڑھ کر یہ تاثر دینا تھا کہ قوم پر یہ ساری آفت آئی ہے۔ اس طرح لوگ تنگ آکر موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور دہشت انگیزی کی اسکیم کامیاب ہو جائے گی۔ لیکن ایسے اوچھے ہتھکنڈوں سے کیا ہوتا ہے۔ اللہ اپنے خاص بندوں کی مدد فرما کر مخالفین کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیتا ہے۔

فرعون کا سیاسی نعرہ: .... فرعون نے ذرونی جو کہا ممکن ہے ارکان سلطنت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقدس سے مرعوب ہو کر یا ان کے معجزات سے ڈر کر قتل سے باز رہنے کا مشورہ دیا۔ فرعون بھی دل میں سہما ہوا اور ڈرا ہوا تھا کہ اس کے وبال میں ناگہانی مبتلا نہ ہو جائیں۔ لیکن اپنا جھوٹا رعب قائم رکھنے اور اپنی دلیری دکھلانے کے لئے سیاسی حربہ کے طور پر یہ نعرہ لگایا۔ تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ کوئی کمزوری نہ دکھلا رہا ہے۔ چنانچہ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا کہ موسیٰ کو اگر زندہ چھوڑ دیا گیا تو ممکن ہے یہ اپنے وعظ اور جادو بیانی سے لوگوں کو مسحور کر ڈالے اور ہمارے پچھلے ڈگر کو بدل کر رکھ دے یا سازشوں کا جال پھیلا کر ملک میں بدامنی برپا کر دے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلے کہ حکومت ہمارے ہاتھوں سے نکل کر اسرائیلیوں کے ہاتھوں میں چلی جائے۔ اس طرح ہم اپنے مذہب کو ہی کھو بیٹھیں اور سلطنت کو بھی گنوا ڈالیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیغمبرانہ جواب: .... حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب ان مشوروں کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے نہایت لاپرواہی سے کہا۔ مجھے ان دھمکیوں کی مطلق پرواہ نہیں ہے۔ فرعون وہامان وقارون کیا ساری دنیا کے طاقتور اور دولت کے نشہ میں چور بھی جمع ہو جائیں تب بھی اکیلا پروردگار مدد کے لئے کافی ہے۔ میں خود کو اسی کے حوالہ کرتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ ان ناگفتہ بہ حالات میں ایسی پر اطمینان بات اس پرسکون لب ولہجہ میں ایک پیغمبر حق ہی کہہ سکتا ہے۔

مرد حقانی کی تقریر دلپذیر: .... فرعون کی تقریر کے دوران ایک مرد حق آگاہ بول اٹھا کہ کیا ایک شخص کو محض اس وجہ سے ناحق قتل کر دینا چاہئے کہ وہ صرف ایک اللہ کو اپنا کیوں کہتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنی سچائی کے لئے کھلے نشانات بار بار دکھلا چکا ہے۔ مان لو کہ وہ جھوٹا ہے تو اللہ پر جھوٹ باندھنے سے ضرور ہے کہ اللہ خود اسے ہلاک یا رسوا کر دے گا۔ کیوں کہ ایسے جھوٹوں کو پنپنے دینا خدا کی عادت

نہیں بلکہ دنیا کو دھوکا سے بچانے کے لئے قدرت ایک نہ ایک دن اس کی قلعی کھول کر رکھ دیتی ہے۔ اس لئے تمہیں ناحق خون میں ہاتھ رنگنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی اور فی الواقع اگر وہ سچا ہے تو جس عذاب سے وہ اپنے مخالفین کو ڈراتا ہے اس کا کچھ حصہ اگر تم پر آ پڑا تو تمہارے بچنے کی کوئی صورت نہیں اور عذاب پورا پہنچ گیا تب تو مصیبت کا کیا ٹھکانہ۔ حاصل یہ نکلا کہ پہلی صورت میں تمہیں قتل کرنے کی ضرورت نہیں اور دوسری صورت میں قتل سخت ضرر رساں ہوگا۔

ایک علمی نکتہ: .... مردمومن کی یہ تقریر خاص ایسے موقعہ کے لئے جہاں کسی مدعی نبوت کا جھوٹ ظاہر نہ ہوا ہو۔ لیکن اگر کسی مفتری کا جھوٹ دلائل و براہین سے روشن ہو جائے تو بلاشبہ وہ واجب القتل ہے۔ جیسے آنحضرت ﷺ کی نبوت قطعی دلائل سے ثابت ہو چکی ہے پس جو بھی دعویٰ نبوت لے کر کھڑا ہوگا اسے مار ڈالا جائے گا۔ جیسے مسلیمہ کذاب اور اسود عنسی وغیرہ کے ساتھ صحابہؓ نے کر دکھایا۔

یقوم لکم الخ میں اپنے ساز و سامان، لاؤ لشکر پر نہ رتجھو۔ کیونکہ آج سب کچھ ہے مگر کل کچھ نہ رہے اور عذاب الٰہی تمہیں آگھیرے تو تمہیں بچانے والا کون ہوگا۔ یہ سامان تو یوں ہی دھرا رہ جائے گا۔

یہ تقریر دلپذیر سن کر فرعون بولا کہ تمہاری اس الجھے دار باتوں سے میری رائے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ میری دانست میں جو بات صحیح ہے وہی تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ ''نہ رہے بانس نہ بجے بانسری''۔

ایک مردحق گو نے پورے ملک کو للکار دیا: .... مردمومن نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے آگاہ کیا کہ دنیا میں کون سی حکومت ہے جو اپنے سفراء، وزراء کو قتل ہوتے دیکھتی رہے اور مجرمین کو کیفر کردار تک نہ پہنچائے۔ تم بھی اگر اپنی عداوت اور دشمنی پر جمے رہے تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہی دن نہ دیکھنا پڑے جو پہلی قومیں اپنی حق پرستوں کے مقابلہ میں دیکھ چکی ہیں۔ اللہ کے یہاں بہرحال ناانصافی نہیں ہے۔

عام مفسرین ''یوم التناد'' سے مراد روز قیامت لیتے ہیں۔ لیکن بعض اکابر کہتے ہیں کہ فرعونیوں پر غضب الٰہی نازل ہونے کے وقت جو چیخ و پکار اور ہائے واویلا مچی تھی وہ مراد ہے۔ ممکن ہے مرد صالح کو کشف ہوا ہو یا انہوں نے بطور قیاس سمجھا ہو کہ ہر قوم پر ایسے ہی عذاب آیا کرتا ہے۔

آگے **یوم تولون** کے بھی یہی دو مفہوم نکلیں گے کہ محشر سے پیٹھ پھیر کر دوزخ کی طرف ہنکائے جاؤ گے اور یا دنیاوی قہر نازل ہونے کے وقت بھاگنا چاہو گے مگر بھاگ نہ سکو گے۔ میرا کام سمجھانا تھا۔ میں پوری طرح سمجھا چکا۔ اس پر بھی تم نہ مانو تو سمجھ لو کہ تمہاری اس کج طبعی سے اللہ نے ارادہ کر ہی لیا کہ وہ اس دلدل میں پڑا رہنے دے۔ پھر ایسے شخص کے سنبھلنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

حضرت یوسفؑ کے ماننے اور نہ ماننے کا مطلب: .... حضرت یوسفؑ کے زمانہ کے لوگوں کا حال دیکھو۔ یا تو حضرت یوسفؑ کو مان نہیں رہے تھے اور یا مانا تو ایسا کہ ان کے انتقال کے بعد لوگوں نے یقین کر لیا کہ اب کوئی نبی نہیں آئے گا یا یہ مطلب ہے کہ یوسف علیہ السلام کی زندگی میں تو انہیں نبی مانا نہیں لیکن انتقال کے بعد جب نظام سلطنت تہہ و بالا ہوا تو کہنے لگے ان کا قدم کیا ہی مبارک قدم تھا۔ ایسا نبی اب کوئی نہیں آئے یا دو انکار یا یہ اقرار غرضیکہ افراط ہے اور تفریط۔ راہِ اعتدال کا سرا ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ دونوں صورتوں کا مفہوم قریب قریب ایک ہی ہے اور یا مطلب ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں تو ان کی نسبت تردد میں پڑے رہے اور انہیں نبی مان کر نہیں دیا۔ لیکن وفات کے بعد یہ یقین کر بیٹھے کہ اب کوئی اور نبی آنے والا نہیں ہے۔ گویا سرے سے

رسالت ہی کے منکر ہو گئے۔ایسی ہی لوگ اللہ کی باتوں میں جھگڑا ڈالتے ہیں۔اللہ اوراس کے ایماندار بندے ان سے سخت بیزار رہتے ہیں۔اسی لئے یہ راندۂ درگاہ ہوئے جو لوگ نہ حق کے آگے جھکیں اور نہ اہل حق کے سامنے سرنگوں ہوں۔آخران کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے اور وہ قبول حق کی صلاحیت ہی کھو بیٹھتے ہیں۔

وقال فرعون۔ کہتے ہیں کہ چیونٹی کی جب موت آتی ہے تو اس کے پر لگ جاتے ہیں۔فرعون ملعون کی کم بختی کا وقت آ ہی چکا تھا۔اس لئے اس نے انتہائی بے شرمی اور بے باکی سے اللہ کا مذاق اڑایا۔کہنے لگا کہ زمین پر تو اپنے سوا کوئی رب نظر نہیں آتا۔اگر موسیٰ کا خدا آسمان پر ہے تو میں اس کی خبر لیتا ہوں۔

لطائف سلوک:............وقال رجال مؤمن سے معلوم ہوا کہ اہل باطل سے حق چھپانا برا نہیں ہے جبکہ کوئی اندیشہ ہو۔خاص کر جب کہ اس میں ارشاد کی سہولت بھی پیش نظر ہو۔

وان یك کاذبا سے معلوم ہوا کہ سننے والوں کی فہم کی رعایت سے کلام کرنا مناسب ہے ورنہ ظاہر ہے کہ نبی کا جھوٹا ہونا جیسے فی الواقع غلط ہے خواہ ان در پردہ ایمان لانے والے کی نظر میں بھی دائرہ احتمال سے خارج تھا۔

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ باِثْبَاتِ الْیَاءِ وَحَذْفِھَا **اَھْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾** تَقَدَّمَ **یٰقَوْمِ اِنَّمَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ** تَمَتُّعٌ یَزُوْلُ **وَّاِنَّ الْاٰخِرَۃَ ھِیَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَۃً فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَھَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یُدْخَلُوْنَ الْجَنَّۃَ** بِضَمِّ الْیَاءِ وَفَتْحِ الْخَاءِ وَبِالْعَكْسِ **یُرْزَقُوْنَ فِیْھَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾** رِزْقًا وَاسِعًا بِلَا تَبْعَۃٍ **وَیٰقَوْمِ مَا لِیْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَی النَّجٰوۃِ وَتَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَی النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللہِ وَاُشْرِكَ بِہٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَی الْعَزِیْزِ** الْغَالِبِ عَلٰی اَمْرِہٖ **الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾** لِمَنْ تَابَ **لَا جَرَمَ** حَقًّا **اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْہِ** لِاَعْبُدَہٗ **لَیْسَ لَہٗ دَعْوَۃٌ فِی الدُّنْیَا** اَیْ اِسْتِجَابَۃُ دَعْوَۃٍ **وَلَا فِی الْاٰخِرَۃِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ** مَرْجِعَنَا **اِلَی اللہِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ** الْكَافِرِیْنَ **ھُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ** اِذَا عَایَنْتُمُ الْعَذَابَ **مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللہِ ۭ اِنَّ اللہَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾** قَالَ ذٰلِكَ لِمَا تَوَعَّدُوْہُ بِمُخَالَفَتِہٖ دِیْنَھُمْ **فَوَقٰىہُ اللہُ سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا** بِہٖ مِنَ الْقَتْلِ **وَحَاقَ** نَزَلَ **بِاٰلِ فِرْعَوْنَ** قَوْمِہٖ مَعَہٗ **سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾** الْغَرَقُ ثُمَّ **اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْھَا** یُحْرَقُوْنَ بِھَا **غُدُوًّا وَّعَشِیًّا ۚ** صَبَاحًا وَّمَسَاءً **وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ ۣ** یُقَالُ **اَدْخِلُوْٓا** یَا **اٰلَ فِرْعَوْنَ** وَفِیْ قِرَاءَۃٍ بِفَتْحِ الْھَمْزَۃِ وَكَسْرِ الْخَاءِ اَمْرٌ لِلْمَلٰٓئِكَۃِ **اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾** عَذَابَ جَھَنَّمَ وَاذْكُرْ **اِذْ یَتَحَاجُّوْنَ** یَتَخَاصَمُ الْكُفَّارُ **فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا** جَمْعُ تَابِعٍ **فَھَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ** دَافِعُوْنَ **عَنَّا نَصِیْبًا** جُزْءً **مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا**

اِنَّا کُلٌّ فِیْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَکَمَ بَیْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ فَاَدْخَلَ الْمُؤْمِنِیْنَ الْجَنَّةَ وَالْکَافِرِیْنَ النَّارَ وَقَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّکُمْ یُخَفِّفْ عَنَّا یَوْمًا اَیْ قَدْرَ یَوْمٍ مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا اَیِ الْخَزَنَةُ تَهَکُّمًا اَوَلَمْ تَکُ تَاْتِیْکُمْ رُسُلُکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ط اَلْمُعْجِزَاتِ الظَّاهِرَاتِ قَالُوْا بَلٰی ط اَیْ فَکَفَرْنَا بِهِمْ قَالُوْا فَادْعُوْا ج اَنْتُمْ فَاِنَّا لَا نَشْفَعُ لِکَافِرٍ قَالَ تَعَالٰی وَمَا دُعٰٓؤُا الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ اِنْعِدَامٍ ع ۱۳ ۱۰

ترجمہ: .... اور اس مومن نے کہا اے بھائیو! تم میری راہ چلو (اثبات یا اور حذف کے ساتھ) میں تمہیں ٹھیک ٹھیک راستہ بتلاتا ہوں (یہ لفظ پہلے گذر چکے) اے بھائیو! یہ دنیاوی زندگانی تو محض چندروزہ ہے (جو گزر جائے گی) اور ہمیشہ رہنے کا مقام تو آخرت ہے۔ جو شخص گناہ کرتا ہے اس کو تو برابر سرابر ہی بدلہ ملتا ہے اور جو نیک کام کرتا ہے۔خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے۔لفظ یدخلون ضمہ یا اور فتحہ خا کے ساتھ اور اس کے برعکس دونوں طرح ہے) وہاں بے حساب (بے اندازہ بے منت) ان کو رزق ملے گا اور اے میرے بھائیو! یہ کیا بات ہے کہ میں تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھ کو دوزخ کی طرف بلاتے ہو۔تم مجھے اس بات کی طرف بلاتے ہو کہ میں خدا کے ساتھ شرک کروں اور ایسی چیز کو ساجھی بناؤں جس کی میرے پاس کوئی بھی دلیل نہیں اور میں تم کو خدا کی طرف بلاتا ہوں جو زبردست (بالادست) خطا بخش ہے (توبہ کرنے والے کے لئے) یقینی بات ہے کہ تم جس چیز کی طرف مجھ کو بلاتے ہو (اس کی عبادت کے لئے) وہ نہ تو دنیا ہی میں پکارے جانے کے قابل ہے (کہ اس کی پکار مقبول ہو) اور نہ آخرت ہی میں اور ہم سب کو خدا کے پاس جانا (لوٹنا) ہے جو لوگ حد سے نکل رہے ہیں (کافر) وہ سب دوزخی ہوں گے، سو آگے چل کر (جب عذاب سامنے آئے گا) تم میری بات کو یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔اللہ سب بندوں کا نگران ہے (یہ تقریر اس وقت کی جب انہیں اپنے دین کی مخالفت پر قوم نے دھمکایا) چنانچہ اللہ نے مرد مومن کو (قتل کی) مضر تدبیروں سے باز رکھا اور فرعونیوں (قوم فرعون) پر موذی عذاب (غرق) نازل ہوا۔وہ لوگ آگ کے سامنے (جلانے کے لئے) صبح وشام لائے جاتے ہیں اور جس روز قیامت قائم ہوگی (تو کہا جائے گا) ڈال دو فرعونیوں کو (ایک قرأت میں ادخلوا فتحہ ہمزہ اور کسر خا کے ساتھ ہے فرشتوں کو حکم ہوگا) سخت عذاب میں (دوزخ کے) اور جبکہ دوزخ میں جھگڑیں گے (کفار آپس میں) تو ادنیٰ درجہ کے لوگ بڑے درجہ کے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے (تبع تابع کی جمع ہے) کیا تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ (جز) ہٹا سکتے (دفع کر سکتے) ہو تو بڑے لوگ بولیں گے کہ ہم سب ہی دوزخ میں ہیں۔اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا (مسلمانوں کو جنت میں اور کافروں کو دوزخ میں داخل کر دیا) اور جتنے لوگ دوزخ میں ہوں گے دوزخ کے موکل فرشتوں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ کسی دن (یعنی ایک دن کے برابر وقت) تو ہم سے عذاب ہلکا کر دے (دوزخ کے فرشتے بطور مذاق) کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس پیغمبر (کھلے) معجزات لے کر نہیں آئے تھے۔تو دوزخی بولیں گے کہ ہاں! (مگر ہم نے ان کو نہیں مانا تھا) فرشتے کہیں گے تو پھر تم ہی دعا کرلو (کیونکہ ہم کافر کی سفارش نہیں کر سکتے۔حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) کافروں کی دعا محض بے اثر (بے کار) ہوگی۔

تحقیق وترکیب: .... وقال الذی امن. اس سے مراد وہی مرد مومن ہے اور بعض نے حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد لئے ہیں۔

اتبعونی. ابن کثیرؒ ویعقوبؒ وسہل کی قرأت اثبات یا کی ہے اور باقی قراءؒ حذف یاء کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

بغیر حساب. ابتداءً توان الحسنة بعشر مثالها ہوا۔لیکن انتہاءً انعامات بے اندازہ ہو جائیں گے اور بے منت و بے

محنت ہوں گے۔

ویلقوم. یہ کلام بھی مردمومن کا ہے۔ بقول زمخشریؒ پہلی اور تیسری جگہ ویقوم واؤ کے ساتھ آیا ہے۔ مستقل کلام ہونے کی وجہ سے اور دوسری جگہ چونکہ مستقل کلام نہیں، بلکہ اور تفسیر و بیان کے درجہ میں ہے اس لئے واؤ نہیں لایا گیا۔

تدعوننی. یہ جملہ مستانفہ ہے اور تقدیر عبارت ومالکم تدعوننی الی النار بھی ہوسکتی ہے اور تدعوننی لاکفر پہلے تدعوننی کا بدل تفصیلی ہے۔

لاجرم. جرم فعل ماضی بمعنی حق۔ انما تدعوننی الیه اس کا فاعل ہے۔ ای حق وجب عدم استجابة دعوة الهتکم. اور بعض نے جرم فعل جرم سے ماخوذ مانا ہے بمعنی قطع جیسا کہ لابد میں بد فعل تبدید سے ماخوذ ہے بمعنی تفریق۔ لیکن بقول ابوالسعودؒ مفسرؒ کی عبارت حقا اس کی تائید نہیں کررہی ہے اور فراءؒ کی رائے یہ ہے کہ لابد اور لامحالہ کی طرح لاجرم بھی اپنی اصل پر برقرار ہے۔ حتیٰ کہ معنی میں قسم کے ہوکر بمنزلہ حقا ہوگیا۔ اسی لئے جواب قسم کی طرح اس کے جواب میں لام آتا ہے۔ جیسے لاجرم لاتینک.

لیس له دعوة. مفسرؒ نے مضاف مقدر کر کے استجابۃ دعوۃ کہا ہے۔ یا علاقہ سببیت ومشاکلۃ کی وجہ دعوت بول کر مجازاً استجابۃ مراد لی جائے۔ حاصل یہ ہے کہ بتوں کی سفارش نہ دنیا میں موثر اور نہ آخرت میں کارگر ہے۔ اور بعض نے یہ مطلب لیا ہے کہ بت نہ مدعی الوہیت ہیں اور نہ اپنی عبادت کے داعی بلکہ آخرت میں تبری کریں گے۔

فوقاه اللّٰه. کہا جاتا ہے کہ وہ مرد درویش لوگوں کی یورش سے بچ کر پہاڑوں میں روپوش ہوگئے۔ فرعون نے تعاقب میں دوش بھیجی تو سپاہیوں نے دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں اور پہاڑی جانور چاروں طرف ان کے محافظ بنے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض سپاہیوں کو درندوں نے پھاڑ ڈالا اور بعض بھاگ کھڑے ہوئے مگر پھر فرعون نے ان کو مار ڈالا۔ اسی لئے مفسر علامؒ نے القتل سے اشارہ کردیا کہ فرعونی انہیں قتل نہیں کرسکے، لیکن غرق وغیرہ جن مصائب میں فرعونی مبتلا ہوئے اس سے یہ بچ گئے۔

ثم النار. لفظ ثم استیناف کلام کے لئے ہے اور النار مبتدا، یعرضون خبر ہے۔ ابن شیخؒ کہتے ہیں کہ لفظ یعرضون بتلا رہا ہے کہ آگ کے آگے ان کی پیشی ہوگی۔ آگ ان کو جلائے گی نہیں اور غدوا وعشیا کنایہ دوام سے بھی ہوسکتا ہے۔

یوم تقوم. ادخلوا کا معمول بنایا جائے یا محذوف کا ای یقال لهم جیسا کہ مفسرؒ کی رائے ہے۔

ادخلوا. ابو عمروؒ اور ابن کثیرؒ اور ابن عامرؒ اور ابوبکرؒ کے نزدیک ضمہ ہمزہ اور ضمہ خا کے ساتھ ہے اور باقی قراء کے نزدیک فتحہ ہمزہ اور کسرہ خا کے ساتھ ہے۔

مغنون. مفسرؒ نے اشارہ کیا کہ مغنون متضمن معنی دافعون کے ہے اور معنی عاملون کو بھی متضمن ہوسکتا ہے اور من النار صفت ہے نصیبا کی۔

یوما من العذاب. چونکہ آخرت میں لیل ونہار نہیں ہوگا۔ اس لئے مفسرؒ نے قدر یوم تفسیری عبارت نکالی ہے۔

من العذاب میں من تبعیضیہ ہے۔

ربط آیات: ...... آیت وقال الذی سے اسی مردمومن کی تقریر کا سلسلہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حمایت میں فرعونی دربار میں گفتگو کر رہے تھے۔ اس کے بعد دوزخیوں کا حال آیت واذیتحاجون سے ذکر کیا جارہا ہے جن میں یہ آل فرعون بھی ہوں گے۔

روایات:............ ابن عباسؓ وابن مسعودؓ سے روایت ہے ارواح الکفار فی جوف طیر سود تغدوا علی جھنم و تروح کل یوم مرتین اور غدوا و عشیا دونوں دوام سے بھی کنایہ ہو سکتے ہیں۔اس آیت النار یعرضون الخ سے اور روایت سے عذاب برزخ ثابت ہو رہا ہے۔

﴿ تشریح ﴾:............ فرعون نے کہا تھا۔ وما اھدیکم الی سبیل الرشاد مردمومن نے اسی کا جواب دیا کہ سبیل الرشاد وہ نہیں ہے جو فرعونیوں کا تجویز کردہ ہے بلکہ میرا اختیار کردہ راستہ ہے، جس کی تمہیں بھی پیروی کرنی چاہئے۔حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی زندگانی چندروزہ عیش وکامرانی ہے۔اس کے بعد دائمی زندگی شروع ہونے والی ہے۔عقلمند وہ ہے جو اس کی تیاری اور فکر میں لگا رہے اور اخروی زندگی میں مال ومنال کی پوچھ نہ ہوگی۔ بلکہ ایمان اور نیک چلنی کا اعتبار ہوگا اور چونکہ اللہ کی رحمت، غضب پر غالب ہے، اس لئے اسے گنوانا نہیں چاہئے۔

فرعون اور مرد مومن کے نقطہ نظر کا فرق:............ اے برادرو! میرے اور تمہارے نقطہ نظر میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔تمہارے فکر کا حاصل تو یہ ہے کہ میں اللہ یگانہ کا انکار کردوں اور اس کے پیغمبروں اور اس کی راہ کو نہ مانوں اور جاہلوں کی طرح ان خداؤں کو مان لوں کہ جن کی خدائیت پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف دلائل ہیں۔ پھر مجھے نہیں معلوم کہ کس طرح انہیں خدا بنالیا گیا ہے اور اس کے برعکس میرا مدعا یہ ہے کہ کسی طرح میں تمہارا سر اللہ واحد کی چوکھٹ پر جھکا دوں جو نہایت زبردست ہے۔خطاؤں کو بہت معاف کرنے والا ہے۔یعنی مجرم کو اگر پکڑ لے تو کوئی چھڑانے والا نہیں اور اگر معاف کردے تو کوئی روکنے والا نہیں۔وہی اس لائق ہے کہ اس سے ڈر کر اور اسی سے امید باندھ کر بندگی و نیاز میں لگا جائے۔میں خود بھی اسی کی پناہ میں آچکا اور تمہیں بھی بلا رہا ہوں۔اور تمہاری دعوت ایسی بے بس اور عاجز چیزوں کی طرف ہے جن میں بہت چیزیں خود اپنی طرف دعوت نہیں دیتیں بلکہ ان میں یہ صلاحیت بھی نہیں۔حالانکہ انجام کار اللہ یگانہ کی طرف جانا ہے۔وہاں پہنچ کر سب کو اپنی زیادتیوں کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔بھلا اس سے بڑھ کر اور زیادتی کیا ہوگی کہ بے بس مخلوق کو خالق کا درجہ دے دیا جائے۔ایک وقت آئے گا جب تم میری نصیحتوں کو یاد کرو گے کہ واقعی ایک مرد خدا ہمیں سمجھایا کرتا تھا اور وہ ٹھیک کہا کرتا تھا مگر اس وقت پچھتانے سے کیا فائدہ؟

میرا کام سمجھانا ہے وہ میں کر چکا۔اب آگے تمہارا کام ہے۔تم نہیں مانتے، تم جانو میرا تم سے کچھ مطلب نہیں۔خدا کے حوالے کرتا ہوں۔وہ میرا تمہارا حال دیکھ رہا ہے۔کوئی ادنیٰ چیز اس سے چھپی نہیں۔تم مجھے ستاؤ گے تو یاد رکھو کہ وہ خود جواب دے گا۔

فوقاہ اللّٰہ۔ حق وباطل کی اس آویزش کا آخری نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء کو جن میں یہ مردمومن بھی تھے۔دشمنوں کے چنگل سے بچالیا اور فرعونیوں کے داؤ پیچ خود ان پر ہی الٹ پڑے۔اس کی ساری قوم کا بیڑہ بحر قلزم میں غرق ہو گیا۔

عالم برزخ کا ثبوت قرآن وحدیث سے:............ النار یعرضون میں برزخ کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔عالم برزخ کا ثبوت احادیث سے ہے۔روزانہ صبح وشام برزخ میں جنتیوں کے سامنے جنت کا اور جہنمیوں کے سامنے دوزخ کا ٹھکانہ پیش کیا جائے گا تا کہ آنے والے حالات کا نمونہ اور اندازہ ہو سکے۔حافظ ابن کثیرؒ نے یہاں ایک سوال وجواب لکھا ہے وہ یہ کہ "النار یعرضون" تو کلی ہے۔مگر روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں کسی یہودی عورت کو حضرت عائشہؓ نے کچھ خیرات دی۔تو اس فقیر نے دعا دی

کہ اللہ تمہیں عذاب قبر سے بچائے۔ حضرت عائشہؓ نے جب آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کرتے ہوئے عذاب قبر کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے انکار فرمایا۔ مگر پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے وحی سے معلوم ہوا ہے کہ قبر میں عذاب ہوتا ہے۔

پس حاصل اشکال یہ ہے کہ آیت النار الخ جب مکہ معظمہ میں نازل ہو چکی، پھر آپ کا مدینہ میں عذاب قبر سے انکار کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کے کئی جواب ہیں۔ منجملہ ان کے ایک جواب یہ ہے کہ آپ نے مطلقاً عذاب قبر کا انکار نہیں فرمایا تھا بلکہ صرف مسلمانوں کے لئے انکار فرمایا تھا، جیسا کہ امام احمدؒ کی روایت میں ہے۔ انما یفتن یهود. پھر وحی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ گناہگار مسلمانوں کو بھی عذاب قبر ہوگا جو پہلے معلوم نہیں تھا۔ چنانچہ اسی روایت میں ہے۔ فلبثنا لیالی ثم قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الا انکم یفتنون فی القبور.

لیکن سہل جواب یہ ہے کہ اس آیت سے صرف فرعونیوں کے لئے عذاب ہونا ثابت ہوا۔ دوسروں کے لئے نفی نہیں تھی۔ مگر آپ نفی سمجھے۔ بعد میں آپ کو وحی سے بتلایا گیا کہ جو بھی نافرمان ہوگا مسلمان یا نامسلمان سب کو یہ مرحلہ علیٰ فرق مراتب درپیش ہوگا۔

جنتیوں کی طرح دوزخیوں کو بھی برزخ میں رکھا جائے گا: .... اور بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح جنتیوں میں شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے جوف میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی ہیں، اسی طرح دوزخیوں میں فرعونیوں کی ارواح کو سیاہ پرندوں کے پیوٹوں میں ڈال کر روزانہ صبح و شام دوزخ میں گھمایا جاتا ہے۔ البتہ روحوں کو ان کے جسموں سمیت مستقل طور پر جنت یا دوزخ میں رہنا یہ آخرت میں ہوگا۔

عالم برزخ ایک درمیانی منزل ہے، جس کے ایک طرف یہ عالم ناسوت و مادیت ہے اور دوسری طرف عالم آخرت ہے۔ اس لئے اس کا فی الجملہ دونوں عالموں سے تعلق ہے اور دونوں کا اس سے۔ عالم برزخ کی حیثیت حوالات جیسی سمجھنی چاہئے کہ اس میں قید ہونے کے بعد بھی کچھ تقاضے پورے کئے جاتے ہیں اور کھانا پینا، رہنا، سونا، جاگنا وغیرہ آرام و راحت کی صورتیں بھی ہوتی ہیں۔ لیکن آخرت کی پیشی کے بعد جو فیصلہ ہوگا وہی کیس کا اصل نتیجہ سمجھا جائے گا۔ یا حبس دوام اور یا بخشش عام۔

متکبرین کا اپنے ماننے والوں کو مایوسانہ جواب: .... قال الذین استکبروا. یعنی دنیا میں جو لوگ بڑے بنتے تھے وہ کمزوروں کی فریاد کا جواب دیں گے کہ آج ہم سب مصیبت میں مبتلا ہیں۔ ہر ایک کے جرم کے مطابق فیصلہ سنا دیا گیا ہے۔ ابھی موقعہ نہیں رہا کہ کوئی کسی کے کام آئے۔ ہر شخص اپنی اپنی مصیبت میں گرفتار ہے۔ کمزور لوگ اپنے سرداروں کا یہ مایوسانہ جواب سن کر دوزخ کے منتظم فرشتے سے درخواست کریں گے کہ اللہ سے سفارش کر کے کسی دن کی چھٹی اور تعطیل ہی کرادو کہ کچھ تو دم لینے کی مہلت ملے۔ مگر فرشتوں کا جواب بھی یہی ہوگا کہ اب موقع نکل چکا ہے۔ کوئی کوشش یا سفارش یا خوشامد اب موثر نہیں ہوگی۔ نہ ہم ایسے معاملات میں سفارش کر سکتے ہیں اور نہ تمہاری چیخ و پکار سے کچھ کام بنے گا۔ اور یوں بھی ہم عذاب دینے پر مقرر ہیں، ہمارا کام سفارش کرنا نہیں۔ یہ ایسا ہے جیسے جیل خانہ کا جیلر یا جلاد سفارش کرنے لگے۔ جو اس کے منصب کے خلاف ہے۔ یہ کام رسولوں کا ہے۔ مگر تم نے کبھی ان کا کہنا ہی مان کر نہیں دیا۔

اس آیت سے جہاں سفارش کا قانون معلوم ہوتا ہے کہ وہ کفار کے حق میں نہیں ہو سکتی، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ آخرت میں خود کافروں کی دعا کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ باقی دنیا میں ان کی دعائیں پوری کر دی جائیں۔ وہ دوسری بات ہے۔ آیت اس کے خلاف نہیں ہے۔ جیسے کہ ابلیس کی درخواست پر قیامت تک کے لئے مہلت مل گئی۔ اگرچہ بعض حضرات جو اس کو عام مانتے ہیں کہ کفار کی دعا نہ دنیا میں قبول ہوتی ہے اور نہ آخرت میں، وہ واقعہ ابلیس میں یہ توجیہ کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ابلیس کی دعا قبول نہیں کی بلکہ یہ فرمادیا کہ انک من المنظرین یعنی ہمارا پہلے ہی سے یہ فیصلہ ہو چکا ہے۔ دعا کا یہ اثر نہیں ہے بلکہ حکمت کا تقاضہ ہے۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ جَمْعُ شَاهِدٍ وَهُمُ الْمَلٰئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ لِلرُّسُلِ بِالْبَلَاغِ وَعَلَى الْكُفَّارِ بِالتَّكْذِيْبِ **يَوْمَ لَا تَنْفَعُ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ** عُذْرُهُمْ لَوِ اعْتَذَرُوْا **وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ** اَیِ الْبُعْدُ مِنَ الرَّحْمَةِ **وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ** ﴿۵۲﴾ اَلْاٰخِرَةِ اَیْ شِدَّةُ عَذَابِهَا **وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى** التَّوْرٰةَ وَالْمُعْجِزَاتِ **وَاَوْرَثْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ** مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی **الْكِتٰبَ** ﴿۵۳﴾ التَّوْرٰةَ **هُدًى** هَادِيًا **وَّذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ** ﴿۵۴﴾ تَذْكِرَةً لِاَصْحَابِ الْعُقُوْلِ **فَاصْبِرْ** يَا مُحَمَّدُ **اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بِنَصْرِ اَوْلِيَائِهٖ **حَقٌّ** وَاَنْتَ وَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ **وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ** لِيُسْتَنَّ بِكَ **وَسَبِّحْ** صَلِّ مُتَلَبِّسًا **بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ** هُوَ مِنْ بَعْدِ الزَّوَالِ **وَالْاِبْكَارِ** ﴿۵۵﴾ اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ **اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ** الْقُرْاٰنِ **بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ** بُرْهَانٍ **اَتٰهُمْ اِنْ** مَا **فِیْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ** تَكَبُّرٌ وَطَمَعٌ اَنْ يَعْلُوْا عَلَيْكَ **وَّمَا هُمْ بِبَالِغِيْهِ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ** مِنْ شَرِّهِمْ **اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ** لِاَقْوَالِهِمْ **الْبَصِيْرُ** ﴿۵۶﴾ بِاَحْوَالِهِمْ وَنَزَلَ فِیْ مُنْكِرِی الْبَعْثِ **لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اِبْتِدَاءً **اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ** مَرَّةً ثَانِيَةً وَهِیَ الْاِعَادَةُ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** اَیِ الْكُفَّارِ **لَا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ فَهُمْ كَالْاَعْمٰی وَمَنْ يَعْلَمُهٗ كَالْبَصِيْرِ **وَمَا يَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** هُوَ الْمُحْسِنُ **وَلَا الْمُسِیْٓءُ** فِيْهِ زِيَادَةُ لَا **قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ** ﴿۵۸﴾ يَتَّعِظُوْنَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اَیْ تَذَكُّرُهُمْ قَلِيْلٌ جِدًّا **اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ** شَكَّ **فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ** ﴿۵۹﴾ بِهَا **وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ** اَیْ اُعْبُدُوْنِیْ اُثِبْكُمْ بِقَرِيْنَةِ مَا بَعْدَهٗ **اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَيَدْخُلُوْنَ** بِفَتْحِ الْيَاءِ وَضَمِّ الْخَاءِ وَبِالْعَكْسِ **جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ** ﴿۶۰﴾ صَاغِرِيْنَ **اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا** اِسْنَادُ الْاِبْصَارِ اِلَيْهِ مَجَازِیٌّ لِاَنَّهٗ يُبْصَرُ فِيْهِ **اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ** ﴿۶۱﴾ اللّٰهَ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ **ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ** ﴿۶۲﴾ فَكَيْفَ تُصْرَفُوْنَ عَنِ الْاِيْمَانِ مَعَ قِيَامِ الْبُرْهَانِ **كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ** اَیْ مِثْلَ اِفْكِ هٰؤُلَاءِ اُفِكَ **الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** مُعْجِزَاتِهٖ **يَجْحَدُوْنَ** ﴿۶۳﴾ **اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً** سَقْفًا **وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۶۴﴾ **هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ** اُعْبُدُوْهُ **مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ** مِنَ الشِّرْكِ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۶۵﴾ **قُلْ اِنِّیْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ**

تدْعُوْنَ تعْبُدُوْنَ **مِنْ دُوْنِ اللہِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ** دَلائلُ التَّوحِید **مِنْ رَّبِّیْ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** ۶۶ **هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ** بِخَلْقِ اَبِیْکُمْ ادم مِنْهُ **ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ** مَنِیٍّ **ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ** دمٍ غَلِیْظٍ **ثُمَّ یُخْرِجُکُمْ طِفْلًا** بمعنی اَطْفَالًا **ثُمَّ یُبْقِیْکُمْ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّکُمْ** تَکَامُلَ قُوَّتِکُمْ مِن ثَلاثِیْن سنةً اِلی الاَرْبَعِین **ثُمَّ لِتَکُوْنُوْا شُیُوْخًا** بِضَمِّ الشِّیْنِ وَکَسْرِهَا **وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی مِنْ قَبْلُ** اَیْ قَبْلَ الاَشُدِّ وَالشَّیْخُوْخَةِ فَعَلَ ذٰلِکَ بِکُمْ لِتَعِیْشُوْا **وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّی** وَقْتًا مَحْدُوْدًا **وَّلَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ** ۶۷ دَلائلَ التَّوحِید فَتُؤْمِنُوْنَ **هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا** اَرَادَ اِیْجَادَ شَیْءٍ **فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ** ۶۸ بِضَمِّ النُّوْنِ وَفَتْحِهَا بِتَقْدِیْرِ اَنْ اَیْ یُوْجَدُ عَقْبَ الاِرَادَةِ الَّتِیْ هِیَ مَعْنَی الْقَوْلِ الْمَذْکُوْرِ

ترجمہ: .... ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگانی میں مدد کرتے ہیں اور اس روز بھی جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے (اشهاد جمع شاهد کی ہے، فرشتے مراد ہیں جو پیغمبروں کے حق میں تبلیغ اور کفار کے خلاف ان کی تکذیب کی گواہی دیں گے) جس دن کہ ظالموں کو ان کی معذرت (اگر وہ معذرت کریں گے) کچھ نفع نہیں دے گی (تاء اور یاء کے ساتھ دونوں طرح ہے) اور ان کے لئے لعنت (رحمت سے دوری) ہوگی اور ان کے لئے خرابی ہوگی اس عالم میں (مراد آخرت ہے یعنی عذاب میں شدت ہوگی) اور ہم موسیٰ کو ہدایت نامہ (توریت اور معجزات) دے چکے ہیں اور ہم نے (موسیٰ کے بعد) بنی اسرائیل کو کتاب (توریت) پہنچادی تھی جو ہدایت (کرنے والی) اور نصیحت تھی عقلمندوں کے لئے (دانشوروں کے لئے سبق آموز) سو (اے محمد!) آپ صبر کیجئے، بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اور اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگئے (تاکہ آپ کی امت آپ کی سنت کو اپنائے) اور اپنے پروردگار کی ثناوحمد کیجئے (صلوۃ الحمد پڑھئے) شام (زوال کے بعد) اور صبح (پنجگانہ نمازیں) جو لوگ (قرآن) کی آیتوں میں جھگڑا نکالا کرتے ہیں بلا کسی سند (دلیل) کے جو ان کے پاس موجود ہو، ان کے دلوں میں نری بڑائی ہے (کبروطمع ہے کہ آپ پر غالب آجائیں) حالانکہ وہ اس تک کبھی پہنچنے والے نہیں۔ سو آپ (ان کے شر سے) اللہ کی پناہ مانگتے رہئے۔ وہی ہے سب کچھ (ان کے اقوال) سننے والا، سب کچھ (ان کے احوال) جاننے والا (منکرین قیامت کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں) بالیقین آسمان زمین کا پیدا کرنا (ابتداء) آدمیوں کے پیدا کرنے کی نسبت بڑا کام ہے (دوبارہ پیدا کرنے سے جس کو اعادہ کہنا چاہئے) لیکن اکثر آدمی (کفار) نہیں سمجھتے (یہ بات۔ ان کی مثال نابینا جیسی اور جاننے والوں کی مثال بینا جیسی ہے) اور برابر نہیں ہیں نابینا اور بینا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے (یعنی نیکوکار) اور بدکار (و لا المسیء میں لا زائد ہے) یہ لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہیں (یتذکرون بمعنی یتعظون ہے اور یا اور تا کے ساتھ یعنی ان کی قبولیت نصیحت بہت ہی کم ہے) قیامت تو ضرور آکر رہے گی اس میں کوئی شبہ (شک) ہی نہیں ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں مانتے (اس کو) اور تمہارے پروردگار نے فرمادیا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کرلوں گا (یعنی میری عبادت کرو میں تمہیں ثواب دوں گا۔ جیسا کہ بعد کے قرینہ سے معلوم ہورہا ہے) جو لوگ میری عبادت سے روگردانی کرتے ہیں وہ عنقریب داخل ہوں گے (فتحہ یا اور ضمہ خا کے ساتھ ہے اور اس کا برعکس بھی) دوزخ میں ذلیل (خوار) ہوکر اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور اسی نے دن کو روشن بنایا (دکھلانے کی نسبت دن کی طرف مجازی ہے۔ کیونکہ دن دیکھنے کا وقت ہے) بلاشبہ حق تعالیٰ

کا لوگوں پر بڑا ہی فضل ہے۔ لیکن اکثر آدمی شکر نہیں کرتے۔ اللہ کا (اسی لئے وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے) یہ اللہ ہے تمہارا پروردگار، ہر چیز کا پیدا کرنے والا، اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ سو تم لوگ کہاں الٹے جارہے ہو (دلیل کے ہوتے ہوئے پھر ایمان سے کیسے سرتابی کررہے ہو) اسی طرح (جیسے یہ لوگ ٹیڑھے چل رہے ہیں) وہ لوگ بھی الٹا چلا کرتے تھے جو اللہ کی نشانیوں (معجزات) کا انکار کیا کرتے تھے۔ اللہ ہی ہے جس نے زمین کو قرارگاہ بنایا اور آسمان کو (چھت) بنایا اور تمہارا نقشہ بنایا سو خوب نقشہ بنایا اور تمہیں بہترین چیزیں کھانے کو دیں۔ یہ اللہ ہے تمہارا رب۔ سو بڑا عالی شان ہے اللہ جو سارے جہان کا پروردگار ہے۔ وہی زندہ ہے، اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، سو اسی کو پکارا کرو (اسی کی عبادت کیا کرو) خالص اعتقاد کے ساتھ (شرک سے پاک) تمام خوبیاں اسی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہان کا۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اس سے ممانعت کردی گئی ہے کہ میں انکی عبادت کروں، جن کو تم پکارتے ہو (عبادت کرتے ہو) اللہ کے علاوہ۔ جب کہ میرے پروردگار کی کھلی نشانیاں میرے پاس (توحید کی دلیلیں) آچکیں اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں رب العالمین کے سامنے گردن جھکالوں۔ وہی ہے جس نے تم کو (یعنی تمہارے باپ آدم کو) مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ (منی) سے پھر خون کے لوتھڑے (جمع ہوئے خون) سے پھر تم کو بچہ (بچے) بنا کر نکالتا ہے پھر (تمہیں باقی رکھتا ہے) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو (تمہاری طاقت تمیں سے چالیس سال کی عمر تک مکمل ہو جائے) پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ (شیوخ ضمہ شین اور کسرشین کے ساتھ ہے) اور کوئی کوئی تم میں سے پہلے ہی مرجاتا ہے (یعنی جوانی، بڑھاپے سے پہلے۔ تمہاری عیش کے لئے یہ کیا ہے) اور تاکہ تم وقت مقرر (معین) تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم سمجھ سکو (دلائل توحید پر ایمان لے آؤ) وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ پھر جب وہ کسی کام کو پورا (کسی چیز کو موجود) کرنا چاہتا ہے سو بس اس کی نسبت فرمادیتا کہ ہو جا۔ سو وہ ہو جاتا ہے۔ (فیکون ضمہ نون اور فتحہ نون کے ساتھ ہے۔ ان مقدر ہے۔ یعنی کن سے مراد ارادۂ الٰہی ہے۔ اس کے ہوتے ہی وہ چیز موجود ہو جاتی ہے)۔

تحقیق وترکیب: ....انا لننصر دلیل وحجت سے تائید مراد ہے۔ اور بعض انبیاءؑ کے مخالفین سے انتقام بھی لیا گیا ہے۔ خواہ ان کے بعد ہی سہی۔ جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد ستر ہزار کافر قتل کئے گئے۔ **یا رسلنا** سے مراد اکثریت لی جائے تمام رسول مراد نہ ہوں یا صرف وہ پیغمبر مراد ہوں جن کو جہاد کی اجازت رہی۔ عام انبیاءؑ مراد نہیں۔

واستغفر لذنبك. یہ حکم محض تعبدی ہے۔ جیسے قال رب احکم بالحق میں تعبدی حکم ہے۔ یہ توجیہ سب توجیہات میں بہتر ہے۔

بالعشی. حسنؒ کے نزدیک عشی سے نماز عصر اور الابکار سے نماز فجر مراد ہے۔ کیونکہ یہی دو نمازیں دو دو رکعت واجب تھیں اور بعض نے ان دو وقتوں میں تسبیح کرنا مراد لیا ہے۔ لیکن ابن عباسؓ کی رائے نماز پنجگانہ کی۔ العشی میں ظہر سے عشاء تک اور الابکار میں نماز صبح۔ اور بعض نے فاستعذ باللہ سے استغفار واستعاذہ دونوں تعلیم امت کے لئے ہے۔ ورنہ پیغمبر معلوم ہوتا ہے نبوت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔

لخلق السمٰوٰت. یہ انکار قیامت پر رد ہے۔ اگر خلق الناس سے مراد دوبارہ زندہ کرنا ہو اور بقول ابوالعالیہ اگر دجال مراد ہو تو اس پر رد ہو جائے گا۔

لاالمسیٔ. مفسر علامؒ نے الذین امنوا کو المحسن کے معنی میں لے کر مقابلہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس میں لا زائد ہے تاکید نفی کے لئے لایا گیا ہے کیونکہ صلہ کی وجہ سے عبارت طویل ہو گئی تھی۔ ورنہ نفی سے ذہول ہو جاتا اور یہ شبہ ہوتا کہ یہاں سے کلام علیحدہ ہے۔

قلیلاما۔ اس میں ما زائد ہے اور قلیلاً مفعول مطلق ہو کر موصوف محذوف کی صفت ہو جائے گی۔ ای یتذ کرون تذ کرا قلیلا۔ لیکن مفسرؒ کی تفسیری عبارت میں قلیل کے تذکر کی خبر ہونے کی طرف اور مرفوع ہونے کی طرف اشارہ ہے اور خبر کو محذوف مان کر اس کو حال منصوب بھی کہا جا سکتا ہے۔ ای یحصل حال کونہ قلیلاً۔

استجب لکم۔ اجابت دعا کی چند شرائط ہیں۔ مثلاً: بندہ کا بالکلیہ اللہ کی طرف متوجہ ہونا۔ اس طرح کہ دوسرے کی طرف التفات نہ رہے اور دعا بھی قطع رحمی کے لئے نہ ہو اور یہ کہ قبولیت دعا کے لئے جلدی نہ مچائے۔ قبولیت دعا کا پکا یقین ہو۔ اگر دعا کی ان شرائط میں سے کل یا بعض نہ ہوں تو اجابت کا پھر وعدہ نہیں ہے۔ لیکن اگر بظاہر سب شرائط کے باوجود بھی دعا قبول نہ ہو تو سمجھے ممکن ہے حقیقت میں کوئی شرط موجود نہ ہو یا کوئی مانع پیش آ گیا ہو۔ اس لئے قبولیت نہیں ہوتی یا قبول تو ہوئی مگر ظہور اس کا دیر میں ہوگا۔ یا اس کی بجائے دوسری چیز عطا ہو جائے یا اس دعا کو اس کے گناہوں کا کفارہ شمار کر لیا جائے۔ یہ تو حقیقی معنی کے لحاظ سے تقریر ہوئی۔ لیکن مفسرؒ مجازی معنی عبادت کے لے رہے ہیں کہ اس پر ضرور ثواب مرتب ہوگا۔

سید خلون۔ ضمہ یا اور فتحہ خا کی قرأت ابوبکرؒ وابن کثیرؒ کی ہے۔

والنھار مبصرا۔ زمانہ کی طرف اسناد مجازی ہے۔

ذو فضل۔ اضافت کے ساتھ اور فضل کو نکرہ لانے میں جو خاص بات ہے وہ مفضل اور مفضل کہنے میں بھی نہیں ہے۔

اکثر الناس۔ بظاہر اکثرھم کافی تھا اور لفظ ناس کا تکرار بھی نہ رہتا۔ لیکن کفران نعمت کی تخصیص کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔ جیسے ان الانسان لکفور اوران الانسان لظلوم کفار میں ہے۔

کذلك یؤفك۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ مضارع بمعنی ماضی ہے۔ مگر استحضار صورت غریبہ کے لئے مضارع لایا گیا ہے۔

جعل لکم الارض۔ فضل زمانی کے بعد فضل مکانی بیان فرمایا جا رہا ہے اور فاحسن صورکم میں فضل جانی کا ذکر ہے۔

فاحسن۔ میں فا تفسیر یہ ہے انسان کے احسن تقویم اور احسن صورت ہونے کا مطلب مستقیم القامت بادی البشرہ متناسب الاعضاء ہونا ہے۔

الذی خلقکم۔ ان آیات میں پہلے چار آفاقی دلائل ذکر فرمائے۔ دن، رات، زمین، آسمان، اسی طرح تین انفسی دلائل بیان فرمائے۔ انسان کی صورت، حسن صورت، رزق طیبات۔ پھر اس کے بعد ابتداء سے انتہاء تک خلق النفس کی کیفیت ارشاد فرمادی ہے۔

خلقکم من تراب سے مراد اگر آدم ہیں، تب تو مضاف محذوف ہوگا۔ ای خلق ابو کم۔ ورنہ کلام کو اپنے ظاہر پر بھی رکھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ انسان کا مبتداء اول تو مٹی ہی ہے۔ قرآن کریم کی مختلف آیات میں مختلف مراحل تخلیق کا لحاظ کرتے ہوئے الفاظ مختلف لائے گئے ہیں۔ یخرجکم طفلاً مفسرؒ نے اطفال جمع کے صیغہ سے اس لئے تعبیر کیا تاکہ طفلاً حال کی مطابقت یخرجکم جمع کے ساتھ ہو جائے تو گویا طفلاً لفظی طور پر مفرد ہے۔ مگر معنیٰ جمع ہے یا اسم جنس ہے۔ اسی لئے مذکر، مؤنث، مفرد، جمع سب کے لئے آتا ہے۔ جیسے او الطفل الذین لم یظھروا میں ہے۔ طفولیت چھ سال تک کے زمانہ کو کہا جاتا ہے۔

ثم لتبلغوا۔ مفسرؒ نے یبقیکم سے لام کے متعلق محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ لام تعلیلیہ ہے معطوف ہے علۃ محذوفہ پر ای لتعیشوا اور معلل کی طرف "فعل ذلک" سے اشارہ ہے۔

کن فیکون۔ مفسر علامؒ کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ لفظ کن سے حقیقۃً یہ لفظ مراد نہیں بلکہ سرعت ایجاد سے کنایہ ہے۔ اس کی

مکمل تحقیق پارہ الم کے آخر میں گزر چکی ہے۔ تفسیر عبارت تخلک سے خالی نہیں ہے۔ عبارت اس طرح ہوتی تو اچھا ہوتا۔ وھذا القول المذکور کنایۃ عن سرعۃ الایجاد. بہرحال اللہ کو جب دفعی پیدا کرنے پر قدرت ہے تو تدریجاً پیدا کرنے پر بدرجہ اولیٰ قدرت ہوئی۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات میں جگہ جگہ چونکہ تہدیدی مضامین کے ذیل میں منکرین حق کا اختلاف اور کٹ حجتی مذکور تھی۔ جس سے آنحضرت ﷺ کو رنجش وملال ہوتا تھا۔ اس لئے بطور تسلی آیات انا لننصر الخ سے پچھلے انبیاء کی نصرت کا حال بیان کیا گیا ہے اور صبر واستغفار تسبیح کا حکم دیا گیا ہے۔

پھر آگے اللہ الذی جعل الخ سے توحید کا ذکر مدلل طریقہ سے بیان فرمایا گیا جو اصل مقاصد سورت میں سے ہے۔

روایات: .... ابوالعالیہؒ سے منقول ہے کہ جب یہود نے یہ کہا کہ دجال ہمارا ہی آدمی ہے۔ اس کا خروج ہم میں سے ہوگا، وہ تمام روئے زمین کا مالک ہوگا کہ طرح طرح کے کارنامے انجام دے گا تو آیت فاستعذ باللہ نازل ہوئی۔ جس میں فتنہ دجال سے پناہ مانگنے کا حکم ہے۔ ابن ابی حاتمؒ نے اس کو روایت کیا ہے۔ سیوطیؒ اس کو صحیح مرسل کہتے ہیں اور یہ کہ قرآن میں صرف اسی آیت میں فتنہ دجال کی طرف اشارہ ہے۔

آیت وقال ربکم ادعونی کی تائید میں حدیث بھی ہے۔ لیسئل احدکم ربہ حاجتہ کلھاحتی فی شسع نعلہ اذا انقطع اسی اجابت دعا کے لئے بھی حدیث میں ہے۔ اذقال العبد یارب، قال اللہ لبیک یاعبدی اور دعا بمعنی عبادت کی تائید بھی حدیث سے ہوتی ہے۔ الدعاء ھوالعبادۃ. چنانچہ حضور ﷺ نے اپنے اس ارشاد کی تائید میں یہ آیت تلاوت فرمائی اور ابن عباسؓ سے ادعونی کے معنی وحدونی بھی منقول ہیں۔ اور بعض نے سلونی اعطکم معنی لئے ہیں۔

﴿تشریح﴾: .... **اہل حق کا غلبہ:** .... انا لننصر الخ یعنی حق پرستوں کی قربانیاں کبھی ضائع نہیں جاتیں۔ درمیان میں کتنے ہی اتار چڑھاؤ اور کیسے ہی امتحانات پیش آئیں، مگر آخر ان کا مشن کامیاب ہوکر رہتا ہے۔ جس مقصد کے لئے وہ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس میں ان کا بول بالا ہوتا ہے۔ عملی حیثیت سے تو وہ ہمیشہ مظفر ومنصور اور دلیل وبرہان میں غالب رہتے ہیں، لیکن ظاہری فتح وکامرانی اور مادی عزت بھی آخر کار انہی کے حصہ میں آتی ہے۔ سچائی کے دشمن کبھی بھی حقیقی طور پر کامیاب نہیں ہوتے۔ صرف دیر کا ابال اور اچھال ہوتا ہے۔ پھر وہی پستی ان کی مہر قسمت ہوجاتی ہے۔ اما الزبد فیذھب جفاءً واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض.

اسی طرح عقبیٰ میں جب سب اولین آخرین سے میدان حشر پٹا ہوا ہوگا، اہل حق کی بلندی اور برتری ظاہر فرمادے گا۔ دنیا میں تو کچھ خفا اور التباس بھی کبھی رہا ہوگا۔ مگر آخرت میں سب حجابات اٹھ کر حقائق سامنے آجائیں گے۔ لیکن باطل پرستوں کا انجام اس کے برعکس ہوگا۔ چنانچہ دنیا ہی میں دیکھ لو کہ فرعون جیسی باطل طاقت جس کا آفتاب اقبال نصف النہار پر پہنچا ہوا تھا، جب موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل جیسی کمزور مگر حق پرست جماعت ٹکرائی تو دنیائے حق وباطل کی آویزش کا انجام دیکھ لیا کہ باطل سرنگوں ہوا اور حق ابھر کر چمکا اور موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے کمزور قوم ایک عظیم الشان کتاب ہدایت کی وارث بنی۔ جس نے دانشوروں کے لئے شمع ہدایت کا کام دیا۔

حافظ عمادالدین ابن کثیرؒ نے نصرت کے معنی بدلہ کے بھی لکھے ہیں۔ یعنی رسولوں اور مومنین کو اگر کبھی مغلوبیت اور مخالفین غالب آجاتے ہیں تو ہم ان کا بدلہ ضرور کسی نہ کسی وقت لے کر رہتے ہیں۔ چنانچہ قرآن وحدیث اور تاریخ اس کے گواہ ہیں۔ یہ تقریر بہت عمدہ ہے۔

صبر ہی کامیابی کی کنجی ہے: .... فاصبر الخ میں آنحضرت ﷺ کی تسلی فرمائی جارہی ہے کہ آپ کے ساتھ جو وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ ضرورت اس کی ہے کہ اللہ کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لئے ہر طرح کے مصائب ومشکلات پر صبر کریں اور اپنی اپنی کوتاہیوں کے امکان کے پیش نظر اللہ سے معافی کے خواستگار اور ہمہ وقت مصرف توبہ واستغفار رہیں۔ ظاہر وباطن اور عمل سے اس کی یاد تازہ رکھیں۔ پھر اللہ کی کھلی مدد کا تماشہ دیکھیں۔

آیت کے اصل مخاطب امت کے لوگ ہیں۔ کیونکہ جب نبی معصوم روزانہ سو بار استغفار کرتے ہیں تو اوروں کا استغفار کتنا ہونا چاہئے۔ ہر بندہ کی تقصیر اس کے درجہ کے مطابق ہوتی ہے۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے۔ اس سے کوئی بے نیاز نہیں۔

حق اور اہل حق کا بول بالا: .... ان الذین جو لوگ دلائل توحید اور آسمانی کتابوں اور پیغمبروں اور معجزات وہدایات میں فضول جھگڑے اور خواہ مخواہ بے دلیل باتیں نکال کر حق کی آواز کو دبانا چاہتے ہیں، نہ ان کے پاس دلیل وبرہان ہے اور نہ فی الواقع ان کھلی ہوئی باتوں میں شک وشبہ کا موقعہ صرف شیخی اور غرور رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ وہ اپنے کو بہت اونچا سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ پیغمبر سے اوپر ہو کر رہیں اور حق اور اہل حق کے سامنے جھکنا نہ پڑے۔ مگر یاد رکھیں، وہ اس مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ انہیں پیغمبر کے سامنے جھکنا پڑے گا۔ ورنہ ذلیل ورسوا ہوں گے۔ یہی ہوا کہ جو کچھ جھک گئے تو کامیاب ہو گئے اور جو نہیں جھکے ذلیل وخوار ہوئے۔ آپ تو اللہ کی پناہ مانگئے کہ وہ ان شریروں کے خیالات سے بچائے۔

ایک اندھا اور سنوانکھا برابر نہیں تو مومن وکافر کیسے برابر ہو سکتے ہیں: .... لخلق السموٰت میں انکار توحید اور انکار قیامت کا جواب ہے۔ سارے دلائل توحید وقدرت بیان کئے گئے ہیں۔ چار آفاقی اور تین انفسی کفار ومشرکین بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ زمین وآسمان اللہ کے پیدا کردہ ہیں پھر انسان کو پہلی یا دوسری مرتبہ پیدا کرنا بھلا اس کے لئے کیا مشکل ہو سکتا ہے۔ کیا یہ لوگ اتنی موٹی سی بات کو نہیں سمجھتے۔ ایک اندھا اور سنوانکھا۔ ایک مومن اور کافر اگر برابر نہیں اور یقینا برابر نہیں تو ضرور ایک دن ایسا آئے گا جب حق وباطل کا فرق کھل کر سامنے آجائے گا۔ اور علم وعمل کے ثمرات اپنی اکمل ترین صورت میں ظاہر ہو کر رہیں گے۔ مگر افسوس تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

آداب دعا: .... وقال ربکم ادعونی۔ یعنی اللہ کی عبادت کرو۔ یہ عبادت خالی ہوجائے گی وہی صلہ دے گا۔ اس سے مانگنا عبادت ہے اور نہ مانگنا کبر غرور ہے۔ جو خدا کی بندگی کے شایان شان نہیں۔ یہ بات تو برحق ہے کہ وہ بندوں کی پکار کو پہنچتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو مانگو وہی فورا پورا کر دیا جائے گا بلکہ اس کے دینے کے بہت سے ڈھنگ ہیں۔ پھر ہر حکم کی طرح مانگنے کے بھی کچھ آداب وشرائط ہیں اور کچھ موانع ہیں۔ ان کا پورا ہونا ضروری ہے۔ کچھ نہ کچھ کسر رہ جاتی ہے۔ مگر بندہ کی نظر وہاں تک نہیں پہنچتی اور سمجھ بیٹھتا ہے کہ چونکہ میرا کہا پورا نہیں ہوا اس لئے وعدہ غلط ہوا۔ ایسا نہیں، بلکہ ضرور اس میں کوئی چھپی حکمت ومصلحت ایسی ہوگی کہ مشیت الٰہی اس کے تابع ہے اور بندہ کی نظر قاصر ہے۔ بندے کا کام مانگنا ہے کہ وہی مغز عبادت ہے پورا کرنا اللہ کی مصلحت پر ہے۔

انسان اور اس کی روزی کے طور نرالے مگر کام کس قدر میلے: .... اللہ الذی۔ زمین وآسمان کی طرح لیل ونہار کی گردش بھی آیات الٰہی ہیں۔ زمانہ کی یہ زنجیر اسی کے دست قدرت میں ہے۔ رات کی تاریکی اور ٹھنڈک کو دیکھو جو عموماً سونے اور آرام

کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ دنیا پر ایک طرح کا سناٹا چھا جاتا ہے اور فضا پرسکون ہو جاتی ہے۔ مگر جب دن کا اجالا ہوتا ہے تو پھر زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور کاروبار تیز ہو جاتا ہے۔ رات کی طرح اب مصنوعی روشنیوں کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اللہ کی ان عام نعمتوں پر جان و دل، زبان و عمل سے شکر بجالاتے۔ مگر شکر کی بجائے شرک کیا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ حق ناشناسی اور ناسپاسی اور کیا ہوگی۔ لیکن اگر وہی سب کا خالق اور پالنہار ہے تو پھر بندگی بھی اسی ایک کی ہونی چاہئے۔ یہ کیا کہ مالک حقیقی تو کوئی اور ہو اور بندگی کسی اور کی کی جائے اور پھر انسان تو یوں بھی ساری مخلوق سے نرالا ہے۔ اس کی روزی بھی سب سے نرالی ہے۔ مگر کام دیکھو تو کیسے میلے ہیں۔

اللہ کی کن فیکونی قدرت کے کرشمے:............ھو الحی. اللہ کی حیات جب ذاتی ہے، کسی حیثیت سے بھی اس پر فنا طاری نہیں تو تمام لوازم حیات بھی اس کے ذاتی ہونے چاہئیں۔ کیونکہ سب کمالات اور خوبیاں وجود وحیات ہی کے تابع ہیں۔ پس وہی معبود برحق اور ساری خوبیوں کا مالک ہے۔ حالانکہ انسان خود اپنی خلقت پر نظر کرے تو اس کے لئے یہ بہکنا اور بھٹکنا روا نہیں۔ پہلے انسان کو اگر براہ راست مٹی کا پتلہ بنایا تو ساری نسل کی اصل اول بھی خاک ہی سے ہے۔ اس لئے اسے خاکساری چاہئے۔ پھر مٹی سے پیداوار ہوئی اور وہ پیداوار سبب پیدائش بنی کہ پانی کی ایک بوند سے اور خون سے اور وہ خون اور لوتھڑے کی صورت میں تبدیل ہو کر ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے ایک جیتے جاگتے بچہ کے روپ میں سامنے آئی۔ پھر عہد طفلی سے نکل کر اس نے عہد شباب میں قدم دھرا اور پھر آخری منزل بڑھاپے کی آئی۔ جس کے بعد پھر فنا کی گود میں چلا جاتا ہے اور کتنے ہی انسان ہیں کہ ان ساری منزلوں کو طے نہیں کر پاتے بلکہ درمیان ہی میں کھسک جاتے ہیں۔ بہر حال ایک معینہ حد کے بعد آخر کار موت اور حشر کے حوالہ ہونا پڑتا ہے۔

جب اتنے احوال گزر چکے ہیں تو ممکن ہے ایک اور حال بھی گزرے۔ "یعنی مرکر جینا" آخر اسے محال کیوں سمجھتے ہیں۔ یہ بات اس کی کن فیکونی قدرت سے کیوں بعید سمجھتے ہو؟

لطائف سلوک:............ واستغفر لذنبك. عصمت انبیاء چونکہ قطعی ہے۔ اس لئے "ذنب" کے معنی متعارف گناہ کے نہیں ہوں گے۔ بلکہ بشری تقاضوں کی رو سے جو طبعی باتیں سرزد ہو جاتی ہیں اور وہ انبیاء کی عظمت شان سے کچھ ہٹی ہوئی ہوں ان سے بھی استغفار کیجئے۔ کیونکہ وہ لغزش بھی بڑوں کی نظر میں گناہ سے کم نہیں ہوتی۔ اس سے **حسنات الابرار سیئات المقربین** کی اصل نکل آئی۔

ادعونی استجب الخ اس میں عبدیت کی فضیلت نکل رہی ہے اور یہ کہ دعا تفویض و توکل کے خلاف نہیں ہے۔

اللہ الذی جعل لکم الیل. رات میں ہر شخص کا سکون علیحدہ ہوتا ہے۔ عوام کو تو بدنی راحت و آرام سے سکون میسر آتا ہے۔ لیکن اہل طاعت کی راحت اعمال کی ساتھ ہوتی ہے اور اہل محبت کے لئے حلاوت قلبی شوق ذوق ہے۔

فاحسن صورکم. اگر ظاہری صورت مراد لی جائے تو بدشکل کے متعلق اشکال ہوگا کہ وہ احسن صورت کیسے ہے، لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ ہم نے اپنے جمال و جلال کا تمہیں آئینہ بنایا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ القُرْاٰنِ اَنّٰى كَيْفَ يُصْرَفُوْنَ ﴿٦٩﴾ عَنِ الْاِيْمَانِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ القُرْاٰنِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ مِنَ التَّوْحِيْدِ وَالْبَعْثِ وَهُمْ كُفَّارُ مَكَّةَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٠﴾ عُقُوْبَةَ تَكْذِيْبِهِمْ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اِذْ بِمَعْنٰى اِذَا وَالسَّلٰسِلُ ؕ عَطْفٌ عَلَى الْاَغْلَالِ فَتَكُوْنُ فِي الْاَعْنَاقِ اَوْ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ مَحْذُوْفٌ اَيْ فِيْ اَرْجُلِهِمْ اَوْ خَبَرُهٗ يُسْحَبُوْنَ ﴿٧١﴾ اَيْ يُجَرُّوْنَ بِهَا فِي الْحَمِيْمِ ۙ اَيْ جَهَنَّمَ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿٧٢﴾ يُوْقَدُوْنَ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ تَبْكِيْتًا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٧٣﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ مَعَهٗ وَهِيَ الْاَصْنَامُ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا غَابُوْا عَنَّا فَلَا نَرَاهُمْ بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ؕ اَنْكَرُوْا عِبَادَتَهُمْ اِيَّاهَا ثُمَّ اُحْضِرَتْ قَالَ تَعَالٰى اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَيْ وَقُوْدُهَا كَذٰلِكَ اَيْ مِثْلَ اِضْلَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْمُكَذِّبِيْنَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٤﴾ وَيُقَالُ لَهُمْ اَيْضًا ذٰلِكُمْ الْعَذَابُ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ مِنَ الْاِشْرَاكِ وَاِنْكَارِ الْبَعْثِ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿٧٥﴾ تَتَوَسَّعُوْنَ فِي الْفَرَحِ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى مَاْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٧٦﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بِعَذَابِهِمْ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ فِيْهِ اِنْ الشَّرْطِيَّةُ مُدْغَمَةٌ وَمَا زَائِدَةٌ تُؤَكِّدُ مَعْنَى الشَّرْطِ اَوَّلَ الْفِعْلِ وَالنُّوْنُ تُؤَكِّدُ اٰخِرَهٗ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ فِيْ حَيَاتِكَ وَجَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوْفٌ اَيْ فَذَاكَ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ قَبْلَ تَعْذِيْبِهِمْ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿٧٧﴾ فَنُعَذِّبُهُمْ اَشَدَّ الْعَذَابِ فَالْجَوَابُ الْمَذْكُوْرُ لِلْمَعْطُوْفِ فَقَطْ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ رُوِيَ اَنَّهٗ تَعَالٰى بَعَثَ ثَمَانِيَةَ اٰلَافِ نَبِيٍّ اَرْبَعَةُ اٰلَافِ نَبِيٍّ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ وَاَرْبَعَةُ اٰلَافِ نَبِيٍّ مِنْ سَائِرِ النَّاسِ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ مِنْهُمْ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ لِاَنَّهُمْ عَبِيْدٌ مَرْبُوْبُوْنَ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ بِنُزُوْلِ الْعَذَابِ عَلَى الْكُفَّارِ قُضِيَ بَيْنَ الرُّسُلِ وَمُكَذِّبِيْهَا بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٧٨﴾ اَيْ ظَهَرَ الْقَضَاءُ وَالْخُسْرَانُ لِلنَّاسِ وَهُمْ خَاسِرُوْنَ فِيْ كُلِّ وَقْتٍ قَبْلَ ذٰلِكَ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ قِيْلَ الْاِبِلُ هٰهُنَا خَاصَّةً وَالظَّاهِرُ وَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ مِنَ الدَّرِّ وَالنَّسْلِ وَالْوَبَرِ وَالصُّوْفِ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ هِيَ حَمْلُ الْاَثْقَالِ اِلَى الْبِلَادِ وَعَلَيْهَا فِي الْبَرِّ وَعَلَى الْفُلْكِ السُّفُنِ فِي الْبَحْرِ تُحْمَلُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ الدَّالَّةِ عَلٰى وَحْدَانِيَّتِهٖ تُنْكِرُوْنَ ﴿٨١﴾ اِسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ وَتَذْكِيْرٍ اَيُّ اَشْهَرٍ مِنْ تَانِيْثِهٖ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ

قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ مِنْ مَصَانِعَ وَقُصُوْرٍ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ اَلْمُعْجِزَاتِ الظَّاهِرَاتِ فَرِحُوْا اَيِ الْكُفَّارُ بِمَا عِنْدَهُمْ اَيِ الرُّسُلِ مِّنَ الْعِلْمِ فَرَحَ اسْتِهْزَاءٍ وَضَحِكٍ مُنْكِرِيْنَ لَهُ وَحَاقَ نَزَلَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ اَيِ الْعَذَابُ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا اَيْ شِدَّةَ عَذَابِنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ سُنَّتَ اللّٰهِ نَصَبُهُ عَلَى الْمَصْدَرِ بِفِعْلٍ مُقَدَّرٍ مِنْ لَفْظِهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ فِي الْاُمَمِ اَنْ لَا يَنْفَعُهُمُ الْاِيْمَانُ وَقْتَ نُزُوْلِ الْعَذَابِ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ تَبَيَّنَ خُسْرَانُهُمْ لِكُلِّ اَحَدٍ وَهُمْ خَاسِرُوْنَ فِيْ كُلِّ وَقْتٍ قَبْلَ ذٰلِكَ

ترجمہ: .... کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں (قرآن میں) جھگڑے نکالتے ہیں کہ وہ کہاں (ایمان سے) پھرے چلے جارہے ہیں، جن لوگوں نے اس کتاب (قرآن) کو جھٹلایا اور اس چیز کو بھی جو ہم نے اپنے پیغمبروں کو دے کر بھیجا (یعنی توحید و بعث کی دعوت، مراد کفار مکہ ہیں) سو ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (جھٹلانے کا انجام) جبکہ (اذ بمعنی اذا ہے) طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیر میں (یہ اغلال پر معطوف ہے۔ اس لئے زنجیریں بھی گردنوں میں ہوں گی۔ یا یہ مبتداء ہے جس کی خبر محذوف ہوگی۔ ای السلاسل فی ارجلهم یا اس کی خبر آگے ہے۔ ان کو گھسیٹتے (زنجیروں کے ساتھ کھینچتے) ہوئے کھولتے ہوئے پانی (دوزخ) میں لے جائیں گے۔ پھر آگ میں جھونک دیئے (دھونکا دیئے) جائیں گے پھر ان سے (ڈانٹتے ہوئے) پوچھا جائے گا کہ وہ کہاں گئے جن کو تم شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ غیر اللہ کو (اس کے ساتھ یعنی بت) وہ بولیں گے۔ وہ تو سب ہم سے کھو (غائب) گئے (ہمیں نظر ہی نہیں آتے) بلکہ ہم سب اس سے پہلے کسی کو پوجتے ہی نہیں تھے (بتوں کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں گے۔ پھر بتوں کو لا حاضر کیا جائے گا۔ جیسا کہ آیت انکم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم فرمایا گیا۔ یعنی ان کو بھی دوزخ کا ایندھن بنایا جائے گا) اسی طرح (جیسے ان جھٹلانے والوں کو بچلایا) اللہ تعالیٰ کافروں کو گمراہی میں پھنساتا ہے (اور ان سے کہہ دیا جائے گا کہ) یہ (عذاب) اس کے بدلہ میں ہے کہ تم دنیا میں ناحق (شرک اور انکار قیامت کے بارے میں) خوشیاں منایا کرتے تھے اور اس کے بدلہ میں ہے کہ تم اترایا کرتے تھے (حد سے زیادہ مگن رہتے تھے) جاؤ جہنم کے دروازں میں سے ہمیشہ کے لئے، سو متکبروں کا وہ برا ٹھکانا (مقام) ہے۔ پس آپ صبر کیجئے۔ بلاشبہ اللہ کا وعدہ (عذاب ان کے حق میں سچا ہے۔ پھر یا ہم آپ کو دکھلا دیں گے (ان شرطیہ کا ادغام ما زائد میں ہو رہا ہے جو فعل کے شروع میں شرط تاکید کے لئے ہے اور نون آخر میں تاکید کے لئے آتا ہے) کچھ تھوڑا سا اس میں سے جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں (یعنی آپ کی زندگی میں عذاب، جواب شرط محذوف ہے یعنی فـــذاک) یا ہم آپ کو وفات دے دیں گے (ان کو عذاب دینے سے پہلے) سو ہمارے ہی پاس ان سب کو آنا ہے (اس وقت بھیانک عذاب دیں گے یہ حرف معطوف کا جواب ہے) اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے جن میں سے بعض تو وہ ہیں کہ ان کا قصہ ہم نے آپ سے بیان کیا ہے اور بعض وہ ہیں جن کو ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا (روایت ہے کہ اللہ نے آٹھ ہزار انبیاء بھیجے جن میں سے چار ہزار بنی اسرائیل ہے اور چار ہزار اور لوگوں میں مبعوث فرمائے) اور (ان میں سے) کسی بھی رسول سے یہ نہیں ہوسکا کہ کوئی معجزہ اذن الٰہی کے بغیر ظاہر کر سکے (کیونکہ سب اللہ کے بندے اور فرمانبردار ہیں) پھر جب اللہ کا حکم (کفار پر) عذاب) کا آئے گا تو (انبیاءؑ اور ان کے مخالفین کے درمیان) ٹھیک ٹھیک فیصلہ

ہو جائے گا اور اس وقت اہل باطل خسارہ میں رہ جائیں گے۔ یعنی لوگوں پران کے متعلق فیصلہ اور نقصان کا افشاء ہو جائے گا۔ ورنہ اس سے پہلے بھی یہ لوگ ہمیشہ خسارہ ہی میں رہے) اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے مویشی بنائے (بعض کی رائے میں خاص طور پر یہاں اونٹ مراد ہیں۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ بیل بکری بھی ہیں) تا کہ ان میں سے بعض سے سواری لو اور بعض کو کھاتے بھی رہو اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں (دودھ، نسل، بال و اون کے) اور تا کہ تم ان پر ہو کر اپنی حاجت تک پہنچو جو تمہارے دلوں میں ہے (بوجھوں کو شہروں تک ڈھونا) اور ان پر (خشکی میں) اور کشتی پر (دریاؤں میں) لدے پھندے پھرتے ہو اور تم کو اور بھی نشانیاں دکھلاتا رہتا ہے۔ سو تم اللہ کی کون کونسی نشانیوں کا (جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں) انکار کرو گے (یہ استفہام سرزنش وفہمائش کے لئے ہے اور ای کا مذکر لانا مونث لانے سے زیادہ مشہور ہے) کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں، ان کا انجام کیسا ہوا؟ وہ لوگ ان سے زیادہ تھے طاقت اور یادگاروں میں جو زمین پر چھوڑ گئے ہیں (حویلیاں اور قلعے) سوان کی کمائی ان کے کچھ بھی کام نہ آسکی۔ الغرض جب انکے پیغمبران کے پاس کھلی نشانیاں (واضح معجزات) لے کر آئے تو وہ لوگ (کفار) بڑے نازاں ہوئے (پیغمبروں کے) علم پر (تمسخر کے طور پر اور انکار کی ہنسی کرتے ہوئے) اور ان پر وہ عذاب آپڑا (نازل ہو گیا) جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے ہمارا غضب دیکھ لیا (عذاب کی شدت) تو کہنے لگے ہم خدائے واحد پر ایمان لے آئے اور ان سب چیزوں سے پھر گئے جن کو ہم اس کے ساتھ شریک کیا کرتے تھے۔ سو ان کو ان کا یہ ایمان لانا نفع بخش نہیں ہوگا۔ جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی معمول مقرر کر رکھا ہے (مفعول مطلق کی وجہ سے منصوب ہے۔ اسی کے ہم لفظ فعل مقدر کی بناء پر) جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے (پچھلی امتوں میں کہ عذاب آنے پر ایمان لانا مفید نہیں ہوتا) اور اس وقت کافر خسارہ میں رہ جائیں گے (ہر ایک کا نقصان ظاہر ہو جائے گا ورنہ اس سے پہلے بھی ہر وقت خسارہ ہی میں تھے)۔

تحقیق وترکیب:............ **الذین کذبوا** یہ پہلے موصول کا بدل بھی ہو سکتا ہے اور یہاں بھی اسی طرح صفت بھی ہو سکتی ہے یا مبتداء محذوف کی خبر مانی جائے اور مذمت کی وجہ سے منصوب بھی ہو سکتا ہے۔ ان تمام صورتوں میں **فسوف یعلمون** جملہ مستانفہ ہوگا اور مبتداء بھی ہو سکتا ہے۔ جس کی خبر **فسوف یعلمون** ہے۔

اذ الاغلال۔ مفسرؒ نے ایک شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ شبہ یہ ہے کہ **سوف** استقبال کے لئے ہوتا ہے اور **اذ** ماضی کے لئے آتا ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں میں منافات ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے **سوف اصوم امس**۔ اس لئے مفسرؒ نے **اذ** بمعنی **اذا** کہہ کر اس کا جواب دے دیا اور چونکہ امور مستقبلہ اللہ کی خبروں میں ماضی کی طرح یقینی ہوتی ہے اس لئے **اذ** لایا گیا۔ گویا یہ لفظاً ماضی ہے اور معناً مستقبل۔

یسحبون۔ مفسرؒ نے بہا نکال کر عائد محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

الحمیم۔ گرم کھولتا ہوا پانی۔ کنایہ جہنم سے ہے۔ کیونکہ جہنم کے اندر ہوگا۔ لیکن اگر حمیم جہنم سے باہر ہو تو پھر اصل معنی رہیں گے۔ چنانچہ آگے **ثم فی النار** اسی کا قرینہ ہے۔ الا یہ کہ یوں کہا جائے کہ گھسیٹنا پہلے ہوگا اور دھونکنا بعد میں۔

ثم قیل۔ ماضی تحقق وقوع کے لئے لائی گئی۔

بل لم تکن۔ مفسرؒ نے اس کو بت پرستی کے انکار پر محمول کیا ہے۔ لیکن ابوالسعودؒ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ہم جن معبودوں کی پرستش کیا کرتے تھے، اب معلوم ہوا کہ وہ کچھ بھی نہیں تھے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے **حسبته شیئاً فلم یکن**۔

کذلک۔ یعنی جس طرح یہ گمراہی بے سود رہی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کو مفید چیز کی رہنمائی نہیں کیا کرتا اور یا یہ

مطلب ہے کہ جس طرح ان کے معبود غائب ہو جائیں گے اسی طرح کفار بھی اپنے معبدوں سے غائب ہو جائیں گے اور علامہ قرطبیؒ لم نکن ندعوا الخ کے معنی یہ لیتے ہیں کہ ہماری عبادت بیکار اور بے فائدہ رہی۔ ورنہ نفس عبادت کا انکار روز حساب میں کیسے کرسکیں گے لیکن بقول مفسر علامؒ مطلب یہ ہے کہ ابتداءً تو عبادت ہی کا انکار کردیں گے کہ شاید اس سے کام چل جائے۔ لیکن بت بھی سامنے لاکھڑے کردیئے جائیں گے تو پھر لاجواب اور مجبور ہو جائیں گے۔ اس لئے اس آیت اور دوسری آیت انکم وما تعبدون میں اختلاف بھی نہیں رہا۔

فبئس مثوی۔ اگر مدخل کو برا کہا جاتا تو وہ چونکہ دوامی نہیں ہوتا، اس لئے برائی بھی دوامی نہیں رہتی۔ لیکن اب مثویٰ ٹھکانہ کے دوامی ہونے سے برائی بھی دوامی ہوگئی۔

فاصبر۔ اس میں آنحضرت ﷺ کے لئے وعدہ اور مخالفین کے لئے وعید ہے۔

فاما نرینلٹ۔ اس کے جواب محذوف کی طرف مفسرؒ نے ای فذاک سے اشارہ کیا ہے اور نتوفینک کا جواب فالینا یرجعون ہے اور بقول بیضاویؒ یہ دونوں شرطوں کا جواب بھی ہوسکتا ہے۔

ولقد ارسلنا۔ اس میں بھی آپ کے لئے تسلی ہے۔

منهم من قصصنا۔ صرف پندرہ انبیاء کا قرآن میں ذکر ہے۔ باقی کا ذکر نہیں ہے۔ مفسرؒ نے جس روایت کا ذکر کیا ہے بیضاویؒ اور صاحب کشاف نے اس کو قیل سے ذکر کیا ہے۔ لیکن شرح مقاصد میں ابوذر غفاریؓ سے منقول ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے انبیاءؑ کی تعداد پوچھی تو آپ ﷺ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار بتلائی۔ لیکن عین المعانی میں قرآن میں اٹھارہ انبیاء کے ذکر کو لکھا ہے اور کاشفی میں ۲۹ تعداد بتلائی ہے اور علامہ طیبیؒ نے امام احمدؒ کی روایت کو صحیح کہا ہے۔ وہ یہ کہ ابوذرؓ نے آنحضرت ﷺ سے انبیاء کی تعداد دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ہیں، جن میں سے ۳۱۵ رسول ہیں۔

وما کان لرسول۔ کفار کی طرف سے معجزات کی فرمائش کا یہ جواب ہے۔ یعنی معجزہ پیغمبر کی اختیار میں نہیں ہوتا۔ چنانچہ قریش نے آنحضرت ﷺ سے "صفا مروہ" کو سونے میں تبدیل کردینے کی خواہش کی تھی۔

هنالك۔ یہ ظرف مکان کے لئے آتا ہے۔ یہاں ظرف زمان کے لئے استعارہ ہے۔

المبطلون۔ چونکہ حق کے مقابلہ میں آیا ہے اس لئے مبطلون فرمایا اور ختم سورت پر چونکہ ایمان کے مقابلہ میں ہے اس لئے الکافرون فرمایا گیا۔ مفسرؒ نے هنالك کی جو توجیہ لکھی ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ کفار کا خسران تو ازلی ہے، البتہ اس کا ظہور اس موقعہ پر ہوگا۔

منها۔ من ابتدائیہ یا تبعیضیہ ہے۔

تحملون۔ ممکن ہے عورتوں، بچوں کا ہودجوں میں سوار کرنا مراد ہو۔ اسی لئے رکوب سے الگ ذکر کیا گیا ہے اور کشتی کو اونٹ کے ساتھ مناسبت ہے۔ کشتی اگر سفائن البحر ہے تو اونٹ کو سفائن البر کہا جاتا ہے۔

فای ایة۔ أیت اللہ نہیں فرمایا۔ کیونکہ اسماء جامدہ میں مذکر مؤنث کا فرق نادر ہے اور ای میں ابہام کی وجہ سے یہ فرق کرنا اور بھی شاذ و نادر ہے۔

افلم یسیروا۔ ہمزہ کا مدخول محذوف ہے اور فا عاطفہ ہے۔ ای اعجزوا فلم یسیروا استفہام انکاری ہے۔

بما عندهم۔ مفسرؒ نے کفار کو مرجع نہیں بنایا ہے بلکہ انبیاء کو مرجع بنایا ہے اور فرحت کو استخفاف پر محمول کیا ہے۔ لیکن بعض کے نزدیک کفار مرجع ہیں اور علم سے مراد ان کے مزعومات و مزخوفات ہیں۔ جو کہ فی الحقیقت جہل ہیں۔ یا علم سے مراد معاشیات، سائنس

وغیرہ علوم دنیا ہیں۔ جس پر وہ نازاں رہتے تھے۔ چنانچہ حکیم سقراط سے جب کہا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو تو کہنے لگانحن قوم مھذبون فلا حاجة لنا الی من یھذبنا.

فلم یک. کان کا اسم ہونے کی وجہ سے ایمان مرفوع ہے اور جملہ ینفعھم خبر مقدم ہے اور ایمان ینفع کے فاصل ہونے کی وجہ سے بھی مرفوع ہوسکتا ہے اور کان میں ضمیر شان ہو جائے گی اور حرف نفی کان پر لایا گیا۔ نفع پر نہیں داخل کیا گیا ہے۔ جیسے ما کان ان یتخذ من ولد بمعنی لایصح و لا ینبغی.

سنت اللّٰہ. ای سن اللہ بھم سنة اور تخصیص کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے۔ای احذرو اسنة اللّٰہ.

ربط آیات: .... پچھلی آیات میں کفار کو سرزنش اور آپ کی تسلی تھی۔ آگے بھی یہی مضمون ہے۔ مگر وہاں جزائے کفر اجمالاً تھی اور یہاں الم تر الی الذین الخ میں تفصیلاً نیز وہاں صرف موسیٰ کا ذکر جزوی طریقہ پر تھا۔ یہاں تمام انبیاءؑ ورسل کا ذکر کلیۃً ہے۔

اسی طرح پچھلی آیات اللہ الذی جعل لکم الیل الخ میں توحید کا بیان تھا۔ آیات اللہ الذی جعل لکم الانعام میں بھی آخر سورت تک یہی مضمون ہے۔ پہلے اس کی دلیل پھر انکار پر سرزنش پھر پہلے مشرکین کا حال یاد دلا کر موجودہ کافروں کے لئے دھمکی ہے۔ اور یہ کہ عذاب آ جانے پر پھر توبہ کے قبول ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ ایمان بالغیب نہیں رہتا۔

﴿تشریح﴾: .... الذین کذبوا کا منشاء یہ نہیں کہ عذاب کا مدار ان دونوں کی تکذیب پر ہے۔ بلکہ یہ بتلانا ہے کہ یہ دوسری تکذیب کے مرتکب ہوئے۔ ورنہ ایک تکذیب بھی دائمی عذاب کے لئے کافی تھی۔ طوق گردن اور زنجیر پاؤں میں ڈالی جاتی ہے۔ لیکن زنجیر کے گردن سے وابستہ کرنے کی بھی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ اس کا ایک سرا طوق میں ڈال دیا جائے اور دوسرا سرا فرشتے تھامے ہوئے ہوں جیسے جانور یا قیدی کو لے کر چلتے ہیں۔

حمیم جحیم سے باہر ہوگا یا اندر: .... یسحبون فی الحمیم سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کھولتے ہوئے پانی کا عذاب جہنم سے باہر ہوگا اور آگ کا عذاب دوزخ کے اندر جیسا کہ بعض علماء اس کے قائل ہیں۔ چنانچہ سورۂ صافات کی آیت ثم ان مرجعھم لا الی الجحیم کو بھی انہوں نے اسی معنی پر محمول کیا ہے۔ جیسا کہ مرجع کے لفظ سے بھی یہی مفہوم نکلتا ہے کہ باہر سے کھولتا ہوا پانی پلا کر جہنم میں اور پھر جہنم سے دوبارہ پانی کے لئے باہر لایا جائے گا۔ اسی طرح سلسلہ رہے گا۔

لیکن بعض علماء اس کے قائل نہیں ہیں کہ خذوہ فاعتلوہ الی سواء الجحیم ثم صبوا فوق راسه من عذاب الحمیم اور وماھم بخارجین من النار سے استدلال کرتے ہیں کہ پہلی آیت سے دوزخ میں جانا پہلے اور کھولتا ہوا پانی پلانا بعد میں اور دوسری آیت سے دوزخ سے باہر نہ نکلنا معلوم ہو رہا ہے۔ اس لئے ان کی رائے ہے کہ دوزخ میں انواع واقسام کے عذاب ہوں گے۔ کھولتا ہوا پانی اور آگ وغیرہ۔ کبھی ایک عذاب پہلے ہوگا اور دوسرا بعد میں اور کبھی اس کا برعکس۔ اس طرح ان کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اور یہ نوع ایک فرد کے اعتبار سے دوسری نوع سے مقدم ہوگی اور دوسرے فرد کے لحاظ سے مؤخر بھی۔

اور دوزخ جحیم کے بالمقابل معنی پر بھی بولی جاتی ہے اور عام مفہوم پر بھی۔ کیونکہ حمیم کا حمیم ہونا آگ کے اثر سے ہوگا۔ پس ایک دوسرے سے متعلق ہونے اس لئے پہلے معنی کے اعتبار سے حمیم کو جحیم سے خارج اور دوسرے معنی کے لحاظ سے دوزخیوں کے دوزخ سے نہ نکلنے کا حکم صحیح رہے گا۔ اس طرح تمام آیات میں تطبیق ہو جائے گی۔ چنانچہ آیت ھٰذہ جھنم التی یکذب بھا المجرمون یطوفون بینھا وبین حمیم ان.

حافظ ابن کثیرؒ اس موقع پر لکھتے ہیں یسحبونھم علی وجوھھم تارۃ الی الحمیم وتارۃ الی الجحیم اور بظاہر جملہ ضلوا عنا الخ آیت انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم اور قال قرینہ ربنا ما اطغیتہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ پہلی آیت سے بتوں کا غائب ہونا اور دوسری آیت سے عاجز ہونا معلوم ہورہا ہے۔ اس کا ایک جواب تو مفسرؒ نے دیا ہے کہ وہ اول نظروں سے اوجھل ہوں گے۔ پھر لا حاضر کئے جائیں گے۔ اس لئے دو باتیں صحیح ہوگئیں۔ دوسری سہل تر توجیہ یہ ہے کہ ضلوا عن نصرتنا کے معنی ہیں۔ پس حاضر ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں کرسکیں گے۔ گویا ہوئے نہ ہوئے برابر۔

دھوکہ کا سراب: ....اور بل لم ندعوا کا مطلب اکثر مفسرینؒ نے یہ لیا ہے کہ ہم دنیا میں جن کو پکارتے رہے، اب کھلا کہ واقعہ میں وہ کچھ نہ تھے۔ ہمیں اپنی غلطی کا اعتراف ہے، لیکن مفسرؒ کی رائے ہے کہ وہ سرے سے ان کو پکارنے اور ان کی عبادت کرنے ہی کا انکار کردیں گے اور جب آدمی مبہوت اور پریشان ہوجاتا ہے تو بہکی بہکی اور الٹی سیدھی باتیں کیا ہی کرتا ہے۔ اس سے بحث نہیں ہوتی کہ یہ بات چلے گی یا نہیں۔ چنانچہ کذلک یضل اللہ کا ماحصل بھی یہی ہے کہ جس طرح یہاں انکار کرتے کرتے بچل گئے اور گھبرا کر اقرار کرلیا۔ دنیا میں بھی ان کافروں کا یہی حال تھا۔ اب دیکھ لیا کہ ناحق کی شیخی اور غرور و کبر کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ ساری اکڑفوں دھری رہ گئی۔

ادخلوا ابواب جھنم کا منشاء یہ ہے کہ مجرمین کے لئے ان کے جرائم کی نوعیت کے پیش نظر الگ الگ نامزد دروازے ہوں گے۔ ان میں سے داخلہ کا حکم ہوگا۔

پیغمبر کی بددعا رحمت کے منافی نہیں: ....فاصبر الخ آپ کے مخالفین کو عذاب کے سلسلہ میں اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہوکر رہے گا۔ وہ آپ کی زندگی ہی میں ہو۔ جیسے بدر اور فتح مکہ کے موقعہ پر ہوا۔ یا آپ کے بعد بہرحال یہ بچ کر کہاں جائیں گے۔ ہیں تو ہمارے قبضہ میں یہاں نہیں تو وہاں نمٹیں گے، چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔

وعدۂ عذاب کے متعلق یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اتنے مہربان اور شفیق تھے، پھر ان کے حق میں عذاب کی خواہش کیوں کی؟ جواب یہ ہے کہ ان کے ایمان و ہدایت سے مایوس ہوجانے کے بعد اہل حق کی ہمدردی کا تقاضہ یہ ہے کہ ان پر ظلم کرنے والوں سے انتقام لیا جائے یا ان پر کسی آسمانی آفت کی تمنا کی جائے۔ اس کو شفقت و رحمت کے خلاف نہیں کہا جائے گا یہ ایسا ہی ہے جیسے مظلوم کی حمیت و انصاف کے سلسلہ میں ظالم کو سزا دی جائے۔ جہاد کی حکمت بھی یہی ہے۔ کیا اس کو رحم کے خلاف کہا جاسکتا ہے؟

معجزہ یا کرامت اللہ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں ہیں: ....ولقد ارسلنا دنیا میں بہت سے انبیاء آئے جن کا حال معلوم ہے۔ ان پر تفصیلاً اور جن کا نام یا حال معلوم نہیں ان پر اجمالاً ایمان لانا واجب ہے۔ جہاں تک معجزوں کا تعلق ہے، اس سلسلہ میں اللہ کو اختیار ہے۔ رسولوں کو یہ اختیار نہیں کہ جو چاہیں اور جب چاہیں معجزے دکھلایا کریں۔ اللہ کی اجازت کے بعد ہی یہ ممکن ہوتا ہے۔ اس لئے انبیاء سے ایسی فرمائشیں کرنا اور ان سے ایسی توقعات رکھنا لغو ہے۔ اللہ جب چاہتا ہے اہل حق اور اہل باطل کے درمیان فصل اور فیصلہ کرنے کے لئے کوئی نشان ظاہر کردیتا ہے۔ جس سے اہل حق کامران اور مخالفین مبتلائے خسران ہوجاتے ہیں۔ دراصل معجزہ دلیل نبوت نہیں ہوتا بلکہ علامت اور نشان کا درجہ رکھتا ہے۔

اللہ الذی جعل لکم الانعام جانوروں پر سواری بجائے خود ایک مقصد ہے اور بہت سے منافع و مقاصد حاصل کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ ان آیات میں اس دور کے مناسب حمل و نقل کے ابتدائی اسباب کا ذکر کیا۔ آج دنیا نے کہاں تک ترقی کرلی ہے اور

آئندہ نقطہ عروج کیا ہوگا۔ وہ سب اسباب ان آیات کے مفہوم میں آ جاتے ہیں۔

مادیت کے پرستار دین کی باتوں کا مذاق اڑاتے ہیں:............ افلم یسیروا۔ یعنی پچھلی قوموں کے عروج وزوال کی کہانیاں کا مطالعہ کرو۔ ان کی ترقیات کے نشانات دیکھو۔ وہ خدا کی گرفت سے اس قدر عظیم طاقت رکھنے کے باوجود کیا بچ سکے؟ پھر تم ہو کس ہوا میں! تمہارے پاس تو یہ ساز وسامان بھی نہیں جو تمہارے لئے کچھ سہارا بن سکے۔ ہر دور میں مادیت کے دلدادہ اور حسیات کی شیدائیوں نے روحانی لوگوں کا اور ان کے علوم کا مذاق اڑایا ہے مادی علوم اور غلط نظریات وافکار کا سہارا لے کر ہمیشہ غرور وگھمنڈ کیا گیا اور اہل حق اور انبیاء کی تحقیر کی گئی۔ لیکن آخر ایک وقت آیا جب انہیں ہنسی مذاق کی حقیقت کھلی۔ تو پھر ان کا مذاق خود ان پر الٹ پڑا اور جب عذاب الٰہی آنکھوں کے سامنے آ کھڑا ہوا تب ہوش آیا اور ایمان وتوبہ کی سوجھی اور سمجھے کہ اصل طاقت کا سرچشمہ اور قوت کا خزانہ اللہ ہے۔ باقی سب چیزیں ہیچ ہیں۔ ہماری غلطی تھی اور سخت حماقت وگستاخی تھی کہ خدائی تخت پر ادنیٰ مخلوق کو بٹھا دیا تھا۔ مگر اب پچھتانے سے کیا فائدہ؟ ایمان وتوبہ کا وقت جا چکا۔ اب تو سزا کا وقت ہے۔ اس لئے غرغرہ اور یاس کا ایمان معتبر نہیں۔ جیسا کہ نساء میں گزر چکا ہے۔

لوگوں کی ہمیشہ یہی عادت رہی ہے کہ پہلے اللہ ورسول کی باتوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور مہلت اور ڈھیل کے بعد جب پکڑے جاتے ہیں تو شور مچانے لگتے ہیں اور توبہ تلافی کرنے لگتے ہیں۔ اللہ کی عادت بھی یہی ہے کہ بے وقت توبہ قبول نہیں کیا کرتا۔ آخر مجرمین اپنے جرائم کا خمیازہ بھگتتے ہیں اور قصہ پاک کر دیا جاتا ہے۔ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا.

لطائف سلوک:............ وما کان لرسول۔ جب معجزہ کا یہ حال ہے جو نشان نبی ہے، حالانکہ نبی کو ماننا ضروری ہے تو پھر کرامت اور تصرفات اولیاء کا کیا حال ہوگا۔ نیز اولیاء ان میں کیسے مستقل ہو سکتے ہیں۔ جبکہ خاص طور سے ان اولیاء کا ماننا بھی ضروری نہیں ہے۔

اللہ الذی جعل لکم الانعام سے معلوم ہوا کہ اسباب معیشت سے نفع اندوز ہونا طریق کے خلاف نہیں ہے جیسا کہ بعض زاہدان خشک سمجھتے ہیں۔

فلما جاء تھم رسلھم سے معلوم ہوا کہ شریعت کے خلاف علوم پر نازاں ہونا جن میں غلط تصوف بھی ہے لائق مذمت ہے۔

سُوْرَةُ فُصِّلَتْ

سُوْرَةُ فُصِّلَتْ مَكِّيَّةٌ ثَلَاثٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

حٰمٓ ۱ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ** ۲ مُبْتَدَأٌ **كِتٰبٌ** خَبَرُهٗ **فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ** بُيِّنَتْ بِالْاَحْكَامِ وَالْقَصَصِ وَالْمَوَاعِظِ **قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا** حَالٌ مِنْ كِتٰبٍ بِصِفَتِهٖ **لِّقَوْمٍ** مُتَعَلِّقٌ بِفُصِّلَتْ **يَّعْلَمُوْنَ** ۳ يَفْهَمُوْنَ ذٰلِكَ وَهُمُ الْعَرَبُ **بَشِيْرًا** صِفَةُ قُرْاٰنٍ **وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ** ۴ سَمَاعَ قَبُوْلٍ **وَقَالُوْا** لِلنَّبِيِّ **قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ** اَغْطِيَةٍ **مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ** ثِقْلٌ **وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ** خِلَافٌ فِي الدِّيْنِ **فَاعْمَلْ** عَلٰى دِيْنِكَ **اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ** ۵ عَلٰى دِيْنِنَا **قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ** بِالْاِيْمَانِ وَالطَّاعَةِ **وَاسْتَغْفِرُوْهُ وَوَيْلٌ** كَلِمَةُ عَذَابٍ **لِّلْمُشْرِكِيْنَ** ۶ **الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ** تَاكِيْدٌ **كٰفِرُوْنَ** ۷ **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ** ۸ مَقْطُوْعٍ **قُلْ اَئِنَّكُمْ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَةِ الثَّانِيَةِ وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهَا بِوَجْهَيْهَا وَبَيْنَ الْاُوْلٰى **لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ** الْاَحَدِ وَالْاِثْنَيْنِ **وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا** شُرَكَاءَ **ذٰلِكَ رَبُّ** مَالِكُ **الْعٰلَمِيْنَ** ۹ جَمْعُ عَالَمٍ وَهُوَ مَاسِوَى اللّٰهِ وَجُمِعَ لِاخْتِلَافِ اَنْوَاعِهٖ بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ تَغْلِيْبًا لِلْعُقَلَاءِ **وَجَعَلَ** مُسْتَاْنَفٌ وَلَا يَجُوْزُ عَطْفُهٗ عَلٰى صِلَةِ الَّذِيْ لِلْفَاصِلِ الْاَجْنَبِيِّ **فِيْهَا رَوَاسِيَ** جِبَالًا ثَوَابِتَ **مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا** بِكَثْرَةِ الْمِيَاهِ وَالزُّرُوْعِ وَالضُّرُوْعِ **وَقَدَّرَ** قَسَمَ **فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا** لِلنَّاسِ وَالْبَهَائِمِ **فِيْٓ** تَمَامِ **اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ** اَيِ الْجَعْلُ وَمَاذُكِرَ مَعَهٗ فِيْ يَوْمِ الثُّلَاثَاءِ وَالْاَرْبِعَاءِ **سَوَآءً** مَنْصُوْبٌ عَلَى الْمَصْدَرِ اَيِ اسْتَوَتِ الْاَرْبَعَةُ اِسْتِوَاءً لَا تَزِيْدُ وَلَا تَنْقُصُ **لِّلسَّآئِلِيْنَ** ۱۰ عَنْ خَلْقِ الْاَرْضِ بِمَا فِيْهَا **ثُمَّ اسْتَوٰٓى** قَصَدَ **اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ** بُخَارٌ مُرْتَفِعٌ **فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ**

ائتيا اي مرادي منكما **طوعا او كرها** في موضع الحال اي طائعتين او مكرهتين **قالتا اتينا** بمن فينا **طائعين** ١١ فيه تغليب المذكر العاقل او نزلتا لخطابهما منزلته **فقضاهن** الضمير يرجع الى السماء لانها في معنى الجمع الآيلة اليه اي صيرها **سبع سموات في يومين** الخميس والجمعة فرغ منها في آخر ساعة منه وفيها خلق آدم ولذلك لم يقل هنا سواء ووافق ما هنا آيات خلق السموات والارض في ستة ايام **واوحى في كل سماء امرها** الذي امر به من فيها من الطاعة والعبادة **وزينا السماء الدنيا بمصابيح** بنجوم **وحفظا** منصوب بفعله المقدر اي حفظناها من استراق الشياطين السمع بالشهب **ذلك تقدير العزيز** في ملكه **العليم** ١٢ بخلقه **فان اعرضوا** اي كفار مكة عن الايمان بعد هذا البيان **فقل انذرتكم** خوفتكم **صاعقة مثل صاعقة عاد وثمود** ١٣ اي عذابا يهلككم مثل الذي اهلكهم **اذ جاءتهم الرسل من بين ايديهم ومن خلفهم** اي مقبلين عليهم ومدبرين عنهم فكفروا كما سيأتي والاهلاك في زمنه فقط **ان** اي بان **لا تعبدوا الا الله قالوا لو شاء ربنا لانزل ملائكة فانا بما ارسلتم به** على زعمكم **كافرون** ١٤ **فاما عاد فاستكبروا في الارض بغير الحق وقالوا** لما خوفوا بالعذاب **من اشد منا قوة** اي لا احد كان واحدهم يقلع الصخرة العظيمة من الجبل يجعلها حيث يشاء **اولم يروا** يعلموا **ان الله الذي خلقهم هو اشد منهم قوة وكانوا بآياتنا** المعجزات **يجحدون** ١٥ **فارسلنا عليهم ريحا صرصرا** باردة شديدة الصوت بلا مطر **في ايام نحسات** بكسر الحاء وسكونها مشئومات عليهم **لنذيقهم عذاب الخزي** الذل **في الحيوة الدنيا ولعذاب الآخرة اخزى** اشد **وهم لا ينصرون** ١٦ بمنعه عنهم **واما ثمود فهديناهم** بينا لهم طريق الهدى **فاستحبوا العمى** اختاروا الكفر **على الهدى فاخذتهم صاعقة العذاب الهون** المهين **بما كانوا يكسبون** ١٧ **ونجينا** منها **الذين آمنوا وكانوا يتقون** ١٨ الله.

سورۂ فصلت مکی ہے، ترپن آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: حم (اس کی مراد اللہ ہی کو معلوم ہے) رحمٰن و رحیم کی جانب سے نازل کی جاتی ہے (مبتدا ہے) ایک ایسی کتاب (خبر ہے) جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی جاتی ہیں (احکام اور واقعات اور مواعظ و نصیحت) یعنی قرآن عربی زبان میں (موصوف صفت مل کر کتاب سے حال ہے) ایسے لوگوں کے لئے (فصلت سے متعلق ہے) جو واقف ہیں (اس سے یعنی اہل عرب) خوشخبری سنانے والا (قرآن کی صفت ہے) اور ڈرانے والا ہے۔ سو اکثر لوگوں نے روگردانی کی۔ پھر وہ سنتے ہی نہیں (قبولیت کے کانوں) اور (پیغمبر

ہے) کہتے ہیں کہ جس بات کی آپ ہم کو دعوت دیتے ہیں، ہمارے دل اس سے پردوں (غلافوں) میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ (رکاوٹ) ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک قسم کا حجاب (دینی اختلاف) ہے سو آپ (اپنے دین میں رہتے ہوئے) کام کئے جائیے۔ہم (اپنے مذہب کے مطابق) اپنا کام کر رہے ہیں۔آپ فرمائیے کہ میں بھی تم جیسا ہی انسان ہوں۔مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔سو اس کی طرف (ایمان وطاعت کے ذریعہ) سیدھ باندھ لو اور اس سے معافی مانگو اور تباہی ہے (کلمہ عذاب ہے) ان مشرکین کے لئے جو زکوۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت ہی کے (ہم تاکید کے لئے ہے) منکر ہیں۔جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے ایسا اجر ہے جو موقوف (ختم) ہونے والا نہیں۔آپ فرما دیجئے کیا تم لوگ (دوسری ہمزہ کی تحقیق اور تسہیل کے ساتھ اور دونوں صورتوں میں دونوں ہمزہ کے درمیان الف داخل کر کے) ایسے خدا کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو روز (اتوار، پیر) میں بنا ڈالا۔اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو۔یہی سارے جہاں کا رب (مالک) ہے (عالمین۔عالم کی جمع ہے۔ اللہ کی علاوہ سب چیزوں کا عالم کہتے ہیں اور مختلف نوعوں کی وجہ سے یا نون کے ساتھ جمع لائی گئی ہے۔اہل عقل کی رعایت کرتے ہوئے) اور اللہ نے بنا دیئے (جملہ مستانفہ ہے الـذی کے صلہ پر۔اس کا عطف جائز نہیں ہے۔اجنبی کے فاصلہ کی وجہ سے) زمین میں اس کے اوپر پہاڑ (مضبوط جما کر) اور اس میں برکت کی چیزیں رکھ دیں (پانی، کھیتی، دودھ کی کثرت) اور اس میں مقدر (منقسم) کر دیں (آدمیوں اور چوپاؤں کے لئے) غذائیں چار روز میں (پورے کرتے ہوئے پہاڑ وغیرہ کو منگل، بدھ کے دن) مکمل طریقہ پر (ســواء مصدر ہے مفعول مطلق کی وجہ سے منصوب ہے یعنی چار روز مکمل ہو گئے نہ زیادہ نہ کم) معلوم کرنے والوں کے لئے (جو زمین وزمینیات کے پیدائش کو دریافت کریں) پھر اللہ نے آسمان کی طرف دھیان (ارادہ) فرمایا اور وہ دھواں سا (بخار اڑنے والا) تھا۔سو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ (ہمارا مقصد بجالاؤ) یا زبردستی (حال کے موقع پر ہے یعنی شوق سے یا بلا شوق کے) دونوں نے عرض کیا ہم (اپنی چیزوں سمیت) خوشی سے حاضر ہیں (اس میں مذکر عاقل کی رعایت سے جمع لائی گئی ہے یا ان کی گفتگو کو اہل حق کے درجہ میں شمار کر لیا) سو بنا ڈالے (ضمیر جمع مؤنث سـمـاء کی طرف راجع ہے۔کیونکہ یہ معنی جمع ہے۔یعنی ہم نے ان کو کر دیا) دو روز میں سات آسمان (جمعرات، جمعہ، آخر ساعت جمعہ میں ان سے فراغت ہوئی۔ پھر آخری گھڑی میں آدم کو پیدا فرمایا۔اسی لئے یہاں لفظ سواء نہیں فرمایا۔اس کا مضمون ان آیات کے مطابق ہو گیا جن میں آسمان وزمین کی پیدائش چھ دن میں ہوئی ہے) اور ہر آسمان میں اس کے مناسب اپنا حکم بھیج دیا (جو وہاں رہنے والی مخلوق کی اطاعت وعبادت سے متعلق تھا) اور ہم نے اس آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے زینت بخشی اور اس کی حفاظت کی (فعل منصوب کی وجہ سے مقدر ہے۔یعنی شیاطین کے چوری چھپے سننے سے ''شہاب ثاقب'' کے ذریعہ حفاظت کی) یہ تجویز ہے (اپنے ملک میں) زبردست (اپنی مخلوق سے) پورے واقف کی۔ پھر اگر اعراض کریں (کفار مکہ اس بیان کے بعد بھی ایمان لانے سے) تو آپ فرما دیجئے میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں (خوف دلاتا) ہوں۔ جیسی عاد وثمود پر آفت آئی تھی (ایسا عذاب جو تمہیں بھی ان کی طرح ہلاک کر ڈالے) جبکہ ان کے پاس پہلے بھی اور بعد میں رسول آئے (یعنی سامنے سے بھی اور پیچھے سے بھی پیغمبر آئے۔مگر لوگوں نے کفر کیا۔جیسا کہ آرہا ہے اور ہلاک کرنا صرف اسی زمانے میں ہوا ہے) کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو مت پوجو۔انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہمارے پروردگار کو منظور ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا۔سو ہم اس سے بھی منکر ہیں جس کو دے کر (تمہارے خیال کے مطابق) تم بھیجے گئے ہو۔پھر عاد کے لوگ تھے وہ دنیا میں ناحق تکبر کرنے لگے اور (جب انہیں عذاب سے ڈرایا گیا تو) کہنے لگے ہم سے زیادہ طاقت میں کون ہے؟ (یعنی کوئی نہیں۔چنانچہ ایک ایک آدمی پہاڑ کی چٹان اکھاڑ کر جہاں چاہتا رکھ دیتا تھا) کیا ان کو یہ نظر نہ آیا کہ جس نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے قوت میں زیادہ ہے اور یہ لوگ ہماری آیتوں (معجزات) کا انکار کرتے رہے تو ہم نے ان پر ایک جھونکا بھیجا (سخت برفانی ہوا جس میں کڑکا تھا مگر بارش نہیں تھی) منحوس دنوں میں (نحسات کسر حا اور سکون حا کے ساتھ ہے۔وہ دن ان کے لئے منحوس تھے) تاکہ ہم ان کو مزہ چکھا دیں۔رسوائی (ذلت) کی عذاب کا اس دنیا ہی میں اور آخرت کا عذاب اور بھی رسوا کن (سخت ترین) عذاب ہو گا اور ان کی مدد نہیں ہو گی (ان سے عذاب دفع کر کے) اور قوم ثمود کو ہم نے

رستہ بتلایا (ہدایت کی راہ ان کو سجھادی) مگر انہوں نے پسند کرلیا۔ گمراہی کو (کفر کو ترجیح دے لی) ہدایت کے مقابلہ میں پس ان کو عذاب سراپا ذلت (اہانت) کی آفت نے آ دبایا۔ ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے اور ہم نے (ان میں سے) ان لوگوں کو نجات دے دی جو ایمان لائے اور ڈرتے رہے (اللہ سے)۔

تحقیق وترکیب: .... سورہ فصلت۔ کتاب فصلت أياته کی وجہ سے اس سورت کا نام سورۂ فصلت ہے اور آیت سجدہ کی وجہ سے ''سورہ حم سجدہ'' بھی نام ہے۔ تسمیته الکل باسم الجزء کی طریقہ پر اگر چہ تمام سورتوں کے نام توقیفی ہیں۔

تنزیل۔ مصدر بمعنی مفعول نکرہ موصوفہ مبتداء ہے اسی طرح کتاب خبر بھی موصوف ہے۔

قرانا عربیا۔ اسم جامد موصوف صفت مل کر کتاب سے حال ہے۔

بشیرا و نذیرا۔ قرآن کی دونوں صفتیں ہیں اور یا حال ہیں کتاب سے یا آیات اور یا قرانا کی ضمیر منوی سے۔ زید بن علی مرفوع پڑھتے ہیں۔ کتاب کی صفت یا مبتداء مضمر کی خبر ہونے کی وجہ سے ای هو بشیر۔

فاعرض۔ اس کا عطف فصلت پر ہے اور قالوا کا خود اس پر عطف ہے۔

من بیننا۔ من ابتدائے غایۃ کے لئے ہے۔ حاصل یہ ہے کہ درمیانی پردہ دونوں کے لئے مانع ہے۔ ایک کو دوسرے کی بات معلوم ہوتے سے۔

انما انا بشر۔ یہ حجاب کا جواب ہے کہ جب دونوں میں بشریت اور جنسیت ہے۔ پھر حجاب کا بہانہ کیسا؟ پھر میرا پیغام اور دعوت بھی توحید الٰہی کی فطری ہے۔ غیر مانوس اور غیر معقول نہیں ہے بلکہ عقلی نقلی دلائل کا انبار جمع ہے۔ ہاں البتہ پیغمبر کے فرشتہ یا جن ہونے کی صورت میں کسی قدر تمہارا عذر روزنی ہوتا۔

واستغفروه۔ معلوم ہوا کہ استقامت کے لئے استغفار ضرور ہے اور گناہ سے ایسی ناگواری ہونی چاہئے جیسے آگ میں گھنے سے۔

لایؤتون الزکوة۔ میں زکوٰۃ کی تحقیق اور پھر اس کے ساتھ کفر آخرت کو ملانا اس لئے ہے کہ مال اور برزخ دونوں برابر ہیں جو اللہ کی راہ میں مال لٹائے گا وہ گویا دین میں مضبوط ہوگا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو جان کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ یعنی کلمہ گو نہیں ہیں کہ اپنے نفوس کو توحید سے پاک کرلیں۔ رہا یہ شبہ کہ زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی ہے اور یہ آیت مکی ہے۔ کہا جائے گا کہ زکوٰۃ سے مراد عام معنی انفاق فی سبیل اللہ اور خیرات کے ہیں۔

قل ائنکم۔ اس لفظ میں قرأت سبعہ میں سے چار ہیں۔ جن میں یہاں دو کو ذکر کیا گیا ہے۔ ترک الف والی دو قرأتوں کو ذکر نہیں کیا۔

یومین۔ یعنی اتنی مقدار اور مدت میں ورنہ اس وقت دن رات کہاں تھے اور مقصود کاموں کو بتدریج کرنے کی تعلیم دینا ہے ورنہ قدرت تو دفعتا پیدا کرنے کی بھی ہے۔ ابن جریرؒ اور حاکمؒ نے مرفوع روایت تخریج کی ہے کہ یہود نے آنحضرت ﷺ سے زمین کی تخلیق کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے اتوار پیر کا روز بتلایا۔

العلمین۔ اسم جنس ہونے کے باوجود انواع کی وجہ سے جمع لائی گئی اور جمع صحیح اس لئے لائی گئی کہ عاقل افراد کی رعایت کرلی گئی ہے۔

وجعل۔ مستانفہ کا مطلب معطوف ہے۔ ای خلقها وجعل الخ اور اجنبی سے مراد تجعلون ہے۔ کیونکہ اس کا عطف تکفرون پر ہے۔

من فوقها۔ یعنی اگر پہاڑ زمین کے نیچے پیدا کئے جاتے تو یہ وہم ہوتا کہ زمین ٹکی ہوئی ہے۔ لیکن اوپر پیدا کر کے بتلایا کہ جس نے زمین کو باوجود ثقل طبعی کے اپنی قدرت سے تھام رکھا ہے، پہاڑوں کے اوپر ہونے کے بعد بوجھ اگر چہ اور بڑھ گیا مگر اس سارے ثقل کو اسی ایک نے تھام رکھا ہے۔

اربعة ایام۔ یعنی پہلے دو روز ملا کر دو دن یہ کل چار دن ہوگئے۔ جیسے یوں کہا جائے۔ سدت من البصرة الی بغداد فی عشرة والکوفة فی خمس عشرة ای فی تتمة خمس عشر۔ یہ توجیہ ضروری ہے۔ ورنہ کل ایام تخلیق آٹھ ہو جائیں گے جو قرآن وحدیث

کے خلاف ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ منگل کو پہاڑ اور بدھ کو سامان غذا پیدا کیا گیا۔

للسائلین. یہ متعلق ہے سواء کے۔ لیکن بقول زمخشریؒ اس کا متعلق محذوف ہے۔ ای ھذا الحصر للسائلین.

ثم استوٰی. ان آیات سے زمین کی پیدائش پہلے اور آسمان کی بعد میں معلوم ہو رہی ہے۔ لیکن والارض بعد ذٰلک سے اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے۔ ابن عباسؓ، زمخشریؒ اور اکثر مفسرینؒ کی رائے تو وہی ہے جو مفسرؒ نے اختیار کی ہے کہ زمین کی تخلیق تو مقدم ہے مگر (حویعنی اس کا پھیلانا آسمان کی تخلیق کے بعد ہوا ہے۔ رہا یہ کہ اس آیت کی رو سے آسمانوں کا وجود، پہاڑوں اور سامان رزق کے بھی بعد ہوا ہے اور یہ دونوں زمین کے بعد ہیں۔ پس آسمان زمین سے مؤخر ضرور ہوا۔ علیٰ ہذا آیت بقرہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ زمین اور زمینیات آسمان سے پہلے ہیں اور ظاہر ہے کہ زمین کی پیداوار زمین بچھانے کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ پھر پہاڑ اور پیداوار آسمان سے پہلے اور بعد دونوں باتیں کیسے ہو سکتی ہیں؟

اس شبہ سے گلوخلاصی کی صورت یہ ہے کہ زمین کی طرح پہاڑوں اور پیداوار میں بھی دو درجے ماننے پڑیں گے ایک تو ان کا مادہ اور اصول جو اس آیت میں مراد ہے۔ وہ آسمان کی تخلیق سے پہلے ہے۔ پھر آسمانوں کی پیدائش پھر زمین کا پھیلانا پھر پیداوار کا برآمد ہونا ہوا ہوگا۔

اور بعض نے خلق کے معنی تقدیر کے لئے ہیں اور بعدیت سے بعدیت رتبی مراد لی ہے اور بعض نے دحاھا کو مستانفہ مانا ہے اور بعدیت سی بعدیت زمانی مردالی ہے۔ لیکن یہ سب تکلفات اسی لئے کرنا پڑے کہ حدیث مرفوع اور اکثر سلف سے زمین کا پہلے پیدا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مقاتلؒ، قتادہؒ اور سدیؒ سے آسمانوں کا زمین سے پہلے پیدا ہونا منقول ہے اور ثم استوی کو بیضاویؒ نے اس رائے پر تراخی رتبی پر محمول کیا ہے۔

ائتیا طوعاً. یہ تکوینی حکم ہے اور خطاب معہود ذہنی کو ہے جو علم الٰہی میں موجود ہے۔ یا کہا جائے کہ یہ دونوں کو مجموعی خطاب زمین کے دعوے کے بعد ہوگا۔ ورنہ آسمان، زمین سے دوروز بعد موجود ہوا اور طوعاً اور کرھاً محض تعبیر ہے امتثال حکم سے جیسے کوئی حاکم ماتحت سے کہے تفعلن ھذا شئت او ابیت بالتفعلنه طوعاً او کرھاً ورنہ امتناع تاثیر قدرت ظاہر ہے کہ محال ہے۔

فقضٰھن. مفسر نے صیرھا سے اشارہ کیا ہے کہ سبع قضاھن کا مفعول ثانی ہے۔ معنی صیر کی تضمین کے بعد اور قضاھن کے مفعول سے حال بھی ہو سکتا ہے۔

فی یومین. حدیث مسلم میں ہے کہ آدم کی تخلیق جمعہ کی عصر کے بعد ہوئی۔

واوحی. یہ وحی آسمانی فرشتوں کو ہوئی۔

امرھا. میں اضافت ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے۔

حفظاً. مفعول مطلق فعل کا مقدر ہے۔

لانزل ملائکة. رسل اور بشر میں منافات سمجھتے تھے۔ اس لئے ان جاہلانہ خیالات کا اظہار کیا۔

فاما عاد. اجمالی ذکر کے بعد یہاں سے تفصیلات شروع ہیں۔

من اشد. قوم عاد وثمود نہایت لمبے تڑنگے ڈیل ڈول کے تھے۔

نحسات. اکثر قراء کے نزدیک کسر حا کے ساتھ اور ابوعمروؒ و نافعؒ و ابن کثیرؒ کے نزدیک سکون حا کی قرأت ہے تخفیف کی وجہ سے یا صعب کے وزن پر صفت ہونے کی وجہ سے۔

فھدیناھم. ہدایت کے معنی یہاں ادعوۃ طریق اور رہنمائی ہیں۔ شیخ ابومنصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں کہ ہدایت کی نسبت خالق کی طرف ہو تو خلق اہتداء کے معنی ہوتے ہیں اور مخلوق کی طرف سے ہو تو بمعنی بیان ہے۔

ونجینا. حضرت صالحؑ مع چار ہزار مسلمانوں کے عذاب کی زد سے محفوظ رہے۔

ربط آیات: .... اس سورت کے مضامین کا خلاصہ توحید ورسالت اور قیامت کا بیان ہے۔ درمیان میں اور ذیلی مضامین بھی آ گئے۔ توحید کا مضمون جس سے تمہید کے بعد سورت شروع ہورہی ہے پچھلی سورت اسی مضمون پر ختم ہوئی تھی۔ پھر ختم سورت کے قریب وماتخرج میں یہی مضمون ہے۔ دوسرا مضمون رسالت ہے جو بالکل شروع میں توحید سے بھی پہلے بطور تمہید ہے۔

پھر وقال الذین کفروا لا تسمعوا میں بھی یہی بیان ہے اور ساتھ ہی آیات صبر وتسلی ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ پھر آیات ان الذین کفروا بالذکر میں تیسرا مضمون انکار توحید ورسالت پر سرزنش ہے۔ ویل للمشرکین اور فان اعرضوا اور ان یلحدون میں اور چونکہ ان میں عذاب قیامت کا ذکر ہے اس مناسبت سے آیت ان الذی احیاها لمحی الموتی اور الیه یرد علم الساعة اور الا انهم فی مریة میں قیامت کی تحقیق ہے اور بطور مقابلہ اور تکمیل کے اہل ایمان کے لئے ان مواقع پر بشارتیں ہیں۔

روایات: .... مرفوع روایت ہے کہ:

۱۔ ان الیهود اتت النبی صلی الله علیه وسلم فسالت عن خلق السموات والارض فقال خلق الله الارض یوم الاحد والاثنین الخ وخلق الجبال وما فیهن من المنافع یوم الثلثاء وخلق یوم الاربعاء الشجر والماء وخلق یوم الخمیس السماء وخلق یوم الجمعة النجوم والشمس والملائکة وعن ابن عباس عن النبی صلی الله علیه وسلم خلق یوم الثلثاء دواب البحر ودواب الارض۔ یہود کے سوال کرنے سے یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ یہ آیات مدنی ہیں۔ نیز اس سلسلہ میں جو روایات مختلف آئی ہیں ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ بعض کو اکثر پر اور بعض کو اقل پر محمول کرتے ہوئے کہا جائے کہ دو دن میں تخلیق اس طرح ہوئی کہ کچھ حصہ ایک دن ہو گیا اور کچھ حصہ دوسرے دن پورا ہو گیا۔

۲۔ روی ان قریشا بعثوا عتبة بن ربیعة وکان احسنهم حدیثا لیکلم رسول الله صلی الله علیه وسلم وینظر ما یرید فاتاه وهو فی الحطیم فلم یسأل شیئا الا اجابه ثم قرء علیه السلام السورة الی قوله مثل صاعقة عاد وثمود فناشده بالرحم وامسک علی فیه ووثب مخافة ان یصیب علیهم العذب فاخبرهم به وقال لقد عرفت السحر والشعر فوالله ماهو بساحر ولا بشاعر فقالوا لقد صباء ت اما فهمت منه کلمت فقال لا ولم اهتدا الی جرابه فقال عثمان بن مظعون ذلک والله لتعلم انه من رب العلمین ثم بین ما ذکر من صاعقة عاد وثمود۔

۳۔ قال ابن عباس ان اطولهم کان مائة ذراع واقصرهم کان ستین ذراعا۔

﴿تشریح﴾: .... قرآن پاک کی آیات کا مفصل ہونا لفظی عبارت تو ظاہر ہے اور معنوی لحاظ سے یہ ہے کہ سینکڑوں قسم کے علوم ومضامین آیات میں الگ الگ بیان کئے گئے ہیں۔ پھر قرآن کے اول مخاطب چونکہ عرب تھے اور ان میں بھی شروعات قریش سے ہو میں جو افصح العرب سمجھے جاتے تھے، اس لئے قرآن کریم نہایت اعلیٰ درجہ کی فصیح وبلیغ عربی زبان میں نازل فرمایا گیا تا کہ وہ بسہولت سمجھ سکیں اور پھر پوری طرح دوسروں کو سمجھا سکیں۔ تاہم یہ کام بھی سمجھداروں ہی کا ہے، جاہل نادان کیا قدر ومنزلت کر سکتا ہے۔

اوندھی سمجھ کے کرشمے: .... یہی وجہ ہے کہ اس نسخہ کیمیا کی طرف ایسے نادان لوگ کبھی دھیان بھی نہیں دیتے۔ سننا تو رہا بعد کا اور پھر سننا بھی دل کے اور قبولیت کے کانوں سے وہ تو بہت دور کی بات ہے اور صرف یہی نہیں کہ نصیحت پر کان نہیں دھرتے بلکہ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر تو غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ اس لئے تمہاری کوئی بات وہاں تک نہیں پہنچتی اور ہمارے کان اونچا سنتے ہیں،

تمہاری باتیں پلے نہیں پڑتیں۔ ہمارے تمہارے درمیان پردہ پڑا ہوا ہے، اس لئے باہم مناسبت نہیں۔ بلکہ دشمنی کی جو دیواریں کھڑی ہوئی ہیں اور عداوت کی جو خلیج حائل ہے جب تک وہ نہیں پٹے گی ایک دوسرے تک نہیں پہنچ سکیں گے اور یہ ناممکن ہے۔ پھر فضول کیوں اپنا سر کھپاتے ہو۔ ہر ایک کو اپنے اپنے کام میں لگنا چاہئے۔ ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دو۔ اس کی امید نہ رکھو کہ ہم کبھی تمہاری نصیحت پر کان دھرنے والے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ: .... یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے کفار کے یہ اقوال مذمت کے طور پر نقل کئے ہیں۔ یعنی ان کے یہ بہانے جھوٹے ہیں۔ حالانکہ دوسری آیات میں خود ان باتوں کو صحیح تسلیم کیا گیا ہے۔ جیسے سورۂ انعام، بنی اسرائیل، کہف میں فرمایا گیا ہے۔ وجعلنا علی قلوبهم اكنة وفي اٰذانهم وقراً. پس ان دونوں باتوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

اس کے دو جواب ہیں۔ اول یہ کہ ان الفاظ کے دو معنی ہیں۔ کفار کا منشا تو یہ تھا کہ ہم میں بالکل استعداد نہیں ہے اور قطعاً صلاحیت نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ انکا یہ کہنا غلط ہے۔ چنانچہ یہاں اسی کی تردید کی جارہی ہے اور حق تعالیٰ نے ان کے دلوں پر غلاف اور کانوں پر ڈاٹ لگنے کو جو فرمایا ہے اس سے مراد قوی استعداد کا انکار ہے اور یہ صحیح ہے۔ پس کفار کا بہانہ بازی کرنا غلط اور حق تعالیٰ کا فرمانا بجا و درست ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ ان باتوں کے کہنے سے کفار کی غرض تو کفر پر جمے رہنے کا اظہار تھا اور یہ برا مقصد ہے۔ یہاں رد اسی معنی کی ہے اور حق تعالیٰ کے فرمانے کا مقصد ان سے ہدایت کی توفیق کا سلب کرلینا ہے جو نتیجہ ہے خود ان کے اعمال بد کا۔ غرضیکہ کفار کے اقوال کی تردید بلحاظ غرض ہورہی ہے۔

پیغمبر کا انسان ہونا بڑی نعمت ہے: .... قل انما انا بشر. یہ جواب کفار کی باتوں کا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ میرے تمہارے درمیان کوئی رشتہ اور واسطہ نہیں انسانی ناطہ، وطنی ناطہ، قرابتی ناطہ سب کچھ موجود ہے۔ ہاں! اگر میں خدا ہوتا یا فرشتہ اور جن ہوتا تو بلاشبہ اس وقت تمہارا کہنا درست ہوتا۔ مگر اس الٹی منطق کو کیا کروں کہ قابل عمل بات کو تو رد کردیا ہے اور ناقابل عمل صورت کو تجویز کررہے ہیں۔ بالفرض اگر خدا ہوتا تو زبردستی تمہارے دلوں کو پھیر سکتا تھا اور اپنی بات منوا سکتا تھا۔ پھر منت خوشامد کاہے کو کرتا۔ فرشتہ یا جن اگر ہوتا تو تم کہتے کہ یہ ناجنس ہے، ہماری مشکلات کیا سمجھے گا؟ ہماری اصلاح کیسے کرے گا؟ مگر اب کچھ نہیں۔ میں تم ہی میں کا ایک فرد ہوں۔ پوری طرح دیکھا بھالا ہوں۔ باہمی مناسبت موجود ہے۔ البتہ اتنا امتیاز رکھتا ہوں کہ خدا کی وحی کا مرکز ہوں۔ جسے خدا نے محض اپنی مہربانی سے اپنے آخری کلام کے لئے چن لیا ہے۔ کچھ بھی ہوجائے میں تو اس پیغام کو پہنچا کر رہوں گا۔ سب کا معبود برحق اللہ اکیلا ہے۔ اس کے سوا کسی کے لئے بھی بندگی سزاوار نہیں ہے۔ سب کے لئے ضروری ہے کہ ہر حال میں سیدھے اسی کی طرف رخ کرکے چلیں۔ ذرا ادھر ادھر قدم نہ ہٹائیں اور اپنی اگلی پچھلی خطائیں بخشوائیں۔ جو لوگ اللہ کا حق نہیں پہچانتے، عاجز مخلوق کو اس کا شریک گردانتے ہیں اور بندوں کی حق تلفی کرتے ہیں کہ اپنے روپے پیسے میں کسی بھی محتاج، مسکین اور فقیر کا حق نہیں سمجھتے اور چونکہ آخرت کو نہیں مانتے، اس لئے اپنے انجام سے قطعاً لاپرواہ اور بےفکر ہیں۔

دو شبہوں کا ازالہ: .... آیت لا یؤتون الزکوٰۃ میں دو شبہے ہیں۔ ایک یہ کہ کفار کو زکوٰۃ نہ دینے پر وعید کیسے کی جارہی ہے۔ جبکہ اعمال فرعیہ کے مکلّف صرف مسلمان ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ سورت مکی ہے اور زکوٰۃ کا حکم مدینہ میں آیا ہے۔ پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ اصل نفس زکوٰۃ کا خطاب تو صرف مسلمانوں کو ہے اور اس کے چھوڑنے پر عتاب بھی انہی کو ہوگا۔ یہاں یہ مراد نہیں بلکہ یہاں دوسری حیثیت سے گفتگو ہے۔ وہ یہ کہ زکوٰۃ وغیرہ احکام علامات ایمان ہیں۔ پس ان کا نہ ہونا ایمان نہ ہونے کی علامت ہوگی۔

اس لئے کفار پر زکوٰۃ نہ دینے پر ملامت کے یہ معنی ہوں گے کہ ایمان نہ لانے پر ملامت ہے۔ جس کی علامت زکوٰۃ نہ دینا ہے۔ پس اصلی ملامت ایمان نہ لانے پر ہوئی اور فرعی ملامت زکوٰۃ وغیرہ نہ ادا کرنے پر اور زکوٰۃ کی تخصیص اس لئے ہے کہ مال کی محبت بھی ایمان سے رکاوٹ کا سب سے بڑا سبب ہے۔

دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ کے دو معنی ہیں۔ ایک خاص شرعی اصطلاحی معنی۔ اس معنی میں زکوٰۃ یقیناً مدینہ میں واجب ہوئی تھی۔ لیکن یہاں وہ مراد نہیں کہ اشکال ہو۔ بلکہ دوسرے عام معنی مراد ہیں۔ مطلقاً صدقہ خیرات کرنا اور وہ حکم مکہ میں بھی تھا اور لفظ زکوٰۃ اس معنی میں پہلے سے ہی مشہور تھا۔

اور بعض سلف نے آیات قد افلح من تزکّٰی اور قد افلح من زکّٰھا اور حنانا من لدنا و زکوٰۃ پر نظر کرتے ہوئے زکوٰۃ سے مراد کلمہ طیبہ لیا ہے اور بعض نے ستھرائی اور پاکیزگی کے معنی لئے ہیں۔ یعنی یہ لوگ کلمہ، نماز، زکوٰۃ وغیرہ سے خود کو پاک نہیں کرتے اور غلط نظریات و افکار اور گندے اخلاق سے اپنا دامن نہیں بچاتے۔ اس صورت میں یہ دونوں اشکال پیدا ہی نہیں ہوتے کہ جواب دہی کی نوبت آئے۔ ہاں جو لوگ کفار کے برخلاف ایماندار، نیکوکار ہیں، ان کے لئے اجر وثواب بھی بے شمار ہے۔

اللہ کی کمال صناعی: .... مگر افسوس تو ان ناہنجاروں پر ہے جو اتنے بڑے قادر ومحسن کے ساتھ کفران کرتے ہیں کہ جس نے کل چھ دن کی مقدار وقت میں یہ سارا کارخانہ بنا کر کھڑا کر دیا۔ کیا ٹھکانہ ہے اس کی صناعی اور کاریگری کا کہ مادہ نے اپنی وحدت سے جب قدم باہر دھرا تو حکم الٰہی سے کثرت نے کیا کیا رنگ اور تغیرات اختیار کئے اور اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ یہ قدم کہاں اور کب رکے گا۔ کائنات کے لئے اس تکوینی حکم کے بعد رضا اور غیر رضا کا تعلق ایسا ہی ہے جیسے بیماری اور موت کو غیر اختیاری ہونے کے باوجود کوئی اس پر راضی ہوتا ہے اور کوئی ناراض۔ اسی طرح پورے عالم میں یہ ان گنت تغیرات غیر اختیار ہیں۔ صرف ایک کا اختیار چلتا ہے۔ ہر چیز کے خصوصی شعور وادراک کی رو سے وہ چاہے خوش ہو یا ناخوش اسے ماننا ہی پڑتا ہے۔ یہاں شرعی اختیار کی بحث نہیں ہے کہ تکلف کیا جائے۔ نیز دن سے مراد بھی متعارف دن نہیں بلکہ محدود وقت مراد ہے یا ان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون کی رو سے دن مراد ہو۔

آسمان وزمین کی پیدائش: .... فقضٰهن سبع سمٰوات. آسمان کا مادہ جو ایک دھوئیں کی ہیئت میں تھا، سات حصوں پر پھیلا دیا اور پھر آسمان زمین کے ملاپ سے دنیا بسانے کا ارادہ کیا۔ اب یہ دونوں اپنی طبیعت سے ملیں یا زور سے ملیں۔ بہرحال دونوں کو ملا کر ایک نظام بنایا۔ چنانچہ اپنی طبیعت کی بناء پر آسمان سے سورج کی شعاع آئی۔ گرمی پڑی، ہوائیں اٹھیں، ان سے گرد اور بھاپ اوپر اٹھی پھر پانی ہو کر مینہ برسا، جس کی بدولت زمین سے طرح طرح کی چیزیں پیدا ہوئیں اور زمین میں پیداواری صلاحیت رکھی۔

کائنات کو چھ روز میں پیدا کرنے کی تصریح تو قرآن وحدیث میں ہے۔ لیکن تعیین کے ساتھ کہ فلاں دن فلاں چیز پیدا کی۔ اس سلسلہ میں مرفوع روایات اگرچہ ہیں، لیکن کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

مسلم کی حدیث ابو ہریرہؓ کے متعلق حافظ ابن کثیر وھو من غرائب الصحیح کہتے ہیں۔ البتہ اس آیت ثم استوی الی السماء فسواھن سبع سمٰوات سے بظاہر جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساتوں آسمانوں کی پیدائش زمین کی تخلیق کے بعد ہوئی اور والارض بعد ذٰلک سے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

ابو حیانؒ کی رائے اس بات میں ہے کہ لفظ ثم اور بعد ضروری نہیں کہ تراخی زمانی کے لئے ہوں، بلکہ ممکن ہے کہ اس سے مراد تراخی

رتبی یاتراخی فی الاخبار ہو۔ جیسے ثم کان من الذین امنوا اور عتل بعد ذلک زنیم میں یہ دونوں لفظ تراخی رتبی کے لئے ہے۔

زمین میں جو کچھ عجائب وغرائب عقل ونظر کو تھکا دینے والے ہیں، ان کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی باور کرسکتا ہے کہ اتنے بڑے آسمان یوں ہی خالی پڑے ہوں گے۔ چاند اور سورج، ستارے کتنے عظیم کرے ہیں، ان میں کیا کچھ مخلوق اور عجائبات قدرت ہوں گے۔ دیکھنے میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سارے ستارے اسی آسمان میں جڑے ہوئے ہیں۔ رات کا منظر ان جھلملاتے چراغوں سے کیسا پر رونق اور خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ پھر آسمانوں کا نظام کتنا مضبوط ہے کہ کسی کو بھی دسترس وہاں تک نہیں۔

صرف فضاؤں میں انسان تیر رہا ہے یا فضائی کروں پر چھلانگ مار رہا ہے۔ فرشتوں کے زبردست پہرے لگے ہوئے ہیں۔ کوئی بھی طاقت اب تک اس نظام میں رخنہ اندازی نہیں کرسکی اور نہ جب تک خدا چاہے گا کرسکتی ہے۔

چار نکات علمی: .... ۱۔ فی اربعۃ ایام کے سلسلہ میں مفسر علامؒ نے یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ رواسی اور اخوات کا ظرف نہیں ہے بلکہ ماقبل کو شامل کر کے ظرف ہے۔ جیسے محاورات میں کہا جاتا ہے کہ دو سال میں تو اس لڑکے کا دودھ چھڑایا اور چار سال میں پڑھنے بٹھلایا۔ ظاہر ہے کہ یہ چار سال پہلے دو سال سمیت مدت ہے یہ نہیں کہ دو سال علیحدہ اور چار سال الگ، ورنہ مجموعہ چھ سال ہو جائیں گے۔ اسی طرح یہاں اگر مجموعہ مراد نہ لیا تو چھ دن کی بجائے آٹھ دن ہو جائیں گے۔

۲۔ سواء کا نکتہ مفسر علامؒ نے یہ بتلایا کہ مکمل چار روز زمین اور زمینیات میں لگے۔ لیکن آسمانوں کی پیدائش پورے دو دن میں نہیں ہوئی بلکہ دو دن کی مقدار سے کم وقت میں ہوئی۔ آخری ساعت میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی برخلاف پہلے چار دن کے وہ مکمل تھے۔ اس لئے یہ نہیں کہا جائے گا کہ شاید کسر کو شمار کر کے مجازاً چار کہہ دیا ہو لیکن اس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ انسان کی تخلیق تو آسمان وزمین کے ہزاروں لاکھوں سال بعد ہوئی ہے۔ پھر کیسے کہا گیا کہ جمعہ کی آخری ساعت میں آدم پیدا ہوئے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ انسان بھی اسی ہفتہ کے آخر میں پیدا ہوا، حالانکہ پہلے جنات زمین پر آباد ہوئے۔ انہوں نے جب کفر وطغیان کیا تو پھر انسان کی تخلیق ہوئی اور اس کو خلافت ملی۔

تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہؒ نے اس کا حل یہ فرمایا ہے کہ آدمؑ کی تخلیق جمعہ کی آخری ساعت میں ہوئی۔ مگر اسی ہفتہ کا جمعہ مراد نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں برسوں بعد جب تخلیق آدم قدرت کو منظور ہوئی ہوگی تو جمعہ کی آخری ساعت تھی۔

۳۔ للسائلین کا تعلق صرف ارضیات سے ہے سموات سے نہیں۔ کیونکہ عام مخاطبین کے ذہن میں آسمانوں کے مقابلہ میں زمین اور اس کی مخلوق کم ہے۔ مدت تخلیق زیادہ یعنی چار دن صرف ہوئے اور آسمان اور صرف کی مخلوق کے بنانے میں باوجود بڑے ہونے کے مدت کم لگی۔ یعنی دو روز بلکہ دو سے بھی کم۔ اس لئے عام فہم ہونے کی وجہ سے سوال کی تخصیص پہلے کے ساتھ کردی گئی سہل الفہم ہونے کی وجہ سے۔

۴۔ ائتیا طوعا کا تکوینی ارشاد ایسے وقت کیوں ہوا جب کہ زمین تو برابر ہو چکی تھی اور آسمان ابھی برابر نہیں ہوا تھا؟ جواب یہ ہے کہ زمین کی ہمواری کے بعد بھی چونکہ اس میں بے شمار تغیرات ہونے والے تھے، برخلاف آسمان کہ ان میں جو کچھ تغیر ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ پس زمین کی حالت تغیر کے بعد بھی گویا ایسی ہی قابل تغیر رہی۔ جیسی کہ آسمان کی حالت تغیر سے پہلے تھی۔ اس اعتبار سے گویا دونوں مساوی ہو گئے۔ اس لئے دونوں کو ایک ساتھ خطاب ہوا۔

کج فہم اور کج طبع لوگوں کا انجام: .... فان اعرضوا۔ کفار مکہ اگر ایسی عظیم الشان آیات سن کر بھی نصیحت قبول نہیں کرتے اور توحید واسلام کا راستہ اختیار کرنے سے اعراض کر رہے ہیں تو آپ فرما دیجئے کہ تمہارا انجام بھی عاد وثمود کی طرح ہوسکتا ہے۔ تمہیں ڈرتے رہنا چاہئے۔ اگلے پچھلے نبیوں سے مراد یا تو عام انبیاءؑ ہیں اور یا خصوصیت سے ہود وصالح علیہم السلام مراد ہیں اور یا اگلے

پچھلے سے مراد ماضی و مستقبل کے حالات واحکام ہیں جو انبیاء کرام بتلاتے رہے ہیں۔ مگر مخالفین نے ہمیشہ جواب میں ادھر ادھر کی فضول باتیں بنادیں۔ ان کی عام ذہنیت ہمیشہ یہ رہی کہ خدا کا رسول بشر کیسے ہوسکتا ہے۔ آسمانی فرشتہ ہی اس کام کے لئے موزوں ہوسکتا ہے۔ پس جو لوگ اپنے کو پیغمبر بتلا کر خدا کی طرف سے کچھ باتیں لانا بیان کرتے ہیں، ہم کسی طرح ان کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

آگے فاما عاد. قوم عاد کی بدکاری کا ذکر ہے کہ وہ لوگ بڑے قدآور اور نہایت ڈیل ڈول کے تھے۔ انہیں اپنی طاقت و قوت کا نشہ تھا۔ اس لئے ڈینگیں مارا کرتے تھے۔ بھلا اللہ تعالیٰ کو کبر کب گوارا ہوتا۔ ایسی مار پڑی کہ یاد ہی کرتے ہوں گے۔ چنانچہ مسلسل ایک ہفتہ طوفانی ہوائیں چلیں، بڑے بڑے جھکڑ چلے، درخت، مویشی، مکان، انسان سب تباہی کی نذر ہوگئے۔ گویا ان کے حق میں وہ وقت بڑا منحوس ثابت ہوا۔ فی نفسہ زمان ومکان نہ سعد ہوتے ہیں نہ نحس۔ مگر اچھے برے کاموں کی نسبت ان کو متصف کردیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک ہی جگہ اور ایک ہی وقت ایک شخص کی نسبت سعد ہوتا ہے اور دوسرے کی نسبت نحس۔ ''جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں۔''

بہرحال کسی جگہ یا وقت کوفی نفسہ منحوس سمجھنا غیر اسلامی خیال ہے اور توہم پرست قوموں کا شعار ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے لاطیرۃ ولا ھامۃ. البتہ تقویت خیال کے لئے ان کو اچھا سمجھنے اور نیک فالی کی گنجائش ہے۔

ایک قوم کی مصیبت دوسروں کے لئے عبرت ہے: ....قوم عاد کی تباہی تو دنیا کی رسوا کن سزا تھی۔ لیکن آخرت کی بربادی اس کا تو کیا ٹھکانہ ہے۔ نہ کسی کو ٹالے ٹلے گی اور نہ کسی کی مدد پہنچ سکے گی۔ ہر شخص کو اپنی ہی پڑی ہوگی۔ قوم ثمود کی کہانی بھی اسی طرح کی رہی۔ انہیں راہ نجات دکھلائی گئی۔ مگر انہوں نے تباہی کی راہ پسند کی۔ اللہ نے بھی ان کو اپنی اختیار کردہ روش پر رہنے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زلزلہ آیا اور کان پھاڑ دینے والے دھماکوں اور گڑگڑاہٹ سے ان کے جگر شق ہوگئے اور سب ڈھیر ہوگئے۔ البتہ اللہ کے دوست اس صدمہ سے بالکل محفوظ رہے اور ان کا بال تک بیکا نہ ہوا۔ اہل عرب چونکہ یمن وشام کا سفر اکثر کرتے رہتے تھے اور قوم عاد وثمود کی بستیاں سرراہ ہی پڑتی ہیں، اس لئے خصوصیت سے ان کے واقعات سے عبرت دلائی گئی۔

اور رسل جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا۔ حالانکہ مشہور صرف ہود وصالح علیہم السلام کی تشریف آوری رہی۔ لیکن ممکن ہے کہ اور انبیاء بھی ذیلی طور پر تشریف لائے ہوں۔ یا تعظیماً صرف دو پر جمع کا لفظ بول دیا گیا۔ یا ان دونوں نے بڑے عظیم کام انجام دیئے۔ اس لئے وہ ایک جماعت کے قائم مقام ہوگئے۔ یا چونکہ تمام انبیاء کی دعوت مشترک رہی۔ اس لئے یہ دونوں پیغمبر پچھلے تمام پیغمبروں کے علمبردار تھے۔ اس معنی سے کسی ایک نبی کی تصدیق وتکذیب سب کی تصدیق وتکذیب کے مترادف ہوتی ہے۔

لطائف سلوک: ....ان الذین اٰمنوا. یہ آیت چونکہ بوڑھے اور ان بیماروں کے سلسلے میں نازل ہوئی جو بڑھاپے یا بیماری کے باعث کمال طاعت سے عاجز رہ جائیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ سالکین اگر کسی عذر کی وجہ سے پورا عمل نہ کرسکیں تو مشائخ ان کو تسلی دے سکتے ہیں۔

قالتا اتینا طائعین. میں جمادات کے لئے بھی ادراک وشعور کا ثبوت ہورہا ہے۔ کیونکہ رغبت بغیر ادراک نہیں ہوسکتی۔

فارسلنا علیھم ریحا صرصرا. سے عرفی سعد ونحس کا غلط ہونا معلوم ہوا۔ ورنہ کوئی دن بھی سعد نہیں رہے گا۔ کیونکہ پورا ہفتہ ان پر عذاب رہا ہے، بلکہ ان کے حق میں منحوس ہونا مراد ہے اور چونکہ عذاب مستمر رہا اس لئے اس نحس کو بھی ان کے حق میں مستمر کہا گیا ہے۔

و اذکر یَوْمَ یُحْشَرُ بالیاء والنون المفتوحة وضم الشین وفتح الھمزة اَعْدَآءُ اللّٰہِ اِلَی النَّارِ فَھُمْ یُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾ یساقون حَتّٰٓی اِذَا مَا زائدة جَآءُوْھَا شَھِدَ عَلَیْھِمْ سَمْعُھُمْ وَاَبْصَارُھُمْ وَجُلُوْدُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِھِمْ لِمَ شَھِدْتُّمْ عَلَیْنَا ۭ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ کُلَّ شَیْءٍ ای اراد نطقه وَّھُوَ خَلَقَکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ قیل ھو من کلام الجلود وقیل ھو من کلام اللّٰه تعالٰی کالذی بعده وموقعه تقریب ماقبله بان القادر علی انشائکم ابتداء واعادتکم بعد الموت احیاء قادر علی انطاق جلودکم واعضائکم وَمَا کُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ عند ارتکابکم الفواحش من اَنْ یَّشْھَدَ عَلَیْکُمْ سَمْعُکُمْ وَلَآ اَبْصَارُکُمْ وَلَا جُلُوْدُکُمْ لانکم لم توقنوا بالبعث وَلٰکِنْ ظَنَنْتُمْ عند استتارکم اَنَّ اللّٰہَ لَا یَعْلَمُ کَثِیْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِکُمْ مبتدأ ظَنُّکُمُ بدل منه الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّکُمْ نعت البدل والخبر اَرْدٰکُمْ ای اھلککم فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ یَّصْبِرُوْا علی العذاب فَالنَّارُ مَثْوًی منزل لَّھُمْ ۚ وَاِنْ یَّسْتَعْتِبُوْا یطلبوا العتبی ای الرضی فَمَا ھُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِیْنَ ﴿۲۴﴾ المرضیین وَقَیَّضْنَا سببنا لَھُمْ قُرَنَآءَ من الشیاطین فَزَیَّنُوْا لَھُمْ مَّا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ من امر الدنیا واتباع الشھوات وَمَا خَلْفَھُمْ من امر الاخرة بقولھم لا بعث ولا حساب وَحَقَّ عَلَیْھِمُ الْقَوْلُ بالعذاب وھو لاملئن جھنم الایة فِیْٓ جملة اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ ھلکت مِنْ قَبْلِھِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّھُمْ کَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا عند قراءة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لَا تَسْمَعُوْا لِھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ ائتوا باللغط ونحوه وصیحوا فی زمن قراءته لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فیسکت عن القراءة قال اللّٰه تعالٰی فیھم فَلَنُذِیْقَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَذَابًا شَدِیْدًا ۙ وَّلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ای اقبح جزاء عملھم ذٰلِکَ ای العذاب الشدید واسوء الجزاء جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰہِ بتحقیق الھمزة الثانیة وابدالھا واوا النَّارُ ۚ عطف بیان للجزاء المخبر به عن ذلک لَھُمْ فِیْھَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ ای اقامة لا انتقال منھا جَزَآءً منصوب علی المصدر بفعله المقدر بِمَا کَانُوْا بِاٰیٰتِنَا القران یَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فی النار رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَیْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ای ابلیس وقابیل سنّا الکفر والقتل نَجْعَلْھُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا فی النار لِیَکُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِیْنَ ﴿۲۹﴾ ای اشد عذابا منا اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا علی التوحید وغیره مما وجب علیھم تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ عند الموت اَ ای بان لَّا تَخَافُوْا من الموت وما بعده وَلَا تَحْزَنُوْا علی ما خلفتم من اھلٍ

وولد فنحن نخلفكم فيه **وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ** ﴿۳۰﴾ **نَحْنُ اَوْلِيٰٓـؤُكُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** اى حفظنكم فيها **وَفِى الْاٰخِرَةِ** ۚ اى نكون معكم فيها حتى تدخلوا الجنة **وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِىْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ** ﴿۳۱﴾ؕ تطلبون **نُزُلًا** رزقا مهيأ منصوب بجعل مقدرا **مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ** ﴿۳۲﴾ ع اى الله

۱۸

ترجمہ: .... اور (یاد کیجئے) اس دن کو جب جمع کرکے (یحشر یا اور نون مفتوحہ اور ضمہ شین اور فتحہ ہمزہ کے ساتھ ہے) لائے جائیں گے خدا کے دشمن دوزخ کی طرف، پھر وہ گھیٹے (کھینچے) جائیں گے۔ حتیٰ کہ جب (ما زائدہ ہے) وہ اس کے نزدیک لائے جائیں گے تو ان کے کان اور آنکھیں اور بدن کی کھال ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گی اور وہ لوگ اپنے اعضاء سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم کو اس نے گویائی دی جس نے ہر چیز کو گویائی دی (گویائی کا ارادہ کیا) اور اس نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور اسی کے پاس پھر لائے گئے ہو (بعض کی رائے ہے کہ یہ گفتگو اعضاء کی ہے اور بعض کے نزدیک یہ اللہ کا کلام ہے جیسا کہ اگلا کلام بھی اسی کا آرہا ہے اور پہلے کلام سے اس کا ربط یہ ہوگا کہ جو ذات تمہیں پہلی بار پیدا کرنے اور دوسرے بار جلانے پر قدرت رکھتی ہے وہی تمہاری کھالوں اور اعضاء کو بلوانے پر بھی قدرت رکھتی ہے) اور تم اس بات سے تو اپنے کو چھپا ہی نہیں سکتے تھے (گناہ کرتے وقت) کہ تمہارے کان اور آنکھیں اور کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں (کیونکہ تمہیں قیامت کا یقین نہیں تھا) لیکن تم اس گمان میں رہے (چھپاتے وقت) کہ اللہ کو تمہارے بہت سے اعمال کی خبر بھی نہیں اور یہی (مبتداء ہے) تمہارا گمان ہے (مبتداء کا بدل ہے) جو تم نے اپنے پروردگار کے ساتھ کیا تھا۔ (یہ بدل کی صفت ہے اور خبر یہ ہے) اسی نے تم کو برباد (ہلاک) کیا۔ پھر خسارہ میں پڑ گئے۔ سو اگر یہ لوگ (عذاب پر) صبر کریں۔ تب بھی دوزخ ہی ان کا ٹھکانہ (مقام) ہے اور اگر وہ عذر کرنا چاہیں گے (معافی یعنی خوشنودی چاہیں گے) تب بھی قبول نہ ہوگا (ان سے رضامندی نہ ہوگی) اور ہم نے مقرر کر رکھے تھے (ذریعہ بنایا تھا) ان کے لئے کچھ ساتھ رہنے والے (شیاطین) سو انہوں نے ان کی نظر میں مستحسن بنا رکھے تھے ان کے اگلے اعمال (دنیا کے کام اور خواہشات کی پیروی) اور پچھلے احوال (آخرت کی باتیں، ان کا یہ کہنا کہ نہ قیامت ہوگی اور نہ حساب کتاب) اور ان کے حق میں بھی اللہ کی بات پوری ہو کر رہی (عذاب کے متعلق لاملان جہنم الخ کا ارشاد) ان لوگوں کے ساتھ جو ان سے پہلے ہو گزرے (ہلاک ہو گئے) یعنی جن و انس بے شک یہ سب خسارہ میں رہے اور کافر (آنحضرت ﷺ کی قرأت کے وقت) کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور اس کے بیچ میں غل مچا دیا کرو (شور کر دیا کرو اور پڑھنے کے وقت چیخا کرو) شاید تم ہی غالب رہو (اس طرح کہ آپ پڑھنے سے رک جائیں۔ ان کے جواب میں ارشاد خداوندی ہے) سو ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھا دیں گے اور ان کو ان کے برے کاموں کی سزا دیں گے (یعنی ان کے اعمال کے بدلہ سے بڑھ کر) یہی (یعنی سخت عذاب اور بدترین بدلہ) سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی (دوسری ہمزہ کی تحقیق اور اس کو واؤ سے بدلنے کے ساتھ) یعنی دوزخ (یہ جزاء کا عطف بیان ہے اور خبر ہے **ذلک** کی) ان کو وہاں ہمیشہ رہنا ہوگا (یعنی وہاں سے نکلنے کی نوبت نہیں آئے گی) اس بات کے بدلہ میں (فعل مقدر کا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے) کہ وہ ہماری آیات (قرآن) کا انکار کرتے تھے اور کفار کہیں گے (دوزخ میں) کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو وہ دونوں شیطان اور انسان دکھلا دیجئے جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا (یعنی ابلیس اور قابیل جنہوں نے کفر و قتل کی رسم جاری کی) ہم ان کو اپنے پیروں تلے روند ڈالیں (دوزخ میں) تاکہ وہ خوب ذلیل ہوں (یعنی ہم سے بڑھ کر سزا پائیں) جن لوگوں نے اقرار کر لیا کہ اللہ ہمارا رب ہے پھر وہ اس پر جمے رہے (توحید وغیرہ ضروری احکام پر) ان پر (مرنے کے وقت) فرشتے اتریں گے کہ نہ تم اندیشہ کرو (مرنے اور مرنے کے

بعد کے حالات کا) اور نہ رنج کرو (اپنے اہل وعیال کا جو تم نے بعد میں چھوڑے ہیں۔ کیونکہ ہم تمہاری طرف سے ان کے رکھوالی ہیں) اور تم اس جنت سے خوش رہو۔ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ ہم تمہارے رفیق تھے، دنیاوی زندگانی میں بھی (یعنی وہاں ہم تمہاری حفاظت کرتے رہے) اور آخرت میں بھی رہیں گے (یعنی جنت میں جانے تک ہم تمہارے ساتھ رہیں گے) اور تمہارے لئے اس میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا ملے گی اور جس چیز کی فرمائش (خواہش) کرو گے وہ بھی مہیا ہوگی۔ یہ بطور مہمانی ہوگا۔ (نزل۔ تیار شدہ کھانا جعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے) غفور رحیم (اللہ) کی جانب سے۔

تحقیق وترکیب:.......... **اعداء اللہ** ۔ اس سے مراد اصحاب الخلود فی النار ہیں۔

یوزعون۔ بیضاویؒ نے یہ معنی لکھے ہیں کہ اگلوں کو روکے رکھا جائے تا کہ پچھلوں سے مل کر اکٹھے ہو جائیں۔ لیکن مفسر علامؒ اس کے برعکس یہ کہہ رہے ہیں کہ پچھلے لوگوں کو ہنکایا جائے گا۔ تا کہ اگلوں سے مل کر اکٹھے ہو جائیں اور ایک ساتھ قدم اٹھائیں۔

شھد علیھم۔ اس شہادت کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ ان اعضاء کو سچ مچ کی زبان دے دے اور وہ اسی طرح بولیں گے جیسے زبان بولتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ان اعضاء میں سے آوازیں نکلیں گی کہ جن سے کلام کا مفہوم سمجھ میں آ جائے گا۔ تیسرے یہ کہ ان اعضاء سے ایسی حرکات وسکنات اور احوال ظاہر ہوں گے جو اعمال کی علامات سمجھے جائیں گے۔ جیسے تغیرات عالم سے اس کا حادث ہونا اور حادث کے لئے محدث کا ہونا معلوم ہو رہا ہے۔ پہلی دو صورتیں دلالت لفظیہ طبعیہ کی ہیں اور یہ آخری دلالت عقلی ہے۔

وجلودھم اگر عام اعضاء مراد ہوں تو عطف عام علی الخاص ہوگا اور خاص شرمگاہ بطور کنایہ اگر مراد ہو تو پھر زبان کی شہادت مقصود ہوگی۔ گویا اس میں زنا پر وعید شدید ہوگی۔ پہلی توجیہ اقرب ہے۔

لم شھدتم۔ وجہ تعجب ظاہر ہے کہ دنیا میں یہ اعضاء گناہ میں ان کے معاون رہے اور یہاں مخالفانہ رول ادا کر رہے ہیں۔ اور چونکہ شہادت دینا اہل عقل کا کام ہوتا ہے اس لئے خطاب میں صیغہ عقلاء استعمال کیا گیا ہے۔

انطق کل شیٔ۔ آیت **وان من شیء الا یسبح** بھی اس کی مؤید ہے اور بولنے کے لئے اگر کہا جائے کہ زبان ہونا شرط ہے تو زبان کے لئے بھی زبان ہونی چاہئے۔ **وھلم جرا فیتسلسل** ورنہ جہاں تک گوشت پوست کی حقیقت ہے وہ سب اعضاء میں مشترک ہے اور یکساں ہے۔ پھر زبان ہی کیوں بولتی ہے، دوسرے اعضاء کیوں نہیں بولتے۔ معلوم ہوا کہ یہ محض قدرت الٰہی کا کرشمہ ہے۔ آخر گراموفون جیسی مشین یا ٹیپ ریکارڈ کیسے بولتے ہیں۔ حالانکہ ان میں زبان نہیں ہوتی۔ پھر عالم آخرت کو اس عالم مادیت پر قیاس کرنا ہی سرے سے غلط ہے۔

وھو خلقکم۔ یہ کلام الٰہی ہے یا اعضاء کی گفتگو ہے۔

ذلکم ظنکم۔ اللہ سے نیک گمان یہ ہے کہ نیکی کر کے اس سے امید احسان رکھے۔ حدیث میں ہے۔ **انا عند ظن عبدی بی** اور بدگمانی یہ ہے کہ اس کی ذات، صفات، افعال میں نقصان سمجھے۔ لیکن برائیاں کر کے اچھی امید رکھنا حسن ظن نہیں کہلائے گا۔ بلکہ ایسے ہی سمجھا جائے گا جیسے کوئی ببول کا درخت لگا کر آم اور سیب لگنے کی توقع رکھے۔

فان یصبروا تقدیری عبارت اس طرح ہے **فان یصبروا اولا یصبروا فالنار الخ**۔ یہاں صبر کے مقابل عدم صبر کو مبالغہ کے لئے حذف کر دیا کہ جب صبر کا ٹھکانہ جہنم ہوگا تو بے صبری کا ٹھکانہ بدرجہ اولیٰ دوزخ ہوگی۔

یستعتبوا۔ **عتبی** کے معنی رجوع اور معافی کے ہیں۔

اسوأ۔ یعنی مضاف محذوف ہے اول یا اوسط میں۔

النار۔ عطف بیان یا بدل ہے جزاء کا۔ اور مبتداء بھی ہو سکتا ہے اور **لھم الخ** اس کی خبر یا مبتداء ہے یا مبتدائے محذوف کی خبر بنایا جائے۔

لهم فيها دار الخلد یعنی فی نفسہ دار الخلد ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے۔ لک فی هذه الدار دار السرور
من الجن والانس شیاطین دوطرح کے ہوتے ہیں۔ انسان بھی، جنات بھی، جیسے کذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس والجن یا فی صدور الناس من الجنة والناس اور یا قول مفسر خاص مراد ہیں۔
ثم استقاموا مامورات ومنہیات دونوں کا ہمیشہ دھیان رکھنا ظاہراً و باطناً استقامت کہلاتا ہے۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ کا ارشاد ہے۔ الا ستقامة ان تستقیم علی الامر والنهی ولا تروغ روغان الثعلب مشہور بات ہے۔ الا ستقامة فوق الکرامة
تتنزل موت کے وقت یا قبر سے نکلنے کے وقت یا دنیا ہی میں رہتے ہوئے ملائکہ مبشرین آتے ہیں۔
نحن اولیاء کم یہ کلام الٰہی ہے یا فرشتے کہیں گے۔
نزلا اس پیشکش کو کہتے ہیں جو آتے ہی مہمان و پیش کی جائے بطور تواضع اور خاطر مدارات کے۔
من غفور محذوف سے متعلق ہے نزلا کی صفت ہو جائے گی اور یہ ظرف مستقر بھی ہو سکتا ہے۔ ای استقر لکم من جهة غفور رحیم

ربط آیات: آیت قل انکم لتکفرون میں شرک کا انکار اور توحید کا اقرار تھا۔ پھر آیت فان اعرضوا سے قوم عاد و عذاب عاجل کی اور آیت ولعذاب الاخرة اکبر میں عذاب آجل کی دھمکی تھی۔ پھر آیت "اما ثمود" سے قوم ثمود کا حال اور ان کی عقوبت آجلہ کا بیان ہوا۔ پھر نجینا الخ سے مومنین کا نجات پانا مذکور ہوا۔ اس کے بعد آیت یوم یحشر الخ میں سب واقعات کے عذاب میں اکٹھا کر دینا فرمایا جا رہا ہے اور وہاں کی بدحالی کی تفصیل دی گئی ہے۔

اور چونکہ ابتدائے سورت میں قرآن و رسالت کا مضمون تھا۔ اس لئے آیت وقال الذین کفروا سے منکرین و مخالفین کا انجام بد اور تباہی ارشاد فرمائی جا رہی ہے۔

پھر آیت ان الذین قالوا الخ میں مومنین کا حسن حال اور حسن مآل ارشاد ہے اور ان کو اخلاق و اعمال حسنہ کا حکم اور ترغیب ہے تاکہ ان کی خوشحالی اور نیک مالی میں اضافہ ہو۔

شانِ نزول و روایات: ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں کعبۃ اللہ کا پردہ تھامے کھڑا تھا کہ اتنے میں تین آدمی آئے، دو قبیلہ ثقیف کے اور ایک قریشی یا اس کا برعکس۔ غرضیکہ تھے بڑے موٹے تازے، پیٹ کے۔ مگر نہایت ناسمجھ۔ چنانچہ ایک بولا کہ میاں جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں کیا اللہ اسے سن رہا ہے۔ دوسرا بولا کہ ہاں اگر ہم زور سے بولیں تو وہ سن لیتا ہے۔ تیسرے نے کہا کہ آہستہ بھی اگر بولیں تب بھی وہ سنتا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے آنحضرت ﷺ سے جا کر یہ واقعہ عرض کیا۔ اس پر آیت وما کنتم تستترون نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آیت ان الذین قالوا ربنا الله صدیق اکبرؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔

تشریح: ویوم یحشر یعنی مجرمین کی الگ الگ ٹولیاں ہوں گی۔ جنہیں دوزخ کے قریب روک کر اکٹھا کر لیا جائے گا۔ جیسا کہ آیت وسیق الذین کفروا میں گزر چکا ہے۔

اعضا کا ٹیپ ریکارڈ: حتی اذا ما جاؤها یعنی دنیا میں رہتے ہوئے آیات تنزیلیہ اپنے کانوں سے سنیں اور آیات تکوینیہ آنکھوں سے دیکھیں۔ مگر کسی کو بھی مان کر نہیں دیا اور برابر نافرمانی ہی میں لگے رہے۔ یہ پتہ نہیں تھا کہ اعمال کا یہ سارا ریکارڈ انہی کے اعضاء بدن کے ٹیپ پر چڑھا ہوا ہے جو وقت پر کھول دیا جائے گا۔ ہر چند کفار زبان سے انکار کریں گے، مگر حکم ہوگا کہ خود ان کے

اعضاء ہی شہادت دیں۔ چنانچہ ایک ایک عضو بول پڑے گا اور ممکن ہے پھر زبان بھی بول اٹھے۔ اس طرح سب اعضاء مل کر زبان کی بات جھٹلا دیں گے۔ اس وقت یہ کافر ہکا بکا رہ جائیں گے اور چلا کر اعضاء سے کہیں گے کہ کم بختو! تمہیں بچانے کے لئے ہی تو جھوٹ بول لیا تھا۔ اب تم خود ہی جرموں کا اعتراف کرنے لگے، جاؤ دور ہو جاؤ۔ آخر ایسی کیا آفت آ رہی تھی کہ میں تو تمہاری خاطر رلانے کی کوشش کر رہا تھا اور تم ہو کہ بولے چلے جا رہے ہو۔ آخر یہ بولنا کس نے سکھلایا؟ اس پر بھی اعضاء چپ نہیں رہیں گے، بلکہ ترکی بہ ترکی جواب دیں گے کہ جس ذات نے ہر بولنے والی چیز کو بولنے کی قدرت دی، اسی نے آج ہمیں بھی گویا کر دیا۔ جب وہ قادر مطلق بلوانا چاہے تو کس کی مجال ہے کہ نہ بولے۔ جس نے زبان میں بولنے کی صلاحیت رکھی۔ کیا وہ دوسرے اعضاء میں صلاحیت پیدا نہیں کر سکتا۔

جیسے حضرت ابوہریرہؓ سے کسی نے ونحشرھم علی وجوھھم کے متعلق پوچھا کہ قیامت میں لوگ سر کے بل کیسے چلیں گے؟ فرمایا کہ جو پاؤں سے چلاتا ہے وہی سر سے چلائے گا۔ یعنی وہی طاقت اگر ادھر منتقل کر دے یا اس جیسی طاقت وہاں پیدا کر دے تو کیا اشکال ہے۔

جو اعضاء دنیا میں ہمارے مطیع اور فرمانبردار دکھائی دیتے ہیں عالم حقائق میں پہنچ کر کھل جائے گا کہ ہمارے نہیں بلکہ اصل خالق اور سچے مالک کے تابعدار ہیں اور ثابت ہوگا کہ یہ ہمارے ہمدرد نہیں، بلکہ نہایت بے درد ہیں۔ دنیا میں دوسروں سے تو چھپ کر گناہ کرتے تھے، مگر یہ خبر نہ تھی کہ اعضاء سے بھی پردہ کریں ورنہ یہ سب پکھا اگل دیں گے اور بالفرض کرنا بھی چاہتے تو اس کی قدرت کہاں تھی؟

اور فرماتے ہیں کہ بات دراصل یہ ہے کہ تمہاری عقلوں پر ایسا پردہ پڑ گیا ہے کہ گویا تمہیں اس کا یقین ہی نہ تھا کہ خدا کو سب کچھ معلوم ہے۔ تم سمجھتے تھے کہ جو چاہے کرتے رہو، کون دیکھے گا۔ اگر تمہیں پورا اور پکا یقین ہوتا کہ خدا کے علم سے کوئی چیز بھی باہر نہیں اور اس کے ہاں ہماری پوری مسل محفوظ ہے تو ہرگز ایسی حرکتیں نہ کرتے۔ آج تم اپنے ہاتھوں غارت ہوئے ہو۔

فان یصبروا۔ یعنی دنیا میں جس طرح بعض دفعہ صبر کرنے سے مشکل آسان ہو جاتی ہے اور صابر پر ترس آ جاتا ہے اور بعض دفعہ ہائے ہلا مچانے سے اور شور کرنے سے کام چل جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی منت، خوشامد سے مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ مگر آخرت کا حال ایسا نہیں جو فیصلہ ہو چکا وہ اٹل ہوگا اور یہ سب تدابیر فیل ہو جائیں گی۔

برے ساتھی برے وقت پر ساتھ نہیں دیتے: .... وقیضنا لھم۔ یعنی اصل قصوروار تو خود انسان ہیں جو بدکرداری میں گرفتار رہتے ہیں، لیکن رہی سہی کسر برے دوست، احباب اور نالائق ساتھی پوری کر دیں گے۔ ہمیشہ وہ غلط تاویلیں کر کے برائیوں کو اچھائیوں کا رنگ دیں گے۔ ایسی غلط نظر اور غلط فکر اور بدکردار، ناہنجار ساتھی شیطان ہوں یا انسان کبھی سنبھلنے نہیں دیتے۔ خود بھی خراب ہوتے ہیں، دوسروں کو بھی خراب کرتے ہیں۔ انسان پر جب ادبار آتا ہے تو اس کے ایسے ہی سامان ہو جاتے ہیں اور فی الحقیقت برے ساتھی یا برے ماحول کا ملنا بھی خود ایک درجہ میں اپنی ہی برائی کا نتیجہ ہوتا۔ ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض له شیطانا فھو له قرین۔ ورنہ برا آدمی اچھے ساتھیوں اور اچھے ماحول میں رہ ہی نہیں سکتا۔ اس کے اندر کی برائی ہی نے تو باہر برائی ڈھونڈ ھ نکالی ہے۔

قرآن کی بانگ درا کے آگے مکھیوں کی بھنبھناہٹ کیا کر سکتی ہے: .... وقال الذین کفروا۔ قرآن کریم کی آواز چونکہ بجلی کی طرح سننے والوں کے دلوں پر اثر انداز ہوتی تھی، جو سنتا فریفتہ ہو جاتا۔ سر دھننے لگ جاتا۔ مخالفین کو اس بے اثر بنانے کی یہ تدبیر نکالی کہ جب کہیں قرآن پڑھا جائے تو اتنا گل غپاڑہ مچا دو کہ اس میں قرآن پڑھنے والے کی آواز دب کر رہ جائے اور کسی طرح کسی کو سننے یا غور کرنے کا موقعہ ہی نہ مل سکے۔ لیکن حق، صداقت کی کڑک مکھیوں اور مچھروں کی بھنبھناہٹ سے کہاں دب سکتی ہے۔

بلکہ یہ سب تدبیریں دھری رہ جاتی ہیں اور حق کی آواز دلوں کی گہرائیوں تک اترتی چلی جاتی ہے۔

چنانچہ آیت فلنذیقنھم سے ایسے ناقدروں کو چونکایا جارہا ہے کہ یاد رکھو تمہاری ان بدتدبیروں کا وبال خود تم پر پڑے گا۔ جو شخص نہ خود نصیحت پر کان دھرے اور نہ دوسروں کو سننے دے، بلکہ سننے والوں کو بہکائے اس سے بڑھ کر اور کون پاجی ہوگا۔ ایسے شریر چاہے دل میں صحیح سمجھتے ہوں مگر ضد اور عناد سے ہٹ دھرمی ہی کرتے رہتے ہیں۔ خدا کے یہاں ان کے ساتھ بھی کچھ نرم برتاؤ نہیں ہوگا۔

اپنے خداؤں کو پاؤں تلے روند ڈالیں گے:.......... وقال الذین کفروا۔ یعنی کافروں کا حال دوزخ میں بھی دیکھنے کے قابل ہوں، دنیا میں جس طرح اپنا کیا دوسرا پر دھرا کرتے تھے وہاں بھی اس کج نگاہی کی بہار نظر آئے گی۔ چنانچہ گوہرافشانی کرتے ہوئے اللہ میاں کی جناب میں عرض گذار ہوں گے کہ جن جنوں اور آدمیوں نے ہمیں بہکا بہکا کر یہاں تک پہنچایا ہے انہیں ذرا ہمارے سامنے کردیجئے۔ پھر دیکھئے کس طرح ہم انہیں اپنے پاؤں تلے روند ڈالتے ہیں اور دوزخ کے سب سے نچلے حصہ میں پوری ذلت وخواری سے دھکیلتے ہیں۔ اس انتقام سے کچھ تو ہمارا دل ٹھنڈا ہوگا۔

ان الذین قالوا۔ قرآن کریم اپنی عادت کے مطابق نیکی، بدی اور نیک و بد کا ذکر اکثر ساتھ ساتھ کیا کرتا ہے۔ چنانچہ یہاں کفار کے بعد ایمانداروں کا ذکر ہے کہ جو دل سے اللہ کی ربوبیت والوہیت کو مانتے ہیں اور مرتے دم تک اسی پر ڈٹے رہتے ہیں۔ وہ برابر اسی پر جمے رہے، بال برابر فرق نہیں آنے دیا۔ زبان سے جو کچھ کہا، اسی کے مطابق اعتقاد اور عمل رہا۔ ایسے مستقیم الحال لوگوں پر رحمت کے فرشتے اترتے ہی رہتے ہیں۔ دنیا میں عام اور خاص حالات میں بھی یا نزع کے وقت اور قبروں میں اور پھر قبروں سے اٹھنے کے وقت بھی وہ تسکین وتسلی دیتے ہیں اور جنت کی بشارتیں سناتے ہیں اب تمہیں ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ دنیا کے سب غم مٹ گئے اور عقبیٰ کا اندیشہ نہیں رہا۔ اب ہر قسم کے عیش وعشرت، راحت ومسرت سے ہمکنار رہنا اور جنت جس کے وعدے پیغمبروں کی زبانی کئے گئے تھے، وہ اب تمہارے لئے پورے کئے جانے والے ہیں۔ اس لئے کوئی رنج وملال تمہیں قریب بھی نہیں بھٹک سکتا۔

اللہ یا فرشتوں کی طرف سے بشارت:.......... نحن اولیاء کم اکثر حضرات کے نزدیک یہ فرشتوں ہی کا مقولہ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے مقرب بندوں کے پاس دنیا میں وحی والہام اور تسکین واطمینان کے لئے آتے رہتے ہیں۔ جیسے بدکاروں کے پاس شیاطین کی آمد ورفت رہتی ہے۔ تنزل علی کل افاك اثیم یلقون السمع واکثرھم کاذبون. لیکن بعض حضرات کے نزدیک یہ کلام الٰہی مزید اکرام اور بشارت کے لئے ہے اور کہا جائے گا کہ جس چیز کی یہاں تمنا اور خواہش دل میں ہوگی وہ سب آئے گی اور زبان سے جس کا اظہار کرو گے سب پورا کیا جائے گا۔ اللہ کے خزانوں میں کس چیز کی کمی ہے، بس سمجھ لو کہ تم غفور رحیم کے مہمان ہو۔

لطائف سلوک:.......... ان الذین قالوا ربنا اللہ الخ آیت کے عام الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ظاہری یا باطنی امتحان کے اوقات میں خاص لوگوں پر فرشتے سکینہ اور برکات لے کر اترتے ہیں اور غیر انبیاء سے بھی بالمشافہ کلام کرتے ہیں اور استقامت چونکہ عام ہے، اس لئے تمام مراتب استقامت کو شامل ہے۔ عوام کی استقامت ظاہری تو اوامر ونواہی میں پختگی ہے اور باطنی ایمان میں پختگی ہے اور خواص کی استقامت ظاہری دنیا سے بے رغبتی اور باطنی استقامت جنت کی رغبت اور لقائے رحمٰن کا شوق ہے اور اخص الخواص کی استقامت ظاہری جان ومال حوالے کرتے ہوئے حقوق بیعت کی رعایت کرنا اور باطنی استقامت فنا اور بقاء ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ اَیْ لَا اَحَدٌ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰهِ بِالتَّوْحِیْدِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ فِیْ جُزْئِیَاتِهِمَا لِاَنَّ بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِدْفَعْ اَیِ السَّیِّئَةَ بِالَّتِیْ اَیْ بِالْخَصْلَةِ الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ کَالْغَضَبِ بِالصَّبْرِ وَالْجَهْلِ بِالْحِلْمِ وَالْاِسَاءَةِ بِالْعَفْوِ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾ اَیْ فَیَصِیْرُ عَدُوُّكَ كَالصَّدِیْقِ الْقَرِیْبِ فِیْ مُحَبَّتِهٖ اِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ فَالَّذِیْ مُبْتَدَأٌ وَکَاَنَّهُ الْخَبَرُ وَاِذَا ظَرْفٌ لِمَعْنَی التَّشْبِیْهِ وَمَا یُلَقّٰهَآ اَیْ یُؤْتَی الْخَصْلَةَ الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ ثَوَابٍ عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا فِیْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِیَّةِ فِیْ مَا الزَّائِدَةِ یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ اَیْ اِنْ یُّصْرِفَكَ عَنِ الْخَصْلَةِ وَغَیْرِهَا مِنَ الْخَیْرِ صَارِفٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ جَوَابُ الشَّرْطِ وَجَوَابُ الْاَمْرِ مَحْذُوْفٌ اَیْ یَدْفَعْهُ عَنْكَ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ لِلْقَوْلِ الْعَلِیْمُ ﴿۳۶﴾ بِالْفِعْلِ وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اَیِ الْاٰیَاتِ الْاَرْبَعِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا عَنِ السُّجُوْدِ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ اَیِ الْمَلَائِکَةُ یُسَبِّحُوْنَ یُصَلُّوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا یَسْئَمُوْنَ السجدة ﴿۳۸﴾ لَا یَمَلُّوْنَ وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَی الْاَرْضَ خَاشِعَةً یَابِسَةً لَا نَبَاتَ فِیْهَا فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ تَحَرَّكَتْ وَرَبَتْ ؕ اِنْتَفَخَتْ وَعَلَتْ اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ مِنَ اَلْحَدَ وَلَحَدَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا الْقُرْاٰنِ بِالتَّكْذِیْبِ لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ؕ فَنُجَازِیْهِمْ اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۴۰﴾ تَهْدِیْدٌ لَهُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ الْقُرْاٰنِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ نُجَازِیْهِمْ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ ﴿۴۱﴾ مَنِیْعٌ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ اَیْ لَیْسَ قَبْلَهٗ کِتَابٌ یُکَذِّبُهٗ وَلَا بَعْدَهٗ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ ﴿۴۲﴾ اَیِ اللّٰهِ الْمَحْمُوْدِ فِیْ اَمْرِهٖ مَا یُقَالُ لَكَ مِنَ التَّكْذِیْبِ اِلَّا مِثْلُ مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۴۳﴾ لِلْکَافِرِیْنَ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ اَیِ الذِّکْرَ قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا هَلَّا فُصِّلَتْ بُیِّنَتْ اٰیٰتُهٗ ؕ حَتّٰی تَفْهَمَهَا ءَقُرْاٰنٌ ءَاَعْجَمِیٌّ وَّ نَبِیٌّ عَرَبِیٌّ ؕ اِسْتِفْهَامُ اِنْکَارٍ مِنْهُمْ بِتَحْقِیْقِ الْهَمْزَةِ الثَّانِیَةِ وَقَلْبِهَا اَلِفًا بِاِشْبَاعٍ وَدُوْنِهٖ قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًی مِنَ الضَّلَالَةِ وَّشِفَآءٌ ؕ مِنَ الْجَهْلِ وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ ثِقْلٌ فَلَا یَسْمَعُوْنَهٗ وَّهُوَ عَلَیْهِمْ عَمًی ؕ فَلَا یَفْهَمُوْنَهٗ اُولٰٓئِكَ

﴿۴۴﴾ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ ۢ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ اَىْ هُمْ كَالْمُنَادٰى مِنْ مَكَانٍ بَعِيْدٍ لَا يَسْمَعُ وَلَا يَفْهَمُ مَا يُنَادٰى بِهٖ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التَّوْرٰةَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۗ بِالتَّصْدِيْقِ وَالتَّكْذِيْبِ كَالْقُرْاٰنِ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ بِتَاخِيْرِ الْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ لِلْخَلَائِقِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِى الدُّنْيَا فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَاِنَّهُمْ اَىِ الْمُكَذِّبِيْنَ بِهٖ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾ مُوْقِعِ الرِّيْبَةِ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ عَمِلَ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۗ اَىْ فَضَرَرُ اِسَاءَتِهٖ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾ اَىْ بِذِىْ ظُلْمٍ لِقَوْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

ترجمہ: .... اوراس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے (یعنی کسی کی نہیں) جوخدا کی (توحید کی) طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں اور نیکی بدی برابر نہیں ہوسکتی (یعنی نیکی بدی کی جزئیات چونکہ وہ ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں) آپ (برائی کو) ٹال دیا کیجئے۔ نیک برتاؤ (طرز عمل) سے (مثلاً: غصہ کو صبر سے اور جہل کو بردباری سے اور برائی کو معافی سے) پھر اچانک آپ میں اور اس شخص کے درمیان جس میں عداوت تھی ایسا ہوجائے گا جیسے کوئی ولی دوست ہوا کرتا ہے (یعنی تمہارا دشمن مکرری دوست بن جائے گا بلحاظ محبت کے اگر تم نے یہ طریقہ اپنالیا۔ اس میں الذی مبتدا ہے اور کانہ خبر ہے اور اذا ظرف ہے بمعنی تشبیہ) اور یہ بات (یعنی عمدہ عادت) انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل مزاج ہیں اور یہ بات انہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب (ثواب) ہو اور اگر (نون ان شرطیہ کا ما زائدہ میں ادغام ہورہا ہے) آپ کو شیطان کی طرف سے کچھ وسوسے آنے لگے (یعنی اگر آپ کو عمدہ خصلت وغیرہ خیر کی باتوں سے کوئی چیز ہٹانے لگے) تو اللہ کی پناہ مان لیا کیجئے (یہ جواب شرط ہے اور جواب امر محذوف وغیرہ خیر کی باتوں سے کوئی چیز ہٹانے لگے) تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے (یہ جواب شرط ہے اور جواب امر محذوف ہے۔ یعنی اللہ اس وسوسہ کو آپ سے دفع فرمادے گا) بلاشبہ وہ خوب سننے والا ہے (بات کو) خوب جاننے والا ہے (عمل کو) اور منجملہ اس کی نشانیوں کے رات ہے اور دن ہے اور سورج اور چاند ہے۔ تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو، اور خدا کو سجدہ کرو جس نے ان (چاروں) نشانیوں کو پیدا کیا۔ اگر تمہیں اللہ کی عبادت کرنا ہے، پھر اگر یہ لوگ (ایک دوسرے کو سجدہ کرنے سے) تکبر کریں تو جو (فرشتے) آپ کے رب کے مقرب ہیں وہ دن رات اس کی پاکی بیان کرتے ہیں (نماز پڑھتے ہیں) اور وہ اکتاتے (تھکتے) نہیں اور منجملہ ان کی نشانیوں کے ایک یہ ہے کہ تو زمین کو دیکھتا ہے بنجر ہے (خشک جس میں کوئی سبزی نہیں) لیکن جب اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ لہلہا اٹھتی ہے (ابھرتی ہے) اور پھول جاتی ہے (پھٹ کر او پر اٹھ آتی ہے) جس نے اس زمین کو زندہ کردیا وہی مردوں کو جلادے گا۔ بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یقیناً جولوگ کفر کرتے ہیں (الحد اور لحد سے ماخوذ ہے) ہماری آیتوں میں (قرآن کا انکار کرکے) وہ لوگ ہم پر مخفی نہیں ہیں (ہم ان کو سمجھیں گے) بھلا جو شخص آگ میں جھونکا جائے وہ اچھا ہے یا وہ شخص جو قیامت کے روز امن وامان کے ساتھ آئے جو جی چاہے کرو۔ وہ تمہارا کیا ہوا سب کچھ دیکھ رہا ہے (ان لوگوں کے لئے دھمکی ہے) جولوگ اس ذکر (قرآن) کا انکار کردیتے ہیں جبکہ وہ ان کے پاس پہنچتا ہے۔ (ان کی ہم خبر کرلیں گے) اور یہ بڑی باوقعت (بے مثال) کتاب ہے۔ جس میں غلط بات نہ اس کے سامنے سے آتی ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے (یعنی نہ پہلے کسی کتاب نے اس کی تردید کی اور نہ آئندہ کوئی تکذیب کرسکے گی) یہ خدائے حکیم محمود کی جانب سے آئی ہے (یعنی اس اللہ سے جو ہر کام میں محمود ہے) آپ کو (جھٹلانے کی) وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو (جیسی کہ) آپ سے پہلے رسولوں کو کہی

گئی ہیں۔ آپ کا پروردگار (مومنوں کی) بڑی مغفرت کرنے والا (کافروں کو) دردناک سزا دینے والا ہے اور اگر ہم اس کو (یعنی ذکر کو) عجمی قرآن بناتے تو یہ کہتے کہ اسکی آیتیں صاف صاف کیوں نہیں بیان (واضح) کی گئیں (تاکہ یہ سمجھ میں آجاتا) یہ کیا بات کہ (قرآن) عجمی اور (نبی) عربی (استفہام انکاری ہے۔ دوسری ہمزہ کی تحقیق اور اس کی الف سے بدل کر اشباع کے ساتھ اور بغیر اشباع کے) آپ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے لئے تو رہنما ہے (گمراہی سے) اور شفا ہے (جہالت سے) اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے، ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے (بہرا پن ہے وہ اس کو نہیں سن سکتے) اور ان کے حق میں نابینائی ہے (اس لئے وہ اس کو سمجھ نہیں سکتے) یہ لوگ کسی بڑی دور جگہ سے پکارے جا رہے ہیں (یعنی ان کا حال ایسا ہے جیسے کسی کو دور سے پکارا جائے۔ نہ وہ سنے اور نہ سمجھی کہ کیا کوئی آواز لگائی جارہی ہے) اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) دی تھی۔ سو اس میں بھی اختلاف ہوا (قرآن کی طرح تکذیب و تصدیق کی گئی) اور اگر ایک بات نہ ہوتی آپ کے رب کی طرف سے جو طے ہو چکی ہے (قیامت تک مخلوق کے حساب اور بدلہ کے متعلق) تو (دنیا ہی میں ان کے اختلاف کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ اور یہ لوگ (قرآن کو جھٹلانے والے) ایسے شک میں ہیں جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا ہے۔ جو شخص نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے نفع کے لئے (عمل کیا) ہے۔ اور جو شخص برا عمل کرتا ہے، اس کا وبال اسی پر ہوگا (یعنی اس کی بد عملی کا نقصان خود اسی پر ہے) اور آپ کا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے (یعنی ظالم نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ)

تحقیق و ترکیب: .... ممن دعا الی اللہ۔ داعی کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک داعی توحید قولی جیسے اشاعرہ ماتریدیہ اور ایک داعی عملی جیسے مجاہدین اور غازی اور ایک داعی احکام شرعیہ۔ جیسے: ائمہ مجتہدین۔ اور ایک داعی توحید حقیقی و معرفت قلبی جیسے مشائخ صوفیاء۔ آنحضرت ﷺ میں یہ سب اقسام چونکہ اکمل طریقہ پر جمع ہیں۔ اس لئے اصل مخاطب آپ ہیں اور آپ سے یہ اوصاف امت کی طرف منتقل ہوئے۔

ولا تستوی الحسنۃ۔ اخلاق نتیجہ ہیں اعمال کا اور اعمال نتیجہ ہیں علوم کا۔ لا ثانیہ تاکید کے لئے زائد ہے **لا تستوی** کی طرح۔ ادفع بھی مستانفہ ہے۔ **فاذا الذی** یہ ثمرہ ہے بھلائی کا ذریعہ برائی کی مدافعت کا۔ **الحسنۃ** اور **السیئۃ** سے مراد ان دونوں کی جنسیں ہیں۔ یعنی نیکی ایک جنس ہے جس کی بے شمار جزئیات ہیں اور سب میں فرق مراتب ہے۔ اسی طرح بدی کا حال ہے کہ اس کی تمام جزئیات یکساں نہیں ہیں۔ مگر اس صورت میں لا زائد نہیں رہتا۔ کیونکہ دونوں کی نفی الگ الگ مقصود ہوگی۔ لیکن "**ادفع بالتی**" جملہ اس توجیہ کی تائید نہیں کرتا۔ بہر حال یہ دو تفسیریں ہوئیں۔ ایک میں تو نیکی اور بدی میں باہمی فرق بتلانا مقصود ہے اور دوسری یہ کہ ان دونوں جزئیات میں فرق مراتب بتلانا ہے۔ پہلی صورت میں لائے ثانیہ تاکید نفی کے لئے زائد ہوگا اور دوسری صورت میں تاسیس کے لئے ہوگا۔

ولی حمیم۔ اس طرز عمل سے دشمن بھی دوست بن جاتا ہے۔

خلقھن۔ غیر ذوی العقول حکم میں مؤنث کے ہوتے ہیں۔ اگر چہ ستارہ پرست قومیں چاند، سورج کی پوجا تو کرتی ہیں اور دن ورات کی پرستش نہیں کرتیں۔ لیکن یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ چاند سورج بھی دن ورات کی طرح لائق سجدہ نہیں ہیں۔ چاروں کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا گیا ہے کہ جب یہ سب ایک دوسرے سے وابستہ ہیں پھر تم بندگی میں فرق کیوں کرتے ہو۔

یسبحون۔ اگر تسبیح سے مراد عام معنی ہوں تب تو سب فرشتے اس کا مصداق ہیں اور نماز کے معنی اگر بقول مفسرؒ ہوں تو پھر مخصوص فرشتوں کی جماعت مراد ہوگی اور نماز بھی ان کے شایان ہوگی وہ اسی کے لئے وقف رہتے ہوں گے اور وہی ان کے لئے غذا کا کام دیتی ہے۔ اس لئے اکتاہٹ کا کوئی سوال ہی نہیں۔

خاشعۃ۔ اس کے معنی تذلل کے ہیں۔ لیکن قحط اور خشک سالی میں زمین حقیر اور بے رونق رہتی ہے۔ اس لئے استعارہ ہو گیا۔

یلحدون. قبر کی لحد بھی چونکہ ایک طرف مائل ہوتی ہے۔اس لئے حق سے باطل کی طرف میلان کو بھی الحاد کہا جاتا ہے۔
ام من یاتی. ام من یدخل الجنة کہنا چاہئے تھا۔لیکن امن وامان کی تصریح کے لئے عبارت تبدیل کردی گئی ہے۔ استفہام تقریری ہے۔

ان الذین کفروا. اس کی خبر میں کئی احتمال ہیں۔

۱۔اولئک ینادون خبر ہو۔

۲۔محذوف ہو یعنی معذبون وغیرہ۔چنانچہ کسائیؒ کی رائے بھی یہی ہے کہ مفعول ماقبل کو خبر کہا جائے گا۔

۳۔ان الذین کفروا. ان الذین یلحدون کا بدل ہو اور لایخفون علینا اس کی خبر ہو۔

۴۔لایاتیه الباطل خبر ہو جس میں عائد محذوف ہو تقدیر عبارت اس طرح ہو۔لایاتیه الباطل منهم. جیسے کہا جائے السمن منوان بدرهم ای السمن منوان منه یا کوفیوں کی رائے پر الف لام کو ضمیر کا بدل کہا جائے۔اصل عبارت اس طرح ہوگی۔ان الذین کفروا بالذکر یاتیه باطلهم.

۵۔خبر مایقال لک ہو اور اس میں بھی عائد محذوف ہو۔ای ان الذین کفروا بالذکر ما یقال لک فی شانهم الا ماقد قیل الخ.

عزیز. فعیل بمعنی فاعل یعنی فکر وخیال سے بالاتر ہے اور بے مثال ہے۔

لایاتیه الباطل. مفسرؒ نے مقاتلؒ کی تفسیر اختیار کی ہے اور قتادہؒ باطل سے مراد شیطان لیتے ہیں۔تفسیری عبارت میں لف ونشر غیر مرتب ہے۔لیس قبله کا تعلق من خلفه کے ساتھ ہے اور ولا بعده کا تعلق لما بین یدیه سے ہے۔

مایقال. بیضاویؒ کی رائے ہے کہ مایقال معنی میں مایقول کے ہے اور ضمیر کفار کی طرف راجع ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مایقول لک الله الا مثل ماقاله لهم کی تقدیر ہو۔البتہ دوسری صورت میں مفعول سے مراد وحی الٰہی ہوگی جس میں مسلمانوں کے لئے وعدۂ مغفرت اور کفار کے لئے دوزخ کی وعید ہے۔

الا ما قد قیل. یعنی پچھلے انبیاءؑ کو جس طرح مجنوں اور جادوگر کہا گیا،ان کو جھٹلایا گیا،آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جارہا ہے۔

لو جعلناه قراٰنا. یہ جواب ہے کفار کے اس اعتراض کا هلا انزل القران بلغة العجم.

لو لا فصلت یعنی صاف عربی زبان میں قرآن کیوں نہیں اترا۔

ااعجمی و عربی. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اعجمی خبر ہے مبتدا محذوف قرآن کی اور عربی خبر ہے مبتدائے محذوف نبی کی اور عجمی و عربی دونوں صفتیں ہیں موصوف محذوف کی۔اعجمی میں احمری کی طرح یا زائد ہے مبالغہ کے لئے ہمزہ ثانیہ کی تحقیق حفصؒ کے علاوہ اہل کوفہ کو قرأت سے اور الف اشباع کی قرأت باقی قراءؒ کی ہے اور ہشامؒ کے نزدیک بغیر اشباع کے ہے اور لفظ اشباع کہنا یہاں تسامح ہے۔کیونکہ دونوں ہمزہ کے درمیان الف اور بغیر الف کی دو قرأتیں ہیں۔اسی کو اشباع اور ترک اشباع سے تعبیر کیا ہے۔

والذین لایؤمنون. یہ مبتداء ہے اور فی اٰذانهم خبر ہے اور وقر فاعل ہے یا فی اٰذانهم خبر مقدم اور وقر مبتداء مؤخر ہے۔

من مکان بعید. یا قیامت میں بہت دور سے برے نام لے لے کر پکارا جائے گا۔مفسرؒ نے استعارہ تمثیلیہ پر محمول کیا ہے۔

فلنفسه۔مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ جار مجرور فعل محذوف کے متعلق ہے اور مبتداء مضمر کی خبر بھی کہا جاسکتا ہے۔ای فالعمل الصالح لنفسه.

ظلام للعبید. ظلام مبالغہ کا لفظ ہے۔اس کی نفی سے اصل ظلم کی نفی چونکہ نہیں ہوتی اس کے جواب کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ مبالغہ کے لئے نہیں ہے،بلکہ تمار اور خباز کی طرف محض نسبت کے لئے اور ظلم دراصل کہتے ہیں دوسرے کی ملک میں بے جا تصرف کرنے کو۔اس لئے حقیقۃً خدا کے لئے ظلم کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔لیکن یہاں مجازاً ظلم کہہ کر اس کی نفی کی گئی۔

ربط آیات: .... آیت ان الذین قالوا ا میں مسلمانوں کے حسن حال کا ذکر تھا۔
آیت میں ومن احسن قولا الخ سے مسلمانوں کے حسن اعمال کا بیان ہے۔
آیات ومن ایاتہ الیل الخ سے پھر توحید کا تذکرہ ہے اور پھر زمین کی سرسبزی جو اس کی زندگی ہے اس کا ذکر ہے اور اسی مناسبت سے مردوں کو جلا دینے کا بیان اور نہ ماننے والوں کی دھمکی ہے۔
اور آیت ان الذین یلحدون سے توحید ورسالت کے منکروں کے لئے سخت وعید ہے۔
اس کے بعد آیت ان الذین کفروا بالذکر سے قرآن کے متعلق اور اسی کے ضمن میں رسالت کو موضوع بحث بنایا گیا ہے اور اس سلسلہ میں کفار کی بعض باتوں کا جواب اور آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے۔
روایات: .... بعض حضرات کی رائے ہے کہ آیت ومن احسن قولا کا مصداق اصلی آنحضرت ﷺ ہیں اور آپ ہی داعیٔ اعظم ہیں۔ آیت ولو جعلناہ قرانا الخ کا شان نزول یہ ہے کہ کفار مکہ کہتے تھے۔ **ھلا انزل القران بلغة العجم** اور منشاء یہ ظاہر کرنا تھا کہ قرآن کا عجمی ہونا زیادہ واضح معجزہ ہے کہ آپ عجمی زبان سے واقف نہیں پھر عجمی کتاب لائے۔ معلوم ہوا کہ یہ کتاب الٰہی ہے اس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿ تشریح ﴾: .... **داعی حق کیسا ہونا چاہئے**: .... آیت ان الذین قالوا ربنا اللہ . میں مقربین کا حسن حال بیان ہوا۔ اسی ذیل میں آیت "ومن احسن" سے ان کے حسن اعمال کو بیان فرمایا جارہا ہے کہ بہترین شخص وہی ہے جو اللہ کا ہورہے اور اپنے قول وعمل سے دوسروں کو بھی اسی کا ہو رہنے کی دعوت دے اور دنیا کو اس کا کامل بندہ بن کر دکھلا دے۔ اس کے قول میں اس کے عمل سے جان پیدا ہو۔ نیز گفتار کا غازی نہ ہو بلکہ سرتا پا کردار ہو۔ اس کا طغرائے قومیت صرف اسلام ہو اور اس میں نہ شرمائے نہ جھجکے۔ ہرقسم کی تنگ نظری اور فرقہ واریت سے یکسو ہوکر اس عالمگیر حقیقت کی منادی کردے جس کے لئے آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور آپ کے سچے پیروکاروں نے اس کو تھاما اور **لاتزال طائفة من امتی ظاھرین علی الحق لایضرھم من خالفھم حتی یاتی امر اللہ وھم علی ذلک** کا مصداق بنے۔

حسن اخلاق کی اہمیت: .... آیت **ولا تستوی الحسنة** الخ حسن اخلاق کی تلقین ہے جس کا داعی کو حامل ہونا چاہئے۔
حاصل یہ ہے کہ علم وعمل کا اصل نچوڑ اخلاق ہیں۔ یہ نہیں تو کچھ نہیں۔ جہاں آپ نے **انما بعثت معلما** فرمایا وہیں **انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** بھی فرمایا۔ ظاہر ہے کہ نیکی اور بدی اپنے نتائج وثمرات کے لحاظ سے برابر نہیں ہوسکتیں۔ دونوں کی تاثیرات جداگانہ ہیں بلکہ نیکی نیکی اور بدی بدی میں بھی فرق ہے۔ جیسے آدمی آدمی انتر، کوئی ہیرا کوئی پتھر، اس لئے ایک داعی حق کو اخلاق کا مکمل نمونہ ہونا چاہئے۔
خلق کے تین درجے ہیں۔ ایک یہ کہ نیکی کا جواب نیکی سے اور بدی کا جواب بدی سے ہو۔ یہ خلق حسن ہے۔ **دناھم کمادانوا**.
دوسرے یہ کہ برائی کا جواب برائی سے نہیں بلکہ عفوو درگزر اور تسامح سے دیا جائے۔ اس کو خلق کریم کہا جاتا ہے۔ **واعف عمن ظلمک**.
اور تیسرے یہ کہ برائی کا جواب بھلائی سے اور نقصان کا جواب احسان سے دیا جائے جو بڑا مشکل مرحلہ ہے۔ اس کو خلق عظیم کہنا چاہئے۔ **احسن الی من اساء الیک**. یہ خلق عظیم آنحضرت ﷺ کا شرف امتیازی ہے۔ **انک لعلی خلق عظیم**. جس میں آپ کے متبعین بھی آپ کے متبع ہی ہیں۔ بہرحال جہاں تک ہوسکے برائی کے مقابلہ میں بھلائی سے اور سختی کے مقابلہ میں نرمی سے، غصہ کے جواب میں بردباری سے، گالی کے جواب میں تہذیب اور شائستگی سے پیش آئے۔

اخلاق حسنہ کی تاثیر: .... اس طرز کا کرشمہ یہ ہوگا کہ سخت سے سخت دشمن بھی ڈھیلا پڑ جائے گا۔ شرافت اور سلامت طبع کے جوہر لطیف سے کوئی محروم ہو جائے یا ہوش وحواس ہی کھو بیٹھے یا عقل کے پیچھے ڈنڈا لے کر پھرنے لگے یا فطری طور پر کوئی بچھو صفت ہو تو وہ دوسری بات ہے۔ ورنہ انسانیت اور شرافت اگر چھو بھی جائے تو یہ ناممکن ہے کہ اخلاق سے مخالف متاثر نہ ہو اور بعض حالات میں اگر فوری اثر بھی نہ ہو تو بعد میں کبھی نہ کبھی ٹھنڈے دل سے سوچنے سے پانی پانی ہونا پڑے گا۔ دھار دار تلوار لوہے کی زرہ کاٹ سکتی ہے۔ مگر وہی تلوار ریشم پر کند ہو جاتی ہے اور بالفرض اگر دشمنی دوستی میں تبدیل نہ بھی ہوئی تو دشمنی کا رنگ یقیناً پھیکا تو پڑ ہی جائے گا اور عجب نہیں کہ کچھ دنوں میں ہی اس کا دل بھی متاثر ہو جائے اور دشمنی یکسر نکل جائے۔

البتہ یہ عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کوئی معمولی کھیل نہیں۔ کہنے اور کرنے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ہر ایک کو یہ مقام حاصل نہیں ہوتا۔ یہ دولت ونعمت بڑے ہی خوش نصیب اور سعادت مند کو میسر آتی ہے۔

شیطان صفت دشمن کا علاج: .... یہاں تک تو ایسے مخالف سے نمٹنے کا طریقہ بتلایا جو حسن اخلاق سے متاثر ہو کر خود اپنے میں تبدیلی کر لینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ لیکن اگر کوئی دشمن اس حد سے گزرا ہوا ہو اور وہ شیطان کا ہم پلہ ہو کہ نہ اس پر کوئی نرمی اثر انداز ہوتی ہو اور نہ خوشامد۔ وہ کسی حال میں بھی دشمنی چھوڑنے کو تیار نہیں۔ بلکہ ہر وقت درپے آزار رہتا ہے۔

آیت اما ینزغنک سے اس کا علاج بتلایا جارہا ہے کہ اس کے زہر سے بچنے کی صرف یہی ایک تدبیر ہے کہ اللہ کی پناہ میں آجاؤ۔ یہ ایسا مضبوط قلعہ ہے جس میں ہر طرح محفوظ رہ سکتا ہے بشرطیکہ اللہ کو پکارنا پورے اخلاص اور مکمل سپردگی سے ہو۔ وہ ہر ایک کی پکار سنتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے کہ پکارنے والا مخلص ہے یا غیر مخلص اور اخلاص ہے تو کتنا؟

آگے ومن ایاته الیل سے اپنی قدرت کے نشانات بتلائے جارہے ہیں۔ تاکہ اخلاق پر کاربند مگر دشمن سے عاجز کے لئے اللہ کی پناہ جوئی کی ترغیب ہو اور غصہ اور انتقام میں اندھے بنے ہوئے دشمن کے لئے دھمکی اور تخویف ہے اور ساتھ ہی دعوت توحید اور دوبارہ زندگی کے اعتقاد کی تقویت ہو جائے۔ گویا داعی حق کی تائید میں چاند سورج، رات دن بھی ہم آواز ہیں اور زبان حال سے سب اللہ کی طرف بلا رہے ہیں اور یہ اشارہ دے رہے ہیں جیسے رات کے اندھیرے کے بعد دن کا اجالا آجاتا ہے۔ اسی طرح بداخلاقی کی اندھیریوں میں پھنسے ہوئے اشخاص اور قومیں کیا عجب ہے کہ دعوت واخلاق کے اجالے میں آجائیں اور ان کی کایا پلٹ ہو جائے۔

مشرکین کا عذر لنگ: .... شرک کی دلدل میں پھنسی ہوئی قومیں اگرچہ اپنے شرک کا جواز پیدا کرنے کے لئے کہتی ہیں کہ اصل میں تو ہم اللہ کی پرستش کرتے ہیں۔ لیکن ان کو واضح ہو جانا چاہئے کہ یہ تاویلیں خیالی باتوں کو حقیقت کا روپ نہیں دے سکتیں۔ پرستش کے لائق صرف ایک ہستی ہے۔ اس میں دوسروں کی شرکت کسی درجہ میں بھی اگر ہوگی تو وہ گوارا نہیں ہے۔ ہاں! اگر اس راستہ میں غرور وگھمنڈ سد راہ بنا ہوا ہے تو انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ یہ خود اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ اللہ کے یہاں کس بات کی کمی ہے؟ فرشتے اس کی عبادت کے لئے کیا کچھ کم ہیں؟ جن کی اصل غذا ہی تسبیح وتہلیل اور طاعت وبندگی ہے جس سے کبھی وہ اکتائے نہیں اور نہ انہیں جھوٹی شیخی ستاتی ہے۔ پھر خواہ مخواہ اپنا نقصان کیوں کرتے ہو اور جھوٹی شیخی اور اتراہٹ میں گرفتار کیوں ہو۔

زمین کی خاکساری سے سبق سیکھو: .... زمین کی خاک سے پیدا ہوئے مگر اس کی خاکساری نہیں دیکھتے کہ بیچاری چپ چاپ پچھی پڑی ہے۔ ذلیل وخوار، بوجھ میں دبی ہوئی اور پیروں سے پامال رہتی ہے۔ خشکی کے وقت دیکھو تو ہر طرف خاک دھول اڑتی

نظر آتی ہے۔ لیکن جہاں بارش کا ایک چھینٹا پڑا، پھر اس کی تازگی شادابی، رونق اور ابھار ایک بہار کا ساماں پیدا کر دیتی ہے۔ آخر یہ کایا پلٹ کس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ پھر کیا جو خدا ہر وقت اپنی قدرت کا تماشہ زمین پر دکھلاتا رہتا ہے۔ وہ کیا دوبارہ مردہ انسان کو جلا نہیں سکتا؟ یا وہ مردہ دلوں کو دعوت حق کی تاثیر سے از سر نو حیات تازہ عطا نہیں کر سکتا۔

ان الـذين يلحدون. یعنی جو لوگ اللہ کی تنزیلی اور تکوینی آیات دیکھ کر بھی اپنی کجروی سے باز نہیں آتے اور سیدھی باتوں کو توڑ مروڑ کر غلط سلط رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ اور ان میں خواہ مخواہ اشکالات اور شبہات نکال لیتے ہیں یا جھوٹے حیلے بہانے تراش کر آیات الٰہی کا انکار کرتے ہیں اور طرح طرح کی ہیرا پھیری کرتے ہیں ایسے کجرو لوگوں کو اللہ خوب جانتا ہے اور ان سے نمٹنا بھی جانتا ہے۔ ایسے لوگ دھوکہ میں نہ رہیں۔ اللہ سے ان کی چالاکیاں چھپی ہوئی نہیں۔ فی الحال اس نے ڈھیل دے رکھی ہے۔ کیونکہ مجرم کو وہ ایک دم نہیں پکڑتا۔ مگر ایک وقت آئے گا کہ وہ سب دیکھ لیں گے تمہاری ساری حرکتیں اللہ کی نظر میں ہیں۔ ایک دن اکٹھا ان کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

مسخ شدہ فطرت کے لوگ اپنا نقصان کرر ہے ہیں:............ اب تم خود سوچ لو کہ شرارتوں کی بدولت آگ میں گرنا پسند کرتے ہو یا سلامتی اور شرافت کی بدولت امن وامان میں رہنا چاہتے ہو۔ ان دونوں میں کون بہتر ہے۔ یقیناً جو لوگ کج فہم، کج طبع ہوتے ہیں، اپنی فطرت کے مطابق وہ ایک صاف واضح کتاب میں جھگڑے نکالنے کی سعی کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ خدائی کتاب ہے اس میں جھوٹ آئے تو کدھر سے اور اس کی حفاظت کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ پھر باطل کے پھٹکنے کا کیا سوال، کوئی احمق یا شریر ہی ایسی کتاب کا انکار کر سکتا ہے۔ ایسے بدبختوں کی پہلے بھی کمی نہیں رہی۔ مگر اللہ نے ان کے مقابلہ میں حق پرستوں کو بھی بے مثال صبر وہمت عطا کی تھی۔ موذی لوگ اپنے کام میں لگے رہے اور پیغمبر اپنے مشن میں جتے رہے، آپ بھی ہمت وصبر سے کام لیجئے اور اپنے کام سے کام رکھئے۔ جن کی قسمت میں ہوگا وہ آہستہ آہستہ راہ راست پر آجائیں گے اور جو بدبخت ہوں گے وہ اپنی آخرت خود تباہ کریں گے۔ بھلا اس بدبختی کا کچھ ٹھکانہ ہے، خوئے بدرا بہانہ بسیار۔ کام نہ کرنے کے سو بہانے۔

مکہ کے ہٹ دھرمی اور قرآن پران کا اعتراض:............ اور کچھ نہیں سوجھا تو مکہ کے ہٹ دھرم کہنے لگے کہ ہم محمد (ﷺ) کا معجزہ قرآن کو تو جب سمجھتے جب قرآن عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں ہوتا۔ کیونکہ اس وقت یہ بات خود بخود ہو جاتی کہ یہ اللہ ہی کا کلام ہے۔ کیونکہ محمد (ﷺ) تو اس زبان سے واقف نہیں۔ لیکن عربی زبان میں ہونے سے تو ہم بھی سمجھتے ہیں کہ یہ ان کا اپنا بنایا ہوا کلام ہے۔ اللہ کا کلام نہیں ہے۔

اس کے جواب میں فرمایا جارہا ہے کہ اگر ہم اس الزام سے بچنے کے لئے ایسا کر دیتے تو اس وقت اور اعتراض کھڑے ہو جاتے کہ میاں پیغمبر تو عربی اور قوم بھی عربی۔ مگر اس کے لئے جو کتاب لے کر آئے وہ عربی نہیں ہے۔ اس لئے اس کو کیسے سمجھیں۔ ایک حرف بھی ہمارے پلے نہیں پڑتا۔

قرآن کی زبان میں اصل اصول کی رعایت کی گئی ہے:............ یہ کیسی بے جوڑ اور بے تکی بات ہے۔ اس وقت یہ شور اور ہنگامہ مچاتے۔ غرض ایسے لچر اور پوچ اعتراضات اور نکتہ چینیوں کا سلسلہ تو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اصل اصول یہ ہے کہ لانے والے اور جن کے پاس قرآن بھیجا گیا ان کی زبان چونکہ عربی ہے۔ اس لئے قرآن کے لئے اسی ایک زبان کا انتخاب کیا گیا ہے جب اچھی طرح دین کو یہ پہلی جماعت تھام لے گی تو پھر عالم کے لئے اس کے پھیلانے کا کام سہل ہو جائے گا اور تراجم کے ذریعہ دوسری قوموں کی ضرورت بھی پوری ہو سکتی ہے۔

اب رہ گیا قرآن کا معجزہ ہونا سووہ عربیت میں زیادہ واضح ہے بہ نسبت دوسری زبانوں کے۔ کیونکہ تم خود جواہل زبان ہوکھرے کھوٹے کو پرکھنے کا سلیقہ رکھتے ہواس لئے تمہیں جانچ پڑتال کے بعد کھلے گا کہ یہ انسانی کلام نہیں بلکہ فوق البشر کسی قادرالکلام کا کمال ہے۔

اللہ کا کام جیسے بے مثال ہے اس کا کلام بھی بے نظیر ہے:.......... وہ جس طرح اپنے کام میں بے نظیر ہے اپنے کلام میں بھی بے مثال ہے برخلاف دوسری زبان کے اس کا الٹا بھی تمہیں ناواقفیت کے باعث سیدھا ہی معلوم ہوتا۔ اس صورت میں زیادہ خلط ہوجاتا۔ اس لئے ہم نے تمہیں مطمئن کرنا مصلحت سمجھا۔ یہ تجربہ اب تمہارے سامنے ہے کہ یہ کتاب مقدس اپنے اوپر ایمان لانے اور عمل کرنے والوں کو کیسی عجیب ہدایت وبصیرت اور سوجھ بوجھ عطا کرتی ہے اوران کے قرنوں صدیوں کے روگ مٹا کر کس طرح ان کو صحت منداور تندرست بنادیتی ہے۔

ہاں جو دل کے روگ اور جنم کے اندھے ہیں ان کی مثال تو شپرک جیسی ہے۔ جس کی آنکھیں دن کی روشنی اور سورج کی چمک سے چندھیا جاتی ہے۔ ان منکرین کوبھی قرآن کی روشنی میں کچھ نظر نہیں آتا۔ اس میں قرآن کا کیا قصور۔ انہیں اپنی آنکھوں کا علاج کرنا چاہئے۔

یایوں سمجھو جیسے کسی کو دور سے آواز دی جائے تو وہ نہیں سنتا یا کچھ سنتا ہے تو سمجھتا نہیں اور کچھ سمجھتا بھی ہے تو پوری طرح سمجھ نہیں سکتا۔ یہی حال صداقت کے ان بہروں کا ہے۔ قرآن کی آواز یا توان کے دل کے کانوں تک نہیں پہنچتی۔ اور پہنچتی ہے تو سمجھنے سے عاری ہیں۔

ولقد اتینا. آج قرآن سننے والوں کا جو حال ہورہا ہے۔ کبھی تورات سننے والوں کا حال بھی ایسا ہی ہو چکا ہے کہ کچھ نے مانا اور کچھ نے نہیں مانا۔ مگراس اختلاف کا انجام کیا ہوا۔ تم خود اپنا انجام سوچ لو۔ اگر ہم پہلے سے یہ طے نہ کر چکے ہوتے کہ اصل فیصلہ آخرت میں ہوگا تو ہم ابھی تمہیں دکھلا دیتے کہ فیصلہ کیسے ہوتا ہے۔

اصل بات یہی ہے کہ ان کے دلوں میں شکوک وشبہات کے کانٹے چبھ رہے ہیں۔ وہ جب تک نہیں نکلیں گے انہیں سکون میسر نہ ہوگا۔ اب آگے تم سوچ لو۔ ہرآدمی کے سامنے اس کا اپنا عمل آئے گا۔ جیسا کرے گا ویسا ہی بھرے گا۔ جو بوئے گا وہی کاٹے گا۔ نہ کسی کی نیکی ضائع جائے گی اور نہ کسی کی بدی دوسرے پرڈال دی جائے گی۔ اللہ کے ہاں کسی طرح کا ظلم وجور نہیں ہے۔

لطائف سلوک:.......... **ومن احسن قولا**. میں اس طرف اشارہ ہے کہ داعی الی اللہ اور شیخ کو خود بھی باعمل ہونا چاہئے۔ ورنہ ان کی تعلیم وتربیت میں برکت نہیں ہوگی۔

ادفع بالتی ھی احسن اور **مایلقاھا الا الصابرون** اور **واما ینزغنك** ان تینوں آیات کے مجموعہ سے تین باتیں ثابت ہوئیں۔ اول اخلاق کی تعلیم، دوسرے اخلاق میں مجاہدہ کی ضرورت، تیسرے کاملین کے لئے بھی وسوسہ پیش آنا ممکن ہے۔ لیکن اللہ سے پناہ جوئی کی صورت میں وہ مضر نہیں رہتا۔

اور **فاستعذ باللہ** میں اس طرف اشارہ ہے کہ کسی وقت بھی بےفکر نہیں رہنا چاہئے۔ کیونکہ شیطان ظاہر وباطن میں کوئی بھی خرابی پیدا کرسکتا ہے۔ مثلاً: کینہ، حسد، غصہ، ریاوعجب، جھوٹ، گالی، ناحق ماردینا وغیرہ۔ پس اللہ کی پناہ مانگنا ضروری ہے۔ کیونکہ تم خود شیطان کو دفع کرنے پرقادر نہیں ہو۔

ان الذین یلحدون کے مفہوم میں وہ غالی صوفیاء بھی داخل ہیں جو آیات کی غلط تفسیریں کیا کرتے ہیں۔

﴿الحمدللہ کہ پارہ **فمن اظلم** (۲۴) کی تفسیر مکمل ہوئی﴾

اِلَيْـهِ يُـرَدُّ

اَلَيْـهِ يُـرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ مَتٰى تَكُوْنُ لَايَعْلَمُهٗ غَيْرُهٗ وَمَاتَـخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰت وَفِى قِرَاءَةٍ ثَمَرَاتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا اَوْعِيَتِهَا جَمْعُ كِمٍ بِكَسْرِ الْكَافِ اِلَّابِعِلْمِهٖ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّابِعِلْمِهٖ وَيَوْمَ يُنَـادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِ يْ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ اَىْ اَعْلَمْنَاكَ الْاٰنَ مَـامِنَّامِنْ شَهِيْدٍ ﴿۴۷﴾ اَىْ شَاهِدٍ بِاَنَّ لَكَ شَرِيْكًا وَضَلَّ غَابَ عَـنْهُمْ مَّاكَانُوْا يَدْعُوْنَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ قَبْلُ فِى الدُّنْيَا مِنَ الْاَصْنَامِ وَظَنُّوْا اَيْقَنُوْا مَالَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾ مَهْرَبٍ مِنَ الْعَذَابِ وَالنَّفْيُ فِى الْمَوْضَعَيْنِ مُعَلَّقٌ عَنِ الْعَمَلِ وَقِيْلَ جُمْلَةُ النَّفْيِ سُدَّتْ مَسَدَّ الْمَفْعُوْلَيْنِ لَايَسْـئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ اَىْ لَايَزَالُ يَسْأَلُ رَبَّهٗ الْمَالَ وَالصِّحَّةَ وَغَيْرَهُمَا وَاِنْ مَّسَّـهُ الشَّرُّ اَلْفَقْرُ وَالشِّدَّةُ فَيَـئُوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ وَهٰذَا وَمَا بَعْدَهٗ فِى الْكَافِرِيْنَ وَلَئِنْ لَامُ قَسَمٍ اَذَقْنٰهُ اٰتَيْنَاهُ رَحْمَةً غِنًى وَصِحَّةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ شِدَّةٍ وَبَلَاءٍ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِىْ اَىْ بِعَمَلِىْ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ لَامُ قَسَمٍ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّىٓ اِنَّ لِىْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى اَىِ الْجَنَّةُ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾ شَدِيْدٍ وَاللَّامُ فِى الْفِعْلَيْنِ لَامُ قَسَمٍ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ الْجِنْسِ اَعْرَضَ عَنِ الشُّكْرِ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ثَنٰى عِطْفِهٖ مُتَبَخْتِرًا وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِتَقْدِيْمِ الْهَمْزَةِ وَاِذَا مَسَّـهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾ كَثِيْرٍ قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ كَانَ اَىِ الْقُرْاٰنُ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ كَمَا قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَىْ لَا اَحَدٌ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِىْ شِقَاقٍۢ خِلَافٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ عَنِ الْحَقِّ اَوْقَعَ هٰذَا مَوْقَعَ مِنْكُمْ بَيَانًا لِحَالِهِمْ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِنَ النَّيِّرَاتِ وَالنَّبَاتِ وَالْاَشْجَارِ وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ مِنْ لَطِيْفِ الصَّنْعَةِ وَبَدِيْعِ الْحِكْمَةِ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ اَىِ الْقُرْاٰنُ الْحَقُّ الْمُنَزَّلُ مِنَ اللّٰهِ بِالْبَعْثِ وَالْحِسَابِ وَالْعِقَابِ فَيُعَاقَبُوْنَ عَلٰى كُفْرِهِمْ بِهٖ وَبِالْجَائِى بِهٖ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ فَاعِلُ يَكْفِ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ

شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ بَدَلٌ مِنْهُ اَیْ اَوَلَمْ یَکْفِهِمْ فِیْ صِدْقِكَ اَنَّ رَبَّكَ لَایَغِیْبُ عَنْهُ شَیْءٌ مَا **اَلَآ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ** شَكٍّ **مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ** لِاِنْکَارِهِمُ الْبَعْثَ **اَلَآ اِنَّهٗ** تَعَالٰی **بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ** ﴿۵۴﴾ عِلْمًا وَّقُدْرَةً فَیُجَازِیْهِمْ بِکُفْرِهِمْ

ترجمہ: .... قیامت کے علم کا حوالہ خدا ہی کی طرف دیا جاسکتا ہے (اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی؟) اور کوئی پھر (ایک قرأت میں ثمرات ہے) اپنے خول سے باہر نہیں آتا (اکمام۔ کم بکسرالکاف کی جمع ہے۔ بمعنی برتن۔ اللہ ہی کے علم سے نکلتا ہے) اور نہ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور نہ وہ بچہ جنتی ہے، مگر یہ سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے اور جس دن ان کو پکارے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں، وہ کہیں گے کہ ہم آپ سے یہی عرض کرتے ہیں (اب درخواست گزار ہیں) کہ ہم میں سے کوئی بھی دعویدار نہیں ہے (یعنی آپ کے شریک ہونے کا کوئی مدعی نہیں ہے) اور وہ سب غائب (لاپتہ) ہوجائیں گے جن جن کو یہ لوگ پوجا کرتے تھے۔ پہلے سے (دنیا میں رہتے ہوئے یعنی بت) اور یہ لوگ سمجھ لیں گے (جان جائیں گے) کہ ان کے لئے کوئی بچاؤ کی صورت نہیں ہے (عذاب سے چھٹکارہ۔ بس مامنا اور مالهم میں دونوں جگہ نفی، لفظوں میں عمل نہیں کررہی ہے اور بعض کے نزدیک جملہ نفی دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے) انسان کا جی نہیں اکتاتا ترقی کی خواہش سے (یعنی ہمیشہ اللہ سے مال و دولت، صحت و تندرستی وغیرہ مانگتا ہی رہتا ہے) اور اگر اس کو کوئی تکلیف (فکر و تنگی) پہنچتی ہے تو ناامید اور ہراساں ہوجاتا ہے (اللہ کی رحمت سے مایوس، یہ اور اس کے بعد کی آیتیں کفار کے متعلق ہیں) اور اگر (لام قسمیہ ہے) ہم چکھادیں (عنایت کردیں) مزہ اپنی مہربانی (خوشحالی اور تندرستی) کا اس تکلیف (مصیبت اور تنگی) کے بعد جو اس پر واقع ہوئی تھی تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو میرے لئے (میرے کارناموں کی وجہ سے) ہونا ہی چاہئے تھا اور میں قیامت کو آنے والا خیال نہیں کرتا۔ اور اگر (لام قسمیہ ہے) میں اپنے رب کے پاس پہنچایا بھی گیا تو میرے لئے وہاں سے بھی بہتری (جنت) ہے۔ سو ہم ان منکروں کو ان کے سب کرتوت ضرور بتلادیں گے اور ان کو سخت عذاب ہوگا (دونوں فعلوں میں لام قسمیہ ہے) اور جب ہم انسان کو (کوئی بھی آدمی ہو) نعمت عطا کرتے ہیں تو منہ موڑ لیتا ہے (شکر بجالانے سے) اور کروٹ لے لیتا ہے (اتراتے ہوئے پہلو تہی کرنے لگتا ہے۔ ایک قرأت میں تاء کی ہمزہ پہلے ہے) اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی (بکثرت) دعائیں کرنے لگتا ہے۔ آپ کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ یہ (قرآن) اللہ کے یہاں سے اگر آیا ہو (جیسا کہ آنحضرتؐ کا دعویٰ ہے) پھر تم اس کا انکار کرو تو ایسے شخص سے زیادہ کون غلطی میں ہوگا۔ (یعنی کوئی نہیں) جو مخالفت (اختلاف) میں پڑا ہو دور دراز کی (حق سے بعید۔ ممن هو الخ بجائے منکم کے ہے ان کی حالت کا بیان ہے) ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں دکھلائیں گے جہاں بھر کی (آسمانوں اور زمین کے گرد ونواح کی، جیسے: چاند، سورج، ستارے، گھاس پھونس، درخت) اور خود ان کی ذات میں بھی (یعنی بہترین صنعت اور عمدہ حکمت) یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہوجائے گا کہ وہ (یعنی قرآن) حق ہے (اللہ کی طرف سے قیامت، حساب، عذاب کا بیان لایا ہے۔ لہٰذا ان باتوں کے اور ان کو پیش کرنے والے کے انکار پر ان کو سزا ہوگی) کیا آپ کے پروردگار کی یہ بات کافی نہیں ہے (یکف کا فاعل بربک کا ہے) کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے (یہ جملہ بربک کا بدل ہے۔ یعنی کیا آپ کے سچا ماننے کے لئے یہ بات ان کے لئے کافی نہیں کہ آپ کے رب سے کوئی چیز بھی غائب نہیں ہے) یاد رکھو کہ وہ لوگ شک وشبہ میں پڑے ہوئے ہیں اپنے پروردگار کے روبرو جانے سے (قیامت کا انکار کرنے کی وجہ سے) یاد رکھو کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ہر چیز کو احاطہ میں لئے ہوئے (بلحاظ علم وقدرت کے، لہٰذا ان کو ان کی سزا یقیناً دے گا)۔

تحقیق وترکیب: ....من ثمرة اکثر قراء کے نزدیک ثمرة ہے، لیکن نافعؒ، ابن عامرؒ اور حفصؒ کے نزدیک ثمرات ہے۔

یوم ینادی ای اذکر اذناک۔ یعنی آپ کو ہمارے دلوں کی یہ بات معلوم ہوگئی کہ ہم آپ کے لئے شریک نہیں مانتے اپنے دلوں کا حال جاننے کو اپنی طرف نسبت کر دیا کہ گویا ہم نے آپ کو یہ بتلایا، اس توجیہہ کے بعد اب یہ اشکال نہیں رہتا کہ اللہ تو پہلے سے ہی جانتے ہیں۔ پھر ان کو بتلانا اعلام عالم ہے جو محال ہے اور الآن کی قید سے اس طرف اشارہ ہے کہ انشاء مراد ہے اخبار مراد نہیں۔ گویا یہ جملہ لفظاً خبر ہے اور معناً انشائیہ۔

مــن شهيـد ۔ تفسیر میں عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ہم اپنے شاہد ہونے کا انکار کرتے ہیں اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ بت چونکہ غائب ہو گئے، اس لئے ہم ان کے شاہد نہیں رہے اور بعض نے ان کو خود شرکاء کا قول کہا ہے یعنی شرکاء کہیں گے کہ ہم ان کافروں کے برسرِ حق ہونے کی شہادت نہیں دے سکتے۔

مامنا من شهيد اور مالهم من محيص دونوں جگہ مانافیہ ہے اور یہ دونوں فعل آذنا اور ظنوا متعدی بدو مفعول ہیں۔ اس کے دونوں مفعول اور آذنا متعدی بسہ مفعول ہیں اور اس کے مفعول ثانی اور ثالث کے قائم مقام جملہ نفی ہے۔

لایسأم الانسان۔ انسان اگرچہ جنس ہے، لیکن اکثریت میں کفار مراد ہیں۔ کیونکہ رحمت الٰہی سے مایوسی کفر ہے۔

فیئوس قنوط۔ مایوسی بمعنی ناامیدی۔ یہ قلب کی صفت ہے اور چہرے وغیرہ پر اس کے آثار ظاہری کو قنوطیت کہا جاتا ہے۔

لیقولن۔ یہ جواب قسم ہے اور جواب شرط محذوف کے قائم مقام ہے۔

هٰذالی۔ لام استحقاقیہ ہے جس کو مفسرؒ نے بعلمی سے ظاہر کیا ہے۔

واذا انعمنا الخ یہ انسان کی دوسری کوتاہی ہے کہ نعمت کی مستی میں منعم کو بھول جاتا ہے۔

ونا بجانبه ۔ناء بروزن قال ہے۔ لیکن ابن عامرؒ کی قرأت ابن ذکوانؒ کی روایت سے یہ لفظ بروزن رای ہے اور باتعدیہ کے لئے اس لئے بعد جانبه معنی ہو گئے۔

عريض ۔اہل عرب طویل وعریض بول کر کثیر کے معنی لیتے ہیں۔ اطال فلان واعرض فی الدعاء. پس استعارہ تخییلیہ ہو گیا کہ دعا کو مقداری چیز سے تشبیہ دی گئی اور چونکہ طول بہ نسبت عرض کے زیادہ ہوا کرتا ہے اس لئے کسی چیز کے عرض زیادہ ہونے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ طول کس قدر ہوگا۔

ارأيتم. استفہام انکاری ہے اس لئے مفسرؒ نے لااحد کہا ہے۔

مــمن هو فی شقاق ۔ یہ عبارت بجائے منکم ہے۔ چنانچہ بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ موصول کو صلہ کی جگہ گمراہی زیادہ ہونے کے لئے کہا گیا ہے۔

فی الأفاق. افق کی جمع آفاق ہے۔ جیسے: عنق کی جمع اعناق ہے۔ افق آفاق جیسے: علم اعلام یہاں آیات آفاقیہ سے مراد حسی واقعات ہیں۔ جیسے: فتوحات اسلامیہ خواہ وہ اس آیت سے پہلے ہوں یا بعد میں اور ســنــريهـم میں سین استقبالیہ اطلاع دینے کے اعتبار سے ہے نہ کہ بلحاظ وقوع اور عالم کبیر کی آیات کے بعد عالم صغیر یعنی آیاتِ انفسی کا ذکر ہے۔

اولم يكف ۔ ہمزہ کا مدخول محذوف ہے واؤ عاطفہ ہے ای تحزن علی انکارهم ومعارضتهم لک ولم يكف الخ اس میں استفہام انکاری ہے اور با فاعل ومفعول پر زائد ہو سکتا ہے۔

انه علی كل ۔ یہ بدل الکل ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ اتـحـزن علی كفرهم ولم يكفك شهادة ربک

لک وعلیهم مفسرؒ کی رائے پر تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ الم یعتبروا اولم یکفهم شهادة ربک لک بالصدق وعلیهم بالتکذیب لیکن دونوں کا مآل ایک ہی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی صورت میں استفہام انکاری ہے اور دوسری صورت میں تاکیدی ہے اور پہلی صورت میں بدل الکل اور دوسری صورت میں بدل الاشتمال ہے۔

من لقاء ربهم ۔ یعنی انکارِ قیامت زبانی ہے اور چونکہ یہ انکار محض ان کے گمان میں ہے جو دلیل کے خلاف ہے اس لئے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ وہ دل سے قیامت کے جب منکر تھے پھر کیسے ان کو مبتلاء شک کہا گیا۔

الا انه. اس میں آپ ﷺ کو تسلی ہے۔

ربط آیات:............ پہلی آیات میں توحید اور قرآن کے مخالفین کو یوم الوعید کی دھمکی دی گئی تھی۔

آگے آیت الیه یرد الخ سے توحید ورسالت اور قرآن کے منکرین سے ملا جلا خطاب اور کلام ہورہا ہے۔

﴿تشریح﴾:...... **اللہ کا علم ذاتی دلیلِ توحید ہونے کے ساتھ دلیل قیامت بھی ہے۔**........ الیه یرد بڑے سے بڑا پیغمبر یا فرشتہ بھی قیامت کی ٹھیک ٹھیک تعیین نہیں کرسکتا۔ اس کا صحیح ناپ تول صرف اللہ کو معلوم ہے۔ لیکن کسی چیز کے نہ جاننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ چیز موجود ہی نہیں۔ اور ایک قیامت کے علم ہی کی تخصیص کیا۔ اللہ کی وسعت علم کا حال تو یہ ہے کہ کوئی کھجور اپنے گابھے سے اور کوئی دانہ اپنے خوشہ سے اور کوئی میوہ یا پھل اپنے غلاف سے باہر نہیں آتا جس کی خبر خدا کو نہ ہو، اسی طرح جو بچہ عورت اور جانور کے پیٹ سے ہوتا ہے یا جنا جاتا ہے سب کچھ اللہ کے علم میں ہے۔ گویا اللہ کا علم ذاتی صفت کمال ہونے کی وجہ سے جہاں دلیل توحید ہے وہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ دنیا کے نتیجہ کے طور پر جو آخرت کا ظہور اور قیامت کا وقوع ہونے والا ہے اس کا وقت بھی اللہ ہی کو معلوم ہے۔ گویا علم کی صفت ذاتیہ کی نسبت تمام متعلقات کے ساتھ مساوی ہونے کی وجہ سے یہ علم قیامت کی دلیل بھی ہوئی۔

چنانچہ آگے قیامت کے ایک واقعہ کا ذکر ہے جس سے توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال بھی ہورہا ہے۔ کفار سے پکار کے فرمایا جائے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک، اب بلاؤ نا کہاں ہیں؟ وہ عرض کریں گے ہم میں سے کوئی بھی اس کا مدعی نہیں ہے کہ اقبال جرم ہونے کی حیثیت سے اس جرم کا اعتراف کرنے کے لئے تیار ہو، گویا نہایت دیدہ دلیری سے جھوٹ بول کر واقعہ کا انکار کریں گے۔

یا کہا جائے گا کہ چونکہ وہ عالم حقائق ہوگا انہیں اپنے عقیدے کی غلطی منکشف ہوجائے گی اور غلطی کا یہ اقرار ایک طرح سے اضطراری اقرار ہوگیا جس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا یا اس سے نجات کی کچھ توقع کریں گے مگر لاحاصل اور بعض نے شہید کو شاہد کے معنی میں لے کر یہ مطلب لیا ہے کہ ہم سے کوئی اس وقت ان شرکاء کو نہیں دیکھ رہا ہے کہاں غائب ہوگئے اور سمجھ جائیں گے جنہیں دنیا میں خدا کے شریک کی حیثیت سے پکارتے تھے۔ آج ان کا کہیں پتہ نہیں۔ وہ اپنے پرستاروں کی مدد کو نہیں آئے۔ بس جی اب خدا کی سزا سے بچنے کی کوئی سبیل نہیں۔ یہاں وما منا من شهید میں شرکاء کے حاضر ہونے کا انکار بظاہرہ آیت وقیل ادعوا شرکاء کم کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ مگر کہا جائے گا کہ وہ پکارنا فرطِ حیرت اور بدحواسی سے ہوگا، اعتقاد سے نہیں ہوگا اور یہ انکار حق واضح ہوجانے کے بعد ہوگا۔ اب وہ اعتقاد زائل ہوجائے گا یا چونکہ شرکاء نفرت نہیں کرسکیں گے اس لئے اس اقرار پر مجبور ہوں گے۔

انسان کی حرص وطمع لامحدود ہے:............ آگے آیت لایسئم الانسان سے کفر وشرک کی نحوست کا اثر طبیعت انسانی پر بیان فرماتے ہیں کہ جو شخص توحید وایمان سے بے بہرہ ہوجاتا ہے، اس کے عقائد، اخلاق، اعمال سب کا ستیاناس ہوجاتا ہے اور اس کی عجیب کیفیت ہوجاتی ہے۔ دنیا کی ذراسی بھلائی پہنچتی ہے اور کچھ ذرا عیش وآرام نصیب ہوجاتا ہے تو مارے حرص کے چاہتا ہے کہ ساری

دنیا کی بٹورلوں، اس کی طمع کا پیٹ ہی نہیں بھرتا۔ اگر بس چلے تو ساری دنیا کی دولت سمیٹ کر اپنے گھر میں ڈال دے۔ لیکن پھر جہاں ذرا کوئی افتاد پڑی۔ تو پھر مایوس اور ناامید ہوتے بھی دیر نہیں لگتی اور اللہ پر سے اعتماد اور بھروسہ یکسر اٹھ جاتا ہے اور ہمہ تن اسباب کی الٹ پلٹ میں کھو جاتا ہے۔ یہ اس کی انتہائی ناشکری اور اللہ کی بدگمانی اور مشیت الٰہی سے سخت ناگواری کا پہلو ہوتا ہے۔

پھر بالفرض اگر اس مایوسی کے بعد اللہ اپنی مہربانی سے اس کی مصیبت دور کر کے عیش وآرام سے ہمکنار کر دیتا ہے تو پھر اچانک اپنی لیاقت وقابلیت پر نظر چلی جاتی ہے اور کہہ اٹھتا ہے کہ میری تدبیر کا کرشمہ دیکھو کہ کیسی کایا پلٹ کر رکھ دی ہے۔ اسی لائق ہوں۔ یہ میرے ہی ہنر کی دین ہے۔ اب نہ خدا کی مہربانی یاد آتی ہے اور نہ مایوسی کی وہ کیفیت رہتی ہے جو ابھی چند منٹ پہلے اس پر طاری تھی اور اس تازہ عیش میں یہاں تک پھولتا اور بھولتا ہے اور خوشی ومسرت کے اس نشہ میں اتنا مخمور ہو جاتا ہے کہ آئندہ بھی کسی مصیبت کا خطرہ نہیں رہتا اور سمجھ بیٹھتا ہے کہ اب تو ہمیشہ یہی حالت رہے گی اور ایسے میں قیامت کا نام سن لیتا ہے تو بدمستی میں کہہ اٹھتا ہے کہ یہ سب واہیات ڈھکوسلے ہیں۔ قیامت ویامت کہیں نہیں ہے۔

انسان کی خودفریبی: .... اور بالفرض اگر ایسا ہوا بھی تو یار لوگ وہاں بھی مزے اڑائیں گے، یہاں موج کی ہے، کیونکہ اگر اللہ کے نزدیک میں نالائق ہوتا تو یہیں کیوں آرام وعیش ملتی، اس لئے میرے تو وہاں بھی مزے ہی مزے ہوں گے۔ اس طرح قیامت کا انکار انتہائی کفر اور برتقدیر فرض وہاں بھی اپنے لئے بہترائی کی امید، پرلے درجہ کی خودفریبی ہوگی۔

غرضیکہ کفر وشرک کے یہ نتائج وثمرات ہیں اور قلب ونظر کا کھوٹ ہے۔ سو یہ لوگ یہاں جتنا چاہیں خوش ہولیں، مگر وہاں پہنچ کر پتہ لگ جائے گا کہ کس طرح عمر بھر کے کرتوت سامنے آتے ہیں اور کیسی سخت سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

یاس اور دعا میں کوئی منافات نہیں: .... آگے آیت **واذا انعمنا الخ** سے کفر وشرک کے آثار کا تتمہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس نالائق آدمی کی یہ کیفیت رہتی ہے کہ اللہ کی نعمتوں سے لذت اندوز ہوتے وقت تو محسن حقیقی کی شکرگزاری سے کنارہ کش ہو کر خود نعمت میں کھو جاتا ہے اور پھر جب کوئی آفت آنے لگتی ہے تو پھر بے شرمی سے اس خدا کی چوکھٹ پر سر رکھ دیتا ہے اور اس کے آگے ہاتھ پھیلا پھیلا کر لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگ جاتا ہے اور ذرا نہیں شرماتا کہ کس منہ سے اب اس کو پکاروں اور طرفہ یہ کہ اسباب سے مایوسی کے باوجود بھی ایسے میں بدحواسی اور پریشانی میں بے اختیار اسی کی طرف ہاتھ اٹھنے لگتے ہیں۔ گویا دل میں مایوسی مگر زبان پر اللہ کا نام ہوتا ہے۔

یاس و دعا میں جو بظاہر تعارض ہوتا ہے وہ اس تقریر سے صاف ہو گیا۔ کیونکہ یہ دعا التجاء الی اللہ کے طور پر نہیں ہوتی، بلکہ اضطراراً ہوتی ہے۔ جیسے: اکثر عشاقِ دنیا کو دیکھا کہ ناگوار باتوں کے پیش آنے پر ہائے ہلا مچاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں ہائے اللہ! اب کیا کروں۔ ہائے اللہ! اب کیا ہوگا۔ گویا یہ ایک تکیہ کلام ہوتا ہے کہ اللہ کا نام زبان پر چڑھا ہوا ہے۔ ایسے موقعوں پر بے ساختہ نکل ہی جاتا ہے۔ اس میں اختیار کو دخل نہیں ہوتا۔ یا جیسے بچہ کی زبان پر کسی بھی آفت کے وقت ابا اماں کے نام آ جاتے ہیں، وہ اضطراراً آ جاتے ہیں۔ تاہم اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کو پکارنا اور یاد کرنا فطرت انسانیت ہے، مگر افسوس! کہ ناشکرے اس پہلو پر بھی دھیان نہیں دیتے۔

فرماں بردار اور نافرمان کی کیفیات مختلف ہوتی ہیں: .... البتہ ایمان کے آثار، کفر وشرک کے آثار سے بالکل مختلف ہیں۔ مثلاً: حرص اور طمع کا نہ ہونا، اسی طرح ضرر ونقصان کی صورت میں مایوسی اور جزع فزع نہ ہونا، علیٰ ہذا امن وعیش کے حالات

میں کفر وکفران نہ ہوتا۔

غرضیکہ انسان کی طبیعت کا عجیب وغریب نقشہ کھینچ کراس کی کمزوریوں اور بیماریوں پر نہایت مؤثر انداز میں توجہ دلا کر آیت قل ارأیتم الخ میں قرآن اور پیغمبر قرآن کی طرف تلطف آمیز دعوت ہے کہ یہ کتاب جوتمہاری کمزوریوں سے آگاہ کرنے والی اور انجام کی طرف توجہ دلانے والی ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے مان لو کہ خدا کی طرف سے ہے تم اس کو نہ مانو تو دیکھو کہ نقصان کس کا ہے؟ ایسی اعلیٰ نصیحتوں اور حکمتوں سے لبریز کتاب کا یا تمہارا اپنا؟ کم از کم تمہیں اس امکانی پہلو پر ہی غور کر کے اپنے انجام کی فکر کرنی چاہئے تھی۔ مگر تم ہو کہ حق سے ایک دم دور ہوتے چلے جارہے ہو اور نہیں دیکھتے کہ اس سے بڑھ کر نقصان اور خسارہ اور کیا ہوسکتا ہے اور مقدم قطعی کے محتمل ہونے کی صورت میں اگرچہ تالی بھی محتمل ہوتی ہے مگر تالی کا ترتب مقدم پر واجب ہے۔

ایک علمی اشکال کا جواب: .... پس عقلاً اضلال کے احتمال سے بچنا بھی واجب ہے اور وہ وقوف ہے قرآن کے تدبر پر۔ پس واجب کا مقدمہ ہونے کی وجہ سے تدبر بھی واجب ہوا۔ اس لئے قرآن کا انکار جلدی سے نہ کر ڈالو بلکہ سوچ سمجھ سے کام لو، تاکہ تم پر حق واضح ہوجائے اور قرآن کی حقانیت پر دوسرے دلائل تو بجائے خود ہیں۔ ہم تو ان منکروں کو خود ان کی اپنی جانوں میں اور ان کے گردوپیش بلکہ سارے عالم میں اپنی قدرت کے وہ نمونے دکھلاتے ہیں، جن سے قرآن اور پیغمبر قرآن کی حقانیت وصداقت روز روشن کی طرح آنکھوں سے نظر آنے لگے اور اسباب ظاہری کے بالکل برخلاف قرآنی پیشگوئیاں واقعات کے مطابق ہوجائیں۔ پھر تو تم قرآن کو اللہ غیب دان کا کلام مانو گے۔

اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ آیت سے مراد قدرت کی عام نشانیاں ہوں، خواہ وہ انفسی ہوں یا آفاقی۔ جب کہ وہ ان سنن الٰہیہ اور قوانین فطریہ کے موافق ہوں جو اس عالم تکوین میں کارفرما ہیں اور چونکہ ان کا انکشاف دفعتاً نہیں ہوتا، بلکہ وقتاً فوقتاً تدریجاً ہوتا ہے۔ اس لئے سنریھم فرمادیا اور اگر قرآن کی صداقت کوئی نہ بھی مانے تو اکیلے خدا کی گواہی کیا کم ہے، جو ہر چیز پر گواہ ہے اور غور کرنے سے ہر چیز میں اس کی گواہی کا ثبوت ملتا ہے۔ مگر افسوس کہ یہ ابھی تک اسی مغالطہ اور غلط فہمی میں پھنسے ہوئے ہیں کہ خدا کے پاس انہیں حاضر نہیں ہونا ہے۔ حالانکہ اللہ ہر وقت، ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ کوئی چیز بھی ہو، مکانیات یا مکان۔ زمانیات یا زمان سب احاطۂ وجود میں چونکہ داخل ہیں اور وجود حقیقی اللہ ہے۔ پس اللہ کے احاطہ سے کوئی چیز بھی باہر نہیں ہے۔ اور جس طرح زندہ رہتے ہوئے باہر نہیں ہیں اسی طرح فنا ہونے کے بعد بھی ممکنات اس کے احاطۂ قدرت سے باہر نہیں ہیں۔ محالات اور ممتنعات میں گفتگو نہیں ہے کہ وہ دائرہ سے باہر ہیں۔

سُوْرَةُ الشُّوْرٰى

سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ اِلَّا قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ اَلْاٰيَاتُ الْاَرْبَعُ ثَلٰثٌ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **كَذٰلِكَ** اَیْ مِثْلَ ذٰلِكَ الْاِیْحَاءِ **يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَ** اَوْحٰى **اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ** فَاعِلُ الْاِیْحَاءِ **الْعَزِيْزُ** فِیْ مُلْكِهٖ **الْحَكِيْمُ** ﴿۳﴾ فِیْ صُنْعِهٖ **لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ** مِلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا **وَهُوَ الْعَلِيُّ** عَلٰى خَلْقِهٖ **الْعَظِيْمُ** ﴿۴﴾ الْكَبِيْرُ **تَكَادُ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ** بِالنُّوْنِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالتَّاءِ وَالتَّشْدِيْدِ **مِنْ فَوْقِهِنَّ** اَیْ تَنْشَقُّ كُلُّ وَاحِدَةٍ فَوْقَ الَّتِیْ تَلِيْهَا مِنْ عَظَمَتِهٖ تَعَالٰى **وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ** اَیْ مُلَابِسِيْنَ لِلْحَمْدِ **وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ** مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ **اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ** لِاَوْلِيَائِهٖ **الرَّحِيْمُ** ﴿۵﴾ بِهِمْ **وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ** اَیِ الْاَصْنَامِ **اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ** مُحْصٍ **عَلَيْهِمْ** لِيُجَازِيَهُمْ **وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ** ﴿۶﴾ تُحَصِّلُ الْمَطْلُوْبَ مِنْهُمْ مَا عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلَاغُ **وَكَذٰلِكَ** مِثْلَ ذٰلِكَ الْاِیْحَاءِ **اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ** تُخَوِّفَ **اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا** اَیْ اَهْلَ مَكَّةَ وَسَائِرِ النَّاسِ **وَتُنْذِرَ** النَّاسَ **يَوْمَ الْجَمْعِ** اَیْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُجْمَعُ فِيْهِ الْخَلْقُ **لَا رَيْبَ** شَكَّ **فِيْهِ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ** ﴿۷﴾ النَّارِ **وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً** اَیْ عَلٰى دِيْنٍ وَاحِدٍ وَهُوَ الْاِسْلَامُ **وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ وَالظّٰلِمُوْنَ** الْكَافِرُوْنَ **مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ** ﴿۸﴾ يَدْفَعُ عَنْهُمُ الْعَذَابَ **اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ** اَیِ الْاَصْنَامِ **اَوْلِيَآءَ** اَمْ مُنْقَطِعَةٌ بِمَعْنٰى بَلْ الَّتِیْ لِلْاِنْتِقَالِ وَهَمْزَةُ الْاِنْكَارِ اَیْ لَيْسَ الْمُتَّخَذُوْنَ اَوْلِيَاءَ **فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ** اَیِ النَّاصِرُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْفَاءُ لِمُجَرَّدِ الْعَطْفِ **وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ**

قَدِيْرٌ ﴿۹﴾ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ مَعَ الْكُفَّارِ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ مِنَ الدِّيْنِ وَغَيْرِهِ فَحُكْمُهٗٓ مَرْدُوْدٌ اِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ قُلْ لَهُمْ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۱۰﴾ اَرْجِعُ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مُبْدِعُهُمَا جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا حَيْثُ خَلَقَ حَوَّاءَ مِنْ ضِلْعِ اٰدَمَ وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ذُكُوْرًا وَاِنَاثًا يَذْرَؤُكُمْ بِالْمُعْجَمَةِ يَخْلُقُكُمْ فِيْهِ فِي الْجَعْلِ الْمَذْكُوْرِ اَيْ يُكَثِّرُكُمْ بِسَبَبِهِ بِالتَّوَالُدِ وَالضَّمِيْرُ لِلْاَنَاسِيِّ وَالْاَنْعَامِ بِالتَّغْلِيْبِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ اَلْكَافُ زَائِدَةٌ لِاَنَّهٗ تَعَالٰى لَامِثْلَ لَهٗ وَّهُوَ السَّمِيْعُ لِمَا يُقَالُ الْبَصِيْرُ ﴿۱۱﴾ بِمَا يُفْعَلُ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَيْ مَفَاتِيْحُ خَزَائِنِهِمَا مِنَ الْمَطَرِ وَالنَّبَاتِ وَغَيْرِهِمَا يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوَسِّعُهٗ لِمَنْ يَّشَآءُ اِمْتِحَانًا وَيَقْدِرُ يُضَيِّقُهٗ لِمَنْ يَّشَآءُ اِبْتِلَاءً اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا هُوَ اَوَّلُ اَنْبِيَاءِ الشَّرِيْعَةِ وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ هٰذَا هُوَ الْمَشْرُوْعُ الْمُوْصٰى بِهٖ وَالْمُوْحٰى اِلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ التَّوْحِيْدُ كَبُرَ عَظُمَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ مِنَ التَّوْحِيْدِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ اِلَى التَّوْحِيْدِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ يُقْبِلُ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اَيْ اَهْلُ الْاَدْيَانِ فِي الدِّيْنِ بِاَنْ وَحَّدَ بَعْضٌ وَكَفَرَ بَعْضٌ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بِالتَّوْحِيْدِ بَغْيًا مِنَ الْكَافِرِيْنَ بَيْنَهُمْ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ بِتَاخِيْرِ الْجَزَاءِ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِتَعْذِيْبِ الْكَافِرِيْنَ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَهُمُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾ مُوْقِعُ الرِّيْبَةِ فَلِذٰلِكَ التَّوْحِيْدِ فَادْعُ يَا مُحَمَّدُ النَّاسَ وَاسْتَقِمْ عَلَيْهِ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ فِيْ تَرْكِهٖ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ اَيْ بِاَنْ اَعْدِلَ بَيْنَكُمْ فِي الْحُكْمِ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ فَكُلٌّ يُجَازٰى بِعَمَلِهٖ لَا حُجَّةَ خُصُوْمَةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ هٰذَا قَبْلَ اَنْ يُّؤْمَرَ بِالْجِهَادِ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا فِي الْمَعَادِ لِفَصْلِ الْقَضَاءِ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾ اَلْمَرْجِعُ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي دِيْنِ اللّٰهِ نَبِيِّهٖ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ بِالْاِيْمَانِ لِظُهُوْرِ مُعْجِزَتِهٖ وَهُمُ الْيَهُوْدُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ بَاطِلَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الْقُرْاٰنَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِاَنْزَلَ وَالْمِيْزَانَ الْعَدْلَ وَمَا يُدْرِيْكَ يُعْلِمُكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ اَيْ اِتْيَانَهَا قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾ وَلَعَلَّ مُعَلِّقٌ لِلْفِعْلِ عَنِ الْعَمَلِ اَوْ مَا بَعْدَهٗ سَدَّ مَسَدَّ الْمَفْعُوْلَيْنِ يَسْتَعْجِلُ

بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى تَاْتِىْ ظَنًّا مِنْهُمْ اَنَّهَا غَيْرُ اٰتِيَةٍ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ خَائِفُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۗ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ يُجَادِلُوْنَ فِى السَّاعَةِ لَفِىْ ضَلٰلٍ ۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰهُ لَطِيْفٌ ۢ بِعِبَادِهٖ بَرِّهِمْ وَفَاجِرِهِمْ حَيْثُ لَمْ يُهْلِكْهُمْ جُوْعًا بِمَعَاصِيْهِمْ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ مِنْ كُلٍّ مِنْهُمْ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْقَوِىُّ عَلٰى مُرَادِهٖ الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾ اَلْغَالِبُ عَلٰى اَمْرِهٖ

ع ۲ ۲

ترجمہ: .... یہ سورۂ شوریٰ مکیہ ہے۔ بجز آیت قل لا اسئلکم چار آیات کے۔ اس میں ۵۳ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. حٰمٓ عٓسٓقٓ (اس کی حقیقی مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے) اسی طرح (جیسے یہ وحی ہے) آپ پر وحی بھیجتا ہے اور (وحی بھیجی ہے) جو آپ سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ اللہ نے (یہ فاعل ہے ایحاءً کا) جو (اپنے ملک میں) زبردست (کاریگری میں) حکمت والا ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (سب اسی کے قبضہ میں ہیں۔ سب اسی کی مخلوق ہے، سب اسی کے بندے ہیں) اور (اپنی مخلوق میں) وہی سب سے برتر اور عظیم الشان (لائق تعظیم) ہے۔ کچھ بعید نہیں (تا اور یا کے ساتھ ہے) کہ آسمان پھٹ پڑیں (ینفطرن نون کے ساتھ ہے اور ایک قرأت میں تا اور تشدید کے ساتھ ہے) اپنے اوپر سے (یعنی ہر آسمان اوپر والا نچلے آسمانوں پر اللہ کی عظمت کی وجہ سے پھٹ کر گر پڑے) اور فرشتے اپنے پروردگار کی تسبیح وحمد کرتے رہتے ہیں (یعنی اس کی تسبیح حمد پر مشتمل ہوتی ہے) اور اہل زمین (مسلمانوں) کے لئے معافی مانگتے رہتے ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی (اپنے دوستوں کو) معاف کرنے والا (اور ان پر) مہربان ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے (بت) کارساز بنا رکھے ہیں، اللہ ان کی دیکھ بھال (نگرانی) کر رہا ہے (ان کو سزا دے گا) اور آپ کو ان پر کوئی اختیار نہیں دیا گیا ہے (کہ آپ ان کو مطلوب تک پہنچا دیں اور آپ کا کام صرف تبلیغ کرنا ہے) اور اسی طرح (جیسے کہ یہ وحی ہے) ہم نے آپ پر قرآن عربی وحی کے ذریعہ اتارا ہے، تاکہ آپ ﷺ مکہ کے باشندوں کو ڈرائیں (خوف دلائیں) اور آس پاس کے رہنے والوں کو (یعنی مکہ اور تمام دنیا) اور (لوگوں کو) جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں (یعنی قیامت کے دن سے جس میں ساری مخلوق جمع ہو جائے گی) جس میں ذرا تردد (شک) نہیں ہے (ان میں کا) ایک گروہ جنت میں ہوگا اور وہ ایک گروہ دوزخ (کی آگ) میں ہوگا اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ان سب کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا (یعنی سب ایک ہی دین اسلام پر ہوتے) لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں (کافروں) کا کوئی مددگار نہیں (جو ان پر سے عذاب ہٹا سکے) کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے (بتوں کو) کارساز قرار دے رکھا ہے (ام منقطعہ بمعنی بل ہے انتقال کے لئے اور بمعنی ہمزہ انکاری ہے یعنی یہ بناوٹی چیزیں کارساز نہیں ہیں) سو اللہ ہی کارساز ہے (مسلمانوں کا مددگار، اور فاء محض عطف کے لئے ہے) وہی مردوں کو جلائے گا اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور جس جس بات (دین وغیرہ) میں اختلاف کرتے ہو (کافروں سے) اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد (حوالہ) ہوگا (قیامت کے روز وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔ آپ ان سے کہہ دیجئے) یہ اللہ میرا رب ہے میں اسی پر توکل رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع (توجہ) کرتا ہوں، وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (بنانے والا) ہے۔ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے جوڑے بنائے (حوا کو آدم کی پسلی سے پیدا فرمایا) اور مویشیوں کے (نر و مادہ) جوڑے۔ تمہاری نسل چلاتا ہے (یذرء کم ذال کے ساتھ بمعنی یخلقکم) اس کے ذریعہ (مذکورہ طریقہ پر یعنی اسی سبب سے تمہیں پیدا کر کے تمہاری افزائش کر دی اور ضمیر جمع مذکر انسانوں اور چوپاؤں کی طرح تغلیباً راجع ہے) کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے (اس میں کاف زائد ہے کیونکہ خدا کا کوئی مثل ہی نہیں ہے) اور وہی (ہر بات کا) سننے والا (ہر کام کا) دیکھنے والا ہے اسی کے اختیار میں ہیں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں

(یعنی بارش، پیداوار وغیرہ کے ذخیروں کی چابیاں) جس کو چاہتا ہے (آزمائشی طریقہ پر) زیادہ روزی دیتا ہے اور کم دیتا ہے (جس کو چاہتا ہے بطور آزمائش کے کم دیتا ہے) بلاشبہ وہ ہر چیز کا پورا جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ہی دین مقرر کیا ہے۔ جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا (جو پہلی شریعت لانے والے پیغمبر تھے) اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے۔ اور جس کا ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا (یہی حکم شریعت، وصیت اور آنحضرت ﷺ کے وحی ہے یعنی توحید) مشرکین کو وہ بات بڑی گراں (ناگوار) گزارتی ہے جس کی طرف آپ ان کو دعوت دے رہے ہیں (یعنی توحید) اللہ اپنی (توحید کی) طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے اور جو شخص رجوع کرے (اس کی فرمانبرداری کرے) اس کو اپنے تک رسائی دے دیتا ہے اور وہ لوگ باہم متفرق ہو گئے (یعنی اہل مذہب کہ بعض نے توحید برقرار رکھی اور بعض نے کفر اختیار کرلیا) اس کے بعد کہ ان کے پاس علم (توحید) آچکا تھا۔ محض (کافروں کی) آپس کی ضدا ضدی سے اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات (تاخیر عذاب کی) پہلے سے قرار پا نہ چکی ہوتی ایک معین وقت (قیامت) تک کے لئے تو ان کا فیصلہ (دنیا ہی میں کافروں کی سزا کا) ہو چکا ہوتا اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی ہے (یعنی یہود و نصاریٰ) وہ آپ (حضرت محمد ﷺ) کی طرف سے ایسے شک میں پڑے ہوئے ہیں جو تردد (شبہ) میں ڈالنے والا ہے۔ سو آپ اسی (توحید) کی طرف بلائے جائیے (اے محمد! لوگوں کو) اور (اس پر) جمے رہئے جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے اور ان کی خواہشوں پر نہ چلئے (ان کو چھوڑ دینے کے متعلق) اور آپ سنا دیجئے کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں، سب پر ایمان لاتا ہوں اور مجھ کو یہ حکم ملا ہے کہ تمہارے درمیان (فیصلہ کرنے میں) عدل (انصاف) رکھوں۔ اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے۔ ہمارے عمل ہمارے لئے ہیں اور تمہارے عمل تمہارے لئے (ہر آدمی اپنے کئے کا پھل پائے گا) ہماری تمہاری کچھ بحث (لڑائی) نہیں ہے (یہ جہاد سے پہلے کا حکم ہے) اللہ ہم سب کو جمع کرے گا (قیامت کے روز فیصلہ کے لئے) اور اس کے پاس لوٹنا (واپس جانا) ہے اور جو لوگ اللہ کے (دین کے متعلق) جھگڑے نکالتے ہیں (اس کے پیغمبر کے ساتھ) اس کے بعد کہ اس کو قبول کرلیا گیا ہے (ایمان لاکر اس کے کھلے معجزہ کی وجہ سے اور جھگڑا ڈالنے والے یہود ہیں) ان لوگوں کی حجت ان کے پروردگار کے نزدیک (واہیات) ہے اور ان پر غضب ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اللہ ہی ہے جس نے کتاب (قرآن) کو نازل کیا ہے برحق (اس کا تعلق انزل کے ساتھ ہے) اور ترازو (انصاف) کو اتارا ہے اور آپ کو کیا خبر (پتہ) عجب نہیں کہ قیامت (کا آنا) قریب ہے (لعل نے فعل کو ظاہر عمل سے روک دیا۔ یا کہا جائے کہ ان کے دونوں مفعول کے قائم مقام ہے) اس کا تقاضہ کرتے ہیں جو لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے (یہ گمان رکھتے ہوئے کہ قیامت نہیں آئے گی پوچھتے ہیں کہ کب آئے گی؟) اور جو لوگ یقین رکھتے ہیں وہ اس سے ڈرتے (خوف رکھتے ہیں) اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔ یاد رکھو کہ جو لوگ قیامت کے متعلق جھگڑتے (لڑتے مرتے) ہیں وہ بڑی دور کی گمراہی میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے (نیک ہو یا بد۔ کسی کو بھی گناہ کی وجہ سے بھوکا نہیں مارتا) روزی دیتا ہے (ان میں سے ہر ایک کو) جس کو چاہتا ہے اور وہ (اپنے منصوبہ پر) قابو یافتہ زبردست ہے (اپنے کام میں غالب)۔

تحقیق وترکیب: .... حٰمٓ عٓسٓقٓ۔ یہ دونوں لفظ اگر سورت کے دو نام ہیں تو دو آیتیں شمار ہوں گی اور دونوں کا الگ الگ لکھنا بھی اسی وجہ سے ہوگا اور دونوں مل کر ایک ہی نام اگر ہے تو پھر الگ الگ لکھنا اس لئے ہوگا کہ دوسرے حوامیم کے ساتھ موافقت رہے۔

کذٰلک ۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ کاف منصوب ہے مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے اى يوحى ايحاء مثل ذلک الايحاء اور مضارع حکایت حال ماضیہ کے طریقہ پر ہے۔

یتفطرن ۔ایک قرأت یتفطرن اوردوسری قرأت ینفطرن بھی ہے۔
تکاد ۔کی دوقرأتیں مل کر چارقرأتیں نہیں، بلکہ تین قرأتیں ہوتی ہیں۔کیونکہ تکاد کے ساتھ تو یتفطرن کی دوصورتیں ہیں اوریکاد کی صورت میں صرف یتفطرن پڑھاجائے گا۔
من فوقھن ۔مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ ضمیر سمٰوات کی طرف راجع ہے۔یعنی ہراوپروالاآسمان نچلے آسمان پرٹوٹ کرگر جائے اورسب ٹوٹ کرزمین پرآرہیں۔اس صورت میں زیادہ ہیبت وعظمت معلوم ہوتی ہے،لیکن بعض کی رائے میں ضمیر کفاروارض کی طرف بھی راجع ہوسکتی ہے۔
یستغفرون ۔استغفار سے مراد یہاں شفاعت ہےاورمن فی الارض سے مرادصرف مسلمان ہیں اوربعض کی رائے میں عام باشندگان سرزمین مراد ہیں۔چنانچہ بیضاویؒ کاخیال بھی یہی ہے۔
حفیظ. مکمل نگرانی اورچوکسی کرنے والا۔
ام القریٰ ۔مکہ کوام القریٰ۔زمین کاوسط ہونے کی وجہ سے یااول قطعہ یااشرف بقعہ ہونے کی وجہ سے کہا گیا ہے۔مراداہل مکہ ہیں اس معنی کربھی ان کوامّی کہہ سکتے ہیں۔
ومن حولھا ۔مکہ کےاردگرداوراردگرد کےاردگرد،پھرآگےاسی طرح سلسلہ چلاجائےتوساراعالم مرادہوگا۔جس سےآپ کی عموم بعثت ثابت ہوئی اوریہاں چونکہ کفارمخاطب ہیں اس لئےصرف آپ کےوصف نذیرہونے پراکتفا کیاگیاورنہ آپ بشیربھی ہیں۔
لاریب. مستانفہ یایوم الجمع سےحال ہے۔
فریق۔مبتداءاورفی الجنۃخبرہےاورتفصیل کےموقعہ پرنکرہ مبتداءہوسکتاہے۔
یحیی الموتیٰ ۔یعنی مردہ کوجلاناصرف اللہ کی شان ہے۔تاویلات نجمیہ میں ہےکہ مردہ دلوں کوزندہ اورزندہ دلوں کومردہ کردینابھی اس میں داخل ہے۔اورواسطیؒ فرماتےہیں کہ دل تجلّیٔ الٰہی سےزندہ اوراستتار سےمردہ ہوجاتےہیں اورسہلؒ فرماتےہیں کہ بغیرموت کےحیات حاصل نہیں ہوتی۔یعنی نفس کےاوصاف کومارنےسےحیات حاصل ہوتی ہے۔
مااختلفتم ماشرطیہ یاموصولہ متبداءہےمن شیٔ بیان ہےاورفحکمہ الخ خبرہے۔
من انفسکم ای من جنسکم ازواجاً ای نساءً
یذرء کم فیہ. اس میں فی اپنےہی معنی پرہےاورکم ضمیرانسان اورانعام دونوں کی طرف بطورتغلیب ہے۔بقول زمخشریؒ یہ احکام ذات العلتین میں سےہے۔یعنی حاضروغائب میں حاضرکی تغلیب کرلی گئی ہےاورفیہ کی بجائےبہ کہناچاہئےتھا۔مگر اس تدبیرکوتکثیرنسل کامنبع قراردیاگیاہے۔جیسےولکم فی القصاص حیاۃمیں فی لایاگیاہے۔
اوردوسری صورت یہ ہےکہ فی کوبمعنی باءلیاجائےبمعنی سبب اورضمیرفیہ جعل یامخلوق کی طرف راجع کی جائےاوربعض نے ضمیرفیہ کوبطن یارحم کی طرف راجع کیاہےحکماًمذکورہونےکی وجہ سے۔
لیس کمثلہ اس میں لفظ مثل مبالغہ کےلئےایسےہی ہےجیسے: لایفعل مثلک اورلامثل لہ میں ہے۔یعنی کنایہ ذات سےہے،گویاجب مثل سےنفی کردی گئی توذات سےنفی بدرجہ اولیٰ ہوگئی اورکاف تاکید کےلئےزیادہ ہے۔اس لئےاب شبہ نہیں ہوسکتا کہ آیت میں تواللہ کےمثل کےمثل کی نفی کی گئی ہے۔اس سےاللہ کےمثل کی نفی نہیں ہوئی بلکہ اس کاثبوت ہورہاہے۔حالانکہ اللہ کامثل محال ہے،لیکن مفسرؒ نےجواب دےدیاکہ کاف زائدہے،اس لئےمثل کی نفی ہوگئی۔یہ توجیہ سب سےآسان ہے۔ایک جواب یہ بھی

ہوسکتا ہے کہ لفظ مثل زائد ہے۔ لیکن اس میں دو خرابیاں لازم آئیں گے۔ ایک تو اسم کو زائد ماننا، دوسرے کاف کا ضمیر پر داخل ہونا جو شعر کے علاوہ جائز نہیں ہے۔

اسی طرح ایک جواب یہ بھی ہے کہ مثل بمعنی صفت ہے۔ یعنی کوئی چیز اللہ کی صفت جیسی نہیں ہے۔ لیکن دقیق جواب یہ ہے کہ نہ کاف زائد مانا جائے اور نہ مثل بلکہ کلام بطور کنایہ ہو۔ اہل عرب مثل کو نفس کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ جیسے: **مثلک لاینجل یالیس لاخی زیدا خ**۔ پس معنی یہ ہوں گے کہ جب اللہ کے مماثل کا مماثل بھی نہیں تو خود اس کا مماثل کس طرح ممکن ہے۔

نوحا ۔ اکابر انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا گیا، جس کو مستقل دین اور شریعت دی گئی ہے۔ اور حضرت نوح علیہ السلام چونکہ اول شارع ہیں، ان سے پہلے صرف توحید ورسالت اور معاشیات کی تعلیم تھی۔ حتیٰ کہ اختلاف بطن کے ساتھ حقیقی بہنوں سے شادی جائز تھی، کیونکہ ابھی تک دنیا ہی آباد نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے ابتداء آبادی سے متعلق احکام آئے اور جب آبادی بڑھ گئی تو پھر اللہ اور بندوں کے حقوق کا سوال کھڑا ہوا۔ اس لئے شرائع کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں مائیں، بیٹیاں، بہنیں حرام کردی گئیں اور دیانات ومعاملات کے ابواب کھلے اور یہ سلسلہ ترقی پذیر ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ پر شرائع مکمل ہوگئیں۔

ان اقیموا مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ ان تفسیر یہ ہے اور بقول کرخیؒ ان مصدر یہ بھی ہوسکتا ہے۔ محل رفع میں ہے، مبتداء محذوف کی خبر کی وجہ سے ای ھو ان اقیموا یا موصول سے بدل ہونے کی وجہ سے محل نصب میں اور الذین سے بدل مان کر محل جر میں بھی مانا جاسکتا ہے۔

اللہ یجتبی ۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ایک سالک ہوتا ہے جو اپنی محنت ومجاہدہ سے عشق کی گھاٹیاں طے کر کے منزل مقصود تک پہنچتا ہے۔ ارشاد ہے **والذین جاھدوا الخ** اور ایک مجذوب ہوتا ہے جس میں منجانب اللہ جذب وکشش ہوتا ہے۔ وہ خود بخود اس کی طرف کھنچتا ہے۔ اس میں چونکہ شانِ اصطفائیت ومحبوبیت ہوتی ہے اس لئے یہ پہلے سے زیادہ عالی مرتبہ ہوتا ہے۔ الیہ میں الی بمعنی لام ہے۔

کما امرت. خواہ رخصت سے پہلے مرتبہ عزیمت مراد ہے۔ جیسے **اتقوا اللہ حق تقاتہ** ۔ یا رخصت کے بعد تسہیلی احکام مراد ہوں۔ جیسی **فاتقوا اللہ ما استطعتم**

لاعدل ۔ لام بمعنی با ہے اور لام تعلیلیہ بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں امر کا صلہ مقدر ہوگا۔ ای **امرت بالعدل لاعدل بینکم** اور لام زائد مانا جائے تو فا مقدر ہوگا۔

والذین یحاجون ۔ مبتداء اول ہے اور **حجتھم** مبتداء ثانی ہے جس کی خبر **داحضۃ** ہے اور جملہ مل کر پہلے مبتداء کی خبر ہے۔

والمیزان، میزان انصاف کا ذریعہ ہے۔ اس لئے انصاف کے معنی ہیں۔ میزان اتارنے کا مطلب حکم انصاف نازل کرنا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت میزان اتاری گئی اور اوزان کی درستگی پر زور دیا گیا۔

قریب ۔ موصوف مؤنث ہو تو صفت بھی مؤنث ہونی چاہئے۔ مفسرؒ نے اس شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مضاف محذوف ہے اور یہ جواب کہ قریب بروزن فعیل ہے۔ جس میں سب مذکر مؤنث برابر ہوتے ہیں صحیح نہیں۔ کیونکہ فعیل بمعنی فاعل ہے جس میں دونوں برابر نہیں ہوتے اور خطیبؒ نے یہ توجیہ کی ہے کہ ساعت اگرچہ مؤنث ہے، لیکن بمعنی وقت اور بمعنی بعث ہے۔ اس لئے قریب لانا صحیح ہوگیا۔ یا کہ قریب میں نسبت کے معنی لئے جائیں یعنی ذات قرب۔ ان سب صورتوں میں یہ استعمال درست ہوجائے گا۔ مفسر علامؒ دوسری ترکیب یہ بتلا رہے ہیں کہ **یدریک** فعل متعدی ہے۔ جس کے تین مفعول ہیں۔ مفعول اول **کان** ہے اور **لعل الساعۃ** مفعول ثانی اور **قریب** مفعول ثالث ہے۔

لطیف ۔ یہ صفت اگرچہ اللہ کے لئے عموم ثابت کر رہی ہے اور آگے وزن کی تخصیص بظاہر اس کے منافی معلوم ہوتی ہے، لیکن

کہا جائے گا کہ رزق میں مرزوقین کی تخصیص مقصود نہیں، بلکہ حکمت کے مطابق توزیع وتقسیم کا اظہار پیش نظر ہے۔

ربط آیات: .... سورۃ الشوریٰ. چونکہ وامرھم شوریٰ میں مشورہ کا استحسان معلوم ہوا۔ اس لئے یہ سورت اسی نام سے موسوم ہوگئی۔ اس کے مضامین حسب ذیل ہیں۔

۱۔ توحید کا بیان اور شرک کا بطلان۔ جس کے ذیل میں صفاتِ کمالیہ اور افعالِ حکمت کا تذکرہ بھی ہے۔

۲۔ رسالت کی بحث اور اس کے ذیل میں مضامین تسلی بھی ہیں۔

۳۔ بعث وجزا کا بیان اور عذاب میں جلدی مچانے کا جواب مذکور ہے۔

۴۔ دنیا میں انہماک کرنے کی مذمت اور طلب آخرت کی ترغیب ہے۔

۵۔ مسلمانوں کے حسن اعمال اور حسن مآل کا تذکرہ ہے۔ اور اس کے بالمقابل کفار کی بداعمالی اور بدمآلی کا تذکرہ ہے اور یہ سب مضامین متداخل ہیں۔

اس سے پچھلی سورت کے ساتھ بھی ارتباط واضح ہوگیا ہے۔

روایات: .... ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ لیس من نبی صاحب کتاب الاوقد اوحی حٰمٓ عٓسٓقٓ. یعنی توحید ورسالت و بعث یہ تینوں مضامین جو اس سورت کا نچوڑ ہیں وہی سب انبیاء کی مشترک دعوت ہے۔ نیز ابن عباسؓ یتفطرن ای من الثقل فرماتے ہیں۔

امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے آگے سب سے اول جبرئیل علیہ السلام سجدہ ریز ہوئے۔ پھر میکائیل علیہ السلام واسرافیل علیہ السلام وعزرائیل علیہ السلام علی الترتیب اور ان کے بعد دوسرے فرشتے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ بجالائے اور من انفسکم ازواجا کے تحت بقول جمل۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ سجدہ جمعہ کے روز زوال سے عصر تک ہوتا رہا۔ پھر بحالت منام حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے حوا کی تخلیق ہوئی اور حوا کی وجہ تسمیہ یہی ہے کہ انہیں زندہ انسان سے پیدا کیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے دیکھا تو ان کی جانب کشش ہوئی، وہ ہاتھ بڑھانا ہی چاہتے تھے کہ فرشتوں نے روکا کہ پہلے ان کا مہر ادا کرو۔ پوچھا کہ مہر کیا ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ محمد ﷺ پر تین دفعہ صلوٰۃ وسلام۔

نیز مجاہدؒ سے یذرء کم نسلاً بعد نسل منقول ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو پہلے نبی کہنے کی تائید میں حدیث بخاری ہے کہ شفاعت کے سلسلہ میں مخلوق حضرت نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہوکر عرض کرے گی کہ سرزمین پر آپ رسول بن کر آئے تھے۔

کما امرت. اگر تقویٰ اور عبادت کا اعلیٰ مرتبہ مراد لیا جائے تو حدیث شیبتنی ھود واخواتھا میں یہی معنی ہیں کہ آپ کو اس غم وفکر نے بوڑھا بنادیا کہ میں حق ادا نہیں کرسکا۔

ولا تتبع اھوائھم. روایات میں ہے کہ کفار نے خواہش کی تھی کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کیجئے، ایک سال ہم آپ کے خدا کی پرستش کریں گے۔

والذین یحاجون۔ یہود کہا کرتے تھے کتابنا قبل کتابکم ونبینا قبل نبیکم فنحن خیر منکم۔

﴿تشریح﴾: .... کذٰلک یوحی۔ حاصل یہ ہے کہ جس طرح اس صورت میں اعلیٰ مضامین آپ پر وحی کئے جارہے ہیں، اسی طرح دوسری سورتوں اور دوسرے انبیاء کے لئے بھی اللہ کی عادت وحکمت یہی رہی ہے۔ اللہ کی عظمت، شان کو اگر اہل زمین نہ

جانیں نہ مانیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آسمان پر فرشتے اس کثرت سے اس کو ماننے اور جاننے والے ہیں کہ آسمان ان کے بوجھ سے چڑ چڑاتا اور پھٹ پڑنے کے قریب ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ آسمان میں چار انگشت جگہ ایسی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سربسجود نہ ہو یا اللہ کے ذکر کی کثرت کی تاثیر سے یا خود اللہ کی عظمت وجلال سے آسمان کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔

اور بعض نے یہ مطلب لیا ہے کہ کفار کے شرکیہ اور گستاخانہ کلمات سے کچھ بعید نہیں کہ آسمان کی بالائی سطح پھٹ پڑے۔ مگر اللہ کی شانِ عفو ورحمت کے اثر سے آسمانوں کا یہ نظام تھما ہوا ہے۔ اہل زمین کی گستاخیوں کے اثرات کم کرنے کے لئے آسمانی فرشتے خود ان کے حق میں استغفار کرتے رہتے ہیں۔

فرشتوں میں جسم اور ثقل ہوتا ہے: .... فرشتوں کے بوجھ سے آسمانوں کا پھٹ پڑنا بتلا رہا ہے کہ فرشتوں میں ثقل ہوتا ہے اور یہ کچھ مستعبد نہیں ہے۔ کیونکہ فرشتوں کے لئے جسم ہونا تو نصوص سے ثابت ہے اور اجسام میں ثقل ہونا قابل تعجب نہیں۔

رہا یہ شبہ کہ ثقل کی وجہ تو مرکز کی طرف ہوا کرتی ہے اور فرشتوں کا میلان اجسام لطیفہ ہونے کی وجہ سے محیط کی جانب ہونا چاہئے۔

سو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ دونوں باتیں ہی مسلم نہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر کسی جسم کو اس میلان کے خلاف پیدا کر دے تو اس کی نفی کی کیا دلیل ہے۔ دوسرے لطیف اجسام کا میلان محیط کی جانب اس لئے ہے کہ وہ اس کا حیز ہے۔ پس اصل میلان تو حیز کی طرف ہے اور چونکہ ہر آسمان کے فرشتوں کا حیز وہی آسمان ہے جس پر وہ رہتے ہیں۔ اس لئے اس طبعی قاعدہ کی بناء پر ان کا میلان اسی آسمان کی طرف ہوگا اور فرشتے چونکہ آسمانوں کی بالائی سطح پر رہتے ہیں۔ پس اس میلان کا وزن اور اثر آسمانوں کے اوپر ہی ہوگا اور میلان مرکز کی اصطلاح کی رو سے گو اس کو ثقل نہ کہا جائے مگر لغت کے لحاظ سے اس کو ثقل کہا جائے گا۔

استغفار کی برکت سے نظام عالم قائم ہے: .... بہر حال فرشتوں کے استغفار کی برکت سے اللہ نافرمانوں کو ایک وقت تک مہلت دے رہا ہے۔ ورنہ دنیا کا یہ سارا نظام چشم زدن میں درہم برہم ہو جانا چاہئے تھا۔ ویسے معمولی واقعات میں سزاؤں کا ہونا یا آخرت میں اصلی عذاب کا ہونا اس استغفار کے مفہوم سے خارج ہے۔ اس لئے کوئی اشکال نہیں رہتا۔ تاہم دنیا میں مخالفین کو مہلت دینے سے یہ نہ سمجھو کہ وہ ہمیشہ کے لئے بچ گئے۔

اللہ حفیظ علیھم. یعنی ان کے سب اعمال واحوال ہمارے یہاں محفوظ ہیں جو وقت پر کھول دیئے جائیں گے۔ آپ اس فکر میں نہ پڑیئے کہ یہ مانتے کیوں نہیں، اور جب مانتے نہیں تو تباہ کیوں نہیں کر دیئے جاتے۔ یہ آپ کی ذمہ داری نہیں، آپ تو پیغام پہنچا دینے کے ذمہ دار ہیں۔ یہ ہمارا کام ہے، ہم ان کا حساب کتاب وقت پر ضرور چکا دیں گے۔

مکہ زمین کا نقطۂ آغاز ہے: .... مکہ کو ام القریٰ۔ بڑا گاؤں فرمایا۔ اللہ کا گھر وہیں ہے جس کی وجہ سے وہاں عرب کا اجتماع رہتا ہے اور وہی روئے زمین کی پہلی عبادت گاہ ٹھہری۔ بلکہ زمین کا نقطۂ آغاز بھی یہی جگہ ہے جہاں سے زمین پھیلنی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی دعوت وہیں سے شروع ہوئی۔ پھر آس پاس عرب کے دوسرے خطوں میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں پھیل گئی۔ اس سے آپ کی عموم بعثت ثابت ہوتی ہے۔ آپ کے پیغام کا حاصل یہ ہے کہ ایک روز ساری زندگی کا حساب کتاب دینا ہوگا۔ اس کا احساس ویقین پہلے سے ہونا ضروری ہے، کیونکہ سارے انسان اپنے حالات کے لحاظ سے دو حصوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک حصہ جنتی ہوگا اور دوسرا دوزخی۔ اب تم خود سوچ لو کہ تمہیں کس طبقہ میں شامل ہونا ہے اور اس کے لئے کیا تیاری کرنی ہے۔ یوں تو اللہ سب کو ایک راستہ پر ڈال سکتا تھا، لیکن اس کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ شان جمال وجلال نمایاں ہو اور اس کی صفات وکمالات عیاں ہوں،

اس لئے اپنے بندوں کے حالات میں فرق رکھا کہ کسی کو مورد الطاف وعنایات قرار دیا اور کسی کو مستحق تعذیب وسزا گردانا۔

دین و مذہب کا بنیادی پتھر: .... وما اختلفتم میں عقائد واعمال، احکام ومعاملات میں جہاں کہیں بھی اختلاف پڑ جائے اس کا بہترین فیصلہ اللہ ہی کرسکتا ہے۔ بندہ کو چاہئے کہ بلا چوں وچرا اس کے آگے سر تسلیم خم کردے۔ توحید جو اس ساری تعمیر کا بنیادی پتھر ہے، اس کو کسی کے کہنے سننے سے کس طرح ہلایا جاسکتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہر معاملہ میں میرا سہارا وہی ہے، مجھے اسی پر بھروسہ کرنا ہے، کیونکہ سارا جہان اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ انسان کا وجود اور اس کی نسل کا سلسلہ اور مختلف جانوروں کے گلے سب اسی کی رحمت کا پرتو ہیں۔ اللہ کی ذات، صفات، کمالات وافعال اور احکام وفیصلے سب بے مثل ہیں۔ وہ مخلوق کی مماثلت ومشابہت سے بالکلیہ پاک صاف ہے۔ پھر اس تک رسائی کیسے ہو؟ صرف ایک ہی راستہ معرفت کا ہے کہ اس کے کاموں سے اس کے کمالات وصفات کا اندازہ کیا جائے اور کمالات واوصاف ذات کی طرف رہنمائی کریں۔ چنانچہ تمام نعمتوں کے خزانے اور ان کی کنجیاں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ کم وبیش روزی کی تقسیم اس کی حکمت ومصلحت کے سراسر تابع ہے۔

دین و مذہب اللہ کا سب سے بڑا انعام ہے: .... بے شمار حسی نعمتوں کے ساتھ اللہ نے انسان پر ایک غیر معمولی انعام یہ بھی فرمایا کہ اس کی روحانی رہنمائی کے لئے سینکڑوں ہادی اور رہنما وقتاً فوقتاً بھیجے۔ سب سے پہلے شارع حضرت نوح علیہ السلام سے آخری پیغمبر آنحضرت ﷺ تک انسانیت کی ارتقائی مدارج کی رعایت سے مختلف انبیاء شرائع وصحائف لے کر آتے رہے۔ جن میں سے پانچ تو اولوالعزم پیغمبر کہلاتے ہیں۔ اور ان میں بھی تین تو ایسے رہے کہ ہر زمانہ میں ان کے نام لیوا بکثرت پائے گئے۔ حاصل یہ کہ دین سب کا قدر مشترک ایک ہی رہا۔ صرف زمان ومکان کے لحاظ سے حسب مصالح کچھ فرق رہا اور دین کو قائم کرنے کے لئے کچھ طور طریق مختلف ہوئے۔ مگر اصل حقیقت سب جگہ محفوظ رہی اور سب انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کو سختی سے یہی ہدایت رہی کہ دین میں کسی طرح کی تفریق نہ ہونے دیں۔ تاہم دین کی متحدہ دعوت جس کی طرف آنحضرت ﷺ مشرکین کو بلا رہے ہیں وران کے گلے نہیں اتر رہی ہے اور انہیں بالکل انوکھی دکھائی پڑ رہی ہے۔ حالانکہ اس سے پرانی اور متفق علیہ بات اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ مگر ان کی جہالت اور بدبختی کی حد ہوگئی۔

بات دراصل یہی ہے کہ ہدایت، دانائی اور سمجھ سب اللہ کے ہاتھ ہے۔ وہ جسے چاہے چن کر اپنی طرف کھینچ لے اور محض اپنی عنایت سے مقام قرب پر فائز کردے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو لوگ اپنی صلاحیت واستعداد سے اللہ کی طرف جھکیں اور محنتیں کریں وہی ان کو کامیاب کرتا ہے اور اس طرح جذب وسلوک کی یہ دونوں منزلیں اپنی اپنی صلاحیت وقسمت کی رو سے خوش نصیب لوگ طے کرتے ہیں۔

دنیا میں ہمیشہ دو طبقے رہے ہیں: .... وماتفرقوا۔ پھر بھی دین کی پختہ اور متفق علیہ بنیادوں میں جو لوگ رخنے ڈالتے رہے ہیں، وہ کسی غلط فہمی یا شبہ کی بنیاد پر نہیں، کیونکہ اصول دین سے بڑھ کر معقول اور سچی حقیقتیں اور کوئی نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ محض ضد وعناد، غرور نفس، مال ودولت کی محبت، رسم ورواج کی پابندی نے انہیں فریب نفس میں مبتلا کر رکھا ہے۔ شروع میں یہ اختلاف فروعی رہے ہوں گے، مگر بڑھتے بڑھتے اصول تک نوبت جا پہنچی اور پھر جتھہ بندی ہوکر لوگوں نے اپنے اپنے مورچے بنالئے۔ پھر بعد کی آنے والی نسلیں خبط اور الجھنوں میں پھنس کر رہ گئیں اور شکوک وشبہات کی ایسی اونچی دیواریں کھڑی کرلیں کہ ان سے پھلانگنا دوبھر ہوگیا اور آخر کار یہ لوگ دین ہی کو خیرباد کہہ بیٹھے اور اسے ڈھکوسلہ سمجھنے لگے۔ اللہ چاہتا تو یہ سارے اختلاف رونما ہی نہ ہوتے یا ہوتے تو دم کے دم ختم

کر دیئے جاتے، مگر مصلحت خداوندی اور مشیت ایزدی سے انہیں مہلت اور ڈھیل ملی اور عملی فیصلہ ایک معین وقت تک کے لئے ملتوی رکھنا طے کر دیا گیا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو دوٹوک فیصلہ اب بھی ممکن تھا۔

غیر متزلزل عزم اور دنیا کی سب سے پرانی حقیقت: .... بہرحال آپ نہایت استقلال اور مضبوطی کے ساتھ اور غیر متزلزل عزم سے اس اجتماعی دین پر خود بھی جمے رہئے اور دوسروں کو بھی قول وعمل سے مسلسل دعوت دیتے رہیں۔ آپ معاندین کی بالکل پرواہ نہ کریں، بلکہ صاف اعلان کر دیں کہ میں پچھلی کتابوں اور صداقتوں کو جھٹلانے کے لئے نہیں، بلکہ سب کو تسلیم کرنے اور جمانے کے لئے آیا ہوں اور مجھے حکم ملا ہے کہ جو اختلاف تم نے ڈال رکھے ہیں، ان کا منصفانہ فیصلہ کروں اور احکام کی تبلیغ اور مقدمات نمٹانے میں انصاف ومساوات کا اصول قائم رکھوں اور سچائی جہاں بھی ملے اس کو قبول کرلوں اور خدا کی فرمانبرداری خود بھی کروں اور اس کا اطاعت گزار بندہ ہونا ثابت کروں اور تمہیں بھی اسی طرف لے چلوں۔ سب کا رب جب ایک ہے تو ہم سب کو اس کی خوشنودی حاصل کرنی چاہئے۔ تم اگر اس بات کو نہیں مانتے تو میری تمہاری الگ الگ راہ ہے۔ میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکا۔ آگے تم جانو، تمہارا کام جانے۔

ایک دوسرے کے عمل کے جوابدہ نہیں ہے۔ ہر ایک کو نتائج عمل کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اس کے بعد لڑنے جھگڑنے کی اور بات بھی کیا رہ جاتی ہے۔ اللہ کے دربار میں سب کو حاضر ہونا ہے، وہاں ہر ایک کے سامنے آ جائے گا کہ وہ دنیا سے کیا کما کر لایا ہے۔

والذین یحاجون. یعنی دین کی سچائی اتنی کھلنے کے بعد بھی جو لوگ بدستور کٹ حجتی میں لگے رہیں اور وہی مرغے کی ایک ٹانگ ہانکتے رہیں، ان سے بحث ومباحثہ فضول ہے۔ انہیں خدا کے حوالہ کیجئے۔ وہ سخت غضب اور دردناک عذاب کے ساتھ خود نمٹ لے گا۔

اللہ کی میزان عدل وانصاف: .... اللہ الذی انزل. ایک ترازو تو وہ ہوتی ہے جس میں اجسام تلتے ہیں۔ اور ایک ترازو وہ ہوتی ہے جس میں اعراض کا وزن ہوتا ہے۔ حرارت وبرودت کی کمیت وکیفیت معلوم کرلی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ محبت وعداوت پیما آلات بھی ایجاد ہو گئے ہیں۔ جن سے جرائم کی تحقیقات میں بڑی مدد مل رہی ہے۔ لیکن ایک علمی اور اخلاقی ترازو بھی قدرت نے اتاری ہے۔ علمی ترازو انسانی عقل سلیم ہے اور اخلاقی ترازو عدل وانصاف ہیں۔ لیکن ان سب سے بڑی ایک ترازو دین حق کی ہے۔ جس میں خالق ومخلوق اور بندوں کے باہمی حقوق ٹھیک ٹھیک تلتے ہیں، قیامت قائم ہونے پر اس کی مکمل شکل سامنے آ جائے گی۔ اس لئے لوگوں کو چاہئے کہ اپنے اعمال واحوال کو کتاب اللہ کی کسوٹی پر کس کر اور دین حق کی ترازو میں تول کر دیکھ لیں۔ کیا معلوم قیامت کی گھڑی قریب ہی آ لگی ہو۔ پہلے ہی کرلو جو کچھ کرنا ہے۔ پھر موقعہ نہیں رہے گا۔

حقوق العباد اگرچہ کتاب اللہ میں داخل ہیں۔ مگر میزان سے تعبیر کر کے ان کی اہمیت کی طرف اشارہ کرنا ہے اور اس لئے بھی ہے کہ اس کی تصدیق سے کتاب کی طرف رغبت زیادہ ہوگی۔ کہ اس کے ماننے سے تو ہماری دنیوی مصالح کی حفاظت بھی رہے گی۔ ہاں! جن کو قیامت کا یقین نہیں وہ ہنسی ہی اڑاتے رہیں گے۔ ان کا کہنا تو یہی ہے کہ قیامت کہاں ہے؟ کب آئے گی؟ کیا دیر ہے؟ جلدی کیوں نہیں آ جاتی؟ البتہ جن کو اللہ نے ایمان وایقان سے بہرہ ور کیا ہے وہ اس ہولناک گھڑی کے تصور سے بھی کانپتے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں کہ یہ چیز ہونے والی ہے کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی۔ اس لئے وہ اس کی تیاری میں بھی پورے طور پر لگے رہتے ہیں۔ مگر جس کو اس حقیقت کا یقین ہی نہیں وہ اس کی تیاری کیا خاک کرے گا۔ بلکہ جتنا مذاق اڑائے گا اتنا ہی گمراہی کی دلدل میں پھنستا چلا جائے گا۔

خوف اور شوق دوطرح کے ہوتے ہیں:............ خوف وشوق دوطرح کے ہوتے ہیں ایک خوف وشوق طبعی اضطراری دوسرے خوف وشوق اعتقادی اختیاری۔ یہ دونوں طرح جمع بھی ہوسکتے ہیں اور الگ الگ بھی پائے جاسکتے ہیں۔ یہاں آیت میں جس خوف کا ذکر ہے وہ اعتقادی خوف ہے جو دو اعتقادوں کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ ایک قیامت قائم ہونے کا اعتقاد، دوسرے یہ اعتقاد کہ نہ معلوم میرے اعمال رد ہوتے ہیں یا قبول۔ لیکن اگر اس اعتقاد اور اختیاری خوف کی ساتھ کسی کو موت یا قیامت کا شوق بھی غلبہ حال کے درجہ میں پہنچ جائے تو وہ طبعی اضطراری شوق، اعتقادی اختیاری خوف کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔

اسی طرح قبر میں بھی مردہ کا رب اقم الساعۃ کی درخواست کرنا بھی باعث اشکال نہیں۔ کیونکہ برزخ میں زوال خوف کی یقینی بشارتیں سن کر اعمال کے رد ہوجانے کا کھٹکا نہیں رہتا۔ البتہ یہ خوف اور ڈر دنیا میں ہے اور یہ ہیبت امر عقلی ہے۔

اللہ لطیف. یعنی باوجود مخالفین کی تکذیب وانکار کے اللہ کسی کی روزی بند نہیں کرتا۔ بلکہ جس کو جتنا چاہتا ہے دیتا ہے۔ دنیا میں دینا اصول مکافات ومجازات کی رو سے نہیں ہوتا۔ بلکہ قانون حکمت ومصلحت کے پیش نظر ہوتا ہے۔

لطائف سلوک:............ **اللہ** یجتبی. اس میں جذب وسلوک دومرتبوں کی طرف اشارہ ہے اول لفظ سے اول کی طرف اور دوسرے لفظ سے دوسرے کی طرف۔

لنا اعمالنا. اس میں کسی کی اصلاح اور قبول حق سے مایوسی کے وقت کیا جواب ہونا چاہئے۔ اس کی طرف اشارہ ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ بِعَمَلِهٖ **حَرْثَ الْاٰخِرَةِ** اَیْ كَسْبَهَا وَهُوَ الثَّوَابُ **نَزِدْ لَهٗ فِیْ حَرْثِهٖ** بِالتَّضْعِيْفِ فِيْهِ الْحَسَنَةُ اِلٰى عَشْرَةٍ وَّاَكْثَرَ **وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا** بِلَا تَضْعِيْفٍ مَاقُسِّمَ لَهٗ **وَمَالَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ**﴿۲۰﴾ **اَمْ** بَلْ **لَهُمْ** لِكُفَّارِ مَكَّةَ **شُرَكٰٓؤُا** هُمْ شَيَاطِيْنُهُمْ **شَرَعُوْا** اَیِ الشُّرَكَاءُ **لَهُمْ** لِلْكُفَّارِ **مِّنَ الدِّيْنِ** الْفَاسِدِ **مَالَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ** كَالشِّرْكِ وَاِنْكَارِ الْبَعْثِ **وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ** اَیِ الْقَضَاءُ السَّابِقُ بِاَنَّ الْجَزَاءَ فِیْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **لَقُضِیَ بَيْنَهُمْ** وَبَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالتَّعْذِيْبِ لَهُمْ فِی الدُّنْيَا **وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ** الْكَافِرِيْنَ **لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ**﴿۲۱﴾ مُؤْلِمٌ **تَرَى الظّٰلِمِيْنَ** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **مُشْفِقِيْنَ** خَائِفِيْنَ **مِمَّا كَسَبُوْا** فِی الدُّنْيَا مِنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يُّجَازُوْا عَلَيْهَا **وَهُوَ** اَیِ الْجَزَاءُ عَلَيْهَا **وَاقِعٌ بِهِمْ** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَامُحَالَةَ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ** اَنْزَهُهَا بِالنِّسْبَةِ اِلٰى مَنْ دُوْنَهُمْ **لَهُمْ مَّايَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ**﴿۲۲﴾ **ذٰلِكَ الَّذِیْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ** مِنَ الْبَشَارَةِ مُخَفَّفًا وَّمُثَقَّلًا بِهٖ **عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ** اَیْ عَلٰى تَبْلِيْغِ الرِّسَالَةِ **اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى** اِسْتِثْنَاءٌ مُّنْقَطِعٌ اَیْ لٰكِنْ اَسْاَلُكُمْ اَنْ تُوَدُّوْا قَرَابَتِیَ الَّتِیْ هِیَ قَرَابَتُكُمْ اَيْضًا فَاِنَّ لَهٗ فِیْ كُلِّ بَطْنٍ مِّنْ قُرَيْشٍ قَرَابَةٌ **وَمَنْ يَّقْتَرِفْ** يَكْتَسِبْ **حَسَنَةً** طَاعَةً **نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا** بِتَضْعِيْفِهَا **اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ**

لِلذُّنُوبِ **شَكُورٌ** ﴿۲۳﴾ لِلْقَلِيلِ فَيُضَاعِفُهُ **اَمْ** بَلْ **يَقُولُونَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا** بِنِسْبَةِ الْقُرْاٰنِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى **فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ** يَرْبِطْ **عَلٰى قَلْبِكَ** بِالصَّبْرِ عَلٰى اَذَاهُمْ بِهٰذَا الْقَوْلِ وَغَيْرِهٖ وَقَدْ فَعَلَ **وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ** الَّذِىْ قَالُوْهُ **وَيُحِقُّ الْحَقَّ** يُثْبِتُهُ **بِكَلِمٰتِهٖ** الْمُنَزَّلَةِ عَلٰى نَبِيِّهٖ **اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** ﴿۲۴﴾ بِمَا فِى الْقُلُوْبِ **وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ** مِنْهُمْ **وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ** الْمُتَابِ عَنْهَا **وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ** ﴿۲۵﴾ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** يُجِيْبُهُمْ اِلٰى مَا يَسْأَلُوْنَ **وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ** ﴿۲۶﴾ **وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ** جَمِيْعُهُمْ **لَبَغَوْا** جَمِيْعُهُمْ اَىْ طَغَوْا **فِى الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ** بِالتَّخْفِيْفِ وَضِدِّهٖ مِنَ الْاَرْزَاقِ **بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ** فَيَبْسُطُهَا لِبَعْضِ عِبَادِهٖ دُوْنَ بَعْضٍ وَيَنْشَأُ عَنِ الْبَسْطِ الْبَغْىُ **اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌ بَصِيْرٌ** ﴿۲۷﴾ **وَهُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ** الْمَطَرَ **مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا** يَئِسُوْا مِنْ نُزُوْلِهٖ **وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ** يَبْسُطُ مَطَرَهٗ **وَهُوَ الْوَلِىُّ** الْمُحْسِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ **الْحَمِيْدُ** ﴿۲۸﴾ الْمَحْمُوْدُ عِنْدَهُمْ **وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ** خَلْقُ **مَا بَثَّ** فَرَّقَ وَنَشَرَ **فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ** هِىَ مَا يَدِبُّ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ النَّاسِ وَغَيْرِهِمْ **وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ** لِلْحَشْرِ **اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ** ﴿۲۹﴾ فِى الضَّمِيْرِ تَغْلِيْبُ الْعَاقِلِ عَلٰى غَيْرِهٖ

ترجمہ:............جو شخص (اپنے عمل سے) آخرت کا طلب گار ہو (یعنی آخرت کے پھل، ثواب کا) ہم اس کو اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے (ایک نیکی کا دس گنا اور اس سے بڑھ کر صلہ) اور جو دنیا کی کھیتی کا جویا ہوگا تو ہم اس کو کچھ اس میں سے دے دیں گے (اس کا مقررہ حصہ بغیر بڑھائے ہوئے) اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ کیا (ام بمعنی بل) ان (کفار مکہ) کے کچھ شریک (یعنی شیاطین) ہیں جنہوں نے (یعنی شرکاء نے) ان (کفار) کے لئے ایسا (کھوٹا) مذہب مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی (جیسے شرک اور قیامت کا انکار) اور اگر ایک فیصلہ کن بات نہ ہو چکی ہوتی (یعنی یہ طے شدہ تقدیر کہ اصل صلہ قیامت میں ملے گا) تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا (کہ کفار کو دنیا ہی میں سزا دے کر ان کے اور مسلمانوں کے مابین فیصلہ کر دیا جاتا) اور ان ظالموں (کافروں) کو ضرور دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہوگا۔ آپ ان ظالموں کو (قیامت میں) دیکھیں گے کہ ڈر رہے (خوف زدہ) ہوں گے اپنے اعمال سے (دنیا میں جو برائیاں کیں ان پر کہیں سزا ہو جائے) اور وہ (بدلہ) ان پر پڑ کر رہے گا (قیامت میں لامحالہ) اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے (جو اپنے سے کمتر لوگوں کے مقابلہ میں برتر ہوں گے) وہ جس چیز کو چاہیں گے ان کے پروردگار کی طرف سے ان کو ملے گی۔ یہی بڑا انعام ہے یہی ہے جس کی بشارت اللہ دے رہا ہے (یبشر بشارت سے ماخوذ ہے تخفیف و تشدید کے ساتھ) اپنے بندوں کو جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے۔ آپ کہئے کہ میں تم سے (پیغام رسالت پہنچانے پر) اور کچھ مطلب نہیں چاہتا بجز رشتہ داری کے تعلق کے (یہ استثناء منقطع ہے یعنی البتہ میں تم سے یہ چاہتا ہوں کہ تم اس قرابت داری کا خیال رکھو جو ہمارے تمہارے درمیان باہمی قائم ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی رشتہ داری قریش کی تمام شاخوں تک، پھیلی ہوئی تھی) اور جو شخص کوئی نیکی (طاعت) کرے گا ہم اس میں اور خوبی زیادہ کر دیں گے (ثواب بڑھا کر) بلاشبہ اللہ (گناہوں کا) بڑا بخشنے والا بڑا قدردان ہے

(تھوڑے عمل کو بڑھا دیتا ہے) کیا (ام بمعنی بل) یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اللہ پر جھوٹ باندھ رکھا ہے (قرآن کی نسبت اللہ کی طرف کر کے) سواللہ اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگادے (کفار کی اس گفتگو اور دوسری باتوں پر آپ کو صبر دے دے چنانچہ یہ ہوگیا) اور اللہ باطل کو (جو یہ بک رہے ہیں) مٹادیا کرتا ہے اور حق کو اپنے احکام سے (جو اس نے اپنے پیغمبر پر اتارے) ثابت کیا کرتا ہے بلاشبہ وہ دلوں کی باتیں جانتا ہے (جو سینوں میں ہوتی ہیں) اور وہ ایسا ہے کہ (ان میں سے) اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہ گناہوں کو (جن سے توبہ کرلی جائے) معاف فرمادیتا ہے اور وہ جانتا ہے جو تم یہ کرتے ہو (یا اور تا کے ساتھ ہے) اور وہ ان لوگوں کی عبادت قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے (جو دعائیں مانگتا ہے ان کو پورا کرتا ہے) اور اپنے فضل سے اور زیادہ دیتا ہے اور جو لوگ کفر کررہے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اگر اللہ اپنے (سب) بندوں کے لئے روزی فراخ کردیتا ہے تو (سب) شرارت پر اتر آتے دنیا میں لیکن اتارتا ہے (ینزل تخفیف اور عدم تخفیف کے ساتھ ہے مراد روزیاں ہیں) اندازہ سے جتنا چاہتا ہے (چنانچہ اپنے بعض بندوں کے لئے روزی کشادہ کردیتا ہے اور بعض کے لئے نہیں اور کشادہ کرنے سے شرارت پھیلتی ہے) اور وہ اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا ہے اور وہ ایسا ہے جو بارش (مینہ) برساتا ہے لوگوں کے (بارش سے ناامید) مایوس ہوجانے کے بعد اور اپنی رحمت (بارش) پھیلاتا ہے اور وہ کارساز (مؤمنین کا محسن) قابل حمد ہے (ان کے اعتقاد میں) اور منجملہ اس کی نشانیوں کے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے (اور پیدا کرنا) ان جانداروں کا جو اس نے پھیلا رکھے (متفرق کررکھے) ہیں آسمان و زمین میں (دابۃ، انسان وغیرہ جاندار چیزیں جو زمین پر چلتی پھرتی ہیں) اور وہ (محشر میں) ان کو جمع کرلینے پر بھی جب چاہے قادر ہے (جمعهم کی ضمیر میں ذی عقل مخلوق کو غیر ذی عقل پر غالب کرلیا ہے۔)

تحقیق وترکیب: .... حرث. بقول بغویؒ بمعنی کسب اور بقول زمخشریؒ بمعنی رفع ۔ قاموس میں ہے کہ حرث کسب، مال کے جمع کرنے اور کھیتی پیداوار کو کہتے ہیں مجازاً ثواب مراد ہے۔

نؤته منها. اتیاء دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور من تبعیضیہ ہے۔

ام لهم. ام منقطعہ بمعنی بل ہے اور ہمزہ تقریر یا توبیخ کے لئے ہے۔

شرعوا. اس کی اسناد شیاطین وشرکاء کی طرف اسناد مجازی ہے سبب گمراہی ہونے کی وجہ سے۔

مما کسبوا. مفسرؒ نے ان یجازوا کہہ کر تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ای من جزاء ما کسبوا.

وهو واقع. اس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اشفاق اور خوف آئندہ خطرہ کی توقع کو کہا جاتا ہے۔ پھر واقع کیسے کہا گیا۔ جب کہ اول محتمل اور دوسرا یقینی ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ خطرہ کے دور ہونے کی توقع پر انسان اس کے دفعیہ کی کوشش کرتا ہے۔ مگر ناامیدی کی صورت میں محض ڈر ہی ڈر رہ جاتا ہے۔ خطرہ ضرور واقع ہوکر رہتا ہے اس لئے کوشش ترک کردی جاتی ہے۔

فی روضٰت الجنت. انزهها الخ. تفسیری عبارت سے اشارہ ہے کہ جنت میں مختلف مراتب ہوں گے۔ ایمان اور عمل صالح کے مجموعہ پر اعلیٰ مرتبہ اور ایمان بلاعمل پر ادنیٰ درجہ مرتب ہوگا۔

عندربهم. عند مجازیہ ہے اور یشاؤن کا ظرف ہے۔

ذٰلک. یہ مبتداء ہے الذی الخ خبر ہے مفسرؒ نے بہ عائد محذوف نکال دیا ہے اور یہ موصولہ ہونے کی صورت میں ہے البتہ بقول یونسؒ ما مصدریہ کی صورت میں عائد کی ضرورت نہیں رہتی ۔ای ذلک تبشیر الله عباده. ابن عمرؒ، ابن کثیرؒ، حمزہؒ، علیؒ کے نزدیک تخفیف کے ساتھ اور باقی قراءؒ کے نزدیک تخفیف کے ساتھ ہے۔

الا المودة فی القربیٰ:

مفسرینؒ کے تین قول ہیں:۔

ا۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ قریش کے وسط خاندان سے تھے۔جس کی شاخیں سب طرف پھیلی ہوئی تھیں۔آیت میں صلہ رحمی اور قرابت داری کی رعایت کا واسطہ دیا گیا کہ اگر میری پیروی نہیں کر سکتے تو کم از کم خاندانی لحاظ ملاحظہ تو رکھو۔اپنے نفع کی خاطر میرا نقصان تو گوارا نہ کرو۔

۲۔ابن عباسؓ کا دوسرا قول یہ ہے کہ جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ آئے تو آپ ﷺ کا کوئی سہارا نہیں تھا۔حضرت انصارؓ نے جمع ہو کر آپ کے ساتھ کچھ حسن سلوک کیا اور کچھ رقم جمع کر کے پیش خدمت کی۔مگر آپ ﷺ نے اپنی حوصلگی کی وجہ سے اس کو واپس کر دیا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی جس میں انصارؓ کو خطاب ہے۔

۳۔حسنؓ سے اس جملہ کے یہ معنی منقول ہیں کہ قرابتداری اور تعلقات کا اصل اور صحیح مصرف اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔دنیاوی غرض میں اس کا استعمال نہیں ہونا چاہئے۔

الحاصل قربیٰ پہلی صورت میں قرابت بمعنی رحم سے ہے اور دوسری صورت میں بمعنی اقارب ہے اور تیسری صورت میں قرب و تقریب کے معنی میں ہے۔آنحضرت ﷺ کے اہل قرابت بعض کے نزدیک فاطمہ وعلی وحسنینؓ ہیں اور بعض کے نزدیک آل علیؓ، آل عقیلؓ، آل جعفرؓ، آل عباسؓ ہیں۔مفسر علامؒ الا القربیٰ کو استثناء منقطع کہہ رہے ہیں یعنی قل لا اسئلکم الگ ہے اور الا بمعنی لکن ہے اور قرابت صورۃً اجر ہے حقیقۃً اجر نہیں ہے۔

حسنة. بعض کے نزدیک قرابت رسول کی رعایت مراد ہے۔یہ توقیر اگرچہ باعث فضیلت ہے۔لیکن ظاہر حسنہ کو عام لینا ہے۔

شکور قدردان، توبہ قبول کرنے والا، توبہ کی توفیق دینے والا اور بعض کے نزدیک اللہ کی صفت میں اس لفظ کے معنی طاعت کی ہمت، ثواب کی توفیق دینا لئے ہیں۔

یختم علیٰ قلبك. یعنی آپ ﷺ کے دل کو مضبوط کر دینا جس سے آپ ناگوار باتوں پر صبر کر سکیں۔چنانچہ بقول مجاہدؒ یہ وعدہ پورا ہو گیا۔

ویمح اللّٰہ. یہ مستقل جملہ ہے یختم پر عطف نہیں ہے۔کیونکہ باطل کو مٹا دینے کا وعدہ مطلق ہے مشروط نہیں ہے اس لئے لفظ اللہ مکرر لایا گیا ہے۔

ویحق پر رفع آیا ہے اور یمح میں ید ع کی طرح واو گر گیا ہے۔

عن عبادہ. یعنی عن بمعنی من ہے۔

یستجیب. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اس میں سین زائد ہے تاکید فعل کے لئے ہے جیسے تعظم استعظم.

الغیث. قحط سالی کی وجہ سے چونکہ بارش کی طلب ہوتی ہے اس لئے بادل بارش کو غیث کہا جاتا ہے۔

فیھما من دابة. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یہاں بھی تثنیہ سے مفرد مراد ہے۔جیسے یخرج منھما اللؤلوء میں ہے۔ چنانچہ دواب صرف زمین میں ہوتے ہیں۔جیسے کہ موتی صرف دریائے شور سے برآمد ہوتے ہیں۔اگرچہ بعض نے معنی کو اپنے ظاہر پر رکھتے ہوئے کہا ہے کہ اللہ کو قدرت ہے کہ زمین کی طرح آسمانوں میں بھی دواب پیدا کر دے۔جیسے کہ موتی مونگا دریائے شیریں میں بھی نکلتے ہیں۔

ربط آیات: .... پہلی آیات میں منکرین قیامت کی گواہی کا ذکر تھا۔ آیت من کان یرید سے انکار قیامت کی وجہ کا بیان ہے کہ وہ لوگ دنیا پر فریفتہ ہیں اور پھر اس فریفتگی کی برائی اور ان کا جواب ہے۔ بلکہ اس کے برعکس آخرت کی ترغیب کا ذکر ہے۔

اور چونکہ آیت شرع لکم الخ میں دین حق یعنی توحید وغیرہ شریعت الٰہیہ ہونا بیان کیا گیا تھا۔ اس لئے ام لھم شرکاء سے دین باطل کا غیر مشروع ہونا ارشاد فرمارہے ہیں۔

اسی طرح آیت والذین یحاجون میں منکرین کا مستحق عذاب ہونا اور مؤمنین کا مستحق ثواب ہونا بیان ہوا تھا۔ اور آیت من کان یرید میں دنیا کے فریب میں مبتلا ہونے والوں کا ثواب سے محروم ہونا اور مؤمنین کا مستحق ثواب ہونا صراحۃً بیان ہو چکا ہے۔ اس لئے آگے بھی اسی کی تفصیل ہے اور اس مجموعی مضمون کے درمیان وحی کی حقانیت آیت قل لا اسئلکم سے بطور جملہ معترضہ ارشاد ہے۔

اسی طرح آیت ام یقولون افتری سے پھر وحی، توحید و رسالت تینوں مضامین کا اعادہ ہے۔

آیت الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق ابن عباسؓ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ سدیؒ سے منقول ہے کہ یہ آل رسول کے متعلق نازل ہوئی۔ چنانچہ صاحب کشافؒ نے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو آپ ﷺ سے پوچھا گیا۔ **من قرابتک ھو لاء الذین وجبت علینا مودتھم؟ فقال علیؓ وفاطمۃؓ وابناء ھا.** اس سے ان حضرات کی خصوصی تعظیم ثابت ہوئی۔ حتیٰ کہ جاہل تو حضرت علیؓ کو حضرت ابو بکرؓ سے بھی افضل ماننے لگے جو صحیح نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ظاہر آیت سے اس کے مصداق میں عموم ہی معلوم ہوتا ہے۔

ھو الذی یقبل التوبۃ کے ذیل میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک گنہگار حق تعالیٰ کی جناب میں دوبار ہاتھ اٹھا کر التجا کرے گا۔ مگر اس کی طرف التفات نہیں ہوگا۔ تیسری بار ارشاد ہوگا۔ **قد استحییت من عبدی ولیس لہ رب غیری فقد غفرت لہ واستجیب.**

اسی طرح ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ **ما من مسلم ینصب وجھہ للہ فی مسئلۃ الا اعطاہ ایاھا اما ان یعجلھا لہ واما ان ید خرھالہ.**

بغویؒ نے انسؓ سے روایت کی ہے۔ **ان من عبادی من لا یصلحہ الا الغنی ولو افتقرتہ لا فسدت علیہ دینہ وان منھم من لا یصلحہ الا الفقر ولو اغنیتہ لا فسدت علیہ دینہ.**

﴿تشریح﴾: .... من کان یرید یعنی دنیاوی عیش دلیل مقبولیت نہیں ہے اور نہ آخرت کی کامرانی کا باعث ہے۔ بلکہ اصل ضابطہ اور دستور یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں رہ کر آخرت کی کھیتی کا طالب ہوگا۔ یعنی ہر عمل میں اس کی نظر وہاں کے نتائج وثمرات پر ہوگی۔ اس کے لئے آخرت کی نعمتیں ہوں گی اور بڑھ چڑھ کر ہوں گی۔ نیکیوں کا پھل دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زائد ہوگا اور دنیا میں ایمان وعمل کی برکت سے جو انعامات ملیں گے وہ مزید برآں ہیں۔ البتہ جس کی ساری جدوجہد صرف دنیا کے لئے ہوگی۔ اس کے لئے آخرت میں تو یقینی محرومی ہے ہی۔ لیکن دنیا میں بھی اس کے لئے کوئی حتمی وعدہ نہیں ہے۔ قسمت میں ہوگا مل جائے گا ورنہ نہیں۔

یقینی وعدوں پر تو اطمینان نہیں مگر موہوم پر کامل اعتماد ہے: .... مگر لوگوں کا حال عجیب ہے کہ موہوم کے لئے تو جدوجہد یقینی اور یقین کے لئے محض تمنائیں اور خالی آرزوئیں۔ اللہ نے نبیوں کی زبانی آخرت کا راستہ بتلادیا۔ پھر آخر مشرکین نے اس

راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہیں کہاں سے نکالی ہیں۔ اللہ کے علاوہ اور کون ہے جس کو حلال حرام کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ دنیا میں کھول کھول کر حق ناحق کو بیان کر دیا گیا۔ مگر پھر بھی یہ نہیں مانتے تو عملی فیصلہ تو مقررہ وقت پر ہوگا۔ اس کا انتظار کریں سب کرنی سامنے آ جائے گی۔ آج اگر نہیں ڈرتے تو اس وقت ڈریں گے مگر لا حاصل۔ اس سے رہائی کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

والذین امنوا. البتہ جو ایمان دار نیکوکار ہوں گے۔ جنہوں نے دنیا میں ہر قسم کی صعوبتیں دین کی خاطر برداشت کیں۔ وہ آخرت کی جسمانی اور روحانی ہر قسم کی نعمتوں سے لذت آشنا ہوں گے۔ ان کی ہر تمنا ہر آرزو پوری کی جائے گی۔

ذلک الذی. سے جو مضمون بشارت آ رہا ہے۔ چونکہ کفار پوری بات سننے سے پہلے ہی جھٹلا دینے کے خوگر تھے۔ اس لئے بشارت کا مضمون درمیان میں روک کر بطور جملہ معترضہ ان کو ایک دل گداز بات سنائی جا رہی ہے۔

انسانیت وقرابت کا لحاظ کر کے ہی ظلم سے باز آ جانا چاہئے: .... **قل لا اسئلکم.** یعنی جو کچھ آپ ان کی خاطر مشکلات اٹھا رہے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس میں میری کوئی ذاتی غرض نہیں ہے۔ بلکہ صرف لوجہ اللہ تمہیں فلاح کا راستہ بتلا رہا ہوں۔ تم سے اس پر کچھ بدلہ نہیں مانگتا۔ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ کم از کم خاندانی تعلقات کا لحاظ کرتے ہوئے بالکل بے مروتی پر تو نہ اتر آؤ۔ تم میری بات نہیں مانتے نہ مانو۔ میرا دین قبول نہیں کرتے نہ کرو، میری تائید وحمایت میں کھڑے نہیں ہوتے نہ سہی۔ لیکن قرابتداری کا خیال کر کے ظلم پر تو کمر نہ باندھو۔ ہر وقت کی ایذاء رسانی سے باز آ ؤ۔ اتنی تو آزادی دو کہ اللہ کا پیغام پہنچاتا رہوں کیا میں اتنی دوستی اور اتنی محبت وانصاف کا بھی حق دار نہیں ہوں۔ میری دشمنی اور عداوت میں جلد بازی سے کام نہ لو۔ بلکہ ٹھنڈے دل ودماغ سے میری پوری بات سن لو اور اس کو عقل ودلیل کی میزان میں تول لو۔ اگر معقول ہو قبول کر لو۔ کچھ شبہات ہوں تو صاف کر لو اور بالفرض اگر غلط ہو تو مجھے سمجھا دو، راہ پر لے آؤ۔ غرض جو بات ہو وہ خیر خواہی اور خیر اندیشی سے ہو۔ یہ نہیں کہ بے سمجھے فوراً ہی بھڑک اٹھو۔ بلکہ سمجھانے پر بھی خلاف سے باز نہ آؤ۔ آخر رشتہ داری کا کیا فائدہ، جب ایک دوسرے کے اتنا بھی کام نہ آئے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ خالی رشتہ داری پیش نظر ہے اور اس کے بعد ایمان مطلوب نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ لطیف طریقہ سے تدریجی طور پر یہ ایمان ہی کی طرف لے جانے کا راستہ ہے۔

محبت اہل بیت جزو ایمان ہے: .... بعض حضرات نے مودت قربیٰ کے یہ معنی لئے ہیں۔ کہ میں تم سے صرف اس صلہ کا خواہش مند ہوں کہ میرے خویش واقارب کا خیال رکھو۔ اہل بیت کی محبت یقیناً جزو ایمان اور محبت نبوی کا شاخسانہ مگر دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ تفسیر۔ آیت کے شان نزول سیاق وسباق کے مناسب بھی ہے یا نہیں۔ نیز آنحضرت ﷺ کے شایان شان بھی ہے یا نہیں؟

اسی طرح بعض حضرات نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ تم آپس میں ایک دوسرے کی قرابت اور صلہ رحمی کا لحاظ اور خیال رکھو اور باہمی حقوق کی پاسداری کرو۔

اور بعض نے قربیٰ سے مراد قرب خداوندی لیا ہے یعنی ہر کام میں اصل دھیان قرب خداوندی کا ہونا چاہئے کیونکہ محبت الٰہی ہی اصل وظیفہ ہے۔ تاہم راجح تفسیر پہلی ہی ہے۔

ومن یقترف الخ سے پھر وہی قانت مومنین کی بشارت کا تتمہ ارشاد ہے کہ جو شخص بھلائی اور نیکی کا راستہ اپناتا ہے اللہ بھی اس کی بھلائی کو بڑھا دیتا ہے کہ آخرت میں اس کے اجر وثواب میں اضافہ ہوتا ہے اور دنیا میں بھی اسے اچھی خصلت ملتی ہے اور اس کی لغزشیں معاف کر دی جاتی ہیں۔

چار مقدمات استدلال: .... ام یقولون. کفار آپ پر جھوٹا دعوائے نبوت کر دینے کا الزام لگاتے ہیں۔ سوان کی یہ بکواس خود افتراء ہے چار مقدمات کی بنیاد پر۔

اول یہ کہ کسی خارق عادت معجزہ کا آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہونا نہ ہونا دونوں فی نفسہٖ ممکن ہوئے اور اللہ کی قدرت میں ہونے کے لحاظ سے اگرچہ برابر ہیں۔

دوسرے یہ کہ اللہ کی عادت لوگوں کو تلبیس سے بچانے کے لئے یہ ہے کہ وہ سچے کے ہاتھ معجزہ ظاہر کر دیتا ہے اور جھوٹے کے ہاتھ پر ظاہر نہیں کرتا۔ پس آپ کا جھوٹا ہونا اس کو مستلزم ہے کہ آپ کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر نہ ہو۔

تیسرے یہ کہ لازم کا نہ ہونا ملزوم کے نہ ہونے کو مستلزم ہے۔

چوتھے یہ کہ آپ کی زبان سے معجزانہ کلام قرآن ظاہر ہوا ہے۔ پس لازم یعنی معجزہ کے نہ ہونے کی نفی ہوئی۔ اس لئے ملزوم یعنی جھوٹ کی بھی نفی ہوگئی۔ اس طرح آپ کا سچا اور مخالفین کا جھوٹا ہونا ثابت ہوگیا۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ "اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگادے۔" اور فرشتہ آپ کے قلب پر یہ کلام معجزنہ اتار سکے۔ اور وحی کا سلسلہ بند ہوجائے۔

حاصل یہ ہے کہ پہلے مقدمہ کی رو سے اللہ کو یہ قدرت ہر وقت حاصل ہے کہ یہ معجزانہ کلام صادر نہ ہونے دے۔ اور دوسرے مقدمہ کی رو سے عادت الٰہیہ کے مطابق اللہ جھوٹے دعویٰ کو مٹا دیا کرتا ہے۔ جھوٹے کے ہاتھ پر خرق عادت ظاہر ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ احکام تنزیلیہ اور تکوینیہ سے نبوت کے سچے دعویٰ کو ثابت اور غالب کر دیا کرتا ہے۔ اور تیسرا مقدمہ بدیہی اور چوتھا مقدمہ بالکل مشاہد ہے۔

اس سے ثابت ہوگیا کہ آپ سچے اور مخالفین جھوٹے ہیں۔ اس لئے محض ان بدبختوں کی ناقدری اور طعن وتشنیع کی وجہ سے فیضان کا یہ سلسلہ منقطع نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اس کو جاری رکھے گا اور عملی طور پر جھوٹ کو جھوٹ اور سچ کو سچ ثابت کر کے رہے گا۔ اس وقت معلوم ہوجائے گا کہ دل پر اللہ نے مہر لگائی اور کون جھوٹا ہے اور اللہ سے ان کا کوئی حال قال مخفی نہیں۔ حتیٰ کہ وہ دلی منصوبوں سے بھی واقف ہے۔ اس لئے وہ خود ان سے نبٹ لے گا۔

تکوینی احکام سے مراد عادت الٰہیہ ہے اور تنزیلی احکام سے مراد انفسی اور آفاقی دلائل وبراہین ہیں۔ آیت کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں۔ چنانچہ مفسر علامؒ نے اس کو آنحضرت ﷺ کی تسلی پر محمول کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ میں صبر کا مادہ پیدا کردے گا۔ جس سے آپ کا دل ایسا مضبوط ہوجائے کہ ان کی تکالیف کا اس پر اثر ظاہر نہ ہو۔ مگر سیاق وسباق کے مطابق وہی تقریر ہے جو عرض کی گئی ہے۔

توبہ وانابت پر بشارت: .... لیکن جو لوگ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں گے اور مخالفت کی بجائے توبہ وانابت کی راہ اپنائیں گے۔ آیت وھو الذی یقبل سے ان کو بشارت سنائی جارہی ہے کہ نبی تو اپنا کام کر چکے اب آگے تمہارا کام ہے۔ جیسا کرو گے تمہاری استعداد اور کام کے مطابق اللہ تعالیٰ آخرت میں معاملہ فرمائے گا۔ وہ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور کتنی غلطیوں کو جاننے کے باوجود معاف فرمادیتا ہے اور جو ایماندار نیک بندے اس کی سنتے ہیں وہ بھی ان کی سنتا ہے اور اطاعت وعبادت کو قبول کر کے اجروثواب عام ضابطہ سے بڑھ چڑھ کر عنایت کرتا ہے۔ البتہ جو اپنے انکار وکفر پر مرتے دم تک ڈٹے رہیں ان کے لئے سخت ترین سزائیں بھی تیار ہیں۔

دنیا میں نہ سب امیر ہیں نہ سب غریب: .... ولو بسط اللہ الرزق. اللہ کے خزانوں میں اگرچہ کسی چیز کی کمی نہیں۔ وہ چاہے تو سب کو بے اندازہ دولت دے کر غنی بنادے۔ مگر دنیا کو جس نظام پر چلانا منظور ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ غنا عام نہ کی جائے۔ بلکہ ہر ایک کو اس کی استعداد اور احوال کی رعایت سے جتنا مناسب ہو ناپ تول کر دیا جائے اور یہ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کس کے حق میں کیا صورت بہتر اور اصلح ہے۔ کیونکہ سب حالات اسی کے سامنے ہیں۔

غنا کے عام نہ ہونے کی جس حکمت الٰہی کی طرف آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر سرمایہ داری عام ہو جائے اور کہیں بھی فقر نہ رہے۔ تو کسی کو کسی کی احتیاج نہ رہے گی۔ اور ہر طرف بے نیازی ہی بے نیازی عام ہو جائے گی اور احتیاج ہی ایسی چیز ہے جو ہر ایک کو دوسرے سے جوڑے ہوئے ہے۔ کیونکہ لزوم عادی کے طور پر یہ بات طے شدہ ہے کہ کوئی نہ کوئی چیز ایسی ضرور ہوتی ہے۔ جو دوسرے کے پاس نہیں ہوتی۔ پس لامحالہ جس کے پاس چیز نہ ہوگی وہ اس کا محتاج ہوگا۔ جس کے پاس وہ چیز موجود ہے۔ اس احتیاج ہی کی بدولت ایک دوسرے سے وابستگی کا علاقہ رہے گا۔ لیکن اگر غنا اس طرح عام ہو جائے کہ کوئی کسی کا دستگیر نہ ہو تو کوئی کسی کی طرف جھکے گا نہیں۔ بلکہ ہر ایک دوسرے سے بے تعلق ہو کر رہ جائے گا۔ اور اجتماعیت کا سارا شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا اور بغاوت عام ہو کر عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ لیکن بغاوت عامہ کی صورت غناء عام کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ اس کے برعکس اگر فقر عام ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ کسی کے پاس کوئی چیز نہ رہے گی اس میں تکلیف تو سب کو ہو سکتی ہے مگر رغبت کسی کو نہ رہے گی جو جڑ ہے سارے فتنہ وفساد کی اور شاذ ونادر اگر کوئی چیز کسی کے پاس دوسرے کی رغبت کے لائق ہوگی بھی تو بہت کم ہوگی اس لئے بغاوت بھی کم ہوگی۔

بہر حال فقر وحاجت عام ہونے کی صورت میں بغاوت عام نہ ہوگی۔ اگرچہ دوسرے نقصانات ہو جائیں۔ مثلاً: سب بجائے خود ہلاک ہو جائیں اور یہی حکمت ہے فقر کے عام نہ ہونے کی۔ لیکن یہاں جس ضرر کا بیان ہے وہ محض ہے غنائے عام اور بسط عام کے ساتھ اور ہر چند کہ عام بغاوت کا انجام بھی وہی ہے۔ جو فقر عام کا نتیجہ ہے یعنی سب کا ہلاک ہو جانا۔ مگر مر جانا ہلکا ہوتا ہے بہ نسبت مارے جانے کے۔ اس لئے فقر عام کا نقصان بھی غناء عام کے نقصان سے کم ہوگا۔ اور ممکن ہے یہاں اسی لئے غنائے عام نہ ہونے کی حکمت تو بیان کی گئی ہے اور فقر عام نہ ہونے کی حکمت سے تعرض نہیں کیا گیا۔

حاصل یہ ہے کہ نہ سرتا سر سرمایہ داری اور غناء کو عام کیا گیا اور نہ فقر واحتیاج کو بلکہ ملی جلی حالت رکھی۔ تا کہ ایک دوسرے کی وابستگی رہے اور صبر وشکر کا ذریعہ تعلق مع اللہ بھی رہے۔ لیکن یہ تمام تر تقریر عام طبائع کی موجودہ فطرت وروش کے لحاظ سے ہے۔ لیکن اگر طبائع تبدیل کر دی جائیں جیسے: امام مہدی کے زمانہ میں جب کہ برکت عام ہو جائے گی۔ حدیث میں ہے کہ کوئی صدقہ قبول نہ کرے گا۔ یا جنت میں سب کے پاس نعمتیں ہی نعمتیں ہوں گی۔ مگر سلامتی طبع سے سب مگن رہیں گے۔ کوئی ایک دوسرے سے بے تعلق نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر عام طبائع نہ ہوں بلکہ مخصوص طبائع کے حضرات ہوں جیسے انبیاءؑ وصلحاءؒ تو وہاں اگرچہ بسط عام کی صورت میں بغاوت کا سبب موجود ہوگا۔ مگر ان کی سلامتی طبع مانع بھی ہوگی۔ اس لئے بغاوت مرتب نہیں ہو سکے گی۔ کیونکہ محض سبب کا ہونا ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ مانع کا نہ ہونا بھی ضروری ہے۔

انسان کی کوتاہ نظری کا حال تو یہ ہے کہ ذرا بارش میں دیر ہوئی تو بسا اوقات ایک دم مایوس ہو بیٹھتا ہے۔ حالانکہ اللہ اپنی حکمت و مصلحت سے باران رحمت نازل فرما دیتا ہے اور اپنی مہربانی کے آثار و برکات چاروں طرف پھیلا دیتا ہے۔ تا کہ بندوں پر ثابت ہو جائے کہ رزق کے اسباب جس کے قبضہ میں ہیں رزق بھی اسی کے قبضہ میں ہے اور جیسے وہ روزی ہر ایک کو ایک خاص اندازے سے

عنایت فرماتا ہے۔ بارش بھی خاص اندازے سے خاص اوقات میں برساتا ہے۔ کیونکہ سب کام اسی کے اختیار وحکمت سے ہوتے ہیں۔ سارے کمالات وخوبیوں کا سرچشمہ وہی ہے۔ رزق، اس کے اسباب اور ان اسباب کے اسباب خواہ وہ سماویہ ہوں یا زمینی اور اس کے آثار ونتائج سب اسی کی مخلوق ہیں۔ سرتاسر مایوسی تو شیوۂ کفار ہے۔ البتہ ایک مومن کی نظر میں اسباب کا سلسلہ یاس انگیز ہوسکتا ہے۔

وھو الذی. اس میں کلی حالت کا بیان نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی قرینہ کمیت کا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دفعہ مایوسی سے پہلے بھی بارش ہوجاتی ہے اور بعض دفعہ مایوسی ہوجانے کے بعد بھی نہیں ہوتی۔

وما بث فیھما. کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی طرح آسمانوں پر بھی جانوروں کی قسم سے کوئی مخلوق پائی جاتی ہے۔ پس جس ذات نے مخلوق کو سارے عالم میں بکھیرا ہے وہی قیامت میں سب کو اکٹھا کرے گا اور جانوروں کے زمین وآسمان میں ہونے کی دوسری توجیہ وہ ہے جو مفسرؒ نے بیان کی ہے یعنی مجموعہ میں تحقیق کے لئے ایک جزو میں بھی تحقق کافی ہوتا ہے۔ ہر ہر جزو میں تحقق ضروری نہیں۔ یہ دونوں توجیہات تو **دابہ** کو حقیقی معنی لینے کی صورت میں تھیں۔ اگر مجاز اً ذی روح مراد لی جائے تو ظاہر ہے کہ فرشتے بھی ذی روح ہوتے ہیں۔

لطائف سلوک: .... **ام لھم شرکاء**. اس میں شرک اور بدعت دونوں پر رد ہے۔

قل لا اسئلکم. سے معلوم ہوا کہ شیخ ومرشد کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے اعزاء وقرابتداروں سے محبت وتعلق ہو۔ کیونکہ جب شیخ سے محبت ہوگی تو اس کے اقارب سے قربت ہوگی۔

ترمذی میں حدیث مرفوع ہے۔ **احبوا اھل بیتی لحبی** اور فرمایا۔ کہ **ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی**.

فان یشاء اللہ یختم علیٰ قلبك. یعنی بالفرض آپ کی زبان مبارک سے ناحق بات نکلے تو ہم آپ کے دل پر مہر کردیں گے۔ شیخ شبلیؒ نے جب امام سے نماز میں یہ آیت سنی۔ تو غلبہ حال میں اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور کہنے لگے۔ اچھے لوگوں سے اس طرح خطاب ہورہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ احوال سلب ہوجانے سے ہروقت ڈرتا رہے۔

ولو بسط اللہ اسی طرح بعض اوقات سالک کے لئے بسط مضر ہوتا ہے اور قبض مفید۔ تو اس کو مغموم نہیں ہونا چاہئے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ خِطَابٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ **مِّنْ مُّصِيْبَةٍ** بَلِيَّةٍ وَشِدَّةٍ **فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ** اَیْ كَسَبْتُمْ مِنَ الذُّنُوْبِ وَعَبَّرَ بِالْاَيْدِیْ لِاَنَّ اَكْثَرَ الْاَفْعَالِ تُزَاوِلُ بِهَا **وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ** ﴿۳۰﴾ مِنْهَا فَلَا يُجَازِیْ عَلَيْهِ وَهُوَ تَعَالٰی اَكْرَمُ مِنْ اَنْ يُّثَنِّیَ الْجَزَاءَ فِی الْاٰخِرَةِ وَاَمَّا غَيْرُ الْمُذْنِبِيْنَ فَمَا يُصِيْبُهُمْ فِی الدُّنْيَا لِرَفْعِ دَرَجَاتِهِمْ فِی الْاٰخِرَةِ **وَمَآ اَنْتُمْ** يَامُشْرِكِيْنَ **بِمُعْجِزِيْنَ** اللّٰهَ هَرْبًا **فِی الْاَرْضِ** فَتَفُوْتُوْنَهٗ **وَمَالَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَیْ غَيْرِهٖ **مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ** ﴿۳۱﴾ يَدْفَعُ عَذَابَهٗ عَنْكُمْ **وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ** السُّفُنُ **فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ** ﴿۳۲﴾ كَالْجِبَالِ فِی الْعِظَمِ **اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ** يَصِرْنَ **رَوَاكِدَ** ثَوَابِتَ لَاتَجْرِیْ **عَلٰی ظَهْرِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ** ﴿۳۳﴾ هُوَ الْمُؤْمِنُ يَصْبِرُ فِی الشِّدَّةِ وَيَشْكُرُ فِی الرَّخَاءِ **اَوْ يُوْبِقْهُنَّ** عَطْفٌ عَلٰی يُسْكِنْ اَیْ يُغْرِقْهُنَّ بِعَصْفِ الرِّيْحِ بِاَهْلِهِنَّ **بِمَا كَسَبُوْا** اَیْ اَهْلُهُنَّ مِنَ الذُّنُوْبِ

وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ ﴿۳۴﴾ مِنهَا فَلَا يُغْرِقُ اَهْلَهُ **وَّيَعْلَمَ** بِالرَّفعِ مُستَانِفٌ وَبِالنَّصبِ مَعطُوفٌ عَلَى تَعلِيلٍ مُقَدَّرٍ اَى يُغرِقُهُم لِيَنتَقِمَ مِنهُم وَيَعلَمَ **الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِيْ اٰيٰتِنَا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيصٍ** ﴿۳۵﴾ مَهرَبٍ مِنَ العَذَابِ وَجُملَةُ النَّفيِ سُدَّتْ مَسَدَّ مَفعُولَي يَعلَمُ وَالنَّفيُ مُعَلِّقٌ عَنِ العَمَلِ **فَمَآ اُوْتِيتُمْ** خِطَابٌ لِلمُؤمِنِينَ وَغَيرِهِم **مِّنْ شَيْءٍ** مِن اَثَاثِ الدُّنيَا **فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** يَتَمَتَّعُ بِهِ فِيهَا ثُمَّ يَزُولُ **وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ** مِنَ الثَّوَابِ **خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِينَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ** ﴿۳۶﴾ وَيُعطَفُ عَلَيهِ **وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ** مُوجِبَاتِ الحُدُودِ مِن عَطفِ البَعضِ عَلَى الكُلِّ **وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ** ﴿۳۷﴾ يَتَجَاوَزُونَ **وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ** اَجَابُوهُ اِلَى مَادَعَاهُم اِلَيهِ مِنَ التَّوحِيدِ وَالعِبَادَةِ **وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ** اَدَامُوهَا **وَاَمْرُهُمْ** الَّذِي يَبدُو لَهُم **شُوْرٰى بَيْنَهُمْ** يُشَاوِرُونَ فِيهِ وَلَا يُعجِلُونَ **وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ** اَعطَينَاهُم **يُنْفِقُوْنَ** ﴿۳۸﴾ فِي طَاعَةِ اللّٰهِ وَمَن ذُكِرَ صِنفٌ **وَالَّذِينَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ** الظُّلمُ **هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ** ﴿۳۹﴾ صِنفٌ اَى يَنتَقِمُونَ مِمَّن ظَلَمَهُم بِمِثلِ ظُلمِهِ كَمَا قَالَ تَعَالَى **وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا** سُمِّيَتِ الثَّانِيَةُ سَيِّئَةً لِمُشَابَهَتِهَا لِلاُولَى فِي الصُّورَةِ وَهٰذَا ظَاهِرٌ فِيمَا يُقتَصُّ فِيهِ مِنَ الجِرَاحَاتِ قَالَ بَعضُهُم وَاِذَا قَالَ لَهُ اَخزَاكَ اللّٰهُ فَيُجِيبُهُ اَخزَاكَ اللّٰهُ **فَمَنْ عَفَا** عَن ظَالِمِهِ **وَاَصْلَحَ** الوُدَّ بَينَهُ وَبَينَهُ بِالعَفوِ عَنهُ **فَاَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ** اَى اَنَّ اللّٰهَ يَاجُرُهُ لَامُحَالَةَ **اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِينَ** ﴿۴۰﴾ اَى البَادِئِينَ بِالظُّلمِ فَيَتَرَتَّبُ عَلَيهِم عِقَابُهُ **وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ** اَى ظُلمِ الظَّالِمِ اِيَّاهُ **فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيلٍ** ﴿۴۱﴾ مُؤَاخَذَةٍ **اِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ** يَعمَلُونَ **فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ** بِالمَعَاصِي **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿۴۲﴾ مُؤلِمٌ **وَلَمَنْ صَبَرَ** فَلَم يَنتَصِر **وَغَفَرَ** تَجَاوَزَ **اِنَّ ذٰلِكَ** الصَّبرَ وَالتَّجَاوُزَ **لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ** ﴿۴۳﴾ اَى مَعزُومَاتِهَا بِمَعنَى المَطلُوبَاتِ شَرعًا

ترجمہ: .... اور تمہیں (مسلمانو) جب مصیبت (بلا اور شدت) پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کی وجہ سے ہوتی ہے (یعنی تم نے جو گناہ کئے ہوئے ہیں اور اکثر کام چونکہ ہاتھ سے کئے جاتے ہیں اس لئے ہاتھوں ہی کی طرف نسبت کردی) اور بہت سے کاموں سے تو وہ درگزر کردیتا ہے (کہ ان پر دنیا میں سزا نہیں دیتا اور پھر آخرت میں ان پر سزا دینا اسکے کرم سے بعید ہوگا۔ البتہ بے قصور لوگوں کو دنیا میں جو مصیبتیں پیش آتی ہیں ان سے ان کے اخروی درجات بلند کرنے مقصود ہوتے ہیں) اور (اے مشرکین!) تم (اللہ کو) زمین میں ہرا نہیں سکتے (کہ اس سے بچ نکلو) اور اللہ کے سوا (علاوہ) تمہارا کوئی بھی حامی و مددگار نہیں ہے (جو تمہیں اس کے عذاب سے بچا سکے) اور منجملہ اس کی نشانیوں کے جہاز (کشتیاں) ہیں سمندر میں پہاڑ جیسے (پہاڑ برابر بڑے وہ اگر چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے تو وہ کھڑے کے کھڑے (ٹھہرے ہوئے) رہ جائیں سطح سمندر پر، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر صابر شاکر کے لئے (مومن

مراد ہیں جو مصیبت میں صبر اور عیش میں شکر ادا کرتے ہیں) یا ان جہازوں کو تباہ کردے (اس کا عطف یسکن پر ہے یعنی ہواؤں کے جھکولوں سے جہازوں کو سواروں سمیت غرق کردے) ان کے اعمال کی وجہ سے (سواروں کے گناہوں کے باعث) اور بہت سے لوگوں سے درگذر کردے (ان کو غرق نہ کرے) اور معلوم ہونا چاہئے (یعلم رفع کے ساتھ مستانفہ ہے اور نصب کی صورت میں علت مقدر پر معطوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی یغرقهم لينتقم منهم ويعلم) ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں میں جھگڑا نکالتے رہتے ہیں کہ ان کے لئے بچاؤ نہیں (عذاب سے چھٹکارا۔ اور جملہ نفی یعلم کے دونوں مفعولوں کے بجائے ہے یا حرف نفی کالفظوں میں عمل نہیں ہے) سو تمہیں (مسلمانوں اور دوسروں کو خطاب ہے) جو کچھ (دنیا کا ساز وسامان) دیا دلایا گیا ہے وہ محض دنیاوی زندگی میں برتنے کے لئے ہے (نفع اٹھانے کے بعد سب فنا ہو جائے گا) اور جو اللہ کے یہاں (ثواب) ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر ہے اور زیادہ پائیدار وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لے آئے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں (اگلے جملہ کا اس پر عطف ہے) اور جو کہ بچتے ہیں کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے (جن پر شرعی حد واجب ہوجاتی ہے یہ بعض کا کل پر عطف ہے) اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف (درگذر) کردیتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا حکم مانا (توحید وعبادت کی دعوت کو قبول کرلیتے ہیں) اور نماز کے پابند ہیں (مستقل نمازی ہیں) اور ان کا ہر کام (جو انہیں درپیش ہوتا ہے) آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے (باہمی صالح مشورہ کرتے ہیں جلدی بازی سے کام نہیں لیتے) اور ہم نے جو کچھ عطا کیا (دیا) ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں (اللہ کی راہ میں۔ جن لوگوں کا ذکر ہوا یہ ایک قسم ہے) اور جو لوگ ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں (یہ دوسری قسم ہوئی۔ یعنی جو شخص ان پر ناانصافی کرتا ہے تو وہ اس سے اتنا ہی انتقام لیتے ہیں جیسا کہ آگے ارشاد ہے) اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی سے ہونا چاہئے (بدلہ کو برائی کہنا اس لئے ہے کہ صورت شکل میں پہلی برائی جیسا ہوتا ہے اور صورۃً یہ مشابہت ان زخموں میں ظاہر ہے جن میں قصاص کا حکم ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ اگر کوئی اخزاک اللہ کہے تو اس کے جواب اخزاک اللہ کہنے کی اجازت ہے) پھر جو شخص معاف کردے (ظالم کو) اور اصلاح کرلے (معاف کرتے ہوئے باہمی محبت بحال کرلے) تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے (یعنی ضرور اللہ اس کو اجر عطا فرمائے گا) واقعی ظالموں سے اللہ کا تعلق نہیں ہے (یعنی ظلم کی ابتداء کرنے والے کہ وہ مستحق سزا ہو جاتے ہیں) اور جو اپنے اوپر (ظالم کا ظلم) ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے۔ سو ایسے لوگوں پر کوئی الزام (اعتراض) نہیں الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور سرکشی پھیلاتے (کرتے) ہیں زمین میں ناحق (شرعاً غلط طریقہ پر) ایسوں کے لئے دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہے اور جو شخص صبر کرلے (بدلہ نہ لے) اور معاف کردے (درگزر کرے) یہ (صبر اور معافی) البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے (یعنی لائق عزیمت ہے اس معنی کر کہ شرعاً مطلوب ہے۔)

تحقیق وترکیب: ....الجوار. بظاہر یہ وہم ہوسکتا ہے کہ یہاں موصوف محذوف ہوگا۔ حالانکہ جری ان صفات میں سے نہیں ہے جو موصوف کے ساتھ خاص ہوتے ہیں۔ اس لئے حذف محذوف جائز نہیں ہوگا۔ مفسر علامؒ نے اسی شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ صفت پر اسمیت غالب آجانے کی وجہ سے صفت قائم مقام موصوف کے نہیں ہوا کرتی۔ جیسے: ابرق، ابطح، اجرع میں ہے ورنہ موصوف کا حذف کرنا جائز ہوتا ہے۔ اس لئے جوار کی تفسیر سفن کے ساتھ ہے اور السفن الجاریہ نہیں کہا۔

فيظللن. اصل معنی تو يمضين النهار ہیں۔ لیکن يصرن کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ گویا دن رات میں کسی چیز کا ہونا مراد ہے۔

صبار شکور. ایمان کا نصف حصہ صبر ہے اور نصف شکر۔ دونوں مل کر ایمان کامل ہوتا ہے۔

يوبقهن. سکون ریح کی قید احترازی نہیں ہے اتفاقی ہے کیونکہ کشتی اور اسباب سے بھی غرق ہوسکتی ہے جیسے ٹوٹ جائے یا

پانی بھر جائے۔

مالهم من محيص. مالهم خبر مقدم اور من محيص مبتداء مؤخر ہے من زائد ہے دوسری صورت یہ ہے کہ افعال قلوب کی خاصیت کے اعتبار سے کہا جائے کہ ما نافیہ میں تعلیق ہے یعنی لفظاً عمل معطل ہوگیا ہے۔ جس کے لئے شرط یہ ہے کہ استفہام اور نفی اور لام ابتداء سے پہلے ما ہو اور یعلم میں یہ شرط پائی جارہی ہے۔

فما اوتيتم. اس میں ما شرطیہ محل نصب میں ہے اوتيتم کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے اور مفعول اول ضمیر ہے جو قائم مقام فاعل کے ہے اور مفعول ثانی صدارت کا کلام کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے اور من شئى بیان ہے ماء کا۔

فمتاع. جواب شرط ہے ای هو متاع اور ماعندالله مبتداء ہے اور خير خبر ہے اور للذين متعلق ہے ابقى کے۔

يتو كلون. توکل کا ایک درجہ تو واجبی اور ضروری ہے کہ نفع بخش اور ضرر رساں صرف اللہ کو مانا جائے اور ایک درجہ خصوصیت اور کمال ایمان کا ہے کہ تمام امور اللہ کے حوالہ کردیئے جائیں۔

والذين يجتنبون. اس کا عطف اگر للذين آمنوا پر ہے تب تو محل جر میں ہے ورنہ مدح کے اعتبار سے منصوب یا مرفوع بھی ہوسکتا ہے۔

كبائر الاثم والفواحش. کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر شرعی وعید آئی ہو۔ اور فواحش جن پر حد شرعی قائم کی جائے یہ عطف خاص علی العام ہے۔

اذا ما غضبوا. یہ مبتداء خبر سے مل کر جزائے شرط ہے۔ ای هم الاحقاء بالغفران عند الغضب.

استجابوا. اس میں سین، تا زائد ہیں۔

وامرهم شورىٰ. شوریٰ مصدر ہے جیسے بشریٰ شرکت فی الرای کو کہتے ہیں۔ اصل میں شہد کی مکھیوں کا شہد نکالنا اور شہد جمع کرنا شوریٰ کے معنی میں ہے۔

جزاء سيئة سيئة. برائی کا بدلہ اگرچہ فی الواقع برائی نہیں ہے مگر مشاکلت ومشابہت کی وجہ سے اس کو بطور استعارہ سیئہ کہہ دیا گیا۔ تمام وہ جنایات جن میں قصاص آتا ہے ان میں یہ آیت ظاہر ہے۔ البتہ مجاہدؒ اور سدیؒ برے بھلے الفاظ کو بھی اس میں داخل کرتے ہیں۔

فمن عفى. یعنی چونکہ بدلہ میں پوری یکسانیت اور برابری ضروری ہے اور وہ نہایت مشکل ہے اس لئے عفو درگذر ہی بہتر ہے۔ چنانچہ فا لانے میں یہی نکتہ ہے اور اصلاح بھی چونکہ تتمہ عفو ہے اس لئے اس میں بھی ترغیب کا پہلو ہے۔

اجره على الله. اس کو مبہم لانے میں مبالغہ ہے۔

الظالمين. حدیث میں ہے البادی اظلم چنانچہ بطور شرعی بدلہ کے ظلم نہیں ہوگا۔

لمن انتصر. لام ابتدائیہ اور من شرطیہ ہے اور اولئک جواب شرط ہے یا من مبتداء ہے اور اولئک خبر ہے۔

بغير الحق. لیکن اگر شرعی اجازت سے ہو تو پھر ناحق نہیں ہوگا۔

يبغون. یعنی کہ اگر اپنے معنی پر رکھا جائے تب تو بغير الحق قید احترازی نہیں ہے اور يبغون کی اگر يعلمون کے معنی میں تجرید کرلی جائے تو پھر بغير الحق تاکید ہوگا۔ ابوسعید قرشی کہتے ہیں کہ ناگواریوں کو برداشت کرنا علامات انتباہ میں سے ہے۔ جو شخص کسی حادثہ پر صبر کرے اور جزع نہ کرے اللہ اس سے راضی ہوگا۔ یہ بڑا عالی مقام ہے لیکن جو مصیبت پر شکوہ اور تنگی ظاہر کرے اللہ اس کو اس کے نفس کے حوالہ کردیتا ہے اور وہ ہمیشہ شکایت میں مبتلا رہتا ہے۔

ربط آیات: .... آیت وما اصابکم الخ کا وہی ربط ہے جو آیات ولو بسط اللہ الخ میں گزر چکا ہے۔ ان آیات میں نعمت ومصیبت کی حکمت ارشاد فرمائی جارہی ہے۔

آیت من کان یرید میں دنیا کے فریب میں مبتلا ہونے کی برائی اور طلب آخرت کی ترغیب کا بیان تھا۔

آیات فما اوتیتم الخ میں اسی کی تائید کے لئے دنیا کی حقارت اور آخرت کی عظمت کا ذکر ہے اور عمدہ اعمال ذکر کر کے اس کی طلب کا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اور آیت "وبسط" میں کمی رزق کی حکمت اور ما اصابکم اور یعلم الذین میں گناہوں کی شامت اور نقصان کا بیان تھا۔ آگے یہی دنیا کا فانی ہونا اور اعمال وطاعت کی فضیلت وبرکت ارشاد فرمائی جارہی ہے اور ان میں باہمی مناسبت ظاہر ہے۔

شانِ نزول وروایات: .... آیت والذین استجابوا انصار کے بارہ میں نازل ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو جب دعوت دی تو انہوں نے اس کو قبول کرلیا۔ آپ ﷺ نے ان کے لئے بارہ نقیب مقرر فرمادیئے۔ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے ہوا۔

وامرھم شوریٰ. آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے انصار مدینہ دینی کام باہمی مشوروں سے کیا کرتے تھے۔ حق تعالیٰ اسی کی توصیف فرمارہے ہیں۔ آپ اگرچہ مشورہ کے محتاج نہیں تھے۔ لیکن صحابہؓ کی تالیف قلب کے لئے آپ کو حکم دیا گیا۔ بعض کے نزدیک آپ کے لئے یہ حکم وجوبی تھا اور بعض کے نزدیک استحبابی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ برابر اجتہادی امور میں مشورہ پر کاربند رہے۔

فمن عفا. حدیث میں ارشاد ہے قیامت میں منادی ہوگی۔ من کان له اجر علی الله فلیقم فلا یقوم الا من عفا.

لمن عزم الامور. ابوسعید قرشیؒ فرماتے ہیں۔ الصبر علی المکارہ من علامات الانتباہ فمن صبر علیٰ **مکروہ یصیبه ولم یجزع اورثه الله حال الرضا وھو اجل الاحوال ومن جزع من المصیبات وشکی وکله الله تعالیٰ لرمی نفسه ثم لم تنفاہ شکواہ.**

﴿تشریح﴾: ......**نعمت ومصیبت دونوں حکمت الٰہی کے تحت ہیں:** .... وما اصابکم الخ اسی طرح آیت ظھر الفساد فی البر الخ میں یہ ظاہر فرمایا جارہا ہے کہ جس طرح نعمتیں ہماری خاص حکمت کی رو سے تقسیم ہوتی ہیں۔ اسی طرح مصائب بھی خاص اسباب اور ضوابط دونوں کے تحت آتی ہیں۔ کیف ما اتفق نہیں جیسے عام طور سے بیماریوں کے کچھ نہ کچھ اسباب ہوتے ہیں کھوج لگائی جائے تو ثابت ہوگا کہ ہر آفت کے پیچھے انسان کا اپنا ہاتھ ہوتا ہے اور ہر مصیبت کے نیچے سے خود اس کا اپنا کوئی نہ کوئی عمل ابھرتا ہے۔ گو بادی النظر میں سرسری طور پر دکھائی نہ دے۔ بعض اوقات ماں کی بد پرہیزی بچہ کو مبتلائے مصیبت کر دیتی ہے۔ کبھی ایک شخص کی حماقت اور بے تدبیری سے پورے محلّہ بلکہ سارے شہر کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ ایک شخص کا قول وعمل بسا اوقات پورے ملک بلکہ پوری دنیا کو تہہ وبالا کر کے رکھ دیتا ہے۔

اور جس طرح مادی طور پر سبب قریب خود آدمی کی اپنی حرکت ہوتی ہے۔ اسی طرح روحانی اور باطنی آفات کا حال بھی سمجھنا چاہئے۔ انسان کے لئے ماضی کی غلطیاں مستقبل کے لئے سامان عبرت ہیں اور گرفت ومصیبت کا سلسلہ بھی بعض کوتاہیوں پر ہوتا ہے۔ اکثر غلطیاں تو نظر انداز کر دی جاتی ہیں ورنہ تو ہر غلطی پر اگر پکڑ ہونے لگے تو کوئی متنفس باقی نہیں رہ سکتا۔

انبیاء اور معصوم بچے اس میں داخل نہیں۔ یہ خطاب بالغ گنہگاروں کو ہے اور مصیبت سے مراد بھی حقیقۃً مصیبت ہے اوران قیود کا مقصد ایک سوال کے دو جواب ہیں۔

ایک اور شبہ اور اس کے دو جواب: .... سوال یہ ہے کہ لفظ ما کے عموم سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر مصیبت گناہوں کی وجہ سے آتی ہے عام نہیں بلکہ صرف گنہگاروں کو خطاب ہے۔ اس لئے انبیاء وصلحاء کے متعلق شبہ نہیں رہا۔

دوسرا جواب یہ نکل آیا۔ کہ انبیاءؑ واولیاءؒ پر جو بلائیں آتی ہیں وہ صورۃً مصیبت ہوتی ہیں۔ مگر حقیقۃً مصیبت نہیں ہوتیں۔ بلکہ وہ ان کے حق میں نعمت ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان سے ان کے علوم ومدارج اور مراتب میں ترقی ہوتی ہے اوران پر اسرار وحکم منکشف ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ ان میں مسرور رہتے ہیں۔ ان کی دلجمعی میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ وہ پریشان ہوتے ہیں۔

اور وہ معصوم بچوں کی تکالیف یا تو اسباب تکوینی کے تحت ہوتی ہیں۔ جیسے جانوروں وغیرہ میں اور یا ان کا سبب ان کے بڑے ہوتے ہیں اور وہی بالواسطہ مبتلائے مصیبت ہوتے ہیں۔

تمام ایجادات کا سرچشمہ اللہ کی قدرت ہے: .... ومن اٰیاتہ الجوار. نزول قرآن کے وقت بادبانی جہاز اور کشتیوں کا رواج تھا۔ جن کا سارا مدار ہواؤں کے رحم وکرم پر تھا۔ کہ ہوا کا رخ صحیح رہا تو منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ ورنہ سارا سفر کالعدم ہوجاتا تھا۔ اس لئے آیت میں ہواؤں کو قدرت الٰہی کے تابع بتلایا گیا۔ لیکن اس سے موجودہ دور کے دخانی اسٹیمر اور جہاز، اسی طرح فضائی پرواز کے سلسلہ میں جہاز، راکٹ، میزائیل پر شبہ نہ کیا جائے کہ وہ تو ہوا سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ اللہ کے محتاج نہیں ہیں۔ کیونکہ جواب میں کہا جائے گا کہ گو وہ ہوا کے تابع نہیں مگر اسٹیم اور بھاپ کے تابع اور کل پرزوں کے تابع تو ہیں اور وہ پھر محتاج قدرت ہیں اس لئے نتیجہ وہی رہا۔

رہا یہ کہنا کہ یہ سب کچھ تو مشینوں کے بل بوتہ پر ہوتا ہے اور وہ انسان کی فٹ کی ہوئی ہے۔ اس میں قدرت کو کیا دخل؟ اس کا جواب بھی یہی ہے کہ خود انسان، اس کا دل ودماغ، ہاتھ پاؤں سب اللہ کے بنائے ہوئے اور اس کے تابع ہیں۔ غرض کہ حاصل وہی رہا کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ سب مشینریاں اور کارخانے اللہ کے تابع ہیں۔ اور اگر ہوا کا مفہوم عام کرلیا جائے اسی طرح ہوا کے ٹھہرانے کے مفہوم کو بھی عام کرلیا جائے یعنی بخارات کا نہ چڑھنا تب بھی مشینری سے چلنے والی سب چیزیں بادبانی جہازوں کے حکم میں شامل ہوجاتی ہیں۔ کیونکہ اسٹیم بننے میں جہاں پانی کو دخل ہے وہیں ہوا اور بھاپ کا بھی دخل ہے۔ غرض کہ پانی اور ہوا سب اسی کے زیر فرمان ہیں۔ دریائی اور فضائی سفر میں موافق اور ناموافق دونوں قسم کے حالات سے واسطہ پڑتا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ موافق حالات پر شکر اور ناموافق حالات پر صبر کرتا رہے وہ چاہے تو انسانی اعمال کی پاداش میں جہاز بھی تباہ کرسکتا ہے اور چاہے تو اسی تباہی کے وقت معاف بھی کرسکتا ہے۔ تاکہ بڑے بڑے جھگڑالو بھی دیکھ لیں کہ خدائی گرفت سے نکل بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں۔

اخلاق فاضلہ: .... فما اوتیتم. میں اس فانی چندروزہ عیش پر انسان مغرور نہ ہو بلکہ یقین رکھے کہ ایمانداروں کو جو آخرت کا عیش ملے گا وہ دنیا کی چمک دمک سے بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی۔ نہ اس میں کدورت ہوگی اور نہ زوال کا کھٹکا۔

والذین یجتنبون. ان آیات میں مختلف اعمال کا ذکر ہے عقائد، فرائض، غیر فرائض اور سب پر باختلاف درجات اجر و ثواب مرتب ہے۔

کبائر الاثم. بڑے گناہ مراد ہیں جو قوت نظریہ کی غلط کاری سے پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے عقائد بدعیہ۔ اور فواحش سے وہ گناہ

مراد ہیں جن میں قوت شہوانیہ کی بے اعتدالیوں کو دخل ہو اور قوت غضبیہ کی روک تھام" واذا ماغضبوا" میں کی گئی ہے۔

مشورہ کے حدود: .... وامرھم شوریٰ. میں مہمات امور مراد ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کا معمول رہا کہ دین کا کام ہوتا یا دنیا کا، باہمی مشورے سے انجام دیتے تھے۔ جنگی حالات اور مسائل واحکام میں بھی مشورے ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ خلافت راشدہ کی تو بنیاد ہی مشورے پر تھی۔ البتہ روزمرہ کے معمولی کاموں میں مشورہ کی حاجت نہیں۔ اسی طرح منصوص احکام میں مشورہ کی حاجت نہیں۔ امور خیر خواہ وہ فرائض ہوں یا واجبات وغیرہ ان میں مشورے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ "درکار خیر حاجت استخارہ نیست" یا امور شرعیہ جن کی صراحۃً ممانعت ہے ان میں بھی مشورہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

نیز احادیث میں آتا ہے کہ زیرک اور دانش مند صالح سے مشورہ لینا چاہئے ورنہ بیوقوف اور بدنیت وبدطینت اور بددیانت کا مشورہ بربادی کا موجب ہوگا۔ غرض کہ مشورہ کی بڑی قیمت اور اہمیت ہے۔ مشہور ہے کہ کوئی نہ ہو تو اپنے گھٹنے سے مشورہ لینا چاہئے۔

بدلہ کی حدود: .... ھم ینتصرون. انتقام کی اجازت ہے۔ لیکن انتقام میں صورۃً مشاکلۃ اس وقت جائز ہوگی جب کہ معصیت نہ ہو ورنہ جائز نہیں جیسے حرام کاری کے بدلہ میں حرام کاری کرنا، چوری کے بدلہ میں چوری کرنا اور الفاظ ینتصرون. جزاء سیئۃ سیئۃ. لمن انتصر میں بظاہر تکرار مضمون معلوم ہوتا ہے۔ لیکن منتصرین میں الفاظ کی حیثیت سے تعریف ہے اور جزاء سیئۃ میں انتقام کا جائز ہونا پیش نظر ہے اور لمن انتصر میں انتقام کے حرام ہونے کی نفی کی جارہی ہے ان تینوں میں اگرچہ باہمی یہ ربط ہے کہ ہر پہلی بات سے پچھلی بات لازم آرہی ہے۔ مگر مستقل طور پر تصریح کرنے سے بلاغت بھی آگئی اور تکرار بھی نہ رہا۔

معافی کے حدود: .... اسی طرح" ھم یغفرون" میں ایسے لوگوں کی تعریف ہے اور" من عفا" میں اس کا ثواب پیش نظر ہے اور من صبر سے اس عمل کی تعریف کرنا ہے۔ اس لئے یہاں بھی تکرار نہیں ہے۔ معاف کرنے کے بھی کچھ اصول ہیں۔ مثلاً جہاں معاف کرنا مناسب ہو معاف کرے۔ یہ معاف کرنا محمود ہے۔ ایک شخص کی غلطی پر غصہ آیا اس نے نہایت ندامت سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ معاف کیا جاسکتا ہے اور جہاں بدلہ لینا مصلحت ہو وہاں بدلہ لے سکتے ہیں۔ ایک شخص خواہ مخواہ چڑھتا ہی چلا جائے اور ظلم وجبر سے دبانے کی کوشش کرے یا اس کو جواب نہ دینے سے اس کا حوصلہ بڑھتا ہے یا اس کو ڈھیل دینے میں دین کی اہانت اور دینداروں کی تذلیل ہوتی ہے تو بدلہ لینا مناسب ہے۔ مگر بقدر جرم وقصور اس سے زائد تعدی ہوجائے گی اور زیادتی اللہ کے یہاں کسی حالت میں بھی پسندیدہ نہیں ہے۔

بہترین خصلت یہ ہے کہ حتی الامکان درگزر کرے۔ بشرطیکہ درگزر کرنے سے بات سنورتی ہے۔ مظلوم ظالم سے بدلہ لے سکتا ہے مگر معاف کرنا افضل ہے۔ البتہ ابتداء زیادتی کرنا یا انتقام لینے میں حد سے بڑھنا یقیناً برا ہے۔ برائی کا بدلہ حقیقۃً تو برا نہیں اچھا ہے۔ مگر صورۃً برائی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے سیئہ کہہ دیا۔ البتہ غصہ کو پی جانا اور تکلیفیں برداشت کرکے عفو ودرگزر کردینا بڑی ہمت اور حوصلہ کا کام ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ عدل وانصاف صبر وعفو کی اعلیٰ خوبیاں صرف اللہ کی توفیق سے حاصل ہوسکتی ہیں۔ اس کی دستگیری کے بغیر کون انسان اخلاقی پستی سے نکل سکتا ہے۔

لطائف سلوک: .... آیت اذا ما غضبوا سے تو معلوم ہوتا ہے کہ غصہ کے وقت معاف کردینا قابل تعریف ہے اور والذین اذا اصابھم البغی الخ سے معلوم ہورہا ہے کہ ظلم کا برابر بدلہ لے سکتے ہیں۔ گویا یہ دونوں حالتیں اپنے اپنے موقعہ اور محل کے لحاظ سے محمود ومستحسن ہیں اور اہل اللہ کی نظر اپنی مصلحت کی بجائے دونوں موقعوں پر صاحب جنایت کی مصلحت پر ہوتی ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْ بَعْدِهٖ اى احد يلى هدايته بعد اضلال الله اياه وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ اِلَى الدُّنيا مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ طريق وَتَرٰهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا اى النار خٰشِعِيْنَ خائفين متواضعين مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ اليها مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ضعيف النظر مسارقة ومن ابتدائية او بمعنى الباء وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بتخليدهم فى النار وعدم وصولهم الى الحور المعدة لهم فى الجنة لو امنوا والموصول خبر ان اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ الكافرين فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ دائم هو من مقول الله تعالى وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غيره يدفع عذابه عنهم وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾ طريق الى الحق فى الدنيا والى الجنة فى الاخرة اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ اجيبوه بالتوحيد والعبادة مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ هو يوم القيمة لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ اى انه اذا اتى به لا يرده مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ تلجئون اليه يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ انكار لذنوبكم فَاِنْ اَعْرَضُوْا عن الاجابة فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا تحفظ اعمالهم بان توافق المطلوب منهم اِنْ ما عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ وهذا قبل الامر بالجهاد وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً نعمة كالغنى والصحة فَرِحَ بِهَا وَاِنْ تُصِبْهُمْ الضمير للانسان باعتبار الجنس سَيِّئَةٌ بلاء بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اى قدموه وعبر بالايدى لان اكثر الافعال تزاول بها فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾ للنعمة لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ من الاولاد اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ اى يجعلهم ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا فلا يلد ولا يولد له اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بما يخلق قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ على ما يشاء وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يوحى اليه وَحْيًا فى المنام او بالالهام اَوْ اِلَّا مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ بان يسمع كلامه ولا يراه كما وقع لموسى عليه السلام اَوْ الا ان يُرْسِلَ رَسُوْلًا ملكا كجبرئيل فَيُوْحِيَ الرسول الى المرسل اليه اى يكلمه بِاِذْنِهٖ اى الله مَا يَشَآءُ الله اِنَّهٗ عَلِيٌّ عن صفات المحدثين حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾ فى صنعه وَكَذٰلِكَ اى مثل ايحائنا الى غيرك من الرسل اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ يا محمد رُوْحًا هو القران به تحى القلوب مِّنْ اَمْرِنَا الذى نوحيه اليك مَا كُنْتَ تَدْرِيْ تعرف قبل الوحى اليك مَا الْكِتٰبُ القران وَلَا الْاِيْمَانُ اى شرائعه ومعالمه والنفى معلق للفعل عن العمل او ما بعده سد مسد المفعولين وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ اى الروح او الكتاب نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ

مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ تَدْعُوْ بِالْمُوْحٰى اِلَيْكَ اِلٰى صِرَاطٍ طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ دِيْنِ الْاِسْلَامِ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مِلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾ تَرْجِعُ

ترجمہ:..........اوراللہ جسے چاہے گمراہ کردے تو اس کے بعد اس شخص کا کوئی چارہ ساز نہیں ہے (یعنی اللہ کے گمراہ کردینے کے بعد کوئی ایسا نہیں جس کی ہدایت اسے نصیب ہوسکے) اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے جب کہ عذاب کا مشاہدہ ہوگا۔ بول اٹھیں گے کہ کیا واپس جانے کی کوئی صورت ہے (دنیا میں) اور آپ ان کو اس حالت میں دیکھیں گے وہ دوزخ (کی آگ) کے سامنے لائے جائیں گے جھکے ہوئے ہوں گے (خوفزدہ عاجزانہ) مارے ذلت کے دیکھتے ہوں گے (دوزخ کو) چپکے چپکے (چوری چھپے، اور من ابتدائیہ ہے۔ یا بمعنی با ہے) اور اہل ایمان کہیں گے کہ پورے گھاٹے میں وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے قیامت کے روز خسارہ میں پڑے (ہمیشہ جہنم میں رہنے اور جنت کی موعودہ حور سے محرومی کی وجہ سے ایمان نہ لانے کی صورت میں الذین خسروا خبر ہے ان کی) یاد رکھو کہ ظالم لوگ (کافر) دائمی عذاب میں رہیں گے (یہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے) اور ان کے کوئی مددگار نہ ہوں گے جو اللہ سے الگ ان کی مدد کریں (یعنی اللہ کے سوا کوئی ان کا عذاب رفع کرسکے) اور جس کو اللہ گمراہ کرڈالے اس کے لئے کوئی رستہ ہی نہیں (دنیا میں تو حق کی راہ اور آخرت میں جنت کی راہ) تم اپنے پروردگار کا حکم مان لو (توحید وعبادت کو اختیار کرکے) اس دن (قیامت) کے آنے سے پہلے جو اللہ کی طرف سے ٹلے گا نہیں (آنے کے بعد لوٹنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی) نہ تم کو کوئی پناہ ملے گی (جس کی پناہ میں تم جاسکو) اس روز اور نہ تمہاری نسبت کوئی انکار کرنے والا ہوگا (یعنی تمہارے گناہوں کا انکار کرنے والا) پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں۔ (ماننے سے) تو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا (کہ آپ ان کے اعمال کے اس طرح ذمہ دار ہوں کہ وہ حکم کے مطابق ہوں) آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے (یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اور ہم جب آدمی کو کچھ اپنی عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں (جیسے خوشحالی اور تندرستی) تو وہ اس پر خوش ہوجاتا ہے اور اگر ان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے (ضمیر انسان کی طرف بلحاظ جنس کے راجع ہے) ان کے اعمال کے بدلہ میں جو اپنے ہاتھوں کرچکے ہیں (پہلے۔ اور ہاتھوں سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر کام انہی سے ہوتے ہیں) تو آدمی ناشکری کرنے لگتا ہے (خدا کی نعمت کی) اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے (اولاد میں) بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے یا ان کو جمع کردیتا ہے (یعنی ان کو پیدا کردیتا ہے) بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے (یعنی نہ عورت جن سکتی ہے اور نہ مرد جنوا سکتا ہے) وہ بڑا جاننے والا (کہ کیا پیدا کرنا ہے) بڑی قدرت والا ہے (اپنے چاہنے پر) اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ اس سے ہم کلام ہو مگر یا تو (اس پر وحی اتارے) بطور وحی کے (خواب میں ہو یا بذریعہ الہام کے) یا پس پردہ (اس طرح کہ اس کا کلام سنے مگر اس کو دیکھے نہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہوا) یا کسی فرشتہ کو بھیج دے (جیسے جبرائیل) کہ وہ پیغام پہنچادے خدا کے حکم سے (فرشتہ پیغمبر کو پیغام پہنچادے یعنی فرشتہ پیغمبر سے ہم کلام ہو) جو اللہ کو منظور ہو۔ بلاشبہ وہ بڑا عالی شان ہے (مخلوق کی صفات سے) بڑی حکمت والا ہے (اپنی کاریگری میں) اور اسی طرح (جیسے کہ ہم نے آپ کے علاوہ اور پیغمبروں کو وحی کی ہے) ہم نے آپ کے پاس (اے محمد!) زندگی بھیجی ہے (قرآن جس سے دل زندہ ہوتے ہیں) یعنی اپنا حکم (جو آپ پر ہم نے وحی کیا ہے) آپ کو تو یہ خبر نہیں تھی (وحی آنے سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے) کہ کتاب (قرآن) کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کیا چیز ہے (یعنی اس کے احکام اور علامات۔ اور نفی نے فعل کو لفظاً عمل سے روک دیا ہے اور یا کہا جائے کہ فعل کے بعد کا جملہ دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے) اور لیکن ہم نے اس کو بنایا ہے (یعنی روح یا قرآن کو) نور جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے راستہ (دین

اسلام) کی ہدایت کر رہے ہیں (اپنی وحی کے مطابق دعوت دے رہے ہیں) یعنی اس خدا کے راستہ کی کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اسی کا ہے (یعنی) کے مملوک مخلوق بندے ہیں) یاد رکھو سب امور اسی کی طرف رجوع ہوں گے۔

تحقیق و ترکیب: تراھم۔ رویت بصریہ ہے اس لئے حال ہے اور خاشعین بھی حال ہے علیھا کی ضمیر نار کی طرف راجع ہے جو عذاب سے مفہوم ہو رہا ہے۔

من طرف۔ گوشہ چشم اور بعض نے طرف کے معنی آنکھ لئے ہیں اور بعض اسی سے مصدر مراد لیتے ہیں کہا جاتا ہے۔ طرفت عینه تطرف غرض کہ خائفانہ دیکھنا مراد ہے۔

یوم القیٰمة۔ اگر یہ خسروا کا ظرف ہے تب تو یہ قول دنیا میں واقع ہے اور اگر یقال کا ظرف ہے۔ تو اس کا وقوع آخرت میں ہوگا اور اہل سے مراد حوریں ہیں یا دنیاوی بیویاں۔

الا ان الظالمین۔ بعض کے نزدیک یہ جملہ بھی انہی کے کلام کا تتمہ ہے۔

استجیبوا۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اس میں سین طلب کا نہیں ہے۔

لا مرد۔ یعنی اللہ کا حکم اٹل ہے۔

مالکم من نکیر۔ یا تو بقول مفسرؒ گناہوں کے انکار کی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ ہاتھ پاؤں خود گواہی دیں گے۔ اور یا اہل جنت کے لئے کوئی روک ٹوک نہ ہونا مراد ہے کہ انہیں کامل آزادی ہوگی۔ نکیر بمعنی منکر ہے جیسے الیم بمعنی مولم۔

فما ارسلنا لک۔ یہ جملہ تعلیل ہے جواب محذوف کی ای فلا تحزن او لا عتاب لک او لا تکلف بشئی لا نا ما ارسلناک الخ یعنی ہم نے آپ کو اس لئے نہیں بھیجا کہ آپ ان کو شریعت کے مطابق چلنے پر مجبور کریں۔

ان علیک۔ مفسرؒ کا اس حکم کو منسوخ کہنا بلحاظ حصر ہے۔ ورنہ جہاد کی مشروعیت کے بعد بھی تبلیغ مامور بہ ہے۔

اذا اذقنا۔ نعمت کا آنا چونکہ یقینی ہے اور مصیبت آنا محض محتمل ہے۔ اس فرق کو ظاہر کرنے کے لئے اول اذا پھر ان لایا گیا اور چونکہ تمام تر دنیاوی نعمتیں آخرت کے مقابلہ میں ایک قطرہ کی مثل ہیں۔ اس لئے لفظ اذا استعمال فرمایا گیا۔

و ان تصبھم۔ ضمیر جمع انسان کی طرف بلحاظ معنی ہے۔

بما قدمت۔ یعنی مصیبت کا سبب معصیت ہوتی ہے اور نعمت کا سبب محض فضل الٰہی ہے۔

فان الانسان۔ اسم ظاہر بجائے ضمیر لایا گیا۔ دراصل "فانه کفور" ہونا چاہئے تھا اور ابوالبقاءؒ ضمیر مقدر مانتے ہیں۔ ای فان الا نسان منھم۔ اور بقول کرخیؒ بظاہر یہ جملہ جواب شرط ہے۔ مگر حقیقۃً جواب مقدر کی علت ہے۔ ای ان تصبھم سیئة نسی نعمة راساً و ذکر البلیة یہ مخصوص حالت اگرچہ صرف مجرمین کی ہوتی ہے لیکن جنس کی طرف اسناد غلبہ کی وجہ سے بطور مجاز عقلی کے ہے الانسان میں الف لام جنس کے لئے ہے عہد کے لئے نہیں ہے۔

لمن یشاء اناثا۔ ان چاروں احتمالات میں اناث کو مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ صرف اللہ کی مشیت چلتی ہے بندوں کی مشیت اگر چلتی تو سب کی خواہش نرینہ اولاد کی ہوتی ہے اور اناثا کو نکرہ اور الذکور کو معرفہ لانے میں دونوں کے فرق مراتب کی طرف اشارہ ہے۔

او یزوجھم۔ یہاں واؤ کی بجائے او کے ذریعہ عطف لانے میں یہ نکتہ ہے کہ تقسیم اول کی دو قسموں کے بعد تقسیم ثانی کی یہ قسمیں ہیں۔ ای یھب الاناث منفردات و ذکورا منفردات لمن یشاء اور مجتمعین ای حال کو نھم ذکر او اناثا۔

من یشاء عقیما۔ مرد و عورت دونوں میں یہ نقصان ہوسکتا ہے۔ چنانچہ فلا یلد عورت کے بانجھ ہونے کی طرف اشارہ ہے اور تذکیر لفظ من کے اعتبار سے ہے۔ اگرچہ ایک نسخہ میں لا تلد بھی ہے اور لا یولد له، مرد کے ناکارہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ مصباح میں ہے کہ عقیم کا اطلاق مرد و عورت دونوں پر ہوتا ہے جدید سائنسی نظریہ یہ ہے کہ مادہ منویہ میں نر و مادہ دونوں قسم کے جراثیم

ہوتے ہیں۔ اختلاط نطفہ کے وقت ان نر و مادہ جرثوموں کا اگر اختلاط ہو جاتا ہے تو تولید کی صورت ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ اور نر و مادہ نیز ایک یا زائد بچوں کی تولید کا تعلق بھی انہی جرثوموں کے اختلاط سے وابستہ ہے۔ چنانچہ مشینوں میں رکھ کر تولیدی تجربات اس کے شاہد ہیں۔ تاہم قرآن وحدیث کی نصوص ان نظریات کی نہ مدعی ہیں اور نہ مخالف، آیات کی تفسیر نہ ان پر موقوف ہے اور نہ ان کی معارض۔

وحیا کے معنی الہام ہیں۔ بقول بیضاویؒ کلام خفی یدریک بسرعة وحی کہلاتا ہے۔ امام راغبؒ کہتے ہیں کلمہ الٰہیہ جو انبیاء و اولیاء کی طرف القاء کیا جائے۔ جیسے حدیث میں ہے نفث فی روعی۔ یا خواب مراد ہیں۔ جیسے حدیث میں رؤیا الانبیاء وحی ہے۔

من وراء حجاب۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام الٰہی سنا اور یہ حجاب حسی نہیں ہے جو اجسام کے لئے ہوتا ہے۔ بلکہ عدم رویت مراد ہے جو بندہ کا وصف ہے اللہ کا وصف نہیں ہے۔ گویا ناظر کے لئے حجاب مراد ہے جو سامع تو ہوتا ہے مگر رائی نہیں ہوتا۔

او یرسل۔ میں وحی بواسطہ فرشتہ مراد ہے۔

روحا۔ جس طرح جسمانی روح، اجسام کے لئے منبع حیات ہوتی ہے۔ اسی طرح وحی وقرآن حیات روحانی ہیں اور بعض نے اس کے معنی جبرائیل لئے ہیں۔

ما الکتاب۔ تقدیر المضاف ای جواب مالکتاب ای جواب ھذا الا ستفہام۔

ولا الایمان۔ ایمان تفصیلی مراد ہے۔ کیونکہ اجمالی ایمان تو آپ کو نبوت سے پہلے بھی حاصل تھا۔

نورا۔ تشبیہاً فرمایا ہے۔ لفظ جعلناہ سے بظاہر شبہ ہو سکتا ہے کہ قرآن مجعول ہے اور مجعول مخلوق ہوتا ہے، حالانکہ حدیث میں ہے۔ القرآن کلام اللہ غیر مخلوق۔ جواب یہ ہے کہ جعل بمعنی خلق نہیں ہے بلکہ بمعنی صیر ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو کسی حالت پر کر دینا۔ چنانچہ یہاں قرآن کو نور کر دینا اور ہدایت بنا دینا یا اگلی آیت میں عربی زبان میں کر دینا مراد ہے کہ بجائے عجمی زبان کے عربی زبان میں قرآن اتارا ہے اس لئے قرآن کو حادث کہنے والوں کا استدلال غلط ہو گیا۔

امام رازیؒ نے اسی شبہ کا دوسرا جواب دیا ہے کہ اس سے کلام لفظی کا حادث ہونا معلوم ہوا۔ اس کو اہل سنت بھی تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ کلام اللہ کلام نفسی کے مرتبہ میں قدیم اور غیر مخلوق ہے۔

ربط آیات:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پچھلی آیات میں طلب گاران آخرت کی خوش انجامی بیان ہوئی تھی۔ آیت ومن یضلل اللہ سے دنیا کے طلب گاروں کی بدانجامی بیان کی جارہی ہے۔ اس کے بعد ایمان نہ لانے پر عذاب قیامت کی وعید سنا کر آیت استجیبوا سے وعید آنے سے پہلے ہی ایمان کی تیاری کا حکم دیا جارہا ہے اور ایمان نہ لانے کی صورت میں آنحضرت ﷺ کے لئے تسلی ہے۔

آگے شرک کی تردید اور توحید کی تاکید کی جارہی ہے۔ آیت للہ ملک السموات سے اللہ کا اختیار کلی ارشاد فرمایا جارہا ہے۔ توحید کے بعد رسالت کا درجہ ہے۔ اس سلسلہ میں کفار یہ شبہ کرتے تھے۔ کہ اللہ یا فرشتے ہم سے بالمشافہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ محمد ﷺ ہمارے پیغمبر ہیں۔

اس کے جواب میں وما کان لبشر آیات نازل ہوئیں۔

﴿ تشریح ﴾:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وتری الظالمین۔ قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھ کر کفار وہی پرانی رٹ دہرائیں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں واپس کر دیا جائے تو اس دفعہ پکے نیک بن کر آئیں گے اور ایک سہمے ہوئے مجرم کی طرح خوف و دہشت کے مارے گردن نیچی ہوگی اور شرمساری اور ندامت کی وجہ سے آنکھ نہیں اٹھے گی۔ اس منظر کو دیکھ کر بے ساختہ اہل ایمان کی زبان پر ہوگا کہ واہ صاحب واہ تم تو ڈوبے ہی مگر اپنے ساتھ اور متعلقین کو بھی لے ڈوبے۔ فرماتے ہیں وہاں کا عذاب دنیا کی طرح نہیں کہ ٹل جائے۔ وہ آ کر رہے گا، اللہ جس کی

راہ مار دے اسے سنبھالنے والا نہ دنیا میں کوئی ہے اور نہ عقبیٰ میں اس کی نجات ہے۔

وما لکم من نکیر. یعنی اللہ کے آگے مکر نے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہاں اوپرے اور اجنبی سمجھ کر کوئی چھوڑ دے ایسا نہیں ہوگا۔ بلکہ ہر موقع پر پہچان لئے جاؤ گے۔

پیغمبر کا کام سمجھانا ہے، منوادینا نہیں ہے:.......... **فان اعرضوا**. اتنے سمجھانے پر بھی اگر یہ راہ راست پر نہیں آتے۔ تو آپ پر یہ ذمہ داری نہیں کہ ضرور ہی ان کو منوا کر چھوڑیں۔ آپ کا کام سمجھانا ہے وہ ہو رہا ہے اب نہ مانیں تو جائیں جہنم میں۔ آپ ان کی وجہ سے غمگین نہ ہوں۔ ان کی دو حالتیں ایسی ہیں جن سے خواہشات نفسانی کے ساتھ ان کا تعلق اور اللہ سے بے تعلقی کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ اللہ کا انعام ہونے کی صورت میں تو یہ اکڑنے اور اترانے لگتے ہیں۔ لیکن اپنے کرتوت سے کوئی آفت آتی ہے تو یک لخت ساری نعمتیں بھول کر ناشکرے بن جاتے ہیں۔ گویا کبھی ان پر اچھا وقت آیا ہی نہیں تھا۔ خلاصہ یہ کہ اچھی بری حالت میں اپنی حد پر نہیں رہتے۔ اس لئے نہ آپ اپنے ذمہ داری میں کوتاہی کا اندیشہ کیجئے اور نہ ان کی حالت سے توقع رکھئے۔ مسلمانوں کی حالت ان کے برعکس ہے کہ وہ نعمت پر شکر گزار اور مصیبت میں صبر دار رہتے ہیں۔ کسی حال میں اللہ سے بے تعلق نہیں ہوتے۔

اولاد کی تقسیم:.......... **للّٰہ ملک السمٰوات**. سارے عالم میں اسی کا تصرف اور حکم چلتا ہے۔ جس کو جو چاہے دے جو چاہے نہ دے۔ کوئی سرے سے اولاد ہی سے محروم، کسی کو بیٹیاں ہی بیٹیاں، کسی کو بیٹے ہی بیٹے، کسی کو دونوں جڑواں یا الگ الگ۔ غرض سب طرح اپنی کمال قدرت وعطا ظاہر کرتا ہے اور حکمت ومصلحت اسی کی چلتی ہے۔ وہ مالک حقیقی ہے۔ ہر شخص کے مناسب حالات سے واقف اور علم وحکمت کے موافق تدبیر کرنے والا ہے۔ کسی کی کیا مجال کہ اس کے حکمت وارادہ اور اس کی تقسیم پر حرف گیری کرے۔

حصر عقلی پر اشکال کا جواب:.......... یوں تو تصرفات الٰہی، کائنات کے ذرہ ذرہ میں جاری وساری ہیں۔ لیکن یہاں نر و مادہ کی تخصیص شاید اس لئے ہو کہ وہ ہمہ وقت نظروں کے سامنے ہے اور انسان کی قریبی حالت ہونے کی وجہ سے استدلال میں سہولت ہے۔ آیت میں چاروں قسمیں بطور حصر عقلی ہیں۔ حمل گر جانے کی صورت سے اس پر اشکال نہ کیا جائے۔ کیونکہ بچہ میں جان پڑنے سے پہلے اگر اسقاط ہوا ہے۔ تب تو **من یشاء عقیما** میں داخل ہے اور جان پڑ جانے کے بعد اگر بچہ گرا ہے تو دیکھا جائے گا کہ اعضاء بن چکے ہیں یا نہیں۔ اگر بن گئے ہیں تو نر و مادہ کا فیصلہ انہی کے اعتبار سے کیا جائے گا۔ البتہ بعض اعضاء بنے ہیں یا دونوں طرح کے اعضاء بن گئے ہیں۔ تو پھر واقعہ کے لحاظ سے یا تو بچہ ہوگا یا بچی۔ اگرچہ حسی طور پر اس کی تعیین نہ کی جا سکے۔

وما کان لبشر میں کفار کے اس اعتراض کا جواب ہے۔ **لو لا انزل علینا الملائکۃ او نری ربنا** جواب کا حاصل یہ ہے کہ انسان اپنی ساخت پرداخت اور موجودہ قویٰ کے لحاظ سے یہ طاقت نہیں رکھتا کہ اس دنیا میں براہ راست اللہ اس سے بالمشافہ کلام کرلے اور وہ اس کا تحمل بھی کرلے۔

اللہ سے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں:.......... اس لئے اللہ نے کلام کرنے کی تین صورتیں رکھی ہیں۔ ایک یہ کہ براہ راست دل میں الہام کر دے یا خواب میں کچھ بتلا دے یا دکھلا دے۔ انبیاءؑ کے لئے قطعی صورت میں اور دوسروں کے لئے غیر قطعی صورت میں۔ دوسری صورت میں کلام پس پردہ ہوتا ہے یعنی سامعہ کلام سے تو لذت اندوز ہوتی ہے۔ مگر آنکھیں جمال ومشاہدہ سے سرشار نہیں ہوتیں۔ جیسے: حضرت موسیٰ سے کوہ طور پر یا آنحضرت ﷺ سے شب معراج میں کلام ہوا۔ **فھم یختصم الا علی**.

اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ دوسری آیت میں وکلم اللہ موسیٰ تکلیما ہے اور حدیث میں ہے۔ قسم اللہ رویتہ وکلامہ بین موسیٰ ومحمد علیہما السلام ان دونوں نصوص سے کلام کرنے کی خصوصیت حضرت موسیٰ سے معلوم ہوتی ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کو اس قسم میں کیسے شریک کیا جا سکتا ہے؟

جواب یہ ہے ان دونوں نصوص میں کلام کی کسی خاص نوع کی تخصیص کی گئی ہے۔ جیسا کہ لفظ تکلیما اس کا قرینہ ہے وہ حضرت موسیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن کلام وراء حجاب میں آنحضرت ﷺ بھی شریک ہیں۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

اس حجاب کا مطلب کسی جسم کا حائل ہونا نہیں ہے اور نہ یہ پردہ اللہ کی ذات اور نور کو چھپا سکتا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی ضعف ادراک اللہ کی تجلی کے لئے رکاوٹ بنا ہوا ہے ورنہ اللہ کے نور کے کمال ظہور میں تو شمہ بھر خفا نہیں ہے۔ سورج کی کمال روشنی کا تحمل دیکھنے والے کی آنکھوں کی خیرگی نہیں کر سکتی۔ اس لئے اس پر نگاہ نہیں ٹھہرتی اور سورج نظر نہیں آتا۔ پس یہاں قصور سورج کا نہیں بلکہ دیکھنے والے کا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کے لئے بھی یہی حجاب بشریت تھا جو دیدار الٰہی کا مانع بنا۔ لیکن آخرت میں یہ ضعف قوت سے بدل جائے گا اور مانع دور ہو جائے گا۔ اس لئے دولت دیدار میسر آ سکے گی اور دیدار کا تحمل ہو جائے گا۔ **فکشفنا عنک غطاء ک فبصر ک الیوم حدید.** کفار کی نگاہیں جب طاقت ور ہو جائیں گی تو اہل ایمان کا کیا پوچھنا۔

غرض کلام کا یہ سننا بھی عام ہے انبیاء کے لئے قطعی اور اولیاء کے لئے غیر قطعی جیسے: علامہ شعرانیؒ فاروق اعظمؓ کے لئے کہتے ہیں۔

تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ کے واسطہ سے اللہ کلام فرمائے گو فرشتہ نظر نہ آئے۔ مگر فرشتہ یا اس کی آواز کا ادراک قلب ہی کرے۔ حواس ظاہرہ کا چنداں دخل نہ ہو۔ حدیث عائشہؓ یا تینی فی مثل صلصلۃ الجرس اور روایت بخاری کے الفاظ **وھو اشدہ علی** اور آیت **نزل بہ الروح الامین. فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ** میں اشارہ اسی قسم کی طرف ہے۔ یہ کیفیت چونکہ خود پیغمبر پر تمام تر گزرتی ہے اور اس کے وجود کے باہر کوئی ہستی علیحدہ نظر نہیں آتی اور نہ یہ کلام اس طرح ہوتا ہے۔ جیسے: ایک آدمی دوسرے سے کلام کرتا ہے کہ پاس بیٹھنے والے بھی سمجھ لیتے ہیں۔ اس لئے اس کو وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وحی میں اخفاء اور جلد اشارہ کے معنی ہیں۔

فرشتہ کے ذریعہ وحی کی ایک اور شق:............فرشتہ کی معرفت وحی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مجسم فرشتہ نبی کے سامنے آ جائے اور روبرو پیغام الٰہی اس طرح پہنچائے۔ جیسے: کوئی ایک دوسرے سے بات کرتا ہے جیسا کہ جبرائیل امین دو مرتبہ اپنی اصل شکل میں اور اکثر دحیہ کلبیؓ کی شکل وصورت میں حضور ﷺ کے پاس آئے اور کبھی غیر معروف صورت میں بھی حاضر ہوئے اس وقت آنکھیں فرشتہ کو دیکھتیں اور کان آواز سنتے۔ بلکہ بعض اوقات پاس بیٹھنے والے بھی گفتگو سنتے اور سمجھتے تھے ممکن ہے حدیث عائشہؓ میں جو دو صورتیں بیان ہوئی ہیں یہ ان میں سے دوسری صورت ہو اور اس آیت کے آخری حصہ **اویرسل رسولا الخ** میں یہی صورت مراد ہو۔ باقی حجاب والی صورت نادر الوقوع ہونے کی وجہ سے حدیث عائشہؓ میں ذکر نہیں کی گئی ہوگی۔

اولیاء کا فرشتوں سے ہم کلام ہونا:............انبیاء کے علاوہ دوسروں کا فرشتوں سے ہم کلام ہونا جیسے حضرت مریمؑ کے ساتھ ہوا۔ اور شیخ اکبرؒ کی رائے یہی ہے کہ اس میں قطعی اور ظنی دونوں قسمیں ہوں گی۔ اگرچہ ایہام کی وجہ سے ظنی کو وحی کہنا جائز نہیں ہے۔ اور آیت میں ایک ہی قسم قطعی مراد ہے، دوسری قسم ظنی سے تینوں قسموں کا حصر متاثر نہیں ہوگا۔ کیونکہ مقسم میں صرف قطعی مراد لے لی جائے گی اور ظنی قسمیں دوسرے مستقل دلائل سے ثابت ہو جائیں گی۔

حاصل یہ کہ اللہ سے ہم کلامی کی صرف یہ تین صورتیں ہیں اور ان تینوں کو کلام کہنا بطور عموم مجاز ہے بالمشافہ اللہ سے کلام یہ انسانی طاقت

سے باہر ہے۔ پھر ان نالائقوں کو اس بے جا فرمائش کا کیسے حوصلہ ہوا۔ حالانکہ ان میں تو کفر کی وجہ سے ظنی طریقہ کلام کی بھی لیاقت نہیں ہے۔

ممکن ہے معترضین یہ کہیں کہ اچھا بالمشافہ نہ سہی۔ انہی مقررہ طریقوں میں کسی ایک طریقہ سے ہم سے بات کر لی جائے۔ اس کا جواب اس آیت میں ارشاد ہے۔ قالوا لن نؤ من حتیٰ نؤ تی مثل ما اوتی رسل اللّٰہ. اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالتہ. اور کلام میں بشر کی تخصیص محض اس لئے ہے۔ کہ گفتگو بشر ہی کے بارے میں تھی۔ اور یہ ممکن ہے کہ فرشتوں کو مستثنیٰ کرنا مقصود ہو کہ ان سے بالمشافہ کلام ہوتا ہوگا۔ اس پر اگر چہ کوئی دلیل نہیں ہے۔

انہ علی حکیم. یہ جملہ پہلے مضمون کی علت ہے۔ علی تو مستثنیٰ منہ کی علت ہے۔ یعنی وہ اس قدر عالی شان ہے کہ بالمشافہ اس سے کلام کی طاقت کسی میں بحالت موجودہ نہیں ہے۔ تاوقتیکہ وہ طاقت نہ دے۔ اور حکیم مستثنیٰ کی علت ہے۔ یعنی اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ کلام کی بعض صورتیں تجویز کر دی جائیں۔ اور بحالت موجودہ کی قید اس لئے لگائی۔ کہ بعض اکابر معراج میں آنحضرت ﷺ سے بالمشافہ کلام مانتے ہیں۔ اسی طرح حدیث جابرؓ میں فکلمہ کفاحاً کے الفاظ ہیں۔ یا جنت میں اہل جنت کو شرف ہم کلامی نصیب ہوگا۔ ان صورتوں میں حجاب ضعیف نہیں رہے گا۔

اور حدیث جابرؓ میں جو یہ فرمایا ہے کہ اللہ نے کسی اور سے روبرو کلام نہیں فرمایا۔ تو مطلب یہ ہے کہ ایسے درجہ کے کسی اور شخص سے ہم کلامی نہیں ہوئی۔ اس سے ان سے بڑے درجہ کے لوگوں سے نفی نہیں ہوئی۔

وحی سے پہلے اور وحی کے بعد نبی کے ایمانی منازل:............ وکذٰلک اوحینا. یعنی ہم اسی قاعدہ کے مطابق آپ کے پاس بھی وحی بھیج رہے ہیں اور اس کے وحی ہونے پر دلائل قائم ہیں۔ جن سے آپ کی نبوت ثابت ہے۔ معترضین کی فرمائش کے مطابق نبوت اس پر موقوف نہیں کہ ہم لوگوں سے بالمشافہ کہیں۔ کیونکہ جب باوجود صلاحیت کے آپ سے بالمشافہ کلام نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مقررہ طریقوں سے ہوتا ہے تو پھر یہ کس شمار میں ہیں۔

بعض حضرات نے روح سے مراد فرشتہ یعنی جبرائیل امین لیا ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ قرآن کو روح کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ مردہ دلوں کو زندگی بخشتا ہے اور جو قومیں روحانی اور اخلاقی موت مر چکی ہوتی ہیں۔ قران ان میں جان تازہ ڈال دیتا ہے۔

قرآن کا ہدایت کبریٰ ہونا اس سے واضح ہے کہ پیغمبر جو ایمان و عمل کا منبع اور مخزن ہوتا ہے۔ لیکن اس کی ساری تفصیلی بہار قرآن ہی کی بدولت ہے۔ اس سے پہلے آپ ان تفصیلات سے بے خبر تھے۔ اب آپ جس طرح اس پر خود کار بند ہیں دوسروں کو بھی سیدھی راہ بتلاتے رہتے ہیں۔ خواہ کوئی اس پر چلے یا نہ چلے۔ سیدھی راہ وہی ہے جس پر چل کر آدمی خدا تک پہنچتا ہے جو اس راہ سے بھٹکا۔ وہ خدا سے الگ ہوا۔ انسان کو چاہئے کہ شروع سے انجام پر نظر رکھے اور خدا تک پہنچنے کی راہ اختیار کرے۔

لطائف سلوک:............ وما کان لبشر. اس میں انبیاء کے علاوہ اوروں سے بھی اللہ کی ہم کلامی کی بعض خاص صورتوں کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ مفصل بیان گزر چکا ہے۔

وما کنت تدری سے معلوم ہو رہا ہے کہ ہر کامل اپنی ذات میں کمالات سے عاری ہے۔ سب کمالات عطیہ الٰہی ہیں۔ اور جس طرح اللہ کو عطا پر قدرت ہے، ان کے چھین لینے پر بھی قدرت ہے۔ اس لئے اپنے کسی کمال پر ہرگز ناز نہ کرے۔

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ وَقِيْلَ اِلَّا وَ سْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا الْاٰيَةُ تِسْعٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **وَالْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ **الْمُبِيْنِ**﴿۲﴾ الْمُظْهِرِ طَرِيْقَ الْهُدٰى وَمَا يَحْتَاجُ اِلَيْهِ مِنَ الشَّرِيْعَةِ **اِنَّا جَعَلْنٰهُ** اَوْجَدْنَا الْكِتَابَ **قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا** بِلُغَةِ الْعَرَبِ **لَعَلَّكُمْ** يَا اَهْلَ مَكَّةَ **تَعْقِلُوْنَ**﴿۳﴾ تَفْهَمُوْنَ مَعَانِيَهٖ **وَاِنَّهٗ** مُثْبَتٌ **فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ** اَصْلِ الْكُتُبِ اَيِ اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ **لَدَيْنَا** بَدَلٌ عِنْدَنَا **لَعَلِيٌّ** عَلَى الْكُتُبِ قَبْلَهٗ **حَكِيْمٌ**﴿۴﴾ ذُوْحِكْمَةٍ بَالِغَةٍ **اَفَنَضْرِبُ** نُمْسِكُ **عَنْكُمُ الذِّكْرَ** الْقُرْاٰنَ **صَفْحًا** اِمْسَاكًا فَلَا تُؤْمَرُوْنَ وَلَا تُنْهَوْنَ لِاَجْلِ **اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ**﴿۵﴾ **وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ**﴿۶﴾ **وَمَا** كَانَ **يَاْتِيْهِمْ** اَتَاهُمْ **مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ**﴿۷﴾ كَاسْتِهْزَاءِ قَوْمِكَ بِكَ وَهٰذَا تَسْلِيَةٌ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ** مِنْ قَوْمِكَ **بَطْشًا** قُوَّةً **وَّمَضٰى** سَبَقَ فِيْ اٰيَاتٍ **مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ**﴿۸﴾ صِفَتُهُمْ فِي الْاِهْلَاكِ فَعَاقِبَةُ قَوْمِكَ كَذٰلِكَ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ** حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي النُّوْنَاتِ وَوَاوُ الضَّمِيْرِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ **خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ**﴿۹﴾ اٰخِرُ جَوَابِهِمْ اَيِ اللّٰهُ ذُوالْعِزَّةِ وَالْعِلْمِ زَادَ تَعَالٰى **الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا** فِرَاشًا كَالْمَهْدِ لِلصَّبِيِّ **وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا** طُرُقًا **لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ**﴿۱۰﴾ اِلٰى مَقَاصِدِكُمْ فِيْ اَسْفَارِكُمْ **وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ** اَيْ بِقَدَرِ حَاجَتِكُمْ اِلَيْهِ وَلَمْ يُنْزِلْهُ طُوْفَانًا **فَاَنْشَرْنَا** اَحْيَيْنَا **بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ** اَيْ مِثْلَ هٰذَا الْاِحْيَاءِ **تُخْرَجُوْنَ**﴿۱۱﴾ مِنْ قُبُوْرِكُمْ اَحْيَاءً **وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ** الْاَصْنَافَ **كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ** السُّفُنِ **وَالْاَنْعَامِ** كَالْاِبِلِ **مَا تَرْكَبُوْنَ**﴿۱۲﴾ حُذِفَ

العائد اختصار او هو مجرور في الاول اى فيه منصوب في الثانى **لتستوا** لتستقروا **على ظهوره** ذكر الضمير وجمع الظهر نظرا للفظ ما ومعناها **ثم تذكروا نعمة ربكم اذا استويتم عليه وتقولوا سبحن الذى سخر لنا هذا وما كنا له مقرنين** ﴿۱۳﴾ مطيقين **وانا الى ربنا لمنقلبون** ﴿۱۴﴾ لمنصرفون **وجعلوا له من عباده جزءا** حيث قالوا الملئكة بنات الله لان الولد جزء الوالد و الملئكة من عباد الله **ان الانسان** القائل ذلك **لكفور مبين** ﴿۱۵﴾ بين ظاهر الكفر **ام** بمعنى همزة الانكار والقول مقدر اى اتقولون **اتخذ مما يخلق بنت** لنفسه **واصفكم** اخلصكم **بالبنين** ﴿۱۶﴾ اللازم من قولكم السابق فهو من جملة المنكر **واذا بشر احدهم بما ضرب للرحمن مثلا** جعل له شبها بنسبة البنات اليه لان الولد يشبه الوالد المعنى اذا اخبر احدهم بالبنت تولد له **ظل** صار **وجهه مسودا** متغيرا تغير مغتم **وهو كظيم** ﴿۱۷﴾ ممتلئ غما فكيف ينسب البنات اليه تعالى عن ذلك **او** همزة الانكار وواو العطف لجملة اى يجعلون لله **من ينشؤا** اى يربى **فى الحلية** الزينة **وهو فى الخصام غير مبين** ﴿۱۸﴾ مظهر الحجة لضعفه عنها بالانوثة **وجعلوا الملئكة الذين هم عباد الرحمن اناثا اشهدوا** حضروا **خلقهم ستكتب شهادتهم** بانهم اناث **ويسئلون** ﴿۱۹﴾ عنها في الأخرة فيترتب عليها العقاب **وقالوا لو شاء الرحمن ما عبدنهم** اى الملئكة فعبادتنا اياهم بمشيته فهو راض بها قال تعالى **ما لهم بذلك** المقول من الرضا بعبادتها **من علم ان** ما **هم الا يخرصون** ﴿۲۰﴾ يكذبون فيه فيترتب عليهم العقاب به **ام اتينهم كتبا من قبله** اى القرآن بعبادة غير الله **فهم به مستمسكون** ﴿۲۱﴾ اى لم يقع ذلك **بل قالوا انا وجدنا ابآءنا على امة** ملة **وانا** ماشون **على اثرهم مهتدون** ﴿۲۲﴾ بهم وكانوا يعبدون غير الله **وكذلك ما ارسلنا من قبلك فى قرية من نذير الا قال مترفوها** متنعموها مثل قول قومك **انا وجدنا ابآءنا على امة** ملة **وانا على اثرهم مقتدون** ﴿۲۳﴾ متبعون **قل** لهم اتتبعون ذلك **ولو جئتكم باهدى مما وجدتم عليه ابآءكم قالوا انا بما ارسلتم به** انت ومن قبلك **كفرون** ﴿۲۴﴾ قال تعالى تخويفا لهم **فانتقمنا منهم** اى من المكذبين للرسل قبلك **فانظر كيف كان عاقبة المكذبين** ﴿۲۵﴾

سورۂ زخرف مکی ہے اور ایک روایت میں واسئل من ارسلنا کے علاوہ۔ نواسی آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم.

ترجمہ: .... حم (اس کی قطعی مراد اللہ کو معلوم ہے) قسم ہے اس کتاب (قرآن) واضح کی (جو ہدایت کی راہوں اور ضروریات

شریعت کو ظاہر کردینے والی ہے) کہ ہم نے اس کو کر دیا ہے (کتاب کو موجود) قرآن عربی زبان (لغت عرب) میں تا کہ تم (مکہ والو) سمجھ سکو (اس کی مرادات) اور وہ (ثابت ہے) بنیادی (اصل) کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں ہمارے پاس (یہ بدل ہے بمعنی عندنا) بلندرتبہ ہے (پچھلی کتابوں پر) حکمت بھری (انتہائی حکمت والی) ہے۔ کیا ہم تم سے ہٹالیں گے (روک لیں گے) اس نصیحت (قرآن) کو (کہ نہ تمہیں کوئی حکم دیا جائے اور نہ تمہیں کسی چیز کی ممانعت کی جائے محض اس لئے) کہ تم حد سے گزرنے والے ہو اور کتنے پیغمبر ہم پچھلے لوگوں میں بھیجتے رہے اور کوئی نبی ان کے پاس ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ انہوں نے ٹھٹھا نہ کیا ہو (جیسے: آپ کی قوم آپ کا ٹھٹھا کررہی ہے۔ اس میں آنحضرت کو تسلی ہے) پھر ہم نے ان لوگوں کو غارت کر ڈالا جو ان (آپ کی قوم والوں) سے زیادہ زور آور (طاقت ور) تھے اور ہو چکی ہے (آیات میں گزر چکی ہے) پہلے لوگوں کی حالت (تباہی کی کیفیت، یہی انجام آپ کی قوم کا بھی ہوسکتا ہے) اور اگر (لام قسمیہ ہے) آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کی ہے؟ تو ضرور یہی کہیں گے (لیقولن میں نون رفع تو تین نون جمع ہو جانے کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے اور واؤ ضمیر دوساکن جمع ہو جانے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے) کہ ان کو زبردست جاننے والے نے پیدا کیا ہے (یہاں تک ان کا جواب پورا ہو گیا۔ مراد اس سے اللہ ہے جو ذی عزت اور ذی علم ہے۔ آگے حق تعالیٰ اضافہ فرمارہے ہیں) جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا (جیسے: بچہ کے لئے جھولا اور پالنا ہوتا ہے) اور اس میں تمہارے لئے اس نے راستے بناڈالے۔ تا کہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو (سفر میں جو تمہارے مقاصد ہوں) اور جس نے آسمان سے پانی ایک انداز سے برسایا (یعنی تمہاری ضرورتوں کے مطابق بارش ہوتی ہے۔ طوفانی صورت میں نہیں) پھر ہم نے اگایا (پیداواری کردی) اس کے ذریعہ مردہ زمین کو اسی طرح (یعنی اس جلانے کی طرح) تم نکالے جاؤ گے (اپنی قبروں سے زندہ کر کے) اور جس نے تمام اقسام (صنفیں) بنائیں اور تمہاری وہ کشتیاں اور چوپائے (جیسے اونٹ) بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو (اس میں اختصار کے طور پر عائد کو حذف کر دیا گیا ہے اور وہ پہلے لفظ میں مجرور یعنی فیــہ ہے اور دوسرے لفظ میں منصوب ہے) تا کہ تم اس کی پیٹھ پر جم کر (مضبوطی سے) بیٹھو، (ضمیر کو مذکر اور لفظ ظہر کو جمع لایا گیا۔ مـا کے لفظ اور معنی کی رعایت کرتے ہوئے) پھر جب تم اس پر بیٹھ چکو تو اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو اور یوں کہو کہ اس کی ذات پاک ہے جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو ایسے (طاقت ور) نہ تھے جو ان کو قابو میں کر لیتے اور ہم کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور ان لوگوں نے خدا کے بندوں میں سے خدا کا جز ٹھہرادیا (چنانچہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اور بیٹا باپ کا جز ہوتا ہی ہے۔ حالانکہ فرشتے خدا کے بندے ہیں) واقعی انسان (جس کا عقیدہ یہ ہو) صریح ناشکرا ہے (جس کا کفر واضح ہے) کیا (ہمزہ انکار کے معنی میں ہے اور قول مقدر ہے یعنی اتــقــولــون) خدا نے پسند کیں (اپنے لئے) بیٹیاں اور تمہارے لئے خاص (انتخاب) کئے بیٹے (جو تمہارے پہلے قول سے لازم آرہا ہے۔ اس لئے یہ بات بھی قابل رد ہے) حالانکہ جب تم میں سے کسی کو خوشخبری دی جاتی ہے اس چیز کے ہونے کی جس کو خدائے رحمان کے لئے نمونہ بنا رکھا ہے (اللہ کے لئے لڑکیوں کی تجویز کرنا نمونہ ماننا ہے کیونکہ اولاد باپ کا نمونہ ہوتی ہے حاصل یہ ہے کہ جب تم میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے) تو سارا دن اس کا چہرہ بے رونق (غم کے مارے کالا) رہتا ہے اور دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ہے (غم سے گھٹتا ہے، پھر خدا کی طرف نسبت کرنا کیسے ہے جب کہ وہ نفس اولاد ہی سے پاک ہے) کیا (ہمزہ انکار ہے اور واؤ جملہ کے عطف کے لئے ہے یعنی یجعلون للہ) جو کہ پرورش پائے (پلے) آرائش (زیب وزینت) میں اور مباحثہ میں قوت بیانیہ نہ رکھے (صنف نازک ہونے کی وجہ سے دلیل کے اظہار میں کمزور ہو) اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے۔ کیا یہ لوگ موجود (حاضر) تھے فرشتوں کی پیدائش کے وقت ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا ہے (کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں) اور ان سے باز پرس ہوگی (اس کے متعلق آخرت میں۔

چنانچہ اس پر سزا ہوگی) اور وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر چاہتا اللہ تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے (یعنی فرشتوں کی، لہذا ہمارا فرشتوں کی بندگی کرنا اللہ کے ارادہ سے ہے تو اس کی مرضی سے بھی ہوا۔ فرماتے ہیں) اس کو اس کی (اپنے پرستش کرنے کو اللہ کی رضامندی کی دلیل کہنا) کچھ تحقیق نہیں ہے یہ محض بے تحقیق بات ہے (غلط بات کہہ رہے ہیں لہذا اس کی سزا پائیں گے) کیا ہم نے ان کو اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب دے رکھی ہے (غیر اللہ کی پرستش کے متعلق) کہ یہ اس سے استدلال کرتے ہیں (یعنی ایسے نہیں ہوا) بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ (دستور) پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم پر راستہ چل رہے ہیں (چنانچہ پہلے لوگ غیر اللہ کی پرستش کیا کرتے تھے) اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا۔ مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا (مالداروں نے جیسے آپ کی قوم کے لوگ کہہ رہے ہیں) کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ (دستور پر) پایا ہے اور ہم بھی انہی کے پیچھے پیچھے (پیروی میں) چل رہے ہیں۔ ان کے پیغمبران سے بولے کہ کیا (پھر بھی تم پیروی کرتے رہو گے) اگرچہ میں اس سے بہتر طریقہ تمہارے پاس لے کر آیا ہوں کہ جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہو وہ کہنے لگے کہ جس پیغام کو دے کر تمہیں (اور تم سے پچھلوں کو) بھیجا گیا ہے ہم اس کو مانتے ہی نہیں (حق تعالیٰ ان کو دھمکاتے ہوئے فرماتے ہیں) سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا (جو آپ سے پہلے پیغمبروں کو جھٹلانے والے تھے) سو دیکھئے کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟

تحقیق وترکیب: .... المبین. قرآن کا واضح ہونا بلحاظ معانی اولیہ کے ہے اور اصول دینیہ کے ترغیبی ترہیبی ہونے کے اعتبار سے ہے۔ اسی حیثیت سے اس کو آسان اور سہل بھی کہا گیا ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ احکام ومسائل فرعیہ جزعیہ کا استنباط بھی سہل ہے۔ تاکہ ہر شخص کو اجتہاد کا حق اور اجازت ہو جائے۔

انا جعلناہ. جیسا کہ ابھی گزرا کہ ان جیسے الفاظ معتزلہ خلق قرآن کے نظریہ پر استدلال میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہاں جعل بمعنی خلق نہیں۔ بلکہ بمعنی صیر ہے۔ کیونکہ سیاق کلام قرآن کی مخلوقیت کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ اس کی عربیت بیان کرنے کے لئے ہے کہ اول مخاطب کی رعایت سے اس زبان کا انتخاب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ لعلکم تعقلون سے واضح ہے۔ اور بالفرض اگر مخلوق ہونے پر دلالت بھی ہو تب بھی کلام لفظی کے مرتبہ میں مخلوق ہونا معلوم ہوگا۔ جس کے اہل سنت منکر نہیں ہیں۔ البتہ حنابلہ کے خلاف ہوگا۔ بلکہ ام الکتاب کی تفسیر اگر علم الٰہی سے کی جائے تو آیت سے کلام نفسی کا قدیم ہونا ثابت ہو جائے گا۔

لدینا سے مراد مرتبہ صفات ہے جو ذات سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

لعلی کے معنی کونہ عالیا عن الحدوث اور حکیم کے معنی محکم کے ہیں اور قدیم ظاہر ہے کہ نا قابل تبدیل ہوتا ہے۔ بہر حال یہ دونوں مسئلے اگرچہ عقلی ہیں مگر اس سے نقل کی بھی تائید ہو رہی ہے۔

وانہ فی ام الکتاب. پہلے جواب قسم پر اس دوسرے جواب قسم کا عطف ہے اور مفسرؒ نے مثبت سے جار مجرور کے خبر ان ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور لعلی خبر ثانی ہو جائے گی اور ام الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے وہی تمام کتب الٰہیہ کی بنیاد ہے۔ اور لدینا ام الکتاب سے بدل ہے اور قرآن ہر لحاظ سے دوسری کتب پر فائق ہے اس لئے اس کو علی کہا گیا۔ یہ دونوں لفظ ان کی خبر ہیں۔

افنضرب. استفہام انکاری ہے اور فا مقدر کے لئے عاطفہ ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ انھملکم.

فنضرب اور ضرب کے معنی امسک کے ہیں۔ ضربت عنہ واضربت عنہ کہہ کر چھوڑنے کے معنی لئے جاتے ہیں اور زمخشریؒ مجاز ابعید کر دینے کے معنی لیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ ضرب الغرائب من الحرض.

صفحاً. مفعول مطلق ہے معنا نضرب کا۔ کہا جاتا ہے۔ ضرب عن کذا واضرب عنہ. اعراض کرنے کے معنی ہیں اور

فاعل حال ہونے کی وجہ سے بھی منصوب مانا جاسکتا ہے بمعنی صافحین. تیسری صورت یہ ہے کہ مفعول مطلق تاکید کے لئے ہو۔ مضمون جملہ کی اس صورت میں عامل محذوف ہوگا جیسے صنع اللّٰہ. چوتھی صورت یہ ہے کہ مفعول لہ، کہا جائے مفسرؒ نے فلا تؤ مرون الخ سے قتادہؒ کی تفسیر نقل کی ہے۔ لیکن مجاہدؒ وسدیؒ اس طرح تفسیر کررہے ہیں۔ افتعرض انکم و نترککم فلا نعا قبکم علیٰ کفرکم.

وکم ارسلنا. کم خبریہ ہے ارسلنا کا مفعول مقدم ہے اور من نبی تمیز ہے اور فی الا ولین متعلق ہے۔

یاتیھم. مفسرؒ نے مضارع کو ماضی کے معنی میں ہونے کی طرف اشارہ ہے اور مضارع لانے میں اس صورت عجیبہ کا استحضار مقصود ہے۔

اشدمنھم. یہ صفت ہے محذوف کی جو فی الحقیقت مفعول ہے۔ ای اھلکنا قوما ھم المستھزؤن برسلھم اشد منھم ای من قومک.

بطشا. اس کو تمیز ماننا بہ نسبت حال ماننے کے زیادہ اچھا ہے۔

مثل الا ولین. قرآن میں گذشتہ تاریخی حالات جگہ جگہ بیان ہوئے ہیں۔ اس جملہ میں وعدہ ووعید دونوں آگئے۔

و لئن سالتھم. لام قسمیہ لیقولن جواب قسم ہے اور جواب شرط اس کی وجہ سے حذف کردیا گیا۔ کیونکہ قاعدہ یہی ہے کہ آخری جواب حذف کردیا جاتا ہے۔

العزیز العلیم. یعنی کفار کا جواب اس پر ختم ہوگیا۔ اس لئے ابو حاتمؒ اس پر وقف کرتے ہیں۔ کیونکہ اگلے جملوں میں بعثت کا اظہار ہے اور کفار کی طرف سے اس کا انکار تھا۔ اس لئے وہ جملے ان کے نہیں ہوسکتے۔

خلق الازواج. یعنی زوج کے مشہور معنی مراد نہیں بلکہ بمعنی صنف ہے۔

ما ترکبون. رکبت الدابۃ کہا جاتا ہے بقول زمخشریؒ ترکبونہ کے معنی ہیں۔ یعنی متعدی بالواسطہ پر متعدی بلا واسطہ کی تغلیب کرلی گئی ہے اور عائد محذوف ہونے کا مطلب من الفلک سے ہے۔

علیٰ ظھورہ. لفظ ظہور جمع اور اس کے ساتھ ضمیر مفرد مذکر لائی گئی ہے۔ لفظ ما کی لفظی ومعنوی رعایت کرتے ہوئے۔

ثم تذکروا. یعنی سواریاں نقل مکانی کے لئے ہوتی ہیں۔ لیکن اس سے نقل عظمیٰ کی طرف رہنمائی ہونی چاہئے۔ یعنی انقلاب الی اللہ۔ چنانچہ طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان سوار ہونے کے وقت یہ الفاظ کہے اور یاد کرے کہ آخری وقت جنازہ پر سوار ہوکر اللہ کی طرف جانا ہوگا۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ ہر قسم کی سواری پر یہ الفاظ پڑھنے چاہئیں اور بعض کے نزدیک یہ جانور کی سواری کے لئے مخصوص ہے۔ جیسا کہ وما کنا لہ مقرنین اس کا قرینہ ہے۔ کیونکہ سرکشی اور اطاعت جانوروں میں ہی ہوسکتی ہے نہ کہ کشتی، جہاز، موٹر، اسکوٹر، ٹرین، ہوائی جہاز وغیرہ میں۔ اس پر سواری کے وقت بسم اللہ مجرھا الخ پڑھنا چاہئے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان سواریوں کا قابو سے باہر ہوجانا جانور سے بھی زیادہ خطرناک اور تباہ کن ہوسکتا ہے۔ اس لئے یہ الفاظ ہر طرح کی سواریوں میں پڑھنے چاہئیں۔

اور گو حدیث میں صرف جانور کی سواری میں اس کا پڑھنا منقول ہے۔ لیکن اول تو اس زمانہ میں کشتی میں سوار ہونے کا کم اتفاق ہوتا ہوگا۔ دوسرے کشتی میں پڑھنے کی نفی بھی کہیں نہیں ہے۔ بلکہ سیاق وسباق سے متبادر یہی ہے کہ کشتی وغیرہ میں بھی پڑھے۔

وجعلوا لہ. اس کا عطف مضمون سابق پر ہوگا۔ ای اعترفوا بخالقیۃ اللہ وجعلوا لہ الخ.

جزءاً. جعل کا مفعول اول ہے اور جعل سے مراد تصییر قولی ہے۔ ای حکموا اور سموا اوا عتقدوا کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے۔ اور کفار سے اللہ کی جزئیت کا اعتقاد اگرچہ صراحۃً کہیں منقول نہیں۔ مگر اس کے لئے اولاد ہونے کے قائل تھے اور وہ معنی

حقیقی کے لحاظ سے مستلزم جزئیت ہی ہے۔

واصفاکم. یعنی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہنے سے بطور لازم یہ مفہوم لازم ہو رہا ہے کہ ان کے لئے صرف نرینہ اولاد مخصوص ہے۔

بما ضرب. ما موصولہ ہے ضرب بمعنی جعل ہے اس کا مفعول اول جو عائد بھی ہے محذوف ہے۔ای ضربه. اور مثلاً مفعول ثانی ہے شَبَھًا کہہ کر مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ مثل یہاں کہاوت کے مشہور معنی میں نہیں ہے بلکہ مشابہ کے معنی میں ہے۔

او من ینشوءا. عام قراءت تو ینشاء فتح یا اور سکون نون کے ساتھ ہے اور ضمہ یا اور فتحہ نون اور تشدید شین کے ساتھ ہے بصیغہ مجہول لیکن قراءت شاذہ ضمہ یا کے ساتھ بحالت تخفیف ہے اور ینا شاء مثل یقاتل مجہول ہے۔

غیر مبین. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ ابان متعدی سے ماخوذ ہے۔

وجعلوا الملئکة. فرشتے جو اعلیٰ ترین بندے ہیں ان کے لئے انوثیت کی خسیس صفت ثابت کرنا غلط ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جب ان سے پوچھا کہ تمہیں یہ کہاں سے پتہ چلا ہے؟ تو کہنے لگے باپ دادا سے ایسے ہی سنتے چلے آ رہے ہیں اور ہم اس کے شاہد ہیں کہ انہوں نے غلط بیانی نہیں کی ہوگی۔اس پر ستکتب شهادتهم الفاظ نازل ہوئے۔

ما لهم بذلك من علم. یعنی مشیت الٰہی چونکہ فرشتوں کی پرستش نہ کرنے کی نہیں ہوئی۔اس لئے کفار اس کو دلیل رضامندی بنا رہے ہیں۔حالانکہ ان کا یہ دلیل بنانا غلط ہے۔کیونکہ مشیت نام ہے ممکن کی دونوں جانبوں میں سے کسی ایک جانب کو ترجیح دینے کا خواہ وہ مامور ہو یا ممنوع، مستحسن ہو یا غیر مستحسن۔ پھر مشیت کو دلیل بنانا کیسے صحیح ہوگا۔معتزلہ اور اہل سنت کے نقطۂ نظر میں بھی تقریباً یہی فرق ہے۔

ام اتینا هم. یعنی کسی چیز کا ثبوت یا مشاہدہ سے ہوا کرتا ہے اور یا نقل سے اور یہاں دونوں ہیں۔

من قبله. یعنی مرجع اس کا قرآن ہے یا رسول۔

بل قالوا. یعنی عقلی، نقلی اور عینی اور تینوں صورتیں ان کے پاس ثبوت کی نہیں لے دے کر صرف پرانی لکیر کے فقیر ہونا ہے۔ سو اس کا حال آگے آ رہا ہے۔

علیٰ امة. بمعنی مقصد طریقہ ہے جیسے رحل بمعنی مرحول الیہ آتا ہے ایسے ہی امة بمعنی ملة ہے۔

وانا علیٰ اثارهم. مفسرؒ نے متعلق کے محذوف ہونے اور اس کے خبر ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔

مهتدون. یہ خبر ثانی ہے اور بعض کی رائے ہے کہ علیٰ آثار هم حال ہے فاعل مهتدون سے کائنین علیٰ اثارهم.

ما ارسلنا. یہ جملہ مستانفہ ہے۔

او لو جئتكم. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ ہمزہ فعل مقدر پر داخل ہے اور واؤ حالیہ ہے۔

اهدی. بلا دلیل محض اندھی تقلید اگر چہ غلط اور گمراہی ہوتی ہے۔مگر آیت میں اس کو ہدایت کہنا بطور ارخاء وعنان ہے۔تا کہ یہ نرم روی مخاطب پر اثر انداز ہو جائے اور وہ نرما جائے۔اس طرح نصیحت کارگر اور مفید ہو جاتی ہے۔

ربط آیات:............اس سورت کے مضامین کا خلاصہ یہ ہے:۔

۱۔ توحید کا اثبات۔

۲۔ شرک کا بطلان۔

۳۔ اور بتوں کے جہنم رسید ہونے پر کفار کے اعتراض کی لغویت۔

۴۔ وحی و رسالت کا اثبات۔

۵۔اور رسالت سے متعلق بعض شبہات کا جواب۔
۶۔اور آنحضرت ﷺ کو تسلی اور درگزر کرنے کا حکم۔
۷۔دنیا کی تحقیر۔
۸۔اور نبوت کے استحقاق واہلیت میں مال کا دخیل نہ ہونا۔
۹۔منکرین کے لئے تہدید۔
۱۰۔حضرت ابراہیم وموسیٰ عیسیٰ علیہم السلام کے حالات جن سے توحید ورسالت کی تائید اور قائلین ومنکرین قیامت کے لئے وعدہ ووعید کا بیان، نیز پچھلی سورت کے خاتمہ اور اس سورت کے افتتاح میں رسالت کا مضمون مشترک ہے۔

﴿تشریح﴾:.......... والکتٰب المبین. یہاں قسم کا استعمال عرب کی عادت کے مطابق تاکید کلام کے لئے تو ہے ہی۔لیکن خود جواب قسم کی دلیل بھی ہے۔کیونکہ قرآن میں غور کرنے سے اس کا اعجاز ظاہر ہے اور وہ دلیل ہے اللہ کی طرف سے نازل ہونے کی۔پس ایک ذات کی ایک صفت دوسری صفت کی دلیل ہے اور عربی زبان چونکہ اول مخاطبین کی مادری زبان ہے۔ان کے ذریعہ سے دنیا کی قومیں اس کتاب کو سیکھیں گی۔اس لئے اس سے قرآن کے خطاب عام پر اشکال نہ کیا جائے۔
اور لدینا. شرف وخصوصیت کے اعتبار سے فرمایا۔پس یہ قرب رتبی ہے قرب مکانی نہیں ہے۔

قرآن کی خوبیاں اور خصوصیات:.......... انه فی ام الکتاب الخ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم بھی دوسری کتب سماویہ کی طرح نزول سے پہلے لوح محفوظ میں لکھا گیا تھا اور وجوہ اعجاز اور اسرار وحکم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے وہ نہایت بلند مرتبہ ہے اور تبدیل وتحریف سے محفوظ رہنے کی وجہ سے نہایت مستحکم ہے۔اس کے دلائل نہایت مضبوط اور احکام غیر منسوخ ہیں۔اس کا ہر حکم حکمت لئے ہوئے اور تمام مضامین اصلاح معاش ومعاد کے سلسلہ میں اعلیٰ ترین ہدایات اور حکیمانہ خوبیوں سے لبریز ہیں اور ان تمام محاسن پر خود قرآن ہی اپنا مشاہد ہے۔
افنضرب. یعنی باوجود تمہاری شرارتوں کے کتاب الٰہی کا نزول اور دعوت ونصیحت کا سلسلہ بند نہیں کیا جائے گا۔اول تو بہت سی سعید روحیں اس سے مستفید ہوں گی۔دوسرے منکرین پر کامل طور سے اتمام حجت بھی کرنا ہے اس لئے اللہ کی رحمت وحکمت کا یہ سلسلہ موقوف نہیں ہوگا۔چنانچہ پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا۔ان کی تعلیمات کو جھٹلایا گیا۔مگر اس کی وجہ سے پیغمبری کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔اے منکرین! تم سے پہلے ان مکذبین کی مثالیں گزر چکی ہیں۔جو زور وقوت میں تم سے کہیں زیادہ تھے جب وہ اللہ کی پکڑ سے نہ بچ سکے تو تم کس ہوا میں ہو؟

جو خالق ہے وہی معبود ہے:.......... ولئن سالتهم سے اللہ کی عظمت وقدرت اور کمال تصرف کا ذکر ہے اور تخلیق میں اس کا یگانہ ہونا اس کے الوہیت میں یگانہ ہونے کو مستلزم ہے۔پس گویا اللہ کی الوہیت خود ان کے اقرار سے ثابت ہوگئی۔
خدا کے ان گنت انعامات میں سے زمین کا قابل رہائش بنا دینا ہے۔اس میں اللہ نے راستے بنا دیئے کہ جہاں آبادیاں ہیں انسان چل پھر کر ایک دوسرے سے مل سکیں اور تمدن کے تقاضے پورے ہو سکیں۔وہ بارشیں برساتا ہے تو وہ بھی بے اندازہ نہیں۔بلکہ اپنے علم وحکمت کے مناسب اندازوں کے ساتھ۔اور جس طرح اللہ ہر فصل پر مردہ زمینوں میں باران رحمت کے ذریعے زندگی کی بہار دکھلاتا

رہتا ہے۔ اسی طرح مردہ جسموں میں جان ڈال کر قبروں سے نکال کھڑا کرے گا۔

دنیا میں جتنی چیزوں کے جوڑے ہیں اور مخلوق ہیں، جتنی قسمیں ہیں اور متماثل یا متقابل انواع واصناف ہیں سب اللہ ہی کی بنائی ہوئی ہیں۔ انسان سے زیادہ طاقت ور، قوی الجثہ جانوروں کو اس کے قابو میں کرنا اور مختلف سواریوں اور ان کے کل پرزوں کی ایجادات کا سہرا انسان کے سر باندھنا یہ اللہ ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اللہ کی اس تسخیری نعمت کا اعتراف وشکر گزاری انسان پر لازم ہے اور یہ شکر گزاری اسی طرح انسان کو اللہ کے آگے جھکا دیتی ہے۔ جیسے مصیبتوں میں صبر خدا کی طرف مڑنے پر انسان کو مجبور کرتا ہے۔

غرض کہ دنیا کے اس سفر سے سفر آخرت کو یاد کرو۔ آنحضرت ﷺ سوار ہوتے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے اور احادیث میں اور دعائیں اوراذکار بھی آئے ہیں۔

اللہ کی شان میں حددرجہ گستاخی: .... وجعلوا لہ۔ یعنی افسوس کہ انسان اللہ کی صریح ناشکری پر اتر آیا۔ اس سے بڑھ کر ناشکری اور گستاخی اور کیا ہوگی کہ اس کے لئے اولاد تجویز کر بیٹھا جو عقلاً محال ہے۔ کیونکہ اولاد باپ کا جز ہوتی ہے۔ جس سے اللہ کا ذی اجزاء یعنی مرکب ہونا اور حادث ہونا لازم آتا ہے۔ دوسرے اولاد ماں باپ کی ہم جنس ہوتی ہے۔ اگر ہم جنس نہ ہوتو عیب ہے اور خالق و مخلوق میں جنسیت ہوتو کیسے؟ تیسرے یہ کہ اولاد میں یہ لوگ لڑکیوں کو کم درجہ سمجھتے ہیں اور یوں بھی قوائے جسمانیہ اور عقلیہ کے لحاظ سے عموماً لڑکیاں لڑکوں سے کم ہی ہوتی ہیں۔

پس گویا اللہ کے لئے اولاد بھی گھٹیا قسم کی تجویز کی۔ کیا تمہیں شرم نہیں آئی کہ اپنے لئے تو بڑھیا اولاد پسند اور خدا کے لئے گھٹیا اولاد۔ جو عقلاً عرفاً دونوں طرح غلط۔ جب کہ خود تمہارا حال یہ ہے کہ اگر تمہیں بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی جائے تو مارے رنج اور غصہ کے پیشانی پر بل پڑ جائیں اور یوں شرما حضوری زبان سے کچھ نہ کہو۔ مگر دل ہی دل میں پیچ وتاب کھاتے رہو۔

مجموعی اعتبار سے عورت مرد سے کمزور اور کم سمجھ ہوتی ہے: .... یہاں تک الزامی رد تھا۔ آگے او من ینشوءا سے تحقیقی رد ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ گو لڑکی ہونا فی نفسہ عار وذلت کا باعث نہیں۔ جیسا کہ تم جہالت سے سمجھتے ہو۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ عوارض سے قطع نظر لڑکی اپنی اصل وضع کے اعتبار سے کمزور اور کم سمجھ ہوتی ہے۔ آخر یہ اس کی ناسمجھی ہی تو ہے کہ عادۃً وہ آرائش وزیبائش پسند ہوتی ہے۔ زیورات اور سجاوٹ ہی میں اس کی نشوونما ہوتی ہے جو دلیل ہے کم عقلی اور ضعف رائے کی۔ اور مباحثہ کے وقت قوت بیانیہ نہیں رکھتی۔ جو دلیل ہے قوت فکریہ کے ضعف کی۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ عورتیں ہمیشہ ادھوری بات کہتی ہیں یا گفتگو میں فضول اور زائد باتیں ملا دیتی ہیں۔ جن کا مطلب سے ادنیٰ تعلق نہیں ہوتا۔ اور مباحثہ کی تخصیص اس لئے کردی کہ عادۃً اس میں زیادہ زور دکھلانے کی ضرورت ہوتی ہے اور جب ضرورت کے موقعہ پر عجز کلام ہے تو بدرجہ اولیٰ ضعیف ہوگا۔ غرض کہ ہر طویل گفتگو میں وہ مات کھا جاتی ہیں اور معمولی جملوں کا عمدہ طریقہ سے ادا کر دینا قوت گویائی کی دلیل نہیں ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فی زمانہ عورتیں ہر میدان میں ترقی کا ریکارڈ قائم کر رہی ہیں۔ لیکن قرآن کریم کا یہ بیان بحالہ ایک حقیقت ہے۔ کیونکہ اول تو عورتوں کی تمام تر ترقیات خود ان کے ماضی کے اعتبار سے ہیں۔ مردوں کے مقابلہ میں نہیں۔ بلکہ ان ترقیات کے باوجود مردوں کے مقابلہ میں اب بھی ان میں فاصلہ ماننا پڑے گا۔ اور بالفرض اگر کسی وقت یہ فاصلہ نہ بھی رہے یا معاملہ برعکس ہو جائے تب بھی کلام الٰہی کی سچائی پر شبہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ گفتگو عوارض سے قطع نظر محض اصل وضع کے اعتبار سے ہے۔ لیکن عوارض کی رو سے جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ اگر یہ نسبت متاثر ہو جائے تو وہ عوارض کی بات ہوگی۔

رہا عورت کی طرف سے فی الخصام کے جواب میں یہ کہنا کہ وہ عارض ملکیت ہے جو جابر نقصان ہے۔ سو اس عارض کا مؤثر ہونا ان کو ثابت کرنا ہوگا ورنہ مطلق عارض کافی نہیں ہے۔

فرشتے نہ مرد ہیں نہ عورت: .... وجعلوا الملئکۃ۔ اس میں تیسری خوبی کا بیان ہے کہ فرشتوں کو عورتوں میں داخل کر کے دیویاں کہنا یہ ان کا ایک اور جھوٹ ہے۔ کیونکہ فرشتے ہونے کے وقت یہ کھڑے دیکھ رہے تھے۔ جو انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ مرد نہیں عورت ہیں۔ بہت اچھا ان کی یہ گمراہی دفتر اعمال میں لکھی جارہی ہے۔ اللہ کی عدالت عالیہ میں پیشی کے وقت ان سے جرح ہوگی۔ کہ تم نے یہ کیوں کہا تھا۔ اور کہاں سے کہا تھا؟

بہر حال یہ دعویٰ بلا دلیل غلط ہے جھوٹ ہے۔ خاص کر عقائد میں۔ اب پھر جب اس کے ساتھ اور بھی مفاسد ہوں تو کریلا اور نیم چڑھا ہے۔

مشرکین کی دلیل کا تار و پود: .... یہاں تک تو فرشتوں کے اولاد اور بیٹیاں ہونے کے بارہ میں گفتگو تھی۔ اب آگے وقالوا سے ان کی معبودیت کے متعلق کلام ہے کہ ملاحظہ ہو یہ لوگ اپنی مشرکانہ حرکتوں کے جواز میں کیا عمدہ دلیل عقلی پیش کرتے ہیں۔ کہ ہمارا فرشتوں کی پرستش کرنا اگر اللہ کو ناپسند ہوتا وہ کیوں ہمیں کرنا دیتا۔ مگر جب اس نے کرنے دیا تو معلوم ہوا کہ وہ راضی ہے۔

یہ بھی خوب رہی۔ اسی لئے فرمایا وما لھم بذلك من علم ان ھم الا یخرصون یقیناً اس میں شبہ نہیں کہ کوئی کام اللہ کے چاہے بغیر نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس سے اس کام کا پسندیدہ ہونا نہیں نکلتا۔ کیونکہ ایسا ہو تو پھر دنیا میں کوئی کام بھی برا نہیں رہے گا۔ ہر جھوٹا، خونخوار، ظالم، چور، اچکا، بدمعاش ہر ایک یہی کہہ دے گا کہ اگر خدا کو یہ کام ناپسند تھا تو مجھے نہ کرنے دیتا۔ لیکن جب کرنے دیا تو اس کا پسندیدہ ہونا معلوم ہوا۔ اسی طرح عالم میں سب کچھ خیر محض ہی ہوگا۔ شر کا وجود ہی نہیں رہے گا۔ پھر مخالفین شرک بھی اس دلیل کو اپنا کر یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس سے ہمارے طریقہ کا برحق ہونا بھی معلوم ہوا۔ پس یہ دلیل گویا مستلزم نقیضین ہوگئی کہ شرک حق بھی ہے اور ناحق بھی۔ اسی طرح توحید حق بھی ہے اور ناحق بھی۔ یا یوں کہا جائے کہ توحید و شرک دونوں حق بھی ہیں اور ناحق بھی۔ بہر حال مشیت اور رضا میں کوئی لزوم عقلی علمی نہیں۔ بلکہ محض انکل پچو بات ہے۔

اندھی تقلید کے سوا مشرکین کے پاس کیا ہے: .... ام اتینا ھم۔ یعنی ان کی عقلی دلیل کا تانا بانا تو معلوم ہو گیا۔ اب کیا کوئی نقلی گل افشانی کریں گے۔ کسی آسمانی کتاب یا صحیفہ میں شرک کا اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہونا لکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نام کی کوئی بھی چیز ان کے پاس نہیں۔ اب لے دے کر سب سے بڑی دلیل پرانی ریت اور اپنے بڑوں کی اندھی تقلید رہ جاتی ہے۔ جو ہر زمانہ کے مشرک پیش کرتے چلے آئے ہیں۔ جس کو دلیل تو کیا خلاف دلیل کہنا چاہئے۔

جس کے جواب میں پیغمبرانہ جواب یہی ہے کہ تمہارے باپ دادوں کی راہ سے بھی اچھی راہ اگر تم کو بتلائی جارہی ہے تو کیا پھر بھی تم اسی پرانی لکیر کو پیٹتے رہو گے؟ مگر برا ہو ہٹ دھرمی کا جب انسان کی مت ماری جاتی ہے تو کتنی ہی عمدہ بات کہی جائے مگر ایک مان کر نہیں دیتا۔ چنانچہ جواب الجواب میں بدبخت لوگ کہتے ہیں کہ کچھ بھی ہو ہم تمہاری بات نہیں مان سکتے اور پرانا آبائی طریقہ نہیں چھوڑ سکتے۔ (فوائد عثمانی)

وَاذْكُرْ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ اَيْ بَرِيْءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿٢٦﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ
خَلَقَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿٢٧﴾ يُرْشِدُنِيْ لِدِيْنِهٖ وَجَعَلَهَا اَيْ كَلِمَةَ التَّوْحِيْدِ الْمَفْهُوْمَةَ مِنْ قَوْلِهٖ اِنِّيْ ذَاهِبٌ
اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ ذُرِّيَّتِهٖ فَلَا يَزَالُ فِيْهِمْ مَنْ يُّوَحِّدُ اللّٰهَ لَعَلَّهُمْ اَيْ اَهْلُ مَكَّةَ
يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾ عَمَّا هُمْ عَلَيْهِ اِلٰى دِيْنِ اِبْرَاهِيْمَ اَبِيْهِمْ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ الْمُشْرِكِيْنَ وَاٰبَآءَهُمْ وَلَمْ
اُعَاجِلْهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ الْقُرْاٰنُ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢٩﴾ مُظْهِرٌ لَهُمُ الْاَحْكَامَ الشَّرْعِيَّةَ وَهُوَ
مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ الْقُرْاٰنُ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٣٠﴾
وَقَالُوْا لَوْلَا هَلَّا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ مِنْ اَيَّةٍ مِنْهُمَا عَظِيْمٍ ﴿٣١﴾ اَيِ الْوَلِيْدُ بْنُ
الْمُغِيْرَةِ بِمَكَّةَ وَعُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ الثَّقَفِيُّ بِالطَّائِفِ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ النُّبُوَّةَ نَحْنُ قَسَمْنَا
بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَجَعَلْنَا بَعْضَهُمْ غَنِيًّا وَبَعْضَهُمْ فَقِيْرًا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ بِالْغِنٰى
فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ الْغَنِيُّ بَعْضًا الْفَقِيْرَ سُخْرِيًّا مُسَخَّرًا فِي الْعَمَلِ لَهٗ بِالْاُجْرَةِ وَالْيَاءُ
لِلنَّسَبِ وَقُرِئَ بِكَسْرِ السِّيْنِ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ اَيِ الْجَنَّةُ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿٣٢﴾ فِي الدُّنْيَا وَلَوْلَآ اَنْ
يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً عَلَى الْكُفْرِ لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ بَدَلٌ مِنْ لِمَنْ سُقُفًا
بِفَتْحِ السِّيْنِ وَسُكُوْنِ الْقَافِ وَبِضَمِّهِمَا جَمْعًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ كَالدَّرَجِ مِنْ فِضَّةٍ عَلَيْهَا
يَظْهَرُوْنَ ﴿٣٣﴾ يَعْلُوْنَ اِلَى السَّطْحِ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا مِنْ فِضَّةٍ وَّجَعَلْنَا لَهُمْ سُرُرًا مِنْ فِضَّةٍ جَمْعُ سَرِيْرٍ
عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿٣٤﴾ وَزُخْرُفًا ذَهَبًا الْمَعْنٰى لَوْلَا خَوْفُ الْكُفْرِ عَلَى الْمُؤْمِنِ مِنْ اِعْطَاءِ الْكَافِرِ مَا
ذُكِرَ لَاَعْطَيْنَاهُ ذٰلِكَ لِقِلَّةِ خَطَرِ الدُّنْيَا عِنْدَنَا وَعَدَمِ حَظِّهٖ فِي الْاٰخِرَةِ فِي النَّعِيْمِ وَاِنْ مُخَفَّفَةٌ مِّنَ الثَّقِيْلَةِ كُلُّ
ذٰلِكَ لَمَّا بِالتَّخْفِيْفِ فَمَا زَائِدَةٌ وَبِالتَّشْدِيْدِ بِمَعْنٰى اِلَّا فَاِنْ نَافِيَةٌ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا يُتَمَتَّعُ بِهٖ فِيْهَا ثُمَّ
يَزُوْلُ وَالْاٰخِرَةُ الْجَنَّةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٥﴾ وَمَنْ يَّعْشُ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ الْقُرْاٰنِ
نُقَيِّضْ نُسَبِّبْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿٣٦﴾ لَا يُفَارِقُهٗ وَاِنَّهُمْ اَيِ الشَّيَاطِيْنَ لَيَصُدُّوْنَهُمْ اَيِ الْعَاشِيْنَ
عَنِ السَّبِيْلِ طَرِيْقِ الْهُدٰى وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٣٧﴾ فِي الْجَمْعِ رِعَايَةُ مَعْنٰى مَنْ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا
الْعَاشِيْ بِقَرِيْنِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ لَهٗ يَا لِلتَّنْبِيْهِ لَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ اَيْ مِثْلَ بُعْدِ مَا بَيْنَ
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿٣٨﴾ اَنْتَ لِيْ قَالَ تَعَالٰى وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ اَيِ الْعَاشِيْنَ تَمَنِّيْكُمْ وَنَدَمُكُمْ
الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَيْ تَبَيَّنَ لَكُمْ ظُلْمُكُمْ بِالْاِشْرَاكِ فِي الدُّنْيَا اَنَّكُمْ مَعَ قُرَنَائِكُمْ فِي الْعَذَابِ

مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ عِلَّةٌ بِتَقْدِيْرِ اللَّامِ لِعَدَمِ النَّفْعِ وَاِذْ بَدَلٌ مِنَ الْيَوْمِ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾ بَيِّنٍ اَىْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ فَاِمَّا فِيْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِىْ مَا الزَّائِدَةِ نَذْهَبَنَّ بِكَ بِاَنْ نُّمِيْتَكَ قَبْلَ تَعْذِيْبِهِمْ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ فِى الْاٰخِرَةِ اَوْ نُرِيَنَّكَ فِىْ حَيٰوتِكَ الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ عَلٰى عَذَابِهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ قَادِرُوْنَ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىْٓ اُوْحِىَ اِلَيْكَ اَىِ الْقُرْاٰنُ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَشَرَفٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ لِنُزُوْلِهٖ بِلُغَتِهِمْ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ﴿۴۴﴾ عَنِ الْقِيَامِ بِحَقِّهٖ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اَىْ غَيْرِهٖ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ قِيْلَ هُوَ عَلٰى ظَاهِرِهٖ بِاَنْ جُمِعَ لَهُ الرُّسُلُ لَيْلَةَ الْاِسْرَاءِ وَقِيْلَ الْمُرَادُ اُمَمُ مَنْ اَىْ اَهْلُ الْكِتَابَيْنِ وَلَمْ يَسْاَلْ عَلٰى وَاحِدٍ مِنَ الْقَوْلَيْنِ لِاَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الْاَمْرِ بِالسُّوَالِ التَّقْرِيْرُ لِمُشْرِكِىْ قُرَيْشٍ اَنَّهٗ لَمْ يَاْتِ رَسُوْلٌ مِنَ اللّٰهِ وَلَا كِتَابٌ بِعِبَادَةِ غَيْرِ اللّٰهِ

ترجمہ: .... اور (یاد کیجئے) جب کہ ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں بیزار (بے تعلق) ہوں ان چیزوں سے جن کی تم پوجا کرتے ہو مگر ہاں جس نے مجھ کو پیدا کیا (بنایا) پھر وہی میری (دینی) رہنمائی کرتا ہے اور کر گئے ابراہیمؑ اس کو (یعنی کلمہ توحید کو جوان کے قول انی ذاهب الی ربی سیهدین سے سمجھ میں آ رہا ہے) ایک قائم رہنے والی بات اپنی اولاد (نسل) میں (چنانچہ کوئی نہ کوئی ان کی نسل میں پرستار توحید رہتا ہے) تاکہ یہ لوگ (مکہ والے) باز رہیں (اپنے موجودہ طریقہ سے اپنے آبائی دین ابراہیمؑ کی طرف) بلکہ میں نے ان (مشرکین) کو اور ان کے باپ دادوں کو خوب سامان دیا ہے (اور ان کو سزا دینے میں جلدی نہیں کی) یہاں تک کہ ان کے پاس سچا قرآن اور صاف صاف بتلانے والا رسول آیا (جو شرعی احکام ان کو بتلاتا ہے یعنی محمد ﷺ) اور جب ان کے پاس سچا قرآن پہنچا تو کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے ہم اس کو نہیں مانتے اور کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے (کسی ایک میں) کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا (یعنی ولید بن مغیرہ پر مکہ میں یا عروہ بن مسعود ثقفی پر طائف میں) کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت (نبوت) تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے تو ان کی روزی تقسیم کر رکھی ہے دنیاوی زندگی میں (کہ ان میں سے کسی کو ہم نے امیر بنا دیا اور کسی کو فقیر بنا دیا) اور ہم نے ایک کو (خوشحالی سے) دوسرے پر برتری دے رکھی ہے۔ تاکہ ایک (امیر) دوسرے (غریب) سے کام لیتا رہے (اجرت کے ذریعہ کام پر مجبور ہو سکے۔ سخری میں یا نسبت کے لئے ہے اور یہ لفظ کسرہ سین کے ساتھ پڑھا گیا ہے) اور آپ پروردگار کی رحمت (جنت) بدرجہا اس سے بہتر ہے جس کو یہ (دنیا میں) سمیٹے پھرتے ہیں اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقہ (کفر) پر ہو جاویں گے تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ہم ان کے لئے ان کے گھر کی (لمن میں من سے بدل ہے) چھتیں (سقف فتحہ سکون قاف کے ساتھ اور دونوں کے ضمہ کے ساتھ) چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی (سیڑھیاں بھی چاندی کی بنا دیتے) جن پر یہ چڑھا کرتے (چھت پر جانے کے لئے) اور ان کے گھروں کے دروازے بھی (چاندی کے) اور (ہم نے ان کے لئے بنائے) تخت بھی (چاندی کے سرر جمع سریر کی ہے) جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور سونے کے بھی (حاصل یہ ہے کہ اگر مذکورہ چیزوں

کے کافر کو دے دیئے سے مومن کے کافر بن جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ضرور کافر کو یہ ساری چیزیں دے ڈالتے۔ کیونکہ دنیا ہمارے نزدیک حقیر ہے اور آخرت میں اس کے لئے جنت کا حصہ نہیں ہے) اور یہ (ان مخففہ ہے جو اصل میں مثقلہ تھا) سب کچھ بھی نہیں (لـمـا تخفیف کے ساتھ اگر ہے تو مــــا زائد ہوگا اور تشدید کی صورت میں بمعنی الا ہوگا ان نافیہ ہو جائے گا) صرف دنیوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے (جس سے نفع اٹھانے کے بعد ختم ہو جائے گی) اور آخرت (جنت) آپ کے پروردگار کے ہاں خدا ترسوں کے لئے ہے۔ اور جو شخص اللہ کے ذکر (قرآن) سے اندھا بن جائے (منہ موڑ لے) ہم اس پر (اس وجہ سے) ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔ سو وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے (کبھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا) اور وہ (یعنی شیطان) ان (دنیاداروں) کو راہ (ہدایت) سے روکتے رہتے ہیں اور یہ لوگ اس خیال میں رہتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں (ضمائر جمع لانے میں معنی مــــن کی رعایت ہے) یہاں تک کہ جب ایسا شخص ہمارے پاس آئے گا (دنیادار اپنے ساتھی کے ساتھ قیامت میں) تو کہے گا (اس ساتھی سے) کہ اے کاش! (یـا تنبیہ کے لئے ہے) میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کے برابر فاصلہ ہوتا (یعنی جس قدر دوری مشرق اور مغرب کے درمیان ہوتی ہے) سو برا ساتھی ہے (تو میرے لئے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اور ہرگز تمہارے کام نہ آئے گی یہ بات (دنیادار و تمہاری تمنا اور ندامت) آج جب کہ تم ظلم کر چکے تھے (یعنی دنیا میں شرک کرنے کی وجہ سے آج تمہارا ظلم واضح ہو چکا ہے) یقیناً تم سب (مع اپنے ساتھیوں کے) عذاب میں شریک ہو (انکم الخ جملہ علت ہے عدم نفع کی بتقدیر اللام اور اذ بدل ہے الیوم کا) سو کیا آپ ان بہروں کو سنا سکتے ہیں یا اندھوں کو اور ان لوگوں کو جو صریح گمراہی پر ہیں راہ پر لا سکتے ہیں (یعنی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے) پھر اگر (اما میں ان شرطیہ کے نون کا ما زائدہ میں ادغام ہو گیا) ہم آپ کو اٹھا لیں (کہ ان پر عذاب آنے سے پہلے آپ کی وفات ہو جائے) تو بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں (آخرت میں) یا اگر ہم آپ کو (آپ کی زندگی ہی میں) دکھلا دیں جس (عذاب) کا ہم نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے۔ تب بھی ہم کو ان (کے عذاب) پر ہر طرح کی قدرت (طاقت) ہے۔ سو آپ اس (قرآن) پر قائم رہئے جو آپ پر وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے۔ یقیناً آپ سیدھے راستے پر ہیں اور یہ قرآن آپ کے لئے بڑے شرف کی چیز ہے اور آپ کی قوم کے لئے (ان کی مادری زبان میں اترنے کی وجہ سے) اور عنقریب تم پوچھے جاؤ گے (اس کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں) اور آپ ان سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجئے کہ کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا (علاوہ) دوسرے معبود ٹھہرا دیئے تھے کہ ان کی پرستش کی جائے (بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہر پر ہے یعنی واقعہ معراج میں سب پیغمبر اسی لئے جمع کئے گئے اور بعض کی رائے میں ان پیغمبروں کے امتی یعنی اہل کتاب مراد ہیں۔ تاہم دونوں صورتوں میں آنحضرت ﷺ نے کسی پیغمبر سے دریافت نہیں فرمایا۔ کیونکہ یہاں سوال کرنے کا منشاء مشرکین قریش پر یہ ثابت کرنا ہے کہ کوئی رسول اور کوئی کتاب غیر اللہ کی پرستش کے لئے نہیں آئی۔)

تحقیق وترکیب: .... **بــــراء**. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ بمعنی بری مصدر ہے جو صفت میں استعمال کیا گیا۔ اس میں واحد، تثنیہ، جمع، مذکر، مؤنث یکساں ہوتے ہیں۔

الا الــذی. استثناء کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ منقطع ہو۔ کیونکہ ابراہیمؑ کی قوم مشرک نہیں بلکہ دہریہ تھی۔ صرف بتوں کی پوجا کرتی تھی۔ دوسرے یہ کہ ان کو مشرک مانتے ہوئے استثناء متصل مانا جائے۔ کیونکہ شرک کی صورت میں اللہ کی عبادت کالعدم ہے۔ تیسرے کہ اللہ کی صفت کے لئے بمعنی غیر ہو اور ما نکرہ موصوفہ ہے جیسا کہ زمخشریؒ کی رائے ہے۔

وجعلها. ضمیر مستتر کا مرجع حضرت ابراہیمؑ ہیں اور **لعلهم یرجعون** اللہ کا ارشاد ہے اور اس کو مفسرؒ کے قول مقدراً ذکر کی کہا جائے گا۔ اور **ها** ضمیر کا مرجع کلمہ توحید ہے۔

لیکن خود قول مذکور بھی ہوسکتا ہے۔

بل متعت. یہ اضراب توبیخ کے لئے ہے قوم کے اتباع نہ کرنے پر۔ اور اسم اشارہ سے مراد آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے مشرکین ہیں۔

حتیٰ جاء ھم. کشاف وغیرہ میں اس کے تمتع کی غایت پر یہ اشکال کیا گیا ہے ان دونوں میں کوئی تناسب نہیں۔ بلکہ مابعد اور ماقبل کی مخالفت کی اس میں رعایت نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ دنیا کا وہ اشتغال مراد ہے جو شکر منعم سے اعتراض کا سبب ہو۔ گویا عبارت یوں ہوگی۔ اشغلوا به حتی جاء هم الحق اور نفس الامر میں یہ غایت صحیح ہے۔ کیونکہ یہ حالت قابل زجر ہے۔ لیکن ان لوگوں کی سرکشی کے سبب اس کو برعکس کر دیا گیا۔ جیسا کہ دوسری آیت وما تفرق الذین او توا الکتاب الا من بعد ما جاء تهم البینة میں ہے۔

وقالوا. یہ لوگوں کی بہت پرانی گمراہی ہے۔ کہ نبوت ورسالت کو شریف ترین منصب سمجھتے ہوئے یہ خیال کیا کرتے ہیں۔ کہ اس کا مستحق ایسا شخص ہونا چاہئے جو دنیاوی لحاظ سے بس معزز اور مالدار ہو۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں دیکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ چونکہ اس معیار پر پورے نہیں اترے۔ اس لئے لگے اعتراض کرنے حالانکہ اللہ کے یہاں دوسرا معیار ہوتا ہے۔

اھم یقسمون. استفہام انکار توبیخی کے لئے ہے۔ یعنی نبوت کے معاملہ میں تمہارے مشورہ اور رائے کا دخل نہیں۔ اللہ جس کے قلب کو زکی اور نفس کو پاکیزہ اور نسب کو اعلیٰ دیکھتا ہے۔ اس کو یہ خلعت پہنا دیتا ہے۔

نحن قسمنا. یعنی نبوت تو بڑی چیز ہے روزی رسانی جو اس سے کم درجہ ہے۔ ہم تو اس میں بھی ان کا عمل دخل نہیں رکھتے۔ جس کو چاہتے ہیں بخش دیتے ہیں اور دنیا میں اونچ نیچ، مال ودولت کے اعتبار سے کرتے رہتے ہیں۔ یہ نہ مقبولیت کی علامت ہے اور نہ مردودیت کی بلکہ نظام تکوین کے مصالح کے پیش نظر ایسا کیا جاتا ہے۔

سخریا. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ سخری منسوب الی السخرة کے معنی میں ہے۔ زبردستی کام پر لگانا سخریا بمعنی استہزا نہیں ہے۔

ولو لا ان. مضاف محذوف ہے۔ ای لو لا خوف ان یکون الناس الخ لیکن اللہ کے لئے خوف کا لفظ کچھ مناسب نہیں۔ اس لئے بیضاویؒ کی تقریر بہتر ہے۔ ای لو لا ان یرغبوا فی الکفر اراد الکفار فی سعة وتنعم لحبهم الدنیا فیجتمعوا علیه.

سقفا. ابن کثیرؒ اور ابو عمروؒ کے نزدیک فتحہ سین کے ساتھ اور باقی قراء کے نزدیک ضمتین کے ساتھ ہے۔

معارج. معرج کی جمع ہے۔ سیڑھی کو کہتے ہیں۔ کیونکہ زینہ کی پٹریوں اور سیڑھی کے ڈنڈوں پر چڑھنا ایسا ہوتا ہے۔ جیسے لنگڑا کر چلنا۔

وزخرفا. جعل کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے اور بقول زمخشریؒ من فضة کے محل پر عطف کرتے ہوئے بھی منصوب ہوسکتا ہے۔ ای سقفا من فضة وذهب. زخرف کے معنی سونے کے ہیں۔ لیکن مجاز اً زینت کے لئے بھی آتا ہے۔

وان کل. اکثر قراءؒ کے نزدیک تخفیف کے ساتھ ہے۔ ان مخففہ ہے جس کا قرینہ لام ہے جو فارق ہوتا ہے مخففہ اور نافیہ میں اور عاصمؒ اور حمزہؒ کی قراءت تشدید کی ہے۔

ومن یعش. کہا جاتا ہے۔ عشوف الی النار اعشوا عشوا. جب کہ ٹھیک ٹھیک منزل مقصود کی طرف چلا جائے اور عشوف عنها کے معنی اعراض کرنے کے ہیں اور فتحہ شین کے ساتھ اس کے معنی اندھے ہونے کے آتے ہیں عشی یعشی عشاءً فهو عشی و امراة عشواء. (بغویؒ)

ذکر الرحمٰن. ذکر کی اضافت رحمٰن کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن سے اعراض کی وجہ سے اس ذات کی نعمتوں سے محروم ہوجاتا ہے جو سرتاپا رحمت ہے، پس رحمٰن نے بھی جس کو ٹھکرادیا۔ اس کے لئے کہاں پناہ گاہ ہوسکتی ہے۔

نقیض له. ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ فهو معه فی الدنیا والاخرة ویحله علی المعاصی.

وانهم. جنس شیاطین چونکہ مراد ہے اس لئے ضمیریں جمع لائیں گئیں۔

ومن یعش. یہاں بھی تینوں ضمیریں ومن یعش کی طرف بلحاظ معنی جمع کے طور پر راجع ہیں۔ لیکن قاضیؒ کی رائے میں پہلی ضمیر عاشی کی طرف اور باقی ضمیریں شیاطین کی طرف راجع ہیں۔ یعنی دنیا پرست یہ سمجھتا ہے کہ شیاطین حق کی رہنمائی کررہے ہیں۔

اذا جاء نا. کافر کے مع شیطان کے حاضر ہونے پر ابن کثیرؒ اور نافعؒ وابن عامرؒ وابوبکرؒ کی قراءت اذا جاء انا تثنیہ کے ساتھ بھی دلالت کررہی ہے۔

بعد المشرقین. قمرین، شمسین، عمرین کی طرف تغلیب کرلی گئی ہے۔

لن ینفعکم. مفسرؒ نے فاعل تنفع کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اذ ظلمتم. اس پر یہ اشکال ہے کہ اذ ظرف ہے بلحاظ ماضی کے دنیا میں پھر الیوم جس سے مراد قیامت ہے بدل کیسے ہوسکتا ہے۔ لیکن مفسرؒ نے تبین لکم الخ تفسیری عبارت سے اس کا ازالہ کردیا کہ شرک تو دنیا میں کیا تھا۔ مگر اس کا ظلم ہونا قیامت میں واضح ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ خبر اپنی حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ اگرچہ وزن ماضی کا لایا گیا ہے۔ بلکہ مستقبل کو ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یقین ہونے کی وجہ سے۔

انکم فی العذاب. بقول بیہ علت لن ینفعکم کی فاعلیت کی وجہ سے محل رفع میں بھی ہوسکتا ہے ای لن ینفعکم اشتراککم فی العذاب پہلی ترکیب کی تائید ابن عامرؒ کی قراءت سے ہوتی ہے۔ انکم کسرہ کے ساتھ ہے یعنی چونکہ کفر میں تم اور تمہارے قرین شریک رہے جو سبب عذاب ہے۔ لہٰذا عذاب میں بھی شریک رہو۔

افانت. ہمزہ استفہامیہ ہے اور فا کا معطوف علیہ محذوف ہے۔ ای انت ترید ان یحصل ایمانهم فانت تسمع الصم ای انت لا تسمعهم.

فاما نذهبن. ای فان قبضناک قبل ان ینصرک عذابهم ونشفی بذلک صدرک وصدور المؤمنین فانا منهم منتقمون لا محالة فی الدنیا والا خرة. مفسرؒ نے اگرچہ زمخشریؒ کے اتباع میں محض عذاب آخرت پر اقتصار کیا ہے۔ جس کی تائید دوسری آیت او نتوفینک فالینا یرجعون سے بھی ہورہی ہے۔ اور بغویؒ نے صرف عذاب دنیا پر اکتفاء کیا ہے۔ ای ینتقمون بالقتل بعدک. لیکن بیضاویؒ نے دنیا اور آخرت دونوں کے عذاب کے لئے عام رکھا ہے۔

مقتدرون. یعنی ہم بروقت انتقام پر قادر ہیں۔ جیسا کہ بدر میں ہوچکا۔

فاستمسك. ای دم علی التمسک یا آپ کی امت کو حکم ہے۔

وسئل. انبیاء علیہم السلام سے حقیقتاً سوال مقصود نہیں۔ بلکہ مجازاً ان کے مذاہب میں غور وخوض کرنا مراد ہے۔ کہ آیا کسی کے مذہب میں کبھی بھی بت پرستی اور شرک ہوا ہے یا نہیں؟ لیکن اس آیت میں اس کی تردید ہی اس کا واضح ثبوت ہے کہ کسی صحیح آسمانی مذہب میں کبھی شرک نہیں ہوا۔ اس لئے کتب سابقہ اور ادیان سابقہ کے مطالعہ کی حاجت نہیں ہے۔ لیکن بعض حضرات کے نزدیک حقیقت دریافت کرنا مراد ہے۔ چنانچہ واقعہ معراج میں انبیاء سے آنحضرت ﷺ کی ملاقات کے وقت سوال کرنے کی بات چیت چلی تھی۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات میں توحید کا بیان تھا۔ آیت واذ قال ابراهیم الخ سے اس کی تائید کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی زبانی توحید کی تقریف نقل کی گئی۔ جس سے تقلید آباء کے بہانہ کا جواب بھی ہوگیا۔ پھر ان کی اولاد میں اس کا نقل ہوتے چلا جانا اور آخر میں حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے پیغمبر آخر الزمان ﷺ کا اس قدیم دعوت کو لے کر مبعوث ہونا اور ان کی نبوت سے متعلق مشرکین کے اعتراض کا جواب ارشاد ہے۔

اس کے بعد منکرین کے کفر وضلالت کا بیان ہے۔ جس سے آنحضرت ﷺ کو رنج والم تھا۔ آیت ومن یعش الخ سے اس کا ازالہ اور آپ کی تسلی کے لئے اس گمراہی کی علت کا بیان ہے۔ اسی سلسلہ میں مخالفین کو قیامت میں ندامت وخسارت کا ہونا اور عقوبت سے نہ بچ سکنا اور یہ کہ ان کی ہدایت آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ نیز قرآن، اسلام، توحید کا نعمت اور برحق ہونا مذکور ہے۔ جس کو تسلی میں بڑا دخل ہے۔

ربط روایات: .... وقالوا لو لا انزل الخ مشرکین نے ولید اور عروہ کے دو نام پیش کئے تو ان کے نزدیک نبی کے لئے گویا شرافت ضروری ہوئی۔ یہاں تک تو صحیح بات تھی۔ مگر شرافت کو مالداری میں منحصر کرنے میں ان سے غلطی ہوئی۔ مال کو معیار بنانا اصولاً غلط ہے۔ اگلی آیات میں اسی کی وضاحت فرمائی۔

نقیض له شیطانا. ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ نسلطه علیه فهو معه فی الدنیا والاخرة ویحمله علی المعاصی.

اذ جاء نا. مراد عیش کنندہ ہے۔ چنانچہ ابن کثیر، نافع، ابن عامر، ابوبکر کی قراءت جاء انا بصیغہ تثنیہ اس کی مؤید ہے۔ جس میں عیش کنندہ اور اس کا قرین شیطان مراد ہے۔

واسئل. ابن عباسؓ سے اور زہریؒ، سعد ابن جبیرؒ، ابن زیدؒ سے منقول ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے ساتھ انبیاء کا اجتماع بیت المقدس میں نماز کے وقت سات صفوں پر مشتمل ہوا۔ اور جس میں چار صفوف انبیاء کی اور تین صفوف رسولوں کی تھیں۔ اسی طرح کہ حضرت ابراہیمؑ آنحضرت ﷺ کے پیچھے اور حضرت اسماعیلؑ دائیں، حضرت اسحٰقؑ بائیں، پھر ان کے پیچھے حضرت موسیٰؑ اور دوسرے انبیاء تھے۔ بعض روایات کے مطابق آپ نے فرمایا۔ ان ربی اوحیٰ الی ان اسأ لکم هل ارسل احد منکم بدعوة الیٰ عبادة غیر الله فقالوا یا محمد انا نشهدانا ارسلنا اجمعین بدعوة واحدة ان لا اله الا الله وان ما یعبدون من دونه باطل و انک خاتم النبیین وسید المرسلین قد استبان ذلک باما متک ایا نا وانه لا نبی بعدک الی یوم القیامة الا عیسیٰ بن مریم فانه مامر ران یتبع اثرک.

اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نے عرض کیا۔ سل یا محمد من ارسلنا من قبلک. آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا۔ لا اسأل فقد اکتفیت اور بعض حضرات نے اہل کتاب سے پوچھنا مراد لیا ہے کہ وہی انبیاء سے سوال کے قائم مقام ہے۔

بغویؒ نے ابن عباسؓ کا ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے چنانچہ ابن مسعودؓ، ابی ابن کعبؓ کی قراءت واسأل الذی ارسلنا الیهم قبلك من رسلنا بھی اس کی مؤید ہے۔ مگر بہرصورت آپ نے کسی سے دریافت نہیں کیا۔ کیونکہ حقیقۃً سوال مراد نہیں تھا۔ بلکہ مشرکین کو یقین دلانا تھا۔ کہ کسی نبی کی تعلیم بھی شرک کی نہیں ہے۔ قرآنی بیانات ہی اس کے لئے کافی ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: ...... حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ نقل کر کے یہ تاثر دینا ہے کہ جو مشرکین تقلید آباء کو بہانہ بناتے ہیں۔ ان کو اپنے جد اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ کی تقلید کرنی چاہئے جنہوں نے ناحق بات پر اپنے آباء کی تقلید چھوڑ دی اور دنیا میں حق وصداقت کا جھنڈا گاڑ کر اپنی اولاد کو وصیت کر دی۔ کہ میرے بعد اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجنا۔ مجھے صرف ایک خدا سے علاقہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی میری منزل مقصود ہے جس پر مجھے وہ آخر تک لے چلے گا۔ میرے بعد یہی دلائل سن کر راہ حق کی طرف لوگ رجوع ہوتے رہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی وصیت کو لوگ بھول گئے اور ان کے مسلک کو چھوڑ بیٹھے۔ اللہ نے انہیں جو سامان عیش دیا۔ اسی کی مستی اور غفلت میں پڑ گئے۔ حتیٰ کہ انہیں کے سبق کو یاد دلانے اور لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لئے اللہ نے انہیں کی اولاد میں ایسا لائق پیغمبر بھیجا۔ جس نے روشن دلائل کے ساتھ پیغام حق سنایا۔ اللہ کے احکام سے صاف طور پر آگاہ کیا۔

قرآن کو جادو بتلانے والے: ...... مگر ناہنجاروں نے قرآن کو جادو بتلایا اور پیغمبر کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ کہنے لگے اگر قرآن کو اترنا ہی تھا تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے شخص کے اوپر اترتا۔ یہ کیا کہ بڑے بڑے دولت مندوں کو چھوڑ کر ایک کنگال شخص کو نبوت کے لئے منتخب کیا؟

فرمایا کہ نبوت ورسالت کیا تمہارے گھر کی چیز ہے جو اس کے انتخاب پر بحث کر رہے ہو۔ نبوت ورسالت کا شرف تو بہت بڑی چیز ہے۔ ہم تو دنیاوی جاہ و مال بھی کسی کی تجویز سے نہیں بانٹتے۔ جسے چاہا ہم نے غنی کر دیا۔ جسے چاہا فقیر بنا دیا۔ ایک کو بے شمار دولت دے دی۔ ایک کو کنگال کر دیا۔ کسی کو تابع، کسی کو متبوع بنا دیا۔ پھر مال ودولت تو کوئی معیار کمال اور مدار شرافت نہیں۔ وہ تو نہایت حقیر چیز ہے۔ نہ تو اس کا دیا جانا اللہ سے قربت ونزدیکی کی دلیل ہے اور نہ اس سے محروم ہونا دوری کا سبب ہے۔ اگر تکوینی خاص مصالح نہ ہوتیں تو ہم کافروں کے مکانات کی چھتیں، دروازے، زینے، چوکھٹ اور تالے، تخت وچوکیاں سب ہی سونے چاندی کی بنا ڈالتے۔ لیکن اس صورت میں لوگ یہ سمجھ بیٹھتے کہ یہ چیزیں کفر کے سبب سے اور کافروں ہی کو ملتی ہیں۔ اس لئے عموماً لوگ کفر کا راستہ اختیار کر لیتے اور یہ بات مصلحت خداوندی کے خلاف ہوتی۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے نزدیک اگر دنیا کی قدر وقیمت ایک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ دیا جاتا۔ پس جو چیز اللہ کے نزدیک اس درجہ حقیر ہو اس کو نبوت کا معیار بنانا کہاں تک درست ہوگا۔

والآخرة عند ربك. یعنی دنیا کی بہار میں سب اچھے برے شریک ہیں۔ مگر آخرت کی نعمتیں متقیوں کے لئے مخصوص ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ: ...... اور مشرکین کے لو لا انزل الخ کہنے سے شبہ نہ کیا جائے کہ ''بشریت اور نبوت'' میں منافات ہے۔ اصل یہ ہے کہ ان کا ایک قول تو عقلی عقیدہ تھا اور ایک قول بر سبیل تنزل تھا۔ اور ''قریتین'' کی تخصیص اس لئے کی۔ کہ قرب وجوار میں اور کوئی شہر نہیں تھا۔ رہ گئے دیہات ان کو وہ اس قابل نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ سلیقہ میں کمی کے علاوہ مال وجاہ میں بھی شہریوں سے کم سمجھے جاتے تھے۔ اور اس آیت کے جوابی مضمون سے یہ نہ سمجھا جائے کہ انبیاء کرامؑ میں دنیاوی وجاہت اور وقار کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ بقدر ضرورت انبیاءؑ میں وقعت وعزت کافی سمجھی جاتی ہے۔ یعنی عوام کی نظروں میں حقیر سمجھے نہ جائیں جو سبب بن جائے ان کی پیروی سے رکاوٹ کا۔

چنانچہ بخاریؒ کی روایت قصہ ہرقل کے یہ الفاظ ہیں۔ کذلک الرسل تبعث فی نسب قومھا. اس سے زیادہ ترفع محض ہے اور جس جاہ کی مذمت آئی ہے اس سے یہی دوسرا مرتبہ ہے نہ کہ پہلا مرتبہ۔ کیونکہ ضروریات تو مطلوب ہوتی ہیں نہ کہ ممنوع۔

شبہ کا ازالہ: .... اورلولا ان یکون الناس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بہت سے لوگ تو بالیقین اب بھی یہی جانتے ہیں کہ کافر ہوجانے سے دنیا خوب مل سکتی ہے۔ مگر پھر بھی ان کو اگر کوئی قتل بھی کردے تو تب بھی کسی قیمت پر کافر نہ ہوں گے۔

جواب یہ ہے کہ الناس سے تمام انسان مرادنہیں بلکہ اکثریت مراد ہے اور گو کفار عددی لحاظ سے اب بھی اکثر ہیں مگر مطلق اکثریت مرادنہیں۔ بلکہ قریب کل کے جو اکثریت ہو وہ مراد ہے۔ یعنی اس طرح کہ مسلمان فی نفسہ بھی قلیل ہوتے۔ سوالحمدللہ یہ بات نہیں ہے۔ پس اس پر کوئی شبہ نہیں رہا۔

ومن یعش الخ جوشخص سچی نصیحت اور یادالٰہی سے کنارہ کشی کرتا ہے۔ اس پر شیطان خصوصی طور پر مسلط کردیا جاتا ہے۔ جو اس کے دل میں ہر وقت وسوسے ڈالتا رہتا ہے اور دوزخ میں داخل کرا کے چھوڑتا ہے اور شیاطین اس کی راہ روکتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے پیروکاروں کی عقلیں ایسی مسخ ہوجاتی ہیں کہ بھٹکی ہوئی راہ ہی کو ٹھیک راستہ سمجھتے ہیں۔ نیکی بدی کی تمیز بھی ان میں نہیں رہتی۔ لیکن جب اللہ کے آگے پیشی ہوگی اس وقت حقیقت حال کھلے گی۔ اس وقت حسرت وغصہ کی تصویر بن کر گمراہ انسان پکار اٹھے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کا فاصلہ ہوتا۔ ایک لمحہ کے لئے بھی تیرا ساتھ نہ ہوتا۔ کمبخت اب تو دور ہوجا۔ انسان کا یہ برا ساتھی انسان بھی ہوسکتا ہے اور جن بھی۔

شبہات کا جواب: .... اور شیطان کی نسبت اگر یہ شبہ ہو کہ احادیث میں تو یہ ہے کہ ہر شخص پر ایک شیطان مسلط ہے۔ پھر ومن یعش الخ کی کیا تخصیص؟ جواب یہ ہے۔ کہ حدیث میں عام شیطان مراد ہے اور یہاں خاص قسم کا شیطان مراد ہے۔ جس پر گمراہی ضرور مرتب ہوجائے۔ نیز قرین سے مراد چونکہ ہر وقت کا ساتھی ہے جو خاص ہے کفار کے ساتھ۔ کیونکہ مومن کا شیطان ذکر اللہ کے وقت ہٹ جاتا ہے اور اگر یہ شبہ ہو کہ ومن یعش سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ حق و باطل دونوں جانتے تھے اور یحسبون سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باطل کو حق جانتے تھے۔

جواب یہ ہے کہ اضطراراً تو حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھتے تھے۔ مگر جان بوجھ کر کچھ مصلحتوں کی خاطر باطل کو حق کہتے تھے اور باطل پر جمے ہوئے تھے اور من گھڑت مصلحتوں کو ضروری اور ان کی ضرورت کو حق جانتے تھے۔ اور واقعی حق کو ذہن سے نکالنے کی کوشش کرتے تھے۔ جیسے اہل غرض ضدی لوگوں کا طریق ہوتا ہے اور حتیٰ اذا جاء امرنا پر اگر یہ شبہ ہو کہ یہ پیشی قیامت کے روز ہوگی۔ حالانکہ حق و باطل مرتے ہی منکشف ہوجائے گا۔ اور جواب یہ ہے کہ صرف آخرت کا مقدمہ مراد ہے۔ اس لئے وہ بھی قیامت ہی میں شمار ہے۔ قیامت صغریٰ، قیامت کبریٰ دونوں متحد ہیں۔

ولن ینفعکم الیوم. دنیا میں تو ایک دوسرے کو تکلیف میں دیکھ کر کچھ ڈھارس مل جاتی ہے اور کچھ مصیبت ہلکی ہوجاتی ہے۔ مگر دوزخ میں سب عذاب کے شریکوں کو دیکھ کر یہ فائدہ بھی نہیں ہوگا۔ عذاب کی شدت ایسی ہوگی کہ ایسی معمولی باتوں سے کچھ کام نہیں چلے گا۔ بلکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر یہ کہے گا کہ اس نے مجھے عذاب میں ڈلوایا مگر خوب ہوا کہ خود بھی نہ بچا۔

ہدایت وگمراہی اللہ کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں: .... افانت تسمع الخ یعنی اندھوں کو حق کا راستہ دکھلا دینا۔ بہروں کو حق کی آواز سنوا دینا، گمراہی میں بھٹکے ہوؤں کو اندھیرے سے نکال کر سیدھی سچی راہ پر چلا دینا یقیناً آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ بلکہ خدا کے بس میں ہے۔ وہ چاہے تو آپ کی آواز میں تاثیر پیدا کرسکتا ہے اس لئے آپ اس غم میں نہ رہیں کہ یہ سب حق کو کیوں قبول نہیں کرتے۔ ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کیجئے۔ وہی ان کے کئے کی ان کو سزا دے گا۔ خواہ آپ کے سامنے یا آپ کے بعد، کچھ بھی

ہو یہ ہمارے قابو سے نکل نہیں سکتے اور نہ ہم ان کو چھوڑ سکتے ہیں۔ آپ کا کام تو وحی پر مضبوطی سے جمے رہنا اور اپنا فریضہ بدستور انجام دیئے جانا ہے۔ دنیا کہیں جائے مگر آپ بفضل الٰہی سیدھے راستے پر ہیں۔ جس سے بال برابر ادھر ادھر ہونے کی ضرورت نہیں۔

وانہ لذکر لك الخ یعنی قرآن آپ کے اور آپ کی قوم کے لئے خاص شرف و فضل کا موجب ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا عزت و خوش نصیبی ہوگی۔ کہ اللہ کا آخری کلام اور انسانیت کی نجات و فلاح کا ابدی دستور العمل قومی زباں میں اترے اور تم اس کے اول مخاطب قرار پاؤ۔ آخرت میں اس نعمت کی پوچھ ہوگی۔ کہ اس نعمت کی کیا قدر و منزلت کی گئی؟ اور اس فضیلت و شرف کا کیا شکر ادا کیا گیا ہے؟ پھر آپ کا راستہ کوئی نیا اور اجنبی نہیں ہے کہ لوگ بدکیں۔ بلکہ سابقہ انبیاءؑ کی قدیمی راہ ہے اور اس کی تحقیق واقعہ معراج میں انبیاءؑ سے ملاقات کے وقت ہو چکی ہے۔ اسی طرح مذہبی کتابوں کے مطالعہ اور دیگر ذرائع تحقیق و تفتیش سے بھی ہو سکتی ہے کہ شرک کی اجازت کسی بھی دین سماوی میں نہیں ہوئی۔

لطائف سلوک:.......... وقالوا لولا انزل الخ منکرین اولیاء بھی اسی طرح ان کے نسبی شرف و جاہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کی ولایت کا انکار کر دیتے ہیں۔

ولولا ان یکون الناس الخ میں ترغیب ہے دنیا اور اس کی زینت و آرائش سے بچنے کی۔

ومن یعش الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر معصیت پر ظاہری سزا نہ بھی ہو تب بھی یہ ایک مستقل سزا ہے کہ برائیوں میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ گویا یہ قہر بصورت مہر ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ اَیِ الْقِبْطِ **فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ**﴿۴۶﴾ **فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰیٰتِنَآ** الدَّآلَّةِ عَلٰی رِسَالَتِهٖ **اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ**﴿۴۷﴾ **وَمَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ** مِنْ اٰیٰتِ الْعَذَابِ کَالطُّوْفَانِ وَهُوَ مَآءٌ دَخَلَ بُیُوْتَهُمْ وَوَصَلَ اِلٰی حُلُوْقِ الْجَالِسِیْنَ سَبْعَةَ اَیَّامٍ وَالْجَرَادُ **اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا** قَرِیْنَتِهَا الَّتِیْ قَبْلَهَا **وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ**﴿۴۸﴾ عَنْ كُفْرِهِمْ **وَقَالُوْا** لِمُوْسٰی لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ **یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ** اَیِ الْعَالِمُ الْكَامِلُ لِاَنَّ السِّحْرَ عِنْدَهُمْ عِلْمٌ عَظِیْمٌ **ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ** مِنْ كَشْفِ الْعَذَابِ عَنَّا اِنْ اٰمَنَّا **اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ**﴿۴۹﴾ اَیْ مُؤْمِنُوْنَ **فَلَمَّا كَشَفْنَا** بِدُعَاءِ مُوْسٰی **عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ**﴿۵۰﴾ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ وَیُصِرُّوْنَ عَلٰی كُفْرِهِمْ **وَنَادٰی فِرْعَوْنُ** اِفْتِخَارًا **فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ** اَیْ مِنَ النِّیْلِ **تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ** اَیْ تَحْتَ قُصُوْرِیْ **اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ**﴿۵۱﴾ عَظَمَتِیْ **اَمْ** تُبْصِرُوْنَ وَحِیْنَئِذٍ **اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا** اَیْ مُوْسٰی **الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ** ضَعِیْفٌ حَقِیْرٌ **وَّلَا یَكَادُ یُبِیْنُ**﴿۵۲﴾ یُظْهِرُ كَلَامَهٗ لِلُثْغَتِهٖ بِالْجَمْرَةِ الَّتِیْ تَنَاوَلَهَا فِیْ صِغَرِهٖ **فَلَوْلَآ** هَلَّا **اُلْقِیَ عَلَیْهِ** اِنْ كَانَ صَادِقًا **اَسَاوِرَةٌ**[1] **مِّنْ ذَهَبٍ** جَمْعُ اَسْوِرَةٍ كَاَغْرِبَةٍ جَمْعُ سِوَارٍ كَعَادَتِهِمْ فِیْمَا یُسَوِّدُوْنَهٗ اَنْ یُّلْبِسُوْهُ اَسْوِرَةَ ذَهَبٍ وَیُطَوِّقُوْهُ طَوْقَ ذَهَبٍ **اَوْ جَآءَ مَعَهُ**

---

[1] نوٹ: مشہور قرأت میں لفظ "اَسَاوِرَةٌ" کے بجائے "اَسْوِرَةٌ" ہے لیکن تفسیر جلالین کا اعتبار کرتے ہوئے لفظ "اَسَاوِرَةٌ" ہی برقرار رکھا گیا ہے۔ ۱۲۔

الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ مُتَتَابِعِيْنَ يَشْهَدُوْنَ بِصِدْقِهٖ **فَاسْتَخَفَّ** اِسْتَفَزَّ فِرْعَوْنُ **قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ** فِيْمَا يُرِيْدُ مِنْ تَكْذِيْبِ مُوْسٰى **اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ** ﴿۵۴﴾ **فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا** اَغْضَبُوْنَا **انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ** ﴿۵۵﴾ **فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا** جَمْعُ سَالِفٍ كَخَادِمٍ وَخَدَمٍ اَيْ سَابِقِيْنَ عِبْرَةً **وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ** ﴿۵۶﴾ بَعْدَهُمْ يَتَمَثَّلُوْنَ بِحَالِهِمْ فَلَا يُقْدِمُوْنَ عَلٰى مِثْلِ اَفْعَالِهِمْ **وَلَمَّا ضُرِبَ** جُعِلَ **ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا** حِيْنَ نَزَلَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ فَقَالَ الْمُشْرِكُوْنَ رَضِيْنَا اَنْ تَكُوْنَ اٰلِهَتُنَا مَعَ عِيْسٰى لِاَنَّهٗ عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ **اِذَا قَوْمُكَ** الْمُشْرِكُوْنَ **مِنْهُ** مِنَ الْمَثَلِ **يَصِدُّوْنَ** ﴿۵۷﴾ يَضْحَكُوْنَ فَرَحًا بِمَا سَمِعُوْهُ **وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ** اَيْ عِيْسٰى فَنَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ اٰلِهَتُنَا مَعَهٗ **مَاضَرَبُوْهُ** اَيِ الْمَثَلَ **لَكَ اِلَّا جَدَلًا** خُصُوْمَةً بِالْبَاطِلِ لِعِلْمِهِمْ اَنَّ مَالِغَيْرِ الْعَاقِلِ فَلَا يَتَنَاوَلُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ **بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ** ﴿۵۸﴾ شَدِيْدُ الْخُصُوْمَةِ **اِنْ** مَا **هُوَ** عِيْسٰى **اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ** بِالنُّبُوَّةِ **وَجَعَلْنٰهُ** وُجُوْدَهٗ مِنْ غَيْرِ اَبٍ **مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ** ﴿۵۹﴾ اَيْ كَالْمَثَلِ لِغَرَابَتِهٖ يُسْتَدَلُّ بِهٖ عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى مَا يَشَاءُ **وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ** بَدَلَكُمْ **مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ** ﴿۶۰﴾ بِاَنْ نُّهْلِكَكُمْ **وَاِنَّهٗ** اَيْ عِيْسٰى **لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ** تُعْلَمُ بِنُزُوْلِهٖ **فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا** اَيْ تَشُكُّنَّ فِيْهَا حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِلْجَزْمِ وَ وَاوُ الضَّمِيْرِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ **وَ** قُلْ لَهُمْ **اتَّبِعُوْنِ** عَلَى التَّوْحِيْدِ **هٰذَا** الَّذِيْ اٰمُرُكُمْ بِهٖ **صِرَاطٌ** طَرِيْقٌ **مُّسْتَقِيْمٌ** ﴿۶۱﴾ **وَلَا يَصُدَّنَّكُمْ** يَصْرِفَنَّكُمْ عَنْ دِيْنِ اللّٰهِ **الشَّيْطٰنُ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ** ﴿۶۲﴾ بَيِّنُ الْعَدَاوَةِ **وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ** بِالْمُعْجِزَاتِ وَالشَّرَائِعِ **قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ** بِالنُّبُوَّةِ وَشَرَائِعِ الْاِنْجِيْلِ **وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ** مِنْ اَحْكَامِ التَّوْرٰةِ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ وَغَيْرِهٖ فَبَيَّنَ لَهُمْ اَمْرَ الدِّيْنِ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ** ﴿۶۳﴾ **اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ** ﴿۶۴﴾ **فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ** فِيْ عِيْسٰى هُوَ اللّٰهُ اَوِ ابْنُ اللّٰهِ اَوْ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ **فَوَيْلٌ** كَلِمَةُ عَذَابٍ **لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** كَفَرُوْا بِمَا قَالُوْهُ فِيْ عِيْسٰى **مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ** ﴿۶۵﴾ مُؤْلِمٍ **هَلْ يَنْظُرُوْنَ** اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ اَيْ مَا يَنْتَظِرُوْنَ **اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ** بَدَلٌ مِنَ السَّاعَةِ **بَغْتَةً** فَجْأَةً **وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ** ﴿۶۶﴾ بِوَقْتِ مَجِيْئِهَا قَبْلَهٗ **اَلْاَخِلَّآءُ** عَلَى الْمَعْصِيَةِ فِي الدُّنْيَا **يَوْمَئِذٍ** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهٖ **بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ** ﴿۶۷﴾ الْمُتَحَابِّيْنَ فِي اللّٰهِ عَلٰى طَاعَتِهٖ فَاِنَّهُمْ اَصْدِقَاءُ

ترجمہ: .... اور ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل دے کر فرعون اور اس کے امراء (قبطیوں) کے پاس بھیجا تھا۔ سو انہوں نے فرمایا کہ

میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں۔ پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے (جو ان کے رسول ہونے پر دلالت کرنے والی تھیں) تو وہ یکا یک ان پر لگے ہنسنے اور ہم ان کو جو نشانی دکھلاتے تھے (عذاب کی نشانیوں میں سے مثلاً: طوفان کا پانی ان کے گھروں میں داخل ہوا اور ایک ہفتہ تک بیٹھنے والوں کے گلے گلے آتا رہا۔ اسی طرح ٹڈیوں کا عذاب) تو وہ دوسری نشانی سے بڑھ کر ہوتی تھی (جو اس سے پہلے آچکی ہوتی) اور ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا تا کہ وہ باز آجائیں (اپنے کفر سے) اور وہ لوگ بولے (عذاب آنے پر حضرت موسیٰ سے) اے جادوگر! (ماہر کامل کیونکہ جادو ان کی نظر میں سب سے بڑا علم تھا) اپنے پروردگار سے اس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے (کہ اگر ہم ایمان لے آئیں تو ہم سے عذاب اٹھا لیا جائے گا) ہم ضرور راہ پر آجائیں گے (ایمان لے آئیں گے) پھر جب ہم نے (موسیٰ کی دعا سے) ان سے وہ عذاب ہٹا لیا تب بھی انہوں نے عہد توڑ دیا (اپنے کفر پر بدستور جمے رہے) اور فرعون نے (فخریہ) اپنی قوم میں منادی کرائی، کہا اے میری قوم! کیا سلطنت مصر میری نہیں؟ اور یہ (دریائے نیل کی) نہریں (میرے محل کے) پائیں میں بہہ رہی ہیں۔ کیا تم (میری عظمت کو) دیکھتے نہیں ہو (یاد دیکھ رہے ہو (اس صورت میں تو) میں بہتر ہوں اس (موسیٰ) سے جو گھٹیا درجہ کا ہے (کمزور حقیر ہے) اور قوت بیانیہ بھی نہیں رکھتا (قادر الکلام۔ اس لکنت کی وجہ سے جو بچپن میں ان کی زبان میں چنگاری رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھی) سو اس کے سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے (اگر وہ سچا تھا۔ اساور جمع اسورۃ کی جیسے اغربۃ اور اسورۃ جمع ہے سوار کی۔ امراء اپنی عادت کے مطابق سونے کے کنگن اور ہار پہنا کرتے تھے) یا فرشتے اس کے جلو میں پرے باندھ کر آئے ہوتے (اس کی سچائی کی تصدیق کرنے کے لئے) غرض (فرعون نے) اپنی قوم کو دبا لیا (مغلوب کرلیا) سو وہ اس کے آگے جھک گئے (موسیٰ کی تکذیب کے سلسلہ میں) وہ لوگ تھے ہی شرارت کے بھرے ہوئے۔ پھر جب ان لوگوں نے ہمیں غصہ دلایا۔ (برہم کر دیا) تو ہم نے ان سے بدلہ لے لیا اور ان سب کو ڈبو دیا اور ہم نے ان کو افسانہ (سلف جمع سالف کی ہے جیسے خادم کی جمع خدمۃ آتی ہے۔ یعنی مقدمہ عبرت) اور نمونہ بنا دیا آئندہ آنے والوں کے لئے (بعد کے لوگ ان کے حالات سے سبق لے کر ایسے کام نہیں کریں گے) اور جب ابن مریم کے لئے ایک مضمون بیان کیا گیا (جب یہ آیت نازل ہوئی۔ وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم تو مشرکین بولے کہ ہم اس پر راضی ہیں کہ ہمارے معبود حضرت عیسیٰ کے ساتھ رکھے جائیں۔ کیونکہ ان کی بھی تو پرستش کی گئی ہے) تو یکا یک آپ کی قوم کے لوگ (مشرکین) چلانے لگے (اس بات کو سن کر بہت خوش ہوئے) اور کہنے لگے کہ ہمارے معبود زیادہ بہتر ہیں یا عیسیٰ اس لئے ہم راضی ہیں کہ ہمارے معبود ان کے ساتھ رہیں) ان لوگوں نے (یہ بات) جو آپ سے بیان کی ہے تو محض جھگڑے کی غرض سے ہے (غلط بکواس ہے ورنہ یہ خوب جانتے ہیں کہ مـا غیر عاقل کے لئے آتا ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ اس میں آتے ہی نہیں) بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو (بات کا بتنگڑ بنانے والے) عیسیٰ تو محض ایسے بندے ہیں جن پر ہم نے (نبوت دے کر) فضل کیا تھا۔ اور ان کو (بلا باپ پیدا کر کے) بنی اسرائیل کے لئے نمونہ بنایا تھا (عجیب غریب مثال جس سے اللہ کی قدرت معلوم ہوتی ہے کہ جو وہ چاہتا ہے وہی ہو جاتا ہے) اور اگر ہم چاہتے تو (تمہاری بجائے) تم میں سے فرشتے پیدا کر دیتے کہ زمین پر وہ یکے بعد دیگرے رہا کرتے (ہم تمہیں ہلاک کر دیتے) اور وہ (عیسیٰ) قیامت کے یقین کا ذریعہ ہیں (ان کے نازل ہونے کے بعد قیامت آئے گی) تو تم لوگ اس میں تردد نہ کرو (تمترون اصل میں تمترون تھا نون رفع جزم کی وجہ سے اور واؤ التقائے ساکنین کی وجہ سے گر گیا ہے اس میں سکون کیا جاتا ہے) اور (ان سے فرمایئے) کہ تم میری پیروی کرو (توحید کے متعلق) یہ (جو میں تمہیں بتلا رہا ہوں) سیدھا راستہ (طریق) ہے اور تمہیں شیطان روکنے نہ پائے (اللہ کے دین سے برگشتہ نہ کر دے) بلا شبہ وہ تمہارا صریح (کھلا) دشمن ہے۔ اور عیسیٰ جب معجزات لے کر آئے (نشانات واحکام) کہنے لگے تمہارے پاس سمجھ کی باتیں لے کر آیا ہوں (نبوت اور احکام انجیل) اور تا کہ بعض وہ باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو تم سے بیان کر دوں (یعنی تورات کے دین وغیرہ کے احکام بیان کر دوں) سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مان لو۔ بلا شبہ اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ سو اسی کی عبادت کرو یہی ہے سیدھی راہ۔ سو مختلف گروہوں نے باہم اختلاف ڈال لیا (حضرت عیسیٰ کے متعلق کہ آیا وہ اللہ ہیں یا اس کے بیٹے ہیں یا منجملہ تین خداؤں کے ایک ہیں) سو ان ظالموں کے لئے (جو عیسیٰ کے متعلق کفریہ کلمات کہتے

ہیں) بڑی خرابی ہے ایک پردرد، دن کے عذاب سے، یہ لوگ (کفار مکہ) نہیں انتظار کررہے ہیں مگر قیامت کا کہ وہ دفعۃً ان پر آپڑے (ان تاتیھم الساعۃ سے بدل ہے) اوران کو (اس کے آنے کا پہلے سے) احساس بھی نہ ہو تمام دوست (دنیا میں گناہ کے ساتھی) اس روز (قیامت میں، اس کا تعلق اگلے جملہ سے ہے) ایک دوسرے کے دشمن ہوجائیں گے، بجز اللہ سے ڈرنے والوں کے (جو اللہ کی اطاعت میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ وہ آپس میں سچے دوست ہوں گے۔)

تحقیق وترکیب: .... اذا هم منها. اذا مفاجاتیہ ہے۔

من اية. نونشانیاں قوم موسیٰ کی مراد ہیں۔

الا هی اکبر. اضافی بڑائی بھی مراد ہوسکتی ہے اور فی نفسہ نشانیوں کا بڑا ہونا بھی ہوسکتا ہے۔

من اختها. جب دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوں۔

یا ایها الساحر. یہ ندا تعظیم کے لئے ہے۔ ساحر سے مراد عالم ماہر ہے۔ جیسا کہ ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ یہ مذمت کے لئے نہیں کہا۔ اور یا خود کو بڑا سمجھتے ہوئے اس طرز سے گفتگو کی بہ نیت تحقیر۔

بما عهد. ما موصولہ ہے لیکن بیضاویؒ نے ما مصدر یہ مانا ہے اور عہد سے مراد نبوت ہے اور مستجاب الدعوات ہونا یا عذاب کا موقوف ہوجانا مراد ہے۔

وهٰذه الا نهار. واؤ عاطفہ ہے یا حالیہ ہے اور تجری حال ہے یا خبر۔

ام انا خیر. ام متصلہ ہونے کی طرف اشارہ کردیا۔ جس سے مقصود کسی چیز کی تعیین ہوتی ہے۔

یکادیبین. لثغہ کہتے ہیں کہ زبان سے سین کی بجائے ثاء اور راء کی بجائے غین نکلے یا لام یا یا نکلے یا کسی اور حرف کی بجائے اور حرف نکلے یا زبان حرف کی ادائیگی میں نہ اٹھ سکے اس میں ثقل ہو۔

اساور. سوار بروزن کتاب یا غراب ہے جمع اسورة اساور، اساورة آتی ہے۔

اسفونا. اسف سے منقول ہے غضب ناک ہوجانا۔

فاغرقنا ھم. جس نیل پر فرعون فخر کرتا تھا آخر کار وہی اس کو لے ڈوبا۔ اور حضرت موسیٰ کو حقیر سمجھا مگر وہی غالب رہے۔

مثلا. یعنی جو خدا بے باپ پیدا کرسکتا ہے وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔

اذا قومك. عبداللہ بن زبعری مراد ہے اور نام کی تصریح شاید اس لئے مناسب نہ سمجھی کہ یہ بعد میں مسلمان ہوگئے۔

یصدون. شور مچانا۔

ء ألهتنا. تحقیق ہمزتین اور بغیر الف درمیان میں لائے۔ ہمزہ ثانیہ کی تسہیل کے ساتھ دونوں قراءتیں مشہور ہیں اور قرأت شاذہ صرف ایک ہمزہ کے ساتھ اور اس کے بعد الف ہے اس صورت میں خبر ہوگی۔

الا عبد. جواب کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ پر تو اللہ کا انعام ہے ان کو عذاب کیسے ہوگا۔

لجعلنا منکم. من بدلیہ ہے۔ جیسے: ارضیتم بالحیوة الدنیا من الا خرة.

یخلفون. انسانوں کی بجائے فرشتے زمین میں خلیفہ ہوں یا فرشتے باہم ایک دوسرے کے خلیفہ ہوں یا یہ مطلب ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا کردیا۔ اسی طرح انسانوں سے فرشتے بھی پیدا کرسکتے ہیں۔ تاکہ تمہیں معلوم ہوجائے کہ فرشتے اللہ کی اولاد نہیں ہیں۔

لعلم للساعة. علم سے مجازاً علامة مراد ہے اور ابن عباسؓ نے علم مبالغہ کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔

ولا بین لکم. یہ عطف جملہ سے ہے۔ ای جئتکم بالحکمة لا بین لکم اور عام محذوف پر بھی عطف ہوسکتا ہے۔

ای جئتکم لا ذکر کم ولا بین کذا الیٰ کفار مکۃ.

تختلفون فیہ. یعنی دنیاودین کے مجموعی امور میں تم اختلاف کرتے ہو ان میں سے دین کو بتلانے کے لئے آیا ہوں۔

من بینھم. مفسرؒ نے فرقہ یعقوبیہ، مرقوسیہ، ملکانیہ کے عقائد کی طرف علی الترتیب اشارہ کیا ہے اور ایک فرقہ عیسائیوں کا صحیح العقیدہ بھی تھا اور یہودی حضرت عیسیٰ کو ولد الزنا کہتے تھے۔

الا خلاء. مفسرؒ کے مطابق اگر معصیت کی قید لگائی جائے تو پھر الا المتقون میں استثناء منقطع ہوگا اور مطلقاً دوستی مراد ہو تو پھر استثناء متصل ہو جائے گا۔

ربط آیات: ....گذشتہ آیات میں کفار کے اس خیال کی بھی تردید تھی۔ کہ انبیاء کے لئے دنیاوی عزت و وجاہت و دولت ضروری ہے۔ چنانچہ آیات ولقد ارسلنا موسیٰ الخ اور ولما ضرب ابن مریم الخ میں اس کی تائید کی جارہی ہے کہ یہ دونوں حضرات ہر چند کہ ان کے معیار کے مطابق نہیں تھے۔ مگر خدا کے فرستادہ تھے۔

شان نزول: ....توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں خصوصیت سے پیش نظر ہے۔ کفار کے ایک معاندانہ شبہ کا جواب ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے قریش سے شرک کو رد کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ لیس احد یعبد من دون اللہ فیہ خیر. اس پر بعض لوگ بولے کہ اس عموم میں تو عیسیٰ بھی آتے ہیں کہ ان میں بھی خیریت نہیں۔ آخر عیسائی ان کی پرستش تو کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ ان کو نیک بندہ اور نبی مانتے ہیں۔ پس آپ کی ان دونوں باتوں میں تعارض ہو گیا۔ اس شبہ کے جواب میں بقول ابن عباسؓ یہ آیات ولما ضرب ابن مریم نازل ہوئیں۔

حاصل اعتراض یہ ہوا کہ ہمارے معبودوں میں اگر خیر نہیں تو حضرت عیسیٰ میں بھی خیر نہیں ہوگی۔ حالانکہ آپ ان کو خیر پر مانتے ہیں۔ پس ہمارے معبودوں کو بھی خیر پر ماننا پڑے گا؟ اور مشرکین کا مقصد اس معارضہ سے دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک آنحضرت ﷺ کے ابطال شرک کا جواب اور دوسرے حضرت عیسیٰ کی معبودیت سے شرک کی صحت ثابت کرنا ہے۔

مشہور شان نزول یعنی ابن زبعری کا اعتراض جیسا کہ مفسرؒ نے ذکر کیا اس لئے باعث اشکال ہے۔ کہ اس صورت میں آیت انکم وما تعبدون کا نزول مقدم ماننا پڑے گا۔ اور ولما ضرب ابن مریم کا نزول مؤخر۔ حالانکہ تفسیر اتقان میں سورۂ زخرف کو سورۂ انبیاء سے پہلے نازل ہونا بیان کیا گیا ہے۔ لیکن پہلی تقریر پر اشکال لازم نہیں آتا۔

تاہم مشہور شان نزول کی یہ توجیہ روایات ذیل قال ابن الزبعری اھذا لنا ولا لھتنا ام لجمیع الامم فقال رسول اللہ ھو لکم ولا لھتکم ولجمیع الامم فقال قد خصمتک ورب الکعبۃ الیست النصاریٰ المسیح والیھود یعبدون عزیزا. وبنو ملیح یعبدون الملئکۃ فان کان ھؤلاء فی النار فقد رضینا ان نکون نحن والھتنا معھم فسکت انتظار اللوحی فظنوا انہ الزمہ الحجۃ فضحکوا وارتفعت اصواتھم فظنوا ان محمد اصار مغلوبا بھذا الجدال کی بناء پر کی جاسکتی ہے کہ سورۂ زخرف اکثر آیات کے اعتبار سے سورۂ انبیاء سے پہلے نازل ہوئی ہوگی۔ اور اگر انکم وما تعبدون کا نزول پہلے مان لیا جائے تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ما کا استعمال غیر ذوی العقول ہونے کی وجہ سے بت مراد ہیں۔ فرشتے اور حضرت عیسیٰ اس میں داخل نہیں ہیں۔ اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حضور ﷺ نے جواب کیوں نہیں دیا۔ کیونکہ آپ نے جواب ارشاد فرمایا تھا کہ بل ھم عبدو الشیاطین التی امرتھم بذلک.

﴿تشریح﴾: .... فلما جاءھم بآیاتنا. یعنی دوسرے دلائل بر رنگ عقوبت ہم نے ظاہر کئے۔ جن کا بیان آیت ولقد اخذنا آل فرعون میں گزر چکا ہے۔ مگر انہوں نے یہ کہہ کر پھر بھی ان کا مذاق اڑایا کہ یہ تو محض معمولی واقعات ہیں۔ قحط وغیرہ حوادث دنیا میں ہوتے ہی رہتے ہیں۔ حالانکہ مقامی قرائن سے ان کا عجیب اور خارق عادت ہونا معلوم تھا۔ مگر پھر بھی ایک سے ایک بڑھ کر نشانات کا مذاق اڑاتے رہے، یہ بطور محاورہ کے فرمادیا۔ ورنہ سب نشانیاں بڑی تھیں۔ اور اگر تفاصیل جزئی کا خیال کیا جائے تو عرفی صحت کی بجائے صحت عقلی کے اعتبار سے بھی کہنا صحیح ہوگا۔ وہ نشانات جن کا ذکر فارسلنا علیھم الطوفان والجراد میں آچکا ہے۔ ایک طرف وہ دلائل نبوت تھے اور دوسری طرف نہ ماننے والوں کے لئے عقوبت وسزا بھی۔

وقالوا یا ایھا الساحر. ممکن ہے بعض نشانیاں جو صورۃً چھوٹی تھیں ان کو دیکھ کر ہنسی کی ہو اور بڑی نشانیاں دیکھ کر گڑگڑانے لگے ہوں یا شروع میں سب کا مذاق اڑایا ہو اور بعد میں ان کے شدید ومدید ہونے پر منت خوشامد کرنے لگے ہوں۔ اور حضرت موسیٰ کو ساحر کہنا یا تو ماہر کے معنی میں ہو اور یا بدحواسی میں زبان پر چڑھا ہوا لفظ منہ سے نکل گیا ہو۔

فرعون کی ڈینگیں: .... ونادیٰ فرعون. اپنی کوتاہ نظری سے فرعون دنیاوی طمطراق کو لازمہ نبوت سمجھ بیٹھا اور حضرت موسیٰ کو بھی اس پیمانہ سے ناپنا چاہا اور اپنے خوشامدیوں کے آگے ڈینگیں ماریں۔ کہ یہ دیکھو مصر کی ساری باگ ڈور میرے ہاتھ میں ہے اور یہ نہریں میری بنائی ہوئی ہیں۔ جو دریائے نیل سے نکالی گئی تھیں اور موسیٰ کے پاس کیا دھرا ہے کہ تم لوگ اس کے آگے گردنیں جھکاؤ، نہ اس کے پاس روپیہ پیسہ، نہ حکومت وعزت اور نہ دوسرا کوئی ظاہری کمال حتیٰ کہ زبان بھی صاف نہیں کہ سلیقہ سے گفتگو کرسکے لیکن ہم خود بھی سونے کے کنگن پہنتے ہیں اور جس امیر، وزیر پر مہربان ہوجائیں اس کو بھی سونے کے کنگن پہنا دیتے ہیں اور فوج فرا بھی ہمارے اعزاز دیئے ہوئے امیر کبیر کے آگے صف بستہ کھڑی رہتی ہے۔ ایک یہ موسیٰ ہیں کہ ان کو یہ دونوں چیزیں حاصل نہیں۔ پھر کس برتے پر نبوت کا دعویدار ہے۔ غرض کہ اس طرح کی پُرفریب باتوں سے فرعون نے سب کو الّو بنادیا۔ اس کی قوم کے لوگ پہلے ہی سے نافرمان تھے۔ اب اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہوگیا۔ جب پانی سر سے گزر گیا تو خدائی انتقام حرکت میں آگیا اور اسی نیل میں غرقاب کردیا گیا جس پر اس کو ناز تھا۔ اب دنیا کے لئے یہ عظیم قوم محض ایک افسانہ عبرت بن کر رہ گئی۔

سلفاً. یعنی خاص طور سے متقدمین کے لئے۔ یعنی ان کا قصہ بیان کر کے لوگ عبرت دلاتے ہیں کہ دیکھو متقدمین میں ایسے ایسے مجرمین ہوئے ہیں جن کا یہ حال ہوا ہے۔ اور فرعون کا لا یکاد یبین کہنا یا تو نری غلط بیانی ہے اور اگر کچھ روانی میں کمی ہوگئی یا زبان میں کچھ بستگی کا کچھ اثر رہ گیا ہو تو وہ منافی کمال نہیں۔ جس کو اس نے بڑھا چڑھا کر رنگ آمیزی کر کے بیان کیا ہے۔

بھانت بھانت کی بولیاں: .... ولما ضرب ابن مریم. حضرت عیسیٰ کا جب ذکر آتا۔ تو مشرکین عرب قسم قسم کی آوازیں اٹھاتے تھے۔ شان نزول کے ذیل میں ان کے جن دو مقصودوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ان آیات میں ان دونوں کا جواب ہے۔ پہلی بات کے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ خیریت کی نفی میں جس سے شرک کا باطل کرنا مقصود ہے مقتضی ہے غیر اللہ کے معبود ہونے کو، لیکن مانع کی ماجودگی میں مقتضی کا اثر نہیں رہتا اور حضرت عیسیٰ میں مانع موجود ہے۔

اور اعتراض کے دوسرے حصہ کا جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی معبودیت اس لئے حجت ہے۔ کہ اس کا کوئی صحیح منشاء نہیں ہے۔ کیونکہ یہ خود حضرت عیسیٰ کے خلاف ہیں اور جن باتوں سے پرستش کرنے والوں کو اشتباہ یا مغالطہ ہوسکتا تھا ان کا جواب دے دیا۔ بہرحال حضور ﷺ کا منشاء انکم وما تعبدون سے وہ چیزیں تھیں جن کی لوگ پرستش کرتے ہیں۔ مگر وہ خود اس پرستش سے

لوگوں کو نہ روکتے ہیں اور نہ اظہار بیزاری کرتے ہیں۔ مگر کٹ حجتی کرنے والوں کا مقصد ہی حق کو رلانا اور جھگڑے نکالنا ہوتا ہے۔

کچھ اسی ایک مسئلہ میں نہیں بلکہ ہر سیدھی بات کو بھی جھگڑالو، اینچ پیچ میں ڈال دیتے ہیں اور دوراز کار مہمل بحثیں لا کھڑی کر دیتے ہیں۔ بھلا کہاں شیاطین جو لوگوں سے پرستش کرا کر خوش ہوتے ہیں یا پتھر وغیرہ کی بے جان مورتیاں جو کفر وشرک سے کسی کو باز رکھنے پر اصلاً قادر نہیں اور کہاں حضرت عیسیٰؑ یا حضرت عزیرؑ جیسے پاک طینت جن کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا۔ بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے کھڑا کیا۔ جنہیں خود بھی اپنی بندگی کا اقرار تھا۔ اور دوسروں کو بھی ہمیشہ اسی کی دعوت دیتے رہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

قران کریم کسی بندہ کو بھی خدائی کا درجہ نہیں دیتا۔ اس کا تمام تر زور ہی اس کے خلاف ہے اور نہ یہ کہ محض چند بیوقوفوں کے کسی کو معبود بنا لینے سے خدا کے ایک برگزیدہ مقبول بندے کو پتھروں یا شریروں کے برابر کر دے۔

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اللہ کی قدرت کی نشانی ہے:.......... رہا حضرت عیسیٰؑ کا بن باپ پیدا کرنا۔ سو اللہ کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں۔ اللہ چاہے تو تمہاری نسل سے فرشتے پیدا کر دے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں فرشتوں کے سے آثار تھے لیکن اتنی سی بات سے کوئی شخص معبود نہیں بن جاتا۔ یا تمہاری جگہ آسمان سے فرشتوں کو لا کر اللہ زمین پر بسا دے، آباد کر دے۔ اسے سب کچھ قدرت ہے۔ ان هو الا عبد سے دونوں باتوں کا جواب نکل آیا۔ پہلی بات کا تو اس طرح کہ حضرت عیسیٰؑ پر چونکہ اللہ کا انعام ہے اس لئے وہ خیریت سے خالی نہیں ہو سکتے۔ اس مانع کے ہوتے ہوئے وہ مقتضی یعنی غیر اللہ کا معبود ہونا مؤثر نہیں ہوا۔ خیرت کی نفی میں۔ برخلاف شیاطین اور بتوں کے وہاں غیر مانع کے مقتضی موجود ہے۔ بلکہ شیاطین میں خیرت نہ ہونے کا ایک دوسرا مقتضی بھی موجود ہے یعنی ان کا کفر۔

خلاصہ یہ کہ ان کے فرضی خداؤں کا خیریت پر نہ ہونا حضرت عیسیٰؑ کے خیرت پر نہ ہونے کو مستلزم نہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خیریت پر ہونا ان کے معبودوں کے خیریت پر ہونے کو مستلزم نہیں۔

اسی طرح دوسری بات کا جواب بھی اس طرح نکل آیا کہ مطلق خیریت الوہیت کو مستلزم نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ باوجود منعم علیہ اور باخیر ہونے کے خدا کے بندے تھے۔ بلکہ ان کی خیریت کی بناء پر ہی ان پر اللہ کا انعام تھا۔ رہ گیا لوگوں کا ان کی پرستش کرنا، اس سے شرک کے صحیح ہونے پر استدلال اس لئے غلط ہے۔ کہ اس کا کوئی صحیح منشا نہیں تھا۔ محض جہلاء کو ان کے بلا باپ پیدا ہونے سے اشتباہ ہو گیا۔ ورنہ صحیح الفکر لوگ اس وقت بھی کسی مغالطہ میں نہیں پڑے تھے۔ سو فی نفسہ بغیر باپ پیدا کرنا بھی اس بدعقیدگی کا صحیح منشا نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کی حکمتیں:.......... ایسی پیدائش مختلف حکمتوں کے پیش نظر ہوئی۔ مثلاً: خدائی قدرت مطلقہ پر استدلال کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اس سے پیدا ہونے والے کی الوہیت پر استدلال کرنا انتہائی عنادت و بلادت کی بات ہے۔ وہ تو انسانوں سے فرشتے بھی پیدا کر سکتا ہے اور پھر ان فرشتوں کی موت بھی انسانوں کی طرح ہو سکتی ہے اور یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے بھی زیادہ عجیب وغریب ہے۔ کیونکہ آدمؑ وحواؑ کی پیدائش تو ان سے پہلے ہی ہو سکتی ہے۔ لیکن فرشتوں کی پیدائش ووفات انسانوں کی طرح کبھی بھی نہیں ہوئی۔ مگر اللہ اس پر بھی قادر ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰؑ کی یہ پیدائش منشاء عبادت نہیں ہو سکتی۔ علیٰ ہذا حضرت عیسیٰؑ کی اس طرح پیدائش میں دوسری حکمت یہ ہے کہ وہ قیامت کے یقینی ہونے کا ایک ذریعہ ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش خاص طور پر بنی اسرائیل کے لئے نشان قدرت تھی۔ کہ اللہ نے عجیب وغریب خوارق دکھلائے اور دوسری مرتبہ ان کا نزول قیامت کا نشان ہوگا۔ وہ قریبی علامات قیامت ہیں۔ لوگ سمجھ جائیں گے کہ قیامت اب بالکل قریب آ لگی ہے۔ نیز قیامت کو لوگ خلاف عادت ہونے کی وجہ سے ہی تو بعید سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت عیسیٰؑ کا دوبارہ دنیا میں آنا ہی تو خلاف عادت ہوگا۔ اس سے قیامت کا پکا یقین ہو جائے گا۔

مشرکین توحید کی طرح چونکہ قیامت کے بھی منکر تھے۔اس لئے اس دوسری حکمت میں جملہ معترضہ کے طور پر اس کی فہمائش اور تائید بھی ہوگئی۔غرض کہ ان دونوں عقائد میں بلکہ جملہ عقائدواعمال میں آنحضرت ﷺ کی پیروی کا حکم ہے کہ یہی سیدھی راہ ہے اس کے خلاف شیطانی راہ ہے جوانسان کا کھلا دشمن ہے۔

حضرت عیسیٰؑ نے یہود کی اصلاح فرمائی:............ ولما جاء عیسیٰ. یہود میں چونکہ سرکشی زیادہ تھی۔ممکن ہے انہوں نے بعض حلال چیزوں کوحرام اور بعض حرام چیزوں کوحلال کرلیا ہواور بعض احکام بحالہ رہنے دیئے ہوں۔اس لئے حضرت عیسیٰؑ نے تشریف لاکر انہی محرف احکام کو بیان فرمایا ہو یا بقول حافظ ابن کثیرؒ دنیاوی اور دینی احکام میں سے صرف دینی احکام کو بیان فرمایا ہو۔جیسا کہ انبیاء کا عام طریقہ ہوتا ہے دنیاوی احکام سے تعرض نہیں کیا۔

هذا صراط مستقيم. یہ تھا حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم کا خلاصہ جس میں توحیدواطاعت پرزور دیا گیا ہے۔اس لئے ان کے نام لیواؤں میں سے بعض نادانوں کے مشرکانہ طرزعمل سے شرک کے صحیح ہونے پراستدلال کرنا ''مدعی سست گواہ چست'' کا مضمون ہوگا۔

عیسائیوں کی چار جماعتیں:............ فاختلف الاحزاب. حضرت عیسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل میں اختلاف ہوگیا۔یہود ان کے منکر اور عیسائی ان کے قائل ہوگئے۔پھرآگے چل کر عیسائیوں میں بھی پھوٹ پڑگئی۔تین فرقوں میں بٹ گئے۔ایک حضرت عیسیٰؑ کو تین خداؤں میں سے ایک کہتا ہے۔اور کوئی خدا کا بیٹا مانتا ہے اور کوئی کچھ کہتا ہے۔غرض کہ ان میں سے ایک بھی عیسوی تعلیم پر برقرار نہیں رہا۔اتنی واضح تعلیم کے بعد جب یہ راہ راست پر نہیں آئے۔تو بس معلوم ہوتا ہے کہ آپ قیامت کے بگل کا انتظار کررہے ہیں۔جب کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔اس روز کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آئے گا۔سب دوستیاں اور محبتیں ختم ہوجائیں گی۔کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔بلکہ بری دوستی پر انسان پچھتائے گا۔البتہ اللہ کے لئے دوستی یقیناً کام آئے گی۔

وَيُقَالُ لَهُمْ **يٰعِبَادِ لَاخَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ﴿۶۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** نَعْتٌ لِعِبَادِىْ **بِاٰيٰتِنَا** الْقُرْاٰنِ **وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ﴿۶۹﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ** مُبْتَدَاٌ **وَاَزْوَاجُكُمْ** زَوْجَاتُكُمْ **تُحْبَرُوْنَ﴿۷۰﴾** تُسَرُّوْنَ وَتُكْرَمُوْنَ خَبَرُ الْمُبْتَدَاِ **يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ** بِقِصَاعٍ **مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ** جَمْعُ كُوْبٍ وَهُوَ اِنَاءٌ لَاعُرْوَةَ لَهٗ لِيَشْرَبَ الشَّارِبُ مِنْ حَيْثُ شَاءَ **وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ** تَلَذُّذًا **وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ** نَظَرًا **وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴿۷۱﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِىْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا** اَىْ بَعْضُهَا **تَاْكُلُوْنَ﴿۷۳﴾** وَمَا يُؤْكَلُ يُخْلَفُ بَدَلَهٗ **اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِىْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴿۷۴﴾ لَا يُفَتَّرُ** يُخَفَّفُ **عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ﴿۷۵﴾** سَاكِتُوْنَ سُكُوْتَ يَاسٍ **وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ﴿۷۶﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ** هُوَ خَازِنُ النَّارِ **لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ** لِيُمِتْنَا **قَالَ** بَعْدَ اَلْفِ سَنَةٍ **اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ﴿۷۷﴾** مُقِيْمُوْنَ فِى الْعَذَابِ دَائِمًا قَالَ تَعَالٰى **لَقَدْ جِئْنٰكُمْ** اَىْ اَهْلَ مَكَّةَ **بِالْحَقِّ** عَلٰى لِسَانِ الرُّسُلِ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ﴿۷۸﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا** اَىْ كُفَّارُ مَكَّةَ

اَحْكَمُوْا **اَمْرًا** فِیْ كَیْدِ مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ** ﴿۷۹﴾ مُحْكِمُوْنَ كَیْدَنَا فِیْ اِهْلَاكِهِمْ **اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ** مَا یُسِرُّوْنَ اِلٰی غَیْرِهِمْ وَمَا یَجْهَرُوْنَ بِهٖ بَیْنَهُمْ **بَلٰی** نَسْمَعُ ذٰلِكَ **وَرُسُلُنَا** الْحَفَظَةُ **لَدَیْهِمْ** عِنْدَهُمْ **یَكْتُبُوْنَ** ﴿۸۰﴾ ذٰلِكَ **قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ** فَرْضًا **فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ** ﴿۸۱﴾ لِلْوَلَدِ لٰكِنْ ثَبَتَ اَنْ لَا وَلَدَ لَهٗ تَعَالٰی فَانْتَفَتْ عِبَادَتُهٗ **سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ** الْكُرْسِیِّ **عَمَّا یَصِفُوْنَ** ﴿۸۲﴾ یَقُوْلُوْنَ مِنَ الْكَذِبِ بِنِسْبَةِ الْوَلَدِ اِلَیْهِ **فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا** فِیْ بَاطِلِهِمْ **وَیَلْعَبُوْا** فِیْ دُنْیَاهُمْ **حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ** ﴿۸۳﴾ فِیْهِ الْعَذَابُ وَهُوَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ **وَهُوَ الَّذِیْ** هُوَ **فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ** بِتَحْقِیْقِ الْهَمْزَتَیْنِ وَاِسْقَاطِ الْاُوْلٰی وَتَسْهِیْلِهَا كَالْیَاءِ اَیْ مَعْبُوْدٌ **وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ** وَكُلٌّ مِنَ الظَّرْفَیْنِ مُتَعَلِّقٌ بِمَا بَعْدَهٗ **وَهُوَ الْحَكِیْمُ** فِیْ تَدْبِیْرِ خَلْقِهٖ **الْعَلِیْمُ** ﴿۸۴﴾ بِمَصَالِحِهِمْ **وَتَبٰرَكَ** تَعَظَّمَ **الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ** مَتٰی تَقُوْمُ **وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ** ﴿۸۵﴾ بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ **وَلَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ** یَعْبُدُوْنَ اَیِ الْكُفَّارُ **مِنْ دُوْنِهِ** اَیِ اللّٰهِ **الشَّفَاعَةَ** لِاَحَدٍ **اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ** اَیْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ **وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ** ﴿۸۶﴾ بِقُلُوْبِهِمْ مَا شَهِدُوْا بِهٖ بِاَلْسِنَتِهِمْ وَهُمْ عِیْسٰی وَعُزَیْرٌ وَالْمَلٰٓئِكَةُ فَاِنَّهُمْ یَشْفَعُوْنَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ **وَلَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ** حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ وَوَاوُ الضَّمِیْرِ **فَاَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ** ﴿۸۷﴾ یُصْرَفُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی **وَقِیْلِهٖ** اَیْ قَوْلِ مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنَصْبُهٗ عَلَی الْمَصْدَرِ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ اَیْ وَقَالَ **یٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ** ﴿۸۸﴾ قَالَ تَعَالٰی **فَاصْفَحْ** اَعْرِضْ **عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ** مِنْكُمْ وَهٰذَا قَبْلَ اَنْ یُؤْمَرَ بِقِتَالِهِمْ **فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ** ﴿۸۹﴾ بِالْیَاءِ وَالتَّاءِ تَهْدِیْدٌ لَهُمْ

ترجمہ: .... (اوران متقیوں سے فرمایا جائے گا کہ) اے بندو! آج تم پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ تم غمگین ہوگے۔ وہ بندے جو ایمان لائے (عبادی کی صفت ہے) ہماری آیات (قرآن) پر اور وہ فرمانبردار تھے۔ تم جنت میں داخل ہو جاؤ (انتم مبتداء ہے) اور تمہاری بیویاں خوش بخوش ہوں گی (مسرت اور اکرام کے ساتھ یہ خبر ہے مبتداء کی) پیش کئے جائیں گے ان کے پاس سونے کے پیالے (بادیئے) اور گلاس (اکواب کوب کی جمع ہے ایسا برتن جس میں پکڑنے کا حصہ نہ ہو۔ تاکہ پانی پینے میں آزادی رہے) اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی جن کو جی چاہے گا (مزے کے لئے) اور جن سے آنکھوں (نظر) کو لذت ہوگی اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے۔ اور یہ جنت ہے جس کے مالک تم بنادیئے گئے اپنے اعمال کے عوض۔ تمہارے لئے اس میں بہت سے میوے ہیں جن میں سے (بعض کو) تم کھارہے ہو (اور جو پھل کھاتے ہو اس کی جگہ دوسرا پھل پیدا ہو جاتا ہے) بے شک نافرمان ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہیں گے۔ ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس (چپ پاس میں ڈوبے ہوئے پڑے رہیں گے) اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ مگر یہ خود ہی ظالم تھے اور وہ پکاریں گے اے مالک! (داروغہ جہنم) تمہارا پروردگار ہمارا قصہ ہی ختم کردے (ہمیں موت دے دے) وہ (ہزار سال بعد جواب دے گا) کہ تم ہمیشہ اسی حال میں رہو گے (دائماً عذاب میں رہو گے حق تعالیٰ فرمائیں گے) ہم نے تمہارے پاس (مکہ والو) سچا دین پہنچایا (انبیاء

کے ذریعہ) مگر تم میں اکثر لوگ سچے دین سے نفرت رکھتے رہے۔ ہاں! کیا (مکہ کے کافروں نے) کوئی انتظام درست کیا (محمد ﷺ کے لئے سازش کے سلسلہ میں) سوہم نے بھی ایک انتظام درست کر رکھا ہے (ان کی تباہی کا فیصلہ کر دیا ہے) ہاں کیا ان کا خیال یہ ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور سرگرمیوں کو (جو دوسروں سے چپکے چپکے اور آپس میں کھلم کھلا مشورے کرتے ہیں) سنتے نہیں، کیوں نہیں! (ہم ضرور سنتے ہیں) اور ہمارے جوفرشتے (محافظ) ان کے پاس ہیں وہ بھی لکھتے ہیں (یہ سب باتیں) آپ کہئے کہ اگر خدائے رحمٰن کے اولاد ہو (بالفرض) تو سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا میں ہوں (مگر چونکہ یہ ثابت ہے کہ اس کی اولاد نہیں۔ اس لئے اس کی عبادت کا بھی کوئی سوال نہیں) آسمانوں اور زمین کا مالک جو کہ عرش (کرسی) کا بھی مالک ہے۔ ان باتوں سے منزہ ہے جو لوگ بیان کر رہے ہیں (اولاد کی جھوٹی نسبت اس کی طرف کر رہے ہیں) تو آپ ان کو اسی شغل (باطل) اور تفریح (دنیا) میں رہنے دیجئے۔ یہاں تک کہ ان کو اس دن سے سابقہ پڑے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے (کہ اس میں عذاب ہوگا یعنی روز قیامت) اور وہی ذات ہے (وہ) جو آسمانوں میں بھی قابل عبادت ہے (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور پہلی ہمزہ گرا کر اور اس کی تسہیل کرتے ہوئے مثل یا کے یعنی معبود ہے) اور زمین بھی قابل عبادت ہے (فی السماء اور فی الارض دونوں ظرف الٰه سے متعلق ہیں) اور وہی بڑی حکمت والا ہے (مخلوق کی تدبیر میں) بڑا جاننے والا ہے (ان کی مصالح کو) اور وہ ذات بڑی عالی شان ہے (باعظمت) ہے جس کے لئے آسمانوں کی اور زمین کی اور جو ان کے درمیان میں ہے سلطنت ثابت ہے اور اس کو قیامت کی خبر ہے (کہ کب آئے گی ؟) اور تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے (تا اور یا کے ساتھ ہے) اور جن معبودوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں (کفار بندگی کرتے ہیں) اسی (اللہ) کے سوا وہ (کسی کے لئے) سفارش کا اختیار نہیں رکھیں گے۔ ہاں جن لوگوں نے حق کا اقرار کیا تھا (یعنی لا الٰه الا الله کا) اور وہ تصدیق بھی کیا کرتے تھے (دل سے اگر چہ زبان سے نہ کہا ہو۔ جن سے حضرت عیسیٰ، حضرت عزیرؑ اور فرشتے مراد ہیں۔ کیونکہ یہ سب مومنین کی سفارش کریں گے) اور اگر (لام قسمیہ ہے) آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے۔ تو یہی جواب دیں گے۔ کہ اللہ نے (لیقولن سے نون رفع حذف کر دیا گیا ہے اور واؤ خبر حذف کر دیا گیا ہے) سو یہ لوگ کدھر الٹے چلے جا رہے ہیں (اللہ کی عبادت سے روگردانی کر رہے ہیں) اور اس کے رسول کے کہنے کی (یعنی آنحضرت ﷺ کے فرمانے کی اور قیل مصدر منصوب ہے فعل مقدر کی وجہ سے یعنی قال کے سبب) کہ اے میرے رب! یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے (حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) تو آپ ان سے بے رخ (بے توجہ) رہئے اور یوں کہہ دیجئے کہ تمہیں سلام ہو (یہ جہاد کی اجازت سے پہلے کا حکم ہے) سو ان کو بھی معلوم ہو جائے گا (یاء اور تاء کے ساتھ ان کے لئے تہدید ہے۔)

تحقیق وترکیب : .... **یا عباد** . یہ ندا جنتیوں کی تشریف وتکریم کے لئے ہوگی۔ جس میں چار باتیں ہوں گی خوف کی نفی، حزن کی نفی، جنت میں داخلہ، سرور کی بشارت، عاصمؒ کی قرأت میں **یا عبادی** فتحہ یا کے ساتھ اور ابن کثیرؒ وحفصؒ وصل ووقف دونوں حالتوں میں حذف یا کرتے ہیں اور باقی قراءیائے ساکنہ پڑھتے ہیں۔ اور **لا خوف** میں عام قراءت رفع اور تنوین کے ساتھ پڑھتے ہیں اور ابن محیصنؒ بغیر تنوین کے حذف مضاف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

الذین امنوا . **عبادی** کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب المحل ہے، کیونکہ **عبادی** منادی مضاف ہے اور یا مدح کی وجہ سے منصوب ہے۔

تحبرون . یہ خبر ہے انتم مبتداء کی۔ اور ازوا جکم اگر معطوف ہے ضمیر اد خلوا پر اور فصل کی وجہ سے یہ عطف جائز ہے تو پھر تحبرون حال ہو جائے گا۔

بصحاف . کسائیؒ کہتے ہیں کہ سب سے بڑے بادیہ کو جفنہ کہتے ہیں۔ اس سے کم کو قصعہ کہتے ہیں۔ جس میں دس آدمی شکم سیر ہو جائے اور اس سے چھوٹے کو صحفہ کہتے ہیں جس میں پانچ آدمی سیر ہو جائیں۔ پھر اس سے چھوٹا میکلہ ہوتا ہے جس میں دو تین آدمی پیٹ بھر لیں۔

اکواب . کوب کہتے ہیں پیالہ کو جس میں پکڑنے کا حصہ نہ لگا ہو۔

تلك الجنة. یہ مبتدا ءخبر ہے۔اور یاجنت کوصفت اور "التی اور تتموها" کوخبر کہا جائے اور "بما کنتم" میں باسببیہ ہے۔حدیث میں جولن ید خل احد کم الجنة بعمله بل برحمة الله فرمایا گیا ہے۔اس سے مراد مستقل سبب کی نفی ہے اور یہاں فی الجملہ عمل کوسبب کہا جارہا ہے اور بعض نے یا ملابسة یا مقابلہ کے لئے مانی ہے اور بعض کے نزدیک دخول جنت تو فضل الٰہی سے ہوگا اور مراتب ودرجات اعمال کے لحاظ سے ہوں گے۔یا کہا جائے کہ عمل کا سبب ہونا بھی تو اللہ کی رحمت سے ہے۔

منها تاکلون. من تبعیضیہ ہے۔کیونکہ تمام پھل کھائے جاتے ہیں۔جنت کے پھل بارہ ماسی ہوں گے جو کبھی ختم نہیں ہوں گے۔

مبلسون. ابلاس کے معنی سکوت اور انقطاع حجت کے ہیں۔شروع میں مایوس ہوکر جہنمی خاموش ہوں گے۔لیکن بعد میں مجبور ہوکر پھر داروغہ جہنم کو پکاریں گے۔ونا دوا یا مالك. بہرحال قیامت کے طویل وقفہ میں مختلف حالات میں پیش آئیں گے۔

لقد جئنا کم. یہ مالک جہنم کے جواب کی وجہ سے بیان فرمائی گئی ہے۔یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کلام بھی مالک ہی کا ہو۔

اکثر کم بمعنی کلکم لان للاکثر حکم الکل.

ابرموا. ابرام کہتے ہیں ڈورا بنانا، بٹنا لیکن مراد تدبیر اور مضبوطی ہے۔ابرم الحبل. ڈبل کرنا۔

ان کان. یعنی بالفرض اگر اللہ کے اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کو مانتا اور لازم نہیں اس لئے ملزوم بھی نہیں۔یہ قیاس استثنائی ہے۔جس میں نقیض مقدم کا استثناء کیا گیا۔جس کا نتیجہ نقیض تالی ہوتا ہے۔یعنی چونکہ اس کے اولاد نہیں۔اس لئے اس کی عبادت کا بھی سوال نہیں۔اس طرح ابلغ طریقہ پر اولاد کی نفی ہوگئی۔

رب السموات. یعنی اللہ خالق عالم ہے اس لئے جسم نہیں۔اگر جسم ہوتا تو عالم کی تخلیق نہ کرسکتا اور جب جسم نہیں تو اس کے لئے اولاد کا بھی سوال نہیں ہوتا۔کیونکہ توالد وتناسل جسم کی شان ہے۔

فی السماء اورفی الارض کا مطلب ہے کہ عالم علوی، عالم سفلی سب کا معبود ہے۔یہ دونوں لفظ ترکیب میں حال نہیں۔بلکہ الٰہ کے متعلق ہیں۔

ترجعون. نافعؒ، ابن عمرؒ، ابن عاصمؒ، ابن عامرؒ کی قراءت تا کے ساتھ بطور التفات کے اور باقی قراءؒ کے نزدیک یا کے ساتھ ہے۔

الا من شهد. یعنی فرشتے، حضرت عیسیٰؑ، حضرت عزیرؑ صرف شفاعت کریں گے۔اور وہ بھی صرف مومنین کی گویا شافعین بھی خاص ہیں۔اور مشفوع لہ بھی مخصوص نہ بت سفارشی ہوں گے اور نہ کفار کے حق میں سفارش ہوگی۔

الذین یدعون. سے مراد اگر عام ہے۔تو "الا من شهد" استثناء متصل ہے۔اور اگر صرف بت مراد ہوں تو پھر استثناء منفصل ہوگا۔مفسرؒ کا رجحان پہلے احتمال کی طرف ہے۔یدعون صلہ ہے جس کا عائد محذوف ہے۔

وهم یعلمون. ضمیر هم کا مرجع من ہے اور جمع کا لانا بلحاظ معنی من ہے۔تفسیری عبارت هم عیسیٰ الخ میں بھی یہی توجیہ ہوگی۔

ولئن سالتهم. ضمیر جمع سے مراد عابدین اور معبودین سب ہیں۔

لیقولن اللّٰه. جواب قسم ہے اور حسب قاعدہ جواب شرط محذوف ہے لفظ الله فاعل ہے۔جیسے دوسری آیت لیقولن خلقهن العزیز میں ہے۔اس لئے مبتداء کہنے کی حاجت نہیں ہے۔

فانی یؤفکون. یعنی تنہا خالق مان کر تنہا معبود ماننے سے انکار باعث تعجب ہے۔

وقیله. قیل بمعنی قول منصوب بناء بر مصدر ہے قول، قیل، قال، مقالة سب مصادر ہیں باہم مرادف۔نداء اور اس کے بعد قیل کا معمول ہے۔

قیل سرهم ونجوٰهم پر عطف کی وجہ سے بھی منصوب ہوسکتا ہے۔یا "محل الساعة" پر عطف کیا جائے۔حمزہؒ اور عاصمؒ اس کو جر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔اس صورت میں "الساعة" پر عطف ہو جائے گا۔دوسری ترکیب اس وقت واؤ قسمیہ کی بھی ہوسکتی ہے اور جواب قسم یا محذوف ہے۔ای لا فعلن بهم ما اریدیا ان هؤلاء قوم لا یؤمنون کو جواب قسم مانا جائے۔(زمخشریؒ)

اعرجؒ، ابوقلابہؒ، مجاہدؒ حسنؒ اس کو مرفوع پڑھتے ہیں۔ "علم الساعة" پر عطف کرتے ہوئے مضاف مقدر مان کر ای وعنده علم قبله. پھر حذف کر کے اس کو قائم مقام کر دیا گیا ہے۔ یا کہا جائے کہ مبتداء کی وجہ سے مرفوع ہے اور جملہ "یارب ان هو لاء الخ" اس کی خبر ہے۔ یا خبر کو محذوف مانا جائے "ای وقیله وکیت وکیت مسموع او متقبل" مفسر علامؒ "قول محمدؐ" کہہ کر مضاف مضاف الیہ دونوں کی تفسیر کر دی اور "نصبه" کا مطلب نصب لام لام قبل ہے اور ضمیر پر رفع ہوگا۔

سلام. یہ سلام متارکت ہے سلام تحیہ نہیں ہے۔ ترکیب میں یہ خبر ہے مبتدائے محذوف کی۔ ای امری سلام منکم. اگر اس سے مراد کفار سے نزاعی گفتگو سے روکنا ہو تو پھر آیت کو منسوخ کر کے ماننے کی ضرورت نہیں۔

ربط آیات: .... آیت الا خلاء یومئذ میں قیامت کے روز کفار کی باہمی دشمنی سے متقین کے استثناء کا ذکر تھا آیت یاعبادی الخ سے انہی کی بشارت کا بیان ہے۔

پھر آگے آیت لقد جئنا کم بالحق سے کفار کے جرائم کا تفصیلی اور سزا کا اجمالاً ذکر ہو رہا ہے۔ جرائم کا حاصل دو چیزیں ہیں۔ شرک اور رسول کی نافرمانی۔ جرم شرک کے سلسلہ میں اور عذاب کی تائید کے لئے توحید کے مضامین بھی آ گئے اور رسول کی نافرمانی بلکہ دونوں مضامین کے تعلق سے بطور تسلی کفار سے بے تعلقی اور ان کے لئے شفاعت کا نہ ہونا تاکید عذاب کے لئے آ گیا۔

روایات: .... مقاتلؒ کا بیان ہے کہ قیامت میں جب حق تعالیٰ یا عبادی الخ فرمائیں گے تو تمام اہل محشر سر اٹھا کر اوپر دیکھیں گے۔ فرمایا جائے گا "الذین آمنوا الخ" تو یہ سن کر دوسرے مذاہب والے گردنیں نیچی کر لیں گے۔

ابن جریرؒ نے محمد بن کعب قرظیؒ سے روایت نقل کی ہے دو قریشی اور ایک ثقفی یا ایک قریشی اور دو ثقفی کافر کعبہ اور غلاف کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ زور سے باتیں کرنے سے اللہ سن لیتا ہے آہستہ باتیں کرو کہ وہ نہیں سن سکتا۔ اس پر آیت ام تحسبون انا لا نسمع الخ نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: .... الذین اٰمنوا باٰیتنا و کانوا مسلمین سے ایمان اور اسلام کا فرق معلوم ہوتا ہے اور اہل ایمان کے خوف وحزن نہ ہونے اور جنت میں داخل ہونے کی بشارت، نافرمان مسلمانوں کو عذاب وسزا ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ ایمان اور یہ چیزیں کلیات مشککہ ہیں۔ ایمان اکمل کی صورت میں فوراً جنت میں داخلہ ہو جائے گا اور مطلق ایمان کی صورت میں مطلقاً جنت میں داخلہ کا استحقاق ہوگا جو اہل سنت کا مسلک ہے۔

اورثتموها. یعنی جنت تمہارے باپ کی میراث تمہیں واپس مل گئی۔ جو تمہارے اعمال کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔ جس کا حقیقی سبب اللہ کا فضل ہے۔ اعمال کی ظاہری سببیت بھی فضل الٰہی اور توفیق الٰہی کی محتاج ہے۔

منها تاکلون. جنت کے پھلوں کو چن چن کر کھاتے رہو۔ لیکن جنتیوں کے برخلاف دوزخیوں کو دائمی عذاب بھگتنا پڑے گا۔ جو نہ ہلکا ہوگا اور نہ ملتوی۔ دوزخی مایوس ہو جائیں گے۔ کہ اب یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل نہ ہوگی۔

وما ظلمناهم. دنیا میں ہر طرح نرم گرم کر کے سمجھا دیا اور انبیاءؑ کے ذریعہ اتمام حجت کر دیا۔ کوئی معقول عذر نہیں چھوڑا۔ پھر بھی کوئی نہ مانے اور اپنی زیادتیوں سے باز نہ آئے تو اس صورت میں سزا کو کون ناانصافی کہہ سکتا ہے۔

ونادوا. دوزخی چھٹکارہ پانے سے مایوس ہو کر موت کی تمنا کریں گے۔ ہزار سال چلانے پر صرف یہ جواب ملے گا۔ کہ چلانے سے کوئی فائدہ نہیں چپ رہو۔ تمہاری اکثریت کا یہ حال تھا کہ تمہیں سچائی سے چڑھتی اور اندھوں کی طرح ناحق لوگوں کے پیچھے ہو لیتے تھے۔ اکثریت اس لئے کہا کہ بعض لوگ علم الٰہی کے مطابق ایمان لانے والے تھے۔ یا یوں کہا جائے کہ بعض لوگ محض لوگوں کی دیکھا دیکھی ان کے پیچھے ہو لئے۔ پہلی صورت میں اعتقادی نفرت مراد ہوگی اور دوسری صورت میں طبعی کراہت۔ بہرصورت اس حق

سے روگردانی میں شرک اور معصیت رسول دونوں آ گئے۔ جس کی تفصیل ام ابرموا سے بیان ہو رہی ہے۔ کہ ہر چند انہوں نے پیغمبر اسلام کے خلاف سازشیں، تدبیریں کیں۔ مگر اللہ کی مخفی تدبیر نے سب کا تار و پود بکھیر دیا اور سارے منصوبے دھرے رہ گئے۔ جیسا کہ سورۂ انفال کی آیت اذیمکر بک الذین میں گزر چکا ہے اللہ سب کے دلوں کے بھید جانتا ہے۔ اور ان کے خفیہ مشورے بھی معلوم ہیں، اور انتظامی ضابطہ کے لحاظ سے ان کی مسل کی تیاری پر بھی فرشتوں کا عملہ لگا رہتا ہے۔ یہ ساری مسل قیامت میں پیش ہو جائے گی۔ اللہ کے بارے میں ان کا یہ گمان یا تو حقیقۃً ہوگا۔ جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ یا کہا جائے کہ ان کی جرأت آمیز حرکتوں سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ اللہ کو ایسا سمجھتے ہیں۔ گویا حسبان سے مراد مجازی معنی ہیں۔ دو آدمیوں کے درمیان سرگوشی کو ''سر'' اور دو سے زائد کے درمیان سرگوشی کو ''نجویٰ'' کہا جاتا ہے۔

اللہ کے لئے اولاد کا عقیدہ:............ پیغمبر کی خلاف ورزی کے بعد آیت قل ان کان الخ سے شرک کا رد ہے۔ یعنی جس طرح تم فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھ کر ان کی عبادت کرتے ہو۔ اسی طرح اگر بالفرض اللہ کے اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرتا۔ مگر سرے سے یہ بات ہی بے اصل و بے بنیاد ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مجھے تمہاری طرح حق بات ماننے سے انکار نہیں۔ لیکن اولاد کا ثابت کرنا تمہارا کام ہے۔ اگر تم ثابت کر دو تو پھر میری عبادت کا سوال بھی ہو سکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کے لئے اولاد محال ہے۔ اس لئے غیر اللہ کی پرستش بھی محال۔ پس اس میں شرک کے ابطال کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ چونکہ معبودیت وجود کے واجب ہونے کے خواص میں سے ہے۔ اس لئے اللہ کی اولاد کے لئے واجب الوجود ہونا بھی لازم ہوتا۔ جس کی وجہ سے اولاد مستحق عبادت ہوتی۔ لیکن اولاد کا واجب الوجود ہونا محال ہے۔ اس لئے استحقاق عبادت بھی ناممکن اور شرک محال۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ فرشتوں یا حضرت عیسٰی وعزیر علیہم السلام کی پرستش واجب الوجود نہ ہونے کے باوجود نری حماقت و جہالت ہے۔

اور بعض حضرات نے عابد کے معنی جاحد کے لئے ہیں۔ یعنی میں سب سے پہلے اس فاسد عقیدہ کا منکر ہوں۔ اور بعض کے نزدیک ان نافیہ ہے۔ یعنی رحمٰن کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ مگر یہ کچھ زیادہ مضبوط توجیہ نہیں ہے اور بھی کچھ احتمالات ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔

فذرهم. غفلت وحماقت کے نشہ میں جو کچھ یہ بک رہے ہیں اس پر توجہ نہ کیجئے۔ چندروزہ عیش پر اترالیں۔ آخر وہ دن بھی آنے والا ہے جس میں ان کی یہ سب خرمستیاں نکل جائیں گی اور ایک ایک گستاخی اور شرارت کا مزہ چکھایا جائے گا۔ چھوڑ دینے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو نصیحت وفہمائش بھی نہ کی جائے۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ ان کی مخالفت سے رنجیدہ نہ ہوجئے اور ایمان نہ لانے پر غمگین نہ ہوجئے۔ اسی کے ساتھ وظیفہ تبلیغ بدستور رکھئے اور ہر چند کہ نظر انداز کرنا موت تک ہوتا ہے۔ لیکن موت مقدمہ آخرت ہے اس لئے یوم موعود کہہ دیا۔

وهو الذی. زمین، آسمان، ساری کائنات کا اکیلا مالک اور اس عالم کون وفساد میں باختیار متصرف تنہا اللہ ہے۔ اس سے شرک کے جرم کو شدید بتلانا ہے اور یہ کہ اس کی سزا بھی انتہائی سخت ہوگی۔ کہ اللہ سے اوپر کوئی طاقت نہیں جو اس کے مجرم کو چھڑا سکے۔

الا من شهد. یعنی سفارش کرنے والے بھی اہل علم صالح ہوں گے اور جن کی سفارش ہوگی۔ وہ بھی اہل ایمان ہوں گے۔ نہ بت سفارش کے اہل اور نہ مشرک اس کے مستحق۔

فانٰی یؤ فکون. یعنی جب اللہ صرف خالق و مالک ہے۔ پھر دوسروں کی عبادت کیسی؟ گویا سارے مقدمات تسلیم مگر نتیجہ کا انکار۔

فاصفح. یعنی نہ ان کے زیادہ پیچھے پڑیئے اور نہ غم کھایئے، فریضہ تبلیغ انجام دیتے رہئے اور ان کو اللہ کے حوالہ کیجئے۔ اور کہہ دیجئے کہ نہیں مانتے تو ہمارا اسلام۔

سُــوْرَةُ الــدُّخَانِ

سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ وَّقِيْلَ اِلَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ اَلْاٰيَةُ وَهِيَ سِتٌّ اَوْسَبْعٌ اَوْ تِسْعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **وَالْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ **الْمُبِيْنِ** ﴿۲﴾ اَلْمُظْهِرِ لِلْحَلَالِ مِنَ الْحَرَامِ **اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ** هِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ اَوْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ نَزَلَ فِيْهَا مِنْ اُمِّ الْكِتٰبِ مِنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا **اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ** ﴿۳﴾ مُخَوِّفِيْنَ بِهٖ **فِيْهَا** اَيْ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ اَوْ لَيْلَةِ نِصْفِ شَعْبَانَ **يُفْرَقُ** يُفْصَلُ **كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ** ﴿۴﴾ مُحْكَمٍ مِنَ الْاَرْزَاقِ وَالْاٰجَالِ وَغَيْرِهِمَا الَّتِيْ تَكُوْنُ فِي السَّنَةِ اِلٰى مِثْلِ تِلْكَ اللَّيْلَةِ **اَمْرًا** فَرْقًا **مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ** ﴿۵﴾ الرُّسُلَ مُحَمَّدًا وَمَنْ قَبْلَهٗ **رَحْمَةً** رَافَةً بِالْمُرْسَلِ اِلَيْهِمْ **مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ** لِاَقْوَالِهِمْ **الْعَلِيْمُ** ﴿۶﴾ بِاَفْعَالِهِمْ **رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا** بِرَفْعِ رَبُّ خَبَرٌ ثَالِثٌ وَبِجَرِّهٖ بَدَلٌ مِّنْ رَّبِّكَ **اِنْ كُنْتُمْ** يَا اَهْلَ مَكَّةَ **مُّوْقِنِيْنَ** ﴿۷﴾ بِاَنَّهٗ تَعَالٰى رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَاَيْقِنُوْا بِاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُهٗ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ** ﴿۸﴾ **بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ** مِنَ الْبَعْثِ **يَّلْعَبُوْنَ** ﴿۹﴾ اِسْتِهْزَاءً بِكَ يَا مُحَمَّدُ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوْسُفَ قَالَ تَعَالٰى **فَارْتَقِبْ** لَهُمْ **يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ** ﴿۱۰﴾ فَاَجْدَبَتِ الْاَرْضُ وَاشْتَدَّ بِهِمُ الْجُوْعُ اِلٰى اَنْ رَاَوْا مِنْ شِدَّتِهٖ كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ **يَغْشَى النَّاسَ ؕ** فَقَالُوْا **هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿۱۱﴾ **رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ** ﴿۱۲﴾ مُصَدِّقُوْنَ بِنَبِيِّكَ قَالَ تَعَالٰى **اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى** اَيْ لَا يَنْفَعُهُمُ الْاِيْمَانُ عِنْدَ نُزُوْلِ الْعَذَابِ **وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ** ﴿۱۳﴾ بَيِّنُ الرِّسَالَةِ **ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ** اَيْ يُعَلِّمُهُ الْقُرْاٰنَ بَشَرٌ **مَّجْنُوْنٌ** ﴿۱۴﴾ **اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ** اَيِ الْجُوْعِ عَنْكُمْ زَمَنًا **قَلِيْلًا** فَكَشَفَ عَنْهُ

قف لازم
إِنَّكُمْ عَائِدُوْنَ ﴿۱۵﴾ إِلَى كُفْرِكُمْ فَعَادُوْا إِلَيْهِ اُذْكُرْ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى هُوَ يَوْمُ بَدْرٍ
إِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾ مِنْهُمْ وَالْبَطْشُ الْاَخْذُ بِقُوَّةٍ وَلَقَدْ فَتَنَّا بَلَوْنَا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ مَعَهٗ وَجَآءَهُمْ
رَسُوْلٌ هُوَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى أَنْ أَيْ بِأَنْ أَدُّوْا إِلَيَّ مَا أَدْعُوْكُمْ إِلَيْهِ مِنَ
الْإِيْمَانِ أَيْ أَظْهِرُوْا إِيْمَانَكُمْ بِالطَّاعَةِ لِيْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾ عَلٰى مَا أُرْسِلْتُ بِهٖ
وَّأَنْ لَّا تَعْلُوْا تَتَجَبَّرُوْا عَلَى اللّٰهِ بِتَرْكِ طَاعَتِهٖ إِنِّيْ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ بُرْهَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹﴾ بَيِّنٍ عَلٰى رِسَالَتِيْ
فَتَوَعَّدُوْهُ بِالرَّجْمِ فَقَالَ وَإِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ بِالْحِجَارَةِ وَإِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ
تُصَدِّقُوْنِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ فَاتْرُكُوْا أَذَايَ فَلَمْ يَتْرُكُوْهُ فَدَعَا رَبَّهٗٓ أَنَّ أَيْ بِأَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾
مُشْرِكُوْنَ فَقَالَ تَعَالٰى فَأَسْرِ بِقَطْعِ الْهَمْزَةِ وَوَصْلِهَا بِعِبَادِيْ بَنِيْ إِسْرَآئِيْلَ لَيْلًا إِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾
يَتْبَعُكُمْ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ إِذَا قَطَعْتَهٗ أَنْتَ وَأَصْحَابُكَ رَهْوًا سَاكِنًا مُنْفَرِجًا حَتّٰى يَدْخُلَهُ
الْقِبْطُ إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَاطْمَأَنَّ بِذٰلِكَ فَأُغْرِقُوْا كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ بَسَاتِيْنَ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾
تَجْرِيْ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾ مَجْلِسٍ حَسَنٍ وَّنَعْمَةٍ مُتْعَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾ نَاعِمِيْنَ
كَذٰلِكَ خَبَرُ مُبْتَدَأٍ أَيِ الْأَمْرُ وَأَوْرَثْنٰهَا أَيْ أَمْوَالَهُمْ قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾ أَيْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ فَمَا بَكَتْ
عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْأَرْضُ بِخِلَافِ الْمُؤْمِنِيْنَ يَبْكِيْ عَلَيْهِمْ بِمَوْتِهِمْ مُصَلَّاهُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَمَصْعَدُ
ع ۲ عَمَلِهِمْ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿۲۹﴾ مُؤَخَّرِيْنَ لِلتَّوْبَةِ
۱۴

ترجمہ: ....سورۂ دخان مکیہ ہے اور بعض کے نزدیک آیت کاشفوا العذاب مکیہ نہیں۔ کل آیات ۵۶ یا ۵۷ یا ۵۹ ہیں۔
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. حٰمٓ (اس کی واقعی مراد اللہ کو معلوم ہے) قسم ہے اس کتاب (قرآن) واضح کی (جو حلال وحرام بتلانے والی ہے) کہ ہم نے اس کو ایک بابرکت رات میں اتارا ہے (شب قدر مراد ہے یا شب برأت جس میں قرآن پاک ساتویں آسمان دنیا پر نازل ہوا ہے) ہم آگاہ کرنے والے (ڈرانے والے) ہیں اس (شب قدر یا شب برات) میں ہر حکمت والا معاملہ طے (فیصلہ) کیا جاتا ہے (روزی، موت وغیرہ کے۔ حالات جو اگلے سال کی اسی شب تک طے کیجئے جاتے ہیں) ہماری پیشی سے حکم ہوکر۔ ہم پیغمبر بنانے والے ہیں (محمد ﷺ اور ان سے پہلے انبیاءؑ کو) اپنی رحمت کی وجہ سے (جو پیغمبر کی قوموں پر ہوئی ہے) جو آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے وہ (ان کی باتوں کو) بڑا سننے والا (ان کے کاموں کو) بڑا جاننے والا ہے جو کہ مالک ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے درمیان میں ہے۔ (رب اگر مرفوع ہے تو تیسری خبر ہوگی اور مجرور ہونے کی صورت میں ربک کا بدل ہوگا) اگر تم (مکہ والو) یقین لانا چاہو (کہ اللہ آسمان وزمین کا رب ہے تو یہ بھی یقین رکھو کہ محمد اس کے رسول ہیں) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی جان ڈالتا ہے اور وہی جان نکالتا ہے وہ تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی۔ بلکہ یہ (قیامت کے معاملہ میں) شک میں ہیں، بیکار باتوں میں پڑے ہوئے ہیں (آنحضرت ﷺ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے قوم یوسف کی طرح قحط سالی کی بددعا فرمائی۔

جس کو حق تعالیٰ نے منظور فرمالیا) سو آپ (ان کے لئے) انتظار کیجئے اس روز کا کہ آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں پیدا ہو (چنانچہ زمین میں سوکھا پڑا اور فقر و فاقہ زیادہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس کی شدت سے زمین و آسمان کے درمیان دھوئیں کی طرح ترمرے نظر آنے لگے) جو سب لوگوں کو گھیر لے (تو کہنے لگے) یہ ایک دردناک سزا ہے اے ہمارے پروردگار! ہم سے اس مصیبت کو دور کر دیجئے ہم ضرور ایمان لے آئیں گے (آپ کے پیغمبر کی تصدیق کریں گے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) ان کو نصیحت کب ہوتی ہے؟ یعنی عذاب آنے پر ایمان لانا مفید نہیں ہوتا) حالانکہ ان کے پاس کھلے طور پر رسول آیا (جن کی رسالت واضح ہے) پھر بھی یہ لوگ اس سے سرتابی کرتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ یہ پڑھایا ہوا ہے (قرآن کسی انسان نے ان کو سکھلایا ہے) دیوانہ ہے، ہم (بھوک کے) عذاب کو ہٹائیں گے کچھ روز (چنانچہ یہ عذاب ہٹ گیا) تم پھر اسی حالت پر (سابقہ کفر کی طرف) آجاؤ گے (یاد کیجئے) جب ہم بڑی سخت پکڑ کریں گے (مراد جنگ بدر ہے) ہم بدلہ لے لیں گے (ان سے۔ اور بطش کہتے ہیں سخت پکڑ کو) اور ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کو (فرعون سمیت) آزمایا اور ان کے پاس ایک پیغمبر (موسیٰ علیہ السلام) تشریف لائے۔ جو (اللہ کے نزدیک) معزز تھے کہ میرے کہنے پر چلو (جس ایمان کی تمہیں دعوت دے رہا ہوں، امانت دار ہوں اس کو پورا کر دمیری فرمانبرداری کر کے) اے اللہ کے بندو! میں تمہارے پاس رسول ہو کر آیا ہوں، امانت دار ہوں (پیغام پہنچانے میں) اور تم سرکشی (ظلم) نہ کرو اللہ پر (اس کی نافرمانی کر کے) میں تمہارے سامنے ایک واضح (کھلی) دلیل پیش کرتا ہوں (اپنی رسالت پر۔ اس پر مشرکین نے آپ پر پتھراؤ کرنے کی دھمکی دی تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ) میں اپنے آپ کو اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ میں دیتا ہوں۔ اس سے کہ تم مجھے سنگسار کرو اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے (میری تصدیق نہیں کرتے) تو تم مجھ سے الگ ہی رہو (میرے درپئے آزار نہ ہو لیکن وہ بدستور درپئے آزار رہے) تب موسیٰ نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ یہ بڑے سخت مجرم لوگ ہیں (مشرک ہیں۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ کہ) تو اب لے کر چلئے (لفظ اسی ہمزہ قطعی کے ساتھ اور ہمزہ وصلی کے ساتھ ہے) میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو راتوں رات، بلاشبہ تمہارا تعاقب کیا جائے گا (فرعون اور اس کا لشکر تمہارا پیچھا کریں گے) اور تم اس دریا کو چھوڑ دینا (جب آپ اور آپ کے ساتھی پار ہو جائیں گے) سکون کی حالت میں (کہ پانی میں راستے بنے رہیں تا کہ قبطی اس میں داخل ہو سکیں) ان کا سارا لشکر ڈبو یا جائے گا (حضرت موسیٰ اس پر مطمئن ہو گئے اور لشکر فرعون غرقاب ہو گیا) ان لوگوں نے کتنے باغات چھوڑے اور چشمے (رواں) اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات (آراستہ مجلسیں) اور آرام کے سامان جن میں وہ خوش (مگن) رہا کرتے تھے، اسی طرح ہوا (یہ خبر ہے مبتداء محذوف الامر کی) اور ہم نے (ان کے اموال کا) وارث بنا دیا دوسری قوم (بنی اسرائیل) کو سو نہ ان پر آسمان وزمین کو رونا آیا (برخلاف مسلمانوں کے ان کی موت پر ان کے نماز پڑھنے کی جگہ زمین میں اور اعمال چڑھنے کی جگہ آسمان میں روتی ہے) اور نہ ان کو مہلت (توبہ کے لئے ڈھیل) دی گئی۔

تحقیق وترکیب: .... **لیلة القدر**۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ لیلہ مبارکہ اور لیلۃ القدر کے درمیان اکتالیس راتیں ہیں۔ لیکن جمہور کے نزدیک لیلہ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ آیت **انا انزلناه فی لیلة القدر** اور آیت **شهر رمضان الذی الخ** کی وجہ سے، کیونکہ اکثریت کے مطابق لیلۃ القدر رمضان میں ہوتی ہے۔ گویا اولیٰ نزول پورے قرآن کا شب قدر میں ہوا اور پھر بقدر ضرورت نزول کا سلسلہ تئیس سال رہا۔ یا نزول وحی کی شروعات شب قدر سے ہوئی اور اختتام آخر عمر تک ہوا۔ اس رات کی دوسری بے شمار برکتوں میں سب سے بڑی برکت قرآن کا نزول ہے۔ لیلہ مبارکہ کا مصداق شب برأت کو ماننا بعید معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآن کا رمضان میں نزول منصوص ہے اور وہ حدیث جس میں شب شعبان کو فیصلوں کی رات فرمایا گیا ہے مرسل ہے۔ جو نص قطعی کے معارض نہیں ہو سکتی۔ اگر چہ عکرمہؓ اور ایک جماعت کی رائے شب برأت کے متعلق ہے۔ کیونکہ اس کو لیلہ مبارکہ، لیلہ برأت، لیلہ رحمۃ، لیلۃ الصک فرمایا گیا

ہے۔اور اس میں عبادت کی فضیلت آئی ہے۔

فیھا یفرق۔ یہ جملہ مستانفہ ہے یا لیلۃ کی صفت ہے اور موصوف صفت کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ حسنؒ، مجاہدؒ، قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اس رات میں پورے سال کا چارٹر تیار کر دیا جاتا ہے۔

امرا من عندنا۔ انزلناہ کے فاعل سے حال ہے یا مفعول سے حال ہے۔ای انزلناہ امرین او ماموراً بہ اور مفعول لہٗ بھی ہوسکتا ہے۔انزلناہ یا منذرین یا یفرق سے اور یفرق کا معنی مصدر بھی ہوسکتا ہے۔اور "من عندنا" صفت ہوجائے گی "لا مرا" کی۔

رحمۃ من ربک۔ یہ مفعول لہٗ ہے انزلناہ یا امرا یا یفرق یا منذرین کا اور فعل مقدر کا مفعول مطلق بھی ہوسکتا ہے ای رحمنا رحمۃ اور مرسلین کا مفعول بھی ہوسکتا ہے اور حال بھی اور امرا کا بدل بھی بن سکتا ہے اور من ربک رحمۃ کے متعلق بتایا جائے یا محذوف کے متعلق کر کے صفت بنادی جائے اور "رحمۃ من ربک" میں التفات ہے رحمۃ منا ہونا چاہئے تھا۔

موقنین۔ تفسیری عبارت میں "فایقنوا" جواب شرط کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ ہے یہ جملہ معترضہ ہوجائے گا اور لا الٰہ الا اللہ چوتھی خبر ہے۔

ربکم۔ عام قراءت رفع کی ہے رب السمٰوات سے بدل یا عطف بیان یا صفت ہونے کی وجہ سے اور ابن محیصنؒ، ابن ابی اسحٰقؒ، ابوحیوۃؒ، حسنؒ "رب السموات" سے بدل یا بیان یا صفت مان کر مجرور پڑھتے ہیں اور انطاکیؒ بطور مدح منصوب پڑھتے ہیں۔

بل ھم فی شک۔ یہ محذوف سے اضراب ہے۔ای موقنین بل ھم فی شک۔

یلعبون۔ حال ہے لعب سے مراد فانی چیزوں میں مشغول ہو کر باقی رہنے والی نعمتوں سے روگردانی کرنا۔

دخان مبین۔ بعض کی رائے میں یہ قحط سالی آنحضرت ﷺ کے مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے ہوئی۔لیکن راجح یہ ہے کہ مدینہ طیبہ ہجرت کے بعد ہوئی ہے۔ابن مسعودؓ کے نزدیک قریش کی قحط سالی مراد ہے لیکن ابن عباسؓ، ابن عمرؓ حسن وغیرہ کے نزدیک اس دخان سے مراد وہ دخان ہے جو علامات قیامت میں سے ہے۔

اسی طرح واقعہ قحط سالی میں حقیقت دخان مراد نہیں۔ بلکہ ابن عباسؓ، مقاتل، مجاہد، ابن مسعودؓ کی رائے ہے کہ بھوک کی وجہ سے ضعف نظر مراد ہے۔بھوک میں آنکھوں کے آگے ترمرے نظر آنے لگتے ہیں۔لیکن ابن عمرؓ ابوہریرہؓ، زید بن علی، حسن کے نزدیک حقیقت دخان مراد ہے۔لیکن اخیر زمانہ میں اس کا ظہور ہوگا۔ چالیس روز سارا عالم دھوئیں سے لبریز رہے گا۔مومن تو صرف زکام کی سی کیفیت محسوس کرے گا۔لیکن کافر مدہوش ہوں گے۔یہ دھواں ان کے پیٹ میں گھس کر آنکھ، ناک، کان سے نکلے گا۔اور ساری زمین بھٹی کی طرح ہوجائے گی۔

انی لھم الذکریٰ۔ حقیقی استفہام مراد نہیں بلکہ استبعاد مراد ہے۔تفسیری عبارت لا ینفعھم الا یمان۔ اس وقت تو صحیح ہے۔جب عذاب مہلک ہو۔جیسا کہ تباہ شدہ قوموں کا حال ہوا۔البتہ اس دھوئیں سے ہلاکت نہیں ہوگی۔اس لئے ایمان کا غیر مانع یا نا مقبول ہونا محل تامل ہے۔الا یہ کہ کہا جائے کہ اس وقت باب توبہ بند ہوجائے گا۔

وقالوا معلم۔ قبیلہ ثقیف کے عجمی غلام عداس کے متعلق کہا کرتے تھے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو قرآن سکھلاتا تھا اور دوسرے سانس میں حضور ﷺ کو دیوانہ مجنون بھی کہتے تھے کیا یہ دیوانگی نہیں ہے کہ ایسے عجیب وغریب کلام پیش کرنے والے کو مجنون کہا جائے۔

انا کاشفوا العذاب۔ یہ جواب ہے ان کی درخواست ربنا اکشف الخ کا بطور التفات کے ہے۔مقصود تہدید وتوبیخ ہے۔ درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔اور قلیلاً کا مطلب مختصر مہلت ہے خواہ غزوۂ بدر کے بعد یا بقیہ عمر تک۔

ولقد فتنا ۔ آزمائش کبھی نعمت دے کر ہوتی ہے۔ جیسے: قوم فرعون کی آزمائش ہوئی اور کبھی مصیبت دے کر آزمائش ہوا کرتی ہے اور اس آزمائش میں فرعون بھی شریک رہا۔ بلکہ بدرجہ اولیٰ حضرت موسیٰ کو کریم فرمایا گیا۔ حق تعالیٰ کے لحاظ سے بمعنی عزت و وجاہت ہے اور مومنین کے اعتبار سے بمعنی شفیق ومہربان یا دونوں لحاظ سے بمعنی مکرم ومشرف ہے۔ کیونکہ شرف نسبی ان کو حاصل تھا اور بمعنی خصلت محمودہ بھی ہوسکتا ہے۔

ان ادوا ۔ مفسرؒ نے ان مصدریہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور " ادوّا" بمعنی طاعت وقبول دعوت ہے۔ بشرطیکہ ان مصدریہ کا امر پر داخل ہونا جائز ہو۔ ورنہ تفسیر یہ ہوگا۔ یعنی اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کرو۔ گویا ان کی آزادی کا مطالبہ تھا۔ کیونکہ فرعون نے ان کو غلام اور بیگار بنا رکھا تھا۔ اس صورت میں " عباد اللّٰہ" سے مراد بنی اسرائیل ہوں گے۔ اور پہلی صورت میں عام مراد ہوں گے۔ اور منادی مضاف ماننا ہوگا۔

ترجمون ۔ یائے زائد کے ساتھ۔ جو رسم الخط میں لکھی نہیں جاتی۔ البتہ بلحاظ تلفظ بحالت وصل حذف اثبات دونوں جائز ہیں اور بحالت وقف صرف حذف ہے۔

فاسر ۔ نافعؒ، ابن کثیرؒ کے نزدیک ہمزہ وصل کے ساتھ " سری" سے ہے۔ اسراء اور سری دونوں لازم ہیں۔ با کے ذریعہ متعدی ہوتے ہیں۔

واترك البحر ۔ یعنی پار ہوجانے کے بعد دوبارہ دریا کے عصانہ ماریئے۔ تاکہ پانی مل نہ جائے۔ بلکہ دریا کو بدستور رہنے دیجئے۔

رهوا ۔ نہایت کشادہ، مبالغہ کے لئے کہا گیا۔ اس کے دو معنی ہیں ساکن اور کشادہ۔ مفسرؒ نے دونوں کی طرف اشارہ کردیا۔ اور یہ کہ یہ اسم فاعل ہے۔ تاکہ اس کو دریا کا وصف قرار دیا جاسکے۔ جو مقتضی حالیہ ہے۔

ربط آیات: .... جس طرح پچھلی سورت رسالت وتوحید کے مضمون سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہوئی تھی۔ اس طرح سورۂ دخان کی ابتداء انتہا بھی اسی مضمون سے ہے۔ درمیان منکرین کے لئے عذاب کی وعید ہے اور سابقہ تباہ شدہ اقوام کی حالت بطور نظیر کے پیش فرمائی گئی ہے۔

پھر آیت ان هٰؤلاء ليقولون سے منکرین قیامت کے خیالات نقل کرکے بعض قوموں کی ہلاکت سے دھمکایا گیا اور قیامت کی صحت ووقوع وحکمت پر کلام فرمایا اور اس ذیل کے واقعات ذکر فرمائے گئے ہیں۔

روایات: .... يوم تاتي السماء بدخان کے ذیل میں منقول ہے کہ فاقہ اور بھوک زیادہ بڑھی تو ابوسفیانؓ نے حاضر خدمت ہوکر عرض کیا۔ یا محمد جئت تامر بصلة الرحم وان قومک قد هلکوا فادع الله ان یکشف عنهم. چنانچہ آپ نے دعا فرمائی۔ اس پر ایک ہفتہ مسلسل بارش ہوئی۔ جب وہ تکلیف کی حد تک پہنچ گئی تو ابوسفیانؓ نے پھر دوبارہ حاضر ہوکر دعا کی درخواست کی۔ چنانچہ دعا کرنے پر بارش رک گئی۔

فما بكت عليهم السماء ۔ حضرت انسؓ سے مرفوع روایت ہے۔ مامن عبد الا وله فی السماء بابان باب یدخل فیه عمله وکلامه وباب یخرج منه رزقه فاذا مات فقداه وبکیا علیه. پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

حضرت علیؓ سے منقول ہے۔ ان المومن اذا مات بکی علیه مصلاه من الارض ومصعد عمله من السماء.

شریح بن عبید حضرمی کا ارشاد ہے۔ مامات مومن فی غربة غابت عنه فیها بواکیه الا بکت علیه السماء والارض.

حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں۔ بکا السماء حمرة اطرافها.

سدیؒ فرماتے ہیں کہ جب امام حسینؓ شہید ہوئے تو آسمان رویا یعنی حزین وغمگین ہوا۔ اور بعض کی رائے ہے کہ آسمان زمین کے رونے سے مراد مخلوق کا رونا اور رنجیدہ ہونا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ....قرآن پاک اور حق تعالیٰ کی تعظیم تو ان آیات سے ظاہر ہے پیغمبر کی عظمت انا کنا مرسلین سے مفہوم ہو رہی ہے۔ اور مرسلین کے مفعول "رسولا" کو حذف کرنے سے اور رحمة من ربك میں اسم ظاہر لانے سے اس تعظیم کی اور تاکید ہوگئی اور قرآن کی قسم کی تحقیق سورۂ زخرف میں گزر چکی ہے۔ البتہ یہ قسم محض تنزیل کے اعتبار سے ہے۔ ظرف یعنی لیلہ مبارکہ کی قید کے لحاظ سے نہیں۔ لیلہ مبارکہ کی تفسیر اکثر حضرات نے شب قدر کے ساتھ کی ہے۔ چنانچہ سعید بن جبیرؒ کا ارشاد ہے کہ پورا قرآن آسمان دنیا پر شب قدر میں نازل ہوگیا۔ اور پھر تھوڑا تھوڑا آپ ﷺ پر اترتا رہا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سال بھر کے حالات لوح محفوظ سے شب قدر میں نقل کر لئے جاتے ہیں۔ البتہ قرآن کی دوسری صفت تنزیل ہے۔ یعنی تھوڑا تھوڑا ۲۳ سال میں پورا ہوا۔ اور بعض نے شب برات مراد لی ہے۔ کیونکہ روایات میں سالانہ کارروائی کا اس رات میں فیصلہ ہوتا آیا ہے۔

قرآن شب قدر میں نازل ہوا یا شب برأت میں؟: ....لیکن خود قرآن میں چونکہ انا انزلناه فی لیلة القدر آچکا ہے اور کسی روایت میں قرآن کا نازل ہونا شب برات میں نہیں آیا۔ اس لئے دوسری تفسیر صحیح نہیں ہے اور شب برأت میں واقعات کے فیصلہ سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ قرآن بھی اس میں نازل ہوا ہو۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ دونوں راتوں میں فیصلے ہوتے ہوں۔ یا ان فیصلوں کی تجویز تو شب برأت میں ہو جاتی ہو۔ مگر ان کی تنفیذ شب قدر میں ہوتی ہو۔ چنانچہ روح المعانی میں ابن عباسؓ کا ایک قول بلاسند کے بھی نقل کیا گیا ہے۔ اور احتمال کے لئے باقاعدہ ثبوت کی حاجت نہیں۔

بہر حال فرشتے مناسب کاموں پر مامور ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام کے شایان شان وحی اور قرآن کا لانا رکھا گیا اللہ چونکہ سارے عالم کے حالات سے باخبر ہے اور ان کی پکار سنتا ہے۔ اس لئے سارا عالم جب گمراہی سے لبریز ہوگیا۔ تو رحمۃ للعالمین کی شکل میں رحمت کبریٰ کا مظاہرہ فرمایا۔

ان کنتم موقنین۔ یعنی تم میں اگر یقین رکھنے کی صلاحیت ہے تو سب سے پہلے یقین رکھنے کی چیز اللہ کی ربوبیت عام ہے جس کے آثار ذرہ ذرہ میں ہویدا ہیں۔ جس کے قبضہ میں مارنا جلانا، زندگی موت کی باگ ڈور ہے اور سب اس کے زیر فرمان ہیں۔ کیا اس کے سوا بھی کسی کی بندگی اور طاعت ہو سکتی ہے؟ ان واضح نشانات اور روشن دلائل کا تقاضہ تو یہ تھا۔ کہ یہ لوگ فوراً اس حقیقت کو مان لیتے۔ مگر حیرت ہے کہ وہ توحید وغیرہ جیسے بنیادی اور سچے عقائد کے متعلق بھی شک وشبہ میں پڑے ہوئے ہیں اور دنیا میں اتنے غرق ہیں کہ کبھی انہیں آخرت کا دھیان بھی نہیں آتا۔

قحط کا عذاب: ....اس کے بعد "یوم تاتی السماء" سے منکرین کے لئے وعید کا بیان ہے۔ روح المعانی کے مطابق قحط سالی دو مرتبہ ہوئی۔ ایک مکہ میں، دوسری مرتبہ مدینہ میں۔ جس کا حقیقی سبب تو آنحضرت ﷺ کی بددعا تھی اور ظاہری سبب یہ ہوا کہ مکہ میں غلہ یمامہ سے آیا کرتا تھا۔ مگر ثمامہ رئیس یمامہ کے مسلمان ہو جانے پر مشرکین نے ان کو ملامت کی۔ تو انہوں نے یمامہ سے غلہ آنا بند کر دیا۔ آسمان سے تو بارش بند ہوئی تھی اب زمین سے غلہ بھی بند ہوگیا اور مکہ والے دانہ دانہ کو محتاج ہو گئے اور بھوک کے مارے آنکھوں کے سامنے تپے مرے آنے لگے۔ ابوسفیانؓ نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ مجبور ہو کر آنحضرت ﷺ کو خط لکھا اور حاضر ہو کر

دعا کی درخواست کی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دعا بھی فرمائی اور یمامہ سے دس ہزار کا غلہ منگوا کر مفت غریبوں کو تقسیم کر دیا۔

ابن مسعودؓ بڑے زور سے یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ اس سے مراد قریش مکہ کو قحط سالی کی پیشگوئی ہے۔ جو مصری قحط کی طرح سات سال ان پر مسلط رہا۔ جس میں مردار، چمڑے، ہڈیاں تک کھانے کی نوبت آ گئی۔ اس صورت میں الناس سے مراد اہل مکہ ہوں گے۔

اس پر شبہ نہ کیا جائے کہ یہ دھواں تو بھوک میں خیالی ہوتا ہے۔ پھر اس کو مبین کیسے فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ وہ دھواں واقعی تھا خیالی نہیں تھا۔ کیونکہ سوکھے میں گرد و غبار اور بخارات فضا میں پھیل جاتے ہیں۔ اور روح میں بعض عرب سے نقل کیا ہے کہ ''شر غالب'' کو وہ دخان کہتے ہیں۔ کیونکہ موذی چیز دھوئیں کی طرح تکلیف دہ ہوا کرتی ہے اس لئے تشبیہاً قحط مراد لینے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔

اور سماء سے مراد اوپر کی سمت ہے اور بخارات بلکہ بارش بھی اول اوپر ہوتی ہے پھر نیچے آتی ہے اس طرح بارش اور بخارات دونوں کا محل اول اوپر کی سمت ہوتی ہے۔

دھوئیں کا عذاب: .... اور اس واقعہ کے پیشن گوئی ہونے کا قرینہ " **فارتقب** " ہے۔ کیونکہ یہ آیات ان واقعات کے ہونے سے پہلے نازل ہوئیں یوم تاتی السماء تو دخان کے واقعہ سے پہلے اور انا کاشفوا العذاب اس عذاب کے دور ہونے سے پہلے۔ اور بعض روایات میں جو آیت فارتقب کا دخان واقع ہونے کے بعد نازل ہونا آیا ہے تو ممکن ہے آنحضرت ﷺ نے اس وقت یہ آیت تلاوت فرمائی ہوگی مگر نازل پہلے ہو چکی ہوگی۔ راوی یہ سمجھے کہ اب تلاوت کے وقت نازل ہوئی ہے۔ یا کہا جائے۔ کہ " **فانزل الله** " کے معنی یہ ہیں۔ کہ " **فظهر ما انزل الله** " اور چونکہ یہ دھوئیں کا عذاب ہجرت کے بعد دور ہوا۔ اس لئے " **انا كاشفوا العذاب** " کا مدنی ہونا بقول بیضاویؒ صحیح ہے۔ اور فی نفسہ مکی ہونا بھی باعث اشکال نہیں۔ کیونکہ یہ بھی پیشگوئی ہے۔ جیسا کہ بعض نے کہا ہے خواہ کتنے ہی پہلے ہو۔ البتہ درمنثور کی اس روایت سے کہ " **انا كاشفوا العذاب** " دخان دور ہونے کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی مدنیت راجح معلوم ہوتی ہے۔

ابن عباسؓ وغیرہ کہتے ہیں کہ دخان سے مراد قیامت کے قریب ایک عالمگیر دھواں اٹھے گا۔ نیک آدمی کے لئے تو زکام کی سی کیفیت ہوگی۔ مگر کافر و منافق کے دماغ میں گھس کر برا حال بنا دے گا۔ ممکن ہے اس تقدیر پر یہ دھواں آسمانوں کے اسی مادہ سے ہوگا۔ جس کا ذکر آیت **ثم استوىٰ الى السماء وهى دخان** میں آیا ہے۔ گویا آسمان دھوئیں کی صورت میں تحلیل ہو کر پہلی حالت کی طرف لوٹنے لگیں گے اور یہ اس کی ابتداء ہوگی۔

سزا کے وقت توبہ بے فائدہ ہے: .... انی لهم التناوش. یعنی ہر چند کہ یہ لوگ توبہ تلا کر رہے ہیں کہ اب اس آفت سے نجات دے دیجئے۔ ہماری توبہ کہ پھر شرارت نہ کریں گے۔ پکے مسلمان بن کر رہیں گے۔ لیکن عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد یہ سارا رونا دھونا ہے۔ اب سمجھنے اور نصیحت سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ کہاں رہا۔ پیغمبروں کی کھلی نشانیوں اور واضح ہدایتوں کے وقت تو مانے نہیں۔ اس وقت تو کہہ رہے تھے کہ یہ باؤلا ہے۔ کبھی کہتے کہ یہ کسی سے پڑھ پڑھا کر آیا ہے جیسا کہ ابن عباسؓ کی تفسیر ہے۔

لیکن ابن مسعودؓ کی تفسیر پر دھوئیں۔ کے دفعیہ کے لئے دعا کی درخواست مراد ہے۔ اس صورت میں بھی حاصل آیات یہ ہوگا۔ کہ یہ لوگ ان باتوں سے کہاں ماننے والے ہیں؟ آفتاب سے روشن آپ کی نبوت کو نہیں مانا۔ ایسے ضدی اور عنادی لوگوں سے سمجھنے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ ہم تھوڑی دیر کے لئے عذاب بھی ہٹا لیں۔ پھر وہی حرکتیں کرنے لگیں گے یا بقول ابن مسعودؓ ہم کچھ عرصہ کے لئے عذاب ہٹائے لیتے ہیں۔ مگر وہی کریں گے جو کرتے آئے ہیں۔

یوم نبطش. بقول ابن عباسؓ قیامت کی پکڑ دھکڑ مراد ہے اور بقول ابن مسعودؓ غزوۂ بدر میں جوان کی درگت بنی ہے وہ مراد ہے۔

حضرت موسیٰ کا نعرہ آزادی:............ ان لا تعلوا. یعنی اللہ کے بندوں کو اے فرعونیو! اپنا بندہ نہ بناؤ۔ بلکہ ان کو غلامی سے آزادی دے کر میرے حوالہ کردو۔ حضرت موسیٰ نے عصاء اور ید بیضا کے کھلے نشانات دکھلائے۔ مگر طاقت کے نشہ میں جو لوگ ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں وہ حجت سے کہاں سمجھتے ہیں۔ وہ تو بس طاقت ہی کی زبان سمجھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ ادھر لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت ڈرایا دھمکایا۔ مگر اہل حق طاقت کے آگے کہاں جھکتے ہیں۔ فرمایا: اللہ کی پناہ مجھے حاصل ہے۔ اس کی طاقت وحفاظت پر مجھے بھروسہ ہے۔ تاہم اگر تم میری بات نہیں مانتے تو کم از کم ستانے سے تو باز آؤ۔ اپنے جرم کو خواہ مخواہ سنگین کیوں بنا رہے ہو۔ مجھے اپنی قوم کو لے جانے دو، میری راہ نہ روکو۔ آخر کار پھر اللہ سے دعا کی۔ کہ یہ باز آنے والے معلوم نہیں ہوتے۔ میرے ان کے درمیان بس فیصلہ فرما دیجئے۔ وہاں کیا دیر تھی حکم ہوا کہ چپکے سے راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے چلے جاؤ۔ لیکن یاد رکھنا صبح تمہاری تلاش میں پیچھا کیا جائے گا۔ سمندر سے پایاب ہونے کی صورت یہ کہ دریا پر عصاء مار دینا۔ اس طرح پانی ادھر ادھر ہٹ کر تمہیں گزرنے کے لئے خشکی کا راستہ دے دے گا اور جب تم بخیریت پار ہو جاؤ تو دریا کو یوں ہی رہنے دینا، دوبارہ عصا مت مارنا۔ اس کی فکر نہ کرنا کہ راستہ باقی نہ رہے۔ بلکہ پانی کو بدستور رہنے دینا تاکہ فرعون اور اس کی قوم کی ڈوبنے کی تدبیر کامیاب ہو جائے۔ وہی ہوا کہ دشمن کا سارا لشکر ڈوب کر قصہ پاک ہو گیا۔

کذلک و اورثنا ها. اس سے متعلق کچھ ضروری تفصیل سورۂ اعراف وسورۂ شعراء میں گزر چکی ہے۔ تاہم حضرت حسنؒ کی رائے ہے بنی اسرائیل دوبارہ پھر مصر واپس آ کر آباد ہوئے جیسا کہ ظاہر آیت سے مفہوم ہو رہا ہے۔ لیکن حضرت قتادہؒ اس واپسی کے منکر ہیں۔ جیسا کہ مشہور تاریخوں سے ثابت ہے۔ پہلی صورت میں تو وارث بنانے کے معنی ظاہر ہیں۔ لیکن دوسری صورت میں قدرت تصرف کے معنی ہوں گے جو واپسی پر موقوف نہیں۔ یا یہ مطلب ہے۔ کہ فرعونیوں جیسا سامان وقوت بنی اسرائیل کو بھی مل گئی۔

زمین وآسمان کا رونا:............ فما بکت. بیہقیؒ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ مومن کے مرنے پر چالیس روز تک زمین روتی ہے کہ افسوس یہ سعادت ہم سے چھن گئی۔ کافر کے پاس ایمان اور نیک عمل نہیں۔ پھر اس پر زمین وآسمان کیوں روئیں۔ بلکہ شاید خوش ہوتے ہوں گے کہ چلو اچھا ہوا پاپ کٹا۔

آیت میں جب رونے کے حقیقی معنی ہو سکتے ہیں اور ان کے لینے میں کوئی مانع بھی نہیں۔ کیونکہ بقدر ضرورت ہر چیز میں ادراک وشعور وان من شیء الا یسبح بحمدہ نص سے ثابت ہے۔ بلکہ مذکورہ بالا روایات سے حقیقی معنی کی تصریح اور ترجیح ثابت ہو رہی ہے۔ پس اب رونے کے مجازی معنی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً: یوں کہا جائے کہ بطور استعارہ تمثیلیہ کسی کی عظمت وشدت موت کو اس شخص کی موت سے تشبیہ دینی ہے۔ جس پر آسمان زمین کا رونا فرض کیا جائے۔ اس طرح نہ رونے کے مجازی معنی بھی نہیں لئے جائیں گے۔ کہ مثلاً: اس کا وجود قابل لحاظ نہیں۔ بلکہ بے کار محض ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب معنی حقیقی رونے نہ رونے دونوں کے بن سکتے ہیں۔ پھر مجاز اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

لطائف سلوک:............ انی عذت بربی وربکم الخ. میں حق تعالیٰ کی طرف رجوع والتجا کرنا اور مدعیان تصرف کی طرح اپنی قوت کا دعویٰ نہ کرنا اظہار عبدیت کے لئے ہے۔

وان لم تؤمنوا لی فاعتزلون میں جس شخص کی اصلاح کی امید نہ ہو اس سے قطع تعلق کر لینے پر دلالت ہو رہی ہے۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۳۰﴾ قَتْلِ الْاَبْنَاءِ وَاسْتِخْدَامِ النِّسَاءِ **مِنْ فِرْعَوْنَ** قِيْلَ بَدَلٌ مِنَ الْعَذَابِ بِتَقْدِيْرِ مُضَافٍ اَيْ عَذَابِ وَقِيْلَ حَالٌ مِّنَ الْعَذَابِ **اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ** ﴿۳۱﴾ **وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ** اَيْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ **عَلٰى عِلْمٍ** مِنَّا بِحَالِهِمْ **عَلَى الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۳۲﴾ اَيْ عَالِمِيْ زَمَانِهِمْ اَيِ الْعُقَلَاءِ **وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ** ﴿۳۳﴾ نِعْمَةٌ ظَاهِرَةٌ مِنْ فَلْقِ الْبَحْرِ وَالْمَنِّ وَالسَّلْوٰى وَغَيْرِهَا **اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ** اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ **لَيَقُوْلُوْنَ** ﴿۳۴﴾ **اِنْ هِيَ** مَا الْمَوْتَةُ الَّتِيْ بَعْدَهَا الْحَيٰوةُ **اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى** اَيْ وَهُمْ نُطَفٌ **وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ** ﴿۳۵﴾ بِمَبْعُوْثِيْنَ اَحْيَاءً بَعْدَ الثَّانِيَةِ **فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ** اَحْيَاءً **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿۳۶﴾ اَنَّا نُبْعَثُ بَعْدَ مَوْتِنَا اَيْ نُحْيَا قَالَ تَعَالٰى **اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ** هُوَ نَبِيٌّ اَوْ رَجُلٌ صَالِحٌ **وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** مِنَ الْاُمَمِ **اَهْلَكْنٰهُمْ** لِكُفْرِهِمْ وَالْمَعْنٰى لَيْسُوْا اَقْوٰى مِنْهُمْ فَاُهْلِكُوْا **اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ** ﴿۳۷﴾ **وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ** ﴿۳۸﴾ بِخَلْقِ ذٰلِكَ حَالٌ **مَا خَلَقْنٰهُمَآ** وَمَا بَيْنَهُمَا **اِلَّا بِالْحَقِّ** اَيْ مُحِقِّيْنَ فِيْ ذٰلِكَ لِيُسْتَدَلَّ بِهٖ عَلٰى قُدْرَتِنَا وَوَحْدَانِيَّتِنَا وَغَيْرِ ذٰلِكَ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ** اَيْ كُفَّارَ مَكَّةَ **لَا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۳۹﴾ **اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ اللّٰهُ فِيْهِ بَيْنَ الْعِبَادِ **مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ** ﴿۴۰﴾ لِلْعَذَابِ الدَّائِمِ **يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى** بِقَرَابَةٍ اَوْ صَدَاقَةٍ اَيْ لَا يَدْفَعُ عَنْهُ **شَيْئًا** مِنَ الْعَذَابِ **وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ** ﴿۴۱﴾ يُمْنَعُوْنَ مِنْهُ وَيَوْمَ بَدَلٌ مِنْ يَوْمِ الْفَصْلِ **اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ** وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ فَاِنَّهٗ يَشْفَعُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ بِاِذْنِ اللّٰهِ **اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ** الْغَالِبُ فِيْ اِنْتِقَامِهٖ مِنَ الْكُفَّارِ **الرَّحِيْمُ** ﴿۴۲﴾ بِالْمُؤْمِنِيْنَ **اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ** ﴿۴۳﴾ هِيَ مِنْ اَخْبَثِ الشَّجَرِ الْمُرِّ بِتِهَامَةَ يُنْبِتُهَا اللّٰهُ فِي الْجَحِيْمِ **طَعَامُ الْاَثِيْمِ** ﴿۴۴﴾ اَيْ اَبِيْ جَهْلٍ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِي الْاِثْمِ الْكَثِيْرِ **كَالْمُهْلِ** اَيْ كَدُرْدِيِّ الزَّيْتِ الْاَسْوَدِ خَبَرٌ ثَانٍ **يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ** ﴿۴۵﴾ بِالْفَوْقَانِيَّةِ خَبَرٌ ثَالِثٌ وَبِالتَّحْتَانِيَّةِ حَالٌ مِنَ الْمُهْلِ **كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ** ﴿۴۶﴾ اَلْمَاءِ الشَّدِيْدِ الْحَرَارَةِ **خُذُوْهُ** يُقَالُ لِلزَّبَانِيَةِ وَخُذُوا الْاَثِيْمَ **فَاعْتِلُوْهُ** بِكَسْرِ التَّاءِ وَضَمِّهَا جُرُّوْهُ بِغِلْظَةٍ وَشِدَّةٍ **اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ** ﴿۴۷﴾ وَسَطِ النَّارِ **ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ** ﴿۴۸﴾ اَيْ مِنَ الْحَمِيْمِ الَّذِيْ لَا يُفَارِقُهُ الْعَذَابُ فَهُوَ اَبْلَغُ مِمَّا فِيْ اٰيَةٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ وَيُقَالُ لَهٗ **ذُقْ** اَيِ الْعَذَابَ **اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ** ﴿۴۹﴾ بِزَعْمِكَ وَقَوْلِكَ مَا بَيْنَ جَبَلَيْهَا اَعَزُّ وَاَكْرَمُ مِنِّيْ وَيُقَالُ لَهُمْ **اِنَّ هٰذَا** الَّذِيْ تَرَوْنَ مِنَ الْعَذَابِ **مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ** ﴿۵۰﴾ فِيْهِ تَشُكُّوْنَ **اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ** مَجْلِسٍ **اَمِيْنٍ** ﴿۵۱﴾ يُؤْمَنُ فِيْهِ الْخَوْفُ **فِيْ جَنّٰتٍ** بَسَاتِيْنَ **وَّعُيُوْنٍ** ﴿۵۲﴾ **يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ** اَيْ مَا رَقَّ مِنَ الدِّيْبَاجِ وَمَا غَلُظَ مِنْهُ **مُّتَقٰبِلِيْنَ** ﴿۵۳﴾ حَالٌ اَيْ لَا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ اِلٰى

قَفَا بَعْضٍ لِدَوَرَانِ الْأُسْرَةِ بِهِمْ **كَذٰلِكَ** يُقَدَّرُ قَبْلَهُ الْأَمْرُ **وَزَوَّجْنٰهُمْ** مِنَ التَّزْوِيْجِ أَوْ قَرَنَاهُمْ **بِحُوْرٍ عِيْنٍ** ﴿۵۴﴾ بِنِسَاءٍ بِيْضٍ وَاسِعَاتِ الْأَعْيُنِ حِسَانُهَا **يَدْعُوْنَ** يَطْلُبُوْنَ الْخَدَمَ **فِيْهَا** أَيِ الْجَنَّةِ أَنْ يَأْتُوْا **بِكُلِّ فَاكِهَةٍ** مِنْهَا **اٰمِنِيْنَ** ﴿۵۵﴾ مِنْ اِنْقِطَاعِهَا وَمُضَرَّتِهَا وَمِنْ كُلِّ مُخَوِّفٍ حَالٌ **لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى** أَيِ الَّتِي فِي الدُّنْيَا بَعْدَ حَيٰوتِهِمْ فِيْهَا قَالَ بَعْضُهُمْ اِلَّا بِمَعْنٰى بَعْدَ **وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ** ﴿۵۶﴾ **فَضْلًا** مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى تَفَضُّلًا مَنْصُوْبٌ بِتَفَضَّلَ مُقَدَّرًا **مِّنْ رَّبِّكَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ** ﴿۵۷﴾ **فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ** سَهَّلْنَا الْقُرْاٰنَ **بِلِسَانِكَ** بِلُغَتِكَ لِتَفْهَمَهُ الْعَرَبُ مِنْكَ **لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ** ﴿۵۸﴾ يَتَّعِظُوْنَ فَيُؤْمِنُوْنَ لٰكِنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ **فَارْتَقِبْ** اِنْتَظِرْ اِهْلَاكَهُمْ **اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ** ﴿۵۹﴾ هَلَاكَكَ وَهٰذَا قَبْلَ نُزُوْلِ الْاَمْرِ بِجِهَادِهِمْ

ترجمہ:............ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت کے عذاب (لڑکوں کے قتل اور لڑکیوں سے خدمت لینے) یعنی فرعون سے نجات دے دی (بعض نے من فرعون کو مضاف مقدر مان کر من العذاب سے بدل مانا ہے اور بعض نے حال کہا ہے) واقعی وہ بڑا سخت سرکش، حد سے نکل جانے والوں میں سے تھا۔ اور ہم نے (بنی اسرائیل کو) برتری بخشی (ان کے حالات سے) اپنی واقفیت کی بناء پر دنیا جہان والوں پر (یعنی اپنے زمانہ کے دانشوروں پر) اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں کھلم کھلا انعام تھا (یعنی دریائے نیل کا پھٹ جانا من وسلویٰ کا اترنا، اسی طرح کی اور کھلی نعمتیں) یہ لوگ (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ اخیر حالت بس یہی (یعنی دوبارہ موت کے بعد پھر زندہ ہونا نہیں ہے) پہلی دفعہ کی موت تھی (یعنی وجود سے پہلے نطفہ کی حالت تھی) اور ہم دوبارہ زندہ نہ ہوں گے (دوسری موت کے بعد پھر زندہ ہو کر نہیں اٹھیں گے) سو ہمارے باپ دادوں کو (زندہ کر کے) لا موجود کرو اگر تم سچے ہو (اس بارہ میں کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے زندہ کئے جائیں گے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) یہ لوگ زیادہ بڑھے ہوئے ہیں یا تبع (پیغمبر یا ولی) کی قوم اور جو (قومیں) ان سے پہلے ہو گزری ہیں ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا (ان کے کفر کی وجہ سے۔ حاصل یہ ہے کہ اہل مکہ پہلے لوگوں سے زیادہ مضبوط نہیں۔ پھر بھی وہ ہلاک ہو گئے) واقعۃ یہ لوگ مجرم تھے اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے فضول پیدا نہیں کیا (لاعبین حال ہے) اور ہم نے آسمانوں اور زمین (اور ان کے درمیان کی چیزوں) کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے (اس حقیقت کے پیش نظر کہ ان سے ہماری قدرت وحدانیت وغیرہ پر استدلال کیا جا سکے) لیکن (مکہ کے کافروں میں) اکثر سمجھتے نہیں۔ بلاشبہ فیصلہ کا دن (قیامت کا روز جس میں اللہ بندوں کا فیصلہ فرمائے گا) ان سب (کے دائمی عذاب) کا مقررہ وقت ہے جس دن کوئی تعلق والا کسی تعلق والے کے (تعلق یا دوستی کی وجہ سے۔ یعنی کوئی مدافعت نہیں کر سکے گا) ذرا بھی کام نہیں آئے گا (عذاب سے بچاؤ کے لئے) اور نہ ان کی کچھ حمایت کی جائے گی (مدد ہوگی، یوم بدل ہے یوم الفصل کا) ہاں مگر جس پر اللہ رحم فرمائے (مومنین اللہ کی اجازت سے ایک دوسرے کی سفارش کریں گے) یقیناً وہ زبردست ہے (کفار سے انتقام لینے میں غالب) مہربان ہے (مؤمنین کے لئے) بلاشبہ زقوم کا درخت (جو بدترین کڑوا درخت تہامہ میں ہوتا ہے۔ دوزخ میں اللہ پیدا فرمائے گا) بڑے مجرم کا کھانا ہوگا (ابوجہل اور اس کے یار دوستوں کے لئے جو بڑے پاپی تھے) جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا (سیاہ تیل کی گاد کی طرح، یہ خبر ثانی ہے) وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا (تغلی خبر ثالث ہے اور یغلی حال ہے من المھل سے) جیسے گرم پانی (انتہائی تیز) کھولتا ہے، اس کو پکڑو (دوزخ کے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ان مجرموں کو گرفتار کر لو) پھر ان کو گھسیٹتے ہوئے (کسرہ تا اور ضمہ کے ساتھ۔ نہایت سختی سے کھینچنا) دوزخ کے بیچوں بیچ (درمیان) تک لے جاؤ۔ پھر اس کے سر پر کھولتا ہوا تکلیف دہ پانی انڈیل دو۔ (یعنی ایسا گرم پانی جو تکلیف دہ ہو۔ یہ الفاظ دوسری آیت یصب من فوق رؤ سھم الحمیم سے زیادہ بڑھے ہوئے

ہیں اور اس سے کہہ دیا جائے گا) لے (عذاب) چکھ تو بڑا معزز مکرم ہے (اپنے خیال میں اور تیرا کہنا یہ تھا کہ مکہ میں تجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے اور دوزخیوں سے کہا جائے گا۔ کہ) یہ (عذاب جو تم دیکھ رہے ہو) وہی چیز ہے جس میں تم شک (شبہ) کیا کرتے تھے۔ یقیناً اللہ سے ڈرنے والے ایسی جگہ ہوں گے جہاں امن ہوگا (خوف نہیں ہوگا) یعنی باغات اور نہریں ہوں گی، وہ باریک اور دبیز لباس پہنیں گے (ریشم کا باریک اور دبیز لباس) آمنے سامنے بیٹھے ہوئے (یہ حال ہے مطلب اسپرنگ دار کرسیوں کی وجہ سے آپس میں منہ پھیرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی) یہ بات اسی طرح ہے (کذٰلك سے پہلے الا مر مقدر ہے) اور ہم ان کی شادی کر دیں گے (یہ لفظ تزویج سے ہے یا یہ معنی ہے کہ ہم ان کو باہم جوڑے ملا دیں گے) گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی عورتوں سے (گورے رنگ کی بڑی آنکھوں والی حسین عورتوں سے) منگواتے ہوں گے (خدمت گاروں سے فرمائش کرتے ہوں گے) وہاں (جنت میں) ہر قسم کے پھل پھلاری اطمینان کے ساتھ (نہ ان کے ختم ہو جانے کا کھٹکا ہوگا اور نہ نقصان کا اندیشہ اور نہ کسی اور طرح کا ڈر۔ یہ حال ہے) وہاں اس موت کے سوا جو دنیا میں آ چکی تھی اور موت کا ذائقہ نہیں چکھیں گے (یعنی دنیاوی زندگانی میں جو موت پیش آ چکی ہے اور بعض نے الا بمعنی بعد کہا ہے) اور اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ سے بچا لے گا یہ سب کچھ مہربانی (فضل مصدر بمعنی تفضل منصوب ہے تفضل مقدر کی وجہ سے) آپ کے پروردگار کی ہے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ سو اس قرآن کو ہم نے آسان (سہل) کر دیا ہے آپ کی زبان میں (عربی لغت میں تاکہ عرب آپ کی بات سمجھ سکیں) اس امید پر کہ یہ نصیحت قبول کریں (راہ راست پر آ کر ایمان لے آئیں لیکن یہ ایمان نہیں لا رہے ہیں) سو آپ منتظر رہئے۔ (ان کی تباہی کا انتظار کیجئے) یہ لوگ بھی منتظر ہیں (آپ کی وفات کے۔ یہ حکم جہاد کے حکم آنے سے پہلے کا ہے۔)

تحقیق وترکیب: .... علی العالمین. عالمین سے مراد ساری دنیا یا قیامت تک کا زمانہ نہیں ہے کہ پھر آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت کی افضلیت کے متعلق شبہ ہو۔ بلکہ خاص ان کا دور مراد ہے۔ مفسرؒ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

بلاء مبین. بلا آزمائش کو کہتے ہیں۔ نعمت ونقمت پر بھی مجازاً بول دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں ذرائع آزمائش ہیں۔ رہا یہ شبہ کہ تفسیری عبارت میں جن چیزوں کا ذکر ہے وہ تو خود انعامات ہیں۔ پھر آیت میں "مافیہ بلاء" کیوں فرمایا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہاں لهم فیها دار الخلد کی طرح فی تجرید کے لئے ہے۔

ان هٰؤلاء. مشرکین مکہ کے لئے اسم اشارہ قریب تحقیر کے لئے ہے۔

ان هی الا موتتنا الاولیٰ۔ یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو نہیں مانتے تھے۔ اس لحاظ سے عبارت اس طرح ہونی چاہئے تھی۔ ان هی الا حیاتنا الدنیا حالانکہ آیت اس طرح نہیں ہے، مفسر علامؒ اس کی توجیہ فرما رہے ہیں کہ اس موت سے دنیاوی زندگانی کے بعد کی موت مراد نہیں ہے۔ بلکہ دنیا میں آنے سے پہلے کی حالت کو موت اولیٰ سے تعبیر کر رہے ہیں۔ یعنی ایسی موت کہ جس کے بعد زندگی ہو وہ ایک مرتبہ ہو چکی دوسری موت ایسی نہیں ہوگی کہ جس کے بعد زندگی مل سکے۔ حاصل وہی نکل آیا کہ دوبارہ زندگی کا انکار ہے۔ اور جس طرح عدم لاحق کو موت کہتے ہیں عدم سابق کو بھی موت کہہ سکتے ہیں۔ وقالوا ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین کیونکہ اماتت کے معنی اعدام کے ہیں۔ خواہ ابتداء ہو یا بعد میں جیسے تصغیر اور تکبیر الفاظ دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں شروع سے چھوٹی بڑی چیز ہو اور اس میں یہ دونوں تبدیلیاں نہ جائیں۔ یا پہلے ایک چیز چھوٹی تھی بعد میں بڑی ہوگئی۔ یا اس کا برعکس ہو۔ چنانچہ کہا گیا۔ سبحان من صغرا لبعوض و کبرا لفیل.

فاتوا بابائنا. یہ کفار کا کہنا اس تقدیر پر ہوگا کہ وہ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو یہ سمجھ رہے تھے۔ کہ جب یہ عقیدہ رکھتے ہیں تو اس کا ثبوت عملاً پیش کریں۔ گویا ایک طرح مسلمانوں پر الزام دینا تھا۔

قوم تبع. یہ حمیری تھے جو حیرہ اور بنی سمرقند پر لشکر کشی کر کے اس کو برباد کر چکے تھے۔ خود مومن تھے لیکن ان کی قوم نالائق تھی۔ اس لئے قرآن نے قوم کی مذمت کی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ ما ادری اکان تبع نبیا او غیر نبی اھ اور یہود کی کتابوں سے

معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ حضور ﷺ سے تو سو سال پہلے ایمان لے آئے تھے۔ یہ تبع الاکبر ابو کریب کہلاتے ہیں۔ ان کا نام اسعد تھا۔ حضرات انصار اپنی نسبت ان کی طرف کرتے تھے۔ بیت اللہ پر غلاف سب سے اول انہوں نے ہی ڈالا تھا۔ مدینہ پر بھی انہوں نے چڑھائی کی تھی۔ مگر جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ یہ آخری پیغمبر کی ہجرت گاہ ہوگی، تو واپس ہو گئے اور یہ شعر کہا۔

شهدت على احمد انه   رسول من الله بادى النسم

فلو مدعمری الى عمره   لكنت وزيرا له وابن عم

ابن عباسؓ تو ان کو نبی مانتے ہیں اور کعبؓ کہتے ہیں یہ بادشاہ تھے۔ ان کی قوم میں کاہن اور اہل کتاب دونوں تھے۔ انہوں نے دونوں کو قربانی پیش کرنے کے لئے کہا۔ چنانچہ اہل کتاب کی قربانی قبول ہو گئی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تبع کو برا نہیں کہنا چاہئے۔ کیونکہ وہ ایک صالح شخص تھے۔

سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے کعبۃ اللہ پر غلاف انہوں نے ڈالا ہے۔ کعبؓ کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کی قوم کی برائی نہیں فرمائی۔ قریش چونکہ ان کے قریب تھے اور ان کو بڑا سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کی عبرت کے لئے قرآن نے یہ مثال تجویز کی۔ اہل یمن اس آیت پر فخر کیا کرتے تھے۔ کیونکہ اس میں ان کو قریش سے بہتر کہا ہے اور ان کو تبع اس لئے کہا کہ انہوں نے اپنے لشکر سمیت آفتاب طلوع ہونے کی سمت سفر کر کے مشرقی کنارہ کے قریب پہنچے یا بعد کے لوگوں نے بکثرت ان کا اتباع کیا۔

والذين من قبلهم. قوم تبع پر اس کا عطف ہے یا یہ مبتداء ہے اور "اهلكنهم" خبر ہے پہلی صورت میں اهلكنهم مستانفہ یا صلہ کی ضمیر سے حال ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ فعل مقدر کی وجہ سے حال ہے جس کی تفسیر اهلكنهم ہے۔ اس وقت اهلكنهم محل اعراب میں نہیں ہوگا۔

الا بالحق. یا ملابست کے لئے۔ جار مجرور فاعل سے حال ہے اور مفسرؒ نے اس کو باسببیہ مانا ہے سببیۃ غائیۃ۔

يوم الفصل. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اضافت بمعنی فی ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ اضافت بواسطہ لام ہے کیونکہ پہلی صورت میں ثانی اول کا ظرف ہونا چاہئے جیسے مکر الیل۔

لا يغنى. اس میں پہلا مولی فاعلیۃ کی بناء مرفوع ہے اور دوسرا مولی مجرور ہے عطف کی وجہ سے اور شيئا مفعول بہ ہے و لا هم ضمیر جمع مولی ثانی کی طرف ہے جو معنی جمع ہے اس سے کافر مراد ہے اور پہلے مولی سے مومن مراد ہے۔ یعنی کوئی مومن کسی کافر کے کام نہیں آئے گا۔ واتقوا يوما لا تجزى نفس عن نفس شيئا کی طرح یہ مضمون ہے "ولا هم ينصرون" اس کی تاکید ہے کہ رشتہ داری اور دوستی دونوں کارگر نہیں ہوں گی۔

مولى. کے معنی آقا، غلام، چچازاد بھائی، مددگار، تجار، حلیف کے آئے ہیں۔

شجرة الزقوم. اس کا تیل نہایت مفید ہے۔ ریاح باردہ، وجع المفاصل، بلغمی امراض، عرق النساء کے لئے عجیب وغریب ہے۔ اس کی جڑ کو اہلیلج کابلی کہتے ہیں۔

المهل. تیل کے نیچے جو خراب تلچھٹ ہوتا ہے۔

خذوه. تفسیری عبارت میں عطف کے لئے اشارہ کر دیا۔

فاعتلوه. قاموس میں ہے عتله، يعتله، فانعتل. سختی سے گھسیٹنا۔

من عذاب الحميم. اگرچہ عذاب بہنے والی چیز نہیں کہ اس کو انڈیلا جائے مگر مبالغہ مقصود ہے۔

مقام امين. فعيل بمعنی مفعول مکان کی صفت بلحاظ مکین لائی گئی ہے۔

كذلك. اى الا مر كذلك یہ جملہ معترضہ ہے۔

زوجناهم. جنت احکام کی جگہ نہیں۔ اس لئے تزویج شرعی مراد نہیں۔ بلکہ بمعنی قرین مراد ہے۔ چنانچہ تزویج بمعنی عقد، با کے

ذریعہ متعدی نہیں ہوتا، بلکہ بنفسہ متعدی ہوا کرتا ہے۔ البتہ جو حضرات تزویج بمعنی عقد لیتے ہیں وہ با زائد کہتے ہیں یا بقول اخفش لغت ازد شنوءۃ میں با کے ذریعہ بھی تعدیہ ہوسکتا ہے۔

بحور عین. حور، حوراء کی اور عین عیناء کی جمع ہے۔

الا الموتة الاولیٰ. جنت میں موت کا ذائقہ نہیں ہوگا۔ پھر یہ کیسے فرمادیا؟ اس لئے بقول طبریؒ کہا جائے گا کہ الا بمعنی بعد ہے۔ اس توجیہ سے اگرچہ اشکال صاف ہوجائے گا۔ لیکن الا بمعنی بعد آنا باعث تامل ہے۔ اس لئے بعض نے توجیہ کی کہ الا استثناء منقطع کے لئے ہے۔

فضلا. مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے۔

فارتقب. اس کا اور مرتقبون کا مفعول محذوف ہے۔ اس ہدایت کے حکم جہاد سے پہلے ہونے کا مطلب نسخ اصطلاحی نہیں ہے۔ کیونکہ سابق حکم کو دوسرے حکم سے بدلنے کو نسخ کہا جاتا ہے۔

ربط آیات: .... منکرین کی وعید کی تاکید کے لئے فرعون اور اس کی قوم کی تباہی کا ذکر ہے۔

آیت ان ھؤلاء سے منکرین قیامت کا انکار اور اس کا جرم اور مستحق عذاب ہونا اور بطور نظیر قوم تبع کا واقعہ اور قیامت کے، امکان وصحت اور وقوع اور قیامت کی حکمت وترجیح اور اجمالی واقعات کا تذکرہ ہے۔ پھر واقعات قیامت کی قدرے تفصیل ہے۔

روایات: .... محمد بن اسحاقؒ وغیرہ نے تبع کی کتاب کا یہ اقتباس پیش کیا ہے۔ اما بعد فانی امنت بنزل علیک وانا علیٰ دینک وسنتک وامنت بربک ورب کل شئی وامنت بکل ماجاء من ربک من شرائع الاسلام فان ادرکت فبھا ونعمت وان لم ادرکک فاشفع لی ولا تنسنی یوم القیامة فانی من امتک الاولین وبایعتک قبل مجیئک وانا علی ملتک وملة ابیک ابراھیم علیہ السلام پھر اس تحریر کے آخر میں لله الامر من قبل ومن بعد کی مہر ہے اور خط کے شروع میں الی محمد بن عبداللہ نبی اللہ ورسولہ خاتم النبین ورسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ واللہ اعلم بحقیقة الحال.

﴿ تشریح ﴾: .... **علیٰ علم** کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ بنی اسرائیل کی کمزوریاں اور کوتاہیاں ہمیں معلوم تھیں۔ مگر ہم نے اپنی حکمت بالغہ کے پیش نظر اس دور کے اور بعد کے لوگوں پر ان کو ایک خاص برتری بھی بخشی۔ مثلاً: یہی کہ اتنے انبیاءؑ اور بادشاہ کسی دوسری قوم کو میسر نہیں آسکے۔ من وسلویٰ کا اترنا، بادل کا سایہ فگن رہنا وغیرہ۔

ان ھٰؤلاء. یہاں سے پھر روئے سخن قریش کی طرف ہوگیا جو مرنے کے بعد زندہ ہونے کو کسی طرح نہیں مانتے تھے اور کہتے تھے کہاں کا حشر، کیسا حساب؟ وہ پیغمبر اور مسلمانوں سے کہتے کہ اچھا ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو ذرا زندہ کرکے دکھادو۔ تب ہم جانیں ..... فرماتے ہیں بھلا یہ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور دوسری پچھلی قومیں، جب ہم نے ان مجرموں کو معاف نہیں کیا تو ان کی گستاخیاں کیسے برداشت کی جائیں گی۔ یہ بھی اپنے جرموں کی پاداش کو پہنچ کر رہیں گے۔

تبع کون تھے؟: .... یمن کے اس بادشاہ کی قلمرو سبا اور حضرموت علاقوں تک تھی۔ تبع بہت گزرے ہیں۔ یہ وہاں کے بادشاہوں کا لقب ہوتا تھا۔ اللہ جانے یہاں کون سا تبع مراد ہے۔ بہرحال اتنا ظاہر ہے کہ اس کی قوم صاحب قوت وجبروت تھی۔ ابن کثیرؒ نے قوم سبا مراد لی ہے جس کا ذکر سورۂ سبا میں گزرا ہے۔ لیکن مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا کہ اس کا نام اسعد تھا اور وہ اسلام لے آیا تھا اور اپنی قوم کو جو بت پرست تھی اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے سرکشی کی۔ ان پر ایک آگ آئی جس نے ان کا کام تمام کردیا۔ بعض مسلمان ہوئے بعض ذمی بنے اور بعض کی رائے میں یہ تبع اول تھا۔ جو قبل مسیح گزرا ہے۔ کثرت اتباع کی وجہ سے یہ لقب پڑا۔ اس کے

بعد یمن کے بادشاہوں کا یہی لقب رہا ہے۔

قیامت کا ہونا عقلی ہے یا نقلی: .... وما خلقنا. یعنی اتنا بڑا کارخانہ کوئی کھیل تماشہ نہیں۔ بڑی حکمت سے بنایا گیا ہے، ایک دن اس کا نتیجہ نکل کر رہے گا اور وہی نتیجہ آخرت ہے۔ لیکن دنیا کے اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ یعنی ان بڑے بڑے کروں کو دیکھ کر بھی نہیں سمجھتے کہ جو اتنے بڑے جہان بنا سکتا ہے وہ دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے۔ یہ تو قیامت کے امکان وصحت پر استدلال عقلی ہوا۔

اسی طرح دلائل نقلیہ یہ بتلا رہے ہیں کہ یہ جہان ہمارے فائدہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تاکہ نعمتوں سے متمتع ہو کر طاعت و شکر بجالائیں۔ جن پر کامل ثمرات ملیں۔ ورنہ ناسپاسی اور نافرمانی کی صورت میں خسران کامل سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یہ ہوئی آخرت کی حکمت اور یہی حکمت مقتضی ہے آخرت کے رجحان وجود کی۔ کیونکہ اگر مشیت الٰہی قیامت نہ ہونے کے لئے ہوتی تو پھر وہی حکمت ہوتی اور اسی کو ترجیح ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کا وجود عقلی نہیں ہے پس مجازات کے واجب ہونے کا شبہ ساقط ہو گیا۔

ان یوم الفصل سے قیامت کے واقع ہونے کا پہلے اجمالی بیان ہے کہ سارے عالم کا حساب کتاب بیک وقت ہو جائے گا۔ اللہ کی رحمت ہی کام آئے گی۔ کوئی کسی کی دستگیری نہیں کر سکے گا۔

زقوم کی تحقیق: .... ان شجرة الزقوم. یہ قیامت کا تفصیلی بیان ہے۔ زقوم سینڈھ کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے کسی ادنی مناسبت کی وجہ سے اس کو سینڈھ کہتے ہیں۔ ورنہ دوزخ کے سینڈھ کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ جنت وجہنم کی چیزوں کے ناموں میں محض اشتراک ہے۔ ورنہ کیفیت اور حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم ہے۔

آج کل عرب میں زقوم کا پھل برشومی کہلاتا ہے۔ جو کھایا جاتا ہے۔ سو اول تو ممکن ہے کہ یہ برشومی دوسری نوع کا پھل ہوتا ہو زقوم کے علاوہ۔ کیونکہ ہر زمانہ میں اصطلاحات بدلتی رہتی ہیں۔ اگر وہی نوع ہو تب بھی آیت میں چونکہ درخت کھانے کا ذکر فرمایا گیا ہے پھل کو نہیں فرمایا گیا۔ اس لئے آیت میں اشکال نہیں رہا۔ پھر زقوم کا کھلانا دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے ہوگا۔ جیسا کہ سورۂ واقعہ کی آیت ھذانزلھم سے مفہوم ہوتا ہے اور فاعتلوہ کی فا کے ظاہر سے بھی یہی سمجھ میں آ رہا ہے۔ لیکن اگر دوزخ میں داخل ہونے کے بعد بھی یہ کھلانا ہو۔ تو پھر فا کی رعایت کرتے ہوئے اس کا پہلے ہونا بلحاظ سواء الجحیم کے ہوگا۔ یعنی زقوم کھانے کے وقت دوزخ میں تو ہو ہوگا۔ مگر وسط دوزخ میں نہیں ہوگا۔ زقوم کھلا کر پھر وسط دوزخ میں پہنچا دیا جائے گا۔ جیسا کہ سورۂ صافات کی آیت ثم ان مرجعھم لا الی الجحیم سے معلوم ہو رہا ہے۔ اس لئے اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ زقوم کھلانے دوزخ سے باہر لے جانا ہوگا۔ پھر دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا۔ اس کا کچھ بیان سورۂ مومن میں بھی ہو چکا ہے۔

انک انت العزیز الکریم. یعنی دنیا میں بڑا بنتا تھا اب کہاں گئی وہ بڑائی۔ پہلے یقین نہیں آتا تھا کہ یہ دن بھی دیکھنا پڑے گا۔ یہی سمجھتا رہا کہ یوں ہی کھیلتے کودتے گزر جائے گی۔ آخر مٹی ہو کر مٹی میں مل جائیں گے، اب دیکھ لیا کہ وہ باتیں سچی نکلیں جو پیغمبروں نے بتلائی تھیں۔

ان المتقین. مضرت کے بعد منفعت کا بیان ہے کہ جنت ہر قسم کے دائمی عیش وعشرت کی جگہ ہوگی۔ وہاں کبھی موت نہیں آئے گی۔ نہ عیش فانی نہ عیش اٹھانے والے فانی، اس سے بڑھ کر اور کامیابی کیا کہ ہمیشہ کے لئے اللہ کی عنایات والطاف میں مگن رہیں گے۔

فانتظر. یعنی یہ تو منتظر ہیں کہ آپ پر کوئی افتاد پڑے۔ لیکن آپ دیکھتے جائیے کہ ان کا کیا حال بنتا ہے۔ آپ تبلیغ کے علاوہ فکرات میں نہ پڑیئے۔ اور نہ ان کی مخالفت پر رنجیدہ ہو جیئے۔ صبر کیجئے اور انہیں خدا کے حوالے کیجئے وہ خود سمجھ لے گا۔

لطائف سلوک: .... ولقد اخترناھم علی علم سے معلوم ہوا کہ جو اولیاء مرتبہ مرادیت پر فائز ہوتے ہیں۔ اللہ ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ ان کو ان کے نفس کے حوالہ نہیں کرتا۔ وہ خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

ان شجرة الزقوم. روح المعانی میں بعض کا قول منقول ہے کہ دنیا کی حرص وطمع قیامت میں زقوم کی صورت میں متشکل ہوگی۔ مسئلہ تمثیل کی یہ بھی ایک فرع ہے۔

سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ

سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ اِلَّاقُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا الْاٰيَةُ وَهِيَ سِتٌّ اَوْ سَبْعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

حٰمٓ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ **تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ مُبْتَدَاٌ **مِنَ اللّٰهِ** خَبْرُهُ **الْعَزِيْزِ** فِيْ مُلْكِهِ **الْحَكِيْمِ** ﴿۲﴾ فِيْ صُنْعِهِ **اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اَيْ فِيْ خَلْقِهِمَا **لَاٰيٰتٍ** دَالَّةٍ عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ وَوَحْدَانِيَّتِهِ تَعَالٰى **لِّلْمُؤْمِنِيْنَ** ﴿۳﴾ **وَفِيْ خَلْقِكُمْ** اَيْ خَلْقِ كُلٍّ مِنْكُمْ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ عَلَقَةٍ ثُمَّ مُضْغَةٍ اِلٰى اَنْ صَارَ اِنْسَانًا وَخَلْقِ **مَا يَبُثُّ** يُفَرِّقُ فِي الْاَرْضِ **مِنْ دَآبَّةٍ** هِيَ مَا يَدُبُّ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ النَّاسِ وَغَيْرِهِمْ **اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ** ﴿۴﴾ بِالْبَعْثِ **وَ** فِيْ **اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ** ذِهَابِهِمَا وَمَجِيْئِهِمَا **وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ** مَطَرٍ لِاَنَّهُ سَبَبُ الرِّزْقِ **فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ** تَقْلِيْبِهَا مَرَّةً جَنُوْبًا وَمَرَّةً شِمَالًا وَبَارِدَةً وَّحَارَةً **اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ** ﴿۵﴾ الدَّلِيْلَ فَيُؤْمِنُوْنَ **تِلْكَ** الْاٰيٰتُ الْمَذْكُوْرَةُ **اٰيٰتُ اللّٰهِ** حُجَجُهُ الدَّالَّةُ عَلٰى وَحْدَانِيَّتِهِ **نَتْلُوْهَا** نَقُصُّهَا **عَلَيْكَ بِالْحَقِّ** مُتَعَلِّقٌ بِنَتْلُوْا **فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ** اَيْ حَدِيْثِهِ وَهُوَ الْقُرْاٰنُ **وَاٰيٰتِهٖ** حُجَجِهِ **يُؤْمِنُوْنَ** ﴿۶﴾ اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ اَيْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالتَّاءِ **وَيْلٌ** كَلِمَةُ عَذَابٍ **لِّكُلِّ اَفَّاكٍ** كَذَّابٍ **اَثِيْمٍ** ﴿۷﴾ كَثِيْرِ الْاِثْمِ **يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ** الْقُرْاٰنَ **تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ** عَلٰى كُفْرِهِ **مُسْتَكْبِرًا** مُتَكَبِّرًا عَنِ الْاِيْمَانِ **كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ** ﴿۸﴾ مُؤْلِمٍ **وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا** اَيِ الْقُرْاٰنِ **شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا** اَيْ مَهْزُوًّا بِهَا **اُولٰٓئِكَ** اَيِ الْاَفَّاكُوْنَ **لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ** ﴿۹﴾ ذُوْاِهَانَةٍ **مِنْ وَّرَآئِهِمْ** اَيْ اَمَامِهِمْ لِاَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا **جَهَنَّمُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا** مِنَ الْمَالِ وَالْفِعَالِ **شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَيِ الْاَصْنَامِ **اَوْلِيَآءَ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ** ﴿۱۰﴾ **هٰذَا** اَيِ الْقُرْاٰنُ **هُدًى** مِنَ الضَّلَالَةِ **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ** حَظٌّ **مِّنْ رِّجْزٍ** اَيْ عَذَابٍ **اَلِيْمٌ** ﴿۱۱﴾

ع ۱۱ / ۱۷

مُوْجِعٌ اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ السُّفُنُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ بِاِذْنِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا تَطْلُبُوْا
بِالتِّجَارَةِ مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ مِنْ شَمْسٍ وَّقَمَرٍ وَّنَجْمٍ
وَّمَاءٍ وَّغَیْرِهٖ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّشَجَرٍ وَّنَبَاتٍ وَّاَنْهَارٍ وَّغَیْرِهٖ اَیْ خَلَقَ ذٰلِكَ لِمَنَافِعِهِمْ جَمِیْعًا
تَاكِیْدٌ مِّنْهُ حَالٌ اَیْ سَخَّرَهَا كَائِنَةً مِّنْهُ تَعَالٰی اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ فِیْهَا فَیُؤْمِنُوْنَ
قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ یَخَافُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ وَقَائِعَهٗ اَیْ اِغْفِرُوْا لِلْكُفَّارِ مَا وَقَعَ مِنْهُمْ
مِنَ الْاَذٰی لَكُمْ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِجِهَادِهِمْ لِیَجْزِیَ اَیِ اللّٰهُ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالنُّوْنِ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا
یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مِنَ الْغَفْرِ لِلْكُفَّارِ اَذَاهُمْ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ عَمِلَ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا اَسَاءَ ثُمَّ
اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾ تَصِیْرُوْنَ فَیُجَازِی الْمُصْلِحَ وَالْمُسِیْءَ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ
التَّوْرٰةَ وَالْحُكْمَ بِهٖ بَیْنَ النَّاسِ وَالنُّبُوَّةَ لِمُوْسٰی وَهَارُوْنَ مِنْهُمْ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ الْحَلَالَاتِ
كَالْمَنِّ وَالسَّلْوٰی وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ عَالَمِیْ زَمَانِهِمُ الْعُقَلَاءِ وَاٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ اَمْرِ
الدِّیْنِ مِنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَبَعْثَةِ مُحَمَّدٍ عَلَیْهِ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا فِیْ بَعْثَتِهٖ اِلَّا مِنْۢ
بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًا بَیْنَهُمْ اَیْ لِبَغْیٍ حَدَثَ بَیْنَهُمْ حَسَدًا لَهٗ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ
الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ یَا مُحَمَّدُ عَلٰی شَرِیْعَةٍ طَرِیْقَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ اَمْرِ
الدِّیْنِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ فِیْ عِبَادَةِ غَیْرِ اللّٰهِ اِنَّهُمْ لَنْ یُّغْنُوْا یَدْفَعُوْا
عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ عَذَابِهٖ شَیْئًا وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ الْكٰفِرِیْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَاللّٰهُ وَلِیُّ
الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۹﴾ الْمُؤْمِنِیْنَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ مَعَالِمُ یَتَبَصَّرُوْنَ بِهَا فِی الْاَحْكَامِ وَالْحُدُوْدِ وَهُدًی
وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ بِالْبَعْثِ اَمْ بِمَعْنٰی هَمْزَةِ الْاِنْكَارِ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا اكْتَسَبُوا
السَّیِّاٰتِ الْكُفْرَ وَالْمَعَاصِیَ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً خَبَرٌ مَّحْیَاهُمْ
وَمَمَاتُهُمْ مُبْتَدَأٌ وَمَعْطُوْفٌ وَالْجُمْلَةُ بَدَلٌ مِّنَ الْكَافِ وَالضَّمِیْرُ لِلْكُفَّارِ الْمَعْنٰی اَحَسِبُوْا اَنْ نَّجْعَلَهُمْ
فِی الْاٰخِرَةِ فِیْ خَیْرٍ كَالْمُؤْمِنِیْنَ اَیْ فِیْ رَغَدٍ مِّنَ الْعَیْشِ مُسَاوٍ لِعَیْشِهِمْ فِی الدُّنْیَا حَیْثُ قَالُوْا لِلْمُؤْمِنِیْنَ
لَئِنْ بُعِثْنَا لَنُعْطٰی مِنَ الْخَیْرِ مِثْلَ مَا تُعْطَوْنَ قَالَ تَعَالٰی عَلٰی وَفْقِ اِنْكَارِهٖ بِالْهَمْزَةِ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾
اَیْ لَیْسَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ فَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ فِی الْعَذَابِ عَلٰی خِلَافِ عَیْشِهِمْ فِی الدُّنْیَا وَالْمُؤْمِنُوْنَ فِی الْاٰخِرَةِ
فِی الثَّوَابِ بِعَمَلِهِمُ الصَّالِحَاتِ فِی الدُّنْیَا مِنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَالصِّیَامِ وَغَیْرِ ذٰلِكَ وَمَا مَصْدَرِیَّةٌ اَیْ بِئْسَ

حُكْمًا حُكْمُهُمْ هٰذَا

ترجمہ: .... سورۂ جاثیہ مکیہ ہے، بجز آیت قل للذین امنوا الخ کے اس میں کل آیات ۳۶ یا ۳۷ ہیں۔

بسم الله الرحمٰن الرحيم. حٰمٓ (اس کی واقعی مراد اللہ کو معلوم ہے) یہ نازل کی ہوئی کتاب (قرآن مبتداء ہے) اللہ کی طرف سے (خبر) ہے جو (اپنے ملک میں) غالب (اپنی صنعت میں) حکمت والا ہے۔ آسمانوں اور زمین (کے بنانے) میں بہت سے دلائل ہیں (جو اللہ کی قدرت و وحدانیت پر رہنمائی کرنے والے ہیں) اہل ایمان کے لئے اور خود تمہارے پیدا کرنے میں (یعنی ہر انسان کو عام طور سے نطفہ، پھر علقہ، پھر مضغہ بنا کر مکمل انسان بنا ڈالا) اور ان جانوروں کے پیدا کرنے میں (جن کو زمین میں پھیلا رکھا ہے) جو چلتے پھرتے ہیں (زمین پر خواہ وہ انسان ہوں یا اور مخلوق) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو (قیامت کا یقین رکھتے ہیں اور یکے بعد دیگرے دن رات کے اختلاف (جانے آنے) میں اور اس روزی میں (مراد بارش ہے کیونکہ وہ رزق پیدا ہونے کا سبب ہوتی ہے) جس کو اللہ نے آسمان سے اتارا ہے پھر اس سے زمین کو تروتازہ کیا زمین سوکھنے کے بعد اور ہواؤں کے لوٹ پھیر میں (کبھی جنوبی ہوا چلتی ہے کبھی شمالی، کبھی ٹھنڈی کبھی گرم) دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں (دلیل کو اور ایمان قبول کر لیتے ہیں) یہ (مذکورہ نشانیاں) اللہ کی آیتیں ہیں (اس کی وحدانیت پر رہنمائی کرنے والی حجتیں) جو ہم آپ کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں (بتلاتے ہیں) صحیح صحیح طریقہ پر (تتــــلــــوا کے متعلق ہے) پھر کون سی بات پر اللہ کے بعد (یعنی اس کی بات قرآن کے بعد) اور اس کی آیتوں (حجتوں) کے بعد یہ لوگ ایمان لائیں گے (مراد کفار مکہ ہیں۔ یعنی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور ایک قراءت میں تؤمنون تا کے ساتھ ہے) بڑی خرابی ہوگی (ویــل کـلـمـه عذاب ہے) ہر ایسے شخص کے لئے جو جھوٹا نافرمان ہو (بڑا گنہگار) جو اللہ کی آیتیں (قرآن) سنتا ہے جب کہ وہ اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں پھر بھی وہ (کفر پر) اڑا رہتا ہے تکبر (ایمان سے روگردانی) کرتے ہوئے اس طرح جیسے اس نے ان کو سنا ہی نہیں۔ سو ایسے شخص کو دردناک (تکلیف دہ) عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے اور جب وہ ہماری (قرآن کی) آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پاتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے (اس کو مذاق بنالیتا ہے) ایسے (جھوٹے لپاٹیوں) کے لئے ذلت آمیز (آبروریز) عذاب ہے۔ ان کے آگے (یعنی سامنے کیوں کہ یہ لوگ دنیا میں تھے) دوزخ ہے اور نہ ان کے وہ چیزیں کام آئیں گی۔ جو (مال و اعمال) کمائے ذرا بھی اور نہ وہ جن کو انہوں نے اللہ کے سوا (بتوں کو) کارساز بنا رکھا تھا اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا۔ یہ (قرآن) سرتاسر (گمراہی سے) ہدایت ہے اور جو لوگ اس کی آیتوں کو نہیں مانتے۔ ان کے لئے سختی (عذاب) کا دردناک (تکلیف دہ) عذاب کا حصہ ہوگا، اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے دریا کو مسخر بنایا، تا کہ اس کے حکم (اجازت) سے اس میں کشتیاں (جہاز) چلیں اور تا کہ تم اس کی روزی (کاروبار کے ذریعہ) تلاش کرو اور تا کہ تم شکر ادا کرو اور جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں (سورج، چاند، ستارے، پانی وغیرہ) اور جتنی چیزیں زمین میں ہیں (چوپائے، درخت، گھاس، نہریں وغیرہ۔ حاصل یہ کہ یہ سب کچھ لوگوں کے فائدہ کی خاطر پیدا کیا۔) ان سب کو (تاکید ہے) اپنی طرف سے مسخر بنایا (حال ہے یعنی اللہ ہی کی طرف سے یہ سب چیزیں انسان کے لئے مسخر ہوئی ہیں) بے شک ان باتوں میں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو غور کرتے رہتے ہیں (پھر ایمان لے آتے ہیں) آپ ایمان لانے والوں سے فرما دیجئے کہ ان لوگوں سے درگزر یں جو یقین (خوف) نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ کے معاملات کا (واقعات کا۔ یعنی کفار سے کچھ تمہیں تکالیف پہنچیں ان کو جانے دو۔ یہ جہاد سے پہلے کی بات ہے) تا کہ صلہ دے (اللہ۔ ایک قراءت میں نـجـزی نون کے ساتھ ہے) ایک قوم کو عمل کا (کفار کی اذیتوں پر چشم پوشی کرنے کا) جو شخص نیک کام کرتا ہے سو اپنے ذاتی نفع کے لئے (کرتا ہے) اور جو شخص برا کام کرتا ہے اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے۔ پھر تمہیں اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے (جہاں

نیک و بد کو بدلہ ملے گا) اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (تورات) اور حکومت (لوگوں کے درمیان فیصلے) اور نبوت دی تھی (حضرت موسیٰ ہارون علیہما السلام بھی انہی میں ہوئے ہیں) اور ہم نے ان کو نفیس نفیس چیزیں (حلال جیسے من وسلویٰ) کھانے کو دی تھیں اور ہم نے ان کو جہان والوں (اس دور کے دانشوروں) پر فوقیت بخش دی تھی اور ہم نے ان کو دین کے بارے میں کھلی کھلی دلیلیں دی تھیں (حلال وحرام کے احکام اور آنحضرت ﷺ کی بعثت) سو انہوں نے (آنحضرت ﷺ کی بعثت کے متعلق) علم آنے کے بعد ہی باہم اختلاف کیا آپس کی ضدا ضدی کی وجہ سے (حسد کے سبب جو ان میں عناد بڑھا) آپ کا رب قیامت کے روز ان کے درمیان ان باتوں کے متعلق فیصلہ کردے گا جن میں باہم یہ اختلاف کیا کرتے تھے، پھر ہم نے (اے محمد!) آپ کو ایک خاص طریقہ پر دین کے کر دیا۔ سو آپ اسی پر چلتے رہئے اور ان لوگوں کی خواہش پر دھیان نہ دیجئے جو جہلا ہیں (غیر اللہ کی پرستش کے سلسلہ میں) یہ لوگ آپ کے کام نہ آئیں گے (بچاؤ نہیں کر سکیں گے) اللہ کے مقابلہ میں ذرا بھی اور ظالم (کافر) ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ متقیوں (مومنوں) کا دوست ہے یہ (قرآن) عام لوگوں کے لئے دانش مندیوں کا ذریعہ ہے (ایسے اصول کا مجموعہ ہے جن سے احکام وحدود میں بصیرت ملتی ہے) اور ہدایت ورحمت ہے یقین دلانے والوں کے لئے (قیامت پر) کیا (ہمزہ انکاری ہے) یہ خیال کرتے ہیں جو برے برے کام (کفر ومعاصی) کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا۔ ان سب کا مرنا جینا یکساں ہو جائے (سواء خبر ہے اور احیاء هم مبتداء ہے اور مماتهم معطوف ہے اور یہ جملہ کاف سے بدل ہے اور محیا هم ومماتهم دونوں ضمیریں کفار کی طرف راجع ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ کیا ان کا خیال یہ ہے کہ ہم ان شریروں کو آخرت میں مومنین کے برابر بھلائی میں یکساں کر دیں گے یعنی دنیا میں جیسی عیش وعشرت کرتے تھے۔ یہاں بھی وہی حالت برقرار رہے گی۔ چنانچہ یہ لوگ مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے لئے قیامت ہوئی تو ہمیں بھی مسلمانوں کی طرح بھلائی نصیب ہوگی۔ حق تعالیٰ بذریعہ ہمزہ انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں) یہ برا فیصلہ کرتے ہیں (یعنی واقعہ اس طرح نہیں ہوگا۔ بلکہ کفار دنیاوی عیش وعشرت کے برخلاف آخرت کے عذاب میں گرفتار ہوں گے اور مسلمانوں کو آخرت میں ان نیک اعمال کا ثواب ملے گا جو انہوں نے دنیا میں رہ کر نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ ادا کی تھی۔ اس میں ما مصدریہ ہے۔ یعنی ان کا یہ حکم لگانا غلط فیصلہ ہے۔)

تحقیق وترکیب: .... حم. اگر یہ سورت کا نام ہو تو مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا اور تنزيل الكتاب خبر ہوگی۔ لیکن اگر حروف کی تعداد مراد ہے تو پھر تنزيل الكتاب مبتداء اور من الله خبر ہوگی۔

ان في السموٰت. ان تین آیات میں چھ دلائل بیان فرمائے گئے ہیں۔ پہلی آیت کو لفظ مؤمنين پر دوسری کو يوقنون پر تیسری کو يعقلون پر ختم کیا گیا ہے۔ کیونکہ آسمان وزمین پر نظر کرنے سے صانع عالم پر ایمان پیدا ہوتا ہے اور خود اپنی ذات اور زمینی چیزوں پر نظر ڈالنے سے یقین پیدا ہوتا ہے، اور حوادث عالم پر نظر کرنے سے عقل میں کمال اور علم میں استحکام پیدا ہوتا ہے یا تفنن کلام کے لئے مختلف الفاظ لائے گئے ہیں۔

لأيات للمؤمنين. تمام قراءؒ کے نزدیک حالت نصبی میں کسرہ ہے ان کا اسم ہونے کی وجہ سے۔ لیکن آیات "لقوم يوقنون" اور آیات "لقوم يعقلون" دونوں میں قراءت سبعہ میں نصب اور رفع دونوں ہیں۔ رفع تو مبتداء ہونے کی وجہ سے اور في خلقكم خبر ہے اور جملہ کا عطف ان في السموٰت پر ہے۔ اگرچہ معطوف بغیر تاکید کے اور معطوف علیہ تاکید یہ ہے۔

دوسری صورت رفع کی یہ ہے کہ لفظ آیات کا اول آیات پر محلا عطف کیا جائے بغیر ان کے۔ اسی طرح نصب کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ لفظ آیات کا پہلی آیات پر اسم ان کی حیثیت سے عطف کیا جائے۔ اور في خلقكم کا خبر ان پر ہو۔ ای وان في

لقكم وما يبث من دابة ايات.

دوسری صورت یہ ہو کہ لفظ آیات کو صرف پہلی آیات کی تاکید مانا جائے اور فی خلقکم کا فی السمٰوات پر عطف کیا ئے۔حرف جر کا اعادہ تاکید کے لئے ہو۔علیٰ هذا ما يبث من دابة میں بھی دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں جن میں بہتر صورت یہ ہے کہ ں کو فی خلقکم مجرور پر عطف کیا جائے۔تقدیر مضاف جیسا کہ مفسرؒ نے کیا ہے۔دوسرے یہ کہ ضمیر مجرور اعادہ جار کے عطف کیا ئے۔جیسا کہ بعض حضرات کے نزدیک جائز ہے۔

واختلاف الليل. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے فی کے مقدر ہونے کی طرف۔چنانچہ قراءۃ شاذہ میں فی موجود ہے۔مفسرؒ نے وبی شمالی ہواؤں کا ذکر کیا ہے۔حالانکہ پروا، پچھوا ہوائیں بھی ہوتی ہیں۔اسی طرح چوطرفی ہوا ہوتی ہے۔

بعد الله. ای بعد آیات الله جیسا کہ اعجبنی زید و کرمه میں اعجبنی کرم زید ہے۔

یؤ منون. ابوعمرؒ، حفصؒ، نافعؒ، ابن کثیرؒ کے نزدیک یا کے ساتھ ہے اور دوسرے قراء کے نزدیک تا کے ساتھ ہے۔

ویل. کلمہ عذاب ہے اور جہنم کی وادی کا نام بھی ہے۔

یسمع آیات الله. جملہ مستانفہ ہے اور اثیم کی ضمیر سے حال بھی ہو سکتا ہے اور صفت بھی۔

تتلیٰ علیه. آیات الله سے حال ہے۔

ثم یصر. یہاں تراخی رتبی مراد ہے۔یعنی دلائل کے بعد پھر اصرار عقلاً بعید ہے اور "کان لم یسمعها" جملہ مستانفہ یا ل ہے کان مخففہ ہے ضمیر شان محذوف ہے۔

فبشره. بشارت کا تہکماً فرمایا ہے۔

اتخذها هزواً. ضمیر مؤنث ایاتنا کی طرف راجع ہے اور لفظ شئی کی طرف بھی مذکر ہونے کے باوجود راجع ہو سکتی ہے نی آیت لے کر ای اتخذ ذلک الشئی هزواً مگر اس تعبیر میں نکتہ یہ ہے کہ منکرین کا مذاق محض ایک آیت تک نہیں رہتا۔بلکہ وہ رے کلام کو نشانہ ہدف و مذاق بنالیتے ہیں۔جو خبث باطن کی دلیل ہے۔قرآن کی نوری بلاغت کے جواب میں مخالفین نے ڈھونڈ ھ ھانڈ کر دو لفظ پکڑے اور کہا کہ قرآن میں لفظ هزواً اور کبار فصاحت سے گرے ہوئے ہیں۔صحابہؓ اور مخالفین میں یہ بحث جاری تھی۔سامنے سے ایک پیر مرد آتا ہوا دکھائی دیا۔سب مخالفین نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہمیں ان نو وارد کا فیصلہ منظور ہوگا۔چنانچہ مخالفین نے ل کرتے ہوئے پیر مرد سے درخواست کی کہ آپ ہمارے ایک متنازعہ معاملہ میں فیصلہ کیجئے۔یہ سنتے ہی پیر مرد کی زبان سے جو پہلا لہ نکلا وہ یہ تھا۔اتتخذونی هزواً وانا شیخ کبار مخالفین سن کر ہکا بکا رہ گئے۔اب آگے بولیں تو کیا بولیں۔مسلمان اس بے ساختہ ئید غیبی پر نہایت مسرور و مطمئن ہوئے اور مخالفین لاجواب و نامراد" جادو وہ ہوتا ہے جو سر چڑھ کر بولے۔"

من ورائهم. لفظ وراء اضداد میں سے ہے آگے اور پیچھے دونوں معنی میں آتا ہے۔آخرت کو دونوں اعتبار سے وراء کہتے ہیں۔

هٰذا هدی. قرآن کی دونوں شانیں ہیں۔مومنین کے لئے ہدایت اور کفار کے لئے گمراہی اور خسران کا باعث ہے۔یضل کثیرا ویهدی به کثیرا. شفاء و رحمة للمؤمنین ولا یزید الظالمین الا خسارا.

سخر لکم البحر. یعنی وزنی چیزیں بھی سمندر سے گزر جاتی ہیں اور ڈوبتی نہیں۔

یغفروا. مفسرؒ نے بمعنی اغفروا لیا ہے جواب امر حذف مفعول پر دلالت کر رہا ہے بمعنی غفران جیسے: آیت اذن للذین اتلون بانهم ظلموا کی تقدیر اذن فی القتال تھی۔لیکن الذین یقاتلون کے قرینہ سے فی القتال کو حذف کر دیا۔مفسرؒ اس آیت

کے منسوخ ہونے کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔ لیکن اگر ضدی لوگوں سے تعرض نہ کرنا مراد ہوتو پر منسوخ کہنے کی حاجت نہیں رہتی۔

من عمل صالحاً. جملہ مستانفہ ہے پہلے اجمال کی تفصیل ہے۔

والحکم. حکمت، فقہ، فیصلہ سب معنی ہو سکتے ہیں۔

فضلناھم. فضیلت کلی مراد نہیں۔ بلکہ فضیلت جزئی ہے۔ اس لئے ان کے زمانہ کے ساتھ تخصیص کی حاجت نہیں رہتی۔

عالمین. کی تفسیر عقلاء کی بجائے ثقلین کے ساتھ زیادہ انسب ہے۔

من الامر. بعض نے دین اور بعض نے آنحضرت ﷺ کی بعثت مراد لی ہے۔ مگر مفسرؒ نے دونوں کو جمع کردیا ہے۔

جعلناك. کاف مفعول اول اور علی شریعۃ مفعول ثانی ہے۔ شریعت کے معنی گھاٹ، ملت اور مذہب کے آتے ہیں دین الٰہی مراد ہے۔

ھذا بصائر. مبتدا خبر ہے اور خبر کو جمع لانا اس لئے ہے کہ مبتداء متضمن آیات ہے۔

ام حسب الذین. ام بمعنی ہمزہ منقطعہ ہے اور منقطعہ میں کبھی بل اور ہمزہ دونوں مقدر ہوتے ہیں اور کبھی حرف بل مقدر ہوتا ہے اور کبھی صرف ہمزہ۔

سواء. رفع کی قراءت پر محیا ھم ومما تھم کی خبر ہے۔ لیکن حمزہؒ، علیؒ، حفصؒ کی قراءت نصب کی ہے۔ بمعنی مستویا کاف سے بدل کل یا بدل اشتمال ہے یا حال ہے اور اس کے بعد فاعلیت کی وجہ سے مرفوع ہے اور جعل کا مفعول ثانی "کالذی آمنوا" ہے۔ ای احسبوا ان نجعلھم مثلھم فی حال استراء محیا ھم و مما تھم لیس الا مر کذلک۔ محیا ھم و مماتھم کی ضمیریں کفار کی طرف راجع ہیں۔ لیکن اگر مومنین کی طرف راجع ہوں تو پھر جملہ ضمیر مفعول ثانی سے حال ہو جائے گا۔ ای احسبوا ان نجعل فی الاخرۃ فی خیر کالمومنین. حاصل یہ ہے کہ کفار نے دنیا میں تو مزے اڑائے ہیں۔ لیکن کیا یہ چاہتے ہیں کہ مومنین کی طرح آخرت میں بھی یہ مزے کریں۔ جیسا کہ یہ کہا کرتے تھے۔

ساء مایحکمون. بقول ابن عطیہؒ ما مصدر یہ ہے اور ساء افعال ذم میں سے ہے۔ ضمیر مبہم فاعل ہے تمیز محذوف ہے جیسا کہ رضی کی رائے آیت بئس مثل القوم الذین میں تمیز محذوف ہونے کے متعلق ہے۔ ای بئس مثلہ مثل القوم یہاں مخصوص بالمذمت "ما تحکمون" بتاویل مصدر ہے۔ ای ساء حکمھم ھذا۔ لیکن قاضیؒ ما موصوفہ مانتے ہیں۔ ای ساء شیئا حکموا بذلک. اول صورت میں ساء خبر یہ ہے اور دوسری صورت میں انشائیہ ہوگا۔ لیکن فاعل مذکور ہونے کی صورت میں تمیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور اگر تمیز مانی جائے۔ تو پھر فاعل کو مستتر ماننا پڑے گا۔ جو مصدر یہ ہونے کے منافی ہے۔ اس لئے مفسرؒ کی تقدیر عبارت اشکال سے خالی نہیں ہے۔

ربط آیات: .... پچھلی سورت کے آخر میں قرآن کریم کا ذکر تھا۔ اسی مضمون سے اس سورت کو شروع کیا جارہا ہے۔ اس سورت میں توحید و نبوت و معاد تین مضامین تو اصل ہیں۔ باقی مضامین انہی کی مناسبت سے آ گئے ہیں۔

شان نزول: .... یہ پوری سورت مکی ہے یا بقول ابن عباسؓ و قتادہؒ علاوہ آیت قل للذین الخ کے مکی ہے اور صرف یہ آیت مدنی ہے۔

فاروق اعظمؓ سے ایک مرتبہ عبداللہ بن ابی الجھ پڑا۔ غزوۂ بنی المصطلق کے موقعہ پر مریسیع کے کنویں پر ابن ابی نے اپنے غلام پانی لینے بھیجا۔ وہ دیر میں واپس آیا تو ابن ابی نے دیر کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا کنویں پر حضرت عمرؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے جب تک

حضور ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کی مشکیں بھری نہیں گئیں کسی کو پانی نہیں لینے دیا اس پر ابن ابی بولا۔ کہ ان لوگوں کی مثال تو سمن کلبک کلک ہے۔ حضرت عمرؓ نے سنا تو آپ نے اس کو مار ڈالنے کا ارادہ فرمایا۔ مگر اس آیت میں روک دیا گیا ہے۔

لیکن مامون ابن خیرانؒ نے نقل کیا ہے کہ جب آیت من ذاالذی یقرض اللہ نازل ہوئی۔ تو فخاص یہودی بولا۔ کہ محمد ﷺ کا رب مفلس ہوگیا۔ حضرت عمرؓ اس کو مارنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ مگر آنحضرتؐ نے روک دیا۔ اور ابوالسعودؒ اور قاضیؒ کہتے ہیں کہ ایک غفاری نے گالی دی۔ جس پر فاروق اعظمؓ جھپٹ پڑے۔ پہلی صورت میں بھی کسی مشرک نے مکہ مکرمہ میں فاروق اعظمؓ کو گالیاں دیں۔ جس پر انہوں نے اس کو مار ڈالنا چاہا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

تلك ایات اللہ. نضر بن الحارث نے کچھ عجمی تاریخی کتابیں خرید کر لوگوں کو پرچانا چاہا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ لیکن الفاظ کے عموم کا اعتبار کیا جائے گا۔

ام حسب الذین. بقول کلبیؒ اس سے عتبہ، شیبہ دونوں ربیعہ کے بیٹے۔ ولید بن عتبہ مراد ہیں۔ اور الذین آمنوا سے حضرت علی، حمزہ، عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ جب کہ انہوں نے بدر میں مشرکین کو قتل کر دیا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مشرکین جب قتل ہوئے تو کہنے لگے۔ کہ ہمیں آخرت میں مسلمانوں سے بہتر نعمتیں ملیں گی۔

﴿تشریح﴾: .... حم تنزیل. پہلی آیات سے قرآن عزیز کے کلام الٰہی ہونے کا بیان ہے۔ پھر آیت ان فی خلق السموات سے یعقلون تک توحید کا مضمون ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ زمین آسمان کی پیدائش اور ان کے محکم نظام میں غور کرنے سے صاف دکھائی دیتا ہے کہ ان کا پیدا کرنے والا اور تھامنے والا ضرور کوئی ہے جس نے کمال خوبی اور حکمت سے ان کو پیدا کیا اور لامحدود قدرت سے ان کی حفاظت کر رہا ہے۔

ایک بدوی نے کیا خوب کہا تھا۔ البعرة تدل علی البعیر والا قدام علی المسیر فکیف السماء ذات الابراج والارض ذات الا خراج لا تد لان علی اللطیف الخبیر۔

ان آیات کے فواصل میں مومنین، یوقنون، یعقلون فرمانا تفنن کلام کے لئے ہے۔ یہ دلائل اگرچہ عقلی ہیں جیسا کہ لقوم یعقلون سے معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن اہل ایمان ویقین سے مراد عام ہے خواہ بالقوۃ ہو یا بالفعل، طلب کے ذریعہ ہو یا حصول کے طریقہ پر عقلی دلیل میں بھی تو آخر طلب ونظر ہوتی ہے۔ توحید کے بعد آگے نبوت سے بحث ہے۔

قرآن سے زیادہ سچی بات کون سی ہے: .... تلك ایات اللہ. اللہ کے سوا دوسرا کون ہے جس کی بات ماننے کے قابل ہو۔ جب اس سچے اور بڑے مالک کی سیدھی صاف بات بھی کوئی بدنصیب نہ مانے تو آخر کس چیز کو قبول کرنے کا منتظر ہے وہ اپنی ضد اور غرور کی وجہ سے بات نہیں سنتا۔ حق بات سن کر اس طرح منہ پھیر لیتا ہے کہ گویا کچھ سنا ہی نہیں۔ پس جب وہ اللہ کی آیات سے یہ اہانت آمیز برتاؤ کرتا ہے تو اسے سخت اہانت آمیز سزا بھگتنے کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے جو آگے آ رہی ہے۔ اس وقت مال واولاد کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ اللہ کے سوا جن کو مددگار کارساز بنا رکھا تھا وہ کام آئیں گے۔ فی الحقیقت قرآن کریم ایک عظیم الشان صحیفہ ہدایت ہے جو ہر قسم کی برائی بھلائی سمجھانے کے لئے آیا ہے جو اس کو نہ مانے وہ ہولناک عذاب کے لئے آمادہ رہے۔ اللہ کی قدرت وطاقت کا کیا پوچھنا اس نے تو سمندر جیسی مخلوق کو مسخر کر دیا۔ جس میں انسان بے تکلفی سے جہاز اور کشتیاں لئے لئے پھرتا ہے۔ ملکوں کی سیر وسیاحت، کاروبار، آبدار، قیمتی موتیوں کا نکالنا، مچھلیوں کا شکار، غرض ہر طرح کے منافع وفوائد حاصل کرتا ہے۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ تم منعم حقیقی کو نہ

بھولو اور زبان و دل سے اس کے شکر گزار بنو اور یہی نہیں بلکہ اللہ نے اپنی قدرت و حکمت سے ساری کائنات کو تمہاری خدمت پر لگا دیا۔ یہ اسی کی عنایت ہے کہ بڑی سے بڑی مخلوق کو انسان کے لئے بیگاری بنا دیا۔ آدمی اگر دھیان کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ یہ اس کے بس کی بات نہ تھی۔ اللہ ہی نے اپنے فضل و کرم سے سب کچھ ہمارے لئے وقف کر دیا ہے پس ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اپنے خالق و مالک کی طاعت وعبادت میں لگیں۔ نعمتوں میں گم ہو کر منعم کو نہ بھول جائیں۔

آگے معاد کی جزاء وسزا کا ذکر ہے۔

پچھلی آیت ویل لکل افاک میں کفار کی شرارت وخباثت کا ذکر تھا۔ ممکن ہے ان شرارتوں پر مسلمانوں کو غصہ آ جائے اس لئے آیت قل للذین اٰمنوا سے تسامح اور چشم پوشی کا حکم ہے۔

ہر شخص اپنے اعمال کے نتائج سے بندھا ہوا ہے: .... ایام اللہ سے قیامت مراد ہے۔ جس میں اچھے بروں کو ان کے کئے کا بدلہ ملے گا۔ آپ اور مسلمان ان کے بدلہ کی فکر نہ کریں۔ اللہ پر چھوڑ دیں۔ وہ ان کی شرارتوں کا بھی مزہ چکھا دے گا اور تمہارے صبر وتحمل کا بھی صلہ دے گا۔ جو اچھائی کرتا ہے اس کا فائدہ خود اسی کو ہوتا ہے۔ اللہ کو اس کی کیا ضرورت؟ اسی طرح جو برائی کرتا ہے وہ اپنے حق میں کانٹے اور بیج بوتا ہے، کسی کی برائی کسی پر نہیں پڑتی۔ ہر شخص اپنے نتائج عمل سے بندھا ہوا ہے۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

جو کام کرے یہ سمجھ کر کرے کہ اس کا نفع نقصان خود اسی کو پہنچ کر رہے گا۔ اور یہاں نہیں تو وہاں پہنچ کر سب بھلائی برائی مع نتائج کے سامنے آ جائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس فرمانے سے جہاد کی نفی نہیں ہو رہی ہے کہ اس کو منسوخ کہا جائے۔ بلکہ مقصود ایسے انتقام سے روکنا ہے۔ جس کا منشاء محض تسکین جذبات ہو۔ اعلاء کلمۃ اللہ پیش نظر نہ ہو لیکن جہاد جس کا اصلی سبب اعلاء کلمۃ اللہ ہوتا ہے اس کو روکنا نہیں ہے۔ گو اس کے ضمن میں طبعاً تسکین غیظ بھی ہو جائے۔ آگے پھر نبوت و رسالت کی تائید ہے۔

نازبرداری سے انسان بگڑ جاتا ہے: .... ولقد اٰتینا بنی اسرائیل حکومت وسلطنت قوت وطاقت اسی طرح ولایت، نبوت و رسالت غرض کہ ہر قسم کی مادی اور روحانی نعمتوں سے بنی اسرائیل کو نوازا۔ مگر اتنی نازبرداریوں سے بھی وہ راہ راست پر نہیں آئے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ بگڑتے چلے گئے۔ آپس کی پھوٹ کی وجہ سے بے شمار فرقوں میں بٹ گئے۔ جس سے ان کی قوت پارہ پارہ ہوتی چلی گئی۔ اگر دلیل و برہان کی روشنی میں حق و ناحق کا فیصلہ دنیا میں بھی ہوتا رہا۔ مگر بہت طبائع جو علم جو نہیں ہوتی۔ ان کے لئے ایسا فیصلہ تسلی بخش نہیں ہوتا۔ ان کے لئے عملی فیصلہ کی ضرورت رہتی ہے اس لئے وہ قیامت میں کر دیا جائے گا۔ اس وقت پتہ چلے گا کہ فرقہ بندیوں میں پڑنا ہوا پرستی اور نفس پروری کے سوا کچھ نہ تھا۔

ثم جعلناک یعنی ان اختلافات کی کشمکش میں آپ کو راہ مستقیم پر قائم کر دیا۔ اسی پر آپ اور آپ کی امت گامزن رہے۔ کبھی بھول کر بھی نادانوں کی بات نہ مانے اور جاہلوں کی خواہشات پر نہ چلے کہ آپ ان کے رویہ سے تنگ آ کر دعوت وتبلیغ چھوڑ بیٹھیں یا مسلمان بھی اختلافات کے سلسلہ میں ان کے نقش قدم پر چل پڑیں ضرورت اس کی ہے کہ ان کی یہ خواہشیں یکسر پامال کر دی جائیں۔

ھذا بصائر قرآن کریم حقیقت آمیز، بصیرت افروز کتاب ہے یوں تو سب کے لئے یہ دستر خوان نعمت چنا ہوا ہے۔ مگر جو نصیبہ ور اس کی نعمتوں کو چکھے اور کھائے۔ وہی صحیح معنوں میں لذت اندوز ہو سکتا ہے۔

نیک معاش اور بدمعاش کا انجام: .... ام حسب الذین اللہ کی حکمت پر نظر کرتے ہوئے کیا کوئی عقلمند یہ گمان کر سکتا ہے کہ ایک بدمعاش اور نیک معاش دونوں کو اللہ برابر کر دے گا، دونوں کا انجام یکساں بنا دے گا؟ نہ یہ دونوں اس زندگی میں برابر ہو سکتے

ہیں اور نہ اس زندگی میں، دنیا میں مومن فرمانبرداری کی زندگی گزارتا ہے۔ جس سے اللہ راضی رہتا ہے وہ کافر ومنافق کو کہاں نصیب۔ اسی طرح آخرت کی تمام نعمتیں مومن کے لئے مخصوص اور کافر ومنافق کے لئے نکبت وخسران کے سوا کیا ہے؟

غرض کہ یہ خیال بالکل مہمل اور یہ کہنا سراسر غلط کہ اللہ نیکوں بدوں کا مرنا جینا برابر کر دے گا۔ اس کے انصاف کا تقاضا ہے کہ دونوں کا نتیجہ الگ الگ ظاہر ہو، دنیا میں کسی مصلحت وحکمت سے وہ نتائج اگر فی الجملہ ظاہر ہوئے ہوں تو ان کا پوری طرح معائنہ اور مشاہدہ آخرت میں ہو جائے۔

اور اس آیت کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ مؤمنین کا مرنا جینا بایں معنی نہیں ہوسکتا کہ جس طرح دنیا میں یہ لذات سے لطف اندوز نہ ہو سکے۔ اسی طرح مرنے کے بعد بھی یہ محروم رہیں۔ اسی طرح کافروں کا مرنا جینا بھی بایں معنی یکساں نہیں ہوسکتا۔ کہ دنیا میں جیسے سزا سے بچے رہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی سزا سے مامون رہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے انکار سے تو یہ لازم آتا ہے کہ فرمانبرداروں کو کہیں بھی ثمرہ نہ ملے اطاعت کا۔ اور مخالفین پر کہیں بھی مخالفت کا وبال نہ آئے۔ یہ بات اگر چہ عقلاً فی نفسہ ممکن ہے مگر حکمت کی رو سے ہر ایک کو اس کے کئے کا پھل ملنا ضروری ہے اور دنیا میں اس کا وقوع نہیں ہوا۔ اس لئے آخرت کا ہونا ناگزیر اور ضروری ہے۔ پس قیامت کا انکار کر کے جو یہ لوگ برابری کا حکم لگا رہے ہیں وہ سرتا سر غلط اور بے ہودہ ہے۔

لطائف سلوک: .... آیت قل للذین اٰمنوا۔ میں بعض مکارم اخلاق کی تعلیم ہے۔

آیت ثم جعلنا علیٰ شریعۃ سے اتباع شریعت کی اہمیت ظاہر ہے جب صاحب شریعت کو شریعت کی پابندی کا حکم ہے تو دوسرے کس شمار میں ہیں۔ اس لئے خلاف شریعت ہوتے ہوئے دعوائے کمال کرنا کس قدر غلطی ہے۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِخَلَقَ لِيَدُلَّ عَلٰى قُدْرَتِهٖ وَوَحْدَانِيَّتِهٖ **وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ** مِنَ الْمَعَاصِيْ وَالطَّاعَاتِ فَلَا يُسَاوِي الْكَافِرُ الْمُؤْمِنَ **وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ** ﴿۲۲﴾ **اَفَرَاَيْتَ** اَخْبِرْنِيْ **مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ** مَا يَهْوَاهُ مِنْ حَجَرٍ بَعْدَ حَجَرٍ يَرَاهُ اَحْسَنَ **وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ** مِنْهُ تَعَالٰى اَيْ عَالِمًا بِاَنَّهٗ مِنْ اَهْلِ الضَّلَالَةِ قَبْلَ خَلْقِهٖ **وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ** فَلَمْ يَسْمَعِ الْهُدٰى وَلَمْ يَعْقِلْهُ **وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً** ظُلْمَةً فَلَمْ يُبْصِرِ الْهُدٰى وَيُقَدَّرُ هُنَا الْمَفْعُوْلُ الثَّانِيْ لِرَاَيْتَ اَيْ اَيَهْتَدِيْ **فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ** اَيْ بَعْدَ اِضْلَالِهٖ اِيَّاهُ اَيْ لَا يَهْتَدِيْ **اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ** ﴿۲۳﴾ تَتَّعِظُوْنَ فِيْهِ اِدْغَامُ اِحْدَى التَّائَيْنِ فِي الذَّالِ **وَقَالُوْا** اَيْ مُنْكِرُوا الْبَعْثِ **مَا هِيَ** اَيِ الْحَيٰوةُ **اِلَّا حَيَاتُنَا** الَّتِيْ فِي **الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا** اَيْ يَمُوْتُ بَعْضٌ وَيَحْيٰى بَعْضٌ بِاَنْ يُّوْلَدُوْا **وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ** اَيْ مُرُوْرُ الزَّمَانِ قَالَ تَعَالٰى **وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ** الْمَقُوْلِ **مِنْ عِلْمٍ اِنْ** مَا **هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ** ﴿۲۴﴾ **وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا** مِنَ الْقُرْاٰنِ الدَّالَّةُ عَلٰى قُدْرَتِنَا عَلَى الْبَعْثِ **بَيِّنٰتٍ** وَاضِحَاتٍ حَالٌ **مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّا اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ** اَحْيَاءً **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿۲۵﴾ اَنَّا نُبْعَثُ **قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ** حِيْنَ كُنْتُمْ نُطَفًا **ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ** اَحْيَاءً **اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ** شَكَّ **فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** وَهُمُ الْقَائِلُوْنَ مَاذُكِرَ **لَا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۲۶﴾ ع۳ ۱۹

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْدَلُ مِنْهُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ الْكَافِرُوْنَ اَیْ يَظْهَرُ خُسْرَانُهُمْ بِاَنْ يَّصِيْرُوْا اِلَى النَّارِ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ اَیْ اَهْلَ دِيْنٍ جَاثِيَةً عَلَى الرُّكَبِ اَوْ مُجْتَمِعَةً كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۚ كِتَابِ اَعْمَالِهَا وَيُقَالُ لَهُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ اَیْ جَزَاءَهٗ هٰذَا كِتٰبُنَا دِيْوَانُ الْحَفَظَةِ يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۚ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ نُثْبِتُ وَنَحْفَظُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۚ جَنَّتِهٖ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾ اَلْبَيِّنُ الظَّاهِرُ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَيُقَالُ لَهُمْ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ اَلْقُرْاٰنُ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ تَكَبَّرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ كَافِرِيْنَ وَاِذَا قِيْلَ لَكُمْ اَيُّهَا الْكُفَّارُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بِالْبَعْثِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ بِالرَّفْعِ وَالنَّصْبِ لَا رَيْبَ شَكَّ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ مَا نَظُنُّ اِلَّا ظَنًّا قَالَ الْمُبَرَّدُ اَصْلُهٗ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا نَظُنُّ ظَنًّا وَّ مَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّهَا اٰتِيَةٌ وَبَدَا ظَهَرَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا فِي الدُّنْيَا اَیْ جَزَاءُهَا وَحَاقَ نَزَلَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ اَيِ الْعَذَابُ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ نَتْرُكُكُمْ فِي النَّارِ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا اَیْ تَرَكْتُمُ الْعَمَلَ لِلِقَائِهٖ وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ مَانِعِيْنَ مِنْهَا ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ اَلْقُرْاٰنَ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ حَتّٰى قُلْتُمْ لَا بَعْثَ وَلَا حِسَابَ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ مِنْهَا مِنَ النَّارِ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَیْ لَا يُطْلَبُ مِنْهُمْ اَنْ يُّرْضُوْا رَبَّهُمْ بِالتَّوْبَةِ وَالطَّاعَةِ لِاَنَّهَا لَا تَنْفَعُ يَوْمَئِذٍ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ الْوَصْفُ بِالْجَمِيْلِ عَلٰى وَفَاءِ وَعْدِهٖ فِي الْمُكَذِّبِيْنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ خَالِقُ مَا ذُكِرَ وَالْعَالَمُ مَا سِوَى اللّٰهِ وَجُمِعَ لِاِخْتِلَافِ اَنْوَاعِهٖ وَرَبِّ بَدَلٌ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ اَلْعَظَمَةُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠ حَالٌ اَیْ كَائِنَةٌ فِيْهِمَا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾ تَقَدَّمَ

ع ۱۱ / ۲۰

ترجمہ:............اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا (بالحق کا تعلق خلق سے ہے تا کہ اللہ کی قدرت و وحدانیت پر دلالت کرے) اور تا کہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جا سکے (جو اس نے نافرمانی اور فرمانبرداری کے کام کئے۔ جس سے یہی نکالا کہ کافر و مومن برابر نہیں ہیں) اور ان پر ذرا ظلم روا نہیں رکھا جائے گا۔ سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی (مجھے بتلایئے) جس نے اپنا معبود اپنی نفسانی خواہش کو بنا رکھا ہے (ایک پتھر کے بعد دوسرا پتھر اس سے اچھا ملتا ہے تو اسی کو خدا بنا لیتا ہے) اور اللہ نے اس کو سمجھ بوجھ کے باوجود گمراہ کر دیا ہے (یعنی اللہ کو اس کی پیدائش سے قبل پہلے ہی اس کا گمراہ ہونا معلوم تھا) اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے (اس لئے نہ وہ ہدایت کو سنتا ہے اور نہ سمجھتا ہے) اور اس کی نگاہ پر پردہ ڈال دیا ہے (ظلمت کا اس لئے اس کو ہدایت نظر نہیں

آتی۔ اور یہاں ہدایت کا مفعول ثانی مقدر ہے یعنی یھتدی) سوایسے شخص کو اللہ کے (گمراہ کردینے کے) بعد کون ہدایت دے سکتا ہے؟ (کوئی ہدایت نہیں دے سکتا) کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے اور یہ لوگ (منکرین قیامت) یوں کہتے ہیں کہ ہماری اس دنیاوی زندگانی کے علاوہ اور کوئی زندگی نہیں ہے ہم مرتے جیتے ہیں (یعنی بعض مرتے ہیں اور بعض کو پیدا ہو کر زندگی ملتی ہے) اور ہمیں صرف زمانہ (کے گزرنے) سے موت آتی ہے (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) حالانکہ ان کے پاس اس (بات) پر کوئی دلیل نہیں ہے یہ محض اٹکل سے ہانک رہے ہیں اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں (قرآن کریم کی جن سے قیامت کی نسبت ہماری قدرت معلوم ہوتی ہے) کھلی کھلی (واضح یہ حال ہے) تو ان کا اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں ہوتا کہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادوں کو (زندہ کرکے) سامنے لے آؤ اگر تم اس بات میں سچے ہو (کہ ہم قیامت میں اٹھائے جائیں گے) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی نے تمہیں زندگی بخشی (نطفہ ہونے کی حالت میں) پھر وہی تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں (جلا کر) جمع کرے گا قیامت کے روز جس کے آنے میں شک (شبہ) نہیں لیکن اکثر لوگ (جو ان باتوں کے قائل ہیں) نہیں سمجھتے۔ اور اللہ کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں اور جس روز قیامت ہوگی (آگے بدل ہے) اس روز غلط کار لوگ ٹوٹے میں ہوں گے (مراد کافر) یعنی ان کا خسارہ کھل کر سامنے آجائے گا جب وہ جہنم رسید ہوں گے) اور آپ ہر فرقہ (مذہبی جماعت) کو دیکھیں گے اوندھے منہ گر پڑیں گے (زانو کے بل یا اوندھے منہ) ہر فرقہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا کہ) آج تمہارے کئے کا بدلہ (صلہ) تمہیں ملے گا۔ یہ ہمارا دفتر (محافظ خانہ) ہے۔ جو تمہارے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے ہم تمہارے اعمال لکھواتے (محفوظ کرتے) جاتے تھے۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے تو ان کو ان کا رب اپنی رحمت (جنت) میں کردے گا اور یہ کھلی (روشن واضح) کامیابی ہے اور جو لوگ کافر رہے (ان سے کہا جائے گا) کیا میری آیات (قرآن) تمہیں پڑھ پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھی، سو تم نے تکبر کیا اور تم بڑے مجرم (کافر) رہے اور جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ (قیامت) برحق ہے اور قیامت میں (رفع اور نصب کے ساتھ ہے) کوئی شک (شبہ) نہیں۔ تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے؟ محض ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے (مبرّد کی رائے ہے کہ اصل عبارت ان نحن الا نظن ظناً ہے) اور ہمیں یقین نہیں ہے (کہ قیامت آئے گی) اور ان کو (آخرت میں) ظاہر ہو جائیں گے تمام برے اعمال (جو دنیا میں کئے تھے یعنی ان کی سزا) اور آگھیرے گا (پکڑ لے گا) ان کو جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اور کہہ دیا جائے گا آج ہم تم کو بھلائے دیتے ہیں (دوزخ میں ڈال کر) جب کہ تم نے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا (یعنی قیامت کی تیاری نہیں کی تھی) اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کوئی تمہارا مددگار (اس سے بچاؤ کا راستہ) نہیں ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ کی آیات (قرآن) کی ہنسی اڑائی تھی اور تم کو دنیاوی زندگانی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا (حتیٰ کہ تم یہاں تک کہہ اٹھے کہ نہ قیامت ہوگی نہ حساب کتاب) سو آج نہ یہ دوزخ (جہنم) سے نکالے جائیں گے (لا یخرجون معروف مجہول دونوں طرح ہے) اور نہ ان سے اللہ کی خفگی کا تدارک چاہا جائے گا (یعنی ان سے خواہش نہیں کی جائے گی۔ کہ وہ اللہ کی فرمانبرداری اور توبہ کرکے اس کو راضی کرلیں۔ کیونکہ اب اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا) سو تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں (مکذبین کے متعلق اس کے وعدہ پورا کرنے پر، اس کی تعریف ہے) جو پروردگار ہے آسمانوں اور زمین اور سارے عالم کا (مذکورہ چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے، عالم سے مراد اللہ کے علاوہ کائنات ہے۔ اور جمع، اختلاف نوع کی وجہ سے لائی گئی ہے۔ اور رب بدل ہے) اور اسی کی بڑائی (عظمت) ہے آسمانوں اور زمین میں (حال ہے ای کائنة فی السموات والارض) اور وہی زبردست حکمت والا ہے (پہلے اس پر کلام ہو چکا ہے۔)

تحقیق وترکیب:............ **ولتجزی.** مفسرؒ نے اس سے پہلے لیدل نکال کر اشارہ کیا ہے کہ لیجزی کا معطوف علیہ محذوف ہے۔لیکن اس کا عطف بالحق کے معنی پر بھی ہوسکتا ہے۔ **ای خلقها للبدل والصواب لا للبعث.**

افرأیت. مفسرؒ نے اخبرنی سے تفسیر کر کے اس میں دو مجاز مانے ہیں۔ایک رویت سے خبر مراد لی ہے اور دوسرے سبب سے مسبب مراد لیا ہے۔نیز استفہام سے امر مراد لیا ہے۔کیونکہ دونوں میں طلب ہوتی ہے۔رأیت کا مفعول اول من اتخذ ہے۔

علی علم. مفسرؒ نے اس کو فاعل سے حال مانا ہے اور مفعول بھی حال ہوسکتا ہے۔**فما اختلفوا الامن بعد ما جاء هم العلم** کی طرح ہوجائے گا۔ **ای اضله وهو عالم بالحق.** یعنی اللہ نے اس کو اس کی سمجھ بوجھ کے باوجود گمراہ کر دیا ہے۔اس صورت میں اس کی برائی اور زیادہ ہوگئی۔رأیت کا مفعول ثانی محذوف ہے کیونکہ من یهدیه اس پر دلالت کر رہا ہے۔

من بعد اللّٰه. مفسرؒ نے **بعد اضلاله** سے تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔پہلی عبارت جس کا قرینہ ہے۔

نموت ونحیا. اس پر یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ اس میں تو موت کے بعد حیات کا اعتراف موجود ہے۔پھر ان کو منکر بعث کیسے کہا گیا؟ مفسرؒ نے اسی کے جواب کے لئے تفسیر کی ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ موت وحیات کا محل ایک نہیں بلکہ الگ الگ ہے۔

بذٰلك. مفسرؒ نے اس کا مشار الیہ ظاہر کر دیا۔

ماكان حجتهم. کان کی خبر حجت ہے اور الا ان قالوا اسم ہے الا قولهم اور کفار کی بات کو ان کے گمان کے اعتبار سے بطور تہکم حجۃ کہا گیا ہے۔

یوم تقوم الساعة. یہ ظرف ہے یخسر کا اور یومئذ پہلے یوم کا بدل ہے تاکید کے لئے اور جملہ مقدرہ کے عوض میں یومئذ پر تنوین ہے۔ای یومئذ تقوم الساعة.

یخسر المبطلون. کفار کا خسران روز ازل میں طے ہو چکا پھر یومئذ کی قید کیوں لگائی گئی۔مفسرؒ نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا کہ خسران کا اظہار مراد ہے جو فی الوقت ہوا ہے۔

کل امة. مبتداء ہے تدعی خبر ہے لیکن یعقوبؒ نے کل امة کو منصوب پڑھا ہے پہلے کل امة سے بدل بناتے ہوئے نکرہ موصوفہ ہونے کی وجہ سے۔

جاثیة. گھٹنوں کے بل بیٹھنا یا مجتمع ہو کر بیٹھنا۔

الیٰ کتابها. ادنیٰ مناسبت وتلبس کی وجہ سے اعمال نامہ کی اسناد بندوں کی طرف ہے اور اللہ کی طرف مالک ہونے کی وجہ سے ہے۔

ینطق علیکم. معلوم ہوا کہ اعمال نامے سب پڑھ سکیں گے کتاب بولنے سے یہی مراد ہے لیکن آج ریڈیو بولنے اور ریکارڈ بولنے سے تو اعمال ناموں کے بولنے کا استبعاد بھی دور ہوگیا ہے۔اس لئے مجاز کی بجائے حقیقی معنی لینے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے۔ **یقولون یا ویلتنا ما لهذا الکتاب لا یغادر صغیرة ولا کبیرة الا احصاها.**

نستنسخ. بمعنی نکتب ونثبت ونحفظ نسخ اور استنساخ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔اس کے معنی نقل کتاب اور ابطال شئی کے نہیں ہیں۔

فاما الذین: یہاں سے اعمال نامہ کے بولنے کی تفصیل ہے۔

فیدخلهم جنت کا دخول اولیٰ مراد ہے ورنہ نفس دخول جنت تو محض ایمان سے بغیر عمل صالح کے بھی ممکن ہے۔

رحمت. کی تفسیر جنت کے ساتھ تو یا عام خاص سے تفسیر ہے۔

والساعة. رفع اور نصب دونوں طرح ہے اول صورت میں مبتداء اور لاریب فیہ اس کی خبر ہے اور نصب اسم ان یعنی وعداللہ پر عطف کرتے ہوئے حمزہؒ کے نزدیک۔

ان نظن. چونکہ مصدر مؤکد استثناء مفرغ نہیں ہوا کرتا۔ چنانچہ ما ضربت الا ضربا کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایسا ہی ہے جیسے ماضربت الا ضربت کہا جائے جو بے فائدہ ہے۔ چنانچہ نحو کی کتابوں میں لکھا ہے عامل کو بعد کے تمام معمولات کے لئے فارغ کرنا جائز ہے بجز مفعول مطلق کے اسی لئے ماظننت الا ظنا کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ نفی اور اثبات دونوں کا محل ایک ہی ہوجاتا ہے یعنی ظن۔ حالانکہ حصر اس وقت صحیح ہوسکتا ہے جب کہ دونوں میں مغایرت ہو۔ اسی اشکال کے ازالہ کے لئے مفسر علامؒ قال المبرد الخ سے جواب کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔

حاصل تاویل یہ ہے کہ یہاں نفی کا مورد محذوف ہے۔ یعنی متکلم کا کسی فعل پر ہونا، اور اثبات کا مورد متکلم کا ظن کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں باتیں الگ الگ ہیں۔ اس جملہ میں لفظ الا اگرچہ لفظاً مؤخر ہے لیکن تقدیراً مقدم ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اثبات ظن کا حصر تو متکلم کے لئے ہے اور اپنے علاوہ سے ظن کی نفی ہے اور یقین بھی علاوہ میں داخل ہے۔ اگرچہ یقین کی نفی مقصود ہے۔ لیکن بطور مبالغہ مطلقاً ظن کے علاوہ کی نفی کردی گئی ہے۔ جس میں یقین کی نفی بھی آ گئی۔ اسی کی تائید کے لئے آیت کا اگلا حصر وما نحن بمستیقنین ارشاد فرمایا گیا۔

سیئات. مفسرؒ نے لفظ جزاء بڑھا کر حذف مضاف کی طرف اشارہ کردیا۔

ننسا کم. مسبب بول کر سبب یعنی ترک مراد لیا ہے اور لقاء کی اضافت یوم کی طرف مکرا للیل و النهار کی طرح ہے۔

لا یخرجون. اس میں التفات ہے خطاب سے غائب کی طرف جس میں نکتہ یہ ہے کہ کفار کو نا قابل التفات سمجھا گیا۔

یستعتبون. سین تاطلب کے لئے ہے۔

رب السمٰوات. تینوں جگہ رب، اللہ کا بدل ہے۔

فی السمٰوات. یہ کبریا سے حال ہے۔

ربط آیات:............آیت وخلق اللہ السمٰوات آیت ام حسب الذین کا تتمہ ہے جس میں اللہ کی قدرت وحکمت کا بیان ہے۔ پھر آیت افرأیت سے قیامت کا بیان ہے جو آخر سورت تک ہورہا ہے۔

﴿ تشریح ﴾:............آیت ام حسب الذین اور آیت وخلق اللہ میں ایک ہی حکمت کا بیان ہے۔ یعنی فرمانبرداروں کو ان کی فرمانبرداری کا صلہ ملنا اور مخالفین کو مخالفت کی سزا ہونا۔ البتہ دوسری آیت میں فی نفسہ عمل کا مقتضی جزا ہونا اور نیکی بدی دونوں کا برابر نہ ہونا مقصود ہے۔ لیکن پہلی آیت میں نفس عمل کے مقتضی جزاء ہونے کے علاوہ اس خاص لحاظ سے بھی مقتضی جزا ہونا مقصود ہے کہ بدلہ نہ ہونے کی صورت میں نیک و بد کی برابری لازم آتی ہے۔ اور یہ خود طبعی طور پر ایک مستقل خرابی ہے۔ کیونکہ عادۃً دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی کے پاس ایک ہی نوکر ہو اور وہ ہر طرح اپنے آقا کی اطاعت وفرمانبرداری کرتا ہو۔ مگر اس کو کوئی انعام واکرام نہ ملے تو اسے شکایت ہوتی ہے۔ مگر اتنی نہیں جتنی کہ اس صورت میں ہوتی ہے۔ کہ ایک شریر نوکر آ جائے اور وہ ہر طرح کی شرارت کر کے بھی سزا سے بچا رہے۔ اس وقت فرمانبردار نوکر کو اپنی اطاعت کے رائیگاں جانے کا زیادہ قلق اور افسوس ہوگا۔ کیونکہ شریر ملازم کو اگر سزا مل جاتی تو اسے یہ تسلی رہتی کہ خیر اطاعت میں اگر انعام نہیں ملا تو یہی غنیمت ہے کہ نافرمانی کی سزا سے بچ گیا۔ لیکن جب شریر ملازم کو سزا بھی نہ ملے تو رنج وملال زیادہ

ہوگا کہ میری اطاعت بیکار گئی۔

مومن وکافر کی دنیا وآخرت یکساں نہیں ہوسکتی:............ پہلی آیت کی اگر چہ مشہور تفسیر وہی ہے جو پہلے شروع میں گزر چکی کہ مؤمن وکافر دونوں کی زندگی اور موت میں برابری نہیں ہوسکتی گویا مجموعہ کا انکار ہے یعنی جس طرح مومن وکافر دنیاوی اکثر امور تندرستی، بیماری، رزق وغیرہ میں شریک اور برابر رہتے ہیں۔ اگر چہ ان کی کیت کیفیت میں کچھ فرق ہوتو کیا مرنے کے بعد بھی ان دونوں کو برابر رکھیں گے۔ ایک کی طاعت اور دوسرے کی معصیت پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا۔

خازن میں بلا سند لکھا ہے کہ کفار یہ کہتے تھے کہ اگر آخرت کوئی چیز ہے تب بھی ہم وہاں مسلمانوں سے بڑھ چڑھ کر رہیں گے۔ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

تو اس وقت پہلی تقریر اس طرح ہوگی کہ کیا ہم مسلمانوں کی زندگی اور موت برابر کردیں گے کہ جس طرح دنیاوی عیش وآرام میں مسلمانوں کی اکثریت کفار سے کم رہی اسی طرح آخرت میں بھی کم رہیں۔

علیٰ ہذا کیا کافروں کی زندگی موت برابر کردیں گے۔ کہ جس طرح دنیا میں کفار کی اکثریت مسلمانوں سے بڑھی۔ اسی طرح آخرت میں بھی یہی رہے۔

اور دوسری تقریر اس طرح ہوگی کہ آخرت میں کفار کا مسلمانوں سے بڑھا ہوا ہونا کیا معنی؟ عزت افزائی یا پکڑ دھکڑ میں برابری بھی نہیں ہوگی۔ بلکہ مرنے کے بعد دونوں میں سزا ہونے نہ ہونے کا فرق ہوگا، اگر چہ دنیا میں سزا نہ ملنے میں دونوں برابر رہے ہوں۔

غرض کہ دوسری آیت کا حاصل یہ ہے کہ زمین وآسمان اللہ نے یوں ہی بیکار پیدا نہیں کئے۔ بلکہ انتہائی حکمت سے کسی خاص مقصد کے لئے بنائے ہیں اور وہ یہ کہ لوگ اندازہ کرسکیں کہ بلاشبہ ہر چیز ٹھیک موقعہ سے بنائی گئی ہے اور یہ کہ ضرور ایک دن اس عظیم الشان کارخانۂ ہستی کا کوئی عظیم الشان نتیجہ نکلے گا۔ اسی کو آخرت کہتے ہیں جہاں ہر ایک کو اس کے کئے کا پھل ملے گا اور جو بویا تھا وہی کاٹنا پڑے گا۔

عقل، معاش، معاد کے لئے کافی نہیں ہے:............ افرأیت من اتخذ. یعنی اللہ کو معلوم تھا کہ اس کی استعداد خراب ہے اور یہ اسی لائق ہے کہ سیدھی راہ سے ادھر ادھر بھٹکتا پھرے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ بدبخت سمجھ بوجھ اور دانش بینش کے باوجود یہ خود راہ سے بھٹکا۔ کیونکہ جو شخص محض خواہش نفس کو اپنا حاکم اور معبود بنالے اور حق وناحق کا معیار اس کی یہ خواہش نفس ہی رہ جائے تو اللہ بھی اس کو اس کی اختیار کردہ گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔ پھر اس کی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ نہ اس کے کان نصیحت کی بات سنتے ہیں اور نہ دل سچی بات قبول کرتا ہے اور نہ آنکھ سے بصیرت کی روشنی نظر آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ جس کو اس کے کرتوت کی بدولت اس حالت پر پہنچادے۔ پھر کون سی طاقت ہے جو اس کے بعد اس کو سیدھی راہ پر لے آئے۔

وقالوا ماھی　کفار کی ذہنیت یہی ہوتی ہے کہ اس دنیاوی زندگانی کے علاوہ کوئی دوسری زندگی نہیں ہے بس مرنا جینا جو کچھ ہے یہیں ہولیتا ہے اس کے بعد کوئی جہان نہیں ہے۔ چنانچہ بارش ہونے پر سبزہ اُگتا ہے جو خشکی ہونے پر سوکھ کر کم ہوجاتا ہے۔ اسی طرح انسان کو سمجھو کہ ایک وقت پیدا ہوتا ہے۔ پھر ایک مقررہ وقت تک جیتا ہے۔ آخر کار زمانہ کا چکر اسے ختم کر ڈالتا ہے۔ موت وحیات کا یہی سلسلہ چلتا رہتا ہے اس سے آگے کچھ نہیں۔ یہ سب کچھ زمانہ کی کارگزاری ہے۔ حالانکہ یہ کافرانہ نقطۂ نظر سراسر مہمل ہے۔ کیونکہ زمانہ اور دہر میں نہ حس ہے نہ ادراک وشعور، نہ ارادہ ہے اور نہ قدرت۔ پھر کیوں نہ اللہ کو مان لیا جائے جو مومنانہ نقطۂ فکر ہے اور جس کا وجود اور علی الاطلاق متصرف ہونا فطری دلائل اور عقلی نقلی براہین قاطعہ سے ثابت ہو چکا ہے اور زمانہ کا الٹ پھیر اور دن رات کی گردش اسی

کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

زمانہ کو برا کہنے سے حدیث میں اسی لئے منع فرمایا گیا ہے کہ زمانہ خود کوئی چیز نہیں ہے اس میں اللہ ہی کا تصرف ہے اس کو برا کہنے سے اللہ پر برائی آتی ہے اور یہ نہایت گستاخی ہے۔

انکار آخرت کی دلیل نہیں بلکہ وجود آخرت کی دلیل ہے:............ کفار نے اپنے قول وما یھلکنا الا الدھر کو اپنے قول ان ھی الا حیاتنا کی دلیل میں پیش کیا ہے یعنی موت اسباب طبعیہ سے ہوتی ہے کہ زمانہ گزرنے سے قوائے بدنیہ تحلیل ہو کر موت آجاتی ہے بس اسی طرح وہ سمجھتے تھے کہ حیات بھی اسباب طبعیہ سے ہوتی ہے یعنی اسباب طبعیہ کا اگر تقاضہ نہیں ہوگا تو موت کے بعد دوبارہ زندگی نہیں ہوگی۔ تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خدا کے منکر اور دہریہ ہوں۔ بلکہ ممکن ہے فلاسفہ یونان کی طرح وہ بھی قدرت نوعیہ کو فاعل اور ہیولیٰ کو قابل مانتے ہیں۔

تاہم ان کے پاس آخرت کے انکار کی کوئی دلیل نہیں ہے اور جو دلیل انہوں نے یہ ذکر کی ہے وہ خود بے دلیل ہے اور اس کا بدیہی نہ ہونا ظاہر بلکہ خلاف دلیل ہے۔ کیونکہ علم کلام میں ثابت ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ فاعل مختار ہیں جس سے لازم آتا ہے کہ کوئی چیز بھی اسباب طبعیہ پر موقوف نہیں ہے۔ پس نہ خود ان کے پاس کوئی دلیل ہے اور نہ وہ اہل حق کی دلیل کا پکا جواب دے سکتے ہیں۔

واذا تتلیٰ. یعنی قرآن پاک کی آیات یا قیامت کے دلائل اگر منکر کو سنائے جاتے ہیں تو ایک دم کہہ اٹھتا ہے کہ میں کسی دلیل کو نہیں مانوں گا۔ تم اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو بس مختصر یہ ہے کہ ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھلا دو۔ تب ہم جانیں گے کہ دوبارہ زندہ ہونا برحق ہے۔

اس جواب کے علاوہ اور کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ مثلاً: یہی کہ عقلی دلیل سے دوبارہ زندہ ہونے کو محال ثابت کر دیتے تو اس صورت میں اگر نقلی صحیح دلیل اس عقلی دلیل کے معارض ہوتی تو اس کی تاویل کی جاتی۔ اور نقلی صحیح دلیل اگر صحیح نہ ہوتی تو پھر عقلی دلیل کے معارض ہونے کی وجہ سے اسی کو چھوڑ دیا جاتا۔ یا قرآن کی طرح کا معجزانہ کلام پیش کر دیتے تا کہ وہی حجت ہو سکتا۔ مگر ایسی کوئی بات بن نہ پڑ سکی اور جو جواب دیا وہ محض نامعقول ہے کیونکہ خاص اشخاص کے زندہ نہ کرنے سے عام زندہ کرنے کی نفی کیسے لازم آئی؟ آگے جواب الجواب ارشاد فرماتے ہیں۔

آپ فرما دیجئے کہ مارنے جلانے کا مجھ سے کیا تعلق، اس کا تعلق اللہ سے ہے جس نے ایک دفعہ زندہ کیا پھر مارا۔ اب اسے کیا مشکل ہے کہ دوبارہ زندہ کر دے اور سب کو یک جا کر دے۔ اس روز ذلت وخواری کے ساتھ پتہ لگے گا کہ کس دھوکا میں پڑے ہوئے تھے۔

اشکال کا جواب:............ وتریٰ کل امۃ جاثیۃ. اس میں اگر لفظ کل کو عام مانا جائے تو مقبولین کے لئے بھی خوف وہراس لازم آتا ہے۔ حالانکہ نصوص میں اس کا انکار کیا گیا ہے جواب میں کہا جائے گا کہ ممکن ہے بہت خفیف اور برائے نام ہو جو غیر معتد بہ ہونے کی وجہ سے نصوص کے معارض ومنافی نہیں۔ جیسا کہ آیت وان منکم الا واردھا میں مقبولین اور جنتیوں کے لئے بھی توجیہ کی گئی ہے اور اگر عام مخصوص البعض ہو تو سوال ہی متوجہ نہیں ہوتا۔

نیز اگر بعض مفسرینؒ کے مطابق ''جاثیۃ'' کے معنی دوزانو ادب سے بیٹھ کر حساب دینے کے لئے جائیں تو پھر بھی کوئی اشکال نہیں رہتا۔ قیامت میں لوگوں کو اعمال نامے پیش کرنے کا حکم ہوگا کہ اس کے موافق آکر حساب دو دنیا میں جو کچھ کمایا تھا آج اسی کے مطابق بدلہ ملے گا۔ یہ اعمال نامہ ٹھیک ٹھیک حساب بتلائے گا۔ ذرہ برابر کمی بیشی نہیں ہوگی۔

آج کے سائنسی دور میں ایسے ایسے کمپیوٹر ایجاد ہو گئے ہیں کہ قرآن کی ان خبروں میں صداقت کا پلہ غالب آ گیا اور حیرت و تعجب کی کوئی وجہ نہیں رہی۔ اللہ کے علم میں ہر چیز اگرچہ ازل سے تھی۔ لیکن فرماتے ہیں کہ ضابطہ کے مطابق ہمارے رپورٹر لکھنے پر مامور تھے۔ آج ان کی رپورٹ اور ڈائریاں جوں کی توں مکمل تمہارے سامنے ہیں۔

افلم تکن اٰیاتی. ہماری طرف سے نصیحت وفہمائش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا۔ مگر تمہارے غرور کی گردن پھر بھی نیچی نہ ہوئی۔ آخر تم پکے مجرم رہے۔ یا کہا جائے کہ جرم تمہارے ضمیر میں پہلے ہی سے داخل تھا۔

واذا قیـــل. یعنی قیامت کے ذکر پر تمہارا جواب یہ ہوتا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیسی ہوتی ہے یوں ہی تمہاری سنی سنائی باتوں سے کچھ کبھی دھیان اور خیال آ جاتا ہے۔ جیسے: قضائے کاذبہ میں مناطقہ کے یہاں تصور موضوع ہو جایا کرتا ہے لیکن قضایائے یقینیہ یا ظنیہ کی طرح منطقی تصدیق ہمیں حاصل نہیں ہے۔

وبـــدالهـــم. لیکن جب قیامت سر پر آ موجود ہوگی تو ان کی تمام کارگزاری اور ان کے نتائج سامنے آ جائیں گے اور جس عذاب کا مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان کے سر پر آ پڑے گا اور کہہ دیا جائے گا کہ جس طرح دنیا میں تم نے اس دن کو بھلائے رکھا۔ آج تم بھی اسی طرح نظر انداز کئے جا رہے ہو۔ تم نے دنیا کے مزوں میں خود کو پھنسا کر چھوڑ دیا تھا۔ آج عذاب میں پھنس کر چھوڑ دیئے جاؤ گے۔ دنیا کے مزوں میں پڑ کر کبھی تم نے خیال ہی نہیں کیا کہ یہاں سے جانا بھی ہے اور اللہ کے حضور پیش ہونا بھی ہے اور اگر کبھی کچھ خیال آیا بھی تو یہ خیال کر کے تسلی کر لی کہ جس طرح دنیا میں ہم مسلمانوں سے زور آور ہیں، وہاں بھی زوردار رہیں گے۔ فرماتے ہیں کہ نہ ان کو دوزخ سے نکالا جائے گا اور نہ اس کا انتظار ہوگا کہ یہ منت خوشامد کر کے اللہ کو خوش کر لیں۔

فلله الحمد. حدیث قدسی ہے۔ الكبرياء ردائي والعظمة ازاري فمن نازعني واحدا منهما قذفته في النار.

لطائف سلوک: .... افرأيت من اتخذ. اس میں نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے کی کھلی برائی ہے۔ بالخصوص دوسرے جملہ میں "اضله الله" اس کی برائی ہے جو حق واضح ہو جانے کے باوجود نفسانیت کا پیروکار رہے۔

یہ وبا روز بروز بڑھتی جا رہی ہے کہ علم سے کورے مگر خود کو عالم سمجھنے والے مشائخ کی رسوم پر محض تعصباً جمے رہتے ہیں۔

وله الكبرياء. کبرائی اللہ کی صفت ہے جو اس کی ذات سے الگ نہیں ہو سکتی اور اس صفت کبریائی کا عالم کے لئے محیط ہونا اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس کی ذات ہی محیط عالم ہے۔

﴿الحمد للہ کہ پارہ الیہ یرد "۲۵" کی تفسیر مکمل ہوئی﴾

پارہ نمبر ﴿۲۶﴾

حٰمٓ

فہرست عنوانات کمالین ترجمہ وشرح اردو جلالین پارہ ۲۶

سُــــورَةُ الْاَحْقَافِ

سورة الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِن عِنْدِ اللّٰهِ الْاٰيَةُ وَاِلَّا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَاُ ولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ الْاٰيَةُ وَاِلَّا وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ الثَّلَاثُ اٰيَاتٍ وَهِيَ اَرْبَعٌ اَوْ خَمْسٌ وَّ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

حٰمٓ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنُ مُبْتَدَأٌ مِنَ اللّٰهِ خَبَرُه الْعَزِيْزِ فِی مُلْكِهٖ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ فِی صُنْعِهٖ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا خَلْقًا بِالْحَقِّ لِيَدُلَّ عَلٰی قُدْرَتِنَا وَوَحْدَانِيَّتِنَا وَاَجَلٍ مُّسَمًّى اِلٰى فَنَائِهِمَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا خُوِّفُوْا بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اَخْبِرُوْنِی مَّا تَدْعُوْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَیِ الْاَصْنَامَ مَفْعُوْل اَوَّل اَرُوْنِیْ اَخْبِرُوْنِی تَاكِيْدٌ مَاذَا خَلَقُوْا مَفْعُوْل ثَانٍ مِنَ الْاَرْضِ بَيَانُ مَا اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ مُشَارَكَةٌ فِی الْخَلْقِ السَّمٰوٰتِ مَعَ اللّٰهِ وَاَمْ بِمَعْنٰی هَمْزَةِ الْاِنْكَارِ اِيْتُوْنِیْ بِكِتٰبٍ مُنَزَّلٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ الْقُرْاٰن اَوْ اَثٰرَةٍ بَقِيَّةٍ مِّنْ عِلْمٍ يُؤْثَرُ عَنِ الْاَوَّلِيْنَ بِصِحَّةِ دَعْوَاكُمْ فِیْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ اِنَّهَا تُقَرِّبُكُمْ اِلَی اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴﴾ فِیْ دَعْوَاكُم وَمَنْ اِسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَى النَّفْيِ لَا اَحَدٌ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا يَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَیْ غَيْرِهٖ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ الْاَصْنَامُ لَا يُجِيْبُوْنَ عَابِدِيْهِمْ اِلٰی شَيْءٍ يَسْاَلُوْنَهُ اَبَداً وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ عِبَادَتِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۵﴾ لِاَ نَّهُمْ جَمَادٌ لَا يَعْقِلُوْنَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا اَیِ الْاَصْنَامُ لَهُمْ لِعَابِدِيْهِمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ بِعِبَادَةِ عَابِدِيْهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۶﴾ جَاحِدِيْنَ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِمْ اَیْ اَهْلُ مَكَّةَ اٰيٰتُنَا الْقُرْاٰنُ بَيِّنٰتٍ ظَاهِرَاتٍ حَالٌ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ لِلْحَقِّ اَیْ الْقُرْاٰنِ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾ بَيِّنٌ ظَاهِرٌ اَمْ بِمَعْنٰی بَلْ هَمْزَةُ الْاِنْكَارِ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ اَیِ الْقُرْاٰنَ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَرْضاً فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِیْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ عَذَابِهٖ شَيْئًا اَیْ لَا يَقْدِرُوْنَ

عَلٰی دَفْعِهٖ عَنِّی اِذَا عَذَّبَنِیَ اللّٰهُ **هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ** تَقُوْلُوْنَ **کَفٰی بِهٖ** تَعَالٰی **شَهِیْدًا بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ وَهُوَ الْغَفُوْرُ** لِمَنْ تَابَ **الرَّحِیْمُ** ﴿۸﴾ بِهٖ فَلَمْ یُعَاجِلْکُمْ بِالْعُقُوْبَةِ **قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًا** بَدِیْعًا **مِّنَ الرُّسُلِ** اَیْ اَوَّلَ مُرْسَلٍ قَدْ سَبَقَ مِثْلِیْ قَبْلِیْ کَثِیْرٌ فَکَیْفَ تُکَذِّبُوْنَنِیْ **وَمَآ اَدْرِیْ مَایُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ** فِی الدُّنْیَا اُاُخْرَجُ مِنْ بَلَدِیْ اَمْ اُقْتَلُ کَمَا فُعِلَ بِالْاَنْبِیَاءِ قَبْلِیْ اَوْ تُرْمَوْنَ بِالْحِجَارَةِ اَمْ یُخْسَفُ بِکُمْ کَالْمُکَذِّبِیْنَ قَبْلَکُمْ **اِنْ** مَا **اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ** اَیِ الْقُرْاٰنُ وَلَا اَبْتَدِعُ مِنْ عِنْدِیْ شَیْئًا **وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ** ﴿۹﴾ بَیِّنُ الْاِنْذَارِ **قُلْ اَرَءَیْتُمْ** اَخْبِرُوْنِیْ مَا ذَا حَالُکُمْ **اِنْ کَانَ** اَیِ الْقُرْاٰنُ **مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ کَفَرْتُمْ بِهٖ** جُمْلَةٌ حَالِیَةٌ **وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ** هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ **عَلٰی مِثْلِهٖ** اَیْ عَلَیْهِ اَنَّهٗ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ **فَاٰمَنَ** الشَّاهِدُ **وَاسْتَکْبَرْتُمْ** تَکَبَّرْتُمْ عَنِ الْاِیْمَانِ وَجَوَابُ الشَّرْطِ بِمَا عَطَفَ عَلَیْهِ اَلَسْتُمْ ظَالِمِیْنَ دَلَّ عَلَیْهِ **اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ** ﴿۱۰﴾ ع

ترجمہ: سورۂ احقاف مکیہ ہے۔ بجز آیات "قل ارئیتم" الخ اور آیت "فاصبر کما صبر" الخ اور آیت ووصینا الانسان تین آیات کے اس میں کل ۳۴ یا ۳۵ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔حٰمٓ (اس کی یقینی مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے) یہ کتاب (قرآن مبتداء ہے) اللہ کی طرف سے بھیجی گئی ہے جو (اپنے ملک میں) زبردست (اپنی کاریگری میں) حکمت والے ہیں۔ ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں حکمت کے ساتھ پیدا کیا (تاکہ ان میں سے ہر ایک ہماری قدرت و وحدانیت پر دلالت کرے) اور ایک معیاد معین کے لئے (قیامت میں ان کے فنا ہونے) تک اور جو لوگ کافر ہیں ان کو جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے (عذاب سے خوف زدہ کیا جاتا ہے) وہ اس سے بے رخی کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو بتلاؤ (مجھ سے کہو کہ جن چیزوں کی تم عبادت (بندگی) کرتے ہو اللہ کے علاوہ بتوں کی یہ مفعول اول ہے) مجھ کو یہ دکھلاؤ (بتلاؤ یہ تاکید ہے) کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے (معقول ثانی ہے) زمین یہ بیان ہے ما کا) یا ان آسمانوں (کے پیدا کرنے میں ساجھا شرکت ہے۔ خدا کے ساتھ ام بمعنی ہمزۂ انکار ہے میرے پاس کوئی کتاب جو اس کتاب سے پہلے کی ہو یا کوئی اور علمی مضمون منقول لاؤ جو پہلے لوگوں سے نقل ہوا ہو جس سے تمہارے اس دعوے کی تصدیق ہو کہ بت پرستی اللہ سے تم کو قریب کر دیتی ہے) اگر تم سچے ہو (اپنے دعویٰ میں) اور اس شخص سے زیادہ اور کون گمراہ ہوگا (استفہام نفی کے معنے میں ہے یعنی کوئی نہیں) جو خدا کو چھوڑ کر ایسے معبود غیر اللہ کو پکارے جو قیامت تک بھی اس کا کہنا نہ کرے یعنی جو اپنے عبادت گزاروں کی کسی بات کا جواب بھی قیامت تک نہیں دے سکتے) اور ان کو ان کے پکارنے (پوجا پاٹ کرنے) کی بھی خبر نہ ہو (کیونکہ وہ محض بے جان ہیں سمجھتے نہیں) اور جب سب آدمی جمع کئے جائیں تو وہ (بت) ان کے پجاریوں کی بندگی ہی کا انکار کر بیٹھیں اور جب لوگوں (مکہ والوں) کے سامنے پڑھی جاتی ہیں ہماری آیتیں (قرآن کی) کھلی کھلی واضح یہ حال ہے) تو ان میں سے منکر لوگ کہنے لگتے ہیں اس سچی بات (قرآن) کی نسبت جب کہ وہ ان تک پہنچتی ہے کہ یہ صریح (کھلم کھلا) جادو ہے۔ کیا (بل اور ہمزہ انکار کے معنی میں ہے) یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے (قرآن کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے اگر میں نے اس کو اپنی طرف بنالیا ہوگا (بالفرض) تو پھر تم لوگ مجھے اللہ کے عذاب سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے (یعنی اللہ اگر مجھے عذاب دینے لگے تو کون بچا سکتا ہے) وہ خوب جانتا ہے تم اس کی نسبت جو جو باتیں بنا رہے ہو (یعنی قرآن کے متعلق جو کچھ کر رہے ہو) میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے اور بڑی مغفرت والا (توبہ کرنے والوں کے لئے) بڑی رحمت والا ہے (ان پر اس لئے

تمہیں جلد سزا نہیں دیتا) آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول تو ہوں نہیں (یعنی نیا، پہلا پہل بلکہ مجھ سے پہلے بہت کچھ آ چکے ہیں پھر میری تکذیب تم کیسے کررہے ہو اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ تمہارے ساتھ جانتا ہوں (دنیا میں رہتے ہوئے کہ آیا مجھے دیس سے نکالا دیا جائے گا یا مارا جاؤں گا جیسے مجھ سے پہلے انبیاء شہید کئے گئے، اسی طرح تم پر پتھراؤ کیا جائے گا یا زمین میں دھنسا دیئے جاؤ گے اپنے پچھلوں کی طرح) میں تو صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کے ذریعہ آتا ہے (یعنی قرآن کی پیروی میں اپنی طرف سے میں کچھ بھی بناوٹ نہیں کررہا ہوں اور میں تو صرف (واضح طور پر) صاف صاف ڈرانے والا ہوں، آپ کہہ دیجئے کہ تم مجھے بتلاؤ (تمہاری کیا حالت ہوگی) اگر یہ (قرآن) منجانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر (جملہ حالیہ ہے) اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ (یعنی عبداللہ بن سلام) اس جیسی کتاب پر (یعنی اس کتاب کے متعلق کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے کہ یہ ایمان لے آئے (وہ گواہ) اور تم تکبر ہی میں رہو ایمان سے روگردانی کرو اور جواب شرط اس پر معطوف ہے یعنی الستم ظالمین چنانچہ اگلا جملہ اس پر دلالت کررہا ہے) اللہ بلاشبہ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔

تحقیق وترکیب: **الاحقاف**۔ احقاف جمع ہے حقف کی ریت کا ٹیلہ، یمن کی ریتلی وادی کو کہتے ہیں جہاں قوم عاد آباد تھی۔

قل ار ئیتم ۔ اس آیت میں شاہد سے مراد عبداللہ بن سلام ہیں اور وہ قرآن کے مصداق ظاہر ہے کہ مدینہ طیبہ میں رہتے تھے۔ اس لئے آیت مدنی ہے لیکن اگر شاہد سے مراد حضرت موسیٰ ہوں تو پھر آیت مدنی نہیں ہوگی۔

وھی اربع: تعداد آیات میں اس لئے اختلاف ہے کہ حٰم کو مستقل آیت شمار کیا جائے یا نہیں؟ مشتبہات کے سلسلہ میں سلف کا مسلک ہی اسلم ہے کہ ان کا حقیقی علم اللہ ہی کو ہے۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے جو مختلف تفسیریں ہیں وہ ظنی ہیں ورنہ اس میں باہمی اختلاف کیسا؟

الابالحق :۔ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ مفسرؒ نے خلقاً نکال کر اشارہ کیا ہے اور یا ملابست کے لئے ہے۔

واجل مسمی: اس کا عطف بالحق پر ہے اور مضاف محذوف ہے یعنی **والابتقدیر اجل مسمی** اس میں فلاسفہ پر رد ہے جو قدم عالم کے قائل ہیں۔

عما انذروا ۔ ما موصولہ یا مصدریہ ہے۔

ارونی ۔ مفسر کی رائے پر اس صورت میں ارئیتم کا مفعول ثانی جملہ **ما ذا خلقوا** ہے اور مفعول اول **ما تدعون** ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو تاکید نہ مانا جائے بلکہ تنازع فعلین کے طرز پر حل کیا جائے۔ دونوں فعل مفعول کے خواہاں ہیں اور وہ "**ما ذا خلقوا**" ہے۔ دوسرے کا مفعول بنا کر پہلے کا محذوف مان لیا جائے اور ابن عطیہؒ کہتے ہیں کہ ارایتم استفہام کے لئے ہے کہ متعدی نہیں ہے کہ مفعول کی حاجت ہو بلکہ استفہام توبیخی ہے اور **تدعون** بمعنی **تعبدون** ہے اخفشؒ کی رائے بھی یہی ہے۔

ایتونی :۔ یہ بھی منجملہ مقولہ کے ہے اور یہ امر تبکیتی ہے یعنی دلیل عقلی تو ہے ہی نہیں نقلی دلیل بھی نہیں ہے۔

اثارة: غرایۃ وضلالۃ کی طرح اثارۃ بھی مصدر ہے کہا جاتا ہے۔ **سمنت الناقة علی اثارة من لحم** اور بعض نے اس کے معنی روایت اور بعض نے علامت لئے ہیں۔ اور ابن عباسؓ اثر بمعنی خط لیتے ہیں۔

من لا یستجیب:۔ من نکرہ موصوفہ یا اسم موصول ہے اور بعد کا جملہ صفت یا صلہ ہے **یدعوا** کا معمول ہے اور مفعول **ای لا احد اضل من شخص یعبد شئیا لا یجیبه او الشئی الذی لا یجیبه ولا ینفعه فی الدنیا والاخرة** ۔

الی یوم القیامة ۔ غایۃ مغیا میں داخل ہے یعنی دنیا وآخرت میں دعا قبول نہ ہو۔ یہ تابید ایسے ہی ہے جیسے **ان علیک لعنتی الی یوم الدین** میں ہے اور بتوں کو من اور ہم کے الفاظ سے تعبیر کرنا پجاریوں کے اعتبار سے ہے کہ ان کے اعتقاد میں بت ذی ہوش ہوتے تھے گویا یہ الفاظ قرآن

نے مجاراتِ خصم کے طریقہ پر استعمال کئے ہیں۔

تفیضون: یعنی قرآن میں طعن وتشنیع کرتے ہیں افاضہ بمعنی اندفاع ہے

ما کنت بدعا اس میں دوصورتیں ہیں حذف مضاف کہا جائے ای **ما کنت ذا بدع**۔ اور بدع مصدر ہے دوسرے یہ کہ بدع صفت بمعنی بدیع جیسے خف اور خفیف۔ بدیع بمعنی نظیر۔

ابتداع بمعنی اختراق ہے۔ اور عکرمہؒ، ابوحیوۃؒ، ابن ابی، ابن ابی عملۃؒ تینوں لفظ بدعا فتحہ دال کے ساتھ پڑھتے ہیں بدعۃ کی جمع ہے اور ابوحیوۃ اور مجاہدؒ بدعا فتحہ با اور کسر دال کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں حذر کی طرح وصف ہوجائے گا۔

ما ادری یعنی میں اپنے اور تمہارے متعلق از خود آئندہ کا کیا حال بتلاسکتا ہوں جو کچھ تقدیر ہوگی پیش آکر رہے گا پھر قرآن اپنی طرف سے کس طرح گھڑ کے پیش کرسکتا ہوں۔

ارئیتم: مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اس کے دونوں مفعول محذوف ہیں، دوسری تقدیر عبادت اس طرح ہوسکتی ہے۔ **ارئیتم حالکم ان کان کذا الستم ظالمین** اور جواب شرط بھی محذوف ہے۔ **ای فقد ظلمتم** اسی لئے فعل شرط ماضی ہے۔

شاھد : ترمذیؒ نے خود عبداللہ کی روایت پیش کی ہے اور شیخین نے عامر بن سعید عن ابیہؒ سے تخریج کی ہے۔ اس وقت یہ آیت مدنی ہوجائے گی اور **ونادیٰ اصحاب الاعراف** کی طرح **ویشھد شاھد** کی تاویل بھی ہوسکتی ہے۔

علیٰ مثلہ: مفسرؒ نے اشارہ کیا کہ مثل صلہ ہے مراد قرآن کے من اللہ ہونے کی شہادت دینا ہے۔

الستم ظالمین: جیسا کہ زمخشریؒ کی رائے ہے اور بعض نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ جملہ استفہامیہ جواب بنانے کی صورت میں فا کے ساتھ لانا ضروری ہے۔ **ای فقد ظلمتم**۔

ربط آیات:........ پچھلی سورت کے آخر اور اس سورت کے شروع میں توحید ومعاد کا بیان وجہ ارتباط ہے۔ لیکن پہلے معاد مفصل اور توحید مجمل تھی اور یہاں اس کے برعکس ہے۔

آیت **واذا تتلیٰ علیھم** سے نبوت ورسالت کا مضمون ہے۔

تشریح:........ **واجل مسمی:** یعنی یہ دنیا جہاں ہم نے یوں بے کار و بے مقصد پیدا نہیں کیا بلکہ ایک مقصد اور خاص غرض کے لئے پیدا کیا ہے جو ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا تا آنکہ اس کا نتیجہ ظاہر ہو جس کو آخرت کہتے ہیں اس لئے فلاسفہ کا دعویٰ قدم عالم غلط ہے۔

قل ارئیتم : یعنی تم دیکھ رہے ہو کہ یہ کل کائنات تو اللہ کی بنائی ہوئی ہے پھر کیا تم سچے دل سے کہہ سکتے ہوں کہ کسی نے زمین کا ٹکڑا یا آسمان کا کوئی حصہ بنایا ہو پھر ان کو خدا کے ساتھ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کیوں پکارا جاتا ہے؟ اور ظاہر ہے کہ خالق ماننا ہی استحقاق الوہیت کی دلیل ہوسکتی ہے اس لئے عقلی دلیل دوسروں کے معبود ہونے پر تو قائم نہ ہوسکی، بلکہ نہ ہوسکنے پر قائم ہوگئی۔ ہاں اگر کوئی دلیل نقلی تمہارے پاس ہو تو بسم اللہ شوق سے باقاعدہ آسمانی کتاب ہو یا کوئی معتبر مضمون ہو مستند طور پر نقل ہوتا چلا آیا ہو اسی کو پیش کرو لیکن اگر ایسا نہیں کرسکتے تو پھر بتلاؤ کہ عقلی نقلی دلیل کے بغیر یوں ہی آنکھ بند کر کے کس طرح تمہاری بات مان لی جائے۔

مشرکین کی حماقت........ اس سے بڑھ کر حماقت اور گمراہی کیا ہوگی کہ اللہ کو چھوڑ کر اپنی حاجت براری کے لئے بے جان و بے اختیار چیز کو پکارا جائے پتھر کی مورتیوں کا تو کہنا ہی کیا فرشتے اور پیغمبر بھی اگر کچھ سن سکتے ہیں یا کچھ کرسکتے ہیں تو وہی جس کی اجازت وقوت منجانب اللہ عطا ہوگی۔ تمہارے اعتقاد کے مطابق نہ ان کا سننا لازمی اور دائمی ہے اور نہ فائدہ مند بلکہ قیامت کے روز جہاں ایک تنکہ کے سہارے کو بھی غنیمت سمجھا

جائے گا مگر بے چارے ان کے فرضی معبود اپنے عابدوں کی مدد تو کیا کر سکتے اور الٹے دشمن بن کر سامنے آ جائیں گے اور اظہار بیزاری کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیں گے کہ انہوں نے ہماری بندگی نہیں کی یہ جھوٹے ہیں پس جب ان کی پرستش کا ایک بھی مقتضی نہیں بلکہ پرستش نہ کرنے کے مقتضیات بکثرت ہیں پھر کیوں ان کو پکڑے بیٹھے ہیں۔

قرآن اور جادو میں فرق: .... واذاتتلی یعنی حال ان کا ملاحظہ ہو کہ انہیں اپنے انجام کی ذرہ برابر پرواہ اور فکر نہیں اگر کوئی ان کے لئے دل سوزی کرنا بھی چاہے اور قرآن بطور نصیحت پڑھ کر سنائے تو اس کو جادو کہہ کر ٹال جاتے ہیں حالانکہ جادو کی کاٹ ممکن ہے مگر قرآن کا معارضہ ممکن نہیں ہے۔ یہ کھلی دلیل ہے ان کی بات کے جھوٹا ہونے کی۔ چنانچہ بینات کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے اور جادو کہنے سے بھی بڑھ کر خباثت لئے ہوئے ان کا یہ کہنا ہے کہ قرآن شریف آپ خود بنالائے ہیں اور اللہ میاں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں کیونکہ جادو کی برائی تو سب کے نزدیک مسلم نہیں کچھ لوگ اس کے معتقد بھی ہوئے بلکہ اس کو کمال سمجھتے ہیں مگر جھوٹ بولنا اور وہ بھی خدا پر وہ تو متفقہ طور پر سب ہی کے نزدیک برائی ہے۔

اگر بالفرض میں ایسی جسارت بھی کروں تو گویا جان بوجھ کر خود کو اللہ کے غضب کے حوالے اور اس کی بدترین سزا کے آگے پیش کر رہا ہوں میری عمر تم میں گزری ہے مگر کبھی کسی نے ادنیٰ جھوٹ کی تہمت بھی لگائی ہے۔ پس بندوں کے معاملات میں تو میری سچائی کی قسمیں کھاتے ہو اور محمد الامین کہہ کر نام لیتے ہو لیکن کوئی باور کر سکتا ہے کہ جب خدا کا معاملہ آئے تو ایک دم خدا پر جھوٹ باندھ کر خواہ مخواہ خود کو عظیم ترین مصیبت میں پھنسا دوں گا جس سے بچانے والا بھی روئے زمین پر کوئی نہیں ہے۔

مان لو کہ میں تمہیں اس طرح اپنا گرویدہ اور پیروکار بنالوں مگر جھوٹے نبی پر جو خدائی وبال اور زوال آئے گا اس سے کیا تم اس کو بچا سکتے ہو؟ پھر بتلاؤ میں یہ دردسری کیوں لیتا کیونکہ جھوٹے نبی پر ادبار کا آنا تو ایسا لازم ہے جسے اس کا حامی بھی دفع نہیں کر سکتا مگر یہاں لازم کی نفی ہے پس ملزوم کی نفی بھی ہوگئی۔

نکتہ نادرہ اور تحقیق لطیف: .... اوران افترینه میں ان سے استقبال کی خصوصیت مقصود نہیں ہے بلکہ مقدم اور تالی میں مطلقاً اتصال بتلانا ہے چنانچہ آیت لو تقول میں لو ماضی کے لئے آیا ہے۔ اس لئے یہ شبہ اب نہیں رہتا ہے کہ بولتے وقت تو لازم کی نفی کا حکم نہیں کیا جا سکتا اس کے لئے مستقبل کا انتظار کرنا پڑے گا لیکن اگر ان کو مستقبل ہی کے لئے لیا جائے تب بھی تھوڑا انتظار کافی ہو جائے گا۔ یعنی کچھ دیر بعد پتہ چل جائے گا کہ انتفا ًلازم ہوگیا ہے کہ عذاب سے بچے رہے اور اگر اتنے دنوں عذاب نازل نہ ہونے سے کسی کو لزوم پر شبہ ہونے لگے تو اس کے جواب کے لئے کہا جائے گا کہ محض دعوائے نبوت کر دینا ملزوم نہیں ہے بلکہ اس پر برقرار رہنا ملزوم ہے۔

البتہ تحقیق بقاء کی مدت کے اعتبار سے اگر تلبیس کا شبہ ہو تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ دعوائے نبوے کے وقت معجزہ کا ظاہر کرنا یا نہ کرنا تلبیس دور کرنے کے لئے کافی ہے البتہ جھوٹ بولنے کی صورت میں جب کہ معجزہ بھی ظاہر نہ ہو عذاب کا ہونا اس تلبیس کے دور کرنے کے لئے ہے بس اس معرکہ یعنی عذاب نہ ہونے سے خود تلبیس کا نہ ہونا جو موجب اعتراض ہے لازم نہیں آتا۔

یہ ساری گفتگو تو قرآن کے من گھڑت ہونے کی صورت میں تھی لیکن قرآن کو اگر تم من گھڑت نہیں مانتے تو پھر میں بہتان تراش نہ ہوا پس جو باتیں تم نے شروع کر رکھی ہیں اللہ ان کو بھی خوب جانتا ہے اس لئے بس تو اپنے انجام کی فکر رکھو اور ایک سچے پیغمبر کو جھوٹا مفتری کہنے کا انجام بھی سوچ لو کہ وہی میرے تمہارے درمیان سچ کو سچ جھوٹ کو جھوٹ ثابت کرنے کے لئے گواہ ہے وہ اب بھی اور آئندہ بھی اپنے قول وفعل سے یہی بتلائے گا کہ کون سچا ہے، کون جھوٹا مفتری ہے۔

یہ واضح رہے کہ نبوت کے اثبات کا اصل مدار تو معجزہ کے اظہار پر ہوتا ہے جو ہو چکا ہے اس آخری مضمون پر مدار نہیں ہے بلکہ یہ مضمون تو صرف ہٹ دھرمی کرنے والوں کے لئے آخری جواب کے طور پر ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اگر میں دعویٰ نبوت میں جھوٹا ہوں تو مجھے فوراً پکڑ لیا جائے گا اور تم اس کے انکار میں اگر جھوٹے نکلے تو یاد رکھو کہ تم پکڑے جاؤ گے خواہ دنیا میں یا آخرت میں۔

ایک دقیق اشکال کا حل:............اور آگے وھو الغفور الرحیم میں ایک شبہ کا جواب ہے وہ یہ کہ کفار اگر کہنے لگیں کہ ھو اعلم بما تفیضون فیه جب فرمادیا یعنی ہماری حرکتوں کا علم اللہ کو ہے مگر پھر بھی ہم پر عذاب نہیں آیا بس جس طرح مدعی نبوت پر عذاب نہ آنا اسکی سچائی کی دلیل ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ہم انکار کرنے والوں پر عذاب نہ آنا بھی ہمارے سچے ہونے کی دلیل ہو سکتی ہے گویا ایک قسم کا یہ معارضہ ہوا۔

اس کا جواب یہ دیا جا رہا ہے کہ اللہ بڑی مغفرت ورحمت والا ہے وہ دنیاوی عذاب سے کافروں کو اگر بچا لے تو یہ اس کی ایک خاص قسم کی مغفرت ورحمت ہوگی جس میں کفار بھی شریک ہو سکتے ہیں لیکن مدعی نبوت میں یہ اشکال نہیں ہے کیونکہ جھوٹے دعویٰ نبوت کرنے اور عذاب نازل ہو جانے میں ملزوم عادی ثابت ہے اور یہاں انکار حق اور نزول عذاب میں لزوم ثابت نہیں ہے پس نبوت کے سلسلہ میں عذاب نازل نہ ہونے کو انتفاءً لازم کہا جائے گا اور منکرین کے حق میں نہیں کہا جائے گا خوب سمجھ لینا چاہیے۔

ایک علمی تحقیق انیق:............اور ان دونوں میں فرق کا راز یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق وباطل کی تحقیق کا آخری مرجع چونکہ نبوت ہے اس لئے فکر ونظر کا اخیر مرجع بھی ہدایت ہونی چاہیے۔ اور مقصود جس طرح مہتم بالشان ہوا کرتا ہے اس کی ہدایت بھی اتنی ہی کھلی اور روشن ہونی چاہیے یعنی تلبیس کا شائبہ بھی اگر ہوگا تو ہدایت کے خلاف سمجھا جائے گا۔ اسی لئے تلبیس کا شائبہ تک نبوت کے معاملہ میں گوارا نہیں کیا گیا برخلاف معارضہ کرنے والوں کے کہ نبوت سے تلبیس اُٹھ جانے کے بعد پھر اس تلبیس کا احتمال نہیں ہو سکتا کیونکہ دونقیضوں میں ایک نقیض کا صدق دوسری نقیض کے کذب کو مستلزم ہوا کرتا ہے پس جب صدق میں التباس نہ ہوگا تو کذب میں بھی التباس نہ ہوگا۔ اس لئے حق کے انکار اور عذاب کے نازل ہونے میں لزوم نہ ہوا بلکہ انکار حق پر اکثر بطور استدراج کے عذاب نہ آنا تجویز کیا گیا ہے۔ (ماخوذ من بیان القرآن لکنه صعب)

نہ نبی انوکھا اور نہ دعوت انوکھی ہے:............آگے وما كنت بدعا سے اسی مضمون کی تاکید کے لئے ارشاد ہے یعنی میری باتوں سے بدکتے کیوں ہو میں کوئی انوکھی چیز لے کر تو نہیں آیا میں وہی کہہ رہا ہوں جو مجھ سے پہلے ہزار ہا نبی کہہ چکے پھر میری بشارت پہلے انبیاء دے چکے اس لئے میں بھی انوکھا اجنبی نبی نہیں ہوں بلکہ تمہیں مطمئن اور خوش ہونا چاہیے کہ اتنی پرانی بشارت کا آج ظہور ہو رہا ہے یوں تو انوکھا اور نیا نبی ہونا بھی فی نفسہٖ باعث انکار نہیں ہونا چاہیے۔ آخر جو سب سے پہلے پیغمبر ہوئے ہوں گے، وہ انوکھا ہونے کے باوجود بھی پیغمبر تھے۔ البتہ انوکھا ہونا باعث تعجب ضرور ہو سکتا ہے گو یا وہ تعجب دور ہی کیا جا سکتا ہے مگر یہاں تو انوکھا ہونا بھی نہیں ہے کیوں کہ مجھ سے پہلے بہت انبیاء آ چکے ہیں جن کی خبر تواتر کے ساتھ تم نے بھی سن رکھی ہے۔

اسی طرح میرا دعویٰ بھی کوئی انوکھا نہیں ہے کہ میں سب سے ہٹ کر کوئی انوکھی بات کہہ رہا ہوں مثلاً یہ کہ میں غیب دان ہوں بلکہ میرا کہنا تو یہ ہے کہ معلومات وحی کے علاوہ مجھے کچھ پتہ نہیں حتیٰ کہ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا میرے کام کا آخری نتیجہ کیا ہوتا ہے میرے ساتھ اللہ کیا معاملہ کرے گا اور خود تمہارے ساتھ کیا کرے گا پس جب اپنے اور تمہارے قریبی احوال جاننے کا مجھے دعویٰ نہیں ہے تو اور دور کی غیبی باتوں کا میں کیا مدعی ہو سکتا ہوں۔ پس اس لحاظ سے بھی میرا کوئی انوکھا نعرہ نہیں ہے جو تمہارے لئے وجہ انکار بنے۔ البتہ جوں جوں مجھے وحی کے ذریعہ علم ہوتا رہے گا خواہ اپنے متعلق یا دوسروں کے متعلق اور خواہ دنیاوی احوال ہوں یا اخروی حالات بلاشبہ وہ علم کامل ہوگا لیکن نہ از خود

جاننے کا دعویٰ ہے اور نہ سب تفصیلات سے فی الحال آگاہ ہونے کا، اس بحث میں پڑنا ہی لاحاصل ہے میرا کام صرف وحی کا اتباع ہے اور احکام الٰہی کا امتثال ہے اور کفر وطغیان کے خطرناک نتائج سے کھول کھول کر آگاہ کر دینا ہے آگے چل کر دنیا وآخرت میں میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا اس کی پوری تفصیلات فی الحال نہیں جانتا بندہ کا کام نتیجہ سے قطع نظر مالک کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور بس۔

پیغمبر آخر کی اطلاع پہلے سے چلی آرہی ہے: .... پہلے آیت هو اعلم بما تفيضون میں قرآن کو بہتان تراشی نہ ہونے کی تقریر جو جواب کی اجمالی تقریر تھی۔ آیت قل ارايتم سے اس کی تفصیل ارشاد فرمائی جارہی ہے پس یہ اجمال وتفصیل ملکر دوسری شق ہوئی۔ اور پہلی شق ان افتريت الخ تھی۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ تم مجھ کو مفتری کہتے ہو۔ تو دو حال سے خالی نہیں یا میں مفتری نہیں پہلی شق تو اس لئے صحیح نہیں کہ اس کے لوازم سے فوری تباہی ہے جو ہوئی نہیں۔ البتہ دوسری شق صحیح ہے سو اب تمہیں اپنی فکر کرنی چاہیے۔

چونکہ عرب کے جاہل مشرک بنی اسرائیل یہود کے علم وفضل سے مرعوب تھے اس لئے حضور ﷺ کے دعویٰ نبوت پر مشرکین نے بنی اسرائیل کا عندیہ لینا چاہا تاکہ ان کی تکذیب سے ہمارے لئے ایک بہانہ ہاتھ آجائے مگر اس مقصد میں وہ ہمیشہ ناکام رہے۔ کیونکہ کھلم کھلا علماء یہود نے اعتراف کیا کہ بلاشبہ ہماری کتابوں میں اس ملک کے لئے ایک نبی کی آمد کی بشارت دی گئی ہے۔ یہ رسول اسی طرح کے اور یہ کتاب بھی اسی طرح کی معلوم ہوتی ہے حالانکہ تورات وغیرہ کتب محرف ہو چکی تھیں مگر پھر بھی باقی ماندہ حصہ میں آج تک یہ پیش گوئیاں چلی آتی ہیں جن کا نمونہ مقدمہ تفسیر حقانی میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے جو اس باب میں ایک معتبر دستاویز ہے۔

پس ثابت ہوا کہ بنی اسرائیل کے سب سے بڑے گواہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہزاروں سال پہلے گواہی دے چکے ہیں کہ بنی اسرائیل کے برادر بنی اسمٰعیل میں ایک رسول آنے والا ہے یہی وجہ تھی کہ بعض حق پرست عبداللہ بن سلام جیسے حضرات آنحضرت ﷺ کا چہرہ انور دیکھنے کے ساتھ پکار اٹھے ان هذا الوجه ليس بوجه كاذب اور ایمان لے آئے۔ پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہزاروں سال پہلے ایک چیز پر ایمان رکھیں اور ان کو ماننے والے انصاف پسند، حق پرست یہودی علماء اس کے صدق کی گواہی دیں بلکہ بعض مشرف باسلام بھی ہو جائیں مگر تم اپنی ہٹ اور ضد سے باز نہ آؤ تو تم سے زیادہ عقل وہوش کا دشمن اور کون ہوگا آخر شیخی اور غرور کی کوئی حد بھی! ایسوں کی فلاح ونجات کی کیا توقع ہوسکتی ہے۔

شاہد سے کیا مراد ہے: وشهد شاهد فرمانا ایسا ہی ہے جیسے سورۂ شعراء میں اولم يكن لهم اية ان يعلمه علماء بنى اسرائيل فرمایا گیا ہے۔ جس سے مقصود اس شہادت میں ترجیح نبوت کا انحصار نہیں ہے بلکہ شاہد پر تنوین، جنس یا تفخیم کے لئے ہے جو کہ تمام منصف مزاج اور باایمان علماء یہود کو شامل ہے خواہ وہ اس آیت سے پہلے ایمان لا چکے ہوں یا بعد میں لائے ہوں گویا منشور یہ ہے کہ اس آیت کے کلی مفہوم میں یہ حضرات بھی داخل ہیں اور وہ بھی اسی کی جزئی ہیں۔ چنانچہ سعید بن جبیرؒ کا قول درمنثور میں ہے کہ اس آیت کا نزول میمون بن یامین کے بارے میں ہوا ہے جو یہود کے رئیس العلماء تھے، اس سے بھی تخصیص نہ ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ عام اس سے کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام کے اسلام لانے کے بعد آئی ہو جیسا کہ مفسرینؒ اس آیت کو مدنی کہتے ہیں یا پہلے نازل ہوئی ہو۔ جیسا کہ بعض مفسرینؒ پوری سورت کی طرح اس آیت کو بھی مکی کہتے ہیں۔

اور قرآن میں قرآن کو مثل القرآن سے تعبیر کرنے میں مبالغہ کے علاوہ یہ بھی نکتہ ہوسکتا ہے کہ علماء بنی اسرائیل کو قرآن کا علم پچھلی کتابوں سے اجمالی طور پر ہوا تھا لیکن قرآن سے اس کی تفصیل معلوم ہوگئی اور اجمال وتفصیل میں ظاہر ہے کہ من وجہ اتحاد اور من وجہ تغائر ہوا کرتا ہے اس لئے اس کو مثل سے تعبیر کرنا انتہائی حسن بلاغت ہے اور كفرتم اور استكبرتم کو تکرار نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ كفرتم کا تعلق علماء کی

شہادیت دینے سے پہلے ہے اور استکبرتم کا تحقق بعد میں ہوا۔ بیان القرآن۔

لطائف سلوک: ایتونی بکتاب الخ، میں اس پر دلالت ہے کہ دین میں کوئی دعویٰ بغیر معتبر دلیل کے لائق قبول نہیں، چنانچہ کشف یا الہام بھی اس بارہ میں حجت نہیں ہوگا۔

ما ادری ما یفعل اس میں دو شخصوں پر رد ہو رہا ہے ایک تو اس بات پر جو ہر کلی جزئی علم کی نسبت اولیاء کی طرف کرتا ہو دوسرے اس پر جو اپنی اور اپنے متبعین کی نجات کا پکا یقین کئے ہو۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَیْ فِیْ حَقِّهِمْ **لَوْ كَانَ** الْاِيْمَانُ **خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۚ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا** اَیِ الْقَائِلُوْنَ **بِهٖ** اَیْ بِالْقُرْاٰنِ **فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ** اَیِ الْقُرْاٰنُ **اِفْكٌ** كِذْبٌ **قَدِيْمٌ** ﴿۱۱﴾ **وَمِنْ قَبْلِهٖ** اَیِ الْقُرْاٰنِ **كِتٰبُ مُوْسٰٓى** اَیِ التَّوْرٰتِهِ **اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۚ** وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ بِهٖ حَالَانِ **وَهٰذَا** اَیِ الْقُرْاٰنُ **كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ** لِلْكُتُبِ قَبْلَهٗ **لِّسَانًا عَرَبِيًّا** حَالٌ مِنَ الضَّمِيْرِ فِیْ مُصَدِّقٌ **لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ** مُشْرِكِیْ مَكَّةَ وَهُوَ **بُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ** ﴿۱۲﴾ لِلْمُؤْمِنِيْنَ **اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا** عَلَى الطَّاعَةِ **فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** ﴿۱۳﴾ **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ** حَالٌ **جَزَآءً** مَنْصُوْبٌ عَلَى الْمَصْدَرِ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ اَیْ يُجْزَوْنَ **بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۴﴾ **وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۖ** وَفِیْ قِرَاءَةٍ اِحْسَانًا اَیْ اَمَرْنَاهُ اَنْ يُّحْسِنَ اِلَيْهِمَا فَنَصَبَ اِحْسَانًا عَلَى الْمَصْدَرِ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ وَمِثْلُهُ حُسْنًا **حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ** اَیْ عَلٰى مَشَقَّةٍ **وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ** مِنَ الرَّضَاعِ **ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۖ** سِتَّةُ اَشْهُرٍ اَقَلُّ مُدَّةِ الْحَمْلِ وَالْبَاقِیْ اَكْثَرُ مُدَّةِ الرِّضَاعِ وَقِيْلَ اِنْ حَمَلَتْ بِهٖ سِتَّةً اَوْ تِسْعَةً اَرْضَعَتْهُ الْبَاقِیْ **حَتّٰٓى** غَايَةٌ لِجُمْلَةٍ مُّقَدَّرَةٍ اَیْ وَعَاشَ حَتّٰى **اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ** هُوَ كَمَالُ قُوَّتِهٖ وَعَقْلِهٖ وَرَأْيِهٖ اَقَلُّهٗ ثَلَاثٌ وَّثَلٰثُوْنَ سَنَةً **وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ** اَیْ تَمَامَهَا وَهُوَ اَكْثَرُ الْاَشُدِّ **قَالَ رَبِّ** اِلٰى الْاٰخِرَةِ نَزَلَ فِیْ اَبِیْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ لَمَّا بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً بَعْدَ سَنَتَيْنِ مِنْ مَّبْعَثِ النَّبِیِّ ﷺ اٰمَنَ بِهٖ ثُمَّ اٰمَنَ اَبَوَاهُ ثُمَّ اِبْنُهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَبُوْ عَتِيْقٍ **اَوْزِعْنِیْٓ** اَلْهِمْنِیْ **اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ** بِهَا **عَلَیَّ وَعَلٰى وَالِدَیَّ** وَهِیَ التَّوْحِيْدُ **وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ** فَاَعْتَقَ تِسْعَةً مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ يُعَذَّبُوْنَ فِی اللّٰهِ **وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّيَّتِیْ ۚ** فَكُلُّهُمْ مُؤْمِنُوْنَ **اِنِّیْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ** ﴿۱۵﴾ **اُولٰٓئِكَ** اَیْ قَائِلُوْا هٰذَا الْقَوْلِ اَبُوْ بَكْرٍ وَغَيْرُهٗ **الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ** بِمَعْنٰى حَسَنَ **مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِیْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۖ** حَالٌ اَیْ كَائِنِيْنَ فِیْ جُمْلَتِهِمْ **وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ** ﴿۱۶﴾ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ **وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ** وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْاِفْرَادِ اُرِيْدَ بِهِ الْجِنْسُ **اُفٍّ** بِكَسْرِ الْفَاءِ وَفَتْحِهَا بِمَعْنٰى مَصْدَرٍ اَیْ نَتْنًا وَّقُبْحًا **لَّكُمَآ** اَتَضَجَّرُ مِنْكُمَا **اَتَعِدٰنِنِیْٓ**

وَفِیْ قِرَءَ ۃٍ بِالْاِدْغَامِ **اَنْ اُخْرَجَ** مِنَالقَبْرِ **وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ** الْاُمَمُ **مِنْ قَبْلِیْ** وَلَمْ تُخْرَجْ مِنَ الْقُبُوْرِ **وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ** یَسْئَلَانِ الْغَوْثَ بِرُجُوْعِهٖ وَیَقُوْلَانِ اِنْ لَمْ تَرْجِعْ **وَیْلَكَ** اَیْ هَلَاكَكَ بِمَعْنٰی هَلَكْتَ **اٰمِنْ** بِالْبَعْثِ **اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بِهٖ **حَقٌّ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَآ** اَیِ الْقَوْلُ بِالْبَعْثِ **اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ** ﴿۱۷﴾ اَكَاذِیْبُهُمْ **اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ** وَجَبَ **عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ** بِالْعَذَابِ **فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ** ﴿۱۸﴾ **وَلِكُلٍّ** مِنْ جِنْسِ الْمُؤْمِنِ وَالْكَافِرِ **دَرَجٰتٌ** فَدَرَجَاتُ الْمُؤْمِنِ فِی الْجَنَّةِ عَالِیَه وَ دَرَجَاتُ الْكَافِرِ فِی النَّارِ سَافِلَة **مِّمَّا عَمِلُوْا** اَیِ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ الطَّاعَاتِ وَالْكَافِرُوْنَ مِنَ الْمَعَاصِیْ **وَلِیُوَفِّیَهُمْ** اَیِ اللّٰهُ وَفِیْ قِرَءَ ۃٍ بِالنُّوْنِ **اَعْمَالَهُمْ** اَیْ جَزَاءَ هَا **وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ** ﴿۱۹﴾ شَیْئًا یُنْقَصُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَیُزَادُ لِلْكُفَّارِ **وَ یَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَی النَّارِ** بِاَنْ تُكْشَفَ لَهُمْ وَیُقَالُ لَهُمْ **اَذْهَبْتُمْ** بِهَمْزَةٍ وَبِهَمْزَتَیْنِ وَبِهَمْزَةٍ وَمَدَّةٍ وَبِهِمَاوَ تَسْهِیْلِ الثَّانِیَةِ **طَیِّبٰتِكُمْ** بِاشْتِغَالِكُمْ بِلَذَّاتِكُمْ **فِیْ حَیَاتِكُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ** تَمَتَّعْتُمْ **بِهَا فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ** اَیِ الْهُوْنِ **بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ** تَتَكَبَّرُوْنَ **فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ** ﴿۲۰﴾ بِهٖ وَتُعَذَّبُوْنَ بِهَا ۔

ترجمہ: ....اور یہ کافر ایمان کی نسبت کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر یہ ایمان کوئی اچھی چیز ہوتا تو یہ لوگ ہم سے پہلے اس کی طرف سبقت نہ کرتے اور جب ان کہنے والوں کو اس قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہی کہیں گے کہ یہ (قرآن) پرانا جھوٹ ہے اور اس قرآن سے پہلے موسیٰ کی کتاب (تورات) آئی جو رہنما اور رحمت تھی (اہل ایمان کے لئے یہ دونوں حال ہیں) اور یہ (قرآن) ایک ایسی کتاب ہے جو (پچھلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی، عربی زبان میں (مصدق کی ضمیر سے یہ حال ہے) ظالموں (مکہ کے مشرکوں) کو ڈرانے کیلئے اور (یہ) بشارت دینے کے لئے ہے (نیک لوگوں مومنین) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر فرمانبرداری پر جمے رہے سو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے یہ لوگ اہل جنت ہیں جو ہمیشہ رہیں گے اس میں (یہ حال ہے) ان کاموں کا صلہ (فعل مقدر کے مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منسوب ہے یعنی یجزون جو وہ کیا کرتے تھے اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا (ایک قرأت میں احسانا ہے یعنی ہم نے انسان کو حکم دیا کہ وہ والدین کے ساتھ احسان کرے۔ پس اس ترکیب میں احسان کا نصب فعل مقدر کے مفعول مطلق ہونے کی بناء پر ہوگا اور یہی ترکیب لفظ حسنا کی ہے اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت سے اس کو جنا (کرھا بمعنی مشقت) اور اس کو پیٹ میں رکھنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیں مہینے ہے (چھ مہینے کم از کم مدت حمل اور باقی دو سال دودھ چھڑانے کی اکثر مدت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ چھ یا نو مہینے اگر حمل رہے تو باقی وقت دودھ پلائے) یہاں تک کہ (یہ جملہ مقدرہ کی غایت ہے یعنی وعاش حتی) جب اپنی جوانی کو پہنچ جاتا ہے (جو قوت وعقل ورائے کے کمال کا زمانہ ہے وہ کم از کم ۳۳ سال ہے) اور جب چالیس برس کو پہنچتا ہے (یعنی چالیس سال مکمل کر لیتا ہے جو بھرپور جوانی کی انتہا ہے) تو کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار (یہ آیات حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان میں آئیں جب کہ وہ آنحضرت ﷺ کی رسالت کے دو سال بعد چالیس سال کی عمر میں ایمان لائے۔ پھر ان کے والدین اور صاحبزادہ عبدالرحمن اور پوتے ابوعتیق سب مشرف باسلام ہوئے) مجھے توفیق بخشئے (دل میں بٹھا دیجئے) کہ میں آپ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں (یعنی توحید کی دولت) اور یہ کہ میں اچھے

کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں (چنانچہ صدیق اکبرؓ نے ان نو مسلمانوں کو آزاد کیا جنہیں اللہ کے راستہ میں بری طرح ستایا جارہا تھا) اور میری اولاد میں میرے لیے حلاوت پیدا کر دیجئے (چنانچہ سب اہل ایمان ہو گئے) میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرمانبردار ہوں۔ یہ یعنی دعائیں کرنے والے حضرت ابوبکر صدیقؓ وغیرہ وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے اچھے کاموں کو قبول کر لیں گے (احسن بمعنی حسن ہے) اور ان کے گناہوں سے درگزر کر دیں گے کہ جنتیوں میں سے ہو جائیں گے (یہ حال یعنی منجملہ اہل جنت کے) اس سچے وعدہ کی وجہ سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا (آیت وعد الله المومنين والمومنات جنات ہے) اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا (ایک قراءت میں والد مفرد ہے مراد جنس ہو جائے گی) تف ہے (لفظ اف کسر فا اور فتحہ فا کی مصدر کے معنی میں ہے۔ بمعنی قابل نفرت اور گندگی تم پر تمہاری طرف سے بے قراری ہے) کیا تم مجھ کو یہ وعدہ دیتے ہو کہ (کوئی ابھی تک قبر سے برآمد نہیں ہوا) اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کر رہے ہیں (اللہ سے کسی سہارے کو مانگ رہے ہیں جو بیٹے کو پھیر دے) اور جب بیٹا نہ پھرے تو کہتے ہیں کہ ارے تیرا ناس ہو (برباد ی تباہی آ جائے) ایمان لے آؤ (قیامت کو مان لے) بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تو یہ کہتا ہے کہ یہ باتیں (قیامت کے چرچے) اگلے وقتوں سے بے سند نقل ہوتی چلی آرہی ہیں (جو جھوٹی ہیں) یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ (کے عذاب) کا قول پورا ثابت ہو کر رہا جو ان سے پہلے جن اور انسان ہو گزرے ہیں۔ بلاشبہ یہ خسارے میں رہے۔ اور ہر ایک مومن و کافر کی جنس کے لئے الگ الگ درجے ہیں (چنانچہ مومن کے لئے جنت میں بالائی منزلیں ہیں اور کافر کے لئے جہنم میں نچلے خانے ہیں) ان کے اعمال کی وجہ سے اور تاکہ اللہ سب کو پورے کر دے (ایک قراءت میں نون کے ساتھ ہے) ان کے اعمال کا بدلہ اور ان پر ظلم نہ ہوگا (ذرہ بھر اس طرح کہ مومن کے کٹوتی اور کافر کے زیادتی کر دی جائے) اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے (جہنم ان کو نظر آ جائے گی ان سے کہا جائے گا) کہ تم حاصل کر چکے ہو (یہ لفظ ایک ہمزہ اور دو ہمزاؤں کے ساتھ اور ایک ہمزہ اور حرف مد کے ساتھ، اور دونوں ہمزاؤں کے ساتھ اور دوسری ہمزہ کی تسہیل کرتے ہوئے) اپنی لذت کی چیزیں (خواہشات میں لگے رہنے کی وجہ سے) دنیاوی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان کو خوب برت چکے سو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی۔ اس لئے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے (اللہ کی۔ جس کی بناء پر تمہیں عذاب دیا جا رہا ہے)

تحقیق وترکیب: ......لو كان خيرا . کفار مکہ عمار بن یاسرؓ، صہیبؓ، ابن مسعودؓ، وغیرہ غرباء کو دیکھ کر یہ فقرے چست کیا کرتے تھے۔

اذلم يهتدوا زمخشریؒ کہتے ہیں کہ یہ محذوف کا ظرف ہے اى ظهر عنادهم اور "فسيقولون" کا ظرف نہیں ہے۔ کیونکہ "اذ" ماضی کے لئے اور سیقولون استقبال کے لئے آتا ہے البتہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ مضارع استمرار کے لئے ہے اور سین محض تاکید کے لئے ہے اور فا ماقبل میں عمل کرنے سے نہیں روکتا۔

روح المعانی میں ہے کہ بعض نے "اذ" کو "سيقولون" کی تعلیل مانا ہے۔ رہا یہ شبہ کہ اس کی علت تو کفر ہے تو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اہتداء نہ ہونا اور کفر دونوں ایک ہی ہیں۔

من قبله: یہ خبر مقدم اور کتاب مبتداء موخر ہے۔ اور جملہ حالیہ یا مستانفہ ہے۔ یہ کفار کے " افک قديم " کہنے کا جواب ہے یعنی تورات میں بھی تو یہی قرآنی مضامین ہیں جو تمہارے نزدیک مسلمہ ہے۔

عربيا : یعنی مادری زبان ہونے کی وجہ سے تمہارے لئے آسان مگر پھر بھی معجزہ ہے۔

ثم استقاموا: استقامت علم وعمل کا نام ہے اور "ثم" اس لئے ہے کہ توحید کے بعد ہی علم وعمل کا درجہ ہے اور استمرار استقامت بیان کرنے کے لئے ہے۔

حسنا: حسن واحسان دونوں مرادف ہیں۔قول وفعل کی خوبی مراد ہے۔مفسرؒ دونوں قراءتوں کے اختلاف اعراب کولف ونشر غیرمرتب بیان کر رہے ہیں۔

امه کرها: چونکہ باپ کی نسبت ماں زیادہ تکالیف عام طور پر جھیلتی ہے اسلئے اس کی زیادہ خدمت کی تاکید فرمائی گئی ہے اور اسی وجہ سے یہاں اس کے بیان پر اکتفاء کیا ہے۔

کرها: بمعنی ثقل ومشقت ای ذات کره۔نافع وابن کثیرؒ ابوعمروکی قراءت میں فتحہ کاف کے ساتھ ہے۔باقی قراءؒ کے نزدیک ضمہ کاف کے ساتھ ہے۔اس میں یہ دونوں لغت ہیں اور بعض نے اول کو مصدر اور دوسرے کو اسم کہا ہے اور مفسرؒ نے ''علی مشقۃ'' کہہ کر منصوب بنزع الخافض ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔اور بعض کے نزدیک حال یا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

وحمله: یہاں عبارت میں حذف ہے ای مدة حمله و مدة فصاله ثلثون شهرا۔ورنہ پھر ثلثین ظرفیت کی وجہ سے منصوب ماننا پڑے گا اور معنی بدل جائیں گے۔مدارک میں ہے اس میں ۶ ماہ حمل کے اقل مدت ہونے کی دلیل ہے کیونکہ جب دوسال رضاعت کی مدت ہوئی۔حولین کاملین کی وجہ سے تو باقی مدت حمل رہ گئی۔جیسا کہ صاحبین فرماتے ہیں اور روح البیان میں ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک مدت رضاعت ڈھائی سال ہے۔

اشده: ای وقت اشده مضاف محذوف ہے۔

والدی: حضرت ابوبکرؓ کے والد کا نام عثمانؓ بن عامر بن عمرو ہے اور ابوقحافہ کنیت اور والدہ کا نام ام الخیرؓ بنت صخر بن عمرو ہے اور پوتے کا نام محمدؒ تھا۔ان سب کو صحابیت کا شرف حاصل ہوا حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ کسی کو یہ امتیاز حاصل نہیں ہوا۔

نتقبل یہ اور نتجاوز دونوں یا اور نون کے ساتھ ہیں معروف صیغہ سے ہیں اور احسن مفعول کی وجہ سے منصوب ہے۔

فی اصحاب الجنة۔یہ حال ہے ضمیر سیئاتھم سے اس میں کئی توجیہات ہوسکتی ہے۔ایک یہ کہ محل حال میں ہو ای کائنین فی جملة اصحاب الجنة جیسے کہا جائے اکرمنی الامیر فی اصحابه دوسری صورت یہ کہ فی بمعنی مع لیا جائے اور تیسرے یہ کہ مبتداء محذوف کی خبر کہا جائے۔ای هم فی اصحاب الجنة۔

وعد الصدق: فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ای وعدهم الله وعدالصدق۔

اف: یہ مصدر ہے بمعنی ہلاکت وبربادی یا ایسی آواز کو کہتے ہیں کہ جس سے ڈانٹنا معلوم ہو یا اسم فعل بمعنی ڈانٹ ہو۔مفسرؒ نے ان تین میں سے دو احتمال کا ذکر کیا ہے یعنی مصدر یا اسم فعل۔

لکما۔مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ لام بمعنی من ہے۔

وقد خلت القرون۔حالانکہ قبور سے نکلنے کا مطلب قیامت سے پہلے ہرگز نہیں ہے مگر وہ یہی سمجھا۔

ویلک۔حقیقۃً بددعا مراد نہیں بلکہ ایمان کی ترغیب مقصود ہے۔بطور محاورہ کے یہ منصوب ہے مفعول مطلق کی بناء پر اس جیسے الفاظ اور بھی ہیں جیسے ویحہ، ویلہ، ویبہ اور مفعول بہ کے طور پر بھی منصوب ہوسکتا ہے ای الزمک اللہ ویلک ان دونوں صورتوں میں یہ جملہ قول مقدر کا معمول ہوگا۔ای یقولان ویلک اور یقولان منصوب علی الحال ہے ای یستغیثان الله قائلین ذلک.

درجات: یہاں طبقات جہنم کو بھی تغلیباً درجات کہا گیا ہے ورنہ ان کو درکات کہا جاتا ہے یا درجات سے مراد مطلقا منازل لے لئے جائیں عالیہ ہوں جیسے جنت میں یا سافلہ جیسے جہنم میں۔

ولیوفیهم: عاصمؒ ابن کثیرؒ، نافعؒ کی قراءۃ یا کے ساتھ ہے۔تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ قدرلهم درجات وجازهم.

یوم: منصوب ہے قول مقدر سے ای یقال لهم اذهبتم فی یوم عرضهم۔اور زمخشریؒ کے نزدیک عرضت الناقة علی الحوض کی طرح قلب ہے

لیکن جرجانی قلب کرنے کو بلاضرورت نہیں مانتے نیز کہتے ہیں کہ عرض امر نسبی ہے جس کی نسبت ناقہ اور حوض دونوں طرف ہو سکتی ہے۔
اذھبتم: اکثر قراءؒ کے نزدیک ایک ہمزہ کے ساتھ بغیر استفہام کے ہے اور ابن ذکوانؒ، ابن عامر سے دو محقق ہمزہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور ہشامؒ کے نزدیک ایک ہمزہ اور مد کے ساتھ اور ابن کثیرؒ کے نزدیک ہمزہ ثانیہ کی تسہیل کرتے ہوئے بغیر مد کے ہے۔
بغیر الحق: تکبر کی صفت کاشفہ ہے احترازیہ نہیں۔

شانِ نزول: .... ''قال رب'' ابن مردویہؒ، ابن عباس سے تخریج کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کی یہ امتیازی خصوصیت یعنی اصول وفروع کا مسلمان اور صحابی ہونا کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔
والذی قال لوالدیہ۔ لفظ والد سے مراد کوئی خاص نہیں بلکہ جنس مراد ہے اور ابن جریرؒ، ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں اور مقاتلؒ کے نزدیک بھی کہ اس سے مراد عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ ہیں۔ اور ابن ابی حاتمؒ مجاہد سے ناقل ہیں کہ عبداللہ بن ابوبکرؓ ہیں۔ لیکن حضرت عائشہؓ نے اس کا انکار کیا ہے جیسا کہ بخاری میں ہے کہ مروان نے عداوت میں کہا تھا اور حافظ ابن حجرؒ نے اسی کو اصح الاسناد کہا ہے اور بالفرض کہیں سبب مان بھی لیا جائے تو سبب کے خاص ہونے سے مسبب خاص نہیں ہو جاتا حکم عام ہی رہے گا۔

﴿تشریح﴾: .... **وقال الذین کفروا۔** غلام باندیوں، غریبوں کو مسلمان ہوتا دیکھ کر کافر یہ تبصرہ کرتے تھے اور خود کو عقلمند شمار کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ حق بات کو عقل مند ہی پہلے قبول کیا کرتا ہے۔ اگر اسلام حق ہوتا تو ہم اول قبول کرتے لیکن جب ہم نے نہیں مانا تو معلوم ہوا کہ حق نہیں ہے۔ یہ کچھ بے عقل لوگ ہیں جو ادھر ادھر دوڑتے پھرتے ہیں حالانکہ یہ سراسر غلط اور تکبر آمیز گفتگو ہے کیونکہ دو حال سے خالی نہیں، عقل سے ان کی مراد یا تو عقل معاش و دنیاوی ہوگی تو کلیہ یہ کہنا حق بات اول عقلمند قبول کیا کرتا ہے، غلط ہے اور اگر عقل سے مراد عقل معاد (اخروی) لی جائے تو پہلا مقدمہ کہ ہم عقلمند ہیں غلط ہے پھر نتیجہ صحیح کیسے سمجھ رہے ہیں پس یہ کہنا کہ اگر حق ہوتا تو ہم لوگ پہلے مانتے غلط بر غلط ہوا۔

پرانا جھوٹ نہیں بلکہ پرانا سچ ہے: .... **ھذا افك قدیم**، قرآن کو پرانا جھوٹ کہنا غالباً **ما کنت بدعا** الخ اور **وشھد شاھد** کے جواب کے طور پر ہوگا ومن قبلہ سے حق تعالیٰ اس کا جواب ارشاد فرما رہے ہیں کہ یہ پرانا جھوٹ نہیں بلکہ پرانا سچ ہے تمام سابقہ کتب سماویہ کا یہی پیغام رہا ہے جس پر سارے انبیاء و اولیاء چلتے رہے ہیں۔ مگر کافر **الناس اعداء لما جھلوا** کا مصداق ہیں انہیں سچ بھی جھوٹ ہی نظر آتا ہے۔
لینذر الذین ظلموا۔ آیت **ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین** سے جو وعید مفہوم ہو رہی ہے۔ اسی کی تصریح کر دی گئی ہے۔ اور چونکہ وعید میں بالاتفاق مفہوم مخالف کا اعتبار ہوا کرتا ہے اس لئے **ان اللہ لا یھدی** کی وعید سے وعدہ بھی اشارۃً مفہوم ہو گیا تھا۔ **بشری للمحسنین** میں اسی وعدہ کی صراحت ہوگئی۔
ان الذین قالوا: ۔ اس پر شبہ ہو سکتا ہے کہ بعض دفعہ اسی شان کے مومن کو دوسرے کسی گناہ کی وجہ سے خوف و حزن میں مبتلا رکھا جاتا ہے پھر وعدہ فرمانا کیسے صحیح رہا؟

جواب یہ ہے کہ آیت میں ایمان و استقامت کا یہ تقاضا بیان کیا جا رہا ہے لیکن اگر کسی مانع کی وجہ سے مقتضی پر مقتضیٰ مرتب نہ ہو تب بھی وہ مقتضی رہے گا اس کے مقتضی ہونے میں فرق نہیں آئے گا۔ مثلاً دوا مقتضی ہے اور شفا مقتضیٰ ہے لیکن کسی بدپرہیزی سے دوا پر شفا مرتب نہ ہوئی تو دوا کے مقتضی ہونے میں کیا فرق آئے گا اگرچہ یہاں مقتضی یعنی شفا مرتب نہیں ہوئی۔
ووصینا الانسان۔ بلاشبہ والدین کی یہ ساری جدوجہد اور احسانات فطرت کے تقاضہ سے ہوتے ہیں مگر آیت کا منشاء اسی فطرت کا یہ تقاضا بتلاتا ہے کہ اولاد کو بھی ماں باپ کی شفقت و محبت کا احساس کر کے احسان مند اور قدردان ہونا چاہیے اور بالفرض والدین مشقت نہ بھی اٹھائیں تب بھی

والدین کا حق اولاد کے ذمے ہے یورپ اور مغرب کے طور طریق دوسرے ہیں۔ لیکن روشنی تو مشرق سے نکلتی ہے نہ کہ مغرب سے گویا پرورش میں ماں اور باپ دونوں ہی شریک رہتے ہیں لیکن ماں کا حصہ زیادہ ہے۔ اسی لئے جب ایک صحابی نے آنحضرت ﷺ سے من ابو؟ کہہ کر تین دفعہ سوال کیا تو آپ نے تینوں دفعہ ماں ہی کا ذکر فرمایا۔ صرف ایک مرتبہ چوتھی بار والد کی نسبت فرمایا۔ لطف یہ ہے کہ ان آیات میں کچھ ایسا بھی ہے والد کا ذکر تو صرف ایک بار اور وہ بھی لفظ والدیہ کے ذیل میں ہے۔ لیکن والدہ کا ذکر تین مرتبہ کیا۔ ایک والدیہ کے ذیل میں، دوسرے وحملتہ امہ میں تیسرے وضعتہ میں۔

دودھ پلانے کی مدت: .... ثلثون شهرا۔ بچہ اگر تندرست قوی ہے تو اکیس مہینہ میں دودھ چھوڑ دیتا ہے اور نو مہینے حمل کے اس طرح تیس مہینے ہوگئے یا جمہور کے طرز پر یوں کہہ لیا جائے کہ چھ مہینے حمل کا کم از کم وقت اور عموماً بچوں کا دودھ دو برس میں چھڑا دیا جاتا ہے۔ اس طرح تیس مہینے ہوجاتے ہیں اس سے زیادہ رضاعت کا زمانہ بہت شاذ ونادر ہوتا ہے۔

رہی یہ بات کہ ایک کی کم اور دوسرے کی زیادہ مدت کیوں لی؟ سواس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ دو مدتیں تو منضبط ہوسکتی ہیں لیکن حمل کی اکثر مدت یا دودھ کی کم سے کم مدت دونوں کسی قطعی دلیل سے منضبط نہیں ہیں۔ حمل کی کم مدت چھ ماہ ہوتے ہیں صاحب روح المعانی نے جالینوس اور ابن سینا کا تجرباتی مشاہدہ لکھا ہے۔ دو چار دن کا فرق الگ بات ہے اور سہل بات یہ ہے کہ مجموعی ۳۰ ماہ مدت کو غالب اور اکثری عادت پر محمول کیا جائے۔ اور مدارک میں امام اعظمؒ سے "حمله بالاكف" تفسیر نقل کی ہے۔ یعنی بچہ گود میں لئے پھرنا ہاتھوں میں اٹھائے رکھنا۔ پس امام صاحب کے نزدیک شیر خوارگی ڈھائی سال ہوگی۔ اور آیت حولین کاملین کا جواب یہ ہوگا کہ وہ مطلقاً شیر خوارگی کی مدت نہیں ہے۔ بلکہ بطور اجرت شیر خواری کی مدت مراد ہے کہ والد پر اتنی مدت کی اجرت ہے تاہم ان دونوں قولوں کا لحاظ کرتے ہوئے دودھ پلانے میں تو احتیاط یہ ہے کہ دو سال سے زائد نہ پلائے۔ اور اگر کسی وجہ سے پلا دیا تو پھر اس بچہ کے نکاح میں رضاعت کی احتیاط برتی جائے۔

چالیس سال پختہ کاری کا زمانہ ہوتا ہے: .... اربعين سنة چالیس سال کی عمر میں عموماً انسان کی عقل اور اخلاقی قوتیں پختہ ہوجاتی ہیں چنانچہ اکثر انبیاء کی بعثت بھی اسی عمر میں ہوئی ہے ان الفاظ سے حلم کی تقیید مقصود نہیں ہے کہ چالیس سال سے پہلے رجوع الی اللہ نہ کرے۔ بلکہ چالیس سال کے بعد غفلت نہیں رہنی چاہیے اب قوائے طبعیہ مضمحل اور قوائے عقلیہ غالب ہیں اب تو اللہ کا دھیان بہت ضروری ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اگرچہ اس عمر میں آیت کا مصداق ہوگئے تھے مگر بقول محققین عموم مراد ہے اگرچہ وہ بھی اس میں داخل ہیں

قال رب اوزعنى ۔ انسان کی سعادت مندی اسی میں ہے کہ جو احسانات اللہ نے اس پر اور اس کے ماں باپ پر کئے ہیں ان کا شکر گزار ہوتے ہوئے اپنی اولاد کے لئے اور آئندہ کے لئے اپنے واسطے بھی توفیق الٰہی کی دعا کرے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کمی کی تلافی کرتے ہوئے راہ تواضع اختیار کرے ایسے ہی سعید لوگ وہ ہیں جن کی نیکیاں قبول اور کوتاہیاں معاف ہوتی ہیں اور جنت ان کا مقام بن جاتا ہے۔

نادان اولاد کا رویہ: .... آگے والذى قال میں نالائق ونا اہل اولاد کا ذکر ہے جو ماں باپ کی نصیحت تو کیا مانتا اور الٹا انہیں تکلیفیں پہنچاتا ہے نہ مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے خوف سے ڈرتا ہے بلکہ الٹا منہ زوری دکھلاتے ہوئے کہتا ہے کہ آج تو کسی کو اٹھتے نہیں دیکھا ہے بس لوگوں سے سنتے ہی چلے آرہے ہیں۔ بھلا ایسی بات کا کیا اعتبار؟ ماں باپ ایسی نا ہنجار اولاد کی گستاخیوں پر سوائے اللہ سے فریاد وزاری کرنے کے اور کیا کرسکتے ہیں۔ کبھی غصہ وشفقت کے ملے جلے جذبات میں سمجھاتے ہیں کہ کم بخت تیرا ستیاناس اب بھی باز آجا، اللہ کا وعدہ اٹل ہے اور وہ آکر رہے گا۔ اس وقت تیرا انکار واصرار رنگ لائے گا مگر اس کی بدبختی زور پکڑتی ہے اور وہ باپ کے جواب میں کہتا ہے کہ پرانے وقتوں کے جھوٹے قصے یوں ہی مشہور ہوجاتے ہیں ان کی اصلیت کچھ نہیں ہوتی ایسی بہت سی کہانیاں افسانے سن رکھے ہیں اللہ نے اپنے فضل سے ہر آدمی

کے دل میں جوایمان وسعادت کا فطری بیج بکھیرا تھا وہ بھی افسوس کہ نصیبوں نے ضائع کر دیا۔ جو تاجر تجارت میں منافع کی بجائے اپنا راس المال بھی گنوا بیٹھے اس کی بدبختی میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اس آیت کا مصداق ماننا یوں بھی غلط ہے کہ اس آیت میں "حق علیهم القول" فرمایا گیا۔ حالانکہ وہ ایمان لا چکے ہیں پس ان کا ایمان لانا بھی اس کا مقتضی ہے کہ وہ "حق علیهم القول" میں داخل نہیں ہے۔ صرف مروان نے دشمنی میں آکر ان پر اتہام لگایا تھا جس کی حضرت عائشہؓ نے تردید فرمائی۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

ولکل درجات: یعنی نیکی بدی اوران کے مراتب مختلف ہیں۔ اس لئے جنت وجہنم میں ان کے نتائج وثمرات بھی لازمی طور پر مختلف ہونے چاہییں اور کافر کے نیک عمل میں چونکہ روح نہیں ہوتی۔ محض نیکی کا ڈھانچہ ہوتا ہے جو فانی ہوتا ہے اور فانی عمل کا بدلہ بھی فانی ہی ہونا چاہیے۔ دوامی کیسے ہوسکتا ہے پس دنیا میں کامیابی وکامرانی کی مختلف شکلیں یہ اس کے نیک اعمال کی پاداش سمجھنی چاہیے یہاں کا عمل یہیں رہ جائے گا آخرت میں تو جھوٹی شیخی، نافرمانیوں کی سزائیں بدترین عذاب رہ جائے گا جو ان کے حصہ میں آئے گا۔ ان دونوں مضمونوں میں تمام تخصیص کے لئے نہیں بلکہ تمثیل ہیں۔ چنانچہ جزاء اور سزا مجموعہ پر موقوف نہیں ہے اور دنیا سے مطلق لذت اندوزی منع نہیں اور نہ مذموم ہے بلکہ جو فسق وکفر تک پہنچا دے اس کو برا کہا جائے گا۔

لطائف سلوک: .... اذهبتم طيباتكم سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی عیش وعشرت میں توسع باعث خطر ہو سکتا ہے۔ جب کہ اس کے ساتھ معاصی بھی ہوں مطلقاً توسع مذموم نہیں۔ چنانچہ بما كنتم تفسقون اس کا قرینہ ہے پس آیت میں زہد پر روشنی پڑ رہی ہے۔

وَاذْكُرْ اَخَاعَادٍ هُوَ هُوْدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ **اِذْ** اِلٰى اٰخِرِهٖ بَدَلُ اِشْتِمَالٍ **اَنْذَرَ قَوْمَهٗ** خَوَّفَهُمْ **بِالْاَحْقَافِ** وَادٍ بِالْيَمَنِ بِهٖ مَنَازِلُهُمْ **وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ** مَضَتِ الرُّسُلُ **مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ** اَىْ مِنْ قَبْلِ هُوْدٍ وَمِنْ بَعْدِهٖ اِلٰى اَقْوَامِهِمْ **اَ** اَىْ بِاَنْ قَالَ **لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ** وَجُمْلَةُ وَقَدْ خَلَتْ مُعْتَرِضَةٌ **اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ** اِنْ عَبَدْتُمْ غَيْرَ اللّٰهِ **عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ** ﴿۲۱﴾ **قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا** لِتَصْرِفَنَا عَنْ عِبَادَتِهَا **فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ** مِنَ الْعَذَابِ عَلٰى عِبَادَتِهَا **اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ** ﴿۲۲﴾ فِىْ اَنَّهٗ يَاْتِيْنَا **قَالَ** هُوْدُ **اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ** اَلَّذِىْ يَعْلَمُ مَتٰى يَاْتِيْكُمُ الْعَذَابُ **وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ** اِلَيْكُمْ **وَلٰكِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ** ﴿۲۳﴾ بِاسْتِعْجَالِكُمُ الْعَذَابَ **فَلَمَّا رَاَوْهُ** اَىْ مَا هُوَ الْعَذَابُ **عَارِضًا** سَحَابًا عَرَضَ فِىْ اُفُقِ السَّمَآءِ **مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا** اَىْ مُمْطِرٌ اِيَّانَا قَالَ تَعَالٰى **بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ** مِنَ الْعَذَابِ **رِيْحٌ** بَدَلٌ مِنْ مَا **فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿۲۴﴾ مُؤْلِمٌ **تُدَمِّرُ** تُهْلِكُ **كُلَّ شَىْءٍ** مَرَّتْ عَلَيْهِ **بِاَمْرِ رَبِّهَا** بِاِرَادَتِهٖ اَىْ كُلَّ شَىْءٍ اَرَادَ اِهْلَاكَهٗ بِهَا فَاَهْلَكَتْ رِجَالَهُمْ وَنِسَآئَهُمْ وَ صِغَارَهُمْ وَ كِبَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنْ طَارَتْ بِذٰلِكَ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَمَزَّقَتْهُ وَبَقِىَ هُوْدُ وَمَنْ اٰمَنَ مَعَهٗ **فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ كَذٰلِكَ** كَمَا جَزَيْنَاهُمْ **نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ** ﴿۲۵﴾ غَيْرَهُمْ **وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ** فِى الَّذِىْ **اِنْ** نَافِيَةٌ اَوْ زَائِدَةٌ **مَّكَّنّٰكُمْ** يَا اَهْلَ مَكَّةَ **فِيْهِ** مِنَ الْقُوَّةِ

وَالْمَالِ **وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا** بِمَعْنٰى اِسْمَاعًا **وَّاَبْصَارًا وَّاَفْئِدَةً** قُلُوْبًا **فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ** اَیْ شَيْئًا مِنَ الْاِغْنَاءِ وَمِنْ زَائِدَةٌ **اِذْ** مَعْلُوْلَةٌ لِاَغْنٰى وَاُشْرِبَتْ مَعْنَى التَّعْلِيْلِ **كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** حُجَجِهِ الْبَيِّنَةِ **وَحَاقَ** نَزَلَ **بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ** ﴿۲۶﴾ اَیِ الْعَذَابُ **وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى** اَیْ اَهْلَهَا كَثَمُوْدَ وَ عَادٍ قَوْمِ لُوْطٍ **وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ** كَرَّرْنَا الْحُجَجَ الْبَيِّنَاتِ **لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ** ﴿۲۷﴾ **فَلَوْلَا** هَلَّا **نَصَرَهُمْ** بِدَفْعِ الْعَذَابِ عَنْهُمْ **الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَیْ غَيْرِهٖ **قُرْبَانًا** مُتَقَرِّبًا بِهِمْ اِلَى اللّٰهِ **اٰلِهَةً** مَعَهٗ وَهُمُ الْاَصْنَامُ وَمَفْعُوْلُ اِتَّخَذُوْا الْاَوَّلُ ضَمِيْرٌ مَحْذُوْفٌ يَعُوْدُ اِلَى الْمَوْصُوْلِ اَیْ هُمْ وَ قُرْبَانًا الثَّانِیْ وَآلِهَةً بَدَلٌ مِنْهُ **بَلْ ضَلُّوْا** غَابُوْا **عَنْهُمْ** عِنْدَ نُزُوْلِ الْعَذَابِ **وَذٰلِكَ** اَیْ اِتِّخَاذُهُمُ الْاَصْنَامَ اٰلِهَةً قُرْبَانًا **اِفْكُهُمْ** كِذْبُهُمْ **وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ** ﴿۲۸﴾ يَكْذِبُوْنَ وَمَا مَصْدَرِيَّةٌ اَوْ مَوْصُوْلَةٌ وَالْعَائِدُ مَحْذُوْفٌ اَیْ فِيْهِ وَ اذْكُرْ **اِذْ صَرَفْنَآ** اَمَلْنَا **اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ** جِنُّ نَصِيْبِيْنَ الْيَمَنِ اَوْجِنُّ نِيْنَوٰی وَكَانُوْا سَبْعَةً اَوْ تِسْعَةً وَكَانَ ﷺ بِبَطْنِ نَخْلٍ يُصَلِّیْ بِاَصْحَابِهِ الْفَجْرَرَوَاهُ الشَّيْخَانِ **يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْآ** اَیْ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ **اَنْصِتُوْا ۚ** اَصْغُوْا لِاسْتِمَاعِ عَنْهُ **فَلَمَّا قُضِيَ** فُرِغَ قِرَاءَتُهٗ **وَلَّوْا** رَجَعُوْا **اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ** ﴿۲۹﴾ مُخَوِّفِيْنَ قَوْمَهُمْ بِالْعَذَابِ اِنْ لَمْ يُؤْمِنُوْا وَكَانُوْا يَهُوْدًا **قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا** هُوَ الْقُرْآنُ **اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ** اَیْ تَقَدَّمَهٗ كَالتَّوْرٰةِ **يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ** الْاِسْلَامِ **وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ** ﴿۳۰﴾ اَیْ طَرِيْقِهٖ **يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ** مُحَمَّدًا ﷺ اِلَى الْاِيْمَانِ **وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ** اللّٰهُ **مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ** اَیْ بَعْضَهَا لِاَنَّ مِنْهَا الْمَظَالِمَ وَلَا تُغْفَرُ اِلَّا بِرِضٰی اَرْبَابِهَا **وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ** ﴿۳۱﴾ مُؤْلِمٍ **وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ** اَیْ لَا يُعْجِزُ اللّٰهَ بِالْهَرَبِ مِنْهُ فَيَفُوْتَهٗ **وَلَيْسَ لَهٗ** لِمَنْ لَا يُجِبْ **مِنْ دُوْنِهٖٓ** اَیِ اللّٰهِ **اَوْلِيَآءُ** اَنْصَارٌ يَدْفَعُوْنَ عَنْهُ الْعَذَابَ **اُولٰٓئِكَ** الَّذِيْنَ لَمْ يُجِيْبُوْا **فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ** ﴿۳۲﴾ بَيِّنٍ ظَاهِرٍ **اَوَلَمْ يَرَوْا** يَعْلَمُوْا اَیْ مُنْكِرُوا الْبَعْثِ **اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ** لَمْ يَعْجِزْ عَنْهُ **بِقٰدِرٍ** خَبَرُ اِنَّ وَ زِيْدَتِ الْبَاءُ فِيْهِ لِاَنَّ الْكَلَامَ فِیْ قُوَّةِ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِقَادِرٍ **عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ۚ بَلٰٓى** هُوَقَادِرٌ عَلٰى اِحْيَاءِ الْمَوْتٰى **اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۳۳﴾ **وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ** بِاَنْ يُعَذَّبُوْهَا يُقَالُ لَهُمْ **اَلَيْسَ هٰذَا** التَّعْذِيْبُ **بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ** ﴿۳۴﴾ **فَاصْبِرْ** عَلٰى اَذٰى قَوْمِكَ **كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ** ذُو الثُّبَاتِ وَالصَّبْرِ عَلَى الشَّدَائِدِ **مِنَ الرُّسُلِ** قَبْلَكَ فَتَكُوْنَ ذَا عَزْمٍ وَمِنْ لِلْبَيَانِ فَكُلُّهُمْ ذُوْ عَزْمٍ وَقِيْلَ لِلتَّبْعِيْضِ

ع ۳

فَلَيْسَ مِنْهُمْ اٰدَمُ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا وَلَا يُوْنُسُ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ **وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ** لِقَوْمِكَ نُزُوْلَ الْعَذَابِ بِهِمْ قِيْلَ كَاَنَّهٗ ضَجِرَ مِنْهُمْ فَاَحَبَّ نُزُوْلَ الْعَذَابِ بِهِمْ فَاَمَرَ بِالصَّبْرِ وَتَرْكِ الْاِسْتِعْجَالِ لِلْعَذَابِ فَاِنَّهٗ نَازِلٌ بِهِمْ لَا مَحَالَةَ **كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ** مِنَ الْعَذَابِ فِى الْاٰخِرَةِ لِطُوْلِهٖ **لَمْ يَلْبَثُوْٓا** فِى الدُّنْيَا فِىْ ظَنِّهِمْ **اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ** هٰذَا الْقُرْاٰنُ **بَلٰغٌ** تَبْلِيْغٌ مِنَ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ **فَهَلْ** اَىْ لَا **يُهْلَكُ** عِنْدَ رُؤْيَةِ الْعَذَابِ **اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ** ﴿۳۵﴾ اَىِ الْكَافِرُوْنَ۔

ترجمہ:.........آپ قوم عاد کے (بھائی ہود علیہ السلام) کا ذکر کیجئے (جب کہ آخر تک بدل اشمال ہے) انہوں نے اپنی قوم کو ڈرایا (خوف دلایا) ریت کے خمدار تودوں کے مقام پر (یمن کی وادی میں ان کے مکانات تھے) اور ان سے پہلے اور پیچھے ڈرانے والے پیغمبر گزر چکے ہیں (یعنی ہود علیہ السلام سے پہلے اور بعد میں اپنی اپنی قوموں کی طرف جا چکے) یہ کہ (یعنی یہ فرمایا) تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو (اور جملہ" قد خلت" معترضہ تھا) مجھے تم پر اندیشہ ہے (اگر تم غیر اللہ کی پرستش کرتے رہے) ایک بڑے دن کے عذاب کا۔ وہ کہنے لگے تم ہمارے پاس سے اس ارادہ سے آئے ہو کہ ہمیں اپنے معبودوں سے ہٹا دو (ان کی پرستش سے پھیر دو) سو لے آؤ) ہمارے پاس جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو (ان کی پرستش کرنے پر عذاب سے) اگر تم سچے ہو (کہ تم اس کو لے آؤ گے) فرمایا (ہود علیہ السلام نے) کہ پوری بات تو اللہ کو معلوم ہے (وہی جانتا ہے کہ کب تم پر عذاب آئے گا) اور مجھ کو تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے وہ تم کو پہنچا رہا ہوں۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم زی جہالت کی باتیں کر رہے ہو (جلد عذاب آنے کے بارے میں) سو ان لوگوں نے جب اس کو آتے دیکھا (جو کچھ عذاب تھا بادل کی شکل میں (آسمان کے کنارے) اپنی وادیوں کے مقابل تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا (ہمیں بارش دے گا۔ حق تعالی نے فرمایا) کہ نہیں نہیں بلکہ یہ تو عذاب ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے ایک آندھی ہے (ما کا بدل) جس میں دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہے وہ ہر چیز کو (جس پر گزرے گی) ہلاک (تباہ) کردے گی اپنے پروردگار کے حکم سے (اس کے ارادہ سے یعنی ہر وہ چیز جس کی ہلاکت منظور ہوگی۔ چنانچہ ان کے مرد، عورتیں، چھوٹے بڑے سب برباد ہوگئے۔ آسمان و زمین کے درمیان پھرے۔ آندھی نے سب کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ ہود علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھی بچے رہے چنانچہ وہ ایسے ہوگئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہم مجرموں کو یوں ہی (جیسے ان کو سزا دی) سزا دیا کرتے ہیں۔ ہم نے ان کو ان باتوں میں (ما بمعنی الذی ہے) قدرت دی تھی کہ تم کو (مکہ والو) ان میں قدرت نہیں دی (یعنی طاقت اور مال) اور ہم نے ان کو کان (سمع بمعنی اسماع ہے) اور آنکھیں اور دل دیئے تھے۔ مگر نہ ان کے کان کام آئے اور نہ آنکھیں اور نہ دل ذرا بھی (یعنی کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا اس میں من زائد ہے) کیونکہ (اذ معمول ہے اغنی کا اس میں سببیت کے معنی آگئے ہیں) وہ لوگ آیات الہیہ (کھلے دلائل) کا انکار کرتے رہے اور انہیں آگھیرا۔ ان پر نازل ہو گیا وہ عذاب) جس کی ہنسی اڑایا کرتے تھے اور ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں بھی غارت کر ڈالی ہیں (یعنی ان بستیوں والوں کو جیسے ثمود و عاد اور قوم لوط) اور ہم نے بار بار نشانیاں (کھلی دلیلیں) بتلا دی تھیں تا کہ وہ باز آجائیں۔ سو ان کی مدد کیوں نہ کی (ان کا عذاب دور کر کے) ان چیزوں نے جن کو انہوں نے اللہ کے سوا اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے (ان کی پرستش کر کے اللہ کی نزدیکی حاصل کرنے کے لئے) معبود بنا رکھا تھا (اللہ کے ساتھ شریک کر کے یعنی بتوں کو اور اتخذوا کا مفعول اول ضمیر محذوف ہے جو موصول کی طرف لوٹتی ہے یعنی ہم اور مفعول ثانی قربانا ہے اور آلہۃ اس کا بدل ہے) بلکہ وہ تو سب کے سب غائب (گم) ہو گئے (عذاب آنے کے وقت) اور وہ یعنی بتوں کو خدائی قرب حاصل کرنے کے لئے معبود بنالیتا) محض ان کی تراشی ہوئی (جھوٹ) اور گھڑی ہوئی بات ہے (یہ لوگ غلط بیانی سے کام لیتے ہیں اور ما مصدریہ ہے یا موصولہ

ہےاور عائد محذوف ہے یعنی فیہ)اور (یاد کیجئے) جب کہ ہم لے آئے (مائل کردیا) آپ کے پاس جنات کی ایک جماعت (نصیبین یمن یا نینوی کے جنات جو سات یا نو تھے اور آنحضرت ﷺ بطن نخلہ میں اپنے احباب کے ساتھ نماز فجر پڑھ رہے تھے شیخین کی روایت کے مطابق)جو قرآن سننے لگے تھے۔ غرض وہ جب قرآن کے پاس پہنچے تو (آپس) میں کہنے لگے کہ خاموش رہو (غور سے سنو) پھر جب قرآن پڑھا جا چکا (قراءت سے فراغت ہوگئی) تو وہ جنات اپنی قوم کے پاس ان کو خبر دار کرنے کے لئے واپس پہنچ (لوٹ) گئے کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان پر عذاب آجائے گا۔ اس بات سے ڈرانے کے لئے اور یہ جنات یہودی تھے) کہنے لگے اے بھائیو! ہم ایک کتاب (قرآن) سن کر آ رہے ہیں جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی ہے۔ جو پہلی کتابوں کی (جیسے تورات ہے) تصدیق کرنے والی ہے حق (اسلام) اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے بھائیو! تم اللہ کی طرف بلانے والے (محمد ﷺ جو ایمان کی طرف دعوت دینے والے ہیں) کا کہنا مانو اور ان پر ایمان لے آؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ یعنی بعض گناہوں کو کیونکہ جو مظالم ہیں وہ مظلوموں کی مرضی کے بغیر معاف نہ ہوں گے)اور تمہیں دردناک (سخت) عذاب سے بچالے گا اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہیں مانے گا تو وہ دنیا میں ہرا نہیں سکتا (یعنی کہیں بھاگ کر اللہ کو عاجز نہیں کرسکتا کہ بچ جائے) اور (کہنا نہ ماننے والے کے لئے) اللہ کے سوا اس کا حامی نہیں ہوگا۔ (مددگار جو اللہ کے عذاب سے بچالے) یہ لوگ (جو کہنا نہیں مانتے)۔ صریح گمراہی میں ہیں (جو بالکل واضح ہے) کیا ان لوگوں (منکرین قیامت) نے یہ نہ جانا کہ جس خدا نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے میں ذرا بھی نہیں تھکا (عاجز نہیں ہوا) وہ اس پر قدرت رکھتا ہے (ان کی خبر ہے جس پر با زائد ہے۔ کیونکہ تقدیر عبارت اس طرح تھی "الیس اللہ بقادر" کہ مردوں کو زندہ کردے۔ کیوں نہیں (وہ مردوں کو جلانے پر قادر ہے) بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جس روز کافر دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے (عذاب بھگتنے کے لئے تو ان سے کہا جائے گا) کیا یہ (دوزخ کا عذاب) امر واقعی نہیں ہے۔ بولیں گے ہمارے پروردگار کی قسم ضرور امر واقعی ہے۔ ارشاد ہوگا تو اپنے کفر کی پاداش میں اس کا عذاب چکھو۔ پس آپ (اپنی قوم کی تکالیف پر) صبر کیجئے۔ جیسا کہ اور ہمت والے (مصیبتوں کو جھیل کر برداشت کرنے والے) پیغمبروں نے کیا ہے (جو آپ سے پہلے ہوگزرے ہیں۔ لہٰذا آپ بھی باہمت بن جائیں گے۔ اور من بیانیہ ہے۔ چنانچہ تمام انبیاء باہمت ہی ہوتے ہیں۔ اور بعض کی رائے میں من تبعیضیہ ہے۔ کیونکہ آدمؑ ان میں شامل نہیں ہیں۔ جیسا کہ آیت **ولم نجد له عزما** سے معلوم ہوتا ہے اور حضرت یونسؑ بھی ان میں نہیں۔ چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہے **ولا تکن کصاحب الحوت** الخ)اور آپ ان لوگوں کے لئے جلدی نہ کیجئے (اپنی قوم پر جلد عذاب نازل ہونے کے لئے۔ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی قوم سے تنگ دل ہو کر ان پر عذاب چاہ رہے تھے۔ اس لئے صبر کرنے اور عذاب میں جلدی نہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ کیونکہ آخر کار عذاب تو آئے گا ہی جس روز یہ لوگ دیکھیں گے اس کو جس کے بارہ میں ان کو دھمکایا جا رہا ہے (عذاب آخرت کو اس کا سلسلہ طویل کی وجہ سے) تو گویا یہ لوگ دن بھر میں (دنیا کے لحاظ سے ان کے گمان میں) ایک گھڑی رہے ہوں گے۔ (یہ قرآن) پہنچا دیتا ہے (اللہ کا پیغام تمہیں دے دینا ہے) سو وہی برباد ہوں گے (عذاب آنے پر) جو نافرمانی کریں گے۔

تحقیق وترکیب:............**اذ انذر**۔ لفظ اذ بدل اشتمال ہے **اخا عاد** کا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ اذ ہمیشہ محل نصب میں ہوتا ہے ظرفیت کی بناء پر۔

الاحقاف: حقف کی جمع ہے۔ لمبا خمدار ریت کا ٹیلہ حقف الرمح نیزہ ٹیڑھا ہوگیا۔ بقول ابن عباسؓ عمان ومہرہ کے درمیان ایک وادی ہے۔

من بین یدیه: چار پیغمبر ہودؑ سے پہلے ہوئے۔ آدمؑ، شیثؑ، ادریسؑ، نوحؑ، اور بعد میں صالحؑ، ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحٰقؑ وغیرہ ہوئے۔

ان لا تعبدوا: مفسر نے اشارہ کیا کہ ان مخفہ ہے یا مصدریہ اور با مقدر ہے۔

انما العلم ۔یعنی عذاب کا وقت اور بقول کرخیؒ مجھے قطعاً نہ معلوم اور نہ اس میں کوئی دخل ہے کہ میری طرف سے جلدی ہوئی۔ پس گویا یہ " **فاتنا بما تعدنا** " کا جواب ہے۔ لہٰذا زمخشریؒ کے اس کہنے کی اب حاجت نہیں رہ جاتی کہ اس سے باب دعا بند ہو گیا۔

فلما راوہ: یعنی ضمیر ماقبل یعنی عذاب کی طرف راجع ہے اور زمخشریؒ کی رائے میں یہ مبہم ہے جس کی تفسیر عارضا ہے جو تمیز یا حال ہے لیکن زمخشریؒ کی اس رائے پر تنقید کی گئی ہے کہ یہ صورت تو باب رب ونعم کے ساتھ مخصوص ہے۔ نیز نحوی حضرات اس کو تفسیر نہیں کہتے۔

عارضا . ای معترضا فی افق السماء۔

مستقبل او دیتھم: اس میں اضافت لفظی ہے۔ اسی لئے نکرہ کی صفت بن رہی ہے اور ممطرنا میں بھی یہی صورت ہے

بل ھو: یہ کلام باری ہے یا کلام ہود؟ بہتر دوسری صورت ہی ہے۔

فاصبحوا : ہودؑ اور ان کے رفقا چار ہزار ہوں گے اور بستی میں صرف مکان یا نشان رہ گئے۔ مکیں کا کہیں پتہ نشان نہ رہا یہ روئے سخن آنحضرت ﷺ کی طرف سے ہے یا ہر سننے والے کو خطاب ہے۔

ان مکنا کم: ان نافیہ بمعنی ما ہے تکرار سے بچنے کے لئے خود ما نہیں لایا گیا۔ اور شرطیہ مانا جائے تو جواب محذوف ہوگا۔ **ای ولقد مکناھم فی الذی ان مکنا کم فیہ** ۔

اذ کانو ا: میں فما اغنی کی وجہ سے اذ منصوب ہے اور گویا علت ہے بقول زمخشری کیونکہ ظرف اور علت کا ماحصل قریب قریب ایک ہی ہوتا ہے۔ البتہ تمام ظروف میں نہیں۔ بلکہ اذ اور حیث کی حد تک ہے۔

قربانا :تقرب اگر چہ لازم ہے تاہم با کے ذریعے متعدی ہو گیا اور " **اتخذوا** " کا مفعول اول ضمیر محذوف ہے جو موصول کی طرف راجع ہے اور قربانا مفعول ثانی ہے اور آلہتہ بدل ہے۔ یہ رائے ابن عطیہ، حوفیؒ اور ابوالبقاؒ کی ہے۔ لیکن بعض کی رائے ہے کہ آلہتہ مفعول ثانی ہے یا حال مقدم یا مفعول ہے۔ جیسا کہ ابھی ذکر آ رہا ہے۔

دوسری ترکیب یہ ہے کہ ضمیر حسب سابق مفعول محذوف اور قربانا حال اور آلہتہ مفعول ثانی ہو۔ **ای فھلا نصرھم الذین اتخذوھم متقر بابھم آلھة**، تیسری صورت یہ ہے کہ قربانا مفعول لہ ہے۔ اس صورت میں مفعول محذوف رہے گا اور آلہتہ مفعول ثانی ہے۔

نفرا۔ تین سے دس افراد تک بولا جا سکتا ہے۔

نینویٰ۔ موصل میں حضرت یونس علیہ السلام کی بستی کا نام ہے۔

جنات نصیبین کے نام یہ ہیں۔ ا۔منشی، ۲۔ ناشی، ۳۔ مناصین، ۴۔ ماضر، ۵۔ الاحقب (مواہب میں ابن درید سے نقل کیا ہے اور بقیہ نام نہیں لکھے ہیں۔

مفسرؒ نے بطن نخلہ مقام کا نام بتلایا ہے۔ حالانکہ یہ جگہ مدینہ سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر ہے اور آنحضرت ﷺ نے صلوٰۃ الخوف پڑھی ہے۔ بلکہ صحیح نام بطن نخلہ ہے۔ جو مکہ سے ایک رات کے فاصلہ سے طائف کے راستہ پر ہے۔ نیز آپ کے ہمراہ زید بن حارثہؓ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ اس میں بھی تسامح ہوا۔ نیز وقت فجر کہنے میں بھی تسامح ہوا ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ نماز کی فرضیت سے پہلے ہوا ہے۔ اس لئے بعض نے ان دو رکعتوں کو اس دوگانہ پہ محمول کیا ہے۔ جو پنجگانہ فرائض سے پہلے آپ ادا فرماتے تھے۔

مواہب میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ابوطالب کی وفات کے بعد باہر نکلے۔ زید بن حارثہ ہمراہ تھے۔ چنانچہ ایک ماہ آپ نے قیام فرمایا اور اشراف ثقیف کو اسلام کی دعوت دی۔ لیکن انہوں نے قبول نہیں کی۔ بلکہ غنڈوں کو آنحضرت ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ جنہوں نے بہت کچھ ستایا۔ طائف سے جب آپ کی واپسی ہوئی تو نخلہ میں فروکش ہوئے۔ یہاں جنات کی حاضری ہوئی جب کہ آپ نماز تہجد میں مصروف تھے۔

اور تفسیر کبیر میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اہل مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپسی پر بطن نخلہ میں فروکش ہو کر

نماز فجر پڑھ رہے تھے کہ اشراف جن حاضر خدمت ہوئے۔ سورہ جن کی آیات اسی سلسلہ کی ہیں۔

یستمعون: لفظ نفر کی رعائت سے تو یسمع مفرد آنا چاہیے تھا۔ مگر معنی کی رعایت سے جمع لائی گی۔ بعض نے ان کی تعداد ستر بتلائی ہے جن میں یہود، نصاریٰ، مجوس، بت پرست سب قسم کے تھے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات تین قسم کے ہیں۔ ایک قسم کے پر ہوتے ہیں۔ دوسری قسم سانپ اور کتوں کی شکل میں ہوتی ہے۔ اور تیسری قسم ہوائی ہوتی ہے۔ مومن جنات کے متعلق اقوال ہیں۔ امام اعظم اور ابواللیث کے نزدیک جہنم سے رہائی دے کر ان کو نابود کر دیا جائے گا۔ جنات جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ علامہ نسفی کہتے ہیں کہ امام اعظم ان کو ثواب ملنے میں توقف فرماتے ہیں۔ اور نفی بھی یقین سے نہیں کرتے تینوں ائمہ اور صاحبین کے نزدیک انسانوں کی طرح یہ بھی اہل جنت ہوں گے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ جنت کے آس پاس رہیں گے۔

من بعد موسیٰ۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کا حال جنات کو معلوم نہیں ہوا ہوگا۔

من ذنوبکم۔ حقوق العباد کی معافی متعلقہ اشخاص کی مرضی سے ہوگی، البتہ آگ میں جل جانے والا شخص مستثنیٰ ہے اس کو نہ قصاص میں قتل کیا جائیگا اور نہ اُخروی عذاب ہوگا۔

ولم یعی بخلقهن۔ مفسرؒ ایک شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ شبہ یہ ہے کہ باؔ نفی کے بعد آیا کرتی ہے۔ اور یہاں ان کے بعد مثبت ہے۔ پھر بخلقهن پر با کیسے داخل ہوگئی۔ جواب یہ ہے کہ نفی ابتداء آیت میں آ چکی ہے یعنی اولم یروا۔ اس لئے تقدیر عبارت اس طرح ہو گی۔ الیس اللہ بقادر اسی لئے آگے بلیٰ ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

یوم یعرض: مفسرؒ نے یقال سے اشارہ کر دیا کہ یوم محذوف کا ظرف ہے اور الیس هذا بالحق قول محذوف کا مقولہ ہے۔

وربنا: واؤ قسمیہ ہے ان کے جواب کی تاکید کے لئے لائی گئی ہے۔ گویا ان کو یہ امید ہوگئی۔ کہ شاید اعتراف جرم ہی سے چھٹکارا مل جائے۔

: کاف بمعنی مثل ہے اور ما مصدریہ ہے مصدر محذوف کی صفت ہے۔ ای اصبر صبرا مثل صبر اولی العزم یوں تو اولوالعزم سارے ہی انبیاء ہیں۔ جمہور مفسرین کا قول یہی ہے مفسرؒ بھی من بیانیہ کہہ کر اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ لیکن اگر خاص درجہ عزم مراد لیا جائے تو بقول ابن عباسؓ آنحضرت ﷺ اور حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، اس کا مصداق ہیں۔

ابن عساکر قتادہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت نوحؑ ہودؑ، ابراہیمؑ، شعیب و موسیٰؑ ہیں اور ابن المنذر ابن جریجؒ سے نقل کرتے ہیں۔ کہ اسماعیلؑ، یعقوبؑ اور ایوب ہیں۔ حضرت آدمؑ، یونسؑ، سلیمانؑ، ان میں داخل نہیں ہیں۔ اور مردویہؒ، ابن عباس سے ناقل ہیں کہ حضرت نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ، موسیٰؑ، داؤدؑ، اور سلیمان مراد ہیں۔ اور جابر سے منقول ہے کہ تین سو تیرہ رسول ہیں اور مقاتلؒ کے نزدیک چھ ہیں۔ نوحؑ، ابراہیمؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ، ایوبؑ، ہیں۔ اور صاحب قاموسؒ نے حضرت موسیٰؑ، داؤدؑ، عیسیٰؑ تین کا اضافہ کر کے نو کہا ہے۔ بہر حال تلک الرسل فضلنا الخ کی رو سے تمام انبیاء یکساں نہیں ہیں۔ ان میں فرق مراتب ہے۔

بلاغ: عام قراءت میں مرفوع ہے۔ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ تلک الساعة بلاغ۔

الا ساعة: قرینہ کی وجہ سے یا تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ هذا القران او الشرع بلاغ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ مبتدء اور اس کی خبر لهم ہو جو لا تستعجل کے بعد ہے۔ مگر اس صورت میں لا تستعجل پر وقف کرنا پڑے گا۔ اور جملہ تشبیہ کے فصل کی وجہ سے یہ ترکیب نہایت ضعیف ہے۔ نیز لهم کا بظاہر تعلق لا تستعجل سے ہے۔ البتہ زید بن علیؓ، حسنؒ، عیسیٰؒ نے بلاغا نصب کے ساتھ پڑھا ہے بنا پر مصدریت کے۔ ابومجلزؒ کی قراءت ''بلغ امرا'' سے بھی اس کی تائید ہوئی ہے۔ اور مکیؒ کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ساعة کی صفت کی بنا پر نصب بھی جائز ہے۔ چنانچہ نصب کی قراءت ابھی گزری ہے۔ مگر غالباً ان کو یہ قراءت نہیں پہنچی ہوگی۔ اور حسن نے بلاغ جر کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ حذف مضاف کے ساتھ یہ نہار کی صفت ہو جائے گا۔ ای من نهار ذی بلاغ یا زمانہ کو بطور بلاغ کے ساتھ متصف کیا۔

فهل يهلك ۔ اس کے حصر سے یہ مفہوم ہورہا ہے کہ مومن فاسق اگر ایمان پر انتقال کرے تو اس کے لئے نجات ہے۔ اے اللہ کریم اس عبد اثیم کو بھی اس امید سے ناامید نہ کیجئے۔ علامہ قرطبیؒ نے ابن عباسؓ سے عورت کے دردزہ کے لئے یہ تعویز نقل کیا ہے کہ پیالہ پر لکھ دیتے تھے۔ جو عورت کو دھو کر پلانے سے بسہولت جلد ولادت ہوجاتی ہے۔ **بسم الله الرحمٰن الرحيم لا اله الا الله العظيم الحليم الكريم سبحان الله رب السمٰوات ورب الا رض ورب العرش العظيم كانهم يوم يرونها لم يلبثوا لا عشية اوضحا ها كانهم يوم يرون ما يوعدون لم يلبثوا الا ساعة من نهار بلٰغ فهل يهلك الا القوم الفاسقون.**

ربط: .... سابقہ مضمون رسالت کی تائید کے لئے عرب اور آس پاس کی گذشتہ قوموں عاد وثمود ولوط وغیرہ کے واقعات ذکر کئے جارہے ہیں تا کہ ان کے لئے درس عبرت ہوں۔

اولم يروا ۔ پچھلی آیت یوم یعرض الذین میں اسی طرح بعد کی آیات میں قیامت کی جزاء وسزا کا بیان تھا۔ لیکن چونکہ بعض مخاطب خود امکان قیامت ہی کے منکر تھے۔ اس لئے اس آیت میں پہلے قیامت کا امکان پھر اس کا اور عذاب کا وقوع پھر اس پر پیغمبر کی صبر وتسلی بطور تفریع فرمائی جا رہی ہے اور اس کی تاکید کے لئے کفار کی تفریع بعنوان کلی ارشاد ہے۔

شان نزول وروایات: .... **فلما روه** ۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے جب قوم عاد پر آثار عذاب آتے دیکھے تو اپنی مختصری مومن جماعت کو لے کر حضیرۃ القدس تشریف لے گئے۔ چنانچہ آندھی آئی اور لوگ ریت کے تودوں کے نیچے دب گئے۔ ایک ہفتہ کے بعد پھر آندھی چلی اور ریت کو دوسری طرف منتقل کر دیا اور تمام نعشوں کو سمندر میں اُٹھا کر پھینک دیا۔ برخلاف حضرت ہودؑ اور ان کے رفقاء کے شروع میں جب ان کو عذاب کی آندھی کا احساس ہوا تو انہوں نے ایک حصار کھینچ دیا جس میں وہ سب محفوظ رہے ہوا ان پر گزرتی نہایت جانفزا بن جاتی۔

ولقد صرفنا: آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے کاہنوں اور نجومیوں کو کچھ آسمانی خبریں معلوم ہوجایا کرتی تھیں۔ مگر آپ پر وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ سلسلہ تقریباً بند ہوگیا۔ جنات کو خیال ہوا کہ ضرور کوئی بات ہوئی کہ آسمانی خبروں پر اس قدر پہرے بٹھا دیئے گئے۔ اس کی جستجو کے لئے ان کی ٹکڑیاں مختلف سمتوں میں پھیل گئیں۔ اتفاق سے ایک جماعت کا گزر بطن نخلہ پر ہوا۔ وہاں آنحضرت ﷺ مع چند رفقا کے نماز فجر ادا فرمارہے تھے۔ قرآن کی آواز جب ان کے کانوں میں پہنچی اور وہ بھی خود صاحب وحی کے لب ولہجہ اور کیفیات کے ساتھ، تو عجیب سماں بندھا، اور وہ اس کی عظمت وہیبت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے خاموشی کے ساتھ سنتے رہے اور سرگوشیاں کرتے رہے جب قرآن کی دلکشی اور تاثیر نے ان کے دلوں میں گھر کرلیا۔ تو سمجھے کہ ہو نہ ہو یہی سبب ہے۔ جس سے آسمانی خبریں آنی بند ہوگئیں۔ حضور ﷺ نماز وقرآن سے فارغ ہوئے اور یہ جنات اثر میں ڈوبے ہوتے اپنی قوم میں واپس ہوئے اور جاکر انہیں نصیحت وفہمائش کی۔

﴿ **تشریح** ﴾: .... حضرت ہود علیہ السلام عاد کے بھائی تھے۔ احقاف میں قیام پذیر تھے، جو "ارض القرآن" کے بیان کے مطابق یمامہ، عمان، بحرین، حضرموت اور مغربی یمن کے درمیان جو صحرائے اعظم ہے وہ اگرچہ نا قابل رہائش ہے تاہم آس پاس کہیں کہیں کچھ زمین کے ٹکڑے ہیں۔ بالخصوص حضرموت سے نجران تک عہد قدیم میں آباد تھا۔ عادارم کا مشہور قبیلہ رہتا تھا۔ جو خدا کی نافرمانی کی پاداش میں نیست ونابود ہوگیا۔

وقد خلت النذر ۔ یا تو حق تعالیٰ کا ارشاد بطور جملہ معترضہ تائید کے لئے ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود حضرت ہودؑ نے سب پیغمبروں کا اتفاق مسئلہ توحید میں بطور تائید بیان فرمایا ہو اور وہ نذیر ممکن ہے دوسری بستیوں کے مراد ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسی بستی میں آئے ہوں بہرحال قوم پر کہاں جو تنگ لگنے والی تھی انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم اس پرانی ڈگر سے ہٹنے والے نہیں۔ جو تم زبانی دھمکیاں دے رہے ہو۔ ذرا دھمکیاں پوری کر کے دکھاؤ۔ فرمایا کہ عذاب تو آئے گا، پر آئے گا لیکن کب؟ یہ اللہ ہی جانے مجھے جتنا بتلایا گیا ہے۔ میں نے تمہیں بتلا دیا ہے۔ اس سے زائد کا نہ مجھے علم اور اختیار اللہ ہی جانتا

ہے کہ مہلت کب تک ہے اور ساعت عذاب کب آئے گی؟ تعجب ہے کہ تم اپنی بربادی کی فرمائش کر رہے ہو کوئی حد ہے اس جسارت اور گستاخی کی۔

قوم عاد وہود پر عذاب کا بادل:............ فلما رواہ۔ چنانچہ عذاب کا بادل سامنے اٹھتا دکھائی دیا۔ نادان بہت خوش ہوئے اور سمجھے کہ اب ندی نالے بھر جائیں گے اور خشک سالی سے مارے ہوؤں کا کام بن جائے گا مگر وہ برسنے والا بادل کب تھا وہ تو ان کی کم بختی کا بادل اور تباہی کی آندھی تھی۔ جس کے وہ خواہاں ہو رہے تھے۔ چنانچہ ایک ہفتہ کے شدید طوفان نے ان کے سارے مکانات مٹا کر رکھ دیئے۔ آدمی جانور، درخت تنکوں کی طرح اُڑے پھر رہے تھے۔ مکانات کھنڈرات میں تبدیل ہو کر رہ گئے۔ اے مکہ کے باسیو! دیکھ لیا تم نے اللہ کے مجرموں کا کیا حال ہوا اب بھی سنبھل جاؤ ورنہ تمہارا انجام بھی یہی ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ اور آسانی سے۔ کیوں کہ وہ ہر چیز میں تم سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ مگر عذاب کے آگے کوئی چیز کام نہ دے سکی۔ آخر تم کس بات پر مغرور ہو۔ انہیں نصیحت سننے کے لئے کان اور قدرت کی نشانیاں دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سمجھنے بوجھنے کے لئے دل دیئے تھے۔ پر وہ اندھے، بہرے پاگل بن کر پیغمبروں کا مقابلہ کرتے رہے اور کسی قوت سے کام نہ لیا۔ آخر کار یہ قوتیں دیکھنے میں سب موجود رہیں مگر عذاب الٰہی نے آگھیرا، تو کچھ کام نہ آسکا۔ وہ جس کی ہنسی اُڑایا کرتے تھے، وہ قدرت اب گویا ان سب پر مسکرا رہی تھی اور قوم عاد ہی نہیں بلکہ قوم ہود ولوط کی بستیاں بھی اسی طرح الٹ کر رکھ دی گئی۔ جو اہل مکہ کے آس پاس اور ان کی گذرگاہیں تھیں۔ انہیں کتنا سمجھایا، کتنی ڈھیل دی پر وہ اتنے سمجھانے پر بھی باز نہ آئے اور جن بتوں کی پرستش وہ اس لئے کرتے تھے کہ وقت پر کام آئیں گے ہمیں اللہ کے نزدیک کر دیں گے۔ آخر وقت پڑا تو وہ کیا ہوئے، کہاں گئے ذرا ان کو بلایا تو ہوتا، اب کام نہ آئے تو پھر کب کام آئیں گے، مگر آج کا کہیں پتہ نہیں۔ جس سے ظاہر ہوا ہے یہ سب من گھڑت، جھوٹی، واہیات باتیں تھیں، جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے پھر وہ چلے تو کیسے؟

انسان سے تو جنات ہی غنیمت نکلے:............ واذ صرفنا الخ یعنی اشرف المخلوق انسان کی سرکشی اور نافرمانی تو دیکھ لی۔ اب ذرا جنات کی اطاعت کوشی اور فرمابرداری کا موازنہ کرلو حالانکہ ان میں تکبر کا مادہ زیادہ ہوا کرتا ہے۔ مگر ایمان کے آگے کفر سے بالکلیہ دست بردار ہو گئے بطن نخلہ کی پہلی حاضری میں جب کہ آپ ﷺ نماز فجر میں مشغول تھے۔ جنات کی حاضری اور متاثر ہو کر واپسی اس وقت تو حضور ﷺ کو تفصیل سے معلوم نہ ہو سکی۔ صرف ایک درخت نے اللہ کے حکم سے اس کی اجمالی اطلاع آپ کو دی۔ مگر حسب بیان خفاجی چھ مرتبہ جنات کی آپ سے ملاقاتیں ہوئیں۔ بعد میں اس کی تفصیلات کا آپ کو پتہ چل سکا۔ چنانچہ سورہ جن نازل ہوئی اس میں اس کا ذکر ہے۔ جنات کی تعداد بہت سی باتوں میں جو روایات مختلفہ آئیں ہیں ان کو متعدد واقعات پر محمول کر کے منطبق کیا جا سکتا ہے۔

جنات کی نظر میں قرآن:............ من بعد موسیٰ۔ اس جملہ سے بعض نے یہ سمجھا کہ وہ جن یہودی تھے۔ حالانکہ اس کی کوئی نقلی دلیل نہیں ہے اور یہ استنباط ناکافی ہے۔ البتہ چونکہ کوئی آسمانی کتاب تورات کے برابر احکام پر مشتمل نہیں تھی۔ اس لئے انبیاء اسرائیل اس پر عامل رہے۔ حتی کہ حضرت عیسیٰؑ کو بھی فرمانا پڑا کہ میں تورات بدلنے کے لئے نہیں بلکہ اس کو مکمل کرنے کیلئے آیا ہوں۔ ادھر حضرت سلیمانؑ کے وقت سے ہی جنات میں تورات مشہور چلی آرہی تھی ممکن ہے کہ انہوں نے اس اہمیت کے پیش نظر یہ اشارہ کیا ہو کہ جیسی مستقل اور عظیم کتاب موسیٰ لے کر آئے تھے۔ اسی کے مشابہ اور اسی عظمت وشان کا یہ قرآن معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کو یہ پیش گوئی ہوئی تھی کہ اے موسیٰ تیری مانند ایک نبی اُٹھاؤں گا

رہا یہ کہ انہوں نے تھوڑا سا قرآن سن کر یہ کیسے سمجھ لیا؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اس وقت حضور ﷺ نے جو قرآن کا حصہ تلاوت فرمایا اس میں یہ مضمون ہو یا کسی قرینہ اور طرز بیان، جلالت شان سے انہیں یہ گمان ہوا ہو جو واقعہ کے مطابق نکلا۔

یھدی الی الحق۔ حق اور طریق مستقیم میں یا اصول وفروع کا فرق مانا جائے اور یا ایک صفت کا عطف دوسری صفت پر ہو رہا ہے۔

اسلام لانے سے پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں: .... یقومنا ۔ جو گناہ اسلام لانے سے پہلے حالت کفر میں ہو چکے وہ اسلام کی برکت سے سب معاف ہو گئے ۔ الاسلام یهدم ما کان قبله اب آئندہ نیا کھاتہ کھلے گا۔ بعض حضرات نے من ذنوبکم میں من تبعیضیہ لیا ہے کیونکہ اسلام لانے سے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے لیکن بعض علماء نے من کو زائد مانا ہے۔ یعنی اسلام لانے سے کل گناہ معاف ہوجاتے ہیں ۔ رہ گئے حقوق العباد تو ان کی دو قسمیں ہیں ۔ بعض گناہ بھی ہیں جیسے قتل وغیرہ ان کا معاف ہونا تو متفق علیہ ہے اور جو حقوق محض حقوق ہیں گناہ نہیں جیسے قرض وغیرہ وہ چونکہ گناہ میں داخل ہی نہیں کہ اشکال ہو۔ اس لئے من تبعیضیہ لینے کی ضرورت نہیں رہ جاتی ۔

جنات جنت میں جائیں گے یا نہیں: .... اور جنات کو کفر ومعصیت پر عذاب ہونا تو متفق علیہ ہے۔ لیکن ایمان وطاعت پر جنت وثواب ملنا مختلف فیہ ہے۔ جمہور تو عمومات شرعیہ کی وجہ سے اور خاص طور پر آیت رحمٰن لم یطمثهن انس قبلهم ولا جان کی بناء پر اور نیز سورہ انعام کی آیت ولکل درجات مما عملوا کے سبب جنت وثواب کا عطا ہونا انسانوں کی طرح مانتے ہیں ۔ لیکن امام اعظمؒ کسی خاص قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ نص نہ پائے جانے کی وجہ سے غایت احتیاط کے سبب توقف فرماتے ہیں نہ اقرار نہ انکار جیسا کہ علامہ ابو البرکات نسفی نے ''التیسیر'' میں یہ مسلک نقل کیا ہے۔ لیکن امام صاحب کی نسبت جو مشہور ہو گیا کہ وہ جنات کے جنتی ہونے کے قائل نہیں ۔ غالباً نقل مذہب میں غلطی ہوئی ہے۔ واللہ اعلم ۔

ولم یعی بخلقهن: میں یہود کے اس عقیدہ کا رد ہے کہ یوم السبت (سنیچر) کو زمین وآسمان کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے آرام فرمایا۔ پس جو اتنا بڑا کام کر کے نہیں تھکا اسے تمہیں دوبارہ پیدا کرنے میں کیا تھکن ہوگی ۔ لہٰذا اس دھوکہ میں نہ رہنا کہ مر کر کون زندہ ہوتا ہے اللہ کو کچھ مشکل نہیں ۔

الیس هذا جهنم اور اس کے عذاب کا مشاہدہ کرا کر اور اس کا مزہ چکھا کر اقرار کرالیا جائے گا۔ جادو وہی ہے جو سر چڑھ کر بولے ۔ ارشاد ہوگا کہ اب خالی اقرار سے کیا۔ ذرا انکار کا مزہ تو چکھو اور چکھتے ہی رہو۔

فاصبر: یعنی جب معلوم ہو گیا کہ منکرین کو سزا ضرور ملے گی دنیا میں ملے یا آخرت میں ۔ بس اس معاملہ میں اب آپ جلدی نہ کریں اور صبر سے کام لیں جو اولوالعزم انبیاء کا شیوہ رہا ہے۔

اولوالعزم پیغمبر کون ہوئے ہیں: .... محققین کی رائے ہے کہ سب پیغمبر اولوالعزم ہیں ۔ اس لئے ''من الرسل'' میں من بیانیہ ہے۔ البتہ آیت تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض کی رو سے بعض انبیاء اس وصف میں بڑھے ہوئے ہیں ۔ اس لئے وہ اس لقب سے مشہور ہو گئے جیسا کہ اعلام غالبہ میں ہوا کرتا ہے پھر ان کی تعیین میں بھی اختلاف ہے۔ اکثر کی رائے ہے کہ آیت احزاب واذ اخذنا من النبیین میثاقهم ومنک ومن نوح وابراهیم وموسیٰ وعیسی ابن مریم کی رو سے اولوالعزم بالمعنی الثانی یہ پانچ انبیاء ہیں ۔ واللہ اعلم

لم یلبثوا ۔ یعنی اب تو دنیا میں عذاب آنے میں دیر سمجھتے اور کہتے ہیں جلد کیوں نہیں آجاتا ۔ مگر اس دن جانیں گے ۔ کہ بہت جلد آ گیا دنیا میں تو گھڑی بھر ہی ٹھہرے تھے یا برزخ کا رہنا گھڑی بھر معلوم ہوگا ۔ گزری ہوئی مدت تو یوں بھی کم معلوم ہوا کرتی ہے اور مصیبت وسختی کے وقت عیش و آرام کا سارا زمانہ کافور نظر آتا ہے ۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے نصیحت کی حد تک حجت پوری کر دی اور سب نیک وبد سمجھا دیا ۔ اب کوئی نہ مانے وہ جانے ۔ ہم کسی کو بے قصور نہیں پکڑا کرتے ۔ اسی کو غارت کرتے ہیں جو غارت ہونے پر کمر باندھ لے۔

لطائف سلوک: .... آیت امنوا به یغفر لکم الخ ثواب ذکر نہ فرمانے میں شاید اسی طرف اشارہ ہو کہ بندہ کا نجات پا جانا ہی کیا کم انعام ہے اس کے استحقاق سے یقیناً زائد ہے ۔ پھر اپنے کو خاص درجات کا مستحق اور اہل کیوں سمجھے یہی تواضع قلندرانہ مذاق ہے ۔

سُــــوْرَةُ الْقِتَالِ

سُوْرَةُ الْقِتَالِ مَدَنِيَّةٌ اِلَّا وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ الآية اَوْ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ اَوْ تِسْعٌ وَّ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ **وَ صَدُّوْا** غَيْرَهُمْ **عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اَيِ الْاِيْمَانِ **اَضَلَّ** اَحْبَطَ **اَعْمَالَهُمْ** ﴿۱﴾ كَاِطْعَامِ الطَّعَامِ وَصِلَةِ الْاَرْحَامِ فَلَا يَرَوْنَ لَهَا فِي الْاٰخِرَةِ ثَوَابًا وَ يُجْزَوْنَ بِهَا فِي الدُّنْيَا مِنْ فَضْلِهٖ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** اَيِ الْاَنْصَارُ وَ غَيْرُهُمْ **وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ** اَيِ الْقُرْاٰنِ **وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ** غَفَرَ لَهُمْ **سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ** ﴿۲﴾ اَيْ حَالَهُمْ فَلَا يَعْصُوْنَهٗ **ذٰلِكَ** اَيْ اِضْلَالُ الْاَعْمَالِ تَكْفِيْرُ السَّيِّئَاتِ **بِاَنَّ** بِسَبَبِ اَنَّ **الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ** الشَّيْطَانَ **وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ** الْقُرْاٰنَ **مِنْ رَّبِّهِمْ كَذٰلِكَ** اَيْ مِثْلُ ذٰلِكَ الْبَيَانِ **يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ** ﴿۳﴾ يُبَيِّنُ اَحْوَالَهُمْ اَيْ فَالْكَافِرُ يُحْبِطُ عَمَلَهٗ وَالْمُؤْمِنُ يَغْفِرُ اللّٰهُ **فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ** مَصْدَرٌ بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ بِفِعْلِهٖ اَيْ فَاضْرِبُوْا رِقَابَهُمْ اَيْ قْتُلُوْهُمْ وَ عَبَّرَ بِضَرْبِ الرِّقَابِ لِاَنَّ الْغَالِبَ فِي الْقَتْلِ اَنْ يَّكُوْنَ بِضَرْبِ الرَّقَبَةِ **حَتّٰى اِذَا اَثْخَنْتُمُوْهُمْ** اَيْ اَكْثَرْتُمْ فِيْهِمُ الْقَتْلَ **فَشُدُّوا** اَيْ فَاَمْسِكُوْا عَنْهُ وَاَسِرُوْهُمْ وَشُدُّوا **الْوَثَاقَ** مَا يُوْثَقُ بِهِ الْاَسْرٰى **فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ** مَصْدَرٌ بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ بِفِعْلِهٖ اَيْ تَمُنُّوْنَ عَلَيْهِمْ بِاِطْلَاقِهِمْ مِنْ غَيْرِ شَيْئٍ ۔ **وَاِمَّا فِدَآءً** اَيْ تُفَادُوْهُمْ بِمَالٍ اَوْ اَسْرٰى مُسْلِمِيْنَ **حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ** اَيْ اَهْلُهَا **اَوْزَارَهَا** اَثْقَالَهَا مِنَ السِّلَاحِ وَغَيْرِهٖ بِاَنْ يُّسْلِمَ الْكُفَّارُ اَوْ يَدْخُلُوْا فِي الْعَهْدِ وَهٰذِهٖ غَايَةٌ لِّلْقَتْلِ وَالْاِسْرِ **ذٰلِكَ** خَبَرُ مُبْتَدَاٍ مُقَدَّرٍ اَيِ الْاَمْرُ فِيْهِمْ مَا ذُكِرَ **وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ** بِغَيْرِ قِتَالٍ **وَلٰكِنْ** اَمَرَكُمْ بِهٖ **لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ** مِنْهُمْ فِي الْقِتَالِ فَيَصِيْرُ مَنْ قُتِلَ مِنْكُمْ اِلَى الْجَنَّةِ وَمِنْهُمْ اِلَى النَّارِ **وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا** وَفِيْ قِرَاءَةٍ قَاتَلُوْا اَلْاٰيَةُ نَزَلَتْ يَوْمَ اُحُدٍ وَقَدْ فَشَا فِي الْمُسْلِمِيْنَ الْقَتْلُ وَالْجِرَاحَاتُ **فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَنْ يُّضِلَّ** يُحْبِطَ **اَعْمَالَهُمْ** ﴿۴﴾ **سَيَهْدِيْهِمْ** فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلٰى مَا يَنْفَعُهُمْ **وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ** ﴿۵﴾ حَالَهُمْ فِيْهِمَا وَمَا فِي الدُّنْيَا لِمَنْ لَّمْ يُقْتَلْ وَ اُدْرِجُوْا فِيْ قُتِلُوْا تَغْلِيْبًا

وَ يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا بَيَّنَهَا لَهُمْ ﴿۶﴾ فَيَهْتَدُوْنَ اِلٰى مَسَاكِنِهِمْ مِنْهَا وَ اَزْوَاجِهِمْ وَخَدَمِهِمْ مِنْ غَيْرِ اِسْتِدْلَالٍ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ اَىْ دِيْنَهُ وَ رَسُوْلَهُ يَنْصُرْكُمْ عَلٰى عَدُوِّكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴿۷﴾ يُثَبِّتْكُمْ فِى الْمُعْتَرَكِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ مُبْتَدَاءٌ خَبَرُهُ تَعِسُوْا يَدُلُّ عَلَيْهِ فَتَعْسًا لَّهُمْ اَىْ هَلَاكًا وَّ خَيْبَةً مِنَ اللّٰهِ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۸﴾ عَطْفٌ عَلٰى تَعِسُوْا ذٰلِكَ اَىِ التَّعْسُ وَالْاِضْلَالُ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْقُرْاٰنِ الْمُشْتَمِلِ عَلَى التَّكَالِيْفِ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۹﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ اَهْلَكَ اَنْفُسَهُمْ وَاَوْلَادَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ﴿۱۰﴾ اَمْثَالُ عَاقِبَةِ مَنْ قَبْلِهِمْ ذٰلِكَ اَىْ نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَقَهْرُ الْكَافِرِيْنَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى وَلِيُّ نَاصِرُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: سورۃ القتال مدنیہ ہے بجز آیت وکاین من قریۃ کے یا یہ سورت مکیہ ہے۔ اس میں ۳۸ یا ۳۹ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم (مکہ کہ) جو لوگ کافر ہوئے (اوروں کو) اللہ کے رستہ (ایمان) سے روکا خدا نے ضائع (کافر) کر دیئے ان کے اعمال (مثلاً کھانا کھلانا، صلہ رحمی کرنا۔ لہٰذا ان کاموں کا ثواب) انہیں آخرت میں نہیں ملے گا۔ بلکہ اللہ اپنی مہربانی سے دنیا میں اس کو چکا دیتا ہے اور جو لوگ انصار وغیرہ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ایمان لائے اس سارے (قرآن) پر جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا اور وہ ان کے پروردگار کے پاس سے امر واقعی ہے اللہ اتار دے گا (معاف کر دے گا) ان کے گناہ اور ان کی حالت درست رکھے گا۔ (لہٰذا وہ ان کی نافرمانی نہیں کریں گے) یہ (نیک کاموں کو ناکارہ اور برے کاموں کا کفارہ کرنا) اس لئے ہے۔ (بعجہ اس کے) کافر تو غلط (شیطان) کے راستے پر چلے اور ایمان دار صحیح رستہ (قرآن پر) چلے جو ان کے پروردگار کی طرف سے ہے اسی طرح (جیسے یہ بیان ہوا) اللہ لوگوں کے لئے ان کے حالات بیان فرماتا ہے (ان کے احوال کھول دیتا ہے۔ چنانچہ کافر کا عمل حبط اور مومن کے خطا قصور معاف) سو کفار سے جب تمہارا مقابلہ ہو جائے تو ان کی گردنیں اڑا ڈالو (ضرب مفعول مطلق ہے مگر لفظوں میں فعل کا بدل ہے ای فاضربوا رقابهم یعنی کافروں کو قتل کر ڈالو لیکن گردن مارنے سے اس کو تعبیر کر دیا کیونکہ قتل میں عموماً گردن ہی اُڑائی جاتی ہے) یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خون ریزی کر چکو (بکثرت قتل کر دو) تو باندھ ڈالو (قتل روک دو ان کو گرفتار کر کے جنگی قیدی بنالو، مضبوط باندھے رکھو) خوب مضبوط (بیڑی وغیرہ جس سے قیدی باندھے جاتے ہیں) پھر اس کے بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا مصدر ہے مگر بلحاظ لفظ فعل کا بدل ہے۔ ای تمنون منا یعنی مفت چھوڑ کر ان پر احسان کر ڈالو)۔ اور یا معاوضہ لے کر چھوڑنا) (یعنی ان سے مالی فدیہ کے بدلے یا مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں چھوڑنا) جب تک لڑائی والے اپنے (ہتھیار نہ رکھ دیں ہتھیار وغیرہ کا بوجھ، کفار مسلمان ہو جائیں یا ذمی ہو جائیں۔ یہ قتل اور قید کرنے کی غایت ہے یہ) خبر ہے مبتدا محذوف کی تقدیر عبارت اس طرح ہے الامر فيهم ما ذكر حکم بجالانا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے انتقام لے لیتا (بغیر قتل ہی) لیکن (تمہیں قتل کا حکم دیا ہے) تاکہ ایک دوسرے کا امتحان لے سکو ان کو قتل کر کے (جو تم میں شہید ہو جائے تو جنتی، ان کا کوئی مارا جائے تو دوزخی) اور جو لوگ مارے جاتے ہیں (ایک قراءت میں قاتلوا ہے۔ یہ آیت جنگ احد کے موقع پر نازل ہوئی۔ جب کہ مسلمان شہید و زخمی بکثرت ہو رہے تھے)۔ اللہ کی راہ میں ان کے اعمال کو اللہ ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ اللہ ان کی رہنمائی فرمائے گا (دنیا و آخرت میں نفع بخش مطلوب تک) اور ان کی حالت درست رکھے گا (دونوں جہان میں اور صرف دنیا میں بہتر کرے گا۔ جو شہید نہیں ہوا اور تغلیباً قتلوا میں شمار کیا

گیا ہے) اورانہیں جنت میں داخل کرادے گا جس کی ان کو پہچان کردے گا چنانچہ وہ اپنے اپنے گھروں میں اپنی بیویوں اور نوکروں کے پاس بغیر کسی رہنمائی کے ازخود پہنچ جائیں گے) اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین اور رسول ﷺ) کی مدد کرو گے تو وہ (دشمن کے مقابلہ) میں تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا (معرکوں میں تمہیں ثابت قدم رکھے گا) اور جو لوگ کافر ہیں (مکہ والوں میں یہ مبتداء ہے خبر تعسوا ہے جس پر اگلا لفظ رہنمائی کر رہا ہے) ان کے لئے تباہی ہے یعنی خدائی ہلاکت و بربادی) اور اللہ ان کے کاموں کو مٹادے گا (اس کا عطف تعسوا پر ہورہا ہے) یہ (ہلاکت اور اعمال کی بربادی) اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کیا (یعنی قرآن کو جس میں شرعی احکام ہیں) سو اللہ نے ان کے اعمال کو اکارت کردیا۔ کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں اور انہوں نے دیکھا نہیں کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر کیسی تباہی ڈالی ان کو ان کی اولاد کو برباد کرڈالا) اور ان کافروں کے لئے بھی اسی قسم کے معاملات ہونے کو ہیں (جیسے ان سے پہلوں کا انجام ہوا) یہ (مسلمانوں کی مدد اور کافروں کی تباہی) اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کارساز (ولی، مددگار) ہے اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں۔

تحقیق وترکیب: .... سورة القتال ۔ سورۂ محمد اور سورۂ الذین کفروا بھی اس کے نام ہیں۔

مدنية ۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پوری سورت مدنی ہے۔ مگر آیت و كاين من قرية الخ مکیہ ہے۔ حجۃ الوداع کے بعد جب آنحضرت ﷺ مکہ سے روتے ہوئے رخصت ہورہے تھے تو گویا محل نزول حوالی مکہ تھا۔ اگر واقعہ ہجرت کے بعد ہوا لیکن اگر مکی اور مدنی ہونے کی تقسیم کا معیار ہجرت کو قرار دیا جائے جیسا کہ مشہور ہے تو پھر آیت بھی مدنیہ ٹھہرتی ہے۔

و صدوا : اسلام میں داخل ہونے سے رکنے کے معنی ہیں تو پہلے جملہ کی تاکید ہے۔ لیکن جوہریؒ روکنے کے معنی لیتے ہیں۔ جیسا کہ مفسر نے اشارہ کیا ہے۔

اضل ۔ یہ ضلال سے نہیں ہے جو ہدایت کے مقابلہ میں ہوتا ہے بلکہ ضل عنی سے ہے ضائع ہونا۔

الذين اٰمنوا: تصدیق قلبی مراد ہے اور وعملوا الصالحات عطف مغائرہ پر دلالت کر رہا ہے چنانچہ اشاعرہ کے نزدیک یہی مختار ہے کہ حقیقت ایمان کی بجائے کمال ایمان میں اعمال کو داخل کیا جائے۔

الذين اٰمنوا: عطف خاص علی العام ہے تعظیم اور اہمیت کے لئے ایسا کیا گیا ہے کہ ایمان اتباع حق کے بغیر نہیں ہوتا۔

امثالهم: عام لوگوں کی طرف یا مومن وکافر فریقین کی طرف ضمیر راجع ہے۔

فاذا لقيتم: اس ظرف اور ضرب الرقاب دونوں میں عامل فعل مقدر ہے۔ عبارت اس طرح ہوگی۔ فاضربوا الرقاب وقت ملاقاتكم العدو ۔ لیکن ابوالبقاء مصدر کو بنفسہ عامل نہیں مانتے کیونکہ وہ تو صرف تاکید کے لئے ہوتا ہے اور مصدر نائب فعل میں بھی یہی اختلاف ہے۔ مثلاً ضربا زیدا میں عمل کی نسبت مصدر کی طرف کیجائے یا عامل کی طرف۔ چنانچہ فضرب الرقاب کی اصل فاضربوا الرقاب ضربا تھی فعل حذف کرکے مصدر مقدم کردیا اور مفعول کی طرف اس کو مضاف کرکے عمل میں قائم مقام فعل کے مان لیا ہے۔

اثخنتموهم: اثخان کہتے ہیں سیال چیز کا جمود کے قریب ہو جانا۔ پس اثخان عدو کے معنی خونریزی کی اتنی کثرت کہ خون نکل کر جم جائے۔ اور قاموس میں ہے ثخن بروزن کرم ہے بمعنی غلظ و صلب اثخن في العدو بمعنى بالغ الجراحة۔

فشدوا الوثاق : مضبوط باندھنا کہ قیدی کھل کر بھاگ نہ جائے۔ وثاق، رسی، زنجیر بیڑی بندھن کو کہتے ہیں۔ بظاہر وثاق ذہاب کی طرح مصدر ہے۔ لیکن فعال کا مصدر مشہور یہ ہے کہ اسم آلہ کیلئے ہوتا ہے جیسے رکاب، امام۔

فاما منا بعدو اما فداء ۔ ان دونوں جملوں میں دو ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ دونوں مصدر منصوب ہیں فعل واجب الحذف کی وجہ

ہے۔ کیونکہ مصدر جب کسی جملہ کے بعد میں تفصیل کے لئے لایا جائے گا تو فعل مضمر کی وجہ سے اس کو منصوب ماننا واجب ہوگا۔ یہاں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ فاما ان تمنوا واما ان تفادوا فداءا۔ دوسری ترکیب ابوالبقاء کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں مفعول بہ ہیں عامل محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ اولوھم منا و اقبلوا منھم فداء۔ اس نحوی اختلاف کے بعد فقہی اختلاف بھی پیش نظر رہے۔

سفیان ثوریؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، اسحقؒ کے نزدیک خلیفہ کو اختیار ہے چار باتوں کا کہ جنگی قیدیوں کو (۱) خواہ وہ قتل کردے (۲) یا مفت احسان کر کے رہا کردے۔ (۳) یا فدیہ لے کر چھوڑ دے۔ (۴) یا غلام بنا کر رکھ لے۔ چنانچہ ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، حسنؒ، محمد ابن سیرینؒ سے یہی منقول ہے لیکن امام اعظمؒ اور اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ آیت براءت واقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم سے یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ کیونکہ سورۃ براءۃ سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے۔ اسلئے خلیفہ وقت جنگی قیدیوں کو قتل کردے، یا غلام بنالے۔ چنانچہ قتادہ، مجاہد، عطاؒ اور سدیؒ سے بلکہ ابن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے، اور بعض کے نزدیک من سے مراد یہ ہے کہ ان پر احسان کرتے ہوئے انہیں جزیہ منظور کر لینے کا موقع دیا جائے۔ اور فدیہ سے مراد یہ ہے کہ قیدیوں کا قیدیوں سے تبادلہ کیا جائے۔ امام طحاویؒ نے امام اعظمؒ کا مذہب اور صاحبین کا قول نقل کیا ہے۔ لیکن مشہور ہے کہ ان کے نزدیک مالی اور غیر مالی فدیہ جائز نہیں ہے۔ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ سورۃ براءت کی آیت غیر اساریٰ سے متعلق ہے۔ کیونکہ ان کو قیدی یا غلام بنا لینا جائز ہے پس معلوم ہوا کہ قتل کا تعلق حتمی طور پر اوروں سے ہے۔

حتی تضع الحرب: مفسرؒ نے اہلہا سے مجاز فی الاسناد کی طرف اور "بان یسلم الکفار" سے مجاز فی الظرف کا اشارہ کیا ہے اور کلام میں استعارہ تبعیہ ہے کہ آلات حرب رکھ دینے سے مراد ترک قتال لیا ہے۔

سیھدیھم: دنیا میں اعمال صالحہ اور اخلاص کی توفیق ہوجانا اور آخرت میں مغفرت ورضوان کا ملنا مراد ہے چنانچہ اہل بدر کے متعلق ارشاد نبوی ہے۔ **اطلع اللہ علی اھل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم** مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو گناہوں کی چھوٹ مل گئی۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ تم نے میری محبت واطاعت میں فنائیت حاصل کرلی تو ہماری جانب سے تمہاری مکمل حفاظت ہوگئی اب کوئی ناگوار و نامرضی حرکت نہیں ہوگی۔ اس طرح راضیۃ مرضیۃ کا مقام حاصل ہوگیا۔

اور "**ما فی الدنیا**" سے مفسر ایک شبہ کا جواب دے رہے ہیں شبہ یہ ہے کہ "**الذین قتلوا**" کو شہادت کے بعد **سیھدیھم** الخ کیسے کہا جارہا ہے جواب یہ ہے کہ قتلوا سے مراد قاتلوا ہے دوسری قراءت کے قرینہ کی وجہ سے خواہ وہ شہید ہوجائیں یا غازی رہیں جو بالفعل شہید ہوجائیں گے۔ وہ **سیھدیھم فی الآخرۃ** اور جو غازی ہوں گے وہ ہدایت اصلاح سے مستفید ہوں گے" وادرجوا" سے مراد غازی ہیں۔

عرفھا: یعنی جنت میں اجنبیت نہیں ہوگی بلکہ فطری شناخت اور شناسائی حاصل ہوجائے گی۔ بخاری مرفوع روایت ہے کہ جنتی ٹھکانہ کی شناخت دنیا کے رہائشی گھر سے زیادہ ہوگی۔ اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عرفھا بمعنی خوشبو سے ہے۔ یعنی خوشبوئیں اور خوشبودار کھانا عطا ہوگا اور قد مقدر مان کر یہ جملہ حالیہ ہوجائے گا۔ لیکن ابوالبقاءؒ کے نزدیک جملہ مستانفہ ہے۔

یثبت اقدامکم: ثبات قدمی سے مراد ثبات ذات اور استقرار ہے۔

فتعسا: یہ فا خبر محذوف کی ہے اور تعسا اس کا مفعول مطلق ہے۔ بہتر ہوتا اگر مفسرؒ علام فا کے بعد خبر کو مقدر مان لیتے۔

ذلک مبتداء ہے اور بعد میں خبر ہے یا یہ خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ ای الامر ذلک۔

وان الکافرین لا مولیٰ لھم: یہ آیت دوسری آیت **ثم ردوا الی اللہ مولٰھم الحق** کے منافی نہیں ہے کیونکہ پہلی آیت میں مولیٰ بمعنی ناصر ہے اور دوسری آیت میں مولیٰ بمعنی مالک ہے۔

ربط: ...... پچھلی سورت کے ختم پر فاسقین یعنی کفار کی برائی بیان ہوئی تھی اور اس سے پہلے بھی مومن جنات کی فضیلت کے ساتھ کفار کی

مذمت کا ذکر ہوا تھا۔ سورۂ قتال کے شروع میں بھی اسی تحریف اور مذمت کا بیان ہو رہا ہے۔

پھر آگے چل کر صدوا الخ میں کفار کی طرف سے فساد اور عملوا الصالحات سے مسلمانوں کی اصلاح کا حال ہے۔ آگے فاذا لقیتم الخ سے بعض جہادی احکام متفرع فرمائے جا رہے ہیں جن کا منشاء مصلحین کے ذریعہ مفسدین کو دبانا ہے۔

اور "فضرب الرقاب" میں چونکہ کفار سے قتال کا حکم ہے۔ اس لئے ذلک سے اصل حکم کی تقریر اور لو نشاء سے اس کی حکمت اور "والذین قتلوا" میں مسلمانوں کی شہادت کی صورت میں بشارت اور "ان تنصروا" میں قتال کی ترغیب اور "والذین کفروا" میں کفار کی برائی اور وعید ہے۔

اور ذٰلک بانهم میں پھر اس مذہب اور وعید کی علت اور افلم یسیروا الخ میں اس وعید کا ممکن ہونا اور ذٰلک بان الله میں فریقین کے متعلقہ احکام کی علت ارشاد ہے۔

﴿تشریح﴾: .... مسلمانوں کی طرح کفار بھی جان و مال کی بازی لگاتے ہیں۔ مگر ایک اللہ کا دین پھیلنے میں اور دوسرا اس کو روکنے میں زور صرف کرتا ہے۔ اس مقصدی فرق کی رو سے نتائج وثمرات میں فرق کا آنا لازمی ہے کفار جن اعمال کو نیک سمجھتے ہیں وہ مقبول نہیں۔ بلکہ بعض دفعہ وہ الٹے اثرات بھی دکھلا دیتے ہیں۔

اضل اعمالهم: یعنی پہلے زمانہ میں چونکہ ساری دنیا کا ایک ہی مذہب نہیں تھا۔ بلکہ راہیں مختلف اور متعدد تھیں۔ مگر سچا دین اسلام ہی ہے برے بھلے کام مسلمان بھی کرتے ہیں اور کافر بھی۔ مگر سچا دین ماننے کی برکت وقبولیت یہ ہے کہ نیکی ثابت اور برائی معاف۔ اور نہ ماننے کی سزا یہ ہے کہ نیکی برباد گناہ لازم اضل اعمالهم مین نیکیوں کے اکارت ہونے کے لئے کفر کرنا اور دوسروں کو اسلام سے روکنا دونوں کا مجموعہ نہیں ہے صرف کفر کی وجہ سے عمل بیکار ہو جاتا ہے۔ پس یہ قید واقعی ہے جس میں کفار کی واقعی حالت کا اظہار ہے۔ نیز یہاں آیت من یعمل مثقال ذرة خیرا یره سے تعارض کا شبہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ آیت سورۂ قتال میں بغیر ایمان اعمال کا ضائع ہونا مذکور ہے اور سورۂ زلزال کی آیت میں بحالت ایمان نیکی کا معتبر ہونا بتلایا گیا ہے۔ پس دونوں باتیں صحیح ہیں۔ ان میں کوئی منافات نہیں ہے۔

کذلک یضرب الله. بھلے برے کاموں کے متعلق اللہ کھول کھول کر آگاہ کر دیتا ہے تاکہ حق وباطل میں نمایاں امتیاز ہو جائے اور کوئی اشتباہ نہ رہے۔

حق وباطل کی آویزش: .... فاذا لقیتم حق باطل کی معرکہ آرائی ہو تو مسلمانوں کو خوب ڈٹ کر اس طرح مقابلہ کرنا چاہیے کہ مقابل کو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے اور اسلام کی دھاک بیٹھ جائے اور کفر کا زور ٹوٹ جائے تو کافروں کو گرفتار کر لینا بھی کافی ہو سکتا ہے بلکہ ممکن ہے اس قید وبند سے وہ کچھ عبرت پکڑلیں یا مسلمانوں کے پاس رہتے سہتے اپنی اور ان کی حالت کا موازنہ کرنے اور اسلامی تعلیمات کے سمجھنے کا موقعہ مل جائے تو ان کے خیالات وحالات بدل جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مصلحت سمجھو تو بلا معاوضہ لئے ہی احسان کرتے ہوئے ان کو مفت چھوڑ دو اس طرح وہ تلوار کی بجائے احسان سے گھائل ہو جائیں گے اور کیا عجب ہے کہ اسلامی اخلاق سے متاثر ہو کر حق قبول کر بیٹھیں بلکہ دوسروں کو قبول کرانے کا ذریعہ بن جائیں۔

تیسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان سے زر فدیہ لے کر یا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کر کے کافر قیدیوں کو چھوڑ سکتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ ان اسیران جنگ کی واپسی کی دو ہی صورتیں ہیں۔ معاوضہ کے ساتھ چھوڑنا یا بلا معاوضہ رہا کر دینا، خلیفہ وقت جو مناسب سمجھے فیصلہ کرے۔ فتح القدیر اور شامی وغیرہ میں اس طرح کی روایات حنفیہ کے ہاں بھی موجود ہیں۔

اسیران جنگ کی رہائی:...... البتہ اسیران جنگ کی واپسی امام مناسب نہ سمجھے تو پھر تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) ذمی اور رعایا بنا کر رکھ لینا۔ (۲) غلام بنالینا۔ (۳) قتل کر دینا۔

پہلی دو صورتیں تو عام ہیں۔ البتہ تیسری سزا کسی سنگین جرم کی پاداش میں دی جائے معمولی طور پر نہیں۔ نیز عورتوں بچوں کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ چونکہ آیت برأت بعد میں نازل ہوئی۔ اس لئے حنفیہ کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے پس اس کو اگر مانعة الخلو بھی مان لیا جائے تب بھی مضر نہیں کیونکہ منسوخ ہے البتہ جو ائمہ اس کو منسوخ نہیں مانتے وہ اس کو مانعۃ الجمع مانتے ہیں۔ تاہم اس آیت سے غلام بنانے کی نفی پر استدلال کرنا محض باطل ہے۔

جہاد کی حکمت عملی:...... حتی تضع الحرب۔ قید و بند، حرب وضرب کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا کہ جنگ موقوف ہو جائے۔ یوں اللہ چاہتا تو عاد وثمود کی طرح آفات ساوی سے ان مخالفین کو مٹا سکتا تھا۔ مگر اسے بندوں کی طرح آزمائش منظور تھی کہ دیکھیں کون کون دین پر ثابت قدم رہ کر جان دیتا ہے اور کون ڈگمگا جاتا ہے۔ اسی طرح مخالف کیمپوں میں کون معمولی سی تبدیلی وسرزنش سے راہ راست پر آجاتا ہے اور کون اپنی قسمت کا لکھا پورا کرتا ہے اس لئے ان سے جہاد شروع کیا اور پہلی قوموں کی طرح ایک دم ان کا استیصال نہیں کرایا۔

والذین قتلوا: جان و مال چونکہ اللہ کی ملک ہیں اپنا کچھ نہیں ہے اس لئے جب وہ مانگیں بندہ اس کی امانت بخوشی اس کے حوالے کر دے۔ شہادت کی صورت میں بظاہر کامیابی معلوم نہیں ہوتی مگر فی الحقیقت وہی کامیابی ہے۔

ویدخلھم الجنة: انبیاء کے پیغامات اپنے وجدان میں طبعی کشش سے خود بخود جنتی اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں گے یا بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ معنی ہیں کہ جنت میں خوشبوئیں بسادی جائیں گی۔

اللہ کی مدد مسلمانوں کے لئے ہے:...... یا ایھا الذین. اللہ چاہے تو خود ہی کافروں کو مسلمان کر ڈالے پر یہ بھی منظور نہیں، جانچنا منظور ہے۔ سو بندہ کی طرف سے کمر باندھنا اور اللہ کی طرف سے کام بنانا۔ تم دین اور پیغمبر کی مدد کرو۔ اللہ تمہارے قدم جمادے گا۔ ڈگمگائیں گے نہیں۔ اور اس کے برعکس کفار کو منہ کے بل گرادیا جاتا ہے اور ان کے کام برباد کر دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ جب وہ اللہ کی باتوں کو ناپسند کرتے ہیں تو اللہ بھی ان کے کام کیسے پسند کر سکتا ہے؟ اور جب اللہ ہی کو ناپسند ہو تو پھر کام کیسے بنے۔ اور حبط اعمال سے مراد یہاں یہ نہیں کہ پہلے اعمال صحیح تھے پھر اکارت ہو گئے کیونکہ کافر کے اعمال تو شروع ہی سے معتبر نہیں ہوتے۔ کیونکہ کفر کا جو اول درجہ کی بغاوت ہے یہی اثر ہونا چاہیے جو گناہوں کے اثر سے بڑھ کر ہے۔

افلم یسیروا: ذرا گھر سے باہر قدم نکال کر دنیا میں گھومیں اور دیکھیں کہ منکروں کی کیسی کیسی درگت بنی اور کیسا ان کا حلیہ بگڑا ہے۔ اب بھی یہ سب کچھ ہو سکتا ہے اللہ کے لئے کیا مشکل ہے۔ بعد والے کفار کے لئے امثالھا فرمانا اگر سزائیں بہت سی ہیں تب تو ظاہر ہے۔ لیکن اگر صرف ایک عذاب اور سزا ہو تو پھر جمع کے لفظ سے تعبیر کرنا بلحاظ محل ہو کہ وہ متعدد ہیں اور سزا میں مثلیت کہنا بلحاظ جنس ہے نہ کہ باعتبار نوع کے۔ اور اللہ کے مولی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مومنین کا مددگار، رفیق ہے وقت پر ان کی مدد کرتا ہے لیکن کفار کا کون مددگار ہے جو اللہ کے مقابلہ میں کام آسکے۔

غزوہ احد میں جب پہاڑی درہ کے ایک مقام پر آنحضرت ﷺ اور خاص صحابہ کو تلاش کرتے ہوئے کفار نے نعرہ لگایا۔ اعل ھبل تو آپ نے جواب دیا اللہ اعلیٰ و اجل۔ ابوسفیان نے جب دوبارہ کہا۔ لنا عزی ولا عزی لکم تو آپ ﷺ نے فرمایا جواب دو۔ اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم۔

بظاہر دوسری آیت ثم ردوا الی اللہ مولٰھم الحق کے یہ آیت منافی معلوم ہوتی ہے مگر کہا جائے گا کہ پہلی آیت میں مولیٰ بمعنی مددگار اور دوسری آیت میں بمعنی مالک ہے اس لئے کوئی تعارض نہیں ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۖ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ فِي الدُّنْيَا **وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ** اَيْ لَيْسَ لَهُمْ هَمَّةٌ اِلَّا بُطُوْنُهُمْ وَفُرُوْجُهُمْ وَلَا يَلْتَفِتُوْنَ اِلَى الْاٰخِرَةِ **وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ** ﴿۱۲﴾ مَنْزِلٌ وَمَقَامٌ وَمَصِيْرٌ **وَكَاَيِّنْ** وَكَمْ **مِّنْ قَرْيَةٍ** اُرِيْدَ بِهَا اَهْلُهَا **هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ** مَكَّةَ اَيْ اَهْلِهَا **الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ** ۚ رُوْعِيَ لَفْظُ قَرْيَةٍ **اَهْلَكْنٰهُمْ** رُوْعِيَ مَعْنَى قَرْيَةٍ الْاُوْلٰى **فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ** ﴿۱۳﴾ مِّنْ اِهْلَاكِنَا **اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ** حُجَّةٍ وَبُرْهَانٍ **مِّنْ رَّبِّهٖ** وَهُوَ الْمُؤْمِنُوْنَ **كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ** فَرَاٰهُ حَسَنًا وَهُمْ كُفَّارُ مَكَّةَ **وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ** ﴿۱۴﴾ فِيْ عِبَادَةِ الْاَوْثَانِ اَيْ لَا مُمَاثَلَةَ بَيْنَهُمَا **مَثَلُ** اَيْ صِفَةُ **الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ** ۖ الْمُشْتَرَكَةُ بَيْنَ دَاخِلِيْهَا مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ **فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ** ۚ بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ كَضَارِبٍ وَحَذِرٍ اَيْ غَيْرِ مُتَغَيِّرٍ بِخِلَافِ مَآءِ الدُّنْيَا فَيَتَغَيَّرُ لِعَارِضٍ **وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ** ۚ بِخِلَافِ لَبَنِ الدُّنْيَا لِخُرُوْجِهَا مِنَ الضُّرُوْعِ، **وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ** لَذِيْذَةٍ **لِّلشّٰرِبِيْنَ** ۚ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا فَاِنَّهَا كَرِيْهَةٌ عِنْدَ الشُّرْبِ **وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى** ۚ بِخِلَافِ عَسَلِ الدُّنْيَا فَاِنَّهٗ لِخُرُوْجِهٖ مِنْ بُطُوْنِ النَّحْلِ يُخَالِطُهُ الشَّمْعُ وَغَيْرُهٗ **وَلَهُمْ فِيْهَا** اَصْنَافٌ **مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ** ۖ فَهُوَ رَاضٍ عَنْهُمْ مَعَ اِحْسَانِهٖ اِلَيْهِمْ بِمَا ذُكِرَ بِخِلَافِ سَيِّدِ الْعَبِيْدِ فِي الدُّنْيَا فَاِنَّهٗ قَدْ يَكُوْنُ مَعَ اِحْسَانِهٖ اِلَيْهِمْ سَاخِطًا عَلَيْهِمْ **كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ** خَبَرُ مُبْتَدَأٍ مُقَدَّرٍ اَيْ اَمَنْ هُوَ فِيْ هٰذَا النَّعِيْمِ **وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا** اَيْ شَدِيْدَ الْحَرَارَةِ **فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ** ﴿۱۵﴾ اَيْ مَصَارِيْنَهُمْ فَخَرَجَتْ مِنْ اَدْبَارِهِمْ وَهُوَ جَمْعُ مِعًى بِالْقَصْرِ وَاَلِفُهٗ عِوَضٌ عَنْ يَاءٍ لِقَوْلِهِمْ مِعَيَانٌ **وَمِنْهُمْ** اَيِ الْكُفَّارِ **مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ** ۚ فِيْ خُطْبَةِ الْجُمُعَةِ وَهُمُ الْمُنَافِقُوْنَ **حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ** لِعُلَمَاءِ الصَّحَابَةِ مِنْهُمُ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَّابْنُ عَبَّاسٍ اِسْتِهْزَاءً وَسُخْرِيَّةً **مَاذَا قَالَ اٰنِفًا** ۗ بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ اَيِ السَّاعَةَ اَيْ لَا نَرْجِعُ اِلَيْهِ **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ** بِالْكُفْرِ **وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ** ﴿۱۶﴾ فِي النِّفَاقِ **وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا** وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ **زَادَهُمْ** اللّٰهُ **هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ** ﴿۱۷﴾ اَلْهَمَهُمْ مَا يَتَّقُوْنَ بِهِ النَّارَ **فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ** مَا يَنْتَظِرُوْنَ اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ **اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ** بَدَلُ اشْتِمَالٍ مِّنَ السَّاعَةِ اَيْ لَيْسَ الْاَمْرُ اِلَّا اَنْ تَاْتِيَهُمْ **بَغْتَةً** ۚ فُجْاَةً **فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا** ۚ عَلَامَاتُهَا مِنْهَا بَعْثَةُ النَّبِيِّ ﷺ وَانْشِقَاقُ الْقَمَرِ وَالدُّخَانُ **فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ** السَّاعَةُ **ذِكْرٰىهُمْ** ﴿۱۸﴾ تَذَكُّرُهُمْ اَيْ لَا تَنْفَعُهُمْ **فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** اَيْ دُمْ يَا مُحَمَّدُ عَلٰى عِلْمِكَ بِذٰلِكَ النَّافِعِ فِي الْقِيَامَةِ **وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ** لِاَجْلِهٖ

قِيلَ لَهُ ذٰلِكَ مَعَ عِصْمَتِهِ لِتَسْتَنَّ بِهِ اُمَّتُهُ وَقَدْ فَعَلَهُ ﷺ اِنِّي لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي كُلِّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ **وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ** فِيهِ اِكْرَامٌ لَهُمْ بِاَمْرِ نَبِيِّهِمْ بِالْاِسْتِغْفَارِ لَهُمْ **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ** مُنْصَرَفَكُمْ لِاِشْتِغَالِكُمْ بِالنَّهَارِ **وَمَثْوٰىكُمْ** ﴿۱۹﴾ مَاوٰكُمْ اِلٰى مَضَاجِعِكُمْ بِاللَّيْلِ اَيْ هُوَ عَالِمٌ بِجَمِيعِ اَحْوَالِكُمْ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْهَا فَاحْذَرُوهُ وَالْخِطَابُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَغَيْرِهِمْ۔

ترجمہ:........ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جنکے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں (دنیا میں) اور اس طرح جس طرح چوپائے کھایا کرتے ہیں (یعنی ان کی اصل بس پیٹ اور شرمگاہ تک ہوتی ہے اور آخرت کا انہیں دھیان بھی نہیں گزرتا) اور دوزخ ان لوگوں کا ٹھکانہ ہے (گھر، قیام گاہ، پناہ گاہ سب کچھ وہی اور بہت سے بستیاں ایسی تھیں کہ (جہاں کے رہنے والے) آپ کی بستی (مکہ کے رہنے والوں) سے طاقت میں بڑھے ہوئے تھے جس کے رہنے والوں نے (التی کہنے میں قریہ کی لفظی رعائت کی گئی ہے) آپ کو گھر سے بے گھر کر دیا کہ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا (ضمیر جمع لانے میں قریہ کی معنوی رعایت حاصل کر لی گئی) سو ان کا کوئی مددگار نہ ہوا (ہماری تباہی سے بچانے کے لئے) تو جو لوگ کھلے راستہ (حجت ودلیل) پر اپنے پروردگار کے ہوں (یعنی مومن) کیا وہ ان لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کی بدعملی ان کو بھی معلوم ہوتی ہے (اور وہ اس کو اچھا سمجھتے ہیں یعنی کفار مکہ) اور اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں (بت پرستی کے سلسلہ میں یعنی ان دونوں میں کوئی جوڑ نہیں) جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے (جو سب داخل ہونے والوں کے لئے ہے مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جن میں ذرا تغیر نہ ہوگا (مد اور قصر الف کے ساتھ بروزن ضارب اور حذر یعنی ہمیشہ یکساں رہتا ہے برخلاف دنیا کے پانی کے وہ کسی بھی عارض سے بدل جاتا ہے) نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ بدلا ہوا نہ ہوگا (برخلاف دنیاوی دودھ کے تھنوں سے نکل جانے کی وجہ سے بدل جاتا ہے) اور بہت سی نہریں شراب کی جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی (برخلاف شراب دنیا کے وہ پینے میں بدذائقہ ہوتی ہے) اور بہت سی نہریں ہیں شہد کی جو بالکل صاف ہوگا (برخلاف دنیا کے شہد کے کیونکہ وہ مکھیوں کے پیٹ سے نکلتا ہے جس میں موم کی آمیزش ہوتی ہے) اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے پھل اور ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہوگی (اللہ ان سے خوش بھی ہوگا) ان چیزوں کے احسان کے باوجود برخلاف دنیوی آقاؤں کے وہ غلاموں پر احسان کے ساتھ ناراض بھی ہوتے رہتے ہیں) کیا یہ لوگ ان جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے (یہ خبر ہے مبتدائے محذوف کی عبارت اس طرح ہے۔ امن هو فی هذا النعيم) اور کھولتا ہوا (نہایت گرم) پانی ان کو دیا جائے گا۔ سو وہ ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا (یعنی ان کی انتڑیاں ٹکڑے ہو جائیں گی اور پاخانہ کے راستہ نکل پڑیں گی۔ لفظ امعاء کی جمع ہے جو قصر الف کے ساتھ ہے اور یہ الف یا سے تبدیل ہوا ہے۔ چنانچہ اہل عرب کا قول ہے معیان) اور ان کفار میں سے بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں (جمعہ کے خطبہ میں منافقین مراد ہیں) یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم سے کہتے ہیں (علماء صحابہ سے جیسے ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، مذاق اور دلگی کے طور پر) کہ حضرت نے ابھی کیا بات فرمائی تھی (لفظ آنفا مد اور قصر الف کے ساتھ ہے یعنی اپنی نفسانی خواہشات پر (نفاق کرتے ہوئے) چلتے ہیں اور جو لوگ راہ پر ہیں (یعنی مومنین) اللہ تعالیٰ ان کو فرماتا ہے) سو یہ لوگ (کفار مکہ) بس قیامت کے ہی منتظر ہیں کہ ان پر آپڑے (ان تاتيهم الساعة سے بدل اشتمال ہے۔ عبارت اس طرح تھی۔ ليس الامر الا ان تاتيهم) اچانک (ایک دم) سو اس کی علامتیں تو آچکی ہیں (علامات قیامت جیسے آنحضرت ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری، شق قمر کا معجزہ، ایک خاص دھواں) سو جب قیامت ان کے سامنے آ کھڑی ہوگی اس وقت ان

کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا (نفع نہ دے گا یعنی اس وقت ایمان کارآمد نہیں ہوگا) تو آپ یقین رکھئے کہ بجز اللہ کے اور کوئی قابل عبادت نہیں (یعنی آپ اپنے اسی عقیدہ پر جمے رہئیے ۔ یہی قیامت میں کام آئے گا) اور اپنی خطا قصور کی معافی مانگتے رہیے (باوجود آپ کے معصوم وبے قصور ہونے کے یہ فرمانا اس لئے ہے کہ آپ کی امت اس پر کاربند ہے چنانچہ حضور ﷺ نے اس کی تعمیل کرتے ہوئے فرمایا کہ میں روزانہ سو بار استغفار کرتا ہوں) اور سب مسلمان مردوں، عورتوں کے لئے بھی (اس میں امتیوں کا اعزاز ہے کہ پیغمبر کو ان کے لئے استغفار کرنے کا حکم ملا ہے) اور اللہ تعالیٰ تمہارے چلنے پھرنے (دن میں کام کاج کے لئے) اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے (رات کے ٹھکانہ کی حاصل یہ ہے کہ وہ تمہارے کل حالات سے واقف ہے کوئی حال اس پر مخفی نہیں ہے لہٰذا اسے ڈرتے رہو اور یہ خطاب سب کے لئے ہے مومن ہوں یا دوسرے)۔

تحقیق وترکیب: .... **من قریة**۔ محل ذکر کر کے مجازاً حال مراد ہے اور یا مجاز مقدر مانا جائے۔ یہی توجیہ اگلے جملہ **من قریتک الخ** میں تقدیر مضاف کی ہوگی۔

وعد المتقون . مثل الجنة میں کئی ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔

۱۔ مبتداء ہے جس کی خبر محذوف ہے۔ بقول نضر بن شمیل **ما تسمعون** مقدر ہے اور **فیها انهار** اس کی تفسیر ہے۔ لیکن بقول سیبویہ **فیما یتلیٰ علیکم** ہے اور **فیها انهار** حسب سابق تفسیر ہے۔

۲۔ لفظ مثل زائد ہے عبارت صرف **الجنة التی وعد المتقون فیها انهار** ہے۔

۳۔ **مثل الجنة** مبتداء ہے اور **فیها انهار** خبر ہے اس صورت میں یہ اشکال ہوگا کہ جملہ میں کوئی عائد نہیں جو مبتداء سے خبر کو وابستہ کرے صرف ضمیر کافی نہیں ہوا کرتی۔

۴. **مثل الجنة** مبتداء ہے **کمن هو خالد فی النار** خبر ہے جو آگے آرہی ہے۔ اس میں ابن عطیہؒ تو ہمزہ انکار اور مضاف مقدر مان کر عبادت اس طرح تجویز کرتے ہیں . **امثل اهل الجنة کمن هو خالد** اور زمخشریؒ کے نزدیک تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ **کمثل جزاء من هو خالد** اس کے بعد جملہ **فیها انهار** میں بھی تین ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔

۱۔ یہ حال ہے **الجنة** کا ای **مستقرة فیها انهار** ۔

۲۔ خبر ہے مبتداء مضمر کی ای **فیها انهار** گویا سوال مقدر کا جواب ہے۔

۳۔ یہ جملہ صلہ کے حکم میں ہے، اس لئے گویا صلہ مکرر ہے۔ چنانچہ **التی فیها انهار** کہنا بھی صحیح ہے۔ البتہ اس جملہ میں ہمزہ انکار نہیں ہے۔

اسن۔ اسن الماء کے معنی پانی بدل گیا۔ ابن کثیر کی قراءت میں قصر الف ہے جیسے ضارب اور حذر اور اکثر قراء کے نزدیک مد کے ساتھ ہے۔

لذة ۔ یہ مؤنث ہے لذ بمعنی لذیذ کا اس صورت میں بقول کرخیؒ کسی اور تاویل کی ضرورت نہیں رہتی لیکن اگر لذ مصدر ہو تو پھر اس میں وہی تاویلات کرنی ہوں گی جو مصدر بنانے میں کی جاتی ہیں۔

مغفرة۔ شبہ یہ ہوسکتا تھا کہ مغفرت تو جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہوتی ہے اور آیت سے جنت میں داخل ہونے کے بعد معلوم ہو رہی ہے۔ مفسرؒ نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مغفرت سے مراد خوشنودی اور رضا ہے اور وہ ظاہر ہے کہ جنت میں داخل ہو کر ظاہر ہوگی کہ کسی چیز پر روک ٹوک اور حساب کتاب نہیں ہوگا۔ حالانکہ دنیا میں ہر چیز پر حساب کتاب تھا۔

کمن هو خالد۔ یہ خبر ہے اور مبتدا محذوف **امن هو فی هذا النعیم** جس میں ہمزہ استفہام انکاری ہے۔ اور سقوا معطوف ہے ہو خالد پر دونوں میں فرق جملہ فعلیہ اسمیہ کا ہے معطوف میں معنی کی رعائت ہے اور معطوف علیہ میں لفظ کی رعائت ہے۔

امعاء۔ جمع معی کی ہے جس کی تثنیہ معیان ہے جس سے یا کا اصلی ہونا معلوم ہوتا ہے جمع میں یا کو الف سے تبدیل کر دیا۔

من یستمع ۔ چونکہ خطبۃ الجمعہ مدینہ میں شروع ہوا اس لئے یہ آیت مدنی ہے۔

انفا۔ مفسرنے ای الساعۃ سے اس کے منصوب علی الظرفیۃ ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ بقول زمخشریؒ الف بمعنی تقدم ہے۔ آنفا کے معنی السا زمانہ حال کے ہیں جو مستقبل سے مقدم ہوتا ہے اور بقول شافعی یہ استیناف سے ماخوذ ہے بمعنی وقت موقف ظرف ہے کہا جاتا ہے استنفاد الامر ای ابتدأته۔ آنفا اسم فاعل غیر قیاسی ہے یا زوائد سے تجرید کر لی گئی ہے۔ کیونکہ اس کا فعل ثلاثی سننے میں نہیں آیا لیکن ابن حیانؒ کی رائے ہے کہ کسی نحوی نے اس کو ظرف نہیں کہا ہے اس لئے منصوب علی الحال ہے۔

لا یرجع الیه۔ یعنی منافقین آپس میں ہی ایک دوسرے سے دریافت کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ سے رجوع نہیں کرتے تھے برخلاف مخلص صحابہؓ کے، کوئی بات اگر ان کی سمجھ میں نہ آتی تو آپ سے رجوع کر لیتے۔

اشراطها ۔ علامات قیامت دو طرح کی ہیں ۔صغری یعنی علامات قریبہ جیسے کہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری اور شق قمر وغیرہ اور علامات کبر یعنی بعیدہ علامات قیامت جو نصوص میں مذکور ہیں ان میں باہمی ترتیب کہ کون مقدم ہے اور کون موخر بے حد مشکل ہے۔

دخان سے مراد اگر بھوک اور قحط سالی ہے تو وہ قریش پر آنحضرت ﷺ کے زمانہ قیام مدینہ میں ہو چکی ہے اور خالص دخان قرب قیامت مراد ہے وہ ابھی ظاہر نہیں ہوئی۔

فانی لهم۔ یہ خبر مقدم ہے ذکراهم مبتداء موخر ہے اور اذا جاء تهم جملہ معترضہ ہے جس کا جواب محذوف ہے۔ ای کیف لهم التذ اذا جاء تهم الساعة فکیف یتذکرون۔

فاعلم ۔ یہ پچھلے بیان پر مرتب ہے۔ ای اذا علمت انه لا ینفع التذکر اذا حضرت الساعة فدم علی ما انت من العل بالوحدانية ۔علم کے تین درجے ہیں ایک علم بالدلیل جس کو علم یقینی کہتے ہیں اور توحید میں یہی علم مطلوب ہے تا کہ تقلیدی ایمان کے ساتھ ایمان بھی حاصل ہو سکے۔

دوسرا درجہ علم کا مراقبہ ہے حق تعالیٰ کا یہ مرتبہ عین الیقین کہلاتا ہے۔

تیسرا درجہ مشاہدہ ہے جو حق الیقین کہلاتا ہے۔

و استغفر ۔انسانی طبیعت اور بشری تقاضہ سے بعض دفعہ انبیاء سے جو ذہول نسیان، لغزش و کوتاہی ہو جاتی ہے وہ مراد ہے کہ ان سے بھی استغفار کیجئے۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

ان تمام آیات میں فا جملوں کے اتصال کے لئے ہے۔

ربط آیات .... پچھلی آیات میں مومنین کی کامیابی اور کفار کی ناکامی آخرت کا اجمالی بیان ہوا تھا۔ آیت ان الذین سے اس کی تفصیل ہے اور کمن هو خالد میں اس تفصیل کی تکمیل ہے اور درمیان میں کفار کے مزے اڑانے کو ذکر فرما کر یہ تاثر دینا کہ کفار اس پر نہ اترائیں اور آپ دھوکہ میں نہ پڑیں اس کے بعد کفار و مومنین کے احوال و اعمال اور وعد و وعید کا بیان ہے۔

پھر آیت و منهم من یستمع سے منافقین کی کیفیت، مذمت، وعید کا ذکر اور درمیان میں بطور مقابلہ مخلصین کی مدح و ثناء ہے۔

شان نزول وروایات: .... ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مکہ سے ہجرت کرتے ہوئے غار ثور تک پہنچے تو مکہ معظ

کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ انت احب بلاد الله الى الله و انت احب بلاد الله الى ولو ان اهلک اخرجونی منک لم اخرج عنک فاعتى الاعداء من عنا على الله فى حرمه او قتل غير قاتله او قتل بد خول الجاهلية اس پر آیت و کاین من قرية نازل ہوئی۔

درمنثور میں ابن جریج سے نقل ہے کہ مومن ومنافق دونوں آنحضرت ﷺ کی مجلس میں شریک رہتے۔ مخلصین تو پورے انہماک اور توجہ سے آپ کا وعظ سنتے لیکن منافقین بے دلی سے شریک مجلس رہتے اور مجلس سے باہر نکل کر بطور ہنسی مذاق پوچھتے کہ ابھی حضرت نے کیا ارشاد فرمایا تھا۔ اس پر آیت ومنهم من يستمع نازل ہوئی۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں بعض اہل کتاب آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پہلے تو نبی خاتم کی آمد کے منتظر تھے اور جب آپ کی بعثت ہوگئی تو وہ اسلام لے آئے اس پر آیت والذين اهتدوا نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: .... والذين كفروا۔ یعنی کافر چوپاؤں کی طرح اناپ شناپ کھاتے چلے جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ کافر سات آنت سے کھاتا ہے اور مومن ایک سے لیکن نہیں دیکھتے کہ کل یہ کھایا پیا کس طرح نکلے گا۔ یہاں خوب مزے اڑالیں۔ پھر وہاں آگ کا گھر ان کے لئے تیار ہے۔

و كاين من قرية۔ مکہ سے ہجرت ورخصت کے وقت آنحضرت ﷺ آبدیدہ ہو کر فرما رہے تھے کہ بخدا تمام شہروں سے مکہ اللہ تعالیٰ اور میرے نزدیک محبوب ترین شہر ہے۔ اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی یا نکالنے پر مجبور نہ کرتی تو میں تجھے چھوڑ کر نہ جاتا۔ اسی سلسلہ میں ارشاد باری ہے کہ ہم نے تو مکہ والوں سے کہیں زیادہ طاقت ور، زور آور قوموں کو نافرمانیوں پر تباہ کر ڈالا پھر یہ ہیں کس ہوا میں ان کی مدد کو کوئی نہ آیا تو ان کی مدد کو کون آئیگا۔

نیک و بد کیا برابر ہو سکتے ہیں .... افمن كان على بينة۔ یعنی ایک شخص تو وہ ہے جو نہایت اطمینان اور پوری بصیرت و یقین کے ساتھ صداقت وسچائی کے صاف شفاف اور کشادہ راستے پر بے کھٹکے دندناتا چلا جا رہا ہے۔ اور ایک وہ اندھا ہے جو اندھیرے میں پڑا ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ اسے سیاہ سفید، اچھائی برائی، کی تمیز بھی نہیں۔ بلکہ اپنی خواہشات کے پیچھے ایسا اندھا بن رہا ہے کہ اچھائی کو برائی، برائی کو اچھائی سمجھ رہا ہے بھلا بتلاؤ تو کیا نتیجہ اور مرتبہ کے اعتبار سے یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں اگر ایسا ہے تو اللہ کی عدالت وحکمت پر دھبہ ہے جو ممکن نہیں۔

جنت کی نہریں: .... مثل الجنة یہاں چار قسم کی نہروں کا ذکر ہے۔

۱۔ پانی جو جز وزندگی اور ناگزیر ہے۔
۲۔ دودھ نہایت لطیف غذا ہے۔
۳۔ اور شہد مٹھائی دوائی دونوں ہے۔
۴۔ اور شراب سرور ونشاط کے لئے ہے۔

جنت اور دنیا کی نعمتوں میں صرف نام کا اشتراک ہوگا حقیقت وکیفیت بالکل الگ الگ، ایک کو دوسرے پر کسی طرح بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ پھر دنیا اور دنیا کی ہر چیز خیر وشر سے مرکب ہے جنت اور اس کی اشیاء خیر محض ہوں گی ان میں شر وکدورت کا کیا سوال۔ پانی ہے کہ شہد سے زیادہ شیریں، دودھ سے زیادہ مفید اور نہایت ٹھنڈا۔ کسی چیز میں لذت ومزہ بدل جانے کا سوال ہی نہیں۔ دنیا میں اگر ایسے تھرمس ہو سکتے ہیں کہ اڑتالیس گھنٹے اشیاء بحالہ محفوظ رہیں تو جنت کو ایسی تھرمس کیوں نہ مان لیا جائے کہ تمام جنتی اور وہاں کی تمام اشیاء بجنسہ وبعینہ محفوظ رہیں لا فیها غول میں خبر مقدم کر کے شاید اسی خصوصیت کی طرف اشارہ ہو۔

مشروبات کے بعد ولھم فیھا من کل الثمرات میں جنتی ماکولات کا ذکر ہے اور چونکہ ان سب الفاظ کے حقیقی معانی مراد ہو سکتے ہیں۔ اس لئے مجاز لینے کی ضرورت نہیں۔ البتہ ان چیزوں کا دنیا چیزوں کے مماثل ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور مغفرت وخوشنودی سے نوازا پورے طور پر مگن کر دیا جائے گا۔ نہ پچھلی خطاؤں کے خیال سے ملال رہے گا اور نہ آئندہ کسی بات پر گرفت کا کھٹکا۔ اللھم ارزقنا لفضلک۔

دوزخیوں کا حال:......... اس کے بعد تقابلی نقطۂ نظر سے کمن ھو خالد فی النار میں دوزخیوں کی بھی کچھ جھلک دکھلائی جا رہی ہے۔ پانی انتہائی کھولتا ہوا ملے گا۔ ایسا کہ آنتیں کٹ کر باہر نکل پڑیں گی۔ اعاذنا اللہ منہ۔

دوسری آیت میں اس کھولتے پانی کی نسبت یشوی الوجوہ فرمایا گیا ہے۔ سو دونوں آیتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ پینے سے پہلے اس کا اثر یہ ہوگا کہ چہرہ قریب لانے سے چہرہ گل جائے گا۔ لیکن پیاس کے مارے مجبور ہو کر جب پئے گا تو اندر سے آنتیں گل جائیں گی۔

منافقین کا دوغلا پن:......... مؤمن کافر کے احوال کے بعد آیت ومنھم من یستمع منافقین کی کیفیت ارشاد فرمائی جا رہی ہے۔ یہ لوگ آپ کی بات سننے کے لئے کان لگاتے ہیں مگر دل دوسری طرف ہوتا ہے نہ پوری بات سنتے ہیں اور نہ سمجھ کر یاد رکھتے ہیں مجلس ختم ہونے پر باہر نکل کر پوچھتے ہیں کہ ابھی حضور ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا تھا۔ گویا اس طرح دلچسپی دکھلا کر جھوٹی محبت کا اظہار ان کا منشاء تھا۔ اور ساتھ ہی اپنے ہم خیال لوگوں کو یہ تاثر دینا ہوگا کہ ہم شریک مجلس تو ہوتے ہیں مگر غور سے سنتے نہیں ہیں۔ چنانچہ اللہ بھی ان کی ان حرکتوں کے نتیجہ میں ایسے لوگوں کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے۔ نیکی کی توفیق سلب ہو کر بدی کے لئے ڈھیل رہ جاتی ہے۔ اس کے برخلاف سچائی کے راستہ پر چلنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آدمی دن بدن ہدایت وبھلائی میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اور اس کی سوجھ بوجھ بڑھتی چلی جاتی ہے۔

علامات قیامت:......... فھل ینظرون۔ یعنی حکمت ونصیحت، ہدایت وموعظت سب سن چکے ہو۔ پچھلے تاریخی واقعات اور قرآنی مثالیں اور وعدہ وعید سب کچھ جان چکے ہو اب آخر انتظار کا ہے کا ہے۔ کیوں نہیں حق کو مان لیتے۔ قیامت اور موت جب سر پر آجائے گی جب مانو گے اس وقت ماننے سے کیا فائدہ جب کہ اس کا اعتبار ہی نہیں ہوگا۔ علامات شروع ہو چکی ہیں سو تو اب بھی غنیمت ہے۔ چنانچہ حضور انور ﷺ جن کے سب انبیاء منتظر تھے وہ خاتم الانبیاء آچکے ہیں۔ یعنی قیامت کی سب سے بڑی نشانی آگئی۔ کیونکہ تخلیق عالم کا مقصود حاصل ہو گیا اب قیامت ہی آنی باقی ہے۔ اسی کو حدیث میں انا والساعۃ کھاتین فرمایا گیا ہے۔ شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی جتنی آگے پیچھے ہیں اسی طرح آنحضرت ﷺ اور قیامت کو سمجھو۔ یاشق القمر جو معجزہ ہونے کے علاوہ علامات قیامت بھی ہے۔ چنانچہ سورہ قمر میں اس کو قیامت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اسی طرح جھوٹے مدعیان نبوت علامات قیامت ہیں اور ان سب علامات کا ظہور آپ کے زمانہ میں ہو چکا ہے۔

اور علامات قیامت سے یہاں قریبی علامات مراد نہیں۔ جیسے نزول مسیح یا خروج دجال یا طلوع آفتاب جانب مغرب کیونکہ آپ کے زمانہ کے لوگوں کے لئے دور ہونے کی وجہ سے ڈرانے میں موثر نہیں ہوں گی۔ بلکہ جو ان کے زمانہ سے قریب ہوں اگرچہ قیامت سے دور ہوں وہ ہوں گی۔ اس لئے وہی مراد ہیں۔ غرضیکہ قیامت آجانے کے بعد جب کہ نہ ایمان معتبر ہوگا اور نہ توبہ قبول۔ تو پھر اس سے پہلے صحیح معرفت ایمان استغفار کی راہ اختیار کر لینی چاہیے۔ آیت فاعلم کی فانے یہ ربط ظاہر کر دیا۔

پیغمبر کا استغفار کرنا:......... اور یہ خطاب اگرچہ عام ہے لیکن آنحضرت ﷺ خاص طور پر مخاطب ہوں تو دوام توحید اور ترقی مراد ہوگی، کیونکہ آنحضرت ﷺ کے معصوم ہونے کی وجہ سے اگرچہ عقیدہ توحید پر آپ کے برقرار نہ رہنے کا شبہ نہیں۔ لیکن آپ کا معصوم

پ کوکوئی حکم دئے جانے کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ اس حکم کا مقصد کبھی تو نبی کو آگاہ کرنا ہوتا ہے اور اگر وہ حکم اس کو پہلے سے معلوم ہو تو پھر سام کی غرض سے وہ حکم دوسروں کو سنانا ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ متقلبکم و مثواکم میں جمع کی ضمیریں اس کا قرینہ تھیں کہ اوروں کو سنانا مقصود ، اور آپ کو خطاب کرنے سے یہ جتلا دینا ہے کہ جب معصوم سے کہا جا رہا ہے تو دوسرے کس قطار شمار میں ہیں۔ اس سے حکم کی اہمیت واضح جاتی ہے اور توجیہ تفریع کا حاصل یہ ہوگا کہ جب سننے والوں کو جزا سزا معلوم ہو گئے تو دین و ایمان پر انہیں قائم رہنا چاہئے اور زوال ایمان جائے خود ایمان کو ناقص کرنے والے تمام گناہوں سے بھی بچنا چاہئے ور بالفرض کبھی ہو جائیں تو فوری توبہ اور تدارک میں لگ جائیں اور سزا ے ڈرتے رہیں تا کہ اطاعت کی توفیق رہے۔

ہر ایک کا قصور چونکہ اس کی حسب حیثیت ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت اونچے لوگوں کے لئے کسی کام میں بہت اعلیٰ پہلو اور بہترین مقام کو چھوڑ کر م مرتبہ پہلو اختیار کر لینا بھی کوتاہی شمار ہوتا ہے۔ مقربان بارگاہ کی پکڑ بات بات میں ہو جاتی ہے۔ اس لئے " لذ نبک " میں کوئی اشکال ں رہنا چاہیے۔ کیونکہ اس کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہیں۔ جیسے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کفار قریش کو دینی دعوت پیش کر رہے ے کہ درمیان میں عبداللہ ابن مکتومؓ نے آ کر ٹوک دیا اور خود کچھ پوچھنے لگے۔ آپ ﷺ کو ناگوار ہوا اور آپ ﷺ چیں بہ جبیں ہوئے۔ جس کا ذکر رۂ عبس کے شروع میں ہے۔

اب ظاہر ہے کہ ایک طرف تو مسلمان کو محض ایک فرعی مسئلہ بتلانا تھا اور دوسری طرف ایک کافر کو اصل دین کی دعوت پیش کرنا کون ں جانتا کہ اہم عبادت ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ذہن اسی اہمیت کی طرف گیا۔ اور آپ ﷺ نے اپنے اجتہاد سے اصول کو فرع پر مقدم کیا۔ مگر نٰ تعالیٰ کی نظر اس پر تھی کہ مسلمان پرانا خادم اور جاں نثار تھا۔ اس کو نفع ہونا یقینی تھا اور کافر کو نفع ہو جانا صرف وہمی تھا اور یقین مقدم ہے وہم پر ، لئے ظاہراً قدرے عتاب آمیز آیتیں نازل ہو گئیں۔ یا بدر کے جنگی قیدیوں کے سلسلہ میں فدیہ اور تاوان جنگ قبول کر کے قیدیوں کو رہا ر دینا اگر چہ گونا گوں مصالح اور فوائد پر مشتمل تھا۔ مگر انکو قتل کر دینے کی صورت میں جو کفر کا استیصال اور اسلام کا کھلا غلبہ تھا وہ رہ گیا اس لئے اب ہوا۔

غرض یہ کہ عبادت کے دونوں پہلو تھے مگر اہم عبادت وہی پہلو تھا جو چھوٹ گیا پس ایسی ہی باتوں میں استغفار کا حکم ہوا۔ اور سورۂ فتح کی یت لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک الخ میں بھی گناہ سے مراد اسی قسم کی لغزشیں ہیں جن پر معافی کی بشارت دی گئی ہے اس لئے صمت انبیاء محفوظ ہے جو قطعی ہے۔

قلبکم و مثواکم یعنی عدم سے عدم تک تمام تغیرات سے گزر کر آخر کار بہشت یا دوزخ میں پہنچو گے۔ جو تمہارا اصلی ٹھکانہ ہے۔

لطائف سلوک:......... فیھا انھار الخ اہل اشارہ نے پانی کو حیات روحانیہ کی اور دودھ کو علم حقانی کی اور شراب کو شوق و محبت کی اور شہد کو ل و قرب کی صورت فرمایا ہے۔ اور ممکن ہے یہ ان احوال کی صورت مثالیہ ہوں۔

علم انه لا اله الا اللہ۔ اس میں اشارہ ہے کہ مشائخ کے لئے اپنے ساتھ اپنے پیروکاروں کے لئے بھی دعا کرنا مناسب ہے۔

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا طَلَبًا لِّلْجِهَادِ **لَوْلَا** هَلَّا **نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ** فِيْهَا ذِكْرُ الْجِهَادِ **فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ** اَىْ لَمْ يُنْسَخْ مِنْهَا شَئٌ ، **وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ** اَىْ طَلَبُهٗ **رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ** اَىْ شَكٌّ هُمُ الْمُنَافِقُوْنَ **يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ** خَوْفًا مِّنْهُ وَكَرَاهِيَةً لَّهٗ اَىْ فَهُمْ يَخَافُوْنَ

مِنَ الْقِتَالِ وَيَكْرَهُوْنَهُ **فَاَوْلٰى لَهُمْ** ﴿۲۰﴾ مُبْتَدَاءٌ خَبَرُهُ **طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ** اَىْ حَسَنٌ لَكَ **فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ** اَىْ فُرِضَ الْقِتَالُ **فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ** فِى الْاِيْمَانِ وَالطَّاعَةِ **لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ** ﴿۲۱﴾ وَجُمْلَةُ لَوْ جَوَابُ اِذَا **فَهَلْ عَسَيْتُمْ** بِكَسْرِ السِّيْنِ وَفَتْحِهَا وَفِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ اِلَى الْخِطَابِ اَىْ لَعَلَّكُمْ **اِنْ تَوَلَّيْتُمْ** اَعْرَضْتُمْ عَنِ الْاِيْمَانِ **اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ** ﴿۲۲﴾ اى تَعُوْدُوْا اِلٰى اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ مِنَ الْبَغْىِ وَالْقِتَالِ **اُولٰٓئِكَ** اى الْمُفْسِدُوْنَ **الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ** عَنْ اِسْتِمَاعِ الْحَقِّ **وَاَعْمٰى اَبْصَارَهُمْ** ﴿۲۳﴾ عَنْ طَرِيْقِ الْهِدَايَةِ **اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ** فَيَعْرِفُوْنَ الْحَقَّ **اَمْ** بَلْ **عَلٰى قُلُوْبٍ** لَهُمْ **اَقْفَالُهَا** ﴿۲۴﴾ فَلَا يَفْهَمُوْنَهُ **اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا** بِالنِّفَاقِ **عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ** زَيَّنَ **لَهُمْ وَاَمْلٰى لَهُمْ** ﴿۲۵﴾ بِضَمِّ اَوَّلِهِ وَ بِفَتْحِهِ وَالَّامِ وَالْمُمْلِى الشَّيْطَانُ بِاِرَادَتِهِ تَعَالٰى فَهُوَ الْمُضِلُّ لَهُمْ **ذٰلِكَ** اَىْ اِضْلَالُهُمْ **بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ** اَىْ لِلْمُشْرِكِيْنَ **سَنُطِيْعُكُمْ فِىْ بَعْضِ الْاَمْرِ** اَمْرِ الْمُعَاوَنَةِ عَلٰى عَدَاوَةِ النَّبِىِّ ﷺ وَتَثْبِيْطِ النَّاسِ عَنِ الْجِهَادِ مَعَهُ قَالُوْا ذٰلِكَ سِرًّا فَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى **وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ** ﴿۲۶﴾ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ جَمْعُ سِرٍّ وَ بِكَسْرِهَا مَصْدَرٌ **فَكَيْفَ** حَالُهُمْ **اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ** حَالٌ مِّنَ الْمَلٰئِكَةِ **وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ** ﴿۲۷﴾ ظُهُوْرَهُمْ بِمَقَامِعَ مِنْ حَدِيْدٍ **ذٰلِكَ** اَىِ التَّوَفِّىْ عَلَى الْحَالَةِ الْمَذْكُوْرَةِ **بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهُ** اَىِ الْعَمَلَ بِمَا يُرْضِيْهِ **فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ** ﴿۲۸﴾ ع **اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ** ﴿۲۹﴾ يُظْهِرَ اَحْقَادَهُمْ عَلَى النَّبِىِّ وَالْمُؤْمِنِيْنَ **وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ** عَرَّفْنَاكَهُمْ وَكُرِّرَتِ اللَّامُ فِىْ **فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ** عَلَامَتِهِمْ **وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ** الْوَاوُ لِقَسَمٍ مَحْذُوْفٍ وَمَا بَعْدَهَا جَوَابُهُ **فِىْ لَحْنِ الْقَوْلِ** اَىْ مَعْنَاهُ اِذَا تَكَلَّمُوْا عِنْدَكَ بِاَنْ يُعَرِّضُوْا بِمَا فِيْهِ تَهْجِيْنُ اَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ** ﴿۳۰﴾ **وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ** نَخْتَبِرَنَّكُمْ بِالْجِهَادِ وَغَيْرِهٖ **حَتّٰى نَعْلَمَ** عِلْمَ ظُهُوْرٍ **الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ** فِى الْجِهَادِ وَغَيْرِهٖ **وَنَبْلُوَا** نُظْهِرَ **اَخْبَارَكُمْ** ﴿۳۱﴾ مِنْ طَاعَتِكُمْ وَ عِصْيَانِكُمْ فِى الْجِهَادِ وَغَيْرِهٖ بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ فِى الْاَفْعَالِ الثَّلٰثَةِ **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** طَرِيْقِ الْحَقِّ **وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ** خَالَفُوْهُ **مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى** هُوَ مَعْنَى سَبِيْلِ اللّٰهِ **لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ** ﴿۳۲﴾ يُبْطِلُهَا مِنْ صَدَقَةٍ وَ نَحْوِهَا فَلَا يَرَوْنَ لَهَا فِى الْاٰخِرَةِ ثَوَابًا نَزَلَتْ فِى الْمُطْعِمِيْنَ مِنْ اَصْحَابِ بَدْرٍ اَوْ فِىْ قُرَيْظَةَ وَالنَّضِيْرِ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ** ﴿۳۳﴾ بِالْمَعَاصِىْ مَثَلًا **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** طَرِيْقِهٖ وَهُوَ الْهُدٰى **ثُمَّ مَاتُوْا**

هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ نَزَلَتْ فِىْ اَصْحَابِ الْقَلِيْبِ فَلَا تَهِنُوْا تُضْعِفُوْا وَ تَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ
تْحِ السِّيْنِ وَ كَسْرِهَا اَىِ الصُّلْحِ مَعَ الْكُفَّارِ اِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۚ حُذِفَ مِنْهُ وَاوُ لَامِ الْفِعْلِ
غْلِبُوْنَ الْقَاهِرُوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ يَنْقُصَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ اَىْ ثَوَابَهَا اِنَّمَا
حَيٰوةُ الدُّنْيَا اَىِ الْاِشْتِغَالُ فِيْهَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۗ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا اللّٰهَ وَ ذٰلِكَ مِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ يُؤْتِكُمْ
جُوْرَكُمْ وَلَا يَسْئَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ جَمِيْعًا بَلِ الزَّكٰوةُ الْمَفْرُوْضَةُ فِيْهَا اِنْ يَّسْئَلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ
الِغُ فِىْ طَلَبِهَا تَبْخَلُوْا وَ يُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ لِدِيْنِ الْاِسْلَامِ هٰٓاَنْتُمْ يَا هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِىْ
بِيْلِ اللّٰهِ ۚ مَا فَرَضَ عَلَيْكُمْ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۗ يُقَالُ بَخِلَ عَلَيْهِ وَعَنْهُ
للّٰهُ الْغَنِىُّ عَنْ نَفَقَتِكُمْ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ اِلَيْهِ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا عَنْ طَاعَتِهٖ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ اَىْ يَجْعَلُهُمْ بَدَلَكُمْ ثُمَّ
يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ فِى التَّوَلِّىْ عَنْ طَاعَتِهٖ بَلْ مُطِيْعِيْنَ لَهٗ عَزَّ وَ جَلَّ۔

ع ۱۰ ۴ ۸

ترجمہ: .... اور جولوگ ایمان والے ہیں (جہاد کی تمنا کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ اے کاش کوئی صورت کیوں نہ نازل ہوگئی (جس میں جہاد کی اجازت ہوتی) سو جب کوئی صاف صاف سورت نازل ہوتی ہے۔ (یعنی جس میں کوئی حکم منسوخ نہ ہوا ہو) اور اس میں جہاد کا ذکر (حکم) بھی ہوتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے (یعنی شک، منافقین مراد ہیں) کہ وہ آپ کی طرف ایسی نظریں اٹھاتے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو (موت کے گھبرائے ہوئے اور نفرت کرتے ہوئے یعنی جہاد سے ڈرتے ہیں اور جی چراتے) پس وائے ہے ان کے لئے (مبتداء جس کی خبر یہ ہے) ان کی اطاعت اور بات چیت معلوم ہے (آپ کے لئے عمدہ ہے) پھر جب کام پختہ ہوگیا (جہاد فرض ہوگیا) سو یہ لوگ اگر (ایمان اور فرمانبرداری میں) اللہ سے سچے رہتے تو ان کے لئے بہت ہی بہتر ہوتا (اور جملہ لواذا کا جواب ہے) تو کیا تم کو یہ احتمال بھی ہے (سین کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ ہے) اس میں غیوبت سے خطاب، کی طرف التفات ہے یعنی لعلکم) اگر تم کنارہ کش رہو (ایمان سے پھر جاؤ) تو تم دنیا میں فساد مچادو اور آپس کی قرابت توڑ دو (یعنی دور جاہلیت کی بغاوت اور خونریزی پر اتر آؤ گے) یہ (فسادی) وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے اپنی رحمت سے دور کردیا۔ پھر (حق بات سننے سے) ان کو بہرا کردیا اور ان کی آنکھوں کو (ہدایت کی راہ سے) اندھا کردیا تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے (کہ حق پالیں) کیا بلکہ ان کے دلوں پر قفل لگ رہے ہیں (کہ حق سمجھتے ہی نہیں) جولوگ (نفاق) سے پشت پھیر کر ہٹ گئے اس کے بعد کہ سیدھا رستہ ان کو صاف معلوم ہوگیا شیطان نے ان کو چکمہ (فریب) دیا ہے اور ان کو دور کی بجھائی ہے (لفظ املی ضمہ اول اور کسر لام کے ساتھ اور فتحہ اول اور فتحہ لام کے ساتھ دونوں طرح ہے اور مزین شیطان ہے بارادہ الٰہی لہٰذا وہی ان کیلئے گمراہ کن ہے یہ (ان کو گمراہ کرنا ہے) اس سبب سے ہوا کہ ان لوگوں نے ایسے لوگوں (مشرکین) سے جو کہ خدا کے اتارے ہوئے احکام کا ناپسند کرتے ہیں یہ کہا کہ بعض باتوں میں ہم تمہارا کہنا مان لیں گے (پیغمبر ﷺ کی عداوت پر ابھارنے اور لوگوں کو جہاد سے باز رکھنے کے معاملہ میں گفتگو انہوں نے تو در پردہ کی مگر حق تعالیٰ نے ان کا راز فاش کردیا) اور اللہ ان کی خفیہ سازشوں کو جانتا ہے (اسرار فتحہ ہمزہ کے ساتھ سر کی جمع ہے اور کسر ہمزہ کے ساتھ مصدر ہے) سو ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے ان کے چہروں اور کمروں پر (لوہے کے گرز) مارتے ہوں گے (یہ الملائکہ سے حال ہے) یہ (اس صورت سے جان نکالنا) اس وجہ سے ہے کہ جو طریقہ اللہ کی ناراضی کا باعث تھا یہ اسی پر چلے اور اس کی خوشنودی سے نفرت کیا کئے (یعنی پسندیدہ عمل سے) اس

لئے اللہ نے ان کے سب اعمال بے کار کر ڈالے جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے کیا ان کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی ان کے دل کی عداوتوں کو ظاہر نہ کرے گا (ان کا کینہ پیغمبر اور مسلمانوں پر نہیں کھلے گا) اور اگر ہم چاہتے تو ان کا پورا نشان بتلا دیتے (ان کی شناخت کرا دیتے آگے لام دوبارلایا جارہا ہے) سو آپ ان کے حلیہ (علامت) سے پہچان لیں گے اور آپ ضرور پہچان جائیں گے (واؤ قسم محذوف کا ہے اور بعد کی عبارت جواب قسم ہے) طرز کلام سے (یعنی کلام کا منشاء آپ کی مجلس میں ان کی گفتگو سے مسلمانوں کی ہجو ٹپکتی ہے) اور اللہ تم سب کے کاموں سے واقف ہے اور ہم ضرور تم سب کی آزمائش کریں گے (جہاد وغیرہ احکام میں تمہارا امتحان لیں گے) تا کہ ہم (کھلے طور پر) معلوم کرلیں کہ تم میں کون مجاہدین ہیں اور ثابت قدم رہنے والے ہیں (جہاد وغیرہ میں) اور تمہارے احوال کی جانچ (پڑتال) کرلیں (یعنی جہاد وغیرہ میں تمہاری فرمانبرداری یا نافرمانی کھل جائے۔ یہ تینوں افعال یا اور نون کے ساتھ دونوں طرح ہیں) بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے (حق) سے روکا اور رسول کی نافرمانی (مخالفت) کی اس کے بعد ان کو ہدایت (جو اللہ کے رستہ کی مراد ہے) نظر آچکی تھی۔ یہ لوگ اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اللہ ان کی کوششوں کو ملیا میٹ کر کے رکھ دے گا (یعنی اپنے صدقہ خیرات کا ثواب آخرت میں نہیں پائیں گے کفار جو جنگ بدر میں اسلام کے خلاف غریبوں کی امداد کر رہے تھے ان کے یا بنو قریظہ و بنو نضیر کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد مت کرو (گناہ کبیرہ کر کے) بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے رستہ (ہدایت) سے روکا پھر کافر رہ کر ہی وہ مرے ان کو کبھی نہ بخشے گا (بدر کے کنوئیں میں جن کافروں کو ڈالا گیا ہے ان کے متعلق نازل ہوئی ہے) سو تم ہمت مت ہارنا (کمزوری مت دکھانا) اور پیغام صلح مت دینا (سلم فتحہ سین اور کسرہ سین کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی کفار سے مڈبھیڑ ہونے پر صلح کی طرف مت جھک جانا) اور تم ہی غالب رہو گے لام فعل کی جگہ اعلون کی جو واؤ ہے وہ حذف ہو گئی بمعنی غالب کامیاب) اور اللہ تمہارے ساتھ ہے (بلحاظ نصرت و مدد کے) اور تمہارے اعمال میں (ثواب کی) کٹوتی (کمی) ہرگز نہ کرے گا دنیاوی زندگانی (یعنی اس میں انہماک) محض لہو ولعب ہے اور اگر تم ایمان و تقویٰ اختیار کرو (جو آخرت کے کام ہیں) تو تمہیں اجر عطا فرمائے گا اور وہ تم سے مال نہیں مانگتا (سارا بلکہ صرف مقررہ زکوٰۃ کا مطالبہ ہے) اگر وہ تم سے مال مانگے اور انتہا درجہ تک طلب کرتا رہے (فرمائش میں مبالغہ سے کام لے) تو تم بخل کرنے لگو اور بخل (دین اسلام سے) تمہاری ناگواری ظاہر کردے ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے سو بعض تم میں سے بخل کرنے لگتے ہیں اور جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ خود اپنے ساتھ بخل کرتا ہے (بخل علیہ، بخل عنہ دونوں طرح بولا جاتا ہے) اور اللہ تو کسی کا (خرچہ کے معاملہ میں) محتاج نہیں اور تم سب (اس کے) محتاج ہو اور تم اس کی فرمانبرداری سے اگر روگردانی کرو گے تو اللہ تمہاری جگہ (بدل بنکر) دوسری قوم پیدا کردے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے (فرمانبرداری سے روگردانی کرنے میں بلکہ اللہ عزوجل کے اطاعت شعار ہوں گے۔

تحقیق وترکیب: .... **فاولیٰ لھم**۔ لام بمعنی با ہے جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے عطاؒ نقل فرماتے ہیں۔ اور عبدالرزاق اور ابن جریرؒ، قتادہؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ "اولیٰ لھم" وعید ہے پھر اس کے بعد **طاعة وقول معروف خیر لھم** الگ کلام ہے۔

معروف۔ مفسرؒ اس کی خبر محذوف مان رہے ہیں اور جملہ کا جملہ پر عطف ہے یعنی **ان الطاعة اولی لھم و القول المعروف خیر لک یا محمد** اور بغویؒ تقدیر عبارت اس طرح نکالتے ہیں۔ **فاولیٰ لھم الطاعة و قول معروف بالا جابة**۔ یعنی قول معروف کا طاعۃ پر عطف ہے۔ مفسرؒ کی عبارت میں حسن تو معروف کی تفسیر ہے اور لک کا تعلق دونوں جملوں سے ہے اور یا حسن لک کو قول معروف کی خبر کہا جائے اور طاعت کو "اولی لھم" کی خبر مانا جائے۔

لکان خیرا: یہ جواب ہے۔ **اذا عزم الامر** اور فا کا اتصال عمل میں رکاوٹ نہیں ڈالے گا اور نہ مابعد کے ماقبل میں عامل ہونے میں کوئی مانع

ہوگا۔لیکن قاضیؒ ظرف کو محذوف کہتے ہیں۔ ای ذاقوا او کرهوا۔

ام علی قلوب ۔ یعنی ام منقطعہ بمعنی بل ہے لیکن متصلہ بھی ہوسکتا ہے۔ام یتدبرون الحق لکن علیها القفل فلا یدخل الحق فیها.

اقفالها ۔ قلوب کی طرف اس کی اضافت یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ کوئی خاص رکاوٹ ہوتی ہے۔

واملی لهم ۔ابوعمرؒ کی قرأت فعل مجہول کی ہے اور یعقوبؒ کی قرأت مضارع معروف کی اس میں واؤ حالیہ ہے۔ یا ان کی خبر پر عطف ہورہا ہے۔ یہاں امام رازیؒ نے ایک اشکال کا ذکر کیا ہے کہ

ہدایت وضلالت ،تزویر وتسویل اور املاء وامہال سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ پھر شیطان کی طرف نسبت کیسی؟ حاصل جواب یہ ہے کہ تمام چیزوں کا حقیقی فاعل اگرچہ اللہ ہے لیکن اسباب کی طرف نسبت کے طور پر شیطان کی جانب اسناد کردی گئی ہے اس پر مفصلاً کلام گزرچکا ہے۔

بانهم قالوا ۔قالوا کا فاعل منافقین اور کرهوا کا یہود ہیں۔جیسا کہ مدارک اور بیضاوی کی رائے ہے کرهو کا فاعل مشرکین نہیں ہیں جیسا کہ مفسرؒ کی رائے ہے۔

ام حسب ۔اس میں ام منقطعہ ہے اور ان مخففہ ہے جس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے اور ان مع اپنے مابعد کے اس کی خبر ہے اور اگر وصلیہ لیا جائے تو پھر حسب کے دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہوجائے گا۔ای بل احسب الذین فی قلوبهم مرض ۔الخ

اضغانهم ۔ضغن کی جمع ہے دل میں عداوت وکینہ رکھنا۔

ولتعرفنهم ۔اس میں لام مکرر بقول صاحب جملؒ مبالغہ کے لئے اور بقول ابوالسعودؒ تاکید کے لئے ہے۔اور جواب لو کے طور پر اور لتعرفنهم میں لام نون کے ساتھ ہے جواب قسم محذوف کے طور پر۔

لا رینا کهم ۔میں رویت علمیہ ہے اور بصریہ بھی ہوسکتی ہے۔

لحن القول ۔لحن کے دو معنی ہیں ایک اعرابی غلطی کرنا۔ اصطلاح تجوید میں لحن جلی اور خفی آتا ہے جس کے مخصوص معانی ہیں دوسرے معنی کنائی کلام کے ہیں۔ کہ کلام کا ظاہر ہونا اچھا ہو مگر باطن خراب ہو یہاں یہی معنی مراد ہے یعنی کلام کے لب ولہجہ سے ان کا نفاق مترشح ہوجاتا ہے۔

قاضی کی عبارت یہ ہے کہ لحن القول اسلوبه وامالته عن جهة الصریح الی جهة تعریض و توریة.

تهجین ۔بمعنی تقبیح ہے۔ہجنہ کلام عیب دار گفتگو کو اور ہجنہ علم اضاعت علم کو کہتے ہیں ہجین بمعنی لئیم اور افعال ثلثہ سے مراد لنبولنکم ،نعلم نبلو ہے لا تبطلوا اعمالکم ۔علامہ زمخشریؒ اپنے اعتزالی نقطہ نظر پر استدلال کرتے ہیں کہ معاصی سے طاعات کالعدم ہوجاتی ہیں۔ساری عمر بھی کوئی نیکی تقویٰ میں گزارے۔لیکن ایک کبیرہ سے سب پر پانی پھر جائے گا لیکن اہل حق اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ بطلان سے مراد خاص معنی ،کفر ،نفاق ،ریا ،عُجب احسان جتلا کر فقیر کی دل آزاری کرنا یعنی ان کفار کی طرح برائیوں کا ارتکاب مت کرو۔ کہ اس سے نیکیاں متاثر ہوکر مٹ جاتی ہیں۔

اور امام اعظمؒ نفل نماز وروزہ کو توڑنے سے قضا کا لازم ہونا اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں۔لیکن امام شافعیؒ نفلی حج وعمرہ کی سزائیں تو حنفیہ کے ساتھ ہیں مگر اور ابواب میں قضا کے قائل نہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک نوافل جس طرح شروع کرنے سے پہلے نوافل ہیں ،شروع کرنے کے بعد بھی نوافل اور غیر لازم رہتے ہیں۔

قلیب ۔مقام بدر کا کنواں جس میں مقتول کفار کی نعشیں پھینک دی گئی تھیں۔

فلا تهنوا ۔یہ فائے فصیحیہ ہے شرط مصدر کے جواب میں ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ اذتبین لکم بالدلالة القطعیة عز الاسلام وذل الکفر فی الدنیا و الاخرة فلا تهنوا ۔۱۲صاوی۔

وتدعوا ای ولا تدعوا ۔اس کا عطف تهنوا پر یعنی لا کے تحت ہے۔یوں والصلح خیر فرمایا گیا۔مگر خاص مصلحت ہو اور صلح نامناسب ہو

جیسا کہ بدر میں عین غلبہ کے موقعہ پر صلح کر لینا مسلمانوں کے خلاف اور کفار کے حق میں جانا اس لئے منع کر دیا۔
لن یترکم . وتر وترا کے معنی ناقص کرنا۔ ابن عباسؓ لن یترکم کے معنی لا یظلمکم فرماتے ہیں۔
لعب و لھو۔ دونوں کے معنی ایسے کام کے ہیں جس میں نہ فی الحال نفع ہو اور نہ فی المآل۔ پھر یہ اشغال اگر اہم کاموں سے مانع ہو جائیں تو لعب ولہو ہیں ورنہ لہو سمجھے جائیں گے۔
ھا انتم ھؤلا ء۔ اس میں ہا تنبیہ کے لئے انتم مبتدا، ھو لاء منادی اور خبر تدعون ہے اور جملہ ندائیہ جملہ معترضہ ہے۔
یبخل عن نفسہ : بخل کے صلہ میں عن اور علی دونوں آتے ہیں یعنی امساک کے متضمن ہونے کی وجہ سے۔
وان تتولوا: اگر اس کے مخاطب حضرات صحابہ ہوں تو مقصود محض تخویف ہوگی۔ کیونکہ صحابہ کے بعد کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہوا۔ اور قضیہ شرطیہ وقوع کے لئے مقتضی نہیں ہوا کرتا کہ اشکال ہو اور منافقین اگر مخاطب ہیں تو ان سے بہتر اللہ نے بے شمار خادم اسلام پیدا فرما دیئے۔

ربط :............ سورۂ بقرہ کی طرح سورہ محمد کی آیات میں بھی پہلے اجمالاً مومن و کافر کا ذکر ہوا ہے۔ پھر بعد میں دونوں جگہ تفصیل کے ساتھ منافقین کی قباحتیں کھولی گئی ہیں۔ منافقین نے اپنے چھپانے کی جتنی کوشش کی اللہ نے اتنا ہی ان کو کھول کر رکھ دیا۔ آیت ویقول الذین امنوا میں بطور تمہید پہلے مومنین کا ذکر ہے۔ پھر اگلے جملہ سے منافقین کی بدحالی ارشاد ہے۔
ان الذین کفروا ۔شروع سورت سے اب تک مسلمانوں کی تحسین اور کفار کی تہجین (توہین) ہو رہی تھی اور اس ضمن میں ان سے جہاد کرنے کا حکم بھی ہوا۔ اب ان آیات سے خاتمہ سورت تک انہیں مضامین کی تلخیص، تفریع، تتمیم و تاکید سمجھنی چاہیے۔ مثلاً کفار کی مذمت تہجین کفار کی تلخیص ہوگی اور رسول کی اطاعت کا حکم تحسین مومنین پر تفریع کہلائیگی یعنی اہل ایمان کی مذکورہ خوبیوں کی علت یعنی فرمانبرداری کو مت چھوڑنا بلکہ ان خوبیوں کے خلاف یعنی ابطال عمل سے بچنا۔ پھر اس تحسین و تہجین کے مجموعہ پر لا تھنوا کی تفریع فرمائی کہ جب ان دونوں میں یہ فرق ہے تو مقبولین کو مخذولین سے دبنا نہیں چاہیے۔ اس طرح یہ مضمون آیت ضرب الرقاب کی تاکید ہوا۔ اسی طرح انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب ہے، حکم جہاد کی تتمیم ہے اور ان تتولوا میں تمام اوامر و نواہی کے سلسلہ میں ایک ترہیبی مضمون پر سورت کو ختم کر دیا گیا ہے۔

شان نزول وروایات:............ آیت ویقول الذین امنوا سے آخر سورت تک آیات مدنی معلوم ہوتی ہیں۔ کیونکہ جہاد کا حکم مدینہ طیبہ میں نازل ہوا ہے اور منافقین کا ظہور بھی مدینہ طیبہ میں ہی ہوا ہے۔ پس سورت کے شروع میں سورت کے مکی ہونے کو اکثریت پر اور مدنی کہنے کو بعض حصہ پر محمول کیا جائے۔
ولتعرفنھم: دومنثور میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ **ثم دل اللہ النبی ﷺ بعد علی المنافقین فکان ید عو باسم الرجل من اھل النفاق** بقول علامہ رکوی حضرت انسؓ ناقل ہیں اور بقول طبریؒ ابن زید سے روایت ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ سب کو ان کے چہرہ بشرہ، لب ولہجہ سے پہچان گئے تھے اور فرماتے ہیں کہ ایک غزوہ میں ہمارے ساتھ نو ۹ منافق بھی تھے۔ رات کو سو کر صبح اٹھے تو دیکھا ان پر منافق لکھا ہوا تھا۔
سیحبط اعمالھم: غزوہ بدر کے سلسلہ میں مسلمانوں کے خلاف ابوجہل وغیرہ نے غریب کافروں کی امداد کر کے ان کو بھڑکایا تھا۔ ابوجہل نے اور پھر صفوان نے مقام عسفان میں پہنچ کر ۹ اونٹ ذبح کر کے غریب لوگوں کے پیٹ بھر دیئے۔ اس کے بعد سہل نے بھی ۱۰ اونٹ مقام قدید پر ذبح کر ڈالے اور چونکہ یہ لوگ راستہ بہک گئے تھے جس کی وجہ سے ایک روز مزید قیام کرنا پڑا۔ اس لئے شیبہ نے بھی ۹ اونٹ ذبح کر ڈالے، اور اگلے روز مقام ابواء میں پہنچنے پر مقیس اجمحی نے ۹ اونٹ اور عباس نے ۱۰ اور حارث نے ۹ اونٹ ذبح کئے بعد ازاں مقام بدر میں ابوالبختری نے

۱۰اور ۹ مقیس نے اونٹ قربان کئے۔ اس طرح لڑائی کے لئے غریب لوگوں کو قربانی کا بکرا بنایا گیا۔

یا ایها الذین اٰمنوا۔ ابن ابی حاتم اور محمد بن نصر مروزی نے ابوالعالیہ تابعی سے تخریج کی ہے کہ صحابہؓ یہ سمجھتے تھے کہ کلمہ طیبہ کی موجودگی میں کوئی گناہ مضر نہیں اور شرک کے ہوتے ہوئے کوئی عمل مفید نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں **لا تبطلوا اعمالکم** فرمایا گیا۔ اس پر انہیں اندیشہ ہوا کہ گناہ سے عمل بالکلیہ ختم ہوجاتا ہے یعنی گناہ کو اس درجہ مضر سمجھنے لگے جس کا دفعیہ کیا گیا کہ مضر تو ہے مگر اس درجہ کا نہیں کہ عمل ہی ختم ہوجائے حسنؒ فرماتے ہیں کہ کبیرہ گناہ مراد ہے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ شک ونفاق سے عمل خراب نہ کرو۔ اور کلبیؒ ریا وسمع کے معنی لیتے ہیں۔

اور عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ پہلے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ہر نیکی قبول ہوجاتی ہے۔ لیکن جب **لا تبطلوا اعمالکم** حکم نازل ہوا تو ہمارا خیال ہوگیا کہ گناہ اور فواحش سے اعمال سوخت ہوجاتے ہیں مگر جب آیت **ان اللہ لا یغفر** الخ نازل ہوگئی تو پھر ہم اس خیال سے بھی باز آ گئے اور یہ سمجھے کہ کفر وشرک سے کم درجہ گناہوں کی معافی ہوسکتی ہے۔

﴿تشریح﴾:..............ویقول الذین اٰمنوا۔ یعنی مسلمانوں کی فرمائش سے تو ان کے شوق اور جذبہ جہاد کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ مگر ان کے بالمقابل منافقین کی حالت ناقابل دید ہوتی ہے حالانکہ مسلمان کافروں کی مختلف ایذاؤں سے عاجز ومجبور ہوکر یہ آرزو کررہے تھے سو حکم آنے کا بعد وہ تو کپے نکلے کہ ہشاش بشاش رہے۔ مگر روگی دلوں کو دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اور سورت کے ساتھ جو محکمۃ کی قید لگائی، یہ متشابہ کے مقابلہ میں ہے۔ یعنی ممکن تھا کہ دوبارہ جہاد اگر کوئی آیت یا سورت خفی المعنیٰ نازل ہوتی تو منافقین کے لئے بہانہ کی گنجائش تھی۔ مثلاً کہہ دیتے کہ ہم اس کے معنی نہیں سمجھے تھے۔ مگر سورت محکمۃ میں کیا بہانہ چلتا۔ اس لئے ایسی سورت اترنے سے ان کی جان پر بنتی ہے رہا یہ شبہ کہ جہاد کا حکم ایک بار بھی ناگواری کے لئے کافی ہے پھر بار بار کی قید کیوں لگائی؟

جواب یہ ہے کہ یہ قید واقعی ہے یعنی جہاد سے متعلق اکثر آیات ایسی ہی ہیں کہ جب قصہ پیش آیا اور کسی خاص قوم سے جہاد کی ضرورت پیش آئی تو جہاد کا تازہ حکم آ گیا۔ پس اگر نیا حکم نہ آتا تو وہ جہاد سے بےفکر ہونے کے بہانے تلاش کرسکتے تھے۔ کہ پرانا حکم ختم ہوا اور نیا حکم آیا نہیں۔ اس لئے بےفکری ہوگئی۔ مگر بار بار کے تازہ سلسلہ میں اس کی جڑ بھی کٹ گئی۔

طاعۃ وقول معروف۔ یعنی بظاہر زبان سے اگرچہ یہ اسلام کا اقرار کرتے ہیں۔ مگر کام کی بات یہ تھی کہ اللہ اور رسول کا حکم عملاً مانیں اور جہاد وغیرہ میں ضرورت پڑے تو اس وقت سچے ثابت ہوں ورنہ رسول بھی جانتا ہے کہ نامردوں کو ساتھ رکھنے سے کیا فائدہ؟ لیکن زیادہ مجبور ہوجائے تو لینا ہی پڑتا ہے ورنہ جہاد کرنے والوں کی کیا کمی ہے۔

جہاد کے فوائد ومصالح:..........فهل عسیتم۔ یعنی جہاد کی منفعت اخروی تو ہے ہی لیکن دنیوی مصالح بھی بیشتر ہیں۔ منافقین کم از کم انہی کا خیال کرکے جہاد کو ضروری سمجھتے۔ مثلاً اگر باطل اور کفر وشرک کو اس طرح آزاد اور بےروک ٹوک رہنے دیا جائے تو سارے ملک میں فساد کی آگ بھڑک اٹھے اور لوگوں کے حقوق تلف اور ضائع ہوجائیں اور صلہ رحمی وغیرہ کے حقوق العباد بھی برباد ہوجائیں تو ان کے منافع کا خیال کرکے ہی اس کو قبول کرلیتے اور ابتداءً اگر توفیق نہ ہو تو بعد میں تائب ہوکر اپنے بھائیوں کے ساتھ شریک ہوسکتے ہیں۔ مرتے دم تک انسان کے لئے سنبھل جانے کا موقعہ ہے۔ غرضیکہ جہاد میں دینی مصالح کے علاوہ درستگی نظام کی دنیاوی مصلحت بھی اس کی مقتضی تھی۔ کہ اس کو قبول کرلیا جاتا۔ لیکن بعض حضرات تو لیتم کے معنی غالب اور صاحب حکومت ہوجانے کے لیتے ہیں۔ یعنی اب تو جان سے تنگ آ کر جہاد کی آرزو کرتے ہو۔ لیکن اگر اللہ تمہیں غالب کردے تو فساد نہ کرنا کیونکہ بسا اوقات حکومت کے نشہ میں انسان بہک جاتا ہے اور عدل وانصاف پر نہیں رہتا۔ بلکہ مال وجاہ کی کشمکش اور تگ ودو میں مبتلا ہوکر فتنہ وفساد برپا کر بیٹھتا ہے۔

اور بعض حضرات نے اس کی تفسیر یہ کی ہے، کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو وہی پرانی جہالت لوٹ آئے گی۔ جو جو خرابیاں اس وقت تھیں وہ ساری پھر ایک ایک کر کے لوٹ آئیں گی۔ یہ سب احتمالات اس صورت میں ہیں کہ آیت کا خطاب مسلمانوں سے بھی مانا جائے۔ لیکن اگر خاص طور پر صرف منافقین کو خطاب ہو تو ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر تم جہاد میں حصہ نہیں لو گے تو تمہاری حالت سے یہ اندیشہ ہے کہ تم اپنی منافقانہ شرارتوں سے ملک میں فساد مچاؤ گے اور اپنے مسلمان رشتہ داروں کی پرواہ نہیں کرو گے۔ بلکہ کافروں ہی کا ساتھ دو گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ سلطنت کے نشہ میں چور ہو کر ظلم پر کمربستہ ہوگئے۔ اس لئے اللہ کی پھٹکار نے انہیں آگھیرا۔ یہ سب ان کے سوءاختیار اور بداستعدادی کی وجہ سے ہوا۔

دلوں پر تالے:............افلا یتدبرون۔ ان منافقین کو اگر قرآن فہمی کی توفیق ملی ہوتی تو جہاد کی مصلحتیں اور دنیوی واخروی فوائد بآسانی سمجھ لیتے۔ مگر ان کے دلوں پر تو گویا تالے ہی پڑ گئے ہیں کہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے۔ یہ بطور منع الخلو فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ فی الواقع ان میں دونوں ہی باتیں جمع ہیں پہلے قرآن کا انکار کرنے سے تدبر کیا گیا پھر اس کے وبال میں ان کے دلوں پر تالا پڑ گیا۔ جیسا کہ دوسری آیت ذٰلک بانہم اٰمنوا ثم کفروا فطبع علی قلوبھم سے یہی ترتیب سمجھ میں آرہی ہے۔

اس کے بعد آیت ان الذین سے قرآن میں تدبر نہ کرنے کی وجہ سے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اسلام کی حقانیت ظاہر ہوچکنے کے بعد وقت آنے پر اپنی بات سے مکر جاتے ہیں اور شریک نہیں ہوتے۔ کیونکہ شیطان نے ان کے دلوں میں یہ بات بٹھادی ہے کہ جہاد میں جانے سے مر جائیں گے اور نہیں جائیں گے تو نہیں مریں گے۔ اس لئے خواہ مخواہ جان دینے سے کیا فائدہ؟ منافقین یہود کو مطمئن کرنے کے لئے بولے کہ ہم صرف ظاہر میں مسلمان ہوتے ہیں لیکن لڑائی میں ان کا ساتھ نہیں دیں گے۔ بلکہ تمہیں مدد دیں گے اور تمہاری مانیں گے۔ اس طرح شیطان نے انہیں چکمہ دیا اور دور کی بجھائی۔

آگے فکیف اذا توفتھم الخ سے انہیں دھمکی دی جارہی ہے کہ جہاد میں جان چرانے سے کیا ہوتا ہے وہ تو ایک نہ ایک دن جانی ہے جب ملک الموت آجائیں گے۔ تب یہ جان کیسے بچے گی۔ بلکہ بری طرح نکلے گی اور یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی خوشنودی کا راستہ اختیار نہیں کیا۔ اس کی ناراضگی ہی مول لیتے رہے اس لئے مرنے کے وقت یہ بھیانک منظر سامنے آیا اور ان کے سارے کئے دھرے پر پانی پھر گیا۔

ام حسب الذین۔ یعنی کیا انہیں یہ خیال ہے کہ ان کی منافقت چھپی رہے گی۔ ان کا خبث باطنی کھلے گا نہیں؟ بلکہ انہیں امتحان کی بھٹی میں ڈالا جائے گا۔ جہاں کھرا کھوٹا الگ الگ ہو کر رہے گا۔

مخلص ومنافق کی پہچان:............ولو نشاء یعنی اللہ چاہے تو منافقین کی نام بنام نشان دہی کی جاسکتی ہے مگر اللہ کی مصلحت ابھی ایسی تعیین کرنا نہیں چاہتی اور یوں بھی آپ اپنی اعلیٰ فراست سے ان کے چہرے مہرے کو دیکھ کر اور طرز گفتگو کو پرکھ کر تاڑ لیتے ہیں۔ آخر مخلص اور منافق کی بات کب تک چھپی رہ سکتی ہے۔ دونوں کا ڈھنگ الگ الگ ہوتا ہے۔ رنگ جدا جدا ہوتا ہے۔ بعض احادیث میں آتا ہے کہ بہت سے منافقین کو نام بنام پکار کر آپ نے مجلس سے اٹھادیا تو طرز گفتگو اور دوسرے قرائن سے پہچان کر ایسا کیا ہوگا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ نے اس کے بعد آپ کو مطلع فرمادیا ہو جیسا کہ ابن عباسؓ کی روایت سے ابھی معلوم ہوا ہے۔ اس صورت میں آیت اور روایت دونوں کے مفہوم میں کوئی ٹکراؤ نہیں رہتا بلکہ دونوں جمع ہوسکتی ہیں۔ یعنی رنگ ڈھنگ بھی آپ نے ایسا دیکھا ہو اور صراحۃً بھی آپ کو آگاہ کردیا گیا ہو۔

البتہ حضرت انسؓ اور طبری کی روایات جو اوپر گزری ہیں ان میں بظاہر منافات ہے۔ لیکن لو نشاء الخ میں لو چونکہ نفی کے لئے آتا ہے اور ماضی میں کسی چیز کے نہ ہونے سے یہ لازم نہیں کہ وہ مستقبل میں بھی نہ ہو۔ اس لئے یہ ممکن ہے کہ اس آیت کے بعد نام بنام نشاندہی کر دی گئی ہو اور حضرت حذیفہ کو منافقین کا پتہ بتلادینا جو بعض روایات سے مفہوم ہوتا ہے اس میں بھی آپ کی شناخت کے متعلق دونوں احتمال

ہیں۔ عام مفسرینؒ فلعرفتھم کو لو نشاء کے تحت رکھ کر لاَرینا کھم کو اس پر متفرع کرتے ہیں یعنی ہم چاہیں تو آپ کو دکھلا دیں منافقین پھر آپ انہیں صورت دیکھ پہچان جائیں۔

اور بعض حضرات **فلعرفتھم** کو الگ کر کے اس طرح تقریر کرتے ہیں کہ ہم چاہیں تو آپ کو انہیں دکھلا دیں سو آپ انہیں چہرہ سے پہچان تو چکے ہی ہیں۔ یہ تقریر زیادہ لطیف معلوم ہوتی ہے۔

آگے ارشاد ہے کہ بندے ان کا حال جانیں نہ جانیں مگر اللہ سے تو ان کی کیفیت چھپی نہیں ہے۔ وہ کھل کر کام کریں یا چھپ کر، جہاد وغیرہ کے احکام دراصل کھرے کھوٹوں کی آزمائش کا ذریعہ ہیں ان سے کھل جاتا ہے کہ کون چا ہے کون پکا کون ثابت قدم رہتا ہے اور کون ڈگمگاتا ہے۔

نعلم المجاهدین کی وضاحت آیت بقرہ لنعلم من یتبع الرسول کی تشریح سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس لئے حدوث علم کا شبہ نہ کیا جائے۔

کفر ونفاق سے اللہ کا کچھ نقصان نہیں: .... ان الذین کفروا۔ یعنی کافر اللہ ورسول اور اس کے دین کا نقصان نہیں کرتے۔ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں وہ ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا سکتا ہے۔ جہاد وغیرہ تمام ریاضت ومشقت اللہ ورسول کے حکم کے مطابق کی جائیں۔ تو لائق اعتناء ہیں ورنہ محض اپنی طبعیت، شوق نفس یا رسم ورواج کے تحت ہو تو اللہ کے یہاں اس کا کوئی وزن نہیں۔ سب اکارات اور ضائع ہیں۔ ایک اطاعت شعار مسلمان کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ اس طرح اپنی محنت کو ادھر چھوڑ دے، یا ریاؤ نمود اور نمائش سے اپنے اعمال کو برباد کر دے۔ بھلا ارتداد کا ذکر ہی کیا جو ایک دم بالکلیہ عمل کو سوخت کر کے رکھ دیتا ہے۔

فرمانبرداری اور نافرمانی کے درجات: .... اللہ ورسول کی مخالفت ایمان میں ہوتی ہے یا اعمال میں۔ اول کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک کفر اصلی اور کفر سابق، دوسرے کفر لاحق (ارتداد) پس کفر اصلی تو منافی عمل ہے اور کفر لاحق حابط عمل ہے۔ ظاہر ہے ان دونوں صورتوں میں اعمال بھی برباد اور وہ مخالفت اگر عملی ہے جیسا کہ گنہ گار مسلمان تو پھر عمل کے برباد ہونے کی صورت یہ ہوگی۔ کہ ایک عمل جو کسی دوسرے عملی صحت یا بقاء کی شرط ہو اس میں خلل ڈال دیا جائے۔ جس کی تفصیل آیت لا تبطلوا صدقاتکم میں گزر چکی ہے۔

بہر حال ایمان واعمال دونوں کی مخالفت کا حکم اگر چہ الگ الگ ہے یعنی کفار کی مخالفت بشرط شے کے درجہ میں ہے۔ اور مسلمان کی مخالفت عمل بشرط لاشئے کے مرتبہ میں ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ مگر ان میں قدر مشترک لابشرط شئے یعنی اطلاق کا مرتبہ ہے۔ اس لئے ڈرانے کے موقعہ پر مسلمان کی مخالفت کو کافر کی مخالفت سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔

حنفیہ، شوافع کا اختلاف: آیت **لا تبطلوا** الخ سے نفل نماز روزہ شروع کرنے کے بعد توڑ دینے کی صورت میں قضاء واجب ہونے پر مذکورہ بالا تقریر سے جو حنفیہ استدلال کرتے ہیں اس کی وجہ ظاہر ہے۔ کیونکہ عبادت کے اجزاء میں بعض، بعض کی صحت یا بقا کے لئے شرط ہیں۔ البتہ شوافع کہہ سکتے ہیں کہ نفل شروع کر کے توڑ دینا اگر چہ ابطال ہے مگر ہر ابطال کی ممانعت حدیث ان المتطوع امیر نفسہ وغیرہ کے دلائل کی وجہ سے ہم تسلیم نہیں کرتے۔ چونکہ آیت قطعی الثبوت اور ظنی الدلالہ ہے اس لئے مسئلہ ظنی رہے گا۔

یہاں تک کفر کے دنیاوی نقصان کا بیان تھا، اب آگے اخروی خسران کو بھی کچھ کم نہ سمجھو۔ فرمایا کہ کافروں کی اللہ کے یہاں بخشش نہیں۔ خاص کر ان کافروں کی جو اوروں کو اللہ کی راہ سے روکیں۔

حاصل یہ ہے کہ کافر کی بخشش نہ ہونے کے لئے بس کفر پر برقرار رہنا ہی شرط ہے اور دوسروں کو ایمان سے روکنا شرط نہیں ہے البتہ اس سے اس خباثت میں قباحت اور بڑھ گئی ہے۔ عوام صرف کفر کے مرتکب تھے اور خواص خود بھی کافر تھے اور دوسروں کو بھی اس دلدل میں پھنسا دیا۔

بزدلی مسلمان کا شیوہ نہیں ہے:............ آگے ولا تھنوا الخ میں فرمایا جارہا ہے کہ مسلمانوں کا محبوب خدا ہونا اور کفار کا معتوب خدا ہونا جب معلوم ہوگیا تو پھر مسلمان کفار کے مقابلہ میں سست اور کم ہمت ہرگز نہ بنیں اور جنگ کی سختیوں سے گھبرا کر صلح کی طرف نہ دوڑیں ورنہ کفار کی چار آنکھیں ہوجائیں گی اور وہ پھر غرانے لگیں گے۔ ہاں سیاسی مصالح ملکی اور قومی تقاضوں سے ایسا کرنا ضروری ہوجائے۔ تو وہ بات دوسری ہے مگر اس کی بنیاد بھی پست ہمتی اور نامردی نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ یہ گناہ ہے اور گناہ پر مرتب ہونے والا عمل اور ثمرہ بھی جائز نہ ہوگا۔ اور فرمایا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے صبر واستقلال اور اثبات قدمی ہوگی تو اللہ تمہارے ساتھ ہوگا۔ تمہارا مال بیکار نہیں ہوسکتا اور آخر کار غالب تم ہی ہوگے۔

اور یہ بشارت اگر صحابہ کو ہے تب تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے کیونکہ وعدہ پورا ہوگیا۔ اور عام مومنین اگر مخاطب ہیں تو چونکہ دوسری آیت وانتم الاعلون ان کنتم مومنین میں اس دورۂ غلبہ کے ساتھ ایمان کی قید بھی ہے پس یہاں بھی وہی مراد ہوگی۔ اس کے بعد بھی اگر شکست ہوگی تو محض عارضی ہوگی یا صرف صورۃ ہوگی یا آزمائش ہوگی۔

دنیا اور آخرت کا موازنہ:............ انما الحیٰوۃ الدنیا۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا ایک کھیل تماشہ ہے اگر تم اس سے بچے رہے اور ایمان وتقویٰ کو شعار بنائے رکھا، تو اللہ تم سے مال تو کیا مانگتا کیونکہ اسے مال کی کیا حاجت۔ وہ تو خود تمہیں دیتا ہے۔ البتہ تمہیں بھر پور بدلہ ضرور دے گا۔ یوں مالک حقیقی کی وجہ سے اگر مانگ بھی لے تو مال اسی کا ہے۔ مگر سارا مال پھر بھی طلب نہیں کرے گا، بلکہ جنگی مصالح کے پیش نظر وہ خود بھی تم پر خرچ کرنے کے لئے کچھ حصہ دین کی راہ میں خرچ کرنے کو فرماتا ہے۔

اور ان تو منوا کی قید کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ایمان نہ لاؤ تو پھر تمہارا مال لے لے گا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایمان نہ لانے والے سے تو ہماری کوئی ناآشنائی ہی نہیں۔ اس لئے وہاں تو مال کے سوال کا احتمال ہی نہیں۔ البتہ ایمان لانے کی صورت میں ڈر تھا کہ کہیں دوستی میں فرمائشیں نہ ہونے لگیں۔ جیسا کہ دنیا میں اکثر دیکھا جاتا ہے۔ اس لئے بطور مبالغہ فرمادیا کہ ایمان بھی لے آؤ۔ تب بھی تم سے اپنے لئے مال کی فرمائش نہیں کریں گیا اور اپنے لئے اللہ کا سوال کرنا تو خیر محال ہے اس کا تو احتمال ہی نہیں۔ ہماری طرف سے تو سوال کی وہ ممکنہ صورت بھی تمہارے فائدہ کے لئے کل مال مانگ لیں، واقع نہیں ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ طبعاً سارا دے دینا ناگوار ہوتا ہے، کتنے ایسے دل والے مردان خدا ہیں خندہ پیشانی اور خوش دلی سے اس حکم کی تعمیل کریں گے۔ اکثر تو وہی ہوں گے جو بخل اور تنگ دلی ظاہر کریں گے۔ حالانکہ یہ تھوڑا سا دین کی راہ میں خرچ کر دینا خود تمہارے فائدہ کے لئے ہے۔ نہ دو گے تو خود تمہارا ہی نقصان ہے۔ اللہ کو کسی کے دینے کی کیا پرواہ ہے۔ اور یہ خرچ کرنے کی حکمت ومصلحت کا حاصل ہونا کچھ تمہارے دینے پر منحصر نہیں ہے۔ وہ تمہیں ہٹا کر دوسری قوم سے یہ کام لے سکتا ہے۔ یہ مت سمجھو کہ تمہارے ہی تان گاڑی چلے گی۔ اللہ کی حکمت ومصلحت تو پوری ہوکر رہے گی۔ البتہ اس سعادت سے تم محروم ہوجاؤ گے۔ یمنون علیک ان اسلموا

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی　　منت شناس از وکہ بخدمت بداشتت

رہا اس پر یہ شبہ کہ سوال تو خود محال ہے کیونکہ وہ موقوف ہے احتیاج پر اور احتیاج اللہ کے لئے محال ہے پس سوال بھی محال ہو۔ پھر ممکن کیسے کہہ دیا؟ جواب یہ ہے کہ سوال سے مراد مطلقاً طلب کرنا ہے خواہ وہ بطور امر ہی ہو۔ جیسے آیت من یقرض اللہ میں قرض سے تعبیر کیا گیا ہے اور تبخلوا میں اکثر افراد مراد ہیں۔ بعض اللہ کے بندے تو ؎

قرار در کف آزادگاں نہ گیرد مال　　نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال

کا مصداق ہوتے ہیں۔ پھر تبخلوا میں سب مراد لینا اکثر حکم الکل کے طور پر ہے۔ رہا اس پر یہ شبہ کہ اگر کوئی سارا مال لٹانے کی نذر کرلے تو

پھر سارا مال دینا واجب ہے۔ پھر کیسے کہا کہ سارے مال مانگنے کی ممکنہ صورت بھی واقع نہیں؟

جواب یہ ہے کہ نذر کرنے والے نے خود اپنے اوپر یہ لازم کرلیا ہے۔ اس لئے شریعت نے بھی واجب کردیا۔ پھر شریعت پر کیا اعتراض اور اگر شبہ ہو کہ جان تو مال سے بھی زیادہ عزیز چیز ہے۔ پھر جہاد میں اس کو دے ڈالنے کا کیسے حکم ہوا؟ جواب یہ ہے کہ حالات سدھارنے اور اصلاح کے سلسلہ میں انسان کی جان کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے بہ نسبت سارا مال خرچ کرنے کے، پس ان منافع عظیمہ کی خاطر یہ عظیم قربانی گوارا کرلی گئی۔ اور شہادت کی صورت میں نفع آخرت الگ رہا۔

اور لتنفقوا میں تھوڑا انفاق مراد ہے جس کی تعیین شریعت کے اختیار میں ہے۔

منکم من یبخل۔ میں یہ اشکال ہے کہ صحابہ کرامؓ کی شان سے بخل کرنا بعید ہے۔ لیکن جواب یہ ہے کہ اول تو انبیاء اور ملائکہ کے علاوہ کوئی معصوم نہیں ہے۔ دوسرے یہ کیا ضروری ہے کہ صحابہ کرامؓ سے وہ بخل سرزد ہوا ہو جو مذموم ہے۔ بلکہ انفاق کرنے میں انقباض مراد لیا جائے جو مذموم نہیں ہے۔ جب کہ اس کے مقتضی پر عمل نہ کیا جائے۔

نہ رہا یہ شبہ کہ اس پر عتاب کیوں ہوا؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے یہ انقباض کبھی عملی بخل کی طرف ابھار دے۔ اسلئے اس کا ازالہ ضروری ہوا۔

اور بعض حضرات نے منکم من یبخل کا مصداق منافقین کو قرار دیا ہے جو اگرچہ خلاف قرائن ہے مگر پھر یہ سارے شبہات متوجہ ہی نہیں ہوتے کہ جواب دہی کی نوبت آئے۔

امام اعظمؒ کی منقبت:.......... صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ وہ دوسری قوم کون ہے جس کی طرف اشارہ ہے؟ حضرت سلمان فارسیؓ پر ہاتھ رکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ اور اس کی قوم۔ خدا کی قسم اگر ایمان ثریا پر بھی جا پہنچے تو فارس کے لوگ وہاں سے اس کو اتار لائیں گے۔

بالله الحمد صحابہ کرامؓ نے وہ کارنامے انجام دیئے کہ ان کی جگہ دوسری قوم کے لانے کی نوبت نہیں آئی۔ تاہم اہل فارس کی ستائش بدستور رہی۔ چنانچہ اہل فارس نے اسلام میں داخل ہو کر وہ شاندار خدمات انجام دیں۔ جنہیں دیکھ کر ہر شخص کو برملا کرنا پڑتا ہے کہ بلاشبہ یہی قوم تھی جو حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق ضرورت پڑنے پر عربوں کی جگہ لے سکتی۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ ہی کو دیکھا جائے تو اس پیشگوئی کا مصداق بدرجہ اتم ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

بہر حال ان تتولوا میں حضرات صحابہؓ کا دین سے برگشتہ نہ ہونا اور دوسری قوم سے ان کا تبادلہ نہ ہونا تو یقینی ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قوماً غیرکم پیدا نہ کی گئی ہو۔ بلکہ حدیث مذکور کی رو سے اہل ایمان فارس کے سچے مسلمان ہیں۔

لطائف سلوک:.......... ولو نشاء لا رینا کھم۔ میں فراست کی اصل ہے۔ جس سے مومن، کافر، فاسق، فاجر، صالح، مخالف، موافق، دوست، دشمن میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ لیکن احکام فراست کا جزم یا فراست کی بناء پر تجسس جائز نہیں ہے۔ البتہ مصلح کے لئے تفتیش کی اجازت تحقیق کی حد تک ہے۔ جیسے واقعہ افک میں آنحضرت ﷺ نے خود حضرت عائشہؓ سے فرمایا اور دوسرے ذرائع سے بھی تحقیق فرمائی تھی۔

ولا تبطلوا اعمالکم۔ روح المعانی میں حضرت قتادہ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ گناہ کرکے عمل باطل نہ کرو۔ پس اسے نفس عمل کا باطل کرنا مراد نہیں۔ بلکہ نور عمل کا باطل کرنا مراد ہے۔ کیونکہ گناہ کرنے سے اعمال کے انوار و برکات توبہ نہ کرنے تک مضمحل رہتے ہیں۔

وان تتولوا۔ میں اسی خیال کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو بعض دینی خدمات انجام دینے والوں کو عجب سے پیدا ہو جاتی ہے کہ خدمت ہماری ذات پر موقوف ہے۔ اللہ جس سے چاہے کام لے سکتا ہے۔ وہ چاہے تو پہاڑ کا کام ایک تنکہ سے لے سکتا ہے۔

سُورَةُ الْفَتْحِ

سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ تِسْعٌ وَّ عِشْرُوْنَ آيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ قَضَيْنَا بِفَتْحِ مَكَّةَ وَغَيْرِهَا الْمُسْتَقْبَلِ عَنْوَةً بِجِهَادِكَ **فَتْحًا مُّبِيْنًا** ﴿۱﴾ بَيِّنًا ظَاهِرًا **لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ** بِجِهَادِكَ **مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ** مِنْهُ لِتَرْغَبَ اُمَّتُكَ فِي الْجِهَادِ وَهُوَ مُؤَوَّلٌ لِعِصْمَةِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بِالدَّلِيْلِ الْعَقْلِيِّ الْقَاطِعِ مِنَ الذُّنُوْبِ وَاللَّامُ لِلْعِلَّةِ الْغَائِيَّةِ فَمَدْخُوْلُهَا مُسَبَّبٌ لَا سَبَبٌ **وَيُتِمَّ** بِالْفَتْحِ الْمَذْكُوْرِ **نِعْمَتَهٗ** اِنْعَامَهٗ **عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ** بِهٖ **صِرَاطًا** طَرِيْقًا **مُّسْتَقِيْمًا** ﴿۲﴾ يُثَبِّتُكَ عَلَيْهِ وَهُوَ دِيْنُ الْاِسْلَامِ **وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ** بِهٖ **نَصْرًا عَزِيْزًا** ﴿۳﴾ نَصْرًا ذَا عِزٍّ لَا ذُلَّ مَعَهٗ **هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ** الطَّمَانِيْنَةَ **فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ** بِشَرَائِعِ الدِّيْنِ كُلَّمَا نَزَلَ وَاحِدَةٌ مِّنْهَا اٰمَنُوْا بِهَا وَمِنْهَا الْجِهَادُ **وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** ، فَلَوْ اَرَادَ نَصْرَ دِيْنِهٖ بِغَيْرِكُمْ لَفَعَلَ **وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا** بِخَلْقِهٖ **حَكِيْمًا** ﴿۴﴾ فِيْ صُنْعِهٖ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ **لِّيُدْخِلَ** مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ اَيْ اَمَرَ بِالْجِهَادِ **الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا** ﴿۵﴾ **وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ** بِفَتْحِ السِّيْنِ وَضَمِّهَا فِي الْمَوَاضِعِ الثَّلٰثَةِ ظَنُّوْا اَنَّهٗ لَا يَنْصُرُ مُحَمَّدًا ﷺ وَالْمُؤْمِنِيْنَ **عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ** ، بِالذُّلِّ وَالْعَذَابِ **وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ** اَبْعَدَهُمْ **وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا** ﴿۶﴾ مَرْجِعًا . **وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا** فِيْ مُلْكِهٖ **حَكِيْمًا** ﴿۷﴾ فِيْ صُنْعِهٖ اَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ **اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا** عَلٰى اُمَّتِكَ فِي الْقِيٰمَةِ **وَّمُبَشِّرًا** فِي الدُّنْيَا بِالْجَنَّةِ **وَّنَذِيْرًا** ﴿۸﴾ مُنْذِرًا مُخَوِّفًا فِيْهَا مِنْ عَمَلِ سُوْءٍ بِالنَّارِ **لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ فِيْهِ وَفِي الثَّلٰثَةِ بَعْدَهٗ **وَتُعَزِّرُوْهُ**

نَصُرُوْهُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِزَائِيْنِ مَعَ الْفَوْقَانِيَّةِ **وَتُوَقِّرُوْهُ** تُعَظِّمُوْهُ وَضَمِيْرُهَا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ **وَتُسَبِّحُوْهُ** اَيِ اللّٰهَ **بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا** ﴿۹﴾ بِالْغَدْوَةِ وَالْعَشِيِّ **اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ** بَيْعَةَ الرِّضْوَانِ بِالْحُدَيْبِيَةِ **اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ** هُوَ نَحْوُ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ **يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ** اَلَّتِيْ بَايَعُوْا بِهَا النَّبِيَّ ﷺ اَيْ هُوَ تَعَالٰى مُطَّلِعٌ عَلٰى مُبَايَعَتِهِمْ فَيُجَازِيْهِمْ عَلَيْهَا **فَمَنْ نَّكَثَ** نَقَضَ الْبَيْعَةَ **فَاِنَّمَا يَنْكُثُ** يَرْجِعُ وَبَالُ نَقْضِهٖ **عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ** بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ **اَجْرًا عَظِيْمًا** ﴿۱۰﴾ **سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ** حَوْلَ الْمَدِيْنَةِ اَيِ الَّذِيْنَ خَلَّفَهُمُ اللّٰهُ عَنْ صُحْبَتِكَ لِمَا طَلَبْتَهُمْ لِيَخْرُجُوْا مَعَكَ اِلٰى مَكَّةَ خَوْفًا مِنْ تَعَرُّضِ قُرَيْشٍ لَكَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ اِذَا رَجَعْتَ مِنْهَا **شَغَلَتْنَا اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا** عَنِ الْخُرُوْجِ مَعَكَ **فَاسْتَغْفِرْ لَنَا** اللّٰهَ مِنْ تَرْكِ الْخُرُوْجِ مَعَكَ قَالَ تَعَالٰى مُكَذِّبًا لَهُمْ **يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ** اَيْ مِنْ طَلَبِ الْاِسْتِغْفَارِ وَمَا قَبْلَهُ **مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ** فَهُمْ كَاذِبُوْنَ فِيْ اِعْتِذَارِهِمْ **قُلْ فَمَنْ** اِسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَى النَّفْيِ اَيْ لَا اَحَدَ **يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا** بِفَتْحِ الضَّادِ وَضَمِّهَا **اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا** ﴿۱۱﴾ اَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ **بَلْ** فِي الْمَوْضَعَيْنِ لِلْاِنْتِقَالِ مِنْ غَرَضٍ اِلٰى اٰخَرَ **ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ** اَيْ اَنَّهُمْ يُسْتَاْصَلُوْنَ بِالْقَتْلِ فَلَا يَرْجِعُوْنَ **وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ** هٰذَا وَغَيْرُهُ **وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا** ﴿۱۲﴾ جَمْعُ بَائِرٍ اَيْ هَالِكِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ بِهٰذَا الظَّنِّ **وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا** ﴿۱۳﴾ نَارًا شَدِيْدَةً **وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا** ﴿۱۴﴾ اَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِمَا ذُكِرَ **سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ** الْمَذْكُوْرُوْنَ **اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ** هِيَ مَغَانِمُ خَيْبَرَ **لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا** اُتْرُكُوْنَا **نَتَّبِعْكُمْ** لِنَاْخُذَ مِنْهَا **يُرِيْدُوْنَ** بِذٰلِكَ **اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ كَلِمَ بِكَسْرِ اللَّامِ اَيْ مَوَاعِيْدَهُ بِغَنَائِمِ خَيْبَرَ اَهْلَ الْحُدَيْبِيَةِ خَاصَّةً **قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ** اَيْ قَبْلَ عَوْدِنَا **فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا** اَنْ نُّصِيْبَ مَعَكُمْ مِنَ الْغَنَائِمِ فَقُلْتُمْ ذٰلِكَ **بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ** مِنَ الدِّيْنِ **اِلَّا قَلِيْلًا** ﴿۱۵﴾ مِنْهُمْ **قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ** الْمَذْكُوْرِيْنَ اِخْتِبَارًا **سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ** اَصْحَابِ **بَاْسٍ شَدِيْدٍ** قِيْلَ هُمْ بَنُوْ حَنِيْفَةَ اَصْحَابُ الْيَمَامَةِ وَقِيْلَ فَارِسُ وَالرُّوْمُ **تُقَاتِلُوْنَهُمْ** حَالٌ مُقَدَّرَةٌ هِيَ الْمَدْعُوُّ اِلَيْهَا فِي الْمَعْنٰى **اَوْ** هُمْ **يُسْلِمُوْنَ** فَلَا تُقَاتِلُوْنَ **فَاِنْ تُطِيْعُوْا** اِلٰى قِتَالِهِمْ **يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا** ﴿۱۶﴾ مُؤْلِمًا. **لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا**

عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ فِیْ تَرْكِ الْجِهَادِ **وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ** بِالْيَآءِ وَالنُّوْنِ **جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ** بِالْيَآءِ وَالنُّوْنِ **عَذَابًا اَلِيْمًا** ﴿۱۷﴾ ع

ترجمہ:.........سورۃ الفتح مدنیہ ہے جس میں ۲۹ آیات ہیں۔

بسم الله الرحمٰن الرحيم ۔ بلاشبہ ہم نے آپ کو فتح دی (آئندہ کے لئے مکہ معظمہ وغیرہ مقامات کو طاقت کے ذریعہ آپ سے جہاد کرا کر فتح کا فیصلہ کر دیا ہے) کھلم کھلا (واضح طور پر) تاکہ اللہ تعالیٰ (آپ کے جہاد کی برکت سے) آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے (تاکہ آپ اپنی امت کو جہاد کی ترغیب دے سکیں انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا چونکہ دلیل عقلی قطعی سے طے شدہ ہے۔ اس لئے آیت کی تاویل کی جائے گی اس میں لام علت غائیہ ہے جو سبب پر نہیں بلکہ مسبب پر داخل ہو رہا ہے) اور مکمل کر دے (اس فتح کے ذریعہ سے) اپنی نعمت (انعام) آپ پر اور آپ کو سیدھے رستہ پر لے چلے (دین اسلام پر جما دے) اور اللہ آپ کو اس کے ذریعہ ایسا غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہو (ذلت نام ونشان کو نہ ہو) وہ خدا ایسا ہے جس نے تحمل (اطمینان) پیدا کیا مسلمانوں کے دلوں میں تاکہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو (دینی باتوں پر اس طرح کہ جب کوئی حکم نازل ہو اس پر ایمان لے آئیں ان میں جہاد بھی ہے) اور آسمان وزمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے (اگر وہ تمہارے علاوہ کسی اور سے دینی خدمت لینا چاہے لے سکتا ہے) اور اللہ (اپنی مخلوق کو) بڑا جاننے والا (اپنی صنعت میں) حکمت والا ہے (یعنی ہمیشہ اس کی یہی شان رہتی ہے) تاکہ اللہ داخل کرے (محذوف عبارت سے اس کا تعلق ہے **ای الامر بالجهاد**) مسلمان عورتوں کو ایسی بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ کو رہیں گے اور تاکہ ان کے گناہ دور کر دے اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے اور تاکہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں عورتوں، مشرک مردوں اور عورتوں کو عذاب دے جو کہ اللہ کے ساتھ برے برے گمان رکھتے ہیں (السوء فتحہ السین اور ضمہ سین کے ساتھ تینوں مواقع میں پڑھا گیا ہے۔ منافقین کا گمان یہ ہے کہ حق تعالیٰ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی مدد نہیں فرمائیں گے ان پر برا وقت پڑنے والا ہے (ذلت اور عذاب کا) اور اللہ ان پر غضبناک ہوگا اور ان کو (رحمت سے) دور کر دے گا اور ان کے لئے اس نے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ (مقام) ہے۔ اور آسمان وزمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ (اپنے ملک میں) زبردست حکمت والا ہے (اپنی صنعت میں یعنی ہمیشہ سے اس کی یہی شان ہے) ہم نے آپ کو (قیامت میں اپنی امت کے حق میں) گواہی دینے والا اور (دنیا میں انہیں جنت کی بشارت) سنانے والا اور ڈرانے والا (دنیا میں بدعملی کرنے پر دوزخ سے خوف دلانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ (یہاں اور اس کے بعد الفاظ یا اور تاء دونوں طرح ہے) اور اس کی مدد کرو) تقویت دو، ایک قرأت میں تعزروہ دو زاء اور تاء کے ساتھ ہے) اور اس کی تعظیم بجالاؤ (یہ دونوں ضمیریں اللہ ورسول کی طرف ہیں) اور (اللہ کی) تسبیح کرتے رہو صبح شام (دونوں وقت) جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں (حدیبیہ مقام پر بیعت رضوان تو وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں (یہ فرمانا ایسا ہی ہے جیسے **من يطع الرسول فقد اطاع الله** میں ہے) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے (جن ہاتھوں سے آنحضرت ﷺ سے بیعت کی ہے یعنی اللہ کو ان کی بیعت کا حال معلوم ہے۔ چنانچہ وہ ان کو اس پر صلہ دے گا) پھر جو شخص عہد توڑ دے گا (وعدہ بیعت) تو اس کو (توڑنے) کا وبال خود اسی پر پڑے گا۔ اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر اس نے خدا سے عہد کیا ہے۔ سو عنقریب اللہ اس کو عطا فرمائے گا (یا اور نون کے ساتھ ہے) عظیم الشان اجر جو دیہاتی آپ سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ (مدینہ طیبہ کے آس پاس کے باشندے جنہیں اللہ نے آپ کی صحبت سے محروم رکھا جب ان کو مکہ معظمہ اپنے ہمراہ چلنے کے لئے آمادہ کر رہے تھے۔ اس خیال سے کہ قریش کہیں آپ سے الجھ نہ پڑیں۔ حدیبیہ سے واپسی پر آپ سے معذرت خواہ ہوں گے) کہ ہمیں ہمارے مال وعیال نے مہلت نہ دی (آپ کے ساتھ چلنے کیلئے) سو ہمارے لئے معافی کی دعا کر دیجئے (اللہ پاک سے کہ ہم آپ کے ساتھ نہیں جا سکے، آگے ان کو جھٹلاتے ہوئے جواباً حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) یہ زبان سے وہ باتیں کرتے ہیں (

یعنی استغفار کی درخواست وغیرہ) جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں (لہٰذا معذرت کرنے میں یہ جھوٹے ہیں) آپ کہہ دیجئے اچھا وہ کون ہے (استفہام نفی کے معنی میں ہے، یعنی کوئی نہیں ہے) جو خدا کے سامنے تمہارے لئے کسی چیز کا اختیار رکھتا ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی نقصان (ضراً فتحہ ضاد وضمہ ضاد کے ساتھ دونوں طرح ہے) یا نفع پہنچانا چاہے بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال پر مطلع ہے (یعنی سدا اس کی یہی شان رہتی ہے) بلکہ (دونوں جگہ یہ لفظ ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف منتقل ہونے کے لئے ہے) تم نے یہ سمجھا کہ رسول اور مسلمان اپنے گھر والوں کے پاس کبھی لوٹ کر واپس نہیں آئیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں کو بھا رہی تھی (یعنی مسلمانوں کا قتل ہو صفایا ہو جائے واپسی کی نوبت ہی نہ آ جائے) اور برے برے خیال (یہ اور اسی طرح کے اور) قائم کر رکھے تھے اور تم برباد ہو گئے (بور، بائر کی جمع ہے یعنی اس بدگمانی کی وجہ سے اللہ کے نزدیک تباہ ہو گئے) اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے گا تو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ (دہکتی آگ) تیار کر رکھی ہے اور تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے، وہ جس کو چاہے اس کی مغفرت کر دے اور جسے چاہے عذاب دے دے اور اللہ بڑا غفور الرحیم ہے (یعنی سدا اس کی یہی شان رہتی ہے) جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے (جن کا ذکر ابھی ہوا ہے) وہ عنقریب کہیں گے، جب تم خیبر کی غنیمتیں لے چلو گے کہ ہم کو بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلے چلیں (تا کہ ہم بھی مال غنیمت حاصل کر لیں) وہ لوگ یوں چاہتے ہیں (اس طریقہ سے) کہ خدا کے حکم کو بدل ڈالیں (اور ایک قراءت میں بجائے کلام لفظ کلم کسر لام کے ساتھ ہے یعنی خصوصی طور پر خیبر کے مال غنیمت کے وعدے) آپ کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اللہ نے (ہماری واپسی سے) پہلے فرما دیا ہے۔ اس پر وہ لوگ کہیں گے بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو (کہ کہیں ہمیں بھی تمہارے ساتھ مال غنیمت مل جائے گا اس لئے تم نے یہ بات بنائی ہے) بلکہ خود یہ لوگ بہت کم سمجھتے ہیں۔ آپ ان پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے (بطور آزمائش) فرما دیجئے کہ عنقریب تم ایسے لوگوں کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑائی والے ہوں گے (بعض کی رائے میں وہ بنو حنیفہ، بنو یمامہ کے باشندے اور کچھ کی رائے ہے کہ فارسی اور رومی ہیں) کہ یا تو ان سے لڑتے رہو (یہ حال مقدرہ ہے اور بلحاظ معنی یہی وہ بات ہے جس کی ان کو دعوت دی گئی) یا وہ مطیع ہو جائیں (پھر قتل نہ کرنا) سو اگر تم ان سے جنگ کرنے میں اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں نیک صلہ دے گا اور اگر تم روگردانی کرو گے جیسا کہ اس سے پہلے بھی کر چکے ہو تو وہ دردناک (تکلیف دہ) عذاب کی سزا دے گا نہ اندھے شخص پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے شخص پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے (جہاد چھوڑنے کے سلسلہ میں) اور جو شخص اللہ و رسول کا کہنا مانے گا اس کو داخل کرے گا (یا اور نون کے ساتھ دونوں طرح ہے) ایسی جنتوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اور جو شخص روگردانی کرے گا اللہ اس کو دردناک عذاب دے گا (یعذبہ یا اور نون کے ساتھ ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... فتحنا۔ اس پر اشکال ہے کہ فتح مکہ ۸ ھ میں ہوا پھر ٦ ھ میں حدیبیہ کے مقام پر بصیغہ ماضی کس طرح فتح کا ذکر کیا گیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ تقدیر ازلی کے لحاظ سے بصیغہ ماضی تعبیر کیا گیا ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ یقینی ہو جانے کی وجہ سے مجازاً ماضی سے تعبیر کیا ہے۔ جیسے آیت و **نفخ فی الصور** میں ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ حقیقۃً صلح حدیبیہ کو فتح سے تعبیر کیا گیا ہے کیوں کہ فتح کی بنیاد اسی صلح میں پڑ چکی تھی۔ خیبر، حنین، طائف کی فتوحات بھی اسی میں شامل ہیں۔

امام اعظمؒ فتح مکہ کو مقابلہ آرائی اور غلبہ اسلام کی صورت میں مانتے ہیں اور امام شافعیؒ آیت **ولو قاتلکم الذین کفروا** اور **وھو الذی کف ایدیھم** سے استدلال کرتے ہوئے فتح مکہ صلحاً مانتے ہیں۔ رہا آنحضرت ﷺ کی جنگی تیاری وہ بربنائے احتیاط تھی۔
اور بویطی میں لکھا ہے کہ اسفل مکہ کو حضرت خالدؓ نے جبراً اور اعلیٰ مکہ کو حضرت زبیرؓ نے صلحاً فتح فرمایا۔ اور آنحضرت ﷺ اسی سمت سے مکہ میں داخل ہوئے اس توجیہ پر تعارض نہیں رہتا اور مختلف روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ اور فتح مکہ اگر چہ محض فضل الٰہی سے ہوئی مگر اسباب کے درجہ

میں آنحضرت ﷺ کے جہاد اور جدو جہد کو بھی دخل ہے۔اس لئے اس پر مغفرت مرتب فرمائی۔

امام رازیؒ نے بھی مغفرت ذنوب کی کئی توجیہات کی ہیں۔منجملہ ان کے ایک (۱) یہ کہ فتح مکہ سے حج بیت اللہ ممکن ہوا اور حج سبب مغفرت ہے۔چنانچہ حج کے سلسلہ میں دعاء نبوی کے الفاظ یہ ہیں۔ **اللھم اجعل حجاً مبرورا وسعیا مشکورا وذنبا مغفورا۔**

تفسیر کبیر میں اس اشکال کا کہ آنحضرت معصوم ہونے کی وجہ سے جب گنہ گار نہیں تو پھر مغفرت کیسی؟ یہ جواب دیا گیا کہ مومنین کے گناہ مراد ہیں۔دوسری توجیہ یہ ہے کہ کسی معاملہ میں اعلیٰ پہلو کو ترک کر کے ادنیٰ پہلو اختیار کرنے کو ذنب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ ذنب سے مراد صغائر ہیں جن کی انبیاء کے لئے گنجائش مانی گئی ہے۔ان دونوں توجیہات کا حاصل **حسنات الابرار سیئات المقربین** ہے اور بعض نے ماتقدم سے مراد آدم وحواء کی لغزش اور ماتاخر سے امت کے خطا اور قصور مراد لیئے ہیں۔لیکن سب سے عمدہ توجیہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مغفرت کے معنی ستر اور پردہ کے ہیں۔یعنی گناہ اور بندہ کے درمیان کسی رکاوٹ کا حائل ہوجانا یا گناہ اور اس کی سزا کے درمیان کسی چیز کا مانع بن جانا۔پس انبیاء کیلئے تو پہلی صورت اور اولیاء ومومنین کے مابین دوسری رکاوٹ کا پیش آجانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مفسر علامؒ نے **لیغفر** میں لام کو علت غائیہ کے لئے مانا ہے جو فعل پر آخر میں مرتب ہوتی ہے اس لام کو غرض وباعث کے لئے نہیں کہا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال واحکام غرض سے پاک ہیں پس گویا مغفرت مسبب ہے سبب نہیں ہے کیونکہ سبب، وہ ہوتا ہے جس کی طرف حکم کی اضافت ہوتی ہے۔جیسے وقت زوال نماز ظہر کا سبب ہے۔پس مغفرت سبب فتح نہیں۔بلکہ فتح سبب ہے اور مغفرت مسبب ہے۔

نصرا عزیزا: اس پر اشکال یہ ہے کہ عزیز تو منصور کا وصف ہوتا ہے نہ کہ کفر کا؟ جواب یہ ہے کہ فعیل کا وزن نسبت کے لئے ہوتا ہے۔پس عزیز کے معنی یہ ہیں کہ وہ نصرت مراد ہے جو عزت کی طرف منسوب ہو اور ذلت کی طرف منسوب نہ ہو۔

ایمانا۔ مفسرؒ نے اس کے متعلق کی طرف اشارہ کیا ہے **بشرائع الدین** نکال کر اور **مع ایمانھم** کا متعلق **باللہ و رسولہ** محذوف ہے۔اسلامی احکام چونکہ تدریجاً نازل ہوئے ہیں۔پس نئے احکام پر ایمان لانا زیادتی ایمان کا سبب ہے گویا مومن کے اعتبار سے ایمان میں زیادتی مراد ہے۔جس کے اشاعرہ قائل ہیں نفس ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی، جیسا کہ ماتریدیہ فرماتے ہیں کہ **الایمان لا یزید ولا ینقص۔**

لید خل۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ لیغفر کی طرح یہ بھی علت فتح ہے لیکن چونکہ دو حرف جر کا ایک عامل سے تعلق قابل اعتراض ہے اس لئے مفسرؒ نے اس کا تعلق محذوف عبارت سے کیا ہے اور بعض نے **انا فتحنا** سے اس کا تعلق **لیزدادوا** سے تعلق کے بعد مانا ہے یا پھر **انزل** سے اس کا تعلق مانا جائے۔

ظن السوء . لفظ سو، ضمہ کے ساتھ عذاب، ہزیمت، شر کے معنی میں ہے اور فتحہ کے ساتھ بمعنی مذمت ہے۔پہلی قراءت ابوعمرو، ابن کثیرؒ کی اور دوسری اکثر قراء کے نزدیک ہے۔مفسر جن مواقع کی طرف اشارہ کررہے ہیں یعنی **ظن السوء، دائرۃ السوء، ظننتم ظن السوء** ان میں سے پہلے اور تیسرے موقع میں بالاتفاق قراء سبعہ کے نزدیک صرف فتحہ کی قرأت ہے اس لئے مفسر سے تسامح ہوگیا۔

دائرۃ۔ جو خط محیط ہو اس کو دائرہ کہا جاتا ہے پھر اس کا استعمال ایسے حادثہ کے لئے ہونے لگا جو ہر طرف مصیبت زدہ کو گھیر لے یعنی جس مصیبت کے مسلمانوں پر پڑنے کی امید میں تھے وہ خود ان پر پڑی۔زمخشریؒ کہتے ہیں کہ سوء کے معنی ہلاکت وتباہی کے ہیں اور فتحہ سین کے ساتھ سخت ناگوار بات۔

تعزروہ ۔نہایہ میں ہے اصل تعزیر کے معنی منع کرنے اور مدد کرنے کے ہیں۔کیونکہ جو کسی کی مدد کرتا ہے وہ گویا دشمنوں کو دفع کرتا ہے اسی سے تعزیر بمعنی تادیب آتا ہے جو سزا حد شرعی سے کم ہوتی ہے اور قراءت شاذہ تعزروہ ہے ان دونوں لفظوں کی ضمیریں مفسرؒ حق تعالیٰ کی طرف راجع کررہے ہیں اور علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ دونوں لفظ آنحضرت ﷺ سے کنایہ ہیں اور علامہ زمخشریؒ سب ضمیروں کا مرجع اللہ تعالیٰ کو مانتے

ہیں مفسرؒ نے دونوں قولوں کو جمع کر دیا ہے کہ ضمیریں دونوں طرف راجع مانیں ۔

بالغداة و العشی عشی سے مراد بقیہ چاروں نمازیں ہیں ۔ یا یہ مطلب ہے کہ سبحان اللہ یا الحمد للہ کی تسبیح دونوں وقت پڑھو

یبایعونک : بیعت الرضوان اس لئے نام رکھا کہ آیت لقد رضی اللہ میں رضائے الٰہی کی اطلاع دی گئی ہے ۔

یبایعون اللہ: مفسرؒ نے آیت من یطع الرسول سے اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو عضاء و جوارح سے پاک ہے ۔ پھر کیسے قرآن میں ان اعضاء کا اثبات ہے، حاصل جواب یہ ہے کہ مجاز امیثاق کے معنی ہیں ۔ چنانچہ ابن عباسؓ ید اللہ فوق ایدیھم سے یہ مراد لیتے ہیں کہ اللہ نے جس چیز کا وعدہ فرمایا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا ۔ اور زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ یبایعون اللہ کی تاکید بطور تخیل کے ید اللہ کہہ کر کی جا رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کا عہد گویا بعینہ اللہ کے ساتھ عہد کرنا ہے ۔ اور سکاکیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ اللہ بطور استعارہ بالکنایہ ہے فروخت کرنے والے کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور لفظ ید استعارہ تخیلیہ کے طور پر استعمال ہوا ہے ۔ لیکن نظریہ وحدت الوجود کے قائل کچھ حضرات حقیقی معنی لیتے ہیں ۔

علیہ اللہ ۔ حفص کی قراءت ضمہ ہا کے ساتھ ہے ۔

المخلفون ۔ حدیبیہ میں جو شریک نہیں ہو سکے ۔ جیسے غفار، مزنیہ، جہینہ، اسلم، اشجع و یل کے قبائل مراد ہیں ۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اس موقعہ پر احرام باندھ لیا اور قربانی کے جانور ساتھ لئے مگر یہ لوگ قریش سے اتنے خائف تھے کہ انہیں یقین نہیں آیا کہ آپ صرف عمرہ کرنے جا رہے ہیں ۔ بلکہ یہ یقین کئے ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی واپسی نہیں ہو سکے گی ۔

فمن یملك الخ ای فمن یقدر لا جلکم من اللہ ۔

بل ظننتم ۔ چنانچہ پہلے ان کی تکذیب سے ان کے اعتذار کی طرف احزاب ہوا ۔ پھر ان کے اعتذار کے غلط ہونے سے احزاب کرتے ہوئے پیچھے رہ جانے کی اصل وجہ بتلا دی گئی ۔

لن ینقلب الرسول :وہ مسلمانوں کو کفار کا صرف ایک لقمہ سمجھتے ہیں ۔

و من لم یؤ من باللہ جملہ مستانفہ ہے ۔ اللہ و رسول اسم ظاہر لا کر اشارہ کر دیا دونوں پر ایمان ضروری ہے اور سعیر نکرہ لایا گیا ہے تہویل کے لئے اور من شرطیہ اور موصولہ دونوں کا احتمال ہے ۔

ان یبدلوا ۔ ذی الحجہ ۶ھ میں جب آنحضرت ﷺ حدیبیہ سے مدینہ تشریف لائے تو اوائل محرم ۷ھ تک قیام پذیر رہے اسی سال خیبر پر فوج کشی فرمائی اور صرف اہل حدیبیہ کو ساتھ لیا ۔ فتح خیبر کے ساتھ کافی مال غنیمت ہاتھ آیا ۔

لا یفقھون :یعنی دین کے مزاج اور اس کے مصالح کو نہیں سمجھتے ۔

اولی باس ۔ اس میں اشارہ ہے کہ مسیلمہ کذاب کی قوم بنوحنیفہ کی طرف جن سے صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں نبرد آزما ہوئی ۔ اور بعض فارس وروم مراد لیتے ہیں ۔ جن سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جنگیں ہوئیں ۔

تقتلون :قتال اور دعوت کا زمانہ چونکہ ایک نہیں ہے ۔ اس لئے مفسرؒ حال مقدر یہ کہہ رہے ہیں ۔

اوھم یسلمون ۔ تقدیر عبارت سے مفسرؒ نے جملہ مستانفہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ اس کے معنی منقاد و مطیع ہونے کے ہیں ۔ چنانچہ نصاریٰ روم اور مجوس فارس سب مسلمانوں کے جزیہ گزار بنے ۔

لیس علی الاعمیٰ ۔ یہ سب اعذار چونکہ ظاہر ہیں اس لئے اعتبار کیا گیا ۔ اس میں وہ محتاج بھی شامل ہیں جن کے پاس کچھ نہ ہو ۔ لیکن اگر معرکہ شدید ہو تو پھر شرکت جہاد ہر ایک کے لئے فرض عین ہو جاتی ہے ۔

یدخلہ: اکثر قراء یا کے ساتھ اور نافعؒ اور ابن عامرؒ کے نزدیک نون کے ساتھ پڑھا جائے گا ۔

ربط:......... پچھلی سورت میں اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے کی ترغیب تھی، اس پوری سورت کے شان نزول کے سلسلہ میں چند واقعات کا ذکر ناگزیر ہے۔

شان نزول وروایات:......... مدینہ طیبہ میں رہتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ مع رفقاء امن وامان کے ساتھ مکہ معظمہ گئے اور عمرہ کر کے سر منڈالئے یا بال کٹوالئے۔ یہ خواب آپ ﷺ نے صحابہ کو سنایا۔ وہ شوق میں یہ سمجھے کہ اسی سال عمرہ میسر ہو جائے گا اور اتفاق وقت کہ آپ ﷺ نے عمرہ کا ارادہ بھی فرمالیا۔ اس پر آیت لقد صدق اللہ نازل ہوئی۔

۲۔ ۶ھ میں ڈیڑھ ہزار صحابہؓ کو ساتھ لے کر آپ ﷺ بہ نیت عمرہ راہیٔ مکہ معظمہ ہوئے اور ہدی کے جانور بھی ہمراہ تھے۔ قریش کو جب یہ خبر پہنچی کہ آپ ﷺ کے ساتھ اتنا مجمع ہے۔ تو انہوں نے طے کرلیا کہ آپ ﷺ کو مکہ میں نہ آنے دیں گے۔ چنانچہ مکہ سے چھ میل پہلے حدیبیہ (شمیہ) آپ ﷺ کو رک جانا پڑا۔ آپ ﷺ کی اونٹنی خود بخود بیٹھ گئی۔ اور کسی طرح اٹھنے کا نام نہ لیا۔ جس پر آپ ﷺ نے فرمایا۔ حبسھا حابس الفیل اور فرمایا خدا کی قسم مکہ والے مجھ سے جس چیز کا مطالبہ کریں گے اس کو پورا کروں گا بشرطیکہ حرمات الٰہی برقرار رہیں۔

۳۔ آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں قریش کو پیغام بھیجا کہ ہم صرف عمرہ کرنا چاہتے ہیں اور ہمارا کوئی مقصد نہیں ہے مگر اس کا کوئی جواب نہ آیا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے پھر حضرت عثمانؓ کی زبانی یہی پیغام بھجوایا۔ اور مکہ کے غریب مظلوم مسلمانوں کو خبر بھیجی کہ عنقریب اسلام غالب آئے گا۔ مگر قریش نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا۔ ان کی واپسی میں دیر ہوئی۔ تو یہ خبر گرم ہوگئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کردیئے گئے۔ آپ ﷺ کو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں لڑائی نہ چھڑ جائے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے ایک درخت کے نیچے بیعت جہاد لی۔ قریش کو خبر لگی تو ڈر گئے۔ اور حضرت عثمانؓ کو چھوڑ دیا۔ اور واپس بھیج دیا۔

۴۔ اہل مکہ کے کچھ مسلح افراد برے ارادہ سے چھپ کر آئے۔ مگر ناکام رہے اور پکڑ لئے گئے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے ان کو رہا فرمادیا۔

۵۔ اس کے بعد قریش کے معززین کا ایک وفد مرتب ہو کر حاضر خدمت ہوا اور صلح نامہ مرتب ہونے کی رائے ہوئی۔ مگر قریش نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر ہی جھک جھک شروع کردی کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی بجائے وہی پرانا کلمہ باسمک اللّٰہ لکھا جائے۔ پھر محمد رسول اللہ کہنے پر تکرار ہوئی۔ قریش کا اصرار ہوا کہ محمد بن عبداللہ لکھا جائے جس پر مسلمان برہم ہوئے اور خواہشمند ہوئے کہ ابھی تلوار سے تصفیہ ہو جائے۔ آخر کار آنحضرت ﷺ نے ان دونوں باتوں کو منظور کرلیا۔ صحابہؓ کو ناگواری کے باوجود ضبط سے کام لینا پڑا اور ایک تاریخی دستاویز کی صورت میں صلح نامہ مرتب ہو گیا۔ جس کی ایک دفعہ یہ بھی طے پائی۔ کہ اس وقت مسلمان بغیر عمرہ کئے واپس ہو جائیں۔ البتہ آئندہ سال عمرہ کے لئے غیر مسلح ہو کر آئیں اور سہ روزہ قیام کے بعد واپس ہو جائیں گے۔ اسی طرح یہ بھی طے ہوا کہ فریقین دس سال تک باہمی آویزش سے بچیں گے اور جنگ نہیں کریں گے اور یہ کہ اس مدت میں اگر کوئی مرد مشرکین میں سے مسلمانوں میں آملا تو اس کو واپس کرنا پڑے گا۔ لیکن کوئی مسلمان اگر ادھر چلا گیا تو اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔ صلح نامہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے ہدی کے جانوروں کو ذبح کرادیا اور حلق وقصر کر کے احرام کھلوادیا اور پھر بخیریت مدینہ طیبہ واپسی ہوگئی۔

۶۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ اگرچہ بہ نیت عمرہ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تھے۔ مگر قریش سے آویزش کا شبہ تھا۔ اس لئے زیادہ مجمع لے جانا آپ ﷺ نے مصلحت سمجھا اور آس پاس کے صحابہ کو بھی ہمراہ لے چلنا مناسب خیال کیا۔ دیہاتی منافقین اس صورت حال سے گھبرا گئے اور جھوٹے حیلے حوالے، بہانے کر کے خود کو بچالیا، بلکہ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی نسبت بعض کی زبان پر یہاں تک آگیا کہ یہ لوگ بچ کر زندہ سلامت واپس نہیں آئیں گے مگر جب دیکھا کہ بخیریت واپسی ہوگئی تو جھوٹے عذر آ کر کرنے لگے۔ حدیبیہ سے واپسی پر اواخر ۶ھ میں پوری یا اکثر سورت فتح نازل ہوئی۔

۔حدیبیہ سے واپسی کے بعد محرم ۷ھ میں شرکاء حدیبیہ کو لے کر خیبر پر چڑھائی کر کے اس کو فتح کرلیا۔ خیبر، مدینہ سے شمال میں ساٹھ میل کے صلہ پر شام کی سمت یہود کا ایک قلعہ بند شہر تھا۔ اس غزوہ میں علاوہ حدیبیہ والوں کے آپ ﷺ نے کسی کو شرکت کی اجازت نہیں دی۔

۔ ۷ھ حسب قرارداد آپ ﷺ پھر عمرہ کی قضا کرنے کے لئے مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوئے اور عمرہ سے فراغت کے بعد یریت مراجعت فرمائی۔

۔قریش نے نا جنگی معاہدہ کی خلاف ورزی کی جس کی تفصیل سورہ براءت میں گزر چکی ہے۔ جس کے نتیجہ میں آپ نے رمضان ۸ھ میں ،ج کشی کردی اور مکہ معظمہ فتح کرلیا۔

۱۔ بعض آیات میں دوسرے واقعات کی طرف اشارے ہیں۔ لیکن ان کی تفسیر مختلف فیہ ہے اور پھر وہ تفسیر بھی اس تفصیل پر موقوف نہیں، اس لئے ن واقعات کا ذکر آیات کے ساتھ ساتھ آجائے گا۔

﴿تشریح﴾: .... صلح حدیبیہ ظاہر نظر میں ذلت و مغلوبیت کی صلح معلوم ہوتی ہے شرائط صلح دیکھ کر بادی النظر میں یہ دکھائی دیتا ہے کہ صلحنامہ سارا کا سارا کفار و مشرکین کے حق میں گیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اور بہت سے صحابہ کرامؓ ظاہری سطح کو دیکھ کر مضطرب اور مغموم بھی ہوئے ان کا جذبہ یہ تھا کہ اتنا گر کر صلح کیوں کی جارہی ہے۔ کیوں نہیں تلوار کے بل پر فیصلہ کرلیا جاتا۔ مگر رسول اللہ ﷺ کی دوررس نگاہیں ان کے ثمرات و نتائج کو دیکھ رہی تھیں۔ جو اوروں کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ اللہ نے آپ ﷺ کا سینہ شدائد و مصائب جھیلنے کے لئے کھول دیا تھا اور آپ ﷺ کا بے مثال توکل و استغناء ہر ناخوشگوار واقعہ کو خوش آمدید کہنے کے لئے آمادہ تھا۔ اس پورے حوصلہ اور بڑے عزم کے ساتھ ہر شرط کو منظور فرما کر صحابہؓ کو تسلی وتشفی دے رہے تھے۔ تا آنکہ اللہ نے اس کو "فتح مبین" فرمادیا تھا۔ صحابہؓ نے تعجباً عرض بھی کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا یہ "فتح" ہے؟ فرمایا۔ ہاں بہت بڑی فتح۔

فتح مبین: .... واقعہ یہ ہے کہ اس موقعہ پر "بیعت جہاد" اور معمولی چھیڑ چھاڑ اور صحابہ کرامؓ کی جمعیت اور ان کے تیوروں سے مرعوب ہو کر کفار معاندین کا صلح کیلئے جھک جانا اور آنحضرت ﷺ کا اس موقعہ پر سرچشمی کا مظاہرہ کرنا اور سب سے بڑھ کر دس سال کے لئے نا جنگی معاہدہ کر کے بےفکری سے مسلمانوں کو اندرونی تعمیر اور پختگی کا موقعہ فراہم کر کے عظیم فتح کی بنیادیں مضبوط کرنا ہے۔ اسی کے ساتھ دشمنوں کے دلوں پر اسلام اور مسلمانوں کی اخلاقی، روحانی طاقت، اور پیغمبر اسلام کی عظمت شان کا سکہ بیٹھتا چلا گیا، جس کے نتیجہ میں مرکز اسلام مکہ معظمہ دو سال بعد ہی فتح ہوگیا۔

گو عہد نامہ لکھتے وقت ظاہر بینوں کو کفار کی جمعیت اور اپنی شکست نظر آرہی تھی۔ مگر ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچنے والے خوب سمجھتے تھے کہ فتح کی بنیاد پڑ گئی ہے اور تمام تر فیصلہ حضور ﷺ کے حق میں جارہا ہے۔ گویا یہ صلح اس وقت بھی فتح ہے اور آئندہ کے لئے بھی بے شمار ظاہری و باطنی فتوحات کا دروازہ کھول رہی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں اور کافروں کے باہمی اختلاط سے اور بے تکلفانہ ریل میل سے خود بخود اسلام کی طرف کشش بڑھ گئی۔ خالد بن ولیدؓ، عمرو بن العاصؓ جیسے نامور لوگ بکثرت مشرف باسلام ہوئے۔ اور اتنے لوگ مسلمان ہوگئے کہ پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔ یہ دلوں کی فتح ہوئی جو حقیقی فتح سمجھنی چاہیے۔

مکہ معظمہ ہمیشہ کیلئے دارالاسلام بن گیا اور عہد نامہ کے وقت صحابہؓ کا جو مجمع ڈیڑھ ہزار تھا وہ فتح مکہ کے وقت دس ہزار ہوگیا۔ فتح خیبر نے دوسرے مرکز اسلام مدینہ طیبہ کو مضبوط تر کردیا۔

غرض اس طرح یہ صلح تمام فتوحات کی اساس، اور سنہرا دیباچہ بن گئی۔ پھر اس سلسلہ میں علوم و معارف اور باطنی مدارج و مقامات جیسی عظیم برکات کا

جو فتح باب ہوا اس کا اشارہ ان آیات میں کیا گیا ہے۔

شاہانہ انعامات:........ شاہانہ عطیات میں چار انعامات کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔

(۱) عفو وغفران (۲) اتمام نعمت (۳) راہ ہدایت (۴) نصرت عزیز۔

عفو وغفران کا مطلب یہ ہے کہ عمر میں جب بھی کبھی کوئی بات آپ سے ایسی سرزد ہوگئی یا ہو جائے جو آپ کے مرتبہ عالی پر پوری نہ اترتی ہو اس کو خصوصی کے نتیجہ میں بالکلیہ محو کر دیا گیا ہے۔ آپ کے علاوہ کسی اور کے لئے یہ ارشاد نہیں فرمایا گیا۔ تاہم اس کے باوجود حدیث میں ہے کہ اس بشارت کے بعد آپ اتنی کثرت سے عبادت کرتے تھے کہ نماز میں کھڑے کھڑے آپ ﷺ کے پاؤں پر ورم آجاتا تھا۔ حتیٰ کہ صحابہؓ کو دیکھ دیکھ کر رحم آتا اور عرض کرتے کہ حضور ﷺ، عام معافی کے بعد آپ ﷺ اس قدر تعجب اور محنت شاقہ کیوں برداشت کرتے ہیں، جواب میں ارشاد ہوتا کہ افلا اکون عبد اشکورا یہ شکر گزاری کا تقاضہ ہے۔

اور اس بشارت کا مستحق ایسا ہی شریف الطبع بندہ ہوسکتا ہے کہ جو اور زیادہ وقف بندگی ہو جائے نہ یہ کہ نڈر ہو جائے۔ حدیث شفاعت میں بھی آپ کا یہی امتیازی وصف ذکر کیا گیا ہے کہ مخلوق الٰہی پریشان حال ہو کر سلسلہ بسلسلہ جب تمام انبیاء سے گزر کر حضرت عیسیٰ تک پہنچے گی تو وہ یہی فرما کر رہنمائی فرمائیں گے کہ محمد ﷺ کے پاس جاؤ جو خاتم الانبیاء ہیں اور ان کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف کی جا چکی ہیں، یعنی عام معافی کی وجہ سے وہی اس مکرمت کے اہل ہیں، بجز ان کے کسی اور کا یہ کام نہیں ہے۔

اور اتمام نعمت کا حاصل یہ ہے کہ مادی، روحانی، ظاہری، انعام واحسان کی تکمیل کی جائے گی۔ اور راہ مستقیم کی ہدایت کا منشاء یہ ہے کہ اس پر مضبوطی سے ہمیشہ قائم رہیں گے۔ بلکہ معرفت وشہود کے غیر محدود مراتب کا مزن ہوتے چلے گئے۔ لوگوں کے جسموں اور دلوں پر اسلامی حکومت قائم کرنے میں آپ کے لئے کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو سکے گی اور لوگ جوق در جوق اسلام کی سیدھی راہ کی طرف کھنچے چلے آئیں گے۔ اس طرح بھی آپ کے حسنات میں بے شمار اضافات ہوتے چلے آئیں گے۔

اور نصرت عزیز کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اس نصرت خاص کی بدولت فتح وظفر آپ کے قدموں کو چھوتی رہے گی۔ جس کے بعد پھر آپ کو مخالفین سے دبنا ہی نہ پڑے گا۔ جیسا کہ پہلے بعض مصالح کی بناء پر کبھی دبنا بھی پڑتا تھا۔

اذا جاء نصر اللہ و الفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا ۔ سورۃ نصر اور اس آیت کا مضمون یکساں ہے۔ تمام قبائل عرب، اہل مکہ کے انجام کے منتظر تھے۔ فتح مکہ ہوتے ہی چاروں طرف سے لوگ امنڈ پڑے اور بلا واسطہ اور بالواسطہ اسلام کی طرف دوڑ پڑے

اسی نصرت خاص کا اثر ''نزول سکینہ'' ہے کہ صحابہ کرامؓ خلاف طبع باتیں پیش آنے کے باوجود اطاعت رسول میں نہایت ثابت قدم رہے اور ذرا نہیں ڈگمگائے اس کی برکت سے ان کے ایمان کا درجہ بڑھا۔ مراتب عرفان ویقین میں اضافہ ہوا۔ جہاد کے لئے اس موقعہ پر بیعت کر کے تو یہ دکھلا دیا کہ ہم اللہ کی راہ میں لڑنے مرنے کو تیار ہیں۔

اس کے بعد جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عام جذبات کے خلاف اللہ کے حکم سے صلح منظور فرمائی۔ تو صحابہؓ نے پھر بھی گردن اطاعت خم کر دی۔ ایک وہ رنگ تھا اور ایک یہ رنگ ہوا، دونوں ایمان کے رنگوں میں صحابہؓ پورے اترے۔

چار وعدے:........ ان چاروں وعدوں میں پہلے دو وعدے مغفرت اور اتمام نعمت آخرت سے متعلق ہیں۔ اول دفع مضرت اور دوسرا جلب منفعت پر مشتمل ہے۔ اسی لئے اول کو مقدم کیا گیا۔ اور بعد کی نعمتیں ہدایت صراط مستقیم اور نصرت عزیز دنیا سے متعلق ہیں۔ جہاں تک سیدھی راہ پر چلنے کا تعلق ہے اگرچہ پہلے ہی اس پر آپ یقینی طور سے گامزن تھے۔ مگر اول تو اس کے مراتب غیر محدود ہیں۔ ان میں آئندہ ترقی مقصود ہے

۔دوسرے یہ منشاء بھی ہوسکتا ہے کہ اب تک مخالفین کی جانب سے اس میں مزاحمتیں ہوتی رہی ہیں لیکن اب اس ہدایت خاص کے نتیجہ میں آئندہ بےٹوک آپ راہ ہدایت پر چلتے رہیں گے۔

اسی طرح نصرت عزیز میں اب آپ کو دبنا پڑے گا اور مغلوبیت نہیں ہوگی۔ بلکہ غالب، مظفر ومنصور رہیں گے۔گویا یہاں بھی ہدایت میں دفع مضرت اور نصرت میں جلب منفعت پیش نظر ہے۔اس طرح دونوں کا مفہوم الگ الگ ہوگیا۔ چنانچہ اس کے بعد ہوا بھی کہ آہستہ آہستہ تمام عرب علاقہ اسلام کی قلمرو میں شامل ہوتا چلا گیا۔

فتح مکہ سبب مغفرت ہے:......... **لیغفر لک اللہ**: میں لام کی سب آسان توجیہ یہ ہے کہ فتح سبب ہے کہ مخلوق کے اسلام کا اور وہ سبب ہے کثرت ثواب اور مقبولیت عنداللہ کا اور وہ سبب ہے غفران کا اور سبب السبب بھی سبب ہوا کرتا ہے۔ پس فتح مغفرت کا سبب ہوگیا۔اور بقیہ تینوں نعمتوں میں سببیت بالکل ظاہر ہے گناہوں کی مغفرت کے سلسلہ میں کچھ کلام سورہ محمد کے اول رکوع کے آخر میں بھی گزر چکا ہے۔

یہاں ''سکینہ'' سے مراد عام معنی ہیں جس کے دو اثر ہیں۔ ایک تو بیعت جہاد کے موقعہ پر جہاد کا عزم رکھنا جس کا ذکر آئندہ آیت فانزل السکینۃ میں آرہا ہے۔اور دوسرا اثر کفار کی بے جا ضد کے باوجود آنحضرت ﷺ کے عہد نامہ کی وجہ سے صحابہؓ کے جوش کو ٹھنڈا کرتا ہے جس کا ذکر فانزل السکینۃ علی رسولہ میں آئندہ آرہا ہے۔پس بعد کی ان آیات میں سکینہ سے مراد یہ خاص خاص اثر ہوں گے اور چونکہ جہاد کے لئے پہلے ابھرنا پھر رک جانا دونوں باتیں آپ کی خوشنودی سے ہوئیں اس لئے اطاعت ہوئیں اور آپ کی ہر اطاعت سے نور ایمان بڑھتا ہے۔پس اس سے صحابہؓ کو ترقی ایمانی نصیب ہوئی۔

آگے **وللہ جنود** الخ۔ میں یہ بتلادیا کہ نہ کفار کی کثرت پر نظر کر کے عزم جہاد میں پس وپیش کرنا اور نہ عہد نامہ پر یہ خیال کر کے افسوس کرنا کہ کفار کیوں بچ گئے اور سزا کیوں نہیں ہوئی۔ کیونکہ اللہ کے لشکر کے ہوتے ہوئے کفار کی کثرت سے ڈرنے کے کیا معنی؟ وہ تمہاری کمی کو اپنے لشکر سے پورا کرسکتا ہے۔

نیز کفار کو ہلاک کرنا کچھ تم پر موقوف نہیں۔ہم چاہیں تو اپنے دوسرے لشکروں سے بھی ان کو تباہ کرسکتے ہیں البتہ جہاد اور صلح دونوں کے احکام بربناء مصالح دیئے جاتے ہیں اور اس کو وہی خوب جانتا ہے کہ کب جہاد کا حکم تمہارے لئے مصلحت ہے اور کب قتال سے باز رہنا مناسب ہے۔ بہرحال زمین وآسمان کے لشکروں کا مالک جہاد اور صلح کا جو حکم بھی دے گا ضرور اس میں بہتری اور حکمت ہوگی۔

حضور ﷺ نے جب صحابہؓ کو آیت انا فتحنا لک پڑھ کر سنائی تو صحابہؓ نے مبارکباد پیش کرتے ہوئے عرض کیا یارسول اللہ! یہ انعام تو آپ ﷺ کیلئے ہوا ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر آیت **لیدخل المومنین** نازل ہوئی یعنی زیادتی ایمان کے ثمرہ کو دوسرے عنوان سے ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ اس طرح اعزاز واکرام کے ساتھ مسلمانوں کو جنت میں داخل کرنا اور برائیوں اور کمزوریوں سے ان کو پاک کرنا مقصود ہے۔جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حدیبیہ میں بیعت جہاد کرنے والوں میں کسی کو دوزخ میں داخل نہیں کیا جائے گا۔

فتح مکہ میں عورتیں:......... یہاں عورتوں کے ذکر پر شبہ نہ کیا جائے کہ وہ تو حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئیں کیونکہ اول تو مدار فضیلت، اطاعت وفرمانبرداری ہے۔خواہ خاص حدیبیہ کے معاملہ میں ہو یا دوسرے امور میں جن میں مردوں کی طرح عورتیں بھی شریک رہتی ہیں۔ دوسرے اس تعمیم میں عورتوں کو بھی ایک گونہ تسلی رہے گی۔ کہ وہ اہل حدیبیہ کے فضائل سن کر شکستہ دل نہ ہوں کہ ہم اس شرف سے کیوں محروم رہیں مگر جب مدار فضیلت اطاعت ہے تو عورتیں بھی اپنے متعلقہ احکام میں فرمانبرداری کریں تو مستحق بشارات ہوں گی۔ کیونکہ مرد ہو یا عورت کسی کی بھی محنت اور ایمانداری ضائع نہیں ہوتی۔ نیز حدیث میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی اس سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں اور دل

سے تو بہت ہی مسلمان عورتیں ساتھ تھیں۔

جنت میں جانے کو "فوز عظیم" فرمانے سے ان نقال صوفیوں اور مغلوب الحال درویشوں کی خام خیالی معلوم ہو جو جنت طلب کرنے کو ناقصوں کا کام سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے سکینہ کا نزول چونکہ مقام مدح ہے جس سے اختصاص معلوم ہوا۔ یعنی کفار اس سے محروم رہیں گے پس جہاں اس صلحنامہ سے اسلام کی جڑیں مضبوط ہوں گی اور اسلامی فتوحات کا دروازہ کھلے گا وہیں یہ سبب بنے گا۔ کفار اور منافقوں پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹنے کا اور ان کو پوری سزا ملنے کا۔

چنانچہ مدینے سے چلتے وقت آنحضرت ﷺ کے ساتھ جد بن قیس کے علاوہ کوئی منافق نہیں ہوا اور بہانے کر کے بیٹھ رہے۔ کیونکہ انہیں پورا خطرہ تھا کہ مڈبھیڑ ضرور ہوگی اور مسلمان زندہ سلامت بچ کر واپس نہیں آئیں گے اور بظاہر اسباب بھی کچھ ایسے تھے کہ مسلمانوں کا وطن سے دور ہونا، فوج اور سامان حرب کی کمی، ادھر کفار کا اپنے وطن میں ہونا اور پھر سارے ہی مکہ کا مقابلہ، اس لئے منافقین نے طے کر لیا کہ کیوں اپنے کو ہلاکت میں ڈالیں۔

ادھر کفار نے خیال پکا لیا کہ مسلمان بظاہر تو عمرہ کے نام سے آ رہے ہیں لیکن فریب سے مکہ ہم سے ہتھیانا چاہتے ہیں۔ یہ تھیں دونوں کی بدگمانیاں اور برے خیالات جن کو ظن السوء فرمایا گیا۔

گویا اس جملہ میں کفار اور منافقین دونوں پر تعریض ہے کہ ایک ضد باندھ کر ہٹ دھرمی کر رہا ہے اور دوسرا آرزوؤں کی اس بھول بھلیوں میں ہے کہ مسلمان ایک بھی بچ کر نہ آئے اور چونکہ مدار اس تعذیب کا کفر پر ہے۔ اس لئے عورتوں کو بھی شمار کیا گیا۔ دوسرے مسلمان عورتوں کی طرح دل سے کافر و منافق عورتیں بھی اس جذبہ میں شریک تھیں۔ اس لئے ان کو بھی مستحق وعید سمجھا گیا۔

لیکن یہ پیش بندیاں اور احتیاطیں تا کجے، زمانہ کی گردش اور پاداش عمل سے کیسے بچ سکتے ہیں اور اللہ کسی کو سزا دینا چاہے تو کون ہے جو بچا سکتا ہے اس کا لشکر ایک سیکنڈ میں پیس کر رکھ دے۔ البتہ اس کے ساتھ وہ حکمت والا بھی ہے اور حکمت الٰہی کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ ہاتھوں ہاتھ ان کا صفایا کر دیا جائے مگر کچھ دنوں بعد کفار تو مقتول و ماخوذ ہوئے اور منافقین ساری عمر یاس وحسرت کی تصویر بنے رہے کہ اسلام اور مسلمان بڑھتے رہے اور وہ گھٹتے رہے۔ یہ تو دنیا کی سزا ہوئی اور آخرت کا دردناک عذاب اس کا تو کیا ہی پوچھنا؟

آیت وللہ جنود السمٰوات کو تکرار نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ پہلی آیت کا منشاء مسلمانوں کے غلبہ کی بشارت تھی اور یہاں کفار کے مغلوب و مقہور ہونے کی دھمکی مقصود ہے۔ اس لئے یہاں حکیماً کے ساتھ عزیزاً بھی فرمایا گیا جس سے قہر کی طرف اشارہ ہے۔

ان انعامات الٰہی میں چونکہ تمام تر واسطہ آنحضرت ﷺ ہیں۔ اس لئے آیت انا ارسلنٰک میں اللہ و رسول کے حقوق اور ان کی بجا آوری کی فضیلت اور نہ بجالانے کی مذمت بتلائی جا رہی ہے۔ چنانچہ آپ فرمانبرداروں کو خوشخبری اور نافرمانوں کو ڈر سناتے رہیں۔ اور اپنے احوال بھی بتلاتے رہیں۔ چنانچہ شروع سے یہاں تک یہی تینوں مضامین مذکور ہوئے۔ نیز آخرت میں بھی اپنی امت اور پچھلے انبیاء کے حق میں گواہی دیں گے۔

تعزروہ وتوقروہ: اگر اللہ کی مدد مراد ہے تو اس کا مطلب دین اور پیغمبر کی مدد کرنا ہے اور اللہ کی تعظیم عقیدۃً بھی ضروری ہے کہ اس کو کمالات سے متصف اعتقاد کرے اور عملاً بھی کہ اس کی فرمانبرداری کرے اور یہ ضمیریں اگر پیغمبر کی طرف راجع ہوں تو پھر مطلب واضح ہے۔

سبحوہ۔ سے مراد صبح شام کی نمازیں ہیں۔ اور یا مطلق ذکر اگرچہ مستحب ہو۔ بہر حال اللہ کی پاکی نمازوں کے ضمن میں ہو یا نمازوں سے باہر۔

بیعت جہاد اور بیعت سلوک:.......... آگے بعض معاملات کے متعلق ارشاد ہے کہ پیغمبر کے ہاتھ پر بیعت کا مقصد چونکہ اللہ کے احکام بجا لانا ہے تو گویا وہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہے۔ کیونکہ پیغمبر فی الحقیقت اللہ کی طرف سے بیعت کرتا ہے اور اس ذریعہ سے اسی کے احکام کی

تعمیل کراتا ہے۔ اس طرح بیعت کے وقت پیغمبر کے ہاتھ کو مجازاً بطور نیابت اللہ کا ہاتھ کہا جا سکتا ہے۔ جیسے کہ دوسری آیت **وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی** میں بھی یہی اسناد مراد ہیں۔ چنانچہ **ومن یطع الرسول فقد اطا ع اللہ** اسی ارتباط وتعلق کا اظہار ہے۔ اس لئے حقیقی معنی لینا یا پیغمبر کو عین خدا کہنا اور سمجھنا سخت ترین گمراہی ہوگی۔ یہ لفظ متشابہات میں سے ہے۔ اس کی زیادہ تفتیش میں نہیں پڑنا چاہیے۔

آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے دونوں طرح کی بیعت لی ہے۔ بیعت جہاد اور دوسری کسی اچھے کام پر بیعت صحیح مسلم کی روایت **وعلی الخیر** کا لفظ ہے۔ مشائخ طریقت کی بیعت احسان بھی اسی میں داخل ہے۔ سورہ ممتحنہ کے دوسرے رکوع کی آیات سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے۔

حدیبیہ کی بیعت جہاد کا حاصل مضمون یہ تھا کہ ہم مرتے دم تک میدان جہاد سے منہ نہ موڑیں گے۔ **ید اللہ فو ق ایدیھم** سے یہ نہ سمجھا جائے کہ بیعت کے وقت ہاتھ میں ہاتھ ڈالنا اور شیخ کے ہاتھ کا اوپر ہونا ہی ضروری ہے۔ بلکہ اطاعت کا عہد لینا مراد ہے۔ چنانچہ بالواسطہ اور مکاتبت ومراسلت کے ذریعہ بھی بیعت ہو سکتی ہے بلکہ بیعت کی حقیقت تو شیخ کے تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔ خواہ صورۃ بیعت حاصل نہ ہو۔ اگر صورۃ بیعت کا بھی ایک اثر ہوتا ہے اور وہ فائدہ سے خالی نہیں۔ البتہ یہ سمجھنا کہ جو کسی کا مرید نہیں وہ شیطان کا مرید ہوتا ہے۔ بے اصل ہے۔ بعض فطرتاً سلیم ہوتے ہیں انہیں چنداں حاجت نہیں ہے۔

اس عہد کی پابندی یا عہد شکنی کا وہی حکم ہوگا جو دوسرے واجب الایفاء عہدوں کا ہے۔ آیت میں مطلقاً عہد مراد ہے۔ وہ عہد خواہ صراحۃً ہوں یا التزاماً مثلاً ایمان لانے سے اس کے تمام احکام کا التزام ہو جاتا ہے۔ یا وہ عہد لزوماً ہو۔ جیسے عہد الست کے نتیجہ میں سب پر ایمان لانا لازم ہے۔ اس عہد کو متعارف بیعت کے ساتھ مخصوص سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ متعارف بیعت کے توڑنے کو یہ وعید شامل بھی نہیں ہے۔ کیونکہ شرعی احکام کی پابندی کے ہوتے ہوئے اگر کسی شیخ سے تعلق ترک کر دے تو ذرہ بھر گناہ نہیں بلکہ غیر متبع شرع شیخ سے تعلق منقطع کر دینا مناسب اور ضروری ہو گا۔ البتہ بلا شرعی ضرورت کے شیخ سے تعلق منقطع کر دینا بے برکتی کا باعث ہے۔ بلکہ ممکن ہے کسی برائی اور گناہ میں مبتلا ہونے کا باعث بن جائے۔ اس لئے اس سے بچنا چاہیے۔

حاصل آیت یہ نکلا کہ بیعت کے وقت جو قول وقرار کیا ہے جو اس کو توڑے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اسی کو عہد شکنی کی سزا ملے گی۔ اللہ ورسول کا نقصان؟ اور جو اس عہد پر پورا اترے گا اسے بدلہ بھی بھرپور ملے گا۔

منافقین کے حیلے بہانے: .... **یقول لک المخلفون**۔ مدینہ طیبہ سے روانگی کے وقت آنحضرت ﷺ نے اہتمام سے صحابہؓ کو ساتھ لیا ممکن ہے کہ لڑائی کا احتمال بھی پیش نظر ہو۔ اس پر کچھ سادہ لوح دیہاتی جن کے دلوں میں ابھی ایمان رچا نہیں تھا۔ آپس میں کہنے لگے کہ دیکھو اب یہ جانے والے مسلمان زندہ بچ کر واپس آنے والے نہیں ہیں۔ حق تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے نفاق کا پردہ چاک کرتے ہوئے سفر سے واپسی میں آنحضرت ﷺ کو حقیقت حال سے مطلع فرما دیا۔ اور فرمایا کہ ایسے لوگ اب آپ کے سامنے غیر حاضری کے جھوٹے حیلے بہانے آ کر تراشیں گے اور کہیں گے کہ کیا بتلائیں ہمیں گھربار کے دھندوں سے فرصت ہی نہ ملی، ہمارے یہاں کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں تھا۔ اس لئے حاضری نہ ہو سکی بہر حال یہ کوتاہی ہوئی اس کی ہم معافی چاہتے ہیں۔

حالانکہ کہتے وقت وہ خود بھی سمجھتے تھے کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہ سراسر جھوٹ کا پلندہ ہے۔ اور استغفار کی درخواست بھی محض دفع الوقتی کے لئے ہے سچے دل سے نہیں۔ کیونکہ وہ دل میں اس کو گناہ ہی نہیں سمجھ رہے ہیں کہ حقیقۃً پشیمان ہوں۔

سوان کے جواب میں آپ فرما دیجئے کہ سارا نفع نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے اس کے آگے کسی کا کچھ بس چلتا۔ چنانچہ اس کو نہ تم جیسے نالائقوں کا جانا منظور تھا اور نہ اب منظور ہے کہ تمہارے لئے استغفار کروں کیونکہ جھوٹ کا پول کھل چکا ہے تم خود ہی حدیبیہ کے گوناگوں فوائد و برکات

سے محروم رہے۔

رہا گھر بار کے نقصان کا بہانہ، سوسب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ چاہے تو گھر میں رہ کر بھی نقصان ہوسکتا ہے اور وہ چاہے تو گھر سے باہر جا کر بھی نقصان نہیں ہوسکتا۔ پھر اللہ ورسول کی خوشنودی کے مقابلہ میں ان چیزوں کی پرواہ کرنا کب شیوہ اہل ایمان ہے۔ اور یہ نہ سمجھو کہ اللہ کو بھی حیلے بہانوں سے بہلالو گے۔ گویا اس طرح دنیا بھی ہاتھ سے نہیں جائے گی اور اللہ بھی راضی رہے گا۔ اللہ کو تو سب کچھ پتہ ہے۔ تمہاری یہ چکمہ بازی نہیں چلے گی۔ کہ نہ جانے کا سبب فی الواقع وہ تھا جو تم بیان کررہے ہو۔ بلکہ تم سمجھ بیٹھے تھے۔ کہ پیغمبر اور مسلمان اب صحیح سلامت واپس نہیں ہوسکیں گے اور یہی تمہاری دلی آرزو بھی تھی۔ اس اٹکل پچو گمان میں تم نے اپنے لئے نہ جانے میں عافیت سمجھی۔ اور سراسر نفع سمجھا۔ حالانکہ یہ سرتا سر نقصان وخسران تھا اور اللہ جانتا تھا کہ یہ اس طرح تباہ وبرباد ہورہے ہیں۔ اللہ ورسول پر جو ایمان نہیں رکھتا اس کے لئے تو دہکتی آگ تیار ہے زمین وآسمان کی ساری خدائی اسی کی ہے وہی چاہے کسی کو بخشے نہ بخشے۔ میں اس کے برخلاف کیا کرسکتا ہوں؟ ہاں اس کی مہربانی ہوجائے تو تمہاری بخشش اور معافی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اس کی رحمت بہرصورت غضب سے بڑھ کر ہے۔

منافقین کا پوسٹ مارٹم: ان منافقین کے اس عذر کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اس میں کئی جز نکلتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہمیں فرصت نہ تھی۔ دوسرے یہ کہ ہمارا ارادہ شریک سفر ہونے کا تھا۔ تیسرے یہ کہ ہم آپ کے استغفار کے مفید ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ حالانکہ ان کے دل میں تینوں باتیں نہیں تھیں۔ پہلی دو باتیں تو واقعہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے اور تیسری بات نبوت پر اعتقاد نہ ہونے کی وجہ سے، اور عذر صحیح کے باوجود استغفار کی درخواست اگر غیر مخلص کی طرف سے ہوتی ہے تو اس کو ریاکاری پر محمول کیا جائے گا۔ اور مخلص کی طرف سے اگر ہو تو تب بھی عذر کا عذر ہونا چونکہ اکثر اجتہادی ہوتا ہے جس کا مدار تحری پر ہے اور اس میں بعض اوقات نفسانی شیطانی تسویل سے تامل کرنے میں یا تامل کے مطابق عمل کرنے میں کوتاہی ہوجاتی ہے اس لئے استغفار کی ضرورت پڑتی ہے۔

بہرحال ان کے عذر کو رد کردیا گیا ہے۔ اول تو عذر اگر واقع کے مطابق بھی ہوتا۔ تب بھی قطعی حکم کے ہوتے ہوئے محض لغو تھا۔ کیونکہ وہ عذر فی الواقع قضاء وقدر سے تو بچا نہیں سکتا تھا۔ تاہم شریعت نے جہاں مصلحت سمجھا تسلی وغیرہ کی مصلحت سے واقعی عذر کو مدار رخصت قرار دے دیا۔ لیکن جہاں شریعت نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور قطعی حکم دے دیا۔ جیسا کہ یہاں ایسے میں واقعی عذر بھی معتبر نہیں ہوگا۔ اور دوسرے یہ کہ ان کا عذر واقعی بھی نہیں محض فرضی ہے اور ایک قسم کی بہانہ بازی ہے پھر اس کی شنوائی کیسے ہو؟ بعض تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض تائب اور مخلص بھی ہوگئے تھے۔

فتح خیبر: ....سیقول لك المخلفون اذا انطلقتم۔ مدینہ سے کچھ فاصلہ پر ''خیبر'' یہودیوں کا ایک مضبوط قلعہ تھا۔ جس میں وہ غدار یہودی رہتے تھے، جو بدعہدی کرکے جنگ احزاب میں کافروں کو مدینہ پر چڑھالائے تھے۔ حدیبیہ سے فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان یہودیوں کی سرکوبی کو ضروری سمجھتے ہوئے چڑھائی فرمادی اور وحی الٰہی کے مطابق اعلان کرایا کہ جو کام چور دیہاتی حدیبیہ میں جان بچا گئے وہ اس معرکہ خیبر میں بھی نہ جاسکیں گے۔ اللہ نے ہمیں اس سے پہلے ہی آگاہ فرمادیا ہے۔ مشکل وقت میں جب یہ لوگ ساتھ نہیں ہوئے تو آسان وقت میں کیوں ساتھ ہوں۔ ایسا ہوا تو یہ معنی ہوں گے کہ اللہ کا کہنا بدل دیا گیا۔ جو ظاہر ہے کہ نہیں ہوسکتا۔

لن تتبعونا: کا مقصد ہمیشہ کے لئے ممانعت نہیں ہے بلکہ یہ لن تابید وقتی کے لئے ہے یعنی صرف معرکہ خیبر کے اعتبار سے، چنانچہ علامہ آلوسیؒ نے جو بحر سے نقل کیا ہے۔ کہ ان غیر حاضرین میں قبیلہ مزنیہ اور جہینہ کے لوگ بھی تھے۔ جو خیبر کے بعد غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک جہاد رہے، اگلی آیت سے بھی اس کی تائید ہورہی ہے۔ اسی طرح فارس وغیرہ کے غزوات میں بھی بعض انہی دیہاتیوں کو حضرت فاروق

اعظمؓ نے اپنے دور خلافت میں شامل کیا۔ جس سے یہی ثابت ہوا کہ مطلق تابید مراد نہیں ہے۔
اسی طرح خیبر کے مال غنیمت کو آنحضرت ﷺ کے اہل حدیبیہ کے ساتھ مخصوص کرنے پر شبہ نہ کیا جائے کہ حضور ﷺ نے بعض مہاجرین حبشہ کو جو "اصحاب سفینہ" کہلاتے تھے۔ کچھ حصہ کیوں عنایت فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ یہ عطیہ خیبر کی فوج کی رضامندی سے ہوا ہوگا یا مال خمس میں سے مرحمت فرمایا ہوگا جو خاص غانمین کا حق نہیں ہے۔ علی اختلاف القولین۔

ناپاک ذہن میں خیالات بھی ناپاک آتے ہیں:........ فسیقولون الخ۔ یعنی پیغمبر کا یہ جواب سن کر یہ گنوار بولیں گے کہ اللہ نے تو منع نہیں فرمایا۔ بلکہ تم چاہتے ہو کہ بلاشرکت غیرے سارا مال تمہارے ہاتھ آجائے۔ ہمیں کچھ نہ مل سکے۔ فی الحقیقت ایسا کہنے والے نرے نا سمجھ ہیں۔ کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ مسلمان زہد وقناعت کے مجسمے ہیں۔ ان میں حرص وحسد کیوں ہونے لگا۔ اور کیا پیغمبر ہیں۔ العیاذ باللہ، خدا پر ازراہ حسد جھوٹ بول دیں گے۔

غرض کہ اس لڑائی میں تو نہیں جا سکتے۔ مگر ذرا صبر کرو۔ آئندہ بہت سے معرکے آرہے ہیں۔ سخت جنگ جو قوموں سے واسطہ پڑنے والا ہے۔ اور یہ سلسلہ ان قوموں کے مسلمان ہونے یا باجگذار ہونے تک جاری رہے گا۔ اگر واقعی تمہیں شوق جہاد ہے تو اس وقت تمہارے حوصلے اور ولولے دیکھ لیں گے۔ اس وقت اللہ کا حکم ماننے پر اللہ بہترین بدلہ دے دے گا۔ اور حدیبیہ کی طرح اگر اس وقت بھی تم نے معرکوں سے منہ موڑ لیا تو اللہ سخت ترین سزا بھی دیگا۔ شاید آخرت سے پہلے ہی مل جائے۔

ان جنگ جو قوموں سے مراد مسیلمہ کذاب کی قوم بنوحنیفہ ہوگی۔ یا ہوازن وثقیف وغیرہ قومیں ہیں جن سے حنین میں مقابلہ ہوا۔ یا وہ مرتد لوگ جن پر صدیق اکبرؓ نے فوج کشی کی۔ یا فارس وروم وکرد، وغیرہ قومیں جن سے خلفائے راشدین کے زمانہ میں لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں سے بہت سے بے لڑے بھڑے مسلمان بھی ہوئے اور مال غنیمت بھی بہت کچھ ہاتھ آیا۔

لیس علی الاعمی۔ یعنی جہاد اور دوسرے امور معاملات میں عام ضابطہ یہی ہے کہ معذوروں پر یہ احکام لاگو نہیں ہوتے۔

لطائف سلوک:........ **هو الذی انزل السکینة۔** سکینہ ایسی چیز ہوتی ہے جس میں نور اور قوت وروح ہوتی ہے جس سے سکون میسر آجاتا ہے اور سہولت اعمال اور ضبط احوال کی توفیق مل جاتی ہے۔

لیزدادوا ایمانا مع ایمانهم۔ یعنی ایمان استدلالی کے ساتھ ایمان عیانی بھی نصیب ہوجاتا ہے۔

ان الذین یبایعونک۔ روح المعانی میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے آنحضرت ﷺ کے کمال فناء وبقاء کی طرف۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ بِالْحُدَيْبِيَةِ **تَحْتَ الشَّجَرَةِ** هِيَ سَمُرَةٌ وَهُمْ اَلْفٌ وَثَلٰثُ مِائَةٍ اَوْ اَكْثَرُ ثُمَّ بَايَعَهُمْ عَلٰى اَنْ يُّنَاجِزُوْا قُرَيْشاً وَاَنْ لَا يَفِرُّوْا عَلَى الْمَوْتِ **فَعَلِمَ** اللّٰهُ **مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ** مِنَ الْوَفَاءِ وَالصِّدْقِ **فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيْباً** ﴿۱۸﴾ هُوَ فَتْحُ خَيْبَرَ بَعْدَ اِنْصِرَافِهِمْ مِنَ الْحُدَيْبِيَةِ **وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا** . مِنْ خَيْبَرَ **وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزاً حَكِيْماً** ﴿۱۹﴾ اَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفاً بِذٰلِكَ **وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا** مِنَ الْفُتُوْحَاتِ **فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ** غَنِيْمَةَ خَيْبَرَ **وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ** فِيْ عِيَالِكُمْ لَمَّا خَرَجْتُمْ وَهَمَّتْ بِهِمُ الْيَهُوْدُ فَقَذَفَ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ **وَلِتَكُوْنَ** اَيِ الْمُعَجَّلَةُ عَطْفٌ

عَلٰى مُقَدَّرٍ اَیْ لِتَشْکُرُوْہُ اٰیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ نَصْرِھِمْ وَیَھْدِیَکُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴿۲۰﴾ اَیْ طَرِیْقَ التَّوَکُّلِ عَلَیْہِ وَ تَفْوِیْضَ الْاَمْرِ اِلَیْہِ تَعَالٰی وَّ اُخْرٰی صِفَۃُ مَغَانِمَ مُقَدَّرٌ مُّبْتَدَاءٌ لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْھَا ھِیَ مِنْ فَارِسَ وَالرُّوْمِ قَدْ اَحَاطَ اللّٰہُ بِھَا عَلِمَ اَنَّھَا سَتَکُوْنُ لَکُمْ وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ﴿۲۱﴾ اَیْ لَمْ یَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِکَ وَلَوْ قٰتَلَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالْحُدَیْبِیَۃِ لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا یَحْرُسُھُمْ وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّۃَ اللّٰہِ مَصْدَرٌ مُؤَکِّدٌ لِمَضْمُوْنِ الْجُمْلَۃِ قَبْلَہٗ مِنْ ھَزِیْمَۃِ الْکَافِرِیْنَ وَ نَصْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَیْ سَنَّ اللّٰہُ ذٰلِکَ سُنَّۃً الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا ﴿۲۳﴾ مِنْہُ وَھُوَ الَّذِیْ کَفَّ اَیْدِیَھُمْ عَنْکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ عَنْھُمْ بِبَطْنِ مَکَّۃَ بِالْحُدَیْبِیَۃِ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَکُمْ عَلَیْھِمْ فَاِنَّ ثَمَانِیْنَ مِنْھُمْ طَافُوْا بِعَسْکَرِکُمْ لِیُصِیْبُوْا مِنْکُمْ فَاُخِذُوْا وَاُتِیَ بِھِمْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَعَفَا عَنْھُمْ وَخَلّٰی سَبِیْلَھُمْ فَکَانَ ذٰلِکَ سَبَبَ الصُّلْحِ وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ﴿۲۴﴾ بِالْیَاءِ وَالتَّاءِ اَیْ لَمْ یَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِکَ ھُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَیْ عَنِ الْوُصُوْلِ اِلَیْہِ وَالْھَدْیَ مَعْطُوْفٌ عَلٰی کُمْ مَعْکُوْفًا مَحْبُوْسًا حَالٌ اَنْ یَّبْلُغَ مَحِلَّہٗ اَیْ مَکَانَہُ الَّذِیْ یُنْحَرُ فِیْہِ عَادَۃً وَھُوَ الْحَرَمُ بَدَلُ اِشْتِمَالٍ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ مَوْجُوْدُوْنَ بِمَکَّۃَ مَعَ الْکُفَّارِ لَّمْ تَعْلَمُوْھُمْ بِصِفَۃِ الْاِیْمَانِ اَنْ تَطَئُوْھُمْ اَیْ تَقْتُلُوْھُمْ مَعَ الْکُفَّارِ لَوْ اُذِنَ لَکُمْ فِی الْفَتْحِ بَدَلُ اِشْتِمَالٍ مِنْ ھُمْ فَتُصِیْبَکُمْ مِّنْھُمْ مَّعَرَّۃٌ اَیْ اِثْمٌ بِغَیْرِ عِلْمٍ مِنْکُمْ بِہٖ ضَمَائِرُ الْغَیْبَۃِ لِلصِّنْفَیْنِ بِتَغْلِیْبِ الذُّکُوْرِ وَ جَوَابُ لَوْ لَا مَحْذُوْفٌ اَیْ لَاُذِنَ لَکُمْ فِی الْفَتْحِ لٰکِنْ لَمْ یُؤْذَنْ فِیْہِ حِیْنَئِذٍ لِّیُدْخِلَ اللّٰہُ فِیْ رَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ کَالْمُؤْمِنِیْنَ الْمَذْکُوْرِیْنَ لَوْ تَزَیَّلُوْا تَمَیَّزُوْا عَنِ الْکُفَّارِ لَعَذَّبْنَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْھُمْ مِنْ اَھْلِ مَکَّۃَ حِیْنَئِذٍ بِاَنْ نَاْذَنَ لَکُمْ فِیْ فَتْحِھَا عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۲۵﴾ مُؤْلِمًا اِذْ جَعَلَ مُتَعَلِّقٌ بِعَذَّبْنَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَاعِلٌ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْحَمِیَّۃَ الْاَنَفَۃَ مِنَ الشَّیْءِ حَمِیَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ بَدَلٌ مِنَ الْحَمِیَّۃِ وَھِیَ صَدُّھُمُ النَّبِیَّ ﷺ وَاَصْحَابَہٗ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ فَصَالَحُوْھُمْ عَلٰی اَنْ یَّعُوْدُوْا مِنْ قَابِلٍ وَلَمْ یَلْحَقْھُمْ مِنَ الْحَمِیَّۃِ مَا لَحِقَ الْکُفَّارَ حَتّٰی یُقَاتِلُوْھُمْ وَاَلْزَمَھُمْ اَیِ الْمُؤْمِنِیْنَ کَلِمَۃَ التَّقْوٰی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَاُضِیْفَ اِلَی التَّقْوٰی لِاَنَّھَا سَبَبُھَا وَکَانُوْا اَحَقَّ بِھَا بِالْکَلِمَۃِ مِنَ الْکُفَّارِ وَاَھْلَھَا عَطْفٌ تَفْسِیْرِیٌّ، وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۲۶﴾ اَیْ لَمْ یَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِکَ وَمِنْ مَعْلُوْمَاتِہٖ تَعَالٰی اَنَّھُمْ اَھْلُھَا لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِی النَّوْمِ عَامَ الْحُدَیْبِیَۃِ قَبْلَ خُرُوْجِہٖ اَنَّہٗ یَدْخُلُ مَکَّۃَ ھُوَ وَاَصْحَابُہٗ اٰمِنِیْنَ وَیُحَلِّقُوْنَ وَیُقَصِّرُوْنَ فَاَخْبَرَ بِذٰلِکَ اَصْحَابَہٗ فَفَرِحُوْا فَلَمَّا خَرَجُوْا

مَعَهٗ وَصَدَّهُمُ الْكُفَّارُ بِالْحُدَيْبِيَةِ وَرَجَعُوْا وَ شَقَّ عَلَيْهِمْ ذٰلِكَ وَرَابَ بَعْضَ الْمُنَافِقِيْنَ نَزَلَتْ وَقَوْلُهٗ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِصَدَقَ اَوْ حَالٌ مِنَ الرُّؤْيَا وَمَا بَعْدَهَا تَفْسِيْرٌ لَهَا **لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ** لِلتَّبَرُّكِ **اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ** اَىْ جَمِيْعَ شُعُوْرِهَا **وَ مُقَصِّرِيْنَ** اَىْ بَعْضَ شُعُوْرِهَا وَهُمَا حَالَانِ مُقَدَّرَتَانِ **لَا تَخَافُوْنَ** اَبَدًا **فَعَلِمَ** فِى الصُّلْحِ **مَا لَمْ تَعْلَمُوْا** مِنَ الصَّلَاحِ **فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ** اَىْ الدُّخُوْلِ **فَتْحًا قَرِيْبًا** ﴿۲۷﴾ هُوَ فَتْحُ خَيْبَرَ وَ تَحَقَّقَتِ الرُّؤْيَا فِى الْعَامِ الْقَابِلِ **هُوَ الَّذِىْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ** اَىْ دِيْنَ الْحَقِّ **عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ** عَلٰى جَمِيْعِ بَاقِى الْاَدْيَانِ **وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا** ﴿۲۸﴾ اِنَّكَ مُرْسَلٌ بِمَا ذُكِرَ كَمَا قَالَ **مُحَمَّدٌ** مُبْتَدَاءٌ **رَّسُوْلُ اللّٰهِ** خَبَرُهٗ **وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ** اَىْ اَصْحَابُهٗ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مُبْتَدَاءٌ خَبَرُهٗ **اَشِدَّآءُ** غِلَاظٌ **عَلَى الْكُفَّارِ** لَا يَرْحَمُوْنَهُمْ **رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ** خَبَرٌ ثَانٍ اَىْ مُتَعَاطِفُوْنَ مُتَوَادُّوْنَ كَالْوَالِدِ مَعَ الْوَلَدِ **تَرٰهُمْ** تُبْصِرُهُمْ **رُكَّعًا سُجَّدًا** حَالَانِ **يَّبْتَغُوْنَ** مُسْتَانِفٌ يَطْلُبُوْنَ **فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ** عَلَامَتُهُمْ مُبْتَدَاءٌ **فِىْ وُجُوْهِهِمْ** خَبَرُهٗ وَهِىَ نُوْرٌ وَ بَيَاضٌ يُعْرَفُوْنَ بِهٖ فِى الْاٰخِرَةِ اِنَّهُمْ سَجَدُوْا فِى الدُّنْيَا **مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ** مُتَعَلِّقٌ بِمَا تَعَلَّقَ بِهِ الْخَبَرُ اَىْ كَائِنَةً وَاُعْرِبَ حَالًا مِنْ ضَمِيْرِهِ الْمُنْتَقِلِ اِلَى الْخَبَرِ **ذٰلِكَ** اَىِ الْوَصْفُ الْمَذْكُوْرُ **مَثَلُهُمْ** صِفَتُهُمْ **فِى التَّوْرٰىةِ** مُبْتَدَاءٌ وَخَبَرُهٗ **وَمَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ** مُبْتَدَاءٌ خَبَرُهٗ **كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ** بِسُكُوْنِ الطَّآءِ وَ فَتْحِهَا فِرَاخَهٗ **فَاٰزَرَهٗ** بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ قَوَّاهُ وَاَعَانَهٗ **فَاسْتَغْلَظَ** غَلُظَ **فَاسْتَوٰى** قَوِىَ وَاسْتَقَامَ **عَلٰى سُوْقِهٖ** اُصُوْلِهٖ جَمْعُ سَاقٍ **يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ** اَىْ زُرَّاعَهٗ لِحُسْنِهٖ مِثْلُ الصَّحَابَةِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ بِذٰلِكَ لِاَنَّهُمْ بَدَءُوْا فِىْ قِلَّةٍ وَضُعْفٍ فَكَثُرُوْا وَقَوُوْا عَلٰى اَحْسَنِ الْوُجُوْهِ **لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ** مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهٗ اَىْ شُبِّهُوْا بِذٰلِكَ **وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ** اَىِ الصَّحَابَةِ لِبَيَانِ الْجِنْسِ لَا لِلتَّبْعِيْضِ لِاَنَّ كُلَّهُمْ بِالصِّفَةِ الْمَذْكُوْرَةِ **مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا** ﴿۲۹﴾ الْجَنَّةَ وَهُمَا لِمَنْ بَعْدَهُمْ اَيْضًا فِىْ اٰيَاتٍ

ترجمہ: .... یقیناً اللہ ان مسلمانوں سے خوش ہو گیا جو آپ سے (حدیبیہ میں) بیعت کر رہے تھے۔ درخت کے نیچے جو کیکر کا تھا اور یہ مسلمان تیرہ سو یا زیادہ تھے۔ جنہوں نے پھر آنحضرت ﷺ سے اس پر بیعت کر لی کہ ہم قریش سے مقابلہ کریں گے اور مرنے سے جی نہیں چرائیں گے) اور (اللہ) کو معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا (وفاداری اور سچائی) اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اطمینان پیدا فرما دیا اور ان کو لگے ہاتھوں فتح دے دی (حدیبیہ سے واپسی پر خیبر فتح کرا دیا) اور بہت سی غنیمتیں بھی جن کو یہ لوگ حاصل کر رہے ہیں (یعنی فتوحات خیبر) اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست حکمت والا ہے ہمیشہ ان خوبیوں کا مالک رہا ہے) اور بہت سی غنیموں کا وعدہ بھی اللہ تعالیٰ نے تم سے کر رکھا ہے۔ جن (فتوحات) کو تم حاصل کرو گے سو سر دست تو تمہیں (یہ خیبر کی غنیمت) دے دی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے (تمہارے اہل و عیال سے جب تم خیبر میں چلے گئے اور یہود نے ان اہل وعیال پر حملہ آور ہونا چاہا تو اللہ نے یہودیوں کے دلوں پر ہیبت طاری کر دی) اور تا کہ

ہو جائے (یہ فوری غنیمت اس کا عطف مقدر پر ہورہا ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے تشکرو ہ ولتکون) اہل ایمان کے لئے نمونہ (ان کی امداد کے سلسلہ میں) اور تا کہ تم کو ایک سیدھی راہ پر ڈال دے (یعنی توکل اور اللہ کے بھروسہ کرنے کے طریقہ پر) اور ایک فتح اور بھی ہے (صفت مغانم مقدر کی یہ مبتداء ہے) جو تمہارے قبضہ میں نہیں آئی (فتح فارس وروم مراد ہے) اللہ تعالیٰ نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے (اسے خبر ہے کہ وہ فتح عنقریب تمہیں حاصل ہو کر رہے گی) اور اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے (ہمیشہ اس کی یہ صفت رہتی ہے) اور یہ کافر (حدیبیہ میں) اگر تم سے لڑتے بھڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے پھر ان کو نہ کوئی یار ملتا (جو ان کی حفاظت کرتا ہے) اور نہ مددگار، اللہ تعالیٰ نے یہی دستور کر رکھا ہے (یہ مصدر ہے پہلے مضمون جملہ کی تاکید کے لئے جو کفار کی شکست اور مسلمانوں کی مدد سے متعلق تھا۔ یعنی اللہ نے یہ طریقہ مقرر کر رکھا ہے) جو پہلے سے چلا آتا ہے اور آپ اللہ کے دستور میں رد و بدل نہیں پائیں گے۔ اور اللہ ہی نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے باز رکھے۔ وادی مکہ (حدیبیہ) میں اس کے بعد کہ تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا کیونکہ اسی (۸۰) کفار مکہ تمہاری گھات میں لگ گئے تھے تمہاری نقصان رسانی کے درپے ہو کر مگر پکڑ لئے گئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپ ﷺ نے درگزر فرما کر ان کو رہا فرمایا۔ انجام کار یہی واقعہ سبب صلح بن گیا) اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا تھا (یعلمون یا اور تا کے ساتھ یعنی اللہ ہمیشہ اس خوبی کا مالک رہتا ہے) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام (تک پہنچنے) سے روکا اور قربانی کے جانور کو (اس کا عطف ضمیر کم پر ہورہا ہے) جو رکا ہوا (بمعنی منع یہ حال ہے) رہ گیا اپنی جگہ پر پہنچنے سے (جہاں اس کی عادۃً قربانی کی جاتی ہے یعنی حرم یہ بدل اشتمال ہے) اور اگر بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں (کفار کے ساتھ مکہ میں) جن کی تمہیں خبر بھی نہ تھی (ان کے ایمان کی) ان کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا (یعنی یہ کہ کفار کے ساتھ وہ بھی مارے جاتے۔ اگر تمہیں مہم سر کرنے کی اجازت دے دی جاتی۔ یہ ضمیر ھم سے بدل اشتمال ہے) جس پر ان کی وجہ سے تمہیں بھی مصیبت پہنچتی (یعنی گناہ ہوتا) بے خبری میں (تمہاری طرف سے۔ غائب کی ضمیریں مرد وعورت دونوں کی طرف راجع ہیں لولا کا جواب محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ لاذن لکم فی الفتح لکن لم یوذن فیه حینئذ) تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے (جیسے مذکورہ مومنین کو داخل کیا ہے) اگر یہ علیحدہ ہو گئے ہوتے (کافروں سے الگ ہو جاتے تو ان میں جو کافر تھے ہم ان کو سزا دیتے (یعنی کفار مکہ کو اس صورت میں، تمہیں فتح مکہ کی اجازت دے کر) دردناک (تکلیف دہ) جب کہ جگہ دی (اس کا تعلق عذبنا کے ساتھ ہے) ان کافروں نے (یہ فاعل ہے) اپنے دلوں میں عار (تکبر) کو، اور عار بھی جاہلیت کی (یہ حمیت سے بدل ہے اور وہ جاہلانہ عار، آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو مسجد حرام میں داخلہ سے روکنا ہے) سو اللہ نے اپنے رسول اور مومنین کو اپنی طرف سے قوت برداشت عطا فرمائی (چنانچہ انہوں نے اس بات پر صلح کر لی کہ سال آئندہ آئیں گے اور انہیں کافروں جیسی عار نہیں لگی کہ لڑائی مول لے لیتے) اور اللہ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا لا اله الا الله محمد رسول الله اور اس کلمہ کی اضافت تقویٰ کی طرف اس لئے کی گئی کہ کلمہ سبب تقویٰ ہے اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں (کلمہ کی بنسبت کفار کے) اور اس کے اہل ہیں (عطف تفسیری ہے) اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (ہمیشہ اس کی یہی شان ہے اور اللہ کے علم میں پہلے سے یہ ہے کہ یہ اس کے اہل ہیں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا ہے جو واقع کے مطابق ہے (آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ کے سال حدیبیہ جانے سے پہلے یہ خواب دیکھا تھا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ باطمینان مکہ میں داخل ہو رہے ہیں اور کچھ لوگ سر منڈوا رہے ہیں اور کچھ بال کتروا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس خواب کا ذکر صحابہ سے کیا تو سن کر صحابہؓ خوش ہوئے لیکن جب آپ صحابہؓ کی بیعت میں عازم ہوئے اور کافروں نے مقام حدیبیہ میں روک دیا اور سب کو واپس ہونا پڑا تو صحابہؓ اس سے ملول ہوئے اور بعض منافقین تردد کا شکار بھی ہو گئے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بالحق کا تعلق صدق سے ہے یا رویا سے حال ہے اور بعد کا جملہ اس کی تفسیر ہے) تم لوگ ضرور مسجد حرام میں جاؤ گے انشاء اللہ تبرکاً فرمایا

ہے امن وامان کے ساتھ کوئی (سارے) سر کو منڈاتا ہوگا اور کوئی بال کتاتا ہوگا (یعنی بالوں کا کچھ حصہ یہ دونوں لفظ حال مقدر ہیں) کسی طرح کا (کبھی) اندیشہ نہ ہوگا۔ سو اللہ کو (صلح کی نسبت) وہ باتیں معلوم ہیں (جن مصالح کو) تم نہیں جانتے پھر اس (مکہ میں حاضری) سے پہلے لگے ہاتھوں ایک اور فتح دے دی (فتح خیبر مراد ہے اور اگلے سال خواب بھی پورا ہو گیا) وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تا کہ وہ (دین حق) کو غالب کر دے) باقی تمام دینوں پر، اور اللہ کافی گواہ ہے (اس پر کہ آپ مذکور پیغامات دے کر بھیجے گئے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے) محمد (مبتدا ہے) اللہ کے رسول ہیں (یہ خبر ہے) اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں (مومن صحابہؓ، یہ مبتداء ہے۔ اس کی خبر آگے ہے) وہ تیز (سخت) ہیں کافروں کے مقابلہ میں ان پر رحم نہیں کھاتے آپس میں مہربان ہیں یہ دوسری خبر ہے یعنی ایک دوسرے سے تعلق خاطر اور محبت رکھتے ہیں جیسا کہ باپ بیٹے پر مہربان ہوتا ہے) اے مخاطب تو دیکھے گا تجھے نظر آئے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں، (یہ دونوں حال) ہیں جستجو میں لگے ہیں (جملہ مستانفہ ہے) یعنی تلاش میں رہتے ہیں) اللہ تعالیٰ کے فضل اور خوشنودی کی، ان کے آثار (نشانات) یہ مبتداء ہے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں (یہ خبر ہے آثار سے مراد نور اور چمک ہے جس سے معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے دنیا میں سجدے کئے تھے) بوجہ تاثیر سجدہ کے اس کا تعلق بھی خبر کے متعلق ہی سے ہے یعنی کائنہ سے، اور اس پر حال کا اعراب ہے اس ضمیر کی وجہ سے جو خبر کی طرف راجع ہے) یہ (مذکورہ تعریف) ان کے اوصاف (صفات) ہیں توراۃ میں (یہ مبتداء اور خبر ہے) اور انجیل میں (مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) ان کی یہ شان ہے کہ کھیتی کی طرح ہیں جس نے اپنی سوئی نکالی (لفظ شطا سکون طا اور فتحہ طاء کے ساتھ یہ دونوں طرح ہے کونپل مراد ہے) پھر اس نے اس کو قوی کر دیا (لفظ ازر مد کے ساتھ اور بغیر مد دونوں طرح ہے یعنی اس کو مضبوط کر دیا اور اس میں بڑھوتری کر دی) پھر وہ کھیتی اور موٹی ہوگئی (طاقت ور سیدھی کھڑی ہوگئی) پھر اپنے تنے پر وہ سیدھی کھڑی ہوگئی (سوق، ساق کی جمع ہے) کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی (یعنی کھیتی عمدہ ہونے کی وجہ سے بھلی معلوم ہونے لگی۔ صحابہؓ کی یہ مثال اس لئے دی گئی کہ وہ شروع میں کم اور کمزور تھے۔ پھر خوب بڑھے اور مضبوط تر ہو گئے) تا کہ ان کے ذریعہ سے کافروں کو جلائے (اس کا تعلق محذوف کے ساتھ ہے جس پر پچھلا مضمون دلالت کر رہا ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ شھوا بذٰلک) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک کام کر رہے ہیں وعدہ کر رکھا ہے (یعنی صحابہؓ سے من بیان جنس کے لئے ہے من تبعیضیہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ تمام صحابہؓ کی یہی شان تھی) بخشش اور بڑے ثواب کا (جنت کا اور یہ دونوں وعدے دوسری آیات کی وجہ سے بعد کے لوگوں کے لئے بھی ہیں)۔

تحقیق وترکیب: ....**الشجرۃ** ۔ کیکر کا درخت جو ریگستانی علاقوں میں بکثرت پایا جاتا ہے جس کو طلح بھی کہتے ہیں۔ لیکن جمہور مفسرینؒ کی رائے ہے کہ طلح کیلے کو کہتے ہیں۔

ابن عمرؓ سے شرح مواہب میں ہے کہ شجرہ کا مصداق مخفی ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر متعین کر دیا جاتا تو عوام تعظیم میں غلو کرنے لگتے۔

یبا جزوا ۔ بمعنی مقاتلہ تفسیری عبارت کے دونوں جملوں میں منافات نہیں ہے بلکہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔

وعدکم: اس میں خطاب کی طرف التفات ہے اہل حدیبیہ کی تکریم کے لئے۔

فعجل لکم ۔ مستقبل کو ماضی کے ساتھ لانے میں اس کے یقینی ہونے کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ جو امر مقدر ہو چکا ہے اس کی یہ خبر از قبیل اخبار غیب ہے۔ ابن جبیرؒ، مجاہدؒ، اور قتادہؒ سے نقل کرتے ہیں اور عام مفسرین کی رائے غنیمت خیبر کی ہے، لیکن بعض کے نزدیک صلح حدیبیہ مراد ہے۔

فی عیالکم ای عن عیالکم ۔ سفر حدیبیہ کی طرف اشارہ ہے اور الناس سے اہل خیبر اور ان کے حلیف بنو اسد وغطفان مراد ہیں۔ جیسا کہ

تفسیری عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر صرف بنو اسد وغطفان مراد لئے جائیں تو پھر خیبر کی طرف خروج ہوگا۔
ولتکون ای لتشکروا ولتکون ایة۔
للمومنین۔ آنحضرت ﷺ کی صداقت کے نشانات فتوحات مراد ہیں۔
واخری۔ اس کی کئی ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ مبتداء کی وجہ سے مرفوع ہوا اور لم تقدروا علیها اس کی صفت ہے اور قد احاط الله بها خبر ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی خبر محذوف مقدر ہو۔ ای و ثم اخری لم تقدروا علیها۔ تیسرے یہ کہ فعل مضمر علی شرط التفسیر کی وجہ سے منصوب ہو۔ وقضی الله اخری۔ چوتھے یہ کہ فعل منصوب فعل مضمر علی غیر شرط التفسیر ہو ای ووعدکم اخری یاو آتاکم اخری پانچویں یہ کہ رب مقدر کی وجہ سے مجرور ہو۔ بقول زمخشریؒ یہ واو رب ہے۔ چنانچہ اس میں اختلاف مشہور ہے کہ رب مقدر کی وجہ سے مجرور ہے یا واو بمعنی رب کی وجہ سے۔ مفسرؒ نے اخریٰ کا مبتدا ہونا تو ذکر کردیا لیکن خبر نہیں بیان کی یعنی قد احاط الله بها اور لم یقدروا علها مبتداء کی صفت ہے۔
الذین کفروا۔ مراد اہل مکہ ہیں جن میں خالد بن ولیدؓ بھی تھے جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے یہ لوگ کراع غمیم تک آپہنچے تھے مگر حملہ آور نہیں ہوسکے۔
سنة الله۔ یعنی غلبہ انبیاء جیسے لا غلبن انا ورسلی فرمایا گیا ہے۔
بطن مکه بطن سے مراد مقام حدیبیہ اور مکہ سے مراد حرم ہے جس میں حدیبیہ بھی داخل ہے۔ یا حدیبیہ چونکہ اس سے متصل ہے اس لئے دونوں اعتبار سے حدیبیہ کو بطن مکہ کہنا صحیح ہے۔
والهدیٰ. عام قراءؒ اس کو ضمیر منصوب کم پر عطف کرتے ہوئے یا مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب مانتے ہیں۔ لیکن ابوعمروؒ ایک روایت میں مسجد حرام پر عطف کرتے ہوئے مجرور پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں مضاف محذوف ہوگا۔ ای وعن نحر الهدی اور ایک قراءت رفع کی بھی ہے فعل مقدر مجہول کی وجہ سے ای وصد الهدیٰ اس کی عام قرائت فتحہ ہا اور سکون دال کے ساتھ ہے۔ لیکن عمرؒ اور ابوعاصمؒ وغیرہ کسر دال اور تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ابن خالدیہؒ نے اس میں فن لغت نقل کئے ہیں۔ الهدی، الهدی، الهدی۔
معکوفا. عکف بمعنی حبس لازم ہے اور الهدیٰ سے حال ہے۔
محله۔ یہ دلیل ہے اس کی کہ محصر کے لئے ہدی کا محل حرم ہے اور محل سے مراد مخصوص جگہ یعنی منیٰ ہے۔
بہرحال محل سے مراد خاص وہ مکان نہیں ہے کہ اس کے علاوہ دوسری جگہ قربانی جائز نہ ہو۔ تا کہ اس کو اس کی دلیل بنایا جائے کہ محصر کے لئے محل ھدی صرف حرم ہے جیسا کہ امام اعظمؒ کی رائے ہے۔ یہ ہدی سے بدل اشتمال ہے اور حذف جار بھی مانا جاسکتا ہے۔ ای عن ان یبلغ الهدی محله اور جار مجرور یا صدوکم سے متعلق ہوجائے گا یا معکوفا سے۔
ان تطؤهم۔ وطی کے اصل معنی روندنے کے ہیں یہاں مراد قتل ہے یہ لفظ ہم سے بدل اشتمال ہے یا رجال ونساء سے بدل ہے مذکر کی تغلیب کرتے ہوئے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ لو لا وطی رجال ونساء موجودون۔
معرة۔ بروزن مفعلة۔ عرہ بمعنی عراہ سے ناگوار چیز کو کہتے ہیں۔ ابن جریرؒ، ابن عباسؓ، سے یہی معنی نقل کررہے ہیں اور مفسر کے اسم کے ساتھ تفسیر کرنے سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے کہ قتل وقتال سے صرف گناہ ہوتا ہے۔ کچھ اور چیز اس پر لازم نہیں ہوتی۔ لیکن ابواسحٰق دیت کے معنی لیتے ہیں
اور بعض کفارہ کے معنی لیتے ہیں۔ امام شافعیؒ کی رائے بھی یہی ہے۔

بغیر علم ۔یعنی تمہیں گناہ کی خبر نہیں ہے۔اس طرح اب تکرار کا شبہ بھی نہیں رہتا۔ کیونکہ لم تعلموھم کا تعلق ان کی ذوات سے ہے بلحاظ ایمان اور بغیر علم کا تعلق گناہ سے ہے۔

وجواب لو لا ۔ ای لولا کراهة ان تهلكوا انا سا مومنين بين اظهر الكفار حال كونكم جاهلين بهم فيصيبكم باهلاكهم مكروه لماكف ايديكم عنهم۔

اذ جعل ۔ یہ عذبنا کا ظرف ہے اور صدوکم سے متعلق بھی ہوسکتا ہے۔

الحمية ۔ بخاری شریف میں ان کی حمیت جاہلیت کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کو نبی نہ ماننا، بسم اللہ کی بجائے با سمک اللھم لکھنے پر اصرار کرنا اور حضور ﷺ کو فی الوقت عمرہ سے روک دینا حمیت جاہلیت ہے۔

فانزل الله ۔ اس کا عطف مقدر پر ہے۔ ای فضاقت صدور المسلمين و اشتد الكرب عليهم فانزل السكينة۔

والزمهم ۔ یہ الزام بطور تکریم ہے اور کلمہ تقویٰ سے مراد شرک سے بچنا ہے، ابن جریرؒ، عطاؒ، خراسانیؒ اور ترمذیؒ ابی ابن کعبؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ لا اله الا الله مراد ہے۔ اور ابن جریرؒ، زہریؒ سے نقل کرتے ہیں کہ بسم اللہ مراد ہے۔ کلمۃ التقوی میں اضافت ادنیٰ تلبس کی وجہ سے ہے۔ لیکن اگر تقویٰ سے مراد اہل تقویٰ ہوں تو پھر اضافت حقیقیہ ہوگی۔

احق بها ۔ علم الٰہی میں چونکہ صحابہؓ کو اسلام سے منتخب کرلیا گیا ہے اس لئے وہی احق بالتقویٰ ہیں۔

لقد صدق ۔ یعنی اس خواب کی تعبیر اگرچہ ایک سال بعد ظاہر ہوئی اور علم الٰہی میں محقق تھی۔ تاہم یہ خواب اضغاث احلام میں سے نہیں ہے۔ اور تفسیر خازن میں صدق اللہ کے یہ معنی لکھے ہیں کہ اللہ نے آپ کو حدیبیہ میں خبر دی کہ آپ کا داخلہ برحق اور سچ ہے۔ لیکن ایک سال پہلے دیکھنے کا قول اصح ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی اور عبداللہ ابن نفیل اور رفاعہ بن حارث نے اعتراضاً کہا بھی ہے کہ والله ما حلقنا ولا قصرنا ولا راينا المسجد الحرام اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

با لحق ۔ میں کئی احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ صدق سے متعلق ہو۔ دوسرے یہ کہ مصدر محذوف کی صفت ہو۔ ای صادقا متلبسا بالحق۔ تیسرے یہ کہ محذوف کا حال ہو ای متلبسة بالحق۔ چوتھے یہ قسم ہو اور اس کا جواب لتدخلن ہو۔ اس صورت میں رویا پر وقف کرنا پڑے گا۔

انشاء الله ۔ بندوں کو ادب کی تعلیم اور تفویض کی تعلیم بھی ہے تعلیق کے لئے نہیں ہے کیونکہ یہاں تعلیق بے معنی ہوگی۔ بلکہ تبرک کے لئے ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ مشیت الٰہی پورے لشکر کے اعتبار سے ہے۔ اور وہ قضاء مبرم ہے۔ اگرچہ حاضری نصف یعنی سات سو کی ہوئی ہے اور بعض نے اس تعلیق کو فرشتہ کی یا آنحضرت ﷺ کی طرف سے حکایت مانا ہے۔

اٰمنين ۔ یہ حال ہے لتدخلن کے واؤ محذوفہ سے ای اٰمنين فی حال الدخول لا تخافون عدو کم ان يخرجكم تفسیر کی عبارت حالان کا مطلب یہ ہے کہ یا تو دونوں حال ہیں واؤ محذوفہ سے اور یا آمنین سے حال ہیں اول صورت میں حال مترادفہ اور دوسری صورت میں حال متداخلہ ہوگا۔ اور لاتخافون جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے۔ اور حال بھی ہوسکتا ہے لتدخلن کے فاعل سے یا آمنین کی ضمیر سے یا محلقین یا مقصرین سے پہلی صورت میں تاکید ہوجائے گی۔

مقدر تان ۔ اب یہ شبہ نہیں رہا کہ دخول کی حالت تو احرام کی حالت ہے اور اس وقت حلق وقصر نہیں ہوسکتا۔ پھر کیسے حال بنانا صحیح ہوگا۔ لیکن کہا جائے گا حال مقدرہ ہے۔

لا تخافون ۔ اگرچہ آمنین کے بعد یہ لفظ بظاہر مکرر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن کہا جائے گا کہ آمنین سے مراد حرم میں داخلہ کے وقت امن ہے اور لا تخافون میں آئندہ کے لئے امن کا وعدہ ہے۔

فتحا قریبا ۔ بغویؒ کی رائے ہے کہ اکثر کے نزدیک صلح حدیبیہ مراد ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور خواب کی تعبیر عمرہ قضا کی صورت میں پوری ہوئی۔

علی الدین کله۔ تمام ادیان سابقہ پر اسلام کا غلبہ مراد ہے اور بعض کے نزدیک حضرت عیسیٰ کی دوبارہ آمد پر اسلام کا غلبہ مراد ہے اور بعض کے نزدیک مطلقاً دلائل براہین کے ذریعہ اسلام کا غلبہ مراد ہے۔

و کفی باللہ شهیدا ۔ یعنی اللہ اپنے وعدہ کے پورا ہونے پر گواہ ہے اور حسن سے منقول ہے کہ اسلام کے غلبہ پر اللہ کی گواہی ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے کہ کفاہ اللہ شهیدا اور شہید حال یا تمیز ہے اور "محمد" تقدم ہوالذی کی وجہ سے خبر ہے مبتدائے محذوف کی "ای ہو محمد" یا مبتداء ہے اور خبر رسول اللہ ہے۔

رکعا سجدا ۔ یہ دونوں تراہم کے مفعول سے حال ہے ای تشاهدهم حال کونهم راکعین ساجدین لمواظبتهم علی الصلوٰۃ۔

یبتغون ۔ جملہ مستانفہ ہے کہ رکوع و سجود کی مواظبت پر سوال ہوا کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ یبتغون اس کا جواب ہے۔

سیماهم ۔ طول سجود کے نشانات مراد ہیں۔ حدیث میں ہے کہ من کثر صلوٰته باللیل حسن وجهه بالنهار۔ اور یا وہ نور مراد ہے جو قیامت میں وجہ امتیاز ہوگا۔ طبرانیؒ نے ابی بن کعبؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے سیماهم النور یوم القیمة اور مجاہد فرماتے ہیں کہ خشوع و خضوع مراد ہے اور سعید بن جبیر کے نزدیک پیشانی پر سجدہ کی مٹی مراد ہے۔ شہر بن حوشبؒ کہتے ہیں کہ نشانات سجدہ، قمر، لیلۃ البدر کی طرح روشن ہوں گے۔

من ضمیره ۔ یعنی خبر کا تعلق اور الی الخبر سے جار مجرور مراد ہے۔

مثلهم ۔ یہ مبتداء ہے اور فی الانجیل خبر ہے اور یہ جملہ ذلک کی خبر ہے یا ذلک مبتدا اور مثلهم اس کی خبر اور فی التوراۃ مثلهم سے حال ہے۔ مثلهم فی الانجیل مبتداء ہے کزرع الخ اس کی خبر ہے۔ اس صورت میں فی التوراۃ پر وقف ضروری ہوگا۔ یہ دو مثالیں ہوں گی۔ جیسا کہ مفسرؒ کی رائے ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ثانی مثلهم پہلے مثلهم پر معطوف ہے۔ اس صورت میں فی الانجیل پر وقف کیا جائے گا اور دونوں کتابوں میں ایک ہی مثال ہوگی۔ اور کزرع خبر ہو جائے گی۔ مبتدائے محذوف کی ای مثلهم کزرع الخ اور جملہ مستانفہ ہو جائے گا

شطأہ ۔ کھیت اور درختوں کی کونپل مراد ہے۔ فرخ الزرع یعنی کھیت پھول کر پھٹنے کے قریب ہے۔

فآزرہ ۔ دراصل اکرم یکرم کے وزن پر ہے۔ مشہور قاعدہ صرفی کی وجہ سے ہمزہ کو ماضی میں الف سے بدل دیا گیا ہے اور ازر بالقصر ثلاثی سے ضرب سے ہے بمعنی طاقت ور کرنا۔

ابن جریرؒ قتادہؒ سے نقل کرتے ہیں۔ سیماهم فی وجوههم ای علامتهم فی الصلوٰۃ یہ تورات کی مثال ہے اور انجیل کی مثال کزرع اخرج الخ ہے جو صحابہ کی شان میں آئی ہے۔ اور ابن جریر ضحاک سے نقل کرتے ہیں کہ صحابہ شروع میں کم تعداد تھے پھر کثیر التعداد ہو گئے اور مضبوط بن گئے۔

ابن جریرؒ اور حاکمؒ، ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ تم کھیت کی طرح ہو جو پکنے کے قریب پہنچ گیا اور بعض اکابر کی رائے ہے کہ ذراع آنحضرت ﷺ ہیں اور شطأہ سے مراد صحابہؓ ہیں۔

لیغیظ بهم الکفار ۔ صحابہ کی ترقی کی یہ علت ہے۔ امام مالک کی ایک روایت روافض کی تکفیر کی ہے۔ کیونکہ انکو صحابہ سے غیظ ہے اور غیظ صحابہ از روئے آیت کفر ہے۔ جیسا کہ علماء کی ایک جماعت کی رائے ہے۔

منهم ۔ ضمیر جمع معنی شطأہ کی طرف ہے۔ اس میں لفظ کی رعایت نہیں کی گئی اور من تبعیضیہ نہیں ہے بلکہ بیان جنس کیلئے ہے۔ کیونکہ تمام صحابہ کی

یہی شان ہے اس لئے روافض کے لئے گنجائش کلام نہیں رہی۔ اور بعض اہل لطائف نے اس آیت سے خلفائے اربعہ کی طرف اشارہ سمجھا ہے اس طرح کہ "اخرج شطأه" سے صدیق اکبرؓ اور فاٰزره سے فاروق اعظمؓ اور فاستغلظ سے حضرت عثمان غنیؓ، اور "فاستوی علی سوقه" سے حضرت علیؓ کے ادوار کی طرف اشارہ ہے۔

﴿تشریح﴾: .... لقد رضی الله۔ صلح حدیبیہ کے مقام پر جو بیعت جہاد کیکر کے درخت کے نیچے آنحضرت ﷺ نے لی۔ اس کی نسبت "رضی" فرمایا گیا ہے۔ اس لئے اس کو بیعت رضوان بھی کہا جاتا ہے۔

ما فی قلوبهم۔ سے مراد ظاہراً اندیشہ اور بباطن صدق واخلاق، حسن نیت وتوکل اور جوش اسلامی مراد ہے۔ البتہ ابوحیان کی رائے ہے کہ صلح اور اس کی شرائط کے سلسلہ میں جو رنج وغم اور اضطراب دلوں پر چھا رہا تھا وہ مراد ہے۔ چنانچہ انزل السکینۃ بھی اس پر قرینہ ہے۔

حدیبیہ، فتح خیبر کا اور وہ فتح مکہ کا پیش خیمہ بنا: .... فتحا قریبا۔ اس سے فتح خیبر مراد ہے، جس سے صحابہؓ آسودہ حال ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ عزیز حکیم ہے۔ اسلئے اس نے حدیبیہ کی کسر خیبر میں نکال دی۔ فتح مکہ اور غزوۂ حنین کے موقعہ پر بھی انہی کرشموں کا ظہور ہوا۔ غرضیکہ فتوحات کی ابتدا خیبر سے ہوئی۔ حدیبیہ اور خیبر دونوں جگہ کھلے عام لڑائی کی نوبت نہیں آئی نہ کفار سے آمنے سامنے جنگ ہوئی اور نہ غائبانہ مسلمانوں کے اہل وعیال کو کوئی گزند پہنچا سکے۔

واخری لم تقدروا۔ بیعت الرضوان کا فوری صلہ تو فتح خیبر کی صورت میں سامنے آگیا اور فتح مکہ اگرچہ فوری نہ سہی مگر مل کر رہی۔ اول تو وہ علم الٰہی میں طے تھی۔ دوسرے وہ بھی اسی صلح کے نتیجہ میں حاصل ہوسکی پس یہ صلح ہی فتح مکہ کا پیش خیمہ بنی۔ فتح خیبر چونکہ صلح حدیبیہ کے بعد ہوئی۔ اس لئے یہ آیات اگر راستہ میں بھی نازل ہوئی ہوں۔ تو اس سورت کا واپسی میں نازل ہونا بلحاظ اکثر اجزاء کے ہوگا۔ جیسا کہ ساتویں واقعہ کے ذیل میں گزر چکا ہے اور جس قدر غنائم اس آیت کے بعد حاصل ہوئے وہ سب مغانم کثیرہ کے مصداق ہوں گے۔

اور انزل السکینۃ جو یہاں ہے وہ بیعت کے وقت کا مضمون ہے اس لئے اس سے مراد تحمل وضبط نفس وقت صلح مراد نہیں ہے۔ جیسا کہ اسی سورت میں آئندہ اس لفظ سے مراد لی گئی ہے۔

اور فتح مکہ بھی اگرچہ مغانم کثیرہ کے عموم میں داخل ہے۔ لیکن صحابہ کے اشتیاق کے پیش نظر واخری لم تقدروا میں خصوصیت سے اس کا ذکر فرمادیا گیا ہے۔

سنۃ اللہ: .... ولو قاتلکم۔ یعنی اگر لڑائی ہوتی تو مسلمان ہی غالب رہتے اور کفار بھاگتے نظر آتے۔ مگر اللہ کی یہ حکمت ہوئی کہ فی الحال صلح ہو جائے اور گو یہ اس وقت فتح نہیں ہے۔ مگر مآلاً فتح ہے۔ اللہ کا اٹل طریقہ ہے کہ جب اہل حق وباطل میں آویزش ہوتی ہے تو انجام کار اہل حق غالب اور اہل باطل مغلوب ہوا کرتے ہیں۔ بشرطیکہ اہل حق مجموعی طور پر پوری طرح حق پر قائم ہوں۔

اور بعض حضرات لن تجد لسنة الله الخ کا مطلب یہ بتلاتے ہیں کہ کسی کی مجال نہیں کہ اللہ کی عادت کو اور سنۃ اللہ کے موافق جو کام ہو اس کو بدل سکے۔

حدیبیہ کی صلح میں مصالح: .... وهو الذی کف۔ مشرکین کی کچھ ٹولیاں "حدیبیہ" پہنچی تھیں کہ موقعہ پا کر حضور ﷺ کو شہید کر ڈالیں یا اکیلے دکیلے مسلمانوں کو ستائیں، کچھ چھیڑ چھاڑ بھی کی حتیٰ کہ ایک مسلمان کو شہید بھی کر ڈالا، بے ہودہ اور اشتعال انگیز کلمات بکتے بھی پھرے۔ صحابہؓ نے ان کو گرفتار کر کے خدمت اقدس میں پیش بھی کر دیا مگر حضور ﷺ نے از راہ کرم ان کو معاف کر دیا اور کچھ تعرض نہیں فرمایا۔ اس

آیت میں اسی قسم کے واقعات کی طرف اشارہ ہے،اور مقام حدیبیہ کو بطن مکہ قرب کی وجہ سے کہا ہے گویا شہر کے بیچ ہے بہرحال کفار کی شرارتیں اور مسلمانوں کا عفو وتحمل سب کچھ اللہ دیکھ رہا ہے۔

وصدو کم۔یعنی مشرکین نے قربانی کے جانور ذبح کی مقررہ جگہ تک نہ پہنچنے دیئے۔اس طرح حدیبیہ ہی میں رکے رہے۔اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ مکہ میں مقہور ومجبور اور وہ مظلوم مسلمان کہ جن کو دوسرے مسلمان جانتے بھی نہ تھے۔کہیں قتل نہ کردیئے جائیں گے۔تو فی الحال ہی لڑائی کا حکم دے دیا جاتا۔مگر اس صورت میں خود مسلمان اس قومی نقصان پر کف افسوس ملتے۔نیز کافروں کو برملا یہ کہنے کا موقعہ ہاتھ آتا، کہ دیکھو مسلمان،مسلمانوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔

غرض ان وجوہ سے لڑائی موقوف رکھی گئی۔کہ ایک طرف کمزور مسلمان محفوظ رہ سکیں اور دوسری طرف تمہارے بے مثال صبر وتحمل کی بدولت رحمت الٰہی جوش میں آئے۔نیز جن کافروں کے لئے آئندہ اسلام مقدر ہے انہیں جنگ کی ہولناکیوں سے بچا کر اپنی رحمت میں داخل کردے۔اس طرح ساری بے ادبی کافروں کے سر رہی کہ عمرہ کرنے والوں کو روکا۔اور قربانی کے دستور کے مطابق مقررہ جگہوں پر پہنچنے نہ دیا۔مگر مسلمان باادب رہے۔

بظاہر فتح اسی وقت مناسب تھی۔مگر کمزور مسلمان مکہ میں چھپے ہوئے تھے۔اس وقت فتح میں وہ پس جاتے اور کچھ کی قسمت میں بھی مسلمان ہونا تھا۔آخر دو برس کی صلح میں جتنے مسلمان ہونے تھے ہو چکے اور نکلنے والے نکل آئے۔تب اللہ نے مکہ فتح کرادیا۔البتہ اگر مسلمان کفار سے الگ ہوتے اور مسلمان ان میں رلے ملے نہ ہوتے تو تم دیکھ لیتے کہ ہم مسلمانوں کے ہاتھوں ان کافروں کو کیسا مزہ چکھاتے۔

چند شبہات کا ازالہ:........ بظاہر الفاظ لم تعلموھم اور بغیر علم میں اسی طرح لو لا رجال اور لم تزیلوا میں تکرار معلوم ہو رہا ہے۔لیکن اگر اول کے دونوں لفظوں کو تفصیل اور اخیر کے دونوں لفظوں کو اس تفصیل کا اجمال کہا جائے تو پھر تکرار کا شبہ نہیں رہتا۔اور اگر یہ شبہ ہو کہ بے خبری میں گناہ کیوں ہوگا؟ تو جواب یہ ہے کہ جہاں بے خبری کا دور کرنا اختیار میں ہو اور پھر اس کو دور کرنے کی کوشش نہ کی جائے تو یہ کوتاہی گناہ ہوگی۔رہا یہ شبہ کہ صحابہ میں اس کوتاہی کا احتمال کب ہے۔

جواب یہ ہے کہ بعض دفعہ اس کی طرف التفات نہیں ہوتا کہ ہم سے کوتاہی ہوئی اور صحابہ کرام میں اس قسم کی بے توجہی محل اشکال نہیں۔اور حدیبیہ کو انتہائی قرب کی وجہ سے بطن مکہ اور عین مکہ کہنے سے حنفیہ کے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ حدیبیہ کا ایک حصہ حرم میں داخل ہے۔البتہ جملہ **معکوفا ان یبلغ محلہ** سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیبیہ حرم میں داخل نہیں ہے۔ورنہ یہ کیوں کہا جاتا کہ ہدی اپنے محل میں پہنچنے سے روک دی گئی۔جب کہ قربانی حدیبیہ میں موجود ہے اور حدیبیہ داخل حرم ہے۔؟

جواب یہ ہے کہ محل سے مراد مطلقاً حرم نہیں ہے بلکہ دستور ورواج کے مطابق مقررہ جگہ مراد ہے۔جہاں قربانی کے جانور ذبح ہوا کرتے تھے۔قربانی کے دنوں میں منیٰ اور دوسرے اوقات میں مکہ میں جانور ذبح ہوتے تھے۔چنانچہ شامی نے اس کی اولویت نقل کی ہے۔

اور روایت کا اطلاق حج وعمرہ دونوں کو شامل ہے۔اور جمہور کے نزدیک حدیبیہ،حرم سے خارج ہے۔ان کے نزدیک اس کو بطن مکہ کہنا محض قریب ہونے کی وجہ سے ہوگا۔انتہائی قریب ہونے کی وجہ سے نہیں جمہور کی رائے پر۔البتہ یہ شبہ رہے گا کہ محصر کے لئے محل ہدی جب کہ خود محل احصار ہے۔پھر اس مقام پر پہنچ کر **معکوفا ان یبلغ محلہ** کے کیا معنی؟ لیکن جمہور بھی یہی جواب دیں گے کہ محل سے مراد مطلقاً حرم نہیں ہے۔بلکہ مشہور مقررہ مقام مراد ہے۔

مشرکین کی ہٹ دھرمی: .... حمیة الجاھلیه۔ مشرکین کی طرف سے صلحنامہ میں دفعات رکھنا کہ ''مسلمان اسی سال عمرہ نہیں کر سکتے بلکہ آئندہ سال آسکتے ہیں۔ لیکن صرف دو تین روز کے لئے اور وہ بھی غیر مسلح ہو کر اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کی بجائے باسمک اللھم اور محمد رسول اللہ کی بجائے محمد بن عبداللہ لکھنے پر زور دیا اور یہ کہ مکہ سے کوئی مسلمان ہجرت کر جائے تو اس کو واپس کرنا ضروری ہوگا اور کوئی مسلمان مکہ میں آجائے گا تو ہم واپس نہیں کریں گے۔ ظاہر ہے کہ نادانی اور ضد کی انتہا ہے، مگر حضور ﷺ نے مصلحتاً ان دفعات کو منظور فرمالیا اور مسلمانوں نے بھی طبعاً سخت ناگواری کے باوجود محض آپ ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے سر تسلیم خم کر دیا اور بالآخر اس فیصلہ پر مطمئن ہو گئے۔ اور اللہ سے ڈر کر نافرمانی سے بچے رہے اور کعبہ کے ادب پر مضبوطی سے جمے رہے۔ کیونکہ وہ حقیقی توحید کے پرستار اور علمبردار امن تھے۔

کلمة التقوی کی تفسیر حدیث میں اسی لئے لا الہ الا اللہ کے ساتھ کی گئی ہے کہ حقیقی فرمانبردار ایک سچا مومن ہی ہو سکتا ہے اور صحابہ کرام نے اس کو کر کے دکھایا۔

اور لفظ احق کو اسم تفضیل کے صیغہ سے اور اھلھا کو بلا تفضیل لانے میں یہ نکتہ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں تھوڑی تھوڑی قابلیت ایمان سب میں پائی جاتی ہے۔ اسی لئے سب مکلف بالایمان ہیں۔ البتہ مسلمانوں میں یہ قابلیت زیادہ ہے۔ لیکن آخرت میں کفار کے لئے ذرا بھی ثواب کی قابلیت نہیں ہوگی۔ وہاں نفس اہلیت بھی مسلمانوں ہی میں منحصر ہوگی۔

سچا خواب: .... لقد صدق اللہ۔ اس آیت میں حضور ﷺ کے اسی خواب کا ذکر ہے کہ ہم مکہ میں داخل ہوئے اور سر منڈوا کر اور بال کتروا کر ہم حلال ہو رہے ہیں۔ اتفاق وقت کہ آپ ﷺ نے اسی سال عمرہ کا قصد فرمالیا عام طور سے صحابہ یہی سمجھے کہ ہم اسی سال مکہ میں داخل ہو جائیں گے اور عمرہ کریں گے لیکن صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں جب واپسی ہوئی تو بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم امن وامان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال ایسا ہوگا؟ عرض کیا گیا کہ نہیں۔ فرمایا بے شک یوں ہی ہوگا جیسے میں نے کہا تھا۔ اگلے سال وہی سب کچھ ہوا۔

بالحق ای متلبسا۔ تاکید واہتمام کے لئے ہے صحابہؓ کے تردد کو رفع کرنے اور مخالفین کے طعن کو دفع کرنے کے لئے۔

انشاء اللہ۔ ابن کثیر کے نزدیک تحقیق وتاکید کے لئے ہے، لیکن سیبویہ کے نزدیک کسی کام کر کرنا اگر منظور ہوتا ہے لیکن قطعی طور پر کسی مصلحت سے ایک چیز کو بتلانا مقصود نہیں ہوتا تو وہاں یہ عنوان اختیار کیا کرتے ہیں۔

امنین میں داخلہ کے وقت اور لاتخافون میں داخلہ کے بعد تا واپسی امن مراد ہے۔ اس لئے تکرار کا شبہ نہ کیا جائے۔

حدیبیہ میں جنگ نہ ہونا ہی مصلحت تھا: .... نجعل من دون ذلک۔ یہ بھی احتمال ہے کہ صلح کی حکمت کا بیان ہو یعنی اگر اسی سال عمرہ ہوتا تو قتل وقتال کی نوبت آتی اور صلح نہ ہو سکتی اور بہت سی مصلحتیں فوت ہو جاتیں۔ مثلاً فتح خیبر نہ ہوتی کیونکہ حالیہ قتل وقتال سے اتنا تعب ہوتا کہ بظاہر دو ہی مہینہ بعد دوسری معرکہ آرائی مشکل تھی۔ دوسرے سفر کرنے میں اہل مکہ کی طرف سے اندیشہ لگا رہتا کہ کہیں وہ مدینہ پر چڑھائی نہ کر دیں۔ اس خطرہ کے پیش نظر سفر ہی نہ ہو سکتا۔ پس فی الحال صلح ہو جانے میں ان مصالح کا لحاظ رہا۔

فتح خیبر کو صحابہؓ بھی ''فتح مبین کہا کرتے تھے اور چونکہ یہ فتح مبین آنحضرت ﷺ کی اطاعت کی بدولت میسر آئی۔ ادھر محمد رسول اللہ ﷺ نہ لکھنے کے اصرار سے صحابہ کا شکستہ دل ہونا اس کا متقاضی ہوا کہ اسی عنوان سے آپ کی تصدیق فرما کر اس کو دوام بخشا جائے اور فتح مکہ اور دیگر فتوحات میں اہل حدیبیہ اور غیر اہل حدیبیہ چونکہ سب ہی شریک رہے۔ اس لئے لیدخل المومنین اور والذین معہ میں عام عنوان رکھا گیا۔

دین متین اور فتح مبین: .... لیظهره علی الدین کله، یعنی سچا دین اور سیدھی راہ وہی ہے جو حضور ﷺ لے کر آئے۔ کیونکہ اس میں اصول وفروع اور عقائد واحکام سب کچھ مکمل اور اعلیٰ پیمانہ پر ہے۔ چنانچہ اللہ نے اسلام کو ظاہراً طور پر سینکڑوں سال مذاہب عالم پر غالب رکھا اور صدیوں بڑی شان وشوکت سے مسلمانوں کی حکومت کا پھریرا عالم میں لہراتا رہا اور آئندہ بھی دنیا کے خاتمہ کے قریب ایک وقت آنے والا ہے جب عالم میں دین حق کی حکومت ہوگی، باقی دلیل وبرہان کے لحاظ سے تو ہمیشہ اسلام ہی غالب رہا اور رہے گا۔ البتہ اس دین کی حقانیت کا گواہ ہے اور وہی اپنی حکمت عملی سے اس کو ثابت کرنے والا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی شان .... محمد رسول اللہ ﷺ کے جان نثار صحابہ کا یہ حال ہے کہ ایک طرف اگر وہ مومنین کے لئے مہر وفا کے پتلے ہیں تو دوسری طرف دشمنان دین وحق کے مقابلہ میں قہر وجلال کی تصویر ہیں۔ اذلة علی المؤمنین اعزة علی الکافرین جو نرمی وتندی بطور خود خصلت ہوتی ہے۔ وہ سب جگہ برابر رہا کرتی ہے۔ لیکن جو ایمان سے سنور کر آئے وہ نرمی اپنی جگہ اور گرمی اپنی جگہ ہوا کرتی ہے وہ حب فی اللہ اور بغض للہ کی شان لئے ہوئے ہوتی ہے۔ غرض صحابہ کی دونوں شانیں صلح حدیبیہ کے موقعہ پر عیاں رہی ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ کسی شرعی مصلحت سے کافر کے ساتھ حسن سلوک اور احسان سے پیش آنا جائز ہے۔ بشرطیکہ مداہنت فی الدین نہ ہوتی ہو۔

بہر حال جہاں تک بندوں کا تعلق ہے تو صحابہ کی یہ شان تھی اور جہاں تک اللہ کا تعلق ہے وہ نمازیں کثرت سے پڑھتے ہیں۔ جب دیکھو اللہ کے آگے رکوع سجدہ میں پڑے ہوئے پورے اخلاص سے وظائف بندگی بجالاتے ہیں۔ ریا ونمود کا شائبہ تک نہیں۔ محض اللہ کی خوشنودی کے جویا ہیں۔ خصوصاً تہجد کی نماز سے ان کے چہروں پر خاص قسم کا نور اور رونق رہتی ہے۔ خشیت الٰہی اور حسن نیت وخلوص کی شعاعیں باطن سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر کو روشن کرتی ہیں۔ یہ حضرات اپنے چہروں کے نور اور متقیانہ چال ڈھال سے لوگوں میں الگ پہچان لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ پچھلی آسمانی کتابوں میں ان کی یہی شان بیان کی گئی ہے۔ حتی کہ بہت سے غیر متعصب اہل کتاب ان کے چہرے اور طور طریق دیکھ کر بول اُٹھتے تھے کہ واللہ یہ تو مسیح کے حواری معلوم ہوتے ہیں۔

اسلام کا ارتقاء: .... کزرع اخرج۔ جس طرح کھیتی آہستہ آہستہ بڑھتی ہے کہ آج کونپل پھوٹتی ہے پھر ڈنڈیاں مضبوط ہوتی ہیں۔ پھر دانے اور پھل پھول آتے ہیں۔ یہی حال دین اسلام کا ہوا کہ حضور ﷺ کے عہد میں ایک سے دو اور دو سے چار ہوئے اور آہستہ آہستہ بڑھوتری ہوتی رہی اور دین مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ بعض علماء نے ''اخرج شطاہ'' اور ''فازرہ'' سے عہد فاروقی اور ''فاستغلظ'' عہد عثمانی اور ''فاستویٰ علی سوقہ'' سے عہد مرتضوی کی طرف اشارہ لیا ہے اور بعض علماء نے علی الترتیب والذین معه، اشداء علی الکفار رحماء بینهم تراهم رکعا سجدا سے خلفاء اربعہ کے عہد مراد لئے ہیں۔

مدح صحابہؓ اور خلفاء راشدین کا امتیاز .... لیکن بہتر یہی ہے کہ بحیثیت مجموعی تمام صحابہ کی مدح وتوصیف مراد ہو۔ خاص طور پر بیعت الرضوان میں شریک حضرات کی جن کا ذکر شروع سورت سے چلا آرہا ہے۔

زراع۔ یعنی کاشت کاروں کی تخصیص اس لئے کی کہ وہ اس کام میں مبصر ہوتے ہیں۔ پس ایک چیز مبصر کو بھی پسند آجائے تو دوسرے کیوں پسند نہیں کریں گے۔ پس اس میں مدح صحابہ نہایت بلیغ ہے۔

اور ذٰلک الخ میں تین احتمال ہیں ایک تو ذٰلک مثلهم پر کلام پورا ہو جائے اور مثلهم فی الانجیل سے دوسرا کلام شروع ہو جائے

دوسرے فی الانجیل پر کلام پورا ہو کر کزرع مستقل کلام ہو یعنی تورات وانجیل سے منقول نہ ہو۔ تیسرے تورات یا انجیل پر کلام ختم نہ ہو بلکہ ذلک سے اشارہ آئندہ تمثیل کی طرف ہو اس صورت میں اس تمثیل کا مضمون تورات وانجیل دونوں میں مشترک ہونا چاہیے۔ آج دنیا میں اگر اصلی تورات وانجیل ہوتیں تو ان میں سے کوئی ایک احتمال متعین کیا جاسکتا ہے۔

تورات وانجیل کی تائید: .... لیکن جس حالت میں یہ کتابیں آج موجود ہیں ان کے لحاظ سے پہلا احتمال راجح ہے۔ چنانچہ تورات سفر استثناء ۳۳ ویں باب کے شروع میں ہے۔

''خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا، فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔''

پھر اسی باب میں آگے چل کر ہے:

''ہاں وہ اس قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے۔ اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اور تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو پائیں گے۔''

فاران مکہ کے پاس پہاڑ ہے اور شعیر مدینہ کے پاس پہاڑ کا نام ہے اور یہ مضمون ان آیات سے ملتا جلتا ہے۔ اسی طرح انجیل متیٰ کے تیرہویں باب کے آٹھویں جملہ اور پھر ۳۱، ۳۲ جملہ میں ہے۔

''اور کچھ تخم اچھی زمین میں گرا اور پھل لایا کچھ سو گنا، کچھ ساٹھ گنا، کچھ تیس گنا۔''

ردِ روافض: .... منهم میں من بیانیہ ہے۔ سب صحابہ اس میں داخل ہیں۔ تاہم صحابیت اور برکات وفضائل صحابیت کے لئے ایمان پر خاتمہ شرط ہے۔ لیکن اس سے تبرائیوں کی مقصد برآری نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ علم الٰہی میں حقیقی صحابہ اگر معدودے چند ہوتے۔ جیسا کہ ان تبرائیوں کا دعویٰ ہے تو حق تعالیٰ اس عنوان سے تعبیر نہ فرماتے کہ من بیانیہ کی صورت میں تو کلیت نکلتی ہے اور من تبعیضیہ کی صورت میں اکثریت مفہوم ہوتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کل صحابہ یا کل کے قریب حضرات ایسے ہیں صحبت یافتہ تھے۔ کوئی فرد جس نے کم صحبت پائی ہو اگر احیاناً خارج بھی ہو جائے تب بھی یہ آیت اس فرقہ کے لئے مفید ہونے کی بجائے مضر ہے۔

لیکن بعض حضرات نے لیغیظ بهم الكفار سے اس فرقہ کے کفر پر استدلال کیا ہے۔ لیکن یہ استدلال مشکل ہے کیونکہ آیت سے کافر کا ذی غیظ ہونا کلیۃً یا اکثریتاً ثابت ہوتا ہے نہ کہ ذی غیظ کا کافر ہونا۔

لطائف آیات: .... فتصيبكم منهم معرة بغير علم ۔ اس میں ایک اشکال ہے کہ جب بے خبری میں ان کے ہاتھوں اہل ایمان پامال ہو جاتے تو اس میں کوئی گناہ نہ ہوتا۔

پھر معرۃ بغیر علم کے کیا معنی؟ اس میں کئی قول ہیں۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ اس صورت میں طبعی تاسف اور رنج مراد ہے معصیت مراد نہیں ہے۔ لیکن اقرب یہ ہے کہ گو اس میں گناہ نہ ہو۔ لیکن خود عمل میں اگر چہ بلا علم ہو یہ خاصیت ہے کہ اگر علم کے بعد تدارک نہ کیا جائے تو صالح استعداد بھی ضعیف پڑ جاتی ہے۔ جس کا اثر اعمال ہیں اضمحلال بلکہ اختلال ہو جاتا ہے اور اس کا نقصان دہ ہونا ظاہر ہے اہل دل اس کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

اشداء على الكفار ۔ یعنی صفت جلال وجمال کے جامع ہیں اور ان کی پیشانی خلعت نور الٰہی ہے۔

سُــورَةُ الْحُجُرَاتِ

سُورَةُ الْحُجُرَاتِ مَدَنِيَّةٌ ثَمَانِيَ عَشَرَةَ ايَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

يَاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا مِنْ قَدَّمَ بِمَعْنٰى تَقَدَّمَ اَىْ لَا تَتَقَدَّمُوْا بِقَوْلٍ اَوْ فِعْلٍ **بَيْنَ يَدَىِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ** الْمُبَلِّغِ عَنْهُ اَىْ بِغَيْرِ اِذْنِهِمَا **وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ** لِقَوْلِكُمْ **عَلِيْمٌ** ﴿۱﴾ بِفِعْلِكُمْ نَزَلَتْ فِىْ مُجَادَلَةِ اَبِىْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِىْ تَاْمِيْرِالْاَقْرَعِ بِنِ حَابِسٍ اَوِ الْقَعْقَاعِ بْنِ مَعْبَدٍ وَ نَزَلَ فِىْ مَنْ رَفَعَ صَوْتَهٗ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ **يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ** اِذَا نَطَقْتُمْ **فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ** اِذَا نَطَقَ **وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ** اِذَا نَاجَيْتُمُوْهُ **كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ** بَلْ دُوْنَ ذٰلِكَ اِجْلَالًا لَهٗ **اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ** ﴿۲﴾ اَىْ خَشْيَةَ ذٰلِكَ بِالرَّفْعِ وَالْجَهْرِ الْمَذْكُوْرَيْنِ وَ نَزَلَ فِىْ مَنْ كَانَ يَخْفِضُ صَوْتَهٗ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ كَاَبِىْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ وَ غَيْرِهِمَا رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ **اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ** اِخْتَبَرَ **قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى** اَىْ لِتَظْهَرَ مِنْهُمْ **لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ** ﴿۳﴾ اَلْجَنَّةُ وَ نَزَلَ فِىْ قَوْمٍ جَآءُوْا وَقْتَ الظَّهِيْرَةِ وَالنَّبِيُّ ﷺ فِىْ مَنْزِلِهٖ فَنَادَوْهُ **اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ** حُجُرَاتِ نِسَائِهٖ ﷺ جَمْعُ حُجْرَةٍ وَهِىَ مَا يُحْجَرُ عَلَيْهِ مِنَ الْاَرْضِ بِحَائِطٍ وَ نَحْوِهٖ كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ نَادٰى خَلْفَ حُجْرَةٍ لِاَنَّهُمْ لَمْ يَعْلَمُوْهُ فِىْ اَيِّهَا مُنَادَاةُ الْاَعْرَابِ بِغِلْظَةٍ وَجَفَآءٍ **اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ** ﴿۴﴾ فِيْمَا فَعَلُوْهُ مَحَلَّكَ الرَّفِيْعُ وَمَا يُنَاسِبُهٗ مِنَ التَّعْظِيْمِ **وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا** اَنَّهُمْ فِىْ مَحَلِّ رَفْعٍ بِالْاِبْتِدَآءِ وَقِيْلَ فَاعِلٌ لِفِعْلٍ مُّقَدَّرٍ اَىْ ثَبَتَ **حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ﴿۵﴾ لِمَنْ تَابَ مِنْهُمْ وَ نَزَلَ فِى الْوَلِيْدِ بْنِ عُقْبَةَ وَقَدْ بَعَثَهُ النَّبِيُّ ﷺ اِلٰى بَنِى الْمُصْطَلَقِ مُصَدِّقًا فَخَافَهُمْ لِتِرَةٍ كَانَتْ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَهُمْ فِى الْجَاهِلِيَّةِ فَرَجَعَ وَقَالَ اِنَّهُمْ مَنَعُوا الصَّدَقَةَ وَهَمُّوْا بِقَتْلِهٖ فَهَمَّ النَّبِيُّ ﷺ بِغَزْوِهِمْ فَجَآءُوْا مُنْكِرِيْنَ مَا قَالَهٗ عَنْهُمْ

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ خَبَرٍ فَتَبَیَّنُوْۤا صِدْقَهٗ مِنْ کِذْبِهٖ وَفِیْ قِرَاءَةٍ فَتَثَبَّتُوْا مِنَ الثَّبَاتِ اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًاۢ مَفْعُوْلٌ لَهٗ اَیْ خَشْیَةَ ذٰلِكَ بِجَهَالَةٍ حَالٌ مِنَ الْفَاعِلِ اَیْ جَاهِلِیْنَ فَتُصْبِحُوْا فَتَصِیْرُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ مِنَ الْخَطَاءِ بِالْقَوْمِ نٰدِمِیْنَ ﴿۶﴾ وَاَرْسَلَ اِلَیْهِمْ ﷺ بَعْدَ عَوْدِهِمْ اِلٰی بِلَادِهِمْ خَالِدًا فَلَمْ یَرَ فِیْهِمْ اِلَّا الطَّاعَةَ وَالْخَیْرَ فَاَخْبَرَ النَّبِیَّ ﷺ بِذٰلِكَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ فَلَا تَقُوْلُوا الْبَاطِلَ فَاِنَّ اللّٰهَ یُخْبِرُهٗ بِالْحَالِ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ الَّذِیْ تُخْبِرُوْنَ بِهٖ عَلٰی خِلَافِ الْوَاقِعِ فَرَتَّبَ عَلٰی ذٰلِكَ مُقْتَضَاهُ لَعَنِتُّمْ لَاَثِمْتُمْ دُوْنَهٗ اِثْمَ التَّسَبُّبِ اِلَی الْمُرَتَّبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ حَسَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ؕ اِسْتِدْرَاكٌ مِنْ حَیْثُ الْمَعْنٰی دُوْنَ اللَّفْظِ مِنْ حُبِّبَ اِلَیْهِ الْاِیْمَانُ الخ غَایَرَتْ صِفَتُهٗ صِفَةَ مَنْ تَقَدَّمَ ذِكْرُهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ فِیْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْخِطَابِ الرّٰشِدُوْنَ ﴿۷﴾ اَلثَّابِتُوْنَ عَلٰی دِیْنِهِمْ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ مَصْدَرٌ مَنْصُوْبٌ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ اَیْ اَفْضَلَ وَنِعْمَةً ؕ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِهِمْ حَكِیْمٌ ﴿۸﴾ فِیْ اِنْعَامِهٖ عَلَیْهِمْ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ الْاٰیَةَ نَزَلَتْ فِیْ قَضِیَّةٍ هِیَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ رَكِبَ حِمَارًا وَمَرَّ عَلَی ابْنِ اُبَیٍّ فَبَالَ الْحِمَارُ فَسَدَّ ابْنُ اُبَیٍّ اَنْفَهٗ ، فَقَالَ ابْنُ رَوَاحَةَ وَاللّٰهِ لَبَوْلُ حِمَارِهٖ اَطْیَبُ رِیْحًا مِنْ مِسْكِكَ فَكَانَ بَیْنَ قَوْمَیْهِمَا ضَرْبٌ بِالْاَیْدِیْ وَالنِّعَالِ وَالسَّعَفِ اقْتَتَلُوْا جُمِعَ نَظَرًا اِلَی الْمَعْنٰی لِاَنَّ كُلَّ الطَّائِفَةِ جَمَاعَةٌ وَقُرِئَ اِقْتَتَلَتَا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ ثُنِّیَ نَظَرًا اِلَی اللَّفْظِ فَاِنْۢ بَغَتْ تَعَدَّتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ تَرْجِعَ اِلٰۤی اَمْرِ اللّٰهِ ۚ اَلْحَقِّ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ بِالْاِنْصَافِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِعْدِلُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ﴿۹﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فِی الدِّیْنِ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ ۚ اِذَا تَنَازَعَا وَقُرِئَ اِخْوَتِكُمْ بِالْفَوْقَانِیَّةِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ فِی الْاِصْلَاحِ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۰﴾

ع ۱۰/۱۳

ترجمہ:.........سورۂ حجرات مدنیہ ہے جس میں اٹھارہ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم، اے اہل ایمان تم سبقت مت کیا کرو، (یہ لفظ قدم بمعنی تقدم ہے یعنی بات چیت یا کام میں پیش قدمی نہ کیا کرو) اللہ ورسول سے پہلے (جو اللہ کے پیغمبر ہیں یعنی ان دونوں کی اجازت کے بغیر) اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلا شبہ اللہ تمہاری باتوں کو سننے والے جاننے والے ہیں (تمہارے کاموں کے پچھلی آیت ابوبکرؓ، اور حضرت عمرؓ، کے متعلق نازل ہوئی۔ جب کہ ان دونوں میں اقرع بن حابس اور قعقاع بن معبد کے امیر بنانے کے متعلق مباحثہ ہوا۔ اور اگلی آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جن کی آواز حضور ﷺ کی موجودگی میں بلند ہوگئی تھی) اہل ایمان اپنی آوازیں (بات کرتے وقت) پیغمبر کی آواز سے اونچی مت کیا کرو (جب آپ ﷺ مصروف گفتگو ہوں) اور نہ ان سے سرگوشی کے وقت ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بولا کرتے ہو (بلکہ ادباً پست آواز سے بولا کرو) ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو (یعنی اونچی آواز ہونے اور زور سے بولنے میں یہ ڈر ملحوظ رہنا چاہیے۔ اگلی آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضور ﷺ کے سامنے پست آواز سے بات چیت کرتے تھے۔ جیسے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

یقیناً جولوگ اپنی آوازوں کورسول کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کواللہ نے خالص کردیا (آزمالیا) ہےتقویٰ کے لئے (یعنی تاکہ ان کاتقویٰ نمایاں ہوجائے) ان کے لئے مغفرت اوراجرعظیم ہے (جنت، اگلی آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جودوپہرکو حاضرہوئے جب کہ آنحضرت ﷺ زنان خانے میں استراحت فرمارہے تھے اورانہوں نے آواز لگانی شروع کردی بلاشبہ جولوگ حجروں سے باہرآپ کوپکارتے ہیں (زنانخانے سے باہر، حجرات حجرہ کی جمع ہے زمین کاوہ ٹکڑا جودیواروغیرہ سے گھیردیا جائے۔ان میں سے ہرایک الگ الگ حجروں میں آواز لگاتا پھرتا تھا۔کیونکہ ان کوپتہ نہیں تھا کہ آپ ﷺ کس حجرے میں تشریف فرماہیں اورآوازبھی گاؤں والوں کی طرح اکھڑپنے سے) ان میں سے اکثربےسمجھ ہیں (ان کایہ طرزعمل آپ کے بلندرتبہ اوراس کی شایان شان تعظیم سے ناواقفیت پرمبنی ہے) اوراگریہ لوگ ذراصبرکرتے (انہم مبتداہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہےاوربعض کےنزدیک فعل محذوف مثبت کافاعل ہے) یہاں تک کہ آپ خودباہر ان کے پاس آجاتے تویہ ان کے لئے بہترہوتا اوراللہ غفورالرحیم ہے (ان میں سے جنہوں نے توبہ کرلی، اگلی آیت ولیدبن عقبہ کے بارہ میں نازل ہوئی جن کوآنحضرت ﷺ نے مصدق بناکربنوالمصطلق کے یہاں روانہ فرمایا۔انہیں اس پرانی دشمنی کی وجہ سے اندیشہ ہواجوان میں باہم زمانہ جاہلیت میں قائم تھی۔اورولید نے واپس ہوکرعرض کیا کہ بنوالمصطلق والے زکوٰۃ نہیں دیتے بلکہ میرے قتل کے درپے ہوگئے چنانچہ یہ سن کرآپ کوبھی فوج کشی کاخیال ہوگیا۔مگراس قبیلہ کےلوگوں نے حاضرہوکرولید کے الزام کی تردید کی) اے اہل ایمان! اگرکوئی شریرآدمی تمہارے پاس کوئی خبرلائے توخوب تحقیق کرلیا کرو (جھوٹ اورسچ کی۔اورایک قراءت میں فتثبتوا ہےثبات سے ماخوذ) ایسانہ ہوکہ کسی قوم کو کوئی نقصان پہنچ جائے (ان تصیبوا مفعول لہ ہےتقدیرعبارت اس طرح ہے، خشیة ذلک) نادانی سے (فاعل سے حال ہے بمعنی جاہلین) پھرتمہیں اپنے کئے پر (قوم کے ساتھ غلطی کرنے پر) پچھتاناپڑے (آنحضرت ﷺ نے بنی المصطلق کی واپسی کے بعدپھران کے پاس خالدبن ولیدؓ کوروانہ فرمایا۔چنانچہ انہوں نے ان لوگوں میں بجزفرمانبرداری اوربھلائی کےکوئی بات نہیں دیکھی جس کی اطلاع انہوں نے آنحضرت ﷺ کودےدی) اورجان رکھوکہ تم میں رسول اللہ ہیں (لہٰذاغلط بات مت کہوورنہ اللہ تعالیٰ صحیح صورت حال سے آپ کومطلع فرمادے گا) بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگرپیغمبران میں تمہاراکہاماناکریں (جوخلاف واقعہ باتیں تم نے پہنچائی ہیں ان پراگران کامقتضی امرتب ہو جائے) توتم کوبڑی مضرت پہنچے (تم گنہگارہوجاؤ گے حضور ﷺ پرکوئی الزام نہیں۔اوریہ گناہ، گناہ کاسبب بننے کی وجہ سے ہوگااس پرثمرہ مرتب ہونے تک) لیکن اللہ نےتم کوایمان کی محبت دی اوراس کوتمہارے دلوں میں سجادیا۔(مستحسن بنادیا) اورکفروفسق اورعصیان سے تم کونفرت دےدی (لکن سے استدراک بلحاظ معنی ہےلفظی اعتبار سےنہیں ہے کیونکہ اہل ایمان جن کی شان یہ ہوان کی کیفیت مذکورہ بالاکیفیت سے مختلف ہوتی ہے) ایسے ہی لوگ (اس میں خطاب سے التفات ہے) راہ راست پرہیں (دین پرقائم) اللہ کےفضل (مصدرفعل مقدرکی وجہ سے منصوب ہےای افضل فضلا) اور(اس کے) انعام سے اوراللہ تعالیٰ (ان سے) باخبرحکمت والاہے (ان پرانعام کرنے میں) اوراگر مسلمانوں میں دوگروہ (یہ آیت ایک واقعہ کےسلسلہ میں نازل ہوئی۔ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ گدھے پرسوارہوکرابن ابی کے پاس سے ہوکر گزرے۔اتفاقاً گدھے نے پیشاب کردیا۔جس پرعبداللہ ابن ابی نے اپنی ناک بندکرلی، عبداللہ بن رواحہؓ بولے کہ واللہ آپ ﷺ کے گدھے کاپیشاب تیرے مشک کی خوشبوسے اچھاہے۔چنانچہ طرفین میں ہاتھاپائی، جوتم پیزار، پچی بازی شروع ہوگئی) آپس میں لڑپڑیں (بلحاظ معنی جمع لائی گئی ہے۔کیونکہ ہرفریق ایک پوری جماعت تھی اورایک قراءت میں اقتتلتا بھی ہے) توتم ان کےدرمیان اصلاح کردو (یہاں تثنیہ بلحاظ لفظ لایاگیا) پھراگران میں سے ایک گروہ دوسرے پرزیادتی (ظلم) کرےتواس گروہ سےلڑوجوزیادتی کرتاہے۔یہاں تک وہ اللہ کے حکم (حق) کی طرف رجوع ہوجائے (لوٹ آئے) پھراگررجوع ہوجائے توان دونوں کے درمیان عدل (انصاف) کےساتھ اصلاح کردو، بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کوپسندکرتاہے، مسلمان توسب (دینی) بھائی بھائی ہیں۔سواپنے دوبھائیوں کےدرمیان اصلاح کردیا

کرو (جب وہ جھگڑ پڑیں۔ایک قراءت میں اخوتکم تا کے ساتھ ہے)اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو (اصلاح کے معاملہ میں) تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔

تحقیق وترکیب: **لا تقدموا** ۔مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ یہ قدم لازم ہے جو بمعنی تقدم ہے جو متعدی ہوتا ہے مفعول محذوف ہے یعنی بقول او فعل۔

بین یدی اللہ ۔یعنی اللہ ورسول کے ہر معاملہ میں مطیع رہو۔ **تقدم بین یدی ابیہ وامہ** کے معنی ہیں ان کو بلا اجازت حکم دے دیا یا ممانعت کردی اور بعض کے نزدیک مفعول محذوف ہے ای امرا۔

فوق صوت النبی یعنی زیادہ چلا کر بولنے میں بھی بے ادبی ہے اور زیادہ آہستہ بولنے میں تاذی کا احتمال ہے درمیانی آواز سے بولنے میں بس اس کا لحاظ رہے کہ آواز آپ سے اونچی نہ ہو کہ گستاخی میں شمار ہے۔

ولا تجھروا لہ بالقول ۔چونکہ اس میں تکرار کا شبہ ہوسکتا ہے اس لئے مفسرؒ نے دونوں میں فرق کر دیا کہ پہلا حکم تو اس صورت میں ہے کہ آپ بھی مصروف گفتگو ہوں تو بات کرتے وقت آپ ﷺ سے اونچی آواز نہ کرو اور یہ دوسرا حکم اس صورت میں ہے کہ آپ خاموش تشریف فرما ہوں تو آپ کی موجودگی میں باہمی بے تکلفی اور آزادانہ گفتگو مت کرو بلکہ پاس ادب ملحوظ رکھ کر دب کر گفتگو کرو۔

ان تحبط ۔مفسرؒ نے ای **خشیۃ ذلک** کہہ کر حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے اور **لا ترفعوا** اور **لا تجھروا** میں تنازعہ ہو رہا ہے۔ پس بصریین کے مذہب پر فعل ثانی کا مفعول لہ ہوگا اور کوفیوں کے نزدیک اول کا پہلی رائے اصح ہے۔کیونکہ اول کو عمل دینے کی صورت میں ثانی میں اضمار ماننا پڑے گا۔

اولئک ۔یہ مبتداء ہے اور **الذین** اس کی خبر ہے اور پورا جملہ ان کی خبر ہے اور **لھم مغفرۃ** دوسرا جملہ ہے یا جملہ مستانفہ اور یا جملہ حالیہ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ **الذین امتحن** صفت ہو **اولئک** کی یا بدل اور بیان ہو اور **لھم مغفرۃ** جملہ خبریہ ہو۔نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صرف **لھم** خبر ہو اور **مغفرۃ** اس کا فاعل ہو۔امتحان واختیار سبب ہے اظہار تقویٰ کا فی نفسہ تقویٰ کا سبب نہیں ہے۔گویا سبب کا مسبب پر اطلاق کیا گیا ہے۔جس طرح سماع الحان سے دل میں چھپی ہوئی محبت کا اظہار ہوتا ہے اسی طرح امتحان کے ذریعہ دل میں چھپے ہوئے تقویٰ کا اظہار ہوتا ہے۔

کان کل واحد ۔مفسر نے کان احتمالی صیغہ اس لئے استعمال کیا ہے۔کیونکہ جہاں یہ احتمال ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک ایک حجرہ کے سامنے آواز دے رہا ہوگا۔یہ بھی امکان ہے کہ سب مل کر ہر حجرہ کے سامنے آواز دی ہو۔البتہ جمع کے مقابلے میں جمع لانے سے انقسام احاد علی الاحاد ہو رہا ہے۔

لکان خیرا لھم ۔یعنی جلد بازی کے مقابلہ میں انتظار بہتر تھا۔کیونکہ اس میں ادب اور تعظیم نبوی ہی تمام سعادتوں کی کنجی ہے۔

لترۃ ۔ترہ کے معنی خفت رائے،عداوت وریب کے ہیں۔

فتبینوا ۔یعنی اچھی طرح چھان بین کر لینی چاہیے۔جھوٹ فسق کی ایک شاخ ہے۔پس جو فسق سے احتراز کرے گا وہ جھوٹ سے بھی احتراز کرے گا۔

وفی قراءۃ ۔حمزہؒ اور علیؒ کی قراءت میں لفظ تثبتوا ہے یعنی خبر سنتے ہی عمل درآمد شروع نہ کرو۔بلکہ توقف کرو،حتیٰ کہ حقیقت حال ظاہر ہو جائے۔

ان تصیبوا ۔مفسرؒ نے **خشیۃ** نکال کر حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے بصریوں کے مذہب پر اور کوفیوں کے نزدیک تقدیر عبارت **لئلا تصیبوا** ہے۔

واعلموا ۔ بعد کا جملہ مع **لو یطیعکم** کے **اعلموا** کے دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے اور **لو یطیعکم** **فیکم** کی ضمیر مجرور سے حال ہوگا یا ضمیر مرفوع مستتر سے حال ہوگا۔ بعض لوگوں نے بنی مصطلق کے معاملہ کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہوگا تا کہ ان پر حملہ ہو جائے۔ اگر چہ ان کی رائے نہیں مانی گئی۔ اور **لو یطیعکم** کو جملہ مستانفہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن زمخشریؒ نے اس احتمال کو رد کر دیا۔ کیونکہ اس صورت میں کلام متعارض ہو جائے گا۔ مگر تناقض کلام کو واضح نہیں کیا۔ اور لو کے بعد مضارع لانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ ان لوگوں نے اپنی رائے پر اصرار کیا ہوگا۔

لعنتم ۔ قاموس میں ہے کہ عنت کے معنی فساد، گناہ، ہلاکت اور مشقت کے ہیں۔ آیت میں سب معنی ہو سکتے ہیں۔

دونه ۔ یعنی حضور اس زد میں نہیں آتے۔

اثم التسبب: یعنی فعل کا گناہ تو نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا ارتکاب نہیں کیا، البتہ سبب بننے کا گناہ ہوگا۔ اور الی المرتب کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری خبر پر جو حضور ﷺ کی کاروائی مرتب ہوگی اس کی ذمہ داری بھی تم پر ہوگی۔

حبب الیکم الایمان ۔ یعنی ایمان کامل جس میں تصدیق جناں، اقرار لسان، عمل ارکان تینوں داخل ہیں۔ اور ان تینوں کا تقاضہ ہے کہ ان کی اضداد سے کراہت ونفرت ہو۔ اسی لئے **وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان** فرمایا گیا ہے۔ لف ونشر مرتب کے طور پر سمجھنا چاہیے۔

استدارک من حیث المعنی ۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے۔ حاصل سوال یہ ہے کہ لکن کے ماقبل و مابعد میں اثبات ونفی کا اختلاف ہوا کرتا ہے جو یہاں نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر چہ لفظاً یہ اختلاف موجود نہیں ہے۔ مگر بلحاظ معنی یہ اختلاف ہے۔ کیونکہ کامل مومنین کی شان اس سے مختلف ہوتی ہے جن اوصاف کا پہلے ذکر ہوا ہے وہ ہر شنیدہ بات پر کان نہیں دھرتے۔ اس طرح ماقبل و مابعد میں اختلاف ہو گیا۔

فضلا ۔ یہ اسم مصدر ہے اور مصدر افضال ہے۔ مگر مفسرؒ نے تسامحاً مصدر کہہ دیا اور حبب کا مفعول لہ بھی ہو سکتا ہے۔ درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ آیت میں اس پر تنبیہ ہے کہ اللہ ورسول کی محبت اور کفر وفسوق سے نفرت سعادت عظمیٰ ہے۔

وان طائفتان ۔ اس میں اشارہ ہے کہ باغی بھی مومن ہوتا ہے، اور یہ کہ جب وہ جنگ سے باز آ جائے تو اس کا پیچھا نہ کیا جائے اور یہ کہ نصیحت و فہمائش کے باوجود اگر باغی باز نہ آ جائے تو اس پر چڑھائی کرنے والے کی مدد کی جائے۔

فان بغت: یعنی نصیحت قبول کرنے سے انکار کر دے۔

حتی تفئ ۔ یہ حتی بتقدیر ان غایت کے لئے ہے اور بمعنی کی بھی ہو سکتا ہے تعلیل کے لئے لیکن سیاق آیت کے مناسب پہلی صورت ہے۔

اقسطوا ۔ مفسرؒ نے **اعدلوا** سے اشارہ کیا ہے کہ **اقسطوا** میں ہمزہ سلب کے لئے ہے **قسط بمعنی ظلم اما القاسطون فکانوا لجھنم حطبا** ۔

بین اخویکم: چونکہ نزاع کم از کم دو کے درمیان ہوتا ہے اس لئے تثنیہ لایا گیا اور دوسری قراءت صیغہ جمع کی ہے جو ظاہر ہے۔

لعلکم: اس ترقی میں اطماع کریم ہے۔

شانِ نزول:......... **لا تقدموا** ۔ خطیبؒ کے قول پر اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ شعبیؒ جابرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے قربانی کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے یعنی آنحضرت ﷺ کی قربانی سے پہلے تم قربانی مت کرو۔ بعض لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے نماز عید سے فارغ ہونے سے پہلے ہی قربانی کر لی تھی۔ چنانچہ ان کی قربانی کو دہرایا گیا۔

اور مسروقؒ نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ اس میں یوم الشک کے روزہ سے منع کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے روزہ مت رکھو۔ لیکن امام رازیؒ کی رائے ہے کہ آیت عام ہے ہر بات اور ہر کام میں آنحضرت ﷺ پر پہل نہیں کرنی چاہیے۔

مفسرؒ نے جس خاص سبب نزول کی طرف اشارہ کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک موقعہ پر لشکر کا امیر بنانے میں صحابہؓ کے درمیان اختلاف رائے ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اقرع بن حابسؓ کا نام پیش کیا۔ تو حضرت عمرؓ نے قعقاع بن معبد کا نام پیش کیا۔ اس پر ابوبکرؓ بولے۔ **ما اردت الاخلافی**۔ یعنی تمہارا منشاء محض میرا اخلاف کرنا ہے۔ عمرؓ نے بھی جواب میں یہی جملہ دہرایا۔ دونوں کی گفتگو بلند ہوگئی۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔

لا ترفعوا۔ اس کے شان نزول کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں آیات کا شان نزول الگ الگ ہے۔ لیکن گذشتہ تفصیل سے معلوم ہو رہا ہے کہ **یا ایھا الذین اٰمنوا لا تقدموا** سے لے کر **لا تشعرون** تک ایک ہی شان نزول ہے۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا واقعہ۔

ان الذین یغضون۔ بقول بیہقیؒ حضرت ابوبکرؓ نے بقسم عرض کیا ہے کہ اب میں مدت العمر سرگوشی کے انداز میں نہ بولوں گا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا کہ آیت **لا ترفعوا** نازل ہونے کے بعد حضرت عمرؓ اتنے آہستہ بولنے لگے کہ دوبارہ استفسار کی ضرورت ہونے لگی۔ اسی طرح ثابت بن قیس خلقۃً بلند آواز تھے۔ مگر یہ سن کر ڈر رے اور روئے اور بتکلف آواز پست کرلی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا منشاء یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ادب ملحوظ رکھنے میں اذیت سے بچانا ہے پس نہ آواز اونچی ہو اور نہ پست ہو۔ بلکہ درمیانی آواز سے بات چیت کرو۔

ان الذین ینادونک: وفد بنی تمیم کے لوگ سر دوپہر حاضر ہوئے۔ جبکہ آنحضرت ﷺ خواب استراحت میں تھے ان میں اقرع بن حابس اور عینیہ بن حصن بھی تھے۔ انہوں نے دولت خانے سے باہر کھڑے کھڑے آوازیں لگائیں۔ **اخرج الینا یا محمد فان مد حنازین و ذمنا شین**۔ آنحضرت ﷺ بیدار ہو کر باہر تشریف لائے۔ چونکہ یہ پکارنا اکھڑپنے سے اور بے موقعہ جلد بازی کا مظاہرہ تھا۔ اس لئے تنبیہ کی گئی۔

ان جاء کم فاسق: ابن جریرؒ نے ام سلمہؓ، ابن عباسؓ، مجاہدؒ سے اور طبرانیؒ واحمدؒ نے حارث ابن ابی الحارث خزاعی سے تخریج کی ہے۔ کہ ولید بن عقبہ کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وان طائفتان: شیخین نے حضرت انسؓ سے اس واقعہ کی تخریج کی ہے۔ اور بیضاویؒ میں ہے کہ اوس وخزرج کے مابین واقعات کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ربط آیات: .... پچھلی سورۃ الفتح میں اصلاح آفاق بالجہاد تھی اور اس صورت میں اصلاح نفس بالارشاد ہے اور اجزاء سورت کے مجموعہ کا حاصل سید المرسلین اور مومنین کے باہمی حقوق کا بیان ہے

﴿ تشریح ﴾: .... اس سورت میں نبی کریم ﷺ کے آداب وحقوق اور اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم رکھنے کے طریقے ارشاد فرمائے گئے ہیں اور یہ کہ مسلمانوں کا اجتماعی نظام کن بنیادوں پر استوار ہوسکتا ہے اور کن اصولوں پر کاربند ہونے سے مستحکم رہ سکتا ہے؟ اور کبھی اگر اس میں خرابی اور خلل واقع ہوجائے تو اس کا کیا علاج ہے؟

تجربہ شاہد ہے کہ اکثر نزاعات ومناقشات خودرائی، غرض پرستی سے پیدا ہوتے ہیں۔ جن کا واحد علاج یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی شخصی رایوں اور غرضوں کو کسی ایک بلند معیار کے تابع کردینا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ اللہ ورسول کے ارشادات سے بڑھ کر کوئی معیار نہیں ہوسکتا ایسا کرنے میں وقتی طور پر خواہ کتنی ہی تکالیف اٹھانی پڑیں لیکن اس کا آخری انجام یقینی طور پر دارین کی سرخروئی اور کامیابی ہے۔

آداب نبوی ﷺ: .... چنانچہ ارشاد ہے کہ جس معاملے میں اللہ ورسول کی طرف سے حکم ملنے کی توقع ہے۔ اس کا فیصلہ پہلے ہی آگے بڑھ کر اپنی رائے سے نہ کر بیٹھو۔ بلکہ حکم الٰہی کا انتظار کرو پس جس وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ ارشاد فرمائیں۔ خاموشی سے کان لگا کرسنا

کرو۔ ان کے بولنے سے پہلے خود بولنے کی جراءت نہ کیا کرو۔ ادھر سے جو حکم ملے اس پر بے چوں چرا، اور بلا پس و پیش عمل کرلیا کرو اپنی اغراض وخواہشات کوان کی مرضیات واحکام پر مقدم نہ رکھو۔ بلکہ اپنے جذبات وافکار کو شارع کے تابع بنالو جب تک قوی قرائن یا صراحت سے گفتگو کی اجازت نہ ہو۔ گفتگو میں پہل مت کرو۔ بلکہ انتظار کرو، بلا اجازت وانتظار خلاف مرضی ہونے کا امکان ہے۔ غرضیکہ جواز شرعی اجازت پر موقوف ہے خواہ قطعی ہو یا ظنی۔ اور جس طرح پیغمبر کی عدم موجودگی میں اول نص، پھر نص میں غور وتامل ضروری ہے۔ اسی طرح آپ کے حضور میں اول نص کا انتظار پھر قرائن میں تامل ضروری ہے پس غلطی یہ ہوئی کہ انتظار نہیں کیا۔ ہر کام میں یہی حکم ہے۔

واتقوا اللہ۔ اللہ ورسول کی سچی فرمانبرداری اور تعظیم اسی وقت میسر آسکتی ہے۔ جب خوف خدا دل میں ہو۔ دل میں اگر ڈر نہیں تو ظاہر اُدعوے اسلام نباہنے کے لئے بار بار اللہ ورسول کا نام زبان پر آئے گا۔ اور بظاہر ان کے احکام کو بھی آگے رکھے گا۔ مگر فی الحقیقت ان کو اپنی خواہشات و اغراض کی تحصیل کے لئے ایک آلہ کار کے طور پر استعمال کرے گا۔ سویاد رہے کہ جو زبان پر ہے اللہ اسے سنتا ہے اور جو دل میں ہے اُسے جانتا ہے تو اس کے آگے یہ فریب کیسے چلے گا۔ چاہیے کہ آدمی اس سے ڈر کر کام کرے۔

بلند آواز سے نہ بولنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے اگر چہ باہمی گفتگو ہوتب بھی آپ کی آواز سے بلند نہ ہو اور خود آپ سے گفتگو کرو تو برابر کی آواز سے بھی مت بولو۔

غرض حضور ﷺ کی مجلس میں شور نہ کرو اور جس طرح آپس میں چہک کر یا ترخ کر بات کرتے ہو حضور ﷺ کے ساتھ یہ برتاؤ گستاخانہ اور خلاف ادب ہوگا۔ آپ سے خطاب کرو تو نیاز مندانہ لب ولہجہ اور نرم آواز سے تعظیم واحترام کے جذبہ سے ادب وشائستگی کے ساتھ عرض ومعروض کی جائے۔

ادب نبوی ﷺ کی کیفیت:............ دیکھو ایک مہذب بیٹا! اپنے باپ سے، ایک لائق شاگرد اپنے استاد سے، ایک مخلص مرید اپنے پیر ومرشد سے اور ایک سپاہی اپنے افسر سے کس طرح بات کرتا ہے۔ پیغمبر ﷺ کا مرتبہ ان سب سے کہیں بڑھ کر رہے۔ اس لئے آپ سے گفتگو میں پوری احتیاط ملحوظ رہنی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ بے ادبی ہوجائے اور آپ ﷺ کو تکدر پیش آئے۔ حضور ﷺ کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ ایسی صورت میں تمام اعمال ضائع ہونے اور ساری محنت اکارت جانے کا اندیشہ ہے۔ کفر وشرک تو بالاتفاق تمام اعمال کو بالکلیہ کالعدم کردیتا ہے۔ لیکن فسق ومعصیت کے متعلق اختلاف ہے کہ اس سے بھی اکارت ہوجاتے ہیں یا نہیں؟

خوارج ومعتزلہ تو اپنے اصولوں پر یہی کہتے ہیں کہ فسق ومعصیت سے بھی چونکہ ایمان سے خارج ہوجاتا ہے۔ اس لئے یہ بھی حابط اعمال ہے۔ آیت ''ان تحبط الخ'' سے بظاہر خوارج ومعتزلہ کی تائید ہورہی ہے اور یہی ان کا مستدل ہے۔

گناہوں سے ایمان چلا جاتا ہے یا نہیں؟:............ لیکن جمہور اہل سنت صرف فسق ومعصیت کو حابط اعمال نہیں مانتے ان کے لئے بظاہر آیت میں اشکال ہوگا۔ کیونکہ پیغمبر کی آواز سے اونچی آواز کرنا گناہ ہے جس کو حابط اعمال فرمایا جارہا ہے۔ پس اس کی مختلف توجیہات اہلسنت کی طرف سے کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ بلند آواز سے بولنا آپ کی اذیت کا باعث ہے اور ایذا رسول کفر ہے۔ اس لئے یہ بلند آوازی بھی موجب حبط اعمال ہوگی۔ اگر چہ اس توجیہ میں تکلف ہے کیونکہ کفر وہی اونچی آواز ہوگی جس کا مقصد آپ کو ستانا ہو۔ لیکن جہاں یہ مقصد نہ ہو وہ کفر کیسے ہوگا البتہ معصیت ہوسکتا ہے جو کفر سے اہون ہے۔

لیکن بے تکلف اور آسان توجیہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعض دفعہ بلند آوازی سے گفتگو صورۃً بے باکی ہوتی ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ سے باہمی

بے تکلفی کے انداز پر گفتگو کرنا طبعاً گستاخی ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی کا پیرو اور تابع ہوتا ہے وہ گویا زبان حال سے پابند ادب ہوتا ہے لیکن اس طرز گفتگو میں اس پابندی کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ جو پیشواء کے لئے باعث اذیت ہو سکتی ہے۔ اور عام معاصی اگر چہ حابط اعمال نہیں ہوتے۔ مگر ایذا رسول ﷺ خاص طور پر ایسی شدید معصیت ہے کہ اس سے حابط اعمال کا اندیشہ ہے۔ گویہ عام کا ایک مخصوص فرد ہے، جس کا حکم بھی عام کے علاوہ خاص ہے۔

البتہ بعض اوقات جب طبیعت زیادہ منبسط ہوتی ہے یہ باتیں نا گوار نہیں ہوا کرتی۔ پس اس وقت یہ باعث اذیت نہیں ہوں گی۔ اور باعث اذیت نہ ہونے کی وجہ سے موجب حبط اعمال بھی نہیں ہوں گی اور چونکہ گفتگو کرنے والے کو بعض دفعہ حضور ﷺ کا منقبض ہونا نہ ہونا معلوم نہیں ہوگا۔ بہت ممکن ہے کہ اس طرز سے حضور ﷺ کو ملال ہو جائے اور اس سے حبط اعمال بھی ہو جائے۔ لیکن گفتگو کرنے والے کو پتہ بھی نہ چلے اور نہ اسے احساس ہو۔ وہ اسی خیال و گمان میں رہے کہ حضور ﷺ کو تکلیف نہیں پہنچی۔ اس لئے حبط عمل کی خبر بھی نہ ہو۔ لاتشعرون کا یہی مفہوم ہے۔ پس ان وجوہ کا لحاظ کرتے ہوئے مطلقاً اونچی آواز سے اور بے تکلفانہ گفتگو سے روک دیا گیا ہے۔ کہ اگر چہ بعض افراد تکلیف دہ نہیں ہوں گے مگر ان کی تعیین کیسے ہو؟ لہٰذا مطلقاً تمام افراد سے باز آ جانا چاہیے۔

اس توجیہ پر خوارج ومعتزلہ کے لئے بھی استدلال کی گنجائش نہیں رہتی۔ کہ عام گناہ کرنے سے انسان ایمان سے خارج ہو جاتا ہے یا کافر ہو جاتا ہے اور نہ اہل سنت کی جانب سے جواب دہی کی ضرورت ہے زیادہ سے زیادہ صرف ایک گناہ کو حابط اعمال کہنا پڑے گا۔ سو اس موجبہ جزئیہ کی نقیض کی سالبہ کلیہ منصوص نہیں ہے۔ اس لئے اس کے ماننے میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بلکہ اس میں چونکہ اجلال نبوی کی خاص رعایت ہے اس لئے اس کو ارجح کہنا چاہیے۔

ایک نفیس علمی بحث:............تاہم اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اہل سنت کا یہ قاعدہ بظاہر عام ہے۔ پھر اس کی تخصیص کی کیا دلیل ہے اور بلا دلیل دعویٰ کرنا مشکل ہے۔ مگر جواب میں کہا جائے گا۔ کہ بے ادبی اور گستاخی بلا قصد ایذاء رسول اگر چہ صرف گناہ ہی ہے۔ مگر چونکہ یہ سبب ہے ایذاء رسول کا۔ اور ایذاء رسول اللہ تعالیٰ کو اس قدر ناپسند اور مبغوض ہے کہ بعض دفعہ وہ سبب ہو جاتا ہے خذلان اور سلب توفیق کا اور پھر یہ خذلان سبب قریب ہو جاتا ہے کفر اختیاری کا اور کفر بالاتفاق حابط اعمال ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تم حضور ﷺ کے سامنے مذکورہ بالا طرز گفتگو سے بچو۔ کبھی ایسا نہ ہو کہ حضور ﷺ کو تکلیف پہنچے جس سے تم مخذول ہو جاؤ اور پھر اس خذلان کے سبب خدانخواستہ نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ تم قصداً کفر یہ اعمال کرنے لگ جاؤ۔ حالانکہ تمہیں اس طرز گفتگو کے وقت نہ اس کے واسطے اذیت رسول اور خذلان حق کی خبر تھی اور نہ اس کا احتمال تھا۔ ورنہ اس کا احساس ہوتے ہوئے صحابہ کرامؓ سے کب ارتکاب کا احتمال ہو سکتا تھا۔ اس تقریر پر کسی گناہ کا بلا واسطہ حابط اعمال ہونا بھی لازم نہیں آیا اور اہل سنت نے بلا واسطہ حبط اعمال کی نفی فرمائی ہے اور اس طرح خاص اس گناہ کا دوسرے عام گناہوں سے اشد ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ دوسرے گناہوں پر اس شان کی وعید نہیں آئی۔

اور چونکہ **ان تحبط اعمالکم** سے **وانتم لا تشعرون** حال ہے اور حال میں حقیقی مقارنت ہوا کرتی ہے۔ اس کی عایت سے اب تقریر کا عنوان اس طرح ہو جائے گا۔ کہ تم حضور ﷺ کے سامنے اور خود حضور ﷺ سے اس طریقہ سے گفتگو نہ کیا کرو کہ مبادا اس شامت سے تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں، اس طرح کہ یہ طرز موجب ایذاء رسول ہو اور وہ خذلان کا باعث ہو۔ کفر اختیاری کی طرف منجر ہو جائے اور کفر موجب حبط اعمال ہے ہی اور تمہیں احساس بھی نہ ہو کہ اعمال کے اکارت جانے کا سبب خود تمہارا یہ طرز عمل ہے۔ تمہارے اسی لاابالی پن نے آج تمہیں یہ روز بد دکھلایا۔

اس عنوان پر مقصود بھی آ گیا اور انتم لا تشعرون کی حالیت بھی محفوظ رہی۔ غرض اس تقریر سے سب غبار صاف ہو گئے اور لفظاً بھی کسی تکلیف کا ارتکاب کرنا نہیں پڑا۔

تعظیم نبوی کی ترغیب:............(۱) یہاں تو بلند آواز سے یا بے تکلفانہ گفتگو کے متعلق ترہیب تھی۔ اگلی آیت میں پست آواز سے گفتگو کرنے کی ترغیب ہے۔

ان الذین یغضون۔ یعنی جو لوگ پیغمبر کی مجلس میں ادب و تعظیم اور تواضع سے بات چیت کرتے ہیں اور نبی کی آواز کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خوب پرکھ لیا ہے اور خالص وطہارت کے لئے اچھی طرح مانجھ لیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اعظم شعائر اللہ چار چیزیں ہیں۔ قرآن کریم، پیغمبر اعظم، کعبۃ اللہ، نماز ان کی تعظیم وہی کرے گا جس کا دل تقویٰ سے مالا مال ہو۔

ومن یعظم شعائر اللہ فانها من تقوی القلوب۔ معلوم ہوا کہ جب حضور ﷺ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا خلاف ادب ہے تو آپ کے احکام وارشادات سن کر ان کے خلاف آواز اٹھانا کس درجہ کا گناہ ہوگا۔ غرضیکہ کمال تقویٰ کا تقاضا یہی ہے کہ مسلمان خلاف اولیٰ باتوں سے بھی مکمل احتراز کریں۔

ترمذی کی حدیث مرفوع ہے۔ لا یبلغ العبد ان یکون من المتقین حتی یدع ما لا باس به حذرا لما به باس۔ بلند آواز سے گفتگو اور بے باکانہ کلام کبھی موجب تاذی ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ جب مطلقاً اس طرز کو چھوڑ دیا تو پھر تکلیف دہ پہلو کا خطرہ ہی نہ رہا اس لئے کمال تقویٰ حاصل ہو گیا

آگے اس عمل کا اخروی ثمرہ ارشاد ہے کہ اس اخلاق وحق شناسی کی برکت سے پچھلی کوتاہیاں معاف ہوں گی اور بڑا بھاری ثواب ملے گا۔

حضور ﷺ کی محبت و تعظیم ہی مسلم قوم کی ترقی کے لئے نقطہ عروج ہے:............ان الذین ینا دونك، بنی تمیم ملنے کو آئے حضور ﷺ حجرہ مبارکہ میں تشریف رکھتے تھے۔ وہ لوگ باہر کھڑے کھڑے آواز دینے لگے۔ یہ ایک قسم کی بے ادبی بے عقلی اور بے تہذیبی کی بات تھی، اپنی سادہ لوحی اور دیہاتی پن سے رسول ﷺ کے مرتبہ کو نہیں سمجھے۔ کیا معلوم اس وقت آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ یا کسی اہم کام میں مشغول ہوں۔ کیونکہ اس طرح تو کسی معمولی ذمہ دار آدمی کے لئے بھی کام کرنا سخت مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر اس کا کوئی نظام الاوقات نہ ہو۔ اور آپ کی ذات والا صفات تو مسلمانوں کے تمام دنیوی اور دینی امور کا مرکز وملجا تھی۔

اور پھر پیغمبر کا ادب واحترام بھی آخر کوئی چیز ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ کسی کی زبانی اندر اطلاع کراتے اور آپ ﷺ کی تشریف آوری تک انتظار کرتے۔ اور جب آپ تشریف لا کر ان کی طرف متوجہ ہوتے اس وقت عرض ومعروض کرنی چاہئے تھی۔ یہ زیادہ بہتر طریقہ اور شائستہ نمونہ ہوتا۔ پھر بھی نادانستگی اور بے عقلی سے جو بات اتفاقاً سرزد ہو جائے اللہ اس کو اپنی مہربانی سے بخشنے والا ہے۔

بہر حال اپنی تقصیر پر نادم ہو کر ایسا رویہ اختیار نہ کریں۔ حضور ﷺ کی تعظیم ومحبت ہی وہ نقطہ ہے جس پر مسلم قوم کی تمام پراگندہ قوتیں اور منتشر جذبات جمع ہوتے ہیں۔ اور یہی وہ ایمانی رشتہ ہے جس پر اسلامی اخوت کا نظام قائم ہے۔

انتہائی ادب کا تقاضہ:............(۲) اور الیهم میں یہ نکتہ ہے کہ یہ انتظار اس وقت تک رہنا چاہیے کہ آپ کی باہر تشریف آوری تمہارے ہی لیے ہو۔ ورنہ اگر تشریف تو لائے مگر دوسرے کام کے لئے یا دوسری طرف متوجہ ہو گئے۔ تو پھر صبر وانتظار کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ خروج الیهم نہیں ہے۔ جو غایت ہے صبر کی بلکہ توجہ الیهم ہے جو کافی نہیں ہے ایسی صورت میں باادب کھڑے رہو۔ حتیٰ کہ خود حضور ﷺ تمہاری طرف متوجہ ہو

بائیں یا قرائن سے معلوم ہوجائے کہ تمہارے ہی لئے تشریف آوری ہوئی ہے۔
حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضور ﷺ کی احادیث پڑھنے اور سننے کے وقت بھی نیز قبر شریف کے پاس حاضری کے وقت بھی آداب نبوی ملحوظ رہنے چاہئیں۔حتیٰ کہ خلفاء اور علماء ربانیین اور اولوالامر کے ساتھ بھی درجہ بدرجہ انہی آداب سے پیش آنا چاہیے تا کہ جماعتی نظام قائم رہے جو آنحضرت ﷺ کے متبع ہیں وہ ان احکام کے بھی متبع رہیں گے۔تاہم سوء ادبی کا وبال اتنا نہیں ہوگا۔لیکن بلاضرورت ایذا رسانی حرام ضرور ہے تاہم فرق مراتب نہ کرنے سے، بہت سے مفاسد اور فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے۔

بے تحقیق خبر پر عمل کرنے سے بڑی خرابیاں ہوجاتی ہیں: ....یا ایها الذین اٰمنوا۔آنحضرت ﷺ نے ولید بن عقبہ کو اور ایک روایت کے مطابق بنی وکعیہ کو بنی مصطلق کے یہاں زکوٰۃ کی وصول یابی کے لئے روانہ فرمایا۔ولید اور بنی مصطلق میں زمانہ جاہلیت سے کچھ رنجش تھی۔بنی مصطلق ولید کی آمد سن کر استقبال کو آئے۔مگر ولید یہ سمجھے کہ مقابلہ آرائی کو آئے ہیں۔اسی غلط فہمی میں واپس ہوگئے اور اپنے خیال کے مطابق بارگاہ نبوت میں رپورٹ پیش کردی کہ حضور ﷺ معلوم ہوتا ہے بنی مصطلق تو اسلام سے پھر گئے۔پھر آپ نے تحقیق کے لئے حضرت خالد کو بھیجا اور فرمادیا کہ اچھی طرح تحقیق کرنا اور ایک روایت ہے کہ بنی مصطلق کے لوگ خود حاضر ہوئے۔ممکن ہے کہ دونوں باتیں ہوئی ہوں۔غرضیکہ ثابت ہوگیا کہ بات بے اصل تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔
حاصل یہ ہے کہ بیشتر نزاعات اور مناقشات کی ابتداء چونکہ جھوٹی خبروں سے ہوتی ہے۔اس لئے اول اختلاف وتفریق کے اسی سرچشمہ کو بند کرنے کی تلقین فرمائی۔یعنی کسی خبر کو یوں ہی بے تحقیق قبول نہ کرلیا کرو۔کہ بسا اوقات بعد میں پچھتانا پڑتا ہے اور اپنی جلد بازی پر ندامت ہوتی ہے اور پھر اس کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں جماعتی طور پر کیسا خراب ہوگا۔
ولید بن عقبہ اگرچہ فاسق نہیں تھے۔اور پھر آنحضرت ﷺ نے محض ان کے کہنے پر عمل نہیں کیا۔بلکہ چھان بین کی اس لئے آیت میں کسی طرح اشکال نہیں رہا۔
پس فاسق کا ذکر حکم میں مبالغہ کے لئے ہے۔اس لئے یہ لازم نہیں آتا کہ ولید فاسق تھے۔اور جب آنحضرت ﷺ نے تحقیق کے بغیر کاروائی نہیں کی،اسی طرح مسلمانوں کو عام حکم ہے کہ وہ بھی اس حکم کے پابند رہیں ورنہ تقدیم بین یدی الله ورسوله لازم آئے گی جس کی ممانعت پہلے ہوچکی ہے۔
غرضیکہ آیت سے نہ ولید کا فاسق ہونا لازم آیا اور نہ یہ شبہ رہا کہ آپ نے بے تحقیق کاروائی کرنی چاہی ہوگی۔کیونکہ آیت میں آنحضرت ﷺ مخاطب ہی نہیں ہیں جب کہ عام مومنین کو حکم ہے اس میں حضور ﷺ کی اقتداء کرو۔
اور خبر سے مطلق خبر مراد نہیں۔بلکہ ان تصیبوا کے قرینہ سے وہ خبر مراد ہے۔جس پر عمل کرنے سے کسی کا ضرر لازم آتا ہو۔لہٰذا یقینی فاسق اور محتمل فاسق کی خبر غیر مقبول اور غیر معتبر ہوگی۔

چند شبہات کا ازالہ: ....یہاں مطلق خبر کے مقبول غیر مقبول ہونے کی بحث کرنا ایک زائد بات ہے اسی طرح صحابہؓ کے عدول غیر عدول ہونے کی بحث کرنا ایک زائد بات ہوگی۔کیونکہ ولید کا فاسق ہونا نہ آیت سے لازم آرہا ہے اور نہ ہی حدیث سے ثابت ہے۔کیونکہ ممکن ہے خود ولید کو غلط فہمی ہوگئی ہو۔
اور فتبینوا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ضرور اس خبر کی تحقیق کی جایا کرے۔کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ اگر ہم کسی شخص کی برائی سن کر بالکل التفات نہ

کریں تو جائز ہے۔ بلکہ بعض جگہ تو تجسس حرام ہے بلکہ منشاء اس کا یہ ہے کہ بلا تحقیق عمل نہ کیا کرو۔ یہ بحث مستقل ہے کہ کہاں تحقیق واجب ہے اور کہاں جائز ہے کہاں ممنوع ہے۔

خبر کی تحقیق کہاں ضروری ہے:............سو اس میں مجمل قاعدہ یہ ہے کہ:

جہاں تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب شرعی فوت ہوتا ہو وہاں واجب ہے مثلاً سلطان کسی کے مرتد ہونے کی خبر سنے تو اس پر تحقیق واجب ہے تحقیق سے اگر خبر صحیح ثابت ہو تو مرتد کو توبہ کرائے۔ ورنہ بصورت انکار قتل کردے۔ یا سلطان کو اطلاع ملے کہ فلاں شخص فلاں کو قتل کرنا چاہتا ہے تو چونکہ رعایا کی حفاظت اس کی ذمہ واجب ہے اس لئے اس کی تحقیق بھی واجب ہے۔

۲۔ لیکن جہاں یہ تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب فوت نہ ہوتا ہو اور تحقیق نہ کرنے سے نہ اس کا کوئی نقصان ہوتا ہے جس کے بارے میں خبر پہنچائی گئی ہے تو وہاں تحقیق جائز ہوگی ضروری نہ ہوگی۔ مثلاً کسی نے یہ سنا کہ فلاں شخص مجھ کو مارے گا۔

۳۔ اور اگر تحقیق کے نتیجہ میں اپنی مضرت تو دفع نہیں ہوتی۔ مگر اس دوسرے شخص کو ناگواری ہوگی تو پھر تحقیق حرام ہوگی۔ مثلاً کسی نے سنا کہ فلاں شخص شراب پیتا ہے تو تحقیق نہ کرنے سے اپنا کوئی نقصان نہیں مگر تحقیق کرنے سے وہ شخص فضیحت ہوتا ہے اس لئے تحقیق ممنوع ہوگی۔

رسول ﷺ کی اطاعت کاملہ:............ واعلموا ان فیکم۔ یعنی حضور ﷺ کا تشریف فرما ہونا ایک بڑی نعمت الٰہیہ ہے۔

لقد من اللہ الخ اس کی قدر کرو اور کسی بات میں حتیٰ کہ دنیوی امور میں بھی خلاف ورزی نہ کرو اور اس فکر میں نہ رہو کہ دنیوی امور میں حضور ﷺ خود ہماری موافقت فرمایا کریں۔ یا اگر تمہاری کسی خبر یا رائے کو نہ مانیں تو برا مت مانو کیونکہ حق تعالیٰ کی خواہشوں یا رایوں کے تابع نہیں ہوسکتا۔ ایسا ہو تو زمین و آسمان کا کارخانہ ہی درہم برہم ہو جائے۔

ولو اتبع الحق اھوائھم الخ حاصل یہ ہے کہ خبروں کی تحقیق کرلیا کرو حق کو اپنی خواہش اور مرضی کے تابع بنانے کی کوشش نہ کرو بلکہ اپنی خواہشات کو حق کے تابع رکھو۔ اس طرح تمام جھگڑوں کی جڑ ہی کٹ جائے گی۔ کیونکہ رسول عمل کرتا ہے اللہ کے حکم پر اسی میں تمہارا بھلا ہے اگر تمہاری بات کریں تو ہر کوئی اپنے بھلے کی کہے گا۔ پھر آخری نبی کس کی بات پر چلے گا۔ اس لئے کہ اگر تمہارا مشورہ نہ مانے تو برا مانو۔ کیونکہ دنیاوی کام میں نبی کا تمہارے مشورہ کو نہ ماننا اگر چہ اس کا خلاف مصلحت ہونا نہ فی نفسہ مستبعد ہے اور نہ خلاف شان نبوت ہے لیکن اول تو ایسے امور جن میں ایسا احتمال ہو شاذ و نادر ہوں گے۔ پھر ان شاذ و نادر مواقع میں اگر مصلحت فوت ہوتی ہو۔ مگر یہ کتنی بڑی بات ہے کہ اس مصلحت کا نعم البدل یعنی رسول کی اطاعت کا اجر و ثواب ضرور میسر آئے گا۔ برخلاف اس کے تمہاری رائے پر عمل ہو کہ شاذ و نادر ایسے امور بھی نکلیں گے جن میں مصلحت پوری ہوتی ہے لیکن وہ متعین نہیں ہیں اور پھر وہ بھی بہت ہی کم ہوں گے زیادہ احتمال تو مضرت ہی کا ہے پھر اس مضرت کا کوئی تدارک نہیں۔

بہر حال اگر حضور ﷺ تم لوگوں کا کہا مانتے ہی رہتے تو تم بڑی مصیبت میں پڑ جاتے۔ لیکن اللہ کا شکر کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے مؤمنین کاملین کے دلوں میں ایمان کو محبوب و مرغوب بنا دیا اور اس کی ضد کفر کی اور فسق یعنی گناہ کبیرہ کی اور عصیان یعنی گناہ صغیرہ کی نفرت ڈال دی۔ جس سے تم کو ہر وقت رضائے رسول کی جستجو رہتی ہے اور تم وہ احکام مان لیتے ہو جو موجب رضائے رسول ہیں۔ جس مجمع میں اللہ کا رسول جلوہ افروز ہو وہاں کسی کی رائے و خواہش کی پیروی کہاں ہوسکتی ہے۔

دنیوی امور میں بھی اطاعت رسول ضروری ہے بدون اطاعت مطلقہ ایمان کامل نہیں ہوسکتا اور ایمان کامل کی ترغیب پہلے سے موجود ہے۔ پس

ں طرح تم نے اس حکم کو بھی فوراً قبول کر لیا اور ایمان کی اور تکمیل کر لی۔ آج اگر چہ حضور ﷺ ہمارے درمیان نہیں ہیں مگر حضور ﷺ کی تعلیم اور پ کے نائب ووارث یقیناً موجود ہیں اور رہیں گے۔

الله علیم حکیم: اللہ سب کی استعداد کو جانتا ہے اور ہر ایک کو اپنی حکمت عملی سے وہ احوال ومقامات مرحمت فرماتا ہے جو اس کی استعداد کے ناسب ہوں۔ اس کے احکام میں بھی مصالح کی رعایت موجود ہوتی ہے حکماء اسلام بھی ان سے واقف ہیں۔

سلام ایک دوامی قانون ہے:......... واعلموا ان فیکم الخ کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایسی چیز کا بیان ہے جو ضور ﷺ کی حیات کے ساتھ مخصوص تھی اور وہ دنیوی امور میں آپ کی اطاعت ہی ہوسکتی ہے۔ چنانچہ "فی کثیر" کہنا بھی اسی کا قرینہ ہے کیونکہ نیوی امور میں کسی ایک میں بھی گنجائش نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی کی اطاعت کریں اور تخصیص کی وجہ یہ نہیں کہ اگر آپ اپنے بعد کے لئے یسے احکام فرماجاتے تو اطاعت واجب نہ ہوتی بلکہ وجہ تخصیص یہ ہے کہ آپ نے ایسے احکام فرمائے نہیں ہیں کیونکہ یہ احکام جزئی تھے اور حضور ﷺ نے شریعت مؤبدہ چھوڑی ہے اس کے احکام کلیہ ہیں۔ اور اس کی تحقیق کہ دنیوی امور میں کس شرط سے اطاعت واجب ہے۔ آیت ما ان لمومن الخ کے تحت و من یقنت میں گزر چکی ہے۔

سلمانوں کے جھگڑوں کا حل:......... وان طائفتان۔ یعنی ان تمام پیش بندیوں کے باوجود اگر اتفاق سے مسلمانوں کی جماعتیں پس میں لڑ پڑیں تو پوری کوشش کرو کہ صلح ہوجائے اور اختلاف دور ہوجائے۔ لیکن اگر اس میں کامیابی نہ ہو اور ایک فریق دوسرے پر چڑھا چلا ائے اور ظلم وزیادتی ہی پر کمر باندھ لے تو بے فکر اور یکسو ہوکر نہ بیٹھو۔ بلکہ جس کی زیادتی ہو سب مسلمان مل کر اس سے مقابلہ کریں۔ یہاں تک لہ وہ فریق مجبور ہوکر اپنی زیادتیوں سے باز آجائے اور خدا کے حکم کی طرف رجوع ہوکر صلح کے لئے اپنے کو پیش کردے۔ اس وقت چاہیے کہ سلمان دونوں فریق کے درمیان مساوات وانصاف کے ساتھ صلح اور میل ملاپ کرادیں۔ کسی ایک کی طرفداری میں جادۂ حق سے ادھر ادھر نہ ملنے پائیں۔

سلمانوں میں باہم ملاپ ضروری ہے:......... انما المؤمنون اخوۃ۔ یعنی صلح وجنگ دونوں حالت میں یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ بھائیوں کی لڑائی یا دو بھائیوں کی مصالحت میں دشمنوں اور کافروں کی طرح برتاؤ نہ کیا جائے جب دو بھائی آپس میں ٹکرا جائیں تو یوں ہی ان کے حال پر نہ چھوڑ دو بلکہ صلح صفائی کی پوری کوشش کرو۔

یت کا نزول صحیحین کی ایک روایت کے مطابق انصار کے دو گروہوں اوس وخزرج کے ایک وقتی ہنگامہ کے سلسلہ میں ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے ن کے درمیان اسی آیت کے ماتحت صلح کرادی تھی۔ جو لوگ خلیفہ کے مقابلے میں بغاوت کریں وہ بھی آیت کے عموم میں داخل ہیں۔ چنانچہ ماءِ سلف بغاوت کے مسئلہ میں اس سے استدلال کرتے آئے ہیں۔

لین اس شان نزول سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم مسلمانوں کے تمام جماعتی مناقشات واختلافات کو شامل ہے۔ اور جو مفسر نے روایت شان نزول ں پیش کی ہے اس کی رو سے مومنین سے مراد عبداللہ بن ابی کی قوم کے مومنین ہیں۔ خود عبداللہ مراد نہیں۔ کیونکہ وہ ظاہراً مومن بنا ہوا تھا حقیقۃً ؤمن نہیں تھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں اس کے ساتھیوں کا غصہ کفر کی حمایت میں نہیں تھا۔ بلکہ حمیت جاہلیہ اور قومی تعصب کے تحت ا۔

مسلمانوں کے اختلافات ختم کرنے کے طریقے:............جو مسلمان بالفعل یا بالقوۃ آپس میں متقابل ہو جائیں اخلاصاً یا نفاقاً وہ ایک ہوں یا متعدد۔ ان کے احکام کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) دونوں مسلم جماعتیں امام المسلمین کے تحت ولایت ہوں گی۔ (۲) یا دونوں جماعتیں تحت ولایت نہیں ہوں گی۔ (۳) یا ایک جماعت تحت الولایت اور دوسری جماعت تحت الولایت نہیں ہوگی۔

پہلی صورت میں اگر عام لوگوں کی فہمائش سے ان میں لڑائی موقوف نہ ہو تو امام المسلمین پر اصلاح واجب ہے۔ اس کی پھر تین حالتیں ہیں۔ دونوں جماعتیں اطاعت قبول کر لیں یا دونوں اطاعت سے باہر ہو جائیں۔ یا ایک اطاعت کرے اور دوسری اطاعت نہ کرے۔ پہلی حالت میں قصاص و دیت کے احکام جاری ہوں گے۔ یہ سب اصلحوا کے افراد میں داخل ہوں گے اور دوسری تیسری حالتیں دوسری اور تیسری صورت کے ساتھ ملحق ہیں جن کے احکام آگے آ رہے ہیں۔

دوسری صورت میں چونکہ دونوں باغی ہیں ان کا حکم ابھی آتا ہے۔ تیسری صورت میں جو تحت الولایت ہے وہ عادل کہلاتا ہے اور جو اطاعت سے خارج ہے وہ باغی کہلاتا ہے کہ خود امام المسلمین ہی سے آمادہ قتال ہے۔ ان بغت احداھما الخ میں اسی حکم کا بیان فرمایا گیا۔ جس کی تفصیل ہے کہ اول ان کا شبہ رفع کیا جائے کہ اصلاح کی ایک فرد یہ بھی ہے کہ اگر بغاوت سے یہ باز آ جائیں تو ان سے قتال نہیں کیا جائے گا اور باز آئیں تو پھر مجبوراً قتال کیا جائے گا۔ چنانچہ انہیں اگر قوت و شوکت حاصل ہے تو قتال کے وقت ان کے متعلق یہ احکام ہوں گے کہ ان کے زخمیوں کو قتل کر دیا جائے گا اور بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے گا۔ اور قتال کے بعد ان کے یہ احکام ہوں گے کہ ان کے ہاتھ سے جو عادل مارے جائیں ان کا قصاص نہیں لیا جائے گا اور جو مال انہوں نے تلف کیا ہے اس کا ضمان نہیں لیا جائے گا۔ یہ سب عدل و قسط میں داخل ہیں۔ اور احکام مشترکہ یعنی قوت و عدم قوت دونوں حالت میں یہ ہیں کہ لڑائی سے پہلے ان کے ہتھیار چھین لئے جائیں گے اور ان کو گرفتار کر کے توبہ کرنے تک ان کو قید رکھا جائے گا اور عین لڑائی کے وقت یا اس کے بعد ان کی اولاد کو غلام باندی نہیں بنایا جائے گا اور نہ ان کا مال غنیمت بنائیں گے البتہ توبہ کرنے تک ان کے اموال کو روکے رکھا جائے گا توبہ کرنے کے بعد وہ واپس کر دیئے جائیں گے، یہ سب بھی عدل و قسط میں داخل ہیں۔

لیکن یہ تمام احکام اس صورت میں ہیں جب مسلمانوں کا کوئی امام موجود ہو۔ ورنہ مذکورہ صورتوں میں اور اسی طرح نصرت پر قدرت ہونے کی صورت میں، نیز حق و باطل میں التباس کی صورت میں گھر بیٹھ رہنے کا حکم ہے۔ پس امام المسلمین کے لئے انتظام کرنا اور دوسروں اس کی مدد کرنا دونوں" اصلحوا" کے تحت آتے ہیں۔

لطائف آیات:............یا ایھا الذین امنوا لا تقدموا میں شریعت کی پابندی اور ادب کی رعایت اور تقاضائے طبعی کو چھوڑ دینے کا ذکر ہے۔

لا ترفعوا اصواتکم۔ یہ آیات اصل میں شیخ کے آداب و احترام کی ہیں۔

لو یطیعکم فی کثیر من الا مر۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرید شیخ کو اپنی رائے کے مطابق بنانے کی کوشش نہ کرے۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ الاٰیَة نَزَلَتْ فِیْ وَفْدِ تَمِیْمٍ حِیْنَ سَخِرُوْا مِنْ فُقَرَآءِ الْمُسْلِمِیْنَ کَعَمَّارٍ وَ صُهَیْبٍ وَالسُّخْرِیَّةُ الْاِذْدِرَآءُ وَالْاِحْتِقَارُ **قَوْمٌ** اَیْ رِجَالٌ مِنْكُمْ **مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ** عِنْدَ اللّٰهِ وَ

نِسَآءٌ مِّنْكُمْ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ لَا تُعِيْبُوْا فَتُعَابُوْا اَىْ لَا يَعِيْبُ بَعْضُكُمْ بَعْضاً **وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ** لَا يَدْعُوْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً بِلَقَبٍ يَّكْرَهُهٗ وَمِنْهُ يَا فَاسِقُ يَا كَافِرُ **بِئْسَ الْاِسْمُ** اَىِ الْمَذْكُوْرُ مِنَ السُّخْرِيَّةِ وَاللَّمْزِ وَالتَّنَابُزِ **الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِ يْمَانِ ۚ** بَدَلٌ مِنَ الْاِ سْمِ لِاِ فَادَةِ اَنَّهٗ فِسْقٌ لِتَكَرُّرِهٖ عَادَةً **وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ** ﴿۱۱﴾ **يٰٓاَ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ** اَىْ مُؤْثِمٌ وَهُوَ كَثِيْرٌ كَظَنِّ السُّوْءِ بِاَهْلِ الْخَيْرِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَهُمْ كَثِيْرٌ بِخِلَافِهٖ بِالْفُسَّاقِ مِنْهُمْ فَلَا اِثْمَ فِيْهِ فِىْ نَحْوِ مَا يَظْهَرُ مِنْهُمْ **وَّلَا تَجَسَّسُوْا** حُذِفَ مِنْهُ اِحْدَى التَّائَيْنِ لَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِيْنَ وَمَعَائِبَهُمْ بِالْبَحْثِ عَنْهَا **وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ** لَا يَذْكُرْهُ بِشَىْءٍ يَكْرَهُهٗ وَاِنْ كَانَ فِيْهِ **اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ لَايَحِسُّ بِهٖ لَا **فَكَرِ هْتُمُوْهُ ؕ** اَىْ فَاغْتِيَابُهٗ فِىْ حَيَاتِهٖ كَاَكْلِ لَحْمِهٖ بَعْدَ مَمَاتِهٖ وَقَدْ عَرَضَ عَلَيْكُمُ الثَّانِىْ فَكَرِ هْتُمُوْهُ فَاكْرَهُوا الْاَوَّلَ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ** اَىْ عِقَابَهٗ فِى الْاِغْتِيَابِ بِاَنْ تَتَوَلَّوْا مِنْهُ **اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ** قَابِلُ تَوْبَةِ التَّائِبِيْنَ **رَّحِيْمٌ** ﴿۱۲﴾ بِهِمْ **يٰٓـاَ يُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى** اٰدَمَ وَحَوَّآءَ **وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا** جمعُ شِعْبٍ بِفَتْحِ الشِّيْنِ وَهُوَ اَعْلٰى طَبَقَاتِ النَّسَبِ **وَّ قَبَآئِلَ** هِىَ دُوْنَ الشُّعُوْبِ وَ بَعْدَهَا الْعَمَآئِرُ ثُمَّ الْبُطُوْنُ ثُمَّ الْاَفْخَاذُ ثُمَّ الْفَصَائِلُ اٰخِرُهَا مِثَالُهٗ خُزَيْمَةُ شَعْبٌ كِنَانَةُ قَبِيْلَةٌ قُرَيْشٌ عِمَارَةٌ بِكَسْرِ الْعَيْنِ قُصَىٌّ بَطْنٌ هَاشِمٌ فَخِذُ الْعَبَّاسِ فَصِيْلَتُهٗ **لِتَعَارَفُوْا ؕ** حُذِفَ مِنْهُ اِحْدَى التَّائَيْنِ اَىْ لِيَعْرِفَ بَعْضُكُمْ بَعْضاً لَا لِتَفَاخَرُوْا بِعُلُوِّ النَّسَبِ وَاِنَّمَا الْفَخْرُ بِالتَّقْوٰى **اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ** بِكُمْ **خَبِيْرٌ** ﴿۱۳﴾ بِبَوَاطِنِكُمْ **قَالَتِ الْاَعْرَابُ** نَفَرٌ مِنْ بَنِىْ اَسَدٍ **اٰمَنَّا ؕ** صَدَّقْنَا بِقُلُوْبِنَا **قُلْ** لَهُمْ **لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا** اَىْ اِنْقَدْنَا ظَاهِراً **وَلَمَّا** اَىْ لَمْ **يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ ؕ** اِلَى الْاٰنَ لٰكِنَّهٗ يَتَوَقَّعُ مِنْكُمْ **وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ** بِالْاِيْمَانِ وَغَيْرِهٖ **لَايَلِتْكُمْ** بِالْهَمْزِ وَ تَرْكِهٖ وَ بِاِبْدَالِهٖ اَلِفاً لَا يَنْقُصْكُمْ **مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ؕ** اَىْ مِنْ ثَوَابِهَا شَيْئًا **اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لِّلْمُؤْمِنِيْنَ **رَّحِيْمٌ** ﴿۱۴﴾ بِهِمْ **اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ** اَىِ الصَّادِقُوْنَ فِىْ اِيْمَانِهِمْ كَمَا صَرَّحَ بِهٖ بَعْدُ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْ تَابُوْا** لَمْ يَشُكُّوْا فِى الْاِيْمَانِ **وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ** بِجِهَادِهِمْ يَظْهَرُ صِدْقُ اِيْمَانِهِمْ **اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ** ﴿۱۵﴾ فِىْ اِيْمَانِهِمْ لَا مَنْ قَالُوْا اٰمَنَّا وَلَمْ يُوْجَدْ مِنْهُمْ غَيْرُالْاِسْلَامِ **قُلْ** لَهُمْ **اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ** مُضَعَّفُ عَلِمَ بِمَعْنٰى شَعَرَ اَىْ اَتُشْعِرُوْنَهٗ بِمَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ فِىْ قَوْلِكُمْ اٰمَنَّا **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ** ﴿۱۶﴾ **يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ** مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ بِخِلَافِ غَيْرِهِمْ مِمَّنْ اَسْلَمَ بَعْدَ قِتَالٍ مِّنْهُمْ **قُلْ لَّا**

تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ مَنْصُوْبٌ بِنَزْعِ الْخَافِضِ الْبَآءِ وَيُقَدَّرُ قَبْلَ اَنْ فِي الْمَوْضَعَيْنِ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ فِي قَوْلِكُمْ اٰمَنَّا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَيْ مَا غَابَ فِيْهِمَا وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ بِالْيَآءِ وَالتَّآءِ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنْهُ.

ترجمہ:.........اے اہل ایمان نہ تو ہنسنا چاہیے (یہ آیت وفد تمیم کے متعلق نازل ہوئی جب انہوں نے عمارؓ، وصہیبؓ جیسے غریب مسلمانوں کا مذاق اڑایا۔ سخریہ اسی ہنسی مذاق کو کہتے ہیں جس میں دوسرے کی تحقیر ودل آزاری ہوتی ہو) کسی قوم (تم میں سے مردوں) کو دوسری قوم پر، کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں (اللہ کے نزدیک) اور نہ (تمہاری) عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے، کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو (کسی کی عیب جوئی نہ کرو ورنہ تمہاری عیب جوئی کی جائے گی۔ غرضیکہ ایک دوسرے پر نکتہ چینی مت کرو) اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو (آپس میں ایک دوسرے کو ایسے لقب سے یاد نہ کرو جو باعث ناگواری ہو۔ مثلاً مسلم کو کافر، فاسق کہہ کر پکارنا) برا نام رکھنا (جس سخریہ، لمز، تنابز کا ذکر ہوا) برا ہے ایمان لانے کے بعد (یہ بدل ہے لفظ اسم سے یہ بتلانے کے لئے یہ فسق ہے کیونکہ بدل عادۃً مکرر ہوتا ہے) اور جو (اس سے) باز نہیں آئیں گے وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ اے اہل ایمان بہت سے گمانوں سے بچا کرو۔ کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں (یعنی گناہ میں ڈالنے والے اور یہ بدگمانی بکثرت پائی جاتی ہے۔ مثلاً اہل خیر مسلمانوں سے بدگمانی کرنا جن کی تعداد بڑی ہے۔ برخلاف فاسق مسلمانوں سے بدگمانی کے کہ وہ گناہ نہیں جب کہ وہ ان کے ظاہر حال کے مطابق ہو) اور نہ ایک دوسرے کے سراغ میں رہو (اس کی دو تا میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے مسلمانوں کی پوشیدہ باتیں اور معائب ٹوہ لگا لگا کر بیان نہ کرو) اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے (کسی کی ناگوار بات بیان نہ کرو اگر چہ وہ بات اس میں ہو) کیا تم سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے (میتا تخفیف وتشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے جس میں احساس نہ رہے ہرگز کوئی مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند نہ کرے گا) اس کو تو تم ناگوار سمجھتے ہو (یعنی زندہ بھائی کی غیبت کرنا ایسا ہے جیسے اس کے مرنے کے بعد اس کا گوشت کھالینا، پس جس طرح مردہ بھائی کے گوشت کھانے کو ناپسند کرتے ہو۔ اسی طرح اس کی غیبت کو بھی ناگوار سمجھو) اور اللہ سے ڈرتے رہو (یعنی غیبت کے متعلق اس کے عذاب سے ڈرو اس طرح کہ اس سے توبہ کرلو) بلاشبہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے (توبہ کرنے والوں کی) رحم کرنے والا ہے (ان پر) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا (آدم وحوا سے) اور تمہیں مختلف قومیں (شعوب جمع ہے شعب کی فتح شین کے ساتھ۔ نسب کے اعلیٰ طبقہ کو کہتے ہیں) اور مختلف خاندان بنایا (قبیلہ شعب سے کم ہوتا ہے اس کے بعد عمائر کا درجہ ہے پھر بطون کا درجہ ہے پھر افخاذ پھر فصائل آخری درجہ میں ہے مثلاً خزیمہ شعب ہے، کنانہ قبیلہ ہے، قریش عمارہ ہے بکسر العین، قصی بطن ہے ہاشم فخذ ہے، عباس فصیلہ ہے) تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو (اس کی دو تاء میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے یعنی ایک دوسرے کی پہچان کے لئے نہ اس لئے کہ اونچے نسب پر فخر کیا جائے۔ قابل فخر تو صرف تقویٰ ہے) اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف تو وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو اللہ (تمہیں) خوب جاننے والا ہے (تمہارے اندرونی احوال سے) پورا خبردار ہے۔ یہ گنوار (قبیلہ بنی اسد کے کچھ لوگ) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے (جان ودل سے مان لیا) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ تم ایمان تو لائے نہیں لیکن یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے (ظاہری فرمانبردار) اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا (البتہ تم سے اس کی توقع ہے) اور اگر تم اللہ ورسول کا کہنا مان لو (ایمان وغیرہ کے متعلق) تو اللہ کمی نہ کرے گا (ہمزہ کے ساتھ اور بغیر ہمزہ کے اور ہمزہ کو الف سے بدل کر یعنی کم نہیں کرے گا) تمہارے اعمال میں سے (یعنی ان کے ثواب میں) ذرا بھی۔ بلاشبہ اللہ (مومنین کی) بہت مغفرت کرنے والا ان پر بہت رحم کرنے والا ہے پورے

مومن (یعنی سچے مومن جیسا کہ آگے تصریح ہے) وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک وشبہ نہیں کیا۔ ایمان میں ڈانواڈول نہیں ہوئے) اور اپنے مال وجان سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا (ان کے جہاد سے ان کے ایمان کی سچائی ظاہر ہوگئی) یہی لوگ سچے ہیں (اپنے ایمان میں، وہ لوگ سچے نہیں جو آمنا تو کہتے ہیں مگر اسلام کے سوا ان سے کچھ ظاہر نہیں ہوا) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنے ایمان کی خبر دیتے ہو؟ تعلیم بمعنی اعلام ہے مراد خبر ہے یعنی تم اللہ کو اطلاع دیتے ہو اپنے آمنا کہنے کی حالت کی) حالانکہ اللہ تعالیٰ کو سب آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کی خبر ہے اور اللہ سب چیزوں کو جانتا ہے یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں۔ (بغیر خون بہائے مسلمان ہو گئے برخلاف دوسرے لوگوں کے) بعض ان میں قتل وقتال کے بعد اسلام لائے۔ آپ فرما دیجئے کہ مجھ پر اپنے ایمان لانے کا احسان مت رکھو (منصوب ہے "باء" جارہ محذوفہ سے اور ان اسلموا اور ان ھداکم دونوں جگہ ان سے پہلے محذوف ہے) بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی۔ بشرطیکہ تم سچے ہو (اپنے آمنا کہنے میں) اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کی سب مخفی باتوں کو (جو کچھ ان میں پوشیدہ ہے) جانتا ہے اور تمہارے سب اعمال کو بھی جانتا ہے (یعملون یا اور تا کے ساتھ دونوں طرح ہے، اس پر کچھ چھپا نہیں ہے)۔

تحقیق وترکیب: ....قوم۔ خاص طور پر مردوں کو قوم کہا جاتا ہے کیونکہ وہی عورتوں کے لئے قوام ہوتے ہیں۔ قوم دراصل قائم کی جمع ہے جیسے صائم اور زائر کی جمع صوم اور زور آتی ہے۔ عورتیں اگر قوم کے مفہوم میں داخل ہوتیں تو ولا نساء نہ کہا جاتا۔ چنانچہ زہیر کا شعر ہے ۔

و ما ادری ولست اخال ادری		اقوام ال حصن ام نساء

البتہ قوم عاد وثمود کا اطلاق جو مردوں کے ساتھ عورتوں پر ہوا ہے وہ طبعاً ہوا ہے۔ اور قوم ونساء دونوں کو نکرہ لایا گیا۔ تاکہ فرد وجماعت دونوں کو ٹھٹھا کرنے کی ممانعت معلوم ہو جائے) اور لا یسخر رجل من رجل ولا امرأۃ من امرأۃ نہیں کہا۔ کیونکہ اس میں فرد کی ممانعت تو ہوتی ہے۔ مگر ایک سے زائد کے لئے ممانعت نہ ہوتی۔ نیز اس بدخلقی سے بچنے والوں کی عظمت شان بھی ظاہر کرنا ہے۔ تفسیری عبارت میں ازدراء و احتقار مرادف ہیں۔ اور رجال سے تفسیر کر کے قوم کے اسم جمع ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ بمعنی رجال ہے قوم کا واحد معنی رجل ہے اور بعض کے نزدیک اس جمع کا واحد لفظاً نہیں ہے۔

لا تلمزوا انفسکم ۔ مراد ایک دوسرے کی عیب جوئی کی ممانعت کرنا ہے اور انفسکم اس لئے کہا کہ دوسرے کا عیب بیان کرنا خود اپنا عیب بیان کرنا ہے۔ کیونکہ تمام مسلمان مثل ایک جان ہیں اور یا اس لئے کہ جو دوسرے کا عیب بیان کرے گا اس کا بھی عیب بیان کیا جائے گا تو دوسرے کا عیب بیان کرنا گویا خود کو عیب دار بنانا ہے۔ لمز زبانی طعن تشنیع کو کہتے ہیں۔

ولا تنابزوا ۔ نبز کے معنی مطلقاً لقب کے ہیں۔ لیکن عرف میں برے لقب کو کہا جاتا ہے۔ قاموس میں ہے کہ تنابز والقاب سے یاد کرنے کو کہتے ہیں۔

بئس الاسم ۔ اس کے معنی یہاں ذکر کے ہیں کہا جاتا ہے طار اسمہ بالکرم او باللوم۔ تفسیری عبارت اسی سے اشارہ ہے کہ الاسم میں الف لام عہد کا ہے اور معہود اگرچہ جمع ہے مگر بتاویل مذکور مفرد ہے۔

الفسوق: اس کو مبتداء یا خبر بنانا مشہور ہے لیکن فاعل سے بدل کر بنانا جیسا کہ مفسرؒ کی رائے ہے غریب ہے اور بدل کے نکتہ کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ مذکورہ باتیں اگرچہ صغائر ہیں مگر عادۃً بار بار ہونے کی وجہ سے فسق یعنی کبیرہ گناہ ہو جاتی ہیں۔

کثیرا من الظن۔ کثیر کو مبہم رکھا گیا ہے تاکہ گمان میں احتیاط اور تامل سے کام لیا جائے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گمان ممنوع ہو۔ سفیان ثوری

فرماتے ہیں۔ الظن ظنان احدھما اثم وھو ان یظن ویتکلم بہ والاخر لیس باثم وھو ان یظن ولا یتکلم بہ۔
بعض الظن اثم۔ مومنین چونکہ فی نفسہ کثیر ہیں۔ لہٰذا ان سے بدگمانی بھی کثیر ہوگی اور یہ کثرت بعضیت کے منافی نہیں ہے برخلاف فساق کے ان کے ظاہری فسق سے بدگمانی گناہ نہیں ہے۔ جیسا کہ بیہقیؒ اور طبرانیؒ نے روایت کی ہے۔ زجاج کہتے ہیں ھو ظنک باھل الخیر بسوء واما اھل الفسق قلنا ان الظن بھم مثل الذی ظھر منھم اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں اجتنبوا اجتنابا کثیرا۔
لا تجسسوا۔ جس کے معنی ''جس الید'' ہاتھ سے چھوکر معلوم کرنے کے ہیں۔
ایحب احدکم۔ یہ ایک تمثیل ہے غیبت کی برائی کی جس میں کئی مبالغے ہیں۔ ایک استفہام تقریر کے لئے ہے دوسرے انتہائی ناگوار چیز کو محبوب کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے۔ تیسرے احدکم کی طرف نسبت کرتا ہے جس میں اشارہ ہے کہ دوسرے اس کو پسند نہیں کرتے۔ چوتھے عام انسان کے بجائے بھائی کے گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پانچویں بھائی کا گوشت بھی مردہ ہونے کی حالت میں کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قتادہؒ سے نقل ہے کما تکرہ ان وجدت جیفۃ مدودۃ ان تاکل منھا کذلک فاکرہ لحم اخیک وھو حی۔
لفظ میتاً حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ خواہ لحم سے یا اخیہ سے اور تشدید کی قراءت نافعؒ کی ہے۔ اور چونکہ مردار کھانا طبعاً قابل نفرت ہے اس لئے فکرھتموہ فرمادیا گیا ہے جس سے عقلاً بھی اس ناگواری مفہوم ہوگئی۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ جب یہ کہا گیا۔ ایحب احدکم ان یا کل لحم اخیہ میتاً تو گویا صحابہ کی طرف سے جواب ملا لا۔ پھر کہا گیا فکما کرھتموہ فاجتنبوا ذکرہ بالسوء۔
قاضیؒ فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہوئے۔ ان صح ذلک و عرض علیکم ھذا فقد کرھتموہ۔ یہ فاء فصیحہ ہے کہ شرط مقدر کا جواب ہوتا ہے اس تمثیل میں آبرو کو گوشت سے تشبیہ دی گئی ہے استعارہ تمثیلیہ ہے۔
شعوبا۔ عرب میں یہ چھ طبقات شمار ہوتے تھے شعب بمعنی شاخ و درخت۔
ثم لم یرتابوا۔ ثم لانے میں یہ نکتہ ہے کہ ایمان لانے کے وقت تو شک ہے ہی نہیں۔ آئندہ بھی شک نہیں ہوتا۔
ھم الصادقون۔ یعنی اگرچہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں لیکن کہا جائے گا کہ کمال ایمان میں داخل ہیں یا بطور علامت ایمان ذکر کیا گیا ہے اس آیت میں دیہاتی مسلمانوں کے ایمان پر تعریض کرنا ہے۔
اتعلمون۔ یعنی یہاں تعلیم بمعنی اعلام ہے اس لئے مفعول ثانی کی طرف باء کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے بمعنی شعر متعدی بیک مفعول ہے اور بمعنی اشعر متعدی بدو مفعول ہے۔
اسلامکم۔ ''با'' جارہ تین جگہ مقدر ہے دو موقعہ یہ ہیں'' ان اسلموا۔ ان ھداکم'' حروف مشبہ کے ساتھ ان بکثرت محذوف ہوتا ہے۔
ابوحیان کہتے ہیں'' ان اسلموا''مفعول کی جگہ ہے اس لئے لا تمنوا علی اسلامکم میں فعل کو اس کی طرف متعدی کیا گیا ہے۔
ان کنتم صادقین۔ ای فی ادعائکم الایمان بقلبہ فللّٰہ المنۃ علیکم۔

شانِ نزول: .... ولا یغتب۔ حضرت سلمانؓ کو دو صحابیوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سالن لینے روانہ کیا۔ حضرت اسامہؓ کھانے کے انتظام پر تھے۔ انہوں نے سالن سے انکار کردیا۔ سلمانؓ نے دونوں صحابیوں کو اطلاع کردی سن کر وہ طنزاً بولے کہ سلمانؓ کو اگر سمیحہ کنویں پر بھیجتے تو اس کا پانی بھی خشک ہوجاتا۔ جب یہ دونوں صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا کہ تمہارے منہ پر گوشت کی سرخی کیسے جھلک رہی ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہے کہ ہم نے گوشت کھایا نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم نے غیبت کی ہے۔ حدیث میں ہے کہ ذکرک اخاک بما یکرہ۔ کسی نے عرض کیا۔ اگر کسی میں کوئی عیب موجود ہو اس کو ذکر کرنا کیسا ہے؟ فرمایا ان کان

فیه ما تقول فقد اغتبته وان لم تکن فیه ما تقول فقد بهته ۔ یعنی غیبت موجودہ عیب پیچھے بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ لیکن غلط عیب بیان کرنا غیبت سے بڑھ کر بہتان کہلاتا ہے۔

یا ایها الناس ۔ یہ آیت ابو ہند کے متعلق نازل ہوئی۔ جیسا کہ ابوداؤد نے زہری سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بنو بیاضہ سے فرمایا کہ تم اپنی کسی عورت سے ابو ہند کی شادی کردو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم اپنی لڑکیوں کی شادی غلاموں سے کیسے کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور بقول ابن عباسؓ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے بلالؓ کو کعبہ کی چھت پر اذان دینے کا حکم دیا۔ عتاب ابن اسید بولا خدا کا شکر ہے کہ آج کا دن دیکھنے سے پہلے میرے والد کو اللہ نے اُٹھالیا۔ حارث ابن ہشام بولا کہ محمد ﷺ کو بھی اس کالے کوے کے علاوہ اذان دینے کو اور کوئی نہیں ملا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

قالت الاعراب ۔ مجاہد قتادہ سے ابن جریر نے تخریج کی ہے کہ بنی اسد کے کچھ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے صدقات کا مطالبہ کرتے ہوئے ایمان لانے کو بطور احسان ذکر کیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئی۔

ربط آیات: ....اول مسلمانوں میں اختلاف ونزاع روکنے کی تدابیر بتلائی تھیں۔ پھر بتلایا کہ اتفاقاً اگر اختلاف رونما ہو جائے تو پرزور اور موثر طریقہ سے اس کو مٹایا جائے لیکن جب تک نزاع کا خاتمہ نہ ہو کوشش رہنی چاہئے کہ کم از کم جذبات منافرت، ومخالفت زیادہ تیز اور مشتعل نہ ہونے پائیں عموماً دیکھا جاتا ہے جہاں دو شخصوں یا دو جماعتوں میں اختلاف رونما ہوا۔ بس ایک دوسرے کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ذرا سی بات ہاتھ لگی اور پھبتی کسی۔ تمسخر واستہزا کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے اور پگڑیاں اچھلنے لگتی ہیں۔ حالانکہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ جس کی ہنسی اڑا رہا ہے وہ اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہو۔ بلکہ بسا اوقات خود یہ بھی اختلاف سے پہلے اس کو بہتر سمجھتا تھا مگر ضد اور نفسانیت کا برا ہو کہ دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آجاتا ہے اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ اس طریقہ سے نفرت وعداوت کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی رہتی ہے اور دلوں میں اس قدر بعد ہو جاتا ہے کہ صلح صفائی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

محاسن اخلاق جماعتی نظام کے ضروری ہیں: ....غرضیکہ کوئی جماعت دوسری جماعت پر آواز نہ کسے۔ ایک دوسرے کے ساتھ تمسخر نہ کرے، نہ کھوج لگا کر عیب نکالے جائیں، تمسخر اس ہنسی کو کہتے ہیں جس میں دوسرے کی تحقیر ودل آزاری ہو۔ لیکن تفریح طبع اور دل خوش کرنے کیلئے جو ہنسی مذاق ہو وہ مزاح اور خوش طبعی کہلاتی ہے وہ جائز ہے بلکہ حضور ﷺ سے ثابت ہے۔

اور قوم اور نساء کے لفظ سے یہ مقصود نہیں کہ محض جماعتی طور پر ممانعت مقصود ہے بلکہ مردوں کی اور عورتوں کی جنس مراد ہے خواہ ایک ہو یا زائد۔ اسی طرح مرد کی عورت سے یا عورت کی مرد سے بھی اس قسم کی ہنسی ناجائز ہے اور یہ تخصیص شاید اس لئے ہے کہ اکثر تمسخر ہم جنسوں میں ہوا کرتا ہے اور یا اس لئے کہ جب ہم جنس کے ساتھ تمسخر منع ہے تو غیر جنس سے بدرجہ اولیٰ منع ہوگا۔ کیونکہ اس میں تمسخر کے علاوہ ایک طرح کی بے غیرتی اور بے حسی بھی شامل ہوگئی جو اور بھی بری ہے اور کوئی شخص خواہ کتنا ہی حقیر ہو مگر خاتمہ بالخیر چونکہ دونوں کا محتمل ہے اس لئے عسیٰ ان یکونوا خیر امنهم کا بہر حال مصداق ہوگا۔ ڈرنا چاہیے۔

اور فرمایا گیا کہ برے ناموں اور برے القاب سے کسی کو یاد نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے دشمنی اور نفرت میں ترقی ہوتی ہے اور فتنہ وفساد کی آگ زیادہ تیزی سے پھیلتی ہے۔

کسی کو برے ناموں سے پکارنا دل آزاری کی بدترین قسم ہے: ....بئس الاسم ۔ یعنی کسی کا برا نام ڈالنے سے آدمی

خود گنہ گار ہوتا ہے اسے تو واقع میں عیب لگایا نہ لگا لیکن خود اس کا نام بدتہذیب، فاسق گنہ گار، مردم آزار پڑ گیا۔ خیال کرو "مومن" کے بہترین لقب کے بعد یہ نام کیا اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ جب ایک شخص ایمان لا چکا اور مسلمان ہو گیا پھر اس کو مسلمانی سے پہلے کی باتوں پر طعن دینا یا اس وقت کے بدترین القاب سے یاد کرنا یہودی یا نصرانی وغیرہ کہہ کر پکارنا کہاں کا انصاف ہے۔ قطعاً نہایت مذموم حرکت ہے یا کوئی کسی عیب میں مبتلا ہو اور وہ اس کا اختیاری نہ ہو۔ یا ایک گناہ سے فرض کیجئے توبہ کر چکا ہے چڑانے کیلئے اس کا ذکر کرنا جائز نہیں ہے۔ و من لم یتب الخ جو کچھ پہلے ہو چکا اب توبہ کر لو۔ لیکن ان احکام وہدایات سننے کے بعد بھی ان جرائم سے توبہ نہ کی تو اللہ کے نزدیک اصلی ظالم ایسے ہی لوگ ہوں گے البتہ ایسے القاب اگر کسی غرض کیلئے ہوں۔ مثلاً کوئی شخص لنگڑا ہے اور وہ اسی عنوان سے پہچانا جاتا ہے۔ تو پھر اس لقب کے ذکر کرنے میں حرمت نہیں ہوگی۔

اختلافات کی کہانیاں:........ یا ایہا الذین امنوا اجتنبوا۔ باہمی اختلافات وتفریق بڑھانے میں ان امور کو خصوصیت سے دخل ہے۔ ایک فریق دوسرے فریق سے اس طرح بدگمان ہو جاتا ہے کہ حسن ظن کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا مخالف کی کوئی بھی بات ہو اس کا مطلب اپنے خلاف نکال لیتا ہے۔ اس کی بات میں ہزار احتمال بھلائی کے ہوں اور صرف ایک احتمال برائی کا نکلتا ہو۔ مگر ہمیشہ اس کی طبیعت برائی کی طرف چلے گی۔ اور اسی برے اور کمزور پہلو کو قطعی اور یقینی قرار دے کر فریق مقابل پر تہمت والزام لگانا شروع کر دے گا۔ پھر نہ صرف یہ کہ ایک بات اتفاقاً پہنچ گئی۔ بدگمانی سے اس کو غلط معنی پہنا دیئے گئے۔ نہیں اس جستجو میں رہتا ہے کہ دوسری طرف کے اندرونی بھید معلوم ہوں، جس پر ہم خوب حاشیے چڑھائے جائیں اور اس کی غیبت سے اپنی مجلس گرم کریں، مسلمان بھائی کی غیبت کرنا ایسا گندہ اور گھناؤنا کام ہے۔ جیسے کوئی اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت نوچ نوچ کر کھائے۔ کیا کوئی انسان اس کو پسند کرے گا؟ بس سمجھ لو کہ غیبت اس سے بھی زیادہ قابل نفرت کام ہے۔ گوشت نوچ کر کھانے سے اگر جسمانی اذیت ہے تو آبرو جان و مال سے زیادہ عزیز ہوتی ہے کہ کسی کی آبروریزی قلبی اذیت کا باعث ہونے کی وجہ سے زیادہ پاپ ہے۔

مختلف قسم کے گمان اوران کے احکام:........ ظن میں کثیر کے ساتھ بعض کالفظ جو کثیر کو بھی شامل ہے اور جمیع کا مقابل ہے اس لئے فرمایا کہ ظن کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ ایک ظن واجب جیسے فقہی ظن کہ غیر منصوص احکام میں اجتہاد کیا جاتا ہے۔ یا اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھنا کہ واجب ہے۔

دوسرے ظن مباح جیسے معاشیات میں گمان کرنا، مثلاً ایک شخص علانیہ فسق وفجور کرتا ہے۔ شراب پیتا ہے۔ رنڈی بھڑوؤں میں جاتا ہے۔ اس پر فسق کا گمان کرنا جائز ہے۔ مگر یقین نہ کر بیٹھئے جب تک دلائل یقین موجود نہ ہوں اسی طرح غیر اختیاری سوء ظن میں بھی گناہ نہیں جب کہ اس کے مقتضی پر عمل نہ ہو۔ البتہ حتی الامکان اس کو دفع کرے۔

۳۔ تیسرا ظن حرام ہے جیسے الٰہیات اور نبوت میں قطعی دلائل کے بغیر گمان قائم کر لینا یا مسائل کلامیہ اور فقہیہ میں دلائل قطعیہ کے خلاف گمان کر لینا، یا کسی شخص میں فسق کی علامات نہ ہوں، بلکہ آثار صلاح ظاہر ہوں ایسے شخص سے سوء ظن رکھنا حرام ہوگا۔

ان تینوں قسموں میں چونکہ سب اقسام حرام نہیں ہیں بلکہ صرف تیسری قسم حرام اور پہلی دو قسمیں حلال ہیں، اس لئے کلا نہیں فرمایا۔ بلکہ کثیرا فرما دیا اور اس کثرت سے کثرت فی نفسہ مراد ہے کثرت اضافی مراد نہیں۔ اس لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کے افراد دوسری اقسام سے زیادہ ہوں۔ اور اگر عوام کی عام عادتوں کے لحاظ سے دیکھا جائے تو پہلی دو قسموں کے لحاظ سے بھی اس قسم کی کثرت صحیح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ زیادہ تر لوگوں کا

ابتلاء اسی حرام گمان میں رہتا ہے۔ یہ تھی بعض الظن اثم کی تفصیل۔

اور سوءظن کے متعلق جو الخمر سوء الظن مشہور ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مشتبہ شخص کے متعلق خود کو محتاط رکھے یعنی جس شخص سے بدگمانی ہے اس کے بارے میں بدگمانی کے مقتضی پر عمل نہ کرے۔ یعنی نہ اس کی تحقیر کرے اور نہ اس کو ضرر پہنچائے۔ البتہ گمان کرنے والا اپنے متعلق احتیاط رکھے، اس سے چوکنا رہے اور اس کے وار سے بچتا رہے۔

تجسس، غیبت، بہتان کے احکام:........اور چھپ کر یا اپنے کو سوتا ہوا ظاہر کر کے دوسروں کی باتیں سننا تجسس میں داخل ہے۔ البتہ کسی سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو اور اپنی یا دوسرے کسی مسلمان کی حفاظت کے خیال سے نقصان پہنچانے والے کے ارادوں اور تدابیر کی ٹوہ لگائے تو جائز ہے۔ اور غیبت کہتے ہیں پیٹھ پیچھے کسی کی ایسی برائی بیان کرنا جو اس کو نا گوار ہو گو وہ سچی بات ہی ہو۔ اور غلط بات کہی جائے جس میں غیبت سے بھی زیادہ دیدہ دلیری ہوتی ہے تو اس کو اتہام و بہتان کہا جائے گا۔

اور پیٹھ پیچھے کی قید کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سامنے برائی کرنا جائز ہوگا۔ البتہ اس کو غیبت نہیں لمز کہا جائے گا جو گناہ ہے۔

۱۔ اور جس غیبت سے کم تکلیف ہوتی ہو۔ جیسے کسی مکان یا سواری کی برائی کرنا۔ وہ گناہ صغیرہ ہے۔

۲۔ اور جس سے زیادہ تکلیف ہو محقق یہ ہے کہ وہ غیبت گناہ کبیرہ ہے۔

۳۔ اور جو شخص غیبت کے دفع پر قدرت رکھتا ہو مگر پھر بلا اضطرار غیبت سنے، اس غیبت سننے کا حکم بھی غیبت کرنے کے برابر ہے اور غیبت میں چونکہ اللہ اور بندہ دونوں کا حق تلف ہوتا ہے۔

۴۔ اس لئے اول کے لحاظ سے توبہ۔

۵۔ اور دوسرے کی رو سے معاف کرانا بھی ضروری ہے۔

۶۔ البتہ روح المعانی میں حسن، خیاطی، ابن الصباغ نووی، ابن الصلاح، زرکشی، عبدالبر، جیسے علماء سے نقل کیا ہے کہ جب تک متعلقہ شخص کو غیبت کی اطلاع نہ ہو بندے کا حق متعلق نہیں ہوتا۔ تاہم جن لوگوں کے سامنے غیبت کی تھی ان کے سامنے اپنی تردید و تکذیب کرنا ضروری ہوگا ہاں اگر ممکن نہ ہو تو مجبوری ہے۔

۷۔ اور جس کی غیبت کی جائے اس کی وفات کے بعد اس کے وارثوں سے معاف کرانا کافی نہیں ہوگا بلکہ اپنے اور متعلقہ شخص کے لئے بکثرت استغفار کرتا رہے۔

۸۔ اور بچہ (۹) مجنون اور (۱۰) ذمی کافر کی غیبت بھی حرام ہے کیونکہ ان کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔

۱۱۔ البتہ کافر حربی کو اگرچہ ایذاء پہنچانا جائز ہے مگر ان کی غیبت تضیع اوقات ہے اس لئے مکروہ ہے۔

۱۲۔ اور غیبت جس طرح زبان و کلام سے ہوتی ہے اسی طرح فعل سے بھی ہو سکتی ہے جیسے لنگڑے کی نقل بنا کر چلنا تحقیر کی نیت سے وہ بھی ناجائز ہے۔

۱۳۔ اور غیبت کرنے والا اگر معافی چاہے تو جس کی غیبت کی ہے اس کو معاف کر دینا مستحب ہے کیونکہ تبرع ہے۔

بعض روایات سے ثابت ہے کہ یہ آیت غیبت عام مخصوص البعض ہے۔ چنانچہ برائی بیان کرنے میں اگر کوئی شرعی مصلحت ہو تو وہ غیبت حرام نہیں ہوگی۔ مثلاً

۱۔ ظالم کی شکایت کسی ایسے شخص سے کرنا جو اس کے ظلم کو روک سکے۔

۲۔ معالج ڈاکٹر سے بیمار کا حال بتلانا۔
۳۔ فتویٰ کی ضرورت سے صحیح صورت حال مفتی کو بتلانا۔
۴۔ محدثین کے اصول حدیث کی رو سے احادیث کی حفاظت کے لئے راویوں پر جرح کرنا۔
۵۔ مسلمانوں کو کسی شر سے خواہ وہ دنیاوی ہو یا دینی، بچانے کے لئے کسی کا حال بتلا دینا۔
۶۔ یا مشورہ لینے کی غرض سے کسی کا حال ظاہر کرنا۔ جیسے وکیل اور بیرسٹر جو مقدمات کی پیروی کرتے ہیں۔
۷۔ جو شخص اپنے فسق کو خود آشکارا کرتا پھرتا ہو اس کا حال بیان کرنا۔ آیت ایحب احد کم میں صرف غیبت کی مذمت ممکن ہے اس کی کثرت ابتلاء کی وجہ سے ہو۔

واتقوا اللہ۔ ظاہر ہے کہ ان نصیحتوں پر کاربند وہی رہے گا جس کے دل میں خدا کا ڈر ہو یہ نہیں تو کچھ نہیں، چاہیے کہ ایمان و اسلام کا دعویٰ رکھنے والے واقعی طور پر خدائے قہار کے غضب سے ڈریں اور ایسی ناشائستہ حرکتوں کے قریب نہ جائیں۔ اگر پہلے کچھ غلطیاں اور کمزوریاں سرزد ہو گئیں تو اللہ کے سامنے صدق دل سے توبہ کریں وہ اپنی مہربانی سے معاف فرما دے گا۔ تفاخر نسبی کی طرح دعویٰ تقدس کی ممانعت بھی اس آیت سے مفہوم ہو رہی ہے۔

فلا تزکوا انفسکم هو اعلم بمن اتقیٰ (سورۃ النجم)
سبحان اللہ کیسی بیش بہا ہدایات ہیں۔ آج اگر مسلمان سمجھیں تو ان کے سب امراض کا مکمل علاج اسی ایک سورہ حجرات میں موجود ہے۔ مسلمان اگر ان پر عمل کریں تو جو اختلافات بد قسمتی سے پیش آ جاتے ہیں، وہ اپنی حد سے آگے نہ بڑھیں اور ان کا ضرر بہت محدود ہو جائے۔ بلکہ چند روزہ کوشش سے نفسانی اختلافات کا خاتمہ ہو جائے۔

مدار فضیلت خاندانی اونچ نیچ نہیں، بلکہ ایمان و عمل ہے:............یا ایها الناس انا خلقنکم، غیبت، طعن و تشنیع، عیب جوئی کا اکثر منشاء کبر ہوا کرتا ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اصل میں انسان کا بڑا چھوٹا ہونا، معزز حقیر ہونا، ذات پات، خاندان اور نسب سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ جو شخص جس قدر نیک خصلت، مہذب، پرہیزگار ہوگا اتنا ہی اللہ کے یہاں معزز و مکرم ہے نسب کی حقیقت تو یہ ہے کہ سارے آدمی ایک مرد، ایک عورت آدم و حوا، کی اولاد ہیں۔ شیخ، سید، مغل، پٹھان، صدیقی، فاروقی، علوی، انصاری، وغیرہ سب ہی کا سلسلہ ایک ماں باپ پر ختم ہوتا ہے۔ یہ خاندان اور برادریاں اللہ نے محض تعارف اور شناخت کے لئے مقرر کی ہیں۔ بلاشبہ حق تعالیٰ جس کو کسی شریف اور معزز بزرگ گھرانہ میں پیدا کر دے۔ وہ ایک وہبی، غیر اختیاری شرف و نعمت ہے جیسے آواز کا سریلا اور صورت کا حسین و شکیل ہونا غیر اختیاری ہے جو بہر حال مستحسن ضرور ہے۔ لیکن یہ فخر و ناز کی چیز نہیں ہے کہ اس کو معیار کمال اور مدار فضیلت سمجھ لیا جائے، اور دوسروں کو حقیر سمجھا جائے۔ ہاں البتہ اس کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اس نے بلا کسب و اختیار شرف نسبی عطا فرمایا اور شکر میں یہ بھی داخل ہے کہ غرور و تفاخر سے باز رہے اور اس نعمت کو کمینہ خصلتوں اور برے اخلاق سے خراب نہ ہونے دے۔ بہر حال عزت و شرف اور فضیلت و بزرگی کا اصل معیار نسب نہیں ہے کہ غیر اختیاری ہے بلکہ صلاح و تقویٰ اور اعمال صالحہ ہیں جو کمالات اختیاری اور کسبی ہیں اور ادب و تقویٰ کا تعلق دل سے ہے اور اللہ ہی کو خبر ہے کہ جو شخص ظاہر میں متقی نظر آتا ہے وہ واقعہ میں کیسا ہے؟ اور آئندہ کیسا رہے گا؟

خاندانوں کا اختلاف تعارف کے لئے ہے اور تعارف مختلف مصالح کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مثلاً
۱۔ ایک ہی نام کے دو شخص ہیں مگر خاندانوں کے امتیاز سے ان میں امتیاز ہو جاتا ہے۔

۲۔ دور کے اور پاس کے رشتہ داروں کی پہچان ہوتی ہے اور اسی قرب و بعد کے لحاظ سے پھر قرابت داروں کے شرعی حقوق ادا کئے جاتے ہیں۔
۳۔ اس سے عصبات کا قرب و بعد معلوم ہو کر حاجب و محجوب متعین ہو جاتے ہیں۔
۴۔ اپنا خاندان معلوم ہوگا تو دوسرے خاندان کی طرف خود کو منسوب نہیں کرے گا۔ جس کی ممانعت حدیث میں آتی ہے۔

اسلام ناز کی بجائے نیاز کو پسند کرتا ہے۔ قالت الاعراب۔ اس میں ایک ایسی جماعت کی برائی بیان کی جارہی ہے جنہوں نے بطور ریا ایمان کا دعویٰ اور اظہار کیا تھا۔ اور چونکہ ان کا دعویٰ غلط تھا اس لئے برائی اور بھی بڑھ گئی اور سورت کے شروع میں آداب نبوی ﷺ سے متعلق مضمون تھا بطور احسان ان کا یہ دعویٰ علاوہ جھوٹ اور ریا کے آپ کے ساتھ ایک قسم کی گستاخی اور خلاف آداب بھی ہے۔ اس لئے یہ مضمون جس طرح سابقہ قریبی آیات سے مربوط ہے اسی طرح شروع سورت کے مضمون سے بھی مربوط ہے پس آداب نبوی سے سورت کا شروع اور اسی پر اختتام آپ کی عظمت شان کی طرف مشیر ہے۔ اور نیز اس طرف کہ اصل حقوق میں آپ ہی ہیں اور دوسرے اہل حقوق جن کا ذکر درمیان میں آ گیا وہ اس لحاظ سے حقوق میں تابع ہیں کہ اکثر حقوق مسلمانوں سے متعلق ہیں اور اسلام میں یہ شرکت آپ ہی کی بدولت ہوئی۔

آنحضرت اور خود مسلمانوں کے باہمی حقوق کا خلاصہ: .... گویا اس ایک ادب ہی کی یہ ساری تفصیلات ہیں ورنہ اگر سب کو الگ الگ شمار کیا جائے تو چھ آداب اور آنحضرت ﷺ سے متعلق بیان ہوئے ہیں۔
(۱) لا تقدموا۔ (۲) لا ترفعوا۔ (۳) لا تجهروا۔ (۴) لو انهم صبروا۔ (۵) ان جاء کم فاسق۔ (۶) واعلموا اور آٹھ حکم مسلمانوں سے متعلق ہیں اور یہ آیت قالت الاعراب الخ مشترک حکم۔ اس طرح اس سورت میں کل پندرہ احکام ہیں۔
اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ ایمان و یقین جب پوری طرح دل میں راسخ ہو جاتے ہیں اور جڑ پکڑ لیتے ہیں اس وقت غیبت، عیب جوئی وغیرہ کی بری خصلتیں آدمی سے دور ہو جاتی ہیں اور جو شخص دوسروں کے عیب ڈھونڈنے میں اور آزار پہنچانے میں مصروف ہو سمجھ لے کہ ابھی ایمان اس کے دل میں پوری طرح پیوست نہیں ہوا۔
حدیث میں ہے کہ یا معشر من امن بلسانه ولم یغض الایمان الیٰ قلبه لا تغتابوا المسلمین ولا تبتغوا عوراتهم اس آیت سے اور حدیث جبریل سے ایمان و اسلام میں فرق ظاہر ہے۔ لیکن اگر اسلام سے یہاں لغوی معنی مراد لئے جائیں تو پھر یہ استدلال صحیح نہیں رہتا۔ تفصیلات کا یہ موقعہ نہیں ہے۔
انما المؤمنون الخ۔ یعنی سچے مومن کی شان یہ ہوتی ہے کہ اللہ و رسول پر پختہ اعتقاد رکھتا ہو اور ان کی راہ میں ہر طرح جان و مال سے حاضر رہے۔
قل اتعلمون الله۔ یعنی اگر واقعی سچا دین اور پورا یقین تمہیں حاصل ہے تو کہنے اور جتلانے کی کیا ضرورت جس سے معاملہ ہے وہ خود باخبر ہے۔

اسلام لانا کچھ اسلام پر احسان نہیں: .... یمنون علیك ان اسلموا۔ بعض دیہاتی اور گنوار آ کر کہتے ہیں کہ دیکھو ہم بغیر لڑائی بھڑائی کے مسلمان ہو گئے اس کا جواب آگے ہے اس پر شبہ نہ کیا جائے کہ انہوں نے تو آمنا کہا تھا اسلمنا نہیں کہا تھا؟
جواب یہ ہے کہ اگر ان اسلمنا ہوتا تو شبہ کی گنجائش تھی۔ کیونکہ صیغہ غائب تو ان کا کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ ان کے ایمان کو پہلے اسلام فرمایا اور وہ اس کے مدعی تھے۔ اس لئے اسلموا سے یہ مقصد ہے کہ وہ اپنی ظاہری اطاعت کو جس کو فی الواقع اسلام کہنا زیادہ موزوں ہے۔ ایمان کہتے

ہیں اور آپ پر احسان رکھتے ہیں۔ اور آگے اسلامکم میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔

نیز ھداکم للایمان میں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ان کا ایمان تسلیم کرلیا گیا ہے؟ کیونکہ یہاں گفتگو بطور فرض کے کی جارہی ہے گویا ان کے قول کی حکایت ہے۔ چنانچہ ان کنتم صادقین اس کا قرینہ ہے یعنی اگر بالفرض تمہارے دعویٰ ایمان کو مان لیا جائے تو بھی یہ خدا کا احسان سمجھنا چاہیے نہ کہ اپنا ؎

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کند　　منت ازو شناس کہ بخدمت بداشتت

(بیان القرآن، فوائد عثمانی)

لطائف آیات:.........یٰا ایھا الذین اٰمنوا لا یسخر الخ ان آیات میں ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم تک مکارم اخلاق کی تعلیم ہے قالت الاعراب۔ اس میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ اپنے اعمال پر نظر نہ رکھو۔ بلکہ ہدایت کے سلسلہ میں اللہ کا احسان سمجھو۔

سُـــوْرَۃُ قٓ

سُوْرَۃُ قٓ مَکِّیَّۃٌ اِلَّا وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ الآیۃ فَمَدَنِیَّۃٌ خَمْسٌ وَّاَرْبَعُوْنَ آیَۃً

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿﴾

قٓ اَللّٰہ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِہٖ **وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ﴿۱﴾** الْکَرِیْمِ مَا اٰمَنَ کُفَّارُ مَکَّۃَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ **بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَھُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْھُمْ** رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یُنْذِرُھُمْ یُخَوِّفُھُمْ بِالنَّارِ بَعْدَ الْبَعْثِ **فَقَالَ الْکٰفِرُوْنَ ھٰذَا** الْاِنْذَارُ **شَیْءٌ عَجِیْبٌ ﴿۲﴾ ءَاِذَا** بِتَحْقِیْقِ الْھَمْزَتَیْنِ وَ تَسْھِیْلِ الثَّانِیَۃِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَیْنَھُمَا عَلَی الْوَجْھَیْنِ **مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا** نرجِعُ **ذٰلِکَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ ﴿۳﴾** فِیْ غَایَۃِ الْبُعْدِ **قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ** تَاْکُلُ **مِنْھُمْ ۚ وَعِنْدَنَا کِتٰبٌ حَفِیْظٌ ﴿۴﴾** ھُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ فِیْہِ جَمِیْعُ الْاَشْیَاءِ الْمُقَدَّرَۃِ **بَلْ کَذَّبُوْا بِالْحَقِّ** بِالْقُرْاٰنِ **لَمَّا جَآءَھُمْ فَھُمْ** فِیْ شَانِ النَّبِیِّ وَالْقُرْاٰنِ **فِیْٓ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ ﴿۵﴾** مُضْطَرِبٍ قَالُوْ مَرَّۃً سَاحِرٌ وَ سِحْرٌ وَ مَرَّۃً شَاعِرٌ وَ شِعْرٌ وَ مَرَّۃً کَاھِنٌ وَ کَھَانَۃٌ **اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا** بِعُیُوْنِھِمْ مُعْتَبِرِیْنَ بِعُقُوْلِھِمْ حِیْنَ اَنْکَرُوْا الْبَعْثَ **اِلَی السَّمَآءِ** کَائِنَۃً **فَوْقَھُمْ کَیْفَ بَنَیْنٰھَا** بِلَا عَمَدٍ **وَزَیَّنّٰھَا** بِالْکَوَاکِبِ **وَمَا لَھَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴿۶﴾** شُقُوْقٍ تَعِیْبُھَا **وَالْاَرْضَ** مَعْطُوْفٌ عَلٰی مَوْضِعِ اِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ **مَدَدْنٰھَا** دَحَوْنَا عَلٰی وَجْہِ الْمَآءِ **وَاَلْقَیْنَا فِیْھَا رَوَاسِیَ** جِبَالًا تُثَبِّتُھَا **وَاَنْۢبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍ** صِنْفٍ **بَھِیْجٍ ﴿۷﴾** یُبْھَجُ بِہٖ لِحُسْنِہٖ **تَبْصِرَۃً** مَفْعُوْلٌ لَہٗ اَیْ فَعَلْنَا ذٰلِکَ تَبْصِیْرًا مِنَّا **وَّذِکْرٰی** تَذْکِیْرًا **لِکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ﴿۸﴾** رَجَّاعٍ عَلٰی طَاعَتِنَا **وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَکًا** کَثِیْرَ الْبَرَکَۃِ **فَاَنْۢبَتْنَا بِہٖ جَنّٰتٍ** بَسَاتِیْنَ **وَّحَبَّ الزَّرْعِ الْحَصِیْدِ ﴿۹﴾** الْمَحْصُوْدِ **وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ** طِوَالًا حَالٌ مُقَدَّرَۃٌ **لَّھَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ ﴿۱۰﴾** مُتَرَاکِبٌ بَعْضُہٗ فَوْقَ بَعْضٍ **رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ** مَفْعُوْلٌ لَہٗ **وَاَحْیَیْنَا بِہٖ بَلْدَۃً مَّیْتًا** یَسْتَوِیْ فِیْہِ الْمُذَکَّرُ وَ الْمُؤَنَّثُ **کَذٰلِکَ** اَیْ مِثْلَ ھٰذِہِ الْاَحْیَاءِ **الْخُرُوْجُ ﴿۱۱﴾** مِنَ الْقُبُوْرِ فَکَیْفَ تُنْکِرُوْنَہٗ وَالْاِسْتِفْھَامُ لِلتَّقْرِیْرِ وَالْمَعْنٰی اَنَّھُمْ نَظَرُوْا وَعَلِمُوْا مَا ذُکِرَ **کَذَّبَتْ قَبْلَھُمْ قَوْمُ نُوْحٍ** تَانِیْثُ الْفِعْلِ لِمَعْنٰی قَوْمٍ **وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ** بِئْرٍ کَانُوْا مُقِیْمِیْنَ

عَلَيْهَا بِمَوَاشِيْهِمْ يَعْبُدُوْنَ الْاَصْنَامَ وَنَبِيُّهُمْ قِيْلَ حَنْظَلَةُ بْنُ صَفْوَانَ وَقِيْلَ غَيْرُهُ **وَ ثَمُوْدُ** ﴿۱۲﴾ قَوْمُ صَالِحٍ **وَ عَادٌ** قَوْمُ هُوْدٍ **وَّ فِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ** ﴿۱۳﴾ **وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ** اَىِ الْغَيْطَةِ قَوْمُ شُعَيْبٍ **وَقَوْمُ تُبَّعٍ** هُوَ مَلِكٌ كَانَ بِالْيَمَنِ اَسْلَمَ وَدَعَا قَوْمَهُ اِلَى الْاِسْلَامِ فَكَذَّبُوْهُ **كُلٌّ** مِنَ الْمَذْكُوْرِيْنَ **كَذَّبَ الرُّسُلَ** كَقُرَيْشٍ **فَحَقَّ وَعِيْدِ** ﴿۱۴﴾ وَجَبَ نُزُوْلُ الْعَذَابِ عَلَى الْجَمِيْعِ فَلَا يَضِيْقُ صَدْرُكَ مِنْ كُفَّارِ قُرَيْشٍ بِكَ **اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ** اَىْ لَمْ نَعْىَ بِهِ فَلَا نَعْىَ بِالْاِعَادَةِ **بَلْ هُمْ فِىْ لَبْسٍ** شَكٍّ **مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ** ﴿۱۵﴾ وَهُوَ الْبَعْثُ **وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ** حَالٌ بِتَقْدِيْرِ نَحْنُ **مَا** مَصْدَرِيَّةٌ **تُوَسْوِسُ** تُحَدِّثُ **بِهٖ** الْبَاءُ زَائِدَةٌ اَوْ لِلتَّعْدِيَةِ وَالضَّمِيْرُ لِلْاِنْسَانِ **نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ** بِالْعِلْمِ **مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ** ﴿۱۶﴾ اَلْاِضَافَةُ لِلْبَيَانِ وَالْوَرِيْدَانِ عِرْقَانِ بِصَفْحَتَيِ الْعُنُقِ **اِذْ** نَاصِبَةٌ اُذْكُرْ مُقَدَّرًا **يَتَلَقَّى** يَاْخُذُ وَيُثْبِتُ **الْمُتَلَقِّيٰنِ** الْمَلَكَانِ الْمُوَكَّلَانِ بِالْاِنْسَانِ مَا يَعْمَلُهُ **عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ** مِنْهُ **قَعِيْدٌ** ﴿۱۷﴾ اَىْ قَاعِدَانِ وَهُوَ مُبْتَدَاٌ خَبَرُهُ مَا قَبْلَهُ **مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ** حَافِظٌ **عَتِيْدٌ** ﴿۱۸﴾ حَاضِرٌ وَكُلٌّ مِنْهُمَا بِمَعْنَى الْمُثَنّٰى **وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ** غَمْرَتُهُ وَشِدَّتُهُ **بِالْحَقِّ** مِنْ اَمْرِ الْاٰخِرَةِ حَتّٰى يَرَاهُ الْمُنْكِرُ لَهَا عِيَانًا وَهُوَ نَفْسُ الشِّدَّةِ **ذٰلِكَ** اَىِ الْمَوْتُ **مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ** ﴿۱۹﴾ تَهْرُبُ وَتَفْزَعُ **وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ** لِلْبَعْثِ **ذٰلِكَ** اَىْ يَوْمُ النَّفْخِ **يَوْمُ الْوَعِيْدِ** ﴿۲۰﴾ لِلْكُفَّارِ بِالْعَذَابِ **وَجَآءَتْ** فِيْهِ **كُلُّ نَفْسٍ** اِلَى الْمَحْشَرِ **مَّعَهَا سَآئِقٌ** مَلَكٌ يَسُوْقُهَا اِلَيْهِ **وَّشَهِيْدٌ** ﴿۲۱﴾ يَشْهَدُ عَلَيْهَا بِعَمَلِهَا وَهُوَ الْاَيْدِىْ وَالْاَرْجُلُ وَغَيْرُهَا وَيُقَالُ لِلْكَافِرِ **لَقَدْ كُنْتَ** فِى الدُّنْيَا **فِىْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا** النَّازِلِ بِكَ الْيَوْمَ **فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ** اَزَلْنَا غَفْلَتَكَ بِمَا تُشَاهِدُهُ الْيَوْمَ **فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ** ﴿۲۲﴾ حَادٌّ تُدْرِكُ بِهٖ مَا اَنْكَرْتَهُ فِى الدُّنْيَا **وَقَالَ قَرِيْنُهٗ** الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهٖ **هٰذَا مَا** اَىِ الَّذِىْ **لَدَىَّ عَتِيْدٌ** ﴿۲۳﴾ حَاضِرٌ فَيُقَالُ لِمَالِكٍ **اَلْقِيَا فِىْ جَهَنَّمَ** اَىْ اَلْقِ اَلْقِ اَوْ اَلْقِيَنَّ وَبِهٖ قَرَاَ الْحَسَنُ فَاُبْدِلَتِ النُّوْنُ اَلِفًا **كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ** ﴿۲۴﴾ مُعَانِدًا لِلْحَقِّ **مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ** كَالزَّكٰوةِ **مُعْتَدٍ** ظَالِمٍ **مُّرِيْبٍ** ﴿۲۵﴾ شَاكٍّ فِىْ دِيْنِهٖ **اِۨلَّذِىْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ** مُبْتَدَاٌ ضُمِّنَ مَعْنَى الشَّرْطِ خَبَرُهُ **فَاَلْقِيٰهُ فِى الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ** ﴿۲۶﴾ تَفْسِيْرُهُ مِثْلُ مَا تَقَدَّمَ **قَالَ قَرِيْنُهٗ** الشَّيْطَانُ **رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ** اَضْلَلْتُهُ **وَلٰكِنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ** ﴿۲۷﴾ فَدَعَوْتُهُ فَاسْتَجَابَ لِىْ وَقَالَ هُوَ اَطْغَانِىْ بِدُعَائِهٖ اِلَىَّ **قَالَ** تَعَالٰى **لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَىَّ** اَىْ مَا يَنْفَعُ الْخِصَامُ هُنَا **وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ** فِى الدُّنْيَا **بِالْوَعِيْدِ** ﴿۲۸﴾ بِالْعَذَابِ فِى الْاٰخِرَةِ لَوْ لَمْ تُؤْمِنُوْا وَلَا بُدَّ مِنْهُ **مَا يُبَدَّلُ** يُغَيَّرُ **الْقَوْلُ لَدَىَّ** فِىْ ذٰلِكَ **وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ** ﴿۲۹﴾ فَاُعَذِّبُهُمْ بِغَيْرِ جُرْمٍ وَظَلَّامٌ بِمَعْنٰى ذِىْ ظُلْمٍ لِقَوْلِهٖ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ وَلَا مَفْهُوْمَ لَهٗ۔

ترجمہ:............سورۃ ق مکیہ ہے بجز آیت ولقد خلقنا السمٰوات کے وہ مدنیہ ہے۔ کل ۴۵ آیات ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ق (اس کی مراد حقیقی اللہ کو معلوم ہے) قسم ہے قران مجید کی (جو کریم ہے کہ کفار مکہ آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لائے بلکہ ان کو اس پر حیرت ہوئی کہ ان کے پاس ان ہی میں ایک ڈرانے والا آیا (انہی میں سے ایک فرد پیغمبر ہے۔ جو ان کو قیامت کے عذاب سے ڈراتا ہے) سو کافر کہنے لگے کہ یہ (ڈرانا) عجیب بات ہے کیا جب (اس میں دونوں ہمزہ کی تحقیق ہے اور دوسری ہمزہ کی تسہیل ہے اور ان دونوں صورتوں میں دونوں ہمزہ کے درمیان الف ہے یہ چار قراءتیں ہوئیں) ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے (تو پھر دوبارہ زندہ ہوں گے) یہ دوبارہ زندہ ہونا بہت ہی بعید (انتہائی) دور کی بات ہے، ہم ان کے اجزاء کو جانتے ہیں جن کو مٹی (کھالیتی) کم کر دیتی ہے اور ہمارے پاس محفوظ کتاب ہے (یعنی لوح محفوظ، جس میں تمام ہونے والی باتیں درج ہیں)۔ بلکہ وہ سچی بات (قرآن) کو جھٹلا دیتے ہیں جب کہ ان کے پاس پہنچتی ہے۔ غرضیکہ یہ لوگ (آنحضرت ﷺ اور قران کریم کے معاملہ میں) ایک متزلزل حالت میں ہیں (ڈانوا ڈول ہیں کہ کبھی جادوگر اور جادو کہتے ہیں اور کبھی شاعر وشعر اور کبھی کاہن اور کہانت کہتے ہیں) کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں (اپنی آنکھوں سے عقلوں کو کام میں لاکر، انکار قیامت کرتے ہوئے، آسمان کو جو ان کے اوپر ہے کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا ہے (بلا ستون کے) اور اس کو (ستاروں سے) آراستہ کر دیا اور اس میں کوئی رخنہ (عیب و پھٹن) نہیں ہے اور زمین کو (اس کا عطف الی السماء کے محل پر ہو رہا ہے کس طرح) ہم نے پھیلا دیا ہے (پانی پر بچھا دیا ہے اور ہم نے اس میں (مضبوط پہاڑوں کو جما دیا ہے اور اس میں ہر قسم (طرح طرح) کی خوشنما چیزیں اگا دیں (جن سے ان کے حسن میں رونق آ گئی جو ذریعہ ہے بینائی (یہ مفعول لہ ہے یعنی ہم نے ان کو بینائی کے لئے بنایا) اور دانائی (نصیحت) کا ہر فرمانبردار (ہمارے اطاعت گزار) بندے کے لئے اور ہم نے آسمان سے (بہت) برکت والا پانی برسایا پھر اس سے، بہت باغ (چمن) اگائے اور کٹی ہوئی کھیتی کا غلہ (دانے) اور لمبی لمبی (یہ حال مقدر ہے) کھجور کے درخت جن کے گچھے گندھے ہوئے ہوتے ہیں (ایک دوسرے پر تہہ بہ تہہ) بندوں کے رزق کے لئے (مفعول لہ ہے) اور ہم نے اس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو آباد کیا (میتا میں مذکر مونث کے برابر ہیں) اسی طرح (جیسے یہ زندہ کرنا ہے) قبروں سے نکلنا ہوگا (پھر کیسے قبروں سے زندہ ہونے کا انکار کر رہے ہو استفہام تقریر کے لئے ہے یعنی یہ لوگ ان چیزوں کو دیکھ رہے ہیں اور خوب جانتے ہیں ان سے پہلے قوم نوح (کذبت فعل مونث لایا گیا معنی قوم کی رعایت کرتے ہوئے) اور اصحاب الرس (یہ ایک کنواں تھا جس پر اپنے جانوروں سمیت لوگ رہا کرتے تھے۔ اور بت پرستی کیا کرتے تھے۔ بعض کی رائے میں ان کے پیغمبر حضرت حنظلہ ابن صفوان یا دوسرے کوئی بزرگ تھے) اور ثمود (قوم صالح) اور عاد (قوم ہود) اور فرعون اور قوم لوط اور اصحاب الایکہ (بمعنی جھاڑی بن۔ قوم شعیب مراد ہے) اور قوم تبع (تبع یمن کا بادشاہ جو مسلمان ہو گیا تھا۔ لیکن اس نے اپنی قوم کو جب اسلام کی دعوت پیش کی تو قوم نے اس کو جھٹلایا) تکذیب کر چکے ہیں۔ ان سب نے (قریش کی طرح) سب پیغمبروں کو جھٹلایا۔ سو میری وعید محقق ہو گئی (سب پر عذاب نازل کرنا لازمی ہو گیا۔ لہٰذا آپ کو قریش کے کفر سے تنگ دل نہیں ہونا چاہیے) کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے میں تھک گئے ہیں؟ یعنی نہیں تھکے، اس لئے دوبارہ پیدا کرنے میں بھی نہیں تھکیں گے) بلکہ یہ لوگ از سر نو پیدا کرنے کی طرف سے (قیامت کے متعلق) شبہ میں ہیں اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہیں (یہ حال ہے، بتقدیر نحن) جو کچھ (ما مصدریہ ہے) خیالات آتے ہیں (پیدا ہوتے ہیں) اس کے (با زائد ہے یا تعدیہ کے لئے ہے اور بہ کی ضمیر انسان کی طرف سے راجع ہے) جی میں اور ہم انسان کے (علم کے لحاظ سے) اتنے قریب ہیں کہ اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہیں (حبل الورید میں اضافت بیانیہ ہے اور ورید گردن کے دونوں طرف کی رگوں کو کہتے ہیں) جب کہ حاصل کرتے رہتے ہیں (لیتے اور قلمبند کرتے رہتے ہیں) اخذ کرنے والے دو فرشتے (انسان کے عمل پر جو دو فرشتے مقرر ہیں) جو (اس کے) دائیں

بائیں بیٹھے رہتے ہیں (یہ مبتداء ہے اس کی خبر پہلے ہے) وہ کوئی لفظ منہ سے نکالنے نہیں پاتا۔ مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا (نگران) تیار (حاضر) رہتا ہے (رقیب وعتید دونوں لفظ تثنیہ کے معنی میں ہیں) اور موت کی سختی (بے ہوشی اور شدت) حقیقۃً آ پہنچی (یہ آخرت کے متعلق ہے حتی کہ ایک منکر بھی اس کو کھلم کھلا دیکھتا ہے یعنی نفس شدت ہے) یہ وہ چیز ہے جس سے تو بدکتا تھا (بھاگتا اور گھبراتا تھا) اور صور (قیامت) پھونکا جائے گا۔ یہی (صور پھونکنے کا روز) وعید کا دن ہوگا (کفار کے لئے عذاب کا) اور آئے گا (اس روز) ہر شخص (محشر کی طرف) اس طرح کہ اس کے ساتھ ایک اس کو اپنے ہمراہ لائے گا (فرشتہ جو محشر کی طرف اس کو دھکیلے گا) اور ایک گواہ ہوگا (جو اس کے اعمال کی شہادت دے گا یعنی اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اور کافر سے کہا جائے گا) تو (دنیا میں) بے خبر تھا اس سے (جو کچھ آج عذاب ہو رہا ہے) سو اب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ اُٹھا دیا (تیری غفلت دور کر دی جو کچھ آج تیرے مشاہدہ میں آ رہا ہے) سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے (جن باتوں کا دنیا میں انکار کرتا تھا وہ اب تجھے محسوس ہو رہی ہیں) اور جو فرشتہ (موکل) اس کے ساتھ رہا کرتا تھا وہ عرض کرے گا کہ یہ وہ ہے جو میرے پاس تیار ہے (حاضر، دوزخ کے داروغہ سے کہا جائے گا) دوزخ میں جھونک دو (یعنی ڈال دو، یا القین جیسا کہ حسنؒ کی قراءت ہے۔ نون کو الف سے بدل لیا) ہر کفر کرنے والے کو ضدی کو (جو حق سے عناد رکھتا ہو) جو نیک کام (جیسے زکوٰۃ) سے روکتا ہو جو حد سے بڑھنے والا (ظالم) شبہ پیدا کرنے والا (اپنے دین میں شک ڈالنے والا ہو) جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو (یہ جملہ متضمن معنی شرط کو مبتدا ہے آگے خبر ہے) سو ایسے شخص کو سخت عذاب میں ڈال دو (اس کی تفسیر پہلے جیسی ہے) اس کا ساتھی (شیطان) بولے گا اے ہمارے پروردگار میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا (بہلایا نہیں تھا) لیکن یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا (میں نے اس کو بلایا ضرور تھا۔ مگر یہ خود میرے بہکانے میں آ گیا اور پھر کہتا ہے کہ شیطان نے مجھے بہکا کر گمراہی میں ڈال دیا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ میرے سامنے جھگڑنے کی باتیں مت کرو یعنی اس وقت جھگڑنا بے فائدہ ہے) اور میں تو پہلے ہی (دنیا میں) وعید بھیج چکا تھا (عذاب آخرت کی ایمان نہ لانے کی صورت میں وہ ہو کر رہے گا) میرے ہاں بات نہیں بدلی (پھیری) جاتی (اس سلسلہ میں) اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں (کہ بلا جرم ان کو سزا دے ڈالوں ظلّام ظالم کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے **لا ظلم الیوم** مبالغہ کا مفہوم مراد نہیں ہے۔

تحقیق وترکیب: .... **والقرآن**۔ تفسیری عبارت جواب قسم کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ ہے اور اس پر قرینہ بعد کی آیت ان جاءھم منذر ہے۔ اور بعض نے **قد علمنا ما تنقص** کو جواب مانا ہے اور اس پر لازم آنا چاہیے تھا۔ مگر طول کلام کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے، اور بعض کے نزدیک جواب قسم آئندہ آیت **ما یلفظ من قول** ہے۔ اس سے پہلی آیات میں اس کے قائم مقام ہوگئی ہیں۔ جیسے **والشمس** الخ کا جواب **قد افلح من زکھا** ہے۔

بل عجبوا۔ یہ محذوف جواب قسم سے اضراب ہے اور اظہار تعجب ان کی کوتاہ عقلوں کی وجہ سے کیا گیا ہے ورنہ فی نفسہ اور عقل کامل کے لحاظ سے انبیاء کا آنا تعجب خیز نہیں ہے۔ بلکہ نہ آنا تعجب خیز ہوتا۔

وکنا ترابا۔ موت اور مٹی ہو جانا باعث تعجب نہیں ہے۔ بلکہ دوبارہ زندہ ہونا جس کو مفسرؒ نے نرجع سے تعبیر کیا ہے تعجب خیز بنا ہے مگر ظاہر ہونے کی وجہ سے آیت میں ذکر نہیں کیا۔

قد علمنا۔ علم الٰہی جس کے تمام اجزاء کو محیط ہے اس لئے وہ دوبارہ جلانے پر بھی قادر ہے۔

وعندنا۔ یہ جملہ حالیہ ہے کلام تشبیہی ہے جس طرح کسی کے پاس کتاب ہو جس میں تمام باتیں محفوظ ہوں۔ اسی طرح علم الٰہی سب چیزیں محفوظ ہیں لوح محفوظ کی مثال انسانی دماغ جیسی ہے کہ چھوٹا ہونے کے باوجود کتنی معلومات کا خزانہ ہوتا ہے اور لوح محفوظ تو سفید موتی کا ہے جو

ساتویں آسمان پر ہوا میں معلق ہے، جس کا حجم آسمان زمین مشرق مغرب کے برابر ہے۔
فی امر مریج۔ قاموس میں ہے کہ مرج کے معنی فساد و اضطراب کے ہیں۔ یہاں اسناد مجازی ہے کیونکہ صاحب امر مریج ہوتا ہے۔
کیف بنیناھا۔ مفعول سے حال ہے مخاطب کو اقرار پر آمادہ کرنے کے لئے استفہام ہے۔
مالھا من فروج. سورۂ ملک میں ھل تری من فطور فلسفہ کے اصطلاحی فرق والتیام کے محال ہونے یا انکار قیامت پر اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں آسمانوں میں ٹوٹ پھوٹ کا انکار کیا جارہا ہے اور وہ بھی بحالت موجودہ۔ لیکن ان کی بناوٹ میں دروازے اگر رکھ دئے گئے ہوں جن سے فرشتوں وغیرہ کی آمد ورفت ہوتی ہو۔ یا قیامت میں تمور السماء مورا ہو تو اس کی نفی نہیں ہے۔
والارض۔ یہ منصوب ہے اضمار علی شرط التفسیر کی وجہ سے اس کا عطف محل الی السماء پر ہے۔ ای افلم ینظروا الی السماء والارض۔
تبصرة. عام طور پر اس کو مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب مانا گیا ہے۔ ای التبصیر والتذکیر۔ لیکن بعض حضرات حال کی وجہ سے منصوب کہتے ہیں۔ ای مبصرین ومذکرین اور بعض مفعول سے حال مانتے ہیں۔ ای ذات و تبصرة و تذکیر لمن یراھا۔ اور زید بن علی نے دونوں لفظوں کو مرفوع پڑھا ہے ای ہی تبصرة ہے۔ اور مفعول لہ ہونے کی صورت میں کیف بنیناھا عامل ہے فعلنا ذلک سے مفسر نے عامل کی تفسیر کر دی۔ ای فعلنا البناء والتزیین۔
لکل عبد۔ اس کا تعلق دونوں مصدروں سے ہے۔
منیب۔ یہ صیغہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ نسبت کے لئے ہے جیسے لبان، تمار، اسی لئے رجاع کے معنی ذی رجعت کے ہیں کثرت سے مراد نہیں ہے۔
وحب الصید۔ مفسرؒ نے زرع سے اشارہ کر دیا کہ موصوف محذوف ہو کر صفت قائم مقام ہوگئی تا کہ اضافت الشئی الی نفسہ لازم نہ آئے۔ لیکن یہ دو لفظ اگر مختلف ہوں تو ان میں اضافت بھی ہو سکتی ہے جیسے حق الیقین، حبل الورید دار الاخرة۔ اور حصید بمعنی محصود۔ جو کھیت کٹنے کے لائق ہو۔
باسقات۔ جمع ہے باسقة کی بو اسق بھی جمع ہے بسق الرجل یعنی علم میں ماہر ہو گیا۔ حال مقدرہ اس لئے کہا کہ پیدا ہونے کے وقت کھجور لمبی نہیں ہوتی۔ اور نخل مفرد لایا گیا۔ زیادہ لمبا اور زیادہ نفع بخش ہونے کی وجہ سے چنانچہ حدیث میں مسلمانوں کو نخل سے تشبیہ دی گئی ہے۔
رزقا۔ حال ہے ای مرزوقا للعباد اور انبات کے معنی میں مصدر بھی ہو سکتا ہے۔ اور مفعول لہ بھی ہو سکتا ہے اور للعباد صفت ہے اور یا مصدر کا متعلق ہے اور یا مصدر کا مفعول ہے۔ اس میں لام زائد ہے اور یہاں عباد کو مطلق اور ذکر لکل عبد منیب میں مقید ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ نصیحت صرف اچھے لوگوں کے لئے اور رزق سب کے لئے ہوتا ہے۔
بلدة میتا۔ بلدہ مونث ہے اس کی صفت میتا مذکر ہے؟ تفسیری عبارت اسی کا جواب ہے لیکن اس جواب میں نظر ہے کیونکہ یہ قاعدہ فعیل کے لئے ہے کہ اس میں مذکر مونث برابر ہوتے ہیں۔ اس لئے بہتر توجیہ یہ ہے کہ بلدة سے مراد ارض نہ ہو بلکہ مکان ہو اس کی صفت میتا ہے۔
کذلک۔ کاف محل رفع میں ہے مبتدء کی وجہ سے اموات کا حال موات جیسا ہے مفسرؒ استفہام کو تقریری کہہ رہے ہیں لیکن انکار و توبیخ کے لئے ماننا بہتر ہے۔ نیز و المعنی انھم نظروا وعلموا ما ذکر کہنا بھی قابل نظر ہے کیونکہ اگر کفار واقعی نظر کرتے تو ایمان لے آتے۔
اصحاب الرس۔ یمامہ کے ایک خاص کنویں پر رہنے والی قوم تھی اور بعض نے اصحاب الاخدود مراد لئے ہیں۔
فرعون۔ قوم فرعون مراد ہے۔ کیونکہ معطوف علیہ میں بھی اقوام مراد ہیں۔
تبع۔ کثرت متبعین کی وجہ سے ان کا نام تبع ہوا۔
افعیینا۔ ہمزہ استفہام انکاری ہے اور عی کے معنی عجز و تعب کے ہے۔

بل هم۔مقدر پر عطف ہے۔ای هم غیر منکرین لقد رتنا علی الخلق الاول بل هم فی شبهة من خلق جدید ۔اور خلق کو یہاں تفخیم شان کے لئے نکرہ لایا گیا ہے۔

ولقد خلقنا الانسان۔جنس مراد ہے جو آدم اور اولاد پر صادق آتی ہے۔

ونعلم حال ہے مضارع مثبت اگر حال ہو تو حرف ضمیر کافی ہوتی ہے واؤ کی ضرورت نہیں ہوتی۔لیکن جب واو کے ساتھ ہو تو پھر جملہ اسمیہ بنانا پڑے گا۔اس لئے مفسرؒ نے نحن مقدر مانا ہے۔

توسوس ۔یہ ضمیر انسان کی طرف راجع ہے انسان اور اس کے نفس کو مغائر فرض کرلیا گیا ہے۔

خاطو ۔با جس کی طرح اس وسوسہ پر بھی کوئی اچھا برا اثر مرتب نہیں ہوتا۔البتہ ہم اگر خیر ہو تو مفید ہے اور شر ہو تو مضر نہیں ہے۔لیکن عزم اختیاری ہونے کی وجہ سے خیر و شر دونوں میں موثر ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ بقرۃ کی آیت ان تبدوا مافی انفسکم کے تحت گزر چکا ہے۔

نحن اقرب۔جسمانی قرب مراد نہیں ہے۔بلکہ علمی مراد ہے۔سبب کا اطلاق مسبب پر کیا گیا ہے کیونکہ قرب سبب علم ہوتا ہے۔

یتلقی المتلقیان ۔انسان کی زبان، ان فرشتوں کا قلم اور لعاب روشنائی کا درجہ رکھتی ہے۔اس آیت سے متعلق عجیب وغریب بحث شیخ عبد العزیز بن دباغ کے حالات پر مشتمل کتاب ''تبریز'' میں دیکھنی چاہیے۔

قعید ۔فعیل کا وزن کوفیوں کے نزدیک متعدد پر بولا جاسکتا ہے۔جیسے والملائکة بعد ظهیر میں ہے۔قعید بھی اسی طرح ہے اور بعض کے نزدیک عن الیمین قعیدو عن الشمال قعیدتھا۔اول سے قعید حذف کردیا گیا ہے۔اور قعید بمعنی قاعد ہے۔اور بعض کے نزدیک قعید بمعنی مقاعد ہے جیسے جلیس بمعنی مجالس ہے قعید اور قیب دونوں تثنیہ کے معنی میں آتے ہیں۔یہ خبر ہے۔ اذ یتلقی المتلقیان کی اور قعید ایسے بیٹھنے کو کہتے ہیں جو چمٹ جائے کس سے مس نہ ہو چنانچہ کراما کاتبین صرف جنابت، جماع، بیت الخلاء کی حالت میں الگ ہوتے ہیں دوسرے اوقات میں لازم و ملزوم رہتے ہیں اور ان تین اوقات میں بھی قیافہ سے پہچان کر گناہ یا ثواب لکھ لیتے ہیں۔

بالحق ۔با تعدیہ کے لئے ہے۔جیسے جاء زید بعمر واور حق باطل کی ضد کو کہتے ہیں۔جس کے ایک معنی مفسرؒ نے بیان کئے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ سکرت الموت، حقیقۃ الامر کو سامنے کردیتی ہے اور بعض کے نزدیک الحق سے مراد موت اور جزاء ہے۔

ونفخ فی الصور ۔اس کا عطف جاءت پر ہے اور صور سینگ کی شکل میں ہوتا ہے۔جس کو حضرت اسرافیل آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت سے منہ میں لئے ہوئے منتظر حکم ہیں۔

سائق ۔سائق اور شہید کے معنی میں اختلاف ہے مشہور قول وہی ہے جو مفسرؒ نے اختیار کیا ہے اور بعض کے نزدیک سائق برائیاں لکھنے والا فرشتہ اور شہید نیکیاں لکھنے والا فرشتہ اور بعض کے نزدیک سائق سے مراد نفس انسانی یا اس کا قرین ہے اور شہید سے مراد انسان کے جوارح اور اعمال ہیں۔

لقد کنت۔جمہورؒ کے نزدیک کافر مخاطب ہے۔درزید بن اسلم کے نزدیک اس کے مخاطب آنحضرت ﷺ ہیں یعنی آپ پہلے قرآن سے غافل تھے۔لیکن سیاق آیت اس کے خلاف ہے چنانچہ دوسری قراءت کنت ضمیر تانیث سے اول معنی کی تائید ہوتی ہے۔

غطاء ك ۔غفلت اور انہاک محسوسات اور قصور نظر مراد ہے۔ہر نماز کے بعد اس آیت کو پانچ مرتبہ ہاتھ کی انگلیوں پر دم کر کے آنکھوں سے مل لینا ضعف بصر دور کرنے کے لئے مجرب ہے۔

قرینه ۔بقول بغویؒ وغیرہ قرین فرشتہ ہے اور ابن عباسؓ مجاہدؒ سے اس کے معنی شیطان منقول ہیں۔قال قرینه ربنا ما اطغیته میں بھی یہ معنی ہیں۔اور عتید کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کے قبضہ میں تھا۔

مالدی ۔ میں مانکرہ موصوفہ، عتید اس کی صفت ہے اور لدی، عتیق کے متعلق ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عتید ۔ ما کی صفت ثانیہ ہو یا خبر ہے مبتداء محذوف کی ای ہوعتید، اور ماموصولہ بھی ہوسکتا ہے۔ اور لدی اس کا صلہ ہے اور عتید خبر موصول ہے اور پھر موصول صلہ مل کر اسم اشارہ کی خبر ہے اور ماموصوفہ ہو یا موصولہ، ہذا کا بدل بھی ہوسکتا ہے اور عتید خبر ہوگی اور زمخشری کے نزدیک عتید بدل اور خبر ثانی اور مبتداء محذوف کی خبر بھی ہو سکتا ہے۔

القیا۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ فاعل کا تثنیہ بمنزلہ فعل کے تثنیہ کے ہے۔ اصل میں الق الق تھا دوسرے فعل کو حذف کرکے پہلے فعل میں تثنیہ کی ضمیر لے آئی گئی۔ (قاضیؒ) اور بقول صاحب جملؒ تثنیہ کی دو توجیہیں ہیں ایک یہ کہ بظاہر الف تثنیہ ہے ورنہ دراصل فعل مکرر ہے تاکید کے لئے ،مگر دوسرے فعل کو حذف کرکے اس کے فاعل کو پہلے فعل کے فاعل کے ساتھ جمع کرکے تثنیہ لایا گیا ہے۔ گویا اس صورت میں نون تثنیہ حذف ہوگیا صرف الف رہ گیا۔ اعراب کا تعلق لفظ سے ہوتا ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس میں الف تثنیہ نہیں ہے بلکہ نون تاکید خفیفہ سے بدلا ہوا ہے۔ تفسیری عبارت اوالقین کا یہی مطلب ہے وصل کو وقف کے قائم مقام کرکے نون تاکید کو الف سے تبدیل کردیا ہے اور بعض نے سائق اور شہید دونوں کے لئے خطاب مانا ہے پھر کسی توجیہ کی حاجت نہیں رہتی۔

الذی جعل ۔ مفسر نے اس کو مبتدا متضمن معنی شرط قرار دیا ہے۔ اس لئے خبر پر فا آ گئی۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ مبتداء کو شرط کے مشابہ کہا جائے اور اس کو بطور مذمت منصوب بھی مانا جاسکتا ہے۔ یا کل سے یا کفار سے بدل مان کر مجرور کہا جاسکتا ہے۔

فالقیاہ ۔ فا کے بعد قول مقدر ماننا ضروری ہے۔ ورنہ امر انشاء ہونے کی وجہ سے خبر نہیں ہوسکتی۔

ای یقال فیه القیاہ۔ اور بعض کی رائے ہے کہ معنا جواب شرط ہونے کی وجہ سے فاء کے بعد قول مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ یہ مفعول ہے۔ فعل مضمر علی شریطۃ التفسیر کا اور بعض اس کو "کل کفار" سے بدل کہتے ہیں۔ فالقیاہ فی العذاب الشدید کا عطف القیاہ فی جھنم پر ہے اور بعض اس کو تاکید مانتے ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ عطف تاکید کے منافی ہوتا ہے۔

لا تختصموا ۔ کفار اور ان کے قرین کو خطاب ہے۔

وقد قدمت ۔ بظاہر یہ جملہ لا تختصموا کا حال ہے لیکن اس میں یہ اشکال ہے کہ وعید تو دنیا میں دی گئی۔ اور اختصام آخرت میں ہورہا ہے دونوں ایک زمانہ میں نہیں جو حال کے لئے شرط تھے۔ جواب یہ ہے کہ کلام میں حذف ہے۔ عبارت اس طرح ہے۔ ثبت الأن انی قدمت الیکم با لوعید الخ۔

ظلام للعبید۔ اس میں یوم کی قید کا اعتبار نہیں ہے۔ بلکہ مطلق ظلم کی نفی مقصود ہے۔

ربط آیات:............ پچھلی سورت کی آخری آیت واللہ بصیر بما یعملون میں اعمال کی جزا کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ اس پوری سورت میں قیامت وجزاء کے امکان اور وقوع کی بحث ہے۔

﴿ تشریح ﴾:............ والقرآن المجید ۔ قرآن کی عظمت و بزرگی کا کیا کہنا۔ جس نے آکر سب کتابوں کو منسوخ کردیا اور اپنی اعجازی قوت اور لامحدود اسرار و معارف سے دنیا کو محوحیرت بنادیا۔ قرآن بذات خود اس کا شاہد ہے کہ اس میں کہیں بھی انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں ہے مگر منکرین پھر بھی اس کو قبول نہیں کرتے۔ اس لئے نہیں کہ ان کے پاس اس کے خلاف کوئی حجت و برہان ہے۔ بلکہ محض اپنی حماقت و

جہالت سے اس پر ناک وبھوں چڑھاتے ہیں کہ انہی کا ایک آدمی رسول بن کر کیوں آ گیا اور بڑا بن کر ان کو نصیحتیں کیوں کرنے لگا۔ اور بات بھی ایسی عجیب کہی کہ کوئی ماننے کو تیار نہیں۔ بھلا مر کر دوبارہ زندہ ہونا ہی کچھ کم حیرت ناک نہیں تھا کہ اس پر ستم یہ کہ مٹی بن کر گل سڑ کر پھر دوبارہ زندہ ہوں بھلا ان باتوں کو کوئی کاہے کو ماننے لگا۔ یہ تو بعید در بعید بات اور انوکھی چیستاں ہے عادت کے بھی خلاف اور امکان سے بھی دور۔ اس محال دعویٰ سے تو ان کی پیغمبری کی قلعی بھی کھل گئی۔

قیامت ممکن بھی ہے اور واقعی بھی:......... آگے حق تعالیٰ جواب دیتے ہوئے اول اس کے امکان اور پھر اس کے وقوع سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قد علمنا ما تنقص الارض الخ جس کا حاصل یہ ہے کہ امکان سے بعید ہونا بلحاظ قابل کے ہوگا یا باعتبار فاعل کے اول صورت تو اس لئے غلط ہے کہ قابل میں زندگی کی قابلیت سراسر مشاہدہ میں ہے یعنی سردست اس میں زندگی ہے۔ پس محل میں قابلیت کی نفی بالکل خلاف مشاہدہ ہے رہا دوسرے اعتبار سے یعنی فاعل کے اعتبار سے ناممکن ہو۔ سو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اللہ کو جسم کے تمام اجزائے مستحیلہ کا پورا علم بھی ہے اور ان پر قدرت بھی۔ اس لئے اس دعوت کا امکان ثابت ہو گیا۔

غرضیکہ سارا انسان مٹی نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس کی جان سلامت رہتی ہے۔ مٹی میں اگر ملتا ہے تو بدن ملتا ہے اس کے اجزاء تحلیل ہو کر جو مختلف چیزوں میں مل جاتے ہیں وہ پورے طور پر اس کے علم میں بھی ہیں اور قدرت کے زیر اثر بھی۔ وہ جب چاہے گا ان کو پھر ملا کر کھڑا کر دے گا اور پھر اللہ کا علم بھی قدیم ہے کہ پہلے ہی اس نے سب حالات لوح محفوظ میں لکھ دیئے۔ اب تک وہ کتاب جوں کی توں اس کے پاس موجود ہے۔ پس اگر کسی کی سمجھ میں اس کا علم قدیم نہ آئے تو یوں ہی سمجھ لے کہ سب کچھ اس دفتر میں محفوظ ہے۔

ضدی آدمی ہر سچی بات کا انکار کر دیتا ہے:......... بل کذبوا۔ یعنی کفار کی طرف سے یہ محض اظہار تعجب نہیں۔ بلکہ فی الحقیقۃ کھلی ہوئی تکذیب ہے۔ نبوت ہو یا قرآن، بعث ہو یا قیامت ہر حق بات کو جھٹلاتے ہیں اور جو شخص سچی باتوں کو جھٹلاتا ہے وہ عجیب طرح کی الجھنوں میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ یہ آسمان ہی کو دیکھ لیں جس میں بظاہر نہ کھمبا نظر آتا ہے نہ ستون۔ اتنا بڑا عظیم الشان اور پھر نہایت مضبوط بنا کھڑا ہے۔ رات کو جھل مل کرتے ستاروں کا منظر کیسا تابناک معلوم ہوتا ہے اور پھر لطف یہ کہ ہزاروں لاکھوں برس گزر گئے۔ اس میں نہ کہیں سوراخ ہوا، نہ کوئی کنگورہ گرا، نہ پلاسٹر ٹوٹا، نہ رنگ خراب ہوا، آخر یہ کیا کمال صناعی ہے۔

آسمان نظر آتا ہے یا نہیں:......... افلم ینظروا سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آسمان نظر آتا ہے حالانکہ مشہور یہ ہے کہ نیلگوں جو کچھ نظر آتا ہے وہ آسمان نہیں بلکہ کرہ بخارات ہے؟ پس ان دونوں باتوں میں تطبیق دو طرح ہو سکتی ہے ایک یہ کہ نظر آنے سے مراد عام لی جائے۔ خواہ بے حجاب یا بواسطہ حجاب کے پھر اس حجاب کی دو صورتیں ہیں یا حجاب آسمان کے ہم رنگ ہوں یا دونوں کا رنگ الگ الگ ہو۔ پس ان دونوں صورتوں میں جو کچھ نظر آتا ہے اگر کرہ بخار کا ہونا صحیح ہو تو ممکن ہے یہ دونوں کا ملا جلا رنگ کرۂ بخار ہو اور دوسری صورت تطبیق کی یہ ہے کہ نظر سے مراد فکری نظر ہو اس کو مجازاً نظر کہہ دیا اور آسمانوں کا وجود مع اوصاف خاصہ کے چونکہ صحیح دلائل سے ثابت ہے اس لئے اس کا ماننا واجب ہے اور وہ محل غور و فکر ہو سکتا ہے۔ البتہ پہلی صورت میں اس کی تزئین کی دونوں طرف یعنی مزین اور مزین بہ حسی ہیں اور دوسری صورت میں مزین بہ حسی ہے۔ مگر مزین محل فکر ہے اور الی السماء کو الی ا ثار السماء بھی کہہ سکتے ہیں۔

زمین پر نظر ڈالو کتنے رزق کے خزانے اور قیمتی دولت یہ اگلتی رہتی ہے کہ کہیں ختم ہونے کا نام بھی نہیں لیتے پھر آسمان کی ہمسری کرنے والے لمبے چوڑے پہاڑ اس پر میخوں کی طرح گاڑ دیئے گئے ہیں۔ کیا اس سے مضبوط تر کیلیں اور ہو سکتی ہیں؟

تبصرۃ و ذکریٰ ۔ جوشخص انہیں حسیات کے دائرہ میں الجھ کر نہ رہ جائے بلکہ خدا کی طرف رجوع ہو اس کے لئے آسمان زمین کی بناوٹ اور تنظیم میں دانائی وبینائی کے کتنے سامان ہیں جنہیں وہ ادنیٰ غور وفکر کرنے سے صحیح حقیقت تک پہنچ سکتا ہے اور بھولے ہوئے سبق اس کو یاد آسکتے ہیں۔ مگر ایسی روشن نشانیوں کی موجودگی میں پھر یہ لوگ حق کو جھٹلانے کی کیسے جراءت کرتے ہیں۔

قیامت کے امکان کی دلیل:.......... کذلک الخروج۔ جس طرح بارش برسا کر مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن مردے زندہ کر دیئے جائیں گے۔ ذاتی قدرت کے لحاظ سے اگر چہ سب مقدورات یکساں ہیں۔ لیکن آسمان جیسی بڑی چیزوں پر قدرت اس کا واضح ثبوت ہیں، کہ چھوٹی چیزوں پر بدرجۂ اولیٰ اس کی قدرت ہے پس جب مقدور بھی ممکن اور فاعل بھی صاحب علم واختیار پھر تعجب یا تکذیب کے کیا معنی؟ اسی طرح آیات کذبت قبلهم الخ میں جھٹلانے والوں کے انجام بد کا ذکر ہے۔ سورہ حجر، سورہ فرقان، سورہ دخان وغیرہ میں ان اقوام کا بیان ہو چکا ہے۔

افعيينا بالخلق الاول. یعنی مقدور کا ممکن ہونا مسلم اور قدرت فاعل بھی تسلیم لیکن اگر کسی کو شبہ ہو کہ اللہ کو عالم پیدا کرنے میں تکان پیدا ہو گیا ہو۔ جس کی وجہ سے دوبارہ پیدا کرنے پر اس کی قدرت کی تنفیذ نہ ہو؟ یہاں اس شبہ کو صاف کر دیا گیا ہے کہ اس کی کامل قدرت میں یہ عارضی نقصان بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی صفات ذاتی میں جو عارضی نقصانات سے بھی بری ہے۔ پس بعث کی صحت دلائل سے ثابت ہو گئی اور منکرین کے پاس دلائل نہیں ہیں۔ بلکہ یہ سخت جہالت و گستاخی کا شکار ہیں۔

قیامت کے واقع ہونے کا بیان:.......... ولقد خلقنا الانسان ۔ پہلے امکان بعث پر گفتگو تھی۔ یہاں سے وقوع بعث کا بیان ہے اور چونکہ سزا جزاء موقوف ہے۔ جزاء سزا دینے والے کے علم وقدرت پر اس لئے اول اسی سے شروع کیا گیا ہے کہ ہم انسان کے ہر قول و فعل سے باخبر ہیں حتیٰ کہ اس کے دلی خطرات ووساوس تک سے واقف ہیں اور اتنے کہ خود انسان اپنے سے اتنا واقف نہیں ہے۔

حبل الورید۔ سے مراد شہ رگ ہے۔ جس کے کٹنے سے انسان مرجاتا ہے۔ جس کو شرائین کہا جاتا ہے۔ ان میں خون سے زیادہ روح ہوتی ہے چنانچہ سورۂ حاقہ میں وتین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی رگ دل، برخلاف ورید کے اس میں روح کی بہ نسبت خون زیادہ ہوتا ہے۔ اگر چہ یہاں لفظ ورید آیا ہے، مگر لغوی معنی عام مراد ہیں جو شرائین کو بھی شامل ہے۔ اس لئے شرائین ہی کے معنی لینا انسب ہے۔ یعنی اللہ اپنے علم کے اعتبار سے انسان کی روح اور نفس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ انسان کو بھی اپنا اتنا علم نہیں جتنا کہ اللہ کو ہے۔ کیونکہ انسان کا علم حصولی ہے۔ اور اپنی بہت سی حالتوں کا اول تو علم ہوتا ہی نہیں اور جن کا ہوتا ہے وہ بھی بسا اوقات نسیان وذہول کی نذر ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کا علم حضوری ہے۔ جس میں یہ سب احتمالات نہیں ہیں اور علم حضوری میں اگر چہ معلوم کا حضور لازم ہے اور وہ حضور وجود معلوم کے بعد ہوا کرتا ہے، حالانکہ اللہ کا علم جو اس حضور اور وجود دونوں سے مقدم ہے۔ لیکن جو ہر علم ہر حالت میں ہو وہ بہ نسبت اس علم کے جو ایک حالت میں ہو یقیناً زیادہ ہوگا۔

علم الٰہی اور کراماً کاتبین دونوں اعمال کے نگران ہیں:.......... غرضیکہ اللہ کے علم کا انسانی احوال کے لئے محیط ہونا ثابت ہو گیا علت اور منشاء کو معلول اور ناشی سے وہ قرب ہوتا ہے، جو خود معلول اور ناشی کو اپنے نفس سے نہیں ہوتا۔ جیسا کہ سورہ احزاب کی آیت النبی اولیٰ الخ کے ذیل میں گزر چکا ہے۔ اور اللہ کے علم میں تو یہ سارے اعمال واحوال محفوظ ہیں ہی۔ تاہم ظاہری انضباط وحفاظت کا انتظام بھی دفتر اعمال میں کر دیا گیا ہے۔

کاتبین اعمال کو قعید فرمانا ایک روایت کے مطابق بعض حالات سے یعنی انسان جب بیٹھتا ہے تو وہ بھی بیٹھتے ہیں اور انسان جب چلتا ہے تو وہ

بھی اس طرح چلتے ہیں کہ ایک فرشتہ آگے اور ایک پیچھے رہتا ہے اور جب انسان لیٹتا ہے تو ایک فرشتہ سرہانے ایک پاؤں کی جانب ہوتا ہے۔ البتہ قضاء حاجت اور بیوی سے مشغول ہونے کے وقت الگ ہو جاتے ہیں اور خداداد سمجھ اور قیافہ سے سمجھ جاتے ہیں کہ انسان نے کیا اعمال کئے اور ارادہ عمل کو بھی لکھتے ہیں اور کاتب اعمال کا سائق وشہید ہونا جس روایت میں آیا ہے اس میں یہ تفصیل نہیں کہ کون سائق ہوگا اور کون شہید۔ لیکن عجب نہیں ہے کہ اگر حسنات غالب ہوں تو کاتب حسنات کی شہادت چونکہ زیادہ مناسب ہے اس لئے وہ شہید ہو اور کاتب سیئات سائق ہو۔ لیکن اگر سیئات غالب ہوں تو کاتب سئیات شہید اور کاتب حسنات سائق اور فرشتہ وشیطان دونوں کو قرین کہنا حدیث مسلم میں آیا ہے اور یہ کہ فرشتہ نیک باتیں اور شیطان بری باتیں بتلاتا ہے۔

رقیب عتید ۔ کراماً کاتبین دونوں فرشتے کہاں رہتے ہیں۔ اس کی تفصیل احادیث وآثار میں ملے گی۔ پس جب یہ فرشتے معمولی باتوں کو بھی نہیں چھوڑتے تو اہم معاملات کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں۔ غرض سب اعمال دفتر اعمال میں محفوظ ہیں۔ آگے مقصود اصلی قیامت کا ذکر ہے۔ مگر اول اس کے مقدمہ یعنی موت کا بیان ہے۔ کیونکہ انکار قیامت کا سبب موت سے ذہول ہوا کرتا ہے۔

وجاء ت سکرة الموت ۔ یعنی لوادھر مسل تیار ہوئی، ادھر موت کی گھڑی آن پہنچی اور مرنے والا نزع کی بے ہوشیوں اور جان کنی کی سختیوں میں ڈبکیاں کھانے لگا۔ اس وقت وہ سب باتیں سچ نظر آنا شروع ہوگئیں جن کی آمد کی خبر اللہ کے رسولوں نے دی تھی اور میت کی سعادت و شقاوت سے پردہ اٹھنے لگا۔ موت کو تحید فرمانا فاسق کیلئے تو دنیا کی محبت کی وجہ سے ہے اور غیر فاسق کے لئے بتقاضائے طبیعت ہوتا ہے۔ البتہ اس طبعی تقاضہ پر کبھی شوق غالب آ جائے تو وہ اس کے معارض اور منافی نہیں ہے۔ کیونکہ مقصود موت کے فی نفسہ اثر کا بیان کرنا ہے۔ نہ کہ عوارض کا، حاصل یہ ہے کہ آدمی نے موت کو بہت کچھ ٹلانا چاہا اور اس ناگوار وقت سے بہت بھاگنا چاہا اور کتراتا رہا۔ مگر یہ گھڑی ٹلنے والی کہاں تھی؟ آخر سر پر آ کھڑی ہوئی اور کوئی تدبیر دفع الوقتی کی کارگر نہ ہوئی۔ اور چھوٹی قیامت تو موت کے وقت ہی آ چکی تھی۔ اس کے بعد و نفخ فی الصور بڑی قیامت سر پر ہے پس صور پھونکا جائے گا اور وہ ہولناک روز آ موجود ہوگا جس سے ڈرانے والے ڈراتے آئے ہیں۔

وجاء ت کل نفس ۔ محشر میں لوگ اس طرح ۔۔۔۔ حاضر کئے جائیں گے کہ ایک فرشتہ پیشی کے میدان میں دھکیلتا ہوگا اور دوسرا فرشتہ اعمالنامے لئے ہوگا جس میں زندگی کے سب احوال درج ہوں گے۔ یہ دونوں فرشتے ممکن ہے کراماً کاتبین ہوں جو روزنامچہ لکھتے ہیں یا سائق و شہید اور دوسرے فرشتے ہوں۔

لقد کنت فی غفلة ۔ یعنی دنیا کے مزوں میں پڑ کر تو آج کے دن سے بے خبر تھا اور تیری آنکھوں کے سامنے شہوات اور خواہشات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ پیغمبر جو سمجھاتے تھے تجھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ آج ہم نے تیری آنکھ سے وہ پردے ہر ہٹا دیئے اور نگاہ خوب تیز کر دی۔ اب دیکھ لے جو باتیں کہی گئی تھیں صحیح ہیں یا غلط۔

اللہ کے دربار میں شیطان اور انسان کی نوک جھونک:.......... وقال قرینه ۔ یعنی فرشتہ روزنامچہ اعمال حاضر کرے گا اور بعض نے قرین سے شیطان مراد لیا ہے یعنی وہ کہے گا مجرم حاضر ہے جس کو میں ورغلا کر دوزخ کے لئے تیار کر کے لایا ہوں۔ یعنی اغواء تو میں نے کیا، مگر گمراہ یہ خود ہوا۔ اپنے ارادہ اور اختیار سے، چنانچہ بارگاہ ایزدی میں دو فرشتوں کو حکم ہوگا۔ القیا فی جھنم ایسے لوگوں کو جہنم میں جھونک دو کہ یہ سخت عذاب کے مستحق ہیں۔

قال قرینه ۔ شیطان یہ کہہ کر اپنے جرم کو ہلکا کرنا چاہے گا کہ میں نے کچھ زبردستی نہیں کی تھی صرف ذرا شہ دی تھی یہ کم بخت خود گمراہ ہو کر راہ فلاح و نجات سے دور جا پڑا۔ ارشاد ہوگا۔ لا تختصموا ۔ بک بک مت کرو، دنیا میں سب کو نیک و بد سے آگاہ کر دیا گیا تھا کہ جو کفر خود کرے گا یا کسی

کے اغواء سے اور جو کسی کو برائی کے لئے کہے گا زبردستی یا بلا جبر۔ سب کو علی قدر مراتب جہنم کی سزا بھگتنی ہوگی۔ سب اپنی اپنی حرکتوں کا خمیازہ بھگتیں گے ہمارے یہاں ظلم نہیں۔ جو فیصلہ ہوگا انصاف و حکمت سے ہوگا اور کافر کی بخشش نہیں ہوگی۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی اور شیطان جو اکفر ہے اس کی بخشش تو کہاں اول کی آیات مؤمن و کافر کے لئے مشترک ہیں اور اخیر کی آیات کافر کے ساتھ خاص ہیں۔

يَوْمَ نَاصِبُهُ ظَلَّامٌ **نَقُوْلُ** بِالنُّوْنِ وَالْيَآءِ **لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَئْتِ** اِسْتِفْهَامُ تَحْقِيْقٍ لِوَعْدِهِ بِمَلْئِهَا **وَتَقُوْلُ** بِصُوْرَةِ الْاِسْتِفْهَامِ كَالسُّوَالِ **هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ** ﴿۳۰﴾ اَیْ فِیَّ لَا اَسَعُ غَيْرَ مَا امْتَلَأْتُ بِهٖ اَیْ قَدِ امْتَلَأْتُ **وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ** قُرِّبَتْ **لِلْمُتَّقِيْنَ** مَكَانًا **غَيْرَ بَعِيْدٍ** ﴿۳۱﴾ مِنْهُمْ فَيَرَوْنَهَا وَيُقَالُ لَهُمْ **هٰذَا** الْمَرْئِیُّ **مَا تُوْعَدُوْنَ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ فِی الدُّنْيَا وَيُبْدَلُ مِنْ لِلْمُتَّقِيْنَ قَوْلُهٗ **لِكُلِّ اَوَّابٍ** رَجَّاعٍ اِلٰی طَاعَةِ اللّٰهِ **حَفِيْظٍ** ﴿۳۲﴾ حَافِظٌ لِحُدُوْدِهٖ **مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ** خَافَهٗ وَلَمْ يَرَهٗ **وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ** ﴿۳۳﴾ مُقْبِلٍ عَلٰی طَاعَتِهٖ وَيُقَالُ لِلْمُتَّقِيْنَ اَيْضًا **ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ** اَیْ سَالِمِيْنَ مِنْ كُلِّ مَخُوْفٍ اَوْ مَعَ سَلَامٍ اَوْ سَلِّمُوْا وَادْخُلُوْا **ذٰلِكَ** الْيَوْمُ الَّذِیْ حَصَلَ فِيْهِ الدُّخُوْلُ **يَوْمُ الْخُلُوْدِ** ﴿۳۴﴾ الدَّوَامُ فِی الْجَنَّةِ **لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا** دَائِمًا **وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ** ﴿۳۵﴾ زِيَادَةٌ عَلٰی مَا عَمِلُوْا وَطَلَبُوْا **وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ** اَیْ اَهْلَكْنَا قَبْلَ كُفَّارِ قُرَيْشٍ قُرُوْنًا اُمَمًا كَثِيْرَةً مِنَ الْكُفَّارِ **هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا** قُوَّةً **فَنَقَّبُوْا** فَتَّشُوْا **فِی الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ** ﴿۳۶﴾ لَهُمْ اَوْ لِغَيْرِهِمْ مِنَ الْمَوْتِ فَلَمْ يَجِدُوْا **اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرِ **لَذِكْرٰی** لَعِظَةً **لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ** عَقْلٌ **اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ** اِسْتَمَعَ الْوَعْظَ **وَهُوَ شَهِيْدٌ** ﴿۳۷﴾ حَاضِرٌ بِالْقَلْبِ **وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ** اَوَّلُهَا الْاَحَدُ وَاٰخِرُهَا الْجُمُعَةُ **وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ** ﴿۳۸﴾ تَعَبٌ نَزَلَ رَدًّا عَلَی الْيَهُوْدِ فِیْ قَوْلِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ اسْتَرَاحَ يَوْمَ السَّبْتِ وَانْتِفَآءِ التَّعَبِ عَنْهُ لِتَنَزُّهِهٖ تَعَالٰی عَنْ صِفَاتِ الْمَخْلُوْقِيْنَ وَلِعَدَمِ الْمُجَانَسَةِ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ غَيْرِهٖ اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ **فَاصْبِرْ** خِطَابٌ لِلنَّبِیِّ ﷺ **عَلٰی مَا يَقُوْلُوْنَ** اَیِ الْيَهُوْدُ وَغَيْرُهُمْ مِنَ التَّشْبِيْهِ وَالتَّكْذِيْبِ **وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ** صَلِّ حَامِدًا **قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ** اَیْ صَلَاةَ الصُّبْحِ **وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ** ﴿۳۹﴾ اَیْ صَلَاةَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ **وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ** اَیْ صَلِّ الْعِشَائَيْنِ **وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ** ﴿۴۰﴾ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ جَمْعُ دُبُرٍ وَبِكَسْرِهَا مَصْدَرُ اَدْبَرَ اَیْ صَلِّ النَّوَافِلَ الْمَسْنُوْنَةَ عَقْبَ الْفَرَآئِضِ وَقِيْلَ الْمُرَادُ حَقِيْقَةُ التَّسْبِيْحِ فِیْ هٰذِهِ الْاَوْقَاتِ مُلَابِسًا لِلْحَمْدِ **وَاسْتَمِعْ** يَا مُخَاطَبُ **يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ** هُوَ اِسْرَافِيْلُ **مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ** ﴿۴۱﴾ مِنَ السَّمَاءِ وَهُوَ صَخْرَةُ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ اَقْرَبُ مَوْضِعٍ مِنَ الْاَرْضِ اِلَی السَّمَآءِ يَقُوْلُ اَيَّتُهَا الْعِظَامُ الْبَالِيَةُ وَالْاَوْصَالُ الْمُتَقَطِّعَةُ وَاللُّحُوْمُ الْمُتَمَزِّقَةُ وَالشُّعُوْرُ الْمُتَفَرِّقَةُ. اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُنَّ اَنْ تَجْتَمِعْنَ لِفَصْلِ الْقَضَاءِ **يَوْمَ** بَدَلٌ مِنْ يَوْمِ قَبْلَهٗ

يَسْمَعُوْنَ اَیِ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ **الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ** بِالْبَعْثِ وَهِيَ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ مِنْ اِسْرَافِيْلَ وَ يَحْتَمِلُ اَنْ تَكُوْنَ قَبْلَ نِدَآئِهٖ اَوْ بَعْدَهٗ **ذٰلِكَ** اَيْ يَوْمُ النِّدَآءِ وَالسَّمَاعِ **يَوْمُ الْخُرُوْجِ** ﴿۴۲﴾ مِنَ الْقُبُوْرِ وَ نَاصِبُ يَوْمَ يُنَادِيْ مُقَدَّرٌ اَيْ يَعْلَمُوْنَ عَاقِبَةَ تَكْذِيْبِهِمْ **اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ** ﴿۴۳﴾ **يَوْمَ** بَدَلٌ مِّنْ يَوْمَ قَبْلَهٗ وَمَا بَيْنَهُمَا اِعْتِرَاضٌ **تَشَقَّقُ** بِتَخْفِيْفِ الشِّيْنِ وَتَشْدِيْدِهَا بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْاَصْلِ فِيْهَا **الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا** جَمْعُ سَرِيْعٍ حَالٌ مِنْ مُّقَدَّرٍ اَيْ فَيَخْرُجُوْنَ مُسْرِعِيْنَ **ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ** ﴿۴۴﴾ فِيْهِ فَصْلٌ بَيْنَ الْمَوْصُوْفِ وَالصِّفَةِ بِمُتَعَلِّقِهَا لِلْاِخْتِصَاصِ وَهُوَ لَا يَضُرُّ وَ ذٰلِكَ اِشَارَةٌ اِلٰى مَعْنَى الْحَشْرِ الْمُخْبَرِ بِهٖ عَنْهُ وَهُوَ الْاِحْيَآءُ بَعْدَ الْفَنَآءِ وَالْجَمْعُ لِلْعَرْضِ وَالْحِسَابِ **نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ** اَيْ كُفَّارُ قُرَيْشٍ **وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ** تُجْبِرُهُمْ عَلَى الْاِيْمَانِ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْجِهَادِ **فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ** ﴿۴۵﴾ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ۔

ترجمہ:......... جس دن (یوم کا ناصب ظلام ہے) ہم کہیں گے (نون اور یا کے ساتھ ہے) دوزخ سے کہ تو بھی بھر گئی (استفہام ہے دوزخ بھرنے کے وعدہ کی تحقیق کے لئے) اور وہ کہے گی (استفہامیہ صورت میں سوال کرتے ہوئے) کہ کچھ اور بھی ہے اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی (بلحاظ مکان کے) کچھ دور نہ ہوگی (وہ اس کو دیکھ لیں گے ان سے کہا جائے گا) یہ (نظر آنے والی) وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ دنیا میں یوعدون تا اور یا کے ساتھ ہے اور للمتقین کا بدل کل ہے) کہ وہ ہر شخص اس کے لئے ہے جو رجوع کرنے والا (اللہ کی طاعت کی طرف) پابندی کرنے والا (اللہ کی حدود کی ہے) جو شخص بے دیکھے خدا سے ڈرتا ہو (نہ دیکھنے کہ باوجود خوف خدا رکھتا ہوگا) اور ایسے دل کے ساتھ آئے جو رجوع ہونے والا ہو (اللہ کی طاعت کی طرف متوجہ اور متقیوں سے یہ بھی کہا جائے گا) اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ (یعنی ہر طرح کے خطرہ سے محفوظ یا سلامتی سے یا سلام کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ) یہ دن (جس میں جنت کا داخلہ ہوا) ہمیشہ رہنے کا ہوگا (جنت میں) ان کو بہشت میں (ہمیشہ) سب کچھ ملتا رہے گا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے (ان کے عمل اور ان کی طلب سے) اور ہم ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں (یعنی کفار قریش سے پہلے بہت سی کفار امتیں ہم تباہ کر چکے ہیں) جو طاقت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں کہ وہ تمام شہروں کو چھانتے پھرتے تھے۔ مگر کہیں بھاگنے کی جگہ بھی نہ ملی (قریش کو یا اور کافروں کو موت سے چھٹکارہ نہیں کہ بچ جائیں) اس (مذکورہ بات میں نصیحت (عبرت) ہے اس شخص کے لئے جس شخص کے پاس دل (عقل) ہو یا کان ہی لگا لیتا (وعظ سننے کے لئے) متوجہ ہو کر (دل سے) اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں بنا ڈالا (اتوار سے جمعہ تک) اور ہمیں تکان (تعب) نے چھوا تک نہیں (یہود کے اس خیال کو رد کرنے کیلئے یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ نے سنیچر کو آرام کیا تھا۔ تکان نہ ہونے کا مطلب اللہ کا مخلوق کے احوال سے پاک ہونا ہے اور یہ کہ اللہ اور دوسروں میں کچھ جوڑ نہیں اللہ کی شان تو یہ ہے کہ وہ جو چاہتا ہے فوراً ہو جاتا ہے) پس آپ صبر کیجئے (آنحضرت ﷺ کو ارشاد ہے) ان کی باتوں پر (یہود وغیرہ جو تشبیہ اور تکذیب کی باتیں کرتے ہیں) اور اپنے پروردگار کی تسبیح وتحمید کرتے رہئے (نماز شکر ادا کیجئے) سورج نکلنے سے پہلے (نماز فجر) اور سورج چھپنے سے پہلے (نماز ظہر وعصر) اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیجئے (مغرب وعشاء کی نماز پڑھئے) اور نمازوں کے بعد بھی (ادبار فتح ہمزہ کے دبر کی جمع اور کسر ہمزہ کے ساتھ ادبر کا مصدر ہے۔ یعنی فرائض کے بعد نوافل بھی پڑھیے اور بعض کی رائے ہے کہ ان اوقات میں تسبیح وحمد کرنا مراد ہے) اور (

اے مخاطب میری بات سن) سن رکھ کہ جس دن ایک پکارنے والا (اسرافیل) پاس ہی سے پکارے گا (صخرۂ بیت المقدس سے جو زمین کی نسبت آسمان سے قریب ہے صور اسرافیل یہ بولے گا کہ اے پرانی ہڈیو! اور جوڑ بندو! گوشت کے ٹکڑو! پراگندہ بالو! اللہ تمہارے فیصلہ کے لئے جمع کرنے کا حکم فرماتا ہے) جس روز (پہلے یوم سے بدل ہے) سنیں گے (تمام لوگ) قیامت کی چیخ و پکار (الحق سے مراد دوسرا نفخہ اسرافیلی ہے۔ اور ممکن ہے یہ شور اسرافیل کی پکار سے پہلے ہو یا بعد میں) یہ (پکار اور سننے کا دن) نکلنے کا دن ہوگا (قبروں سے اور یوم ینادی کا ناصب مقدر ہے یعنی کفار اپنی تکذیب کے انجام کو جان جائیں گے) ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف لوٹ کر پھر آنا ہے۔ جس روز (پہلے یوم سے یہ بدل ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے) کھل جائے گی (تخفیف شین اور تشدید شین کے ساتھ، اصل میں تاء ثانیہ کا ادغام ہے) زمین ان پر سے جب کہ وہ دوڑتے ہوں گے (سراعا جمع ہے سریع کی مقدر سے حال ہے، اصل عبارت اس طرح ہے **فیخرجون مسرعین**) یہ جمع کر لینا ہمارے لئے آسان ہے (موصوف صفت کے درمیان متعلق کا فصل اختصاص کے لئے اور اس فصل میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ذلک معنی حشر کی طرف اشارہ ہے جس خبر کی اطلاع کی جارہی ہے یعنی زندہ کرنا اور حساب و کتاب کے لئے پیشی) ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ (کفار قریش) کہتے ہیں اور آپ ان پر زبردستی تھوپنے والے نہیں ہیں (کہ ان کو ایمان پر مجبور کردیں۔ یہ ارشاد جہاد سے پہلے کا ہے) آپ تو قرآن کے ذریعہ ایسے شخص کو نصیحت کرتے رہئے جو میری وعید سے ڈرتا ہو (یعنی مومن)۔

تحقیق وترکیب:..........**نقول**۔ نافعؒ اور ابوبکرؒ کے نزدیک یا کے ساتھ بطور التفات کے ہے ای **یقول اللہ لجھنم**۔

ھل امتلأت۔ استفہام تحقیق وتقریر وعدہ کے لئے ہے اور جہنم سے سوال و جواب بطریق عقلاء ہے اور شرعاً عقلاً یہ ممکن ہے اس لئے ایسے تمام مواقع پر مجاز ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ استفہام ابن عباسؓ، عطاؒ، مجاہدؒ، مقاتلؒ کے نزدیک صورۃً سوال ہے اور بعض نے استفہام کو استہزاء پر محمول کیا ہے۔ چنانچہ بخاری کی روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ جب اس پر اپنا قدم رکھیں گے تب جہنم قط قط کہہ اٹھے گی۔

غیر بعید۔ مفسرؒ نے پہلے لفظ کا مقدر مان کر موصوف محذوف کی طرف اشارہ کردیا۔ یہ لفظ قائم مقام ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور بعید فعیل مذکر مونث دونوں کے لئے آتا ہے اور یا مذکر کی صفت ہے یہ جملہ ازلفت کی تاکید ہے جیسے کہا جائے **عزیز غیر ذلیل یا قریب غیر بعید**۔

لکل اواب۔ یا **للمتقین** سے بدل ہے اعادہ جار کے ساتھ اور ہذا مبتداء بھی ہوسکتا ہے اور ما تو **عدون** موصوف اور **لکل اواب** خبر ہو جائے۔

بالغیب۔ مفسرؒ نے اشارہ کردیا کہ یہ مفعول سے حال ہے۔ **ای خاف الرحمن حال کونہ** غائباً اور فاعل سے بھی حال ہوسکتا ہے۔

بسلام۔ یہ مفعول سے حال بھی ہوسکتا ہے اور بمعنی مع بھی ہوسکتی ہے اور لفظ تسلیم بھی ماخوذ ہوسکتا ہے۔

لدینا مزید۔ قیامت میں دیدار الٰہی بھی مراد ہوسکتا ہے جو ہر شب جمعہ میں ہوگا،

کم اھلکنا۔ کم خبریہ ہے **اھلکنا** کا معمول ہے اور **من قرن** تمیز ہے لفظ کم کی اور **ھم اشد** جملہ صفت ہے کم یا قرن کی۔ اور **بطشاً** تمیز ہے اور عبارت اس طرح ہوگی۔ **انا اھلکنا قروناً کثیرۃً اشد باساً و بطشاً من قریش**

فنقبوا۔ یعنی مختلف مقامات پر پھٹ گئے اور منتشر ہوگئے۔ **ھم اشد** پر اس کا عطف ہے اور 'فا' سببیہ ہے اور 'ہم' ضمیر قرن کی طرف راجع ہیں یا اہل مکہ کی طرف راجع ہے۔ چنانچہ بصیغہ امر **نقبوا** بھی ایک قراءت ہے۔

من محیص ۔ مفسر نے لہم نکال کر محیص کی خبر کی طرف اشارہ کیا ہے اور من زائد ہے اور استفہام انکاری ہے۔

له قلب. ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر عقل سے منقول ہے چنانچہ فراء نحوی کہتے ہیں ماقلبک معک کے معنی ماعقلک معک کے ہیں۔

وهو شهيد ۔ جملہ حالیہ ہے حضور قلب کے مراتب ہیں۔ عام مرتبہ یہ ہے کہ تلاوت کرتے وقت اوامر ونواہی کا دھیان رہے۔ مرتبہ خاص یہ ہے کہ خود کو اللہ کے سامنے حاضر تصور کرے کہ وہی احکام دے رہا ہے اور اپنی تلاوت کو محض اس کی ترجمانی سمجھے۔

في ستة ايام. اللہ کی قدرت تو پل بھر میں ساری کائنات پیدا کردینے کی ہے مگر بندوں کی تعلیم کے لئے تدریجی طور پر عالم کو پیدا کیا، زمین اور اس کے منافع دو روز میں زمین اور آسمان دو روز میں اور دو روز میں دیگر مخلوقات۔

وما مسنا من لغوب ۔ جملہ حالیہ یا مستانفہ اور لغوب عام قراءت ضمہ لام کے ساتھ ہے۔ اور علیؓ، طلحہؒ، سلمیؒ، یعقوبؒ فتحہ کے ساتھ پڑھتے ہیں دونوں صورت میں مصدر ہے اور معنی ایک ہیں اور بقول سیبویہؒ پانچ مصادر ایسے ہیں اور بقول کسائی سات مصادر ہیں جو ضمہ کے ساتھ اس وزن پر آتے ہیں۔ اس سے یہود کے اس خیال کی تردید مقصود ہے کہ اللہ نے ساتویں روز آرام کیا۔ نیز ان کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ اللہ مربع بیٹھا تھا۔ اس لئے مربع بیٹھنے کو یہود ناپسند کرتے ہیں اور دیکھا جائے تو فرقہ مشبہ کی بنیاد یہود خیال کے لوگوں ہی سے پڑی ہے۔

سبح بحمد ربك ۔ مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ نماز مراد ہے۔ مفسرؒ نے علامہ زمخشری کی طرح اس آیت سے پنجگانہ نمازیں مراد لے رہے ہیں۔

ادبار السجود ۔ اکثر کے نزدیک فتحہ ہمزہ کے ساتھ دبر کی جمع ہے اور نافع ہمزہ کے نزدیک کسرہ ہمزہ کے ساتھ مصدر ہے، ادبرت الصلوٰۃ کے معنی انقضاء اور اتمام کے ہیں فرائض کے بعد نوافل مراد ہیں۔

يوم ينادى ۔ کلام مستانف ہے مفعول محذوف کے بیان کے لئے۔

من مكان قريب ۔ صخرہ بیت المقدس...... بعض نے اس کو وسط زمین کہا ہے۔

بالحق ۔ بمعنی یقین۔ قیامت بھی یقینی ہے۔ تفسیری عبارت ویحتمل الخ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ ندا نفخہ ثانیہ کے علاوہ ہوگی جو پہلی بات کے برخلاف ہے کہ یہ ندا وہی نفخۂ مذکورہ ہے۔ الا یہ کہ کہا جائے کہ اس کے منادی جبرئیل ہوں گے اور نفخہ کرنے والے اسرافیلؑ۔

يوم الخروج ۔ مفسرؒ نے ناصب يعلمون الخ مقدر مانا ہے اور يخرجون بھی ناصب مقدر ہوسکتا ہے۔

يوم تشقق. مفسرؒ پہلے یوم سے بدل مان رہے ہیں اور بقول ابوالبقاء اول یوم سے بھی بدل ہوسکتا ہے۔ لیکن ایک مبدل کے دو بدل ہو جائیں گے جو بقول زمخشریؒ ناجائز ہے اور یوم مصیر کا ظرف بھی ہوسکتا ہے۔ یا خروج کا اور یخرجون مقدر سے بھی منصوب ہوسکتا ہے۔

حشر علينا يسير ۔ یعنی اصل میں حشر يسير علينا تھا متعلق کو اختصاص کے لئے مقدم کر دیا گیا۔ لیکن متعلق کی تقدیم یوں بھی جائز ہے۔ البتہ اجنبی کی تقدیم ناجائز ہوتی ہے۔

فذكر معلوم ہوا کہ اہل کو وعظ ونصیحت کرنی چاہیے۔ نااہل کو وعظ کرنا بے فائدہ ہے۔

روایات:......... **وسبح بحمد ربك** ۔ طبرانیؒ نے اوسط میں جریر سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ کہ **سبح قبل طلوع الشمس** سے نماز فجر اور **قبل الغروب** سے نماز مغرب مراد ہے اور بخاریؒ میں جریر سے مرفوعاً روایت ہے کہ نماز **قبل طلوع الشمس** اور **قبل الغروب** کی

پابندی اگر کرسکوتو ضرور کرو اور پھر آپ نے تائید میں یہ آیت پڑھی اور مجاہدؒ سے من اللیل سے صلوٰۃ اللیل مراد ہے پس اس صورت میں نماز فجر، عصر، تہجد، تین نمازوں کا ذکر اس آیت میں ہوا۔ جیسا کہ ابتداء اسلام میں یہی تین نمازیں فرض تھیں۔ بعد میں واقعہ اسراء میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ لیکن بقول زمخشریؒ اس آیت میں پانچوں نمازوں کا بیان ہے۔

ادبار السجود۔ ابن جریر حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، حسن بن علیؓ، قتادہؒ، شعبیؒ، حسنؒ، مجاہدؒ اوزاعیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ مغرب کے بعد دو رکعت مراد ہیں۔ ابن منذر حضرت عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ادبار السجود سے مغرب کے بعد دو رکعت اور ادبار النجوم سے نماز فجر سے پہلے دو رکعت مراد ہیں اور بعض نے ان چاروں اوقات میں تسبیح وتحمید مراد لی ہے۔ جیسا کہ بخاری میں ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **یوم نقول لجھنم**۔ دوزخ اتنی بڑی ہے کہ دوزخیوں سے بھر نہ سکے گی اور شدت غیظ وغضب میں اور دوزخیوں کا مطالبہ کرے گی۔ حق تعالیٰ کا دوزخ سے پوچھنا تہویل وتخویف کے لئے ہے۔ حدیث شیخین میں ہے کہ دوزخ کے اس جواب پر حق تعالیٰ اپنا قدم رکھ دیں گے دوزخ دب جائے گی اور سمٹ کر سکڑ جائے گی اور بس بس کہے گی۔

شبہات اور جوابات: .... اس پر شبہ نہ کیا جائے کہ دوسری آیت میں لاملئن جھنم من الجنۃ و الناس فرمایا گیا ہے۔ جس سے جہنم کا بھر جانا معلوم ہوتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ دوسری آیت میں بھرنے سے عام مراد ہے خواہ ابتداءً یا انتہاءً۔ پس قدم رکھ دینے سے بھر جانا بھی اس میں داخل ہے۔ البتہ اس پر یہ شبہ رہ جاتا ہے کہ وہ بھرنا تو قدم سے ہوا اور آیت میں جنات اور انسانوں سے بھرنا معلوم ہو رہا ہے۔ جواب یہ ہے کہ قدم رکھنا تو محض تصرف کے لئے ہے البتہ بھرنا جن وانس ہی سے ہوگا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے گیلی مٹی کا برتن بنا کر اس میں کنکریاں بھر دی جائیں مگر اوچھارہ جائے تو اس کو ہاتھ یا پاؤں سے دبا دیا جائے۔ اتنا کہ کنکریاں اوپر تک آ جائیں تو اس برتن کو کنکروں سے ہی بھرا ہوا کہا جائے گا۔

اسی طرح یہ شبہ بھی نہ کیا جائے کہ جہنم کے لئے تو تنگی بہتر ہے نہ کہ کشادگی وہ تو جنت کے لئے خوبی ہے۔ چنانچہ دوسری آیات وروایات سے بھی جہنم کا تنگ ہونا معلوم ہے۔

جواب یہ ہے کہ شروع میں کشادگی ہوگی اور قدم رکھ دینے سے تنگی ہو جائے گی۔ قدم رکھنا تو متشابہات میں سے ہے۔ جہنم کے سوال وجواب میں کوئی استبعاد نہیں ہے۔

وازلفت الجنۃ۔ یہاں سے جنت کا بیان ہے کہ بہت قریب سے اس کی تروتازگی بناؤ سنگار دیکھیں گے۔

جنت کے قریب ہونے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو اس کی اصلی جگہ سے منتقل کر کے میدان قیامت میں لایا جائے اور اللہ کو سب کچھ قدرت ہے۔ اس صورت میں ادخلوھا کا یہ مطلب نہیں کہ ابھی چلے جاؤ۔ بلکہ بشارت اور وعدہ ہے کہ حساب کتاب کے بعد جنت میں چلے جانا اور دوسری صورت یہ ہے کہ حساب کتاب سے فراغت کے بعد جنت کو قریب لایا جائے گا اور پھر کہا جائے گا۔ **ھذا ما توعدون** الخ

پہلے کفار کی اخروی تعقیب کا ذکر تھا۔ درمیان میں ان کے مقابل اہل جنت کی اخروی نعمتوں کا تذکرہ ہوا۔

پھر آیت **وکم اھلکنا** الخ میں دنیاوی سزا کا ذکر ہے کہ پہلے ہم کتنی شریر وسرکش قوموں کو تباہ کر چکے ہیں جو زور وقوت میں موجودہ سرکشوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں جنہوں نے بڑے بڑے شہر چھان مارے تھے پھر جب عذاب الٰہی آیا تو بھاگنے کے لئے روئے زمین پر کہیں ٹھکانہ نہ ملا یا یہ مطلب ہے کہ عذاب الٰہی کے وقت اپنی بستیوں میں کھوج لگاتے پھرے مگر کہیں ٹھکانہ نہیں ملا۔

وما مسنا من لغوب ۔یعنی اتنی بڑی بڑی چیزیں بنا کر بھی نہیں تھکتے تو دوبارہ بنانا کیا مشکل ہے۔ نیز بگاڑنا تو بہ نسبت بنانے کے آسان ہے **فاصبر الخ**۔ آپ ان کی بیہودہ بکواس پر غمگین نہ ہو جائیے کہ یہ اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے ۔آپ اللہ کی یاد اور عبادت میں لگیے ۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں فجر، عصر، تہجد کی تین نمازیں فرض تھیں ۔اب پنجوقتہ نمازوں کے ساتھ ان اوقات کی نمازیں خصوصی فضیلت وشرف رکھتی ہیں نمازوں کے ساتھ تسبیح وتحمید بھی مطلوب ہے۔

آگے آیت **واستمع** سے قیامت کا تاکیداً پھر ذکر ہے کہا جاتا ہے کہ بیت المقدس کے پتھر سے صور پھونکا جائے گا اس لئے نزدیک کہا ہے اور یا اس لئے کہ اس کی آواز سب جگہ قریب معلوم ہوگی ۔اور یکساں سنائی دے گی۔ ظاہر ہے اس سے نفخ صور مراد ہے اگرچہ دوسری ندائیں بھی حق تعالیٰ کی طرف سے ہوں گی ۔غرض دوسری مرتبہ نفخ صور سے سب زمین سے نکل کھڑے ہوں گے اور موت وحیات سب اللہ ہی کے قبضہ میں ہے ۔آخرکار سب کو اسی کے پاس جانا ہے ۔کوئی بچ کر نہیں نکل سکتا، زمین پھٹے گی مردے نکل کر میدان حشر کی طرف جھپٹیں گے ۔اللہ سب اگلوں پچھلوں کو اکٹھا کر دے گا اور یہ اس کے لئے بالکل آسان ہے ۔ جو لوگ انکار قیامت میں واہی تباہی بکتے ہیں ۔انہیں ہمارے حوالے کیجئے ہم خود نبٹ لیں گے ۔آپ کا یہ منصب نہیں کہ ہر ایک کو زور زبردستی بات منوائیں ہاں سنا سنا کر بالخصوص اللہ سے ڈرنے والوں کو فہمائش کرتے رہیے۔

لطائف سلوک:........**ان فی ذلک** ۔اس میں کلام شیخ کے نافع ہونے کے شرائط ہیں۔
فاصبر علی ما یقولون سے شدائد ومصائب میں تسلی کا بڑا ذریعہ توجہ الی اللہ معلوم ہوتا ہے۔

سُـوْرَۃُ الذّٰرِیٰتِ

سُوْرَۃُ وَالذّٰرِیٰتِ مَکِّیَّۃٌ سِتُّوْنَ اٰیَۃً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿﴾

وَالذّٰرِیٰتِ الرِّیَاحِ وَالتُّرَابِ وَغَیْرِہٖ **ذَرْوًا** ﴿۱﴾ مَصْدَرٌ وَیُقَالُ تَذْرِیْہِ ذَرْیًا تَهُبُّ بِہٖ **فَالْحٰمِلٰتِ** السُّحُبِ تَحْمِلُ الْمَآءَ **وِقْرًا** ﴿۲﴾ ثِقْلًا مَفْعُوْلُ الْحَامِلَاتِ **فَالْجٰرِیٰتِ** السُّفُنِ تَجْرِیْ عَلٰی وَجْهِ الْمَآءِ **یُسْرًا** ﴿۳﴾ بِسُهُوْلَۃٍ مَصْدَرٌ فِیْ مَوْضِعِ الْحَالِ اَیْ مُیَسَّرَۃً **فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا** ﴿۴﴾ اَلْمَلَائِکَۃُ تُقَسِّمُ الْاَرْزَاقَ وَالْاَمْطَارَ وَغَیْرَهَا بَیْنَ الْعِبَادِ وَالْبِلَادِ **اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ** مَا مَصْدَرِیَّۃٌ اَیْ اِنَّ وَعْدَهُمْ بِالْبَعْثِ وَغَیْرِہٖ **لَصَادِقٌ** ﴿۵﴾ لَوَعْدٌ صَادِقٌ **وَّاِنَّ الدِّیْنَ** الْجَزَآءَ بَعْدَ الْحِسَابِ **لَوَاقِعٌ** ﴿۶﴾ لَا مَحَالَۃَ **وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُکِ** ﴿۷﴾ جَمْعُ حَبِیْکَۃٍ کَطَرِیْقَۃٍ وَطُرُقٍ اَیْ صَاحِبَۃُ الطُّرُقِ فِی الْخِلْقَۃِ کَالطُّرُقِ فِی الرَّمَلِ **اِنَّکُمْ** یَااَهْلَ مَکَّۃَ فِیْ شَانِ النَّبِیِّ وَالْقُرْاٰنِ **لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ** ﴿۸﴾ قِیْلَ شَاعِرٌ سَاحِرٌ کَاهِنٌ شِعْرٌ سِحْرٌ کَهَانَۃٌ **یُؤْفَکُ** یُصْرَفُ **عَنْهُ** عَنِ النَّبِیِّ وَالْقُرْاٰنِ اَیْ عَنِ الْاِیْمَانِ بِہٖ **مَنْ اُفِکَ** ﴿۹﴾ صُرِفَ عَنِ الْهِدَایَۃِ فِیْ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی **قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ** ﴿۱۰﴾ لُعِنَ الْکَذَّابُوْنَ اَصْحَابُ الْقَوْلِ الْمُخْتَلِفِ **الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَۃٍ** جَهْلٍ یَغْمُرُهُمْ **سَاهُوْنَ** ﴿۱۱﴾ غَافِلُوْنَ عَنْ اَمْرِ الْاٰخِرَۃِ **یَسْئَلُوْنَ** النَّبِیَّ اِسْتِهْزَآءً **اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ** ﴿۱۲﴾ اَیْ مَتٰی مَجِیْئُہٗ وَجَوَابُهُمْ یَجِیْٔ **یَوْمَ هُمْ عَلَی النَّارِ یُفْتَنُوْنَ** ﴿۱۳﴾ اَیْ یُعَذَّبُوْنَ فِیْهَا وَیُقَالُ لَهُمْ حِیْنَ التَّعْذِیْبِ **ذُوْقُوْا فِتْنَتَکُمْ** تَعْذِیْبَکُمْ هٰذَا الْعَذَابُ **الَّذِیْ کُنْتُمْ بِہٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ** ﴿۱۴﴾ فِی الدُّنْیَا اِسْتِهْزَاءً **اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ** بَسَاتِیْنَ **وَّعُیُوْنٍ** ﴿۱۵﴾ تَجْرِیْ فِیْهَا **اٰخِذِیْنَ** حَالٌ مِنَ الضَّمِیْرِ فِیْ خَبَرِ اِنَّ **مَآ اٰتٰهُمْ** اَعْطَاهُمْ **رَبُّهُمْ** مِنَ الثَّوَابِ **اِنَّهُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ** اَیْ دُخُوْلِهِمْ **مُحْسِنِیْنَ** ﴿۱۶﴾ فِی الدُّنْیَا **کَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ** ﴿۱۷﴾ یَنَامُوْنَ وَمَا زَائِدَۃٌ وَیَهْجَعُوْنَ خَبَرُ کَانَ وَقَلِیْلًا ظَرْفٌ اَیْ یَنَامُوْنَ فِیْ زَمَنٍ یَّسِیْرٍ مِّنَ اللَّیْلِ وَیُصَلُّوْنَ اَکْثَرَ وَ **بِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ** ﴿۱۸﴾ یَقُوْلُوْنَ

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾ الَّذِیْ لَا یَسْاَلُ لِتَعَفُّفِهٖ وَفِی الْاَرْضِ مِنَ الْجِبَالِ وَالْبِحَارِ وَالْاَشْجَارِ وَالثِّمَارِ وَ النَّبَاتِ وَغَیْرِهَا اٰیٰتٌ دلَا لَاتٌ عَلٰی قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَوَحْدَانِیَّتِهٖ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اٰیَاتٍ اَیْضًا مِنَ مَبْدَأ خَلْقِكُمْ اِلٰی مُنْتَهَاهُ وَمَا فِیْ تَرْكِیْبِ خَلْقِكُمْ مِنَ الْعَجَائِبِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ فَتَسْتَدِلُّوْنَ بِهٖ عَلٰی صَانِعِهٖ وَ قُدْرَتِهٖ وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ اَیِ الْمَطَرُ الْمُسَبَّبُ عَنْهُ النَّبَاتُ الَّذِیْ هُوَ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمَاٰبِ وَالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ اَیْ مَكْتُوْبٌ ذٰلِكَ فِی السَّمَآءِ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ اَیْ مَا تُوْعَدُوْنَ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾ بِرَفْعِ مِثْلُ صِفَةٌ وَمَا مَزِیْدَةٌ وَ بِفَتْحِ اللَّامِ مُرَكَّبَةٌ مَعَ مَا الْمَعْنٰی مِثْلَ نُطْقِكُمْ فِیْ حَقِیْقَتِهٖ اَیْ مَعْلُوْمِیَّتِهٖ عِنْدَكُمْ ضَرُوْرَةَ صُدُوْرِهٖ عَنْكُمْ هَلْ اَتٰىكَ خِطَابٌ لِلنَّبِیِّ ﷺ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ الْمُكْرَمِیْنَ ﴿۲۴﴾ وَهُمْ مَلٰئِكَةٌ اِثْنَا عَشَرَ اَوْ عَشَرَةً اَوْ ثَلَاثَةً مِنْهُمْ جِبْرِیْلُ اِذْ ظَرْفٌ لِحَدِیْثِ ضَیْفِ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا. اَیْ هٰذَا اللَّفْظَ قَالَ سَلٰمٌ اَیْ هٰذَا اللَّفْظَ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ لَا نَعْرِفُهُمْ قَالَ ذٰلِكَ فِیْ نَفْسِهٖ وَهُوَ خَبَرُ مُبْتَدَأٍ مُقَدَّرٍ اَیْ هٰٓؤُلَاءِ فَرَاغَ مَالَ اِلٰٓی اَهْلِهٖ سِرًّا فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ ﴿۲۶﴾ وَفِیْ سُوْرَةِ هُوْدٍ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ اَیْ مَشْوِیٍّ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَیْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ عَرَضَ عَلَیْهِمُ الْاَكْلَ فَلَمْ یُجِیْبُوْا فَاَوْجَسَ اَضْمَرَ فِیْ نَفْسِهٖ مِنْهُمْ خِیْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾ ذِیْ عِلْمٍ كَثِیْرٍ هُوَ اِسْحَاقُ كَمَا ذُكِرَ فِیْ سُوْرَةِ هُوْدٍ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ سَارَةُ فِیْ صَرَّةٍ صَیْحَةٍ حَالٌ اَیْ جَآءَتْ صَائِحَةً فَصَكَّتْ وَجْهَهَا لَطَمَتْهُ وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ﴿۲۹﴾ لَمْ تَلِدْ قَطُّ وَ عُمْرُهَا تِسْعٌ وَ تِسْعُوْنَ سَنَةً وَعُمْرُ اِبْرٰهِیْمَ مِائَةُ سَنَةٍ اَوْ عُمْرُهٗ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ سَنَةً وَعُمْرُهَا تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ سَنَةً قَالُوْا كَذٰلِكِ اَیْ مِثْلَ قَوْلِنَا فِی الْبِشَارَةِ قَالَ رَبُّكِ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِیْمُ فِیْ صُنْعِهٖ الْعَلِیْمُ ﴿۳۰﴾ بِخَلْقِهٖ

ترجمہ: ....سورۂ ذاریات مکیہ ہے جس میں ساٹھ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

قسم ہے ان ہواؤں کی (مراد تیز ہوا جس میں مٹی وغیرہ اڑ جائے) جو گرد وغبار اڑاتی ہیں (ذروا مصدر ہے تذریہ ذریا کے معنی اڑانے کے ہیں) پھر ان بادلوں کی جو اٹھاتے ہیں (پانی سے لدے ہوئے بادل) بوجھ (وزن یہ حاملات کا مفعول ہے) پھر ان کشتیوں کی جو (پانی پر رواں دواں رہتی ہیں) نرم روی سے چلتی ہیں (یسیر بمعنی سہولت مصدر حال کے موقعہ پر ہے بمعنی میسرۃ) پھر ان فرشتوں کی جو چیزیں تقسیم کرتے ہیں (بارش اور رزق کو انسانوں میں اور شہروں پر تقسیم کرنے کے لئے جو فرشتے مامور رہتے ہیں) تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جاتا ہے (ما مصدر یہ یعنی قیامت وغیرہ کا وعدہ) وہ بالکل سچ ہے (وہ وعدہ سچا ہے) اور جزاء (حساب کے بعد بدلہ) ضرور (یقینا) ہونے والی ہے۔ قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں (حبک جمع ہے حبیکۃ کی جیسے طریقہ کی جمع طرق آتی ہے یعنی آسمانوں کی بناوٹ میں ایسے ہی راستے ہیں

جیسے خشکی میں ہوا کرتے ہیں) کہ تم لوگ (اے مکہ کے باشندو نبی کریم ﷺ اور خدا کی شان) میں مختلف باتیں کہتے ہو (جن کی شان میں شاعر، ساحر اور کاہن اور قرآن کی شان میں شعر سحر کہانت کہا جاتا ہے) وہی پھرتا ہے (بدلتا ہے) اس سے نبی اور قرآن سے یعنی اس پر ایمان لانے سے) جس کو پھرنا ہوتا ہے (علم الٰہی میں جس کا گمراہ ہونا مقدر ہوتا ہے) غارت ہو جائیں بے سند باتیں کرنے والے (فضول بکواس کرنے والے جھوٹوں پر لعنت) جو نادانی (جہالت) میں بھولے ہوئے (آخرت سے غافل) ہیں۔ پوچھتے ہیں (پیغمبر سے مذاق اڑاتے ہوئے) کہ روز قیامت کب ہوگا (یعنی کب آئے گی جس کا جواب آگے ہے کہ جس روز لوگ آگ پر تپائے جائیں گے (نار جہنم میں عذاب دیئے جائیں گے اور ان سے عذاب کے وقت کہا جائے گا) اپنی اس سزا (عذاب) کا مزہ چکھو۔ یہی عذاب ہے جس کی تم دنیا میں مذاق اڑاتے ہوئے جلدی مچایا کرتے تھے۔ بلا شبہ متقی لوگ بہشتوں (باغوں) اور چشموں میں ہوں گے (جو جنت میں بہہ رہے ہوں گے) وہ لے رہے ہوں گے (ان کی خبر کی ضمیر سے حال ہے) اس چیز کو جو ان کے پروردگار نے ان کو عطا کی ہوگی (یعنی ثواب) وہ لوگ اس جنت میں داخلہ سے پہلے نیکو کار تھے (دنیا میں رہتے ہوئے) وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے (**ما یھجعون میں ما زائد ہے اور** یھجعون کان کی خبر ہے اور قلیلا ظرف ہے یعنی رات میں کم وقت سوتے تھے) اور زیادہ وقت نماز پڑھتے تھے اور اخیر شب میں **اللھم اغفرلنا** کہہ کر استغفار کرتے تھے اور ان کے مال میں سوالی اور غیر سوالی کا حق تھا (محروم سے مراد وہ شخص جو اپنی آبرو کی وجہ سے سوال نہ کرے) اور زمین میں (پہاڑ، سمندر، درخت، گھاس، پھل وغیرہ کی) بہت سی نشانیاں ہیں (اللہ کی قدرت و وحدانیت کے دلائل ہیں) یقین لانے والوں کے لئے اور خود تمہاری ذات میں (بہت سی نشانیاں ہیں ابتداء پیدائش سے لے کر آخری وقت تک اور تمہاری پیدائش کی ترکیب میں عجائبات ہیں) کیا تم کو دکھلائی نہیں دیتا کہ اس سے اس کے بنانے والے کی صنعت اور قدرت پر استدلال کرتے) اور آسمانوں میں ہے تمہارا رزق (یعنی بارش جس سے سبزی پیدا ہوتی ہے جو رزق ہے) اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (یعنی آخری ٹھکانہ ثواب، عذاب یعنی سب کچھ آسمان میں لکھا ہوا ہے) تو قسم ہے آسمان زمین کے پروردگار کی کہ وہ (جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے) برحق ہے جس طرح کہ تم باتیں کر رہے ہو (مثل رفع کی صورت میں صفت ہے اور ما زائد ہے اور فتحہ لام کے ساتھ مثل اور ما مرکب ہے یعنی قیامت کا برحق ہونا ایسا ہی مسلم ہے جیسے بولنا چالنا سب کو معلوم ہے بدلہۂ سرزد ہونے کی وجہ سے) کیا ابراہیمؑ کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ ﷺ (آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے) تک پہنچی ہے (مراد بارہ یا دس یا تین فرشتے ہیں۔ جن میں جبریل بھی تھے۔) جب (یہ حدیث ضیف کا ظرف ہے) کہ وہ ان کے پاس آئے پھر ان کو سلام کیا (یعنی سلام کا لفظ کہا) حضرت ابراہیمؑ نے بھی سلام کیا (یعنی یہ لفظ فرمایا) انجان لوگ ہیں (ہم انہیں پہچانتے نہیں ہیں، حضرت ابراہیمؑ نے دل میں یہ کہا۔ یہ مبتداء مقدر کی خبر ہے یعنی ھٰؤلاء قوم منکرون) پھر اپنے گھر کی طرف چلے (آہستہ سے) اور ایک فربہ بچھڑا لائے (سورۃ ہود میں ہے بعجل حنیذ یعنی بھنا ہوا اور تلا ہوا) وراس کو ان کے پاس لا کر رکھا اور کہنے لگے آپ لوگ کیوں کھاتے نہیں؟ (ان سے کھانے کی فرمائش کی جو فرشتوں نے قبول نہیں کی) تو محسوس کیا (دل میں چھپایا) ان سے ڈر، انہوں نے کہا تم ڈرو مت (ہم آپ کے رب کے فرستادہ ہیں) اور ان کو ایک فرزند کی بشارت دی جو بڑا عالم ہوگا (مراد حضرت اسحٰقؑ ہیں جیسا کہ سورۃ ہود میں گزرا) اتنے میں ان کی بیوی (سارہ) پکارتی ہوئی آئیں (زور زور سے بولتی ہوئی یہ حال ہے یعنی آواز کرتی ہوئی آئیں) پھر ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں کہ بڑھیا بانجھ (جس کے کبھی اولاد نہیں ہوئی۔ ان کی عمر ننانوے سال اور حضرت ابراہیمؑ کی عمر سو سال تھی یا حضرت ابراہیمؑ کی عمر ایک سو بیس برس اور بیوی کی عمر ننانوے برس تھی) فرشتے کہنے لگے کہ تمہارے پروردگار نے ایسے ہی فرمایا ہے (جیسا کہ ہم نے بشارت سنائی ہے) کچھ شک نہیں کہ وہ (اپنی کاریگری میں) بڑی حکمت والا (اپنی مخلوق کو) جاننے والا ہے۔

تحقیق وترکیب:.......... والذاریات ۔ واؤ قسمیہ ہے ذاریات، حاملات، مقسمات سب معطوفات مقسم بہ ہیں اور انما توعدون، مقسم علیہ ہے تعظیم اور دلائل قدرت ہونے کی وجہ سے ان کی قسمیں کھائی گئیں ہیں ۔ اور کلام حذف مضاف کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے ۔ ای و رب **هذه الاشياء** اس صورت میں اللہ کی قسم ہوگی نہ کہ ان اشیاء کی۔

تذرو التراب ۔ کے معنی مٹی وغیرہ اڑانے کے ہیں، حاملات سے مراد بادل ہیں، جو پانی اٹھائے ہوتے ہیں۔

انما توعدون ۔ میں ما مصدریہ ہے اور موصولہ بھی ہوسکتا ہے ۔ عائد محذوف ہوگا ای **توعدونه** ۔

حبک ۔ ریت پر جو محسوس نشانات ہو جاتے ہیں راستہ کے ان کو حبک کہتے ہیں ۔ حبک الماء ہوا سے پانی میں جو لہریں بن جاتی ہیں ۔ چنانچہ اس سے آسمانوں میں راستوں کا ہونا معلوم ہوتا ہے جو دوری کی وجہ سے نظر نہیں آتے ۔ قاموس میں ہے کہ ستاروں کے راستوں کو حبک کہا جاتا ہے ابن عباس سے منقول ہے کہ **ذات الحبك** سے مراد آسمان کا حسن و جمال ہے ۔ چنانچہ کپڑا جب عمدہ بنایا جائے تو کہا جاتا ہے "**ما احسن حبكه**" اور مجاہدؒ مضبوط بنیاد کے معنی لیتے ہیں ۔ غرضیکہ حبک اور طرق وزن اور معنی کے لحاظ سے ایک ہیں ۔

يؤ فك عنه ۔ ضمیر قرآن یا پیغمبر کی طرف راجع ہے ۔ یعنی علم الٰہی میں جو برگشتہ ہوتا ہے وہی گمراہ ہوتا ہے ۔ نیز ضمیر **ما توعدون** اور دین کی طرف بھی راجع ہوسکتی ہے ۔ پہلے قسمیں کھا کر فرمایا کہ قیامت برحق ہے ۔ پھر آسمان کی قسم کھا کر فرمایا کہ کفار قیامت کے متعلق تردد وشک کا شکار ہیں اور کچھ صاف منکر ہیں ۔ آیت میں چونکہ یہ اشکال ہے کہ محروم ازلی کو دوبارہ محروم کرنے کے کیا معنی؟ مفسر اس کی تاویل کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ قول مختلف کی وجہ سے ایمان سے پھیر دیا گیا ہے ۔ جس کے پھیر دینے کا فیصلہ علم الٰہی میں کردیا گیا تھا ۔ اور بعض نے یہ تاویل کی ہے کہ اس گستاخی کی وجہ سے مکمل طور پر ایمان سے محروم کردیا گیا ہے ۔ اور بعض نے عنہ کی ضمیر قول کی طرف راجع کی اور عن سببیہ ہے یعنی قول مختلف کی وجہ سے ایمان سے راندہ کردیا گیا ہے ۔

قتل الخراصون ۔ یہ جملہ دراصل قتل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے لیکن بطور استعارہ لعنت کے لئے آ گیا ۔ محروم السعادۃ کو مقتول سے تشبیہ دیتے ہوئے مشبہ کا ذکر نہیں کیا ہے ۔ اس کے لوازم یعنی قتل سے اشارہ کردیا ۔ اس کا اثبات استعارہ تخیلیہ ہے ۔

فی غمرة ۔ غمرۃ کے معنی کثرت کے ہیں ۔ غمرۃ الماء پانی بڑھ گیا ۔ غمرۃ القوم قوم میں سب سے بڑھ گیا ہے ۔

يسالون ۔ یہ سوال **ان الدين لواقع** ہے ۔

ایان ۔ خبر مقدم اور **يوم الدين** مبتداء موخر ہے ۔ یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ زمانہ کی خبر زمانہ سے نہیں ہوسکتی ۔ بلکہ حوادث زمانہ کی خبر دی جایا کرتی ہے اگرچہ اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے ۔ تاہم مفسرؒ نے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مضاف محذوف ہے ای **متی مجیئه**، پس ایان بمعنی متی خبر ہے اور **مجیئه** مضاف محذوف مبتدا ہے ۔ ایان کے سوال کا جواب محذوف ہے ۔ ای **مجئی يوم الخ** **هم** مبتداء **يفتون** خبر ہے ۔ **على النار** میں علی بمعنی فی ہے ۔ علی کے ذریعہ تعدیہ یعرضون کے معنی میں ہونے کی وجہ سے ہے ۔ فتن کے معنی کھرے کھوٹے کو پرکھنا پھر عذاب کے معنی ہوگئے اور جملہ محل خبر میں ہے یوم کی اضافت کرتے ہوئے لیکن اس صورت میں جواب میں تعین نہ ہونے کی وجہ سے مفید نہیں ہے ۔ بلکہ مسئول عنہ میں شدت ابہام اور انتہائی خفا ہے مگر استغناء سے مقصود چونکہ حصول علم نہیں بلکہ استہزاء تھا ۔ اس لئے ایسا مبہم جواب دیا گیا ۔

وعیون: اشکال یہ ہے کہ **ان المتقين فی جنت وعيون** کہنا صحیح نہیں ہے ۔ مفسرؒ نے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نہریں جنت میں جاری ہوں گی اور اہل جنت نہروں کی سمت جنت میں ہوں گے ۔

اخذين ای **قابضين ما اتاهم شيئا فشيئا** ۔ یعنی بے انتہا نعمتیں حاصل ہوتی رہیں گی ۔ جو کبھی ختم نہیں ہوں گی ۔ اور بعض کے نزدیک آخذین

بمعنی قابلین ہے۔ جیسے یاخذ الصدقات بمعنی یقبل الصدقات ۔

محسنین ۔ای قد احسنوا اعمالھم ۔

مایھجعون ۔ھجوع بمعنی'' نوم فی اللیل '' یھجعون کان کی خبر اور قلیلا اس کا ظرف ہے اور یھجعون کے متعلق بھی ہوسکتا ہے اور ما مصدر لینے کی صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی ۔کانو قلیلا من اللیل ھجوعھم ۔مایھجعون قلیلا کا بیان اور من اللیل بیان ہے یا مصدر سے حال ہوگا۔ من ابتدائیہ ہے۔ مجاہدؒ، ابن عباسؓ، اور انسؓ سے منقول ہے کہ تمام رات سوتے نہیں ہیں۔ اس صورت میں ما نافیہ ہو گا اور ما نافیہ جب کہ ظرف ہو تو بعض حضرات کے نزدیک اس کے مابعد کا عمل ماقبل میں ہوسکتا ہے اور بعض کے نزدیک مطلقاً مابعد ماقبل میں عامل ہوسکتا ہے۔ اگر چہ مشہور مطلقاً عدم جواز ہے۔ چنانچہ زمخشریؒ نے اسی لئے ما نافیہ قرار نہیں دیا۔ لیکن بقول علامہ خفاجیؒ اکثر سلف سے جواز منقول ہے۔ اور وہ اہل زبان تھے۔ پہلی رائے حسن بصریؒ کی ہے۔

وبالاسحار: یہ متعلق یھجعون پر عطف ہے اور بمعنی فی ہے۔ سحرات کے چھٹے حصہ کو کہتے ہیں۔

وفی اموالھم ۔یعنی جان و مال اللہ کی راہ میں لٹاتے ہیں۔ محروم سے مراد وہ شخص جو ضرورت کے باوجود نفقہ کا سوال بھی کسی سے نہیں کرتا۔ محروم رہتا ہے۔ جیسا کہ قتادہؒ اور زہریؒ کی رائے ہے۔ اور ابن جریرؒ، ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ: جس کو نہ غنیمت کا صلہ ملے اور نہ زکوٰۃ۔ اور قتادہؒ ابن سیرینؒ، وغیرہ فرماتے ہیں جو صلہ رحمی اور مہمانداری سے بھی محروم رہے۔

وفی الارض ۔ یہاں سے توحید اور قدرت الٰہی پر اول دلیل آفاقی بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد دلیل انفسی فرمائی گئی ہے۔ اور فی السماء سے مستقل کلام ہے۔ جس سے مقصود امتنان اور وعدہ وعید کا بیان ہے فی الارض خبر مقدم آیات مبتداء موخر ہے۔

فی انفسکم ۔خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ ای فی انفسکم ایات ایضاً۔ غرض کہ ان آیات میں سفلیات وعلویات کا ذکر ہے۔

موقنین ۔آیات الٰہی کا مشاہدہ کر کے یقین بڑھا لیتے ہیں۔

وفی السماء رزقکم ۔بارش مراد ہے جو پیداوار کا سبب ہے۔ حضرت حسنؒ جب بادل دیکھتے تو اپنے اصحاب سے فرماتے۔ واللہ رزقکم ولکنکم تحرمونہ بخطایکم۔

ما توعدون ۔مفسرؒ نے عطا کا قول نقل کیا ہے اور ابن جریرؒ ضحاک سے نقل کرتے ہیں کہ جنت دوزخ مراد ہے اور بعض نے صرف جنت مراد لی ہے جو ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے۔ آسمان کا رزق کے لئے ظرف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ موکل فرشتوں کے ذریعہ نظام عالم رو بعمل ہوتا ہے۔

انہ الحق ۔ضمیر رزق کی طرف یا ماتوعدون کی طرف راجع ہے۔

مثل ماانکم ۔حمزہؒ علیؒ، ابوبکرؒ کے نزدیک مثل رفع کے ساتھ حق کی صفت ہے اور فتحہ کی سورت میں کلما اور اینما اور طالما قلما کی طرح مرکب ہے۔ پس مثلما مبنی بر سکون ہوگا محل رفع میں۔ یہ مضاف اور جملہ انکم تنطقون مضاف الیہ ہے محل جر میں۔ دونوں قراءتوں میں معنی ایک ہی رہیں گے۔ یعنی جس طرح تمہیں اپنے بولنے میں شبہ نہیں ہے۔ اسی طرح وعدہ رزق کی حقیقت بھی بلاشبہ ہے۔ ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ لوان احدکم فرمن رزقہ لیتبعہ کما یتبعہ الموت۔

ھل اتاک ۔استفہام اس واقعہ کی تشویق اور تفخیم الشان کے لئے ہے اور بعض نے ھل بمعنی قد کہا ہے جیسے ھل اتیٰ علی الانسان الخ میں ہے۔

ضیف ۔مصدر ہے اس میں واحد وجمع دونوں کی گنجائش ہے۔

اذدخلوا ۔اذ کا عامل لفظ حدیث ہے۔ یا یہ منصوب ہے فی حدیث کے معنی فعل کی وجہ سے کیونکہ ضیف مصدر ہے۔ **ای الذین ضاقوہ فی وقت دخولھم علیہ** . یا مکرمین کی وجہ سے منصوب ہے یا اذکر مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ البتہ اتاک کی وجہ سے منصوب نہیں۔ کیونکہ دونوں کا زمانہ مختلف ہے۔

فقالوا سلٰما ۔ **ای نسلم علیک سلاماً ، قال سلام ای علیکم سلام** اثبات ودوام کے لئے جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی طرف عدول کیا گیا ہے۔ تاکہ **فحیوا با حسن منھا** پر عمل ہو۔ عام قراءت اول سلام کونصب اور ثانی کو رفع پڑھنے کی ہے۔ لیکن ایک قراءت میں دونوں مرفوع ہیں۔ اور ایک قراءت میں ثانی سلاما ہے کسرہ سین کے ساتھ منصوب ہے۔

قوم منکرون ۔یعنی اجنبی تھے پتہ نہیں کہاں کے رہنے والے تھے۔ یہاں فرشتوں کا اوپرا ہونا ابتداء ہی میں معلوم ہوتا ہے اور سورہ ہود میں **فلما رای ایدیھم لا تصل الیہ نکرھم** سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے فرشتوں کے کھانے سے اصرار پر اوپرا سمجھا۔ لیکن کہا جائیگا کہ دونوں صورتیں اجنبیت کی صحیح ہوسکتی ہیں۔

فراغ الیٰ اھلہ ۔مفسرؒ نے سراً اس لئے کہا کہ میزبانی کے آداب میں سے ہے کہ مخفی طور پر مہمانداری کی جائے کہ کہیں مہمان تکلفاً مہمان نوازی سے روک نہ دے۔

فاوجس منھم خیفة . لان من لم یا کل طعامک لم یحفظ ذمامک ۔اور ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ابراہیمؑ کو فرشتوں کی آمد سے ڈر ہوا کہ عذاب الٰہی کے لئے آئے ہوں گے۔

بغلٰم علیم ۔جمہور کے نزدیک اس کا مصداق حضرت اسحٰقؑ ہیں جیسا کہ سورۂ صافات میں گزر چکا ہے۔

فاقبلت ۔بعض کے نزدیک حقیقۃً مراد نہیں بلکہ اقبلت بمعنی اخذت ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ **اقبلت شتمنی ای اخذت فی الشتم** ۔

فصکت ۔جیسا کہ تعجب کے وقت بات کرتے ہوئے عورتوں کی عادت ہوا کرتی ہے۔ رخساروں یا پیشانی پر ہتھیلی یا انگلیاں مارتی ہیں۔

کذٰلک ۔مفسرؒ نے قال ربک کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ کذلک مفعول ہے قال کا۔

ربط آیات: ......سورہ قٓ میں معاد کا ذکر تھا۔ سورۂ ذاریات کا بیشتر حصہ بھی اسی مضمون کا ہے۔ ابتدائی بیان بھی اسی سے ہو رہا ہے۔ اس کے بعد آیت **ھل اتٰک حدیث ضیف ابراھیم** سے مکذبین ومجرمین کی برائی اور سزا کی تائید میں کچھ پچھلے واقعات بیان فرمائے جارہے ہیں۔ مقصود اصلی تو قوم لوط کا واقعہ ذکر کرنا ہے واقعہ ابراہیمؑ بطور تمہید ہے اور یا نیکوکاروں کی تائید کے لئے ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ......**والذاریات** ۔مختلف قسموں سے مضمون کو موکد فرمایا جارہا ہے۔ آندھیاں اور ہوائیں جب زور سے چلتی ہیں تو غبار اڑتا ہے بادل بنتے ہیں، ان میں پانی ہوتا ہے جس کے بوجھ کو ہوائیں اڑائے اڑائے پھرتی ہیں۔ پھر بارش برسنے کے قریب ہوائیں نرم پڑ جاتی ہیں اور اللہ کے حکم سے بارش کا جہاں جتنا حصہ ہوتا ہے وہ تقسیم کر دیتی ہے ہواؤں کا یہ عجیب وغریب نظام ہے۔ اللہ ان مختلف ہواؤں کی قسمیں کھا رہا ہے۔

اور بعض علماء نے اس نظام کو نیچے سے اوپر کو مرتب مانتے ہوئے ذاریات سے ہوائیں اور حاملات سے بادل اور جاریات سے ستارے اور مقسمات سے فرشتے مراد لئے ہیں۔ جیسا کہ حضرت علیؓ کا بھی یہی ارشاد ہے۔

نظام عالم قیامت کی شہادت دے رہا ہے: ......غرضیکہ یہ اعلیٰ نظام اس بات کی شہادت فراہم کر رہا ہے کہ قیامت کا وعدہ سچا

ہے اور انصاف ہونا ضروری ہے کیونکہ جب یہ معمولی ہوا یونہی بے کار نہیں چلتی تو کیسے باور کرلیا جائے کہ اتنا بڑا کارخانہ بے مقصد و بے نتیجہ چل رہا ہے یقیناً اس کا انجام ہوگا اور وہی آخرت ہے۔ اسی طرح آسمان کی قسم کھائی جارہی ہے جو نہایت صاف، مضبوط، رونق دار ہے جس پر ستاروں کی کار چوبی معلوم ہورہی ہے اور فرشتوں کی اور ستاروں کی راہیں پڑیں ہوئی ہیں۔ قیامت کی بات کو خواہ مخواہ منکروں نے جھگڑے میں ڈال رکھا ہے۔ **عن النباء العظیم الذی هم فیه مختلفون** ۔ جو بارگاہ ربوبیت سے وابستہ ہیں وہ تو اس کو حرف بحرف صحیح سمجھتے ہیں۔ لیکن جو محروم القسمت راندہ درگاہ ہیں۔ وہ ہمیشہ اس کے ماننے سے گریزاں رہیں گے۔ اگر صرف نظام شمسی ہی پر نظر ڈالی جائے تو اس بارہ میں جھگڑنا نادانی نظر آتا ہے اور اٹکل تیروں اور غفلت کے پردوں سے زیادہ ان کے لئے اور کیا تجویز کیا جائے۔ اتنی سچی بات کا بھی مذاق اڑاتے ہوئے پوچھتے ہیں کہ صاحب وہ دن کب آئے گا؟ آخر اتنی دیر کیوں ہورہی ہے؟ جواب میں ارشاد ہے۔ یوم هم الخ ذرا ٹھہرو، وہ دن ابھی آتا ہے۔ جب تم آگ میں الٹ پلٹ کئے جاؤ گے اور پکار کر کہا جائے گا کہ لو اب اپنی شرارت اور ہنسی کا مزہ چکھو، تم جس کی جلدی مچارہے تھے وہ دن آ گیا۔ البتہ پرہیزگار اس کے برعکس باغوں اور چشموں کی بہاریں لوٹیں گے اور کیوں نہ ہو کہ جن کہ دنیا میں رہ کر وہ نیکیاں سمیٹنے میں لگے رہے رات کا اکثر حصہ مصروف عبادت رہے۔ صبح ہوتے ہی خود ستائی کی بجائے زبان پر اپنی تقصیرات واستغفار کے الفاظ رہے غرور خود بینی کی جگہ عجز و نیاز، خوف وخشیت کے لئے وقف رہے، اپنی کمائی سے ہر طرح غریبوں کی دیکھ بھال کرتے رہے زکوۃ وصدقات کو اپنے اوپر لازم رکھا۔

وفی الارض۔ الخ۔ شب بیداری، توبہ واستغفار، محتاجوں کی مدد اس یقین کے ساتھ کی جائے کہ اللہ موجود ہے اور وہ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا۔

آفاقی اور انفسی دلائل پر غور کرنے سے بآسانی یہ یقین پیدا ہوسکتا ہے کہ نیک وبد کی جزا کسی نہ کسی رنگ میں جلد یا بدیر ضرور مل کررہے گی۔

سب کی روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے: .... **وفی السماء** ۔ صدقہ خیرات سے انسان یہ سوچ کر پہلوتہی کرسکتا ہے کہ پھر ہم کہاں سے کھائیں گے؟ یا بعض لوگ خرچ کر کے غریبوں پر احسان جتلاتے ہیں، ان کو یہ سوچنا چاہیے کہ تمام تر روزی اور اجر وثواب آسمان والے کے ہاتھ میں ہے اس کی دی ہوئی روزی کسی کے روکے نہیں رک سکتی اور نیک نیتی سے خرچ کرنے والوں کو ثواب بھی مل کررہے گا۔ اور جیسے کسی کو اپنے بولنے میں شبہ نہیں ایسے ہی اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ روزی پہنچ کررہتی ہے اور آخرت آکر رہے گی۔

انکم تنطقون ۔ میں محاورہ کے علاوہ یہ نکتہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس میں قیامت کی نظیر کی طرف اشارہ ہے کہ زبان مثل زمین کے ہے اور اس سے جو کلام پیدا ہورہا ہے وہ مخلوق کی پیدائش کے مشابہ ہے اور کلام کا پورا ہونا موت کے مشابہ ہے اور پھر دوبارہ زبان سے وہی کلام سرزد ہونا زندہ ہونے کی طرح ہے۔ پس دن رات اس کا مشاہدہ قیامت کی طرف رہنمائی کے لئے کافی ہے۔

آگے **هل اتٰک** الخ سے حضرت ابراہیمؑ کی مہمان نوازی کا واقعہ ذکر کیا جارہا ہے۔ جسے **فی اموالهم حق للسائل والمحروم** سے قریبی مناسبت ہے اور یہ واقعہ تمہید ہے حضرت لوطؑ کے واقعہ کی۔ دونوں مضمونوں سے یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ دنیا میں ہم نے محسنین اور مکذبین کے ساتھ کیا کیا سلوک اور برتاؤ کیا۔ فرشتوں کی آمد پر شروع میں تو حضرت ابراہیمؑ ان کو انسان سمجھے، ان کی تکریم کی، ان کے سلام کا جواب دیا اور دل میں کہا کہ یہ تو اوپرے معلوم ہوتے ہیں یا خود فرشتوں سے کہا ہو کہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں جس کا فرشتوں نے کچھ جواب نہیں دیا۔ یا اس کے جواب کا ذکر نہیں ہے۔ غرض بڑے اہتمام سے ان کی مہمانداری میں لگ گئے۔ تلا ہوا اور بھنا ہوا بچھڑا پیش کیا اور شائستہ انداز میں پوچھا کہ آپ حضرات کھانا نہیں کھاتے۔ وہ فرشتے تھے کھاتے کسی طرح؟ آخر ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ آدمی نہیں ہیں اور طبعی طور پر کچھ گھبراسے گئے۔ فرشتوں نے اطمینان دلایا۔ سورہ ہود اور سورہ حجر میں تفصیل گزر چکی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک فرزند حضرت اسحٰق کی بشارت سنا کر اس فکر کو دور کیا۔ حضرت سارہ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی ایک طرف

گوشہ میں کھڑی یہ گفتگو سن رہی تھیں۔ لڑکے کی بات سن کر عورتوں کی عادت کے مطابق ماتھے یا گال پر ہاتھ رکھ کر تعجب سے پوچھا کہ ایک بڑھیا بانجھ جس کے جوانی میں اولاد نہ ہوئی، اب بڑھاپے میں بچہ جنے گی؟ فرشتے بولے اپنی طرف سے نہیں بلکہ تمہارے رب کی طرف سے کہہ رہے ہیں۔ وہی جانتا ہے کہ کس کو کس وقت کیا چیز دینی چاہیے۔ اور تمہیں تو خاندانی نبوت کے لحاظ سے اللہ کے علم وحکمت میں تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ (بیان القرآن، فوائد عثمانی)

لطائف آیات: ....آیت کانوا قلیلا من الیل الخ میں اہل اللہ کے بعض اعمال واشتغال کا ذکر ہے۔

وفی انفسکم الخ اگرچہ فی انفسکم بھی فی الارض میں داخل ہے بطور عطف کے علیحدہ ذکر کرنے کی چنداں حاجت نہیں تھی لیکن انسان کی جامعیت کے لحاظ سے استقلالاً بطور عطف کے ذکر کیا۔ گویا عالم اکبر کے ساتھ علم اصغر کو ذکر فرمادیا۔

اس عطف سے بھی یہ معلوم ہوا کہ جہلاء صوفیاء کا اس سے تجلی حق پر استدلال کرنا باطل ہے۔

پارہ نمبر ۲۷

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ

فہرست عنوانات کمالین شرح اردو جلالین پارہ ۲۷

قَالَ فَمَا خَطۡبُكُمۡ

قَالَ فَمَا خَطۡبُكُمۡ شَانُكُمۡ **اَيُّهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ** ﴿۳۱﴾ **قَالُوۡٓا اِنَّآ اُرۡسِلۡنَآ اِلٰى قَوۡمٍ مُّجۡرِمِيۡنَ** ﴿۳۲﴾ كَافِرِيۡنَ اَىۡ قَوۡمِ لُوۡطٍ **لِنُرۡسِلَ عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ طِيۡنٍ** ﴿۳۳﴾ مَطۡبُوۡخٍ بِالنَّارِ **مُّسَوَّمَةً** مُعَلَّمَةً عَلَيۡهَا اِسۡمَ مَنۡ يُّرۡمٰى بِهَا **عِنۡدَ رَبِّكَ** ظَرۡفٌ **لِلۡمُسۡرِفِيۡنَ** ﴿۳۴﴾ بِاِتۡيَانِهِمُ الذُّكُوۡرَ مَعَ كُفۡرِهِمۡ **فَاَخۡرَجۡنَا مَنۡ كَانَ فِيۡهَا** اَىۡ قُرٰى قَوۡمِ لُوۡطٍ **مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ** ﴿۳۵﴾ لِاِهۡلَاكِ الۡكَافِرِيۡنَ **فَمَا وَجَدۡنَا فِيۡهَا غَيۡرَ بَيۡتٍ مِّنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ** ﴿۳۶﴾ وَهُمۡ لُوۡطٌ وَابۡنَتَاهُ وُصِفُوۡا بِالۡاِيۡمَانِ وَالۡاِسۡلَامِ اَىۡ هُمۡ مُصَدِّقُوۡنَ بِقُلُوۡبِهِمۡ عَامِلُوۡنَ بِجَوَارِحِهِمُ الطَّاعَاتِ **وَتَرَكۡنَا فِيۡهَآ** بَعۡدَ اِهۡلَاكِ الۡكَافِرِيۡنَ **اٰيَةً** عَلَامَةً عَلٰى اِهۡلَاكِهٖ **لِّلَّذِيۡنَ يَخَافُوۡنَ الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ** ﴿۳۷﴾ فَلَا يَفۡعَلُوۡنَ مِثۡلَ فِعۡلِهِمۡ **وَفِىۡ مُوۡسٰٓى** مَعۡطُوۡفٌ عَلٰى فِيۡهَا الۡمَعۡنٰى وَجَعَلۡنَا فِىۡ قِصَّةِ مُوۡسٰى اٰيَةً **اِذۡ اَرۡسَلۡنٰهُ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ** مُتَلَبِّساً **بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ** ﴿۳۸﴾ بِحُجَّةٍ وَّاضِحَةٍ **فَتَوَلّٰى** اَعۡرَضَ عَنِ الۡاِيۡمَانِ **بِرُكۡنِهٖ** مَعَ جُنُوۡدِهٖ لِاَنَّهُمۡ لَهٗ كَالرُّكۡنِ **وَقَالَ** لِمُوۡسٰى هُوَ **سٰحِرٌ اَوۡ مَجۡنُوۡنٌ** ﴿۳۹﴾ **فَاَخَذۡنٰهُ وَجُنُوۡدَهٗ فَنَبَذۡنٰهُمۡ** طَرَحۡنَاهُمۡ **فِى الۡيَمِّ** الۡبَحۡرِ فَغَرِقُوۡا **وَهُوَ** اَىۡ فِرۡعَوۡنُ **مُلِيۡمٌ** ﴿۴۰﴾ اٰتٍ بِمَا يُلَامُ عَلَيۡهِ مِنۡ تَكۡذِيۡبِ الرُّسُلِ وَدَعۡوَى الرُّبُوۡبِيَّةِ **وَفِىۡ** اِهۡلَاكِ **عَادٍ** اٰيَةٌ **اِذۡ اَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمُ الرِّيۡحَ الۡعَقِيۡمَ** ﴿۴۱﴾ هِىَ الَّتِىۡ لَا خَيۡرَ فِيۡهَا لِاَنَّهَا لَا تَحۡمِلُ الۡمَطَرَ وَلَا تُلۡقِحُ الشَّجَرَ وَهِىَ الدَّبُوۡرُ **مَا تَذَرُ مِنۡ شَىۡءٍ** نَفۡسٍ اَوۡمَالٍ **اَتَتۡ عَلَيۡهِ اِلَّا جَعَلَتۡهُ كَالرَّمِيۡمِ** ﴿۴۲﴾ كَالۡبَالِى الۡمُفَتَّتِ **وَفِىۡ** اِهۡلَاكِ **ثَمُوۡدَ** اٰيَةٌ **اِذۡ قِيۡلَ لَهُمۡ** بَعۡدَ عَقۡرِ النَّاقَةِ **تَمَتَّعُوۡا حَتّٰى حِيۡنٍ** ﴿۴۳﴾ اَىۡ اِلٰى اِنۡقِضَآءِ اٰجَالِكُمۡ كَمَا فِىۡ اٰيَةٍ تَمَتَّعُوۡا فِىۡ دَارِكُمۡ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ **فَعَتَوۡا** تَكَبَّرُوۡا **عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهِمۡ** اَىۡ عَنۡ اِمۡتِثَالِهٖ **فَاَخَذَتۡهُمُ الصّٰعِقَةُ** بَعۡدَ مَضِىِّ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ اَىِ الصَّيۡحَةُ الۡمُهۡلِكَةُ **وَهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ** ﴿۴۴﴾ اَىۡ بِالنَّهَارِ **فَمَا اسۡتَطَاعُوۡا مِنۡ قِيَامٍ** اَىۡ مَا قَدَرُوۡا عَلَى النُّهُوۡضِ حِيۡنَ نُزُوۡلِ الۡعَذَابِ **وَّمَا كَانُوۡا مُنۡتَصِرِيۡنَ** ﴿۴۵﴾ عَلٰى مَنۡ اَهۡلَكَهُمۡ **وَقَوۡمَ نُوۡحٍ** بِالۡجَرِّ عَطۡفٌ عَلٰى ثَمُوۡدَ اَىۡ وَفِىۡ اِهۡلَاكِهِمۡ بِمَاءِ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اٰيَةٌ وَبِالنَّصۡبِ اَىۡ وَاَهۡلَكۡنَا قَوۡمَ نُوۡحٍ **مِّنۡ قَبۡلُ** اَىۡ قَبۡلَ اِهۡلَاكِ هٰٓؤُلَاءِ الۡمَذۡكُوۡرِيۡنَ **اِنَّهُمۡ كَانُوۡا**

ع ۲ ۱

قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾ **وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ** بِقُوَّةٍ **وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ** ﴿۴۷﴾ لَهَا قَادِرُوْنَ يُقَالُ اٰدَ الرَّجُلُ يَئِيْدُ قَوِىَ وَاَوْسَعَ الرَّجُلُ صَارَ ذَا سَعَةٍ وَقُدْرَةٍ **وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا** مَهَّدْنَاهَا **فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ** ﴿۴۸﴾ نَحْنُ **وَمِنْ كُلِّ شَىْءٍ** مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهٖ **خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ** صِنْفَيْنِ كَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى وَالسَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالسَّهْلِ وَالْجَبَلِ وَالصَّيْفِ وَالشِّتَآءِ وَالْحُلْوِ وَالْحَامِضِ وَالنُّوْرِ وَالظُّلْمَةِ **لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ** ﴿۴۹﴾ بِحَذْفِ اِحْدَى التَّائَيْنِ مِنَ الْاَصْلِ فَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ خَالِقَ الْاَزْوَاجِ فَرْدٌ فَتَعْبُدُوْنَهٗ **فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ** اَىْ اِلٰى ثَوَابِهٖ مِنْ عِقَابِهٖ بِاَنْ تُطِيْعُوْهُ وَلَا تَعْصُوْهُ **اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ** ﴿۵۰﴾ بَيِّنُ الْاِنْذَارِ **وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ** ﴿۵۱﴾ يُقَدَّرُ قَبْلَ فَفِرُّوْا قُلْ لَهُمْ **كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا هُوَ سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ** ﴿۵۲﴾ اَىْ مِثْلُ تَكْذِيْبِهِمْ لَكَ بِقَوْلِهِمْ اِنَّكَ سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ تَكْذِيْبُ الْاُمَمِ قَبْلَهُمْ رُسُلَهُمْ بِقَوْلِهِمْ ذٰلِكَ **اَتَوَاصَوْا** كُلُّهُمْ **بِهٖ ۚ** اِسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَى النَّفْىِ **بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ** ﴿۵۳﴾ جَمَعَهُمْ عَلٰى هٰذَا الْقَوْلِ طُغْيَانُهُمْ **فَتَوَلَّ** اَعْرِضْ **عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ** ﴿۵۴﴾ لِاَنَّكَ بَلَّغْتَهُمُ الرِّسَالَةَ **وَّذَكِّرْ** عِظْ بِالْقُرْاٰنِ **فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ** ﴿۵۵﴾ مَنْ عَلِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَّهٗ يُؤْمِنُ **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ** ﴿۵۶﴾ وَلَا يُنَافِىْ ذٰلِكَ عَدَمُ عِبَادَةِ الْكَافِرِيْنَ لِاَنَّ الْغَايَةَ لَا يَلْزَمُ وُجُوْدُهَا كَمَا فِىْ قَوْلِكَ بَرَيْتُ هٰذَا الْقَلَمَ لِاَكْتُبَ بِهٖ فَاِنَّكَ قَدْ لَا تَكْتُبُ بِهٖ **مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ** لِىْ وَلِاَنْفُسِهِمْ وَغَيْرِهِمْ **وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ** ﴿۵۷﴾ وَلَا اَنْفُسَهُمْ وَلَا غَيْرَهُمْ **اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ** ﴿۵۸﴾ الشَّدِيْدُ **فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** اَنْفُسَهُمْ بِالْكُفْرِ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ وَغَيْرِهِمْ **ذَنُوْبًا** نَصِيْبًا مِّنَ الْعَذَابِ **مِّثْلَ ذَنُوْبِ** نَصِيْبِ **اَصْحٰبِهِمْ** الْهَالِكِيْنَ قَبْلَهُمْ **فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ** ﴿۵۹﴾ بِالْعَذَابِ اِنْ اَخَّرْتُهُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **فَوَيْلٌ** شِدَّةُ عَذَابٍ **لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ** فِىْ **يَّوْمِهِمُ الَّذِىْ يُوْعَدُوْنَ** ﴿۶۰﴾ اَىْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

ترجمہ: .... ابراہیمؑ کہنے لگے (اچھا تو تمہیں کیا بڑی مہم (کارگذاری) درپیش ہے۔ اے فرشتو! فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم ایک مجرم قوم (لوط کے کافروں) کی طرف بھیجے گئے ہیں تا کہ ہم ان پر کھنگر کے (آگ میں پکے ہوئے) پتھر برسائیں جن پر خاص نشان لگے ہوئے ہیں (ان کے نام لکھے ہوئے ہیں جن پر پتھر مارے جائیں گے) آپ کے پروردگار کی طرف سے (عند ربک مسومة کا ظرف ہے) حد سے گزرنے والوں کے لئے (جو لڑکوں سے کفر کے ساتھ شہوت رانی بھی کرتے ہیں) سو ہم نے وہاں (قوم لوط کی بستیوں) سے ایمانداروں کو الگ کرلیا (کافروں کو تباہ کرنے کے لئے) سو ہم نے وہاں کوئی گھر نہیں پایا بجز مسلمانوں کے ایک گھر کے (وہ گھرانہ حضرت لوط اور ان کی صاحبزادیوں کا تھا ان کے لئے ایمان واسلام ثابت کیا گیا ہے یعنی وہ دل سے بھی ماننے والے تھے اور ظاہراً بھی اطاعت گزار تھے) اور ہم نے اس واقعہ میں (کافروں کی تباہی کے بعد) عبرت (ان کی تباہی کی علامت) رہنے دی ایسے لوگوں کے لئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں

(تاکہ وہ ان جیسی حرکتیں نہ کرنے لگیں) اور موسیٰ کے قصہ میں بھی عبرت ہے (فیھا کا عطف فی موسیٰ پر ہے یعنی وجعلنا فی قصة موسی اية) جبکہ ہم نے ان کو فرعون کے پاس ایک کھلی دلیل (روشن حجت) دے کر بھیجا سو اس نے (ایمان سے روگردانی کی مع اپنے ارکان سلطنت کے (جو رکن سلطنت ہوتے ہیں) کہنے لگا (موسیٰ کی نسبت) کہ یہ جادوگر یا دیوانے ہیں۔ سو ہم نے اس کو اور اس کے لاؤ لشکر کو پکڑ کر پھینک دیا (ڈال دیا) دریا میں (جس میں وہ ڈوب گئے) اور اس (فرعون) نے کام ہی ملامت کا کیا تھا پیغمبروں کو جھٹلا کر، خدائی کا دعویٰ کر کے قابل ملامت کام کئے) اور عاد (کی تباہی) میں بھی عبرت ہے جبکہ ہم نے ان پر نامبارک آندھی بھیجی (جس میں کوئی بہتر ائی نہیں تھی نہ اس سے بارش ہوتی اور نہ درخت اگتے جسے پچھوا ہوا کہا جاتا ہے) جس چیز پر وہ گزرتی تھی (جان ہو یا مال) اس کو ایسا کر کے چھوڑ دیتی تھی کہ جیسے کوئی چیز گل گل کر ریزہ ریزہ (چورا چورا) ہو جاتی ہے اور ثمود (کی تباہی) میں بھی عبرت تھی جب کہ (اونٹنی کی کونچیں کٹ جانے کے بعد) ان سے کہا گیا اور تھوڑے دن چین کر لو (موت آنے تک جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ تمتعوا فی دارکم ثلاثة ایام) سو ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم (ماننے) سے سرکشی کی۔ سو ان کو عذاب (تین دن گزرنے کے بعد ایک تباہ کن چیخ) نے آلیا اور وہ (دن) میں دیکھ رہے تھے پھر نہ تو کھڑے ہی ہو سکے (عذاب اترنے پر اٹھ نہ سکے) اور نہ بدلہ لے سکے (جس نے انہیں ہلاک کیا تھا) اور قوم نوح کا بھی یہی حال ہو چکا تھا (لفظ قوم جر کے ساتھ ثمود پر معطوف ہے یعنی اوپر نیچے کے طوفان کی تباہی سے نشانی تھی اور یہ لفظ نصب کے ساتھ بھی ہے یعنی واھلکنا قوم نوح) ان (مذکورہ قوموں کی تباہی) سے پہلے یقیناً یہ بڑے نافرمان لوگ تھے اور ہم نے آسمان کو قوت (طاقت) سے بنایا اور ہم وسیع قدرت والے ہیں (بولتے ہیں ادالرجل یئید یعنی قوت والا ہوا۔ اوسع الرجل کے معنی ذی وسعت اور صاحب قدرت ہونے کے ہیں) اور ہم نے زمین کو فرش بنایا (بچھایا) سو ہم اچھے بچھانے والے ہیں۔ اور ہم نے ہر چیز کو (من کل شئی، خلقنا سے متعلق ہے) دو قسم کا بنایا (جوڑے جیسے نر و مادہ آسمان، زمین، سورج، چاند، نرم جگہ، پہاڑ، گرمی سردی، میٹھا کھٹا، روشنی اندھیرا) تاکہ تم سمجھو (تذکرون) کی دو تا میں سے ایک تا محذوف ہو گئی۔ معنی یہ ہیں کہ تم جان جاؤ کہ جوڑوں کا پیدا کرنے والا یکتا ہے اس لئے اس کی عبادت کرو سو تم اللہ کی طرف دوڑو (اس کے عذاب سے بچ کر اس کے ثواب کی طرف آؤ۔ اس کی فرمانبرداری کرو، نافرمانی نہ کرو) میں تمہیں اللہ کی طرف سے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اور خدا کے ساتھ کوئی اور معبود قرار مت دو میں تمہیں اللہ کی طرف سے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں (ففروا سے پہلے لھم مقدر ہے) اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کے پاس کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا جس کو انہوں نے جادوگر یا دیوانہ نہ کہا ہو (جیسا کہ آپ کو یہ کہہ کر جھٹلا رہے ہیں کہ آپ جادوگر یا دیوانہ ہیں ایسے ہی پہلے لوگوں نے بھی اپنے پیغمبروں کو یہی کہا تھا) کیا ایک دوسرے کو (سب کے سب) وصیت کرتے چلے آئے ہیں اس بات کی (ہمزہ استفہام نفی کے معنی میں ہے) بلکہ یہ تمام کے تمام لوگ سرکش ہیں (اس بات پر سرکشی نے ان کو ابھارا ہے) سو آپ ان کی پرواہ (توجہ) نہ کیجئے۔ کیونکہ آپ پر کسی طرح الزام نہیں (آپ نے تبلیغ رسالت کر دی) اور سمجھاتے رہیے (قرآن کے ذریعہ فہمائش کیجئے) کیونکہ سمجھانا اہل ایمان کا (جن کا مومن ہونا علم الٰہی میں طے ہوتا ہے) نفع بخش دے گا۔ اور میں نے جن اور انسان کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں (کافروں کو اللہ کی عبادت نہ کرنا اس کے منافی نہیں کیونکہ کسی چیز کا غرض و غایت کا پورا ہونا ضروری نہیں ہوا کرتا مثلاً کہا جائے بریت ھذا القلم لا کتب بہ حالانکہ بعض اوقات قلم سے کتابت نہیں ہوا کرتی) میں ان سے رزق نہیں مانگتا (خود اپنے لئے نہ دوسروں کے لئے) اور نہ ان سے یہ فرمائش کرتا ہوں کہ مجھ کو کھلایا کریں (اور نہ اوروں کو کھلانے کی فرمائش ہوتی ہے) اللہ خود ہی سب کو روزی پہنچانے والا ہے طاقتور انتہائی مضبوط ہے سو ان ظالموں کی (مکہ والوں اور دوسروں کی جنھوں نے کفر کر کے ظلم کیا ہے) باری ہے (عذاب کا حصہ) جیسا کہ ان جیسے (پہلے ہلاک ہونے والوں) پاپیوں کی باری تھی، سو مجھ سے جلدی طلب نہ کریں جبکہ میں نے آخرت پر اٹھا رکھا ہے) غرض بڑی خرابی (عذاب کی سختی) ہوگی ان کافروں کے لئے اس دن کے آنے سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (قیامت مراد ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... خطبکم ۔خطیب کے معنی عظیم کام کے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو خیال ہوا کہ محض اتنی سی خوشخبری کے لئے فرشتوں کا آنا نہیں ہوا بلکہ کسی بڑے کام کے سرانجام دینے لئے آمد ہوگی۔ اس لئے دریافت کیا۔

لنرسل علیھم حجارۃ ۔بعض نے اس سے لواطت کی سزا سنگ باری تجویز کی ہے۔ قوم لوط چھ لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔ حضرت جبرئیل نے ساری بستی کو اٹھا کر الٹ دیا اور پھر اوپر سے پتھراؤ کر ڈالا یا صرف باہر رہنے والوں پر پتھراؤ کیا۔ یہ پتھر کے ٹکڑے ہوں گے یا آگ میں پکے ہوئے غلے تھے، برف کے ٹکڑے اور اولے مراد نہیں ہیں۔ اگرچہ حجارۃ کا لفظ ان پر بولا جاتا ہے لیکن من طین کی قید سے وہ خارج ہو گئے مسومۃ ۔اس میں تین ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ حجارۃ کی صفت ہونے کی وجہ سے نصب ہو، یا ضمیر مجرور سے حال ہو۔ تیسرے یہ کہ من حجارۃ سے حال ہو۔ اور للمسرفین ، مسومۃ کے متعلق ہے۔

غیر بیت ۔بعض نے حضرت لوطؑ کے ساتھ تیرہ افراد کو بھی ان کے اہل بیت میں شمار کیا ہے۔

علامہ تفتازانیؒ نے شرح عقائد میں اسی آیت سے استدلال کیا کہ ایمان اور اسلام ایک ہے۔ صاحب کشافؒ اور صاحب مدارک کی رائے بھی یہی ہے۔ لیکن بقول قاضی بیضاویؒ مومن ومسلم کے اتحاد سے ایمان اور اسلام کا اتحاد کیسے ثابت ہو۔ کیونکہ دونوں میں فرق کرنے والے دونوں میں تباین نہیں مانتے کہ ان کے خلاف یہ استدلال مفید ہو۔ بلکہ وہ دونوں میں عموم خصوص مانتے ہیں جس میں اجتماعی مادہ ہوتا ہے چنانچہ ایمان تصدیق قلبی اور اقرار کا نام ہے۔ اور اسلام توحید ورسالت کے ساتھ فرائض کی ادائیگی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں جمع بھی ہوسکتے ہیں اور ایک دوسرے کے بغیر بھی جیسا کہ آیت قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا سے دونوں میں فرق معلوم ہو رہا ہے۔ اسی طرح حدیث احسان سے بھی فرق معلوم ہوتا ہے۔ تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایمان واسلام کا لغوی مفہوم الگ الگ ہے۔ لیکن شرعاً مومن ومسلم دونوں متحد ہیں۔ ایک دوسرے کے بغیر نہیں پائے جاسکتے۔ تفصیلی بحث کتب حدیث میں موجود ہے۔

وفی موسیٰ ۔اس میں دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک صورت تو وہی ہے جو مفسرؒ نے بیان فرمائی ہے کہ فیھا پر عطف کیا جائے اعادہ جار کے ساتھ کیونکہ معطوف علیہ ضمیر مجرور ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی وترکنا فی قصۃ موسیٰ ۔دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا تعلق جعلنا مقدر سے ہو۔ جو لفظ ترکنا سے مفہوم ہو رہا ہے اس طرح یہ عطف علفتھا تبنا وماء باردا جیسا ہو جائے گا۔

اذارسلناہ۔ اس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ آیت کی وجہ سے منصوب ہو۔ ای ترکنا فی قصۃ موسی علامۃ فی وقت ارسالنا ایاہ ۔دوسرے یہ کہ محذوف سے اس کا تعلق کیا جائے۔ ای ایۃ کائنۃ فی وقت ارسلنا۔ تیسرے یہ کہ ارسلنا کی وجہ سے منصوب ہو۔

برکنہ۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے با بمعنی مع ہے اور رکن کہتے ہیں انسان جس کی طرف جھکے مراد لشکر ہے۔

ساحر او مجنون ۔او ابہام کے لئے ہے یا شک کے لئے اور واؤ کے معنی میں لینا بہتر ہے۔

فاخذناہ و جنودہ ۔ظاہر یہ ہے کہ اخذنا میں کے مفعول پر اس کا عطف ہو اور مفعول معہ بھی ہوسکتا ہے وھو ملیم جملہ حالیہ ہے اگر نبذناھم کے مفعول سے حال ہو تو واؤ لازم ہوگا۔ کیونکہ اس میں ضمیر ذوالحال نہیں ہے البتہ اگر اخذناہ کے مفعول سے حال ہو تو ذوالحال کے لئے ضمیر ہونے کی وجہ سے واؤ کا لانا ضروری نہیں رہتا۔ ملیم یہاں باب افعال بمعنی ثلاثی ہے جیسے اغرب کے معنی عجیب وغریب کام کرنے کے ہیں۔ مفسرؒ نے من تکذیب الرسل سے ایک شبہ کا دفعیہ ذکر کیا ہے۔ اشکال یہ ہے کہ فرعون جیسا دعوے حضرت منصور حلاج نے بھی کیا۔ پھر فرعون کی طرح ان کو ملیم کیوں نہیں کہا جاتا؟ جواب یہ ہے کہ قول کا مطلب قائل کے اعتبار سے لیا جاتا ہے اچھے آدمی کی بات اچھی اور برے آدمی کی بات بری ہوا کرتی ہے۔

الریح العقیم ۔ بانجھ عورت کے ساتھ ہوا کو تشبیہ دی گئی۔ اس میں اختلاف ہے کہ کون سی ہوا مراد ہے۔ بعض نے دبور یعنی جنوبی ہوا کو مصداق کہا ہے اور بعض نے نکبا یعنی دو ہواؤں کے بیچ کی ہوا مراد لی ہے اور بعض نے چوطرفی ہوا مراد لی ہے۔ لیکن حدیث نصرت بالصبا واھلکت عاد بالدبور کی وجہ سے پہلے معنی اصح ہیں۔

فعتوا ۔ اس میں "ف" محض ترتیب ذکری کے لئے ہے ورنہ تمتعو فرمانا پہلے ہے اور عتو و سرکشی بعد میں۔

الصاعقة ۔ بجلی اور چیخ کے معنی ہیں۔

وھم ینظرون ۔ مفسرؒ نے نظر سے ماخوذ مانا ہے اور انتظار سے بھی ہو سکتا ہے۔

منتصرین ۔ مناسب یہ تھا کہ کانوا دافعین من انفسھم العذاب سے تفسیر کی جاتی۔ کیونکہ اللہ کے برخلاف انتصار ممکن نہیں البتہ فرار کا وہم ہو سکتا تھا اس کو دفع کرنا مقصود ہے۔

وقوم نوح ۔ اخوان ۔ ابوعمرو قوم کو مجرور اور باقی قراء منصوب پڑھتے ہیں۔ اور ابوسماکؒ، ابن مقسمؒ، ابوعمروؒ، اور اصمعیؒ کی ایک روایت کے مطابق مرفوع ہے جر کی چار توجیہات ہو سکتی ہیں۔

ایک یہ کہ وفی ثمود پر عطف کیا جائے اور قریب ہونے کی وجہ سے یہ سب سے بہتر ہے۔

دوسرے وفی عاد پر عطف کیا جائے۔

تیسرے وفی موسیٰ پر عطف کیا جائے۔

اور چوتھے وفی الارض پر عطف ہو۔

یہ سب صورتیں غیر اولیٰ ہیں اس لئے زمخشریؒ نے ان کو ذکر بھی نہیں کیا۔ اور ابوالبقاءؒ نے بھی پہلی صورت کے علاوہ دوسری صورتیں ذکر نہیں کیں۔ نصب والی صورت میں چھ احتمال ہیں۔

۱۔ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہو ای واھلکنا قوم نوح۔

۲۔ اذکر مقدر کی وجہ سے منصوب ہو۔ زمخشریؒ نے ان کے علاوہ صورتوں کو ذکر نہیں کیا۔

۳۔ اخذنا کے مفعول پر عطف کرتے ہوئے منصوب ہو۔

۴۔ فنبذناھم کے مفعول پر عطف کیا جائے کیونکہ قوم نوح ان سے پہلے تباہ ہو چکی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ دریا میں غرق نہیں ہوئی تھی۔ تاہم پانی کے طوفان میں غرق ہوئی تھی۔

۵۔ فاخذتھم الصاعقة کے مفعول پر عطف ہو۔ اگرچہ قوم نوح صاعقہ سے ہلاک نہیں ہوئی تھی تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ صاعقہ سے آسمانی حادثہ مراد ہے۔

۶۔ وفی موسیٰ کے محل پر عطف کیا جائے ابوالبقاءؒ اس کو ضعیف کہتے ہیں رفع کی صورت میں مبتداء کہا جائے اور خبر مقدر ہو ای اھلکنا ھم اور ابولبقاءؒ کانوا الخ کو خبر مان رہے ہیں۔

باید ۔ محذوف کے متعلق مان کر بینٰنا کے فاعل یا مفعول سے حال ہوگا نیز با کو سببیہ کہا جا سکتا ہے اور با تعدیہ کے لئے بھی ہو سکتی ہے گویا ہاتھ سے بنانا مراد ہے جیسے کہا جائے۔ بنیت بیتک بالاجر۔

انا لموسعون ۔ مفسرؒ نے اس کے حال موکدہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے مفعول محذوف ہوگا۔ ای لموسعون السماء بمعنی جاعلوھا واسعة ۔ یہ لفظ تعدی آتا ہے مگر مفسرؒ لازم لے رہے ہیں۔

نعم الماهدون۔ مخصوص بالمدح محذوف ہے یعنی نحن۔

زوجین ۔ یعنی جو چیزیں مشاہد ہیں ان میں ہر ایک کا جوڑا ہے اس لئے عرش، کرسی، لوح وقلم پر اشکال نہیں ہونا چاہیے کہ ان کا جوڑ نہیں ہے کیونکہ یہ مشاہد نہیں ہیں۔

ففروا الی اللہ۔ پچھلے بیان توحید پر مرتب ہے اس سے پہلے قل مقدر مانا جائے گا فرار کے کئی درجے ہیں۔

۱۔ فرار عام، کفر سے اسلام کی طرف، گناہوں سے طاعت کی طرف۔

۲۔ فرار خاص، ماسوی اللہ سے اللہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جانا، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اللہ کا ہو رہنا۔ مفسرؒ نے تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کذلک ۔ مفسرؒ نے مثل تکذیبهم نکال کر کذلک کے منصوب ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ما اتی الذین ناصب ہے بشرطیکہ ما نافیہ کا عمل ما قبل میں ہو سکتا ہے ورنہ مبتدائے محذوف خبر ہوگی۔ ای الامر کذلک یعنی پچھلے لوگوں کی طرح آپ کی قوم نے بھی آپ کی تکذیب کی ہے۔ اور ما اتی الذین اس صورت میں تفسیر ہو جائے گا اور بعض نے تقدیر عبارت اس طرح مانی ہے۔ الا مر . ما اخبر تک من تکذیب الامم رسلهم۔

اتواصوا بہ۔ یہ ضمیر مرجع کا قول مذکور ہے، ہمزہ تعجب اور انکار کے لئے ہے یعنی ان سب کی باہمی وصیت کیسے ہو سکتی ہے جب کہ سب ایک وقت میں نہیں تھے۔

تنفع المومنین ۔ بالقوۃ مومن مراد ہیں اور جو بالفعل مومن ہیں وہ تو متذکر کہلائیں گے اور بعض نے حقیقی مومن مراد لئے ہیں اور نفع سے مراد زیادتی اور کمال ایمان لی ہے۔

لیعبدون ۔ یہ لام عاقبت ہے لام علت نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ کے افعال علت وغرض سے پاک تھے۔

ذنوبا ۔ بھرا ہوا بڑا ڈول مراد ہے یہ ماخوذ ہے مقاسمۃ السقاۃ الماء سے۔

ربط آیات: .... گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ بطور تمہید بیان ہوا۔ اس کے بعد آیت فما خطبکم سے قوم لوط کے واقعہ کی تمہید اور پھر بعد میں واقعہ کی تفصیل ہے اور یا کہا جائے، دونوں واقعے الگ الگ مقصود ہیں۔ ایک میں موافقین کی ستائش اور دوسرے میں مخالفین کی مذمت ہے اسی کی تائید میں فرعون عاد وثمود اور نوحؑ کے واقعات کا تذکرہ ہے۔ پھر آیت والسماء بنینٰھا الخ سے توحید اور رسالت کی تحقیق ہے اور رسالت کے ذیل میں مضمون تسلی ارشاد ہے۔ پھر آخر میں ایک جامع عنوان سے عبارت کا مطلوب ہونا مذکور ہے جو ترغیب وترہیب پر مشتمل ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... حضرت ابراہیمؑ نے قرائن سے اندازہ کر کے فرشتوں سے غیر معمولی اہتمام کے ساتھ آمد کی وجہ پوچھی ہوگی فرشتوں کا یہ جواب سورۂ ہود میں حضرت سارہ کی گفتگو سے پہلے آیا اور یہاں گفتگو کے بعد معلوم ہوتا ہے سو ظاہر یہ ہے کہ فرشتوں کا یہ کہنا حضرت سارہ کی گفتگو سے پہلے واقع ہوا ہے اور یہاں چونکہ کوئی حروف ترتیب نہیں ہے اس لئے ذکری ترتیب کو ترتیب وقوعی کی دلیل نہیں کہا جائے گا۔ اب دونوں میں کوئی تعارض نہیں رہا۔ بطور توسع اگر چہ اولوں کو بھی حجارہ کہہ دیا جاتا ہے۔ لیکن من طین کی قید لگانے سے معلوم ہوا کہ کھنگر کے پتھر برسائے گئے تھے جن پر نشان کر دیئے گئے تھے کہ یہ پتھر انہی لوگوں کو لگیں گے جو دین وعقل وفطرت سے خارج ہو چکے تھے۔

مجرمین کا انجام: .... یہ اس قوم کی کتنی بدنصیبی تھی کہ پوری بستی میں حضرت لوطؑ کے گھرانہ کے علاوہ کوئی مسلم گھرانہ نہیں تھا۔ اسی کو

عذاب سے صاف بچالیا گیا۔ وجدان کے انکار سے، کنایہ ہے انکار علم پر، کیونکہ وجدان سے مراد علم الٰہی ہے جو وجود کو لازم ہے اور لازم کی نفی ملزوم کی نفی کی دلیل ہے۔

وتـركـنـا فيهـا اٰية یعنی ڈرنے والوں کی عبرت کے لئے ان کی غیر معمولی تباہی کے نشان اب تک موجود ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کو سلطان مبین دینے کا مطلب معجزات و براہین ہیں۔ مگر فرعون نے اپنے زور قوت کے گھمنڈ میں آ کر حق سے منہ موڑ لیا اور اپنے ساتھ سب کو لے ڈوبا۔ اسی لئے وھو ملیم فرمایا کہ اس کی بربادی کا الزام ہم پر نہیں ہے خود اسی پر ہے کہ سمجھانے پر بھی باز نہ آیا اور آخر کار جو بویا تھا وہی کاٹا۔

قوم عاد پر بھی عذاب کی آندھی آئی۔ جس نے مجرموں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی اور جس پر گزری اس کا تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ حضرت صالحؑ نے جب اپنی قوم ثمود سے فرمایا کہ اچھا کچھ دن اور مزے اڑالو۔ آخر عذاب میں پکڑے جاؤ گے۔ یہ وہ تمتع نہیں ہے جو دوسری آیت میں ثلٰثة ایام کے ساتھ مقید ہے۔ کیونکہ اس کے بعد فعتوا پر فا داخل ہے۔ حالانکہ ان کی سرکشی اس تمتع سے یقیناً پہلے تھی۔ یہاں تو یہ مقصود ہے کہ تم کفر سے باز نہیں آ ؤ گے۔ اس لئے ضرور تباہ ہو گے چند روز مزے اڑالو مگر اس تنبیہ کے باوجود ان کی شرارت روز بروز بڑھتی رہی۔ آخر عذاب نے آ پکڑا۔ ایک کڑک ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سب ٹھنڈے ہو گئے۔ وہ سب زور وطنطنے خاک میں مل گئے۔ کسی ایک سے اتنا بھی نہ ہوا کہ پچھاڑ کھانے کے بعد ذرا اٹھ کھڑا ہوتا بھلا بدلہ لینے کا تو سوال ہی نہیں تھا اپنی مدد پر کسے بلاتے؟ ان اقوام سے پہلے قوم نوح بھی اپنی سرکشی کی بدولت تباہی سے دو چار ہو چکی تھی۔

اللہ کی کمال صناعی:.............. والسـمـاء بـنـيـنٰهـا۔ آسمان وزمین جیسی وسیع وعریض چیزیں سب اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں اسی کے قبضہ میں ہیں۔ خالق کائنات کی عجیب وغریب کاریگری میں انسان غور کرے تو اسی کا ہو رہے۔ زوجین سے تقابل ومتضاد چیزیں ہیں۔ مثلاً رات دن، زمین وآسمان، اندھیرا اجالا، سیاہی سفیدی، بیماری صحت، ایمان وکفر، طاعت ومعصیت وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ہر چیز میں کوئی نہ کوئی ذاتی یا عرضی ایسی صفت معتبر ہوتی ہے جس کے مقابل دوسری چیز میں اس کی ضد پائی جاتی ہے۔ اور بقول ابن زیدؒ نر و مادہ بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ آج جدید حکماء اس کا اعتراف کر رہے ہیں کہ ہر نوع میں نر و مادہ کی تقسیم پائی جاتی ہے۔

فـفـروا الـى الله۔ یعنی ساری کائنات جب اللہ کے زیر تسلط ہے تو بندہ کو چاہیے کہ ہر طرف سے ہٹ کر اسی کا ہو رہے ورنہ اگر بندہ کسی طرف رجوع نہ ہوا یا اللہ کے علاوہ کی طرف رجوع ہوا تو دونوں صورتوں میں خطرہ ہے تو بدانجامی سے صاف صاف ڈرائے دیتا ہوں۔

كـذلـك مـا اتـى الذين۔ یعنی ایسی صاف اور واضح تنبیہ پر بھی اگر مخالفین کان نہ دھریں تو آپ غم نہ کیجئے ان سے پہلے بھی پیغمبروں کو جادوگر دیوانہ کہہ کر ان کا مذاق اڑایا گیا۔ ہر زمانہ کے کافر اس بارہ میں ایسے متفق اللفظ رہے ہیں۔ کہ گویا ایک دوسرے کو وصیت کر کے مرے ہوں کہ جو رسول آئے اسے جادوگر دیوانہ بنا کر رہنا اور وصیت تو خیر کہاں کرتے۔ البتہ شرارت میں سب حصہ دار ہیں۔ اسی شرکت سے پچھلوں نے وہ الفاظ کہے ہیں جو اگلوں نے کہے تھے۔

دو شبہے اور ان کا جواب:.............. اس پر دو شبہے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بعض انبیاء ایسے بھی گزرے ہیں جن کی کسی نے بھی تکذیب نہیں کی۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام یا وہ محض شریعت کی تائید کیلئے آئے تھے ان کا تعلق صرف مومنین سے رہا ہے تکذیب کرنے والوں سے ان کا واسطہ ہی نہیں پڑا۔ جیسے یوشع علیہ السلام پھر تکذیب کی نسبت کلیۃ کیسے کر دی گئی ہے۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ جن پیغمبروں کی تکذیب کی گئی ہے۔ کچھ لوگوں نے ان کی تصدیق بھی کی ہے پھر کلیۃ تکذیب کی نسبت کیسے کر دی گئی؟

پہلے شبہ کا جواب تو یہ ہے کہ الذین سے مراد صرف کافر ہیں اور دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ قالوا میں کل یا بعض دونوں مراد ہیں۔ حدیث بخاری **یمر النبی لیس معہ احد** کی رو سے بعض انبیاء ایسے بھی ہوئے ہیں کہ ان کے ساتھ ایک بھی ماننے والا بھی نہیں ہوا۔ سب تکذیب کرنے والے ہی رہے۔

فتول عنھم ۔یعنی آپ اپنا فرض تبلیغ بجالا چکے ہیں۔ اب زیادہ پیچھے پڑنے اور غم کرنے کی ضرورت نہیں۔ سمجھانا آپ کا کام تھا وہ آپ کر چکے اور آئندہ بھی کرتے رہیئے۔ جس کی قسمت میں سنورنا ہوگا وہ سنورتا رہے گا رہ گئے منکرین ان پر اللہ کی حجت تمام ہو چکی ہے۔ زبردستی ان سے کام کرا دینا آپ کا کام نہیں ہے۔

انس وجن کی پیدائش عبادت کیلئے ہے: .... ماخلقت الجن۔ توحید ورسالت وبعث کے اعتقادات اور اعمال اصلیہ وفرعیہ سب عبادات ہیں۔ ان میں فرائض کی تاکید تو ظاہر ہے۔ لیکن نوافل کی تاکید بھی بلحاظ اعتقاد ہے یعنی ان کی مشروعیت کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے غرضیکہ جن وانس کی پیدائش سے شرعاً بندگی مطلوب ہے۔ اسی لئے خلقۃً اور فطرۃً ان میں ایسی صلاحیت واستعداد رکھی ہے کہ چاہیں تو اپنے اختیار سے بندگی کی راہ پر چل سکیں۔

یوں تو ہر چیز تکوینی طور پر اللہ کے ارادہ تکوین کے آگے عاجز اور بے بس ہے لیکن ایک وقت آئے گا جب سب بندے اپنے ارادہ اور اختیار سے تخلیق عالم کی شرعی غرض کو پورا کریں گے۔ تاہم آپ سمجھاتے رہیے۔ اسی سے وہ غرض پوری ہوگی اور دوسرے منافع اور فوائد کا اس تخلیق پر مرتب ہونا اس غرض کے منافی نہیں ہے۔ نیز کچھ انسانوں اور جنات سے عبادت کا نہ ہونا بھی اس مضمون کے منافی نہیں۔ کیونکہ یہاں ارادہ شرعی بیان کیا گیا ہے نہ کہ امر تکوینی اور جن وانس کی خصوصیت اس لئے ہے کہ عبادت کہتے ہیں۔ اختیار وابتلاء کے ساتھ بندگی کرنے کو اور فرشتوں میں ابتلاء نہیں اور دوسری مخلوقات میں اختیار نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ مطلوب شرعی بندگی ہے جو انہی دو کے ساتھ خاص ہے۔ باقی اس بندگی سے اللہ کا کچھ فائدہ نہیں جو کچھ نفع ہے وہ خود بندگی کرنے والوں کا ہے۔

فرماتے ہیں میں وہ مالک نہیں جو غلاموں سے کہے میرے لئے کما کر لاؤ یا میرے آگے کھانا لا کر رکھو۔ میری ذات ان تخیلات سے بالا اور برتر ہے۔ میں ان سے روزی کیا طلب کرتا خود ان کو اپنے کے پاس سے روزی پہنچاتا ہوں۔ اللہ کو تمہاری خدمات کی کیا ضرورت۔ بندگی کا حکم تو مورد الطاف وعنایات بننے کے لئے تمہیں دیا گیا ہے۔

عبادت سے اللہ کی غرض وابستہ نہیں: .... اللہ میں تو عجز واحتیاج کا احتمال عقلی بھی نہیں۔ چہ جائیکہ اپنے کھانے کی فرمائش کا امکان۔ خلاصہ یہ کہ بندگی سے ہماری کوئی غرض وابستہ نہیں۔ نہ براہ راست جیسے اپنے کھانے کی فرمائش اور نہ بالواسطہ جیسے اور مخلوق کو رزق دیئے جانے کی خواہش۔ بلکہ صرف بندگی کرنے والوں کا نفع ہی پیش نظر ہے۔

ما ارید منھم من رزق پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اہل وعیال اور متعلقین کے نان ونفقہ اور روزی کو تو واجب کیا گیا ہے۔ پھر ما ارید کہنے کے کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ وہ انفاق ہے ترزیق نہیں ہے۔ گویا جس کی نفی کی گئی اس کا اثبات نہیں ہے اور جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں کی گئی۔ پھر اس انفاق کا فائدہ کچھ اللہ کو نہیں پہنچتا کہ کچھ اس طرح اس کو سہارا مل جاتا ہو کہ اس نے مخلوق کی روزی رسانی کا جو ذمہ لیا تھا اس انفاق سے اس کو کچھ مدد مل جاتی ہو اور ذمہ داری سے اس کو سبکدوشی مل جاتی ہو۔ بلکہ اس انفاق کا نفع اور اجر خود انفاق کرنے والوں کو پہنچتا ہے۔ اور

رزاق پھر بھی اللہ ہی رہتا ہے۔ کیونکہ حصول رزق میں کوشش کے باوجود اگر کامیابی نہ ہو۔ یا کامیابی ہو بھی جائے مگر دوسرے تک روزی پہنچانے پر قادر نہ ہو۔ یا روزی دوسرے کو پہنچا دے۔ مگر اس کے حلق سے نہ اُتار سکے یا گلے سے بھی اتار دے مگر اس کو کا غذانہ بنا سکے تو ان صورتوں میں انسان کیا کر سکتا ہے۔ غرض بندہ حقیقۃ کسی طرح بھی رازق نہیں ہے۔

اور مـا اریـد کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم ان سے ایسی روزی کموانا نہیں چاہتے جو عبادت میں رکاوٹ ہو سورۃ طٰہٰ کی آیت میں لانسألک رزقا کا بھی یہی مفہوم ہوگا۔ اب اس پر کوئی شبہ ہی متوجہ نہیں ہوتا۔

فـان لـلـذین ظلمو۔ پچھلی آیت میں عبادت کی ترغیب تھی۔ اس آیت میں ترہیب کا پہلو ہے کہ اگر یہ لوگ اب بھی عبادت کی طرف مائل نہیں ہوتے تو دوسرے ظالموں کی طرح ان کا ڈول بھی بھر چکا ہے، بس اب ڈوبا ہی چاہتا ہے۔ خواہ مخواہ سزا میں جلدی نہ مچائیں دوسرے کافروں کی طرح ان کافروں کو بھی خدائی سزا کا حصہ پہنچ کر رہے گا۔ خواہ قیامت میں یا اس سے پہلے سزا کا کوئی دن آ جائے۔ جیسے غزوہ بدر میں ان کو خاصی سزا مل چکی ہے۔

لطائف سلوک:......... ففروا الی اللہ فا کے ساتھ تعبیر کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ توجہ الی اللہ خوب ذوق وشوق کے ساتھ ہونی چاہیے۔

وما خلقت الجن۔ مجاہدؒ سے اس کی تفسیر لیعرفون منقول ہے کیونکہ عبادت بلا معرفت معتد بہا نہیں ہوتی اور نہ معرفت بلا عبادت لائق اعتناء ہے۔ اہل ظاہر نے تو صورت عبادت پر قناعت کر لی اور جاہل صوفیاء نے صرف معرفت کو لے لیا۔ یہ دونوں ناقص ہیں کمال جامعیت نہیں ہے۔

سُــوْرَةُ الطُّوْرِ

سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ تِسْعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالطُّوْرِ ﴿۱﴾ اَیِ الْجَبَلِ الَّذِیْ كَلَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ مُوْسٰی **وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ** ﴿۲﴾ **فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ** ﴿۳﴾ اَیِ التَّوْرٰةِ اَوِ الْقُرْاٰنِ **وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ** ﴿۴﴾ هُوَ فِی السَّمَآءِ الثَّالِثَةِ اَوِ السَّادِسَةِ اَوِ السَّابِعَةِ بِحِيَالِ الْكَعْبَةِ يَزُوْرُهٗ فِیْ كُلِّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ بِالطَّوَافِ وَالصَّلٰوةِ لَا يَعُوْدُوْنَ اِلَيْهِ اَبَدًا **وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ** ﴿۵﴾ اَیِ السَّمَآءِ **وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ** ﴿۶﴾ اَیِ الْمَمْلُوْءِ **اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ** ﴿۷﴾ لَنَازِلٌ بِمُسْتَحِقِّهٖ **مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ** ﴿۸﴾ عَنْهُ **يَّوْمَ** مَعْمُوْلٌ لِوَاقِعٍ **تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا** ﴿۹﴾ تَتَحَرَّكُ وَتَدُوْرُ **وَّ تَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا** ﴿۱۰﴾ تَصِيْرُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا وَّ ذٰلِكَ فِیْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **فَوَيْلٌ** شِدَّةُ عَذَابٍ **يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ** ﴿۱۱﴾ لِلرُّسُلِ **الَّذِيْنَ هُمْ فِیْ خَوْضٍ** بَاطِلٍ **يَّلْعَبُوْنَ** ﴿۱۲﴾ اَیْ يَتَشَاغَلُوْنَ بِكُفْرِهِمْ **يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰی نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا** ﴿۱۳﴾ يُدْفَعُوْنَ بِعُنْفٍ بَدَلٌ مِنْ يَوْمَ تَمُوْرُ وَيُقَالُ لَهُمْ تَبْكِيْتًا **هٰذِهِ النَّارُ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ** ﴿۱۴﴾ **اَفَسِحْرٌ هٰذَا** الْعَذَابَ الَّذِیْ تَرَوْنَ كَمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ فِی الْوَحْیِ سِحْرٌ **اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ** ﴿۱۵﴾ **اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْا** عَلَيْهَا **اَوْ لَا تَصْبِرُوْا** صَبْرُكُمْ وَجَزَعُكُمْ **سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ** لِاَنَّ صَبْرَكُمْ لَا يَنْفَعُكُمْ **اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۶﴾ اَیْ جَزَآءَهٗ **اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ** ﴿۱۷﴾ **فٰكِهِيْنَ** مُتَلَذِّذِيْنَ **بِمَآ** مَصْدَرِيَّةٌ **اٰتٰهُمْ** اَعْطَاهُمْ **رَبُّهُمْ وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ** ﴿۱۸﴾ عَطْفٌ عَلٰی اٰتَاهُمْ اَیْ بِاِتْيَانِهِمْ وَوِقَايَتِهِمْ وَيُقَالُ لَهُمْ **كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا** حَالٌ اَیْ مُتَهَنِّيْنَ **بِمَا** الْبَاءُ سَبَبِيَّةٌ **كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۹﴾ **مُتَّكِـِٕيْنَ** حَالٌ مِّنَ الضَّمِيْرِ الْمُسْتَكِنِ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی فِیْ جَنّٰتٍ **عَلٰی سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ** بَعْضُهَا اِلٰی جَنْبِ بَعْضٍ **وَّزَوَّجْنٰهُمْ** عَطْفٌ عَلٰی فِیْ جَنّٰتٍ اَیْ قَرَنَّاهُمْ **بِحُوْرٍ**

عِیْنٍ ﴿۲۰﴾ عِظَامُ الْاَعْیُنِ حِسَانُہَا **وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** مُبْتَدَاءٌ **وَاتَّبَعَتْہُمْ** مَعْطُوْفٌ عَلٰی اٰمَنُوْا **ذُرِّیَّتُہُمْ** الصِّغَارُ وَالْکِبَارُ **بِاِیْمَانٍ** مِنَ الْکِبَارِ وَ مِنَ الْاٰبَاءِ فِی الصِّغَارِ وَالْخَبَرُ **اَلْحَقْنَا بِہِمْ ذُرِّیَّتَہُمْ** الْمَذْکُوْرِیْنَ فِی الْجَنَّۃِ فَیَکُوْنُوْنَ فِیْ دَرَجَتِہِمْ وَاِنْ لَّمْ یَعْمَلُوْا بِعَمَلِہِمْ تَکْرِمَۃً لِلْاٰبَاءِ بِاجْتِمَاعِ الْاَوْلَادِ اِلَیْہِمْ **وَمَآ اَلَتْنٰہُمْ** بِفَتْحِ اللَّامِ وَکَسْرِہَا، نَقَصْنَاہُمْ **مِّنْ عَمَلِہِمْ مِّنْ** زَائِدَۃٌ **شَیْءٍ** یُزَادُ فِیْ عَمَلِ الْاَوْلَادِ **کُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا کَسَبَ** عَمِلَ مِنْ خَیْرٍ اَوْ شَرٍّ **رَہِیْنٌ** ﴿۲۱﴾ مَرْہُوْنٌ یُؤْخَذُ بِالشَّرِّ وَیُجَازٰی بِالْخَیْرِ **وَ اَمْدَدْنٰہُمْ** زِدْنَاہُمْ فِیْ وَقْتٍ بَعْدَ وَقْتٍ **بِفَاکِہَۃٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا یَشْتَہُوْنَ** ﴿۲۲﴾ وَاِنْ لَّمْ یُصَرِّحُوْا بِطَلَبِہٖ **یَتَنَازَعُوْنَ** یَتَعَاطَوْنَ بَیْنَہُمْ **فِیْہَا** اَیِ الْجَنَّۃِ **کَاْسًا** خَمْرًا **لَّا لَغْوٌ فِیْہَا** بِسَبَبِ شُرْبِہَا یَقَعُ بَیْنَہُمْ **وَلَا تَاْثِیْمٌ** ﴿۲۳﴾ بِہٖ یَلْحَقُہُمْ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْیَا **وَیَطُوْفُ عَلَیْہِمْ** لِلْخِدْمَۃِ **غِلْمَانٌ** اَرِقَّاءُ **لَّہُمْ کَاَنَّہُمْ** حُسْنًا وَنَظَافَۃً **لُؤْلُؤٌ مَّکْنُوْنٌ** ﴿۲۴﴾ مَصُوْنٌ فِی الصَّدَفِ لِاَنَّہٗ فِیْہَا اَحْسَنُ مِنْہُ فِیْ غَیْرِہَا **وَاَقْبَلَ بَعْضُہُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ** ﴿۲۵﴾ یَسْاَلُ بَعْضُہُمْ عَمَّا کَانُوْا عَلَیْہِ وَمَا وَصَلُوْا اِلَیْہِ تَلَذُّذًا وَاعْتِرَافًا بِالنِّعْمَۃِ **قَالُوْآ** اِیْمَآءً اِلٰی عِلَّۃِ الْوُصُوْلِ **اِنَّا کُنَّا قَبْلُ فِیْٓ اَہْلِنَا** فِی الدُّنْیَا **مُشْفِقِیْنَ** ﴿۲۶﴾ خَائِفِیْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ **فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیْنَا** بِالْمَغْفِرَۃِ **وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ** ﴿۲۷﴾ اَیِ النَّارِ لِدُخُوْلِہَا فِی الْمَسَامِ وَقَالُوْا اِیْمَآءً اَیْضًا **اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلُ** اَیْ فِی الدُّنْیَا **نَدْعُوْہُ** اَیْ نَعْبُدُہٗ مُوَحِّدِیْنَ **اِنَّہٗ** بِالْکَسْرِ اِسْتِئْنَافًا وَاِنْ کَانَ تَعْلِیْلًا مَعْنًی وَبِالْفَتْحِ تَعْلِیْلًا لَفْظًا **ہُوَ الْبَرُّ** الْمُحْسِنُ الصَّادِقُ فِیْ وَعْدِہٖ **الرَّحِیْمُ** ﴿۲۸﴾ الْعَظِیْمُ الرَّحْمَۃِ

ع ۲۸ / ۱ / ۲

ترجمہ:............سورۂ طور مکیہ ہے جس میں ۴۹ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

قسم ہے طور کی (وہ پہاڑ جس پر حق تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلام ہوئے) اور کتاب (تورات یا قرآن) کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہے اور بیت المعمور کی (جو تیسرے یا چھٹے یا ساتویں آسمان پر کعبۃ اللہ کی سیدھ میں ہے روزانہ جس کی ۷۰ ہزار فرشتے زیارت کرتے ہیں طواف اور نماز کی صورت میں پھر دوبارہ ان کا نمبر نہیں آتا) اور اونچی چھت (آسمان) کی اور دریائے شور کی جو پر (بھرا ہوا) ہے۔ بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب (مستحق پر) ضرور آ کر رہے گا۔ اس کو کوئی ٹال نہیں سکے گا جس روز (یوم، واقع کا معمول ہے) آسمان تھر تھر کانپے گا (گھوم جائے گا) اور پہاڑ ہٹ جائیں گے (ہوا ہو کر اڑ جائیں گے قیامت کے روز) بڑی کم بختی (سختی) ہوگی اس روز پیغمبروں کو جھٹلانے والوں کی جو (فضول) مشغلہ میں بے ہودگی کے ساتھ لگ جائیں گے (کفر میں مصروف ہیں) جس روز کہ ان کو دوزخ کی آگ کی طرف دھکے دے کر لایا جائے گا (زبردستی دھکیلا جائے گا یہ یوم تمور سے بدل ہے ان کو دھمکا کر کہا جائے گا) کہ یہ وہی دوزخ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے تو کیا یہ جادو ہے (وہ عذاب جسے تم دیکھ رہے ہو جیسا کہ وحی کے متعلق تم یہی کہا کرتے تھے کہ یہ جادو ہے) یا تم کو نظر نہیں آ رہا۔ اس میں داخل ہو جاؤ۔ پھر خواہ اس پر سہار کرنا یا نہ کرنا (صبر کا اظہار کرو یا گھبراہٹ کا) تمہارے حق میں دونوں برابر ہیں (صبر کرنے سے اب کچھ فائدہ نہیں ہوگا) جیسا تم کیا کرتے تھے ویسا ہی بدلہ (صلہ) تم کو دیا جائے گا۔ بلاشبہ متقی باغوں اور عیش کے سامان میں ہوں گے خوش دل (لذت اندوز) ہوں گے جو چیزیں (ما مصدریہ ہے) ان کو ان کے پروردگار نے دی (عطا کی) ہوں گی اور ان کا پروردگار ان کو دوزخ کی آنچ سے محفوظ رکھے گا (وقاہم کا عطف اتاہم پر ہے یعنی اس عطا اور نجات کی وجہ سے مسرور ہوں گے ان سے کہہ دیا جائے گا کہ خوب کھاؤ پیو مزہ کے ساتھ (ھنیئا حال ہے بمعنی

متھنین) اپنے اعمال کے بدلہ میں (باسببیہ ہے) تکیہ لگائے ہوئے (فی جنت میں جو ضمیر مستتر ہے اس سے حال ہے) تختوں پر جو ایک دوسرے کے برابر (پاس پاس) بچھے ہوئے ہوں گے اور ہم ان کا بیاہ کردیں گے (جنت پر عطف ہے یعنی ان کی جوڑی بنادیں گے) گوری گوری، بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے (جن کی آنکھیں بڑی حسین ہوں گی) اور جو لوگ ایمان لائے (مبتداء ہے) اور ان کی پیروی کی (آمنو پر اس کا عطف ہے) ان کی (چھوٹی بڑی) اولاد نے بھی ایمان لانے میں بڑی اولاد نے تو خود ایمان لاکر اور چھوٹی اولاد نے والدین کے ساتھ تابع ہو کر آگے خبر ہے) ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ شامل کردیں گے (درجات جنت میں۔ اگرچہ انہوں نے اپنے بڑوں جیسا عمل نہیں کیا والدین کے اکرام کے لئے اولاد کو ان کے ساتھ کردیا جائے گا) اور ہم کچھ گھٹائیں گے نہیں۔ (التنالام کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح ہے، کم نہیں کریں گے ان کے عمل میں سے کچھ (من زائد ہے والدین کے عمل سے اولاد کے عمل میں اضافہ کرکے) ہر شخص اپنے عمل میں (اچھا ہو یا برا) بندھا رہے گا (پابند ہوگا برائی کی وجہ سے پکڑ ہوگی اور بھلائی کا صلہ ملے گا) اور ہم روز افزوں دیتے رہیں گے (ہر وقت بڑھا چڑھا کر) میوے اور گوشت جس قسم کا ان کو مرغوب ہوگا (اگرچہ صراحۃً خواہش کا اظہار نہیں کریں گے) آپس میں (لین دین کرتے ہوئے) چھین جھپٹ کریں گے وہاں (جنت میں) جام (شراب) میں کہ نہ اس میں بک بک لگے گی (باہمی شراب پینے کی وجہ سے) اور نہ کوئی بے ہودہ بات ہوگی (برخلاف دنیا کی شراب کے اور خدمت کے لئے پیش ہوں گے ان پر لڑکے (غلام) جو خاص انہی کے لئے ہوں گے گویا وہ (خوبصورتی اور صفائی) میں محفوظ موتی ہوں گے (جو سیپوں میں رکھے ہوئے ہوتے ہیں جوان کی خوب صورتی کی سب سے بہترین جگہ ہے) اور وہ آمنے سامنے متوجہ ہو کر آپس میں بات چیت کریں گے (ہر ایک دوسرے کی مزاج پرسی کرکے مسرور و شکر گزار ہوگا) بولیں گے (کامیابی کے سبب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ہم تو اس سے (پہلے دنیا میں رہتے ہوئے) اپنے گھروں میں بہت ڈرا کرتے تھے (عذاب الٰہی سے) لیکن اللہ نے ہم پر (مغفرت کرکے) بڑا احسان کیا اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچالیا۔ (جو روئیں روئیں میں گھسی جایا کرتی ہے اور یہ بھی کہیں گے کہ ہم پہلے (دنیا میں) دعائیں مانگا کرتے تھے (توجہ کے ساتھ عبادت بجالاتے تھے) واقعی وہ (انہ کسرہ ہمزہ کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے۔ اگرچہ بلحاظ معنی علت ہے اور فتحہ ہمزہ کے ساتھ لفظاً تعلیل ہے) بڑا محسن (اپنے وعدہ کا سچا احسان کرنے والا) مہربان (بڑی رحمت والا) ہے۔

تحقیق وترکیب: .... **والطور** ۔ ان پانچ قسموں کا جواب ان عذاب ربک لواقع آگے آرہا ہے۔ پہلا واؤ قسمیہ ہے اور بقیہ واؤ عاطفہ ہیں۔ بقول خلیلؒ کے لیکن سمینؒ کی رائے ہے کہ سب واؤ قسمیہ ہیں۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ طور خاص پہاڑ کا نام ہے جس پر حضرت موسیٰ کو مدین سے آتے ہوئے اللہ سے شرف ہمکلامی حاصل ہوا ہے۔ یہ جنتی پہاڑ ہے اور بقول سدی یہی طور سینا ہے۔ لیکن مقاتلؒ بن حبان کہتے ہیں کہ طور سینا اور طور زیتا، دو الگ الگ پہاڑ ہیں جن پر انجیر اور زیتون کے درخت ہوتے ہیں۔

رق منشور ۔ رق باریک جھلی اور ہر وہ چیز جس پر لکھا جائے عام قراءت فتحہ را کی اور قراءت شاذہ کسر را کے ساتھ ہے منشور پھیلی ہوئی کتاب مسطور کی تفسیر تورات قرآن سے کی ہے۔ صحائف اعمال بھی ہوسکتے ہیں۔ جیسا کہ آیۃ ونخرج لہ یوم القیامۃ کتابا یلقاہ منشورا میں اعمالنامے مراد ہیں اور بعض نے تمام کتب آسمانی مراد لی ہیں۔ اس میں اور اقوال بھی ہیں۔

والبیت المعمور ۔ بیت اللہ ہی مراد ہوسکتا ہے دونوں صورتوں میں کثرت زائرین کی وجہ سے معمور اور آباد رہتا ہے بیت المعمور کون سے آسمان پر ہے اس میں چھ اقوال ہیں۔ بقول ابن عباسؓ کعبۃ اللہ کی محاذات میں ہے اس صورت میں سب اقوال مختلفہ میں تطبیق ہوجاتی ہے۔

والمسجور ۔ ابن جریرؒ قتادہؒ کے نزدیک بھرنے کے معنی ہیں۔ قاموس کے مطابق سجر الماء ای ملاہ ۔ ابن جریر نے مجاہدؒ سے دہکنے کے منقول کئے ہیں جو جہنم کی صفت ہے قیامت میں اہل موقف کو آگ کا سمندر گھیر لے گا اور بعض نے زمین کی وجہ سے سمندر پر روک لگنے کے

معنی لئے ہیں۔ چنانچہ امام احمدؒ سے مرفوع روایت ہے کہ ہر رات تین مرتبہ سمندر زمین کو ڈبونے کا ارادہ کرتا ہے مگر حق تعالیٰ کی اجازت نہیں ہوتی۔ حضرت علیؓ سے اور بقول ابن جریرؒ، ابن عمرؓ، سے منقول ہے کہ عرش کے نیچے آسمان پر دریا کا نام ہے۔

من دافع ۔فاعل ہے یا مبتداء ہے، بہر صورت من زائد ہے۔

تسیر الجبال ۔ریت بن کر اڑ جائے گا۔ **هباء منثورا** تفسیر نہیں ہے۔ بلکہ پہاڑوں سے اپنی جگہ سے اس طرح منتقل ہونا مراد ہے کہ ان کا نام ونشان نہ رہے۔ پہلے زمین پر گر کر چورہ چورہ ہو جائیں گے۔ پھر ریت کی طرح باریک اور دھنی ہوئی روئی کی طرح ہو کر ہوا میں اڑ جائیں گے۔ اور حکمت الٰہیہ یہ دکھلانا ہے کہ جب پہاڑوں کا یہ حال ہے تو اور چیزیں دوبارہ دنیا میں کیسے واپس ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ جب انسان ہی دنیا سے ہمیشہ کے لئے چلا گیا تو اور تمام چیزیں تو اسی کی خاطر بنائی گئی تھیں وہی رہ کر کیا کریں گی۔ اس طرح دنیا کی تخریب میں آخرت کی تعمیر مضمر ہوگی جو نمایاں ہو جائے گا۔

یدعون ۔دع کے معنی سختی سے دفع کرنے سے ہیں۔ پاؤں باندھ کر جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

ام انتم لا تبصرون ۔اس کا عطف مقدر پر ہے ای **هذا** سحر جیسا کہ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔

سواء علیکم ۔مبتداء محذوف کی خبر ہے ای صبر کم وتر کہ جیسا کہ ابوالبقاء کی رائے ہے اور مبتداء محذوف الخبر بھی ہو سکتا ہے ای سواء الصبر والجزع۔ لیکن نکرہ کا خبر ہونا بہ نسبت مبتداء بنانے کے بہتر ہوتا ہے لیکن زمخشریؒ دوسری صورت مانتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ دنیا میں تو صبر کارگر ہوتا ہے۔ مگر آخرت میں بے سود ہوگا۔

هنیئا ۔یہ حال ہے یا مصدر محذوف یا مفعول بہ محذوف کی صفت ہے ای **اکلا هنیئا او طعاما هنیئا** بہر صورت اس میں **کلوا واشربوا** دونوں افعال کا تنازع ہو رہا ہے۔ هنیئا کے معنی خوشگوار کے ہیں جس کے کھانے میں اچھو نہ لگ جائے اور گلے میں نہ پھنسے۔

زوجناهم ۔مفسرؒ نے اشارہ کر دیا ہے کہ تزویج متعارف مراد نہیں ہے۔ کیونکہ جنت میں حوریں مملوکہ ہوں گی نہ کہ منکوحہ۔ اس لئے مقاربت کے معنی ہیں۔

حور عین ۔عین جمع ہے عیناء ہے۔ حور جمع ہے حوراء کی۔ گوری چٹی۔

واتبعتهم ۔اس کا عطف آمنو پر ہے اور بعض نے اس کو جملہ معترضہ کہا ہے بیان علت کے لئے اور زمخشریؒ کے نزدیک حور عین پر **الذین آمنوا** کا عطف ہے اور **واتبعتهم** کا زوجناهم پر عطف ہے۔

یہاں الحقنا کا مطلب یہ ہے کہ والدین کے عظیم ایمان کی وجہ سے اولاد کو بھی ان کے تابع کر دیا۔ کیوں کہ چھوٹی اولاد ماں باپ کے تابع ہوا کرتی ہے۔ اور بغویؒ کہتے ہیں کہ بڑی اولاد تو اپنے ایمان کی وجہ سے اور کمسن اولاد والدین کے ایمان کی وجہ سے ماں باپ کے درجات میں پہنچا دی جائے گی۔ تاکہ والدین کے لئے باعث طمانیت ہو۔ جیسا کہ سعید ابن جبیرؒ ابن عباسؓ سے نقل کر رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ذریت سے مراد تعلق اور محبت والے ہیں۔ خواہ ماں باپ ہوں یا اولاد، بھائی بند ہوں یا دوست احباب۔ گویا ذریت نسبی ہو یا سببی سب اس آیت کے مفہوم میں داخل ہو جائیں گے۔ اعلیٰ عمل والوں کے زمرہ میں ادنیٰ عمل والے بھی شامل کر دیئے جائیں گے۔

جہاں تک دنیاوی احکام کا تعلق ہے مسلمانوں کی چھوٹی اولاد مسلمان اور کافروں کی کافر سمجھی جائے گی۔ لیکن بلحاظ آخرت کے علماء مختلف الرائے ہیں۔ اکثر تو اسی رائے پر ہیں کہ دنیا کی طرح آخرت میں اولاد ماں باپ کے تابع ہوگی۔ لیکن بعض کی رائے ہے کہ مشرکین کی اولاد جہنم میں داخل نہیں کی جائے گی۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں **لا یعذب الله احدا بلا ذنب** اور بعض کی رائے ہے کہ کافر بچے جنت میں مسلمانوں کے خدمت گار ہوں گے، اور بعض کی رائے ہے کہ بچے خواہ کسی مذہب کے ہوں ایسے ہی رہیں گے کہ نہ جنت میں داخل ہوں گے نہ جہنم میں۔

امام اعظمؒ چار مسئلوں میں توقف فرماتے ہیں۔ اولاد مشرکین کے متعلق، اسی طرح خنثی مشکل کے متعلق اور ختنہ کس وقت کی جائے اور دنیا کی مدت کتنی ہے چاروں کی نسبت لا ادری فرمایا۔

حدیث اللّٰہ اعلم بما کانوا عاملین کا ایک مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے جو امام صاحبؒ کے لئے موید ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہ بچے اگر زندہ رہتے تو کیا عمل کرتے۔ اللہ انہی فرض اعمال کے مطابق ان سے معاملہ کرے گا۔

اس کا ماحصل بھی وہی نکلتا ہے کہ یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ کہا جاتا ہے کہ امام صاحب ابتداء میں مسلمان بچوں کے متعلق بھی متامل تھے۔ لیکن جب ان کے ماں باپ کے تابع ہو کر جنتی ہونے کی وہ آیات امام صاحب کو پہنچیں تو پھر انہوں نے توقف سے رجوع فرمالیا۔ یعنی قطعی دلیل معلوم نہیں تھی۔ ورنہ آیت الحقنا بهم ذریتهم سامنے تھی۔ لیکن آیت میں چونکہ مختلف احتمالات ہیں ایمان قصدی مراد ہے یا ایمان ازلی اور ایمان تبعی مقصود ہے۔ اس لئے حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ پھر قطعی طور پر انبیاء اور عشرہ مبشرہ وغیرہ کے علاوہ کسی کے متعلق جنتی ہونے کو نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح ابولہب اور ابوجہل وغیرہ متعینہ کافروں کے علاوہ یقینی طور پر کسی کافر کے جہنمی ہونے کو نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ کہا جائے گا کہ تمام مومنین جنتی اور کافر جہنمی ہیں اور بچے والدین کے تابع جنت یا جہنم میں ہوں گے یا ان کا حال مشکوک ہے۔ لیکن کسی بچہ کو بھی متعینہ طور پر جنتی نہ کہا جائے گا اور نہ جہنمی بہر حال اس بارے میں چار مسلک ہیں۔

۱۔ بچے والدین کے تابع ہوں گے۔

۲۔ فی نفسہ بچوں کی حالت کا اعتبار کر کے معاملہ کیا جائے گا۔

۳۔ ماں باپ دونوں کے مجموعے کا اعتبار کیا جائے گا۔

۴۔ ماں باپ اور بچوں کی مجموعی حالت کا اعتبار کیا جائے گا۔

اور صحابہؓ کے وہ بچے جو ان کے کفر کے زمانہ میں مرے ان کے متعلق توقف مناسب ہے۔ لیکن کافروں کے وہ بچے جو ان کے مسلمان ہونے کے زمانہ میں مرے وہ جنتی ہیں۔ نیز متعینہ طور پر جب بڑوں کی نسبت جنتی یا جہنمی ہونے کا یقین نہیں کیا جاسکتا تو بچوں کے متعلق متعینہ طور پر کیسے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے۔ ورنہ فرع کا اصل سے بڑھنا لازم آجائے گا۔ بالخصوص جب کہ بعض بچے فطرۃً شقی ہوتے ہیں۔ جیسے وہ بچہ جس کو حضرت خضرؑ نے بحکم الٰہی مار دیا تھا حالانکہ اس کے والدین مومن تھے پھر مومن کی اولاد کا جنتی ہونا تو احادیث سے معلوم بھی ہے۔ مگر کافر اور منافقین کی اولاد کا حال بیان نہیں کیا گیا۔ کیونکہ شروع میں آنحضرت ﷺ کو مطلقاً بچوں کے بارے میں معلوم نہیں تھا۔ بعد میں مسلمانوں کے بچوں کا حال معلوم ہوگیا۔ مگر دوسرے بچوں کا حال آپ نے بیان نہیں کیا۔ لہٰذا وہ اپنے حال پر رہیں گے۔

التناهم۔ کسرہ لام کے ساتھ ابن کثیر کی قراءت ہے اور بقیہ نصب لام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ الالانة کے معنی نقصان کے ہیں۔

بما کسب رهين۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اہل جہنم کے ساتھ خاص ہے وہی اپنے اعمال میں بندھے ہوئے ہوں گے۔ اہل ایمان مراد نہیں۔ وہ محض اپنے عمل میں بندھے ہوئے نہیں ہوتے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ کل نفس بما کسبت رهينة الا اصحاب اليمين۔ لیکن زمخشریؒ کی رائے ہے کہ کل نفس عام ہے اہل خیر وشر سب کو نیک عمل اپنی نیکی کی وجہ سے گلوخلاصی پائے گا ورنہ گردن پھنسی رہے گی۔

اور آیت میں ایک توجیہ اور بھی ہوسکتی ہے کہ رہین بروزن فعیل بمعنی فاعل ہو یعنی ہر شخص اپنے عمل میں راہن اور گروی ہے۔ اگر نیک ہے تو دوامی جنت ورنہ کافر منافق کے لئے دوامی جہنم، اور بقول مفسرؒ رہین بمعنی مرہون ہے یعنی ہر شخص عمل کا پابند ہے اس سے عمل کا مطالبہ ہے اگر مطالبہ پورا کردیا تو اس کا نفس رہن سے رہا ہوجائے گا ورنہ مواخذہ کے لئے بندھا رہے گا۔

یتنازعون۔ بے تکلف دوستوں میں چھین جھپٹ چونکہ تفریح طبع کا سامان ہوا کرتی ہے۔ اس لئے صورۃ تنازع سے تعبیر کیا ہے حقیقۃ

زرع مراد نہیں ہے۔

سًا ۔شراب سے بھرا ہوا پیمانہ اور گلاس اور قرب ومجاورت کی وجہ سے مجازاً شراب کو بھی کہتے ہیں۔

لغو فیھا ۔یعنی شراب کی مستی میں اول فول نہیں بکیں گے۔

لمان لھم ۔جس طرح حوریں نئی مخلوق مملوکہ ہوں گی اسی طرح غلمانوں کی نئی مخلوق مملوک ہوگی۔تا کہ دنیا میں جو غلام باندی رہے ہوں وہ یہ بھیں کہ دنیا کی طرح جنت میں بھی ہم غلام بن کر رہیں گے۔اس خیال سے ان کی دل آزاری ہوتی۔اس لئے حور وغلمان پیدا کر کے دلداری مادی گئی۔

فی اھلنا مشفقین ۔اپنے اہل وعیال میں رہ کر عموماً انسان بے خوف رہتا ہے مگر اہل ایمان جب اس حال میں بھی اللہ کا خوف وخشیت یتے ہیں تو گویا ہر حال میں خائف رہتے ہیں اسی طرح دائمی خوف مراد ہوگا۔لیکن بعض حضرات مشفقین شفقت سے ماخوذ مانتے ہیں یعنی پنے متعلقین پر نرمی کرتے ہیں اس لئے مستحق رحمت ہوئے۔

عـذاب السموم ۔چونکہ مسامات میں گھس جائے گا۔نیز اس میں سمیت اور زہر کے اثرات ہوں گے اس لئے ریح مسموم لو اور گرم ہوا کہا جاتا ہے۔

انه هو البر الرحيم ۔یہ بلحاظ معنی ندعوہ کی علت ہے یعنی اللہ کے محسن ومہربان ہونے کی وجہ سے ہم اس کی عبادت کرتے ہیں۔

بط آیات: .... پچھلی سورت ''یوم موعود'' کی وعید پر ختم ہوئی تھی۔سورہ طور اسی مضمون سے شروع ہو رہی ہے۔وعید کے بعد قرآن کی سب عادت مومنین کے لئے وعد کا بیان ہے۔

ان نزول وروایات: .... والبيت المعمور ۔ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ للّٰه فی السمٰوت والارض خمسة عشر بيتا عة فی السموات وسبعة فی الارضين والكعبة وكلها مقابلة للكعبة ۔

ںؒ فرماتے ہیں۔البيت المعمور هو الكعبة وهی البيت الحرام الذی هو معمور بالناس يعمره الله كل سنة بستمائة فان حز الناس عن ذلک اتمه الله بالملائكة وهو اول بيت وضعه الله للعباد فی الارض ۔

الـحـقـنـا بهم ذريتهم ۔بغویؒ ضحاکؒ سعید بن جبیرؒ، ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بالغ اولاد تو اپنے ایمان کی وجہ سے اور کمسن اولاد ماں پ کے تابع ہو کر داخل جنت ہوگی۔بلکہ ابن عباسؓ سے مرفوع روایات ہیں۔

ان الله يرفع ذرية المومن معه فی درجته فی الجنة وان كانوا دونه فی العمل لتقر بهم عينه ۔

اذا دخـل الـرجـل الـجـنـة سـال عن ابويه وولده وزوجته فيقال انهم لم يبلغوا درجتک وعملک فيقول يا رب قد مـلـت لی ولهم فيومر بالحاقهم به ۔بلکہ ذریت کے مفہوم میں آباء اور ابنا دونوں آتے ہیں کیونکہ اعلیٰ مومن کے ساتھ اس کے متعلقین منسلک ہوں گے۔جیسا کہ ابن عباسؓ کا ارشاد ہے ذریت نسبی ہو یا سببی اسی طرح افادہ کا تعلق ہو یا ولادت کا۔وہ کار آمد ہوگا۔یعنی بلند جات بڑوں کے ہوں یا چھوٹوں کے کم درجہ متعلقین کو اس سے ضرور فائدہ ہوگا۔چنانچہ وآية لهـم انـا حـمـلـنـا ذريتهم فـی الفلک شحون سے معلوم ہوتا ہے کہ ذریۃ میں آباء بھی داخل ہیں۔

مان لھم ۔ابن عمرؓ کی روایت میں ہے ما من احـد مـن اهل الجنة الا يسعى عليه الف غلام وكل غلام على عمل غير ما

علیہ صاحبہ ۔

حضرت حسنؒ سے منقول ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول الله الخادم کاللولو المکنون فکیف المخدوم ، قال فضل المخدوم علی الخادم کفضل القمر لیلة البدر علی سائر الکواکب ۔

﴿ تشریح ﴾:.......... کتاب مسطور ۔اس سے ممکن ہے لوح محفوظ مراد ہو یا قرآن کریم۔ یا طور کی مناسبت سے تورات یا عام کتب سماویہ مراد ہوں۔ یا لوگوں کا اعمالنامہ غرض سب احتمالات ہیں۔

بیت المعمور ۔ممکن ہے کعبۃ اللہ مراد ہو یا کعبۃ اللہ کی ٹھیک محاذات میں ساتویں آسمان پر فرشتوں کا کعبہ مراد ہو۔ جیسا کہ روایات سے ثابت ہے۔

سقف مرفوع۔اس سے آسمان مراد ہے جو چھت کی طرح ہے۔ یا عرش اعظم مراد ہے۔ جو سب آسمانوں سے اوپر ہے۔

البحر المسجور ۔دنیا کے ابلتے ہوئے چشمے مراد ہیں یا آسمانوں کے اوپر عرش کے نیچے عظیم دریا مراد ہے۔ جس کا ذکر احادیث میں آیا ہے

یو م تمور السماء ۔قیامت کا روز مراد ہے۔ اس کا تھرتھر کانپنا معنی متبادر کے اعتبار سے ہے یا اس کا پھٹنا مراد ہے جیسا کہ اذا السما انشقت میں فرمایا گیا ہے ابن عباسؓ کی ان دونوں تفسیروں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ بطور تعاقب دونوں کا تحقق ہوسکتا ہے۔

وتسیر الجبال ۔یہاں پہاڑوں کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا اور ٹل جانا مراد ہے۔ لیکن دوسری آیات میں ریزہ ریزہ ہونا پھر اڑ جانا بیان کیا گیا۔ ینسفھا ربی نسفا،وبست الجبال بسا،فکانت ھباء منبثا ان سب احوال میں کوئی بھی تعارض نہیں ہے۔

مختلف قسموں کی مناسبت:.......... ان قسموں کو مضمون سے مناسبت یہ ہے کہ قیامت کی اصل حقیقت مجازات ہے اور مجازات کی اصل احکام شرعیہ ہیں۔ پس طور کی قسم کھانے میں اللہ کے صاحب کلام وصاحب احکام ہونے کی طرف اشارہ ہے پھر احکام کی موافقت مخالفت ہی بنیاد ہے مجازات کی۔ اس لئے اعمالنامہ کی قسم کھانے میں اشارہ ہے۔ اس موافقت یا مخالفت کے مضبوط ومنضبط ہونے کی طرف گویا عبادت اور اطاعت احکام کے ضروری ہونے پر بھی مجازات موقوف ہے۔ اس لئے بیت المعمور سے اشارہ ہے عبادت کے ایسے ضرور ہونے کی طرف کہ فرشتے باوجود یکہ مجازات واحکام کے مکلف نہیں۔ مگر پھر بھی عبارت کے لئے مامور ہیں انہیں بھی آزاد نہیں چھوڑا گیا۔ مجازات کا نتیجہ دو چیزیں ہیں جنت وجہنم۔ پس آسمان کی قسم کھانے میں جنت کے رفیع المکان ہونے کی طرف اشارہ ہے اور بحر مسجور کی قسم کھانے میں جہنم کے ہولناک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ یہ تقریر تو ان قسموں کی تخصیص کی ہوئی اور نفس قسم کی توجیہ سورہ حجر کی آیت لعمرک ا میں گزر چکی ہے اور قسم کی غرض وغایت پر کلام سورہ صافات کے شروع میں گزر چکا ہے۔ آگے قیامت کے بعض واقعات کا ذکر ہے۔

دوزخ میں کفار کی حالت زار:.......... فویل للمکذبین ۔یعنی جو لوگ کھیل کود میں مشغول ہو کہ آج طرح طرح کی باتیں بنا قیامت کو جھٹلاتے ہیں ان کے لئے آخرت میں سخت خرابی اور تباہی ہوگی۔ فرشتے انہیں ذلت کے ساتھ دھکیلتے ہوئے دوزخ کی طرف جائیں گے اور کہیں گے کہ جس کو تم جھوٹ جانتے تھے وہ آگ حاضر ہے۔ تم دنیا میں پیغمبروں کو جادوگر اور ان کے پیغام کو جادو بتلایا کرتے۔ اب بتلاؤ کہ یہ دوزخ جس کی اطلاع انبیاء نے دی تھی کیا واقعی جادو یا نظر بندی ہے یا جس طرح دنیا میں تمہیں کچھ سوجھتا نہ تھا اب بھی نہیں سوجھتا۔ اب دوزخ میں پڑ کر گھبراؤ چلاؤ تب کوئی فائدہ نہیں، کوئی فریاد سننے والا نہیں اور بفرض محال چپ سادھ کر صبر کر کے پڑے رہو۔ تب کو رحم کرنے والا نہیں۔ غرض یہ دونوں حالتیں یکساں غیر مفید ہوں گی۔ اب اس جیل خانہ سے نکلنے کی تمہارے لئے کوئی سبیل نہیں۔ جو کرتوت

لے آئے ہو، اس کی سزا یہی حبس دوام اور ابدی عذاب ہے۔

جنتیوں کے مزے: .... ان المتقین۔ یعنی برخلاف اللہ سے ڈرنے والوں کے وہ وہاں بالکل مامون ومطمئن ہوں گے۔ ہر قسم کا سامان عیش ان کے لئے مہیا ہوگا۔ اور یہی انعام کیا کم ہے کہ انہیں دوزخ کے عذاب سے اللہ نے بچالیا۔ جنت میں ان کی زندگی شاہانہ اور ٹھاٹھ دار ہوگی اپنے اپنے تختوں پر مسند نشین ہوں گے جو نہایت قرینہ اور سلیقہ سے بچھے ہوئے ہوں گے۔ اہل وعیال اور متعلقین، خدام واتباع سب سامنے ہوں گے۔ گو اصاغر کے کام اس درجہ کے نہ ہوں۔ لیکن اکابر کے اکرام اور خوشی کی خاطر بخشین وتبعین کو بھی خصوصی نوازشوں سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ اس صورت میں یہ گمان نہ کیا جائے کہ کاملین کی نیکیوں کا ثواب کاٹ کر ذریت کو دے دیا جائے گا یا کاملین وناقصین کو برابر کر دیا جائے گا بلکہ اپنے فضل وکرم سے اور کاملین کی خوشنودی مزاج کے لئے ناقصین کو ابھار دیا جائے گا اور یکسانیت کے باوجود اصل نقل ورتابع متبوع کا فرق بدستور رہے گا۔

بخاری کی روایت ہے۔ قالت الانصار . یا رسول اللہ ان لکل قوم اتباعا وانا قد اتبعناک فادع اللہ ان یجعل اتباعنا منا قال النبی ﷺ اللھم اجعل اتباعھم منھم ۔ آخر امراء کے محلات میں ان کے خدام بھی ساتھ رہتے ہیں۔ مگر خادم ومخدوم کا فرق پھر بھی بحال رہتا ہے۔

اور ذریت میں ایمان کی شرط اس لئے ہے کہ اصل کے ساتھ الحاق اس کے بغیر نہیں ہوگا۔ جس طرح مومنین کی مومن ذریت ان کے ساتھ ہوگی۔ اسی طرح کافروں کی ذریت ان کے ساتھ ہوگی۔ البتہ مومن کی کافر ذریت یا کافر کی مومن ذریت وہ ملحق نہیں ہوگی۔ بلکہ ایسی صورت میں کل امری بما کسبت رھین کا اصول کارفرما ہوگا۔

ذریت کا مفہوم عام ہے: .... ظاہر عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ ذریت سے بڑی اولاد مراد ہے۔ جیسا کہ بایمان کی قید بھی اس کا قوی قرینہ ہے اور چھوٹی اولاد کا حکم احادیث میں ارشاد ہے۔ بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ کمسن اولاد مومن ہو یا کافر اپنے اپنے مسلم وکافر والدین کے ساتھ ہوں گے۔ حدیث اللہ اعلم بما کانوا عاملین کی رو سے اور بعض کی رائے ہے کہ حدیث کل مولود یولد علی الفطرۃ الخ کی رو سے تمام ذریت جنتی ہوگی۔ البتہ ذراری مشرکین غلاموں کی حیثیت سے رہیں گے اور بعض کی رائے ہے کہ غیر مکلّف ہونے کی وجہ سے دونوں ذریتیں اعراف میں رہیں گی۔ اور جمہور دلائل متعارض ہونے کی وجہ سے توقف کو پسند کرتے ہیں اور اس آیت کی تفسیر میں جو حدیث ہے اس میں آباء کا بھی یہی حکم ہے اور اس میں ذریت پر ولد معطوف ہو رہا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذریت سے مطلق توابع مراد ہیں۔ جس میں بیویاں، دوست، احباب، شاگرد، مرید، معتقد سب آجاتے ہیں۔ اس طرح آیت کا مفہوم بہت وسیع ہو جائے گا۔ بلکہ اگر اخلاف عالی رتبہ ہوں تو اسلاف بھی ان کے ہم رتبہ ہو کر ذریت کے عموم میں داخل ہو جائیں گے۔

اس پر اگر شبہ ہو کہ جب مومن کے اصول وفروع سب اس کے ساتھ شریک ہو گئے تو جب وہ اصول وفروع بھی مومن ہوں تو ان کے اصول وفروع بھی ہم درجہ ہوں گے تو لازم آئے گا کہ سب جنتی ایک ہی درجہ میں ہو جائیں حالانکہ فرق مراتب اور اختلاف درجات مسلم ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ الحاق صاحب درجہ کے اصل عمل کی وجہ سے ہے اور یہ اصالت تابع در تابع میں باقی نہیں رہتی۔ اس لئے اس کے ساتھ دوسروں کا ملحق ہونا لازم نہیں آتا۔

قانون فضل وعدل: .... کل امرئ بما کسبت رھین۔ پہلی آیت میں اللہ کے فضل کا بیان تھا اور اس آیت میں قانون عدل کا

ذکر ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جس نے اچھا برا جو کام کیا اس کو اسی کے مطابق بدلہ ملے گا۔

آگے آیت و امددناھم سے نعمائے جنت کا تذکرہ ہے۔ شراب کا دور چلے گا تو خوش طبعی اور چھینا جھپٹی بھی ہوگی۔ جس سے بے تکلفی لذت وسرور میں اضافہ ہوگا۔ شراب میں فرحت، قوت، نشاط، انبساط تو ہوگا مگر نشہ، سرگرانی فتور عقلی بکواس نہیں ہوگی اور نہ کوئی گناہ کی بات ہوگی موتیوں جیسے غلمان ہوں گے جس طرح سیپ میں موتی صاف شفاف اور گرد وغبار سے پاک ہوتا ہے۔ یہی حال غلمانوں کا ہوگا۔ پھر آپس میں خوش گپیاں ہوں گی۔ ایک دوسرے کی مزاج پرسی کریں گے اور دنیا کی زندگی کا موازنہ کرتے ہوئے کہیں گے۔ میاں ہم دنیا میں ڈرا کرتے تھے کہ دیکھئے مرنے کے بعد کیا انجام ہوگا۔ یہ کھٹکا برابر لگا رہتا تھا۔ مگر اللہ کا احسان اور شکر ہے کہ اس نے کیسا بے فکر کر دیا۔ اب دوزخ تو دوزخ اس کی آنچ بھی نہیں لگے گی۔ ہم اللہ کو امید وبیم کی ملی جلی کیفیت میں پکارا کرتے تھے۔ مگر اس نے سن لی اور ہمارے ساتھ کیا ہی عمدہ برتاؤ کیا گیا۔

لطائف سلوک: ......الذین اٰمنوا الخ۔ اس سے شرف نسبی کا آخرت میں کارآمد ہونا ثابت ہوا۔ مگر دینی شرف مراد ہے نہ کہ عرفی جاہ و عزت۔

یتنازعون فیھا کاسا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوستوں کے ساتھ مزاح وانبساط برا نہیں۔ جیسا کہ خشک زاہد خوش طبعی کو خلاف وقار سمجھتے ہیں بلکہ مزاح مسنون ہے۔ بشرطیکہ اس میں غلو نہ ہو ورنہ وقار کے منافی ہوگا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے کے مال میں بشرطیکہ اس کی طیب خاطر کا یقین ہو تصرف کرنا جائز ہے۔

فَذَكِّرْ دُمْ عَلٰى تَذْكِيرِ الْمُشْرِكِيْنَ وَلَا تَرْجِعْ عَنْهُ لِقَوْلِهِمْ لَكَ كَاهِنٌ مَجْنُوْنٌ **فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ** اَیْ بِاِنْعَامِهٖ عَلَيْكَ **بِكَاهِنٍ** خَبَرٌ **وَّلَا مَجْنُوْنٍ** ﴿۲۹﴾ مَعْطُوْفٌ عَلَيْهِ **اَمْ** بَلْ **يَقُوْلُوْنَ** هُوَ **شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ** ﴿۳۰﴾ حَوَادِثُ الدَّهْرِ فَيُهْلِكُ كَغَيْرِهٖ مِنَ الشُّعَرَاءِ **قُلْ تَرَبَّصُوْا** هَلَاكِیْ **فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ** ﴿۳۱﴾ هَلَاكَكُمْ فَعُذِّبُوْا بِالسَّيْفِ يَوْمَ بَدْرٍ وَالتَّرَبُّصُ الْاِنْتِظَارُ **اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ** عُقُوْلُهُمْ **بِهٰذَآ** اَیْ قَوْلُهُمْ لَهٗ سَاحِرٌ كَاهِنٌ شَاعِرٌ مَّجْنُوْنٌ اَیْ لَا تَاْمُرُهُمْ بِذٰلِكَ **اَمْ** بَلْ **هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ** ﴿۳۲﴾ بِعِنَادِهِمْ **اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ** اِخْتَلَقَ الْقُرْاٰنَ لَمْ يَخْتَلِقْهُ **بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ** ﴿۳۳﴾ اِسْتِكْبَارًا فَاِنْ قَالُوْا اِخْتَلَقَهٗ **فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ** مُّخْتَلَقٍ **مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ** ﴿۳۴﴾ فِیْ قَوْلِهِمْ **اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَیْءٍ** اَیْ خَالِقٍ **اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ** ﴿۳۵﴾ اَنْفُسَهُمْ وَلَا يُعْقَلُ مَخْلُوْقٌ بِدُوْنِ خَالِقٍ وَلَا مَعْدُوْمٌ يَخْلُقُ فَلَا بُدَّ لَهُمْ مِنْ خَالِقٍ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ فَلِمَ لَا يُوَحِّدُوْنَ وَيُؤْمِنُوْنَ بِرَسُوْلِهٖ وَكِتَابِهٖ **اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ** وَلَا يَقْدِرُ عَلٰى خَلْقِهَآ اِلَّا اللّٰهُ الْخَالِقُ فَلِمَ لَا يَعْبُدُوْنَهٗ **بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ** ﴿۳۶﴾ وَاِلَّا لَاٰمَنُوْا بِنَبِيِّهٖ **اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ** مِنَ النُّبُوَّةِ وَالرِّزْقِ وَغَيْرِهِمَا فَيَخُصُّوْا مَنْ شَآءُوْا بِمَا شَآءُوْا **اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ** ﴿۳۷﴾ الْمُتَسَلِّطُوْنَ الْجَبَّارُوْنَ وَفِعْلُهٗ صَيْطَرَ وَمِثْلُهٗ بَيْطَرَ وَبَيْقَرَ **اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ** مَرْقًى اِلَى السَّمَآءِ **يَسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ** اَیْ عَلَيْهِ كَلَامَ الْمَلٰٓئِكَةِ حَتّٰی

يُمَكِّنَهُمْ مُنَازَعَةَ النَّبِيِّ ﷺ بِزَعْمِهِمْ اِنِ ادَّعَوْا ذٰلِكَ **فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ** اَيْ مُدَّعِي الْاِسْتِمَاعِ عَلَيْهِ **بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ** ﴿۳۸﴾ بِحُجَّةٍ بَيِّنَةٍ وَّاضِحَةٍ وَلِشِبْهِ هٰذَا الزَّعْمِ بِزَعْمِهِمْ اَنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ بَنَاتُ اللّٰهِ قَالَ تَعَالٰى **اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ** اَيْ بِزَعْمِكُمْ **وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ** ﴿۳۹﴾ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا زَعَمُوْهُ **اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا** عَلٰى مَا جِئْتَهُمْ بِهٖ مِنَ الدِّيْنِ **فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ** غُرْمٍ لَكَ **مُّثْقَلُوْنَ** ﴿۴۰﴾ فَلَا يُسْلِمُوْنَ **اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ** اَيْ عِلْمُهٗ **فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ** ﴿۴۱﴾ ذٰلِكَ حَتّٰى يُمَكِّنَهُمْ مُنَازَعَةَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْبَعْثِ وَاَمْرِ الْاٰخِرَةِ بِزَعْمِهِمْ **اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا** بِكَ لِيُهْلِكُوْكَ فِيْ دَارِ النَّدْوَةِ **فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ** ﴿۴۲﴾ الْمَغْلُوْبُوْنَ الْمُهْلَكُوْنَ فَحَفِظَهُ اللّٰهُ مِنْهُمْ ثُمَّ اَهْلَكَهُمْ بِبَدْرٍ **اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ** ﴿۴۳﴾ بِهٖ مِنَ الْاٰلِهَةِ وَالْاِسْتِفْهَامُ بِاَمْ فِيْ مَوَاضِعِهَا لِلتَّقْبِيْحِ وَالتَّوْبِيْخِ **وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا** بَعْضًا **مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا** عَلَيْهِمْ كَمَا قَالُوْا فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ اَيْ تَعْذِيْبًا لَهُمْ **يَّقُوْلُوْا** هٰذَا **سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ** ﴿۴۴﴾ مُتَرَاكِبٌ نَرْتَوِيْ بِهٖ وَلَا يُؤْمِنُوْا **فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ** ﴿۴۵﴾ يَمُوْتُوْنَ **يَوْمَ لَا يُغْنِيْ** بَدَلٌ مِنْ يَوْمِهِمْ **عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ** ﴿۴۶﴾ يُمْنَعُوْنَ مِنَ الْعَذَابِ فِي الْاٰخِرَةِ **وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** بِكُفْرِهِمْ **عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ** اَيْ فِي الدُّنْيَا قَبْلَ مَوْتِهِمْ فَعُذِّبُوْا بِالْجُوْعِ وَالْقَحْطِ سَبْعَ سِنِيْنَ وَبِالْقَتْلِ يَوْمَ بَدْرٍ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۴۷﴾ اِنَّ الْعَذَابَ يَنْزِلُ بِهِمْ **وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ** بِاِمْهَالِهِمْ وَلَا يَضِيْقُ صَدْرُكَ **فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا** بِمَرْاٰى مِنَّا نَرَاكَ وَنَحْفَظُكَ **وَسَبِّحْ** مُتَلَبِّسًا **بِحَمْدِ رَبِّكَ** اَيْ قُلْ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ **حِيْنَ تَقُوْمُ** ﴿۴۸﴾ مِنْ مَنَامِكَ اَوْ مِنْ مَجْلِسِكَ **وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ** حَقِيْقَةً اَيْضًا **وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ** ﴿۴۹﴾ مَصْدَرٌ اَيْ عَقِبَ غُرُوْبِهَا سَبِّحْهُ اَيْضًا اَوْ صَلِّ فِي الْاَوَّلِ الْعِشَائَيْنِ وَفِي الثَّانِيْ سُنَّةَ الْفَجْرِ وَقِيْلَ الصُّبْحَ۔

ترجمہ: ......تو آپ سمجھاتے رہیے (مشرکین کو نصیحت کرتے رہیے اس کو اس لئے موقوف نہ کیجئے کہ وہ آپ کو کاہن ومجنون کہہ رہے ہیں کیونکہ آپ بفضل الٰہی (بفضلہٖ تعالیٰ) نہ تو کاہن ہیں (ما کی خبر ہے) اور نہ مجنون (یہ خبر پر معطوف ہے) ہاں کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں ہم ان کے بارہ میں حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں (حوادث زمانہ سے جس طرح اور شعراء ناپید ہو گئے ہیں آپ بھی بے نشان ہو جائیں گے) آپ فرما دیجئے کہ تم منتظر رہو (میری تباہی کے) سو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں (تمہاری تباہی کا چنانچہ غزوہ بدر میں مشرکین تلوار کی نذر ہو گئے۔ تربص کے معنی انتظار کے ہیں) کیا ان عقلیں (سمجھ بوجھ) ان کو ان باتوں کی تلقین کرتی ہیں (یعنی ساحر، کاہن، شاعر، مجنون، کہنے کی۔ یعنی یہ عقل کا فیصلہ نہیں ہے) یا (بلکہ) یہ لوگ شریر (عنادی) ہیں۔ ہاں کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس نے خود گھڑ لیا ہے (قرآن بنالیا ہے، بنایا نہیں) بلکہ یہ لوگ تصدیق نہیں کرتے (شیخی کے مارے اور اگر اس کو گھڑنا بتلاتے ہیں) تو یہ لوگ اس طرح کوئی کلام (من گھڑت) لے آئیں اگر یہ سچے ہیں کیا یہ لوگ یونہی بغیر پیدا کرنے والے کے) خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں (اور جب کوئی مخلوق بغیر کے خالق اور

معدوم خود بخود پیدا نہیں ہوسکتا، تو ماننا پڑے گا کہ ان کا ضرور کوئی خالق ہے اور وہ اللہ یگانہ ہی ہوسکتا ہے اور یہ کیوں نہیں توحید مانتے اور کیوں اس کے رسول اور کتاب کو تسلیم نہیں کرتے) یا انہوں نے آسمان وزمین کو پیدا کیا (حالانکہ اللہ کے سوا کوئی ان کو پیدا نہیں کرسکتا۔ پھر کیوں اس کی بندگی نہیں کرتے) بلکہ یہ لوگ یقین نہیں کرتے۔ (ورنہ نبی پر ضرور ایمان لے آتے) کیا ان لوگوں کے پاس تمہارے پروردگار کے خزانے ہیں (نبوت ورزق وغیرہ کے جس کو جتنا چاہیں دے ڈالیں) یا یہ لوگ حاکم ہیں (صاحب سلطنت وسطوت، صیطر، بیطر اور بیقر کی طرح فعل ہے) کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے (آسمان پر چڑھنے کیلئے) کہ اس پر باتیں سن لیا کرتے ہیں (فیہ بمعنی علیہ، فرشتوں کی بات چیت سنتے ہوں، حتی کہ اپنے گمان کے مطابق حضور ﷺ سے الجھ پڑتے ہیں، واقعی اگر ایسا ہے) تو ان میں جو باتیں سن آتا ہو (بات سننے کا دعوے دار ہو) وہ کوئی صاف دلیل پیش کرے (روشن کھلی حجت اور اسی کے مشابہ چونکہ ان کا گمان یہ ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اس لئے فرمایا) کیا اللہ کے لئے بیٹیاں (تمہارے خیال کے مطابق) اور تمہارے لئے بیٹے ہیں (اللہ تمہارے اس خیال سے پاک ہے) کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ مانگتے ہیں (دین پہنچانے پر) کہ وہ تاوان (ڈانڈ) سے دبے جارہے ہیں (اس لئے اسلام قبول نہیں کرتے) کیا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ یہ اس کو لکھ لیا کرتے ہیں (تاکہ اپنے خیال کے مطابق قیامت وآخرت کی نسبت حضور ﷺ سے الجھنے کا موقعہ ملتا ہو) کیا یہ لوگ کچھ برائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں (آپ کی شان میں آپ کو ختم کرنے کے لئے دارالندوہ میں) سو یہ کافر خود ہی برائی میں گرفتار ہوں گے (مغلوب وبرباد، چنانچہ اللہ نے حضور ﷺ کو محفوظ رکھا اور ان کو بدر میں موت کے گھاٹ اتار دیا) کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے، اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے (جو دوسرے معبودوں کو شریک کرکے کرتے ہیں، ان تمام مواقع پر استفہام برائی اور سرزنش کے لئے ہے) اور اگر وہ آسمان کے (کسی ایک) ٹکڑہ کو دیکھ لیں گے کہ گرتا آرہا ہے (ان پر جیسا کہ خود ان کی درخواست ہے۔ ربنا اسقط علینا کسفا من السماء بطور سزا کے) تو یوں کہہ دیں گے کہ (یہ تو) تہ بتہ جما ہوا بادل ہے (جو غلیظ ہے اس سے ہم سیرابی حاصل کریں گے مگر ایمان نہیں لاتے) سو کور ہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ پڑے جس میں (مرکر) انکے ہوش اڑ جائیں گے جس دن کچھ نہیں کارگر ہوں گی (یوم سے بدل ہے) ان کی کچھ تدبیریں اور نہ ان کو (آخرت میں عذاب سے بچاؤ کے) لئے (کچھ مدد مل سکے گی اور ان ظالموں کے لئے (ان کے کفر کے سبب) اس سے پہلے ہی عذاب ہونے والا ہے (مرنے سے پہلے دنیا میں چنانچہ سات سال تک بھوک اور قحط کی سزا میں جکڑے رہے۔ پھر غزوہ بدر میں موت کا لقمہ بنے لیکن ان میں اکثر کو خبر نہیں۔ (کہ ان پر عذاب ہوگا) اور آپ پروردگار کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہیے (ان کی ڈھیل پر تنگ دل نہ ہو جایئے) کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں (سرکاری تحویل میں ہم چوکسی سے آپ کی نگرانی کررہے ہیں) اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیا کیجئے (سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا کیجئے) اٹھتے وقت (سوکر یا مجلس سے) اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے (حقیقت میں) اور ستاروں سے پیچھے بھی (ادبار مصدر ہے یعنی ستارے غروب ہونے کے بعد بھی تسبیح پڑھا کیجئے۔ یا پہلے جملہ سے مراد یہ ہے کہ مغرب وعشاء کی نماز پڑھا کیجئے۔ اور دوسرے جملہ سے سنت الفجر یا نماز فجر مراد ہوگی)۔

تحقیق وترکیب: ....بنعمۃ ربک ۔ اس میں کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ما کے اسم وخبر کے درمیان یہ قسم ہے۔ اور جواب قسم محذوف ہے موجودہ جملہ " بکاھن ولا مجنون " دال برجواب قسم ہے۔ دوسرے یہ کہ باکا محل نصب میں ہے حال ہونے کی وجہ سے اور بکاھن ولا مجنون عامل ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ ما انت کاھنا ولا مجنونا حال کونک متلبسا بنعمۃ ربک جیسا کہ ابوالبقاؒ کی رائے یہ حال لازمہ ہوگا۔ کیونکہ حضور ﷺ کی ہمیشہ یہی حالت رہی ہے۔ تیسرے یہ کہ باسببیہ ہو اور جملہ منفیہ کے مضمون سے متعلق ہو اور یہی آیت کریمہ کا مقصود ہے۔ ای انتفی عنک الکھانۃ والجنون بسبب نعمۃ اللہ علیک یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے

ما انا بمعسر بحمد الله وغناه۔

ام يقولون ۔ یہاں تمام پندرہ مواقع میں ام منقطعہ ہے۔ البتہ ام هم قوم طاغون میں تقریر کے لئے ہے مفسرؒ کو سب جگہ بل اور ہمزہ مقدر کرنا چاہئے تھا استفہام انکاری توبیخی ہے۔

ريب المنون ۔ چونکہ حوادث دہر کو ریب کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس لئے استعارہ تصریحیہ ہے دونوں میں وجہ شبہ تحیر ہے ایک حالت پر ٹھہرا و نہ ہونا اور بعض کے نزدیک منون سے مراد موت ہے، جو عدد گھٹا دیتی ہے اور مدد منقطع کر دیتی ہے۔

بهذا ۔ یعنی قریش خود کو اہل دانش و بینش سمجھتے ہیں۔ مگر تناقض دعویٰ کرتے ہیں۔ کبھی آپ کو ساحر، کاہن کہتے ہیں اور کبھی شاعر، مجنون۔ کیونکہ اول کے تین لفظوں سے کمال اور آخر کے لفظ سے نقصان معلوم ہوتا ہے۔ مفسرؒ نے لا تا مرهم اور لم يختلقه کہہ کر استفہام انکاری توبیخی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فليأتوا بحديث ۔ مفسرؒ نے شرط مقدر کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا ترجمہ ان كانوا صادقين ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ مطلقاً ایمان مطلوب نہیں کہ محال ہونے کا شبہ کیا جائے اور امر کو مجاز پر محمول کیا جائے۔ بلکہ شرط معلق ہونے کی وجہ سے مشروط ایمان مطلوب ہے اس لئے امر کو حقیقت پر محمول کیا جائے گا۔ یا امر کو تعجیز کے لئے کہا جائے۔ جیسے فان الله ياتي بالشمس فات بها من المغرب میں ہے۔

ام هم الخالقون ۔ مفسرؒ نے ولا يعقل مخلوق الخ سے توام خلقوا من غير شئى کی طرف اور لا معدوم يخلق سے ام هم الخالقون کی جانب اور ولا معدوم يخلق سے نیز معدوم ہوتے ہوئے خود اپنے خالق ہونے کے احتمال کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان سب صورتوں کا بطلان واضح ہے۔

خزائن ربك ۔ عکرمہؒ خزائن نبوت اور کلبیؒ خزائن رزق مراد لیتے ہیں۔ مگر مفسرؒ نے عام رکھا جو جامع ہے۔

المصيطرون ۔ ابن کثیرؒ سین کے ساتھ پڑھتے ہیں مجمع البحار میں ہے کہ مصیطر کے معنی کسی چیز کے لکھنے کو آمادہ اور تیار ہونے کے ہیں۔ مسطر کتابت کو بھی کہتے ہیں۔ مفعیل کے وزن پر پانچ الفاظ آتے ہیں۔ چار اسم فاعل کی صفت ہوتے ہیں۔ ۱۔ مہیمن، ۲۔ مبیقر، ۳۔ مسیطر، ۴۔ مبیطر اور ایک لفظ مخیمر پہاڑ کا نام ہے۔ مبیطر جانوروں کے علاج و معالجہ کو کہتے ہیں۔ اور مبیقر کے معنی فاسد ہونے ہلاک ہونے اور تکبر کی چال چلنے کے آتے ہیں۔

ام لهم سلم ۔ سلم اور مرقی سیڑھی کو کہتے ہیں۔

يستمعون ۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا مفعول کے محذوف ہونے اور فی بمعنی علیٰ ہونے کی طرف جیسے ولا صلبنكم في جذوع النخل میں فی بمعنی علیٰ ہے۔ لیکن حلبیؒ کہتے ہیں اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ ظرفیت لینا صحیح ہے۔

ام له البنات ۔ مشرک کا فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہنا بھی شرک کی طرح زعم فاسد ہے۔ فرق اتنا ہے کہ پچھلی آیت میں محض فرضی گمان پر گفتگو ہوئی اور بیٹیاں ماننا ان کا واقعی گمان تھا۔

مغرم ۔ تاوان۔ ڈنڈ کو کہتے ہیں۔

او عندهم ۔ یہ زعم بھی فرضی ہے۔ کفار اس کے قائل نہیں تھے۔ لیکن ان کے متکبرانہ طور طریق سے یہ لازم آرہا تھا۔ اور قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ کفار کے قول نتربص به ريب المنون کا جواب ہے۔ یعنی کیا ان کو غیب سے خبر آگئی کہ پیغمبر ان سے پہلے مر جائیں گے۔ کیا انہوں نے اس کو لکھ رکھا ہے۔

اور بعض کی رائے یہ ہے کہ کفار کے اس خیال کے جواب میں ہے کہ انا لا نبعث ولو بعثنا لم نعذب ۔البتہ پہلی صورت میں اگلا جملہ ام یریدون کیدا ان کی بات کا دوسرا جواب ہو جائے گا۔اور دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کفار صرف اس بے ہودہ بات پر اکتفا نہیں کرتے۔ بلکہ اپنی ناپاک تدبیروں میں بھی لگے رہتے ہیں۔

غیب بمعنی غائب ہے جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے ہے اس پر الف لام تعریف یا عہد کا نہیں ہے بلکہ غیب کی نوع مراد ہے جیسے کہا جائے۔ اشتر اللحم۔

دار الندوۃ ۔ قصیٰ بن کلاب نے مسجد حرام میں مزورہ کے لیے ایک مجلس کی بنیاد ڈالی تھی جس میں اہم امور طے ہوا کرتے تھے۔آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے اسی مقام پر آپ کے خلاف تدابیر پر غور ومشورہ ہوا۔

ام لھم الہ ۔ یہ بھی انہی پندرہ مواقع میں سے جو ان آیات میں ام منقطعہ استعمال ہوا ہے۔مفسرؒ کو توبیخ کے ساتھ انکار کے لئے بھی کہنا چاہیئے تھا۔

فاسقط ۔اس آیت کا تعلق قوم شعیب کے ساتھ ہے۔جیسا کہ سورۂ شعراء میں گزر چکا ہے۔مفسرؒ کے لئے مناسب یہ تھا کہ سورہ اسریٰ میں قریش کے قول او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا کو ذکر کرتے۔

عذابا دون ذلک بغویؒ نے ابن عباسؓ سے غزوہ بدر میں کفار کی شکست کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔لیکن ابن جریرؒ، قتادہؒ، ابن عباسؓ سے عذاب قبر اس کا مصداق نقل کیا ہے اور یہی آیت تعبیر میں پیش کی۔ براء بن عازب کی رائے بھی یہی ہے۔

باعیننا ۔اعین کا مدلول اگرچہ واحد ہے۔لیکن جمع لانا متکلم مع الخیر کی رعایت کرتے ہوئے عظمت کی وجہ سے ہے اور اسباب حفاظت کی کثرت میں مبالغہ کے لئے ہے۔ برخلاف سورہ طٰہٰ کی آیت ولتصنع علیٰ عینی کے وہاں مفرد لایا گیا۔اس سے آنحضرت ﷺ کی محبوبیت کی طرف اشارہ ہے اور عین بول کر لازم کا ارادہ کیا گیا ہے یعنی کسی چیز کو دیکھنا اور علمی احاطہ مراد ہے اور زیادہ حفاظت ونگرانی مقصود ہے۔

ومن اللیل فسبحہ ۔یعنی نماز مغرب وعشاء اور وسبح بحمد ربک میں تقوم سے مراد صرف سبحان اللہ ہے یا سنت فجر یا فرائض مراد ہیں۔

﴿ تشریح ﴾:............ بخاری میں کفار کا مقولہ تربک شیطا نک نقل کیا گیا ہے جس کا حاصل آپ کو کاہن کہنا ہے۔

اسی طرح ویقولون انہ لمجنون میں آپ کو مجنون اور دوسری آیات میں ساحر، شاعر کہنا منقول ہوا ہے۔حاصل یہ ہے کہ بلاشبہ آپ نبی ہیں ۔اپنا تبلیغی کام جاری رکھیئے اور ان کی بکواس پر دھیان نہ دیجئے۔ یہ اتنا نہیں سوچتے کہ کسی کاہن، دیوانہ نے آج تک ایسی اعلیٰ نصیحتیں اور حکیمانہ اصول اس صاف شستہ، اور شائستہ طرز میں کبھی بیان کئے ہیں۔ یہ کام صرف پیغمبر ہی کا ہو سکتا ہے۔ وہ اللہ کی باتیں سناتا ہے اور حکمت آمیز نصیحتیں کرتا ہے کیا یہ لوگ اس لئے قبول نہیں کر رہے ہیں کہ آپ کو محض ایک شاعر سمجھتے ہیں اور اس کے منتظر ہیں کہ جس طرح بہت سے شعراء زمانہ کی گردش سے یوں ہی مرمرا کر ختم ہو گئے ہیں یہ بھی ٹھنڈے ہو جائیں گے۔کوئی کامیاب مستقبل ان کے پاس نہیں ہے محض چندروز کی وقتی واہ واہ ہے اور بس۔

مستقبل فیصلہ کن ہوگا:........ آپ فرما دیجئے مستقبل کا تم بھی انتظار کرو اور میں بھی کرتا ہوں وقت ہی بتلائے گا کہ کون کامیاب ہوتا ہے اور کون ناکام رہتا ہے۔ یہ لوگ آپ کو مجنون کہہ کر بڑا تیر مار رہے ہیں اپنے کو بڑا عقلمند ثابت کر رہے ہیں۔کیا ان کی عقل بھی سبق دیتی

ہے کہ ایک انتہائی صادق، امین، عاقل، فرزانہ، سچے پیغمبر کو شاعر یا کاہن کہہ کر نظر انداز کر دیا جائے۔ اگر یہ لوگ شاعروں، پیغمبروں کے کلام میں بھی تمیز نہیں کر سکتے تو کیا عقلمندی اسی کا نام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنے دلوں میں سمجھتے سب کچھ ہیں مگر براہو شرارت اور کجروی کا وہ سچائی کو قبول نہیں کرنے دیتی۔ موت کے انتظار کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم مر جاؤ گے، میں نہیں مروں گا۔ کیونکہ موت سے کس کو انتظار ہو سکتا ہے بلکہ آپ کے دین وطریقہ کا باقی رہنا اور ان کے طریقہ کا مٹ جانا ہے۔ ان آیات میں کفار کے تینوں اقوال

کاہن، مجنون شاعر کا دو دو طریقہ پر رد ہو گیا۔ ایک طریق مشترک اور ایک ایک خاص۔

اللہ کے کام کی طرح اس کا کلام بھی بے مثل ہے: ....ام یقولون۔ ان کا یہ خیال ہے کہ پیغمبر جو کچھ سنا رہا ہے وہ اللہ کا کلام نہیں۔ اس۔ نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے اور اللہ کی طرف منسوب کر دیا؟ سو نہ ماننے کے ہزاروں بہانے ہیں۔ ورنہ آدمی ماننا چاہے تو اتنی بات سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ وہ دنیا کی تمام طاقتوں کو اکٹھا کر کے بھی اس قرآن کا مثل نہیں لا سکتے اور جس طرح آسمان زمین بنانا کسی کے لئے ممکن نہیں۔ اسی طرح قرآن جیسا قرآن بنالانا بھی محال ہے۔ ایک اللہ کا کام ہے تو دوسرا اللہ کا کلام ہے۔

بل لا یؤمنون تو تحقیقی جواب ہے اور فلیاتو الخ الزامی جواب ہے اس طرح سابقہ دوہرے جوابات کی طرح یہاں بھی دوہرا جواب ہو گیا۔ اور بحدیث سے کلام مراد ہے تو اس کی تفسیر بھی فاتوا بسورۃ من مثلہ کیساتھ ہوگی اور اگر صرف ایک مضمون اور بات مراد ہے تو زیادہ تحدی مقصود ہوگی۔ سب سے اول قرآن کے مثل کا مطالبہ ہوا۔ پھر دس سورتوں کے مثل کا، پھر ایک سورت کے مثل کا۔ اور یہاں ایک جملہ کے جواب کا مطالبہ ہے۔

شرک کا بہترین اور عقلی رد: ....ام خلقوا۔ کیا ان کے اوپر خدا نہیں جس کی بات ماننا۔ ان کے ذمہ لازم ہو گیا بغیر کسی پیدا کرنے والے کے یہ خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا خود اپنے آپ کو خدا سمجھتے ہیں کہ آسمان وزمین اس کے بنائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اپنی قلمرو میں جو چاہیں کرتے پھریں۔ کوئی روک ٹوک والا نہیں۔ یہ سب خیالات ظاہر ہے کہ مہمل اور بے ہودہ ہیں۔ دل میں یہ جانتے ہیں کہ ضرور خدا موجود ہے۔ جس نے سارے عالم کو عدم سے وجود بخشا تاہم اس فطری آواز اور ضمیر کے فیصلہ کے باوجود شرعاً جو علم مطلوب ہے یہ اس سے محروم ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ کو تنہا خالق اور خود اس کا محتاج ماننے کے لئے لازم ہے کہ اس کی توحید الوہیت کا اعتقاد کیا جائے۔ اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جو اس کی یکتا خالقیت کا انکار کرے یا اپنے مخلوق ہونے کا منکر ہو۔ اس میں تین شقیں نکلتی ہیں ایک یہ کہ اپنے کو کسی خالق کا محتاج نہ جانے۔ جس کا ذکر کرام خلقوا من غیر شیء میں ہے۔ دوسرے یہ کہ اپنے کو خالق کا محتاج تو سمجھے مگر اپنا خلق خود کو جانے جس کو ام ھم الخالقون میں فرمایا گیا۔ تیسرے یہ کہ خود کو تو محتاج سمجھتے مگر اللہ کو تنہا خالق نہ سمجھے۔ بلکہ دوسروں کو بھی شریک اعتقاد کرے۔ خواہ خود کو جیسا کہ ام خلقوا السموات میں ہے یا کسی دوسرے کو جس کا بیان دوسری آیات میں آیا ہے۔ مثلاً ارونی ما ذا خلقوا من الارض ام لھم شرك فی السمٰوات ۔ چونکہ ان دونوں احتمالات کی دلیل ایک ہی ہے اس لئے ایک کے اوپر اکتفا کر لیا گیا۔ اور پہلی صورت چونکہ ظاہر تھی یعنی اپنی خالقیت کی نفی اس لئے خصوصیت سے اس کو ذکر کر دیا۔ تاکہ اس کا غلط ہونا جلدی مان لیں۔ پھر اسی دلیل سے دوسرے احتمال کا رد آسان ہو جائے گا۔

غرض اصل شقیں تین ہیں اور تینوں کا غلط ہونا چونکہ ظاہر تھا۔ اس لئے رد میں صرف استفہام انکاری پر اکتفا کر لیا۔ شق اول کا غلط ہونا تو اس طرح ہے کہ ممکن اپنے وجود کی ترجیح میں مرجح کا محتاج ضرور ہوا کرتا ہے۔ اور دوسری شق اس لئے باطل ہے کہ ایک چیز کو ایک ہی حقیقت

سے علت اور معلول نہیں ہوسکتی۔ اور تیسری شق اس لئے بے بنیاد ہے کہ اول تو دلائل عقلیہ سے کئی صانع کا ہونا محال ہے۔ دوسرے خود عرب اللہ کو تنہا خالق اور خود کو محتاج مانتے تھے۔

اس لئے تفصیلا باطل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ البتہ ایک خالق ماننے سے ایک معبود کا ہونا سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اس لئے آگے ان کے جہل کی طرف اشارہ ہے کہ واقع میں ایسا نہیں کہ ملزوم مذکور نہ ہو یا ملزوم واقع نہ ہوتا کہ ملزوم کے وجود سے لازم کے وجود پر استدلال کرنے میں شبہ کی گنجائش ہو بلکہ ملزوم واقع بھی ہے اور ملزوم بھی ہے۔ البتہ یہ لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے توحید کا یقین نہیں کرتے اور وہ جہالت یہی ہے کہ ملزومیت اور لازمیت میں غور نہیں کرتے۔ اس لئے دونوں میں ملازمت کا علاقہ ان کے ذہن سے مخفی ہے یہی مفہوم ہے آیت بل لا یوقنون کا۔ یہاں تک تو توحید کے متعلق ان کے مزعومات کا رد ہے۔ آگے رسالت کے متعلق ان کے دوسرے مزعومات کا رد ہے۔

نبوت ورسالت عقلی ونقلی دلیل کے آئینہ میں:.........ام عندھم خزائن ربلث۔ یعنی کیا یہ خیال ہے کہ زمین وآسمان اگرچہ خدا کے بنائے ہوئے ہیں۔ مگر ان کے خزانوں کے جن میں نبوت بھی داخل ہے ہم مالک ہیں نبوت جس کو چاہیں ہم دیں۔ دلانے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مثلا خزانہ اپنے قبضہ میں رہے اور دوسرے یہ کہ تصرف اپنا رہے۔ کہ خزانچی بھی بلا اجازت ودستخط کے کسی کو نہ دے سکے۔ یہاں دونوں صورتوں کی نفی فرمادی۔

خلاصہ یہ ہے کہ دوسروں کی نبوت کے استحقاق پر کوئی عقلی دلیل قائم نہیں، بلکہ اس کے خلاف پر دلائل عقلیہ قائم ہیں اس لئے محض استفہام انکاری پر اکتفا فرمایا ہے۔ آگے دلیل نقلی کی نفی فرمادی گئی ہے۔

ام لھم سلم۔ یعنی کیا یہ زینہ لگا کر آسمان پر چڑھ جاتے ہیں اور وہاں سے ملاء اعلیٰ کی باتیں سن آتے ہیں۔ پھر جب ان کی رسائی خود خدا تک ہے تو اب کسی بشر کے اتباع کی کیا ضرورت رہی؟ پس جس کا یہ دعویٰ ہو وہ اپنی حجت پر چڑھے۔ چنانچہ ان لوگوں میں دونوں طریقے نہیں ہیں۔ دوسرے طریقہ کی یہاں نفی فرمادی اور پہلے طریقہ کی نفی آیت ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا او قال اوحی الی ولم یوح الیہ شیء ومن قال سانزل مثل ما انزل اللہ۔ یہاں شاید اس صورت کا اس لئے ذکر نہیں کیا کہ وحی نازل ہونے کے دعوے کی اس لئے گنجائش معلوم نہیں ہوتی کہ پیغمبر پر اور خود ان پر نازل ہونے میں کوئی معتد بہ فرق نہیں ہے اور جس فرق پر ان کی نظر تھی اور وہ اسی کی رو سے لو لا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم کہا کرتے تھے۔ اس کا جواب وہیں گزر چکا ہے۔

غرض جب یہ پیغمبر ﷺ پر وحی کا نازل ہونا نہیں مانتے تو گویا خود ان پر نازل ہونے کا احتمال ہی نہیں رہا۔ اس لئے یہاں پہلی شق کو ذکر نہیں کیا دوسری شق پر استفہام کیا گیا ہے۔ کہ کیا آسمان پر چڑھ کر یہ وحی کا علم لاتے ہیں جس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہو کہ نعوذ باللہ آپ مستحق نبوت نہیں ہیں۔ لیکن ممکن ہے کوئی بالفرض یہ دعویٰ کرنے لگے کہ ہاں ہم چڑھے اور ہم نے سنا ہے۔

تو آگے فلیات مستمعھم الخ سے احتمال عقلی کا رد فرمایا جارہا ہے کہ کوئی ایسی صاف دلیل پیش کرو جو قواعد استدلال کی جامع ہو جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں شخص وحی سے مشرف ہوا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ اپنی نبوت پر دلائل فارقہ پیش کررہے ہیں۔ پس محض آسمان پر چڑھ کر سننے کو دلیل نہیں مانا جائے گا۔ کیونکہ اس خصوصیت کو مقصود میں دخل نہیں ہے۔ بلکہ یہ سننا بطور وحی کے ہوا تو دلیل بنے گا ورنہ نہیں۔ آگے پھر توحید سے متعلق ایک خاص مضمون ارشاد ہے۔

ام لہ البنات۔ یعنی کیا معاذ اللہ یہ اللہ کو اپنے سے گھٹیا سمجھتے ہیں کہ اپنے لئے بیٹے اور خدا کے لئے بیٹیاں تجویز کررہے ہیں تو کیا اس کے احکام وہدایات کے آگے سر جھکانا کسر شان سمجھتے ہیں اس کے ساتھ پھر رسالت سے متعلق کلام ہے۔

دعوت وتبلیغ پر معاوضہ کی فرمائش:............ام تسئلهم۔ یعنی کیا یہ لوگ آپ کی بات اس لئے نہیں مان رہے ہیں کہ آپ دعوت وتبلیغ پر ان سے کوئی بھاری معاوضہ طلب کررہے ہیں جس کے بوجھ تلے دبے جارہے ہیں۔ واقعی اگر ایسا ہوتا تب بھی ہم یہ سمجھتے کہ واقعی یہ لوگ معذور ہیں۔ مگر جب ایسا نہیں ہے تو پھر ان کے لئے کیا بہانہ رہ گیا ہے۔

آگے قیامت کے متعلق ان کے ایک فرضی خیال کی تردید ہے۔ جس کو دوسری آیت وما اظن الساعة قائمة و لئن رجعت الیٰ ربی ان لی عنده للحسنیٰ میں نقل کیا گیا ہے کہ اول تو قیامت ہوگی نہیں اور بالفرض ہوئی بھی تو ہم وہاں بھی مزہ میں رہیں گے۔

علم غیب سے کیا مراد ہے:............فرماتے ہیں کہ ام عندهم الغیب کیا اللہ ان کے پاس وحی بھیجتا ہے اور پیغمبروں کی طرح انھیں بھی بھید سے مطلع کرتا ہے جسے انہوں نے لکھ کر محفوظ کرلیا ہے اس لئے یہ خود کو آپ کی پیروی سے بے نیاز سمجھتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ جس بات پر اثباتاً یا نفیاً کوئی عقلی دلیل قائم نہ ہو وہ غیب محض ہے، اس کے اثبات، یا نفی کا وہی دعویٰ کرتا ہے۔ جس کو کسی ذریعہ سے اس غیب پر مطلع کردیا جائے اور مطلع ہونے کے بعد پھر وہ اس کو محفوظ بھی کرلے۔ کیونکہ علم وادراک کے باوجود محفوظ نہ رہے۔ تب بھی دعویٰ اور حکم بلا علم رہے گا۔ پس یہ لوگ قیامت کے انکار یا اپنے لئے وہاں کی بہتری کے دعویدار ہیں تو کیا انہیں کسی ذریعہ سے غیب کی اطلاع دے دی گئی ہے۔ جیسا کہ خود حضور ﷺ کو قیامت کے ہونے اور ان کے لئے بھلائی نہ ہونے کی اطلاع وحی کے ذریعہ گئی ہے اور آپ اسے محفوظ رکھ کر سب کو پہنچا رہے ہیں اور جب ان کی یہ سب باتیں بے اصل ہیں تو ثابت ہوگیا کہ یہ لوگ پیغمبر کے ساتھ داؤ پیچ کھیلیں، مکر و فریب اور خفیہ تدبیریں گانٹھ کر حق کو مغلوب یا نیست ونابود کر ڈالیں ایسا ہے تو یاد رہے کہ یہ سب داؤ پیچ انہیں پر الٹنے والے ہیں۔ عنقریب پتہ چل جائے گا کہ حق مغلوب ہوتا ہے یا وہ نابود ہوتے ہیں۔

ام لهم اله ۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور حاکم اور معبود انہوں نے تجویز کر رکھے ہیں جو مصیبت پڑنے پر ان کی مدد کریں گے؟ کیا ان کی پرستش نے اللہ کی طرف سے ان کو بے نیاز بنا رکھا ہے؟ سو یاد رہے کہ یہ سب اوہام ووساوس ہیں۔ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا شریک وسہیم یا مقابل ومزاحم ہو۔ پھر آگے رسالت سے متعلق کلام ہے۔

معاندین کے لئے فرمائشی معجزات کا پورا کرنا مصلحت نہیں بلکہ پورا نہ کرنا مصلحت ہے

وان یروا کسفا من السماء یعنی مشرکین جو یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم تو آپ کو اس وقت رسول جانیں جب آپ ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرادو۔ او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا ۔ سو واقعہ یہ ہے کہ برا ہو ضد اور عناد کا، یہ لاعلاج روگ انہیں ایسا لگا ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ ہر سچی بات کو جھٹلانے پر تلے رہتے ہیں۔ ان کی کیفیت تو یہ ہے کہ اگر بالفرض ان کی فرمائش کے مطابق آسمان کا ٹکڑا ان پر گرادیا جائے تو دیکھتی آنکھوں اس کی بھی کوئی نہ کوئی تاویل کر بیٹھیں گے مثلاً کہہ دیں گے کہ آسمان نہیں بادل کا ایک گاڑھا اور منجمد حصہ گر پڑا ہے۔ جیسے برف باری اور ژالہ باری میں کبھی کبھی ہوجایا کرتا ہے۔ ولو انا فتحنا علیهم بابا من السماء فظلوا فیه یعرجون لقالوا انما سکرت ابصارنا بل نحن قوم مسحورون۔ بھلا بتلاؤ ایسے متعصب معاندوں سے پالا پڑ جائے تو کیا کیا جائے؟

بات یہ ہے کہ اول تو کسی بھی دعوے پر خواہ وہ رسالت کا ہو یا کچھ اور۔ مطلق صحیح دلیل کا پیش کردینا کافی ہوتا ہے کسی خاص دلیل کا پیش کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ نہ اس کے مطالبہ کا کسی کو حق ہوتا ہے اور نہ اس سے دعویٰ میں کوئی قدح لازم آتا ہے۔ تاہم اگر تبرعاً کوئی فرمائشی دلیل بھی قائم کردی ہے تو اس کا داعیہ مصلحت ہوا کرتا ہے مثلاً کوئی طالب حق فرمائش کرے تو یہ سمجھ کر شاید اسی کے ذریعہ سے اس کو ہدایت ہوجائے

گی۔ یا کوئی اور معتد بہ مصلحت پیش نظر ہوتو فرمائشی دلیل میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہاں ایسی مصلحت بھی نہیں ہے کیونکہ اس کی یہ طلب حق کے لئے نہیں اور نہ کوئی مصلحت متقاضی ہے۔ بلکہ ضد وعناد کی رو سے ہے۔ پس ایسی حالت میں ان کی رعائت کرنا ضروری نہیں رہ جاتی۔ بلکہ ایسی فرمائشوں کا پورا کرنا خلاف حکمت اور مصلحت ہے۔ پھر کیوں واقع کی جائے۔ ان کے پورا نہ کرنے سے نبوت کی نفی نہیں ہوجائے گی۔ پھر اس کی رعایت کرنا فضول ہے۔

ضدی لوگوں کا علاج اللہ کے حوالہ کرنا ہے:........ فذرهم۔ یعنی ایسے عنادیوں کے پیچھے پڑنے کی زیادہ ضرورت نہیں۔ چھوڑ دیجئے کہ کچھ روز اور کھیل کھیل لیں اور باتیں بنالیں۔ آخر وہ دن بھی آنا ہے جب قہر الٰہی کی کڑک بجلی سے ان کے ہوش وحواس جاتے رہیں گے اور بچاؤ کی کوئی تدبیر کام نہ دے گی۔ نہ کسی طرف سے کوئی مدد پہنچے گی نہ مخلوق کی طرف سے اس کا امکان اور نہ خالق کی طرف سے اس کا کوئی وقوع۔ اس مضمون سے آپ کی تسلی بھی مقصود ہے۔

ولكن اكثرهم لا يعلمون ۔ اکثروں کو یہ خبر نہیں کہ عذاب آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ان کو سزا ہوکر رہے گی۔ شاید اکثر اس لئے فرمایا ہو کہ بعض کے لئے ایمان مقدر تھا اور چونکہ ان کی لاعلمی علم سے بدلنے والی تھی۔ اس لئے اس کو لاعلمی قرار نہیں دیا۔

واصبر ۔ اب آپ صبر واستقامت کے ساتھ اپنے رب کے تکوینی اور تشریعی حکم کا انتظار کیجئے۔ جو عنقریب آپ کے اور ان کے درمیان فیصلہ کردے گا اور آپ کو مخالفین کی طرف سے کچھ بھی گزند نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے زیر حفاظت ہیں البتہ ان کے بگڑنے کا غم اگر دل پر ہوتو اس کا علاج یہ ہے کہ دوامی ذکر اور خاص اوقات میں نماز وذکر کا شغل رکھئے اس سے وہ غم غلط ہوجائے گا کیونکہ بیک وقت دل میں دو خیال نہیں رہا کرتے۔

لطائف سلوک:........ واصبر لحكم ربك۔ اس سے معلوم ہوا کہ مراقبہ حضوری، صبر اور سکینہ کے لئے موثر قوی ہے۔

سُــوْرَةُ النَّجْمِ

سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ ثِنْتَانِ وَسِتُّوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

وَالنَّجْمِ الثُّرَيَّا **اِذَا هَوٰى** ﴿۱﴾ غَابَ **مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ** مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَنْ طَرِيْقِ الْهِدَايَةِ **وَمَا غَوٰى** ﴿۲﴾ مَا لَابَسَ الْغَيَّ وَهُوَ جَهْلٌ مِّنِ اعْتِقَادٍ فَاسِدٍ **وَمَا يَنْطِقُ** بِمَا يَاْتِيْكُمْ بِهٖ **عَنِ الْهَوٰى** ﴿۳﴾ هَوٰى نَفْسِهٖ **اِنْ** مَا **هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى** ﴿۴﴾ اِلَيْهِ **عَلَّمَهٗ** اِيَّاهُ مَلَكٌ **شَدِيْدُ الْقُوٰى** ﴿۵﴾ **ذُوْمِرَّةٍ** قُوَّةٍ وَشِدَّةٍ اَوْ مَنْظَرٍ حَسَنٍ اَيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ **فَاسْتَوٰى** ﴿۶﴾ اسْتَقَرَّ **وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى** ﴿۷﴾ اُفُقُ الشَّمْسِ اَيْ عِنْدَ مَطْلَعِهَا عَلٰى صُوْرَتِهِ الَّتِيْ خُلِقَ عَلَيْهَا فَرَاٰهُ النَّبِيُّ ﷺ وَكَانَ بِحِرَآءَ قَدْ سَدَّ الْاُفُقَ اِلَى الْمَغْرِبِ فَخَرَّ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ وَكَانَ قَدْ سَاَلَهٗ اَنْ يُّرِيَهٗ نَفْسَهٗ عَلٰى صُوْرَتِهِ الَّتِيْ خُلِقَ عَلَيْهَا فَوَاعَدَهٗ بِحِرَآءَ فَنَزَلَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ صُوْرَةِ الْاٰدَمِيِّيْنَ **ثُمَّ دَنَا** قَرُبَ مِنْهُ **فَتَدَلّٰى** ﴿۸﴾ زَادَ فِي الْقُرْبِ **فَكَانَ** مِنْهُ **قَابَ** قَدْرَ **قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى** ﴿۹﴾ مِنْ ذٰلِكَ حَتّٰى اَفَاقَ وَسَكَنَ رَوْعُهٗ **فَاَوْحٰى** تَعَالٰى **اِلٰى عَبْدِهٖ** جِبْرَئِيْلَ **مَآ اَوْحٰى** ﴿۱۰﴾ جِبْرَئِيْلُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَلَمْ يَذْكُرِ الْمُوْحٰى تَفْخِيْمًا لِشَانِهٖ **مَا كَذَبَ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ اَنْكَرَ **الْفُؤَادُ** فُؤَادُ النَّبِيِّ **مَا رَاٰى** ﴿۱۱﴾ بِبَصَرِهٖ مِنْ صُوْرَةِ جِبْرَئِيْلَ **اَفَتُمٰرُوْنَهٗ** تُجَادِلُوْنَهٗ وَتَغْلِبُوْنَهٗ **عَلٰى مَا يَرٰى** ﴿۱۲﴾ خِطَابٌ لِلْمُشْرِكِيْنَ الْمُنْكِرِيْنَ رُؤْيَةَ النَّبِيِّ لِجِبْرَئِيْلَ **وَلَقَدْ رَاٰهُ** عَلٰى صُوْرَتِهٖ **نَزْلَةً** مَرَّةً **اُخْرٰى** ﴿۱۳﴾ **عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى** ﴿۱۴﴾ لَمَّا اُسْرِيَ بِهٖ مِنَ السَّمٰوٰتِ وَهِيَ شَجَرَةٌ نَبَقٌ عَنْ يَّمِيْنِ الْعَرْشِ لَا يَتَجَاوَزُهَا اَحَدٌ مِّنَ الْمَلٰئِكَةِ وَغَيْرُهُمْ **عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى** ﴿۱۵﴾ تَاْوِيْ اِلَيْهَا الْمَلَائِكَةُ وَاَرْوَاحُ الشُّهَدَآءِ وَالْمُتَّقِيْنَ **اِذْ** حِيْنَ **يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى** ﴿۱۶﴾ مِنْ طَيْرٍ وَّغَيْرِهٖ وَاِذْ مَعْمُوْلَةٌ لِرَاٰهُ **مَا زَاغَ الْبَصَرُ** مِنَ النَّبِيِّ **وَمَا طَغٰى** ﴿۱۷﴾ اَيْ مَا مَالَ بَصَرُهٗ عَنْ مَرْئِيِّهِ الْمَقْصُوْدِ لَهٗ وَلَا جَاوَزَهٗ تِلْكَ اللَّيْلَةَ **لَقَدْ رَاٰى** فِيْهَا **مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى** ﴿۱۸﴾ اَيِ الْعِظَامِ اَيْ بَعْضَهَا فَرَاٰى مِنْ عَجَائِبِ الْمَلَكُوْتِ رَفْرَفًا خُضْرًا سَدَّ اُفُقَ السَّمَآءِ وَجِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَهٗ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ **اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى**

﴿۱۹﴾ **وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ** اللَّتَيْنِ قَبْلَهَا **الْاُخْرٰى** ﴿۲۰﴾ صِفَةُ ذَمٍ لِلثَّالِثَةِ وَهِيَ اَصْنَامٌ مِنْ حِجَارَةٍ كَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يَعْبُدُوْنَهَا وَيَزْعَمُوْنَ اَنَّهَا تَشْفَعُ لَهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَفْعُوْلُ اَرَاَيْتُمُ الْاَوَّلُ اللَّاتَ وَمَا عَطَفَ عَلَيْهِ وَالثَّانِي مَحْذُوْفٌ وَالْمَعْنٰى اَخْبِرُوْنِيْ اَلِهٰذَا الْاَصْنَامِ قُدْرَةٌ عَلٰى شَيْءٍ مَاتَعْبُدُوْنَهَا دُوْنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ الْقَادِرُ عَلٰى مَا تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ وَلَمَّا زَعَمُوْا اَيْضًا اِنَّ الْمَلَائِكَةَ بَنَاتُ اللّٰهِ مَعَ كَرَاهَتِهِمُ الْبَنَاتِ نَزَلَ **اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى** ﴿۲۱﴾ **تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى** ﴿۲۲﴾ جَائِرَةٌ مِنْ ضَازَ يَضِيْزُ اِذَا ظَلَمَهُ وَجَارَ عَلَيْهِ **اِنْ هِيَ** مَا الْمَذْكُوْرَاتُ **اِلَّا اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ** اَيْ سَمَّيْتُمْ بِهَا **اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ** اَصْنَامًا تَعْبُدُوْنَهَا **مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا** اَيْ بِعِبَادَتِهَا **مِنْ سُلْطٰنٍ** حُجَّةٍ وَ بُرْهَانٍ **اِنْ** مَا **يَّتَّبِعُوْنَ** فِيْ عِبَادَتِهَا **اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ** مِمَّا زَيَّنَهُ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مِنْ اَنَّهَا تَشْفَعُ لَهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ **وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى** ﴿۲۳﴾ عَلٰى لِسَانِ النَّبِيِّ ﷺ بِالْبُرْهَانِ الْقَاطِعِ فَلَمْ يَرْجِعُوْا عَمَّا هُمْ عَلَيْهِ **اَمْ لِلْاِنْسَانِ** اَيْ لِكُلِّ اِنْسَانٍ مِّنْهُمْ **مَا تَمَنّٰى** ﴿۲۴﴾ مِنْ اَنَّ الْاَصْنَامَ تَشْفَعُ لَهُمْ لَيْسَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ **فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى** ﴿۲۵﴾ اَيِ الدُّنْيَا فَلَا يَقَعُ فِيْهِمَا اِلَّا مَا يُرِيْدُهُ تَعَالٰى **وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ** اَيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ **فِي السَّمٰوٰتِ** وَمَا اَكْرَمَهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ **لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ** لَهُمْ فِيْهَا **لِمَنْ يَّشَآءُ** مِنْ عِبَادِهِ **وَيَرْضٰى** ﴿۲۶﴾ عَنْهُ لِقَوْلِهِ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَمَعْلُوْمٌ اَنَّهَا لَا تُوْجَدُ مِنْهُمْ اِلَّا بَعْدَ الْاِذْنِ فِيْهَا مَنْ ذَاالَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ **اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى** ﴿۲۷﴾ حَيْثُ قَالُوْا هُمْ بَنَاتُ اللّٰهِ **وَمَا لَهُمْ بِهٖ** بِهٰذَا الْقَوْلِ **مِنْ عِلْمٍ اِنْ** مَا **يَّتَّبِعُوْنَ** فِيْهِ **اِلَّا الظَّنَّ** الَّذِيْ تَخَيَّلُوْهُ **وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا** ﴿۲۸﴾ اَيْ عَنِ الْعِلْمِ فِيْمَا الْمَطْلُوْبُ فِيْهِ الْعِلْمُ **فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا** اَيِ الْقُرْاٰنَ **وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا** ﴿۲۹﴾ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْجِهَادِ **ذٰلِكَ** اَيْ طَلَبُ الدُّنْيَا **مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ** اَيْ نِهَايَةُ عِلْمِهِمْ اَنْ اٰثَرُوا الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ **اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى** ﴿۳۰﴾ اَيْ عَالِمٌ بِهِمَا فَيُجَازِيْهِمَا **وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ** اَيْ هُوَ مَالِكٌ لِذٰلِكَ وَمِنْهُ الضَّالُّ وَالْمُهْتَدِيْ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ **لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا** مِنَ الشِّرْكِ وَغَيْرِهٖ **وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا** بِالتَّوْحِيْدِ وَغَيْرِهٖ مِنَ الطَّاعَاتِ **بِالْحُسْنٰى** ﴿۳۱﴾ اَيِ الْجَنَّةِ وَبَيَّنَ الْمُحْسِنِيْنَ بِقَوْلِهٖ **اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ** هُوَ صِغَارُ الذُّنُوْبِ كَالنَّظْرَةِ وَالْقُبْلَةِ وَاللَّمْسَةِ فَهُوَ اِسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ وَالْمَعْنٰى لٰكِنَّ اللَّمَمَ تُغْفَرُ بِاِجْتِنَابِ الْكَبَائِرِ **اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ** بِذٰلِكَ وَبِقَبُوْلِ التَّوْبَةِ وَنَزَلَ فِيْمَنْ كَانَ يَقُوْلُ صَلَاتُنَا صِيَامُنَا حَجُّنَا **هُوَ اَعْلَمُ** اَيْ عَالِمٌ **بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ**

الْاَرْضِ اَیْ خَلَقَ اَبَاکُمْ اٰدَمَ مِنَ التُّرَابِ **وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ** جَمْعُ جَنِیْنٍ **فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِکُمْ فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ** لَا تَمْدَحُوْهَا اَیْ عَلٰی سَبِیْلِ الْاِعْجَابِ اَمْ عَلٰی سَبِیْلِ الْاِعْتِرَافِ بِالنِّعْمَةِ فَحَسَنٌ **هُوَ اَعْلَمُ** اَیْ عَالِمٌ **بِمَنِ اتَّقٰی** ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ....سورۃ نجم مکیہ ہے۔ جس میں ۶۲ آیات ہیں، **بسم اللہ الرحمن الرحیم**۔

قسم ہے ثریا (ستارہ) کی جب وہ غروب (غائب) ہونے لگے یہ تمہارے صاحب (محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام راہ ہدایت سے) نہ تو بھٹکے اور نہ غلط رستہ ہو لئے (نہ کجروی اختیار کی، غوایۃ کے معنی بدعقیدگی کی جہالت کے ہیں) اور نہ آپ باتیں بناتے ہیں (وحی کے سلسلے میں) اپنی (نفسانی) خواہش سے ان کا ارشاد تو سرتا سر وحی ہے۔ جو (ان) پر بھیجی گئی ہے ان کو (ایک فرشتہ) تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقت ور ہے پیدائشی قوی ہے (نہایت مضبوط یا خوبصورت یعنی جبرئیل علیہ السلام) پھر وہ فرشتہ اصلی صورت پر نمودار (ظاہر) ہوا ایسی حالت میں کہ وہ بلند کنارہ پر تھا (سورج کے افق یعنی اس کے نکلنے کی جگہ پر) اپنی اصلی صورت میں، آنحضرت ﷺ نے ان کو غار حرا سے دیکھا کہ مشرق سے مغرب تک سارے کنارے چھپ گئے ہیں۔ دیکھتے ہی آپ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمائش کی تھی کہ خود کو اپنی اصلی شکل پر نمایاں کریں۔ جس کا وعدہ انہوں نے مقام حرا پر کر لیا تھا۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں نمودار ہوئے) پھر وہ فرشتہ نزدیک (قریب) آیا پھر اور نزدیک (قریب تر) آیا۔ سو دو کمانوں کے برابر (مقدار) بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا (حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ کو افاقہ اور سکون خاطر ہو گیا) پھر اللہ نے اپنے بندہ (جبریل) پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل کیا (جبریل) نے آنحضرت ﷺ پر، خود اس وحی کو بیان نہیں فرمایا۔ اس کے عظیم الشان ہونے کی وجہ سے) کوئی غلطی نہیں کی (لفظ کذب تخفیف وتشدید کے ساتھ ہے یعنی انکار نہیں کیا) قلب (نبوی) نے جو کچھ دیکھا (اپنی آنکھ سے جبرئیل کی صورت) تو کیا ان سے تم جھگڑتے ہو (نزاع کر کے انہیں دباتے ہو) ان کی دیکھی ہوئی چیز کے متعلق (یہ خطاب ان مشرکین کو ہے جو آنحضرت ﷺ کے جبرئیل کو دیکھنے کے منکر ہیں) اور انہوں نے فرشتہ کو (اس کی اصلی شکل میں) ایک اور دفعہ بھی دیکھا ہے، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس (جب کہ آنحضرت ﷺ شب اسریٰ میں آسمانوں پر تشریف لے گئے، عرش کی داہنی جانب بیری کا درخت سرحد ہے جس سے آگے فرشتہ وغیرہ کوئی نہیں بڑھ سکتا) اس کے قریب جنت الماویٰ بھی ہے (جہاں فرشتوں اور شہداء اور متقیوں کی ارواح کا ٹھکانہ ہے) جب کہ سدرۃ المنتہیٰ کو لپٹ رہی تھیں۔ جو چیزیں لپٹ رہی تھیں (چڑیاں وغیرہ اذ معمول ہے راہ کا) نگاہ (نبی) نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی (یعنی آپ کی نظر مقصود سے نہ تو ادھر ادھر ہوئی اور نہ مقصد سے تجاوز کیا، اس رات میں) انہوں نے (اس میں) اپنے پروردگار کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے (یعنی بڑی بڑی نشانیاں چنانچہ عجائب ملکوت میں سبز رفرف دیکھا جو سارے آسمانوں کو گھیرے ہوئے تھا اور جبرئیل علیہ السلام کو جن کے چھ سو بازو تھے) بھلا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے منات کے حال میں غور کیا ہے (جو پہلے دو کے علاوہ) ایک اور بھی ہے اخریٰ ثالثہ کی صفت مذمت ہے۔ یہ پتھروں کے بت تھے جن کی مشرکین پوجا کیا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہوں گے افرایتم کا مفعول لات اور اس کے معطوفات ہیں اور مفعول ثانی محذوف ہے یعنی ذرا یہ بتلاؤ کہ ان بتوں کو کسی چیز پر بھی کچھ قدرت ہے کہ تم اللہ قادر کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہو۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اور چونکہ اللہ کے لئے بیٹیاں بھی مانتے تھے۔ حالانکہ خود ان کو ناپسند کرتے تھے اس پر نازل ہوا کہ) کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہوں اور اللہ کے لئے بیٹیاں اس طرح تو یہ بہت بے ڈھنگی تقسیم ہوئی (ظالمانہ، ضازہ بغیرہ ہے یعنی ظلم وجور کیا) یہ نرے (مذکورہ) نام ہی نام ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے

ٹھہرالیا ہے (بت بنا کر پوجا کرتے ہو) اللہ نے تو (ان کی عبادت کی) کوئی دلیل (حجت و برہان) بھیجی نہیں۔ یہ لوگ (ان کی پوجا پاٹ کرنے میں) صرف بے اصل خیالات اور خواہش نفس پر چل رہے ہیں (جو شیطان نے ان کے لئے مزین کر کے پیش کئے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں سفارشی ہوں گے) حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے ہدایت آچکی ہے (پیغمبر ﷺ کی زبانی قطعی دلیل کے ساتھ، پھر بھی اپنی بیچ سے باز نہیں آتے) کیا (ان میں سے ہر) انسان کو اس کی تمنا مل جاتی ہے (کہ یہ بت ان کے لئے سفارشی ہوں گے ایسا نہیں ہے) سو خدا ہی کے اختیار میں ہے آخرت اور دنیا (لہذا دونوں جگہ جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا) اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں (اللہ کے ہاں ان کا کس قدر اکرام ہے) ان کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ جس کے لئے (اپنے بندوں میں سے) چاہیں (وہاں) اجازت دیں اور راضی ہوں (جیسا کہ آیت لا یشفعون الا لمن ارتضی میں فرمایا۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ اہل شفاعت کی جانب سے انہی لوگوں کے بارہ میں سفارش کی جائے گی جن کے لئے سفارش کی اجازت ہوگی۔ من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو بیٹیوں کے نام سے پکارتے ہیں (چنانچہ انہیں بنات اللہ کہتے ہیں) حالانکہ اس (بات) کی کوئی دلیل نہیں۔ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں (جو انہوں نے گھڑ رکھے ہیں) اور یقیناً بے اصل خیالات حق کے معاملہ میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتے (یعنی علمی فائدہ جہاں علم ہی مطلوب ہو) سو آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹا لیجئے جو ہماری نصیحت (قرآن) کا دھیان نہیں کرتا اور صرف دنیاوی زندگی ہی اس کو مقصود ہو (یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) یہی (دنیا طلبی) بس ان کے فہم کی حد ہے (یعنی ان کے علم کی آخری پرواز دنیا کو آخرت سے بڑھانا ہے) بلاشبہ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اس کے رستہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہی اس کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ راست پر ہے (یعنی اللہ دونوں سے واقف ہے لہٰذا دونوں کو بدلہ ملے گا) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے (یعنی وہ سب کا مالک ہے جن میں گمراہ اور ہدایت یافتہ بھی ہیں وہ جسے چاہے گمراہ کردے اور جسے چاہے ہدایت دے دے) جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ برا کام (شرک وغیرہ) کرنے والوں کو ان کے کام کے عوض سزا دے گا۔ اور نیک کام توحید وغیرہ بجالانے والوں کو ان کے نیک کاموں کے عوض جزا دے گا (جنت آگے نیک کام کرنے والوں کا بیان ہے) وہ بڑے گناہوں اور بے حیائیوں کی باتوں سے بچتے ہیں۔ بجز معمولی باتوں کے (چھوٹے گناہوں کے جیسے نامحرم پر نظر، یا اجنبیہ سے بوس وکنار کرنا۔ الا استثناء منقطع ہے یعنی چھوٹے گناہ البتہ بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے ہوئے معاف کردیئے جاتے ہیں) بلاشبہ آپ کے پروردگار کی بخشش بڑی وسیع ہے (اس صورت میں اور توبہ قبول کرنے میں۔ اگلی آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو یوں کہا کرتے تھے کہ ہماری نمازیں روزے، حج کیا ہوئے) وہ تم کو خوب جانتا ہے جب تمہیں زمین پر پیدا کیا تھا (یعنی سب کے باوا آدم کو مٹی سے بنایا) اور جب تم بچے تھے (اجنۃ جمع جنین کی ہے) اپنی ماؤں کے پیٹ میں۔ اس لئے اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو (یعنی خود پسندی سے) تم خودستائی مت کیا کرو۔ البتہ بطور شکر نعمت کے اظہار کرنا عمدہ بات ہے) وہی خوب واقف ہے کہ صاحب تقویٰ کون ہے؟

تحقیق وترکیب: .... النجم۔ بطور تغلیب خاص ثریا مراد ہے۔ بقول ابن عباسؓ ومجاہد عام آسمانی ستارے یا قرآنی نجوم ہدایت مراد ہیں۔ اور "ہویٰ" سے نازل ہونا مراد ہے۔ اخفشؒ کے نزدیک درخت کی بیل مراد ہے اور ہویٰ سے اس کا زمین پر گر جانا۔

ضل صاحبکم۔ ضلالت کے معنی معصیت کے ہیں اور غوایت جہل مرکب کو کہتے ہیں۔ مفسرؒ نے بھی دونوں کے تغایر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ضلالت کا تعلق قول سے ہوتا ہے اور غوایت کا فعل سے۔ بقول مفسرؒ عطف خاص علی العام ہے۔

وما ینطق۔ مفسرؒ نے عام وحی مراد لی ہے خواہ وہ قرآن ہو یا سنت۔ یہ اس سے بہتر ہے جو بعض حضرات نے خاص قرآن سے تفسیر کی ہے۔

کیونکہ اس میں وحی جلی و خفی دونوں داخل ہیں۔

ان ھو الا وحی ۔جو حضرات اس سے آنحضرت ﷺ کے اجتہاد کی نفی پر استدلال کرتے ہیں ان کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اول تو اس سے صرف قرآن مراد ہے اور اگر عموم بھی مراد ہو تب بھی معنی یہ ہوں گے جب آپ کو اجتہاد کرنے کی وحی کی جاتی ہے تو وحی کے مطابق ہی آپ گفتگو فرماتے ہیں۔ پس وہ ماموراجتہاد بھی وحی ہوتا ہے اور اسی اجتہاد ہی کو منشائے خداوندی سمجھا جائے گا البتہ اس پر شبہ رہے گا کہ اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ آپ کے اجتہاد میں کبھی غلطی نہیں ہوسکتی۔ حالانکہ واقع میں ایسا نہیں ہے۔

علمہ شدید القویٰ۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ مراد ہے اور فاستویٰ سے آخر تک آنحضرت ﷺ مراد ہیں۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے۔ **ولما اسریٰ بی الی السماء قربنی ربی حتی کان بینی و بینہ کقاب قوسین او ادنیٰ**۔

ذو مرۃ ۔ابن عباسؓ سے "منظر حسن" تفسیر منقول ہے۔

فاستویٰ ۔یعنی جبرئیل بطور تمثیل نمایاں نہیں ہوئے۔ بلکہ اصلی شکل پر نمودار ہوئے جو آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے۔ ورنہ عام طور پر دحیہ کلبی کی صورت میں متمثل ہوا کرتے تھے۔

فتدلیٰ۔ **دلیت الدلو الی البئر** کنویں میں ڈول لٹکایا دلی بمعنی نزل مجاز اًزیادہ قرب مراد ہے۔ اور بعض نے کلام میں تقدیم تاخیر مانی ہے اصل عبارت اس طرح تھی۔ **ثم تدلیٰ فدنیٰ**۔

قاب قوسین ۔کمان کے تانت اور پکڑنے کی موٹھ کے درمیانی فاصلہ کو قاب قوسین کہا جاتا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ یہ "قاب قوس" کا الٹا ہے۔ عرب جاہلیت میں جب دو آدمی باہمی معاہدہ کرتے تو اپنی اپنی کمانوں کو ملا کر قرب کا عہد کرتے اور پھر ایک ساتھ مل کر تیر چھوڑتے تاکہ معلوم ہوجائے کہ دونوں کی خوشی ناخوشی ایک ہوگئی۔ یہاں کے بطور محاورہ انتہائی قرب مراد ہے۔

ما اوحی ۔اللہ و رسول کا یہ کلام راز دارانہ ہوا۔ اور بعض کی رائے یہ کہ حق تعالیٰ کا حضور ﷺ کو یہ ارشاد مراد ہے کہ آپ کو اور آپ کی امت کو جب تک جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا پہلے انبیاء اور امتوں کو بھی داخل نہیں کیا جائے گا۔

ما کذب الفؤاد ما رایٰ یعنی ہمہ تن دل و دماغ سے متوجہ ہو کر آپ نے معائنہ فرمایا۔

ما یغشیٰ ۔بعض نے سونے کی چڑیاں اور سدی نے پرندے اور مقاتل نے فرشتے غربال کی شکل میں اور حسنؒ نے انوار الٰہی مراد لئے ہیں۔

ما زاغ البصر ۔اس سے اللہ کی ظاہری تجلی پر استدلال کیا گیا ہے۔ ورنہ قلبی معائنہ مراد ہوتا تو "مازاغ قلبہ" فرمایا جاتا۔ پھر قلبی مشاہدہ کا یہاں کوئی قرینہ بھی نہیں ہے۔

الکبریٰ ۔مفسرؒ نے لفظ عظام سے اشارہ کیا ہے کہ یہاں اسم تفضیل مراد نہیں ہے۔ البتہ بطور کلی مشکک بڑائی کی کوئی حد نہیں ہے۔ اور **من تبعیضیہ** ہے جس سے بعض نشانیاں مراد ہیں جن میں سے رف رف بھی ہے۔ جس طرح زمین سے آسمان پر لے جانے کے لئے براق ایک سواری تھی اسی طرح سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جانے کے لئے سبز رف رف بطور خادم ساتھ ہوا۔ یہ اسم جمع ہے اس کا واحد رفرفہ ہے یا اسم جنس ہے۔ بہترین قالین، غالیچہ، تکیہ خاص قسم کا گدا۔ نمارق، فارق سب کو رف رف کہتے ہیں اور بعض کی رائے میں خیمہ کے اطراف اور کناروں کو "رفاف" کہتے ہیں۔

افرائیتم۔ استفہام انکاری ہے۔ بت پرستی کرنے پر مشرکین کو سرزنش کی جارہی ہے۔

ومنوۃ الثالثۃ الاخریٰ ۔یعنی یہ بت تیسرے درجہ کا ہے۔ بعض کی رائے میں یہ کعبہ میں نصب تھا اور بعض کے نزدیک طائف میں ثقیف کے یہاں تھا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ اس نام کا ایک شخص ایک پتھر پر بیٹھ کر حاجیوں کو کھانا کھلاتا اور ستو پلاتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد کے لوگوں

نے اس پتھر ہی کی پوجا کرنی شروع کر دی۔

افرائیتم کا مفعول ثانی مشہور تو ہے کہ اخبرونی ھذہ الاصنام بنات اللہ ہے۔ علامہ طیبیؒ کی رائے ہے کہ مشرکین فرشتوں کو بت اور خدا کی بیٹیاں مانتے تھے۔ لیکن مفسرؒ کے نزدیک چونکہ ثابت نہیں۔ اس لئے انہوں نے تقدیر عبارت اور مانی ہے۔

ضیزیٰ ۔ فعلیٰ کے وزن پر ہے کیونکہ فعلیٰ کا وزن صفت لئے نہیں آتا۔ اس لئے ضاد پر کسرہ آ گیا یا کی وجہ سے جیسے کہ بیض میں ہے۔ ضائزہ، ضازہ کی طرح ہے۔

سمیتموھا ۔ یہاں یہ شبہ ہے کہ اسماء کا نام نہیں رکھا جاتا بلکہ مسمی کا نام رکھا جاتا ہے۔ پھر یہاں کیسے سمیتموھا فرمایا گیا۔ مفسرؒ جواب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ یہ کلام حذف وایصال کے قبیل سے ہے اور مفعول اول اصنامًا محذوف ہے۔

وما تھوی الانفس ۔ ما موصولہ ہے یا مصدر یہ۔ اور ظن پر عطف کرتے ہوئے یہ منصوب المحل ہے۔

ولقد جاء ھم ۔ جملہ معترضہ ہے یا تتبعون کی ضمیر فاعل سے حال ہے اور اس سے مقصود تاکید ہے کفار کی بدحالی کی اور انکل پچو باتوں کی پیروی کے لغو ہونے کی۔

ام للانسان ۔ ام منقطعہ ہے اور استفہام انکاری ہے۔ یہاں انسان سے مراد کافر ہے اور تمنا سے مقصود آخرت میں بتوں کی سفارش ع ما کل ما یتمنی المرء یدرکہ ۔

فللّٰہ الاٰخرۃ ۔ پچھلے بیان کے لئے یہ بمنزلہ دلیل ہے کہ اللہ اسی کو عطا فرماتا ہے کہ جو اسی کا ہو رہتا ہے اور جس کو جتنا چاہتا ہے دیتا ہے۔

وما اکرمھم ۔ جملہ تعجبیہ ہے یعنی اللہ کے یہاں کتنے مکرم ہیں۔ مگر پھر بھی ان کی مرضی کے بغیر کوئی دم بھی نہیں مار سکتا۔

من عبادہ ۔ اس سے مشفوع لہ، انسان مراد ہیں یا شفیع فرشتے۔

لا یومنون با لأخرۃ ۔ اگرچہ آیت ھولاء شفعاء نا عند اللہ سے کفار کا آخرت کا تسلیم کرنا معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ آیت ما اظن الساعۃ قائمۃ ولئن رجعت الی ربی ان لی عندہ للحسنیٰ سے ان کے نزدیک غیر یقینی ہونا معلوم ہو رہا ہے۔ اس لئے یہاں ان کو منکر آخرت فرمایا گیا ہے۔ رہا بتوں کو سفارشی ماننا وہ محض احتمالی تھا۔ یا یوں کہا جائے کہ آخرت اگرچہ مانتے تھے مگر پیغمبروں کے فرمانے کے مطابق نہیں۔ بلکہ خود ساختہ اس لئے ان کو منکر ہی مانا گیا۔

تسمیۃ الانثیٰ ۔ ملائکہ میں تائے تانیث سمجھتے ہوئے نیز فسجدت الملائکۃ میں بھی فعل مونث ہے اس سے وہ فرشتوں کو بنات اللہ کہتے ہیں۔

من الحق شیئا ۔ یعنی گمان سے علم قطعی حاصل نہیں ہوتا جو مطلوب ہے عقائد و اصول میں جو احکام فرعیہ کی بنیاد ہیں مفسرؒ نے عن العلم تھکما کہہ دیا ہے۔

مبلغھم من العلم ۔ چنانچہ دعائے ماثور ہے۔ اللھم لا تجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا ۔ یہ جملہ معترضہ ہے جس سے ان کی حضور ہمت مقصود ہے۔

ان ربك ۔ یہ جملہ فاعرض عمن تولی کی دلیل ہے۔

وللّٰہ ما فی السمٰوات ۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔ کہ لیجزی الذین الخ وللّٰہ ما فی السمٰوات الخ کی علت ہے اور بعض نے اس کو ماقبل کے مضمون تخلیق عالم کی علت کہا ہے اور بعض نے ھو اعلم بمن ضل کی علت قرار دیا۔

بالحسنیٰ ۔ یہ صفت ہے موصوف مثوبۃ بمعنی جنت ہے اس صورت میں باصلہ کی ہوگی اور یا اعمال حسنہ مراد ہیں اس وقت باسببیہ ہوگی۔

الذین یجتنبون۔ یہ منصوب ہے الذین احسنوا کی صفت ہونے کی وجہ سے یا اعنی یا امدح مقدر ہے۔

کبائر الاثم۔ گناہ کبیرہ کے سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ جس پر وعید یا حد آئے۔ حدیث قال رسول اللہ ﷺ اجتنبوا لسبع الموبقات قیل یا رسول اللہ وما ھن قال الشرک باللہ وھو اکبر الکبائر والسحر وقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق واکل الربوا واکل مال الیتیم والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات الغافلات المومنات کی رو سے بعض حضرات نے سات گناہ کبیرہ فرمائے ہیں اور بعض کے نزدیک جن پر وعید یا لعنت آئی ہے۔ اور بعض کے نزدیک جن پر جہنم کی وعید بیان کی گئی ہے۔ سب سے بہتر تعریف قرطبی نے کی ہے جس گناہ کو قرآن یا حدیث یا اجماع میں کبیرہ کہا گیا ہو اس پر شدت عذاب یا شدت نکیر یا حد آئی ہو وہ کبیرہ ہے۔

ابن عطاؒ کہتے ہیں کہ اللہ کے فضل پر نظر کی جائے تو کوئی گناہ کبیرہ نہیں اور اس کے عدول پر نظر کی جائے تو کوئی صغیرہ نہیں رہتا۔

اور حلیمی فرماتے ہیں کہ ہر گناہ کبیرہ بھی ہے اور صغیرہ بھی نیز صغیرہ گناہ کبیرہ اور کبیرہ گناہ فاحشہ بن سکتا ہے۔ بجز شرک کے کہ وہ تو اکبر الفواحش ہے۔ اس میں صغیرہ ہونے کی گنجائش نہیں۔ البتہ اس میں فاحش اور افحش کے مراتب نکل سکتے ہیں اور بعض حضرات نے صغیرہ اور کبیرہ کو اضافی مانا ہے۔ ہر گناہ بڑے گناہ کے اعتبار سے صغیرہ ہے اور چھوٹے گناہ کے لحاظ سے کبیرہ ہے۔ اور عشاق کا مذاق یہ ہے کہ اللہ کے بغیر سانس لینا بھی کفر ہے۔ حدیث بالا میں سات کا عدد تخصیص کے لئے نہیں بلکہ تکثیر کے لئے ہے اور فواحش گندے گناہوں کو کہتے ہیں۔

لمم۔ معمولی قصور اور کوتاہی۔ لمم دراصل چھوٹی اور حقیر چیز کو کہتے ہیں۔ چنانچہ اللمم والمس معمولی جنون کو کہتے ہیں الم بالمکان کسی جگہ ٹھہرنا الم بالطعام تھوڑا سا کھانا۔ ابوالعباسؒ کہتے ہیں کہ کسی کام کو محض ''چھونا'' الم بکف'' کسی چیز کے نزدیک گیا مگر اس کو کیا نہیں۔ ازہری کہتے ہیں کہ اہل عرب الما م کہتے ہیں خوب ہونے کو۔

مصباح میں ہے کہ لمم گناہ کے قریب ہونے کو کہتے ہیں۔ بعض نے صغیرہ گناہ کے معنی لئے ہیں۔ جب کہ اصرار نہ ہو۔ جیسا کہ مفسرؒ نے کچھ مثالیں بیان کی ہیں۔ اس صورت میں استثناء منقطع ہوگا۔ لیکن بعض نے لمم گناہ کبیرہ کہا ہے۔ ای یجتنبون من الکبائر کلھا الا القلیل منھما مرۃ او مرتین بلا اصرار۔ اس وقت استثناء فصل ہو جائے گا کبائر کے اجتناب کے ساتھ صغائر معاف ہو جانا چونکہ معتزلی کی رائے ہے اس لئے مفسرؒ کی عبارت لکن اللمم تغفر باجتناب الکبائر میں با کو مصاحبت کے لئے لیا جائے گا۔ تاکہ اہل سنت کے مطابق عبارت ہو جائے۔

ان ربک واسع المغفرۃ۔ یہ جملہ اللمم کی علت ہے یعنی صغائر اگر چہ گناہ ہیں اور قابل مواخذہ ہیں مگر رحمت کی وجہ سے ان پر دار وگیر نہیں ہوگی اور کبائر جس طرح توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں وہ چاہے تو بلا توبہ بھی معاف ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ اہلسنت فرماتے ہیں۔

اذانتم اجنۃ۔ اس کا عطف ''اذا نشاء کم'' پر ہے عجب وخود بینی میں مبتلا ہو کہ ہم اول سے آخر تک تم سے واقف ہیں بلکہ تحدیث نعمت کی اجازت بلکہ مستحسن ہے۔

فلا تزکوا۔ نفس چونکہ خسیس ہوتا ہے اس لئے اپنی تعریف کرنے اور دوسروں کی تعریف سننے سے پھول جاتا ہے جو ہلاکت کا سامان ہے ہضم نفس اور تواضع ضروری ہے۔ البتہ نیکی پر طبعی مسرت وہ طاعت ہے۔

من اتقیٰ۔ حقیقۃ تقویٰ اللہ کو معلوم ہے اور وہ قابل قدر ہے لیکن ریاء ونمود باعث ہلاکت ہے۔

روایات:.......روی ان رسول اللہ ﷺ لما بلغ سدرۃ المنتھیٰ جاء ہ الرفرف فتنا ولہ من جبرئیل وطاربہ الی العرش

حتـی وقف بـه بیـن یـدی ربـه ثـم لماحان الانصراف تناوله فطار به حتیٰ اٰواه الی جبرئیل . الا اللمم عن ابی هریرة ان اللمم هی النظرة والقبلة والعمرة والمباشرة ، فاذا مس الختان الختان فقد وجب الغسل وهو الزنا ۔

ربط آیات: ...... پچھلی سورت میں توحید، رسالت، قیامت، مجازات کے مضامین تھے۔ اس صورت میں بھی یہی مضامین ہیں۔ چنانچہ شروع سورت، رسالت سے ہو رہی ہے۔ پھر آیت افرأیتم اللات سے توحید کا بیان ہو رہا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ....والنجم، یعنی جس طرح ستارہ طلوع سے لے کر غروب تک تمام تر مسافت میں اپنی با قاعدہ اور مقررہ رفتار سے بال برابر ادھر ادھر نہیں ہوتا۔ اسی طرح آپ بھی ساری عمر راہ مستقیم پر رہے۔ ذرا بھی کجی نہیں کی۔ غروب سے لے کر طلوع تک بھی ستارہ اگر چہ یہی راست رفتاری رہتی ہے مگر نظر نہیں آتا۔ لیکن طلوع سے غروب تک کیفیت مشاہد و محسوس رہتی ہے۔

نیز اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح ستارہ سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے اسی طرح آپ بھی منبع ہدایت ہیں اور چونکہ آسمان کے وسط میں ستارہ کی سمت کا اندازہ نہیں ہوتا جس کی وجہ سے رہنمائی مشکل ہے، اس لئے کنارہ کی تخصیص کی اور کنارہ میں مغربی کنارے کی تخصیص کی۔ کیونکہ مشرقی کنارہ کی نسبت مغربی کنارہ میں قرب نمایاں ہوتا ہے۔ نیز غروب کے وقت طالبان رہنمائی غنیمت سمجھتے ہیں کہ ذرا چوک ہوگئی تو رہنمائی سے محروم ہو جائیں گے برخلاف طلوع کے اس میں ایک گونہ بےفکری رہتی ہے گویا اس میں یہ اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا دم غنیمت سمجھو اور دولت ہدایت لوٹ لو ورنہ پچھتاؤ گے۔

انبیاء کرام نجوم ہدایت اور آنحضرت آفتاب ہدایت ہیں: انبیاء علیہم السلام آسمان نبوت کے درخشاں ستارے ہیں جن کی روشنی سے دنیا کی رہنمائی ہوتی رہی ہے اور جس طرح تمام ستاروں کے غائب ہونے کے بعد آفتاب عالمتاب طلوع ہوتا ہے۔ ایسے ہی تمام کے تشریف لے جانے کے بعد آفتاب محمدی مطلع عرب سے جلوہ گر اور ضوفگن ہوا ہے پس اگر قدرت نے ان ظاہری ستاروں کا نظام اس قدر محکم بنایا ہے کہ اس میں کسی طرح کے تزلزل اور اختلال کی گنجائش نہیں۔ تو ظاہر ہے کہ ان باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب و ماہتاب کا نظام کس قدر محکم و مضبوط ہونا چاہیے جن سے ایک عالم کی ہدایت وسعادت وابستہ ہے۔

وما ینطق ۔ ایک حرف بھی آپ کے دہن مبارک سے ایسا نہیں نکلتا جو نفسانی خواہش پر مبنی ہو بلکہ دین کے سلسلہ میں جو کچھ آپ ارشاد فرماتے ہیں خواہ وہ قرآن کی صورت میں یا حدیث کے رنگ میں سب اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے اور جب آپ کے کلام کا یہ حال ہے تو آپ کا کام کیسے مرضی حق کے خلاف ہو سکتا ہے۔ یہ تو اس کا حال ہے جس پر وحی آتی ہے اور وحی بھیجنے والا اللہ ہے۔ اس کی قوت و عظمت کا تو کیا ہی پوچھنا۔ جب کہ وحی لانے والا فرشتہ جس کے ذریعہ سے پیغام آپ تک پہنچتا ہے۔ وہ بھی انتہائی طاقت ور، زور آور، حسین و جمیل فرشتہ جبرائیل امین ہیں۔ جن کی نسبت سورۂ تکویر میں انه لقول رسول کریم الخ فرمایا گیا ہے۔

ایک روایت میں خود جبرئیل نے اپنی طاقت کے متعلق فرمایا کہ میں نے قوم لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھاڑ کر آسمان کے قریب تک اٹھا کر پٹک دیا جس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام شیطان کے ذریعہ نہیں آیا۔ کہ آپ کے کاہن ہونے کا احتمال ہو اور وہ فرشتہ بھی ایسا کمزور نہیں کہ راستہ میں شیطانی تصرف کا امکان ہو۔ شیطان کی کیا مجال کہ اس کے قریب بھی بھٹک سکے۔

پھر وحی آنے کے بعد انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون میں مکمل حفاظت کا خدائی وعدہ کیا گیا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ: رہا یہ شبہ کہ جب آنحضرت ﷺ نے جبرئیل کو دیکھا ہی نہیں، ان سے شناسائی نہیں تو یہ کیسے یقین کر لیا کہ جبرئیل ہی ہیں۔

ممکن ہے کوئی دوسری چیز ان کے روپ میں آ گئی ہو؟ اس شبہ کو بھی صاف کر دیا کہ اول تو جبرئیلؑ کو بارہا انسانی خاص شکل میں دیکھا اور اس مخصوص صورت میں تشخصات اصلیہ اور عارضہ کو علم ضروری کے اعتبار سے آپ کے لئے ممتاز اور الگ الگ کر دیا گیا۔ پھر دو مرتبہ نہایت واضح طور پر ان کی اصلی شکل وصورت میں بھی مشاہدہ کر لیا۔ اس لئے تلبیس کا کوئی شائبہ ہی نہیں رہا۔

ایک روایت کے مطابق اکثروں نے مشرقی افق سے جبرئیل کا نمودار ہونا بیان کیا ہے۔ جدھر سے صبح صادق طلوع ہوتی ہے۔ جبرئیل اپنی اصلی شکل میں کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ اس وقت آسمان ایک کنارے سے دوسرے کنارہ تک ان کے وجود سے بھرا نظر آیا۔ یہ غیر معمولی اور مہیب منظر چونکہ پہلی مرتبہ آپ نے ابتداء وحی میں دیکھا تھا۔ دیکھ کر گھبرائے اور بے ہوش ہو گئے۔ یہاں جبرئیلی جلوہ نہ بالکل آسمان کے کنارے پر ہوا اور نہ درمیان میں۔ بلکہ کنارہ سے قدرے اوپر کو ہوا۔ تاکہ بسہولت آپ ملاحظہ فرما سکیں۔ آپ کی تسکین کے لئے پھر جبرئیلؑ انسانی شکل میں آپ سے اتنے قریب ہوئے کہ دو ہاتھ یا دو کمانوں سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ اس وقت سورہ مدثر یا کچھ اور احکام نازل ہوئے۔ **فکان قاب قوسین او ادنٰی** میں او شک کیلئے نہیں ہے بلکہ اس قسم کی ترکیب پوری تاکید اور مبالغہ کے ساتھ نفی کیلئے ہوا کرتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ تعین کر کے یہ بتلانا مقصود نہیں کہ ''قوسین'' کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی کم۔ بلکہ یہ ظاہر کرنا ہے کہ بس اس سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ یا یوں کہا جائے کہ ''قوسین'' سے تو دونوں میں صورۃً قرب واتفاق کو بتلانا ہے مگر یہاں چونکہ روحانی اور قلبی قرب واتفاق بھی تھا اس لئے ''او ادنٰی'' بڑھا کر یہ ظاہر کر دیا کہ اتفاقی صورت کے ساتھ روحانی قربت بھی تھی۔ جس سے معرفت تامہ حاصل ہوگئی اور صورت ذہن میں محفوظ ہو کر تشخصات اصلیہ وعارضیہ کے درمیان امتیاز کا باعث بن گئی۔

آنحضرت نے جبرئیل کو مکمل طور پر شناخت کر لیا۔ **فاوحی الی عبدہ** ۔ اس وقت کیا وحی ہوئی؟ نہ تو اس کی تعیین وتخصیص معلوم اور نہ معلوم ہونے کی حاجت ہے ممکن ہے کہ جبرئیل کی معرفت سے متعلق ہی کچھ وحی ہو۔ اگرچہ یہاں مقصود جبرئیل کی اصل شکل دکھلانا تھا۔ تاہم اس حالت میں بھی وحی کرنے سے مقصود جبرئیلؑ ہی کی معرفت مکمل کرنا ہوگا۔ تاکہ اصلی اور نقلی دونوں طرح جبرئیل کا بھی مکمل تعارف ہو جائے اور وحی کی بھی پورے طور پر شناخت ہو جائے اور یقین میں قطعیت آ جائے۔ کسی طرح کا التباس نہ رہے اور سمجھ لیا جائے کہ دونوں صورتوں میں وحی حقیقت واحدہ ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی شخص کی آواز، طرز کلام، لب ولہجہ سے کوئی واقف ہو تو آواز بدلنے پر بھی صاف پہچان لیا جاتا ہے کہ فلاں شخص ہے اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا۔

آنحضرت ﷺ نے آنکھ اور دل دونوں سے جبرئیلؑ کو پہچان لیا۔ **ما کذب الفؤاد** ۔ یعنی آپ نے جبرئیل کو اپنی آنکھ سے دیکھا اور دل نے اندر سے کہا اس وقت آنکھ ٹھیک ٹھیک جبرئیل ہی کو دیکھ رہی ہے کوئی غلطی نہیں کر رہی کہ کچھ کا کچھ نظر آ گیا ہو۔ ایسا کہنے میں آپ کا دل سچا تھا۔ حق تعالیٰ اسی طرح پیغمبروں کے دلوں میں فرشتہ کی معرفت ڈال دیتے ہیں ورنہ رسول کو خود اطمینان نہ ہو تو دوسروں کو کہاں اطمینان نصیب ہو سکتا ہے۔

دراصل یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ اصلی صورت کا دیکھنا جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اور جو مدار ہے معرفت تامہ کا وہ مطلق دیکھنا نہیں ہے بلکہ صحیح صحیح دیکھنا ہے اور اس کا دارومدار مدرک اصلی یعنی دل کے خطا سے محفوظ رہنے پر ہے۔ ورنہ اگر قلبی ادراک میں غلطی ہے تو اس میں قلب یعنی حواس میں بھی غلطی ہوگی۔ چنانچہ مجنون کے احساسات اگرچہ صحیح ہوتے ہیں۔ مگر بعض اوقات پہچانے ہوئے لوگوں کو دوسرا شخص بتلانے لگتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اصل ادراک کرنے والا دل ہوتا ہے۔ اس کی صحت اور غلطی کا اثر حواس پر پڑتا ہے۔

اس آیت میں اسی کا ازالہ فرمایا گیا۔ رہا یہ ہے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ قلب نے ادراک میں کوئی غلطی نہیں کی سو یہ احتمال بلا دلیل ہے۔

اسی طرح کے احتمالات تو ہر چیز میں نکل سکتے ہیں۔ان کی طرف التفات کیا جائے تو حواس سے اعتماد اور امان ہی اٹھ جائے۔جس احتمال کا کوئی معتد بہ منشاء ہو اس کا البتہ اعتبار کیا جاتا ہے۔مثلاً خطائے قلبی کے احتمال کا یہ منشاء ہونا چاہیے کہ ادراک کرنے والا فاتر العقل ہے۔لیکن آنحضرت ﷺ کا صحیح العقل، ذہین، زکی، صاحب فراست ہونا مخالفین کے نزدیک بھی مسلم تھا۔اس کے باوجود وہ اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے خلاف وجدال سے باز نہ آتے تھے۔

ہٹ دھرمی کی حد ہوگئی۔اس لئے آگے افتمرونہ علی ما یری فرماتے ہیں یعنی ادراک وعلم کے سلسلہ میں حسیات سب سے زیادہ خطا سے پاک ہوتے ہیں مگر غضب ہے کہ تم حسیات میں بھی اختلاف کرتے ہو۔حالانکہ ان میں احتمالات خطا کا اعتبار نہیں کیا جاتا ورنہ یوں تو تمہارے حسیات میں بھی ہزاروں خدشے نکل سکتے ہیں۔

اور اگر یہ مہمل خدشہ ہو کر کسی چیز کو پہلی مرتبہ دیکھنے سے پہچان کیسے ہو۔البتہ بار بار اس چیز کو دیکھنے سے بلاشبہ یہ پہچان ہو جاتی ہے کہ وہی پہلی مرتبہ دیکھی ہوئی چیز ہے؟ مگر اول تو یہ بات یوں غلط ہے کہ بعض دفعہ کسی چیز کا پورا پتہ معلوم ہو جانے سے پہلی ہی بار فوراً پہچان ہو جاتی ہے۔دوسرے پہلی بار میں شناخت ہو جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کے بتلانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔خود بخود سمجھ جائے۔جیسا کہ دوسری تیسری بار دیکھتے ہیں کسی کے بتلانے کی حاجت نہیں رہ جاتی۔بلکہ معرفت حاصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی سچے کے بتلانے کی ضرورت پیش نہ آئے یا قرائن وعلامات ہو جانے سے اس کا علم ہو جائے اور اس کی صورت ذہن نشین ہو جائے کہ دوبارہ دیکھتے ہی پہچان لیں۔

پس ممکن ہے کہ بطور علم ضروری استدلالی کے جن مقدمات کی تعیین ہم نہیں کر سکتے یا کئی دفعہ غیر اصلی شکل پر دیکھنے اور تشمنات اصلیہ ذہن میں محفوظ رہنے کی وجہ سے جبرئیل کا پورا پتہ آپ کو معلوم ہو گیا ہو اور اس سے آپ پہچان گئے ہوں۔دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت اللہ کے بتلانے سے آپ کو یقین ہو گیا ہو۔غرض ان دو وجوہ سے یہ خدشہ غلط ہے۔اور تیسرے یہ کہ بطور تنزل اگر شناخت کے لئے بار بار دیکھنے ہی کی ضرورت ہو تو آگے ارشاد ہے۔

ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ۔اب تو وہ وہم بھی دور ہو گیا۔یہ دوبارہ اصلی شکل پر جبرئیل کو دیکھنا شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ پر ہوا۔سدرہ کہتے ہیں بیری کو اور منتہی کے معنی آخری حد کے ہیں۔احادیث میں ہے کہ چھٹے ساتویں آسمان پر یہ ایک بیری کا درخت ہے اس کی مثال مرکزی ڈاک خانہ کی سی ہے کہ عالم بالا کے تمام احکام پہلے وہاں اترتے ہیں پھر نیچے آتے ہیں۔اسی طرح نیچے کے تمام اعمال پہلے وہاں پہنچتے ہیں پھر اوپر چڑھتے ہیں۔جس طرح جنت کے انگور انار وغیرہ کو دنیا کے پھلوں اور میووں پر قیاس نہیں کر سکتے۔محض لفظی اشتراک ہے۔اسی طرح اس بیری کے درخت کو بھی یہاں کی بیریوں پر قیاس نہیں کر سکتے۔اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ بیری کس طرح ہوگی اور چونکہ یہ مقام جبرئیل اور تمام فرشتوں کا مرکز اصلی ہے اور ہر چیز اپنے مستقر پر رہ حقیقی شکل میں معلوم ہوا کرتی ہے اس لئے حضرت جبرئیل کو یہاں دکھلانے کا مقصد ان کی حقیقی شکل وصورت کا امتیاز ہوگا۔اور سدرۃ المنتہیٰ پر انوار تجلیات الٰہی کا جھمکٹا لگا رہتا تھا۔فرشتوں کے ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہر پتے پر ایک فرشتہ نظر آتا تھا۔ایک روایت کے مطابق فرشتوں کی درخواست پر حضور ﷺ کی زیارت کے لئے ان کو اجازت ملی تھی۔

اور بعض روایات میں ہے کہ نہایت خوشرنگ سنہری پرندے تھے کہ جن کے دیکھنے سے دل کھنچ جائے۔درخت کی بہار رونق اور اس کا حسن وجمال ناقابل بیان تھا۔ان الفاظ میں بھی معرفت جبرئیل کی تاکید مقصود ہے۔

چند شبہات کا ازالہ:.........اب ایک احتمال یہ رہ جاتا ہے کہ ایسی حیرت انگیز چیزیں دیکھ کر نگاہ چکرا جاتی ہے۔پورے طور پر ادراک نہیں ہوتا۔پھر ایسی حالت میں جبرئیل کی صورت کا کما حقہ، ادراک کیا ہوا ہوگا۔اس شبہ کو دور کرنے کے لئے ما زاغ البصر و ما طغیٰ فرمایا

گیا۔ان دونوں لفظوں میں آپ کے انتہائی استقلال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کسی عجیب چیز کے دیکھنے پر انسان دو ہی طرح کی حرکتیں کیا کرتا ہے کہ جن چیزوں کے دیکھنے کو کہا جاتا ہے بعض دفعہ ان کو تو دیکھتا نہیں اور جن کو دیکھنے کے لئے نہیں کہا جاتا ہے ان کو تکتا رہتا ہے جس کی وجہ سے پورا انضباط نہیں رہتا۔

آگے لقد رایٰ من اٰیات ربہ الکبریٰ میں اسی استقلال وانضباط کی تاکید فرمائی گئی ہے۔غرض جبرئیل کو دیکھنے سے متعلق تمام شبہات کا شافی ازالہ کردیا گیا ہے جو مقصود عام تھا۔

اب صرف ایک بات رہ جاتی ہے کہ یہ تمام تر گفتگو اس وقت مفید ہے جب کوئی دیکھنے کے دعویٰ کو مان لے۔لیکن اس کی کیا دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے جبرئیلؑ ہی کو دیکھا ہے؟

جواب یہ ہے کہ اس کی دلیل آپ کے خوارق ومعجزات ہیں جن میں سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے۔ان معجزات سے آنحضرت ﷺ کے سچے ہونے کا پورا یقین ہوگیا۔ورنہ یوں تو ہر دیکھنے والے کے متعلق اس طرح کے خدشات واحتمالات نکالے جاسکتے ہیں۔

رہ گئی یہ بات کہ اپنی اصل صورت کے علاوہ دوسری شکلوں میں جبرئیل کو دیکھ کر کیسے پہچان لیتے تھے؟

جواب یہ ہے کہ اصلی صورت دیکھنے سے پہلے تو آپ کو ایک خاص طریقہ سے پہچان تھی۔جیسا کہ ابھی ذکر ہوا۔لیکن اصل صورت دیکھنے کے بعد تو آپ کو اور بھی زیادہ پہچان ہوگئی تھی جیسے کسی شخص کی حقیقت جاننے کے بعد مختلف لباسوں میں اس کا پہچاننا مشکل نہیں رہتا۔رہا یہ ہے کہ جب آپ پہلی بار بے ہوش ہوگئے تھے۔اس وقت آپ کو حیرت ہوگئی۔پس جس شبہ کے جواب میں مازاغ فرمایا گیا تھا وہی پھر دیکھنے پر ہو جائے گا؟

جواب یہ ہے کہ مطلق مغلوبیت دیکھنے میں رکاوٹ نہیں بنتی۔بلکہ جو مغلوبیت دیکھنے سے پہلے ہو وہ رکاوٹ بنتی ہے لیکن جو دیکھنے کے بعد ہوتی ہے وہ رکاوٹ نہیں بنا کرتی جیسے کوئی قوی نظر سورج کو دیر تک دیکھے تو گو اس کے بعد آنکھیں خیرہ ہوجائیں گی۔مگر چونکہ نظر کے خیرہ ہونے سے پہلے وہ سورج کو خوب دیکھ چکا ہے اس لئے سورج کی پہچان میں اسے کوئی اشکال نہیں ہوگا۔پس ممکن ہے آپ کی بے ہوشی اس شناخت کے بعد ہوئی ہو۔برخلاف موسیٰ علیہ السلام کے جلوہ ربانی سے بے ہوش ہونے کے صرف لحاظ ذات کے موخر تھی زمانہ دونوں کا ایک ہی تھا۔پس وہاں سے بے ہوش ہونے کے وقت تجلی کا ادراک نہیں ہوا۔

کوئی حد ہے اُن کے عروج کی؟:...............اور ابن عباسؓ وغیرہ کے قول کے مطابق جمال الٰہی کا مشاہدہ اور حق تعالیٰ کا دیدار بھی اس آیت کے ابہام میں داخل ہے حافظ ابن کثیرؒ نے مجاہدؒ سے جو ابن عباسؓ کے مخصوص اصحاب میں سے ہیں۔یہ الفاظ نقل کیئے ہیں۔ کان اغصان السدۃ لولو أ ویا قوتا و زبر جدا فراھا محمد ﷺ و رای ربہ بقلبہ اور چونکہ یہ دیدار صرف دل نے نہیں بلکہ دل اور آنکھوں دونوں سے تھا جیسا کہ ما زاغ البصر وما طغیٰ سے ظاہر ہے اس لئے شاید ابن عباسؓ نے طبرانی کی بعض روایات میں فرمایا کہ راہ مرتین مرۃ بقلبہ و مرۃ ببصرہ یہاں دومرتبہ دیکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ ایک وقت میں دوطرح دیکھا ظاہری آنکھ سے بھی اور دل کی آنکھوں سے بھی۔

دیدار الٰہی اور تجلیات ربانی:...............تاہم آیت لا تدرکہ الابصار میں جس دیکھنے کا انکار کیا گیا ہے یہاں وہ مراد نہیں۔کیونکہ اس سے ایک خاص قسم سے دیکھنے کا انکار کرنا مقصود ہے یعنی نگاہیں اس کا احاطہ کرسکتیں۔اس سے مطلق دیکھنے کا انکار مقصود نہیں ہے۔

علاوہ ازیں جب ابن عباسؓ سے اس آیت کے متعلق اشکال کیا گیا تو فرمایا ویحک ذاک اذا تجلی بنوره الذی هو نوره جس سے معلوم ہوا کہ تجلیات الٰہی میں فرق ہوتا ہے۔ بعض آنکھوں سے نظر آ جاتی ہیں اور بعض نہیں اور فی الجملہ دیکھنا دونوں کو کہا جائے گا۔ اسی لئے کہا جا سکتا ہے کہ جس درجہ کا دیکھنا آخرت میں مومنین کو نصیب ہوگا جب کہ ان کی نگاہیں تیز کر دی جائیں گی۔ جو اس تجلی ربانی کو برداشت کر سکیں۔ وہ دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ اسی طرح شب معراج میں ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ کو جو خاص دیدار میسر آیا۔ اس خصوصیت میں کوئی بشر آپ کا شریک وسہیم نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایات میں جو آیا ہے کہ ان آیات میں آنحضرت ﷺ کا حق تعالیٰ کو دیکھنا مراد نہیں بلکہ جبرئیل کو دیکھنا مراد ہے مگر تجلیات کے اس فرق کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے اقوال میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ اثبات کا مطلب ایک خاص درجہ ہے اور نفی کا تعلق دوسرے درجات سے ہے۔ اسی طرح ابوذرؓ کی روایات رایت نورا اور نورانی اراہ میں بھی اسی طرح کی تطبیق ہو سکتی ہے۔ البتہ بعض اکابر کا مذاق یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت مسلم میں جب خود آنحضرت ﷺ سے ان آیات کی تفسیر حضرت جبرئیل کے دیکھنے سے کی گئی ہے۔ تو پھر وہی راجح ہے۔ واذا جاء نهر الله بطل نهر معقل۔

اور بخاری کی روایت شریک میں جو شبہ ہوتا ہے یہ آیات کہ حق تعالیٰ کے قرب وتدلی پر محمول ہوں۔ سو علامہ نوویؒ نے نقل کیا ہے کہ شریک حافظ نہیں ہیں۔

مخمل میں ٹاٹ کا بے جوڑ پیوند۔ افرأیتم اللات۔ رسالت کے بعد توحید کا بیان ہے۔ بھلا لامحدود قدرت وعظمت والے اللہ کے مقابلہ میں ان حقیر وذلیل چیزوں کا نام لینے سے مشرکین کو شرم آنی چاہیے۔ لات، منات، عزیٰ، تین بڑے بتوں اور دیوتاؤں کے نام ہیں، جن میں سے لات کی پوجا طائف والوں کے یہاں زیادہ ہوتی تھی۔ اور منات کی پوجا اوس وخزرج کے یہاں زیادہ ہوتی تھی۔ اور عزیٰ کو قریش اور بنو کنانہ وغیرہ ان دونوں سے بڑا سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک اول درجہ میں عزیٰ تھا جو مکہ کے قریب نخلہ میں تھا۔ دوسرے نمبر پر لات جو طائف میں تھا اور تیسرے درجہ میں منات تھا جو مکہ سے بہت دور اور مدینہ سے نزدیک تھا۔

بعض حضرات نے ان بتوں کے مندروں کے لئے دوسری جگہوں کے لئے نشاندہی کی ہے لیکن ممکن ہے کہ جیسے ہندوستان میں بڑے بڑے دیوی دیوتاؤں کی شکلیں بنا کر مختلف جگہ مندر بنا لیتے ہیں۔ عرب میں بھی یہی حال ہوتا ہو غرض کہ جب یہ بڑے بت خدا نہیں ہو سکتے تو چھوٹے بتوں کو تو شمار ہی کیا۔

علامہ یاقوتؒ نے معجم البلدان میں کہا ہے کہ قریش کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ یہ الفاظ کہا کرتے تھے۔ واللات والعزیٰ ومنات الثالثة الاخرى هولاء الغرانيق العلىٰ وان شفاعتهن لترتجىٰ بعض مفسرین نے اس موقعہ پر ایک قطعہ نقل کیا ہے کہ جمہور محدثین کے نزدیک اگرچہ وہ صحیح نہیں ہے تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے مسلمانوں اور کافروں کے مخلوط مجمع میں یہ سورت پڑھی ہو اور کفار نے حسب عادت قرآن پڑھنے میں شور وہنگامہ کیا ہو۔

قال الذين كفروا لا تسمعوا لهٰذا القراٰن والغوفيه اور جب اس آیت میں بتوں کا ذکر آیا تو ان میں سے کسی نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر تلک الغرانيق العلىٰ وان شفاعتهن لترتجىٰ کہہ دیئے ہوں جو آگے چل کر تعبیر وادائیگی میں تصرف ہوتے ہوئے کچھ کا کچھ بن گیا ہو

کفریہ کلمات کسی مسلمان کی زبان سے بھی نہیں نکل سکتے: .... ورنہ ظاہر ہے کہ قرآن میں جن کی تردید کی جا رہی ہے ان کی مدح سرائی کیسے ہو سکتی ہے اور آپ کی زبان مبارک پر ایسا تسلط کب ہو سکتا ہے کفار ان بتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے سو اول تو اللہ اولاد

سے بری ہے اور بالفرض یہ نظریہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی تقسیم کس طرح بھونڈی اور بھدی ہے تم خود تو بیٹے لے جاؤ اور اللہ کے حصہ میں بیٹیاں لگا دو۔ دراصل پتھروں اور درختوں کے کچھ نام رکھ چھوڑے ہیں ان کو اپنے خیال میں بیٹیاں کہہ لو یا بیٹے۔ یہ محض کہنے کی بات ہے جس میں حقیقت کا شائبہ تک نہیں باوجودیکہ اللہ کے پاس سے ہدایت کی روشنی آچکی ہے اور وہ سیدھی راہ دکھلا چکا۔ مگر یہ احمق انہی اوہام کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں جو کچھ اٹکل پچو ذہن میں آ گیا اور دل میں امنگ آگئی اسی کو کر گزرے۔ تحقیق و جستجو سے کوئی سروکار نہیں ان کا یہ سمجھنا اور کہنا کہ یہ بت ہمارے سفارشی ہوں گے خالی خیالات اور آرزوئیں ہیں۔ انسان جو کچھ بھی تمنا کرے کیا وہی مل جائے گا؟ دنیا و آخرت کی سب بھلائی تو اللہ کے ہاتھ ہے

کون سفارشی ہوں گے اور کن کے لئے سفارش ہوگی۔ وکم من ملك ۔ یعنی ان بتوں کی تو حقیقت کیا ہے آسمان کے مقرب فرشتوں کی سفارش بھی کچھ کام نہیں دے سکتی۔ ہاں اللہ ہی کسی کو سفارش کی اجازت دے اور جس کی سفارش کی جائے وہ اس سے راضی ہو مثلاً وہ کافر نہ ہو۔ وہاں بے شک سفارش کام دے گی، ظاہر ہے کہ اس نے نہ بتوں کو سفارش کا حکم دیا اور نہ وہ کفار سے راضی ہے۔
دراصل یہ ساری گمراہی آخرت کی بے فکری سے پیدا ہوئی۔ ورنہ جسے آخرت کی فکر ہو وہ اپنی نجات کی ضرور فکر کرے گا۔ اور جب فرشتوں کے اللہ کے ساتھ شریک عبادت ٹھہرانا کفر ہے تو بت پرستی بدرجہ اولیٰ کفر ہوگی۔ اس لئے صراحۃً اس کے بیان کی حاجت نہیں سمجھی۔

یہ آیت قیاس واجتہاد کے خلاف نہیں ہے۔ ان یتبعون الا الظن ۔ یعنی عقلی دلائل کے بغیر محض بے اصل خیالات یقیناً ذرا بھی مفید نہیں۔ اس سے قیاس واجتہاد کے انکار کرنے والے استدلال نہیں کرتے۔ کیونکہ قیاس واجتہاد تو دلیل کے ساتھ ہوتا ہے اور یہاں بے دلیل خیالات کو ناکارہ بتلایا جا رہا ہے۔ البتہ بظاہر یہ آیت مکرر معلوم ہوتی ہے مگر دونوں آیتوں میں دو طرح فرق ہے ایک یہ کہ پہلی آیت میں دلیل نقلی کی نفی ہے۔ جیسا کہ آیت ما انزل الله بها من سلطان سے معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن اس دوسری دلیل میں عام معنی مراد ہیں دلیل عقلی ہو یا نقلی یا پھر پہلی آیت کے مقابلہ کی وجہ سے یہاں صرف دلیل عقلی مراد ہو۔
دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلی آیت میں فرشتوں اور بتوں کے متعلق دلیل کی نفی نہیں۔ اور یہاں صرف فرشتوں کے اعتبار سے ہے اس لئے تکرار کا شبہ نہیں رہتا۔ اور فرشتوں کا مکرر تذکرہ شاید تعمیم کے بعد تخصیص کے طور پر ہو۔ نیز ان کے مقبول ہونے کی وجہ سے ان کی پرستش اور شفاعت کے عقیدہ کی زیادہ گنجائش تھی۔ اس لئے مکرر ذکر کر دیا۔

اعمال کی جزا وسزا۔ اس کے بعد آیت فاعرض عمن تولی میں آنحضرت ﷺ کی تسلی فرمائی جا رہی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جس کا اوڑھنا بچھونا دنیا کی یہی چندروزہ زندگی ہو جس میں منہمک ہو کر وہ کبھی اللہ کو اور آخرت کو دھیان میں نہ لائے آپ اس کی بکواس کو دھیان میں نہ لائیں وہ اللہ سے منہ موڑتا ہے آپ اس کی شرارت اور کجروی سے منہ پھیر لیں، سمجھانا تھا سمجھا دیا۔ ایسے بدطینت لوگوں سے قبول حق کی امید رکھنا اور ان کے غم میں اپنے کو گھلانا بیکار ہے۔ ان کی سمجھ تو بس اسی دنیا کے جزوی نقصان تک پہنچتی ہے اس سے آگے ان کی رسائی نہیں۔ ان کی تمام تر جدوجہد صرف بہائم کی طرح پیٹ بھرنے اور شہوت کی آگ بجھانے کے لئے ہے۔ وہ کیا سمجھیں کہ مرنے کے بعد مالک حقیقی کی بارگاہ میں ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے۔ اچھے بروں کو اور ان کی مخفی استعدادوں کو اللہ ازل سے جانتا ہے۔ ہزار جتن کر لو اسی کے مطابق ہو کر رہے گا۔ اس کے علم کے خلاف ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یوں بھی وہ اپنے علم محیط کے موافق ہر ایک سے ٹھیک ٹھیک اس کے احوال کے مناسب معاملہ کرے گا لہٰذا آپ یکسو ہو کر ان معاندین کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں۔ ہر شخص کا حال جب اس کو معلوم، اور زمین و آسمان کی ہر چیز پر اس کا قبضہ، پھر نیکی و

بدی کا بدلہ دینے سے اسے کیا چیز روک سکتی ہے؟ بلکہ غور سے دیکھو تو زمین وآسمان کا یہ سارا کارخانہ پیدا ہی اس لئے کیا گیا کہ اس کے نتیجہ میں زندگی کا ایک دوسرا غیر فانی سلسلہ قائم کیا جائے۔ جہاں بروں کو ان کی برائی اور نیکوں کو ان کی بھلائی کا بدلہ اور صلہ مل سکے۔

بڑے گناہوں سے بچنا اور معمولی غلطیوں سے درگذر: .... الذین یجتنبون ۔ گناہ کبیرہ اور صغیرہ کا فرق سورہ نساء میں گزر چکا ہے۔ البتہ لمم کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ گناہ کرنے کے خیالات جو دل میں آئیں مگر عمل میں لانے کی نوبت نہ آئے وہ لمم ہیں۔ بعض نے صغیرہ گناہ مراد لیا ہے، بعض کی رائے میں جس گناہ پر اصرار نہ ہو یا اس کی عادت نہ پڑ جائے یا جس گناہ سے توبہ کر لے وہ مراد ہے۔

حاصل آیت یہ ہے کہ اللہ چونکہ مہربان اور وسیع مغفرت والا ہے اسی لئے وہ بڑے گناہوں اور فواحش سے بچنے والوں کے بہت سے چھوٹے موٹے گناہوں سے درگزر فرما دیتا ہے۔ اگر ہر چھوٹی بڑی خطا پر پکڑ کرنے لگے۔ تو بندہ کا ٹھکانہ کہاں؟ اس لئے کبھی کبھار کی معمولی لغزشوں سے انسان کی عام نکوکاری میں فرق نہیں پڑتا یعنی نکوکاروں کی جس محبوبیت کا یہاں ذکر ہے اس کا مصداق بننے کے لئے بڑے گناہوں سے بچنا تو شرط ہے لیکن گاہ بگاہ معمولی غلطیوں کا سرزد ہو جانا البتہ موقوف علیہ نہیں ہے۔ ہاں ان پر اصرار نہ کرنا شرط ہے۔

اس استثناء کا یہ مطلب نہیں کہ صغائر کی اجازت ہے اور نہ شرط ہونے کا یہ مطلب ہے کہ نیکیوں کا صلہ ملنا موقوف ہے کبائر سے بچنے پر، کیونکہ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ کی رو سے کبائر کرنے والا بھی اگر نیکی کرے گا تو یقیناً اس کی سزا پائے گا۔ پس بڑے گناہوں سے بچنا معنی یجزی کے اعتبار سے شرط نہیں۔ بلکہ محسن اور محبوب خاص بننے کے لئے شرط ہے جس پر احسنوا کا عنوان دلالت کر رہا ہے۔

نہ مایوسی کی گنجائش ہے اور نہ عجب کا موقعہ: .... پھر آیت لیجزی الذین اساء وا بما عملوا سے بدکاروں کو مایوسی کا وہم ہو سکتا تھا جس سے وہ ایمان وتوبہ وہمت ہار جاتے۔ اسی طرح یجزی الذین احسنوا بالحسنیٰ سے نیکوں کو غرہ اور خود پسندی ہو سکتی تھی۔ ان ربک واسع المغفرۃ فرما کر دونوں کا ازالہ کر دیا۔ یعنی گناہ گاروں کو گناہوں کے تدارک سے ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ کیونکہ اگر وہ چاہے تو کفر وشرک کے علاوہ محض اپنے فضل وکرم سے سب گناہ معاف کر سکتا ہے پس تدارک سے تو کیوں معاف نہیں کرے گا۔

اسی طرح نیکوں کو عجب نہیں آنا چاہیے کیونکہ نیکیوں میں بعض دفعہ ایسے دقیق شوائب مل جاتے ہیں جن کی طرف نیکی کرنے والے کو التفات بھی نہیں ہوتا چہ جائیکہ اطلاع لیکن حق تعالیٰ کو اس کا علم ہوتا ہے ادھر وہ نیکی اس حالت میں قابل قبول نہیں ہوتی پھر عجب کیسا۔ رہی یہ بات کہ تمہاری کسی حالت کی خود تمہیں بھی اطلاع نہ ہو اور اللہ کو معلوم ہو جائے کوئی عجیب وغریب بات نہیں۔ یہ تو شروع ہی سے ہو رہا ہے۔

حقیقۃً متقی کون ہے: .... ھو اعلم بکم الخ بنی آدم کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے اور ان کے واسطہ سے سارے انسانوں کی پیدائش بھی گویا مٹی سے ہوئی۔ اسی طرح رحم مادر میں جنین کے مراحل گزرتے رہے۔ ان دونوں حالتوں میں کسی کو بھی اپنی خبر نہیں تھی اور ہمیں سب خبر تھی۔ پس اسی طرح اب تمہارا کسی حالت کو نہ جاننا اور ہمارا جاننا کچھ حیرت انگیز تعجب خیز نہیں ہونا چاہیے۔ اس بناء پر کسی کے لئے خود کو مقدس سمجھنے کا جواز نہیں کون حقیقۃً متقی ہے اس کو بس وہی جانتا ہے۔ دیکھنے میں تو دونوں ہی سے تقویٰ کے افعال سرزد ہوتے ہیں۔

تقویٰ کی کچھ توفیق اللہ نے دی تو شیخی نہ مارو اور اپنے کو بہت بزرگ نہ بناؤ۔ وہ سب کی بزرگی اور پاکبازی کو خوب جانتا ہے اور اس وقت سے جانتا ہے جب تم نے اس ہستی کے دائرہ میں قدم بھی نہ رکھا تھا۔ آدمی کو چاہیے کہ اپنی اصل کو نہ بھولے۔ اگر اللہ نے اپنے فضل سے ایک بلند مقام پر پہنچا دیا تو اس کو اس قدر بڑھ چڑھ کر دعویٰ کرنے کا استحقاق نہیں جو واقعی متقی ہوتے ہیں وہ دعویٰ کرتے ہوئے شرماتے ہیں اور سمجھتے

ہیں کہ بالکلیہ کمزوریوں سے پاک ہو جانا بشریت کی حد سے باہر ہے کچھ نہ کچھ کمی سب میں رہ جاتی ہے۔

ایک نادر علمی تحقیق:........ حالت جنین میں انسانی علم پر یہ شبہ ہے کہ اس وقت تو انسان کو شعور ہی نہیں ہوتا لہٰذا اس حالت کو اس حالت پر کیسے قیاس کیا جارہا ہے؟

جواب یہ ہے کہ محض انکشاف کے لئے قوت شعور کافی نہیں ہے بلکہ شعور کا معلومات کے ساتھ تعلق انکشاف کی شرط ہے اور یہ ممکن ہے کہ تعلق نہ ہو جیسا کہ بہت سے احوال میں مشاہد ہے۔ اسلئے انکشاف نہ ہونا بھی ممکن ہے پھر یہ قیاس مدار نہیں ہے بلکہ اس میں اس پر تنبیہ کرنا ہے کہ حق تعالیٰ کا علم ذاتی ہونے کی وجہ سے کامل اور سب احوال میں یکساں ہے اور تمہارا علم حادث ہونے کی وجہ سے مٹی اور جنین ہونے کی حالت میں نہیں تھا۔ اس لئے ناقص اور نامکمل ہے کہ کبھی ہے اور کبھی نہیں ہے۔ پس خفی شوائب کا مخفی رہ جانا بعید اور عجیب نہیں ہے۔

جب خاتمہ کا حال معلوم نہیں پھر خود پسندی:........ اور ایک تقریر اس مقام کی اور بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ نیکوں کاروں کو عجب نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ محسنیت کا مدار خاتمہ پر ہے اور اپنے خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں صرف اللہ کو معلوم ہے کہ جیسے ابتدائی حالت میں تمہیں معلوم نہیں اللہ کو معلوم ہے جیسے کہ ابتدائی حالت میں تمہیں معلوم نہیں اللہ کو معلوم ہے پھر عجب وخود پسندی کیوں کی جائے۔

لباب میں اس آیت کا شان نزول یہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ہر شخص کو ماں کے پیٹ میں ہی شقی وسعید پیدا کر دیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے بھی اس تقریر کی تائید ہوتی ہے۔ (بیان القرآن، فوائد عثمانی)

لطائف سلوک:............ فلا تزکوا انفسکم الخ اس میں دعوے تقدس سے صراحۃً ممانعت ہے۔

اَفَرَءَ يْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ عَنِ الْاِيْمَانِ اَىْ اِرْتَدَّ لِمَا عُيِّرَ بِهٖ وَقَالَ اِنِّىْ خَشِيْتُ عِقَابَ اللّٰهِ فَضَمِنَ لَهُ الْمُعِيْرُ اَنْ يَّحْمِلَ عَنْهُ عَذَابَ اللّٰهِ اِنْ رَجَعَ اِلٰى شِرْكِهٖ وَاَعْطَاهُ مِنْ مَالِهٖ كَذَا فَرَجَعَ **وَاَعْطٰى قَلِيْلًا** مِنَ الْمَالِ الْمُسَمّٰى **وَّاَكْدٰى** ﴿۳۴﴾ مَنَعَ الْبَاقِىَ مَاْخُوْذٌ مِنَ الْكُدْيَةِ وَهِىَ اَرْضٌ صُلْبَةٌ كَالصَّخْرَةِ تَمْنَعُ حَافِرَ الْبِئْرِ اِذَا وَصَلَ اِلَيْهَا مِنَ الْحُفَرِ **اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى** ﴿۳۵﴾ يَعْلَمُ مِنْ جُمْلَتِهٖ اِنَّ غَيْرَهٗ يَتَحَمَّلُ عَنْهُ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ لَا وَهُوَ الْوَلِيْدُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ اَوْ غَيْرُهٗ وَجُمْلَةُ اَعِنْدَهُ الْمَفْعُوْلُ الثَّانِىْ لِرَاَيْتَ بِمَعْنٰى اَخْبِرْنِىْ **اَمْ** بَلْ **لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى** ﴿۳۶﴾ اَسْفَارُ التَّوْرٰةِ اَوْ صُحُفٍ قَبْلَهَا **وَ** صُحُفِ **اِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰى** ﴿۳۷﴾ تَمَّ مَا اُمِرَ بِهٖ بِحَقٍّ وَاِذِ ابْتَلٰى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ وَ بَيَانُ مَا **اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى** ﴿۳۸﴾ اِلٰى اٰخِرِهٖ وَاَنْ مُخَفَّفَةٌ مِّنَ الْمُثَقَّلَةِ اَىْ اَنَّهٗ لَا تَحْمِلُ نَفْسٌ ذَنْبَ غَيْرِهَا **وَاَنْ** اَىْ اَنَّهٗ **لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى** ﴿۳۹﴾ مِنْ خَيْرٍ فَلَيْسَ لَهٗ مِنْ سَعْىِ غَيْرِهِ الْخَيْرِ شَىْءٌ **وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى** ﴿۴۰﴾ اَىْ يُبْصَرُهٗ فِى الْاٰخِرَةِ **ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى** ﴿۴۱﴾ الْاَكْمَلَ يُقَالُ جَزَيْتُهٗ سَعْيَهٗ وَبِسَعْيِهٖ **وَاَنَّ** الْفَتْحِ عَطْفًا بِالْكَسْرِ اِسْتِيْنَافًا وَ كَذَا مَا بَعْدَهٗ فَلَا يَكُوْنُ مَضْمُوْنُ الْجُمَلِ فِى الصُّحُفِ عَلَى الثَّانِىْ **اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى** ﴿۴۲﴾ الْمَرْجِعُ وَالْمَصِيْرُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَيُجَازِيْهِمْ **وَاَنَّهٗ**

هُوَ اَضْحَكَ مَنْ شَآءَ فَرَّحَهُ **وَاَبْكٰى** ﴿۴۳﴾ مَنْ شَآءَ حَزَّنَهُ **وَاَنَّهُ هُوَ اَمَاتَ** فِى الدُّنْيَا **وَاَحْيَا** ﴿۴۴﴾ لِلْبَعْثِ **وَاَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ** الصِّنْفَيْنِ **الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى** ﴿۴۵﴾ **مِنْ نُّطْفَةٍ** مَنِيٍّ **اِذَا تُمْنٰى** ﴿۴۶﴾ تُصَبُّ فِى الرَّحِمِ **وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ** بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ **الْاُخْرٰى** ﴿۴۷﴾ اَلْخَلْقَةَ الْاُخْرٰى لِلْبَعْثِ بَعْدَ الْخَلْقَةِ الْاُوْلٰى **وَاَنَّهُ هُوَ اَغْنٰى** النَّاسَ بِالْكِفَايَةِ بِالْاَمْوَالِ **وَاَقْنٰى** ﴿۴۸﴾ اَعْطَى الْمَالَ الْمُتَّخَذَ قِنْيَةً **وَاَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى** ﴿۴۹﴾ هِىَ كَوْكَبٌ خَلْفَ الْجَوْزَآءِ كَانَتْ تُعْبَدُ فِى الْجَاهِلِيَّةِ **وَاَنَّهُ اَهْلَكَ عَادَ اِۨلْاُوْلٰى** ﴿۵۰﴾ وَفِى قِرَآءَةٍ بِاِدْغَامِ التَّنْوِيْنِ فِى اللَّامِ وَضَمِّهَا بِلَا هَمْزَةٍ هِىَ قَوْمُ هُوْدٍ وَالْاُخْرٰى قَوْمُ صَالِحٍ **وَ ثَمُوْدَاۡ** بِالصَّرْفِ اِسْمٌ لِلْاَبِ وَبِلَا صَرْفٍ اِسْمٌ لِلْقَبِيْلَةِ وَهُوَ مَعْطُوْفٌ عَلٰى عَادٍ **فَمَآ اَبْقٰى** ﴿۵۱﴾ مِنْهُمْ اَحَدًا **وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ** اَىْ قَبْلَ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ اَهْلَكْنَاهُمْ **اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى** ﴿۵۲﴾ مِنْ عَادٍ وَّثَمُوْدَ لِطُوْلِ لُبْثِ نُوْحٍ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا وَهُمْ مَعَ عَدَمِ اِيْمَانِهِمْ بِهٖ يُؤْذُوْنَهُ وَيَضْرِبُوْنَهُ **وَالْمُؤْتَفِكَةَ** وَهِىَ قُرَى قَوْمِ لُوْطٍ **اَهْوٰى** ﴿۵۳﴾ اَسْقَطَهَا بَعْدَ رَفْعِهَا اِلَى السَّمَآءِ مَقْلُوْبَةً اِلَى الْاَرْضِ بِاَمْرِهٖ جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بِذٰلِكَ **فَغَشّٰهَا** مِنَ الْحِجَارَةِ بَعْدَ ذٰلِكَ **مَا غَشّٰى** ﴿۵۴﴾ اَبْهَمَ تَهْوِيْلًا وَفِىْ هُوْدٍ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ **فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ** بِالنِّعْمَةِ الدَّالَّةِ عَلٰى وَحْدَانِيَّتِهٖ وَقُدْرَتِهٖ **تَتَمَارٰى** ﴿۵۵﴾ تَشُكُّ اَيُّهَا الْاِنْسَانُ اَوْ تُكَذِّبُ **هٰذَا** مُحَمَّدٌ ﷺ **نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى** ﴿۵۶﴾ مِنْ جِنْسِهِمْ اَىْ رَسُوْلٌ كَالرُّسُلِ قَبْلَهُ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ كَمَا اُرْسِلُوْا اِلٰى اَقْوَامِهِمْ **اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ** ﴿۵۷﴾ قَرُبَتِ الْقِيَامَةُ **لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** نَفْسٌ **كَاشِفَةٌ** ﴿۵۸﴾ اَىْ لَا يَكْشِفُهَا وَيُظْهِرُهَا اِلَّا هُوَ كَقَوْلِهٖ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ **اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ** اَىِ الْقُرْاٰنِ **تَعْجَبُوْنَ** ﴿۵۹﴾ تَكْذِيْبًا **وَتَضْحَكُوْنَ** اِسْتِهْزَاءً **وَلَا تَبْكُوْنَ** ﴿۶۰﴾ لِسَمَاعِ وَعْدِهٖ وَوَعِيْدِهٖ **وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ** ﴿۶۱﴾ لَاهُوْنَ غَافِلُوْنَ عَمَّا يُطْلَبُ مِنْكُمْ **فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ** الَّذِىْ خَلَقَكُمْ **وَاعْبُدُوْا** ﴿۶۲﴾ وَلَا تَسْجُدُوْا لِلْاَصْنَامِ وَلَا تَعْبُدُوْهَا۔

ترجمہ: .... تو بھلا آپ نے ایسے شخص کو بھی دیکھا جس نے روگردانی کی (ایمان سے یعنی مرتد ہوگیا عار دلانے پر جب اس نے یہ کہا کہ میں اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ تو عار دلانے والے نے یہ کہہ کر اپنا ذمہ لے لیا کہ اگر تو شرک کی طرف واپس آگیا تو عذاب الٰہی کا میں ذمہ دار ہوں اور اس کو مالی عطیہ بھی دیا اور وہ مرتد ہوگیا) اور تھوڑا سا (مقرر کردہ) مال دیا اور روک لیا (باقی مال نہیں دیا۔ اکدی، کدیہ سے ماخوذ ہے۔ ایسی زمین کو کہتے ہیں جس میں کنواں کھودتے ہوئے پتھر آڑے آجائے) کیا اس شخص کے پاس علم غیب ہے کہ اس کو دیکھ رہا ہے (جانتا ہے کہ منجملہ اس کے یہ بھی کہ دوسرے کے عذاب کا ذمہ لے سکتا ہے؟ یہ بات نہیں ہے۔ ولید بن مغیرہ یا کوئی دوسرا مراد ہے اور جملہ عندہ وہ مفعول ثانی ہے رأیت بمعنی اخبرنی کا) کیا (بلکہ) اس مضمون کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے (تورات کے اسفار یا اس سے پہلے صحیفے مراد ہیں) اور نیز ابراہیم کے (صحیفے) جنہوں نے فرمانبرداری پوری کی (جو ان کو حکم دیا گیا اس کو بجالائے ور جب ان کا آزمائشوں میں امتحان لیا گیا تو اس

میں کامیاب رہے۔ ما کا بیان آگے ہے) کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا (ان مخففہ ہے یعنی کوئی بھی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) اور یہ کہ انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی (بھلائی میں سے پس دوسرے کی بھلائی کی جدوجہد اس کو نہیں ملے گی) اور یہ کہ انسان کی سعی ہے جلد دیکھی جائے گی (آخرت میں نظر آجائے گی) پھر اس کو پورا بدلہ دیا جائے گا (مکمل طریقہ پر کہا جاتا ہے جزیتہ بمعنی سعیہ یسعیہ) اور یہ کہ (ان فتحہ کے ساتھ معطوف ہے اور کسرہ کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے۔ یہی صورت بعد کے جملہ کی ہے البتہ دوسری صورت میں مضمون جملہ صحف کا نہیں رہے گا) آپ کے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے (مرنے کے بعد وہی ٹھکانہ ہے لہٰذا وہی ان کو بدلہ دے گا) اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے (جس کو چاہتا ہے خوش کرتا ہے اور رلاتا ہے، جسے چاہتا ہے رنجیدہ کر دیتا ہے) اور یہ کہ وہی مارتا ہے (دنیا میں) اور جلاتا ہے (قیامت میں) اور یہ کہ وہی جوڑوں (قسموں) کو نر و مادہ کو نطفہ (منی) سے بناتا ہے جب وہ (رحم میں) ڈالا جاتا ہے اور یہ کہ اس کے ذمہ ہے پیدا کرنا (مد اور کسر کے ساتھ) دوبارہ (پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے بعد قیامت کے لئے دوبارہ پیدا کرنا) اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے (لوگوں کو کافی مال دے کر) اور سرمایہ باقی رکھتا ہے (سرمایہ داری کے لئے مال عطا فرماتا ہے) اور یہ کہ وہی مالک ہے شعریٰ کا بھی (برج جوزا کے پیچھے ستارہ کا نام ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جس کی پرستش ہوا کرتی تھی) اور یہ کہ اسی نے قوم عاد کو ہلاک کیا (ایک قراءت میں دال کی تنوین کا لام میں ادغام کیا گیا ہے اور لام کا ضمہ بغیر ہمزہ کے۔ یہ قوم ہود ہے اور "عاد اخریٰ" قوم صالح ہے) اور ثمود کو بھی (منصرف ہے قوم کے باپ کا نام اور غیر منصرف ہوتے ہوئے قبیلہ کا نام ہے اس کا عطف عاد پر ہے) کہ کسی کو (ان میں سے) باقی نہ چھوڑا۔ اور ان سے پہلے قوم نوح کو (یعنی عاد و ثمود سے پہلے قوم نوح کو ہلاک کر ڈالا) بلاشبہ وہ سب سے بڑھ کر ظالم و شریر تھے (قوم عاد و ثمود سے بڑھ کر، کیونکہ ساڑھے نو سو سال حضرت نوحؑ ان میں رہے۔ مگر کفر کے ساتھ ان کو ستایا بھی اور مارا بھی) اور (قوم لوط کی) الٹی ہوئی بستیوں کو بھی پھینک مارا تھا (آسمان پر لے جا کر زمین پر پلٹ اور پٹک دیا حکم الٰہی سے جبرئیل نے) پھر گھیر لیا اس بستی کو (پتھراؤ نے اس کے بعد) جس چیز نے گھیر لیا (دہشتناک بنانے کے لئے اس کو مبہم ذکر کیا گیا ہے اور سورۂ ہود میں ہے فجعلنا عالیها سافلها و امطرنا علیها حجارة من سجیل سو تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں میں (جو اس کی وحدانیت وقدرت پر دلالت کرنے والی ہیں) شک کرتا رہے گا (اے انسان شبہ یا تکذیب کرتا رہے گا) یہ (محمد ﷺ) بھی پہلے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں (انہی کی جنس سے منجملہ پہلے رسولوں کے ہیں جس طرح اپنی وہ قوم کی طرف بھیجے گئے۔ اسی طرح آپ ﷺ بھی تمہارے لئے آئے) وہ جلدی آنے والی چیز قریب آپہنچی ہے (قیامت نزدیک آگئی) کوئی (نفس) اللہ کے علاوہ اس کا ہٹانے والا نہیں ہے (یعنی اللہ کے سوا کوئی اور نہ اس کو لا سکتا ہے اور نہ ظاہر کر سکتا ہے جیسا کہ لا یجلیها لوقتها الا هو فرمایا گیا) سو کیا تم لوگ اس کلام (قرآن) کے بارے میں تعجب کرتے ہو (جھٹلاتے ہو) اور ہنستے ہو (مذاق کرتے ہوئے) اور روتے نہیں (اس کے وعدہ وعید سن کر) اور تم تکبر کرتے ہو (تم سے جو کچھ چاہا جاتا ہے اس سے بے پروا اور غفلت برتتے ہو) سو اللہ کے سامنے سجدہ کرو (جس نے تمہیں پیدا کیا ہے) اور عبادت کرو (بتوں کو نہ سجدہ کرو اور نہ ان کی پرستش کرو)۔

تحقیق وترکیب: .... **صحف موسٰی** ۔ چونکہ تورات زیادہ مشہور ہے اس لئے صحف موسیٰ کو صحف ابراہیم سے پہلے بیان فرمایا۔
الا تزر ۔ یعنی یہ محل جر میں ہے بما کے ما سے بدل ہونے کی وجہ سے اور مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع بھی ہوسکتا ہے ای ذلک الا تزر اور فعل مضمر کی وجہ سے منصوب بھی ہوسکتا ہے اس میں ان مخففہ ہے اور ضمیر شان محذوف اسم ہے اور جملہ منفیہ خبر ہے۔ اور یہ آیت حدیث مسلم من سن سنة سیئة فله وزرها ووزر من عمل بها کے خلاف نہیں ہے کیونکہ برائی کا بانی، برائی کا سبب اور باعث بنا۔ یہ خود اس کا فعل ہے جس کی ذمہ داری اسی پر ہے گویا برائی کرنے والا اپنے حقیقی عمل میں پکڑا جائے گا اور برائی پر آمادہ کرنے والا اپنے عمل کی پاداش میں پکڑا جائے گا۔

لیس للانسان ۔ اس میں دوسرے کے نیک عمل کے نفع سے نفی کی جارہی ہے اس طرح کہ برائی کرنے والا دوسرے کی نیکی کی وجہ سے اپنی کی ہوئی برائی کے نقصان سے بچ جائے۔ رہا کسی کی شناخت کی وجہ سے یا مردوں کو زندہ کی، دعا، استغفار، صدقات وغیرہ کے ذریعہ نفع ہونا وہ اس کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس میں ایمان اور نفس عمل کا ہونا شرط ہے پس ایمان وصلاح ہی کو اصل نفع بخش کہا جائے گا۔ دوسرے کی نیکی اسی کے ساتھ ضمنی کی جائے گی۔ گویا نیکی کرنے والا جس کی نیت سے نیکی کر رہا ہے اسی کا نائب سمجھا جائے گا۔ اس لئے حقیقتہ تو یہ عمل نسبت کنندہ کا ہوگا ہوگا اور حکماً دوسرے کا۔ اس طرح ایک عمل کے دورخ ہونے کی وجہ سے دونوں کو فائدہ ہوگا اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت دوسری آیت والذین اٰمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم کی وجہ سے منسوخ ہے۔

اور بعض کے نزدیک یہ حکم شرائع سابقہ کا تھا اب نہیں ہے۔ اور بعض "للانسان" کے لام کو علیٰ کے معنی میں لیتے ہیں۔ اور بعض اس حکم کو کفار کے ساتھ خاص کہتے ہیں۔

اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ دوسروں کی نیکی سے نفع ہونا از روئے فضل ہے نہ کہ از روئے عدل، صدقات وحج کے ایصال ثواب میں تو سب کا اتفاق ہے۔ لیکن قرآن کے ایصال ثواب میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک ثواب پہنچتا ہے اور بعض کے نزدیک نہیں۔ اور بعض کہتے ہیں تلاوت کے بعد یہ دعا کرنی چاہیے۔ اللھم انی وھبت ثواب ما قرات لفلان اللھم فاوصلہ لہ نماز روزہ میں یہ حکم جاری نہیں ہوگا ابوداؤد کی راویت من مات و علیہ صیام صام عنہ ولیہ کی نسبت امام طحاوی۔ شرح الاثار میں کہتے ہیں کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا بعد میں منسوخ ہوگیا۔

اور بعض حضرات روایت ابوداؤد میں یہ توجیہ کرتے کہ ہیں کہ صیام سے مراد طعام ہے۔ اور صاحب ہدایہ یہ فرماتے ہیں۔ للانسان جعل ثواب عملہ لغیرہ ولو صلوٰۃ او صوماً وھو مذھب اھل السنۃ ۔ غالباً اہل سنت سے امام اعظم وغیرہ احناف مراد ہوں گے۔ ورنہ بقول نوویؒ وغیرہ امام مالک، امام شافعیؒ اجازت نہیں دیتے۔

الجزاء الاوفی ۔ منصوب بنزع الخافض ہے اور مصدر بھی ہوسکتا ہے۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ جزی متعدی بنفسہ آتا ہے اور متعدی بحرف الجر بھی۔

وان الیٰ ربک ،ان کے مکسور ہونے کی صورت میں آئندہ جملے "صحف اول" کے نہیں ہوں گے۔ صرف سابقہ تین جملے "صحف اول" کے ہوں گے۔ جملہ ان الیٰ ربک الخ دلیل ہے۔ ثم یجزاہ کی جس کا حاصل یہ ہوگا کہ سب چیزوں میں اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس کے مخاطب عام انسان ہیں یا خصوصیت سے آنحضرت ﷺ ہیں قراءت کسرہ کی صورت میں۔ لیکن قراءت فتحہ کی تقدیر پر ہر عاقل مخاطب ہوگا یا موسیٰ علیھما السلام ہوں گے۔

ھو اضحک ۔ یعنی اللہ نے رونے ہنسنے کو پیدا کیا یا فرحت وحزن کو پیدا کیا یا مسلمانوں کو آخرت میں عطیات سے خوش کردے گا اور دنیا میں تکلیف سے ملول کرتا ہے۔

وانہ خلق الزوجین ۔ یہاں انہ ھو اضحک کی طرح ضمیر فصل نہیں لائی گئی کیونکہ ہنسانے رلانے جلانے مارنے وغیرہ میں تو مخلوق کا دخل ہونے کا توہم تھا اس کے ازالہ کے لئے ضمیر فصل لائی گئی بخلاف نر و مادہ کے پیدا کرنے اور دوبارہ زندہ کرنے کے انہیں یہ ایہام نہیں تھا۔ اس لئے ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

ربُّ الشعریٰ ۔ اس ستارہ پرستی کی داغ بیل سب سے پہلے ابو کبشہ نامی ایک شخص نے ڈالی تھی۔

وثمودا ۔ ایک سبب کی وجہ سے منصرف ہے اور عاصمؒ حمزہؒ کے نزدیک غیر منصرف ہے علمیت اور تانیث کی وجہ سے۔

عاد ن الاولیٰ ۔ اولیٰ کے معنی اگر قدیم کے لئے جائیں تو پھر اخریٰ کے مقابل ماننے کی ضرورت نہیں۔ اور فما ابقیٰ اگر عام ہے تو سارے ثمود

ہوں گے ورنہ صرف کفار تباہ ہوئے ہوں گے۔

انهم كانوا ۔صرف قوم نوح کی طرف ضمیر راجع ہے یا تینوں اقوام کی طرف اور ھم ضمیر فصل ہے یا تاکید کے لئے ہے۔ بدل ماننا بعید ہے۔ اظلم کا مفضل علیہ محذوف ہے پہلی صورت میں من عاد وثمود ہوگا اور دوسری صورت میں من غیرهم ہوگا۔

والمؤتفكة ۔ یہ منصوب ہے اھوی کی وجہ سے بستیوں کو اس لئے کہا کہ اہل بستی پلٹ دیئے گئے تھے فواصل کی رعایت کی وجہ سے موتفکہ کو عامل سے مقدم کیا گیا ہے۔

ما غشیٰ ۔اس میں ما اوحیٰ کی طرح ابہام ہے۔ تفعیل اگر تعدیہ کے لئے مانا جائے تو اس کو مفعول ثانی کہا جائے گا۔ اور مبالغہ اور تکثیر کے لئے کہا جائے تو فغشيهم من اليم ما غشيهم کی طرح ما کو فاعل کہا جائے گا۔ مبہم لانے میں مبالغہ مقصود ہے۔ آیت ہود کے قریب آیت حجر بھی ہے۔ فجعلنا عاليها سافلها و امطرنا عليهم ۔

تتمارىٰ. مفسرؒ نے تشک سے اشارہ کیا ہے تفاعل میں تعدد فاعل نہیں ہے۔ اور تکذب کہہ کر ابن عباسؓ کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے انہوں نے یہی معنی لئے ہیں۔ یعنی مزید کی بجائے مجرد کا ترجمہ کیا ہے۔

كاشفة ۔ یہ مصدر بھی ہو سکتا عافیۃ، عاقبۃ، خائنۃ کی طرح اور صفت بھی بن سکتا ہے۔ اس وقت اس میں تانیث ہوگی۔ مفسرؒ نے نفس سے اس کے موصوف محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس میں تا کو مبالغہ کے لئے کہا جا سکتا ہے۔ علامۃ، نسابۃ کی طرح اور یہاں كشف الشیء کے معنی عرف حقیقۃ کے ہیں اور یا کشف الضر سے ہے معنی ازالہ کرنا یعنی اللہ کے علاوہ کوئی اس سے بچا نہیں سکتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ چونکہ اس نے طے کر دیا ہے اس لئے اس کا ہونا ناگزیر ہے۔

انتم سامدون ۔ جملہ مستانفہ بھی ہو سکتا ہے اور حال بھی۔ ثمود کے معنی اعراض کے ہیں یا لہو کے یا خمود یعنی بجنے کے یا معنی استکبار ہے اور ابو عبیدہؒ کی رائے ہے کہ لغت حمیر میں سمود کے معنی غنا کے ہیں کہا جاتا ہے يا جارية اسمدى لنا یعنی گانا گا۔

امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ سامد کے معنی الاهي الرافع راسه کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بغير سامد في سيره اور سمد راسه و جسده بولا جاتا ہے یعنی بال صاف ہو گئے۔ کفار قراءت قرآن کے وقت گانے بجانے سے لوگوں کو پرچایا کرتے تھے۔

ابن عباسؓ سمود کے معنی لہو کے لیتے ہیں۔ بولتے ہیں۔ دع عنک سمودک ای لهوک ۔ اور عکرمہ قبیلہ حمیر کے لغت میں غنا کے معنی لیتے ہیں اور ضحاکؒ وغیرہ پتھروں کے معنی لیتے ہیں۔

ربط آیات: ...... پچھلی آیت الذين اساء وا اور الذين احسنوا میں بروں اور اچھوں کا اجمالی بیان تھا پھر نیکوں کی کچھ تفصیل آ گئی تھی۔ اب آیت افرايت الذى الخ سے بروں کی کچھ برائی ارشاد ہے۔ اسی ذیل میں پچھلی کتابوں اور شریعتوں کے حکمت و نصیحت آمیز مضامین نقل فرمائے جا رہے ہیں۔

اس کے بعد آخری آیت هذا نذير الخ میں سورت کے مضامین، توحید، رسالت مجازات کا پھر مخلوط خلاصہ دہرا دیا گیا ہے۔

شانِ نزول و روایات: ...... ابن جریر نے ابن زید سے نقل کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ یا کوئی اور کافر مسلمان ہو گیا تو مشرکین نے آبائی مذہب چھوڑنے پر اس کو ملامت کی۔ ملامت سن کر ولید بولا کہ میں عذاب آخرت سے ڈرتا ہوں۔ ملامت گر کہنے لگا کہ اگر تو مجھے کچھ دے تو میں تیرا عذاب اپنے سر پر رکھ لوں گا۔ چنانچہ ولید نے کچھ دیا دلایا۔ مگر اس نے پھر اور مانگا۔ نہایت کشاکشی کے بعد اس نے کچھ دیا اور بقیہ رقم کی

دستاویز مع گواہوں کے لکھ دی۔ آیت افرایت الذی میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

آیت لا تزر الخ کے متعلق عکرمہ ابن عباسؓ سے نقل کررہے ہیں کہ پہلے زمانہ میں مجرم کی سزا اس کے باپ بیٹے متعلقین میں سے کسی کو دے دی جایا کرتی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ تشریف لائے تو انہوں نے اس غلط طریقہ کو بدلا یہ آیت اسی کا بیان ہے۔

﴿تشریح﴾ .... بقول روح المعانی نیز مجاہد وغیرہ سے یہی منقول ہے کہ ولید بن مغیرہ حضور ﷺ کی باتیں سن کر اسلام کی طرف مائل ہو چلا تھا اور قریب تھا کہ مسلمان ہو جائے۔ ایک کافر بولا ایسا مت کر۔ اگر تجھے عذاب کا ڈر ہے تو مجھے اتنا مال دے دے میں سب اپنے سر لے لیتا ہوں۔ چنانچہ مغیرہ نے اس کی ایک قسط بھی ادا کر دی۔ مگر پھر باقی دینے سے انکار کر دیا۔ اس صورت میں اعطیٰ قلیلا واکدیٰ کے معنی یہ ہوں گے کہ مغیرہ نے کچھ مال دیا اور پھر ہاتھ کھینچ لیا۔ چنانچہ فدیہ بننے والے پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے اعندہ الخ یعنی کیا یہ غیب کی بات دیکھ آیا کہ دوسرے کا عذاب بھگتنے تیار ہو گیا یا مالی فدیہ دینے والا دوسرے پر ٹال کر بےفکر ہو گیا اور سمجھ لیا کہ اس طرح چھوٹ جائے گا۔

آسمانی صحیفوں کی تعلیم .... حالانکہ موسیٰ وابراہیم کے صحیفوں میں یہ مضمون آچکا تھا کہ اللہ کے ہاں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا، ہر ایک کو اپنی جوابدہی خود کرنی ہوگی۔ درمنثور کی روایت حضرت موسیٰ کو تورات کے علاوہ دس صحیفے عنایت ہونے کی ہے ان میں یہ ہدایت بھی تھی کہ آدمی جو کچھ کوشش کر کے کماتا ہے وہی اس کا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسروں کی نیکیاں لے اُڑے باقی خود کوئی اپنی خوشی سے اپنے بعض حقوق دوسرے کو دے دے اور اللہ اسے منظور کر لے وہ الگ بات ہے جس کی تفصیل کتب حدیث وفقہ میں ہے۔

بہر حال ایک کی سعی اس کے سامنے رکھ دی جائے گی اور اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ بعض محقق اکابر نے سعی سے سعی ایمانی مراد لی ہے یعنی اسلام وکفر کا تبادلہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ اعمال حسنہ ایک دوسرے کے لئے مفید ہوں یہ ممکن ہے اس لئے اب اس آیت میں کوئی اشکال نہیں رہ جاتا وان الیٰ ربك المنتهیٰ۔ چونکہ سب علوم وافکار حتی کہ وجود کا سلسلہ اللہ ہی پر منتہی ہوگا اور سب کو آخر کار اسی کے پاس پہنچنا ہے۔ اس لئے وہیں سے ہر ایک کو نیکی بدی کا پھل ملے گا۔

وانه خلق الزوجین۔ یعنی تمام متضاد متقابل احوال، خوشی ہو یا غم ہنسی ہو یا رونا، جینا ہو یا مرنا، نر ہو یا مادہ، خیر ہو یا شر سب اسی نے پیدا کئے ہیں۔ جس کے کمال صناعی اور عظیم قدرت کا ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ اس نے ایک گندی بوند سے نر و مادہ پیدا کر دیئے۔ اسے دوبارہ پیدا کرنا کونسا مشکل ہے۔ یہاں تک انسان میں تصرفات الٰہی کا بیان ہے۔

انسان کی طرح اس کی ضروریات بھی اللہ کے تصرف میں ہیں: .... آیت وانه هو اغنی سے انسان کے متعلقات میں تصرف کا بیان ہے۔ چنانچہ کم سمجھ انسان مالی طاقت کے سامنے جس طرح ہتھیار ڈالتا ہے اسی طرح فلکی طاقت کے آگے گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔ گویا مال ودولت زمین کی طاقت ہے اور ستارے آسمانی قوت، اس آیت میں بتلا دیا کہ ان دونوں کا سرچشمہ بھی اللہ ہی کی ذات ہے۔ دھن دولت ہو یا زمین جائیداد سب اسی کی دی ہوئی ہیں۔ اور بعض نے اقنی کے معنی افقر یعنی محتاج ہونے کے لئے ہیں۔ غرض امیر بنانا بھی اسی کا کام ہے۔ پس یہ دونوں وصف بھی منجملہ پہلے متقابلات کے ہو گئے لیکن اگر اقنی کو اغنیٰ کے ہم معنی کہا جائے تو پھر اس کا مقابل آگے وانه اهلك الخ آرہا ہے۔ یعنی وہی مال ودولت دیکر بڑھاتا بھی ہے اور وہی بڑی بڑی دولت چھین کر مٹاتا ہے اور گھٹاتا بھی ہے۔ شعریٰ جیسا عظیم ستارہ بھی ایک غریب مزدور کی طرح اس کا بیگاری بنا ہوا ہے۔

فبأیّ الاء ربك۔ ایسے ظالم فسادیوں اور باغیوں کا تباہ کر ڈالنا بھی اللہ کا بڑا بھاری انعام ہے۔ کیا ایسی نعمتوں کو دیکھ کر انسان اپنے رب کو

جھٹلاتا رہے گا۔ بظاہر یہ سب مضامین ابراہیم وموسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں مشترک معلوم ہوتے ہیں۔ خواہ ہر ایک میں یا مجموعہ میں، اجمالاً ہوں یا کلیاً ہوں یا تفصیلاً اور جزئیاً۔ لیکن اگر یہ ثابت نہ ہو تو پھر جو مضمون ان صحیفوں کے علاوہ ہوگا۔ وہاں سے پہلے الامر مقدر مان لیا جائے گا۔ اور یہ مضامین نقل ہونے کے علاوہ چونکہ عقلی بھی ہیں اس لئے مشرکین پر حجت ہیں اور حضرت ابراہیم سب کے مسلمہ مقتدا ہیں۔ اور موسیٰ کو یہود ومقتداء مانتے ہیں۔ اس لئے حجت ہونے میں ان کی تخصیص بھی مناسب ہے۔

آنحضرت ﷺ کی آمد قیامت کی آمد کا مقدمہ ہے: ...... ھذا نذیر۔ پچھلے انبیاء کی طرح آنحضرت ﷺ بھی مجرموں کو ان کے انجام سے برابر ڈرا رہے ہیں اور آپ کی تشریف آوری مقدمہ ہے قیامت کا بس۔ سمجھو کہ قیامت بھی اب آ ہی گئی۔ اس کی تعیین تو اللہ کو معلوم ہے، مگر جب ٹھیک وقت آ جائے گا تو پھر کوئی دوسری طاقت اسے ٹال بھی نہیں سکتی۔ قیامت اور اس کے قرب کا ذکر سن کر تو انہیں مارے خوف کے رونا دھونا چاہیے تھا اور تیاری کی فکر میں لگ جانا چاہیے تھا۔ مگر افسوس کہ ہو یہ رہا ہے کہ ہنسنے میں لگے ہوئے ہیں اور نہایت بے فکری سے غافل ہو کر قلانچیں بھر رہے ہیں۔ حالانکہ نصیحت وفہمائش کی باتوں پر ہنسنے اور مذاق اڑانے کا کیا موقعہ؟ ان پر یہ تو لازم ہے کہ بندگی کی راہ اختیار کریں اور مطیع وفرمانبردار ہو کر جبین نیاز خداوند قہار کے آگے جھکا دیں۔ چنانچہ روایات میں آیا ہے کہ سورہ نجم پڑھ کر آپ نے سجدہ کیا اور ساتھ ہی سب مسلمان اور مشرک جو حاضر مجلس تھے، سجدہ میں گر پڑے سب کو ایک غاشیہ الٰہی نے گھیر لیا اور غیبی اور قہری تصرف سے طوعاً وکرہاً سب کو سربسجود ہونا پڑا۔ صرف ایک بدبخت جس کے دل پر قساوت کی مہر تھی اس نے سجدہ نہیں کیا اور زمین سے تھوڑی سے مٹی اٹھا کر اپنی پیشانی کو لگالی اور کہنے لگا کہ مجھے اس قدر کافی ہے۔

لطائف سلوک: .... لیس للانسان الخ کے ذیل میں روح المعانی میں ہے۔ والتحریر عندی فی ھذہ الایۃ ان ملاک المعنی ھو اللام من قولہ سبحانہ للانسان فاذا حققت الشیئ الذی حق الانسان ان یقول فیہ لی کذا، لم تجدہ الا سعیہ وما یکون من رحمۃ بشفاعۃ او رعایۃ صالح او ابن صالح او تضعیف حسنات او نحو ذلک فلیس ھو للانسان ولا یسعہ ان یقول لی کذا و کذا الا علیٰ تجوز والحاق بما ھو حقیقۃ ۔ انتھی ۔
حاصل یہ ہے کہ عمل سے اصل مقصود حق تعالیٰ کا قرب ہے اور وہ بلا عمل کے کسی کی برکت سے نہیں ہوتا اور اللہ کے فضل سے عنایت ہو جانا اور بات ہے کیونکہ یہاں تو حصر اضافی ہے۔ وان الیٰ ربک المنتھیٰ کے معنی بعض نے یہ بیان کئے ہیں کہ تمام افکار وتصورات کا منتہی حق تعالیٰ ہیں مخلوق میں نظر وفکر کی سیر کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ لیکن خالق پر پہنچ کر سیر رک جاتی ہے۔ آگے مجال نہیں چنانچہ ابی ابن کعب آنحضرت ﷺ سے اس کے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ لا نکرۃ فی الرب۔
سفیان ثوری آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ اذا ذا الرب فانتھوا۔
ابن ماجہ ابن عباسؓ سے ناقل ہیں مر النبی ﷺ علی قوم یتفکرون فی اللہ فقال تفکروا فی الخلق ولا تفکروا فی الخالق فانکم لن تقدروا ۔
ابوذرؓ فرماتے ہیں۔ قال رسول ﷺ تفکروا فی خلق اللہ ولا تفکروا فیّ فتھلکوا ،اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی معرفت بالکنہ محال ہے۔ اکثر دلائل نقلیہ سے اس کا نہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

سُـوْرَةُ الْقَمَرِ

سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ الْاٰيَةَ وَهِيَ خَمْسٌ وَّ خَمْسُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ قَرُبَتِ الْقِيَامَةُ **وَانْشَقَّ الْقَمَرُ** ﴿۱﴾ انْفَلَقَ فِلْقَتَيْنِ عَلٰى اَبِيْ قُبَيْسٍ وَقُعَيْقِعَانَ اٰيَةً لَّهُ ﷺ وَقَدْ سُئِلَهَا فَقَالَ اشْهَدُوْا رَوَاهُ الشَّيْخَانِ **وَاِنْ يَّرَوْا** اَيْ كُفَّارُ قُرَيْشٍ اٰيَةً مُعْجِزَةً لَهُ ﷺ كَانْشِقَاقِ الْقَمَرِ **يُعْرِضُوْا وَ يَقُوْلُوْا** هٰذَا **سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ** ﴿۲﴾ قَوِيٌّ مِّنَ الْمِرَّةِ الْقُوَّةِ اَوْ دَائِمٌ **وَكَذَّبُوْا** النَّبِيَّ ﷺ **وَاتَّبَعُوْا اَهْوَآءَهُمْ** فِي الْبَاطِلِ **وَكُلُّ اَمْرٍ** مِنَ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ **مُّسْتَقِرٌّ** ﴿۳﴾ بِاَهْلِهِ فِي الْجَنَّةِ اَوِ النَّارِ **وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ** اَخْبَارِ هَلَاكِ الْاُمَمِ الْمُكَذِّبَةِ رُسُلَهُمْ **مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ** ﴿۴﴾ لَهُمْ اسْمُ مَصْدَرٍ اَوِ اسْمُ مَكَانٍ وَالدَّالُ بَدَلٌ مِّنْ تَاءِ الْاِفْتِعَالِ وَازْدَجَرْتُهُ وَزَجَرْتُهُ نَهَيْتُهُ بِغِلْظَةٍ وَمَا مَوْصُوْلَةٌ اَوْ مَوْصُوْفَةٌ **حِكْمَةٌ** خَبَرُ مُبْتَدَاٍ مَحْذُوْفٍ اَوْ بَدَلٌ مِّنْ مَا اَوْ مِنْ مُّزْدَجَرٍ **بَالِغَةٌ** تَامَّةٌ **فَمَا تُغْنِ** تَنْفَعُ فِيْهِمُ **النُّذُرُ** ﴿۵﴾ جَمْعُ نَذِيْرٍ بِمَعْنٰى مُنْذِرٍ اَيِ الْاُمُوْرُ الْمُنْذِرَةُ لَهُمْ وَمَا لِلنَّفْيِ اَوْ لِلْاِسْتِفْهَامِ الْاِنْكَارِيِّ وَهِيَ عَلَى الثَّانِيْ مَفْعُوْلٌ مُقَدَّمٌ **فَتَوَلَّ عَنْهُمْ** هُوَ فَائِدَةُ مَا قَبْلَهُ وَبِهِ تَمَّ الْكَلَامُ **يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ** هُوَ اِسْرَافِيْلُ وَنَاصِبُ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ بَعْدُ **اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ** ﴿۶﴾ بِضَمِّ الْكَافِ وَسُكُوْنِهَا اَيْ مُنْكَرٍ تُنْكِرُهُ النُّفُوْسُ لِشِدَّتِهِ وَهُوَ الْحِسَابُ **خَاشِعًا** ذَلِيْلًا وَفِيْ قِرَاءَةٍ خُشَّعًا بِضَمِّ الْخَاءِ وَفَتْحِ الشِّيْنِ مُشَدَّدَةً **اَبْصَارُهُمْ** حَالٌ مِّنْ فَاعِلِ **يَخْرُجُوْنَ** اَيِ النَّاسُ **مِنَ الْاَجْدَاثِ** الْقُبُوْرِ **كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ** ﴿۷﴾ لَا يَدْرُوْنَ اَيْنَ يَذْهَبُوْنَ مِنَ الْخَوْفِ وَالْحَيْرَةِ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِّنْ فَاعِلِ يَخْرُجُوْنَ وَكَذَا قَوْلُهُ **مُّهْطِعِيْنَ** اَيْ مُسْرِعِيْنَ مَادِّيْ اَعْنَاقِهِمْ **اِلَى الدَّاعِ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ** مِنْهُمْ **هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ** ﴿۸﴾ اَيْ صَعْبٌ عَلَى الْكَافِرِيْنَ كَمَا فِي الْمُدَّثِّرِ يَوْمٌ عَسِيْرٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ **كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ** قَبْلَ قُرَيْشٍ **قَوْمُ نُوْحٍ** تَانِيْثُ الْفِعْلِ لِمَعْنٰى قَوْمٍ **فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا** نُوْحًا **وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ** ﴿۹﴾ اَيِ انْتَهَرُوْهُ بِالسَّبِّ وَغَيْرِهِ **فَدَعَا رَبَّهٗ اَنِّيْ** بِالْفَتْحِ اَيْ بِاَنِّيْ **مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ** ﴿۱۰﴾ **فَفَتَحْنَا** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ** ﴿۱۱﴾ مُنْصَبٍّ انْصِبَابًا شَدِيْدًا

وَفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا تَنْبُعُ **فَالْتَقَى الْمَآءُ** ماءُ السماءِ وَالْاَرضِ **عَلٰى اَمْرٍ** حالٌ **قَدْ قُدِرَ** ﴿۱۲﴾ بِهٖ فِى الْاَزَلِ وَهُوَ هَلَاكُهُمْ غَرَقًا **وَحَمَلْنٰهُ** اَىْ نُوحًا **عَلٰى** سَفِينَةٍ **ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ** ﴿۱۳﴾ وَهِىَ مَا تُشَدُّ بِهِ الْاَلْوَاحُ مِنَ الْمَسَامِيْرِ وَغَيْرِهَا وَاحِدُهَا دِسَارٌ كَكِتَابٍ **تَجْرِىْ بِاَعْيُنِنَا** بِمَرْاٰىً مِنَّا اَىْ مَحْفُوْظَةٍ بِحِفْظِنَا **جَزَآءً** مَنْصُوْبٌ بِفِعْلٍ مُّقَدَّرٍ اَىْ اُغْرِقُوا انْتِصَارًا **لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ** ﴿۱۴﴾ وَهُوَ نُوحٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقُرِئَ كَفَرَ بِنَاءً لِلْفَاعِلِ اَىْ اُغْرِقُوا عِقَابًا لَّهُمْ **وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَا** اَىْ اَبْقَيْنَا هٰذِهِ الْفَعْلَةَ **اٰيَةً** لِمَنْ يَعْتَبِرُ بِهَا اَىْ شَاعَ خَبَرُهَا وَاسْتَمَرَّ **فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ** ﴿۱۵﴾ مُعْتَبِرٍ وَ مُتَّعِظٍ بِهَا وَاَصْلُهُ مُذْتَكِرٌ اُبْدِلَتِ التَّاءُ دَالًا مُهْمَلَةً وَ كَذَا الْمُعْجَمَةُ وَاُدْغِمَتْ فِيْهَا **فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ** ﴿۱۶﴾ اَىْ اِنْذَارِىْ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ وَ كَيْفَ خَبَرُ كَانَ وَهِىَ لِلسُّؤَالِ عَنِ الْحَالِ وَالْمَعْنٰى حَمْلُ الْمُخَاطَبِيْنَ عَلَى الْاِقْرَارِ بِوُقُوْعِ عَذَابِهٖ تَعَالٰى بِالْمُكَذِّبِيْنَ بِنُوحٍ مَوْقِعَهٗ **وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ** سَهَّلْنٰهُ لِلْحِفْظِ اَوْ هَيَّاْنٰهُ لِلتَّذَكُّرِ **فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ** ﴿۱۷﴾ مُتَّعِظٍ بِهٖ وَ حَافِظٍ لَهٗ وَالْاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى الْاَمْرِ اَىْ اِحْفَظُوْهُ وَاتَّعِظُوْهُ وَلَيْسَ يُحْفَظُ مِنْ كُتُبِ اللّٰهِ عَنْ ظَهْرِ الْقَلْبِ غَيْرُهٗ **كَذَّبَتْ عَادٌ** نَبِيَّهُمْ هُوْدًا فَعُذِّبُوْا **فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَ نُذُرِ** ﴿۱۸﴾ اَىْ اِنْذَارِىْ لَهُمْ بِالْعَذَابِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ اَىْ وَقَعَ مَوْقِعَهٗ وَبَيَّنَهٗ بِقَوْلِهٖ **اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا** اَىْ شَدِيْدَةَ الصَّوْتِ **فِىْ يَوْمِ نَحْسٍ** شُؤْمٍ **مُّسْتَمِرٍّ** ﴿۱۹﴾ دَائِمِ الشُّؤْمِ اَوْ قَوِيَّةٍ وَ كَانَ يَوْمَ الْاَرْبِعَاءِ اٰخِرَ الشَّهْرِ **تَنْزِعُ النَّاسَ** تَقْلَعُهُمْ مِنْ حُفَرِ الْاَرْضِ الْمُنْدَسِّيْنَ فِيْهَا وَتَصْرَعُهُمْ عَلٰى رُءُوْسِهِمْ فَتَدُقُّ رِقَابَهُمْ فَتُبَيِّنُ الرَّاْسَ عَنِ الْجَسَدِ **كَاَنَّهُمْ** وَحَالُهُمْ مَا ذُكِرَ **اَعْجَازُ** اُصُوْلُ **نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ** ﴿۲۰﴾ مُنْقَلِعٍ سَاقِطٍ عَلَى الْاَرْضِ وَشُبِّهُوْا بِالنَّخْلِ لِطُوْلِهِمْ وَذُكِّرَهُنَا وَاُنِّثَ فِى الْحَاقَّةِ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ مُرَاعَاةً لِلْفَوَاصِلِ فِى الْمَوْضِعَيْنِ **فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ** ﴿۲۱﴾ **وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ** ﴿۲۲﴾

ع ۲۲ ۸

ترجمہ: .... سورۃ قمر بجز آیت سیھزم الجمع کے مکیہ ہے۔ اس میں ۵۵ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قیامت نزدیک آ پہنچی (قریب آ گئی) اور چاند شق ہو گیا (ابی قبیس اور قعیقعان دو پہاڑوں پر دو ٹکڑے ہو کر الگ الگ ہو گیا۔ یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ شیخین کی روایت کے مطابق ظہور پذیر ہوا۔ جس کی فرمائش کفار نے کی تھی۔ آپ نے فرمایا (دیکھ لو) اور یہ لوگ کفار قریش اگر کوئی معجزہ (آنحضرت ﷺ کی نشانی جیسے شق قمر) دیکھتے ہیں تو ٹال دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ زبردست جادو ہے (مضبوط مستمرہ مرۃ سے ماخوذ ہے قوی یا دائمی کے معنی ہیں اور (آنحضرت ﷺ کو) جھٹلاتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشوں کی (غلط باتوں میں) پیروی کرتے ہیں اور (خیر و شر میں سے) ہر بات کو قرار آ جاتا ہے (اہل خیر و شر کے ساتھ جنت یا دوزخ میں) اور ان لوگوں کے پاس خبریں اتنی پہنچ چکی ہیں (پیغمبروں کو جھٹلانے والی قوموں کی تباہی کی اطلاعات) کہ ان میں عبرت ہے ان کے لئے مزدجر اسم مصدر یا اسم مکان ہے اس میں دال افتعال تاء سے تبدیل ہو گئی۔ ازدجرتہ. زجرتہ کے معنی ہیں۔ میں نے اس کو سختی سے ڈانٹ دیا۔ اور ما موصولہ یا موصوفہ ہے) دانشمندی (مبتدائے محذوف کی خبر ہے یا ما سے یا

مزدجر سے بدل ہے) اعلیٰ درجہ کی (مکمل) سوان کو کوئی فائدہ (نفع) ہی نہیں دیتیں۔ خوف دلانے والی چیزیں (نُذُر نظیر) کی جمع ہے بمعنی منذر ڈرانے والی چیزیں مراد ہیں۔ ما نفی کے لئے ہے یا استفہام انکاری کے لئے ہے دوسری صورت میں یہ خبر مقدم ہے تو آپ ان کی طرف سے کچھ خیال نہ کیجئے (یہ پہلے مضمون کا خلاصہ ہے اور یہاں کلام پورا ہو گیا) جس روز ایک بلانے والا (اسرافیل مراد ہیں یوم کا ناصب آگے یخرجون آرہا ہے) ایک ناگوار چیز کی طرف جس روز بلائیگا (نکر ضمہ کاف اور سکون کاف کے ساتھ ہے یعنی ایسی بری چیز جس کی شدت سے طبیعتیں گھبراتی ہیں حساب مراد ہے) جھکی ہوئی ہوں گی (پست اور ایک قراءت میں خشعا ضمہ خا اور فتحہ شین مشدد کے ساتھ ہے) ان کی آنکھیں (یہ حال ہے یخرجون کے فاعل سے) نکل رہے ہوں گے (لوگ) قبروں سے اس طرح جیسے ٹڈی پھیل جاتی ہے (دہشت و حیرت کے مارے یہ نہیں سمجھ پائیں گے کہ کہاں جائیں۔ یہ جملہ یخرجون کے فاعل سے حال ہے اور ایسے ہی اگلا جملہ بھی) دوڑے چلے جا رہے ہوں گے (گردن اٹھا کر بھاگ رہے ہوں گے) بلانے والے کی طرف کافر پکارتے ہوں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے (کافروں پر دشوار جیسا کہ سورۃ مدثر میں ہے یوم عسیر علی الکافرین ان (قریش) سے پہلے قوم نوح نے تکذیب کی (فعل کا مونث ہونا معنیٰ قوم کی وجہ سے ہے) یعنی انہوں نے ہمارے بندہ (نوح) کی تکذیب کی اور کہا کہ یہ مجنون ہیں اور نوح کو دھمکی دی (گالیاں وغیرہ دے کر ڈانٹا) تو نوحؑ نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میں (انی فتحہ ہمزہ کے ساتھ یعنی بانی ہے) عاجز ہوں سو آپ انتقام لے لیجئے چنانچہ ہم نے کھول دیئے (تخفیف وتشدید کے ساتھ ہے) آسمان کے دروازے برسنے والے پانی سے (جو موسلا دھار برسا) اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے (جو ابل رہے تھے) پھر (آسمان زمین کا) پانی اس کام کے لئے (جو حال ہے) مل گیا جو تجویز ہو چکا تھا (ازل میں ان کی تباہی غرقاب ہونے کی صورت میں) اور ہم نے (نوح کو کشتی پر سوار کر دیا جو تختوں اور میخوں والی تھی (دسر کیل وغیرہ کو کہتے ہیں جس سے تختے وغیرہ جوڑے جاتے ہیں اس کا مفرد کتاب کے وزن پر دسار ہے) جو ہماری نگرانی میں رواں تھی (ہماری حفاظت میں محفوظ تھی) بدلہ لینے کے لئے (فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے یعنی اغرقوا انتصاراً) اس شخص کا جس کی ناقدری کی گئی (یعنی نوح علیہ السلام اور ایک قرات کفر فعل معروف کی ہے یعنی سب ڈبو دیئے گئے اپنے کفر کی سزا میں) اور ہم نے اس واقعہ کو رہنے دیا (اس قصہ کو باقی رکھا) عبرت کے لئے (جو شخص اس سے عبرت حاصل کرے یعنی یہ خبر سب میں پھیل گئی اور چلتی رہی) سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے (جو اس سے سبق لے، مدکر کی اصل مذتکر تھی تا کو دال مہملہ یا معجمہ سے بدل کر ادغام کر دیا گیا ہے) پھر میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟ استفہام تقریر کے لئے ہے اور کیف کان کی خبر ہے جو حال در یافت کرنے کے لئے ہے جس کا حاصل مخاطبین کو اقرار پر آمادہ کرنا ہے کہ نوحؑ کے جھٹلانے والوں کو عذاب برموقعہ ہوا ہے) اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے لئے آسان کر دیا (محفوظ کرنے کے لئے سہل بنا دیا، یا نصیحت کے لئے مہیا کر دیا) سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ جو اس سے سبق لے اور اس کو محفوظ کر لے، استفہام امر کے معنی میں ہے یعنی اس کو یاد کر لو اور اس سے سبق لو۔ کتب الٰہیہ میں واقعہ یہ ہے کہ قرآن کے علاوہ کوئی کتاب جان و دل سے محفوظ نہیں رہی) قوم عاد نے تکذیب کی (اپنے پیغمبر ہود کی جس کی وجہ سے ان پر عذاب آیا) سو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا (یعنی عذاب آنے سے پہلے میرا ان کو ڈرانا یعنی برمحل عذاب آیا۔ جیسا کہ آگے فرمایا) ہم نے ان پر ایک تیز وتند ہوا بھیجی (جس کا شور ہولناک تھا) ایک دائمی نحوست کے دن (جس کی نحوست مسلسل رہی یا قوی ہونا مراد ہے بے شبہ قوی بدلہ تھا) وہ ہوا لوگوں کو اکھاڑ پچھاڑ کر کے پھینکتی تھی (زمین کی تلی سے اکھاڑ کر پھر وہیں پٹک دیتی تھی اور سروں کے بل ان کو پچھاڑ دے رہی تھی جس سے ان کی گردنیں ٹوٹ ٹوٹ کر دھڑوں سے الگ جا پڑتی تھیں) اس طرح کہ گویا وہ (درانحالیکہ ان کی کیفیت بیان ہو چکی) جڑیں (تنے) میں اکھڑی ہوئی کھجوروں کی (جو زمین پر اکھڑ کر آ رہیں۔ لمبے تڑنگے ہونے میں ان کو کھجور کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہاں تو مذکر اور سورۃ حاقہ کی آیت نخل خاویۃ مونث کے ساتھ تعبیر کرنے میں دونوں جگہ تو اصل آیات کی رعایت کی گئی ہے) سو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ اور ہم نے قرآن کو

نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کردیا۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

تحقیق وترکیب: .... **اقتربت** ۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اقتربت مزید۔ قربت مجرد کے معنی میں ہے۔ مبالغہ کے لئے لایا گیا ہے **الساعة ، الحاقة ، واقعة ، قارعة ، یوم الدین ، یوم الجزاء** وغیرہ قیامت کے نام ہیں۔ شق القمر قیامت کی علامت اس طرح ہے جیسے کہا جائے۔ **اقبل الامیر وقد جاء المبشر بقدومه**۔ چنانچہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے غار حرا کے دونوں جانب دو ٹکڑے دیکھے، جیسا کہ جمہور کی رائے ہے۔ لیکن بعض کی رائے ہے کہ قیامت کے روز شق قمر ہوگا۔

پہلی دوسری تاریخ کے چاند کو ہلال اور تیسری سے تیرھویں تک قمر کہتے ہیں اور چودھویں شب کے چاند کو بدر کہا جاتا ہے پھر بتدریج محاق شروع ہو جاتا ہے۔ **فعاد کالعرجون القدیم**۔

جبل ابوقبیس مکہ کا مشہور پہاڑ قبیلہ مدحج کے نام پر یہ موسوم ہے اس کے سامنے دوسرا پہاڑ قعیقعان بروزن زعیقران ہے۔ قبیلہ جرہم کے لوگ اس پر اپنے ہتھیار رکھتے تھے یہی وجہ تسمیہ ہے۔ قریش نے مطلقاً نشانی کی فرمائش کی تھی یا خاص شق قمر کی فرمائش کی تھی دونوں روایات ہیں

مستمر۔ استمرار کے معنی استحکام، دوام، اور قوی کرنے کے لئے آتے ہیں اور ختم ہو جانے کے معنی بھی آتے ہیں۔ قاموس میں ہے۔ **سحر مستمر محکم قوی او ذاهب** صراح میں ہے مرۃ بمعنی قوۃ۔

مزدجر ۔ فیہ صلہ ہے اور یہ اس کا فاعل ہے یا مزدجر مبتداء اور فیہ خبر ہے۔

النذر . جو حضرات فعیل بمعنی مفعل نہیں مانتے وہ نذیر بمعنی انذار کو مصدر کہتے ہیں۔ ما استفہامیہ ماننے کی صورت میں ما تغنی مفعول بہ یا مفعول مطلق مقدم ہوگا۔ **ای شیء من الاشیاء النافعة تغنی النذر یا ای اغناء تغنی النذر** تقدیر عبارت ہوگی خاشعاً۔

نکر ۔ ابن کثیرؒ کے نزدیک سکون کاف کے ساتھ ہے۔

خاشعا ابصارهم ۔ ابوعمرؒ، حمزہؒ، علیؒ کے نزدیک خاشعاً ہے اور باقی قراء کے نزدیک خشعاً ہے۔ یخرجون کے فاعل سے حال ہے یا یدع کے مفعول محذوف سے حال مقدرہ ہے اور بقول قاضیؒ یہ ترکیب عمدہ ہے اگرچہ صورت بر **جال قائمین غلمانهم** عمدہ ترکیب نہیں ہے کیونکہ یہ مشابہ فعل صیغہ پر نہیں ہے۔ اس قراءت سے مبردؒ کے اس قوم کے تائید ہو رہی ہے کہ جمع مکسر لانا اگر ممکن ہو تو وہ بمقابلہ مفرد کے بہتر ہوگی۔ چنانچہ **مررت برجال قائم غلمانه** کے مقابلہ میں **مررت بر جال قیام غلمانه** فصیح سمجھا جائے گا۔ لیکن جمہور مفرد کو ترجیح دیتے ہیں۔ زمخشریؒ کا کہنا یہ ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے مطابق ہے جو **اکلونی البراغیث** بولتے ہیں۔ اس لئے خشعاً۔ ضمیر ہم مان کر ابصارھم ہم اس سے بدل جائے گا۔

کانهم جراد ۔ کثرت وانتشار میں تشبیہ ہے۔ چنانچہ لشکر عظیم کے بارہ میں کہا جاتا ہے جاء کالجراد، جراد اسم جنس ہے اسی لئے یہ جمع کی خبر ہوگی۔ رہا منتشر کو مفرد لانا وہ بلحاظ مفرد ہے۔ اس کی نظیر **کالفراش المبثوث** ہے ان دونوں آیات میں مردوں کے اٹھنے کو تشبیہ دی گئی ہے۔ پہلی آیت قمر میں کثرت وانتشار وجہ تشبیہ ہے اور آیت قارعہ میں تحیر وتداخل وجہ شبہ ہے۔

مهطعین ۔ امام راغبؒ اور اہل زبان کے استعمال سے مفسرؒ کی تائید ہو رہی ہے۔ اصل میں گردن یا نگاہ اونچی کرنے کے معنی ہیں۔ جلدی کرنے اور نظر وتامل کرنے سے یہ کنایہ ہے۔

منهمر ۔ قاموس میں ہے۔ **انهمر الماء بمعنی انسکب وسال الماء**۔ حضرت علیؓ سے ابن الکوا نے جب منہمر کے معنی پوچھے تو فرمایا **هی شرع الماء** اسی لئے بولا جاسکتا ہے۔ **فتحت السماء بماء منهمر** امام بخاری نے ادب المفرد میں اس کو ذکر کیا ہے اور ابن منذرؒ نے ابن

عباس سے تخریج کی ہے کہ ماء ذلک من السحاب لا من السماء۔

عیونا ۔ یہ مفعول تھا تمیز بنالیا۔ اصل عبارت فجرنا عیون الارض کلھا تھی۔ جوفجرنا عیون الارض سے ابلغ ہے۔ گویا ساری زمین کو چشمے بنادیا۔ لیکن فاعل سے تمیز لانا اکثر ہوتا ہے۔ اس وقت حاصل عبارت انفجرت عیون الارض ہوگی۔ مفسرؒ نے نتبع کہہ کر حاصل معنی کی طرف اور تمیز عن الفاعل کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فالتقى الماء ۔ ماء اسم جنس ہونے کی وجہ سے دونوں پانیوں کو شامل ہے۔ نیز لفظ التقی بھی تعدد پر دلالت کررہا ہے۔ علاوہ ازیں ایک قراءت میں ماءان ہے جو اسی کا مؤید ہے۔

قد قدر ۔ مفسرؒ نے بہ سے امر کے واحد ہونے کی طرف اشارہ کردیا۔

دسر ۔ جمع دسار، فعال کے وزن پر اسم آلہ ہوتا ہے، جیسے لدام، اس کے معنی ٹھوکنے کے ہیں کیل کو اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ روز سے ٹھوکی جاتی ہے۔ اس لفظ کی تفسیر مسامیر، اضلاع، حبال کے ساتھ کی جاتی ہے۔ مگر مفسرؒ نے عام معنی لئے جو سب کو شامل ہیں۔

کفر ۔ یہاں کفر سے ایمان کی ضد مراد نہیں ہے بلکہ کفران نعمت مراد ہے۔ نبی بھی امت کے لئے نعمت ورحمت ہوا کرتا ہے۔

جزاء ۔ مفسرؒ نے التقى الماء پر نظر کرتے ہوئے اغرقوا فعل مقدر نکالا ہے اور چونکہ اس کا نوحؑ کیلئے جزاء بننا درست نہیں تھا۔ اس لئے اس کی تعبیر انتصارا کے ساتھ کردی۔ دوسرے مفسرینؒ نے فعلنا ذلک الانجاء مانی ہے جس سے مراد غرق سے بچالینا ہے۔ پھر جزاء میں تاویل کی حاجت نہیں رہتی۔ اس کے بعد مفسرؒ نے عقابا کہا ہے اس صورت میں کفر سے مراد متعارف کفر ہوگا۔

تر کناھا ۔ ضمیر پورے واقعہ کی طرف ہوگی اور بعض نے کشتی کی طرف ضمیر راجع کی ہے جو ابتداء اسلام تک جودی پہاڑ پر محفوظ رہی۔ بلکہ دوسرے مقامات پر سیاح اب بھی نشان دہی کرتے ہیں۔

فکیف کان ۔ بظاہر کان ناقصہ ہے اور کیف خبر ہے استفہام کی وجہ سے مقدم کی گئی۔ لیکن تامہ بھی ہوسکتا ہے کیف منصوب حال یا ظرف ہو جائے گا۔

ونذر ۔ مفسرؒ نے انذاری کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ نذر کے مصدر ہونے کی طرف یائے مضاف الیہ محذوف ہوگی اور نذر۔ نذیر کی جمع بھی ہوسکتی ہے۔

یسرنا القران ۔ تورات حضرت موسیٰ، ہارون، یوشع بن نون، عزیر علیہم السلام کے علاوہ کسی کو بھی بنی اسرائیل میں زبانی یاد نہیں تھی۔ دیکھ کر ناظرہ پڑھتے تھے۔ حفظ کرنا قرآنی خصوصیت ہے۔ اسی لئے حدیث قدسی ہے۔ وجعلت من امتک اقواما قلوبھم اناجیلھم اور سعید بن جبیرؒ سہل کرنے سے اختصار کلام اور الفاظ کی شیرینیت مراد لیتے ہیں۔

اعجاز ۔ عجز کی جمع اعجاز ہے جیسے عضد کی جمع اعضاد۔

منقعر ۔ قعر النخلۃ کے معنی کھجور کا تنا جڑ سے نکال دیا۔

ربط آیات: ...... پچھلی سورت کی اخیر آیت میں ازفت الازفۃ فرمایا گیا تھا جس سے قیامت کا قریب ہونا معلوم ہوا۔ اسی مضمون سے اس سورت کو شروع کرکے ''شق قمر'' کا واقعہ ارشاد فرمایا جو قیامت کی بڑی علامات میں سے ہے جس سے مضمون کی تاکید ہوگئی اگرچہ نہ ماننے والے بدستور اپنی ضد پر رہے جو یقیناً آپ کے لئے کلفت کا باعث بنی اسی لیے تسلی فرمائی گئی۔

آیت ولقد جاء ھم من الانباء سے اجمالا اور پھر آیت کذبت قبلھم قوم نوح الخ سے تفصیلا بعض سرزنش آمیز واقعات کا ذکر ہے۔

شانِ نزول وروایات.　اقتربت الساعة وانشق القمر کے سلسلہ میں شیخینؒ نے حضرت ابن مسعودؓ انسؓ اور زیدؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے غارِ حرا کو چاند کے دو ٹکڑوں کے درمیان دیکھا اور ابونعیمؒ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ چاند کا آدھا حصہ صفا پر اور آدھا مروہ پر ہو گیا تھا اور ابن مسعودؓ سے ابوقبیس سے سویدا پہاڑوں پر دونوں حصوں کا ہونا منقول ہے۔ البتہ مفسرؒ نے قعیقعان پہاڑ کا نام لیا ہے۔ بہر حال بقول ابن عباسؓ، ولیدؓ، ابوجہلؓ، عاص بن وائل، ابن ہشامؒ، اسود بن المطلب، نضر بن الحارث وغیرہ مشرکین جمع ہوئے اور آپ سے شق قمر کی فرمائش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان فعلت تو منوا لوگوں نے اقرار کرلیا۔ چودھویں شب کا واقعہ ہے۔ آپ نے دعا کی جو قبول ہوئی آپ نے فرمایا یا ابا سلمة عبد الاسد والا رقم بن الارقم اشهدوا۔

اتنے صحابہؓ سے یہ واقعہ منقول ہے کہ علامہ سبکیؒ کو کہنا پڑا کہ　عندی انها متواترة مفسرین کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں ہو چکا ہے۔ آیت وان یروا اية یعرضوا ویقولوا سحر مستمر سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے۔ چنانچہ ابومسعود سے منقول ہے کہ انشق القمر علی عهده فقالت قريش هذه سحر ابن ابی كبشة فقالوا انتظروا ما یا تیکم به السفار فان محمد الا یستطیع ان یسحر الناس کلهم فی السفار فسالوهم فقالوا نعم رايناه غرض جمہور کے نزدیک قیامت میں اس کا ہونا مراد نہیں ہے فی یوم نحس مستمر ۔۲۲ شوال بدھ کے روز یہ عذاب آیا۔ لیکن سورہ حاقہ کی آیت سخر ها عليهم سبع ليال و ثمانية ايام حسوما اسی طرح دوسری آیت وارسلنا عليهم ريحا صر صرا فی ايام نحسات سے معلوم ہو رہا ہے کہ ایک ہفتہ مسلسل یہ عذاب رہا ممکن ہے بدھ سے شروع ہونا مراد ہو یا بدھ کو اختتام ہوا ہو۔ ابن مردویہ کی حضرت علی، جابر، عائشہ رضوان اللہ عنہم سے مرفوع روایت کے الفاظ یوم الاربعاء نحس مستمر ہیں۔ نیز ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں آخر اربعاء فی الشهر نحس مستمر.

اسی طرح انسؓ سے نقل کرتے ہیں۔ سئل النبی ﷺ عن یوم الاربعاء قال نحس قیل و کیف ذلک یا رسول الله قال غرق الله فيه فرعون واهلک عادا و ثمود۔

لیکن ابن کثیرؒ دونوں مذکورہ آیات کے پیش نظر اس نحوست کو نہیں مانتے۔ کیونکہ اس صورت میں آیات وروایات دونوں کو سامنے رکھ کر کہنا پڑے گا کہ پورا ہفتہ بلکہ پورا زمانہ منحوس ہے۔ کیونکہ فی نفسہ تمام زمانہ کی حقیقت ایک ہے دوسرے کوئی زمانہ ہفتہ کے دنوں سے خالی نہیں ہو سکتا حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ بدھ کو عذاب شروع ہو جانے کی وجہ سے یہ دن یا ہفتہ ان کے حق میں برا ہو گیا اور ایسی اضافی اچھائی برائی ظاہر ہے کہ ایک کے حق میں ایک حکم رکھتی ہے اور دوسرے کے حق میں دوسرا، پھر مطلقاً زمانہ پر نحوست کا حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے۔

﴿ **تشریح** ﴾............　ہجرت سے پہلے جب کہ آنحضرت ﷺ منیٰ میں تھے کفار کا مجمع بھی تھا۔ بخاری کی روایت میں ابن مسعودؓ اپنی موجودگی بھی صراحۃً بتلاتے ہیں۔ بعض روایات میں جو مکہ کا لفظ آیا ہے اس کا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ ہجرت سے پہلے زمانہ قیام مکہ میں ایسا ہوا۔ غرض کفار نے آپ ﷺ سے کوئی نشانی طلب کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اشہدوا'' آسمان کی طرف دیکھو۔ ناگاہ، چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا مغرب کی طرف اور دوسرا مشرق کی طرف ہٹ گیا بیچ میں پہاڑ حائل رہا۔ جب سب نے اچھی طرح دیکھ لیا۔ دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے صحیح روایات میں اس کا ایک ہی مرتبہ ہونا ثابت ہے لیکن بعض روایات میں مرتین کا لفظ جو آیا ہے تو اس کے معنی دو ٹکڑے ہونے کے ہو سکتے ہیں یا اس کا تعلق دیکھنے کے ساتھ ہو۔ یعنی ایک مرتبہ دیکھنے کے بعد نظر ہٹا کر پھر دوبارہ دیکھا تو اسی حال میں تھا۔

اورابونعیمؒ کی روایت میں ہے کہ اس روز چاند بدر تھا لیکن منیٰ کا یہ اجتماع غالباً ایام حج میں ہوا ہوگا اس لئے بارہویں تیرہویں شب یعنی بدر کے قریب ماننا پڑے گا۔ خود شق قمر کا لفظ بھی اسی کا قرینہ ہے۔ مگر براہو ہٹ دھرمی کا کہ اس پر بھی کفار کہنے لگے کہ محمد ﷺ نے چاند پر یا ہم پر جادو کردیا ہے اس پر بعض نے یہ کہا کہ آنے جانے والے مسافروں سے پتہ لگانا چاہیے کہ کیا انہوں نے بھی یہی منظر دیکھا ہے۔

چنانچہ بیہقی کی روایت میں ہے کہ چہار طرف سے آنے والوں سے بھی پوچھا گیا تو سب اپنا اپنا دیکھنا بیان کیا۔ طحاویؒ، ابن کثیرؒ وغیرہ نے اس کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے اور کسی دلیل عقلی سے آج تک اس طرح کے واقعات کا محال ہونا ثابت نہیں کیا جا سکا ہے۔

آنحضرت کے معجزات سب سے افضل ہیں: .... آنحضرت ﷺ چونکہ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ اس لئے آپ کے معجزات بھی سب سے بڑھ کر ہیں۔ معجزات اگرچہ دلائل نبوت نہیں ہوتے۔ بلکہ علامات نبوت ہوتے ہیں۔ اصل دلیل نبوت تو پیغمبر کا غیر معمولی علم وفہم اور بے مثال عمل اور بے نظیر اخلاق ہوتے ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ ان تینوں باتوں میں سارے عالم سے جس طرح بڑھ کر ہیں۔ اسی طرح علامات نبوت معجزات میں آپ بھی سب سے آگے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ علم وعمل میں علم کا درجہ عمل سے بڑھا ہوا ہے۔ اس لئے علمی معجزہ بہ نسبت عملی معجزہ کے عالی سمجھا جائے گا۔ چنانچہ قرآن کریم آنحضرت ﷺ کا علمی معجزہ ہے جس کی نظیر کتب آسمانی میں نہیں ہے۔

جس طرح آپ اس علمی معجزہ میں سب سے فائق ہیں۔ مختلف قسم کے عملی معجزات میں آپ سب سے برتر ہیں، چنانچہ شق قمر کے معجزہ ہی کو لے لیا جائے۔ حضرت یوشع علیہ السلام کے لئے بطور معجزہ سورج کا ایک جگہ پر قائم رہنا اور حرکت نہ کرنا۔ یا حضرت یسعیاہ کے لئے غروب ہونے کے بعد پھر سورج کا لوٹ آنا اگرچہ عظیم الشان معجزہ ہے اور بظاہر شق قمر کے معجزہ سے بڑھا ہوا نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت پر نظر کی جائے تو معاملہ برعکس ہے۔ کیونکہ فیثا غورث کے نظریہ پر جس کے قائل آج کل کے حکماء یورپ ہیں۔ چاند وسورج کے ان دونوں معجزوں میں زمین کو ساکن یا زمین کی حرکت کو الٹی ماننا پڑے گا پس اس نظریہ پر اس معجزہ سورج کا حاصل یہ نکلے گا کہ اس وقت زمین کی حرکت سکون سے بدل گئی تھی یا اس کی مسلمہ حرکت کی بجائے تھوڑی دور ادھر حرکت ہوگئی تھی اور چونکہ زمین قریب ہے ہر وقت بادل سے لگی رہتی ہے۔ اس لئے اس میں یہ تصرف اتنا تعجب خیز نہیں۔ جتنا تعجب انگیز چاند کا دو ٹکڑے کر دینا ہے۔ کیونکہ چاند ہم سے لاکھوں میل دور ہے۔

سورج سے زیادہ چاند میں تصرف ہوا: .... گویا حضرت یوشع وغیرہ کا تصرف تو زمین پر ہوا جو زیر قدم ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کا تصرف چاند پر ہوا۔ دوسرے ان تصرفوں میں بھی زمین وآسمان کا فرق ہے حرکت کا سکون سے بدل جانا اتنا دشوار نہیں جتنا کہ مضبوط جسم کا پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جانا مشکل ترین ہے۔ کیونکہ ان اجسام کا حرکت کرنا دو حال سے خالی نہیں۔ اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ اگر اختیار سے ہے تو حرکت اختیاری ہے ایسے سکون بھی اختیار میں ہوگا۔ پس دونوں ممکن اور متصور ہیں۔ اور اگر زمین کی حرکت دوسرے کے اختیار سے ہے تو پھر سکون کو زمین کے لئے اصلی اور مقتضائے طبیعت ماننا پڑے گا۔ اس لئے زمین کے لئے سکون کا عارض ہونا کچھ بھی دشوار نہ ہوگا۔ کہ اسے قبول کرنے میں انکار ہو برخلاف چاند کے پھٹ جانے کے کہ وہ خلاف طبع ہونے کی وجہ سے دشوار ہوگا۔ بلکہ چاند کو اگر جاندار فرض کر لیا جائے تو دشوار تر ہوگا۔ حاصل یہ نکلا کہ سکون کی نسبت چاند کا پھٹنا اعلیٰ تصرف کہلائے گا۔

رہ گئی زمین کی الٹی حرکت اس کو بھی اسی پر قیاس کر لیا جائے کیونکہ زمین کی حرکت اگر اختیاری ہے تو جیسے سیدھی حرکت اختیاری ہے الٹی حرکت بھی اختیاری رہے گی۔ لیکن اگر زمین کی حرکت کسی دوسرے کے ذریعہ ہوتی ہے جس طرح معمول کے مطابق دوسرے سے حرکت ہوتی اسی طرح معمول کے خلاف بھی دوسرے کے ذریعہ حرکت ممکن ہے بہر صورت زمین ساکن ہو یا معکوس حرکت کرنے والی۔ دونوں صورتیں

چاند پھٹنے کے برابر نہیں ہوسکتیں اور محل تاثیر یعنی زمین اور چاند کا قریب وبعید اور نیچے اوپر ہونا مزید برآں رہا۔

بطلیموسی نظریہ پر چاند کاشق: ....لیکن بطلیموسی نظریہ کے مطابق اگر آسمان، چاند ستاروں سب کو متحرک مانا جائے تب بھی کہا جائے گا کہ سورج کا سکون یا اس کی الٹی حرکت دونوں ارادی ہیں یا غیر ارادی۔ سورج کی یہ دونوں حالتیں چاند کے پھٹنے سے زیادہ مشکل نہیں۔ البتہ محل تاثیر یعنی چاند سورج کا قرب وبعد یہاں پہلے کے خلاف برعکس ہوگیا۔ یعنی سورج چاند کی نسبت بہت دور ہے۔ اس لئے سورج میں تصرف کردینا بظاہر بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے بہ نسبت چاند میں تصرف کرنے کے۔ لیکن یہاں بھی غور سے دیکھا جائے تو ایسا نہیں ہے۔ بلکہ چاند میں تصرف بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ اول تو جس میں اختیاری حرکت ہو اس کو حکم یا استدعا یا التماس کے ذریعہ روک لینا اور تھام لینا ممکن ہے چنانچہ آدمی اور جانور دور کی آواز پر ٹھہر جاتے ہیں یا چل پڑتے ہیں لیکن کسی جسم کا ٹکڑے کردینا آسان نہیں ہوتا۔ سواگر سورج اپنے اختیار سے متحرک ہے تو حضرت یوشعؑ وغیرہ کے فرمانے سے اس کا ٹھہر جانا کچھ ان کی قوت وتاثیر پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ اس پر دلالت کررہا ہے کہ سورج نے ان کا کہا مان لیا۔ سو کسی کی بات مان لینا کچھ کہنے والے کی عظمت پر منحصر نہیں۔ خدا بندے کی دعا لیتا ہے تو کیا بندے اس سے بڑھ جائیں گے یا وہ کافروں کی بھی سن لیتا ہے تو کیا اس سے کافر کچھ خدا کے مقرب ہوجاتے ہیں، یا امراء وسلاطین اپنے خدام کی عرض ومعروض سن لیتے ہیں تو کیا خدام ان سے بڑھ جاتے ہیں۔ بلکہ استدعا تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس بات پر استدعا کی جارہی ہے استدعا کنندہ اس میں دخل نہیں رکھتا۔ زیادہ نہیں تو استدعا کے وقت ہی ان کا بے دخل ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اور سورج کی حرکت اگر دوسرے کے ذریعہ ہے تو اس کا سکون بھی اسی کے ہاتھ ہوگا۔ پس اس صورت میں حضرت یوشع وغیرہ کا بظاہر خطاب اگرچہ سورج سے ہوگا پر حقیقت میں حرکت دہندہ (اللہ) سے استدعا ہوگی۔ تاہم ظاہر الفاظ کی حکایت پر نظر کی جائے تو روئے سخن سورج کی طرف ماننا ہوگا۔ اور یہ کہ سورج بارادہ خود متحرک ہے۔

فلکیات میں خرق والتیام: ....علاوہ ازیں حکمائے یونان کے نظریات واصول پر سورج کی حرکت دائمی ہے یعنی ضروری نہیں ہے کہ اس کا ازالہ ناممکن ہے اور محال ہوجائے اور معقولات کے طلبہ جانتے ہیں کہ دوامی چیز کا خلاف ممکن ہے پس سورج کا ساکن ہونا ممکن ہوا۔ برخلاف چاند سورج کے پھٹنے کے۔ حکماء یونان کے نزدیک فلکیات میں خرق والتیام محال ہے اور فلکیات کا بجنسہ باقی رہنا ضروری ہے۔ گو واقع میں یہ سب باتیں غیر ضروری اور غیر محال ہیں۔ تاہم ان کے اصول پر بھی اتنی بات تو ثابت ہوئی کہ سورج کے سکون وحرکت میں بہ نسبت چاند کے شق ہونے کے زیادہ دشواری ہے۔ تب ہی تو ایسے عقلا کو محال وامتناع کا خیال ہوا۔

غرضیکہ فیثا غورثی اور بطلیموسی دونوں نظاموں پر ثابت ہوگیا کہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ شق قمر بہ نسبت سورج کی رجعت قہقرہ اور ٹھہرانے کے اعلیٰ وافضل ہے۔ اسی طرح معجزہ شق قمر کو معجزہ موسوی اور داؤدی یعنی پتھر یا لوہے کے نرم ہوجانے سے اگر ملایا جائے تو زمین وآسمان سے زیادہ فرق نظر آئے گا۔

اور سائنس جدید کی رو سے نہ تو آسمانوں کا ماننا ضروری ہے اور نہ انکار۔ اس لئے تمام ستاروں کو فضا میں اور سورج کو مرکز عالم پر اس طرح مانا جائے کہ زمین وغیرہ سب اس کے گرد گھومتی ہیں۔ (از حجۃ الاسلام حضرت مولانا نانوتویؒ)

پتھروں پر جونک نہیں لگتی: ....ولقد جاء ھم یعنی ہر قسم کے احوال اور برباد شدہ قوموں کے واقعات قرآن کے ذریعہ معلوم کرادیئے گئے۔ اگر غور کیا جائے تو خدائے قہار کی طرف سے بڑی ڈانٹ ہے۔ یہ قرآن عقل وحکمت کی باتوں کا مجموعہ ہے کہ ذرا نیک نیتی سے سنے تو دل

میں اتر تی چلی جاتی ہے۔ مگر افسوس کہ ان پر خاک اثر نہیں ہوتا۔ کوئی نصیحت وفہمائش کام نہیں دیتی۔ کتنا ہی سمجھاؤ پتھروں پر جونک نہیں لگتی۔ لہٰذا ایسے سنگ دل بدبختوں کو آپ بھی منہ نہ لگائیں۔ آپ نہایت خوش اسلوبی سے دعوت وتبلیغ کا فرض انجام دے چکے اب زیادہ پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ان کو اپنے ٹھکانہ کی طرف چلنے دیں۔ جب یہ خوف و دہشت کے مارے ذلت وندامت کے ساتھ آنکھیں جھکائے ہوں گے اور تمام اگلے پچھلے ٹڈی دل کی طرح قبروں سے پھیل پڑیں گے اور عدالت عالیہ کی طرف دوڑیں گے اور اپنے جرائم اور اس روز کی ہولنا کیوں کا منظر دیکھ کر چیخ اٹھیں گے کہ یہ دن بڑا سخت آیا ہے دیکھئے کیا گزرے گی۔

طوفان نوح: .... كذبت قوم نوح۔ یعنی قیامت اور عذاب آخرت تو خیر اپنے وقت پر آئے گا ہی لیکن جھٹلانے والوں پر تو پہلے ہی دنیا میں سخت دن آ چکا ہے۔ نوح علیہ السلام کے سارے پند وعظ کا جواب قوم نے یہ دیا کہ اگر تم اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو سنگسار کر دیا جائے۔ گویا دھمکیوں میں ان کی بات کو رلا دیا۔ انہیں دیوانہ کہہ کر بات ڈال دی۔ سینکڑوں برس سمجھانے بجھانے پر بھی جب کوئی نہ پسیجا تو تنگ آ کر حضرت نوح نے بددعا کی کہ اے میرے پروردگار میں ان سے عاجز آ چکا اور کوئی تدبیر کارگر نہیں رہی۔ اب اپنے دین اور پیغمبر کا بدلہ لے لیجئے اور زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑیئے۔ باب اجابت کھلا اور طوفان کی ریل پیل ایسی ہوئی کہ گویا آسمان کے دہانے کھل گئے اور زمین کے پردے پھٹ گئے۔ اتنا پانی ابلا کہ جل تھل ہو گئے اور ساری زمین چشموں کا مجموعہ بن کر رہ گئی۔ جس کا نتیجہ قوم کی غرقابی اور تباہی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ لیکن قدرت الٰہی کا کرشمہ اسی طوفان میں نوح کی کشتی امن وسلامتی کے ساتھ ہماری حفاظت ونگرانی میں چلی جا رہی تھی۔ اللہ کی باتوں کے انکار اور پیغمبروں کی ناقدری کا انجام دیکھ لیا۔

سوچنے والوں کے لئے اس واقعہ میں عبرت کی نشانیاں ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ آج بھی کشتی کا یہ قصہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا نشان ہے۔ اور بعض نے آیت ولقد ترکناها کے متعلق یہ کہا ہے کہ ابتداء اسلام تک بعینہ وہی کشتی ''جودی'' پہاڑ پر نظر آتی رہی۔ بلکہ آج تک سیاح اس کی نشاندھی کر رہے ہیں۔

قرآن آسان بھی ہے اور مشکل بھی: .... ولقد یسرنا القراٰن۔ یعنی قرآن کے جو مضامین نصیحت وموعظت، ترغیب وترہیب سے متعلق ہیں وہ بالکل صاف سہل اور موثر ہیں۔ ہر کوئی سوچنے سمجھنے کا ارادہ بھی کرے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن محض ایک سطحی کتاب ہے کہ اس میں دقائق وغوامض ہیں نہ اس میں اسرار وحکم۔ بھلا یہ کیسے فرض کر لیا جائے کہ اللہ علیم وخبیر جب اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے تو العیاذ باللہ وہ اپنے نامتناہی علم سے کورا ہو جاتا ہے۔ یقیناً اس کے کلام میں وہ گہرے حقائق اور باریکیاں ہوں گی جس کا ہلکا سا اشارہ حدیث لا تنقضی عجائبه میں ہے اور واقعہ یہ ہے۔ کہ كلام الملوک ملوک الكلام کی رو سے وہ خصوصیات دوسرے کے کلام میں کہاں مل سکتی ہیں۔ فقہاء اور حکماء امت نے اس کے دقائق واسرار کے سراغ لگانے میں اور احکام شریعت مستنبط کرنے میں عمریں کھپا دیں۔ تب بھی اس سمندر کی تہہ تک نہ پہنچ سکے۔ اس لئے محض اس آیت پر سرسری نظر کے مجتہد بننے کی ہوس کرنا قطعاً غلط ہے۔ نصیحت میں موثر اور سہل ہونے سے یہ کیسے لازم آ گیا کہ وجوہ استنباط بھی آسان ہیں۔ یہ جملہ کئی قصوں میں دہرایا گیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ ہر واقعہ بجائے خود ایک مستقل درس عبرت ہے۔

فی یوم نحس مستمر۔ یعنی یہ نحوست نہ اٹھی جب تک وہ تمام نہ ہو چکے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ نحوست کا دن انہیں کیلئے رہا۔ یہ نہیں کہ ہمیشہ کو یہ دن سب کے لئے منحوس ہو جائے۔ کیونکہ دوسری آیات سے سات روز اس عذاب کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ پھر آخر مبارک دن کون ہوگا۔

قوم عاد کے لوگ اگر چہ نہایت قد آور تنومند تھے لیکن ہوا کے جھکڑوں نے سب کو اس طرح اکھاڑ پچھاڑ کر کے رکھ دیا جیسے کھجور کے لمبے تڑنگے جڑوں سے اکھاڑ کر پھینک دیئے جائیں۔

لطائف سلوک:............جزاء لمن کان کفر ۔یعنی حضرت نوحؑ کی شان میں گستاخی کا یہ انتقام لیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ اپنے مقبولین کا انتقام لے لیا کرتا ہے۔لہٰذا مقبولین کی ایذاء رسانی سے گریز کرنا چاہیے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ جَمْعُ نَذِيْرٍ بِمَعْنَى مُنْذِرٍ اَىْ بِالْاُمُوْرِ الَّتِىْ اَنْذَرَهُمْ نَبِيُّهُمْ صَالِحٌ اِنْ لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖ وَيَتَّبِعُوْهُ **فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا** مَنْصُوْبٌ عَلَى الْاِشْتِغَالِ **مِّنَّا وَاحِدًا** صِفَتَانِ لِبَشَرًا **نَّتَّبِعُهٗ** مُفَسِّرٌ لِلْفِعْلِ النَّاصِبِ لَهٗ وَالْاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى النَّفْىِ الْمَعْنٰى كَيْفَ نَتَّبِعُهٗ وَنَحْنُ جَمَاعَةٌ كَثِيْرَةٌ وَّهُوَ وَاحِدٌ مِّنَّا وَلَيْسَ بِمَلِكٍ اَىْ لَا نَتَّبِعُهٗ **اِنَّآ اِذًا** اِنِ اتَّبَعْنَاهُ **لَّفِىْ ضَلٰلٍ** ذِهَابٍ عَنِ الصَّوَابِ **وَّسُعُرٍ** ﴿۲۴﴾ جُنُوْنٍ **ءَاُلْقِىَ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ وَتَرْكِهٖ **الذِّكْرُ** الْوَحْىُ **عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا** اَىْ لَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ **بَلْ هُوَ كَذَّابٌ** فِىْ قَوْلِهٖ اَنَّهٗ اُوْحِىَ اِلَيْهِ مَا ذَكَرَهٗ **اَشِرٌ** ﴿۲۵﴾ مُتَكَبِّرٌ بَطِرٌ قَالَ تَعَالٰى **سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا** اَىْ فِى الْاٰخِرَةِ **مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ** ﴿۲۶﴾ وَهُوَ هُمْ بِاَنْ يُّعَذَّبُوْا عَلٰى تَكْذِيْبِهِمْ نَبِيَّهُمْ صَالِحًا **اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ** مُخْرِجُوْهَا مِنَ الْهَضْبَةِ الصَّخْرَةِ كَمَا سَاَلُوْا **فِتْنَةً** مِحْنَةً **لَّهُمْ** لِنَخْتَبِرَهُمْ **فَارْتَقِبْهُمْ** يَا صَالِحُ اَىْ اِنْتَظِرْ مَا هُمْ صَانِعُوْنَ وَمَا يُصْنَعُ بِهِمْ **وَاصْطَبِرْ** ﴿۲۷﴾ اَلطَّاءُ بَدَلٌ مِّنْ تَاءِ الْاِفْتِعَالِ اَىْ اِصْبِرْ عَلٰى اَذَاهُمْ **وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌ** مَّقْسُوْمٌ **بَيْنَهُمْ** وَبَيْنَ النَّاقَةِ فَيَوْمٌ لَّهُمْ وَيَوْمٌ لَّهَا **كُلُّ شِرْبٍ** نَصِيْبٍ مِّنَ الْمَاءِ **مُّحْتَضَرٌ** ﴿۲۸﴾ يَحْضُرُهُ الْقَوْمُ يَوْمَهُمْ وَالنَّاقَةُ يَوْمَهَا فَتَمَادَوْا عَلٰى ذٰلِكَ ثُمَّ مَلُّوْهُ فَهَمُّوْا بِقَتْلِ النَّاقَةِ **فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ** قُدَارًا لِّيَقْتُلَهَا **فَتَعَاطٰى** تَنَاوَلَ السَّيْفَ **فَعَقَرَ** ﴿۲۹﴾ بِهِ النَّاقَةَ اَىْ قَتَلَهَا مُوَافَقَةً لَّهُمْ **فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ** ﴿۳۰﴾ اَىْ اِنْذَارِىْ لَهُمْ بِالْعَذَابِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ اَىْ وَقَعَ مَوْقِعَهٗ وَبَيَّنَهٗ بِقَوْلِهٖ **اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ** ﴿۳۱﴾ هُوَ الَّذِىْ يَجْعَلُ لِغَنَمِهٖ حَظِيْرَةً مِّنْ يَابِسِ الشَّجَرِ وَالشَّوْكِ يَحْفَظُهُنَّ فِيْهَا مِنَ الذِّيَابِ وَالسِّبَاعِ وَمَا سَقَطَ مِنْ ذٰلِكَ فَدَاسَتْهُ هُوَ الْهَشِيْمُ **وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ** ﴿۳۲﴾ **كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۢ بِالنُّذُرِ** ﴿۳۳﴾ اَىْ بِالْاُمُوْرِ الْمُنْذِرَةِ لَهُمْ عَلٰى لِسَانِهٖ **اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا** رِيْحًا تَرْمِيْهِمْ بِالْحَصْبَاءِ وَهِىَ صِغَارُ الْحِجَارَةِ الْوَاحِدَةِ دُوْنَ مِلْءِ الْكَفِّ فَهَلَكُوْا **اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ** وَهُمْ اِبْنَتَاهُ مَعَهٗ **نَّجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ** ﴿۳۴﴾ مِنَ الْاَسْحَارِ اَىْ وَقْتَ الصُّبْحِ مِنْ يَوْمٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ وَلَوْ اُرِيْدَ مِنْ يَوْمٍ مُّعَيَّنٍ لَمُنِعَ الصَّرْفُ لِاَنَّهٗ مَعْرِفَةٌ مَعْدُوْلٌ عَنِ السَّحَرِ لِاَنَّ حَقَّهٗ اَنْ يُّسْتَعْمَلَ فِى الْمَعْرِفَةِ بِاَلْ وَهَلْ اَرْسَلَ الْحَاصِبَ عَلٰى اٰلِ لُوْطٍ اَوْلَا قَوْلَانِ وَعَبَّرَ عَنِ الْاِسْتِثْنَاءِ عَلَى الْاَوَّلِ

بِاَنَّهُ مُتَّصِلٌ وَعَلَى الثَّانِي بِاَنَّهُ مُنْقَطِعٌ وَاِنْ كَانَ مِنَ الْجِنْسِ تَسَمُّحًا **نِعْمَةً** مَصْدَرٌ اَيْ اِنْعَامًا **مِّنْ عِنْدِنَا كَذٰلِكَ** اَيْ مِثْلَ ذٰلِكَ الْجَزَاءِ **نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ** ﴿۳۵﴾ اَنْعُمَنَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ اَوْ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ تَعَالٰى وَرُسُلِهٖ وَاَطَاعَهُمْ **وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ** خَوَّفَهُمْ لُوْطٌ **بَطْشَتَنَا** اَخْذَتَنَا اِيَّاهُمْ بِالْعَذَابِ **فَتَمَارَوْا** تَجَادَلُوْا وَكَذَّبُوْا **بِالنُّذُرِ** ﴿۳۶﴾ بِاِنْذَارِهٖ **وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ** اَيْ سَاَلُوْهُ اَنْ يُّخَلِّيَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ اَتَوْهُ فِيْ صُوْرَةِ الْاَضْيَافِ لِيَخْبُثُوْا بِهِمْ وَكَانُوْا مَلَائِكَةً **فَطَمَسْنَا اَعْيُنَهُمْ** اَعْمَيْنَاهَا وَجَعَلْنَاهَا بِلَا شَقٍّ كَبَاقِي الْوَجْهِ بِاَنْ صَفَقَهَا جِبْرَئِيْلُ بِجَنَاحِهٖ **فَذُوْقُوْا** فَقُلْنَا لَهُمْ ذُوْقُوْا **عَذَابِيْ وَنُذُرِ** ﴿۳۷﴾ اَيْ اِنْذَارِيْ وَتَخْوِيْفِيْ اَيْ ثَمْرَتَهٗ وَفَائِدَتَهٗ **وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً** وَقْتَ الصُّبْحِ مِنْ يَوْمٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ **عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ** ﴿۳۸﴾ دَائِمٌ مُتَّصِلٌ بِعَذَابِ الْاٰخِرَةِ **فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ** ﴿۳۹﴾ **وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ** ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ......ثمود نے پیغمبروں کی تکذیب کی (نذر نذیر کی جمع ہے بمعنی منذر یعنی ان باتوں کو جھٹلا دیا۔ جن کے متعلق ان کے پیغمبر حضرت صالحؑ نے یہ کہہ کر ڈرا دیا تھا کہ اگر ایمان نہ لائے اور انہوں نے پیروی نہ کی تو عذاب آئے گا) چنانچہ کہنے لگے کہ کیا انسان کی (بشرا منصوب ہے بعد والے فعل کے اس میں مشغول اور عامل ہونے کی وجہ سے) جو ہمارے ہی میں سے اکیلا ہو (منا اور واحد ادونوں بشر کی صفتیں ہیں) پیروی کریں (نتبعہ فعل عامل کی تفسیر ہے اور استفہام بمعنی نفی ہے یعنی کس طرح ہم اس کی پیروی کر سکتے ہیں جب کہ ہم پوری ایک جماعت ہیں اور وہ اکیلا آدمی ہے پھر بادشاہ بھی نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہم اس کی اتباع نہیں کر سکتے) اس وقت تو (اگر ہم نے اس کی پیروی کر لی) بڑی گمراہی (غلط راستہ) اور جنون (دیوانگی) میں پڑ جائیں گے۔ کیا نازل ہوئی ہے (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسری ہمزہ کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں کے درمیان الف داخل کر کے اور بغیر الف کے پڑھا گیا ہے) وحی اسی پر ہم میں سب سے؟ یعنی اس پر وحی نازل نہیں ہوئی) بلکہ یہ بڑا جھوٹا (اپنی اس بات میں کہ اس پر وحی نازل ہوئی ہے) شیخی باز (اترانے والا اکڑباز) ہے فرمایا ان کو عنقریب (قیامت) میں معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا شیخی کون تھا؟ (پیغمبر یا مخاطبین اس طرح کہ صالح نبی کے جھٹلانے پر ان کو عذاب ہوگا) ہم اونٹنی کو ظاہر کرنے والے ہیں (لوگوں کی فرمائش پر ایک پتھر کی چٹان سے) ان کی آزمائش (امتحان) کے لئے سوان کے دیکھتے بھالتے رہنا (اے صالح دیکھتے رہو کہ کیا کرتے ہیں اور ان کے ساتھ کیا جاتا ہے) اور صبر سے بیٹھے رہنا (تائے افتعال طاء سے بدل گئی ہے یعنی ان کی ایذاؤں پر صبر کرنا) اور ان لوگوں کو یہ بتلا دینا کہ پانی بانٹ (تقسیم) کر دیا گیا ہے۔ ان کے درمیان (اور اونٹنی کے درمیان کہ ایک دن ان کی باری اور ایک دن اونٹنی کی) ہر ایک (پانی کی اپنی مقررہ) باری آنے پر آیا کرے (ایک روز قوم کے لوگ آئیں اور ایک دن اونٹنی کا رہے۔ ایک عرصہ تو اسی ڈگر پر چلتے رہے پھر اکتانے لگے اور اونٹنی کو مار ڈالنے کا منصوبہ بنالیا) سوانہوں نے اپنے ساتھی کو (قدار کو اونٹنی مار ڈالنے کے لئے) بلایا۔ سو اس نے (تلوار لے کر) وار کیا اور مار ڈالا (کونچیں کاٹ ڈالیں۔ یعنی ان کے کہنے کے مطابق اسے ختم کر دیا) سو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا (یعنی عذاب آنے سے پہلے ہم نے ان کو خبردار کر دیا تھا۔ حاصل یہ کہ عذاب آکر رہا۔ جس کا بیان آگے ہے) ہم نے ایک چیخ ان پر مسلط کی، سو وہ ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں کی باڑھ لگانے والے کا چورا (سوکھے درختوں اور کانٹوں کا باڑھ جو بکریوں کی حفاظت کے لئے بنایا جاتا ہے تا کہ بھیڑیئے اور درندوں سے بچی رہیں۔ اس میں سے گر گر کر جو چورا ہو جاتا ہے اس کو ہشیم کہا جاتا ہے) اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا

ہے۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ قوم لوط نے پیغمبروں کی تکذیب کی (یعنی ان ہدایات کی جن کے ذریعہ پیغمبروں کی زبانی ان کو ڈرایا گیا) ہم نے ان پر پتھروں کا مینہ برسادیا (ہوائیں پتھریاں برسا رہی تھیں۔ حصارا ایسے چھوٹے پتھر جن میں سے ہر ایک مٹھی بھر ہو نتیجہ یہ کہ وہ لوگ تباہ ہو گئے) البتہ متعلقین لوطؑ (جن میں ان کے ساتھ صاحبزادیاں بھی) ان کو اخیر شب میں بچالیا (ایک غیر معین صبح کو لیکن اگر مقررہ صبح مراد لی جائے تو معرفہ اور السحر سے عدل پائے جانے کی وجہ سے غیر منصرف ہو جائے گا۔ کیونکہ معرفہ الف لام کے ساتھ استعمال ہونا چاہیے لیکن متعلقین لوطؑ پر پتھراؤ ہوا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ پہلی صورت میں یہ استثناء متصل ہو جائے گا اور دوسری صورت میں ہم جنس ہوتے ہوئے بھی مجازاً استثناء منقطع سمجھا جائے گا) فضل کرکے (مصدر بمعنی انعاماً ہے) اپنی جانب سے ایسے ہی (جیسے یہاں ہوا) ہم بدلہ دیا کرتے ہیں۔ جو شکر کرتا ہے (ہمارے انعامات کا بشرطیکہ مومن ہو یا شکر سے مراد اللہ و رسول پر ایمان لانا اور ان کی فرمانبرداری کرنا ہے) اور لوطؑ نے ڈرایا (خوف دلایا) تھا ہمارے داروگیر سے (عذاب میں ہماری پکڑ سے) سو انہوں نے جھگڑے پیدا کئے (لڑے اور جھٹلایا) اس ڈرانے کو (لوطؑ کے) اور ان لوگوں نے برے ارادہ سے مہمانوں کو لوط سے لینا چاہا (یعنی قوم نے لوط علیہ السلام سے فرمائش کی کہ ان سے ہمیں تنہائی کا موقعہ دیا جائے جو مہمانوں کے روپ میں آئے تھے تاکہ ان کے ساتھ خباثت کریں حالانکہ وہ فرشتے تھے) سو ہم نے ان کی آنکھیں چوپٹ کر دیں (انہیں اندھا کر دیا ایسا کہ آنکھوں کا نشان بھی نہ رہا بالکل سپاٹ چہرہ ہو گیا جبرئیل کے پر مار دینے سے) کہ لو چکھو (ہم نے ان سے کہہ دیا) میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ (یعنی میرے خوف دلانے کا ثمرہ اور فائدہ) اور صبح سویرے ہی (غیر معین دن) ان پر دائمی عذاب آپہنچا (جو یہاں سے آخرت تک جاری رہے گا) سو لو، میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔ اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

تحقیق وترکیب: .... نذر ۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ نذر سے رسل مراد نہیں ہیں۔ اس سے بار وک رہی ہے۔ بلکہ صالح علیہ السلام کی طرف سے ڈرانے والی چیزیں مراد ہیں۔

ابشرا ۔ اس کا ناصب بعد کا فعل نتبعه ہے جو اپنی ضمیر میں مشغول ہے۔ جس کی مشہور تعبیر ما اضمر عامله علی التفسیر ہے۔ چنانچہ ہمزہ اس کا قرینہ ہے جو فعل پر داخل ہوا کرتا ہے۔

منا ۔ یعنی ہم جیسے انسان یا ہماری قوم کے ایک فرد ہیں کچھ سب سے بڑھ کر نہیں ہیں۔ منا ۔ بشرا کی صفت ہے۔ اگرچہ ماؤل ہے اور واحد بھی صفت ہے۔ مگر صراحتہً لیکن تاویلی صفت کو صریحی صفت پر کیسے مقدم کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واحدا سے حال ہے جو اس پر مقدم کیا گیا ہے۔

سعر ۔ جنون کے معنی ہیں۔ ناقة مسعورة ۔ اونٹنی جس کا سر چھوٹا چہرہ پریشان ہو۔ جیسا کہ فراءؒ نے کہا ہے۔ ابن عباسؓ اس کے معنی انا لفی ضلال و عذاب بما یلزمنا من طاعة کے ساتھ کرتے ہیں۔ ابن عیینہؒ کی رائے ہے کہ یہ سعیر کی جمع ہے۔ مثلاً کوئی کہے۔ ان لم تتبعونی کنتم فی سعیر و نیران تو اس کو پلٹ کر یوں کہا جائے۔ ان تبعناک کنا فی سعیر ۔

من بیننا ۔ حال ہے کہ علیہ کی ضمیر سے استفہام انکاری ہے۔

اشر ۔ بہت زیادہ اترانے والا۔

من الکذاب ۔ من استفہامیہ ہے یعلمون سے متعلق ہے مبتدا ہے اور کذاب خبر اور پھر جملہ قائم مقام مفعولین ہے۔

مر سلوا الناقة ۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ ارسال کنایہ ہے اخراج سے۔

ھصبة۔ زمین پر پھیلی ہوئی پہاڑی یا ایسا پہاڑ جو ایک ہی پتھر کی چٹان ہو، یا طویل پہاڑ جیسا کہ قاموس میں ہے۔

بینھم۔ مفسرؒ نے تو ضمیر صرف قوم کی طرف راجع کی ہے، لیکن دوسرے مفسرینؒ نے قوم اور ناقہ کی طرف تغلیباً راجع کی ہے۔

محتضر۔ احتضر بمعنی حضر ہے۔

فتعاطی۔ عطا سے ہے تفاعل۔ امام راغب تناول کے معنی لے رہے ہیں۔

المحتظر۔ اسم فاعل ہے لکڑی بانس وغیرہ سے مویشیوں کے لئے گرمی سردی وغیرہ کے بچاؤ کا باڑہ بنایا جاتا ہے۔ امام محمدؒ نے آیت ان الماء قسمة بینھم سے تقسیم ومہایاۃ کا جواز سمجھا ہے تقسیم اعیان میں اور مہایاۃ منافع میں ہوتی ہے۔ یہ دونوں اگرچہ قیاساً ناجائز ہونی چاہئیں۔ کیونکہ منافع کا تبادلہ ہوتا ہے۔ ہر شریک اپنی باری میں دوسرے شریک کی ملکیت سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ مگر اس آیت کی وجہ سے خلاف قیاس اجازت دے دی۔

تقسیم کا مطلب یہ ہے کہ ہر شریک اپنے حصہ کو دوسرے شریک کے حصہ سے الگ کرلے۔ اور مہایاۃ کہتے ہیں کہ اس چیز کو باقی رکھتے ہوئے منافع کو نوبت بہ نوبت تقسیم کرلیا جائے۔ چنانچہ بینھم ان الماء قسمة سے تقسیم کا جواز اور ''لھا شرب'' سے مہایاۃ کا جواز استنباط کیا ہے۔ لیکن اصح یہ ہے کہ دونوں الفاظ بمنزلہ مرادف کے ہیں۔ اور پانی کی تقسیم بطریق مہایاۃ مراد ہے۔

فخر الاسلام بزدویؒ نے اس آیت کو شرائع من قبلنا کے حجت ہونے کے سلسلہ میں پیش کیا ہے جس کو بعض علماء مطلقاً حجت سمجھتے ہیں۔ لیکن مختار مذہب ہے کہ پچھلی شرائع اگر بغیر نکیر کے شارح نے نقل کیا ہے تو پھر ہمارے لئے بھی حجت ہے ورنہ نہیں۔ جیسا کہ یہاں امام محمدؒ اس آیت سے استدلال کررہے ہیں اور اسلام میں اس کے خلاف نص بھی نہیں ہے اس لئے قابل قبول ہے۔

ولقد یسرنا القرآن۔ اس کو بار بار لانا اس لئے ہے کہ ہر نبی کی تکذیب عذاب کا سبب ہے۔

قوم لوط۔ لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ تو عراق سے ہجرت کرکے فلسطین میں آباد ہوگئے اور لوطؑ اس کے قریب سدوم میں آرہے۔

حاصبا۔ اسی سے حصب، حجاز کی ایک جگہ کا نام ہے حاصب، ہوا کا جھکڑ، جس میں پتھر آگ برسے باب ضرب سے ہے۔

بسحر۔ مفسرؒ نے نکرہ غیر معین ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی لئے یہ منصرف ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اتیته بسحر۔ لیکن اگر معرفہ مراد لے کر بقیة سحر نا ھذا کہا جائے۔ آج کی صبح مراد ہو تو پھر غیر منصرف ہوگا۔

الا آل لوط. استثناء منقطع ماننا تکلف سے خالی نہیں۔ کیونکہ خاندان لوط بہرحال قوم کی جنس سے ہے۔ خواہ ہوا سب پر مانی جائے یا صرف خاندان لوط کے علاوہ لوگوں پر مانی جائے۔ اس لئے استثنائے متصل ماننا چاہیے۔ گویا متصل اور منفصل کا مدار جنس غیر جنس پر ہوتا ہے۔

نعمة۔ مفعول مطلق ہے عامل ''نجینا'' ہے بلحاظ معنی کے کیونکہ عذاب سے نجات ایک طرح سے انعام ہوتا ہے اور مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ مصدر میں تاویل کی جاوے گی یا عامل میں۔

نجزی من شکر۔ یہ عام ہے آل لوط اور دوسرے شکر گزاروں کے لئے۔

بطشتنا۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ مصدر ہے جس میں وحدت کے معنی ملحوظ ہیں۔ اگرچہ اس سے عذاب مراد ہے۔

فطمسنا اعینھم۔ آنکھ کو مٹا دینا۔

بکرۃ. نکرہ ہونے کی وجہ سے منصرف ہے لیکن اگر معین وقت مراد ہو۔ جیسا کہ ایک قرأت البکرۃ ہے تو پھر تانیث اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہوجائے گا۔

ربط آیات: .... اس رکوع میں ثمود کا حال بیان فرمایا گیا ہے جس کی تفصیل سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔ اسی کے ساتھ قوم لوط کی نا ہنجاری بھی ارشاد فرمائی۔

﴿ **تشریح** ﴾ .... ابشرا منا واحدا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو یہ کہہ کر لوگوں نے جھٹلایا کہ یہ کوئی آسمانی فرشتہ نہیں۔ بلکہ ہم میں سے ایک آدمی ہے اور وہ بھی اکیلا تن تنہا اپنے ساتھ کوئی جتھا نہیں رکھتا، نہ دنیا و دولت و جاہت کا مالک ہے۔ مگر چاہتا یہ ہے کہ ہمیں دبا لے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اگر ہم اس کے چکمہ میں آگئے تو ہماری غلطی اور حماقت ہوگی۔ ہم سودائی ٹھہریں گے۔ وہ تو ہم کو دھمکی دیتا ہے کہ مجھے نہ مانو گے تو آگ میں گرو گے اور واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم اس کے پیچھے لگ گئے تو گویا ہم خود اپنے کو آگ میں گرا رہے ہیں اور کیا پیغمبری کیلئے بس یہی رہ گیا تھا۔ سب جھوٹ ہے خالی بڑائی مارتا ہے کہ خدا نے مجھے رسول بنادیا اور سب کو میری اطاعت کا حکم دیا۔

مجرمین کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔ سیعلمون۔ یعنی عنقریب معلوم ہوا چاہتا ہے کہ دونوں میں کون جھوٹا اور بڑائی مارنے والا ہے۔ چنانچہ ان کی فرمائش پر پتھر سے اونٹنی نکال کر بھیجتے ہیں دیکھیں کون اللہ ورسول کی بات مانتا ہے اور کون نفس کی خواہش پر چلتا ہے اور اے صالح! تم دیکھتے رہو کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ ہوا یہ کہ اونٹنی پتھر سے بطور معجزہ برآمد ہوگئی اور گھاٹ کے پانی کا ایک دن اس کیلئے اور ایک دن دوسرے جانوروں کے لئے مقرر ہوا۔ کچھ دن یہی طریقہ چلتا رہا۔ تا آنکہ ایک بدکار عورت نے جس کے مویشی بہت تھے۔ قدار نامی ایک آشنا کو اکسایا۔ اس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں جس سے وہ ہلاک ہوگئی۔ پھر جو فرشتہ نے ایک چیخ ماری تو سب کے کلیجے پھٹ گئے اور اس طرح چور ہوکر رہ گئے جیسے کھیت یا بکریوں کے گرد کانٹوں کی باڑھ لگا دیتے ہیں اور چند روز بعد پائمال ہوکر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔

کذبت قوم لوط۔ حضرت لوط علیہ کو بھی ان کی قوم نے جھٹلایا اور سب انبیاء کا مشن چونکہ ایک ہی ہوتا ہے اس لئے کسی ایک کا جھٹلانا گویا سب کو جھٹلانا ہے۔ ہم نے ان پر ہواؤں کے جھکڑ بھیج دیئے جس کی وجہ سے ساری قوم تباہ ہوگئی۔ بجز لوطؑ کے گھرانہ کے۔ وہ اخیر شب میں انہیں لے کر صاف نکل گئے اور عذاب کی ذرا آنچ بھی انہیں لگنے نہیں دی گئی۔ ہم ہمیشہ شکر گزاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ حالانکہ لوط علیہ السلام نے پہلے لوگوں کو ڈرایا۔ مگر لوگوں نے خواہ مخواہ کے شبہات نکالے اور جھگڑے کھڑے کرکے انہیں جھٹلانے لگے۔

ولقد راودوه۔ یعنی فرشتے حسین وخوبرو لڑکوں کی شکل میں حضرت لوطؑ کے گھر بطور مہمان آئے۔ بدطینت لوگوں کو خبر لگی تو وہ گدھوں کی طرح منڈلانے لگے اور انہیں قبضانا چاہا تو ہم نے انہیں اندھا کردیا۔ جس کی وجہ سے انہیں کچھ نظر نہ آیا اور دھکے کھاتے پھرے کہ لو پہلے اس عذاب کا مزہ چکھو۔ پھر ان کی بستیاں اوندھی کردی گئیں اور اوپر سے پتھراؤ کردیا گیا کہ اس چھوٹے عذاب کے بعد یہ بڑا عذاب تھا۔

لطائف سلوک: .... سیعلمون غدا سے معلوم ہوا کہ جب کسی کی اصلاح سے مایوسی ہو جائے تو بحث مباحثہ اور مجادلہ کی بجائے اسی طرز سے جواب دینا چاہیے۔ جیسا کہ اہل طریق کا معاندین سے ساتھ یہی طرز ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ قَوْمَهٗ مَعَهٗ **النُّذُرُ** ﴿۴۱﴾ اَلْاِنْذَارُ عَلٰى لِسَانِ مُوْسٰى وَ هَارُوْنَ فَلَمْ يُؤْمِنُوْا بَلْ **كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا** اَىِ التِّسْعَ الَّتِىْ اُوْتِيَهَا مُوْسٰى **فَاَخَذْنٰهُمْ** بِالْعَذَابِ **اَخْذَ عَزِيْزٍ** قَوِىٍّ **مُّقْتَدِرٍ** ﴿۴۲﴾ قَادِرٍ لَا يُعْجِزُهٗ شَىْءٌ **اَكُفَّارُكُمْ** يَا قُرَيْشُ **خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ** الْمَذْكُوْرِيْنَ مِنْ قَوْمِ نُوْحٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ فَلَمْ يُعَذَّبُوْا **اَمْ لَكُمْ** يَا كُفَّارَ

قُرَيْشٍ **بَرَآءَةٌ** مِنَ الْعَذَابِ **فِي الزُّبُرِ** ﴿۴۳﴾ الْكُتُبِ وَالْاِسْتِفْهَامُ فِي الْمَوْضَعَيْنِ بِمَعْنَى النَّفْيِ اَيْ لَيْسَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ **اَمْ يَقُوْلُوْنَ** اَيْ كُفَّارُ قُرَيْشٍ **نَحْنُ جَمِيْعٌ** اَيْ جَمْعٌ **مُّنْتَصِرٌ** ﴿۴۴﴾ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَلَمَّا قَالَ اَبُوْ جَهْلٍ يَوْمَ بَدْرٍ اِنَّا جَمْعٌ مُنْتَصِرٌ نَزَلَ **سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ** ﴿۴۵﴾ فَهُزِمُوْا بِبَدْرٍ وَنُصِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ **بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ** بِالْعَذَابِ **وَالسَّاعَةُ** اَيْ عَذَابُهَا **اَدْهٰى** اَعْظَمُ بَلِيَّةً **وَاَمَرُّ** ﴿۴۶﴾ اَشَدُّ مَرَارَةً مِنْ عَذَابِ الدُّنْيَا **اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ** هَلَاكٍ بِالْقَتْلِ فِي الدُّنْيَا **وَسُعُرٍ** ﴿۴۷﴾ نَارٍ مُسَعَّرَةٍ بِالتَّشْدِيْدِ اَيْ مُهَيَّجَةٍ فِي الْاٰخِرَةِ **يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ** اَيْ فِي الْاٰخِرَةِ وَيُقَالُ لَهُمْ **ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ** ﴿۴۸﴾ اِصَابَةَ جَهَنَّمَ لَكُمْ **اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ** مَنْصُوْبٌ بِفِعْلٍ يُفَسِّرُهُ **خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ** ﴿۴۹﴾ بِتَقْدِيْرٍ حَالٌ مِنْ كُلَّ اَيْ مُقَدَّرًا وَقُرِئَ كُلُّ بِالرَّفْعِ مُبْتَدَاءٌ خَبَرُهُ خَلَقْنَاهُ **وَمَا اَمْرُنَا** لِشَيْءٍ نُرِيْدُ وُجُوْدَهُ **اِلَّا** اَمْرَةٌ **وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ** ﴿۵۰﴾ فِي السُّرْعَةِ وَهِيَ كُنْ فَيُوْجَدُ اِنَّمَا اَمْرُهُ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ **وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا اَشْيَاعَكُمْ** اَشْبَاهَكُمْ فِي الْكُفْرِ مِنَ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ **فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ** ﴿۵۱﴾ اِسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَى الْاَمْرِ اَيْ اُذْكُرُوْا وَاتَّعِظُوْا **كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ** اَيِ الْعِبَادُ مَكْتُوْبٌ **فِي الزُّبُرِ** ﴿۵۲﴾ كُتُبِ الْحَفَظَةِ **وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ** مِنَ الذَّنْبِ اَوِ الْعَمَلِ **مُّسْتَطَرٌ** ﴿۵۳﴾ مُكْتَتَبٌ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ **اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ** بَسَاتِيْنَ **وَّنَهَرٍ** ﴿۵۴﴾ اُرِيْدَ بِهِ الْجِنْسُ وَقُرِئَ بِضَمِّ النُّوْنِ وَالْهَاءِ جَمْعًا كَاَسَدٍ وَاُسُدٍ اَلْمَعْنٰى اَنَّهُمْ يَشْرَبُوْنَ مِنْ اَنْهَارِهَا الْمَآءَ وَاللَّبَنَ وَالْعَسَلَ وَالْخَمْرَ **فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ** مَجْلِسِ حَقٍّ لَا لَغْوَ فِيْهِ وَلَا تَاْثِيْمَ وَاُرِيْدَ بِهِ الْجِنْسُ وَقُرِئَ مَقَاعِدَ الْمَعْنٰى اَنَّهُمْ فِيْ مَجَالِسَ مِنَ الْجَنَّاتِ سَالِمَةٌ مِنَ اللَّغْوِ وَالتَّاْثِيْمِ بِخِلَافِ مَجَالِسِ الدُّنْيَا فَقَلَّ اَنْ تَسْلَمَ مِنْ ذٰلِكَ وَاُعْرِبَ هٰذَا خَبَرًا ثَانِيًا وَبَدَلًا وَهُوَ صَادِقٌ بِبَدَلِ الْبَعْضِ وَغَيْرِهِ **عِنْدَ مَلِيْكٍ** مِثَالُ مُبَالَغَةٍ اَيْ عَزِيْزِ الْمُلْكِ وَاسِعِهٖ **مُّقْتَدِرٍ** ﴿۵۵﴾ قَادِرٍ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ وَهُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَعِنْدَ اِشَارَةٌ اِلَى الرُّتْبَةِ وَالْقُدْرَةِ مِنْ فَضْلِهٖ تَعَالٰى ۔

ترجمہ .... :اورفرعون (اوراس کی قوم) کے پاس بھی ڈرانے کی بہت سی چیزیں (موسیٰ اور ہارون کی زبانی مگر وہ ایمان نہیں لائے بلکہ ان لوگوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا (یعنی وہ نشانیاں جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئیں) سو ہم نے ان کو (عذاب میں) پکڑ لیا صاحب قوت کا پکڑنا (جس کو کوئی عاجز نہ کر سکے) کیا اے قریشیو! تم میں جو کافر ہیں ان میں ان لوگوں سے کچھ فضیلت ہے (جن کا ذکر ابھی قوم نوح سے لے کر آل فرعون تک ہوا ہے کیا ان کو عذاب نہیں دیا گیا) یا تمہارے لئے (اے کفار قریش) معافی ہے (عذاب سے) کتابوں میں (دونوں جگہ استفہام معنی نفی کے ہے) یعنی یہ بات نہیں ہے یا یہ لوگ کفار قریش کہتے ہیں کہ ہماری ایک جماعت ہے جو غالب ہی رہیں گے (محمد ﷺ کے مقابلہ میں ابوجہل نے جب جنگ بدر میں یہ نعرہ لگایا کہ انا نحن جمیع منتصر تو جواب نازل ہوا عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے (چنانچہ غزوہ بدر میں ہار گئے اور آنحضرت ﷺ کی ان کے مقابلہ میں مدد ہوئی) بلکہ قیامت ان کا وعدہ ہے (عذاب

کے لئے) اور قیامت (کا عذاب) (بڑی سخت (بھاری مصیبت) اور ناگوار چیز ہے (عذاب دنیا کے مقابلہ میں نہایت تلخ) یہ مجرمین نری غلطی) دنیا کی تباہی اور دہکتی آگ میں ہوں گے (جو آخرت میں نہایت بھڑکتی ہوگی) جس روز یہ اپنے مونہوں کے بل جہنم میں گھسیٹے جائیں گے (آخرت کے روز ان سے کہا جائے گا) کہ دوزخ کے (تمہیں) چھونے کا مزہ چکھو۔ یقیناً ہم نے ہر چیز کو (یہ منصوب ہے اس فعل سے جس کی تفسیر آگے ہے) انداز سے کیا پیدا کیا ہے (ناپ تول کر یہ حال ہے۔ "کل شئ" سے بمعنی مقدار۔ اور ایک قراءت میں کل رفع کے ساتھ مبتداء ہے جس کی خبر خلقناہ ہے)، اور ہمارا حکم (جس چیز کے موجود کرنے کا ہم ارادہ کرتے ہیں) ایسا یکبارگی ہو جاتا ہے جیسے پلک جھپکانا (آنا فانا یعنی کن کے ذریعہ وہ چیز موجود) ہو جاتی ہے۔ انما امره اذا ار اد شيئا ان يقول له كن فيكون) اور ہم تم جیسے لوگوں کو (گذشتہ امتوں میں تمہاری طرح کفر میں گزر چکے ہیں) ہلاک کر چکے ہیں سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے (استفہام امر کے معنی میں ہے یعنی دھیان کرو اور سمجھو) اور ہر وہ چیز جو کرتے ہیں (بندے وہ لکھی ہوئی) اعمالناموں میں ہے (کراماً کاتبین کے دفتروں میں) اور ہر چھوٹی بڑی چیز (گناہ یا عمل کی) لکھی ہوئی ہے (لوح محفوظ میں درج ہے) پرہیزگار لوگ باغات اور چشموں میں ہوں گے (نهـــر سے جنس مراد ہے ایک قراءۃ میں نون اور ہائے ضمہ کے ساتھ ہے جیسے اَسَـــد اور اُسُـــد۔ حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ جنت میں پانی دودھ، شہد اور شراب کی نہروں سے سیراب ہوں گے) ایک عمدہ مقام میں (شائستہ محفل میں جہاں نہ فضول بات ہوگی اور نہ غلط چیز۔ اس سے جنس مراد ہے۔ ایک قراءت میں مقاعد ہے یعنی پرہیزگار جنت کی ایسی محفلوں میں ہوں گے جس میں نہ فضول گوئی ہوگی اور نہ گناہ کی چیز۔ برخلاف دنیا کی مجالس کے جو بہت کم ان سے پاک ہوتی ہے۔ یہ ترکیب میں خبر ثانی اور بدل ہو سکتا ہے بدل البعض ہو یا دوسری قسم) بادشاہ کے پاس۔ (ملیک مبالغہ کا وزن ہے یعنی وسیع سلطنت کا مالک) جو قدرت والا ہے (جسے کوئی بھی دبا نہیں سکتا۔ یعنی حق تعالیٰ اور عند مرتبہ عظمت کے لئے ہے جو فضل الٰہی سے حاصل ہو گا۔)

تحقیق وترکیب:........ ال فرعون ۔آل کے معنی متعلقین وتبعین ہیں۔

النذر ۔مصدر ہے یا نذیر کی جمع ہے۔

كلها ۔نو نشانیاں (۱) عصا (۲) ید (۳) سنین (۴) طمس (۵) طوفان (۶) جراد (۷) قمل (۸) ضفادع (۹) دم مراد ہیں۔

نـحـن جـمـيـع ۔اس کی تفسیر جمع کے ساتھ اس لئے کی گئی تا کہ اس کا نحن کا خبر بننا صحیح ہو سکے۔ یہ نحن کی صفت نہیں ہے لیکن چونکہ لفظاً مفرد ہے اس لئے منتصرون کی بجائے منتصر پر اکتفا کیا گیا۔ اس میں فواصل کی رعائت بھی ہوگئی۔ افتعل بمعنی تفاعل ہے جیسے اختصم بمعنی تخاصم اور بعض نے منتصر بمعنی منتقم لیا ہے۔

الدبر فواصل کی رعائت سے مفرد لایا گیا ہے مراد جنس ہے یا ہر فرد مراد ہے۔

بل الساعة ۔یعنی کفار کی شکست ہی پر معاملہ ختم نہیں ہو جاتا۔ اس سے زیادہ مصیبت یہ کہ قیامت سر پر کھڑی ہے۔

ادهى. داهية سے اسم تفضیل ہے سخت وحشتناک چیز بجائے ضمیر کے اسم ظاہر تہویل کے لئے لایا گیا ہے۔

انا كل شىء ۔نصب کی قرائت پر مـا اضمر عامله على شرط التفسير ہے اور یہی قرأت راجح ہے۔ کیونکہ غلط معنی کا ابہام نہیں ہے۔ برخلاف ابوالسماک کی قرائت رفع کے اس میں غلط معانی کا ابہام ہے اس طرح کہ كـــل شـيـىء موصوف ہو اور خلقناہ اس کی صفت بنا دی جائے اور بقدر خبر ہو تو معنی ہوں گے جو چیزیں ہم نے بنائی ہیں وہ اندازہ کے ساتھ بنی ہوئی ہے جس سے یہ ابہام پیدا ہوتا ہے کہ بعض چیزیں اللہ کی بنائی ہوئی نہیں اور وہ بے تخمینہ ہیں۔ یہ اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف اور معتزلہ کے نظریہ کے مطابق ہے۔

چنانچہ ابوالبقاء فرماتے ہیں کہ نصب کی قرأت سے عموم معلوم ہوتا ہے وہی بہتر ہے اور رفع کی قراءت سے عموم معلوم نہیں ہوتا۔ اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ خلقناہ شیٔ کی صفت ہے۔ کیونکہ صفت موصوف سے پہلے اور صلہ۔ موصول سے پہلے عمل نہیں کر سکتے۔ اور نہ ماقبل کے عامل کی تفسیر ہو سکتی ہے۔ پس جب یہ ماقبل کی صفت نہیں بن سکتی تو تاکید یا تفسیر ہی کہا جائے گا مضمر ناصب کی۔ اس سے عموم نکل آئے گا۔

ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ اگر کہیں فعل میں وصف ہونے کا احتمال ہو اور وہ خبر بننے کی صلاحیت رکھے اور فعل میں بھی خبر بننے کی صلاحیت ہو سکے تو اس وقت پہلے اسم میں نصب مختار ہوگا۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ فعل وصف نہیں ہے کہ جیسا کہ یہاں ہے۔ کیونکہ رفع صورت میں یہ ایہام ہو سکتا ہے کہ فعل "وصف" ہے اور بقدر خبر ہے۔ اسی طرح حکم خاص رہے گا۔ حالانکہ مقصود حکم کا عام ہوتا ہے برخلاف قراءت نصب کے اس میں بقدر فعل ناصب سے متعلق ہوگا۔

الا واحدة۔ مفسرؒ نے موصوف محذوف کی طرف اشارہ کر دیا۔

کلمح البصر۔ لمحہ نہایت قلیل وقت کو کہا جاتا ہے "لمحہ بصر" پلک جھپکنا۔

اشیاعکم۔ اشیاع کے معنی اتباع کے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ۔ **شیعة الرجل اتباعه وانصاره**۔ روح البیان میں ہے اشیاع شیعۃ کی جمع ہے مددگار۔ ایک جماعت۔

کل شیٔ فعلوه۔ اس آیت میں نحوی قاعدہ پہلی آیت کے برعکس ہے۔ یہاں سب کے نزدیک کل میں رفع کی قراءت ہے کیونکہ معنی یہ ہیں کہ انسانوں کے جملہ افعال لوح محفوظ میں درج ہیں۔ لیکن اگر اس پر نصب پڑھا جائے تو معنی یہ ہو جائیں گے کہ جو چیزیں لوح محفوظ میں درج ہیں لوگ بس وہی کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ معنی بالکل غلط ہیں۔ کیونکہ لوح محفوظ میں ہمارے کاموں کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں درج ہیں۔ دونوں آیتوں میں اہم ترین نکات عربیہ ہیں۔ ایک ہی جگہ ان دونوں نکتوں کا جمع ہونا لطف کلام کو دوبالا کر رہا ہے۔

ونهر۔ فواصل کی رعایت سے مفرد لایا گیا ہے لیکن جنس مراد ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ نہر جاری مراد نہیں۔ بلکہ فضا اور وسعت مراد ہے۔ اور قاموس میں ہے کہ نہر کے معنی وسعت کے ہیں اور کتب کے وزن پر نہر بمعنی واسع ہے اور بعض کی رائے ہے کہ جس طرح سحاب کی جمع سحب ہے اسی طرح انہار کی جمع نہر ہے یعنی وہاں نہ رات ہوگی اور نہ اندھیرا ہوگا۔

مقعد صدق۔ اس میں سچی صحیح باتیں ہوگی یہاں بھی جنس مراد ہے یہ ان کی خبر ثانی ہے یا جنات خبر اول سے بدل ہے۔

عند مليك۔ قرب مکانی مراد نہیں ہے بلکہ قرب رتبی مراد ہے۔ تاویلات نجمیہ میں ہے جو متقین اکمل ہیں وہ جنت وصال میں ہوں گے۔ انہیں حکمت کی نہروں سے شراب معرفت پلائی جائے گی اور ان نہروں سے غوطہ خوری کر کے معارف کے موتی نکالیں گے اور وہ مقام وحدت ذاتیہ میں اقامت گزین ہوں گے۔ جیسے حدیث میں ہے۔ **ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی**۔

ربط آیات:........ آیت ولقد جاء میں فرعون اور اس کی قوم کی بربادی کا سرسری ذکر ہے۔ آیت "اکفارکم" سے آپ کے زمانہ کے کفار کو بھی لتاڑ دی جا رہی ہے کہ تم بھی پچھلوں کے ہم پیالہ ہم نوالہ بنائے جاؤ گے۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔

پھر آخر میں آیت **ان المتقين** سے اہل ایمان وتقویٰ پر نوازشوں کا ذکر ہے۔

روایات......... حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آیت **سیهزم الجمع** نازل ہوئی تو میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ کب ہوگا لیکن جب بدر میں آنحضرت ﷺ نے زرہ وغیرہ ہتھیار زیب تن کر کے یہ آیت پڑھی تو میں سمجھ گیا کہ آیت کا مصداق یہی ہے۔

﴿ تشریح ﴾ .... اکفارکم پچھلی قوموں کے حالات سنا کر موجودہ لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم بھی جب اس ڈگر پر چل رہے ہو تو کیا تم ان نتائج بد سے بچ سکو گے جن سے وہ لوگ دوچار ہو چکے ہیں؟ کچھ تم ان سے بڑھ چڑھ کر ہو یا تمہارے نام چھوٹ کا کوئی پروانہ لکھ دیا گیا ہے کہ جو چاہو کرو تمہیں سزا نہیں ملے گی۔ یا یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ تمہارا جتھا بہت بڑا ہے وہ سب مل کر تمہاری مدد کو آجائیں گے۔ سب سے بدلہ لے کر چھوڑیں گے اور اپنے مقابلہ میں کسی کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

کفار کی طاقت کا نشہ جلد ہی اتر گیا: .... مگر سیهزم الجمع عنقریب تمہیں اپنی جماعت کا دم خم معلوم ہو جائے گا۔ جب مسلمانوں سے شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہو گے۔ جیسا کہ بدر میں اور احزاب میں دنیا نے یہ تماشا دیکھا۔ یہی مبارک آیت اس وقت آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر جاری تھی۔ اور ابھی کیا اصل درگت تو ان کی قیامت میں بنے گی جو سر پر کھڑی ہے وہ سخت مصیبت کا وقت ہو گا۔ اب تو غفلت کے نشہ میں پاگل ہو رہے ہو مگر دماغ سے یہ سودا اس وقت نکلے گا جب انہیں اوندھے منہ دوزخ میں گھسیٹا جائے گا۔ اور یہ کہا جائے گا کہ اب مزہ چکھو۔

انا کل شیئ ۔ رہا یہ کہ قیامت کب آئے گی؟ سو یہ بات ہے کہ ہر چیز کا ایک مقررہ وقت ہے جو اللہ کے علم میں پہلے سے ٹھہر چکا ہے۔ قیامت کا وقت پہلے سے اس کے یہاں طے شدہ ہے۔ ایک پل اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ یوں تو ہم چشم زدن میں جو چاہیں کر ڈالیں۔ ہمیں کسی چیز کے بنانے یا بگاڑنے میں دیر کیا لگتی ہے اور مشقت کیا ہوتی ہے۔

تمہاری طرح کے کتنے کافر پہلے تباہ ہو چکے۔ پر تم میں کوئی اتنا سوچنے والا نہیں ہے کہ ان کے حال سے عبرت پکڑے ہر ایک کی نیکی بدی دفتر اعمال میں درج ہو رہی ہے۔ وقت آنے پر ساری مسل سامنے کر دی جائے گی۔ اور اسی دفتر اعمال پر اکتفا نہیں بلکہ مرکزی دفتر ''لوح محفوظ'' میں ہر چھوٹی بڑی تفصیل پہلے سے مرتب کی جا چکی ہے یہ دوہرا انظام با قاعدہ مرتب صورت میں ہے۔ مجال ہے کہ کوئی چھوٹی بڑی چیز ادھر سے ادھر ہو جائے۔

جس طرح مجرمین کے لئے جیل خانہ اور اس کی دہشت ناک سزائیں ہیں اسی طرح وفادار اور اطاعت شعار بھی عالی مقام میں ہوں گے جہاں اس شہنشاہ اعظم کا قرب نصیب ہوگا۔

سُورَةُ الرَّحْمٰنِ

سُورَةُ الرَّحْمٰنِ مَكِّيَّةٌ اَوْ اِلَّا يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْاٰيَةَ فَمَدَنِيَّةٌ
وَهِيَ سِتٌّ اَوْ ثَمَانٌ وَّ سَبْعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

اَلرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ **عَلَّمَ** مَنْ شَاءَ **الْقُرْاٰنَ** ﴿۲﴾ **خَلَقَ الْاِنْسَانَ** ﴿۳﴾ اَيِ الْجِنْسَ **عَلَّمَهُ الْبَيَانَ** ﴿۴﴾ اَلنُّطْقَ **اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ** ﴿۵﴾ بِحِسَابٍ يَجْرِيَانِ **وَّالنَّجْمُ** مَا لَا سَاقَ لَهٗ مِنَ النَّبَاتِ **وَالشَّجَرُ** مَا لَهٗ سَاقٌ **يَسْجُدَانِ** ﴿۶﴾ يَخْضَعَانِ بِمَا يُرَادُ مِنْهُمَا **وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ** ﴿۷﴾ اَثْبَتَ الْعَدْلَ **اَلَّا تَطْغَوْا** اَيْ لِاَجْلِ اَنْ لَّا تَجُوْرُوْا **فِي الْمِيْزَانِ** ﴿۸﴾ مَا يُوْزَنُ بِهٖ **وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ** بِالْعَدْلِ **وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ** ﴿۹﴾ تَنْقُصُوا الْمَوْزُوْنَ **وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا** اَثْبَتَهَا **لِلْاَنَامِ** ﴿۱۰﴾ لِلْخَلْقِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَغَيْرِهِمْ **فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ** الْمَعْهُوْدُ **ذَاتُ الْاَكْمَامِ** ﴿۱۱﴾ اَوْعِيَةُ طَلْعِهَا **وَالْحَبُّ** كَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ **ذُو الْعَصْفِ** التِّبْنِ **وَالرَّيْحَانُ** ﴿۱۲﴾ الْوَرَقُ اَوِ الْمَشْمُوْمُ **فَبِاَيِّ اٰلَآءِ** نِعَمِ **رَبِّكُمَا** يَا اَيُّهَا الْاِنْسُ وَالْجِنُّ **تُكَذِّبٰنِ** ﴿۱۳﴾ ذُكِرَتْ اِحْدٰى وَ ثَلٰثِيْنَ مَرَّةً وَالْاِسْتِفْهَامُ فِيْهَا لِلتَّقْرِيْرِ لِمَا رَوَى الْحَاكِمُ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَرَأَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ الرَّحْمٰنَ حَتّٰى خَتَمَهَا ثُمَّ قَالَ مَا لِيْ اَرٰكُمْ سُكُوْتًا لَلْجِنُّ كَانُوْا اَحْسَنَ مِنْكُمْ رَدًّا مَا قَرَأْتُ عَلَيْهِمْ هٰذِهِ الْاٰيَةَ مِنْ مَرَّةٍ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ـ اِلَّا قَالُوْا وَلَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ **خَلَقَ الْاِنْسَانَ** اٰدَمَ **مِنْ صَلْصَالٍ** طِيْنٍ يَابِسٍ يُسْمَعُ لَهٗ صَلْصَلَةٌ اَيْ صَوْتٌ اِذَا نُقِرَ **كَالْفَخَّارِ** ﴿۱۴﴾ وَهُوَ مَا طُبِخَ مِنَ الطِّيْنِ **وَخَلَقَ الْجَآنَّ** اَبَا الْجِنِّ وَهُوَ اِبْلِيْسُ **مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ** ﴿۱۵﴾ هُوَ لَهَبُهَا الْخَالِصُ مِنَ الدُّخَانِ **فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۱۶﴾ **رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ**

مَشْرِقُ الشِّتَاءِ وَمَشْرِقُ الصَّيْفِ **وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ** ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ **فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۱۸﴾ **مَرَجَ**
اَرْسَلَ **الْبَحْرَيْنِ** الْعَذْبَ وَالْمِلْحَ **يَلْتَقِيٰنِ** ﴿۱۹﴾ فِي رَأْيِ الْعَيْنِ **بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ** حَاجِزٌ مِنْ قُدْرَتِهٖ تَعَالٰى **لَّا يَبْغِيٰنِ**
﴿۲۰﴾ لَا يَبْغِيْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا عَلَى الْاٰخَرِ فَيَخْتَلِطُ بِهٖ **فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۲۱﴾ **يَخْرُجُ** بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ
وَالْفَاعِلِ **مِنْهُمَا** مِنْ مَجْمُوْعِهِمَا الصَّادِقُ بِاَحَدِهِمَا وَهُوَ الْمِلْحُ **اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ** ﴿۲۲﴾ خَرَزٌ اَحْمَرُ اَوْ صِغَارُ اللُّؤْلُؤِ
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ **وَلَهُ الْجَوَارِ** السُّفُنُ **الْمُنْشَئٰتُ** الْمُحْدَثَاتُ **فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ** ﴿۲۴﴾
كَالْجِبَالِ عِظَمًا وَارْتِفَاعًا **فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۲۵﴾ **كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا** اَيِ الْاَرْضِ مِنَ الْحَيَوَانِ **فَانٍ** ﴿۲۶﴾
هَالِكٌ وَعَبَّرَ بِمَنْ تَغْلِيْبًا لِلْعُقَلَاءِ **وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ** ذَاتُهٗ **ذُو الْجَلٰلِ** الْعَظَمَةِ **وَالْاِكْرَامِ** ﴿۲۷﴾ لِلْمُؤْمِنِيْنَ
بِاَنْعُمِهٖ عَلَيْهِمْ **فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۲۸﴾ **يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اَيْ بِنُطْقٍ اَوْ حَالٍ مَا
يَحْتَاجُوْنَ مِنَ الْقُوَّةِ عَلَى الْعِبَادَةِ وَالرِّزْقِ وَالْمَغْفِرَةِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **كُلَّ يَوْمٍ** وَقْتٍ **هُوَ فِيْ شَاْنٍ** ﴿۲۹﴾ اَمْرٍ
يُظْهِرُهٗ فِي الْعَالَمِ عَلٰى وَفْقِ مَا قَدَّرَهٗ فِي الْاَزَلِ مِنْ اِحْيَاءٍ وَّاِمَاتَةٍ وَاِعْزَازٍ وَاِذْلَالٍ وَاِغْنَاءٍ وَاِعْدَامٍ وَاِجَابَةِ دَاعٍ
وَاِعْطَاءِ سَائِلٍ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۳۰﴾ **سَنَفْرُغُ لَكُمْ** سَنَقْصُدُ لِحِسَابِكُمْ **اَيُّهَا**
الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ **فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۳۲﴾ **يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ**
اَنْ تَنْفُذُوْا تَخْرُجُوْا **مِنْ اَقْطَارِ** نَوَاحِي **السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا** اَمْرُ تَعْجِيْزٍ **لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا**
بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ بِقُوَّةٍ وَلَا قُوَّةَ لَكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ **فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۳۴﴾ **يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ**
مِّنْ نَّارٍ هُوَ لَهَبُهَا الْخَالِصُ مِنَ الدُّخَانِ اَوْ مَعَهٗ **وَّنُحَاسٌ** اَيْ دُخَانٌ لَا لَهَبَ فِيْهِ **فَلَا تَنْتَصِرٰنِ** ﴿۳۵﴾
تَمْتَنِعَانِ مِنْ ذٰلِكَ بَلْ يَسُوْقُكُمْ اِلَى الْمَحْشَرِ **فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۳۶﴾ **فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ**
انْفَرَجَتْ اَبْوَابًا لِنُزُوْلِ الْمَلٰٓئِكَةِ **فَكَانَتْ وَرْدَةً** اَيْ مِثْلَهَا مُحْمَرَّةً **كَالدِّهَانِ** ﴿۳۷﴾ كَالْاَدِيْمِ الْاَحْمَرِ عَلٰى
خِلَافِ الْعَهْدِ بِهَا وَجَوَابُ اِذَا فَمَا اَعْظَمَ الْهَوْلَ **فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۳۸﴾ **فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ**
ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ عَنْ ذَنْبِهٖ وَيُسْئَلُوْنَ فِيْ وَقْتٍ اٰخَرَ فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ وَالْجَآنُّ هُنَا وَفِيْمَا
سَيَاْتِيْ بِمَعْنَى الْجِنِّيِّ وَالْاِنْسُ فِيْهِمَا بِمَعْنَى الْاِنْسِيِّ **فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۴۰﴾ **يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ**
بِسِيْمٰهُمْ اَيْ سَوَادِ الْوُجُوْهِ وَزُرْقَةِ الْعُيُوْنِ **فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ** ﴿۴۱﴾ **فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ**
﴿۴۲﴾ اَيْ تُضَمُّ نَاصِيَةُ كُلٍّ مِّنْهُمَا اِلٰى قَدَمَيْهِ مِنْ خَلْفٍ اَوْ قُدَّامٍ وَيُلْقٰى فِي النَّارِ وَيُقَالُ لَهُمْ **هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ**

يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ يَسْعَوْنَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ حَمِيْمٍ مَاءٍ حَارٍّ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ شَدِيْدِ الْحَرَارَةِ يُسْقَوْنَهُ اِذَا اسْتَغَاثُوْا مِنْ حَرِّ النَّارِ وَهُوَ مَنْقُوْصٌ كَقَاضٍ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ...... پوری سورہ رحمٰن مکیہ ہے یا بجز آیت یسأله من فی السموات کے مدنیہ ہے۔ کل آیات ۷۶ یا ۷۸ ہیں۔ بسم الله الرحمن الرحيم۔

رحمٰن نے (جس کو چاہا) قرآن کی تعلیم دی۔ اس نے (جنس) انسان کو پیدا کیا۔ اس کو گویائی (بول چال) سکھلائی۔ سورج اور چاند حساب کے ساتھ (چل رہے) ہیں اور بے تنا درخت (جن سبزیوں کے تنا نہیں ہوتا) اور تنادار درخت دونوں تابعدار ہیں (قدرت کو جو کچھ منظور ہے وہ پورا کرتے ہیں) اور آسمان کو اس نے اونچا کیا اور اس نے ترازو رکھدی (انصاف قائم کیا) تا کہ تم تولنے میں کمی بیشی (ظلم) نہ کرو اور انصاف کے ساتھ وزن ٹھیک رکھو اور تول کو گھٹاؤ مت اور اسی نے زمین کو خلقت (انسان جن وغیرہ مخلوق) کے لئے رکھ دیا۔ جس میں میوے اور کھجور کے خاص درخت ہیں جن پر غلاف ہوتا ہے (خوشوں کی تھیلی) اور غلہ (جیسے گیہوں جو) جس میں بھوسا (تنکا) ہوتا ہے اور پھول پتے (گھاس یا خوشبو) ہیں۔ سو تم دونوں (اے انس وجن) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے (یہ آیت اس سورت میں ۳۱ مرتبہ دہرائی گئی ہے۔ اس میں استفہام تقریر کیلئے ہے۔ حاکم نے جابر سے روایت کی ہے آنحضرت ﷺ نے سورہ رحمٰن پڑھ کر فرمایا تم خاموش کیوں ہو۔ تم سے تو جن ہی اچھے ہیں کہ انہوں نے ہر مرتبہ فبأی الآء ربكما تكذبان سن کر یہ کہا کہ ولا بشئی من نعمتك ربنا تكذب فلك الحمد یعنی ہمارے پروردگار ہم آپ کی کسی نعمت کا انکار نہیں کر سکتے۔ بلکہ آپ کے حمد گزار ہیں) اسی نے انسان (آدم) کو ایسی مٹی سے پیدا کیا جو بجتی تھی (سوکھی مٹی جو بجانے پر کھن کھن بولے) ٹھیکرے کی طرح مٹی (جب آگ میں پک جائے) اور جنات (ابوالجن، ابلیس) کو خالص آگ سے پیدا کیا (ایسی خالص آگ کی لپٹ جس میں دھواں شامل نہ ہو) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے وہ دونوں مشرق (سردیوں گرمیوں) کا اور دونوں (سردیوں گرمیوں کی) مغرب کا (بھی) مالک ہے۔ سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ اس نے ملا دیا (جاری کیا) دونوں (شیریں اور شور) دریاؤں کو باہم ملے ہوئے ہیں (دیکھنے میں) ان دونوں کے درمیان ایک حجاب ہے۔ (قدرت الٰہی) کی آڑ کہ دونوں بڑھ نہیں سکتے (کہ ایک دوسرے پر چھا کر مل جائیں) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ برآمد ہوتا ہے (مجہول ومعروف ہے) ان دونوں سے (یعنی دونوں کے مجموعہ سے جو دریائے شور پر صادق آتا ہے) موتی اور مونگا (سرخ پوتھ اور چھوٹے موتی) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اور اسی کے ہیں جہاز (کشتیاں) جو کھڑے (بنائے گئے) ہیں سمندر میں پہاڑوں کی طرح (بڑائی اور بلندی میں پہاڑوں جیسے) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ جس قدر روئے زمین پر (جاندار چیزیں) موجود ہیں سب فنا ہو جائیں گی (لفظ مـــن لانا بطور تغلیب عقلا ہے) اور آپ کے پروردگار کی ذات باقی رہ جائے گی۔ جو جلال (عظمت) اور احسان والی ہے (مومنین پر انعام کر کے) سو تم دونوں کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جائے گے۔ اسی سے سب زمین وآسمان والے مانگتے ہیں (زبان سے ضروریات، وہ عبادت کی قوت ہو یا رزق ومغفرت وغیرہ) وہ ہر آن کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے (عالم میں جو کچھ بھی ظاہر ہوتا ہے وہ تقدیر ازلی کے مطابق ہوتا ہے خواہ جلانا ہو یا مارنا، عزت ہو یا ذلت دینا، امیر بنانا ہو یا فقیر کرنا۔ قبولیت دعا ہو یا مانگنے والے کو عطا وغیرہ) سو تم دونوں رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ عنقریب ہم تمہارے (حساب کے) لئے فارغ ہوا چاہتے ہیں (اے انس وجن) سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو

جاؤ گے۔ اے جن اور انسانوں کے گروہ اگر تمہیں یہ قدرت ہے کہ کہیں باہر نکل جاؤ آسمانوں اور زمین کی حدود (اطراف) سے تو نکل جاؤ (یہ حکم عاجز کرنے کیلئے ہے) بدوں زور کے نہیں نکل سکتے (اور تمہیں اتنی طاقت ہے نہیں) سوتم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ تم دونوں پر آگ کا شعلہ چھوڑا جائے گا (خالص لپٹ جس میں دھواں نہ ہو یا دھویں سمیت) اور دھواں (خالص جس میں لپٹ نہ ہو) پھر تم ہٹا نہ سکو گے (ان سے بچ نہ سکو گے۔ بلکہ تمہیں یہ دونوں محشر میں دھکیل دیں گے سوتم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ غرض جب آسمان پھٹ جائے گا (فرشتے نازل ہونے کیلئے دروازے بن جائیں گے) اور سرخ ہو جائے گا (گلاب کی طرح) جیسے سرخ نری (لال چمڑا جو اصلی ہیت کے خلاف ہوا ذا کا جواب فماعظم الھول ہے یعنی بڑی ہیبت ہو جائے گی) سوتم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ تو اس روز نہ کسی انسان سے اس کے جرم کی نسبت پوچھا جائے گا اور نہ جن سے (اس گناہ کے متعلق البتہ دوسرے وقت دریافت کیا جائے گا۔ چنانچہ فوربک لنسئلھم اجمعین ہے اور الجان یہاں اور آگے بمعنی جنی ہے الا نس بھی دونوں جگہ بمعنی انسی ہے) سوتم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو منکر ہو جاؤ گے۔ مجرم لوگ اپنے حلیہ سے پہچانے جائیں گے (یعنی کالے چہرے اور نیلی آنکھوں سے) چنانچہ سر کے بال اور ہاتھ پاؤں پکڑ لئے جائیں گے۔ سوتم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سے نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (یعنی دونوں فرقوں کی پیشانیاں اور پاؤں پیچھے یا سامنے کی جانب باندھ دیئے جائیں گے اور جہنم میں جھونک دیا جائے گا اور کہا جائے گا) یہ ہے جہنم جس کو مجرم لوگ جھٹلایا کرتے تھے وہ لوگ گھر میں دوڑیں گے دوزخ کے اور گرم (تیز) کھولتے ہوئے پانی کے درمیان (جو انتہائی حرارت والا ہوگا۔ آگ کی گرمی سے بلبلانے پر انہیں پلایا جائے گا۔ اٰنٍ قاضٍ کی طرح ناقص یائی ہے) سوتم اپنے پروردگار کی کون کون سے نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

تحقیق وترکیب: ......سورۃ الرحمٰن۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ لکل شیء عروس و عروس القران سورۃ الرحمن۔ عائشہؓ ابن عباسؓ، زبیرؓ تو اس کو مکی کہتے ہیں اور ابن عباسؓ سے مدنی ہونا بھی منقول ہے۔ مفسرؒ صرف آیت یسألہ من فی السمٰوات الخ کو مدنی فرمار ہے ہیں لیکن گاذرونی اس کے ساتھ آیت فبای الاء ربکما تکذبان کو بھی مدنی کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ آیت خاص نہیں ہے بار بار آرہی ہے الرحمٰن مبتدائے محذوف کی خبر ہے ای اللہ الرحمٰن یا اس کی خبر محذوف ہے ای الرحمٰن لربنا۔ یا اس کو مبتداء اور بعد کے جملہ کو خبر کہا جائے۔

علمہ البیان۔ زبان سے اظہار مافی الضمیر انسان کا خاصہ ہے۔ دوسرے حیوانات کو ناطق نہیں مانا گیا ہے۔

بحسبان۔ یہ مفرد ہے بمعنی حساب جیسے غفران، کفران، اور حساب کی جمع بھی ہوسکتی ہے۔ جیسے شہاب کی جمع شہبان اور رغیف کی جمع رغفان آتی ہے۔ مہینوں اور موسموں کے لحاظ سے چاند سورج دونوں اپنے اپنے مدار پر مقررہ رفتاروں کے ساتھ منازل اور برج طے کرتے رہتے ہیں۔

ووضع المیزان۔ حدیث میں ہے۔ بالعدل قامت السمٰوات والارض۔

الا تطغوا۔ یعنی ان ناصبہ ہے نافیہ نہیں ہے اور تطغوا منصوب ہے ان کے ذریعہ جس سے پہلے لام علت مقدر ہے۔

اقیموا الوزن۔ زائد لینے کو طغیان اور کمی کو اخسار اور برابر سرابر کو قسط کہتے ہیں۔

للانام۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ روئے زمین پر جتنی چیزیں ہیں وہ انام میں داخل ہیں۔ لیکن حسنؒ صرف جن وانس کو کہتے ہیں۔

الاکمام۔ اکمام کم کی جمع ہے غلاف شگوفہ۔

طلعھا۔ طلع ابتدائی شگوفہ۔

ذوالعصف۔ عصف بقول صراح گھاس اور بقول بیضاویؒ سوکھی گھاس تنکے پتے۔ قاموس میں ہے کہ گیہوں وغیرہ کے بھوسہ کو کہتے ہیں۔

الریحان ۔ پتوں اور خوشبو کو کہتے ہیں۔ حدیث **لا شیئ من نعمک** میں جونعمتوں کو عام فرمایا گیا۔ اس پر شبہ یہ ہے کہ آیت میں **یرسل علیکما شواظ من نار و نحاس** میں آگ اور دھوئیں کا ذکر ہے ان کو نعمت کیسے کہا جائے؟ جواب یہ ہے کہ مصائب کو دفع کرنا اور ان سے بچاؤ بھی نعمت ہے۔ اسی طرح عذاب کو مؤخر کرنا اور دنیا کو مقررہ وقت تک باقی رکھنا موت کا عام ہونا نیک و بد سب کے لئے یہ بھی نعمتیں ہیں۔

صلصال کالفخار۔ صلصال کھنکھناتی خشک مٹی اور فخار ٹھیکرے کے معنی ہیں۔

رب المشرقین ۔ عام قراءت رفع کی ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ مبتداء ہو اور خبر **مرج البحرین** ہے درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ دوسرے یہ کہ مبتداء محذوف کی خبر ہو۔ تیسری صورت یہ ہے کہ **خلق الانسان** کی ضمیر سے بدل ہو۔ لیکن ابن ابی عبلہ رب کو مجرور پڑھتے ہیں **ربکما** کا بدل یا بیان مان کر، مکی کہتے ہیں کہ **ربکما** سے بدل مان کر مجرور پڑھنا بھی جائز ہے۔

مرج البحرین ۔ **مرجت الدابة**۔ کہا جاتا ہے بمعنی **ارسلتها**، بحرین سے دریائے شیریں اور شور مراد ہے اور بعض نے بحر فارس و روم مراد لئے ہیں۔

یلتقیان ۔ یہ بحرین سے حال مقدرہ یا حال مقارنہ ہے۔

بینھما برزخ ۔ جملہ مستانفہ یا حال بن سکتا ہے یا صرف **بینھما** کو حال اور **برزخ** کو فاعل کہا جائے۔ اور ذوالحال خواہ بحرین کو کہا جائے یا **یلتقیان** کے فاعل کو۔ اور **لایبغیان** بھی پہلے کی طرح حال ہے اور یہ حال علت کے درجہ میں ہے ای **لئلا یبغیا** ۔ اور بعض نے کہا کہ اصل عبارت تو اسی طرح تھی۔ مگر حرف علت کو مع ان حذف کر دیا گیا۔ پھر فعل مرفوع ہو گیا۔ جیسا کہ **ومن اٰیاته یریکم البرق** میں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نمکین اور شیریں سوت بظاہر ملے ہوئے رہتے ہیں۔ مگر اللہ کی قدرت دونوں کو الگ الگ رکھتی ہے۔ پس جب بے عقل جمادات کو اللہ ایک دوسرے پر بغاوت نہیں کرنے دیتا۔ تو اہل عقل کو کیسے اجازت دے سکتا ہے اور وہ کیسے بغاوت کرتے ہیں۔

جس طرح دونوں قسم کے دریاؤں کے موتی مونگا نکلنے کی صورت میں **منھما** صادق آتا ہے۔ اسی طرح اگر صرف ایک قسم کے دریا سے موتی وغیرہ نکلتے ہوں۔ تب بھی یہ لفظ صحیح رہے گا۔ جیسے کہا جائے **کل رجل یحمل الصخرة العطیة** یعنی جس طرح یہ تمام مجموعہ افراد کی صورت میں صادق آتا ہے۔ اسی طرح بعض افراد کی صورت میں بھی صادق آجائے گا۔

اللؤلؤ و المرجان ۔ ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ چھوٹے موتی۔ اور حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ سے بڑے بڑے موتی کے ہیں۔ اور مرجان کے معنی صراح میں جوہر کے ہیں۔ اور روح البیان میں سرخ پوتھ کے ہیں۔ اور فریدۃ العجائب میں لکھا ہے کہ موتی بحر ہند و بحر فارس میں ہوتا ہے اور مرجان سمندر میں درخت کی طرح اگتے ہیں اس میں اور بھی اقوال ہیں۔

المنشاٰت۔ بمعنی مرفوعات۔ انشاء بمعنی رفع، شرع شراع کی جمع ہے۔ بادبان کو کہتے ہیں۔ پہاڑ اور کشتیاں بھی پانی پر ابھری کھڑی رہتی ہیں اور بعض نے منشات کے معنی مخلوقات ومحدثات کے لئے ہیں۔ یعنی گویا یہ سمندر میں پیدا ہو گئے ہیں۔ اس معنی کی لطافت واضح ہے۔

ذوالجلال والاکرام ۔ پہلے لفظ میں وعید۔ دوسرے میں وعدہ کے معنی ہیں جلال سے عالم کے فنا ہونے اور کفار کے عذاب کی طرح اور اکرام سے عالم کے زندہ کرنے اور مؤمنین کے ثواب کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں تو عام قراءت میں ذو امرفوع ہے اور قراءت شاذہ میں مجرور۔ لیکن اخیر سورت میں دونوں قراءتیں متواتر ہیں۔

یسئله من فی السمٰوات۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور من وجہ حال بھی ہو سکتا ہے یبقی عامل ہے۔

کل یوم۔ اس میں یہود کے اس خیال کی تردید ہے کہ یوم السبت میں اللہ کچھ نہیں کرتا۔ اسی لئے کہ اس کو **یوم السبت** کہتے ہیں بمعنی انقطاع و

تعطل۔ یہاں یـــــوم کے معنی مطلق وقت کے ہیں۔ کیونکہ اللہ کی شئون وصفات غیر متناہی ہیں۔ ہر آن ان کی نرالی شان ہے شان سے مراد صفات فعلیہ ہیں۔ جن میں تغیرات باعث اشکال نہیں بلکہ اگر غور کیا جائے تو تغیرات، متعلقات میں ہوتے ہیں نہ کہ صفات فعلیہ میں۔ اور صفات ذات اور خود ذات میں تو کسی طرح کا تغیر ممکن نہیں وہ مغیر ہے نہ کہ متغیر۔

سنفرغ ۔اس لفظ پر اشکال ہے کہ وہ مشغول ہی نہیں کہ اس کو فارغ کہا جاسکے۔ جواب کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ مراد پوری توجہ اور ارادہ وقصد ہے۔ محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ ہم بالکلیہ اس کام کے لئے فارغ ہوگئے۔ یہ آیت بھی وعدو وعید پر مشتمل ہے۔

الثقلان ۔ثقل کے معنی وزن اور بوجھ کے ہیں جن وانس زندہ ہوں یا مردہ زمین پر بوجھ ہیں۔ جنات اگرچہ بظاہر مادی نہیں ہوتے تاہم قدر و منزلت کے اعتبار سے ان کو بھی انسانوں کے ساتھ وزنی سمجھا گیا۔ حدیث میں ہے انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی یا دونوں کو گناہوں کی وجہ سے بوجھل سمجھا گیا ہے جیسا کہ امام جعفر صادق نے فرمایا ہے۔

فانفذوا ۔بعض کی رائے ہے کہ قیامت میں ارشاد ہوگا۔

کالدھان ۔خبر ثانی ہے یا وردۃ کی صفت ہے اور کانت کے اسم سے بھی حال ہوسکتا ہے اور دھان دہن کی جمع ہے جیسے قرط کی جمع قراط ہے اور دمح کی جمع دماح ہے۔ مجاہدؒ ضحاکؒ کی رائے یہی ہے۔ اس صورت میں یوم تکون السماء کالمھل کی طرح ہوجائے گا۔ اور دھان اسم مفرد بھی ہوسکتا ہے چنانچہ زمخشریؒ کہتے ہیں کہ اسم لما یدھن بہ کالخرام و الادام۔

لا یسأل ۔آیت فو ربک لنسئلنھم اجمعین اور آیت وقفوھم انھم مسئولون اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ قیامت میں مختلف احوال پیش آئیں گے۔

انس ولا جآن ۔یہ دونوں لفظ اسم جنس ہیں۔ ان میں یا کا اضافہ کر دیا جائے تو انسی اور جنی مفرد ہوجائیں گے۔ لیکن اسم جنس کا اطلاق بھی چونکہ مفرد پر ہوسکتا ہے۔ اس لئے مفسرؒ کی تاویل کی حاجت نہیں رہ جاتی۔ تاہم سوال چونکہ افراد سے ہوا کرتا ہے۔ اس لئے تاویل کی ضرورت پڑی۔

زرقۃ العیون ۔گربہ چشم کو کہتے ہیں۔

حمیم ان ۔ضرب سے انی یانی ۔ قضی یقضی کی طرح، فھو ان۔

ربط آیات: .... پچھلی سورت میں زیادہ تر نعمتوں اور مصیبتوں کا بیان تھا۔ اگرچہ اسباب ہدایت ہونے کی حیثیت سے وہ حکماً اور معناً نعمتیں ہوں۔ تاہم اس میں اول وآخر کچھ مضمون نعمتوں کا تھا برخلاف اس سورت کے اس میں زیادہ مضمون دنیاوی اور اخروی نعمتوں کا ہے۔ اور درمیان میں کچھ مضمون نعمتوں اور مصیبتوں کا بھی آگیا ہے۔ اگرچہ اسباب ہدایت ہونے کی وجہ سے وہ بھی نعمتیں ہی ہیں۔ اسی لئے ظاہری نعمتوں کی طرح ان حکمی نعمتوں کے بعد بھی آیت فبای الا ربکما تکذبان دہرائی گئی ہے۔ چنانچہ پہلے رکوع میں دنیاوی نعمتوں کا ذکر ہے۔ کچھ ظاہری اور جسمانی اور کچھ باطنی اور روحانی۔ اور دوسرے رکوع اور اخروی نعمتوں اور مصیبتوں کا بیان ہے جو معنی نعمتیں ہیں۔ پھر آخری تیسرے رکوع میں اخروی نعمتوں کا تذکرہ ہے جو صورۃ اور معنی دونوں طرح نعمتیں ہیں۔

﴿تشریح﴾ .... الرحمٰن علم القرآن ۔رحمٰن کا سب سے بڑا عطیہ قرآن ہے اس کی نعمتوں میں یہ سب سے اونچی نعمت ورحمت ہے۔ انسان کی بساط اور اس کے ظرف پر خیال کرو اور پھر علم قرآن کے اس ناپید اکنار دریا کو دیکھو۔ کہاں یہ ضعیف البنیان بشر اور کہاں آسمانوں اور پہاڑوں سے زیادہ بھاری کلام الٰہی۔

انسان اور قرآن و بیان: .... خلق الانسان ۔انسان کو خلعت وجود سے سرفراز فرمانا۔ واقعہ یہ ہے کہ ساری نعمتوں کی جڑ اور سر چشمہ عطاء وجود ہے۔ ایجاد ایک ذات کا ہوتا ہے دوسرے صفت کا حق تعالیٰ نے انسان کی ذات پیدا کی اور اس میں صفت بیان بھی رکھی۔ یعنی اپنے مافی الضمیر کو بڑی حسن وخوبی اور شائستگی وصفائی سے دوسروں تک پہنچائے اور دوسروں کی بات سمجھ سکے اور اس کی تہہ تک پہنچ سکے۔ اسی صفت کا پرتو ہے کہ وہ کلام الٰہی قرآن سیکھتا سکھاتا ہے اور دنیا وآخرت کی اچھی بری باتوں، ایمان وکفر، ہدایت وگمراہی، نیکی وبدی کو واضح طور پر سمجھتا اور سمجھاتا ہے۔ تعلیم قرآن تو روحانی اور تخلیق انسانی جسمانی نعمت ہے۔ جو مقدر ہے نعمت روحانی کا۔

الشمس و القمر ۔یہاں سے آفاقی نعمتوں کا سلسلہ ہے۔ چاند سورج کا طلوع وغروب، گھٹنا بڑھنا یا ایک حالت پر قائم رہنا۔ پھر اس کے نتیجہ میں موسموں کا بدلنا اور عالم میں مختلف اثرات ڈالنا یہ سب کچھ خاص حساب اور مضبوط نظام وضابطہ کے مطابق ہو رہا ہے۔ مجال نہیں کہ مقررہ دائرہ سے باہر قدم رکھ سکیں اور جو کام اور خدمتیں ان کے سپرد ہیں ان میں سرمو کوتاہی نہیں کر سکتے۔ ہمہ وقت ہماری خدمت میں بیگاری ہیں۔

اور جدید فلسفہ کی اگر یہ بات درست ہو کہ زمین، سورج کر گرد اور چاند، زمین کے گرد گھومتے ہیں تو پھر حسبان کا یہ مطلب یہ ہوگا کہ سورج کا مدار اور چاند کا دائر ہونا باقاعدہ حساب سے ہے۔

والنجم والشجر ۔عالم علوی کی طرح عالم سفلی بھی وقف اطاعت ہے۔ چھوٹے جھاڑ، بیلیں، اونچے درخت سب اس کے تکوینی احکام کے آگے سرنگوں ہیں بندے ان کو کام میں لائیں تو انکار نہیں کر سکتے۔

آسمان، زمین اور اس کے درمیان کتنی ہی نعمتیں ہیں: .... والسماء جس طرح شمس وقمر اور نجم وشجر دو دو چیزوں کا ذکر کیا اسی طرح آسمان وزمین جوڑ ہیں ان کا ذکر کیا جا رہا ہے آسمان بلند ہے تو زمین پست، درمیان میں میزان وترازو کا ذکر ہے۔ کیونکہ عموماً ترازو کو تولتے وقت آسمان وزمین کے درمیان فضا میں معلق رکھنا پڑتا ہے اور اسی سے بہت سے معاملات کی درستی اور حقوق کی حفاظت متعلق رہتی ہے اس لئے فرمایا کہ نہ لیتے وقت کسی چیز کو زیادہ تولو اور نہ دیتے وقت کم تولو۔ ترازو کے دونوں پلے، باٹ بٹی میں کمی بیشی نہ ہو۔ دینے کے باٹ اور لینے کے اور نہیں ہونے چاہئیں تولتے وقت ڈنڈی نہ ماری جائے۔ پوری دیانت داری کے ساتھ ٹھیک تولا جائے۔

لیکن اکثر سلف کے مطابق اگر یہاں میزان سے عدل وانصاف قائم کرنا مراد ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے آسمان سے زمین تک ہر چیز کو حق وانصاف کی بنیاد پر اعلیٰ درجہ کے تناسب وتوازن کے ساتھ قائم کیا ہے حق وانصاف اگر قائم نہ رہے تو کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے لہٰذا ضروری ہے کہ بندے بھی حق وعدل کے ڈگر پر قائم رہیں اور انصاف کی ترازو کو ٹھنے یا جھکنے نہ دیں، کسی پر زیادتی نہ کریں اور نہ کسی کا حق دبائیں۔ حدیث کی رو سے عدل ہی سے زمین وآسمان قائم ہیں۔

اس کے بعد زمین پر نظر ڈالو کہ کیسی معقول بنائی کہ نہایت آرام سے اس پر چل پھر سکتے ہیں نہ روئی کی طرح نرم کہ دھنستے چلے جائیں اور نہ لوہے کی طرح سخت کہ کھودے تو نہ کھدے۔ پھر اس میں پھل میوے، اناج، غلہ پیدا کیا۔ غلہ میں وہ چیزیں ہیں۔ دانہ جو انسان کی غذا ہے اور بھوسہ جو جانوروں کا چارہ ہے اور خوشبویات پیدا کیں۔

اللہ کے کام اور کلام دونوں میں تکرار ہے: .... فبای الاء ربکما ۔یعنی اے جن وانس ابھی تمہارے پروردگار کی جو عظیم الشان نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے تم آخر کس نعمت کے جھٹلانے کی جراءت کرو گے۔ کیا ان کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ ہر بار اس کے بعد لا شئ من عمل ربنا نکذب فلک الحمد پڑھنا چاہیے یعنی ہم آپ کی کسی بھی

نعمت کو جھٹلا نہیں سکتے بلکہ آپ کے حمد گزار ہیں۔

اگرچہ جنات کا ذکر پہلے صراحۃً نہیں ہوا مگر اول تو لفظ انام میں وہ بھی داخل ہیں۔ دوسری آیت وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں دونوں کی پیدائش کی غرض عبادت بتلائی گئی ہے۔ تیسرے خلق الانسان وخلق الجان اور سنفرغ لکم ایھا الثقلان اور یا معشر الجن والانس اور انس قبلھم ولا جان میں صراحۃً انسان اور جن دونوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، اس لئے ان قرائن کی وجہ سے یہاں بھی دونوں مخاطب ہیں۔

یہ تفریعی آیت اس سورت میں اکتیس جگہ آئی ہے اور ہر مرتبہ کسی ایک خاص نعمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور شیون الٰہیہ میں سے کسی خاص شان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس لئے اس کو تکرار محض نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ تشارک لفظی ہے۔ ایسے تکرار کو اتقان میں اصطلاحی طور پر تردید کا نام دیا گیا ہے اور اس ظاہری تکرار سے بھی جب کہ تاکید مقصود ہو تو اس کو قند مکرر سے شیریں تر کہا جائے گا۔

یہ ایسے ہی جیسے کہا جائے ؎

الم احسن الیک بان خولتک فی الاموا ل	الم احسن الیک بان فعلت بک کذا و کذا

یا نظم کی مثال جیسے کلیب کے مرثیہ میں مہلہل کہتا ہے ؎

علی ان لیس عدلا من کلیب	اذا ما ضیم جیران المجیر
علی ان لیس عدلا من کلیب	اذا رجف العضاہ من الدبور
علی ان لیس عدلا من کلیب	اذا خرجت مخبأة الحذور
علی ان لیس عدلا من کلیب	اذا ما اعلنت نجوی الامور
علی ان لیس عدلا من کلیب	اذا خیف المخوف من الثغور
علی ان لیس عدلا من کلیب	غداة تاثّل الامر الکبیر
علی ان لیس عدلا من کلیب	اذا ما خارجا من المستجیر

اسی طرح فارسی اردو وغیرہ ہر زبان میں بکثرت اس کی مثالیں اساتذہ فن اور فصحاء کے کلام میں بکثرت پائی جاتی ہیں اس لیے تکرار کو بے مزہ نہیں کہا جائے گا۔

مسلمانوں کے کسی امیر کے عہد میں ایک ملحد نے قرآن میں تکرار کا اعتراض کرتے ہوئے کہ یہ اللہ کا کلام معلوم نہیں ہوتا ورنہ عجز کلام اور عبث ماننا پڑے گا۔ یہ سن کر امیر نے حکم دیا کہ اس کے اعضاء مکررہ، ہاتھ، پیر، کان، آنکھ کاٹ دیئے جائیں۔ کیونکہ جب یہ کہتا ہے کہ اللہ کے کلام میں تکرار نہیں ہونا چاہیے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ اس کے کام میں تکرار نہیں ہونا چاہیے اس کے دوسرے اعضاء زائد اور بے کار ہیں۔ ان کو کاٹ دیا جائے۔ سزا سنتے ہی ملحد کے کان کھڑے ہوگئے اور پاؤں تلے سے زمین سرکنے لگی۔ فوراً ہاتھ جوڑے، کان، پکڑے اور تائب ہوگیا۔

خلق الانسان ۔سب انسانوں کے باپ آدم مٹی سے اور جنوں کے باپ ابلیس کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا پھر دونوں نوعوں کی نسل چلی اور اللہ نے دونوں کو صرف وجود ہی نہیں دیا، بلکہ عقل ودانائی بھی دی۔ یہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت اور اس کی لامحدود قدرت کی نشانی ہے بعض سلف سے ابن جریر نے الاء کے معنی قدرت کے بھی لئے ہیں۔

بے شمار نعمتوں کا تعلق مشرق ومغرب سے ہے: ....رب المشرقین ۔سردی گرمی میں جس نقطہ سے سورج طلوع ہوتا

ہے وہ دونوں مشرق اور جہاں جہاں غروب ہوتا ہے وہ دونوں مغرب ہیں۔ یوں تو روزانہ نقطہ طلوع وغروب بدلتا رہتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کے الفاظ مشــارق و مغــارب جمع ہیں۔ لیکن نمایاں فرق کے لئے ممتد وقت کا اعتبار کرلیا گیا ہے۔ جیسا کہ بعض جگہ صرف سالانہ مشرق و مغرب پر اکتفا کرلیا گیا ہے

بہرحال موسم اور فصلیں انہی مشرقین ومغربین کے تغیر سے بدلتے رہتے ہیں اور دنیا میں طرح طرح کے انقلابات ہوتے رہتے ہیں اور ہزاروں مصالح وفوائد ان تغیرات سے وابستہ ہیں۔ اس لئے یہ تبدیلی بھی خدا کی بڑی بھاری نعمت اور اس کی بے پناہ قدرت کی نشانی ہے چونکہ پہلے سے دودو چیزوں کے جوڑ کا ذکر چلا آرہا ہے اور آگے بھی یہ سلسلہ ہے، اس لئے بھی یہاں مشرقین، مغربین کا ذکر لطف بنا ہوا ہے۔

میٹھے اور کھاری سمندر کی نعمتیں:...... مرج البحرین۔ میٹھے اور کھاری پانی کے سوت بعض دریاؤں میں ساتھ ساتھ جاری ہیں۔ مگر مجال ہے کہ دونوں سوت ایک دوسرے سے مخلوط ہوجائیں۔ دونوں ساتھ ساتھ ہوتے ہوئے بھی الگ الگ ہیں۔ یہ نہیں کہ ایک دوسرے پر چڑھائی کرکے اس کی خاصیت وتاثیر کو بالکلیہ زائل کردے۔ یا دونوں مل کر دنیا کو غرق کرڈالیں۔

یخرج منهما اللؤ لؤ موتی مونگا اگر دریائے شور وشیریں دونوں سے برآمد ہوتے ہوں تب تو کوئی اشکال نہیں۔ لیکن اگر صرف دریائے شور سے برآمد ہوتے ہوں تو پھر منهما کے معنی من کل واحد واحد کے نہیں ہوں گے بلکہ من مجموعهما کے ہوں گے یہ ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے خرجت من الدار۔ حالانکہ آپ محلّہ یا مکان سے نکلے ہیں۔ اور نکتہ اس تعبیر میں یہ ہوگا کہ دونوں قالب ایک جان ہوگئے اور پھر بھی حصر مقصود نہیں ہے کیونکہ التقاء خروج کی شرط نہیں ہے۔ بلکہ لؤلؤ مرجان کے مخارج میں سے ایک مخرج کا بتلانا مقصود ہے جس میں ایک صفت التقاء کی بھی پائی جاتی ہے۔

ولــه الـجوار المنشأت۔ کشتیاں اور جہاز گو بظاہر تمہارے لئے بنائے ہوئے ہیں۔ مگر خود تمہیں اللہ نے بنایا ہے اسی طرح جہاز بنانے کی قوت وسامان عنائت فرمائے ہیں لہٰذا تمہارا اور تمہاری تمام مصنوعات سب کا مالک وخالق وہی ہے اور یہ سب اس کی نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں ہیں۔

شیون الٰهیہ:...... کل من علیها۔ زمین وآسمان کی تمام مخلوق زبان حال وقال سے اپنی تمام حاجتیں اسی خدا سے طلب کرتی ہیں۔ کوئی ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے بے نیاز نہیں ہے۔ اور اللہ سب کی حاجت روائی اپنی حکمت کے مطابق کرتا ہے۔ ہر آن اس کی نئی شان ہے کسی کو مارنا، کسی کو جلانا، کسی کو بیمار کرنا، کسی کو تندرست کرنا کسی کو بڑھانا۔ کسی کو گھٹانا، کسی کو دینا، کسی سے لینا شیون الٰہیہ ہیں۔

سـنـفـرغ لـکـم۔ عنقریب دنیا کا یہ سارا نظام ختم ہونے والا ہے اس کے بعد ہم دوسرا دور شروع کردیں گے۔ جس میں ہر ایک کا پورا حساب کتاب ہوگا اور مجرموں کی پوری طرح خبر لی جائے گی۔ وفاداروں کو بھرپور صلہ ملے گا۔ یہ ساری کائنات اللہ کی سلطنت ہیں۔ ہر جگہ اسی کا غلبہ اور تصرف کارفرما ہے۔ کوئی نکل کر جانا بھی چاہے تو کہاں جائے گا کیسے نکل بھاگے گا۔

یرسـل علیکما۔ مجرموں پر خاص آگ کے شعلے اور دھواں ملے ہوئے شرارے جب چھوڑیں جائیں گے تو کون ہے جو اس کو دفع کرسکے گا اور کون جو اس سزا کا بدلہ لے سکے گا۔ مجرموں کو سزا دینا ایک طرح سے وفاداروں کے حق میں انعام ہے۔ نیز سزا کو سن کر جرم سے باز رہنا ایک مستقل انعام ہے۔

سزائیں بھی ایک طرح کا انعام ہیں:...... فیو منذ لا یسئل۔ کسی سے گناہوں سے متعلق معلوم کرنے کے لئے سوال نہیں

کیا جائے گا کیونکہ سب کچھ اللہ کو پہلے سے معلوم ہے۔ البتہ ضابطہ تکمیل کی اتمام حجت الزام قائم ہونے اور ڈانٹ ڈپٹ کے لئے سوال ہونا اور
بات ہے یا یوں کہا جائے کہ قبروں سے اٹھتے وقت سوال ہیں۔ بعد میں اس کا انکار نہیں۔ بلکہ دوسری آیات میں اس کا اثبات ہے۔
یعرف المجرمون ۔ مجرمین کی شناخت کے لئے کسی بڑی کاوش کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بلکہ چہروں کی سیاہی آنکھوں کی نیلگونی سے وہ خود
بخود پہچان لئے جائیں گے۔ جیسا کہ مومنین پیشانیوں پر سجدہ کے نشانات اور وضو کے آثار وانوار سے نمایاں ہوں گے۔
غرض دوزخیوں میں کسی کے بال اور کسی کی ٹانگ پکڑ کر دوزخ کی طرف گھسیٹا جائے گا۔ یا ہر ایک مجرم کی ہڈیاں پسلیاں توڑ کر سر کو پاؤں سے ملا
دیا جائے گا اور زنجیروں سے جکڑ کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ یہ وہی دوزخ ہے جس کا دنیا میں انکار کیا کرتے تھے۔ اسی
طرح کبھی آگ کا اور کبھی کھولتے پانی کا اسے عذاب ہوگا۔

لطائف سلوک: .... فبای الاء ربکما تکذبان ۔ اس آیت کا مختلف قسموں کے بعد آنا جن میں بعض کا نعمت ہونا ظاہر بھی نہیں
اس پر دلالت کرتا ہے کہ نعمت مختلف قسم کی ہوتی ہے بعضی حسی اور بعض معنوی۔ جس کا مشاہدہ، اہل بصیرت کو اپنے حالات واوقات میں خوب ہو
جاتا ہے اور نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نعمت کی تمام قسموں سے نفع حاصل کرنا مطلوب ومحمود ہے۔ زہد کے منافی یا تعلق مع اللہ کے خلاف نہیں ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ اَیْ لِکُلٍّ مِنْهُمَا اَوْ لِمَجْمُوْعِهِمْ **مَقَامَ رَبِّهٖ** بَیْنَ یَدَیْهِ لِلْحِسَابِ فَتَرَكَ مَعْصِیَتَهٗ **جَنَّتٰنِ** ﴿۴۶﴾ **فَبِاَیِّ
اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۴۷﴾ **ذَوَاتَآ** تَثْنِیَةُ ذَوَاتٍ عَلَی الْاَصْلِ وَلَامُهَا تَاءٌ **اَفْنَانٍ** ﴿۴۸﴾ اَغْصَانٌ جَمْعُ فَنَنٍ
كَطَلَلٍ **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۴۹﴾ **فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ** ﴿۵۰﴾ **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۵۱﴾
فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فٰكِهَةٍ فِی الدُّنْیَا اَوْ كُلِّ مَا یُتَفَكَّهُ بِهٖ **زَوْجٰنِ** ﴿۵۲﴾ نَوْعَانِ رَطْبٌ وَّ یَابِسٌ وَ الْمُرُّ مِنْهُمَا فِی
الدُّنْیَا كَالْحَنْظَلِ حُلْوٌ **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۵۳﴾ **مُتَّكِئِیْنَ** حَالٌ عَامِلُهٗ مَحْذُوْفٌ اَیْ یَتَنَعَّمُوْنَ **عَلٰی
فُرُشٍ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ** مَا غَلُظَ مِنَ الدِّیْبَاجِ وَخَشُنَ وَالظَّهَائِرُ مِنَ السُّنْدُسِ **وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ** ثَمَرُهُمَا **دَانٍ**
﴿۵۴﴾ قَرِیْبٌ یَنَالُهُ الْقَائِمُ وَالْقَاعِدُ وَالْمُضْطَجِعُ **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۵۵﴾ **فِیْهِنَّ** فِی الْجَنَّتَیْنِ وَمَا
اشْتَمَلَتَا عَلَیْهِ مِنَ الْعَلَالِیْ وَالْقُصُوْرِ **قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ** الْعَیْنِ عَلٰی اَزْوَاجِهِنَّ، الْمُتَّكِئِیْنَ مِنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ **لَمْ
یَطْمِثْهُنَّ** یَفْتَضَّهُنَّ وَهُنَّ مِنَ الْحُوْرِ اَوْ مِنْ نِسَآءِ الدُّنْیَا الْمُنْشَئٰتِ **اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ** ﴿۵۶﴾ **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۵۷﴾ **كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ** صَفَاءً **وَالْمَرْجَانُ** ﴿۵۸﴾ اَیِ اللُّؤْلُؤُ بَیَاضًا **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ**
﴿۵۹﴾ **هَلْ** مَا **جَزَآءُ الْاِحْسَانِ** بِالطَّاعَةِ **اِلَّا الْاِحْسَانُ** ﴿۶۰﴾ بِالنَّعِیْمِ **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۶۱﴾ **وَمِنْ
دُوْنِهِمَا** اَیِ الْجَنَّتَیْنِ الْمَذْكُوْرَتَیْنِ **جَنَّتٰنِ** ﴿۶۲﴾ اَیْضًا لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۶۳﴾
مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ سَوْدَاوَانِ مِنْ شِدَّةِ خُضْرَتِهِمَا **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۶۵﴾ **فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ**
﴿۶۶﴾ فَوَّارَتَانِ بِالْمَآءِ لَا یَنْقَطِعَانِ **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۶۷﴾ **فِیْهِمَا فٰكِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ** ﴿۶۸﴾ هُمَا

مِنْهَا وَ قِيلَ مِنْ غَيْرِهَا **فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۶۹﴾ **فِيْهِنَّ** اَىِ الْجَنَّتَيْنِ وَقُصُوْرِهِمَا **خَيْرٰتٌ** اَخْلَاقًا **حِسَانٌ** ﴿۷۰﴾ وُجُوْهًا **فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۷۱﴾ **حُوْرٌ** شَدِيْدَاتُ سَوَادِ الْعُيُوْنِ وَبَيَاضِهَا **مَّقْصُوْرٰتٌ** مَسْتُوْرَاتٌ **فِى الْخِيَامِ** ﴿۷۲﴾ مِنْ دُرٍّ مُجَوَّفٍ مُضَافَةٌ اِلَى الْقُصُوْرِ شَبِيْهَةٌ بِالْخُدُوْدِ **فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۷۳﴾ **لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ** قَبْلَ اَزْوَاجِهِنَّ **وَلَا جَاۤنٌّ** ﴿۷۴﴾ **فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۷۵﴾ **مُتَّكِئِيْنَ** اَىْ اَزْوَاجُهُنَّ وَاِعْرَابُهُ كَمَا تَقَدَّمَ **عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ** جَمْعُ رَفْرَفَةٍ اَىْ بُسُطٌ اَوْ وَسَائِدُ **وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ** ﴿۷۶﴾ جَمْعُ عَبْقَرِيَّةٍ اَىْ طَنَافِسُ **فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۷۷﴾ **تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِى الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ** ﴿۷۸﴾ تَقَدَّمَ وَلَفْظُ اِسْمٍ زَائِدٌ ـ

ترجمہ: ......اور جو شخص (جن یا انسان یا دونوں میں سے) اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہتا ہو (حساب کے لئے اللہ کے حضور پیش ہونے کے خوف سے گناہ چھوڑ دے) اس کے لئے دوہرے باغ ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ دونوں باغ (ذواتا، ذوات کا تثنیہ ہے اپنی اصل پر اور اس میں لام تام ہو گیا گھنے ہوں گے (افنان بمعنی اغصان ہے فنن کی جمع ہے جیسے طلل کی جمع اطلال ہے) سوائے جن وانس تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں اور چشمے جاری ہوں گے سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں ہر قسم کے میوے (جو دنیا میں پائے جاتے تھے یا پھر ذائقہ اور مزہ دار چیزیں) دوہرے ہوں گے۔ (تازہ اور خشک دونوں طرح کے میوے ہوں گے، دنیا کا کڑوا پھل جیسے اندرائین۔ وہ بھی وہاں شیریں ہوگا) سوائے جن وانس تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ وہ لوگ تکیہ لگائے (یہ حال ہے اس کا عامل محذوف ہے یعنی یتنعمون) ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے (ریشم موٹے اور کھردرے اور فرش کے ابرے باریک ریشمی ہوں گے) اور ان باغوں کے پھل (میوے) نہایت قریب ہوں گے (ایسے کہ کھڑے بیٹھے، لیٹے ہر طرح میسر آ جائیں) سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان میں (باغات اور ان کے متعلقات بالا خانے اور محلات ہیں) نیچی نگاہ والی ہوں گی (جن کی نگاہ صرف اپنے خاوندوں پر رہتی ہے جو جن وانس میں سے مسند نشین ہوں گے) ان پر تصرف نہیں کیا ہوگا (زن وشوئی کے معاملات نہیں ہوئے ہوں گے۔ یہ حوران جنت ہوں گی یا دنیا کی عورتوں کی طرح نئی کی جائیں گی) ان سے پہلے نہ تو کسی انسان نے اور نہ کسی جن نے۔ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سے نعمت کے منکر ہو جاؤ گے گویا وہ (صفائی میں) یاقوت ہیں اور (سفیدی میں) مرجان (موتی) ہیں۔ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سے نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ بھلا اطاعت (فرمانبرداری) کا بدلہ انتہائی عنایت (جنت) کے سوا اور بھی کچھ ہو سکتا ہے؟ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سے نعمت کے منکر ہو جاؤ گے اور ان باغوں سے کم درجہ (یعنی جن باغوں کا پہلے بیان ہوا) دو باغ اور ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے (اللہ کی جناب میں کھڑے ہونے سے ڈرنے والوں کے لئے) وہ باغ گہرے سبز ہوں گے (گہری سبزی کی وجہ سے کالے معلوم ہوں گے) سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان میں دو چشمے ابل رہے ہوں گے (پانی کے فوارے مسلسل جاری ہو گے) سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت

جاؤ گے۔ان باغوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ان (باغات اور محلات) میں خوب سیرت (بااخلاق) عورتیں ہوں گی۔سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ گوری چٹی (جن کی آنکھوں کی پتلیاں نہایت سفید، سیاہ ہوں گی) عورتیں ہوں گی خیموں میں محفوظ (مستور) ہوں گی (جو مجوف موتیوں کے بنے ہوئے ہوں گے وہ خیمے حوروں کے لئے بمنزلہ پردہ کے ہوں گے)۔سوائے جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان (شوہروں) سے پہلے نہ تو کسی انسان نے ان کو چھوا ہوگا اور نہ کسی جن وانس سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے، مسند نشین ہوں گے (ان کے شوہر اس کا اعراب پہلے گزر چکا ہے) سبز مشجر (رفرف، رفرفۃ کی جمع ہے مراد گدے اور تکیے) اور عجیب خوبصورت کپڑوں پر (عبقری، عبقریہ کی جمع ہے یعنی مخمل کے غالیچے قالین) سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سے نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔بڑا بابرکت ہے آپ کا پروردگار جو عظمت واحسان والا ہے (اس کی بحث پہلے ہو چکی ہے اور لفظ اسم زائد ہے)۔

تحقیق وترکیب: ....جنتان ۔یعنی ایک جنت متقی انسان کے لئے اور دوسری جنت اللہ سے ڈرنے والے جنوں کے لئے ہوگی۔یا یہ مطلب ہے کہ ہر انسان اور ہر جن کے لئے ایک ایک جنت صحیح عقائد کی وجہ سے اور ایک ایک جنت صحیح اعمال کی وجہ سے ہوگی۔یا ایک جنت طاعات بجالانے اور دوسری جنت معاصی سے بچے رہنے کی وجہ سے ملے گی۔یا ایک جنت بطور ثواب اور دوسری جنت بطور فضل خصوصی عطا ہو گی یا روحانی اور جسمانی جنتیں ہوں گی۔

مقاتلؒ کہتے ہیں کہ ایک جنت عدن ہے اور دوسری جنت النعیم ہوگی۔اور محمد بن علیؒ ترمذی کہتے ہیں کہ ایک جنت خوف کی وجہ سے اور ایک جنت خواہشات ترک کرنے کی وجہ سے عنایت ہوگی۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرائض کی ادائیگی کے ساتھ جو شخص حق تعالیٰ کا خوف رکھتا ہو۔

ذواتــا ۔اس میں دو لغت ہیں۔ایک تو اصل کی طرف لوٹانا۔کیونکہ اس کی اصل ذویۃ ہے۔پس عین کلمہ واو اور لام کلمہ یا ہے مونث ہونے کی وجہ سے اور دوسرا الغت لفظاً تثنیہ ہونے کا ہے۔مفسرؒ نے پہلی رائے کو اختیار کیا ہے۔

افنان ۔لمبی شاخ کو کہتے ہیں کہ یہاں حقیقی معنی ہیں۔یا کنایہ ہے ہر قسم کی نعمتوں پر مشتمل ہونے سے۔

زوجــن ۔یعنی ایک قسم پھلوں کی وہ ہوگی کہ جو دنیا میں معروف تھی۔اور دوسری قسم غریب ہوگی۔جیسے حنظل دنیا میں تلخ ہوتا ہے۔مگر وہاں شیریں ہوگا۔جیسا کہ ابن عباسؓ کی روایت ہے۔ ما فی الدنیا حلوۃ و لا مرۃ الا وھی فی الجنۃ حتی الحنظل الا انہ حلوٌ ۔کیونکہ جنتی پیداوار طاعات کا نتیجہ ہوں گی اور دوزخ میں سیئات کے ثمرات ہوں گے جیسے زقوم وغیرہ۔

متکئین ۔بعض کے نزدیک خاف سے حال ہے۔جو معنی جمع ہے۔اور بعض نے منصوب علی المدح مانا ہے۔

بطائنھا ۔ بطانۃ کی جمع بطائن ہے جو کپڑا نیچے کی جانب ہوتا ہے۔وہ بطانۃ اور اوپر والے حصہ کو ظہارہ کہتے ہیں۔

جنا ۔فعل بمعنی مفعول جیسے قبض بمعنی مقبوض ہے یہ مبتداء ہے۔

دان ۔خبر ہے۔وانو مثل غان فاعل ہے جس میں تعلیل ہوگئی۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ تدنوا الشجرۃ حتیٰ یجتنیھا ولی اللہ ان شاء قائما وان شاء قاعداً وان شاء مضطجعا ۔

قتادہ فرماتے ہیں۔ لا یرد یدہ بعد و لا شوک ۔امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کے اور آخرت کے باغ میں تین فرق ہیں۔ایک یہ کہ دنیا کے درختوں کے پھل اونچے ہوتے ہیں جہاں مشکل سے ہاتھ جاتا ہے۔دوسرے یہ کہ دنیا کے پھل محنت اور سعی سے حاصل ہوتے ہیں۔ تیسرے دنیا میں ایک درخت اور اس کے پھل سے قریب ہوں تو دوسرے درخت اور اس کے پھلوں سے دوری ہو جاتی ہے۔مگر جنت کے

پھلوں میں تینوں باتیں نہیں ہوں گی۔

فیھــــن ۔مفسرؒ نے فی الجنتین الخ تفسیری عبارت میں اس کا شبہ دور کیا ہے کہ ضمیر جمع جنتین کی طرف کیسے راجع کی گئی ہے۔ جواب ظاہر ہے کہ جنت اور متعلقات جنت مراد ہیں۔

علالی ۔علت کی جمع ہے بالا خانے کو کہتے ہیں۔

قاصرات الطرف ۔اس میں اسم فاعل کی اضافت مفعول کی طرف ہورہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قصر طرفه علی کذا۔ یہاں قصر کا متعلق معلوم ہونے کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے ای علی ازواجھن اور بعض نے تقدیر عبارت اس طرح نکالی ہے۔قا صرات طرف غیرھن علیھن ای ان ازوا جھن لا یتجا وز طرفھم الی غیرھن ۔ابن زیدؒ فرماتے ہیں کہ جنت میں حوریں اپنے خاوندوں سے کہیں گی۔ وعزۃ ربی ماارٰی فی الجنۃ احسن منک فالحمد للہ الذی جعلک زوجی وجعلنی زوجتک۔

لم یطمثھن ۔ازالہ بکارت مراد ہے۔ طمثھا الرجل ای افتضھاو جا معھا ۔ان عورتوں کے متعلق اختلاف ہے۔ مقاتلؒ فرماتے ہیں انھن خلقن من الجنۃ ۔اور شعبیؒ کہتے ہیں کہ ھن من نساء الدنیا ۔منشآت کے معنی یہ ہیں۔ کہ بغیر ولادت کے ان کو پیدا کیا جائے گا۔

و لا جان ۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات بھی انسان کی طرح مجامعت کرتے ہیں۔

الیاقوت ۔جوہر لطیف ہوتا ہے جس پر آگ اثر انداز نہیں ہوتی۔

مرجان ۔چھوٹے سفید موتی کو کہتے ہیں۔ یاقوت میں وجہ تشبیہ صرف صفائی ہے سرخی نہیں ہے اور مرجان اگرچہ سرخ وسفید دونوں موتیوں پر بولا جاتا ہے لیکن یہاں سفید موتی مراد ہے۔ حدیث میں ہے۔ان المرءۃ من نساء اھل الجنۃ یرےٰ بیاض ساقھا من وراء سبعین حلۃ حتی یری مخھا۔

من دو نھما ۔دون کے معنی ادنیٰ کے ہیں اور علاوہ کے معنی بھی ہوسکتے ہیں بغیر فرق مراتب کے۔ ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں۔ جنتان من ذھب و جنتان من فضۃ للتا بعین۔

ونخل و رمان ۔تفسیری عبارت میں اشارہ ہے فقہی اختلاف کی طرف۔ امام اعظمؒ کے نزدیک کھجور اور انار۔ فاکہہ میں داخل نہیں ہیں۔ اگر کوئی یہ خلاف کرے کہ میں پھل نہیں کھاؤں گا۔ اور کھجور اور انار کھالے تو اس کی قسم ٹوٹے گی نہیں۔ لیکن صاحبین اور شوافع کے نزدیک ٹوٹ جائے گی۔ کیونکہ جمہور کے نزدیک یہ دونوں چیزیں فاکہہ میں داخل ہیں۔ سو یہاں تخصیص ذکری فضیلت کے لئے ہے اور امام اعظمؒ عطف مغاریت کے لئے مانتے ہیں۔ کیونکہ پھل سے مقصود غذائیت اور تفکہ ہوا کرتا ہے۔ برخلاف انار کے اس میں دوا بھی ہوتی ہے محض فاکھۃ نہیں ہے۔

غرضیکہ اہل اصول نے کہا کہ جن چیزوں میں زیادتی ہوگی وہ بھی عطف میں داخل نہیں ہوگی۔ جیسے یہاں اور جس چیز میں کمی ہوگی وہ بھی عطف میں داخل نہیں ہوگی جیسے کوئی حلف کرے کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا تو اس میں مچھلی داخل نہیں ہوگی۔ یا کوئی حلف کرے کہ میرے غلام آزاد ہیں تو مکاتب آزاد نہیں ہوں گے کیوں کہ دونوں جگہ اصل سے کمی ہے۔

خیرات ۔خیرۃ کی جمع کہا جاتا ہے۔ امرۃ خیرۃ واخری شرۃ۔ یہ سکون عین کے ساتھ لغت ہے اور دوسرا لغت شدید عین کے ساتھ ہے۔ چنانچہ دوسری قراءت خیرات تشدید یا کے ساتھ ہے۔

مقصورات ۔کہا جاتا ہے۔ امراۃ مقصورۃ و قصور پردہ نشین۔

الخیام ۔ابوموسیٰؓ سے مرفوع روایت ہے۔ الخیمہ درۃ مجوفۃ طولھا فی السماء ستون میلا فی کل زاویۃ منھا للمومنین اھل الا یراھم لا خرون ۔خیام کی اضافت یعنی نسبت قصور یعنی عورتوں کی طرف بمنزلہ پردہ کے ہے۔

متکئین ۔ یعنی حال ہے جس کا عامل یتنعمون محذوف ہے۔

عبقری ۔ عجیب وغریب فرش وغیرہ کو کہتے ہیں زمخشریؒ کہتے ہیں کہ جو شخص عبقرہ کی طرف منسوب ہے اس کو عبقری کہتے ہیں۔ چنانچہ اہل عرب کا خیال تھا کہ جو شخص جناتی ہو اس کی طرف عجیب وغریب چیزیں منسوب ہو سکتی ہیں۔

طنافس ۔ طنفس کی جمع ہے۔ روئیں دار قالین۔

تبرک اسم ۔ اسی کے قریب آیت پہلے بھی گزر چکی ہے لفظ اسم کے معنی صفت کے بھی ہو سکتے ہیں جو موصوف کی علامت ہوا کرتی ہے جن حضرات کا خیال یہ ہے کہ تنزیہہ دراصل ذات کی ہوا کرتی ہے۔ وہ لفظ اسم کو زائد کہتے ہیں۔ لیکن ابلغ یہی ہے کہ زائد نہ کہا جائے۔ کیونکہ اسماء اور صفات الٰہیہ کی تنزیہہ بھی حقیقۃً مقصود ہے۔ جب مسمی پاک ہے تو اسم بھی پاک ہے۔

﴿تشریح﴾ .... ولمن خاف ۔ یعنی جس کو دنیا میں یہ ڈر لگا رہا ہے کہ ایک روز اپنے رب کے آگے کھڑا ہونا اور رتی رتی کا حساب دینا ہے اور اسی ڈر کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی سے بچا رہا اور پوری طرح تقویٰ کے راستوں پر چلا۔ اس کے لئے وہاں دوہرے عالی شان باغ ہوں گے جن میں مختلف قسم کے پھل ہوں گے اور درختوں کی شاخیں سایہ دار اور پھلوں سے لدی ہوئی ہوئیں ہوں گی اور ایسے چشمے رواں دواں ہوں گے جو کسی وقت تھمتے نہیں خشک نہیں ہوتے یہ دو باغ خواص مقربین کے لئے ہوں گے اور اعلیٰ قسم کے ہوں گے۔ اور آگے من دونھما سے جن دو باغوں کا ذکر آرہا ہے۔ وہ عوام مؤمنین کے لیے ہوں گے۔

اور باغوں کے دوہرے ہونے کا مطلب ان کی تکریم واعزاز ہے۔ جیسا کہ دنیا میں اہل تنعم کے پاس منقولہ اور غیر منقولہ چیزیں متعدد ہوتی ہیں۔

اول کے دو باغ خواص کے لئے ہوں گے: .... اول تو اس آیت میں مؤمنین کی جو صفات بیان فرمائی گئی وہ خواص ہی میں پائی جاتی ہیں۔ دوسرے ان باغات کی جو خوبیاں بیان فرمائی گئی ہیں وہ بعد کے باغات کی نہیں ہیں۔ چنانچہ باغات میں ذواتا افنان کی تصریح ہے اور بعد کے باغوں میں تصریح نہیں ہے۔ جس میں اشارہ ہے کہ ان کا سایہ اور پھل اتنا نہیں ہوگا جتنا پہلوں کا ہے۔ البتہ بعد میں مدھامتان کی تصریح ہے اور اول میں نہیں۔ اس سے شبہ برتری کا نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ بقرینہ مقام یہ صفت دونوں میں مشترک ہوگی۔

نیز یہاں لمن خاف سے اہل باغ کی تصریح ہے جو بعد میں نہیں ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ بعد والے باغ خاص نہیں ہوں گے بلکہ سب کے لئے عام ہوں گے اس لئے کسی خاص صفت کی تخصیص کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ علاوہ ازیں یہاں خوف کا لفظ کامل تقویٰ کو ظاہر کر رہا ہے لمن خاف۔ نیز یہاں جزائے احسان بمعنی اخلاص فرمایا گیا اور بعد میں نہیں فرمایا گیا۔

تخصیص کے قرائن ودلائل: .... یہ سب قرائن تخصیص ہیں، رہ گئے دلائل تخصیص وہ یہ ہیں۔

ا۔ درمنثور میں وجنا الجنتین ۔ پھلوں کے چننے میں کسی طرح کی کلفت نہ ہوگی۔ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حالت میں بے تکلف حاصل ہو سکیں گے اور عورتیں باکرہ ملیں گی جن کی عصمت کو کسی نے چھوا تک نہ ہوگا۔

(۲) وجنا الجنتین ۔ پھلوں کے چننے میں کسی طرح کی کلفت نہ ہوگی۔ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حالت میں بے تکلف حاصل ہو سکیں گے اور عورتیں باکرہ ملیں گی، جن کی عصمت کو کسی نے چھوا تک نہ ہوگا اور نہ انہوں نے اپنے شوہروں کے سوا کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا ہوگا اور نہ کسی اور کی نظر ان پر پڑی ہوگی۔ وہ یاقوت ومرجان کی طرح خوش رنگ وبیش بہا ہوں گی۔

ظاہر آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور جنات دونوں جنتی ہیں اور دونوں کو حوریں ملیں گی اور لم یطمثھن کے بلحاظ مجموعہ یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ جو حوریں انسان کے لئے خاص ہوں گی ان کو کسی اور انسان نے نہیں چھوا ہوگا۔ اسی طرح جو حوریں جنات کے لیے مخصوص ہوگی ان کو کسی جن نے چھوا نہیں ہوگا کیونکہ تخصیص کے بعد انسان کی حوروں کو جن کے، اسی طرح جن کی حوروں کو انسان کے چھونے کا احتمال ہی نہیں ہے۔

هل جزآء۔ یعنی کمال اخلاص کا صلہ کمال ثواب کے سوا کیا ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے اس میں جمال الٰہی اور دولت دیدار کی طرف اشارہ ہو۔

عام مومنین کے لئے دو باغ .... ومن دو نھما جنتان ۔ یہ دونوں باغ اصحاب یمین کے لئے ہوں گے جنت کی تمام نعمتوں کو دنیا کی نعمتوں پر قیاس نہ کیا جائے۔ صرف نام کا اشتراک ہے۔

فیھن خیرات ۔ خوش اخلاق، خوب سیرت، خوب صورت ہوں گی پردہ نشین ہوں گی۔ معلوم ہوا کہ اچھی عورتوں میں یہی خوبیاں ہوتی ہیں۔

تبارك اسم ۔ یعنی جس اللہ نے اپنے وفاداروں کو ایسے ایسے انعام واحسان فرمائے غور کرو تو تمام نعمتوں میں اصل خوبی اسی کے نام پاک کی برکت سے ہے اور اسی کا نام لینے سے یہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اور جب نام میں یہ برکت ہے تو نام والے میں کیا کچھ برکت ہوگی۔ فسأل اللہ ان یجعلنا من افعل النعیم بفضل العمیم وبجاہ النبی الکریم۔

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ إِلَّا أَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ الْآيَةُ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ الْآيَةُ وَهِيَ سِتٌّ
أَوْ سَبْعٌ أَوْ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ آيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱﴾ قَامَتِ الْقِيَامَةُ **لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ** ﴿۲﴾ نَفْسٌ تُكَذِّبُ بِأَنْ تَنْفِيَهَا كَمَا نَفَتْهَا فِي الدُّنْيَا **خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ** ﴿۳﴾ هِيَ مُظْهِرَةٌ لِخَفْضِ أَقْوَامٍ بِدُخُوْلِهِمُ النَّارَ وَلِرَفْعِ آخَرِيْنَ بِدُخُوْلِهِمُ الْجَنَّةَ **إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا** ﴿۴﴾ حُرِّكَتْ حَرَكَةً شَدِيْدَةً **وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا** ﴿۵﴾ فُتِّتَتْ **فَكَانَتْ هَبَآءً** غُبَارًا **مُّنْبَثًّا** ﴿۶﴾ مُنْتَشِرًا وَإِذَا الثَّانِيَةُ بَدَلٌ مِّنَ الْأُوْلٰى **وَّكُنْتُمْ** فِي الْقِيٰمَةِ **أَزْوَاجًا** أَصْنَافًا **ثَلٰثَةً** ﴿۷﴾ **فَأَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ** وَهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْتَوْنَ كُتُبَهُمْ بِأَيْمَانِهِمْ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ **مَآ أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ** ﴿۸﴾ تَعْظِيْمٌ لِشَأْنِهِمْ بِدُخُوْلِهِمُ الْجَنَّةَ **وَأَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ** الشِّمَالِ بِأَنْ يُّؤْتٰى كُلٌّ مِّنْهُمْ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ **مَآ أَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ** ﴿۹﴾ تَحْقِيْرٌ لِشَأْنِهِمْ بِدُخُوْلِهِمُ النَّارَ **وَالسّٰبِقُوْنَ** إِلَى الْخَيْرِ وَهُمُ الْأَنْبِيَآءُ مُبْتَدَأٌ **السّٰبِقُوْنَ** ﴿۱۰﴾ تَاكِيْدٌ لِتَعْظِيْمِ شَأْنِهِمْ وَالْخَبَرُ **أُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ** ﴿۱۱﴾ **فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ** ﴿۱۲﴾ **ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ** ﴿۱۳﴾ مُبْتَدَأٌ أَيْ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْأُمَمِ الْمَاضِيَةِ **وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْآخِرِيْنَ** ﴿۱۴﴾ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ وَهُمْ سَابِقُوْنَ مِنَ الْأُمَمِ الْمَاضِيَةِ وَهٰذِهِ الْأُمَّةُ وَالْخَبَرُ **عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ** ﴿۱۵﴾ مَنْسُوْجَةٍ بِقُضْبَانِ الذَّهَبِ وَالْجَوَاهِرِ **مُتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ** ﴿۱۶﴾ حَالَانِ مِنَ الضَّمِيْرِ فِي الْخَبَرِ **يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ** ﴿۱۷﴾ أَيْ عَلٰى شَكْلِ الْأَوْلَادِ لَا يَهْرَمُوْنَ **بِأَكْوَابٍ** أَقْدَاحٍ لَا عُرَى لَهَا **وَّأَبَارِيْقَ** لَهَا عُرًى وَخَرَاطِيْمُ **وَكَأْسٍ** إِنَآءِ شُرْبِ الْخَمْرِ **مِّنْ مَّعِيْنٍ** ﴿۱۸﴾ أَيْ خَمْرٍ جَارِيَةٍ مِنْ مَّنْبَعٍ لَا يَنْقَطِعُ أَبَدًا **لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ** ﴿۱۹﴾ بِفَتْحِ الزَّايِ وَكَسْرِهَا مِنْ نَزَفَ الشَّارِبُ وَأَنْزَفَ أَيْ لَا يَحْصُلُ لَهُمْ مِنْهَا صُدَاعٌ وَلَا ذَهَابُ عَقْلٍ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا **وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا**

يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ لَهُمْ لِلْاِسْتِمْتَاعِ حُوْرٌ نِسَاءٌ شَدِيْدَاتُ سَوَادِ الْعُيُوْنِ وَ
بَيَاضِهَا عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ ضِخَامُ الْعُيُوْنِ كُسِرَتْ عَيْنُهُ بَدَلَ ضَمِّهَا لِمُجَانَسَةِ الْيَاءِ مُفْرَدُهُ عَيْنَاءُ كَحَمْرَاءَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ
بِجَرِّ حُوْرٍ عِيْنٍ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ الْمَصُوْنِ جَزَآءً مَفْعُوْلٌ لَهٗ وَ مَصْدَرٌ وَالْعَامِلُ مُقَدَّرٌ اَيْ
جَعَلْنَا لَهُمْ مَا ذُكِرَ لِلْجَزَاءِ وَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا فِي الْجَنَّةِ لَغْوًا فَاحِشًا
مِّنَ الْكَلَامِ وَلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ مَا يُؤْثِمُ اِلَّا لٰكِنْ قِيْلًا قَوْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲٦﴾ بَدَلٌ مِّنْ قِيْلًا فَاِنَّهُمْ يَسْمَعُوْنَهٗ
وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾ فِيْ سِدْرٍ شَجَرِ النَّبْقِ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ لَا شَوْكَ فِيْهِ وَّطَلْحٍ
شَجَرِ الْمَوْزِ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ بِالْحَمْلِ مِنْ اَسْفَلِهٖ اِلٰى اَعْلَاهُ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ دَائِمٍ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾
جَارٍ دَائِمًا وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ فِيْ زَمَنٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ بِثَمَنٍ وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ
﴿۳۴﴾ عَلَى السُّرُرِ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ اَيِ الْحُوْرَ الْعِيْنَ مِنْ غَيْرِ وِلَادَةٍ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳٦﴾
عَذَارٰى كُلَّمَا اَتَاهُنَّ اَزْوَاجُهُنَّ وَجَدُوْهُنَّ عَذَارٰى وَلَا وَجَعَ عُرُبًا بِضَمِّ الرَّاءِ وَ سُكُوْنِهَا جَمْعُ عَرُوْبٍ وَهِيَ
ع الْمُتَحَبِّبَةُ اِلٰى زَوْجِهَا عِشْقًا لَهٗ اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ جَمْعُ تِرْبٍ اَيْ مُسْتَوِيَاتٍ فِي السِّنِّ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾
صِلَةُ اَنْشَاْنَاهُنَّ اَوْ جَعَلْنَاهُنَّ وَهُمْ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ
مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِيْ سَمُوْمٍ رِيْحٍ حَارَّةٍ مِّنَ النَّارِ تَنْفُذُ فِي الْمَسَامِ وَّ حَمِيْمٍ ﴿۴۲﴾ مَاءٍ شَدِيْدِ
الْحَرَارَةِ وَّ ظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ دُخَانٍ شَدِيْدِ السَّوَادِ لَّا بَارِدٍ كَغَيْرِهٖ مِنَ الظِّلَالِ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿۴۴﴾ حَسَنِ
الْمَنْظَرِ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ فِي الدُّنْيَا مُتْرَفِيْنَ ﴿۴۵﴾ مُنَعَّمِيْنَ لَا يَتْعَبُوْنَ فِي الطَّاعَةِ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ
عَلَى الْحِنْثِ الذَّنْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۴٦﴾ اَيِ الشِّرْكِ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا
لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ فِي الْهَمْزَتَيْنِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ التَّحْقِيْقُ وَتَسْهِيْلُ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالُ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ
اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بِفَتْحِ الْوَاوِ لِلْعَطْفِ وَالْهَمْزَةِ لِلْاِسْتِفْهَامِ وَهُوَ فِيْ ذٰلِكَ وَ فِيْمَا قَبْلَهٗ لِلْاِسْتِبْعَادِ فِيْ قِرَاءَةٍ
بِسُكُوْنِ الْوَاوِ عَطْفًا بِاَوْ وَالْمَعْطُوْفُ عَلَيْهِ مَحَلُّ اِنَّ وَاسْمُهَا قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾
لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ لِوَقْتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ اَيْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ
﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ بَيَانٌ لِلشَّجَرِ فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا مِنَ الشَّجَرِ الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾
فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ اَيِ الزَّقُّوْمِ الْمَاْكُوْلِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ بِفَتْحِ الشِّيْنِ وَضَمِّهَا مَصْدَرٌ
الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾ اَلْاِبِلِ الْعِطَاشِ جَمْعُ هَيْمَانَ لِلذَّكَرِ وَهَيْمٰى لِلْاُنْثٰى كَعَطْشَانَ وَعَطْشٰى هٰذَا نُزُلُهُمْ مَا اَعَدَّلَهُمْ

يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

ترجمہ: ....سورہ واقعہ مکیہ ہے۔بجز آیت افبھذا الحدیث الخ اور آیت ثلة من الاولین کے کل آیات ۹۶ یا ۹۷ یا ۹۹ ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ جب قیامت واقع (قائم) ہوگی۔ جس کے واقع ہونے میں کوئی اختلاف نہیں (کوئی اس کو جھٹلا نہیں سکے گا۔ جس طرح کہ دنیا میں اس کو جھٹلا دیا کرتے تھے) پست کردے گی بلند کردے گی (لوگوں کو دوزخ میں داخل کر کے ان کی پستی ظاہر کردے گی اور دوسروں کو جنت میں داخل کر کے ان کی بلندی ظاہر کردے گی) جب کہ زمین کو سخت زلزلہ آئے گا (سخت بھونچال آ جائے گا) اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ (چورہ) ہو جائیں گے۔ پھر وہ غبار (گرد) پراگندہ ہو جائیں گے (پھیل کر دوسرا اذا پہلے سے بدل ہے) اور تم (قیامت میں) تین قسم کے ہو جاؤ گے چنانچہ جو داہنے والے ہیں (جن کے داہنے ہاتھوں میں اعمال نامے دیئے جائیں گے۔ یہ مبتدا ہے اس کی خبر آگے ہے) وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں (جنت میں داخل ہونے سے ان کی شان بڑھ جائے گی) اور جو بائیں جانب والے ہیں (جن کے بائیں ہاتھوں میں اعمالنامے ہوں گے) وہ بائیں والے کیسے برے ہیں (دوزخ میں داخل ہونے کی وجہ سے ان کی شان گھٹ جائے گی) اور جو اعلیٰ ہی درجہ کے ہیں (خیر کی طرف سبقت کرنے والے انبیاء یہ مبتداء ہے) وہ تو اعلیٰ درجہ کے ہیں (السابقون تاکید ہے تعظیم شان کے لئے اور آگے خبر ہے) وہ تو خاص مقرب ہیں۔ جو" آرام باغوں" میں ہوں گے۔ ان میں سے بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا (مبتداء ہے یعنی پہلی امتوں کی جماعت) اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے (آنحضرت ﷺ کی امت میں سے اور سابقون پچھلی امتوں اور امت محمدیہ میں سے ہوں گے خبر آگے ہے وہ سونے سے بنے ہوئے تختوں پر (جو سونے اور جواہرات کے تاروں سے بنے ہوئے ہوں گے) تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے (یہ دونوں خبر کی ضمہ سے حال ہیں) ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے آمد و رفت کیا کریں گے (جو بچے ہی رہیں گے کبھی بوڑھے نہیں ہوں گے) آبخورے (پیالے جن میں پکڑنے کی ہتھی نہیں ہوتی) اور جگ (جن میں پکڑنے کی ہتھنی اور پینے کی ٹونٹی ہوتی ہے) اور جام (شراب کے پیانے) بہتی شراب سے لبریز لئے ہوں گے (ایسی شراب جو صراحی سے نکلتی ہی رہے کبھی ختم نہ ہو) نہ اس شراب سے دردسر ہوگا اور نہ اس سے بہکیں گے (ینزفون فتحہ زا کے ساتھ نزف الشارب وانزف سے ماخوذ ہے یعنی نہ اس سے گرانی ہوگی اور نہ عقل میں فتور آئے گا جیسا کہ دنیا کی شراب میں یہ سب کچھ ہوتا ہے) اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے اور پرندوں کا گوشت جو مرغوب ہوگا اور (ان کی لذت کے لئے) گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی (خوب سفید و سیاہ آنکھوں والی) عورتیں ہوں گی (عین کے معنی کشادہ چشم کے ہیں۔ ضمہ کی بجائے یا کے قرب ہونے کی وجہ سے عین پر کسرہ آ گیا حمراء کے وزن پر عیناء مفرد ہے ایک قراءت میں" حور عین" جر کے ساتھ ہے) جو چھپے ہوئے (محفوظ) موتیوں کی طرح ہوں گی یہ صلہ کے طور پر ہوگا (مفعول لہ یا مصدر ہے۔ عامل مقدر ہے یعنی جعلنا لھم ما ذکر للجزاء یا جزیناھم) ان کے اعمال کا۔ وہاں (جنت) میں نہ بک بک (فضول بات) سنیں گے اور نہ بیہودہ (گناہ) کی بات ہوگی بس سلام ہی سلام کی آواز آئے گی (سلاما۔ قیلا سے بدل ہے کیوں کہ جنتی سلام سنیں گے) اور جو داہنے والے ہیں کیسے اچھے ہیں۔ وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بیری (کے درخت) بے خار ہوں گے (جن میں کانٹے نہیں ہوں گے) اور کیلے (کے درخت) تہ بتہ ہوں گے (جو نیچے سے اوپر تک مرتب ہوتے ہیں) اور لمبا (دائمی) سایہ ہوگا اور پانی چلتا ہوا (ہمیشہ جاری) ہوگا اور کثرت سے میوے ہوں گے جو (کبھی) ختم نہ ہوں گے اور (قیمت کے ذریعے) روک ٹوک نہ ہوگی اور (تخت پر) اونچے اونچے فرش ہوں گے۔ ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے (یعنی عورتیں بغیر ولادت کے پیدا کیں) یعنی ہم نے ان کو کنوارا بنایا (ان کے شوہر جب بھی ان کے پاس آئیں گے انہیں باکرہ ہی پائیں گے۔ مگر وہ تکلیف کا باعث نہیں ہوں گی) محبوبہ ہیں (ضمہ را اور سکون را کے ساتھ جو بیوی شوہر کے لئے پسندیدہ محبوبہ ہو) ہم عمر ہیں (اتراب ترب

کی جمع ہے بمعنی کو کہتے ہیں) یہ سب چیزیں داہنے والوں کے لئے ہیں (انشانا ھن یاجعلنا ھن کا صلہ ہے اور وہ اصحاب الیمین) ان کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا۔ اور ایک بڑا طبقہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا۔ اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے برے ہیں، وہ لو میں ہوں گے (آگ کی آنچ جو مسامات میں گھستی چلی جائے) اور کھولتے ہوئے (تیز) پانی اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں جو بے حد کالا ہوگا جو اور سایوں کی طرح ٹھنڈا نہ ہوگا اور نہ فرحت بخش (خوش منظر) ہوگا وہ لوگ پہلے (دنیا) میں بڑی خوش حالی میں رہتے تھے (آرام سے، طاعت میں تعب برداشت نہیں کرتے تھے) اور بڑے بھاری گناہ (شرک) پر اصرار کیا کرتے تھے اور یوں کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر گئے اور مٹی ہڈیاں رہ گئے تو کیا ہم دوبارہ جلائے جائیں گے (دونوں جگہ دونوں میں ہمزہ تحقیق اور دوسری میں ہمزہ تسہیل ہے اور دونوں صورتوں میں دونوں ہمزاؤں کے درمیان الف داخل ہے) اور کیا ہمارے اگلے دادا بھی (او فتحہ واو کے ساتھ عطف کے لئے ہے اور ہمزہ استفہام کے لئے ہے، اور یہاں اور پہلے استبعاد کے لئے بھی ہے اور ایک قراءت میں واو پر عطف کرتے ہوئے سکون واؤ ہے اور معطوف علیہ اِنَّ اور پر اس کے اسم کا محل ہوگا) آپ کہہ دیجئے کہ سب اگلے اور پچھلے جمع کئے جائیں گے وقت پر معین تاریخ کے (یعنی قیامت کے) دن پھر تم کو اے گمراہو، جھٹلانے والو، درخت زقوم سے کھانا ہوگا (من زقوم شجر کا بیان ہے) پھر اس (درخت) سے پیٹ بھرنا ہوگا۔ پھر اس (زقوم کے کھانے) پر کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا۔ پھر پینا بھی پینا (شین کے فتحہ، ضمہ کے ساتھ مصدر ہے) پیاسے اونٹ کا سا ہوگا (ھیم جمع ہے ھیمان مذکر کے لئے اور ھیمی مونث کے لئے آتا ہے جیسے عطشی) یہ دعوت ہوگی (نزل مہمانی کے طور پر جو کچھ پیش کیا جائے) ان لوگوں کی قیامت کے روز۔

تحقیق وترکیب

......اذا وقعت ۔ اذا کی کئی صورتیں ہیں۔

۱۔ خالص ظرف جس میں شرط کے معنی نہیں ہیں اور عامل لیس ہے معنی نفی کی حیثیت سے گویا عبارت اس طرح ہوگی۔ ینتفی التکذیب بوقوعها اذا وقعت ۔

۲۔ اذکر عامل مقدر مانا جائے۔

۳۔ اذا کو شرطیہ مانا جائے اور جواب مقدر ہوا ای اذا وقعت کان کیت و کیت اس میں عامل بھی وہی ہوگا ۴۔ اذا شرطیہ ہو اور عامل بعد کا فعل ہو۔ مکی فرماتے ہیں۔ والعامل فیها وقعت لانها قد یجازی بها فعمل فیها الفعل الذی بعد ها کما یعمل فی ما ومن اللتین للشرط فی قولک ما تفعل افعل ومن تکرم اکرم ۔

۵۔ اذا وقعت مبتدء ہو اور اذا رجت خبر ہو۔

۶۔ اذا ظرف ہو رجت کا اس صورت میں اذا ثانیہ بدل ہوگا یا تاکید۔

۷۔ اذا ظرف ہو رجت کا اس صورت میں اذا ثانیہ بدل ہوگا یا تاکید۔

۸۔ اذا میں عامل اصحب المیمنۃ کا مدلول ہو۔ ای اذا وقعت بانت احوال الناس فیها ۔

۹۔ اذا شرطیہ کا جواب، اصحاب المیمنۃ ہو اور قیامت کو وقوع سے تعبیر کرنے میں اس کے لامحالہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

کاذبة ۔ یہ لیس کا اسم ہے اور لوقتها خبر مقدم ہے۔ لام بمعنی فی ہے اور مضاف مقدر ہے۔ ای لیس کاذبة توجد فی وقت وقوعها تفسیری عبارت میں مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ کاذبۃ اسم فاعل ہے نفس مقدرہ کی صفت ہے اور عافیۃ کے وزن پر مصدر نہیں ہے کہ کذب یا تکذیب کے معنی میں لے کر کیونکہ فاعل کے وزن پر مصدر نادر ہے اگرچہ زمخشریؒ اجازت دے رہے ہیں اور بعض نے یہ معنی لئے کہ قیامت ہونے پر کوئی نفس کاذب نہیں ہوگا بلکہ صادق ہوگا۔ اس صورت میں لام وقتیہ ہوگا۔

خافضۃ۔ یعنی ترفع اقواما وتضع اخرین مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ خافضۃ مبتدائے محذوف کی خبر ہے اور خفض ورفع سے اظہار مراد ہے۔

اذا رجت۔ نہایہ میں الرج کے معنی حرکت شدیدہ کے ہیں۔ یہ اذا پہلے اذا کا بدل یا ظرف ہے۔ خافضۃ رافعۃ دونوں کا بطریق تنازع کے بست الجبال۔ قاموس میں چٹکی سے مسلنے کے معنی یہ ہیں اور بست کے معنی صیرت کے بھی آتے ہیں۔ بس الغنم کے معنی بکریوں کے چلنے کے ہیں۔

ازوا جا ثلثۃ۔ دو صنفیں جنتیوں کی اور ایک صنف جہنمیوں کی۔ فاصحاب المیمنۃ سے پہلے اجمال پھر تفصیل بیان کی گئی ہے۔ یہ مبتداء ہے جس کی خبر ما اصحٰب المیمنۃ جملہ استفہامیہ ہے۔

والسابقون۔ اعلیٰ قسم کے ہونے کے باوجود اس کو موخر کر دیا گیا۔ تاکہ یہ حضرات اعجاب نفس میں مبتلا نہ ہوں یا ترقی من الادنی الی الاعلیٰ کی رعایت کی گئی ہے اور اصحاب الیمین کو پہلے بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ ثانی السابقون تاکید ہے یا شعری شعری کے قبیل سے ہے۔ یا تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ السابقون الی الخیرات السابقون الی الجنات۔

ثلۃ۔ ضمہ کے ساتھ انسانوں کی جماعت اور فتحہ کے ساتھ بکریوں کے ریوڑ کہتے ہیں۔

قلیل من الاخرین۔ چونکہ اس کا مصداق السابقون ہیں جو پچھلی امتوں اور امت محمدیہ دونوں پر مشتمل ہے اس لئے یہ حدیث ان امتی یکثرون سائر الامم کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ پچھلی امتوں کے سابقین اگرچہ اس امت کے سابقین سے زیادہ ہوں گے لیکن اس امت کے پیروکار پہلی امتوں کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے۔ حاصل یہ ہے کہ امت محمدیہ کے پیروکاران کی تعداد پہلی امتوں کے پیروکاروں سے زیادہ ہو جائے گی۔ اگرچہ سابقین پہلی امتوں کے زیادہ ہوں گے۔ لیکن روح البیان کی یہ تاویل نص کے خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ قلیل من الاٰخرین مطلق ہے۔ سابقین اور تابعین دونوں کو شامل ہے تاہم مرفوع روایت یہ ہے کہ اولین وآخرین کا مصداق اس امت میں بھی متقدمین و متاخرین ہیں۔

بحر العلوم میں اسی کو مختار کہا ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ کہ ثلۃ من الاولین سے اصحاب المیمنہ اور قلیل من الاخرین سے السابقون مراد ہوں۔

مو ضونۃ۔ اصل میں وضن زرہ بننے کو کہتے ہیں بطور استعارہ مطلق بننے کے معنی ہو گئے۔ یہ دونوں لفظ خبر کی ضمیر سے حال ہیں اور ضمیر متکئین سے حال متداخلہ بھی ہو سکتا ہے۔

ولدان مخلدون۔ حوروں کی طرح غلمان بھی نئی مخلوق بغیر ولادت پیدا کی جائے گی۔ صحیح یہی ہے چنانچہ خازن نے اسی کو صحیح اور حق کو ظن اس میں منحصر کہا ہے۔ یہ محض خدمت اور فرحت بلاشہوت کے لئے ہوں گے۔ کسی غلط خیال کا ایہام نہیں ہونا چاہیے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے بچے جو کمسنی میں مرگئے تھے وہ غلمان ہوں گے لیکن آیت الذین امنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنابھم ذریتھم کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کو رد کر دیا گیا ہے اور بعض کے نزدیک کفار کی چھوٹی اولاد غلمان ہوگی۔

لا ینزفون۔ ابوعمرؒ، نافعؒ، ابن کثیرؒ، ابن عامرؒ کے نزدیک فتحہ زا کے ساتھ ہے ثلاثی مجرد و مجہول کے وزن پر نزف الشارب کے معنی بدمست ہونے کے ہیں۔ انزف کے معنی شراب ختم ہونے کے ہیں۔ لیکن مفسرؒ دونوں کو ہم معنی کہہ رہے ہیں۔ اور لا یصدعون ولا ینزفون دونوں کے معنی مفسرؒ نے لف ونشر مرتب طور پر بیان کئے ہیں۔

حور عین۔ مبتداء ہے محذوف الخبر جس کی تقدیر مفسرؒ نے ولہم سے کی ہے۔ حمزؒ اور ابوعلیؒ کے نزدیک حور عین مجرور ہے۔ اس میں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔

ا۔جنات النعیم پرعطف کیاجائے ای ھم فی جنات النعیم و فاکھة ولحم و حور عین جیسا کہ زمخشریؒ کی رائے ہے۔
۲۔باکواب پرعطف کیاجائے اس صورت میں یطوف کے معنیٰ مجازی معنیٰ ہوں گے ای یتنعمون فیھا باکواب۔
۳۔حور عین۔معطوف علیہ حقیقۃ ہو یعنی حور وغلمان دونوں کی آمدورفت ہوگی۔جومزید التذاذ کا باعث ہے۔
عین ۔عیناء کی جمع ہے۔فعلاء کی جمع فعل کے وزن پر آتی ہے۔
ولا تاثیما۔یعنی جوگناہ میں ڈال دے۔
سلاماً سلاما۔اس کی کئی ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔
ا۔قیل سے بدل ہوای لا یسمعون فیھا الاسلاما سلاما۔
۲۔قیل کی صفت ہو۔
۳۔قیل کی وجہ سے منصوب ہو ای الا ان یقولوا سلاما جیسا کہ زجاج کی رائے ہے۔
۴۔فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہو جس کی حکایت قیلاً سے ہورہی ہے ای الا قیلا سلموا سلاما۔
مخضود۔بعض نے کہا ہے کہ شاخوں کی کثرت اوراوپر نیچے ہونا مراد ہے۔
وطلح۔کیلےکو کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک کیکر کے معنی ہیں۔
ممدود ۔طویل سایہ کے معنی بھی ہوسکتے ہیں،حدیث بخاری میں ہے۔ ان فی الجنة شجرا یسیر الراکب فی ظلھا مائة عام غرضیکہ امتداد زمانی بھی ہوسکتا ہے اور مکانی بھی۔
ولا ممنوعة ابن عباس فرماتے ہیں۔لا تمتع من احدا راد اخذھا ۔
مــرفوعة۔سریر پر بچھانا مراد ہے یا گدوں کاایک دوسرے پرتہ بتہ ہونا مراد ہے۔یا رفیع القدر کے معنی ہیں جیسا کہ حدیث ترمذی ونسائی میں ہے کہ گدوں کی موٹائی ،زمین وآسمان کی درمیانی مسافت پانچسو سال کے برابر ہوگی۔اوربعض نے فرش سے عورتیں مراد لی ہیں،عرب عورتوں کو فرش اورلباس سے تعبیر کرتے ہیں اور مرفوعہ سے مراد حسن وجمال میں برتری ہے۔
عربا ۔نہایہ میں عربا کے معنی المـرأة حسناء المتحببة الی زوجھا لکھے ہیں اور ابن عباسؓ،حسنؒ،مجاہدؒ،قتادہؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ ابن ابی حاتم نے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ ان عورتوں کی بات چیت عربی میں ہوگی۔
اترابا ً۔حدیث میں ہے۔یـدخـل اھـل الجنة الجنة جردا مردا بیضاء مکحولین ابناء ثلثین اوقال ثلث و ثلثین علی خلق ادم ستون فی سبعة اذرع ۔دوسری حدیث میں ہے۔ من دخـل الجنة من صغیرا و کبیر یرد الی ثلثین سنة فی الجنة لایزاد علیھا ابدا و کذلک اھل النار ۔
لاصحاب الیمین ۔یہ انشأناھن کے متعلق ہےای انشـأناھن لاجل اصحاب الیمین اوراس کاتعلق اترابا سے بھی ہوسکتا ہےای جعلناھن اترابا ای مساویات لاصحاب الیمین فی الطول والعرض والجمال.
ثلة من الاولین ۔یہ پہلی آیت وقلیل من الاخرین کے معارض نہیں ہے کیونکہ پہلی آیت کاتعلق مقربین سے ہےاور یہاں اصحاب الیمین کابیان ہے۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ اولین سے یہاں متقدمین مراد ہوں۔یعنی صحابہ اورتابعین۔یہی صورت ثلة من الاٰخرین کی ہوگی کہ اس سے اصحاب الیمین مراد ہوں یااس امت کے متاخرین جوصحابہ اور تابعین کے علاوہ ہوں۔یہ مجموعہ پچھلی امتوں سے بڑھ کر ہوگا۔حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ ھم جمیعا من امتی۔

فی سموم۔ آگ کی گرمی جو مسامات بدن میں گھس جائے اور بعض نے جہنم کی وادی یا جہنم کا نام کہا ہے۔

انھم کانوا ۔ یہ سبب عذاب کا بیان ہے امام رازیؒ اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ یہاں عذاب کا سبب تو ارشاد فرمایا گیا۔ لیکن ثواب کا سبب بیان کرتے ہوئے یہ نہیں کہا گیا۔ انھم کانوا قبل ذلک شاکرین مذعنین ۔ کیونکہ ثواب تو محض فضل خداوندی کی وجہ سے ہے۔ لیکن عذاب عدل الٰہی کے تحت ہے۔ پس سبب فضل بیان نہ کرنے سے صاحب فضل کی تنقیص نہیں ہوتی۔ لیکن سبب عذاب بیان نہ کرنے سے ظلم کا ایہام ہوسکتا ہے۔ جو خلاف عدل ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں اصحاب الیمین کے لئے جزاء بما کانوا یعملون نہیں فرمایا گیا۔ جیسا کہ پہلے ''السابقون'' کے لئے فرمایا گیا تھا۔ تاکہ معلوم ہوجائے کہ سابقین کی جزاء میں تو کچھ اعمال کا دخل ہے بھی مگر اصحاب الیمین کے لئے تو صرف فضل الٰہی سبب ہے یہاں اعمال کا دخل نہیں ہے۔

مترفین ۔ مترف بروزن مکرم جو شخص عیش میں مست ہوکر طاعت کا تعب نہ اٹھا سکے ؎

عیش پروردہ ہرگز نہ بدراہ بہ دوست عاشقی شیوۂ رندان بلا کش باشد

علی الحنث العظیم ۔ اس کے معنی ذنب عظیم یا شرک کے ہیں۔ کیونکہ حنث کے معنی مضبوط عہد توڑنے کے ہیں چنانچہ شرک میں بھی نقض عہد ہوتا ہے۔ واقسموا باللہ جھد ایمانھم لا یبعث اللہ من یموت۔

اذا متنا ۔ مفسرؒ نے ترک الف کی دو صورتوں کو بیان نہیں کیا۔ حالانکہ ادخال الف اور ترک الف دو مستقل قراءتیں ہیں۔ ممکن ہے سابقہ بیانات پر اکتفا کرلیا ہو۔

و اباؤنا الاولون ۔ اس کا ضمیر ''لمبعوثون'' پر عطف ہوسکتا ہے۔ یعنی کیا اگلے لوگ بھی زندہ کئے جائیں گے اور مفسرؒ نے معطوف علیہ محل اور اس کے اسم کو جو کہا ہے تو معطوف کو خبر مقدم کرنے کی صورت میں ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ ائنا و اباؤنا لمبعوثون تفسیری عبارت ھو فی ذلک وفیما قبلہ کا مطلب یہ ہے کہ استفہام اول اباؤنا اور اذا متنا میں استبعاد کے لئے ہے۔ اور نافعؒ، ابن عامرؒ کی قراءت سکون واو کے ساتھ قراءت متواترہ سبعیہ ہے۔ قاضی بیضاویؒ نے صاحب کشاف کی ترجمانی ان الفاظ سے کی ہے۔

لمعطوف علیہ الضمیر المستکن فی المبعوثون الخ وحسن العطف علی الضمیر فی المبوثون من غیر تا کید . بنحن لمفاصل الذی ھو الھمزۃ کما حسن فی قولہ ما اشرکنا ولا اباونا لفصل لا المو کد للنفی ۔

لی ان الاولین ۔ یہ انکار قیامت کارد ہے۔

لی میقات ۔ ای فی وقت چونکہ مجموعون، سوق کے معنی کو متضمن ہے۔ اس لئے الیٰ کے ذریعہ تعدیہ کیا گیا ہے۔

لھیم ۔ مفسرؒ نے ھیمان کی جمع بیان کی۔ حالانکہ اھیم کی جمع ہے۔ کیونکہ ھیم اصل میں ھمیم بروزن حمر تھا۔ ضمہ کو یاء کی وجہ سے کسرہ سے تبدیل کردیا گیا ہے۔ پس جس طرح حمر احمر اور حمرا کی جمع ہے۔ اسی طرح ھُیْمٌ اھیم کی جمع ہے۔

نزلھم ۔ نزل کہتے ہیں مہمان کے آتے ہی جو کچھ پیش کیا جائے۔ جہنمیوں کیلئے استہزاء ھذا نزلھم کہا گیا ہے۔

ربط آیات: .... مضامین کے اعتبار سے یہ سورت پچھلی سورت کے تقریباً مماثل ہے اور ترتیب کے لحاظ سے العجز علی الصدر کے طور پر تقریباً پچھلی سورت کے مقابل ہے چنانچہ سورۂ رحمٰن کے شروع میں قرآن کا ذکر آیا ہے اور یہاں سورت کے تقریباً آخر میں ہے۔ اسی طرح سورۂ رحمٰن میں دنیاوی نعمتوں کا بیان ہے جو دلائل قدرت بھی ہیں قرآن کے ذکر کے بعد آیا ہے اور یہاں قرآن کے ذکر سے پہلے ہے۔ وہاں دنیوی نعمتوں کا ذکر قیامت، دوزخ، جنت کے بعد اور یہاں پہلے آیا ہے اور بالکل ختم کے قریب معاد کی تفصیل مجملاً بیان فرمادی گئی ہے۔

روایات: ...... امام احمدؒ نے ابو ہریرہ سے تخریج کی کہ جب ثلۃ من الاولین نکرہ نازل ہوا تو صحابہؓ پر بہت شاق ہوا پھر آیت ثلۃ من الاخرین نازل ہوئی۔

اور ابن مردویہؒ نے جابر سے نقل کیا ہے ثلۃ من الاولین نازل ہونے پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ثلۃ من الاولین و قلیل من الاخرین تو ایک سال بعد ثلۃ من الاخرین کا نزول ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا من آدم الینا ثلۃ و امتہ ثلۃ۔

عروہ بن رویمؒ سے نقل ہے کہ جب آیت ثلۃ من الاولین وقلیل من الاخرین نازل ہوئی تو عمرؓ رو پڑے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ امنا بر سول ﷺ وصدقنا ومن ینجو منا قلیل اس پر آیت ثلۃ من الاولین وثلۃ من الاخرین نازل ہوئی۔ تو آنحضرت ﷺ نے عمرؓ کو بلا کر فرمایا۔ تمہارے مطابق یہ نازل ہوئی ہے۔ عمرؓ نے عرض کیا ہے کہ رضینا عن ربنا و تصدیق نبینا آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ من آدم الینا ثلۃ ومنا الی یوم القیامۃ ثلۃ۔ اور مجاہدؒ، عطاؒ کی رائے یہ ہے کہ دونوں ثلے امت محمدیہ کے ہیں۔ چنانچہ ابن عباسؓ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں "جمیعا من امتی" لیکن معتمد پہلا قول ہے۔

﴿تشریح﴾ ...... اذا وقعت۔ یعنی قیامت جب ہو پڑے گی۔ اس وقت کھل جائے گا کہ یہ چھوٹی بات نہ تھی اسے نہ کوئی ٹلا سکے گا اور نہ لوٹا سکے گا۔ اگر جھوٹی تسلیوں سے اس دن کی ہولناکیوں کو گھٹانا بھی چاہے تو نہ ہو سکے گا۔ قیامت کے دن بڑے بڑے متکبروں کو جو دنیا میں سربلند اور معزز سمجھے جاتے تھے "اسفل السافلین" میں دھکیل دیا جائے گا اور کتنے ہی متواضعین کو جو دنیا میں حقیر و پست نظر آتے تھے۔ یہ دن ان کے ایمان وعمل صالح کی بدولت جنت کے اعلیٰ مقامات پر فائز کر دے گا۔ قیامت کیا ہوگی۔ گویا ایک سخت زلزلہ ہوگا۔ جس سے پہاڑ تک ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی طرح اڑ جائیں گے۔

مقربین۔ وکنتم ازواجا ثلثۃ۔ قیامت میں لوگ تین حصوں میں بٹ جائیں گے۔ دوزخی، عام جنتی خاص جنتی جو جنت کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہوں گے۔ پہلے ان تینوں قسموں کا اجمالا پھر تفصیلا ذکر ہے۔ سورہ رحمٰن میں بھی ان تین قسموں کا ذکر ہو چکا ہے۔ خواص مومنین کو مقربین اور سابقین اور عامہ مومنین کو اصحاب الیمین اور کفار کو اصحاب الشمال کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اذا وقعت سے لے کر ثلثۃ تک بعض حالات جیسے رجت وبست نفخہ اولی کے وقت کے بیان فرمائے ہیں۔ اور بعض واقعات جیسے خافضۃ، رافعۃ اور کنتم، ازواجا ثلثۃ نفخہ ثانیہ کے ہیں اور بعض احوال جیسے اذا وقعت اور لیس لوقعتھا مشترک ہیں اور چونکہ نفخہ اولی سے نفخہ ثانیہ تک تمام وقت ممتد ایک وقت کے حکم میں ہے۔ اس لئے ہر جزء وقت کو ہر واقعہ کا وقت کہا جا سکتا ہے۔

اصحاب الیمین: ...... فاصحب المیمنۃ۔ جو لوگ عرش عظیم کی داہنی سمت میں ہوں گے ان کو عہد الست کے وقت آدمؑ کے داہنے پہلو سے نکالا گیا تھا اور ان کا اعمالنامہ بھی داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور فرشتے بھی ان کو داہنی طرف سے لیں گے۔ اس روز ان کی کامیابی کا کیا کہنا۔ حضور ﷺ نے شب معراج میں دیکھا تھا کہ حضرت آدمؑ داہنی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے اور بائیں جانب نظر کر کے رو پڑتے تھے اور گو یہ سب باتیں مقربین میں بھی مشترک ہیں۔ لیکن صرف انہی باتوں پر اکتفا کرنا بتلا رہا ہے کہ ان میں اصحاب الیمین سے اور کوئی قرب خاص کی بات نہیں پائی جاتی ہے۔ اس لئے ان سے عوام سے مومنین مراد ہوں گے جن کو مجملا اچھا فرمایا۔ اس کے بعد فی سدر سے اس اجمال کی تفصیل ہے۔

اصحاب الشمال:...... واصحاب المشئمۃ۔ یہ لوگ آدم علیہ السلام کے بائیں پہلو سے نکالے گئے اور انہی کو دیکھ کر آدمؑ روتے رہے عرش کے بائیں کھڑے کئے جائیں گے۔ اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور فرشتے بائیں طرف سے ان کو پکڑیں گے۔ ان کی نحوست اور بد بختی کا کیا ٹھکانہ۔

تحقیق علمی:............ لیکن جو کمالات علمیہ وعملیہ اور مراتب تقویٰ میں دوڑ لگا کر اصحاب یمین سے آگے نکل گئے وہ حق تعالیٰ کی رحمتوں اور مراتب قرب ووجاہت میں بھی سب سے آگے نکل گئے۔ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ وھم الانبیاء والرسل و الصدیقون والشھداء یکونون بین یدی ربھم عزو جل۔

ثلۃ من الاولین ۔ اکثر مفسرینؒ نے آیت کی تفسیر میں دو احتمال لکھے ہیں۔ ایک یہ کہ ثلۃ من الاولین سے پہلی امتوں کے حضرات اور قلیل من الآخرین سے امت محمدیہ کے افراد ہیں۔ جیسا کہ جابرؓ کی مرفوع روایت میں ہے اور وجہ اس کمی بیشی کی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلا زمانہ زیادہ گزرا ہے جس میں لاکھوں انبیاء ورسل اور کروڑوں ان کے اصحاب ہوں گے اور آنحضرت ﷺ کے بعد کا زمانہ کم ہے اور خواص ہر زمانہ میں کم ہوتے ہیں۔ اس لئے بہت سی امتوں کے خواص کا مجموعہ صرف امت محمدیہ کے حق میں عادۃً زیادہ ہی ہونا چاہیے۔

اور بعض نے ثلۃ من الاولین سے اس امت کے متقدمین اور قلیل من الاخرین سے امت کے متاخرین مراد لئے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے دوسرے احتمال کو ترجیح دی ہے۔

اور روح المعانی میں سند حسن کے ساتھ ابو بکرہ کی حدیث نقل کی ہے جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ھما جمیعا من ھذہ الامۃ اور حافظ ابن کثیرؒ نے آیت کا ایک تیسرا مطلب یہ فرمایا ہے کہ ہر امت کے پہلے طبقہ میں نبی کی صحبت یا قرب عہد کی برکت سے اعلیٰ درجہ کے مقربین جس قدر کثرت سے ہوئے ہیں پچھلے طبقوں میں وہ بات نہیں رہی۔ ارشاد نبوی ﷺ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم اس کا موئد ہے۔ لیکن بعض اکابر نے "تفسیر منصور" پہلے معنی کو فرمایا ہے۔ اور ارشاد نبوی ﷺ ھما من ھذہ الامۃ کی تاویل یہ کہ یہ آیت کی تفسیر نہیں ہے۔ بلکہ مقصد یہ بتلانا ہے کہ جس طرح پہلی امتوں کے اولین میں مقربین زیادہ اور آخرین میں کم رہے ہیں۔ اسی طرح اس امت میں بھی متقدمین میں مقربین زیادہ اور متاخرین میں کم ہوں گے۔ گو قرآن کا یہ مدلول نہ ہو۔

اور اسی طرح قلیل من الاخرین کا مقربین کے بارہ میں ہونا اور "ثلۃ من الاخرین" کا اصحاب الیمین کی شان میں ہونا بھی صاف مدلول قرآنی ہے۔

رہ گئی حدیث عمرؓ جس کا بیان پہلے ہوا۔ جس میں ثلۃ اور قلیل دونوں کا مصداق ایک ہی فرمایا۔ اس کی بھی توجیہ کی جائے گی۔ کہ صحابہ نے اول مقربین کے بارہ میں جو قلیل من الاخرین سنا تو گمان ہوا کہ شاید یہی نسبت پہلی امتوں اور اس امت کے عوام مومنین میں بھی ہوگی کہ ان میں زیادہ اور اس امت میں کم ہوں۔ مگر دوسری آیت میں بتلا دیا گیا کہ یہ نسبت مقربین میں ہے لیکن اصحاب الیمین میں دوسری نسبت ہوگی۔

اور مذکورہ روایت میں جو فسخت و قلیل من الا خرین الفاظ آئے ہیں تو سلف کی اصطلاح میں یہ نسبت متاخرین کے نسخ کے معنی عام ہیں یعنی توضیح مراد اور شبہ کے ازالہ کو بھی متقدمین نسخ کہہ دیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ آیت بقرۃ للہ ما فی السموات کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

جنت کی مادی اور روحانی نعمتیں: علی سرر موضونۃ ۔ یہاں سے نعمائے جنت کا بیان ہو رہا ہے سونے کے تاروں سے

بنے ہوئے تخت بیٹھنے کے لئے ہوں گے۔ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھا ہوگا اور خدمت گار لڑکے ہوں گے جو سدا ایک حالت پر رہیں گے صاف ستھری شراب کے چشمے ہوں گے جن کے پینے سے نہ سر گرانی ہوگی اور نہ بڑ لگے گی۔شراب نشہ سے خالی اور صرف لذت وسرور کے لئے ہوگی۔پسندیدہ میوے،مرغوب گوشت بلاتعب میسر ہوگا، چمکتے دمکتے موتیوں کی طرح حوریں ہوں گی۔کوئی لغو اور واہیات بات وہاں نہ ہوگی۔نہ کوئی جھوٹ بولے گا اور نہ کوئی کسی پر جھوٹی تہمت لگا سکے گا۔بس ہر طرف سے سلام سلام کی آوازیں ہوں گی۔جنتیوں کا آپس میں سلام ہوگا فرشتوں کی طرف سے سلام ہوگا اور سب سے بڑھ کر رب کریم کا سلام پہنچے گا جو سب سے بڑھ کر اعزاز ہوگا۔سلام کی یہ کثرت اس طرف اشارہ ہوگی کہ اب یہاں سلامتی ہی سلامتی ہے نہ کسی طرح کا آزار ہے اور نہ موت کا کھٹکا، قسم قسم کے پھلوں سے لدے ہوئے درخت اور باغات ہوں گے،وہاں نہ دھوپ ہوگی اور نہ اندھیرا۔نہ گرمی ہوگی اور نہ سردی،سورج نکلنے سے پہلے صبح کا سا سہانا معتدل وقت اور موسم رہے گا اور سایہ اتنا پھیلا ہوا ہوگا کہ بہترین تیز رفتار سوار متواتر سو برس دوڑتا رہے تو ختم نہ ہو،میوے ایسے کہ نہ اس سے پہلے توڑے گئے اور نہ دنیا کے موسمی میوؤں کی طرح ختم ہونے والے اور نہ ہی اس کے لینے میں کسی طرح کی روک ٹوک پیش آئے گی اور فرش فروش بے حد اونچے ظاہر میں بھی اور رتبہ میں بھی،حوریں اور دنیا کی عورتیں جو جنت میں نصیب ہوں گی وہاں ان کا قدرتی اٹھان ایسا ہوگا کہ ہمیشہ جوان اور خوبصورت بنی رہیں گی۔ان کی گفتگو ناز وانداز سے بے ساختہ دل لبھے گا اور باہم سب ہم عمر ہوں گی۔شوہروں کے ساتھ بھی عمر کا تناسب برابر قائم رہے گا۔

مشکل کا حل: .... ثلة من الاولين ۔یعنی اصحاب الیمین پہلوں میں بھی بکثرت ہوئے ہیں اور پچھلوں میں بکثرت ہوں گے، بلکہ متاخرین میں اصحاب الیمین کی تعداد بہ نسبت متقدمین اصحاب الیمین کے زیادہ ہوگی۔چنانچہ احادیث میں تصریح ہے کہ مجموعہ مومنین اس امت کا پہلی امتوں کے مجموعہ مومنین سے زیادہ ہوگا۔اس کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ اس امت کے اصحاب الیمین زیادہ ہوں گے، کیونکہ متقدمین میں مقربین کی کثرت تو خود آیت بالا سے ثابت ہے۔اور جب اصحاب الیمین مقربین سے مرتبہ میں کم ہیں تو ان کی جزا بھی کم ہوگی۔

سواس کی توجیہ یہ ہے کہ مقربین کی جزا میں وہ سامان عیش زیادہ بیان کیا گیا ہے جو اہل شہر کو زیادہ مرغوب ہوا کرتا ہے اور اصحاب الیمین کی جزا میں اس سامان عیش کا زیادہ ذکر ہے جو دیہاتی قصباتی لوگوں کو زیادہ مرغوب ہوتا ہے،جس سے اشارہ ان دونوں کے فرق مراتب کی طرف ہے۔

واصحاب الشمال ۔یہاں سے تیسری قسم دوزخیوں کی تفصیل ارشاد ہے۔دوزخ کی آگ سے جو سیاہ دھواں اٹھے گا وہ اس میں رکھے جائیں گے جہاں کسی قسم کا نہ آرام ملے گا نہ ٹھنڈک پہنچے گی نہ وہ عزت کا سایہ ہوگا اس کی تپش میں ذلیل وخوار بیٹھے رہیں گے،دنیا میں خوشحالی اور غرور کی وجہ سے انہوں نے اللہ ورسول سے ضد باندھی تھی یہ اس کا جواب ہے۔دنیا میں قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اس زندگانی کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے، ہمارا اور ہمارے ماں باپ دادوں کا مرنے کے بعد زندہ ہونا کہیں سمجھ میں آتا ہے؟

دوزخیوں کا حال پتلا ہوگا: .... ثم انكم ايها الضالون ۔دوزخیوں کا جب مارے بھوک کے برا حال ہوگا تو زقوم کا درخت چبانے کو ملے گا اور پیٹ کی دوزخ کو اس سے بھرنا ہوگا اور کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا۔مگر بے تابی میں پیاس کی شدت سے ایک دھوپ میں جھلسے ہوئے اونٹ کی طرح یہی پانی ایک دم چڑھاتا چلا جائے گا جس سے منہ جھلس کر بھن جائے گا اور اندر سے آنتیں کٹ کٹ کر باہر آپڑیں گی۔انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ ان کی مہمانی اس شان سے کی جائے اور جانور سے بدتر سلوک ان کے ساتھ کیا جائے۔

لطائف سلوک: .... والسابقون السابقون ۔اس سے معلوم ہوا کہ مقربین کا مرتبہ عام صلحاء مومنین کے درجہ سے بڑھ کر ہے اور یہی تصوف کا مقصود ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ وَجَدْنَا عَنْ عَدَمٍ **فَلَوْلَا** هَلَّا **تُصَدِّقُوْنَ** ﴿۵۷﴾ بِالْبَعْثِ اِذِالْقَادِرُ عَلَى الْاِنْشَاءِ قَادِرٌ عَلَى الْاِعَادَةِ **اَفَرَئَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ** ﴿۵۸﴾ تُرِيْقُوْنَ الْمَنِيَّ فِيْ اَرْحَامِ النِّسَاءِ ءَ **اَنْتُمْ** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ اِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَتَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰى وَتَرْكِهٖ فِي الْمَوَاضِعِ الْاَرْبَعَةِ **تَخْلُقُوْنَهٗٓ** اَيِ الْمَنِيَّ بَشَرًا **اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ** ﴿۵۹﴾ **نَحْنُ قَدَّرْنَا** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ** ﴿۶۰﴾ بِعَاجِزِيْنَ **عَلٰٓى** عَنْ **اَنْ نُّبَدِّلَ** نَجْعَلَ **اَمْثَالَكُمْ** مَكَانَكُمْ **وَنُنْشِئَكُمْ** نَخْلُقُكُمْ **فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ** ﴿۶۱﴾ مِنَ الصُّوَرِ كَالْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيْرِ **وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِ الشِّيْنِ **فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ** ﴿۶۲﴾ فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْاَصْلِ فِي الذَّالِ **اَفَرَئَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ** ﴿۶۳﴾ تُثِيْرُوْنَ الْاَرْضَ وَتُلْقُوْنَ الْبَذْرَ فِيْهَا ءَ **اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ** تُنْبِتُوْنَهٗ **اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ** ﴿۶۴﴾ **لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا** نَبَاتًا يَابِسًا لَا حَبَّ فِيْهِ **فَظَلْتُمْ** اَصْلُهٗ ظَلِلْتُمْ بِكَسْرِ اللَّامِ فَحُذِفَتْ تَخْفِيْفًا اَيْ قُمْتُمْ نَهَارًا **تَفَكَّهُوْنَ** ﴿۶۵﴾ حُذِفَ مِنْهُ اِحْدَى التَّائَيْنِ فِي الْاَصْلِ تَعْجَبُوْنَ مِنْ ذٰلِكَ وَتَقُوْلُوْنَ **اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ** ﴿۶۶﴾ نَفَقَةَ زَرْعِنَا **بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ** ﴿۶۷﴾ مَمْنُوْعُوْنَ رِزْقَنَا **اَفَرَئَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ** ﴿۶۸﴾ ءَ **اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ** السَّحَابِ جَمْعُ مُزْنَةٍ **اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ** ﴿۶۹﴾ **لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا** مِلْحًا لَا يُمْكِنُ شُرْبُهٗ **فَلَوْلَا** فَهَلَّا **تَشْكُرُوْنَ** ﴿۷۰﴾ **اَفَرَئَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ** ﴿۷۱﴾ تُخْرِجُوْنَ مِنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ ءَ **اَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ** كَالْمَرْخِ وَالْعَفَارِ وَالْكَلْخِ **اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ** ﴿۷۲﴾ **نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً** لِنَارِ جَهَنَّمَ **وَّمَتَاعًا** بُلْغَةً **لِّلْمُقْوِيْنَ** ﴿۷۳﴾ لِلْمُسَافِرِيْنَ مِنْ اَقْوٰى اَيْ صَارُوْا بِالْقَوِيِّ بِالْقَصْرِ وَالْمَدِّ اَيِ الْقَفْرُ وَهُوَ مَفَازَةٌ لَا نَبَاتَ فِيْهَا وَلَا مَاءَ **فَسَبِّحْ** نَزِّهْ **بِاسْمِ** زَائِدٍ **رَبِّكَ الْعَظِيْمِ** ﴿۷۴﴾ اَيِ اللّٰهِ **فَلَآ اُقْسِمُ** لَا زَائِدَةٌ **بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ** ﴿۷۵﴾ بِمَسَاقِطِهَا لِغُرُوْبِهَا **وَاِنَّهٗ** اَيِ الْقَسَمُ بِهَا **لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ** ﴿۷۶﴾ اَيْ لَوْ كُنْتُمْ مِنْ ذَوِي الْعِلْمِ لَعَلِمْتُمْ عِظَمَ هٰذَا الْقَسَمِ **اِنَّهٗ** اَيِ الْمَتْلُوُّ عَلَيْكُمْ **لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ** ﴿۷۷﴾ **فِيْ كِتٰبٍ** مَكْتُوْبٍ **مَّكْنُوْنٍ** ﴿۷۸﴾ مَصُوْنٍ وَهُوَ الْمُصْحَفُ **لَّا يَمَسُّهٗٓ** خَبَرٌ بِمَعْنَى النَّهْيِ **اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ** ﴿۷۹﴾ اَيِ الَّذِيْنَ طَهَّرُوْا اَنْفُسَهُمْ مِنَ الْاَحْدَاثِ **تَنْزِيْلٌ** مُّنَزَّلٌ **مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴿۸۰﴾ **اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ** الْقُرْاٰنِ **اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ** ﴿۸۱﴾ مُتَهَاوِنُوْنَ مُكَذِّبُوْنَ **وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ** مِنَ الْمَطَرِ اَيْ شُكْرَهٗ **اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ** ﴿۸۲﴾ بِسَقْيَا اللّٰهِ حَيْثُ قُلْتُمْ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا **فَلَوْلَآ** فَهَلَّا **اِذَا بَلَغَتِ** الرُّوْحُ وَقْتَ النَّزْعِ **الْحُلْقُوْمَ** ﴿۸۳﴾ وَهُوَ مَجْرَى الطَّعَامِ **وَاَنْتُمْ** يَا حَاضِرِي الْمَيِّتِ **حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ** ﴿۸۴﴾ اِلَيْهِ **وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ** بِالْعِلْمِ **وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ** ﴿۸۵﴾ مِنَ الْبَصِيْرَةِ اَيْ لَا تَعْلَمُوْنَ ذٰلِكَ **فَلَوْلَآ** فَهَلَّا **اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ** ﴿۸۶﴾

مُجْزِيِّينَ بِاَنْ تُبْعَثُوْا اَیْ غَيْرَ مَبْعُوْثِيْنَ بِزَعْمِكُمْ **تَرْجِعُوْنَهَا** تَرُدُّوْنَ الرُّوْحَ اِلَى الْجَسَدِ بَعْدَ بُلُوْغِ الْحُلْقُوْمِ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿۸۷﴾ فِيْمَا زَعَمْتُمْ فَلَوْلَا الثَّانِيَةُ تَاكِيْدٌ لِلْاُوْلٰى وَاِذَا ظَرْفٌ لِتَرْجِعُوْنَ لِمُتَعَلَّقٍ بِهِ الشَّرْطَانِ وَالْمَعْنٰى هَلَّا تَرْجِعُوْنَهَا اِنْ نَفَيْتُمُ الْبَعْثَ صَادِقِيْنَ فِیْ نَفْيِهِ اَیْ لِيَنْتَفِیَ عَنْ مَحَلِّهَا الْمَوْتُ **فَاَمَّآ اِنْ كَانَ** الْمَيِّتُ **مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ** ﴿۸۸﴾ **فَرَوْحٌ** اَیْ فَلَهُ اسْتِرَاحَةٌ **وَّرَيْحَانٌ** رِزْقٌ حَسَنٌ **وَّ جَنَّةُ نَعِيْمٍ** ﴿۸۹﴾ وَهَلِ الْجَوَابُ لِاَمَّا اَوْلِاِنْ اَوْلَهُمَا اَقْوَالٌ **وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ** ﴿۹۰﴾ **فَسَلٰمٌ لَّكَ** اَیْ لَهُ السَّلَامَةُ مِنَ الْعَذَابِ **مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ** ﴿۹۱﴾ مِنْ جِهَةِ اَنَّهُ مِنْهُمْ **وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ** ﴿۹۲﴾ **فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ** ﴿۹۳﴾ **وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ** ﴿۹۴﴾ **اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ** ﴿۹۵﴾ مِنْ اِضَافَةِ الْمَوْصُوْفِ اِلٰى صِفَتِهٖ **فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ** ﴿۹۶﴾ تَقَدَّمَ

ترجمہ: ...... ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے (عدم سے وجود بخشا ہے) تو پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے (قیامت کی کیونکہ جو خدا تمہیں ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے) اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو منی پہنچاتے ہو (بیویوں کے رحم میں منی ڈالتے ہو) اس کو تم (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسری ہمزہ کو الف سے بدل کر اور تسہیل کر کے اور ہمزہ مسہلہ اور غیر مسہلہ کے درمیان الف داخل کر کے اور چاروں صورتوں میں بغیر الف داخل کئے پڑھا گیا ہے) آدمی بناتے ہو (یعنی منی کو انسان) یا ہم بنانے والے ہیں؟ ہم ہی نے تمہارے درمیان ٹھہرا رکھا ہے (قدرنا تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے) موت کو اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں تمہاری جگہ تو اور تم جیسے پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں بنا دیں جن کو تم جانتے بھی نہیں (یعنی بندر اور خنزیر کی شکل پر) اور تمہیں پہلی پیدائش کا علم ہے (نشاۃ ایک قراءت میں سکون شین کے ساتھ ہے) پھر تم کیوں نہیں سمجھتے (اس کی اصل میں تائے ثانیہ کو ذال بنا کر ادغام کر دیا ہے) اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو اس کو تم اگاتے ہو (نکالتے ہو) یا ہم اگانے والے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کر دیں (بغیر دانہ بھوسہ کے) پھر تم رہ جاؤ (ظلتم اصل میں ظللتم تھا کسرہ لام کے ساتھ تخفیفاً لام کو حذف کر دیا۔ یعنی تم دن بھر رہو) حیران (تفکھون کی اصل میں دو تا تھیں ایک کو حذف کر دیا گیا اس پر تعجب کرتے ہوئے بول اٹھو گے) کہ ہم ٹوٹے ہی میں رہ گئے (غلہ کی پیداوار میں) بلکہ بالکل ہی محروم رہ گئے (پیداوار سے خالی ہاتھ) اچھا یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم برساتے ہو (مزن بمعنی بادل مزنۃ کی جمع ہے) یا ہم برسانے والے ہیں اگر ہم چاہیں اس کو کڑوا کر ڈالیں (ایسا شور کہ پیا نہ جاسکے) سو تم شکر کیوں نہیں کرتے۔ اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو (سرسبز درخت کا چقماق بناتے ہو) اس درخت کو تم نے پیدا کیا ہے (جیسے مرخ، عفار، اور کلخ نامی درخت) یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ہم نے آگ کو (دوزخ کی) یاددہانی کی چیز بنایا ہے اور مسافروں کے فائدہ (نفع) کی چیز بنایا ہے۔ مقوین بمعنی مسافرین "اقوی القوم" سے ماخوذ ہے یعنی قوم میدان میں چلی گئی۔ قوی قصر و مد کے ساتھ دونوں طرح ہے بمعنی کھلا میدان اور ایسا جنگل جس میں نہ گھاس ہو نہ پانی) سو اپنے عظیم الشان پروردگار (اللہ) کی (اسم زائد ہے) تسبیح (پاکی بیان کیجئے)۔ سو میں قسم کھاتا ہوں (لا زائد ہے) ستاروں کے چھپنے کی (غروب ہونے کے لئے ستاروں کے غائب ہونے کی) اور اگر غور کرو تم تو یہ (قسم) ایک بڑی قسم ہے (اگر تم سمجھدار ہو تو سمجھ جاؤ گے کہ یہ قسم بہت بڑی ہے) کہ یہ (جو تم پر تلاوت کیا جا رہا ہے) قرآن کریم ہے جو ایک محفوظ کتاب (مصحف) میں درج (لکھا ہوا) ہے کہ اس کو کوئی ہاتھ لگانے نہیں پاتا (خبر ہے بمعنی نہی) بجز پاک فرشتوں کے جنہوں نے ہر قسم کی ناپاکیوں سے پاک کر رکھا ہے) یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا (بھیجا) ہوا ہے سو کیا تم اس کلام (قرآن) کو سرسری بات سمجھتے ہو (معمولی سمجھ کر جھٹلا رہے ہو) اور بنا

رہے ہوا پنی غذا (بارش یعنی اس کی شکر گزاری) کو جھوٹ (اللہ کے سیراب کرنے کو یہ کہہ کر فلاں ستارہ کے اثر سے بارش ہوئی ہے) سو جس وقت روح پہنچتی ہے (نزع کے وقت) حلق (کھانا گزرنے کی جگہ) تک اور تم (میت کے آگے کھڑے ہوئے) اس وقت تکا کرتے ہو (میت کی طرف) اور ہم اس شخص کے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں (بلحاظ علم کے) لیکن تم سمجھتے نہیں ہو (لاتبصرون بصیرت سے ہے یعنی یہ معلوم نہیں ہے) تو اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں (کہ قیامت میں تمہیں سزا ملے۔ یعنی تمہارے خیال میں قیامت کے دن تم اٹھائے نہیں جاؤ گے) تو تم اس روح کو پھر کیوں لوٹا نہیں لاتے (جان گلے تک آجانے کے بعد پھر اس کو واپس کیوں نہیں کر دیتے) اگر تم سچے ہو (اپنے اعتقاد میں۔ دوسرا لولا پہلے لولا کی تاکید ہے اور اذا، ترجعون کا ظرف ہے، جس سے دونوں شرطوں کا تعلق ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر قیامت کے منکر ہو اور اس دعویٰ نفی میں سچے ہو تو روح کو کیوں نہیں لوٹا دیتے یعنی اس شخص کو پھر موت نہیں آنی چاہیے) پھر (مرنے والا) اگر مقربین میں سے ہے تو اس کے چین ہے (یعنی) اس کے لئے راحت ہے اور غذائیں ہیں (عمدہ رزق) اور آرام کی جنت ہے (یہ اما کا جواب ہے یا ان کا جواب ہے یا دونوں کا جواب ہے یہ تین قول ہیں) اور اگر وہ شخص داہنے والوں میں سے ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے امن وامان ہے (عذاب سے چھٹکارہ) تو داہنے والوں میں سے ہے (تیرا انہی میں شمار ہے) اور جو شخص جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہو گا تو کھولتے ہوئے پانی سے اس کی دعوت ہو گی اور دوزخ میں داخل ہو گا۔ بلاشبہ یہ تحقیقی یقینی بات ہے (حق الیقین میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہو رہی ہے) سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے (یہ آیت پہلے بھی گزر چکی ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... **افرءیتم** ۔ یہاں سے منکرین قیامت پر متعدد تردیدیں کی جارہی ہیں۔

ارءیتم ۔ بمعنی اخبرونی اس کا مفعول اول ماتمنون اور مفعول ثانی جملہ استفہامیہ ہے۔

تمنون ۔ ایک قراءت فتحہ تا کے ساتھ ہے۔

ءانتم تخلقونه ۔ اس میں دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ فعل محذوف کا فاعل ہو۔ ای تخلقونہ انتم۔ چونکہ فعل مابعد کے دلالت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔ اس لئے ضمیر بھی منفصل ہو گئی۔ یہ باب اشتغال کی قبیل سے ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ انتم مبتداء اور بعد کا جملہ خبر ہوا جو حرف استفہام کی وجہ سے پہلی صورت راجح ہے مفسرؒ نے بشرا سے اشارہ کیا ہے کہ منی پیدا کرنے سے انسان پیدا کرنا مراد ہے۔

وننشئکم فی ما لا تعلمون سے یہ مقصد ہے کہ غیر معہود طریقہ پر پیدا کر دیا جائے جس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ ذات وصفات دونوں میں تبدیلی کر سکتے ہیں۔ اس کی حکمت بالغہ کا اگر تقاضہ ہو تو یہ محال نہیں ہے۔

نشأۃ الاولیٰ ۔ ابو عمرو ابن کثیر کی قرأت میں فتح شین کے ساتھ اور باقی قراء کے نزدیک سکون شین کے ساتھ ہے، حرث کے معنی کھیتی تیار کرنے کے ہیں، تفسیری عبارت میں لغوی معنی کی رعائت ہے تخم ریزی کے معنی زیادہ بہتر ہیں۔ حدیث میں ہے۔ **لا یقول احدکم زرعت ولیقل حرثت**

لمغرمون ۔ غرام، تاوان، ڈنڈا کو کہتے ہیں۔

جعلناہ اجاجاً ۔ چونکہ تاکید کی ضرورت نہیں تھی اس لئے یہاں لام نہیں لایا گیا۔ کیونکہ بارش بادل پر کسی کی ملکیت کا ایہام ہی نہیں۔ برخلاف زمین اور کھیتی کے ان میں دوسرے کی ملکیت کا شائبہ ہے۔ اس لئے وہاں لام تاکید لایا گیا ہے۔ اجاج اجّ سے ہے آگ کی لپٹ کو کہتے ہیں جس سے منہ جل جائے قرینہ مقام کی وجہ سے شور و تلخ کے معنی ہیں۔

شجرتھا ۔ مرخ وعفار دونوں چتماق کی لکڑیاں یا پتھر ہوتے ہیں جن سے آگ کے شعلے اور چنگاریاں نکلتی ہیں پہلے زمانہ میں اسی سے آگ روشن کی جاتی تھی۔ اب دیا سلائی کی ڈبی نے اس کی جگہ لے لی ہے۔

کلخ کے متعلق اہل مغرب وشام سے نقل کیا گیا ہے کہ ان کے یہاں بانس کی قسم سے ایک چیز ہوتی تھی۔ جس کے دو ٹکڑے ایک دوسرے پر مارنے

سے آگ کی چنگاریاں نکال کر آگ روشن کی جاتی تھی۔

للمقوین۔ مسافر کی تخصیص اس لئے کی کہ ان کو ضرورت زیادہ ہوتی ہے ورنہ مقیمین کے یہاں تو اکثر آگ رہتی ہی ہے۔لق ودق چٹیل میدان کو تقاولا مفازہ کہتے ہیں۔

اسم ربك۔ مفسر تو لفظ اسم زائد کہہ رہے ہیں۔مگر زائد کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ بے کار اور فضول لفظ ہے العیاذ باللہ۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ اس لفظ کے بغیر عبارت اور معنی درست رہتے ہیں۔گویا یہ لفظ ضروری نہیں ہے۔لیکن دوسری رائے میں یہ ہے کہ یہ لفظ زائد نہیں ہے۔ بلکہ تنزیہ ذات کی طرح صفات واسماء الٰہیہ کی تنزیہ بھی مطلوب ومقصود ہے۔یہی وجہ ہے کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ اللہ کا نام کاغذ پر لکھا ہوا اگر کسی کو گندگی میں پڑا ملے اور وہ اس کو نہ اٹھائے تو یہ کفر ہے۔کیونکہ اللہ کے نام کی بے حرمتی ایسی ہے جیسے اس کی ذات کی بے حرمتی کیونکہ اسم مسمیٰ پر دلالت کرتا ہے لفظ اس کا حرف الف رسم الخط میں یہاں لکھا جائے گا۔اور بسم اللہ میں کثرت استعمال کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔

مو اقع النجوم۔غروب کی تخصیص اس لئے کہ اس میں موثر پر دلالت واضح ہے۔

وانہ لقسم لو تعلمون۔ یہ دونوں جملہ معترضہ ہیں۔ پہلا تو قسم اور جواب قسم کے درمیان اور دوسرا موصوف صفت کے درمیان جیسا کہ صاحب کشاف نے تصریح کی ہے۔اس کو ایک جملہ معترضہ سے زائد پر محمول نہ کیا جائے۔جیسا کہ بعض حضرات کو آیت **وانی سمیتھا مریم** کی تفسیر میں صاحب کشاف پر شبہ ہو گیا ہے۔

لا یمسہ اگر اس کو جملہ خبریہ مانا جائے تو بغیر طہارت قرآن چھونے سے خبر کے جھوٹ ہونے کا شبہ ہوتا اس لئے مفسرؒ نے جملہ انشائیہ''نہی'' سے تاویل کر دی۔لیکن صاحب مدارکؒ کہتے ہیں کہ جملہ موصوفہ کو جب کتاب کی صفت بنا دیا جائے جس سے لوح محفوظ مراد ہو تو پھر مطہرون سے فرشتے مراد ہوں گے۔

امام مالکؒ اور ایک جماعت کی رائے بھی یہی ہے اور انسؓ، قتادہؒ، سعید بن جبیرؒ، ابوالعالیہؒ سے بھی یہی روایت ہے اور لا یمسہ کی ضمیر اگر قرآن کی طرف راجع ہو تو پھر اس آیت سے آئمہ اربعہ کے نزدیک بے وضو اور بے غسل قرآن چھونا جائز نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ کی ضمیر اگر قرآن کی طرف راجع ہو تو پھر لا یمسہ نہی ہوگی یا نفی۔یہاں قرآن کے چار اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک بغیر طہارت قرآن کسی الگ کپڑے کے ساتھ چھو سکتا ہے البتہ بے وضو قرآن پڑھنے کی اجازت ہے حافظ کے لئے اور ناظرہ بغیر ہاتھ لگائے پڑھ سکتا ہے مگر مکروہ ہے اور شوافع اور مالکیہ کے یہاں کسی بے وضو بے غسل کو نہ قرآن چھونے کی اجازت ہے اور نہ اٹھانے کی۔اور حنابلہ بے وضو اور جنبی کے لئے اجازت دیتے ہیں۔مگر حیض ونفاس والی عورتوں کو اجازت نہیں دیتے۔البتہ قرآن کی کتابت امام ابو یوسفؒ جنبی اور حائضہ کے لئے جائز مانتے ہیں جب کہ اوراق کسی دوسری چیز پر رکھے ہوں۔امام محمدؒ بالکل اجازت نہیں دیتے۔

وتجعلون رزقکم۔مفسرؒ نے شکرہ مضاف محذوف ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔یعنی مضاف الیہ مضاف کے قائم مقام ہو گیا ہے۔اور بعض نے آسمانی رزق سے شکر مراد لیا ہے۔ابن مردویہؒ حضرت علیؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے وتجعلون شکرکم پڑھا ہے یعنی بطور تفسیر کے۔

انکم تکذبون۔مفسرؒ نے بسقیا اللہ سے تکذبون کے مفعول محذوف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سقیا۔اسم ہے اور مصدر مضاف الی الفاعل ہے۔مطرنا بنوء کذا۔ابن صلاحؒ فرماتے ہیں کہ سالانہ منازل قمر ۲۸ ہوتی ہیں۔ہر تیرہویں شب میں ایک ستارہ مغرب میں غروب ہوتا ہے اور اس کے بالمقابل دوسرا ستارہ مشرق میں طلوع کرتا ہے۔اہل مغرب بارش کی نسبت ستاروں کی طرف کرتے ہیں اور اسی کو موثر حقیقی سمجھتے ہیں۔اسلام نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔موثر حقیقی صرف حق تعالیٰ ہیں۔فی الجملہ اسباب کی تاثیرات کا انکار نہیں عالم اسباب میں علویات سفلیات پر موثر ہیں۔مگر اصل ہاتھ ان کی پشت پر اللہ کا ہوتا ہے۔البتہ سد ذرائع کے طور پر نجوم اور نجومیوں کے پاس تک جانے سے روک دیا گیا ہے۔

نوء۔اصلاح میں پچھتر کو کہتے ہیں۔

فلو لا اذا بلغت ۔دراصل اس آیت کی ترتیب اس طرح ہے۔لو لا ترجعونها اذا بلغت الحلقوم ان كنتم غير مدينين دوسرالولاتا کید کے لئے ہے بقول زمخشریؒ۔

الروح۔دل سے جولطیف بخار بنتا ہے اس کوروح کہتے ہیں نفس ناطقہ مرادنہیں۔کیونکہ اس کے اوصاف وہ نہیں جو بیان کئے جارہے ہیں۔

مدینین۔دین سے ہے جس کے معنی جزاء کے ہیں یعنی کیا قیامت نہیں آئے گی جس میں تمہیں کئے کابدلہ ملے گا،گویالازم کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ کیونکہ جزاوسزانہ ہونے کا مطلب قیامت کا نہ ہونا ہے کیونکہ بعث کے لئے جزاوسزالازم ہے۔پس لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی ہوگئی۔اور بعض نے غیر مدینین کے معنی غیر مربوبین کے لیے ہے۔وان السلطان رعيته اذا ساسهم۔

ترجعونها ۔یعنی اگر بقول کفار کے نہ قیامت ہوگی نہ حساب کتاب اور نہ ہی خدا کوئی چیز ہے تو غرغرہ کی حالت میں جب دم واپسیں ہوتو کیوں نہیں مرنے والے کو بچالیتے اور جب یہ نہیں کر سکتے تو سمجھ لو کہ تمہارے اوپر ایک بالا دست طاقت ہے کہ اس کی چلتی ہے اور تمہاری کچھ نہیں چلتی۔ تفسیری عبارت ''المتعلق بہ الشرطان'' کا حاصل یہ ہے کہ ان کنتم غیر مدینین اور ان کنتم صادقین دونوں شرطوں کا تعلق ترجعون کے ساتھ ہے یعنی یہ دونوں الگ الگ جزاء ہے۔مفسرؒ کی عبارت میں قلب ہوگیا۔شرطوں کے جزاء سے متعلق ہونے کی بجائے کہنا چاہیے تھا کہ جزاء دونوں شرطوں سے متعلق ہے۔نیز بعد میں شرط و جزاء کی تقدیم تاخیر میں بھی تسامح ہوگیا۔یوں کہنا چاہیے تھا۔ان نفيتم البعث صادقين في نفيه فهلا ترجعونها اس میں ان نفيتم البعث شرط اول ان كنتم غير مدينين میں مذکور ہے اور صادقین شرط ثانی ان كنتم صادقين سے ماخوذ ہے اور تفسیری عبارت لينتفي علت ہے هلا ترجعونها جزاء کی اور محلها سے مراد بدن میت ہے۔

فروح و ريحان ۔مفسرؒ نے فلہ سے خبر محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے جو مقدم ہونی چاہیے۔ریحان کے معنی بعض کے نزدیک خوشبو کے ہیں۔ابن جریرؒ نے ابوالعالیہؒ سے تخریج کی ہے۔ لم يكن احد من المقربين يفارق حتى يوتى بعض من ريحان الجنة فيشمه ثم يقبض۔

جملہ فروح وریحان اما کا جواب بھی ہوسکتا ہے۔اس صورت میں ان شرطیہ کی جزامحذوف ہوگی۔موجودہ عبارت دلالت کرنے کی وجہ سے یہ پہلی ترکیب ہی راجح ہے کیونکہ ان کی جزاءاکثر حذف ہوتی رہتی ہے۔

علامہ رضی کہتے ہیں کہ فروح اما کا جواب ہے اور ان کے جواب کی ضرورت نہیں ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ ان جئتنی اکرمک مجزوم جائز نہیں بلکہ مرفوع ہونا واجب ہے۔دوسری ترکیب یہ ہوسکتی ہے کہ ''فروح و ريحان '' ان کی جزاء ہواور اما کا جواب محذوف مانا جائے۔تیسری ترکیب یہ ہے کہ یہ دونوں کا جواب ہو۔

من اصحاب اليمين مفسرؒ نے من تعلیلیہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

عجیب لطیفہ:........ تفسیر مدارک میں ہے کہ سورۂ اقتربت ،سورۂ رحمٰن ،سورہ واقعہ تینوں سورتوں میں کہیں لفظ اللہ نہیں ہے۔اور مفسر محقق تھانویؒ فرماتے ہیں کہ سورۂ مجادلہ کی کوئی آیت لفظ اللہ سے خالی نہیں ہے۔والله اعلم باسرار کلامه اور ایسی پوری سورت کہ جس میں صرف ایک زیر ہو سورۃ اخلاص ہے۔

ربط آیات:........ پچھلی آیت میں کفار کے عذاب کی علت ان کا کفر وشرک اور انکار قیامت بیان فرمائی تھی۔آیت نحن خلقنکم سے بعض تصرفات الٰہیہ کا ذکر ہے چونکہ ان میں نعمت ہونے کی شان ہے اس لئے اس کے بعد کفر وشرک تعجب انگیز ہے اور چونکہ وہ دلائل قدرت بھی ہیں۔ اس لئے انکار قیامت کی گنجائش نہیں ہے پھر کیسے ان دونوں غلط باتوں کا ارتکاب کررہے ہو؟ اور چونکہ دلائل عقلیہ سے توحید کا واجب اور قیامت

کا ممکن ہونا ثابت ہے اور امکان کے بعد اصل مدعا قیامت کا واقع ہونا ہے اور اس بارہ میں عقلی دلیل کے ساتھ قیامت واقع ہونے کے لئے نقلی دلیل کی بھی ضرورت ہے اور جس طرح قرآن قیامت کے امکان عقلی کو بیان کرتا ہے۔ اسی طرح اس کے واقع ہونے کو بھی بیان کرتا ہے لیکن ابھی منکرین کو قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں ہی کلام ہے۔ اس لئے آیت فلا اقسم الخ سے قرآن کی حقانیت کو اور پھر قیامت مجازات کے واقع ہونے کو ارشاد فرماتے ہیں۔ اس مضمون سے توحید بھی ثابت ہو رہی ہے۔

﴿ تشریح ﴾ .... نحن خلقکم۔ یعنی اس بات کو تم کیوں نہیں مانتے۔ کہ پہلے بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کر دے گا۔ پس نعمت ہونے کے اعتبار سے اس سے توحید اور دلیل قدرت ہونے کے لحاظ سے قیامت ثابت ہو رہی ہے۔

آگے پیدائش کے قدرے تفصیل ہے کہ بتلاؤ رحم مادر میں نطفہ سے کون انسان کو بناتا ہے۔ وہاں کسی کا ظاہری تصرف بھی نہیں چلتا۔ پھر ہمارے سوا کون ہے جو پانی کے قطرہ پر ایسی خوبصورت تصویر کھینچتا اور اس میں جان ڈالتا ہے کیونکہ جلانا مارنا سب ہمارے قبضہ میں ہے جب یہ سب باگ ڈور ہمارے قبضہ میں ہے تو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دینا کیا مشکل ہے۔ تمہاری ذات اور صورت جس طرح دونوں اللہ ہی کی دی ہوئی ہیں ان کو باقی رکھنا بھی انہی کا انعام اور قدرت ہے۔

سائنسی ایجادات قدرت کا انکار نہیں، بلکہ اظہار کر رہی ہیں: .... آج کل مشینوں کے ذریعہ بچوں کا پیدا کرنا باعث اشکال نہیں ہونا چاہئے۔ اول تو آلات کے ذریعہ جو کام انجام دیا جاتا ہے وہ صنعت کہلاتی ہے۔ تخلیق نہیں۔ تخلیق بلاواسطہ آلات ہوتی ہے۔ پھر مشین میں رکھے ہوئے انڈوں میں جان ڈال دینا تو مشین کا کام نہیں وہ صرف اللہ کا پوشیدہ ہاتھ ہے۔ تیسرے ان مشینوں کا مادہ اور خود انسانی دماغ کس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اس لئے بات گھوم پھر کر اللہ ہی پر پہنچتی ہے۔

غرض کہ اللہ چاہیں تو تم کو اٹھالیں اور تمہاری جگہ یہاں اور مخلوق بسا دیں۔ یا تمہیں کسی ایسے جانور کی صورت میں مسخ کر دیں جس کا تمہیں گمان بھی نہ ہو۔ اس لئے پہلی پیدائش پر دھیان کر کے دوسری کو بھی سمجھ لو۔

آفاقی دلائل قدرت: .... افرئیتم ما تحرثون۔ ان دلائل کے بعد اب آفاقی دلائل پر غور کرو۔ ہر چند تم زمین میں بیج ڈالتے ہو۔ لیکن اس کو پرورش کر کے زمین سے باہر نکالنا اور پھر لہلہاتی کھیتی بنا دینا کس کا کام ہے۔ کھیتی پیدا کر کے اس کو محفوظ رکھنا بھی اسی کا کام ہے۔ ہم چاہیں تو کوئی آفت بھیج دیں جس سے ایک دم میں ساری کھیتی تہس نہس ہو کر رہ جائے۔ پھر تم سر پکڑ کر رو و اور آپس میں بیٹھ کر باتیں بنانے لگو کہ میاں ہمارا تو بڑا نقصان ہو گیا۔ سچ پوچھو تو بالکل خالی ہاتھ ہو گئے۔

افرئیتم الماء۔ یہ تیسری تنبیہ ہے یعنی بارش بھی ہمارے حکم سے آتی ہے زمین کے خزانوں میں پانی ہم ہی جمع کرتے ہیں پانی کے کتنے خزانے تمہارے ہاتھ میں دے رکھے ہیں۔ ہم چاہیں تو پانی کڑوا کر سکتے ہیں کہ پینے کے کام کا نہ رہے۔ پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے جس کا بڑا فرد توحید ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ پانی پی کر یہ دعا پڑھتے تھے۔ **الحمد للہ الذی سقانا عذبا فراتا برحمته ولم یجعله ملحا اجاجا بذنوبنا** (ابن کثیر) آگے چوتھی تنبیہ ہے۔

افرئیتم النار۔ عرب میں کئی درخت جن کا نام مفسرؒ نے لکھا ہے ایسے ہیں کہ جن کو رگڑنے سے آگ نکلتی ہے۔ جیسے ہمارے یہاں بانس، بتلاؤ کہ ان درختوں میں آگ کس نے رکھی ہے تم نے یا ہم نے؟ سورہ یسین میں اس کا بیان گزرا ہے اس آگ کو دیکھ کر دوزخ کی آگ یاد کرنا چاہئے کہ یہ بھی اسی کا حصہ اور ادنیٰ نمونہ ہے۔

نیز اس میں سمجھدار کے لئے یہ نکتہ بھی قابل التفات ہے کہ جو سرسبز درخت سے آگ نکال سکتا ہے۔ وہ یقیناً مردہ کو زندہ کرنے بھی قادر ہے

اور مسافروں اور جنگل والوں کو چونکہ آگ سے بہت کام پڑتا ہے بالخصوص جاڑے کے موسم میں۔ اس لئے بیان میں مسافروں کی تخصیص کردی ورنہ کام تو آگ سے سب کو ہی پڑتا ہے بعض روایات کی بناء پر علماء نے مستحب لکھا ہے کہ ان آیات میں ہر جملہ استفہامیہ کے بعد بلی انت یا رب کہنا چاہیے۔

آیت میں آگ کے دو فائدے بیان کئے گئے دوزخ کی یاد دینی فائدہ ہے اور دوسرا دنیاوی فائدہ ہے۔ پس جس ذات نے ایسی مختلف اور کارآمد چیزیں پیدا کیں اور اپنے فضل وکرم سے ہمیں ان سے متمتع کیا۔ تمہیں اس کا شکرگزار ہونا چاہیے اور نادانوں کی خودساختہ خرافات سے اس کے نام کی پاکی بیان کرنی چاہیے۔

قرآن کلام الٰہی ہے: .... فلا اقسم۔ دلائل عقلیہ سے قیامت کا امکان ثابت ہونے کے بعد قرآن سے اس کا واقع ہونا ثابت ہے مگر تم قرآن ہی کو نہیں مانتے۔ سو میں قسم کھاتا ہوں کہ قرآن کریم ایک محفوظ کتاب میں درج ہے۔ جس کو پاکباز فرشتوں کے سوا کوئی شیطان وغیرہ چھو بھی نہیں سکتا۔ اس کے مضامین پر مطلع ہونا چہ معنی؟ پس وہاں سے یہاں تک خاص طور پر فرشتہ ہی کے ذریعہ ہے۔ اور یہی نبوت ہے اور شیاطین اس کو نہیں لا سکتے کہ کہانت وغیرہ کا احتمال نبوت میں خلل انداز ہوسکے۔ چنانچہ آیات نزل به الروح الامين و ما تنزلت به الشياطين میں اس کی صراحۃً تفصیل کردی اور خاص طور سے فرشتہ کا لانا اس لئے عرض کیا کہ اگر نبی کے علاوہ کسی فرشتہ کا بذریعہ کشف یا اخبار لوح محفوظ پر مطلع ہونا تسلیم بھی کرلیا جائے تو وہ مستلزم نبوت نہیں۔ کیونکہ یہاں خاص اطلاع مقصود ہے اور وہ نبی ہی کو ہوسکتی ہے۔ لیکن فرشتہ کا لوح محفوظ پر مطلع ہونا مطلقاً تسلیم نہ کیا جائے تو پھر اس قید کی بھی حاجت نہیں ہے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ قسم کھاتا ہوں آیتوں کے اترنے کی۔ پیغمبروں کے دلوں میں یا آیات قرآنیہ کے آسمان سے زمین پر آہستہ آہستہ تھوڑی تھوڑی آنے کی۔ یا نفی کو نہی کے معنی میں لیا جائے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ قرآن کو بغیر طہارت ووضو کے چھونا نہیں چاہیے۔

لا اقسم ۔ میں لا زائد ہے یا یہ مطلب ہے کہ مضمون اتنا واضح اور یقینی ہے کہ قسم کھانے کی حاجت نہیں ہے یہاں ستاروں کے چھپنے کی قسم ایسی ہی ہے جیسے سورۂ نجم کے شروع میں بیان ہو چکا ہے یعنی مطلقاً ستاروں کا غروب ہونا حضور ﷺ کے نبی اور خاتم النبین ہونے کی نظیر ہے اور یوں تو قرآن کی ساری قسمیں ہی عظیم ہیں۔ لیکن کہیں مطلوب کے خاص اہتمام اور تنبیہ کے لئے عظیم ہونے کی تصریح بھی فرمادی۔ چنانچہ یہاں اور سورہ فجر میں مجملاً مقام کا حاصل وہی ہے جو سورۂ شعراء کے اخیر میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ یہ قرآن کوئی جادوٹونا کا نہیں۔ کہ کاہنوں کی رذیل اور بے سرو پا باتیں ہیں نہ شاعرانہ تک بندیاں ہیں۔ بلکہ ایک مقدس معزز کتاب ہے جو کہ رب جہاں نے عالم کی ہدایت وتربیت کے لئے اتاری۔

دنیا کا نظام محکم: .... جس خدا نے چاند سورج اور تمام ستاروں کا نہایت محکم اور عجیب وغریب نظام قائم کیا۔ یہ ستارے ایک اٹل قانون کے مطابق روزانہ اپنے غروب سے، اسی کو عظمت ووحدانیت اور قاہرانہ تصرف واقتدار کا عظیم الشان مظاہرہ کرتے ہیں اور زبان حال سے شہادت دیتے ہیں کہ جس اعلیٰ وبرتر ہستی کے ہاتھ میں ہماری باگ ہے وہی اکیلا زمین، بادل، پانی، آگ، ہوا، مٹی اور کائنات کے ذرہ ذرہ کا مالک ہے۔ کیا ایسے روشن آسمانی نشانات کو دیکھ کر ان مضامین کی صداقت میں کوئی شبہ رہ سکتا ہے جو سورۃ کے شروع میں بیان ہوئے ہیں۔

باطنی نظام شمسی: .... اور کیا کوئی عاقل اس عظیم الشان نظام فلکی پر نظر ڈال کر اتنا نہیں سمجھتا کہ ایک دوسرا باطنی نظام شمسی بھی جو قرآن کریم اور اس کی آیت اور تمام آسمانی صحیفوں سے عبارت ہے اسی پروردگار عالم کا قائم کیا ہوا ہے جس نے اپنی قدرت اور رحمت کاملہ سے یہ ظاہری نظام قائم فرمایا وہی خدائے پاک ہے جس نے روحانی ستاروں کے غروب ہونے کے بعد آفتاب قرآن کو چمکایا اور اپنی مخلوق کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا۔ آج تک یہ آفتاب برابر چمک رہا ہے کس کی مجال ہے کہ اس کو بدل سکے، یا غائب کردے۔ اس کے انوار اور شعاعیں انہی دلوں میں پوری

طرح منعکس ہوتی ہے جو مانجھ کر پاک وصاف کر لئے جائیں۔ کیا ایسی دولت ہے، جس سے نفع اٹھانے میں تم سستی اور کاہلی کرو اور اپنا حصہ اتنا ہی سمجھو کہ اس کو اور اس کے بتلائے ہوئے حقائق کو جھٹلاتے رہو جیسے بارش کو دیکھ کر کہہ دیا کرتے ہو کہ فلاں ستارہ فلاں برج میں آ گیا۔ اس سے بارش ہوگئی۔ گویا خدا سے کوئی مطلب ہی نہیں۔ جو کچھ ہے وہ نچھتر ہی کے کارنامے ہیں۔

اسی طرح اس باران رحمت کی قدر ومنزلت نہ کرنا جو قرآن کی صورت میں نازل ہوئی ہے۔ اور یہ کہہ دینا کہ وہ اللہ کی اتاری ہوئی نہیں ہے۔ سخت، بدبختی اور حرماں نصیبی ہے۔ کیا ایک عظیم نعمت کی شکر گزاری یہی ہے کہ اس کو جھٹلایا جائے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ جھوٹ کو اپنی غذا بنا رہے ہو۔ یہاں تک کہ توحید اور قیامت کے واقع ہونے کا بھی انکار کئے دے رہے ہو اور ایسی بے فکری اور بے خوفی سے اللہ کی باتوں کو جھٹلاتے ہو کہ گو یا تم کسی دوسرے کے حکم اور اختیار میں نہیں یا کبھی مرنا اور خدا کے یہاں جانا ہی نہیں۔

موت کا بھیانک منظر:...... اچھا جس وقت کسی تمہارے عزیز اور قرابت دار کی جان نکلنے والی ہو سانس حلق میں اٹک جائے موت اور جان کنی کی سختیاں گزر رہی ہوں اور تم پاس بیٹھے اس کی بے بسی اور درماندگی کا تماشا دیکھتے ہو اور دوسری طرف خدا یا اس کے فرشتے تم سے زیادہ اس کے نزدیک ہیں جو تمہیں نظر نہیں آتے، تم تو صرف اس کی ظاہری حالت دیکھ رہے ہو اور ہم اس کی باطنی حالت پر مطلع ہیں اور تم سے زیادہ اس کے حال سے واقف ہیں، تم اگر کسی دوسرے کے قابو میں نہیں ہو تو اس وقت کیوں اپنے پیارے کی جان اس کے بدن یا اپنی طرف کیوں نہیں پھیر لیتے اور کیوں بادل نخواستہ اپنے سے جدا ہونے دیتے ہو، آنے والی سزا سے کیوں نہیں بچا لیتے، اگر اپنے ان دعوؤں میں سچے ہو تو ایسا کر دکھاؤ، لیکن تم ایک سیکنڈ کے لئے روک نہیں سکتے ہو، اس کو اپنے ٹھکانہ پر پہنچنا ضروری ہے۔

دنیا کی سب سے بڑی سچائی قرآن کریم ہے:...... حاصل یہ ہے کہ قرآن سچا ہے وہ بعث کے واقع ہونے کو پکار پکار کہہ رہا ہے پس جب مقتضیٰ پایا جا رہا ہے اور مانع کوئی ہے نہیں تو بعث کا واقع ہونا ثابت ہو گیا ہے۔ لیکن اس پر بھی بدستور تمہارا انکار کئے چلے جانا بدلالت حال اس کو مستلزم ہے کہ تم جان اور روح کو اپنے بس میں سمجھتے ہو۔ یعنی اللہ اگر قیامت میں دوبارہ جان ڈالنا چاہے گا جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے مگر ہم ڈالنے نہیں دیں گے اور بعث نہیں ہونے دیں گے۔ تب ہی تو اتنے زور سے نفی کر رہے ہو۔ ورنہ جو شخص اپنے کو عاجز جانے وہ دلائل کے مقابلہ میں ایسے زور زبردستی کی بات کیوں کہے۔ اور اگر اپنے کو اتنا زوردار سمجھتے ہو تو اس کا اس سے اچھا کیا موقعہ ہوگا جب کہ تمہارا محبوب جان کنی کی کشاکش میں مبتلا ہے۔ ہاتھ پیر مار رہا ہے۔ تم بھی اس کی بے بسی دیکھ کر دلگیر ہو رہے ہو اور تمہیں واقعی رحم اور ترس آ رہا ہے پس کیوں نہیں اس کی روح کو نکلنے سے روک لیتے اور کیوں نہیں اس کو بدن میں لوٹا دیتے۔ لیکن اگر سمجھتے ہو کہ تمہارا اس پر بس نہیں تو تمہیں یقین کر لینا چاہیے کہ بعث پر بھی تمہارا بس نہیں ہوگا۔ اللہ تو نقل روح پر دونوں حالت میں قادر ہے۔ داخل سے خارج اور خارج سے داخل دونوں اس کے زیر تصرف ہیں۔ لیکن تمہارا ایک میں عاجز ہونا بعینہ دوسرے میں عاجز ہونا ہے۔ پھر ایسے لایعنی دعوے کیوں کرتے ہو۔

مقام چونکہ قدرت کی نفی کا ہے اور علم کی نفی کا تعلق قدرت کی نفی کو مستلزم ہے اس لئے "نحن اقرب" میں بطور جملہ معترضہ لوگوں کے علم تام کی نفی فرما دی اور یہ دلیل کافی چونکہ منکرین کے لئے شافی نہ ہوئی۔ اس لئے بطور توبیخ لا تبصرون فرما دیا۔ نیز اس تقریر سے چونکہ اللہ کی قدرت بھی ثابت ہو رہی ہے۔ اس لئے بعث کے ساتھ اس سے توحید بھی ثابت ہو رہی ہے۔ آگے فرق مراتب کے ساتھ بعث کی تفصیل ہے۔

مقربین اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال کا ذکر:...... فاما ان کان من المقربین۔ یعنی مرنے والا اگر مقربین میں سے ہے تو اعلیٰ درجہ کی روحانی جسمانی راحت وعیش کے سامانوں میں پہنچ جائے گا اور اصحاب الیمین سے ہے تب بھی کچھ کھٹکا نہیں۔ اگر فضل خدا وندی یا توبہ کے سبب اول مغفرت ہو جائے تو یہ کہنا ابتداً ہے۔ جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ موت سے پہلے ہی مرنے والے کو یہ بشارتیں

مل جاتی ہیں۔ اسی طرح مجرموں کو ان کی بدحالی کی پہلے ہی اطلاع دے دی جاتی ہے۔ غرضیکہ انجام کی خبر مرنے سے پہلے ہی سنا دی جاتی ہے۔ لیکن اگر سزا کے بعد مغفرت ہو تو یہ خوشخبری پھر انتہاء ہوگی۔ اور اصحاب الیمین کے لئے روح وریحان کی صراحت نہ ہونا فرق مراتب کی طرف مشیر ہے کہ یہ مقربین سے کم درجہ ہیں۔

ان هذا لهو حق اليقين ۔ جو کچھ مومنین اور مجرمین کو خبر دی گئی وہ بالکل یقینی ہے اسی طرح ہو کر رہے گا۔ تمہاری تکذیب سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ خواہ مخواہ شبہات پیدا کر کے اپنے نفس کو دھوکہ نہ دو۔ بلکہ آنے والے وقت کی تیاری میں لگو، اللہ کی تسبیح وتحمید میں جٹ جاؤ کہ یہی وہاں کی بڑی تیاری ہے۔ اس طرح ان مکذبین کی دل آزاری بے ہودگیوں سے بھی یکسوئی رہے گی۔

بخاری کی آخری روایت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے۔ کلمتان حبيبتان الى الرحمٰن خفيفتان على اللسان ثقيلتان فى الميزان سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم ۔

لطائف سلوک ۔ فاما ان كان من المقربين ۔ اللہ کا مقرب وہی ہے جسے وہ اپنا بنالے۔

سُــوْرَةُ الْحَدِيْدِ

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ تِسْعٌ وَّ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَىْ نَزَّهَهٗ لَهٗ كُلُّ شَىْءٍ فَاللَّامُ مَزِيْدَةٌ وَجِيءَ بِمَا دُوْنَ مَنْ تَغْلِيْبًا لِلْاَكْثَرِ **وَهُوَ الْعَزِيْزُ** فِىْ مُلْكِهٖ **الْحَكِيْمُ** ﴿۱﴾ فِىْ صُنْعِهٖ **لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْىٖ** بِالْاِنْشَآءِ **وَيُمِيْتُ** بَعْدَهٗ **وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۲﴾ **هُوَ الْاَوَّلُ** قَبْلَ كُلِّ شَىْءٍ بِلَا بِدَايَةٍ **وَالْاٰخِرُ** بَعْدَ كُلِّ شَىْءٍ بِلَا نِهَايَةٍ **وَالظَّاهِرُ** بِالْاَدِلَّةِ عَلَيْهِ **وَالْبَاطِنُ** عَنْ اِدْرَاكِ الْحَوَاسِ **وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ** ﴿۳﴾ **هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ** مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا اَوَّلُهَا الْاَحَدُ وَاٰخِرُهَا الْجُمُعَةُ **ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ** الْكُرْسِىِّ اِسْتِوَاءً يَلِيْقُ بِهٖ **يَعْلَمُ مَا يَلِجُ** يَدْخُلُ **فِى الْاَرْضِ** كَالْمَطَرِ وَالْاَمْوَاتِ **وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا** كَالنَّبَاتِ وَالْمَعَادِنِ **وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ** كَالرَّحْمَةِ وَالْعَذَابِ **وَمَا يَعْرُجُ** يَصْعَدُ **فِيْهَا** كَالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ وَالسَّيِّئَةِ **وَهُوَ مَعَكُمْ** بِعِلْمِهٖ **اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ** ﴿۴﴾ **لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ** ﴿۵﴾ الْمَوْجُوْدَاتُ جَمِيْعُهَا **يُوْلِجُ الَّيْلَ** يُدْخِلُهٗ **فِى النَّهَارِ** فَيَزِيْدُ وَيَنْقُصُ اللَّيْلَ **وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ** فَيَزِيْدُ وَيَنْقُصُ النَّهَارَ **وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** ﴿۶﴾ بِمَا فِيْهَا مِنَ الْاَسْرَارِ وَالْمُعْتَقَدَاتِ **اٰمِنُوْا** دُوْمُوْا عَلَى الْاِيْمَانِ **بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا** فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ **مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ** مِنْ مَالِ مَنْ تَقَدَّمَكُمْ وَيَسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهِ مَنْ بَعْدَكُمْ نَزَلَ فِىْ غَزْوَةِ الْعُسْرَةِ وَهِىَ غَزْوَةُ تَبُوْكٍ **فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا** اِشَارَةٌ اِلٰى عُثْمَانَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ **لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ** ﴿۷﴾ **وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ** خِطَابٌ لِلْكُفَّارِ اَىْ لَا مَانِعَ لَكُمْ مِنَ الْاِيْمَانِ **بِاللّٰهِ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ** بِضَمِّ الْهَمْزَةِ وَكَسْرِ الْخَآءِ وَبِفَتْحِهِمَا وَنَصْبِ مَا بَعْدَهٗ **مِيْثَاقَكُمْ** عَلَيْهِ اَىْ اَخَذَهٗ فِىْ عَالَمِ الذَّرِّيْنَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ اَیْ مُرِیْدِیْنَ الْاِیْمَانَ بِهٖ فَبَادِرُوْا اِلَیْهِ **هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖٓ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ** اٰیَاتِ
الْقُرْاٰنِ **لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ** الْكُفْرِ **اِلَی النُّوْرِ** الْاِیْمَانِ **وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ** فِیْ اِخْرَاجِكُمْ مِنَ الْكُفْرِ اِلَی
الْاِیْمَانِ **لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ** ﴿۹﴾ **وَمَا لَكُمْ** بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ **اَلَّا** فِیْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اَنْ فِیْ لَامِ لَا **تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ
وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** بِمَا فِیْهِمَا فَیَصِلُ اِلَیْهِ اَمْوَالُكُمْ مِنْ غَیْرِ اَجْرِ الْاِنْفَاقِ بِخِلَافِ مَالَوْ اَنْفَقْتُمْ
فَتُؤْجَرُوْنَ **لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ** لِمَكَّةَ **وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا
مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَكُلًّا** مِنَ الْفَرِیْقَیْنِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ مُبْتَدَءٌ **وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی** الْجَنَّةَ **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِیْرٌ** ﴿۱۰﴾ فَیُجَازِیْكُمْ **مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ** بِاِنْفَاقِ مَالِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ **قَرْضًا حَسَنًا** بِاَنْ یُّنْفِقَهٗ لِلّٰهِ تَعَالٰی ع ۱۰ / ۱۷
فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَفِیْ قِرَاءَةٍ فَیُضَعِّفَهٗ بِالتَّشْدِیْدِ مِنْ عَشْرٍ اِلٰی اَكْثَرَ مِنْ سَبْعٍ كَمَا ذُكِرَ فِی الْبَقَرَةِ **وَلَهٗٓ** مَعَ الْمُضَاعَفَةِ
اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۱﴾ مُقْتَرِنٌ بِهٖ رِضًی وَاِقْبَالٌ اُذْكُرْ **یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَیْنَ
اَیْدِیْهِمْ** اَمَامَهُمْ وَ یَكُوْنُ **بِاَیْمَانِهِمْ** وَیُقَالُ لَهُمْ **بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ** اَیْ دُخُوْلُهَا **تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ** ﴿۱۲﴾ **یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا
انْظُرُوْنَا** اَبْصِرُوْنَا وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ وَكَسْرِ الظَّآءِ اَیْ اَمْهِلُوْنَا **نَقْتَبِسْ** نَاْخُذُ الْقَبَسَ وَالْاِضَاءَةَ **مِنْ
نُّوْرِكُمْ قِیْلَ** لَهُمْ اِسْتِهْزَآءً بِهِمْ **ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا** فَرَجَعُوْا **فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ** وَبَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ
بِسُوْرٍ قِیْلَ هُوَ سُوْرُ الْاَعْرَافِ **لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِیْهِ الرَّحْمَةُ** مِنْ جِهَةِ الْمُؤْمِنِیْنَ **وَظَاهِرُهٗ** مِنْ جِهَةِ الْمُنَافِقِیْنَ **مِنْ
قِبَلِهِ الْعَذَابُ** ﴿۱۳﴾ **یُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ** عَلَی الطَّاعَةِ **قَالُوْا بَلٰی وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ** بِالنِّفَاقِ
وَتَرَبَّصْتُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ الدَّوَائِرَ **وَارْتَبْتُمْ** شَكَكْتُمْ فِیْ دِیْنِ الْاِسْلَامِ **وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِیُّ** الْاِطْمَاعُ **حَتّٰی جَآءَ
اَمْرُ اللّٰهِ** الْمَوْتُ **وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ** ﴿۱۴﴾ الشَّیْطَانُ **فَالْیَوْمَ لَا یُؤْخَذُ** بِالْیَاءِ اَوِ التَّاءِ **مِنْكُمْ فِدْیَةٌ وَّلَا مِنَ
الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مَاْوٰىكُمُ النَّارُ هِیَ مَوْلٰىكُمْ** اَوْلٰی بِكُمْ **وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ** ﴿۱۵﴾ هِیَ **اَلَمْ یَاْنِ** یَحِنْ **لِلَّذِیْنَ
اٰمَنُوْٓا** نَزَلَتْ فِیْ شَانِ الصَّحَابَةِ لَمَّا اَكْثَرُوا الْمِزَاحَ **اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ** بِالتَّخْفِیْفِ
وَالتَّشْدِیْدِ **مِنَ الْحَقِّ** الْقُرْاٰنِ **وَلَا یَكُوْنُوْا** ، مَعْطُوْفٌ عَلٰی تَخْشَعَ **كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ** الْیَهُوْدُ
وَالنَّصَارٰی **فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ** الزَّمَنُ بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ اَنْبِیَائِهِمْ **فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ** لَمْ تَلِنْ لِذِكْرِ اللّٰهِ **وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ
فٰسِقُوْنَ** ﴿۱۶﴾ **اِعْلَمُوْٓا** خِطَابٌ لِلْمُؤْمِنِیْنَ الْمَذْكُوْرِیْنَ **اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا** بِالنَّبَاتِ فَكَذٰلِكَ
یَفْعَلُ بِقُلُوْبِكُمْ بِرَدِّهَا اِلَی الْخُشُوْعِ **قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ** الدَّالَّةَ عَلٰی قُدْرَتِنَا بِهٰذَا وَغَیْرِهٖ **لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ**

﴿۱۷﴾ **اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ** مِنَ التَّصَدُّقِ اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِی الصَّادِ اَیِ الَّذِیْنَ تَصَدَّقُوا **وَالْمُصَّدِّقٰتِ** اللَّاتِیْ تَصَدَّقْنَ وَفِی قِرَاءَةٍ بِتَخْفِیْفِ الصَّادِ فِیْهِمَا مِنَ التَّصْدِیْقِ اَلْاِیْمَانِ **وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا** رَاجِعٌ اِلَی الذُّکُوْرِ وَالْاِنَاثِ بِالتَّغْلِیْبِ وَعَطْفُ الْفِعْلِ عَلَی الْاِسْمِ فِی صِلَةِ اَلْ لِاَنَّهٗ فِیْهَا حَلَّ مَحَلَّ الْفِعْلِ وَذِکْرُ الْقَرْضِ بِوَصْفِهٖ بَعْدَ التَّصَدُّقِ تَقْیِیْدٌ لَهٗ **یُّضٰعَفُ** وَفِی قِرَاءَةٍ یُضَعَّفُ بِالتَّشْدِیْدِ اَیْ قَرْضُهُمْ **لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ کَرِیْمٌ** ﴿۱۸﴾ **وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ** اَلْمُبَالِغُوْنَ فِی التَّصْدِیْقِ **وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ** عَلَی الْمُکَذِّبِیْنَ مِنَ الْاُمَمِ **لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ** الدَّالَّةِ عَلٰی وَحْدَانِیَّتِنَا **اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ** ﴿۱۹﴾ النَّارِ.

ترجمہ: .... سورہ حدید مکیہ ہے یا مدنیہ ہے جس میں ۲۹ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں آسمانوں اور زمین میں بھی (یعنی ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کر رہی ہے۔ لام زائد ہے اور من کی بجائے ما استعمال کیا گیا ہے اکثریت کی تغلیب کرتے ہوئے) اور وہ (اپنے ملک میں) زبردست (اپنی کاریگری میں) حکمت والا ہے آسمان وزمین کی سلطنت اسی کی ہے وہی (پیدا کر کے) زندگی دیتا ہے اور وہی (اس کے بعد) موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے وہی اول ہے (سب سے پہلے جس کی کوئی ابتداء نہیں ہے) اور وہی آخر ہے (ہر چیز کے بعد ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے) اور وہی ظاہر ہے (دلائل کی روشنی میں) اور وہی (جو اس کی گرفت) سے مخفی ہے اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کر دیا (دنیا کے دنوں کا اعتبار کرتے ہوئے اتوار سے شروع کر کے جمعہ تک پورا کر ڈالا) پھر عرش قائم ہوا (عرش سے کرسی مراد ہے اور قائم ہونا اس کے شایان شان ہے) وہ جانتا ہے زمین میں جو چیز داخل ہوتی ہے (جیسے بارش اور مردے) اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے (جیسے سبزیاں اور معدنیات) اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے (جیسے رحمت وزحمت) اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے (جیسے اچھے وبرے اعمال) اور وہ (اپنے علم سے) تمہارے ساتھ رہتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اور تمہارے سب اعمال کو دیکھتا ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے اور اللہ ہی کی طرف سب چیزیں (کل کی کل موجودات) لوٹ جائیں گی وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے (جس کی وجہ سے دن بڑا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے) اور وہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے (جس کی وجہ سے رات بڑی اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے) اور وہ دل کی باتوں کو جانتا ہے (جو کچھ دل میں اسرار واعتقادات ہوتے ہیں) تم لوگ ایمان لے آؤ (ایمان پر برقرار رہو) اللہ اور اس کے رسول پر اور جس مال میں اس نے تم کو دوسروں کا قائم مقام بنایا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو (یعنی وہ مال جو پہلوں سے تمہیں ملا ہے اور تم سے تمہارے بعد والوں کو ملے گا۔ یہ آیت غزوہ عسیرۃ یعنی غزوہ تبوک میں نازل ہوئی ہے) سو جو لوگ تم سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں (حضرت عثمانؓ کی طرف اشارہ ہے) ان کو بڑا ثواب ملے گا اور کیا سبب ہے کہ تم ایمان نہیں لاتے (کفار کو خطاب ہے یعنی ایمان لانے سے تمہارے لئے کیا رکاوٹ ہے) اللہ پر حالانکہ رسول تم کو دعوت دے رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور تم سے لیا گیا تھا (اخذ ضمہ ہمزہ اور کسرہ خا کے ساتھ ہے اور دونوں فتحہ اور بعد کے نصب کے ساتھ بھی ہے) عہد (یعنی اللہ نے تم سے روز اول عہد لیا تھا جب کہ تم سے الست بربکم کہہ کر شہادت لی تھی تم سب نے اقرار کر لیا تھا) اگر تم ایمان لانا چاہو (ایمان لانے کا ارادہ کرو تو فوراً کار بند ہو جاؤ) وہی ہے جو اپنے بندہ پر صاف صاف آیات (قرآن) بھیجتا ہے تاکہ وہ (کفر کی) اندھیریوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی کی طرف لے آئے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر (کفر سے ایمان کی طرف لانے میں) بڑا شفیق مہربان ہے اور تمہیں (ایمان لانے کے بعد) کیا رکاوٹ ہے کہ

خرچ نہیں کرتے (الا ان لا تھا، نون کالام میں ادغام کردیا گیا ہے) اللہ کی راہ میں حالانکہ سب آسمان وزمین اخیر میں اللہ ہی کا رہ جائے گا (مع ان تمام چیزوں کے جو آسمان وزمین میں ہی یعنی سارا مال اللہ کے پاس پہنچ جائے گا بغیر خرچ کے ثواب کے البتہ اگر تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا تو تمہیں ثواب ملے گا) تم میں وہ لوگ برابر نہیں جو فتح مکہ سے پہلے خرچ کر چکے اور لڑ چکے۔ وہ لوگ درجہ میں بڑے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور لڑے سب سے (دونوں فریقوں میں۔ اور ایک قراءت میں رفع کے ساتھ مبتداء ہے) اللہ نے بھلائی (جنت) کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے (وہ ان پر تمہیں بدلہ دے گا) کوئی ہے جو اللہ کو قرض دے (اللہ کی راہ میں مال صرف کرے) عمدہ طریقہ پر (صرف اللہ کے لیے صرف کرے) پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس کے لئے بڑھاتا ہے (ایک قراءت میں فیضعفہ تشدید کے ساتھ ہے۔ ثواب کا بڑھانا دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک جیسا کہ سورہ بقرہ میں ہے) اور اس کے لئے (اس بڑھوتری کے) پسندیدہ اجر ہے (جس کے ساتھ خوشنودی اور عنایات بھی شامل ہوگی آپ یاد کیجئے جس دن آپ مسلمان مردوں اور عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے سامنے (آگے) اور داہنی طرف دوڑتا ہوگا (اور ان سے کہا جائے گا کہ) آج تمہیں خوش خبری ہے ایسے باغوں (میں جانے) کی جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے جس روز منافق مرد اور عورتیں مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہم پر نظر کرو (ہمیں دیکھو، ایک قراءت میں انظرونا فتحہ ہمزہ اور کسرہ ظا کے ساتھ ہے یعنی ہمارا انتظار کرو) ہم بھی کچھ روشنی حاصل کرلیں (شعلہ اور چمک حاصل کرلیں) تمہارے نور سے (ان کو جواب دیا جائے گا (ان کا مذاق اڑاتے ہوئے) تم پیچھے لوٹو پھر روشنی تلاش کرو (چنانچہ وہ پلٹیں گے) کہ فوراً ان کے (اور مسلمانوں کے) درمیان ایک دیوار قائم کردی جائے گی (بعض کی رائے ہے کہ وہ دیوار اعراف ہوگی) جس میں ایک دروازہ ہوگا اس کی اندرونی جانب (مسلمانوں کے لئے) رحمت اور بیرونی جانب (منافقین کے لئے) عذاب ہوگا۔ یہ ان کو پکاریں گے کہ کیا ہم (کہا ماننے میں) تمہارے ساتھ نہیں تھے۔ وہ جواب دیں گے کہ تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے کو گمراہی (نفاق) میں پھنسا رکھا تھا اور تم (مسلمانوں پر مصیبتوں) کے منتظر رہا کرتے تھے اور تم دین اسلام میں شک کیا کرتے تھے اور تم کو تمہاری بے ہودہ تمناؤں (آرزوؤں) نے دھوکا میں ڈال رکھا تھا (یہاں تک کہ تم پر اللہ کا حکم (موت) آ پہنچا اور تم کو دھوکا دینے والے (شیطان) نے اللہ کے معاملہ میں دھوکا میں ڈال رکھا تھا) غرض آج تم سے لیا نہیں جائے گا (یوخذ یا اور تا کے ساتھ ہے) فدیہ اور نہ کافروں سے، تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ وہی تمہارا ساتھی (تمہارے لائق) ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ کیا ابھی وقت (زمانہ) نہیں آیا ایمان والوں کے لئے (صحابہ جب بکثرت ہنسی مذاق کرنے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی) کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے اور جو نازل ہوا (نزل تخفیف وتشدید کے ساتھ ہے) دین حق اس کے سامنے جھک جائیں اور نہ ہو جائیں (تخشع پر عطف ہے) ان لوگوں کی طرح جن کو ان سے پہلے کتاب ملی تھی (یعنی یہود ونصاریٰ) پھر ان پر ایک مدت دراز گزر گئی (ان کے اور انبیاء کے درمیان کا زمانہ) پھر ان کے دل سخت ہو گئے (اللہ کی یاد سے نرمائے نہیں) اور بہت سے آدمی ان کے نافرمان ہیں۔ یہ بات جان لو (مذکورہ مومنین کو خطاب ہے) کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے خشک ہوئے پیچھے زندہ کردیتا ہے (ہریالی اگا کر۔ ایسے ہی تمہارے دلوں کو خوف الٰہی کی طرف پلٹ سکتا ہے) ہم نے تم سے نظائر بیان کر دیئے ہیں (جو ہماری قدرت کو ظاہر کر رہے ہیں، یہاں بھی اور دوسرے مقامات میں بھی) تا کہ تم سمجھو۔ بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد (تصدق سے ماخوذ ہے تا کو صاد میں ادغام کردیا گیا ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ الذین تصدقوا) اور صدقہ کرنے والی عورتیں (جو خیرات کرتی ہیں، ایک قراءت میں دونوں لفظ تخفیف صاد کے ساتھ ہیں۔ یعنی ایمان کی تصدیق) اور اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں (مرد وعورتیں دونوں مراد ہیں بطور تغلیب کے اور فعل کا عطف الف لام کے تحت جو اسم ہے اس پر ہو رہا ہے۔ کیونکہ اسم میں معنی فعل سرایت کر گئے ہیں اور صدقہ کے بعد قرض کو صفت کے ساتھ بیان کرنے سے صدقہ بھی اسم صفت کے ساتھ مقید ہو جاتا ہے) وہ صدقہ بڑھا دیا جائے گا (ایک قراءت میں یضعف تشدید کے ساتھ ہے یعنی ان کا قرضہ) ان کے لئے اور ان کے پسندیدہ اجر ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق ہیں (مبالغہ کا صیغہ ہے) اور تمام امتوں میں سے جھٹلانے والوں کے خلاف) گواہ ہوں گے اپنے پر

وردگار کے حضور، ان کے لئے ان کا ثواب اور ان کا نور ہوگا۔ اور جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو انہوں نے جھٹلایا (جن سے ہماری وحدانیت معلوم ہو رہی تھی) یہی لوگ دوزخی ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... سبح للہ. سبح اگرچہ خود متعدی ہے لیکن لام زائد تاکید کے لئے ہے۔ جیسے نصحت لہ، یا لام تعلیلیہ مانا جائے یعنی تسبیح کی غرض صرف رضائے الٰہی ہے۔ کسی اور غرض کے لئے نہیں ہے یہ لفظ بعض سورتوں کے شروع میں صیغہ ماضی سے اور بعض میں صیغہ مضارع سے آیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کرنے کے لئے کہ اس کی تسبیح ہر حال میں ہے اور یہی تسبیح اختیاری ہے کہ ہر وقت اس کی تنزیہ کی جائے۔

سمٰوات۔ عالم علوی اور ارض سے عالم سفلی مراد ہے اور چونکہ غیر ذوی العقول بہ نسبت ذوی العقول زیادہ ہیں۔ اس لئے سب کو ایک شمار کر کے ما لایا گیا۔ ذوی العقول کی تسبیح تو بالاتفاق قولی ہیں۔ البتہ غیر ذوی العقول کی تسبیح میں اختلاف ہے۔ بعض ان میں بھی تسبیح قولی مانتے ہیں۔ گو اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ اور بعض کے نزدیک ان میں صرف تسبیح حالی ہوتی ہے۔ وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم۔

ھو الاول۔ ابتدا حقیقی اور انتہا حقیقی صرف اللہ کے لئے ہے۔ حدیث اول ما خلق اللہ نوری کو ابتداء اضافی پر۔ اسی طرح جنت وجہنم کو انتہاء اضافی پر محمول کیا جائے گا۔ صرف وجود حقیقی ہی کے لئے بقاء حقیقی ذاتی ہے۔

فی ستة ایام. دن اور رات کا تعلق چونکہ زمانہ سے ہے اور زمانہ زمین کے سورج کے گرد گردش کرنے سے بنتا ہے۔ لیکن وہاں یہ سب کچھ نہیں تھا اس لئے مفسر نے تاویل کی کہ دنیا کے چھ دنوں کی مقدار مراد ہے اور اس میں تعینات فرض کر کے ان کا نام اتوار، جمعہ کر دیا گیا۔

ثم استوی۔ یہ کنایہ ہے کہ اللہ کے علم وقدرت اور انفرادتدبیر سے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔ جلس فلان علی سریر الملک۔ یعنی سلطنت وحکومت کی باگ دوڑ سنبھال لی۔ حالانکہ وہاں نہ تخت ہوتا ہے اور نہ بیٹھنا اور ثم عظمت کے لئے لایا گیا ہے۔

وما یعرج فیھا۔ صرف اعمال حسنہ اوپر جاتے ہیں۔ الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ۔ اس لئے مفسرؒ کو اعمال سیئہ کا ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا۔

وھو معکم۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہاں معیت سے مراد وہ نہیں جو عوام وخواص سمجھتے ہیں۔ بلکہ ذوق کشفی شہودی کی معیت ہے یعنی مراتب شہود کے اعتبار سے اللہ کی معیت ہمارے ساتھ ہے۔ ان کنتم فی المشھد الفعلی فانا معکم بالتجلی الذاتی ما اتقدم ولا اتاخر عنکم۔

اٰمنوا باللہ۔ دلائل توحید کے بعد ایمان ورسالت وانفاق کا ذکر ہے۔ چونکہ مسلمان مخاطب ہیں۔ اس لئے مفسرؒ نے دوام ایمان اور بقاء ایمان مراد لیا ہے۔ کیونکہ دلائل توحید میں غور وفکر سے زیادتی اور دوام ایمان حاصل ہوتا ہے۔

مستخلفین۔ یعنی جس طرح پہلوں کے پاس مال نہیں رہا۔ تمہارے اور تمہارے بعد والوں کے پاس بھی نہیں رہے گا، کیونکہ حقیقی ملکیت اللہ کی ہے انسان تو صرف خلیفہ تصرف ہے۔ اس لئے دوسرے کے مال میں انسان بخل کیوں کرتا ہے اور صرف بے جا کیسے کرتا ہے؟ سورۃ کو مکی ماننے کی صورت میں اس کو غزوہ تبوک سے متعلق کہنا مشکل ہے الا یہ کہ اس کو مکی ہونے سے مستثنیٰ کر لیا جائے۔ حضرت صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، وعثمان غنیؓ نے اس میں بڑھ چڑھ کر مالی تعاون پیش کیا۔ چنانچہ مؤخر الذکر نے تین سو لدے ہوئے اونٹ اور ہزار دینار کی پیشکش کی۔

مدینہ سے چودہ مرحلہ کے فاصلہ پر شام کے ایک علاقے کا نام تبوک ہے جہاں آنحضرت ﷺ نے غزوہ طائف سے واپسی پر ۹ھ میں بڑے اہتمام سے فوج کشی فرمائی۔ لیکن بیس روز قیام کے باوجود لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ بلکہ جزیہ پر مصالحت ہوگئی۔ یہ آنحضرت کا سب سے آخری غزوہ ہے۔ جیسا کہ بدر کا معرکہ سب سے اول غزوہ شمار ہوتا ہے۔

ان کنتم مؤمنین۔ بظاہر اول کی آیت وما لکم تؤمنون میں اور اس آیت میں منافات معلوم ہو رہی ہے جس کا ایک جواب تو مفسر کی عبارت سے مفہوم ہو رہا ہے کہ یہاں ارادہ ایمان مراد ہے اور پہلی آیت میں ایمان نہ لانے پر تعجب کا اظہار ہو رہا ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں ایمان سے مراد حضرت موسیٰ وعیسیٰ پر ایمان لانا ہے جو مقتضی ہے آنحضرت پر ایمان لانے کے لئے جس پر اظہار تعجب پہلی آیت میں کیا گیا ہے)۔

وما لکم الا تنفقوا۔ یعنی مال تو بہر صورت چھوٹے گا۔ خواہ بلا اجر کے یا اجر کے ساتھ پھر اجر حاصل کر کے کیوں مال نہیں چھوڑتے۔ یعنی فی سبیل اللہ خرچ کر کے اس میں ایک چیز جاتی ہے تو دوسری آتی ہے۔

لا یستوی منکم من انفق۔ اصل عبارت اس طرح تھی۔ لا یستوی من انفق وما انفق۔ لیکن ما انفق کی بجائے اولئک اعظم درجۃ پر اکتفا کر لیا گیا۔

اولئک اعظم۔ حضرت ابوبکرؓ نے سب سے اول مال کی پیش کش اور کل اثاث البیت لا حاضر کیا۔ جس سے ان کی امتیازی فضیلت ثابت ہوئی۔

وعداللہ الحسنیٰ۔ یہ کل مبتداء کی خبر ہے جس میں ضمیر محذوف ہے ای وعد اللہ الحسنی الجنۃ۔

من ذالذی۔ من استفہامیہ مبتداء ہے۔ یقرض اللہ صلہ ہے اور انفاق کو تنزلاً قرض فرمایا گیا۔ ورنہ حقیقی مالک تو اللہ ہے یا اس کے صلہ میں بڑھ چڑھ کر چونکہ صلہ ملتا ہے اس لئے قرض فرمایا گیا۔

فیضعفہ۔ ابوعمر اور اکثر قراء رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں اور عاصمؒ کے نزدیک نصب کی قرأت ہے۔ جواب استفہام کے طور پر۔ ابن عامر تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

ولہ اجر کریم۔ فیضعفہ سے مراد چونکہ اجر ہے۔ اس کے بعد ''اجر کریم'' بظاہر تکرار ہے۔ مفسرؒ نے جواب کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے رضائے الٰہی مراد ہے جو اجر وثواب سے بڑھ کر ہے۔ علامہ زمخشریؒ اس جملہ کو حالیہ کہتے ہیں۔ پس اجر بلحاظ کمیت تو مضاف ہوگا اور بلحاظ کیفیت کریم ہوگا۔ یعنی فی نفسہ بھی بہترین ہوگا اور بلحاظ مقدار بھی عظیم۔

یوم۔ اذکر محذوف کا مفعول ہے یا اجر کریم اور یضاعفہ کا ظرف ہے یا تقدیر اس طرح ہے یوجرون یوم تریٰ۔ اور چوتھی صورت یہ ہے کہ اس میں عامل یسعیٰ ہو۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ فیضاعفہ عامل ہو اور یسعیٰ حال ہو اور ''بین ایدیھم'' یسعی کا ظرف یا نورہم سے حال ہو۔

نورھم۔ نور ایمان وعمل مراد ہے۔ اسی لئے سامنے اور داہنی جانب کی تخصیص کی۔ کیونکہ نیکیاں اسی طرف ہوتی ہیں۔ گویا داہنے ہاتھ میں ایمان کی ٹارچ ہوگی کہ جس کی روشنی اور کرنیں سامنے کا راستہ دکھلا رہی ہوں گی۔ اور بعض کی رائے ہے کہ تمام مستحقین مراد ہیں شرف کی وجہ سے ان دو جانبوں کا ذکر فرمادیا۔ تسمیہ الکل باسم الجزء کے طریقہ پر۔

وبایمانھم۔ مفسرؒ نے ویکون مقدر مان کر متعلق محذوف کی طرف اشارہ کر دیا۔ جو یسعیٰ کا معطوف علیہ ہے بین ایدیھم پر اس کا عطف درست نہیں کیونکہ سعی سامنے ہوا کرتی ہے داہنی جانب نہیں ہوتی۔

بشراکم الیوم جنت۔ بشراکم مبتداء ہے جنات بتقدیر مضاف خبر ہے اور الیوم ظرف ہے۔ پھر یہ جملہ یقال مقدر کا مفعول منصوب ہو جائے گا خالدین۔ حال ہے اس میں عامل مضاف محذوف ہے۔ ای بشراکم دخولکم جنات خالدین فیھا اس میں ضمیر مخاطب فاعل کو حذف کر دیا مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے۔ پھر مضاف حذف کر کے مضاف الیہ اس کے قائم مقام ہو گیا۔ بشراکم کو عامل نہیں کہا جا سکتا کیونکہ مصدر ہے اس کو عامل بنانے سے فصل باجنبی لازم آجائے گا۔

انظرونا۔ یعنی ہماری طرف رخ کر کے ہمیں دیکھ لو تو چہروں کے نور سے ہمارا راستہ کٹ جائے گا۔

فضرب ۔ بظاہر یہ قیل ارجعوا وراء کم پر معطوف ہے اس طرح یہ استعارہ تمثیلیہ ہوا۔ اور بعض کی رائے ہے کہ جنت وجہنم کے درمیان اعراف قائم کردیا جائے گا جو حجاب ہوگا۔

بسور ۔ باز ائد ہے سورالمدینہ شہر کی چاردیواری شہر پناہ کو کہتے ہیں یہاں مقام اعراف مراد ہے۔

له باب ۔ یہ جملہ سور کی صفت ہونے کی وجہ سے محلا مجرور ہے اور باب کی صفت ہونے کی وجہ سے محلا مرفوع ماننا بہتر ہے کیونکہ ضمیر کا مرجع اقرب ہونا چاہیے۔ اور زید بن علیؒ اور عمر بن عبیدؒ نے فضرب کو معروف پڑھا ہے۔

باطنه. ای باطن السور اوالباب۔

ینادونھم ۔ اول ضمیر منافقین کی طرف اور دوسری مومنین کی طرف راجع ہے۔

الم یان ۔ عام قراءت سکون ہمزہ اور کسر نون کے ساتھ ہے باب رمی سے مضارع معتل ہے محذوف الیاء ای لم یجئ الخ آن یئین حان یحین کی طرح ہے بلحاظ وزن اور معنی کے جیسے غیر ناظرین اناہ۔

عوارف المعارف میں شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ قلوب کی قساوت یہ ہے کہ دل مضبوط ہوجائیں قرآن کی تلاوت سے بھی ان میں کوئی تغیر پیدا نہ ہو۔ بلکہ تمکین واستقامت حاصل ہوجائے جیسے دل کا حال پہلے تھا وہی کیفیت رہے۔ جیسا کہ بعض کا مقولہ ہے۔ حالی قبل الصلوۃ کحالی فی الصلوۃ اس میں شہودی حالت کے استمرار کی طرف اشارہ ہے۔ ایسے ہی قست قلوبھم میں بظاہر تقبیح ہے مگر فی الحقیقت تحسین ہے کیونکہ حالت تمکین وشہود کی طرف اشارہ ہے۔

بقلیؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ضعفاء مریدین کا حال بیان کررہی ہے، جن میں ابھی حظوظ نفس کی طرف میلان باقی ہے، ذکر اللہ کرنے سے ان میں خشوع پیدا ہوجاتا ہے۔ لیکن اہل صفوہ وہ ہوتے ہیں جو اللہ کی محبت کی آگ میں بھسم اور خاک ہوجاتے ہیں۔

وما نزل من الحق ۔ ذکر اللہ سے مراد بھی اگر قرآن لیا جائے تو پھر یہ عطف ایک وصف کا دوسرے وصف پر ہوجائے گا، ورنہ عطف خاص علی العام ہوگا قرآن جامع ہے ذکر وعظ کو۔

اعلموا ۔ یہ مزاح کرنے والے لوگوں کو خطاب ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ بلکہ جس طرح باران رحمت سے زمین لہلہا اٹھتی ہے اسی طرح ذکر وفکر وانابت سے دل کی کھیتیاں ہری بھری ہوں جائیں گی۔

ان المصدقین ۔ ابن کثیر تخفیف کے ساتھ پڑھتے ہیں یعنی تصدیق ایمان کرنے والے۔

واقرضوا ۔ یعنی اگرچہ لفظا جمع مذکر ہے مگر مراد مذکر ومونث دونوں ہیں تغلیبا ورنہ اگر صرف مذکر مراد لئے جائیں گے تو صلہ کے تمام ہونے سے پہلے اس پر عطف لازم آئے گا۔ خطیب میں لکھا ہے کہ اقرضوا اللہ کا عطف معنی فعل پر ہورہا ہے جو المصدقین میں ہے۔ کیونکہ الف لام معنی میں الذین کے ہے اور مصدقین اصدقوا کے معنی میں ہے۔ ای الذین اصدقوا واقرضوا الله تفسیری عبارت و ذکر القرض اس شبہ کا جواب ہے کہ مصدقین کے معنی صدقہ کے ہیں اور صدقہ اور قرض ایک ہے۔ پھر صدقہ کے بعد قرض کو کیوں ذکر کیا گیا؟ حاصل جواب یہ ہے کہ صدقہ کے لئے صفت حسن ثابت کرنے کے لئے بطور تمہید قرض کا ذکر کیا گیا ہے یعنی قرض حسنہ خوشدلی سے صدقہ کا نام ہے اس لئے تکرار نہیں رہا۔ کیونکہ پہلے مطلق صدقہ کا ذکر تھا اور یہاں صدقہ حسنہ مراد ہے۔

یضعف ۔ ابن عامرؒ، ابن کثیرؒ کی قراءت تشدید کے ساتھ یعنی اعمالنامہ میں نیکیاں دس گنا سے سات سو گنا تک لکھی جائیں گی۔

لھم ۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ فعل کی اسناد لھم کی طرف ہوسکتی ہے۔

والذین اٰمنوا ۔ الذین مبتداء اول، اولئک مبتدا ثانی، ھم مبتدا ثالث ہے اس طرح خبر تیسرے مبتداء سے مل کر دوسرے کی اور وہ پہلے مبتدا کی خبر ہوجائے گی۔ اور ھم ضمیر فصل بھی ہوسکتی ہے۔

صدیق ۔ اکثر ثلاثی سے آتا ہے صدیق مبالغہ ہے وہ تصدیق کے اعلیٰ مرتبہ پر ہوتا ہے جو نبوت سے نیچے ہے۔ یہاں عام تصدیق ایمانی مراد نہیں ہے۔

والشھداء ۔ اس کا پہلے پر عطف کیا جائے تو شہدا پر عطف تام ہوگا۔ لیکن اگر اس کو مبتداء بنایا جائے تو اس کی خبر کی دو صورتیں ہوں گی۔ **عند ربھم** بھی خبر ہو سکتی ہے اور **لھم اجر ھم** بھی خبر بن سکتی ہے خواہ پورا جملہ خبر ہو یا صرف لہم، اجرہم اس کا فاعل ہوگا۔ مفسرؒ نے **علی المکذبین** سے اشارہ کیا ہے شہداء شاہد کی جمع ہے بمعنی شہید۔

ربط آیات: .... پچھلی سورت تسبیح کے حکم پر ختم ہوئی اور یہ سورت تسبیح کی خبر سے شروع ہو رہی ہے اور اس خبر اور دوسرے افعال وصفات سے مقصود توحید ثابت کرنا ہے۔ پھر آیت امنوا باللہ الخ سے توحید قبول کرنے کا حکم ہے اور توحید چونکہ اعتقاد رسالت کے بغیر معتبر نہیں اس لئے ایمان بالرسول کا حکم بھی شامل ہے۔ اسی کے ساتھ کمال ایمان کی ایک بڑی علامت انفاق کا حکم ہے جہاد میں جان و مال دونوں قربان کرنے پڑتے ہیں اور جہاد اشاعت اسلام میں معین ہوتا ہے جس کا حاصل یہ نکلا کہ خود بھی ایمان لاؤ اور دوسروں کے ایمان لانے کی کوشش بھی جاری رکھو کہ ان کی خوبیوں پر اجر اور ان کے چھوڑنے پر ملامت ہے۔

اس کے بعد آیت یوم تری المومنین سے دو باتیں ارشاد فرمائی جا رہی ہیں۔ ایک کامل ایمان کا مطلوب و مامور بہ ہونا جس میں اقرار باللسان تصدیق بالجنان، عمل بالارکان تینوں کا مجموعہ مقصود ہے۔ اسی لئے منافقین پر عتاب کیا جا رہا ہے جنہیں نہ تصدیق حاصل ہے اور نہ خشوع وخضوع جس کی وجہ سے وہ ایمان اور کمالی ایمان دونوں سے محروم ہے۔ دوسرے ایمان کامل اور انفاق کی فضیلت اور بشارت ارشاد ہے ہر چند کہ یہ مضمون پہلی آیات میں بھی تھا۔ مگر تبعاً اور یہاں مستقل طور پر "مقصود بنا کر" ہے اور عنوان بھی مختلف ہے اس لئے تکرار نہیں کیا جا سکتا اور درمیان میں منافقین کے ساتھ اور اخیر میں مومنین کے ذکر کے بعد کفار کی مذمت وعقوبت کا بیان بطور مقابلہ ہے۔

روایات: .... مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ **انت الظاھر لیس فوقک شئ وانت الباطن فلیس دونک شئ** ۔ تو اس میں فوق سے مراد ظاہر ہونے میں فوق کی نفی ہے۔ اسی طرح دونَ کے معنی یہ ہیں کہ آپ سے بڑھ کر باطنی اور خفی ہونے میں کوئی نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ کا ظاہر ہونا بھی سب سے بڑھ کر ہے۔ ذرہ ذرہ میں اسی کا جلوہ نمایاں ہے اور اس سے بڑھ کر باطن بھی کوئی بھی نہیں۔ اس کی حقیقت کا ادراک ناممکن ہے۔

قیل ارجعوا ۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ **ان اللہ یعطی لکل مومن نورا ولکل منافق نورا فاذا استووا علی الصراط سلب اللہ نور المنافقین والمنافقات فقال المنافقون انظرونا نقتبس من نورکم وقال المومنون اقم لنا نورنا فلا یذکر عند ذلک احدا احدا** ۔

لیکن ابن جریر اور بیہقی کی روایت ہے **فقال المومنون ارجعوا وراء کم من حیث جئتکم من الظلمۃ فالتمسوا ھنالک الیوم** ۔

اور ابوامامہ کی روایت ہے۔ **قیل لھم ارجعوا وراء کم فالتمسوا نورا وھی خدعۃ اللہ تعالیٰ التی خدع بھا المنافقین حیث قال یخدعون اللہ وھو یخادعھم فیر جعون الی المکان الذی قسم فیہ النور فینصرفون الیھم** اور بقول صاوی یہ معنی ہیں کہ دور ہو جاؤ ذلت کے ساتھ ہمارے پاس تمہارے لئے نور نہیں ہے۔ گویا یہ ان کے ساتھ استہزاء ہوگا۔ کیونکہ وہ نہ اپنے موقف میں واپس جا سکتے ہیں۔ اور نہ دنیا میں۔

آیت الم یان للذین کے سلسلہ میں ابن مردویہ نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ صحابہؓ ہنس رہے ہیں۔ فرمایا کہ کیا تمہارے پاس اللہ کا فرمان آ گیا جو اس بے فکری سے ہنس رہے ہو۔ تمہارے اس ہنسنے پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اس ہنسنے کا کفارہ کیا ہے؟ فرمایا کہ جتنے ہنسے ہوا تنے ہی روؤ۔ صحابہؓ کے ایک گونہ خوشحال ہونے سے یہ ہنسی مذاق ہوئی۔ جس کی وجہ سے عبادت میں بھی سستی ہونے لگی تھی۔

ابن معوذ فرماتے ہیں کہ ہمارے مسلمان ہونے کے چار سال بعد یہ آیت عتاب نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾ .... سبح للہ ۔ زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ ہی کی زبان حال یا قال سے یا دونوں سے تسبیح کرتی ہے اور سب کے وجود وعدم کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ ہے۔ سب جگہ اسی کا حکم واختیار چلتا ہے۔ کوئی طاقت اس کے تکوینی تصرف کو روک نہیں سکتی۔ جب کوئی نہ تھا تب بھی وہ موجود تھا اور کوئی نہ رہے تب بھی وہ موجود رہے گا۔ ہر چیز کی نمود وبود اسی کے وجود سے ہے۔ پھر اگر اس کا وجود ظاہر وباہر نہ ہوتو اور کس کا ہو گا۔ عرش سے فرش تک اور ذرہ سے آفتاب تک ہر چیز کی ہستی اس کی ہستی کی روشن دلیل ہے۔ مگر اس کے باوجود اس کے کنہ ذات اور صفات کی تہہ تک عقل وادارک کی رسائی نہیں۔ کسی ایک صفت کا احاطہ بھی کوئی نہیں کر سکتا، نہ اپنی رائے وقیاس سے اس کی کچھ کیفیت بیان کر سکتا ہے۔ اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ اس سے زیادہ باطن اور پوشیدہ کوئی نہیں۔ بہر حال وہ اندر بھی باہر بھی ظاہر باطن بھی ہے اور کھلے چھپے سب احوال کا جاننے والا ہے۔ ظاہر غالب ایسا کہ اس سے اوپر کوئی طاقت نہیں۔ باطن ایسا کہ اس سے پرے کوئی موقعہ نہیں کہ اس کی آنکھ سے اوجھل ہو سکے۔

علم الٰہی کا احاطہ .... یعلم ما یلج ۔ اس کے علم کا ادنی کرشمہ ہے کہ بارش کا پانی اور بیج مثلاً زمین کے اندر جاتا ہے اور یہ کھیتی درخت وغیرہ جو کچھ اس سے باہر نکلتے ہیں وہ سب سے واقف ہے۔ آسمان سے فرشتے احکام، قضاء وقدر کے فیصلے، بارش وغیرہ جو چیزیں اترتی ہیں۔ اور اسی طرح جو اعمال اور فرشتے اوپر چڑھتے ہیں۔ سب کی اس کو خبر ہے۔ کسی وقت بھی اللہ تم سے غائب نہیں۔ بلکہ جہاں کہیں تم ہو، جس حال میں ہو وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ اور سب کھلے چھپے اعمال کو دیکھتا ہے۔ اس کی قلم سے نکل کر کہاں جا سکتے ہو، سب جگہ اسی کی حکومت ہے اور آخر سب کاموں کا فیصلہ وہیں سے ہوگا۔

پہلے له ملك السموات فرمانا زندگی اور موت دینے کے سلسلہ میں تھا اور یہاں بعث وقیامت کی تحقیق لئے ہے اس لئے آیت میں تکرار نہیں رہا۔ اللہ کبھی رات بڑھاتا ہے دن گھٹا کر اور کبھی دن بڑھاتا ہے رات گھٹا کر وہ دلوں کے ارادوں، نیتوں، وسوسوں اور خطروں سے باخبر رہتا ہے۔

مال اللہ کا ہے اسی کی مرضی سے خرچ کرو: .... جو مال تمہارے پاس ہے وہ اللہ کا ہے۔ تمہاری امانت میں دے رکھا ہے کہ تم محض خزانچی ہو۔ جہاں مالک بتائے اس کی نیابت سے خرچ کرو۔ دیکھو یہ مال کبھی دوسروں کے ہاتھ میں تھا، تمہارے پاس آیا۔ ایسے ہی سمجھو کہ تمہارے پاس سے کہیں اور جائے گا۔ پس جب یہ مال اوروں کے پاس نہ رہا تو تمہارے پاس بھی نہیں رہے گا۔ تو ایسی بے وفا اور ہرجائی چیز سے دل لگانا کہاں کا انصاف ہے۔ اور ضروری اور مناسب موقعوں سے کترانا کہاں کی عقلمندی ہے۔ لہذا جن لوگوں میں ایمان اور انفاق نہیں انہیں چاہیے کہ اپنے اندر یہ خوبیاں پیدا کریں۔ اور جن میں یہ صفت وخصلت موجود ہے۔ انہیں اسی راستہ پر قائم رہنا چاہیے۔

ایمان فطرت کی پکار ہے: .... وما لکم لا تؤمنون ۔ اللہ پر ایمان لانے، یقین ومعرفت کے راستوں پر چلتے رہنے سے کیا چیز رکاوٹ بن سکتی ہے۔ آخر اس میں سستی کیسی، جبکہ اللہ کا رسول تمہیں تمہارے حقیقی پرورش کرنے والے کی طرف دعوت دے رہا ہے جس کا اعتقاد تمہاری فطرتوں میں پیوست کر دیا گیا ہے اور جس کا اقرار تم دنیا میں آنے سے پہلے کر چکے ہو۔ جس کا کچھ نہ کچھ اثر آج بھی قلوب سلیم میں پایا جاتا

ہے۔ پھر دلائل اور پیغمبروں کے ذریعے، اس ازلی پیمان وعہد کی یاد دہانی بھی کرائی جاتی رہی اور پچھلے انبیاء نے اپنی امتوں سے یہ عہد بھی لیا کہ آخری پیغمبر کی پیروی کریں۔ چنانچہ بہت سے لوگ وہ ہیں جنہوں نے خود آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر طاعت وفرمانبرداری اور اللہ کی راہ میں مال قربان کرنے کا پکا عہد کیا ہے۔ پس اس کے بعد کہاں گنجائش ہے کہ جو ماننے کا ارادہ رکھتا ہو وہ نہ مانے اور جو مان چکا ہو وہ اس سے انحراف کرنے لگے جب کہ اللہ نے اپنا آخری کلام قرآن اتارا اور سچائی کے نشانات دیئے۔ جن سے تم کفر وجہل کی اندھیریوں سے نکل کر علم وایمان کے اجالے میں آ جاؤ، یہ اللہ کی کتنی بڑی مہربانی اور شفقت ہے۔ ورنہ انہی اندھیریوں میں پڑا چھوڑ کر تمہیں ہلاک کر دیتا۔ یا ایمان لانے کے بعد بھی پچھلی خطاؤں کو معاف نہ کرتا تو کیا ہوتا؟ اور یہ گفتگو تو ایمان نہ لانے کے متعلق تھی۔ لیکن اب اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے کے متعلق ہم پوچھتے ہیں

اللہ کی راہ میں مال لگانا:......... وما لکم الا تنفقوا ۔ کہ جب مال تمہارا نہیں بلکہ اصل مالک اللہ ہے۔ پھر اس کے مال میں سے اس کے حکم کے مطابق خرچ کرنا بھاری کیوں معلوم ہوتا ہے۔ خوشی اور اختیار سے نہ دوگے تو بے اختیار اسی کے پاس پہنچے گا۔ بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ خوش دلی سے پیش کرے اور اس کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے فقر وافلاس سے نہ ڈرے زمین وآسمان کے خزانوں کا مالک جب اللہ ہے تو کیا اس کے راستہ میں خوشی سے خرچ کرنے والا بھوکا رہ سکتا ہے؟

لا یستوی منکم ۔ یہاں سے خرچ کرنے والوں کا فرق مراتب کا بیان ہے کہ نفس خرچ میں اگرچہ سب برابر ہوتے ہیں اور مستحق اجر وثواب لیکن مقدار اور موقع محل اور ضرورت بے ضرورت کے لحاظ سے خرچ کرنے کی قدر وقیمت مختلف ہوجایا کرتی ہے۔

فتح مکہ سے پہلے جان ومال نچھاور کرنے والوں کا جو مقام ہے ظاہر ہے کہ بعد والے اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ بقول روح المعانی اس وقت مسلمانوں کے کم اور کمزور ہونے کی وجہ سے جدوجہد کی ضرورت زیادہ تھی اور مال غنیمت کی امید بھی کم تھی اس لئے اس وقت قربانیوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور ظاہر ہے کہ بعد میں وہ بات نہیں رہ سکتی تھی۔

اس آیت میں بعض حضرات نے فتح سے صلح حدیبیہ مراد لی ہے۔ جیسا کہ بعض روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ غرض یوں تو اللہ کی راہ میں جب بھی خرچ کیا جائے اور جہاد کیا جائے وہ اچھا ہے اللہ اس کا بدلہ دنیا وآخرت میں دے گا۔ لیکن وقت کی پکار کو سمجھنے والے اور بروقت ساتھ دینے والے با حوصلہ اور اولوالعزم کہلائیں گے۔ اللہ کو سب خبر ہے کہ کس کا عمل کس درجہ کا ہے اور اس میں خلوص واخلاص کتنا ہے ہر ایک سے اسی کے مطابق برتاؤ کیا جائے گا۔

من ذا الذی ۔ اس کو قرض کا نام اس لئے دیا کہ اس وقت جہاد میں جو کچھ تم صرف کروگے پھر تم ہی دولتوں کو برتوگے اور آخرت میں تو اس کے صلہ کا کیا ٹھکانہ! ورنہ مالک اور غلام میں سود وبیاج کیسا جو دیا سو اس کا جو نہ دیا سو اس کا۔

ایمان کی تیز روشنی:......... یوم تری المؤمنین ۔ میدان حشر سے جنت میں جانے کے لئے جب پل صراط سے گزریں گے سخت اندھیرا ہوگا لیکن ایمان اور نیک عمل کی روشنی ساتھ ہوگی آگے بھی آگے بھی داہنے بھی۔ ایمان کی روشنی ممکن ہے آگے ہو اور عمل صالح کی داہنی طرف کیونکہ نیکیاں داہنی طرف ہی جمع ہوتی ہیں غرض یہ روشنی ایمان وعمل کے لحاظ سے کم وبیش ہوگی اور رسول ﷺ کے طفیل میں اس امت کے ایمان وعمل کی روشنی ممکن ہے تیز ہو اوروں کی مانند۔ اور بعض روایات سے روشنی کا بائیں طرف ہونا بھی معلوم ہوتا ہے ممکن ہے اسی روشنی کا اثر سب طرف پھیل جائے جنت چونکہ رضائے الٰہی کی جگہ ہے اس لئے جو وہاں پہنچ گیا سب مرادیں پا گیا۔

جنت دوزخ کے درمیان اعراف:......... یوم یقول المنافقون ۔ جنتیوں ودوزخیوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی جائے گی۔

جس میں ایک دروازہ ہوگا جس میں مومنین داخل ہوکر منافقوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوجائیں گے اور دروازہ کے اندر پہنچ کر جنت کا سماں ہوگا۔

منافقین کی چیخ وپکار: .... اور ادھر دروازہ سے باہر عذاب الٰہی کا بھیانک نقشہ ہوگا جہاں تک کافروں اور کھلے منافقوں کا تعلق ہوگا وہ دونوں تو پہلے ہی جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ اس لئے پل صراط پر ان کا الگ ذکر نہیں کیا۔ البتہ جو لوگ کسی پیغمبر کی امت میں ہوں گے سچے یا پکے انہیں پل صراط سے گزرنے کا حکم ہوگا۔ اس پر چڑھنے سے پہلے ایک اندھیرا گھیرے ہوئے ہوگا اس وقت ایمان والوں کے ساتھ روشنی ہوگی منافق بھی اس روشنی میں چلنا چاہیں گے۔ لیکن مومنین تیزی سے آگے بڑھ جائیں گے جس سے ان کی روشنی منافقین سے دور ہوتی جائے گی تب وہ پکاریں گے کہ میاں ذرا ٹھہر و تھوڑا سا انتظار کرو ہمیں بھی آنے دو تا کہ ہم بھی تمہاری روشنی میں ساتھ ساتھ چل سکیں۔ آخر دنیا میں بھی تو ہم تمہارے ساتھ رہتے تھے اور ہمارا شمار بھی مسلمانوں میں ہوتا تھا۔ اب اس مصیبت کے وقت اندھیرے میں چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔ کیا حق رفاقت یہی ہے؟

درمنثور کی روایت کے مطابق ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایسے منافقین کے پاس بھی ان کے ظاہری ایمان کی وجہ سے کچھ نور ہوگا۔ مگر اعتقاد میں مخلص نہ ہونے کی وجہ سے پھر کچھ دیر بعد وہ نور گل ہوجائے گا اس لئے اندھیرے میں وہ ہاتھ پیر ماریں گے۔ نیز منافقین کے خدع اور فریب کا بدلہ بھی ایسا ذو وجہین ہوگا کہ اول نور ملے گا پھر خلاف توقع بجھ جائے گا۔

غرض انہیں مومنین یا فرشتوں کی طرف سے جواب ملے گا کہ پیچھے لوٹ کر روشنی تلاش کرو اگر مل سکے تو لے آؤ۔ یہ سن کر پیچھے ہٹیں گے کہ اتنے میں دونوں فریق کے درمیان دیوار حائل ہوجائے گی۔ روشنی سے مراد ہے جو دنیا میں انہوں نے کمائی تھی وہ جگہ پیچھے چھوڑ آئے۔ یا پیچھے سے مراد وہ جگہ ہے جہاں پل صراط پر چڑھنے سے پہلے نور تقسیم کیا گیا تھا۔ منافقین تلاش نور میں وہاں جائیں گے وہاں نہ کچھ ملے گا پھر ادھر آئیں گے مگر دیوار حائل ہونے کی وجہ سے مسلمانوں تک نہ پہنچ سکیں گے۔ دیوار اعراف میں یہ دروازہ جنت میں جانے کے لئے ہوگا۔ ممکن ہے بات چیت کے لئے ہو

اہل ایمان کا جواب: .... قالوا بلی۔ یعنی مسلمان منافقین سے جواب میں کہیں گے کہ دنیا میں یقیناً تم ہمارے ساتھ تھے مگر محض ظاہر کے لحاظ سے تھے اور فی الحقیقت تم گمراہی کے فتنہ میں پھنسے ہوئے تھے۔ زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے تھے۔ مگر اندرونی حال یہ تھا کہ نفاق کا راستہ اختیار کر کے اپنے آپ کو دھوکہ میں ڈالا، دوسروں کو چکمہ دیتے رہے اور توبہ کرنے کی بجائے راہ دیکھتے رہے کہ کب اسلام اور مسلمانوں پر افتاد پڑتی ہے۔ تمہیں بھی دھوکہ رہا کہ آگے ان چالبازیوں کا خمیازہ بھگتنا نہیں بلکہ چند دنوں میں یہ قصہ ٹھنڈا پڑ جائے گا آخر ہم بھی غالب ہوں گے۔ رہ گیا آخرت کا قصہ سو وہاں بھی کسی نہ کسی طرح چھوٹ ہی جائیں گے۔

انہیں خیالات میں مست تھے کہ اللہ کا حکم آپہنچا اور موت نے آدبایا اور پکے دغاباز شیطان نے تمہیں ایسا کھودیا ہے۔ کہ اب کوئی سبیل چھٹکارہ کی نہیں۔ ہے بالفرض اگر آج کچھ معاوضہ وغیرہ دے کر سزا سے بچنا چاہو تو وہ بھی نہیں ہے۔ اب تو تم سب کو اسی دوزخ میں رہنا ہے۔ یہی تمہارا ٹھکانہ اور ساتھی ہے۔ فالیوم الخ ارشاد باری ہے۔ یا مسلمان کہیں گے۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ قلبی تصدیق اگر نہ ہو تو ایمان کالعدم ہے۔

قرآن اور ذکر اللہ کا اثر: .... الم یان۔ یعنی وقت آگیا ہے کہ مومنین کے دل قرآن اور اللہ کی یاد میں اور اس کے سچے دین کے سامنے جھک جائیں اور نرم ہوکر گڑ گڑانے لگیں کیونکہ ایمان وہی ہے کہ دل نرم ہوکر نصیحت اور اللہ کی یاد کا اثر جلد قبول کر لے۔ پہلے یہ باتیں اہل کتاب اپنے پیغمبروں کی صحبت میں حاصل کیا کرتے تھے اب وہ تو بجل گئے اور سرکشی کی راہ پر چل نکلے۔ مسلمانوں کی باری آتی ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کی صحبت میں رہ کر نرم دلی، انقیاد کامل اور خشوع وخضوع کی خوبیوں سے آراستہ ہوں اور وہاں تک پہنچیں جہاں کوئی امت نہ پہنچ سکی۔ مثلاً پہلے لوگوں نے کفر وگناہ سے توبہ نہیں کی۔ ان کے دل سخت ہوگئے۔ مسلمان ایسا نہ کریں۔ انہیں کوتاہی کے بعد فوراً توبہ سے تلافی کر لینی چا

ہے۔ بعض دفعہ توبہ نہ کرنے سے پھر توبہ کی توفیق نہیں رہتی اور بعض اوقات کفر تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے گناہ کر کے یہ مت سمجھو کہ اب توبہ کرنے سے کیا فائدہ کیونکہ اعلموا ان اللہ الخ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو پیداوار کر کے زندہ کر دیتا ہے اسی طرح توبہ کرنے سے اللہ رحم کرے گا اور وہ اپنی رحمت سے دل مردہ کو پھر زندہ کر دے گا۔ کسی مردہ سے مردہ انسان کو مایوس نہیں ہونا چاہئے سچی توبہ کر لے تو اللہ پھر اس کے قالب میں زندگی کی روح پھونک دے گا۔ جو لوگ اللہ کے راستہ میں خالص نیت سے اس کی خوشنودی کی خاطر خرچ کرتے ہیں اور کسی اور سے صلہ یا شکریہ کے طلب گار نہ ہوں۔ یوں سمجھا جائے گا کہ وہ اللہ کو قرض دے رہے ہیں۔ سو اطمینان رکھیں ان کا دیا ہوا ضائع نہ ہوگا۔ بلکہ کئی گنا کر کے لوٹایا جائے گا۔ دنیا کی گورنمنٹیں ہنگامی طور پر جنگی قرضے رعایا سے لیتی ہیں اور پھر سود در سود لوٹا کر دیتی ہیں۔

والذین امنوا ۔ یعنی اللہ کے ہاں یہی لوگ صدیق ہیں اور سرکاری گواہ ہیں۔ آخرت میں اپنے ایمان و عمل کے مطابق ثواب و روشنی مرحمت ہوگی

لطائف سلوک:......... الم یان ۔ اس میں خشوع کے ضروری ہونے کی تصریح ہے اور یہ کہ زیادہ غفلت سے قلبی قساوت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ کہ قساوت کا علاج ذکر اللہ کی کثرت ہے۔

والذین امنوا ۔ میں مطلقاً مومنین کو صدیق فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح ولایت کے درجات ہیں۔ اسی طرح صدیقیت کے بھی درجات ہیں۔ عامہ، خاصہ۔ پس نہ سب مومن ایک درجہ کے ہیں نہ سب صدیق و ولی ایک مرتبہ کے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِیْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ اَیِ الْاِشْتِغَالُ فِیْهَا وَاَمَّا الطَّاعَاتُ وَمَا یُعِیْنُ عَلَیْهَا فَمِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ **كَمَثَلِ** اَیْ هِیَ فِیْ اِعْجَابِهَا لَكُمْ وَاِضْمِحْلَالِهَا كَمَثَلِ **غَیْثٍ** مَطَرٍ **اَعْجَبَ الْكُفَّارَ** الزُّرَّاعَ **نَبَاتُهٗ** النَّاشِیُٔ عَنْهُ **ثُمَّ یَهِیْجُ** یَیْبَسُ **فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطَامًا** فُتَاتًا یَضْمَحِلُّ بِالرِّیَاحِ **وَفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ** لِمَنْ اٰثَرَ عَلَیْهَا الدُّنْیَا **وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ** لِمَنْ لَمْ یُؤْثِرْ عَلَیْهَا الدُّنْیَا **وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ** مَا التَّمَتُّعُ فِیْهَا **اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ** ﴿۲۰﴾ **سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ** لَوْ وُصِلَتْ اِحْدٰهُمَا بِالْاُخْرٰى وَالْعَرْضُ السَّعَةُ **اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ** ﴿۲۱﴾ **مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ** بِالْجَدْبِ **وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ** كَالْمَرَضِ وَفَقْدِ الْوَلَدِ **اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ** یَعْنِی اللَّوْحَ الْمَحْفُوْظَ **مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا** نَخْلُقَهَا وَیُقَالُ فِی النِّعْمَةِ كَذٰلِكَ **اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ** ﴿۲۲﴾ **لِّكَیْلَا** كَیْ نَاصِبَةٌ لِلْفِعْلِ بِمَعْنٰى اَنْ اَیْ اَخْبَرَ بِذٰلِكَ تَعَالٰى لِئَلَّا **تَاْسَوْا** تَحْزَنُوْا **عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا** فَرَحَ بَطَرٍ بَلْ فَرَحَ شُكْرٍ عَلَى النِّعْمَةِ **بِمَآ اٰتٰىكُمْ** بِالْمَدِّ اَعْطَاكُمْ بِالْقَصْرِ جَآءَكُمْ مِنْهُ **وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ** مُتَكَبِّرٍ بِمَا اُوْتِیَ **فَخُوْرِ** ﴿۲۳﴾ بِهٖ عَلَى النَّاسِ نِ **الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ** بِمَا یَجِبُ عَلَیْهِمْ **وَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ** بِهٖ لَهُمْ وَعِیْدٌ شَدِیْدٌ **وَمَنْ یَّتَوَلَّ** عَمَّا یَجِبُ عَلَیْهِ **فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ** ضَمِیْرُ فَصْلٍ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِسُقُوْطِهٖ **الْغَنِیُّ** عَنْ غَیْرِهٖ **الْحَمِیْدُ** ﴿۲۴﴾ لِاَوْلِیَائِهٖ **لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا** الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَى الْاَنْبِیَاءِ **بِالْبَیِّنٰتِ** بِالْحُجَجِ الْقَوَاطِعِ **وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ**

بِمَعْنَى الْكُتُبِ **وَالْمِيْزَانَ** الْعَدْلَ **لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ** اَخْرَجْنَاهُ مِنَ الْمَعَادِنِ **فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ** يُقَاتَلُ بِهٖ **وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ** عِلْمَ مُشَاهَدَةٍ مَعْطُوْفٌ عَلٰى لِيَقُوْمَ النَّاسُ **مَنْ يَّنْصُرُهٗ** بِاَنْ يَّنْصُرَ دِيْنَهٗ بِاٰلَاتِ الْحَرْبِ مِنَ الْحَدِيْدِ وَغَيْرِهٖ **وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ** حَالٌ مِنْ هَاءِ يَنْصُرُهٗ اَىْ غَائِبًا عَنْهُمْ فِى الدُّنْيَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَنْصُرُوْنَهٗ وَلَا يُبْصِرُوْنَهٗ **اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ** ﴿۲۵﴾ لَا حَاجَةَ لَهٗ اِلَى النُّصْرَةِ لٰكِنَّهَا تَنْفَعُ مَنْ يَاْتِىْ بِهَا **وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِىْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ** يَعْنِى الْكُتُبَ الْاَرْبَعَةَ التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَالزَّبُوْرَ وَالْفُرْقَانَ فَاِنَّهَا فِىْ ذُرِّيَّةِ اِبْرَاهِيْمَ **فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ** ﴿۲۶﴾ **ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ وَجَعَلْنَا فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً وَّرَهْبَانِيَّةَ** هِىَ رَفْضُ النِّسَاءِ وَاتِّخَاذُ الصَّوَامِعِ . **ابْتَدَعُوْهَا** مِنْ قِبَلِ اَنْفُسِهِمْ **مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ** مَا اَمَرْنَاهُمْ بِهَا **اِلَّا** لٰكِنْ فَعَلُوْهَا **ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ** مَرْضَاةِ **اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا** اِذْ تَرَكَهَا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ وَكَفَرُوْا بِدِيْنِ عِيْسٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَدَخَلُوْا فِىْ دِيْنِ مَلِكِهِمْ وَبَقِىَ عَلٰى دِيْنِ عِيْسٰى كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فَاٰمَنُوْا بِنَبِيِّنَا **فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** بِهٖ **مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ** ﴿۲۷﴾ **يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** بِعِيْسٰى **اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ** مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى عِيْسٰى **يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ** نَصِيْبَيْنِ **مِنْ رَّحْمَتِهٖ** لِاِيْمَانِكُمْ بِالنَّبِيَّيْنِ **وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ** عَلَى الصِّرَاطِ **وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ﴿۲۸﴾ **لِّئَلَّا يَعْلَمَ** اَىْ اَعْلَمَكُمْ بِذٰلِكَ لِيَعْلَمَ **اَهْلُ الْكِتٰبِ** التَّوْرٰتِهِ الَّذِيْنَ لَمْ يُؤْمِنُوْا بِمُحَمَّدٍ ﷺ **اَنْ** مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاِسْمُهَا ضَمِيْرُ الشَّانِ وَالْمَعْنٰى اَنَّهُمْ **لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ** خِلَافَ مَا فِىْ زَعْمِهِمْ اَنَّهُمْ اَحِبَّاءُ وَاَهْلُ رِضْوَانِهٖ **وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ** يُعْطِيْهِ **مَنْ يَّشَاءُ** فَاٰتَى الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ كَمَا تَقَدَّمَ **وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ** ﴿۲۹﴾

ترجمہ: .... تم خوب سمجھ لو کہ دنیاوی زندگی محض کھیل کود اور زینت (آرائش) اور ایک دوسرے پر شیخی بگھارنا اور اموال و اولاد میں ایک کا دوسرے پر زیادتی بیان کرنا ہے (یعنی ان چیزوں میں مشغول ہو جانا۔ البتہ نیک کام کرنا اور اس کی تیاری میں لگنا یہ آخرت کے کام ہیں) جیسے (یعنی دل کو لبھانے اور دل سے اتر جانے میں) مثل مینہ (بارش) کے ہے کہ کاشت کاروں (کھیتی باڑی کرنے والوں) کو بھلی معلوم ہوتی ہے اس کی پیداوار (جو کچھ زمین سے نکلتی ہے) پھر وہ خشک ہو جاتی ہے پھر تو اس کو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے (ہواؤں سے مرجھا کر ریزہ ریزہ) اور آخرت میں شدید عذاب ہے (جس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہوگی) اور اللہ کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے (جو دنیا کو آپ پر ترجیح نہ دے) اور دنیا کی زندگانی (سے لذت اندوز ہونا) محض دھوکہ کا سامان ہے۔ تم اپنے پروردگار کی بخشائش کی طرف دوڑو، اور ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کے برابر ہے (جب کہ آسمان و زمین کو ایک دوسرے کے برابر ملا لیا جائے۔ غرض بمعنی وسعت

ہے) ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے اور وہ اپنا فضل جس کو چاہے عنایت کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے (قحط سالی) اور نہ خاص تمہاری جانوں پر (جیسے بیماری اور اولاد کی موت) مگر وہ ایک کتاب میں لکھی ہے (لوح محفوظ میں) اس سے پہلے کہ ہم نے ان جانوں کو پیدا کیا (بنایا، جیسے بیماری اور اولاد کی موت) مگر وہ ایک کتاب میں لکھی ہے (لوح محفوظ میں) اس سے پہلے کہ ہم نے ان جانوں کو پیدا کیا (بنایا، اور نعمت کا حال بھی یہی ہے) یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے۔ تا کہ (کئے فعل کا ناصب ہے۔ یعنی اللہ اس کی اطلاع اس لئے دے رہا ہے کہ) تم رنج نہ کرو اس چیز پر جو تم سے جاتی رہی اور نہ اتراؤ (شیخی کے طور پر اترانا، البتہ بطور شکر نعمت خوش ہو سکتے ہیں) اس چیز پر جو تمہیں عطا فرمائی ہے (آتکم مد کے ساتھ ہے بمعنی اعطاکم اور بغیر مد کے بمعنی جاءکم ہے) اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے (عطیہ پر تکبر کرنے والے) شیخی (لوگوں کے سامنے) کرنے والے کو پسند نہیں کرتا جو ایسے ہیں کہ خود بھی (واجبات میں) بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہیں (ایسے لوگوں کے لئے اس میں سخت وعید ہے) اور جو شخص (واجبات سے) اعراض کرے گا تو اللہ تعالیٰ (ھو ضمیر ہے اور ایک قراءت میں ھو نہیں ہے) بے نیاز ہیں (سب سے) سزاوار حمد ہیں (اپنے دوستوں کے لئے) ہم نے اپنے رسولوں کو (جو فرشتے انبیاء کے پاس آئے) کھلے کھلے احکام (دلائل قطعیہ دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب (بمعنی کتب) اور عدل و (انصاف) کو اتارا، تا کہ لوگ اعتدال پر رہیں۔ اور (ہم نے لوہے کو پیدا کیا (کانوں سے برآمد کیا) جس میں سخت ہیبت ہے (کہ اس سے قتل کیا جا سکتا ہے) اور لوگوں کے لئے اور بھی طرح طرح کے منافع ہیں۔ تا کہ اللہ جان لے (مشاہدہ کر لے لیقوم الناس پر اس کا عطف ہے) کہ کون اس کی مدد کرتا ہے (لوہے وغیرہ کے ہتھیاروں سے اس کے دین کی مدد کر کے) اور اس کے رسولوں کی بغیر دیکھے (بالغیب، ینصرہ کی ضمیر سے حال ہے یعنی دنیا میں رہ کر غائبانہ مدد کرتا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کی مدد تو کرتے ہیں اور اس کو دیکھتے نہیں) اللہ طاقتور زبردست ہے (اس کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ تاہم جو اس کی مدد کرے گا اس کا اپنا فائدہ ہے) اور ہم نے نوحؑ وابراہیمؑ کو پیغمبر بنایا اور ہم نے ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی (چاروں کتابیں تورات، زبور، انجیل، قرآن مراد ہیں کیونکہ یہ سب ابراہیمؑ کی اولاد ہیں) سو ان میں بعض تو ہدایت یافتہ ہوئے اور بہت سے نافرمان نکلے، پھر ان کے بعد اور پیغمبروں کے یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے اور ان کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور ان کو انجیل دی اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ہم نے ان کے دلوں میں شفقت و رحم پیدا کر دیا اور رہبانیت کو (جس میں بیویوں کو چھوڑ چھاڑ کر گرجوں کو اپنا لینا ہوتا ہے) انہوں نے خود ایجاد کر لیا (اپنی طرف سے) ہم نے ان پر اس کو واجب نہیں کیا تھا (اس کا حکم نہیں دیا تھا) لیکن انہوں نے (اس کو پسند کر لیا) اللہ کی خوشنودی کی خاطر مگر انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی (کیونکہ بہت سے لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا اور دین عیسیٰ کو بھی خیر باد کہہ بیٹھے اور بادشاہ وقت کے مذہب کو قبول کر لیا۔ البتہ بہت سے دین عیسوی کو اختیار کئے رہے۔ حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لے آئے) سو ان میں سے جو لوگ (آنحضرت ﷺ پر) ایمان لے آئے۔ ہم نے ان کو ان کا صلہ دیا اور زیادہ ان میں نافرمان ہیں۔ اے (عیسیٰؑ پر) ایمان لانے والو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول (محمد و عیسیٰ علیہما السلام) پر ایمان لاؤ، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے تم کو دوہرا حصہ عنایت کرے گا (کہ تم دونبیوں پر ایمان لائے ہو) اور تم کو ایسا نور عنایت کرے گا تم اس کو لے کر (پل صراط) چلو پھرو گے اور تمہیں بخش دے گا۔ اور اللہ غفور الرحیم ہے۔ تا کہ اہل کتاب کو یہ معلوم ہو جائے (تورات والے جو آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لائے) کہ ان کو (ان مخففہ ہے اس کا اسم ضمیر شان ہے یعنی انہیں) دسترس نہیں ہے اللہ کے فضل پر ذرا بھی (ان کے زعم کے برخلاف کہ وہ اللہ کو محبوب اور پسندیدہ ہیں) اور یہ کہ فضل اللہ کے ہاتھ ہے دے دے (عطا کر دے) وہ جس کو چاہے (چنانچہ اہل کتاب مومنین کو اس نے دوہرا اجر عنایت فرمایا، جیسا کہ بیان ہوا) اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تحقیق و ترکیب .... **وتکاثر فی الاموال**۔ مفسرؒ نے اس شبہ کے دفعیہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مال و اولاد فی نفسہ قابل مذمت نہیں بلکہ ان میں اشتغال اور وہ بھی ایسا کہ دین سے لاپرواہی ہو جائے مذموم ہے۔

کمثل۔ مفسرؒ نے ای ہی سے اشارہ کیا ہے کہ مثل مبتدائے محذوف کی خبر ہے۔

اعجب الکفار ۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ متعارف معنی مراد نہیں بلکہ کافر بمعنی حارث ہے قاموس میں ہے کہ کافر بمعنی زراع ہے۔ ابن مسعودؓ ازہری کی رائے بھی یہی ہے کیونکہ کفر کے معنی چھپانے کے ہیں اور کاشت کار بھی بیج زمین میں چھپا دیتا ہے۔

الیٰ مغفرۃ ۔ اسباب مغفرۃ یعنی استغفار اور اعمال صالحہ مراد ہیں۔

کعرض السماء ۔ بظاہر یہ شبہ ہوسکتا ہے جنت کا عرض بیان کیا گیا ہے۔ مگر طول نہیں بتلایا۔ مفسرؒ نے السعۃ کہہ کر اس کا جواب دے دیا کہ مطلق وسعت مراد ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ عرض کا جب یہ حال ہے تو طول نا قابل بیان ہے۔

فی الارض ۔ یہ موقع خبر میں ہے۔ ای ما اصاب مصیبۃ ثابتۃ فی الارض اور الا فی کتاب موضع حال میں ہے۔ مفسرلؒ نے ویقال سے اشارہ کیا ہے کہ واو سبع معطوف محذوف ہے اور یہ کہ مصیبت سے مطلقاً حوادث مراد ہیں خیر ہوں یا شر۔ البتہ اہمیت کی وجہ سے خاص شر کو بیان فرمایا گیا ہے۔

لکیلا تأسوا ۔ یعنی دنیا کی ناپائیداری کا تصور کر کے مصیبت ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے اور جب اس پر کسی دائمی خیر کا مرتب ہونا معلوم ہو جائے تو رنج اور بھی ہلکا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح خوشی کے ناپائیدار ہونے کے تصور سے اترا ہٹ پیدا نہیں ہوتی۔

الذین یبخلون ۔ مفسرؒ نے ''لہم وعید شدید'' سے خبر محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ومن یتول ۔ اس کی جزاء قالوابال علیہ ''محذوف ہے۔

رسلنا ۔ علامہ زمخشریؒ نے ملائکہ بصیغہ جمع تفسیر کی ہے۔ کیونکہ آگے الکتاب بمعنی کتب ہے اور کتابیں ملائکہ کے ساتھ چونکہ آتی ہیں اس لئے معلوم ہوا کہ رسل سے مراد فرشتے ہیں۔ لیکن جمہور کے نزدیک انبیاء مراد ہیں۔ کیونکہ تمام انبیاء کے پاس وحی لانے والے صرف جبرائیلؑ ہیں۔ اس صورت میں معہم محذوف کے متعلق ہو کر حال ہوگا۔ ای انزلنا الکتاب حال کونہ اٰتلا وصائر الا ن یکون معھم اذا وصل الیھم یا کہا جائے کہ مع بمعنی الی ہے۔

وانزلنا الحدید ۔ یہاں انزلنا اپنے معنی میں ہے یا بمعنی انشاء ہے۔ مفسرؒ نے دوسرے معنی لئے ہیں۔

والمیزان ۔ یہاں بھی میزان کے متعارف معنی ہیں۔ اور میزان کا اتارنا یعنی اس کے اسباب کا اتارنا مراد ہے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ ترازو لے کر جبرئیل حضرت نوحؑ کے پاس آئے اور ان کو وزن رائج کرنے کو کہا۔ دوسرے معنی میزان کے عدل وانصاف ہیں۔ جیسا کہ مفسرؒ نے کہا ہے۔

وانزلنا الحدید ۔ یہاں بھی حقیقۃً اتارنا مراد ہے یا مجازی معنی ہیں۔

ولیعلم اللّٰہ ۔ اللہ کا علم ومشاہدہ مراد نہیں۔ بلکہ مخلوق کا علم ومشاہدہ مطلوب ہے۔ اس لئے اب علم باری کے حادث ہونے کا شبہ نہیں رہتا۔ اور عطف کی تصحیح کے لئے عبارت کی تقدیر اس طرح ہوگی۔ انزل اللّٰہ معھم ھذہ الاشیاء لتعامل الناس بالحق والعدل ولیعلم اللّٰہ من ینصرہ اور بعض اس کا معطوف علیہ محذوف مان کر تقدیر عبارت اس طرح کرتے ہیں۔ انزلنا الحدید لیقاتلوا او یشفعوا اور یہ تقدیر لفظ'' من ینصرہ'' کے مناسب ہے۔ نیز لیعلم کے لام کو محذوف سے متعلق بھی کر سکتے ہیں۔ ای انزلہ اللّٰہ لیعلمہ۔

بالغیب ۔ فاعل یا مفعول سے حال ہے۔

ولقد ارسلنا ۔ پہلے ارسلنا پر عطف ہے۔ مزید اہتمام کے لئے اس جملہ کو دہرایا گیا۔ اور حضرت نوحؑ چونکہ آدم ثانی سمجھے جاتے ہیں۔ اور ابراہیمؑ عرب وروم اور بنی اسرائیل کے جد اعلیٰ ہیں۔ اس لئے دونوں کو ذکر کیا ہے۔

ورھبانیۃ ۔ ما اضمر عاملہ کے طور پر منصوب ہے۔ جیسا کہ اکثر کی رائے ہے اور بعض جعلنا کا مفعول مانتے ہوئے رافۃ پر عطف کرتے ہیں اور

ابتدعوھا اس کی صفت ہے۔ ای جعلنا فی قلوبھم رھبانیة مبتدعة رھبان راہب کی جمع ہے۔ دنیا سے الگ تھلگ ہو جانا۔
الا ابتغاء۔ مفسرؒ نے استثناء منقطع کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قتادہؒ اور ایک جماعت کی یہی رائے ہے اور بعض استثناء متصل کہتے ہیں مفعول لہ ہے۔ ای ما کتبنا ھا علیھم بشئی من الا شئیا الا لا بتغاء مرضات اللہ اور کتب بمعنی قضیٰ ہے یہ مجاہد کی رائے تھی۔
فما رعوھا ۔یعنی ایک تو بدعت کی اور پھر اس کو نبھا بھی نہ سکے۔
کفلین ۔دوہرا ایمان ہونے کی وجہ سے ثواب دوہرا ہوا۔
لئلا یعلم ۔یعنی لام زائد ہے اور اس کا متعلق محذوف ہے۔ جیسے مامنعک الا تسجد میں لام زائد ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ ان تتقوا اللہ وتؤمنوا برسولہ یوتکم کذا وکذا لیعلم اھل الکتاب ان عدم قدرتھم علیٰ شئیٍ من فضل اللہ الخ اور یہ لام حروف زوائد میں سے ہے اور بعض کی رائے ہے لام تینوں، افعال یوتکم اور یجعل لکم اور یغفر لکم کے متعلق ہے بطور تنازع کے۔
ان لایقدرون ۔زمخشریؒ ضمیر شان مفرد اور قاضیؒ جمع مقدر کرتے ہیں لیکن قاضیؒ کی روایت بہتر ہے کہ کیونکہ ضمیر شان یہاں کا مرجع نہیں ہے۔ لیکن مفسرؒ نے ضمیر شان تو مقدر مانی ہے۔ مگر اس کی تفسیر جمع کے ساتھ کی ہے۔ گویا ایک اصطلاح قائم کی ہے کہ ان مخففہ کے بعد مقدر ضمیر شان ہی ہوتی ہے۔ یا یہ کہ ضمیر شان میں عمدہ بات کی رعایت ہونی چاہیے۔ تذکیر و تانیث افراد و جمع کے لحاظ سے۔
نیز والمعنی انھم میں واؤ بمعنی او بھی ہوسکتا ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مفسر ضمیر شان کو بیان نہیں کررہے ہیں۔ بلکہ حاصل معنی بیان کررہے ہیں۔

ربط آیات: ....پچھلی آیات میں آخرت کے ثواب وعذاب کا ذکر تھا۔ آیت اعلموا سے آخرت کی اہمیت و پائیداری اور دنیا جو آخرت میں رکاوٹ بنے اس کی ناپائیداری اور ناقابل التفات ہونا ارشاد فرمایا جارہا ہے۔
آیت ما اصاب من مصیبة سے اول دنیا کی نعمتوں کا پھر دنیا کی مصیبتوں کا بیان ہے جو آخرت کی مشغولیت سے رکاوٹ کا باعث ہوں۔ یعنی جس طرح نعمت کے فنا ہونے کو پیش نظر رکھ کر آخرت میں مخل نہیں ہونے دینا چاہیے۔ اسی طرح مصیبت کے مقدر ہونے کو پیش نظر رکھ کر آخرت کے لئے مانع نہ ہونے دیا جائے اور نعمتوں کا مانع بننا چونکہ اکثر ہے اس لئے اس کے مقدر ہونے کی صورت میں اس کے رکاوٹ نہ بننے کو مکرر فرمادیا۔ نیز چونکہ نعمتوں سے فخر و بخل جیسی بری خصلتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ جو کبھی کبھی اعراض حق تک پہنچ جاتی ہے اس لئے ان برائیوں پر بھی وعید فرمائی جارہی ہے۔
اس کے بعد آیت لقد ارسلنا الخ سے دنیا کے ناقابل التفات اور آخرت کے اہتمام کے لائق ہونے کی تائید کی جارہی ہے۔ یعنی اصل میں آخرت کو درست کرنے کے لئے رسولوں کو بھیجا گیا اور احکام دیئے گئے۔ اور دین کی اعانت کے لئے لوہے کو پیدا کیا۔ اگرچہ تبعاً اس میں دوسرے فوائد بھی رکھ دیئے ہیں، حاصل یہ کہ دنیا بالغرض اور آخرت بالذات مقصود ہے۔
پھر خصوصیت سے محروم نوح وابراہیم علیہما السلام کا ذکر فرمایا ہے جن کی اصطلاحات کو بعض نے قبول کیا اور بعض بدستور محروم رہے۔

روایات: ....وانزلنا الحدید کے ذیل میں تفسیر کبیر میں ابن عمرؓ سے نقل ہے۔ قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ تعالیٰ انزل اربع برکات من السماء الی الارض انزل الحدید والنار و الماء والملح ۔
اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ ثلثة اشیاء نزلت مع ادم السدان والکلبتان والمطرقة۔
رھبانیة ابتدعوھا ۔ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم ہے بنی اسرائیل نے رہبانیت کیسے اختیار کی ہے

میں نے عرض کیا۔ اللہ و رسولہ اعلم آپ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ کے بعد ظالم بادشاہوں کا تسلط ہو گیا اور وہ فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے۔ جس پر اہل ایمان بگڑ گئے اور ان سے آمادہ جنگ ہوئے لیکن تین مرتبہ اہل ایمان کو شکست ہوئی اور وہ بہت کم رہ گئے۔ چنانچہ وہ ادھر ادھر منتشر ہو کر محمد ﷺ کی آمد کے منتظر رہے، جن کی بشارت حضرت عیسیٰ نے دی تھی۔ اس طرح وہ پہاڑوں میں روپوش ہو گئے اور رہبانیت کو اپنا بیٹھے، ان میں بعض عیسائی رہے اور بعض بددین ہو گئے،

پھر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ لئلا یعلم اھل الکتاب یعنی اگر اہل کتاب آنحضرت ﷺ پر ایمان نہ لائے تو وہ دو چند اجر و مغفرت سے محروم رہیں گے جیسا کہ مدارک میں ہے۔

اور بقول قتادہؒ جب غیر مومن اہل کتاب نے مومن اہل کتاب کی اس خصوصی فضیلت پر حسد کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور یہ روایت بھی ہے کہ مومن اہل کتاب نے جب اس فضیلت پر فخر کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾ .... اعلموا الخ انسان کی عمر کے تین دور ہوتے ہیں، بچپن، جوانی، بڑھاپا۔ بچپن میں وہ کھیل کود، تماشہ کا شکار رہتا ہے۔ اور جوانی، بناؤ سنگار، فیشن، عیش و عشرت، نام و نمود، تمناؤں امنگوں کی نذر ہو جاتی ہے۔ پھر بڑھاپا آتا ہے، موت کے دن قریب آتے ہیں تو مال و اولاد کی فکر سوار ہو جاتی ہے کہ میرے پیچھے گھر بار بنا رہے اور اولاد کسی کی محتاج و دست نگر نہ رہے۔

حالانکہ یہ سب ٹھاٹھ باٹھ، ساز و سامان مٹنے والے ہیں۔ چار دن کی چاندنی پھر اندھیرا ہی اندھیرا ہے، کھیتی کو دیکھو کہ چند روزہ رونق اور بہار ہوتی ہے۔ پھر زرد پڑ جاتی ہے اور پھر پاؤں تلے روند کر چورا چورا ہو جاتی ہے پہلی شادابی اور ہریالی کا نام و نشان تک نہیں رہتا۔

دنیا کی زندگانی چار دن کی چاندنی: .... دنیا کی زندگانی اور اس کے ساز و سامان کا بھی کچھ یہی حال سمجھو کہ وہ ایک دغا کی پونجی اور دھوکہ کی ٹٹی ہے۔ اس کی عارضی بہار سے انسان فریب کھا کر اپنا انجام تباہ کر لیتا ہے۔ حالانکہ یہ سب چیزیں مرنے کے بعد کام نہیں آئیں گی۔ وہاں تو ایمان اور نیک عمل کی پوچھ گچھ ہوگی، جو شخص انہیں دنیا سے لے گیا سمجھو کہ بیڑا پار ہے۔ آخرت کی نعمتوں کے علاوہ مالک کی خوشنودی اور رضا مندی حاصل ہوگی، لیکن جو ایمان و عمل سے محروم رہا اور کفر و نافرمانی کا بوجھ لے کر پہنچا اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ البتہ جس نے ایمان کے ساتھ کچھ عملی کوتاہیاں بھی شامل کر لیں، اس کے لئے جلد یا بدیر دھکے مکے کھا کر معافی ہے۔ وہ دنیا کا خلاصہ تھا اور یہ آخرت کا ہوا، غرض دنیا کے سامان عیش و طرب میں پڑ کر آدمی کو آخرت سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

سابقوا الخ دراصل ایمان و عمل حصول جنت کے اسباب ہیں۔ لیکن حقیقت میں جنت ملتی ہے۔ اللہ کے فضل و رحمت سے۔ اس کا فضل نہ ہو تو جنت تو بجائے خود جہنم سے چھوٹنا بھی مشکل ہے۔ کسی اہل دل نے سچ کہا ہے "وہ فضل کرے تو چھٹیاں، عدل کرے تو لٹیاں"۔ اس لئے اعمال پر کسی کو غرہ اور ناز نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ نے اپنی رحمت سے مشیت کا تعلق عمل سے کر دیا۔ اللہ اگر چاہتا تو یہ تعلق نہ کرتا۔ لان القدرۃ تتعلق بالضدین۔

ما اصاب الخ مصیبتیں داخلی ہوں یا خارجی سب مقدر ہیں۔ بیماریاں وغیرہ جو انسان کو پیش آتی ہیں یا قحط زلزلہ، ژالہ باری وغیرہ آفتیں جو ملک میں رونما ہوتی ہیں۔ وہ سب اللہ کے علم قدیم سے طے شدہ ہیں اور لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں۔ ایک ذرہ بھر کم و بیش یا پس و پیش نہیں ہو سکتا۔ اللہ کا علم چونکہ ذاتی ہے کچھ محنت سے حاصل کرنا نہیں پڑا۔ اس لئے اس میں کسی دشواری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اپنے علم محیط کے مطابق واقعات سے پہلے لوح محفوظ میں کر دینا اس کے لئے کیا مشکل ہے۔

مایوسی اور ناز دونوں بے جا ہیں: .... لکیلا تاسوا۔ یعنی تمہیں اس سے اس لئے آگاہ کر دیا کہ تم سمجھ جاؤ کہ جو بھلائی مقدر رہے

وہ ضرور پہنچ کر رہے گی اور جو مقدر نہیں وہ کبھی ہاتھ نہیں آ سکتی، اللہ کے علم کے مطابق جو ٹھہر چکا ہے وہی ہو کر رہے گا، لہٰذا جو فائدہ کی چیز ہاتھ نہ لگے اس پر غمگین اور مضطرب نہیں ہونا چاہیے۔ اور جو قسمت سے ہاتھ لگ جائے اس پر اترانا اکڑنا نہیں چاہیے بلکہ مصیبت و ناکامی کے وقت صبر وتسلیم سے کام لو اور راحت وکامیابی کے وقت شکر وتحمید کو شعار بناؤ۔ البتہ مصیبت پر طبعی رنج وحزن کا اور نعمت پر طبعی مسرت کا مضائقہ نہیں۔

غرضیکہ مصائب وتکالیف، اسی طرح عیش وعشرت میں گھر کے حد اعتدال سے نہ بڑھے۔ خصوصاً مال ودولت کے نشہ میں بالکل بد مست نہ ہو جائے۔ کیونکہ اکثر مالداروں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ برائی اور شیخی تو بہت ماریں گے مگر خرچ کرنے کے نام پر پیسہ جیب سے نہ نکلے کسی اچھے کام میں خود دینے کی توفیق نہ ہوگی اور اپنے قول وفعل سے دوسروں کو بھی یہی سبق پڑھائیں گے۔

البتہ موقع پر خرچ کرڈالنا ان باہمت اور باتوکل لوگوں کا کام ہے جو پیسہ سے محبت نہیں کرتے اور جانتے ہیں کہ نرمی سختی سب اسی مالک کی طرف سے ہے۔

ظاہر ہے کہ کسی کے خرچ کرنے نہ کرنے سے اللہ کا کیا فائدہ یا نقصان؟ وہ تو بے نیاز اور بے پرواہ ذات ہے۔ ساری خوبیاں اسی کی ذات میں جمع ہیں۔ کسی فعل سے نہ اس میں کسی خوبی کا اضافہ ہوتا ہے اور نہ کمی۔ جو کچھ نفع نقصان ہے وہ خود تمہارا ہے خرچ کرو گے تو فائدہ اٹھاؤ گے، نہیں کرو گے تو پچھتاؤ گے۔

کتاب کے ساتھ اللہ نے ترازو اور لوہا ہی اتارا:..........**لقد ارسلنا** ۔یعنی اللہ نے کتاب اس لئے اتاری کہ لوگ عقائد، اخلاق، اعمال میں سیدھے انصاف کی راہ چلیں۔ افراط تفریط کے راستہ پر قدم نہ ڈالیں اور ترازو اس لئے پیدا کی۔ کہ خرید وفروخت، لین دین اور حقوق ومعاملات میں انصاف کا پلہ کسی کی طرف اٹھا یا جھکا نہ رہے اور ممکن ہے ترازو سے مراد شریعت ہو جو تمام اخلاق قلبیہ اور قالبیہ کے حسن وقبح کو ٹھیک جانچ تول کر بتلا دیتی ہے۔

وانزلنا الحدید ۔لوہے کو اللہ نے اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ زمین کی کانیں رکھ دیں۔ آج اسٹیل اور لوہا دنیا کی طاقت اور ترقی کا سرچشمہ ہے۔ مصنوعات سے لے کر سامان حرب تک سب کچھ اس سے تیار ہوتا ہے۔ جو لوگ آسمانی کتابوں سے درست نہ ہوں اور انصاف کی ترازو کو دنیا میں سیدھا نہ رکھیں، ایسے ظالم، کجرو، سرکشوں کو راہ راست پر لانے کے لئے اور خالص دینی جہاد کی مہم سر کرنے کے لئے لوہے کی تلواروں سے کام لینا پڑے گا۔

اس وقت یہ واضح ہو جائے گا کہ کون اللہ کے وفادار بندے ہیں جو ان دیکھے خدا اور آخرت کے غائبانہ اجر وثواب پر یقین کر کے اس کے دین اور رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔ اور یہ جہاد کی تعلیم وترغیب اس لئے نہیں کہ اللہ کچھ تمہاری مدد کا محتاج ہے۔ اس زبردست طاقتور ذات کو ایک کمزور مخلوق کی کیا حاجت ہو سکتی ہے البتہ اس میں تمہاری وفاداری کا امتحان کرنا ہے تا کہ پورا اترنے پر اعلیٰ مقامات سے ہم کنار ہوں۔

اسلام نری رہبانیت سے روکتا ہے:..........**ثم قفینا علیٰ اثارھم** ۔پچھلے پیغمبر اگلے پیغمبروں کے نقش قدم پر چلے، کیونکہ اصولی حیثیت سے سب کی تعلیم ایک تھی، پھر آخر میں انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم حضرت عیسیٰ کو انجیل مقدس دے کر بھیجا گیا ان کے حواری اور صحابی کو واقعی ان کے طریقہ پر چلتے رہے۔ ان کے دلوں میں اللہ نے نرمی رکھی تھی۔ وہ لوگوں کے ساتھ محبت وشفقت کا برتاؤ کرتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے رہے۔ مگر آگے چل کر بے دین بادشاہوں سے تنگ کر ادھر دنیا کے مخمصوں سے گھبرا کر رہبانیت کی راہ لی۔ اور شہروں کے چھوڑ کر جنگلوں پہاڑوں کی سکونت اختیار کر لی۔ حالانکہ اللہ نے ان کو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ مگر ان کی نیت بخیر تھی۔ تاہم اس خود ساختہ طریقہ کو نبھا نہ سکے۔

بلاشبہ تارک الدنیا ہونا مستحسن ہے۔ مگر متروک الدنیا بن جانا کوئی نیکی نہیں ہے۔ اختیاری فقر یقیناً اہل عزیمت کا شیوہ رہا ہے۔ مگر فقر اضطراری تباہی و ہلاکت کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ اللہ کا حکم کبھی نہیں رہا کہ اس طرح دنیا کو چھوڑ کر بیٹھ رہیں اور حقوق ترک کر کے مصروف عبادت ہو جائیں۔ تاہم عیسائی راہبوں نے جب ترک دنیا کا نام اپنے اوپر رکھا پھر اس پردہ میں دنیا کمانا بڑا کمال ہے؛۔ یہ رہبانیت بدعت لغوی تھی بدعت شرعیہ نہیں تھی۔ چونکہ کسی شریعت کے اہل حق بھی اہل بدعت نہیں ہوتے۔ چنانچہ آیت میں اس بدعت پر نہیں۔ بلکہ اس کی رعایت نہ کرنے پر ملامت ہو رہی ہے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ بدعت شرعیہ نہیں تھی اور ایسی رہبانیت سے شریعت اسلامیہ میں بھی ممانعت نہیں ہے۔

چنانچہ آیت لاتحرموا طیبات ساتویں پارہ کی تفسیر میں دونوں قسم کی رہبانیت کا ذکر گزر چکا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حلال چیزوں کو قربت کے اعتقاد سے چھوڑ دینا بدعت و رہبانیت ممنوعہ ہے اور بغیر اس اعتقاد کے کسی مصلحت کے پیش نظر جائز ہے۔

بدعات و رسوم میں فرق ہے:.......... اسلام نے فطری اعتدال سے ہٹ کر رہبانیت کی اجازت نہیں دی۔ تاہم اس جذبہ رہبانیت کو پورا کرنے کے لئے جہاد فی سبیل اللہ رکھا ہے۔ ایک مجاہد سب حظوظ ولذات سے واقعی الگ ہو کر اللہ کے راستہ میں نکل کھڑا ہوتا ہے۔

بدعت ایسے کام کو کہتے ہیں جس کی اصل کتاب وسنت اور صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے دور میں نہ ہو اور اس کو دین و ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔ اہل حق اور اہل اللہ میں سے اگر کسی سے ایسا کوئی فعل سرزد ہو جائے تو سابقہ تفصیل کی روشنی میں خود ان سے بدگمان نہیں ہونا چاہیے۔ ممکن ہے وہ صورۃً رہبانیت ہو حقیقۃً نہ ہو۔ بدعت کا تعلق چونکہ فساد اعتقاد سے ہے۔ اس لئے بہت بچنا چاہئے برخلاف رسوم کے ان کا تعلق فساد عمل سے ہے اس لئے ان سے بھی احتراز ہونا چاہیے۔ البتہ رسوم کا معاملہ بدعات سے کم ہے۔

اکثر مطلق رہبانیت ناجائز صورت پر بولی جاتی ہے اور بعض روایات سے مطلق رہبانیت کی ممانعت اسی اصطلاح کے مطابق ہوتی ہے۔ البتہ بعض روایات میں خاص اسلام سے جو رہبانیت کی نفی معلوم ہو رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پہلی شریعتوں میں وہ جائز تھی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ پچھلے مذہبی لوگوں میں وہ زیادہ پائی جاتی تھی، مسلمانوں میں ان کے متمدن مذہب کی وجہ سے کم ہو گئی۔

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ عیسائیوں کی دو قسمیں ہیں۔ متبع یعنی مومن اور غیر متبع۔ پھر متبعین کی دو قسمیں ہوئیں، راہب اور غیر راہب، پھر راہب بھی دو طرح کے ہو گئے، راہب مرائی، راہب غیر مرائی۔ اس آیت میں متبعین کا اور ان میں سے مترہبین کا اور ان میں سے مرائین کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور دوسری قسم کا حکم ان کے احکام کی علتوں سے معلوم ہو سکتا ہے چنانچہ غیر متبعین کا کافر ہونا اور اسی طرح غیر مرائین کا کافر ہونا خواہ وہ راہب ہوں یا غیر راہب۔ اسی طرح مرائین کا گو وہ راہب نہ ہوں مومن ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اہل کتاب ایمان لائیں تو دوہرا ثواب:.......... یا ایھا الذین اٰمنوا۔ یعنی پیغمبر آخر الزمان کی پیروی کر کے نعمتوں کے مستحق بنو۔ پچھلی خطاؤں کی معافی اور ہر ہر عمل پر دوہرا ثواب لو۔ یہ ایسی روشنی ہے کہ جس سے تمہارا وجود منور ہو جائے گا اور آخرت میں بھی نور تمہارے آگے اور داہنی طرف چلے گا۔ روایات میں جن تین آدمیوں کو دوہرے ثواب کی بشارت دی گئی ہے ان میں مسلمان ہونے والے اہل کتاب بھی ہیں۔ اہل کتاب اگر آنحضرت ﷺ کی خبر سن کر اول انکار کر دے پھر ایمان لے آئے تو چونکہ انکار کی وجہ سے کافر ہو گیا۔ اس لئے اس کے اور اعمال مستحق ثواب نہیں رہے۔ پھر اس کو دوہرے اجر کا مستحق کیسے کہا جائے؟

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ کافر پھر جب مسلمان ہو جاتا ہے تو اس کی کالعدم نیکیوں پر پھر بدستور ثواب مرتب ہو جاتا ہے وہ اکہرا ہو یا دوہرا۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ اہل کتاب چونکہ پہلے انبیاء کے ساتھ آنحضرت ﷺ پر بھی ایمان لاتا ہے اس لئے دوہرے اجر کا مستحق ہو جاتا ہے۔

لیکن دوسرے مشرک وکافر بھی جب مسلمان ہوتے ہیں تو آنحضرت ﷺ اور دوسرے تمام انبیاء پر ایمان لاتے ہیں۔ پھر دونوں میں کیا فرق رہا۔ کتابی کی طرح غیر کتابی کو بھی مسلمان ہو۔ نے پر دوہرا اجر ملنا چاہیے۔

جواب یہ ہے کہ بلا شبہ مسلمان ہوجانے کے بعد تو ان دونوں میں فرق نہیں رہتا۔ مگر اسلام لانے سے پہلے کتابی کسی نبی پر ایمان رکھتا تھا اور غیر کتابی اس سے محروم تھا۔ اس لئے دونوں میں فرق کیا گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بلحاظ کیفیت غیر کتابی ثواب میں کتابی سے بڑھ جائے اور چونکہ اس کتابی کے مسلمان ہونے کے بعد پہلے ایمان کا بھی اعتبار ہوگیا۔ اس لئے اس کو یاایھا الذین امنوا سے خطاب کیا گیا۔ ورنہ اسلام نہ لانے کی صورت میں پہلا ایمان بھی کالعدم ہوجاتا ہے۔

چنانچہ لئلا یعلم اھل الکتاب میں ایسے لوگوں کو صرف کتابی کہا گیا ہے مومن نہیں کہا گیا، یعنی ایسے اہل کتاب پچھلے پیغمبروں کے احوال سن کر پچھتاتے ہیں کہ افسوس ہم ان سے دور پڑ گئے۔ ہمیں نبیوں کی صحبت اور اس کی برکات سے محرومی ہوگئی۔ ان سے کہا جارہا ہے کہ اللہ نے تمہیں تو ایسا رسول دیا ہے کہ اس کی صحبت میں پہلے سے دوگنا کمال حاصل ہوسکتا ہے، بزرگی مل سکتی ہے۔ اللہ کا فضل بند نہیں ہوگیا، لیکن سلف سے اس کی تفسیر پر منقول ہے کہ وہ اہل کتاب جو ایمان نہیں لائے وہ اللہ کے فضل پر دسترس نہیں رکھتے۔ یہ فضل صرف اللہ کے ہاتھ ہے جس پر وہ چاہے کردے۔

مثلاً جو کتابی آپ پر ایمان لے آئے ان پر یہ فضل کردیا کہ انہیں دوہرا ثواب ملتا ہے اور خطائیں معاف ہوتی ہیں۔ آخرت میں روشنی عطا ہوتی ہے اور جو ایمان نہیں لاتے وہ ان انعامات سے بھی محروم ہیں۔

لطائف سلوک: ....اعلموا۔ اس میں دنیا سے زہد و بے رغبتی صراحۃ مذکور ہے۔

لکیلا تاسوا۔ اس میں تقدیر کو یاد کرنے سے حزن کا علاج ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ کہ تقدیری فیصلہ ہماری مصلحت یقینی ہے۔ اگرچہ وہ تفصیلات ہمیں معلوم نہ ہوں۔

روح المعانی میں ہے **والمراد نفی الحزن المخرج الیٰ ما یذھل صاحبه عن الصبر والتسلیم لا مر اللہ و رجاء ثواب الصابرین ونفی الفرح المطغی الملھی عن الشکر واما الحزن الذی لایکاد الانسان یخلوا منه مع الاستسلام والسرور بنعمة اللہ والاعتداد بھا مع الشکر فلا باس بھما . عن ابن عباس انه قال یخلوا منه مع الاستسلام والسرور بنعمة اللہ والاعتداد بھا مع الشکر فلا باس بھما . عن ابن عباس انه قال فی الایة لیس احد الا وھو یحزن ویفرح ولکن من اصابته مصیبة جعلھا صبرا ومن اصابه خیر جعله شکرا۔**

ورھبانیة: جس رہبانیت کو اہل کتاب نے رضائے الٰہی کے لئے اختیار کیا تھا۔ اس پر ان کی مذمت نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کی رعایت نہ کرنے پر مذمت فرمائی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی اوراد ونوافل کا پابند اور عادی ہوجائے تو اس کو چھوڑ نا پسندیدہ نہیں ہے اور اس میں تمام اعمال و احوال محمودہ کی رعایت آ گئی۔ ان میں خلل ڈالنا نہیں چاہیے۔

الحمدللہ کہ پارہ قال فما خطبکم کی تفسیر مکمل ہوئی۔

پارہ نمبر ۲۸

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ

فہرست پارہ ﴿قد سمع اللّٰہ﴾

سُــوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ

سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ ثِنْتَانِ وَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم ﴿﴾

قَدْسَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ تُرَاجِعُكَ اَيُّهَا النَّبِیُّ **فِیْ زَوْجِهَا** الْمُظَاهِرُ مِنْهَا وَكَانَ قَالَ لَهَا اَنْتِ عَلَیَّ كَظَهْرِ اُمِّیْ وَقَدْ سَاَلَتِ النَّبِیَّ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ فَاَجَابَهَا بِاَنَّهَا حَرُمَتْ عَلَيْهِ عَلٰی مَا هُوَ الْمَعْهُوْدُ عِنْدَهُمْ مِنْ اَنَّ الظِّهَارَ مُوْجِبُ فُرْقَةٍ مُّوَبَّدَةٍ وَهِیَ خَوْلَةُ بِنْتُ ثَعْلَبَةَ وَهُوَ اَوْسُ بْنُ الصَّامِتِ **وَتَشْتَكِیْ اِلَی اللّٰهِ** وَحْدَتَهَا وَفَاقَتَهَا وَصَبِيَّةً صِغَارًا اِنْ ضَمَّتَهُمْ اِلَيْهِ ضَاعُوْا اَوْاِلَيْهَا جَاعُوْا **وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَ كُمَا** تَرَاجَعُكُمَا **اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَّصِيْرٌ** ﴿۱﴾ عَالِمٌ **اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ** اَصْلُهُ يَتَظَهَّرُوْنَ اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِی الظَّاءِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِاَلِفٍ بَيْنَ الظَّاءِ وَالْهَاءِ الْخَفِيْفَةِ وَفِیْ اُخْرٰی كَيُقَاتِلُوْنَ وَالْمَوْضَعُ الثَّانِیْ كَذٰلِكَ **مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ** بِهَمْزَةٍ وَّيَاءٍ وَّبِلَا يَاءٍ **وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ** بِالظِّهَارِ **لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا** كِذْبًا **وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ** ﴿۲﴾ لِلْمُظَاهِرِ بِالْكَفَّارَةِ **وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا** اَیْ فِيْهِ بِاَنْ يُّخَالِفُوْهُ بِاِمْسَاكِ الْمُظَاهِرِ مِنْهَا الَّذِیْ هُوَ خِلَافُ مَقْصُوْدِ الظِّهَارِ مِنْ وَصْفِ الْمَرْاَةِ بِالتَّحْرِيْمِ **فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ** اَیْ اِعْتَاقُهَا عَلَيْهِ **مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا** بِالْوَطْیِ **ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ** ﴿۳﴾ **فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ** رَقَبَةً **فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ** اَیِ الصِّيَامَ **فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا** عَلَيْهِ اَیْ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا حَمْلًا لِلْمُطْلَقِ عَلَی الْمُقَيَّدِ لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ مُدٌّ مِنْ غَالِبِ قُوْتِ الْبَلَدِ **ذٰلِكَ** اَیِ التَّخْفِيْفُ فِی الْكَفَّارَةِ **لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتِلْكَ** اَیِ الْاَحْكَامُ الْمَذْكُوْرَةُ **حُدُوْدُ اللّٰهِ وَلِلْكٰفِرِيْنَ** بِهَا **عَذَابٌ اَلِيْمٌ** ﴿۴﴾ مُؤْلِمٌ **اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ** يُخَالِفُوْنَ **اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا** اُذِلُّوْا **كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** فِیْ مُخَالَفَتِهِمْ رُسُلَهُمْ **وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ** دَالَّةٍ عَلٰی صِدْقِ الرَّسُوْلِ

وَلِلْكٰفِرِيْنَ بالآياتِ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵﴾ ذَا وَهَانَةٍ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۗ اَحْصٰهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۶﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ بِعِلْمِهٖ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَهُمُ اليَهُوْدُ نَهَاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ عَمَّا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ مِنْ تَنَاجِيهِمْ اَيْ تَحَدُّثِهِمْ سِرًّا نَاظِرِيْنَ اِلَى الْمُؤْمِنِيْنَ لِيُوْقِعُوْا فِي قُلُوْبِهِمُ الرِّيْبَةَ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ وَهُمْ قَوْلُهُمْ اَلسَّامُ عَلَيْكَ اَيِ الْمَوْتُ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا هَلَّا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۗ مِنَ التَّحِيَّةِ وَاَنَّهُ لَيْسَ بِنَبِيٍّ اِنْ كَانَ نَبِيًّا حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۸﴾ هِيَ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹﴾ اِنَّمَا النَّجْوٰى بِالْاِثْمِ وَنَحْوِهٖ مِنَ الشَّيْطٰنِ بِغُرُوْرِهٖ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ هُوَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ اَيْ اِرَادَتِهٖ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا تَوَسَّعُوْا فِي الْمَجٰلِسِ النَّبِيِّ ﷺ اَوِ الذِّكْرِ حَتّٰى يَجْلِسَ مَنْ جَائَكُمْ وَفِي قِرَاءَةٍ الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ فِي الْجَنَّةِ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا قُوْمُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ وَغَيْرِهَا مِنَ الْخَيْرَاتِ فَانْشُزُوْا وَفِي قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الشِّيْنِ فِيْهِمَا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ بِالطَّاعَةِ فِي ذٰلِكَ وَ يَرْفَعُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۗ فِي الْجَنَّةِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ اَرَدْتُمْ مُنَاجَاتَهُ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ قَبْلَهَا صَدَقَةً ۗ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۗ لِذُنُوْبِكُمْ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَا تَتَصَدَّقُوْنَ بِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لِمُنَاجَاتِكُمْ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ بِكُمْ يَعْنِي فَلَا عَلَيْكُمْ فِي الْمُنَاجَاةِ مِنْ غَيْرِ صَدَقَةٍ ثُمَّ نُسِخَ ذٰلِكَ بِقَوْلِهٖ ءَ اَشْفَقْتُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الثَّانِيَةِ اَلِفًا وَّ تَسْهِيْلِهَا وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَ الْمُسَهَّلَةِ وَالْاُخْرٰى وَ تَرْكِهٖ اَيْ اَخِفْتُمْ مِنْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۗ لِلْفَقْرِ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا الصَّدَقَةَ وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ رَجَعَ بِكُمْ عَنْهَا فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اَيْ دُوْمُوْا عَلٰى ذٰلِكَ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ...... سورۂ مجادلہ مدنیہ ہے جس میں ۲۲ آیتیں ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیمo

اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے جھگڑ رہی تھی (اے پیغمبر! آپ سے بار بار عرض کر رہی تھی) اپنے شوہر کے معاملے میں (جس نے اس ظہار کرتے ہوئے انت علی کظهر امی کہہ دیا۔ اس پر عورت نے جب رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے خاوند پر حرام ہوگئی ہے۔ جیسا کہ پہلے سے ان کا یہی دستور چلا آ رہا تھا کہ ظہار سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔ عورت خولہ بنت ثعلبہ تھی اور شوہر اوس بن صامت) اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کر رہی تھی (اپنی تنہائی اور فاقہ اور کمسن بچوں کی کہ اگر شوہر کے پاس رہے تو ضائع ہو جائیں گے اور اس کے پاس رہے تو بھوکے مر جائیں گے) اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو (بار بار کی بات چیت) سن رہا تھا اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا (جاننے والا) ہے۔ جو لوگ ظہار کرتے ہیں (یظھرون، اصل میں یتظھرون تھا۔ تا کو ادغام کر دیا گیا۔ اور ایک قراءت میں ظا اور ھا اور خفیفہ کے درمیان الف کے ساتھ ہے اور دوسری قراءت یقاتلون کے وزن پر ہے اور دوسری جگہ بھی یہی تفصیل ہے) تم میں سے اپنی بیویوں سے وہ ان کی مائیں نہیں ہیں۔ ان کی مائیں تو بس وہی ہیں۔ (اللائی ہمزہ اور یا کے ساتھ اور بغیر یا کے ہے) جنہوں نے ان کو جنا ہے اور وہ لوگ (ظہار کے ذریعہ) بلاشبہ ایک نامعقول اور جھوٹ (غلط) بات کہتے ہیں۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کر دینے والے بخش دینے والے ہیں (ظہار کرنے والے کو کفارہ کے ذریعہ) اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں۔ پھر اپنی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں۔ ظہار کے خلاف کرنا چاہتے ہیں اس طرح ظہار کی ہوئی بیوی کو روک کر، جو ظہار کے مقصد کے خلاف ہے۔ یعنی بیوی کا حرام ہو جانا) تو ان کے ذمہ ایک غلام یا باندی کا آزاد کرنا ہے (یعنی غلام آزاد کرنا خاوند کے ذمہ ہے) اس سے پہلے کہ دونوں باہم (جماع کر کے) اختلاط کریں۔ اس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کی پوری خبر ہے۔ پھر جس کو (غلام یا باندی) میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ پے در پے دو مہینہ کے روزے ہیں اس سے پہلے کہ باہم اختلاط کریں پھر جس سے یہ (روزے) بھی نہ ہو سکیں تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کھانا کھلانا ہے (یعنی جماع سے پہلے، مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے۔ ہر مسکین کو شہر کی زیادہ رائج غذا ایک مد دے کر) یہ (کفارہ میں سہولت) اس لئے ہے کہ اللہ و رسول پر تم ایمان لے آؤ اور یہ (مذکورہ احکام) اللہ کی حدیں ہیں اور کافروں کے لئے دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہوگا۔ جو لوگ اللہ و رسول کی مخالفت (خلاف ورزی) کرتے ہیں وہ ایسے ذلیل (رسوا) ہوں گے جیسے ان سے پہلے (پیغمبروں) کی مخالفت کر کے ذلیل ہوئے ہیں۔ اور ہم نے کھلے کھلے احکام نازل کئے ہیں۔ (پیغمبر کے سچے ہونے) پر اور (احکام کے) انکار کرنے والوں کو ذلت (ورسوائی) کا عذاب ہوگا۔ جس روز ان سب کو اللہ تعالیٰ دوبارہ جلائے گا۔ پھر ان کا سب کیا ہوا ان کو جتلا دے گا جو اللہ نے محفوظ کر رکھا ہے اور یہ لوگ اس کو بھول گئے ہیں اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے۔ کیا آپ نے اس پر نظر نہیں فرمائی (آپ کو معلوم نہیں) کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو۔ اور نہ پانچ کی ہوتی ہے، جس میں چھٹا وہ نہ ہو اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ۔ مگر وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ لوگ کہیں بھی ہوں۔ پھر ان کو قیامت کے روز ان کے کئے ہوئے کام بتلا دے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی پوری خبر ہے۔ کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی۔ جن کو سرگوشی سے منع کیا گیا ہے پھر وہی کام کرتے ہیں جس سے ان کو منع کر دیا گیا تھا۔ اور گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں۔ یعنی یہود جنہیں آنحضرت ﷺ نے ان سرگوشیوں سے منع کر دیا تھا یہ یہود آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے۔ مسلمانوں کو دکھلا کرتا کہ مسلمان وساوس میں گھرے رہیں) اور جب آپ کے پاس (اے پیغمبر) یہ لوگ آتے ہیں تو ایسے لفظ سے سلام کرتے ہیں۔ جس سے آپ کو اللہ نے سلام نہیں فرمایا (یعنی کہتے ہیں السام علیک بمعنی موت) اور اپنے جی میں کہتے اللہ نے ہمارے اس کہنے پر کیوں سزا نہیں دی (اس طرح سلام کرنے پر، اگر یہ نبی ہوتے۔ معلوم ہوا کہ یہ نبی نہیں ہیں) ان کے جہنم کافی ہے۔ یہ لوگ اس میں داخل ہوں گے سو وہ برا ٹھکانہ ہے۔ اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں مت کرو اور نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشیاں کرو اور اللہ سے ڈرو۔ جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے ایسی (گناہ وغیرہ کی) سرگوشیاں محض شیطان (کے فریب) کی وجہ سے ہیں تا کہ مسلمانوں کے دل میں رنج نہ ڈالے۔ حالانکہ وہ بدوں اللہ کے ارادے کے ان کو کچھ

ضرر نہیں پہنچا سکتا اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔ اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کھول دو(وسیع کردو)۔ آنحضرت ﷺ کی مجلس یا مجلس ذکر مراد ہے تاکہ آنے والے کے لئے گنجائش ہو جائے۔ ایک قراءت میں مجالس میں آیا ہے)تو تم جگہ کھول دیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں (جنت میں) کھلی جگہ دے گا۔ اور جب یہ کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو(نماز وغیرہ اچھے کاموں کے لئے کھڑے ہو جاؤ) تو اٹھ کھڑے ہوا کرو (ایک قراءت میں دونوں جگہ ضمہ شین کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ (جنت میں) درجے بلند کرے گا۔ تم میں ایمان والوں کے جو اس حکم کو ماننے والے ہیں)اور(بلند کرے گا)ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو سب اعمال کی پوری خبر ہے۔ اے ایمان والو جب تم رسول سے سرگوشی کیا کرو(اس کا ارادہ ہو) تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات کر دیا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے(گناہوں سے) پھر اگر تمہیں (خیرات کی) سہولت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ (تمہاری سرگوشی کو) معاف کرنے والا۔ تم پر رحم کرنے والا ہے(یعنی بغیر خیرات سرگوشی کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ پھر یہ حکم اگلی آیت سے منسوخ ہو گیا) کیا تم ڈر گئے (دونوں ہمزاؤں کی تحقیق اور دوسری ہمزہ کو الف سے بدل کر اور دوسری ہمزہ کے الف کے ساتھ اور بغیر الف کے تسہیل یہ ہے کہ یعنی گھبرا گئے) سرگوشی سے پہلے خیرات کرنے سے (غربت کی وجہ سے) سو جب تم (خیرات) نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی (یہ قانون واپس لے کر) تو تم نماز کے پابند رہو۔ اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور اللہ و رسول کا کہنا مانا کرو(یعنی ان احکام کی پابندی رکھا کرو) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

تحقیق وترکیب:......... **قد سمع اللہ بمعنی اجاب تجادلک** مجادلہ کے معنی یہاں مجازاً مکالمہ کے ہیں یعنی بار بار کلام کرنا۔

الذین یظاھرون یقاتلون کے وزن پر عاصمؒ، ابوالعالیہؒ، حسینؒ کی قراءت ہے۔

من نساء ھم۔ اس سے مراد بیوی ہے۔ چنانچہ بقول صاحب ہدایہ باندی سے ظہار نہیں ہوتا۔ نیز نساء کی اضافت ضمیر کی طرف ہے یعنی اپنی بیوی چنانچہ کسی عورت سے اگر اس کی اجازت کے بغیر کسی نے نکاح کر لیا اور پھر اس بیوی سے ظہار کیا۔ ظہار کے بعد اس منکوحہ نے نکاح کی اجازت دی تو اس صورت میں ظہار نہیں ہوگا کیونکہ اجازت دینے سے پہلے یہ اس کی بیوی نہیں ہوئی تھی اس لئے ظہار بھی نہیں ہوگا۔

ما ھن امھٰتھم ۔ یعنی بیوی حقیقۃً ماں نہیں ہوتی۔ اس لئے حقیقی ماں سے حرام ہونے میں تشبیہ بھی دینی چاہیے الا یہ کہ شرعاً اجازت ہے جیسے رضاعی ماں کہنا یا امہات المومنین ازواج مطہرات کو کہنا۔

منکرًا من القول ۔ یعنی شرعاً نامعقول بات ہے۔

زورًا۔ ناحق بات ہے اور یہ اس لئے کہ تشبیہ سے مقصود اگر چہ طلاق ہے اور ناجائز و ناروا نہیں ہوتی لیکن منکوحہ کو ایک ایسی عورت سے تشبیہ دینا جو ہمیشہ کے لئے حرام ہو بری بات سمجھی گئی اور جاہلیت کی یادگار ہے۔ اصول فقہ کی کتابوں میں اس موقعہ پر یہ اشکال نقل کیا گیا ہے کہ شوافع کے اصول پر، حرام چیز کسی مشروع چیز کا سبب نہیں ہونی چاہیے۔ حالانکہ ظہار کا منکر ہونا نص سے ثابت ہو رہا ہے۔ پھر یہ کفارہ جیسے شرعی حکم کا سبب بنا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہماری گفتگو اس صورت میں ہے جب کہ سبب مشروع ہو اور حکم بھی مطلوب ہو اور پھر سبب کی ممانعت کی جائے تو اس صورت میں حکم مشروع ہوگا یا نہیں مثلاً خرید و فروخت شرعاً جائز ہے اور اس سے ملکیت مطلوب ہوتی ہے پس فاسد خرید و فروخت کی وجہ سے آیا۔ ملکیت ثابت ہوگی یا نہیں لیکن کفارہ میں یہ صورت نہیں ہے کیونکہ وہ مطلوب نہیں ہے بلکہ ظہار پر سرزنش کرتے ہوئے مشروع ہوا ہے اس لئے اس کا سبب ہی ممنوع ہونا چاہیے جیسے قصاص کہ وہ قتل کی سزا ہے۔ اسی لئے قصاص کا سبب یعنی ابتدائی قتل حرام ہے۔

والذین یظاھرون۔ ظہار کی حقیقت یہ ہے کہ بیوی کو ماں کے اس کے کسی ایسے جزء کے ساتھ تشبیہ دینا جس کو بول کر ذات مراد لی جاتی ہے جیسے کہا جائے۔ **انت علی کامی یا کظھر امی** اور نیت حرام ہونے کی کی جائے تو بالاجماع ظہار ہو جائے گا۔ لیکن امام اعظمؒ اور امام

مالک نے ماں کے علاوہ دوسرے محرمات کو بھی ماں پر قیاس کیا ہے جیسے بہن، خالہ، پھوپھی وغیرہ اسی طرح رضاعی محرمات بھی اس میں داخل ہیں ۔امام شافعیؒ بھی ایک قول میں ہمارے شریک ہیں اور ایک دوسرے قول کے مطابق صرف ماں کے ساتھ ظہار خاص ہے۔ظہار کا حکم یہ ہے کہ بیوی کفارہ ادا کرنے تک حرام رہے گی۔اور اس کی حرمت چونکہ نص سے ثابت ہے اس لئے اس کو حلال سمجھنے والا کافر ہو جائے گا۔

ظہار کے الفاظ بول کر کوئی طلاق کی نیت کرے تو طلاق بائنہ ہو جائے گی اور کوئی تعظیم وتکریم کی نیت سے کہے تو تکریم ہی سمجھی جائے گی اور اگر بغیر نیت یہ الفاظ کہہ دے تو کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا۔

ثم یعودون لما قالوا ایٔ لنقض ما قالوا مضاف محذوف ہے حاصل یہ ہے کہ شوہر اپنی بات کے برخلاف بیوی سے بیوی کے معاملات کرنا چاہے لیکن عود کی صورت کیا ہوگی؟ اس میں آئمہ کا اختلاف ہے۔حسنؒ کے نزدیک صرف ہمبستری کے ذریعہ عود کہلائے گا۔امام مالکؒ کے نزدیک عزم جماع سے بھی عود ہو جائیگا۔امام اعظمؒ کے نزدیک دواعی جماع سے عود ہو جائیگا۔امام شافعیؒ کے نزدیک صرف بیوی رہنے دینے سے ہی عود ہو جائے گا۔یعنی ظہار کے فوراً بعد اگر شوہر اس کو طلاق نہ دے تو عود ہو جائے گا۔حنفیہ کی تائید ابن عباسؓ، حسنؒ قتادہ کے اقوال سے بھی ہوتی ہے اور سفیان ثوری کے نزدیک عود کے معنی یہ ہیں کہ اسلام لانے کے بعد جاہلیت کے اس ظہار کو پھر دہرائے۔اور ظاہریہ کے نزدیک عود کے معنی بار بار ظہار کے الفاظ کو دہرانے کے ہیں اور ابومسلمؒ کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ شوہر اپنے کہنے پر حلف کرلے۔

فتحریر رقبۃ۔یہاں سے کفارہ کی تین صورتوں کی تفصیل ہے۔یہ مبتداء ہے اس کی خبر علیھم محذوف ہے یا بقول مفسرؒ اعتاقھا علیہ پھر یہ جملہ موصول کی خبر ہو جائے گا۔اور فا معنی شرط کی وجہ سے ہے۔حاصل یہ ہے کہ جماع اور دواعی جماع کی اجازت غلام، باندی آزاد کرنے سے پہلے نہیں ہے۔تاہم کسی نے اگر ایسا کرلیا تو توبہ استغفار کیا جائے۔کفارہ صرف ایک ہی دینا پڑے گا خواہ بار بار جماع کرے اور اس حکم کی پابندی خاوند بیوی دونوں پر ہوگی۔بعض علماء کے نزدیک کفارہ سے پہلے صرف جماع کی ممانعت ہے دواعی جماع کی ممانعت نہیں ہے پھر غلام باندی عام ہیں۔مسلمان ہو یا کافر چھوٹا ہو یا بڑا، گونگا ہو یا کانا، یا بہرا ایک ہاتھ اور دوسری جانب کی ٹانگ کٹی ہوئی ہو۔غرضیکہ جس غلام باندی کی منفعت باقی ہو اس کو آزاد کیا جاسکتا ہے۔اسی طرح مکاتب کو آزاد کرنا جس نے ابھی کچھ بدل کتابت ادا نہ کیا ہو یا اپنے آدھے غلام کو پہلے اور باقی کو بعد میں آزاد کرنے سے کفارادا ہو جائے گا۔البتہ بالکل غلام باندی جیسے نابینا، دیوانہ، دونوں ہاتھ یا پاؤں یا ایک ہی جانب کے ہاتھ پاؤں یا دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے کو آزاد کرنا یا مدبر غلام یا اسی مکاتب کو آزاد کرنا جس نے کچھ بدل کتابت ادا کر دیا ہو یا مشترک غلام کے ایک حصہ کو پہلے اور بقیہ کو بعد میں آزاد کرنا کافی نہیں ہوگا۔یہ تمام تر تفصیل حنفیہ کے نزدیک رقبہ کے مطلق ہونے کی بنیاد ہونے پر ہے۔امام شافعیؒ کے نزدیک کفارہ کے قتل پر قیاس کرتے ہوئے صرف مسلمان غلام کو آزاد کرنا ضروری ہے بلحاظ ذات غلام صحیح سلامت ہو جو کارآمد ہو۔ناقص اور عیب دار نا کافی ہوگا۔ فمن لم یجد فصیام یہ کفارہ کی دوسری صورت ہے۔غلام باندی کے نہ پائے جانے کی معنیٰ میں اختلاف ہے۔امام مالکؒ کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ غلام باندی خواہ خدمت کے لئے ہوں یا ان کی قیمت خواہ وہ اپنی ضروریات کے لئے ہو۔ان دونوں کے نہ ہونے کی صورت میں روزوں کے ذریعہ کفارہ ادا کیا جائے گا۔لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک یہ دونوں چیزیں زائد از ضرورت نہ ہوں تب روزے رکھائے جائیں گے۔البتہ حنفیہ کے نزدیک صرف غلام باندی کی موجودگی یا غیر موجودگی کا اعتبار کیا جائے گا قیمت پاس ہونے کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔یعنی اگر غلام باندی موجود ہیں خواہ خدمتی ہیں تب انہیں آزاد کیا جائے گا۔ورنہ اگر ان کی قیمت ہو خواہ صرف سے زائد ہو بہر صورت روزوں کی اجازت ہوگی۔چنانچہ کفارہ کی منتقلی غریبوں کو کھانا کھلانے کی جانب یہ اس طرف مشیر ہے کہ کفارہ ظہار میں بعینہ غلام باندی کا اعتبار کیا گیا ان کی قیمت کا نہیں۔برخلاف کفارہ قتل کے اس میں یہ منتقلی نہیں ہے، اور دو ماہ کے روزے مسلسل ہونے ضروری ہیں۔درمیان میں رمضان اور پانچ ممنوعہ دن بھی نہیں آنے چاہییں۔اسی طرح کسی عذر کی وجہ سے بھی اس تسلسل میں فرق نہیں آنا چاہیے۔ورنہ بلا عذر ناغہ کی صورت میں بالا جماع دو ماہ کے از سر نو روزے رکھنے پڑیں گے۔اور حنفیہ کے نزدیک عذر کی وجہ سے بھی ناغہ ہونے سے سابقہ روزے کالعدم ہو جائیں گے یہاں بھی روزے۔جماع اور دواعی

جماع سے پہلے مکمل کرنے ضروری ہوں گے۔ اور بعض کے نزدیک صرف جماع سے پہلے روزے رکھنے ضروری ہیں۔ اسی طرح حنفیہ مالکیہ کے نزدیک دن و رات دونوں میں بیوی سے بچنا ضروری ہوگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک روزوں کے درمیان رات کو جماع کرنے سے روزوں کے تسلسل میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن نص کا اطلاق حنفیہ کی تائید کر رہا ہے۔ امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں روزوں کو اگر از سرنو دہرایا گیا تو تمام روزے جماع سے موخر ہو جائیں گے۔ لیکن اگر ان ادا کئے ہوئے روزوں کو معتبر مان لیا جائے تو کم از کم بعض روزے ہی مقدم ہو جائیں گے۔ اس لئے من قبل ان یتماسا پر فی الجملہ عمل کرنے کی بہتر صورت یہ ہے کہ ان روزوں کا اعتبار کر لیا جائے اور از سرنو روزے نہ رکھائے جائیں لیکن طرفین کا جواب یہ ہے کہ روزوں کے کفارہ میں دو چیزیں مقصود ہیں۔ ایک تمام روزوں کا جماع سے پہلے ہونا اور دوسرے ان تمام روزوں کا جماع سے خالی ہونا۔ پس مذکورہ صورت میں پہلا مقصد اگرچہ حاصل نہیں ہوا۔ تاہم دوسرے مقصد کو سامنے رکھ کر روزوں کو از سرنو رکھنا چاہیے۔ تاکہ ممکنہ حد تک نص پر عمل ہو سکے۔ **فمن لم یستطیع فاطعام** یہ کفارہ کی تیسری صورت ہے۔ یعنی غلام باندی کو آزاد کرنے کی طرح اگر کوئی دو ماہ کے مسلسل روزے نہیں رکھ سکتا ہو۔ بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے بالکل نہیں رکھ سکتا، یا دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ تو پھر تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ فی مسکین آدھا صاع گیہوں یا ایک جو یا کھجوروں کا دے دے یا اتنی قیمت ادا کر دے یا دو وقتہ پیٹ بھر کے کھانا کھلا دے۔ تو حنفیہ کے نزدیک سب صورتیں جائز ہیں۔ یعنی امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک آنحضرت ﷺ کے پیمانہ کے حساب سے فی مسکین ایک رطل اور تہائی رطل جو اناج زیادہ کا استعمال ہوتا ہو دے دے۔ اور فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے نہ اباحت ان کے نزدیک کافی ہے اور نہ قیمت کی ادائیگی جائز ہے اور چونکہ کھانا کھلانے میں من قبل ان یتماسا کی قید نہیں ہے۔ اس لئے درمیان میں جماع حنفیہ کے نزدیک مخل کفارہ نہیں ہوگا۔ لیکن امام شافعیؒ مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے تیسری صورت کو پہلی دونوں صورتوں پر قیاس کر کے من قبل ان یتماسا کی شرط مقدر مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مطلق ومقید اگر دو واقعوں میں بھی الگ الگ ہوں گے تب بھی مطلق کو مقید سمجھا جائے گا برخلاف حنفیہ کے وہ ایک حادثہ میں بھی مطلق ومقید کو الگ الگ رکھتے ہیں اور راجح یہی اصول معلوم ہوتا ہے کیونکہ شارع کے نزدیک یہ قید اگر ضروری ہوتی تو مطلق کیوں ارشاد فرماتے ہیں۔ پھر شوہر کے ظہار کے بعد کفارہ کی ادائیگی پر شوہر کو مجبور کرنا بیوی کا حق ہے۔ صاحب کشاف اور صاحب مدارک دونوں نے فرمایا کہ عورت قاضی کے یہاں مرافعہ کر سکتی ہے اور قاضی شوہر کو مجبور کرے گا۔ بلکہ کفارہ ظہار ہی ایسا کفارہ ہے جس میں خاوند کو جیل بھی بھیجا جا سکتا ہے تاکہ بیوی کی حق تلفی نہ ہو۔ ان الذین یحادون اہل مکہ مراد ہیں۔ اس میں آنحضرت ﷺ کے لئے فتح وکامرانی اور دشمنوں کے ذلیل ورسوا ہونے کی بشارت ہے۔ کبتوا کما۔ فی تحقق اور یقین کے لئے لائی گئی ہے۔

ونسوہ۔ غفلت وتساہل مراد ہے۔

ما یکون۔ ما نافیہ اور کان تامہ ہے اور من زائدہ ہے۔

نجوی۔ مصدر بمعنی تناجی، فاعل ہے۔ سرگوشی اور پوشیدہ گفتگو کے معنی ہیں اس میں اللہ کے علم کی وسعت مقصود ہے۔

الا وھو۔ محل نصب میں ہے۔ استثناء مفرغ حال ہے۔ ابو جعفرؒ کی قراءت ماتکون ہے۔ نجویٰ مونث ہونے کی وجہ سے لیکن عام قراءت بقول ابوالفضلؒ مذکر کے صیغہ سے ہے۔

ولا اکثر۔ عام قراءت جر کی ہے نجویٰ پر عطف کی وجہ سے۔ لیکن حسنؒ، اعمشؒ، ابن ابی اسحٰق، ابوحیوہ یعقوبؒ نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے نجویٰ کے محل پر عطف کرتے ہوئے من زائد ہوگا۔ اور نجویٰ مصدر ہونے کی صورت میں مضاف محذوف ہوگا۔

ای من ذوی نجویٰ اور بمعنی متناجین ہو تو پھر حذف مضاف کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اور دوسری صورت رفع کی یہ ہے کہ ادنیٰ مبتداء ہو اور الاھو معھم اس کی خبر اور ولا اکثر کا عطف ادنی مبتداء پر ہو۔

الم تر۔ یہود ومنافقین مراد ہیں۔

بما لم یحییک ۔ ذمی کافر کے سلام کے جواب میں علماء کی رائے مختلف ہے۔ ابن عباسؓ شعبیؒ قتادہؒ ظاہر امر کی وجہ سے واجب کہتے ہیں۔ امام مالک فرماتے ہیں واجب نہیں ہے۔ صرف علیک جواب میں کہہ دینا کافی ہے۔ حنفیہؒ کے نزدیک حدیث کی وجہ سے جواب میں وعلیک کہنا واجب ہے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں علاک السلام کہنا چاہیے۔ یعنی سلامتی تجھ سے اٹھتی ہے۔ اور بعض مالکیہ کے نزدیک السلام علیک جواب دینا چاہیے۔ سلام کے معنی پتھر کے ہیں۔ یعنی تجھ پر پڑیں پتھر۔

انما النجویٰ من الشیطان ۔ یعنی غیبت اور آبرو ریزی کی باتیں مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے شیطانی جال ہے۔ جس میں خود سرگرشی کرنے والے پھنسیں گے۔ اہل معرفت کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی آبرو ریزی میں غور وخوص سے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔

ولیس بضارھم شیئا الا باذن اللّٰہ . اس میں غیبت چغلخوری کرنے والوں کے لیے تخویف ہے۔

تفسحوا ۔ صحابہ چونکہ مجلس نبوی کے لئے تنافس کرتے تھے اس لئے تفسح کا حکم دیا گیا ہے۔

یفسح اللّٰہ اسی طرح یرفع اللّٰہ دونوں مجزوم ہیں جواب امر جواب شرط کی وجہ سے انشزوا مجلس میں تنگی کی وجہ سے اٹھنے کو کہا جائے تو اس کی تعمیل مقصود ہے، یا اذان کے بعد نماز و جماعت میں سستی سے منع کرنا مقصود ہے۔

الذین او توا العلم ۔ عطف خاص علی العام ہے۔ اہل علم کی فضیلت اس سے واضح ہے۔

بین یدی نجو کم ۔ اس میں حضور ﷺ کی توقیر غرباء ومساکین کا انتفاع اور کثرت سوال سے روکنا اور مخلص ومنافق میں امتیاز اور محب دنیا اور محبّ آخرت میں فرق کرنے کے لئے صدقہ کا حکم دیا گیا۔ بعض کے یہ حکم واجب تھا اور بعض کے نزدیک مستحب۔

فان لم تجدوا ۔ اس کی خبر محذوف ہے، جس کی طرف سے مفسرؒ نے فلا علیکم سے اشارہ کیا ہے اور فان اللّٰہ الخ جزاء کی علت ہے۔

اذلم تفعلوا ۔ اس میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ ماضی ہے جیسا کہ ابوالبقاء کی رائے ہے۔ دوسرے یہ کہ اذ کے معنی میں ہے۔ تیسرے یہ ہے کہ ان شرطیہ کے معنی میں ہے۔

ربط آیات: .... پچھلی سورت کے آخر میں رسالت کا مضمون تھا۔ اور اس سورت کے شروع میں قد سمع اللّٰہ ہے، جو مسائل توحید میں سے ہے اسی طرح پچھلی سورۃ کے اخیر میں اہل ایمان کی اخروی فضیلت کا بیان تھا۔ اس سورت کے شروع میں اہل ایمان پر دنیوی فضل کا بیان ہے۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں جو سختی تھی اسلام نے اس کو نرم کر دیا۔

آیت ان الذین یحادون میں اللہ و رسول کے خلاف کرنے والوں کے لئے وعید ہے خواہ وہ کافر ہوں یا منافق۔ بالخصوص یہود ان میں دونوں قسم کے مخالفین تھے۔

الم تر ان اللّٰہ یعلم سے سرگوشی کے سلسلہ میں پھر آیت یا ایھا الذین اٰمنوا اذاقیل الخ سے کچھ آداب مجلس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

شان نزول: .... ایک بار اوس بن صامتؓ کی بیوی خولہ بنت ثعلبہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ انہوں نے ہمبستری کی خواہش کی۔ بیوی نے معذرت کی۔ اوسؓ نے خفا ہو کر الفاظ ظہار انت علی کظھر امی کہہ دیئے۔ پرانے دستور کے مطابق ظہار کرنے سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی تھی۔ اس لئے خولہ صورت حال کی نزاکت سے پریشان ہوئیں اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفسار کیا کیونکہ اس سلسلہ میں کوئی وحی نہیں آئی تھی۔ اس لئے آپ نے رواج کے مطابق فرمادیا کہ۔ ماارٰک الاقد حرمت علیہ ۔ یعنی میرے خیال میں تو شوہر کے لئے حرام ہوگئی۔ وہ یہ سن کر واویلا کرنے لگی کہ پھر بچوں کا کیا ہوگا؟ اور عرض کیا "ماذکر طلاقا" یعنی شوہر نے طلاق کا لفظ نہیں کہا تھا۔ پھر طلاق کیسے ہوگئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ما امرت فی شانک بشیء حتی الاٰن ۔ یعنی اس بارہ میں اب تک کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ خولہ بنت ثعلبہ نے

دعا کی۔ اللھم انی اشکوالیک اس پر آیات قد سمع اللہ نازل ہوئیں۔ خولہؓ کے بار بار اصرار کو مجادلہ کہا گیا ہے حقیقی جدال ونزاع مراد نہیں۔ ابن عباسؓ ما احسن عقلها حيث جادلت مع رسول الله و لم تجادل مع الله بل شكت اليه۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ انا سمعنا المجادلة مع الرسول ولم نسمع الشكوى الى الله والله قد سمعها۔ بہرحال جاہلیت میں بیوی کو ماں کہنے سے ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی تھی۔ ان آیات میں اصلاح کا حاصل یہ ہے کہ بیوی کو ماں کہہ دینے سے جب حقیقی ماں نہیں بن گئی تو اس کی ابدی حرمت بیوی میں کیسے آ گئی۔ سورۂ احزاب میں بھی فرمایا گیا ہے، وماجعل ازواجكم اللائى تظاهرون منهن امهاتكم۔

۴ھ یا ۵ھ میں غزوہ احزاب ہوا تو اس سلسلہ میں آیات ان الذین یحادون نازل ہوئیں۔ جس میں روئے سخن اہل مکہ کی طرف ہے اور آنحضرت ﷺ کے لئے بشارت ہے۔ آیت الم تر الی الذین یہود اور منافقین کے متعلق نازل ہوئی۔ مسلمانوں کو رنجیدہ اور کبیدہ کرنے کے لئے۔ چپکے چپکے کانا پھوسی کیا کرتے تھے اور کن انکھیوں سے مسلمانوں کو دیکھتے جاتے۔ تاکہ مسلمان خلجان اور وساوس میں پڑ جائیں۔ اسی طرح یہ دونوں مجلس نبوی میں آتے اور السلام علیکم کی بجائے السام علیکم کہتے ہیں جس کے معنی بددعا کے ہیں اور کھسر پھسر کرتے ہوئے کہتے۔ لولا یعذبنا اللہ بما نقول اس پر آیت واذا جاءوک الخ نازل ہوئی علیٰ ہذا ایک مرتبہ آپ صفہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ مجمع زیادہ تھا۔ جو اہل بدر آئے انہیں کہیں جگہ نہ ملی اور نہ اہل مجلس مل کر بیٹھے۔ کہ جگہ کھل جاتی آپ نے دیکھا تو بعضوں کو مجلس سے اٹھنے کے لئے فرما دیا۔ منافقین طعن کرنے لگے کہ کہاں کا انصاف ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ اس پر رحم کرے جو اپنے بھائی کے لئے جگہ کھول دے۔ لوگوں نے جگہ کھول دی اس پر آیت یاایھا الذین امنوا اذا قیل الخ نازل ہوئی۔ اسی طرح کچھ مالدار آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دیر تک سرگوشی کیا کرتے جس سے غرباء کو استفادہ کا کم موقع ملتا آپ کو بھی اسی طرح یہ طویل سرگوشی ناگوار گزرتی۔ بلکہ زید بن اسلم سے بلا سند فتح البیان میں منقول ہے کہ کچھ یہود و منافقین بلا ضرورت بھی سرگوشی کیا کرتے تاکہ مسلمان آنحضرت سے ان کا قرب سمجھیں اور انہیں کسی ضرر کا ایہام ہوجائے۔ جس سے مخلصین کو تکدر ہوتا۔ آیت نھوا عن النجویٰ میں اولاً اس سے روکا گیا ہے لیکن باز نہ آئے تو آیت اذا ناجیتم الرسول نازل ہوئی جس سے بد باطن لوگوں کی بھیڑ چھٹ گئی۔ لیکن پھر بعض صاحب استطاعت مخلصین کو بھی صدقہ کی ادئیگی کی پابندی سے تنگی پیش آئی۔ چنانچہ سعد بن منصورؒ، حضرت علیؓ سے تخریج کرتے ہیں۔ ما عمل بها احد قبلى ولا يعمل بها احد بعدى كان عندى دينار، فبعته بعشرة دراهم فكنت كلما نا جيت النبى ﷺ قد مت بين يدى نجوىٰ درهما ثم نسخت فنزلت االشفقتم الخ ابن عمرؓ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں اذا كنتم ثلاثة فلا يتنا جى اثنان دون الثالث الا باذنه۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر حدیث سے یہ حکم ہر زمانہ اور ہر وقت کے لئے عام ہے۔ ابن عمر، امام مالک اور جمہور کی رائے یہی ہے خواہ سرگوشی واجب کے سلسلہ میں ہو یا مندوب ومباح کے متعلق ہو۔ کیونکہ رنجیدہ ہونے کا امکان سب میں ہے۔ البتہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا۔ جب کہ مومن ومنافق حقیقۃً تھے اور منافق مسلمانوں کو ستانے کے لئے سازشیں کرتے تھے لیکن جب اسلام پھیل گیا اب یہ حکم نہیں ہے اور بعض حضرات اس کو سفر وغیرہ کے مخصوص حالات کے لئے مانتے ہیں۔ جہاں ایک دوسرے سے خطرہ ہوسکتا ہے لیکن وطن میں اور جہاں قابل اعتماد حمایتی موجود ہو اس پابندی کی ضرورت نہیں رہتی۔

﴿تشریح﴾: ....ظہار کا رواج اسلام سے پہلے عرب میں تھا اور اس سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی تھی۔ اوس بن صامت اور ان کی بیوی خولہ بنت ثعلبہ کے واقعہ ظہار نے ہمیشہ کے لئے اس کی سختی کو ختم کردیا۔ قد سمع کے یہی معنیٰ ہیں اور خولہ کی فریاد باصرار کو مجادلہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حکم کا حاصل یہ ہے کہ ظہار میں ابدی حرمت کا کوئی سبب پایا نہیں جاتا۔ نہ حرمت نسبی ہے نہ حرمت سببی ہے۔ پھر ہمیشہ کے لئے حرمت کیسی کسی کو ماں کہہ دینے یا بیٹا کہہ دینے سے کوئی حقیقت تو تبدیل نہیں ہوجاتی۔ تاہم بے احتیاطی سے بولنے کی سزا یہ ہے کہ کفارہ دینے تک بیوی حرام رہے گی۔

ظہار کسے کہتے ہیں:...........حنفیہ کے نزدیک ظہار کسے کہتے ہیں۔ بیوی کو محرمات ابدیہ میں سے کسی کے ایسے عضو سے حرام ہونے کی نیت سے تشبیہ دی جائے جس کی طرف اس کو دیکھنا منع ہے۔ ظہار کا حکم یہ ہے کہ کفارہ ہی بیوی کو حلال کر سکتا ہے۔ ظہار کے مختصر مگر ضروری مسائل یہ ہیں۔

احکام ظہار:..........ا۔ زیادہ تر کمر سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہوگی کہ اکثر مجامعت کے وقت بیوی کمر پر لیٹتی ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ جیسے ماں کو اس نیت سے لٹانا حرام ہے۔ اسی طرح بیوی کو بھی حرام سمجھتا ہوں۔ اسی طرح دوسرے اعضاء کی تشبیہ میں بھی مناسبت نکال لی جائے گی۔

۲۔ منکم میں خطاب چونکہ مسلمان بالغوں کو ہے اس لئے کافر یا نابالغ مسلمان کا ظہار حقیقی نہیں۔

۳۔ نساء سے چونکہ منکوحہ بیویاں مراد ہیں۔ اس لئے اپنی باندی سے ظہار نہیں ہوگا۔

۴۔ ظہار کرنا گناہ ہے اور بعض کے نزدیک گناہ کبیرہ۔

۵۔ کفارہ ادا کئے بغیر بیوی سے صحبت اور اس کے دواعی حرام رہیں گے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ **فلا تقربها حتیٰ تفعل ما امرک الله۔**

۶۔ کسی وجہ سے ایسی بیوی سے صحبت یا دواعی صحبت کا ارادہ نہ ہوا اور اس کو خاوند طلاق دے دے یا بیوی مر جائے تو اس گناہ کی معافی توبہ سے ہو جائے گی کیونکہ کفارہ صحبت کے لئے شرط ہے گناہ کے لئے نہیں۔

۷۔ بغیر ارادہ صحبت اگر کفارہ ادا کرے تب بھی صحبت حلال ہو جائے گی۔ کیونکہ کفارہ کے نفس وجوب کا سبب تو ظاہر ہے مگر وجوب ادا کا سبب ارادہ صحبت ہے۔ پس نفس وجوب کے بعد کفارہ ادا کرنا صحیح ہو جائے گا۔ البتہ اس کی ادائیگی بغیر ارادہ صحبت واجب نہ ہوگی بلکہ صرف توبہ کافی ہے۔ پس آیت میں عود کے ساتھ مقید کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کفارہ کے بغیر صحبت جائز نہیں ہے۔ نہ کہ بدوں ارادہ صحبت کے کفارہ بھی جائز نہیں غرضیکہ ارادۂ صحبت کے وقت تو ظہار کا تدارک کفارہ سے ہوگا اور بغیر ارادۂ صحبت کے توبہ سے تدارک ہو سکے گا۔

۸۔ غلام باندی آزاد کرنے یا روزے رکھنے کے درمیان اگر شوہر نے صحبت کر لی تو از سر نو کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ لیکن اگر کھانا کھلانے کے درمیان صحبت کر لی تو تجدید کفارہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ گناہ ہوگا جس کے لئے توبہ کرنی ہے۔

۹۔ چونکہ فی زمانہ کہیں غلام باندی نہیں ہیں اس لئے کفارہ صرف روزوں اور کھانا کھلانے کے ذریعہ ادا ہوگا۔

۱۰۔ کچھ مسائل سورۂ نساء کفارہ قتل کے ذیل میں اور کچھ مسائل سورۂ مائدہ کفارۂ یمین کے تحت گزر چکے ہیں اور ظہار کے متعلق تفصیل سورۃ احزاب آیت ماھن امہاتھم الخ میں گزری ہے۔ **ان الله سمیع علیم** ۔ اللہ تو سب ہی کی سنتا دیکھتا ہے وہ اس عورت کی گفتگو کیوں نہیں سنتا جو آپ سے ہوئی بے شک وہ عورت مصیبت زدہ تھی جس کی فریاد سنی اور ہمیشہ کے لئے اس قسم کے واقعات سے عہدہ برآ ہونے کا راستہ بتلا دیا۔

کفارہ ظہار میں سرزنش کا پہلو:.........**ما ھن امہاتھم**۔ بیوی اس کہہ دینے سے حقیقی ماں کیسے بن سکتی ہے؟ کہ حقیقی ماں کی طرح ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے۔ ہاں کوئی جب اپنی بدتمیزی سے ایک غلط اور نامعقول بیہودہ بات کہہ دے تو اس کی تادیب یہ ہے کہ کفارہ ادا کرے۔ عورت کو اس کے بغیر ہاتھ نہ لگائے، پر بیوی اسی کی رہی۔ محض ظہار سے طلاق نہیں پڑ گئی۔ زمانہ جاہلیت میں جو ایسی حالت ہو چکی وہ معاف ہے۔ لیکن اب احتیاط کرو۔ پھر بھی اگر کسی سے یہ غلط ہو جائے تو توبہ کرے اور بیوی کو ہاتھ لگانے سے پہلے کفارہ ادا کرے۔ ذلکم توعظون کفارہ، تنبیہ و نصیحت کے لئے ہے کہ پھر ایسی غلطی نہ کرو اور دوسرے بھی باز رہیں۔

آداب مجلس اور معاشرتی اصلاح:...........ان الذین یحادون ۔ یہود ومنافقین محض مسلمانوں کو پریشان اور شکستہ خاطر کرنے کے لئے فرضی سرگوشیاں کرتے اس پر سرزنش کی گئی ہے۔ اسی طرح مجلسی آداب اور معاشرتی اصلاح کے سلسلہ میں پہلے تو علیک سلیک صحیح کرنے کا سبق دیا گیا۔ اور پھر جگہ تنگ ہونے پر اولاتو آپ نے ممکنہ حد تک نئے آنے والوں کے لئے گنجائش پیدا کرنے کا حکم دیا جن کے دلوں میں جگہ تھی انہوں نے باہر بھی جگہ کھول دی۔ لیکن جن کے دل تنگ تھے وہ گھٹتے رہے مگر اپنی جگہ سے کھسکے نہیں تو آپ نے تادیباً ان کو اٹھادیا اور نئے آنے والوں نے ان کی جگہ سنبھال لی تاکہ پرانوں کی طرح نئے لوگ بھی استفادہ کرسکیں۔ جیسا کہ مدارس میں طلبہ اساتذہ سے بطور تناوب درسی استفادہ کرتے رہتے ہیں کہ ایک جماعت جارہی ہے دوسری آرہی ہے یا ایک کتاب ختم ہورہی ہے اور دوسری شروع ہورہی ہے اس سے استفادہ محدود نہیں رہتا بلکہ وسیع ہوجاتا ہے۔ سب کو موقع مل جاتا ہے مگر روگی دلوں کو یہ ناگوار ہوا۔ اسی طرح بعض پیسہ والے آتے اور دوسروں پر رعب جماتے اور فرضی تقرب جتلانے کے لئے آنحضرت ﷺ سے طویل سرگوشی کرتے۔ آپ غایت اخلاق سے ان کو روک تو نہیں سکتے۔ مگر طبعاً ناپسند کرتے اور غریب عوام محروم رہتے۔ کیونکہ جب سارا دن مجلس خاص چلتی رہے تو پھر مجلس عام کب ہوگی؟ اس لئے مصلحتاً اس پر روک لگانے کے لئے پیشگی رقم کی ادائیگی لازم کردی گئی۔ جس سے غیر مخلصین کی بھیڑ تو چھٹ گئی مگر بعض درمیانی درجہ کے مخلصین کو تنگی ہونے لگی۔ کہ وہ نہ تو پورے نادار تھے کہ رخصت سے فائدہ اٹھالیں اور نہ پورے مالدار کے بے دھڑک خرچ کرڈالیں اور پھر سرگوشی کوئی اس درجہ کی چیز نہیں تھی کہ اس کو عبادت کا رجہ دے کر لازمی خرچ کیا جائے۔ اس لئے جلد ہی اس پابندی کو واپس لے لیا گیا۔

احصاہ اللہ ونسوہ۔ یعنی ان کو عمر بھر کے بہت سے کام یاد ہی نہیں رہے یا ان کی طرف توجہ نہیں رہی۔ لیکن اللہ کے ہاں وہ سب ایک ایک کرکے محفوظ ہیں وہ سارا دفتر اس دن کھول کر رکھ دیا جائے گا۔

مشورہ اور ارکان شوریٰ:...........ما یکون من نجویٰ ۔ مشورہ میں اگر صرف دو شخص ہوں تو اختلاف کی صورت میں ترجیح دشوار ہوتی ہے۔ اس لئے اہم معاملات میں طاق عدد رکھتے ہیں اور ایک کے بعد پہلا طاق عدد تین پھر پانچ تھا۔ اس لئے ان دو کو اختیار کرکے آگے تعمیم کردی۔ رہا حضرت عمرؓ کا خلافتی شوریٰ کو چھ افراد پر دائر کرنا جو طاق عدد نہیں، اس لئے ہوگا کہ اس وقت خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق یہی چھ حضرات تھے جن میں سے کسی ایک کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پھر خلافت کا انتخاب انہی چھ میں سے ہورہا تھا۔ ظاہر ہے کہ جس کا نام آتا ، رائے دینے والے تو اس کے سوا پانچ افراد ہی رہتے۔ پھر بھی احتیاطاً حضرت عمرؓ نے بصورت مساوات ایک جانب کی ترجیح کے لئے عبداللہ بن عمرؓ کا نام لیا تھا۔ الم تر الی الذین نھوا ۔ مجلس نبوی ﷺ میں بیٹھ کر ناحق اہل مجلس کا مذاق اڑاتے ، ان پر نکتہ چینیاں کرتے ، آپس میں کھسر پھسر کرتے اور آنکھوں سے مسلمانوں کی طرف اشارہ کرتے جاتے۔ اور حضرت کی بات سن کر کہتے یہ مشکل کام ہم سے نہیں ہوسکے گا۔ سورہ نساء میں ایسی سرگوشیوں سے منع بھی کیا جاچکا تھا۔ مگر یہ موذی بے حیا پھر اپنی حرکتوں اور شرارتوں سے باز نہ آتے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئی۔

غیر مسلم کے سلام کا جواب:...........حیوک بمالم یحیک بہ اللہ۔ یہودی اور منافقین آپ کو السلام علیکم کے بجائے السام علیکم کہہ کر سلام کرتے۔ جس کا دھمکی آمیز جواب ان آیات میں دیا گیا ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ آپ جواب میں صرف وعلیک فرمادیتے۔ یعنی تمہاری پیش کش واپس، تمہیں ہی مبارک ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یہودی کے السام کے جواب میں علیک السام واللعنۃ کہہ دیا آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا۔ صدیقہؓ بولیں یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے خیال نہیں فرمایا اس نے کیا کہا؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے خیال نہیں کیا میں نے کیا کہا؟ یعنی جواب میں صرف علیک کہہ کر اس کا تحفہ اسی کو واپس کردیا۔ ہمیں اپنی زبان کو گندہ نہیں کرنا چاہیے۔ فقہا نے لکھا ہے کہ کفار کے سلام کے جواب میں صرف علیک کہہ دیا جائے یاہداک اللہ کہنا چاہیے لیکن اگر "آداب عرض ہے" "بندگی بجالاتا ہوں" ، تو انہیں جملوں کو دہرانے کی اجازت

ہے۔ البتہ ابتداءً سلام نہیں کرنا چاہیے اور سلام کے جواب میں سلام نہیں کہنا چاہیے کیونکہ کافر کی سلامتی کفر کی سلامتی ہے جو مطلوب نہیں۔ بلکہ ہدایت مطلوب ہے البتہ دفع ضرر کے لئے دونوں باتوں کی اجازت ہے۔

سرگوشی کی حدود:......... **فلا تتنا جوا** ۔ ممکن ہے اس پر کوئی شبہ کرے کہ منافقین کو **فلا تتنا جوا بالاثم** کہا گیا ہے۔ مگر وہ کہہ سکتے ہیں ہم تو بہ وتقویٰ کی سرگوشی کرتے ہیں اثم وعدوان کی سرگوشی نہیں کرتے۔ کیونکہ صورۃً تو دونوں ایک سی ہیں۔ ان میں فرق وامتیاز معلوم نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ کہ بر وتقویٰ کے مضامین، سرگوشی کے لائق بہت کم ہیں۔ ایسی سرگوشی تو شاذ ونادر ہی کبھی ہوگی۔ برخلاف شرارت وخباثت کے کہ اس میں سرگوشی بکثرت ہوتی ہے پس دونوں میں یہی ایک امتیاز کافی ہے۔ پھر اس کے علاوہ قرائن خارجیہ خصوصی احوال بھی دونوں سرگوشیوں کو ایک دو سرے سے جدا کر سکتے ہیں۔

انما النجوی من الشیطان ۔ منافقین کی کانا پھوسی مسلمانوں کو دلگیر کرنے کے لئے تھی۔ مگر مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ سب شیطان کی شرارت ہے۔ اور وہ ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ اس کے قبضہ میں کیا ہے۔ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا حکم نہ ہو تو لاکھ منصوبے یہ گانٹھ لیں بال بیکا نہیں کر سکتے۔ اس لئے دلگیر ہونے کے بجائے اپنے اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ احادیث میں ہے کہ مجلس میں ایک آدمی چھوڑ کر دو شخص کانا پھوسی نہ کریں اس سے تیسرا دلگیر ہوگا یہ مسئلہ بھی اس آیت کے تحت آسکتا ہے۔ یہ تو خلوت کا ادب تھا آگے جلوت کا ادب ارشاد ہے۔

اہل مجلس کی رعایت:......... **واذا قیل لکم تفسحوا** ۔ حضور ﷺ پرنور کی مبارک مجلس میں ہر شخص آپ کا قرب چاہتا ہے۔ جس سے مجلس میں کبھی تنگی پیش آتی حتیٰ کہ اکابر صحابہؓ کو حضور ﷺ کے قریب جگہ نہ ملتی۔ اس لئے یہ احکام سرزد ہوئے تا کہ سب کو درجہ بدرجہ استفادہ کا موقع ملے۔ اور نظم وضبط قائم رہے اب بھی اس قسم کی انتظامی چیزوں میں صدر مجلس کے احکام کی اطاعت کرنا چاہیے خواہ وہ بالکل اٹھ جانے کو کہے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل کر دے۔ پھر یہ انتظام خواہ مجلسی مصالح کے پیش نظر ہے یا صدر مجلس کو کسی خاص مشورہ یا عبادت یا آرام کے لئے خلوت کی ضرورت ہے جس کے بغیر وہ کام نہ ہو سکیں یا ادھورے ہوتے ہوں۔ بہر صورت تعمیل کرنی چاہیے کہ اسلام ابتری اور بدنظمی نہیں سکھلاتا بلکہ انتہائی نظم وشائستگی سکھلاتا ہے **یرفع اللہ الذین اٰمنوا** سچا ایمان اور صحیح علم انسان کو ادب وتہذیب سکھلاتا ہے۔ اور متواضع بناتا ہے۔ اہل علم وایمان جس قدر کمالات ومراتب میں ترقی کرتے ہیں اسی قدر جھکتے ہیں اور اپنے کو ناچیز سمجھتے جاتے ہیں۔ **من تو اضع للہ رفعہ اللہ**، یہ کام جاہل بددین، متکبروں کا ہے محض اتنی سی بات پر لڑ پڑے کہ مجھے کیوں یہاں سے اٹھادیا، وہاں کیوں بٹھادیا۔ مجلس سے کیوں الگ کر دیا۔ بہر حال منافقین وہ تو منکم کی قید کی وجہ سے اس وعدہ سے خارج ہیں۔ دوسرے بے علم مگر اہل ایمان کے لئے بلند درجات ہیں۔ تیسرے وہ جو جامع ہیں ایمان وعلم کے، ظاہر ہے کہ ان کے لئے مزید بلندی درجات ہے کیونکہ علم وایمان سے معرفت واخلاص زیادہ ہوگا جس سے عمل اور اس کے اجر میں ترقی لازمی ہے۔

رسول اللہ سے خصوصی گفتگو اور اس سے پہلے خیرات کی مصالح:......... **فقد موا بین یدی نجوٰکم صدقۃ** ۔ منافقین تو اپنی بڑائی جتلانے کے لئے سرگوشی کر کے آپ کا وقت خراب کرتے۔ اور بعض مسلمان بھی غیر اہم باتوں میں سرگوشی کر کے دوسروں کو استفادہ سے رکاوٹ کا سبب بنتے۔ مگر مروت واخلاق کے سبب کسی کو منع نہ فرماتے۔ اس لئے سرگوشی سے پہلے خیرات کا حکم دیا گیا۔ آیت میں تو اس کی کوئی مقدار نہیں آئی لیکن روایات میں مختلف مقداریں ذکر کی گئی ہیں۔ کوئی معین مقدار مقرر نہیں۔ تاہم معتد بہ ہونی چاہیے اس صدقہ میں کئی فائدے تھے۔ اس طرح غریبوں کی امداد ہو جاتی تھی۔ مخلص وغیر مخلص میں امتیاز، غیر ضروری سرگوشی سے نجات، منافقین تو بخل کے مارے چھٹ گئے اور مسلمان بھی سمجھ گئے کہ زیادہ سرگوشیاں اللہ کو پسند نہیں۔

فاذلم تفعلوا ۔ اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم پر عام طور سے عمل کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ اس پر صرف میں

نے عمل کیا ہے۔ صدقہ دلانے کا جو مقصد تھا جب وہ حاصل ہو گیا۔ تو اس وقتی حکم کو بھی اپنالیا جائے کہ ان احکام کی اطاعت میں ہمہ تن لگے رہو جو کبھی منسوخ ہونے والے نہیں ہیں۔ انہی سے کافی تزکیہ نفس ہو جائے گا۔

لطائف سلوک: .... **ذٰلکم تو عظون** ۔ مالی کفارہ کو وعظ و تنبیہ کا سبب کہنا اس کی دلیل ہے کہ اصلاح نفس میں مالی جرمانہ کی خاصی تاثیر ہے۔ مشائخ بھی اس تدبیر سے معالجہ کرتے ہیں لیکن خود مشائخ کو وہ جرمانہ وصول نہیں کرنا چاہیے۔

وتناجوا بالبر والتقوی ۔ کسی مصلحت سے تخلیہ میں گفتگو کے جواز کی یہ اصل ہے مشائخ کا اس پر بھی عمل ہے۔

اذا قیل لکم تفسحوا ۔ یہ اپنے عموم کے اعتبار سے بعض آداب مجلس مشائخ پر روشنی ڈال رہی ہے۔

یر فع اللہ الذین اٰمنوا سے معلوم ہوا کہ عوام و خواص کے مراتب کی رعایت ضروری ہے مگر اس کا مدار شیخ کی رائے پر ہے نہ کہ ان کے اصحاب کی آراء پر

فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقۃ ۔ اس کی علت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سے سرگوشی بڑی بھاری بات ہے اس کی جراءت نہیں کرنی چاہیے

ء اشفقتم ان تقدموا ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو طالب شیخ کو ہدیہ دینے پر قادر نہ ہو شیخ کو اس کی تسلی کرنا زیبا ہے۔ وہ بھی اس کے عموم میں داخل ہے

اَلَمْ تَرَ تَنْظُرُ **اِلَی الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا** هُمُ الْمُنَافِقُوْنَ **قَوْماً** هُمُ الْیَهُوْدُ **غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مَا هُمْ** اَیِ الْمُنَافِقُوْنَ **مِّنْكُمْ** مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ **وَلَا مِنْهُمْ** مِنَ الْیَهُوْدِ بَلْ هُمْ مُذَبْذَبُوْنَ **وَ یَحْلِفُوْنَ عَلَی الْكَذِبِ** اَیْ قَوْلِهِمْ اَنَّهُمْ مُؤْمِنُوْنَ **وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ** ﴿۱۴﴾ اَنَّهُمْ كَاذِبُوْنَ فِیْهِ **اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۵﴾ مِنَ الْمَعَاصِیْ **اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً** سِتْراً عَنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ **فَصَدُّوْا** بِهَا الْمُؤْمِنِیْنَ **عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ** اَیِ الْجِهَادِ فِیْهِمْ بِقَتْلِهِمْ وَاَخْذِ اَمْوَالِهِمْ **فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ** ﴿۱۶﴾ ذُوْاِهَانَةٍ **لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ** مِنْ عَذَابِهٖ **شَیْئًا** مِّنَ الْاِغْنَاءِ **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ** ﴿۱۷﴾ اُذْكُرْ **یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعاً فَیَحْلِفُوْنَ لَهٗ** اَنَّهُمْ مُؤْمِنُوْنَ **كَمَا یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰی شَیْءٍ** مِنْ نَفْعِ حَلْفِهِمْ فِی الْاٰخِرَةِ كَالدُّنْیَا **اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ** ﴿۱۸﴾ **اِسْتَحْوَذَ** اِسْتَوْلٰی **عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ** بِطَاعَتِهِمْ لَهٗ **فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ** اَتْبَاعُهٗ **اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ** ﴿۱۹﴾ **اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ** یُخَالِفُوْنَ **اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ فِی الْاَذَلِّیْنَ** ﴿۲۰﴾ الْمَغْلُوْبِیْنَ **كَتَبَ اللّٰهُ** فِی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ اَوْ قَضٰی **لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ** بِالْحُجَّةِ اَوِ السَّیْفِ **اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ** ﴿۲۱﴾ **لَا تَجِدُ قَوْماً یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ** یُصَادِقُوْنَ **مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا** اَیِ الْمُحَادُّوْنَ **اٰبَآءَهُمْ** اَیِ الْمُؤْمِنِیْنَ **اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ** بَلْ یَقْصُدُوْنَهُمْ بِالسُّوْءِ وَیُقَاتِلُوْنَهُمْ عَلَی الْاِیْمَانِ كَمَا وَقَعَ لِجَمَاعَةٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ **اُولٰٓئِكَ** الَّذِیْنَ لَا یُوَادُّوْنَهُمْ **كَتَبَ** اَثْبَتَ **فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ** بِنُوْرٍ **مِّنْهُ** تَعَالٰی **وَیُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا**

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ بِطَاعَتِهٖ وَرَضُوْا عَنْهُ ۚ بِثَوَابِهٖ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۗ يَتَّبِعُوْنَ اَمْرَهٗ وَيَجْتَنِبُوْنَ نَهْيَهٗ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾ الْفَائِزُوْنَ ـ

ترجمہ: ......کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر کی (یعنی منافقین) جو ایسے لوگوں (یہود) سے دوستی کرتے ہیں۔ جن پر اللہ نے غضب کیا ہے یہ لوگ (منافقین) نہ تو تم میں ہیں (مومنین میں) اور نہ ان میں ہیں (یعنی یہود میں بلکہ وہ ڈانواڈول ہیں) اور جھوٹی بات پر قسمیں کھاتے ہیں (یعنی اس پر کہ وہ مومنین ہیں) اور وہ جانتے ہیں (کہ وہ اس بات میں جھوٹے ہیں) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے بے شک وہ بڑے بڑے کام (گناہ) کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو (اپنی مال وجان کی حفاظت) کے لئے سپر بنا رکھا ہے۔ پھر (ان قسموں کے ذریعہ مسلمانوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں (جہاد سے قتل کر کے مال لوٹ کر) سو ان کے ذلت (اہانت) کا عذاب ہونے والا ہے۔ ان کے مال واولاد اللہ (کے عذاب) سے ان کو ذرا نہ بچا سکیں گے۔ یہ لوگ دوزخی ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں (آپ یاد کیجئے) اس روز کو جب اللہ ان سب کو دوبارہ اٹھائے گا۔ سو یہ اس کے حضور بھی قسمیں کھائیں گے (کہ وہ مومن ہیں) جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھا جاتے ہیں۔ اور وہ یوں سمجھیں گے کہ ہم بڑی عمدہ حالت میں ہیں (دنیا کی طرح آخرت میں بھی قسم کھانے سے فائدہ ہوجائے گا) خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے پورا تسلط (قابو) کرلیا ہے (شیطان کی پیروی کرنے سے) سو اس نے ان کو خدا کی یاد بھلادی۔ یہ لوگ شیطان کا گروہ (پیروکار) ہیں۔ خوب سن لو کہ یہ شیطان کا گروہ ضرور برباد ہونے والا ہے۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ سخت ذلیل (شکست خوردہ) لوگوں میں ہیں۔ اللہ نے یہ بات لکھ دی۔ (لوح محفوظ میں یہ فیصلہ فرمادیا) کہ میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے (دلیل سے یا تلوار کے ذریعہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ طاقت ور زبردست ہے۔ جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ ورسول کے برخلاف ہیں گو وہ (مخالفین) باپ بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہوں (مسلمانوں کے، بلکہ وہ ایمان کی رو سے ان کو نقصان پہنچانے اور قتل کرنے کی ٹھانے ہوئے رہتے ہیں۔ جیسا کہ صحابہ میں سے بہت سوں نے کر دکھایا ہے) ان لوگوں کے دلوں میں (جو اپنے عزیزوں سے بے تعلق ہوگئے) اللہ نے ایمان ثبت کردیا ہے اور ان کو مضبوط کردیا ہے۔ اپنے فیض (نور) سے اور ان کو باغات میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ (ان کی فرمانبرداری کی وجہ سے) ان سے راضی ہوگا اور وہ (اس کے ثواب سے) راضی ہوں گے۔ یہ اللہ کا گروہ ہے (اس کے حکم کی پابندی اور ان کی ممانعت سے پرہیز کرتے ہیں) خوب سن لو کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا (کامیاب) ہے۔

تحقیق وترکیب: ......**ما هم منكم** ۔اس جملہ میں کئی ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ جملہ مستانفہ مانا جائے محل اعراب میں نہیں ہوگا۔ یعنی منافقین نہ خالص مومن ہیں اور نہ خالص کافر ضمیر ہم منافقین کی طرف راجع ہے۔ اور منھم کی ضمیر یہود کافروں کی طرف راجع ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تولوا کے فاعل کے حال سے کو حال کہا جائے گا۔ اس صورت میں معنی وہی رہیں گے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اس کو قوما کی صفت ثانیہ کہا جائے۔ اب ضمیر ہم کا مرجع قوم یہود ہوگی اور منہم کی ضمیر دوستی کرنے والوں کی طرف راجع ہوگی۔ یعنی یہود نہ مسلمانوں میں ہیں اور نہ منافقین میں۔ بلکہ اس کے باوجود منافق ان سے وابستہ ہیں۔ بقول ابن عطیہؒ اس صورت میں انتشار ضمائر لازم آئے گا۔ جو پہلی دونوں صورتوں میں نہیں ہے **شيئا** ۔مفسرؒ نے من الاغناء سے اس کے مفعول مطلق ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن مفعول بہ بھی ہوسکتا ہے۔ **اى شيئا من غنائه يوم يبعثهم** ۔مفسرؒ نے اذکر سے اس کے مفعول بہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن لن تغنی کا ظرف بھی ہوسکتا ہے۔

استحوذ ۔یہ لفظ بغیر تعلیل کے اصل حالت میں ہے تعلیل کے بعد استحاذ ہوگا جیسے **استعاذ** اور **استقام حذت الابل** کے معنی اونٹ پر قابو یافتہ

ہونے کے ہیں۔

فانساھم ۔منافقین جو ذکر اللہ کرتے وہ اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے کالعدم ہے۔

فی الاذلین ۔فی بمعنی مع ہے یا منجملہ اذلین کے شمار کیا گیا۔

کتب اللہ ۔چونکہ کتب بمعنی قسم کو متضمن ہے۔اس لئے جواب لاغلبن تاکید کے لئے لایا گیا۔لیکن مفسرؒ نے کتب کو اپنے معنی میں رکھا ہے اور قضی کے معنی میں بھی لیا ہے۔اس وقت لاغلبن قسم محذوف کا جواب ہو جائے گا وایدھم بروح روح کے مختلف معنی بیان کئے گئے ہیں۔حسنؒ نصرۃ کے معنی اور ربیع بن انسؒ قرآن اور اس کے دلائل مراد لیتے ہیں۔ابن جریجؒ نور و برہان وہدایت کہتے ہیں اور بعض نے رحمت الٰہی اور بعض نے جبرئیل کو مصداق کہا ہے۔

شان نزول:.........عبداللہ بن نبتل منافق آنحضرت ﷺ کی مجلس میں شریک ہوتا اور آپ ﷺ کی باتیں سن کر یہود کو پہنچایا کرتا۔ایک روز آپ ﷺ اپنے حجرہ میں تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج ایسا شخص آئے گا جس کا دل جبار کا اور آنکھیں شیطان کی ہوں گی۔چنانچہ اس کے بعد عبداللہ بن نبتل آیا جس کی آنکھیں نیلی تھیں۔آپ نے اسی سے فرمایا کہ تو اور تیرے ساتھی مجھے برا بھلا کیوں کہتے ہیں؟ مگر وہ اور اس کے ساتھی مکر گئے اور حلفیہ انکار کرنے لگے۔اس پر آیات الم تر الیٰ الذین نازل ہوئیں۔

و لا کانوا اباء ھم چنانچہ ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے اپنے والد کو غزوہ احد میں قتل کیا۔اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق نے غزوہ بدر میں اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو مقابلہ کی دعوت دی۔جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور حضور ﷺ سے یہ عرض کرتے ہوئے اجازت چاہی۔دعنی اکن فی الوھلۃ الا ولیٰ۔مگر آنحضرت ﷺ نے یہ کہہ کر رد کر دیا۔ متعنا بنفسک یا ابا بکر اما نعلم انک عندی بمنزلۃ سمعی و بصری ۔ علیٰ ھذا مصعب بن عمیرؓ نے غزوہ حمد میں اپنے بھائی عبد بن عمیر کو مار ڈالا۔نیز حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں عاصی بن ہشام بن مغیرہ کو اور حضرت علیؓ، حمزہؓ، ابوعبیدہؓ نے خاندانی لوگوں کو عتبہ شیبہ ولید بن عقبہ کو غزوہ بدر میں قتل کر ڈالا۔

تشریح:.........منافقین چونکہ دوغلے ہوتے ہیں اس لئے جس طرح فی الواقع وہ پورے طور پر کسی کے ساتھ نہیں ہوتے۔اسی طرح کسی کو ان پر بھروسہ بھی نہیں ہوتا۔وہ بظاہر دونوں طرف ہاتھ رکھ کر دوہرا نفع لوٹنا چاہتے ہیں۔مگر فی الحقیقت دوہرے ٹوٹے میں رہتے ہیں۔اس لئے ما ھم منکم و لا منھم فرمایا گیا ہے۔اور بے خبری اور انجان پنے سے نہیں بلکہ جان بوجھ کر جھوٹی قسمیں کھاجاتے ہیں۔تاکہ مسلمانوں کو اپنائیت کا یقین دلا کر اپنے اعتماد میں لے سکیں۔

اتخذو ا ایمانھم جنۃ۔حالانکہ یہی سب سے زیادہ جھوٹے اور سب سے زیادہ خسارے میں ہیں۔اللہ کے حضور پہنچ کر بھی جھوٹی قسموں سے اپنا کام نکالنا چاہیں گے۔اس سے بڑھ کر پرلے درجہ کا جھوٹ اور کیا ہوسکتا ہے کہ اللہ کے آگے بھی پرانی خصلت سے باز نہ آئے اور سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ہوشیار ہیں۔بڑی اچھی چال چل رہے ہیں۔شاید اتنا کہہ دینے سے رہائی مل جائے۔

استحوذ علیھم الشیطان یعنی شیطان جس پر قابو پالیتا ہے اس کا دل ودماغ اسی طرح مسخ وماؤف ہوجاتا ہے۔اسے کچھ یاد نہیں رہتا کہ خدا بھی کوئی چیز ہے شاید محشر میں بھی اسے جھوٹ پر قدرت دے کر اس کی بے حیائی حماقت کا بھانڈا پھوڑنا ہے کہ اس دیوانہ کو اتنا ہوش نہیں کہ اللہ کے آگے میرا جھوٹ چلے گا؟ شیطانی لشکر کا انجام یقیناً خراب ہے۔دنیا میں تو تباہ ہوا ہی آخرت بھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے اور نہ شدید عذاب سے چھٹکارا کی کوئی سبیل ہے۔

ان الذین یحادون ۔اللہ ورسول کا مقابلہ کرنے والے حق وصداقت کے خلاف جنگ کرنے والے سخت ناکام وذلیل ہیں۔اللہ کہہ چکا ہے کہ

آخر کارحق ہی غالب ہوکر رہے گا اور اس کے پیغمبر ہی مظفر ومنصور ہوں گے۔

لطائف سلوک: **استحوذ علیهم الشیطان** الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ نسیان کو اگر شیطان کا اثر کسی وقت محسوس کرو تو اس کا تدارک ذکر اللہ سے کر لینا چاہیے۔

لا تجد قوما سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت الٰہیہ کے لوازم میں سے ہے کہ اس کے مخالفین سے اس کو نفرت ہو جائے۔

وايدهم بروح منه۔ یہ روح نور قلب ہے جس کو سکینہ اور نسبت بھی کہتے ہیں اس سے قلب کی حیات وابستہ ہونے کی وجہ سے روح سے تعبیر فرمایا گیا۔

سُــوْرَةُ الْحَشْرِ

سُوْرَةُ الحَشرِ مَدَنِيَّةٌ اَرْبَعٌ وَّ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ اَىْ نَزَّهَهٗ فَاللَّامُ مَزِيْدَةٌ وَفِى الْاِتْيَانِ بِمَا تَغْلِيْبٌ لِلْاَكْثَرِ، **وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ** ﴿۱﴾ فِى مُلْكِهٖ وَصُنْعِهٖ **هُوَ الَّذِىْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ** هُمْ بَنُو النَّضِيْرِ مِنَ الْيَهُوْدِ **مِنْ دِيَارِهِمْ** مَسَاكِنِهِمْ بِالْمَدِيْنَةِ **لِاَوَّلِ الْحَشْرِ** هُوَ حَشْرُهُمْ اِلَى الشَّامِ وَاٰخِرُهٗ اَنْ جَلَاهُمْ عُمَرُ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فِى خِلَافَتِهٖ اِلٰى خَيْبَرَ **مَاظَنَنْتُمْ** اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ **اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ** خَبَرُ اَنَّ **حُصُوْنُهُمْ** فَاعِلُهٗ بِهٖ تَمَّ الْخَبَرُ **مِّنَ اللّٰهِ** مِنْ عَذَابِهٖ **فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ** اَمْرُهٗ وَعَذَابُهٗ **مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا** لَمْ يَخْطُرْ بِبَالِهِمْ مِنْ جِهَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ **وَقَذَفَ** اَلْقٰى **فِىْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ** بِسُكُوْنِ الْعَيْنِ وَضَمِّهَا اَلْخَوْفُ بِقَتْلِ سَيِّدِهِمْ كَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ **يُخْرِبُوْنَ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ مِنْ اَخْرَبَ **بُيُوْتَهُمْ** لِيَنْقُلُوْا مَا اسْتَحْسَنُوْهُ مِنْهَا مِنْ خَشَبٍ وَغَيْرِهٖ **بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِى الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِى الْاَبْصَارِ** ﴿۲﴾ **وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ** قَضٰى **عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ** اَلْخُرُوْجَ مِنَ الْوَطَنِ **لَعَذَّبَهُمْ فِى الدُّنْيَا** بِالْقَتْلِ وَالسَّبْىِ كَمَا فَعَلَ بِقُرَيْظَةَ مِنَ الْيَهُوْدِ **وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ** ﴿۳﴾ **ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا** خَالَفُوْا **اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ** ﴿۴﴾ لَهٗ **مَا قَطَعْتُمْ** يَا مُسْلِمِيْنَ **مِّنْ لِّيْنَةٍ** نَخْلَةٍ **اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ** اَىْ خَيَّرَكُمْ فِىْ ذٰلِكَ **وَلِيُخْزِىَ** بِالْاِذْنِ فِى الْقَطْعِ **الْفٰسِقِيْنَ** ﴿۵﴾ اَلْيَهُوْدَ فِى اعْتِرَاضِهِمْ بِاَنَّ قَطْعَ الشَّجَرِ الْمُثْمِرِ فَسَادٌ **وَمَآ اَفَآءَ** رَدَّ **اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ** اَسْرَعْتُمْ يَا مُسْلِمِيْنَ **عَلَيْهِ مِنْ** زَائِدَةٌ **خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ** اِبِلٍ اَىْ لَمْ تُقَاسُوْا فِيْهِ مَشَقَّةً **وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ** ﴿۶﴾ فَلَا حَقَّ لَكُمْ فِيْهِ وَيَخْتَصُّ بِهِ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ ذُكِرَ مَعَهٗ فِى الْاٰيَةِ الثَّانِيَةِ مِنَ

الاصناف الاربعة على ما كان يقسمه من ان لكل منهم خمس الخمس وله صلى الله عليه وسلم الباقي يفعل فيه ما يشآء فاعطى منه المهاجرين وثلاثة من الانصار لفقرهم **مآ افآء الله على رسوله من اهل القرى** كالصفراء ووادي القرى وينبع **فلله** يامر فيه بما يشآء **وللرسول ولذي** صاحب **القربى** قرابة النبي صلى الله عليه وسلم من بني هاشم وبني المطلب **واليتمى** اطفال المسلمين الذين هلكت اباء هم وهم فقرآء **والمسكين** ذوي الحاجة من المسلمين **وابن السبيل** المنقطع في سفره من المسلمين اي يستحقه النبي والاربعة على ما كان يقسمه من ان لكل من الاربعة خمس الخمس وله الباقي **كي لا** كي بمعنى اللام وان مقدرة بعدها **يكون** الفيء علة القسمة كذلك **دولة** متداولا **بين الاغنيآء منكم وما اتكم** اعطاكم **الرسول** من الفيء وغيره **فخذوه وما نهكم عنه فانتهوا واتقوا الله ان الله شديد العقاب** ﴿۷﴾ **للفقرآء** متعلق بمحذوف اي اعجبوا **المهجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله اولئك هم الصدقون** ﴿۸﴾ في ايمانهم **والذين تبوء و الدار** المدينة **والايمان** اي الفوه وهم الانصار **من قبلهم يحبون من هاجر اليهم ولا يجدون في صدورهم حاجة** حسدا **مما اوتوا** اي اتي النبي المهاجرين من اموال بني النضير المختصة به **ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة** حاجة الى ما يؤثرون به **ومن يوق شح نفسه** حرصها على المال **فاولئك هم المفلحون** ﴿۹﴾ **والذين جآء و من بعدهم** من بعد المهاجرين والانصار الى يوم القيمة **يقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان ولا تجعل في قلوبنا غلا** حقدا **للذين امنوا ربنا انك رءوف رحيم** ﴿۱۰﴾

ترجمہ:..........سورۂ حشر مدنیہ ہے، جس میں ۲۴ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں آسمان وزمین میں جو کچھ ہیں (اللہ کی پاکیزگی، لام زائد ہے اور ما اکثریت کی تغلیب کرتے ہوئے لایا گیا ہے) اور وہ زبردست حکمت والا ہے (اپنے ملک اور کاریگری میں) وہی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو (یہود میں سے بنی نضیر کو) ان کے گھروں (مدینہ کی رہائش گاہوں) سے پہلے ہی بار اکٹھا کر کے نکال دیا، (یہ اخراج شام کی طرف ہوا پھر آخر کار عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو خیبر میں جلاوطن کردیا) تمہارا گمان بھی نہ تھا (اے مسلمانو!) کہ وہ نکلیں گے اور انہوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کو بچالیں گے (ان کی خبر ہے) انکے قلعے (یہ فاعل ہے، جس سے خبر پوری ہوگی) اللہ (کے عذاب) سے سو اللہ (کا حکم اور عذاب) ان پر ایسی جگہ سے پہنچا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا (مسلمانوں کی طرف سے انہیں وہم بھی نہ تھا) اور ان کے دلوں میں رعب بٹھا دیا (ڈال دیا۔ رعب، سکون عین اور ضمہ عین کے ساتھ بمعنی خوف ان کے سرکردہ کعب بن اشرف کو قتل کر کے) وہ اجاڑ رہے تھے (تشدید اور تخفیف کے ساتھ، اخرب سے ماخوذ ہے) اپنے گھروں کو (تاکہ جو اچھی اچھی چیزیں لکڑیاں وغیرہ لے جاسکیں) خود اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی سوائے دانشورو عبرت حاصل کرو اور اللہ اگر ان کی قسمت میں جلاوطن ہونا (وطن سے نکالنا) نہ لکھ چکا ہوتا (فیصلہ کرچکا ہوتا) تو ان کو

دنیا ہی میں سزا دے دیتا (قتل اور گرفتار کرا کر جیسا کہ یہود قریظہ کے ساتھ کیا گیا) اور ان کے لئے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے یہ اس لئے ہے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ (اس کو) سخت سزا دینے والا ہے جو کھجوروں کے درخت (اے مسلمانو!) تم نے کاٹ ڈالے یا ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو خدا ہی کے حکم سے ہے (اسی نے تم کو اجازت دی ہے) اور تا کہ (کاٹنے کی اجازت دے کر) کافروں کو ذلیل کرے (یہود کو ان کے اس نکتہ چینی کے جواب میں کہ پھل دار درخت کو کاٹنا پاپ ہے) اور جو اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوا دیا سو تم نے نہ گھوڑے دوڑائے تھے (اے مسلمانو! من زائدہ ہے) اور نہ اونٹ (یعنی تم نے اس سلسلہ میں کوئی محنت برداشت نہیں کی تھی) لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے (لہذا تمہارا اس میں کچھ حق نہیں بیٹھتا بلکہ وہ حضور ﷺ کے لئے مخصوص ہے اور آپ کے ساتھ ان لوگوں کے لئے جن کا ذکر دوسری آیت میں آرہا ہے یعنی چار قسمیں جن پر آپ نے تقسیم فرمایا کہ ان میں سے ہر قسم کو پانچویں حصے سے میں پانچواں حصہ مرحمت فرما دیا باقی آپ کا ہے آپ جو چاہیں کریں، چنانچہ کچھ مہاجرین اور تین انصار کو ان کی غربت کی وجہ سے آپ نے عطا کیا) جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دوسری بستیوں سے دلوایا (جیسے صفراء، وادی قری، ینبع کے رہنے والوں سے) وہ اللہ کا حق ہے (جیسا چاہے حکم دے) اور رسول کا اور قرابت داروں کا (آنحضرت ﷺ کے رشتہ دار بنی ہاشم اور بنی مطلب مراد ہیں) اور یتیموں کا (مسلمانوں کے وہ بچے جن کے باپ مر گئے اور وہ غریب ہیں) اور غریبوں (مسلمان حاجتمندوں) کا اور مسافروں کا ہے (جو مسلمان سفر میں ساتھیوں سے بچھڑ جائیں یعنی آنحضرت ﷺ اور چاروں قسمیں جن کو آنحضرت ﷺ نے مرحمت فرمایا یعنی ان چار قسموں کو خمس الخامس دیا اور باقی خود رکھا) تا کہ (کی بمعنی لام ہے اس کے بعد ان مقدر ہے) وہ قبضہ میں نہ آجائے تمہارے دولتمندوں کے اور رسول جو کچھ تم کو عنایتیں فرما دیا کریں (فئی وغیرہ میں سے) وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیا کریں تم رک جایا کرو اور اللہ سے ڈرو بلاشبہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ان حاجتمندوں کے لیے (اس کا تعلق محذوف کے ساتھ ہے یعنی تعجب کرو) جو مہاجرین اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے جدا کر دئے گئے وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کے طلب گار ہیں اور وہ اللہ ورسول کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ سچے ہیں (ایمان کے لحاظ سے) اور ان لوگوں کے لئے جو دار الاسلام (مدینہ) اور ایمان میں قرار پکڑے ہوئے ہیں (یعنی انہیں اس سے الفت ہے انصار مراد ہے) ان سے پہلے ان کے پاس جو ہجرت کر کے آتا ہے وہ اس سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے (یعنی آنحضرت ﷺ نے اپنے خاصۃ بنونضیر میں سے جو کچھ مہاجرین کو عطا فرما دیا) اور انہیں اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو (ایثار کی ہوئی چیز کی ضرورت ہی کیوں نہ ہو) اور جو شخص طبعی بخل (حرص مالی) سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو ان کے بعد ہیں (مہاجرین اور انصار کے بعد قیامت تک) جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ (عداوت) نہ ہونے دیجیے اے ہمارے پروردگار آپ بڑے شفیق اور رحیم ہیں۔

تحقیق وترکیب:......لاول الحشر، اس کا تعلق اخرج سے ہے لام فوقیت کا ہے اور صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہو رہی ہے۔

ای للحشر الاول ۔ یہود مدینہ کے حشر چار ہیں پہلے بنونضیر کی جلاوطنی، پھر اہل خیبر کی جلاوطنی پھر اخیر زمانے میں قعر عدنان سے ایک آگ برآمد ہو کر لوگوں کو جمع کرے گی اور آخری حشر قیامت میں ہوگا، بنونضیر عام طور پر تو شام کے علاقہ اذرعات اور اریحا میں منتقل ہو گئے البتہ ابوالحقیق اور حی بن اخطب کے خاندان خیبر چلے گئے اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں بقول مفسر خیبر کی جانب جلاوطنی نہیں ہوئی بلکہ خیبر سے سب کو جلاوطن کیا گیا اسلئے تفسیری عبارت الی خیبر ہونی چاہیے تھی بنونضیر حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

مانعتهم حصونهم ۔ اس میں خبر مقدم ہے خطیب میں اس کی دو ترکیبیں لکھی ہیں ایک یہ کہ حصونہم مبتدا اور مانعتہم خبر مقدم ہے اور یہ

جملہ انہم کی خبر ہے دوسرا یہ کہ انہم کی خبر ما نعتہم ہے اور حصونہم فاعل ہے جیسا کہا جائے ان زیدا قام ابوہ اور ان عمرا قائمة جاریتہ اس صورت میں حصونہم کا اعتماد مبتدا پر ہوگا۔

فاتاهم الله مفسر رحمہ اللہ نے حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے اسلئے اب یہ شبہ بھی نہیں کہ اللہ تو آنے جانے سے پاک ہے یہ اجسام اور حوادث کی صفات ہوتی ہیں کیونکہ امر الٰہی کا آنا مراد ہے تفسیری عبارت ''من جهة المؤمنين'' میں اضافت بیانیہ ہے یعنی عذاب الٰہی مؤمنین کی طرف سے آیا ہے جس کا انہیں وہم وگمان بھی نہیں تھا کعب بن اشرف جو یہود کا سرگروہ تھا اس کو محمد بن سلمہ انصاریؓ نے قتل کر ڈالا جو اس کے رضاعی بھائی تھے۔

من لينة مفسر نے نخلہ کہہ کر دونوں کے ہم معنی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ ابن عباس، عکرمہ، عطیہ، مجاہد، عمرو بن میمون، زہری سے منقول ہے کہ اللینۃ الوان النخل کلہا الا العجوۃ اور زمخشری لینۃ کے متعلق کہتے ہیں ماعدا العجوۃ والبریۃ وہما اجود النخل۔

فباذن الله مفسر نے علت محذوفہ کی طرف اشارہ کیا ہے ای اذن لكم في القطع ليخزى الخ وانتم منتهون عن الفساد في الارض فنزلت ما افاء الله، فی کے معنی رجوع کے ہیں گویا اصل سے سارا مال اللہ کے رسول ﷺ اور مؤمنین کا تھا جس پر یہود قابض ہو گئے تھے اب پھر وہ مال مسلمانوں کے پاس واپس ہو گیا اور بے محنت ومشقت مل گیا اسی لئے لارکاب فرمایا (خیبر مدینہ سے دوسو میل کے فاصلہ پر ہے) چنانچہ فئے اسی مال کو کہتے ہیں جو بغیر غزوہ اور جہاد کے حاصل ہو جائے وہ پیغمبر کے لئے خاصہ کہلاتا ہے پیغمبر جہاں چاہے اسکو صرف کرے اور اس کے خلفاء متولی اور نگران ہوتے ہیں اس مال کی مثال اس جیسی ہے جس کا مالک معلوم نہ ہو یا ایسا ترکہ جس کا کوئی وارث نہ ہو، یا جزیہ کی رقم اور ذمیوں سے آمدنی یا زمین کا خراج، مال فئے کا حکم مال غنیمت جیسا نہیں کہ عام مجاہدین پر تقسیم ہو بلکہ وہ خاصہ ہوتا ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال فئے مہاجرین میں تقسیم فرمایا اور انصار میں سے صرف تین غریبوں کو عنایت فرمایا یعنی بقول بغوی ابو دجانہ اور سہل بن حنیف اور حارث بن الصمۃ کو، بقول زہری صرف اول الذکر دو کو دیا۔

من اهل القرى ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے بنوقریظہ اور بنونضیر مراد ہیں جو مدینہ میں رہتے تھے............اور فدک اور خیبر اور قری عرینہ اور ینبع بھی مراد ہیں، ینبع ایک قلعہ اور ڈیوڑھی سی تھی جس میں چشمے باغات اور کھیت تھے، مال فئے کی تقسیم میں اختلاف ہے، بعض نے تو ظاہر آیت کی وجہ سے چھ حصے کئے جن میں سے اللہ کا حصہ تو بیت اللہ، مساجد وغیرہ میں صرف کیا جائے گا اور بعض کی رائے ہے کہ اللہ کا ذکر تو بطور تعظیم وتبریک کے ہے، چنانچہ قرطبی نے شوافع کی رائے بتلائی کہ اس آیت سورۂ انفال کی آیت کے معنی ایک ہی ہیں یعنی فئے کے پانچویں حصے کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ چاروں مذکورہ اقسام پر تقسیم کر دیا جائے گا اور باقی حصے آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص ہوں گے وہ جہاں چاہیں رفاہ عامہ کے کاموں میں صرف کریں اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء قائم مقام ہونگے اور ان اوقاف کے متولی سمجھے جائیں گے، البتہ امام شافعی کے ایک قول میں تو آپ کے مال فئے کے مستحق جہاد میں شریک ہونے والے مجاہدین ہونگے اور دوسرے قول میں اس کا مصرف عامہ مسلمین کے مصالح ہونگے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے لیس لی من غنائمکم الا الخمس والخمس مردود فیکم، آنحضرت ﷺ کے قرابت دار بنوہاشم اور بنومطلب اس لئے مستحق ہیں کہ وہ زکوۃ وصدقات نہیں لیتے، اس لئے مال فئے میں ان کا حق رکھا گیا، بہرحال فئے میں فقراء کا استحقاق نہیں ہے اور ابن السبیل اگرچہ مالدار ہو وہ بھی مصرف ہے کیونکہ روپیہ سر دست اسکے پاس نہیں ہے، قافلہ سے بچھڑ گیا ہے اور گھر سے بھی الگ ہے، مفسر نے ولہ الباقی مکرر اکر اپنے مسلک کی رعایت سے تاکید کر دی۔

للفقراء لفظ اخرجوا اس میں اشارہ ہے کہ مسلمانوں کے مال پر اگر کفار کا غلبہ ہو جائے تو کفار مالک ہو جائیں گے، کیونکہ اللہ نے مہاجر مسلمانوں کو فقیر کہا، حالانکہ مکہ میں جائیداد اور مال ودولت رکھتے تھے، معلوم ہوا کہ کافروں کے قبضہ میں چلے جانے سے یہ فقیر ہو گئے۔

یبتغون یہ حال ہے اور ینصرون بھی اس پر معطوف ہو کر حال ہے، لیکن حال مقدرہ ہے ای ناوین نصرۃ اللہ ورسولہ اذ وقت خروجہم۔

والذین تبوءو بقول زمخشری المہاجرین پر عطف ہے یعنی للفقراء المہاجرین پر عطف ہے گویا عطف مفردات ہے۔

یحبون حال ہے یا مبتداء اور یحبون اس کی خبر ہوگی، مفسرؒ نے الفوہ نکال کر اشارہ کیا ہے کہ یہ آیت علفتھا تبنا و مائھا باردا کے قبیل سے ہے، کیونکہ تبوء کا تعلق صرف دار سے ہے اور الایمان کا عامل الفوہ محذوف ہے، الفتِ ایمانی مراد ہے، اختصار کلام کی وجہ سے ایسا عطف جائز ہے، اور بعض نے تقدیر عبارت اخلصوا الایمان نکالی ہے اور بعض نے تبوء کے معنی نزول کے لئے ہیں اور بطور مجاز نزول سے لزوم مراد لیا ہے، ای الزموا المدینۃ والایمان اور بعض نے عبارت اس طرح مانی ہے، تبوؤدار الہجرۃ ودار الایمان، اول سے مضاف الیہ اور ثانی سے مضاف حذف کر دیا اور مضاف الیہ کے عوض مضاف پر الف لام داخل کر دیا، مہاجرین کے بعد اس آیت میں انصار کی منقبت ہے، ویؤثرون ای المہاجرین مفعول محذوف ہے

خصاصۃ، قاموس میں ہے کہ خصاص اور خصاصۃ کے معنی فقر وخلل کے ہیں۔

ومن یوق شح، یوق وقایہ سے مجہول صیغہ ہے، محفوظ رکھنا اور شح کہتے ہیں حرص وبخل، ضمہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح ہے۔

ربط آیات: .... پچھلی سورۃ مجادلہ کے آخری حصہ میں زیادہ تر منافقین کی مذمت اور ان کی یہود دوستی کا ذکر تھا، اب سورۃ حشر کی ابتدائی آیات میں یہود کی کچھ سزا کا اور منافقین کی دوستی کا کارآمد نہ ہونا بیان کیا جا رہا ہے، اسی سزا کے ذیل میں یہود کی جلاوطنی اور بعض احکام بھی ارشاد فرمائے گئے ہیں اور سورت کے آخری حصہ میں مسلمانوں کو کفار کے طور وطریق سے بچنے کے لئے آخرت کی تیاری کا حکم ہے اور یہ کہ وہ احکام الٰہیہ کی مخالفت سے بچیں، اور تاکید وتقویت کے لئے صفاتِ جلالیہ اور جمالیہ کا بیان ہے، پس اس طرح اخیر کے حصہ میں ابتدائی اجمال فاعتبروا کی فی الجملہ تفصیل بھی ہوگئی۔

شان نزول وروایات: .... پوری سورۃ حشر یہود بنونضیر کے سلسلہ میں نازل ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہود سے صلح کا معاہدہ ہوگیا، اس صلح میں قبیلہ بنونضیر بھی شریک تھا، جو مدینہ سے مشرقی جانب دو میل کے فاصلہ پر رہتا تھا، اسی اثناء میں عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ سے مسلمانوں کے دو خون ہوگئے۔ اس کے خون بہا کے سلسلہ میں بنونضیر کو شامل کرنے کے لئے آپ ان کی ڈیوڑھی پر تشریف لے گئے، تو ان لوگوں نے بظاہر آمادگی ظاہر کر کے آپ کو تو ایک جگہ بٹھا دیا کہ ہم ابھی انتظام کئے دیتے ہیں اور خود ایک سازش میں لگ گئے کہ اوپر سے آپ پر چکی کا پاٹ لڑھکا دیا جائے، تاکہ آپ کا کام تمام ہو جائے، اور روز بروز کا یہ قصہ ختم ہو۔ لیکن بذریعہ وحی آپ کو اس منصوبہ کا علم ہوگیا تو آپ وہاں سے اٹھ آئے اور کہلا بھیجا کہ چونکہ تم نے نقضِ عہد کیا ہے، اس لئے تمہیں دس دن کی مہلت ہے، اس مدت میں جہاں چاہو چلے جاؤ، ورنہ اس مدت کے بعد پھر جو شخص نظر پڑے گا اس کی گردن ماردی جائے گی، چنانچہ بنونضیر نے کہیں چلے جانے کا تہیہ کر لیا، لیکن عبداللہ بن ابی نے اور بقول محمد بن اسحٰق وغیرہ ودیعہ بن مالک اور سوید ودائل نے بھی ان کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ تم کہیں مت جاؤ، میرے ساتھ دو ہزار کی جمعیت ہے اپنی جان دے دیں گے مگر تم پر آنچ نہ آنے دیں گے، بنونضیر اس بھرم میں آگئے اور آنحضرت ﷺ کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم کہیں نہیں جاتے، آپ سے جو ہو سکے کر لیجئے۔ یہ سن کر آپؐ نے چڑھائی کر دی، وہ لوگ تو قلعہ بند ہوگئے اور منافقین منہ چھپا کر بیٹھ گئے، سامنے نہیں آسکے، چنانچہ آپؐ نے ڈیوڑھی کا محاصرہ کر لیا اور باغات کو کٹوا دیا، درختوں کو جلوا دیا، آخر تنگ آکر انہوں نے کہیں نکل جانا منظور کر لیا، آپ نے فرمایا ہتھیاروں کے علاوہ سب کچھ لے جانے کی اجازت ہے، اس طرح کچھ لوگ شام اور کچھ خیبر چلے گئے، اور حرص اور حسد کی حد کر دی کہ گھروں کی چوکھٹ، بازو، کڑی، تختے ایک ایک کر کے سب سامان لادلے گئے یہ ابتدائی جلاوطنی ۴ھ میں ہوئی جو حشر اول ہے، پھر فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں سب کو شام کی طرف نکال دیا یہ حشر ثانی ہوا اسی لئے شام کو ارض المحشر بھی کہتے ہیں اس تفصیل

کے پس منظر میں بھی کچھ واقعات ہیں، مثلاً معاہدۂ صلح کا حاصل یہ تھا کہ یہود غیر جانبدار رہیں گے، نہ مسلمان ان سے مدد کے خواہاں ہونگے اور نہ یہود مسلمانوں کے دشمنوں سے ساز باز کریں گے چنانچہ بدر میں جب مسلمانوں کی فتح ہوئی تو کہنے لگے کہ محمد تو نبی موعود ہیں اور جب احد میں شکست ہوئی تو تردد میں پڑ گئے حتی کہ کعب بن اشرف چالیس سواروں کو ہمراہ لے کر مکہ گیا اور مشرکین سے بات چیت کی، قریش بولے کہ تم اور محمد دونوں اہل کتاب ہو ہمیں تم پر اطمینان نہیں، آج معاہدہ کر کے کل کو باہم مل بیٹھو گے اس لئے ہمارے بتوں کو سجدہ کرو تو ہم جانیں کہ تم قابل اعتماد ہو چنانچہ کعب بن اشرف وغیرہ نے بتوں کو سجدہ کرلیا، ادھر ابوسفیان نے کہانحن اهدى سبيلاام محمد؟ کعب نے کہاانتم جس کو آیت الم تر الى الذين اوتوا نصيبامن الكتاب يؤمنون بالجبت والطاغوت ويقولون للذين كفروا هؤلاء اهدى من الذين آمنوا سبيلا میں ذکر فرمایا گیا چنانچہ کعبۃ اللہ کے سامنے قریش و یہود کا معاہدہ ہوگیا، معذرنے کعب کے رضاعی بھائی محمد بن مسلمہ انصاری کو مامور فرمایا انہوں نے اس کو گھات لگا کر موت کے گھاٹ اتار دیا اسکے بعد اکیس روز بنونضیر کا محاصرہ فرمایا، پندرہ روزہ لڑائی کے بعد بنونضیر لڑائی موقوف کرنے پر مجبور ہوگئے، آنحضرت ﷺ نے جب باغات اور درختوں کے کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا تو یہود کہنے لگے يا محمد كنت تنهى عن الفساد فى الارض فمابال قطع النخل وتحريقها اور بعض مسلمانوں کو بھی اس میں تأمل ہوا تو آیت ماقطعتم من لينة الخ نازل ہوئی، زمانہ جاہلیت کا دستورِ جنگ یہ تھا کہ مال غنیمت کا چوتھائی سردار کا ہوتا اور بقیہ مال کا زیادہ حصہ اغنیاء لے لیا کرتے اور تھوڑا بہت عام لڑنے والوں کے حصے میں آتا لیکن اسلام نے آکر غنیمت اور فیئے دونوں کے اصول کو بدل دیا، آیت ماافاء اللّٰه سے دولة بين الاغنياء تک اسی کا رد اور قانون اصلاح کا بیان ہے، آیت ماآتكم الرسول عام ہے جہاد اور غیر جہاد تمام احکام امر و نہی کو شامل ہے للفقراء حنفیہ نے اس سے استیلاءِ کفار کو سبب ملک قرار دیا ہے لیکن شوافع اشارۃ النص کے اس اصول کو نہیں مانتے ان کے نزدیک فقراء کہنا مال سے دور ہونے کی وجہ سے ہے والذين جاءوا من بعدهم حضرت عمر کا ارشاد ہے دخل فى هذاالفىء لكل من هو مولود الى يوم القيامة فى الاسلام استوعبت هذه الاية للمسلمين عامة ۔

﴿تشریح﴾: .... فاعتبروا يااولى الابصار یعنی دانشمندوں کو بنونضیر کے انجام سے عبرت پکڑنی چاہئے کہ انہوں نے خود اپنے ہاتھوں تباہی مول لی، عبرت کہتے ہیں مماثل چیزوں میں غور و تامل کرنے کو، قیاس بھی اسی کی نظیر ہے۔

قیاس واعتبار کسے کہتے ہیں: .... چنانچہ شریعت میں احکام مشروعہ کی کوئی نہ کوئی علت ہوا کرتی ہے جہاں جہاں وہ علت پائی جائے گی احکام بھی دائر رہیں گے، جیسا کہ واقعات کے اسباب ہوتے ہیں، جہاں وہ اسباب ہونگے وہاں قیاس کو بھی ان سے وابستہ مان لیا جائے گا، پس اس طرح قیاس کا حجت ہونا عقلی ہوا یعنی ایسی دلالۃ النص سے ثابت ہو رہا ہے جو قیاس کے مشابہ ہے، بعینہ قیاس سے ثابت نہیں ہے، ورنہ دور لازم آئے گا، یا یوں کہا جائے گا کہ حق تعالیٰ نے عبرت واعتبار کا حکم دیا ہے اور اعتبار کسے کہتے ہیں کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانے کو، اور یہ عام ہے خواہ قیاس ہو یا مثلیات دونوں کو عبرت واعتبار کہا جائے گا اس صورت میں قیاس کا حجت ہونا عبارۃ النص سے ثابت ہو جائے گا، بقول اکثر علماء کے یعنی بقول صاحب توضیح اشارہ النص سے قیاس کا حجت ہونا ثابت ہو جائے گا، بہر حال یہ دلیل عقل و نقل کی جامع ہے اسی لئے بعض اصولی تو اس کو عقلی دلیل کہتے ہیں اور بعض نقلی، صاحب مدارک اور قاضیؒ نے بھی اس سے استدلال کیا ہے البتہ قیاس کے حجت ہونے کی واضح نقلی دلیل حدیث معاذ ہے، اسی طرح معاملات وغیرہ کے بیشتر مسائل اجتہادی اور قیاسی ہیں، جیسا کہ حدیث ربوا اس کی شاہد ہے، اس لئے روافض وغیرہ کا قیاس واجتہاد سے انکار غلط ہے اور قرآن کی تفسیر کو رسول اللہ ﷺ اور اپنے ائمہ معصومین کے ساتھ مخصوص سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

جہاد میں دشمن کے مال کو کیوں تلف کیا جاتا ہے:......... ما قطعتم من لینۃ، اس سے کفار کے مال وجائیداد کو دارالحرب میں تباہ کرنے کی اجازت معلوم ہو رہی ہے، تاکہ کفار غیظ میں مبتلا ہوں جیسا کہ صاحب کشاف اور قاضی بیضاوی نے تصریح کی ہے چنانچہ روایت میں ہے کہ ایک مسلمان عجوہ کھجور کا درخت اور دوسرا لینہ کھجور کا درخت کاٹ رہا تھا، آنحضرت ﷺ نے ان سے وجہ دریافت کی تو انہوں نے عرض کیا کہ کافروں کو جلانے کے لئے یہ درخت کاٹے ہیں اور فلاں فلاں درخت آپ کے لئے چھوڑ دئے ہیں، چنانچہ اس سے نہ صرف اجتہاد کا جواز معلوم ہوا جبکہ آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں بھی اجتہاد کی اجازت نکلی حتی کہ صاحب کشاف نے اپنے مسلک اعتزال کی رعائت کرتے ہوئے کل مجتهد مصیب پر اسی سے استدلال کیا ہے۔

روح المعانی میں لکھا ہے کہ کفار کو جلاوطن کرنا ابتدائے اسلام میں مشروع تھا لیکن بعد میں منسوخ ہو گیا، حالانکہ صاحب ہدایہ نے فئے کی بحث میں لکھا ہے ''الاراضی للتی اجلوا عنہا اہلہا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم باقی ہے مگر اس اختلاف کے معلق کہا جا سکتا ہے کہ جن حضرات نے جلاوطن کرنے کو ''امامنا'' میں داخل سمجھا ہے انہوں نے من کی طرح اس کو بھی منسوخ کہا ہے اور جنہوں جائز کہا ہے انہوں اس کو ایسا سمجھا جیسا مقابلہ کے وقت بھاگنے لگیں، اور کسی مصلحت سے ان کا تعاقب نہ کیا جائے تو صلح کی طرح اور یہ چھوڑنا بھی جائز ہوگا، اسی طرح جلاوطن کرنا بھی گویا ان کو چھوٹ دینا ہے، بہر حال آنحضرت ﷺ کو بنونضیر سے پچاس زرہیں، پچاس خود، تین سو چالیس اونٹ اور بہت سا مال اور زمین ہاتھ آئی، جو خالصہ میں شامل ہوئی اور مال غنیمت کی طرح اس میں سے خمس نہیں نکالا گیا، جس کی تفصیل آگے ہے۔

مالِ فئے اور غنیمت میں فرق ہے:......... ماافاء اللہ سابقہ کاروائی تو بنونضیر کا جانی معاملہ تھا، یہاں سے مال کے متعلق معاملہ کا ذکر ہے دارالحرب سے جو مال قتال وجہاد کے نتیجے میں حاصل ہو وہ غنیمت کہلاتا ہے اور جو مال بغیر قتال حاصل ہو وہ فئے ہے، بنونضیر کا تمام مال اور باغ فدک اور نصف خیبر یعنی کتیبہ، وطیح، سلالہ کے علاقے سب فئے میں داخل ہیں لیکن باقی نصف خیبر یعنی شق، نطاۃ کا علاقہ فئے نہیں تھا، بلکہ جہاد وقتال کے بعد حاصل ہوا جیسا کہ ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے تخریج کی ہے صاحب ہدایہ کے مطابق امام صاحب کے نزدیک مال فئے میں خمس نہیں ہے، البتہ جو علاقہ قتال کے بعد حاصل ہوا اس میں تقسیم کے وقت خمس نکالا جاتا ہے، جس کے مصارف کا بیان سورۂ انفال میں گزر چکا ہے۔

فئے اور غنیمت کے احکام:......... روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ مالِ فئے کے مالک ہیں یا حاکم، اس میں جو مصارف آپ کو بطور واجب یا استحباب بتلائے گئے، ان کو ایسا سمجھنا چاہئے، جیسے اور لوگوں پر زکوۃ وخیرات کے احکام ہیں، البتہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد پھر ان میں وراثت اور ترکہ نہیں تھا بلکہ وہ وقف ہے، جیسا کہ بخاری ومسلم میں روایات ہیں، آنحضرت ﷺ نے بنونضیر کے مال کا اکثر حصہ مہاجرین اور تین حاجتمند انصار کو تقسیم فرما دیا اور خیبر کی آمدنی سے فقرائے مہاجرین کی اور فدک سے مسافروں کی امداد فرماتے، آیت وماافاء اللّٰہ میں اسی خصوصیت کا ذکر ہے کیونکہ بعض لوگوں نے عرض کیا تھا کہ وہاں کی زمین کیوں نہیں تقسیم کی گئی، جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس فتح میں مسلمانوں کو کچھ کرنا نہیں پڑا، اس لئے اس میں استحقاق جتلانا بھی بے محل ہے یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے پیغمبر مالکانہ یا حاکمانہ تصرف کے مجاز بنائے گئے ہیں، آپ کے سالانہ خانگی اخراجات، مہاجرین اور مسافروں اور غرباء کی دیکھ بھال اسی سے ہوگی، اور آپ کی وفات کے بعد اس کے مصارف بقول صاحب ھدایہ مصالح عامہ ہونگے مثلاً سرحدات کی حفاظت، پلوں، سراؤں کی تعمیر، علماء، عمال، قاضیوں کے وظائف، فوجیوں کے اخراجات، شہداء کی اولاد، وغیرہ کی پرورش، جہادی سامان کی فراہمی وغیرہ ضروریات اس سے پوری کی جائینگی، بلکہ خمس غنیمت کے جو مصارف یتیم مسکین ومسافر ہیں وہ بھی ان عام مصالح میں شمار ہونگے، اور جس طرح فقراء مہاجرین وانصار اس میں داخل ہیں، بعد میں ان کی نسلیں بھی اس میں داخل ہونگیں، کیونکہ مصالح عامہ میں وہ بھی آتے ہیں، البتہ امام اور خلیفہ ایسی زمین کا کسی کو مالک بنا سکتا ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے

،جیسا کہ رد المحتار اور درمختار کی فصل جزیہ کے قریب کی عبارت سے مفہوم ہورہا ہے، دوسری، چوتھی، پانچویں آیت میں ان سب کا ذکر ہے اور حضرت عمر کی روایت بھی اس کی مؤید ہے۔

مسلمانوں کا امام حاکمانہ اختیارات رکھتا ہے نہ کہ مالکانہ:......... البتہ ان مصارف کی تعیین اور تحدید امام کی رائے سے ہوگی، تاہم امام کو حاکمانہ اختیارات ہونگے، مالکانہ اختیارات نہیں ہونگے، اور حضور ﷺ کو مالکانہ اختیارات حاصل تھے، یعنی خرید وفروخت اور ہبہ وغیرہ بھی کرسکتے تھے، اور درمنثور کی روایت کے مطابق پہلے خمس غنیمت کے مصارف بھی وہی تھے جو فیئ کے مصارف ہیں، لیکن پھر حشر کی آیت سورۃ انفال کی آیت سے منسوخ ہوگئی اور ان کے لئے بھی خمس مقرر ہوگیا، مگر چونکہ سورۃ انفال کی آیت بظاہر غزوہ بدر کے موقع پر نازل ہوئی اور بدر واقعہ بنونضیر سے پہلے ہے، اس لئے قتادہ کا یہ محل خلاف ظاہر معلوم ہوتا ہے، یہ گفتگو تو حنفیہ کے مسلک پر ہوئی، امام شافعیؒ کے نزدیک غنیمت کی طرح فیئ بھی خمس میں ہے، اور بقیہ چار خمس مذکورہ مصارف پر صرف ہونگے، جیسا کہ حدیث صحاح میں ہے، مالی مما افاء اللہ تعالیٰ **علیکم الا الخمس و الخمس مردود علیکم**، پس فیئ میں بھی خمس ہوا، یہاں جن مصارف کا ذکر ہے وہ اسی خمس کے مصارف ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ماافاء اللّٰہ فللّٰہ وللرسول الخ ظاہر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام "ماافاء اللّٰہ" کے یہ مصارف ہیں، صرف خمس کے مصارف نہیں ہیں، اور مذکورہ حدیث "مالی مما افاء اللّٰہ الخ" میں ممکن ہے کہ فیئ سے مراد غنیمت ہو۔

حنفیہ کا مسلک:......... شیخ ابوبکر رازی حنفی نے احکام القرآن میں نقل کیا ہے کہ مال غنیمت خمس نکالنے کے بعد لشکریوں کا حق ہے کہ فیئ میں لشکر کا حق نہیں ہے، آنحضرت ﷺ فیئ میں مالکانہ تصرف کا حق رکھتے ہیں، اور آپ ﷺ کے جانشین حاکمانہ تصرف کے مجاز ہیں، مگر مصالح عامہ میں یہ حکم اموال منقولہ کا ہے، غیر منقولہ میں امام کو اختیار ہے کہ مصلحت سمجھے تو لشکریوں میں تقسیم کردے مصلحت نہ سمجھے تو مصالح عامہ کے لئے رہنے دے، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے سوادِ عراق میں بعض اکابر صحابہؓ کے مشورہ سے یہی عمل درآمد رکھا۔

اسی کے مطابق شیخ ابوبکر حصاصؒ نے آیت انفال و اعلموا کو اموال منقولہ پر اور آیات حشر کو اموال غیر منقولہ پر محمول کیا ہے۔ اس طرح کی پہلی آیت وما افاء اللہ علیٰ رسولہ منھم کو حکم فے پر اور دوسری آیت ما افاء اللہ علیٰ رسولہ من اھل القریٰ کو حکم غنیمت پر محمول کیا ہے اور ابھی گزرا کہ غنیمت کو لغۃً فیئ سے تعبیر کرسکتے ہیں۔

شروع سورت میں واقعہ بنونضیر ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے مال فیئ کو آپ کی صوابدید پر رکھا ہے۔ اگر آپ مذکورہ لوگوں کو دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔ خواہ یہ جہاد میں شریک ہوں یا نہ ہوں۔ اللہ کا حصہ تبرکاً کہا۔ البتہ کعبہ اور مساجد میں خرچ کیا جاسکتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا مالکانہ اختیار اور ان کے قرابت داروں کا استحقاق آپ کی حیات تک ہے۔ اب صرف یتیم، مسکین، مسافر مصرف ہیں۔

حضور ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کو دولت مند ہونے کے باوجود اس مال میں سے دیا۔ کیونکہ قرابت داروں کو آپ کی نصرت تھی۔ امیر ہوں یا غریب۔ البتہ آپ کے بعد حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ آپ کے غریب صاحب حاجت قرابت داروں کو بھی دیا جاسکتا ہے۔ محقق تھانوی قدس سرہ نے سورہ براءت کی طرح اس مقام کو بھی غامض اور دقیق فرمایا ہے پس ان کے اس بیان کی تسہیل تو اور بھی ادق ہوگی۔

تفسیرات احمدیہ کی تحقیق انیق:......... صاحب تفسیرات نے اس مقام کی نزاکت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا ہے۔ **اعلم ان ھھنا ابحاث الشریعہ و نکات لطیفۃ لا یحرم حولھا کل واحد من العلماء ویغفل عنھا جم کثیر من الاذکیا** ۔ طلبہ کے مطالعہ کے لئے کچھ اس کی تلخیص حاضر ہے۔ قرآن کریم میں دو جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ سورۂ انفال میں لفظ غنیمت کے ساتھ وہاں فے کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ اور سورۂ حشر میں فے کے لفظ سے بیان کیا۔ یہاں غنیمت کا لفظ نہیں آیا اور غنیمت کے سلسلہ میں آیت **واعلموا انما غنمتم من شئ فان للّٰہ**

خمسه وللرسول ولذی القربیٰ والیتامی والمساکین وابن السبیل میں صرف خمس کے مصارف بیان کئے اور باقی چار خمس سے سکوت کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ لشکر کا حصہ ہے اور سورہ حشر میں فے کا ذکر دومرتبہ آیا ہے مگر خمس کو بیان نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ سارا مال فے ان مصارف پر خرچ کیا جائے گا۔ نیز یہاں فقراء مہاجرین کا بھی اضافہ ہے اور فے کی دونوں آیتیں بلا فصل اور بغیر عطف کے ہیں۔ اب اس کی دوصورتیں ہیں ایک تو بقول کشاف وبیضاوی یہ ہے کہ دوسری آیت پہلی آیت کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مال فے بھی وہیں خرچ کریں جہاں خمس وغنیمت خرچ فرماتے ہیں۔ اہل بصیرت نے اسی کو پسند کیا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ پہلی آیت کا تعلق واقعہ نضیر سے ہے وہ مال رسول اللہ کا خاصہ ہے۔ اس میں کسی اور کا حق نہیں اور دوسری آیت میں عام غنیمت کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ جو لشکر اسلام کی مدد سے حاصل کی جائے اور مصارف مذکورہ خمس غنیمت کے ہوں گے۔ کل غنیمت کے نہیں ہوں گے جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے ہے اور یہی صاحب مدارک کے نزدیک مختار ہے۔ قاضی بیضاوی کے کلام سے غنیمت و فے میں فرق ہے۔ غنیمت تو وہ مال ہے جو جہاد وقتال سے حاصل ہو اور فے وہ مال ہے کہ کافر خود بھاگ کھڑے ہوں اور گھربار چھوڑ جائیں۔ چنانچہ "واعلموا انما غنمتم" میں غنیمت کی نسبت صحابہ کی طرف کی گئی ہے جو مجاہدین تھے۔ اور ما افاء اللہ میں فے کی نسبت اللہ نے اپنی طرف فرمائی ہے۔ چنانچہ کتب حدیث میں دونوں کے ابواب الگ الگ قائم کئے گئے ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ المصابیح میں انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے آیت انما الصدقات الخ پڑھ کر فرمایا. هذه لهولا پھر آیت واعلموا انما غنمتم پڑھ کر فرمایا۔ هٰذه لهٰولاء پھر آیت ما افاء اللہ الخ پڑھی اور آیت والذین جاء وا من بعدهم پڑھ کر فرمایا۔ هذه استوعبت المسلمین کافة فلئن عشت فلیاتین الراعی وهو بسرو حمیر نصیبه منها لم یعرق فیها جبینه۔

فاروق اعظمؓ کی رائے: .... نیز حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے تین صفایا تھے۔ بنونضیر، فدک، خیبر، بنونضیر ہنگامی ضروریات کے لئے تھا۔ اور فدک مسافروں کے لئے اور خیبر کے حضور ﷺ نے تین حصے فرما رکھے تھے۔ دو تہائی مسلمانوں کی ضروریات کے لئے اور ایک تہائی خانگی اخراجات کے لئے تھا۔ اس میں جو کچھ بچ رہتا تھا اس کو فقرائے مہاجرین پر صرف فرما دیتے۔ (ابوداؤد)

البتہ فقہاء کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں میں فرق نہیں کرتے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کرتے رہتے ہیں۔ "باب الاستمان" میں ایک جگہ لکھتے ہیں "فیئی الکل فیئا وغنیمۃ"، ممکن ہے اس لئے ہو کہ دونوں کا مفہوم ایک ہے یا دونوں کا حکم یعنی تخمیس الخمس ایک ہے۔ اسی طرح اہل اصول نے اشارۃ النص کی بحث میں لکھا ہے۔ کہ ان قوله تعالیٰ للفقراء المهاجرين لا يجاب معهم من الغنيمة لهم وفيه اشارة الى زوال املاکهم الى الكفار بالاستيلاء. اس سے بھی غنیمت و فے کا ایک ہونا معلوم ہوتا ہے۔

حاصل کلام: .... حاصل یہ نکلا کہ دونوں متحد ہیں تو پھر مصارف بھی وہی ہوں گے جو غنیمت کے ہیں اگر الگ الگ ہیں تو پھر فئے آپ کے صوابدید پر ہوگی۔ اللہ کا حصہ، حنفیہ اور شوافع دونوں کے نزدیک محض تبرکا ہے۔ البتہ آنحضرت ﷺ کا حصہ شوافع کے نزدیک آپ کے بعد امام وقت کے لئے ہوگا مال غنیمت میں، لیکن حنفیہ کے نزدیک مال غنیمت اور مال صفی دونوں آپ کے بعد ساقط ہو جائیں گے، اسی طرح شوافع کے نزدیک ذوی القربیٰ کو بھی دیا جائے گا، لیکن حنفیہ کے نزدیک یہ حصہ آپ کی نصرت کی وجہ سے تھا، لیکن اب وہ بھی ساقط ہے البتہ کوئی حاجتمند ہو تو دیا جا سکتا ہے اور قرابت داروں میں صرف بنی ہاشم اور بنی مطلب آتے ہیں، عبد شمس اور نوفل کی اولاد نہیں آتی، چنانچہ آپؐ نے حضرت عثمان اور جبیر بن مطعم کو خمس غنیمت میں سے بھی نہیں دیا، اور دریافت کرنے پر فرمایا کہ بنو ہاشم و بنو مطلب دونوں ہمارے ساتھ اسلام سے پہلے اور بعد میں اس طرح رہے جیسے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں گھسا دی جائیں، پس معلوم ہوا کہ قرابت حملیہ

مراد نہیں ہے بلکہ قرابت مودیہ مراد ہے، اور وہ آپ کی حیات کے بعد ختم ہوگئی، البتہ حاجت مند ہوں تو زکوٰۃ کے بجائے غنیمت میں شریک کیا جائے گا، چنانچہ زکوۃ مانگنے پر آپ نے فرمایا تھا کہ "ان اللہ قد حرم علیکم عنہا لہ الناس وھو منکم بخمس الخمس" اس کے بعد آیت للفقراء میں فقراء کا بیان ہے، ان کی تین قسمیں ہیں، ایک مہاجرین جن کا بیان آیت والذین تبوؤا الدار میں ہے، اور تیسرے بعد میں قیامت تک آنے والے فقراء مہاجرین ہیں، جن کا ذکر آیت والذین جاء وا من بعدھم میں ہے (تفسیرات احمدیہ)

لطائف سلوک: .... ما ظننتم اس سے معلوم ہوا کہ تدابیر مستقل طور پر مؤثر نہیں ہوتیں، عارفین کا ایک حال یہی ہوتا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار، عبرت کی حقیقت کسی کو اپنی نظیر کی طرف لوٹانا ہے، قرآن وحدیث میں صوفیاء کی تاویلات اگر شرائط کے مطابق ہوں تو وہ بھی عموم میں داخل ہیں، جنہیں اعتبارات کہا جاتا ہے۔

ماقطعتم، اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف مسلک بشرطیکہ شرعی حدود میں ہو اور خلوص سے ہو تو مضر نہیں اس میں صوفیاء کا مسلکی اختلاف بھی داخل ہے، اسلئے کسی کو کسی پر عیب لگانے کا حق نہیں ہے۔

ویؤثرون علی انفسہم، اس میں ایثار کی فضیلت ہے، بشرطیکہ کوئی شرعی واجب نہ چھوٹے۔

یقولون ربنا، اس میں اسلاف کے لئے دعا کرنے کی ترغیب ہے اور صوفیاء کی تو عادت لازمہ ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے لئے دعا اور ایصال ثواب کرتے رہتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ تَنْظُرْ **اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ** وَهُمْ بَنُو النَّضِيْرِ وَاِخْوَانُهُمْ فِي الْكُفْرِ **لَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ فِي الْاَرْبَعَةِ **اُخْرِجْتُمْ** مِنَ الْمَدِيْنَةِ **لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ** فِي خُذْ لَانِكُمْ **اَحَدًا اَبَدًا لا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ** حُذِفَتْ مِنْهُ اللَّامُ الْمُوْطِئَةُ **لَنَنْصُرَنَّكُمْ ط وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ**﴿۱۱﴾**لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَايَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ج وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَايَنْصُرُوْنَهُمْ. وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ** جَاءُوْا لِنَصْرِهِمْ **لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ** وَاسْتَغْنٰى بِجَوَابِ الْقَسَمِ الْمُقَدَّرِ عَنْ جَوَابِ الشَّرْطِ فِي الْمَوَاضِعِ الْخَمْسَةِ **ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ**﴿۱۲﴾ اَيِ الْيَهُوْدُ **لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً** خَوْفًا **فِيْ صُدُوْرِهِمْ** اَيِ الْمُنَافِقِيْنَ **مِّنَ اللّٰهِ ط** لِتَاْخِيْرِ عَذَابِهٖ **ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ**﴿۱۳﴾ **لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ** اَيِ الْيَهُوْدُ **جَمِيْعًا** مُجْتَمِعِيْنَ **اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ط** سُوْرٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ جُدُرٍ **بَاْسُهُمْ** حَرْبُهُمْ **بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ط تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا** مُجْتَمِعِيْنَ **وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى** مُتَفَرِّقَةٌ خِلَافَ الْحُسْبَانِ **ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ**﴿۱۴﴾ مَثَلُهُمْ فِي تَرْكِ الْاِيْمَانِ **كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا** بِزَمَنٍ قَرِيْبٍ وَّهُمْ اَهْلُ بَدْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ **ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ج** عُقُوْبَتَهٗ فِي الدُّنْيَا مِنَ الْقَتْلِ وَغَيْرِهٖ **وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ**﴿۱۵﴾ مُؤْلِمٌ فِي الْاٰخِرَةِ مَثَلُهُمْ اَيْضًا فِي سِمَاعِهِمْ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ وَتَخَلُّفِهِمْ عَنْهُمْ **كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ**﴿۱۶﴾ كَذِبًا مِنْهُ وَرِيَاءً **فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ** اَيِ الْغَاوِيْ وَالْمُغْوِيْ

وَقُرِئَ بِالرَّفْعِ اِسْمُ كَانَ اَنَّهُمَا فِی النَّارِ خَالِدَیْنِ فِیْهَا ؕ وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۷﴾ الکَافِرِیْنَ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ ۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ تَرَكُوْا طَاعَتَهٗ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اَنْ یُّقَدِّمُوْا لَهَا خَیْرًا اُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا یَسْتَوِیْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ وَّجُعِلَ فِیْهِ تَمْیِیْزٌ كَالْاِنْسَانِ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مُّتَشَقِّقًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ الْمَذْكُوْرُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ فَیُؤْمِنُوْنَ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ اَلسِّرِّ وَالْعَلَانِیَّةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ الطَّاهِرُ عَمَّا لَا یَلِیْقُ بِهٖ السَّلٰمُ ذُوالسَّلَامَةِ مِنَ النَّقَائِصِ الْمُؤْمِنُ الْمُصَدِّقُ رُسُلَهٗ بِخَلْقِ الْمُعْجِزَةِ لَهُمْ الْمُهَیْمِنُ مِنْ هَیْمَنَ یُهَیْمِنُ اِذَا كَانَ رَقِیْبًا عَلَی الشَّیْءِ اَیِ الشَّهِیْدُ عَلٰی عِبَادِهٖ بِاَعْمَالِهِمْ الْعَزِیْزُ الْقَوِیُّ الْجَبَّارُ جَبَرَ خَلْقَهٗ عَلٰی مَا اَرَادَ الْمُتَكَبِّرُ ؕ عَمَّا لَا یَلِیْقُ بِهٖ سُبْحٰنَ اللّٰهِ نَزَّهَ نَفْسَهٗ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ بِهٖ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُنْشِئُ مِنَ الْعَدَمِ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ؕ اَلتِّسْعَةُ وَالتِّسْعُوْنَ الْوَارِدُ بِهَا الْحَدِیْثُ وَالْحُسْنٰی مُؤَنَّثُ الْاَحْسَنِ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۴﴾ تَقَدَّمَ اَوَّلُهَا.

ترجمہ: ...... کیا آپ نے ان منافقین کی حالت پر نظر نہیں کی جو اپنے بھائی کفار اہل کتاب (بنونضیر اور کفر میں ان کے دوسرے ساتھیوں) سے کہتے ہیں کہ اگر (چاروں جگہ لام قسمیہ ہے) تم (مدینہ سے) نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے (ذلیل کرنے کے) معاملے میں ہم کسی کا کہنا نہیں مانیں گے، اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوئی (اس میں لام قسم محذوف ہے) تو ہم تمہاری مدد کریں گے، اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں، واللہ اگر اہل کتاب نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے، اور اگر ان کی مدد کی بھی (ان کی مدد کے لئے آئے بھی) تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے (پانچوں جگہ جواب قسم کے ہوتے ہوئے جواب شرط مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے) پھر ان (یہود) کی کوئی مدد نہ ہوگی، بلاشبہ تم لوگوں کا خوف (ڈر) ان (منافقین) کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے (اللہ کا عذاب مؤخر ہونے کی وجہ سے) یہ اس سبب سے ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں، یہ (یہود) سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے، مگر محفوظ بستیوں میں یا دیوار کی آڑ میں (جدار بمعنی دیوار، اور ایک قراءت میں جدر ہے) ان کی لڑائی آپس میں بڑی تیز ہے، اے مخاطب تو ان کو متفق (متحد) خیال کرتا ہے، حالانکہ ان کے دل منتشر ہیں (گمان کے برخلاف مختلف ہیں) یہ اس لئے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے (ایمان نہ لانے میں بے عقلوں سے تمثیل دی ہے) ان لوگوں کی سی مثال ہے جو ان سے پہلے گزرے ہیں، مشرکین بدر جو حال ہی میں تھے) جو اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں (دنیا میں قتل وغیرہ کے ذریعے) اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے (جو آخرت میں تکلیف دہ ہوگا، یہود کے لئے منافقین سے مثال دی گئی ہے، ان کی باتیں سن کر خلاف کرنے میں) شیطان کی سی مثال ہے کہ انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہو جا، پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں ہے، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں (جھوٹ اور ریاکاری سے کہتا ہے) سو آخری انجام (دونوں بہکانے والے اور گمراہ، ایک قراءت میں رفع ہے کان کا اسم) کا یہ ہوا کہ دوزخ میں گئے، جہاں ہمیشہ رہیں گے، اور ظالموں

(کافروں) کی یہی سزا ہے، اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت) کے لئے اس نے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ، جنہوں نے (فرمانبرداری چھوڑ کر) اللہ سے لاپروائی کی، سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو (نیک کام آگے بھیجنے سے) لاپرواہ بنا دیا، یہی لوگ نافرمان ہیں، دوزخی اور جنتی دونوں برابر نہیں ہیں، جنتی ہی کامیاب ہیں، اس قرآن کو اگر ہم کسی پہاڑ پر اتارتے (اور انسان کی طرح ان میں سمجھ داری دی جاتی) تو تو اس کو دیکھتا کہ اللہ کے خوف کے مارے دب جاتا اور پھٹ جاتا (ٹکڑے ہو جاتا) اور یہ (مذکورہ) عجیب مضامین لوگوں کے لئے ہم بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں (اور ایمان لے آئیں) اللہ ہی ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے وہ پوشیدہ اور ظاہری (چھپی کھلی) چیزوں کا جاننے والا ہے وہی بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے وہ ایسا معبود ہے کہ اسکے سوا اور کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ ہے (نامناسب باتوں سے) پاک ہے، صحیح سالم (نقائص سے بری) اطمینان دلانے والا (معجزات کے ذریعے پیغمبروں کی تصدیق کرنے والا) نگہبانی کرنے والا (ھیمن یھیمن سے ماخوذ ہے، کسی کا نگران ہونا یعنی اپنے بندوں کے اعمال کا محافظ) زبردست (طاقت ور) خرابی کو ٹھیک کرنے والا (مخلوق کے بگاڑ کو اپنے ارادہ کے مطابق درست کرنے والا) بالادست ہے (نالائم باتوں سے) اللہ پاک ہے (اس نے اپنی پاکی بیان کی) لوگوں کے شرک سے۔ وہ معبود ہے پیدا کرنے والا، ایجاد کرنے والا (ناپید سے پیدا کرنے والا) صورت بنانے والا ہے، اس کے اچھے اچھے نام ہیں (ننانوے نام، جو احادیث میں آئے ہیں، حسنیٰ احسن کا مؤنث ہے) اسکی تسبیح کرتی ہیں آسمان و زمین کی سب چیزیں، اور وہی زبردست حکمت والا ہے، (شروع سورۃ میں یہ الفاظ گزر چکے ہیں)۔

تحقیق وترکیب:

...........الم تر مخاطب آنحضرت ﷺ ہیں یا ہر سننے والا، عبداللہ بن ابی وغیرہ نے جو بنونضیر سے فریب کیا، اس کی طرف اشارہ ہے، منافقین اگرچہ قبیلہ خزرج کے ہیں مگر ان کو کفر کے اعتبار سے بھائی کہا۔

لئن اخرجتم، مفسر نے چار جگہ لام قسمیہ کہا، پانچویں جگہ "ان قوتلتم" ہے جہاں لام قسمیہ محذوف ہے یعنی قسم مقدر ہے ماقبل پر اعتماد کرتے ہوئے **لیولن الادبار** ۔یعنی جواب قسم مقدر موجود ہے اور جواب شرط محذوف ہے، اسی لئے مذکورہ افعال مرفوع ہیں جواب قسم ہونیکی وجہ سے پانچوں جگہ یعنی **لنخرجن لننصرن، لایخرجون، لا ینصروھم، لیولن الادبار، ثم لاینصرون** ۔یعنی ان کے مددگار منافقین جب خود شکست کھا جائیں گے تو یہود کس طرح منصور ہو سکتے ہیں۔

قلوبھم شتیٰ . یعنی خلافِ توقع ان کے دل غیر متحد ہیں۔

لایعقلون، پہلے لایفقھون کہا اور یہاں لایعقلون کہا کیونکہ وہاں **لانتم اشد رھبۃ فی صدورھم من اللّٰہ** کہا تھا جو دلیل ہے اللہ کی نسبت ان کی جہالت کی، اس لئے وہاں عدم تفقہ مناسب تھا، اور یہاں تحسبھم جمیعا وقلوبھم شتی کہا ہے جو دلیل ہے ان کی بے عقلی کی۔ عقل اگر ہوتی تو دل بچھڑے ہوئے کیوں ہوتے۔

مثل الذین، خبر ہے مبتدائے محذوف مثلھم کی **کمثل الشیطان**، یہاں حقیقی شیطان مراد ہے، انسانی شیطان مراد نہیں ہے، یہود کی پہلی مثال تو مشرکین بدر سے دی گئی اور یہاں شیطان سے دی گئی۔

فکان عاقبتھما، کان کی خبر ہو کر منصوب ہے اور جملہ "انھما فی النار" موضع رفع میں ہے کان کا اسم ہونے کی وجہ ہے، لیکن قراءت رفع میں اس کا برعکس ہے۔

لغد، قیامت کا دن مراد ہے اور غد کہنا قرب کی وجہ سے ہے اور اسلئے کہ گویا کل مدت دو دن ہے ایک دن دنیا کا اور ایک دن آخرت کا اور نکرہ سے اس کی اہمیت کی طرف اشارہ ہے۔

مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ جنت کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے وجدنا ما عملنا ربحنا ما قدمنا خسرنا ما خلفنا (مدارک)۔

و اتقوا اللہ، تاکید کے لئے تکرار ہے یا اول سے واجبات کی ادائیگی اور دوسرے سے منہیات سے باز رہنا مراد ہے۔
علی جبل، زہرۃ الریاض میں لکھا ہے کہ دنیا میں ہزاروں ٹیلوں کے علاوہ ۶۶۷۰ پہاڑ ہیں، مقصد قرآن کریم کی تعظیم ہے۔
عالم الغیب، غیب وشہادت سے مراد سر وعلانیہ یا دنیا وآخرت یا معدوم وموجود ہیں، (مدارک) اور بقول خطیب عالم غیب جو تمام مخلوق سے غائب ہو، یعنی غیب الغیب اور عالم شہادت جو بعض کو معلوم ومحسوس ہو، یہ تقسیم ظاہر ہے کہ مخلوق کے لحاظ سے ہے، اللہ کیلئے کوئی بھی چیز غائب نہیں ہے، اطلاقات شرع عرف کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔
المؤمن، ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو لوگوں کو ظلم سے امن دے اور اہل ایمان کو عذاب سے امن دے، یا انبیاء کی تصدیق بذریعہ معجزات کرے۔
المهيمن، مفیعل کے وزن پر تھا، ہمزہ کو یا سے تبدیل کر دیا، محافظ اعمال۔
الجبار، اصلاح حال بھی مراد ہو سکتی ہے کہ فقیر کو امیر اور شکستہ کو بہتر کر دے، اللہ کی صفت ہو تو مدح کیلئے اور مخلوق کی صفت ہو تو مذمت کیلئے ہے، (خطیب)
ھو اللہ۔ چونکہ آئندہ صفات، ذات الٰہی کیلئے آئینہ ہیں اس لئے پھر مکرر ذکر کر دیا۔

روایات: ...... الم تر الخ یہ آیات واقعہ بنو نضیر کے بعد نازل ہوئیں، جیسا کہ الفاظ آیات اور روایات سے معلوم ہوتا ہے، ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے اسم اعظم کے متعلق پوچھا تو فرمایا ''علیک باخر الحشر''، معقل بن یسارؓ آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص صبح تین مرتبہ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم پڑھ کر سورۃ حشر کی یہ تین آیات پڑھے تو ستر ہزار فرشتے شام تک اس پر رحمتیں بھیجتے ہیں اور اس روز وفات ہو تو شہید ہوگا، اسی طرح شام کے پڑھنے سے، امام ترمذیؒ نے حسن غریب کہہ کر اس کی تخریج کی ہے، اور مدارک، خطیب، روح البیان میں جابر بن یزیدؒ سے نقل ہے کہ اس آیت کی رو سے اسم اعظم اللہ ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... عبداللہ بن ابی وغیرہ نے یہود بنی نضیر کو خفیہ پیغام بھیجا تھا کہ گھبرانا نہیں اور اپنے کو اکیلا نہ سمجھنا، اگر مسلمانوں نے تم کو نکالا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے، اور لڑائی کی نوبت آئی تو تمہاری مدد کریں گے، یہ ہمارا اٹل فیصلہ ہے اس کے خلاف تمہارے معاملہ میں ہم کسی کی بات نہیں مانیں گے، اور ہم کسی کی پرواہ کرنے والے نہیں ہیں، حق تعالیٰ نے بقسم اس کی تردید فرما دی، یعنی یہ بات منافق دل سے نہیں کہہ رہے ہیں، محض مسلمانوں کے اکسانے کیلئے باتیں بنا رہے ہیں اور جو کچھ زبان سے کہہ رہے ہیں ہرگز اس پر عمل نہیں کریں گے، چنانچہ لڑائی کا سامان ہوا اور بنو نضیر محصور ہو گئے، مگر ایسی نازک صورتحال میں کوئی منافق ان کی مدد کو نہ پہنچا اور آخر کار جب وہ نکالے گئے یہ اس وقت آرام سے اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے رہے۔

آزمائش کے وقت منافقین کا پول کھل گیا:

...... ولئن نصروھم، اللہ کے لاینصرونھم فرمانے کے بعد ینصرونھم کا تو احتمال ہی نہیں، بفرض محال کہا جا رہا ہے تا کہ تمام شقوق واقعہ اور فرضیہ میں ان کا ناکارہ ہونا معلوم ہو جائے، بہر حال منافق بفرض محال یہود کی مدد کو نکلے بھی تو نتیجہ وہی ہوگا کہ مسلمانوں کے مقابلہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، ان کی مدد تو کیا کرتے خود ان کی مدد کو بھی کوئی نہ آ سکے گا۔ یہ آیت اگر واقعہ سے پہلے نازل ہوئی تب تو توجیہ ظاہر ہے، لیکن اگر واقعہ ہو چکنے کے بعد نازل ہوئی تو پھر پچھلی صورت کا استحضار مقصود ہوگا، جس سے وعدہ خلافی اور ان کی ذلت کھل کر واضح ہو جائے اور یا آئندہ کے لئے منافقین کے ساتھ دینے کے موہوم احتمال کی نفی کرنی ہے۔
لانتم اشد رھبۃ، یعنی مسلمانوں کی شجاعت وبسالت سے تو ڈرتے ہیں، اسی لئے ان کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے نہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہ سکتے ہیں۔ لیکن اللہ کی عظمت سمجھتے اور دل میں اس کا ڈر ہوتا تو کفر ونفاق کیوں اختیار کرتے، گویا اللہ سے نہ ڈرنے کا مطلب ایمان نہ لانا ہے

،ورنہ طبعاً مخلوق کا ڈر اللہ سے زیادہ ہونا گناہ نہیں ہے۔
لایقاتلونکم جمیعا، یعنی یہ لوگ چونکہ مسلمانوں سے خوف زدہ اور مرعوب ہیں، اس لئے الگ الگ یہود و منافق تو کیا لڑتے بلکہ بھی کھلے میدان میں جنگ نہیں کر سکتے، ہاں گنجان بستیوں میں قلعہ بند ہو کر یا دیوار کی آڑ میں چھپ کر لڑیں تو لڑیں، آخر ایسے لوگوں کا کیا شمار جن کے نزدیک چھتوں پر اینٹ پتھر پھینکنا اور تیزاب کی پچکاریاں چلانا ہی سب سے بڑی علامت بہادری کی ہے۔

مسلمانوں میں اختلاف کے باوجود مرکزی وحدت ہے جو کفار میں نہیں ہے۔ اور اوس وخزرج کی لڑائیوں سے یہ اندیشہ نہ کرنا کہ شاید مسلمانوں کے مقابلہ میں بھی یہ کارنمایاں کر سکیں، کیونکہ باسھم بینھم شدید آپس میں ان کی لڑائیاں بڑی سخت اور بڑی تیز ہوتی ہیں مگر مسلمانوں کے سامنے پڑنے کا حوصلہ نہیں ہوتا، آئیں تو ساری شیخی کرکری ہوجاتی ہے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے بظاہر ایک ہوجانے سے بھی دھوکہ نہ کھانا یہ خیال نہ کرنا کہ بہت سے کمزور مل کر قوی ہوجاتے ہیں، کیونکہ تحسبھم جمیعا وقلوبھم شتی، ظاہر میں یہ ایک دکھائی پڑتے ہیں، حقیقت میں ان کے دل اندر سے پھٹے ہوئے ہیں، ہر چند کہ یہ اہل حق کے مقابلہ میں مشترک نظریہ رکھتے ہیں، مگر خود ان میں بھی تو اختلاف عقائد ہے اور وہی بنیاد ہے باہمی افتراق وعداوت کی، ہر ایک اپنی غرض وہوا کا بندہ اور نفسانی خواہشات میں ایک دوسرے سے الگ ہے، پھر حقیقی یک جہتی کہاں میسر آسکتی ہے، منافق وکافر ہزاروں بندوں میں بٹے ہوئے ہیں سچے مسلمان اللہ کی ایک رسی تھامے ہوئے ہیں، ان کا مرنا جینا ایک سے وابستہ ہے، اس لئے وہ نیک دل اور ایک دل ہیں یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اکثر بے دینوں کے دلوں میں اتفاق دیکھا جاتا ہے، وجہ یہ ہے کہ یہاں قاعدہ کلیہ بیان نہیں کیا جارہا ہے بلکہ ان کی نااتفاقی کا سبب بیان کیا جارہا ہے، باسھم میں باسبیہ ہے اور سببیت فی الجملہ اور بعض کے اعتبار سے بھی ہو تو صحیح ہے کمثل الذین من قبلھم یعنی ماضی قریب ۲ھ میں بدر کے معرکے میں جو کچھ مکہ کے بہادروں کی بنی اور ابھی قریبی زمانہ ۲ھ میں یہود بنی قینقاع اپنی غداری کا مزہ چکھ چکے ہیں، کچھ ایسا ہی انجام بنی نضیر کا ہوا کہ دنیا میں بھی بے گھر در بدر اور رسوا ہوئے اور دوزخ کا عذاب تو نفع میں ہے ہی، اسی طرح دوسری مثال شیطان کی ہے جو منافقین پر منطبق ہے، شیطان پہلے انسان کو اپنے جال میں پھنساتا ہے اور پھنسنے کے بعد پھر کہتا ہے کہ میں تجھ سے الگ اور تیرے کام سے بیزار ہوں اور ریاومکاری سے کہتا ہے کہ مجھے تو اللہ سے ڈر لگتا ہے۔
نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان خود ہی دوزخ کا کندہ بنایا اور انسان کو بھی لے ڈوبا، بدر کے معرکہ میں بھی لوگوں کو اسی طرح شیطان بھڑکاتا اور بڑھاتا رہا، یہی حال منافقوں کا ہے کہ انہوں نے خواہ مخواہ بنی نضیر کو بھرہ دے کر نکلوادیا اور خود کھڑے تماشا دیکھتے رہے۔
یاایھا الذین آمنوا، مسلمانوں کو اللہ سے ڈر کر نیکیوں کا ذخیرہ کرنا چاہئے، سوچو کہ کل کیلئے کیا سامان تم نے آگے بھیجا ہے جو مرنے کے بعد تمہارے کام آوے، اللہ سے کوئی کام چھپا ہوا نہیں اس سے ڈرو، پرہیزگاری اختیار کرو اور نافرمانی سے بچو۔
لو انزلنا۔ یعنی قرآن کی فی نفسہ تأثیر اتنی زبردست ہیکہ پہاڑ جیسی مضبوط چیز بھی ٹکڑے ہوجائے، پہاڑ میں اگر سمجھ کا مادہ ہوتا تو وہ بھی کلام اور متکلم کی عظمت کے سامنے دب جاتا، خوف کے مارے پارہ پارہ ہوجاتا، مگر انسان نے شہوت وبہیمت کے غلبہ سے استعداد فاسد کر لی، جس کی وجہ سے وہ تأثر نہیں ہوتا، اس لئے چاہئے کہ فرمانبرداری کر کے نافرمانی سے بچ کر قرآن کی تأثیر دیکھے، یہ تو کلام کی عظمت تھی اور آگے ھو اللہ الخ سے متکلم کی عظمت کا بیان ہے۔

سُــوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ

سُوْرَةُ الْمُمْتَحَنَةِ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثَ عَشَرَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَیْ كُفَّارَ مَكَّةَ **اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ** تُوْصِلُوْنَ **اِلَيْهِمْ** قَصْدَ النَّبِيِّ ﷺ غَزْوَهُمُ الَّذِیْ اَسَرَّهٗ اِلَيْكُمْ وَوَرَّى بِخَيْبَرَ **بِالْمَوَدَّةِ** بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ كَتَبَ حَاطِبُ بْنُ اَبِیْ بَلْتَعَةَ اِلَيْهِمْ كِتَابًا بِذٰلِكَ لِمَا لَهٗ عِنْدَهُمْ مِنَ الْاَوْلَادِ وَالْاَهْلِ الْمُشْرِكِيْنَ فَاسْتَرَدَّهُ النَّبِيُّ ﷺ مِمَّنْ اَرْسَلَهٗ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰی لَهٗ بِذٰلِكَ وَقَبِلَ عُذْرَ حَاطِبٍ فِيْهِ **وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ** اَیْ دِيْنِ الْاِسْلَامِ وَالْقُرْاٰنِ **يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ** مِنْ مَكَّةَ بِتَضْيِيْقِهِمْ عَلَيْكُمْ **اَنْ تُؤْمِنُوْا** اَیْ لِاَجْلِ اَنْ اٰمَنْتُمْ **بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا** لِلْجِهَادِ **فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ** وَجَوَابُ الشَّرْطِ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهٗ اَیْ فَلَا تَتَّخِذُوْهُمْ اَوْلِيَاءَ **تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ** اَیْ اِسْرَارَ خَبَرِ النَّبِیِّ اِلَيْهِمْ **فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ** ﴿۱﴾ اَخْطَاءَ طَرِيْقَ الْهُدٰى وَالسَّوَاءُ فِی الْاَصْلِ الْوَسَطُ **اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ** يَظْفَرُوْا بِكُمْ **يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ** بِالْقَتْلِ وَالضَّرْبِ **وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ** بِالسَّبِّ وَالشَّتْمِ **وَوَدُّوْا** تَمَنَّوْا **لَوْ تَكْفُرُوْنَ** ﴿۲﴾ **لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ** قَرَابَتُكُمْ **وَلَآ اَوْلَادُكُمْ** اَلْمُشْرِكُوْنَ الَّذِيْنَ لِاَجْلِهِمْ اَسْرَرْتُمُ الْخَبَرَ مِنَ الْعَذَابِ فِی الْاٰخِرَةِ **يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ** بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ **بَيْنَكُمْ** وَبَيْنَهُمْ فَتَكُوْنُوْنَ فِی الْجَنَّةِ وَهُمْ فِیْ جُمْلَةِ الْكُفَّارِ فِی النَّارِ **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ** ﴿۳﴾ **قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ** بِكَسْرِ الْهَمْزَةِ وَضَمِّهَا فِی الْمَوْضَعَيْنِ قُدْوَةٌ **حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ** اَیْ بِهٖ قَوْلًا وَّفِعْلًا **وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ** مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ **اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا** جَمْعُ بَرِیْءٍ كَظَرِيْفٍ **مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ** اَنْكَرْنَاكُمْ **وَبَدَا**

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا بتحقيق الهمزتين و ابدال الثانية واوا **حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ** مستثنى من اسوة اى فليس لكم التاسى به فى ذلك بان تستغفروا للكفار و قوله **وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ** اى من عذابه و ثوابه **مِنْ شَيْءٍ** كنى به عن انه لا يملك غير الاستغفار فهو مبنى عليه مستثنى من حيث المراد منه وان كان من حيث ظاهره مما يتاسى فيه قل فمن يملك لكم من الله شيئا واستغفاره قبل ان يتبين له انه عدو لله كما ذكر فى براءة **رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ** ﴿۴﴾ من مقول الخليل ومن معه اى وقالوا **رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا** اى لا تظهر هم علينا فيظنوا انهم على الحق فيفتنوا اى تذهب عقولهم بنا **وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ** ﴿۵﴾ فى ملكك وصنعك **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ** يا امة محمد جواب قسم مقدر **فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ** بدل اشتمال من كم باعادة الجار **يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ** اى يخافهما او يظن الثواب والعقاب **وَمَنْ يَّتَوَلَّ** بان يوالى الكفار **فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ** عن خلقه **الْحَمِيْدُ** ﴿۶﴾ لاهل طاعته ع ۶ / ۷

ترجمہ: ....سورہ ممتحنہ مدنیہ ہے اس میں ۱۳ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں (کفار مکہ) کو دوست مت بناؤ کہ تم ان کو بھیجتے ہو پیغام (آنحضرت ﷺ کے ارادہ کے متعلق جو کفار مکہ پر چڑھائی کرنے کا تھا جسے مخفی طور پر تمہیں تو آپ ﷺ نے بتلا دیا تھا۔ مگر خیبر کی طرف توریہ کیا تھا دوستی کی وجہ سے اپنے اور ان کے درمیان، حاطب بن ابی بلتعہ نے اس مضمون کا خط کفار مکہ کو لکھا۔ کیونکہ ان کے اہل وعیال مشرکین کے پاس تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس خط کو واپس منگوالیا بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہو گیا۔ اور اس بارے میں حاطب کا عذر قبول فرمالیا) حالانکہ وہ منکر ہیں اس حق (دین اسلام اور قرآن) کے جو تمہارے پاس آچکا ہے وہ شہر بدر کر چکے ہیں پیغمبر ﷺ کو اور تمہیں (مکہ سے تمہیں مجبور کر کے) اس بناء پر کہ تم ایمان لے آئے (یعنی تمہارے ایمان لانے کی وجہ سے) اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے۔ اگر تم جہاد کرنے کی غرض سے میرے رستہ میں اور میری خوشنودی کی خاطر نکلے ہو (جواب شرط ماقبل سے معلوم ہو رہا ہے یعنی فلا تتخذوھم اولیاء) تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو۔ حالانکہ مجھے سب چیزوں کا بخوبی علم ہے جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو کچھ ظاہر کر کے کرتے ہو اور جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا (آنحضرت ﷺ کی خبر انہیں چپکے چپکے پہنچائے گا) تو وہ راہ راست سے بہک گیا (ہدایت کے راستہ سے چوک گیا سواء اصل میں وسط کو کہتے ہیں) ان کو اگر تم پر دسترس (قابو) ہو جائے تو عداوت ظاہر کرنے لگیں اور تم پر (قتل اور مار دھاڑ سے) دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں بری طرح (گالم گلوچ کر کے) اور وہ اس بات کے خواہشمند (متمنی) ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ۔ تمہارے رشتہ دار (قرابت دار) اور اولاد کام نہ آئیں گے (وہ مشرکین جن کی وجہ سے تم نے خبر چپکے سے پہنچائی ہے۔ عذاب آخرت سے) قیامت کے دن اللہ فیصلہ کرے گا (مجہول ومعروف دونوں قراءتیں ہیں) تمہارے درمیان (اور کافروں کے درمیان۔ تمہیں جنت میں اور ان کو کافروں کے ساتھ دوزخ میں بھیج کر) اور اللہ تمہارے سب اعمال کو خوب دیکھتا ہے۔ تمہارے لئے ایک نمونہ ہے (اسوہ کسرہ ہمزہ اور ضمہ ہمزہ کے ساتھ دونوں جگہ بمعنی نمونہ) عمدہ ابراہیم میں (یعنی ان کے قول وفعل میں) اور ان مومنین میں جو ان کے ساتھ تھے۔ جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں (براء بری کی جمع ہے ظریف کی طرح) ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور

بغض ظاہر ہو گیا (ابدا دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسری ہمزہ کو واؤ سے بدل کر ہے) جب تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔ لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا (یہ اسوہ سے مستثنیٰ ہے۔ یعنی ابراہیم کی اس بات میں تمہارے لئے نمونہ نہیں ہے کہ تم کفار کے لئے استغفار کرنے لگو اور ان کا یہ قول کہ اور تمہارے لئے مجھ کو اللہ کے آگے اختیار نہیں ہے (یعنی اس کے عذاب وثواب کا) کچھ بھی (یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ بجز استغفار کے میں ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ پس یہ قول لاستغفرن پر معطوف ومرتب ہے اور بلحاظ مقصد مستثنیٰ ہے۔ اگر چہ بظاہر یہ آیت قل فمن یملک من اللہ شیئا کی وجہ سے قابل تقلید معلوم ہوتی ہے اور ابراہیم کا استغفار اس بات کے ظاہر ہونے سے پہلے ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے۔ جیسا کہ سورہ براءت میں گزر چکا ہے) اے ہمارے پروردگار! ہم آپ پر توکل کرتے ہیں۔ اور آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے (یہ دعائیہ جملے بھی چونکہ ابراہیم اور ان کے رفقاء کے ہیں۔ اس لئے پہلے قالوا مقدر ہے) اے ہمارے پروردگار! ہمیں کافروں کا تختہ مشق نہ بنا (یعنی کافروں کو ہم پر غلبہ نہ دیجئے۔ ورنہ وہ خود کو برسر حق سمجھ بیٹھیں گے۔ پس اس طرح وہ فتنہ میں پڑ جائیں گے۔ یعنی ان کی عقلیں ہماری وجہ سے ماری جائیں گی۔ بلاشبہ آپ زبردست حکمت والے ہیں (اپنی سلطنت و صنعت میں) بے شک تمہارے لئے (اے امت محمدیہ! قسم مقدر کا یہ جواب ہے) ان لوگوں میں عمدہ نمونہ ہے یعنی اس شخص کے لئے (یہ بدل الاشتمال ہے ضمیر کم سے جار کو دوبارہ لاکر) جو اللہ کا اور قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتا ہے۔ (ان دونوں سے ثواب وعذاب کا دھیان کرتا ہو) اور جو شخص روگردانی کرے گا (کفار سے دوستی کر کے) سو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بالکل بے نیاز اپنے فرمانبرداروں کے لئے) لائق ستائش ہے۔

تحقیق وترکیب:

الممتحنہ ۔ کسرہ حا کے ساتھ ہو تو مومنین کے اعتبار سے ہے اور فتحہ حا کے ساتھ ہو تو ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط مراد ہوں گی۔ جو عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی بیوی اور ابراہیم کی والدہ ہیں جنہوں نے ہجرت کی تھی۔

لا تتخذوا عدوی ۔ محبت وعداوت دونوں میں اگر چہ منافات ہوتی ہے۔ دونوں یک جا نہیں ہو سکتیں۔ اور بظاہر ممانعت دونوں کے ممکن الاجتماع ہونے کو بتلا رہی ہے؟ جواب یہ ہے کہ ایک حیثیت سے یقیناً دونوں جمع نہیں ہو سکتیں۔ مگر دو حیثیتوں سے جمع ہو سکتی ہیں۔ یعنی دنیاوی لحاظ سے محبت ہو اور مذہبی لحاظ سے عداوت ہو۔ اس لئے آیت میں اس حیثیت سے جمع کرنے کو بھی منع کیا جا رہا ہے کہ ان سے دنیاوی محبت بھی نہ کرو۔ کہ وہ نہ صرف میرے ہی نہیں بلکہ تمہارے بھی دشمن ہیں۔ قرطبیؒ کہتے ہیں ظاہری تعلق مراد ہے ورنہ حاطبؓ کا دل صاف تھا۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ "**اما صاحبکم فقد صدق**" سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوا کہ کفار سے باطنی تعلق تو درکنار ظاہری محبت بھی نہیں ہونی چاہیے۔

عدو کم ۔ اضافت عہد کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔

تلقون۔ مفسرؒ نے "قصد النبی" سے اس کے مفعول محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی تم نے آنحضرت ﷺ کی پوشیدہ خبر دشمنوں کو پہنچائی اور بالمودۃ میں باسببیہ ہے۔ حاطب یہ بدری ہیں اور قریش کے حلیف تھے مگر مخلص مسلمان بھی تھے۔

وورى بخيبر ۔ توریہ کہتے ہیں کہ پوشیدہ کے خلاف ظاہر کرنے کو کسی مصلحت سے ہو تو جائز ہے۔ اس کو قصد نہ ہونے کی وجہ سے کذب نہیں کہا جائے گا۔ خیبر کہنا تو صحیح نہیں، بلکہ غزوہ حنین کا توریہ کہنا صحیح ہے۔ چنانچہ بعض نسخوں میں خیبر کے بجائے **وورى الخيبر** کے الفاظ ہیں وہ الفاظ صحیح ہے۔ ایک عورت کے ذریعہ پیغام بھیجا گیا۔ جسے حضرت علیؓ اور مقدادؓ نے موقعہ پر پہنچ کر اس کے سر کے جوڑہ سے برآمد کر لیا۔

خرجتم ۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ جہاداً مفعول لہ ہے۔ زمخشریؒ نے کنتم خرجتم جملہ شرطیہ ہے لاتتخذوھم کے فاعل سے حال کہا گیا ہے۔ لیکن بعد کے حضرات نے ان وصلیہ کے علاوہ شرط کو بغیر جواب حال بنانا صحیح نہیں مانا۔

سواء السبیل ۔ صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔ **سواء** بمعنی وسط جو ہدایت وصواب ہوتا ہے۔

لن تنفعکم۔ تفسیری عبارت میں "من العذاب فی الاٰخرۃ" کا تعلق لن تنفعکم سے ہے یوم القیامۃ اگر اس کا تعلق لن تنفعکم سے ہے تب تو اس پر وقف کیا جائے گا اور یفصل مستقل جملہ ہے لیکن اگر اس کا تعلق یفصل کے ساتھ ہو تو پھر ولا اولادکم پر وقف ہوگا۔ اور یوم القیامۃ جملہ مستانفہ ہو جائے گا۔

یفصل : ابو عمرؒ علیؒ ابن کثیرؒ نافعؒ کے نزدیک مجہول صیغہ ہے۔ اور تخفیف کے ساتھ ہے۔ لیکن ابن عامرؒ کے نزدیک مجہول تشدید کے ساتھ ہے۔ اور حمزۃؒ علیؒ کے نزدیک تشدید کے ساتھ معروف باب تفعیل اور عاصمؒ کے نزدیک ثلاثی سے معروف ہے۔

اسوۃ ۔ امام راغبؒ کہتے ہیں کہ اُسوۃ اور اِسوۃ، قدوۃ اور قُدوۃ کی طرح ہے۔ کسی دوسرے کی حالت کی نقل اتارنا خواہ وہ اچھی ہو یا بری۔ اور اسی کے معنی حزن ورنج کے ہیں چھٹی ہوئی چیز پر غم کرنا۔

اذ قالوا ۔ یہ ابراہیمؑ اور الذین معہ سے بدل اشتمال ہے قوم سے مراد نمرود اور اس کے پیروکار ہیں۔

الا قول ابراھیم ۔ کافر کے لئے جب تک حتمی طور پر اس کا کافر ہونا معلوم نہ ہو۔ اگرچہ استغفار شرعاً عقلاً جائز ہے۔ لیکن جب حتمی طور پر اس کی ممانعت بھی ہو جائے۔ جیسا کہ ومن یتول فان اللہ ھو الغنی الحمید سے معلوم ہو رہا ہے۔ تو پھر اس کو اسوہ بنانا صحیح نہ ہوگا۔

ما املک لک ۔ یہ الفاظ کنایہ ہیں اس سے کہ مجھے بجز استغفار کے کچھ اختیار نہیں ہے اور کنایہ کہتے ہیں کہ کسی لفظ کو غیر موضوع لہٗ معنی میں استعمال کیا جائے مفسرؒ نے اس موقعہ پر ایک شبہ کا دفعیہ کرنا چاہتے ہیں کہ وما املک لک من اللہ حضرت ابراہیمؑ وغیرہ کا قول تو قابل تقلید ہے۔ حالانکہ اس کا عطف مستثنیٰ یعنی لاستغفرن لک پر ہو رہا ہے۔ اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ قول ثانی بھی پہلے قول کی طرح قابل تقلید نہیں ہے۔ جواب کا ماحصل یہ ہے کہ یہاں ان ظاہری معنی کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔ جو معترض کے پیش نظر ہیں بلکہ معنی یہ ہوں گے کہ میں اپنے ماں باپ کے لئے استغفار کے علاوہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ یعنی خاص ان کے لئے استغفار کا مالک ہوں۔ دوسرے کے لئے نہیں ہوں اور ظاہر ہے کہ کافر باپ کے لئے استغفار قابل تقلید نہیں ہے۔ پس تفسیری عبارت "فھو مبنیٌ علیہ" کے معنی یہ ہیں کہ یہ قول پہلے قول لاستغفرن پر مرتب ہے۔ بطریق عطف کے یا بطور حالت کے گویا کہ ابراہیمؑ نے یہ کہا کہ میں باپ کے لئے استغفار کروں گا۔ حالانکہ میری طاقت اور وسعت میں سوائے استغفار کے سوا کچھ نہیں۔ حق تعالیٰ نے اس مجموعہ کی حکایت فرمادی مفسرؒ کا قول فمن یملک لکم من اللہ شیئا۔ یہ آیت فتح سے استدلال ہے۔ مفسرؒ کے "یتاسی بہ فیہ" کہنے پر اور خطیب کہتے ہیں کہ ما املک یہ تتمہ ہے لاستغفرن کا اور مجموعہ کے استثناء سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے تمام احوال کا استثناء بھی ہو جائے۔ بہرحال اس آیت میں آنحضرت ﷺ کا حضرت ابراہیمؑ سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کے اس قول کو قابل تقلید نمونہ نہیں مانا اور آنحضرت ﷺ کو ما اتاکم الرسول فخذوہ الخ میں مطلقا قابل تقلید مانا ہے۔

ربنا علیک توکلنا۔ اس سے پہلے مفسرؒ نے وقالوا مقدر مان کر اشارہ کیا ہے کہ یہ بھی پہلے قول کا معمول ہے۔ ای قالوا فابراء وقالوا ربنا علیک الخ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کو حکم ہو تو سب باطل معبودوں سے ہٹ کر اللہ سے التجا کرو۔

لمن کان ۔ مفسرؒ بدل اشتمال کہہ رہے ہیں مراد بدل البعض ہے۔ اور بقول علامہ رضی بدل الاشتمال کو بدل البعض کہہ سکتے ہیں اعادہ جار کی صورت میں اور جن حضرات نے ضمیر مخاطب سے بدل بنانے کو ناجائز کہا ہے اس سے بدل الکل مراد ہے اور سیبویہ کے نزدیک مطلقا بدل بنانا جائز ہے۔

ربط آیات : .... سورہ حشر میں منافقین اور یہود کی دوستی کی مذمت کی تھی۔ اس سورت کے اول وآخر میں مسلمانوں کو کفار سے دوستی کرنے اور خصوصیت سے مشرکہ عورتوں سے نکاح رکھنے کی ممانعت ہے۔ اور مشرک ومومن عورتوں میں امتیاز کرنے کے لئے صرف اظہار ایمان پر اکتفا ہو رہا ہے۔

شانِ نزول: ....سورۂ ممتحنہ کی ابتدائی آیات کا تعلق ایک خاص واقعہ سے ہے ۶ھ میں صلح حدیبیہ ہوئی۔ دو برس تک یہ صلح قائم رہی ہے۔ لیکن پھر کفار کی طرف سے اس کی خلاف ورزی ہوئی۔ تو آنحضرت ﷺ نے نہایت خاموشی سے فوج جمع کر کے فتح مکہ کا ارادہ کیا۔ خبروں پر سخت پابندی کردی گئی کہ کہیں کفار آپ کی تیاریوں سے آگاہ ہوکر لڑائی کا سامان شروع نہ کردیں۔ اور اس طرح حرم شریف میں جنگ ناگزیر ہو جائے۔ مگر حاطب بن ابی بلتعہؓ نے جو بدری مہاجر ہیں۔ مکہ والوں کو خط لکھ بھیجا کہ محمد ﷺ کا لشکر اندھیری رات اور سیل بے پناہ کی طرح تم پر ٹوٹنے والا ہے۔ حضور ﷺ کو وحی سے یہ معلوم ہوگیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ، مقدادؓ وغیرہ کچھ صحابہ کو حکم دیا کہ ایک عورت مکہ کے راستہ میں سفر کرتی ہوئی فلاں مقام پر ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہے وہ حاصل کر کے لے آؤ۔ یہ افراد تیزی سے روانہ ہوئے اور عورت کو ٹھیک مقام پر پالیا۔ اس نے بہت لیت ولعل اور ردوکد کے بعد خط ان کے حوالہ کیا۔ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے کفار مکہ کے نام ہے اور مسلمانوں کے حملہ کی اطلاع دی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے حاطب کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ بولے یا رسول اللہ! میں نے کفر اختیار کیا ہے، نہ اسلام سے پھرا ہوں، سچی بات یہ ہے کہ میرے اہل وعیال مکہ میں ہیں۔ وہاں ان کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ برخلاف دوسرے مسلمانوں کے ان کے تعلقات ایسے ہیں کہ ان کے بال بچوں کی حفاظت ہوسکتی ہے۔ اس لیے میں نے کافروں پر احسان کر کے یہ چاہا کہ وہ اس صلہ میں میرے بال بچوں کی خبر گیری کرتے رہیں گے۔ اور ان سے اچھا سلوک کریں گے اس طرح میرا فائدہ ہوجائے گا اور اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ فتح ونصرت کے جو وعدے اللہ نے آپ سے کئے ہیں وہ یقیناً پورے ہوکر رہیں گے کسی کے روکے نہیں رک سکتے۔ چنانچہ خط میں بھی یہی مضمون تھا کہ خدا کی قسم اگر رسول اللہ تن تنہا بھی تم پر حملہ آور ہوں تو اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا اور جو وعدے ان سے کئے گئے ہیں پورے کر کے چھوڑے گا، بلاشبہ حاطب سے بڑی بھول اور غلطی ہوئی، چنانچہ حضرت عمرؓ تو اتنے برہم اور برافروختہ ہوئے کہ عرض کیا، یا رسول اللہ اگر اجازت ہو تو اس کی گردن ماردوں؟ مگر رحمۃ للعالمین نے فرمایا صدق حاطب لاتقولوا الا بخیرا اور فرمایا کہ حاطب اہل بدر میں سے ہیں، تمہیں کیا معلوم کہ اللہ نے بدریین کی خطا معاف فرمادی ہو، سورت کی ابتدائی آیات اسی واقعہ سے متعلق ہیں۔

﴿تشریح﴾: ....یخرجون الرسول۔ یعنی پیغمبر کو اور تمہیں کیسی کیسی ایذائیں دے کر ترکِ وطن پر مجبور کردیا گیا، محض اس قصور پر کہ تم ایک اللہ کو جو تمہارا سب کا پروردگار ہے کیوں مانتے ہو، ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر دشمنی اور ظلم کیا ہوگا، مگر تعجب ہے کہ تم ایسوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہو ہرچند کہ تمہاری نیت بخیر تھی جس کی وجہ سے تمہیں معاف کردیا گیا مگر عمل یقیناً غلط تھا جس پر توبیخ کی جارہی ہے، مگر تمہارا مکہ کے گھروں سے نکلنا میری خوشنودی کی خاطر تھا، اور میرے راستہ میں جہاد کرنے کے لئے ہے اور خالص میری رضا کے لئے تم نے سب کو دشمن بنایا ہے تو پھر انہی دشمنوں سے دوستی گانٹھنے کا کیا مطلب؟ کیا جنہیں ناراض کر کے اللہ کو راضی کیا تھا، اب انہیں راضی کر کے اللہ کو ناراض کرنا چاہتے ہو، تم کوئی کام دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کرنا چاہو تو کیا تم اس کو اللہ سے بھی چھپالو گے، کیا حاطب کی در پردہ کوشش کامیاب ہوگئی اللہ نے اپنے رسول کو مطلع فرمادیا اور راز قبل از وقت فاش ہوگیا۔

ومن یفعلہ، یعنی مسلمان ہوکر کوئی ایسا کام کرے اور یہ سمجھے کہ میں اس سے چھپانے میں کامیاب ہوجاؤں گا سخت غلطی اور بڑی بھول ہے۔

ان یثقفوکم، ان کافروں سے بحالتِ موجودہ کسی بھلائی کی امید مت رکھو، تم خواہ کتنی ہی رواداری اور دوستی کا اظہار کروگے، وہ کبھی مسلمانوں کے خیرخواہ نہیں ہوسکتے، انتہائی رواداری کے باوجود تم پر اگر ان کا قابو چڑھ جائے تو کسی قسم کی برائی اور دشمنی سے درگزر نہ کریں، زبان سے ہاتھ سے ہر طرح ایذائیں پہنچائیں اور یہ چاہیں کہ جیسے خود صداقت سے منکر ہیں کسی طرح تم کو بھی منکر بناڈالیں، کیا ایسے شریر اور بدباطن اس لائق ہیں کہ ان کو دوستانہ پیغام بھیجا جائے۔

لن تنفعکم ۔یعنی جن عزیزوں کی خاطر دشمنوں کے نام یہ خط لکھا گیا وہ قیامت کے دن کچھ کام نہ آئیں گے، اللہ سب کا رتی رتی عمل دیکھتا ہے اسی کے مطابق فیصلہ فرمائیگا اس کے فیصلہ کو کوئی بیٹا، پوتا، عزیز، قریب، ہٹا نہیں سکتا، پھر یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ ایک مسلمان اپنے اہل وعیال کی خاطر اللہ کو ناراض کرلے، یاد رکھو ہر چیز سے مقدم اللہ کی رضامندی ہے وہ راضی ہو تو اس کے فضل سے سب کام ٹھیک ہوجاتے ہیں لیکن وہ ناخوش ہو تو کوئی کچھ کام نہ آئے گا۔

ابراہیم کے بہترین نمونہ ہونے کا مطلب: .... قد کانت لکم ۔یعنی ابراہیم اور ان کے ہمراہی مسلمانوں کا نمونہ سامنے رکھو، کہ اپنے اپنے وقت میں سب نے قولاً فعلاً سب نے اسی علیحدگی کا اعلان کیا اور کہہ دیا کہ لوگو تم اللہ سے منکر ہو اور اسکے احکام کی پروا نہیں کرتے تو ہم تمہارے طریقہ سے منکر ہیں اور ذرہ برابر تمہاری پروا نہیں کرتے، اور یہ دشمنی اور عداوت اسی وقت ختم ہوسکتی ہے کہ جب تم شرک چھوڑ کر اسی ایک آقا کے غلام بن جاؤ جس کے ہم ہیں، تاہم اسی کے ساتھ ان کی اپنے باپ سے اتنی بات تو ہوئی جس سے بظاہر تعلق کا وہم ہوسکتا ہے کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کرونگا اور میں صرف دعا ہی کرسکتا ہوں، مجھے خدا کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں کہ دعا قبول ہی کرالوں، یا باوجود ایمان نہ لانے کے تمہیں عذاب سے بچالوں، میں کسی نفع ونقصان کا ملک نہیں، اللہ جو کچھ پہنچانا چاہے اسے میں روک نہیں سکتا، حاصل یہ ہے کہ اتنی بات تو ابراہیم علیہ السلام نے البتہ کہی تھی، وہ بھی ممانعت معلوم ہونے سے پہلے جس کا مطلب تم میں سے بعض لوگ استغفار سمجھ گئے، حالانکہ یہاں استغفار کے دوسرے معنی ہیں یعنی طلب ہدایت کہ جس کے نتیجہ میں مغفرت ہوسکے اور اس کی اجازت سب کو ہے، اور واقع میں اتنی سی بات قطع تعلق کے خلاف بھی نہیں تھی مگر صورۃً ظاہری تعلق اور ظاہری معنی استغفار کے لحاظ سے صورۃً اس کو مستثنیٰ کیا جارہا ہے، نیز ہر چند کہ لفظاً مستثنیٰ مجموعہ ہے "لاستغفرن" الخ اور " ماأملك" کا لیکن فی الواقع مستثنیٰ مجموعہ کا جزء اول ہے یعنی "لاستغفرن" اور دوسرا جزء" وما املک" تبعاً آگیا ہے، جیسا کہ مفسرؒ نے اس پر روشنی ڈالی ہے، خلاصہ یہ کہ ابراہیمؑ نے باپ کے لئے دعا چاہی تھی جب تک ان کو معلوم نہ تھا، تم کو معلوم ہوچکا، لہٰذا تم کافر کی بخشش نہ مانگو اور اس استغفار کی تحقیق سورۂ براءت کے اخیر میں گزر چکی ہے۔

مسلمانوں کا فتنہ بننا: .... لاتجعلنا فتنة ،یعنی کافروں کا تختہ مشق نہ بنا کہ ہمیں دیکھ کر کافر خوش ہوں، اسلام اور مسلمانوں پر آوازیں کسیں اور ہمارے مقابلہ میں اپنی حقانیت پر استدلال کرنے لگیں۔

لقد کان لکم ،یعنی تمہیں اللہ سے ملنے اور آخرت کے قائم ہونے کی اگر امید ہے تو ابراہیم اور انکے رفقاء کی چال اختیار کرنی چاہئے، دنیا تمہیں کتنا ہی متعصب اور تنگ دل کہے تم اس راستہ سے منہ نہ موڑو، جو دنیا کے موحد اعظم نے اپنے طرز عمل سے قائم کردیا، مستقبل کی ابدی کامیابی اسی راستہ پر چلنے سے حاصل ہوسکتی ہے، اگر اس کے خلاف چلوگے اور خدا کے دشمنوں سے یارا کروگے تو خود نقصان اٹھاؤ گے، اللہ کو کسی کی دوستی، دشمنی کی کیا پرواہ، وہ تو بذاتِ خود تمام کمالات سے اور ہر طرح کی خوبیوں کا مالک ہے اس کو کیا ضرر پہنچ سکتا ہے۔

لطائف سلوک: .... ان کنتم خرجتم ،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت الٰہی کے لوازم میں سے ہے کہ اس کے مخالفین سے قطع تعلق ہو۔

لن تنفعکم ارحامکم ،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی علائق کی رعایت دین میں ناجائز ہے۔

اذ قالوا لقومهم تا لاستغفرن ،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغض فی اللہ شفقت وخیر خواہی کو قطع نہیں کرتا، برخلاف بغض نفسانی کے، اس میں شفقت نہیں رہتی۔

ربنا لا تجعلنا فتنة ،اس عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے اسباب سے بھی بچنا چاہئے جن سے اہل حق پر اہل باطل ہونے کا شبہ ہو یا اہل باطل کو

اہل حق سمجھا جانے لگے، البتہ اسباب اگر غیر اختیاری ہوں تو ان سے بچنا یہ ہے کہ اللہ سے دعا کرے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مِنْ كُفَّارِ مَكَّةَ طَاعَةً لِلّٰهِ تَعَالٰى **مَّوَدَّةً** بِاَنْ يَّهْدِيَهُمْ لِلْاِيْمَانِ فَيَصِيْرُوْا لَكُمْ اَوْلِيَاءَ **وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ** عَلٰى ذٰلِكَ وَقَدْ فَعَلَهُ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ** لَّهُمْ مَاسَلَفَ **رَّحِيْمٌ** ﴿۷﴾ بِهِمْ **لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ** مِنَ الْكُفَّارِ **فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ** بَدْلُ اِشْتِمَالٍ مِنَ الَّذِيْنَ **وَتُقْسِطُوْا** تَقْضُوْا **اِلَيْهِمْ** بِالْقِسْطِ اَيِ الْعَدْلِ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْجِهَادِ **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ** ﴿۸﴾ الْعَادِلِيْنَ **اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا** عَاوَنُوْا **عَلٰى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ** بَدْلُ اِشْتِمَالٍ مِنَ الَّذِيْنَ اَيْ تَتَّخِذُوْهُمْ اَوْلِيَاءَ **وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ** ﴿۹﴾ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ** بِاَلْسِنَتِهِنَّ **مُهٰجِرٰتٍ** مِنَ الْكُفَّارِ بَعْدَ الصُّلْحِ مَعَهُمْ فِي الْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى اَنَّ مَنْ جَاءَ مِنْهُمْ اِلَى الْمُؤْمِنِيْنَ يُرَدُّ **فَامْتَحِنُوْهُنَّ** بِالْحَلْفِ اَنَّهُنَّ مَاخَرَجْنَ اِلَّا رَغْبَةً فِي الْاِسْلَامِ لَا بُغْضاً لِاَزْوَاجِهِنَّ الْكُفَّارِ وَلَا عِشْقاً لِرِجَالٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ كَذَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَلِّفُهُنَّ **اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ** ظَنَنْتُمُوْهُنَّ بِالْحَلْفِ **مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ** تَرُدُّوْهُنَّ **اِلَى الْكُفَّارِ لَاهُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَاهُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ وَاٰتُوْهُمْ** اَيْ اَعْطُوا الْكُفَّارَ اَزْوَاجَهُنَّ **مَّآ اَنْفَقُوْا** عَلَيْهِنَّ مِنَ الْمُهُوْرِ **وَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ** بِشَرْطِهِ **اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ** مُهُوْرَهُنَّ **وَلَا تُمْسِكُوْا** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ** زَوْجَاتِكُمْ لِقَطْعِ اِسْلَامِكُمْ لَهَا بِشَرْطِهِ اَوِ اللَّاحِقَاتِ بِالْمُشْرِكِيْنَ مُرْتَدَّاتٍ لِقَطْعِ اِرْتِدَادِهِنَّ نِكَاحَكُمْ بِشَرْطِهِ **وَسْئَلُوْا** اُطْلُبُوْا **مَآ اَنْفَقْتُمْ** عَلَيْهِنَّ مِنَ الْمُهُوْرِ فِي صُوْرَةِ الْاِرْتِدَادِ مِمَّنْ تَزَوَّجَهُنَّ مِنَ الْكُفَّارِ **وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا** عَلَى الْمُهَاجِرَاتِ كَمَا تَقَدَّمَ اَنَّهُمْ يُؤْتُوْنَهُ **ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ** بِهِ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ** ﴿۱۰﴾ **وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ** اَيْ وَاحِدَةٍ فَاَكْثَرَ مِنْهُنَّ اَوْ شَيْءٌ مِّنْ مُهُوْرِهِنَّ بِالذِّهَابِ **اِلَى الْكُفَّارِ** مُرْتَدَّاتٍ **فَعَاقَبْتُمْ** فَغَزَوْتُمْ وَغَنِمْتُمْ **فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ** مِنَ الْغَنِيْمَةِ **مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا** لِفَوَاتِهِ عَلَيْهِمْ مِنْ جِهَةِ الْكُفَّارِ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ** ﴿۱۱﴾ وَقَدْ فَعَلَ الْمُؤْمِنُوْنَ مَااُمِرُوْا بِهٖ مِنَ الْاِيْتَاءِ لِلْكُفَّارِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ ثُمَّ ارْتَفَعَ هٰذَا الْحُكْمُ **يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ** كَمَا كَانَ يُفْعَلُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ وَاْدِ الْبَنَاتِ اَيْ دَفْنِهِنَّ اَحْيَاءً خَوْفَ الْعَارِ وَالْفَقْرِ **وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ** اَيْ بِوَلَدٍ مُّلْقُوْطٍ يُنْسِبْنَهٗ اِلَى الزَّوْجِ وَوَصَفَ بِصِفَةِ الْوَلَدِ الْحَقِيْقِيِّ فَاِنَّ الْاُمَّ

اِذَاوَضَعَتْهُ سَقَطَ بَيْنَ يَدَيْهَا وَرِجْلَيْهَا **وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ** هُوَ مَا وَافَقَ طَاعَةَ اللّٰهِ تَعَالٰى كَتَرْكِ النِّيَاحَةِ وَتَمْزِيْقِ الثِّيَابِ وَجَزِّالشَّعْرِ وَشَقِّ الْجَيْبِ وَخَمْشِ الْوَجْهِ **فَبَايِعْهُنَّ** فَعَلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ بِالْقَوْلِ وَلَمْ يُصَافِحْ وَاحِدَةً مِّنْهُنَّ **وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ﴿۱۲﴾ **يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ** هُمُ الْيَهُوْدُ **قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ** اَىْ مِنْ ثَوَابِهَا مَعَ اِيْقَانِهِمْ بِهَا لِعِنَادِهِمِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ عِلْمِهِمْ بِصِدْقِهٖ **كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ** الْكَائِنُوْنَ **مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ** ﴿۱۳﴾ اَىِ الْمَقْبُوْرِيْنَ مِنْ خَيْرِ الْاٰخِرَةِ اِذْ تُعْرَضُ عَلَيْهِمْ مَقَاعِدُهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ كَانُوْااٰمَنُوْا وَمَا يَصِيْرُوْنَ اِلَيْهِ مِنَ النَّارِ ۔

ع ۲ / ۷ / ۸

ترجمہ: .... اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری عداوت ہے (اللہ کی اطاعت کی وجہ سے یعنی کفار مکہ سے) دوستی کردے (انہیں اسلام کی توفیق بخش دے کہ وہ تمہارے دوست بن جائیں) اور اللہ کو بڑی قدرت ہے (اس پر چنانچہ فتح مکہ کے بعد اللہ نے وعدہ پورا کردیا) اور معاف کرنے والا ہے (جو کچھ ان سے پہلے سرزد ہو چکا ہے، ان پر) رحم کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا، ان (کافروں) کے ساتھ احسان وانصاف کا برتاؤ کرنے سے ("ان نبروھم" بدل اشتمال ہے "الذین" سے اور قسط بمعنی عدل ہے) جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا (یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں، صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تمہیں روکتا ہے، جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں اور تمہارے گھروں سے تم کو نکالا ہو، اور تمہارے نکالنے میں مدد (اعانت) کی ہو، "ان تولوھم" بدل اشتمال ہے الذین سے یعنی ان کو دوست بنانے سے روکتا ہے) اور جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی کریگا سو وہ لوگ گناہگار ہونگے، اے اہل ایمان جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں (جنہوں نے زبان سے اسلام کا اقرار کیا) ہجرت کرکے آئیں کفار کو چھوڑ کر، اس فیصلہ کے بعد جو صلح حدیبیہ کے موقع پر طے ہو گیا تھا کہ کافروں میں سے اگر کوئی مسلمانوں کے پاس آئے گا تو اس کو واپس کرنا پڑے گا،) تو تم ان کا امتحان کرلیا کرو (یہ قسم دلا کر ان کا ہجرت کرنا صرف اسلام کی وجہ سے ہوا ہے، کافر شوہروں سے نفرت کی وجہ سے، اور مسلمانوں سے عشق ومحبت کی وجہ سے نہیں ہوا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی مضمون کا حلف عورتوں سے لیتے تھے) ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے، چنانچہ اگر تم انہیں مسلمان سمجھو (قسم سے تمہارا اطمینان ہو جائے) تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو نہ وہ عورتیں کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافر ان عورتوں پر اور ان (کافروں) کو ادا کردو جو انہوں نے خرچ کیا ہے، (مہر اپنی عورتوں پر) اور تمہیں ان عورتوں سے (مشروط) نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے جب کہ تم ان کے مہر ان کو دے دو اور تم باقی مت رکھو (تشدید وتخفیف کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں) کافر عورتوں کے تعلقات کو (کافر بیویوں کے کیونکہ اسلام نے اس رشتہ کو منقطع کردیا مع شرط کے یا ان بیویوں سے جو مشرکین سے جاملیں مرتد ہوکر، کیونکہ ان کے ارتداد نے تمہارے نکاح کو مع شرط کے منقطع کردیا ہے) اور مطالبہ کرلو (مانگ لو) کافروں سے جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے (ان بیویوں پر مہر اس صورت میں کہ ان بیویوں نے مرتد ہوکر کافروں سے نکاح کرلیا ہو) اور وہ مانگ لیں جو کچھ ان کافروں نے ہجرت کرنے والی عورتوں پر خرچ کیا ہو جیسا کہ ابھی بیان ہوا کہ وہ خرچہ کو ادا کریں گے) یہ اللہ کا حکم ہے وہ تمہارے درمیان (اس کا) فیصلہ کرتا ہے اور اللہ بڑا علم وحکمت والا ہے، اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بی بی ہاتھ نہ آئے (یعنی ایک یا ایک سے زائد بیوی، یا مہر میں سے کچھ لے کر چلی جائے) کافروں میں (مرتد ہوکر) چلی جانے سے پھر تمہاری نوبت آئے (غزوہ کرکے مال غنیمت میں تم نے حاصل کرلی ہو) تو جن کی بیویاں نکل گئی تھیں (غنیمت میں سے) جتنا انہوں نے

کیا تھا اتنا تم دے دو(کیوں کہ کافروں سے انہیں کچھ نہیں ملا) اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو(مسلمانوں نے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے کفار اور مؤمنین کو مال دیا، اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا) اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آئیں کہ آپ ان سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ وہ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گی، اور نہ چوری کریں گی، اور نہ بدکاری کریں گی، اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی، (جیسے زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کا رواج تھا، عار اور فقر کے خیال سے ان کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا) اور نہ بہتان کی اولاد لائیں گی، جن کو ہاتھ پاؤں کے درمیان بنالیا ہو(یعنی گری پڑی اولاد کو شوہروں کی طرف منسوب کر دیں اور حقیقی اولاد اس لئے کہا کہ ماں جب بچہ جنے گی تو بچہ اس کے ہاتھ پاؤں کے آگے ہی ولادت پائے گا) اور شرعی باتوں میں آپ کے خلاف نہیں کریں گی (مشروع باتیں جو اللہ کے حکم کے مطابق ہوں، مثلاً بیان کر کے نہ رونا، کپڑے وغیرہ نہ پھاڑنا اور بال نہ نوچنا اور نہ چہرہ کو پیٹنا) تو آپ ان کو بیعت کر لیا کیجئے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو زبانی بیعت فرمایا، لیکن انہوں نے کسی عورت سے مصافحہ نہیں فرمایا) اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیجئے، بلاشبہ اللہ غفور ورحیم ہے، اے اہل ایمان ان لوگوں سے دوستی مت کرو جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے (یعنی یہود) وہ آخرت سے ایسے مایوس ہو گئے، (یعنی ثواب سے، باوجود یکہ ان کا اس کا یقین ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کرتے ہوئے، حالانکہ ان کو آپ کے سچے ہونے کا یقین ہے) جیسا کہ کفار مایوس ہوں گے قبروں میں جا کر (یعنی آخرت کی بھلائی سے قبروں میں ناامید ہوں گے، جنت کا مقام ان کو دکھلایا جائیگا، جو بصورت ایمان ان کو نصیب ہوتا، اور دوزخ جس میں وہ جھونکیں جائیں گے)

تحقیق وترکیب: ....عادیتم منهم، تفسیر کی عبارت "طاعة الله عادیتم" کی یہ علت ہے ای عادیتموهم لاجل طاعة الله لاینهاكم الله، جو کفار مسلمانوں سے عداوت نہیں رکھتے یہ ان کے اچھے سلوک کا ایک صلہ ہے، ابن زید فرماتے ہیں کہ یہ حکم ابتدائے اسلام کا ہے، جب کہ جہاد کی اجازت نہیں تھی پھر منسوخ ہو گیا، اور قتادہ آیت فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم سے اس کو منسوخ مانتے ہیں، لیکن اکثر علماء تاویل اس حکم کو غیر منسوخ اور محکم مانتے ہیں، اور حاصل اس حکم کا کفار سے عداوت اور دوستی میں اعتدال ملحوظ رکھنا ہے، چنانچہ منقول ہے کہ قوم خزاعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد و پیمان کیا تھا کہ ہم نہ مسلمانوں کے خلاف ہوں گے اور نہ دشمنانِ دین کا ساتھ دیں گے، ان کے متعلق یہ حکم ہے یا پھر ان عورتوں اور بچوں کے سلسلہ میں یہ حکم ہے جنہیں لڑائی سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، یا یوں کہا جائے کہ پچھلی آیت میں عام کفار کے متعلق حکم تھا، خواہ وہ مصلحت کنندہ ہوں لیکن اس آیت میں قبیلہ خزاعہ اور بنی الحارث جیسے لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا، جن سے معاہدہ صلح ہے، البتہ جو کافر حربی ہیں دوسری آیت میں ان کا ذکر ہے، ان سے بدستور جنگ رہے گی، گویا پہلی آیت ذمیوں سے متعلق ہے اور دوسری آیت کا تعلق حربیوں سے ہے، اس لئے صاحب ھدایہ نے باب الوصیۃ میں استدلال کرتے ہوئے کہا ہے "ان الوصية للذمی جائزة دون الحربی لانه نوع انسان" نیز باب الزکوٰۃ میں ہے "ان الصدقة النافلة يجوز اعطاء ها للذمی دون الحربی لانامانهينا عن البر فی حقهم بخلاف الزكوة لانها لايجوز الا لمسلم لحديث معاذ خذها من اغنياء هم وردها الى فقرائهم.

"ان تبروهم" یہ "الذين لم يقاتلونكم" سے بدل ہے ای لاینهاكم عن برهم.

وتقسطوا اليهم۔ عدل وانصاف کرنے میں ان کی تخصیص نہیں، وہ تو ہر ایک کے ساتھ حتی کہ قاتل کے ساتھ بھی کیا جائے گا، اسلئے اعطاء سے تفسیر کرنا بہتر ہوگا، ای تعطوهم قسطا من اموالكم۔ یعنی قسط کا "بر" پر عطف خاص کا عام پر عطف ہوگا،

اذا جاء كم المؤمنات، یعنی سرسری طور پر ان کے ایمان کو دیکھا جائے گا، صرف زبانی اقرار پر اکتفاء کر لیا جائے گا قلبی ایمان کی تحقیق

ضروری نہیں ہوگی، البتہ اس ہجرت کا سبب ایمان کے علاوہ اگر نجی تعلقات یا منافرت ہوتو پھر اس ہجرت کا اعتبار نہیں ہوگا، اور ہر چند کہ صلح حدیبیہ میں مکہ سے آنے والوں کے واپسی کی دفعہ عام تھی، جس میں مرد عورتیں سب داخل ہوتیں، لیکن آیت " لاهن حل لهم ولاهم يحلون لهن " سے معلوم ہوا کہ عورتیں اس شرط میں داخل نہیں خواہ تو اس کو ماقبل کا بیان مان لیا جائے یا بقول مدارک پہلے مطلق حکم نسخ قرار دیا جائے، یہاں تین الفاظ سے ایمان کا ضروری ہونا معلوم ہورہا ہے، (۱) اذا جاء كم المؤمنات ، (۲) الله اعلم بايمانهن ، (۳) فان علمتموهن مؤمنات ۔ اور درمیان میں اللہ اعلم بایمانہن بطور جملہ معترضہ ہے کہ حقیقی ایمان کا پتہ تو اللہ کے سوا کس کو ہوسکتا ہے تم کلمہ شہادت کا اعتبار کرلو اور ایمان کی شرط اور حلفیہ بیان کی وجہ یہ ہے بعض گھریلو جھگڑوں میں عورتوں نے کافر شوہروں سے کہنا شروع کردیا تھا کہ اگر تم نہیں مانتے تو ہم محمدؐ کے پاس چلی جائیں گی، دوسرا حکم "اتوهم ما انفقوا" سے مسلمانوں کو یہ دیا جارہا ہے کہ اگر تم ان مسلمان مہاجرین عورتوں سے شادی کرنا چاہو تو پہلے ان کے سابقہ کافر شوہروں کو مہر ادا کردو، پھر ان عورتوں سے شادی کرسکتے ہو، اس درمیانی معتدل حکم میں اسلام نے مسلمان بیوی اور کافر شوہر دونوں کی رعائت کردی ہے، اگر صرف کافر شوہر کا لحاظ کرکے عورت کو دوسری شادی کی اجازت نہ دی جاتی تو اس میں عورتوں کی حق تلفی ہوتی، اور مسلمانوں کو مفت نکاح کی اجازت دے دی جاتی تو پہلے کافر شوہروں کا مالی نقصان ہوتا، اور ہجرت کی بنیاد صرف اسلام کو قرار دے کر بہت سے فتنوں کا سد باب کردیا ہے، صاحب ھدایہ نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے "باب العدة" میں کہا ہے، ان عند ابی حنیفةؒ اذا اخرجت الحربية الينا مسلمة جاز لها التزوج من غير عدة خلافا لهما وله قوله تعالى لاجناح عليكم ان تنكحوهن اذا اتيتموهن اجورهن " صاحب مدارک کی رائے بھی یہی ہے اور صاحب کشاف نے بھی اس کو ذکر فرمایا ہے، اور کہا ہے کہ انما قيده بايتاء المهور امالانه يراد به ما يعطى لهن ليدفعنه الى ازواجهن فيجب تقديم ادائه او يعطى لهن على سبيل الفرض ثم يزوجهن على ذلك او يذانا بان مااعطى ازواجهن لا يقوم مقام المهر ۔ امام زاہد فرماتے ہیں کہ "الايتاء ههنا الالتزام والقبول، اس میں اختلاف ہے کہ یہ مہر واپس کرنا مسلمانوں پر واجب ہے یا مستحب اور اس کی بنیاد اس پر ہے کہ آیا صلح عام ہوئی تھی کہ مرد وعورت سب کو واپس کیا جائے گا، اور بعد میں عورتوں کو مستثنیٰ کردیا گیا ہے یا صلح صرف مردوں ہی کے بارے میں ہوئی تھی، اور عورتیں اس میں داخل ہی نہیں تھیں؟ جیسا کہ صلحنامہ کے ان الفاظ سے تخصیص معلوم ہوتی ہے علی انہ لایاتیک منا رجل وان کان علی دینک الا رددتہ" اگر پہلی صورت ہے تو مہر کی واپسی واجب ہوگی ورنہ مستحب ہے، اس کے بعد آیت " ولا تمسكوا" سے تیسرا حکم دیا جارہا ہے کہ کافرہ عورتوں سے نکاح مت کرو لیکن لفظ امساک بتلا رہا ہے کہ کافر عورتوں کو نکاح میں باقی رکھنے سے منع کیا جارہا ہے، یہاں ابتداء نکاح کرنے سے منع نہیں کیا جارہا ہے، مدارک میں ہے " لاتكن بينكم وبينهن عصمة ولا علقة زوجية"، یعنی جن مسلمانوں کی بیویاں مکہ رہ گئیں اور وہ کافر ہیں تو ان کو بیویاں مت بنائے رکھو بلکہ ان کو چھوڑ دو، کیونکہ دونوں کا وطن مختلف ہوگیا، ایک کا دار الاسلام اور دوسرے کا دار الحرب، اور مذہب بھی الگ الگ ہے، چنانچہ صحابہؓ نے ایسی بیویوں کو چھوڑ دیا، تفسیری عبارت "لقطع اسلامكم لها بشرطه" کا مطلب یہ ہے کہ مدخولہ ہونے کی صورت میں اسلام ان دونوں کو عدت میں جمع نہیں کیا گیا" اوالاحقاف الخ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان بیوی اگر مرتد ہوکر دار الحرب میں چلی گئی تو اس کو بھی بیوی نہ سمجھو، کیونکہ ارتداد نے یہ رشتہ منقطع کردیا ہے، غیر مدخولہ ہونے کی صورت میں تو فوری تفریق ہوجائے گی اور مدخولہ ہونے کی صورت میں اگر عدت میں دوبارہ بھی یہ مسلمان ہوجائے تب بھی رجعت نہیں ہوگی۔

بشرطہ کا مطلب بشرط القطع ہے یعنی انقضائے عدت۔ پس اسلام تو سبب انقطاع ہوا اور عدت کا گزرنا شرط ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ عدت ختم ہونے تک جاری ہے۔ پس اگر عدت ختم ہونے سے پہلے عورت دوبارہ مسلمان ہوجائے امام شافعیؒ کے نزدیک بیوی اگر مدخولہ ہے تو بدستور بیوی رہے گی۔ تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔ البتہ اگر غیر مدخولہ ہے تو مرتد ہوتے ہی تفریق ہوجائے گی۔ امام مالکؒ کے نزدیک مدخولہ اور غیر مدخولہ دونوں صورتوں میں تجدید نکاح ضروری ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک اختلاف دارین کی وجہ سے عصمت ختم ہوجاتی ہے۔ اور مہاجرہ کے لئے عدت نہیں ہے

جیسا کہ ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ چوتھا حکم مہر کے لین دین سے متعلق ہے۔ واسئلوا ما انفقتم یعنی از روئے عدل وانصاف جس طرح تمہیں اپنی کفر یا مرتد بیوی کے سلسلہ میں اپنے دئے ہوئے مہر کے مطالبہ کا نئے کافر شوہروں سے حق ہے اسی طرح کافروں کو بھی حق ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے مہر کا مطالبہ تم سے کریں جنہوں نے اسلام لانے اور ہجرت کرنے کی صورت میں تم سے شادی کر لی ہے۔ لیکن یہ حکم بھی اب منسوخ ہو گیا ہے کیونکہ مسلمانوں نے تو اس پر عمل کرتے ہوئے مہر کی رقم کافروں کے پاس بھجوادی۔ مگر کافروں نے مرتد عورتوں کو مہر دینے سے انکار کر دیا اس پر وان فاتکم نازل ہوئی۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ اگر تمہاری ایک دو بیویاں یا پورا یا ادھورا مہر کفار کے قبضہ میں رہ جائے اور پھر تمہیں مہر کی ادائیگی کی نوبت پیش آ جائے۔ تو کافر شوہروں کو تم بھی مہر ادا نہ کیا کرو۔ بلکہ ان مسلمان شوہروں کے حوالہ کردو۔ جن کے مہر کفار کے پاس رہ گئے ہیں۔ اس تبادلہ سے مسلمان بھائیوں کے نقصان کی تلافی ہو جائے گی۔ مفسرؒ نے او شیٔ من مهورهن میں اشارہ کیا ہے کہ مضاف محذوف ہے۔

فعاقبہم۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ عاقبتم عقاب سے ہے۔ یعنی کفار سے انتقامی کاروائی کر کے جہاد کرو۔ حتیٰ کہ تمہیں مال غنیمت حاصل ہو جائے۔ جیسا کہ زجاجؒ کی رائے ہے اور بعض نے یہ معنی لیے ہیں کہ انجام تمہارے حق میں ہو جائے اور تم کامیاب ہو جاؤ اور عاقبت تمہارے ساتھ ہو جائے یعنی کفار سے تمہیں عقبیٰ اور غنیمت حاصل ہو جائے۔ حاصل دونوں توجیہوں کا ایک ہی نکلتا ہے اور بعض نے عقب کے معنی نوبت کے لئے ہیں یعنی تمہارے مہر کی ادائیگی کی نوبت آ جائے لیکن اکثر نے پہلے ہی معنی لئے ہیں، چنانچہ مفسرؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، بہر حال چھ مسلمان عورتیں مرتد ہو کر دارالحرب چلی گئیں جن کا مہر مسلمان شوہروں کو آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت سے ادا فرما دیا۔ گویا یوں سمجھا جائے گا کہ کافر شوہروں نے جب مہر خود نہیں دیا تو ان سے حاصل کئے ہوئے مال غنیمت کا خمس نکالنے سے پہلے دین مہر مسلمانوں کو ادا کر دیا گیا۔ کیونکہ وہ اسی دین کی ادائیگی ہے جو کفار پر واجب تھا۔ تفسیری عبارت **لفواته عليهم** کا مطلب یہی ہے۔

من الا يتا ء۔ اس کا تعلق **اتو هم ما انفقوا** کے ساتھ ہے اور **و المؤمنين** کا تعلق **فا توا الذين ذهبت** کے ساتھ ہے۔ ای **ومن ايتا ء المؤمنين مهر المر تدة لزوجها الكافر من الغنيمة**۔ خلاصہ یہ ہے کہ آیت جہاد غنیمت یا سنت کی وجہ سے **فا متحنوهن** اور **ا تو هم ما انفقوا** اور **واسئلوا ما انفقتم** اور **يسئلوا ما انفقوا** اور **فاتوا الذين ذهبت ازواجهم** سب احکام منسوخ ہو گئے ہیں کیونکہ یہ سب صورتیں معاہدہ کے تحت تھیں۔ لیکن جب معاہدہ نہیں رہا تو ذیلی دفعات بھی سب ختم ہو گئیں اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ عاقبتم کے معنی اگر غنمتم کے ہوں تو یہ حکم استحبابی ہے اور باقی ہے۔ اذا جاءک المومنات عورتوں میں چونکہ عام طور سے یہ برائیاں پائی جاتی ہوں گی۔ اس لئے آپ نے بیعت لیتے وقت ان سے باز رہنے کا عہد لیا۔

بين ايديهن۔ حرامی بچہ کی نسبت خاوندوں کی طرف کر دیتی تھیں۔ اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ کشاف اور مدارک نے یہی معنی مراد لئے ہیں۔ معروف کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ امام زاہد معروف سے مراد نوحہ نہ کرنا، کپڑے نہ پھاڑنا، نامحرم کے ساتھ عورت کا سفر نہ کرنا۔ صاحب کشاف نے روایت نقل کی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر مردوں کی بیعت کے بعد عورتوں سے بیعت لیتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے یہ عہد لئے تھے۔ دراصل بیعت اور بیع دونوں کا ماخذ ایک ہے اور جس طرح بیع میں حوالگی ہوتی ہے اسی طرح بیعت میں بھی مرید خود کو شیخ کے حوالہ کر دیتا ہے جس کا حاصل انقیاد کامل ہے۔ بیعت کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک بیعت اسلام یعنی اسلام عمدہ طریقہ سے حاصل کرنے کے بعد بیعت کرنا۔ دوسرے بیعت امتثال۔ جیسے خلفاء اسلام سے رعایا کا بیعت کرنا۔ تیسرے بیعت ارادۃ ہوتی ہے اس آیت میں یہی مراد ہے۔ جسے بیعت سلوک کہنا چاہیے مردوں کی بیعت میں۔ مصافحہ شرط یا ضروری تو نہیں مگر قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ تاہم عورتوں کی بیعت میں اجازت نہیں ہے۔ اور حدیث میں جہاں آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے تو محرم کی موجودگی ہوگی یا ممانعت سے پہلے کی بات ہوگی۔ البتہ قینچی کلاہ وغیرہ کا دینا۔ بعض آنحضرت ﷺ سے اور بعض حضرت علیؓ سے اور بعض مشائخ سے منسوب کرتے ہیں۔ لاتتولوا فاتحہ سورت کا مضمون

دہرایا گیا ہے۔ جس کو اصطلاح بلاغت میں رد العجز علی الصدر کہا جاتا ہے تو ما غضب اللہ سے یہود مراد ہیں یا تمام کفار اصحاب القبور مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ قبر سے موضع مراد ہے۔ جیسا کہ قاموس میں ہے۔ اصحاب القبور اہل قبور اور موتیٰ ہیں۔ اذ تعرض ۔ یہ ظرف ہے پیشوا کا اور لوکانوا امنوا قید ہے مقاعدھم کی نسبت کی اور ما یصبرون کا عطف مقاعدھم پر ہے۔

شان نزول وروایات:

............لا ینھاکم اللہ۔ شروع سورت میں جو کفار سے مطلقاً دوستی رکھنے کی ممانعت تھی۔ اس آیت میں ذمی کافروں سے یعنی جن سے عہد صلح ہو گیا ہو ان سے تعلقات رکھنے کی اجازت دی جا رہی ہے جیسے قبیلہ خزاعہ اور بنی حارث اس لئے یہ آیت محکم ہے۔ اس میں کافر عورتیں بچے بھی داخل ہیں۔ جن سے کوئی جنگی خطرہ نہیں ہوتا۔ اور بعض نے اس کے شان نزول میں قبیلہ بنت عبد العزیٰ کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ بحالت کفر اپنی بیٹی اسما بنت ابوبکر کے پاس ہدایا لے کر ملنے آئے۔ مگر اسمؓ نے نہ ہدایا قبول کئے اور نہ ماں کو ملنے کی اجازت دی اور دوسری آیت انما ینھاکم کفار حرب کے بارہ میں نازل ہوئی کہ ان سے تعلقات رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

اذجاء کم المومنات ۔ صلح حدیبیہ کی ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ جو شخص کافروں میں سے مسلمانوں کی طرف چلا جائے گا اس کو واپس کرنا پڑے گا۔ چنانچہ کچھ مسلمان مرد مکہ سے مدینہ آئے تو انہیں شرط کے مطابق واپس کر دیا گیا۔ پھر کچھ عورتیں بھی آئیں تو ان کے عزیز واقارب نے ان کی واپسی کے لئے بھی درخواست کی۔ اس پر حدیبیہ ہی میں یہ آیتیں نازل ہوئی اور ان کو واپس کرنے سے منع کر دیا گیا۔ پس صلحنامہ کا عموم اس سے خاص اور منسوخ کر دیا گیا۔ ایسی عورتوں کے لئے کچھ شرائط اور احکام خاص بھی مقرر کر دیئے گئے۔ مثلاً جو عورتیں مسلمان ہو کر آتیں ان سے حضرت عمرؓ حلفیہ بیان لیتے۔ کہ ماخرجت رغبۃ بارض عن ارض وباللہ ماخرجت عن بعض زوج وباللہ ماخرجت الاحبا اللہ ورسولہ۔ اور بقول عکرمہؓ ان سے کہا جاتا ماجائک عشق رجال منا ولافرارامن زوجک ماجاء ک الا حباللہ ورسولہ. منجملہ مہاجر عورتوں کے سبیعہ بنت الحارث اسلمیہ تھیں۔ ان کے شوہر کا نام مسافر مخزومی یا صیفی بن الراہب تھا۔ انہوں نے بیوی کی واپسی کی خواہش کی۔ مگر جبرائیل یہ آیتیں لے کر نازل ہوئے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے سبیعہ اسلمی سے حلفیہ بیان لیا کہ وہ مومنہ ہے اور آپ ﷺ نے مسافر مخزومی کو اس کا مہر وغیرہ ادا کر دیا۔ پھر حضرت عمرؓ سے ان کا نکاح ہو گیا۔ دوسرا حکم مشرک عورتوں کے اپنے نکاح میں نہ رکھنے کے بارہ میں ''ولا تمسکوا بعصم الکوافر'' نازل ہوا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ من کانت لہ امرأۃ کافرۃ بکمۃ فلا یعتدن بھا من نسائہ لان اختلاف الدارین قطع عصمتھا منہ چنانچہ صحابہؓ نے کافر بیویوں کو جو مکہ میں رہ گئیں تھیں چھوڑ دیا اور مہر کے تبادلہ کے سلسلہ میں واسئلو اما انفقتم ولیسئلوا ما انفقوا حکم نازل ہوا۔ لیکن کفار کی طرف سے جب مہر کی ادائیگی کی رکاوٹ ہوئی تو پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اور مسلمانوں پر بھی مہر کی ادائیگی نہیں رہی۔ اس کے بعد بیعت کی شرائط واحکام بیان فرمانے لگے۔ مردوں کی بیعت کا ذکر تو سورہ فتح کی آیت ان الذین یبایعونک اور لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک میں آچکا تھا۔ مومن عورتوں کا ذکر آیت اذجاء ک المؤمنات یبایعنک میں فرمایا جا رہا ہے۔ چنانچہ آنحضرت کوہ صفا پر تھے۔ اور حضرت عمرؓ آپ کے حکم سے نیچے کی جانب عورتوں سے بیعت لے رہے تھے۔ منجملہ عورتوں کے ہندہ بن عتبہ ابوسفیان کی بیوی بھی حاضر ہوئیں مگر آنحضرت ﷺ سے خائف چادر میں لپٹی ہوئی آئیں کہ پہچان نہ لی جائیں۔ آپ ﷺ نے عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ اما یمکن علی ان لا یشرکن باللہ شیئا۔ تو اس پر ہندہ بولیں۔ واللہ لقدعبدنا الاصنام وانک لتاخذ علینا امراً ما راینا ک اخذتہ علی الرجال تبایع الرجال علی الاسلام والجھاد ۔ آنحضرت ﷺ نے پھر فرمایا۔ ولا یسرقن ۔ اس پر ہندہ نے عرض کیا۔ ان ابا سفیان رجلا شحیح وانی اصبت من مالہ ھنات فما ادری آیحل لی ام لا۔ ابوسفیانؓ بولے۔ مااصبت من شیٔ فیما مضیٰ غیر فھو لک حلال۔ یہ مکالمہ سن کر آنحضرت ﷺ کو بے ساختہ ہنسی آ گئی اور پہچان کر فرمایا۔ وانک ھندہ بنت عتبۃ؟

بولیں، جی ہاں، اور عرض گذار ہوئیں؟ فاعف عما سلف یا نبی اللہ عفا اللہ عنک۔ آپ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ ولا یزنین کہنے لگیں۔ او تزنی الحرۃ۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ مازنت منھن امراۃ قط آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ولا یقتلن اولا دھن ہندہ بولیں۔ ربینا ھم صغارا وقتلتھم کبارا فانتم وھم اعلم۔ یہ اس لئے کہا کہ ابوسفیان کا جوان بیٹا حنظلہ غزوہ بدر میں مارا جا چکا تھا۔ اس لئے یہ فقرے سن کر حضرت عمرؓ تو ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گئے اور آنحضرت ﷺ بھی مسکرا دیئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ولا یاتین ببھتان۔ ہندہ نے عرض کیا۔ واللہ ان البھتان لامر قبیح وما تا مرنا الا بالرشد ومکارم الاخلاق۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ولا یعصینک فی معروف۔ ہندہ بولیں واللہ ما جعلنا فجعلنا ھذا وفی انفسنا ان نعصیک فی شیء۔ ہندہ کی جراءت دیدنی اور بیباکی تو قابل داد ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ کا تحمل ووقار اور وسعت اخلاق بھی بے مثال ہے۔ عورتوں سے بیعت لینے میں آپ ﷺ نے مصافحہ نہیں فرمایا چنانچہ حضرت عائشہؓ کے الفاظ یہ ہیں۔ واللہ ما اخذ رسول اللہ ﷺ علی النساء قط الابما امر اللہ عزو جل وما مست کف رسول اللہ ﷺ کف امراۃ قط دوسری روایت میں ہے۔ انہ ﷺ بایع النساء وبین یدیہ وایدیھن ثوب وکان یشرط علیھن۔ وفی روایہ ثوب قطری یا خذن بطرف منہ ویا خذون بطرف الاخر تو قیا عن مساس ایدی الاجنبیات۔

﴿ تشریح ﴾: ایک تو رشتہ داروں کے چھوٹنے کا غم اگر چہ وہ کافر ہی سہی۔ دوسرے عام کافروں کی عداوت سن کر فکر ہو سکتی تھی۔ اس لئے عسی اللہ پر بشارت آمیز پیشین گوئی فرمائی جا رہی ہے کہ یہ عارضی جدائیگی ہے۔ اللہ کی قدرت ورحمت سے بعید نہیں کہ جو آج بدترین دشمن ہیں۔ کل وہ مسلمان بن کر بہترین دوست ہو جائیں اور پھر تمہارے اور ان کے درمیان بدستور بلکہ پہلے سے بھی زیادہ برادرانہ اور دوستانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقعہ پر یہی ہوا کہ سب مکہ والے مسلمان ہو گئے تو جو ایک دوسرے پر تلوار اٹھا رہے تھے۔ اب ایک دوسرے پر جان قربان کرنے لگے مطلب یہ ہے کہ قطع تعلق اگر ہمیشہ کے لئے کیا جاتا تب بھی حکم الٰہی ہونے کی وجہ سے واجب التسلیم اور واجب العمل تھا۔ لیکن اب تو یہ ترک موالات چند روزہ ہے۔ پھر اس کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اس لئے محالات موجودہ، ترک موالات پر مضبوطی سے قائم رہو جس کسی سے کوئی بے اعتدالی ہو جائے وہ اللہ سے اپنی خطا معاف کرا لے وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

امن پسند کفار سے رواداری برتنی چاہیے: لاینھا کم اللہ۔ یعنی سب کافر ایک طرح کے نہیں ہیں۔ لہٰذا سب کو ایک لاٹھی سے نہ ہنکاؤ۔ جو کافر مصالح اور غیر جانبدار ہوں کہ نہ تو مسلمان ہوئے اور نہ ہی مسلمانوں سے بیر رکھا اور نہ ان کے دشمنوں سے لگاؤ رکھا۔ ایسے کافروں سے بھلائی اور خوش خلقی سے پیش آنے کو اسلام نہیں روکتا۔ پس انصاف یہاں خاص انصاف یعنی احسان کا برتاؤ مراد ہے ورنہ عام انصاف تو ہر کافر بلکہ جانور کے ساتھ بھی واجب ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جب وہ تمہارے ساتھ نرمی اور رواداری سے پیش آتے ہیں تو انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اور دنیا کو دکھلا دو کہ اسلام کا معیار اخلاق کس قدر بلند ہے۔ اسلام کی یہ تعلیم نہیں کہ اگر کافروں کی ایک جماعت مسلمانوں سے برسر پیکار ہے تو کافروں کو بلا امتیاز ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا شروع کر دو۔

اسلام عورتوں، بچوں، کمزوروں سے حد درجہ رعایت کرتا ہے: ضروری ہے کہ عورت، مرد، بوڑھے، جوان، بچے معاند غیر معاند کے اعتبار سے ان میں فرق کیا جائے۔ البتہ جو کافر تم سے آمادہ پیکار ہوں ان سے دوستانہ برتاؤ کرنا بے شک سخت ظلم اور گناہ کا کام ہے۔ یہ تو ہوا متحارب غیر متحارب مرد کافروں کا معاملہ۔ رہ گئیں عورتیں خواہ مکہ سے آنے والی ہوں یا رہ جانے والی۔ ان کے بارے میں ارشاد ہے۔ اذا جاءکم المومنات الخ ان سے متعلق احکام کا خلاصہ یہ ہے۔

ا۔ کسی کے دل کا حال تو اللہ ہی خوب جانتا ہے لیکن ظاہری طور سے ایسی آنے والی عورتوں کی جانچ کر لیا کرو کہ آیا واقعی مسلمان ہیں اور محض اسلام کی

خاطر وطن چھوڑ کر آئی ہیں۔ کوئی دنیاوی یا نفسانی غرض تو اس ہجرت کا سبب نہیں بنا۔ چنانچہ بہ نفس نفیس خود حضور ﷺ ایسی عورتوں سے بیعت لیتے اور کبھی حضرت عمرؓ آپ کی اجازت اور حکم سے جانچ کر کے بیعت لیتے۔

۲۔ خاوند بیوی میں اگر ایک مسلمان اور دوسرا کافر ہو تو اختلاف دارین کے بعد نکاح کا تعلق قائم نہیں رہتا۔ نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے۔

۳۔ مسلمان عورت اگر کافر ملک کو چھوڑ آئے تو اس کا نکاح مسلمان سے ہوسکتا ہے۔ حاملہ ہونے کی صورت میں تو بالاجماع بچہ پیدا ہونے کے بعد اور حاملہ نہیں ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک بغیر عدت گزرے فوراً نکاح ہوسکتا ہے اور صاحبین کے نزدیک عدت ختم ہونے کے بعد نکاح کرسکتی ہے

۴۔ کافرہ حربیہ کا شوہر اگر مسلمان ہو جائے تب بھی نکاح ٹوٹ جائے گا اور اس پر کسی کے نزدیک عدت نہیں ہے یہ دونوں حکم اب بھی باقی ہیں۔

۵۔ مسلمان مہاجر عورت کو اس کے پہلے کافر شوہر نے جس قدر مہر دیا تھا۔ دارالاسلام میں جو مسلمان اس سے نکاح کرے اس کے ذمہ ہے کہ اس کافر نے جتنا مہر عورت پر خرچ کیا تھا وہ اسے واپس کردے۔ اگر کوئی خاص شخص نکاح کرے تو وہ واپس کرے۔ ورنہ بیت المال (شاہی خزانہ) سے دے دیا جائے۔ اور اب اس عورت کا جو مہر قرار پائے وہ الگ اپنے ذمہ رکھے تب اپنے نکاح میں لاسکتا ہے۔ لیکن یہ حکم اب باقی نہیں ہے۔ بلکہ یہ اسی وقت کے مخصوص حالات کے پیش نظر دیا گیا تھا۔ تاکہ مصالحت کنندگان کو نقصان نہ پہنچے اور انہیں اشتعال نہ ہو کہ صلح ٹوٹ جائے۔

۶۔ اسی طرح مسلمان شوہر کی حربی بیوی کا مہر، کافر، مسلمان کو ادا کریں۔ یہ حکم بھی اسی واقعہ کے ساتھ خاص تھا۔ اب وہ نہیں ہے۔

۷۔ کفار ایسی عورتوں کا مہر ان کے مسلمان شوہروں کو واپس نہ کریں، تو جو مہر کفار کا مسلمانوں کے ذمہ ہے وہ ان کفار کی جگہ ان مسلمان شوہروں کو دے دیا جائے۔ برابر کی صورت میں تو کوئی اشکال نہیں۔ البتہ کمی بیشی کی صورت میں جو کفار کا بچتا وہ کفار کو دے دیا جاتا اور جو اپنا بچتا اس کا مطالبہ کر دیا جاتا۔ یہ حکم بھی اسی وقت کے حالات کے پیش نظر تھا اور دلیل ان احکام کے خاص ہونے کی اجماع ہے۔ نیز آنحضرت ﷺ نے پھر کبھی یہ برتاؤ نہیں کیا۔ جس سے ان احکام کا وقتی ہونا معلوم ہوا۔

شبہ کا جواب:............لیکن اگر شبہ یہ ہو کہ اس تخصیص و نسخ سے تو عہد عام ٹوٹ گیا اور نقض عہد جائز نہیں۔ جواب یہ ہے کہ نقض عہد، عذر کے عہد میں جائز نہیں ہے اور یہاں عذر نہیں کیا گیا۔ پس بغیر عذر کئے تو نفس صلح کا ختم کرنا بھی جائز ہے۔ پھر صلح کے کسی خاص جزء کا رفع کر دینا تو اور بھی ہلکا اور سہل ہے۔ پھر دوسرا فریق اس میں مجبور نہیں کیا گیا۔ وہ اگر نہ مانتا تو زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا کہ صلح ختم ہو جاتی۔ لیکن جب فریق ثانی نے بھی مان لیا۔ خواہ اپنی کسی مصلحت سے یا یہ سمجھ کر مردوں کے زیادہ ہونے سے تو جنگ کا اندیشہ ہے۔ لیکن عورتیں اگر واپس نہ کی گئیں تو ان سے کوئی اندیشہ نہیں۔ غرضیکہ مان لینے کے بعد تو اب صلح متفق علیہ بھی ہوگئی۔ اذا اتیتموھن اجورھن یعنی مہر کی ادائیگی ہو یا اس کا التزام، اور یہ قید شرط کے درجہ میں نہیں۔ کیونکہ نکاح کا جائز ہونا مہر کی ادائیگی یا التزام پر موقوف نہیں۔ بلکہ یہ قید لزوم کرنے کے لئے ہے۔ یعنی مہر نکاح کے لوازم میں سے ہے۔ خواہ وہ مقرر کیا ہوا ہو یا بلا تعین کے ہو۔ نقد ہو یا کپڑوں کے جوڑہ کی صورت میں۔

ولا تمسکوا بعصم الکوافر یعنی مسلمانوں کی جو بیویاں کفر کی حالت میں دارالحرب میں رہ گئیں۔ ان سے رشتہ نکاح ختم ہو گیا اور اب اس تعلق کا کوئی اثر باقی نہ سمجھو۔ اس کے لئے عدت بھی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ایسے مرد کو اسی وقت ایسی عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے، جن سے اس کی بیوی کی عدت میں جائز نہ ہوتا۔ یہ عورت خود بخود نکاح سے الگ ہوگئی۔ اس کو طلاق دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ پھر بھی بعض صحابہ کا طلاق دینا اور آنحضرت ﷺ کا اس پر انکار نہ کرنا ممکن ہے اس لئے ہوا ہو کہ طلاق کے لغوی معنی مراد لئے ہوں۔ یعنی ترک تعلقات کا اظہار، طلاق شرعی مراد نہیں تھی۔ اور بہت ممکن ہے کہ حضور ﷺ کو صحابہ کے طلاق دینے کی اطلاع ہی نہ ہوئی ہو۔

قتل اولاد اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا:............**ولا یقتلن اولادھن**۔ جیسا کہ جاہلیت میں رواج تھا۔ عرب میں بھی ہندوستان

کے قدیم ترین راجپوتوں میں بھی کہ رسمی ننگ و عار کے خیال سے لڑکیوں کو زندہ در گور کر دیتے۔ اسی طرح قدیم ہندوستان میں مہر و وفا کی دیوی ظاہر کرنے کے لئے عورت مرد کی چتا پر بھینٹ چڑھ جاتی تھی۔ جس کو ستی ہونا کہتے تھے۔ عرب میں بعض اوقات فقر و فاقہ کے خوف سے بھی لڑکیوں کو بھی مار ڈالتے۔ ولا یاتین ببھتان۔ جاہلیت میں بعض عورتوں کا دستور یہ تھا کہ کسی غیر کا بچہ اپنا لائیں اور کہہ دیا کہ میرے خاوند کا ہے یا کسی سے بدکاری کر کے بچہ کو خاوند کا بتلا دیا۔ اس سے روکا جا رہا ہے کہ اس میں زنا کا گناہ تو ہے ہی۔ بچہ کی نسبت دوسرے کی طرف کرنے کا گناہ الگ ہوا۔ جس کی وعید حدیث میں آئی یا ہاتھ پاؤں میں طوفان باندھنے سے مراد یہ ہے کہ کسی پر جھوٹا دعویٰ کر دیں یا جھوٹی گواہی دیں یا کسی معاملہ میں اپنی طرف سے بنا کر جھوٹی قسمیں کھالیں پچھلی آیت میں جو مہاجر عورتوں کی جانچ کو فرمایا تھا۔ ان آیات میں بتلا دیا کہ وہ جانچ یہ ہے کہ اگر وہ ان احکام کو قبول کر لیں تو وہ مومنہ سمجھی جائے گی۔

لا تتولوا قوما۔ شروع سورت میں جو مضمون تھا۔ خاتمہ سورت پر پھر یاد دلایا کہ مومن کی شان یہ ہونی چاہیے کہ اللہ کے تعلق کو اصل سمجھے۔ اسی کے متعلق اوروں سے تعلق رکھے۔ اور وہی تعلق نہ ہو تو پھر کسی سے کیا رشتہ ناطہ؟

قد یئس الکفار۔ یعنی جس طرح منکروں کو توقع نہیں کہ قبر سے کوئی اٹھے گا اور پھر ایک دوسرے سے ملیں گے۔ یہی حال ان کافروں کا بھی ہے اور بعض حضرات نے من اصحاب القبور کو کفار کا بیان مانا ہے۔ یعنی جو کافر قبروں میں پہنچ چکے ہیں۔ جس طرح وہاں کا حال دیکھ کر وہ اللہ کی مہربانی سے بالکلیہ مایوس ہو چکے ہیں۔ اسی طرح یہ کافر بھی آخرت کی طرف سے مایوس ہیں۔ پھر ایسے گمراہوں سے تعلق رکھنا کیا معنی؟ اس سے یہ سمجھا جائے کہ جن کافروں کی گمراہی اس درجہ کی نہ ہو۔ ان سے دوستی جائز ہے۔ کیونکہ مطلق کفر بھی دوستی سے مانع ہے۔ البتہ کفر میں جتنی شدت ہوگی۔ ممانعت میں بھی اتنی شدت آجائے گی۔ گویا دونوں کلیاں مشکک ہیں۔

لطائف سلوک: .... **لا ینھاکم اللہ** ۔ اس میں بزرگوں کی اس عادت کا جواز نکل رہا ہے کہ وہ کفار سے نرم کلامی اور ملاطفت و ملائمت کا برتاؤ کرتے اور ان کے ہدیہ کو قبول کر لیتے ہیں۔

فامتحنوھن۔ اس میں مرید کی جانچ اور آزمائش کا حکم ہے۔

یبایعنک۔ اس سے صحیح بیعت کی غرض و غایت صراحۃ معلوم ہو رہی ہے اور ساتھ رسمی بیعت کا لایعنی ہونا بھی معلوم ہوتا ہے جس میں نہ ایمان کا کما حقہ احترام ہو اور نہ عمل صالح کا اہتمام۔

واستغفر لھن۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرید کے لے دعا کرنا منجملہ اس کے حقوق کے ہے۔

سُــورَةُ الصَّفِّ

سُوْرَةُ الصَّفِّ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ اَرْبَعَ عَشَرَةَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اَیْ نَزَّهَهٗ فَاللَّامُ مَزِيْدَةٌ وَجِیْءَ بِمَا دُوْنَ مَنْ تَغْلِيْبًا لِلْاَكْثَرِ **وَهُوَ الْعَزِيْزُ** فِیْ مُلْكِهٖ **الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾** فِیْ صُنْعِهٖ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ** فِیْ طَلَبِ الْجِهَادِ **مَالَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲﴾** اِذَا انْهَزَمْتُمْ بِاُحُدٍ **كَبُرَ** عَظُمَ **مَقْتًا** تَمْيِيْزٌ **عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا** فَاعِلُ كَبُرَ **مَالَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ** يَنْصُرُ وَيُكْرِمُ **الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا** حَالٌ اَیْ صَافِّيْنَ **كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿۴﴾** مُلْزَقٌ بَعْضُهٗ اِلٰی بَعْضٍ ثَابِتٍ وَ اذْكُرْ **اِذْقَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ** قَالُوْا اِنَّهٗ اٰدِرٌ اَیْ مُنْتَفِخُ الْخُصْيَةِ وَلَيْسَ كَذٰلِكَ وَكَذَّبُوْهُ **وَقَدْ** لِلتَّحْقِيْقِ **تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ** الْجُمْلَةُ حَالٌ وَالرَّسُوْلُ يُحْتَرَمُ **فَلَمَّا زَاغُوْٓا** عَدَلُوْا عَنِ الْحَقِّ بِاِيْذَائِهٖ **اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ** اَمَا لَهَا عَنِ الْهُدٰی عَلٰی وَفْقِ مَا قَدَّرَهٗ فِی الْاَزَلِ **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۵﴾** اَلْكَافِرِيْنَ فِیْ عِلْمِهٖ **وَاذْكُرْ اِذْقَالَ عِيْسَی ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ** لَمْ يَقُلْ يٰقَوْمِ لِاَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ لَهٗ فِيْهِمْ قَرَابَةٌ **اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَیَّ** قَبْلِیْ **مِنَ التَّوْرٰةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ** قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی **فَلَمَّا جَآءَهُمْ** جَآءَ اَحْمَدُ اَلْكُفَّارَ **بِالْبَيِّنٰتِ** اَلْاٰيَاتِ وَالْعَلَامَاتِ **قَالُوْا هٰذَا** اَیِ الْمَجِیْءُ بِهٖ **سِحْرٌ** وَفِیْ قِرَاءَةٍ سَاحِرٌ اَیِ الْجَائِیْ بِهٖ **مُّبِيْنٌ ﴿۶﴾** بَيِّنٌ **وَمَنْ** لَا اَحَدٌ **اَظْلَمُ** اَشَدُّ ظُلْمًا **مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ** بِنِسْبَةِ الشَّرِيْكِ وَالْوَلَدِ اِلَيْهِ وَوَصْفِ اٰيَاتِهٖ بِالسِّحْرِ **وَهُوَ يُدْعٰٓی اِلَی الْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷﴾** اَلْكَافِرِيْنَ **يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا** مَنْصُوْبٌ بِاَنْ مُقَدَّرَةً وَاللَّامُ مَزِيْدَةٌ **نُوْرَ اللّٰهِ** شَرْعَهٗ وَبَرَاهِيْنَهٗ **بِاَفْوَاهِهِمْ** بِاَقْوَالِهِمْ اَنَّهٗ سِحْرٌ وَشِعْرٌ وَكَهَانَةٌ **وَاللّٰهُ مُتِمُّ** مُظْهِرُ **نُوْرِهٖ** وَفِیْ قِرَآءَةٍ بِالْاِضَافَةِ **وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ**

﴿۸﴾ ذٰلِکَ هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ یُعْلِیَه عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ جَمِیْعِ الْاَدْیَانِ الْمُخَالِفَةِ لَهٗ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ ﴿۹﴾ یٰٓاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْکُمْ بِالتَّخْفِیْفِ وَالتَّشْدِیْدِ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۱۰﴾ مُؤْلِمٍ فَکَاَنَّهُمْ قَالُوْا نَعَمْ فَقَالَ تُؤْمِنُوْنَ تَدُوْمُوْنَ عَلَی الْاِیْمَانِ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَنَّهٗ خَیْرٌ لَّکُمْ فَافْعَلُوْهُ یَغْفِرْ جَوَابُ شَرْطٍ مُقَدَّرٍ اَیْ اِنْ تَفْعَلُوْهُ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَیُدْخِلْکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰکِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ اِقَامَةٍ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۲﴾ وَ یُؤْتِکُمْ نِعْمَةً اُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳﴾ بِالنَّصْرِ وَالْفَتْحِ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ لِدِیْنِهٖ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْاِضَافَةِ کَمَا کَانَ الْحَوَارِیُّوْنَ کَذٰلِکَ الدَّالُّ عَلَیْهِ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ اَیْ مِنَ الْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ یَکُوْنُوْنَ مَعِیَ مُتَوَجِّهًا اِلٰی نُصْرَةِ اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ وَالْحَوَارِیُّوْنَ اَصْفِیَاءُ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ وَهُمْ اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَکَانُوْا اِثْنَیْ عَشَرَ رَجُلًا مِنَ الْحُوْرِ وَهُوَ الْبَیَاضُ الْخَالِصُ وَقِیْلَ کَانُوْا قَصَّارِیْنَ یَحُوْرُوْنَ الثِّیَابَ یُبَیِّضُوْنَهَا فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ بِعِیْسٰی وَقَالُوْا اِنَّهٗ عَبْدُ اللّٰهِ رُفِعَ اِلَی السَّمَآءِ وَکَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ لِقَوْلِهِمْ اِنَّهُ ابْنُ اللّٰهِ رَفَعَهٗ اِلَیْهِ فَاقْتَتَلَتِ الطَّائِفَتَانِ فَاَیَّدْنَا قَوَّیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الطَّائِفَتَیْنِ عَلٰی عَدُوِّهِمْ الطَّائِفَةُ الْکَافِرَةُ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ غَالِبِیْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: .... سورۂ صف مکی ہے یا مدنی ہے، اس میں چودہ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، آسمانوں اور زمین کی سب چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں، (اللہ میں لام زائد ہے اور من کی بجائے ما کا لانا اکثریت کی تغلیب کے طور پر ہے) اور وہی (اپنے ملک میں) زبردست (صنعت میں) حکمت والا ہے، اے اہل ایمان (جہاد کی خواہش کے سلسلہ میں) ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو (جب تمہیں غزوہ احد میں شکست ہوئی) یہ بات بہت (بڑی) ناراضگی کی ہے (یہ تمیز ہے) اللہ پاک کے نزدیک کہ ایسی بات کہو (کبر کا فاعل ہے) جو کرو نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو پسند کرتا ہے (مدد اور اکرام کرتا ہے) ان لوگوں کو جو اس کے رستہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں (صفا حال ہے ای صافین) کہ گویا وہ ایک عمارت ہے سیسہ پلائی ہوئی (ایک دوسرے میں پکی ہوئی مضبوط) اور (یاد کرو) جب کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم مجھ کو کیوں ایذاء پہنچاتے ہو (لوگوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ ان کو فتق کی بیماری ہے یعنی ان کے خصیے بڑھے ہوئے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ ایسا نہیں تھا، جھوٹ بکتے تھے، حالانکہ (قد تحقیق کے لئے ہے) تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (جملہ حال ہے اور رسول واجب الاحترام ہوتا ہے) پھر جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے (موسیٰ کو ستانے کی وجہ سے حق سے ہٹ گئے) تو اللہ نے ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا کر دیا (ہدایت سے پھیر دیا، تقدیر ازلی کے مطابق) اور اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا (جو علم الٰہی میں کافر ہوں) اور (یاد کیجئے) جب کہ عیسیٰ بن مریم نے فرمایا اے بنی اسرئیل (یا قوم نہیں فرمایا کیونکہ وہ انکے قرابت دار نہیں تھے) میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں، اپنے سے پہلی تورات کی تصدیق کرنے

والا ہوں، اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہوگا، میں ان کی بشارت دینے والا ہوں (حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) پھر جب وہ (احمد) ان (کفار) کے پاس کھلی دلیلیں (نشانیوں اور علامات) لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ یہ (یعنی جو لایا گیا) جادو ہے (ایک قراءت میں ساحر ہے یعنی قرآن لانے والا) کھلا ہوا، اور کون (کوئی نہیں) زیادہ ظالم ہے (ظلم میں بڑھ کر ہے) اس شخص سے جو اللہ پر جھوٹ باندھے (شریک اور اولاد کی نسبت اسکی طرف کر کے اور اس کی آیات کو جادو کہہ کر) حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ ایسے ظالموں (کافروں) کو ہدایت نہیں دیا کرتا، یہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ بجھادیں (ان مقدرہ کے ذریعہ یطفؤا منصوب ہے اور لام زائد ہے) اللہ کے نور (شریعت اور اسکے براہین) کو اپنے منہ سے (یہ کہہ کر کہ جادو ہے، شعر ہے، کہانت ہے) حالانکہ اللہ کمال تک پہنچا کر (ظاہر کر کے) رہے گا، اپنے نور کو (ایک قراءت میں "متم نورہ" اضافت کے ساتھ ہے) گو کافر (اس سے) کیسے ہی ناخوش ہوں وہ اللہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام (اس کے مخالف) دینوں پر غالب (بلند) کر دے، گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں، اے اہل ایمان کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتلادوں جو تم کو بچالے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) دردناک عذاب سے (گویا انہوں نے جواب میں کہا ہاں تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں) تم ایمان لاؤ (ایمان پر جمے رہو) اللہ پر اور اسکے رسول پر اور اس کے راستہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو (کہ یہ آیت تمہارے لئے بہتر ہے تو تم اس کو کرو) اللہ معاف کر دے گا (یہ جواب ہے شرط مقدر کا یعنی اگر تم نے اس پر عمل کر لیا تو بخش دیئے جائیں گے) تمہارے گناہ اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کر دے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہونگے، یہ بڑی کامیابی ہے (عطا فرمائے گا تمہیں ایک نعمت) اور بھی جس کو تم پسند کرتے ہو اللہ کی طرف سے مدد اور جلد کامیابی اور آپ مؤمنین کو (نصرت و فتح کی) خوشخبری سنا دیجئے۔ اے اہل ایمان تم اللہ کے مددگار بن جاؤ (اسکے دین کے، ایک قراءت میں انصار اللہ اضافت کے ساتھ ہے) جیسا کہ (حواری بھی ایسے ہی تھے جس پر اگلا جملہ دلالت کر رہا ہے) عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے فرمایا کہ اللہ کے لئے کون میرا مددگار ہوتا ہے (یعنی میرے ساتھیوں میں سے کون مددگار اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے) حواری بولے ہم اللہ کے مددگار ہیں (حواری حضرت عیسیٰ کے چیدہ لوگ تھے جو ان پر سب سے پہلے ایمان لائے اور وہ بارہ افراد تھے، حواری، حور سے ماخوذ ہے جس کے معنی خالص سفیدی کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ لوگ دھوبی تھے کپڑوں کو دھو کر سفید کرتے تھے) سو بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ ایمان لائے (عیسیٰ پر ان کا کہنا یہ ہے کہ عیسیٰ اللہ کے بندے ہیں اور جن کو اسمان پر اٹھالیا گیا ہے) اور کچھ لوگ منکر رہے (کیونکہ یہ لوگ کہتے تھے کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں جن کو اس نے اپنے پاس بلالیا ہے، چنانچہ ان دونوں فرقوں میں جنگ ہوئی) سو ہم نے ایمان والوں کی تائید کی (ان دونوں طبقوں میں سے) ان کے دشمنوں (کافر جماعت) کے مقابلہ میں سو وہ غالب ہو گئے۔

تحقیق وترکیب: .... سورۃ الصف، ابن عباس اس کو مکی اور جمہور مدنی مانتے ہیں۔

مرصوص۔ الرص کے معنی ہیں تعمیر کو ایک دوسرے کے ساتھ پیوست اور مستحکم کرنے کے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ پتھر کو پتھر پر رکھ کر پتھریاں اور روڑیاں ملا کر گارا ڈالنے کو اہل مکہ رصاص کہتے ہیں، امام راغبؒ بنیان مرصوص کے معنی مستحکم کے لیتے ہیں یہ کنایہ ہے جنگ میں کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملا کر چلنے کے جیسا کہ فراءؒ کی رائے ہے، روح وصراح میں رص کے معنی چونہ سے گچ کرنے کے ہیں۔

لم تؤذوننی ، یہ ایسے ہی ہے جیسے آیت لاتکونوا کالذین اذوا موسیٰ میں گزر رہا ہے اور عام اذیتیں بھی مراد ہو سکتی ہیں۔

الفسقین۔ یعنی علم الٰہی میں جو کافر ٹھہر چکے ہیں، ان کو ہدایت نہیں ہوتی، ورنہ بہت سے کافر ہدایت یافتہ ہو جاتے ہیں، حاصل یہ کہ معہود فاسق مراد ہیں، سب فاسق مراد نہیں ہیں، اس لئے اب کوئی شبہ نہیں رہتا۔

مصدقا، یہ اور مبشرا دونوں لفظ حال ہیں، رسول اللہ سے بتاویل مرسل اور وہی دونوں میں عامل ہے۔

من بعدی ، حضرت عیسیٰ کی ولادت اور آنحضرت کی ہجرت کے درمیان چھ سو بیس سال کا فصل ہے، چنانچہ انجیل یوحنا کے چودہویں اصحاح میں ہے وانا اطلب لکم الی ابی حتی یمنحکم ویعطیکم الفارقلیط حتی یکون معکم الی الابدو الفارقلیط هوروح الحق الیقین ۔اسی طرح پندرہویں اصحاح میں ہے" واما الفارقلیط روح القدس یرسله ابی باسمی ویعلمکم ویمنحکم جمیع الاشیاء وهو یذکر کم ما قلت لکم ہ پھر آگے چل کرلکھا ہے وانی قداخبرتکم بهذاقبل ان یکون حتی اذاکان ذلک تؤمنون۔ سولہویں اصحاح میں لکھا ہے ولکن اقول لکم الان حقا یقینا انطلاقی عنکم خیر لکم فان لم انطلق عنکم الی ابی لم یاتکم الفارقلیط وان انطلقت ارسلته الیکم فاذاهو یفید اهل العالم ویدینهم ویمنهم یوفقهم علی الخطیئة والبر والدین "پھر کچھ آگے چل کرکہا ہے، فان لی کلاما کثیرا ارید ان اقوله لکم ولکن لایقتدرون علی قبوله والاحتفاظ له ولکن اذاجاء روح الحق الیکم یلهمکم ویؤید کم بجمیع الحق لانه لیس یتکلم بدعة من تلقاء نفسه (هذا مافی الانجیل)لیطفئوا ای یریدون ان یطفئوا لام تاکید کیلئے ایسے ہی زائد ہے جیسے لا ابالک میں تاکید اضافت کیلئے زائد ہے اور بعض نے تعلیلیہ مانا ہے اور خلیل وسیبویہ کے نزدیک یریدون مصدر کے حکم میں ہے اور لیطفئو اس کی خبر ہے ای ارادتهم الاطفاء نوره نور اللہ میں استعارہ تصریحیہ ہے اور اطفاء میں ترشیحیہ ہے اور بافواههم میں توریہ ہے، صاحب کشاف نے استعارہ تمثیلیہ مانا ہے کہ جس طرح افتاب کو پھونکوں سے بجھانیوالے کا حال ہے وہی حق کو باطل کرنے کی کوشش کرنیوالوں کا حال ہے، مقصود تہکم اور سخریہ ہے اور قرطبیؒ نے کہا ہے کہ اطفاء اور اخماد دونوں لفظ آگ یا دوسری روشن اور واضح چیزوں کے گل کرنے میں استعمال ہوتے ہیں لیکن دونوں میں من وجہ فرق یہ ہے کہ اطفاء چھوٹی چیزوں میں استعمال ہوتا ہے، جیسے اطفأت السراج کہا جائے ، یہاں اخمدت السراج نہیں کہیں گے، نور اللہ سے کیا مراد ہے، ابن عباسؓ ابن زید کے نزدیک قرآن ہے اور سدی کے نزدیک اسلام اور ضحاک کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ابن حجرؒ کے نزدیک حجۃ اللہ مراد ہے اور ابن عیسیٰ ناقل ہیں کہ یہ بطور تمثیل حق کے مٹانے کو نور شمسی کے گل کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

متم نور ہ ۔بغیر اضافت کے مکیؒ، حفصؒ ،حمزہؒ علیؒ کی قراءت ہے۔

تنجیکم۔ عام فتحہ نون اور تشدید جیم کے ساتھ اور باقی قراءت سکون نون اور تخفیف جیم کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

ان کنتم تعلمون۔ مفسر نے تعلمون کا مفعول مقدر مانا ہے۔ لیکن تعلمون کو بمنزلہ لازم کے بھی مانا جاسکتا ہے ان کنتم من اهل العلم ۔ پھر تقدیر مفعول کی ضرورت نہیں رہتی۔

یغفر۔ بعض کے نزدیک جواب امر بھی ہوسکتا ہے۔

تومنون ۔سے جوامر آمنوا مفعول ہو رہا ہے۔

واخری ۔مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اخری فعل کا مقدر مفعول ہے۔ یہ فعل مقدر تیسرا جواب شرط ہوگا۔ پہلی دونوں نعمتیں اخروی ہیں۔ اور یہ تیسری نعمت دنیوی ہے۔

کماقال عیسیٰ ۔مفسرؒ نے کما کے بعد کان مقدر نکالا ہے یعنی حواری بھی انصار اللہ ہے۔ اب یہ شبہ نہیں رہتا کہ مشبہ تو مومنین کا انصار اللہ ہونا ہے اور مشبہ بہ قول عیسیٰ ہے جو انہوں نے حواریوں سے فرمایا تھا اور ظاہر ہے کہ یہ بے جوڑ ہے۔ لیکن مفسرؒ نے مشبہ بہ حواریوں کے انصار اللہ ہونے کو قرار دیا۔ جو قال عیسیٰ ابن مریم سے مفہوم ہو رہا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بظاہر تو آیت میں قول عیسیٰ مشبہ بہ ہے لیکن معنی حواریوں کا انصار اللہ ہونا مشبہ بہ ہے۔ کما قال میں ما مصدریہ ہے یہ مع صلہ کے ظرف ہے اور بعض نے تقدیر عبارت قل لهم کما قال عیسیٰ بن مریم نکالی ہے۔

من انصاری۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ انصاری میں ایک مشارک کی اضافت دوسرے کی طرف ہو رہی ہے۔

حواری۔ اگر آنکھوں کے سفید اور خوبصورت ہونے کی وجہ سے حواری یا حور کہا جاتا ہے۔ تو یہ وصف ذاتی ہوگا اور کپڑوں کو اجلا کرنے کی وجہ سے

اگر کہا جاتا ہے تو یہ وصف قائم بالغیر ہوگا۔
فاٰمنت ۔اس کا تعلق محذوف سے ہے۔تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ **فلما رفع عیسیٰ الی السماء افترق الناس فیه فرقتین فاٰمنت الطائفة** الخ عیسائیوں میں تین فرقے تھے۔ایک کہتا تھا کہ وہ خدا تھے جو اپنی جگہ چلے گئے۔دوسرا فرقہ کہتا تھا کہ وہ خدا کے بیٹے تھے جو اپنے باپ کے پاس چلے گئے۔یہ دونوں فرقے گمراہ تھے۔اور تیسرا فرقہ ان کو اللہ کا بندہ اور رسول مانتا تھا اور زندہ آسمان پر جانے کو مانتا تھا۔یہ جماعت مومن تھی۔جو پہلے تو دونوں کافر جماعتوں سے مغلوب رہی۔مگر آنحضرت ﷺ کی برکت سے اسلام آنے کے بعد معاملہ برعکس ہوگیا۔ **ایدنا الذین امنوا** کا یہی مطلب ہے۔

ربط آیات:............سورۂ ممتحنہ میں کفار سے دوستی نہ کرنے کا حکم ہے۔سورۃ صف میں ان سے جہاد کا حکم ہے اور کچھ مضمون ذیلی فرمایا گیا ہے

شان نزول:............بعض مسلمانوں نے خواہش کی کہ اگر ہمیں بہترین عمل معلوم ہو جائے تو ہم اس کے لئے مال و جان کی بازی لگادیں۔ لیکن جہاد کا حکم آیا تو یہ مسلمان ہچکچانے لگے۔اس پر آیت لم تقولون الخ اور یاایھا الذین امنوا ھل ادلکم نازل ہوئیں۔ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب غزوہ بدر کا ثواب بیان فرمایا تو بعض صحابہ نے کہا۔ **لئن لقینا قتالا لنفرغن فیه وسعنا** ۔لیکن غزوۂ احد میں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو اس آیت میں عار دلائی جارہی ہے، گویا زجر و توبیخ فرمائی گئی۔اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ منافقین نے مسلمانوں سے ڈینگیں ماری تھیں۔کہ **ان خرجتم وقاتلتم خرجنا معکم و قاتلنا** لیکن جب حضور ﷺ اور صحابہ احد کے لئے روانہ ہوئے تو منہ چھپا کر بیٹھ رہے اور کچھ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی ان کو مومن ظاہر حال کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ **یا ایھا الذین امنوا ھل ادلکم** ۔بعض نے اس کا نزول عثمان بن مظعون کے بارہ میں کہا ہے جب کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی۔ **لو اذنت لی فطلقت خولة وترھبت وا ختصیت وحرمت اللحم ولا انام اللیل ابداً** ۔تو آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا۔ **ان من سنتی النکاح ولا رھبانیة فی الاسلام** ۔اس پر عثمان بن مظعون نے عرض کیا۔ **وددت یا نبی الله ان اعلم ای التجارات احب الی الله فاتجر فیھا** ۔اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی لیکن جہاد کو تجارت کہا گیا۔جیسا کہ **ان الله اشترٰی** الخ میں یہی مراد ہے۔

﴿ **تشریح** ﴾............**لم تقولون ما لا تفعلون** ۔یعنی مسلمانوں کو لاف زنی اور دعویٰ کی باتوں سے ڈرنا چاہیے۔زبان سے ایک بات کہہ دینا آسان ہے لیکن اس کا نبھانا آسان نہیں ہے۔اللہ تو اس سے سخت ناراض اور بیزار ہوتا ہے کہ جو زبان سے کہے بہت کچھ اور کرے کچھ نہیں۔اگر محبوب عمل کرنے کو ظاہر کیا تھا۔تو معلوم ہونے پر کیوں جی چرا بیٹھے اور کیوں اُحد سے بھاگ کھڑے ہوئے یعنی دیکھو سنبھل کر کہا کرو، پس یہاں ایک بات زبان سے نکال کر اس پر کاربند نہ ہونے پر اظہار بیزاری ہے۔قول بے عمل اور وعظ بلا عمل اس کے مفہوم میں داخل نہیں ہے وہ خارج ہے، آگے فرماتے ہیں کہ محبوب عمل کی فکر ہے تو لو ہم بتلائے دیتے ہیں کہ اللہ کو سب سے زیادہ ان لوگوں سے محبت ہے جو اسکی راہ میں اس کے دشمنوں سے مقابلہ کے وقت آہنی دیوار کی طرح ڈٹ جاتے ہیں اور میدان جہاد میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

محض باتیں بنانا اور عمل سے جی چرانا کوئی وزن نہیں رکھتا:............ہر چند کہ تم میں بعض اس معیار پر پورے بلکہ بڑھ کر اترے ہیں مگر بعض ایسے بھی نکلیں گے جن کے عمل نے ان کی زبانی دعوؤں کی تکذیب کر دکھائی۔آخر غزوہ احد میں وہ بنیان مرصوص کہاں گئی۔ خلاصہ یہ کہ عمل سے زیادہ زبانی دعوے نہ کرو۔بلکہ خدا کی راہ میں قربانی پیش کرو۔جو قوم کردار کی غازی ہوتی ہے وہ گفتار اور لن ترانیوں سے بچتی

ہے۔ اور زبانی جمع خرچ کرنے والے اور خالی ڈینگیں مارنے والے میدان عمل میں صفر رہا کرتے ہیں قوم موسیٰ کو نہیں دیکھا۔ جو زبان سے بہت بڑھ کر شیخی اور تعلی کی باتیں بناتے تھے۔ لیکن جہاں کوئی عمل کا موقعہ آیا فوراً پھسل گئے اور ستانے والی باتوں میں خوب جتے رہے۔ حضرت موسیٰ نے فہمائش بھی کی کہ روشن دلائل اور کھلے معجزات سے میرے سچے پیغمبر ہونے کا تمہیں یقین ہے۔ پھر بھی تم مجھے ستاتے ہو۔ یہ طرز عمل تو کسی عام خیر خواہ اور معمولی ہمدرد کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا۔ چہ جائیکہ اللہ کے رسول کے ساتھ دل آزاری اور گستاخی کا برتاؤ کرنا۔ بے جان بچھڑے کو پوجنا اور اس کو اپنا اور موسیٰ کا خدا بتلانا۔ قوم عمالقہ سے جہاد کا حکم ہوا تو اذهب انت وربك فقاتلا انا هٰهنا قاعدون کہہ ڈالنا۔ انہی گستاخیوں اور بدعملیوں کا انجام یہ ہوتا ہے کہ دل سیاہ اور سخت ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ نیکی کی کوئی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ یہی حال ان کا ہوا۔ جب ہر بات میں رسول ﷺ کی ضد ہی کرتے ہیں اور برابر ٹیڑھی چال چلتے رہے تو آخر مردود ہو گئے۔ اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔ سیدھی بات قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رہی۔ ایسے ضدی نافرمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہی عادت ہے۔

حضرت عیسیٰ کی تعلیمات اور آنحضرت کے متعلق بشارت:......... واذ قال عیسی ابن مریم۔ حضرت موسیٰ کے بعد دوسرے اولوالعزم پیغمبر جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے وہ حضرت عیسیٰ ہیں تورات کے مصداق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس احکام اور خبروں پر یقین رکھتا ہوں۔ اور جو کچھ میری تعلیم اور عملدرآمد ہے۔ وہ فی الحقیقت انہیں احکام کے ماتحت ہے۔ جو تورات میں دیئے گئے اور ابن کثیرؒ وغیرہ نے یہ مطلب لیا ہے کہ میرا وجود تورات کی باتوں کی تصدیق کرتا ہے جن باتوں کی خبر تورات میں دی گئی ہے میں ان کا مصدق بن کر آیا ہوں۔ بہر حال تصدیق خاص مراد ہے۔ ورنہ نفس تصدیق میں تورات کی کیا تخصیص ہے تمام پچھلے انبیاء اور کتابوں کی تصدیق بھی ضروری ہے۔ نیز پچھلے پیغمبر اور کتاب کی تخصیص کے ساتھ اگلے پیغمبر کی بشارت سناتا ہوں۔ اس میں اپنی شریعت کی حدود اور دائرہ کار بھی بتلا دیا کہ آنے والے پیغمبر کے آنے تک میری شریعت رہے گی۔ آگے پیغمبر آخر الزمان کے اوصاف جمالی بیان فرمائے۔ اس سے جہاں ان کا تمام ادیان کے لئے ناسخ ہونا مقصود ہے۔ وہیں اپنی امت کو تکمیلی ہدایت کی ترغیب دینی بھی ہے کہ کہیں مجھ پر سردست ایمان لا کر قناعت نہ کر بیٹھیں۔ ان کو اگر نہ مانا تو میرا ماننا ہی کالعدم ہو جائے گا۔ حضرت عیسیٰ کی زبانی ان بشارتوں کو خود اہل کتاب کے اقرار کے ساتھ بھی احادیث میں نقل کیا گیا ہے۔ تفسیر خازن میں ابوداؤد کی روایت نقل کی ہے کہ شاہ حبشہ میں جو ایک عیسائی عالم بھی تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ کی بشارت کا مصداق آنحضرت ﷺ کو قرار دیتے تھے۔ اسی طرح ترمذی کی روایت نقل کی ہے۔ شاہ حبشہ جو ایک عیسائی عالم بھی تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ کی بشارت کا مصداق آنحضرت ﷺ کو قرار دیتے تھے۔ اسی طرح ترمذی کی روایت نقل کی ہے کہ عبداللہ بن سلام آنحضرت ﷺ کی صفات کا ذکر تورات میں مانتے تھے اور کہتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے ساتھ دفن ہوں گے۔ اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بشارت دینا تورات میں ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ وہ تورات کے مبلغ تھے۔

تمام انبیاء نے آنحضرت ﷺ کی بشارت سنائی:......... یوں تو دوسرے انبیاء بھی خاتم الانبیاء کی تشریف آوری کی خوشخبری برابر سناتے آئے ہیں۔ لیکن جتنے اہتمام اور صراحت کے ساتھ حضرت مسیح نے بشارت دی۔ وہ کسی اور سے منقول نہیں ہے قریب العہد ہونے کی وجہ سے ممکن ہے کہ یہ خصوصیت ان کے حصہ میں آئی ہے۔ یہود و نصاریٰ کی مجرمانہ غفلت نے آج دنیا کے ہاتھوں میں اصل تورات وانجیل وغیرہ کا کوئی صحیح نسخہ باقی نہیں چھوڑا اسلئے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ قرآن کریم کے اس صاف وصریح بیان کو اس تحریف شدہ بائبل میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے جھٹلانے لگے، اس کے باوجود خاتم الانبیاء ﷺ کا یہ بھی معجزہ سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ نے ان محرفین کو اتنی قدرت نہیں دی کہ وہ تمام پیش گوئیوں کو بالکلیہ محو کر دیں۔ علماء اسلام نے موجودہ بائبل کے بیسیوں مقامات سے ان پیشین گوئیوں کو نکال کر دکھلایا۔ جس کا اعتراف یا نیم اقرار پادری

ریوں کو بھی کرنا پڑا کہ ان کا مصداق محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہو سکتے ہیں۔

سب سے بڑے ظالم:.........ومن اظلم۔یعنی جب اہل کتاب سے مسلمان ہونے کو کہا جاتا ہے تو حق چھپا کر اور جھوٹی باتیں بنا کر ایمان لانے سے انکار کر دیتے ہیں وہ خدا کو بشر یا بشر کو خدا بنانے کا جھوٹ تو رہا ایک طرف آسمانی کتابوں میں تحریف کر کے جو چیزیں ان میں واقعی موجود تھیں ان کا انکار کرتے اور جو نہیں ہیں ان کو درج کرتے ہیں۔ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہوگا۔وھو یدعیٰ اس لئے بڑھایا کہ اس سے ان کی برائی ہوگی کہ وہ خود تو متنبہ ہوتے۔تنبیہ کے بعد بھی کوئی اثر نہ ہوا۔اور لایھدی اس لئے بڑھادیا کہ ایسے بے انصافوں کو ہدایت کہاں نصیب ہوتی ہے اور ان کی اصلاح کی کیا امید اس لئے ان کے لئے قتال کی سزا تجویز کیا جانا ہی مناسب ہوا۔چنانچہ اب بھی اگر کسی کو اسلام کی خبر نہ پہنچی ہو تو پہلے اس کو اسلام کی دعوت دینی چاہیے۔اگر کوئی پھر بھی انکار کر دے تو چونکہ بظاہر اصلاح سے ناامیدی ہوگئی۔اس لئے جہاد کی ضرورت ہے اور ممکن ہے لایھدی سے ادھر اشارہ ہو کہ یہ ظالم کتنا ہی انکار اور کتنی ہی تحریف وتاویل کریں۔لیکن اللہ ان کو کامیابی کی راہ نہیں دکھلائے گا۔گویا حضور ﷺ کو وہ چھپانا مٹانا چاہتے ہیں۔وہ چھپ یا مٹ نہ سکیں گے۔منکر زور لگایا کریں، برامانا کریں۔اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا۔کوئی احمق سورج کے نور کو منہ سے پھونک مار کر بجھانا چاہے تو کیا وہ بجھ جائے گا۔ھوالذی ارسل یعنی اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنا تو اللہ کا کام ہے مگر تمہارا فرض ہے کہ اس پر استقامت رکھتے ہوئے جان ومال سے جہاد کرو۔یہ سوداگری ایسی ہے جس میں خسارہ نہیں۔

نصر من اللہ ۔قرون اولیٰ کے ساتھ یہ وعدہ کیسی خوبی سے پورا ہوا۔آج بھی اگر مسلمان سچے مومن بن کر جہاد فی سبیل اللہ میں لگ جائیں تو کامیابی وکامرانی ان کے قدموں میں ہے۔

کونوا انصار اللہ۔مدینہ کے مسلمانوں نے اسلام کی جو غیر معمولی خدمات انجام دیں ان کے پیش نظر ان کا لقب انصار ہوگیا۔حواریین جو اپنے حسب نسب میں کچھ زیادہ معزز نہیں تھے۔مگر حضرت عیسیٰ کو قبول کیا اور ان کی دعوت پر لبیک کہا اس لئے وہ اس لقب کے مستحق ہوئے تو جاں نثار صحابہ نے آنحضرت ﷺ پر جان ومال لٹادیا وہ اس لقب سے کیسے سرفراز نہ ہوتے؟

فاٰمنت طائفة ۔بنی اسرائی میں تین فرقے ہوگئے تھے۔ایک فرقہ برسرحق رہا اور دوسرے دو فرقے برسر باطل ہوگئے۔پھر حضرت مسیح کے بعد باہم دست وگریباں رہے۔آخر میں اللہ نے بچے کھچے صحیح العقیدہ عیسائیوں کو آنحضرت ﷺ کے اتباع کے طفیل دوسرے تمام عیسائیوں پر منصور اور غالب فرمایا۔

لطائف سلوک:.........**یا ایھا الذین اٰمنوا لم تقولون ما لا تفعلون**۔اس میں اعمال اور کمال کے دعویٰ کی مذمت ہے۔

یقوم لم تو ذوننی۔اس عنوان سے معلوم ہو رہا ہے کہ شیخ کو ایذاء دینا مذموم ہے۔

واخریٰ تحبونھا نصر من اللہ ۔اس نصرت وغلبہ کا مطلوب ہونا چونکہ دین کی اعانت کے لئے ہے۔اس لئے معلوم ہوا کہ جس دنیا سے دین کی اعانت کی جائے وہ مذموم نہیں ہے۔

سُــوْرَةُ الْجُمُعَةِ

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ اِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ يُنَزِّهُهُ فَاللَّامُ زَائِدَةٌ **مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ** فِىْ ذِكْرِ مَا تَغْلِيْبٌ لِلْاَكْثَرِ **الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ** اَلْمُنَزَّهِ عَمَّا لَايَلِيْقُ بِهٖ **الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ** ﴿۱﴾ فِى مُلْكِهٖ وَصُنْعِهٖ **هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ** اَلْعَرَبِ وَالْاُمِّيُّ لَا يَكْتُبُ وَلَا يَقْرَأُ كِتَابًا **رَسُوْلًا مِّنْهُمْ** هُوَ مُحَمَّدٌ ﷺ **يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ** اَلْقُرْاٰنَ **وَيُزَكِّيْهِمْ** يُطَهِّرُهُمْ مِنَ الشِّرْكِ **وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ** الْقُرْاٰنَ **وَالْحِكْمَةَ** مَا فِيْهِ مِنَ الْاَحْكَامِ **وَاِنْ** مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَىْ وَاِنَّهُمْ **كَانُوْا مِنْ قَبْلُ** قَبْلَ مَجِيْئِهٖ **لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ** ﴿۲﴾ بَيِّنٍ **وَ اٰخَرِيْنَ** عَطْفٌ عَلَى الْاُمِّيّٖنَ اَىِ الْمَوْجُوْدِيْنَ مِنْهُمْ وَالْاٰتِيْنَ **مِنْهُمْ** بَعْدَ هُمْ **لَمَّا لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ** فِى السَّابِقَةِ وَالْفَضْلِ وَهُمُ التَّابِعُوْنَ وَالْاِقْتِصَارُ عَلَيْهِمْ كَافٍ فِىْ بَيَانِ فَضْلِ الصَّحَابَةِ الْمَبْعُوْثِ فِيْهِمُ النَّبِىُّ ﷺ عَلٰى مَنْ عَدَاهُمْ مِمَّنْ بُعِثَ اِلَيْهِمْ وَاٰمَنُوْا بِهٖ مِنْ جَمِيْعِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لِاَنَّ كُلَّ قَرْنٍ خَيْرٌ مِمَّنْ يَّلِيْهِ **وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ** ﴿۳﴾ فِىْ مُلْكِهٖ وَصُنْعِهٖ **ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ** النَّبِىُّ وَمَنْ ذُكِرَ مَعَهٗ **وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ** ﴿۴﴾ **مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ** كُلِّفُوا الْعَمَلَ بِهَا **ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا** لَمْ يَعْمَلُوْا بِمَا فِيْهَا مِنْ نَعْتِهٖ ﷺ فَلَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖ **كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا** اَىْ كُتُبًا فِىْ عَدَمِ اِنْتِفَاعِهٖ بِهَا **بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** اَلْمُصَدِّقَةِ لِلنَّبِىِّ ﷺ مُحَمَّدٍ وَالْمَخْصُوْصُ بِالذَّمِّ مَحْذُوْفٌ تَقْدِيْرُهٗ هٰذَا الْمَثَلُ **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ** ﴿۵﴾ اَلْكَافِرِيْنَ **قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿۶﴾ تَعَلَّقَ بِتَمَنِّيْهِ الشَّرْطَانِ عَلٰى اَنَّ الْاَوَّلَ قَيْدٌ فِى الثَّانِىْ اَىْ اِنْ صَدَقْتُمْ فِىْ زَعْمِكُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاءُ

اللّٰه وَالْوَلِیُّ یُؤْثِرُ الْاٰخِرَةَ وَ مَبْدَؤُهَا الْمَوْتُ فَتَمَنَّوْهُ **وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ** مِنْ كُفْرِهِمْ بِالنَّبِیِّ الْمُسْتَلْزِمِ لِكِذْبِهِمْ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ** ﴿۷﴾ الْكَافِرِيْنَ **قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ** وَالْفَاءُ زَائِدَةٌ **مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ** السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ **فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** ﴿۸﴾ ع فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ** بِمَعْنٰى فِیْ **يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا** فَامْضُوْا **اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ** اَيِ الصَّلٰوةِ **وَذَرُوا الْبَيْعَ** اَیْ اُتْرُكُوْا عَقْدَهٗ **ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** ﴿۹﴾ اِنَّهٗ خَيْرٌ فَافْعَلُوْهُ **فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ** اَمْرُ اِبَاحَةٍ **وَابْتَغُوْا** اَیْ اُطْلُبُوا الرِّزْقَ **مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ** ذِكْرًا **كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** ﴿۱۰﴾ تَفُوْزُوْنَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَدِمَتْ عِيْرٌ وَضُرِبَ لِقُدُوْمِهَا الطَّبَلُ عَلَى الْعَادَةِ فَخَرَجَ لَهَا النَّاسُ مِنَ الْمَسْجِدِ غَيْرَ اثْنَیْ عَشَرَ رَجُلًا فَنَزَلَ **وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا** نِ **انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا** اَيِ التِّجَارَةِ لِاَنَّهَا مَطْلُوْبُهُمْ دُوْنَ اللَّهْوِ **وَتَرَكُوْكَ** فِی الْخُطْبَةِ **قَآئِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ** مِنَ الثَّوَابِ **خَيْرٌ** لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا **مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ** ﴿۱۱﴾ ع يُقَالُ كُلُّ اِنْسَانٍ يُرْزَقُ عَائِلَتَهٗ اَیْ مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

ترجمہ: .... سورۂ جمعہ مدنیہ ہے جس میں گیارہ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آسمان وزمین کی سب چیزیں پاکی بیان کرتی ہیں (لام زائد ہے اور ما اکثریت کی تغلیب کے لئے لایا گیا ہے۔ جو کہ بادشاہ ہے پاک ہے (تمام نامناسب باتوں سے) زبردست حکمت والا ہے (اپنے ملک اور صنعت میں) وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں (عرب کے، امی سے کہتے ہیں جو کچھ نہ لکھ سکے اور نہ کسی کتاب کو پڑھ سکے) انہی میں سے ایک پیغمبر کو بھیجا (یعنی محمد ﷺ) جو ان کو اللہ کی آیات (قرآن) پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور (شرک سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب (قرآن) اور دانشمندی سکھلاتے ہیں (احکام کی باتیں) اور یہ لوگ (ان ثقیلہ تھا جس کو مخففہ کیا گیا اس کا اسم محذوف ہے یعنی وانھم) پہلے سے (آپ کے تشریف لانے سے پہلے) کھلی (واضح) گمراہی میں تھے اور دوسروں کے لئے بھی (اس کا عطف امیین پر ہو رہا ہے یعنی موجود اور آئندہ لوگوں کے لئے) انہی میں سے (جو بعد میں آنے والے ہیں) جو ان میں شامل نہیں ہوئے (پہل کرنے میں اور اور فضیلت کے لحاظ سے یعنی تابعین ان پر اکتفا کرنا کافی ہے صحابہ کی فضیلت کے سلسلہ میں جن میں حضور ﷺ تشریف لائے۔ دوسرے تمام ان لوگوں کے مقابلہ میں جن کی طرف آنحضرت ﷺ کا تشریف لانا ہوا اور وہ انس وجن میں سے قیامت تک آپ پر ایمان لاتے رہیں گے کیونکہ ہر پہلا قرن پچھلے قرن سے بہتر ہے) اور وہ زبردست حکمت والا ہے (اپنی سلطنت وصنعت میں) یہ اللہ کا فضل ہے وہ فضل جس کو چاہتا ہے دیتا ہے (آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو جس سے نوازا) اور اللہ بڑے فضل والا ہے جن لوگوں کو تورات اٹھانے (اس پر عمل کرنے) کا حکم دیا گیا۔ پھر انہوں نے اس کو نہیں اٹھایا (عمل نہیں کیا حضور ﷺ کے اوصاف جو بیان فرمائے گئے انہیں نہیں مانا اور آپ پر ایمان نہیں لائے) ان کی حالت اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے (بلحاظ نفع نہ اٹھانے کے) ان لوگوں کی بری حالت ہے جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا (جن سے آنحضرت ﷺ کی تصدیق ہوتی تھی مخصوص بالمذمت محذوف ہے۔ یعنی ہذا المثل) اور اللہ ایسے ظالموں (کافروں) کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ کہہ دیجئے کہ اے یہودیو! اگر یہ دعویٰ ہے کہ بلاشرکت غیرے تم اللہ کے مقبول ہو تو موت کی تمنا کر دکھاؤ اگر تم سچے ہو (تمنائے موت کے ساتھ دونوں

کا تعلق ہے اس طرح کہ پہلی شرط دوسری شرط کے لئے قید ہو رہی ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ ان صدقتم فی زعمکم انکم اولیاء اللہ۔ اور ولی وہ ہوتا ہے جو آخرت کو ترجیح دے جس کا مبدأ موت ہے، للہٰذا تم موت کی تمنا کر کے دکھلاؤ) اور وہ اس کی کبھی تمنا نہ کریں گے ان اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں (حضور ﷺ کے ساتھ کفر کرنا جو ان کے جھوٹے ہونے کو مستلزم ہے) اور اللہ تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں (کافروں) کی۔ آپ کہہ دیجئے جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم کو (فا زائد ہے) آ پکڑے گی۔ پھر تم پیش کئے جاؤ گے ایسے کے سامنے جو پوشیدہ اور ظاہر (سر وعلانیہ) جاننے والا ہے۔ پھر وہ تمہارے سب کئے ہوئے کام بتلا دے گا (ان کا تمہیں بدلہ دے گا) اے اہل ایمان جب جمعہ کے روز (من بمعنی فی ہے) نماز کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (نماز) کی طرف چل پڑو (لگ جایا کرو) اور خرید وفروخت چھوڑ دیا کرو، یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم میں کچھ سمجھ ہے (کہ یہ بہتر ہے تو تم اس کو کرو) پھر جب نماز پوری ہو چکے، ہو تم زمین پر چلو پھرو (یہ حکم بطور اجازت ہے) اور تلاش کرو۔ (رزق ڈھونڈو) اللہ کی روزی اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تا کہ تم کو فلاح ہو (کامیابی ہو۔ آنحضرت ایک مرتبہ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اسی اثناء میں ایک تجارتی قافلہ مدینہ میں آیا اور حسب معمول جب اس کی منادی ہوئی تو لوگ سن کر مسجد سے دوڑ پڑے، بجز بارہ افراد کے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی) اور وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑنے کے لئے بکھر جاتے ہیں (یعنی تجارت کی طرف کیونکہ صحابہ کا مطلوب وہی تھا نہ کہ لہو ولعب) اور آپ کو (خطبہ میں) کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ جو (ثواب) اللہ کے پاس ہے۔ وہ (مسلمانوں کے لئے) بدرجہا بہتر ہے ایسے مشغلہ اور تجارت سے اور اللہ سب سے اچھا روزی دینے والا ہے (بولتے ہیں کہ انسان اپنے متعلقین کو رزق دیتا ہے یعنی اللہ کا رزق)

تحقیق وترکیب: ....سورۃ الجمعۃ مدنیۃ۔ اس کا مدنی ہونا بالاجماع ہے للہ لام زائد ہے یا لام تعلیلیہ ہے یعنی تسبیح صرف اللہ کے لئے کرتے ہیں کوئی دوسری غرض نہیں ہوتی۔

فی الامیین۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آیت **لقد جاء کم رسول من انفسکم** الخ فرمایا گیا اور قبیلہ عرب سے آپ کا ہونا۔ اس میں عرب کی عزت افزائی ہے ورنہ آپ کی بعثت عام، آنحضرت ﷺ کا اُمّی ہونا کتب سابقہ میں آیا ہے۔ اور غالباً اس کی حکمت یہ ہے کہ آپ پر یہ رسمی علوم کے اکتساب کا شبہ بھی نہ رہے جس سے آپ کی صداقت اور اعجاز کلامی زیادہ واضح ہو گئی۔

واخرین منھم اس کا امیین پر عطف ہو تو مجرور ہوگا۔ ای **بعثہ فی اخرین من الامیین** اور **لما یلحقوا بھم** آخرین کی صفت ہو جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اخرین کو یعلمھم کی ضمیر منصوب پر عطف کرتے ہوئے منصوب مانا جائے۔ ای ویعلم اخرین لم یلحقوا بھم یعنی قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے آپ ﷺ بالواسطہ معلم ہیں جیسا کہ صحابہ کے بلاواسطہ استاد ہیں۔ مفسرؒ نے امیین کی تفسیر موجودین سے اور آخرین کی تفسیر اٰتین کے ساتھ کی ہے، جس سے عموم بعثت ثابت ہوئی جو آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

لما یلحقوا۔ یعنی بعد کے آنے والے صحابہ کے ہم پلہ نہیں ہوں گے اور چونکہ صحابہ کی یہ فضیلت مستمر اور دائمی ہے اسی لئے مفسرؒ نے لما کی تفسیر لم کے ساتھ کی ہے۔ تا کہ اس کا منفی ہونا عام رہے برخلاف لمّا کے وہ صرف متوقع الحصول کی نفی کے لئے آتا ہے۔ اور بعض نے لما یلحقوا سے مراد فضیلت وشرف کی بجائے زمانہ اور وقت لیا ہے۔ یعنی صحابہ کا زمانہ بعد والوں نے نہیں پایا۔ اس صورت میں لما اپنے اصل معنی پر رہے گا۔ یعنی صرف متوقع الحصول کی نفی مراد ہوگی۔ اس صورت میں اگرچہ اس سے تابعی مراد ہیں مگر تبع تابعین سے بھی صحابہ بدرجہ اولیٰ افضل ہوں گے۔ اس طرح حدیث **خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم** سے صحابہ کی برتری تمام بعد والوں پر معلوم ہو رہی ہے کیونکہ ہر پہلا قرن بعد کے قرن سے قریب العہد نبوی کی وجہ سے ہوتا بہتر ہے۔ قرب زمانی کے ساتھ اگر قرب مکانی بھی ہو جائے تو نور علیٰ نور ہے۔ وہیں اس روایت سے درجہ بدرجہ قرنوں کی ترتیب بھی معلوم ہوتی ہے۔ بعض اہل لطائف وکشف تو یہاں تک محسوس کرتے ہیں کہ باسی کھانے میں بہ نسبت

تازہ کھائے کے زیادہ انوار و برکات ہوتے ہیں۔ عہد نبوت کے قرب کی وجہ سے۔ اور زمانہ نبوت جوں جوں بعید ہوتا جائے گا۔ خیریت سے بھی بعد بڑھتا چلا جائے گا۔ یہی حال قلوب واعمال کی نورانیت وظلمت کا ہے۔ بہرحال اول تو امیین کی تخصیص ذکری ہے۔ اس کا مفہوم مراد نہیں اور ہو بھی تو آیت وما ارسلنا ك الا كا فة للناس کے منطوق و معارض نہیں ہوسکتا۔ پھر مفسرؒ نے ''مبعوث فی الامیین'' اور مبعوث الی الامیین'' کے فرق کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔

حملوا التوراة۔ یعنی بےعمل کتاب محض حمالہ بن کر رہ گئی ہے۔ حالانکہ ان کو کفالہ ہونا چاہیے تھا۔

ان زعمتم۔ قول بلا دلیل کو زعم کہتے ہیں۔ یعنی غیر یقینی اٹکل پچو اقوال زعم کے دائرہ میں آتے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ زعم مثلث الحرکات ہے۔ حق و باطل، جھوٹ سب پر بولا جاتا ہے۔ لیکن اس کا اکثری استعمال شک کے موقعہ پر آتا ہے حدیث میں ہے۔ بئس المطی الرجل زعم فتمنوا الموت۔ موت سے محبت طبعی مراد نہیں کیونکہ طبعاً موت تو مکروہ معلوم ہوا کرتی ہے بلکہ محبت عقلی مراد ہے۔ جو علامت ولایت ہے لقاء محبوب چونکہ مطلوب ہے اور اس کا ذریعہ موت ہے۔ الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب کی رو سے پس موت بھی وصال حبیب کا زینہ ہونے کی وجہ سے مطلوب ہوئی البتہ جو موت کی آرزو دنیا کے مصائب ومشکلات سے گھبرا کر ہو۔ حدیث میں اس کو منع کیا گیا ہے۔ اس لئے اب آیت اور حدیث میں تعارض نہیں رہا۔ کیونکہ شوق آخرت میں موت کی آرزو پسندیدہ ہے۔ اس پر اجر شہادت کا وعدہ ہے اور جو موت کی خواہش جزع فزع کی وجہ سے ہو وہ ناپسندیدہ ہے۔

لا یتمنونه ابداً۔ سورۂ بقرہ میں ''لن یتمنوه'' فرمایا گیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہود سے موت کی تمنا تاکیداً بھی منفی ہے جیسا کہ بقرہ میں ہے۔ اور غیر موکدہ طریقہ پر بھی منفی ہے جیسے یہاں ہے۔ پس ہر حال میں ان سے موت کی تمنا کرنے کی امید نہیں ہے۔ یہ پیشین گوئی فی الحقیقت آنحضرت ﷺ کا معجزہ ہے۔ اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ممکن ہے یہود نے موت کی تمنا کی ہو۔ اس لئے اگر موت کی تمنا کی ہوتی تو ضرور منقول ہوتی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اگر وہ آرزو کرتے تو ضرور موت آجاتی مگر آپ سے مرعوب ہو کر ایسے ڈر گئے کہ دیوار بولے تو بولے لیکن وہ نہ بولے۔

اذا نودی۔ اس سے خطیب اور منبر کے سامنے اذان جمعہ مراد ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے اذان آنحضرت ﷺ کے زمانے میں رائج نہیں ہوئی تھی۔ وہ تو حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں جب زیادہ لوگ ہو گئے اور کاروبار اور مشاغل بڑھ گئے تو صحابہؓ کے مشورہ سے پہلی اذان کا اضافہ کیا گیا۔ جو پہلے مقام زوراء پر چڑھ کر کہی جاتی تھی۔ اور چونکہ سب صحابہؓ کا اس پر اجماع ہو گیا اور خلیفہ راشد کی سنت ہے۔ اس لئے حدیث علیکم بسنتی و سنة خلفاء الراشدین کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک آیت کا مصداق اب بھی اذان اول ہوگی۔

صاحب کشاف نے نکتہ چینی کرتے ہوئے اگرچہ کہا ہے کہ اذان اول آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھی۔ حضرت عثمانؓ نے جاری فرمائی۔ جیسا کہ حجاج نے اپنے زمانہ میں خطبہ کی اذان اور اذان اول کے درمیان ایک درمیانی اذان کا اضافہ کیا تھا۔ پھر آیت کا مصداق اس کو کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ جس کا امام زاہد نے یہ جواب دیا ہے کہ اذان سے بعینہ یہ کلمات مراد نہیں بلکہ وقت کا شروع ہونا مراد ہے اور وہ خطبہ کی اذان پر ہوتا ہے۔ اس وقت دنیاوی معاملات کرنا جائز نہیں ہے۔ مگر صاحب مدارک اور صاحب ہدایہ مطلق اذان سے اذان اول مراد لے رہے ہیں۔ نیز ذکر اللہ کے اطلاق سے امام اعظمؒ نے یہ سمجھا ہے کہ خطبہ میں صرف سبحان الله الحمد لله پر بھی اگر اکتفا کر لیا جائے تو خطبہ ہو جائے گا۔ البتہ صاحبین کے نزدیک طویل خطبہ شرط ہے جس کو عرف میں کہا جاتا ہے۔ اور امام شافعیؒ دو خطبے فرماتے ہیں۔ پہلے خطبے میں حمد وصلوۃ اور وعظ ہونا چاہیے اور دوسرے خطبہ میں حمد وصلوٰۃ کے ساتھ خلفاء اور صحابہ کا ذکر بھی ہونا چاہئے۔ یہ تفصیل تو خطبہ کی ہے لیکن اگر ذکر اللہ سے مراد نماز جمعہ ہو تو چونکہ اسعوا جمع کا صیغہ ہے اس لئے اس کی رعایت ضروری ہے۔ صاحبین کے نزدیک امام سمیت تین آدمیوں کا ہونا انعقاد جمعہ کے لئے ضروری ہے۔ لیکن امام اعظم امام کے علاوہ تین مقتدیوں کا ہونا ضروری فرماتے ہیں۔ کیونکہ مساعی تین ہونے چاہیں اور ذکر اللہ یعنی خطیب امام ان کے علاوہ ہونا چاہیے۔ نیز ''اذا نودی'' سے بھی یہی مفہوم ہو رہا ہے کہ منادی اور ہونا چاہیے اور مساعین اس کے علاوہ ہوں اور امام شافعیؒ کے نزدیک

جمعہ میں چالیس آدمیوں کا اجتماع ہونا چاہیے۔ نیز اگر مقتدی سجدہ میں جانے سے پہلے نماز سے ہٹ جائے تو پھر مستقل طور سے نماز ظہر ادا کرے اور سجدہ کے بعد اگر جماعت سے نکلے تو نماز جمعہ ہی پوری کرے۔ اور صاحبین کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے بعد نکل جانے سے نماز جمعہ پوری کرنی ہوگی۔ اور امام زفرؒ کے نزدیک سلام پھیرنے سے پہلے نکلنے سے نماز باطل ہوجائے گی۔

فاسعوا۔ اس سے اذان جمعہ کے بعد سعی یعنی نماز جمعہ کی تیاری کا واجب ہونا اور خرید وفروخت وغیرہ کاروبار کا ممنوع ہونا ثابت ہوا، لیکن اگر سعی جمعہ جاری رہتے ہوئے کوئی کاروباری معاملہ کیا جائے جس سے تیاری میں کوئی خلل نہ پڑے تو وہ اس آیت کے خلاف نہیں ہے۔ اس لئے اس کی اجازت دیتے ہیں۔ اور ذکر اللہ سے مراد خطبہ یا نماز جمعہ ہے۔ دونوں کا واجب ہونا اس سے ثابت ہوا۔ قرآن کریم میں یہی آیت ہے، جس سے وجوب جمعہ ثابت ہوتا ہے۔ اور **ذلکم خیر لکم** اس کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ خیریت عام ہے واجب کو بھی شامل ہے۔

من یوم الجمعۃ۔ اذا کا بیان ہے عرب اس دن کو عروبہ کہا کرتے تھے۔ لیکن اسلام نے عبادتی اجتماع کی وجہ سے اس کا نام جمعہ رکھا۔ یہود کے یہاں یوم السبت اور نصاریٰ کے یہاں یوم الاحد مذہبی عظمت کے حامل رہے ہیں۔ لیکن جمعہ کی عظمت سب سے بالا ہے۔ جیسا کہ احادیث اور تاریخی اہم واقعات سے ثابت ہے۔ منجانب اللہ امتوں کی رائے اور اجتہاد پر اس دن کے انتخاب کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ لیکن اسلام لانے والے حق کو پا سکے اور دوسرے چوک گئے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تحقیق اس بارہ میں یہ ہے کہ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم السبت ہفتہ کا دن ہے۔ اور نصاریٰ کے عقیدہ میں یوم السبت اتوار کا دن ہے۔ اور چونکہ عربی زبان میں سبت کے معنی تعطیل کے آتے ہیں اس لئے علماء اسلام کو بھی اس کی تعین میں مشکل پیش آئی۔ حافظ ابن تیمیہؒ جیسے محدث و محقق بھی اس مسئلہ میں متردد ہیں اور اس کے قائل ہوگئے کہ یوم السبت بار کا دن ہے۔ اور اس اشکال کو اس سے اور بھی تقویت زیادہ ہوجاتی ہے کہ خود عربی زبان میں یوم السبت سنیچر کے دن کو کہتے ہیں۔ لیکن ان کی نظر شاید اس پر نہیں گئی کہ عرب دور جاہلیت میں دنوں کے یہ نام نہیں تھے۔ جو ان کے یہاں بعد میں مستعمل ہوئے۔ تاریخ پر نظر رکھنے والوں کو معلوم ہوگا کہ موجودہ نام دراصل یہود کے ایجاد کردہ ہیں اور وہی اس کے واضع ہیں۔ ورنہ پہلے عرب جمعہ کو عروبہ کہتے تھے۔ عروبہ عبرانی لفظ ہے۔ جس کا مفہوم وہی ہے جو ہمارے محاورہ میں عرفہ کا ہے۔ اردو محاورہ میں ہر اسلامی تہوار سے ایک روز پہلے کو عرفہ بولتے ہیں۔ بعینہ یہی عرف عروبہ تھا۔ چونکہ یہود ہفتہ ''یوم السبت'' تعطیل کا دن مانتے تھے۔ اس لئے جمعہ کو عرب عروبہ کہتے تھے۔ چنانچہ یہ لفظ مسلمانوں میں بھی رائج رہا۔ بعض احادیث میں بھی یہی لفظ پایا جاتا ہے۔

بہر حال چونکہ ہفتہ کے موجودہ نام یہود سے لئے گئے۔ اس لئے لازمی تھا کہ وہ سبت ہفتہ کے دن کو مانیں اور اتوار کو یوم الاحد یعنی پہلا دن کہیں۔ علماء اسلام نے بھی عرف کا لحاظ رکھا۔ اور ہفتہ کو یوم السبت سمجھا اور جمعہ کی فضیلت کو صرف عہد اسلامی سے شروع مانا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ بات خلاف تحقیق ہے۔ کیونکہ مسند امام شافعیؒ میں روایت ہے کہ ''**استواء علی العرش** '' جمعہ کے دن ہوا۔ اور مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ عالم کی تخلیق کی ابتدا سنیچر کے دن ہوئی لہٰذا ان دونوں روایتوں کی بنیاد پر ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ ''یوم الا ستواء'' یعنی تخلیق عالم سے فراغت اور تعطیل کا دن جب جمعہ کا تھا اور تخلیق کا آغاز سنیچر سے ہوا۔ تو بلا تردد ''یوم السبت'' یقیناً جمعہ ہی کا نام ہے۔ ہفتہ یا اتوار کو سبت کہنا کسی طرح درست نہیں ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جمعہ کا شرف عہد اسلامی ہی سے نہیں ہے۔ بلکہ تخلیق عالم کی ابتداء ہی سے ہے۔ کیونکہ اس دن ہی اللہ کے استواء علی العرش کی عید تھی۔ نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے پوری کائنات کو چھ روز میں پیدا فرمایا اور صحاح کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم کو جمعہ کے روز پیدا فرما کر اس ساتویں روز عید منائی کہ سارے عالم پر اس کے استیلا اور غلبہ اور سلطنت کا اظہار ہوگیا۔ یہی ہے استواء عرش کی حقیقت۔ لیکن جمعہ کے دن حضرت آدم کی تخلیق پر شبہ ہے کہ پھر تو پورا ہفتہ سات دن تخلیق ہی میں گزرے۔ پھر یوم السبت یعنی تعطیل کا دن کہاں ہوا؟ لیکن تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ قدس سرہ نے اس کا حل یہ کیا ہے کہ وہ جمعہ جس میں حضرت آدمؑ کی تخلیق ہوئی۔ ان چھ دنوں سے متصل جمعہ نہیں تھا۔ جن میں تخلیق عالم ہوئی۔ جیسا کہ عام طور پر علماء محدثین نے سمجھا ہے بلکہ بعد کا کوئی جمعہ ہوگا۔

اس طرح چھ دنوں میں تخلیق عالم بھی ہوجاتی ہے اور جمعہ کے تخلیق آدم بھی اور جمعہ یوم السبت بھی رہتا ہے اور کوئی خلجان نہیں رہتا۔

صحاح کی حدیث میں ہے کہ اللہ نے ہمارے لئے جمعہ کو پسند فرمایا اور دوسری امتوں نے اس کو ٹال دیا۔ نصاریٰ نے اتوار کو یہود نے بار کو پسند کر کے تعطیل کا دن قرار دیا۔ محدثین نے اس کو دو توجیہیں کی ہیں۔ ایک یہ کہ عید اور جشن کے دن کا انتخاب امتوں کی رائے اور اجتہاد پر رکھا گیا تھا۔ امت محمد یہ جواب کو پا گئی اور دوسری امتیں محروم رہیں۔ دوسری توجیہ یہ کہ حق تعالیٰ نے دوسری امتوں پر بھی جمعہ کا دن قرار دیا تھا۔ مگر ان لوگوں نے اپنی اغراض ومصالح کے پیش نظر اس کو پسند نہیں کیا۔ بلکہ انبیاء وقت کو اس میں تنگ کیا کہ وہ اس دن کو تعطیل کا دن نہ رہنے دیں۔ مگر امت محمد یہ نے اس نعمت کو برضاء ورغبت قبول کرلیا۔ **ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔**

اور سعی سے مراد مطلق چلنا نہیں ہے ورنہ فامشوا کہا جاتا ہے اور نہ دوڑ دھوپ یا بھاگنا مراد ہے کیونکہ حدیث میں ہے **اذا اقیمت الصلوۃ فلا تاتوھا تسعون۔** بلکہ جلد تیاری کرنا مقصود ہے۔ البتہ فی الجملہ لپک کر جمعہ کے لئے چلنا بہتر ہے۔ اسی طرح ''**وذروا البیع**'' سے مراد مطلق مشاغل دنیا چھوڑ دینا ہے۔ اور خرید وفروخت کی تخصیص اس لئے کی کہ اس وقت یہ بکثرت ہوتی ہے۔ یعنی دنیا کا کاروبار چھوڑ کر آخرت کے کاروبار میں لگواو، اہل اصول کہتے ہیں کہ افعال شرعیہ خرید وفروخت وغیرہ سے چونکہ ممانعت ہورہی ہے اس لئے اذان جمعہ کے بعد خرید وفروخت باصلہ مشروع اور بوصفہ غیر مشروع رہے گی، لیکن اگر خرید وفروخت نماز جمعہ کی تیاری میں مخل نہ ہو تو پھر اس کی اجازت ہوگی، یہی وجہ ہے کہ نماز کے بعد یہ ممانعت اباحت سے بدل گئی۔ کیونکہ ممانعت کے بعد حکم اباحت کے لئے ہوا کرتا ہے۔ پس **فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ** ایسے ہی ہے جیسے دوسری جگہ **اذا حللتم فاصطادوا** فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ امام زاہد کہتے ہیں کہ نماز جمعہ کے بعد خرید وفروخت کی اجازت پر یہ آیت دلیل ہے۔ اور جو طلب حلال اور طلب علم دونوں کو فرض بعد الفرض کہتے ہیں وہ اس حکم کو واجب کہتے ہیں۔ لیکن فانتشروا سے مراد اگر علماء صلحاء کی زیارت اور مریضوں کی عیادت ہو تو پھر یہ حکم مستحب ہوگا۔ البتہ مالکیہ کہتے ہیں کہ اس وقت نکاح، ہبہ صدقہ کے علاوہ دوسرے معاملات کرنے سے فسخ ہوجائیں گے اور وہ سامان واپس کیا جائے گا اور سامان نہ ہوا تو قیمت یوم القبض دلائی جائے گی، عطاء سے منقول ہے کہ جب پہلی اذان ہوجائے تب خرید وفروخت، صنعت وحرفت، کتابت، سونا، بیوی کے پاس جانا، کھیل تفریح منع ہے۔

بہر حال اس سے اصولیوں کی یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ قضاء کا لفظ بول کر ادا مراد لی جاسکتی ہے، جیسا کہ اس کا برعکس بھی صحیح ہے اور 'فا' بلا مہلت تفریع کے لئے ہے، یعنی نماز کے فوراً بعد کاروبار میں لگ جاؤ، اس میں اشارہ ہے کہ اس نماز کے بعد نماز فرض نہیں ہے، پس نماز جمعہ کے بعد ظہر نہ پڑھے، اور ''واذکروا اللہ'' کے معنی یہ ہیں کہ کاروبار میں لگنے کے بعد ذکر اللہ بالکلیہ مت چھوڑ دو، بلکہ ذکر خاص یعنی خطبہ نماز اگرچہ ہوگیا ہے تاہم ذکر عام ہر حال میں جاری رہنا چاہئے۔

واذا رأوا تجارۃ، جب نماز کے وقت کاروبار کی اجازت نہیں تو لہو ولعب اور خرافات کی کیسے اجازت ہوگی۔

''**اولھوا**'' میں او معنی واو ہے ممکن ہے بعض افراد خطبہ چھوڑ کر خرید وفروخت کے لئے اور بعض لوگ شادی بیاہ کے کھیل تماشہ میں شرکت کے لئے چلے گئے ہوں، صاحب مدارک کہتے ہیں ''**وترکوک قائما**'' سے معلوم ہوا کہ خطیب کھڑے ہوکر خطبہ دے اور نماز شروع ہونے کے بعد اگر مسلمان بازار چلے گئے تو قیام نماز مراد ہوگا، بظاہر آیت میں تمام مسلمانوں کو اگرچہ عام خطاب ہے لیکن مراد خاص مکلفین ہیں، یعنی آزاد، عاقل، بالغ، تندرست، مقیم، مسلمان مرد جس کی آنکھ، پاؤں سلامت ہوں، چنانچہ ابوداؤد کی روایت میں **الجمعۃ واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الا علی اربعۃ عبد مملوک او امرأۃ او صبی او مریض،**

یہ تخصیصات اس نص کو قطعیت سے خارج نہیں کریں گی، جیسے نماز، زکوۃ، حج، روزوں کی تخصیصات ان کی قطعیت کے خلاف نہیں ہیں، چنانچہ وجوب جمعہ کی جس طرح چھ شرائط ہیں اسی طرح ادائے جمعہ کے لئے بھی شرائط ہیں، جو حسب ذیل ہیں، شہر یا قریہ کبیرہ، جس میں شہری ضروریات مہیا ہوں، حاکم وقت، وقت ظہر، خطبہ، جماعت، اجازت عام، شہریت چونکہ ہر زمانہ کی مختلف رہی ہے، اسلئے کتابوں میں شہریت کی

مختلف تعریفیں ملتی ہیں، ان شرائط کے پائے جانے میں جن کو تامل رہا انہوں نے جمعہ کے بجائے ظہر کو اختیار کرلیا، اور بعض احتیاط الظہر بھی جمعہ کے ساتھ ادا کرتے ہیں، پھر جہاں پہلے سے جمعہ باوجود شرائط نہ ہونے کے قائم ہو بعض اس میں نرمی کو پسند کرتے ہیں اور اس کو جاری رہنے دینے کو پسند کرتے ہیں، (تفسیرات احمدی، مکتوب فارسی مولانا قاسم نانوتویؒ)

وابتغوا : مفسر نے مقدر مانا ہے اور من فضل اللہ کو صلہ مانا ہے لیکن بعض نے فضل اللہ سے رزق مراد لیا ہے، مرفوع روایت میں ہے ''لیس بطلب دنیا ولکن حضور جنازۃ وعیادۃ مریض''

خیر الرازقین، غیر اللہ کو لغۃً رازق کہا گیا، حقیقی رازق اللہ ہے۔

ربط آیات : .... سورۃ صف میں کفار کا مستحق قتل ہونا اور توحید ورسالت کا برحق ہونا بیان فرمایا گیا تھا اس سورۃ کی ابتداء میں توحید ورسالت کا اثبات اور منکرین کا مستحق مذمت ووعید ہونا ارشاد ہے اور چونکہ یہود کی دکھتی رگ حرص وطمع اور محبت دنیا ہے، اس لیے دوسرے رکوع میں احکام جمعہ کے ذیل میں مسلمانوں کو دنیا کی بجائے آخرت کی ترجیح کا حکم دیا گیا ہے، نیز دونوں صورتوں کے اخیر میں تجارت کا ذکر ہے، پہلی میں اخروی تجارت کا اور دوسری میں دنیاوی تجارت کا۔

شانِ نزول وروایات : .... ان زعمتم انکم اولیاء، یہود خود کو ابناء اللّٰہ واحبائہ کہتے تھے اور یہ کہ لایدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصاریٰ، اس کی تردید کے لئے یہ آیت نازل ہوئی، مدینہ طیبہ میں غلہ کی کمی ہوگئی، لوگ بھوک سے پریشان تھے کہ دحیہ کلبی بن خلیفہ تجارتی سامان لے کر شام سے آئے، اور بازار میں ایسے وقت دف سے اعلان ہو رہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، لوگ اعلان سنتے ہی خطبہ چھوڑ کر بازار کی طرف ہولئے، صرف بارہ حضرات جن میں عشرہ مبشرہ بھی تھے، خطبہ میں بدستور حاضر رہے، عشرہ مبشرہ کے علاوہ بلالؓ اور ابن مسعودؓ بھی تھے ایک روایت میں ابن مسعودؓ کے بجائے عمارؓ کا نام ہے، اور مسلم کی روایت میں جابرؓ کا نام بھی ہے، اور ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ بارہ مرد اور سات عورتیں رہ گئی تھیں، اور بعض نے آٹھ اور بعض نے چالیس افراد کا کہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، لو خرجوا کلھم لاضطرم المسجد علیھم نارا اس زمانہ میں عید کی طرح جمعہ میں بھی نماز پہلے اور خطبہ بعد میں ہوا کرتا تھا، جانے والے یہ سمجھے کہ نماز تو ہو چکی ہے، خطبہ میں چلے جانے کا کوئی مضائقہ نہیں ہے، تب یہ آیات نازل ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد پھر نماز جمعہ سے پہلے خطبہ مقرر فرمادیا، لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ خطبہ پہلے ہوتا تھا، تو جانے والوں کا ارادہ جلد واپسی کا ہوگا، پھر صحابہؓ کی ابتدائی حالت تھی اور زمانہ قحط کا تھا پھر اجلہ صحابہ بچے رہے، پھر اجتہادی خطا ہوئی، اس لئے گنجائش اعتراض بالکل نہیں ہے۔

﴿ تشریح ﴾ .... فی الامیین، عرب کو امی (ان پڑھ) اس لئے کہا کہ ان میں علم وہنر کچھ نہ تھا، اور نہ کوئی آسمانی کتاب ان کے پاس تھی، معمولی لکھنا پڑھنا بھی بہت کم آدمی جانتے تھے، پورے ملک میں شاید انگلیوں پر گنے جاسکتے ہوں، ان کی جہالت وحشت و بربریت ضرب المثل تھی، بت پرستی، اوہام پرستی، فسق وفجور کا نام ملت ابراہیمی رکھ چھوڑا تھا، تقریباً ساری قوم اسی طرح کی گمراہیوں میں بھٹک رہی تھی کہ اللہ نے اسی قوم میں سے ایک رسول بھیجا، جس کا امتیازی لقب نبی امی تھا مگر علوم الہیہ کی روشنی سے سارے عالم کو جگمگا دیا۔

خاتم النبیین اور امام اعظمؒ کے متعلق پیشین گوئی : .... واخرین منھم، یعنی رسول قیامت تک آنے والی ساری دنیا کے لئے بھی ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرتؐ سے اس دوسری قوم کی نسبت پوچھا گیا، تو آپؐ نے سلمان فارسی کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا

کہ علم یا دین اگر ثریا پر بھی پہنچے گا، تو اس کی قوم فارس کا مرد وہاں سے بھی لے آئے گا، شیخ جلال الدین سیوطی وغیرہ علماء کبار نے تسلیم کیا ہے کہ اس کا بڑا مصداق امام اعظم ابوحنیفہ ہیں جو فارسی النسل ہیں، تاہم فارس کی یہ تخصیص شرف کے لئے ہے حصر کیلئے نہیں ہے، چنانچہ آج دنیا کے ہر گوشہ میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے خوشہ چیں پہنچ گئے ہیں، سارا عرب و عجم اسلام کے حلقہ بگوشوں سے بھرا ہوا ہے، نیز تقریباً دو تہائی مسلمان ابوحنیفہ کے ماننے والے ہیں۔

حملوا التوراۃ، بلاشبہ تورات جس کے بنی اسرئیل حامل بنائے گئے تھے، حکمت وہدایت کا ایک ربانی خزینہ تھا، مگر جب وہ اس سے مستفید نہ ہوئے تو وہی مثال ہوگئی "نہ محقق شدی نہ دانشمند، چار پایہ بر و کتابے چند" ایک گدھے پر علم وحکمت کی کتنی کتابیں لاددو، بوجھ میں دبنے کے سوا اسے کچھ پتہ نہیں، وہ تو صرف گھاس کی تلاش میں ہے، اسے اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ پیٹھ پر لعل وجواہر لدے ہوئے ہیں یا سنگریزے، دخزف، اگر وہ محقق اسی پر فخر کرنے لگے کہ دیکھو میری پیٹھ پر کیسی کیسی عمدہ اور قیمتی کتابیں لدی ہوئی ہیں، لہٰذا میں بڑا عالم اور معزز ہوں، تو یہ اور بھی زیادہ گدھا پن ہوگا۔

علامتِ ولایت:..............ان زعمتم۔ اس گدھے پن اور جہل مرکب اور حماقت کے باوجود دعویٰ یہ ہے، ہم ہی بلاشرکتِ غیرے اللہ کے دوست اور ولی، اور جنت کے تنہا حقدار ہیں، بس دنیا سے چلے اور جنت میں پہنچے، لیکن واقعی دل میں اگر یہی یقین ہے اور اپنے دعوٰی میں سچے ہیں تو دنیا کے مکدر عیش سے دل برداشتہ ہو کر محبوب حقیقی کے اشتیاق میں اور جنت الفردوس کی تمنا میں مرنے کی آرزو کرتے، جب کہ ارشاد نبوی ہے:

لوددت انی اقتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم اقتل، اسی طرح صحابہ کرامؓ اور اہل اللہ بھی وصالِ جاناں کے آرزومند رہتے ہیں، دنیا کی مصیبتوں اور سختیوں سے گھبرا کر نہیں کہ وہ تمنا تو ناپسندیدہ ہے بلکہ شوق محبوب اور لقاءِ آخرت میں موت کو عزیز ومحبوب سمجھتے تھے۔

غدا نلقی الاحبۃ (محمد وحزبہ) اور **یا حبذا الجنۃ واقتربہا۔ طیبۃ وباردا شرابہا**۔ نیز حبیب جاء علی ناقۃ اور **یا بنی لا یبالی ابوک سقط علی الموت او سقط علیہ الموت**۔ لیکن ان جھوٹے مدعیوں کے افعال وحرکات پر نظر ڈال کر دیکھو کہ ان سے بڑھ کر موت سے ڈرنے اور گھبرانے والا کوئی نہیں ہے، مرنے کا نام سن کر گھبراتے اور بھاگتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ زیادہ دن زندہ رہیں تو زیادہ نیکیاں کمائیں گے۔ بلکہ اس لئے کہ اول تو دنیا کی حرص سے ان کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا۔ دوسرے سمجھتے ہیں کہ جو کرتوت ہم نے کئے ہیں یہاں چھوٹتے ہی ان کی سزا میں پکڑے جائیں گے۔ جو دم گزر رہا ہے، غنیمت ہے۔ گائے قصائی کے سامنے جانے سے جس طرح ڈرتی ہے وہی حال ان کا موت کے تصور سے ہے۔ کیونکہ ان کو اپنا انجام بدمعلوم ہے۔ اس لئے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس آرزو کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتے۔ حدیث میں ہے کہ کوئی یہودی اس وقت اگر موت کی تمنا کر گزرتا تو فوراً اچھو لگ کر ہلاک ہو جاتا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو جھوٹ موٹ بھی ہمت نہیں ہوئی۔ حافظ ابن کثیرؒ اور حافظ ابن قیمؒ نے اس کو مباہلہ پر محمول کیا ہے۔

نشانِ عداوت:..........**قل ان الموت**۔ یعنی موت سے ڈر کر کہاں بھاگ سکتے ہیں۔ ہزار کوشش کریں مضبوط قلعوں میں بند ہو کر بیٹھ رہیں۔ وہاں بھی موت چھوڑنے والی نہیں۔ آخر مرنے کے بعد پھر وہی اللہ کی عدالت ہوگی اور تم ہوگے۔

اذا نودی۔ یہاں مسلمانوں کو برموقعہ ہدایت کی گئی کہ تم یہود کی طرح دنیا کے دھندوں میں لگ کر اللہ کی یاد اور موت کے تصور کو فراموش مت کرو خصوصیت سے جمعہ کا وقت بھی ایسا ہے کہ اس میں کاروبار زوروں پر ہوتا ہے۔ اس وقت تم دنیا کے کام میں نہ لگو بلکہ پوری توجہ اور خاموشی سے خطبہ سنو اور نماز ادا کرو۔ حدیث میں ہے کہ جو کوئی خطبہ کے وقت بات چیت کرے وہ اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابیں لدی ہوئیں۔ یعنی وہ

یہود کی طرح ہے، جن کی مثال گدھے کی سی ہے۔

اذان و جمعہ کا حکم: ....یا ایها الذین امنوا۔ عام مخصوص البعض ہے کیونکہ بعض پر جمعہ فرض نہیں ہے اسی طرح ہر اذان کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ کاروبار کر کے بھی عام نمازوں میں جماعت مل سکتی ہے اور جمعہ ایک ہی جگہ پر ہوتا ہے پھر کہاں ملے گا۔ اس لئے اذان جمعہ مراد ہے قرآن میں جس اذان کا ذکر ہے وہ خطبہ والی اذان ہے لیکن اس سے پہلے والی اذان جو صحابہ کے اجماع سے دور عثمانی میں مقرر ہوئی۔ کاروبار کی ممانعت میں اس کا حکم بھی قدیم اذان خطبہ کی طرح ہے۔ علت کے اشتراک سے حکم بھی مشترک ہوا کرتا ہے۔ البتہ اتنا فرق رہے گا کہ یہ حکم اذان قدیم میں تو منصوص اور قطعی ہوگا۔ اور اذان اول جدید میں ظنی اور اجتہادی ہوگا۔ اس سے تمام اشکال رفع ہو گئے اور ذکر اللہ سے مراد خطبہ ہے۔ مگر نماز بھی اس کے عموم میں داخل ہے۔ یعنی ایسے وقت میں پہنچ جانا چاہیے کہ خطبہ سن سکے اور جماعت میں شریک ہو سکے۔

لطائف سلوک: ....اذ بعث فی الامیین رسولا ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسباب عادیہ میں علم کا اضافہ موقوف نہیں ہے۔ پس اُمّیت کے ساتھ ولایت جمع ہوسکتی ہے۔ یعنی امی شخص ولی ہوسکتا ہے۔ البتہ ضروری شرعی امور کا جاننا ضروری ہے۔ اگرچہ بغیر رسمی تعلیم کے ہو۔

ویزکیهم۔ روح المعانی میں بعض کا قول ہے کہ یتلو علیهم میں اشارہ ہے۔ افاضہ قالبیہ کی طرف اور یزکیهم میں افاضہ قلبیہ کی طرف اشارہ ہے جس کا ایک فرد، توجہ اور رابطہ بھی ہے۔ اور رابطہ کا ثبوت نقلی دلیل پر موقوف نہیں۔ اس کی برکت مشاہدہ سے ثابت ہے۔

واخرین منهم ۔ روح المعانی میں ہے کہ بعض کے نزدیک یعلمهم کی ضمیر مغلوب پر آخرین کے عطف میں اشارہ ہے کہ حضور ﷺ کا فیضان امت پر قیامت تک جاری رہے گا اور اولیاء اللہ آپ کے وارث ہیں ان کا فیض بھی وفات کے بعد جاری رہتا ہے۔

مثل الذین حملوا التورٰة ۔ اس میں اشارہ ہے اس شخص کی بدحالی کی طرف جو علم کے باوجود انکار کرے۔

ان زعمتم انکم اولیاء ۔ اس سے معلوم ہوا کہ موت کی تمنا اگرچہ عقلی ہو۔ علامات ولایت میں سے ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مدعی حال کا امتحان ہونا چاہیے۔

فاذا قضیت الصلوٰة ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دینی مصالح نشاط وفرحت کی خاطر بعض مباحات میں مشغول ہونا بھی مطلوب ہے بشرطیکہ دین پر ان مباحات کو ترجیح نہ دی جائے۔ اور روح المعانی میں ہے کہ اس عتاب میں اشارہ ہے کہ مریدین سے جب کوئی غلطی ہو جائے تو ان کی تادیب و تربیت کی جائے۔

سُــوْرَةُ الْمُنَافِقُوْنَ

سورة المنافقون مدنية احدىٰ عشرة اٰية

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

اِذَا جَآءَ كَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالُوْا بِاَلْسِنَتِهِمْ عَلٰى خِلَافِ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ يَعْلَمُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱﴾ فِيْمَا اَضْمَرُوْهُ مُخَالِفاً لِمَاقَالُوْهُ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً سُتْرَةً عَنْ اَمْوَالِهِمْ وَدِمَائِهِمْ فَصَدُّوْا بِهَا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اَىْ عَنِ الْجِهَادِ فِيْهِمْ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲﴾ ذٰلِكَ اَىْ سُوْءُ عَمَلِهِمْ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِاللِّسَانِ ثُمَّ كَفَرُوْا بِالْقَلْبِ اَىْ اِسْتَمَرُّوْا عَلٰى كُفْرِهِمْ بِهٖ فَطُبِعَ خُتِمَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ بِالْكُفْرِ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۳﴾ الْاِيْمَانَ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۭ لِجَمَالِهَا وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۭ لِفَصَاحَتِهٖ كَاَنَّهُمْ مِنْ عَظْمِ اَجْسَامِهِمْ فِىْ تَرْكِ التَّفَهُّمِ خُشُبٌ بِسُكُوْنِ الشِّيْنِ وَضَمِّهَا مُّسَنَّدَةٌ ۭ مُمَالَةٌ اِلَى الْجِدَارِ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ تُصَاحُ كَنِدَاءٍ فِى الْعَسْكَرِ وَاِنْشَادِ ضَالَّةٍ عَلَيْهِمْ ۭ لِمَا فِىْ قُلُوْبِهِمْ مِنَ الرُّعْبِ اَنْ يَّنْزِلَ فِيْهِمْ مَا يُبِيْحُ دِمَاءَ هُمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ فَاِنَّهُمْ يُفْشُوْنَ سِرَّكَ لِلْكُفَّارِ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَهْلَكَهُمْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۴﴾ كَيْفَ يُصْرَفُوْنَ عَنِ الْاِيْمَانِ بَعْدَ قِيَامِ الْبُرْهَانِ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا مُعْتَذِرِيْنَ يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ عَطَفُوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ يُعْرِضُوْنَ عَنْ ذٰلِكَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۵﴾ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اِسْتَغْنٰى بِهَمْزَةِ الْاِسْتِفْهَامِ عَنْ هَمْزَةِ الْوَصْلِ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۶﴾ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لِاَصْحَابِهِمْ مِنَ الْاَنْصَارِ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ يَتَفَرَّقُوْا عَنْهُ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بِالرِّزْقِ فَهُوَ الرَّازِقُ لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَغَيْرِهِمْ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۷﴾ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اَىْ مِنْ غَزْوَةِ بَنِى

الْمُصْطَلَقِ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ عَنَوْا بِهِ اَنْفُسَهُمْ مِنْهَا الْاَذَلَّ عَنَوْا بِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ الْغَلَبَةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾ ذٰلِكَ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ تُشْغِلُكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَاَنْفِقُوْا فِي الزَّكَاةِ مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ لَوْ بِمَعْنَى هَلَّا اَوْلَا زَائِدَةٌ وَلَوْ لِلتَّمَنِّيْ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الصَّادِ اَتَصَدَّقَ بِالزَّكٰوةِ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰﴾ بِاَنْ اَحُجَّ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مَا قَصَّرَ فِي الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ اِلَّا سَاَلَ عِنْدَ الْمَوْتِ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ

ترجمہ:............سورۂ منافقون مدنیہ ہے جس میں گیارہ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ منافقین جب آپ کے پاس آتے ہیں تو (دلوں کے برخلاف زبانوں سے) کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ تو اللہ جانتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے (جانتا ہے) کہ یہ منافق جھوٹے ہیں (زبان کے برخلاف جو کچھ چھپاتے ہیں اس میں) ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے (مال وجان کے لئے ڈھال) پھر یہ لوگ اللہ کی راہ میں (جہاد) سے روکتے ہیں۔ بے شک ان کے اعمال بہت ہی برے ہیں۔ یہ ان (کی بدعملی) اس لئے ہے کہ یہ لوگ (صرف زبانی) ایمان لے آئے مگر کافر رہے (دل سے یعنی اپنے کفر پر جمے رہے) سوان کے دلوں پر (ان کے کفر کی وجہ سے) مہر کردی گئی ہے اس لئے یہ (ایمان) کونہیں سمجھتے اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قد وقامت (خوب صورتی) میں آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں (تو فصاحت بلاغت کی وجہ سے) آپ ان کی باتیں سننے لگیں گویا یہ (ڈیل ڈول کے باوجود نا سمجھ ہونے میں) لکڑیاں ہیں (شین کے سکون وضمہ کے ساتھ) جو ٹیک دی گئی ہیں (دیوار کے سہارے کھڑی کردی گئی ہیں) ہر غل غپاڑہ کو (جو لشکر میں کسی منادی یا گم شدہ چیز کے اعلان کی وجہ سے ہو) اپنے اوپر خیال کرنے لگتے ہیں (دل میں رعب پیدا ہونے کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے قتل کے بارے میں کوئی حکم آیا ہے) یہی لوگ دشمن ہیں آپ ان سے ہوشیار رہیے (کیونکہ کافروں سے آپ کے راز یہی اگلتے ہیں) اللہ انہیں غارت (برباد) کرے۔ یہ کہاں پھرے جاتے ہیں (دلیل قائم ہونے کے باوجود یہ ایمان سے کیسے روگردانی کررہے ہیں، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (معذرت خواہ بن کر) آؤ تمہارے لئے رسول اللہ استغفار کریں تو پھیر لیتے ہیں (تشدید وتخفیف کے ساتھ ہے) اپنے سر اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ بے رخی (اس سے کنارہ کشی) کرتے ہیں، تکبر کرتے ہوئے ان کے لئے دونوں باتیں برابر ہیں۔ خواہ آپ ان کے لئے استغفار کریں (ہمزہ استفہام کی وجہ سے ہمزہ وصل کی ضرورت نہیں رہی) یا ان کے لئے استغفار نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ وہ ہیں جو (اپنے انصار بھائیوں سے) کہتے ہیں کہ جو لوگ اللہ ورسول کے پاس (مہاجرین) ہیں، ان پر کچھ مت خرچ کرو۔ یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر (تتر بتر) ہوجائیں گے۔ اور اللہ ہی کے ہیں سب آسمانوں اور زمین کے خزانے (رزق کے، لہٰذا مہاجرین وغیرہ کا وہی روزی رساں ہے) لیکن منافقین سمجھتے نہیں۔ یوں کہتے ہیں کہ اگر ہم اب (غزوہ بنی مصطلق سے) مدینہ لوٹ جائیں گے تو نکال باہر کرے گا عزت والا (مراد خود ہیں) وہاں سے ذلت والے کو (یعنی مسلمانوں کو) اور عزت (غلبہ) اللہ ہی کی ہے اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی۔ لیکن منافقین (اس کو) جانتے نہیں ہیں۔ اے اہل ایمان تمہیں غافل نہ کرنے پائیں۔ تمہارے

مال واولاد، یادالہیٰ (پنج وقتہ نمازوں) سے اور جوایسا کرے گا ایسے ہی لوگ نا کام رہنے والے ہیں۔ اور (زکوٰۃ میں) خرچ کرو۔ اس میں سے کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے۔ اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آ کھڑی ہو۔ پھر وہ کہنے لگے کہ کیوں نہ (لولا بمعنی ھلا ہے یالا زائد ہے اور لو تمنائیہ ہے) مجھ کو تھوڑے دنوں کی مہلت دے دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا (اصل میں تا کو صاد میں ادغام کر دیا، میں زکوٰۃ دے لیتا) اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا (حج کر لیتا، ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو شخص زکوٰۃ حج میں کوتاہی کرتا ہے وہ مرنے کے وقت دنیا میں رہنے کی ضرور درخواست کرتا ہے) اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جب کہ اس کا وقت آ جاتا ہے ہرگز مہلت نہیں دیا کرتا اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے (تعلمون تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے)۔

تحقیق وترکیب:............سورۃ المنافقون۔ اس کا مدنی ہونا اور گیارہ آیات پر مشتمل ہونا بالا جماع ہے۔

اذا جاء ك المنا فقون۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے رفقاء مراد ہیں۔ جواب شرط قالو ہے اور بعض نے محذوف کہا ہے۔ ای **فلا تقبل منهم** لیکن بعض نے **اتخذوا ایمانهم** کو جواب کہا ہے۔ مگر وہ بعید ہے۔

و الله يعلم جملہ معترضہ ہے **نشهد** اور **و الله يشهد** کے درمیان اور اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر یہ جملہ نہ لایا جاتا تو شبہ رہتا کہ ممکن ہے منافقین کا رسول اللہ کہنا فی نفسہ غلط ہے۔ اب اس وہم کا ازالہ کر دیا۔

ان المنافقين لكاذبون۔ یعنی اس قول میں کاذب نہیں۔ بلکہ ان کے دل میں جو رسالت کا انکار چھپا ہوا ہے اس میں جھوٹے ہیں۔ اس لئے نظام معتزلی کا صدق وکذب کی تعریف میں اعتقاد کے مطابق ہونے نہ ہونے کی قید لگا کر اس آیت سے استدلال کرنا غلط ہوگا۔ معلوم ہوا کہ صرف واقعہ کی مطابقت عدم مطابقت کا لحاظ کیا جائے گا۔ نہ صرف اعتقاد وواقعہ دونوں کی مطابقت غیر مطابقت کا اعتبار کیا جائے گا۔ جس سے صدق اور کذب کے درمیان واسطہ ثابت کیا جا سکے اور مشہور جواب نظام کا یہ ہے کہ منافقین کا اس خبر کو شہادت کہنا یا اس کو شہادت کا نام دینا غلط بیانی ہے۔ کیوں کہ شہادت دل سے ہوا کرتی ہے اور ان کی یہ خبر دل سے نہیں ہے۔ بلکہ اوپر دل سے ہے۔ جس کو خبر کہنا چاہیے تھا۔ اور ایک جواب یہ بھی ہے کہ منافقین اس خبر واقعی کو صادق کے بجائے کاذب سمجھتے ہیں یعنی فی الواقع یہ کاذب ہیں۔ بلکہ اپنے زعم فاسد میں کاذب ہیں کہ انہوں نے خلاف واقعہ بات کہی ہے۔ یا **لا تنفقوا على من عند رسول الله حتى ينفضوا** اور **ولئن رجعنا الى المدينة**۔ ان اقوال کے انکار میں کاذب ہیں۔ اس طرح یہ پانچ جواب ہو گئے ہیں۔ پہلا جواب مفسرؒ کا ہے۔

بانهم امنوا۔ مفسرؒ نے باللسان کہہ کر یہ شبہ دور کر دیا کہ منافقین کا دلی ایمان مراد نہیں۔ صرف زبانی اقرار مراد ہے۔

اتخذوا ايمانهم۔ اس آیت میں شہادت پر یمین کا اطلاق کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ لفظ شہادت سے بھی یمین ہو جاتی ہے۔ جس کا پورا کرنا ضروری ہے ورنہ کفارہ ضروری ہوگا۔ چنانچہ کشاف، مدارک اور تفسیر زاہدیہ میں ایسے ہی ہے۔ صاحب ہدایہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ البتہ اگر ایمان سے مراد منافقین کا جھوٹا حلف لیا جائے۔ یا ایمان کسرہ ہمزہ کے ساتھ پڑھا جائے تو پھر یمین کی بحث اس سے متعلق نہیں ہوگی۔

خشب مسندة۔ جس طرح بے کار لکڑی دیوار سے لگا کر ایک طرف رکھ دی جاتی ہے۔ یہی حال منافقین کے ناکارہ ہونے کا ہے۔ بلی کا گو لیپنے کا نہ پوتنے کا۔

كل صيحة، **يحسبون** کا یہ مفعول اول ہے اور علیہم مفعول ثانی ہے **استغفرت** میں ابتدا بالسکون ہے چونکہ ہمزہ استفہام سے ہو گیا ہے۔ اس لئے ہمزہ وصل کی ضرورت باقی نہیں رہی، ورنہ لفظ سواء کے بعد آنے کی وجہ سے تسویہ کے معنی بدستور ہیں۔ **لئن رجعنا**۔ صحیحین کی روایت میں غزوہ بنی المصطلق سے واپسی مراد ہے۔ لیکن امام نسائیؒ غزوہ تبوک سے واپسی کہتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ اسی کو ترجیح دے رہے ہیں۔

عن ذكر الله۔ بن مردویہ ابن عباسؓ سے مرفوع روایت تخریج کرتے ہوئے اور ابن منذرؒ، عطاؒ اور ضحاکؒ سے تخریج کرتے ہوئے ذکر اللہ سے

پنجوقتہ نمازیں مراد لیتے ہیں۔

انفقوا ۔ابن منذرضحاک سے زکوٰۃ اورنفقہ حج مراد لیتے ہیں۔اور ترمذی ابن عباس سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں۔ من کان له مال یبلغه حج بیت ربه او مجیب علیه الزکوٰة فلم یفعل مال الر جعة عند الموت فقال به رجل یا ابن عباس اتق الله فانما یسا ل الر جعه الکفار فقال ساتلوا علیکم بذلک قراناً فقرأ الأیة۔اس لئے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ اہل توحید نہیں ہیں۔ورنہ دنیا میں دوبارہ آنے کی تمنا کیوں کرتے۔اس آیت میں اشارہ ہے کہ طبعی موت آنے سے پہلے وجود حقیقی حاصل کرنے کے لئے ارادہ روحانی سے وجود مجازی کا انفاق کردینا چاہیے۔ورنہ حیات جاودانی سے محروم ہوکر جاہلیت کی موت مرے گا۔کیونکہ نفس اللہ کی معرفت سے جاہل ہے اور حیات ابدی معرفت حقیقی کا نام ہے۔اوروہ بلا نفس وطبیعت کی موت کے حاصل نہیں ہوسکتی۔پس جوشخص اس موت ارادی کونہیں چکھے گا۔وہ طبعی موت کے وقت دنیا میں لوٹنے کی تمنا کرے گا۔تاکہ برضاءورغبت وجود مجازی کوتصدیق کردے اور وجود حقیقی سے ہمکنار ہوکر زمرہ صالحین میں داخل ہوجائے۔

لن یؤخر الله ۔یہ جملہ مستانفہ ہےنکرہ منفیہ ہونے کی وجہ سے عام ہے۔اس سوال کا جواب ہے کہ هل یؤخر الا جل هذ االتمنی۔

ربط آیات:.........سورۂ صف میں یہود کا ذکر تھا۔اس سورۃ میں منافقین کا ذکر ہے جو اکثر یہود تھے۔نیز پچھلی صورت کے اخیر میں آخرت کو دنیا پرایثار کرنے کا ذکر تھا۔اس سورت کے اخیر میں بھی یہی ذکر ہے۔اور یہ مضمون منافقین کے حال کے مطابق ہی تھا کیونکہ وہ مال واولاد پر گھمنڈ کیا کرتے تھے۔اس مال اولاد سے قلب کوغلو کے ساتھ وابستہ کرنے کی ممانعت ہے۔

شان نزول:.........غزوہ تبوک یا غزوہ بنی المصطلق میں جہجاہ بن اسید مہاجر اور سنان جہنی انصاری کے درمیان پانی پرلڑائی ہوگئی۔سنان انصاری عبداللہ بن ابی کا حلیف تھا۔مہاجر نے اپنی مدد کے لئے مہاجرین کو پکارا تو ایک مہاجر نے بڑھ کر سنان کوطمانچہ مارا۔تو عبداللہ اپنے حلیف کی حمایت میں بولا۔ما صحبنا محمد الا نتلطم وجوهنا الله ما مثلنا ومثلهم الا کمه قال القائل سمن کلبک یا کلک اماوا لله لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الا عز منها الاذل ۔پھراپنے آدمیوں سے کہنے لگے۔ماذا فعلتم بانفسکم قد انزلتموهم بلادکم وقاسمتموهم فی اموالکم اماوالله لوامسکتم عنهم فضل الطعام لتحولوا من عند کم فلم تنفقوا علیهم حتی ینفضوا من حول محمد ۔جس کا حاصل یہ ہے کہ تم نے ان پردیسیوں کوروٹیاں کھلا کھلا کر بگاڑ دیا۔اب مدینہ جاکران کوخرچ دینا بند کردو، یہ خودہی چلے جائیں گے۔ورنہ ہم عزت والے ہیں ان ذلیلوں کونکال دیں گے۔یہ باتیں زید بن ارقمؓ نے سن کر حضور ﷺ سے جاکہیں۔آپ ﷺ نے ابن ابی کو بلاکر پوچھا تو وہ صاف مکر گیا اور قسم کھا بیٹھا۔زید بن ارقمؓ کو اس سے بڑا رنج اور دکھ ہوا۔اس پر یہ آیتیں نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے ابن ارقم کو بلاکر فرمایا کہ اللہ نے تمہارے کان کی تصدیق فرمادی تب انہیں سکون ہوا۔عبداللہ کی باتیں جولوگوں نے سنی تھیں انہوں نے اس سے کہا بھی کہ تو حضور ﷺ کے پاس جاکر توبہ کرلے۔مگر ان سے اس کا بھی انکار کردیا اور چونکہ سب منافقین دل سے اس کی باتوں پر راضی تھے۔اس لئے سب کی طرف نسبت کردی گئی۔

﴿تشریح﴾.........قالوا نشهد۔یعنی منافقین کہتے ہیں کہ ہم دل سے آپ ﷺ کوسچا رسول سمجھتے ہیں۔فرمایا جھوٹ کہتے ہیں۔ان کا دلی اعتقادنہیں ہے،واقع میں وہ آپ ﷺ کی رسالت کے قائل نہیں۔محض زبانی باتیں بناتے ہیں اوردل میں سمجھتے ہیں کہ جھوٹ بول رہے ہیں۔اور ایک اسی بات پر کیا منحصر ہے،جھوٹ توان کے ضمیر میں پڑا ہوا ہے۔چنانچہ ایک واقعہ میں جس کا ذکر آرہا ہے۔صریح جھوٹ بولا کہ اللہ نے آسمان سے ان کی تکذیب کی۔

جھوٹی قسموں کو آڑ بنانا: .... اتخذوا ایمانهم ۔یعنی مسلمانوں کے ہاتھوں سے اپنی جان و مال محفوظ رکھنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھا لیتے ہیں۔ جہاں کوئی بات قابل گرفت سرزد ہوئی۔ اور مسلمانوں کی طرف سے مواخذہ کا کھٹکا ہوا۔ فوراً جھوٹی قسمیں کھا کر چھوٹ گئے۔ لوگ ان کو بظاہر مسلمان سمجھ کر دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اس طرح ان کی جھوٹی قسموں کا نقصان انہیں تک محدود نہیں رہتا۔ بلکہ یہ فساد دوسروں تک متعدی ہوتا ہے اس سے بڑھ کر اور برا کام کیا ہوگا۔

ذلک بانهم. یعنی گو زبان سے اظہار بیان کیا مگر دل سے بدستور منکر رہے اور ایمان کے دعویدار ہو کر کافروں کے کام کئے۔ اس بے ایمانی اور فریب و دغا کا یہ اثر ہوا کہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی۔ اب اس حالت پر پہنچ کر ان کے سمجھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے جب انسان کا دل برے کرتوتوں سے مسخ ہو جائے پھر نیک و بد سمجھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ جب انسان کے دل تو واقعی مسخ ہو چکے مگر ڈیل ڈول تو دیکھو تو بڑے چکنے چپڑے، بات کرتے ہیں تو بڑی لچھے دار کہ خواہ مخواہ سننے والا ریجھ جائے۔ ان کی مثال اس خشک اور بے کار لکڑی کی ہے جو دیوار سے لگا کر کھڑی کر دی جائے دیکھنے میں کیسی موٹی۔ مگر بے سہارا ایک سیکنڈ بھی کھڑی نہیں رہ سکتی۔ ہاں جلانے کے کام ضرور آسکتی ہے۔

منافق پرلے درجے کا بزدل ہوتا ہے: .... یہی حال منافقوں کا ہے اوپر سے خول بڑا اچھا مگر اندر سے خالی خولی کسی کام کے نہیں۔ صرف دوزخ کے ایندھن ہیں۔ بزدل، ڈرپوک اتنے کہ اگر کہیں شور سنیں تو دہل جائیں۔ اور سمجھیں کہ ہم پر ہی کوئی بلا آئی۔ ناپاک حرکتوں کی وجہ سے ہر وقت انہیں کھٹکا لگا رہتا ہے کہ دیکھئے کہیں ہماری مکاری کا پردہ چاک تو نہیں ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ اب بھی وقت نہیں گیا۔ آؤ رسول اللہ ﷺ کے پاس چل کر اپنا قصور معاف کرا لو۔ آپ کے استغفار کی برکت سے تمہاری خطا معاف ہو جائے گی۔ مگر کبر و نخوت کے مارے ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتے ہیں اور بڑی شان بے نیازی سے گردن ہلا کر سر گھما کر رہ جاتے ہیں۔

سواء علیهم ۔ ممکن ہے آپ اپنے اخلاق و مروت سے ان کے طالب عفو ہوں۔ مگر یاد رہے اللہ کسی صورت سے ان کو معاف کرنے والا نہیں ہے اور نہ ایسے بے توفیقوں کو ہدایت نصیب ہوا کرتی ہے۔ منافقین کے لئے یہ استغفار آپ کے لئے چاہے کسی منقبت کا باعث ہو مگر خود ان کے لئے بے سود ہے۔ چنانچہ سواءٌ علیک نہیں فرمایا۔ بلکہ سواء علیهم فرمایا ہے۔ هم الذین یقولون ۔ یہ عبداللہ بن ابی کی اسی گفتگو کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل گزر چکی۔ مگر آنحضرت ﷺ کے بلانے پر وہ صاف مکر گیا۔ کہ زید بن ارقم نے ہماری دشمنی میں جھوٹ کہہ دیا۔ لوگ زید پر آوازے کسنے لگے۔ وہ بے چارے سخت محجوب اور نادم ہوئے۔ یہ آیات نازل ہوئیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے تجھے سچا کر دکھایا۔

حقیقی عزت کا مالک: .... وللّٰہ خزائن۔ یہ منافقین کا جواب ہے کہ یہ نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ تمام زمین کے خزانوں کا مالک تو اللہ ہی ہے۔ کیا وہ ان لوگوں کو بھوکوں مار دے گا۔ جو پیغمبر کی خدمت میں رہتے ہیں۔ منافقین اگر ہاتھ کھینچ لیں گے تو وہ بھی اپنی روزی کے سب دروازے ان پر بند کر دے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ والوں پر خرچ کرتے ہیں وہ بھی اللہ ہی کراتا ہے۔ اسکی توفیق کے بغیر کوئی ایک پیسہ خرچ نہیں کر سکتا۔ اور انہیں خبر نہیں عزت والا کون ہے؟ اصلی اور ذاتی عزت تو اللہ کی ہے اور پھر اس تعلق سے رسول ﷺ اور ایمان والوں کی ہے۔ روایات میں ہے کہ ابن ابی کے یہ الفاظ جب اس کے بیٹے عبداللہ کو پہنچے جو نہایت مخلص مسلمان تھے تو باپ کے سامنے تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور بولے کہ جب تک اقرار نہ کرے گا رسول ﷺ عزت والے ہیں اور تو ذلیل ہے زندہ نہ چھوڑوں گا اور نہ مدینہ میں گھسنے دوں گا۔ آخر اقرار کرا کر چھوڑا۔

لا تلهکم اموالکم یعنی مسلمانوں کو یہود و منافقین کی طرح مال و اولاد کے گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ یہ بات بڑے خسارہ اور ٹوٹے کی ہے کہ ''باقی'' کو چھوڑ کو فانی میں انسان دل لگا بیٹھے۔ مال و اولاد وہی اچھی ہے جو اللہ کی یاد اور اس کی عبادت سے غافل نہ بنا دے۔ اگر ان دھندوں میں پڑ کر خدا کی یاد سے غافل ہو گیا تو آخرت بھی کھوئی اور دنیا میں بھی قلبی سکون حاصل نہ ہوا۔

اللہ کے لئے مال خرچ کرنے سے اللہ کا نہیں انسان کا فائدہ ہے: .... وانفقوا ۔ یہ جواب ہے منافقین کے قول لا تنفقوا کا کہ خرچ کرنے میں خود تمہارا ہی بھلا ہے۔ جو کچھ صدقہ خیرات کرنا ہے جلدی کرو۔ ورنہ موت سر پر کھڑی ہے اس وقت پچھتانا پڑے گا کہ ہم نے کیوں اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کیا۔ اس وقت کنجوس آرزو کرے گا کہ کچھ مہلت اور مل جاتی تو میں خیر خیرات کر کے نیک بنتا اور اللہ کے سامنے سرخرو ہوتا۔ لیکن وہاں تاخیر کیسی؟ جس شخص کی عمر جتنی لکھدی اور جو میعاد مقرر کردی اس کو پورا ہونے پر ایک لمحہ کی ڈھیل نہیں ہوسکتی۔ ابن عباسؓ کے نزدیک یہ تمنا قیامت کے دن کرے گا۔ بہرحال اس تمنا کا کچھ حاصل نہیں۔ کیونکہ اللہ کو سب کی سب کچھ خبر ہے وہ جانتا ہے کہ اگر تمہیں دنیا میں بھیجا گیا ہے یا مہلت دی گئی تو کیا عمل کرو گے۔ وہ سب کی اندرونی استعدادوں کو جانتا ہے۔

لطائف سلوک: .... هم الذين يقولون ۔ اس میں ان لوگوں کی مذمت ہے جو مال و دولت کی کمی کے سبب اہل اللہ کو حقیر سمجھتے ہیں۔
لا تلهكم اموالكم ۔ اس میں غفلت کی مذمت ہے۔

سُــوْرَةُ التَّغَابُنِ

سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَمَانِيَ عَشَرَةَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ يُنَزِّهُهُ فَاللَّامُ زَائِدَةٌ وَاَتٰى بِمَا دُوْنَ تَغْلِيبًا لِلْاَكْثَرِ **لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** (۱) **هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ** فِي اَصْلِ الْخِلْقَةِ ثُمَّ يُمِيْتُهُمْ وَيُعِيْدُهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ** (۲) **خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ** اِذْ جَعَلَ شَكْلَ الْاٰدَمِيِّ اَحْسَنَ الْاَشْكَالِ **وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ** (۳) **يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** (۴) بِمَا فِيْهَا مِنَ الْاَسْرَارِ وَالْمُعْتَقَدَاتِ **اَلَمْ يَاْتِكُمْ** يَا كُفَّارَ مَكَّةَ **نَبَؤُا** خَبَرُ **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ** عُقُوْبَةَ كُفْرِهِمْ فِي الدُّنْيَا **وَلَهُمْ** فِي الْاٰخِرَةِ **عَذَابٌ اَلِيْمٌ** (۵) مُؤْلِمٌ **ذٰلِكَ** اَيْ عَذَابُ الدُّنْيَا **بِاَنَّهُ** ضَمِيْرُ الشَّانِ **كَانَتْ تَاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ** اَلْحُجَجِ الظَّاهِرَاتِ عَلَى الْاِيْمَانِ **فَقَالُوْا اَبَشَرٌ** اُرِيْدَ بِهِ الْجِنْسُ **يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَ تَوَلَّوْا** عَنِ الْاِيْمَانِ **وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ** عَنْ اِيْمَانِهِمْ **وَاللّٰهُ غَنِيٌّ** عَنْ خَلْقِهٖ **حَمِيْدٌ** (۶) مَحْمُوْدٌ فِي اَفْعَالِهٖ **زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ** مُخَفَّفَةٌ وَاِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ اَنَّهُمْ **لَّنْ يُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ** (۷) **فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ** اَلْقُرْاٰنِ **الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ** (۸) اُذْكُرْ **يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ** يَغْبِنُ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِيْنَ بِاَخْذِ مَنَازِلِهِمْ وَ اَهْلِيْهِمْ فِي الْجَنَّةِ لَوْ اٰمَنُوْا **وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالنُّوْنِ فِي الْفِعْلَيْنِ **جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ** (۹) **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ** اَلْقُرْاٰنِ **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَبِئْسَ**

الْمَصِيْرُ ﴿۱۰﴾ هِيَ **مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ** بِقَضَائِهٖ **وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ** فِي قَوْلِهٖ اِنَّ الْمُصِيْبَةَ بِقَضَائِهٖ **يَهْدِ قَلْبَهٗ** لِلصَّبْرِ عَلَيْهَا **وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ** ﴿۱۱﴾ **وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ** ﴿۱۲﴾ اَلْبَيِّنُ **اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ** ﴿۱۳﴾ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ** بِاَنْ تُطِيْعُوْهُمْ فِي التَّخَلُّفِ عَنِ الْخَيْرِ كَالْجِهَادِ وَالْهِجْرَةِ فَاِنَّ سَبَبَ نُزُوْلِ الْاٰيَةِ الْاِطَاعَةُ فِي ذٰلِكَ **وَاِنْ تَعْفُوْا** عَنْهُمْ فِي تَثْبِيْطِهِمْ عَنْ ذٰلِكَ الْخَيْرِ مُعْتَلِّيْنَ بِمَشَقَّةِ فِرَاقِكُمْ عَلَيْهِمْ **وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ﴿۱۴﴾ **اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ** لَّكُمْ شَاغِلَةٌ عَنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ **وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ** ﴿۱۵﴾ فَلَا تُفَوِّتُوْهُ بِاشْتِغَالِكُمْ بِالْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** نَاسِخَةٌ لِقَوْلِهٖ اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ **وَاسْمَعُوْا** مَا اُمِرْتُمْ بِهٖ سِمَاعَ قَبُوْلٍ **وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا** فِي الطَّاعَةِ **خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ** خَبَرُ يَكُنْ مُقَدَّرَةٌ جَوَابُ الْاَمْرِ **وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** ﴿۱۶﴾ اَلْفَائِزُوْنَ **اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا** بِاَنْ تَتَصَدَّقُوْا عَنْ طِيْبِ قَلْبٍ **يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ** وَفِي قِرَاءَةٍ يُضَعِّفْهُ بِالتَّشْدِيْدِ بِالْوَاحِدَةِ عَشْرًا اِلٰى سَبْعِ مِائَةٍ وَاَكْثَرَ وَهُوَ التَّصَدُّقُ عَنْ طِيْبِ قَلْبٍ **وَيَغْفِرْ لَكُمْ** مَا يَشَاءُ **وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ** مُجَازٍ عَلَى الطَّاعَةِ **حَلِيْمٌ** ﴿۱۷﴾ فِي الْعِقَابِ عَلَى الْمَعْصِيَةِ **عٰلِمُ الْغَيْبِ** السِّرِّ **وَالشَّهَادَةِ** الْعَلَانِيَةِ **وَهُوَ الْعَزِيْزُ** فِي مُلْكِهٖ **الْحَكِيْمُ** ﴿۱۸﴾ فِي صُنْعِهٖ۔

ترجمہ: .... سورۂ تغابن مکیہ ہے یا مدنیہ ہے۔ جس میں اٹھارہ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ آسمانوں اور زمین کی سب چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں (لام زائد ہے اور من کی بجائے ما لایا گیا اکثریت کی تغلیب کرتے ہوئے) اسی کی سلطنت ہے اور وہی تعریف کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اسی نے تم کو پیدا کیا ہے۔ سو تم میں کچھ کافر ہیں اور کچھ مومن (پیدائشی طور پر، پھر تمہیں موت دے کر پہلی حالت پر دوبارہ پیدا کرے گا) اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طریقہ پر پیدا کیا ہے۔ اور تمہارا عمدہ نقشہ بنایا (کیونکہ انسان کو بہترین شکل پر پیدا کیا گیا ہے) اور اسی کے پاس لوٹنا ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا جاننے والا ہے (یعنی دلی راز اور اعتقادات) کیا تمہیں (اے کفار مکہ) ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے پہلے کفر کیا پھر انہوں نے اپنے کئے کا وبال چکھا (دنیا میں کفر کی سزا بھگتی) اور ان کے لئے (آخرت میں) دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہونے والا ہے۔ یہ (دنیا کی سزا) اس لئے ہے (ضمیر شان ہے) کہ ان لوگوں کے پاس ان کے پیغمبر کھلے دلائل لے کر آئے (ایمان کی واضح دلیلیں) سو ان لوگوں نے کہا کہ کیا آدمی (انسان کی جنس مراد ہے) ہم کو ہدایت کریں گے۔ غرض انہوں نے کفر کیا اور اعراض کیا (ایمان سے) اور اللہ نے (ان کے ایمان کی) پرواہ نہ کی اور اللہ (اپنی مخلوق سے) بے نیاز ستودہ صفات ہے (بہترین کارگزاری والا) یہ کافر دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ (ان مخففہ ہے جس کا اسم محذوف ہے ای انہم) ہرگز دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں واللہ ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔

پھر جو کچھ تم نے کیا ہے سب کچھ تمہیں جتلا دیا جائے گا۔ اور یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے سو تم اللہ، اس کے رسول اور نور (قرآن) پر ایمان

لاؤ۔ جو کہ ہم نے نازل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے (یاد کیجئے) جس روز ہم تم سب کو جمع کریں گے۔ جو جمع ہونے کا دن (قیامت) ہوگا۔ وہ یہی دن ہے سود وزیاں کا (مسلمان کافروں کو خسارہ میں ڈال دیں گے۔ ان کے جنت کے گھر اور بیویاں لے کر جو ان کو ایمان لانے کی صورت میں ملتیں) اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہوگا اور نیک کام کرتا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو دور کردے گا۔ اور اس کو داخل کرے گا (ایک قراءت میں یکفر اور یدخلہ دونوں فعل نون صیغہ متکلم کے ساتھ ہیں) ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیات (قرآن) جھٹلائی ہوں گی۔ یہ لوگ دوزخی ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور (وہ) برا ٹھکانہ ہے۔

کوئی مصیبت بدوں حکم (قضا) الٰہی کے نہیں آتی۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے (یہ سمجھتا ہے کہ مصیبت اللہ کے حکم سے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو (مصیبت پر صبر کرنے کی) راہ دکھا دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے اور اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور اگر تم پہلوتہی کروگے تو ہمارے رسول ﷺ کے ذمہ صاف صاف (کھلے طور پر) پہنچا دینا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔ اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہاری دشمن ہیں۔ سو تم ان سے ہوشیار رہو (ان کا کہنا ماننے سے جہاد و ہجرت جیسے نیک کاموں میں پیچھے ہٹ کر، کیونکہ آیت کا شان نزول ایسے کاموں میں ان کا کہنا ماننا ہے) اور اگر تم ان کو معاف کردو (تم کو بھلے کاموں سے روکنے پر۔ ان سے جدائیگی کی مشقت پر رحم کھا کر) اور درگزر کردو اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے تمہارے مال واولاد بس تمہارے لیے ایک آزمائش ہے (آخرت کے کاموں سے رکاوٹ) اور اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے (لہذا اموال واولاد میں مشغول ہو کر اس کو نہ گنوا بیٹھنا) سو جہاں تک تم سے ہوسکے اللہ سے ڈرتے رہو (یہ آیت ناسخ ہے۔ آیت فاتقوا اللہ حق تقاتہ کی) اور سنو (جو کچھ تمہیں حکم دیا جارہا ہے قبولیت کے ساتھ) اور کہنا مانو (اور نیک کاموں میں) خرچ کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا (یکن مقدر کی خبر ہے اور جواب امر ہے) اور جو شخص نفسانی خواہش سے محفوظ رہا۔ سو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے (کامیاب) ہیں۔

اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دوگے۔ (خوش دلی سے خیرات کروگے) تو وہ اس کو تمہارے لئے بڑھاتا جائے گا (ایک قراءت بضعفہ تشدید کے ساتھ ہے ایک کے بدلے دس سے سات سو تک اور اس سے زائد ثواب عطا کریگا۔ اور صدقہ خوش دلی سے ہونا چاہیے) اور تمہارے گناہ (اگر چاہے گا) بخش دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا قدرداں (فرمانبرداری کا صلہ دینے والا) بڑا بردبار ہے (قصوروں پر سزا دینے میں) پوشیدہ (مخفی) اور اعلانیہ (ظاہر) کا جاننے والا (اپنے ملک) میں زبردست (اپنی صنعت میں) حکمت والا ہے۔

تحقیق وترکیب: ....سورۃ التغابن۔ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کو تغابن کہتے ہیں۔ اہل جنت کا دوزخیوں کے جنتی مقام پر قبضہ کر کے نقصان پہنچانا تو صحیح ہے۔ مگر جہنمیوں کے جنتیوں کے جہنمی مقام پر قبضہ کی صورت میں تغابن کہنا تحکم واستہزا کے طور پر ہے۔ یہ سورت مکی ہے بجز آیت یاایھا الذین امنوا کے وہ مدنی ہے۔

فمنکم کافر۔ ارادہ ازلی کے اعتبار سے کافر ومومن فرمایا۔ انسان کا عمل تقدیر ازلی کے مطابق ہوتا ہے۔ جس کی چار صورتیں نکلتی ہیں۔

(۱) سعید ازلی ہو اور مرنے تک دنیا میں مومن رہے۔

(۲) شقی ازلی ہو اور اسی کے مطابق رہے۔

(۳) ازل میں سعید قرار دیا جائے اور دنیا میں کفر پر رہے مگر خاتمہ ایمان پر ہو۔ یہ تینوں صورتیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

(۴) ساری عمر مومن رہے اور آخر میں کفر پر مرے۔

غرضیکہ انما العبرۃ بالخواتیم۔ خاتمہ ہی سے تقدیری فیصلہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان وکفر وغیرہ اعمال سب اللہ کی

مخلوق ہیں۔ لیکن زمخشریؒ معتزلی ہونے کی وجہ سے فمنکم کافو کے معنی کفر کرنے والے کے لیتے ہیں یعنی انسان اس کو وجود میں لاتا ہے۔ چنانچہ ان کی دلیل واللہ بما تعملون بصیر ہے یعنی ایمان وکفر جو انسان کا عمل ہے اللہ اسے دیکھتا ہے۔ یہ اللہ کے اعمال نہیں ہیں۔ پس پہلی صورت میں فا تفصیلیہ ہوگا اور دوسری صورت میں تعقیبیہ ہوگا۔ آیت فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا اور حدیث کل مولود یولد علی الفطرۃ اہل سنت کی تائید کرتی ہے۔ اور حدیث ان احدکم یعمل بعمل اھل الجنۃ حتی ما یکون بینہ، وبینھا الا دراع فیسبق علیہ الکتاب فیعمل بعمل اھل النار فید خلھا وان احدکم فیعمل بعمل اھل النار حتی ما یکون بینہ وبینھما الا دراع فیسبق علیھا الکتاب فیعمل بعمل اھل الجنۃ فیدخلھا۔ حاصل یہ ہے کہ اعمال میں دو نسبتیں ہوتی ہیں۔ اللہ کی طرف ان کو موجود کرنے کی اور بندوں کی طرف ان کو عمل میں لانے کی پہلے کو خلق اور دوسرے کو کسب کہا جاتا ہے۔

فاحسن صورکم۔ سورۃ تین میں ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ اور دلیل اس کے احسن ہونے کی یہ ہے کہ انسان کسی دوسری مخلوق کی شکل اپنے لئے پسند نہیں کرتا۔ نیز انسان کا مستقیم القامت ہونا امتیازِ خصوصی ہے۔ انسان کیسا ہی کریہہ المنظر ہو جانوروں سے بہتر ہی سمجھا جائے گا۔

وبال۔ وبال کے معنی بوجھ کے ہیں۔

وبیل۔ اس کھانے کو کہتے ہیں کہ جو معدہ پر بار ہو وابل بوجھل بارش عقوبت اور سزا کے معنی میں بھی آتا ہے جس میں ثقل معنوی ہوتا ہے۔

البشر۔ ہمزہ انکاری ہے اور بشر فعل مضمر کا فاعل ہے۔ ای یھدو ننا بشر اور چونکہ بشر اسم جنس ہے اس لئے ضمیر جمع لانا بھی صحیح ہوگا۔

زعم الذین۔ زعم دو مفعول کی طرف متعدی ہے جن کے قائم مقام ان لن یبعثوا ہے۔ اس سے مراد اہل مکہ ہیں۔ جیسے ابوحیانؒ کی رائے ہے اور قل بلیٰ بھی اس کا قرینہ ہے، اس لئے اس سے الذین کفروا من قبل مراد لینا مناسب نہیں ہے۔

یوم یجمعکم۔ یہ "لتنبؤن" کا ظرف ہے اور درمیان میں جملے معترضہ ہیں یا یوم کو اذکر کا مفعول کہا جائے۔ قیامت کا دن سارے عالم کے اجتماع کا دن کا ہوگا۔ اس لئے یوم الجمع کہا ہے۔

یوم التغابن۔ مفسرؒ نے یغبن المومنون سے اشارہ کیا ہے، کہ باب تفاعل اپنے معنیٰ میں نہیں ہے، کیونکہ کافر کی جنتی جگہ چھن جانے سے تو اس کا غبن ہوگا لیکن مومن کی دوزخی جگہ کافر کو مل جانے سے مومن کا غبن نہیں ہے، غبن باب ضرب سے ہے۔

یھد قلبہ: مصیبت کے وقت انا للہ کہے اور صبر کرے۔ یا یہ مطلب ہے کہ انشراح قلب کے ساتھ مزید طاعت میں لگ جائے یا ہدایت سے مراد یہ یقین کرنا کہ جو مصیبت مقدر ہے وہ ٹل نہیں سکتی اور جو مقدر میں نہیں وہ آ نہیں سکتی۔

فان تولیتم۔ جواب شرط مقدر ہے۔ ای فلا ضرر ولا باس۔ اور فانما علی رسولنا محذوف کی علت ہے۔

فلیتوکل۔ توکل اخلاق کے بلند مقام میں سے ہے حدائق نہیں ہے۔ التوکل ھو الثقۃ بما عند اللہ والیاس ممافی ایدی الناس۔ اور بظاہر امر سے وجوب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن توکل کے بھی درجات ہیں۔ عوام وخواص سب اپنے اپنے درجات کے اعتبار سے مکلف ہیں۔

فاتقوا اللہ۔ مفسر اس کو ناسخ کہہ رہے ہیں۔ جیسا کہ قتادہؒ، ربیعؒ، ابن الحسن اور سدی کی رائے ہے۔ لیکن ابن عباسؓ دونوں آیات کو محکم فرماتے ہیں اور آیت نساء میں تقاتہ کی ضمیر اللہ کی طرف نہیں بلکہ تقویٰ کی طرف ہے۔ اور حق تقویٰ بقدر استطاعت مراد ہے۔ پس دونوں آیتوں کا مفہوم ایک ہی ہوگا۔ ممکن ہے اول وہلہ میں صحابہ نے آیت نساء کا مفہوم ظاہری سمجھا ہو اور اس سے پریشان ہو گئے ہوں اور پھر دوسری آیت نازل ہونے پر اس کو نسخ سمجھ لیا ہے۔

خیراً لکم۔ مفسرؒ ابوعبیدہؒ کا اتباع کرتے ہوئے یکن مقدر کی خبر مان رہے ہیں۔ لیکن یہ ترکیب نادر ہے۔ کیوں کہ کان مع اسم کے محذوف ہے

اوراس کی خبر موجود ہے۔ یہ ان اور لو کے بعد ہوا کرتا ہے۔ اس جملہ کی کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ سیبویہ کی رائے یہ ہے کہ فعل محذوف کا یہ مفعول ہے ای ایتوا خیراً لا نفسکم۔

۲۔ تقدیری عبارت یکن الانفاق خیراً لکم ہو یعنی خیراً یکن کی خبر جیسا کہ ابوعبیدہ اور مفسر کی رائے یہ ہے۔

۳۔ کسائی اور فراء کے نزدیک یہ مصدر محذوف کی صفت ہے ای انفاقاً خیراً۔

۴۔ کوفیوں کے نزدیک حال ہے۔

۵۔ انفقوا کا مفعول کہا جائے۔ ای انفقوا مالا خیر ابضاعته . ابن کثیرؒ اور ابن عامرؒ کے نزدیک باب تفعیل سے مشدد ہے۔

ربط آیات: .... سورۃ منافقین کے اخیر میں آخرت کی ترغیب اور اس کے چھوڑنے پر ترہیب تھی۔ اس سورت میں آخرت اختیار کرنے اور چھوڑنے والوں کی جزاء وسزا کا بیان ہے اور اسی سابقہ مضمون ترغیب وترہیب کی تکمیل ہے۔ اور چونکہ پچھلی سورتوں میں مشرکین، منافقین، مؤمنین کا ذکر ہوا ہے۔ اس لئے بھی اس سورت کو خاص طور سے سب سورتوں سے ربط ہے۔

شانِ نزول وروایات: .... ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آیت یا ایها الذین اٰمنوا ان من ازواجکم الخ ان اہل مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مسلمان ہو کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تھے۔ مگر ان کی بیویاں اور اولاد مانع ہوئیں۔ چنانچہ انہوں نے حاضر ہو کر جب دیکھا کہ لوگوں نے بہت کچھ احکام حاصل کر لیے ہیں تو انہیں غصہ آیا اور ان بیوی بچوں کو سزا دینی چاہی۔ تو پھر ان تعفوا کا حکم نازل ہوا۔ لیکن ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ آیت عوف بن مالک اشجعی کے متعلق مدینہ میں نازل ہوئی۔ یہ اہل وعیال والے تھے، جب انہوں نے غزوہ بدر میں جانے کا ارادہ کیا تو سب رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہمیں کس پر چھوڑے جارہے ہیں۔ عوف نے حضور ﷺ سے صورت حال عرض کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: .... هو الذی خلقکم ۔ یعنی اللہ ہی نے سب آدمیوں کو پیدا کیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ سب اسی پر ایمان لاتے، مگر ہوا یہ کہ بعض پھر گئے، اور بعض ماننے والے رہے۔ بے شک اللہ نے انسان میں دونوں راستوں کی صلاحیت رکھی ہے۔ تاہم اس نے سب کو صحیح فطرت پر پیدا کیا۔ پھر کوئی اس فطرت پر قائم رہا اور کسی نے ماحول سے متاثر ہو کر اس کے خلاف راہ اختیار کر لی۔ اگرچہ ان دونوں کا علم اللہ کو پہلے سے تھا کہ کون کس طرف جائے گا۔ اور اسی کے مطابق انعام یا سزا کا مستحق ہوگا۔ یہی چیز اپنے علم کے موافق اس کی قسمت میں لکھ دی تھی کہ ایسا ہوگا پس اللہ کے اس علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان کے اختیار وارادہ کی قوت باقی نہ رہے۔ اور وہ یہ کہہ کر صاف بچ نکلنے کی کوشش کرے۔ کہ میں کیا کروں۔ میں تو قسمت کا مارا مجبور تھا۔

انسان ''عالم صغیر'' اور خلاصہ کائنات ہے: .... فاحسن صورکم ۔صورت شکل میں یہی انسان سب سے بہتر ہے اور دماغی اور قلبی ملکات اور باطنی قوتوں میں یہی سارے عالم سے ممتاز بلکہ سارے جہاں کا خلاصہ اور لب لباب ہے۔ اسی لئے اہل حقیقت اس کو ''عالم صغیر'' کہتے ہیں۔ فقالوا۔ یعنی پچھلی قوم کے ناہنجاروں نے پیغمبروں کے جواب میں بس یہی کہا کہ کیا ہمارے ہادی ہم جیسے ہی بھیجے گئے ہیں۔ اللہ کو اگر بھیجنا تھا تو آسمان سے کسی فرشتہ کو بھیجا ہوتا۔ گویا وہ رسول ہونے کو انسان ہونے کے خلاف سمجھتے تھے، اسی لئے پیغمبروں کی باتیں ان کے گلے نہیں اتریں، تعجب ہے انحضرات پر جو اس آیت سے رسول کو بشر کہنے والوں کے کفر کا اثبات کرتے ہیں۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو یہ آیت اس کے برعکس ان لوگوں کے کفر پر دلالت کر رہی ہے جو رسول کے بشر ہونے کا انکار کر دیں۔ تاہم کسی کی تکفیر میں یہ بڑی احتیاط کرنی چاہئے

کیونکہ اسلام میں داخل کرنے کی اگر ہمیں سعادت حاصل نہیں ہوسکتی تو کم ازکم اسلام سے نکالنے کی خدمت تو انجام نہ دیں۔
ذلک یوم التغابن۔ یعنی قیامت ہار جیت کا دن ہوگا۔ ہارنا تو یہ ہوگا کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو بے موقع خرچ کر کے راس المال بھی گنوا بیٹھے۔ اور جیتنا ہی ہے کہ ایک ایک کے ہزاروں پائے۔

قناعت ہی سے بڑی دولت وسلطنت ہے: .... ما اصاب من مصیبة ۔ دنیا میں کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اللہ کی مشیت سے ہوتی ہے، مسلمان کا جب اس پر پختہ یقین ہے تو پھر کسی مصیبت پر غمگین اور بددل ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ راضی رہنا چاہیے۔ اللہ مؤمن کے دل کو صبر اور تسلیم ورضا کی خود دے دیتا ہے۔ جس سے عرفان کی راہیں کھل جاتی ہیں اور ملک قناعت حاصل ہوجاتا ہے۔ ایک مسلمان کو یہ یقین رکھنا چاہیے کہ جو تکلیف ومصیبت اللہ نے بھیجی ہے وہ عین حکمت ہے، وہی جانتا ہے کہ کون تسلیم ورضا کی راہ پر چلا اور کس کا ظرف اسرار وحکم کی صلاحیت رکھتا ہے۔

و اطیعوا اللہ۔ ہر حال میں خواہ خوشی ہو یا غم، اللہ ورسول کا حکم مانو۔ پیغمبر تو نیک وبد سب سمجھا کر اپنا فرض انجام دے چکے۔ اب اپنے نفع ونقصان کو خود سوچو۔ اللہ کو تمہاری اطاعت یا نافرمانی سے کوئی نفع نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ پھر لائق بندگی صرف اسی کی ذات ہے۔ نہ کوئی اور بندگی کے لائق ہے اور نہ کوئی بھروسہ کے قابل ہے۔

ان من ازواجکم۔ انسان بیوی بچوں کی محبت اور فکر میں پھنس کر کبھی کبھی اللہ ورسول کے احکام کو بھلا دیتا ہے۔ بلکہ ان بندھنوں میں جکڑ بند ہوکر بھلائیوں سے محروم ہوجاتا ہے اور برائیوں میں پڑ جاتا ہے اور ان کی بے جا فرمائشوں کا طومار کسی وقت دم نہیں لینے دیتا اور اسی چکر میں پڑ کر انسان آخرت سے غافل ہوجاتا ہے۔ پس ایسے اہل وعیال ظاہر ہے کہ انسان کے لئے پھندہ ہیں۔ وہ حقیقی دوست نہیں بلکہ جنجال ہیں۔ اور ایسے دوست نما دشمن ہیں۔ جن کی دشمنی کا بسا اوقات احساس نہیں ہوتا۔ اس لئے فرمایا کہ ذرا ہوشیار رہے اور ایسے رویہ سے بچو کہ جن میں دنیا تو سنورے یا نہ سنورے مگر عقبیٰ یقیناً برباد ہوجائے۔ اس آیت کے مفہوم میں نیک بیویاں اور صالح اولاد داخل ہیں۔ وہ تو غیر مترقبہ ہیں۔ اس لئے من ازواجکم فرمایا۔ جس میں من تبعیضیہ اسی فرق کو ظاہر کررہا ہے۔

و ان تعفوا۔ یعنی ہر چند کہ ایسے اہل وعیال دشمن ہیں۔ لیکن اس کا یہ اثر نہیں ہونا چاہئے کہ تم ان کے انتقام کے درپے ہوجاؤ۔ اس سے خانگی نظام درہم برہم ہوجائے گا۔ جہاں تک شرع اور عقل اجازت دے۔ ان کی حماقتوں اور کوتاہیوں سے درگزر کرو۔ اللہ ہی اس مہربانی کے بدلہ تم پر مہربانی فرمائے گا۔ جہاں تک حقوق اللہ کا تعلق ہے یقیناً بندہ ان کو معاف نہیں کرسکتا۔ لیکن اول تو شرعاً عقلاً گنجائش ہونے کی قید لگادی ہے۔ اس لئے شبہ نہیں رہتا، دوسرے ان حقوق کی معافی تو اللہ سے متعلق ہے۔ اگرچہ تعفوا و تصفحوا و تغفروا میں بندوں کی طرف اسناد مجازی ہے۔ گویا یوں کہنا چاہئے تھا۔ لم تعاقبوا لم تثربوا ولم تحقدوا انما اموالکم واولادکم فتنة۔ یعنی اہل وعیال میں اللہ آزمائش کرتا ہے کہ کون فانی چیزوں میں پھنس کر آخرت کی دائمی نعمتوں کو فراموش کردیتا ہے اور کس نے دنیا کو آخرت کی کھیتی بنایا ہے۔

لطائف سلوک۔ ومن یومن باللہ یھد قلبہ۔ اہل حال کے مآل کا اس میں اثبات ہورہا ہے۔
فاتقوا اللہ ما استطعتم۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلوک وتربیت واصلاح میں تدریجی رفتار سے چلنا کافی ہے۔

سُــورَةُ الطَّلَاقِ

سُورَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثَ عَشَرَةَ آيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ الْمُرَادُ وَاُمَّتُهٗ بِقَرِيْنَةِ مَا بَعْدَهٗ اَوْ قُلْ لَهُمْ **اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ** اَرَدْتُمْ **فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ** لِاَ وَّلِهَا بِاَنْ يَّكُوْنَ الطَّلَاقُ لَمْ تُمَسَّ فِيْهِ لِتَفْسِيْرِهٖ بِذٰلِكَ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ **وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ** اِحْفَظُوْا لِتَرَاجِعُوْا قَبْلَ فَرَاغِهَا **وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ** اَطِيْعُوْهُ فِيْ اَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ **لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ** مِنْهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهُنَّ **اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ** زِنًا **مُّبَيِّنَةٍ** بِفَتْحِ الْيَآءِ وَكَسْرِهَا اَيْ بَيِّنَتٍ اَوْ بَيِّنَةٍ فَيُخْرَجْنَ لِاِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَيْهِنَّ **وَتِلْكَ** الْمَذْكُوْرَاتُ **حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۚ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ** الطَّلَاقِ **اَمْرًا** ﴿۱﴾ مُرَاجَعَةً فِيْمَا اِذَا كَانَ وَاحِدَةً اَوِ اثْنَتَيْنِ **فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ** قَارَبْنَ اِنْقِضَاءَ عِدَّتِهِنَّ **فَاَمْسِكُوْهُنَّ** بِاَنْ تُرَاجِعُوْهُنَّ **بِمَعْرُوْفٍ** مِنْ غَيْرِ ضِرَارٍ **اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ** اُتْرُكُوْهُنَّ حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهُنَّ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ بِالْمُرَاجَعَةِ **وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ** عَلَى الرَّجْعَةِ اَوِلْفِرَاقِ **وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۭ** لَا لِلْمَشْهُوْدِ عَلَيْهِ اَوْلَهٗ **ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۬ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا** ﴿۲﴾ مِنْ كَرْبِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ **وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ** يَخْطُرُ بِبَالِهٖ **وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ** فِيْ اُمُوْرِهٖ **فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ** كَافِيْهِ **اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ** مُرَادَهٗ وَفِيْ قِرَآءَةٍ بِالْاِضَافَةِ **قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ** كَرُخَاءً وَشِدَّةً **قَدْرًا** ﴿۳﴾ مِيْقَاتًا **وَالّٰٓـئِيْ** بِهَمْزَةٍ وَيَآءٍ وَبِلَا يَآءٍ فِي الْمَوْضِعَيْنِ **يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ** بِمَعْنَى الْحَيْضِ **مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ** شَكَكْتُمْ فِيْ عِدَّتِهِنَّ **فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـئِيْ لَمْ يَحِضْنَ ۭ** لِصِغَرِهِنَّ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَالْمَسْئَلَتَانِ فِيْ غَيْرِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهُنَّ اَزْوَاجُهُنَّ اَمَّاهُنَّ فَعِدَّتُهُنَّ مَا فِيْ اٰيَةِ الْبَقَرَةِ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا **وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ** اِنْقِضَاءُ عِدَّتِهِنَّ مُطَلَّقَاتٍ اَوْ مُتَوَفًّى عَنْهُنَّ اَزْوَاجُهُنَّ **اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا** ﴿۴﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ **ذٰلِكَ**

الْمَذْكُورُ فِي الْعِدَّةِ أَمْرُ اللّٰهِ حُكْمُهُ أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ﴿۵﴾ أَسْكِنُوهُنَّ أَيِ الْمُطَلَّقَاتِ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ أَيْ بَعْضِ مَسَاكِنِكُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ أَيْ سِعَتِكُمْ عَطْفُ بَيَانٍ أَوْ بَدَلٌ مِمَّا قَبْلَهُ بِإِعَادَةِ الْجَارِ وَ تَقْدِيرِ مُضَافٍ أَيْ مَكِنَةَ سِعَتِكُمْ لَا مَا دُوْنَهَا وَلَا تُضَارُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۚ الْمَسَاكِنَ فَيَحْتَجْنَ إِلَى الْخُرُوْجِ أَيِ النَّفَقَةِ فَيَفْتَدِيْنَ مِنْكُمْ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ أَوْلَادَكُمْ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ ۚ عَلَى الْإِرْضَاعِ وَأْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۚ جَمِيْلٍ فِيْ حَقِّ الْأَوْلَادِ بِالتَّوَافُقِ عَلَى أَجْرٍ مَّعْلُوْمٍ عَلَى الْإِرْضَاعِ ، وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ تَضَايَقْتُمْ فِي الْإِرْضَاعِ فَامْتَنَعَ الْأَبُ مِنَ الْأُجْرَةِ مِنْ فِعْلِهِ فَسَتُرْضِعُ لِلْأَبِ لَهُ أُخْرَى ﴿۶﴾ وَلَا تُكْرَهُ الْأُمُّ عَلَى إِرْضَاعِهِ لِيُنْفِقْ عَلَى الْمُطَلَّقَاتِ وَالْمُرْضِعَاتِ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ ۚ وَمَنْ قُدِرَ ضُيِّقَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا اٰتٰىهُ أَعْطَاهُ اللّٰهُ أَيْ عَلَى قَدْرِهِ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا مَا اٰتٰىهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ﴿۷﴾ وَقَدْ جَعَلَهُ بِالْفُتُوْحِ وَكَأَيِّنْ هِيَ كَافُ الْجَرِّ دَخَلَتْ عَلَى أَيْ بِمَعْنَى كَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ أَيْ وَكَثِيْرٍ مِّنَ الْقُرَى عَتَتْ عَصَتْ يَعْنِيْ أَهْلُهَا عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنٰهَا فِي الْاٰخِرَةِ وَإِنْ لَّمْ تَجِئْ لِتَحَقُّقِ وُقُوْعِهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸﴾ بِسُكُوْنِ الْكَافِ وَضَمِّهَا فَظِيْعًا وَهُوَ عَذَابُ النَّارِ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا عُقُوْبَتَهُ وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ﴿۹﴾ خَسَارًا وَهَلَاكًا أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا تَكْرِيْرُ الْوَعِيْدِ تَأْكِيْدٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰأُولِي الْأَلْبَابِ ۚ أَصْحَابُ الْعُقُوْلِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ نَعْتٌ لِّلْمُنَادٰى أَوْ بَيَانٌ لَّهُ قَدْ أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿۱۰﴾ هُوَ الْقُرْاٰنُ رَّسُوْلًا أَيْ مُحَمَّدًا مَنْصُوْبٌ بِفِعْلٍ رَأَى وَأَرْسَلَ يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا كَمَا تَقَدَّمَ لِيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بَعْدَ مَجِيْءِ الذِّكْرِ وَالرَّسُوْلِ مِنَ الظُّلُمٰتِ الْكُفْرِ الَّذِيْ كَانُوْا عَلَيْهِ إِلَى النُّوْرِ ۚ الْإِيْمَانِ الَّذِيْ قَامَ بِهِمْ بَعْدَ الْكُفْرِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالنُّوْنِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا ۚ قَدْ أَحْسَنَ اللّٰهُ لَهُ رِزْقًا ﴿۱۱﴾ هُوَ رِزْقُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ لَا يَنْقَطِعُ نَعِيْمُهَا اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۚ يَعْنِيْ سَبْعَ أَرَضِيْنَ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ الْوَحْيُ بَيْنَهُنَّ بَيْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَنْزِلُ بِهِ جِبْرَئِيْلُ مِنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ إِلَى الْأَرْضِ السَّابِعَةِ لِتَعْلَمُوْا مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ أَيْ أَعْلَمَكُمْ بِذٰلِكَ الْخَلْقِ وَالتَّنْزِيْلِ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ....سورۃ طلاق مدنیہ ہے، جس میں ۱۲ آیت ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے پیغمبر مراد آپ اور آپ کی امت ہے جیسا کہ بعد میں جمع کے صیغوں سے معلوم ہو رہا ہے یا تقدیر عبارت قل لہم ہے) جب تم لوگ طلاق دو (طلاق دینے کا ارادہ کرو) عورتوں کو ان کے عدت سے پہلے طلاق دے دو (عدت کے اول طلاق ایسے طہر میں ہونی چاہیے جس میں مرد بیوی کے پاس نہ گیا ہو جیسا کہ حدیث شیخین میں آیا ہے) اور عدت کو یاد رکھا کرو (عدت کی نگہداشت رکھو تا کہ رجعت، عدت ختم ہونے سے پہلے ہو سکے) اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا پروردگار ہے (اور امر و نہی میں اس کی فرمانبرداری کرو) ان عورتوں کے ان کے گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں (عدت گزرنے تک) مگر وہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں (مبینۃ فتحہ یا اور کسرہ یا کے ساتھ یعنی بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا بیان کی گئی ہو۔ پس اس صورت میں ان پر حد قائم کرنے کے لئے نکلنا ہوگا) اور یہ سب اللہ کے مقرر کئے ہوئے احکام ہیں اور جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کرے گا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے تجھے معلوم نہیں شاید اللہ تعالیٰ اس (طلاق کے بعد کوئی بات پیدا کرے (ایک یا دو طلاق ہونے کی صورت میں خاوند بیوی کو پھر ملا دے) پھر جب عورتیں عدت کو پہنچ جائیں (عدت گزرنے کا زمانہ قریب پہنچ جائے) تو ان کو روک سکتے ہو (ان سے رجعت کر کے) قاعدہ کے مطابق (تکلیف دیئے بغیر) یا قاعدہ کے موافق رہائی دے دو (عدت پوری ہونے تک اور رجعت کے لئے نہ ستاؤ) اور آپس میں سے دو معتبر گواہ (رجعت یا علیحدگی پر) کرلو اور تم ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے گواہی دو (مخالف یا موافق کے لئے نہیں) اس مضمون کی اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے۔ جو اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے (دنیا و آخرت کی مصیبتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اس کا گمان (دل میں خطرہ) بھی نہیں ہوتا اور جو شخص (اپنے کاموں میں) اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ اس کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے (یعنی اپنی مراد اور ایک قراءت میں ''بالغ امرہٗ'' اضافت کے ساتھ ہے) اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا (جیسے خوشحالی اور تنگی، ایک اندازہ (وقت) مقرر کر رکھا ہے تمہاری بیویوں میں سے جو عورتیں (دونوں جگہ ہمزہ اور یا کے ساتھ اور بغیر یا کے ہے) حیض سے مایوس ہو چکی ہوں۔ اگر تم کو (ان کی عدت میں شک) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ اسی طرح جن عورتوں کو حیض آیا ہی نہیں (کمسنی کی وجہ سے) ان کی عدت بھی تین مہینے ہے۔ اور یہ دونوں مسئلے اس وقت ہیں جب خاوند کا انتقال نہ ہوا ہو۔ لیکن وفات کی صورت میں ایسی عورتوں کی عدت وہ ہے جو سورہ بقرہ کی آیت **یتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا** میں بیان کی گئی ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت (خواہ وہ عورتیں مطلقہ ہوں یا ان کے شوہروں کا انتقال ہو گیا ہو ان کی عدت کا پورا ہونا) ان کا حمل کا پیدا ہو جانا۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے (دنیا و آخرت کے) ہر کام میں آسانی کر دے گا۔ یہ (عدت میں مذکور) اللہ کا حکم ہے، جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو دور کر دے گا۔ اور اس کو بڑا اجر دے گا۔ تم ان (مطلقہ عورتوں) کو (اپنے مکانات میں سے) رہنے کی جگہ دو اپنی وسعت کے مطابق (یعنی جتنی تمہاری گنجائش ہو۔ یہ عطف بیان ہے یا ماقبل کا بدل ہے جار کا اعادہ کرتے ہوئے اور مضاف مقدر مان کر یعنی اپنی حیثیت کے موافق مکان دو، اس سے کم نہیں ہونا چاہیے) اور ان کو تنگ کرنے کے لئے تکلیف مت پہنچاؤ۔ (مکان دے کر تا کہ وہ نکلنے پر مجبور ہو جائیں یا نفقہ دینے لگے۔ کہ فدیہ لینے پر تم سے مجبور ہو جائیں۔

اگر وہ عورتیں حاملہ ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان کو خرچ دو۔ پھر اگر وہ دودھ پلائیں تمہارے لیے (تمہاری اس اولاد کو جو ان سے ہے) تو تم ان کو اجرت دو (دودھ پلائی کی) اور باہم (اپنے اور عورتوں کے درمیان مناسب مشورہ کر لیا کرو) جو اولاد کے حق میں بہتر ہو۔ دودھ پلانے کی اجرت طے کر کے) اور اگر تم باہم کشمکش کرو گے (دودھ پلانے میں تنگی برتنے لگو۔ اس طرح کہ باپ تو اجرت سے ہاتھ کھینچ لے اور ماں دودھ پلانے سے دستبردار ہو جائے) تو دوسری صورت اس (باپ) کے لئے دودھ پلائے گی (ماں کو دودھ پلانے کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا) خرچ کرنا چاہیے (مطلقہ اور دودھ پلانے والی عورتوں پر) وسعت والے کو اپنی وسعت کے مطابق اور جس کی آمدنی کم (تنگ) ہو اس کو چاہیے کہ اللہ نے جتنا اس کو دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد جلد فراغت بھی دے گا (چنانچہ فتوحات کے ذریعہ اس وعدہ کو پورا فرما دیا ہے) اور کتنی ہی (کاف جارہ) ای بمعنی کم پر داخل ہوا ہے) بستیاں تھیں (یعنی بہت سے بستیاں تھیں) جنہوں نے سرتابی کی (یعنی بستی والوں نے سرکشی کی) اپنے پرور

دگار کے حکم سے اور اس کے رسولوں سے، سو ہم نے ان کا سخت حساب کیا (آخرت میں وہ اگر چہ ابھی آئی نہیں، لیکن یقینی ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا ہے) اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سزا دی (نکرا سکون کاف اور ضمہ کاف کے ساتھ، عذاب جہنم مراد ہے) غرض انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا اور انجام کار ان کا خسارہ ہی ہوا (تباہی اور بربادی) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے (دوبارہ تاکید وعید کے لئے ہے) سو اللہ سے ڈرو۔ اے سمجھ دارو (عقلمندو) ایماندارو (منادیٰ کی صفت ہے یا اس کا بیان ہے) اللہ نے تمہارے پاس ایک نصیحت نامہ (قرآن) بھیجا ہے ایک ایسا رسول یعنی محمد ﷺ یہ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے ای وارسل) جو تمہیں اللہ کے احکام سناتے ہیں پڑھ پڑھ کر صاف صاف (فتحہ یا اور کسرہ کے ساتھ جیسا کہ پہلے گزرا) تا کہ ایمان داروں، نیکوکاروں کو (ذکر اور رسول آنے کے بعد) لے آئیں تاریکیوں سے (اس کفر کی جس پر وہ ہیں) نور کی طرف کفر کے بعد (جو انہیں ایمان حاصل ہوا ہے) اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا اور نیک کام کرے گا۔ اللہ اس کو داخل کرے گا (ایک قراءت میں نون کے ساتھ ہے) ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ نے اچھی روزی دی (جنتی رزق جس کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی) اللہ ایسا ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور انہی کی طرح (سات) زمینیں بھی۔ احکام (وحی) نازل ہوتے رہتے ہیں۔ ان سب میں (آسمانوں اور زمین میں جبرئیل ساتویں آسمان سے ساتویں زمین تک لاتے ہیں) تا کہ معلوم ہو جائے (محذوف کے متعلق ہے۔ ای اعلمکم بذلک الخلق و التنزیل) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو احاطہ علمی میں لئے ہوئے ہے۔

تحقیق وترکیب:......... **یا ایھا النبی** ۔ حکم اگر چہ عام ہے۔ لیکن ندا آنحضرت ﷺ کے لئے خاص ہے جس کی دو توجیہوں کی طرف تو مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔ ایک توجیہ تو المراد وامتہ کی ہے۔ یعنی عبارت میں واو اور معطوف محذوف ہیں۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ "یا ایھا النبی وامتہ" یہ ایسے ہی ہے۔ جیسے سرابیل تقیکم الحر کم کو اصل میں الحر والبرد تھا اور بقول صاحب کشاف خطاب میں خصوصیت اس لئے ہے کہ آنحضرت ﷺ رئیس قوم تھے۔ چنانچہ رئیس قوم کو خطاب کرتے ہوئے کہا جاتا ہے۔ یا فلان افعلوا کیت وکیت حالانکہ مراد عام ہوتی ہے چنانچہ یہاں بھی "اذا طلقتم" صیغہ جمع کا قرینہ ہے اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ یا ایھا النبی قل لھم اذا طلقتم الخ عبارت مقدر مانی جائے اس صورت میں گویا حقیقۃً مخاطب آنحضرت ﷺ ہیں اور ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یا ایھا النبی کی طرح اذا طلقتم کا خطاب بھی آنحضرت ﷺ کو ہے اور صیغہ جمع تعظیماً لایا گیا ہے۔

طلقتم ۔ مفسرؒ نے طلاق سے ارادہ طلاق مراد لیا ہے۔ تا کہ طلقتم کے بعد فطلقوھن صحیح ہو جائے ورنہ تحصیل کا اشکال رہتا ہے۔ کیونکہ طلاق پر طلاق کیسے مرتب ہو سکتی ہے۔ اور النساء سے مدخولہ عورتیں مراد ہیں جنہیں حیض آتا ہے۔ کیونکہ حاملہ اور آئسہ کا بیان آگے آ رہا ہے۔ لعدتھن ای مستقبلات لعدتھن۔ جیسے کہا جائے۔ اتیتہ للیلۃ فبقیت من رمضان ای مستقبلا لھا۔ ایک قراءت میں فی قبل عدتھن ہے یعنی ایسے وقت طلاق دو کہ عدت کا احصاء یعنی مکمل شمار ہو سکے اور یہ صورت بھی اسی وقت ہو سکتی ہے کہ جب طلاق عورت کے پاک رہنے کے زمانے میں دی گئی ہو۔ اور دونوں میں خاوند بیوی کے معاملات نہ ہوئے ہوں۔ کیونکہ پورے تین حیض عدت اسی صورت میں پوری ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر بحالت حیض طلاق دی گئی تو پھر احصاء عدت نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس حیض کو بھی طلاق میں شمار کیا جائے تو تین حیض سے کم عدت لازم آئے گی۔ اور نہ شمار کیا جائے تو عدت تین حیض سے بڑھ جائے گی۔ حالانکہ حیض تجزی کو قبول نہیں کرتا۔ علیٰ ہذا اگر بحالت وطی کر کے طلاق دی تو عدت تذبذب میں پڑ جائے گی کہ حاملہ ہو گئی ہو تو پھر عدت وضع حمل قرار دی جائے اور غیر حاملہ ہو تو عدت اور سمجھی جائے۔ غرضیکہ عورت معلقہ ہو کر رہ جائے گی نہ معتدہ کہلائے گی اور نہ شوہر والی بلکہ اوپر لٹکی رہے گی نیز مطلقہ مدخولہ ہونی چاہیے۔ نہ صغیرہ ہو اور نہ آئسہ اور نہ حاملہ۔ کیونکہ غیر مدخولہ کو طلاق دی جائے تو اس کی عدت ہی نہیں ہوتی اور باقی عورتوں کے لئے حیض نہیں ہے۔ پس غیر مدخولہ کو تو بحالت حیض بھی طلاق دی جا سکتی ہے۔ اسی طرح

باقی عورتوں کو ہمبستری کے بعد بھی طلاق دی جاسکتی ہے۔ جس کی تفصیلی بحث یہ ہے کہ وطی سے خالی طہر میں صرف ایک طلاق دی جائے تو یہ طلاق احسن کہلاتی ہے اور غیر موطوءۃ کو ایک طلاق دی جائے خواہ بحالت حیض ہی ہو۔ یا موطوء یہ جب کہ وہ حیض والی ہو تو ایسے طہروں میں الگ الگ تین طلاقیں دینا جن میں ہمبستری نہ ہوئی ہو۔ دونوں صورتیں طلاق احسن کہلاتی ہیں۔

لیکن بحالت حیض طلاق دینا یا وطی والے طہر میں طلاق دینا یا دو تین طلاقین ایک دم طہر میں دے دینا، تینوں صورتیں طلاق بدعی کی ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک متعدد طلاقیں بدعی نہیں ہوں گی۔ بشرطیکہ بے وطی طہر میں ہوں۔ لیکن بقول صاحب کشاف امام مالک فرماتے ہیں کہ طلاق سنی، صرف ایک طلاق ہے وہ تین طلاقوں کو خواہ ایک دم دی جائیں یا الگ الگ مکروہ فرماتے ہیں۔ البتہ حنفیہ ایک طہر میں ایک سے زائد طلاق کو مکروہ فرماتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ امام مالکؒ تو طلاق سنی میں وقت اور عدد دونوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اور امام شافعیؒ صرف ایک جماعت کے نزدیک طلاق بدعی واقع نہیں ہوتی۔ اگرچہ گناہ سے تاہم واقع ہوجائے گی۔ سعید بن المسیبؒ اور تابعینؒ کی ایک جماعت کے نزدیک طلاق بدعی واقع نہیں ہوتی امام محمدؒ امام ذفرؒ کے نزدیک حاملہ سنی طلاق ایک ہی دی جائے۔ نیز ہمارے نزدیک اصح روایات میں مدخولہ کو طلاق بائنہ دینا مکروہ ہے۔ بہرحال حنفیہ کے نزدیک ''لعدتھن'' سے مراد حیض ہے جیسا کہ شان نزول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک طہر کے معنی ہیں اور ''**فطلقوھن لعدتھن**'' کے معنی **فی عدتھن** کے ہیں۔ لام وقتیہ ہے اور وقت طلاق بالاتفاق طہر ہے۔ اس لئے وہ آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مطلقہ کی عدت تین طہر ہیں۔ آیت ''ثلثۃ قروء'' کے معنی بھی طہر ہی کے لیتے ہیں۔ تفصیلات سورہ بقر میں گزر چکی ہیں اور واحصوا العدۃ مردوں کو مخاطب احتیاطاً کیا گیا ہے کیونکہ عورتیں کم سمجھ ہوتی ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ احصاء نہ کرسکیں غرضیکہ عدت میں احتیاط کی تاکید مقصود ہے کہ عورت کی حق تلفی نہ ہو اور انہیں ضرر پہنچانے کی نیت نہ ہو۔

آیت میں دوسرا مسئلہ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ زمانہ عدت میں عورت شوہر کے مکان سے بلا مجبوری نہ خود نکلے اور نہ شوہر وغیرہ اس کا نکالیں۔ البتہ عورت سے بدکاری، چوری سرزد ہوجائے تو دوسری بات ہے۔ اس وقت عورت کو باہر نکالا جاسکتا ہے۔ یا ''ایتان فاحشۃ'' سے مراد بطور مبالغہ عورت کا باہر نکلنا ہوا ہو۔ یعنی عورت بے ضرورت باہر نکلے گی۔ تو یہ بھی فاحشہ شمار ہوگا۔ بہرحال معتدہ کے لئے سکنیٰ کا ضروری ہونا آیت سے معلوم ہو رہا ہے۔ اور یہ عورت کو اس مسکن میں سکونت کی پابندی کرنی چاہیے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ ''باب العدۃ'' فرماتے ہیں۔ علی ان تخرج المطلقۃ من البیت اور فرمایا۔ کہ **الفاحشة نفس الخروج و قيل الزنا فيخرجن لا قامة الحدو المعنى با عتبار الخروج والثانى با عتبار الا خراج ثم صرح فى بيوتهن بان البيت المضاف اليها و هو الذى تسكنه فعليها ان تعتد فى المنزل الذى تضاف اليها با لسكنى حال وقوع الفرقة والموت لهذه الاية۔**

اسی طرح صاحب ہدایہ نے باب الرجعۃ میں امام زفرؒ پر رد کرتے ہوئے فرمایا **لا يجوز المسافرة بالمطلقة الرجعية حتى يشهد الى رجعتها لقوله تعالىٰ ولا تخرجوهن من بيوتهن الاية و ذلك لانه لما منع الاخراج للزوج مطلقا والمسافرة نوع من الاخراج علم ان المسافرة بها ممنوعة وانما جوزنا بالاشهاد**۔ اور صاحب مدارک کہتے ہیں کہ بیوت کی اضافت عورتوں کی طرف سکنیٰ کے لئے ہے، ملک کے لئے نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ سکنیٰ واجب ہے۔

کوئی اگر یہ حلف کرے کہ میں اپنے مکان میں داخل نہیں ہوں گا۔ تو اس صورت میں بھی حانث ہوجائے گا جب کہ دوسرے کے مملوکہ مکان میں سکونت رکھتا ہو اور اس میں داخل ہوجائے۔ نیز عورت کے اس سکونتی مکان پر زبردستی قبضہ کرنے کی صورت میں بھی اخراج کہلائے گا۔ یعنی جائز نہیں ہے۔ اور الفاظ بیت منزل دار میں جو فرق ہے اس کے پیش نظر آیت میں **من بيوتهن** کہنے اور **من دودهن يامن منا زلهم** نہ کہنے میں یہ اشارہ نکلتا ہے کہ صرف سکنیٰ سے رجعت کے جذبات پیدا ہوجائیں۔ اور بگڑا ہوا گھر پھر بن جائے۔ یا اس جملہ کو مستانفہ کہا جائے۔ اور صاحب کشاف اور صاحب مدارک کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جملہ کا تعلق پہلے پورے بیان سے ہے۔

مبینۃ ۔ابن کثیرؒ ابوبکرؒ کے نزدیک فتحہ کے ساتھ ہے یعنی کھلی ہوئی بدکاری اور دوسرے قراء کے نزدیک کسرہ یا کے ساتھ ہے یعنی ظاہر کرنے والی عورت کی بدکاری۔ اور کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق رجعی یا بائنہ کی صورت میں بالکل باہر نہ نکلنا چاہیے البتہ عدت وفات ہو تو دن میں محنت مزدوری کے لئے احتیاط اور پردہ کے ساتھ باہر جا سکتی ہے۔ رات مکان عدت میں ہی گزارنی چاہیے۔ نیز طلاق بائنہ کی صورت میں مرد بھی اگر اسی مکان میں رہے تو مرد وعورت کے درمیان پردہ رہنا چاہیے۔ بلکہ ایسی عورت بھی اگر ساتھ رہے تو بہتر ہے جو عورت مرد کو حرامکاری سے روک سکے۔ لیکن مرد اگر آزاد منش ہو یا گھر تنگ ہو تو پھر مرد کو باہر ہی رہنا چاہیے۔

تیسری بات ان آیات میں یہ ارشاد فرمائی گئی کہ مرد خواہ مخواہ جاہلیت کے دستور پر عدت کو طول نہ دے۔ بلکہ زمانہ عدت میں اگر باہمی ملاپ کرنا مصلحت سمجھے تو حسن سلوک کی نیت سے رجعت کر لے۔ ورنہ عدت پوری ہوتے ہی عورت کو خوبصورتی سے رخصت کر دے یعنی مہر متعہ دے کر اور حقوق پورے ادا کر کے الگ کر دے۔ "فامسکوھن بمعروف اوفارقوھن بمعروف" میں یہ دونوں پہلو ذکر کر دیئے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ نے بہت سے مواقع پر اس کا ذکر کیا ہے۔ منجملہ ان کے باب العنین میں ہے لما فوت الامساک بالمعروف فینوب القاضی منابۃ فی التسریح بالاحسان۔ علیٰ ہذا باب اللعان میں کہا لما عجز عن الامساک بالمعروف ناب القاضی منابۃ فی التسریح بالاحسان۔

واشھد ذوی عدل منکم یعنی وہ مسلمان منصف مزاج آدمیوں کی گواہی کرلو۔ اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ دو آزاد گواہوں کو رجعت پر شاہد بنانا مراد ہے۔ تاکہ آئندہ بدکاری کی تہمت نہ رہے۔ یہ حکم بھی آیت اشھدو ا ذاتبایعتم کی طرح استحباب پر محمول ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اور امام شافعیؒ کی ایک روایت کے مطابق واجب ہے۔ صاحب ہدایہ نے باب الرجعۃ میں تصریح کی ہے۔ ولنا اطلاق النصوص عن قید الاشھاد ۔ پھر آگے چل کر کہا۔ وما تلاہ محمول علیہ الا تریٰ انہ قرنھا بالمغاربۃ وھو فیھا مستحب اور تفسیر زاہدی میں ہے کہ آیت میں گواہ بنانے کو امساک اور مفارقت کے بعد بیان کیا گیا ہے۔ اور مفارقت بغیر گواہی کے صحیح ہے۔ اسی طرح امساک بھی بغیر رجعت بھی بغیر گواہ صحیح ہونی چاہیے۔ اور صاحب اتقان کہتے ہیں کہ آیت مائدہ ذوی عدل منکم اواخران من غیرکم اس آیت اشھد واذوی عدل کے ذریعہ منسوخ ہے۔ یعنی اب ذمی کی گواہی معتبر نہیں ہے۔ لیکن پہلی آیت کا تعلق وصیت سے ہے اور اس آیت کا تعلق رجعت سے ہے۔ اس لئے صاحب اتقان کا بیان شافی نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ خاص سبب کا اعتبار نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوا کرتا ہے چنانچہ یہاں بھی آیت اگرچہ رجعت کے بیان میں ہے مگر الفاظ عام ہیں۔

واقیموا الشھادۃ للہ۔ اس میں پچھلے کلام کی روش تبدیل ہوگئی۔ یہاں گواہوں کو خطاب ہے۔ گواہی خالص خدا کے لئے ہونی چاہیے کسی کی جانب داری یا رعایت۔ پیش نظر نہیں ہونی چاہیے۔ ذٰلکم یوعظ بہ من کان یومن باللہ ۔ اس میں اشارہ ہے کہ کفار شرائع احکام کے مکلف نہیں ہیں۔

بالغ امرہ۔ جمہور کے نزدیک بغیر اضافت کے اور حفص کے نزدیک اضافت کی صورت میں ہے۔

واللاّئی یئسن ۔ اکثر قراء کے نزدیک ہمزہ اور یا کے ساتھ ہے اور ورش اور بزی کے نزدیک بغیر یا کے ہے مطلقہ حائضہ کی عدت اور عدت وفات کا بیان سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ یہاں غیر حائضہ کی عدت کا بیان ہے۔ جس کی تین صورتیں ہیں۔ حیض نہ آنا کمسنی کی وجہ سے ہوگا۔ یا کبر سنی کی وجہ سے یا حاملہ ہونے کی وجہ سے پہلی دونوں صورتوں میں عدت تین مہینے ہوگی۔ اور تیسری صورت میں وضع حمل عدت ہوگی۔ سن ایاس میں اختلاف ہے۔ بعض نے پچپن سال اور بعض نے ساٹھ سال مانا ہے۔ لیکن اصح یہ ہے کہ جب حیض کی بندش ہو جائے۔ عمر خواہ کچھ ہو۔

ان ارتبتم۔ غیر حائضہ کی عدت میں شک مراد ہے۔ یا سن ایاس پر عورت پہنچنے کے بعد خون میں شبہ کرنے لگے کہ یہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا اور بقول کشاف ومدارک کی جب شک کی حالت میں تین ماہ عدت ہے تو بلاشک یہ عدت بدرجہ اولیٰ ہوگی اور کم سنی کی وجہ سے غیر حائضہ کا حکم

والائی لم یحضن میں بیان کیا گیا ہے جس میں کمسن بھی داخل ہیں اور وہ عورت بھی جو سن بلوغ کو پہنچ گئی۔ مگر حیض ابھی نہیں آیا، صاحب ہدایہ کہتے ہیں۔ وان کانت لا تحیض من صغر واکبر فعدتھا ثلثة اشھر۔ لقولہ تعالیٰ واللائی یئسن من الایة وکذا التی بلغت بالسن

ولم تحض باخر الایة۔ صاحب ہدایہ کی ظاہری عبارت سے اگرچہ مفہوم ہوتا ہے کہ کمسن کبیر السن کی طرح آیت اللائی یئسن میں داخل ہے۔ لیکن امعان نظر سے دیکھا جائے تو بالغہ بالسن کی طرح کمسن آیت اللائی لم یحضن میں داخل ہے۔ آیت میں لف ونشر اس کا قرینہ ہے بہرحال مہینوں سے عدت کا ہونا اس کی دلیل ہے کہ قرء سے مراد حیض ہے کیونکہ حیض نہ ہونے کی وجہ سے ہی عدت مہینوں میں تبدیل ہوگئی۔ ورنہ حائضہ کی عدت تو حیض سے شمار ہوتی ہے۔ گویا آزاد عورت جو من نساءکم کا مصداق ہے اس کا ہر مہینہ ایک حیض کے قائم مقام ہوا۔ اسی آئسہ باندی کی عدت ڈیڑھ ماہ ہوگی۔ کیونکہ حیض میں تو تجزی ممکن نہیں۔ مگر مہینوں میں تجزی ہوسکتی ہے۔ واللائی لم یحضن مبتداء ہے۔ مفسرؒ نے اس کی خبر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ جملہ "فعدتھن ثلثةاشھر" کی بجائے مفرد محذوف مانا جائے۔ مثلا فکذلک یا مثلھن اور سب سے عمدہ صورت یہ ہے کہ اللائی لم یحضن کو اللائی یئسن پر عطف کیا جائے اور دونوں کی خبر فعدتھن ثلاثة اشھر ہے۔

واولات الاحمال۔ یہ مبتدا ہے۔

اجلھن۔ مبتداء ثانی ہے جس کی خبر ان یضعن ہے۔ پھر جملہ مبتداء اول کی خبر ہے۔ اس میں تیسری حالت حاملہ کا بیان ہے۔ عورت آزاد ہو یا باندی، مطلقہ ہو یا متوفی عنھا الزوج ہو چاروں صورتیں اس میں آجاتی ہیں۔ کیونکہ یہ آیت طلاق آیۃ بقرۃ والذین یتوفون الخ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ عموم اگرچہ دونوں آیتوں میں ہے لیکن بعد میں نازل ہونے کی وجہ سے آیت طلاق کے عموم کو ترجیح دی جائے گی۔ تاکہ ممکنہ حد تک دونوں آیتوں پر عمل ہو جائے۔ چنانچہ غیر حاملہ کی عدت وفات چار مہینے دس دن ہوگی۔ اور حاملہ کی عدت طلاق و وفات دونوں وضع حمل ہوں گی۔ بیضاویؒ نے اس کی وجوہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ہے کہ اول تو اولات الاحمال کا عموم ذاتی ہے۔ اور ازواجا کا عموم عرضی ہے "دوسرے آیت طلاق میں حکم معطل ہے برخلاف آیت بقرہ کے۔ نیز سبیعہ بنت الحارث کے شوہر کے انتقال سے چند روز بعد ہی بچہ پیدا ہوگیا۔ تو آنحضرت ﷺ نے عدت ختم ہونے کا حکم دے دیا۔ چوتھے آیت طلاق موخر النزول ہے پس اس کی تقدیم تو تخصیص ہوگی۔ بقول صاحب کشاف وغیرہ ابن مسعودؓ، ابو ہریرہؓ کی یہی رائے ہے۔ البتہ حضرت علیؓ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حاملہ کو عدت وفات وضع حمل اور چار مہینے دس دن میں سے جو مدت طویل ہو وہ گزارنی چاہیے۔ لیکن صاحب ہدایہ کہتے ہیں۔ ان کانت حاملاً فعدتھا ان تضع حملتھا لقولہ تعالیٰ واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن اور باندی کا حکم بھی یہی ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت علی کے جواب میں فرماتے ہیں۔ لو وضعت وزوجھا علی سریر لا نقضت عدتھا وحل لھا ان تزوج۔ پھر صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔ اذا مات الصغیر من امراتہ ولھا فعدتھا ان تضع حملھا وھذا عند ابی حنیفة ومحمد وقال ابو یوسف عدتھا اربعة اشھر و عشرا وھو قال الشافعی لان الحمل لیس بثابت النسب منہ فصار کالحادث بعد الموت لھما اطلاق قولہ تعالیٰ واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن۔ اور صاحب ہدایہ فصل نفاس میں لکھتے ہیں۔ ان العدة فی التوائبین تنقضی بالاخیر من الولدین اذا لحمل المضاف الیھن اعنی قولہ حملھن یعم الکل۔ غرضیکہ آئسہ، کمسن، بالغہ بالسن کے عدت تین ماہ ہونے کا حکم بھی عام ہونا چاہیے۔ جس میں عدت طلاق اور عدت وفات دونوں آجائیں۔ آئسہ کی عدت وفات تین مہینے دس دن ہیں ہماری دلیل آیت حمل ہے۔ یہی رائے ابن مسعود کی ہے۔ آیت حمل خاص نہیں ہے بلکہ سورہ طلاق میں جن کا ذکر ہے سب کو عام ہے۔ لیکن امام زاہدؒ کی تفسیر ہے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ مطلقہ کی عدت کے ساتھ خاص ہے۔ طلاق ہی کی صورت میں یہ عدت ہوگی اور مطلقہ بھی مدخولہ ہونی چاہیے اور عدت وفات عام ہے جس میں ذوات الحیض، آئسہ صغیرہ مدخولہ سب داخل ہیں اور حاملہ کی عدت سب سے زیادہ عام ہے

جس میں حائضہ، آئسہ، صغیرہ، مدخولہ، غیر مدخولہ عدت وفات، طلاق سب آ جاتی ہیں۔ لہٰذا عدت تین طرح کی ہوگئی۔ خاص، عام، اعم۔

اسکنوھن من حیث سکنتم ۔اس آیت میں چند مسائل ہیں۔

۱۔عدت طلاق میں سکنی واجب ہے اور وہ حسب حیثیت ہوگا۔ من حیث میں من تبعیضیہ ہے ای بعض مکان۔ جیسے **یغضوا من ابصارھم ای یغض ابصارھم** ۔قتادہؒ کہتے ہیں کہ ایک ہی مکان ہو تو اس کے کچھ حصہ میں معتدہ رہ سکتی ہے اور رازی کسائی کی رائے ہے کہ من صلہ کا ہے۔ یعنی ایک ہی جگہ دونوں کو رہنے کی اجازت ہے۔ الحوفی، اور ابوالبقاءؒ من ابتدائیہ مانتے ہیں۔ یعنی جس طرح تم رہتے ہو معتدہ کو اسی طرح رکھو۔ من وجدکم صاحب کشاف کے نزدیک **من حیث سکنتم** کا عطف بیان ہے اور ابوالبقاء بدل مانتے ہیں۔ اور **من وجدکم** میں من بیانیہ ہے جیسا کہ صاف کشاف کی رائے ہے۔ فخر الاسلام نے اقسام السنہ میں ذکر کیا ہے کہ اس آیت سے سکنی و نفقہ دونوں کا واجب ہونا معلوم ہوا۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔ **اذا ادی الرجل المھر اخرجھا شاء ولا یجوز لھا المنع لعموم قولہ اسکنوھن من حیث سکنتم** ۔ یہ آیت اگرچہ مطلقہ کے بارے میں ہے۔ منکوحہ کے متعلق نہیں ہے۔ تاہم لفظ عام ہے۔ اسی پر عمل کیا جائے گا۔

۲۔مطلقہ حاملہ کا نفقہ بھی واجب ہے۔ وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن ۔ بچہ کی رعایت کے پیش نظر نہ نفقہ رکھا گیا۔ اسی طرح حنفیہ کے نزدیک مطلقہ رجعیہ، بائنہ کے لئے بھی یہ نفقہ ضروری ہوگا عورت کے محبوس رہنے کی وجہ سے اور **وللمطلقات متاع بالمعروف** کی رو سے۔ اور ان سے سکنی بھی ضروری ہوگا۔ لیکن امام مالک، امام شافعی کے نزدیک اس آیت کی رو سے صرف حاملہ کے لئے نفقہ ضروری ہے۔ جیسا کہ بیضاوی اور مدارک اور ہدایہ باب النفقہ میں ہے۔ لیکن حسن کے نزدیک مطلقہ بائنہ کے لئے نہ نفقہ ہے اور نہ سکنی۔

فاطمہ بنت قیس کو طلاق ثلثہ ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ لا سکنیٰ لک ولا نفقہ۔ ہماری دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ فرمایا تھا۔ **لا ندع کتاب ربنا ولا سنۃ نبینا بقول امرأۃ لا ندری صدقت ام کذبت حفظت ام نسیت سمعت النبی ﷺ یقول لھا السکنی والنفقہ** ۔صاحب کشاف نے کہا ہے کہ چونکہ وہم ہو سکتا تھا کہ کہیں حاملہ کا زمانہ عدت طویل نہ ہو جائے اور اس کی وجہ سے زائد مدت ساقط ہو جائے۔ اس لئے اللہ نے حاملہ کی قید لگائی، تخصیص مقصود نہیں ہے۔ لیکن حاملہ کی عدت وفات کتنی ہے، اس میں اختلاف ہے ایک جماعت غیر حاملہ پر قیاس کرتے ہوئے کہتی ہے کہ حاملہ کے لئے عدت نہیں ہے۔ اور حضرت علیؓ اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک واجب ہے۔

۳۔مطلقہ اگر بچہ کو اپنا دودھ پلائے تو **فان ارضعن لکم فاٰتوھن اجورھن** کی وجہ سے اس کے لئے اجرت ہے۔ لینفق ذوسعۃ کی وجہ سے امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ کہ نفقہ میں مرد کے حال کی رعایت کی جائے گی۔ کرخیؒ کا قول بھی یہی ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک مرد وعورت دونوں کے حال کی رعایت کی جائے گی۔ خصاف نے اسی کو اختیار کیا ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔

چنانچہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ کو آپ نے یہ کہہ کر اجازت دی تھی۔ **خذی من مال زوجک ما یکفیک وولدک** جس سے یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے عورت کے حال کی رعایت فرمائی۔ اور آیت کے معنی ہمارے نزدیک یہ ہیں۔ فی الحال مرد کو وسعت کے مطابق مکلف کر دیا گیا ہے۔ لیکن بقیہ اس کے ذمہ قرض رہے گا۔ صاحب ہدایہ نے باب النفقہ میں ایسے ہی ذکر کیا ہے۔ لیکن صاحب کشاف و مدارک نے مطلقہ اور مرضعہ دونوں کے حق میں عام مانا ہے۔

بہرحال ماں پر بچہ کو دودھ پلانا واجب نہیں ہے۔ باپ کی ذمہ دودھ پلانے والی مقرر کرنا واجب ہے۔ الا یہ کہ باپ محتاج ہو۔ یا بچہ کسی دوسری عورت کا دودھ نہ پئے۔ تو پھر منکوحہ ہونے اور مطلقہ رجعیہ ہونے کی صورت میں اور ایک روایت کے مطابق مطلقہ بائنہ کی صورت میں بھی بلا اجرت ماں دودھ پلائے۔ البتہ عدت کے بعد اپنے بچہ کو دودھ پلائے۔ اسی طرح دوسری بیوی کا بچہ ہو تو دونوں صورتوں میں اجرت لے سکتی ہے۔ نیز اجرت کے سلسلہ میں دوسری عورت کے مقابلہ ماں کو ترجیح دی جائے گی۔ الا یہ کہ زیادہ اجرت کا مطالبہ کرے اور عدت کے بعد ماں کا مستحق

اجرت ہونا فان ارضعنکم کی فاء سے سمجھ میں ہورہا ہے۔ کیونکہ وضع حمل کے بعد فاء آئی ہے اور وضع حمل سے عدت ختم ہو جاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ عدت کے بعد ماں کو اجرت دی جا سکتی ہے۔ کیونکہ وہ مثل اجنبیہ کے ہو گئی ہے۔ اس سے مطلقاً دودھ پلانے والی کی اجرت کا جواز نکل آیا۔ البتہ آیت میں لفظ اجور ہے۔ اب آیا کھانا کپڑا بھی اجرت شمار ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظمؒ تو استحساناً اجازت دیتے ہیں۔ لیکن صاحبین قیاس ظاہری کی رو سے ناجائز کہتے ہیں۔ یہ تفصیل اس وقت ہے جب کہ آیت سورہ بقرۃ وعلی المولود له رزقهن و کسوتهن بالمعروف کو دودھ پلایہ کی اجرت پر محمول نہ کیا جائے لیکن اگر یہ آیت اجرت پر محمول کی جائے۔ جیسا کہ فخر الاسلام بزدویؒ وغیرہ کی رائے ہے۔ جس کا ذکر اشارہ النص کی بحث میں ہے تو پھر امام اعظمؒ کی کھلی دلیل ہو جائے گی۔

دودھ پلائی کی اجرت سے متعلق چند جزئیات یہ ہیں۔

۱۔ فقہی کتابوں میں صراحت ہے کہ انا کو بچہ کو نہلانے، کپڑے دھونے اور کھانے کا بند و بست کرنا ضروری ہے اور یہ کلی خرچہ بچہ کے باپ پر ہوگا۔

۲۔ ہاں مدت رضاعت کے بعد بکری وغیرہ کا دودھ پلانے یا غذا کا انتظام کرے تو اس کی ذمہ داری مرد پر نہیں ہوگی۔

۳۔ اور انا کا شوہر اپنے مکان میں اس سے صحبت کر سکتا ہے۔ بچہ کے باپ کے مکان پر رہتے ہوئے نہیں کر سکتا۔

۴۔ لیکن بچہ کا باپ اگر دودھیاری کے شوہر کو اس کے اپنے مکان پر بھی صحبت کی اجازت نہ دے تو دودھیاری کا شوہر اجارہ کو منسوخ کر سکتا ہے۔

۵۔ اسی طرح اگر انا بیمار پڑ جائے یا حاملہ ہو جائے تو بچہ والے بھی اجارہ منسوخ کر سکتے ہیں۔

من قرية مجاز مرسل کے طریقہ پر محل بول کر حال مراد لیا گیا ہے۔ اور اعد اللہ کی ضمیر جمع اہل قریہ کی طرف راجع ہوگی۔ ذکراً رسولاً مفسر نے رسولاً کی نو ترکیبوں میں سے ایک ترکیب بیان کی ہے چنانچہ ان کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ زجاجؒ اور فارسیؒ اس کو ذکراً مصدر کی وجہ سے منصوب مانتے ہیں۔ جیسے دوسری آیت میں ہے او اطعام فی یوم ذی مسغبة یتیما۔

۲۔ رسولاً کو بطور مبالغہ ذکر قرار دے کر ذکر سے بدل مانا جائے۔

۳۔ رسولاً بدل ہو ذکراً سے حذف مضاف کے ساتھ ای انزل و اذکر رسولا۔

۴۔ رسولاً اس محذوف کی صفت ہو۔

۵۔ رسولاً، ذکر سے بدل ہو، حذف مضاف ہو، رسولاً میں ای ذکر ذا رسول اس صورت میں ذا رسول، ذکراً کی صفت ہوگی۔

۶۔ رسولاً بمعنی رسالة ہو، اس صورت میں بغیر تاویل کے رسولاً میں بدل صریح ہو جائے گا۔ یا بقول فارسی کے بیان بھی ہو سکتا ہے باوجود نکرہ ہونے کے۔ لیکن یتلوا علیکم پر نظر کی جائے تو یہ ترکیب بعید معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ رسالت کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ الا یہ کہ مجازاً اختیار کیا جائے۔

۷۔ جیسا کہ مفسرؒ نے کہا ہے کہ رسولاً فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔

۸۔ رسولاً کو منصوب علی الاغراء کہا جائے ای اتبعوا والزموا رسولا اسی طرح رسولاً کے مصداق میں رائیں مختلف ہیں۔ آنحضرت ﷺ مراد ہیں یا قرآن کریم یا جبرئیل امین ہیں۔ زمخشریؒ کے نزدیک رسول ذکر سے بدل ہے۔ مراد جبرئیل ہیں کیونکہ وہی آیات اللہ تلاوت کرتے ہیں جو انزال ذکر ہے۔

ومن الارض مثلهن۔ عام قراء مثلهن کو منصوب کہتے ہیں۔ سبع معمولات پر عطف کرتے ہوئے یا فعل محذوف کا مفعول ہے۔ ای خلق مثلهن من الارض اور قراءت شاذ رفع کی بھی ہے۔ مبتداء موخر مانتے ہوئے من الارض خبر مقدم ہے۔ آسمانوں کے سات ہونے پر تو علماء اسلام کا اتفاق ہے اور یہ کہ سب اوپر نیچے ہیں لیکن زمین کے متعلق جمہور کی رائے تو یہ ہے کہ وہ بھی آسمانوں کی طرح اوپر نیچے سات ہیں اور فاصلہ سے ہیں۔ اور سب مخلوقات آباد ہیں۔ البتہ دین واسلام کی دعوت اوپر کے طبقہ پر رہنے والوں سے متعلق ہے۔ آثار و نقلیات سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا یا آپ ﷺ کے علاوہ کسی نبی کا نیچے طبقوں کے لئے آنا ثابت نہیں ہے۔ اس طرح اور طبقات میں آفتاب و ماہتاب علیحدہ ہیں یا ان کا نور وہاں پہنچتا ہے، علماء دونوں طرف گئے ہیں۔ ضحاک کی رائے ہے کہ یہ سب زمینیں پیاز کے چھلکوں کی طرح ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ اور بعض کی رائے ہے کہ ساتوں زمینیں طبقات کی صورت میں ہیں۔ بلکہ یہی زمین سات ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ان قطعات کے درمیان سمندر اور دریا حائل ہیں اور ان سب پر آسمان تنا ہوا ہے لیکن قرطبیؒ روایات کی بناء پر جمہور کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔

یتنزل الامر بینھن۔ علامہ بیہقیؒ نے ابوالضحیٰ کے طریق سے ابن عباسؓ کا اثر نقل کیا ہے اس کی سند بیہقی نے صحیح کہا۔ مگر شاذ بھی کہا ہے کیونکہ ابوالضحیٰ کا متابع نہیں ملا۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اگر اس کی مثل ابن عباس سے ثابت ہو تو کہا جائے گا کہ ممکن ہے انہوں نے اسرائیلیات سے اس کو لیا ہوگا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس میں اس پر بے نظر کلام فرمایا ہے۔ انہوں نے امام احمد، ترمذی کی مرفوع روایات کو ابو ہریرہؓ کی وجہ سے زمین کو سات طبقات پر مانا ہے۔ اور یہ کہ جس طرح آسمانوں میں اوپر نیچے کو احکام اترتے ہیں۔ اسی طرح زمین کے طبقات میں بھی اوپر کا طبقہ اصل ہے۔

اور نچلے طبقات میں تابع ہیں۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے۔ **سید السموات السماء اللتی فیه العرش و سید الارضین التی انتم علیھا**۔ جہاں اس سے آسمان اول اور زمین اول کی فضیلت دوسرے آسمانوں اور زمینوں سے ثابت ہو رہی ہے۔ ایسے ہی وہاں کے رہنے والے بھی دوسرے رہنے والوں سے افضل ہوں گے۔ اور اس زمین اول میں آنحضرت ﷺ مرکز نبوت ہیں اور شریعت اسلامیہ اصول شرائع ہے پس آپ اور آپ کی شریعت بھی سب زمینوں پر حاکم رہے گی۔ اور ابن عباسؓ کا اثر تو اگر چہ تواتر کو نہیں پہنچا اور نہ اس کے مضمون کو اجماعی کہا جاتا ہے۔ تاہم ایسے آثار کا انکار بھی مناسب نہیں۔ جب کہ اس آیت کے الفاظ بھی مشیر ہیں۔ أمہ حدیث نے اس اثر کی تصحیح کی ہے، اور بیہقی نے شاذ کہنے کے باوجود صحیح مانا ہے۔ اس لئے یہ شذوذ باعث طعن نہیں رہتا۔ کیونکہ شاذ کے دو معنی ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایک ثقہ راوی دوسرے تمام ثقات کے برخلاف کوئی بات کہے۔ دوسرے یہ کہ کسی روایت کا راوی صرف ایک ثقہ شخص ہو۔ چنانچہ یہاں دوسری صورت ہے اور وہ صحیح ہی میں شمار ہوتی ہے پھر اس اثر سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی جلالت اور زیادہ ہو جاتی ہے اس لئے لائق قبول ہے۔

ربط آیات: .... سورۃ تغابن کے اخیر میں بعض بیویوں اور اولاد کا دینی اعتبار سے دشمن ہونا بتلایا گیا تھا۔ ممکن تھا کہ ان کے حقوق واجبہ ادا کرنے میں اس دشمنی کا خیال کرنے سے کوتاہی ہوتی۔ خاص کر جب مفارقت بھی ہو جائے۔ اس لئے سورہ طلاق میں مطلقہ عورتوں اور شیر خوار اولاد کے احکام سے اس کی تلافی کر دی ہے یعنی جب جدائی کے باوجود عورتوں کے حقوق نگہداشت کا حکم ہے تو موافقت کی صورت میں یہ حکم بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ ان احکام ذیل میں چار جگہ چونکہ تقویٰ کا حکم اور ترغیب ہے۔ اس لئے دوسرے رکوع کو پورا مضمون اس کی تاکید میں ہے۔ اور یہ بھی بتلاتا ہے کہ دنیاوی معاملات کی رعایت بھی شریعت میں ضروری ہے۔

شانِ نزول وروایات: .... امام مالکؒ، شافعیؒ، شیخین، ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ وغیرہ سب نے روایت کی ہے کہ ابن عمرؓ نے بحالت حیض بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ تو حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا۔ تو آپ ﷺ نے نہایت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ **لیرا جعھا ثم یمسکھا حق لظھر ثم تحیض فتطھر فان بداله ان یطلقھا طاھرا قبل ان یمسھا فتلک العدۃ التی امر الله ان تطلق لھا النساء**۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت یاایھا النبی اذا طلقتم النساء پڑھ کر سنائی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حفصہؓ کو طلاق دی یا دینی چاہی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی الا ان یا تین بفاحشة۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ الفاحشة ان تبدو ا والمرأ ة اھل

الرجل فاذا بدت علیهم بلسانها فقد حل لهم اخراجها۔ اورابن عمرؓ فرماتے ہیں۔ اورابن عمرؓ فرماتے ہیں۔ خروجها من بیتها قبل انقضاء العدة هو الفاحشة بعد ذلک امرا ۔ فاطمہ بنت قیس کی طویل روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں انما النفقة والسکنی للمراة علی زوجها ما کانت له علیها رجعة اذالم یکن فلا نفقه ولا سکنی ۔ لیکن جو حضرات مطلقہ بائنہ اوروفات کے لئے بھی نان نفقہ مانتے ہیں۔ وہ امرا سے مراد یہ لیتے ہیں کہ شاید منجانب اللہ کوئی خاص حکم یا ناسخ آ جائے۔ ومن یتق اللہ عوف بن مالک اشجعیؓ کے صاحبزادہ سالمؓ کو کفار نے گرفتار کرلیا۔ اور حضرت عوف حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ اورلڑکے کی گرفتاری اوراپنے فاقہ کا حال بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اتق الله واکثر لا حول ولا قوة الا بالله العظیم ، چنانچہ عوفؓ نے تعمیل ارشاد کی، یہ بھی اپنے مکان میں تھے کہ ان کے صاحبزادہ سالمؓ نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا، انہوں نے دیکھا تو اس کے ساتھ سواونٹ بھی تھے۔ ہوا یہ کہ دشمن کی نظر بچا کر سواونٹ سمیت بھاگ آئے۔

ان ارتبتم ۔ محدثین کی ایک جماعت نے ابی بن کعب سے تخریج کی ہے کہ عورتوں کی عدت سے متعلقہ سورت بقرہ کی آیات جب نازل ہوئیں تو اہل مدینہ نے کہا کہ بعض عورتیں ابھی رہ گئی ہیں۔ جن کے احکام معلوم نہیں ہوئے۔ مثلاً چھوٹی بڑی عورتیں جن کو حیض نہیں آتا اور حاملہ عورتیں ان کے متعلق قرآن نازل نہیں ہوا۔ تب یہ آیات نازل ہوئی ں۔ اس لئے ان ارتبتم سے شروع کیا۔ ورنہ اس کا مفہوم مراد نہیں ہے۔

حتیٰ یضعن حملهن ۔ اسی نفقہ کے خاص حاملہ کے لئے مخصوص ہونے پر ائمہ ثلاثہ فاطمہ بنت قیس کی روایت پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے لیس علیہ نفقۃ فرمادیا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ نفقہ صرف حاملہ کے لئے ہے۔ لیکن حنفیہ اس روایت کو مخدوش مانتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ نے خدشہ ظاہر کیا ہے اور آیت میں قید حمل احترازی نہیں ہے۔

ومن الارض مثلهن ۔ عن ابی هریرة قال بینما نبی الله ﷺ جالس و اصحابه اذا تی علیهم سحاب فقال النبی ﷺ هل ما قدرون ما هذا ؟ قالوا الله ورسوله اعلم قال هذه العنان هذه روایات الارض یسوقها الله الی قوم لا یشکرونه ولا یدعونه ثم قال هل تدرون ما فوتکم قالوا الله رسوله اعلم قال فانما الرقیع سقق محفوظ و موج مکفوف ثم قال هل تدرون ما بینکم وبینها قالوا الله ورسوله اعلم قال بینکم و بینها خمس مائة ثم قال کذلک قال هل تدرون ما فوق ذلک قالوا الله ورسوله اعلم قال سماء ان بعد ما بینهما خمس مائة سنة ثم قال کذلک حتی عد سبع سموات ما بین کل سمائین ما بین السماء والارض ثم قال هل تدرون ما فوق ذلک قالوا الله ورسوله اعلم قال ان فوق ذلک العرش و بینه وبین السماء بعد ما بین السمائین ثم قال هل تدرون ماالذی تحتکم قالوا الله ورسوله اعلم قال انها الارض ثم قال هل تدرون ما تحت ذلک قالوا الله ورسوله اعلم قال ان تحتها ارضا اخری بینهما مسیرة خمس مائة حتی عد سبع ارضین بین کل ارضین مسیرة خمس مائة ثم قال والذی نفس محمد بیده لو انکم دلیتم بحبل الی الارض السفلیٰ لهبط علی الله ثم قراء هو الاول والاخر و الظاهر والباطن وهو بکل شئی علیم (احمد ، ترمذی) عن ابن عباس ان الله خلق سبع ارضین فی کل ارض ادم کادمکم و نوح کنوحکم و ابراهیم کابراهیمکم وعیسی کعیسکم ونبی کنبیکم . (در منشور)

﴿ تشریح ﴾: .... یاایها النبی نبی کو مخاطب بنا کر ساری امت سے خطاب ہے

احکام طلاق وعدت ۔ (۱) اگر کسی ضرورت یا مجبوری سے ان بیویوں کو طلاق دینے لگو جو مدخولہ (حقیقی یا حکمی ہوں) تو انہیں زمانہ عدت یعنی

حیض سے پہلے ایسے طہر میں طلاق دو جس میں صحبت نہ ہوئی ہو (عندالاحناف) یا یہ معنی ہیں۔ ابتداءِ عدت یعنی طہر میں طلاق دو (عندالشوافع)۔

۲۔ اور عدت کو یاد رکھو۔

۳۔ اللہ سے ڈرتے رہو یعنی طلاق اور عدت خلاف شرع صورتیں اختیار نہ کرو۔

۴۔ زمانہ نکاح کی طرح زمانہ جاہلیت، میں بھی عورتوں میں رہنے دو۔ باہر مت نکالو۔

۵۔ عورتیں خود بھی نہ نکلیں بلکہ حق شرعی سمجھ کر عدت گھر میں بسر کریں۔

۶۔ ہاں اگر بدکاری، چوری، وغیرہ کریں تو سزا کے لئے نکالی جاسکتی ہیں۔ یا بقول بعض اگر زبان درازی کریں اور ہر وقت رنجش وتکرار رکھیں تو نکال دینے کی اجازت ہے۔

۷۔ جو اس کی خلاف ورزی کرے گا۔ ظالم گنہگار ہوگا۔

۸۔ طلاق کے بعد شاید اللہ بہتر صورت نکال دے۔ اس میں طلاق رجعی کے بہتر پہلو کی طرف توجہ دلا کر رجعت کی ترغیب ہے۔

۹۔ عدت ختم ہونے سے پہلے رجعت کرنا چاہو تو جائز ہے۔

۱۰۔ چھوڑنا مصلحت ہو تو خوبصورتی سے شرعی دستور پر عورت کو رخصت کردو۔ مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کے طریقہ پر عورت کو آدھ میں لٹکی ہوئی مت چھوڑ دو۔

۱۱۔ دونوں صورتوں میں دو معتبر آدمیوں کی گواہی کرالو۔

۱۲۔ گواہوں کو چاہیے کہ بلا رد و رعایت ٹھیک ٹھیک گواہی دیں۔

۱۳۔ اللہ اپنے سے ڈرنے والوں کو اخروی اور دنیوی نقصان سے بھی بچالیتا ہے اور انہیں رزق ایسی جگہ سے فراہم کردیتا ہے جہاں ان کا وہم وگمان بھی نہ ہو۔ اخروی ضرر سے بچانا یہ ہے کہ اسے عذاب سے نجات ہوجائے اور رزق اخروی جنت اور نعمائے جنت ہیں اور دنیوی ضرر دو طرح کا ہے۔ ایک ضرر حسی جو اکثری ہوا کرتا ہے اس کا دفعیہ یہ ہے کہ بلاٹل جائے۔ اور رزق حسی کی فراغت ہوجائے۔ دوسرے باطنی طور پر ضرر دفع ہو جائے کہ اس بلا پر صبر ہوجائے کہ یہ بھی نجات ہے اس کے اثر سے۔ اور قلیل رزق پر قناعت ہوجائے کہ یہ بھی اثر سکون وطمانیت کے لحاظ سے رزق حسی ہی کے حکم میں ہے اور اس کالا یحتسب اس لئے کہا کہ حصول طمانیت وسکون کا ظاہری ذریعہ تو فراوانی رزق ہوا کرتا ہے۔ مگر قناعت سے سکون حاصل ہوجانا خارج از گمان ہے۔

۱۴۔ اور تقویٰ کا ایک شعبہ توکل ہے۔ جو اللہ پر توکل کرے گا (اس کا اثر یہ ہے کہ اللہ اس کے لئے سب مہمات میں کافی ہوجائے گا۔ یعنی اصلاح مہمات کے لئے کافی ہونے کا اثر خاص ظاہر فرماتا ہے۔ ورنہ اللہ کا کافی ہونا تو سارے عالم کے لئے عام ہے نیز یہ اصلاح مہمات بھی عام ہے خواہ حسی طور پر ہو یا باطنی ہو۔ کیونکہ اللہ اپنا کام پورا کرکے رہتا ہے۔ اور اس نے ہر چیز کا ایک اندازمقرر کر رکھا ہے چنانچہ اصلاح مہمات کا وقت اور انداز بھی اسی کے ارادہ اور حکمت پر ہے۔

۱۵۔ مطلقہ بیویوں میں جو حیض سے مایوس ہوچکی ہوں۔ اگر تمہیں ان کی مدت کی تعیین میں شبہ ہو جیسا کہ تمہارے پوچھنے پر معلوم ہو رہا ہے تو ان کی مدت تین مہینے ہے۔

۱۶۔ اسی طرح جن بیویوں کو کمسنی کی وجہ سے ابھی حیض نہیں آیا تو ان کی عدت بھی تین مہینے ہے۔

۱۷۔ حاملہ بیویوں کی عدت بچہ پیدا ہوجاتا ہے۔ بچہ مکمل ہو یا ناقص، حتیٰ کہ ایک انگلی ہی سہی۔

۱۸۔ مطلقہ عورتوں کو اپنی مقدور کے مطابق رہائش کی جگہ بھی جہاں تم رہتے ہو۔ البتہ بائنہ ہونے کی صورت میں شوہر بیوی کے درمیان حائل کا ہونا ضروری ہے۔

۱۹۔ ان کو تنگ کر کے تکلیف نہ پہنچاؤ۔

۲۰۔ مطلقہ بیویاں اگر حاملہ ہوں تو بچہ پیدا ہونے تک ان کو نان نفقہ کا خرچہ دو۔ اور بچہ جننے کی قید حاملہ کے لئے لگانا اس لئے ہے کہ غیر حاملہ بیویوں کا خرچ تین حیض یا تین مہینے کا ہوگا۔ اور اس تخصیص ذکری کا نکتہ یہ ہے کہ ممکن ہے، ابتداء حمل میں طلاق ہوئی تو بچہ پیدا ہونے کی مدت تین حیض یا تین مہینے کی نسبت غالباً زیادہ ہوگی۔ اور اتنے دنوں کا خرچہ نفس پر شاق ہوا کرتا ہے۔ اس لئے اس کو صراحۃً فرمادیا اور مطلقاً مطلقات کے لئے نفقہ و سکنیٰ حنفیہ کا مسلک ہے۔ اور دوسرے ائمہ کے نزدیک مطلقہ بائنہ غیر حاملہ کے لئے نہ نفقہ ہے اور نہ سکنیٰ۔ ان کے نزدیک اسکنوھن کی ضمیر مطلقہ رجعیہ کی طرف راجع ہے۔ اگرچہ ان کن اولات حمل کی ضمیر ان کے نزدیک بھی مطلقاً مطلقات کی طرف راجع ہیں کیونکہ حنفیہ کے نزدیک اسکنوھن کے علاوہ سب ضمیر مطلقاً مطلقات کی طرف راجع ہیں کیونکہ خود امساک کا حکم رجعیہ کے مرجع ہونے کا قرینہ ہے۔

۲۱۔ مطلقہ بیویاں خواہ پہلے سے بچہ والی ہوں یا بچہ ہونے سے ان کی عدت ختم ہوئی ہو۔ وہ اگر بچہ کو دودھ پلائیں تو ان کو اجرت دینی چاہیے۔

۲۲۔ دودھ پلائی کی اجرت باہمی مشورہ سے طے کر لی جائے۔ کیونکہ بچہ دونوں کا ہے۔ دونوں ہی کے پیش نظر اس کی مصلحت ہونی چاہیے۔

۲۳۔ لیکن اگر اجرت کے معاملہ میں باہمی کشمکش ہو تو پھر دوسری کوئی عورت دودھ پلائے گی یعنی دوسری انا تلاش کر لو۔

ں خبر سے مقصود حکم ہے اور اس میں مرد کو کم اجرت دینے پر عتاب ہے کہ یہاں دوسری عورت دودھ پلائے گی۔ آخر وہ بھی تو اجرت مانگے گی۔ مفت دودھ نہیں پلائے گی۔ پھر کیوں نہ ماں کو پوری اجرت دے دو۔ اسی طرح عورت کو زیادہ اجرت طلب کرنے پر عتاب ہے تو اگر نخرے کرتی رہے گی تو دوسری عورت موقعہ سے فائدہ اٹھالے گی۔ اس لئے تو ہی کیوں گراں بنتی ہے۔

۲۴۔ دودھ پلائی کی اجرت اور خرچہ مرد اپنی حیثیت کے مطابق ادا کرے گا۔ امیر ہو تو امیرانہ، اور غریب ہو تو غریبانہ۔

مذکورہ احکام کی علت:............ آیت لا تدری جس میں طرح طلاق رجعی کی ترغیب کا پہلو ہے۔ اسی طرح آیت کی بقید احکام کی علت بھی ہے۔ خواہ صراحۃً، خواہ اشارۃً۔ مثلاً عدت کی نگہداشت کی علت تو اس طرح ہے کہ عدت یاد نہ رہی تو رجعت کیسے کرے گا۔ اور اس سے فائدہ کیسے اٹھائے گا۔ علیٰ ہذا دفعۃً تین طلاق نہ دینے کی علت اس طرح ہے کہ اگر طلاق متفرق طور پر دے گا تو رجعت کی گنجائش رہے گی۔ اور دفعۃً تینوں طلاق دے ڈالنے سے یہ مصلحت ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح حالت حیض میں طلاق نہ دینے کی علت اس طرح ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق کا سبب ممکن ہے۔ نفرت طبعی ہے۔ اور جب حالت طہر میں وہ نفرت چلی جائے گی اور نکاح میں رکھنے کا ارادہ ہوگا تو خواہ مخواہ اپنی حماقت پر حسرت وندامت ہوگی۔ اور گو بحالت حیض طلاق دینا رجعت کے لئے مانع نہیں ہے۔ لیکن اس طرح حسرت سے تو بچاؤ رہے گا۔ علیٰ ہذا زمانہ عدت میں گھر سے باہر نہ نکالنے کی علت اس طرح ہوگی۔ کہ بعض دفعہ گھر سے نکال دینے کی صورت میں رجعت کرنے یا دوبارہ نکاح کرنے میں سبعاً رکاوٹ ہو جاتی ہے اور اس میں دونوں یا ایک کا نقصان ہے۔ اسی طرح خود عورت کے گھر سے نہ نکلنے کی علت اس طرح ہے کہ بعض دفعہ مرد کی نفرت عورت کے نکل جانے سے بڑھ جاتی ہے۔ لیکن ایک جگہ رہنے میں ممکن ہے کہ مرد کو رجعت یا دوبارہ نکاح کرنے کا خیال پیدا ہو جائے۔ غرضیکہ لعل اللہ الخ کی حکمت سب عورتوں میں شامل ہے۔

کاین من قریۃ۔ شرعی احکام کی بالخصوص عورتوں سے متعلق ہدایات کی پابندی کرو۔ اگر نافرمانی کرو گے۔ تو یاد رہے کہ کتنی ہی بستیاں اللہ کی نافرمانی کا خمیازہ بھگت چکی ہیں۔ ہم نے ان کو سرکشی پر سختی سے جائزہ لیا اور ان کو ایسی آفت میں پھنسایا جو آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

ذکرا رسولا۔ ذکراً اگر بمعنی ذاکر ہو تو خود رسول مراد ہوں گے۔

زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہیں:............ ومن الارض مثلھن یہ سات زمینیں ممکن ہے نظر آتی ہوں اور یہ بھی احتمال ہے

کہ نظر نہ آتی ہوں۔ مگر لوگ ان کو کواکب سمجھتے ہوں۔ جیسا کہ آج کل مریخ وغیرہ کی نسبت سائنسدانوں کا گمان ہے کہ اس میں پہاڑ، دریا، آبادیاں ہیں۔ باقی احادیث میں جوان زمینوں کا اس زمین کے نیچے ہونا آیا ہے ممکن ہے کہ وہ بعض حالات کے لحاظ سے ہو اور بعض حالات میں وہ زمینیں اوپر دکھائی دیتی ہیں۔

یتنزل الامر ۔عالم کے انتظام وتدبیر کے لئے اللہ کے احکام، تکوینیہ وتشریعیہ آسمانوں اور زمینوں میں اترتے رہتے ہیں۔

ابن عباسؓ کی موقوف روایت **سبع ارضین فی کل ارض نبی کنبیکم وادم کادمکم** الخ مشکلات میں شمار کی جاتی ہے۔ اس کی سہل ترین توجیہ صاحب روح المعانی نے ان الفاظ میں فرمائی ہے۔ **والمراد ان فی کل ارض خلفا یر جعون الیٰ اصل واحد رجوع بنی اٰدم فی ارضنا الیٰ اٰدم علیه السلام وفیهم افراد ممتازون علیٰ سائرهم کنوح وابراهیم وغیر هما فینا**۔ اور غالباً اس کے مشکل ہونے کی وجہ سے حضرت ابن عباسؓ کو یہ فرمانا پڑا۔ **لو حدثتكم بتفسيرها لكفرتم و كفرتم بتكذيبكم بها** (درمنثور)

اس سے زیادہ سمجھنے کی عام لوگوں میں چونکہ استعداد نہیں ہوتی۔ اس لئے نہ عوام کو اس میں پڑنا چاہیے اور نہ خواص کے بارے میں بدگمانی کرنی چاہیے۔ اور چونکہ بقول صاحب روح المعانی بعض نے اس حدیث کو موضوع شمار کیا ہے۔ اس لئے اہل علم کے لئے بھی زیبا نہیں کہ وہ اس حدیث کے منوانے میں عوام پر زور دیں جب کہ اس کی صحت ہی پہلے سے مختلف رہی ہے۔ اور اس سورت کی آیات تقویٰ میں ایک بلیغ ربط یہ ہے کہ اول اتقوا اللہ میں حکم ہے۔ پھر ومن یتق اللہ دنیوی اخروی برکات کے لئے جامع ہے اور **ومن یتق الله یجعل له** میں دنیوی برکات کا اور **ومن یتق الله یکفر** الخ میں دینوی برکات کا ذکر ہے۔ گویا پہلے اجمال ہوا پھر تفصیل وان اللہ قد احاط یعنی اللہ کی صفات علم وقدرت کے اظہار کے لئے یہ سارا تکوینی تشریعی نظام پھیلایا ہے۔ بقیہ صفات الٰہی انہی دو مرکزی صفتوں کے گرد گھومتی ہیں۔ صوفیاء جو **کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف** بیان کرتے ہیں وہ اگرچہ محدثین کے نزدیک صحیح حدیث نہیں ہے۔ تاہم اس آیت کے مضمون سے ماخوذ ہوسکتی ہے۔ **واللہ اعلم وعلمه احکم** ۔

لطائف سلوک:............ لاتدری۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کام کی مختلف شقوں میں اگر مختلف مصلحتیں ہوں تو کسی قطعی فیصلہ میں جلدی نہ کرے۔ اس میں مرید سے قطع تعلق بھی داخل ہے۔ اسی طرح اسباب معاش کا اہل وطن سے تعلق کا چھوڑنا بھی اس میں داخل ہے۔

ومن یتق اللہ۔ تقویٰ کی ان برکات کا اہل طریق ہر وقت مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

واتمروا بینکم بمعروف۔ عورت سے ناقص العقل ہونے کے باوجود مشورہ کرنے میں ان کی دلجوئی ہے اور بعض دفعہ ناقص سے بھی کامل رائے مل جاتی ہے۔ پس یہ دونوں پہلو اہل طریق کی عادت اور مطلوب میں داخل ہیں۔

وان تعاسرتم۔ سے معلوم ہوا کہ نہ خود ایسی تنگی میں پڑے اور نہ دوسرے کو ڈالے جس سے اپنی یا دوسرے کی آزادی میں خلل پڑے۔ اہل طریق کا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔

قد انزل اللہ الیکم ذکرا۔ الخ رسولاً اگر ذکرا کی صفت ہو تو بطور سابقہ دونوں میں اتحاد ہوا۔ جس سے معلوم ہوا کہ شیخ کی صحبت اور گفتگو ذکر کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ بالواسطہ وہ بھی ذکر ہے۔

سُــوْرَةُ التَّحْرِيْمِ

سورة التحريم مدنية اثنتا عشرة اية

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ مِنْ اَمَتِكَ مَارِيَةَ الْقِبْطِيَّةَ لَمَّا وَاقَعَهَا فِيْ بَيْتِ حَفْصَةَ وَكَانَتْ غَائِبَةً فَجَاءَتْ وَشَقَّ عَلَيْهَا كَوْنُ ذٰلِكَ فِيْ بَيْتِهَا وَعَلٰى فِرَاشِهَا حَيْثُ قُلْتَ هِيَ حَرَامٌ عَلَيَّ **تَبْتَغِيْ** بِتَحْرِيْمِهَا **مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ** اَيْ رِضَاهُنَّ **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ﴿۱﴾ غَفَرَ لَكَ هٰذَا التَّحْرِيْمَ **قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ** شَرَعَ **لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ** تَحْلِيْلَهَا بِالْكَفَّارَةِ الْمَذْكُوْرَةِ فِيْ سُوْرَةِ الْمَائِدَةِ وَمِنَ الْاَيْمَانِ تَحْرِيْمُ الْاَمَةِ وَهَلْ كَفَّرَ ﷺ قَالَ مُقَاتِلٌ اَعْتَقَ رَقَبَةً فِيْ تَحْرِيْمِ مَارِيَةَ وَقَالَ الْحَسَنُ لَمْ يُكَفِّرْ لِاَنَّهٗ مَغْفُوْرٌ لَهٗ **وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ** نَاصِرُكُمْ **وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ** ﴿۲﴾ وَ اذْكُرْ **اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ** هِيَ حَفْصَةُ **حَدِيْثًا** هُوَ تَحْرِيْمُ مَارِيَةَ وَقَالَ لَهَا لَا تُفْشِيْهِ **فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ** عَائِشَةَ ظَنًّا مِنْهَا اَنْ لَا حَرَجَ فِيْ ذٰلِكَ **وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ** اَطْلَعَهٗ **عَلَيْهِ** عَلَى الْمُنْبَأِ بِهٖ **عَرَّفَ بَعْضَهٗ** لِحَفْصَةَ **وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ** تَكَرُّمًا مِنْهُ **فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ** ﴿۳﴾ اَيِ اللّٰهُ **اِنْ تَتُوْبَاۤ** اَيْ حَفْصَةُ وَعَائِشَةُ **اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا** مَالَتْ اِلٰى تَحْرِيْمِ مَارِيَةَ اَيْ سِرُّكُمَا ذٰلِكَ مَعَ كَرَاهَةِ النَّبِيِّ ﷺ لَهٗ وَذٰلِكَ ذَنْبٌ وَ جَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوْفٌ اَيْ تَقَبَّلَا وَاَطْلَقَ **قُلُوْبَ** عَلٰى قَلْبَيْنِ وَلَمْ يُعَبِّرْ بِهٖ لِاِسْتِثْقَالِ الْجَمْعِ بَيْنَ تَثْنِيَتَيْنِ فِيْمَا هُوَ كَالْكَلِمَةِ الْوَاحِدَةِ **وَاِنْ تَظٰهَرَا** بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْاَصْلِ فِي الظَّاءِ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِدُوْنِهَا تَتَعَاوَنَا **عَلَيْهِ** اَيِ النَّبِيِّ فِيْمَا يَكْرَهُهٗ **فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ** فَصْلٌ **مَوْلٰىهُ** نَاصِرُهٗ **وَ جِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ** اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ مَعْطُوْفٌ عَلٰى مَحَلِّ اِسْمِ اِنَّ فَيَكُوْنُوْنَ نَاصِرِيْهِ **وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ** بَعْدَ نَصْرِ اللّٰهِ وَالْمَذْكُوْرِيْنَ **ظَهِيْرٌ** ﴿۴﴾ ظُهَرَاءُ اَعْوَانٌ لَهٗ فِيْ نَصْرِهٖ عَلَيْكُمَا **عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ** اَيْ طَلَّقَ النَّبِيُّ اَزْوَاجَهٗ **اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ** خَبَرُ عَسٰى وَالْجُمْلَةُ جَوَابُ الشَّرْطِ وَلَمْ يَقَعِ التَّبْدِيْلُ لِعَدَمِ وُقُوْعِ الشَّرْطِ **مُسْلِمٰتٍ** مُقِرَّاتٍ بِالْاِسْلَامِ **مُّؤْمِنٰتٍ** مُخْلِصَاتٍ **قٰنِتٰتٍ** مُطِيْعَاتٍ **تٰۤئِبٰتٍ**

عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ صَائِمَاتٍ اَوْ مُهَا جِرَاتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ﴿۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ بِالْحَمْلِ عَلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ الْكُفَّارُ وَالْحِجَارَةُ كَاَصْنَامِهِمْ مِنْهَا يَعْنِىْ اَنَّهَا مُفْرِطَةُ الْحَرَارَةِ تَتَّقِدُ بِمَا ذُكِرَ لَا كَنَارِ الدُّنْيَا تَتَّقِدُ بِالْحَطَبِ وَنَحْوِهٖ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ خَزَنَتُهَا عِدَّتُهُمْ تِسْعَةَ عَشَرَ كَمَا سَيَاْتِىْ فِى الْمُدَّثِّرِ غِلَاظٌ مِنْ غِلَظِ الْقَلْبِ شِدَادٌ فِى الْبَطْشِ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ بَدَلٌ مِنَ الْجَلَالَةِ اَىْ لَا يَعْصُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۶﴾ تَاْكِيْدٌ وَالْاٰيَةُ تَخْوِيْفٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ عَنِ الْاِرْتِدَادِ وَلِلْمُنَافِقِيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ دُوْنَ قُلُوْبِهِمْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ يُقَالُ لَهُمْ ذٰلِكَ عِنْدَ دُخُوْلِهِمُ النَّارَ اَىْ لِاَنَّهٗ لَا يَنْفَعُكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷﴾ اَىْ جَزَاءَهٗ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ بِفَتْحِ النُّوْنِ وَضَمِّهَا صَادِقَةً بِاَنْ لَا يُعَادَ اِلَى الذَّنْبِ وَلَا يُرَادَ الْعَوْدُ اِلَيْهِ عَسٰى رَبُّكُمْ تَرْجِيَةٌ تَقَعُ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ بَسَاتِيْنَ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ بِاِدْخَالِ النَّارِ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ اَمَامَهُمْ وَيَكُوْنُ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ مُسْتَاْنَفٌ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمُنَافِقُوْنَ يُطْفَى نُوْرُهُمْ وَاغْفِرْ لَنَا ۚ رَبَّنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۸﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ بِالسَّيْفِ وَالْمُنٰفِقِيْنَ بِاللِّسَانِ وَالْحُجَّةِ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ بِالْاِنْتِهَارِ وَالْمَقْتِ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۹﴾ هِىَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فِى الدِّيْنِ اِذْ كَفَرَتَا وَكَانَتِ امْرَاَةُ نُوْحٍ وَاسْمُهَا وَاهِلَةُ تَقُوْلُ لِقَوْمِهٖ اِنَّهٗ مَجْنُوْنٌ وَامْرَاَةُ لُوْطٍ وَاسْمُهَا وَاعِلَةُ تَدُلُّ عَلٰى اَضْيَافِهٖ اِذَا نَزَلُوْا بِهٖ لَيْلًا بِاِيْقَادِ النَّارِ وَنَهَارًا بِالتَّدْخِيْنِ فَلَمْ يُغْنِيَا اَىْ نُوْحٌ وَلُوْطٌ عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ مِنْ عَذَابِهٖ شَيْئًا وَّقِيْلَ لَهُمَا ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ مِنْ كُفَّارِ قَوْمِ نُوْحٍ وَقَوْمِ لُوْطٍ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اٰمَنَتْ بِمُوْسٰى وَاسْمُهَا اٰسِيَةُ فَعَذَّبَهَا فِرْعَوْنُ بِاَنْ اَوْتَدَ يَدَيْهَا وَرِجْلَيْهَا وَاَلْقٰى عَلٰى صَدْرِهَا رَحًى عَظِيْمَةً وَاسْتَقْبَلَ بِهَا الشَّمْسَ فَكَانَتْ اِذَا تَفَرَّقَ عَنْهَا مَنْ وُكِّلَ بِهَا ظَلَّلَتْهَا الْمَلَائِكَةُ اِذْ قَالَتْ فِىْ حَالِ التَّعْذِيْبِ رَبِّ ابْنِ لِىْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِى الْجَنَّةِ فَكَشَفَ لَهَا فَرَاَتْهُ فَسَهُلَ عَلَيْهَا التَّعْذِيْبُ وَنَجِّنِىْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَتَعْذِيْبِهٖ وَنَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾ اَهْلِ دِيْنِهٖ فَقَبَضَ اللّٰهُ رُوْحَهَا وَقَالَ ابْنُ كَيْسَانَ رُفِعَتْ اِلَى الْجَنَّةِ حَيَّةً فَهِىَ تَاْكُلُ وَتَشْرَبُ وَمَرْيَمَ عَطْفٌ عَلٰى امْرَاَةِ فِرْعَوْنَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا حَفِظَتْهُ فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا اَىْ جِبْرَئِيْلَ حَيْثُ نَفَخَ فِىْ جَيْبِ دِرْعِهَا بِخَلْقِ اللّٰهِ فِعْلَهُ الْوَاصِلَ اِلٰى فَرْجِهَا فَحَمَلَتْ

بِعِيسٰى وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا بِشَرَائِعِهِ وَكُتُبِهِ الْمُنَزَّلَةِ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾ مِنَ الْقَوْمِ الْمُطِيْعِيْنَ ۔ ع ۲۰

ترجمہ ....: سورۂ تحریم مدنیہ ہے جس میں ۱۲ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ اے نبی! اللہ نے جس چیز کو آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ اس کو کیوں حرام فرماتے ہیں (یعنی ماریہ قبطیہ جو آپ ﷺ کی حرم ہیں۔ حفصہؓ کی عدم موجودگی میں آپ نے ان سے زن وشوئی کے معاملات کر لئے۔ جب وہ آئیں اور دیکھا کہ یہ سب کچھ ان کے گھر اور بستر پر ہوا تو انہیں گراں گزرا، اس لئے آپ ﷺ نے ان کو خوش کرنے کے لئے فرمادیا کہ ماریہ مجھ پر حرام ہیں) آپ ﷺ (اس کو حرام کر کے) اپنی بیویوں کی خوشنودی (رضامندی) حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے (آپ کا یہ حرام کرنا بھی ہم نے معاف کر دیا) اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے قسموں کا کھولنا مقرر (مشروع) فرمایا ہے (سورۂ مائدہ والا کفارہ ادا کر کے قسمیں کھولی جاسکتی ہیں۔ حرم کو حرام کرنا بھی اس قسم میں داخل ہے۔ کیا آنحضرت ﷺ نے کفارہ ادا فرمایا؟ مقاتل فرماتے ہیں کہ ماریہ کے سلسلے میں آپ نے غلام آزاد فرمایا اور حسن کہتے ہیں کہ کفارہ نہیں دیا۔ کیونکہ آپ کے لئے معافی ہو چکی) اور اللہ تمہارا کارساز (مددگار) ہے اور وہ بڑا جاننے والا بڑی حکمت والا ہے اور (یاد کرو) جب کہ پیغمبر ﷺ نے اپنی بیوی (حفصہؓ) سے ایک بات چپکے سے فرمائی (ماریہؓ کو حرام کر لینا اور یہ کہ اس کو کسی سے کہنا مت) سو پھر جب اس بیوی نے وہ بات بتلا دی (عائشہؓ کو یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس میں کیا حرج ہے) اور پیغمبر ﷺ کو اللہ نے اس (خبر) پر مطلع (آگاہ) کر دیا تو پیغمبر ﷺ نے (حفصہؓ کو) تھوڑی سی بات بتلا دی اور تھوڑی سی (مروت میں) ٹال گئے۔ سو پیغمبر ﷺ نے جب اس بیوی کو وہ بات جتلائی تو بیوی کہنے لگی کہ آپ کو اس کی کس نے خبر دی، آپ نے فرمایا مجھ کو بڑے جاننے والے بڑے خبر رکھنے والے (اللہ) نے خبر کر دی ہے۔ اے دونوں بی بیو! (حفصہؓ اور عائشہؓ) اگر تم اللہ کے آگے توبہ کر لو تو تمہارے دل مائل ہو رہے ہیں (ماریہؓ کے حرام کر دینے کی جانب یعنی آنحضرت ﷺ نے اس تحریم کو باوجود ناگوار سمجھنے کے تم دونوں کو چپکے سے بتلا دیا۔ اور یہ کوتاہی ہے، جواب شرط محذوف ہے۔ یعنی دونوں کی توبہ اللہ قبول فرمالے گا اور قلبین کی بجائے قلوب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جو لفظ ایک کلمہ کے حکم میں ہو اور اس میں دو جمع کا اکٹھا ہونا دشوار ہوتا ہے) اور اگر تم دونوں کارروائیاں کرتی رہیں (تظاھرا کی اصل تتظاھرا جس میں تائے ثانیہ کو ظا میں ادغام اور ایک قراءت میں بغیر ادغام ہے۔ تم دو بیویاں ایک دوسرے کی تائید کرتی رہیں) پیغمبر کے مقابلہ میں (اس کی مرضی کے خلاف) تو اللہ ہی (ہو ضمیر فصل ہے) پیغمبر کا رفیق (مددگار) ہے اور جبرئیل اور نیک بندے ہیں۔ (یعنی ابوبکرؓ وعمرؓ اس کا عطف اسم ان کے محل پر ہے۔ یعنی یہ سب پیغمبر کے مددگار ہیں) اور ان کے علاوہ فرشتے (اللہ اور جبرئیل صالح المومنین کی مدد کے علاوہ) مددگار ہیں (ظہیر بمعنی ظہراء۔ تم دونوں بیویوں کے مقابلہ میں ان کی مدد حضور ﷺ کو حاصل رہے گی) اگر پیغمبر عورتوں (اپنی بیویوں) کو طلاق دے دیں تو بہت جلد بدل دے گا (تشدید اور تخفیف کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں) تم سے اچھی بیویاں (عسیٰ کی خبر ہے۔ اور جملہ جواب شرط ہے اور چونکہ شرط نہیں پائی گئی اس لئے تبدیلی کی نوبت بھی نہیں آئی) جو اسلام والیاں (اسلام کا اقرار کرنے والی) ایمان والیاں (اخلاص والی) فرمانبرداری کرنے والیاں (اطاعت گزار) توبہ کرنے والیاں عبادت گزار روزہ رکھنے والیاں (روزہ دار یا ہجرت کرنے والیاں) ہوں گی۔ کچھ بیوائیں کچھ کنواریاں، اے ایمان والو! تم بچاؤ خود کو اور اپنے گھر والوں کو (اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر آمادہ کر کے) اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی (کافر) اور پتھر ہیں (جیسے پتھروں کے بت یعنی وہ آگ انتہائی گرم ہو گی جو ان چیزوں سے دھونکائی جائے گی۔ دنیا کی آگ کی طرح نہیں ہو گی جو لکڑیوں وغیرہ سے دہکتی ہے) جس پر فرشتے ہیں (جہنم پر مامور فرشتے جن کی تعداد سورۂ مدثر میں انیس ۱۹ آرہی ہے) جو تندخو (سخت مزاج) مضبوط (پکڑ میں) ہیں۔ جس بات کا انہیں حکم دیا جاتا ہے اس میں وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے (ما امر، اللہ سے بدل ہے۔ یعنی حکم الٰہی سے باہر نہیں ہوتے) اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجالاتے ہیں (یہ جملہ تاکید ہے اس میں مسلمانوں کو مرتد ہونے سے ڈراتا ہے۔ اور منافقین کو بھی ڈراتا ہے جو دل سے نہیں صرف زبان سے ایمان ظاہر کرتے ہیں) اے کافرو! آج تم عذرمت کرو (کافروں سے دوزخ میں ڈالنے کے وقت یہ کہا جائے گا۔ یعنی

معذرت کا اب کوئی فائدہ نہیں ہے) پس تم کوتو اس کی سزا مل رہی ہے جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔اے ایمان والو! تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو(نصوح فتحہ نون کے ساتھ اور ضمہ نون کے ساتھ۔ بمعنی صادقہ کہ پھر نہ وہ قصور کرے۔اور نہ اس کا ارادہ ہو)امید ہے(جو پوری ہوکر رہے گی) کہ تمہارا پروردگار تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تمہیں پہنچائے گا۔ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جس دن کہ اللہ تعالیٰ رسوا نہیں کرے گا(دوزخ میں لے جاکر) نبی کو اور ان کے ساتھی مسلمانوں کو۔ان کا نور ان کے سامنے(آگے)دوڑتا ہوگا اور ان کے داہنے۔یوں دعا کرتے ہوں گے(جملہ مستانفہ ہے)اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہمارے اس نور کو اخیر تک رکھئے(جنت میں جانے تک اور منافقین کا نور گل ہوجائے گا)اور ہماری مغفرت فرمادیجئے(ہمارے پروردگار) آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔اے نبی! کفار سے(تلوار کے ذریعہ)اور منافقین سے(زبان اور دلیل سے)جہاد کیجئے اور ان پر(ڈانٹ ڈپٹ کر) سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔اور وہ بری جگہ ہے۔اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کا حال بیان فرماتا ہے وہ دونوں عورتیں، ہمارے خاص بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں۔سوان دونوں عورتوں نے ان دونوں خاوندوں کے ساتھ خیانت کی(بلحاظ دین کے کہ دونوں کافر ہوگئیں۔نوح کی بیوی جس کا نام والہہ تھا اپنی قوم سے کہنے لگی کہ نوح تو دیوانہ ہے۔اور لوط کی بیوی جس کا نام واعلہ تھا رات کو آنے والے والے مہمان کی اطلاع اپنی قوم کو آگ جلاکر اور دن کو آنے والے مہمان کی اطلاع دھواں کرکے کردیا کرتی تھی)سو وہ دونوں نیک بندے(نوح ولوط)اللہ کے(عذاب کے)مقابلہ میں ان کے ذرا کام نہ آسکے۔اور حکم ہوگیا(ان دونوں بیویوں کے لئے) کہ اور جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی دوزخ میں جاؤ(یعنی قوم نوح ولوط کے اور کافروں کے ساتھ)اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے فرعون کی بیوی کا حال بیان کرتا ہے(جوموسیٰ پر ایمان لائیں تھیں جن کا نام آسیہ تھا۔فرعون نے اس کو چومیخا کرکے سزادی اور ان کی چھاتی پر ایک بڑا پتھر بھاری رکھوادیا اور ان کو دھوپ میں ڈال دیا، چنانچہ جب وہاں سے سنتری ہٹتے تو فرشتے سایہ کرکے کھڑے ہوجاتے)جب کہ اس بی بی نے(سزا کی حالت میں)دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار میرے لئے جنت میں، اپنے قرب میں مکان بنائیے(چنانچہ جنت ان پر منکشف ہوگئی جسے دیکھ کر انہیں سزا ہلکی معلوم ہونی لگی)اور مجھ کو فرعون سے اور اس کی کاروائی(سزا) سے محفوظ رکھئے اور مجھ کو تمام ظالموں سے محفوظ رکھئے(جو فرعون کے طریقہ پر ہیں، چنانچہ اللہ نے ان کی روح قبض کرلی۔اور ابن کیسان کہتے ہیں کہ وہ زندہ اٹھالی گئیں، وہ کھاتی پیتی ہیں)اور مریم کا حال بیان کرتا ہے(اس کا عطف امرأۃ فرعون پر ہے) جو عمران کی بیٹی تھی جنہوں نے اپنی ناموس کو محفوظ(برقرار) رکھا۔سو ہم نے ان کے چاک گریبان میں اپنی روح پھونک دی(یعنی جبرئیل نے ان کے گریبان میں پھونک ماری اللہ کے حکم سے جبریلی پھونک کا اثر رحم میں پہنچا جس سے عیسیٰ رحم میں ٹھہر گئے)اور مریم نے اپنے پروردگار کے پیغامات(احکامات شرع) کی اور اس کی کتب(منزلہ) کی تصدیق کی اور وہ اطاعت کرنے والوں(فرمانبردار لوگوں) میں سے تھیں۔

تحقیق وترکیب:.......... ماریہ قبطیہ۔مقوقس نے شاہ مصر نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیۃً پیش کی تھی۔انہی کے بطن سے صاحبزادہ ابراہیم پیدا ہوئے۔

تحلة ایمانكم۔فقہا نے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ کسی مباح چیز کو حرام کرلینا قسم ہے۔جس کے لئے کفارہ ہوتا ہے۔چونکہ حلال چیز کو حرام کرلینا غلطی تھی۔اس لئے **والله غفور رحيم** فرمایا۔اور بعض نے اس کے معنی یہ لئے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے قسم سے بچنے کا ایک راستہ پیدا کرلیا کہ اگر کوئی انشاء اللہ کے ساتھ حلف کرلے تو حلف منعقد نہیں ہوتا۔اس سے بھی حلال کو حرام کرلینے سے یمین کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔اگرچہ الفاظ استثناء کی وجہ سے کفارہ واجب نہیں ہوگا۔کیونکہ حانث نہیں ہوا جیسا کہ مدارک میں ہے۔لہٰذا قاضی بیضاویؒ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حرام کرنے کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے یمین کا لفظ بھی فرمایا تھا۔اس لئے یمین ہوئی صرف تحریم سے یمین نہیں ہوئی وجہ اس کے غیر صحیح ہونے کی یہ ہے کہ آیت میں تحریم کو یمین کہا گیا ہے، اس طرح قاضی کا یہ فرمانا بھی صحیح نہیں رہا کہ کفارہ واجب ہونے سے

یمین ہونا لازم نہیں آتا۔ وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے صرف کفارہ کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ اس پر یمین کا لفظ فرمایا ہے۔ اور غور سے دیکھا جائے تو قاضی کے ان دونوں کلاموں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

صاحب کشاف نے حلال کو حرام کرنے کی تفصیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کوئی کھانے کو حرام کرے تو قسم کھانا کھانے پر محمول ہوگی اور باندی کو حرام کر لینے کو اس سے محبت پر محمول کیا جائے گا اور بیوی کو حرام کرنے سے ایلاء ہو جائے گا جب کہ کوئی اور نیت نہ ہو۔ لیکن اگر ظہار کی نیت سے کہا تو طلاق بائنہ سمجھی جائے گی۔ اور دو یا تین طلاقوں کی نیت سے کہا تو وہی نیت معتبر ہوگی۔ اور اگر کہا کہ میں نے جھوٹ کہا تھا تو دیانۃً صحیح سمجھا جائے گا۔ البتہ قاضی اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔ اور اگر یہ کہا کہ سب حلال چیزیں مجھ پر حرام ہیں تو اس کو صرف کھانے پر محمول کیا جائے گا جب کہ کسی اور چیز کی نیت نہ ہو۔ ورنہ جو نیت کرے گا تو اسی کا اعتبار ہوگا۔ امام اعظمؒ کے نزدیک حلال کو حرام کرنا یا حرام کو حلال کرنا یمین ہے۔ چنانچہ بہت سے صحابہؓ سے یہی منقول ہے۔ صاحب ہدایہ باب الایلاء میں لکھتے ہیں۔ **اذ قال لامرأته انت علی حرام فان قال اردت الکذب فهو کما قال وقیل لا یصدق فی الفقهاء وان قال اردت الطلا ق فهی تطلیقة بائنة الا ان ینوی الثلث وان قال اردت الظهار الا عند محمد وان قال اردت التحریم ولم یر د شیئا فهو ایلاء ومنهم من یصرف لفظ التحریم الی الطلاق من غیر نیة بحکم العرف.**

اسی طرح فقہاء نے یہ بھی فرمایا کہ کسی مباح چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینا بھی یمین کہلاتا ہے جس پر کفارہ واجب ہے۔ کیونکہ مباح کو حرام کرنے سے اس کی ضد کا واجب ہونا لازم کہلاتا ہے۔ اگر چہ اس میں قسم کا لفظ نہ بولا جائے کیونکہ یہ یمین ہے۔ اور یمین اگر گناہ پر ہو تو اس سے بچنا اور اس پر کفارہ واجب ہو جاتا ہے اور گناہ نہ ہو تو اس کو کرنا ضروری اور اس کے خلاف کرنے پر کفارہ لازم ہے۔ برخلاف امام شافعیؒ کے وہ تحریم حلال کو یمین نہیں سمجھتے۔ البتہ بیوی کو حرام کر لینے کی صورت میں کفارہ واجب ہو جاتا ہے اور اگر حرام کرنے سے طلاق کی نیت کرے تو طلاق رجعی سمجھی جائے گی۔

اور حضرت علیؓ کے نزدیک تین طلاقیں اور زید کے نزدیک ایک طلاق بائنہ اور حضرت عثمانؓ کے نزدیک ظہار ہوگا۔ اور مسروق وشعبی کے نزدیک اس پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا۔ آیت **لا تحرموا طیبات ما احل الله لکم** اور آیت **لا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب هذا حلال و هذا حرام** کی وجہ سے۔ شوافع کی جانب سے یہ کہا جاتا ہے کہ کفارہ لازم ہونے سے یمین ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ممکن ہے حضور ﷺ نے یمین کا لفظ فرمایا ہو۔ چنانچہ عبدالرزاق شعبیؒ سے نقل کرتے ہیں۔ **وحلف بیمین مع التحریم فعاقبه فی التحریم و جعل له کفار ة الیمین ۔**

لیکن قتادہ کے قول سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں۔ **حرمها فکانت یمیناً**۔ الفاظ قرآنیہ حنفیہ کی تائید کرتے ہیں اور ابن عباسؓ سے نقل ہے کہ ان کے پاس ایک صاحب آئے اور انہوں نے کہا۔ **جعلت امرأتی علی حرام** تو ابن عباسؓ نے فرمایا۔ تجھ پر بڑا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔ اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اور نذر کا حکم یہ ہے کہ اگر گناہ کی نذر مانی ہے تو اس کو کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ سے اس پر کفارہ بھی لازم نہیں ہوگا۔ ہاں اگر گناہ کے علاوہ کسی اور کام کی نذر کی تو اس کا کرنا لازم ہوگا اور اس کی خلاف ورزی سے کفارہ آ جائے گا۔ اور اگر نذر و یمین دونوں کسی نے کیں۔ تو پھر مقتضی پر عمل واجب ہو جائے گا۔

والله غفور رحیم ۔ یعنی کفارہ امت کی تعلیم کے لئے ہے آپ کو کفارہ کی ضرورت نہیں۔ بلکہ بعض کی رائے ہے کہ آپ نے کفارہ ادا فرمایا۔

اسر النبی ۔ ماریہ کے حرام کر لینے کو راز دارانہ طور پر آپ نے کہا تھا اور بعض کی رائے ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دونوں کے والد کے خلیفہ ہونے کی بشارت دی تھی۔

فلما نبأت به ۔ مفسرؒ نے دو مفعولوں کی طرف متعدی ہونے کا اشارہ کیا ہے۔ اول مفعول کی طرف خود اور دوسرے مفعول کی طرف حرف جر کے

ذریعہ متعدی، کبھی تخفیفاً حرف جار حذف بھی ہو جاتا ہے اور مفعول اول بھی قرینہ لفظیہ کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے۔ اس آیت میں یہ تینوں استعمال موجود ہیں۔ چنانچہ نبأت بہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے مگر اول مفعول محذوف ہے اور مفعول ثانی مجرور بالباء ہے۔ ای نبات به غیرها اور فلما نبأها به میں دونوں مفعول موجود ہیں اور من انبأک هذا میں بھی دونوں موجود ہیں۔ مگر جار محذوف ہے۔

اظهره الله عليه على المنبأ به سے مراد حفصہؓ کو ماریہؓ کے حرام ہونے کی خبر ہے۔

واعوض عن بعض۔ اس سے مسئلہ خلافت بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا افشاء باعث فتنہ نہ ہو جائے۔ اس لئے اس پر عتاب ہوا۔

فقد صغت۔ فا تعلیلیہ ہے۔ ای ان تتوبا الی الله لا جل الذنب الذی صدر منکما وهو انه قد صغت۔

وذلک ذنب۔ یعنی حضور ماریہ کے حرام کرنے کو اگرچہ ناپسند فرماتے تھے۔ مگر دونوں بیویوں سے اس کو چپکے سے فرمایا۔ پس اس کی خلاف ورزی گناہ ہے۔ جواب شرط کے متعلق خطیب کی رائے ہے کہ محذوف میں قرینہ کی وجہ سے ای ان تتوبا کان خیرا لکما اور قلبا کما کی بجائے قلوبکما چونکہ سہل ہے اس لئے عربی مذاق کی رعایت کی گئی ہے حقیقۃً اگرچہ یہ ایک کلمہ نہیں ہے لیکن مضاف، مضاف الیہ کا جزو ہوتا ہے اس لئے اس کو حکماً ایک کلمہ کہا گیا ہے۔

تظهرا ابوعمرؒ، ابن کثیرؒ، نافعؒ، ابن عامرؒ کے نزدیک یہ لفظ بغیر تشدید کے پڑھا گیا ہے۔

وجبريل۔ محل اسم ان پر عطف بعض نحات کا مذہب ہے اور جبریل مبتدا، صالح المؤمنین معطوف ہے اور ظهير سب کی خبر ہو سکتی ہے۔

هو مولاه۔ سب کے ساتھ لگایا جائے گا۔

ظهير۔ بروزن فعیل اس میں واحد وغیرہ یکساں ہیں۔

صالح المومنين۔ کے اضافہ میں آنحضرت ﷺ کی توقیر اور مسلمانوں کی تالیف مقصود ہے۔

عسىٰ ربه۔ لفظ اگر ترجی کے لئے ہو تو شبہ ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے جب طلاق نہیں دی تو یہ خبر غلط ہوگئی۔ حاصل جواب یہ ہے کہ خبر شرط پر معلق تھی۔ پس نہ شرط ہوئی اور نہ خبر۔ دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ عسیٰ تخویف کے لئے ہے۔

سئحت۔ ابن عباسؓ اس کے معنی روزہ دار کے فرماتے ہیں۔ کیونکہ سائح کہتے ہیں کہ جس کے پاس زاد نہ ہو۔ چنانچہ وہ زاد کے آنے تک رکا رہتا ہے روزہ دار کا حال بھی افطار تک رکے رہنے کا ہے۔

نصوحا۔ اکثر قراء کے نزدیک فتحہ نون کے ساتھ ہے۔ شکور کی طرح مبالغہ کے لئے ہے۔ یعنی پر خلوص دعا۔ اور ضمہ نون کے ساتھ مصدر ہے۔ دونوں متواتر قراءتیں ہیں۔ اخفش اس کے معنی صادق کے لیتے ہیں۔ روح البیان میں ہے۔ رجل صبور شکور ای بالغ فی النصح۔ قاشانی فرماتے ہیں کہ تقویٰ کی طرح توبہ کے بھی مراتب ہیں۔ تقویٰ کا اول مرتبہ منکرات شرع سے بچنا اور آخری درجہ انانیت سے خالی ہو جانا ہے۔ اسی طرح توبہ کا اول درجہ گناہوں سے باز آجانا اور آخری درجہ وجود کے گناہ سے نکل جانا جو اہل تحقیق کے نزدیک سارے گناہوں کی جڑ ہے توبہ نصوح کے لئے تین شرطیں ہیں۔ فعل پر ندامت فعل کا ترک آئندہ نہ کرنے کا عزم۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ سے منقول ہے۔ التوبة النصوح ان يتوب العبد من العمل السيئ ثم لا يعود اليه ابدا اور ابن عباسؓ سے موقوف و مرفوع روایت میں بھی یہی ہے۔ ممکن ہے تیسری شرط خواص کی توبہ ہی ہوتا کہ اہلسنت کے اس مسلک کے خلاف نہ ہو کہ توبہ کے لئے ندامت اور نہ کرنے کا عزم شرط ہے۔

معتزلہ کے نزدیک توبہ کے لئے شرط ہے۔ مظالم کا رد اور آئندہ کے لئے اس گناہ کا ترک اور ندامت کا تسلسل۔ اور یہ اہلسنت کے نزدیک واجب نہیں جیسا کہ شرح مواقف میں ہے اور حسنؒ کہتے ہیں کہ توبة النصوح هي ان يكون العبد نا دماً على ما مضى مجمعاً على ان لا يعود فيه۔

ابن مسیبؒ کہتے ہیں توبة تنصحون انفسكم عسىٰ ربكم۔ عسیٰ توقع کے لئے ہے لیکن واجب الوقوع ہے۔ کیونکہ کریم کا اطماع متیقن

ہوتا ہے۔

والذین امنوا۔ اگر اس کا عطف النبی پر ہے تو معہ پر وقف کیا جائے گا۔ اور نورھم یسعی جملہ مستانفہ ہو جائے گا یا حال ہوگا۔ یا الذین امنوا جملہ مبتدا اور نورھم الخ اس کی خبر ہے۔

اتمم لنا۔ اتمام سے مراد جنت میں جانے تک دوام ہے۔ اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ منافقین کا نور بجھنے پر مومنین ڈر کر یہ دعا کریں گے۔

والمنافقین۔ ضرورت کے وقت منافقین کے ساتھ جہاد بالسیف کی بھی اجازت ہے۔

فخانتاھما۔ مفسرؒ نے فی الدین کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ خیانت سے زنا مراد نہیں ہے۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ما ذنت امراۃ نبی قط چنانچہ اذکفر تا تفسیری عبارت خانتا کی علت ہے یعنی کفر کی وجہ سے دینی خیانت کی۔

فنفخنا فیه۔ نفخ فرج سے مراد نفخ جیب درع ہے۔ جیسے مفسرؒ نے اشارہ اور دوسرے حضرات نے تصریح کی ہے اور بقاعی فرج حقیقی مراد لیتے ہیں پھر تاویل کی ضرورت نہیں رہتی۔

بخلق الله۔ اس کا تعلق نفخنا سے ہے بخلقنا کہنا چاہیے تھا۔

من القنتین۔ چونکہ ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں، اس لئے صلحا کا گھرانہ سمجھا جاتا تھا اور جمع مذکر لانے میں نکتہ یہ ہے کہ طاعت الٰہی میں مردوں سے کم نہیں تھیں۔

رابطِ آیات: .... سورۂ طلاق کی طرح سورہ تحریم میں بھی عورتوں سے متعلق مضامین ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ اس میں عام عورتوں کے احکام تھے اور اس میں خاص عورتوں کے۔ نیز پہلی سورت میں طلاق پر مرتب ہونے والے احکام کا بیان تھا اور اس میں ازواج مطہرات کو طلاق سے ڈرانا ہے اور جس طرح پہلی سورت کے اخیر میں اطاعت کی عام تاکید تھی۔ اسی طرح اس سورت میں ازواج کے خطاب کے بعد عام طور پر رجوع الی اللہ کی تاکید ہے۔ اس طرح دونوں سورتوں کے سب اجزاء باہم متناسب ہو گئے۔

شانِ نزول وروایات۔ مفسرؒ نے ماریہ قبطیہؓ کے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے تفصیلی روایت یہ ہے۔ ان النبی ﷺ کان یقسم بین نسائه فلماکان یوم حفصةا ستأذنت رسو ل الله ﷺ فی زیارة ابیها فاذن لها فلما خرجت ارسل رسول الله ﷺ الی جاریته ما ریة القبطیه فادخلها بیت حفصة فوقع علیها فلما رجعت حفصة وجدت الباب مغلقافجلست عند الباب فخرج رسول الله ﷺ ووجهه یقطر عرقاً وحفصة تبکی فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم مایبکیک فقالت انما اذنت لی من اجل ذٰلک ادخلت امتک بیتی ثم وقعت علیها فی یومی علیٰ فراشی اما رایت لی حرمة و حقا ما کنت تصنع هذا بامراة منهن فقال رسول الله ﷺ الیس هی جا ریتی قد احلها الله لی فهی حرام علی التمس بذلک رضاک فلا تخبری بهذا امرأ ة منهن فلما خرج رسول الله ﷺ قرعت حفصة الجدار الذی بینها و بین عائشة فقالت الا ابشرک ان رسول الله ﷺ قد حرم علیه امته ما ریة وان الله قدر احنا منها واخبرت عائشة بما رأت فلم تکتم فطلقها رسول الله ﷺ بطریق الجزاء علی افشا ء ستره۔ یہاں تک تو روح البیان، خطیب وغیرہ کا بیان تھا آگے خطیب کی عبارت مختلف ہو گئی۔ اس میں یہ ہے۔ واخبرت عائشه فلم یزل نبی الله ﷺ حتیٰ حلف ان لا یقر بها ای الما ریة۔ خطیب کی عبارت تو مفسرؒ کی موید ہے کہ ماریہ کی حرمت مراد ہے اور اسی سے رجعت کا حکم ہے۔ لیکن روح البیان کا بیان مفسر کے برعکس ہے۔ اس سے حفصہ کی حرمت ورجعت معلوم ہوتی ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے۔ انه ﷺ كانت له امة يطأ فلم تزل به وحفصة وعائشة حتى حرمها فانزل الله يا ايها النبي .
لیکن تفسیرات احمدیہ میں واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے ۔ انه عليه السلام خلا بمارية في يوم عائشة وعلمت بذلك حفصه فقال لها اكتمى على وقد حرمت ما رية علىٰ نفسى وابشرك ان ابا بكر وعمر يملكان بعدى امرأ تى فاخبرت به عائشة و كانتا متصا دقين منزلت فنزلت و قيل انه عليه لسلام دخل يوم على حفصة يوم نوبتهاو كان عمر مر يضا فذهبت لعيادة ابيهاعلى ما في الحيني اولتاتي الطعام منه الى رسول الله ﷺ ما في الزاهدى فطلب عليه السلام مارية القبطية في مكانها ولما عملت ذلك ثقل عليها فحرمها لا جلها و بشرها بخلا فة الشيخين فار ضا منا بذلك لا ستكمتا فلم تكتم فطلقها واعتزل نسا ء ه و مكث تسعاو عشرين ليلة فى بيت مارية فنزل جبرئيل وقال راجعها فانها صرامة وانها لمن نساء ك في الجنة هكذا في الكشاف والمدارك او انه طلقها ولكن اشتكى منها هكذا في الزاهدى وقد ذكرهو في هٰذاالمقام وجوها شتىٰ وقصصا ًمختلفة و حكايات طويلة۔
لیکن صحیح بخاری کی روایت اس سلسلہ میں دوسری ہے۔ عن جابر انه ﷺ كان يمكث عند زينب بنت جحش ويشرب عندها عسلا فو اطئت به عائشة و حفصة فقلن له انا نشم منك ريح المغافير فحرم العسل فنزلت يا ايها النبي ۔
امام نسائیؒ فرماتے ہیں۔ حديث عائشة في العسل في غاية الجودة و حديث مارية لم يا ت من طريق جيد ۔
امام نوویؒ فرماتے ہیں ۔ الصحيح انها في قصة العسل لا في قصة مارية المروى في غير الصحيحين فانها لم يا ت من طريق صحيح ۔
تفسیرات احمدیہ میں اس کی تفصیل درج ہے۔ان النبي ﷺ كان احب العسل فاذا دخل زينبؓ يوما قربته شراباً لطيفاً وا قدمته بين ايدى رسول الله ﷺ فشرب به واحسن عليه فثقلت تلك الحلة على بعض الازواج اعنى عائشةؓ وحفصةؓ وغيرهما فحلفت بانه ان دخل علينا عليه السلام نقول له شاهدنا منك ريح المغفور فلما دخل عليه السلام قلن يارسول الله شاهدنا منك ريح المغفور فقال عليه السلام ما شربت المغفور ولكن شربت العسل في بيت زينبؓ فقال حرمت نخلة الفرظ حرمت العسل على نفسى فوالله لا اكلُ فنزلت على ماقالوا وقيل شراب العسل عند الحنفية فواطات عائشة سودة و صفية فقلن له انا نشم منك ريح المغافير الخ صرح به في البيضاوى بہت ممکن ہے کہ یہ سب واقعے ہوئے ہوں اور بعد میں یہ آیات نازل ہوئیں ہوں۔
فخانتا هما ۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ خيانة امرأ ة نوح قولها انه مجنون وخيانة امرأ ة لوط ودلا لتها على ضيفه۔
کلبیؒ کہتے ہیں۔اسرتا النفاق واظهرتا الايمان۔
امرأة فرعون ۔ابو ہریرہ سے منقول ہے۔ ان فرعون وتد لا مرا ته اربعة في يديها و رجليها فكانوا اذا تفرقوا اظلتها الملائكة . دوسری روایت ہے ، ان فر عون وتد لا امرأ ته او تاداو اوضعتها على صدر ها رحىٰ واستقبل بها عين الشمس فر فعت رأسها الى السما ء فقالت رب ابن لى عندك بيتاً فى الجنة فخرج الله بها عن بيتها في الجنة . اور سلمان کی روایت ہے . كانت امرأ ة فر عون تعذب فاذا انصرفوا عنها اظلتها الملا ئكة باجنحتها وكانت ترىٰ بيتها فى الجنة.
اور حسن بن کیسان کہتے ہیں۔رفعت الى الجنة وهى حية تا كل و تشرب۔

﴿ تشریح ﴾ .... آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ عصر کے بعد سب ازواج کے ہاں تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے جاتے۔ ایک روز حضرت زینبؓ کے ہاں کچھ دیر لگی۔ معلوم ہوا کہ انہوں نے شہد پیش کیا۔ اس کے نوش فرمانے میں وقفہ ہوا۔ پھر کئی روز یہی معمول ہوا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے مل کر تدبیر کی کہ آپ ﷺ وہاں شہد پینا چھوڑ دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے چھوڑ دیا اور حفصہؓ سے فرمایا کہ میں نے زینب کے ہاں شہد پیا تھا مگر اب قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آئندہ نہیں پیوں گا۔ نیز یہ خیال فرما کر کہ زینبؓ کو اس کی اطلاع ہوگی تو خواہ مخواہ دلگیر ہوں گی۔ حفصہؓ کو منع کر دیا کہ اس کی اطلاع کسی کو نہ کرنا۔ اسی قسم کا قصہ ماریہ قبطیہؓ کے ساتھ بھی پیش آیا۔ جو آپ ﷺ کی حرم اور صاحبزادہ ابراہیم کی والدہ تھیں۔ اس میں بھی آپ ﷺ نے بقسم بیویوں کو مطمئن کر دیا۔ اور حفصہؓ کو منع کر دیا کہ دوسروں کے سامنے اس کا اظہار مت کرنا۔ مگر حضرت حفصہؓ نے یہ بات حضرت عائشہؓ سے ٹپک دی۔ آپ ﷺ نے حفصہؓ کو بلا کر فرمایا کہ تم نے عائشہؓ سے یہ بات کیوں کہہ دی۔ حالانکہ میں نے منع کر دیا تھا اور وہ متعجب ہو کر بولیں۔ آپ ﷺ سے کس نے کہا۔ شاید عائشہؓ کی طرف خیال کیا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی ہے۔

قسم کا حکم: .... تحلة ایمانکم۔ حلال اور مباح چیز کو مباح سمجھتے ہوئے اپنے اوپر پابندی عائد کر لینا کہ میں اس کام کو نہیں کروں گا تحریم حلال ہے۔ اگرچہ یہ پابندی صحیح مصلحت کی بناء پر ہو تو شرعاً جائز ہے، منع نہیں ہے۔ مگر حضور ﷺ کی رفعت کے شایان شان نہیں تھی کیونکہ اس میں بعض ازواج کی خوشنودی مزاج کی خاطر آئندہ امت کے لئے ایک اسوہ قائم ہوتا تھا۔ جو تنگی کا موجب ہوتا۔ اس لئے تنبیہ فرما دی کہ بیویوں کے ساتھ بے شک خوش اخلاقی کی ضرورت ہے مگر اس حد تک نہیں کہ ایک جائز چیز سے محروم ہو جائیں۔ خیر اس خلاف اولیٰ بات کو، ہم معاف کئے دیتے ہیں۔

پہلی شریعتوں میں اس کا خلاف اولیٰ نہ ہونا آیت کل الطعام الخ پارہ لن تنالوا میں گزر چکا ہے اور تحریم حلال کے اقسام واحکام آیت لا تحرموا طیبات سورہ مائدہ میں گزر چکے ہیں اور آپ ﷺ نے فرمایا ہوگا کہ میں اپنے اوپر شہد کو حرام کرتا ہوں۔ یا فرمایا ہوگا کہ واللہ میں شہد نہیں پیوں گا۔ بہر صورت یہ قسم ہے۔ اور چونکہ اس کا اثر تحریم ہے۔ یعنی اس سے بچنا ضروری ہے اس لئے اس کو تحریم سے تعبیر فرما دیا جس پر کفارہ ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے غلام آزاد فرما دیا۔

آنحضرت ﷺ کی مروّت: .... عرف بعضه واعرض عن بعض، یعنی آپ ﷺ کی غایت کرم اور اخلاق کی بات ہے کہ خلاف ورزی کرنے پر بیوی کی شکایت بھی کرنے بیٹھے تو آدھی بات کی اور آدھی کو گول کر گئے کہ شرمندگی اور خجالت زیادہ ہوگی۔ بس کچھ کہا اور کچھ نہیں کہا۔ تا کہ وہ سمجھیں کہ بس آپ کو اتنے ہی کی خبر ہوتی ہوگی تو شرمندگی کم ہوگی۔ اور بیویوں کو سنا دیا کہ وہ محجوب ہو کر تائب ہوں۔ پس جو بات اللہ و رسول نے ٹلا دی ہم کیا جانیں؟ اسی لئے ٹلا دی کہ بے ضرورت چرچا نہ ہو۔ تا کہ اور لوگ برا نہ مانیں۔ خلافت کا مضمون جو بعض روایات میں آیا ہے وہ بعض شیعہ حضرات نے بھی تسلیم کیا ہے۔ اس لئے خلافت بلا فصل کے معاملہ میں انہیں محجوج ہونا چاہیے۔

ان تتوبا الی اللہ: .... حضرت عائشہؓ و حفصہؓ کو فرمایا گیا کہ تمہارے دل اعتدال سے ہٹ کر ایک طرف کو ڈھلک گئے تھے یعنی یہ کہ دوسری بیویوں سے ہٹا کر آپ کو اپنا ہی بنالیں ہر ایک بیوی کی یہی تمنا تھی کہ وہ زائد از زائد حضور ﷺ کی توجہات کا مرکز بن کر دارین کی برکات حاصل کر لیں۔ حب رسول اگرچہ نہایت مستحسن چیز ہے لیکن اس طور پر نہیں کہ دوسروں کے حقوق تلف ہو جائیں اور دوسروں کے دل ٹوٹیں کہ یہ چیزیں قبیح ہیں اور قبیح کا ذریعہ بھی قبیح ہوتا ہے مرد کے لئے یہ موقعہ تحمل و تدبر اور خوش اخلاقی کے اہتمام کا نازک ترین موقعہ ہوتا ہے۔ حضور ﷺ اس

نازک موقعہ پر بھی اسی غیر متزلزل ثبات قدمی کے ساتھ جمے رہے جس کی توقع سید الانبیاء ﷺ کی سیرت پاک سے ہوسکتی تھی۔ غرضیکہ اس لحاظ سے ازواج کو تنبیہ فرمائی گئی کہ محبت میں اعتدال ملحوظ رکھو اور بے اعتدالی سے پرہیز کرو۔

گھریلو نازک پیچیدگیاں:......... وان تظاهرا علیه۔ خاوند بیوی کے معاملات بعض مرتبہ ابتداء بہت معمولی نظر آتے ہیں۔ لیکن ذرا باگ ڈھیلی چھوڑ دی جائے تو آخر کار نہایت خطرناک اور تباہ کن صورتحال اختیار کر تے ہیں۔ خصوصاً عورت اگر کسی اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو تو اس کو طبعاً اپنے باپ بھائی خاندان پر بھی گھمنڈ ہوسکتا ہے، اس لئے متنبہ فرما دیا کہ دیکھو اگر تم اس طرح کی کاروائیاں اور مظاہرے کرتی رہیں۔ تو یاد رکھو کہ ان سے پیغمبر کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اللہ، فرشتے، نیک بندے، ایماندار لوگ جس کے رفیق کار ہوں اس کے سامنے کوئی انسانی تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی۔ ہاں تمہیں ضرر پہنچنے کا امکان ہے۔ اور بعض اسلاف نے صالح المومنین کا مصداق ابوبکرؓ، وعمرؓ کو کہا ہے۔ شاید صاحبزادیوں کی مناسبت سے ہو۔ انہیں ہی سے ہر ایک کی رفاقت حسب مراتب ہوگی۔ حق تعالیٰ کی رفاقت تو حقیقی ہے اور جبریل کی رفاقت واسطہ فیض ہونے کی وجہ سے اور فرشتوں کی رفاقت سکینہ نازل کرنے کے اعتبار سے ہے اور مومنین کی رفاقت تابع ہونے کے لحاظ سے۔

عسیٰ ربه ان طلقکن۔ یعنی یہ وسوسہ دل میں نہ لانا کہ آخر مردوں کو بیویوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم سے بہتر عورتیں کہاں ہیں۔ اس لئے مجبوراً ہماری باتیں سہی جائیں گی۔ یاد رکھو کہ اللہ چاہے تو پیغمبر کے لئے تم سے بہتر بیویاں پیدا کر دے۔ اس کے یہاں کس چیز کی کمی ہے۔ ثیبات کا ذکر اس لئے ہے کہ بعض مرتبہ بعض مصالح کے لحاظ سے ان کو غیر شادی شدہ پر ترجیح دی جاتی ہے اور خیرا منکن سے یہ لازم نہیں آتا کہ بالفعل ازواج سے بہتر کچھ عورتیں نہیں ہاں اگر تبدیلی کی نوبت آتی تو اللہ تعالیٰ بہتر بیویاں دے سکتا تھا۔

یا ایها الذین امنوا قوا انفسکم ۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنے گھر والوں کو دین کی راہ پر لائے سمجھا کر ڈرا کر، پیار سے مار سے، جس طرح سے ہوسکے۔ دیندار بنائے اس پر بھی اگر وہ راہ راست پر نہ آئیں تو ان کی کمبختی ہے۔ یہ بے قصور ہے۔

ملائکة غلاظ. یعنی جہنم پر ایسے فرشتوں کا پہرہ ہوگا۔ نہ کسی پر رحم کھا کر چھوڑیں اور نہ کوئی ان کی زبردست گرفت سے چھوٹ کر بھاگ سکے۔ وہ نہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اور نہ سستی اور نہ ہی وہ اس کی تعمیل سے عاجز ہیں۔

نادر تحقیق:......... توبۃ نصوحا۔ صدق دلی سے توبہ یہ ہے کہ دل میں پھر اس گناہ کا خیال نہ رہے اگر توبہ کے بعد اپنی خرافات کا خیال پھر آیا تو سمجھو کہ توبہ میں کچھ کسر رہ گئی اور گناہ کی جڑ دل سے نہیں نکلی۔ گناہ چھوڑنے کے پختہ ارادے میں تحقیق یہ ہے کہ دوبارہ گناہ کرنے کا ارادہ نہ ہونا ضروری ہے۔ لیکن دل میں اگر گناہ خطور کرے تو قدرت ہوتے ہوئے پھر گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ بھی ضروری ہے۔ البتہ اگر قدرت نہ ہو تب بھی یہ ارادہ ضروری ہے کہ اگر قدرت ہوگی تب بھی گناہ نہیں کروں گا۔ اور دوزخ سے بچنے میں صرف توبہ کا ذکر اس لئے ہے کہ معصوم کے علاوہ کون ہے جس سے گناہ سرزد نہ ہو، اس لئے توبہ کی حاجت زیادہ عام ہوئی۔ اور چونکہ طاعت نہ کرنا معصیت ہے اور توبہ میں ترک معصیت ضروری ہے پس اس عموم میں فعل طاعت بھی آگیا۔ اس طرح یہ حکم طاعت بجالانے اور گناہ سے بچے رہنے کو کا عام ہوگیا۔

والذین امنوا ۔ یعنی نبی کا کہنا ہی کیا۔ اللہ ان کے ساتھیوں کو بھی ذلیل نہیں کرے گا بلکہ اعزاز و اکرام سے نوازا گیا۔ یہاں صرف مسلمانوں کو اطمینان دلانا ہے پیغمبر کا ذکر یقین کی تقویت کے لئے ہے۔ نبی جیسے نبی کا رسوا نہ ہونا یقینی ہے ایسا ہی مسلمانوں کی رسوائی نہ ہونا بھی یقینی ہے اور رسوائی سے خاص کفر کی رسوائی مراد ہے۔ آیت ان الخزی الیوم والسوء علی الکافرین کی رو سے۔ اسی طرح مومنین سے مطلق مومن مراد ہے اور یہ عام رسوائی قیامت میں ہوگی۔ اس لئے قیامت کی تخصیص کردی۔

ربنا اتمم ۔ قیامت میں ہر مومن کو کچھ نہ کچھ نور عطا ہوگا۔ منافقین کا نور جب گل ہونے لگے گا تب مومنین یہ دعا کریں گے کہ اے اللہ نور ایمان

اخیر تک رکھئے۔ یا یہ معنی ہیں کہ نور ایمان دل میں ہے۔ دل بڑھے تو سارے بدن میں سرایت کرے اور گوشت پوست میں رچ جائے۔ اور یہ اتمام نور سب مومنین کے لئے عام ہے اور اس سے گنہ گار مسلمانوں کا دوزخ میں نہ جانا لازم نہیں آتا کیونکہ نور ایمان کے رہتے ہوئے بھی گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں جانا ممکن ہے۔ رہا یہ شبہ کہ پھر نور باقی رہنے یا گل نہ ہونے سے کیا فائدہ؟ سو اول تو حکم ہے۔ کہ وہ نور اصل میں ان کے ایمان کی صورت مثالیہ ہو اور اس کا نور باقی رہنا وجود ایمان کے لوازم میں سے ہے اور لوازم میں غایت کا سوال ہی زائد ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس نور سے انسیت ہونا بھی اس کی غایت ہے۔ یعنی کفار کی طرح گنہگار مسلمانوں کو دوزخ میں وحشت نہیں ہوگی۔

آیت یا ایھا الذین سے کفار کا مبغوض ہونا معلوم ہوا اس۔ لئے حضور ﷺ کو بطور تفریح کے ارشاد ہے اور ان کے جہنمی ہونے کی اطلاع بھی ہے کہ کفار و منافقین سے سختی سے نبٹئے۔ گویا حضور ﷺ کی نرم خوئی اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اوروں کو فرماتا ہے کہ تحمل کرو اور آپ ﷺ کو فرماتا ہے کہ سختی کرو۔ ہمارے پاس جب یہ آئیں گے تو ہمارے یہاں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی جائے گی۔

انسان کا اپنا عمل اصل چیز ہے اور نسبتاً بعد کی چیز ہے:........... اوپر کی آیت قوا انفسکم و اھلیکم سے دو باتیں معلوم ہوئی تھیں، ایک گھر والے پر گھر والوں کی اصلاح کی ذمہ داری جو دلالت مطابقی کے طور پر ہے۔ دوسرے گھر والے کی خود اپنی اصلاح جو دلالت التزامی سے معلوم ہوئی۔ جو اگرچہ قوا انفسکم و اھلیکم کے عموم میں دلالت مطابقی کے طور بھی داخل ہوسکتی ہے۔ پس اس دوسری صورت کے واجب ہونے پر جس کا زیادہ مصداق عورتیں ہوتی ہیں۔ دو وسوسے ہوسکتے تھے ایک وسوسہ صلحاء کے متعلقین کو ہوسکتا تھا کہ اگر ہم صلحاء نہ بھی ہوں تب بھی ان صالحین کے انتساب میں ہمارے لئے فلاح آخرت ہے۔ اسی طرح دوسرا وسوسہ غیر صلحاء کے متعلقین کو ہوسکتا تھا کہ اگر ہم نیک بھی ہو جائیں تب بھی ان غیر صلحاء کی شامت میں پھنسنا پڑے گا۔ اور ایک تیسرا شبہ کنواری یا بیوہ عورتوں کو بھی ہوسکتا ہے جو سر دست کسی صالح یا غیر صالح سے وابستہ نہیں ہیں۔ وہ یہ کہ شاید عورتوں کی کامل اصلاح مردوں کی اصلاح پر موقوف ہوگی۔ جب ہی تو مردوں کو اصلاح کا حکم ہوا ہے۔ ان شبہات کے رفع کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے اجمالاً عورتوں کے چند قصے فرما دیئے ہیں۔

نوح ولوط کی بیویوں کے قصے تو پہلا شبہ دور ہوگیا۔ اور فرعون کی بیوی کے قصہ سے دوسرا وسوسہ دور ہوگیا اور حضرت مریم کے قصہ سے تیسرا وسوسہ رفع ہوگیا اور چونکہ پہلے وسوسہ میں زیادہ ابتلاء ہے۔ اس لئے اس کے دوہرے قصے بیان فرما دیئے۔ اور تیسرے وسوسہ میں مردوں کو خطاب کرنا تسہیل صلاح کے لئے ہے۔ یہ نہیں کہ صلاح کا توقف اصلاح پر ہے کہ اگر اصلاح ہوگی تو صلاح حاصل ہوگی ورنہ نہیں۔

اچھی بری عورتیں اپنے اعمال پر نظر رکھیں:........... امرأت نوح و امرأت لوط۔ حضرت لوط اور نوحؑ کیسے نیک بندے ہیں مگر دونوں کے گھروں میں بیویاں منافق تھیں۔ بظاہر ان کے ساتھ تعلق تھا۔ مگر دل سے کافروں کے شریک حال تھیں۔ پھر کیا ہوا۔ عام دوزخیوں کے ساتھ ان کو بھی اللہ نے دوزخ میں دھکیل دیا۔ پیغمبروں کا رشتہ زوجیت ذرا بھی عذاب الٰہی سے نہ بچا سکا۔ ان کے برعکس فرعون کی بیوی حضرت آسیہ پکی ایماندار، ان کا شوہر پکا باغی۔ مگر وہ بیوی خاوند کو خدا کے عذاب سے نہ بچا سکی اور نہ ہی خاوند کی شرارت وخباثت کے جرم میں بیوی کو کچھ آنچ آسکی۔ یہ وہم نہ کیا جائے نوح ولوط کے بیویوں کے قصے ازواج مطہرات کے لئے سنائے۔ کیونکہ ان کے لئے تو سورۂ نور میں الطیبات للطیبین کہا جاچکا ہے اور اگر ایسا وہم کیا جائے۔ تو فرعون کی بیوی کی مثال معاذ اللہ کس پر چسپاں کی جائے گی۔

امرأۃ فرعون۔ حضرت موسیٰ کی انہوں نے پرورش کی تھی اور ان کی مددگار تھیں اور ان کی معتقد تھیں بعد میں جب فرعون کو یہ حال کھلا تو انہیں طرح طرح کی نت اذیتوں میں مبتلا کیا۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئیں۔ حتیٰ کہ جان شیریں جان آفرین کے سپرد کردی۔ حدیث میں ان کے ولی کامل ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ اللہ نے بھی ان کے ساتھ مریم کا ذکر کیا ہے۔ فنفخنا فیھا۔ نفخ جبریلی جس کی برکت سے استقرار حمل ہوا حق تعالیٰ نے اپنی

طرف منسوب فرمایا کہ فاعل حقیقی اور موثر بالذات وہی ہیں۔ آخر ہر عورت کے رحم میں جو بچہ بنتا ہے اس کے سوا کون ہے؟ بعض مفسرین نے فروج کے معنی چاک گریباں کے لئے ہیں۔ یہ نہایت بلیغ کنایہ ہے۔ ان کی عفت و پاکدامنی سے جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے گریبان تک بھی کسی کا ہاتھ پہنچنے نہیں دیا۔ عرب بولتے ہیں۔ **فلان نقی الجیب ، طاھر الذیل**۔ اردو میں بھی پاکدامنی کا لفظ عفت سے کنایہ ہوتا ہے اور دامن کی پاکی ناپاکی سے بحث نہیں ہوتی۔

لطائف سلوک:.......... **یا ایھا النبی لم تحرم** ۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی دوسرے کی اتنی رعایت نہ کرو کہ اپنا دنیاوی نقصان ہونے لگے کہ اس سے دوسرے کے اخلاق بھی خراب ہوتے ہیں۔

اعوض عن بعض ۔ اہل اللہ کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے کہ دوسروں کو زیادہ خجل نہیں کرتے۔

توبوا الی اللہ۔ توبہ خالص کے وجوب پر نص ہے۔

امرأة نوح۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض صلحاء کے انتساب پر ناز نہ کرے جب تک اپنے پاس طاعت نہ ہو۔

پارہ نمبر ۲۹

تَبٰرَکَ الَّذِیُ

فہرست پارہ ﴿تبٰرك الذى﴾

تَبٰـرَكَ الَّـذِىْ

سُـوْرَةُ الْمُـلْكِ مَكِّيَّةٌ ثَلاَثُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥

تَبٰرَكَ تَنَزَّهَ عَنْ صِفَاتِ الْمُحْدَثِيْنَ **الَّذِىْ بِيَدِهِ** فِىْ تَصَرُّفِهٖ **الْمُلْكُ** السُّلْطَانُ وَالْقُدْرَةُ **وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرُ ﴿۱﴾ الَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ** فِى الدُّنْيَا **وَالْحَيٰوةَ** فِى الْاٰخِرَةِ اَوْ هُمَا فِى الدُّنْيَا فَالنُّطْفَةُ تَعْرِضُ لَهَا الْحَيٰوةُ وَهِىَ مَابِهِ الْاِحْسَاسُ وَالْمَوْتُ ضِدُّهَا اَوْعَدَمُهَا قَوْلَانِ وَالْخَلْقُ عَلَى الثَّانِىْ بِمَعْنَى التَّقْدِيْرِ **لِيَبْلُوَكُمْ** لِيَخْتَبِرَكُمْ فِى الْحَيٰوةِ **اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا** اَطْوَعُ لِلّٰهِ **وَهُوَ الْعَزِيْزُ** فِىْ اِنْتِقَامِهٖ مِمَّنْ عَصَاهُ **الْغَفُوْرُ ﴿۲﴾** لِمَنْ تَابَ اِلَيْهِ **الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا** بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ مِنْ غَيْرِمَمَا سَّةٍ **مَاتَرٰى فِىْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ** لَهُنَّ وَلَا لِغَيْرِهِنَّ **مِنْ تَفٰوُتٍ** تَبَايُنٍ وَعَدَمِ تَنَاسُبٍ **فَارْجِعِ الْبَصَرَ** اَعِدْهُ اِلَى السَّمَاءِ **هَلْ تَرٰى فِيْهَا مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾** صُدُوْعٍ وَشُقُوْقٍ **ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ** كَرَّةً بَعْدَ كَرَّةٍ **يَنْقَلِبْ** يَرْجِعْ **اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا** ذَلِيْلًا لِعَدَمِ اِدْرَاكِ خَلَلٍ **وَّهُوَ حَسِيْرٌ ﴿۴﴾** مُنْقَطِعٌ عَنْ رُؤْيَةِ خَلَلٍ **وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا** الْقُرْبٰى اِلَى الْاَرْضِ **بِمَصَابِيْحَ** بِنُجُوْمٍ **وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا** مَرَاجِمَ **لِّلشَّيٰطِيْنِ** اِذَا اسْتَرَقُوا السَّمْعَ بِاَنْ يَّنْفَصِلَ شِهَابٌ عَنِ الْكَوْكَبِ كَالْقَبَسِ يُؤْخَذُ مِنَ النَّارِ فَيَقْتُلُ الْجِنِّىَّ اَوْ يُخْبِلُهٗ لَا اِنَّ الْكَوْكَبَ يَزُوْلُ عَنْ مَكَانِهٖ **وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ﴿۵﴾** النَّارِ الْمُوْقَدَةِ **وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۶﴾** هِىَ **اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا** صَوْتًا مُنْكَرًا كَصَوْتِ الْحِمَارِ **وَّهِىَ تَفُوْرُ ﴿۷﴾** تَغْلِىْ **تَكَادُ تَمَيَّزُ** وَقُرِئَ تَتَمَيَّزُ عَلَى الْاَصْلِ تَنْقَطِعُ **مِنَ الْغَيْظِ** غَضَبًا عَلَى الْكُفَّارِ **كُلَّمَآ اُلْقِىَ فِيْهَا فَوْجٌ** جَمَاعَةٌ مِّنْهُمْ **سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ** سُوَالُ تَوْبِيْخٍ **اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ﴿۸﴾** رَسُوْلٌ يُنْذِرُكُمْ

عذاب اللّٰہ تعالٰی **قَالُوْا بَلٰی قَدْ جَآءَ نَا نَذِیْرٌ فَکَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ اِنْ** ما **اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ کَبِیْرٍ** ﴿۹﴾ یحتمل ان یکون من کلام الملائکۃ للکفار حین اخبروا بالتکذیب وان یکون من کلام الکفار للنذر **وَقَالُوْا لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ** ای سماع تفھم **اَوْ نَعْقِلُ** ای عقل تفکر **مَا کُنَّا فِیْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ** ﴿۱۰﴾ **فَاعْتَرَفُوْا** حیث لا ینفع الاعتراف **بِذَنْبِھِمْ** وھو تکذیب النذر **فَسُحْقًا** بسکون الحاء وضمھا **لِاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ** ﴿۱۱﴾ فبعدا لھم عن رحمۃ اللّٰہ تعالٰی **اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ** یخافونہ **بِالْغَیْبِ** فی غیبۃ عن اعین الناس فیطیعونہ سرا فیکون علانیۃ اولی **لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ کَبِیْرٌ** ﴿۱۲﴾ ای الجنۃ **وَاَسِرُّوْا** ایھا الناس **قَوْلَکُمْ اَوِ اجْھَرُوْا بِہٖ اِنَّہٗ** تعالٰی **عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** ﴿۱۳﴾ بما فیھا فکیف بما نطقتم بہ وسبب نزول ذلک ان المشرکین قال بعضھم لبعض اسروا قولکم لا یسمعکم الہ محمد **اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ** ما تسرون ای اینتفی علمہ بذلک **وَھُوَ اللَّطِیْفُ** فی علمہ **الْخَبِیْرُ** ﴿۱۴﴾ فیہ لا **ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا** سھلۃ للمشی فیھا **فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِھَا** جوانبھا **وَکُلُوْا مِنْ رِّزْقِہٖ** المخلوق لاجلکم **وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ** ﴿۱۵﴾ من القبور للجزاء **ءَاَمِنْتُمْ** بتحقیق الھمزتین وتسھیل الثانیۃ وادخال الف بینھا وبین الاخری وترکھا وابدالھا الفا **مَّنْ فِی السَّمَآءِ** سلطانہ وقدرتہ **اَنْ یَّخْسِفَ** بدل من من **بِکُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا ھِیَ تَمُوْرُ** ﴿۱۶﴾ تتحرک بکم وترتفع فوقکم **اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ** بدل من من **عَلَیْکُمْ حَاصِبًا** ریحا ترمیکم بالحصباء **فَسَتَعْلَمُوْنَ** عند معاینۃ العذاب **کَیْفَ نَذِیْرِ** ﴿۱۷﴾ انذاری بالعذاب ای انہ حق **وَلَقَدْ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ** من الامم **فَکَیْفَ کَانَ نَکِیْرِ** ﴿۱۸﴾ انکاری علیھم بالتکذیب عند اھلاکھم ای انہ حق **اَوَلَمْ یَرَوْا** ینظروا **اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَھُمْ** فی الھواء **صٰٓفّٰتٍ** باسطات اجنحتھن **وَّیَقْبِضْنَ** اجنحتھن بعد البسط وقابضات **مَا یُمْسِکُھُنَّ** عن الوقوع فی حال البسط والقبض **اِلَّا الرَّحْمٰنُ** بقدرتہ **اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ بَصِیْرٌ** ﴿۱۹﴾ المعنی لم یستدلوا بثبوت الطیر فی الھواء علی قدرتنا ان نفعل بھم ماتقدم وغیرہ من العذاب **اَمَّنْ** مبتدأ **ھٰذَا** خبرہ **الَّذِیْ** بدل من ھذا **ھُوَ جُنْدٌ** اعوان **لَّکُمْ** صلۃ الذی **یَنْصُرُکُمْ** صفۃ جند **مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ** ای غیرہ یدفع عنکم عذابہ ای لا ناصر لکم **اِنِ** ما **الْکٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ** ﴿۲۰﴾ غرھم الشیطان بان العذاب لا ینزل بھم **اَمَّنْ ھٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُکُمْ اِنْ اَمْسَکَ** الرحمن **رِزْقَہٗ** ای المطر عنکم وجواب الشرط محذوف دل علیہ ما قبلہ ای فمن یرزقکم ای لا رازق لکم غیرہ **بَلْ لَّجُّوْا** تمادوا **فِیْ عُتُوٍّ** تکبر **وَّنُفُوْرٍ** ﴿۲۱﴾ تباعد عن

الْحَقِّ **اَفَمَنْ يَّمْشِىْ مُكِبًّا** وَاقِعًا **عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِىْ سَوِيًّا** مُعْتَدِلًا **عَلٰى صِرَاطٍ** طَرِيْقٍ **مُّسْتَقِيْمٍ**﴿۲۲﴾ وَخَبَرُ مَنِ الثَّانِيَةِ مَحْذُوْفٌ دَلَّ عَلَيْهِ خَبَرُ الْاُوْلٰى اَىْ اَهْدٰى وَالْمَثَلُ فِى الْمُؤْمِنِ وَالْكَافِرِ اَىْ اَيُّهُمَا عَلٰى هُدًى **قُلْ هُوَ الَّذِىْٓ اَنْشَاَكُمْ** خَلَقَكُمْ **وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ** الْقُلُوْبَ **قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ**﴿۲۳﴾ مَا مَزِيْدَةٌ وَالْجُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ مُخْبِرَةٌ بِقِلَّةِ شُكْرِهِمْ جِدًّا عَلٰى هٰذِهِ النِّعَمِ **قُلْ هُوَ الَّذِىْ ذَرَاَكُمْ** خَلَقَكُمْ **فِى الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ**﴿۲۴﴾ لِلْحِسَابِ **وَيَقُوْلُوْنَ** لِلْمُؤْمِنِيْنَ **مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ** وَعْدُ الْحَشْرِ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ**﴿۲۵﴾ فِيْهِ **قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ** بِمَجِيْئِهٖ **عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ**﴿۲۶﴾ بَيِّنُ الْاِنْذَارِ **فَلَمَّا رَاَوْهُ** اَىِ الْعَذَابَ بَعْدَ الْحَشْرِ **زُلْفَةً** قَرِيْبًا **سِيْٓـَٔتْ** اِسْوَدَّتْ **وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ** اَىْ قَالَ الْخَزَنَةُ لَهُمْ **هٰذَا** اَىِ الْعَذَابُ **الَّذِىْ كُنْتُمْ بِهٖ** بِاِنْذَارِهٖ **تَدَّعُوْنَ**﴿۲۷﴾ اِنَّكُمْ لَا تُبْعَثُوْنَ وَهٰذِهٖ حِكَايَةُ حَالٍ تَاتِىْ عُبِّرَ عَنْهَا بِطَرِيْقِ الْمُضِىِّ لِتَحَقُّقِ وُقُوْعِهَا **قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِىَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِىَ** مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِعَذَابِهٖ كَمَا تَقْصِدُوْنَ **اَوْ رَحِمَنَا** فَلَمْ يُعَذِّبْنَا **فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ**﴿۲۸﴾ اَىْ لَا مُجِيْرَ لَهُمْ مِنْهُ **قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ عِنْدَ مُعَايَنَةِ الْعَذَابِ **مَنْ هُوَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ**﴿۲۹﴾ بَيِّنٍ اَنَحْنُ اَمْ اَنْتُمْ اَمْ هُمْ **قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا** غَائِرًا فِى الْاَرْضِ **فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ**﴿۳۰﴾ جَارٍ تَنَالُهُ الْاَيْدِىْ وَالدِّلَاءُ كَمَائِكُمْ اَىْ لَا يَاْتِىْ بِهٖ اِلَّا اللّٰهُ فَكَيْفَ تُنْكِرُوْنَ اَنْ يَّبْعَثَكُمْ وَيُسْتَحَبُّ اَنْ يَّقُوْلَ الْقَارِئُ عَقِيْبَ مَعِيْنٍ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ كَمَا وَرَدَ فِى الْحَدِيْثِ وَتُلِيَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ عِنْدَ بَعْضِ الْمُتَجَبِّرِيْنَ فَقَالَ تَاتِىْ بِهِ الْقَوْسُ وَالْمَعَاوِلُ فَذَهَبَ مَاءُ عَيْنِهٖ وَعَمِىَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْجُرْاَةِ عَلَى اللّٰهِ وَعَلٰى اٰيَاتِهٖ

ع ۲/۲

سورۂ ملک مکیہ ہے جس میں تیس آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: .... وہ بڑا عالی شان ہے (مخلوق کی صفات سے پاک) جس کے قبضہ (تصرف) میں تمام ملک (سلطنت وقدرت) ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت کو (دنیا میں) اور حیات کو پیدا کیا ہے (آخرت میں) یا موت وحیات دونوں دنیا میں پیدا کیں۔ چنانچہ نطفہ میں جان آتی ہے جس کے ذریعہ احساس ہوتا ہے اور موت، حیات کی ضد کا نام ہے یا اس کے عدم کا؟ اس میں دونوں قول ہیں۔ دوسری صورت میں خلق کے معنی تقدیر کے ہوں گے) تا کہ (دنیا میں) تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا (اللہ کا بہت فرمانبردار) ہے اور وہ (نافرمانوں سے انتقام لینے میں) زبردست (توبہ کرنے والوں) کو بخشنے والا ہے۔ جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے (جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں ہیں) تو اللہ کی صنعت میں (آسمانوں اور دوسری چیزوں کی

بناوٹ میں) کوئی خلل (فرق اور بے تکا پن) نہیں دیکھے گا، سوتو پھر نگاہ ڈال کر (دوبارہ آسمانوں کو) دیکھ لے، کہیں تجھ کو (اس میں) کوئی خلل (پھٹن، شگاف) نظر آتا ہے؟ پھر بار بار (یکے بعد دیگرے) نگاہ ڈال کر دیکھ، نگاہ ذلیل ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی (کوئی خلل دکھائی نہ پڑنے کی وجہ سے) درماندہ بن کر (خلل نظر نہ آنے کی وجہ سے تھک کر) اور ہم نے (زمین سے) قریب کے آسمانوں کو چراغوں سے آراستہ کر رکھا ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے (جس وقت سے وہ چوری چھپے سننے کی کوشش کرتے ہیں تو ستارہ سے انگارہ کی طرح کا ایک ٹکڑا جھڑتا ہے اور وہ اس جن کو بھسم کر ڈالتا ہے یا اسے بدحواس بنا ڈالتا ہے یہ نہیں کہ ستارہ ٹوٹتا ہو) اور ہم نے ان کے لئے دوزخ کا عذاب تیار کر رکھا ہے (جو دہکتی آگ ہے) اور جو اپنے پروردگار کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بری جگہ ہے۔ جب (یہ) لوگ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کی بڑی زور کی آوازیں سنیں گے (جو گدھے کی آواز کی طرح کی دھاڑ ہوگی) اور وہ جوش مارتی ہوگی جیسے معلوم ہوتا ہے کہ پھٹ پڑے گی (ایک قرأت میں تتــمیــز اصلی حالت میں ہے۔ یعنی ٹکڑے ہو جائے گی) مارے غصہ کے (کفار پر) جب اس میں (ان کا) کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ اس سے (ڈانٹتے ہوئے) پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا (جو تمہیں عذاب الٰہی سے ڈراتا) وہ کافر کہیں گے کہ واقعی ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا مگر ہم نے اس کو جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ خدا تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں کیا تم بڑی غلطی میں پڑے ہو (ممکن ہے یہ اخیر جملہ فرشتوں نے کفار سے کہا ہو۔ جب کہ کافروں نے ان کو اپنے جھٹلانے کی خبر دی تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کفار ہی کے کلام کا حصہ ہو جو انہوں نے پیغمبروں سے کیا) اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے (غور سے) یا سمجھتے (فکر و تامل کرتے) تو ہم اہل دوزخ نہ ہوتے۔ غرض اقرار کریں گے (مگر جب کہ اقرار سے کچھ فائدہ نہ ہوگا) اپنے جرم (پیغمبروں کو جھٹلانے) کا، سولعنت ہو (سکون حا اور ضمہ حا کے ساتھ ہے) دوزخیوں پر (خدا کی مار ہو) بلاشبہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں بے دیکھے (لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر بس مخفی طور پر اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں تو اعلانیہ اطاعت تو بدرجہ اولیٰ کرتے ہوں گے) ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم (جنت) ہے اور (لوگو) تم چھپا کر بات کرو، یا پکار کر کہو، وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب آگاہ ہے (سو تمہاری بات چیت سے وہ کیسے آگاہ نہیں ہوگا۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ کفار نے ایک دوسرے سے یہ کہا تھا کہ آہستہ آہستہ باتیں کرو کہیں محمد کا خدا نہ سن لے) کیا وہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا ہے (تمہاری پوشیدہ باتیں یعنی کیا اس کو اپنی پیدا کی ہوئی چیز کی خبر نہیں ہے) اور وہ باریک بین ہے (بلحاظ علم کے) باخبر ہے (ایسی بات نہیں ہے) وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا (چلنے کے قابل نرم بنا دیا) سو اس کے راستوں (اطراف) میں چلو پھرو اور اس کی روزی میں سے (جو اس نے تمہاری خاطر پیدا فرمائی) کھاؤ پیو اور اس کے پاس (قبروں سے اٹھ کر جزا کے لئے) دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل کرتے ہوئے اور دونوں کے ہمزہ کے درمیان الف کے ساتھ اور بغیر الف کے اور ہمزہ کو الف سے بدل کر ہے) اس ذات سے جو آسمان میں ہے (اس کی سلطنت وقدرت) کہ وہ تمہیں رہنے دے (من سے بدل ہے) زمین میں پھر وہ زمین تھرتھرانے لگے (ڈانواڈول ہو کر تمہارے اوپر آ جائے) یا تم لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو کہ آسمان میں ہے کہ وہ تم پر چلا دے (من سے بدل ہے) ہوائے تند (جس میں پتھریاں اڑ کر تمہیں لگیں) سو عنقریب (عذاب آنے پر) تمہیں پتہ چل جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا (عذاب کے سلسلہ میں یعنی برحق تھا) اور ان سے پہلے (امتوں کے) جو لوگ ہو گزرے ہیں انہوں نے جھٹلایا تھا۔ سو میرا عذاب کیسا ہوا؟ (تباہ کر کے جھٹلانے کا مزہ چکھا دیا یعنی عذاب برحق نکلا) کیا ان لوگوں نے پرندوں کی طرف نظر نہیں کی جو ان کے اوپر (ہوا میں) پر پھیلائے ہوئے (بازو کھولے ہوئے) ہیں اور سمیٹ لیتے ہیں (اپنے پر پھیلانے کے بعد، یقبضن بمعنی قابضات ہے) ان کے پروں کے پھیلانے اور سمیٹنے کے وقت) کوئی تھامے ہوئے نہیں بجز

رحمان (کی قدرت) کے بے شک وہ ہر چیز دیکھ رہا ہے (مطلب یہ ہے کہ کافر پرندوں کو ہوا میں دیکھ کر ہماری قدرت نہیں سمجھتے کہ ہماری پہلی کارروائی کر کے اور دوسرے طریقوں سے انہیں عذاب دے سکتے ہیں) ہاں کون ہے؟ (مبتداء) وہ (خبر) جو (هذا سے بدل ہے) تمہارا لشکر (مددگار بن کر لكم الذى كا صلہ ہے) تمہاری حفاظت کرے (جند کی صفت ہے) ارحمٰن کے سوا (یعنی اس کے علاوہ کون اس کے عذاب کو تم سے دور کر سکتا ہے یعنی کوئی تمہارا مددگار نہیں ہے) کافر تو نرے دھوکہ میں ہیں (شیطان نے ان کو فریب دے رکھا ہے کہ ان پر عذاب نہیں آئے گا) ہاں! وہ کون ہے جو تم کو روزی پہنچادے؟ اگر (رحمٰن) اپنی روزی بند کردے (یعنی بارش روک لے۔ جواب شرط محذوف ہے جس پر پہلا کلام دلالت کر رہا ہے۔ یعنی فمن یرزقکم حاصل یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی روزی رساں نہیں ہے) بلکہ یہ لوگ جمے ہوئے (حد سے بڑھے ہوئے) ہیں۔ سرکشی (تکبر) اور نفرت (حق سے دوری) پر۔ سو کیا جو شخص منہ کے بل گرتا ہوا چل رہا ہو وہ منزل مقصود پر زیادہ پہنچنے والا ہے یا وہ شخص جو سیدھا (میانہ روی کے ساتھ) ایک ہموار سڑک پر چلا جا رہا ہو (دوسرے من کی خبر محذوف ہے جس پر پہلے من کی خبر دلالت کر رہی ہے۔ یعنی اھدیٰ اور یہ مثال مومن وکافر کی ہے کہ ان میں سے کون ہدایت پر ہے) آپ کہہ دیجئے کہ وہی ہے کہ جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو (ما زائد ہے اور جملہ مستانفہ ہے، ان نعمتوں پر ان کا بہت کم شکر ادا کرنے کی اطلاع دینے کے لئے ہے) آپ کہئے کہ وہی ہے جس نے تمہیں روئے زمین پر پھیلایا اور تم اس کے پاس (حساب کے لئے) اکٹھے کئے جاؤ گے اور یہ لوگ (مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (قیامت) کب ہوگا۔ اگر تم سچے ہو (اس میں) آپ کہئے کہ اس کے (آنے کا) علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو محض صاف صاف ڈرانے والا ہوں پھر جب اس عذاب کو (حشر کے بعد) آتا ہوا (نزدیک) دیکھیں گے تو کافروں کے منہ بگڑ (کالے ہو) جائیں گے اور کہا جائے گا (داروغہ جہنم کی زبانی) یہی (عذاب) ہے وہ جس کو تم (ڈرانے کے وقت) کہا کرتے تھے (کہ تمہارا حشر نہیں ہوگا اور یہ آئندہ کے حال کی حکایت ہے جس کو ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے یقینی ہونے کی وجہ سے آپ کہئے کہ تم یہ بتلاؤ کہ اگر خدا تعالیٰ مجھ کو اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کر دے (مومنین کو عذاب کے ذریعہ جو تمہارا مقصد ہے) یا ہم پر رحم فرمادے (ہمیں عذاب نہ دے۔ تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا (کوئی نہیں بچا سکتا) آپ کہئے کہ وہ بڑا مہربان ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اسی پر توکل کرتے ہیں سو عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا (تاء اور یاء کے ساتھ ہے عذاب آنے پر) کہ کون صریح گمراہی میں ہے (ہم یا تم یا وہ) آپ کہئے اچھا یہ بتلاؤ کہ اگر تمہارا پانی (زمین میں) نیچے کو غائب ہی ہو جائے، سو وہ کون ہے جو تمہارے پاس سوت کا پانی لے آئے (جس تک ہاتھ اور ڈول پہنچ جائیں جیسا کہ عام طور پر پانی میں ہوتا ہے یعنی بجز اللہ کے کوئی نہیں لاسکتا۔ پھر کیسے قیامت میں اٹھنے کا انکار کر رہے ہو۔ قاری کے لئے مستحب ہے کہ معین پر پہنچنے کے بعد جواب میں اللہ رب العالمین کہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ یہ آیت ایک متکبر کے سامنے پڑھی گئی تو جواب میں کہنے لگا ہم پھاوڑوں اور کدالوں سے پانی نکال لائیں گے۔ چنانچہ فوراً اس کی آنکھ کا پانی خشک ہو گیا اور وہ اندھا ہو گیا خدا کی پناہ۔ اللہ اور اس کی آیات کے مقابلہ میں ایسی جرأت۔

تحقیق وترکیب:............سورۃ الملک۔ اس سورۃ کا نام واقیہ اور منجیہ بھی ہے اور تورات میں اس کا نام مانعہ بھی آیا ہے۔ ابن شہابؒ اس کو مجادلہ کہا کرتے تھے۔

الموت والحیات. اہلسنت کے نزدیک یہ دونوں صفتیں علم وقدرت کے علاوہ ہیں اور حرارت وبرودت کی طرح دونوں وجودی ہیں۔ جو ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ذات سے زائد ہوتی ہیں۔ ابن عباسؓ کلبیؒ مقاتلؒ فرماتے ہیں۔ ان الموت والحیات جسمان۔ البتہ معتزلہ کے نزدیک موت عدمی ہے۔ خواہ عدم سابق ہے یا عدم لاحق۔ پہلی صورت میں تقابل تضاد ہوگا اور دوسری صورت

میں تقابل عدم ملکہ نیز پہلی صورت میں خلق اپنے معنی میں رہے گا۔ لیکن دوسری صورت میں بمعنی قدر ہوگا۔ یعنی ارادہ الٰہی کا تعلق جو موجودات اور معدومات دونوں سے ہوسکتا ہے۔

لیبلوکم. یہ شبہ نہ کیا جائے کہ معلومات متجدد ہونے کی وجہ سے علم الٰہی کا تجدد لازم آتا ہے کیونکہ یہاں یہ مراد ہے کہ اللہ ایسا معاملہ کرتا ہے جیسے آزمائش کرنے والا کیا کرتا ہے۔

ایکم احسن عملا. ایکم مبتداء اور احسن خبر اور عملا تمیز ہے اور جملہ محل نصب میں یبلوکم کا مفعول ثانی ہے ابوالسعودؒ کہتے ہیں کہ تعلیق عمل اگرچہ افعال قلوب کا خاصہ ہے۔ لیکن بلی میں چونکہ انجام کا علم ہوتا ہے اس لئے بطور تمثیل یا استعارہ تبعیہ اس کو بھی افعال قلوب کے قائم مقام کرلیا جاتا ہے۔

سبع سمٰوات. کہا جاتا ہے کہ پہلا آسمان لپٹی ہوئی موج ہے اور دوسرا سفید مرمر کا اور تیسرا لوہے کا اور چوتھا پیتل کا اور پانچواں چاندی کا اور چھٹا سونے کا اور ساتواں سرخ یاقوت کا ہے۔

طباقاً. طبقه کی جمع ہے جیسے رحبة کی جمع رحاب آتی ہے۔ یا طبق کی جمع ہے۔ جیسے جمل اور حبل کی جمع جمال اور حبال آتی ہے یا مصدر ہے بطور مبالغہ سمٰوات کی صفت ہے یا فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ طابق النعل بالنعل سے ماخوذ ہے۔ بقاعیؒ کہتے ہیں کہ آسمان کا ہر جز دوسرے جز کے مطابق ہے، کوئی جز خارج نہیں ہے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ زمین کو کروی مانا جائے اور آسمان دنیا زمین کے لئے محیط ہے۔ جس طرح انڈے کا چھلکا اپنی سفیدی اور زردی کے لئے محیط ہوتا ہے، بقیہ تمام آسمان بھی اسی طرح ایک دوسرے پر محیط ہیں اور عرش وکرسی ان پر محیط ہیں۔ ساتواں آسمان اس کے سامنے ایسی نسبت رکھتا ہے جیسے ایک چھلہ میدان میں پڑا ہو، اہل ہیئت بھی یہی کہتے ہیں اور ظاہر شرع بھی اس کے موافق ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقة الحال.

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں کے درمیان فاصلے ہیں پیاز کے چھلکوں کی طرح ایک دوسرے سے چپکے ہوئے نہیں جو فلاسفہ کا نظریہ ہے۔

ماتریٰ. مفسرؒ نے لهن سے جملہ مستانفہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قاضی بیضاویؒ اس کو سبع سموات کی صفت مان رہے ہیں۔

فارجع البصر. یعنی بار بار کی نظر سے بھی کوئی عیب نظر نہیں آئے گا یہ جملہ ماتریٰ پر مرتب ہے۔

کرتین. مرتین کے معنی میں ہے۔ مصدر کی وجہ سے منصوب ہے تثنیہ مراد نہیں بلکہ تکثیر مراد ہے۔ جیسے لبیک وسعدیک وحنانیک وھذا ذیک میں کثرت مقصود ہوتی ہے۔ ورنہ تثنیہ حقیقی لینے کی صورت میں ینقلب الیک البصر سے تعارض ہوجائے گا۔ لیکن ابن عطیہؒ اس کے معنی مرتین کے لیتے ہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ پہلی نظر تو آسمان کی زیبائش وآرائش دیکھنے کے لئے اور دوسری نظر ستاروں کی چال وگردش دیکھنے کے لئے ہے۔

من فطور. زمخشریؒ کہتے ہیں کہ فطر کی جمع ہے فطره فانفطر بمعنی شق۔

حسیر. بمعنی کلیل۔ فعیل بمعنی فاعل ہے۔

حسور کے معنی تھک جانے اور عاجز ہوجانے کے ہیں۔

سماء الدنیا. مصنفؒ نے اشارہ کیا ہے کہ آسمان کا قرب مطلق مراد نہیں بلکہ اضافی قرب یعنی بلحاظ زمین مراد ہے ورنہ عرش کے اعتبار سے تو یہ نسبت برعکس ہے۔ زحل ساتویں آسمان پر اور مشتری چھٹے پر اور مریخ پانچویں پر، آفتاب چوتھے پر، زہرہ تیسرے

پر، عطارد دوسرے پر اور چاند آسمان دنیا پر۔ اس طرح سبع سیارات اہل ہندسہ کے نزدیک سبع سمٰوات میں منتشر ہیں۔ ایک ایک ستارہ ایک ایک فلک ثوابت میں مانتے ہیں لیکن آیت میں صرف آسمان دنیا کی آرائش کا ذکر ہے یعنی خود اس میں کوئی ستارہ نہیں ہے یہ آسمان صاف ہے اوپر والے آسمانوں کے ستارے اس میں سے اہل دنیا کو دکھلائی دیتے ہیں۔

رجوما. رجم مصدر ہے بمعنی تیر جیسا کہ مدارک میں ہے اسی لئے مفسرؒ نے مراجم کہا مصدر مفعول مراد ہے چونکہ لفظ زینت تو یہ چاہتا ہے کہ ستارے اپنی جگہ برقرار رہیں۔ ورنہ آرائش کیسی اور شیاطین کا رجم چاہتا ہے کہ ستارے اپنی جگہ قائم نہ رہیں۔ دونوں باتوں کے جمع کرنے کی کیا صورت ہے؟ مفسرؒ نے اسی کی توجیہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رجم ستاروں کے ٹکڑوں سے ہو جاتا ہے سارے ستاروں کے ٹوٹنے کی ضرورت نہیں۔ جیسے آگ کی چنگاریاں اڑتی رہتی ہیں لیکن آگ بدستور قائم رہتی ہے۔

ان انتم . اگر یہ فرشتوں کا کلام ہے تو تقدیر عبارت قالت الخزنة ان انتم الخ ہوگی لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی کفار کا مقولہ ہے۔

فسحقا. صراح میں ہے کہ سحق کے معنی دوری کے ہیں۔ یہ منصوب ہے مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ای الزمهم الله سحقاً اور یا مصدر کی وجہ سے منصوب ہے ای سحقهم الله سحقاً۔

فی مناکبها. بقول بغوی منکب کے معنی جانب کے ہیں۔ منکب الرجل. الرمح نکباء. تنکب فلان بولتے ہیں۔

ء امنتم . اس میں پانچ قرأتیں ہوئیں۔ دو تحقیق ہمزہ کی اور دو تسہیل ہمزہ کی اور پانچویں ابدال ہمزہ کی۔

ان یخسف ۔ یہ من سے بدل اشتمال ہے۔

حاصباً ۔ صراح میں ہے کہ تخت ہوا جس میں سنگریزے برسیں۔

کیف نذیر. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ نذیر بمعنی انذار ہے اور یا محذوف ہے۔

ویقبضن. مفسرؒ نے قابضات سے اشارہ کیا ہے کہ فعل اسم فاعل کی تاویل کر کے صافات پر عطف ہو رہا ہے اور دونوں کی تعبیر میں فرق کا نکتہ یہ ہے کہ اصل اڑنے میں پروں کا پھیلانا ہے اور پروں کا سمیٹنا خلاف اصل ہے پس اصل حالت کی رعایت کرتے ہوئے اس کو اسم فاعل سے تعبیر کیا گیا ہے اور عارضی حالت کو فعل سے تعبیر کیا گیا جو حدوث پر دلالت کرتا ہے۔

ام من. ام منقطعہ ہے۔ بمعنی بل من استفہامیہ پر داخل ہے۔ اس لئے بل اور ہمزہ دونوں کے ساتھ تفسیر کرنا۔ صحیح نہیں ہے من اگرچہ نکرہ ہے۔ لیکن سیبویہؒ کے نزدیک اس کو مبتداء بنانا صحیح ہے۔ جبکہ مبتداء اسم استفہام ہو اور دوسرے حضرات کے نزدیک ترکیب برعکس ہوگی یعنی ھذا مبتداء ہے اور من خبر ہے۔

ھو جندلکم . ینصرکم مفرد لایا گیا۔ لفظ جند کی رعایت ورنہ معنی کی رعایت سے ینصرونکم آنا چاہئے تھا چنانچہ مفسر نے اعوان سے تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ جند لفظ مفرد اور معنی جمع ہے اور لاناصر سے مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ من استفہام انکاری کے لئے ہے۔ ابوحیانؒ کہتے ہیں کہ ام منقطعہ بمعنی بل ہے ہمزہ استفہام کے معنی میں نہیں ہے۔ ورنہ دو استفہاموں کا اجتماع لازم آئے گا اور جملہ استفہامیہ کفار کے عقیدے کے پیش نظر لایا گیا وہ غیر اللہ کو ناصر، رازق مانتے تھے اور من موصولہ بھی ہوسکتا ہے۔ اس وقت ہذا مبتداء اور الذی خبر، جملہ مل کر صلہ ہو جائے گا۔ بتقدیر القول ای ایعلم الذی یقال فی حقه ھذا والذی ھو جندلکم ینصرکم من دون الرحمن.

ام من ھذا الذی یرزقکم. زمخشری من موصولہ کہتے ہیں۔

یمشی مکبا. مکب اسم فاعل ہے۔ اکب لازم کا جو کب کا مطاوع ہے کب متعدی آتا ہے کتبه الله اور اکب لازم آتا

ہے۔ اکب بمعنی سقط اگر چہ مشہور قاعدہ یہ ہے کہ ہمزہ تعدیہ کے لئے آیا کرتا ہے مگر یہاں برعکس ہے۔

امن یمشی. دوسرے من کے خبر کی ضرورت نہیں کہ **زید قائم ام عمرو** میں خبر محذوف ماننے کی ضرورت نہیں بلکہ عمرو کا عطف زید پر عطف مفردات کے قبیل سے مان لیا جائے تو دونوں کی خبر واحد لائی جائے گی۔ کیونکہ **ام احد الشیئین** کے لئے ہوتا ہے یہاں بھی یہی توجیہ ہوسکتی ہے پھر مفسرؒ کی توجیہ کی ضرورت نہیں رہتی اس آیت میں مشبہ بہ تو مذکور ہے مگر مشبہ محذوف ہے جیسا کہ سیاق دلالت کررہا ہے۔ مفسرؒ نے **ایهما اهدی** سے اشارہ کیا ہے کہ یہاں اسم تفضیل مراد نہیں ہے بلکہ مراد اصل فعل ہے۔

قلیلا ماتشکرون. **قلیلا** مصدر محذوف کی صفت ہے۔ ای **شکراً قلیلا** اور ما زائد ہے تاکید قلت کے لئے اور جملہ حال مقدر ہے اور کفار اگر مخاطب ہیں تو قلیل کے معنی عدم کے ہوں گے ورنہ ظاہری معنی ہیں۔

ان کنتم صٰدقین. جواب شرط محذوف ہے **افبینوا وقته**.

فلما راوہ مجاہدؒ عذاب بدر مراد لیتے ہیں۔

زلفة. مصدر ہے مذکر ومؤنث دونوں کے لئے آتا ہے۔

تدعون. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ **ادعاء** بمعنی **دعویٰ** سے ہے مفعول مقدر ہے اور بعض نے **دعا** سے ماخوذ مانا ہے۔

فستعلمون. اکثر قراء کے نزدیک تاء کے ساتھ اور کسائی کے نزدیک یا کے ساتھ ہے۔

من هو فی ضلال مبین. مفسرؒ نے **انحن** سے اشارہ کیا ہے کہ من استفہامیہ مبتداء ہے۔ **هو** ضمیر منفصل ہے اور ظرف خبر ہے پھر جملہ قائم مقام مفعولین ہے ستعلمون کا اور **انتم** کا تعلق تا کی قرأت سے اور **هم** کا تعلق یا کی قرأت سے ہے۔

غورا. یہ **اصبح** کی خبر ہے اور اسم فاعل کے ساتھ تاویل خبر کے صحیح کرنے کے لئے کی ہے اور مصدر مبالغہ کے لئے بھی ہوسکتا ہے اہل مکہ کے لئے پانی صرف بیر زمزم اور بیر معونہ میں تھا۔

معین. اس کا اصل **معیون** بروزن مفعول تھی۔ جیسے کہ مبیع کی اصل مبیوع تھی حرفی تعلیل ہوگی۔ بعض کے نزدیک **معن الماوی کثر** سے ماخوذ ہے۔ اس صورت میں فعیل کے وزن پر ہوگا مفعول کے وزن پر نہیں۔ اول صورت پر میم زائد اور دوسری صورت میں میم اصلی رہے گا۔

ربط آیات: .... سورۂ تحریم میں رسالت کے حقوق کا بیان ہوا تھا۔ اس سورت میں توحید کے حقوق ارشاد ہیں اور ان کے پورا کرنے نہ کرنے پر نتائج مرتب ہونے کا تذکرہ ہے نیز پہلی سورت میں خاص اہل سعادت وشقاوت کا ذکر تھا اور اس سورت میں مطلقاً سعداء اور اشقیاء کا بیان ہے۔

فضائل وشان نزول: .... ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ان سورة من کتاب الله ماهی الاثلثون اية شفعت لرجل یوم القیامة فاخرجته من النار وادخلته الجنة وهی سورة تبارک.**

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میت جب قبر میں رکھ دی جاتی ہے تو عذاب اگر پاؤں کی جانب سے آنا چاہے گا تو یہ سورت رکاوٹ بن جائے گی۔ کیونکہ یہ شخص پاؤں پر کھڑے ہوکر رات میں تلاوت کرتا تھا اسی طرح سرہانے سے عذاب آنا چاہے گا ادھر سے بھی تلاوت کی وجہ سے رکاوٹ ہوجائے گی اور فرمایا۔ **هی المانعة من عذاب الله وهی فی التوراة سورة الملک من قرأها فی لیلة فقد اکثر واطنبت.**

ابن عباسؓ آنحضرتؐ سے نقل کرتے ہیں کہ ودت ان تبارک الملک فی قلب کل مومن واسروا قولکم. مفسرؒ نے جو شان نزول ذکر کیا ہے وہ بقول بغوی ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

﴿ تشریح ﴾:.............. تبارك الذی. اس میں اللہ کی صفات واعمال کا بیان ہے کہ اس نے موت وحیات کا یہ سارا نظام اس لئے کر رکھا ہے کہ وہ تمہارے اعمال کی جانچ کرے کہ کون برے کام کرتا ہے، کون اچھے؟ تاکہ اس پہلی زندگی کے اس امتحان کا نتیجہ دوسری زندگی میں سامنے آ سکے۔ اگر فرض کرو پہلی زندگی نہ ہوتی تو کون عمل کرتا اور موت نہ آتی تو لوگ مبداء اور منتٰہی سے غافل اور بے فکر ہوکر عمل چھوڑ بیٹھتے اور دوبارہ زندہ نہ کئے جاتے تو بھلے برے کا بدلہ کہاں ملتا۔ یا ایک دم اگر ساری دنیا پیدا ہوتی اور ایک ساتھ سب مر جاتے تب بھی آزمائش وعبرت حاصل نہ ہوتی۔ اب دونوں سلسلے تدریجاً جاری ہیں جو ہر آن موعظمت میں موثر ہیں۔

آسمان موجود ہیں یا نہیں؟:.............. سبع سمٰوات. احادیث میں سات آسمان اور ان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافتوں کا ذکر ہے۔ مگر مفسرینؒ نے اس کی کہیں تصریح نہیں کی کہ اوپر جو ہمیں نیلگونی نظر آتی ہے، وہی آسمان ہے ہوسکتا ہے کہ ساتوں آسمان اس کے اوپر ہوں اور یہ نیلگونی نور وظلمت کا مجموعہ ہو۔ جو آسمان کی چھت گیری ہو۔

بظاہر ماتریٰ فی خلق الرحمٰن الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان بلاحجاب یا اس نیلگوں سقف کے حجاب میں سے اس طرح نظر آتا ہے کہ اگر اس میں کوئی عیب وخلل ہوتا تو نظر آ جاتا۔ رہا یہ شبہ کہ پھر دروازے نظر کیوں نہیں آتے؟ ممکن ہے دروازے اتنے بڑے نہ ہوں جو اتنی دور سے نظر آئیں اس پر پھر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ شاید شقاق اور شقوق بھی چھوٹے ہوں تو جواب یہ ہے کہ عادتاً بڑی عمارت میں جب شگاف پڑتا ہے تو بڑا ہی شگاف پڑا کرتا ہے پھر وہ روزانہ بڑھا کرتا ہے پس یہاں بھی ایسا ہی ہونا چاہئے تھا حالانکہ اب تک نظر نہیں آیا اور ایسے موقعوں پر ملازمت عادیہ کافی ہوتی ہے اور آسمان کا اگر غیر مرئی ہونا ثابت ہوجائے تو پھر عقلی نظر کو نظر حسی سے تشبیہ دیتے ہوئے فکر وتامل کرنے کے معنی لے لئے جائیں گے اور بعض کی رائے ہے کہ یہ آسمان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے اور مطلب یہ ہے کہ بڑی گہری نظر سے دیکھا جائے تو اللہ کا کوئی کام خلاف حکمت معلوم نہیں ہوگا اور جس کو خلاف حکمت ہونے کا وہم ہوتا ہے وہ سطحی نظر کی وجہ سے ہوتا ہے تعمق کیا جائے تو حکمت کھل جائے گی۔

بہرحال قدرتی نظام میں ذرہ برابر فرق نہیں انسان سے لے کر حیوانات، نباتات، عناصر، سات آسمان، اجرام علویہ تک سب چیزوں میں یکساں کاریگری دکھلائی یہ نہیں کہ بعض چیزوں کو حکمت وبصیرت سے اور بعض کو یوں ہی بے تکے پن سے بیکار وفضول بنا ڈالا ہو۔ جہاں کسی کو یہ وہم گزرے تو سمجھو کہ یہ اس کی عقل ونظر کا قصور وفتور ہے نیچے سے اوپر تک ساری کائنات ایک قانون اور مضبوط نظام میں جکڑی ہوئی ہے کڑی سے کڑی ملی ہوئی ہے۔ لیکن کوئی روزن یا دراڑ نہیں ہے ہر چیز ویسی ہی ہے جیسا اسے ہونا چاہئے تھا۔ آسمانوں کو دیکھو، کہیں اونچ نیچ یا خلل وشگاف نہیں بلکہ ایک صاف، ہموار، مربوط ومنظم چیز نظر آئے گی جس پر ہزاروں قرن گزر گئے۔ مگر مجال ہے کہیں کوئی فرق پڑا ہو اور بار بار دیکھو تب بھی کہیں کوئی رخنہ نہیں دکھائی دے گا۔ تمہاری نگاہ تھک جائے گی، آنکھیں چکرا جائیں گی اور لگاتار نظر ڈالنے سے نگاہیں ذلیل وماندہ ہوکر ناکام واپس آ جائیں گی پر قدرتی نظام میں ادنیٰ جھول نظر نہیں آئے گا۔

ولقد زینا السماء. ادھر دنیا کے اس آسمان کی طرف رات کو نظر کرو، ستارے کیسے جگ مگ جگ مگ کرتے ہیں کہ ایک خوبصورت اور منقش چادر معلوم ہوتی ہے آسمان کی شان، شوکت، چمک، دمک کے کیا کہنے۔

نہ ڈرنے کا انجام: .... الم یاتکم نذیر. اس وقت یہ پوچھنا اور زیادہ ذلیل ومجوب کرنے کے لئے ہوگا۔ چنانچہ نہایت حسرت وندامت کے ساتھ کھسیانے ہوکروہ جواب دیں گے کہ بے شک! ڈرانے والے آئے تھے، ہم نے ان کی بات نہ مانی اور برابر انہیں جھٹلاتے رہے مگر ہمیں کیا خبر تھی کہ یہ ڈرانے والے ہی سچے نکلیں گے اگر ہم اس وقت کسی ناصح کی بات سنتے یا عقل سے کام لیتے تو آج دوزخیوں کے زمرہ میں کیوں شامل ہوتے اور تم کو یہ طعن دینے کا موقعہ کیوں ملتا۔

فاعترفوا. قیامت کے روز دوزخ میں دوزخی خود اقرار کرلیں گے کہ بے شک ہم مجبور ہیں یوں ہی بے مقصود ہم کو دوزخ میں نہیں ڈالا جارہا ہے۔ لیکن اس وقت اقرار سے کیا حاصل ارشاد ہوگا دفع ہوجاؤ۔ **بالغیب** کا ایک مطلب تو وہ ہے جو مفسرینؒ نے بیان فرمایا کہ لوگوں سے الگ تھلگ ہوکر خلوت وتنہائیوں میں اپنے خدا کو یاد کرکے خائف رہتے ہیں اور یا یہ مطلب ہے کہ گو اللہ کو دیکھا نہیں، وہ نظروں سے اوجھل ہے، مگر اس پر اور اس کی صفات پر پیغمبروں کے بتلانے سے پورا یقین رکھتے ہیں اور اس کی عظمت وکبریائی کے تصور سے کانپتے ہیں اور اس کے عذاب کے دھیان سے بھی لرز جاتے ہیں۔

انه علیم بذات الصدور. اللہ کو اگر چہ تم نہیں دیکھتے، مگر وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور تمہاری خلوت وجلوت سب کو جانتا ہے بلکہ دلوں میں جو خیالات اور سینوں میں جو راز ہیں ان کی بھی خبر رکھتا ہے۔ غرض وہ تم سے غائب ہے پر تم اس سے غائب نہیں ہو تمہارا اور تمہارے اقوال وافعال ہر چیز کا خالق ومختار وہ ہے اس لئے اسے ہر چیز کا پورا پورا علم بھی ہے کیونکہ علم کے بغیر کسی چیز کا پیدا کرنا ہی ممکن نہیں۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو پیدا کرے وہی نہ جانے۔

زمین پر تمہاری نہیں اللہ کی حکومت ہے: .... **هو الذی جعل لکم الارض.** انعامات الٰہی پر نظر ڈالو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ زمین تمہارے پھرنے، بولنے، جوتنے، کھانے کمانے کے لئے بنائی گئی۔ لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ جس نے تمہیں روزی دی ہے، ایک دن اس کے پاس جانا ہے اسی کے ساتھ اگر آسمانوں پر نظر ڈالوگے تو تمہیں اللہ کی شان تمہاری نظروں سے نظر آئے گی۔ زمین اگر چہ تمہارے لئے ذلیل وپامال ہے مگر اس پر حکومت آسمان والے کی ہے وہ اگر تم کو چاہے تو تم کو زمین میں دھنسادے۔ زمین بھونچال سے لرزنے لگے اور تم اس میں اترتے جاؤ لہٰذا اس مالک مختار سے نڈر بن کر شرارتوں پر نہ اتر آؤ اور اس کی ڈھیل پر خود فریبی کا شکار نہ ہوجاؤ زمین پر چلو پھرو، کماؤ دھماؤ، مگر اللہ کو نہ بھولو، ورنہ وہ تم پر آندھی بھیج سکتا ہے، پتھروں کا مینہ برسا سکتا ہے، اس وقت کیا کروگے تمہاری ساری دوڑ دھوپ دھری رہ جائے گی آخر پہلی قوموں کی تباہی سے عبرت پکڑو۔

پرندے زمین پر گرتے نہیں ہیں: .... **اولم یروا الی الطیر.** زمین وآسمان کے بعد اب درمیانی چیزوں کو دیکھ کر اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کرو آسمان وزمین کے درمیان پرندوں کو دیکھو، کس طرح پر کھول یا سمیٹ کر ہوا میں تیرتے یا معلق رہتے ہیں اور ثقل طبعی اور سیلان مرکز کے باوجود کس طرح تھمے رہتے ہیں اور گرتے نہیں۔ زمین کی کشش اس ذرا سے پرندے کو اپنی طرف کھینچ سکتی ہے مگر بتلاؤ رحمٰن کے سوا کس کا ہاتھ ہے جس نے انہیں فضاء میں تھام رکھا ہے بلاشبہ رحمٰن نے اپنی رحمت وحکمت سے اس کی ساخت ایسی کی اور اس میں وہ قوت رکھی جس سے وہ بے تکلف ہوا میں گھنٹوں ٹھہر سکیں۔ پس وہ آسمان سے سرکشوں پر عذاب بھی اتار سکتا ہے مگر جس طرح پرندے رحمت سے تھمے ہوئے ہیں، اسی طرح عذاب بھی رحمت کے باعث رکا ہوا ہے۔

هو جند لکم. رحمان سے الگ ہوکر اگر کسی کو کہیں سے مدد پہنچنے کی امید ہو تو وہ سخت دھوکا میں پڑا ہوا ہے وہ عذاب بھی نہ بھیجے محض اپنی روزی ہی روک لے تو کس کی مجال ہے کہ تم پر رزق کے دروازے کھول دے۔ دل میں تو منکرین یہی سمجھتے ہیں مگر شرارت

اور سرکشی سے دین فطرت کی طرف آتے ہوئے بدکتے ہیں جو ناہموار راستہ پر اوراوندھامنہ ہوکر چلتا ہواس کے منزل مقصود تک پہنچنے کی کیا توقع ہوسکتی ہے مقصداعلیٰ تک وہی پہنچے گا جو سیدھے راستہ پر آدمیوں کی طرح سیدھا چلے۔

ایک موحد اور مشرک کی چال الگ الگ ہے: .... ایک موحد ومشرک کی چال میں جیسے دنیا میں فرق ہے، محشر میں بھی یہی ہوگا حالانکہ سننے کے لئے اللہ نے کام اور دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سمجھنے کے لئے دل دیئے ہیں کہ ان قوتوں کو ٹھیک مصرف میں لگائیں اور اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری میں لگیں مگر شکرگزار بندے کم ہیں۔ انسان غور کرے کہ ابتداء بھی اس سے ہوئی ہے اور انتہاء بھی اس پر ہوگی جہاں سے آئے تھے وہیں جانا ہے اس لئے ایک دم بھی اس سے غافل نہیں ہونا چاہئے تھا ہمہ وقت اسی کی فکر رہنی چاہئے تھی مگر کتنے ہیں ایسے بندے؟ رہا قیامت کے بارے میں، یہ پوچھتے رہتے ہیں سو اس کا بار بار جواب دیا جارہا ہے تاکہ ٹھیک ٹھیک ناپ تول کر اس کی تعیین اللہ کو معلوم ہے مجھے نہیں معلوم البتہ جو یقینی چیز آنے والی ہے اس سے خبر دار کردینا اور خوفناک مستقبل کی نشاندہی میرا فرض منصبی ہے جو میں ادا کر چکا ہوں۔

فلما رأوہ . منکرین اب تو جلدی مچار ہے ہیں لیکن جب وعدہ قریب آئے گا، بڑے بڑے مشرکوں کے منہ بگڑ جائیں گے اور چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں گی۔

مسلمان آباد ہوں یا برباد، کافروں کو کیا فائدہ؟: .... **قل ارأیتم** . یعنی اس وقت کفار اگر چہ تمنا کرتے ہیں کہ جلد مرمرا کر قصہ ختم ہوجائے لیکن حق تعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ یہ کہئے کہ میں اور میرے ساتھی بالفرض اگر دنیا میں سب ہلاک ہوجائیں، تمہارے خیال کے مطابق اور یا مجھے اور میرے ساتھیوں کو اپنے فضل سے اللہ کامیاب و بامراد فرمائے ہمارے عقیدے کے مطابق غرض ان دونوں صورتوں میں سے جو بھی ہو، تم بتلاؤ کہ تمہیں اس سے کیا فائدہ؟ دنیا میں ہمارا انجام کچھ بھی ہو، بہرحال آخرت میں ہمارے لئے بہترائی ہے اسی لئے ہم جدوجہد کررہے ہیں۔ لیکن تم اپنی فکر کرو کہ اس کفر وسرکشی میں تم نے کیا عافیت سوچی، جس دردناک عذاب کا آنا یقینی ہے اس سے بچنے کا راستہ کیا سوچا؟ ہماری فکر چھوڑو، اپنا انجام سوچو کافر کسی حالت میں بھی عذاب سے نہیں چھوٹ سکتا۔

ان اصبح . زندگی اور موت کے سب اسباب اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں ایک پانی ہی کو لے لو جس سے ہر چیز کی زندگی ہے۔ اگر دنیا کا سارا پانی زمین میں اتر جائے تو آخر وہ کون سی ہستی ہے جو اتنا صاف شفاف پانی مہیا کردے جو زندگی اور بقاء کے لئے کافی ہے۔ یہیں سے یہ بھی سمجھ لو کہ جب ہدایت کے سب چشمے خشک ہو چکے اس وقت ہدایت ومعرفت کا نہ خشک ہونے والا چشمہ محمدی جاری کرکے ساری انسانیت اور عالم پر اللہ نے کتنا احسان عظیم فرمایا۔

لطائف سلوک: .... **وقالوا لو کنا** . اس سے معلوم ہوا کہ فلاح کے دو طریقے ہیں۔ ایک تقلید، دوسرے تحقیق۔ پس جس مرید میں تحقیق کی قابلیت نہیں اس کو تقلید کرنی چاہئے شیخ سے مزاحمت یا دلیل کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے۔

سُــوْرَةُ القلم

سُــوْرَةُ نٓ مَكِّيَّـــةٌ ثِنْتَان وَخَمْسُــوْنَ ايَـــةً

بِسْـــمِ اللهِ الـــرَّحْمٰنِ الرَّحِيـــمُ

نٓ اَحَـدُ حُرُوْفِ الْهِجَاءِ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِهٖ **وَالْقَلَمِ** اَلَّـذِىْ كَتَبَ بِهِ الْكَائِنَاتِ فِى اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ **وَمَا يَسْطُرُوْنَ**﴿۱﴾ اَىِ الْـمَلَائِكَةُ مِنَ الْخَيْرِ وَالصَّلَاحِ **مَآ اَنْتَ** يَا مُحَمَّدُ **بِـنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ**﴿۲﴾ اَىِ انْتَـفَى الْـجُنُوْنُ عَنْكَ بِسَبَبِ اِنْعَامِ رَبِّكَ عَلَيْكَ بِالنُّبُوَّةِ وَغَيْرِهَا وَهٰذَا رَدٌّ لِقَوْلِهِمْ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ **وَاِنَّ لَكَ لَاَجْـرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ**﴿۳﴾ مَقْطُوْعٍ **وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ** دِيْنٍ **عَظِيْمٍ**﴿۴﴾ **فَسَتُبْـصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ**﴿۵﴾ **بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ**﴿۶﴾ مَصْدَرٌ كَالْمَعْقُوْلِ اَىِ الْفُتُوْنُ بِمَعْنَى الْجُنُوْنِ اَىْ اَبِكَ اَمْ بِهِمْ **اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِـمَـنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ**﴿۷﴾ لَـهٗ وَاَعْلَمُ بِمَعْنٰى عَالِمٌ **فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ**﴿۸﴾ **وَدُّوْا** تَمَنَّوْا **لَوْ** مَصْدَرِيَّةٌ **تُدْهِنُ** تَلِيْنُ لَهُمْ **فَيُدْهِنُوْنَ**﴿۹﴾ يَلِيْنُوْنَ لَكَ وَهُوَ مَعْطُوْفٌ عَلٰى تُدْهِنُ وَاِنْ جُعِلَ جَـوَابُ التَّـمَـنِّىْ اَلْمَفْهُوْمُ مِنْ وَدُّوْا قُدِّرَ قَبْلَهٗ بَعْدَ الْفَاءِ هُمْ **وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ** كَثِيْرِ الْحَلْفِ بِالْبَاطِلِ **مَّهِيْنٍ**﴿۱۰﴾ حَقِيْرٍ **هَمَّازٍ** عَيَّابٍ اَىْ مُغْتَابٍ **مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ**﴿۱۱﴾ سَاعٍ بِالْكَلَامِ بَيْنَ النَّاسِ عَلٰى وَجْهِ الْاِفْسَادِ بَيْنَهُمْ **مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ** بَـخِيْـلٌ بِـالْمَالِ عَنِ الْحُقُوْقِ **مُعْتَدٍ** ظَالِمٌ **اَثِيْمٍ**﴿۱۲﴾ اٰثِمٌ **عُتُلٍّ** غَـلِيْظٌ جَافٍ **بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ**﴿۱۳﴾ دُعِىَ فِىْ قُرَيْشٍ وَهُوَ الْوَلِيْدُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ اِدَّعَاهُ اَبُوْهُ بَعْدَ ثَمَانِىَ عَشَرَةَ سَنَةً قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِـىَ اللّٰهُ تَـعَـالٰـى عَـنْهُمَا لَانَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى وَصَفَ اَحَدًا بِمَا وَصَفَهٗ مِنَ الْعُيُوْبِ فَاَلْحَقَ بِهٖ عَارًا لَايُفَارِقُهٗ اَبَدًا وَتَعَلَّقَ بِزَنِيْمٍ الظَّرْفُ قَبْلَهٗ **اَنْ كَانَ ذَامَالٍ وَّبَنِيْنَ**﴿۱۴﴾ اَىْ لِاَنْ وَهُوَ مُتَعَلِّقٌ بِمَادَلَّ عَلَيْهِ **اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيَاتُنَا** الْقُرْاٰنُ **قَالَ** هِىَ **اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ**﴿۱۵﴾ اَىْ كَذَّبَ بِهَالِاِنْعَامِنَاعَلَيْهِ بِمَاذُكِرَ وَفِىْ قِرَاءَةٍ ءَ اَنْ بِهَمْزَتَيْنِ مَفْتُوْحَتَيْنِ **سَـنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ**﴿۱۶﴾ سَـنَـجْـعَلُ عَلٰى اَنْفِهٖ عَلَامَةً يُعَيَّرُبِهَامَاعَاشَ فَـخُـطِمَ اَنْفُهٗ بِالسَّيْفِ يَوْمَ بَدْرٍ **اِنَّـابَلَوْنَاهُمْ** اِمْتَـحَـنَّااَهْلَ مَكَّةَ بِالْقَحْطِ وَالْجُوْعِ **كَـمَابَلَوْنَآ اَصْحٰبَ**

الْجَنَّةِ اَلْبُسْتَانِ **اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا** يَقْطَعُوْنَ ثَمْرَتَهَا **مُصْبِحِيْنَ** ﴿۱۷﴾ وَقْتَ الصَّبَاحِ كَيْلَا يَشْعُرَ لَهُمُ الْمَسَاكِيْنُ فَلَا يُعْطُوْنَهُمْ مِنْهَا مَا كَانَ اَبُوْهُمْ يَتَصَدَّقُ بِهٖ عَلَيْهِمْ مِنْهَا **وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ** ﴿۱۸﴾ فِيْ يَمِيْنِهِمْ بِمَشِيَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْجُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ اَيْ وَشَانُهُمْ ذٰلِكَ **فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ** نَارٌ اَحْرَقَتْهَا لَيْلًا **وَهُمْ نَآئِمُوْنَ** ﴿۱۹﴾ **فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ** ﴿۲۰﴾ كَاللَّيْلِ الشَّدِيْدِ الظُّلْمَةِ اَيْ سَوْدَاءَ **فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ** ﴿۲۱﴾ **اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ** غَلَّتِكُمْ تَفْسِيْرٌ لِلتَّنَادِيْ اَوْ اَنْ مَصْدَرِيَّةٌ اَيْ بِاَنْ **اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ** ﴿۲۲﴾ مُرِيْدِيْنَ الْقَطْعَ وَجَوَابُ الشَّرْطِ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهُ **فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ** ﴿۲۳﴾ يَتَسَارُّوْنَ **اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ** ﴿۲۴﴾ تَفْسِيْرٌ لِمَا قَبْلَهُ اَوْ اَنْ مَصْدَرِيَّةٌ اَيْ بِاَنْ **وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ** مَنْعٍ لِلْفُقَرَاءِ **قٰدِرِيْنَ** ﴿۲۵﴾ عَلَيْهِ فِيْ ظَنِّهِمْ **فَلَمَّا رَاَوْهَا** سَوْدَاءَ مُحْتَرِقَةً **قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ** ﴿۲۶﴾ عَنْهَا اَيْ لَيْسَتْ هٰذِهٖ ثُمَّ قَالُوْا لَمَّا عَلِمُوْهَا **بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ** ﴿۲۷﴾ ثَمْرَتَهَا بِمَنْعِنَا الْفُقَرَاءَ مِنْهَا **قَالَ اَوْسَطُهُمْ** خَيْرُهُمْ **اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا** هَلَّا **تُسَبِّحُوْنَ** ﴿۲۸﴾ اللّٰهَ تَائِبِيْنَ **قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ** ﴿۲۹﴾ بِمَنْعِ الْفُقَرَاءِ حَقَّهُمْ **فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ** ﴿۳۰﴾ **قَالُوْا يَا** لِلتَّنْبِيْهِ **وَيْلَنَآ** هَلَاكُنَا **اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ** ﴿۳۱﴾ **عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ** ﴿۳۲﴾ لِيَقْبَلَ تَوْبَتَنَا وَيَرُدَّ عَلَيْنَا خَيْرًا مِنْ جَنَّتِنَا رُوِيَ اَنَّهُمْ اُبْدِلُوْا خَيْرًا مِنْهَا **كَذٰلِكَ** اَيْ مِثْلَ **الْعَذَابُ** لِهٰؤُلَاءِ الْعَذَابُ لِمَنْ خَالَفَ اَمْرَنَا مِنْ كُفَّارِ مَكَّةَ وَغَيْرِهِمْ **وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ** ﴿۳۳﴾ عَذَابَهَا مَا خَالَفُوْا اَمْرَنَا وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوْا اِنْ بُعِثْنَا نُعْطٰى اَفْضَلَ مِنْكُمْ **اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ** ﴿۳۴﴾ **اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ** ﴿۳۵﴾ اَيْ تَابِعِيْنَ لَهُمْ فِي الْعَطَاءِ **مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ** ﴿۳۶﴾ هٰذَا الْحُكْمُ الْفَاسِدُ **اَمْ** بَلْ **لَكُمْ كِتٰبٌ** مُّنَزَّلٌ **فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ** ﴿۳۷﴾ تَقْرَءُوْنَ **اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ** ﴿۳۸﴾ تَخْتَارُوْنَ **اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ** عُهُوْدٌ **عَلَيْنَا بَالِغَةٌ** وَاثِقَةٌ **اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ** مُتَعَلِّقٌ مَعْنًى بِعَلَيْنَا وَفِيْ هٰذَا الْكَلَامِ مَعْنَى الْقَسَمِ اَيْ اَقْسَمْنَا لَكُمْ وَجَوَابُهُ **اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ** ﴿۳۹﴾ بِهٖ لِاَنْفُسِكُمْ **سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ** الْحُكْمِ الَّذِيْ يَحْكُمُوْنَ بِهٖ لِاَنْفُسِهِمْ مِنْ اَنَّهُمْ يُعْطَوْنَ فِي الْاٰخِرَةِ اَفْضَلَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ **زَعِيْمٌ** ﴿۴۰﴾ كَفِيْلٌ لَهُمْ **اَمْ لَهُمْ** اَيْ عِنْدَهُمْ **شُرَكَآءُ** مُوَافِقُوْنَ لَهُمْ فِيْ هٰذَا الْقَوْلِ يُكَفِّلُوْنَ لَهُمْ بِهٖ فَاِنْ كَانَ كَذٰلِكَ **فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ** الْكَافِلِيْنَ لَهُمْ بِهٖ **اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ** ﴿۴۱﴾ اُذْكُرْ **يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ** هُوَ عِبَارَةٌ عَنْ شِدَّةِ الْاَمْرِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِلْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ يُقَالُ كَشَفَتِ الْحَرْبُ عَنْ سَاقٍ اِذَا اشْتَدَّ الْاَمْرُ فِيْهَا **وَّيُدْعَوْنَ**

اِلَى السُّجُوْدِ اِمْتِحَانًا لِاِيْمَانِهِمْ **فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ﴿۴۲﴾** تَصِيْرُ ظُهُوْرُهُمْ طَبَقًا وَاحِدًا **خَاشِعَةً** حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ يُدْعَوْنَ اَىْ ذَلِيْلَةً **اَبْصَارُهُمْ** لَا يَرْفَعُوْنَهَا **تَرْهَقُهُمْ** تَغْشَاهُمْ **ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ** فِى الدُّنْيَا **اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ﴿۴۳﴾** فَلَا يَاْتُوْنَ بِهٖ بِاَنْ لَّا يُصَلُّوْا **فَذَرْنِىْ** دَعْنِىْ **وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ** اَلْقُرْاٰنِ **سَنَسْتَدْرِجُهُمْ** نَاْخُذُهُمْ قَلِيْلًا قَلِيْلًا **مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿۴۴﴾ وَاُمْلِىْ لَهُمْ** اُمْهِلُهُمْ **اِنَّ كَيْدِىْ مَتِيْنٌ﴿۴۵﴾** شَدِيْدٌ لَا يُطَاقُ **اَمْ** بَلْ **تَسْئَلُهُمْ** عَلٰى تَبْلِيْغِ الرِّسَالَةِ **اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ** مِمَّا يُعْطُوْنَكَهٗ **مُّثْقَلُوْنَ﴿۴۶﴾** فَلَا يُؤْمِنُوْنَ لِذٰلِكَ **اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ** اَىِ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ الَّذِىْ فِيْهِ الْغَيْبُ **فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ﴿۴۷﴾** مِنْهُ مَا يَقُوْلُوْنَ **فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ** فِيْهِمْ بِمَا يَشَاءُ **وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ** فِى الضَّجَرِ وَالْعَجَلَةِ وَهُوَ يُوْنُسُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ **اِذْ نَادٰى** دَعَا رَبَّهٗ **وَهُوَ مَكْظُوْمٌ﴿۴۸﴾** مَمْلُوْءٌ غَمًّا فِىْ بَطْنِ الْحُوْتِ **لَوْلَا اَنْ تَدٰرَكَهٗ** اَدْرَكَهٗ **نِعْمَةٌ** رَحْمَةٌ **مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ** مِنْ بَطْنِ الْحُوْتِ **بِالْعَرَآءِ** بِالْاَرْضِ الْفَضَاءِ **وَهُوَ مَذْمُوْمٌ﴿۴۹﴾** لٰكِنَّهٗ رُحِمَ وَنُبِذَ غَيْرَ مَذْمُوْمٍ **فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ** بِالنُّبُوَّةِ **فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴿۵۰﴾** اَلْاَنْبِيَاءِ **وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ** بِضَمِّ الْيَاءِ وَفَتْحِهَا **بِاَبْصَارِهِمْ** اَىْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرًا شَدِيْدًا يَكَادُ اَنْ يُّصْرِعَكَ وَيُسْقِطَكَ عَنْ مَّكَانِكَ **لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ** اَلْقُرْاٰنَ **وَيَقُوْلُوْنَ** حَسَدًا **اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ﴿۵۱﴾** بِسَبَبِ الْقُرْاٰنِ الَّذِىْ جَاءَ بِهٖ **وَمَا هُوَ** اَىِ الْقُرْاٰنُ **اِلَّا ذِكْرٌ** مَوْعِظَةٌ **لِّلْعٰلَمِيْنَ﴿۵۲﴾** اَلْاِنْسِ وَالْجِنِّ لَا يَحْدُثُ بِسَبَبِهٖ جُنُوْنٌ

سورۂ نون مکیہ ہے اس کی باون آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:.............. (نون منجملہ حروف ہجائیہ ہے جس کی قطعی مراد اللہ کو معلوم ہے) قسم ہے قلم کی (جس سے کائنات کا حال لوح محفوظ میں لکھا) اور (فرشتوں کے لوح محفوظ میں خیر وفلاح) لکھنے کی کہ آپ (اے محمد!) بفضل خدا مجنون نہیں ہیں (یعنی آپ کو جنون نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ نے آپ پر نبوت وغیرہ کا انعام فرمایا ہے۔ اس میں کفار کے قول "انہ لمجنون" کا رد ہے) اور بے شک آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو ختم (موقوف) ہونے والا نہیں ہے، بلاشبہ آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔ سو عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کس کو جنون تھا؟ (مفتون، معقول کی طرح مصدر ہے، پس فتون بھی جنون ہوا یعنی یہ عارضہ آپ کو ہے یا ان کو ہے) آپ کا پروردگار اس شخص کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ راہ پر چلنے والوں کو بھی جانتا ہے۔ (اعلم بمعنی عالم ہے) تو آپ ان کی تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ مانئے یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آپ (لو مصدریہ ہے) ڈھیلے (نرم) پڑ جائیں تو یہ بھی ڈھیلے ہو جائیں (آپ سے نرمی کرنے لگیں۔ یدھنون، تدھن پر معطوف ہے اور اگر اس کو جواب تمنی مانا جائے جو تمنا ودوا سے مفہوم ہو رہی ہے تو یدھنون سے پہلے اور فا کے بعد ھم مقدر مانا جائے گا) اور آپ کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت

قسمیں کھانے والا ہو (جھوٹا) بے وقعت (بے حیثیت) ہو عیب جو (نکتہ چین یعنی غیبت میں مبتلا) چغلیاں لگاتا پھرتا ہو (لوگوں میں فساد ڈالنے کے لئے لگائی بجھائی کرتا پھرتا ہو) نیک کام سے روکنے والا (مالی حقوق میں بخیل) ہو، حد سے گزرنے والا (ظالم) ہو، گناہوں کا کرنے والا ہو، سخت مزاج وتند خو بدخصلت) ہو۔ اس کے علاوہ حرام زادہ ہو (جو قریش میں یوں ہی منسوب ہو یعنی ولید بن مغیرہ، جس کے باپ نے اٹھارہ سال بعد اس کو اپنی طرف منسوب کیا تھا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اللہ نے جس قدر اس کی برائی کی کسی اور کی بیان کی ہو۔ لہٰذا یہ عار ہمیشہ کے لئے اس کو لگ گئی اور ''بعد ذلک'' ظرف ہے جس کا تعلق زنیم کے ساتھ ہے) اس وجہ سے کہ وہ مال واولاد والا ہے (ان معنی میں لان کے ہے۔ اس کا تعلق اگلے جملے کے مدلول سے ہے) جب ہماری آیات (قرآن) پڑھ کر اس کے سامنے سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ (یہ) بے سند باتیں ہیں (یعنی ان آیتوں کی تکذیب اس لئے کرتا ہے کہ ہم نے اس پر مذکورہ انعام کیا ہے اور ایک قرأت میں أن دو ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ ہے) ہم عنقریب اس کی ناک میں داغ لگائیں گے (اس کی ناک پر ہم ایسا نشان کر دیں گے جو زندگی بھر اس کے لئے عار رہے گا۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں اس کی ناک کٹی) ہم نے ان (اہل مکہ) کی قحط اور بھوک کے ذریعہ) آزمائش کر رکھی ہے۔ جیسا کہ ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی۔ جب کہ ان لوگوں نے قسم کھائی کہ اس کا پھل توڑ لیں گے (درختوں سے اتار لیں گے) صبح چل کر (بالکل سویرے، اس لئے کہ کہیں فقیروں کو پتہ نہ لگ جائے) اور ان کو دینا نہ پڑے کیونکہ ان کا باپ غریبوں کو بہت صدقہ دیا کرتا تھا) اور انہوں نے انشاء اللہ بھی نہیں کہا (یعنی قسم کی ساتھ انشاء اللہ بھی نہیں کہا۔ جملہ مستانفہ ہے۔ یعنی ان کی حالت یہ تھی) سو اس باغ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک پھرنے والا پھر گیا (یعنی رات کو باغ میں آگ لگ گئی) اور وہ سو رہے تھے، پھر صبح کو وہ باغ ایسا رہ گیا جیسے کھیت کٹا ہوا (اندھیری رات کی طرح سیاہ ہو گیا تھا) سو صبح کے وقت وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو (کھلیان پر، یہ پکارنے کی تفصیل ہے۔ یا ان مصدر یہ ہے یعنی اصل بان تھا) اگر تم کو پھل توڑنا ہے (توڑنے کا ارادہ رکھتے ہو جواب شرط پر ماقبل دلالت کر رہا ہے) پھر وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے (آہستہ آہستہ) باتیں کرتے چلے کہ آج تم تک کوئی محتاج پہنچنے نہ پائے (ماقبل کی تفسیر ہے، یا ان مصدر یہ ہے یعنی اصل میں بان تھا) اور اپنے کو اس کے (فقیروں کو) نہ دینے پر قادر سمجھ کر چلے تھے (اپنے گمان میں) پھر جب اس باغ کو دیکھا (سیاہ جلا ہوا) تو کہنے لگے یقیناً ہم رستہ بھول گئے (یعنی باغ ہمارا نہیں معلوم ہوتا پھر سوچ کے کہنے لگے) بلکہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی (کہ فقیروں سے روک کر ہم بھی محروم رہ گئے) ان میں جو بھلا (اچھا) آدمی تھا وہ کہنے لگا کہ کیوں میں نے تم سے نہ کہا تھا۔ اب تسبیح (توبہ اللہ سے) کیوں نہیں کرتے، سب کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے، بلاشبہ ہم قصوروار ہیں (فقیروں کا حق مار کر) پھر ایک دوسرے کو مخاطب بنا کر باہم الزام دینے لگے۔ کہنے لگے ہماری کم بختی! بے شک ہم حد سے نکلنے والے تھے، شاید ہمارا پروردگار اس سے اچھا باغ بدلہ میں ہم کو دے دے۔ (یبدلنا، تشدید وتخفیف کے ساتھ ہے) ہم اپنے رب کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ (وہ ہماری توبہ قبول کر لے اور ہمارے باغ سے بڑھیا باغ ہمیں مرحمت فرمادے۔ نقل ہے کہ اس سے بڑھ کر انہیں باغ مل گیا) اسی طرح (جیسے ان کو عذاب ہوا) عذاب ہوا کرتا ہے (ہمارے حکم کے خلاف کرنے والوں کو خواہ وہ مکہ والے ہوں یا دوسرے) اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑھ کر ہے) کیا خوب ہوتا ہے کہ یہ لوگ جان لیتے (ہمارے عذاب کو تو ہمارے حکم کی خلاف ورزی نہ کرتے۔ اگلی آیات مکہ والوں کے اس کہنے پر نازل ہوئیں کہ قیامت اگر نازل ہوئی تو ہمیں مسلمانوں سے بہتر حالت نصیب ہوگی) بلاشبہ پرہیزگاروں کے لئے ان کے پروردگار کے نزدیک آسائش کی جنتیں ہیں کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے برابر کر دیں گے (یعنی عطا کرنے میں فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے تابع کر دیں گے) تم کو کیا ہو گیا، تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو (غلط) کیا (بلکہ) تمہارے پاس کتاب ہے (اتری ہوئی) جس میں پڑھتے ہو کہ اس میں تمہارے لئے وہ

چیز ہے جو تم پسند کرتے ہو (چاہتے ہو) کیا تمہارے ذمہ کچھ قسمیں چڑھی ہوئی ہیں جو تمہاری خاطر کھائی گئی ہیں اور وہ قسمیں قیامت تک باقی رہنے والی مضبوط) ہوں (الی یوم القیامة بلحاظ معنی علینا سے متعلق ہے اور اس کلام میں قسم کے معنی ہیں۔ یعنی کیا ہم نے تمہارے خاطر قسم کھا رکھی ہے اور جواب قسم یہ ہے) کہ وہ چیزیں تم کو ملیں گی جو تم فیصلہ کر چکے ہو (اپنے متعلق) ان سے پوچھئے کہ ان میں اس کا (جو فیصلہ یہ اپنے متعلق کر رہے ہو کہ انہیں آخرت میں مسلمانوں سے بڑھ چڑھ کر ملے گا) کون ذمہ دار ہے۔ کیا (ان کے خیال میں) ان کے ٹھہرائے ہوئے کچھ شریک ہیں (جو اس بات میں ان سے متفق ہوں اور اس کے ذمہ دار ہوں اگر واقعی ایسا ہے) تو ان کو چاہئے کہ اپنے ان شریکوں کو پیش کریں (جو ان کے ذمہ دار ہوں) اگر یہ سچے ہیں (یاد کیجئے) جس دن کہ سخت آفت ہوگی (قیامت کے روز حساب کتاب کی سختی مراد ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کشفت الحرب عن ساق. جب کہ گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہو) اور (ان کے ایمان کی آزمائش کے لئے) ان کو سجدہ کی طرف بلایا جائے گا، سو یہ لوگ سجدہ نہ کر سکیں گے (ان کی کمر تختہ ہو جائے گی) جھکی ہوں گی (یدعون کی ضمیر سے خاشعة حال ہے بمعنی ذلیل) ان کی آنکھیں (اوپر کو اٹھا نہیں سکیں گے) ان پر ذلت چھائی ہوگی اور یہ لوگ (دنیا میں) سجدہ کی طرف بلائے جایا کرتے تھے اور وہ صحیح سالم تھے (پھر بھی سجدہ نہیں کرتے تھے کیونکہ نماز نہیں پڑھتے تھے) سو مجھ کو اور جو میرے اس کلام (قرآن) کو جھٹلاتے ہیں رہنے دیجئے ہم انہیں بتدریج لئے جا رہے ہیں (آہستہ آہستہ پکڑ رہے ہیں) اس طور پر کہ انہیں خبر بھی نہیں اور ان کو مہلت (ڈھیل) دے رہا ہوں۔ بلاشبہ میری تدبیر بڑی مضبوط (ناقابل شکست) ہے کیا آپ ان سے (تبلیغ احکام کے بدلہ) کچھ معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ اس تاوان سے (جو آپ کو دیں گے) دبے جاتے ہیں (اس لئے ایمان لا رہے ہیں) یا ان کے پاس غیب ہے (یعنی لوح محفوظ جس میں غیب کی باتیں ہیں) کہ یہ لکھ لیا کرتے ہیں (منجملہ ان کے ان کی یہ بات بھی ہے) سو آپ صبر سے بیٹھے رہئے اپنے رب کی تجویز پر (جو کچھ وہ چاہے) اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیے (بیزاری اور جلدی کرنے میں یونس علیہ السلام مراد ہیں) جبکہ اس نے (اپنے پروردگار سے) دعا کی اور وہ مارے غم کے گھٹ رہے تھے (مچھلی کے پیٹ میں سخت رنجیدہ تھے) اگر دستگیری نہ کرتی ان کے رب کی نعمت (رحمت) تو وہ ڈالے جاتے (مچھلی کے پیٹ سے) میدان (کھلی جگہ) میں بدحالی کے ساتھ (لیکن اللہ نے ان پر رحم کیا۔ اس لئے وہ بدحالی کے بغیر میدان میں ڈال دیئے گئے) پھر ان کے رب نے (نبوت کی وجہ سے) ان کو برگزیدہ کر لیا اور ان کو صالحین (انبیاء) میں سے کر دیا اور کافر ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر (ضمہ یا اور فتحہ یا کے ساتھ ہے) گرا دیں گے، (یعنی گھور گھور کر ایسی نظروں سے دیکھتے ہیں جیسے آپ کو پٹخ دیں گے اور مرتبہ سے گرا دیں گے) جبکہ یہ قرآن سنتے ہیں اور (حسد کے مارے) کہتے ہیں کہ یہ مجنون ہے (اس قرآن کی وجہ سے جو آپ پیش کر رہے ہیں) حالانکہ یہ (قرآن) نصیحت ہے تمام جہانوں کے لئے (انسان وجنات کے لئے قرآن کے پاس تو جنون پھٹک بھی نہیں سکتا)۔

تحقیق وترکیب: .... نٓ ۔ قتادہؓ اور حسنؓ اور ابن عباسؓ سے ان کے معنی دوات کے اور ابن عباسؓ سے مرفوع روایت ہے کہ اس کے معنی مچھلی کے ہیں۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ رحمٰن، نصیر، ناصر، نور، اسماء حسنٰی کا نور مراد ہے مفسرؒ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حرف ہجائیہ ہیں بعض نے اسم قرآن، اسم سورت کہا ہے اور بعض مچھلی یا دوات کے معنی لیتے ہیں۔ لیکن قطعی مراد اللہ کو معلوم ہے۔

بمجنون. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ باسبیہ ہے۔ اس کا تعلق نفی سے ہے اور خبر کی ضمیر مستتر سے حال بھی ہو سکتا ہے۔ ای ماانت بمجنون متلبساً بنعمت ربک. انک لعلٰی خلق عظیم. قرآن کی صفت بھی عظیم ہے اور آپ کی شان بھی عظیم ہے اور آپ میں شکر نوح، خلتِ ابراہیم، اخلاصِ موسیٰ، وفاءِ عہد اسماعیل، صبر یعقوب وایوب، معذرتِ داؤد، تواضع سلیمان وعیسیٰ علیہم السلام وغیرہ اوصاف عالیہ جمع ہیں:

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کسی عارف نے خوب کہا ہے:

لکل نبی فی الانام فضیلة وجملتها مجموعة لمحمد

نیکی کا بدلہ نیک اور بدی کا بدلہ بدی ہے دنیا تو خلق حسن کہلاتا ہے جیسا کہ هل جزاء الاحسان الا الاحسان اور جزاء سیئة سیئة مثلها فرمایا گیا ہے۔ لیکن نیکی کا صلہ نیک دینا اور بدی کو معاف کر دینا خلق کریم ہے۔ واعف عن من ظلمک ارشاد نبوی ﷺ ہے مگر بھلائی کا بدلہ زیادہ بھلائی سے دینا اور برائی کو محض معاف کر دینا ہی نہیں، بلکہ اس کے صلہ میں احسان کرنا یہ ہے خلق عظیم، جس کے حامل آنحضرت ﷺ ہیں فرماتے ہیں احسن الیٰ من اساء الیک:

بدی رابدی سهل باشد جزا اگر مردی احسن الی من اساءَ

بایکم المفتون. المفتون بمعنی جنون۔ ایکم خبر مقدم۔ المفتون، مبتداء مؤخر ہے۔ جملہ محل نصب میں ہے ماقبل کا معمول ہے اور مفتون مصدر بمعنی فتون ہے جیسے معقول بمعنی عقل ہے۔ اس میں ابوجہل، ولید جیسے لوگوں کی طرف تعریض ہے۔

فیدهنون. یعنی تدھن کی طرح یہ بھی لو کے تحت میں ہے گویا دونوں چیزیں تمنا میں داخل ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کا سبب ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ فیدهنون کو جواب تمنی مانا جائے مبتداء مقدر مانتے ہوئے ای فهم یدهنون. اس پر زمخشریؒ نے اعتراض کیا ہے کہ جواب تمنی ہونے کی وجہ سے بتقدیر ان منصوب ہونا چاہئے تھا۔ حالانکہ یہاں مرفوع ہے؟ مفسرؒ نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جملہ اسمیہ جملہ تمنائیہ ہے۔

مهین. رائے وتدبیر میں یا اللہ کے نزدیک حقیر ہے۔ اگرچہ ولید اپنی قوم میں ذی عزت ہے اس لئے دونوں باتوں میں منافات نہیں ہے اور ابن عباسؓ مهین سے جھوٹا ہونا مراد لے رہے ہیں پس جھوٹا شخص تو لوگوں میں بھی حقیر سمجھا جاتا ہے۔

بنمیم. چغل خوری اگر برائی کے لئے ہو تو نہایت بری عادت ہے۔ حدیث میں ہے لایدخل الجنة النمام. لیکن اصلاح کے سلسلہ میں اگر ایک دوسرے کی بات نقل کی جائے تو وہ صرف نام کی چغلخوری کہلائے گی۔ حدیث میں ہے۔ لیس النمام الذی یصلح بین الناس فیقول خیرا دینمی خیرا.

زنیم. ولید فی الحقیقت صحیح النسب نہیں تھا مغیرہ نے ولید کو اٹھارہ سال بعد اپنا بیٹا کہا تھا۔

ان کان ذا مال وبنین. یعنی لان کان ذا مال و بنین. ہماری آیات کو جھٹلانا ہے جس پر اذا تتلیٰ علیه آیاتنا دلالت کر رہا ہے یہ مطلب تو تفسیری عبارت کا ہے۔ لیکن مدارک میں ہے کہ ان کان ذا مال وبنین لاتطع سے متعلق ہے اور بقول مفسرؒ ان کان ذا مال "ایک قرأت میں دو ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ استفہام توبیخی ہے۔ یہ قرأت ابن عامر، شعبہ، ہمزہ کی ہے اور بغیر ہمزہ کی قرأت پر یہ مفعول لہ ہوگا فعل مضمر عامل ہوگا۔ ای یکفر ان کان ذا مال الخ اور اس فعل مقدر کا قرینہ اذا تتلی علیه ایاتنا قال اساطیر الاولین ہے۔ اس کو اذا تتلی یا قال کا معمول نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ اذا اپنے مابعد کی طرف مضاف ہوا کرتا ہے اور مضاف الیہ مضاف سے پہلے عمل نہیں کرتا۔

علی الخرطوم. وسم کے معنی علامت نشان ہیں درندوں کی ناک کو خرطوم کہا جاتا ہے بلکہ ہاتھی کی سونڈ اور سور کی تھوتڑی میں زیادہ استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں استہزاءً فرمایا گیا۔ چنانچہ بدر میں جو زخم اس کی ناک پر لگا وہ نشان عار مدت العمر باقی رہا۔

بمشیة اللّٰه. چونکہ انشاء اللہ مفید تعلیق ہے اس لئے استثناء سے تعبیر کیا گیا چنانچہ لاخرجن ان شاء الله اور لاخرجن الا ان یشاء الله ایک ہی حاصل ہے۔

کالصریم. لیل صریم کالی رات، اور بعض نے سفید دن کی طرح معنی لئے ہیں۔ یعنی سوکھ کر سفید ہوگیا اور ابن عباسؓ سے سیاہ راکھ کے معنی منقول ہیں۔

ان اغدوا. ان مفسرہ یا مصدریہ ہے۔

علی حرد. حرد کے معنی منع کے ہیں۔ حاردت السنة بارش رک جائے۔ حاردت الابل دودھ نہ دے۔

اوسطھم. بلحاظ رائے کے یا عمر کے اوسط کہا اور صاحب کشافؒ نے اعدل اور خیر کے معنی لئے ہیں۔

لولا تسبحون. تسبیح اور استثناء یعنی انشاء اللہ کہنا دونوں میں تعظیم کے معنی ہیں اس لئے تسبیح بول کر استثناء مراد ہے یا بقول مفسرؒ توبہ کرنے کے معنی ہیں۔

کذٰلک. مفسرؒ نے اشارہ کیا کہ یہ مبتداء ہے العذاب خبر ہے۔

لو کانوا یعلمون. لو کا جواب مقدر ہے اور یعلمون کا مفعول محذوف ہے اور اس کو بمنزلہ لازم ہی کہہ سکتے ہیں۔ ای لو کانوا من اھل العلم لما خالفوا کالمجرمین. تفسیری عبارت تابعین کے معنی مساوین کے ہیں اور جب مساوات نہیں تو مجرمین مسلمین سے بدرجہ اولیٰ افضل نہیں ہوں گے۔

مالکم. یہ جملہ ہے اس لئے اس پر وقف مناسب ہے۔

ان لکم. لکم خبر مقدم اور ما اسم مؤخر ہے جس کے ساتھ لام تاکید ہے پھر یہ جملہ تدرسون کا معنی مفعول ہوگا۔ بظاہر یہاں ان بالفتحہ آنا چاہئے تھا۔ لیکن لام چونکہ مکسورہ کے ساتھ آتا ہے اس لئے یہاں مکسور لے آئے اور تدرسون اگرچہ افعال قلوب میں سے نہیں ہے معنی حکم کے متضمن ہونے کی وجہ سے لفظاً معلق عن العمل ہوگیا۔

بالغة. مفسرؒ نے لازم معنی کے ساتھ تفسیر کی ہے۔

الیٰ یوم القیامة. بالغہ کے متعلق ہے یعنی قیامت تک رہنے والی قسم اور لکم سے متعلق بھی ہوسکتا ہے۔ ای ثابتة لکم علینا اور اس جملہ میں معنی قسم ہیں۔ ای اقسمنا لکم تفسیری عبارت "متعلق معنی بعلینا میں تعلق باصطلاح مراد نہیں کہ وہ فعل یا معنی فعل کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ تعلق اتصالی مراد ہے۔

سلھم. ضمیر متصل اول مفعول ہے اور مفعول ثانی جملہ ایھم زعیم ہے اور بذلک متعلق ہے زعیم کے اور سلھم لفظاً معلق عن العمل ہے استفہام کی وجہ سے۔

یکشف عن ساق. کنایہ اور استعارہ تمثیلیہ کیا گیا ہے دراصل کشف ساق شدت ومشقت کے وقت ہوا کرتا ہے۔

الی السجود. آخرت چونکہ دار التکلیف نہیں اس لئے سجدہ سے مقصود آزمائش ایمان ہے، سجدہ تکلیفی مراد نہیں۔ غرضیکہ غیر مخلصین کی کمر تختہ ہوجائے گی اور وہ سجدہ میں نہیں جاسکیں گے البتہ آئندہ سجدہ سے سجدۂ صلوٰتی مراد ہے لیکن مفسرین کا اتفاق اس پر ہے کہ پہلے سجدہ سے مراد یہی سجدۂ صلوٰۃ ہے۔

فذرنی. مفعول اول متصل ہے اور ومن یکذب مفعول پر معطوف ہے یا مفعول معہ ہے۔

سنستدرجھم. یعنی آہستہ آہستہ مجرمین کو پکڑ رہے ہیں لیکن بقول زمخشریؒ عذاب درجہ بدرجہ دینا مراد ہے چنانچہ اللہ بندوں کو تمام نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے مگر پھر بھی وہ نافرمانیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہ استدراج ہے بلکہ جوں جوں نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں معاصی بھی بڑھتے ہیں۔

ام عندهم الغيب. ابن عباسؓ لوحِ محفوظ مراد لیتے ہیں اور بعض نے عام مغیبات مراد لی ہے۔ چنانچہ فهم يكتبون اس کا قرینہ ہے۔

اذ نادیٰ مضاف محذوف سے منصوب ہے۔ای لايكن حالک كحاله فی وقت ندائه مضاف محذوف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امر دینی کا تعلق ذوات سے نہیں بلکہ احوال سے ہوا کرتا ہے۔

فاجتباه ربه. مفسرؒ کے بالنبوۃ کہنے سے یہ لازم آئے گا کہ حضرت یونسؑ کو نبوت اس کے بعد ملی جیسا کہ بعض مفسرینؒ کی رائے ہے لیکن اگر بعض کی رائے پر نبوت پہلے مانی جائے تو پھر مراتب و وحی مراد ہوں گے۔

ليزلقونك. اکثر قراءؒ کے نزدیک ضمہ یا کے ساتھ اور نافعؒ کے نزدیک فتحہ کی قرأت ہے۔اس لفظ کے معنی یہ ہیں کہ کھا جانے والی نظروں سے آپ کو گھورتے ہیں اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ آپ کو نظر لگا دینا چاہتے ہیں۔

لما سمعوا. اگر لما ظرفیہ ہو تو پھر ليزلقونك کے ذریعہ منصوب ہوگا۔لیکن اگر لما کو حرف مانا جائے تو اس کا جواب محذوف ہوگا اور دال بر جواب موجود ہے لیکن جو حضرات جواب کی تقدیم کی اجازت دیتے ہیں، وہ اسی کو جواب کہتے ہیں۔

ربط آیات: .... سورۂ ملک میں زیادہ توجہ منکرین توحید کی طرف رہی۔لیکن اس سورت میں زیادہ دھیان شان نبوت میں گستاخی کرنے والوں کی طرف ہے اور نبوت کا انکار چونکہ کفر ہے اس لئے بعض آیتوں میں ان کی دنیاوی اور اخروی سزاؤں کو بیان ہے۔

شانِ نزول و روایات: .... ابن عباسؓ سے مرفوع روایت ہے کہ نون سے خاص مچھلی مراد ہے جس پر زمین رکی ہوئی ہے اور مفسرؒ کے نزدیک نٓ اسماء الٰہیہ کا اختصار ہے۔روح البیان میں ہے کہ جب آیت لاتطع كل حلاف نازل ہوئی تو ولید اپنی ماں سے بولا۔ ان محمدا وصفنی بتسع صفات اعرفها غير التاسع منها فان لم تصدقنی الخبر ضربت عنقک فقالت له ان اياک كان عنيناً فخفت على المال لابن عمک يعنی يكون المال ميراثالهم فاجزت فلان الغلام ومكنت من نفسی فانت منه۔

لولا تسبحون. بعض کی رائے ہے کہ اس زمانہ میں سبحان اللہ ہی انشاء اللہ کے درجہ میں تھا۔

عسى ربنا ان يبدلنا. ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ وہ لوگ تائب ہو گئے تھے اور اللہ کو ان کا مخلص ہونا معلوم ہو گیا تو انہیں دوسرا باغ مرحمت ہو گیا جس کے انگوروں کا یہ حال تھا کہ اس کا ایک خوشہ ایک اونٹ کا بوجھ تھا۔بغویؒ اور زمخشریؒ نے ایسے ہی ذکر کیا ہے اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے دعا کی کہ اگر ہمارے نقصان کی تلافی ہو گئی تو ہم بھی اپنے باپ کی طرح عمل خیر کریں گے چنانچہ خوب دعا کی تو رات ہی کو بہترین باغ عنایت فرما دیا۔وامر جبريل عليه السلام ان يقتلع تلک الجنة المحترقة فيجعلها بزغر من ارض الشام وياخذ من ارض الشام فيجعلها مكانها.

افنجعل المسلمين. مقاتلؒ کہتے ہیں کہ جب آیت ان للمتقين نازل ہوئی تو کفار مکہ کہنے لگے۔اول تو آخرت ہوگی نہیں، اگر ہوئی تو ہمیں ہی برتری حاصل رہے گی اور برتری نہ ہوئی تو برابری تو ضرور ہی رہے گی اس پر افنجعل المسلمين نازل ہوئی۔يدعون الى السجود کعب احبارؒ سے نقل ہے۔"والله مانزلت هذه الاية الا فی الذين يتخلفون عن الجماعة" اور ابن جبیرؒ فرماتے ہیں۔ كانوا يسمعون حی علی الفلاح يجيبون.

سنستدرجهم. حدیث میں ہے اذا رايت الله ينعم الى عبد وهو يقم على المعصية فاعلم انه استدراج

یستدرج به العبد.

فاصبر لحکم ربك. غزوۂ احد میں جب کچھ صحابہؓ منافقین کے بہکانے میں آکر بھاگ کھڑے ہوئے تو آپ نے ان پر بددعا کرنے کا ارادہ کیا اس وقت یہ حکم نازل ہوا اور بعض کے نزدیک جب آپ اہل مکہ سے تنگ دل ہو گئے اور آپ نے ثقیف کے لئے بددعا کرنی چاہی تو کچھ نادانوں نے آپ پر خشت باری کر دی جس سے پائے مبارک لہولہان ہو گئے اس پر پھر آپ نے ان کے لئے بددعا کرنی چاہی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ غرض پہلی صورت میں آیت کو مدنی اور آخر صورت میں مکی ماننا ہوگا۔

﴿تشریح﴾: .... آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے آپ کو رنجیدہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کلمات تسلی ارشاد فرما رہے ہیں کہ جس پر اللہ کا ایسا انعام ہو جس کو ہر آنکھ دیکھ رہی ہے۔ یعنی انتہائی فصاحت و بلاغت اور حکمت دانائی کہ موافق ومخالف سب کے دل موہ لئے اور ایسے پاکیزہ اخلاق کہ سب کو گرویدہ بنا لیا ایسی مقدس ہستی کو دیوانہ کہہ دینا کیا خود کہنے والوں کی دیوانگی کی دلیل نہیں ہے؟

رسول اللہ ﷺ کو دیوانہ کہنے والے خود دیوانے ہیں: .... اس میں شبہ نہیں کہ دنیا میں بہت سے مصلحین اور رہنما گزرے ہیں کہ جن کو شروع شروع میں لوگوں نے دیوانہ کہہ کر پکارا مگر اسی کے ساتھ تاریخ ہمیں یہ بھی بتلاتی ہے کہ واقعی دیوانوں اور ان دیوانہ کہلانے والوں کے حالات میں زمین وآسمان کا فرق رہا ہے۔ پس جس طرح پہلے مصلحین پر نکتہ چینی کرنے والوں کا انجام ہوا، وہی ان بدلگام لوگوں کا ہوگا کہ ان کا نام ونشان تک مٹ جائے گا لیکن آپ کا نام ونشان و کام جریدۂ عالم پر ہمیشہ سنہرے حرفوں میں لکھا رہے گا ایک وقت آئے گا جب ساری دنیا آپ کی حکمت و دانائی کی داد دے گی اور آپ کے کامل ترین انسان ہونے کو بطور اجتماعی عقیدہ کے تسلیم کرے گی جس کی لازوال فضیلت و برتری کو قلم ازل لوحِ محفوظ کی تختی پر نقش کر چکا بھلا کس کی مجال ہے کہ کچھ پھبتیاں کس کر اس کے ایک شوشہ کو بھی مٹا سکے۔

رسول اللہ ﷺ کا خلق عظیم: .... وانك لعلٰی خلق عظیم. کیا دیوانوں اور پاگلوں کا ایسا شاندار اور پائیدار مستقبل کسی نے دیکھا ہے؟ یا کسی مجنوں کی اسکیم اس طرح کامیاب ہوتے کسی نے دیکھی ہے پھر جس کا مرتبہ اللہ کے ہاں اتنا بڑا ہو، اس کو چند احمقوں کے دیوانہ کہنے کی کیا پرواہ ہونی چاہئے، اللہ نے جن اعلیٰ اخلاق پر آپ ﷺ کو پیدا فرمایا، کیا دیوانوں میں ان کا تصور کیا جا سکتا ہے، اسی طرح آپ کی زبان اگر قرآن ہے تو اس کی تفسیر آپ کے اعمال واخلاق میں پیدائشی طور پر آپ کی ساخت اور تربیت ایسی واقع ہوئی کہ کوئی چیز بھی آپ کو حدِ اعتدال سے ادھر ادھر نہیں کر سکتی یہ آپ کا خلق عالی ہی ہے جو جاہلوں اور کمینوں کی خفیف حرکتوں پر کان دھرنے نہیں دیتا۔ پھر کسی کے مجنون کہنے پر کیا التفات کریں گے بلکہ الٹی آپ ان کی خیر خواہی اور خیر اندیشی میں ہر وقت جان گھلائے جا رہے ہیں بلکہ سچ پوچھو تو ان نادانوں کی عقل سوز حرکتوں نے آپ کے کریمانہ اخلاق کو گدگدایا اگر یہ نالائقیاں نہ ہوتیں تو آپ کے اندرونی جوہر دنیا کے سامنے کیسے آتے۔ جہاں یہ ایک تکوینی پہلو ہے وہیں اخلاقی عظمت کا عمیق ترین پہلو یہ بھی ہے کہ آدمی دنیا کی حقیر ہستیوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت اللہ کی عظمت وجلال کو ہرگز نہ بھولے یہ چیز جب تک دل میں رہے گی، عدل واخلاق کی میزان پورے طور پر ہاتھ میں رہے گی۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ نے ایک عمدہ بات کہی ہے۔ سمی خلقه عظیماً اذ لم تکن له همة سوی الله

عاشر الخلق بخلقه وزايلهم بقلبه فكان ظاهره مع الخلق وباطنه مع الحق. یعنی حکماء نے اپنے وصیت نامے میں لکھا ہے۔ عليك بالخلق مع الخلق وبالصدق مع الحق.

فستبصرون ويبصرون. یعنی عنقریب فریقین کھلی آنکھیں دیکھ لیں گے کہ ان میں سے کون ہوشیار رہا اور کس کی عقل ماری گئی تھی کہ پاگلوں کی طرح بہکی بہکی باتیں کرتا تھا۔ یوں اگر چہ پوری طرح کا علم تو اللہ ہی کو ہے کہ کون لوگ راہ میں آنے والے ہیں اور کون بھٹکنے والے ہیں مگر نتائج جب سامنے آجائیں گے تو سب کو نظر آجائے گا کہ کون کامیابی کی منزل پر پہنچا اور کون شیطان کی راہ زنی پر ناکام و نامراد رہا اور چونکہ راہ راست پر آنے والے اور نہ آنے والے سب اللہ کے علم میں طے شدہ ہیں اس لئے دعوت وتبلیغ کے معاملہ میں کچھ رو رعایت کی ضرورت نہیں۔ جس کو سیدھی راہ پر آنا ہوگا آکر رہے گا اور جو محروم ازلی ہوگا وہ کسی صورت ماننے والا نہیں ہے۔

مداہنت مذموم ہے، لیکن ملاطفت وحکمت مستحسن ہے:............فلا تطع المكذبين. مشرکین نے جو آپ سے اپنے بتوں کے متعلق زبان بند رکھنے کی خواہش کی ہے اور ساتھ ہی یہ پیشکش کی کہ ہم آپ کے خدا کی تعظیم کریں گے اور آپ کے طور طریق سے تعرض نہ کریں گے تو ہرگز آپ ان کی باتوں میں نہ آئیے۔ کیونکہ ان کی غرض محض آپ کو ڈھیلا کر کے اپنی جگہ سے ہٹانے کی کوشش کرنا ہے یہ خود ایمان کی طرف آنا نہیں چاہتے بلکہ آپ کو اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں آپ تو ہر طرف سے دھیان ہٹا کر اپنی دھن میں لگے رہئے، کام کئے جائیے کسی کو منوا دینے کے آپ ذمہ دار نہیں۔ اس تقریر سے مداہنت میں جو مذموم ہے اور ملاطفت وحکمت میں جو محمود ہے فرق واضح ہوگیا۔

مال ودولت کے بجائے اعمال واخلاق لائق توجہ ہونے چاہئیں:............ولا تطع كل حلاف. ولید بن مغیرہ جس کے دل میں اللہ کے نام کی عظمت نہیں، جھوٹی قسمیں کھالینا ایک معمولی بات سمجھتا ہے اور لوگوں کو اطمینان ویقین دلانے کے لئے بار بار قسمیں کھاتا ہے مگر لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہوتا رہتا ہے اور ان بری خصلتوں کے ساتھ بدنام اور رسوائے زمانہ ہے اس میں یہ ساری برائیاں موجود ہیں، ایک شخص محض اس وجہ سے کہ اس کے پاس مال واولاد ہے، اس لائق نہیں ہوجاتا کہ اس کی بات مانی جائے۔ اصل چیز انسان کے عادات واخلاق ہیں جس میں شرافت وصداقت نہیں اللہ والوں کا کام نہیں کہ اس کی ابلہ فریب باتوں کی طرف التفات کریں۔

انا بلوناهم. مال واولاد کی کثرت کوئی مقبولیت کی علامت نہیں، نہ اللہ کے ہاں اس کی قدر وقیمت ہے اس لئے اس پر مغرور نہیں ہونا چاہئے یہ تو منجانب اللہ ان کی آزمائش ہے جو پہلے ہی ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ ایک مالدار کا انتقال ہوا اور ترکہ میں اس نے ایک باغ چھوڑا، جس میں کئی بھائی شریک رہے باپ اگر چہ غرباء پر بکثرت خیرات کیا کرتا تھا۔ مگر اولاد نے سوچا کہ اس طرح مال لٹانے اور برباد کرنے سے کیا فائدہ؟ ایسی تدبیر کرنی چاہئے کہ غرباء اور فقیروں کو دینا نہ پڑے اور ساری پیداوار اور باغ کی بہار گھر ہی میں آجائے چنانچہ صبح ہی پھل توڑ کر گھر لے آنے کا مشورہ ہوا اور اس تدبیر پر اتنا یقین ہوا کہ انشاء اللہ بھی نہیں کہا۔ مگر ہوا یہ کہ رات ہی کو بگولا اٹھا، باغ کو آگ لگی اور باغ سب صاف ہوگئے۔ سب بھائی قرارداد کے مطابق صبح باغ میں پہنچے تو دیکھ کر پہچان نہ سکے۔ سمجھے کہ ہم راہ بھول کر کہیں اور نکل آئے غور کیا تو پتہ چلا کہ جگہ تو وہی ہے مگر ہماری قسمت پھوٹ گئی اور ہم محروم رہ گئے منجھلا بھائی ان میں زیادہ ہوشیار تھا۔ اس نے پہلے ہی مشورہ کے وقت متنبہ کیا تھا کہ تم اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو اور یہ سب اسی کا انعام سمجھو اور غریبوں کی خدمت سے دریغ نہ کرو جب کسی نے اس کی بات پر دھیان نہ دیا تو چپ ہو رہا اور انہی کا شریک حال ہوگیا۔ اب یہ تباہی دیکھ کر ان کو وہ بات یاد دلائی تو آخر

میں سب نادم ہوئے اور کہنے لگے کہ واقعی زیادتی ہماری ہی تھی کہ غریبوں کا حق مارا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حرص وطمع میں آ کر اصل بھی کھو بیٹھے یہ جو کچھ خرابی آئی اس میں ہم ہی قصوروار ہیں تاہم اللہ سے ناامید نہیں ہیں کیا عجب ہے کہ وہ اپنی رحمت سے پہلے باغ سے بڑھ کر باغ ہم کو عطا کردے۔

کذلک العذاب. یہ تو دنیا کے عذاب کی ایک ادنیٰ جھلک تھی جسے کوئی ٹال نہ سکا بھلا آخرت کی بڑی آفت کو کون ٹال سکتا ہے سمجھ ہو تو آدمی یہ بات سمجھے۔

کیا پرہیزگار اور گناہ گار دونوں برابر ہو سکتے ہیں: .... ان للمتقین. دنیا کے باغ و بہار کو کیا لئے پھرتے ہو جنت کے باغ ان سے کہیں زیادہ بہترین ہیں۔ جس میں ہر قسم کی نعمتیں جمع ہیں وہ خاص متقین کے لئے ہیں رہا کفار ومشرکین کا یہ سمجھ بیٹھنا کہ جس طرح دنیا میں ہم کو اللہ نے عیش وعشرت میں رکھا، آخرت میں بھی یہی وہ معاملہ رہے گا، بلکہ وہاں اگر مسلمانوں پر عنایت وبخشش ہوگی تو ہم پر ان سے بڑھ کر ہوگی۔ اس کو فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہمیشہ کا ایک وفادار غلام اور ایک نافرمان باغی دونوں انجام میں برابر ہو جائیں بلکہ مجرم اور باغی مزے میں اور وفادار محروم یا کمتر ہو جائیں۔ اس سے بڑھ کر خلاف فطرت وعقل کیا بات ہو سکتی ہے خیر اس بارے میں نقلی ہی دلیل اگر تمہارے پاس ہو تو وہی لے آؤ۔ کیا کسی معتبر کتاب میں یہ مضمون پڑھتے ہو کہ تمہاری من مانی خواہشات پوری کی جائیں گی یا اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے قسم کھالی ہے کہ جو کچھ تم اپنے دل میں ٹھہرالو گے وہی دیا جائے گا اور جس طرح آج عیش وعشرت میں ہو، قیامت تک اسی حال میں رکھے جاؤ گے جو شخص اس کو ثابت کرنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے، اسے سامنے کرو ہم بھی تو دیکھیں کہ وہ کہاں سے کہتا ہے ہاں! اگر محض جھوٹے دیوتاؤں کے بل بوتے پر یہ دعوے کئے جارہے ہیں کہ وہ ہم کو یوں کر دیں گے اور مرتبے دلا دیں گے تو اس کا سچا ہونا اسی وقت ثابت ہوگا جبکہ وہ ان شرکا، کو خدا کے مقابلہ میں بلالائیں اور اپنی من مانی کاروائی کرادیں مگر یاد رہے کہ وہ معبود عابدوں سے زیادہ عاجز اور بےبس ہیں، وہ تمہاری کیا مدد کریں گے خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔

قیامت میں تجلی ساق: .... یوم یکشف عن ساق. اس کا ذکر مرفوع حدیث شیخین میں اس طرح آیا ہے کہ حق تعالیٰ قیامت کے میدان میں اپنی ساق کی تجلی فرمائے گا۔ ساق کے معنی پنڈلی کے ہیں لیکن صفات وحقائق الٰہیہ میں سے کوئی خاص صفت یا حقیقت ہے، جس کو کسی خاص مناسبت سے ساق فرمایا جیسا کہ قرآن کریم میں دوسرے الفاظ وجہ اور ید ہیں۔ یہ ''متشابہات'' کہلاتے ہیں۔ جن کے لغوی معنی اگرچہ معلوم ہوتے ہیں مگر وہ مراد نہیں ہوتے ان پر بلاکم وکیف وبغیر چوں چرا ایسے ہی ایمان رکھنا چاہئے جیسے اللہ کی ذات، وجود، حیات، سمع بصر وغیرہ صفات پر رکھتے ہیں۔ غرض اور تجلی ساق کو دیکھتے ہی مومنین ومومنات تو سجدہ میں گر پڑیں گے مگر جو دنیا میں ریاکاری کا سجدہ کیا کرتا تھا اس کی کمر تختہ ہو کر رہ جائے گی اور کفار ومشرکین بدرجہ اولیٰ اس صفت سے محروم رہیں گے لیکن سجدہ کی طرف بلانے سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ قیامت جب دارالتکلیف نہیں، پھر سجدہ نماز کی طرف کیوں بلایا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بلائے جانے کا یہ مطلب نہیں کہ سجدہ کا حکم ہوگا بلکہ خود اس تجلی میں یہ اثر ہوگا کہ بےاختیار فوراً سجدہ میں گر پڑیں گے اور ممکن ہے کہ اس کی حکمت یہ ہو کہ مخلصین منافقین کفار میں عملی امتیاز وتفریق ہو جائے اس آیت کشف کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے متشابہات پر عجیب وغریب تبصرہ فرمایا ہے۔

سجدہ نہ کرنے کی سزا: .... خاشعۃ ابصارھم. یعنی قیامت میں ان کا یہ حال ہوگا کہ ندامت وشرمندگی کے مارے ان کی آنکھ نہ اٹھ سکے گی حالانکہ دنیا میں یہ حال تھا کہ اچھے خاصے تندرست ہوتے ہوئے بھی کبھی ایک سجدہ کی توفیق نہ ہو سکی حتیٰ کہ اپنی فطری

استعداد ہی کھو کر رکھ دی اب چاہیں بھی تو سجدہ نہیں کر سکتے۔

فــذرنــي. یعنی ان کو عذاب تو یقیناً ہوگا لیکن ان کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیجئے میں ان سے خود نمٹ لوں گا اور اس طرح آہستہ آہستہ دوزخ کی طرف لے جاؤں گا کہ ان کو پتہ ہی نہ چلے گا۔ یہ اپنی حالت پر مگن رہیں گے لیکن اندر ہی اندر سکھ اور چین کی نیند حرام ہو جائے گی میری خفیہ تدبیر تو ایسی پکی ہے جس کو یہ لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے بھلا اس کا توڑ تو کیا کر سکتے ہیں۔

ام تســئـلهـم. آپ کی بات کیوں نہیں مانتے آخر وجہ کیا ہے؟ کیا آپ ان سے اس پر کچھ معاوضہ طلب کرتے ہیں کہ جس کے بوجھ میں وہ دبے جا رہے ہیں یا کہیں ان کے پاس غیب کی خبریں اور اللہ کی وحی آتی ہے جسے بحفاظت وہ لکھ لیتے ہیں اس لئے آپ کے اتباع کی ضرورت نہیں سمجھتے اور جب ان میں سے کوئی ایک بات بھی نہیں تو پھر بجز عناد اور ہٹ دھرمی کے اور کیا کہا جائے۔

حضرت یونسؑ کا غم: .... وهو مكظوم. مکظوم کے معنی مغموم کے ہیں اور وہ غم بھی کئی غموں کا مجموعہ تھا ایک غم قوم کے ایمان نہ لانے کا، ایک عذاب کے ٹل جانے کا، ایک بلا اجازت صریح شہر چھوڑ کر چلے آنے کا، ایک مچھلی کے پیٹ میں قید رہنے کا، دل ٹوٹا ہوا تھا کہ آیت کریمہ لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین کے الفاظ زبان پر جاری ہو گئے۔ جس کی برکت سے اللہ نے مچھلی کی قید تنہائی سے نجات دی۔ بفضل خداوندا گر دستگیری نہ ہوتی تو پھر اس چٹیل میدان میں پڑے رہتے اور وہ کمالات باقی نہ رہتے جواب تک قائم تھے مگر اللہ نے اس شکستگی کے صلہ میں مزید مراتب سے نوازا اور نیک شائستہ لوگوں میں داخل رکھا۔

آنحضرت ﷺ کو جلی کٹی نظروں سے دیکھنا یا نظر بد لگانا: .... وان يكاد الذين كفروا. شروع سورت کی طرح پھر روئے سخن آنحضرت ﷺ کی طرف ہو گیا۔ فرمایا کہ مخالین کا حال تو یہ ہے کہ قرآن سن کر غصہ کے مارے جلی کٹی نظروں سے گھور گھور کر آپ کو دیکھتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اپنے مرتبہ سے آپ گر جائیں اور زبان سے بھی آوازے کستے ہیں اور آپ کو دیوانہ کہتے ہیں اور قرآن کو عیاذ اً باللہ دیوانہ کی بڑ۔ حالانکہ یہ سارے جہان کے لئے سرتا پا نصیحت ہے اور بعض نے ليزلقونك کا یہ مطلب لیا ہے کہ آپ کو نظر لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کو جو نظر لگانے میں مشہور تھا اس کو اس پر آمادہ کر کے بلایا آپ ﷺ قرآن کی تلاوت کر رہے تھے اس نے آکر ہر چند زور لگائے مگر آپ کے لاحول پڑھنے سے ناکام و نامراد واپس چلا گیا آج کل مسمریزم ایک باقاعدہ فن بن چکا ہے اس لئے نظر لگانے کے معاملہ پر ردوکد کرنا فضول ہے اور بے شمار واقعات تجربہ میں ہیں۔ پھر اس سے انکار ناانصافی ہے۔

لطائف سلوک: .... وانك لعلى خلق. حضرت عائشہؓ اس کی تفسیر فرماتی ہیں۔ "یرضی لرضاه ویسخط بسخطه" اس میں تخلق باخلاق اللہ کی طرف اشارہ ہے جس کا کمال درجہ فنا ہے اور اس سے پہلے ماانت بنعمة ربك بمجنون فرمانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ سوء اخلاق ایک قسم کا جنون ہے۔

ولا تطع كل حلاف. اس میں اخلاق ذمیمہ کے اصول کا ذکر ہے اہل طریق کو ان سے بچنا چاہئے۔

يوم يكشف. احادیث میں حق تعالیٰ کی ساق فرمایا گیا ہے علماء تو اس کو متشابہات پر محمول کرتے ہیں مگر صوفیاء اس کو تجلی صور ہی کہتے ہیں بلکہ بعض اہل معرفت کہتے ہیں کہ اپنے شیخ کی صورت میں یہ تجلی رونما ہوگی۔

ولا تكن كصاحب الحوت. اس سے معلوم ہوا کہ صاحب مقام کے لئے صاحب حال کا فعل اور صاحب مقام اعلیٰ کے لئے صاحب مقام عالی کا فعل کبھی نقض ہوتا ہے جس سے منع کیا جاتا ہے۔

وان يكاد الذين. اس سے معلوم ہوا کہ اہل باطن میں بھی تصرفات ہو سکتے ہیں اور وہ کیسی تاثیرات طبعیہ ہیں اہل حق پر غالب آ سکتے ہیں پس تاثیر نفسانی علامت ولایت نہیں ہے۔

سُوْرَةُ الْحَآقَّةِ

سُوْرَةُ الْحَاقَةِ مَكِّيَّةٌ اِحْدٰى اَوْ اِثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَآقَّةُ ﴿۱﴾ اَلْقِيٰمَةُ الَّتِىْ يَحِقُّ فِيْهَا مَا اُنْكِرَ مِنَ الْبَعْثِ وَالْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ اَوِ الْمُظْهِرَةِ لِذٰلِكَ **مَا الْحَآقَّةُ ﴿۲﴾** تَعْظِيْمٌ لِّشَانِهَا وَهُمَا مُبْتَدَأٌ وَخَبَرٌ خَبَرِ الْحَاقَّةِ **وَمَآ اَدْرٰىكَ** اَىْ اَعْلَمَكَ **مَا الْحَآقَّةُ ﴿۳﴾** زِيَادَةُ تَعْظِيْمٍ لِّشَانِهَا فَمَا الْاُوْلٰى مُبْتَدَأٌ وَمَا بَعْدَهُ خَبَرُهُ وَمَا الثَّانِيَةُ وَخَبَرُهَا فِىْ مَحَلِّ الْمَفْعُوْلِ الثَّانِىْ لِاَدْرٰى **كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ ۢ بِالْقَارِعَةِ ﴿۴﴾** اَلْقِيَامَةِ لِاَنَّهَا تُقْرِعُ الْقُلُوْبَ بِاَهْوَالِهَا **فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴿۵﴾** بِالصَّيْحَةِ الْمُجَاوِزَةِ لِلْحَدِّ فِى الشِّدَّةِ **وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ** شَدِيْدَةِ الصَّوْتِ **عَاتِيَةٍ ﴿۶﴾** قَوِيَّةٍ شَدِيْدَةٍ عَلٰى عَادٍ مَعَ قُوَّتِهِمْ وَشِدَّتِهِمْ **سَخَّرَهَا** اَرْسَلَهَا بِالْقَهْرِ **عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ** اَوَّلُهَا مِنْ صُبْحِ يَوْمِ الْاَرْبَعَاءِ لِثَمَانٍ بَقِيْنَ مِنْ شَوَّالٍ وَكَانَتْ فِىْ عَجْزِ الشِّتَاءِ **حُسُوْمًا** مُتَتَابِعَاتٍ شَبَّهَتْ بِتَتَابُعِ فِعْلِ الْحَاسِمِ فِىْ اِعَادَةِ الْكَىِّ عَلَى الدَّاءِ كَرَّةً بَعْدَ اُخْرٰى حَتّٰى يَنْحَسِمَ **فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى** مَطْرُوْحِيْنَ هَالِكِيْنَ **كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ** اُصُوْلُ **نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴿۷﴾** سَاقِطَةٍ فَارِغَةٍ **فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ﴿۸﴾** صِفَةُ نَفْسٍ مُقَدَّرَةٍ وَالتَّاءُ لِلْمُبَالَغَةِ اَىْ بَاقٍ لَا **وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ** اَتْبَاعُهٗ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الْقَافِ وَسُكُوْنِ الْبَاءِ اَىْ مَنْ تَقَدَّمَهٗ مِنَ الْاُمَمِ الْكَافِرَةِ **وَالْمُؤْتَفِكٰتُ** اَىْ اَهْلُهَا وَهِىَ قُرٰى قَوْمِ لُوْطٍ **بِالْخَاطِئَةِ ﴿۹﴾** بِالْفِعْلَاتِ ذَاتِ الْخَطَاءِ **فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ** اَىْ لُوْطًا وَغَيْرَهٗ **فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۰﴾** زَائِدَةً فِى الشِّدَّةِ عَلٰى غَيْرِهَا **اِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَآءُ** عَلَا فَوْقَ كُلِّ شَىْءٍ مِنَ الْجِبَالِ وَغَيْرِهَا زَمَنَ الطُّوْفَانِ **حَمَلْنٰكُمْ** يَعْنِىْ اٰبَاءَكُمْ اِذْ اَنْتُمْ فِىْ اَصْلَابِهِمْ **فِى الْجَارِيَةِ ﴿۱۱﴾** اَلسَّفِيْنَةِ الَّتِىْ عَمِلَهَا نُوْحٌ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَنَجَا هُوَ وَمَنْ كَانَ مَعَهٗ فِيْهَا وَغَرِقَ الْبَاقُوْنَ **لِنَجْعَلَهَا** اَىْ هٰذِهِ الْفِعْلَةَ وَهِىَ

اِنجاءُ الْمُؤمِنِينَ وَاِهْلَاكِ الْكَافِرِينَ **لَكُمْ تَذْكِرَةً** عِظَةً **وَّتَعِيَهَآ** لِتَحفظَهَا **اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ**﴿۱۲﴾ حَافِظَةٌ لِمَا تَسْمَعُ **فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ**﴿۱۳﴾ لِلْفَصْلِ بَيْنَ الْخَلَائِقِ وَهِيَ الثَّانِيَةُ **وَّحُمِلَتِ** رُفِعَتْ **الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا** دُقَّتَا **دَكَّةً وَّاحِدَةً**﴿۱۴﴾ **فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ**﴿۱۵﴾ قَامَتِ الْقِيَامَةُ **وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ**﴿۱۶﴾ ضَعِيفَةٌ **وَّالْمَلَكُ** يَعْنِي الْمَلَائِكَةَ **عَلٰى اَرْجَآئِهَا** جَوَانِبِ السَّمَاءِ **وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ** اَيِ الْمَلَائِكَةَ الْمَذْكُورِيْنَ **يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ**﴿۱۷﴾ مِنَ الْمَلَائِكَةِ اَوْمِنْ صُفُوفِهِمْ **يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ** لِلْحِسَابِ **لَاتَخْفٰى** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **مِنْكُمْ خَافِيَةٌ**﴿۱۸﴾ مِنَ السَّرَائِرِ **فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ** خِطَابًا لِجَمَاعَتِهٖ لِمَا سَرَّبِهٖ **هَآؤُمُ** خُذُوا **اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ**﴿۱۹﴾ تَنَازَعَ فِيهِ هَاؤُمُ وَاقْرَءُوا **اِنِّيْ ظَنَنْتُ** تَيَقَّنْتُ **اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ**﴿۲۰﴾ **فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ**﴿۲۱﴾ مَرْضِيَّةٍ **فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ**﴿۲۲﴾ **قُطُوْفُهَا** ثِمَارُهَا **دَانِيَةٌ**﴿۲۳﴾ قَرِيْبَةٌ يَتَنَاوَلُ مِنْهَا الْقَائِمُ وَالْقَاعِدُ وَالْمُضْطَجِعُ فَيُقَالُ لَهُمْ **كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا** حَالٌ اَيْ مُتَهَنِّئِيْنَ **بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ**﴿۲۴﴾ الْمَاضِيَةِ فِي الدُّنْيَا **وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يَا** لِلتَّنْبِيْهِ **لَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ**﴿۲۵﴾ **وَلَمْ اَدْرِمَاحِسَابِيَهْ**﴿۲۶﴾ **يٰلَيْتَهَا** اَيِ الْمَوْتَةُ فِي الدُّنْيَا **كَانَتِ الْقَاضِيَةَ**﴿۲۷﴾ الْقَاطِعَةُ لِحَيَاتِيْ بِاَنْ لَااُبْعَثَ **مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ**﴿۲۸﴾ **هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ**﴿۲۹﴾ قُوَّتِيْ وَحُجَّتِيْ وَهَاءُ كِتَابِيَهْ وَحِسَابِيَهْ وَمَالِيَهْ وَسُلْطَانِيَهْ لِلسَّكْتِ تُثْبَتُ وَقْفًا وَوَصْلًا اِتِّبَاعًا لِمُصْحَفِ الْاِمَامِ وَالنَّقْلِ وَمِنْهُمْ مَنْ حَذَفَهَا وَصْلًا **خُذُوْهُ** خِطَابٌ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ **فَغُلُّوْهُ**﴿۳۰﴾ اَجْمَعُوْا يَدَيْهِ اِلٰى عُنُقِهٖ فِي الْغُلِّ **ثُمَّ الْجَحِيْمَ** النَّارَ الْمُحْرِقَةَ **صَلُّوْهُ**﴿۳۱﴾ اَدْخِلُوْهُ **ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا** بِذِرَاعِ الْمَلَكِ **فَاسْلُكُوْهُ**﴿۳۲﴾ اَيْ اَدْخِلُوْهُ فِيْهَا بَعْدَ اِدْخَالِهِ النَّارَ وَلَمْ تَمْنَعِ الْفَاءُ مِنْ تَعَلُّقِ الْفِعْلِ بِالظَّرْفِ الْمُقَدَّمِ **اِنَّهٗ كَانَ لَايُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ**﴿۳۳﴾ **وَلَايَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ**﴿۳۴﴾ **فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ**﴿۳۵﴾ قَرِيْبٌ يَنْتَفِعُ بِهٖ **وَّلَاطَعَامٌ اِلَّامِنْ غِسْلِيْنٍ**﴿۳۶﴾ صَدِيْدُ اَهْلِ النَّارِ اَوْشَجَرٌ فِيْهَا **لَّايَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخٰطِئُوْنَ**﴿۳۷﴾ الْكَافِرُوْنَ **فَلَآ** لَازَائِدَةٌ **اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ**﴿۳۸﴾ مِنَ الْمَخْلُوْقَاتِ **وَمَالَا تُبْصِرُوْنَ**﴿۳۹﴾ مِنْهَا اَيْ بِكُلِّ مَخْلُوْقٍ **اِنَّهٗ** اَيِ الْقُرْاٰنُ **لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ**﴿۴۰﴾ اَيْ قَالَهٗ رِسَالَةً عَنِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى **وَّمَاهُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّاتُؤْمِنُوْنَ**﴿۴۱﴾ **وَلَابِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّاتَذَكَّرُوْنَ**﴿۴۲﴾ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ فِي الْفِعْلَيْنِ وَمَازَائِدَةٌ مُؤَكِّدَةٌ وَالْمَعْنٰى اَنَّهُمْ اٰمَنُوْابِاَشْيَاءَ يَسِيْرَةٍ وَتَذَكَّرُوْهَا مِمَّااَتٰى بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْخَيْرِ وَالصِّلَةِ

وَالْعَفَافِ فَلَمْ تُغْنِ عَنْهُمْ شَيْئًا بَلْ هُوَ **تَنْزِيلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِينَ**﴿۴۳﴾ **وَلَوْ تَقَوَّلَ** أَيِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ**﴿۴۴﴾ بِأَنْ قَالَ عَنَّا مَالَمْ نَقُلْهُ **لَأَخَذْنَا** لَنِلْنَا **مِنْهُ** عِقَابًا **بِالْيَمِينِ**﴿۴۵﴾ بِالْقُوَّةِ وَالْقُدْرَةِ **ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ**﴿۴۶﴾ نِيَاطَ الْقَلْبِ وَهُوَ عِرْقٌ مُتَّصِلٌ بِهِ إِذَا انْقَطَعَ مَاتَ صَاحِبُهُ **فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ** هُوَ اِسْمُ مَا وَمِنْ زَائِدَةٌ لِتَاكِيْدِ النَّفْيِ وَمِنْكُمْ حَالٌ مِنْ أَحَدٍ **عَنْهُ حٰجِزِينَ**﴿۴۷﴾ مَانِعِيْنَ خَبَرُ مَا وَجُمِعَ لِأَنَّ أَحَدًا فِيْ سِيَاقِ النَّفْيِ بِمَعْنَى الْجَمْعِ وَضَمِيْرُ عَنْهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ لَا مَانِعَ لَنَا عَنْهُ مِنْ حَيْثُ الْعِقَابِ **وَإِنَّهُ** أَيِ الْقُرْاٰنَ **لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ**﴿۴۸﴾ **وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ** أَيُّهَا النَّاسُ **مُكَذِّبِينَ**﴿۴۹﴾ بِالْقُرْاٰنِ وَمُصَدِّقِيْنَ **وَإِنَّهُ** أَيِ الْقُرْاٰنَ **لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِينَ**﴿۵۰﴾ إِذَا رَأَوْا ثَوَابَ الْمُصَدِّقِيْنَ وَعِقَابَ الْمُكَذِّبِيْنَ بِهِ **وَإِنَّهُ** أَيِ الْقُرْاٰنَ **لَحَقُّ الْيَقِينِ**﴿۵۱﴾ أَيْ لِلْيَقِيْنِ حَقُّ الْيَقِيْنِ **فَسَبِّحْ** نَزِّهْ **بِاسْمِ** زَائِدَةٌ **رَبِّكَ الْعَظِيمِ**﴿۵۲﴾

ترجمہ:............سورۂ حاقہ مکیہ ہے۔۵۱یا۵۲آیات ہیں۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وہ ہونے والی چیز (قیامت کہ اس میں تمام وہ باتیں محقق ہوجائیں گی جن کا انکار کیا گیا یعنی بعث حساب یا قیامت ان باتوں کو ظاہر کردے گی) کیسی کچھ ہے وہ چیز جو ہونے والی ہے (اس میں قیامت کا عظیم الشان ہونا بتلایا گیا ہے مورما مبتداء اور الحاقہ ثانیہ خبر ہے۔ یہ جملہ خبر ہے الحاقہ اول کی اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز (اس میں قیامت کی اور زیادہ عظمت شان ہے۔ما اول مبتداء اور ادراک خبر ہے اور ما ثانیہ مبتداء الحاقہ خبر۔ جملہ ادری کے مفعول ثانی کے محل میں ہے) ثمود اور عاد نے اس کھڑ کھڑانے والی چیز کی تکذیب کی (قیامت جو اپنی ہولنا کی سے دلوں کو کھڑ کھڑا دے گی) سو ثمود تو ایک چیخ سے ہلاک کردیئے گئے (جو حد سے زیادہ شدید چنگھاڑ تھی) اور عاد ایک تیز وتند (زناٹے کی آواز) ہوا کے جھکڑ سے ہلاک کردیئے گئے (جو قوم عاد کے طاقتور ہونے کے باوجود انتہائی سخت تھی) کہ اللہ نے اس ہوا کو (زبردستی) ان پر مسلط کردیا تھا۔ سات رات اور آٹھ دن (۲۴ شوال بدھ کی صبح سے جاڑوں کے آخر میں) متواتر (مسلسل جیسا کہ لگاتار داغنے والا داغتا ہے آخر تک اسی طرح یہاں عذاب لگا تار رہا) سو تو اس قوم کو اس میں اس طرح پڑا ہوا دیکھتا ہے (گرا ہوا تباہ) کہ گویا وہ گری ہوئی (بالکل ٹوٹی ہوئی) کھجوروں کے تنے (جڑیں) ہیں۔ سو کیا تجھ کو ان میں کا کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے (باقیۃ نفس مقدر کی صفت ہے اور تا مبالغہ کی ہے یعنی کوئی باقی ہے؟ جواب یہ ہے کہ نہیں باقی) اور فرعون نے اور اس سے پہلے لوگوں نے (اس کے پیروکاروں نے اور ایک قرأت میں فتحہ قاف اور سکون با کے ساتھ ہے۔ یعنی فرعون سے پہلے کافروں نے) اوندھی ہوئی بستیوں نے (یعنی اہل بستی نے، اس سے قوم لوط کی بستیاں مراد ہیں) بڑے بڑے قصور کئے (ایسے کام جو سراسر خطا ہیں) سو انہوں نے اپنے رب کے رسول (لوط وغیرہ) کا کہنا نہ مانا۔ سو اللہ نے ان کو بہت سخت پکڑ لیا (اوروں سے بڑھ چڑھ کر) ہم نے جب کہ پانی کو طغیانی دی (زمانہ طوفان میں پہاڑ وغیرہ ہر چیز پر پانی چڑھ گیا) ہم نے تمہیں (یعنی تمہارے باپ دادا کو کہ تم ان کی پشتوں میں تھے) کشتی پر سوار کیا (جو نوح علیہ السلام نے تیار کی تھی، وہ اور ان کے ساتھ تو بچ گئے اور باقی سب ڈوب گئے) تاکہ ہم بنادیں، اس کو (یعنی مومنین کی نجات اور کافروں کی بربادی کی کارروائی کو) تمہارے لئے ایک یادگار (عبرت) اور یاد رکھیں (محفوظ کرلیں) یاد رکھنے

والے کان (جو سنی ہوئی باتوں کو محفوظ کر لیتے ہیں) پھر جب صور میں یکبارگی پھونک ماری جائے گی (مخلوق کے فیصلہ کے لئے نفخہ ثانیہ مراد ہے) اور زمین اور پہاڑ اٹھا لئے جائیں گے پھر دونوں ایک دفعہ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے تو اس روز وہ ہونے والی چیز (قیامت) ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اس وقت نہایت بودا (کمزور) ہوگا اور فرشتے آسمان کے کناروں پر آ جائیں گے اور آپ کے پروردگار کے عرش کو (مذکورہ فرشتے) اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے (فرشتے آٹھ ہوں گے یا فرشتوں کی آٹھ صفیں ہوں گی) جس روز تم (حساب کے لئے) پیش کئے جاؤ گے۔ تمہاری کوئی بات پوشیدہ (چھپی ہوئی) نہیں ہوگی۔ (تـخـفـى تا اور یا کے ساتھ ہے) پھر جس شخص کا اعمالنامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ بول اٹھے گا (خوشی کی بات اپنی جماعت سے کرتے ہوئے) کہ لو میرا نامہ اعمال پڑھ لو (کتابیہ میں ھاؤم اور اقرء و اکا تنازع ہو رہا ہے) میرا اعتقاد تھا کہ مجھ کو میرا حساب پیش آنے والا ہے، غرض وہ شخص پسندیدہ (عمدہ) عیش یعنی بہشت بریں میں ہوگا۔ جس کے میوے (پھل) جھکے ہوئے ہوں گے (جو کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے، لیٹے لیٹے حاصل ہو سکیں گے۔ ان سے کہا جائے گا) کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ (حال ہے، یعنی خوشی بخوشی) ان اعمال کے صلہ میں جو تم نے گذشتہ ایام میں (دنیا میں) کئے ہیں اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا سو وہ کہے گا (تنبیہ کے لئے ہے) کاش مجھ کو میرا نامہ اعمال ہی نہ ملتا اور مجھ کو یہ خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ موت ہی (جو دنیا میں آ چکی تھی) خاتمہ کر دیتی (مجھے نیست و نابود کر دیتی پھر میرا بعث ہی نہ ہوتا) میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میرا جاہ مجھ سے گیا گزرا ہوا (یعنی میری قوت اور دلیل کچھ بھی نہیں رہی۔ ان تمام الفاظ میں ھـا سکتہ کی ہے۔ جو حالت وقف اور وصل دونوں میں برقرار رہتی ہے۔ مصحف عثمانی میں اسی طرح منقول ہونے کی وجہ سے لیکن بعض قراء نے بحالت وصل اس کو حذف کر دیا ہے) اس شخص کو پکڑو (داروغہ جہنم کو خطاب ہے) اور اس کو طوق پہنا دو (ہاتھوں کو گلے میں باندھ دو) پھر دوزخ میں (دہکتی ہوئی آگ) میں اس کو جھونک (ڈال) دو۔ پھر ایک ایسی زنجیر میں جو ستر گز ہے (فرشتہ کی ناپ سے) اس کو جکڑ دو (یعنی دوزخ میں جھونک کر زنجیروں میں جکڑ دو۔ ظرف مقدم میں فعل کے عمل کرنے سے فا مانع نہیں ہے) یہ شخص خدائے بزرگ پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور نہ غریب آدمیوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔ اس شخص کا آج نہ کوئی دوست ہے (کہ جس سے اس کو نفع پہنچ جائے) اور نہ اس کو کوئی کھانے کی چیز نصیب ہے بجز زخموں کے دھوون (دوزخیوں کے کچلہو یا دوزخی درخت) کے جس کو بڑے گنہگار (کافر) کے سوا کوئی کھا نہ سکے گا پھر میں قسم کھاتا ہوں (لا زائد ہے) ان چیزوں کی بھی جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے (یعنی ساری مخلوق کی) کہ یہ (قرآن) کلام ہے ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا (اللہ تعالیٰ کے پاس سے) اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔ تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ کسی کاہن کا کلام ہے، تم بہت کم سمجھتے ہو (دونوں فعل تـا اور یـا کے ساتھ اور مـا زائد ہے تاکید کے لئے یعنی یہ لوگ ان باتوں کو تو مانتے ہیں اور انہیں یاد بھی رکھتے ہیں جو بہت معمولی ہیں بمقابلہ آنحضرت ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات یعنی خیر اور صلہ اور عفاف کے، حالانکہ وہ باتیں ان کے لئے کچھ مفید نہیں بلکہ یہ) اللہ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے اور اگر یہ (نبی) ہمارے اوپر کچھ باتیں لگا دیتے (یعنی ایسی بات کہہ دیتے جو ہم نے نہیں کہی) تو ہم پکڑ لیتے (تھام لیتے سزاءً) ان کا داہنا ہاتھ (زور اور طاقت سے) پھر ہم ان کی رگ جان کاٹ ڈال دیتے (رگ دل جو دل سے وابستہ ہیں وہ کٹ جائے تو مر جائے) پھر تم میں کوئی (احد اسم ما ہے اور من زائد ہے تاکید نفی کے لئے اور معکم من احد سے حال ہے) ان کا اس سزا سے بچانے والا بھی نہ ہوتا (روکنے والا یہ مـا کی خبر ہے اور جمع لانے کی وجہ یہ ہے کہ احـد نفی کے تحت ہونے کی وجہ سے جمع کے معنی میں ہے اور عنہ کی ضمیر آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے۔ یعنی عذاب سے بچاؤ کی کوئی صورت نہ ہوتی) اور بلاشبہ یہ (قرآن) متقیوں کے لئے نصیحت ہے اور ہم کو معلوم ہے کہ (اے لوگو!) تم میں تکذیب کرنے والے بھی ہیں (قرآن کی اور تصدیق

کرنے والے بھی) اور یہ قرآن کافروں کے لئے موجب حسرت ہے (جب وہ تصدیق کرنے والوں کا ثواب اور تکذیب کرنے والوں کا عذاب دیکھیں گے) اور یہ (قرآن) تحقیقی اور یقینی بات ہے، سوا اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح کیجئے (لفظ اسم زائد ہے)

تحقیق وترکیب: .... الحاقة. بقول زمخشریؒ اصل میں "الحاقة ماهي" عبارت تھی۔ لیکن وحشت زیادہ کرنے کے بجائے ضمیر اسم ظاہر لایا گیا۔ اس پر تو اتفاق ہے کہ حاقہ قیامت کا نام ہے مگر حاقہ کہنے کی وجوہ میں اختلاف ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ حق بمعنی ثابت سے ماخوذ ہے قیامت کو واجب الوقوع ہونے کی وجہ سے حاقہ کہتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قیامت میں حقائق محقق ہوجائیں گے۔ تیسرے یہ کہ قیامت صادق اور یقینی چیزوں میں سے ہے چنانچہ اس کا ثواب وعذاب وغیرہ بھی وہ امور ہیں جن کا وجود ضروری ہے۔

وما ادراك. ادری متعدی بدو مفعول ہے۔ کاف، مفعول اول اور ماالحاقه مفعول ثانی محل نصب ہے بخلاف الجار ہے۔ کیونکہ مفعول ثانی کی طرف ما کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے جیسا کہ ولا ادراكم به میں ہے۔

بالطاغية. ابن عباسؓ اور قتادہؒ صیحہ کے معنی لیتے ہیں اور بعض یہ معنی لیتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی طغیانی کی وجہ سے تباہ ہو گئے اس صورت میں عافية کی طرح طاغية مصدر ہوگا لیکن معنی بعد کی عبارت کے مناسب نہیں ہے۔

ريح صر صر. صر بالفتح کے معنی چیخ کے ہیں اور بالکسر پالہ کے معنی ہیں۔

عاتية. عتت کے معنی حد سے تجاوز کے ہیں اور بے اندازہ کے معنی بھی آتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ماارسل الله سفة من ريح الا بمكيال ولا قطرة من ماء الا بمكيال الا يوم عاد ويوم نوح.

حسوما. ابن منذرؒ کی روایت میں ہے جمعہ کے دن سے عذاب شروع ہوا سات رات آٹھ دن رہا پھر سب مر گئے اور ہوا نے نعشوں کو سمندر میں پھینک دیا۔ وہبؒ فرماتے ہیں کہ اسی لئے عرب ان دنوں کو "ايام عجوز" کہتے ہیں۔ آخری جاڑوں کی وجہ سے اور یا اس لئے کہ ایک بڑھیا ہوا سے بچنے کے لئے ایک سرنگ میں گھس گئی مگر ہوا نے وہاں بھی اسے ہلاک کر دیا تھا۔ حسوماً یہ نعت ہے سبع ليال وثمانية ايام کی۔ يسخرها کے مفعول سے حال ہے۔ حسوم کے معنی بار بار ٹکورے دینا حتیٰ کہ بیماری کا مادہ ختم ہوجائے۔ مفسرؒ نے متتابعات سے مجاز مرسل ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ لگا تار ہوا کے جھونکوں کو داغنے کے ٹکوروں سے تشبیہ دی گئی ہی اور عطیہؒ نے حسوماً کے معنی شوم اور بدبختی کے لئے ہیں گویا ہوا نے ساری خیر ختم کردی۔

نخل خاويه. خاويه کے معنی خالی کے ہیں اور بعض کے نزدیک ساقط کے معنی ہیں۔ مفسرؒ نے شافعی المسلک ہونے کی وجہ سے عموم مجاز کے طور پر دونوں کو جمع کر دیا ہے۔

من باقية. اى نفس باق اور استفہام انکاری ہے۔

ومن قبله. ابوعمرؒ اور کسائیؒ کے نزدیک کسر قاف کے ساتھ اور اکثر قراء کے نزدیک فتحہ قاف کے ساتھ ہے۔

والموتفكات. ايتفاك کے معنی انقطاع اور اکھاڑ پھینکنے کے ہیں وجہ تسمیہ ظاہر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جو قوم گناہوں میں منہمک ہوکر تباہ ہوگئیں۔

بالخاطية. گناہگار چونکہ اہل بستی ہیں اس لئے مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ یہ موصوف کی صفت ہے۔ شرک، بدکاری، تالیاں بجانا، گوز مارنا وغیرہ برائیوں میں یہ لوگ مبتلا تھے۔

حملناكم. مضاف محذوف ہے۔ اى حملنا آباء كم. گویا باپ دادا کی پشتوں میں موجود ہونے کی وجہ سے خطاب کیا گیا ہے۔ ساری دنیا حضرت نوحؑ کے بعد سام، حام، یافث تینوں صاحبزادوں کی اولاد سے ہے۔

تعيها. دعى حفاظت کرنا، ايعاء حفاظت کرانا۔

نفخة واحدہ. ابن عباسؓ نفخہ ثانیہ کے معنی فرماتے ہیں کیونکہ اس کے بعد ہی حساب کتاب ہوگا اور بعض کے نزدیک نفخہ اولیٰ مراد ہے۔

فیومئذ. ای اذا نفخ وحملت.

وقعت الواقعة. یہ ترکیب قائم القائم کی طرح بے فائدہ معلوم ہوتی ہے لیکن واقعہ قیامت کا علم ہے۔ اشتقاقی معنی مراد نہیں جس کی طرف مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔

علی ارجائها. دنیا کا ہولناک منظر دیکھنے کے لئے فرشتے کناروں پر آ جائیں گے۔

ویحمل عرش. حاملین عرش فرشتے "الامن شاء الله" کے تحت ہونے کی وجہ سے "فصعق من فی السموات" سے مستثنیٰ ہوں گے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ آٹھ فرشتے مینڈھوں کی شکل پر ہوں گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ان کے سر عرش سے ملے ہوئے اور پاؤں نچلی زمین پر ہوں گے اور پانچ سو سال کی مسافت کے برابر طویل سینگ ہوں گے اور کھر سے پیٹھ تک زمین و آسمان کے برابر فاصلہ ہوگا اور یہ کہ کسی کا چہرہ انسانی اور کسی کا شیر جیسا اور کسی کا بیل جیسا اور کسی کا گدھ جیسا ہوگا۔ ابن جریرؒ، ابن زیدؒ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ اس وقت حاملین عرش چار ہیں اور قیامت میں آٹھ ہو جائیں گے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان کا عدد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ البتہ آٹھ صفوں میں ہوں گے اور حسنؒ کہتے ہیں کہ ان کی صحیح تعداد اللہ کو معلوم ہے۔

۸ ہیں یا ۸ ہزار یا آٹھ صفیں۔ امام رازیؒ آٹھ افراد ماننا اولیٰ کہتے ہیں۔

هاؤم. یہ فعل صریح ہے یا اسم فعل بہر دو صورت خذوا کے معنی ہیں۔ یہاں آیت میں اسم فعل ہے جس میں مد وقصر دونوں لغت ہیں۔ مفرد تثنیہ جمع مذکر مؤنث سب میں یہ دونوں لغت ہیں۔ کاف خطاب بھی اس کے ساتھ لگتا ہے جس میں واقع کی مطابقت کی جائے گی۔ جیسے هان، هاء ن، هاک، هاء ک اور کاف خطاب کی جگہ اگر ہمزہ ہوگی تو اس میں کاف جیسا تصرف کیا جائے گا۔ جیسے هاء یازید. هائ یاهند، هاء ما، هاؤم، هائون. یہ لغت القرآن ہے۔ لیکن اگر فعل صریح کے ساتھ ضمائر بارزہ مرفوعہ لگیں تو ان میں تین لغات ہوں گی۔ ایک یہ کہ عاطی یعاطی کی طرح هائ یازید، هائ یاهند، هائیا یازید ان، یا هندان هاء وایازیدون، هائین یا هندات کہا جائے۔ دوسرے یہ کہ هب کی طرح کہا جائے۔ هاهی، هاء ها، هاؤاهان. ایسے ہی ہیں جیسے هب هبی هبا هبوا. تیسرا لغت یہ کہ خف، خافی، خافا، خافوا، خفن کی طرح هاء، هائ، هاء ا، هاء وا، هان کہا جائے۔ اسی طرح اس لفظ کے مدلول میں بھی اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ خذوا کے معنی میں ہے اور بعض نے تعالوا کے معنی لئے ہیں۔ اس صورت میں الیٰ کے ذریعہ متعدی ہوگا اور بعض نے قصد کے معنی لئے ہیں۔

کتابیه. یا کا فتحہ ظاہر کرنے کے لئے ان کلمات میں ہائے سکتہ لائی گئی ہے اور کوفیوں کے مذہب پر اول کو اور بصریوں کے مذہب پر دوسرے کو عامل مان کر دوسرے فعل میں ضمیر لائی جائے گی۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی "هاؤم کتابی" اقراء واکتابیه پہلے کو حذف کر دیا گیا ثانی کی دلالت کی وجہ سے۔ کوفی اولیت کی اور بصری قرب کی رعایت کرتے ہیں ہائے سکتہ وقف میں ثابت اور وصل میں ساقط ہونی چاہئے۔ مگر مصحف عثمانی میں موجود ہونے کی وجہ سے ہر حال میں ها باقی رہے گی اور وقف کو وصل پر ترجیح دیتے ہوئے۔

انی ظننت. چونکہ الایمان بین الخوف الرجاء ہے اس لئے اللہ نے رجاء کو پورا کیا اور خوف سے بچا لیا۔

راضیة. فاعل بمعنی مفعول ہے۔ هنیئا حال اگر ہے تو هنیئا بمعنی متهنیین ہے یا مصدر محذوف کی صفت ہے۔ ای اکلا وشرباً هنیئا یا خود مصدر ہے۔ ای هنئتم هنیئاً

سلطانیه. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ سلطانیه کی یہ دونوں تفسیریں ہیں۔ صاحب مفصلؒ نے لکھا ہے کہ جس متحرک پر حرکت اعرابیہ نہ ہو وہاں وقف باظہار جائز ہے۔ حرکت کو محفوظ رکھنے کے لئے اور باوجودیکہ ترک حاصل ہے مگر مصحف عثمانی کی وجہ سے وقف و وصل دونوں حالتوں میں ها باقی رہے گی بلکہ مثل متواتر سے بھی ها ثابت ہے۔ جیسا کہ زمخشریؒ نے ذکر کیا ہے اور بعض نے اصل کی

رعایت کرتے ہوئے حالت وصل میں حذف کردیا ہے۔

سبعون ذراعا. حسنؒ تو کہتے ہیں کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کون سا ذراع مراد ہے۔ ابن عباسؓ فرشتہ کی ذراع فرماتے ہیں معروف بکالیؒ جو کہ کوفہ میں تھے وہ ذراع کے متعلق کہتے ہیں۔ سبعون باعاً والباع مابینک (الکوفة) وبین مکة، اورامام محمد کی روایت سے ذراع کا طول مابین السماء والارض معلوم ہوتا ہے۔

فلیس لہ الیوم. یوم سے مراد آخرت ہے اور حمیم اوراس کے معطوفات لیس کا اسم ہے اور ظرف مقدم خبر ہے۔ دوزخیوں کے کھانے کا ذکر اس آیت میں بھی ہے اور آیت "شجرة الزقوم طعام الاثیم اورالامن ضریع الخ" اور "اولئک مایاکلون فی بطونهم الی النار"، میں بھی ہے، سب میں کوئی منافات نہیں بلکہ حصر اضافی ہے اور مقصد مشترک یہ ہے کہ وہ کھانا نفع سے خالی ہوگا۔

غسلین. ابن عباسؓ اس کے معنی صدید یعنی زخموں کا دھوون لے رہے ہیں۔

رسول کریم. یعنی بدخلقی سے کوسوں دور ہیں اور قرآن کلام الٰہی ہے اس کو اقوال رسول بلحاظ تبلیغ کہا گیا۔

تذکرون. تومنون اورتذکرون اہل کوفہ کی قرأت بالتخفیف ہے اور باقی قراء کے نزدیک تشدید کے ساتھ ہے۔

منہ الوتین. مفسرؒ نے ابن عباسؓ سے یہ تفسیر نقل کی ہے اور مجاہدؒ کہتے ہیں۔ هو الحبل الذی فی الظهر.

عنه حاجزین. ضمیر عنہ آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے یا قتل کی طرف۔

وانه لتذکرة. یہ اوراس کے بعد کا عطف جواب قسم پر ہے پس یہ بھی منجملہ مقسم علیہ ہے۔

منکم مکذبین. مفسرؒ نے "مصدقین" سے اشارہ کیا ہے کہ آیت میں واو سمیت معطوف محذوف ہو رہا ہے۔

لحق الیقین. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ صفت موصوف کی طرف مضاف ہو رہی ہے معنی یہ ہوں گے کہ جو قرآن کو مضبوط پکڑ کر اس پر عمل پیرا ہوگا وہ اہل حق الیقین میں سے ہوجائے گا۔ یقین کے علی الترتیب تین مراتب ہیں علم الیقین، حق الیقین، عین الیقین۔

ربط آیات: .... سورۂ نون میں رسالت کے اثبات کے ساتھ کفار کے مجازات کا بیان تھا۔ اس سورت میں مجازات کی تحقیق اوراس کا وقت اوراس میں ہونے والے بعض واقعات کا ذکر ہے اور ختم سورت پر قرآن کی حقانیت کا بیان ہے جس سے مجازات کی تحقیق وتقریر بھی ہو رہی ہے کیونکہ قرآن اس پر دال ہے اور دلیل کی سچائی مدلول کے صحیح ہونے کو مستلزم ہے نیز قرآن کی صداقت پچھلی سورت کے مضمون رسالت کے بھی مناسب ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... الحاقة. قیامت کی وہ گھڑی جس کا آنا ازل سے علم الٰہی میں طے ہوچکا تھا اس وقت حق ناحق بالکل کھلے طور پر الگ الگ ہوجائے گا اور تمام حقائق روز روشن کی طرح نمایاں ہوجائیں گے اور قیامت کا انکار کرنے والے سب کے سب مغلوب ہوجائیں گے۔ جانتے ہو کہ وہ گھڑی کیسی ہے اور اپنے اندر کیا کچھ رکھتی ہے؟ اس کی کیفیات کا احاطہ شعور وادراک سے باہر ہے تاہم بطور تمثیل چند واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ جس سے قیامت کبریٰ کا ہلکا سا نمونہ ظاہر ہوسکتا ہے۔ چنانچہ قوم ثمود وعاد نے اس آنے والی ساعت کو جھٹلایا جس سے سارا عالم جھنجھوڑ کر رکھ دیا جائے گا اور بڑی سے بڑی مضبوط مخلوق کو زیروزبر اور ریزہ ریزہ کرکے رکھ دے گی پھر دیکھ لو کہ دونوں کا انجام کیا ہوا؟

نافرمان قوموں پر عذاب الٰہی: .... قوم ثمود تو ایک بھونچال کی نذر ہوگئی جس سے سب تہہ وبالا ہو کر رہ گئے اور قوم عاد پر ہوا کے ایسے سخت جھکڑ چلے کہ اور تو اور فرشتے جو ہوا کے انتظام پر مقرر ہیں ان کے ہاتھوں سے نکلی جاتی تھی۔ طاقت کے نشہ میں جو لوگ چور تھے ہوا کے تھپیڑوں نے انہیں اس طرح پچھاڑ کر رکھ دیا کہ گویا کھجور کے کھوکھلے اور بے جان تنے ہیں جس کا محض ٹھڈ رہ گیا ہو۔ پس آج کیا ان کا نام ونشان اور بیج باقی ہے۔ پھر ان دونوں قوموں کے بعد فرعون بڑھ چڑھ کر باتیں بناتا ہوا آیا اوراس سے پہلے قوم نوح و

شعیب ولوط بھی آئیں جو گناہوں میں غرق رہیں اور اپنے پیغمبروں کی نافرمان رہیں۔ خدا سے مقابلہ آرائی میں لگے رہے آخر خدا نے سب کو ایسا پکڑا کہ کسی کی کچھ پیش نہ چل سکی۔ طوفان نوح تو اتنا خطرناک اور بھیانک تھا کہ اگر اللہ اپنا فضل واحسان نہ کرتا تو بظاہر اسباب کوئی بھی انسان نہ بچتا۔ مگر ہم نے اپنی قدرت وحکمت سے نوح اور ان کے ساتھیوں کو بچالیا بھلا ایسے عظیم الشان طوفان میں ایک کشتی کے سلامت رہنے کی کیا توقع ہوسکتی تھی مگر "جسے خدا رکھے اسے کون چکھے" اب رہتی دنیا تک لوگ اس کو یاد رکھیں اور جو کان معقول بات سنتے اور محفوظ رکھتے ہیں وہ کبھی نہ بھولیں کہ اللہ کا ہم پر کتنا بڑا احسان ہوا ہے اور سمجھیں کہ جس طرح یہاں پر فرمانبرداروں اور نافرمانوں کو الگ الگ کر دیا گیا ہے، قیامت کے ہولناک حادثہ میں بھی یہی حال ہوگا۔ جب "نفخہ اولیٰ" ہوگا تو زمین اور پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں گے اور سب کو کوٹ پیٹ کر ایک دم ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا جو آسمان لاکھوں سال گزرنے پر بھی اس درجہ مستحکم اور مضبوط ہو کہ کہیں ذرا سا بھی شگاف نہیں پڑا، اس روز پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور درمیان سے پھٹے گا تو فرشتے آسمان کے کناروں پر سمٹ آئیں گے نفخہ ثانیہ کے وقت اور عرش جس کو اب تک وہ چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں جن کی قوت وطاقت اور بزرگی کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے قیامت کے دن ان فرشتوں کو دوگنا کر دیا جائے گا۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے فرشتوں کے آٹھ ہونے پر دقیق وبسیط بحث کی ہے۔ یہاں یہ وسوسہ ہوسکتا ہے کہ جب اذا نفخ سے نفخہ اولیٰ مراد ہے اور یومئذ اس کا بدل ہے اور وقعت اپنے معطوفات سمیت اس میں عامل ہے تو پھر عرش کا اٹھانا وغیرہ واقعات بھی نفخہ اولیٰ کے ہونے چاہئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح ہے، مگر قیامت ایک وسیع وقت ہے، اس کے تمام اجزاء حکم میں وقت واحد کے ہیں۔ اس لئے نفخہ ثانیہ کے واقعات کا ظرف نفخہ اولیٰ کو بھی کہہ سکتے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:............ **یومئذ تعرضون.** غرض اس وقت اللہ کی عدالت میں حاضر کئے جاؤ گے اور نیکی بدی سب کچھ منظر عام پر آجائے گی۔ کوئی چیز چھپ نہ سکے گی۔ جس کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں ہوگا جو اس کے مقبول اور نجات یافتہ ہونے کی علامت ہوگی وہ خوشی کے مارے ہر ایک کو دکھلاتا پھرے گا کہ آؤ میاں میرا اعمال نامہ تو ذرا پڑھو میں دنیا ہی میں سمجھتا تھا کہ ایک دن ضرور میرا حساب کتاب ہوگا اور اس خیال سے میں ڈرتا اور اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہا۔

آج اس کا خوش کن نتیجہ دیکھ رہا ہوں کہ بفضلہ میرا حساب صاف ہے۔

قطوفها دانية. جنت کے پھل ہر حال میں بسہولت حاصل ہوسکیں گے اور کہہ دیا جائے گا کہ دنیا میں تم نے اللہ کے لئے نفسانی خواہشوں کو روکا تھا اور بھوک پیاس کی تکلیفیں اٹھائی تھیں اس لئے آج خوب رچ بس کر کھاؤ پیو کوئی روک ٹوک نہیں نہ بدہضمی وغیرہ، نہ بیماری اور نہ اس کے ختم ہونے کا کھٹکا۔

دوزخیوں کی درگت:............ **واما من اوتی کتابه بشماله.** جس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ سمجھ لے گا کہ آئی کمبختی۔ اس وقت حسرت سے آرزو کرے گا کہ کاش! یہ اعمالنامہ ہی نہ ملتا اور مجھے کچھ خبر نہ ہوتی اور رائے کاش! موت ہمیشہ کے لئے میرا قصہ ہی ختم کر ڈالتی کہ مرنے کے بعد پھر اٹھنا نصیب نہ ہوتا یا اب پھر موت آکر میرا القمہ کر لیتی۔ افسوس کہ آج میرے کچھ کام نہ آسکا، نہ آج میری کوئی حجت اور دلیل چلتی ہے اور نہ عذر کی گنجائش ہے۔ فرشتوں کو ارشاد ہوگا کہ اسے پکڑو گلے میں طوق ڈال دو اور دوزخ میں لے جاکر جھونک دو اور ستر گز لمبی زنجیریں باندھ جوڑ کر ڈال دو کہ چلتے وقت حرکت نہ کرسکے اور تکلیف میں شدت محسوس کرے اتنی لمبی زنجیر کا راز اللہ کو معلوم ہے آگے دوزخیوں کی دنیاوی حالت کا بیان ہے کہ نہ انہوں نے دنیا میں رہ کر اللہ کو جانا، نہ بندوں کے حقوق پہچانے، خود تو محتاجوں کی مدد کیا کرتے تھے، دوسروں کو بھی ترغیب نہ دی، پھر نجات کیسی؟ اور عذاب میں تخفیف کیسی؟ اللہ کو جب

انہوں نے دوست نہ بنایا تو آج ان کا دوست کون بن سکتا ہے کہ جو مصیبت سے بچا سکے اور وقت پر کام آ سکے اور کھانا اگر چہ تقویت کا باعث ہوتا ہے مگر انہیں کوئی ایسا مرغوب کھانا نہ مل سکے گا جو راحت وقوت کا باعث ہو۔ انہیں دوزخیوں کی پیپ ملے گی جسے گنہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا اور وہ بھی ہم بھوک پیاس کی شدت میں غلطی سے یہ سمجھ کر کھائیں گے کہ اس سے کچھ کام چلے گا مگر کھا کر ظاہر ہوگا کہ اس کا عذاب بھوک کے عذاب سے کچھ سوا ہی ہے۔

قرآن کیا ہے:............ فلا اقسم. فرمایا کہ جنت وجہنم کا بیان کوئی شاعری نہیں ہے، نہ کاہنوں کی اٹکل پچو باتیں ہیں، بلکہ ہم قسمیہ یقین دلاتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے جس کو ایک بزرگ فرشتہ لے کر آسمان سے ایک بزرگ ترین پیغمبر پر اترا اور آسمان سے لانے والا اور زمین کو پہنچانے والا دونوں ہی رسول کریم ہیں۔ ایک کا کریم ہونا آنکھوں سے دیکھتے ہو اور دوسرے کا کریم ہونا پہلے کے بیان سے ثابت ہے۔ دراصل عالم میں دو قسم کی چیزیں ہیں۔ ایک جن کو آدمی آنکھوں سے دیکھتا ہے، دوسرے کو آنکھوں سے نظر نہیں آتی، مگر عقل وغیرہ سے انسان اس کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ مثلاً ہم جتنا ہی آنکھیں پھاڑ کر زمین کو دیکھیں، تب بھی وہ چلتی ہوئی نظر نہ آئے گی۔ لیکن حکماء کے دلائل وبراہین کے آگے ہم اپنی آنکھ کو غلطی پر سمجھتے ہیں اور اپنی یا دوسرے عقلاء کی عقل کے ذریعے حواس کی ان غلطیوں کی اصلاح کر لیتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کی عقل بھی غلطیوں اور کوتاہیوں سے محفوظ نہیں ہے آخر اس کی غلطیوں کی اصلاح اور کوتاہیوں کی تلافی کس طرح ہو بس تمام عالم میں ایک وحی الٰہی ہے جو غلطیوں سے اور کوتاہیوں سے مبرا ہے بلکہ تمام عقلی قوتوں کی اصلاح کر سکتی ہے۔

جس طرح حواس جہاں پہنچ کر عاجز ہوتے ہیں، وہاں عقل کام دیتی ہے۔ ایسے ہی جس میدان میں عقل مجرد کام نہیں دیتی یا ٹھوکریں کھاتی ہے وہاں وحی الٰہی اس کی دستگیری کر کے ان بلند حقائق سے روشناس کرتی ہے۔ شاید اسی لئے یہاں "ما تبصرون وما لاتبصرون" کی قسم کھائی۔ یعنی جنت ودوزخ وغیرہ کے جو حقائق پہلی آیات میں بیان ہوئے ہیں اگر وہ محسوسات سے بلند ہونے کی وجہ سے تمہاری سمجھ میں نہ آئیں تو محسوس اور غیر محسوس چیزوں کی تقسیم سے سمجھ لو کہ یہ رسول کریم ﷺ کا کلام ہے جو حواس اور عقل سے بالا حقائق کی وحی الٰہی سے خبر دیتا ہے جب ہم بہت سی غیر محسوس بلکہ مخالف حس چیزوں کو اپنی عقل یا دوسروں کی تقلید سے مان لیتے ہیں تو بعض انہیں چیزوں کو رسول کریم ﷺ کے فرمانے کی وجہ سے ماننے میں کیا تامل ہے۔

دنیا میں ہمیشہ اچھوں کی کمی رہی ہے:............ قلیلا ما تؤمنون. یعنی قرآن کا کلام الٰہی ہونا کبھی کبھی اس کی کچھ جھلک تمہارے دلوں میں آئی ہے جو ایمان ونجات کے لئے ناکافی ہے۔ پھر بھی آخر کار اس کو شاعری کہانت کہہ کر اڑا دیتے ہو۔ کیا واقعی انصاف سے کہہ سکتے ہو کہ یہ شاعر کا شاعرانہ کلام ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ شعر میں وزن اور بحر ہوتی اور قرآن میں اس کا پتہ نہیں۔ دوسرے شاعروں کا کلام اکثر بے اثر ہوتا ہے اور ان کے اکثر مضامین محض خیالی اور وہمی ہوتے ہیں اور قرآن کریم سراسر حقائق ہے اور محکم اصولوں، قطعی دلیلوں، یقینی حجتوں سے لبریز ہے۔ پورا دھیان دو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کسی کاہن کا کلام نہیں ہے، کیونکہ ان کا کلام جناتی ہوا کرتا ہے اور جناتی کلام معجزہ نہیں ہوتا کیونکہ ایک جن جس طرح ایک کاہن کو کلام سکھلاتا ہے دوسرا جن بھی ویسا ہی کلام دوسرے کاہن کو سکھلا سکتا ہے۔ برخلاف قرآن کریم کے سب جن وانس مل کر بھی اس جیسا کلام نہیں بنا سکتے نیز کاہنوں کے کلام میں بہت سے الفاظ محض تک بندی کے طور پر بالکل بے کار، بے فائدہ بھرتی کے ہوتے ہیں اور اس کلام الٰہی میں ایک حرف یا ایک شوشہ بھی بیکار و بے فائدہ نہیں۔ پھر کاہنوں کی باتیں صرف چند مبہم معمولی خبریں ہوتی ہیں لیکن علوم عالیہ اور حقائق ان کے بس سے باہر کی بات ہے۔ برخلاف قرآن کریم کے، وہ ادیان وشرائع کے اصول وقوانین اور معاش ومعاد کے دستور وآئین اور آسمانوں کے چھپے ہوئے بھیدوں اور

فرشتوں، جنت ودوزخ کے بیانات پر مشتمل ہے اسی لئے سارے جہان کے اعلیٰ اور محکم ترین اصول اس میں بیان ہوئے ہیں۔

جھوٹے اور سچے نبی کا فرق: ....ولو تقول علینا. کسی کے گردن مارنے اور قتل کرنے کا دستور یہ تھا کہ جلاد اس کا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ رکھتا تھا تا کہ قتل سے پھر کر وہ آدمی بھاگ نہ جائے۔ اسی دستور پر فرمایا جا رہا ہے کہ اگر اللہ کا رسول، اللہ پر جھوٹ بناتا تو اللہ اس کا دشمن ہو جاتا اور ہاتھ پکڑ کر اس کی گردن مار دیتا۔ حاصل یہ ہے کہ بالفرض اگر رسول کوئی بات اللہ کی طرف غلط منسوب کر دے یا اس کے کلام میں اپنی طرف سے ملا دے تو فوراً اس پر عذاب آ جائے۔ غرضیکہ جھوٹے مدعی نبوت کو پنپنے نہیں دیا جاتا بلکہ فی الفور ہلاک کر دیا جاتا ہے یا اس کا جھوٹ ظاہر ہو جانے سے ذلیل ورسوا ہو جاتا ہے۔ ورنہ وحی الٰہی سے امن اٹھ جائے اور ایسا التباس واشتباہ پڑ جائے جس کی اصلاح ناممکن ہو جائے گی جو حکمت تشریع کے خلاف ہے لیکن جس کا رسول ہونا آیت وبراہین سے ثابت نہیں ہوا، بلکہ کھلے ہوئے دلائل اور علانیہ قرائن اس کی رسالت کی نفی کر چکے ہیں تو اس کی بات۔ بے ہودہ اور خرافات ہے کوئی عاقل اس کو لائق توجہ نہیں سمجھے گا اور نہ دین الٰہی میں کوئی اشتباہ والتباس ہوگا۔

ہاں البتہ معجزات وغیرہ سے اس کی صداقت ثابت ہونا بھی محال ہے۔ بلکہ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جھوٹا ثابت کرنے اور اس کو ذلیل ورسوا کرنے کے لئے ایسی باتیں ظاہر کر دے جو اس کے جھوٹے دعویٰ کے برخلاف ہوں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے بادشاہ کسی شخص کو کسی اعلیٰ منصب پر مقرر کرے اور سند وفرمان دے کہ کہیں اس کو روانہ کرے۔ اب اگر اس سے بادشاہ پر جھوٹ باندھنا ثابت ہو جائے یا خدمت میں کوئی خیانت اس سے سرزد ہو جائے تو فوراً اس کا تدارک کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر سڑک کوٹنے والا مزدور یا جھاڑو دینے والا بھنگی بکتا پھرے کہ میرے لئے بادشاہ کا یہ فرمان ہے اور گورنمنٹ نے میرے ذریعہ یہ احکام دیئے ہیں تو کون اس کی بات پر دھیان دیتا ہے اور کان دھرتا ہے اور کون اس کے دعوؤں کی تردید کرتا ہے بہرحال اس آیت میں حضور ﷺ کی نبوت پر استدلال نہیں ہے، بلکہ منشاء یہ ہے کہ کلام الٰہی ہے جس میں ایک شوشہ بھی نبی کریم ﷺ اپنی طرف سے ملا نہیں سکتے اور نہ آپ کی یہ شان ہے کہ آپ کوئی بات اللہ کی طرف سے یوں ہی منسوب کر دیں۔

قرآن حقائق کا سرچشمہ ہے: ....وانہ لتذکرہ. اللہ سے ڈرنے والے تو اس کلام کو سن کر نصیحت حاصل کرتے ہیں اور جن کے دل میں ڈر نہیں وہ ان کو جھٹلائیں گے مگر ایک وقت آنے والا ہے کہ یہی کلام اور ان کا یہ جھٹلانا سخت حسرت وپشیمانی کا سبب ہوگا اس وقت وہ پچھتائیں گے کہ کیوں ہم نے اس سچی بات کو جھٹلایا تھا جو آج یہ آفت دیکھنی پڑی حالانکہ یہ کتاب ایسی ہے کہ جس پر یقین سے بھی بڑھ کر یقین رکھا جائے کیونکہ اس کے مضامین میں سرتا سر سچ اور ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہیں اس لئے ضروری ہے کہ آدمی اس پر ایمان لا کر اپنے رب کی تسبیح وحمد میں مشغول ہو۔

لطائف سلوک: ....ولو تقول علینا الخ جس طرح جھوٹے نبی کا حال ہے، اسی طرح جھوٹا مدعی ولایت ہلاک کیا جاتا ہے۔ مگر نبوت ایک امر ظاہر ہے اس کا جھوٹا مدعی ظاہراً بھی ہلاک ہوتا ہے اور ولایت باطنی امر ہے اس کا جھوٹا مدعی باطنی طور پر ہلاک ہوتا ہے، جس کا پتہ اہل باطن کو چل جاتا ہے۔ اس کے آثار خذلان وظلمت ہے اس لئے اہل اللہ جس سے نفرت کریں اس سے بچنا چاہئے۔

وانہ لحق الیقین. صوفیاء کی اصطلاح میں یقین کے تین مراتب ہیں۔ سب سے اعلیٰ عین الیقین، اس سے کم حق الیقین، اس سے کم علم الیقین کا درجہ ہے۔ سورۂ تکاثر میں بھی علم الیقین کے یہی معنی ہیں۔

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ اَرْبَعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَالَ سَآئِلٌ دَعَا دَاعٍ **بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ﴿۲﴾** هُوَالنَّضْرُ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ الْاٰيَةَ **مِّنَ اللّٰهِ** مُتَّصِلٌ بِوَاقِعٍ **ذِى الْمَعَارِجِ﴿۳﴾** مَصَاعِدُ الْمَلَائِكَةِ وَهِيَ السَّمٰوٰتُ **تَعْرُجُ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ** جِبْرِيْلُ **اِلَيْهِ** اِلٰى مَهْبَطِ اَمْرِهٖ مِنَ السَّمَاءِ **فِىْ يَوْمٍ** مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ اَىْ يَقَعُ الْعَذَابُ بِهِمْ فِىْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴿۴﴾** بِالنِّسْبَةِ اِلَى الْكَافِرِ لِمَا يَلْقٰى فِيْهِ مِنَ الشَّدَائِدِ وَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَكُوْنُ عَلَيْهِ اَخَفُّ مِنْ صَلٰوةٍ مَّكْتُوْبَةٍ يُصَلِّيْهَا فِى الدُّنْيَا كَمَا جَاءَ فِى الْحَدِيْثِ **فَاصْبِرْ** هٰذَا قَبْلَ اَنْ يُّؤْمَرَ بِالْقِتَالِ **صَبْرًا جَمِيْلًا﴿۵﴾** اَىْ لَا فَزَعَ فِيْهِ **اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ** اَيِ الْعَذَابَ **بَعِيْدًا﴿۶﴾** غَيْرُ وَاقِعٍ **وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا﴿۷﴾** وَاقِعًا لَا مَحَالَةَ **يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ** مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ اَىْ يَقَعُ **كَالْمُهْلِ﴿۸﴾** كَذَائِبِ الْفِضَّةِ **وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ﴿۹﴾** كَالصُّوْفِ فِى الْخِفَّةِ وَالطَّيَرَانِ بِالرِّيْحِ **وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا﴿۱۰﴾** قَرِيْبٌ قَرِيْبَهٗ لِاشْتِغَالِ كُلٍّ بِحَالِهٖ **يُّبَصَّرُوْنَهُمْ** يُبْصِرُ الْاَحِمَّاءُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَيَتَعَارَفُوْنَ وَلَا يَتَكَلَّمُوْنَ وَالْجُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ **يَوَدُّ الْمُجْرِمُ** يَتَمَنَّى الْكَافِرُ **لَوْ** بِمَعْنٰى اَنْ **يَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ** بِكَسْرِ الْمِيْمِ وَفَتْحِهَا **بِبَنِيْهِ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ** زَوْجَتِهٖ **وَاَخِيْهِ﴿۱۲﴾ وَفَصِيْلَتِهِ** عَشِيْرَتِهٖ لِفَصْلِهٖ مِنْهَا **الَّتِىْ تُؤْوِيْهِ﴿۱۳﴾** تَضُمُّهٗ **وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ﴿۱۴﴾** ذٰلِكَ الْاِفْتِدَاءُ عَطْفٌ عَلٰى يَفْتَدِىْ **كَلَّا** رَدْعٌ لِمَا يُوَدِّهٖ **اِنَّهَا** اَيِ النَّارُ **لَظٰى﴿۱۵﴾** اِسْمٌ لِجَهَنَّمَ لِاَنَّهَا تَتَلَظّٰى اَىْ تَتَلَهَّبُ عَلَى الْكُفَّارِ **نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى﴿۱۶﴾** جَمْعُ شَوَاةٍ وَهِيَ جِلْدَةُ الرَّاسِ **تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى﴿۱۷﴾** عَنِ الْاِيْمَانِ

بِاَنْ تَقُوْلَ اِلَيَّ اِلَيَّ وَجَمَعَ الْمَالَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾ اَمْسَكَهٗ فِيْ وِعَائِهٖ وَلَمْ يُؤَدِّ حَقَّ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْهُ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ وَتَفْسِيْرُهٗ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَقْتَ مَسِّ الشَّرِّ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ وَقْتَ مَسِّ الْخَيْرِ اَيِ الْمَالِ لِحَقِّ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْهُ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ اَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ مُوَاظِبُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ هُوَ الزَّكٰوةُ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ الْمُتَعَفِّفِ عَنِ السُّؤَالِ فَيُحْرَمُ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾ الْجَزَاءِ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ خَائِفُوْنَ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ نُزُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ مِنَ الْاَمَاءِ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ الْمُتَجَاوِزُوْنَ الْحَلَالَ اِلَى الْحَرَامِ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْاِفْرَادِ مَا ائْتُمِنُوْا عَلَيْهِ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَعَهْدِهِمْ الْمَاْخُوْذُ عَلَيْهِمْ فِيْ ذٰلِكَ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ حَافِظُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْجَمْعِ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ يُقِيْمُوْنَهَا وَلَا يَكْتُمُوْنَهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ بِاَدَائِهَا فِيْ اَوْقَاتِهَا اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ نَحْوَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ حَالٌ اَيْ مُدِيْمِي النَّظَرِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ مِنْكَ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ حَالٌ اَيْضًا اَيْ جَمَاعَاتٌ حَلْقًا حَلْقًا يَقُوْلُوْنَ اِسْتِهْزَاءً بِالْمُؤْمِنِيْنَ لَئِنْ دَخَلَ هٰؤُلَاءِ الْجَنَّةَ لَنَدْخُلَنَّهَا قَبْلَهُمْ قَالَ تَعَالٰى اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا رَدْعٌ لَّهُمْ عَنْ طَمَعِهِمْ فِي الْجَنَّةِ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ كَغَيْرِهِمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مِنْ نُطَفٍ فَلَا يَطْمَعُ بِذٰلِكَ فِي الْجَنَّةِ وَاِنَّمَا يُطْمَعُ فِيْهَا بِالتَّقْوٰى فَلَآ لَا زَائِدَةٌ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ لِلشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَسَائِرِ الْكَوَاكِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ نَاْتِيْ بَدَلَهُمْ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ بِعَاجِزِيْنَ عَنْ ذٰلِكَ فَذَرْهُمْ اُتْرُكْهُمْ يَخُوْضُوْا فِيْ بَاطِلِهِمْ وَيَلْعَبُوْا فِيْ دُنْيَاهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَلْقَوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْهِ الْعَذَابُ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ الْقُبُوْرِ سِرَاعًا اِلَى الْمَحْشَرِ كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْحَرْفَيْنِ شَيْءٌ مَنْصُوْبٌ كَعَلَمٍ اَوْ رَايَةٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ يُسْرِعُوْنَ خَاشِعَةً ذَلِيْلَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ تَغْشَاهُمْ ذِلَّةٌ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ ذٰلِكَ مُبْتَدَأٌ وَّمَا بَعْدَهُ الْخَبَرُ وَمَعْنَاهُ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ

ع ۹ ۸

سورۂ معارج مکیہ ہے۔ جس میں ۴۴ آیات ہیں۔
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: .... ایک درخواست کرنے والا درخواست کرتا ہے (دعا مانگنے والا دعا مانگتا ہے) اس عذاب کی جو کافروں پر ہونے والا ہے، جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں ہے (نضر بن الحارث مراد ہے جس نے دعا کی تھی۔ **اللھم ان کان ھذا ھو الحق فامطر علینا**) جو اللہ کی طرف سے (اس کا تعلق واقع سے ہے) جو سیڑھیوں کا مالک ہے (فرشتوں کو آسمانوں پر چڑھانے والا ہے) چڑھ کر جاتے ہیں (تا اور یا کے ساتھ ہے) فرشتے اور روح (جبرئیل) اس کے پاس (آسمان کے اس حصہ میں جہاں حکم الٰہی آتا ہے) ایسے دن میں ہوگا (اس کا تعلق محذوف سے ہے ای **یقع العذاب بھم فی یوم القیامۃ**) جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے (یہ مقدار کافروں کو وہاں کی سختی کی وجہ سے معلوم ہوگی، ورنہ مومن کے لئے وہ دن دنیا کی ایک فرض نماز سے ہلکا پھلکا معلوم ہوگا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے) سو آپ صبر کیجئے (یہ حکم جہاد کی مشروعیت سے پہلے کا ہے) بہترین صبر (جس میں حرف شکایت نہ آئے) یہ لوگ اس (عذاب) کو بعید دیکھ رہے ہیں (یعنی نہیں آئے گا) اور ہم اس کو قریب دیکھ رہے ہیں (یعنی ضرور واقع ہو کر رہے گا) جس دن آسمان ہو جائے گا (اس کا تعلق محذوف یعنی یقع کے ساتھ ہے) تلچھٹ (پگھلی ہوئی چاندی) کی طرح اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے (ہلکے ہونے اور ہوا میں اڑنے کے لحاظ سے روئی کی طرح ہو جائیں گے) اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا (کیونکہ ہر ایک کو نفسا نفسی پڑی ہوگی) ایک دوسرے کو دکھا بھی دیئے جائیں گے (عزیز، قریب ایک دوسرے کو پہچان لیں گے مگر بات نہیں کر سکیں گے۔ جملہ مستانفہ ہے) مجرم (کافر) تمنا کرے گا کہ کاش وہ فدیہ میں دے دے اس روز کے عذاب سے (**یومئذ** کسرہ میم اور فتحہ میم کے ساتھ ہے) اپنے بیٹوں، بیوی، بھائی، کنبہ کو (خاندان کو فصیلہ کہتے ہیں کیونکہ یہ اس سے نکلا ہے) جن میں وہ رہتا تھا اور تمام اہل زمین کو اپنے فدیہ میں دے دے۔ پھر یہ اس کو بچالے (فدیہ دینا، اس کا عطف یفتدی پر ہے) یہ ہرگز نہ ہوگا (تمنا پر ڈانٹ ہے) وہ (آگ) ایسی شعلہ زن ہوگی (**لظی** جہنم کا نام ہے کیونکہ وہ کفار پر دہکے گی) کھال کو اتار دے گی) شواۃ کی جمع ہے سر کی کھال کو کہتے ہیں) وہ اس شخص کو بلائے گی جس نے پیٹھ پھیری ہوگی اور بے رخی کی ہوگی (ایمان سے، یہ کہے گی کہ آ) اور (مال) جمع کیا ہوگا اور اٹھا اٹھا رکھا ہوگا (خزانہ میں محفوظ۔ اور اس میں سے اللہ کا حق ادا نہیں کیا ہوگا۔ انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے (حال مقدرہ ہے جس کی تفسیر آگے ہے) جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو (تکلیف کے وقت) جزع فزع کرنے لگتا ہے اور جب اس کو فارغ البالی ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے (خیر یعنی مال حاصل ہونے پر اللہ کا حق ادا کرنے میں) مگر وہ نمازی (مومن) جو اپنی نماز پر برابر توجہ (پابندی) رکھتے ہیں اور جن کے مالوں میں مقررہ حق (زکوٰۃ) ہے سوالی غیر سوالی سب کے لئے (محروم جو سوال نہ کرنے کی وجہ سے محروم رہ جائے) اور قیامت (جزا) کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے (خائف) ہیں۔ واقعی ان کے پروردگار کا عذاب (نازل ہونا) بے خوفی کی چیز نہیں ہے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی باندیوں سے کیونکہ ان پر کوئی الزام نہیں ہے۔ ہاں! جو اس کے علاوہ طلبگار ہو۔ ایسے لوگ حد سے نکلنے والے ہیں (حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے) اور اپنی امانتوں (ایک قرأت میں مفرد لفظ کے ساتھ ہے، یعنی دین و دنیا کی کوئی بھی امانت) اور اپنے عہد سے (جو اس پر ان سے لیا جائے) پاس (خیال) رکھنے والے ہیں اور اپنی شہادت کو (ایک قرأت میں جمع کے ساتھ ہے) ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں (چھپاتے نہیں) اور اپنی نماز کی (بروقت) پابندی کرتے ہیں ایسے لوگ بہشت میں عزت سے داخل ہوں گے۔ سو کافروں کو کیا ہوا کہ آپ کی جانب (طرف) دوڑے آ رہے ہیں (حال ہے۔ یعنی نظر جمائے ہوئے) دائیں بائیں سے (آپ کی طرف) جماعتیں بن بن کر (یہ بھی حال ہے، یعنی حلقے بنا بنا کر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہوئے اگر یہ جنت میں گئے تو ہم ان سے پہلے جائیں گے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) کیا ان میں سے ہر شخص اس کی طمع رکھتا ہے کہ وہ آسائش کی جنت میں داخل کر لیا جائے گا۔ یہ ہرگز نہ ہوگا (جنت میں جانے کی ہوس پر ڈانٹ ہے) ہم نے ان کو (اوروں کی طرح) ایسی چیز سے پیدا کیا، جس کی ان کو بھی خبر ہے۔ (یعنی نطفہ سے پھر محض اس کی وجہ سے جنت میں جانے کی کیسے ہوس رکھتے ہیں ہاں تقویٰ کی بنیاد پر امید رکھی جا سکتی ہے) پھر (لا زائد

ہے) میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں، مغربوں کے مالک کی (آفتاب ماہتاب ستارے سب اس میں آ گئے) کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ ہم ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ بدل کر لے آئیں اور ہم عاجز نہیں ہیں سو آپ ان کو رہنے دیجئے (چھوڑ یئے) اس شغل (باطل) اور تفریح (دنیا) میں یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ ہو (واسطہ پڑے) جس میں ان سے (عذاب کا) وعدہ کیا جاتا ہے۔ جس دن یہ قبروں سے نکل کر (محشر کی طرف) اس طرح دوڑیں گے۔ جیسے یہ کسی پرستش گاہ کی سمت (ایک قرأت میں دونوں حرفوں کا ضمہ ہے ایسی چیز جو کھڑی کی جائے جیسے جھنڈا وغیرہ) دوڑتے ہیں ان کی آنکھیں نیچے کو جھکی (ذلیل) ہوں گی ان پر رسوائی چھائی ہوگی یہ ہے ان کا وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (ذلک مبتداء ہے اور بعد کا جملہ خبر ہے، مراد قیامت کا دن ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... **بعذاب. واقع** باتعدیہ کے لئے ہے اور **دعا** بمعنی استدعا ہے۔ یا **استعجل** کے معنی کو متضمن ہے۔
واقع بمعنی سیقع ہے دنیاوی عذاب تو غزوۂ بدر کی صورت میں ہوا جس میں نضر بن حارث مارا گیا اور آخرت کا عذاب مزید برآں ہے۔
للکفرین. اس میں تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ سال کے متعلق ہو جو بمعنی **دعا** ہے۔ ای **دعا لهم** دوسرے یہ کہ واقع کے متعلق ہو اور اس میں لام علت ہے۔ ای **نازل لاجلهم.** تیسرے یہ کہ لام بمعنی علیٰ ہو۔ ای **واقع علی الکافرین.** چنانچہ حضرت ابی کی قرأت **علی الکافرین** سے اس کی تائید ہوتی ہے اس صورت میں اس کا تعلق واقع کے ساتھ ہوگا۔
لیس له. یہ عذاب کی دوسری صفت ہے جو اظہر ہے اور جملہ مستانفہ بھی ہو سکتا ہے یا عذاب سے یا ضمیر کافرین سے حال ہے۔
من اللّٰه. اس کا تعلق واقع سے ہے اور **لیس له** جملہ معترضہ ہوگا عامل معمول کے درمیان جب کہ اس کو مستانفہ مانا جائے۔ لیکن عذاب کی صفت ماننے کی صورت میں معترضہ نہیں ہوگا۔
ذی المعارج. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ عروج کے معنی صعود کے ہیں اور بعض نے مومنین کے جنتی مدارج مراد لئے ہیں۔
والروح. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ عطف خاص علی العام ہے اور **الیه** میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اللہ کی طرف فرشتوں کے صعود کرنے سے لازم آتا ہے کہ اللہ کسی مکان میں ہو۔ مفسرؒ نے **مهبط امره** سے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی مضاف محذوف ہے اور ''مہبط امر'' سے مراد آسمان ہے۔
مقداره الف سنة ۔ یعنی فرشتوں کے علاوہ دوسری چیزوں کو دنیا کے وقت سے پچاس ہزار سال چڑھائی میں لگیں گے کیونکہ ہر زمین کا دل پانچ سو سال کی مسافت کا ہے۔ اسی طرح ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال مسافت ہے اسی طرح چودہ ہزار سال کی مسافت ہوگئی پھر ساتویں آسمان سے عرش تک چھتیس ہزار سال کی پس مجموعی مسافت پچاس ہزار سال ہوگئی جیسا کہ ابن عباسؓ سے منقول ہے یا اس مقدار کا تعلق لفظ **واقع** سے ہے یعنی عذاب آخرت اتنے طویل دن میں واقع ہوگا اور یہ طوالت حقیقۃً ہوگی یا کفار کے اعتبار سے اضافی ہوگی کہ انہیں پچاس جگہوں میں رکھا جائے گا اس طرح کہ ہر جگہ میں ہزار سال پڑے رہیں گے برخلاف مومنین کے، انہیں قیامت کا دن مختصر معلوم ہوگا جیسے ظہر وعصر کا درمیانی وقفہ چنانچہ امام احمدؒ اور ابن حبانؒ نے ابوسعید خدریؓ سے مرفوع روایت اسی طرح نقل کی ہے۔
فاصبر. اس کا تعلق سال سے ہے یعنی اس کے تمسخرانہ سوال پر آپ صبر کیجئے۔ مقصود تسلی ہے۔
نراه ۔ صیغہ جمع میں تعظیم مقصود ہے۔
یوم تکون السماء. اس میں کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا تعلق لفظ **قریبا** سے ہو اور یہی ظاہر ہے البتہ **نراه** کی ضمیر عذاب کی طرف راجع ہوگی۔ دوسرے یہ کہ اس کا تعلق محذوف کے ساتھ ہو جس پر لفظ واقع دلالت کر رہا ہے۔ ای **یقع یوم الخ** تیسرے یہ کہ اس کا تعلق بعد میں مقدر مانا جائے۔ ای **یوم یکون السماء یکون کیت و کیت.** چوتھے یہ کہ **نراه** کی ضمیر سے بدل مانا جائے، جبکہ اس کا مرجع **یوم القیامة** ہے۔
کالمهل. حسنؒ نے پگھلی ہوئی چاندی کے معنی لئے ہیں۔ لیکن ابن عباسؓ تلچھٹ کے معنی لیتے ہیں۔

لایسئل حمیم. اس کے بعد یبصرونھم میں دونوں ضمیریں جمع ہیں کیونکہ حمیم، حمیما، دونوں نکرہ تحت النفی ہونے سے عام ہیں۔
یومئذ. اکثر قراء کے نزدیک کسرہ میم کے ساتھ ہے عذاب کے مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے اور نافعؒ، کسائیؒ کے نزدیک فتحہ کے ساتھ ہے مضاف الیہ کے معنی قبول کرنے کی وجہ سے۔
لفصیلته. فعیل بمعنی مفعول اولاد بھی والدین سے نکلتی ہے اور والدین اولاد سے جدا ہوجاتے ہیں اس لئے فیصلہ کیا جائے گا۔
کلا یہاں حقاً کے معنی میں بھی ہوسکتے ہیں۔ جبکہ "ثم ینجیه" پر کلام پورا ہوجائے۔ لیکن اگر لا نافیہ کے معنی میں ہو تو پھر کلا پر کلام پورا ہوگا۔
انھا لظی. ضمیر جہنم کی طرف راجع ہے جو عذاب سے مفہوم ہو رہا ہے اور لظیٰ ان کی خبر اور نزاعة خبر ثانی ہے لظیٰ اصل میں لپٹ کو کہتے ہیں۔ جہنم کا علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے تانیث وعلمیت کی وجہ سے، اور بعض نے ضمیر قصد کی طرف راجع کی ہے اور بعض کے نزدیک ضمیر مبہم ہے جس کی ترجمانی خبر کررہی ہے۔ جیسا کہ زمخشریؒ کی رائے ہے۔ پہلی صورت میں لظیٰ ان کی خبر ہوگا اور نزاعة خبر ثانی ہے یا مبتداء ہے محذوف کی خبر ہے ای ھی نزاعة یا لظی ضمیر منسوب سے بدل ہو اور نزاعة ان کی خبر ہو۔
تدعوا. دوزخ یا خزنہ جہنم کی طرف ضمیر راجع ہے۔
ھلوعا. حال مقدرہ ہے خلق سے ھلوع کہتے ہیں۔ ایسی حالت کو جو نہ خوشی کو سنبھال سکے اور نہ غمی کو۔ ناقہ ھلوع، پھر تیلی اونٹنی۔ حاصل یہ ہے کہ یہ اوصاف نہ خلقت کے وقت تھے نہ ولادت کے وقت۔
جزوعا. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اذا جزوعا کا معمول ہے اور "جزوعا و منوعا" میں تین صورتیں ہیں۔ ھلوعا کی ضمیر سے دونوں حال ہوں۔ ای ھلوعا حال کو نہ جزوعاً وقت مس الشر ومنوعا وقت الخیر. دوسرے یہ کہ کان یا صار مضمر کی خبر ہوں۔ ای اذا معه الشر کان جزوعاً واذا معه الخیر کان منوعا. تیسرے یہ کہ یہ دونوں ھلوعا کی صفتیں ہوں۔
لاماناتھم. ابن کثیرؒ کے نزدیک مفرد اور باقی قراء کے نزدیک جمع کی قرأت ہے۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ امانت اسم جنس ہے۔ امانت منجانب اللہ احکام شرع ہیں اور مخلوق کی امانت مال وغیرہ کو ودیعت رکھنا۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ امانت جوارح کی حفاظت اور عہد قلب کی حفاظت، توحید کے متعلق اور رعایت کسی چیز کی نگرانی، حفاظت اور دیکھ بھال کو کہتے ہیں چنانچہ احادیث میں خیانت کو منافق کی حفاظت کہا گیا ہے۔
یحافظون. پہلے دائمون فرمایا گیا۔ مفسرؒ نے دونوں میں فرق کی طرف اشارہ کیا ہے نماز کا دوبارہ ذکر اہتمام کے لئے ہے اور خود اس کلام میں بھی تاکیدات ہیں۔ مثلاً: ضمیر کا مقدم کرنا، جار مجرور کا فعل پر مقدم کرنا بعض جملہ اسمیہ ہیں جن میں دوام وثبات ہے اور بعض فعلیہ ہیں جن میں استمرار تجددی ہے۔ فمال الذین. ما مبتداء الذین کفروا خبر ہے۔ ای ای شیء ثبت لھم وحملھم علی نظرھم الیک اور قبلک اور مھطعین اور عن الیمین وعن الشمال اور عزین چاروں حال ہیں۔ موصول سے عزین کے معنی جماعات کے ہیں۔ یہ جمع ہے۔ عزہ بمعنی جماعت کی اور حلقا سے اشارہ ہے کہ عزین متعلق ہے یمین کا اور یقولون سے مفسرؒ نے شان نزول اگلی آیت کا بیان کیا ہے اور فمال کا لام حضرت عثمانؓ کے مصحف کے اتباع میں علیحدہ لکھا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا رسم الخط بھی ماثور اور توقیفی ہے۔ اس میں رائے وقیاس کو دخل نہیں ہے۔ ابو التبار عزین کو مھطعین سے حال متداخلہ کہتے ہیں اور عن الیمین کا تعلق عزین سے ہے اور محذوف سے متعلق ہو کر حال بھی ہوسکتا ہے۔
مما یعلمون. یعنی گندے قطرہ سے پیدا کئے گئے جو عالم قدس کے شایان شان نہیں ہے پھر بغیر ایمان وعمل کس طرح جنت کا استحقاق سمجھتے ہیں ہاں صفات ملکیہ کے ساتھ البتہ استحقاق کہیں تو صحیح ہے۔
علی ان نبدل. چنانچہ مہاجرین وانصار کو اللہ نے نعم البدل بنادیا۔
یومھم. یوم کی اضافت چونکہ سب انسانوں کی طرف صحیح ہے اور کفار منجملہ انسانوں کے ہیں اس لئے ان کی طرف

اضافت کردی گئی ہے یا کہا جائے کہ قیامت کا دن کفار کے حق میں یوم العذاب اور مومنین کے حق میں یوم الثواب ہے۔ گویا اس حیثیت سے دو دن ہو گئے اس لئے یوم کی اضافت صرف کفار کی طرف بلحاظ عذاب کے ہوئی۔

الی نصب . بت یا نشان۔ عام قرأۃ فتحہ اور سکون کے ساتھ اور ابن عامرؒ اور حفصؒ کے نزدیک دونوں حرف مضموم ہیں اور ابوعمران الجونیؒ اور مجاہدؒ دونوں حرفوں پر فتحہ پڑھتے ہیں اور حسنؒ وقتادہؒ ضمہ اور سکون اول کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اسم مفرد تیرتھ گاہوں اور مندروں میں جو جھنڈے لگے رہتے ہیں۔ لیکن ابوعمرؒ کہتے ہیں کہ جال کی ڈور کو نصب کہا جاتا ہے کہ شکاری شکار پھنسنے پر فوراً اس کی طرف لپکتا ہے لیکن دوسری قرأت یعنی ضمتین کی صورت میں کئی ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ اسم مفرد ہو جس کے معنی بت کے ہیں جس کی پرستش کی جاتی ہے۔ دوسری یہ کہ نصاب کی جمع ہے جیسے: کتاب کی جمع کتب۔ تیسری صورت یہ ہے کہ نصب کی جمع ہو۔ جیسے: رہن کی جمع رہن۔ اور سقف کی جمع سقف . یہ ابوالحسنؒ کی رائے ہے اور انصاب جمع الجمع ہوگی۔ اور تیسری قرأت فتحتین کی، اس میں فعل بمعنی مفعول ہے جیسے قبض بمعنی مقبوض اور چوتھی قرأت دوسری قرأت کی تخفیف ہے۔ ابن عباسؓ نصب کے معنی جھنڈے کے اور بعض نے بت اور پوجا کے پتھر کے معنی لئے ہیں۔ جیسے: **ماذبح علی النصب** فرمایا گیا۔

یوفضون . بمعنی **یسرعون یا یسبقون یا ینطلقون** ہے جو قریب قریب ایک ہی معنی ہیں۔

ربط آیات: ....سورۂ حاقہ کی طرح اس سورت میں بھی مجازات کا اور بعض ایسے اعمال کا بیان ہے جو موجب مجازات ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: ....عذاب کی درخواست کرنے والے اگر پیغمبر ہیں تو تب مطلب یہ ہے کہ کفار پر عذاب الٰہی ضرور آئے گا۔ کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گا۔ لیکن اگر عذاب مانگنے والے کافر ہیں جیسا کہ **فامطر علینا حجارۃ، او ائتنا بعذاب الیم** سے معلوم ہوتا ہے گویا ازراہ تمسخر انکار یہ کہا کرتے تھے تو پھر مطلب ہوگا کہ عذاب مانگنے والے دراصل ایک ایسی آفت مانگ رہے ہیں جو بالیقین ان پر پڑنے والی ہے کسی کے روکے نہیں رک سکتی کفار کی عقل ماری گئی کہ اپنی طرف سے ایسی بات چاہ رہے ہیں۔

قیامت کا دن کتنا بڑا ہوگا؟ .... **تعرج الملائکۃ** ۔فرشتوں اور مومنین کی ارواح آسمانوں کو طے کر کے درجہ بدرجہ اللہ کا قرب حاصل کرتی ہیں۔ یا اللہ کے بندے اس کی فرمانبرداری میں دل و جان سے کوشش کر کے اور اچھی خصلتوں سے آراستہ ہو کر روحانی ترقیات کے زینے طے کر کے مقام قرب وشرف حضوری حاصل کرتے ہیں۔ اب آگے اعمال اور ان کے درجات میں فرق مراتب ہے کلمہ شہادت سے تو دم کے دم میں ترقی ہو جاتی ہے لیکن نماز کی ترقی میں ایک ساعت اور روزہ کی ترقی میں دن بھر، اور پورے روزوں کی ترقی میں مہینہ بھر اور حج کی ترقی میں سال بھر لگتا ہے یہی حال فرشتوں کے عروج کا ہے۔

خمسین الف سنۃ . یعنی پہلی مرتبہ صور پھونکنے سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک قیامت کا دن ہے جس کی مدت پچاس ہزار سال ہوگی اور تمام مخلوقات کی ارواح خدمت گار بن کر اس میں شامل رہیں گی اور اس عظیم کام کے سرانجام ہونے کے بعد ان کو عروج ہوگا۔ لیکن ایک مومن کے لئے یہ وقت نہایت ہلکا، پھلکا معلوم ہوگا۔

فاصبر . چونکہ تمسخر کے انداز میں کفار عذاب کے متعلق شور مچار ہے تھے اس لئے فرمایا آپ ان کے خیال میں نہ آجائیں بلکہ صبر و استقلال سے رہیں نہ تنگ دل ہوں اور نہ کوئی حرف شکایت زبان پر آئے آپ کا صبر، ان کا تمسخر ضرور رنگ لائے گا یہ تو قیامت کو بعید از امکان اور دور از عقل سمجھتے ہیں لیکن ہمیں تو اتنی قریب دکھائی دے رہی ہے کہ گویا آئی رکھی ہے۔

مفسرؒ مھل کا ترجمہ پگھلی ہوئی چاندی سے کر رہے ہیں اور بعض نے تلچھٹ ترجمہ کیا ہے۔

لایسئل حمیم . ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی، کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہوگا اس وقت نظر آجائے گا کہ سب کی دوستی نکمی مجرم تو یہ چاہے گا کہ بس چلے تو ساری دنیا کو فدیہ میں دے ڈالے، اور جان بچ جائے۔ مگر نہ یہ ہوگا، نہ وہ مجرم کو دوزخ کہاں چھوڑے۔

کھال اتار کر کلیجہ اندر سے نکال لیتی ہے دوزخ کی ایک چیخ ہوگی جتنے لوگ دنیا میں حق سے منہ موڑ کر چلتے بنے اور مال بٹورنے میں لگے رہتے تھے وہ سب اس کی طرف کھچے چلے آئیں گے۔ مفسرؒ کے مطابق بعض آثار میں ہے کہ دوزخ لوگوں کو پکارے گی تو لوگ ادھر ادھر بھاگیں گے کہ اتنے میں ایک لمبی گردن نکلے گی جو کفار کو چن چن کر اس طرح کھالے گی جس طرح جانور زمین سے دانہ چگ لیتا ہے۔

انسان جی کا کچا اور بے صبرا ہے:............ان الانسان۔ یعنی انسان جی کا کچا، بے صبرا، بے توفیقا پیدا ہوا ہے۔ فقر، فاقہ، بیماری، سختی کوئی بھی حال ہو ایک دم گھبرا اٹھتا ہے بلکہ مایوس و بے ہمت ہو جاتا ہے گویا اب اس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں رہی۔ لیکن مال و دولت، فراخی اور تندرستی ملتی ہے تو پھر نیکی کے لئے ہاتھ نہیں اٹھتا اور مالک کی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق نہیں ہوتی البتہ جو پکے نمازی ہیں، گنڈے دار نماز نہیں پڑھتے بلکہ نماز کی پابندی بھی رکھتے ہیں اور جب نماز پڑھتے ہیں تو نہایت سکون کے ساتھ برابر اپنی نماز ہی کی طرف متوجہ رہتے ہیں ان کی یہ شان نہیں ہے۔ آگے ان کے اور اوصاف بیان فرمائے جارہے ہیں منجملہ ان امانتوں اور عہدوں کی پاسداری بھی ہے۔ ان دولفظوں میں اللہ اور بندوں کے سب حقوق آگئے کیونکہ آدمی کے پاس جتنی قوتیں ہیں سب اللہ کی امانتیں ہیں۔ ان کو اسی کے بتلائے ہوئے مواقع میں خرچ کرنا چاہئے اور جو قول وقرار ازل میں باندھ چکا ہے اس سے پھرنا نہیں چاہئے۔

یحافظون۔ اس میں آداب ظاہری و باطنی سب کی رعایت آگئی یہاں تک جنتیوں کی آٹھ صفات بیان کی گئی ہے، جن کو نماز ہی سے شروع اور نماز ہی پر ختم کیا گیا ہے جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

فمال الذین۔ یعنی کفار قرآن کی تلاوت اور جنت کا ذکر سن کر ہر طرف سے ٹولیاں بنا کر آپ پر اُمڈے چلے آتے ہیں۔ پھر ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہیں۔ کیا پھر بھی یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ سب جنت کے باغوں میں داخل کر لئے جائیں گے ہرگز نہیں، اس خداوند عادل وحکیم کے ہاں ایسا اندھیر نہیں ہوسکتا۔ لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے مھطعین کا مفہوم دوسرا لیا ہے کہ یہ کافر قرآن سن کر کیوں بدکتے ہیں اور غول کے غول بنا کر کیوں آپ کے پاس سے بھاگتے ہیں اور اس نفرت ووحشت پر یہ امید رکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر شخص بے کھٹکے جنت میں جا گھسے، ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا۔

خلقنٰھم مما یعلمون۔ یعنی مٹی اور گندہ قطرہ سے بنا ہوا انسان بذات خود اس لائق کہاں کہ بہشت بریں کا مستحق ہو البتہ ایمان کی جلا اس قابل بنا سکتی ہے۔ یا مما یعلمون سے اوصاف قبیحہ مذکور مراد ہوں کہ ان کی موجودگی میں پھر جنت کے خواب کیسے دیکھ رہا ہے۔

رب المشارق والمغارب۔ کیونکہ نقطہ طلوع وغروب روزانہ بدلتا رہتا ہے۔ اس لئے جمع کے صیغے استعمال کئے گئے۔

بروں کو ہٹا کر اللہ اچھوں کو کھڑا کرسکتا ہے:............علی ان نبدل۔ یعنی جب اللہ ان سے بہتر پیدا کرسکتا ہے تو خود ان کو دوبارہ کیوں نہیں پیدا کرسکتا یا خیراً سے مراد دوبارہ پیدا کرنا ہے کیونکہ بہر حال آخرت کی زندگی دنیاوی زندگانی سے اکمل ہوگی یا یہ منشاء ہے کہ آپ ان کے تمسخر آمیز رویہ پر اور پھبتیوں سے ملول ورنجیدہ نہ ہو جائیے ہم اسلام کو ان سے بہتر خادم مہیا کردیں گے۔ چنانچہ کفار قریش کی جگہ اللہ نے انصار مدینہ کو کھڑا کردیا اور اہل مکہ پھر بھی اللہ کے قبضہ سے باہر نہیں نکل سکے اور قسم سے بھی اس مضمون کو مناسبت ہے کہ جس طرح آئے دن روزانہ مشرق ومغرب ہم تبدیل کرتے رہتے ہیں ان کا بدل دینا ہمارے لئے کیا مشکل ہے؟

فذرھم۔ خیر اب تو تھوڑے دن کی ڈھیل ہے سزا بہر حال یقینی ہے لوگ قبروں سے نکل کر محشر کی طرف اس طرح کشاں کشاں دوڑیں گے جس طرح کبھی تیرتھ گاہ کی طرف پجاری عقیدت سے دوڑتے ہیں۔

لطائف سلوک:............ان الانسان خلق ھلوعاً الخ اس سے معلوم ہوا کہ طاعات وعبادات کو قوت قلبیہ میں بڑا دخل ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

سُوْرَۃُ نُوْحٍ

سُوْرَۃُ نُوْحٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ مَکِّیَّةٌ ثَمَانٌ اَوْ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰیَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ اَیْ بِاَنْذَارِ **قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَهُمْ** اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا **عَذَابٌ اَلِیْمٌ**﴿۱﴾ مُؤْلِمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ **قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ**﴿۲﴾ بَیِّنُ الْاِنْذَارِ **اَنِ** اَیْ بِاَنْ اَقُوْلَ لَکُمْ **اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِیْعُوْنِ**﴿۳﴾ **یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ** مِنْ زَائِدَةٍ فَاِنَّ الْاِسْلَامَ یُغْفَرُ بِهٖ مَا قَبْلَهٗ اَوْ تَبْعِیْضِیَّةٌ لِاِخْرَاجِ حُقُوْقِ الْعِبَادِ **وَیُؤَخِّرْکُمْ** بِلَاعَذَابٍ **اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی** اَجَلِ الْمَوْتِ **اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ** بِعَذَابِکُمْ اِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا **اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ لَوْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ**﴿۴﴾ ذٰلِكَ لَاٰمَنْتُمْ **قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا**﴿۵﴾ دَائِمًا مُتَّصِلًا **فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْٓ اِلَّا فِرَارًا**﴿۶﴾ عَنِ الْاِیْمَانِ **وَاِنِّیْ کُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ** لِئَلَّا یَسْمَعُوْا کَلَامِیْ **وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ** غَطُّوْا رُؤُوْسَهُمْ بِهَا لِئَلَّا یَنْظُرُوْنِیْ **وَاَصَرُّوْا** عَلٰی کُفْرِهِمْ **وَاسْتَکْبَرُوا** تَکَبَّرُوْا عَنِ الْاِیْمَانِ **اسْتِکْبَارًا**﴿۷﴾ **ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا**﴿۸﴾ اَیْ بِاَعْلَاءِ صَوْتِیْ **ثُمَّ اِنِّیْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ** صَوْتِیْ **وَاَسْرَرْتُ لَهُمُ** الْکَلَامَ **اِسْرَارًا**﴿۹﴾ **فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ** مِنَ الشِّرْكِ **اِنَّهٗ کَانَ غَفَّارًا**﴿۱۰﴾ **یُّرْسِلِ السَّمَآءَ** الْمَطَرَ وَکَانُوْا قَدْ مُنِعُوْهُ **عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا**﴿۱۱﴾ کَثِیْرَ الدُّرُوْرِ **وَّیُمْدِدْکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ جَنّٰتٍ** بَسَاتِیْنَ **وَّیَجْعَلْ لَّکُمْ اَنْهٰرًا**﴿۱۲﴾ جَارِیَةً **مَا لَکُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا**﴿۱۳﴾ اَیْ تَامُلُوْنَ وَقَارَ اللّٰهِ اِیَّاکُمْ بِاَنْ تُؤْمِنُوْا **وَقَدْ خَلَقَکُمْ اَطْوَارًا**﴿۱۴﴾ جَمْعُ طَوْرٍ وَّهُوَ الْحَالُ فَطَوْرًا نُطْفَةً وَطَوْرًا عَلَقَةً اِلٰی تَمَامِ خَلْقِ الْاِنْسَانِ وَالنَّظْرُ فِیْ خَلْقِهٖ یُوْجِبُ الْاِیْمَانَ بِخَالِقِهٖ **اَلَمْ تَرَوْا** تَنْظُرُوْا **کَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا**﴿۱۵﴾ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ **وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ** اَیْ فِیْ مَجْمُوْعِهِنَّ الصَّادِقِ بِالسَّمَاءِ الدُّنْیَا **نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا**﴿۱۶﴾ مِصْبَاحًا مُضِیْئًا وَهُوَ اَقْوٰی مِنْ نُوْرِ الْقَمَرِ **وَاللّٰهُ اَنْبَتَکُمْ** خَلَقَکُمْ **مِّنَ**

الْاَرْضِ نَبَاتًا﴿۱۷﴾ اِذْ خَلَقَ اَبَاكُمْ اٰدَمَ مِنْهَا **ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا** مَقْبُوْرِيْنَ **وَيُخْرِجُكُمْ** لِلْبَعْثِ **اِخْرَاجًا﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا﴿۱۹﴾** مَبْسُوْطَةً **لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا** طُرُقًا **فِجَاجًا﴿۲۰﴾** وَاسِعَةً **قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا** اَيِ السُّفْلَةُ وَالْفُقَرَاءُ **مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ** وَهُمُ الرُّؤَسَاءُ الْمُنْعَمُ عَلَيْهِمْ بِذٰلِكَ وَوُلْدٍ بِضَمِّ الْوَاوِ وَسُكُوْنِ اللَّامِ وَبِفَتْحِهِمَا وَالْاَوَّلُ قِيْلَ جَمْعُ وَلَدٍ بِفَتْحِهِمَا كَخَشَبٍ وَّخُشُبٍ وَّقِيْلَ بِمَعْنَاهُ كَبُخْلٍ وَّبَخَلٍ **اِلَّا خَسَارًا﴿۲۱﴾** طُغْيَانًا وَّكُفْرًا **وَمَكَرُوْا** اَيِ الرُّؤَسَاءُ **مَكْرًا كُبَّارًا﴿۲۲﴾** عَظِيْمًا جِدًّا بِاَنْ كَذَّبُوْا نُوْحًا وَّاٰذَوْهُ وَمَنِ اتَّبَعَهٗ **وَقَالُوْا** لِلسُّفْلَةِ **لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا** بِفَتْحِ الْوَاوِ وَضَمِّهَا **وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا﴿۲۳﴾** هِيَ اَسْمَاءُ اَصْنَامِهِمْ **وَقَدْ اَضَلُّوْا** بِهَا **كَثِيْرًا ۚ** مِنَ النَّاسِ بِاَنْ اَمَرُوْهُمْ بِعِبَادَتِهَا **وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا﴿۲۴﴾** عَطْفٌ عَلٰى قَدْ اَضَلُّوْا دَعَا عَلَيْهِمْ لِمَا اُوْحِيَ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ **مِمَّا** مَاصِلَةٌ **خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ (خَطِيْئَاتِهِمْ) بِالْهَمْزَةِ **اُغْرِقُوْا** بِالطُّوْفَانِ **فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ** عُوْقِبُوْا بِهَا عَقْبَ الْاِغْرَاقِ تَحْتَ الْمَاءِ **فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ** اَيْ غَيْرِ اللّٰهِ **اَنْصَارًا﴿۲۵﴾** يَمْنَعُوْنَ عَنْهُمُ الْعَذَابَ **وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا﴿۲۶﴾** اَيْ نَازِلُ دَارٍ وَالْمَعْنٰى اَحَدًا **اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴿۲۷﴾** مَنْ يَّفْجُرُ وَيَكْفُرُ قَالَ ذٰلِكَ لِمَا تَقَدَّمَ مِنَ الْاِيْحَاءِ اِلَيْهِ **رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ** وَكَانَا مُؤْمِنَيْنِ **وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ** مَنْزِلِيْ اَوْ مَسْجِدِيْ **مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ** اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ **وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا﴿۲۸﴾** هَلَاكًا فَاُهْلِكُوْا

سورۂ نوح مکیہ ہے۔ جس میں ۲۸ یا ۲۹ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:............ ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس بھیجا تھا کہ تم ڈراؤ (یعنی ڈرانے کے ساتھ) اپنی قوم! کو اس سے پہلے کہ (اگر وہ ایمان نہ لائیں تو) ان پر دردناک عذاب آئے (جو دنیا و آخرت میں تکلیف دہ ہو) انہوں نے کہا کہ اے میری قوم میں تمہارے لئے صاف صاف (کھلے طور پر) ڈرانے والا ہوں کہ تم (یعنی میں تم سے کہتا ہوں کہ) اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو تو وہ تمہارے گناہ معاف کردے گا (من زائد ہے کیونکہ اسلام کی برکت سے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا من تبعیضیہ ہے۔ کیونکہ حقوق العباد معاف نہیں ہوتے) اور تم کو (بغیر عذاب کے) مقررہ وقت (موت) تک مہلت دے گا، اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت (تمہارے عذاب کا اگر تم ایمان نہ لائے) جب آجائے گا تو ٹلے گا نہیں اگر تم سمجھتے (اس کو تو ایمان لے آتے) نوح علیہ السلام نے دعا کی کہ اے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن (ہمیشہ مسلسل) بلایا، سو میرے بلانے پر اور زیادہ بھاگتے رہے (ایمان سے) اور میں نے جب کبھی بلایا، تا کہ آپ ان کو بخش دیں تو ان لوگوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں (تا کہ میرا کلام نہ سن سکیں) اور اپنے کپڑے

لپیٹ لئے (سروں کو کپڑوں سے چھپالیا تا کہ مجھ کو دیکھ نہ سکیں) اور اصرار کیا (کفر پر) اور انتہائی تکبر کیا (ایمان لانے سے) پھر میں نے ان کو با آواز بلند (زور سے) بلایا۔ پھر میں نے ان کو اعلانیہ (آواز سے) بھی سمجھایا اور ان کو مخفی طریقہ پر بھی سمجھایا چنانچہ میں نے کہا کہ تم اپنے پروردگار سے (شرک کا) گناہ بخشواؤ، بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا ہے، تم پر بارش بھیجے گا (وہ لوگ قحط سالی میں مبتلا تھے) کثرت سے (کافی مقدار میں) اور تمہارے مال واولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ اگادے گا اور تمہارے لئے نہریں بہادے گا۔ تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت کا پاس نہیں کرتے (اللہ نے جو تمہیں وقار عطا کیا ہے، اس میں غور کر کے اللہ پر ایمان لاؤ) حالانکہ اس نے تمہیں طرح بہ طرح بنایا (اطــوار طــور کی جمع ہے، جس کے معنی حال کے ہیں چنانچہ ایک کیفیت نطفہ کی تھی ایک حالت علقہ سے لے کر پیدائش کی تکمیل تک رہی پیدائش پر غور کرنا پیدا کرنے والے پر ایمان لانے کا سبب ہوجاتا ہے) کیا تمہیں معلوم نہیں (تم نے دیکھا نہیں) کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے (تہہ برتہہ) بنائے اور آسمان میں (یعنی ان کے مجموعہ میں جس کا ظہور آسمان دنیا میں ہورہا ہے) چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا (روشن جو چاند کی روشنی سے زیادہ تیز ہے) اور اللہ نے تمہیں زمین سے ایک خاص طور پیدا کیا (یعنی تمہارے باوا آدم کو مٹی سے پیدا کیا) پھر تمہیں زمین ہی میں لے جائے گا (قبر کی صورت میں) اور تم کو باہر لے آئے گا (قیامت کے وقت) اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو (پھیلایا ہوا) فرش بنایا تا کہ تم اس کے کھلے (کشادہ) راستوں پر چلو پھرو۔ نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے میرا کہنا نہیں مانا اور ایسے (یعنی گھٹیا اور غریب) لوگوں کی پیروی کی کہ جن کے مال اولاد نے (رئیس لوگ جن پر اللہ نے مال واولاد کا انعام فرمایا، لفظ ولــــد ضمہ واؤ اور سکون لام کے ساتھ اور ان دونوں کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ لیکن بعض حضرات کے نزدیک پہلی صورت میں ولد کی جمع ہے جیسے خشب کی جمع خشب اور بعض جمع کے معنی پر کہتے ہیں۔ جیسے بـخـل کی معنوی جمع بـخـل ہے) انہی کو نقصان زیادہ پہنچایا۔ (بلحاظ سرکشی اور کفر کے) اور جنہوں (رئیسوں) نے بڑی بڑی تدبیریں کیں (نوح کو جھٹلایا، ان کو اور ان کے پیروکاروں کو ستایا) اور جنہوں نے (کم درجہ کے لوگوں سے) کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ودکو (فتحہ واؤ اور ضمہ واو کے ساتھ ہے) اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور نہ یعوق اور نہ نسر کو (یہ سب بتوں کے نام ہیں) اور ان لوگوں نے بہتوں کو گمراہ کردیا (کہ) انہیں بھی بت پرستی پر مجبور کردیا اور ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھادیجئے (قد اضلوا پر عطف ہورہا ہے۔ حضرت نوحؑ پر جب یہ وحی آئی۔ انــه لـن يومن من قومک الا من قد امن تب انہوں نے یہ بددعا فرمائی) اپنے ان (ماصلہ ہے) گناہوں کی وجہ سے (ایک قرأت میں خـطـيـئـا تـهـم ہمزہ کے ساتھ ہے) غرق کئے گئے (طوفان میں) پھر آگ میں داخل کئے گئے (غرق کرنے کے بعد پانی کے نیچے آگ میں داخل کر کے عذاب دیا گیا) اور انہوں نے اللہ کے سوا کوئی حمایتی بھی نہ پایا (جو انہیں عذاب سے بچالیتا) اور نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار! کافروں میں ایک باشندہ بھی زمین پر نہ چھوڑ (یعنی کسی بھی گھر میں رہنے والا ہو، حاصل یہ کہ کوئی بھی ہو) اگر آپ ان کو روئے زمین پر رہنے دیں گے تو یہ لوگ آپ کے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کے فاجر کافر اولاد ہی پیدا ہوگی۔ (یہ بددعا بھی اسی وحی کے بعد کی ہے جس کا بیان ہو چکا) اے میرے پروردگار! مجھ کو اور میرے ماں باپ کو (جو مومن تھے) اور جو مومن میرے گھر (مکان یا مسجد) میں داخل ہیں اور تمام مسلمان مردوں، عورتوں کو (جو قیامت تک آنے والے ہیں) بخش دیجئے اور ان ظالموں کی ہلاکت اور بڑھادیجئے۔ (چنانچہ سب تباہ ہوئے)۔

تحقیق وترکیب: .... ثـمـان. کسرہ نون یا ضمہ نون کے ساتھ ہے اور دونوں صورتوں پر اس کی اصل ثمانی ہے البتہ اگر اس کی یا کا حذف صرفی قاعدہ کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ قـاض میں ہو۔ تب تو یہ کسرہ لفظ نون کے ساتھ ہوگا اور اعراب یائے محذوفہ پر ہوگا ورنہ حذف یاید اور دم کی طرح ہوگا اور یہ لفظ ضمہ نون کے ساتھ ہوگا اور اعراب خود اسی پر ہوگا۔

ان انذر. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ ان مصدریہ ہے جو فعل مضارع کے لئے ناصب ہوتا ہے۔ ای ارسـلـنـاہ بـان قلنا له انذر اور ان تفسیریہ بھی ہوسکتا ہے کیونکہ ارسال میں قول کے معنی ہیں۔

ان اعبدوا. اس میں مفسرؒ نے ان تفسیریہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان مصدریہ بھی ہوسکتا ہے لیکن اگر حقوق العباد اسلام لانے کے بعد بھی مغفرت سے خارج رہتے ہیں۔ تو پھر من ذنوبکم میں من تبعیضیہ رہے گا جس میں کافروں کے حقوق، جان و مال بھی آتے ہیں۔ البتہ حلبی کافر جو مباح الدم والمال ہیں ان کے حقوق اسلام لانے سے معاف رہیں گے۔ تاہم حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ان کی قوم کا فر اہل ذمہ نہیں تھی۔ اس لئے کہا جائے گا کہ من زائد ماننا بہتر ہے یعنی اسلام سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں حقوق العباد بھی معافی میں داخل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ چونکہ اسلام سے پہلے سب گناہ بھی مجموعہ کا بعض ہی ہیں۔ اس لئے من تبعیضیہ لینا بھی باعث اشکال نہیں ہے۔

ان اجل اللّٰہ. بظاہر ویؤخرکم اور لایؤخر دونوں جملوں میں اختلاف نظر آتا ہے۔ اس کے بعد دفعیہ کی طرف مفسرؒ اشارہ کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یؤخرھم سے مراد برتقدیر ایمان موت تک تاخیر بغیر عذاب ہے اور لایؤخرھم سے عدم ایمان کی صورت میں عدم تاخیر عذاب مراد ہے۔ لیکن بعض کے نزدیک آسان توجیہ یہ ہے کہ اجل دو قسم کی ہوتی ہے۔ اجل قریب غیر مبرم اور اجل بعید مبرم۔ تاخیر کا حکم پہلے قسم پر اور تاخیر نہ ہونے کا حکم دوسری قسم پر ہے۔ کیونکہ اجل اللہ میں اضافت عہد یہ ہے اور معہود اجل موت ہے۔ ای امنوا قبل الموت تسلموا من العذاب فان اجل الموت اذا جاء لایؤخر ولا یمکنکم الایمان.

لو کنتم. مفسرؒ نے مفعول علم کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور جواب لو مقدر ہے۔ اس میں طاعت پر مغفرت مرتب ہونے اور موت تک عذاب ملتوی ہونے کی طرف اشارہ ہوگا یا یہ کہ جب موت آ جائے تو پھر ملتوی ہونے کی بات نہیں رہتی۔ ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس فعل متعدی کو بمنزلہ لازم مان لیا جائے۔ ای لو کنتم من اھل العلم.

لیلاً و نھاراً۔ کنایہ ہے دوام سے۔

الافرارا. دعوت ایمان اگرچہ فرار کا سبب نہیں، لیکن فرار چونکہ دعوت کے سبب ہوتا ہے اس لئے اس کی طرف نسبت کر دی۔

واستکبروا. س ت طلب کے لئے نہیں بلکہ مبالغہ کے لئے اور جھارا مصدر محذوف کی صفت ہے۔ ای دعاء جھاراً یا زید عدل کی طرح حال ہے۔

استغفروا. محض استغفار مراد نہیں ہے کیونکہ کافر کا استغفار معتبر نہیں، بلکہ ایمان مطلوب ہے جو باعث مغفرت ہے یا بقول صاحب مدارک کہا جائے استغفار دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک کفر سے استغفار، دوسرے گناہوں سے استغفار۔

مدرارا. مبالغہ کا صیغہ ہے جس میں مذکور و مؤنث برابر ہوتے ہیں۔

یرسل، یمددکم، یجعل تینوں جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہیں۔

رجا کے معنی اعتقاد اور وقار دراصل حلم سکون کو کہتے ہیں لیکن یہاں عظمت کے معنی مراد ہیں۔

مالکم جملہ خبریہ ہے اور لاترجون جملہ حالیہ ہے اور وقارا مفعول بہ ہے ترجون کا۔ لیکن مفسرؒ نے ایاکم مفعول مقدر مانا ہے اور للّٰہ میں لام تبیین کا ہے اور وقار بمعنی توقیر ہے جس کا فاعل اللہ ہے۔ گویا کفار نے جب "مالکم لاترجون للّٰہ ان توقروا وتعظموا" سنا تو سوال ہوا کہ "لمن التوقیر" جواب میں "للّٰہ وقارا" فرمایا گیا۔ اس صورت میں لام بمعنی من ہوگا۔ ای وقارالکم کائنا من اللّٰہ نیز لام کا تعلق ترجون کے ساتھ ہوگا اور من کے معنی میں ہوگا۔ ای مالکم لاتاملون من اللّٰہ توقیرا لکم بان تومنوا بہ فتصیروا موقرین عندہ، قاضی بیضاویؒ یہی معنی لے رہے ہیں اور دوسرے معنی یہ لیتے ہیں کہ وقارا سے مراد اللہ کی عظمت ہے اور لکم اس کا مفعول ہے۔ ای مالکم لاتعتقدون عظمۃ اللّٰہ تعالیٰ.

وقد خلقکم. حال ہے ترجون سے اور اطوارا تاویلی حال ہے۔ ای منتقلین من حال الی حال.

وجعل الشمس. چونکہ "جعل القمر فیھن" میں فیھن آ گیا ہے، اس لئے یہاں مقدر کر لیا گیا۔ چاند تو بالاتفاق اہل ہیئت کے نزدیک آسمان دنیا سے متعلق ہے۔ البتہ شمس کے متعلق اختلاف ہے۔ چوتھے یا پانچویں آسمان پر مانا گیا اور بعض کی رائے ہے کہ موسم سرما

میں چوتھے آسمان پر اور موسم گرما میں ساتویں آسمان پر رہتا ہے اور چاند سورج کا رخ اوپر کی جانب اور دونوں کی پشت زمین کی جانب ہے۔

واللہ انبتکم. نباتاً مجرد ہونے کے باوجود انبتکم کا مفعول مطلق ہے اور سیبویہؒ کے نزدیک یہ جائز ہے کیونکہ انبتکم کی دلالت انبات پر دلالت تضمنی ہے۔ فنبتکم نباتا میں نبات کی دلالت نبتم پر التزامی ہے۔

لکم الارض بساطا. زمین کی بساطت سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمین کروی نہیں ہے کیونکہ اگر کرہ بڑا ہو تو وہ بسیط ہوسکتا ہے۔ اس لئے زمین کا کروی ہونا خلاف شرع نہیں ہے اور نہ اس نص کے منافی ہے۔

سبلا فجاجا. مفسرؒ نے واسعۃ سے اشارہ کردیا کہ فجاج صفت مشبہ ہے اور سبلا کی صفت ہے کشادہ راستہ کے معنی میں ہوکر بدل یا عطف بیان ہے۔

انہم عصونی. یہ بددعا کرنے کی تمہید ہے۔

وولدہ نافع ابن عامرؒ، عاصمؒ نے دونوں واو کو فتحہ پڑھا ہے اور باقی قراء ضمہ واو کے ساتھ پڑھتے ہیں اور لام ساکن جیسے خشب کی جمع خُشُب ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ ولد میں ایک لغت وُلد بھی ہے۔ یہاں یہ لفظ مفرد اور جمع دونوں ہوسکتا ہے۔ قاموس میں ہے کہ ولد میں لام پر تینوں حرکات اور سکون ہوسکتا ہے اور مفرد وجمع دونوں بن سکتے ہیں۔

عظیما. بقول زمخشریؒ سے عظیما ابلغ ہے۔

ودا. اکثر قراء کے نزدیک فتحہ واو کے ساتھ اور نافع کے نزدیک ضمہ واو کے ساتھ ہے۔ مردانہ صورت کا بت تھا اور سواع زنانہ شکل کا بت۔ یغوث شیر کی شکل کا بت اور یعوق گھوڑے کی شکل کا بت تھا اور نسر گدھ کی شکل پر تھا۔ یعوق و نسر کے ساتھ صرف نفی نہیں ہے انتہائی تاکید کی وجہ سے جس سے اشارہ ہے کہ ہر فرد مقصود ہے، مجموعہ مقصود نہیں ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ پانچوں حضرت آدمؑ کے صاحبزادوں کے نام ہیں جن میں سب سے بڑا ود تھا۔ جیسا ابن زبیرؒ فرماتے ہیں۔ نیز یہ سب اولیاء کاملین تھے۔ ان کی وفات پر ان کے ماننے والوں کو انتہائی رنج والم ہوا تو پھر لوگوں نے ان کی مورتیاں تیار کر کے ان کے نام کے مندر بنا ڈالے اور پوجا پاٹ شروع کردی اور لوگ خدا کو چھوڑ بیٹھے حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت ہوئی انہوں نے علم توحید بلند کیا تو لوگ بدکے اور مقابلہ آرائی شروع کردی۔

وقد اضلوا. فعل مقدر کا معمول ہے۔ ای وقال وقد اضلوا. گویا قال نوح پر اس کا عطف ہے۔ لیکن خبر کا انشاء پر اور انشاء کا خبر پر عطف جائز ہے تو پھر اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ مفسرؒ نے بان امروھم سے اشارہ کیا ہے کہ اضلو کی ضمیر رئوسا کی طرف راجع ہے بقول مقاتلؒ لیکن بتوں کی طرف سے بھی ضمیر راجع ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ آیت انہن اضللن میں ہے۔

ولا تزد الظلمین. اس میں واؤ حکایات کا ہے محکی کا نہیں ہے اس لئے اس کو انشاء کا عطف خبر پر نہیں کیا جائے گا بلکہ مفرد کا مفرد پر ہے۔ نیز اس کا عطف محذوف پر بھی ہوسکتا ہے۔ ای فاخذ بھم ولا تزد اس صورت میں واو محکی کا ہو جائے گا باوجودیکہ انبیاء رحمت وشفقت سے لبریز ہوتے ہیں مگر عبدالرزاقؒ، ابن المنذرؒ نے قتادہؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو بذریعہ وحی جب ان کی طرف سے مایوسی ہوگئی، تب یہ بددعائیہ کلمات فرمائے۔

مما خطیئاتھم. اس میں ما زائد ہے تفسیری عبارت "ماصلة" کا یہی مطلب ہے۔

فادخلوا ناراً. یہاں برزخ کی آگ مراد ہے ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ "یعنی یغرقون من جانب ویحرقون من جانب اور مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ آخرت کی آگ مراد ہے اور فا تعقیبیہ اس لئے ہے کہ ان دونوں حالتوں کے درمیان کا فاصلہ کالعدم ہے۔

دیارا. لغت میں دیار دار کو کہتے ہیں لیکن مراد گھر والے ہیں۔ بلکہ احدا کے مرادف ہے۔ گویا دیار ان اسماء میں سے ہے جو نفی عام کے موقع پر استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں مابالد یار دار پس دیار دار سے ماخوذ ہے۔ اس لئے گھر میں آنے والے کو کہتے ہیں مگر مراد عام ہوتی ہے۔

ربط آیات: .... پچھلی سورت میں عذاب کے اسباب کا بیان تھا، جن سے ایک پیغمبر کی تکذیب ہے۔ اس سورت میں بھی قصہ نوحؑ کے ذیل میں اسی کا بیان ہے نیز اس سورت میں اخروی عذاب کے علاوہ دنیاوی عقوبت کا بھی ذکر ہے اور اس کے ذیل میں حضور ﷺ کی تسلی بھی مقصود ہے کہ آپ کی قوم کی طرح قوم نوح نے بھی تکذیب کی تھی اس لئے پریشان اور مکدر نہ ہوجائیے۔

﴿تشریح﴾: .... من قبل ان یاتیھم. یعنی کفر کی بدولت دنیا میں طوفان کا اور آخرت میں دوزخ کے عذاب کا سامنا ہونے سے پہلے ان کو ڈرائیے ممکن ہے کہ سنبھل جائیں۔ یعنی ایمان کی بدولت پچھلی کوتاہیاں اور ان کی حق تلفیاں معاف کردی جائیں گی اور کفر کی صورت میں جس عذاب سے دوچار ہوتے اس سے بچ جائیں گے۔

ویؤخرکم. یعنی جس طبعی موت آنے تک ڈھیل ہے۔ مقررہ وقت آنے پر عام قانون کے مطابق تمام جانداروں کو موت تو بہرحال آئے گی کفر کی حالت ہو یا ایمان کی۔ لیکن دونوں حالتوں میں فرق اتنا ہے کہ کفر میں دونوں عذاب ہوں گے اور ایمان کی بدولت دونوں عذاب سے محفوظ رہو گے اور دنیاوی سزا کی نفی خاص طور سے اس لئے کی گئی کہ بعض اوقات ایمان کے باوجود دنیوی کلفتیں بھی پیش آجاتی ہیں۔ پس اس کی نفی سے ایمان لانے پر مزید فضل کا وعدہ ہے۔

مومن وکافر دونوں کو اگرچہ موت آتی ہے مگر دونوں کے ثمرات الگ الگ ہیں: .... اوران اجل اللہ میں یہ نکتہ ہے کہ جس طرح مومن وکافر دونوں کو موت آتی ہے اسی طرح یہ نہ سمجھا جائے کہ مومن وکافر دونوں کو یکساں ثمرات ملتے ہیں۔ کیونکہ موت تو بتقاضائے حکمت ضروری ہے اس کا ٹلنا ایمان کے ثمرات سے نہ ہو اس لئے اس کا ترتب بھی ضروری نہیں البتہ عذاب سے بچنا یقیناً ثمرات ایمان سے ہے اور ان کا مرتب ہونا بھی ضروری ہے۔ حاصل یہ کہ ایمان نہ لانے کی صورت میں عذاب کا جو وعدہ ہے اگر وہ سر پر آ کھڑا ہوا تو کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گا، نہ ڈھیل دی جائے گی یا یہ مطلب ہوا کہ موت کا وقت معین پر آنا ضروری ہے، وہ ٹل نہیں سکتی۔

حضرت شاہ عبدالقادر قدس سرہ نے ان آیات کی تشریح ایک اور طرح کی ہے کہ اللہ کی عبادت کرنے سے انسانی نسل قیامت تک رہے گی لیکن سب بندگی چھوڑ دو گے تو سارے ابھی ہلاک ہوجاؤ گے چنانچہ طوفان نوح میں یہی ہوا بھی کہ جس نے بندگی کی بچ گیا ورنہ تباہی کا شکار ہوا۔

لیلا و نھارا. نوح علیہ السلام اپنی قوم کو ساڑھے نوسو برس سمجھاتے رہے:

اذا کان الطبائع طبائع سوء　　فلا ادب یفید و لا ادیب

کا نقشہ رہا۔ جب امید کی کوئی جھلک باقی نہ رہی تو مایوس اور تنگدل ہوکر بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ بارالہ! میں نے اپنی طرف سے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی رات کی تاریکی اور دن کے اجالے میں برابر ان کو تیری طرف بلاتا رہا مگر ان پتھروں کے ایک جونک نہیں لگی۔ بلکہ ہوا یہ کہ جوں جوں تیری طرف آنے کو کہا گیا، یہ بدبخت اور زیادہ منہ پھیر کر بھاگے، میری طرف سے جتنی شفقت ودلسوزی کا اظہار ہوا، ان کی طرف سے اتنی ہی نفرت وبیزاری بڑھتی رہی حتی کہ انہیں میری بات کا سننا تک گوارا نہیں ہے لوگ نہیں چاہتے کہ یہ آواز کان پر پڑے، کپڑے سے منہ ڈھانپ لیتے ہیں کہ کہیں ایک دوسرے کی صورت نہ نظر پڑ جائے اور کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں کہ کسی وقت اگر ڈھیلی پڑ جائیں تو اس کپڑے سے کچھ روک ہوجائے۔ غرض کوشش یہ ہوتی ہے کہ کوئی بھی بات کسی عنوان سے دل میں اترنے نہ پائے اور کسی طرح اپنے طریقہ سے ہٹنا نہیں چاہتے اور ان کا غرور میری بات پر دھیان کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ مجمعوں اور جلسوں میں جا کر بھی ان کو سمجھایا اور علیحدگی میں بھی حق نصیحت ادا کیا، صاف صاف کھول کھول کر، اشاروں، کنایوں میں، زور سے اور

آہستہ، غرض ہر طرح کوشش کر کے دیکھ لی، اور یہاں تک کہہ دیا کہ سینکڑوں برس سمجھانے کے بعد اب بھی اگر میری بات مان لی اور اپنے مالک کی طرف جھک گئے اور اس سے اپنی خطائیں معاف کرالیں تو یاد رکھو وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ پچھلے سب قصور یک قلم معاف کر دے گا اور تمہارے ایمان کی بدولت تمہاری قحط سالی دور ہو جائے گی اور موسلا دھار بارش سے تمہارے باغات، کھیت سیراب وشاداب ہو جائیں گے پیداوار، جانور، دودھ گھی سب میں برکت ہوگی اور بانجھ عورتوں کی گود اولاد سے بھر جائے گی اور آخرت کی نعمتیں ان کے علاوہ ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ: .... قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ دنیا کے زیادہ حریص تھے اس لئے یہ فرمایا گیا اس پر یہ شبہ کیا جائے کہ بسا اوقات ایمان واستغفار پر بھی دنیاوی نعمتیں مرتب نہیں ہوتیں، جواب یہ ہے کہ اول خاص طور پر ان لوگوں کے لئے وعدہ ہوگا اور اگر عام بھی ہو تب بھی ان سے چیزیں مل جانا یہ بھی وعدہ کا پورا ہونا کہلائے گا۔

امام اعظمؒ اسی آیت کے پیش نظر استسقاء کی حقیقت وروح، توبہ واستغفار اور رجوع الی اللہ فرماتے ہیں جس کی کامل صورت نماز ہے جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اس تقریر کو بلا انکار نقل کرنے سے معلوم ہوا کہ استغفار بارش کا سبب ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ استسقاء کے لئے شہر سے باہر تشریف لے گئے اور صرف استغفار کیا۔ کسی نے کہا بھی **مارأیناک استسقیت** فرمایا **استسقیت بمجاری السماء التی ینزل بها المطر** اور تائید میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ چنانچہ صاحب ہدایہ وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ **وانما الاستسقاء الدعاء والاستغفار لقوله تعالی استغفروا ربکم الخ** ..... **وان صلوا واحد انا جاز ولیس الجماعة فیه مسنونة عندنا کما هو قولهما ولا خطبة ایضا کما قال محمد ان فیه خطبتین کخطبة العید وقال ابو یوسف انها الخطبة الواحدة وبهذا القدرتم المقصود.**

تفسیر مدارک وکشاف میں ہے کہ ایک شخص نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں قحط سالی کی شکایت کی۔ انہوں نے فرمایا **استغفروا الله**. دوسرے نے آکر فقر کی شکایت کی، تیسرے نے اولاد کم ہونے کی، چوتھے نے پیداوار کم ہونے کی۔ مگر انہوں نے سب کو استغفار کی تلقین فرمائی۔ اس پر ربیع بن صبیح نے عرض کیا کہ کیا سب تکالیف کا ایک ہی علاج ہے۔ امام موصوفؒ نے اپنی تائید میں یہی آیت پیش کی۔

دلائل قدرت: .... **مالکم لا ترجون**. اگر تم اللہ کی فرمانبرداری کرو گے تو اس کی بڑائی سے امید رکھنی چاہئے کہ وہ تمہیں بڑائی اور وقار عطا فرمائے گا اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم اللہ کی بڑائی کا اعتقاد کیوں نہیں رکھتے اور اس کی عظمت وجبروت سے کیوں نہیں ڈرتے۔ آخر تم نے ماں کے پیٹ میں طرح طرح کے رنگ بدلے اور مادۂ اصلی سے لے کر موت تک کتنی پلٹیاں انسان کھاتا ہے اور کتنے اتار چڑھاؤ سے گزرتا ہے پھر اوپر تلے آسمان کے کروں کو دیکھو، پھر چاند، سورج پر نظر ڈالو کہ سورج کتنا گرم اور تیز ہے جس کے آتے ہی رات کی تاریکی کافور ہو جاتی ہے جلتے چراغ کی تشبیہ اسی طرف اشارہ کر رہی ہے اور چاند کا نور اسی چراغ کی روشنی کا ٹھنڈا جھروکہ ہے۔

جعل لکم الارض بساطا. زمین لیٹنے بیٹھنے، چلنے پھرنے کے قابل بنائی اور راستے ایسے بنا دیئے کہ کوئی شخص چاہے تو ساری زمین کے گرد گھوم سکتا ہے۔

قال نوح. قوم کے رستے ہوئے ناسوروں کا ذکر فرمایا۔ جن میں سب سے بڑا ناسور نافرمان مالداروں کی بے جا پیروی کرنا ہے جس سے دین تباہ ہوتا ہے اور طرح طرح کی سازشوں کا شکار بنتے ہیں یہ لوگ دوسروں کو بہکاتے اور بھڑکاتے ہیں کہ اپنے معبودوں پر جمے رہنا اور نوحؑ کے بہکانے میں نہ آنا اور آنے والی نسلوں کو بھی یہی وصیت کرتے رہے۔ انہوں نے ہر مطلب کا ایک الگ بت بنا رکھا تھا۔ عرب میں بھی یہی وبا پھیلی۔ ہندوستان میں وشنو، برہما، اندر، شو، ہنومان وغیرہ ناموں سے کتنے ہی بتوں کی پرستش

ہزاروں برسوں سے ہوتی چلی آ رہی ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے یہ اولیاء اللہ تھے، جن کی مورتیاں ان کے پرستاروں نے بنالی تھیں آ گے چل کران کی پرستش ہونے لگی۔

استدراج:.......... **ولا تزد الظالمین**۔ یعنی اے اللہ! اب ان کی سزا یہ ہے کہ اپنی گمراہیوں میں ہمیشہ ہی بھٹکتے رہیں اور بطور استدراج انہیں اسی طرح سیدھی راہ نہ بن پڑے اور تیری معرفت سے یہ نا آشنا ہی رہیں، جیسا کہ شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ عبدالعزیز قدس سرہما کی رائے ہے اور عام مفسرین ظاہری معنی لے رہے ہیں کہ اے اللہ! ان ظالموں کی گمراہی کو اور بڑھا دیجئے، تا کہ جلد ان کی شقاوت کا پیمانہ لبریز ہوجائے اور عذاب الٰہی کا نشانہ بنیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے وحی سے مطلع ہوکر ہزار سالہ تجربہ کے نتیجہ میں مایوس ہوکر یہ بددعا فرمائی جس طرح جسم کا کوئی عضو گل سڑ جائے اور زندگی وصحت کی صلاحیت سے محروم ہوجائے تو پھر اس کا استیصال ہی بہتر ہے ورنہ سارا جسم گل سڑ کر تباہ ہوسکتا ہے اس کو بے رحمی وشقاوت نہیں کہا جائے گا۔ چنانچہ دعائے موسوی جو سورۂ یونس میں گزری وہ بھی اس قبیل سے تھی۔ بہرحال طوفان نوح آیا اور وہ لوگ بظاہر پانی میں ڈبو دیئے گئے مگر فی الحقیقت برزخ کی آ گ میں پہنچ گئے اور پانی سے بجلی کی ایجاد نے تو کھول دیا ہے کہ خود پانی بھی بڑی تیز آ گ ہے اسی عذاب الٰہی میں ان کے بت کچھ کام نہ آ سکے سب کسمپرسی کی حالت میں یونہی مرکھپ گئے۔

وقال نوح۔ حضرت نوح علیہ السلام کی آتش غضب اور بھڑک اٹھی اور عرض کیا۔ بارِالٰہ! ان میں کوئی اس لائق نہیں کہ ان کو باقی رکھا جائے۔ سب کا صفایا کر دے ورنہ میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ جو کوئی بچے گا اس کی نسل بھی ''سانپ کا بچہ سانپ'' کا مصداق ہوگی اور موجودہ لوگ خود تو کیا ٹھیک ہوتے دوسروں کو بھی خراب کرنے کے درپے رہتے ہیں اس لئے ایمانداروں کی حفاظت کی خاطر بھی ان کا بیج مٹادے۔

رب اغفرلی۔ میرے پروردگار! میرے مرتبے کے لائق مجھ سے جو تقصیر ہوئی اپنے فضل سے اس کو معاف فرما اور میرے والدین اور میری کشتی یا میرے گھر یا میری مسجد میں جو مومن ہوکر آئے بلکہ عام مومن ومومنات کی مغفرت فرمادے۔ **اللھم اجعلنی منھم**۔ آمین۔ اس دعا سے معلوم ہورہا ہے کہ ان کے والدین مومن ہوں گے اور اگر ان کا غیر مومن ہونا ثابت ہوجائے تو پھر اوپر کے آباؤ اجداد مراد ہوں گے اور تثنیہ مفرد کا نہیں بلکہ جنس کا مراد ہوگا۔

لطائف سلوک:.......... **ثم انی دعوتھم جھاراً**۔ اس سے حضرت نوح کی انتہائی شفقت معلوم ہوتی ہے اور جاہل کی ہدایت وارشاد میں ایسا ہی اہتمام ہونا چاہئے اور یہ تصدی یعنی درپے ہونا نہیں ہے، کیونکہ تصدی قصد ثمرہ میں ہوتی ہے اور یہ اہتمام قصد طریق میں ہے۔

ولا تذرن۔ اس سے معلوم ہوا کہ صلحاء کے آثار وتبرکات کا زیادہ اہتمام کرنا جب کہ اس میں دینی مفسدہ کا خطرہ ہو۔ واجب الترک ہے۔

ولا تزد الظّٰلمین۔ پیغمبر اور صاحب وحی کے لئے تو مخالفین کے لئے گمراہی اور تباہی کی بددعا کرنے کی گنجائش ہے۔ لیکن دوسروں کو اس کا حق نہیں ہے جیسے بعض مدعیان مشیخت ولایت کر دیتے ہیں۔

سُوْرَةُ الْجِنِّ

سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ ثَمَانٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يَامُحَمَّدِ لِلنَّاسِ **اُوْحِيَ اِلَيَّ** اُخْبِرْتُ بَالْوَحْيِ مِنَ اللّٰهِ **اَنَّهُ** الضَّمِيْرُ لِلشَّانِ **اسْتَمَعَ** لِقِرَاءَ تِيْ **نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ** جِنٌّ نَصِيْبِيْنَ وَذٰلِكَ فِيْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ بِبَطْنِ نَخْلَةَ مَوْضَعٌ بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَهُمُ الَّذِيْنَ ذُكِرُوْا فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَيْكَ نَفَرًامِّنَ الْجِنِّ الْاٰيَةَ **فَقَالُوْٓا** لِقَوْمِهِمْ لَمَّارَجَعُوْا اِلَيْهِمْ **اِنَّاسَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ﴿۱﴾** يَّتَعَجَّبُ مِنْهُ فِيْ فَصَاحَتِهٖ وَغَزَارَةِ مَعَانِيْهِ وَغَيْرَذٰلِكَ **يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ** الْاِيْمَانِ وَالصَّوَابِ **فَاٰمَنَّابِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ** بَعْدَ الْيَوْمِ **بِرَبِّنَآ اَحَدًا ﴿۲﴾ وَّاَنَّهُ** الضَّمِيْرُ لِلشَّانِ فِيْهِ وَفِي الْمَوْضَعَيْنِ بَعْدَهٗ **تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا** تَنَزَّهَ جَلَالُهٗ وَعَظْمَتُهٗ عَمَّانُسِبَ اِلَيْهِ **مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً** زَوْجَةً **وَّلَاوَلَدًا ﴿۳﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا** جَاهِلُنَا **عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ﴿۴﴾** غُلُوًّا فِي الْكِذْبِ بِوَصْفِهٖ بِالصَّاحِبَةِ وَالْوَلَدِ **وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ** مُخَفَّفَةٌ اَيْ اَنَّهٗ **لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۵﴾** بِوَصْفِهٖ بِذٰلِكَ حَتّٰى بَيَّنَّا كِذْبَهُمْ بِذٰلِكَ قَالَ تَعَالٰى **وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ** يَسْتَعِيْذُوْنَ **بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ** حِيْنَ يَنْزِلُوْنَ فِيْ سَفَرِهِمْ بِمَخُوْفٍ فَيَقُوْلُ كُلُّ رَجُلٍ اَعُوْذُ بِسَيِّدِ هٰذَا الْمَكَانِ مِنْ شَرِّسُفَهَائِهٖ **فَزَادُوْهُمْ** بِعَوْذِهِمْ بِهِمْ **رَهَقًا ﴿۶﴾** طُغْيَانًا فَقَالُوْا سُدْنَاالْجِنَّ وَالْاِنْسَ **وَّاَنَّهُمْ** اَيِ الْجِنِّ **ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ** يَااِنْسُ **اَنْ** مُخَفَّفَةٌ اَيْ اَنَّهٗ **لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ﴿۷﴾** بَعْدَ مَوْتِهٖ قَالَ الْجِنُّ **وَّاَنَّالَمَسْنَا السَّمَآءَ** رُمْنَا اِسْتِرَاقَ السَّمْعِ مِنْهَا **فَوَجَدْ نٰهَامُلِئَتْ حَرَسًا** مِّنَ الْمَلَائِكَةِ **شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ﴿۸﴾** نُجُوْمًامُحْرِقَةً وَذٰلِكَ لَمَّابَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَّاَنَّاكُنَّا** اَيْ قَبْلَ مَبْعَثِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ** اَيْ نَسْتَمِعُ **فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿۹﴾** اَيْ اُرْصِدَ لَهٗ لِيُرْمٰى بِهٖ **وَّاَنَّا لَانَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ** بَعْدَ

استراق السمع **بمن في الارض ام اراد بهم ربهم رشدا** ﴿۱۰﴾ خيرا **وانا منا الصلحون** بعد استماع القرآن **ومنا دون ذلك** اي قوم غير صالحين **كنا طرآئق قددا** ﴿۱۱﴾ فرقا مختلفين مسلمين وكافرين **وانا ظننا ان** مخففة اي انه **لن نعجز الله في الارض ولن نعجزه هربا** ﴿۱۲﴾ اي لا نفوته كائنين في الارض او هاربين منها الى السماء **وانا لما سمعنا الهدى** القرآن **امنا به فمن يؤمن بربه فلا يخاف** بتقدير هو بعد الفاء **بخسا** نقصا من حسناته **ولا رهقا** ﴿۱۳﴾ ظلما بالزيادة في سيئاته **وانا منا المسلمون ومنا القسطون** الجائرون بكفرهم **فمن اسلم فاولئك تحروا رشدا** ﴿۱۴﴾ قصدوا هداية **واما القسطون فكانوا لجهنم حطبا** ﴿۱۵﴾ وقودا وانا انهم وانه في اثنى عشر موضعا هي وانه تعالى الى قوله وانا منا المسلمون وما بينهما بكسر الهمزة استينافا وبفتحها بما يوجه به قال تعالى في كفار مكة **وان** مخففة من الثقيلة واسمها محذوف اي وانهم وهو معطوف على انه استمع **لو استقاموا على الطريقة** اي طريقة الاسلام **لاسقينهم ماء غدقا** ﴿۱۶﴾ كثيرا من السماء وذلك بعد ما رفع المطر عنهم سبع سنين **لنفتنهم** لنختبرهم **فيه** فنعلم كيف شكرهم علم ظهور **ومن يعرض عن ذكر ربه** القرآن **يسلكه** بالنون والياء ندخله **عذابا صعدا** ﴿۱۷﴾ شاقا **وان المسجد** مواضع الصلاة **لله فلا تدعوا** فيها **مع الله احدا** ﴿۱۸﴾ بان تشركوا كما كانت اليهود والنصارى اذا دخلوا كنائسهم وبيعهم اشركوا **وانه** بالفتح وبالكسر استينافا والضمير للشان **لما قام عبد الله** محمد النبي صلى الله عليه وسلم **يدعوه** يعبده ببطن نخل **كادوا** اي الجن المستمعون لقراءته **يكونون عليه لبدا** ﴿۱۹﴾ بكسر اللام وضمها جمع لبدة كاللبد في ركوب بعضهم بعضا ازدحاما حرصا على سماع القرآن قال مجيبا للكفار في قولهم ارجع عما انت فيه وفي قراءة **قل انما ادعوا ربي ولا اشرك به احدا** ﴿۲۰﴾ **قل اني لا املك لكم ضرا** غيا **ولا رشدا** ﴿۲۱﴾ خيرا **قل اني لن يجيرني من الله** من عذابه ان عصيته **احد ولن اجد من دونه** اي غيره **ملتحدا** ﴿۲۲﴾ ملتجأ **الا بلغا** استثناء من مفعول املك اي لا املك لكم الا البلاغ اليكم **من الله** اي عنه **ورسلته** عطف على بلغا وما بين المستثنى منه والاستثناء اعتراض لتاكيد نفي الاستطاعة **ومن يعص الله ورسوله** في التوحيد فلم يؤمن **فان له نار جهنم خلدين** حال من ضمير من في له رعاية لمعناها وهي حال مقدرة والمعنى يدخلونها مقدرا خلودهم **فيها ابدا** ﴿۲۳﴾ **حتى اذا راوا** حتى ابتدائية

ع ۱۹

فِيهَا مَعْنَى الْغَايَةِ لِمُقَدَّرٍ قَبْلَهَا أَيْ لَا يَزَالُونَ عَلَى كُفْرِهِمْ إِلَى أَنْ يَرَوْا **مَا يُوعَدُونَ** مِنَ الْعَذَابِ **فَسَيَعْلَمُونَ** عِنْدَ حُلُولِهِ بِهِمْ يَوْمَ بَدْرٍ أَوْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **مَنْ أَضْعَفُ نَاصِرًا وَّأَقَلُّ عَدَدًا** ﴿۲۴﴾ أَعْوَانًا أَهُمْ أَمِ الْمُؤْمِنُونَ عَلَى الْقَوْلِ الْأَوَّلِ أَوْ أَنَا أَمْ هُمْ عَلَى الثَّانِي فَقَالَ بَعْضُهُمْ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ فَنَزَلَ **قُلْ إِنْ** أَيْ مَا **أَدْرِيْ أَقَرِيبٌ مَّا تُوعَدُونَ** مِنَ الْعَذَابِ **أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّيْ أَمَدًا** ﴿۲۵﴾ غَايَةً وَأَجَلًا لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا هُوَ **عٰلِمُ الْغَيْبِ** مَا غَابَ بِهِ عَنِ الْعِبَادِ **فَلَا يُظْهِرُ** يُطْلِعُ **عَلٰى غَيْبِهِ أَحَدًا** ﴿۲۶﴾ مِنَ النَّاسِ **إِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُولٍ فَإِنَّهُ** مَعَ اِطِّلَاعِهِ عَلٰى مَا شَاءَ مِنْهُ مُعْجِزَةً لَّهُ **يَسْلُكُ** يَجْعَلُ وَيَسِيْرُ **مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ** أَيِ الرَّسُولِ **وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا** ﴿۲۷﴾ مَلَائِكَةً يَحْفَظُوْنَهُ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ فِي جُمْلَةِ الْوَحْيِ **لِّيَعْلَمَ** اللّٰهُ عِلْمَ ظُهُوْرٍ **أَنْ** مُخَفَّفَةٌ مِّنَ الثَّقِيْلَةِ أَيْ أَنَّهُ **قَدْ أَبْلَغُوا** أَيِ الرُّسُلُ **رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ** رُوْعِيَ بِجَمْعِ الضَّمِيْرِ مَعْنٰى مَنْ **وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ** عَطْفٌ عَلٰى مُقَدَّرٍ أَيْ فَعَلِمَ ذٰلِكَ **وَأَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا** ﴿۲۸﴾ تَمْيِيْزٌ وَهُوَ مُحَوَّلٌ عَنِ الْمَفْعُوْلِ وَالْأَصْلُ أَحْصٰى عَدَدَ كُلِّ شَيْءٍ

سورۂ جن مکیہ ہے جس میں ۲۸ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ: .... (اے محمد! آپ لوگوں سے) فرما دیجئے کہ میرے پاس وحی آئی ہے (اللہ کا پیغام) کہ بلاشبہ (ضمیر شان ہے) جنات کی ایک جماعت نے (میری قرأت) سنی ہے (جنات نصیبین مراد ہیں، صبح کی نماز کا واقعہ ہے، مکہ اور طائف کے درمیان وادی نخلہ میں ہوا تھا، اسی کا ذکر واذصرفنا الخ میں بھی گزر چکا ہے۔ چنانچہ ان جنات نے اپنی قوم سے جا کر) کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے (جس کی فصاحت اور معانی کا پھیلاؤ وغیرہ حیرت انگیز ہے) جو (ایمان و درستگی کی) راہ راست بتلاتا ہے۔ سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور (آج کے دن سے) ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے اور یہ واقعہ ہے (یہاں اور اس کے بعد، دونوں جگہ ضمیر شان ہے) کہ ہمارے پروردگار کی بڑی شان ہے (اس کی عظمت وجلالت تمام نامناسب باتوں سے پاک ہے) نہ اس نے کسی کو بیوی (اہلیہ) بنایا اور نہ اولاد اور ہم میں جو احمق (بے وقوف) ہوتے ہیں وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے ہیں (بیوی بچہ کی نسبت کر کے انتہائی جھوٹ بکتے ہیں) اور ہمارا یہ خیال تھا کہ (ان مخففہ ہے تقدیر عبارت انہ ہے) انسان اور جنات کبھی خدا کی شان میں جھوٹ بات نہیں کہیں گے (اسی قسم کی جھوٹی باتیں نہیں لگائیں گے کہ ہمیں ان کا جھوٹ ظاہر کرنا پڑے حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اور بہت سے لوگ آدمیوں میں ایسے تھے کہ وہ پناہ لیا کرتے تھے۔ جنات میں سے بعض لوگوں کی (جب انسان سفر میں کسی خوفناک جگہ منزل کرتے تو ہر آدمی کی زبان پر ہوتا کہ میں یہاں کے بدقماش جنات کی شرارت سے یہاں کے سردار کی پناہ میں آنا چاہتا ہوں) سو ان آدمیوں نے (شریر جنات سے سرداروں کی پناہ چاہ کر) ان کی بددماغی اور بڑھا دی (چنانچہ وہ کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم جن وانس کے حاکم ہیں) اور ان (جنات) نے بھی ایسا ہی خیال کر رکھا تھا۔ جیسا کہ (اے انسانو!) تم نے خیال کر رکھا ہے کہ (ان مخففہ ہے ای انہ) اللہ تعالیٰ کسی کو (مرنے کے بعد) دوبارہ زندہ نہیں کرے گا (جن بولا کہ) ہم نے آسمان کی تلاشی لینا چاہی (چوری چھپے) سو ہم نے اس کو (فرشتوں کے) سخت پہرہ اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا (جلا دینے والے ستاروں سے، یہ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت ہوا) اور ہم (حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے) آسمانوں کے موقعوں میں سننے کے لئے جا بیٹھا کرتے تھے سو جو کوئی اب سننا چاہتا ہے تو اپنے

لئے ایک تیار شعلہ پاتا ہے (جو اس کے مارنے کے لئے مہیا کیا گیا) اور ہم نہیں جانتے کہ کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے (چوری چھپے سننے کے بعد) زمین والوں کو یا ان کے رب نے ان کو ہدایت (خیر) کا ارادہ فرمایا ہے اور (قرآن سننے کے بعد) بعض ہم میں نیک ہیں اور بعض اور طرح کے ہیں (یعنی غلط قسم کے لوگ) ہم مختلف طریقوں پر تھے (متفرق جماعتیں، کچھ مسلمان کچھ کافر) اور ہم نے سمجھ لیا ہے کہ (ان مخففہ ہے ای انہ) ہم زمین میں اللہ کو ہرا نہیں سکتے اور نہ بھاگ کر ہرا سکتے ہیں۔ یعنی (اللہ سے چھوٹ کر زمین میں یا بھاگ کر آسمان میں کہیں جا نہیں سکتے) اور ہم نے جب ہدایت (قرآن) کی بات سن لی تو اس کا یقین کر لیا۔ سو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے گا تو اسے (فا کے بعد ھو مقدر ہے) نہ کسی (کی نیکیوں کے گھٹنے) کا اندیشہ ہوگا اور نہ زیادتی کا (کہ ظلم کر کے برائی میں اضافہ کر دیا جائے اور ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض بے راہ ہیں (اپنے کفر کی وجہ سے، حق سے ہٹے ہوئے) سو جو شخص مسلمان ہو گیا تو اس نے بھلائی کا راستہ ڈھونڈ لیا (راہ ہدایت اختیار کر لی) اور جو بے راہ ہیں وہ دوزخ کے ایندھن ہیں (انا، انھم، انہ بارہ جگہ انہ تعالیٰ سے لے کر انا منا المسلمون تک اور ان کے درمیان ہمزہ مکسور کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے اور فتحہ ہمزہ کے ساتھ بھی توجیہ کی جاتی ہے) آگے کفار مکہ کے بارے میں ارشاد ہے) اور وہ لوگ (ان مخففہ ہے بوجہ ثقل کے جس کا اسم محذوف ہے ای وانھم. انہ استمع پر اس کا عطف ہوگا) اگر (اسلام کے) راستہ پر قائم ہو جاتے تو ہم ان کو سیراب کرتے بکثرت پانی سے (بارش کے ذریعہ، سات سال قحط کے بعد) تا کہ اس میں ان کا امتحان کریں (کھلے طور پر یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان کے شکر کی کیا حالت رہی ہے) اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر (قران) سے روگردانی کرے گا ہم اس کو (ن اور یا کے ساتھ ہے) داخل کریں گے سخت عذاب میں اور مسجدیں (نماز پڑھنے کی جگہیں) اللہ کی ہیں، سو اس کے ساتھ کسی اور کی عبادت مت کیا کرو (شرک کرتے ہوئے جیسا کہ یہود نصاریٰ اپنے کنیسوں، گرجوں میں داخل ہو کر شرک کرتے تھے) اور واقعہ یہ ہے کہ (انہ فتحہ ہمزہ اور کسر ہمزہ کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے اور ضمیر شان ہے) جب اللہ کا بندۂ خاص (محمد ﷺ) خدا کی عبادت کرنے (بطن نخلہ میں) کھڑا ہوتا ہے تو لوگ (یعنی جنات اس کی قرأت سننے کے لئے) اس پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں (لبدا کسرۂ لام اور ضمہ لام کے ساتھ لبدۃ کی جمع ہے۔ قرآن سننے کے شوق میں ایک دوسرے کی گردن پر چڑھے جاتے ہیں) فرمایا (کفار کو جواب دیتے ہوئے ان کے اس مطالبہ کا آپ اپنی دعوت سے باز آ جائیے اور ایک قرأت میں قل ہے) کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تمہارے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا۔ آپ کہہ دیجئے مجھ کو (نافرمانی کی صورت میں) اللہ (کے عذاب) سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ اس کے سوا میں کوئی پناہ (ٹھکانا) پا سکتا ہوں۔ لیکن پہنچانا (املک کے معمول سے استثناء ہے ای لا املک لکم الا البلاغ الیکم) اللہ کی طرف سے اور اس کے پیغامات کا ادا کرنا (اس کا عطف بلاغا پر ہے اور مستثنیٰ اور استثناء کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ استطاعۃ کی نفی کی تاکید کے لئے) اور جو لوگ اللہ و رسول کا کہنا نہیں مانتے (توحید کے متعلق یعنی ایمان نہیں لاتے) تو یقیناً ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ رہیں گے (یہ حال ہے لہ کی ضمیر سے جس کا مصداق من ہے معنی کی رعایت کرتے ہوئے اور یہ حال مقدرہ ہے، یعنی یدخلونھا مقدارا خلودھم) ہمیشہ یہاں تک کہ جب دیکھ لیں گے (حتیٰ ابتدائیہ ہے جس میں غایت کے معنی ہیں جو اس سے پہلے مقدر ہے۔ ای لایزالون علی کفرھم الی ان یروا) جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (یعنی عذاب) اس وقت جان لیں گے (عذاب آنے پر، غزوۂ بدر میں یا قیامت کے دن) کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کی جماعت کم ہے (کفار یا مومنین، پہلی رائے کے مطابق اور دوسرے قول کے مطابق میں یا وہ۔ چنانچہ کچھ کافر کہنے لگے کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اس پر ارشاد ہوا کہ) آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو خبر نہیں کہ جس (عذاب) کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ قریب ہے، یا میرے پروردگار نے اس کے لئے کوئی مدت دراز مقرر کر رکھی ہے (جس کا پتہ اس کے سوا کسی کو نہیں ہے) غیب (جو بندوں سے اوجھل ہے) کا جاننے والا وہی ہے، سو وہ اپنے غیب پر (لوگوں میں سے) کسی کو مطلع نہیں کرتا، ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو، سو وہ (باوجود پیغمبر کو مطلع کرنے کے غیب کی باتوں میں سے جو چاہے بطور معجزہ کے بھیج دیتا ہے (چلاتا) ہے۔ پیغمبر کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے (جو پوری وحی پہنچانے

تک اس کی حفاظت کرتے رہیں) تا کہ (کھلے بندوں) اللہ کو معلوم ہو جائے (ان مخففہ ہے ای انہ) کہ پیغمبروں نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچادیئے ہیں (ضمیر جمع لانے میں معنی من کی رعایت کی گئی ہے) اللہ تعالیٰ ان کے تمام حالات کا احاطہ کئے ہوئے ہے (اس کا عطف مقدر پر ہے۔ ای فعلم ذلک) اوراس کے ہر چیز کی تعداد معلوم ہے (تمیز ہے مفعول سے بدلی ہوئی اصل عبارت احصیٰ عدد کل شیء تھی)۔

تحقیق وترکیب: .... من الجن. جن کی تعریف یہ ہے۔ جسم نارية هوائية لها قدرة على التشكلات بالصور لشريفة والخسيسة وتحكم عليهم الصورة اورفرشتہ کی تعریف یہ ہے جسم نورانية لها قدرة على التشكلات بالصور الغير الخسيسة ولا تحكم عليهم الصور. اس سے دونوں میں فرق بھی واضح ہو گیا۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ جنات بلیس کی نسل ہے۔ ان میں جو زیادہ شریر وسرکش ہوتے ہیں ان کو شیاطین کہا جاتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جن جان کی اولاد اور شیاطین بلیس کی اولاد ہیں۔ نفخہ اولیٰ پر ابلیس مع شیاطین مرجائیں گے اور نصیبین یمن کی ایک بستی کا نام ہے۔

سفيهنا. سفیہ سے مراد اگر متمرد انسان ہو تب تو اضافت جنس کے لئے ہوگی اور سفیہ سے مراد اگر ابلیس ہو تو پھر اضافت عہد کے لئے ہوگی۔

على الله كذبا. یعنی پہلے ہم یہ سمجھتے تھے کہ انسان اور جن خدا کے بارے میں جھوٹ نہیں بولتے ہوں گے اس لئے شرک کو صحیح سمجھتے رہے۔ مگر جب شرک کا غلط ہونا واضح ہوا تو معلوم ہوا کہ خدا کے معاملہ میں بھی جھوٹ بولا جا سکتا ہے۔

وانه كان رجال. جنات کی گفتگو کے درمیان یہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لیکن بعض کا خیال یہ ہے کہ یہ بھی جنات کا کلام ہے۔

رجال من الجن. مفسرؒ نے جن کلمات کو نقل کیا ہے مسافران کو کہہ کر رات بھر آرام سے بسر کرتا۔ بلکہ اگر کوئی راستہ بھلتا یا کسی کی کوئی چیز گم ہو جاتی تو جنات اس کی مدد کر دیتے۔ سب سے پہلے اس بدعت کی ایجاد یمن کے قبیلہ بنوحنیفہ سے ہوئی بعد میں سارے عرب میں یہی خیال پھیل گیا اسلام نے آ کر ان خیالات کی اصلاح کی کہ جن کا وجود اور ان کی قوت تو لائق تسلیم ہے مگر لائق ستعانت واستعاذہ صرف اللہ کی ذات ہے۔

فزادوهم رهقا. مفسرؒ نے رھقاً کی تفسیر سدنا کے لفظ سے فرمائی ہے۔ صراح میں ہے کہ سدیسد کسرہ کے ساتھ بمعنی صارا سديدا" ہے اور بعض کے نزدیک "ساديسود" سے ہے۔

انهم ظنوا. مفسرؒ نے ضمیر غائب جنات کی طرف اور ظننتم کی ضمیر خطاب انسانوں کی طرف راجع کی ہے لیکن اگر یہ جنات کا باہمی کلام ہے تو پھر ضمیریں برعکس ہوں گی۔

فوجدناها. یہ اگر متعدی بیک مفعول ہے تو پھر جملہ ملئت حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہوگا لیکن اگر متعدی بدو مفعول ہے تو پھر یہ جملہ مفعول ثانی کی وجہ سے منصوب ہو جائے گا۔ اور حرساً تمیز کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ امتلاء لماء اناءً اور حرس اسم جمع ہے حارس کی۔ جیسے خادم کی اسم جمع خدم۔ حارس بمعنی نگران حراست مصدر ہے اور شدید حرس کی صفت ہے بلحاظ لفظ کے اگر معنی کی رعایت کی جاتی پھر صفت شداد آتی۔

شهب. شهاب کی جمع ہے۔ جیسے کتاب کی جمع کتب ہے۔ جنات کا رجم اگر چہ مفسرؒ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد سے ملا رہے ہیں لیکن زمخشریؒ کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ شیاطین کا رجم پہلے ہی ہوا کرتا تھا۔ جیسا کہ جاہلیت کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے البتہ اس میں شدت آنحضرت ﷺ سے شروع ہوئی معمر زہری سے بھی یہی نقل کرتے ہیں بلکہ لفظ ملئت سے بھی اس طرف اشارہ ہے کہ کثرت آنحضرت ﷺ کے وقت سے شروع ہوئی۔

شہاباً رصدا. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ رصدا مصدر بمعنی مفعول ہے اور لہ کا تعلق رصدا سے ہے۔ دوسرے مفسرؒ رصد مصدر بمعنی اسم فاعل مانتے ہیں۔

اشرارید. بعض کے نزدیک یہ قول جنات کا ہے اور بعض ابلیس کا کہتے ہیں۔

رشد سے ایمان اور شرک سے کفر مراد ہے شر میں رفع زیادہ بہتر ہے فعل مضمر کی وجہ سے۔

منادون ذٰلک. منا خبر مقدم اور دون مبتداء مؤخر ہے غیر کے معنی میں اور اسم غیر متمکن کی طرف اضافت کی وجہ سے اس پر فتحہ ہے یا محذوف کی صفت ہے۔ ای ومنا فریق دون ذلک اور موصوف سے من تبعیضیہ کا حذف بکثرت ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں۔ مناظعن اور منا اقام ای منافریق ظعن.

کنا طرائق اس میں کئی صورتیں ہیں۔

۱۔ کنا ذوی طرائق ای ذوی مذاهب مختلفه تقدیر عبارت ہوگی۔

۲۔ کنا فی اختلاف احوالنا مثل الطرائق المختلفة تقدیر مانی جائے۔

۳۔ کنا فی طرائق مختلفة تقدیر نکالی جائے۔

۴۔ تقدیر عبارت کانت طرائقنا قلاداهو. بحذف المضاف اور ضمیر مضاف الیہ اس کے قائم مقام ہو۔

چنانچہ حضرت حسنؒ، سدیؒ کہتے ہیں کہ انسانوں کی طرح جنات میں بھی قدریہ، جبریہ، رافضیہ وغیرہ مختلف مذہبی گروہ ہوتے ہیں۔

فلا یخاف. ای فهو لایخاف. پس یہ جملہ اسمیہ ہوگیا۔ ورنہ فا حذف ہونی چاہئے تھی اور جواب شرط کی وجہ سے جزم آنا چاہئے تھا۔ لیکن اس تقدیر پر کیا فائدہ ہے۔ جس کی وجہ سے یہ سورت تجویز کی؟ جواب یہ ہے کہ اس طرف کلام سے تحقیق وتاکید مقصود ہے کہ مومن ضرور مستحق نجات ہے اور مومن کے لئے نجات مخصوص ہے دوسرے کے لئے نہیں۔ لاهو یخاف کے معنی یہ ہیں کہ غیرہ یکون خائفا. شروع سورت میں انه استمع صرف فتحہ ہمزہ کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد انا سمعنا صرف کسرہ ہمزہ کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد وان المساجد میں صرف فتحہ ہمزہ ہے اور وانه لما قام میں دونوں وجہیں ہیں۔ پس اس طرح کل مواقع سولہ ہوئے۔ جن میں سے دو جگہوں میں فتحہ واجب ہے اور ایک جگہ کسرہ واجب ہوا اور تیرہ جگہیں ایسی ہیں جہاں فتحہ کسرہ دونوں جائز ہیں۔ بارہ جگہیں مفسرؒ علام نے بیان کی ہیں اور ایک جگہ ان کے بعد "انه لما قام" ہے۔ ابوعمروؒ اور نافعؒ اور ابن کثیرؒ اور ابوبکر کے نزدیک کسرہ ہمزہ کے ساتھ ہے۔ "انا سمعنا" پر عطف کرتے ہوئے گویا کل جملے ان کے اقوال کی حکایت ہے اور سب جملے مستقل ہیں۔ وبفتحها بما یوجه به. یعنی فتحہ کی توجیہ جاری کرتے ہوئے فتحہ ہمزہ بڑھایا جائے گا اور فتحہ کی وجوہ دو ہیں، ایک یہ کہ "انه استمع" پر عطف کیا جائے۔ لیکن یہ وجہ انا لمسنا السماء اور انا کنا اور لاندری جیسے مواقع میں ٹوٹ جاتی ہے۔ جہاں ان کا عطف درست نہیں معنی غلط ہونے کی وجہ سے مگر پھر فتحہ پڑھا جارہا ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ ان تمام جگہوں میں قول مقدر مان لیا جائے۔ ای اوحی قولهم ذلک اور دوسری توجیہ فتحہ کی یہ ہوگی کہ ان کا عطف به پر ہوگا۔ "آمنابه" میں تقدیر جار کرتے ہوئے اور اَنّ اِنّ میں حرف جر کی تقدیر قیاس ہے یا جار مجرور کے محل پر عطف کیا جائے۔ ای صدقناه و صدقناه انه تعالیٰ جد ربنا وانه کان یقول سفیهنا.

وان لو استقاموا. اس میں ان مخففہ ہے، ضمیر اسم محذوف ہے جس کا مرجع قریش اور جن وانس ہیں اگرچہ بعض حضرات اس کو ضمیر شان کہتے ہیں۔ لیکن ضمیر شان بے ضرورت ہے۔

یسلکه. لفظ سلک مفعول ثانی کی طرف فی کے ذریعہ متعدی ہوا کرتا ہے اور یہاں براہ راست متعدی ہورہا ہے۔ مفسرؒ اس کے جواب کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ بقول صاحب کشاف سلک دخل کے معنی کو متضمن ہے۔

صعدا. بطور استعارہ بمعنی مشقت ہے۔

ان المساجد. یہ حصہ بھی منجملہ وحی کے ہے مساجد جمع مسجد ہے اور مسجد مصدر میمی اور ظرف دونوں بن سکتا ہے اور ظروف کی صورت میں اعضاء سجود یعنی پیشانی، دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

وانہ لماقام. اس میں جحون کی طرف اشارہ ہے جہاں عبداللہ بن مسعودؓ بھی آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے۔ بارہ یا ستر ہزار جنات حاضر خدمت ہو کر بیعت ہوئے یہ بیعت شق قمر کے موقعہ پر ہوئی۔ مفسرؒ اگرچہ بطن نخلہ کا نام لے رہے ہیں تاہم اس سے پہلے بھی بطن نخلہ میں سات یا نو جنات حاضر خدمت ہوئے تھے۔

کادوا یکون علیہ لبدا. اس کا قرینہ ہے کہ جحون کی بیعت مراد ہے، جس میں جنات کا جم غفیر حاضر ہوا تھا۔ لبدا کہتے ہیں ایک دوسرے پر تہ بر تہ ہونا۔ لام کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ لبدۃ کی جمع ہے، سدرۃ، غرفۃ کے وزن پر۔

قال انما ادعوا. عاصم حمزہ کی قرأت پر قال کے بجائے قل ہے۔ غیبوبت سے خطاب کی طرف التفات کرتے ہوئے ادعوا مفسرؒ نے الھا نکال کر اشارہ کیا ہے کہ ادعوا بمعنی اعتقد ہے اور دو مفعول کی طرف متعدی ہے اور اعبد کے معنی اگر لئے جائیں تو پھر اس تقدیر کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ ضرا بطور مجاز مرسل ضر سے غی مراد ہے سبب بول کہ مسبب مراد لیا گیا ہے۔

الا بلاغا. یہ ملتحدا سے بدل بھی ہو سکتا ہے اور فراء کی رائے یہ ہے کہ یہ استثناء نہیں ہے بلکہ شرط وجزاء ہے ای ان لا ابلغ بلاغا. ای ان لم ابلغ لم اجد من دونہ ملتجاءً ولا مجیرا لی. حتی اذا رأوا. یہ غایت ہر حال مقدرہ جو پہلے فی الدین سے مفہوم ہو رہا ہے کیونکہ خلود فی النار. دوام کفر کو مستلزم ہے کیونکہ ایمان سے خلود نار منقطع ہو جاتا ہے۔

فسیعلمون یہ اذا کا جواب ہے، اس آیت کے معنی مختلف ہیں اور آراء بھی مختلف ہیں۔ تاہم ظاہری معنی یہ نکل رہا ہے کہ مسجد میں دنیاوی گفتگو جائز نہیں ہے بلکہ درس وتدریس اور فیصل مقدمات کی اجازت بھی نہیں ہے حتیٰ کہ تلاوت یا ذکر اتنی جہر سے کہ نماز میں خلل انداز ہو ناپسندیدہ اور موضوع مسجد سے خارج ہے اور بعض اہل علم نے اگر ان چیزوں کی اجازت دی ہے تو دنیا کی باتیں کرنے کی اجازت نہیں دی، کیونکہ اس آیت کی رو سے جب ذکر اللہ کے ساتھ دوسری باتیں جائز نہیں تو خاص دنیاوی باتیں کس طرح جائز ہوں گی۔ حدیث میں ہے۔ من تکلم بکلام الدنیا فی خمسۃ مواضع احبط اللہ من عبادۃ اربعین سنۃ. ۱۔ مسجد۔ ۲۔ تلاوت قرآن۔ ۳۔ وقت اذان۔ ۴۔ مجلس علماء۔ ۵۔ زیارت قبور۔ تفسیر زاہدی میں ہے کہ ان المساجد للہ سے مراد مسجد حرام ہے کیونکہ وہ تمام مساجد کا قبلہ ہے اور بعض نے اس سے سجدہ کے اعضاء اور بعض نے سجدات مراد لئے ہیں اور سین محض تاکید کے لئے استیصال کے لئے نہیں ہے کیونکہ عذاب کے وقت بھی یہ علم حاصل رہتا ہے۔

من اضعف. من استفہامیہ مبتداء کی وجہ سے مرفوع ہے اور اضعف خبر ہے اور جملہ قائم مقام مفعولین کے لئے یعلمون کے اور من موصولہ بھی ہو سکتا ہے۔ اضعف مبتدا محذوف ھو کی خبر ہے اور جملہ صلہ ہے اور عائد محذوف ہے ورنہ صلہ طویل ہو جاتا اور ناصرا انا اکثر منک مالاً کی طرح تمیز ہے۔ ایسے ہی ''اقل عددا'' تمیز ہے مفسرؒ کے قول اول سے مراد بدر اور ثانی سے مراد قیامت ہے۔ لیکن دوسرے مفسرین نے تعیین نہیں کی۔ بلکہ دونوں صورتوں میں دونوں توجیہیں ہو سکتی ہیں۔

قل ان ادری. نضر بن حارث کے جواب میں کہا گیا ہے۔

اقریب۔ خبر مقدم ہے اور ما توعدون مبتداء موخر ہے اور قریب مبتداء بھی ہو سکتا ہے استفہام پر اعتماد کی وجہ سے اور ماتوعدون اس کا فاعل ہے۔ ای اقرب الذی توعدون جیسے کہا جائے اقائم ابوک اور ماتوعدون میں ما موصولہ بھی ہو سکتا ہے۔ سو تب عائد محذوف ہوگا اور مصدریہ بھی ہو سکتا ہے۔ جس میں عائد کی ضرورت ہی نہیں۔ زمخشریؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ ام یجعل لہ ربی امدا کے کیا معنی؟ کیونکہ آمد قریب اور بعید دونوں کو کہتے ہیں۔ چنانچہ تو دلو ان بینھما وبینہ امداً بعیدا. میں بعید کے لئے استعمال ہے جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ وعدۂ قیامت کو قریب سمجھتے تھے۔ اس لئے آیت کے معنی یہ ہوں گے۔ ماادری

هو حال متوقع فی کل ساعة ام مؤجل ضربت له غاية.

فلا یظهر علی غیبه. معتزلیہ اور کرامیہ اس سے کرامات اولیاء کے بطلان پر استدلال کرتے ہیں لیکن اہل حق کی طرف سے اس کے کئی جواب ہیں۔

ا۔ اول یہ ہے کہ بیان غیب سے مراد قیامت ہے جیسا کہ سیاق آیت دلالت کر رہا ہے پس ممکن ہے اللہ نے کسی پیغمبر یا فرشتہ کو اس کی اطلاع کر دی ہو۔

۲۔ دوسرے یہ کہ رسول سے فرشتہ مراد ہو اور اظہار سے مرد ابلا واسطہ ہو۔ پس کرامات اولیاء اور ان کی اطلاعات مغیبات پر فرشتوں کی تلقین ہوتی ہوگی۔ جیسا کہ شیخ اکبر فتوحات میں لکھتے ہیں یا خواب کے ذریعہ ہوتی ہوگی جیسا کہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔

۳۔ شرح مقاصد میں ہے کہ غیب سے عام معنی مراد ہیں کیونکہ اسم جنس مضاف بمنزلہ معرف باللام کے ہوتا ہے۔ بالخصوص جب کہ اصل میں مصدر ہو۔ ای لا یطلع علی غیبه احدا. پس یہ اس کے منافی نہیں کہ بعض کو بعض مغیبات کی اطلاع ہو جائے۔

۴۔ ولی کو معرفت ظن الغیب کے درجہ میں ہوتی ہے۔ اس کو علم غیب نہیں کہا جائے گا اور اس آیت میں پیغمبر کے علاوہ کے لئے علم غیب کے اعلام کی نفی کی گئی ہے اور ممکن ہے حق اس سے متجاوز نہ ہو اور تفسیر مدارک میں تاویلات سے نقل کیا گیا ہے کہ آیت میں منجمین کی تکذیب پر دلالت ہے۔ حالانکہ منجمین کی خبر صحیح نکلتی ہے اسی طرح اطباء نباتات کی طبیعت وتاثیر سے واقف ہوتے ہیں اور یہ باتیں غور وفکر سے ہرگز نہیں معلوم ہوتیں بلکہ کسی نبی پر یہ علم اترا ہوگا جو بعد میں باقاعدہ ایک فن مدون ہو گیا۔

فلا یظهر. ابن شیخ کی رائے یہ ہے کہ اللہ اپنے مخصوص علم کو پیغمبر کو عطا فرما دیتا ہے البتہ جو علم غیب مختص ہوتا ہے وہ انبیاء کے علاوہ اوروں کو بھی معلوم ہو سکتا ہے خواہ انبیاء کے توسط سے یا دلائل قائم کر کے اور ترتیب مقدمات کے ذریعہ یا بطریق الہام کے۔ حاصل یہ کہ اپنے پسندیدہ پیغمبر کو اللہ چاہے تو بعض مغیبات سے دے سکتا ہے۔

یسلك من بین یدیه یعنی کسی پیغمبر کو جب کوئی پوشیدہ راز بتلایا جاتا ہے تو فرشتے چاروں طرف سے اس کی حفاظت کرنے پر مامور کر دیئے جاتے ہیں شیطانی تصرف وگزند سے بچانے کے لئے اس آیت سے پیغمبروں کے لئے علم غیب متنازع فیہ پر استدلال کرنا کم فہمی ہے بلکہ اس سے تو اس کے خلاف ثابت ہو رہا ہے۔

لیعلم اللّٰه. اشکال یہ ہے کہ علم حادث کی غایت علم قدیم کس طرح ہو سکتا ہے مفسرؒ نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا کہ علم کا ظہور اور تعلق مراد ہے اور جواب میں یہ کہتے ہیں کہ لیعلم کی ضمیر پیغمبر کی طرف راجع ہے۔ چنانچہ عبدالرزاقؒ نے قتادہؒ سے نقل کیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ پیغمبر جان لے کہ رسول نے اللہ کا پیغام دیا ہے اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہیں کہ جان جائے پیغمبر کی تکذیب کرنے والا کہ انہوں نے پیغام الٰہی پہنچا دیا۔

واحاط. مفسرؒ تو علم مقدر پر عطف کر رہے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ فلا یظهر پر عطف ہے۔ ای عالم الغیب فلا یظهر واحاط بما عند الرسول. البتہ چونکہ ماضی کا عطف مضارع پر مستحسن نہیں ہے، اس لئے مفسرؒ نے قد مقدر مان کر جملہ حالیہ قرار دیا ہے۔

عددا. یہ احصیٰ کے مفعول سے تمیز ہے اور بعض نے اس کو حال کہا ہے۔ ای معدودا.

ربط آیات: .... سورۂ نوح میں قوم نوح کے کفر وعقوبت کا حال سنا کر معاصر کفار کو ڈرانا تھا ایمان نہ لانے پر اور اس سورۂ جن میں جنات کے ایمان لانے کا بیان کر کے ایمان کی طرف ترغیب ہے جس میں توحید ورسالت ومجازات سب داخل ہیں گویا یہ تاثر دینا ہے کہ جب ناری الاصل مخلوق ایمان لے آئی تو ترابی الاصل مخلوق کو بطریق اولیٰ ایمان قبول کرنا چاہئے۔

شانِ نزول: .... اس سورت کا شانِ نزول وہی ہے جو سورۂ احقاف کے آخر رکوع کی آیت و اذ صرفنا الخ کی تمہید میں ذکر ہو چکا ہے بہرحال جب یہ جنات اپنی قوم کے پاس جا کر کہنے لگے "انا سمعنا قراٰنا عجبا لخ" تو اس پر قل اوحی الی الخ آیات نازل ہوئیں۔ چند واقعات کا ذکر ضروری ہے جن کا تفسیر سے تعلق ہے۔

۱۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے جنات آسمانوں میں جا کر فرشتوں کی باتیں سنتے تھے اور کوئی عمومی بندش نہ تھی۔ مگر بعثت کے بعد سختی سے بندش کر دی گئی اور شہاب ثاقب کے ذریعہ مار بھگایا جانے لگا تو جنات میں تشویش ہوئی جس کی تفتیش میں نکلے تھے کہ آنحضرت ﷺ تک رسائی ہوگئی۔

۲۔ زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ جب کسی جنگل بیابان میں پڑاؤ ہوتا تو لوگ وہاں کے جناتی سردار سے پناہ چاہتے تھے۔

۳۔ آنحضرت ﷺ کی بددعا سے کئی سال تک مکہ معظّمہ میں قحط رہا۔

۴۔ ابتدائی دعوت اسلام کے موقعہ پر مخالف کفار نے آنحضرت ﷺ پر ہجوم اور نرغہ کیا۔

ان المساجد للّٰہ. بعض صحابہؓ نے مسجد نبوی کے دور ہونے کی وجہ سے دوسری جگہ نماز پڑھنے پر معذرت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ان المساجد کلها لله . اس پر تائید میں یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: .... نبی کریم ﷺ صبح کی نماز میں قرآن کریم پڑھ رہے تھے کچھ جنات کا گزر ہوا تو قرآن کی آواز پر فریفتہ ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے اور پھر واپس جا کر اپنی قوم کو بھی شوق دلایا کہ ہم نے عجیب وغریب قرآن سنا ہے جو اپنی تاثیر سے دلوں کو موہ لیتا ہے۔ معرفت الٰہی کی طرف رہنمائی کرتا ہے ہم نے تو سنتے ہی اس کی دعوت کو قبول کر لیا۔ یقیناً یہ کلام اللہ کے سوا کسی کا نہیں ہوسکتا۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ آئندہ کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے اس کے بعد بھی کئی بار خدمت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے قرآن سیکھا۔

وانہ تعالیٰ. یہاں سے آخر سورت تک جہاں جہاں تک ان آ رہا ہے اس میں ایک قرأت کسرہ کی ہے۔ اس صورت میں قالوا کے معمول ہو جائیں گے۔ لیکن فتحہ کی قرأت پر بقرینہ قالوا سب جگہ اذ کی وامقدر مانا جائے گا اور سب اس کے معمول ہو جائیں گے۔ ان دونوں توجیہوں پر جنات کا کلام ہونے کی وجہ سے حاصل ایک ہی رہے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں بھی مذہبی گروہ بندی تھی اور انسانوں کی طرح مختلف نظریات رکھتے تھے۔

سفیھنا. اللہ کی شان میں ایسی بے ہودہ فضول باتیں اپنی طرف سے بے وقوف کہہ سکتا ہے ان سب میں شیطان بڑا بے وقوف ہے ممکن ہے یہاں وہی مراد ہو۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سب انسان اور جنات کی اتنی بڑی تعداد اللہ کی جناب میں جھوٹی بات کہنے کی جرأت نہیں کریں گے جبکہ ان میں بہت سے یقیناً دانشمند بھی ہوں گے بس اسی فریب سے ہم مغالطہ میں آ گئے لیکن قرآن سن کر یہ تاریکی چھٹی اور ایسی اندھی تقلید سے نجات ملی۔

انسان پہلے جنات سے ڈرا کرتے تھے: .... وانہ کان رجال. دور جاہلیت میں جنوں سے غیب کی خبریں معلوم ہو جانے کا غلط عقیدہ ذہنوں میں جما ہوا تھا ان کو خوش کرنے کے لئے بھینٹ بھی چڑھایا کرتے تھے اور جنات کے سرداروں سے پناہ بھی چاہا کرتے تھے، جس سے جنات کی سرگردانی اور بھی بڑھ گئی تھی اور وہ سر چڑھنے لگے تھے اور اس طرح خود انسانوں کی گمراہی اور شرک

میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ بالآخر قرآن نے آ کر ان سب خرابیوں کی جڑ کاٹی مسلمان جنات اپنی قوم سے کہنے لگے کہ کس طرح مرنے کے بعد جی اٹھنے کے منکر ہوا اور یہ کہ آئندہ کوئی نبی نہیں آئے گا جتنے آ چکے، بس آ چکے۔ بہت سے انسان بھی انہیں باتوں کے قائل تھے مگر اب قرآن سن کر پتہ چلا کہ خدا نے ایک عظیم الشان رسول بھیجا جو عقیدہ قیامت کا اعلان کرتا ہے۔ جس میں رتی رتی کا حساب دینا ہوگا چنانچہ آسمان کے قریب حسب معمول پہنچ کر ہم نے دیکھا کہ آج کل بہت سخت جنگی پہرے لگے ہوتے ہیں اب غیب کی خبریں سننا تو کیا معنی؟ کسی کو پاس بھی پھٹکنے نہیں دیا جاتا ہے۔ جو ارادہ بھی کرتا ہے اسے انگارے مار کر بھگا دیا جاتا ہے۔

شبہات کا ازالہ:............ وانا کنا نقعد. یہ مواقع آسمان کے اجزاء کے ہوں یا ہوا کے اجزاء کے یا کسی ملاء اور خلاء کے ہوں اور جنات اپنی لطافت اور ثقل نہ ہونے کی وجہ سے اس پر اس طرح ٹھہر سکتے ہیں جیسے ہوا میں پرندے چلتے پھرتے ٹھہر جاتے ہیں۔ پہلے اتنی روک ٹوک اور سختی نہ تھی، کچھ پابندی کے باوجود گھات لگا کر کچھ سن آیا کرتے تھے مگر اب ناکہ بندی کا یہ حال ہے کہ جہاں کسی نے ذرا ارادہ کیا اور شہاب ثاقب کے آتشیں گولوں نے اس کا تعاقب کیا۔

آیت فمن یستمع الاٰن ۔ پھر اگر یہ شبہ ہو کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے بھی تو شہاب بنتے تھے پھر تحقیق کیسی؟ جواب یہ ہے کہ پہلے اسباب طبعیہ کے ماتحت شہاب بنتے تھے مگر آنحضرت ﷺ کے بعد فرشتوں کا ان میں تصرف اور شیاطین کو رجم کرنا یہ خصوصی اثر مراد ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ آخر یہ جدید انتظامات اور سخت پہرے خدا جانے کس مقصد کے لئے ہوتے ہیں۔ قرآن کا نازل ہونا اور پیغمبر عربی کا آنا ان کا سبب ہو۔ یہ تو ہماری سمجھ میں بھی آتا ہے مگر نتیجہ کیا ہونے والا ہے؟ لوگ قرآن کی ہدایات قبول کر کے راہ راست پر آ جائیں گے اور اللہ کی خصوصی عنایات کے مستحق بنیں گے یا ان سے روگردانی کر کے پاداش کے طور پر تباہ و برباد ہوں گے؟ اس کا حال اللہ کے سوا کون جان سکتا ہے، شاید اس سے علم غیب کی نفی کی تقویت مقصود ہو لوگ تو علم غیب کی نسبت جنات کی طرف کرتے ہیں حالانکہ ہمیں اتنی بھی خبر نہیں ہے۔ جس طرح قرآن سے پہلے سب کی راہ ایک نہیں تھی، لوگ اچھے بروں میں بٹے ہوئے تھے، ہر ایک کی راہ الگ الگ تھی، اب قرآن آنے کے بعد سب کو نیک اور ایک ہو جانا چاہئے تھا۔ لیکن ہوگا اب بھی وہی کہ لوگ فرقوں میں بٹ جائیں گے تاہم یہ یقین کر لینا چاہئے کہ اگر ہم نے قرآن کو نہ مانا تو اللہ کی سزا سے بچ نہیں سکتے نہ کہیں زمین میں چھپ کر، نہ ادھر ادھر بھاگ کر، نہ ہوا میں اڑ کر۔

قرآن نازل ہونے کے بعد بھی لوگ دو طرح کے ہو گئے:............ وانا لما سمعنا. جنات میں اللہ نے سب سے پہلے ہمیں ہی قرآن سننے اور پیغمبر پر ایمان لانے کا موقعہ عنایت فرمایا ایک منٹ کی بھی دیر نہیں کی اللہ کے ہاں سچے ایماندار کے لئے کوئی کھٹکا نہیں اور نہ اس کی نیکی ضائع ہو جانے کا خدشہ ہے اور نہ ہی ظلم و زیادتی کا امکان ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی اور غرض ایماندار آدمی نقصان، ذلت و رسوائی سب سے محفوظ ہے۔ بہرحال قرآن نازل ہونے کے بعد دو طرح کے لوگ ہو گئے۔ ایک پیغام الٰہی قبول کرنے والے اور سمع و طاعت سے گردن جھکانے والے یہ تو تلاش حق میں کامیاب کہلائیں گے۔ اور ایک وہ ہیں جنہوں نے ناانصافی اور کجروی کا راستہ اختیار کیا اور احکام الٰہی کی فرمانبرداری سے انحراف کیا یہ جہنم کے کندے اور دوزخ کا ایندھن بنائے جائیں گے۔

وان لو استقاموا. اس سے پہلے جنات کی گفتگو نقل کی گئی تھی اور یہاں سے حق تعالیٰ کی نصائح ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ انسان و جنات اگر سیدھی راہ چلتے ہیں تو ایمان وطاعت کی بدولت ان کے لئے ظاہری و باطنی برکات کی سیرابی ہے اور اس میں بھی ان کی آزمائش ہے کہ آیا نعمتوں سے بہرہ ور ہو کر شکر نعمت بجالاتے ہیں یا کفران نعمت کر کے اصل سرمایہ بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ

آنحضرت ﷺ کی بددعا سے اس وقت اہل مکہ قحط سالی کی گرفت میں آ گئے تھے۔ تنبیہ کا ماحصل یہ ہے کہ اگر اب بھی اپنی شرارت وسرکشی سے باز آ کر اللہ کے راستہ پر چل نکلیں تو ہم بارانِ رحمت سے ملک کو سرسبز وشاداب کر سکتے ہیں ورنہ اللہ کی یاد سے منہ موڑ کر آدمی کو چین نصیب نہیں ہو سکا بلکہ وہ ایسے راستہ پر چل رہا ہے جہاں پریشانی اور عذاب ہے۔

اسلام کا دوسرے مذاہب سے امتیاز: ....وان المساجد اور یادالٰہی کے لئے یوں تو کسی جگہ کی تخصیص نہیں ہے۔ ساری زمین ہی اس امت کے لئے مسجد بنادی گئی ہے۔ دوسرے مذاہب کی طرح مندر اور گرجا کی قید نہیں ہے، یہ اس امت کی خصوصیت ہے کہ عبادت کے لئے ہر جگہ سر جھکا سکتی ہے۔ ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا. زمان عبادت تو اس امت کے لئے خاص ہے۔ مگر حدیث جعلت لی الارض کلها مسجدا او طهورا کے لحاظ سے مکان عبادت میں تعمیم ہے۔ تاہم عبادت ہی کے لئے جو مکان مسجد کے نام سے خاص کئے جائیں ان کو اور زیادہ امتیاز اور شرف حاصل ہے۔ وہاں جا کر اللہ کے سوا کسی اور کو پکارنا ظلم عظیم اور بدترین شرک ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی توحید ہر جگہ ہے، شرک کی اجازت کہیں بھی نہیں بالخصوص مساجد جو اللہ کے نام تنہا اسی کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہے۔ اس میں شرکیہ راگ الاپنا حد درجہ گمراہی ہے۔ بعض مفسرین ''مساجد'' سے مراد وہ اعضاء لیتے ہیں جو سجدہ کے وقت زمین پر رکھے جاتے ہیں اب مطلب یہ ہوگا کہ خدا کے بنائے ہوئے اعضاء کو اور کے آگے کیوں جھکاتے ہو سر اللہ ہی کے آگے جھکنا چاہئے اور ہاتھ اسی کے آگے ٹیکنا چاہئیں۔

پیغمبر بھی دوسروں کی طرح اللہ کا فرمانبردار ہوتا ہے: ....وانہ لما قام. محمد رسول اللہ ﷺ جب کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے ہیں تو لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جاتے ہیں۔ مومنین تو قرآن سننے کے شوق وذوق میں اور کفار عناد میں ہجوم کرتے ہیں آپ کفار سے کہہ دیجئے کہ تم مجھ پر بھیڑ کیوں کرتے ہو میں کوئی بری، نامعقول بات تو نہیں کہتا صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کا شریک کسی کو نہیں گردانتا اس میں لڑنے جھگڑنے کی کیا بات ہے۔ پھر بھی یاد رکھو، میرا بھروسہ صرف اللہ کی ذات پر ہے جو ہر قسم کی دوئی سے پاک اور بے نیاز ہے اس لئے مجھ پر تمہارے اس ہجوم کا کوئی اثر نہیں پڑتا کہ میں اپنے طریقہ سے دستبردار ہو جاؤں۔ یہ صحیح ہے کہ میرے اختیار میں نہیں کہ تم سب کو راہ پر لے آؤں یا نہ آنے کی صورت میں تمہیں کوئی نقصان پہنچا دوں؟ یہ سب باتیں اللہ کے قبضہ کی ہیں۔ تمہارا نفع نقصان تو بجائے خود، میں تو خود اپنے نفع نقصان کا بھی مالک نہیں بالفرض میں اگر اپنے فرائض میں کوتاہی کروں تو نہ اللہ سے مجھے کوئی بچا سکتا ہے اور نہ کہیں بھاگ کر جا سکتا ہوں۔ میرے اختیار میں بس اس نے یہ دے رکھا ہے کہ اس کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا دوں اسی فرض کی بجا آوری پر اس کی حمایت وپناہ میں رہ سکتا ہوں البتہ اللہ کی اور میری نافرمانی سے تمہیں نقصان ضرور پہنچے گا۔

ابلاغ اور رسالت میں فرق: ....ابلاغ اور رسالت میں تحقق کے لحاظ سے عموم خصوص من وجہ ہے اگر ایک حکم کا اعلان کیا جائے اور دوسرے احکام کا اعلان نہ ہو تو ابلاغ متحقق ہوگا رسالت متحقق نہ ہوگی اور اگر سب احکام خاص خاص لوگوں کو پہنچا دیئے جائیں مگر عام اعلان نہ ہو تو رسالت کا تحقق ہوگا، ابلاغ کا نہیں اس لئے دونوں کو جمع کر کے بتلا دیا کہ نبی کے ذمہ تمام احکام کا عام طور پر پہنچانا واجب ہے۔

علم غیب کی بحث: ....حتی اذا رأوا. تم یہ سمجھ کر کہ محمد ﷺ کے ساتھی بہت تھوڑے سے ہیں اور وہ بھی کمزور، مجھ پر ہجوم کر کے چڑھ آتے ہو تو یاد رکھو، وقت آئے گا جب تمہیں پتہ لگ جائے گا کہ کس کے ساتھی کمزور اور کم تعداد ہیں؟ رہا یہ کہ یہ وعدہ کب پورا

ہوگا جلد یا بدیر میں کچھ نہیں کہہ سکتا، قیامت کا ٹھیک وقت اللہ نے کسی کو نہیں بتلایا۔ یہ ان مغیبات میں سے ہے جو اللہ کے لئے مختص ہیں وہ اپنے پورے بھید کسی کو نہیں دیتا ہاں! جو اس کے رسول ہیں ان کے منصب کے شایان شان بھیدوں کی خبر وحی کے ذریعہ ان کو دے دیتا ہے۔ خواہ وہ نبوت کے لئے متعلق ہوں۔ جیسے: پیشین گوئیاں خواہ فروغ نبوت سے ہوں جیسے علوم احکام اور وحی بڑے محفوظ طریقہ سے ان کو دی جاتی ہے۔ جس میں نہ بیرونی شیطانی کا دخل ہے اور نہ اندرونی نفسانی آمیزش ہے انبیاء کے علوم میں شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی۔ اوروں کی معلومات میں کئی طرح کے احتمالات ہو سکتے ہیں اس لئے محققین صوفیاء کہتے ہیں کہ ولی اپنے کشف والہام کو قرآن وسنت پر پیش کرے موافقت کی صورت میں قابل قبول ورنہ قابل رد...... علم غیب پر آیت **وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب الخ** (آل عمران) اور آیت **ان اللہ عندہ علم الساعۃ الخ** وغیرہ کے مواقع پر مفصل کلام گزر چکا ہے۔

وحی کی حفاظت: .... **لیعلم ان قد ابلغوا**. یعنی اتنے زبردست انتظامات اس لئے نہیں کہ اللہ دیکھ لے کہ فرشتوں اور پیغمبروں دونوں نے اپنے اپنے فرائض بلاکم وکاست ٹھیک ٹھیک انجام دیئے ہیں یوں ہر چیز اللہ کے قبضہ اور حکمرانی میں ہے وحی الٰہی میں تغیر وتبدل کا امکان ہی نہیں، تاہم یہ چوکی، پہرے، شان حکومت ظاہر کرتے اور سلسلہ اسباب کی حفاظت کے لئے بہت سی حکمتوں کے پیش نظر ہے ورنہ اللہ کو کچھ حاجت نہیں ہے آنحضرت ﷺ کے محافظ پہرہ دار چار تھے۔

یسلک. میں چوری اور التباس سے حفاظت مقصود ہے اور **احاط** سے وسائط کی حفاظت بلحاظ صلاحیت مراد ہے اور **احصیٰ** سے نسیان سے حفاظت مقصود ہے۔ بس اس طرح اول سے آخر تک سب حفاظتیں آگئیں۔ حاصل یہ نکلا کہ قیامت کا علم نبوت کے علوم میں سے نہیں ہے۔ اس لئے اس کا نہ ہونا نبوت میں رخنہ انداز نہیں اور نہ قیامت کے نہ واقع ہونے کو مستلزم ہے۔ البتہ آپ کو علوم نبوت عطا کئے جاتے ہیں اور وہی مقصد بعثت ہیں ان میں احتمال خطا نہیں ہے اس لئے ان سے مستفید ہونا چاہئے اور زوائد کی تحقیق میں نہیں پڑنا چاہئے۔ جنات کی تحقیق آکام المرجان اور تفسیر عزیزی میں ملاحظہ کی جائے۔

لطائف سلوک: .... **انہ کان رجال**. اس سے ان لوگوں کی مذمت واضح ہے جو خود کو زبردستی صوفیاء میں شمار کرتے ہیں اور ایسے ایسے تعویذات وعملیات میں مشغول رہتے ہیں جن میں جنات اور موکلوں کو ندا کی جاتی ہے اور ان سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

قل انی لا املک. اس سے آنحضرت ﷺ کے قدرت مستقلہ اور علم محیط کی نفی صراحۃً معلوم ہو رہی ہے پھر دوسرے تو کس شمار میں ہیں۔

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ اَوْ اِلَّا قَوْلُهٗ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اِلَى اٰخِرِهَا فَمَدَنِيٌّ تِسْعَ عَشَرَةَ اَوْ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ النَّبِيُّ وَاَصْلُهُ الْمُتَزَمِّلُ اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي الزَّايِ اَيِ الْمُتَلَفِّفُ بِثِيَابِهٖ حِيْنَ مَجِيْءِ الْوَحْيِ لَهٗ خَوْفًا مِنْهُ لِهَيْبَتِهٖ **قُمِ الَّيْلَ** صَلِّ **اِلَّا قَلِيْلًا** ﴿۲﴾ **نِّصْفَهٗٓ** بَدَلٌ مِّنْ قَلِيْلًا وَّقِلَّتُهٗ بِالنَّظَرِ اِلَى الْكُلِّ **اَوِ انْقُصْ مِنْهُ** مِنَ النِّصْفِ **قَلِيْلًا** ﴿۳﴾ اِلَى الثُّلُثِ **اَوْ زِدْ عَلَيْهِ** اِلَى الثُّلُثَيْنِ وَاَوْ لِلتَّخْيِيْرِ **وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ** تَثَبَّتْ فِي تِلَاوَتِهٖ **تَرْتِيْلًا** ﴿۴﴾ **اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا** قُرْاٰنًا **ثَقِيْلًا** ﴿۵﴾ مَهِيْبًا اَوْ شَدِيْدًا لِمَافِيْهِ مِنَ التَّكَالِيْفِ **اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ** الْقِيَامَ بَعْدَ النَّوْمِ **هِيَ اَشَدُّ وَطْاً** مُوَافَقَةَ السَّمْعِ لِلْقَلْبِ عَلٰى تَفَهُّمِ الْقُرْاٰنِ **وَّاَقْوَمُ قِيْلًا** ﴿۶﴾ اَبْيَنُ قَوْلًا **اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا** ﴿۷﴾ تَصَرُّفًا فِيْ اِشْغَالِكَ لَا تَفْرُغُ فِيْهِ لِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ **وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ** اَيْ قُلْ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فِيْ اِبْتِدَاءِ قِرَاءَتِكَ **وَتَبَتَّلْ** اِنْقَطِعْ **اِلَيْهِ** فِي الْعِبَادَةِ **تَبْتِيْلًا** ﴿۸﴾ مَصْدَرُ بَتَّلَ جِيْءَ بِهٖ رِعَايَةً لِلْفَوَاصِلِ وَهُوَ مَلْزُوْمُ التَّبَتُّلِ هُوَ **رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا** ﴿۹﴾ مَوْكُوْلًا لَّهٗ اُمُوْرَكَ **وَاصْبِرْ عَلٰى مَايَقُوْلُوْنَ** اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ مِنْ اَذَاهُمْ **وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا** ﴿۱۰﴾ لَاجَزَعَ فِيْهِ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِقِتَالِهِمْ **وَذَرْنِيْ** اُتْرُكْنِيْ **وَالْمُكَذِّبِيْنَ** عَطْفٌ عَلَى الْمَفْعُوْلِ اَوْ مَفْعُوْلٌ مَعَهٗ وَالْمَعْنٰى اَنَا كَافِيْكَهُمْ وَهُمْ صَنَادِيْدُ قُرَيْشٍ **اُولِي النَّعْمَةِ** اَلتَّنَعُّمِ **وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا** ﴿۱۱﴾ مِنَ الزَّمَنِ فَقُتِلُوْا بَعْدُ يَسِيْرٌ مِنْهُ بِبَدْرٍ **اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا** قُيُوْدًا ثِقَالًا جَمْعُ نِكْلٍ بِكَسْرِ النُّوْنِ **وَّجَحِيْمًا** ﴿۱۲﴾ نَارًا مُّحَرَّقَةً **وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ** يُغَصُّ بِهٖ فِي الْحَلْقِ وَهُوَ الزَّقُّوْمُ اَوِ الضَّرِيْعُ اَوِ الْغِسْلِيْنُ اَوْ شَوْكٌ مِنْ نَّارٍ لَايَخْرُجُ وَلَايَنْزِلُ **وَّعَذَابًا اَلِيْمًا** ﴿۱۳﴾ مُؤْلِمًا زِيَادَةً عَلٰى مَاذُكِرَ لِمَنْ كَذَّبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **يَوْمَ تَرْجُفُ** تَزَلْزَلُ **الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا** رَمْلًا مُّجْتَمِعًا **مَّهِيْلًا** ﴿۱۴﴾ سَائِلًا بَعْدَ اِجْتِمَاعِهٖ وَهُوَ مِنْ هَالَ يَهِيْلُ وَاَصْلُهٗ مَهْيُوْلٌ اِسْتُثْقِلَتِ الضَّمَّةُ عَلَى الْيَاءِ فَنُقِلَتْ اِلَى

الْهَاءِ وَحُذِفَتِ الْوَاوُ ثَانِي السَّاكِنَيْنِ لِزِيَادَتِهَا وَقُلِبَتِ الضَّمَّةُ كَسْرَةً لِمُجَانَسَةِ الْيَاءِ **اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ** يَا اَهْلَ مَكَّةَ **رَسُوْلًا** هُوَ مُحَمَّدٌ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **شَاهِدًا عَلَيْكُمْ** يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَا يَصْدُرُ مِنْكُمْ مِنَ الْعِصْيَانِ **كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا** ﴿۱۵﴾ وَهُوَ مُوْسٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ **فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا** ﴿۱۶﴾ شَدِيْدًا **فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ** فِي الدُّنْيَا **يَوْمًا** مَفْعُوْلُ تَتَّقُوْنَ اَيْ عَذَابَهُ اَيْ بِاَيِّ حِصْنٍ تَتَحَصَّنُوْنَ مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ **يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا** ﴿۱۷﴾ جَمْعُ اَشْيَبَ لِشِدَّةِ هَوْلِهِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ وَالْاَصْلُ فِي شِيْنِ شِيْبًا الضَّمُّ وَكُسِرَتْ لِمُجَانَسَةِ الْيَاءِ وَيُقَالُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيْدِ يَوْمٌ يُّشِيْبُ نَوَاصِيَ الْاَطْفَالِ وَهُوَ مَجَازٌ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ الْمُرَادُ فِي الْاٰيَةِ الْحَقِيْقَةُ **اِلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ** ذَاتِ اِنْفِطَارٍ اَيْ اِنْشِقَاقٍ **بِهٖ** بِذٰلِكَ الْيَوْمِ لِشِدَّتِهِ **كَانَ وَعْدُهٗ** تَعَالٰى بِمَجِيْءِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ **مَفْعُوْلًا** ﴿۱۸﴾ اَيْ هُوَ كَائِنٌ لَامَحَالَةَ **اِنَّ هٰذِهٖ** الْاٰيَاتِ الْمُخَوِّفَةَ **تَذْكِرَةٌ** عِظَةٌ لِلْخَلْقِ **فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا** ﴿۱۹﴾ طَرِيْقًا بِالْاِيْمَانِ وَالطَّاعَةِ **اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى** اَقَلَّ **مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ** بِالْجَرِّ عَطْفٌ عَلٰى ثُلُثَيِ وَبِالنَّصْبِ عَطْفٌ عَلٰى اَدْنٰى وَقِيَامُهٗ كَذٰلِكَ نَحْوَمَا اَمَرَبِهٖ اَوَّلَ السُّوْرَةِ **وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ** عَطْفٌ عَلٰى ضَمِيْرِ تَقُوْمُ وَجَازَ مِنْ غَيْرِتَاكِيْدٍ لِلْفَصْلِ وَقِيَامُ طَائِفَةٍ مِّنْ اَصْحَابِهٖ كَذٰلِكَ لِلتَّاسِيِّ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَنْ كَانَ لَايَدْرِيْ كَمْ صَلّٰى مِنَ اللَّيْلِ وَكَمْ بَقِيَ مِنْهُ فَكَانَ يَقُوْمُ اللَّيْلَ كُلَّهٗ اِحْتِيَاطًا فَقَامُوْا حَتّٰى انْتَفَخَتْ اَقْدَامُهُمْ سَنَةً اَوْ اَكْثَرَ فَخَفَّفَ عَنْهُمْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى **وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ** يُحْصِي **الَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ اَنْ** مُخَفَّفَةٌ مِّنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ اَنَّهٗ **لَّنْ تُحْصُوْهُ** اَيِ اللَّيْلَ لِتَقُوْمُوْا فِيْمَايَجِبُ الْقِيَامُ فِيْهِ اِلَّابِقِيَامِ جَمِيْعِهٖ وَذٰلِكَ يَشُقُّ عَلَيْكُمْ **فَتَابَ عَلَيْكُمْ** رَجَعَ بِكُمْ اِلَى التَّخْفِيْفِ **فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ** فِي الصَّلَاةِ بِاَنْ تُصَلُّوْامَا تَيَسَّرَ **عَلِمَ اَنْ** مُخَفَّفَةٌ مِّنَ الثَّقِيْلَةِ اَيْ اَنَّهٗ **سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ** يُسَافِرُوْنَ **يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ** يَطْلُبُوْنَ مِنْ رِزْقِهٖ بِالتِّجَارَةِ وَغَيْرِهَا **وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** وَكُلٌّ مِّنَ الْفِرَقِ الثَّلٰثِ يَشُقُّ عَلَيْهِمْ مَاذُكِرَ فِيْ قِيَامِ اللَّيْلِ فَخَفَّفَ عَنْهُمْ بِقِيَامِ مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ثُمَّ نَسَخَ ذٰلِكَ بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ **فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ مِنْهُ** كَمَا تَقَدَّمَ **وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ** الْمَفْرُوْضَةَ **وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ** بِاَنْ تُنْفِقُوْا مَاسِوَى الْمَفْرُوْضِ مِنَ الْمَالِ فِي سَبِيْلِ الْخَيْرِ **قَرْضًا حَسَنًا** عَنْ طِيْبِ قَلْبٍ **وَمَاتُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا** مِمَّا خَلَفْتُمْ وَهُوَ فَصْلٌ وَمَابَعْدَهٗ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ مَّعْرِفَةً يُّشْبِهُهَا لِاِمْتِنَاعِهٖ

مِنَ التَّعْرِيْفِ وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

ع ۲ / ۱۴

ترجمہ: .... پوری سورۂ مزمل مکیہ ہے۔ بجز آیت ان ربک الـخ کے مکیہ ہے اور یہ آیت مدنیہ ہے۔ کل آیات ۱۹ یا ۲۰ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم٥

اے کپڑوں میں لپٹنے والے (نبی، مزمل دراصل متزمل تھا، تا کوزا سے بدل کر ادغام کردیا گیا۔ یعنی وحی نازل ہونے کے وقت مارے ہیبت کے چادر اوڑھنے والا) رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کرو، مگر تھوڑی سی (تہائی) رات یعنی آدھی رات (یہ قلیلاً سے بدل ہے اور آدھی رات کو قلیل کہنا تمام رات کے اعتبار سے ہے) یا آدھی رات سے کچھ گھٹا کر (تہائی رات تک) یا آدھی رات سے کچھ بڑھا کر (دو تہائی رات تک او تخییر کے لئے ہے) اور قرآن کو خوب صاف صاف (ٹھہر ٹھہر کر) پڑھا کرو۔ ہم آپ پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں (جو پر ہیبت اور سخت ہوگا تکالیف کے لحاظ سے) بلا شبہ رات کو (سونے کے بعد) اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے (قرآن کے سمجھنے میں سننے کی اور دل کی موافقت رہتی ہے) اور بات خوب ٹھیک (نکھر کر) نکلتی ہے۔ یقیناً آپ کو دن میں بہت کام رہتا ہے (کاموں کے ہجوم میں تلاوت کا موقعہ نہیں ملتا) اور اپنے رب کا نام لیتے رہئے (قرأت شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھئے) اور (عبادت کے وقت) سب سے الگ تھلگ ہوجایئے (بتـل کا مصدر ہے، فواصل آیات کی رعایت کرتے ہوئے اس وزن پر لایا گیا ہے (تتبـــــل کا ملزوم ہے، وہ) مشرق و مغرب کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے۔ اسی کو اپنا کارساز کیجئے (سب کام اسی کے حوالہ کیجئے) اور یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں اہل مکہ آپ کو ستاتے ہیں) ان پر آپ صبر کیجئے اور خوبصورتی کے ساتھ آپ ان سے الگ ہوجایئے (جس میں حرفِ شکایت زبان پر نہ آئے۔ یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اور مجھ کو اور ان جھٹلانے والوں (ان کا مفعول بہ پر عطف ہے یا یہ مفعول معہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ میں ان قریشی سرداروں سے نمٹنے کے لئے کافی ہوں) ناز و نعمت میں رہنے والوں کو چھوڑ دیجئے اور ان لوگوں کو کچھ دنوں کی اور مہلت دے دیجئے (چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد غزوۂ بدر میں قریشی سردار مارے گئے) ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں (وزنی انـکال جمع ہے نکل بکسر نون کی) اور دوزخ (کی جلانے والی آگ) ہے اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے (جو گلے میں پھندا لگادے۔ زقوم یا ضریع یا غسلین یا آگ کے کانٹے مراد ہیں جو نہ نکلیں اور نہ اتریں) اور دردناک عذاب ہے (تکلیف دہ، مذکورہ مصیبتوں سے بڑھ کر پیغمبروں کو جھٹلانے والے کے لئے) جس دن کہ زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں اور پہاڑ ریگ رواں (ریت کا تودہ) ہوجائیں گے۔ (جو جمع ہوکر بہہ جائے گا۔ مھیلاً باب ضرب سے ہے دراصل مہیول تھا یا پر ضمہ ثقیل ہونے کی وجہ سے ھا کی طرف منتقل کردیا گیا ہے پھر اجتماع ساکنین ہوا۔ واو زائد ہونے کی وجہ سے حذف کردیا گیا اور یا کی مناسبت سے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا گیا ہے) بے شک ہم نے (مکہ والو) تمہارے پاس ایک ایسے رسول (محمد ﷺ) بھیجے ہیں جو تم پر گواہی دیں گے (قیامت میں جو گناہ تم سے سرزد ہوئے ہوں گے) جیسا کہ ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا (یعنی موسیٰ علیہ السلام) پس فرعون نے اس رسول کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اس کو سخت پکڑ، پکڑلیا۔ سو اگر تم نے (دنیا میں) کفر کیا تو اس دن سے کیسے بچو گے (یــــــوم، تتـقـون کا مفعول ہے یعنی اس دن کے عذاب سے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس دن کے عذاب سے بچ کر کس قلعہ میں پناہ لو گے) جو بچوں کو بوڑھا کردے گا (شیبا، اشیب کی جمع ہے، بوڑھا ہونا ہول دلی سے ہوگا قیامت کا دن مراد ہے شیب کا شین اصل میں مضموم تھا۔ لیکن یا کی مناسبت سے اس پر کسرہ آ گیا سخت دن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے بچوں کو بوڑھا بنادیا۔ یہ مجاز ہے، لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آیت میں حقیقۃً بوڑھا کردینا مراد ہو) جس میں آسمان پھٹ جائے گا (ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا) اس (دن کی سختی کی وجہ) سے بلاشبہ

اللہ کا وعدہ (اس عذاب کے آنے میں) ضرور ہو کر رہے گا (اسے کوئی ٹلا نہیں سکتا)۔ یقیناً یہ (ڈرانے والی آیات) نصیحت (مخلوق کے لئے موعظت) ہے، سو جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طرف (ایمان وطاعت) کا راستہ اختیار کرلے۔ آپ کے پروردگار کو معلوم ہے کہ آپ دو تہائی رات کے قریب اور آدھی رات اور تہائی رات (جر کے ساتھ ثلثی پر عطف ہے اور نصب کے ساتھ ادنیٰ پر عطف ہے اور آنحضرت ﷺ کا قیام لیل بھی اسی کے مطابق تھا۔ جس کا حکم شروع سورت میں ہو چکا ہے) اور آپ کے ساتھیوں میں سے بعض آدمی کھڑے رہتے ہیں (طائفة کا عطف تقوم کی ضمیر پر ہو رہا ہے اور ضمیر متصل کی تاکید کے بغیر بھی ایسا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ معطوف معطوف علیہ میں فاصلہ ہو گیا اور آپ کے اقتداء میں بعض صحابہؓ بھی رات کو ویسے ہی قیام کرلیا کرتے تھے۔ لیکن بعض صحابہؓ کو چونکہ یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کتنی رات گئے تک نماز پڑھی اور کتنی رات رہ گئی، اس لئے احتیاطاً ساری رات کھڑے نماز پڑھتے رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کے پاؤں پر ورم آجاتا۔ ایک سال یا ایک سال سے زائد یہ سلسلہ رہا، پھر ان پر تخفیف کردی گئی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) دن رات کا پورا اندازہ اللہ تعالیٰ ہی کر سکتے ہیں کہ ان کو معلوم ہے کہ (ان مخففه ہے اس کا اسم محذوف ہے ای انه) تم اس کو منضبط نہیں کر سکتے (یعنی رات کے قیام کے لئے صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے تمام رات کھڑے رہتے ہیں جس سے تمہیں دشواری ہوتی ہے) تو اس نے تمہارے حال پر عنایت کی (تمہیں سہولت دے کر) سو تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو (نماز میں یعنی جتنی نماز پڑھنا آسان ہو پڑھ لیا کرو) اللہ کو معلوم ہے کہ (ان مخففه ہے ای انـــه) تم میں بعض بیمار ہوں گے اور بعض تلاش معاش کے لئے ملک میں سفر کریں گے (تجارت وغیرہ کر کے روزی حاصل کریں گے) اور بعض اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (اور تینوں قسم کے لوگوں پر مذکورہ قیام لیل دشوار ہوگا۔ اس لئے سہولت کے مطابق قیام کی اجازت دے کر سہولت دے دی۔ پھر پنج وقتہ نمازوں کے بعد یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا) سو تم لوگ جتنا آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور (فرض) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو قرض دو (یعنی فرض کے علاوہ بھی خیر کے کاموں میں مال خرچ کیا کرو۔ اچھی طرح (خوش دلی سے) اور جو نیک عمل اپنے لئے آگے بھیج دو گے اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس پہنچ کر۔ اس سے اچھا (جو تم نے مال چھوڑا ہے۔ هـو ضمیر فصل ہے اور مابعد اگرچہ معرفہ نہ ہو سکنے میں معرفہ کے مشابہ ہے) اور ثواب میں بڑھا ہوا پاؤ گے اور اللہ سے گناہ معاف کراتے رہو۔ بلاشبہ اللہ (مومنین کے لئے) غفور رحیم ہے۔

تحقیق وترکیب: .... **المزمل** . حضور اکرم ﷺ کو خطاب ہے۔ اس میں تین قول ہیں۔

۱۔ عکرمہ کہتے ہیں۔ **یا ایها المزمل بالنبوة والمدثر بالرسالة** اور عکرمہؒ سے یہ معنی بھی منقول ہیں کہ **یا ایها الذین زمل هذا الامر.** یعنی پہلے اس کو اٹھایا، پھر سست ہو گیا۔

۲۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ **یا ایها المزمل بالقرآن.**

۳۔ قتادہؒ کہتے ہیں۔ **یا ایها المزمل بثیابه**

قم الـيـل . قیام سے تہجد کے لئے اٹھنا اور تہجد پڑھنا ہے۔

اوزد علیه. ای علی النصف علی الثلثین. غرض کہ آدھی رات یا کم وبیش وقت تک نوافل پڑھنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

الا قلیلا کل رات کے اعتبار سے نصف کو قلیل کہا گیا ہے اور **نـصـفه** بدل ہے۔ **لیل** سے اور **الا قلیلا** استثناء ہے۔ ای **نـصـف الـلـيـل الا قلیلا من النصف** حاصل یہ ہے کہ یا نصف شب قیام کیجئے یا اس سے کم وبیش اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منه اور علیه کی ضمیریں **اقـل مـن النصف** یعنی ثلث کی طرف راجع ہوں۔ اب اختیار ثلث اور اس سے کم یعنی ربع اور اس سے زائد یعنی نصف کے

درمیان رہے گا۔ لیکن اولیٰ اور صواب وہی ہے جو مفسرؒ نے سلف کے مطابق اختیار کیا ہے چنانچہ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ طبری نے اس پر جزم کیا ہے اور ابن ابی حاتمؒ، عطاءؒ، خراسانیؒ سے یہی معنی نقل کئے ہیں۔

رتل القران ترتیلا۔ ترتیل کہتے ہیں ٹھہر ٹھہر کر الگ الگ حروف ظاہر کر کے پڑھنا اور اصطلاح تجوید میں تدویر کہتے ہیں ترتیل کے مقابلہ میں روانی کے ساتھ پڑھنے کو اور حدر کہتے ہیں بہت جلد اور تیز پڑھنا۔ مگر اس طرح کہ حروف کٹنے نہ پائیں اور مخارج و صفات کی رعایت رہے۔ **یا ایھا المزمل** میں خطاب اگرچہ آنحضرت ﷺ کو ہے۔ مگر حکم میں آپ کے ساتھ امت بھی ہے۔ اللہ نے رات کے قیام کا حکم دیا اور مقدار قیام میں اختیار دے دیا اور ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھنے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ کے نزدیک ترتیل میں وقوف اور مخارج کی رعایت ضروری ہے کہ اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی اور قیام لیل سے مراد اگرچہ تہجد ہے تو وہ ابتداء اسلام میں واجب بلکہ بقول کشافؒ فرض تھا۔ بعد کی آیات سے فرضیت منسوخ ہو کر استحباب رہ گیا اور حسن فرماتے ہیں کہ تہائی رات کا قیام فرض تھا یا واجب اور اختیار کا تعلق مقدار سے ہے۔ پھر دس سال بعد وہ بھی منسوخ ہوگئی کلبیؒ کہتے ہیں کہ پہلے صبح تک صحابہؓ قیام لیل فرماتے تھے اور بعض حضرات پہلے ہی سے تہجد کو نفل کہتے ہیں جس کا قرینہ اختیار ہے۔ نیز اگلی آیت **فتھجد بہ نافلۃ لک** سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے۔

قولا ثقیلا۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ واللہ قرآن کے فرائض وصدود ثقیل ہیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس کے احکام حلال وحرام ثقیل ہیں۔ مقاتلؒ اوامر ونواہی اور صدود کی وجہ سے قرآن کو ثقیل کہتے ہیں اور بعض ثقیل کے معنی کریم لیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ قرآن ثقیل ہے دلیل کے لئے اگر توفیق نہ ہو اور نفس اگر مزکی نہ ہو تو اس کو اٹھا نہیں سکتا اور بعض نے وحی مراد لی ہے۔

ناشئۃ اللیل۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ **عافیۃ** کی طرح **ناشیۃ مصدر** ہے۔ **منشاء بمعنی قام و نھض**۔

وطأ کسر واو اور فتحہ طاء کے ساتھ۔ ابوعمروؒ۔ ابن عامرؒ کی قرأت پر مد کر کے پڑھا گیا ہے۔ **مواطاۃ** بمعنی موافقت قرآن فہمی کے لئے زبان اور کان دونوں ہی کی موافقت دل سے ہونی چاہئے اور وہ دن کے مقابلہ میں رات کو زیادہ ہوتی ہے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں۔ **ان یواطو اسمعک و بصرک و قلبک بعضہ بعضاً**۔ دوسری قرأت باقی قرأت کی فتحہ واو اور سکون کے ساتھ ہے۔ یعنی کلفت و مشقت یعنی رات کو نماز پڑھنا دن کے مقابلہ میں دشوار ہے۔ حدیث میں ہے۔ **اللھم و اشددو طئک علی مضر**۔

واقوم قیلا۔ رات میں سکون کی وجہ سے الفاظ صاف سنائی دیتے ہیں۔

واذکر اسم ربک۔ زمخشریؒ کہتے ہیں۔ **دم علی ذکری** اسی طرح ذکر بھی عام ہے، تسبیح وتہلیل، تکبیر تلاوت قرآن کو۔

وتبتل الیہ تبتیلا۔ بتل کے معنی دنیا سے دل برداشتہ ہونے کے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ دنیا سے بالکلیہ منقطع ہو کر اللہ سے لو لگالینا۔ باب تفعیل، فواصل آیات کی رعایت سے لایا گیا۔ **تبتیل** کے لئے **تبتل** لازم ہے۔ بتول اس عورت کو کہتے ہیں جو مردوں سے بالکل بے توجہ ہے، اور نیشاپوریؒ کہتے ہیں کہ "**وتبتل نفسک**" نہیں کہا گیا۔ کیونکہ **تبتل** خود مقصود بالذات ہے اس لئے پہلے **تبتل** میں مقصود بالذات کو ظاہر کر دیا۔ پھر آگے **رب المشرق** سے باعث تبتل کو بتلا دیا۔ مفسرؒ لفظ مصدر سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں کہ دو وجہ سے لفظ **تبتیل** لایا گیا۔

۔ لفظی اعتبار سے تو اصل کی گئی۔

۲۔ اور معنوی لحاظ سے **تبتیلا** مصدر لایا گیا جو ملزوم ہے اور فعل **تبتل** لایا گیا جو لازم ہے۔ **رب المشرق** خبر ہے مبتداء محذوف **ھو** کی یا مبتداء ہے جس کی خبر **لا الٰہ الا ھو** ہے۔

وکیلا. بولتے ہیں۔وکلہ الی نفسہ وامرموکول الی رائک وکل وکول کے معنی کام کسی کے حوالہ کردینا۔

اولی النعمۃ. زمخشریؒ کہتے ہیں۔نعمۃ بالفتح تنعم کے اور بالکسر انعام کے اور بالضم حسرت کے معنی میں ہے۔

یوم ترجف لدینا کا تعلق اور یوم ظرف کا ناصب ایک ہی ہے۔تقدیرعبارت اس طرح ہے۔استقربھم عندنا ماذکر یوم ترجف یا ذرنی کا ظرف ہے یا دونوں کا ظرف ہے۔

کثیباً. کثب الشئی. کسی چیز کو جمع کرنا۔فعیل بمعنی مفعول ہے۔

فعصٰی فرعون الرسول. اس میں الف لام عہدذکری ہے رسولا کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔نکرہ ہے جب معرفہ کی صورت میں دوبارہ ذکر کیا جائے تو قاعدہ کے مطابق دونوں کا مصداق ایک ہوتا ہے۔

فکیف تتقون ان کفرتم. بقول واحدیؒ آیت میں تقدیم تاخیر ہے۔تقدیرعبارت اس طرح ہے۔فکیف تتقون یوما یجعل الولدان شیباان کفرتم.

یوما یجعل. یہ منصوب محذوف الجار ہے۔ای ان کفرتم بیوم القیامۃ. عام مفسرینؒ کی رائے یہ ہے کہ یوما کے بعد جملہ اس کی صفت ہے اور عائد محذوف ہے۔ای یجعل الولدان فیہ. جیسا کہ ابوالبقاء کہتے ہیں۔یجعل میں ضمیر کا مرجع حق تعالیٰ ہیں اور بہتر صورت یہ ہے کہ یجعل میں عائد مضمر ہو اور فاعل ہو اور یجعل کی نسبت یوم کی طرف بطور مبالغہ ہے یعنی قیامت کا دن بچوں کو بوڑھا بنادے گا اور زید بن علیؓ کی قرات میں یوم کی اضافت جملہ کی طرف ہے اور فاعل ضمیر باری تعالیٰ ہے اور جعل بمعنی تصییر ہے۔

شیبا. مفعول ثانی ہے جو اشیب کی جمع ہے۔

السماء. مبتداء ہے خبر منفطر ہے بہ ای بسبب ذلک الیوم.

فمن شاء اتخذ. اس پراشکال یہ ہے کہ اتخذ الی ربہ سبیلا. اگر جواب ہے تو اس کی شرط کہاں ہے؟ کیونکہ شاء شرط نہیں بن سکتا۔تاوقتیکہ اس کا مفعول مذکور نہ ہو اور اگر مجموعہ جملہ کو شرط بنایا جائے تو جواب کہاں ہے؟ جواب میں پہلی صورت اختیار کی جائے گی اور شاء کا مفعول محذوف ہوگا۔ای فمن شاء النجاۃ اتخذ الی ربہ سبیلا یا تقدیرعبارت فمن شاء ان یتخذ الی ربہ سبیلا اتخذ الی ربہ سبیلا ہوگی۔مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اتخاذ سبیل سے مراد تقرب الی اللہ ہے جو اوامر کے امتثال اور نواہی کے اجتناب سے حاصل ہوتا ہے۔

تقوم ادنیٰ. اس پر شبہ یہ ہے کہ دوثلث رات اور نصف شب سے تو اقلیت واضح ہے۔مگر اقلیت ثلث سے بھی کم کیسے ہوسکتی ہے۔جبکہ ثلث لیل سے کم کرنے کا حکم نہیں تھا بلکہ صحابہ کو دوثلث اور نصف اور ایک ثلث میں سے کسی ایک کا اختیار دیا گیا ہوتا۔اشکال یہ قرأت جر کی صورت میں ہے؟ جواب یہ ہے کہ ادنیٰ کے معنی قرب کے ہیں اور استعارہ اقل سے ہے کیونکہ دو چیزوں میں جب مسافت کم ہوتی ہے تو ان کے درمیان تاخیر بھی اقل ہو جاتا ہے اور اکثر کی صورت میں اکثر رہتا ہے۔پس مطلب یہ ہوا کہ آپ تہائی نصف، دو تہائی رات کے قریب قیام فرماتے ہیں۔ادنیٰ سے تعبیر اس لئے فرمادیا کہ کیونکہ وقت کی تعیین میں اس دور میں تخمینی اور تقریبی تھی۔تحقیق نہیں تھی اور شریعت نے اتنی تدقیقات کا مکلف قرار نہیں دیا۔الفاظ "نصف و ثلث" ابوعمرو نافع، ابن عامر کے نزدیک بالجر ہیں اور باقی قرأ کے نزدیک نصب کی قرأت ہے۔

وطائفۃ. اس کا عطف ضمیر مرفوع متصل پر بغیر ضمیر منفصل کی تاکید کے ہے۔تفسیر کی عبارت "للفصل" کا مطلب یہ ہے کہ یہ جواز فاصلہ ہو جانے کی وجہ سے ہے۔ورنہ عطف کے لئے ضمیر منفصل لانا ضروری ہے۔تفسیر میں جو ایک سال مدت بتلائی ہے یہ پوری

سورت کے مکی ہونے پر ہے اور "او اکثر" میں چھ مہینہ کا اضافہ ہے۔ کل مدت سولہ ماہ یہ بھی سورت کے مکی ہونے کی تقدیر پر ہے لیکن آیت "ان ربک" مدنیہ ہونے کی صورت میں دس سال مدت ہوگی اور "فخفف عنهم" بظاہر ضمیر اگرچہ پوری رات قیام کرنے والوں کی طرف راجع ہے لیکن معتمد علیہ بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ دونوں تخفیف میں داخل ہیں۔

لن تحصوه. احصاء کے معنی پورا پورا لحاظ کرنے کے ہیں۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ **وصول الی الله**، سالک کے سلوک پر نہیں ہے بلکہ فضل الٰہی پر ہے۔ کتنے سالک رجعت کا شکار ہوگئے اور حصول سے محروم رہ گئے۔ **لیس کل من سلک وصل لا کل من وصل اتصل ولا کل من اتصل انفصل فاقرء وا تسمیة الکل باسم الجزو** کے طور پر قرأت سے مراد نماز ہے یا نماز میں قران پڑھنا مراد ہے اور بعض نے صرف مغرب وعشاء کی نمازیں مراد لی ہیں، پہلی اور آخری سورت میں امر استحباب کے لئے ہوگا۔ لیکن درمیانی دوسری صورت میں حکم وجوبی ہے۔ [1]

---

[1] اگر نماز میں قرأت قرآن مراد ہے تو اس آیت کی وجہ سے وہ فرض ہے۔ جیسا کہ صاحب مدارک اور فقہاء اور اصولیوں کی رائے ہے اور نماز کے علاوہ اگر قرأت مراد ہے تو پھر یہ حکم استحبابی ہے یا نماز تہجد بقدر ہمت مراد ہے۔ جیسا کہ صاحب کشاف اور بیضاوی کی رائے یہی ہے اور بقول مدارک دوسرا فاقرء وا پہلے کی تاکید ہے اور نماز روزہ سے مراد فرائض ہیں۔ آیت کے مدنیہ ہونے کی تقدیر پر ورنہ آیت اگر مکیہ ہے تو پھر صدقۃ الفطر مراد ہوگا۔ جیسا کہ صاحب کشاف کی رائے اور واقرضوا الله سے صدقات نافلہ مراد ہوں گے۔ بلکہ بقول بیضاوی بہتر یہ ہے کہ اس سے زکوۃ کی ادائیگی مراد لی جائے اور امام زاہد کی رائے ہے کہ فاقرء وا سے مراد نوافل ہیں اور اقیموا الصلوٰۃ وتہجد کے لئے ناسخ ہے اور قرض حسن سے مراد عطیات ہیں۔ جن میں نہ احسان جتلانا ہو، نہ اذیت رسانی، آیت فاقرء وا سے مراد نماز میں قرأت کا فرض ہونا ہے۔ چنانچہ اہل اصول نے لفظ ما کے عموم سے سورہ فاتحہ کے فرض نہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔ البتہ نظم آیت سے یہ معلوم نہیں ہو رہا ہے کہ اس سے نماز کی قرأت مراد ہے۔ تاہم یہ کہا جائے گا کہ آیت سے چونکہ مطلق قرأت کی فرضیت معلوم ہو رہی ہے اور قرأت کی فرضیت نماز ہی میں ہوتی ہے۔ نماز سے باہر کسی کے نزدیک بھی قرأت فرض نہیں۔ اس لئے آیت میں نماز ہی کی قرأت کی فرضیت مراد ہوگی یا مقام کی تقریر اس طرح کی جائے گی کہ ابتداءً آدھی تہائی رات قیام لیل ضروری تھا۔ جس میں صرف قرأت ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ رکوع سجدہ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ رتل کا عطف قم اللیل پر یہی بتلا رہا ہے کہ بعد میں وارکعوا واسجدوا سے نماز میں رکوع وسجدہ کی فرضیت ہوئی۔ پس آیت فاقرء وا سے طول قرأت کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور نفس قرأت کی فرضیت باقی رہ گئی۔ البتہ حدیث لاصلوٰۃ الا بفاتحة الکتاب وغیرہ احادیث کی رو سے سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب رہے گا۔ تاکہ آیت سے مطلق قرأت کی فرضیت اور روایت سے فاتحہ کا واجب ہونا بھی ثابت ہو اور دونوں نصوص کی حیثیت کا فرق بھی ملحوظ رہے۔ برخلاف امام شافعیؒ کے وہ حدیث مذکور کی وجہ سے سورۂ فاتحہ پڑھنے کو نماز میں فرض فرماتے ہیں اور امام مالک کے نزدیک سورۂ فاتحہ اور سورت دونوں کا پڑھنا حدیث لاصلوٰۃ الا بفاتحة الکتاب والسورة کی وجہ سے فرض ہے۔ حنفیہ کے نزدیک دونوں واجب ہیں۔ البتہ بلاتعیین مطلق قرأت فرض ہے۔ فرضیت تو ما کے عموم قطعی ہونے کی وجہ سے ہے اور وجوب روایت کے ظنی ہونے کی وجہ سے اس طرح سے آیت وروایت دونوں کا حق ادا ہو جاتا ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ عام ظنی ہوتا ہے اس لئے آیت وروایت دونوں ان کے نزدیک برابر ہیں۔ حدیث مذکور سے آیت کے عموم کی تخصیص ہوگئی۔ غرضیکہ قرأت کی فرضیت غیر فرضیت اس مختلف فیہ اصل پر متفرع ہے۔ پھر فرضیت کی مقدار کتنی ہے؟ اکثر کی رائے تو ایک طویل یا تین چھوٹی آیات ہیں اور بعض نے مطلقاً ایک آیت مانی ہے، خواہ لمبی ہو یا چھوٹی۔ تاہم اگر کسی نے ایک آیت سے کم بھی تلاوت کی تو اس صورت میں عام ظنی ہو جائے گا اور امام شافعی سے معارضہ نہیں ہو سکے گا۔ بزدویؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ایک آیت سے کم مقدار کو عرف میں قرأت نہیں کہا جاتا اور عرف حقیقۃ لغوی سے فائق ہوتا ہے۔ رہا صرف بسم الله الخ پڑھ لینا اس لئے کافی نہیں ہے کہ اس کا قرآن ہونا خود مختلف فیہ ہے۔ احتیاطاً نماز کے جواز کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ یا جواب میں یوں کہا جائے کہ شبہ ما کے عموم میں ہوا ہے۔ امر کے وجوب میں کوئی شبہ نہیں۔ اس لئے آیت سے مطلق قرأت کی فرضیت اور روایت سے فاتحہ کا وجوب معلوم ہو رہا ہے۔ پھر امام صاحب کے نزدیک چونکہ قرآن لفظ اور معنی دونوں کا نام ہے، اس لئے قدرت ہوتے ہوئے قرآن کو غیر عربی میں پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی البتہ عاجز کی بات مجبوری کی ہے۔ لیکن صاحبینؒ کے نزدیک نماز غیر نماز میں قادر اور عاجز دونوں کے لئے جائز ہے۔ بعد میں امام صاحب نے اپنی رائے سے رجوع فرمالیا۔ تاہم اس کو عادت بنالینا اور معمول کو لینا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح ایسی عبارت میں پڑھنا بھی درست نہیں جو محتمل المعانی یا مؤول ہو اور بعض نے یہ قید لگائی کہ دانستہ غیر عربی میں پڑھنے سے نماز نہ پڑھے، ورنہ جنون سمجھا جائے گا۔ جس کی دوا ہونی چاہئے یا پھر زندیق

ثـم نسـخ ذٰلـك . امام شافعیؒ نے اہل علم سے نقل کیا ہے کہ سورۂ مزمل کی آخری آیات نے قیام لیل منسوخ کردیا ہے۔مگر فاقرء وا ما تیسر کی وجہ سے بقدر یسر یعنی ہے۔ باقی قیام مذکور منسوخ ہوا۔ مطلق قیام منسوخ نہیں ہوا۔

واتـوا الـزكـوٰة. اگر وجوبی زکوٰۃ مراد ہے تو یہ آیات مدنی ہوں گی۔لیکن اگر پوری سورت مکی ہو تو کہا جائے گا کہ اصل زکوٰۃ مکہ میں شروع ہو چکی تھی۔مگر اس کا اتمام مدینہ میں ہوا۔ یا زکوٰۃ سے مراد صدقہ نفلی ہے۔

وما تقدموا. ما شرطیہ ہے اور تجدوه جواب شرط اور عندا الله، تجدوه کا ظرف ہے یا ضمیر سے حال اور خیر اتجدوه کا مفعول ثانی ہے اور ہو مفعول اول کی تاکید ہے اور اعـظـم کا عطف خيـر پر ہے اور اجـرا تمیز ہے اور تفسیر کبیر میں ہے کہ ابوالسمال نے "هـو خيـر واعظم اجر" کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔مبتداء خبر ہے۔تفسیری عبارت میں ایک اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے۔وہ یہ ہے کہ ضمیر فعل دو معرفوں کے درمیان ہوا کرتی ہے لیکن یہاں معرفہ اور نکرہ کے درمیان ہو رہی ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ خیر امعرفہ اگرچہ نہیں مگر معرفہ کے مشابہ ضرور ہے کیونکہ یہ اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل کے ساتھ جب من لفظاً ہو یا تقدیراً تو اس پر الف لام داخل نہیں ہو سکتا۔جیسا کہ خود معرفہ پر الف لام داخل نہیں ہو سکتا اور یہاں من مقدر ہے۔چنانچہ "مما خلفتم" میں مفسرؒ نے من کو ظاہر کر دیا ہے۔

ربط آیات: ....سورۂ جن میں کفار کو توحید و رسالت و مجازات پر ایمان لانے کی ترغیب تھی۔اس سورۂ مزمل میں ان کے ایمان نہ لانے پر آنحضرت ﷺ کے لئے تسلی ہے اور تسلی کی تقویت کے لئے آپ ﷺ کو ذکر کی کثرت اور رات کو نوافل و تہجد پڑھنے کا حکم ہے اور اسی کے ضمن میں ان تینوں مضامین کا اثبات بھی ہے۔شروع سورت کے ایک سال بعد آخری آیت نازل ہوئی جس میں قیام لیل کی فرضیت کو منسوخ فرما دیا گیا۔بعض کے قول پر صرف امت سے اور بعض کے قول پر آنحضرت ﷺ سے بھی فرضیت منسوخ ہوگئی۔

شان نزول وروایات: ....مکہ کے غار حرا میں آنحضرت ﷺ بعثت سے پہلے ریاضت و مجاہدہ کرنے کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے ایک دفعہ جبریلؑ کو مہیب شکل میں دیکھا اور آپ پر آیات اقراء نازل ہوئیں تو آپ اس خوفناک حالت سے دہشت ناک

ہوگا جسے قتل کر دینا چاہئے۔البتہ قرآن میں صرف معنی کی رعایت کرنے پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ پھر فاقرء وا ما تيسر کی تحقیق لازم آئی کہ لفظ کی رعایت کی گئی اور اگر لفظ کی رعایت کی جائے اور غیر عربی کا عربی کے قائم مقام مانا جائے تو آیت میں حقیقت و مجاز دونوں کا جمع کرنا لازم آئے گا۔اس شبہ کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ قرآنیت میں معنی کی تحقیق تو "مـن الـقـرآن" میں لفظ من کی وجہ سے ہے۔تبعیضیہ ہے۔پس معنی بھی قرآن کا بعض ہے۔اس طرح نظم قرآن کا اعتبار کرتے ہوئے عربی میں اجازت سے حقیقت و مجاز کا جمع کرنا لازم نہیں آتا۔کیونکہ حقیقی معنی لے کر مجازی معنی قیاس سے ثابت کئے جائیں گے۔

لیکن اگر فـاقـرءوا سے مراد قرآن کی تلاوت بطور استحباب ہو تو اس کی کتنی مقدار ہونی چاہئے۔اس میں یہی اختلاف ہے۔بعض نے تین آیات، بعض نے سو آیات، بعض نے دو سو آیات بتلائی ہیں۔انس بن مالکؓ کی روایت ہے۔من قـرء كـل يـوم خـمس ايات لم يكتب من الغافلين ومن قرء مائة اية يكتب من المطيعين ومن قرء مائتى اية لم يخاصم القران معه يوم القيامة ومن قرء خمس مائة اية يكتب له قنطار من الاجر. اسی طرح آنحضرت ﷺ نے ابن عمرؓ سے فرمایا۔اختم فى كل شهر مرة فقال ازداد طاقة فقال فى كل عشرين مرة فقال ازداد طاقة فقال فى كل عشرة مرة فقال ازداد طاقة فقال فى كل سبعة ايام ولا تزد.

قرآن کا ختم دو طرح کا ہوتا ہے۔ایک ختم احزاب، جو قرآن کی سات منزلوں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔یہ نہایت مفید اور دافع بلیات ہے۔جمعہ کے روز سے شروع کیا جائے۔پہلے دن فاتحہ سے سورۂ انعام تک، پھر سورۂ انعام سے سورۂ یونس تک پھر سورۂ یونس سے طٰہٰ تک۔پھر عنکبوت تک۔پھر زمر تک، پھر واقعہ تک، پھر ختم تک اور دوسرا ختم "فمی بشوق" کہلاتا ہے۔یعنی جمعہ کے دن فاتحہ سے شروع کر کے مائدہ تک، پھر یونس تک، پھر بنی اسرائیل تک، پھر شعراء تک، پھر والصافات تک، پھر قاف تک، پھر آخر تک۔۱۲ منہ۔

ہوکر گھر واپس تشریف لائے اور اپنی بیوی خدیجۃ الکبریٰؓ سے فرمایا۔ زملونی زملونی لقد خشیت علی نفسی. حضرت خدیجہؓ نے تسلی دیتے ہوئے عرض کیا۔ "کلا واللہ لایخزیک اللہ ابدا انک تصل الرحم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق. غرض کہ مزمل اسی کیفیت کی طرف مشیر ہے۔ سورۂ مزمل ابتدائی سورتوں میں ہے اور بعض کی رائے ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک شب چادر اوڑھے استراحت فرمارہے تھے۔ اس لئے آپ کو مزمل خطاب کرکے تہجد کے لئے اٹھایا گیا اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ قریش نے دارالندوہ میں جمع ہوکر مشورہ کیا کہ آپ کے لئے کوئی لقب تجویز کرنا چاہئے۔ کسی نے کاہن کہا، کسی نے جادوگر، کسی نے شاعر اور کسی نے مجنون۔ زیادہ رجحان ساحر کہنے کی طرف ہوا۔ آپ کو معلوم ہوا تو غمگین اور رنجیدہ ہوئے اور کپڑا اوڑھ کر آپ لیٹ رہے جیسا کہ مغموم آدمی لیٹ رہتا ہے اس پر ملاطفت کے لئے حق تعالیٰ نے اس عنوان سے آپ کو خطاب فرمایا۔ حضرت علیؓ ایک مرتبہ گھر سے خفا ہوکر مسجد میں آکر لیٹ گئے آنحضرت ﷺ نے آکر فرمایا۔ قم یا ابوتراب. یہاں بھی حق تعالیٰ نے یا ایھا المزمل قم اللیل فرمایا کہ ان باتوں سے رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ اٹھئے اور عبادت وریاضت میں لگئے۔

ورتل القران ترتیلا. ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کو صاف صاف پڑھنا چاہئے۔ ولا تنثوہ کنثر الدقل ولا تھزہ ھز الشعر قفوا عند محابیہ وحرکوبہ القلوب ولا یکون ھم احدکم اخر السورۃ.

یوما یجعل الولدان. طبرانی کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ پڑھتے ہوئے فرمایا۔ ذلک یوم القیامۃ حین یقال لادم قم فابعث عن ذریتک بعثا الی النار قال منکم کم یارب قال من کل الف تسع مائۃ وتسعۃ وتسعین.

انک تقوم ادنیٰ. امام احمدؒ، مسلمؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ نے حضرت عائشہؓ سے تخریج کرتے ہوئے روایت کی ہے کہ ان اللہ قد فرض قیام اللیل فی اوائل ھذہ السورۃ فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ حولا حتی انتفخت اقدامھم وامسک اللہ خاتمتھا فی السماء اثنی عشر شھر اثم انزل اللہ التخفیف فی اخر ھذہ السورۃ فصار قیام اللیل تطوعاً اور سعید بن جبیر سے ابن جریرؒ نے تخریج کی ہے کہ مکث النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ھذہ الحال عشر سنین یقوم اللیل کما امروا کانت طائفۃ عن اصحابہ یقومون معہ فانزل اللہ بعد عشر سنین ان ربک یعلم الخ فخفف اللہ عنھم بعد عشر سنین اور بعض نے درمیانی وقفہ سولہ ماہ بتلایا ہے۔

واتوا الزکوٰۃ. ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ ماسوی الزکوۃ من صلۃ الرحم وقری الضیف.

﴿ تشریح ﴾:............ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کہتے ہیں کہ اس سورہ میں خرقہ پوشی کے لوازم وشروط بیان ہوئے ہیں۔ گویا یہ سورت اس شخص کی ہے جو درویشوں کا خرقہ پہنے اور اپنے تئیں اس رنگ میں رنگے۔ کیونکہ مزمل لغت عرب میں کشادہ کپڑا اپنے اوپر لپیٹنے والے کو کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ بھی تہجد وتلاوت کے وقت اسی ہیئت سے بیٹھتے تھے نیز جو لوگ کپڑے میں لپٹے رات کو آرام کرتے ہیں ان کو تنبیہ ہے کہ انہیں ایک معتدبہ حصہ اللہ کی عبادت میں گزارنا چاہئے ہاں کبھی ناغہ ہوجائے اور اتفاق سے رات کو نہ اٹھ سکے تو معاف ہے۔

وحی کا ثقل:............ ورتل القران. یعنی تہجد میں قرآن ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھئے اس طرح پڑھنے سے فہم وتدبر میں مدد ملتی ہے اور دل پر اثر زیادہ ہوتا ہے ذوق شوق میں ترقی ہوتی ہے نماز کے علاوہ تلاوت کا حکم بھی یہی ہے تخصیص محض مقام کی وجہ سے ہے۔ آگے اس کی علت ارشاد ہے کہ ہم عنقریب تم پر ایک بوجھ ڈالنے والے ہیں۔ جس کے سامنے راتوں کو جاگنا اور شب بیداری آسان ہے۔ قرآن مسلسل وحی کی صورت میں نازل ہوگا جو اپنی قدرومنزلت کے اعتبار سے بہت قیمتی، وزنی اور کیفیات کے لحاظ سے بہت بھاری ہے۔ جیسا کہ احادیث میں ہے کہ قرآن نازل ہونے کے وقت آپ کو بے حد گرانی اور سختی ہوتی تھی حتیٰ کہ جاڑے کے موسم میں آپ پسینہ پسینہ ہوجاتے تھے۔ اس وقت کسی سواری پر سوار ہوتے تو اونٹ جیسا طاقتور اور متحمل جانور تحمل نہیں کرسکتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ

کی ران زید بن ثابتؓ کی ران پر تھی کہ وحی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ زید بن ثابتؓ کو ایسا محسوس ہوا کہ ان کی ران پھٹ جائے گی اس کے علاوہ عرب کی سنگلاخ زمین میں اور اس ماحول میں قرآن کی دعوت وتبلیغ اور اس کے حقوق کو پوری طرح ادا کرنا کوئی آسان کام اور کھیل نہیں تھا اور اس راہ میں تمام سختیوں کو خندہ پیشانی اور کشادہ دلی سے برداشت کرنا درحقیقت لوہے کے چنے چبانا تھا اور جس طرح ایک حیثیت سے یہ کلام آپ پر بھاری تھا تو دوسری حیثیت سے کافروں پر اور منکروں پر شاق تھا غرض ان تمام وجوہ کا لحاظ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کو حکم ہوا کہ جس قدر قرآن نازل ہو چکا، رات کو اس کی تلاوت کیا کرو۔

رات کا جاگنا دشوار بھی ہے اور آسان بھی: ....اس ارشاد الٰہی میں تسہیل کا پہلو بھی ہے اور علت کا پہلو بھی۔ تسہیل کی تقریر یہ ہے کہ آپ رات کے قیام کو شاق نہ سمجھیں۔ ہم تو اس سے بھی بھاری کام آپ سے لینے والے ہیں اور علت کی تقریر اس طرح ہوگی کہ آپ کو رات کے قیام کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ آپ ریاضت ومجاہدہ کے خوگر ہو جائیں اور نفس میں قوت وکمال پیدا ہو کر وحی جیسی بوجھل چیز کے سنبھالنے کی صلاحیت اور عادت ہو جائے آگے ان ناشئة اللیل الخ میں دوسری علت ارشاد ہے۔ یعنی رات کو اٹھنا کچھ آسان کام نہیں بڑی بھاری ریاضت اور نفس کشی ہے جس سے نفس روندا جاتا ہے اور خواہشات نفس آرام ونیند پامال کی جاتی ہیں۔ تاہم اس وقت کی خوبی یہ ہے کہ سکون کا وقت ہونے کی وجہ سے دعا اور ذکر سیدھا دل پر اثر انداز ہوتا ہے۔ زبان اور دل ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ جو بات زبان سے نکلتی ہے دل اور ذہن میں جمی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ وقت دنیا کے ہنگاموں اور شور وشر کے کم ہونے اور آسمان سے خداوند قدوس کے نزول اجلال کے برکات اور اثرات اترنے کا ہوتا ہے۔ جس سے دل میں عجیب کیفیت ولذت اور سرور وانبساط پیدا ہوتا ہے۔ غرضیکہ دنیا کے بکھیڑوں سے نجات کی وجہ سے ایک قسم کی فراغت اور فرصت رہتی ہے اور ذکر وفکر میں باطمینان خوب جی لگتا ہے۔ اسی لئے جس نے جو کچھ پایا وہ رات ہی کو پایا ہے یہ دوسری بات ہے کہ زمانہ کے انقلاب سے رات کا سکون ہنگاموں سے بدل گیا ہے بلکہ حد سے زیادہ رنگ رلیاں اور کھیل تماشے، تفریحات اور رنگ رلیاں رات ہی کو رہتے ہیں۔

شب بیداری کی تیسری حکمت: ....ان لك فی النهار سے تیسری علت ارشاد ہے۔ یعنی دن میں اور بہت سے کام رہتے ہیں۔ دنیاوی کام جیسے مہمات خانہ داری کی تدابیر گو وہ بھی بالواسطہ دینی ہوں اور براہ راست دینی مصروفیات جیسے تبلیغ وجہاد کے مشاغل، تاہم بلاواسطہ پروردگار کی عبادت ومناجات کے لئے رات کا وقت مخصوص رکھنا مناسب ہے، اگر عبادت میں مشغول رہ کر رات کی بعض حوائج چھوٹ جائیں تو کوئی پرواہ نہیں۔ دن میں ان کی تلافی ہوسکتی ہے یا یہ مطلب ہے کہ قیام شب کے علاوہ عام اوقات میں بھی ذکر اللہ کرو اور سب سے قطع کر کے اسی کے ہو رہو۔ یعنی تعلق مع اللہ سب پر غالب رکھو ان سب ہدایات کا تسلی میں دخیل اور موثر ہونا ظاہر ہے آگے توحید کی تاکید ہے۔

رب المشرق. مشرق دن کا اور مغرب رات کا نشان ہے۔ یعنی دن ورات کا مالک وہی ہے زمین وزمان اسی کے ہیں لہٰذا اسی کی رضا جوئی میں لگے رہنا چاہئے۔ بندگی بھی اسی کی اور توکل بھی اسی پر ہونا چاہئے وہ جب کارساز ہے تو پھر دوسروں سے کٹ جانے کی کیا پرواہ ہے۔ رہا کفار جو آپ ﷺ کو ناشائستہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں، ان باتوں پر صبر کرو اور خوبصورتی سے ان سے الگ ہو جاؤ۔ ان کی شکایت اور انتقام کی فکر نہ کرو یہ مطلب نہیں کہ بالکل حالات سے بھی بے خبر ہو جاؤ یا ان کی نعمیت اور خیر اندیشی سے بھی بے تعلق ہو جاؤ۔ غرض جس طرح بن پڑے یہ کام تو بدستور کرتے رہیں اور کبھی جوش انتقام ہو تو یہ سمجھ لیجئے کہ ان کے لئے ہم کافی ہیں۔

ذرنی الخ یعنی تھوڑی بہت ڈھیل کی بات الگ ہے ورنہ حق وصداقت کو جھٹلانے والے جو عیش وآرام کی زندگی گزار رہے

ہیں ان کو میرے حوالے کیجئے میں خود نمٹ لوں گا۔ آگے عذاب کی کچھ تفصیل ہے۔

یوم ترجف. یعنی عذاب کی تمہید اس وقت سے شروع ہوگی جب پہاڑوں کی جڑیں ڈھیلی ہو جائیں گی اور وہ کانپ کر گر پڑیں گے اور ریت کے تودوں کی طرح ریزہ ریزہ ہو کر رہ جائیں گے، جن پر قدم نہ جم سکے۔

اللہ کے باغی بچ کر کہاں جا سکتے ہیں:............فکیف تتقون. یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ بھی جلیل القدر پیغمبر ہیں تو جس طرح ان کی قوم تکذیب کی پاداش میں مبتلا ہوئی، آپ کی قوم کیسے بچ سکتی ہے اور بالفرض دنیا میں بچ بھی گئے تو اس دن سے کیسے بچو گے، جس کی شدت اور درازی بچوں کو بوڑھا کر دینے والی ہوگی خواہ فی الحقیقت بچے بوڑھے نہ ہوں مگر اس دن کی سختی اور لمبائی کا بھی اثر ہوگا اللہ کا یہ وعدہ اٹل ہے، وہ ضرور ہو کر رہے گا۔ خواہ تم کتنا ہی بعید از امکان سمجھو۔

ان ھذہ تذکرۃ ۔ ہمارا کام نصیحت تھا وہ کر دی اب جو اپنا فائدہ چاہے اس پر عمل کرے اور رب تک پہنچ جائے راستہ کھلا ہوا ہے کوئی روک ٹوک نہیں نہ اللہ کا کچھ فائدہ ہے، سو دفعہ اپنا فائدہ سمجھو تو اس پر چلو۔

ان ربک یعلم. سال بھر شب بیداری کا حکم رہا لیکن بعد میں تسہیل کی جا رہی ہے۔ بعض صحابہ تو پہلے حکم پر اس سختی سے عمل کر رہے تھے کہ رات کو سر کے بال رسی سے باندھ لیتے تھے کہ آنکھ لگ جائے اور نیند کا غلبہ ہو تو جھٹکا لگ کر آنکھ کھل جائے اس لئے اس میں سہولت کر دی گئی ہے۔

دشواری کے بعد آسانی:............واللہ یقدر الیل والنھار. یعنی رات دن کی پوری پیمائش تو اللہ کو معلوم ہے وہی ایک خاص انداز سے ان کو گھٹاتا بڑھاتا رہتا ہے اور کبھی دونوں کو برابر کر دیتا ہے۔ روزانہ آدھی تہائی دو تہائی رات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ مشکل تھا اور گھڑی گھنٹوں کا سامان نہیں تھا اس لئے صحابہؓ کو بڑی دشواری تھی۔ اس لئے آسانی فرمائی جا رہی ہے کہ اب نہ تہجد فرض ہے اور نہ وقت اور مقدار تلاوت کی کوئی تحدید ہے کیونکہ آخر انسان کبھی بیمار بھی ہوتا ہے کبھی سفر میں بھی جانا ہوتا ہے، خواہ وہ علم کی تلاش میں ہو یا جہاد کے لئے تجارت کے لئے ہو یا کسی اور کام کے لئے۔

ان حالات میں ظاہر ہے کہ شب بیداری سخت دشوار ہوگی اس لئے تخفیف کی جاتی ہے کہ نماز میں جس قدر قرآن پڑھنا آسان ہو، پڑھ لیا کرو۔ خود کو زیادہ مشقت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں فرض نمازیں اہتمام سے پڑھتے رہو اور باقاعدہ زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے نہ چوکو ان باتوں کی پابندی سے بہت کچھ روحانی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں پورے اخلاص سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بھی اس کو قرض دینا ہے۔ بندوں کو اگر قرض حسنہ دیا جائے تو وہ بھی اس کے عموم میں داخل ہو سکتا ہے۔ تم جو نیکی یہاں کرو گے وہ سب اللہ کے ہاں پہنچ رہی ہے جو وقت پر تمہارے کام آئے گی۔

واستغفروا اللہ . یعنی احکام بجالا کر پھر اللہ سے اپنے قصوروں کی معافی مانگو وہ کون ہے جو دعویٰ کر سکے کہ میں نے اللہ کی بندگی کا حق ادا کر دیا ہے بلکہ اللہ کا جتنا بڑا بندہ ہوتا ہے اسی قدر اپنے کو تقصیر وار سمجھتا ہے اور اپنی کوتاہیوں کی معافی چاہتا ہے۔

اے کریم! غفور رحیم! سب کی خطائیں معاف فرما اور سب کے صدقہ میں اس عبد اثیم کو بھی نواز دے۔

لطائف سلوک:............یا ایھا المزمل سے سبحا طویلا تک صوفی کے مشاغل بیان فرمائے گئے ہیں اور ان ناشئۃ اللیل میں شب بیداری کا اندرونی داعیہ اور ان لک فی النھار میں خارجی داعیہ ارشاد فرمایا گیا ہے پس اس سے رات اور خلوت کے اسرار بھی معلوم ہو گئے۔

علم ان لن تحصوہ. اس میں مجاہدہ اور اوراد کی سہولت کی رعایت ہے جیسا کہ محققین بھی برتاؤ کرتے ہیں۔

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ خَمْسٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾ النَّبِيُّ وَاَصْلُه الْمُتَدَثِّرُ اُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي الدَّالِ اَيِ الْمُتَلَفِّفِ بِثِيَابِهٖ عِنْدَ نُزُوْلِ الْوَحْيِ عَلَيْهِ **قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿۲﴾** خَوِّفْ اَهْلَ مَكَّةَ بِالنَّارِ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا **وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿۳﴾** عَظِّمْ عَنْ اِشْرَاكِ الْمُشْرِكِيْنَ **وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿۴﴾** عَنِ النَّجَاسَةِ اَوْقَصِّرْهَا خِلَافَ جَرِّ الْعَرَبِ ثِيَابَهُمْ خُيَلَاءَ فَرُبَّمَا اَصَابَتْهَا نَجَاسَةٌ **وَالرُّجْزَ** فَسَّرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْاَوْثَانِ **فَاهْجُرْ ﴿۵﴾** اَيْ دُمْ عَلٰى هَجْرِهٖ **وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴿۶﴾** بِالرَّفْعِ حَالٌ اَيْ لَا تُعْطِ شَيْئًا لِتَطْلُبَ اَكْثَرَ مِنْهُ وَهٰذَا خَاصٌّ بِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّهٗ مَاْمُوْرٌ بِاَجْمَلِ الْاَخْلَاقِ وَاَشْرَفِ الْاٰدَابِ **وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿۷﴾** عَلَى الْاَوَامِرِ وَالنَّوَاهِيْ **فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ﴿۸﴾** نُفِخَ فِي الصُّوْرِ وَهُوَ الْقَرْنُ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ **فَذٰلِكَ** اَيْ وَقْتُ النَّقْرِ **يَوْمَئِذٍ** بَدَلٌ مِّمَّا قَبْلَهٗ الْمُبْتَدَاُ وَبُنِيَ لِاِضَافَتِهٖ اِلٰى غَيْرِ مُتَمَكِّنٍ وَخَبَرُ الْمُبْتَدَاِ **يَوْمٌ عَسِيْرٌ ﴿۹﴾** وَالْعَامِلُ فِيْ اِذَا مَادَلَّتْ عَلَيْهِ الْجُمْلَةُ اَيِ اشْتَدَّ الْاَمْرُ **عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴿۱۰﴾** فِيْهِ دَلَالَةٌ عَلٰى اَنَّهٗ يَسِيْرٌ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَيْ فِيْ عُسْرِهٖ **ذَرْنِيْ** اُتْرُكْنِيْ **وَمَنْ خَلَقْتُ** عَطْفٌ عَلَى الْمَفْعُوْلِ اَوْمَفْعُوْلٌ مَّعَهٗ **وَحِيْدًا ﴿۱۱﴾** حَالٌ مِنْ مَنْ اَوْمِنْ ضَمِيْرِهِ الْمَحْذُوْفِ مِنْ خَلَقْتُ اَيْ مُنْفَرِدًا بِلَا اَهْلٍ وَّلَا مَالٍ وَّهُوَ الْوَلِيْدُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ **وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾** وَاسِعًا مُّتَّصِلًا مِنَ الزُّرُوْعِ وَالضُّرُوْعِ وَالتِّجَارَةِ **وَّبَنِيْنَ** عَشَرَةً اَوْاَكْثَرَ **شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾** يَشْهَدُوْنَ الْمَحَافِلَ وَتُسْمَعُ شَهَادَتُهُمْ **وَّمَهَّدْتُّ** بَسَطْتُّ **لَهٗ** فِي الْعَيْشِ وَالْعُمْرِ وَالْوَلَدِ **تَمْهِيْدًا ﴿۱۴﴾** **ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ﴿۱۵﴾** **كَلَّا** لَا اَزِيْدُهٗ عَلٰى ذٰلِكَ **اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا** اَيِ الْقُرْاٰنِ **عَنِيْدًا ﴿۱۶﴾** مُعَانِدًا **سَاُرْهِقُهٗ** اُكَلِّفُهٗ **صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾** مَشَقَّةً مِّنَ الْعَذَابِ اَوْجَبَلًا مِّنْ نَّارٍ يَصْعَدُ فِيْهِ ثُمَّ يَهْوِيْ اَبَدًا **اِنَّهٗ فَكَّرَ** فِيْمَا يَقُوْلُ فِي الْقُرْاٰنِ

الَّذِیْ سَمِعَهُ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **وَقَدَّرَ** ﴿۱۸﴾ فِیْ نَفْسِهٖ ذٰلِكَ **فَقُتِلَ** لُعِنَ وَعُذِّبَ **كَیْفَ قَدَّرَ** ﴿۱۹﴾ عَلٰی اَیِّ حَالٍ كَانَ تَقْدِیْرُهٗ **ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ** ﴿۲۰﴾ **ثُمَّ نَظَرَ** ﴿۲۱﴾ فِیْ وُجُوْهِ قَوْمِهٖ اَوْفِیْمَا یَقْدَحُ بِهٖ **ثُمَّ عَبَسَ** قَبَضَ وَجْهَهٗ وَكَلَحَهٗ ضَیِّقًا بِمَا یَقُوْلُ **وَبَسَرَ** ﴿۲۲﴾ زَادَ فِی الْقَبْضِ وَالْكُلُوْحِ **ثُمَّ اَدْبَرَ** عَنِ الْاِیْمَانِ **وَاسْتَكْبَرَ** ﴿۲۳﴾ تَكَبَّرَ عَنْ اِتِّبَاعِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **فَقَالَ** فِیْمَا جَاءَ بِهٖ **اِنْ** مَا **هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ** ﴿۲۴﴾ یُنْقَلُ عَنِ السَّحَرَةِ **اِنْ** مَا **هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ** ﴿۲۵﴾ كَمَا قَالُوْا اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ **سَاُصْلِیْهِ** اُدْخِلُهٗ **سَقَرَ** ﴿۲۶﴾ جَهَنَّمَ **وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ** ﴿۲۷﴾ تَعْظِیْمٌ لِشَانِهَا **لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ** ﴿۲۸﴾ شَیْئًا مِنْ لَّحْمٍ وَّلَا عَصَبٍ اِلَّا اَهْلَكَتْهُ ثُمَّ یَعُوْدُ كَمَا كَانَ **لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ** ﴿۲۹﴾ مُحْرِقَةٌ لِظَاهِرِ الْجِلْدِ **عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ** ﴿۳۰﴾ مَلَكًا خَزَنَتُهَا قَالَ بَعْضُ الْكُفَّارِ وَكَانَ قَوِیًّا شَدِیْدَ الْبَاسِ اَنَا اَكْفِیْكُمْ سَبْعَةَ عَشَرَ اَكْفُوْنِیْ اَنْتُمْ اِثْنَیْنِ قَالَ تَعَالٰی **وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً** اَیْ فَلَا یُطَاقُوْنَ كَمَا یَتَوَهَّمُوْنَ **وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ** ذٰلِكَ **اِلَّا فِتْنَةً** ضَلَالًا **لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا** بِاَنْ یَّقُوْلُوْا لِمَ كَانُوْا تِسْعَةَ عَشَرَ **لِیَسْتَیْقِنَ** لِیَسْتَبِیْنَ **الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ** اَیِ الْیَهُوْدُ صِدْقَ النَّبِیِّ فِیْ كَوْنِهِمْ تِسْعَةَ عَشَرَ الْمُوَافِقِ لِمَا فِیْ كِتَابِهِمْ **وَیَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا** مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ **اِیْمَانًا** تَصْدِیْقًا لِمُوَافَقَةِ مَا اَتٰی بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِمَا فِیْ كِتَابِهِمْ **وَّلَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ** مِنْ غَیْرِهِمْ فِیْ عَدَدِ الْمَلٰٓئِكَةِ **وَلِیَقُوْلَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ** شَكٌّ بِالْمَدِیْنَةِ **وَّالْكٰفِرُوْنَ** بِمَكَّةَ **مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا** الْعَدَدِ **مَثَلًا** سَمُّوْهُ لِغَرَابَتِهٖ بِذٰلِكَ وَاُعْرِبَ حَالًا **كَذٰلِكَ** اَیْ مِثْلَ اِضْلَالِ مُنْكِرِ هٰذَا الْعَدَدِ وَهُدٰی مُصَدِّقِهٖ **یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ** الْمَلَائِكَةَ فِیْ قُوَّتِهِمْ وَاَعْوَانِهِمْ **اِلَّا هُوَ وَمَا هِیَ** اَیْ سَقَرُ **اِلَّا ذِكْرٰی لِلْبَشَرِ** ﴿۳۱﴾ **كَلَّا** اِسْتِفْتَاحٌ بِمَعْنٰی اَلَا **وَالْقَمَرِ** ﴿۳۲﴾ **وَالَّیْلِ اِذْ** بِفَتْحِ الذَّالِ **دَبَرَ** ﴿۳۳﴾ جَاءَ بَعْدَ النَّهَارِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ اِذْ اَدْبَرَ بِسُكُوْنِ الذَّالِ بَعْدَهَا هَمْزَةٌ اَیْ مَضٰی **وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ** ﴿۳۴﴾ ظَهَرَ **اِنَّهَا** اَیْ سَقَرَ **لَاِحْدَی الْكُبَرِ** ﴿۳۵﴾ الْبَلَایَا الْعِظَامِ **نَذِیْرًا** حَالٌ مِّنْ اِحْدٰی وَذُكِّرَ لِاَنَّهَا بِمَعْنَی الْعَذَابِ **لِّلْبَشَرِ** ﴿۳۶﴾ **لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ** بَدَلٌ مِنَ الْبَشَرِ **اَنْ یَّتَقَدَّمَ** اِلَی الْخَیْرِ اَوِ الْجَنَّةِ بِالْاِیْمَانِ **اَوْ یَتَاَخَّرَ** ﴿۳۷﴾ اِلَی الشَّرِّ اَوِ النَّارِ بِالْكُفْرِ **كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ** ﴿۳۸﴾ مَرْهُوْنَةٌ مَّاْخُوْذَةٌ بِعَمَلِهَا فِی النَّارِ **اِلَّآ اَصْحٰبَ الْیَمِیْنِ** ﴿۳۹﴾ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ فَنَاجُوْنَ مِنْهَا كَائِنُوْنَ **فِیْ جَنّٰتٍ یَتَسَآءَلُوْنَ** ﴿۴۰﴾ بَیْنَهُمْ **عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ** ﴿۴۱﴾ وَحَالُهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ لَهُمْ بَعْدَ اِخْرَاجِ الْمُوَحِّدِیْنَ مِنَ النَّارِ **مَا سَلَكَكُمْ** اَدْخَلَكُمْ **فِیْ**

سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوضُ فِي الْبَاطِلِ مَعَ الْخَآئِضِينَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿۴۶﴾ الْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ حَتّٰى اَتٰنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ اَلْمَوْتُ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَالْاَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَالْمَعْنٰى لَا شَفَاعَةَ لَهُمْ فَمَا مُبْتَدأٌ لَهُمْ خَبَرُهُ مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوفٍ اِنْتَقَلَ ضَمِيْرُهُ اِلَيْهِ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ حَالٌ مِّنَ الضَّمِيْرِ وَالْمَعْنٰى اَيُّ شَيْءٍ حَصَلَ لَهُمْ فِي اِعْرَاضِهِمْ عَنِ الْاِتِّعَاظِ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ وَحْشِيَّةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ اَسَدٍ اَيْ هَرَبَتْ مِنْهُ اَشَدَّ الْهَرَبِ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ اَيْ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى بِاتِّبَاعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ كَلَّا رَدْعٌ عَمَّا اَرَادُوْهُ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ اَيْ عَذَابَهَا كَلَّا اِسْتِفْتَاحٌ اِنَّهٗ اَيِ الْقُرْاٰنَ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ عِظَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ قَرَأَهٗ فَاتَّعَظَ بِهٖ وَمَا يَذْكُرُوْنَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى بِاَنْ يُّتَّقٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾ بِاَنْ يَّغْفِرَ لِمَنِ اتَّقَاهُ

ترجمہ: ....سورۂ مدثر مکیہ ہے۔جس میں ۵۵ آیات ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

اے کپڑے میں لپٹنے والے (نبی یہ لفظ دراصل متدثر تھا۔ تا کو دال میں ادغام کر دیا گیا ہے۔ یعنی وحی نازل ہونے کے وقت کپڑے میں لپٹنے والے) اٹھیئے پھر ڈرایئے (اہل مکہ اگر ایمان نہ لائیں تو انہیں دوزخ سے ڈرایئے) اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کیجئے (مشرکین کے شرک سے بالا بتلایئے) اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے (گندگی سے یا اپنے کپڑے چھوٹے بنایئے۔ عربوں کی طرح نہیں کہ وہ تکبر کی وجہ سے بڑے بڑے ڈھیلے ڈھالے پہنتے تھے کہ اکثر نجاست آلودہ ہو جاتے تھے) اور بتوں سے (آنحضرت ﷺ نے اس کی تفسیر بت ہی کے ساتھ فرمائی ہے) الگ رہئے (یعنی چھوڑے رکھئے) اور کسی کو اس لئے نہ دو کہ زیادہ معاوضہ چاہو (تستکثر رفع کے ساتھ حال ہے یعنی کسی کو کوئی چیز اس غرض سے مت دو کہ زیادہ معاوضہ دے یہ حکم حضور ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ آپ کو بہترین اخلاق اور عمدہ آداب کا پابند کیا گیا ہے) اور اپنے رب کے لئے (احکام و منہیات پر) صبر کیجئے، پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا (نفخۂ ثانیہ مراد ہے) سو (وہ وقت صور پھونکنے کا یعنی) وہ دن ایک سخت دن ہوگا (اذا میں عامل مدلول جملہ ہے یعنی اشتد الامر) کافروں پر جس میں ذرا آسانی نہ ہوگی (اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ دن مومنین پر آسان ہوگا سخت ہونے کے باوجود) مجھ کو رہنے دیجئے (چھوڑیئے) اور اس شخص کو جسے میں نے پیدا کیا ہے (مفعول پر عطف ہے یا مفعول معہ ہے) اکیلا (یہ من سے حال ہے یا خلقت کی ضمیر محذوف سے حال ہے یعنی یکہ و تنہا تھا بغیر اہل اور مال کے۔ ولید بن مغیرہ مراد ہے) اور اس کو کثرت مال دیا (نہایت پائیدار کھیتی باڑی اور دودھ بوند اور تجارت) اور بیٹے (دس یا زیادہ) جو بلائے جاتے (محفلوں میں اور ان کی گواہی معتبر ہوتی) اور سب طرح کا سامان (عیش، عمر، اولاد) اس کے لئے مہیا کر دیا۔ پھر بھی اس بات کی ہوس رکھتا ہے کہ اور زیادہ دوں۔ ہرگز نہیں (زیادہ نہیں دوں گا) وہ ہماری آیات (قرآن) کا مخالف (دشمن) ہے۔ میں عنقریب اس کو دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا (صعود سے عذاب کی مشقت یا آگ کا پہاڑ مراد ہے جس پر وہ چڑھے گا، پھر گرے گا۔ بس یہی ہوتا رہے گا) اس شخص نے سوچا (آنحضرت ﷺ سے قرآن سن کر جو کچھ کہتا ہے) پھر

ایک بات تجویز کی (اپنے دل میں اس کے متعلق) سواس پر خدا کی مار (لعنت عذاب) کیسی تجویز کی (کس حال پر تجویز کی) پھر اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی۔ پھر منہ بنایا (اپنی قوم کے سامنے۔ یا اس پر عیب جوئی کی گئی) پھر منہ بسورا (یعنی منہ بنایا اور برا سا بنایا۔ اپنی بات سے تنگدل ہوتے ہوئے) اور زیادہ منہ بسورا (خوب ٹیڑھا ترچھا کیا) پھر منہ پھیرا (ایمان لانے سے اور آنحضرت ﷺ کی پیروی کرنے سے) اور تکبر کیا پھر بولا (وحی کی نسبت) کہ یہ تو جادو ہے (جادوگروں سے) منقول۔ پس یہ تو آدمی کا کلام ہے (چنانچہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ کوئی انسان پیغمبر کو سکھلاتا ہے) میں اس کو عنقریب دوزخ میں داخل کروں گا، اور تمہیں پتہ ہے کہ دوزخ کیسی چیز ہے (اس میں دوزخ کا ہولناک ہونا بتلانا ہے) نہ تو باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی (گوشت ہڈی میں سے کچھ بھی، مگر اس کو ختم کردے گی۔ پھر از سرنو سب چیزیں جوں کی توں ہوجائیں گی) وہ بدن کی ہئیت بگاڑ دے گی (کھال جلا ڈالے گی) اس پر انیس فرشتے ہوں گے (جہنم کے داروغہ ایک کافر جو نہایت طاقتور تھا کہنے لگا کہ میں ان میں سے سترہ کو کافی ہوجاؤں گا اور دو سے تم بنٹ لینا اس پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ) اور ہم نے دوزخ کے کارکن صرف فرشتے بنائے ہیں (یعنی ان میں اتنی طاقت نہیں جیسا کہ انہیں وہم ہورہا ہے) اور ہم نے جو ان کی تعداد ایسی رکھی ہے وہ صرف کافروں کی گمراہی کا ذریعہ ہے (تاکہ وہ یہ کہیں کہ وہ انیس کیوں ہیں) اس لئے کہ اہل کتاب یقین کرلیں (یعنی یہود پیغمبر کو سچا سمجھ لیں ان فرشتوں کی تعداد انیس ہونے میں جو ان کی کتاب کے موافق ہے) اور (اہل کتاب میں سے) ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ جائے (یقین زیادہ ہوجائے۔ کہ جو حضور ﷺ بیان فرمارہے ہیں وہی ان کی کتاب میں ہے) اور اہل کتاب اور اہل ایمان شک نہ کریں (جو مومن اہل کتاب کے علاوہ ہوں، فرشتوں کی تعداد کی نسبت) اور تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے (مدینہ میں شکی ہیں) اور (مکہ کے) کافر کہنے لگیں کہ اللہ کا کیا مقصد ہے۔ اس (تعداد) عجیب سے (غرابت کی وجہ سے اس کو مثل کہا گیا، اور اس پر حال کا اعراب لایا گیا ہے) اسی طرح (یعنی ان منکرین عدد کی گمراہی اور ماننے والوں کی ہدایت کی طرح) اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کردیتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت کردیتا ہے اور آپ کے رب کے لشکروں کو (فرشتوں کی طاقت اور ان کے معاونین کو) بجز اس کے کوئی نہیں جانتا اور یہ (دوزخ) صرف آدمیوں کی نصیحت کے لئے ہے۔ سچ (کلا استفتاح کے لئے بمعنی الا ہے) قسم ہے چاند کی اور رات کی (اذا فتحہ کے ساتھ ہے) جب جانے لگے (دن جانے کے بعد اور ایک قراءت میں اذا دبر سکون ذال کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد ہمزہ ہے جانے کے معنی میں) اور صبح کی جب روشنی ہوجائے کہ وہ (دوزخ) بڑی بھاری چیز (مصیبت) ہے جو بڑا ڈراوا ہے (نـذيـرا، احدیٰ سے حال ہے اور مذکر اس لئے لایا گیا کہ عذاب کے معنی میں ہے) انسان کے لئے یعنی تم میں (یہ بشر سے بدل ہے) جو آگے کو (بھلائی یا جنت کی طرف ایمان لاکر) یا پیچھے کو ہٹے (برائی یا دوزخ کی طرف کفر کے ذریعہ) ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے محبوس ہوگا (دوزخ میں اپنے اعمال میں ماخوذ) مگر داہنے والے (مومنین کہ وہ دوزخ سے چھٹکارا پاکر) بہشتوں میں ہوں گے (ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کرتے ہوں گے۔ دوزخیوں (اوران کے حال) کی (اور مسلمانوں کے دوزخ سے نکل آنے کے بعد دوزخیوں سے پوچھیں گے) کہ تمہیں دوزخ میں کس بات نے داخل کیا؟ وہ کہیں گے کہ نہ تو ہم نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ غریب کو کھانا کھلایا کرتے تھے اور (غلط) مشغلوں میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغلہ میں رہا کرتے تھے اور قیامت (بعث و جزا) کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے یہاں تک کہ ہم کو موت آ گئی سوان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی (فرشتوں، نبیوں، نیکوں کی سفارش مراد ہے یعنی ان کے لئے سفارش ہی نہیں ہوگی) توان کو کیا ہوا کہ (مـا مبتداء لهم اس کی خبر محذوف کے متعلق ہے اور محذوف کی ضمیر خبر کی طرف راجع ہے) اس نصیحت سے روگردانی کرتے ہیں (ضمیر سے حال یعنی نصیحت سے کنارہ کشی کرکے انہیں کیا ہاتھ آیا) کہ وہ گویا وحشی گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے دوڑے جارہے ہیں بلکہ ان میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے نوشتے

دیئے جائیں (یعنی اللہ کی طرف سے انہیں آنحضرت ﷺ کی اتباع کا حکم ہوا۔ جب کہ مشرکین کہا کرتے تھے۔ **لن نو من لک حتی تنزل علینا کتا بانقروہ**) ہرگز نہیں، بلکہ یہ لوگ آخرت (کے عذاب) سے نہیں ڈرتے ہرگز نہیں (استفتاح کے لئے ہے) یہ (قرآن) نصیحت (موعظت) ہے جس کا جی چاہے اس سے نصیحت حاصل کرلے (پڑھ کر عبرت حاصل کرلے) اور یہ لوگ نصیحت حاصل نہیں کرسکتے (یا اور تا کے ساتھ قراءت ہے) جب تک اللہ نہ چاہے۔ وہی ہے جس سے ڈرنا چاہئے اور جو معاف کرتا ہے (اپنے سے ڈرنے والے کو بخش دیتا ہے۔)

تحقیق وترکیب:......... **المدثر** دراصل **متدثر** تھا۔ **مدثر دثار** سے ماخوذ ہے جس کے معنی اوپر کے لباس کے ہیں اور شعار کہتے ہیں بدن سے متصل لباس کو۔ جمہور کی رائے ہے کہ سب سے اول اقرأ نازل ہوئی۔ پھر تین سال بعد **فترۃ وحی** کے بعد یا **ایھا المدثر** نازل ہوئی۔ ممکن ہے اس سے آیات مراد ہوں۔ ورنہ سب سے پہلے پوری سورت سورہ فاتحہ نازل ہوئی۔

فانذر۔ اگرچہ آنحضور ﷺ کی دونوں شانیں ہیں۔ بشیر ونذیر۔ لیکن ابتداءً صرف انذار پر اکتفا مناسب تھا پھر بعد میں "**انا ارسلناک شاھداً ومبشراً ونذیراً**" ارشادِ الٰہی ہوا۔

فکبر۔ ابو الفتح موصلیؒ کی رائے ہے کہ یہ فا زائد ہے اور زجاجؒ کہتے ہیں کہ فا معنی جزائیت کے لئے ہے۔ اسی قسم **فکبر ربک** اور بعد کے جملوں کی بھی یہی تاویل ہوگی اور صاحب کشافؒ کہتے ہیں کہ فا معنی جزائیت کے لئے ہے۔ "**ای شئی کان فلا تدع تکبیرۃ**" اور تکبیر سے تکبیر افتتاح صلوٰۃ بھی مراد ہوسکتی ہے۔ لیکن اس وقت نماز فرض نہیں ہوئی تھی، اس لئے مفسر نے شرک سے تبری کے معنی لئے ہیں۔

آیت **ربك فكبر** میں صفت قلب ہے، الٹا پڑھنے سے بھی یہی جملہ بنتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تعمیل حکم کرتے ہوئے اللہ اکبر کہا۔ حضرت خدیجہؓ نے بھی سن کر نعرہ لگایا اور خوش ہوئیں اور سمجھ گئیں کہ یہ وحی ہے۔ علماء نے اس کو تکبیر نماز پر بھی محمول کیا ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہؒ نے لکھا ہے کہ تکبیر تحریمہ فرض ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک رکن ہے۔ کیونکہ نماز کی جو شرائط ہیں وہی اس کی شرائط ہیں۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک تکبیر نماز کی شرط خارجی ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی فرض کا تحریمہ کرے تو اس سے نوافل پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ دوسری آیت میں **وذکر اسم ربہ فصلی** ہے۔ یعنی نماز کو ذکر کے بعد فرمایا گیا جس سے مراد تکبیر ہے اور فا کے ذریعہ صلوٰۃ کا عطف کیا گیا ہے جس سے دونوں میں مغایرت معلوم ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ارکان نماز کی طرح تکبیر میں تکرار نہیں ہے اور شرائط نماز کی رعایت اس لئے کی گئی کہ تکبیر قیام نماز سے متصل ہے۔ تکبیر کے سلسلہ میں منقول تو اللہ اکبر ہے۔ مگر طرفین کے نزدیک **اللہ اجل اللہ اعظم الرحمن اکبر**۔ **لا الہ الا اللہ** ، **اللہ الکبیر** وغیرہ کہنا بھی جائز ہے۔ لیکن ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر تکبیر اچھی طرح کہہ سکتا ہے تو صرف **اللہ اکبر یا اللہ الا کبر یا اللہ الکبیر** کہنا جائز ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک صرف پہلے دو لفظوں سے اور امام مالکؒ کے نزدیک صرف پہلے لفظ سے جائز ہے۔ لیکن طرفینؒ فرماتے ہیں کہ مقصود تعظیم ہے اس لئے سب الفاظ صحیح ہیں بلکہ امام اعظمؒ تو صرف لفظ اللہ کہنے کی بھی اجازت دیتے ہیں اسی طرح صرف **اللھم** کہنا بھی جائز ہے۔ البتہ **اللھم اغفرلی** میں چونکہ دعا بھی ہے اس لئے کافی نہیں ہے۔

فطھر۔ زہریؒ نے پانی سے پاک کرنے کے معنی لئے ہیں اور ابن عباسؓ اور طاؤس سے دامن چھوٹا رکھنے کے معنی ہیں۔ اور مجاہد اصلاح عمل مراد لیتے ہیں اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ کہ **صل فثیا بک طاھرۃ**۔ پہلے معنی شبہ ہیں " **وثیابك فطھر**" میں کئی احتمال ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ **قصر ھا فانہ القی واتقی** ایک معنی یہ ہیں۔ **اصلح اعمالک فطھر نفوسک من**

العادات المستقذرہ ایک معنی یہ ہیں۔ اصلح اھلک یعنی کتابیہ سے نکاح نہ کرو بغیر مہر نکاح نہ کرو، چار سے زیادہ بیویاں نہ رکھو۔ لیکن اکثر کی رائے کپڑوں کو پاک رکھنے کی ہے پھر یہ حکم اگرچہ تمام اوقات میں ہے مگر ربک فکبر سے متصل ہونے کی وجہ سے نماز کے وقت کپڑوں کی پاکی مراد ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔ یجب علی المصلی ان یقدم الطھارۃ من الاحداث و الانجاس قال اللہ وثیابک فطھر . وان کنتم جنباً فاطھروا . نیز ستر بھی ہر وقت واجب ہے برخلاف کپڑوں کی پاکی کے۔ وہ نماز کے ساتھ خاص ہے چنانچہ بیضاویؒ وغیرہ تصریح کرتے ہیں۔ ان التطھیر واجب فی الصلوٰۃ محبوب فی غیرھا . پھر کپڑے پر اگر نجاست غلیظہ قدر درہم سے کم ہے، یا نجاست خفیفہ چوتھائی کپڑے سے کم پر لگی ہوئی ہے تو نماز صحیح ہو جائے گی۔ ورنہ دہرانی پڑے گی۔ نجاست مرئیہ میں تو اس کے عین کا ازالہ ضروری ہے خواہ اس کا نشان یا اثر رہے لیکن غیر مرئی نجاست میں تین دفعہ دھو کر نچوڑ دینا کافی ہے پھر حنفیہ کے نزدیک پانی اور پانی جیسی رقیق چیزوں سے پاکی حاصل ہو سکتی ہے۔

فاھجر . بت پرستی چھوڑنے کے حکم سے شبہ ہوتا ہے کہ آپ پہلے بت پرستی کرتے تھے اس لئے مفسرؒ نے "دم علی ھجرۃ" سے تفسیر کی ہے۔ کہ جس طرح آپ اب تک اس سے بچے رہے آئندہ بھی بچے رہیں ظاہری معنی مراد نہیں ہیں۔

ولا تمنن . یعنی احسان کے بدلہ کی نیت سے احسان کرنا اگرچہ دوسروں کے لئے جائز ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ کے مکارم اخلاق کے خلاف ہوتے ہوئے خاص طور پر آپ کو منع کر دیا گیا ہے اور بعض نے ممانعت کو عام رکھتے ہوئے ممانعت تنزیہی قرار دی ہے اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ آپ کسی کو کچھ مرحمت فرما کر بطور ریا زیادہ ظاہر نہ کیجئے۔

فی الناقور . فاعول کے وزن پر نقر سے ماخوذ ہے بمعنی قرع یعنی کھٹکھٹانا، مراد آواز کرنا ہے صور اسرافیل یعنی ان کی آواز مراد ہے۔ منقار مرغ کی چونچ کو کہتے ہیں۔ ناقور سینگ جیسا ہے۔ جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے اس میں سوراخ ہیں جس میں ارواح عالم ہوں گی ہر سوراخ سے روح نفخۂ ثانیہ کے بعد نکل کر اپنے اپنے جسام میں پہنچ جائیں گی جس سے ان میں زندگی کی لہر دوڑ جائے گی اور مردے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

فذلک یومئذ یوم عسیر . ذلک سے وقت نقر کی طرف اشارہ ہے اور یومئذ ذلک سے بدل ہے اور چونکہ یوم اذا اسم غیر متمکن کی طرف مضاف ہے۔ اس لئے فتحہ پر مبنی ہو گیا معرب نہیں رہا اور اس پر تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ ای اذا نقر فی الصور اور یومئذ خبر کا ظرف مستقر بھی ہو سکتا ہے۔ ای وقت النقر وقت عسیر حال کون ذلک الوقت یوم القیامۃ اور اذا نقر کا عامل مدلول جملہ ہے۔ یعنی اشتد الامر اذا نقر غیر یسرا ای یسیر علی المؤمنین فی وقت عسرۃ علی الکافرین .

وحیداً . یہ من خلقت میں مَن سے حال ہے ای ذرنی والذی ھو کذا حال کونہ وحیدا اور جب کہ معطوف علیہ سے حال نہ بنایا جا سکتا ہو۔ تب بھی صرف معطوف سے حال بنانا جائز ہے۔ یا خلقت کی ضمیر محذوف سے بھی حال ہو سکتا ہے ای خلقتہ وحیداً اسی طرح خلقت کی ضمیر متکلم سے بھی حال ہو سکتا ہے ای خلقتہ وحدی اور ذرنی کی ضمیر منسوب سے بھی حال ہو سکتا ہے۔ وحید سے مراد ولید بن مغیرہ ہے جس کا لقب بطور مدح وحید تھا یہاں تہکما بطور مذمت وحید فرمایا گیا۔ ولد الزنا ہونے کی وجہ سے یعنی بلا باپ کے تنہا ہے، یا شرارت میں یکتا ہے۔

ضروع . سے مراد ذوات فروع یعنی دودھ والے جانور ہیں۔

وبنین شھوداً . مجاہد سے منقول ہے کہ دس لڑکے تھے۔ اور سعید بن جبیر تیرہ کہتے ہیں۔ ان میں سے خالد، ہشام، ولید بن

ولید تین مسلمان ہو گئے تھے۔ اور شہوداس لئے کہا کہ مالدار ہونے کی وجہ سے گھر پر ہی رہتے تھے۔ کسب معاش کے لئے سفر میں جانے کی حاجت نہیں تھی۔ یا اپنی وجاہت کی وجہ سے مجامع میں بلائے جاتے تھی۔

کلا. حق تعالیٰ نے پھر ولید کو نقصان میں مبتلا کر دیا کہ فقیر ہو کر مرا۔

سارھقه صعوداً. امام احمدؒ وغیرہ نے ابوسعیدؓ سے مرفوع روایت کی ہے کہ جہنم کے پہاڑ پر چڑھنا اور گرنا ہوتا ہی رہے گا۔

وما ادراك ماسقر. ما مبتداء ادراک خبر ہے اسی طرح ما مبتداء سقر خبر ہے یا برعکس ترکیب کر لی جائے اور یہ جملہ ادری کے مفعول ثانی کے قائم مقام ہو جائے گا۔

لا تبقی ولا تذر. حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہیں اور عامل معنیٰ تعظیم ہیں جیسا کہ ابوالبقاء کی رائے ہے اور ان کا مفعول محذوف ہے۔ ای لا تبقی ما القی فیها ولا تذره بل تهلکه اور بعض نے تقدیر عبادت اس طرح مانی ہے۔ لا تبقی علی من القی فیها ولا تذر غاية العذاب الا وصلته اليه اور دوسری ترکیب یہ ہے۔ کہ لا تبقی ولا تذر جملہ مستانفہ ہوا۔

لواحة للبشر. عام قرأت رفع کی مبتداء مضمر کی خبر ہے۔ ای هی لواحة اس وقت قرأت سے لا تبقی کے مستانفہ کی تاکید ہو جائے گی لیکن حسن بن ابی عیلہ، زید بن علی، عطیہ عوفی کی قرأت نصب کی ہے اس میں تین ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔

۱۔سقر سے حال ہے اور معنیٰ تعظیم اس میں عامل ہوں جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔

۲۔لا تبقی سے حال ہو۔

۳۔لاتذر سے حال ہو۔

علامہ زمخشریؒ اس کا نصب اختصاص تہویل کی وجہ سے مانتے ہیں اور شیخ جرجانیؒ نے حال موکدہ کہا ہے وہ فرماتے ہیں لان النار التی لا تبقی ولا تذر لا تكون الا مغيرة للبشر اور لواحة مبالغہ کاوزن ہے اس میں دو صورتیں ہیں:۔

۱۔لا ح یلوح ای انها تظهر للبشر. حسن ابن کیسانؒ کی یہی رائے ہے۔

۲۔جمہورؒ کے نزدیک یہ لوحہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی سیاہ کر دینے اور بدل دینے کے ہیں اور بعض لوح کے معنی شدت پیاس کے لیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے لاحه العطش ولوحه ای غیرہ.

لوح یعنی جو کی ہوا البشر جمع ہے۔ بشرہ کی یعنی کھال کا رنگ بدل دینے والی اور یا انسان مراد ہے اور لام للبشر میں تقویت کا ہے۔ جیسے ان کنتم للرؤیا میں لام تقویت کے لئے ہے اور یہ نصب کی قراءت لاتبقی کے محل میں ہونے کی تقویت کر رہی ہے۔ اسی طرح علیها تسعة عشر میں بھی حال اور استیناف کی ترکیب ہوسکتی ہے۔ ایک داروغہ جہنم اور اس کے ساتھ اٹھارہ فرشتے ہیں اور بعض نے انیس فرشتے نقیب مانے ہیں اور بعض انیس ہزار فرشتے مانتے ہیں۔ وما یعلم جنود ربک الا هو سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

اور قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ انشاء اللہ صحیح بات یہ ہوگی کہ انیس فرشتے نقیب اور رئیس کے درجہ کے ہوں۔ لیکن مجموعہ کا حال اللہ کو معلوم ہے۔ اس پر ابوالاشر نامی ایک کافر جو بڑا طاقتور تھا کہنے لگا کہ ان میں سے سترہ کو تو میں کافی ہوں باقی دو فرشتوں کا اور لوگ انتظام کر لیں۔ یہ اس کی بکواس ابوجہل کے اس کہنے پر ہوئی تھی۔ اما یستطیع کل عشرة منکم ان یا خذوا احدا منهم وانتم الدهم.

الا فتنة. جعل کا مفعول ثانی ہے حذف مضاف کے ساتھ ای الا سبب فتنة اور للذین فتنہ کی صفت ہے۔ اور فرشتوں کی یہ تعداد دو وجہ سے فتنہ ہے۔ ایک تو اس لئے کہ کفار مذاق اڑاتے تھے کہ اس سے زائد فرشتے کیوں نہیں ہوسکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ یہ اتنی تھوڑی تعداد ہے جس سے ساری دنیا کے مجرموں کو کیسے سزا دی جاسکتی ہے؟

یستیقن۔ اس کا تعلق **جعلنا** کے ساتھ ہے یعنی اللہ کا اس تعداد کی اطلاع دینا اہل کتاب میں یقین پیدا کرنے کے لئے ہے اور کافروں کے لئے فتنہ ہونا اس میں آڑے آنا گویا اصل عبارت اس طرح تھی۔ **وما جعلنا عدتهم الا تسعة عشرة**۔ لیکن **تسعة عشر** کی بجائے **فتنة للذين كفروا**۔ کہہ دیا گیا کیونکہ تھوڑی تعداد کافروں کے لئے فتنہ بنی ہوئی تھی۔ اس لئے حاصل مضمون یہ ہوگا۔ **ولقد جعلنا عدتهم عدة من شانها ان يفتتن بها لا جل استيقان المؤمن وحيرة الكافرين**۔ یہاں اہل کتاب سے مراد یہود ہیں۔

ولا يرتاب الذين اوتوا الكتاب۔ اس میں یہود کے علاوہ دوسرے اہل کتاب نصاریٰ مراد ہیں اس لئے دونوں جگہ تغائر ہوگیا پس تعارض کا شبہ نہیں رہے گا اور مومنین سے مراد اہل اسلام ہیں۔ اس لئے " **اوتوا الكتاب** " اور " **مومنون** " میں تکرار نہیں رہے گا۔

في قلوبهم مرض بالمدينة۔ اس لئے کہا کہ نفاق مدینہ ہی میں رونما ہوا۔

بهذا مثلا۔ **مثلاً** حال ہے **هذا** سے **اى هذا حال كونه مشابها للمثل** مفسرؒ نے **لغرابته** سے وجہ شبہ کی طرف اشارہ کردیا۔ "**ماذا اراد الله**" میں **ما** مبتداء **ذا** خبر اور **اراد الله** صلہ ہے۔ اور **مثلا** " **هذه ناقة الله** " کی طرح تمیز بھی ہوسکتی ہے چونکہ انیس فرشتوں کی تعداد باعث حیرت بنی ہوئی تھی۔ اس لئے اس کو مثل سے تعبیر فرمایا گیا۔

وما يعلم جنود ربك۔ حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے حق تعالیٰ سے آسمانی مخلوق کی تعداد پوچھی ارشاد ہوا **اثنا عشر سبطاً عدد كل سبط عدد التراب**۔ اسرار محمدیہ میں ہے کہ کوئی مکان یا گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں ایسی مخلوق آباد نہ ہو جن کی شمار اللہ ہی جانتا ہے۔

كلا۔ منکرین کے لئے ڈانٹ ڈپٹ کا کلمہ ہے بمعنی **الا** تنبیہ ہے اور علامہ رضی بمعنی **حقاً** کہتے ہیں۔

والليل اذا دبر۔ ابوعمرؒ، ابن کثیرؒ، ابن عامرؒ، کسائیؒ، ابوبکرؒ کے نزدیک **دبر** بغیر ہمزہ کے ہے۔ **دبرني فلان اى جاء خلفي**۔ چنانچہ دن کے بعد رات آتی ہے۔ پس " **والليل اذا دبر** " کے معنی دن کے جانے کے بعد رات آنے کے ہیں۔ قطربؒ سے ایسے ہی منقول ہے۔ لیکن نافعؒ، حمزہؒ، حفصؒ کے نزدیک **اذ** سکون ذال کے ساتھ اور **ادبر** ہمزہ کے ساتھ ہے ادبار جانے کے معنی ہیں۔

لاحدى الكبر۔ یعنی بکثرت بلاؤں میں سے سقر ایک بلا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جہنم کے سات طبقات میں سے ایک کا نام سقر ہے، دوسرے کا **لظى**، تیسرے کا **حطمة**، چوتھے کا **سعير**، پانچویں کا **هاويه**، چھٹے کا **جہنم**۔ **الكبر** جمع ہے **كبرىٰ** کی اور جمع مطرد **فعل** **فعلة** کے وزن پر آتی ہے۔ ہاں الف کو تا کی جگہ کرلیا ہے۔

نذيراً للبشر۔ اس میں کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔

۱۔ **احدى** سے تمیز ہو یعنی تعظیم کے متضمن ہونے کی وجہ سے **اى اعظم الاكبر انذاراً**۔ پس **نذير** بمعنی **انذار** ہے۔

۲۔ **نذير**، مصدر ہو بمعنی **انذار** اور فعل مضمر کی وجہ سے منسوب ہو جیسا کہ قراء کی رائے ہے۔

۳۔ **فعيل** بمعنی **مفعل** ہو، اس صورت میں بقول زجاجؒ **انها** کی ضمیر سے حال ہوجائے گا۔

۴۔ **قم** کے فاعل سے حال ہو جو شروع سورت میں ہے۔

۵۔ **احدى** کی ضمیر حال ہو یعنی تعظیم کے متضمن ہونے کی وجہ سے گویا عبارت اس طرح ہوئی۔ **اعظم الاكبر منذرة**۔

۶۔ **انذر** کی وجہ سے منسوب ہو جو شروع سورت میں ہے۔

۷۔ الکبر سے حال ہو۔
۸۔ ضمیر کبر سے حال ہو۔
۹۔ احدی الکبر سے حال ہو، ابن عطیہؒ یہی کہتے ہیں۔
۱۰۔ اعنی مضمر کی وجہ سے منسوب مانا جائے۔

اس کے علاوہ اور وجوہ بھی ہو سکتی ہیں رہا نذیر کا مذکر ہونا ذوالحال مؤنث ہونے کے باوجود بتاویل عذاب ہے لمن شاء منکم یہ جار مجرور سے بدل ہے۔

کل نفس . یعنی ہر شخص اپنے اعمال کی وجہ سے ماخوذ ہوگا بجز اصحاب الیمین کے اس میں استثناء متصل بھی ہو سکتا ہے اور منفصل بھی اور اصحاب یمین سے مراد وہ نیک لوگ ہیں جن کے داہنے ہاتھ میں اعمالنامے ہوں گے اور بعض نے کہا ہے فرشتے یا بچے اصحاب یمین میں آ گئے۔

لم نك من المصلين الخ سے جہنم میں جانے کی وجوہ بتلائیں یعنی ہم نیک اعمال نہیں کرتے تھے۔ صاحب کشافؒ کی رائے ہے کہ سب جہنمیوں کو ان چاروں اعمال کے مجموعہ کی وجہ سے بھی عذاب ہو سکتا ہے اور یہی احتمال ہے کہ بعض کو بعض اعمال کی وجہ سے اور بعض کو دوسرے اعمال کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ بہر حال اس آیت سے امام شافعیؒ وغیرہ استدلال کرتے ہیں کہ کفار اعمال فرعیہ کے بھی مکلّف ہیں۔ لیکن احناف کے نزدیک کفار مکلّف بالاصول نہیں فروع کے اتحال کے وہ مکلّف نہیں کیونکہ اعمال کا درجہ ایمان کے بعد ہے۔ غرض یہ کہ کفار، ایمان اور معاملات وعقوبات وعبادات کے اخروی مواخذہ کے اعتبار سے بالاتفاق مکلّف ہیں۔ لیکن دنیا میں ان کی ادائیگی کے مکلّف نہیں۔ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک دنیا میں بھی مکلّف ہیں چنانچہ قاضی بیضاویؒ نے اپنے مسلک کی رعایت کرتے ہوئے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ لیکن امام زاہدؒ نے اپنے مسلک کی رعایت سے جواب دیا ہے کہ آیت میں قبولیت اعمال کی نفی کی گئی ہے ادائیگی کی نفی مراد نہیں ہے۔ لیکن بظاہر حق بات وہ معلوم ہوتی ہے جو صاحب توضیح نے فرمائی کہ آیت سے مواخذہ اخروی کا ہونا مفہوم ہو رہا ہے نہ کہ دنیاوی ادائیگی کا البتہ تلویح میں یہ بات صاف کر دی کہ بحالت کفر اعمال کا معتبر نہ ہونا بالاتفاق ہے اسی طرح اس میں بھی اختلاف نہیں کہ اسلام لانے کے بعد ان اعمال کی قضا نہیں کی جائے گی۔ بلکہ ثمرہ اختلاف صرف اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ آیا کفر کے علاوہ ان احکام پر بھی آخرت میں مؤاخذہ ہوگا یا نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان احکام کو واجب اعتماد نہ کرنے پر تو بالاتفاق مواخذہ ہوگا۔ ہاں محض اعمال نہ کرنے پر مواخذہ ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے اور آیت دونوں حضرات کا مستدل بن سکتی ہے۔ اور لم نك من المصلين کی یہ توجیہ کرنا کہ لم نك من المعتقدين فرضية الصوٰة . بطور مجاز ہوگا جو بغیر دلیل ثابت نہیں ہوگا۔

رهينة . قاضی فرماتے ہیں کہ رهين بمعنی مرهونة ایسا ہی ہے۔ جیسے تشيمة بمعنی شتم ہے۔ فعيل بمعنی مفعول نہ کہا جائے کیونکہ وہ مؤنث نہیں آتا۔

اصحاب اليمين . اس کا مصداق بقول حضرت علیؓ مسلمان بچے ہیں۔ کیونکہ وہ مکلّف نہیں جو اپنے اعمال میں ماخوذ اور گروی ہوں۔

فی جنات . مفسرؒ نے پہلے کائنون سے متعلق محذوف ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے پھر یہ مبتدائے محذوف کی خبر ہو جائے گا اور جملہ استینافیہ کہلائے گا۔ سوال مقدر کا جواب ہے۔ ای ماشانهم ، نیز فی جنات ، اصحاب اليمين سے یا يتسائلون کے فاعل سے حال ہو۔ جیسا کہ ابوالبقاءؒ کی رائے ہے اور يسألون کا ظرف بنانا اور بھی بہتر ہے اور تساؤل اہل جنت کا حقیقۃً

باہمی ہوگا اور یتساء لون بمعنی یسئلون غیرہم کہا جائے۔

ماسلککم فی سقر. اہل جنت کا اہل جہنم سے یہ پوچھنا پہلے تساؤل کے علاوہ ہے جو باہمی تھا اس لئے اس آیت اور "فی جنت یتساء لون" میں تعارض کا شبہ نہیں رہا مفسر علامؒ "ویقولون لهم الخ" سے اس شبہ کا ازالہ کر رہے ہیں۔

و کنا. جہنمیوں کی کہانی ان کی اپنی زبانی ہے پہلا جملہ عام اور دوسرا جملہ خاص گمراہی کا بیان ہے۔

فما تنفعهم. اس سے معلوم ہوا کہ مومنین کے لئے شفاعت نافع ہوگی۔ حدیث میں ہے ان من امتی من یدخل الجنة بشفاعت اکثر من ربیعة و مضر. بظاہر شبہ ہوسکتا ہے کہ کلام مقید میں نفی قید کی ہوا کرتی ہے پس معلوم ہوا کہ کفار کے لئے شفاعت ہوگی مگر نافع نہیں ہوگی حالانکہ اہل سنت کا مسلک مطلق شفاعت کی نفی کا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں قید اور مقید دونوں کی نفی مقصود ہے۔ ای لا شفاعة لهم. یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسری آیت میں ہے۔ فما لنا من شافعین اور مقصود کفار کے اس قول کا رد کرنا ہے۔ هؤ لاء شفعاء نا عند الله. نیز اس آیت سے مومنین کے لئے شفاعت کا نافع ہونا اس قاعدہ کی بنیاد پر نہیں ہے کہ کسی چیز پر نص کرنا اس کے خلاف کی نفی پر دلالت کرتا ہو۔ بلکہ اس وجہ سے ہے کہ یہاں کفار کی مذمت ہے، اور مذمت مومنین سے فرق کر کے ہوسکتی ہے۔ نیز مومنین کے لئے شفاعت کا مفید ہونا بکثرت آیات وروایات سے بھی ثابت ہے۔ لیکن معتزلہ کے نزدیک فساق مومنین کے لئے رفع درجات اور زیاتی ثواب کی شفاعت تو ہوسکتی ہے مگر عذاب سے بچنے کے لئے شفاعت نہیں۔ چنانچہ صاحب کشافؒ کہتے ہیں کہ اس آیت میں شفاعت کے مفید ہونے کی دلیل ہے یعنی زیادتی درجات کے لئے کیونکہ صغائر معتزلہ کے نزدیک بلا توبہ بھی مطلقاً معاف ہیں بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو۔ لیکن کبائر توبہ سے پہلے معاف نہیں ہوسکتے اور توبہ کے بعد شفاعت کی حاجت نہیں رہتی البتہ ثواب زیادہ ہونے کے لئے معتزلہ کا استدلال ان آیات سے ہے۔ لا یقبل منها شفاعة، ما للظالمین من حمیم ولا شفیع یطاع. لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ نصوص عام نہیں کہ تمام افراد اور تمام اقوال واوقات مراد ہوں اور اگر عام ہی مان لیں تو ان سے مراد کفار ہیں تا کہ دونوں قسم کی نصوص جمع ہوجائیں۔

فما لهم عن التذکرہ. اس میں لهم کا تعلق محذوف ہے۔ ای حصل لهم اور اس سے محذوف کی ضمیر مستقر خبر یعنی جار مجرور کی طرف راجع ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب خبر جار مجرور ہوتی ہے تو اس کا متعلق وجوباً محذوف ہوا کرتا ہے اور اس کی جگہ ضمیر لے لیتی ہے اس لئے اس کو ظرف یا جار مجرور مستقر کہا جاتا ہے۔

من قسورہ. بمعنی شیر زمخشریؒ کہتے ہیں کہ قسر سے فعولة کا وزن ہے بمعنی فهد شیر کے معنی منقول ہیں۔ مجاہدؒ، عطاؒ، ابو ہریرہ ابوموسیٰؓ سے رماة کے معنی منقول ہیں۔ اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ ما اعلم بلغة احد من العرب ان القسورة الا سدهم عصبة الرجال.

ربط آیات: .... سورہ مزمل کا مقصود اصل تو آنحضرت ﷺ کی تسلی ہے اور کفار کو ڈرانا تبعاً تھا۔ سورہ مدثر میں اس کا برعکس ہے۔ اس لئے سورہ مزمل میں زیادہ آیات تسلی کی اور انذار کی کم تھیں اور اس سورۃ میں اس کا عکس ہے۔ سورہ مدثر میں جن واقعات کی طرف اشارہ ہے بالاجمال ان کا ذکر آگے آتا ہے۔

شان نزول وروایات: .... صحیحین کی روایت میں فترۃ وحی کا حال ان الفاظ میں ہے۔ فبینا انا امشی سمعت صوتاً من السماء فاذا لملک الذی جاء نی بحراء قاعد علی کرسی بین السماء و الارض مخففت منه فجئت اهلی

فقلت زملونی زملونی فانزل اللہ یا ایھا المدثر قم فانذر الی قولہ فاھجر ثم حمی الوحی وتتابع .

اورطبرانی کی روایت ہے۔ ان الولید ابن المغیرۃ صنع لقریش طعاماً فلما اکلو قال ماتقول فی ھذا الرجل فقال بعضھم ساحرو قال بعضھم کاھن وقال بعضھم شاعر فبلغ ذلک النبی صلی اللہ علیہ وسلم فحزن وقنع راسہ وتدثر فنزل یا ایھا المدثر الی قولہ ولربک فاصبر.

مگر یہ روایت ضعیف ہے۔ بعض روایت میں ہے کہ خود ولید آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کو قرآن سنایا جس سے وہ متاثر ہوا مگر ابوجہل نے ورغلا دیا اور قریش میں تذکرہ ہوا کہ اگر ولید مسلمان ہوگیا تو کام بگڑ جائے گا اس لئے سب جمع ہوئے اور باہمی گفتگو چلی کسی نے آپ کو شاعر کہا، کسی نے کاہن وساحر بتلایا۔ مگر ولید بولا کہ میں خود بڑا ماہر ہوں اور کاہنوں کی باتیں بھی سن رکھی ہیں قرآن نہ شعر ہے نہ کہانت لوگوں نے خود اس کی رائے پوچھی کہنے لگا سوچ لوں چنانچہ سوچ ساچ کر کہنے لگا کہ مجھ کو سحر معلوم ہوتا ہے جس کی تاثیر سے دوستوں میں پھوٹ پڑ جاتی ہے حالانکہ اس سے پہلے سحر کی نفی کر چکا تھا مگر برادری کو خوش کرنے کے بات بنادی ذرنی سے ساصلیہ سقر تک یہی مضمون ہے۔

زہریؒ سے منقول ہے کہ اول ما نزلت سورت اقراء باسم ربک الی ما لم یعلم فحزن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و جعل یعلو شراھق الجبل فاتاہ جبریل انک نبی اللہ فرجع الی خدیجۃ وقال دثرونی وصبوا علی ماءً بارداً تنزل یا ایھا المدثر .

۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے۔ قلنا یا رسول اللہ کیف نقول اذا دخلنا فی الصلوٰۃ فانزل اللہ وربک فکبر فامرنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان نفتتح الصلوٰۃ بالتکبیر . بہرحال اس سورت کی ابتدائی آیات ابتداء نبوت میں نازل ہوئیں۔ اور سورت کا بقیہ حصہ بعد میں نازل ہوا اور اتقان میں ہے کہ سورۂ مدثر کا نزول سورہ مزمل کے بعد ہوا۔ یعنی سورہ مدثر کا بقیہ حصہ سورہ مزمل کے بعد نازل ہوا۔

۳۔ آیت علیھا تسعۃ عشر جب نازل ہوئی تو ابوالاشد بولا کہ اے قریش! تم گھبرانا نہیں میں دس فرشتوں کو داہنے ہاتھ کے اور نو کو بائیں ہاتھ کے دھکے سے گرادوں گا اور ابوجہل نے تو یہاں تک بڑ لگائی کہ کل انیس فرشتے ہی تو ہیں اور تم بہت ہو۔ کیا دس دس آدمی مل کر بھی ایک ایک فرشتے کو کافی نہیں ہوں گے اس پر وما جعلنا اصحب النار الخ نازل ہوئی۔

لیستیقن الذین ترمذی نے جابرؓ سے نقل کیا ہے کہ بعض یہود نے بعض صحابہؓ سے دریافت کیا۔ ھل تعلم نبیکم عدد خزنۃ جھنم؟ قالوا لاندری حتی نسالہ فجاء وا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا کم عدد خزنۃ جھنم؟ قال تسعۃ عشر. آیت" ان یوتی صحفا منشرۃ" کے متعلق قتادہؓ نے فرمایا کہ قال قائلون من الناس للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سرک ان تبایعک فاتنا بکتاب خاصۃ یا مرنا باتباعک. اسی طرح ھو اھل التقوی واھل المغفرۃ کے متعلق حدیث میں ہے۔ یقول اللہ تعالیٰ انا اھل ان اتقی فمن اتقی ان یشرک بی غیری فانا اھل ان اغفرلہ .

﴿تشریح﴾: ....قم فانذر. یعنی وحی کے بوجھ اور فرشتے کی ہیبت سے گھبرایئے نہیں بلکہ منصب نبوت کی ذمہ داری سنبھالئے اور راحت وآرام سب چھوڑ کر لوگوں کو کفر ومعصیت کے انجام بد سے ڈرائیں۔ ابتداء نبوت میں چونکہ ایک آدھ ہی مسلمان تھے اس لئے ڈرانے پر اکتفا کیا گیا اور بشارت کا ذکر نہیں فرمایا۔ وربک فکبر . اللہ کی بڑائی بولنے ہی سے دوسروں کے دل میں اس کی عظمت و بزرگی اور خوف پیدا ہوسکتا ہے۔ بلکہ تمام اعمال واخلاق سے پہلے اللہ کی تعظیم وتقدیس کی معرفت ہے۔ غرض کہ اللہ کے کمالات

اور انعامات پر نظر کرتے ہوئے نماز کے اندر اور باہر اس کی کبریائی کا اعلان واظہار تمہارا کام ہے۔

کپڑوں اور نفس کی صفائی ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہے:............ وثیابك فطهر. یعنی دعوت توحید کے بعد نماز کا نمبر آتا ہے اس کے لئے کپڑوں کی پاکی شرط ہے اور جب کپڑوں کی پاکی ضروری ہوگی تو بدن کی طہارت بدرجہ اولی ضروری ہوگی۔ اس لئے اس کے بیان کی چنداں ضرورت نہیں سمجھی گئی بعض اہل علم نے اس سے نفس کی صفائی مراد لی ہے کہ گندے اخلاق سے ان کو بچاؤ اور بت پرستی سے الگ رکھو۔ حاصل یہ کہ ظاہری وباطنی، حسی ومعنوی ہر قسم کی آلودگیوں سے مکمل پرہیز رکھو۔ اس کے بغیر اللہ کی بڑائی اس کے شایان شان دلنشین نہیں ہوسکتی۔ ان آیات میں خطاب اگرچہ خاص ہے مگر احکام عام ہیں۔

ولا تمنن تستكثر. اس میں اولوالعزمی اور مکارم اخلاق کی تعلیم ہے کہ دوسروں پر خرچ کرنا بدلہ کی نیت سے نہیں ہونا چاہئے بلکہ عالی ظرفی کے تقاضہ سے دوسروں پر دادو دہش ہونی چاہئے اس کی مختلف تفسیریں اور بھی کی گئیں مگر یہ تشریح بے تکلف معلوم ہوتی ہے۔

ولربك فاصبر. یعنی دعوت وتبلیغ کی راہ میں جو مشکلات پیش آئیں ان پر صبر وبرداشت سے کام لیجئے اس طرح ان آیات میں اپنی اور دوسروں کی اصلاح آ گئی۔

آگے فاذ انقر سے نہ ماننے والوں کے لئے وعید ہے صور پھونکنے کا دن بڑا سخت دن ہوگا مگر صرف نافرمانوں کے حق میں، لیکن فرمانبردار اس کی سختیوں سے محفوظ رہیں گے۔

ذرنی ومن خلقت. یوں تو ہر انسان اپنی ماں کے پیٹ سے اکیلا اور خالی ہاتھ آتا ہے کوئی ساز وسامان لے کر نہیں آتا۔ لیکن یہاں ولید بن مغیرہ مراد ہے جو اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اور دنیاوی ثروت کے لحاظ سے بھی وہ عرب میں یکتا شمار کیا جاتا تھا حاصل کلام یہ ہے کہ ایسے سرکشوں کے بارے میں جلدی نہ کیجئے اور نہ ان کو مہلت ملنے سے تنگ دل ہو جیئے۔ بلکہ انہیں ہمارے حوالہ کیجئے ہم ان کی خاطر خواہ مزاج پرسی کر دیں گے۔ آپ اس غم میں نہ پڑیئے۔

لالچی کی نیت کبھی نہیں بھرتی:............ وبنین شهودا. یعنی انتہائی مالدار ہونے کی وجہ سے اس کے دسوں بیٹے ہر وقت نظروں کے سامنے رہتے محفلوں اور مجمعوں میں بلائے جاتے اور زینت محفل بنتے تھے کام کاج کے لئے نوکر چاکر آگے رہتے۔ ان کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی اور اتنا کچھ دینے پر بھی اس کی طمع پوری نہیں ہوتی تھی بلکہ اور مال ودولت بٹورنے کی فکر میں رہتا۔ یا آنحضرت ﷺ جب کبھی بہشت کی نعمتوں کا تذکرہ فرماتے تو کہنے لگتا کہ اگر یہ صحیح ہے تو یقین ہے کہ مجھے بھی یہ نعمتیں ضرور ملیں گی غرض کہ موجودہ نعمتوں کا حق تو کیا ادا کرتا بڑھوتری کی فکر میں رہتا ہے۔

كلا انه كان لأيتنا. یعنی جب وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے تو اسے ہرگز حق نہیں پہنچتا کہ ایسی خیالی جنت بسائے چنانچہ اس کے بعد جو پھر دیوالیہ ہونا شروع ہوا تو بڑی ذلت وفقر کی حالت میں جان دی۔

سارهقه۔ یعنی سخت ترین مصائب میں گرفتار ہوگا یا دوزخ کے پہاڑ پر چڑھائے اور گرائے جائیں گے یہ بھی عذاب کی ایک قسم ہوگی۔

ولید پلید کی خباثتیں:............ انه فكر. ایک مرتبہ ولید آنحضرت ﷺ کا قرآن سن کر متاثر ہوا مگر قریش میں اس کا چرچا ہونے لگا کہ اگر ولید مسلمان ہوگیا تو بڑی خرابی کی بات ہوگی۔ سب جمع ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے متعلق تبصرے ہوئے۔ کسی نے

آپ کو شاعر، کسی نے کاہن کہا مگر ولید نے یہ کہہ کر تردید کردی کہ میں خود شعر اور کہانت سے واقف ہوں۔ قرآن نہ شعر ہے اور نہ کہانت۔ لوگوں نے کہا کہ آخر پھر تیری کیا رائے ہے؟ کہنے لگا کہ ذرا سوچ لوں پھر کچھ منہ بنا کر کہنے لگا کہ جادو معلوم ہوتا ہے جو بابل والوں سے نقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ حالانکہ پہلے جادو ہونے کی تردید بھی کر چکا تھا۔ بلکہ کلام الٰہی ہونے کا اقرار کر چکا تھا مگر اب برادری کو خوش کرنے کے لئے یہ بات بنادی۔ یعنی ولید پلید نے سوچ کر ایک بات گھڑ لی کہ قرآن جادو ہے خدا غارت کرے کیسی لغو بات کہی اور خدا غارت کرے کہ لوگوں کی ہاں میں ہاں ملانے کے لئے بروقت کیسی بڑ ہانک دی کہ سن کر سب خوش ہو جائیں۔ الفاظ کے دہرانے میں یہ نہ کفر ہے کہ قرآن کو جادو کہنا بے تکاپن ہے۔ کیونکہ جادو ظاہر امور عادیہ میں سے ہونے کی وجہ سے خاص ایک حد تک اس کا اثر رہتا ہے۔ لیکن اس میں طاقت نہیں ہوتی کہ حاضرین کے علاوہ سارے غائبین پر بھی اثر انداز ہو جائے اور ماضی و مستقبل دونوں اس طرح اس کے زیر اثر آجائیں کہ نہ پہلے اس جیسا کوئی کلام لاسکا اور نہ آئندہ اس جیسا کوئی کلام لاسکے گا اور جھوٹ سے کسی میں ایسا دعوے کرنے کی ہمت و جرأت نہیں ہوتی اور بالفرض کوئی کر بھی لے تو جلد ہی اس کی قلعی کھل جائے گی اور لوگ تکذیب کردیں گے اس لئے اس مہمل تجویز کون نہایت تعجب خیز فرمایا۔

قرآن کی ہر زمانہ میں غیر معمولی تاثیر اس کے جادو ہونے کی تردید کرتی ہے: ....ان هذا الا قول البشر. یعنی ولید نے مجمع پر نگاہ ڈالی اور خوب سامنہ بنایا تا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ قرآن کو ناپسند کرتا ہے پھر پیٹھ بھی پھیر لی تا کہ دیکھنے والوں کو یقین ہو جائے کہ اسے قرآن سے نفرت ہے اور وہ دل سے قرآن کو جادو بتلا رہا ہے۔ چنانچہ نہایت تکبر آمیز انداز میں بولا کہ بس یہ قرآن ایک جادو ہے جو پہلوں سے نقل ہوتا چلا آرہا ہے اور انسانی کلام ہے جس سے دوستوں عزیزوں میں تفریق ہو جاتی ہے۔

ساصلیه سقر. یہاں سے ولید کی اخروی سزا کا بیان ہے۔ یعنی عنقریب ہم اس کو جہنم رسید کر کے تکبر کا مزہ چکھائیں گے وہاں دوزخیوں کی کوئی چیز بھی صحیح سلامت نہیں بچے گی سب کچھ جل کر بھسم ہو جائے گا اور پھر بدن کی کھال دوبارہ اپنی اصلی حالت پر آجائے گی پھر اس کو جلایا جائے گا اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا ان آیات کی تفسیر اور طرح بھی کی گئی ہے۔ مگر سلف سے اسی طرح منقول ہے۔ اور "لواحة للبشر" کا مطلب یہ ہے کہ بدن کی کھال آگ میں جھلس کر حیثیت بگاڑ دے گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جیسے دہکتا ہوا لوہا سرخ نظر آتا ہے آدمی کی پنڈلی پر کھال سرخ نظر آئے گی۔

دوزخ میں انیس ۱۹ فرشتے کیوں مقرر ہیں؟:............علیها تسعة عشر. دوزخ کے انتظام پر جو فرشتوں کی ایک بھاری جماعت مقرر ہوگی انیس فرشتے خازن اور افسر ہوں گے اور افسر اعلیٰ مالک کہلائیں گے یوں تو ایک فرشتہ بھی اپنی غیر معمولی طاقت وقوت کے بل پر بہت کچھ کرسکتا ہے۔ لیکن اپنے مقررہ دائرہ میں رہ کر ہی اس کی قوت کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت عزرائیل لاکھوں کروڑوں انسانوں کی جان، آن واحد میں لے سکتے ہیں مگر ایک بچے میں جان نہیں ڈال سکتے۔ حضرت جبرائیل پلک جھپکنے پر وحی لاسکتے ہیں مگر بارش کا ایک قطرہ نہیں برسا سکتے۔ حق تعالیٰ نے جس طرح جسم انسانی میں ہر عضو سے ایک کام مقرر کیا ہے۔ آنکھ سننے اور سونگھنے اور کان دیکھنے اور بولنے کا کام نہیں کرسکتے۔ ہاتھ پاؤں سونگھنے کا کام نہیں کرسکتے۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے دوزخیوں کے لئے طرح طرح کے عذاب مقرر کئے وہ سب ایک ہی فرشتہ سے متعلق نہیں کئے جاسکتے بلکہ ہر فرشتہ سے متعلق عذاب کی ایک خاص نوع ہوگی اور عذاب کی انیس قسمیں کیا ہیں جن پر انیس فرشتے مامور ہو گئے اور اتنی ہی تعداد کیوں رکھی گئی۔ اس پر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے عمیق ولطیف کلام فرمایا ہے اور حضرت تھانویؒ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ کفار کو اصل عذاب عقائد حقہ کی مخالفت پر ہوگا جن میں سے عقائد قطعیہ نو ہیں:۔

۱۔ اللہ پر ایمان لانا۔ ۲۔ عالم کو حادث ماننا۔ ۳۔ فرشتوں کو ماننا۔ ۴۔ آسمانی کتابوں کو ماننا۔ ۵۔ پچھلے پیغمبروں کو ماننا۔ ۶۔ تقدیر کو برحق ماننا۔ ۷۔ قیامت۔ ۸۔ جنت۔ ۹۔ جہنم کا یقین رکھنا۔ باقی عقائد انہی کی طرف راجع ہیں اور یہ وہ عقائد ہیں جن سے عملیات کا تعلق نہیں۔ لیکن جن عقائد کا تعلق اعمال سے ہے وہ دس ہیں۔ پانچ کا تعلق مامورات سے اور پانچ کا منہیات سے ہے۔ مامورات کے تعلق کا مطلب یہ ہے کہ ان کے واجب ہونے کا اعتقاد رکھا جائے۔ وہ شعائر اسلام یہ ہیں:۔

۱۔ کلمہ شہادت کا اقرار کرنا۔ ۲۔ نمازوں کی اقامت۔ ۳۔ ایتائے زکوۃ۔ ۴۔ رمضان کے روزے۔ ۵۔ حج بیت اللہ۔ اور پانچ عقائد کا تعلق منہیات سے ہے یعنی ان کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے:۔

۱۔ کفریات۔ ۲۔ قتل بالخصوص قتل اولاد۔ بہتان۔ ۳۔ زنا۔ ۴۔ چوری۔ ۵۔ عصیان فی المعروف۔ جس میں غیبت، ظلم، یتیموں کا مال چھین لینا وغیرہ سب آ گیا۔ اس طرح یہ مجموعہ عقائد انیس ہو گئے۔ پس ممکن ہے ایک ایک عقیدہ پر ایک ایک فرشتہ مقرر ہو اور ان سب میں بڑا عقیدہ توحید ہے اس پر مامور فرشتہ بھی سب سے بڑا یعنی مالک ہوگا۔

دوزخ پر مامور انیس فرشتوں کی حکمت: .... وما جعلنا عدتهم. خازنین جہنم، کے انیس ہونے کو سن کر کافر ٹھٹھا کرنے لگے کہ ہم ہزاروں ہیں یہ انیس ہمارا کیا کر لیں گے۔ بہت سے بہت یہ ہوگا کہ ہر فرشتہ کے مقابلہ میں دس دس جٹ جائیں گے۔ ایک پہلوان نے ڈینگ ماری کہ سترہ کو تو اکیلا میں ہی کافی ہوں، دو کا تم مل کر صفایا کر دینا۔ اس آیت کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ بلاشبہ وہ انیس ہیں مگر یہ دھیان رہے کہ آدمی نہیں بلکہ وہ فرشتے ہیں جن کی قوت وطاقت معلوم۔ پھر اس طرح کے تمسخر کا کیا موقعہ! بلکہ اس طرح تعداد میں منکروں کی جانچ کرنی ہے کہ دیکھیں کون سن کر ڈرتا ہے اور کون ہنسی ٹھٹھا کرتا ہے۔ اور اس تعداد میں یہ بھی حکمت ہے کہ اہل کتاب کو قرآن کی حقانیت کا یقین ہو جائے گا کہ یہی تعداد صحیح اور واقعہ کے اور آسمانی کتابوں کے عین مطابق ہے اور یہ دیکھ کر پھر مومنین کا ایمان بڑھے گا اور ان دونوں جماعتوں کو ان کے بیان میں کوئی شک نہیں رہ جائے گا اور نہ وہ مشرکین کے تمسخر سے دھوکہ میں پڑیں گے۔

اہل کتاب کے یقین کی دو توجیہیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ان کی کتابوں میں بھی یہی عدد لکھا ہوگا اس لئے فوراً مان لیں گے اب اگر ان کی کتابوں میں یہ عدد نہ ہو تو ممکن ہے ان کی کتابیں ضائع ہونے سے اس عدد کا ذکر بھی ضائع ہو گیا ہو۔ اور دوسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ عدد تو ان کی کتابوں میں نہ ہو لیکن وہ فرشتوں کی غیر معمولی قوت کے قائل تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے اور امور توقیفیہ بھی ان کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں اس لئے ان کے پاس انکار کا کوئی مبنیٰ نہیں تھا۔ پس آیت میں لفظ استیقان سے مراد انکار واستہزاء نہ کرنا ہوگا۔ تاہم پہلی توجیہ ظاہر ہے۔

ایمان میں زیادتی وکمی: .... اسی طرح اہل ایمان کے ایمان میں زیادتی کی بھی دو توجیہیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اہل کتاب کے یقین کو دیکھ کر کیفیت کے لحاظ سے ان کا ایمان بھی قوی ہو جائے کہ آنحضرت ﷺ باوجود یہ کہ اہل کتاب سے ملتے جلتے نہیں۔ مگر پھر بھی آپ کی وحی پچھلے انبیاء کے موافق ہے اس لئے ضرور آپ بھی برحق نبی ہیں۔ دوسری توجیہ یہ ہوگی کہ جب کوئی نیا مضمون آنحضرت ﷺ پر نازل ہوتا تھا اور مسلمان اس کی تصدیق کرتے تھے تو اس صورت میں بلحاظ کمیت بھی ایمان میں اضافہ ہوتا تھا اور یقین کے اثبات اور شک کی نفی میں اگرچہ باہمی تلازم ہے۔ تاہم تاکید کے لئے **لایرتاب** بڑھا دیا۔ تاکہ دونوں باتوں کی تصریح ہو جائے۔

فی قلوبهم مرض. مرض سے مراد شک وشبہ ہے۔ یعنی حق ظاہر ہو جانے کے بعد بھی بعض تو منکر ہو جاتے ہیں اور بعض متذبذب ومتردد ہو جاتے ہیں۔ اور مکہ میں لوگ ایسے ہوں گے اور مرض سے نفاق بھی مراد ہوسکتا ہے اس صورت میں یہ ایک طرح کی پیشین

کوئی ہوگی کہ دیکھو آگے چل کر مدینہ میں منافقین ہوں اور یہ بات کہیں گے۔ مومنین اور اہل کتاب کے شک اور اس کی نفی کو الگ الگ بیان فرمایا گیا دونوں کو یک جان نہیں کیا گیا کیونکہ مومنین کا یقین، اور شک کی نفی تو شرعی مراد ہے اور اہل کتاب کا یقین اور شک کی نفی لغوی ہے۔

ماذا اراد الله۔ دوزخ کے داروغہ انیس ہوں یہ بے تکی بات بھلا اللہ کیوں کرتا! معلوم ہوا کہ محمد ﷺ کی طبعزاد باتیں ہیں۔ جواب میں فرماتے ہیں۔

حاکمانہ جواب:......... کذلک یضل الله۔ یعنی ایک ہی چیز ہوتی ہے جس سے بد استعداد گمراہ ہوجاتا ہے۔ اور سلیم الفطرت انسان فلاح یاب اور کامیاب ہوجاتا ہے۔ جس کے دل میں خوف خدا ہوتا ہے اور اسے توفیق نصیب ہوتی ہے اس کے تو ایمان ویقین میں ترقی ہوتی ہے اور جسے ماننا ہی نہ ہو وہ کام کی بات کو بھی ہنسی میں اڑا دیتا ہے۔ یوں تو اللہ کے بے شمار فرشتوں کے لشکروں کی تعداد اسی کو معلوم ہے۔ انیس فرشتے تو افسر اعلیٰ ہوں گے۔ لیکن ان کے ساتھ اعوان وانصار کا عملہ کتنا ہوگا؟

مسلم کی روایت ہے کہ جہنم کے ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے تھامے ہوں گے اور پھر مقصود اصلی لوگوں کی عبرت ونصیحت کے لئے دوزخ کا حال بیان کرنا ہے۔ فرشتوں کی کمی زیادتی یا اس کی حکمت کے بیان کرنے نہ کرنے پر وہ موقوف نہیں ہے پس عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ زوائد پر نظر نہ کرتے ہوئے مقصود اصلی پر نظر رکھی جائے تاکہ لوگ غضب الٰہی سے ڈر کر نافرمانی سے باز رہیں۔

آگے کلا والقمر سے قسموں سے کلام کو مؤکد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قیامت میں جو بڑی بڑی ہولناک چیزیں پیش آنے والی ہیں دوزخ ان میں سے ایک مصیبت ہوگی اور چونکہ اس ڈرانے کا انجام قیامت میں ظاہر ہوگا۔ اس لئے ایسی چیزوں کی قسم کھائی گئی جو قیامت کے بہت ہی مناسب ہیں۔ چنانچہ چاند کا بڑھنا پھر گھٹنا، اس دنیا کی نشوونما کا ایک نمونہ ہے اور اس کے آہستہ آہستہ ختم ہوجانے کا یہاں تک کہ چاند کے محاق کی طرف یہ عالم بھی فانی محض ہوجائے گا۔ اسی طرح اس دنیا کو آخرت کے ساتھ حقائق کے منور ومنکشف ہونے میں ایسی ہی نسبت ہے جیسے رات کو دن کے ساتھ۔ گویا اس عالم کا ختم ہوجانا رات کے گزر جانے اور اس عالم آخرت کا ظہور نور صبح کے پھیل جانے کے مشابہ ہے۔

مقربین اور اصحاب الیمین:............ الا اصحاب الیمین۔ اصحاب الیمین کی تشریح سورہ واقعہ میں گزر چکی ہے۔ البتہ اصحاب الشمال کے مقابل ایسا مفہوم مراد ہے جس میں مقربین بھی شامل ہوجائیں۔ خلاصہ یہ کہ مومنین دوزخ کے حبس سے محفوظ رہیں گے۔ کیونکہ روز الست بھی وہ حضرت آدمؑ کی پشت کی داہنی جانب سے نکلے اور دنیا میں بھی سیدھی چال چلتے رہے اور پھر حشر کے موقف میں بھی عرش کے داہنی سمت بہشت بریں میں کھڑے ہوں گے اور اعمالنامہ بھی ان کا داہنے ہاتھ میں ہوگا۔ یہ لوگ جنت کے باغات میں آزادی اور خوش عیشی سے رہیں گے آرام اور بے فکری کی فضا میں آپس میں ایک دوسرے سے یا فرشتوں سے گنہگاروں کا حال دریافت کریں گے اور پھر معلوم ہونے پر خود گنہگاروں سے براہ راست مخاطب ہوں گے کہ میاں دنیا میں اتنے کامیاب ہوتے ہوئے یہاں دوزخ میں کیسے آپڑے۔ وہ دنیا کا اپنا حال بیان کریں گے کہ ہم نے اللہ کا حق پہچانا، نہ بندوں کی خبر لی۔ البتہ دوسرے لوگوں کی طرح حق کے خلاف بحثیں کرتے رہے اور بری صحبتوں میں رہ کر شبہات کے دلدل میں دھنستے چلے گئے اور سب سے بڑی کمبختی یہ ہوئی کہ ہمیں یقین نہیں ہوا کہ انصاف کا دن بھی آنے والا ہے۔ ہمیشہ اس بات کو جھٹلایا کئے یہاں تک کہ موت کی گھڑی سر پر آن پہنچی۔ یہاں آنکھوں سے دیکھ کر ان باتوں کا یقین ہوگیا جن کو جھٹلایا کرتے تھی یعنی دنیا میں مرتے دم تک نافرمانی سے باز نہ آئے اور اسی حالت میں جان دی اس لئے دوزخ میں آنا پڑا۔

کفار کیا فرعی احکام کے مکلّف ہیں: .... اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہورہا ہے کہ کفار مکلّف بالفروع ہیں کیونکہ سقر میں دو چیزیں ہوں گی۔ایک عذاب دوسرے عذاب کی زیادتی۔پس ممکن ہے ان اعمال کا مجموعہ عذاب اور زیادتی عذاب کے مجموعہ کا سبب اس طرح ہو کہ کفر وانکار تو نفس عذاب کا سبب ہو اور نماز وغیرہ اعمال سبب ہوں زیادتی عذاب کے اور غیر مکلّف بالفرع ہونے کے معنی یہ ہوں کہ ان فروع پر نفس عذاب نہیں ہوگا۔البتہ عذاب کی زیادتی اس لئے ہوگی کہ آخر اصول کے ضمن میں ان فروع کے بھی تو مکلّف تھے۔پس ضمنی تکلیف زیادتی کا سبب ہوئی۔

فما تنفعهم شفاعة الشافعين . کافر کے حق میں کوئی سفارش نہ کرے گا اور کرے گا تو قبول نہیں ہوگی ان بدنصیبوں کو دیکھو کہ مصیبتیں سامنے ہیں مگر نصیحت سن کر ٹس سے مس نہیں ہوتے۔بلکہ نصیحت سننا بھی گوارا نہیں کرتے اور حق کا شور وغل اور شیران خدا کی آوازیں سن کر جنگلی گدھوں کی طرح بھاگے جاتے ہیں گدھا اول تو حماقت بلادت میں مشہور ہے۔دوسرے شہری گدھا نہیں بلکہ جنگلی گدھا فرض کیا گیا جس کو گورخر کہتے ہیں۔وہ تو خواہ مخواہ ہی بدکتا رہتا ہے۔تیسرے کہیں شیر سے اگر اس کا پالا پڑ جائے تب تو کچھ پوچھنا ہی نہیں ہے۔

سخن سازی بہانہ بازی: .... بل يريد . پیغمبر کی بات ماننا نہیں چاہتے۔بلکہ ہر شخص کی آرزو یہ ہے کہ خود اس پر اللہ کے کھلے ہوئے صحیفے اتریں اور انہیں پیغمبر بنا دیا جائے یا پیغمبر کے اتباع کا حکم دیا جائے۔حتى نوتى مثل ما اوتى رسل الله حتى تنزل علينا كتا بانقرؤه ۔آگے جواب میں فرماتے ہیں۔کلا الخ ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ نہ ان میں لیاقت نہ اس کی ضرورت۔اول تو ان کی درخواستیں بے تکی اور بے ہودہ اور پھر مقصد بھی نہیں کہ اس کے بعد مان جائیں گے۔بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ یہ لوگ عذاب آخرت سے ڈرتے نہیں اور نہ ان میں حق کی طلب ہے۔بس یہ درخواست بھی محض تعنت کے طور پر ہے رہا ہر ایک کی مستقل کتاب کے لئے فرمائش ہو یہ بھی دفع الوقتی ہے۔ورنہ ایک کتاب قرآن ہی سب کے لئے کافی ہے۔قرآن اگرچہ ایک پر اترا،مگر کام تو سب کے آتا ہے اللہ کی یاد،اللہ کی مشیت اور توفیق کے تابع ہے اور مشیت اس کی حکمت کے تابع ہے اور حکمت کا احاطہ کوئی کر نہیں سکتا۔اللہ ہی سب کی صلاحیت اور لیاقت سے واقف ہے۔اسی کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔

هو اهل التقوىٰ . انسان خواہ کتنا ہی گناہ کرے گا لیکن جب اللہ سے ڈرے گا اور تقویٰ کی راہ پر چلے گا تو اللہ بھی تو بہ قبول کرلے گا اور سب گناہ بخش دے گا۔انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس موقعہ پر اس آیت کی تلاوت کے بعد بطور وضاحت یہ عبارت ارشاد فرمائی۔ قال ربكم عزو جل انا اهل ان تقى فلا يشرك بى شئى فاذا اتقانى العبد فانا اهل ان اغفر له . اے اللہ! ہم سب کے گناہ معاف فرما۔

لطائف سلوک: .... ولا تمنن تستكثر . روح المعانی میں بعض کی تفسیر نقل کی ہے کہ آپ کسی سے زیادہ کمانے کی نیت سے کچھ عطا مت کیجئے اور بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ اپنے دیئے ہوئے کو زیادہ مت سمجھو اور بعض نے کہا ہے کہ اپنی نیکیوں کو زیادہ سمجھ کر مت جتلاؤ۔ان سب صورتوں میں اخلاق وطریق کی تعلیم ہے۔

فما لهم عن التذكرة . ان آیات میں کاملین کی پیروی سے عار کرنے اور اپنے نفس کے لئے احوال وواردات کی توقع رکھنے کی مذمت ہے۔

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ زَائِدَةٌ فِي الْمَوْضَعَيْنِ **اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴿۱﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ﴿۲﴾** الَّتِيْ تَلُوْمُ نَفْسَهَا وَاِنْ اجْتَهَدَتْ فِي الْاِحْسَانِ وَجَوَابُ الْقَسَمِ مَحْذُوْفٌ اَيْ لَتُبْعَثُنَّ دَلَّ عَلَيْهِ **اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ** اَيِ الْكَافِرُ **اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ﴿۳﴾** لِلْبَعْثِ وَالْاِحْيَاءِ **بَلٰى** نَجْمَعُهَا **قٰدِرِيْنَ** مَعَ جَمْعِهَا **عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ﴿۴﴾** وَهُوَ الْاَصَابِعُ اَيْ نُعِيْدُ عِظَامَهَا كَمَا كَانَتْ مَعَ صِغَرِهَا فَكَيْفَ بِالْكَبِيْرَةِ **بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ** اللَّامُ زَائِدَةٌ وَنَصْبُهٗ بِاَنْ مُقَدَّرَةٍ اَيْ اَنْ يَّكْذِبَ **اَمَامَهٗ﴿۵﴾** اَيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ دَلَّ عَلَيْهِ **يَسْئَلُ اَيَّانَ** مَتٰى **يَوْمُ الْقِيٰمَةِ﴿۶﴾** سُؤَالُ اِسْتِهْزَاءٍ وَتَكْذِيْبٍ **فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ﴿۷﴾** بِكَسْرِ الرَّاءِ وَفَتْحِهَا دَهِشَ وَتَحَيَّرَ لِمَا رَاٰى مِمَّا كَانَ يُكَذِّبُ بِهٖ **وَخَسَفَ الْقَمَرُ﴿۸﴾** اَظْلَمَ وَذَهَبَ ضَوْءُهٗ **وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴿۹﴾** فَطَلَعَا مِنَ الْمَغْرِبِ اَوْذَهَبَ ضَوْءُهُمَا وَذٰلِكَ فِيْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ﴿۱۰﴾** اَلْفِرَارُ **كَلَّا** رَدْعٌ عَنْ طَلَبِ الْفِرَارِ **لَا وَزَرَ﴿۱۱﴾** لَا مَلْجَأَ يُتَحَصَّنُ بِهٖ **اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ﴿۱۲﴾** مُسْتَقَرُّ الْخَلَائِقِ فَيُحَاسَبُوْنَ وَيُجَازُوْنَ **يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ﴿۱۳﴾** بِاَوَّلِ عَمَلِهٖ وَاٰخِرِهٖ **بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ﴿۱۴﴾** شَاهِدٌ تَنْطِقُ جَوَارِحُهٗ بِعَمَلِهٖ وَالْهَاءُ لِلْمُبَالَغَةِ فَلَابُدَّ مِنْ جَزَائِهٖ **وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ﴿۱۵﴾** جَمْعُ مَعْذِرَةٍ عَلٰى غَيْرِ قِيَاسٍ اَيْ لَوْجَاءَ بِكُلِّ مَعْذِرَةٍ مَّاقُبِلَتْ مِنْهُ قَالَ تَعَالٰى لِنَبِيِّهٖ **لَا تُحَرِّكْ بِهٖ** بِالْقُرْاٰنِ قَبْلَ فَرَاغِ جِبْرَئِيْلَ مِنْهُ **لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ﴿۱۶﴾** خَوْفَ اَنْ يَّنْفَلِتَ مِنْكَ **اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ** فِيْ صَدْرِكَ **وَقُرْاٰنَهٗ﴿۱۷﴾** قِرَاءَتَكَ اِيَّاهُ اَيْ جَرَيَانَهٗ عَلٰى لِسَانِكَ **فَاِذَا قَرَاْنٰهُ** عَلَيْكَ بِقِرَاءَةِ جِبْرَئِيْلَ **فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴿۱۸﴾** اِسْتَمِعْ قِرَاءَتَهٗ فَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَمِعُ ثُمَّ يَقْرَأُ **ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا**

بَيَانَهُ ﴿۲۰﴾ بِالتَّفْهِيمِ لَكَ وَالْمُنَاسَبَةُ بَيْنَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَمَاقَبْلَهَا اَنَّ تِلْكَ تَضَمَّنَتِ الْاِعْرَاضَ عَنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهٰذِهٖ تَضَمَّنَتِ الْمُبَادِرَةَ اِلَيْهَا بِحِفْظِهَا **كَلَّا** اِسْتِفْتَاحٌ بِمَعْنٰى اَلَا **بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ** ﴿۲۱﴾ الدُّنْيَابِالتَّاءِ وَالْيَاءِ فِى الْفِعْلَيْنِ **وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ** ﴿۲۱﴾ فَلَا تَعْمَلُوْنَ لَهَا **وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ** اَىْ فِىْ يَوْمِ الْقِيَامَةِ **نَّاضِرَةٌ** ﴿۲۲﴾ حَسَنَةٌ مُّضِيْئَةٌ **اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ** ﴿۲۳﴾ **وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ** ﴿۲۴﴾ كَالِحَةٌ شَدِيْدَةُ الْعُبُوْسِ **تَظُنُّ** تُوْقِنُ **اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ** ﴿۲۵﴾ دَاهِيَةٌ عَظِيْمَةٌ تَكْسِرُ فَقَارَ الظَّهْرِ **كَلَّآ** بِمَعْنٰى اَلَا **اِذَابَلَغَتِ** النَّفْسُ **التَّرَاقِىَ** ﴿۲۶﴾ عِظَامَ الْحَلْقِ **وَقِيْلَ** قَالَ مَنْ حَوْلَهٗ **مَنْ رَّاقٍ** ﴿۲۷﴾ يُرْقِيْهِ لِيَشْفٰى **وَّظَنَّ** اَيْقَنَ مَنْ بَلَغَتْ نَفْسَهٗ ذٰلِكَ **اَنَّهُ الْفِرَاقُ** ﴿۲۸﴾ فِرَاقُ الدُّنْيَا **وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ** ﴿۲۹﴾ اَىْ اِحْدٰى سَاقَيْهِ بِالْاُخْرٰى عِنْدَ الْمَوْتِ اَوِالْتَفَّتْ شِدَّةَ فِرَاقِ الدُّنْيَا بِشِدَّةِ اِقْبَالِ الْاٰخِرَةِ **اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ﹰالْمَسَاقُ** ﴿۳۰﴾ اَىِ السَّوْقُ وَهٰذَا يَدُلُّ عَلَى الْعَامِلِ فِىْ اِذَا الْمَعْنٰى اِذَا بَلَغَتِ النَّفْسُ الْحُلْقُوْمَ تُسَاقُ اِلٰى حُكْمِ رَبِّهَا **فَلَاصَدَّقَ** الْاِنْسَانُ **وَلَاصَلّٰى** ﴿۳۱﴾ اَىْ لَمْ يُصَدِّقْ وَلَمْ يُصَلِّ **وَلٰكِنْ كَذَّبَ** بِالْقُرْاٰنِ **وَتَوَلّٰى** ﴿۳۲﴾ عَنِ الْاِيْمَانِ **ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى** ﴿۳۳﴾ يَتَبَخْتَرُ فِىْ مَشْيَتِهٖ اِعْجَابًا **اَوْلٰى لَكَ** فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ وَالْكَلِمَةُ اِسْمُ فِعْلٍ وَاللَّامُ لِلتَّبْيِيْنِ اَىْ وَلِيَّكَ مَاتَكْرَهُ **فَاَوْلٰى** ﴿۳۴﴾ اَىْ فَهُوَ اَوْلٰى بِكَ مِنْ غَيْرِكَ **ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى** ﴿۳۵﴾ تَاكِيْدٌ **اَيَحْسَبُ** يَظُنُّ **الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى** ﴿۳۶﴾ هَمَلًا لَايُكَلَّفُ بِالشَّرَائِعِ اَىْ لَايُحْسَبُ ذٰلِكَ **اَلَمْ يَكُ** اَىْ كَانَ **نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى** ﴿۳۷﴾ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ تُصَبُّ فِى الرَّحْمِ **ثُمَّ كَانَ** الْمَنِىُّ **عَلَقَةً فَخَلَقَ** اللّٰهُ مِنْهَا الْاِنْسَانَ **فَسَوّٰى** ﴿۳۸﴾ عَدَّلَ اَعْضَاءَهٗ **فَجَعَلَ مِنْهُ** مِنَ الْمَنِىِّ الَّذِىْ صَارَ عَلَقَةً اَىْ قِطْعَةَ دَمٍ ثُمَّ مُضْغَةً اَىْ قِطْعَةَ لَحْمٍ **الزَّوْجَيْنِ** النَّوْعَيْنِ **الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى** ﴿۳۹﴾ يَجْتَمِعَانِ تَارَةً وَيَنْفَرِدُ كُلٌّ مِنْهُمَا عَنِ الْاٰخَرِتَارَةً **اَلَيْسَ ذٰلِكَ** الْفَعَّالُ لِهٰذِهِ الْاَشْيَاءِ **بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِىَ الْمَوْتٰى** ﴿۴۰﴾ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلٰى

ترجمہ: ....سورہ قیامہ مکیہ ہے۔اس میں چالیس آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحیم الرحیم.

(دونوں جگہ لازائد ہے) میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور میں قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جواپنے اوپر ملامت کرے (باوجودنیکی میں بے حد کوشش کرنے کے پھر خود کو ملامت کرتا ہے۔ جواب قسم محذوف ہے۔ یعنی "لتبعثن" جس پر اگلا جملہ دلالت کررہا ہے) کیا انسان (کافر) کا گمان یہ ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں قطعاً جمع نہیں کریں گے (دوبارہ زندہ کرنے اور جلانے کے لئے) کیوں نہیں (ہم ضرور جمع کریں گے) کیونکہ ہم (ہڈیوں کو جمع کرنے کے ساتھ) اس پر بھی قادر ہیں کہ اس کی انگلی کے پوروں تک جمع کردیں (یعنی جب پوروں کی ہڈیاں ہم ٹھیک ٹھاک کردیں گے تو بڑی کیسے نہیں کریں گے) بلکہ بعض دفعہ آدمی یوں چاہتا ہے کہ گناہ کرتا رہے (لام زائد ہے

اوران مقدر کے ذریعہ منسوب ہے۔ تقدیر عبادت ان یکذب ہے) اپنی آئندہ زندگی میں بھی (مراد قیامت ہے جیسا کہ اگلے جملہ سے معلوم ہورہا ہے) پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا (ہنسی مذاق اور انکار کے طریقہ پر) سو جب آنکھیں چکا چوند ہوجائیں گی (برق راء کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ ہے، جس چیز کو جھٹلایا تھا اس کو سامنے دیکھ کر ہکابکا رہ جائے گا) اور چاند بے نور ہوجائے گا (اندھیرا ہوجائے گا، روشنی چلی جائے گی) اور سورج اور چاند ایک طرح کے ہوجائیں گے (چنانچہ پچھم سے نکلیں گے یا دونوں میں روشنی نہیں رہے گی اور یہ قیامت کے روز ہوگا) اس روز انسان کہے گا کہ اب کدھر جاؤں (بھاگوں) ہرگز نہیں۔ (نکل بھاگنے کی جستجو پر ڈانٹ ڈپٹ ہے) کہیں پناہ کی جگہ نہیں ہے (بچ نکلنے کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے) صرف آپ کے پروردگار کے پاس ہی اس دن ٹھکانا ہے (مخلوق حساب کتاب کے لئے پیش ہوگی) اس روز انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا (اعمال کا شروع آخر) جتلا دیا جائے گا۔ بلکہ انسان خود اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا (اس کے کام کی گواہی خود اس کے اعضاء دیں گے۔ بصیرۃ میں ہ مبالغہ کے لئے ہے۔ بہرحال عمل کا بدلہ ضرور ہوگا) اگرچہ وہ اپنے حیلے بہانے کرے گا (معاذیر معذرت کی جمع ہے خلاف قیاس یعنی پورا حیلہ بھی کرے گا تب بھی کچھ کارگر نہیں ہوگا۔ حق تعالیٰ پیغمبر سے ارشاد فرماتے ہیں) اے پیغمبر! آپ نہ ہلایا کیجئے (جبرائیل کے قرآن سنانے سے پہلے) اپنی زبان قرآن کو جلدی لینے کے لئے (اس ڈر سے کہ کہیں قرآن چھوٹ نہ جائے) یقیناً ہمارے ذمہ ہے (آپ کے سینہ میں) اس کو جمع کردینا اور اس کو پڑھوا دینا (آپ کو اس کی قرأت آپ کی زبان پر جاری کرکے) تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں (آپ کے سامنے جبرائیل سے پڑھوا کر) تو آپ اس کے تابع ہوجایا کیجئے (یعنی جبرائیل کی قراءت سنا کیجئے۔ چنانچہ پہلے حضور ﷺ سنتے تھے پھر خود پڑھتے تھے) پھر اس کا بیان کردینا ہمارے ذمہ ہے۔ (آپ ﷺ کو سمجھا دینا اور پچھلی آیت اور اس آیت میں مناسبت یہ ہے کہ پہلی آیت میں اللہ کی آیات سے اعراض تھا اور اس آیت میں ان کو حفظ کرکے شوق ظاہر کرنا ہے۔ اے منکرو! ہرگز نہیں (کلا بمعنی الا کلمہ استفتاح ہے) بلکہ تم دنیا سے محبت رکھتے ہو (دونوں فعلوں میں تا اور یا کے ساتھ ہے) اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو (اس کے لئے کام نہیں کرتے) بہت سے چہرے اس روز (قیامت میں) تروتازہ (بارونق) ہوں گے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے اور بہت سے چہرے اس روز بے رونق (پیلے بے حد پژمردہ) ہوں گے۔ گمان (یقین) کررہے ہوں گے ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا (سخت جھٹکے کا جس سے کمر کا منکا ٹوٹ کر رہ جائے گا) ہرگز ایسا نہیں (کلا بمعنی الا) جب جان ہنسلی (حلق کی ہڈی) تک پہنچ جاتی ہے اور کہا جاتا ہے (ارد گرد لوگ کہتے ہیں) کہ کوئی جھاڑنے والا بھی ہے (کہ جس کے جھاڑنے سے شفا ہوجائے) اور وہ گمان کرلیتا ہے (جس کا سانس ہنسلی تک آجائے وہ یقین کرلیتا ہے) کہ اب چل چلاؤ کا وقت ہے (دنیا سے رخصت ہونا ہے) اور ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جاتی ہے (جان نکلتے وقت پنڈلی ایک دوسری پر چڑھتی ہے۔ یا دنیا سے روانگی اور آخرت کی آمد کی شدتیں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں) اس روز تیرے پروردگار کے حضور جانا ہے (مساق بمعنی سوق ہے۔ یہ جملہ اذا کے عامل پر دلالت کررہا ہے۔ یعنی سانس جب گلے میں اٹک کر رہ جائے تو اللہ کے حکم کی طرف روانگی شروع ہوجاتی ہے تو اس سلسلے میں اس (انسان) نے نہ تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی۔ لیکن (قرآن کی) تکذیب کی تھی اور (ایمان سے) منہ موڑا تھا۔ پھر ناز کرتا ہوا اپنے گھر چل دیتا تھا (خود پسندی کے ساتھ ناز و انداز سے چلتا تھا) تیری کمبختی پر (یہاں غائب کے صیغے سے خطاب کی طرف التفات ہے اور کلمہ اولیٰ اسم فعل ہے اور لام بیانیہ ہے۔ یعنی تیری شامت آگئی) کمبختی آنے والی ہے (یعنی دوسرے کی بجائے تو بھی اس کا مستحق ہے) پھر تیری کمبختی پر کمبختی آنے والی ہے (یہ تاکید ہے) کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا (فضول کسی شریعت کا پابند نہ ہو۔ یعنی انسان کو یہ گمان نہیں کرنا چاہئے) کیا یہ شخص ایک قطرہ منی نہ تھا جو ٹپکایا گیا تھا۔ (یا اور تا کے ساتھ ہے، رحم میں ٹپکایا گیا) پھر وہ خون کا لوتھڑا ہوگیا، پھر اللہ نے (اس سے انسان) بنایا، پھر اعضاء (مناسب طور پر) ٹھیک ٹھاک کئے۔ پھر اس کی (یعنی اس منی کی جو علقہ یعنی خون کی پھٹک، پھر مضغہ یعنی گوشت کی بوٹی ہوگئی تھی) دو قسمیں (نوعیں) کردیں مرد و عورت (کبھی دونوں ساتھ ہوتے ہیں۔ کبھی الگ الگ) کیا وہ (ان کاموں کو سرانجام دینے والا) اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ مردوں کو زندہ کردے (آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ضرور قدرت رکھتا ہے۔)

تحقیق وترکیب: .... لا اقسم ۔ قسم کے ساتھ کلام عرب میں لا زائد آتا ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ لا زائد نہیں ہے بلکہ نفی کے معنی ہیں یعنی قسم کھانے کی حاجت نہیں کیونکہ مضمون ظاہر و باہر ہے۔

اللوامة صیغہ مبالغہ ہے۔ یعنی انسان خواہ نیک کام کرے پھر بھی نفس ملامت کرتا ہے کہ زیادہ نیکی کیوں نہیں کی اور برائی کرنے پر تو خیر ملامت کرتا ہی ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ **اللوامة هی اللتی تلوم علی الخیر والشر یقول لو فعلت كذا وكذا** ۔ حضرت حسنؓ سے منقول ہے۔ **ان المؤمن لا تراه الا یلوم نفسه ما اردت بكلمتی ما اردت بحدیثی نفسی والا اراه الا یعبا بتها وان الفا جر یمضی قد مالا یعاتبها نفسه** ۔ اور نیکیوں پر نفس کا ملامت کرنا بطور ترغیب ہوتا ہے کہ اور زیادہ نیکیاں کی جائیں۔

الن نجمع ۔ ہمزہ اور لام کے درمیان نون نہیں لکھا ہے بلکہ ہمزہ اور لام ملا کر لکھے ہوئے ہیں۔ ان مخففہ ہے۔ ضمیر شان اسم ہے اور لن اور اس کے بعد کی عبارت خبر کی جگہ ہے۔ یہاں حرف نفی فاصل ہے اور پھر یہ جملہ حسب کا ایک مفعول ہے یا دونوں مفعول علی اختلاف الاقوال بلیٰ قادرین نفی کے بعد اثبات کیا جا رہا ہے، عام قرأت قادرین نصب کی ہے۔ اس میں دو قول ہیں۔ زیادہ مشہور یہ ہے کہ فعل مقدر کے فاعل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ای **بلیٰ نجمعها قادرین** اور دوسرا قول یہ ہے کہ کان مضمر کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ای **بلیٰ كنا قادرین فی الا بتداء** ۔ اور ابن علیہؒ قادرون رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں، مبتداء محذوف کی خبر ہو کر ای **بلیٰ نحن قادرون** مفسرؒ نے "**مع جمعها**" سے اشارہ کیا ہے۔ آیت کے مطلب کی طرف یعنی ہم ہڈیوں کو جمع کرنے کے ساتھ پوروں کے درست کرنے پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔

لیفجر ۔ لام زائد ہے اور ان مقدر ہے۔ ای **یرید الا نسان ان یفجر امامه** ۔ مفسرؒ کی یہ توجیہ بہتر ہے بہ نسبت اس توجیہ کے کہ مفعول لہ کو مقدر مانا جائے اور یوں تقدیر نکالی جائے۔ **یرید الا نسان شهواته ومعاصیه** ۔ نیز اس توجیہ سے بھی بہتر ہے کہ فعل کو بمنزلہ لازم کہا جائے یا مصدر کے معنی میں لے کر مبتداء کہا جائے اور تقدیر عبارت اس طرح نکالی جائے۔ **اراة الا نسان كائنة لیفجر امامه** ۔ مفسرؒ نے "**ان یكذب**" سے اشارہ کیا کہ فجور کے معنی تکذیب کے ہیں۔ لفظ امامه اس کا مفعول ہے اور ضمیر انسان کی طرف ہے۔ چنانچہ ابن عباسؓ اس سے کافر منکر قیامت مراد لیتے ہیں۔

برق البصر ۔ نگاہ پتھرا جائے، ایک جگہ جم کر رہ جائے۔ یعنی آدمی دیکھ کر ہکا بکا رہ جائے لفظ برق میں دونوں لغت مفسرؒ نے بتلا دیئے۔

وجمع الشمس والقمر ۔ یعنی ایک ہی سمت سے دونوں کا نکلنا مراد ہے۔ اس طرح خوف بھی اس صورت کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے صرف محاق کے معنی لے کر اہل ہیئت اور نجوم کی اصطلاح مراد نہ لی جائے اور یا کہا جائے کہ خسف تو نصف مہینہ میں ہو جائے گا اور چاند سورج کا جمع ہونا آخر ماہ میں ہوگا۔ یا جمع کرنے سے مراد دونوں کو بے نور کر دینا ہو یا ایک ہی آسمان میں دونوں کا جمع حقیقی مراد ہو۔ عطاء بن یسارؒ فرماتے ہیں کہ **یجمعان یوم القیامة ثم یقذ فان فی البحر فیكو نان نار الله الكبریٰ**.

المفر مصدر ہے اسم ظرف نہیں ہے۔

لا وزر ۔ بقول زمخشریؒ پناہ گاہ کے معنی ہیں وزر بمعنی ثقل سے ماخوذ ہے لا کی خبر محذوف ہے۔ ای **لا وزر له المستقر** مبتداء ہے اور الیٰ ربک خبر مقدم ہے اور مصدر بمعنی استقرار بھی ہو سکتا ہے پھر فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہوگا۔

بماقدم واخر ۔ مجاہدؒ وابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ **ما قدم عمله الصالح والسئی الذی عمله فی حیاته وما اخر**

سنته الذی یعمل بها بعد موته حسنة او سیئة اور بعض نے ما قدم سے عمل کا کرنا اور اخو سے عمل کا چھوڑنا مراد لیا ہے۔

علی نفسه بصیرة ۔ بصیرة کا مؤنث صیغہ اس لئے ہے کہ انسان سے اس کے اعضاء مراد ہیں یا ہائے مبالغہ مانی جائے جیسا کہ مفسرؒ کی رائے ہے۔ اس وقت معنی یہ ہوں گے کہ اعضائے بدن ہی گواہی کے لئے کافی ہوں گے کسی اور شاہد کی حاجت نہیں۔ ابن عباسؓ، سعید بن جبیرؒ، مقاتلؒ کی رائے بھی یہی ہے۔

معاذیره ۔ معاذر کی جمع ہے معذرة کی جمع بنانے پر صاحب کشافؒ نے اعتراض کیا ہے کہ معاذیر معذرة کی جمع نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لئے اسم جمع ہے یعنی خلاف قیاس جمع مانا جاسکتا ہے۔ جیسے منکر اور مرسل کی جمع مناکیر اور مراسیل ہیں۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ "القیٰ معاذیره" میں استعارہ تبعیہ ہے کہ معذرت پیش کرنے کو القاء سے تعبیر کیا ہے۔ جس کے معنی کنویں میں پانی تلاش کرنے کے لئے ڈول ڈالنے کے ہیں۔

لا تحرک به لسانک ۔ جبرائیل امین کے وحی لانے پر آنحضرت ﷺ جلد یاد کرنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ ذہول نہ ہو جائے۔ اس لئے زبان جلد چلاتے جس سے یکسوئی میں فرق آتا۔ اس لئے فرمایا گیا کہ پہلے باطمینان سن لیجئے محفوظ بعد میں کر دیا جائے گا بیک وقت دو کاموں کی طرف توجہ کرنے سے تعب بھی ہوگا اور کام بھی سلیقہ سے نہیں ہوگا۔ غرض کہ آپ کامل توجہ سے پہلے سن لیجئے پڑھوانا یاد کرانا اور سمجھا دینا یہ ہمارے ذمہ ہے۔ اس سے تعلیم میں شوق کا پسندیدہ ہونا جہاں معلوم ہوا وہیں قرآن شریف کا اتنا تیز پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں ناپسندیدہ ہونا بھی معلوم ہوا۔

متقدمین روافض یہ الزام لگاتے ہیں کہ قرآن کو ردو بدل کر دیا گیا ہے اور دلیل میں آیت لا تحرک الخ کو پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ آیت ماقبل سے بے ربط ہے۔ حالانکہ کلام الٰہی بے ربط ہونا چاہئے۔ پس معلوم ہوا کہ تحریف ہوئی ہے۔ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں بطور جواب وجوہ مناسبت متعدد بیان کی ہیں۔ مفسرؒ بھی۔ "والمناسبة" سے اسی کی کوشش فرما رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ پچھلی آیات میں کافروں کی آیات الٰہی سے بے توجہی ارشاد فرمائی گئی اور اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے شوق و رغبت کو آیات الٰہی کے سلسلہ میں بیان فرمایا جا رہا ہے۔ لیکن قاضی بیضاویؒ کی تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ آیت "لا تحرک الخ" میں بھی خطاب اسی عام انسان کو ہے جس کا ذکر قیامت کے ذیل میں اوپر سے آ رہا ہے۔ کہ اے انسان! تو اپنے اعمال نامہ کے پڑھنے میں جلدی نہ کر، پہلے سن لے پھر مکمل طریقہ سے اتمام حجت کر کے تیرا اطمینان کر دیا جائے گا۔ اگلی آیات کلا بل تحبون الخ کا تعلق بھی اسی مضمون قیامت سے ہے۔ اس طرح کلام نہایت مربوط ہو جاتا ہے۔

ثم ان علینا بیانه ۔ علماء اصول نے بیان کی پانچ صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ ۱۔ بیان تقریر۔ ۲۔ بیان تفسیر۔ ۳۔ بیان تغییر۔ ۴۔ بیان ضرورت۔ ۵۔ بیان تبدیل۔ پہلی دو صورتوں کا اعتبار تو متصلاً منفصلاً دونوں طرح ہوتا ہے۔ اور تیسری قسم صرف کلام میں متصل ہونے پر معتبر ہے۔ اور پانچویں قسم صرف مفعولاً معتبر ہوگی۔ نیز پانچویں قسم کا تعلق کلام سے نہیں ہوتا بلکہ سکوت وغیرہ سے ہوا کرتا ہے۔ لیکن فخر الاسلامؒ بیان تغییر کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ متصلاً اور منفصلاً معتبر ہونا چاہئے۔ کیونکہ کہ آیت میں " ثم ان علینا بیانه" فرمایا گیا ہے اور ثم تراخی کے لئے آتا ہے۔ نیز حقیقۃ مراد پر اعتماد کے لئے تو مجمل خطاب بھی کافی ہوتا ہے۔ بیان مراد کا انتظار کرتے ہوئے اور متشابہ میں بیان کا انتظار نہ ہونے کے باوجود مجمل سے خطاب صحیح ہے۔ لیکن شروح فخر الاسلام میں یہ لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے "فاتبع قرانه" فرمایا ہے اور مجمل کی اتباع بغیر بیان نہیں ہوسکتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تراخی کا تعلق بیان تقریر و تبدیل سے تو ہوسکتا ہے مگر بیان تغییر سے نہیں۔ اس لئے شیخ فخر الاسلام کا فرمانا صحیح نہ رہا۔ الا یہ کہ کہا جائے کہ اتباع کا تعلق صرف اس حصہ سے ہے جو محتاج

بیان نہ ہو۔ جس کا حاصل یہ ہوگا کہ جب ہم قرآن پڑھیں تو جتنا اتباع ہو سکے آپ کیجئے اور جو نہ ہو سکے تو ہم اس کو بیان کر دیں گے۔ یا یوں کہا جائے کہ اتباع کا حکم ہی بشرط بیان ہے اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ حق تعالیٰ نے مطلق اتباع کا حکم دیا ہے اعتقاداً ہو یا عملاً پھر مطلق بیان کا وعدہ بھی بیان فرمالیا اس کا تحقق کہیں تو بیان تقریر کی صورت میں ہوگا اور کہیں بیان تغییر کی صورت میں اور کہیں بیان تفسیر کی شکل میں۔ غرض سب بیانات کا مفصو لاً ہونا صحیح ہو گیا۔ لیکن یہ تقریر ثــم کو اپنے معنی پر رکھنے کی صورت میں ہوگی۔ لیکن امام زاہد کی رائے ہے کہ ثم بمعنی مع ہے۔ جیسے ثـم کـان مـن الذین امنوا میں ہے۔ اب مطلب ہوگا کہ آپ قرأت سنیئے اس کے ساتھ بیان کی ذمہ داری ہماری ہے۔ پس حضور کا قولی یا فعلی بیان بھی اللہ ہی کا بیان سمجھا جائے گا۔

الـیٰ ربهـا نـاظـرة. شرح عقائد نفسی میں مومنین کو آخرت میں دیدار الٰہی کے ہونے پر نقلی دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کی ہے۔ اس سے پہلے جملہ " وجـوه یـومئذ ناظرة" میں وجوه مبتداء اور نـاظرة خبر ہے۔ اور " الـیٰ ربهـا ناظوة" جملہ اسمیہ یا ظرفیہ حال واقع ہو رہا ہے۔ ناظرۃ کی ضمیر متتر سے نظارۃ بمعنی تر و تازہ اور نظر کے معنی دیکھنے کے ہیں۔ پس آیت میں مومنین کا دیدار سے مشرف ہونا اور " وجـوه یـومـئـذ باسرة" اگلی آیت سے کفار کا اس نعمت سے محروم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن لغت میں نظر کے معنی انتظار کے بھی ہیں۔ اس وقت یہ لفظ خود متعدی ہوتا ہے جیسے ومـا یـنـظـرون الا صیحة واحدة اور تفکر کے معنی بھی آتے ہیں اس وقت فی کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے کہا جاتا ہے نـظـرت فی الدمیر الفلانی اور کبھی راحت ومہربانی کے معنی میں بھی آتا ہے لام کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے۔ نـظـر الا میـر لفلان اور جب دیکھنے کے معنی میں یہ لفظ آتا ہے تو الیٰ کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے۔ نظرت الـیٰ من حسن الله وجهه. چنانچہ شرح مواقف میں اس کو یقینی دلیل کہا گیا ہے۔ مشہور حدیث انـکـم سـتـرون ربکم کما ترون القمر لیلة البدر سے بھی رویت باری تعالیٰ ثابت ہو رہی ہے جس کو اکیس آثار صحابہؓ نے نقل فرمایا ہے اور یہ کہ اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ لیکن معتزلہ نے بعد میں انکار کیا ہے کیونکہ علامہ زمخشریؒ کہتے ہیں کہ یہاں دیکھنے کے معنی نہیں ہو سکتے۔ ورنہ تو تقدیم جار کی وجہ سے حصر کے ساتھ یہ معنی ہوں گے کہ صرف اللہ کو دیکھیں گے اور کچھ نہیں دیکھیں گے۔ حالانکہ یہ غلط بیانی ہوگی۔ اس لئے بقول صاحب کشاف یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ نظر سے مراد انتظار لی جائے اور کہا جائے کہ وجہ سے مراد ذات ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ جنت کی نعمت و کرامت کا انتظار صرف اللہ سے کریں گے۔ لیکن قاضی بیضاوی نے زمخشری کی اس بات کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ وجـــه سے جملہ اور ذات مراد لینا بعید ہے۔ کیونکہ انتظار اور رجاء کی نسبت وجـه کی طرف نہیں کی جاتی اور نظر جب الـیٰ کے ساتھ متعدی ہے تو انتظار کے معنی نہیں بلکہ رؤیت کے معنی آتے ہیں۔ رہا دیدار الٰہی کا حصر، عشاق کے لئے صحیح ہے کیونکہ وہ اس استغراق میں دوسری طرف التفات نہیں کریں گے۔ البتہ زمخشری کے قول کی تقریر اگر اس طرح کی جائے کہ "وجـوه یـومـئـذ ناظرة الی ربها" جملہ ایسا ہے کہ جیسے کہا جائے انـا الـیٰ فلان نـاظـر مـا یـصـنـع. یعنی توقع اور انتظار میں مستعمل ہو رہا ہے۔ یہ نہیں کہ نظر بمعنی انتظار لیا جا رہا ہے تو پھر قاضی کی گرفت سے زمخشری بچ جائیں گے۔ تاہم اہل سنت کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں فرمایا گیا ہے۔ مـنـهـم مـن یـنـظره فی صبح و مساء ومـنـهـم مـن یـنـظـره فی کل سبعة ومنهم من ینظره فی کل شهر ومنهم من ینظره فی کل سنة ومنهم من ینظره فی الـعـمـر مرة. جیسا کہ امام زاہدی بھی فرماتے ہیں۔ اسی طرح ترمذی اور حاکم ابن عمر سے تخریج کرتے ہیں۔ قـال الـنـبـی صلی الله عـلـیـه وسلم الی ربها ناظرة تنظر کل یوم فی وجه الله اور ابن مردویہ انسؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔ ینظرون الـیٰ ربهم بلا کیفیة ولا حد محدود ولا صفة ملومة. اور ابن جریر حسنؓ سے تخریج کرتے ہیں۔ کہ الـیٰ ربها ناظرة تنظر الی الخالق اور ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ تـنـظـر الـیٰ وجه ربها باصرة. پھر نظر کے حقیقی معنی چھوڑ کر کنایہ لینا خلاف اصل ہے۔ علاوہ ازیں یہ

مقام مدح ہے یہاں انتظار وتوقع کے معنی نامناسب معلوم ہوتے ہیں۔ نیز وجہ کے ساتھ نظر کا جوڑ خود دیکھنے کے معنی ظاہر کر رہا ہے۔ جیسا کہ آیت فالقوہ علیٰ وجہ ابی یات بصیرا اورقد نری تقلب وجھک فی السماء میں ہے۔ معتزلہ کا دوسرا استدلال دیدار الٰہی کی نفی پر آیت لا تدرکہ الا بصار وھو یدرک الا بصار سے ہے۔ نیز چونکہ رویت میں رائی اور مرئی دونوں کا کسی مکان یا چیز میں ہونا پھر آمنے سامنے ہونا اور دونوں کے درمیان مناسب مسافت کا ہونا جو شرط ہے وہ حق تعالیٰ میں محال ہے۔ اس لئے رویت بھی محال ہوئی۔ جہاں تک آیت کا تعلق ہے۔ اول تو ادراک اور رویت میں فرق ہے ادراک کہتے ہیں خاص رویت کو جو بطور احاطہ کے ہو۔ پس ادراک کی نفی سے مطلق رویت کی نفی کیسے لازم آئی خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں ہوجاتی۔ دوسرے ابصار سے رؤیت کی نفی بطور استغراق ہورہی ہے یہ بھی مسلم نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ آیت میں تمام اوقات دیکھنے کی نفی کی جارہی ہے یہ بھی نہیں بلکہ صرف دنیا میں دیکھنے کی نفی مقصود ہے اور آخری تیسرے استدلال کا جواب یہ ہے کہ وہ تمام شرائط ہمارے لئے ہیں لیکن بعض کے لئے ان شرائط کو لازم کرنا غائب کو شاہد وحاضر پر قیاس کرنا ہے آخر حق تعالیٰ اب بھی تو ہم کو دیکھتے ہیں حالانکہ ہمیں اللہ کے ساتھ ان میں سے کوئی نسبت بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ شرح عقائد نسفی میں مذکور ہے۔ اور فخر الاسلام بزودی فرماتے ہیں کہ آیت وجوہ یومئذ ناظرۃ تو مسئلہ رویت میں محکم ہے۔ سلف اس کو ظاہر ہی پر محمول کرتے ہیں۔ اس لئے اس پر اعتقاد واجب ہے باقی دیکھنے کی کیا کیفیت ہوگی۔ وہ متشابہات کی طرح اللہ کے حوالے کرنی چاہئے۔ بہر حال اللہ کی رویت عقلاً ممکن ہے۔ اس لئے اس کو ماننا بھی صحیح ہے اور چونکہ نقل سے ثابت ہے اس لئے ماننا واجب ہے۔ ہاں! عقلاً ناممکن ہوتی تو پھر قاعدہ کے اعتبار سے نقلیات میں تاویل کی جاتی۔

بلغت التراقی گلے میں دائیں بائیں دو ہنسلیاں ہوتی ہیں جن کو ترقوتان کہنا چاہئے قرب کی وجہ سے گلے کی طرف نسبت کردی گئی ہے۔

وقیل من راق. یا تو اس وقت اعزہ کے اظہار ہمدردی کے الفاظ مراد ہیں اور یا فرشتے ثواب اور عذاب کے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اس روح کو کون لے جائے گا؟ رقی کے معنی صعود کے ہوئے۔

والتفت الساق. مفسرؒ نے پہلے معنی حقیقی بیان فرمائے اور دوسرے معنی مجازی لئے ہیں۔

المساق. مصدر میمی ہے۔ تفسیری عبارت ہذا الخ سے مراد الی ربک یومئذ ہے۔

اولیٰ لک. فعل ماضی کا اسم ہے محل اعراب میں نہیں ہے۔ اس کا فاعل ضمیر ہے جو مفہوم سیاق کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی یہ کلمہ بددعائیہ ہے۔ اور "واللام للتبیین" ای تبیین المفعول جیسے "ھیت لک" میں لام ہے اور لام زائد بھی کہا جاسکتا ہے۔ اور بعض اس کو فعل ماضی دعائیہ کہتے ہیں۔ ولی سے ماخوذ ای ولاک اللہ ما تکرھہ۔ اصمعیؒ کا قول قاربہ ما یھلکہ بھی اسی کے قریب ہے۔ جوہری نے بھی اس کو پسند کیا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ اسم وزن فعل ہے جس کے معنی ویل کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ فعلیٰ کے وزن پر ہے "آل یؤل" سے بمعنی "ابقاک النار" لیکن سب سے بہتر تاویل یہ ہے کہ یہ اسم تفضیل ہے مبتداء مقدر کی ہے۔ ای النار اولیٰ لک وانت احق بھا. تین جگہ یہ حکم یا تو تاکید کے لئے ہے اور یا تجدید کے لئے۔ ای ویل لک فی القبر ویل لک حین البعث ویل لک فی النار.

سدی. قاموس میں ہمل کے معنی بالکلیہ متروک کے ہیں۔

الزوجین. افراد مراد نہیں بلکہ مرد عورت کی نوع مراد ہے۔ پس اگر کسی کے دو بچے اور ایک بچی یا اس کا برعکس بھی پیدا ہوجائے تب بھی کوئی اشکال نہیں رہے گا۔

الیس ذٰلک بقادر . روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب یہ آیت تلاوت فرماتے تو سبحانک اللھم بلیٰ کہتے۔ (ابوداؤد، حاکم) ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ سبح اسم ربک الاعلیٰ امام پڑھے یا اور کوئی تو اس کو سبحان ربی الاعلیٰ کہہ لینا چاہئے۔ اور جو لا اقسم الخ پڑھے اس کو سبحانک اللھم بلیٰ کہنا چاہئے، وہ امام ہے یا اور کوئی۔ اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص " والتین والزیتون " تا آخر پڑھے تو اس کو " الیس اللہ باحکم الحاکمین " پر بلیٰ وانا علیٰ ذلک من الشاھدین کہنا چاہئے۔ اسی طرح سورہ مرسلات پڑھتے ہوئے فبای حدیث بعدہ یؤ منون پر پہنچے تو اس کو امنا باللہ کہنا چاہئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان الفاظ کے کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ یہ الفاظ تنزیہہ و تقدیس شمار کئے گئے ہیں لیکن بحالت نماز فقہاء اجازت نہیں دیتے۔

ربط آیات: .... پچھلی سورت " مدثر " میں آخرت کے احوال کی کچھ تفصیل تھی اور آخر میں " لا یخا فون الاخرۃ " ارشاد ہوا تھا۔ اس سورت " قیامہ " میں آخرت ہی کے حالات کی تفصیل ہے اور آخرت کے مقدمہ یعنی موت کا نقشہ بھی تبعاً ذکر فرمادیا اور بعث وقیامت کی مناسبت سے آخر سورت میں ابتداء تخلیق کا حال بھی مذکور ہے۔

شان نزول وروایات: .... صحیحین وسنن میں ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیا لج من التنزیل شدۃ فکان یحرک بہ لسانہ وشفتیہ مخافۃ ان ینفلت منہ یرید ان یحفظ فانزل اللہ تعالیٰ " لا تحرک بہ لسانک " فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ذلک اذا اتاہ جبریل علیہ السلام اطرق وفی روایہ استمع فاذا ذھب قراؤہ کما وعد اللہ عزوجل . شیخینؒ کی ایک روایت ابن عباسؓ سے یہ ہے کہ ثم ان علینا بیانہ کے معنی ہیں ان بلسانک اور " وجوہ یومئذ ناضرۃ " سے متعلق اور " الیس ذلک بقادر " سے متعلق روایات " عنوان تحقیق " میں گزر چکی ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: .... لا اقسم. عرف وعادت یہ ہے کہ کسی کام کے یقینی بنانے کے لئے بطور تاکید قسم کا استعمال کیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اس عرف کی رعایت فرمائی اور متعدد جگہ قسم کا استعمال فرمایا لوگوں کی عادت ہے کہ اپنے معبود کی یا کسی محترم معظم شخصیت کی، یا کسی اہم، محبوب، نادر چیز کی قسم کھایا کرتے ہیں۔ شریعت نے غیر اللہ کی قسم کھانے کی اجازت نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ کی شان بندوں سے جداگانہ ہے، وہ اپنے علاوہ چیزوں کی قسم کھائے تو کوئی حرج نہیں۔ عام طور سے قرآن میں جو قسمیں استعمال ہوئی ہیں وہ عند اللہ معیوب ہیں یا کسی اعتبار سے منفعت بخش اور وقیع ہیں۔ تاکہ مقسم علیہ کے لئے شاہد وحجت کے طور پر کام دے سکیں۔

قسموں کی مناسبت: .... یہاں حق تعالیٰ قیامت کی قسم کھا رہے ہیں جو عقلاً ممکن ہے اور پیغمبر صادق ومصدوق کی خبر سے یقین الوقوع ہے۔ جس کے سچے ہونے پر دلائل قطعیہ قائم ہیں۔ قیامت کی یہ قسم اس کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے ہے۔ پھر فصحاء وبلغاء نے قسم اور مقسم علیہ میں مناسبت کی رعایت کی ہے۔ یہاں جواب قسم محذوف ہے یعنی کہ تم میرے پیچھے ضرور اٹھائے جاؤ گے اور بھلے برے کا حساب ضرور ہوگا۔ پس قسم اور مضمون قسم میں مناسبت واضح ہے۔ کیونکہ بعث ومجازات کا ظرف روز قیامت ہے۔ دوسری قسم " نفس لوامہ " کی کھائی گئی ہے۔ محققین کی رائے ہے انسان کا نفس اگرچہ ایک ہی چیز ہے مگر اس کی تین حالتوں کے اعتبار سے تین نام ہوگئے ہیں۔ اگر نفس عالم بالا کی طرف مائل ہو اور اللہ کی عبادت وفرمانبرداری اور اتباع شریعت میں اسے سکون وچین محسوس ہوتا ہو تو اس کو نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ . لیکن اگر سفلی کی طرف جھک پڑا اور

دنیا کی لذات وخواہشات میں پھنس کر بدی کی طرف رغبت کی اور شریعت کی پیروی سے بھاگا تو وہ نفس امارہ ہے جو برائیوں پر ابھارتا رہتا ہے۔ وما ابرئ نفسی ان النفس لا مارۃ بالسوء الا مارحم ربی اور اگر کبھی عالم سفلی کی طرف جھکتا اور شہوت وغضب میں مبتلا ہوتا ہے اور کبھی عالم علوی کی طرف مائل ہو کر ان چیزوں کو برا جانتا ہے اور ان سے دور بھاگتا ہے اور برائی، کوتاہی ہو جانے پر شرمندہ ہوتا ہے اور اپنے تئیں ملامت کرتا ہے۔ بلکہ غلبہ خیر میں غائت اخلاص سے نیکی کرنے پر بھی خود کو ملامت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ اس کام میں فلاں خرابی رہ گئی۔ غرض یہ لوامہ کہلاتا ہے اور اس کا یہ رخ مطمئنہ سے مل جاتا ہے۔ پس اس قسم کو بھی جواب سے مناسبت ہے کیونکہ ایسا نفس ہی بعث کو مانتا ہے یعنی اگر فطرت صحیح ہو تو انسان کا اپنا نفس دنیا ہی میں برائی اور تقصیر پر ملامت کرتا ہے یہی چیز ہے جو اپنی اعلیٰ اور اکمل ترین صورت میں قیامت کے دن ظاہر ہوگی۔

اللہ کا کمال قدرت: .... ایحسب الانسان. انسان یہ سوچتا ہے کہ جب ہڈیوں تک کا چورا ہو گیا اور ان کے ریزے مٹی میں اس کے ذرات کے ساتھ شامل ہو گئے تو بھلا اب کس طرح اکٹھے کر کے جوڑ دیئے جائیں گے؟ یہ بات تو محال معلوم ہوتی ہے؟ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ہم تو انسان کی پور پور جمع کریں گے۔ پور پور سے تمام بدن مراد ہے جیسا کہ بطور محاورہ کہا جاتا ہے کہ میرے پور پور میں درد ہے۔ نیز پوریوں میں چھوٹی ہونے کی وجہ سے زیادہ کاریگری اور کمال ہے باریک کام زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ پس یہ بتلانا ہے کہ انسان کی ساری چابک دستیاں قدرت کی چابک دستی کا کرشمہ ہیں اور یہ جو ذات اس مشکل کام پر قادر ہے وہ آسان کام پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے۔

قیامت کے ڈر سے عیش میں کھنڈت پڑتی ہے: .... بل یرید الانسان. یعنی قیامت اور بعثت کو دلیل سے ثابت ہونے کے باوجود بعض آدمی اس لئے نہیں مانتے کہ قیامت اور اس کے حساب کتاب کا اعتقاد دل میں بٹھلانے سے خوف پیدا ہوگا اور خوف ہوگا تو گل چھلے نہیں اڑا سکے گا اور پوری بے باکی، آزادی اور ڈھٹائی نہیں ہو سکے گی۔ اس لئے یہ چاہتا ہے کہ قیامت کا دھیان تک نہ آنے دوں تا کہ اگلی باقی ماندہ زندگی کرکری نہ ہو جائے اور مزے سے عیش وعشرت کے ساتھ گزرے۔

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دو بارہ نیست

اس لئے تمسخرانہ انداز میں قیامت کو ماننے والوں سے پوچھتا ہے کہ وہ تمہاری قیامت کب آئے گی؟ میاں ذرا کیلنڈر میں دیکھ کر اس کا دن تاریخ تو بتاؤ؟ آگے جواب ہے۔ " فاذا برق البصر " یعنی جن چیزوں کو جھٹلا رہا تھا دفعۃً جب وہ چیزیں سامنے آ جائیں گی تو ایک دم ہکا بکا رہ جائے گا۔ یا اللہ کی جلالی اور قہری تجلی کے آگے نگاہ پڑ نہیں سکے گی اور آنکھیں چندھیا جائیں گی چاند بے نور ہو جائے گا چاند کی تخصیص شاید اس لئے ہو کہ عرب قمری حساب رکھتے تھے۔ ان کو چاند دیکھنے کا زیادہ اہتمام رہتا اور ایک چاند کیا سورج کا بھی یہی حال ہوگا۔ دونوں ایک ہی حال میں ہوں گے۔ حدیث بخاری " تکوران " ہے۔ اور ابن عباسؓ تکویر کے معنی اظلمت فرماتے ہیں۔

این المفر. یعنی آج تو اس دن کا انکار کر رہا ہے اور جب وہ دن آئے گا تو کہے گا کہاں بھاگوں، کدھر جاؤں، کس جگہ پناہ ملے گی؟ ارشاد ہوگا آج نہ بھاگنے کا موقعہ اور نہ سوال کرنے کا وقت آج تو سب کو اپنے پروردگار کی عدالت میں حاضر ہونا ہے اور اسی کے سامنے پیش ہونا ہے۔ وہی جو کچھ چاہے گا فیصلہ فرمائے گا اگلے پچھلے، نیک وبد، سب اعمال جتلا دیئے جائیں گے۔

انسان کی حالت توحید کی دعوت ہے: .... ولو القی معاذیرہ. اکثر مفسرین اس کا تعلق ینبؤ الانسان سے مانتے ہیں۔ یعنی انسان کو جتلانے کی بھی ضرورت نہیں۔ وہ خود اپنی حالت پر مطلع ہو جائے گا اگرچہ بہانے سازی سے وہاں بھی نہیں چوکے گا۔ مثلاً: کفار کہیں گے واللہ ربنا ما کنا مشرکین اور یوں تو جس انسان کا ضمیر بالکل مسخ نہ ہو گیا ہو، اس میں کچھ انصاف موجود ہو تو وہ یہاں

دنیا میں بھی اپنی حالت سے خوب واقف ہوتا ہے۔ گو دوسروں کے آگے کتنے ہی حیلے حوالے کر کے بات کو رلانے کی کوشش کرے غرض کہ انسان اپنے احوال کو قیامت میں خوب جان لے گا۔ اس لئے یہ جتلانا اس کے بتلانے کے لئے نہیں بلکہ اتمام حجت اور قطع جواب کے لئے اور چکانے کے لئے ہوگا۔ مگر شاہ صاحب اس کا مطلب یہ لکھتے ہیں کہ انسان اپنے احوال میں غور کرے تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت جان لے اور یہ سمجھ جائے کہ سب کو اسی کے پاس جانا ہے اور جو کہے کہ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا تو یہ سب کے سب بہانے ہیں۔

کلام الٰہی مربوط ہے: .... لا تحرك به لسانك . حضور ﷺ نزول وحی کے وقت جبرائیل کی موجودگی میں سن کر یہ کوشش بھی ساتھ ساتھ کرتے تھے کہ اس کو پڑھ کر یاد بھی کرلوں تاکہ بعد میں ذہول نہ ہوجائے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں سننا، پڑھنا، یاد کرنا، سمجھنا اتنی باتیں بیک وقت جمع ہوکر سخت الجھن کا باعث ہوتیں۔ اس لئے حق تعالیٰ آپ کو پریشانی سے بچا رہے ہیں کہ آپ خالی توجہ سے سن لیجئے۔ آگے سب چیزوں کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ چنانچہ اس کے بعد حضور ﷺ یکسو ہوکر وحی کو سن لیتے اور جبرائیل کے ساتھ پڑھنا آپ نے چھوڑ دیا یہ بھی ایک معجزہ ہوا کہ ساری وحی سنتے رہے۔ اس وقت زبان سے ایک لفظ نہیں دہرایا۔ لیکن فرشتے کے چلے جانے کے بعد لفظ بہ لفظ پوری وحی مکمل ترتیب کے ساتھ ایک زیر زبر کی تبدیلی کے بغیر فر فر سنادی اور سمجھادی۔ یہ دنیا میں ینبؤا الانسان بما قدم واخر کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہوا۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنی وحی فرشتے کے چلے جانے کے بعد پوری ترتیب کے ساتھ حرف بحرف بدون ادنیٰ فروگذاشت کے اپنے پیغمبر کے سینے میں جمع کردے۔ کیا اس پر قادر نہیں کہ بندوں کے اگلے پچھلے اعمال سب کو جمع کر کے ایک وقت میں سامنے کردے اور ان کو خوب طرح یاد دلادے اور اسی طرح ہڈیوں کے منتشر ذرات کو سب جگہ سے اکٹھا کر کے ٹھیک پہلی ترتیب پر انسان کو از سر نو وجود عطا فرمادے۔ بے شک وہ اس پر اور اس سے کہیں زیادہ زیادہ پر قادر ہے۔ اس تقریر سے یہ آیات پہلی آیات سے پوری طرح مربوط ہوگئیں اور قدماء روافض کا یہ الزام غلط ہوگیا کہ ان آیات کی بے ربطی بتلا رہی ہے کہ قرآن میں ضروری ردوبدل ہوا ہے۔

انسان بالطبع عجلت پسند ہے: .... کلا بل تحبون العاجلة. انسان کی طبیعت اور ضمیر میں جلد بازی داخل ہے "خلق الانسان من عجل"، "وكان الانسان عجولا." فرق اتنا ہے کہ نیک لوگ نیکیوں کے حامل ہیں۔ جلدی کرتے ہیں۔ جس کی ایک مثال ابھی لا تحرك به لسانك لتعجل به میں گزری ہے اور برے آدمی ان چیزوں کو پسند کرتے ہیں جو جلد ہاتھ آئے۔ خواہ اس کا نتیجہ تباہی و ہلاکت ہو، پس اے لوگو! تمہارا قیامت سے انکار ہرگز کسی صحیح دلیل کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ دنیا میں منہمک ہونے کی وجہ سے ہے دنیا چونکہ نقد النقدی ہے اس لئے مرغوب ہے اور آخرت ادھار سودا ہے اس لئے بودا ہے۔

وجوه يومئذ. مومنین کے چہرے قیامت کے دن ہشاش بشاش اور تروتازہ ہوں گے اور محبوب حقیقی کے دیدار سے ان کی آنکھیں روشن ہوں گی۔ عنوان تحقیق میں آیات وروایات اور اجماع سے آخرت میں دیدار الٰہی کا ہونا بیان ہو چکا ہے۔ جن گمراہوں کی قسمت میں یہ دولت نہیں وہ جانیں اور ان کا انکار اللهم لا تحرمنا من هذه النعمة التى ليس فوقها نعمة ووجوه يومئذ باصرة.

جان کنی کا ہولناک منظر: .... غیر مومنین کے چہرے اداس اور مرجھائے ہوئے ہوں گے اور یہ سمجھ بیٹھیں گے کہ اب ایسے عذاب سے سابقہ پڑنے والا ہے جو کمر توڑ کر رکھ دے گا فرماتے ہیں۔ "كلا اذا بلغت التراقى" یہ عذاب آخرت کچھ دور نہیں۔ اس کی پہلی منزل موت بالکل قریب ہے گویا یہ چھوٹا سا ایک نمونہ ہے منازل آخرت کا جہاں روح سمٹ کر ہنسلی تک پہنچے اور سانس حلق میں رکنے لگے، سمجھ کہ سفر آخرت شروع ہوگیا۔ ایسے میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی تو لوگ تعویذ گنڈوں، جھاڑ پھونک کا سہارا لیتے ہیں اور کہتے

ہیں یہاں کوئی ہے دم کر کے اس کے دم کو بچالے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رحمت اور عذاب کے فرشتے باہم پوچھتے ہیں کہ کون اس کی روح نکال کر لے جائے گا گویا راقی، رقیۃ بھی منتر جنتر سے نہیں۔ بلکہ رقی سے ماخوذ ہوگا غرض کہ مرنے والا اب سمجھ لے گا کہ اب توسب کو چھوڑ چھاڑ جانا ہی ہے، یا یہ کہ روح اب بدن کو چھوڑ کر رخصت ہو رہی ہے۔ چنانچہ سکرات کی کیفیات لوگوں پر مختلف ہوتی ہیں۔ بعض پر مختصر اور سہل اور بعض پر نہایت طویل وکریہہ۔ کبھی مارے سختی کے پنڈلی پر پنڈلی چڑھتی ہے اور کبھی نچلے حصہ کے بے جان ہوجانے سے بے اختیار ایک پنڈلی دوسری پنڈلی پر رگڑ جاتی ہے اور چونکہ محاورات عرب میں ساق بڑی بھاری مصیبت سے بھی کنایہ ہوتا ہے۔ اس لئے آیت کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ سختی پر سختی کے ڈوب آرہے ہوں گے دنیا کے چھوٹنے کا غم الگ عزیزوں کی جدائیگی کا پس منظر الگ، دشمنوں کے طعن وتشنیع کی فکر الگ اور سب سے بڑھ کر قبر وآخرت کے ہولناک مناظر کی دہشت سوار ہے۔ سفر آخرت کی ابتداء ہوچکی ہے۔ گویا اب بندہ اپنے رب کی طرف کھنچنا شروع ہوگیا ہے مگر افسوس کہ " فلا صدق و لا صلی " اپنی حماقت وغفلت سے نہ کوئی سامان سفر پہلے سے مہیا کیا گیا اور نہ کوئی زادراہ اور توشہ ساتھ لیا۔ بلکہ سارا وقت وہاں کے لئے تکلیف دہ سامان جمع کرنے میں لگایا پیغمبروں کو سچا سمجھنے اور ان پر یقین کی بجائے ان کو جھٹلاتا رہا اور نمازوں میں مالک کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے ہمیشہ ادھر سے منہ موڑے رہا۔ اور اتنا ہی نہیں، بلکہ اپنی شرارت وسرکشی پر اکڑتا اور اتراتا رہا اور اپنے متعلقہ لوگوں کے پاس جا کر اس طرح ظاہر کرتا کہ گویا بہت بڑی بھاری اور ہنرمندی کا کام کررہا ہے۔ فرماتے ہیں۔" اولیٰ لک فاولی " او بدنصیب! اب تیری شامت آئی۔ ایک دفعہ نہیں بار بار کمبختی پر تو نہیں سمجھا اس لئے تجھ سے بڑھ کر اللہ کی نئی نئی سزاؤں کا اور کون مستحق ہوگا۔ شاید یقین وایمان نہ لاتے اور نماز پڑھنے اور پھر جھٹلانے اور منہ موڑ لینے پر یہ خرابیاں بیان فرمائی ہوں اور لفظ ثـم سے ان چیزوں سے قابل فخر سمجھنے پر زیادہ خرابی کی طرف اشارہ ہو۔ جیسا کہ ثم ذهب الیٰ اهله کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے۔

قیامت کی عقلی دلیل:.............ایحسب الا نسان ۔ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کو یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا اس پر کچھ کرنے نہ کرنے کے احکام کی ذمہ داری نہ ہوگی۔ افحسبتم انما خلقنکم عبثاً وانکم الینا لا ترجعون ۔مرنے کے بعد کچھ پوچھ گچھ، حساب کتاب نہیں ہوگا۔ انسان اپنی ابتدائی خلقت پر غور نہیں کرتا کہ وہ پہلے عدم سے باپ کی کمر سے ہوتے ہوئے ماں کے رحم میں نطفہ کی بوند بن کر منتقل ہوا۔ پھر نطفہ سے جمے ہوئے خون کی شکل میں منتقل ہوا، اور پھر گوشت کی بوٹی بنا اور ہڈیوں اور کھال سے بڑھ کر ایک ڈھانچہ تیار ہوا اور ظاہری جوڑ بند، اندرونی قوتیں سب ٹھیک ٹھاک کردیں غرض کہ ایک بے جان نطفہ سے اچھا خاصا، جیتا جاگتا انسان بن گیا اور مرد وعورت کے امتیازات وخصوصایت جداگانہ کردیں۔ پھر یہ انتقالات کا سلسلہ بڑھتے بڑھتے قبر، حشر، نشر میں تبدیل ہوجائے تو کیا بعید ہے؟ جو ذات انسان کو پہلی مرتبہ بنانے پر قادر ہے کیا وہ دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے۔ سبحانک اللهم فبلی ۔

لطائف سلوک:.............لا اقسم بالنفس اللوامه ۔ نفس کی تین حالتیں ہیں:۔

۱۔ نفس امارہ جو برائی پر ابھارتا ہے۔

۲۔ نفس مطمئنه ۔ جو بھلائی پر جمائے۔

۳۔ نفس لوامه ۔ پہلی دونوں متقابل حالتوں کے بیچ میں یہ تیسری حالت ہے کہ برائیوں کے کرنے پر شرمندہ ہو اور اچھائی کے چھوڑنے پر پچھتائے۔

سُوْرَةُ الْاِنْسَانِ

سُوْرَةُ الْاِنْسَانِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ اِحْدٰى وَثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ قَدْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ اٰدَمَ **حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ** اَرْبَعُوْنَ سَنَةً **لَمْ يَكُنْ** فِيْهِ **شَيْئًا مَّذْكُوْرًا﴿۱﴾** كَانَ فِيْهِ مُصَوَّرًا مِّنْ طِيْنٍ لَايُذْكَرُ اَوِ الْمُرَادُ بِالْاِنْسَانِ الْجِنْسَ وَبِالْحِيْنِ مُدَّةَ الْحَمْلِ **اِنَّاخَلَقْنَا الْاِنْسَانَ** الْجِنْسَ **مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ** اَخْلَاطٍ اَىْ مِنْ مَّاءِ الرَّجُلِ وَمَاءِ الْمَرْأَةِ الْمُخْتَلِطَيْنِ الْمُمْتَزِجَيْنِ **نَّبْتَلِيْهِ** نَخْتَبِرُهٗ بِالتَّكْلِيْفِ وَالْجُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ اَوْحَالٌ مُّقَدَّرَةٌ اَىْ مُرِيْدِيْنِ ابْتِلَاءَهٗ حِيْنَ تَاَهُّلِهٖ **فَجَعَلْنٰهُ** بِسَبَبِ ذٰلِكَ **سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴿۲﴾ اِنَّاهَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ** بَيَّنَّالَهٗ طَرِيْقَ الْهُدٰى بِبَعْثِ الرُّسُلِ **اِمَّاشَاكِرًا** اَىْ مُؤْمِنًا **وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴿۳﴾** حَالَانِ مِنَ الْمَفْعُوْلِ اَىْ بَيَّنَّالَهٗ فِىْ حَالِ شُكْرِهٖ اَوْكُفْرِهِ الْمُقَدَّرَةِ وَاِمَّا لِتَفْصِيْلِ الْاَحْوَالِ **اِنَّآ اَعْتَدْنَا** هَيَّأْنَا **لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاْ** يُسْحَبُوْنَ بِهَافِى النَّارِ **وَاَغْلٰلًا** فِىْ اَعْنَاقِهِمْ تُشَدُّ فِيْهَا السَّلَاسِلَ **وَّسَعِيْرًا﴿۴﴾** نَارًا مُسَعَّرَةً اَىْ مُهَيَّجَةً يُعَذَّبُوْنَ بِهَا **اِنَّ الْاَبْرَارَ** جَمْعُ بَرٍّاَوْبَارٍّ وَّهُمُ الْمُطِيْعُوْنَ **يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ** هُوَاِنَاءُ شُرْبِ الْخَمْرِ وَهِىَ فِيْهِ وَالْمُرَادُ مِنْ خَمْرٍ تَسْمِيَةٌ لِّلْحَالِ بِاِسْمِ الْمَحَلِّ وَمِنْ لِلتَّبْعِيْضِ **كَانَ مِزَاجُهَا** مَاتُمْزَجُ بِهٖ **كَافُوْرًا﴿۵﴾ عَيْنًا** بَدَلٌ مِنْ كَافُوْرًا فِيْهَا رَائِحَتُهٗ **يَّشْرَبُ بِهَا** مِنْهَا **عِبَادُ اللّٰهِ** اَوْلِيَائُهٗ **يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا﴿۶﴾** يَقُوْدُوْنَهَاحَيْثُ شَاءُوْا مِنْ مَنَازِلِهِمْ **يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ** فِىْ طَاعَةِ اللّٰهِ **وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا﴿۷﴾** مُنْتَشِرًا **وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ** اَىِ الطَّعَامُ وَشَهْوَتُهُمْ لَهٗ **مِسْكِيْنًا** فَقِيْرًا **وَّيَتِيْمًا** لَااَبَ لَهٗ **وَّاَسِيْرًا﴿۸﴾** يَعْنِى الْمَحْبُوْسَ بِحَقٍّ **اِنَّمَانُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ** لِطَلَبِ ثَوَابِهٖ **لَانُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَاشُكُوْرًا﴿۹﴾** شُكْرًا فِيْهِ عَلَى الْاِطْعَامِ وَهَلْ تَكَلَّمُوْا بِذٰلِكَ اَوْعَلَّمَهُ اللّٰهُ مِنْهُمْ فَاَثْنٰى عَلَيْهِمْ بِهٖ قَوْلَانِ **اِنَّانَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا** تَكْلَحُ الْوُجُوْهُ فِيْهِ اَىْ كَرِيْهُ الْمَنْظَرِ لِشِدَّتِهٖ

قَمْطَرِيْرًا ﴿۱۰﴾ شَدِيْدًا فِي ذٰلِكَ **فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ** اَعْطَاهُمْ **نَضْرَةً** حُسْنًا وَاِضَاءَةً فِيْ وُجُوْهِهِمْ **وَّسُرُوْرًا** ﴿۱۱﴾ **وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا** بِصَبْرِهِمْ عَنِ الْمَعْصِيَةِ **جَنَّةً** اُدْخِلُوْهَا **وَّحَرِيْرًا** ﴿۱۲﴾ اُلْبِسُوْهُ **مُّتَّكِئِيْنَ** حَالٌ مِّنْ مَّرْفُوْعِ اُدْخِلُوْهَا الْمُقَدَّرَةِ وَكَذَا لَا يَرَوْنَ **فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ** السُّرُرِ فِي الْحِجَالِ **لَا يَرَوْنَ** يَجِدُوْنَ حَالٌ ثَانِيَةٌ **فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا** ﴿۱۳﴾ اَيْ لَا حَرًّا وَّلَا بَرْدًا وَّقِيْلَ الزَّمْهَرِيْرُ الْقَمَرُ فَهِيَ مُضِيْئَةٌ مِنْ غَيْرِ شَمْسٍ وَّلَا قَمَرٍ **وَدَانِيَةً** قَرِيْبَةً عَطْفٌ عَلٰى مَحَلِّ لَا يَرَوْنَ اَيْ غَيْرَ رَائِيْنَ **عَلَيْهِمْ** مِنْهُمْ **ظِلٰلُهَا** شَجَرُهَا **وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا** ﴿۱۴﴾ اُدْنِيَتْ ثِمَارُهَا فَيَنَالُهَا الْقَائِمُ وَالْقَاعِدُ وَالْمُضْطَجِعُ **وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ** فِيْهَا **بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ** اَقْدَاحٍ بِلَا عُرًى **كَانَتْ قَوَارِيْرَا۟** ﴿۱۵﴾ **قَوَارِيْرَا۟ مِنْ فِضَّةٍ** اَيْ اِنَّهَا مِنْ فِضَّةٍ يُرٰى بَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا كَالزُّجَاجِ **قَدَّرُوْهَا** اَيِ الطَّائِفُوْنَ **تَقْدِيْرًا** ﴿۱۶﴾ عَلٰى قَدْرِ رِيِّ الشَّارِبِيْنَ مِنْ غَيْرِ زِيَادَةٍ وَّلَا نَقْصٍ وَّذٰلِكَ اَلَذُّ الشَّرَابِ **وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا** اَيْ خَمْرًا **كَانَ مِزَاجُهَا** مَا تُمْزَجُ بِهِ **زَنْجَبِيْلًا** ﴿۱۷﴾ **عَيْنًا** بَدَلٌ مِّنْ زَنْجَبِيْلًا **فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا** ﴿۱۸﴾ يَعْنِيْ اَنَّ مَاءَهَا كَالزَّنْجَبِيْلِ الَّذِيْ تَسْتَلِذُّ بِهِ الْعَرَبُ سَهْلُ الْمَسَاغِ فِي الْحَلْقِ **وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ** بِصِفَةِ الْوِلْدَانِ لَا يَشِيْبُوْنَ **اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ** لِحُسْنِهِمْ وَانْتِشَارِهِمْ فِي الْخِدْمَةِ **لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا** ﴿۱۹﴾ مِنْ سِلْكِهٖ اَوْ مِنْ صَدَفِهٖ وَهُوَ اَحْسَنُ مِنْهُ فِيْ غَيْرِ ذٰلِكَ **وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ** اَيْ وُجِدَتِ الرُّؤْيَةُ مِنْكَ فِي الْجَنَّةِ **رَاَيْتَ** جَوَابُ اِذَا **نَعِيْمًا** لَا يُوْصَفُ **وَّمُلْكًا كَبِيْرًا** ﴿۲۰﴾ وَاسِعًا لَا غَايَةَ لَهٗ **عٰلِيَهُمْ** فَوْقَهُمْ فَنَصَبُهٗ عَلَى الظَّرْفِيَّةِ وَهُوَ خَبَرُ الْمُبْتَدَاِ بَعْدَهٗ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِسُكُوْنِ الْيَاءِ مُبْتَدَاٌ وَّمَا بَعْدَهٗ خَبَرُهٗ وَالضَّمِيْرُ الْمُتَّصِلُ بِهٖ لِلْمَعْطُوْفِ **عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ** حَرِيْرٌ **خُضْرٌ** بِالرَّفْعِ **وَّاِسْتَبْرَقٌ** بِالْجَرِّ مَا غَلَظَ مِنَ الدِّيْبَاجِ وَهُوَ الْبَطَائِنُ وَالسُّنْدُسُ الظَّهَائِرُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ عَكْسُ مَا ذُكِرَ فِيْهِمَا وَفِيْ اُخْرٰى بِرَفْعِهِمَا وَفِيْ اُخْرٰى بِجَرِّهِمَا **وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ** وَفِيْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ مِنْ ذَهَبٍ لِلْاِيْذَانِ بِاَنَّهُمْ يُحَلَّوْنَ مِنَ النَّوْعَيْنِ مَعًا وَّمُفَرَّقًا **وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا** ﴿۲۱﴾ مُبَالَغَةٌ فِيْ طَهَارَتِهٖ وَنَظَافَتِهٖ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا **اِنَّ هٰذَا** النَّعِيْمَ **كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا** ﴿۲۲﴾ **اِنَّا نَحْنُ** تَاكِيْدٌ لِاِسْمِ اِنَّ اَوْ فَصْلٌ **نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا** ﴿۲۳﴾ خَبَرُ اِنَّ اَيْ فَصَّلْنَاهُ وَلَمْ نُنَزِّلْهُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً **فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ** عَلَيْكَ بِتَبْلِيْغِ رِسَالَتِهٖ **وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ** اَيِ الْكُفَّارِ **اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا** ﴿۲۴﴾ اَيْ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَالْوَلِيْدُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ قَالَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْجِعْ عَنْ هٰذَا الْاَمْرِ وَيَجُوْزُ اَنْ يُّرَادَ كُلُّ اٰثِمٍ وَّكَافِرٍ اَيْ لَا تُطِعْ اَحَدَهُمَا اَيًّا فِيْمَا دَعَاكَ اِلَيْهِ مِنْ اِثْمٍ اَوْ كُفْرٍ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ فِي الصَّلٰوةِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾ يَعْنِي الْفَجْرَ وَالظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ يَعْنِي الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾ صَلِّ التَّطَوُّعَ فِيْهِ كَمَا تَقَدَّمَ مِنْ ثُلُثَيْهِ اَوْ نِصْفِهٖ اَوْ ثُلُثِهٖ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ الدُّنْيَا يَخْتَارُوْنَ عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾ شَدِيْدًا اَيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يَعْمَلُوْنَ لَهٗ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ قَوَّيْنَا اَسْرَهُمْ اَعْضَاءَهُمْ وَمَفَاصِلَهُمْ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ جَعَلْنَا اَمْثَالَهُمْ فِي الْخِلْقَةِ بَدَلًا مِنْهُمْ بِاَنْ نُهْلِكَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾ تَاكِيْدٌ وَوَقَعَتْ اِذَا مَوْقَعَ اِنْ نَحْوَ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ لِاَنَّهٗ تَعَالٰى لَمْ يَشَاْ ذٰلِكَ وَاِذَا لَمَّا يَقَعْ اِنَّ هٰذِهٖ السُّوْرَةَ تَذْكِرَةٌ عِظَةٌ لِّلْخَلْقِ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ بِالطَّاعَةِ وَمَا تَشَآءُوْنَ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ اِتِّخَاذَ السَّبِيْلِ بِالطَّاعَةِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا بِخَلْقِهٖ حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ فِي فِعْلِهٖ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ جَنَّتِهٖ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالظّٰلِمِيْنَ نَاصِبُهٗ فِعْلٌ مُّقَدَّرٌ اَيْ اَعَدَّ يُفَسِّرُهٗ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾ مُؤْلِمًا وَهُمُ الْكٰفِرُوْنَ

ترجمہ:............سورہ انسان مکیہ یا مدنیہ ہے۔ جس میں ۳۱ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بے شک انسان (آدم) پر ایک ایسا وقت آچکا ہے (چالیس سال) جس میں وہ قابل ذکر چیز نہ تھا (گارے کا پتلا بنا ہوا تھا جو نا قابل ذکر تھا یا عام جنس انسان مراد ہے اور حین سے مراد زمانہ حمل لیا جائے) ہم نے اسی (عام انسان) کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا (مرد وعورت کے باہمی اختلاط سے جو مرکبہ تیار ہوا) اس طرح کہ ہم اس کو مکلّف بنائیں۔ (شرعی احکام کا پابند کر کے دیکھیں۔ جملہ مستانفہ ہے یا حال مقدر ہے۔ یعنی ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ہم اس کو اہل ہونے پر مکلّف بنائیں) تو ہم نے اس کو سنتا، دیکھتا (اسی وجہ سے) بنایا۔ ہم نے اس کو رستہ بتلایا (پیغمبروں کو بھیج کر ہدایت کی رہنمائی کی) یا تو وہ شکر گذار (مومن) بنا اور یا ناشکرا ہو گیا (دونوں لفظ مفعول سے حال ہیں یعنی اس کے مقدر کفر وشکر کی حالت میں اس کو واضح کر دیا اور اما تفصیل احوال کے لئے ہوتا ہے) ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں (جن سے وہ دوزخ میں گھسیٹے جائیں گے) اور طوق (گلے میں پڑے ہوں گے جن میں زنجیریں بندھی ہوں گی) اور دہکتی آگ (تیز شعلہ والی، دہکتی ہوئی جس سے عذاب دیا جائے گا) تیار کر رکھی ہیں، نیک لوگ (بر یا بار کی جمع ہے فرمانبردار مراد ہیں) پئیں گے ایسے جام شراب سے (کاس شراب کا پیمانہ جب کہ اس میں شراب موجود ہو مگر مراد خود شراب ہے محل بول کر حال مراد لیا گیا ہے اور من تبعیضیہ ہے) جس میں کافور کی آمیزش (ملاوٹ) ہوگی یعنی ایسے چشمے سے (کافور سے بدل ہے۔ اس میں کافور کی مہک ہوگی) اللہ کے بندے (نیک لوگ پئیں گے۔ جس کو بہا کر لے جائیں گے (اپنے مکانوں میں جہاں چاہیں گے گھمائیں گے) وہ لوگ واجبات کو (اللہ کی اطاعت میں) پورا کرتے ہیں اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام (پھیلی ہوئی) ہوگی اور وہ محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کھانا (باوجودیکہ کھانے کی طرف شوق ورغبت ہوتی ہے) کھلاتے ہیں غریب (فقیر) یتیم (بن باپ بچہ) اور قیدی (حق میں پکڑے ہوئے کو) ہم تو محض اللہ کی خوشنودی (ثواب حاصل کرنے) کے لئے کھانا کھلاتے ہیں۔ نہ ہم تم سے بدلہ چاہیں گے اور نہ شکریہ (کھانا کھلانے پر، اہل جنت نے یہ کلام کیا، یا اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات سے یہ جان کر تعریف فرمائی۔ اس میں دونوں رائے ہیں) ہم ڈرتے ہیں خدا کی جانب کے ایک سخت دن سے (جس دن چہرے سیاہ پڑ جائیں گے یعنی جھلس جائیں گے

مارے سختی کے) جو نہایت سخت (شدید) ہوگا۔ سو اللہ تعالیٰ ان کو اس سخت دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو مرحمت (عطا) فرمائے گا تازگی (رونق اور چہروں کی رونق) اور خوشی اور ان کی پختگی کے بدلہ میں (برائیوں سے بچنے کے سلسلہ میں) ان کو جنت (میں داخل کرے گا) اور ریشمی لباس (پہنائے گا) عنایت فرمائے گا اس حال میں کہ وہ تکیہ لگائے ہوں گے (یہ اور لایرون دونوں ادخلوھا مقدر سے حال ہیں) مسہریوں (چھپر کھٹوں) پر نہ وہاں پائیں گے (یرون بمعنی یجدون حال ثانیہ ہے) تپش اور نہ جاڑا (یعنی گرمی سردی کچھ نہیں ہوگی اور بعض نے زمہریر سے چاند مراد لیا ہے۔ یعنی جنت میں بغیر سورج چاند کے روشنی رہے گی) اور جھکے ہوں گے یعنی نزدیک (لایرون کے محل۔ یعنی غیر رائین پر اس کا عطف ہو رہا ہے) ان پر درختوں کے سائے اور ان کے میوے ان کے اختیاری ہوں گے (قریب لٹکے ہوئے کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے سب طرح حاصل ہوسکیں) اور ان کے پاس چاندی کے برتن پیش کئے جائیں گے اور کانچ کے پیالے (کوکب جس پیالہ میں پکڑنے کی ہتھی بنی ہوئی نہ ہو) جو کانچ چاندی سے تیار ہوئی ہوگی (یعنی چاندی کے پیالے ہوں گے جس میں شیشہ کی طرح باہر سے اندر کا حصہ نظر آ جائے گا) جن کو (گھمانے والوں نے) اندازہ سے بھرا ہوگا (پینے والوں کے مطابق زیادہ نہ کم اور ایسی شراب عمدہ ہوتی ہے) اور ان کو اور بھی جام شراب پلایا جائے گا۔ جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ ایسے چشمے سے (زنجبیلا سے عینا بدل ہے) جو وہاں ہوگا جس کا نام سلسبیل ہوگا (یعنی اس کا پانی سونٹھ جیسا ہوگا، جس کو عرب پسند کرتے ہیں اور بسہولت گلے سے نیچے اترتا جاتا ہے) اور ایسے لڑکے لے کر آمد ورفت کریں گے جو سدا لڑکے ہی رہیں گے (نو عمر ہی رہیں گے جوان نہیں ہوں گے) تو اگر دیکھے تو انہیں (خوب صورتی اور خدمت کے لئے چلت پھرت کی رو سے) بکھرے ہوئے موتی سمجھے (جو لڑی اور سیپی سے بکھر جائیں دوسری حالتوں کے مقابلہ میں یہ حالت سب سے خوبصورت ہوتی ہے) اور تو اس جگہ کو دیکھے (یعنی جنت میں تم کو دیکھنے کا اگر اتفاق ہو) تو تجھ کو دکھائی دے (اذا کا جواب ہے) بڑی نعمت (جس کی خوبی بیان نہیں ہوسکتی) اور بڑی سلطنت (بے انتہا وسیع) ان جنتیوں پر (یہ منصوب ظرفیت کی وجہ سے ہے اور بعد والے مبتدا کی خبر ہے اور ایک قرأت میں سکون یا کے ساتھ مبتدا ہے اور مابعد خبر ہے اور اس کی متصل ضمیر معطوف علیہم کی طرف لوٹے گی) باریک ریشم کے سبز (رفع کے ساتھ) کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے کپڑے بھی (۔ جر کے ساتھ موٹے ریشمی کپڑے جو استر میں کام آتے ہیں اور سندس جو ابرے میں کام آتے ہیں اور ایک قراءت میں اس کے برعکس ہے، اور تیسری قرأت دونوں کے رفع کے ساتھ ہے اور چوتھی قرأت دونوں کے جر کی ہے (اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے (دوسری جگہ سونے کے کنگن آئے ہیں۔ منشاء یہ ہے کہ دونوں طرح کے ہوں گے۔ خواہ دونوں ایک ساتھ ہوں یا الگ الگ) اور ان کا رب ان کو پاکیزہ شراب پینے کے لئے دے گا (پاکیزگی اور صفائی میں انتہا پر پہنچی ہوئی برخلاف شراب دنیا کے یہ (نعمتیں) تمہارا صلہ ہے اور تمہاری محنت قبول ہوئی۔ ہم نے (نحن اسم کی تاکید ہے یا ضمیر فصل) آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے (ان کی خبر ہے۔ یعنی الگ الگ کر کے ہم نے اتارا ہے (ایک دم نہیں اتار دیا) سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر (تبلیغ رسالت پر) جمے رہئے اور ان (کفار) میں سے کسی فاسق یا کافر کے کہنے میں نہ آیئے (یعنی عتبہ بن ربیعہ، اور ولید بن مغیرہ جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا کہ آپ اس کام کو چھوڑ دیجئے اور فاسق و کافر بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔ یعنی آپ کسی کا بھی کہنا نہ مانیئے۔ وہ کسی برائی کی طرف بلائے یا کفر کی طرف اور (نماز میں) اپنے رب کا نام لیا کیجئے۔ صبح شام (فجر، ظہر، عصر میں) اور کسی قدر رات کے حصہ میں اس کو سجدہ کیا کیجئے (یعنی مغرب وعشاء میں) اور رات کے بڑے حصے میں تسبیح و تقدیس کیا کیجئے (نوافل پڑھا کیجئے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے یعنی دو تہائی رات یا آدھی رات یا تہائی رات) یہ لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں (آخرت کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دیتے ہیں) اور اپنے آگے آنے والے ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں (جو نہایت سخت یعنی قیامت کا دن ہے اس کے لئے کوئی عمل نہیں کرتے ہم ہی نے ان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے (اعضا اور جوڑ) اور جب ہم چاہیں ان ہی جیسے لوگ ان کی جگہ (تن وتوش میں ان کی بجائے لے آئیں ان کو ہلاک کر کے) بدل دیں (یہ تاکید ہے۔ اور ان کی بجائے اذا آیا۔ چنانچہ ان یشا یذھبکم آیا ہے۔ کیونکہ اللہ نے یہ نہیں چاہا۔ اور اذا واقع ہونے والی بات کے لئے آتا ہے) یہ (سورت)

نصیحت ہے (مخلوق کے لئے وعظ ہے) سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف (اطاعت) کا رستہ اختیار کرلے اور تم کوئی چیز چاہ نہیں سکتے (تااور یا کے ساتھ ہے فرمانبرداری کا راستہ اپنانا) بدون اللہ کے چاہے۔ اللہ (اپنی مخلوق کے متعلق) بڑا علم والا (اپنے کام میں) بڑی حکمت والا ہے وہ جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کردے (یعنی جنت میں، مراد مومنین ہیں) اور ظالموں کے لئے (اس کا ناصب فعل مقدر ہے یعنی اعدّ جس کی تفسیر آگے ہے) اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے (تکلیف دہ ظالم سے کافر مراد ہیں۔)

تحقیق وترکیب:.............**هل اتیٰ** استفہام تقریری ہے۔ ابوالسعود اور تفسیر کبیر دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ **هل اتی علی الا نسان** اور **هل اتاك حديث الغاشية** دونوں جگہ هل بمعنی قد ہے "**علی الا نسان**" مفسرؒ نے پہلے لفظ سے حضرت آدمؑ اور دوسرے لفظ سے مراد عام انسان لیا ہے۔ حالانکہ مشہور قاعدہ یہ ہے کہ معرفہ کو جب دوبارہ ذکر کیا جائے تو اس سے پہلا ہی شخص مراد ہوتا ہے۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثریہ ہے۔ دوسرے **الا نسان** سے پہلے مضاف محذوف مان لیا جائے۔ ای **خلقنا ذرية الا نسان** اور اضافت ادنی تعلق کی وجہ سے بھی ہو جاتی ہے۔ قتادہ، عکرمہ، شعبی انسان سے مراد آدم لیتے ہیں۔ چالیس سال ان کا پتلا مکہ اور طائف کے درمیان پڑا رہا پھر روح ڈالی گئی۔ اور ضحاک ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ چالیس سال گارا رہا پھر اور چالیس سال اور تغیر ہوا۔ مجموعی مدت چار چلے ہوئی۔

حين من الدهر . بغوی چالیس اور ابن عباسؓ ایک سو بیس سال فرماتے ہیں۔

لم يكن شيئا مذكورا . عالم ارواح عالم اجسام سے پہلے ہے مگر وہاں ہونا قابل ذکر نہیں کہلائے گا جب تک عالم اجسام میں نہ ہو۔ مفسرؒ نے فیہ نکال کر اشارہ کیا ہے کہ جملہ **حين** کی صفت ہے، عائد محذوف ہے اور انسان سے حال بھی ہو سکتا ہے۔ ای **اتى عليه حين غير مذكورا** .

امشاج . **شجت الشئى** کے معنی مخلوط ہونے کے ہیں یہ مشج یا مشیج کی جمع ہے اور مرد وعورت کے نطفہ کے مجموعہ کی وجہ سے جمع استعمال کی گئی گویا ایک سے زائد پر جمع بول دی گئی ہے یا اس کے مختلف اجزاء مراد ہیں گویا ہر جز کو ایک عضو قرار دیا گیا ہے اور زمخشری یہ کہتے ہیں کہ افعال کا وزن کبھی مفرد کے لئے نادر طریقہ پر آتا ہے۔ سیبویہ کی رائے بھی یہی ہے جیسے لفظ امام۔

نبتليه یہ **خلقناه** کے فاعل سے حال ہے۔ ای **خلقناه حال كو نه** . **مبتلين** دوسری صورت یہ ہے کہ انسان سے حال ہو۔ کیونکہ جملہ میں دو ضمیریں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ذوالحال کی طرف لوٹ سکتی ہے۔ پھر رحم مادر میں نطفہ کے مختلف تصرفات اگر **نبتليه** کے معنی ہیں تب تو یہ حال مقدرہ نہ کہلائے گا۔ جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے ہے۔ لیکن اگر ابتلائے سے مراد مکلّف کرنا ہے تو بہر حال مقدرہ ہوگا۔ اسی طرح اختبار کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک خیر وشر دونوں کو عام جیسے کلبی کی رائے ہے۔ دوسرے بقول حسن خوشحالی میں صبر مراد ہو۔ اور مقاتل یہ کہتے ہیں کہ پیدا ہونے کے بعد عمل کا مکلّف بنانا مراد ہے اور بعض امر ونہی کا پابند ہونا مراد لیتے ہیں۔ تفسیری عبارت ''**حين تاهله**'' کا مطلب یہ ہے کہ اہلیت پیدا ہونے کے بعد مکلّف بنایا جائے۔

سميعاً بصيرا . زیادہ منافع کا تعلق چونکہ دونوں اعضا سے ہے۔ اس لئے ان کی تخصیص کی گئی۔ پھر سماعت کو پہلے اس لئے بیان کیا کہ خطابیات میں سماعی چیزیں نافع ہوتی ہیں۔ نیز سمعی آیات عینی آیات کے مقابلہ میں واضح ہوتی ہیں اور بصارت سے عام بصیرت مراد ہے۔ پس تعمیم بعد التخصیص ہو جائے گی۔

اما شاكرا واما كفورا . یہاں شاکر کے وزن پر کافر نہیں فرمایا تو اصل کی رعایت کرتے ہوئے نیز شاکر کے مقابلہ میں کافر چونکہ زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لئے کفور مبالغہ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ آگے دونوں کے بدلہ کو لف ونشر غیر مرتب کر کے بیان کیا۔ تاکہ کافر کی سزا کا بیان مستقل رہے۔

من كاس . شراب سے بھرا ہوا پیمانہ روح البیان کے مطابق شیشہ کا پیمانہ اور مجازاً شراب کے معنی بھی ہو سکتے ہیں۔

کافورا. عطاءؒ کہتے ہیں کہ کافور کی نہر بھی جنت میں ہوگی پانی میں ملا کر پلایا جائے گا۔قتادہؒ کہتے ہیں کہ کافور کی آمیزش کردی جائے گی اس پر مشک کی مہر لگی ہوگی یا ملاوٹ نہیں بلکہ کافور کی مہک اور خوشبو آئے گی۔عبداللہؓ نے اس کو قافورا پڑھا ہے۔

یشرب بھا. اس میں با زائد بھی ہوسکتی ہے۔چنانچہ ابن ابی عینیہ کی قراءت" یشربھا" اس پر دلالت کررہی ہے۔نیز با ، من کی معنی میں بھی ہوسکتی ہے۔نیز اس سے حالیت بھی مراد ہوسکتی ہے۔"ای ممزوجۃ بھا" چوتھی صورت یہ ہے۔کہ با کا تعلق "یشرب" سے ہو اور ضمیر کاس کی طرف راجع ہو۔"ای یشربون العین بذلک الکاس" اور با الصاق کے لئے ہے۔پانچویں صورت یہ ہے کہ "یشربون" معنی "یلتذون" کو متضمن ہو۔ ای یلتذون بھا شاربین . چھٹے یہ کہ یرثون کے معنی کو متضمن ہو۔ ای یرثون بھا .

ویطعمون الطعام . پہلے حق تعالیٰ نے جود وبذل کو بیان فرمایا ہے یہاں اس کی تکمیل کا بیان ہے کہ ان میں خلوص ہوتا ہے ریا کاری نہیں ہوتی ۔عطاء کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے کہ انہوں نے مزدوری کرکے کچھ جو حاصل کئے اور ان کو پیس کر کچھ حریرہ تیار کیا کہ ایک مسکین آ گیا۔آپ نے اس کو مرحمت فرمادیا پھر دوبارہ کچھ تیار کیا پھر کوئی یتیم مسکین آ گیا آپ نے وہ بھی عنایت فرمادیا پھر تیسری مرتبہ تیار کیا، تو ایک مشرک قیدی آ گیا آپ نے وہ بھی دے ڈالا۔

علی حبہ. علیٰ بمعنی مع اور ضمیر طعام کی طرف راجع ہے۔لیکن ضمیر اللہ کی طرف بھی قرینہ حالیہ کی وجہ سے راجع ہوسکتی ہے۔

واسیرا. جو کسی حق میں گرفتہ ہو جیسے: غلام، قیدی، تاوان اور ڈنڈ بھرنے والا، مجاہدؒ مسجون اور ابن عباسؓ مشرک مراد لیتے ہیں۔

لا نرید. حقیقۃ انہوں نے یہ کلام کیا ہے یا مجازاً کلام مراد ہے۔سعید بن جبیرؒ دوسری شق کو ترجیح دے رہے ہیں اس سے کلام نفسی پر بھی دلالت ہوتی ہے۔

عبوسا قمطریرا . براسامنہ بنانا۔

ظلالھا . چونکہ جنت میں سورج اور دھوپ نہیں ہے اس لئے سایہ کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔پھر ظلال کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے مفسرؒ درخت کے معنی لے رہے ہیں۔

ویطاف. چونکہ یہاں گھومنے والے بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ جو چیزیں گھمائی جائیں گی وہ مقصود ہیں۔اس لئے صیغہ مجہول لایا گیا۔آگے " ویطوف علیھم ولدان " میں اس کے برعکس مقصد ہے اس لئے معروف صیغہ لایا گیا ہے۔

کانت. یہ تامہ ہے ضمیر اسم ہے جو اوانی اور اکواب کی طرف راجع ہے۔

قواریرا. قارورہ کی جمع ہے شیشہ کا جام۔یہ لفظ دوبارہ لایا گیا۔

من فضۃ صفت کی تمہید کے لئے گویا جام کی صفائی اور چمک تو آئینہ جیسی ہوگی اور سفیدی نرمی چاندی جیسی۔

قدروھا . یعنی جام و مینا کو گردش میں لانے والے اتنے ہی شراب پیش کریں گے جتنی ضرورت ہوگی اور یا اہل جنت کی طرف ضمیر راجع ہے کہ وہ جتنی خواہش کریں گے جام میں اتنی ہی شراب آئے گی۔

زنجبیلا عینا . زمخشریؒ کہتے ہیں کہ زنجبیل کے چشمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذائقہ اور خوشبو تو زنجبیل کی طرح ہو اور بسہولت گلے سے اترنے میں سلسبیل ہوگا۔زجاج سلسبیل ہوگا۔زجاج سلسبیل، سلامت کی وجہ سے مانتے ہیں اور ابوعبیدہؒ شیریں اور عمدہ ہونے کے معنی لیتے ہیں اور مقاتلؒ کہتے ہیں دنیا کی زنجبیل کی طرح نہیں ہوگی۔

ولدان. یہ غلمان جنت کی نئی مخلوق ہوگی جو سدا بہار رہے گی اور حسن کہتے ہیں کہ یہ دنیا کے معصوم بچے ہوں گے درمنظوم کی بجائے درمنثور سے تشبیہ کی وجہ خدمت گاری کے وقت چلتا پھرتا آتا جاتا ہے جنت کی ہر چیز خوبصورت ہوگی خدمت گار بھی خوبصورت ہوں گے اس لئے کوئی ناپاک خیال دل میں لانا گندہ ذہنی اور بدباطنی ہوگا۔

اذا رایت ثم. رأیت بمنزلہ لازم ہے اس لئے مفعول کی ضرورت نہیں اور ثم ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے۔

عالیھم نافع، حمزہ، سکون یا اور کسرہ ہا کے ساتھ اور باقی قراء فتحہ اور یا ضمہ ھا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔جیسا کہ ہائے کنایہ کا

قاعدہ ہے کہ یا ساکنہ کی صورت میں مکسور اور یائے متحرکہ ہونے کی صورت میں مضموم ہوتی ہے۔ نافع اور حمزہ کی قراءت پر مختلف توجیہات ہوسکتی ہیں۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ **عالیھم خبر مقدم** . ثیاب مبتداء مؤخر ہو۔ دوسرے یہ کہ **عالیھم** مبتداء اور ثیاب فاعلیت کی وجہ سے مرفوع ہو۔ جیسا کہ اخفش کی رائے ہے۔ تیسرے یہ کہ **عالیھم** منصوب ہو لیکن سکون تخفیف کی وجہ سے ہے یہ رائے ابوالبقاء کی ہے اسی طرح نصب کی قراءت پر بھی کئی توجیہات ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ظرف خبر مقدم اور ثیاب مبتداء مؤخر ہو۔ ای **فوقھم ثیاب** . کیونکہ بقول ابوالبقاء عالی بمعنی **فوق** ہے۔ ابن عطیہ اس کو ظرف مان کر منصوب مانتے ہیں بمعنی فوق۔ اور شیخ کی رائے یہ ہے کہ عالی اور عالیۃ اسم فاعل ہیں ان کو ظرف بنانے کے لئے کلام عرب سے منقول ماننا ہوگا یعنی اصل کلام **عالیک او عالیتک ثوب تھا**۔ لیکن اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسم فاعل کا وزن ظرف کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ **خارج الدار الداخل الدار باطن الدار ظاهر الدار** . یہاں "**عالیھم ثیاب**" بھی اسی قبیل سے ہے اور نصب کی صورت میں دوسری ترکیب یہ ہے کہ **عالیھم** کی ضمیر سے حال ہو اور تیسری ترکیب یہ ہے کہ **حسبتھم** کے مفعول سے حال ہو اور چوتھے یہ کہ مضاف مقدر سے حال ہو۔ **ای رایت اھل نعیم وملک کبیر** . پس **عالیھم** اہل سے حال ہو جو مقدر ہے۔ زمخشری نے ان تینوں ترکیبوں کو اس طرح ذکر کیا ہے۔ **وعالیھم بالنصب علی انه حال من الضمیر فی یطوف علیهم او من حسبتهم ای یطوف علیهم والدان عالیا . المعطوف علیه ثیاب او حسبتهم لؤ لؤا عالیا لهم ثیاب ویجوز ان یراد اهل تنعیم**.

خضر واستبرق . ابوعمرو، ابن عامر نے اول مرفوع اور ثانی مجرور پڑھا ہے۔ اور ابن کثیر وشعبہ کی قراءت اس کے برعکس ہے۔ اور نافع وحفص دونوں کو مرفوع پڑھتے ہیں۔ حمزہؒ اور کسائیؒ دونوں کو مجرور پڑھتے ہیں۔ ابن کثیر شعبہ کی قرأت پر "سندس" کی صفت ہونے کی وجہ سے "**خضر**" مجرور ہے اور "**استبرق**" مرفوع ہے ثیاب پر عطف کی وجہ سے "**حلوا**" اس کا عطف **یطوف علیهم** پر ہے لفظاً ماضی اور معناً مستقبل ہے۔ اور "**اساور**" "**حلوا**" کا مفعول ثانی ہے اور "**حلوا**" بمعنی **یحلون** ہے۔

من فضة . دنیا میں مستطیع امراء کے یہاں ایک ایک چیز کے کئی کئی سیٹ ہوتے ہیں جنت میں بھی اسی طرح ہوں۔ یا بعض چیزیں سونے کی اور بعض چاندی کی۔ یا چاندی کی چیزیں ابرار کے لئے یا نوکروں چاکروں کے لئے اور سونے کی چیزیں مقربین اور مخدومین کے لئے ہوں گی۔

انا نحن . ضمیر کے تکرار میں تاکید اور اختصاص ہے۔

ولا تطع منهم . عتبہ نے تو آنحضرت ﷺ کو اپنی بیٹی بیاہ دینے کا لالچ دیا تھا اور ولید نے بہت سے مال کا لالچ دیا تھا۔ اور **آثم** اور **کفور** سے مراد عام بھی ہوسکتی ہے۔ زمخشریؒ یہ کہتے ہیں کہ او تخییر کے لئے آتا ہے۔ **ولا تطع احدهما** کے معنی دونوں کی فرمانبرداری سے روکنے کے ہیں۔ کیونکہ او دونوں میں سے ایک کے لئے ہے اور جب نفی کی جائے گی تو دونوں کی نفی ہو جائے گی کیونکہ ایجاب جزئی کی نقیض سلب کلی ہوتی ہے۔

فاسجد له ۔ فا شرطیت کے معنی بتلا رہی ہے۔ **ای مهما یکن من شئی فصل من اللیل** . بہرحال تہجد مراد ہے۔ خواہ پہلے آپ کے لئے واجب تھا بعد میں نفل ہوگیا یا شروع ہی سے نفل رہا۔

یوماً ثقیلا . ثقل وخفت ذوات کی صفات میں ہوا کرتے ہیں نہ کہ معانی میں لیکن یہاں دن کو مجازاً بھاری کہہ دیا ہے۔

شددنا اسرهم . قاموس میں اس کے معنی اعضاء کے ہیں مجاہد وابوہریرہ نے بھی یہی تفسیر فرمائی زمخشری **اسر** کے معنی ربط کے لیتے ہیں **اسر الرجل** یعنی قید کر دیا۔

اذا شئنا . زمخشری کہتے ہیں کہ یہاں ان کا موقعہ ہے جیسے **ان تتولوا یستبدل** . **ان یشاء یذهبکم** کیونکہ محتمل جگہ ان اور محقق جگہ اذا لانا چاہئے۔ پس حق تعالیٰ بجائے آدم کے اذا لاکر اشارہ فرما رہے ہیں کہ ہماری قوت وقدرت کے آگے گویا محتمل بھی محقق ہوگیا ہے اور زمخشریؒ اس میں یہ نکتہ بتلاتے ہیں کہ یہ وعید ہے بطور مبالغہ یہ ظاہر کرنا ہے کہ گویا اس کا وقت معین ہو چکا ہے۔

وما تشاء ون ۔ اس میں بندہ کی مشیت کا نا کافی ہونا بتلا دیا کہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے نہ بندہ مختار مطلق ہے، اور نہ مجبور محض ہے۔ بلکہ اس کا معاملہ بین بین ہے بندہ کی مشیت کا خالق اللہ ہے اور کاسب بندہ ہے۔ اس لئے یہ آیت معتزلہ کے برخلاف اہل سنت کی دلیل ہے۔ پس زمخشری کا یہ توجیہ کرنا الا ان یشاء الله بقهر هم علیها کھلی تحریف ہے۔ وما تشاؤن کا مفعول محذوف ہے جس کی طرف مفسر نے اتخاذ السبیل بالطاعة سے اشارہ کیا ہے۔

والظٰلمین ۔ اس کا ناصب اعد محذوف ہے جس کی تفسیر اعد مذکور کررہا ہے۔ لیکن خود اعد مذکور کو عامل نہیں بنایا جاسکتا۔ کیونکہ اعد متعدی بنفسہ نہیں ہوتا بلکہ بواسطہ لام کے متعدی ہوا کرتا ہے۔ یہ تقدیر ایسے ہی ہے جیسے زید امررت بہ کی تقدیر" جاوزت زیدا" ہے۔

ربط آیات: ....سورہ قیامۃ میں مجازات کا اثبات زیادہ اور کچھ اس کی تفصیل تھی۔ اس سورہ انسان میں زیادہ تر مجازات کی تفصیل ہے جس سے مقصود جزائے ایمان کی ترغیب ہے اور سورۃ کے شروع اور اخیر میں مجازات کا امکان و اثبات بیان فرمایا گیا ہے کفار کے انکار مجازات سے چونکہ آنحضرت ﷺ رنجیدہ ہوتے تھے اس لئے درمیان میں انا نحن نزلنا سے آپ کی تسلی فرمائی جارہی ہے۔

﴿ تشریح ﴾: ....هل اتى على الا نسان ۔ بلاشبہ پیدائش سے پہلے انسان کا کچھ نام و نشان نہیں تھا پہلے نطفہ، اس سے پہلے غذا، اس سے پہلے جماد تھا۔ غرض کتنے ہی دور طے کر کے نطفہ کی شکل میں آیا وہ حالت بھی اس قابل نہیں کہ زبان پر لائی جائے۔

امشــــاج کے معنی مخلوط کے ہیں۔ اول تو مرد وعورت کی الگ الگ مختلف رنگ کی منی کا اختلاط، پھر ہر ایک کی منی بھی مختلف غذاؤں کا جوہر ہے اور وہ غذائیں بھی مختلف عناصر سے مرکب ہیں پھر اس ناپاک بوند سے جما ہوا خون، پھر اس سے گوشت کا لوتھڑا بنایا کتنے ہی الٹ پھیر کرنے کے بعد اس درجہ میں پہنچا دیا کہ اب وہ کانوں سے سنتا اور آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ان قوتوں سے وہ کام لیتا ہے کہ دوسرا حیوان نہیں لے سکتا۔ گویا یہ تو سمیع و بصیر ہے اور دوسرے سب اس کے آگے اندھے بہرے ہیں۔ لیکن مفسرؒ نبتلیه کے معنی یہ لے رہے ہیں کہ ہم نے انسان کو اس لئے بنایا اور اسے آنکھ کان دیئے کہ ہم اس کی آزمائش وامتحان کرنا چاہتے ہیں۔ تکالیف شرعیہ کا بوجھ رکھ کر دیکھا جائے کہ کہاں تک مالک کی وفاداری اور اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔

انسان کی فطرت یکساں طور پر رہنما ہے: .... انا هدينه السبيل ۔ انسان کو فطری سلامتی، پیدائشی عقل وفہم اور عقلی ونقلی دلائل نیکی کی راہ سمجھانے کے لئے دیئے گئے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ سب انسان ایک راہ پر ہی چلتے لیکن خارجی اثرات اور ماحول سے متاثر ہو کر ایک ڈگر پر نہ رہ سکے۔ بعض نے اللہ کو مانا اور اس کا حق پہچانا اور بعض نے حق پوشی اور ناشکری پر کمر باندھ لی۔ آگے چل کر جو لوگ رسم و رواج کے بندھنوں میں بندھے رہے اور لکیر کے فقیر بنے رہے وہ اللہ کی حکومت اور اس کے اقتدار کے خلاف رہے حق اور اہل حق کی عداوت و دشمنی کی آگ بھڑکاتے رہے۔ کبھی بھول کر بھی اللہ کی نعمتوں کو یاد نہ کیا اور نہ کبھی اس کی سچی فرمانبرداری کا خیال دل میں لائے۔ ان کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی طوق وسلاسل اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ آگے نیک کردار انسان کی جزا ہے کہ ایسے لوگ جنت کی بہاریں لوٹیں گے شراب کے جام نوش کریں گے، جن میں کافور کی آمیزش ہوگی یہ دنیا کا کافور نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ جنتی کافور ہوگا۔ جنت کے ایک خاص چشمہ کا ٹھنڈا، خوشبودار، سفید رنگ اور مفرح ہونے کی وجہ سے کافور نام ہوگا۔ مشروبات میں خاص کیفیات پیدا کرنے کے لئے بعض مناسب چیزوں کے ملانے کی عادت دنیا میں بھی ہے۔ اور چشمہ بن کے بہنے کا مطلب درمنثور کی روایت کی مطابق یہ ہے کہ اہل جنت کے ہاتھوں میں سونے کی چھڑیاں ہوں گی۔ جدھر وہ چھڑیوں سے اشارہ کردیں گے یہ نہریں اسی طرف ہولیں گی۔ بہر حال یہ خاص جام اللہ کے خاص مقرب بندوں کو ملیں گے جس سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ درجہ کے ہوں گی پس اس سے ابرار کی بشارت میں قوت ہوگئی اور اگر

ابرار اور "عباد اللہ" کا مصداق ایک ہی ہو تو دو جگہ بیان کرنے سے الگ الگ مقصود ہوگا۔ ایک جگہ اس کی آمیزش کو بتلانا ہے اور دوسری جگہ اس کی کثرت اور تسخیر بتلائی ہے۔ آخر اسباب عیش کی کثرت بھی تو فرحت بخش اور لذت آفرین ہوا کرتی ہے۔

دنیا میں ابرار کا حال اور آخرت میں ان کی شان: .... یوفون بالنذر. ابرار کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی منتوں کو پورا کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جب اپنی لازم کی ہوئی چیز کا دھیان رکھتے ہیں تو اللہ کی لازم کی ہوئی باتوں کو کس طرح نظر انداز کر سکتے ہیں اور قیامت کے دن سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ جس کی آفت اور سختی سے کوئی نہ بچ سکے گا الا من شاء الله. اور تیسرا وصف ان کا جود وسخا ہے کہ اپنی ضرورت کے باوجود اللہ کی محبت کے جوش میں نہایت خلوص وشوق سے مسکینوں، یتیموں، قیدیوں کو کھلا دیتے ہیں۔ اور قیدیوں میں مسلمان ہی کی قید نہیں۔ بلکہ غیر مسلم قیدی بھی نیک سلوک اور ہمدردی کا مستحق ہے۔ جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں حضور ﷺ نے خاص طور سے بھلائی کی ہدایت فرمائی تھی اور صحابہؓ نے بڑی اعلیٰ حوصلگی سے اس کی تعمیل کی حالانکہ یہ قیدی غیر مسلم تھے اور مسلمان بھائی کا حق تو اور زیادہ ہے اور اگر "اسیر" کے مفہوم میں کچھ اور توسع کر لیا جائے تو غلام اور مقروض بھی اس کے تحت آ سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی تو ایک طرح سے قیدی ہیں بلکہ طالبان علم اور طالبان سلوک بھی اس کا مصداق ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ بھی تو علم مولیٰ میں گرفتہ رہتے ہیں اور یہ کھلانے والے زبان حال یا قال سے اپنے اس ارادہ کا اظہار بھی کر دیتے ہیں کہ محض اللہ کے لئے کھانا کھلانے کا بندوبست کیا ہے۔ کچھ بدلہ یا حسن صلہ پیش نظر نہیں ہے البتہ یہ کہنے کے لئے دوسرے سے ترغیب کا باعث ہو سکتا ہے جو مستحسن ہے اور بدلہ یا صلہ کا تو سوال ہی کیا یہاں تو پروردگار اور اس دن کا کھٹکا لگا ہوا ہے جس دن تیور چڑھے ہوئے اور پیشانی پر بل ہوں گے یہاں تو اخلاص کے بعد بھی ڈر لگا رہتا ہے وہ کہ دیکھئے ہمارا عمل مقبول ہوا یا نہیں؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ اخلاص وغیرہ میں کمی رہ جائے اور الٹا منہ پر مار دیا جائے۔

جنت کی نعمتیں اور عیش وعشرت: .... فوقٰهم الله. اللہ اپنے ان خاص بندوں کو ان خدشات وخطرات سے محفوظ و مامون رکھے گا، جن سے وہ ڈر رہے تھے اور ان کے چہروں کو تازگی اور دلوں کو سرور عطا ہوگا۔ آخر دنیا میں رہ کر یہ اللہ والے بھی تنگیوں اور سختیوں پر صبر کر کے گناہوں سے بچے رہے اور اطاعت پر جمے رہے پھر اللہ بھی انہیں عیش کرنے کے لئے جنت کے باغ، لباس ہائے فاخرہ عنایت فرمائے گا۔ وہ امیروں، بادشاہوں کی طرح آرام کے ساتھ مسند نشین رہیں گے۔ جنت کا موسم سبحان اللہ کیا کہنے۔ دنیا میں بھی اس کی نظیر معتدل مقامات پر موجود ہیں۔ جہاں نہ گرمی کی تکلیف اور نہ سردی کی موسم نہایت صاف ستھرا " بلدة طيبة ورب غفور " ۔

ودانية عليهم ظلالها. جنتی درختوں کی ڈالیاں اور پھل پھول ان پر جھکے ہوئے ہوں گے کھڑے، بیٹھے، لیٹے جس طرح چاہیں گے بے تکلف حاصل کر سکیں گے ممکن ہے درختوں کی شاخوں کو "ظلال" فرمایا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ درختوں کا سایہ مراد ہو کیونکہ اس کے لئے آفتاب یا دھوپ ہی کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ روشنی کا ہونا کافی ہے کسی طرح کی بھی ہو۔ دنیا میں بھی سونے اور آرام کرنے کے لئے ہلکے اور مانند بلب لگائے جاتے ہیں۔ وہاں آبخورے شیشے کے ہوں گے اور شیشے چاندی کے ہوں گے۔ دنیا کے شیشے میں سفیدی نہیں ہوتی اور چاندی میں صفائی نہیں ہوتی کہ آر پار نظر آ جائے۔ اس لئے جنت میں دونوں وصفوں سے مرکب برتن تیار ہوں گے اور مناسب اندازہ کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو جام میں خواہش سے زیادہ بھریں گے کہ بچ جائے اور نہ کم ہوگا کہ تشنگی رہ جائے۔ بلکہ ہر شخص کے ذوق اور خواہش کے مطابق جام آئے گا تا کہ کسی قسم کی بھی بے لطفی نہ ہو سکے یہ جام نو کافوری شراب کا تھا۔ دوسرا جام سونٹھ کی چاشنی سے لئے ہوئے ہوگا۔ سونٹھ عرب کو بہت پسند ہے۔ کیونکہ اس کی تاثیر گرم ہے۔ حرارت غریزیہ کو بڑھاتی ہے اور منہ کا ذائقہ بھی بدلنا مقصود ہوتا ہے۔ مگر کافور کی طرح سونٹھ بھی دنیا کی نہیں ہوگی۔ بلکہ کسی خاص مناسبت سے اس چشمہ سلسبیل کو زنجبیل کہنے لگے۔ اصل میں تو

یہ چشمہ بڑے عالی مرتبہ لوگوں کے لئے ہوگا جن کو مقربین کہا جاتا ہے مگر ابرار بھی فیضاب ہوں گے سلسبیل صاف بہتے ہوئے پانی کو کہتے ہیں۔"ولدان مخلدون" کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ لڑکے رہیں گے یا جنتیوں کے پاس سدا رہیں گے۔اور "لؤلؤا منثورا" سے تشبیہ نہایت بلیغ ہے۔غلمان اپنی آب وتاب،حسن و جمال کے ساتھ ادھر ادھر پھرتے ہوئے یوں معلوم ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے موتی 'واذا رایــــت' جنت کا کیا پوچھنا،دیکھوتو یوں معلوم ہو کہ ایک بڑی بھاری نعمت اور عظیم الشان سلطنت ہے۔وہاں کی پوشاک باریک اور دبیز ریشمی کپڑے،غالیچے ہوں گے۔

''وحلــوا اسـا ور مـن فضة'' اس سورت میں تین دفعہ چاندی کے برتن،زیور وغیرہ کا ذکر آیا ہے اور دوسری سورت میں سونے کا پس یا تو دوہرا سامان مراد ہے۔جیسے امراء کے یہاں ہوتا ہے۔اور یا بعض چیزیں سونے کی موزوں رہتی ہیں اور بعض چیزیں چاندی کی مناسب ہوا کرتی ہیں یا پھر فرق مراتب کے ساتھ یہ چیزیں عطا ہوں گی رہا مردوں کے لئے زیورات کا معیوب ہونا۔سوجیسا دلیس ویسا بھیس ایک چیز دنیا میں عیب ہے،وہاں عیب نہیں ہے ان سب نعمتوں کے بعد شراب طہور کا جام محبوب حقیقی کی طرف سے عطا ہوگا۔جس میں نہ سرگرانی ہوگی،نہ بدبو،بدذائقہ۔بلکہ نہایت فرحت بخش کہ پی کر دل دماغ باغ باغ ہو جائے۔شراب کا ذکر اس سورت میں تین جگہ آیا ہے اور تینوں جگہ الگ الگ غرض ہے۔پھر اول میں یشربون ہے اور دوسری جگہ یسقون ہے۔جو اکرام کو بتلا رہا ہے۔تیسری جگہ سـقـاهـم ربهـم فرمایا گیا۔ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا اعزاز ہوگا غرض کہ اس طرح مضمون میں تکرار نہیں رہا۔آگے مزید نوازش وعزت افزائی اور دل خوش کرنے کے لئے ان هــذا الـخ فرمایا گیا کہ یہ تمہارے اعمال کا بدل،اور تمہاری کوشش کا صلہ ہے ظاہر ہے کہ اس کو سن کر اہل جنت خوشی سے مست ہو جائیں گے۔

قرآن پاک کا تھوڑا تھوڑا اترنا ہی حکمت و مصلحت ہے:...........انا نحن نزلنا. اچھے برے کاموں کے بدلہ کا ذکر ہوگیا مخالفین کی سزا آپ نے سن لی اب آپ مطمئن ہوکر کام میں لگ گئے اس سے طاعت واطمینان کو اور تقویت ہوگی۔قرآن بہت ہی مصالح اور حکم کے پیش نظر تھوڑا تھوڑا اترا ہے آپ دل مضبوط رکھئے۔لوگ آہستہ آہستہ نیک وبد کو سمجھ لیں کہ جنت کن اعمال کی وجہ سے ملتی ہے اگر پھر بھی یہ اپنی ضد سے باز نہ آئیں تو اپنے رب کے حکم پر جمے رہئے۔ان کی باتوں پر کان نہ دھریئے جیسا کہ ولید وغیرہ کا فر مختلف طریقوں سے آپ کو پرچانے کی کوشش کر رہے ہیں ہمہ وقت اللہ کو یاد رکھئے وہی سب زخموں کا مرہم ہے نماز مغرب وعشاء یا تہجد پڑھا کیجئے۔

وسبحــه ليلاً اگر پہلے جملہ سے مراد نماز مغرب وعشاء ہے تو اس سے مراد نماز تہجد ہو سکتی ہے پہلے جملہ سے تہجد اور اس جملہ سے تسبیح وتہلیل مراد ہوگی یعنی تہجد وتسبیحات پڑھئے۔

ان هــولاء . یہاں سے پھر مضمون تسلی ہے کہ آپ کی نصیحت جو ان پر مؤثر نہیں ہوتی۔اس کا سبب حب دنیا ہے جس میں یہ گرفتار ہیں دنیا چونکہ نقد ہے اس لئے مرغوب ومحبوب ہے اور آخرت ادھار ہے اس لئے اس سے غافل ہیں۔حالانکہ وہ دن بڑا سخت ہوگا اس کی فکر ہونی چاہئے مگر سمجھتے ہیں کہ مرگل گئے پھر کون دوبارہ ویسا ہی بنا کر کھڑا کرے گا۔فرماتے ہیں "نحن خلقنا هم" پہلے بھی ہم نے پیدا کیا،جوڑ بند درست کئے،اب ہماری قدرت کہیں چلی گئی۔دوبارہ بنانا تو پہلے کی نسبت سہل ہے فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی پیدائش تدریجی تھی اور اب دفعی ہوگی مگر ہم جب چاہیں اسی بستی کو دوبارہ بنا سکتے ہیں۔دوسرا مطلب تبدیلی کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر یہ نالائقی سے باز نہ آئے تو ہم دوسری مخلوق بھی ان کی جگہ لا سکتے ہیں جو ان کی طرح سرکش نہ ہوگی۔

انسان کا ارادہ اللہ کے ارادہ کے تابع ہے:...........ان هـذه تـذكـرة . آپ کا کام صرف فہمائش ونصیحت ہے۔زور

زبردستی کرنا نہیں قرآن کے ذریعہ نصیحت کر دیجئے۔ جو چاہے گا اپنا رستہ اللہ کی طرف بنالے گا خود آپ کا چاہنا بھی اللہ کے چاہنے کے تابع ہے بندہ حق کی مشیت کے بغیر کر ہی کیا سکتا ہے وہ ہر شخص کی صلاحیت سے واقف ہے اسی کے مطابق وہ ہر ایک کو موقعہ دیتا ہے۔ جس میں استعداد اچھی ہوتی ہے ان کو نیکی کی توفیق دے دیتا ہے اور اپنی رحمت و فضل کا مستحق بنا دیتا ہے اور بدفطرت کے لئے دردناک سزا تیار ہے۔

لطائف سلوک:.......... انما نطعمکم الخ اس میں اخلاق کی ترغیب ہے۔

وسقاهم ربهم شرابا طهورا. شراب کی یہ تیسری قسم پہلی دو قسموں سے بڑھ کر ہے۔ جس میں سے ایک کافوری اور دوسری زنجبیلی تھی۔ لیکن اس میں طہوریت کے ساتھ حق تعالیٰ کا ساقی ہونا بتلایا جا رہا ہے اور بعض نے اس کو شراب روحانی سے تعبیر کیا ہے یعنی تجلی ربانی. ممکن ہے ابن فارض کے اس شعر میں شراب مراد ہو

سقونی وقالوا لا تغنن ولو سقوا　　جبال حنین ماسقونی تغنت

ابو یزیدؒ سے کسی نے اسی آیت کے متعلق پوچھا تو فرمایا: ایسی شراب مراد ہے جو غیر کی محبت سے پاک ہو اور فرمایا کہ یہ شراب اس کے مخصوص بندوں کو نصیب ہوتی ہے اور اللہ ہی پلاتا ہے شراب جب پی لیتے ہیں تو مست ہو جاتے ہیں اور جب مست ہو جاتے ہیں تو اڑنے لگتے ہیں اور جب اڑنے لگتے ہیں تو واصل ہو جاتے ہیں اور جب واصل ہو جاتے ہیں تو وصل سے ہمکنار ہو کر فی مقعد صدق عند ملیك مقتدر کا مصداق ہو جاتے ہیں۔

اور بعض اہل اللہ نے ان شرابوں سے متبادر شراب مراد نہیں لی بلکہ ان ارواح پر انوار کا فیضان ایسے پانی کے مشابہ ہے جو پیاس کو بجھا دیتا ہے اور بدن کی تقویت کا باعث بن جاتا ہے اور پانی جس طرح مختلف ہوتے ہیں یہی حال ان انوار علویہ کا ہے ان میں سے بعض کافوری ہیں جن کا مزاج بارد و یابس ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے مناسب ہے جو دنیا میں مقام حزن و بقاء اور انقباض سے آشنا ہے اور بعض انوار زنجبیلی ہیں جن کا مزاج حار و یابس ہے، یہ ایسے حضرات کے حصہ میں آئیں گے جو جسم و جسمانیات سے کم لگاؤ رکھنے والے اور اللہ کے علاوہ سے بے توجہ رہے ہیں۔ اسی طرح انسانی روح ترقی کے منازل طے کرتی کرتی نور مطلق تک پہنچ جاتی ہے یہ صدیقین کی شراب ہے اور پہلی شرابیں ابرار کی تھیں۔ لیکن صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اگر اس کو حقیقۃً حسی شراب پر محمول کر لیا جائے تو پھر حسی شراب جس کے انکار کی حاجت نہیں رہ جاتی۔

فمن شاء اتخذ الی ربه سبیلا. سبیل اللہ سے مراد طریق صوفیاء ہے۔ جو اللہ کی ذات وصفات کا طالب ہو وہ اس راستہ پر چلے۔

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ خَمْسُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿١﴾ اَىِ الرِّيَاحُ مُتَتَابِعَةٌ كَعُرْفِ الْفَرَسِ يَتْلُوْ بَعْضُهُ بَعْضًا وَنَصَبُهُ عَلَى الْحَالِ **فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا** ﴿٢﴾ اَلرِّيَاحُ الشَّدِيْدَةُ **وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا** ﴿٣﴾ اَلرِّيَاحُ تُنْشِرُ الْمَطَرَ **فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا** ﴿٤﴾ اَىْ اٰيَاتُ الْقُرْاٰنِ تُفَرِّقُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ **فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا** ﴿٥﴾ اَىِ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِلُ بِالْوَحْيِ اِلَى الْاَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ يُلْقُوْنَ الْوَحْيَ اِلَى الْاُمَمِ **عُذْرًا اَوْ نُذْرًا** ﴿٦﴾ اَىْ لِلْاِعْذَارِ وَلِلْاِنْذَارِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ ذَالِ نُذُرًا وَقُرِئَ بِضَمِّ ذَالِ عُذُرًا **اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ** اَىْ كُفَّارَ مَكَّةَ مِنَ الْبَعْثِ وَالْعَذَابِ **لَوَاقِعٌ** ﴿٧﴾ كَائِنٌ لَامَحَالَةَ **فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ** ﴿٨﴾ مُحِيَ نُوْرُهَا **وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ** ﴿٩﴾ شُقَّتْ **وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ** ﴿١٠﴾ فُتَّتْ وَسُيِّرَتْ **وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ** ﴿١١﴾ بِالْوَاوِ وَبِالْهَمْزَةِ بَدَلًا مِنْهَا اَىْ جُمِعَتْ لِوَقْتٍ **لِاَىِّ يَوْمٍ** لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ **اُجِّلَتْ** ﴿١٢﴾ لِلشَّهَادَةِ عَلٰى اُمَمِهِمْ بِالتَّبْلِيْغِ **لِيَوْمِ الْفَصْلِ** ﴿١٣﴾ بَيْنَ الْخَلْقِ وَيُؤْخَذُ مِنْهُ جَوَابُ اِذَا اَىْ وَقَعَ الْفَصْلُ بَيْنَ الْخَلَائِقِ **وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ** ﴿١٤﴾ تَهْوِيْلٌ لِشَانِهِ **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ** ﴿١٥﴾ هٰذَا وَعِيْدٌ لَّهُمْ **اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ** ﴿١٦﴾ بِتَكْذِيْبِهِمْ اَىْ اَهْلَكْنَاهُمْ **ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ** ﴿١٧﴾ مِمَّنْ كَذَّبُوْا كَكُفَّارِ مَكَّةَ فَنُهْلِكُهُمْ **كَذٰلِكَ** مِثْلَ فِعْلِنَا بِالْمُكَذِّبِيْنَ **نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ** ﴿١٨﴾ بِكُلِّ مَنْ اَجْرَمَ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ فَنُهْلِكُهُمْ **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ** ﴿١٩﴾ تَاكِيْدٌ **اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ** ﴿٢٠﴾ ضَعِيْفٍ وَّهُوَ الْمَنِىُّ **فَجَعَلْنٰهُ فِىْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ** ﴿٢١﴾ حَرِيْزٍ وَّهُوَ الرَّحِمُ **اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ** ﴿٢٢﴾ وَهُوَ وَقْتُ الْوِلَادَةِ **فَقَدَرْنَا** عَلٰى ذٰلِكَ **فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ** ﴿٢٣﴾ نَحْنُ **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ** ﴿٢٤﴾ **اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا** ﴿٢٥﴾ مَصْدَرُ كَفَتَ

بِمَعْنٰى ضَمٍّ اَىْ ضَامَّةً **اَحْيَآءً** عَلٰى ظَهْرِهَا **وَّاَمْوَاتًا﴿۲۶﴾** فِىْ بَطْنِهَا **وَجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِىَ شٰمِخٰتٍ** جِبَالًا مُّرْتَفِعَاتٍ **وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا﴿۲۷﴾** عَذْبًا **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴿۲۸﴾** وَيُقَالُ لِلْمُكَذِّبِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ **اِنْطَلِقُوْآ اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ** مِنَ الْعَذَابِ **تُكَذِّبُوْنَ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْآ اِلٰى ظِلٍّ ذِىْ ثَلٰثِ شُعَبٍ﴿۳۰﴾** هُوَ دُخَانُ جَهَنَّمَ اِذَا ارْتَفَعَ اِفْتَرَقَ ثَلَاثَ فِرَقٍ لِعَظَمَتِهٖ **لَّا ظَلِيْلٍ** كَنِيْنٍ يُظِلُّهُمْ مِنْ حَرِّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ **وَّلَا يُغْنِىْ** يَرُدُّ عَنْهُمْ شَيْئًا **مِنَ اللَّهَبِ﴿۳۱﴾** لِلنَّارِ **اِنَّهَا** اَىِ النَّارَ **تَرْمِىْ بِشَرَرٍ** هُوَ مَا تَطَايَرَ مِنْهَا **كَالْقَصْرِ﴿۳۲﴾** مِنَ الْبِنَاءِ فِىْ عَظَمِهٖ وَارْتِفَاعِهٖ **كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ** جَمْعُ جِمَالَةٍ جَمْعُ جَمَلٍ وَفِىْ قِرَاءَةٍ جِمَالَةٌ **صُفْرٌ﴿۳۳﴾** فِىْ هَيْئَتِهَا وَلَوْنِهَا وَفِى الْحَدِيْثِ شِرَارُ جَهَنَّمَ اَسْوَدُ كَالْقِيْرِ وَالْعَرَبُ تُسَمِّىْ سُوْدَ الْاِبِلِ صُفْرًا لِشَوْبِ سَوَادِهَا بِصُفْرَةٍ فَقِيْلَ صُفْرٌ فِى الْاٰيَةِ بِمَعْنٰى سُوْدٍ لِمَا ذُكِرَ وَقِيْلَ لَا وَالشَّرَرُ جَمْعُ شَرَرَةٍ وَالشِّرَارُ جَمْعُ شِرَارَةٍ وَالْقِيْرُ الْقَارُ **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴿۳۴﴾ هٰذَا** اَىْ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ﴿۳۵﴾** فِيْهِ بِشَىْءٍ **وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ** فِى الْعُذْرِ **فَيَعْتَذِرُوْنَ﴿۳۶﴾** عَطْفٌ عَلٰى يُؤْذَنُ مِنْ غَيْرِ تَسَبُّبٍ عَنْهُ فَهُوَ دَاخِلٌ فِىْ حَيِّزِ النَّفْىِ اَىْ لَا اِذْنَ فَلَا اِعْتِذَارَ **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ** اَيُّهَا الْمُكَذِّبُوْنَ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ **وَالْاَوَّلِيْنَ﴿۳۸﴾** مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ قَبْلَكُمْ فَتُحَاسَبُوْنَ وَتُعَذَّبُوْنَ جَمِيْعًا **فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ** حِيْلَةٌ فِىْ دَفْعِ الْعَذَابِ عَنْكُمْ **فَكِيْدُوْنِ﴿۳۹﴾** فَافْعَلُوْهَا **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴿۴۰﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ ظِلٰلٍ** اَىْ تَكَاثُفِ اَشْجَارٍ اِذْ لَا شَمْسَ يُظَلُّ مِنْ حَرِّهَا **وَّعُيُوْنٍ﴿۴۱﴾** نَابِعَةٍ مِّنَ الْمَاءِ **وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ﴿۴۲﴾** فِيْهِ اَعْلَامٌ بِاَنَّ الْمَاكَلَ وَالْمَشْرَبَ فِى الْجَنَّةِ بِحَسْبِ شَهَوَاتِهِمْ بِخِلَافِ الدُّنْيَا فَبِحَسْبِ مَا يَجِدُ النَّاسُ فِى الْاَغْلَبِ وَيُقَالُ لَهُمْ **كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا** حَالٌ اَىْ مُتَهَنِّيْنَ **بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۴۳﴾** مِنَ الطَّاعَاتِ **اِنَّا كَذٰلِكَ** كَمَا جَزَيْنَا الْمُتَّقِيْنَ **نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا** خِطَابٌ لِلْكُفَّارِ فِى الدُّنْيَا **قَلِيْلًا** مِنَ الزَّمَانِ وَغَايَتُهٗ اِلَى الْمَوْتِ وَفِىْ هٰذَا تَهْدِيْدٌ لَّهُمْ **اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴿۴۷﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا** صَلُّوْا **لَا يَرْكَعُوْنَ﴿۴۸﴾** لَا يُصَلُّوْنَ **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴿۴۹﴾ فَبِاَىِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ** اَىِ الْقُرْاٰنِ **يُؤْمِنُوْنَ﴿۵۰﴾** اَىْ لَا يُمْكِنُ اِيْمَانُهُمْ بِغَيْرِهٖ مِنْ كُتُبِ اللّٰهِ تَعَالٰى بَعْدَ تَكْذِيْبِهِمْ بِهٖ لِاِشْتِمَالِهٖ عَلَى الْاِعْجَازِ الَّذِىْ لَمْ يَشْتَمِلْ عَلَيْهِ غَيْرُهٗ

ترجمہ: ....سورہ مرسلات مکیہ ہے۔جس میں ۵۰ آیات ہیں۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔
قسم ہے ان ہواؤں کی جو آگے پیچھے بھیجی جاتی ہیں (مسلسل جیسے گھوڑے ایک دوسرے کے پیچھے لائن لگائے ہوئے ہیں۔عرفا حال کی وجہ

سے منصوب ہے) پھر ان ہواؤں کی جو تیزی سے چلتی ہیں (آندھی بن کر) اور ان ہواؤں کی جو بادلوں کو پھیلاتی ہیں (بارش کو منتشر کرتی ہیں) پھر ان آیات کی قسم جو فیصلہ کن ہوتی ہیں (قرآنی آیات جو حق و باطل، حلال و حرام کے درمیان فرق کرنے والی ہیں) پھر ان فرشتوں کی جو پیغام وحی لانے والے ہیں (یعنی جو فرشتے انبیاء ورسل کے پاس وحی لاتے ہیں کہ وہ اپنی امتوں کو پہنچائیں) توبہ کے لئے یاد کرانے کے لئے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف عذر قبول کرنے کے لئے اور ڈرانے کے لئے اور ایک قرأت میں **نذرا** اور **عذرا** ضمہ ذال کے ساتھ ہے) کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (مکہ کے کافرو! دوبارہ زندہ ہونے اور عذاب کی نسبت) وہ ضرور ہونے والی ہے (لامحالہ) سو جب ستارے بے نور (گل) ہو جائیں گے اور جب آسمان پھٹ جائے گا (ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا) اور پہاڑ جب اڑتے پھریں گے (چورہ ہوکر رواں دواں ہو جائیں گے) اور جب سب پیغمبر مقررہ وقت پر جمع کئے جائیں گے (اقتت واو کے ساتھ ہے اور ہمزہ کے ساتھ جو واؤ سے بدلا ہوا ہے یعنی بروقت جمع ہوں گے) کس دن کے لئے (بڑے ہی دن کے لئے) پیغمبروں کا معاملہ ملتوی رکھا گیا ہے (امتوں کو تبلیغ کرنے کے سلسلہ میں گواہی کے لئے) فیصلہ کے دن کے لئے (مخلوق کے درمیان اس سے اذا کا جواب نکل آتا ہے یعنی مخلوق کا فیصلہ ہوکر رہے گا) اور آپ کو معلوم ہے کہ وہ فیصلہ کا دن کیسا کچھ ہے (قابل ہیبت ہے) اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (اس میں ان کے لئے دھمکی ہے) کیا ہم پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کر چکے ہیں (ان کے جھٹلانے کی وجہ سے ان کو برباد نہیں کر دیا) پھر پچھلوں کو بھی ان کے ساتھ ساتھ کر دیں گے (جو جھٹلانے والے ہیں جیسے کفار مکہ ان کو بھی تباہ کر دیں گے) اسی طرح جیسے جھٹلانے والوں کے ساتھ کیا ہے (ہم مجرموں کے ساتھ کیا کرتے ہیں (یعنی آئندہ جو بھی جرم کرے گا اسے ہم مٹا کر چھوڑیں گے) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (تاکید ہے) کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی سے نہیں بنایا (منی سے جو حقیر ہے) پھر ہم نے اس کو ایک وقت مقررہ تک ایک محفوظ جگہ نہیں رکھا (رحم میں برقرار رکھا) غرض ایک اندازہ ٹھہرا (جننے تک) سو ہم کیسے اچھے اندازے ٹھہرانے والے ہیں۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا (کفت یعنی ضم کا مصدر ہے یعنی ضـامۃ) زندوں کو (اوپر کے حصہ میں) اور مردوں کو (نچلے حصہ میں) اور ہم نے اس میں اونچے اونچے (نہایت بلند) پہاڑ بنائے اور ہم نے تم کو میٹھا (شیریں) پانی پلایا۔ اس روز جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی (قیامت کے روز جھٹلانے والوں سے کہہ دیا جائے گا) جاؤ اس (عذاب) کی طرف جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ چلو تین شاخے سائبان کی طرف (جہنم کا دھواں جب اٹھے گا تو زیادہ ہونے کی وجہ سے تین طرف پھٹ جائے گا) جس میں نہ سایہ ہے (جو اس دن کی تپش بچا کر سایہ کا کام دے سکے) اور نہ وہ (آگ کی) لپیٹ سے بچ سکتا ہے (کچھ بھی رکاوٹ نہیں کرتا) وہ (آگ) انگارے برسائے گی (جو اس سے اتنے بڑے اڑیں گے) جیسے بڑے بڑے محل (ڈیل ڈول کی عمارت) جیسے اونٹ (جمالة کی جمع ہے اور جمالة جمل کی جمع ہے اور ایک قرأت میں جمالة ہے) کالے کالے (شکل اور رنگت کے لحاظ سے حدیث میں ہے۔ جہنم کی چنگاریاں بھٹی کی طرح سیاہ ہوں گی۔ اہل عرب کالے کو صفر ہی کہتے ہیں۔ کیونکہ کالا اور ملیا دونوں رنگ ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لئے بعض کی رائے ہے کہ آیت میں صفر کے معنی سود کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں۔ اور شرر شررۃ کی جمع ہے اور شرار جمع شرارہ کی اور قیر تار کو کہتے ہیں) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ یہ (قیامت کا روز) وہ ہوگا جس میں وہ لوگ نہ بول سکیں گے (کچھ بھی) اور نہ ان کو اجازت ہوگی (عذر کی) سو معذرت بھی نہ کر سکیں گے (یـوذن پر عطف ہو رہا ہے بغیر سبب میں شرکت کے۔ اس لئے یہ نفی ہی میں داخل رہے گا۔ یعنی نہ ان کو اجازت ہوگی اور نہ وہ عذر کر سکیں گے) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی یہ ہے فیصلہ کا دن ہم نے تم کو (اے اس امت کے جھٹلانے والو!) اور اگلوں کو جمع کر لیا ہے (تم سے پہلے جھٹلانے والوں کو پس تم سب کا حساب کتاب بھی ہوگا اور عذاب بھی ایک ساتھ) سو اگر تمہارے پاس کوئی تدبیر ہو (اپنے سے عذاب دفع کرنے کا حیلہ) تو مجھ پر تدبیر چلا لو (یعنی ضرور کر ڈالو) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ پرہیزگار لوگ سایوں میں (گھنے درختوں میں کیونکہ وہاں سورج یا دھوپ تو ہوگی نہیں کہ اس کی گرمی سے بچاؤ کے لئے سایہ حاصل کیا جائے) اور (پانی کے بہتے) چشموں میں اور مرغوب میووں میں ہوں گے (اس میں اشارہ ہے کہ جنت میں کھانا پینا سب کی خواہشات کے مطابق ہوگا برخلاف دنیا

کے جو اکثر لوگوں کی رعایت سے ہوتا ہے اور ان سے کہہ دیا جائے گا) خوب مزے سے کھاؤ پیو (حال ہے یعنی خوشی بخوشی) اپنے (نیک) اعمال کے صلہ میں۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (جیسا ہم نے ان متقیوں کو دیا ہے) اس روز جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی۔ تم کھالو برت لو (دنیا میں کافروں کو خطاب ہے) تھوڑے دن اور (بس مرنے تک اس میں ان کے لئے دھمکی ہے) تم پاپی ہو۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جھکو (نماز پڑھو) تو نہیں جھکتے (نماز نہیں پڑھتے) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوتو پھر اس (قرآن) کے بعد اور کون سی بات پر ایمان لائیں گے (قرآن کو جھٹلا کر پھر دوسری کتابوں پر کس طرح ایمان لایا جاسکتا ہے کیونکہ جو شان اعجازی اس میں ہے اوروں میں نہیں ہے۔)

تحقیق وترکیب:............ **والمرسلات**. پانچ قسمیں کھائی گئی ہیں مگر سب کا موصوف محذوف ہے بعض نے سب جگہ ریاح مقدر مانا ہے اور بعض نے سب جگہ ملائکہ اور بعض نے کہیں ریاح کو اور کہیں ملائکہ کو مقدر مانا ہے۔ لیکن مفسر علامؒ نے سب سے نرالا طرز اختیار کیا ہے۔ پہلی تین قسموں کا موصف ریاح کو بنایا ہے۔ اس کے بعد چوتھے نمبر پر **فارقات** کا موصوف قرآن پاک کو بنایا اور پانچویں قسم کا موصوف ملائکہ۔

عرفاً. قاموس میں ہے کہ عرف گھوڑے کی گردن کے بالوں کو کہتے ہیں۔ یہ لغوی معنی ہیں پھر تتابع کے معنی حقیقۃ عرفیہ بن گئی قاموس میں ہے " **طار القطان عرفا**" یعنی آگے پیچھے ہوکر کونجیں اڑیں۔ اسی طرح " **جاء القوم عرفا**" کے معنی ہیں اور بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ وہ ہوائیں نفع بخش ہیں اور روح البیان میں ہے کہ مرسلات مرسلۃ کی جمع ہے بمعنی طائفہ۔ گویا فرشتے سالانہ روزانہ ہر وقت یکے بعد دیگرے آتے ہی رہتے ہیں۔ گھوڑے کی گردن پر جو تسلسل کے ساتھ بال ہوتے ہیں ان کو مرسلات کہتے ہیں۔ فرشتوں کے لئے نہایت بلیغ تشبیہ ہے اور ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مرسلات فرشتے ہیں اور عرف نکر کی ضد ہے۔ یعنی جو فرشتے اوامر ونواہی لاتے ہیں۔ مفسرؒ نے ہوائیں مراد لے کر حال کی وجہ سے منصوب کہا ہے اور فرشتے مراد لینے سے مفعول لہ ہوجائے گا۔

الناشرات. نرم ہوائیں جو بارش لاتی ہیں، یا فرشتے مراد ہیں جو اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں یا اللہ کے احکام دنیا میں پھیلاتے ہیں۔

الملقیات. ابن کثیرؒ تو اس پر اجماع نقل کر رہے ہیں کہ فارقات اور ملقیات سے مراد فرشتے ہیں۔

عذراً او نذرًا. یعنی محققین کا اعذار، اور مبطلین کا انداز، منجانب اللہ معلوم ہوا کہ **عذرا**، **نذرا** دونوں مصدر ہیں۔ اگرچہ پہلے **عذرا** کا مصدر ہونا خلاف قیاس ہے۔ دونوں مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں اور معلل بہ ملقیات ہے اور اعذار سے مراد مخلوق کے عذر زائل کرنا اور انذار کے معنی ڈرانے کے ہیں اور مدارک میں ہے کہ **عذر نذر** مصدر ہیں۔ عذر کے معنی برائی دور کرنے کے ہیں۔ یا ذکرا سے دونوں بدل ہیں اور ذکر سے مراد وحی ہے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ **عذیر و نذیر** کی جمع ہے۔ جن کے معنی عاذر اور منذر کے ہیں۔ اس صورت میں دونوں حال کی وجہ سے منصوب اور ابن کثیر، نافع، ابن عامر، ابوبکر کے نزدیک **نذرا** ضمہ ذال کے ساتھ ہے اور حسن کی قرأت میں عذرا بھی بطریق شذوذ ضمہ ذال کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

اقتت. ابوعمرو علی نے اصل پر واؤ کے ساتھ اور باقی چھ قراء نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

لای یوم اجلت. **جار مجرور**، **اجلت** کے متعلق ہے۔ جملہ مستانفہ ہے یا قول محذوف کا مقولہ ہے۔ **ای یقال لای یوم** اور یہ قول حال ہوجائے گا۔ اقتت کے نائب فاعل سے " **لیوم الفصل**" سے استفہام تحویل و تعظیم کے لئے ہے۔

عبارت " **ویوخذمنه جواب اذا**" زمخشری کی رائے کے مطابق۔

و ماادراك. **ما** ستفہامیہ مبتداء اور ادراک جملہ اس کی خبر ہے اور کاف مفعول اول ہے اور **یوم الفصل** جملہ قائمقام مفعول ثانی ہے۔ پہلا استفہام استبعاد وانکار کے لئے اور دوسرا تعظیم کے لئے ہے۔ مفسرؒ کی عبارت دوسرے استفہام سے متعلق ہے پہلے کو بیان نہیں کیا۔

ویل یومئذ . مبتداء اگر چہ نکرہ ہے لیکن ثبات بلا ئت ودوام کے لئے رفع کی طرف عدول کرلیا گیا ہے "سلام علیک" میں بھی یہی صورت ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ ویل کلمہ عذاب ورسوائی ہے۔ اس سورت میں دس بار لایا گیا اس لئے تکذیب کرنے والوں کے بار بار طمانچے لگائے جائیں تاکہ وہ اپنی روش سے باز آ جائیں۔

الم نهلك . استفہام تقریری ہے یعنی نفی کے بعد جو چیز ہے اس کے اقرار کے لئے ہے اولین سے مراد حضرت آدم کے وقت سے آنحضرت ﷺ کے وقت تک کفار ہیں اور آخر میں امت محمد یہ کے کافر۔ كذلك اى فعلنا فعلا مثل هذا الفعل ۔ تفسیر کی عبارت میں موصوف محذوف ہے۔

كفاتا . فعال کاوزن کبھی ثلاثی مجرد کئے لئے آتا ہے الکفت کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ مفسرؒ نے اشارہ کردیا ہے کہ مصدر بمعنی مشتق ہے۔

انطلقوا . یہ تاکید ہے پہلے انطلقوا کی۔

ذی ثلاث شعب . بقول مفسرؒ دھواں مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ دوزخ کی زبان ہوگی، جو کفار کا احاطہ کرلے گی۔ اور مومن ظل عرش میں ہوں گے۔

لا ظليل . یہ ظل کی صفت ہے اور صفت موصوف کے درمیان نفی کے افادہ کے لئے واسطہ نہیں ہوتا پہلی صفت کو اسم اور دوسری کو فعل لا کر اشارہ کیا ہے کہ نہ اس میں سایہ کی شان ہوگی اور نہ لپٹوں سے بچاؤ کی کوئی صورت متجد داور حادث ہوگی بطور تحکم اس کو ظل کہہ دیا ہے۔

كنين . کے معنی ساتر اور روک کے ہیں۔

ترمی بشرر . عام قرأت تو یہی ہے۔ لیکن ابن عباسؓ کی قرأت شاذ میں دونوں را کے درمیان الف اور شین مکسور ہے اور مفتوح بھی۔ شرر جمع شررة کی اور شرار بھی شررة کی جمع ہے جیسے رقبة کی جمع رقاب ہے۔ شرارة چنگاری کو کہتے ہیں۔ ان شراروں کو پہلے تو بڑائی میں محل سے تشبیہ دی پھر رنگ اور کثرت وتسلسل میں اونٹوں سے تشبیہ دی۔ جس طرح جمالات قراءت سبعہ میں ہے۔ اسی طرح اخوان اور حفص نے جمالة پڑھا ہے۔ جمالة جمع ہے اور اس میں تاء تانیث جمع کی ہے جمل، جمال، جمالة بولتے ہیں۔ جیسے ذكر ، ذكار ، ذكارة، اسی طرح حجر ، حجار ، حجارة بولتے ہیں۔ عام نحاۃ کی رائے یہی ہے۔ لیکن ابو البقاء ذكارة اور حجارة کی طرح جمالة کو اسم جمع مانتے ہیں البتہ جمالات جمالة کی جمع بھی ہوسکتی ہے اور جمال کی جمع بھی ہوسکتی ہے یعنی جمل کی جمع الجمع اور یہ بھی ممکن ہے کہ جمل مفرد کی جمع ہو۔

• صفر . حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ مجازی معنی میں ہے۔

هذا يوم لا ينطقون . دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ عندربكم تختصمون . لیکن دونوں میں تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ قیامت میں مختلف اوقات میں مختلف احوال پیش آئیں گے جیسا کہ ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

فيعتذرون . مفسرؒ ایک شبہ کا جواب دے رہے ہیں کہ فایا واؤ کے ذریعہ عطف کرنا معطوف کے نصب کو چاہتا ہے پھر آیت میں رفع کیسے آیا؟ حاصل جواب یہ ہے کہ نصب اس وقت آتا ہے جب کہ نفی سے متسبب ہو جیسے لا يقضىٰ عليهم فيموتوا میں نصب ہے کہ موت معطوف کا سبب منفی ہے۔ لیکن جہاں معطوف متسبب نہ ہو جیسے یہاں لا يؤذن لهم فيعتذرون میں تو نصب کی بجائے رفع آئے گا اور کتاب یمین میں لکھا ہے کہ " فيعتذرون " میں رفع دو طرح ہے۔ ایک تو یہ کہ جملہ مستانفہ مانا جائے۔ اى فهم يعتذرون . ابوالبقاء اس کے معنی یہ کہتے ہیں کہ کفار ایسی گفتگو نہیں کرسکیں گے جو ان کے لئے نافع ہو، یا یہ معنی ہیں کہ بعض جگہ بولیں گے اور بعض جگہ نہیں بولیں گے اور دوسری صورت رفع کی یہ ہے کہ بقول مفسرؒ يؤذن پر معطوف ہو پس منفی ہوگا اس پر اگر نصب ہوتا تو پھر یہ مسبب عنہ ہوتا۔ ابن عطیہ یہ کہتے ہیں کہ "فيعتذرون "جواب نفی کے موقعہ پر اس لئے منصوب نہیں ہوا کہ پھر فواصل آیات کی رعایت نہ رہتی گویا اس توجیہ کا حاصل محض مناسبت لفظی ہوا اور یہ کہ رفع ونصب دونوں یکساں جائز ہیں حالانکہ دونوں میں فرق ہے۔

جمعنا کم . یوم الفصل کی تقریر اور بیان ہے۔ یعنی فیصلہ کے لئے تمہیں جمع کیا جائے گا اور "**والا ولین**" کا عطف کم پر ہوگا۔ یا یہ کہ مفعول معہ ہے اور قول مقدر کا معمول ہے۔ بقول قرطبی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ **ویقال لهم هذا یوم یفصل فیه بین الخلائق فکیدونی** . یعنی اپنے لئے کوئی تدبیر نکالو اور دیکھو کسر مت چھوڑنا۔

فبحسب ما یجد الناس یہ دنیا کے میووں کا بیان ہے کہ موسم پر ملتے ہیں بے موسم نہیں ملتے "**کلوا واشربوا**" مفسر نے پہلے "**یقال لهم**" سے اشارہ کردیا۔ کہ ضمیر متقین سے حال ہے۔ جو "**فی ظلال**" ظرف میں ہے۔ **ای هم مستقرون فی ظلال مقولا لهم ذلک** اور بعض کے نزدیک یہ کلام مستانف ہے۔

انا کذلک . اس تشبیہ پر یہ اشکال ہوسکتا ہے۔ کہ "**متقین و محسنین**" تو ایک ہی ہیں۔ پس تشبیہ بنفسہ ہوگئی؟ جواب یہ ہے کہ متقین سے اعلیٰ اور کمال درجہ کے لوگ مراد ہیں اور محسنین ان سے کم پس دونوں کے اوصاف میں تو فرق رہا مگر مراتب و درجات برابر کردیئے گئے۔

فبای حدیث . مفسر نے جو مدعا رکھا ہے کہ قرآن کی موجودگی میں دوسری کتابوں پر ایمان لانا ممکن نہیں ہے مفسر کی دلیل اس کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ ہر چند قرآن دوسری کتابوں سے معجزہ میں بڑھا ہوا ہے مگر پھر بھی ایک شخص زیادہ معجز کو چھوڑ کر کم معجزہ پر ایمان لاتا ہے اس لئے مفسر کی تعلیل نتیجہ خیز نہیں رہتی۔ مفسر کو یہ فرمانا چاہئے تھا کہ قرآن چونکہ دوسری کتابوں کا مصدق ہے وہ سب کتابیں اس میں موجود ہیں اس لئے اس کی تکذیب کے بعد ان کی تصدیق وایمان کا سوال ہی نہیں رہتا۔

ربط آیات:.........سورہ انسان کی طرح اس سورہ مرسلات میں بھی قیامت کا واقع ہونا اور ان کے احوال اسباب کیفیات کا بیان ہے تاہم دونوں میں یہ فرق ہے کہ سورہ انسان میں زیادہ ترغیبی مضامین تھے اور اس سورت میں زیادہ تر مضامین ترہیبی ہیں۔ اس لئے دس مرتبہ آیت **ویل یؤمئذ للمکذبین** کو دہرایا گیا ہے اور چونکہ جھٹلانے کا تعلق ہر جگہ الگ الگ بات سے ہے۔ اس لئے معنی اس کو تکرار بھی نہیں کہہ سکتے۔ البتہ ظاہر ہے کہ تکرار جب کہ مفید تاکید ہو تو وہ بھی قابل اعتراض نہیں رہ جاتا جیسا کہ سورہ رحمٰن میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

شان نزول:.........سورہ مرسلات آنحضرت ﷺ پر "**لیلة الجن**" میں نازل ہوئی۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ ہمسفر تھا۔ منیٰ کے ایک غار میں ہم ٹھہرے کہ یہ سورت نازل ہوئی ہم ابھی اس کے ورد ہی میں تھے کہ اچانک ایک سانپ برآمد ہوا ہم اس کے مارنے کے لئے جھپٹے کہ وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ **وقیتم شرها کما وقیت شر کم** . چنانچہ منیٰ کا یہ غار "**غار المرسلات**" سے موسوم ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مرسلات سے فرشتے مراد ہیں، جو احکام شرع لانے والے ہیں اسی طرح قتادہؒ **فارقات** سے آیات قرآنی مراد لیتے ہیں اور ابن عباسؓ فرشتے مراد لیتے ہیں۔ جو حق و باطل میں فرق کرنے والے ہیں اور مجاہدؒ ہوائیں مراد لیتے ہیں جو بادلوں کو پراگندہ کردیتی ہیں۔ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ **فارقات و ملقیات** سے بالاجماع ملائکہ مراد ہیں۔

﴿ تشریح ﴾:.........**والمرسلات** شروع میں ہوا بھینی بھینی اور خوشگوار چلتی ہے۔ جس سے لوگوں کو اچھی توقعات وابستہ ہو جاتی ہیں مگر پھر کچھ دیر بعد ہی وہ ہوا تیز آندھی اور طوفان کی خوفناک کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جس سے لوگ بلبلا اٹھتے ہیں۔ پس دنیا و آخرت کا بھی یہی حال ہے کتنے ہی کام ہیں جنہیں لوگ مفید سمجھ کر کرنے لگ جاتے ہیں اور مستقبل کی توقعات قائم کر لیتے ہیں لیکن قیامت میں وہی کام خطرناک رنگ میں جب سامنے آئیں گے تو لوگ چیخ اٹھیں گے۔

مختلف قسمیں اوران کی مضمون قسم سے مناسبت: .... والنشرات. جولطیف ہوائیں بخارات کی شکل میں اوپر اٹھتی ہیں اور بادلوں کو فضا میں پھیلا دیتی ہیں پھر حکم الٰہی کے مطابق انہیں مختلف حصوں میں بانٹ دیتی ہیں اور بارش ہوجانے پر پھران بادلوں کو ادھر ادھر، تتر بتر کر دیتی ہیں اور کچھ بادلوں کی خصوصیات نہیں بلکہ چیزوں کی مختلف کیفیات، مثلاً: خوشبو، بدبو وغیرہ بھی ہوا کی بدولت پھیل جاتی ہیں۔ غرض کہ جمع وتفریق جوہوا کا ایک خاصہ ہے وہ آخرت کا ایک نمونہ بھی ہے" حشر و نشر" میں یہی جمع تفریق کا منظر سامنے آجائے گا۔ چنانچہ آگے ارشاد ہے " هذا يوم الفصل جمعنٰكم والاولين " البتہ مفسرآیات قرآنی "الفارقات" کا مصداق قرار دے رہے ہیں یعنی جس طرح دنیا میں ان سے حق ناحق الگ ہوجاتا ہے آخرت میں بھی اسی طرح دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے رکھ دیں گی۔

فالملقیات. یعنی ان ہواؤں سے اللہ کی یاد دل میں آجاتی ہے دووجہ سے اگر خوف ناک ہوائیں ہیں تو آثار خوف نمایاں ہو کر توبہ واستغفار کی توفیق ہوگی اور وہ ہوائیں فرحت بخش ہوئیں تو شکر نعمت کے جذبات دل میں موجزن ہوں گے اور اپنی تقصیرات پیش نظر ہوں گی۔ نیز یہ ہوائیں وحی کی آواز بھی کانوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنیں گی۔ لیکن مفسرؒ اس سے فرشتے مراد لے رہے ہیں۔

بہرحال روح المعانی میں ان پانچوں قسموں میں تین قسموں کے احتمالات کی تفصیل مذکور ہے اور" عذراً او نذراً" کے متعلق حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ وحی کے ذریعہ حق تعالیٰ کو کافروں کا یہ الزام اتارنا منظور ہے کہ سزا کے وقت یہ نہ کہیں کہ ہمیں خبر نہیں تھی۔ اور جن کی قسمت میں ایمان ہے ان کو ڈرسنانا ہے۔ تا کہ وہ ایمان لے آئیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو کلام الٰہی امرونہی، عقائد واحکام پر مشتمل ہے وہ عذر کرنے کے لئے ہے کہ اعمال کی باز پرس کے وقت اس شخص کے لئے دستاویز اور عذر ہو کہ میں نے فلاں کام حق تعالیٰ کے حکم سے کیا اور فلاں کام اس کے حکم سے چھوڑ دیا اور جو حصہ کلام کا منقول اور واقعات سے متعلق ہے وہ عموماً خوف دلانے اور ڈرانے کے لئے ہے اور اس سورت میں زیادہ تر مکذبین ومنکرین کی طرف رخ تھا اس لئے بشارت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ بہرحال وحی لانے والے فرشتے اور وحی پہنچانے والی ہوائیں شاہد ہیں کہ ایک دن ضرور ایسا آنا چاہئے کہ مجرموں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچایا جائے اور خدا سے ڈرنے والوں کو بالکلیہ مامون ومطمئن کر دیا جائے۔

قیامت کا ہولناک نقشہ: .... فاذا النجوم. سو جب تارے بے نور ہوجائیں، آسمان پھٹ پڑیں اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح ہوا میں اڑتے پھریں اور پیغمبر آگے پیچھے مقررہ وقت کے مطابق اپنی اپنی امتوں کے ساتھ دربار الٰہی میں پیش ہوں اس وقت سب کا فیصلہ ہوجائے گا۔ اور جانتے ہو کہ ان سب باتوں کو کس دن کے لئے اٹھا رکھا ہے؟ یادرکھو اس دن آخری اور دوٹوک فیصلہ ہوگا اس کی حکمت ہی کا تقاضا ہے کہ یہ فیصلہ دنیا کی بجائے آخرت میں ہو ورنہ اللہ چاہتا تو ہر چیز کا فیصلہ ہاتھوں ہاتھ ہوجاتا۔

مکرر آیات کے ہر جگہ نئے معنی: .... ویل یومئذ. اس فیصلہ کے دن کی نسبت بس اتنا سمجھ لو کہ جھٹلانے والوں کو اس روز بڑی بدبختی اور مصیبت سے دوچار ہونا پڑے گا خلاف توقع جب ایک دم حالات سامنے آجائیں گے تو ہوش اڑ جائیں گے اور سخت مایوسی اور بدحواسی طاری ہوجائے گی۔

الم نهلك الاولين. لوگ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ سب آدمی ایک دم کیسے مرجائیں گے اور کیسے یقین کیا جائے کہ اتنی بڑی دنیا ختم ہوجائے گی؟ دوزخ کا خیال اور عذاب کے ڈراوے سب فرضی اور مصنوعی ہیں۔ اس کا جواب فرمایا جارہا ہے کہ پہلے کتنے آدمی اور قومیں تباہ وبرباد ہوچکیں اور آج تک بھی موت وتباہی کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ پس جب پرانے مجرموں کی نسبت ہماری یہ عادت

معلوم ہو چکی تو سمجھ لو کہ اب ہم ان کافروں کو بھی ان ہی کے پیچھے چلتا کر دیں گے آخر ہماری قدرت میں کچھ فرق آ گیا ہے۔
ویل یومئذ. ایسے جھٹلانے والوں کی اس روز اچھی طرح خبر لیں گے اور خاص درگت بنائیں گے۔

الم نخلقکم. ماں کے رحم اور بچہ دانی میں اکثر نو مہینے تک اس پانی کی بوند کو بتدریج مختلف مراحل سے گزار کر جیتا جاگتا اچھا خاصا انسان بنا دیا جاتا ہے۔ اس سے اللہ کی عظیم قدرت اور کاریگری کا اندازہ کر لو اور یہ کہ کیا دوبارہ انسان کو زندہ نہیں کیا جا سکتا اور ''قدرنا'' کے معنی اندازہ کرنے کے بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی کیسے صحیح اندازہ سے ہم نے انسان کو بنا دیا کہ اتنی سی مدت میں کوئی ضروری چیز نہیں رہ گئی اور کوئی بےکار چیز زائد نہیں آ گئی۔

ویل یومئذ للمکذبین. جو لوگ مر کر زندہ ہونے کو محال سمجھا کرتے اور اس عقیدہ کا مذاق اڑایا کرتے وہ اس وقت اپنے لچر شبہات پر شرمندہ ہوں گے اور کف افسوس ملیں گے۔

مر کر جب زمین ہی ٹھکانا ہے تو پھر دوبارہ اسی سے اٹھانا کیوں مشکل ہے؟: ....الم نجعل الارض. زمین کو دیکھو زندہ بھی اسی پر رہتے ہیں اور مردے بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں انسان کو زندگی بھی اسی مٹی سے ملی اور مر کر بھی اسی میں کھپتا ہے۔ جب یہی ٹھکانا ہے، پھر دوبارہ اسی سے اٹھا دینا کیوں مشکل ہوگا؟ پھر جو خدائے قادر نے اسی زمین پر پہاڑ جیسے مضبوط، وزنی، سخت، دیوہیکل پیدا کر دیئے جو ذرا اس سے مس نہیں ہوتے اور اسی زمین میں پانی جیسی سیال اور رقیق و نرم چیز پیدا کر دی جو بہتا رہتا ہے اور پینے والے آسانی سے پی جاتے ہیں۔ پس اللہ جب اسی ذرا سی زمین پر اپنی قدرت کے متضاد کرشمے دکھلاتا رہتا ہے کیا وہ قیامت میں نجات وعذاب کے مختلف مناظر نہیں دکھلا سکتا؟ پھر ایسی ہستی کی قدرت و نعمت کو جھٹلانا کیا معنی؟

ویل یومئذ للمکذبین. ان جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی جو یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ ایک جگہ اور ایک وقت میں ساری دنیا کو ثواب وعذاب دینا کیسے ہو سکے گا؟

انطلقوا. کفار سے قیامت کے روز کہا جائے گا چلو ذرا اپنے جھٹلانے کا انجام بھی دیکھ لو وہ سامنے جو دوزخ کا دھواں اٹھ رہا ہے جسے تم سائبان سمجھو گے بقول قتادہؒ پھٹ کر اس کے تین ٹکڑے ہو جائیں گے ہر ایک کو تین طرف سے گھیر لے گا۔ ایک ٹکڑا سر پر اور دو ٹکڑے دائیں بائیں۔ حساب سے فارغ ہوتے ہی یہ منکرین تو اسی دھوئیں کے سائبان میں رہیں گے اور ایمان دار عرش بریں کے سایہ میں بآرام واطمینان کھڑے ہوں گے۔ وہ دھواں بس نام کو سایہ ہوگا ورنہ بیرونی واندرونی تپش وتمازت رہے گی اور اس سے اڑتی ہوئی چنگاریاں یا انگارے بڑے بڑے محل کے برابر ہوں گے۔ دھوئیں کو محل سے تشبیہ اگر بلندی میں ہے تب تو اونٹ سے بڑے اور پھیلے ہوئے ہونے میں ہوگی لیکن اگر محل سے تشبیہ بڑے ہونے میں ہے تو پھر اونٹ کے ساتھ تشبیہ دھولے اور مٹیالے ہونے میں ہوگی جو سیاہی کے قریب ہوتا ہے اور یا دونوں ملا کر یہ مطلب ہوگا کہ پہلے دھواں محل کے برابر آئے گا اور پھر مختلف ٹکڑے ہو ہو کر اونٹ کی طرح ہو جائے گا اونٹوں کے ساتھ اہل عرب کی رعایت سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ویل یومئذ للمکذبین. ان جھٹلانے والوں کے لئے خرابی ہوگی جو یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اول تو قیامت آئے گی نہیں اور آئی بھی تو یار لوگ مزہ میں رہیں گے۔

قیامت کی ہیبت اور دہشت: ....ھذا یوم لا ینطقون. روز محشر کفار کہیں بول بھی نہ سکیں گے اور کہیں بولیں گے بھی تو بے فائدہ اس لئے بولنا نہ بولنا برابر رہے گا کیونکہ اب معذرت اور توبہ کا وقت گذر چکا ہے اب ان لوگوں کی تباہی کا وقت آ گیا ہے

جنہوں نے اللہ احکم الحاکمین کی بارگاہ کو یہ سمجھ رکھا تھا کہ دنیا کی عدالتوں کی طرح وہاں بھی کچھ دے دلا کر، زبان چلا کر چھٹی ہو جائے گی۔

هٰذا يوم الفصل . پہلے سب کو اکٹھا کر کے آخری فیصلہ سنا دیا جائے گا پھران کو الگ الگ کر دیا جائے گا اوران سے کہہ دیا جائے گا کہ لو ہم نے تمہیں جمع کر دیا ہے اور اب آپس میں صلاح کر لو اور جو تدبیریں ہماری گرفت سے نکلنے کی ذہن میں آئیں کر دیکھو۔

ويل يومئذ للمكذبين . ان بدبختوں کی آج شامت آئے گی، جو دوسروں کے سہارے تک رہے تھے کہ وہ کسی نہ کسی طرح ہمیں چھڑا لیں گے۔

دوزخیوں سے جنتیوں کا تقابل:............ان المتقين . ترہیب کے بعد ترغیبی مضمون ہے ارشاد ہے کہ دوزخیوں کے سایہ کا ذکر تو گزر چکا۔ لیکن جنتیوں کو عرش کا اور پھر جنت کا سایہ نصیب ہوگا کھانے پینے اور فواکہات کی افراط اور بہتات ہوگی اور جتلا دیا جائے گا کہ فضل الٰہی سے یہ تمہارے کئے کا پھل ہے اپنی محنت کا پھل کھا کر اب مگن رہو۔

ويل للمكذبين . مگران لوگوں کی کمبختی آ گئی جو دنیا میں کہا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد اگر دوبارہ زندہ ہونا پڑا تو یار لوگ وہاں بھی مزے میں رہیں گے اب مسلمانوں کو سکھ میں اور خود کو دکھ میں دیکھ دیکھ کر اور بھی جلیں بھنیں گے۔

كلوا و تمتعوا . یعنی اے مکذبین! دنیا میں چندے مزے اڑا لو آخر یہ کھایا پیا سب نکلے گا تم پکے مجرم ہو اس لئے سزا بھی پکی ہونی چاہئے اور جس طرح پھانسی پانے والے سے آخری طور پر اس کی خواہش کو پوچھا جاتا ہے اسی طرح ان کو آخری موقعہ دیا جا رہا ہے۔

ويل للمكذبين . بربادی ہے ان لوگوں کی جو دنیا کی بہاروں اور مزوں پر ریجھ رہے تھے اور جس کو ریشم کی ڈوری سمجھ کر گلے میں ڈالا تھا وہ کالا ناگ تھا۔ جب ان سے کہا گیا کہ نماز میں خاص طور سے یا عام احکام میں اللہ کے آگے جھکو تو نہیں جھکتے۔

ويل يومئذ . لیکن آخر کو یہ لوگ پچھتائیں گے کہ کیوں نہ اللہ کے آگے جھکے وہاں سر جھکاتے تو آج سر بلند ہوتے۔

فبایّ حدیث . قرآن جیسی معجز کتاب بھی اگر ان پر اثر انداز نہ ہو سکی تو پھر آخر کس بات پر ایمان لائیں گے قرآن کے بعد کوئی اور کتاب آئے گی جس کے یہ منتظر ہیں؟ **اذا جاء نهر الله بطل نهر معقل.**

لطائف سلوک:............انطلقوا الى ظل . روح المعانی میں ہے کہ تین کی تخصیص یا تو اس لئے ہے کہ نفس کے لئے تین حجابات ہیں جو انوار قدس میں مانع ہیں۔(۱) حس (۲) خیال (۳) وہم اور یہ مخل علم ہیں اور یا اس لئے ہے کہ عذاب تک لے جانے والی تین قوتیں ہیں۔ ۱۔ وہمیہ۔ ۲۔ غضبیہ۔ ۳۔ شہویہ۔ اور یہ مخل عمل ہیں۔

و اذا قيل لهم . یعنی تواضع وخشوع اختیار کرو اور کبر ونخوت کو چھوڑ دو جو قبول حق سے مانع ہے۔

(تم بحمد الله وبفضله لحصة من التفسيرات الا حكاميه ومن البيان والمسائل السلوك والفوائد العمالى وغيرها (لسابع عشر رمضان ۱۳۹۷ھ يوم الجمعه)

پارہ نمبر ﴿۳۰﴾

عَمَّ

فہرست پارہ عم

سُــورَةُ النَّبَـا

سُورَةُ النَّبَامِكِّيَّةٌ اِحْدٰى وَاَرْبَعُونَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَمَّ عَنْ اَىِّ شَىْءٍ **يَتَسَآءَ لُوْنَ** ﴿١﴾ يَسْأَلُ بَعْضُ قُرَيْشٍ بَعْضًا **عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ** ﴿٢﴾ بَيَانٌ لِذٰلِكَ الشَّىْءِ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِتَفْخِيمِهٖ وَهُوَمَاجَاءَ بِهِ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْقُرْاٰنِ الْمُشْتَمِلِ عَلَى الْبَعْثِ وَغَيْرِهٖ **الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ** ﴿٣﴾ فَالْمُؤْمِنُوْنَ يُثْبِتُوْنَهٗ وَالْكَافِرُوْنَ يُنْكِرُوْنَهٗ **كَلَّا** رَدْعٌ **سَيَعْلَمُوْنَ** ﴿٤﴾ مَايَحُلُّ بِهِمْ عَلٰى اِنْكَارِهِمْ لَهٗ **ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ** ﴿٥﴾ تَاكِيْدٌ وَجِيْءَ فِيْهِ بِثُمَّ لِلْاِيْذَانِ بِاَنَّ الْوَعِيْدَ الثَّانِىْ اَشَدُّ مِنَ الْاَوَّلِ ثُمَّ اَوْمَأَ تَعَالٰى اِلَى الْقُدْرَةِ عَلَى الْبَعْثِ فَقَالَ **اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا** ﴿٦﴾ فِرَاشًا كَالْمَهْدِ **وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا** ﴿٧﴾ يُثَبَّتُ بِهَا الْاَرْضَ كَمَايُثَبَّتُ الْخِيَامُ بِالْاَوْتَادِ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيْرِ **وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا** ﴿٨﴾ ذُكُوْرًاوَّاِنَاثًا **وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا** ﴿٩﴾ رَاحَةً لِاَبْدَانِكُمْ **وَّجَعَلْنَاالَّيْلَ لِبَاسًا** ﴿١٠﴾ سَاتِرًا بِسَوَادِهٖ **وَّجَعَلْنَا النَّهَارَمَعَاشًا** ﴿١١﴾ وَقْتًالِّلْمَعَايِشِ **وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا** سَبْعَ سَمٰوٰتٍ **شِدَادًا** ﴿١٢﴾ جَمْعُ شَدِيْدَةٍ اَىْ قَوِيَّةٌ مُّحْكَمَةٌ لَايُؤَثِّرُفِيْهَا مُرُوْرُ الزَّمَانِ **وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا** مُّنِيْرًا **وَّهَّاجًا** ﴿١٣﴾ وَقَّادًا يَعْنِى الشَّمْسَ **وَّاَنْزَلْنَامِنَ الْمُعْصِرٰتِ** السَّحَابَاتِ الَّتِىْ حَانَ لَهَا اَنْ تَمْطُرَ كَالْمُعْصَرِ الْجَارِيَةُالَّتِىْ دَنَتْ مِنَ الْحَيْضِ **مَآءً ثَجَّاجًا** ﴿١٤﴾ صَبَّابًا **لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا** كَالْحِنْطَةِ **وَّنَبَاتًا** ﴿١٥﴾ كَالتِّبْنِ **وَّجَنّٰتٍ** بَسَاتِيْنَ **اَلْفَافًا** ﴿١٦﴾ مُلْتَفَّةً جَمْعُ لَفِيْفٍ كَشَرِيْفٍ وَّاَشْرَافٍ **اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ** بَيْنَ الْخَلَائِقِ **كَانَ مِيْقَاتًا** ﴿١٧﴾ وَقْتًا لِلثَّوَابِ وَالْعِقَابِ **يَّوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ** الْقَرْنِ بَدَلٌ مِّنْ يَّوْمِ الْفَصْلِ اَوْبَيَانٌ لَهٗ وَالنَّافِخُ اِسْرَافِيْلُ **فَتَاْتُوْنَ** مِنْ قُبُوْرِكُمْ اِلَى الْمَوَاقِفِ **اَفْوَاجًا** ﴿١٨﴾ جَمَاعَاتٍ مُّخْتَلِفَةً **وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ شُقِّقَتْ لِنُزُوْلِ الْمَلَائِكَةِ **فَكَانَتْ اَبْوَابًا** ﴿١٩﴾ ذَاتَ اَبْوَابٍ **وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ** ذُهِبَ بِهَا عَنْ اَمَاكِنِهَا **فَكَانَتْ سَرَابًا** ﴿٢٠﴾

هَبَاءً اَیْ مِثْلِهٖ فِیْ خِفَّةِ سَیْرِهَا **اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا** ﴿۲۱﴾ رَاصِدَةً اَوْ مُرْصَدَةً **لِّلطّٰغِیْنَ** الْكَافِرِیْنَ فَلَا یَتَجَاوَزُوْنَهَا **مَاٰبًا** ﴿۲۲﴾ مَرْجِعًا لَّهُمْ فَیَدْخُلُوْنَهَا **لٰبِثِیْنَ** حَالٌ مُّقَدَّرَةٌ اَیْ مُقَدَّرًا لُبْثُهُمْ **فِیْهَآ اَحْقَابًا** ﴿۲۳﴾ دُهُوْرًا لَا نِهَایَةَ لَّهَا جَمْعُ حُقْبٍ بِضَمِّ اَوَّلِهٖ **لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا** نَوْمًا **وَّلَا شَرَابًا** ﴿۲۴﴾ مَا یُشْرَبُ تَلَذُّذًا **اِلَّا** لٰكِنْ **حَمِیْمًا** مَاءً حَارًّا غَایَةَ الْحَرَارَةِ **وَّغَسَّاقًا** ﴿۲۵﴾ بِالتَّخْفِیْفِ وَالتَّشْدِیْدِ مَا یَسِیْلُ مِنْ صَدِیْدِ اَهْلِ النَّارِ فَاِنَّهُمْ یَذُوْقُوْنَهٗ جُوْزُوْا بِذٰلِكَ **جَزَآءً وِّفَاقًا** ﴿۲۶﴾ مُوَافِقًا لِعَمَلِهِمْ فَلَا ذَنْبَ اَعْظَمُ مِنَ الْكُفْرِ وَلَا عَذَابَ اَعْظَمُ مِنَ النَّارِ **اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ** یَخَافُوْنَ **حِسَابًا** ﴿۲۷﴾ لِاِنْكَارِهِمُ الْبَعْثَ **وَّكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا** الْقُرْاٰنِ **كِذَّابًا** ﴿۲۸﴾ تَكْذِیْبًا **وَكُلَّ شَیْءٍ** مِنَ الْاَعْمَالِ **اَحْصَیْنٰهُ** ضَبَطْنَاهُ **كِتٰبًا** ﴿۲۹﴾ فِی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ لِنُجَازِیَ عَلَیْهِ وَمِنْ ذٰلِكَ تَكْذِیْبُهُمْ بِالْقُرْاٰنِ **فَذُوْقُوْا** اَیْ فَیُقَالُ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عِنْدَ وُقُوْعِ الْعَذَابِ عَلَیْهِمْ ذُوْقُوْا جَزَاءَكُمْ **فَلَنْ نَّزِیْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا** ﴿۳۰﴾ فَوْقَ عَذَابِكُمْ **اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا** ﴿۳۱﴾ مَكَانَ فَوْزٍ فِی الْجَنَّةِ **حَدَآئِقَ** بَسَاتِیْنَ بَدَلٌ مِّنْ مَفَازًا اَوْ بَیَانٌ لَّهٗ **وَّاَعْنَابًا** ﴿۳۲﴾ عَطْفٌ عَلٰی مَفَازًا **وَّكَوَاعِبَ** جَوَارِیَ تَكَعَّبَتْ ثُدِیُّهُنَّ جَمْعُ كَاعِبٍ **اَتْرَابًا** ﴿۳۳﴾ عَلٰی سِنٍّ وَاحِدٍ جَمْعُ تِرْبٍ بِكَسْرِ التَّاءِ وَسُكُوْنِ الرَّاءِ **وَّكَاْسًا دِهَاقًا** ﴿۳۴﴾ خَمْرًا مَالِئَةً مَحَالَّهَا وَفِی الْقِتَالِ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ **لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا** اَیِ الْجَنَّةِ عِنْدَ شُرْبِ الْخَمْرِ وَغَیْرِهٖ مِنَ الْاَحْوَالِ **لَغْوًا** بَاطِلًا مِّنَ الْقَوْلِ **وَّلَا كِذّٰبًا** ﴿۳۵﴾ بِالتَّخْفِیْفِ اَیْ كِذْبًا وَّبِالتَّشْدِیْدِ اَیْ تَكْذِیْبًا مِنْ وَاحِدٍ لِغَیْرِهٖ بِخِلَافِ مَا یَقَعُ فِی الدُّنْیَا عِنْدَ شُرْبِ الْخَمْرِ **جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ** اَیْ جَازَاهُمُ اللّٰهُ بِذٰلِكَ جَزَاءً **عَطَآءً** بَدَلٌ مِّنْ جَزَاءً **حِسَابًا** ﴿۳۶﴾ اَیْ كَثِیْرًا مِّنْ قَوْلِهِمْ اَعْطَانِیْ فَاَحْسَبَنِیْ اَیْ اَكْثَرَ عَلَیَّ حَتّٰی قُلْتُ حَسْبِیْ **رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** بِالْجَرِّ وَالرَّفْعِ **وَمَا بَیْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ** كَذٰلِكَ وَبِرَفْعِهٖ مَعَ جَرِّ رَبِّ السَّمٰوٰتِ **لَا یَمْلِكُوْنَ** اَیِ الْخَلْقُ **مِنْهُ** تَعَالٰی **خِطَابًا** ﴿۳۷﴾ اَیْ لَا یَقْدِرُ اَحَدٌ اَنْ یُّخَاطِبَهٗ خَوْفًا مِّنْهُ **یَوْمَ** ظَرْفٌ لِلَا یَمْلِكُوْنَ **یَقُوْمُ الرُّوْحُ** جِبْرِیْلُ اَوْ جُنْدُ اللّٰهِ **وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا** حَالٌ اَیْ مُصْطَفِّیْنَ **لَا یَتَكَلَّمُوْنَ** اَیِ الْخَلْقُ **اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ** فِی الْكَلَامِ **وَقَالَ** قَوْلًا **صَوَابًا** ﴿۳۸﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلَائِكَةِ كَاَنْ یَّشْفَعُوْا لِمَنِ ارْتَضٰی **ذٰلِكَ الْیَوْمُ الْحَقُّ** الثَّابِتُ وُقُوْعُهٗ وَهُوَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ **فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ مَاٰبًا** ﴿۳۹﴾ مَرْجِعًا اَیْ رَجَعَ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی بِطَاعَتِهٖ لِیَسْلَمَ مِنَ الْعَذَابِ فِیْهِ **اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ** اَیْ كُفَّارَ مَكَّةَ **عَذَابًا قَرِیْبًا** اَیْ عَذَابَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ الْاٰتِیْ وَكُلُّ اٰتٍ قَرِیْبٌ **یَّوْمَ** ظَرْفٌ لِعَذَابًا بِصِفَتِهٖ **یَنْظُرُ الْمَرْءُ** كُلُّ امْرِءٍ **مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ** مِنْ خَیْرٍ وَّشَرٍّ **وَیَقُوْلُ الْكَافِرُ یٰا** حَرْفُ تَنْبِیْهٍ **لَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا** ﴿۴۰﴾

یَعْنِیْ فَلاَ اُعَذَّبُ یَقُوْلُ ذٰلِکَ عِنْدَ مَایَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی لِلْبَھَائِمِ بَعْدَ الْاِقْتِصَاصِ مِنْ بَعْضِھَا لِبَعْضٍ کُوْنِیْ تُرَابًا

سورہ نبا مکیہ ہے جس میں ۴۱ آیات ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

ترجمہ:............ یہ لوگ کس چیز کا حال دریافت کرتے ہیں (قریش ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں) اس بڑے واقعہ کا حال دریافت کرتے ہیں (یہ اس چیز کا بیان ہے اور استفہام اس کی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے اور وہ آنحضرت ﷺ کا لایا ہوا قرآن ہے جس میں قیامت وغیرہ کا بیان ہے) جس میں یہ لوگ اختلاف کررہے ہیں (مومن تو اس کو ثابت کرتے ہیں لیکن کافر انکار کرتے ہیں) ہرگز ایسا نہیں ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (کہ ان کے انکار پر کیا بلا نازل ہوتی ہے) پھر ہرگز ایسا نہیں ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (یہ تاکید ہے اور ثــم سے اشارہ ہے کہ دوسری وعید پہلی سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ پھر آگے حق تعالیٰ قیامت پر قدرت کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔ ارشاد ہے) کیا ہم نے زمین کو فرش (مثل بستر) اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا (ان سے زمین تھم گئی جیسے خیمہ کھمبوں پر تھما ہوتا ہے۔ اس میں استفہام تقریری ہے) اور ہم ہی نے تمہیں جوڑہ جوڑہ (مرد وعورت) بنایا اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت (بدن کے آرام) کی چیز بنایا۔ اور ہم ہی نے رات کو پردہ (اپنی اندھیر میں چھپا دینے والی چیز) بنایا اور ہم ہی نے دن کو معاش کا وقت (دھندہ کرنے کے لئے) بنایا اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے (شـداد، شـدیدۃ کی جمع ہے یعنی نہایت طاقتور جس پر پرانا ہونے کا کچھ اثر نہیں پڑتا) اور ہم ہی نے ایک روشن چراغ (دہکتا ہوا یعنی آفتاب) بنایا اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں سے برسایا (جو بادل برسنے کے قریب ہوتے ہیں۔ وہ اس جوان لڑکی کی طرح ہوتے ہیں جو قریب الحیض ہو) بہت سا پانی (موسلا دھار بارش) تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ غلہ (جیسے گیہوں) اور بھوسہ (تنکے) اور گنجان باغ پیدا کریں (لپٹے ہوئے۔ لـفـیف کی جمع ہے جیسے شــــریف کی جمع اشــــراف ہے) بے شک فیصلہ کا دن (مخلوق کے درمیان) ایک مقررہ وقت ہے (ثواب وعذاب کے لئے) یعنی جس دن صور پھونکا جائے گا (صور کے معنی سینگ کے ہیں "یـوم الـفـصـل" کا بدل یا بیان ہے اور صور پھونکنے والے اسرافیل علیہ السلام ہوں گے) پھر تم لوگ (اپنی قبروں سے موقف کی طرف) گروہ در گروہ (مختلف جتھے) ہو کر آؤ گے اور آسمان کھل جائے گا (تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے۔ فرشتوں کے اترنے کے لئے پھٹ جائے گا) پھر اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے اور پہاڑ ہٹا دیئے جائیں گے (اپنی جگہ سے ٹل جائیں گی) اور ریت کی طرح ہو جائیں گے۔ (غبار یعنی ہلکے پھلکے) بے شک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے (تاک میں ہے یا کمین گاہ ہے) سرکشوں کا ٹھکانہ (کافر اس سے نکل کر جا نہیں سکیں گے، اسی قرار گاہ میں گھسیں گے) جس میں وہ رہیں گے (حال مقدر ہے یعنی ان کا رہنا طے ہے) مدتوں (بے انتہا زمانہ حقب کی جمع ہے جو ضمہ اول کے ساتھ ہے) اس میں نہ تو وہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ پینے کی چیز کا (جو مزے کے لئے پی جائے) بجز گرم (کھولتے ہوئے) پانی اور پیپ کے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ جو کچلہوں دوزخیوں سے بہے گا وہ ان کو دیا جائے گا۔ ملے گا ان کو یہ) پورا بدلہ ملے گا (جو ان کے قصوروں کے مطابق ہوگا۔ چنانچہ کفر سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں اور دوزخ سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں ہے) وہ لوگ حساب کا اندیشہ (خوف) نہیں رکھتے تھے (قیامت کو نہ ماننے کی وجہ سے) اور ہماری آیات (قرآن) کو خوب جھٹلایا کرتے تھے اور ہم نے (اعمال کی) ہر چیز کو دیکھ کر ضبط کر رکھا ہے (لوح محفوظ میں تاکہ اس پر ہم بدلہ دے سکیں گے، انہیں اعمال میں سے، ان کا قرآن کو جھٹلانا ہے) سو مزہ چکھو (یعنی ان سے آخرت میں ان پر عذاب ہونے کے وقت کہا جائے گا کہ اپنا بدلہ چکھو) کہ ہم تمہارے عذاب (پر عذاب) کو بڑھاتے چلے جائیں گے۔ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے بلاشبہ کامیابی ہے (جنت میں کامیابی کا مقام) یعنی باغ (مــفـــازا کا یہ بدل ہے یا بیان) اور انگور اور نوخیز عورتیں (جن کی

چھاتیاں ابھری ہوئی ہوں گے۔ کاعب کی جمع ہے) جو ہم عمر ہوں گی (ہمسن ترب کی جمع ہے جو کسر تا اور سکون را کے ساتھ ہے) اور لبالب بھرے ہوئے جام شراب ہوں گے (پیمانے شراب سے لبریز۔ سورہ محمد میں وانھر من خمر ہے) وہاں نہ کوئی بیہودہ (غلط) بات سنیں گے اور نہ جھوٹ (تخفیف کے ساتھ یعنی جھوٹ اور تشدید کے ساتھ تشدید کے ساتھ ہے یعنی ایک دوسرے کو جھٹلانا۔ اور دنیا میں شراب پینے کے وقت اس کے خلاف ہوتا ہے) یہ بدلہ ملے گا (یعنی اللہ انہیں یہ صلہ عطا فرمائے گا) آپ کے رب کی طرف سے انعام (جزاء کا بدل ہے) کافی (بہت زیادہ جیسے بولتے ہیں اعطانی فاحسبنی یعنی مجھے اتنا دیا کہ میں نے حسب یعنی بس کہہ دیا) جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا (جر اور رفع کے ساتھ ہے) اور ان چیزوں کا جو دونوں کے درمیان میں ہیں۔ رحمٰن ہے کسی (مخلوق) کو اس کی طرف سے اختیار نہ ہوگا۔ کہ عرض معروض کر سکے (یعنی کسی کی مجال نہیں ہوگی کہ دہشت سے اس کے آگے بات کر سکے) جس روز (لا یکون کا ظرف ہے) روح (جبرائیل یا لشکر خدائی) اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے (حال ہے بمعنی مصطفین) کوئی (مخلوق) بول نہ سکے گی۔ مگر یہ کہ اللہ کسی کو بات کرنے کی اجازت دے دے اور وہ شخص بات بھی ٹھیک کہے (مومن ہو یا فرشتہ وہ مثلاً ایسے شخص کے لئے سفارشی ہوں جس کے لئے اللہ اجازت دے دے) یہ دن یقینی ہے (اس کا ہونا واقعہ ہے۔ یعنی روز قیامت) سو جس کا جی چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانہ بنا رکھے (اللہ کی فرمانبرداری کر کے اس کی پناہ میں ہو جائے تا کہ عذاب سے محفوظ رہ سکے) ہم نے ان (مکہ کے کافروں) کو نزدیک آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے (یعنی قیامت کے آنے والے عذاب سے اور جو چیز آنے والی ہوتی ہے وہ قریب ہوتی جاتی ہے) جس دن (عذاب کا ظرف ہے مع اپنی صفت کے) ہر شخص ان اعمال کو دیکھ لے گا۔ جو (اچھے برے کام) اس نے اپنے ہاتھوں کئے ہوں گے اور کافر کہے گا اے (حرف تنبیہ ہے) کاش میں مٹی ہو جاتا (یعنی میں عذاب سے بچ جاتا۔ یہ اس وقت کہے گا جب حق تعالیٰ جانوروں کا ایک دوسرے سے قصاص لینے کے بعد فرمائیں گے تم سب مٹی ہو جاؤ)۔

تحقیق وترکیب: .... عم یہ لفظ اصل میں عن ما تھا۔ وصف غنہ میں نون میم شریک ہونے کی وجہ سے نون میم میں ادغام ہو گیا، پھر لم، یم قیم وغیرہ کی طرح اس میں سے بھی الف حذف ہو گیا۔ اہل عرب کثرت استعمال کی وجہ سے آٹھ جگہ ما موصولہ کے الف کو گرا دیتے ہیں۔ عن، من، با، فی علی، الی حتی۔

یتساءلون۔ آپس میں قریش پوچھ پاچھ کرتے یا آنحضرت ﷺ یا مسلمانوں سے قیامت کا استہزاء کرتے ہوئے چہ میگوئیاں کرتے تھے۔

النبا العظیم۔ یہ عطف بیان ہے اور یہاں استفہام حقیقی نہیں بلکہ تفخیم سے کنایہ ہے۔

سیعلمون۔ یعنی مرنے کے بعد اس انکار کی جو کچھ سزا ملے گی اس سورت کو سورت تساؤل بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں غیر ضروری سوالات پر ناگواری کا اظہار کرنا ہے کہ یہ کافرانہ اور فاسقانہ طرز ہے۔ ثم سے مراد ناگواری ہے۔

الم نجعل الارض۔ یعنی جس کی قدرت کے یہ عظیم شاہکار ہیں۔ جن کا تذکرہ اگلی آیات میں فرمایا جا رہا ہے۔ کیا قیامت اس کی قدرت سے باہر ہے۔ نجعل کا مفعول اول ارض اور مھاد مفعول ثانی ہے۔ کیونکہ جعل بمعنی تصییر ہے۔ لیکن اگر خلق کے معنی میں ہو تو پھر مھادا اور اوتادا حال مقدرہ ہو جائیں گے اور سباتا بظاہر مفعول ثانی ہے۔ مھاد مھد سے ہے۔ یعنی گہوارہ۔ اور سباتا بروزن غراب ہے۔ سبت، قتل کی طرح ہے۔ راحت گہری نیند کے معنی میں ہے۔ کیونکہ وہ بھی باعث راحت ہوتی ہے۔

معاشا۔ مصدر میمی ہے یہاں بتقدیر مضاف ظرف واقع ہو رہا ہے اور اسم مکان بھی ہو سکتا ہے۔

وھاجا۔ چونکہ یہ سراجا کی صفت ہے۔ جعلنا کا مفعول ثانی نہیں ہے۔ اس لئے مفسرؒ نے جلعنا بمعنی خلقنا لیا ہے۔ ورنہ

مفعول اول نکرہ ماننا پڑے گا۔

المعصرات. بادل کے معنی ہیں۔ اگر چہ بادل **معصورہ** ہوتے ہیں **عاصرہ** اور **معصرہ** نہیں ہوتے یا اس میں ہمزہ **حینونة** کی مانی جائے۔ یعنی تعدیہ کی نہیں ہے۔ جیسے **احصد الذرع** بولتے ہیں یعنی کھیتی پکنے کے قریب ہوگئی۔ اس میں ہمزہ فاعل کے ذی ماخذ بنانے کے لئے بھی مانی جا سکتی ہے جیسے **اعسر ، ایسر ، الحم اطفل** میں ہے۔ امام راغبؒ صاحب مفردات کہتے ہیں کہ **المعصر** جوان عورت جو شباب میں داخل ہو۔

ثجاجا. **ثج** متعدی سے ماخوذ ہے۔ لازم ومتعدی دونوں طرح آتا ہے۔ **ثجه، ثج** دونوں صورت میں ہے۔

الفافا. گھنے اور تہ بہ تہ۔ زمخشریؒ کہتے ہیں کہ **الفاف** اور **ملتفة** کا واحد نہیں ہے جیسے **اذرغ** کا واحد نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ **لف** بکسر لام کی جمع ہے۔ **جزع اجزاع** اور **سر، اسرار** کی طرح۔ تیسرے یہ کہ **لفیف** کی جمع جیسے **شهید ، اشهاد ، شریف ، اشراف یالف** کی جمع ہے اور وہ **لفاء** کی جمع بمعنی گھنا درخت۔

ان یوم الفصل. کفار کے قیامت کے بارے میں منکر ہونے کی وجہ سے **ان** لایا گیا ہے۔

میقاتا. ظرف زمان ہے **فتحت** مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ **اذا السماء انفطرت . اذا السماء انشقت** کی وجہ سے یہاں پر آسمان کا پھٹنا مراد ہے۔ متعارف معنی کھلنے کے مراد نہیں۔

سرابا . دوپہر کو سخت دھوپ میں جو ارتعاشی کیفیت ہوتی ہے اس کو کہتے ہیں جو پانی کی لہروں جیسی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن صاحب قاموس کے نزدیک لغت سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ سراب یعنی ریت سے تشبیہ پر محمول کرلیا جائے کہ وہ پہاڑ محض خیالی رہ جائیں گے جیسے : ریت خیالی پانی ہوتا ہے۔

مرصادا. مفسرؒ نے اشارہ فرمایا ہے کہ **ارصاد** مبالغہ کے اوزان میں سے ہے بمعنی **راصد** اور **للطاغین** متعلق ہے یا اس کی صفت ہے اور **مآبا** کے متعلق بھی ہوسکتا ہے۔ اس وقت **مرصاد** اسے بدل الکل ہوجائے گا۔ نیز **مرصاد** ظرف بھی ہوسکتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ **وصدق الشئی ارصده اذا ترقبته فهی راصدة** . یا بمعنی **مرصد** ہے ای **معدة لهم** کہا جاتا ہے **ارصدت له، اعددت له مرصاد** بمعنی انتظار کنندہ۔

لٰبثین . حال ہے **یدخلونها** کی ضمیر سے **للطاغین** کی ضمیر سے۔

احقابا اس میں کئی صورتیں ہیں:۔

۱۔ حضرت حسنؒ سے مروی ہے۔ **ان الله لم یجعل لا هل النار مدة بل قال لا بثین فیها احقا باولیس للاحقاب عدة الا الخلود** . حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے۔ **لو علم اهل النار انهم یلبثون فی النار عدد حصی الدنیا لفرحوا ولو علم اهل الجنة انهم یلبثون عدد حصی الدنیا لحزنوا**.

۲۔ لفظ **احقاب** کی مدت خاص پر دلالت نہیں کرتا۔ البتہ **حقب** تنہا ہی مدت کے لئے ہے۔ پس آیت میں انواع عذاب کی فوقیت ہے۔ لیکن جہنم میں ٹھہرنے کی فوقیت نہیں ہے۔

۳۔ یہ آیت دوسری آیت **لن نزید کم الا عذابا** سے منسوخ ہے یعنی عذاب کی تحدید نہیں رہی۔ خطیب میں ہے کہ ایک حقب اسی ۸۰ سال مدت ہے اور ہر سال بارہ مہینہ کا اور ہر مہینہ تیس ۳۰ دن کا اور ہر روز ہزار سال کا۔ جیسا کہ حضرت علیؓ سے منقول ہے۔ بہر صورت معتزلہ کے لئے اس آیت سے استدلال کا موقعہ نہیں۔ کہ دوزخ ایک مدت کے بعد ختم ہوجائے گی۔

لایذوقون . اس کی کئی ترکیبیں ہیں:۔

۱۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔

۲۔ لٰبثین کی ضمیر سے حال متداخلہ ہو۔ای لا بثین غیر ذائقین ۔احقاب کی صفت ہو۔

۳۔بردا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ برد کے معنی نیند کے ہیں۔کسائیؒ ،ابوعبیدہؒ بھی یہی کہتے ہیں۔اہل عرب کا محاورہ ہے۔منع البرد البرد یعنی ٹھنڈک سے نیند اڑ گئی۔اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ نیند کے بعد ٹھنڈک ہو جاتی ہے۔چنانچہ پیاسا سو جائے تو پیاس بجھ جاتی ہے۔لغۃ ہذیل میں برد کے معنی نیند کے ہیں۔

الا حمیما. مفسرؒ نے استثناء منقطع کی طرف اشارہ کیا ہے۔لیکن ولا شراباً کے عموم سے استثناء متصل بھی ہو سکتا ہے لیکن استثناء کلام غیر موجب میں ہو رہا ہے۔اس لئے بہتر یہ ہے کہ شواباً سے بدل بنایا جائے۔

غساقا. اکثر قراء کے نزدیک تخفیف کے ساتھ لیکن حمزہؒ، علیؒ، حفصؒ کے نزدیک تشدید کے ساتھ ہے۔

جزاءً وفاقاً. مفسرؒ نے پہلے عبارت "جوزوا" نکال کر اشارہ کر دیا کہ فعل محذوف کا یہ مفعول مطلق ہے اور "مرافقاً لعلھم" سے اشارہ ہے۔کہ یہ جزاء کی صفت ہے بتاویل اسم فاعل اور حذف مضاف کی صورت بھی ہو سکتی ہے۔ای ذاوفاق. یا بطور مبالغہ مصدر ہی رکھا جائے۔

کذاباً. زمخشریؒ کہتے ہیں کہ فعال فعل کی جگہ کلام عرب میں بکثرت آتا ہے۔لیکن ابن مالکؒ تسہیل میں لکھتے ہیں کہ یہ قلیل ہے۔کتاباً بمعنی احصیناہ کا مفعول مطلق ہے کیونکہ احصاء اور کتابت دونوں کے معنی ضبط کرنے کے ہیں۔پس نفس فعل میں مجاز ہوگا۔ جیسا کہ زمخشریؒ کی رائے ہے۔دوسرے یہ کہ معنی احصاء کا مفعول مطلق کہا جائے۔اس صورت میں نفس مصدر میں مجاز ہوگا۔تیسری صورت یہ ہے کہ منصوب علی الحال ہو ای مکتوباً فی اللوح اور بعض کتاب سے اعمال نامہ مراد لیتے ہیں۔

لن نزیدکم . قرآن میں دوزخیوں کے لئے یہ سب شدید وعید ہے۔

مفازا. مصدر یا ظرف ہے۔

حدائق. مفازا سے بدل البعض ہوگا اگر مفازا ظرف ہو ورنہ مصدر ہونے کی صورت میں بدل اشتمال ہوگا۔

کواعب . روح البیان میں ہے کعبت المراۃ کعوبا کے معنی چھاتی ابھرنے کے ہیں۔یعنی ٹخنے کی طرح گول سڈول ہونے کے ہیں۔

کذاباً. کسائیؒ کے نزدیک تخفیف کے ساتھ ہے کیونکہ فعالا ثلاثی کا مصدر ہے۔مفاعلت کے لئے مطرداً آتا ہے۔اور باقی قراء کے نزدیک بالتشدید آتا ہے۔عطاء زمخشریؒ کہتے ہیں کہ عطاء ، جزاء کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔مگر قاضیؒ اس سے متفق نہیں ہیں۔کیونکہ مصدر اس وقت عامل بن سکتا ہے۔جب کہ مفعول مطلق نہ ہو۔

حسابا. بمعنی کافی . احسبت فلانا . یعنی میں نے اس کو کافی دے دیا۔حتیٰ کہ وہ حسبی کہنے لگا اور ابن قتیبہؒ کی پیروی کرتے ہوئے مفسرؒ عطاء کثیر کے معنی لے رہے ہیں۔

رب السمٰوات. تفسیر کبیر میں ہے کہ اس میں تین قراءتیں ہیں:۔

۱۔ابن کثیرؒ، نافعؒ، ابوعمرؒ کے نزدیک رب اور رحمن دونوں میں رفع ہے۔

۲۔عاصمؒ عبداللہؒ بن عامر کے نزدیک دونوں میں جر ہے۔

۳۔حمزہؒ، کسائیؒ کے نزدیک اول میں جر اور دوسرے میں رفع ہے۔ پھر رفع کی قراءت میں کئی ترکیبیں ہوسکتی ہیں:۔

۱۔رب السمٰوات مبتداء اور رحمٰن خبر اور لا یملکون سے استیناف ہو۔

۲۔رب السمٰوات مبتداء اور رحمٰن اس کی صفت ہو اور لا یملکون خبر۔

۳۔رب السمٰوات خبر ہو، ھو مبتداء محذوف کی۔اسی طرح رحمن سے پہلے ھو محذوف ہو۔

۴۔الرحمٰن اور لا یملکون دونوں خبر ہوں اور جر کی قراءت پر رب سے بدل ہوجائے گا۔لیکن تیسری قراءت پر ترکیب اس طرح ہوگی کہ ربب سے رب السمٰوات بدل ہونے کی وجہ سے رب کی صفت ہے۔

الرحمٰن ۔ ابن عامرؒ، عاصمؒ کے نزدیک ماقبل کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے اور ابن کثیرؒ نافعؒ ابوعمرؒ کے نزدیک ماقبل کی صفت یا خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور تیسری قراءت حمزہؒ، کسائیؒ کی جس میں اس کو مبتداء محذوف کی خبر یا غیر محذوف کے لئے مبتداء مانتے ہوئے مرفوع پڑھا جائے۔

خطابا ۔ یعنی بطور اعتراض ونکتہ چینی کوئی اللہ کے آگے بات نہیں کر سکے گا۔لیکن شفاعت اس سے مستثنیٰ ہے۔کیونکہ وہ تو بطور خشوع وخضوع ہے۔

یقوم الروح۔ مراد جبرائیلؑ ہیں یا اللہ کی ایک خاص مخلوق ہے۔ابن عباسؓ سے مرفوع نقل ہے کہ الروح جند من جنود اللہ لیسو بملائکۃ لھم روس وایدی وارجل اور پھر یہی آیت تلاوت فرمائی امام غزالیؒ احیاء میں فرماتے ہیں الملک الذی یقال لہ الروح وھو الذی یولج الارواح فی الا جسام فانہ یتنفس فیکون فی کل نفس من انفاسہ روح فی جسم وھو حق یشاھدہ ارباب القلوب ببصائرھم ۔

لایتکلمون ۔ یہ لا یملکون کی تاکید ہے یعنی اتنے مقرب ہوتے ہوئے بھی ان کی مجال نہیں کہ چوں کرسکیں۔پھر اللہ کے آگے اور کس کا حوصلہ ہے کہ بول سکے؟ اور شفاعت بھی جب بلا اجازت نہیں ہوسکے گی تو اور کلام کا تو سوال ہی کیا؟

ذلک الیوم ۔ مبتداء خبر ہے اور الحق صفت ہے الیوم کی یا ذلک کی خبر ہے اور الیوم صفت ہوجائے گی۔

عذاباً قریبا ۔ یعنی قریب ہونا اس لئے ہے کہ مستقبل قریب ہی ہوتا جاتا ہے۔نیز عذاب کی ابتداء موت سے شروع ہو جائے گی اور موت قریب ہے۔آگے "یوم ینظر" عذاب کا ظرف بھی ہے اور صفت بھی ای عذابا کائنا یوم ینظر المرء اور مرء سے عام انسان مراد ہے یا الف لام سے عموم مراد لی جائے اور نظر کے معنی دیکھنے کے ہیں۔

ما قدمت ۔ ما موصولہ ہونے کی صورت میں ینظر کا مفعول ہے اور ما استفہامیہ اگر ہے تو پھر یہ قدمت کا مفعول ہوگا۔ اور ہاتھوں کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ اکثر کام ہاتھ سے ہی کئے جاتے ہیں۔

ترابا ۔ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ یحشر الخلق کلھم یوم القیامۃ البھائم والدواب والطیر ۔ فبلغ من عدل اللہ ان یا خذا لجماء من القرناء ثم یقول کونی تربا فذلک حین یقول الکافر یا لیتنی کنت تراباً۔

ربط آیات: .... اس سورت کا مضمون بھی وہی ہے جو سورہ مرسلات کا ہے۔یعنی آخرت اور قیامت کا بیان اور اس کو ماننے نہ ماننے کے نتائج سے لوگوں کو آگاہ کرنا اسی کو نباء سے تعبیر کیا گیا ہے۔جس کی وجہ سے سورت کا نام "سورۃ النباء" اور چونکہ اسی میں منکرین کج کاؤ نکالتے ہیں اور پوچھ گچھ کرتے رہتے تھے۔اس لئے اس کا نام "سورۃ التساؤل" بھی ہے۔

شانِ نزول: .... سورہ قیامۃ سے سورہ نازعات تک سب سورتوں کا مضمون یکساں معلوم ہوتا ہے اور یہ سب سورتیں مکہ مکرمہ کے ابتدائی دور کی معلوم ہوتی ہیں۔

﴿تشریح﴾: .... عم یتساء لون . یعنی یہ لوگ کسی بات کی کھوج لگانے میں مصروف ہیں۔ کیا ان میں اتنی سمجھ ہے اور کیا خود وہ ایسی چیز ہے جو پوچھ پاچھ سے ان کی سمجھ میں آجائے گی ہرگز نہیں۔ ورنہ بے دیکھے ایمان لانے کا مطالبہ پھر کیسا؟ بڑی خبر سے قیامت اور آخرت کی خبر مراد ہے جس کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سنتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے سے نیز پیغمبر اور مومنین سے پوچھ گچھ کرتے تھے کہ ہاں صاحب وہ قیامت کب آئے گی؟ اور بھائی کبھی پہلے بھی تم نے سنا ہے کہ مر کر کوئی زندہ ہوا یا ہوگا؟ بھلا کہیں سمجھ میں آتا ہے کہ جو ہڈیاں گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو چکیں۔ ان میں پھر نئے سرے سے جان پڑے گی۔ کیا یہ بات عقل میں آتی ہے کہ دنیا کا یہ سارا جما جمایا نظام الٹ پلٹ ہو جائے اور جب قیامت کو آنا ہی ہے تو اب تک کیوں نہیں آگئی۔ تاکہ نیک و بد کا پتہ اسی دنیا میں چل جاتا، پھر آئی تو کیا فائدہ؟ اور جانتے ہو کہ کس چیز کے بارے میں سوال کر رہے ہو؟ وہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ نہایت عظیم الشان چیز ہے۔

قیامت کے بارے میں بھانت بھانت کی بولیاں: .... هم فيه مختلفون . یعنی قیامت اور آخرت کے متعلق لوگ مختلف قسم کے نظریات اور افکار رکھتے ہیں۔ ان چہ میگوئیاں کرنے والوں میں بھی کوئی تو عیسائی خیالات سے متاثر ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا مانتا ہے۔ مگر جسمانی زندگی نہیں بلکہ روحانی زندگانی مانتا ہے اور کوئی صرف بدن کے اٹھنے کا قائل ہے۔ کوئی آخرت کے متعلق ڈانواڈول کہ وہ ہو بھی سکتی ہے یا نہیں؟" ان نظن الا ظنا وما نحن بمستيقنين " یعنی قیامت کی نسبت جھٹ پٹا سا خیال تو آتا ہے مگر وجدان پر زور دیتے ہیں تو یقین نہیں آتا۔ شک اور تذبذب کی سی کیفیت ہے۔ نہ مانتے بن پڑتا ہے نہ انکار کرتے۔ اور کوئی بالکل صفائی سے انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ بس جو کچھ ہے وہ یہی دنیاوی زندگانی ہے۔ مرنے کے بعد ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔ ما هي الا حياتنا الدنيا نموت ونحيا وما يهلكنا الا الدهر . ان هي الا حياتنا الدنيا وما نحن بمبعوثين . اور جو کچھ لوگ ان کی طرح دہریے تو نہ تھے۔ خدا کو مانتے تھے مگر دوبارہ جی اٹھنے کو ناممکن سمجھتے تھی۔ یعنی جب ہڈیوں تک کا نام ونشان نہ رہے پھر دوبارہ زندگی کا لباس پہن لے یہ بات جیسے: مشاہدہ میں نہیں آتی ان کی سمجھ میں بھی نہیں آتی۔ من يحي العظام وهي رميم . غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔

بعض تو محض مجازات عقلی مانتے ہیں اور بعض صرف خیالی اور وہمی مانتے ہیں اور بعض حسی مانتے ہیں اور بعض ان تینوں کے علاوہ معاد مانتے ہیں اور بعض تناسخ اور آواگون کے قائل ہیں۔ یوں ہی سب اٹکل کے تیر چلا رہے تھے علم ہوتا تو سب ایک ہی بات مانتے جیسا کہ مؤمنین، وہ اسی بات کو مان رہے ہیں جس کو از آدم تا ایں دم سارے نبی کہتے چلے آئے یعنی جسم روح کا دوبارہ جی اٹھنا اور اللہ کے حضور کی پیشی وغیرہ۔

قیامت جب حقیقت بن کر سامنے آئے گی: .... كلا سيعلمون . یعنی انبیاء کی متفقہ ہدایت وتعلیم کے باوجود اس عقیدہ کو نہیں مانیں گے، ہرگز نہیں مانیں گے اور اپنی بے اصل اور غلط باتوں پر بضد رہیں گے۔ سو وہ وقت دور نہیں کہ جب وہ ہولناک منظر سامنے آجائے گا اور وہ چیز جس کے بارے میں یہ فضول چہ میگوئیوں میں الجھ رہے ہیں حقیقت بن کر آنکھوں کے سامنے آجائے گی۔ تب معلوم ہو جائے گا۔ کہ قیامت کیا ہے اور اس کا انکار ہٹ دھرمی کے سوا کیا تھا؟ اس وقت پیغمبر کا ایک ایک حرف صحیح

نکلے گا۔ لفظ کلا کا تکرار اور ثم بعض حضرات کے نزدیک تاکید کے لئے ہے۔ لیکن بعض حضرات نے پہلے جملہ کو برزخ کے اثبات پر اور دوسرے کو قیامت کے اثبات پر محمول کیا ہے۔ عالم برزخ کی مجازات تو خیال کرنے کے مثل ہوگی اور قیامت کی جزاء وسزا حقیقی ہوگی۔ کیونکہ وہاں روح کا تعلق بدن سے اگر چہ ہوگا۔ لیکن اس تعلق کے باوجود روح پر تجرد غالب رہے گا اور غلبہ تجرد کے باوجود تعلق کی کیفیت اس روز کھل جائے گی۔ کیونکہ دنیا میں تو روح کا بدن سے تعلق غالب اور تجرد مغلوب ہے۔ لیکن عالم برزخ میں اس کا برعکس ہوگا۔ یعنی تجرد غالب اور تعلق مغلوب ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ یہ عالم ظاہر ہے۔ اس لئے یہاں اجسام ظاہر اور ارواح مخفی ہیں اور وہ عالم ارواح وحقائق ہوگا۔ اس لئے وہاں معاملہ برعکس ہوجائے گا۔ پس تعلق کی جامعیت اور تجرد کا غلبہ، قیامت سے پہلے اس کا علم نہیں ہوسکتا۔

ایک علمی نکتہ: .... یہاں سورہ نباء میں چونکہ اہل ایمان مخاطب ہیں جو قیامت کے قائل ہیں۔ اس لئے سیعلمون میں سین لایا گیا جو قربت پر دلالت کرتا ہے۔ برخلاف سورہ تکاثر کے وہاں کفار مخاطب ہیں۔ جو منکر قیامت ہیں۔ اس لئے ان کی رعایت سے "سوف تعلمون" لایا گیا۔ جو بعد پر دلالت کرتا ہے، انهم يرونه بعيداً ونراه قريباً. اس کے بعد "الم نجعل الارض" سے بطور استفہام اقراری نو چیزیں ارشاد فرمائی جارہی ہیں۔ جن پر عوام کے ذہن میں دنیا کا مدار ہے۔ ان چیزوں میں سب کی شرکت مانتے ہوئے پھر سب سے علیحدگی تجویز کرنا گویا اجتماع ضدین کرنا ہے۔ زمین کو انسان کے لئے فرش بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر سکون واطمینان سے آرام کرتے ادھر لیٹتے اور کروٹیں لیتے ہیں۔ کھیتی، باڑی، صنعت وحرفت، تجارت، کاروبار، مرنا جینا، سب کچھ اسی پر کیا جاتا ہے۔ مسلم غیر مسلم سب اس میں شریک ہیں۔ اب یہیں سے قیامت کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ تاکہ وہاں نیک وبد کا امتیاز ہوسکے۔ مومن کے لئے ارشاد ہے۔ من عمل صالحاً فلا نفسهم يمهدون اسی طرح کفار کے حق میں فرمایا گیا۔ لهم من جهنم مهاد.

زمین کی حرکت وسکون: .... والجبال اوتاداً۔ ابتداء میں زمین کو پیدا کرکے جب پانی پر بچھایا گیا تو ہوا سے پانی میں تموجی لہریں اور زمین میں ارتعاشی کیفیت پیدا ہوئی۔ یعنی کشتی کی طرح زمین ڈانواڈول ہونے لگی۔ اس اضطرابی کیفیت کو دور کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے پہاڑ پیدا فرمائے۔ جنہوں نے زمین کے لئے میخوں کا کام کیا اور زمین کو قرار آ گیا۔ یاد رہے کہ پہاڑوں سے زمین کی ذاتی حرکت وسکون ہرگز ہٹانا نہیں ہے۔ بلکہ حرکت عرضی کو سکون سے بدلنا مقصود ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عمومی نفع میں بھی مسلم وکافر یکساں شریک ہیں ان میں کوئی امتیاز نہیں۔ اس لئے ضروری ہوجاتا ہے کہ نیک وبد میں امتیاز کے لئے آخرت ہو جو جنت ودوزخ میں بٹی ہوئی ہو، ایک فرمانبرداروں کا مسکن ہو اور دوسری جگہ نافرمانیوں کا ٹھکانا۔

دنیاوی رشتے ناطے آخرت میں ایک حد تک ختم ہوجائیں گے: .... وخلقنا كم ازواجاً. ازواج سے مراد اگر مرد وعورت کے انسانی جوڑے ہیں۔ تب تو ان قدرتی حکمتوں اور مصلحتوں کی طرف اشارہ ہوگا۔ جن سے یہ جوڑے وابستہ ہوکر پر سکون زندگانی گزارتے ہیں۔ ومن اٰيا ته ان خلق لكم من انفسكم ازواجاً لتسكنوا اليها. مثلاً: دونوں میں میل ملاپ، نسل، رشتے ناطے، متعلقات، ایک دوسرے کے حقوق، دکھ سکھ میں شرکت وغیرہ ایسے فوائد ہیں جن سے نیک وبد سب مستفید ہوتے ہیں۔ یہ رشتے ناطے بس دنیا ہی تک ہیں۔ اگر آخرت میں بھی یہ رہیں تو بسا اوقات ایک رشتہ دار کی تکلیف کا اثر دوسرے رشتہ دار کو ہونے سے اس کا عیش مکدر ہوجاتا۔ اس لئے اللہ نے آخرت میں رشتوں کو منقطع کردیا۔ تاکہ جو عیش میں ہے وہ اپنی جگہ مگن رہے اور جو مصیبت میں ہے

،وہ خود بھگتنا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم اور لایسئل حمیما حمیما اسی طرح ازواجاً سے مراد شکلوں، رنگوں کا اختلاف بھی ہوسکتا ہے۔ وجعلنا نومکم سباتاً یعنی نیند سے تکان دور ہوکر آرام وسکون ملتا ہے۔ اور انسان چاق وچوبند، تازہ دم ہوجاتا ہے۔ نیند نہ ہو تو زندگی اجیرن ہوکر رہ جاتی ہے۔ کھانا نہ کھانے سے طبیعت اتنی متاثر نہیں ہوتی جتنی کہ جاگنے سے ہوتی ہے۔ آگے ارشاد ہے۔

دنیا میں سونے اور آخرت میں نہ سونے کی حکمت:.......... وجعلنا الیل لباساً. رات کے لباس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پردہ داری اور راز داری کے کام رات کو باطمینان کیے جاسکتے ہیں۔ بیویوں سے ملنا اور اچھے بری مشورے، راز و نیاز اور مخالفین سے چھپنا، عیش وعشرت، رنگ رلیاں، چوری، خیانت، تہجد ومراقبہ وغیرہ بہت سے کام رات کو بحسن وخوبی ہوتے ہیں۔

اللیل للعاشقین ستراً یالیت او قاتہ تدوم

اور ظاہر ہے کہ آخرت ان دونوں کاموں میں مختلف ہونی چاہئے۔ یعنی وہاں نیند اور سونا نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ نیک آدمی تو ہمہ وقت خوشی میں مست رہے گا۔ نیند کی اول تو وہاں ضرورت نہیں پڑے گی۔ دوسرے نیند کی وجہ سے بڑے بڑے فوائد اور دائمی اجر سے محروم ہوجائے گا۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے۔ لا یمسنا فیھا نصب ولا یمسنا فیھا لغوب اور بدآدمی ہے تب بھی، رنج والم اور دکھ درد سے ایک لمحہ بھی اسی فرصت نہیں ملنی چاہئے، پھر نیند کہاں؟ اسی طرح قیامت کے تمام حالات سب پر عیاں اور ظاہر رہنے چاہئیں۔ تاکہ اہل جنت کی عزت بھی نمایاں ہو اور اہل دوزخ کی رسوائی بھی کھلے عام ہوسکے۔ غرض کہ ہر چیز طشت از بام ہوجائے۔ کوئی چیز بھی چھپی نہ رہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے پوچھا کہ مجلس نکاح رات کو منعقد ہونی چاہئے یا دن کو فرمایا رات کو کیونکہ ادھر رات کو لباس اور ادھر "ھن لباس لکم" عورتوں کو لباس فرمایا ہے۔ اس لئے دونوں کو ایک دوسرے سے مناسبت ہے۔

جنت میں دن رات نہ ہونے کی حکمت:.......... وجعلنا النھار معاشا. یعنی رات تو آرام کی خاطر اور پرسکون بنانے کے لئے تاریک رکھی ہے۔ لیکن دن اس لئے روشن کردیا کہ تم زیادہ آسانی سے روزی اور کمائی کا دھندہ کرسکو اور رات دن کا یہ مسلسل الٹ پھیر کرتے رہنے کے بے شمار فوائد ہیں۔ مثلاً: یہی کہ یہ سب کچھ بے مقصد اور اتفاقیہ نہیں ہورہا ہے۔ بلکہ اس کے پیچھے بڑی حکمت یہ کام کررہی ہے کہ تم نہ مسلسل کام کرسکتے ہو کہ تھک کر چور ہوجاؤ۔ اور نہ بالکل سکون ہی کی نذر ہوجاؤ، ورنہ معطل ہوکر رہ جاؤ گے۔ زندگی نام ہے حرکت کا۔ اس لئے حرکت رہنی چاہئے اور سکون حرکت کے لئے ضروری ہے۔ لیکن آخرت میں چونکہ جنتیوں کو نعمت کی تلاش نہ ہوگی اور نہ جہنمیوں کو مصیبت کی تلاش ہوگی۔ اس لئے کہ وہاں دن کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ شمسا ولا زمھریرا. رات دن کی مناسبت سے آگے زمین وآسمان کا ذکر ہے۔ وبنینا فوقکم سبعاً شداداً. آسمانوں کی مضبوطی کا حال یہ ہے کہ قرنہا قرن گزرنے پر بھی آج تک کہیں اس میں رخنہ یا شگاف نہیں آیا اور اس کی سرحدات بھی اتنی مستحکم ہیں کہ مجال ہے کہیں کوئی فرق آلے۔ بے شمار ستاروں اور سیاروں میں سے نہ کوئی ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے اور نہ زمین پر آتا ہے۔ حالانکہ ان کی حرکات مختلف سمتوں میں بھی ہوتی ہیں۔ دنیا میں مومن دکافر برابر ان سے استفادہ کررہے ہیں، کوئی فرق نہیں ہے اس لئے آخرت ہونی چاہئے۔ جہاں جاکر ان میں فرق کھلے۔ چنانچہ جنتی بھی حسب مراتب مختلف درجات میں ہوں گے۔ اور جہنمی بھی اسی طرح مختلف درجات میں ہوں گے۔

نظام شمسی میں قدرت الٰہی: .... وجعلنا سراجاً وهاجاً ۔ وهاج انتہائی گرم اور نہایت روشن کو کہتے ہیں اور سورج میں یہ دونوں وصف بدرجہ کمال موجود ہیں۔ سورج جس کو نیرّ اعظم کہا جاتا ہے۔ کتنا بڑا کرہ ہے؟ اس کا قطر زمین سے ۱۰۹ گنا بڑا ہے اور اس کا حجم زمین کے حجم سے (۳۳۳۰۰۰) ہزار گنا زیادہ ہے اور اس کا درجہ حرارت (۱۴۰۰۰۰۰۰) ڈگری سینٹی گریڈ ہے اور اس کی روشنی کا یہ حال ہے۔ کہ زمین سے ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل دور ہونے کے باوجود انسان اگر اس پر براہ راست نظر جمانے کی کوشش کرے تو اپنی آنکھوں کی روشنی کھو بیٹھے اور اس کی تپش کا یہ حال ہے کہ زمین کے بعض حصوں میں درجہ حرارت (۱۴۰) ڈگری فائرن ہائڈ تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان اور فضل وکرم ہے کہ ہماری زمین اس سے اتنے فاصلے پر رکھی گئی ہے کہ قابل برداشت گرمی سردی کی وجہ سے اس پر رہنا ممکن ہوسکا۔ نہ اتنے قریب کہ جل بھن کر رہ جائیں اور نہ اتنی دور کہ برف کی طرح جم کر رہ جائیں۔ غرض کہ سورج بڑی طاقت کا خزانہ ہے۔ اس سے کھیتیاں اور پھل پک رہے ہیں۔ سمندروں سے بھاپ اٹھ رہی ہے اور وہ ہواؤں کے ذریعہ زمین کے مختلف حصوں میں پھیل کر بارش کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ قدرت نے کتنی زبردست بھٹی تیار کی ہے کہ اربوں سال سے نظام شمسی میں مختلف اقسام کی شعاعیں، روشنی، حرارت پھینکے چلی جارہی ہے۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین.

بہرحال سورج کا فیض ساری دنیا کو پہنچ رہا ہے۔ اس لئے آخرت کا ہونا ضروری ہوا کہ جہاں دوزخ کی سخت گرمی اور حرارت سے جھلس جائیں گے۔ وہاں ساکنان جنت جمال الٰہی کے نور سے مستفید ہوں گے۔

بارش بے شمار نعمتوں کا مجموعہ ہے: .... وانزلنا من المعصرات. نچڑنے والی بدلیوں، یا نچوڑنے والی ہواؤں سے بارش اور پیداوار کا جو نظام اللہ نے قائم کر رکھا ہے اس سے اس کی قدرت وحکمت کے حیرت انگیز کمالات سامنے آتے ہیں۔

لنخرج به حبا و نباتا وجنات الفافا. اس سے گنجان باغ اور گھنے درخت مراد ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ ایک ہی زمین میں مختلف قسم کے درخت اور باغ پیدا کردیئے برخلاف قیامت کے وہاں نیک اعمال لوگوں کو باغ وبہار ملیں گے اور بدکار لوگوں کو آگ، چنگاریوں، دھوئیں سے پالا پڑے گا۔ انطلقوا الی ظل ذی ثلٰث شعب.

دلائل قدرت قیامت کی دلیل ہیں: .... قدرت کی یہ عظیم الشان نشانیاں بیان فرما کر منکرین کو یہ بتلانا ہے کہ اگر تم اپنی آنکھیں کھول کر اپنی پیدائش، سونے، جاگنے اور دن رات کے اس انتظام اور زمین، آسمان، پہاڑوں کو دیکھو اور سورج جیسے ہیبت ناک کرہ کو دیکھو، بادلوں سے برسنے والی بارش اور اس سے پیدا ہونے والی نباتات کو دیکھو تو صاف سمجھ میں آجائے گا کہ جو خدا ایسی قدرت و حکمت کا مالک ہے۔ کیا اس کو دوبارہ زندہ کردینا اور حساب کتاب کے لئے اٹھانا کچھ مشکل ہوگا۔ اور نیز یہ بات کیا اس کی حکمت کے خلاف نہ ہوگی۔ کہ اتنے بڑے کارخانے کو یونہی بے نتیجہ چھوڑ دیا جائے۔ یقیناً دنیا کے اس طویل سلسلہ کا کوئی صاف نتیجہ اور انجام ہونا چاہئے۔ اسی کو ہم آخرت کہتے ہیں۔ جس طرح نیند کے بعد بیداری اور رات کے بعد دن آتا ہے۔ ایسے ہی سمجھ لو کہ دنیا کے خاتمہ پر آخرت کا آنا یقینی ہے۔

بہرحال یہ سب کچھ نہ اس کی زبردست قدرت کے بغیر وجود میں آسکتا ہے اور نہ اس باقاعدگی کے ساتھ جاری رہ سکتا ہے۔ نیز اس کا کوئی کام بے مقصد و بے حکمت نہیں ہے۔ یہ بات بس ایک نادان ہی کہہ سکتا ہے کہ جو قدرت ان ساری چیزوں کو وجود دینے اور فنا کردینے پر قادر ہے۔ وہ دوبارہ پیدا کردینے پر قادر نہیں ہے اور یہ بات بھی ایک ناسمجھ ہی کہہ سکتا ہے کہ جس دانا اور بینا ذات نے کوئی کام بھی اس کائنات میں بے مقصد نہیں کیا اس نے انسان کو اپنی بے شمار مخلوقات پر بے مقصد ہی تصرف کے اختیارات دے ڈالے

ہیں اور انسان دنیا میں رہ کر ان چیزوں کو کیسے ہی استعمال کرے کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں ہے۔ کوئی کتنی بھلائیاں یا برائیاں کرتے کرتے مرجائے اسے کوئی صلہ نہیں ملے گا۔ یوں ہی مٹی میں مل کر ختم ہوجائے گا۔

قیامت عقلاً بھی ضروری ہے:............ان یوم الفصل الخ اس فیصلہ کے دن نیک وبد میں پورا امتیاز کر دیا جائے گا اور ایک کو دوسرے سے بالکل الگ کر دیا جائے گا کہ کسی طرح کا اشتراک باقی نہ رہے۔ نیکی اور بدی اپنے اپنے مراکز میں پہنچ جائیں۔ ظاہر ہے کہ اتنا کامل امتیاز وافتراق دنیا میں رہتے ہوئے نہیں ہوسکتا۔ مذکورہ بالا نعمتوں میں سب کا اختلاط واشتراک بھی بیان ہو چکا ہے۔ اور یہ اشتراک وافتراق دونوں نقیض اور ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دونوں دنیا میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ لامحالہ اشتراک کے لئے دنیا اور افتراق کے لئے آخرت ہونی چاہئے جس کو یوم الفصل کہا گیا۔

یوم ینفخ فی الصور. نفخ صور سے آخری مرتبہ پھونکنا مراد ہے۔ جس کے اثر سے یکا یک مردے جی اٹھیں گے اور یہ ٹولیاں لوگوں کے عقائد واعمال کے لحاظ سے ہوں گی۔ اسی وقت آسمان پھٹ کر ایسا ہوجائے گا کہ گویا دروازے ہی دروازے ہیں۔

قیامت میں مختلف کیفیات ظاہر ہوں گی:............وسیرت الجبال. جس طرح چمکتی ریت پر پانی کا گمان ہوجاتا ہے۔ یہی حال قیامت قائم ہونے پر ہوگا کہ ریت کے تودے پہاڑ معلوم ہوں گے۔ دراصل یہ قیامت کے مختلف مراحل کا ذکر ہے۔ پہلی آیت میں آخری نفخ صور کی کیفیت کا بیان ہے۔ اس کے بعد نفخۂ ثانیہ کی کیفیات کا بیان ہے۔ پہاڑوں کے ریت ہوجانے کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر ریت بن جائیں گے۔ اس طرح کہ گویا یہاں پہلے کبھی پہاڑ تھے ہی نہیں۔

ان جھنم . جس طرح گھات میں شکار اچانک پھنس کر رہ جاتا ہے۔ جتنا پھڑ پھڑائے گا، ناچے کودے گا، اتنا ہی الجھے گا۔ یہی حال خدا کے باغیوں سرکشوں کا ہوگا کہ منکر ہونے کی وجہ سے دوزخ ان کے لئے گھات ثابت ہوگی۔ وہ انہی کی تاک میں ہے۔ حقب کہتے ہیں نہ ختم ہونے والی مدت کو۔ قرن پہ قرن گذرتے چلے جائیں گے۔ مگر ان کی مصیبت کا خاتمہ نہ ہوگا۔

کیا جنت کی طرح دوزخ بھی کبھی فنا نہیں ہوگی؟:............کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جنت تو ہمیشہ رہے گی مگر دوزخ ہمیشہ نہیں رہے گی کیونکہ احقاب یعنی "مدتیں" کبھی نہ کبھی ختم تو ہوں گی۔ ان کا سلسلہ لامتناہی تو نہیں چل سکتا۔ بلکہ کسی نہ کسی حد تک ختم ہوجائے گی۔ لیکن یہ بنیاد سراسر کمزور بے جان ہے۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ حقب کہتے ہیں ایسی مدت کو جو کبھی ختم نہ ہو۔ پھر انہوں نے اس لفظ سے یہ کیسے سمجھ لیا اور استدلال کیسے کر بیٹھے؟ دوسرے قرآن کریم میں چونتیس جگہ جہنم کے لئے خلود کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی ہمیشہ کے ہیں۔ پھر ان میں سے تین مقامات میں لفظ ابد کا اضافہ بھی فرما دیا گیا ہے۔ بلکہ سورہ مائدہ میں تو ایک جگہ یہاں تک فرما دیا گیا ہے کہ وہ جہنم سے نکلنا چاہیں گے مگر ہرگز نہیں نکل سکیں گے۔

تیسرے یہ کہ "جنت وجہنم" دونوں کے لئے سورہ ہود میں ایک مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے۔ خالدین فیھا مادامت السمٰوات والارض پھر دونوں میں اس فرق کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے کہ جنت تو ہمیشہ رہے گی مگر دوزخ باقی نہیں رہے گی۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تو ان پر رد کرتے ہوئے یہاں تک کہا ہے کہ بالفرض اگر ایک حقب کی مدت معلوم بھی ہو تب بھی احقاب کی مدت کا معلوم ہونا کیسے ثابت ہوا۔ نیز بعض مفسرینؒ کی رائے ہے کہ یہاں دوزخیوں کے لئے دوزخ میں ٹھہرنے کی مدت بیان کرنا مقصود ہی نہیں۔ بلکہ یہ بتلانا ہے کہ دنیا میں تھوڑی مدت کو سیکنڈوں منٹوں سے اور اس سے زیادہ کو گھنٹوں، دنوں، ہفتوں، مہینوں سے اور اس سے زیادہ کو سالوں اور قرنوں سے تعبیر کرنے کا جو دستور رائج ہے دوزخ میں یہ سب پیمانے بے کار ہوجائیں گے۔ وہاں لامتناہی

مدت کو احقاب سے تعبیر کیا جائے گا۔ یہ وہاں کا پیمانہ ہوگا۔ علاوہ ازیں فرائنحوی کی رائے تو یہ ہے کہ احقاب کا تعلق لا بثین کے ساتھ ہی نہیں بلکہ لا یذوقون کے ساتھ ہے۔ یعنی اتنی مدت تو آگ کی تپش سے جھلتے رہیں گے اور ٹھنڈے پانی کے نام تک سے آشنا نہ ہوں گے۔ پھر کہیں مدتوں بعد ان کو طبقہ زمہریر میں ڈالا جائے گا اور اس سخت عذاب کے بعد پھر آگ کے عذاب کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ غرض ابدالآباد تک یہی سلسلہ چلتا رہے گا اور چونکہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ لهم شراب من حميم اس لئے یہاں بھی لا شرابا کے ساتھ الا حميما کا استثناء فرمایا گیا ہے۔ یعنی یہ ٹھنڈک کی راحت پائیں گے۔ نہ خوشگوار چیز پینے کو ملے گی۔ جس کی سوزش سے منہ جھلس جائیں گے اور آنتیں کٹ کر پیٹ سے باہر آ جائیں گی اور دوزخیوں کے زخموں سے بہنے والی راد پیپ، کچلہو پلائی جائے گی۔ اول تو پینا مشکل اور اگر کچھ زہر مار کر بھی لیں گے تو پیتے ہی زہر تمام بدن میں سرایت کر جائے گا۔ غساق آنکھ کے میل اور ڈھیڈ کو بھی کہتے ہیں۔ بلکہ ہر سڑی ہوئی بدبودار چیز کو غساق کہا جاتا ہے۔

کیا کفر و شرک محدود اور سزا لامحدود ہے:........ جزاء وفاقا انهم کانوا لا یرجون حسابا۔ بظاہر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ کفر و شرک تو محدود لگتے ہیں۔ لیکن دوزخ کی سزا غیر محدود کی بھاری ہے۔ ان آیات میں اسی کا ازالہ ہے کہ کفر و شرک محدود نہیں بلکہ لا محدود جرم تھا۔ کیونکہ اول تو ایمان و کفر کا تعلق اللہ کی ذات وصفات سے ہے اور وہ لامتناہی ہے پس ایمان و کفر بھی لامتناہی ہوں گے۔ دوسرے انہیں روز حساب اور قیامت کی توقع ہی نہیں تھی۔ کہ خوف کے مارے برا کام نہ کرتے یا ثواب کی امید پر بھلا کام کرتے۔ پس ان کے اعمال کا محدود اور وقتی ہونا لاچاری سے تھا۔ کچھ امید وخوف کے سبب سے نہیں تھا۔ بلکہ ''عصمت بی بی از بے چارگی'' کے طور پر تھا۔ دنیا میں وہ یہ سمجھتے ہوئے زندگی بسر کرتے رہے کہ وہ وقت کبھی نہیں آئے گا۔ جب انہیں خدا کے حضور اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ تیسرے کفر و شرک اور ان کے اعمال، ان کی روحوں میں سرایت کر چکے تھے اور طبیعت ثانیہ بن چکے تھے۔ پس جب روح ابدی ہے تو طبیعت اور اعمال بھی اس کے تابع ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اعمال جوارح کو متناہی کہا جائے گا۔ مگر تکذیب وتصدیق تو روح وقلب کا مثل ہے۔ وہ روح کے ساتھ دوامی ہوگا۔ پس اس کی سزا بھی دوامی ہی ہوگی۔

کفر و شرک کا تعلق دل سے ہے پھر حسی سزائیں کیوں؟:........ وكذبوا باٰيتنا كذابا۔ یعنی جس چیز کی انہیں امید نہ تھی وہی چیز سامنے آ گئی اور جس کو جھٹلاتے تھے وہ آنکھوں سے دیکھ لی۔ اب دیکھیں کیسے جھٹلاتے اور مکرتے ہیں۔ رہا یہ شبہ کہ کفر و شرک تو افعال قلوب میں سے ہیں۔ جن کا دل سے تعلق ہے، جوارح اور اعضاء سے تعلق نہیں۔ پھر دوزخ کی ظاہری حسی سزائیں کیوں دی جائیں گی؟ وكل شيء احصيناه میں اس کا جواب ہے۔ یعنی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے اور اسی کے مطابق باقاعدہ دفاتر میں ان کے اندراجات ہیں۔ اچھا یا برا کوئی بھی عمل اس کے احاطہ سے باہر نہیں ہے۔ اقوال وافعال، حرکات وسکنات حتیٰ کہ خیالات وافکار تک مکمل ریکارڈ ہم تیار کرتے جا رہے تھے۔ لیکن کافر اپنی بے وقوفی سے یہ سمجھے تھے کہ جو کچھ چاہیں کرتے رہیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ حالانکہ صرف حاکم کا جاننا کافی ہوتا ہے۔ دوسروں پر ظاہر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں اور اللہ رتی رتی سے باخبر ہے۔ اس لئے رتی رتی کا بھگتان کرنا ہوگا۔

فلن نزيدكم الا عذابا۔ یعنی جس طرح تم گناہ میں برابر بڑھتے جا رہے تھے۔ اسی طرح ہم بھی عذاب میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ موت حائل ہو جانے سے ان کا بڑھنا تو رک گیا اور ہمارا بڑھنا جاری رہا کبھی تخفیف نہ ہوگی۔ زدناهم عذابا فوق العذاب۔

شبہ کا جواب: .... البتہ گنہگار اہل ایمان کی یہ کیفیت نہیں ہوگی۔ کیونکہ ان کی ارواح تو ایمان کی وجہ سے پاک تھیں صرف اعضاء مجرم تھے جن کی سزا محدود اور وقتی ہوگی۔ رہا یہ شبہ کہ مصیبت وکلفت جب دائمی ہوجاتی ہے تو پھر وہ مصیبت نہیں رہ جاتی۔ بلکہ عادت اور طبیعت بن جاتی ہے۔ اس لئے دوزخی کافروں کو کچھ عرصہ کے بعد وہاں کی تکالیف، تکالیف نہیں معلوم ہونی چاہئیں؟ جواب یہ ہے کہ راحت وتکلیف کا احساس بدن کی کھال کو ہوا کرتا ہے۔ زخم کی کھال اگر گل جائے یا مردہ ہوجائے تو اس کا احساس یقیناً ختم ہوجاتا ہے۔ لیکن اگر نئی کھال آجائے تو احساس بھی تازہ اور نیا ہوجاتا ہے جو پہلے سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ دوزخ میں بھی یہی ہوگا۔ **بدلنا هم جلودا غير ها ليذو قوا العذاب**. دوسرا جواب یہ ہے کہ سوءمزاج اگر متفق ہو تب تو تکلیف کا احساس ختم ہوجاتا ہے۔ لیکن سوءمزاج مختلف ہونے کی صورت میں تکلیف واحساس بدستور رہتا ہے۔ چنانچہ دوزخ میں طرح طرح کے عذاب ہوں گے۔ تیسرے یہ کہ عالم آخرت کو دنیا پر قیاس کرنا ہی غلط ہے۔ یہاں کے تقاضے اور ہیں اور وہاں کے طور طریق دوسرے ہیں۔

اور دوزخیوں کے عذاب کی زیادتی کا ایک سبب یہ بھی ہوگا کہ ان کے مخالفین اہل ایمان کو طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ **ان للمتقين مفازا**. متقین کا لفظ " **لا يرجون حسابا** " کے مقابل آیا ہے۔ اس لئے معنی میں بھی تقابل کا لحاظ ہوگا۔

جنتیوں کی عمر میں فرق کا نکتہ: .... **كواعب اترابا**. نوخاستہ عورتیں جن کی جوانی پورے ابھار پر ہوگی اور وہ سب آپس میں ہم سن ہوں گے، یا اپنے شوہروں کی ہم سن ہوں گی۔ کیونکہ سب ارواح کا اپنے بدن سے تعلق ایک ہی وقت یعنی نفخۂ ثانیہ پر ہوگا۔ گویا سب کی پیدائش بیک وقت ہوگی۔ **انا انشانهن انشاء فجعلنا هن ابكارا عربا اترابا لا صحاب اليمين** اور یہ جنتی بیویاں مردوں کی ہم جنس اور ہم عصر ہوں گی تاکہ لطف دوبالا رہے۔ کیونکہ ناجنس سے جس طرح عیش مکدر ہوجاتا ہے، عمر کے تفاوت سے بھی بےلطفی رہتی ہے۔ اسی لئے جوان اور بوڑھوں میں زیادہ جوڑ اور میل ملاپ نہیں ہوتا۔ اور مرد وعورت کی عمر کچھ تفسیروں میں تینتیس سال لکھی ہے اور بعض روایات میں عورتیں سترہ اٹھارہ سال کی بتلائی گئی ہیں اور مرد تینتیس سال کے سو مردوں کو پختہ میوے جیسا سمجھنا چاہئے اور عورتوں کو اس پھل کی طرح جس کا کچا پکے سے بہتر ہوتا ہے۔ جیسے کھیرا ککڑی وغیرہ۔

وكاسا دهاقا. شراب طہور کے چھلکتے ہوئے جام ہوں گے۔ ایک پر ایک لگاتار دیئے جائیں گے۔ لفظ " **دهاقا** " میں دونوں مفہوم داخل ہیں اور مقصد تفریح وقوت میں اضافہ ہوگا۔

دنیا اور جنت کے لذائذ میں فرق: .... یہ سب سامان عیش وعشرت دنیا کے سامان سے صرف نام کی شرکت رکھتا ہوگا نہ کہ حقائق وکوائف کی۔ بقول ابن عباسؓ حقائق میں بڑا فرق ہوگا۔ کیونکہ دنیا کی چیزوں کا خاصہ ان کی کثیف عنصری مواد پر صورت نوعیہ مرتب ہونے سے ہوتا ہے۔ لیکن بہشت کے لطیف مواد مثالیہ میں خاصہ، اسماء الٰہیہ اور حقائق قدسیہ کی تجلیات کی تاثیر سے پایا جائے گا۔ دنیا میں بھی اگرچہ اسماء الٰہیہ کی تاثیرات ہی ظہور کا سبب بنتی ہیں۔ لیکن آخرت اور دنیا میں کمال ظہور، طہارت نشاط، لطافت مواد کے اعتبار سے زمین آسمان کا فرق ہے۔

برمرتبہ از وجود حکمے دارد
گرفرق مراتب نکنی زندیقی

اسی لئے ارشاد فرمایا۔ **لا يسمعون فيها لغوا ولا كذابا**. قرآن کریم کے متعدد مقامات پر یہ بات جنت کی بڑی نعمتوں

میں شمار کی گئی ہے کہ آدمی کے کان وہاں گندی، جھوٹی، بیہودہ باتوں کے سننے سے محفوظ رہیں گے وہاں نہ کوئی یاوہ گوئی ہوگی اور نہ فضول گپ بازی، نہ کوئی کسی سے جھوٹ بولے گا، نہ کسی کو جھٹلائے گا۔ یہاں گالم گلوچ، بہتان، افتراء تہمت اور الزام تراشیوں کا جو طوفان برپا ہے اس کا کوئی نام ونشان وہاں نہ ہوگا۔

جنت کی نعمتوں میں فرق طبعی اسباب سے نہیں ہے بلکہ فضل الٰہی سے ہوگا:............ اور یہ نہ سمجھا جائے کہ دنیا میں جس طرح مختلف ملکوں کی آب وہوا اور موسموں کے اثرات پڑتے ہیں اور ان سے سردی، گرمی، ارزانی، گرانی ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح جنت میں بھی یہ کیفیات ہوں گی۔ فرمایا نہیں، بلکہ **جزاء من ربك عطاء حسابا**. یعنی رتی رتی کا حساب ہوکر بدلہ ملے گا اور بہت کافی بدلہ ملے گا اور یہ بدلہ بھی محض بخشش اور رحمت الٰہی سے ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اللہ پر کسی کا قرض یا جبر نہیں ہے۔ آدمی کا اپنے عمل کی بدولت عذاب سے بچنا ہی مشکل ہے۔ رہی جنت تو وہ اس کے فضل اور رحمت سے ملتی ہے۔ اسی کو ہمارے عمل کا بدلہ کہنا یہ دوسری ذرہ نوازی اور عزت افزائی ہے۔ یا "**جزاء**" کے بعد "**عطا حسابا**" کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو صرف وہی جزاء نہیں دی جائے گی جس کے وہ مستحق تھے۔ بلکہ ان کو بھرپور اور مزید انعام دیا جائے گا برخلاف جہنمیوں کے۔ ان کی نسبت صرف اتنا فرمایا گیا کہ ان کے کرتوتوں کا بھرپور بدلہ دیا جائے گا۔ یعنی جرائم کے مطابق نپا تلا بدلہ دیا جائے گا، نہ کم نہ زیادہ۔

رب السمٰوات والارض وما بينهما الرحمٰن لا يملكون منه خطابا. یعنی جہاں ایک طرف نوال وجمال اتنا، وہاں دوسری طرف عظمت وجلال کا حال بھی یہ ہے کہ کوئی اس کے آگے چوں نہیں کرسکتا اور اس کے رعب کا یہ عالم ہوگا کہ کسی کی مجال نہ ہوگی کہ ازخود اللہ کے حضور زبان کھول سکے یا عدالت کے کام میں لب ہلا سکے۔

روح سے کیا مراد ہے؟:............ **يوم يقوم الروح** الخ روح سے مراد عام جاندار ہیں یا "روح القدس" جبرائیل امین ہیں اور یاوہ "روح اعظم" مراد ہے جس سے بنیادی حصوں کا انشعاب ہوا ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ روح سے مراد وہ لطیفہ دراکہ ہے جو ہر مخلوق کو عطا ہوا ہے۔ خواہ وہ آسمان ہو یا زمین، پہاڑ ہوں یا درخت، ہوا ہو یا پتھر، اسی لطیفہ دراکہ کی وجہ سے ہر چیز وقف تسبیح ہے۔ **و ان من شئ الا يسبح بحمده، كل قد علم صلوته وتسبيحه**. اسی کو سورہ یسین میں "**ملكوت كل شئى**" تعبیر فرمایا گیا ہے۔ دراصل یہ لطیفہ ایک نورانی جوہر ہے جو تمام جواہر واعراض سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی کی وجہ سے قیامت میں نیک اعمال، کعبہ معظمہ، آسمان، زمین، دن، رات گواہی دیں گے یا شفاعت کریں گے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ مؤذن کی اذان جہاں جہاں پہنچتی ہے وہ سب چیزیں قیامت میں گواہی دیں گی۔ ہر چیز کو مناسب شکل عطا کی جائے گی۔ اور انسان اور دوسری مخلوق کی ارواح کے بدن سے تعلق میں یہ فرق ہے کہ انسان کے لئے تو دوامی تعلق ہے اور حلول سریانی کے مشابہ ہے۔ کہ تمام قوائے طبعیہ نباتیہ، حیوانیہ میں آکر اپنے حکم کے تابع کر دیتا ہے اور دوسری چیزوں کا تعلق غیر دوامی اور حلول طریانی کے مشابہ ہے۔ چنانچہ بعض اوقات اس کا اثر دنیا میں بھی ظاہر ہوتا ہے کہ درخت اور پتھر انبیاءؑ کو سلام کلام کرتے ہیں اور ان کے احکام بجالاتے ہیں۔ قیامت کے روز یہ تعلق قریب قریب دوامی اور حلول سریانی کے مشابہ ہوجائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث میں آیا ہے کہ قیامت کے قریب بہت سے عجائبات ظاہر ہوں گے۔ راز اس میں یہ ہے کہ روحانیت کے غلبہ کی وجہ سے اس تعلق کا اثر ظاہر ہوگا۔ انبیاء علیہم السلام کی روحانیت کا غلبہ اسی طرح قیامت کے قریب احکام روح کا غلبہ ہوگا۔ اس لئے خوارق ظاہر ہوں گے اور ہر چند کے اللہ کی عظمت وجلال ذاتی ہے۔ لیکن اس کا کمال ظہور قیامت کے روز ہوگا۔

شفاعت کے لئے دوشرطیں ضروری ہیں: .... لا یتکلمون الامن الخ سب دم بخود رہیں گے۔ کسی کی مجال نہیں ہوگی شفاعت کے لئے لب کشائی کر سکے۔ الا یہ کہ دوشرطیں پائی جاتی ہوں ایک یہ جس کو جس کے حق میں شفاعت کی اجازت ملے گی وہی شفاعت کر سکے گا اور اسی کے حق میں شفاعت کر سکے گا۔ نہ دوسرا کوئی شفاعت کر سکے گا اور نہ دوسرے کے حق میں شفاعت ہوگی۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ سفارش بھی صحیح ہو اور بے جا نہ ہو۔ یعنی کافر و مشرک کے بارے میں سفارش نہ ہو۔ بلکہ گنہگار مسلمان کے لئے ہو۔ کیونکہ قیامت کے دن حق کا روز ہوگا۔ وہاں ناحق کی بات نہیں چلے گی دنیا کی طرح نہیں۔ جس میں جھوٹ سچ سب غلط ہوتا ہے۔ نیز اسی روز اچھے برے، نیک و بد میں امتیاز ہو جائے گا۔ اگر چہ دنیا میں سب گڈمڈ رہے ہیں۔ "عذابا قریبا" سے مراد برزخ کا عذاب ہے جو ہر شخص کو مرنے کے بعد پیش آئے گا۔

برزخی عذاب ساری دنیا کو دکھلانے کی ضرورت نہیں: .... اس برزخی عذاب کے لئے سارے عالم کبیر کو خراب کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ عالم صغیر میں ہر شخص کی انفرادی موت ہی کافی ہے۔ کیونکہ برزخی عذاب کی حقیقت گناہوں اور برے کاموں کی حقیقت اسی مردے پر ظاہر کرنا ہے جس پر یہ بدعملیاں غالب تھیں تا کہ یہ ڈراؤنی شکلیں اس کی قوت خیالیہ پر چھائی رہیں۔ حقیقی عذاب کہ جس میں تمام اہل حق اور گواہ جمع ہوں اور اگلے پچھلوں کا مجمع اللہ کے دربار عام میں جمع ہو اور حق تعالیٰ بے حجاب تجلی فرمائیں۔ وہ یوم ینظر المرء ما قدمت یداہ میں بیان فرمایا جا رہا ہے۔ یہاں دو ہاتھوں سے مراد نیکی اور بدی کی قوتیں ہیں، اور نیکیوں بدیوں کو آگے بھیجنا اس بات کی دلیل ہے کہ نیکی کی نورانیت اور بدی کی ظلمت اس کی ذات میں پیدا ہو چکی تھی۔ کیونکہ جب تک کسی چیز کی محبت دل میں نہ جم جائے۔ اس عمل کی تقویم یا ترجیح اس وقت تک ممکن نہیں۔ اور عالم مثال میں اس کے مناسب ایک شکل وصورت ہوتی ہے۔ پس جب انسان کا نفس دنیا کے ادراک وتصرفات سے فراغت کے بعد بالکلیہ آخرت کے ادراکات وتصرفات کی طرف متوجہ ہوگا۔ اس وقت ان کو دیکھے گا۔ اور عذاب کی اس قسم کے مقائل فلاسفہ اور حکماء بھی ہیں اور خواب پر قیاس کرتے ہوئے اس کو واقعی جانتے ہیں۔ بلکہ صرف اتنا ہے کہ خواب کے عذاب سے تو جاگتے ہی خلاصی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ نفس عالم شاہد کے ادراکات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ لیکن برزخی عذاب سے اس طرح کی خلاصی ممکن نہیں ہے کیونکہ وہاں بیداری نہیں ہے اور عذاب قیامت وآخرت کو تو کسی کی عقل ادراک ہی نہیں کر سکتی۔ بہر حال برزخی عذاب فعل واقع ہونے سے قریب ہے۔ اور بلحاظ تصور وتصدیق کے بھی قریب ہے۔ تاہم صحیح ایمان اور درست اعتقاد کی بدولت اس برزخی عذاب قریب سے بھی نجات ملے گی۔ کیونکہ اعمال بد کی اشکال بد اگر چہ گنہگار کی ذات میں ظلماتی صورت میں مرتسم ہیں۔ لیکن آفتاب ایمان کا نوران تاریک بدلیوں کو پھاڑ کر رکھ دے گا۔ برخلاف کافر کے۔ اس کے پاس ذرہ بھر ایمان کا نور نہیں ہوگا۔ بلکہ صرف کفر و بدعملی کی ظلمتیں ہوں گی۔ اس لئے وہ یاس وحسرت سے پکار اٹھے گا۔ "یالیتنی کنت ترابا" کاش میں دنیا میں پیدا ہی نہ ہوتا یا مر کر مٹی ہو جاتا اور دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کی نوبت ہی نہ آتی۔

قیامت کے قریب ہونے کا کیا مطلب ہے: .... رہا یہ عذاب قیامت کو قریب کیسے کہا گیا ہے۔ حالانکہ ابھی تو نہ معلوم قیامت میں کتنا وقت ہے؟ جواب یہ ہے کہ انسان کو وقت کا احساس اسی وقت تک رہتا ہے۔ جب تک وہ دنیا کے ماحول میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ مرنے کے بعد جب صرف روح باقی رہ جائے گی تو وقت کا احساس وشعور ختم ہو جائے گا۔ قیامت میں جب انسان اٹھے گا تو اسے یوں محسوس ہوگا۔ کہ اسے ابھی کسی نے سوتے سے جگا دیا ہے۔ اسے یہ بالکل احساس نہیں ہوگا کہ وہ ہزار ہا سال کے بعد زندہ ہو رہا ہے اور خاک ہونے کی تمنا کرنا اس۔ لئے ہوگا کہ خاکی انسان کی اصل خاک ہی ہے، گویا وہ بھی مرکب عنصر ہے۔ عنصر بسیط نہیں ہے۔ یہ

ایسے ہی ہے جیسے سفر میں کسی کو حادثہ پیش آ جائے اور یہ کہنے لگے۔ کہ کاش میں گھر سے ہی باہر نہ نکلتا، حالانکہ وہ یہ بھی آرزو کرسکتا تھا کہ میں راستہ ہی سے واپس ہو جاتا یا آگے ہی نہ بڑھتا۔ مگر مصیبت سے انتہائی دوری حاصل کرنے کے لئے یہ جملہ کہتا ہے۔ دوسرے یہ بھی سمجھے گا کہ اس وقت یہ ساری مصیبت میری روح کے باقی رہنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اگر میں صرف بدن یا خاک ہوتا تو یہ بھیا نک آفت میں کیوں پھنستا۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع وموقوف روایت ہے کہ جانوروں سے قصاص اور بدلہ لینے کے بعد حکم ہوگا کہ خاک ہو جاؤ۔ چنانچہ یہ دیکھ کر کافر غبطہ کریں گے کہ کاش ہماری رہائی کی بھی یہی صورت ہو جاتی۔ اور بعض صوفیاء کا خیال ہے کہ خاک ہونے سے مراد خاکساری اور فروتنی ہے کہ کبر وغرور نہ کرتا تو اس آفت سے بچ جاتا۔ اسی طرح کافر سے مراد ابلیس بھی ہوسکتا ہے کہ آدمؑ اور اولاد آدم پر نوازشوں کو دیکھے گا تو تمنا کرے گا کہ میں ناری نہ ہوتا بلکہ خاکی ہوتا۔ اس سے پہلے جملہ خلقتنی من نار و خلقته من طين کا ردعمل ظاہر ہوگا۔

خلاصہ سورت:............ آنحضرت ﷺ کی ابتدائی دعوت کے تین بنیادی اصول تھے:۔

۱۔ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

۲۔ اللہ نے محمد ﷺ کو اپنا رسول بنایا ہے۔

۳۔ دنیا کی زندگی کے بعد ایک دوسرا عالم آئے گا جس میں ہر چیز پہلی آیت پر پیش ہو کر اللہ کے آگے حساب کتاب دے گی اور اس کے مطابق اس پر جزاء وسزاء ہمیشہ کے لئے مرتب ہو جائے گی۔ مومن وصالح سدا جنت میں رہیں گے۔ اور کافر ہمیشہ اور مومن اور فاسق علی الحساب دوزخ میں رہیں گے۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے کسی نہ کسی درجہ میں مشرکین مکہ اس کو مانتے تھے۔ بلکہ اس کو خالق، رازق، رب اعلیٰ بھی مانتے تھے۔ البتہ وہ اور ہستیوں کو بھی خدائی صفات، اختیارات اور الوہیت میں شریک گردانتے تھے۔

دوسری بات کو بھی اگرچہ وہ ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ مگر اس کو کیا کریں کہ محمد (ﷺ) کی چالیس سالہ زندگی کا ایک ایک لمحہ ان کے سامنے تھا۔ جس میں کہیں انہیں انگلی ٹیکنے کی جگہ نہ ملی۔ بلکہ آپ کی نیک چلنی، راست روی، دانشمندی یا کیزگی اخلاق، عالی ظرفی کے سب قائل تھے۔ اس لئے دوسروں کو قائل کرنا تو بجائے خود، وہ اپنے طور پر بھی سوچتے تھے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ سب باتوں میں تو سچے ہوں مگر صرف پیغمبری کے دعویٰ میں جھوٹے ہوں۔

لیکن خیر یہ دونوں باتیں تو کسی نہ کسی درجہ میں گلوگیر ہو ہی رہی تھیں۔ سب سے زیادہ انہیں تیسری بات نے مشکل میں ڈال رکھا تھا۔ وہ سب سے زیادہ حیرانی وتعجب میں مبتلا تھے۔ مرنے کے بعد جوں کا توں دوبارہ زندہ ہونے کو خارج ازعقل اور ناممکن سمجھ کر مذاق اڑاتے تھے۔ تاہم یہ اسلام کا بنیادی پتھر تھا۔ اس کے بغیر اگلی عمارت کا اٹھنا ممکن نہ تھا۔ اور اسلام جو انقلاب لانا چاہتا تھا یعنی دنیا میں خدا پرستی، صالح معاشرہ خداترسی وہ پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔ جب تک آخرت کا اعتقاد مکمل طور پر ان کے ذہن نشین نہ کر دیا جاتا۔ اسی لئے ابتدائی مکی سورتوں میں پورا زور اسی عقیدہ آخرت کے دلوں میں جاگزیں کرنے پر صرف کیا گیا اور ساتھ ساتھ درمیان میں توحید ورسالت کو بھی بالاختصار مدلل طور پر جما دیا گیا۔ آخرت کے یقین کو مختلف مگر نہایت مؤثر انداز میں بار بار دہرایا گیا۔ تاکہ بنیاد مضبوط ومستحکم ہو جائے۔

چنانچہ سورہ نبا میں سب سے پہلے "عم يتساءلون" میں ان غیر معمولی چرچوں کی طرف اشارہ کیا گیا۔ جن سے مکہ کی فضا گونج رہی تھی۔ پھر انکار کرنے والوں کے آگے کائنات کی تو بڑی بڑی چیزوں کو رکھ کر پوچھا گیا۔ کہ کیا تم ان چیزوں کو دیکھ کر یہ نہیں سمجھ

سکتے کہ جس کامل قدرت والی ہستی نے یہ ساری چیزیں پیدا کیں، کیا وہ قیامت قائم کرنے اور عالم کو حساب کتاب کے لئے دوبارہ کھڑے کرنے پر قادر نہیں ہے اور جس حکمت و دانائی سے اس جہان کو بنایا ہے اور اس کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس کی ہر چیز اور ہر کام تو سلسلہ اسباب سے بندھا ہوا ہے اور کوئی نہ کوئی مقصد رکھتا ہے۔ مگر خود یہ عالم بے مقصد ہے؟ آخر اس بات میں کیا تک نظر آتا ہے کہ پہلے تو انسان کو اس بزم کا صدر نشین بنا کر امتیازی اختیارات دے دیئے جائیں اور اپنی نیابت کا منصب حوالہ کر دیا جائے اور آگے چل کر اسے یونہی مہمل طور پر ختم ہونے دیا جائے۔ اچھے کام پر انعام نہ بگاڑنے پر انتقام۔

افحسبتم انما خلقنا کم عبثا و انکم الینا لا ترجعون.

فرماتے ہیں، تم اقرار کرو یا انکار، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ فیصلہ کا دن ٹھیک وقت پر آکر رہے گا۔ پس صور پھونکنے کی دیر ہے۔ تم مانو یا نہ مانو، سب کچھ تمہارے سامنے آکر رہے گا۔

اس کے بعد جھٹلانے والوں کو کہا جا رہا ہے کہ تمہاری ایک ایک حرکت ہمارے یہاں لکھی ہوئی ہے اور دوزخ ایسوں کی گھات میں لگی ہوئی ہے چھوڑے گی نہیں۔ اسی طرح ذمہ داریوں کا احساس کر کے جنہوں نے دنیا میں رہ کر آخرت سنوارنے کی فکر رکھی اور کوشش کی انہیں بھرپور بدلہ ہی کی نہیں۔ بلکہ زائد انعام و اکرام کی توقع رکھنی چاہئے۔

پھر خاتم سورت پر قیامت کی عدالت عالیہ کا قانون عدل ارشاد فرمایا گیا۔ کہ یہ مت سمجھ لینا کہ دنیا کی طرح وہاں زور زبردستی چل جائے گی۔ اور لوگ اس طرح سزا سے بچ نکلیں گے۔ ہرگز نہیں بلا اجازت کوئی زبان نہیں کھول سکے گا اور نہ بلا استحقاق و اہلیت کسی کی سفارش ہوگی۔ یعنی گنہگار مسلمان سفارش کے قائل ہوں گے...... باغی کافر و مشرک اس کے مستحق نہ ہوں گے۔

اور اس تنبیہ کے ساتھ سورت ختم کر دی کہ " یوم الفصل "کو دور نہ سمجھو بالکل قریب آ پہنچا ہے۔ اب خواہ! ان کو مان کر اللہ تک رسائی کی کوشش کرو اور یا پھر یہاں تک انجام کے لئے تیار ہو جاؤ کہ انکار کے نتیجہ میں، سب کئے دھرے پر پچھتا کر کہنا پڑے گا کہ اے کاش! میں پیدا ہی نہ ہوتا۔

فضائل سورت:............ من قرء سورۃ عم سقاہ اللہ برد الشراب یوم القیامۃ . (بیضاوی) ارشاد ہوا کہ جو کوئی شخص سورہ عم پڑھے گا۔ اللہ اس کو قیامت کے دن ٹھنڈے پانی سے سیراب فرمائے گا۔

لطائف سلوک:............ ان للمتقین مفازاً . جنت کے نعمتوں کو کامیابی فرمانے سے ان لوگوں پر رد ہو گیا جو اپنے کو اس سے مستغنی ظاہر کرتے ہیں اور مغلوب الحال اس سے مستثنیٰ ہیں۔

سُوْرَةُ وَالنَّازِعَاتِ

سُوْرَةُ وَالنَّازِعَاتِ مَكِّيَّةٌ سِتٌّ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنّٰزِعٰتِ الْمَلَائِكَةِ تَنْزِعُ اَرْوَاحَ الْكُفَّارِ **غَرْقًا**﴿۱﴾ نَزْعًا بِشِدَّةٍ **وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا**﴿۲﴾ اَلْمَلَائِكَةُ تَنْشِطُ اَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَیْ تَسُلُّهَا بِرِفْقٍ **وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا**﴿۳﴾ اَلْمَلَائِكَةُ تَسْبَحُ مِنَ السَّمَاءِ بِاَمْرِهٖ تَعَالٰی اَیْ تَنْزِلُ **فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا**﴿۴﴾ اَیِ الْمَلَائِكَةُ تَسْبِقُ بِاَرْوَاحِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِلَی الْجَنَّةِ **فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا**﴿۵﴾ اَلْمَلَائِكَةُ تُدَبِّرُ اَمْرَ الدُّنْيَا اَیْ تَنْزِلُ بِتَدْبِيْرِهٖ وَجَوَابُ هٰذِهِ الْاَقْسَامِ مَحْذُوْفٌ اَیْ لَتُبْعَثُنَّ يَا كُفَّارَ مَكَّةَ وَهُوَ عَامِلٌ فِیْ **يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ**﴿۶﴾ اَلنَّفْخَةُ الْاُوْلٰی بِهَا يَرْجُفُ كُلُّ شَیْءٍ اَیْ يَتَزَلْزَلُ فَوُصِفَتْ بِمَا يَحْدُثُ مِنْهَا **تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ**﴿۷﴾ اَلنَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ وَبَيْنَهُمَا اَرْبَعُوْنَ سَنَةً وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِّنَ الرَّاجِفَةِ فَالْيَوْمَ وَاسِعٌ لِّلنَّفْخَتَيْنِ وَغَيْرِهِمَا فَصَحَّ ظَرْفِيَّتُهٗ لِلْبَعْثِ الْوَاقِعِ عَقِيْبَ الثَّانِيَةِ **قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ**﴿۸﴾ خَائِفَةٌ قَلِقَةٌ **اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ**﴿۹﴾ ذَلِيْلَةٌ لِهَوْلِ مَا تَرٰی **يَقُوْلُوْنَ** اَیْ اَرْبَابُ الْقُلُوْبِ وَالْاَبْصَارِ اِسْتِهْزَاءً وَّاِنْكَارًا لِّلْبَعْثِ **ءَاِنَّا** بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَی الْوَجْهَيْنِ فِی الْمَوْضِعَيْنِ **لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَةِ**﴿۱۰﴾ اَیْ اَنُرَدُّ بَعْدَ الْمَوْتِ اِلَی الْحَيٰوةِ وَالْحَافِرَةُ اِسْمٌ لِاَوَّلِ الْاَمْرِ وَمِنْهُ رَجَعَ فُلَانٌ فِیْ حَافِرَتِهٖ اِذَا رَجَعَ مِنْ حَيْثُ جَاءَ **ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً**﴿۱۱﴾ وَفِیْ قِرَاءَةٍ نَاخِرَةً بَالِيَةً مُّتَفَتِّتَةً نُحْيٰی **قَالُوْا تِلْكَ** اَیْ رَجْعَتُنَا اِلَی الْحَيَاةِ **اِذًا** اِنْ صَحَّتْ **كَرَّةٌ** رَجْعَةٌ **خَاسِرَةٌ**﴿۱۲﴾ ذَاتُ خُسْرَانٍ قَالَ تَعَالٰی **فَاِنَّمَا هِیَ** اَیِ الرَّادِفَةُ الَّتِیْ يَعْقُبُهَا الْبَعْثُ **زَجْرَةٌ** نَفْخَةٌ **وَّاحِدَةٌ**﴿۱۳﴾ **فَاِذَا هُمْ** اَیْ كُلُّ الْخَلَائِقِ **بِالسَّاهِرَةِ**﴿۱۴﴾ بِوَجْهِ الْاَرْضِ اَحْيَاءً بَعْدَ مَا كَانُوْا بِبَطْنِهَا اَمْوَاتًا **هَلْ اَتٰكَ** يَا مُحَمَّدُ **حَدِيْثُ مُوْسٰی**﴿۱۵﴾ عَامِلٌ فِیْ **اِذْ نَادٰهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی**﴿۱۶﴾ اِسْمُ الْوَادِیْ بِالتَّنْوِيْنِ وَتَرْكِهٖ فَقَالَ **اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی**﴿۱۷﴾ تَجَاوَزَ الْحَدَّ فِی الْكُفْرِ **فَقُلْ هَلْ لَّكَ** اَدْعُوْكَ **اِلٰی اَنْ تَزَكّٰی**﴿۱۸﴾

وَفِی قِرَاءَ ةٍ بِتَشدِیدِ الزَّایِ بِإِدغَامِ التَّاءِ الثَّانِیَةِ فِی الاَصلِ فِیهَا تَطهُرُ مِنَ الشِّرکِ بِاَن تَشهَدَ اَن لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ **وَاَهدِیَکَ اِلٰی رَبِّکَ** اَدُلُّکَ عَلٰی مَعرِفَتِهٖ بِالبُرهَانِ **فَتَخشٰی**﴿۱۹﴾ فَتَخَافُهُ **فَاَرٰهُ الاٰیَةَ الکُبرٰی**﴿۲۰﴾ مِن اٰیَاتِهِ التِّسعِ وَهِیَ الیَدُ اَوِ العَصَا **فَکَذَّبَ** فِرعَونُ مُوسٰی **وَعَصٰی**﴿۲۱﴾ اللّٰهَ تَعَالٰی **ثُمَّ اَدبَرَ** عَنِ الاِیمَانِ **یَسعٰی**﴿۲۲﴾ فِی الاَرضِ بِالفَسَادِ **فَحَشَرَ** جَمَعَ السَّحَرَةَ وَجُندَهُ **فَنَادٰی**﴿۲۳﴾ **فَقَالَ اَنَا رَبُّکُمُ الاَعلٰی**﴿۲۴﴾ لَارَبَّ فَوقِی **فَاَخَذَهُ اللّٰهُ** اَهلَکَهُ بِالغَرقِ **نَکَالَ** عُقُوبَةَ **الاٰخِرَةِ** اَی هٰذِهِ الکَلِمَةُ **وَالاُولٰی**﴿۲۵﴾ اَی قَولُهُ قَبلَهَا مَاعَلِمتُ لَکُم مِن اِلٰهٍ غَیرِی وَکَانَ بَینَهُمَا اَربَعُونَ سَنَةً **اِنَّ فِی ذٰلِکَ** المَذکُورِ **لَعِبرَةً لِّمَن یَّخشٰی**﴿۲۶﴾ اللّٰهَ تَعَالٰی **ءَ اَنتُم** بِتَحقِیقِ الهَمزَتَینِ وَاِبدَالِ الثَّانِیَةِ اَلِفًا وَتَسهِیلِهَا وَاِدخَالِ اَلِفٍ بَینَ المُسَهَّلَةِ وَالاُخرٰی وَتَرکِهٖ اَی مُنکِرُ وَالبَعثِ **اَشَدُّ خَلقًا اَمِ السَّمَآءُ** اَشَدُّ خَلقًا **بَنٰهَا**﴿۲۷﴾ بَیَانٌ لِکَیفِیَّةِ خَلقِهَا **رَفَعَ سَمکَهَا** تَفسِیرٌ لِکَیفِیَّةِ البِنَاءِ اَی جَعَلَ سَمتَهَا مِن جِهَةِ العُلُوِّ رَفِیعًا وَقِیلَ سَمکُهَا سَقفُهَا **فَسَوّٰهَا**﴿۲۸﴾ جَعَلَهَا مُستَوِیَةً بِلَاعِیبٍ **وَاَغطَشَ لَیلَهَا** اَظلَمَهُ **وَاَخرَجَ ضُحٰهَا**﴿۲۹﴾ اَبرَزَ نُورَ شَمسِهَا وَاُضِیفَ اِلَیهَا اللَّیلُ لِاَنَّهُ ظِلُّهَا وَالشَّمسُ لِاَنَّهَا سِرَاجُهَا **وَالاَرضَ بَعدَ ذٰلِکَ دَحٰهَا**﴿۳۰﴾ بَسَطَهَا وَکَانَت مَخلُوقَةً قَبلَ السَّمَاءِ مِن غَیرِ دَحوٍ **اَخرَجَ** حَالٌ بِاِضمَارِ قَد اَی مُخرِجًا **مِنهَا مَآءَهَا** بِتَفجِیرِ عُیُونِهَا **وَمَرعٰهَا**﴿۳۱﴾ مَاتَرعَاهُ النَّعَمُ مِنَ الشَّجرِ وَالعُشبِ وَمَایَاکُلُهُ النَّاسُ مِنَ الاَقوَاتِ وَالثِّمَارِ وَاِطلَاقُ المَرعٰی عَلَیهِ اِستِعَارَةٌ **وَالجِبَالَ اَرسٰهَا**﴿۳۲﴾ اَثبَتَهَا عَلٰی وَجهِ الاَرضِ لِتَسکُنَ **مَتَاعًا** مَفعُولٌ لَّهُ لِمُقَدَّرٍ اَی فَعَلَ ذٰلِکَ مُتعَةً اَو مَصدَرٌ اَی تَمتِیعًا **لَّکُم وَلِاَنعَامِکُم**﴿۳۳﴾ جَمعُ نَعَمٍ وَّهِیَ الاِبِلُ وَالبَقَرُ وَالغَنَمُ **فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الکُبرٰی**﴿۳۴﴾ اَلنَّفخَةُ الثَّانِیَةُ **یَومَ یَتَذَکَّرُ الاِنسَانُ** بَدَلٌ مِّن اِذَا **مَاسَعٰی**﴿۳۵﴾ فِی الدُّنیَا مِن خَیرٍ وَّشَرٍّ **وَبُرِّزَتِ** اُظهِرَتِ **الجَحِیمُ** النَّارُ المُحرِقَةُ **لِمَن یَّرٰی**﴿۳۶﴾ لِکُلِّ رَاءٍ وَجَوَابُ اِذَا **فَاَمَّا مَن طَغٰی**﴿۳۷﴾ کَفَرَ **وَاٰثَرَ الحَیٰوةَ الدُّنیَا**﴿۳۸﴾ بِاتِّبَاعِ الشَّهَوَاتِ **فَاِنَّ الجَحِیمَ هِیَ المَاوٰی**﴿۳۹﴾ مَاوَاهُ **وَاَمَّا مَن خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ** قِیَامَهُ بَینَ یَدَیهِ **وَنَهَی النَّفسَ** الاَمَّارَةَ **عَنِ الهَوٰی**﴿۴۰﴾ اَلمُردٰی بِاتِّبَاعِ الشَّهَوَاتِ **فَاِنَّ الجَنَّةَ هِیَ المَاوٰی**﴿۴۱﴾ وَحَاصِلُ الجَوَابِ فَالعَاصِی فِی النَّارِ وَالمُطِیعُ فِی الجَنَّةِ **یَسئَلُونَکَ** اَی کُفَّارُ مَکَّةَ **عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرسٰهَا**﴿۴۲﴾ مَتٰی وُقُوعُهَا وَقِیَامُهَا **فِیمَ** فِی اَیِّ شَیءٍ **اَنتَ مِن ذِکرٰهَا**﴿۴۳﴾ اَی لَیسَ عِندَکَ عِلمُهَا حَتّٰی تَذکُرَهَا **اِلٰی رَبِّکَ مُنتَهٰهَا**﴿۴۴﴾ مُنتَهٰی عِلمِهَا لَایَعلَمُهُ غَیرُهُ **اِنَّمَا اَنتَ مُنذِرُ** اِنَّمَا یَنفَعُ اِنذَارُکَ **مَن یَّخشٰهَا**﴿۴۵﴾ یَخَافُهَا **کَاَنَّهُم یَومَ یَرَونَهَا لَم**

يَلْبَثُوْٓا فِىْ قُبُوْرِهِمْ اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا﴿۴۶﴾ اَىْ عَشِيَّةَ يَوْمٍ اَوْ بُكْرَتَهٗ وَصَحَّ اِضَافَةُ الضُّحٰى اِلَى الْعَشِيَّةِ لِمَا بَيْنَهُمَا مِنَ الْمُلَابَسَةِ اِذْهُمَا طَرْفَا النَّهَارِ وَحَسَّنَ الْاِضَافَةَ وَقُوْعُ الْكَلِمَةِ فَاصِلَةً

ترجمہ: .... سورہ والنازعات مکیہ ہے جس میں ۴۶ آیات ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

قسم ہے ان فرشتوں کی جو (کافروں کی جان) سختی (بڑی شدت) سے نکالتے ہیں اور جو بند کھول دیتے ہیں (مسلمانوں کی ارواح کو خوش کر دیتے ہیں یعنی آسانی سے روح قبض کرتے ہیں) اور وہ تیرتے ہوئے چلتے ہیں (فرشتے جو حکم الٰہی سے تیرتے ہیں یعنی آسمان سے اترتے ہیں) پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں (فرشتے مومنوں کی روحوں کو جنت میں لے جانے کے لئے سبقت کرتے ہیں) پھر ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں (فرشتے دنیا کے انتظامات کرتے ہیں ۔ یعنی انتظام کے لئے اترتے ہیں ۔ ان قسموں کا جواب محذوف ہے یعنی اے کلمہ کے نہ ماننے والو! تم ضرور قیامت میں اٹھائے جاؤ گے اور اگلے جملے میں عامل بھی یہی ہے) جس روز ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالے گی (پہلا صور جس سے ہر چیز ہل جائے گی یعنی زلزلہ میں آجائے گی ۔ اس لئے صور کو اسی سے متصف کر دیا) جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آئے گی (دوسرا صور، ان دونوں کے درمیان چالیس سال فاصلہ رہے گا اور یہ جملہ راجفۃً سے حال ہے قیامت کے دن یہ دونوں مرتبہ صور بھی پھونکیں گے اور دوسرے کام بھی ہوں گے اس لئے دوسرے صور کے بعد جو" بعث ہوگا یہ اس کا ظرف بھی ہو سکتا ہے) بہت سے دل اس روز دھڑک رہے ہوں گے (خوف و قلق میں مبتلا ہوں گے) ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی (دہشت ناک منظر دیکھ کر کانپ رہی ہوں گی) کہتے ہیں (دل اور آنکھ رکھنے والے بطور مذاق، قیامت کا انکار کرتے ہوئے) کیا ہم (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں جگہ الف داخل کر کے پڑھا گیا ہے) پہلی حالت میں پھر واپس ہوں گے (یعنی کیا مرے بعد پھر دہرا کر زندہ ہوں گے ۔

حافر کہتے ہیں اول دفعہ کو، چنانچہ کہا جاتا ہے ۔ رجع فلان فی حا فرته جب کوئی پہلی جگہ پلٹ جائے) کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے (ایک قراءت میں " ناخرۃ " ہے ٹوٹ پھوٹ کر پھر جلائے جائیں گے) کہتے ہیں (یہ پہلی زندگی کی طرف واپسی) اس صورت میں یہ واپسی (جب کہ یہ صحیح ہو) بڑے خسارہ کی ہوگی (گھاٹا رہے گا ۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) بس وہ (یعنی وہ دوسرا نفخہ جس کے بعد بعث ہوگا) ایک سخت آواز ہوگی (اور جب نفخہ ہوگا) پس لوگ (مخلوق) فوراً ہی میدان میں آموجود ہوں گے (روئے زمین پر زندہ ہو کر، زمین کے اندر سے مردے نکلیں گے) کیا آپ کو (اے محمد!) موسیٰ کا قصہ (یہ فـــی میں عامل ہے) پہنچا ہے جب کہ ان کو ان کے پروردگار نے ایک پاک میدان یعنی طوے میں پکارا (وادی کا نام ہے تنوین کے ساتھ اور بغیر تنوین کے ارشاد فرمایا) کہ تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی شرارت اختیار کی ہے (کفر کرنے میں حد سے بڑھ گیا ہے) سو اس سے کہو، کیا تجھ کو اس کی خواہش ہے (تجھ کو اس کی دعوت دوں) کہ تو درست ہو جائے (ایک قراءت میں تشدید ز کرتے ہوئے تائے ثانیہ کے ادغام کے ساتھ، کلمہ لا الٰه الا الله پڑھتے ہوئے شرک سے پاک ہو جائے) اور میں تجھ کو تیرے پروردگار کی طرف رہنمائی کروں (دلیل کے ساتھ اس کی معرفت کے لئے) تو تو ڈرنے لگے ۔ پھر اس کو بڑی نشانی دکھلائی (نو نشانیوں میں سے، ید بیضا تھا یا عصا) سو (فرعون نے موسیٰ کو) جھٹلایا اور کہنا نہ مانا (اللہ کا) پھر (ایمان) سے جدا ہو کر کوشش کرنے لگا (ملک میں فساد کی) اور (جادوگروں اور لشکریوں کو) جمع کیا ۔ پھر آواز بلند تقریر کی اور کہا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں (مجھ سے بڑا کوئی رب نہیں) سو اللہ نے اس کو پکڑ لیا (غرق کر کے ہلاک کر دیا) سزا میں اس (پچھلے) کلمہ کی اور پہلی بات کی (یعنی پہلے مـا علـمـت لـكـم من الـه غيرى کہا تھا ۔ ان دونوں باتوں کے درمیان چالیس سال کا فصل تھا) بے شک اس (مذکورہ) واقعہ میں ایسے شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو (اللہ سے) ڈرتا ہو بھلا تمہارا (دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے ہمزہ کو الف سے بدلتے ہوئے ۔ اور ہمزہ مسہلہ اور دوسرے ہمزہ کے درمیان الف داخل کر کے اور بغیر الف داخل کئے یعنی اے منکرین

قیامت!) پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا (پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے) اللہ نے اس کو بنایا (یہ آسمان کی کیفیت کا بیان ہے) کہ اس کی سمت کو بلند کیا (آسمان بنانے کی کیفیت کی تفصیل ہے۔ یعنی اس کے اوپر کا رخ نہایت اونچا بنایا اور بعض نے سمک کے معنی چھت کہتے ہیں) اور اس کو ٹھیک ٹھاک (بلاعیب) بنایا اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو ظاہر کیا (آفتاب کے نور کو چمکایا۔ اور رات کی نسبت آسمان کی طرف کی ہے کیونکہ رات آسمان کا سایہ ہے اور آفتاب کی نسبت بھی آسمان کی طرف کی ہے) اور اس کے بعد زمین کو بچھا دیا ہے (پھیلا دیا ہے۔ جو آسمان سے پہلے پیدا تو ہو چکی تھی مگر پھیلائی نہیں گئی تھی) نکالا (قد مقدر مان کر حال ہے یعنی مخرجا) اس کا پانی (اس سے چشمے جاری کر کے) اور چارہ (درخت، گھاس جو چوپائے کھاتے ہیں اور انسانوں کے لئے خوراک اور پھل اور لفظ مرعی بولنا بطور استعارہ ہے) اور پہاڑوں کو قائم کر دیا (زمین کو ٹھہرانے کے لئے ان کو جما دیا) فائدہ پہنچانے کے لئے (فعل مقدر کا یہ مفعول لہ ہے ای فعل ذلک متعۃ ۔ یا مفعول مطلق ہے بمعنی تمتیعاً) تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے (انعام، نعم کی جمع ہے اونٹ، گائے، بکری) سو جب وہ بڑا ہنگامہ (دوسرا نفخہ) آئے گا یعنی جس دن انسان یاد کرے گا (یوم اذا سے بدل ہے) اپنے کئے کو (دنیا میں اچھے برے کام کو) اور دوزخ) جلا دینے والی آگ ظاہر کر دی جائے گی دیکھنے والوں کے سامنے (ہر دیکھنے والے کے اور اذا کا جواب آگے ہے) جس شخص نے سرکشی (کفر) کی ہوگی اور دنیا کی زندگانی کو (خواہشات کی پیروی کر کے) ترجیح دی ہوگی۔ سو دوزخ اس کا ٹھکانہ ہوگا اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس (امارہ) کو خواہش سے روکا ہوگا (جو خواہشات برباد کرنے والی ہیں) سو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا (خلاصہ جواب یہ ہے کہ نافرمان دوزخ میں اور فرمانبردار جنت میں جائے گا) یہ لوگ (کفار مکہ) آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ کب ہوگی (کس وقت قائم ہوگی) سو اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق (یعنی آپ کو اس کی خبر نہیں کہ آپ بتلا سکیں) آپ کا مدار صرف آپ کے پروردگار کی طرف ہے (یعنی اس کا علم اللہ کو ہے کسی دوسرے کو نہیں) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں (آپ کے ڈرانے کا نفع) اس شخص کو ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو۔ جس روز یہ اس کو دیکھیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا دن کے آخری حصہ میں یا اس کے اول حصہ میں (قبروں کے اندر) ٹھہر نا ہوا ہے (یعنی ایک ہی دن کی شام صبح مراد ہے۔ اور ضحیٰ کی اضافت عشیۃ کی طرف باہم ملابست کی وجہ سے صحیح ہے کیونکہ یہ دونوں دن کے کنارے ہیں۔ اور کلمہ فاصل کی وجہ سے اضافت میں حسن آ گیا ہے۔)

تحقیق و ترکیب: .... **والنازعات**۔ ان تمام صفات کا موصوف الملائکۃ محذوف ہے۔ نزع کے معنی سختی سے کھینچنے کے ہیں۔ اور غرقا کے معنی اور زیادہ شدت کے ہیں۔ اس لئے بحذف زوائد یہ مفعول مطلق ہو جائے گا۔ یا نفوس کا اجسام میں ڈوبا ہوا ہونا مراد ہے۔

والنا شطات نشطا کے معنی کسی چیز کو نرمی سے نکالنے کے آتے ہیں۔ جیسے ڈول کنویں سے بسہولت نکالا جاتا ہے۔ نشط الدلو من البیر کہا جاتا ہے۔ ارواح مومنین کو بھی فرشتے اسی طرح نکالتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے ماثور ہے۔ **ھی الملائکۃ تنشط ارواح الکفار مابین الا ظفار والجلد حتی یخرج**۔

السابحات۔ سبح الغواص الذی یخرج الشئی من اعماق البحر۔ کہا جاتا ہے اسی طرح فرشتے احکام الٰہی نہایت تیزی سے پہنچاتے ہیں۔

السابقات۔ کفار کو دوزخ کی طرف اور مومنین کو جنت کی طرف لے کر لپکتے ہیں۔

المدبرات۔ یعنی عالم کی تدبیر و انتظامات جو فرشتے کرتے ہیں۔ روح البیان میں ہے۔ **ثم ان النفوس الشریفۃ لا یبعدان یظھو منھا اثار فی ھذا العالم سواء کانت مفارقۃ عن الا بدان او لا فتکون مدبرات فاذا کان التدبیر بید الروح وھو فی ھذا الموطن فکذا انتقل منہ الی البرزخ بل ھو بعد مفارقۃ البدن اشدتاثیر الان الجسد حجاب**

فی الجملة الا ترى ان الشمس اشد احراقا اذا لم یحجبها غیام او نحوہ ۔ یا نفوس غازیہ مراد ہیں۔جن کے یہ اوصاف بیان کئے جارہے ہیں۔یاغازیوں کے گھوڑوں کے صفات بیان کی جارہی ہیں اور یا ستاروں کی یہ کیفیات ارشاد فرمائی جارہی ہیں۔جیسا کہ قاضی بیضاویؒ نے بیان فرمایا ہے۔تدابیر کی اسناد ملائکہ یا نفوس قدسیہ وغیرہ کی طرف مجازی ہے ورنہ مدبر حقیقی حق تعالیٰ ہیں۔گویا یہ اسباب عادیہ محض عادیہ ہیں اور جواب قسم محذوف کا مخاطب مفسر علام نے کفار مکہ کو مانا ہے۔کیونکہ مومنین ان باتوں کے منکر نہیں ہیں بلکہ مقر ہیں۔اس لئے ان کے لئے قسمیہ جملوں کی حاجت نہیں ہے۔

یوم ترجف الراجفة ۔ یہ منصوب جواب قسم محذوف کی وجہ سے ہے راجفة سے مراد بھاری اجسام ہیں۔جیسے: زمین، پہاڑ، وغیرہ جو نفخہ اولیٰ میں متزلزل ہوجائیں گے۔

تتبعها الرادفة ۔ یہ حال ہے راجفة سے مراد نفخہ ثانیہ ہے اور چونکہ قیامت کا دن بڑا وسیع ہوگا۔اس لئے حال کی مقارنت صحیح ہے اور بعث کی ظرفیت بھی درست ہے۔

واجفة ۔ بمعنی شدید الا ضطراب ۔ وجیف سے ماخوذ ہے قلوب کی صفت ہے۔اس لئے قلوب باوجود نکرہ کے مبتداء اول ہے اور ابصار ها مبتداء ثانی اور خاشعة خبر ہے ابصار ها کے بعد مضاف محذوف ہے۔ ای ابصار ها اصحاب القلوب خاشعة ۔

الحافرہ ۔ پہلی حالت کی طرف پلٹنے کے معنی ہیں۔الٹے پاؤں واپس ہونا۔ رجع فلان فی حافرته ای طریقة التی جاء فیها فحفرها یہ اسناد مجازی ہے عیشة راضیة کی طرح ایک قراء حفرة بمعنی محفورۃ بھی ہے۔کہا جاتا ہے حضرۃ اسنانه وخفرت حفرا و حفرة ۔

ء اذا کنا عظاما نخرہ ۔ نخرۃ بمعنی بالیة ۔ نافعؒ، ابن عامرؒ، کسائیؒ نے اذا کنا پڑھا ہے اور حجازی ابن عامرؒ، شامیؒ، حفصؒ روحؒ کے علاوہ قراء نے ناخرۃ بھی پڑھا ہے۔لیکن صفت مشبہ ہونے کی وجہ سے پہلی قراءت ابلغ ہے۔ اذا کرۃ خاسرۃ ای ذات خسران او خسران صاحبها ۔ یہ جملہ بطور استہزاء کہیں گے۔جمہورؒ کے نزدیک اذا حرف جواب وسزا ہے اور بعض کے نزدیک کبھی اذا جواب کے لئے نہیں ہوتا اور حسن خاسرہ بمعنی کا ذبه لیتے ہیں۔

زجرۃ واحدہ ۔ اس کا تعلق محذوف عبارت سے ہے۔ ای لا تستصعبونها فما هی الا صیحة واحدة او تحسبوا تلک الکرۃ صعبة فانه هنیة سهلة فی قدرته ۔ اس سے مراد نفخہ ثانیہ ہے۔

بالساهرۃ ۔ ہموار صاف زمین کو ساہرہ کہتے ہیں گویا اس میں ریت رواں ہے عین معاهرۃ رواں پانی اور عین نائمة وہ پانی جو رواں نہ ہو یا چٹیل میدان کو ساهرہ اس لئے کہتے ہیں کہ راہرو ڈر کے مارے سوتا نہیں ہے۔اور قتادہؒ نے جہنم کا نام کہا ہے اور بعض نے شام کا ایک پہاڑ مانا ہے۔جس کو اللہ قیامت میں لوگوں کو جمع کرنے کے لئے پھیلائے گا۔اور بعض نے چاندی کی زمین مانی ہے جو اس وقت اللہ پیدا فرمائے گا۔لیکن ابن عباسؓ اور قتادہؒ مجاہدؒ اس سے روئے زمین کے معنی مراد لیتے ہیں۔جس پر سوتے جاگتے ہیں۔اور سفیان شام کی سرزمین کو۔اور بیہقی وہب بن منبہ سے بیت المقدس مراد ہونا نقل کرتے ہیں۔

هل اتاک ۔ اگر یہ بات آنحضرت ﷺ کو پہلے سے معلوم تھی تب تو هل بمعنی قد ہے ورنہ استفہام کے لئے ہے۔

اذناداہ ۔ اذ کا عامل حدیث ہے۔اتاک عامل نہیں ہے کیونکہ دونوں کا وقت ایک نہیں ہے۔

طوی ۔ وادی کا نام اس لئے طویٰ ہے کہ بنی اسرائیل کی شرارتیں یہاں ناکام ہوگئیں اور برکات نبوت یہاں اتریں اور علماء کہتے ہیں کہ یہاں تورات نازل ہونے کے بعد عذاب استیصال ختم کردیا گیا۔ایلہ اور مصر کے درمیان یہ وادی تھی۔

اذهب ۔ ای قلنا اذهب اوان اذهب ۔ چنانچہ عبداللہ کی قرأت بھی ان اذهب ہے اور یہ ان مصدریہ ہوگا۔

هل لک ۔ چونکہ اس کے معنی ادعوک ہیں اس لئے اس کے صلہ میں الیٰ صحیح ہوگیا۔

تزکی بیہقیؒ نے ابن عباسؓ سے اس کے معنی شرک سے بچنا نقل کئے ہیں یعنی کلمہ توحید کا اقرار۔

واھدیك اس کا عطف تزکی پر ہے۔ حجازیؒ اور یعقوبؒ تزکی تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ تفسیری عبارت میں اس طرف اشارہ ہے کہ شرک سے پاک صاف ہونے کے بعد ہی عرفان حاصل ہوسکتا ہے۔ پس توحید واجب بالذات اور معرفت واجب بالعرض ہوئی۔ نیز حذف مضاف کی طرف بھی اشارہ ہے۔

فتخشیٰ معلوم ہوا کہ خشیت معرفت کے بعد ہوئی ہے۔

فاراہ الایة الکبریٰ اس کا عطف محذوف پر ہے۔ ای **فذھب الیه وقال له ما ذکر فطلب منه ایته فراہ الخ** ضمیر مستتر کا مرجع حضرت موسیٰ اور ضمیر بارز کا مرجع فرعون ہے۔ جو مفعول اول ہے اراہ کا اور مفعول ثانی الایة ہے تفسیری عبارت **وھی الیدو العصا** میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے دست مبارک اور عصا میں اگر چہ رنگ کی تبدیلی دونوں میں مشترک ہے۔ لیکن عصا میں تغیر ذاتی بھی ہوجاتا تھا۔ جو زیادہ عجیب اور نشان قدرت ہے۔ گویا عصا کا سانپ بن جانا اصل معجزہ ہے اور یا کہا جائے کہ دونوں نشان مل کر ایک معجزہ تھے۔

ثم ادبر یسعیٰ ایمان سے برگشتہ ہونا مراد ہے اور یا اژدہے سے ڈر کر بھاگنا مراد ہے۔

فحشر جادوگروں کو برہان سے اور لشکریوں کو سنان سے مقابلہ کے لئے جمع کیا۔ جادوگر ستر ۷۰ اسرائیلی اور بہتر ۷۲ قبطی تھے۔

فقال انا ربکم الاعلیٰ حضرت موسیٰ نے فرعون سے جب کہا۔ **رب ارسلنی الیک فان امنت بربک تکون اربع مائة سنة فی النعیم والسرور ثم تموت فتدخل الجنة** تو فرعون نے ہامان سے مشورہ کیا۔ ہامان بولا۔ **اتصیر عبدا بعد ما کنت ربا** ۔ اس پر فرعون نے مجمع عام میں یہ اعلان کیا، یعنی تمام بتوں اور مورتیوں کے مقابلہ میں خود کو سب سے بڑا کہا۔

نکال الاخرۃ ۔ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے وہی دو کلمے مراد ہیں جو تفسیر کی عبارت میں ذکر کئے گئے ہیں۔ لیکن نکال اولیٰ سے مراد غرق اور نکال اخریٰ سے مراد عذاب دوزخ بھی ہوسکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مفعول مطلق تاکید کے لئے ہو فعل مقدر کا۔

رفع سمکھا آسمان کے دل کو سمک کہا جاتا ہے بمعنی ثخن، یا زمین سے آسمان تک بلندی مراد ہے جو پانچ سو سال ہے۔

فسوّٰھا یعنی اس کی گولائی برابر کردی ستاروں سے آراستہ کردیا۔ **سوی فلان امرہ** کے معنی مکمل طور پر درست کرنے کے ہیں۔

اغطش لیلھا . **غطش اللیل** . کے معنی اندھیرا ہونے کے ہیں اور رات آجانے کی وجہ سے اندھیرا ہوجاتا ہے۔ اس لئے اس کی طرف اضافت کردی گئی ہے۔ مفسرؒ کا اندھیرے کو ظل سا کہنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اندھیرا زمین کا ظل ہوتا ہے۔

ضحٰھا . اور سورج کی روشنی چونکہ صبح کو ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی طرف اضافت کردی گئی ہے۔

والارض بعد ذٰلك دحھا . آیت **ثم استوی الی السماء** سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین پہلے پیدا ہوئی اور اس آیت میں **بعد ذلک** سے بعد میں ہوتا معلوم ہوتا ہے۔ مفسرؒ نے اس کی توجیہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمان سے پہلے ہوئی ہے اور اس کی موجودہ ہیئت اور شکل بعد میں ہوئی۔ جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے ہے اور زمخشریؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ لیکن آیت **ھو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعا ثم استویٰ الی السماء** سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کا بچھانا بھی پہلے ہوچکا ہے۔ چنانچہ حاکم کی مرفوع روایت بھی ہے۔ **انه خلق الارض فی یوم الاحدو الاثنین وخلق الجبال والاکام فی یوم الثلثا و الاشجار فی الاربعا وخلق السماء فی الخمیس والجمعة** پہلے یہ کہنا چاہئے کہ یہاں **الارض** فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ ای **تذکرو تدبر، او اذکر الارض بعد ذلک** اور **ما اضمر عامله علی شرط التفسیر** مانا جائے تو اس میں فی نفسہ آسمان کی تخلیق کی طرف نہیں۔ بلکہ آسمان کی تخلیق کے ذکر کی طرف اشارہ ہے۔

اخرج . یہ دحو کا بیان بھی ہوسکتا ہے۔ اسی لئے حرف عطف نہیں لایا گیا۔

مرعاھا. انسانی غذا پر اس کا اطلاق مجاز مرسل ہے یعنی مقید بول کر مطلق مراد لیا گیا ہے یا استعارہ تصریحیہ ہے کہ انسانی غذا کو جانوروں کے چارہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ گویا کافر چوپاؤں کے درجہ میں ہیں۔

والجبال. ایک قراءت میں لفظ ارض اور الجبال مرفوع ہیں لیکن یہ مرجوح ہے۔ کیونکہ اس کا عطف فعلیۃ پر ہے۔

الطامۃ. صحاح میں ہے کہ ہر چیز کی زیادتی اور غلبہ مراد ہے۔ الداھیۃ العظمی التی تطم سائر الطامات اور کبریٰ سے مراد قیامت یا نفخۂ ثانیہ ہے اور یا وہ وقت ہے جس میں جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں گے۔

یتذکر الانسان. انسان اپنی غفلت سے جن اعمال کو بھول جائے گا ان کو نامہ اعمال میں مدون ومرتب پائے گا۔ یہ جملہ اذا سے بدل ہے اور ماسعی میں ما موصولہ ہے۔

وبرزت الجحیم لمن یریٰ. ایک قراءت میں بورزت معروف ہے اور یریٰ کی بجائے رای اور لمن تری ہے اور ضمیر جحیم کی طرف راجع ہے اور یا آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے یعنی آپ کفار کو ملاحظہ فرمائیں گے۔ جواب اذا محذوف ہے اور یا آئندہ جملہ تفصیلیہ جواب ہے۔

ھی الماویٰ. ای ھی ماواہ الف لام اور اضافت کے قائم مقام ہے۔ اہل کوفہ کے نزدیک اور بصریوں کے نزدیک ھی الماویٰ لہ اصل ہے اور ھی ضمیر فعل یا مبتداء ہے۔

فان الجنۃ. تفسیری عبارت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اما تفصیلیہ نہیں ہے بلکہ محض تاکید کے لئے ہے۔ تاہم اس میں تکلف ہے بہتر یہی ہے کہ جواب محذوف مانا جائے۔

مرساھا. مرسی السفینۃ کے معنی کشتی کے منتہیٰ اور مستقر کے ہیں۔ مرسیٰ مصدر بمعنی ارساء ہے۔

فیم انت. خبر مقدم مبتداء مؤخر ہے اور من ذکراھا کا تعلق وھی ہے جو خبر متعلق ہے۔ استفہام انکاری ہے۔ ای ما انت من ذکراھا لھم وتبیین وقتھا فی شئی ولیس لک علم بھا حتی تخبر ھم بہ.

ذکریٰ. بمعنی ذکر جیسے بشریٰ بمعنی بشارۃ اور بعض کے نزدیک فیم سے ان کے سوال کا انکار ہے۔ اور انت من ذکراھا جملہ مستانفہ ہے ای انت ذکر من ذکراھا. یعنی آپ چونکہ خاتم الانبیاء ہیں۔ اس لئے علامت قیامت ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ اس کا تعلق کفار کے سوال سے ہے۔ بہرصورت الیٰ ربک منتھا ھا اس کا جواب ہے۔ اس صریح آیت کے بعد یہ کہنا آنحضرت ﷺ کو تمام مغیبات کا علم ہو گیا تھا کس طرح درست ہے؟ چنانچہ انما انت منذر سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے کیونکہ انذار کا حصر اسی وقت صحیح ہوگا جب کہ علم یقینی کی نفی ہو اور انذار میں یقین کو دخل بھی نہیں ہے۔ منذر کو اس کا علم ہوئے بغیر بھی انذار ہو سکتا ہے۔ یقین کے علم پر انذار موقوف نہیں ہے۔

من یخشاھا. صاحب خشیت کی تخصیص بلحاظ نفع کے ہے۔ ابوعمرؒ منذر تنوین کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ لیکن اصل یہی ہے کہ اسم فاعل جب کہ بمعنی حال ہو تو عامل مانا جائے اضافت نہ مانی جائے۔ البتہ ابوحیانؒ کہتے ہیں کہ اسماء میں اضافت اصل ہے۔ اور ان کا عامل ہونا مضارع کی مشابہت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

الا عشیۃ. نصب اور تنوین کے ساتھ ہے مضاف الیہ یعنی نوم کے عوض ہیں۔

او ضحاھا. ای ضحی العشیۃ. ایک ظرف کی اضافت دوسرے ظرف کی ضمیر کی طرف مجازی ہے باہمی ملابست کی وجہ سے۔ رہا یہ شبہ کہ ضحیٰ تو یوم کا ہوا کرتا ہے نہ کہ عشیۃ کا پھر ضحیٰ کی اضافت عشیۃ کی طرف کیسی؟ مفسرؒ نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ای عشیۃ یوم یعنی یوم منصوب ہے عشیۃ کی تفسیر ہونے کی وجہ سے اور چونکہ عشیۃ اور ضحیٰ دونوں ایک ہی دن کے ہیں۔ اس لئے دونوں میں ملابست کی وجہ سے ایک دوسرے کی طرف اضافت صحیح ہو گئی۔ اگر بلا اضافت ذکر کیا جاتا تو ممکن تھا کہ صبح شام الگ الگ دن کے

صبح شام مراد ہوتے۔ یا عشیۃ سے مراد ایک مستقل دن اور ضحیٰ سے مراد ایک مستقل دن ہوتا۔ تسمیۃ الکل باسم الجزء کے طریقہ پر۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں خلاف منشاء ہوتیں اور چونکہ دوسری آیات پر الف آ رہا ہے۔ اس لئے ضحیٰ کی اضافت سے حسن پیدا ہو گیا ہے۔

ربط آیات: ....سورہ نباء کی طرح اس سورت میں بھی کچھ واقعات اور ء انتم اشد الخ میں امکان عذاب اور ھل اتک الخ میں منکرین کے لئے تخویف ہے اور ان کی تکذیب پر آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے۔

شان نزول: .... بقول ابن عباسؓ یہ سورہ نباء کے بعد نازل ہوئی۔ پس اس کے مضمون سے اس کے ابتدائی زمانہ کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... والنازعات میں ان فرشتوں کی قسم کھائی جا رہی ہے جو کفار کی رگوں میں گھس کر ان کی جان سختی سے گھسیٹ کر نکال لیتے ہیں اور والناشطات میں ان فرشتوں کی قسم کا ذکر ہے۔ جو مومن کے جسم سے جان کی گرہ کھول دیتے ہیں کہ پھر وہ اپنی خوشی سے عالم بالا کی طرف دوڑتے ہیں۔ یعنی نیک تو خوشی سے عالم قدس کی طرف دوڑتا ہے اور بد، بد کتا اور بھاگتا ہے۔ اور گھسیٹا جاتا ہے۔

والسابحات میں ان فرشتوں کی قسم ہے جو مقربین کی ارواح کو لے کر آسمان کی طرف بسرعت تیرتے ہیں۔ پھر ان ارواح کے بارے میں جو حکم ہوتا ہے اس کے امتثال کے لئے بڑی تیزی سے لپکتے ہیں اور دوڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔

فالمدبرات امرا۔ میں ان فرشتوں کا ذکر ہے جو نیک و بد ارواح کے سلسلہ میں تدبیر و انتظام میں لگ جاتے ہیں اور ظاہر یہی معنی ہیں۔ لیکن مطلق فرشتے بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ جو تکوینی تدابیر و انتظام میں مصروف رہتے ہیں۔ نازعات وغیرہ الفاظ کی تشریحات علماء نے اور طرح بھی کی ہے۔ بہر حال فرشتوں کے یہ احوال قیامت و بعث سے تعلق رکھتے ہیں۔ راجفہ سے مراد پہلا بھونچال۔ نفخہ اولیٰ ہے اور رادفہ سے یکے بعد دیگرے مسلسل بھونچال مراد ہیں۔

یا نفخہ ثانیہ جب کہ دل مارے دہشت کے دھڑکتے ہوں گے اور آنکھیں مارے ذلت وندامت کے جھکی پڑیں گی۔ اور زبان سے یہ کہتے جائیں گی۔ یہ قبر کے گڑھے میں پہنچ کر کیا پھر ہم الٹے پاؤں زندگی کی طرف لوٹائے جائیں گے؟ ہم تو نہیں سمجھتے کھوکھری ہڈیوں میں دوبارہ جان پڑ جائے گی۔ ایسا ہوا تو ہمارے لئے بڑے خسارہ اور ٹوٹے کی بات ہوگی۔ پھر تو ہماری خیر نہیں کیونکہ ہم نے اگلی زندگی کے لئے کوئی سامان نہیں کیا۔ کفار کا یہ کہنا مسلمانوں کے اس خیال کا مذاق اڑانے کے لئے ہے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی ہے اور یہ اس زندگی کو ناممکن سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے نزدیک کچھ مشکل نہیں۔ یہ سب کام ایک دم کے ہیں۔ جہاں ایک ڈانٹ پلائی یعنی صور پھونکا۔ اسی دم سب اگلے پچھلے میدان حشر میں کھڑے دکھائی دیں گے۔

اللہ کی ایک جھڑکی: .... ھل اتک الخ آگے اللہ کی ایک ڈانٹ اور جھڑکی کا ذکر ہے۔ جو فرعون جیسے متکبر کو دی گئی۔ یا منکروں کو سنانا ہے کہ دیکھو تم سے پہلے بڑے سے بڑے منکروں کا انجام کیا ہوا؟ اور اس میں آنحضرت ﷺ کے لئے بڑی تسلی بھی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ جب فرعون کے پاس فہمائش کرنے پہنچے۔ تو اس سے فرمایا کہ اگر تو اپنا بھلا چاہتا ہے اور کچھ سنوارنے کا ارادہ رکھتا ہے تو میں تیری رہنمائی کر سکتا ہوں۔ جس سے تیرے دل میں اللہ کا ڈر اور اس کی کامل معرفت حاصل ہو جائے۔ اس لئے کہ کامل معرفت کے بغیر خوف وخشیت نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کا مقصد صرف بنی اسرائیل کو آزاد کرانا ہی نہیں تھا۔ بلکہ بڑا مقصد فرعون کی اصلاح بھی تھی۔ اسی سلسلہ میں عصا اور ید بیضا کا معجزہ بھی دکھلایا تا کہ اتمام حجت ہو جائے۔ مگر وہ ملعون کہاں ماننے والا تھا؟ لوگوں کو جمع کرنے اور جادوگروں سے حضرت موسیٰ کا مقابلہ کرنے کے لئے چلا اور زور داری سے اعلان کیا کہ سب سے بڑا

رب تو میں ہوں۔ پھر موسیٰ کس کا بھیجا ہوا آیا ہے؟ فرعون کا خود کو اعلیٰ کہنا قید احترازی کے طور پر نہیں۔ کہ دوسرے غیر اعلیٰ رب کا ہونا لازم آئے۔ بلکہ بطور مدح قید واقعی کے درجہ میں بڑھایا ہے۔ بس اس نعرہ کا نکلنا تھا کہ اس کی سرزنش کا پورا انتظام ہو گیا۔ جس نیل کا اس کو ناز تھا اسی میں اس کو ڈبو دیا گیا اور آخرت کا عذاب الگ رہا۔ کسی کے دل میں ڈر ہو تو اس کے لئے اس واقعہ میں بڑی عبرت و نصیحت کی باتیں ہیں اسی درمیانی قصہ کے بعد۔

قیامت کے ہونے میں آخر کیا تردد ہے:............ أأنتم اشد الخ سے سابقہ مضمون قیامت پر شروع ہو گیا۔ یعنی تمہارا پیدا کرنا اور وہ بھی دوسری مرتبہ آسمان، زمین، پہاڑوں کے پیدا کرنے سے زیادہ مشکل نہیں ہے۔ جب اتنی بڑی چیزوں کا پیدا کرنے والا اس کو مانتے ہو۔ پھر اپنے دوبارہ پیدا ہونے میں کیا تردد ہے؟ آسمان ہی کو لے لو۔ کتنا بڑا، اونچا، مضبوط، صاف، ہموار اور کس درجہ مرتب و منظم ہے؟ کس درجہ باقاعدگی اور زبردست انتظام کے ساتھ اس نئے سورج کی رفتار سے رات دن کا سلسلہ قائم ہے۔ رات کی اندھیری میں اس کا سماں کچھ اور ہے اور دن کے اجالے میں اس کی شان کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ قیامت کے استبعاد کا یہ عقلی جواب ہے اور نقلی جواب پہلے گزر چکا ہے۔ اور ان بڑی چیزوں کا پیدا کرنا فی نفسہ سخت ہے۔ ورنہ اللہ کی قدرت کے لحاظ سے سب یکساں ہیں اور اصل استدلال اگرچہ آسمان کی پیدائش سے ہے۔ لیکن زمین کو بھی اس لئے شامل کر دیا کہ اس کے سب احوال ہمہ وقت پیش نظر رہتے ہیں۔ پھر وہ آسمان سے کم سہی۔ مگر انسان کی پیدائش سے بہر حال اشد ہے۔

امام راغبؒ کی تحقیق:............ امام راغبؒ نے وحی کے معنی کسی چیز کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا دینے کے لکھے ہیں۔ پس اس سے، اس تحقیق میں مدد مل سکتی ہے جو جدید نظریہ کے مطابق یہ ہے کہ زمین اصل میں کسی بڑے آسمانی جرم کا ایک حصہ ہے جو اس سے الگ ہو گیا ہے۔

متاعًا لکم. یعنی ان تمام چیزوں کو پیدا کرنا تمہاری حاجت روائی اور راحت رسانی کے لئے ہے۔ ورنہ تمہارا اور تمہارے جانوروں کا کام کیسے چلے؟ اس سے جہاں تمہیں شکر گزاری کا موقع ملتا ہے وہیں اس بات کی شہادت ہے کہ وہ تمہاری بوسیدہ ہڈیوں میں دوبارہ روح پھونک سکتا ہے۔

فاذا جاء ت التامة۔ قیامت کے بڑے ہنگامہ میں تمہارا سب کیا کرایا سامنے آ جائے گا۔ اگر ابھی تیاری نہ کر لی تو پھر پچھتانا پڑے گا۔ اور دوزخ اس طرح منظر عام پر آ جائے گی کہ دیکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہ جائے گی اور جس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہو گی اور دنیا میں کھو کر آخرت کو فراموش کر دیا ہو گا تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہو گی۔ ہاں مگر جو اس بات سے ڈرا کہ مجھے ایک روز حساب کے لئے اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اس ڈر سے نفس کی لگام تھامے رہا۔ اسے بے قابو ہونے نہیں دیا۔ نہ اس کے تابع رہا۔ بلکہ اس کو اللہ کے تابع رکھا تو اس کا مقام جنت کے سوا کہاں ہو سکتا ہے؟

یسئلونك. منکرین قیامت کی گھڑی پوچھتے ہیں؟ اس کا ٹھیک ٹھیک وقت اللہ کے سوا کس کو معلوم؟ یہ آپ کا کام نہیں آپ تو قیامت کی خبر سنا کر لوگوں کو ڈرایئے۔ اب جس کے دل میں کچھ خوف ہو گا یا اس کی استعداد ہو گی وہ سن کر ڈرے گا اور ڈر کر تیاری کر لے گا۔ یہ تخصیص محض نتیجہ اور ثمرہ کے لحاظ سے ہے۔ ورنہ نااہل تو انجام سے غافل ہو کر ابھی اسی بحث میں لٹکے ہوئے اور الجھے ہوئے ہیں کہ قیامت کس گھڑی اور کس ساعت میں آئے گی۔

خلاصۂ کلام:............ اس سورت میں قیامت اور مرنے کے بعد کی زندگی اور اس سے متعلق کچھ احوال کا بیان ہے۔ نیز یہ کہ اللہ اور اسکے رسول کو جھٹلانے کا کیا انجام ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ روح قبض کرنے والے فرشتوں کی قسم کھا کر یقین دلایا گیا ہے کہ قیامت ضرور واقع ہو گی اور مرنے کے بعد والی زندگی ضرور پیش آ کر رہے گی۔ کیونکہ جن فرشتوں کے ہاتھوں آج جان نکالی جاتی ہے ان ہی کے ہاتھوں

دوبارہ جان ڈالی بھی جاسکتی ہے اور جو فرشتے آج اس عالم کا انتظام سنبھالے ہوئے ہیں۔ وہی فرشتے کل اسی کے حکم سے کائنات کا یہ نظام درہم برہم کر کے ایک دوسرا نظام بھی قائم کر سکتے ہیں۔ یہ فرشتے اگرچہ نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ پھر آگے یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ کام جسے تم ناممکن سمجھتے ہو اللہ کے لئے کیا مشکل ہے؟ کہ اس کے لئے کسی بڑی تیاری کی ضرورت پڑے۔ بس ایک جھٹکے سے یہ سارا نظام لپٹ جائے گا اور دوسرے جھٹکے میں تم یکا یک دوسری زندگی میں آ جاؤ گے۔ اس وقت انکار کرنے والے خوف سے کانپ رہے ہوں گے اور سہمی ہوئی نگاہوں سے وہ سب کچھ دیکھ رہے ہوں گے جس کو ان ہونی بات سمجھتے تھے۔

پھر حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ مختصر بیان کر کے رسول کو جھٹلانے والوں اور ہدایت سے روگردانی کرنے والوں اور اپنی چالاکیوں اور سازشوں کا تانابانا بننے والوں کو چونکایا گیا ہے کہ تم اپنی اس روش سے باز آ جاؤ۔ ورنہ تمہیں بھی یہ روز بد دیکھنا پڑے گا۔

اس کے بعد پھر دوبارہ زندہ ہونے کے دلائل کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ارشاد ہے کہ تمہیں دوبارہ پیدا کرنا زیادہ سخت کام ہے یا اس عظیم کائنات کو جو آسمان، زمین، پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ جس خدا کے لئے یہ کام مشکل نہیں اس کے لئے تمہاری دوبارہ پیدائش آخر کیوں مشکل ہوگی؟ اس کے بعد اس سروسامان کی طرف توجہ پھیر دی گئی ہے۔ جو دنیا میں انسان وحیوان کی زندگی کے لئے فراہم کیا گیا ہے۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز بڑی حکمت کے ساتھ کسی نہ کسی مقصد کے لئے بنائی گئی ہے۔ پس کیا اس حکیمانہ نظام میں انسان جیسی برتر مخلوق کو ذمہ داریاں اور اختیارات سونپ کر یہ زیادہ شایان عقل معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اختیارات کے استعمال کا محاسبہ کیا جائے یا اس کو یوں ہی شتر بے مہار چھوڑ دیا جائے کہ وہ زمین میں کھا پی کر اور ہر طرح کے کام کر کے یونہی مر گل کر ختم ہو جائے اور اس سے کچھ حساب نہ لیا جائے؟ اس سوال پر بحث کرنے کی بجائے آئندہ آیات میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جب آخرت برپا ہوگی تو انسان کے دائمی اور ابدی مستقبل کا فیصلہ اس بنیاد پر ہوگا کہ کس نے دنیا میں بندگی کی بجائے خدا سے بغاوت وسرکشی کی اور دنیا ہی کی لذتوں اور فائدوں کو مقصود بنالیا۔ اور کس نے اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا اور نفس کی بری خواہشات سے بچا۔ جو شخص ضد اور ہٹ دھرمی سے پاک ہو کر ایمانداری کے ساتھ غور کرے گا۔ اسے خود بخود اوپر کے سوال کا جواب مل جائے گا۔ کیونکہ عقل ومنطق اور اخلاق کی رو سے انسان کو ذمہ داریاں سپرد کرنے کا مطلب یہی ہے کہ آخر کار اس سے محاسبہ کیا جائے اور اسے سزا یا جزا کا مستحق گردانا جائے۔ آخر میں کفار کے اس سوال کا جواب ہے کہ قیامت کب آئے گی؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس بات کا تعلق پیغمبر سے کچھ نہیں ہے۔ اس کا کام تو صرف خبردار کر دینا ہے کہ وہ وقت ضرور آئے گا۔ اس بات میں کوئی اہمیت نہیں کہ کب آئے گا۔ اہمیت اس کی ہے کہ تم نے تیاری کیا کی ہے؟ جس کا جی چاہے اس سے ڈر کر اپنی روش درست کر لے اور جس کا جی چاہے یونہی وقت گنوا دے۔ وقت جب آئے گا تو وہی لوگ جو اس دنیا کی زندگانی پر مر مٹتے تھے۔ اور اسی کو سب کچھ سمجھتے تھے۔ وہ محسوس کریں گے کہ دنیا میں وہ صرف گھڑی بھر ٹھہرے تھے۔ اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ اس چند روزہ زندگی کی خاطر انہوں نے کس طرح ہمیشہ کے لئے اپنا مستقبل برباد کر لیا۔

فضائل سورت:............ من قرا سورة النازعات كان فيمن حبسه الله فى القبر وفى القيامة حتى يدخل الجنة قدر صلوٰة المكتوبة ۔ فرمایا کہ جو نازعات پڑھے گا اللہ اسے جنت میں داخل ہونے تک برزخ اور قیامت میں صرف ایک فرض نماز کی مقدار محبوس رکھے گا۔ (یہ حدیث موضوع ہے۔)

لطائف سلوک:............ واما من خاف الخ اس میں نفس کو خلاف شرع کاموں اور خواہشات سے روکنے کی فضیلت ظاہر کی ہے۔

سُــوْرَةُ عَبَسَ

سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ اِثْنَانِ وَاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

عَبَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَحَ وَجْهَهٗ **وَتَوَلّٰى**﴿۱﴾ اَعْرَضَ لِاَجْلِ **اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى**﴿۲﴾ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فَقَطَعَهٗ عَمَّا هُوَ مَشْغُوْلٌ بِهٖ مِمَّنْ يَّرْجُوْ اِسْلَامَهٗ مِنْ اَشْرَافِ قُرَيْشٍ الَّذِيْ هُوَ حَرِيْصٌ عَلٰى اِسْلَامِهِمْ وَلَمْ يَدْرِ الْاَعْمٰى اَنَّهٗ مَشْغُوْلٌ بِذٰلِكَ فَنَادَاهُ عَلِّمْنِيْ مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ فَانْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى بَيْتِهٖ فَعُوْتِبَ فِيْ ذٰلِكَ بِمَا نَزَلَ فِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ فَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ يَقُوْلُ لَهٗ اِذَا جَاءَ مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبَنِيْ فِيْهِ رَبِّيْ وَيَبْسُطُ لَهٗ رِدَاءَهٗ **وَمَا يُدْرِيْكَ** يُعْلِمُكَ **لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى**﴿۳﴾ فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الزَّايِ اَيْ يَتَطَهَّرُ مِنَ الذُّنُوْبِ بِمَا يَسْمَعُ مِنْكَ **اَوْ يَذَّكَّرُ** فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الذَّالِ اَيْ يَتَّعِظُ **فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى**﴿۴﴾ اَلْعِظَةُ الْمَسْمُوْعَةُ عَنْكَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِنَصْبِ تَنْفَعَهٗ جَوَابُ التَّرَجِّيْ **اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى**﴿۵﴾ بِالْمَالِ **فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى**﴿۶﴾ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَشْدِيْدِ الصَّادِ بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْاَصْلِ فِيْهَا تُقْبِلُ وَتَتَعَرَّضُ **وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى**﴿۷﴾ يُؤْمِنَ **وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى**﴿۸﴾ حَالٌ مِنْ فَاعِلِ جَاءَ **وَهُوَ يَخْشٰى**﴿۹﴾ اللّٰهَ حَالٌ مِنْ فَاعِلِ يَسْعٰى وَهُوَ الْاَعْمٰى **فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى**﴿۱۰﴾ فِيْهِ حُذِفَ التَّاءُ الْاُخْرٰى فِي الْاَصْلِ اَيْ تَتَشَاغَلُ **كَلَّآ** لَاتَفْعَلْ مِثْلَ ذٰلِكَ **اِنَّهَا** اَيِ السُّوْرَةَ اَوِ الْاٰيَاتِ **تَذْكِرَةٌ**﴿۱۱﴾ عِظَةٌ لِّلْخَلْقِ **فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ**﴿۱۲﴾ حَفِظَ ذٰلِكَ فَاتَّعَظَ بِهٖ **فِيْ صُحُفٍ** خَبَرٌ ثَانٍ لِاَنَّهَا وَمَاقَبْلَهٗ اِعْتِرَاضٌ **مُّكَرَّمَةٍ**﴿۱۳﴾ عِنْدَاللّٰهِ تَعَالٰى **مَّرْفُوْعَةٍ** فِي السَّمَاءِ **مُّطَهَّرَةٍ**﴿۱۴﴾ مُنَزَّهَةٍ عَنْ مَسِّ الشَّيَاطِيْنِ **بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ**﴿۱۵﴾ كَتَبَةٍ يَّنْسِخُوْنَهَا مِنَ اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ **كِرَامٍ بَرَرَةٍ**﴿۱۶﴾ مُطِيْعِيْنَ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَهُمُ الْمَلَا ئِكَةُ **قُتِلَ الْاِنْسَانُ** لُعِنَ الْكَافِرُ **مَآ اَكْفَرَهٗ**﴿۱۷﴾ اِسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ اَيْ مَاحَمَلَهٗ عَلَى الْكُفْرِ **مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ**﴿۱۸﴾ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ ثُمَّ بَيَّنَهٗ

فَقَالَ **مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ**﴿۱۹﴾ عَلَقَةً ثُمَّ مُضْغَةً اِلٰى اٰخِرِ خَلْقِهٖ **ثُمَّ السَّبِيْلَ** اَىْ طَرِيْقَ خُرُوْجِهٖ مِنْ بَطْنِ اُمِّهٖ **يَسَّرَهٗ**﴿۲۰﴾ **ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ**﴿۲۱﴾ جَعَلَهٗ فِىْ قَبْرٍ يَّسْتُرُهٗ **ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ**﴿۲۲﴾ لِلْبَعْثِ **كَلَّا** حَقًّا **لَمَّا يَقْضِ** لَمْ يَفْعَلْ **مَآ اَمَرَهٗ**﴿۲۳﴾ بِهٖ رَبُّهٗ **فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ** نَظَرَ اِعْتِبَارٍ **اِلٰى طَعَامِهٖ**﴿۲۴﴾ كَيْفَ قُدِّرَ وَدُبِّرَ لَهٗ **اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ** مِنَ السَّحَابِ **صَبًّا**﴿۲۵﴾ **ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ** بِالنَّبَاتِ **شَقًّا**﴿۲۶﴾ **فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا**﴿۲۷﴾ كَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ **وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا**﴿۲۸﴾ هُوَ الْقَتُّ الرَّطْبُ **وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا**﴿۲۹﴾ **وَحَدَآئِقَ غُلْبًا**﴿۳۰﴾ بَسَاتِيْنَ كَثِيْرَةِ الْاَشْجَارِ **وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا**﴿۳۱﴾ مَا تَرْعَاهُ الْبَهَائِمُ وَقِيْلَ التِّبْنُ **مَّتَاعًا** مُتْعَةً اَوْ تَمْتِيْعًا كَمَا تَقَدَّمَ فِى السُّوْرَةِ قَبْلَهَا **لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ**﴿۳۲﴾ تَقَدَّمَ فِيْهَا اَيْضًا **فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ**﴿۳۳﴾ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ **يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ**﴿۳۴﴾ **وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ**﴿۳۵﴾ **وَصَاحِبَتِهٖ** زَوْجَتِهٖ **وَبَنِيْهِ**﴿۳۶﴾ يَوْمَ بَدَلٌ مِّنْ اِذَا وَجَوَابُهَا دَلَّ عَلَيْهِ **لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ**﴿۳۷﴾ حَالٌ يَّشْغَلُهٗ عَنْ شَاْنِ غَيْرِهٖ اَىْ اِشْتَغَلَ كُلُّ وَاحِدٍ بِنَفْسِهٖ **وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ**﴿۳۸﴾ مُضِيْئَةٌ **ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ**﴿۳۹﴾ فَرِحَةٌ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ **وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ**﴿۴۰﴾ غُبَارٌ **تَرْهَقُهَا** تَغْشَاهَا **قَتَرَةٌ**﴿۴۱﴾ ظُلْمَةٌ وَسَوَادٌ **اُولٰٓئِكَ** اَهْلُ هٰذِهِ الْحَالَةِ **هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ**﴿۴۲﴾ اَىِ الْجَامِعُوْنَ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْفُجُوْرِ

سورہ عبس مکیہ ہے جس میں ۴۲ آیات ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ: .... چیں بہ جبیں ہوگئے (پیغمبر ﷺ کی پیشانی پر بل آ گئے) اور منہ پھیرلیا (رخ موڑ لیا، اس بناء پر کہ) جب ان کے پاس نابینا حاضر ہوا (عبداللہ بن ام مکتوم، جن کے آنے سے آپ کی اس توجہ میں خلل پڑا جو آپ اشراف قریش سے اسلام قبول کرنے کی توقع میں صرف فرما رہے تھے اور آپ ان کے مسلمان ہو جانے کے لئے کوشاں تھے حالانکہ نابینا کو آپ کی اس مشغولیت کی خبر نہیں تھی اس لئے عرض گزار ہوئے کہ حضور مجھے احکام الٰہی سکھلایئے۔ حضور ﷺ اٹھ کر مکان میں تشریف لے گئے۔ اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا گیا ہے جو اس سورت میں عتاب نازل ہوا۔ چنانچہ اس کے بعد جب بھی وہ نابینا حاضر خدمت ہوتے تو آپ یہ فرما کر خیر مقدم فرماتے کہ مرحبا ہو تمہاری وجہ سے حق تعالیٰ نے مجھے سرزنش فرمائی اور اپنی چادر ان کے لئے بچھا دیا کرتے) اور آپ کو کیا خبر (پتہ) شاید کہ وہ سنور جاتا (یزکی کی اصل میں تا تھی جو زا میں ادغام ہوگئی۔ یعنی آپ کا ارشاد سن کر ممکن تھا کہ وہ برائیوں سے پاک صاف ہو جاتا) یا نصیحت قبول کر لیتا (یذکر اس کی اصل میں تا تھی جس کو ذال میں ادغام کر دیا گیا۔ یعنی وعظ حاصل کر لیتا) سو اس کو نصیحت کرنا فائدہ مند ہوتا (یعنی آپ کے وعظ سے نفع ہوتا۔ ایک قرات میں فتنفعه کا نصب جواب ترجی کے طور پر ہے) جو شخص کہ (مال کی وجہ سے) بے پروائی کرتا ہے آپ اس کی فکر میں پڑ رہے ہیں (ایک قراءت میں تصدیٰ میں صاد کی تشدید ہے اس کی اصل میں تائے ثانیہ کا ادغام ہو رہا ہے یعنی آپ اس کی طرف توجہ فرما رہے ہیں) حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ سنورے (ایمان لائے) اور جو شخص آپ کی خدمت میں دوڑتا ہوا آتا ہے (جاء کے فاعل سے حال ہے) اور وہ ڈرتا ہے (اللہ تعالیٰ سے۔ یہ حال ہے فاعل یسعیٰ سے

اس سے مراد نابینا ہیں) سو آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں (اس کی اصل سے دوسری تاء کو حذف کر دیا گیا ہے یعنی آپ بے التفاتی کرتے ہیں) ہرگز ایسا نہ کیجئے (اس قسم کی باتوں سے احتراز کیجئے) بلاشبہ (یہ سورت یا آیات) نصیحت کی چیز ہے (مخلوق کے لئے موعظت ہے) سو جس کا جی چاہے قبول کرلے (اس کو محفوظ کر کے فائدہ اٹھائے) وہ ایسے صحیفوں میں ہے (ان کی یہ خبر ثانی ہے اور اس سے پہلے جملہ معترضہ ہے۔ اللہ کے یہاں) جو مکرم ہیں بلند مرتبہ ہیں (آسمان میں) مقدس ہیں (شیطان کی پہنچ سے پاک) جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں (جو لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں) کہ وہ مکرم نیک ہیں (اللہ کے فرمانبردار فرشتے) آدمی (کافر) پر خدا کی مار کہ وہ کیسا ناشکرا ہے (استفہام توبیخ کے لئے ہے یعنی کس وجہ سے وہ ناشکرا ہو گیا) اللہ تعالیٰ نے اس کو کیسی چیز سے پیدا کیا استفہام تقریر کے لئے، پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ) نطفہ سے، اس کی صورت بنائی، پھر اس کو انداز سے بنایا (اول جما ہوا خون، پھر گوشت کی بوٹی ۔ یہاں تک کہ بناوٹ پوری کر دی) پھر اس کا رستہ (ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کا) آسان کر دیا۔ پھر اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں لے گیا (قبر میں ڈال کر چھپا دیا) پھر جب اللہ چاہے گا تو (قیامت کے لئے) دوبارہ اس کو زندہ کر دے گا، ہرگز نہیں (یقیناً) جو اس کو حکم دیا گیا تھا (اللہ کی طرف سے) اس کو بجا نہیں لایا (پورا نہیں کیا) سو انسان کو چاہئے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر (عبرت) کرے کہ (کس طرح اس کے لئے بندوبست اور انتظام کیا ہے) ہم نے عجب طور پر (بادل سے) پانی برسایا، پھر عجب طور پر (سبزی اگا کر) پھاڑا۔ پھر اس میں غلہ (گیہوں، جو) اور انگور اور سبزی (تازہ ترکاری) اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ (جس میں گھنے درخت ہوں) اور میوے اور چارہ پیدا کیا (جس کو جانور کھاتے ہیں اور بعض کے نزدیک بھوسا مراد ہے) فائدہ کے لئے (متاعاً بمعنی متعة یا بمعنی تمتیعاً ہے جیسا کہ اس سے پہلی سورت میں بیان ہو چکا ہے) تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے (جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے) پھر جب کانوں کو بہرا کر دینے والا شور برپا ہوگا (نفخہ ثانیہ) جس روز ایسا آدمی اپنے بھائی، ماں باپ، اپنی بیوی، اولاد سے بھاگے گا (یوم بدل ہے اذا کا۔ اس کے جواب پر اگلا جملہ دلالت کر رہا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنی مصروفیت ہوگی جو اس کو دوسری طرف متوجہ ہونے کی مہلت نہیں دے گی (یعنی ہر ایک کو ایسی حالت درپیش ہوگی جو دوسری طرف متوجہ نہیں ہونے دے گی۔ ہر شخص اپنے بکھیڑے میں پھنسا ہوگا) بہت سے چہرے اس روز روشن (چمکتے ہوئے) خنداں، شاداں ہوں گے (خوش بخوش یعنی مومنین) اور بہت سے چہروں پر اس روز دھول (گرد) پڑی ہوگی، ان پر کدورت (ظلمت اور سیاہی) چھائی ہوگی یہی لوگ (جو اس حالت والے ہوں گے) کافر، فاجر ہیں (یعنی کفر و گناہ دونوں کے حامل ہوں گے۔

تحقیق وترکیب: ....**عبس**۔ آنحضرت ﷺ کو خطاب کی بجائے ضمائر غائبہ سے مخاطبت میں جو اکرام آمیز ناگواری ہے اس کا لطف ظاہر ہے۔ ایک قراءت عبّس کی تشدید کے ساتھ مبالغہ کے لئے ہے۔

ان جاءہ۔ مفسرؒ نے اس سے پہلے لاجل نکال کر اشارہ کر دیا کہ **عبس و تولی** دونوں فعلوں کا تنازع ہو رہا ہے اور ان جاءہ بتقدیر اللام تولی کی علت ہے بقول بصریین۔ البتہ کوفیوں کے نزدیک عبس کی علت ہے اور ایک قراءت میں أأن دو ہمزہ اور درمیان کے الف کے ساتھ ہے اور **اعمیٰ** لانے میں عبداللہ کے معذور اور قابل ہمدردی ہونے کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ نابینا ہونے کی وجہ سے آپ نے لائق التفات نہیں سمجھا۔

وما یدریك۔ اس میں غائب سے خطاب کی طرف التفات ہے۔ ناگواری میں قدرے اضافہ کے لئے۔ **ما** استفہامیہ ہے اور **یدریک** جملہ خبر ہے۔ **کاف** مفعول اول اور جملہ ترجی مفعول ثانی کے قائم مقام ہے۔ اور ترجی کا تعلق اعمیٰ سے کرنا مناسب ہے۔ آنحضرت ﷺ سے متعلق کرنا شایان شان نہیں ہے۔ اور بعض نے کافر کی طرف ضمیر راجع کی ہے۔ یعنی آپ اس کی ہدایت کی فکر

میں لگے ہوئے ہیں۔ کیا معلوم وہ ہدایت قبول بھی کر لے گا۔ قرأت عام میں تنفعه مرفوع ہے یذکر پر عطف کرتے ہوئے۔ لیکن عاصم لعل کا جواب مانتے ہوئے منصوب پڑھتے ہیں۔

تصدی. اکثر قراء کے نزدیک ایک تاء کے ساتھ ہے۔ لیکن نافع، ابن کثیرؒ کے نزدیک تشدید کے ساتھ ہے اور ایک قراءت میں تُصَدّٰی ہے۔

وما علیک الایزکی. یعنی کافر اگر اسلام نہیں لاتا تو آپ پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ پھر کیوں اس کی فکر میں پڑے ہو۔

یخشی. اللہ سے ڈرنا مراد ہے یا کفار کا خوف یا راستہ کی مشکلات سے گھبرانا مراد ہے۔

فانت عنه تلھٰی. الفاظ تصدی وتلھی میں اس طرف اشارہ ہے کہ محض امراء کی طرف التفات منشاء عتاب نہیں۔ بلکہ دل سے ان کی طرف جھکنا اور غریب سے بے اعتنائی قابل تنبیہ ہے۔

کلا. چنانچہ اس کے بعد آپ ہمیشہ محتاط رہے۔

انها تذکرة فمن شاء ذکره. دونوں ضمیریں قرآن یا مذکورہ عتاب کی طرف بھی ہوسکتی ہے۔ پہلی ضمیر کا مؤنث ہونا خبر کے مؤنث ہونے کی وجہ سے ہوگا۔

فی صحف. ان کی خبر ثانی ہے یا محذوف کی خبر ہے اور صحف سے انبیاء سابقین کے صحیفے مراد ہیں یا فرشتے جو لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں اور فمن شاء ذکره جملہ معترضہ ہے جس پر بقول صاحب تلویح فا داخل کرنا بھی جائز ہے۔ لیکن علامہ زمخشریؒ بھی اس کو صحیح نہیں مانتے ہیں اور جملہ مستانفہ کہتے ہیں۔ حالانکہ سورہ نحل کی آیت فاسئلوا اهل الذکر کو جملہ معترضہ کہہ رہے ہیں۔

سفرة. یہ سافر کی جمع ہے جیسے کاتب کی جمع کتبة آتی ہے۔ سفرت بین القوم اسفر سفارة بمعنی اصلحت بینهم. اسفرة المراة ای کشفت نقابها اور مختار میں ہے کہ سفر الکتاب ای کتبه. ضرب سے آتا ہے۔ انبیاء یا ملائکہ یا امت کے افراد مراد ہیں۔

کرام بررة. کرامت بمعنی توقیر۔ یعنی اللہ کے نزدیک محترم اور مومنین پر مہربان۔ اور بررة جمع بار کی ہے: جیسے کافر و ساحر، فاجر کی جمع کفرہ وسحرہ وفجرہ ہیں۔ کہا جاتا ہے بروبار جب کہ اہل صدق ہو۔ بر فلان فی یمینه بمعنی صدق اور فلان یبر خالقه ویتبرره بمعنی یطیعه.

قتل الانسان. بظاہر بددعا عاجز کی طرف سے ہوا کرتی ہے۔ لیکن اللہ قادر مطلق ہے اس کی طرف سے بددعا کے کیا معنی؟ اسی طرح تعجب ناواقف کی طرف سے ہوا کرتا ہے۔ اللہ کی طرف سے تعجب کیسے؟ جواب یہ ہے کہ قرآن پاک انسانی روش کلام پر اترا ہے۔ تمام باتوں کی رعایت اسی لحاظ سے ہے۔ اس سے ناراضگی کا اظہار کرنا مقصود ہے۔

من ای شیء. اس میں تحقیر کی طرف اشارہ ہے۔

من نطفة. حضرت علیؓ کا ارشاد ہے۔ ما لا بن ادم اوله نطفة واخره جیفة قذرة وهو مائل للقذرة.

خلقه فقدره. یعنی اللہ کا انعام ہے کہ انسان کو وجود عطا کیا اور مرحلہ اور وجود کی منزلیں طے کرائیں۔ اعضاء صحیح سلامت، شکل وصورت مناسب عطا فرمائی۔

ثم السبیل یسره. انسان کی پیدائش حیرت ناک طور پر عجیب وغریب ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی دونوں کی زندگی کو خطرہ میں ڈال دیتی ہے۔ بچہ دانی کا منہ نہ کھلے، بچہ قدرتی طور پر الٹا نہ ہو جائے تو کوئی بھی لقمہ اجل بن سکتا ہے۔ یا سبیل کی خیر وشر کی طرف

قدرت انسان کی رہنمائی کرتی ہے۔اور السبیل ماضمر عاملہ کی وجہ سے منصوب ہے۔مبالغہ فی التیسیر کے لئے اوراضافت کی بجائے الف لام سے معرفہ لانے میں سبیل کے عام ہونے کی طرف اشارہ ہےاور سبیل خیر وشر مراد لیتے ہیں۔اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا محض ایک رہ گذر ہے منزل مقصود نہیں۔اسی لئے آگے فرمایا۔

ثم اماتہ الخ ۔موت اور قبر کو نعمت شمار کیا گیا ہے۔کیونکہ موت ہی اخروی نعمتوں کا پیش خیمہ ہےاور قبر درندوں وغیرہ سے نعش کے محفوظ ہونے کا ذریعہ ہے۔

ثم اذا شاء انشرہ . معلوم ہوا کہ بعث کا وقت متعین نہیں ہے محض تابع مشیت ہے۔

کلا . بمعنی حقاً کہہ کر مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ اس کا تعلق بعد کی عبارت سے ہے۔اسی لئے اس پر وقف کرنا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ صرف زجر ہے۔یعنی انسان نے کبر ونخوت کی وجہ سے اب تک اللہ کی اطاعت حسب الامر نہیں کی۔ بلکہ کچھ نہ کچھ کوتاہی ہوتی رہی ہے۔نطفہ سے لے کر قبر تک،مہد سے لے کر لحد تک اور آدم سے تا ایں دم ہر شخص کوتاہی کا مرتکب رہتا ہےاور لم یفعل کہہ کر مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ لما میں ما نافیہ ہےاور لم کی طرح نفی غیر منقطع کے لئے ہےاور بہ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ ما موصولہ ہےاور عائد محذوف ہے انسان کافر کی طرف ضمیر راجع ہے جس کا ذکر پہلے گزرا۔

فلینظر الا نسان ۔انسان کی ذات سے متعلق انعامات کے بعد یہاں سے خارجی انعامات کا ذکر ہے۔چنانچہ وجود کے بعد بقاء وجود کے سروسامان کئے۔کھانا فراہم کیا جو بقاء کا سبب ہے۔

پھر آگے انا صببنا الماء سے کھانے کے اسباب کی بحث شروع کر دی اور کوفیوں نے انا فتحہ ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ طعام سے بدل استعمال کرتے ہوئے بہر حال مون سون اٹھتا ہے،بارش برستی ہے۔جو نطفہ کی طرح بظاہر قوت فاعلی اور مؤثر ہے۔

ثم شققنا الارض . اور زمین قوت منفعلہ ہے رحم کی مانند۔جس کے انفعال کا یہ حال ہے کہ ایک معمولی سی کمزور کونپل سے پھٹ جاتی ہےاور شق کی نسبت اپنی طرف فرمائی کہ فاعل حقیقی حق تعالیٰ ہے۔

وقضبا . مصدر ہے۔یکے بعد دیگرے پھلوں کا اترنا۔جس کو رطبیہ بھی کہتے ہیں۔اور حسنؒ فرماتے ہیں کہ چوپاؤں کی گھاس کو کہتے ہیں۔

غلبا . غلباء کی جمع ہے۔جس عورت کی گردن موٹی اور مضبوط ہو۔قاموس میں ہے کہ غلب،فرح کی طرح ہے۔موٹی گردن،غلباءٗ،گھنا باغ۔

ابا .اب سے ماخوذ ہے بمعنی قصد،چارہ بھی مقصود ہوتا ہے۔

متاعا . مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ مفعول لہ اور مفعول مطلق دونوں ہوسکتا ہےاور عامل محذوف ہے۔ ای فعل ذلک متاعا او متعکم تمتیعاً.

الصاخة . معاش کے بعد یہاں سے معاد کا ذکر ہے۔صاخة ایسے شور کو کہتے ہیں جس سے کان پھٹنے لگیں۔مجازاً نفخہ مراد ہے۔

یفر المرء. ہر شخص نفسانفسی میں مبتلا ہوگا اور دوسروں کے حقوق طلبی کے ڈر سے گریزاں ہوگا۔ یوم بدل الکل یا بدل البعض ہے اذا سے اور عائد محذوف ہے۔ ای یفر فیہ لیکن لفظ یغنیہ اذا اور یوم میں عامل نہیں ہوسکتا۔کیونکہ صفت ہےاور صفت کا معمول اس کے عامل پر مقدم نہیں ہوسکتا۔اور ترتیب میں زیادہ محبوب چیزوں کو مبالغہ کے لئے مؤخر کیا گیا ہے۔گویا ترقی من الا دنی الی الا علیٰ ہو رہی ہے۔اور ایک قرأت میں یعینہ ہے۔جس کے معنی فکرمند کرنے کے ہیں۔

مسفرۃ. اسفار الصبح سے ماخوذ ہے اور وجوہ اگر چہ نکرہ ہے۔ لیکن تقسیم کے موقعہ میں ہونے کی وجہ سے مبتداء ہے۔ مسفرۃ خبر ہے اور یومئذ متعلق ہے۔ ان آیات میں سعداء اور اشقیاء کی تقسیم ہے۔ جس طرح یہ لوگ کفر و فجور کا مجموعہ ہیں۔ اسی طرح جزاء بھی غبرۃ اور قترۃ کا مجموعہ ہوگی اور کفار سے بڑھ کر مومنین کے لئے تین اوصاف فرمائے۔

مسفرۃ . ضاحکۃ . مستبشرۃ .

ربط آیات:............اس سورت کے سیاق وسباق میں جس طرح قیامت کا ذکر ہے۔ اس سورۃ کے آخر میں بھی یہی مضمون ہے اور چونکہ اس میں کافر کی شدید سزا کا ذکر ہے۔ اس لئے سورت کے درمیان میں شکر کے مقتضیات اور موانع کا ذکر کر کے کفر کی شدت بیان فرمادی اور ایسے شدید الکفر لوگوں کی ہدایت کے سلسلہ میں حضور پر نور ﷺ کو اہتمام اور کاوش فرمانے میں چونکہ کوفت ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ ایک بار اسی بناء پر ایک نابینا صحابی کا ایسے موقعہ پر آ کر درمیان میں بولنا موجب کلفت ہوا۔ اس لئے شروع سورت میں ایک محبوبانہ انداز سے جس کو لوگ عتاب کہتے ہیں۔ اس درجہ کفار کا اہتمام فرمانے سے منع فرمادیا اور طالبان حق کے حال پر توجہ مبذول فرمانے کا حکم دے دیا۔ اس طرح اول سورت، درمیان سورت کی اور درمیان سورت آخر سورت کی تمہید ہے اور سورت کا آخر مقصود اصلی ہے۔

شان نزول:............مفسرینؒ ومحدثین بالاتفاق اس سورت کا شان نزول بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کچھ رؤسا اور قریش کے ممتاز سردار حاضر تھے۔ بعض روایات میں ان میں سے بعض کے نام بھی آئے ہیں۔ یعنی ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، ابی بن خلف، امیہ بن خلف، شیبہ اور حضور ﷺ ان کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ فرمارہے تھے۔ کہ اتنے میں عبداللہ بن ام مکتومؓ ایک نابینا صحابی حضور ﷺ کی خدمت حاضر ہوئے اور آپ سے اسلام یا آیات قرآنی کے سلسلہ میں کچھ پوچھنا چاہا۔ حضور ﷺ کو ان کی یہ مداخلت بے جا اور ناگوار معلوم ہوئی۔ اس لئے آپ نے ان سے بے رخی برتی۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ اس تاریخی واقعہ سے اس سورت کا زمانہ نزول بآسانی معین ہوجاتا ہے۔ کیونکہ مقبول حافظ ابن حجرؒ اسلم بمکۃ قدیماً اور بقول حافظ ابن کثیرؒ ھو من اسلم قدیماً. یہ ثابت ہے کہ ابن ام مکتوم بالکل ابتدائی دور میں مسلمان ہوئے تھے۔ اسی طرح جن روایات میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے ان میں سے بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہوچکے تھے اور بعض سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ارشد نبی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ علمنی مما علمک اللہ یعنی وہ قرآن کی ایک آیت کا مطلب دریافت کرنا چاہتے تھے ان بیانات سے ان کا مسلمان ہونا معلوم ہوتا ہے ادھر آیت "لعلہ یزکی" کا مطلب ابن زیدؒ "لعلہ یسلم" بیان کرتے ہیں اور ارشاد الٰہی وما یدریک لعلہ یزکّٰی اویذکر فتنفعہ الذکری اور اما من جاءک یسعٰی وھو یخشٰی بھی اسی طرف مشیر ہے کہ ان میں طلب حق کا صادق جذبہ موجزن تھا۔ پھر جن نمایاں کفار کے نام ابھی گزر رہے ہیں ان کے شریک مجلس ہونے سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب کہ ان کفار کی آمد و رفت آنحضرت ﷺ کے پاس ہوتی رہتی تھی اور کشمکش اتنی نہ بڑھی تھی کہ ملاقاتوں کا سلسلہ بند ہو گیا ہو۔ بلکہ کچھ نہ کچھ میل جول تھا۔ یہ سب اس بات کے قرائن ہیں کہ یہ سورت بالکل ابتدائی زمانہ کی سورتوں میں سے ہے اور اس سورت کا نام سورہ نازعات اور سورہ عم (نبا) کی طرح پہلے لفظ کے اعتبار سے ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... حافظ ابن عبدالبرؒ نے استیعاب میں اور حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن ام مکتومؓ حضرت خدیجہؓ کے پھوپی زاد بھائی تھے۔ ان کی ماں ام مکتوم اور حضرت خدیجہؓ کے والد چونکہ دونوں بہن بھائی تھے۔ پس اس رشتہ کے بعد اس شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ حضور ﷺ نے ان کو معمولی اور غریب آدمی سمجھ کر بے رخی برتی ہوگی۔ کیونکہ یہ خاندانی آدمی اور آنحضرتؐ کے نسبتی برادر تھے۔ کوئی گرے پڑے آدمی نہ تھے۔ البتہ کچھ روکارایسا بن گیا تھا کہ ایک عامی آدمی ظاہراً دھوکہ میں مبتلا ہوسکتا تھا۔ کہ ایک طرف سر برآوردہ لوگوں کی جماعت ہے اور دوسری طرف خستہ حال نابینا شخص گرتا پڑتا آتا ہے۔ آپ اس کی طرف جو التفات نہیں فرماتے۔ اس سے ایک غریب کے مقابلہ میں طاقت وروں کی ترجیح کا تصور ابھرتا دکھائی دیتا ہے جو آئندہ کے لئے بری مثال بن سکتی تھی۔ پھر ابن ام مکتومؓ کے نابینا ہونے کی وجہ سے دوسروں کے لئے شاید اتنے کارگر ثابت نہ ہوتے۔ جتنا کہ ان سرداروں میں سے کسی کے ہدایت پانے کی صورت میں متوقع ہوسکتی تھی۔ اس لئے حضور ﷺ کو ابن ام مکتومؓ کی مداخلت بے جا معلوم ہوئی۔

ایک واضح مثال: .... اس کو ایسے سمجھا جائے جیسے طبیب کے سامنے دو مریض ہوں۔ ایک تپ دق کا اور دوسرا نزلہ زکام کا۔ پس طبیب پہلے دق کے مریض کی طرف توجہ کرے گا۔ ایسے میں نزلہ کا مریض اگر اپنی بات شروع کردے تو طبیب کو ناگوار ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح حضور ﷺ نے کفر کو خطرناک سمجھتے ہوئے اپنے اجتہاد سے اس کو لائق اہتمام سمجھا۔ لیکن حق تعالیٰ نے اس رائے کو اجتہادی لغزش قرار دیتے ہوئے جو ارشاد فرمایا۔ اس کا منشاء یہ ہے کہ مرض کی شدت اس وقت بعث تقدیم وترجیح ہوا کرتی ہے۔ جب کہ مریض علاج کا خواہش مند ہو یا کم از کم مخالف نہ ہو۔ ورنہ خواہش مند مریض کا علاج مقدم ہوگا خواہ مرض خفیف ہو۔ کیونکہ پہلی صورت میں خود علاج اور اس کا فائدہ موہوم ہے اور دوسری صورت میں فائدہ یقینی ہے اور ظاہر ہے کہ ترجیح یقینی کو ہونی چاہئے نہ کہ موہوم کو۔

دو اجتہاد: .... پس ایک اجتہاد کی طرف حضور ﷺ کا ذہن مبارک گیا۔ مگر اس سے زیادہ بہتر رائے کی طرف حق تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی۔ گویا لغزش تو ہوئی، مگر فوراً سنبھال لیا گیا۔ پھر عبس کا انداز بیان ایک عجیب لطف رکھتا ہے۔ گویا دکھلانا یہ ہے کہ ترش روئی اور بے رخی حضور ﷺ سے نہیں بلکہ کسی اور شخص سے سرزد ہوئی ہے۔ اس طرز بیان سے حضور ﷺ کو نہایت لطیف طریقہ سے یہ احساس دلایا گیا ہے کہ یہ ایسا کام تھا جو آپ کے کرنے کا نہیں تھا۔ آپ کے اخلاق عالیہ کو جاننے والا یہی خیال کرے گا۔ کہ یہ آپ کا نہیں بلکہ کسی اور کا کام ہے یعنی کہنے والا مخاطب کے مرتبہ کی رعایت کرتے ہوئے رودررو اس بات کے کہنے میں حیا محسوس کرتا ہے۔

محققانہ کلام: .... حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ یہ کلام گویا اوروں کے سامنے گلہ ہے۔ رسول کا اسی لئے غائب کا صیغہ لیا گیا۔ محققین کہتے ہیں کہ اس میں آپ کی انتہائی تکریم اور متکلم کی حیا کا اظہار ہے کہ عتاب کے وقت بھی رودررو آپ کی طرف نسبت نہیں کی گئی۔ اسے کہتے ہیں غصہ میں لگاوٹ کی ادا۔

آگے **وما یدریك** میں بطریق التفات خطاب فرمایا گیا۔ تاکہ حضور ﷺ سے حق تعالیٰ کی بے رخی اور بے التفاتی کا شبہ نہ ہو۔ پھر اگلا مضمون بھی پچھلے مضمون سے ہلکا ہے۔ اس لئے خطاب کرنے میں بلاغت آگئی۔

لعله یزکی او یذکر الخ کا حاصل یہ ہے کہ ابن ام مکتومؓ کی پوری اصلاح ہوجاتی یا کچھ اصلاح ہوتی۔ بہر حال نفع ہی ہوتا۔ اور ہر چند کہ ذکریٰ، تذکر سے پہلے ہے۔ مگر تذکر یعنی نصیحت قبول کرنا۔ ذکری کے نفع سے بعد میں ہے۔ اس لئے کلمہ **فا** لایا گیا اور **لعل** مبالغہ کے لئے لایا گیا ہے۔ یعنی ان صحابی سے نفع کے محض گمان پر بھی بے توجہی نہیں ہونی چاہئے تھے۔ چہ جائیکہ نفع یقینی ہو اور ائمی سے

تعبیر کرنے میں التفات اور توجہ کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی حالت قابل رحم وکرم ہے۔

تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے فیض توجہ سے اس کا حال سنور جاتا۔ یا تمہاری تکوینی بات اس کے کان میں پڑتی۔ وہ اس کو اخلاص سے سوچتا سمجھتا۔ آخر وہ بات کسی وقت اس کے کام آجاتی۔

وما علیکَ الا یزکّٰی ۔ جو لوگ اپنے غرور وشیخی سے حق کی پروانہیں کرتے۔ ان کا تکبر انہیں اللہ ورسول کے آگے جھکنے نہیں دیتا۔ آپ ان کے اسلام لانے کی فکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ ذمہ داری نہیں کہ آپ ان لا پرواہ متکبروں کی فکر میں اس درجہ منہمک ہوں۔

وھــی یـخشــیٰ ۔ یعنی نابینا اللہ سے ڈرتا ہے۔ یا اسے ڈر ہے کہ کہیں آپ کی ملاقات میسر نہ ہو، پھر اندھا ہے۔ کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ اندیشہ ہے کہیں راستہ میں ٹھوکر لگے یا کسی سے ٹکرا جائے، یا یہ سمجھ کر کہ آپ کے پاس جا رہا ہے۔ دشمن ستانے لگیں۔

دعوت وتبلیغ کا ایک اہم نکتہ: .... **فـانـت عنه تلهٰی** ۔ ان آیات میں آپ کی اجتہادی لغزش اور چوک پر متنبہ کیا گیا ہے کہ آپ اگرچہ کفر کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے اس کے علاج کو مقدم سمجھ رہے ہیں اور ایک مسلمان کی اصلاح کو غیر اہم اور مؤخر، لیکن یہاں طالب اور غیر طالب کے معاملہ پر اگر آپ نظر فرماتے تو معاملہ برعکس محسوس ہوتا۔ یہی وہ اصل نکتہ ہے جو تبلیغ ودعوت کے سلسلہ میں نگاہ مبارک سے اوجھل ہو گیا۔ اس پر گرفت فرماتے ہوئے ارشاد ہے کہ داعی حق کی نظر میں حقیقی اہمیت کس کی ہونی چاہئے۔ اور کس کی نہیں ہونی چاہئے نظر اس پر رہنی چاہئے کہ کس میں طلب حق کی سچی پیاس اور جستجو ہے اور کس میں حق کے برخلاف جذبات موجود ہیں اس پر نظر نہیں ہونی چاہئے کہ کون مفید ہو سکتا ہے اور کون نہیں! بلکہ اصل مطمح نظر یہ ہونا چاہئے کہ کون سنورتا ہے اور کون بگڑتا ہے؟ پہلا آدمی کتنا ہی اپاہج اور بظاہر نکما ہو مگر وہی قیمتی ہے اس پر دھیان دینا چاہئے اور توجہ مرکوز کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ دعوت وتبلیغ کا اصل منشاء ہی اصلاح ہے اور اس شخص کا ظاہری حال اصلاح پذیر ہے۔ چنانچہ یہی نابینا بزرگ زرہ پہنے جھنڈا ہاتھ میں لئے جنگ قادسیہ میں شریک تھے۔ آخر اسی معرکہ میں شہید ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ برخلاف دوسرے شخص کے وہ معاشرہ میں کتنا ہی بااثر کیوں نہ ہو مگر جب وہ سنورا ہوا نہ ہو بگڑا ہوا ہو تو اس کی ظاہر اُروش بتلا رہی ہے کہ جب وہ خود سدھرنا نہیں چاہتا تو اس کی اصلاح کی فکر میں سراسر وقت کو ضائع کرنا ہوگا۔ اگر وہ سنورنا نہیں چاہتا نہ سنورے کہ اس کا اپنا نقصان ہے۔ داعی حق پر اس کی کچھ ذمہ داری نہیں۔ وہ جب اس متاع گراں مایہ کا قدردان ہی نہیں تو اس کو سنبھال کر کیا رکھے گا؟ قدر گوہر شاہ بداند یا بداند جوہری۔

دوسرا اہم پہلو: .... یہاں معاملہ کا ایک دوسرا رخ بھی قابل لحاظ ہے کہ اس معاملہ کی ظاہری سطح دیکھ کر بے سوچے سمجھے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ پیغمبر صاحب امیروں کی طرف زیادہ توجہ فرماتے ہیں اور شکستہ حال غریبوں کی طرف نہیں اس مہمل خیال کے پھیلنے سے جو نقصان دعوت اسلام کو پہنچ سکتا ہے وہ اس نفع سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جن کی ان چند متکبروں کے مسلمان ہونے سے توقع کی جاسکتی ہے۔

کـلا انهـا تذکرة ۔ خدا کو بھولے ہوئے اور اپنی دنیوی وجاہت پر پھولے ہوئے لوگوں کو بے جا اہمیت نہ دیجئے۔ اسلام کی دولت ایسی سستی نہیں کہ جو اس سے منہ موڑے اس کے آگے خوشامد کر کے پیش کی جائے۔ اور نہ تمہاری یہ شان ہے کہ ان مغرور لوگوں کو اسلام کی طرف لانے کے لئے کسی ایسے انداز سے کوشش کرو جس سے یہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو جائیں کہ تمہاری کوئی غرض ان سے اٹکی ہوئی ہے۔ یہ مان لیں گے تو تمہاری دعوت فروغ پا سکے گی ورنہ ناکام ہو جائے گی۔ حق ان سے اتنا ہی بے نیاز ہے جتنے یہ حق سے بے نیاز ہیں۔

فمن شاء ذکرہ . یعنی یہ شیخی خورے اگر قرآن نہ پڑھیں اور اس کی نصیحت پر کان نہ دھریں تو اپنا ہی نقصان کریں گے، قرآن کو کسی کی کیا پرواہ۔ آپ کو اس درجہ ان کے گرویدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایک عام نصیحت تھی وہ کر دی گئی۔ جو اپنا فائدہ چاہے اس کو پڑھے اور سمجھے اور عمل کرے۔

بغیر طہارت قرآن چھونا جائز نہیں: .... فی صحف مکرمۃ . کیا ان سر پھرے مغروروں کی وجہ سے قرآن کی عزت ووقعت ہوگی؟ قرآن تو وہ ہے جس کی آیات آسمان کے اوپر نہایت معزز، بلند مرتبہ اور صاف ستھرے ورقوں میں لکھی ہوتی ہے اور زمین پر مخلص ایماندار بھی اس کے اوراق نہایت عزت واحترام اور پاکیزگی کے ساتھ اونچی جگہ رکھتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہر قسم کی آمیزشوں سے پاک خالص حق کی تعلیم پیش کی گئی ہے۔

جن آلودگیوں سے دنیا کی دوسری مذہبی کتابیں لوگوں کی نادانی کی وجہ سے آلودہ کر دی گئی ہیں۔ ان کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی قرآن کریم میں داخل نہیں ہو سکا۔ انسانی تخیلات ہوں یا شیطانی توہمات ان سب سے یہ پاک صاف ہے صحف مطھرۃ کا مضمون لا یمسہ الا المطھرون کے مطابق ہے۔ آسمانوں میں فرشتے جو قرآن لکھتے ہیں۔ وحی اس کے موافق ہی نازل ہوتی ہے اور دنیا میں بھی قرآن کو اوراق میں لکھنے اور جمع کرنے والے بزرگ ترین پاکیزہ، نیکوکار اور فرشتہ خصلت بندے ہیں جنہوں نے ہر قسم کی تحریف و تبدیلی اور کمی بیشی سے اس کو محفوظ رکھا۔ یہاں دو لفظ استعمال کئے گئے ہیں۔ ایک کرام یعنی معزز اور دوسرے میں بررۃ یعنی نیک پہلے لفظ سے تاثر دینا کہ وہ اس قدر معزز ہیں کہ جو امانت ان کے سپرد کی گئی ہے، ذرہ بھر خیانت ان سے سرزد نہیں ہو سکتی۔ اور دوسرے لفظ سے یہ بتلانا ہے...... کہ ان صحیفوں کو لکھنے اور ان کی حفاظت کرنے اور ان کو رسول تک پہنچانے کی ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی ہے وہ اس کا حق پوری دیانتداری سے سرانجام دیتے ہیں۔

قرآن خود معظم ہے وہ کسی کی تکریم کا محتاج نہیں: .... اصل سررشتہ کلام سے اگر جوڑا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں محض قرآن مجید کی عظمت، وتعریف مد نظر نہیں ہے۔ بلکہ جو متکبر حقارت کے ساتھ اس دعوت سے منہ موڑ رہے تھے انہیں صاف صاف جتلا دینا ہے کہ یہ عظیم المرتبہ کتاب اس سے بدرجہا بلند اور برتر ہے کہ تمہاری خدمت میں اسے پیش کر کے توقع رکھی جائے کہ تم اسے شرف قبولیت عطا کروں گے۔ یہ تمہاری نہیں بلکہ تم اس کے سرتاسر محتاج ہو۔ خم کر دو۔ ورنہ جس قدر تم اس سے بے نیاز بنتے ہو اس سے بہت زیادہ تم سے بے نیاز ہے۔ تمہاری تحقیر سے اس کی عظمت میں ذرہ برابر فرق نہیں آئے گا۔ البتہ تمہاری بڑائی کا سارا گھمنڈ خاک میں ملا کر رکھ دیا جائے گا۔

قتل الانسان ۔ شروع سورت سے اب تک آنحضرت ﷺ کی طرف روئے سخن تھا۔ اب یہاں سے ان کافروں کی طرف عتاب کا رخ پھر گیا ہے۔ جو حق سے بے نیازی برت رہے ہیں اگرچہ اس سے پہلے کلام میں بھی در پردہ انہیں پر عتاب تھا۔ بلکہ آپ بھی انہی کی وجہ سے گرفت میں آ گئے۔ کیونکہ پچھلے کلام کا انداز بیان یہ تھا کہ اے پیغمبر! ایک طالب حق کو چھوڑ کر آپ یہ کن لوگوں پر اپنی توجہ صرف کر رہے ہیں جو دعوت حق کے نقطۂ نظر سے بالکل بے قدر و قیمت ہیں۔ ان کی یہ حیثیت نہیں کہ آپ جیسا عظیم المرتب پیغمبر، قرآن جیسی بلند مرتبہ چیز کو ان کے آگے پیش کرے۔

قرآن کا ادیبانہ طرز کلام: .... قرآن مجید میں ایسے مقامات پر انسان سے مراد نوع انسان کا ہر فرد نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی ناپسندیدہ صفات کی مذمت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ انسان کا لفظ کہیں تو اس لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ اس کے اکثر افراد

میں وہ مذموم صفات پائی جاتی ہیں اور کہیں اس کے استعمال کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مخصوص لوگوں کو تعین کے ساتھ اگر ملامت کی جائے تو ان میں ضد پیدا ہو جائے گی۔ اس لئے نصیحت کا یہ طریقہ زیادہ مؤثر سمجھا گیا ہے کہ عمومی انداز میں بات کہی جائے گی۔

مااکفرہ۔ یعنی ذرا اپنی اصل پر تو غور کیا ہوتا کہ انسان کس چیز سے پیدا ہوا ہے؟ ایک ناچیز، بے قدر، بلکہ گندی بوند سے جس میں حس وشعور، حسن عقل وادراک کچھ نہ تھا، سب کچھ اللہ نے اپنی مہربانی سے عطا فرمایا: پس جس کی حقیقت اتنی ہو، کیا اسے طمطراق زیبا ہے؟ کہ پیدا کرنے والا حقیقی منعم۔ ایسی عظیم الشان نعمت اتارے اور یہ بے شرم اپنی اصل حقیقت اور مالک کی سب نعمتوں کو فراموش کر کے اس کی کچھ پرواہ نہ کرے۔ احسان فراموش انسان کچھ تو شرمایا ہوتا۔ کفر سے مراد حق کا انکار ہے اور اپنے محسن کی ناشکری بھی اپنے خالق ومالک ورازق کے مقابلہ میں بہیمانہ روش بھی، حاصل یہ کہ آخر کس بل بوتے پر کفر کرتا ہے؟

مغرور انسان اپنی حقیقت پر نظر رکھے: .... من نطفة خلقه فقدره۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ سب اعضاء ایک خاص ڈھنگ اور انداز سے رکھے۔ کوئی چیز یونہی بے ڈھنگی، بے تکی اور خلاف حکمت نہیں رکھ دی ماں کے پیٹ ہی میں اس کی تقدیر بھی طے کر دی۔ اس کی جنس کیا ہوگی، اس کا رنگ قد روقامت کیا ہوگا۔ جسامت کیسی اور طاقت کس قدر ہوگی۔ اس کے اعضاء کس حد تک صحیح سالم اور کس حد تک ناقص ہوں گے۔ اس کی آواز کیسی ہوگی۔ اس کے ذہن اور دماغ کی صلاحیتیں کیا ہوں گی۔ کس سرزمین، کس خاندان اور کس ماحول میں پیدا ہوگا اور کس طرح پرورش وتربیت پائے گا۔ کیا بن کر اٹھے گا۔ اس کی شخصیت کی تعمیر میں موروثی اثرات، ماحول کے اثرات اور اس کی اپنی خواص کا کیا اور کتنا اثر ہوگا۔ دنیا کی زندگی میں کیا کردار ادا کرے گا اور کتنا وقت اسے زمین پر نام کرنے کے لئے دیا جائے گا۔ اور اس تقدیر سے بال برابر بھی ہٹ نہیں سکتا۔ نہ اس میں ردوبدل کر سکتا ہے۔ پھر کیسی عجیب جرات ہے کہ جس خالق کی بنائی ہوئی تقدیر کے آگے یہ بے بس اتنا ہے اس کے مقابلہ میں کفر کرتا ہے۔

ثم السبیل یسرہ۔ یعنی اچھے برے کی تمیز، نیک وبد کی سمجھ بوجھ، ایمان وکفر کی پہچان انسان کو دے دی جاتی ہے اور وہ تمام اسباب ووسائل فراہم کر دیئے جاتے ہیں۔ جن سے وہ کام لے گا۔ اگر زمین پر اس کے لئے یہ سروسامان مہیا نہ کر دیا جاتا اور یہ امکانات پیدا نہ کر دیئے جاتے تو اس کے جسم کی اور ذہن کی ساری قوتیں بے کار بات ہوتیں۔ اس کے علاوہ اللہ نے انسان کو یہ موقعہ بھی دے دیا کہ ایمان وکفر، طاقت ومعصیت میں سے جو راہ بھی اختیار کرنا چاہے کر سکے۔ اس نے دونوں راستے اس کے سامنے کھول کر رکھ دیئے۔ اور ثم السبیل یسرہ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ماں کے پیٹ سے انسان کی پیدائش آسان کر دی۔

انسان کی بے بسی: .... ثم اماته فاقبرہ۔ یعنی انسان اپنی پیدائش اور تقدیر کے معاملہ ہی میں نہیں۔ بلکہ اپنی موت کے معاملہ میں بھی پیدا کرنے والے کے آگے بے بس اور اس کے اٹل قانون کا پابند ہے نہ اپنے اختیار سے پیدا ہو سکتا ہے، نہ اپنے اختیار سے مر سکتا ہے اور نہ اپنی موت کو ایک لحہ کے لئے ٹال سکتا ہے۔ جس وقت جہاں جس حال میں بھی اس کی موت کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ اسی وقت، اسی جگہ اور اسی حال پر یہ مرکر رہتا ہے۔ اسی لئے جس نوعیت کی قبر بھی اس کے لئے طے کر دی جاتی ہے۔ اسی نوعیت کی قبر اسے نصیب ہوتی ہے۔ زمین کا گڑھا ہو یا سمندر کی گہرائیاں، آگ کا الاؤ ہو یا کسی درندہ کا پیٹ۔ غرض انسان خود تو درکنار، ساری دنیا بھی مل کر اگر چاہے تو کسی شخص کے معاملہ میں خالق کے اس فیصلہ کو بدل نہیں سکتی۔

ثم اذا شاء انشرہ۔ یعنی جس خدا نے انسان کو جلایا اور مارا۔ اور اسی کو اختیار ہے کہ جب وہ چاہے دوبارہ زندہ کر کے قبر سے نکالے۔ غرض انسان کی مجال نہیں کہ جب اس کا خالق دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا چاہے تو یہ اٹھنے سے انکار کر سکے۔ آخر جب اسے پہلے

پیدا کیا گیا تھا تو اسے پوچھ کر پیدا نہیں کیا گیا تھا۔اس سے رائے نہیں لی گئی تھی۔ کہ تو پیدا ہونا چاہتا ہے یا نہیں؟ یہ انکار بھی کرتا تو پیدا ہو کر رہتا۔اسی طرح اب دوبارہ پیدائش بھی اس کی مرضی پر موقوف نہیں ہے کہ یہ مر کر اٹھنا چاہے تو اٹھے اور اٹھنے سے انکار کر دے تو یہ نہ اٹھے۔خالق کی مرضی کے اس معاملہ میں بھی یہ قطعی بے بسی ہے۔جب وہ بھی چاہے گا اسے اٹھا کر کھڑا کر دے گا اور اس کو اٹھنا ہوگا۔خواہ یہ راضی ہو یا نہ ہو۔بہر حال جس کے قبضہ میں پیدا کر کے دنیا میں لانا، پھر مار کر برزخ میں لے جانا، پھر زندہ کر کے میدان حشر میں کھڑا کر دینا ہو۔کیا اس کی نعمت سے اعراض وانکار اور اس کی نعمتوں کا استحقار کسی آدمی کے لئے زیبا ہے؟

ہر چیز اللہ کے حکم کے آگے سرنگوں ہے۔مگر انسان سرکش ہے:............ کلا لما یقض ما امرہ . یعنی انسان نے اپنے مالک کا حق ہرگز نہیں پہچانا اور جو کچھ حکم ہوا تھا ابھی تک اس کو بجا نہیں لایا۔حکم سے مراد وہ حکم بھی ہے جو اللہ نے فطری ہدایت کی صورت میں ہر شخص میں ودیعت فرمایا ہے اور وہ حکم بھی ہے جس کی طرف انسان کا اپنا وجود اور زمین سے لے کر آسمان تک کائنات کا ذرہ اشارہ کر رہا ہے۔اور وہ حکم بھی ہے جو اللہ نے ہر زمانہ میں اپنے انبیاءؑ اور اپنی کتابوں کے ذریعہ بھیجا اور ہر دور کے صالحین کے ذریعہ پھیلایا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے کلا لما یقض ما امرہ کو "ثم اذا شاء انشرہ" سے متعلق مانا ہے۔یعنی اللہ جب چاہے گا۔زندہ کر کے اٹھا دے گا۔مگر ابھی ایسا نہیں کیا جا سکتا۔کیونکہ دنیا کی آبادی کے متعلق اس کا جو تکوینی اور تقدیری حکم ہے وہ پورا نہیں ہوا۔الغرض جو حقائق اوپر کی آیتوں میں بیان ہوا ہے۔ان کی بناء پر فرض تو یہ تھا کہ انسان اپنے خالق کی فرمانبرداری کرتا۔مگر اس نے نافرمانی کی راہ اختیار کی اور بندہ ہونے کا جو تقاضا تھا وہ پورا نہیں کیا۔

انسان کی بقا کے لئے سامان زندگی:............ فلینظر الا نسان . پہلے انسان کے پیدا کرنے اور مارنے کا ذکر تھا۔اب اس کی زندگی اور بقا کے سامان یاد دلائے جا رہے ہیں۔خوراک جس کو وہ ایک معمولی چیز سمجھتے ہیں۔اس پر ذرا غور تو کرے کہ آخر یہ پیدا کیسے ہوتی ہے۔اگر خدا نے اس کے اسباب فراہم نہ کئے ہوتے۔تو کیا انسان کے بس میں یہ تھا کہ زمین پر غذا وہ خود پیدا کر لیتا۔

انا صببنا الماء بارش کے تکوینی نظام الٰہی پر نظر ڈالی جائے تو عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے۔سورج کی گرمی سے بے حد وحساب مقدار میں سمندروں سے پانی بھاپ بنا کر اٹھایا جاتا ہے۔پھر اس سے کثیف بادل بنتے ہیں، پھر ہوائیں ان کو لے کر دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلاتی ہیں۔پھر عالم بالا کی ٹھنڈک سے وہ من سون ازسر نو پانی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔اور ہر علاقہ میں ایک خاص حساب سے برس جاتا ہے۔پھر وہ پانی زمین پر تو براہ راست برستا ہی ہے۔زیر زمین کنوؤں اور چشموں کی شکل بھی اختیار کرتا ہے۔دریاؤں، ندی نالوں کی شکل میں بہتا ہے اور پہاڑوں پر برف کی شکل میں جم کر پگھلتا ہے اور برسات کے موسم کے علاوہ دوسرے موسموں میں بھی دریاؤں میں رواں دواں ہوتا ہے۔کیا یہ سارے انتظامات انسان نے خود کئے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اس کا خالق اس کی رزق رسانی کے لئے یہ انتظامات نہ کرتا۔تو کیا انسان زمین پر جی سکتا تھا؟

قدرت کی کرشمہ سازی:............ ثم شققنا الارض . گھاس کے تنکے کی کیا مجال تھی کہ زمین کو چیر پھاڑ کر باہر نکل آتا۔یہ قدرت کے ہاتھ ہے کہ زمین کو پھاڑ کر اس سے طرح طرح کے غلے، میوے، پھل، پھلواریاں برآمد ہوتی رہتی ہیں۔جو بیج یا گٹھلیاں یا نبات کی سبزیاں انسان زمین میں بوتا ہے یا ہواؤں اور پرندوں کے ذریعہ سے یا کسی اور طریقہ سے زمین کے اندر پہنچ جاتے ہیں۔قدرت کے پوشیدہ ہاتھ ان کی کونپلوں کو باہر نکال دیتے ہیں۔انسان اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا کہ زمین کو کھود دیتا ہے، زمین میں ہل

چلا دیتا ہے اور خدا کے پیدا کردہ بیج زمین میں بکھیر دیتا ہے۔ اس کے سوا سب کچھ کام خدا کا ہے۔ بے شمار قسم کی نباتات کے بیج پیدا کرنا خدا ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اسی لئے ان تخموں میں یہ صلاحیت پیدا کی ہے کہ وہ زمین میں پہنچ کر پھوٹیں اور ہر تخم سے اسی کی جنس کی نباتات اُگے۔ اور اسی نے زمین میں یہ خاصیت پیدا کی کہ پانی سے مل کر وہ ان بیجوں کو کھول دے اور ہر جنس کی نباتات کے لئے اس کے مناسب حال غذا پہنچائے اور ان کو نشو ونما دے۔ یہ تخم ان خاصیتوں کے ساتھ اور زمین کی یہ بالائی تہیں ان صلاحیتوں کے ساتھ خدا نے تمہارے نفع کے واسطے پیدا فرمائی ہیں۔

متا عالکم و لانعامکم. بعض چیزیں تمہارے اور بعض چیزیں تمہارے جانوروں کے کام آتی ہیں۔ یعنی خوراک کا یہ سامان خدا نے تمہارے ہی لئے نہیں۔ بلکہ جن جانوروں سے تمہیں گوشت، چربی، دودھ، دہی، مکھن، گھی وغیرہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ان کے لئے بھی ان سے چارہ کا سامان پیدا کر دیا ہے۔ ان جانوروں سے انسانی معیشت کی ہزاروں اور خدمتیں بھی وابستہ ہیں۔ گویا ان کی خوراک بھی بالواسطہ انسان ہی کی خوراک ہے۔ پس کیا یہ سب کچھ اسی لئے ہے کہ تم اس تمام تر سروسامان سے نفع اندوز ہوتے رہو اور جس خدا کے رزق پر پل رہے ہو اسی سے کفر کرو؟

فاذا جاءت الصاخة. نفخ صور کا قیامت خیز کڑ کا مراد ہے۔ جس سے کان پھٹ جائیں۔ اس کے بلند ہوتے ہی تمام مردے جی اٹھیں گے۔ صاخه. بظاہر یہ نفخہ اولیٰ کی صفت زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اس سے عالم کی فنا کا تعلق ہے لیکن یہ واقعات نفخہ ثانیہ کے ہیں تو پھر کافروں کے لحاظ سے نفخہ ثانیہ کی صفت بھی صحیح ہے۔

قیامت کی ہوش ربا حالت کو دیکھ کر قریب ترین عزیز بھی آنکھیں چرالیں گے:............یوم یفر المرء .

اس روز ہر ایک کو اپنی فکر پڑی ہوگی۔ وہ عزیز واقارب جو دنیا میں سب سے زیادہ پیارے تھے ایک دوسرے کو نہ پوچھیں گے۔ بلکہ مصیبت میں مبتلا دیکھ کر ان کی مدد کو دوڑنے کی بجائے انسان الٹا ان سے بھاگے گا کہ کہیں وہ اپنی گمراہیوں اور گناہوں کی ذمہ داری اس پر نہ ڈالنے لگے۔ یا اس کی نیکیوں میں سے فرمائش نہ کرنے لگے، یا اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے۔ بھائی کو بھائی سے، اولاد کو ماں باپ سے شوہر کو بیوی سے اور ماں باپ کو اولاد سے خطرہ ہوگا۔ کہ اب ہمارے خلاف مقدمات کے یہ گواہ بننے والے ہیں۔ ان خیالات سے ایک دوسرے سے آنکھ چرائیں گے۔ ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی۔ عجیب نفسا نفسی کا وقت ہوگا۔

لکل امرء منهم یومئذ شان . نسائی، ترمذی وغیرہ میں روایات ہیں کہ حضور اکرم فداہ امی وابی نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب ننگ دھڑ نگ اٹھیں گے۔ حضرت عائشہؓ یا حضرت سودہؓ یا کسی اور صحابیہ نے گھبرا کر پوچھا کہ یارسول اللہ! اس روز ہمارے ستر سب کے سامنے کھلے ہوں گے؟ حضور ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمایا کر ارشاد فرمایا کہ اس وقت کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش نہ ہوگا۔ گویا مارے دہشت کے اپنے آپے کی خبر بھی نہ ہوگی۔

وجوه یومئذ مسفرة. قیامت کے دن مومنین کے چہرے نور ایمان سے روشن اور انتہائی مسرت سے فرحاں وشاداں ہوں گے اور کافروں کے چہروں پر کفر کی کدورت چھائی ہوگی۔ اس پر فسق وفجور کی تاریکی اس ظلمت کو اور تیرہ وتاریک کر دے گی۔

اولئک هم الکفرة الفجرة. جوٹھیٹ کافر ہیں۔ ان کو کتنا ہی سمجھاؤ، ذرا نہیں پسیجتے، نہ خدا سے ڈرتے ہیں اور نہ مخلوق خدا سے شرماتے ہیں۔

خلاصہ کلام: .... سورۂ عبس کے ابتدائی مضمون کے سرسری انداز بیان سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک نابینا صحابی سے بے رخی اور بے التفاتی برتنے پر اور بڑے بڑے سرداروں کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ سے خطاب میں بے رخی برتی گئی ہے۔ مگر مجموعی سورت کے مضمون پر گہری نظر ڈالنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اصل روئے عتاب کفار سرداران قریش کی طرف ہے۔ جو اپنے مغرورانہ گھمنڈ اور اپنی متکبرانہ ہٹ دھرمی کی بناء پر صداقت اور آنحضرت ﷺ کی دعوت حق سے بے نیازی برت رہے تھے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا نابینا صحابی سے بے التفاتی فرمانا کچھ ان کی عزت یا تحقیر کی بناء پر نہیں تھا۔ اور نہ قریش کے سرداروں کی طرف جھکاؤ ان کے مالدار ہونے کی بناء پر تھا۔ اگر چہ بادی النظر میں ایک رخ دیکھنے والے کی نظر میں یہ ہی نکل سکتا ہے۔ مگر دراصل معاملہ کی نوعیت اس طرح ہے کہ جب کوئی داعی اپنی دعوت لے کر اٹھتا ہے تو فطری طور پر اس کا رجحان باثر اور مقتدر لوگوں کی طرف ہوتا ہے۔ تاکہ دعوت کے حلقہ اثر میں زور پیدا ہو جائے اور دعوت عام ہو جائے۔ کیونکہ کمزور بلکہ معذور یا عام لوگوں میں دعوت پھیل بھی جائے تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ ابتداءً رسول اللہ ﷺ کا بھی یہی طرز عمل ہوگا۔ جس کا منشاء اس اخلاص اور دعوت حق کو فروغ دینے کا جذبہ تھا۔ بڑے لوگوں کی توقیر اور چھوٹے لوگوں کی تحقیر ہرگز پیش نظر نہ تھی۔ اللہ نے آپ کے سامنے صحیح دعوت کا یہ طریقہ رکھا کہ اس راہ میں ہر وہ شخص قیمتی ہے اور اہمیت رکھتا ہے جو حق کا جویا اور طالب راہ مولیٰ ہو۔ خواہ وہ کتنا ہی بے اثر، کمزور بلکہ معذور ہو۔ لیکن جو شخص حق سے بے نیاز یا کنارہ کش ہو وہ غیر اہم ہے۔ خواہ معاشرہ میں کتنا ہی بڑا مقام رکھتا ہو۔ اس لئے عمومی رنگ میں دعوت تو سب ہی کے لئے ہے۔ مگر مرکز توجہ آپ کے وہ لوگ ہوتے جائیں جن میں قبول حق کی انارکی پائی جاتی ہو اور آپ کی بلند پایہ دعوت کے مقام سے یہ بات فروتر ہے کہ آپ اسے ان مغرور لوگوں کے آگے پیش کریں۔ جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں یہ بات سمجھتے ہوں کہ ان کو آپ کی نہیں، بلکہ آپ کو ان کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد آیت قتل الا نسان الخ سے براہ راست عتاب کا رخ ان کفار کی طرف پھر گیا ہے۔ جو حضور ﷺ کی دعوت حق کا انکار کر رہے تھے۔ اس میں پہلے تو ان کے اس رویہ پر ملامت کی گئی ہے۔ جو وہ اپنے خالق و رازق پروردگار کے مقابلہ میں برت رہے تھے۔ اور آخر میں ان کو خبردار کر دیا گیا کہ قیامت کے روز وہ اپنی روش کا ہولناک انجام دیکھ لیں گے۔

فضائل سورت: .... **من قرء سورۃ عبس جاء یوم القیامۃ ووجھہ ضاحکۃ مستبشرۃ** فرمایا۔ جو شخص سورۂ عبس پڑھے گا۔ اللہ قیامت میں اس کو ہشاش چہرہ کے ساتھ لائے گا۔ (حدیث موضوع ہے۔)

لطائف سلوک: .... **عبس وتولیٰ.** اس سے ثابت ہوا کہ کسی شخص سے عذر یا ناواقفی کے باعث کوئی خلاف ادب یا بے تمیزی کی بات سرزد ہو جائے تو اسے درگزر کر دینا چاہئے اس سے روگردانی یا ناراضگی نہیں ہونی چاہئے۔

سُورَةُ التَّكْوِيرِ

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ تِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿۱﴾ لُفِّفَتْ وَذُهِبَ بِنُوْرِهَا **وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ** ﴿۲﴾ اِنْقَضَتْ وَتَسَاقَطَتْ عَلَى الْاَرْضِ **وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ** ﴿۳﴾ ذُهِبَ بِهَا عَنْ وَّجْهِ الْاَرْضِ فَصَارَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا **وَاِذَا الْعِشَارُ** النُّوْقُ الْحَوَامِلُ **عُطِّلَتْ** ﴿۴﴾ تُرِكَتْ بِلَا رَاعٍ اَوْبِلَا حَلْبٍ لَمَّا دَهَا هُمْ مِّنَ الْاَمْرِ وَلَمْ يَكُنْ مَّالٌ اَعْجَبَ اِلَيْهِمْ مِّنْهَا **وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ** ﴿۵﴾ جُمِعَتْ بَعْدَ الْبَعْثِ لِيَقْتَصَّ لِبَعْضٍ مِنْ بَعْضٍ ثُمَّ تَصِيْرُ تُرَابًا **وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ** ﴿۶﴾ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ اُوْقِدَتْ فَصَارَتْ نَارًا **وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ** ﴿۷﴾ قُرِنَتْ بِاَجْسَادِهَا **وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ** الْجَارِيَةُ تُدْفَنُ حَيَّةً خَوْفَ الْعَارِ وَالْحَاجَةِ **سُئِلَتْ** ﴿۸﴾ تَبْكِيْتًا لِقَاتِلِهَا **بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ** ﴿۹﴾ وَقُرِئَ بِكَسْرِ التَّاءِ حِكَايَةً لِّمَا تَخَاطَبَ بِهٖ وَجَوَابُهَا اَنْ تَقُوْلَ قُتِلْتُ بِلَاذَنْبٍ **وَاِذَا الصُّحُفُ** صُحُفُ الْاَعْمَالِ **نُشِرَتْ** ﴿۱۰﴾ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ فُتِحَتْ وَبُسِطَتْ **وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ** ﴿۱۱﴾ نُزِعَتْ عَنْ اَمَاكِنِهَا كَمَا يُنْزَعُ الْجِلْدُ عَنِ الشَّاةِ **وَاِذَا الْجَحِيْمُ** النَّارُ **سُعِّرَتْ** ﴿۱۲﴾ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ اُجِّجَتْ **وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ** ﴿۱۳﴾ قُرِّبَتْ لِاَهْلِهَا لِيَدْخُلُوْهَا وَجَوَابُ اِذَا اَوَّلُ السُّوْرَةِ وَمَا عُطِفَ عَلَيْهَا **عَلِمَتْ نَفْسٌ** اَيْ كُلُّ نَفْسٍ وَقْتَ هٰذِهِ الْمَذْكُوْرَاتِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **مَّآ اَحْضَرَتْ** ﴿۱۴﴾ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ **فَلَآ اُقْسِمُ** لَازَائِدَةٌ **بِالْخُنَّسِ** ﴿۱۵﴾ **الْجَوَارِ الْكُنَّسِ** ﴿۱۶﴾ هِيَ النُّجُوْمُ الْخَمْسَةُ زُحَلُ وَالْمُشْتَرِيْ وَالْمِرِّيْخُ وَالزُّهْرَةُ وَعَطَارِدُ تَخْنُسُ بِضَمِّ النُّوْنِ اَيْ تَرْجِعُ فِيْ مَجْرَاهَا وَرَاءَهَا بَيْنَا تَرَى النَّجْمَ فِيْ اٰخِرِ الْبُرْجِ اُذْكُرْ رَاجِعًا اِلٰى اَوَّلِهٖ وَتَكْنِسُ بِكَسْرِ النُّوْنِ تَدْخُلُ فِيْ كِنَاسِهَا اَيْ تَغِيْبُ فِي الْمَوَاضِعِ الَّتِيْ تَغِيْبُ فِيْهَا **وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ** ﴿۱۷﴾ اَقْبَلَ بِظَلَامِهٖ اَوْ اَدْبَرَ **وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ** ﴿۱۸﴾ اِمْتَدَّ حَتّٰى يَصِيْرُ نَهَارًا بَيِّنًا **اِنَّهٗ** اَيِ الْقُرْاٰنُ **لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ** ﴿۱۹﴾ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَهُوَ جِبْرِيْلُ اُضِيْفَ اِلَيْهِ

لِنُزُولِهِ بِهِ **ذِیْ قُوَّةٍ** اَیْ شَدِیْدِ الْقُوٰی **عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ** اَیِ اللّٰهِ تَعَالٰی **مَكِیْنٍ**﴿۲۰﴾ ذِیْ مَكَانَةٍ مُتَعَلِّقٌ بِهِ عِنْدَ **مُّطَاعٍ ثَمَّ** اَیْ تُطِیْعُهُ الْمَلَائِكَةُ فِی السَّمٰوٰتِ **اَمِیْنٍ**﴿۲۱﴾ عَلَی الْوَحْیِ **وَمَا صَاحِبُكُمْ** مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَطْفٌ عَلٰی اِنَّهٗ اِلٰی اٰخِرِ الْمُقْسَمِ عَلَیْهِ **بِمَجْنُوْنٍ**﴿۲۲﴾ كَمَا زَعَمْتُمْ **وَلَقَدْ رَاٰهُ** رَاٰی مُحَمَّدٌ جِبْرِیْلَ عَلَیْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی صُوْرَتِهِ الَّتِیْ خُلِقَ عَلَیْهَا **بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ**﴿۲۳﴾ الْبَیِّنِ وَهُوَ الْاَعْلٰی بِنَاحِیَةِ الْمَشْرِقِ **وَمَا هُوَ** اَیْ مُحَمَّدٌ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ **عَلَی الْغَیْبِ** مَاغَابَ مِنَ الْوَحْیِ وَخَبَرِ السَّمَاءِ **بِضَنِیْنٍ**﴿۲۴﴾ بِمُتَّهَمٍ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالضَّادِ اَیْ بِبَخِیْلٍ فَیَنْقُصُ شَیْئًا مِنْهُ **وَمَا هُوَ** اَیِ الْقُرْاٰنُ **بِقَوْلِ شَیْطٰنٍ** مُسْتَرِقِ السَّمْعِ **رَّجِیْمٍ**﴿۲۵﴾ مَرْجُوْمٍ **فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ**﴿۲۶﴾ فَاَیَّ طَرِیْقٍ تَسْلُكُوْنَ فِیْ اِنْكَارِكُمُ الْقُرْاٰنَ وَاِعْرَاضِكُمْ عَنْهُ **اِنْ** مَا **هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ** عِظَةٌ **لِّلْعٰلَمِیْنَ**﴿۲۷﴾ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ **لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ** بَدَلٌ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ بِاِعَادَةِ الْجَارِ **اَنْ یَّسْتَقِیْمَ**﴿۲۸﴾ بِاتِّبَاعِ الْحَقِّ **وَمَا تَشَآءُوْنَ** الْاِسْتِقَامَةَ عَلَی الْحَقِّ **اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ**﴿۲۹﴾ الْخَلَائِقِ اِسْتِقَامَتَكُمْ عَلَیْهِ

سورہ تکویر مکیہ ہے اس میں ۲۹ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ: .... سورج جب بے نور ہو جائے گا (لپیٹ دیا جائے گا اور اس کی روشنی گل ہو جائے گی) اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں گے (زمین پر گر کر بکھر جائیں گے) اور پہاڑ جب چلائے جائیں گے (زمین سے اکھاڑ کر اڑے پھریں گے) اور دس مہینے کی گابھن (حاملہ) اونٹنیاں جب چھٹی پھریں گی (بغیر چرواہے کے یا دودھ دوہے بغیر دہشت ناک حالات کی وجہ سے۔ حالانکہ اہل عرب کے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی عجیب مال نہیں ہے) اور وحشی جانور سب جمع ہو جائیں گے۔ (دوبارہ زندہ ہونے کے بعد تاکہ ان سے ایک دوسرے کا قصاص لے کر انہیں مٹی کر دیا جائے) اور جب دریا بھڑکائے جائیں گی (لفظ فجرت تخفیف وتشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی سمندر دھونکا کر آگ بنا دیئے جائیں گے) اور جب روحیں ملا دی جائیں گی (اپنے اپنے بدنوں سے وابستہ ہو جائیں گی) اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے) (جس کو عار کے خوف یا محتاجگی کی وجہ سے زندہ درگور کر دیا ہوگا) پوچھا جائے گا (اس کے قاتل کو دہشت زدہ کرنے کے لئے) کہ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی تھی (ایک قرأت میں قتلت کسرہ تاء کے ساتھ پڑھا گیا ہے، اس سے خطاب کو نقل کرتے ہوئے اس کا جواب یہ ہوگا کہ میں بلاقصور ماری گئی ہوں) اور جب اعمال نامے کھول دیئے جائیں گے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی کھول دیئے اور پھیلا دیئے جائیں گے) اور آسمان جب کھینچ دیا جائے گا (اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے گا جیسے بکری سے کھال کھینچ دی جاتی ہے) اور جب دوزخ دہکائی جائے گی (تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے، یعنی بھڑکا دی جائے گی) اور جنت جب نزدیک کر دی جائے گی (جنتیوں کے قریب ان کو داخل کرنے کے لئے لے آئی جائے گی۔ شروع سورت کے اذا اور اس کے معطوفات کا جواب آئندہ ہے) ہر شخص جان لے گا (یعنی ہر آدمی ان مذکورہ چیزوں کے وقت یعنی قیامت میں واقف ہو جائے گا۔ ان اچھے برے) اعمال سے جو وہ لے کر آیا ہے۔ تو میں قسم کھاتا ہوں (اس میں لا زائد ہے) ان ستاروں کی جو پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں۔ چلتے رہتے ہیں، جا چھپتے ہیں (اس سے زحل، مشتری، مریخ، زہرہ عطارد پانچ ستارے مراد ہیں۔ تخنس ضمہ نون کے ساتھ پیچھے لوٹنے کے معنی ہیں۔ ان برجوں میں کہ ستارے آخر برج میں دکھائی دیں تکنس کسرہ نون کے ساتھ۔ اپنی جگہ چھپنے کے معنی ہیں۔

یعنی اپنی جگہ پوشیدہ میں غائب ہو جائے) اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے (اندھیرے کے ساتھ آئے یا جائے) اور قسم ہے صبح کی جب وہ آنے لگے۔ (پھیلتی چلی جائے، حتیٰ کہ دن چمکنے لگے) کہ یہ (قرآن) ایک فرشتہ کا لایا ہوا کلام ہے جو معزز ہے (اللہ کے نزدیک جبرائیل مراد ہیں، کلام کی نسبت ان کی طرف لانے کی وجہ سے کی گئی ہے) جو طاقت ور (نہایت قوت والا ہے) مالک عرش (اللہ تعالیٰ) کے نزدیک ذی مرتبہ ہے (عزت مند، اس کا تعلق عند کے ساتھ ہے) وہاں (اس کا حکم مانا جاتا ہے آسمانوں میں فرشتے اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں) امانت دار ہے (وحی لانے کے سلسلہ میں) اور یہ تمہارے ساتھ رہنے والے (محمد ﷺ مراد ہیں، اس کا عطف انـــہ پر ہے آخر مضمون قسم تک ہے) جنون والے نہیں ہیں (جیسا کہ تمہارا خیال ہے) اور انہوں نے اس کو دیکھا بھی ہے (محمد ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو اپنی اصلی شکل وصورت میں) صاف کنارہ پر (مشرقی بلندی پر واضح طریقہ سے) اور وہ (محمد ﷺ) مخفی باتوں پر (وحی اور آسمانوں کی پوشیدہ چیزوں پر) بخل کرنے والے بھی نہیں ہیں (ظـنـیـن کے معنی متہم کے ہیں، البتہ ایک قرأت میں ضـنـیـن ضاد کے ساتھ ہے۔ یعنی وحی کے سلسلہ میں بخیل نہیں ہیں کہ کچھ کم کر کے ظاہر کریں) اور یہ (قرآن) شیطان کی بات نہیں (چوری چھپے سنی ہوئی) جو مردود (راندہ) ہے۔ تم لوگ کدھر جارہے ہو (قرآن کے انکار اور اپنی پہلوتہی کے معاملہ میں کہاں جارہے ہو) بس یہ تو دنیا جہان کے (انسان وجنات) کے لئے ایک بڑا نصیحت نامہ ہے ایسے شخص کے لئے جو تم میں سے (یہ عـالـمیـن سے بدل ہے اعادہ جار کے ساتھ ہے) سیدھا چلنا چاہے (حق کی پیروی کرتے ہوئے) اور تم (استقامت حق کے سلسلہ میں) کچھ نہیں چاہ سکتے۔ بدون اللہ رب العالمین کے چاہے ہوئے (تمہاری استقامت حق کو۔)

تحقیق وترکیب:............ **کورت**. **کورت العمامہ** کے معنی پگڑی لپیٹنے کے ہیں۔ مفسرؒ نے معنی مجازی کی طرف اشارہ کیا ہے یہاں مجاز فی الطرف کے ساتھ مجاز فی الاسناد بھی ہورہا ہے یا مضاف مقدر مانا جائے۔ لففت کی بجائے مفسرؒ کو لفت کہنا چاہئے تھا۔

ای لف بعضھا ببعض ورمی بھا فی البحر ثم یر سل علیھا ریحا دبوراً فتضر بھا فتصیر ناراً.

الـعشــار. جمع ہے عشــراء کی نفاس اور نفساء کی طرح ہے ان دونوں الفاظ کی اور کوئی نظیر نہیں ہے۔ جیسا کہ قاموس میں ہے۔ عشراء دس مہینہ کی گابھن اونٹنی کو کہتے ہیں۔

عطلت. یعنی ایسی قریب الولادت اونٹنی بڑی قیمتی اور عزیز ہوتی ہے۔ مگر قیامت کی دہشت ناکی کے مارے کسی کو بھی اس کا ہوش نہیں رہے گا۔ اس میں اہل عرب کے مذاق کی رعایت سے عشر کی تخصیص کی گئی ہے۔ ممکن ہے یہ صورت نفخہ اولیٰ کے وقت ہو۔ پھر ان سب جانوروں کو نیست ونابود کر دیا جائے گا۔ اور بعض کے نزدیک وہ جانور پھر بھی باقی رہ جائیں گے جن کو لوگ پالتے تھی۔ جیسے مور، کبوتر، چڑیں، مرغیاں وغیرہ۔

سجرت. قرطبیؒ نے جواس کے متعلق اقوال نقل کئے ہیں ان میں سے ایک رائے وہ ہے جو مفسرؒ اختیار کر رہے ہیں کہ سمندر پانی سے لبریز ہو جائیں گے اور رل مل کر سب ایک ہو جائیں گے۔ پھر ان کو آگ میں تبدیل کر کے دھونکا دیا جائے گا سائنس نے پانی سے بجلی نکال کر قرآن کی اس خبر کی تصدیق کر دی ہے۔

الـمـوءدۃ. لڑکی کو اگر باقی رکھنا مقصود ہوتا تب تو اس کو کمبل کا لباس پہنا کر بکری، اونٹ چرانے کے لئے جنگلوں میں چھوڑ دیا جاتا۔ ورنہ داماد آنے کی عار یا فقر وفاقہ کے اندیشہ سے چھ سال کی عمر میں اس کو اپنے ہاتھوں بنا سنوار کر زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ عرب جاہلیت کی رسم قدیم ہندوستان کے راجپوتوں میں بھی رائج تھی۔ اسلام نے آکر اس رسم بد کی بیخ کنی کر ڈالی۔

ســئـلــت. اصل استفسار قاتل، مجرم سے ہونا چاہئے جس کی یہاں نفی نہیں ہے۔ تاہم زندہ در گور لڑکی سے قرین مقدمہ کی حیثیت سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کوئی جرم کیا تھا۔ جس کی پاداش میں اس طرح ماری گئی۔ مگر اس کے بیان سے جس کا انکار مجرم نہیں کر سکے گا ثابت ہوگا کہ بے قصور ماری گئی ہے۔

علمت نفس. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ نفس نکرہ ہونے کی وجہ سے عام ہے۔ جیسا کہ **تمرة خير من جراءة** میں اثبات کے موقعہ پر عام ہے۔

الخنس. شمس وقمر کے علاوہ پانچ ستاروں کے یہ اوصاف ہیں۔ خنس کے معنی **رجعت قهقرى**، گردش اور چلنے کے معنی ہیں۔ قرطبیؒ نے ان ستاروں کی تخصیص کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک وجہ تو بقول بکر بن عبداللہ المزنی یہ ہے کہ یہ وہ ستارے ہیں جو سورج کے سامنے نہیں ہوتے اور دوسری وجہ بقول ابن عباسؓ یہ ہے کہ یہ ستارے مجیرہ کو قطع کرتے ہیں اور حسنؒ وقتادہؒ کہتے ہیں کہ یہ ستارے دن میں چھپے اور رات میں نمایاں ہوتے ہیں۔ اور کنس کا مطلب یہ ہے کہ غروب کے وقت یہ نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں۔

صحاح میں ہے **خنس** سے مراد سیارے ہیں، ثوابت مراد نہیں ہے۔ فراءؒ کہتے ہیں کہ جس طرح ہرن جھاڑیوں میں چھپ جاتا ہے۔ اسی طرح ان ستاروں کا حال ہوتا ہے یعنی دیکھنے والوں کو آنکھ مچولی کرتے نظر آتے ہیں۔ اسی لئے ان کو خمسہ متحیرہ کہتے ہیں۔ اور یہ ہیئت حرکات تدویریہ کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ سورج میں تدویری حرکت نہیں۔ اس لئے اس کے لئے رجعت بھی نہیں اور چاند میں اگرچہ تدویری صورت ہوتی ہے۔ مگر تیز رفتاری کی وجہ سے رجعت محسوس نہیں ہوتی، یہ سب گفتگو یونانی قدیم فلسفہ کی بنیاد پر ہے۔ جس میں آسمانوں کے لئے حرکات تدویری مانی گئی ہیں۔ سائنسی مشاہدات اگرچہ اس سے مختلف ہیں۔ لیکن قرآن کی بیان کردہ حقیقتیں بدستور رہیں گی۔

اذا عسعس. یہ لفظ اضداد میں سے ہے آنے جانے کے معنی ہیں۔ لیکن آیت **واليل اذا يغشى** اور **واليل اذا سجى** کی وجہ سے پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں۔

امامؒ راغب کہتے ہیں کہ **عسعس** کے معنی معمولی تاریکی کے ہیں۔ جو ابتدائی اور آخری شب دونوں حصوں میں صادق آتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ لفظ دونوں معنی میں مشترک معنوی ہے۔

اذا تنفس. اصل معنی سانس باہر آنے کے ہیں۔ صبح ظاہر ہونے سے استعارہ کیا گیا ہے۔ پہلے جملہ سے مناسبت ظاہر ہے۔ کیونکہ اس میں اگر ابتدائے شب مراد ہے تو یہاں صبح کا آغاز مراد ہے اور اگر آخر شب مراد ہو تب بھی وہ صبح کے مجاور اور قریب ہوتی ہے۔ ایک کا آخر اور دوسرے کا شروع ہونے کی وجہ سے **ذى قوة** جیسا کہ قوم ثمود پر عذاب لانے کے وقت اور آسمانوں پر جانے آنے میں ان کی قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔

عندذى العرش. لفظ عند سے مکانیت کا شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس سے قرب ومرتبہ مراد ہے۔ اس کا تعلق نحوی مکین کے ساتھ ہے یعنی اس کا حال ہے۔ اصل میں یہ وصف تھا مگر مقدم ہونے کی وجہ سے حال ہو گیا۔

مطاع ثم. ثم ظرف مکان بعید کے لئے ہے۔ مطاع عامل ہے۔

وما صاحبكم. اس سے مراد آنحضرت (ﷺ) ہیں۔ اس کا عطف انه الخ پر ہے۔ جس سے حضرت جبرائیل مراد ہیں۔

لقد راٰه. اس کا عطف بھی انه پر ہے۔ بقول ابن عباسؓ غار حرا پر آنحضرت ﷺ نے جبرائیل کو اصل شکل میں دیکھا۔ زمین وآسمان کے درمیان کرسی نشین تھے۔ ان کے بدن پر چھ سو بازو تھے۔ اور ناحیة المشرق سے مراد طلوع آفتاب کی جانب ہے۔ اور بعض حضرات نے اس دیکھنے سے مراد سدرة المنتہیٰ پر دیکھنا لیا ہے۔

بضنين. ابوعمرؒو اور ابن کثیرؒ اور کسائیؒ ظا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ظنه سے ماخوذ ہے بمعنی تہمت۔ اور باقی قراء کے نزدیک ضنین ہے بمعنی بخیل۔ یعنی آپ کو جو حکم دیا گیا اس کو بلا کم وکاست پہنچاتے ہیں بخل نہیں فرماتے۔ ابوعبیدہؒ دو وجہ سے پہلی قراءت کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایک وجہ تو یہ کہ کفار آنحضرت ﷺ کو وحی سے متعلق کذب سے متہم کرتے تھے۔ وحی کے متعلق بخل کا الزام نہیں دیتے تھے۔ اس لئے نفی بخل کے مقابلہ میں نفی تہمت زیادہ مناسب ہے۔ دوسرا قرینہ **على الغيب** ہے۔ کیونکہ بخل علی کے ساتھ متعدی نہیں ہوتا۔ بلکہ با کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے۔

فاین تذھبون . این ظرف مکان مبہم کے لئے ہے اور تذھبون سے منصوب ہے۔ یعنی حضور ﷺ پر الزام تراشی کر کے کدھر جارہے ہو۔

الا ان یشاء . مکیؒ کہتے ہیں کہ ان اور انما دونوں با مضمر مان کر موضع جر میں ہیں۔ ای الا بان اور با مصاحبت کے لئے ہوگی یا سببیہ ہوگی۔ یہ ترکیب اقرب ہے۔

ربط آیات: .... پچھلی اور اگلی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی قیامت کا ذکر ہے اور آخر سورت میں اس کی تقویت کے لئے قرآن کی حقانیت کا بیان ہے جس میں قیامت کی تیاری کی تاکید ہے۔

شان نزول و روایات: .... سورت کے انداز بیان اور مضمون سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ سورت بھی مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی ہے۔ ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں۔ اذا الشمس سے لے کر اذا البحار سجرت تک چھ آیات وہ ہیں جن کا نظارہ دنیا میں ہوگا۔ اور اذا النفوس زوجت سے اذا الجنة ازلفت تک چھ آیات آخرت سے متعلق ہیں۔ اسی طرح ابی بن کعب سے تخریج ہے کہ لوگ بازاروں میں ہوں گے کہ اذا الشمس کورت کا منظر سامنے آجائے گا۔ اسی طرح دوسری نشانیوں کا ظہور ہوگا۔ ''سورۂ تکویر'' پہلے جملہ کے لفظ ''کورت'' کی وجہ سے نام ہوا۔ جس کے معنی لپیٹی گئی کے ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: .... اذا الشمس کورت . بظاہر اس عالم رنگ و بود کا قیام نظام شمسی سے وابستہ ہے۔ قیامت کا مطلب اس شیرازہ بندی کو کھول دینا ہے۔ اس لئے سورج کے بے نور کر دیئے جانے کے لئے ''تکویر'' ایک بے نظیر استعارہ ہے کیونکہ عمامہ پھیلا ہوا ہوتا ہے جس کو سر کے گرد لپیٹا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے اس روشنی کو جو سورج سے نکل کر سارے جہاں میں پھیلی ہوتی ہے قیامت کے روز یہ روشنی سورج پر لپیٹ دی جائے گی اور اس کا پھیلنا بند ہو جائے گا۔ گویا اس کی لمبی شعاعیں لپیٹ کر رکھ دی جائیں گی اور سورج بے نور ہو کر پنیر کی ٹکیہ کی طرح رہ جائے گا یا بالکل نابود ہو جائے گا۔

واذا النجوم انکدرت . تاروں کے منکدر اور منتشر ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ جس بندش کے ذریعہ اپنے نظام شمسی سے جڑے ہوئے ہیں وہ کھل جائے گی اور سارے ستارے کائنات میں بکھر جائیں گے اور سورج کی طرح ان کی روشنی بھی ماند پڑ کر مائل بکدورت ہو جائے گی۔

زمینی چیزیں بھی تہ و بالا ہو جائیں گی: .... واذا الجبال سیرت . پہاڑوں کے ریگ رواں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نہ زمین کی کشش ختم ہو جائے گی اور پہاڑ زمین پر یا ہوا میں بادلوں کی طرح بے وزن ہو کر اڑتے پھریں گے۔

واذا العشار عطلت ۔ عربوں کے نزدیک اونٹنیاں بہترین مال شمار ہوتی تھیں اور وہ بھی ایسی گابھن جو بیانے کے قریب ہوں، دودھ اور بچہ کی توقع پر زیادہ عزیز ہوتی ہیں۔ لیکن قیامت کی ہولناکیوں کے وقت ایسے نفیس و عزیز مال کو بھی کوئی نہ پوچھے گا نہ مالک کو اتنا ہوش ہوگا کہ وہ ایسے بہترین مال کی فکر کرے۔ عربوں کو قیامت کی سختیوں کا تصور دلانے کے لئے اس سے بڑھ کر مؤثر اور کیا طرز بیان ہو سکتا ہے۔ پھر یہ کہنا کہ ٹرین، ٹرک، بسیں، موٹریں چلنے کے بعد...... اونٹنیاں بیکار ہو گئیں محض ظرافت کی بات ہے۔

واذا الوحوش حشرت . وحشی جنگلی جانور جو آدمی کے سایہ سے بھی بھاگتے ہیں۔ مضطرب و بے قرار ہو کر مصیبت کے وقت دوسرے پالتوں جانوروں کے ساتھ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اس وقت نہ سانپ ڈستا ہے اور نہ شیر پھاڑتا ہے۔ بعض مفسرینؒ نے

حشرت کے معنی مارنے کے اور بعض نے مار کر اٹھانے کے لئے ہیں۔

واذا البحار سجرت. تسجیر کے معنی تنور میں آگ دہکانے کے ہیں۔ قیامت کے روز سمندروں میں آگ کا بھڑک اٹھنا بظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن پانی جس کی ترکیب آکسیجن اور ہائیڈروجن دو ایسے گیسوں سے ہوتی ہے جس میں سے ایک آگ بھڑکانے والی اور دوسری بھڑک اٹھنے والی ہے۔ ان دونوں کی ترکیب سے پانی بنتا ہے جو آگ بجھا دیتا ہے۔ اللہ اپنی قدرت سے اگر پانی کی اس ترکیب کو بدل دے اور یہ دونوں گیسیں ایک دوسرے سے الگ ہوکر بھڑکنے اور بھڑکانے میں مصروف ہوجائیں جوان کی اصل بنیادی خاصیت ہے تو اس میں ذرہ بھر بھی استعجاب نہیں رہتا۔ یا یوں کہا جائے کہ جس طرح وحشی غیر وحشی سب جانور گڈمڈ ہوجائیں گے۔ اسی طرح اول دریاؤں میں طغیانی آئے گی اور زمین میں دراڑ پڑ جائیں گے جس سے شور و شیریں دریا مل کر سب ایک ہوجائیں گی۔ جس کا ذکر اگلی سورت کی آیت **واذا البحار فجرت** میں آرہا ہے اس کے بعد سارا پانی انتہائی حرارت کی وجہ سے ہوا، اور پھر آگ میں تبدیل ہوجائے گا۔ جیسا کہ فلاسفہ قدیم استحالہ عناصر کی بحث میں کہتے ہیں۔

قیامت کا دوسرا مرحلہ:.......... **واذا النفوس زوجت.** یہاں سے قیامت کے دوسرے مرحلہ کا بیان ہے۔ اس آیت کا ایک مفہوم تو وہ ہے جو مفسر علامؒ فرمارہے ہیں کہ جانیں جسموں سے چھوڑ دی جائیں گی۔ یعنی دنیا میں جس طرح انسان جسم و روح کے ساتھ زندہ ہے۔ اسی طرح پھر از سرنو زندہ کر دیئے جائیں گے۔ اور دوسرا مطلب وہ ہے جو دوسرے مفسرینؒ نے لیا ہے۔ یعنی مختلف قسم کے اصناف الگ الگ گروہوں میں ملا دیئے جائیں گے۔ یعنی مسلمانوں میں اور کافروں میں، اسی طرح نیک نیکوں میں، بدبدوں میں ملا کر جماعت جماعت بنادیئے جائیں گے۔ غرض عقائد، اعمال واخلاق کے لحاظ سے الگ الگ ٹولیاں کر دی جائیں گی۔

زندہ درگور لڑکیوں کی بپتا:.......... **واذا المؤدة سئلت.** یعنی بیٹی کو زندہ گاڑ دینے والے ماں باپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل نفرت ہوں گے۔ ان سے رخ دے کر یہ بھی نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے اس معصوم بچی کو آخر کیوں قتل کر دیا؟ بلکہ ان سے نگاہیں پھیر کر خود معصوم بچی سے پوچھا جائے گا کہ آخر کس قصور میں تو بے چاری ماری گئی اور اپنی دکھ بھری بپتا سنائے گی کہ ظالم ماں باپ نے بے بس بے زبان کے ساتھ کیا ستم ڈھایا۔ افسوس کہ جاہلیت نے عرب کو کتنی اخلاقی پستی میں لاکھڑا کیا تھا کہ وہ اپنی ہی اولاد کو نہایت بے رحمی سے اپنے ہاتھوں میں کس طرح گڑھوں میں دھکیل دیتے۔ اور حضور اکرم ﷺ معاشرے کے اس ناسور کو مندمل فرمانا چاہتے تو ان کے آڑے آتے۔ نیز یہی بات قیامت کے ضروری ہونے کی دلیل بھی ٹھہرتی ہے۔ آخر اس زندہ درگور لڑکیوں کی کہیں تو دادرسی ہونی چاہئے اور ایسے ظلموں کی پاداش کا بھی تو کوئی موقعہ ہونا چاہئے۔ دفن ہونے والی معصوم لڑکی کی چیخ و پکار، فریاد سننے والا تو کوئی دنیا میں نہ تھا۔ نہ ماں باپ کا دل پسیجتا تھا اور نہ خاندان میں کوئی ملامت کرنے والا اور ہاتھ پکڑنے والا تھا۔ دوسروں کو تو خیر کیا پڑی تھی۔ پھر کیا خدا کی خدائی میں بھی یہ زور وظلم، بے انصافی ہی رہ جانا چاہئے۔

ایک لڑکی کی دکھ بھری داستان:.......... حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے اپنی جاہلیت کا واقعہ خود ہی بیان کیا کہ میری ایک بیٹی مجھ سے بہت مانوس تھی۔ ایک روز میں اسے اپنے ساتھ لے کر چلا۔ راستہ میں مجھے ایک کنواں نظر پڑا۔ میں نے فوراً ہی اسے کنوئیں میں دھکیل دیا۔ وہ ہائے ابا ہائے ابا کہتی رہی۔ مگر میں نے ایک نہ سنی۔ رحمۃ للعالمین یہ سن کر روئے اور آپ ﷺ کے آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا بھئی، تو نے حضور ﷺ کو غمگین کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اسے مت

روکو۔ جس چیز کا اسے شدید احساس ہے اسے پوچھنے دو۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ اپنا واقعہ پھر بیان کر۔ اس نے دوبارہ بیان کیا۔ آپ سن کر اس قدر روئے کہ آپ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ پھر ارشاد ہوا کہ جو کچھ جاہلیت میں ہوگیا، اللہ نے اسے معاف کر دیا۔ اب نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کر۔

دراصل معاشی ابتری اور بدحالی بھی عربوں کو مجبور کر رہی تھی کہ وہ اولاد کو کم کریں۔ بیٹوں کو تو اس امید پر پالتے تھے کہ وہ آگے چل کر معاش میں ہاتھ بٹائیں گے۔ مگر بیٹیوں کا بوجھ تو ساری عمر خود اٹھانا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ ملک کی عام بدامنی میں لڑکے تو قوت بازو اور ڈھال بنتے تھے۔ لیکن لڑکیاں تو اور الٹی وبال جان بنتی تھیں۔ وہ دشمن پر اقدام یا دفاع کیا کرتیں، ان کے اغواء کا شکار ہو جاتیں، اور اپنی بہادری کے بے جا گھمنڈ کے نشہ میں داماد سے دبنے کو عار سمجھتے تھے۔ اس لئے یہ رسم بد پڑ گئی تھی کہ کبھی تو زچگی کے وقت ہی لڑکی کو دبایا جاتا اور اگر کبھی اس کا موقعہ نہ ہوتا تو کچھ مدت لڑکی جنجال بنی رہتی اور جب موقعہ ہاتھ آتا تو پہلی فرصت میں اس کام سے اطمینان کا سانس لیا جاتا۔

عرب میں عام معاشرہ کے بگڑے ہوئے مزاج کی تصویر تو یہی تھی۔ لیکن اسی کے ساتھ لوگوں کو اس کی قباحت کا احساس بھی رہتا۔ چنانچہ مشہور شاعر فرزدق کے دادا صعصعہ بن ناجیۃ المجاشعیؓ نے آنحضرت ﷺ سے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں کچھ اچھے کام بھی کئے ہیں۔ مثلاً: میں نے (۳۶۰) لڑکیوں کو زندہ در گور ہونے سے بچایا اور ہر لڑکی کو بچانے کے لئے دو اونٹ فدیہ میں صرف کئے۔ تو کیا اس پر مجھے اجر ملے گا؟ فرمایا: ہاں! اللہ نے اسلام کی نعمت عطا فرمائی۔ یہ اسی کا ثمرہ ہے۔

اسلام کی عظیم الشان برکات: .... یہ اسلام ہی کی برکت ہے کہ نہ صرف اس نے اس سنگدلانہ رسم کا خاتمہ کیا۔ بلکہ بیٹی کو ایک مصیبت کی بجائے ایک نعمت قرار دیا اور اس کی تعلیم و تربیت کے ساتھ پرورش کر کے اس کا گھر بسا دینا بہت بڑی نیکی کا کام قرار دیا۔ اس سلسلہ میں چند ارشادات ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ **من عادل ثلث بنات او مثلهن من الا خوات فاد بهن ورحمهن حتى يغنيهن الله اوجب الله له الجنة فقال رجل يارسول الله، او اثنتين قال او اثنتين حتى لو قالوا او واحدة فقال واحدة.**

جس نے تین بیٹیوں یا بہنوں کو پرورش کیا۔ ان کو ادب سکھلایا اور ان سے شفقت آمیز برتاؤ کیا۔ یہاں تک کہ وہ بے نیاز ہوگئیں تو اللہ اس کے لئے جنت واجب کر دے گا۔ ایک شخص بولا۔ یارسول اللہ! اور دو؟ فرمایا وہ بھی۔ اور لوگ ایک کے بارے میں کہتے ہیں۔ تو حضور ﷺ ایک کے بارے میں بھی یہی فرماتے ہیں۔

۲۔ **من كان له ثلاث بنات وصبر عليهن وكساهن من جدته كن له حجابا من النار.**

جس کے تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان پر صبر کرے۔ اپنی حیثیت کے مطابق ان کو اچھے کپڑے پہنائے۔ تو وہ اس کے لئے جہنم سے نجات کا ذریعہ بنیں گی۔

۳۔ **من عال جاريتين حتى تبلغ جاء يوم القيامة انا وهكذا وهتم اصابعه.**

جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی۔ یہاں تک کہ وہ بالغ ہوگئیں تو قیامت کے دن میرے ساتھ وہ اس طرح ہوگا جیسے یہ انگلیاں ملی ہوئی ہوں۔

۴۔ **ان النبي صلى الله عليه وسلم قال سراقة بن جعشم الا ادلک على اعظم الصدقة او من اعظم قال بلى يارسول**

الله قال بنتیک المردود الیک لیس لها کاسب غیرک.

حضور ﷺ نے سراقہ بن جعشم سے پوچھا کہ میں تم سب سے بڑا صدقہ نہ بتادوں؟ عرض کیا یا رسول اللہ! ضرور بتلائیے۔ فرمایا کہ تیری دو بیٹیاں تیرے گھر ضرور ہیں اور ان کے تیرے علاوہ کوئی کمانے والا نہ ہو۔

۵۔ من کانت له انثی فلم یئد ها و لم یهنها و لم یؤثر ولده علیها ادخله الجنة.

جس کے یہاں لڑکی ہو اور وہ اس کو زندہ دفن نہ کردے نہ ذلیل کر کے رکھے اور نہ بیٹے کو اس کے مقابلہ میں ترجیح دے تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

اسلام کی یہی تعلیم ہے جس کے متعلق دنیا کی ان تمام قوموں کا نقطہ نظر بدل کر رکھ دیا۔ جنہوں نے اسلام سے فیض حاصل کیا۔

قیامت کی ہولناکی کا نقشہ: .... **واذا السماء کشطت.** یعنی جس طرح جانور کی کھال اتارنے کے بعد تمام رگ ریشے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح آسمان کھل جانے کے بعد سب چیزیں نظر آجائیں گی اور جو کچھ نگاہوں سے اب تک پوشیدہ رہا سب عیاں ہو جائے گا۔ اب تو بادل، چاند، سورج اور ستارے، گرد و غبار خلا نظر آتا ہے۔ لیکن اس وقت خدا کی خدائی سب کے سامنے بے حجاب ہو جائے گی اور غمام کا نزول ہوگا۔ جس کا ذکر آیت **یوم تشقق السماء بالغمام** میں ہوا ہے۔

واذا الجحیم سعرت. قیامت میں مقدمات کی ساعت کے وقت جہنم کی دہکتی آگ بھی سب کو نظر آرہی ہوگی اور جنت بھی ساری نعمتوں کے ساتھ سب کے سامنے آموجود ہوگی۔ تاکہ اچھے برے سب جان لیں کہ اب ہمیں کہاں جانا ہے۔ اور کس چیز سے محروم ہونا ہے۔

فلا اقسم. خنس اور کنس دونوں لفظ سے زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد ان ستاروں کی مخصوص چال مراد ہے۔ مغرب سے مشرق کو اگر یہ ستارے چلیں تو یہ سیدھی راہ ہوتی اور کبھی ٹھٹک کر الٹے پھرتے ہیں اور کبھی سورج کے پاس آکر کچھ دن غائب رہتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز تحریر فرماتے ہیں کہ **و الیل اذا عسعس والصبح اذا تنفس** میں کہ سورج کو تیرنے والی مچھلی سے تشبیہ دی گئی ہے اور طلوع سے پہلے اس کے نور پھیلنے کو مچھلی کے سانس سے منسوب کیا کہ جس طرح مچھلی پانی میں چھپ کر چلتی ہے اور اس کے سانس سے پانی اڑ کر پھیلتا ہے۔ یہی حال سورج کا طلوع اور روشنی سے پہلے ہوتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ صبح دم سے مراد نسیم صبح ہے جو موسم بہار میں چلتی ہے۔ ان قسموں کی مناسبت اگلے مضمون سے یہ ہے کہ ان ستاروں کا چلنا، پھرنا، لوٹنا اور چھپ جانا ایک نمونہ ہے۔ اگلے انبیاء پر بار بار وحی آنے اور ایک مدت تک اس کے آثار باقی رہنے اور پھر منقطع ہو کر چھپ جانے اور غائب ہو جانے کا۔ اور آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے فترت کے تاریک دور کا نمونہ رات کا آنا ہے کہ کسی شخص کو حق و باطل کی تمیز نہ رہی تھی اور وحی کے آثار بالکل مٹ چکے تھے۔ اس کے بعد صبح صادق کی پو پھٹنا حضور ﷺ کی آمد اور قرآن کا نزول ہے جس نے ہر چیز کو روز روشن کی طرح نور ہدایت سے منور کر دیا۔ گویا دوسرے انبیاء اگر مثل ستاروں کے تھے تو آپ ﷺ آفتاب درخشاں۔

فانه شمس فقل هم کواکبها   یظهرن انوارها للناس فی الظلم

حتی اذا ظلمت فی الکون عم هداها   للعالمین واحییت سائر الامم

اور بعض کی رائے ہے کہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور لوٹنا اور چھپ جانا فرشتے کے آنے جانے اور عالم ملکوت میں جا چھپنے کے مشابہ ہے اور رات کا گزرنا اور صبح کا نمودار ہونا قرآن کے نور سے کفر کی ظلمت دور ہونے کے مشابہ ہے۔ اس تقریر سے قسم اور مضمون میں

مناسبت زیادہ واضح ہے۔

جبرائیل امین اور رسول کریم ﷺ: .... انه لقول رسول كريم . یعنی اللہ کا کلام جو بندوں تک پہنچا۔ اس میں دو واسطے ہیں۔ ایک وحی لانے والا فرشتہ جبرائیل امین اور دوسرے خود سرور عالم ﷺ یہاں حضرت جبرائیل کی صفات کا بیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں واسطوں کی خوبیاں معلوم ہو جانے کے بعد قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ آخر راوی کی مضبوطی اور کمزوری روایت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ پس جبرائیل جب "کریم" یعنی انتہائی متقی اور پاکباز اور قوی الحفظ اور ضابط اور قوت بیانیہ رکھنے والے ہیں۔ اللہ کے یہاں سب سے مقرب اور فرشتوں میں مسلم ہیں۔ پھر ان کے معتبر ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

اسی طرح وما صاحبكم الخ میں آنحضرت ﷺ کی شان کا ذکر ہے کہ تمہیں ان کے چالیس سالہ دور کا تجربہ ہے۔ کبھی ان میں جھوٹ، فریب، دیوانہ پن کی بات نہیں دیکھی۔ ہمیشہ ان کی دانائی، امانت، صداقت مسلمہ رہی۔ اب اسے بلا وجہ جھوٹا، دیوانہ کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ ایسے شخص کو دیوانہ کہنا یا سمجھنا خود دیوانگی ہے۔ قرآن کو قول رسول کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ جبرائیل کا کلام ہے یا حضور ﷺ کا اپنا تصنیف کردہ ہے۔ بلکہ قول رسول کہنے کا یہ منشاء ہے کہ آپ یہ کلام الٰہی بحیثیت محمد بن عبداللہ پیش نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ رسول اور پیغامبر ہونے کے لحاظ سے نقل فرمارہے ہیں۔ پس دونوں واسطے محض ناقل ہیں۔

ولقد راٰه. بقول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے دو مرتبہ جبرائیل کو ان کی اصل شکل میں دیکھا ہے۔ چھ سو بازوؤں کے ساتھ زمین و آسمان کی ساری فضا کو گھیرے ہوئے ہیں۔ یہاں مشرقی کنارہ پر دیکھنا بیان کیا گیا ہے اور صاف طور پر دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو دیکھنے میں کسی طرح کا اشتباہ واقع نہیں ہوا۔

(سورہ نجم میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔)

رسول کریم ﷺ نہ اپنے ظن وتخمین سے کہتے ہیں اور نہ وحی کے بیان کرنے میں بخل کرتے ہیں: ...... وما هو على الغيب بضنين . اللہ کے اسماء وصفات ہوں یا احکام شرع گذشتہ اور آئندہ واقعات ہوں، یا موت کے بعد کے احوال اور جنت ودوزخ کے حالات۔ سب غیب کی ہی باتیں ہیں۔ ان کے بتلانے میں آپ ذرہ بھر بخل نہیں کرتے اور نہ نذرانہ بخشش یا اجرت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور بظنین کی قرات ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ وحی کی قطعیت سے فرماتے ہیں۔ ظن وتخمین اور گمان سے نہیں فرماتے۔ برخلاف کاہن کے کہ وہ غیب کی ایک نامکمل جزئی بات اگر بتلاتا بھی ہے تو سو جھوٹ ملا کر کہتا ہے اور اس کے بتلانے میں بھی اس قدر بخیل ہوتا ہے کہ بغیر مٹھائی یا نذرانہ کے ایک حرف زبان سے نہیں نکالتا۔ پس کہاں پیغمبر کا مقام اور کہاں ایک کاہن کی حیثیت؟ دونوں میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔

اس آیت سے مسئلہ علم غیب پر استدلال کرنا قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ جہاں تک علم ذاتی کا تعلق ہے وہ سب کے نزدیک متفق علیہ طور پر حق تعالیٰ کی ساتھ خاص ہے، حضور ﷺ کو علم عطائی حاصل ہے۔ البتہ اس میں گفتگو ہے کہ وہ عطائی علم بھی محیط ہے یا غیر محیط؟ علم محیط ثابت نہیں ہے۔ آیت لا اعلم الغيب اور لو كنت اعلم الغيب لا استكثرت من الخير وما مسني السوء. اور روایت لاتدري ما احدثوا بعدك کی وجہ سے اور غیر محیط علم ماننا قائلین محیط کے لئے مفید نہیں ہے اور نہ غیر محیط عالم کو عالم الغیب کہا جائے گا۔ ورنہ دوسروں کو بھی عالم الغیب کہنا پڑے گا۔ جو کسی کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہے۔

قرآن کو شیطان کا کلام کیسے کہا جا سکتا ہے:............ وما هو بقول شیطان رجیم . یعنی تمہارا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ شیطان آ کر آنحضرت ﷺ کے کان میں یہ باتیں پھونک دیتا ہے۔ بھلا شیطان ایسی نیکی اور پرہیزگاری کی باتیں کیوں سکھلانے لگا۔ جس میں سراسر انسان کا فائدہ اور اس ملعون کی مذمت وقباحت ہو۔ وہ جاہلانہ رسموں اور بداخلاقی اور بدکرداری سے روک کر پاکیزگی عدل وانصاف اور خدا پرستی اور اخلاق فاضلہ کی طرف رہنمائی کیسے کر سکتا ہے۔

فاین تذهبون . یعنی حضور ﷺ کے بارے میں جب جھوٹ، دیوانگی، کہانت وغیرہ کا شائبہ اور احتمال ہی نہیں۔ تو پھر اب حق وصداقت کے سوا اور کیا رہ جاتا ہے۔ پھر اس روشن اور صاف راستہ کو چھوڑ کر تم لوگ کدھر بہکے جا رہے ہو؟

ان هو الاذکر للعالمین . قرآن کی ہدایت وتعلیمات اور اس کے مضامین واحکام میں غور کرو تو اس کے سوا کچھ نہ نکلے گا کہ یہ سارے جہان کے لئے ایک سچا اور مکمل دستور العمل ہے جس سے فلاح دارین وابستہ ہے۔

لمن شاء منکم ان یستقیم . جو لوگ نصیحت کا راستہ چلنا چاہیں اور کجی اور عناد کی راہ چھوڑ دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ انہی کے لئے خاص طور سے قرآن نفع بخش ہو سکتا ہے۔ وما تشاؤن الخ قرآن کریم اگر چہ فی نفسہ ایک نصیحت نامہ ہے۔ لیکن اس سے اثر پذیری اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ جن میں صلاحیت ہوتی ہے مشیت الٰہی ان سے متعلق ہو جاتی ہے اور جن میں یہ مادہ اور استعداد نہیں ہوتی، مشیت ان سے متعلق نہیں ہوتی اس لئے وہ محروم ہی رہتے ہیں۔ ان آیات میں یہ دونوں نکتے نہایت اہم ہیں۔

خلاصہ کلام:............ اس سورت میں آخرت اور رسالت وقرآن سے متعلق تین مضامین ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ شروع کی چھ آیات میں قیامت کے پہلے مرحلہ کا ذکر ہے۔ پھر واذا النفوس زوجت سے سات آیات میں قیامت کے دوسرے مرحلہ کا ذکر ہے۔ آخرت کا یہ سارا نقشہ کھینچ کر انسان کو یہ سوچنے کا موقعہ دیا گیا ہے کہ اس وقت ہر شخص جان جائے گا کہ کون لے کر آیا ہے؟ اس کے بعد آیت فلا اقسم الخ سے رسالت سے متعلق مضمون ہے۔ کہ محمد رسول اللہ ﷺ جو کچھ تمہارے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ وہ کسی دیوانہ کی بڑ اور کوئی شیطانی وسوسہ نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کے عالی مقام بزرگ امانت دار پیامبر کا بیان ہے جس کو محمد رسول اللہ ﷺ نے آسمان کے کنارے پر دن کی روشنی میں اپنی آنکھوں سے صاف صاف دیکھا ہے۔ تم اس کی تعلیم سے کہاں مڑ رہے ہو؟

اور ان هو الاذکر سے قرآن کی شان کا ذکر ہے کہ یہ ایک نصیحت نامہ ہے جس سے نفع اٹھانے کی دو شرطیں ہیں۔ ایک خود انسان کا اپنا ارادہ جو ظاہری سبب ہے اور دوسرے مشیت الٰہی جو حقیقی سبب ہے۔

فضائل سورت:............ من قرء سورة التکویر اعاذه الله ان یفضحه حین نشر مخیفته فرمایا۔ جو شخص سورہ تکویر پڑھے گا اللہ اس کو اعمال نامے کھلنے کے وقت رسوائی سے بچا لے گا۔ (حدیث موضوع)

لطائف سلوک:............ واذا النفوس زوجت۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہ یقون الرجل الصالح مع الرجل الصالح فی الجنة ویقون الرجل السوء مع الرجل السوء فی النار فذلک تزویج النفوس. حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ المرء مع من احب . جس سے معلوم ہوا کہ دنیا وآخرت دونوں جگہ لوگوں میں باہمی مناسبت دیکھی جاتی ہے۔ اور یہی مناسبت شیخ ومرید کے درمیان مدار نفع ہے۔

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ

سورة الانفطار مكية تسع عشرة آية

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿۱﴾ اِنْشَقَّتْ **وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ** ﴿۲﴾ اِنْقَضَّتْ وَتَسَاقَطَتْ **وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ** ﴿۳﴾ فُتِحَ بَعْضُهَا فِى بَعْضٍ فَصَارَتْ بَحْرًا وَّاحِدًا وَاخْتَلَطَ الْعَذْبُ بِالْمِلْحِ **وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ** ﴿۴﴾ قُلِبَ تُرَابُهَا وَبُعِثَ مَوْتَاهَا وَجَوَابُ اِذَا وَمَا عُطِفَ عَلَيْهَا **عَلِمَتْ نَفْسٌ** اَىْ كُلُّ نَفْسٍ وَقْتَ هٰذِهِ الْمَذْكُوْرَاتِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **مَّا قَدَّمَتْ** مِنَ الْاَعْمَالِ **وَ** مَا **اَخَّرَتْ** ﴿۵﴾ مِنْهَا فَلَمْ تَعْلَمْهُ **يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ** الْكَافِرُ **مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ** ﴿۶﴾ حَتّٰى عَصَيْتَهُ **الَّذِىْ خَلَقَكَ** بَعْدَ اَنْ لَّمْ تَكُنْ **فَسَوّٰكَ** جَعَلَكَ مُسْتَوِى الْخَلْقِ سَالِمَ الْاَعْضَاءِ **فَعَدَلَكَ** ﴿۷﴾ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ جَعَلَكَ مُعْتَدِلَ الْخَلْقِ مُتَنَاسِبَ الْاَعْضَاءِ لَيْسَتْ يَدٌ اَوْرِجْلٌ اَطْوَلَ مِنَ الْاُخْرٰى **فِىْٓ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا** زَائِدَةٌ **شَآءَ رَكَّبَكَ** ﴿۸﴾ **كَلَّا** رَدْعٌ عَنِ الْاِغْتِرَارِ بِكَرَمِ اللّٰهِ تَعَالٰى **بَلْ تُكَذِّبُوْنَ** اَىْ كُفَّارُ مَكَّةَ **بِالدِّيْنِ** ﴿۹﴾ الْجَزَاءِ عَلَى الْاَعْمَالِ **وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ** ﴿۱۰﴾ مِنَ الْمَلَائِكَةِ لِاَعْمَالِكُمْ **كِرَامًا** عَلَى اللّٰهِ **كٰتِبِيْنَ** ﴿۱۱﴾ لَهَا **يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ** ﴿۱۲﴾ جَمِيْعَهُ **اِنَّ الْاَبْرَارَ** الْمُؤْمِنِيْنَ الصَّادِقِيْنَ فِىْ اِيْمَانِهِمْ **لَفِىْ نَعِيْمٍ** ﴿۱۳﴾ جَنَّةٍ **وَّاِنَّ الْفُجَّارَ** الْكُفَّارَ **لَفِىْ جَحِيْمٍ** ﴿۱۴﴾ نَارٌ مُحْرِقَةٌ **يَّصْلَوْنَهَا** يَدْخُلُوْنَهَا وَيُقَاسُوْنَ حَرَّهَا **يَوْمَ الدِّيْنِ** ﴿۱۵﴾ الْجَزَاءِ **وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ** ﴿۱۶﴾ بِمُخْرَجِيْنَ **وَمَآ اَدْرٰىكَ** اَعْلَمَكَ **مَا يَوْمُ الدِّيْنِ** ﴿۱۷﴾ **ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ** ﴿۱۸﴾ تَعْظِيْمٌ لِّشَانِهِ **يَوْمُ** بِالرَّفْعِ اَىْ هُوَ يَوْمُ **لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا** مِنَ الْمَنْفَعَةِ **وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ** ﴿۱۹﴾ لَا اَمْرَ لِغَيْرِهٖ فِيْهِ اَىْ لَمْ يمكن اَحَدٌ مِّنَ التَّوَسُّطِ فِيْهِ بِخِلَافِ الدُّنْيَا

سورہ انفطار مکیہ ہے جس میں ۱۹ آیات ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

ترجمہ:............ جب آسمان پھٹ پڑے گا اور ستارے جب جھڑ پڑیں گے (ٹوٹ ٹوٹ کر گر جائیں گے) اور جب سب دریا بہہ پڑیں گے (ایک دوسرے میں مل کر سب ایک سمندر ہو جائیں گے۔ شیریں اور شور پانی رل مل جائے گا) اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی (مٹی الٹ کر مردے زندہ ہو کر، اذا اور اس کے تمام معطوفات کا جواب آگے ہے۔) ہر شخص جان جائے گا (مذکورہ باتوں کے وقت قیامت کے دن ہر شخص جان لے گا) اپنے پچھلے (اعمال) کو اور اگلے اعمال کو (جو ابھی نہیں کئے) اے انسان! (کافر) تجھے کس چیز نے دھوکا میں ڈال رکھا ہے ایسے رب کریم کے ساتھ (تا آنکہ اس کا نافرمان ہو گیا ہے) جس نے تجھ کو بنایا ہے (حالانکہ تو پہلے موجود نہیں تھا) پھر تجھے ٹھیک طور پر مکمل کر لیا (ٹھیک طریقہ پر صحیح الاعضاء بنا دیا) پھر تجھے اعتدال پر بنایا (تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی تیری بناوٹ معتدل اور اعضاء متناسب بنائے۔ یہ نہیں کہ ہاتھ یا پاؤں میں سے ایک دوسرے سے بڑا ہو) جس صورت میں (مـــا زائد ہے) چاہا تجھے جوڑ دیا ہرگز نہیں (اللہ کے کرم کے بھولنے پر ڈانٹ ڈپٹ ہے) بلکہ تم (کفار مکہ) جھٹلاتے ہو (سزائے اعمال کو) اور تم پر یاد رکھنے والے (اعمال کے فرشتے) معزز (اللہ کے نزدیک) لکھنے والے مقرر ہیں جو تمہارے سب (تمام) اعمال کو جانتے ہیں۔ نیک لوگ (مومن جو اپنے ایمان میں سچے ہوں) بلاشبہ آسائش (جنت) میں ہوں گے اور یقیناً بدکار (کفار) دوزخ (جلانے والی آگ) میں ہوں گے وہ اس میں بسیں گے (اس میں داخل ہو کر جھلسیں گے) قیامت (بدلہ) کے روز اور وہ اس سے باہر (خارج) ہوں گے۔ اور آپ کو کچھ (پتہ) خبر ہے کہ وہ روز جزاء کیسا ہے؟ پھر آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روز جزا کیسا ہے؟ (اس میں قیامت کی عظمت شان ہے) وہ ایسا دن ہے (یہ مرفوع ہے ای هــو يــوم) جس میں کسی شخص کے (نفع) کے لئے کچھ بس نہ چلے گا اور تمام تر حکومت اس روز اللہ کی ہوگی (دوسرے کی کچھ نہ چلے گی یعنی وہاں کسی کا واسطہ نہ رہے گا جیسا کہ دنیا میں ہوا کرتا ہے۔)

تحقیق وترکیب:............ **انتثرت**. موتیوں کا لڑی سے بکھر جانا، ستاروں کے ٹوٹنے سے استعارہ ہے۔ مشبہ بہ کہ لوازم میں سے انتشار کا ذکر ہے۔ استعارہ تخییلیہ ہو گیا۔

بعثرت. قبر کی مٹی کا الٹ پلٹ ہو جانا۔

علمت نفس. علم تفصیلی مراد ہے۔ ورنہ اجمالی علم تو رہنے کے وقت ہی ہو جاتا ہے۔ لیکن جب یہ مذکورہ باتوں کا ظہور ہو چکے گا اور اعمال نامے سامنے آ جائیں گے اس وقت کھل کر نتیجہ معلوم ہو جائے گا اور تہویل کی غرض سے سب چیزوں کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔

ما قدمت واخرت. تاویلات النجمیہ میں ہے کہ **قدمت** سے وہ اعمال مراد ہیں جو فعلیت میں آ چکے اور **اخرت** سے وہ اعمال مراد ہیں جو بالقوۃ نیت وارادہ میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ سے منقول ہے **ما قدمت من خير و ما اخرت من صدقة صالحة تعمل بعدها**.

مـا غـرك. **ما** استفہامیہ مبتداء ہے اور **غرک** خبر ہے۔ یعنی **اى شئى خدعک و جراک على عصيانه وامنک من عقابه**.

عدلك. اگر یہ لفظ اعتدال سے ماخوذ ہے تب تو تناسب اعضاء بیان کرنا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک آنکھ بڑی، ایک چھوٹی ہو اور نہ یہ کہ فی نفسہ تو دونوں آنکھیں برابر ہیں۔ مگر پورے جسم کے تناسب سے بہت چھوٹی ہیں۔ اسی طرح دوسرے اعضاء کا تناسب بھی اس انداز سے بنایا ہے۔ لیکن یہ لفظ اگر عدول سے ماخوذ ہو تو پھر مطلب یہ ہوتا کہ انسان کو اس کی اپنی اصلی صورت نوعیہ یا صفیہ پر بنایا ہے۔

یہ نہیں کہ اس سے عدول کر کے دوسرے جانوروں کو صورت نوعیہ دے دی ہو۔

فی ای صورۃ . اس میں کئی ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ایک یہ کہ اس کا تعلق رکبک کے ساتھ ہواورما زائدہ ہو۔اورشاء صورۃ کی صفت ہے۔ رکبک کا بیان ہونے کی وجہ سے اس سے پہلے واؤنہیں لایا گیا۔تقدیرعبارت اس طرح ہوگی۔عدلک رکبک فی ای صورۃ من الصور العجیبۃ الحسنۃ التی شاء ھا. دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا تعلق محذوف کے ساتھ حال ہونے کی بناء پر ہو۔ ای رکبک حال کو نک حاصلا فی بعض الصور. اورتیسری صورت یہ ہے۔کہ اس کا تعلق عدل کے ساتھ کیا جائے۔لیکن اس میں اشکال یہ ہوگا کہ فی ای استفہام کی وجہ سے صدارت کلام کو چاہتا ہے۔اس لئے ماقبل کا معمول نہیں بن سکتا۔

ماتفعلون ۔اس میں ما اگرچہ افعال قلوب وجوارح سب کو عام ہے۔مگرصرف افعال جوارح مراد ہیں۔کراماً کاتبین انہیں کی کفایت کرتے۔دونوں کا بھید اللہ جانتا ہے۔لیکن کشف الابرار میں لکھا ہے کہ باطنی اعمال کی بھی خوشبو یا بدبو ان کو آجاتی ہے اور وہ اس لحاظ سے ان کو بھی لکھ لیتے ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔کل ذکر یشعربہ قلبک تسمعہ الملائکۃ الحفظۃ فان شعورھم یقارن شعورک حتی اذا غاب ذکرک عن شعورک بذھا بک فی المذکور بالکلیۃ غاب عن الحفظۃ ایضا وما دام القلب یلتفت الی الذکر فھو معرض عن اللہ لا ن المقصود ھو الفنافی اللہ والفناء لا یحصل الا اذا لم یبق للسالک عین ولا اثر الخ...... والقرب ھو ان یکون محوا فی ذاتہ تعالیٰ فانیا فیہ فاذا حصل لہ القرب لم یبق ذاکر لا ان بقاء الذاکر علامۃ الا ثنینیۃ بل ینعدم ویفنی فی المذکر.

ان الا برار یہ کتاب اعمال کی وجہ کا بیان ہے ای لیجازی الا برار بالنعیم یصلونھا یہ مجرور سے حال ہے اور جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے۔

ما استفہامیہ مبتداء ہے اورادراک خبر ہے اور کاف مفعول اول اورمایوم الدین جملہ مفعول ثانی کے قائم مقام ہے۔پہلا استفہام انکاری اوردوسرا تعظیم وتبدیل کے لئے ہے معنی یہ ہوئے کہ آپ کو قیامت کی شدت معلوم نہیں۔ہمارے بتلانے سے البتہ معلوم ہوسکتی ہے۔

یوم لا تملک. لفظ یوم موضوع ہونے کی صورت میں مبتداء محذوف کی خبر ہے یا یوم سے بدل ہے اور نصب کی صورت میں اذکرمقدرمان کر،بدل ہے۔

شیئا. یعنی مستقلاً کوئی مالک نہیں ہے اس لئے شفاعت کی نفی نہیں ہے کیونکہ وہ باجازت ہوتی ہے۔

والا مر یومئذ للّٰہ . یعنی دنیا میں اللہ نے جس طرح مالک بنادیا تھا۔آخرت میں کسی کو مالک نہیں بنائے گا۔

ربط آیات: ....سورہ انفطار میں بھی پچھلی اوراگلی سورتوں کی طرح قیامت ومجازاۃ کا ذکر ہے اوردرمیان میں غفلت پرڈانٹ ڈپٹ ہے۔

شان نزول: ....سورہ تکویر اورسورہ انفطار کا مضمون بہت حد تک یکساں ہے۔اس لئے دونوں کا زمانہ نزول بھی قریب قریب ہی ہوگا۔انفطار کے معنی پھٹنے کے ہیں۔اس سورت میں آسمان پھٹنے کا ذکر ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... واذا البحار فجرت ۔ پہلی سورت میں سمندروں میں آگ بھڑکانے کا ذکر تھا۔اس سورت میں سمندروں کے ابل پڑنے کا ذکر آیا۔اس کے پردے پھٹ جائیں گے اور ساری زمین پانی کا تختہ ہوکر رہ جائے گی۔ یہ قیامت کے عظیم زلزلہ کا اثر ہوگا۔اور پردہ پھٹنے سے پانی اندر بھی اتر سکتا ہے۔ جہاں بے انتہا گرم لاوا کھول رہا ہے۔اس طرح تمام سمندروں میں آگ بھڑک اٹھے گی۔غرض کہ ان آیات میں قیامت کے پہلے مرحلہ کا بیان ہے۔

آگے واذا القبور بعثرت. میں قیامت کے دوسرے مرحلہ کا ذکر ہے یعنی زمین کی تہ میں بھری ہوئی چیزیں اور قبر کے مردے سب باہر نکل پڑیں گے۔

علمت نفس. اچھے برے کام شروع عمر میں یا آخر عمر میں کئے یا نہیں کئے ان کے اثرات اپنے پیچھے چھوڑے یا نہیں چھوڑے۔غرض کہ انسانی اعمال نامہ ترتیب کے ساتھ تاریخ وار سب کا سب سامنے آ جائے گا۔

انسان کی خود فریبی: .... یا یھا الا نسان . اے انسان! اول تو اس محسن پروردگار کے عظیم احسان کا تقاضہ یہ تھا کہ تو شکر گزار اور احسان مند ہوکر اس کا فرمانبردار بنتا اور اس کی نافرمانی کرتے تجھے شرم آتی۔مگر تو اس دھوکہ میں پڑ گیا کہ تو جو کچھ بھی بنا ہے خود ہی بن گیا ہے اور تجھے کبھی بھی یہ خیال نہ آیا کہ وجود بخشنے والے کا احسان مانے۔دوسرا تیرے رب کا یہ کرم ہے کہ دنیا میں تو جو کچھ چاہتا ہے کہ کر گزرتا ہے۔قدرت کی طرف سے تجھے مجبور نہیں کیا جاتا۔ بلکہ پوری آزادی دے دی جاتی ہے جسے تو رب کریم کی کمزوری سمجھ بیٹھا ہے۔

انسان خود فریبی کا شکار ہے: .... الذی خلقك۔ یہ اللہ کے عظیم کرم کا اجمالی ذکر ہے۔یعنی رب کریم کیا اس بات کا مستحق تھا کہ انسان اپنی حماقت سے اس کے حلم پر مغرور ہوجائے اور اس کے کرم کا جواب اپنے کفر وطغیان سے دے۔اس کے کرم کو دیکھ کر تو اسے شرمانا اور اس کے حلم کو دیکھ کر اسے ڈرنا چاہئے تھا۔ یقیناً وہ حلیم وکریم ہے۔مگر حکیم ومنتقم بھی ہے۔لہذا اس کی ایک صفت پر بھروسہ کر کے دوسری صفات سے آنکھیں بند کر لینا خود فریبی اور دھوکہ نہیں ہے تو اور کیا ہے۔اس نے انسان کو وجود بخشا، اعضاء کے جوڑ بند درست کئے۔انہیں حکمت آمیز تناسب بخشا۔مزاج اور اختلاط میں موزونیت بخشی۔اگر چہ امتیاز کے لئے سب کی صورتیں الگ الگ بنائیں۔اور تھوڑے فرق سے شکلیں، رنگ روپ مختلف رکھے۔لیکن بحیثیت مجموعی انسان کو سب جانداروں سے بہتر بنایا۔وہ چاہتا تو گدھے، کتے، بلے کی صورت میں بنا دیتا۔لیکن راست قامت صاف بدن کا بہترین نمونہ تجویز فرمایا۔پس کیا اس بہترین انعام کا یہی صلہ ہے کہ انسان اس کی سرکشی اور سرتابی کرے۔

انسان کا سر اللہ کے آگے جھک جانا چاہئے تھا: .... کلا بل تکذبون . یعنی کوئی معقول وجہ اس دھوکہ اور بہکنے کی نہیں ہے۔انسان کو وجود خود بتلا رہا ہے کہ وہ خود نہیں بن گیا اور نہ ماں باپ نے اس کو بنایا ہے۔مختلف عناصر کے جڑ جانے سے اتفاقاً بھی انسان پیدا نہیں ہوگیا۔دوسرے تمام جانداروں کے مقابلہ میں اس کی بہترین ساخت اور برتر قوتیں اس کی شاہد ہیں کہ خدائے حکیم نے یہ مکمل انسانی شکل بخشی ہے۔عقل سلیم کا تقاضا یہ تھا کہ انسان کا سر ان انعامات واحسانات کو دیکھ کر جھک جاتا۔اللہ کی حکمت و دانائی کا تقاضا یہ ہے کہ جسے عقل دی جائے اسے اس اعمال کا ذمہ دار بھی ٹھہرایا جائے، اختیارات دیئے جائیں، خود اس سے حساب بھی مانگا جائے اور جسے نیکی بدی کی طاقت دی جائے اسے ان پر بدلہ بھی ملے۔یہ تمام حقیقتیں روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔مگر پھر بھی

انسان یوم الحساب پر یقین نہیں رکھتا۔ وہ خود کو آزاد سمجھتا ہے اور کسی باز پرس اور جزاء وسزا کا دھیان نہیں کرتا۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ بس مر گئے قصہ ختم ہوگیا۔ زندگی میں جو چاہوں کروں۔ میرا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ انسان اس حماقت آمیز فریب میں مبتلا ہے کہ اس دارالعمل کے پیچھے کوئی دارالجزاء نہیں ہے۔ اس بے بنیاد خیال نے اسے غافل اور اخلاقی ذمہ داریوں سے آزاد اور خدا کے عدل و انصاف سے بے خوف اور نڈر بنا دیا ہے۔

انسان کی ساری زندگی ریکارڈ ہو رہی ہے:............ان علیکم لحافظین ۔ یعنی تم حساب وسزا کو جھٹلاؤ، مذاق اڑاؤ۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہارے رب نے تمہیں شتر بے مہار بنا کر نہیں چھوڑا ہے۔ بلکہ ہر شخص پر راست باز فرشتے نگران مقرر کر رکھے ہیں۔ جو پوری غیر جانبداری سے تمہارے سب اعمال کو ریکارڈ کر رہے ہیں۔ تم کہیں بھی ہو تمہاری زندگی کی ہر نقل وحرکت منضبط ہو رہی ہے۔ پھر کیا تمہارا خیال ہے کہ اس قدر اہتمام کے باوجود یہ سارے دفتر یوں ہی بے کار چھوڑ دیئے جائیں گے، ہرگز نہیں، ہر شخص کے اعمال اس کے سامنے آئیں گے اور ان کا اچھا برا پھل چکھنا پڑے گا۔ وہ لکھنے والے فرشتے نہایت دیانت دار ہیں۔ کسی کی رو رعایت ان کے پیش نظر نہیں۔ انہیں کسی سے ذاتی محبت یا عداوت نہیں کہ بے جا رعایت یا مخالفت سے کچھ کا کچھ لکھ ڈالیں۔ نہ خائن ہیں کہ غلط سلط اندراجات کر دیتے ہوں۔ رشوت خور بھی نہیں کہ کچھ لے دے کر مخالف یا موافق جھوٹی رپورٹیں کر دیتے ہوں۔

غرض کہ اس قسم کی ساری اخلاقی کمزوریوں سے وہ بالاتر ہیں۔ اس لئے ان کی جملہ کارروائی قابل اطمینان ہے۔ پھر ان فرشتوں کو انسان کے جملہ حالات کی اطلاع رہتی ہے۔ وہ ہر جگہ ہر حال میں ہر شخص کے ساتھ اس طرح رہتے ہیں کہ کسی کو محسوس بھی نہیں ہوتا کہ اس کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ انہیں لوگوں کی نیتوں کا حال بھی معلوم رہتا ہے کہ کون کس نیت سے کام کر رہا ہے۔ اس لئے ان کی روئداد کا کوئی پہلو تشنہ اور نامکمل نہیں رہتا۔ بلکہ فائل مکمل قلم بند ہوتی ہے۔ سورہ کہف اور سورہ ق میں بھی یہ تفصیل اس کی گزر چکی ہے۔

انسان کا کامل حال فرشتوں کے سامنے رہتا ہے:............یعلمون ماتفعلون ۔ میں کلمہ کے ظاہر سے عموم معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی کوئی حالت بھی کراماً کاتبین سے مخفی نہیں رہتی۔ لیکن ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عام مخصوص البعض ہے یعنی دلوں کا بعض حال انہیں معلوم نہیں ہوتا۔ وہ ظاہری اور باطنی اعمال سے واقف ہوتے ہیں۔ مگر بعض اعمال قلبیہ کا علم صرف اللہ کو ہے۔ چنانچہ بدور سافرہ میں علامہ سیوطیؒ سے حدیث موضوع منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر خفی جس کو حفظہ بھی نہیں سنتے۔ ذکر جلی سے ستر درجہ فضیلت میں بڑھ کر ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ عموماً دلوں کا حال انہیں معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ بعض احوال تک ان کی رسائی نہ ہوتی ہو یہ ممکن ہے۔ چنانچہ احادیث میں صراحۃً آتا ہے کہ نیکی کے عزم پر بھی ثواب ملتا ہے۔ تبریز شیخ عبدالعزیز دباغ میں اس قسم کے اسرار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ لیکن اگر حدیث مذکور صحیح نہ ہو تو پھر استثناء کی کوئی حاجت نہیں رہ جاتی۔

جنت اور اس کی بہار دائمی ہے:............ان الابرار لفی نعیم ۔ جنت میں ہر قسم کی اور سدا نعمتیں ہوں گی۔ وہاں سے نکلنے یا نعمتوں کے چھن جانے کا کوئی کھٹکا نہیں رہے گا۔ ورنہ پھر مکمل راحت کیا ہوئی؟ یہی دوزخ کا حال ہوگا کہ ہمیشہ کے لئے عذاب بھگتنا ہوگا۔ نہ بھاگ کر دوزخ سے بچ سکیں گے اور نہ اس میں داخل ہونے کے بعد نکلنے کی کوئی راہ مل سکے گی۔ ورنہ مکمل سزا کیا ہوئی؟

وما ادراك ۔ یعنی دوزخ اور اس کی سزاؤں کی شدت تصور اور عقل کی گرفت میں نہیں آسکتی۔ تم کتنا ہی سوچو پھر بھی اس ہولناک دن کی کیفیت پوری طرح سمجھ میں نہیں آسکتی۔ وہاں عاجزی، خوشامد اور چاپلوسی کچھ کام نہ آسکے گی۔ اور نہ صبر واستقلال کارگر ہوگا۔ سب رشتے ناطے بے کار ہو جائیں گے۔ ہر شخص نفسی نفسی میں مبتلا ہوگا۔

یوم لا تملك ...... وہاں کسی کی یہ مجال نہ ہوگی کہ کسی کو اس کے نتائج اعمال بھگتنے سے بچا سکے۔ کوئی بااثر، زورآور یا اللہ کا لاڈلا ایسا نہ ہوگا کہ اللہ کے آگے آڑ لگا کر بیٹھ جائے اور یہ کہہ دے کہ میرے فلاں عزیز کو بخشنا ہی ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ دنیا میں بادشاہوں کا حکم ان کی رعایا پر اور ماں باپ کا اپنی اولاد پر اور آقا کا نوکر پر چلتا ہے۔ مگر وہاں شہنشاہ مطلق کے آگے کسی کو دم مارنے کی ہمت نہ ہوگی۔ ہر طرح اسی کا حکم چلے گا۔ شفاعت کی نوعیت بھی دھاندلی یا زورآوری کی نہ ہوگی۔

خلاصہ کلام: .... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:۔

من سره ان ینظر الی یوم القیامة کانه رای عین فلیقرء اذا الشمس کورت واذا السماء انفطرت واذا السماء انشقت.

ترجمہ:۔ جو شخص قیامت کو کھلی آنکھوں کی طرح دیکھنا چاہے تو اسے چاہئے کہ سورہ تکویر وانفطار وانشقاق کو پڑھ لے۔

قیامت کی منظر کشی کا حاصل یہ ہے کہ انسان کا سب کچھ کیا دھرا سامنے آجائے گا۔ پھر انسان کی اس خود فریبی پر متنبہ کیا گیا ہے جو وہ اپنے رب کریم کے ساتھ برت رہا ہے۔ جس نے اسے وجود بخشا اور بہتر سے بہتر جسم واعضاء شکل وصورت عطا کی۔ آخر انسان اس دھوکہ میں کیوں ہے کہ اس کا پروردگار بس کریم ہے۔ وہ کیوں نہیں سمجھتا کہ وہ انصاف کرنے والا بھی ہے۔ اس کی ساری زندگی کی مسل تیار کی جارہی ہے۔ اس کی ایک ایک نقل وحرکت کو ریکارڈ کیا جارہا ہے اور لکھنے والے معتبر غیر جانب دار دیانت دار فرشتے ہیں جو ایک ایک جزئی اعمال نامے میں درج کررہے ہیں۔ پس یہ سارا طومار کس لئے ہے؟ یقیناً ایک دوسرا جہان حقیقی سامنے آنے والا ہے جس میں نیکیوں کا پھل جنت کی عیش وعشرت کی صورت میں اور بدیوں کا بھگتان دوزخ اور اس کی بے پناہ مصیبتوں کی شکل میں حاصل ہوکر رہے گا۔ اس روز کوئی کسی کے لئے سہارہ نہیں بن سکے گا۔ سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہوں گے۔

فضائل سورت: .... **من قرء سورة انفطرت کتب الله له بعدد کل قطرة من السماء حسنة وبعدد کل قطرة حسنة.** جو شخص سورہ انفطار پڑھے گا اللہ بارش کے قطرات اور قطروں کی تعداد کے برابر نیکیاں اس کی لکھ لے گا۔

لطائف سلوک: .... **وان علیکم لحافظین** ۔ اعمال کے اندراج واحتساب کا مراقبہ اور استحضار اصلاح حال میں نہایت مؤثر ومفید ہے۔

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ سِتٌّ وَثَلَاثُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَيْلٌ كَلِمَةُ عَذَابٍ اَوْ وَادٍ فِىْ جَهَنَّمَ **لِّلْمُطَفِّفِيْنَ﴿١﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى** اَىْ مِنَ **النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ﴿٢﴾** الْكَيْلَ **وَاِذَا كَالُوْهُمْ** اَىْ كَالُوْا لَهُمْ **اَوْوَّزَنُوْهُمْ** اَىْ وَزَنُوْا لَهُمْ **يُخْسِرُوْنَ﴿٣﴾** يَنْقُصُوْنَ الْكَيْلَ اَوِ الْوَزْنَ **اَلَا** اِسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ **يَظُنُّ** يَتَيَقَّنُ **اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ﴿٤﴾ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ﴿٥﴾** اَىْ فِيْهِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **يَّوْمَ** بَدَلٌ مِّنْ مَّحَلِّ لِيَوْمٍ فَنَاصِبُهُ مَبْعُوْثُوْنَ **يَقُوْمُ النَّاسُ** مِنْ قُبُوْرِهِمْ **لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴿٦﴾** الْخَلَائِقُ لِاَجْلِ اَمْرِهٖ وَحِسَابِهٖ وَجَزَائِهٖ **كَلَّآ** حَقًّا **اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ** اَىْ كُتُبَ اَعْمَالِ الْكُفَّارِ **لَفِىْ سِجِّيْنٍ﴿٧﴾** قِيْلَ هُوَ كِتَابٌ جَامِعٌ لِاَعْمَالِ الشَّيَاطِيْنِ وَالْكَفَرَةِ وَقِيْلَ هُوَ مَكَانٌ اَسْفَلَ الْاَرْضِ السَّابِعَةِ وَهُوَ مَحَلُّ اِبْلِيْسَ وَجُنُوْدِهٖ **وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ﴿٨﴾** مَا كِتَابُ سِجِّيْنٍ **كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ﴿٩﴾** مَخْتُوْمٌ **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ﴿١١﴾** الْجَزَاءِ بَدَلٌ اَوْبَيَانٌ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ **وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ** مُتَجَاوِزِ الْحَدِ **اَثِيْمٍ﴿١٢﴾** صِيْغَةُ مُبَالَغَةٍ **اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا** الْقُرْاٰنُ **قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴿١٣﴾** اَلْحِكَايَاتُ الَّتِىْ سُطِرَتْ قَدِيْمًا جَمْعُ اُسْطُوْرَةٍ بِالضَّمِّ اَوْ اِسْطَارَةٍ بِالْكَسْرِ **كَلَّا** رَدْعٌ وَّزَجْرٌ لِّقَوْلِهِمْ ذٰلِكَ **بَلْ** سكته **رَانَ** غَلَبَ **عَلٰى قُلُوْبِهِمْ** فَغَشَّهَا **مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴿١٤﴾** مِنَ الْمَعَاصِىْ فَهُوَ كَالصُّدَاءِ **كَلَّآ** حَقًّا **اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴿١٥﴾** فَلَا يَرَوْنَهٗ **ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ﴿١٦﴾** لَدَاخِلُوا النَّارِ الْمُحْرِقَةِ **ثُمَّ يُقَالُ** لَهُمْ **هٰذَا** اَىِ الْعَذَابُ **الَّذِىْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴿١٧﴾ كَلَّآ** حَقًّا **اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ** اَىْ كُتُبَ اَعْمَالِ الْمُؤْمِنِيْنَ الصَّادِقِيْنَ فِىْ اِيْمَانِهِمْ **لَفِىْ عِلِّيِّيْنَ﴿١٨﴾** قِيْلَ هُوَ كِتَابٌ جَامِعٌ لِاَعْمَالِ الْخَيْرِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَمُؤْمِنِى الثَّقَلَيْنِ وَقِيْلَ هُوَ مَكَانٌ فِىْ

السَّمَاءِ السَّابِعَةِ تَحْتَ الْعَرْشِ **وَمَآ اَدْرٰكَ** اَعْلَمَكَ **مَاعِلِّيُّوْنَ**﴿۱۹﴾ مَاكِتَابُ عِلِّيِّيْنَ هُوَ **كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ**﴿۲۰﴾ مَخْتُوْمٌ **يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ**﴿۲۱﴾ مِنَ الْمَلَائِكَةِ **اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِىْ نَعِيْمٍ**﴿۲۲﴾ جَنَّةٍ **عَلَى الْاَرَآئِكِ** السُّرُرِ فِى الْحِجَالِ **يَنْظُرُوْنَ**﴿۲۳﴾ مَا اُعْطُوْا مِنَ النَّعِيْمِ **تَعْرِفُ فِىْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ**﴿۲۴﴾ بَهْجَةَ التَّنَعُّمِ وَحُسْنَهُ **يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ** خَمْرٍ خَالِصَةٍ مِّنَ الدَّنَسِ **مَّخْتُوْمٍ**﴿۲۵﴾ عَلٰى اِنَائِهَا لَايَفُكُّ خَتْمَهُ اِلَّا هُمْ **خِتٰمُهُ مِسْكٌ** اَىْ اٰخِرُ شُرْبِهِ يَفُوْحُ مِنْهُ رَائِحَةُ الْمِسْكِ **وَفِىْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنٰفِسُوْنَ**﴿۲۶﴾ فَلْيَرْغَبُوْا بِالْمُبَادَرَةِ اِلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى **وَمِزَاجُهُ** اَىْ مَايَمْزَجُ بِهِ **مِنْ تَسْنِيْمٍ**﴿۲۷﴾ فَسَّرَ بِقَوْلِهِ **عَيْنًا** فَنَصَبَهُ بِاَمْدَحُ مُقَدَّرًا **يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ**﴿۲۸﴾ اَىْ مِنْهَا اَوْضَمَّنَ يَشْرَبُ مَعْنٰى يَلْتَذُّ **اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا** كَاَبِىْ جَهْلٍ وَّنَحْوِهٖ **كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** كَعَمَّارٍ وَبِلَالٍ وَّنَحْوِهِمَا **يَضْحَكُوْنَ**﴿۲۹﴾ اِسْتِهْزَاءً بِهِمْ **وَاِذَا مَرُّوْا** اَىِ الْمُؤْمِنُوْنَ **بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ**﴿۳۰﴾ اَىْ يَشِيْرُ الْمُجْرِمُوْنَ اِلَى الْمُؤْمِنِيْنَ بِالْجَفْنِ وَالْحَاجِبِ اِسْتِهْزَاءً **وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا** رَجَعُوْا **اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ**﴿۳۱﴾ وَفِىْ قِرَاءَةٍ فَكِهِيْنَ مُعْجِبِيْنَ بِذِكْرِهِمُ الْمُؤْمِنِيْنَ **وَاِذَا رَاَوْهُمْ** رَاَوُا الْمُؤْمِنِيْنَ **قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَاۤءِ لَضَآلُّوْنَ**﴿۳۲﴾ لِاِيْمَانِهِمْ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَعَالٰى **وَمَآ اُرْسِلُوْا** اَىِ الْكُفَّارِ **عَلَيْهِمْ** عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ **حٰفِظِيْنَ**﴿۳۳﴾ لَهُمْ اَوْلِاَعْمَالِهِمْ حَتّٰى يَرُدُّوْهُمْ اِلٰى مَصَالِحِهِمْ **فَالْيَوْمَ** اَىْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ**﴿۳۴﴾ **عَلَى الْاَرَآئِكِ** فِى الْجَنَّةِ **يَنْظُرُوْنَ**﴿۳۵﴾ مِنْ مَّنَازِلِهِمْ اِلَى الْكُفَّارِ وَهُمْ يُعَذَّبُوْنَ فَيَضْحَكُوْنَ مِنْهُمْ كَمَاضَحِكَ الْكُفَّارُ مِنْهُمْ فِى الدُّنْيَا **هَلْ ثُوِّبَ** جُوْزِىَ **الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ**﴿۳۶﴾ ع ۸

سورہ مطففین مکیہ یامدنیہ ہے اس میں ۳۶ آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

ترجمہ: .... بڑی خرابی ہے (یہ کلمہ عذاب ہے یا جہنم کی وادی کا نام ہے) ناپ تول میں کٹوتی کرنے والوں کے لئے کہ جب لوگوں سے (**علی** بمعنی **من**) ناپ کرلیں تو پورا (ناپ) لیں اور جب ان کوناپ کر (**کالو هم** کی تقدیر **کالوالهم** ہے) یا تول کر دیں (**وزنوهم** کی تقدیر **وزنوالهم** ہے) تو گھٹادیں (ناپ تول میں کٹوتی کردیں) کیا (استفہام توبیخی ہے) ان لوگوں کو اس کا گمان (یقین) نہیں کہ وہ دوبارہ زندہ کئے جائیں گی ایک بڑے سخت (قیامت کے) دن میں جس روز (یہ **لیوم** کے محل سے بدل ہے لہٰذا اس کا ناصب **مبعوثون** ہے) تمام آدمی (اپنی قبروں سے) کھڑے کئے جائیں گے رب العالمین کے سامنے (تمام مخلوق اللہ کی کچہری میں حساب کتاب اور صلہ کے لئے) ہرگز نہیں (یقیناً) بدکار (کافر) لوگوں کا اعمال نامہ سجین میں رہے گا (کہا گیا ہے کہ یہ شیاطین اور کافروں کا دفتر اعمال ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ ساتویں زمین کے نیچے ایک جگہ ہے جہاں ابلیس اور اس کا لشکر رہتا ہے) اور آپ کو معلوم

ہے کہ سجین (یعنی رکھا ہوا اعمال نامہ) کیا چیز ہے وہ ایک نشان (مہر) لگا ہوا دفتر ہے اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی جو روز قیامت کو جھٹلایا کرتے تھے (الذین بدل ہے المکذبین سے) اس کو تو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے گزرنے والا ہو، مجرم ہو (مبالغہ کا صیغہ ہے) جب اس کے سامنے ہماری آیات (قرآن) پڑھی جاتی ہیں تو یوں کہہ دیتا ہے کہ یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے نقل ہوتی چلی آتی ہیں (اساطیر اسطورہ یااسطارہ کی جمع ہے، پرانے قصے کہانیاں) ہرگز ایسا نہیں (ان کی اس بات پر ڈانٹ ڈپٹ ہے) بلکہ ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے (غالب آ کر چھا گیا ہے) ان کے اعمال کا (گناہوں کا میل کچیل) ہرگز ایسا نہیں (یقیناً) یہ لوگ اپنے پروردگار سے اس روز (قیامت کے دن) روک دیئے جائیں گے (اللہ کے دیدار سے محروم رہیں گے) پھر یہ دوزخ (کی دہکتی آگ) میں داخل ہو جائیں گے پھر (ان سے) کہا جائے گا کہ یہی (عذاب) ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ہرگز ایسا نہیں (یقیناً) نیک لوگوں کا اعمال نامہ (سچے ایمانداروں کے اعمال نامے) علیین میں رہے گا (کہا گیا ہے کہ فرشتوں، انسان و جنات کے اچھے اعمال کا دفتر ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ایک جگہ ہے) اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ علیین میں رکھا ہوا اعمال نامہ کیا چیز ہے وہ ایک نشان (مہر) کیا ہوا دفتر ہے جس کو مقرب (فرشتے) دیکھتے ہیں، بلاشبہ نیک لوگ بڑی آسائش (جنت) میں ہوں گے مسہریوں (چھپر کھٹ) پر معائنہ کرتے ہوں گے (عطا کی ہوئی نعمتوں کا) اے دیکھنے والے! تو ان کے چہروں میں آسائش کی بشاشت (نعمتوں کی تروتازگی اور رونق) محسوس کرے گا۔ ان کو پینے کے لئے نکھری ہوئی شراب (میل کچیل سے صاف ستھری) سربمہر ملے گی (جس کی مہر وہ خود کھولیں گے) اس کا اخیر مشک ہوگا (یعنی پینے کے بعد اس میں مشک کی مہک آئے گی) اور حریص لوگوں کو اس میں حرص کرنی چاہئے (لہٰذا انہیں اللہ کی فرمانبرداری کی طرف لپکنا چاہئے) اور اس کی آمیزش (ملاوٹ) تسنیم سے ہوگی (جس کی تشریح آگے آتی ہے) ایسا چشمہ (امدح مقدر سے منصوب ہے) جس سے مقرب بندے پئیں گے (بھا یعنی منھا ہے یا یشرب متضمن ہے معنی یلتذ کے) جو لوگ مجرم تھے (جیسے: ابوجہل وغیرہ) وہ ایمان والوں (عمار۔ بلال وغیرہ) سے ہنسا کرتے تھے (ان کا مذاق اڑاتے ہوئے) اور جب ان (مومنین) کے سامنے سے گزرا کرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کیا کرتے تھے (یعنی مجرمین مومنین کا مذاق اڑانے کے لئے آنکھیں مارا کرتے تھے) اور جب اپنے گھروں کو جاتے (پلٹتے) تو دل لگیاں کیا کرتے تھے (ایک قراءت میں فکھین ہے تعجب کے ساتھ مومنین کا ذکر کرتے تھے) اور جب (مومنین کو) دیکھتے تو یوں کہا کرتے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی پر ہیں (محمد ﷺ پر ایمان لانے کی وجہ سے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) حالانکہ یہ (کفار) ان (مومنین) پر نگران کار بنا کر نہیں بھیجے گئے (مسلمانوں اور ان کے اعمال کی دیکھ بھال کے لئے کہ ان کو اپنے مصالح کی طرف پھیر دیں سو آج (قیامت کے روز) ایمان دار کافروں پر ہنستے ہوں گے۔ مسہریوں پر (جنت میں) دیکھ رہے ہوں گے (اپنے محلات سے کفار کو جو مبتلائے عذاب ہوں گے۔ اس لئے وہ کفار پر اسی طرح ہنسیں گے۔ جس طرح کفار دنیا میں ان پر ہنسا کرتے تھے) واقعی کفار کو اپنے کئے کا خوب بدلہ (صلہ) ملا۔

تحقیق وترکیب: .... ویل۔ بددعائیہ کلمہ ہے مرفوع ہونے کی صورت میں مبتداء ہے۔ چنانچہ مکیؒ کہتے ہیں کہ ویل وغیرہ اگر مضاف نہ ہوں تو ان میں رفع مختار ہوتا ہے۔ اگر چہ نصب بھی جائز ہو۔ لیکن مضاف یا معرفہ ہونے کی صورت میں نصب مختار ہوگا۔ جیسے ویلکم لا تفترو ا اور ویل دوزخ کی وادی کا نام بھی ہے جس کی گہرائی چالیس سال کی مسافت ہوگی۔ دونوں معانی کا جمع کرنا بھی ممکن ہے۔

المطففین۔ تطفیف کے معنی ناپ تول میں کمی کرنا۔ طفیف بمعنی حقیر اسی لئے بولا جاتا ہے۔ دون الطفیف ای الشئی التافة لقلة. اذا اکتا لوا علی الناس بقول فراءؒ علی بمعنی من ہے۔ اکتلت منه وعلیه دونوں طرح بولا جاتا ہے۔ یااکتیال

بمعنی تحامل کو متضمن ہے اس لئے علی لایا گیا ہے۔ یالوگوں پر جو اپنا حق آتا ہے اس کا وصول کرنا مراد ہے۔ اس لئے علی الناس کہنا صحیح ہے، اور بقول زمخشریؒ علی کا تعلق یستوفون سے بھی ہوسکتا ہے اور تقدیم تخصیص کے لئے ہے۔

کـالـوهـم. مفسرؒ نے لازم محذوف مانا ہے اور ضمیر هـم منصوب ہے۔ یہ ضمیر مرفوع واؤ کی مؤکد نہیں ہے یا تقدیر عبارت او کالوا مکیلهم ہے مضاف حذف کر کے مضاف الیہ کو قائم مقام کر دیا گیا ہے۔

الا یظن. الا تنبیہ کے لئے نہیں بلکہ توبیخ کے لئے ہے۔ ظن بمعنی یقین کے لئے ہے۔ لیکن اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ظن لایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ قیامت کے سلسلہ میں یقین تو رہا درکنار، ان کو تو ظن بھی حاصل نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ یقین تو بجائے خود، قیامت کا تو گمان بھی ڈرانے کے لئے کافی ہے۔

اولئك. کفار کے بعد کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے۔

یوم یقوم. یہ مبعوثون سے منصوب ہے اور یا یوم سے بدل ہے۔ چنانچہ قرأت جر سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس آیت میں انکار اور تعجب اور لفظ ظن اور یوم کہنے اور رب العالمین لانے سے کوتی کرنے کے متعلق ممانعت میں مبالغات ہیں۔ کلا بمعنی حقا ہے یعنی کلام مستانف ہے۔ اس لئے اس پر سے پہلے وقف ضروری ہے اور یہ کلمہ ردع وزجر بھی ہوسکتا ہے ای لیس الا مر علی ماهم علیه اس صورت میں اس پر وقف کیا جائے گا۔

کتاب الفجار. مفسرؒ نے اعمال مضاف محذوف مانا ہے تاکہ ظرفیت الشئی لنفسه لازم نہ آئے۔ لیکن کتاب بمعنی کتب لینے کی بجائے اگر اعمالنامہ مراد لیا جائے تو پھر ظرفیت الکل للجزء ہوگی اور کتاب بمعنی کتابت یا بمعنی مکتوب ہو تو پھر ظرف کتابت یا ظرف اعمال مکتوبہ ہوگا اور سجین ایک خاص مقام کا نام بھی ہے جو شیاطین و بدکاروں کا قید خانہ ہوگا۔

کتاب مرقوم. یہ سجین کا بیان نہیں۔ بلکہ کتاب الفجار کی تفسیر ہے یعنی صاف لکھائی یا نشان و علامت کے معنی ہیں جس کو دیکھتے ہی ہر شخص سمجھ لے کہ یہ خراب اعمال نامہ ہے۔

الذین. یہ صفت مخصصہ ہے یا موضحہ یا صفت ذامہ ہے۔

اساطیر. یعنی عقلی دلائل جس طرح ان کے لئے بے کار ہیں۔ اسی طرح نقلی دلائل بھی عبث سمجھتے ہیں۔

ران. رین زنگ کو کہتے ہیں۔ حفصؒ کے علاوہ دوسرے قراء نے تشدید راء کے ساتھ پڑھا ہے۔ معلوم ہوا کہ کام کی کثرت سے ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے خواہ وہ اچھے کام ہوں یا برے کام۔ چنانچہ گناہ کرتے کرتے قلب پر زنگ آ جاتا ہے اور مہر لگ جاتی ہے۔ جس کو دوسری آیات میں بل طبع الله اور ختم الله کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

لمحجوبون. امام مالکؒ، امام شافعیؒ اس سے مومنین کے لئے رویت باری کا اثبات کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ دیدار الٰہی کا انکار کرتے ہیں وہ مضاف مقدر مانتے ہیں۔ ای انهم عن کرامة ربهم لمحجوبون اور بعض کہتے ہیں کہ اول سب کو رویت ہوگی پھر کفار کو حجاب ہو جائے گا جس سے حسرت و ندامت ہوگی۔

لفی علیین. اعلیٰ مقام جمع کے صیغہ سے ہے اس کا لفظی مفرد نہیں ہے۔ عشرین و ثلثین کی طرح بلند مقام یا بلند مراتب کا سبب ہونے کی وجہ سے اس کو علیین کہتے ہیں۔

ارائك. اریكه اس کو مسند کہتے ہیں جو دلہنوں کے لئے سجائی جاتی ہے۔

تعرف. یعقوبؒ نے فعل مجہول کے ساتھ اور نضرۃ مرفوع پڑھا ہے۔

مختوم . سیل بند چیزیں نفیس بھی ہوتی ہیں اور اصلی بھی، ان میں آمیزش کا شبہ نہیں ہوتا۔ سورہ محمد میں اگر چہ انھار من خمر فرمایا گیا ہے۔ لیکن ان پر مہر کرنا مراد نہیں۔ بلکہ شراب کے پیالوں میں مہر لگی ہوئی، اور شراب بھری ہوئی مراد ہے۔

ختامه مشک کی مہر مراد ہے۔ چنانچہ کسائیؒ خاتمه پڑھتے ہیں اور یا شراب پینے کے بعد مشک کی مہک مراد ہے۔

فلیتنافس . تنافس اگر نفسانی ہوتو برا ہے اور رحمانی ہوتو بہترین ہے۔

ومزاجه. مفسرؒ نے اسم آلہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے جیسے امام۔

من تسنیم . یہ مصدر ہے سنمه بمعنی رفعه جنت کا چشمہ مراد ہے جو ہوا میں جاری رہے گا، جیسے شبنم ہوا کرتی ہے، ضرورت کے مطابق اس سے برتنوں میں پانی آ جائے گا۔ یشرب بھا. با بمعنی من ہے۔ جیسے یشرب بھا عباد الله میں ہے یا یشرب متضمن مانا جائے ...... یلتذ کے معنی کو یا با کو زائد کہا جائے اور عینا منصوب ہے بطور مدح کے یا تسنیم سے حال ہونے کی وجہ سے۔ حاصل یہ ہے کہ عام جنتیوں کو شراب میں تسنیم ملا کر پلائی جائے گی۔ لیکن مقربین کو خالص پلائی جائے گی۔

ان الذین اجرموا . ابرار کے بعد مجرمین کا ذکر ہے۔ پھر آگے مومنین کے لئے تسلی کا مضمون ہے۔

یتغامزون. آنکھ مارنے اور مٹکانے کو غمز کہا جاتا ہے۔

فکھین . یعنی اپنی بلندی اور کافروں کی پستی پر جنتی خوش ہوں گے۔

وما ارسلوا. یعنی خدا نے کافروں کو مسلمانوں پر مسلط کر کے نہیں بھیجا ہے۔

فالیوم . یضحکون سے منصوب ہے اور مبتداء پر مقدم کرنے میں یہاں کچھ حرج نہیں ہے۔ کیونکہ التباس کا خطرہ نہیں ہے۔ برخلاف زید قام فی الدار کے اس میں فی الدار زید قام کہنا جائز نہیں ہے۔

ھل ثوب. یہ جملہ استفہامیہ ینظرون سے متعلق ہوسکتا ہے حذف جار کے بعد محلاً منصوب ہے اور قول مقدر بھی مانا جاسکتا ہے۔ ای یقولون ھل ثوب الکفار اور پہلی صورت میں تقدیر عبارت ہوگی۔ ینظرون ھل جوزی الکفار اور بعض اس کو جملہ مستانفہ کہتے ہیں۔ اور حمزہؒ کسائی لام کو ثاء میں ادغام کر کے پڑھتے ہیں۔

ربط آیات: .... اگلی پچھلی سورتوں کی طرح اس سورۃ تطفیف میں بھی مجازات اعمال کا بیان ہے اور چونکہ قیامت میں عدل وانصاف ہوگا اس لئے خصوصیت سے اہتمام کے ساتھ ناپ تول میں انصاف کی تعلیم ہے اس میں کوتاہی کرنے والوں کے لئے شروع سورت میں وعید شدید فرمادی۔

روایات: .... اہل مدینہ ناپ تول میں فرق کرتے تھے۔ اس پر اس سلسلہ میں آیت ویل للمطففین نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ کے اس طرح فرمانے سے بعض حضرات نے اس کا نزول مان لیا ہے۔ لیکن سورت کے انداز بیان سے معلوم ہورہا ہے کہ مکہ معظمہ کے ابتدائی حالات میں نازل ہوئی ہے اور حضرات صحابہ تمام یکساں مواقع کو شان نزول ہی میں داخل سمجھتے ہیں۔ مفسر نے دونوں قول بیان کر دیئے ہیں۔

سجین . ابن عمرؓ، مجاہدؒ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ زمین کے ساتویں طبقہ میں ہے جہاں کفار کی ارواح قید ہوتی ہیں۔ اور براءؓ کی مرفوع روایت ہے کہ سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے اور علیین عرش کے نیچے ساتویں آسمان کے اوپر ہے۔ کعبؓ وقتادہؒ کہتے ہیں کہ علیین سے قائمۃ العرش مراد ہے۔ ابن عباسؓ جنت، اور ضحاکؒ سدرۃ المنتہیٰ اور بعض اہل معانی کہتے ہیں کہ انتہائی علو اور شرف مراد ہے۔

بل ران ۔ ابو ہریرہؓ سے مرفوع روایت ہے۔ کہ ان العبد اذا اذنب ذنبا نكتت فى قلبه نكتة سوداء فان تاب وفزع واستغفر صقل قلبه وان عاد زادت حتى تعلموا قلبه فذلك الران الذى ذكر الله فى القرآن.

ختامه مسك. ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ کہ الرحيق الخمر اور مختوم کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ذائقہ بے شک مشک کا ہوگا۔

فكهين ۔حدیث میں ہے۔ ان الدين بدا غريبا وسيعود غريبا كما بدا يكون القابض على دينه كالقابض على الجمر. اور فرمایا گیا۔ کہ يكون المومن فيهم اذل من الا مة اور فرمایا گیا العالم فيهم انتن من جيف حمار لیکن آخرت میں اس کا ردعمل دیکھ کر مومنین مسرور ہوں گے۔

﴿ تشریح ﴾: .... ويل للمطففين . ڈنڈی مارنے والا چوری چھپے کوئی بڑی مقدار نہیں اڑاتا۔ بلکہ ناپ تول میں ہاتھ کی صفائی دکھا کر خریدار کے حصہ سے تھوڑا تھوڑا اڑاتا رہتا ہے۔ جس سے اس بے چارہ کو پتہ نہیں لگتا کہ تاجر کتنا گھاٹا دے گیا اس کٹوتی کے سلسلہ میں کساد بازاری آتی ہے اور اقتصادی ڈھانچہ تباہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم میں کئی جگہ ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ ناپ تول کرنے کو فرمایا گیا ہے۔

لین دین میں برابری اور یکسانیت ہونی چاہئے: .... اور اگر چہ دوسروں سے اپنا حق پورا لینا برا نہیں ہے۔ لیکن یہاں ذکر کرنے سے مقصود کم دینے کی نفی کرنا ہے پورا لینے کی نفی کرنا نہیں ہے۔ یعنی دینے لینے کے باٹ اور ناپ یکساں ہونے چاہئیں۔ یہ نہیں کہ خود تو دوسرے کی رعایت نہ کرے اور دوسرے سے رعایت کا خواستگار ہو۔ برخلاف رعایت کرنے والے کے۔ اس میں اگر ایک عیب ہے تو دوسرا نہیں ہے۔ اور چونکہ پورا لینا فی نفسہ برا نہیں۔ اسی لئے لینے میں صرف ناپ کے ذکر پر اکتفا فرمایا۔ دوسرے یہ کہ عرب میں اور خصوصاً مدینہ میں زیادہ تر ناپ رائج تھا۔ نیز اس کے علاوہ اور وجوہ تحقیق بھی نکل سکتی ہیں۔ البتہ کم دینا قبیح ہے۔ اس لئے اس میں ناپ اور تول دونوں شقوں کو صراحتہً الگ الگ ذکر فرمایا گیا ہے۔ تاکہ دونوں کی برائی مستقلاً معلوم ہو جائے۔

حدیث میں ارشاد ہے۔

خمس بخمس مانقض العهد قوم الا سلط الله عليهم عدوهم وما حكموا بغير ما انزل الله

الا فتنا فيهم الفقر وما ظهرت فيهم الفاحشة الا فتنا فيهم الرك ولا تطففوا الكيل الا منعوا

النبات واخذوا السنين ولا منعوا الزكواة الا حبس منهم القطر۔

ترجمہ: ...... پانچ باتیں پانچ باتوں کے بدلہ میں پیدا ہوتی ہیں۔ جو قوم عہد شکنی کرتی ہے اس پر اللہ دشمن مسلط کر دیتا ہے اور احکام الٰہی کے خلاف فیصلے کرنے سے فقر پیدا ہوتا ہے اور فحش کاری سے مری پھیل جاتی ہے۔ ناپ تول میں کمی سے پیداوار کم ہو جاتی ہے۔ اور قحط سالی آ جاتی ہے اور زکوٰۃ نہ دینے سے بارش بند ہو جاتی ہے۔

الا يظن الخ یعنی اگر انہیں اس کا خیال بھی ہوتا کہ قیامت کے دن اللہ کے حضور پیش ہو کر تمام حقوق وفرائض کا حساب دینا ہے تو ہرگز ایسی حرکت نہ کرتے اور قیامت کے دن کو بڑا دن اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں کل عالم کا حساب کتاب خدا کی عدالت میں بیک وقت لیا جائے گا اور ثواب وعذاب کے اہم فیصلے ہوں گے۔

سجین کیا ہے اور کہاں ہے؟ :............ کلا ان کتاب الفجار ۔ یہ گمان ہرگز صحیح نہیں ہے کہ دنیا میں جرائم کرنے کے بعد یہ یوں ہی چھوٹ جائیں گے اور ان کو خدا کے سامنے جواب دہی کے لئے حاضر نہ ہونا پڑے گا۔ یقیناً یہ فیصلہ اور پیشی کا دن ضرور آتا ہے اور اس کے لئے سب نیکوں بدوں کے اعمال نامے اپنے دفتروں میں مرتب کر کے رکھے ہیں۔

سجین سجن سے ماخوذ ہے جس کے معنی جیل خانہ کے ہیں۔ یہ ایک دفتر ہے جس میں دوزخیوں کے نام اور کام کے رجسٹر محفوظ ہیں۔ کراما کاتبین ان پر علامات اور نشانات لگا دیتے ہیں۔ جس سے اعمال ناموں میں امتیاز ہے۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کفار کی ارواح بھی محبوس رکھی جاتی ہیں۔ بعض سلف کی رائے یہ ہے کہ یہ مقام زمین کے ساتویں طبق کے نیچے ہے۔

کل معتد اثیم ۔ یعنی قیامت کا انکار اللہ کی ربوبیت اور اس کے عدل وانصاف اور اس کی قدرت وحکمت کا انکار ہے اور اس انکار کے بعد ظاہر ہے کہ گناہوں پر دلیری جس قدر بھی ہو کم ہے۔

اساطیر الاولین ۔ یعنی ایسا شخص قرآن اور اس کی نعمت سن کر کہتا ہے کہ ایسی باتیں تو لوگ پہلے بھی کرتے آئے ہیں وہی پرانی کہانیاں قصے انہوں نے نقل کر دیئے۔ بھلا ہم ان نقلوں اور افسانوں سے ڈرنے والے کہاں؟

قرآن افسانہ کی کتاب نہیں ہے :............ کلا بل ران یعنی قرآن کے انکار کی وجہ فی الحقیقت یہ نہیں کہ وہ افسانوں کا مجموعہ ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جن گناہوں کا یہ ارتکاب کر رہے ہیں ان کا زنگ ان کے دلوں پر پوری طرح چڑھ گیا ہے۔ اس لئے انہیں حقیقت افروز باتیں بھی افسانہ نظر آتی ہیں۔ حقائق صحیحہ کا انعکاس آئینہ دل میں نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے دل پر لگ جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ نشان مٹ جاتا ہے۔ ورنہ جوں جوں بندہ گناہ کرتا جائے گا۔ وہ نقطہ بڑھتا اور پھیلتا جائے گا۔ حتیٰ کہ اس کا دل بالکل سیاہ پڑ جاتا ہے۔ اور اس کو نیکی بدی، اچھائی برائی کی تمیز ہی نہیں رہ جاتی۔ بلکہ یہ اثر بڑھتے بڑھتے نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ اس کی نظر میں بھلائی برائی بن جاتی ہے اور برائی بھلائی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ انتہائی خطرناک حالت ہے جس میں توفیق وہدایت بالکلیہ سلب ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اللھم احفظنا منھا ۔ ان جھٹلانے والوں کا حال بھی یہی ہو گیا کہ شرارتیں کرتے کرتے ان کے دل بالکل مسخ ہو چکے ہیں۔ اسی لئے یہ اللہ کی آیات کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

کلا انھم ۔ یعنی انکار وتکذیب کرنے والے اپنے انجام بد سے بے فکر نہ ہو جائیں۔ دیدار الٰہی کا جو شرف نیک لوگوں کو حاصل ہوگا اس سے یہ بد بخت یقیناً محروم رہیں گے اور صرف یہی حرماں نصیبی نہیں ہوگی۔ بلکہ ان کو دوزخ کا کندہ بنایا جائے گا۔

علیین کیا ہے اور کہاں ہے؟ :............ کلا ان کتاب الابرار ۔ بدکاروں کے بعد نیکوں کاروں کے نتائج کا اعلان ہو رہا ہے۔ یعنی اچھے بروں کا انجام یکساں ہو جائے گا یہ بات ہرگز نہیں ہے۔ نیکوں کے اعمال نامے اور ارواح مسلمین علیین میں رہیں گے ...... اور پہلے ان کی ارواح وہیں رکھی جائیں گی۔ پھر اپنے اپنے مقامات پر پہنچا دی جائیں گی۔ اور قبر سے بھی ان ارواح کا ایک گونہ تعلق رکھا جاتا ہے۔ بہر حال علیین ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے جہاں مقربین کی ارواح قیام پذیر رہتی ہیں۔

یشھدہ المقربون ۔ مقرب فرشتے یا مقرب بندے مؤمنین کے اعمال نامے دیکھنے کے لئے وہاں رہتے ہیں۔ جنت میں

ابرار مسہریوں پر بیٹھ کر دیدار الٰہی اور مناظر کی سیر سے مسرور ہوں گے اور عیش وعشرت کے آثار ان کے چہروں سے ٹپکتے ہوں گے۔

رحیق مختوم. یوں تو شراب کی نہریں ہر جنتی کے گھر میں بہتی ہوں گی۔ لیکن نادر شراب سربمہر رہے گی اور اس اعلیٰ شراب پر مشک کی نفیس ترین سیل لگی ہوگی۔ اور یا یہ مطلب ہے کہ یہ شراب جب پینے والوں کے حلق سے اترے گی تو اس میں مشک کی خوشبو مہکے گی۔ دنیا کی شرابوں کی طرح اس میں بدبو کا بھپکا رانہیں اٹھے گا اور نہ پیتے ہوئے بدذائقہ اور بدمزہ ہوگی اور نہ اس میں سڑاند محسوس ہوگا۔ بلکہ دماغ معطر رہے گا۔

وفی ذٰلک فلیتنافس. یعنی دنیا کی گندی شراب تو لائق التفات نہیں ہوتی۔ مگر یہ شراب طہور تو اس لائق ہوگی کہ اس پر طلب گاروں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جائیں گے۔

ومزاجہ من تسنیم ۔ تسنیم کے معنی بلندی کے ہیں۔ ممکن ہے نہر تسنیم بلندی سے بہتی ہو۔ مقرب لوگوں کو تو خالص تسنیم کی شراب ملے گی اور ابرار کو اس کی ملفوفی دی جائے گی۔ جو بطور عرق گلاب وغیرہ ان کی شراب میں آمیزش ہوگی۔

دوسروں پر ہنسنے کا انجام بد:.........ان الذین اجرموا . دنیا میں نیک وبدلوگوں کا جوطرز عمل رہا ہوگا۔ آخرت میں اس کا ردعمل ظاہر ہوگا۔ دنیا میں کچھ بے وقوف لوگ مسلمانوں پر اس لئے ہنستے تھے کہ انہوں نے جنت کی خیالی لذتوں کی خاطر یہاں کی محسوس نعمتوں کو چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ جب مسلمانوں کے پاس سے ہوکر یہ لوگ گزرتے تھے۔ تو تمسخرانہ انداز میں آنکھ مارتے ہوئے جایا کرتے تھے اور جب اپنے گھروں اور مجلسوں میں لوٹتے تو یہ سوچتے ہوئے پلٹتے کہ مسلمان کتنے احمق ہیں کہ جنت کے ادھار پر دنیا کے نقد سے محروم ہو گئے اور آج ہم نے مسلمانوں کا مذاق اڑایا۔ بس مزہ آ گیا اور ان پر پھبتیاں اور آوازے کس کر خوب لطف آ گیا اور ان کی اچھی گت بنادی غرض کہ کافر خوش طبعی کرتے اور مسلمانوں پر پھبتیاں کستے تھے اور اپنے عیش وعشرت پر مغرور ومفتوت ہوکر یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا ہی طور طریق ٹھیک ہے تب ہی تو ہمیں یہ نعمتیں مل رہی ہیں۔

واذا راوھم . یعنی مسلمانوں کو دیکھ کر کافر طعن کرتے تھے کہ ان کی عقلیں ماری گئی ہیں کہ جنت دوزخ کے چکر میں پڑ کر دنیاوی فائدوں اور لذتوں سے محروم ہو گئے۔ اور ہر قسم کی مشکلات ومصائب کو دعوت دے رکھی ہے۔ بھلا نقد کے ہوتے ہوئے ادھار کو ترجیح دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔ موہوم قوتوں کے خیال سے موجود عیش کو تج دیا ہے اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال رکھی ہے اور خود کو کھپا رکھا ہے اور لا حاصل مشقتوں کو کمالات حقیقی کا نام دے لیا ہے۔ کیا یہ کھلی ہوئی گمراہی نہیں کہ سب گھر بار اور عیش وآرام کو قربان کر کے ایک شخص کے پیچھے ہو لئے۔ اور اپنے آبائی مذہب ودین کو بھی چھوڑ بیٹھے۔

ایک سبق آموز نصیحت:.........وما ارسلوا علیھم حافظین . اس مختصر جملہ میں ان مذاق اڑانے والوں کو بڑی سبق آموز تنبیہ کی گئی ہے۔ یعنی بالفرض مسلمانوں کی راہ غلط ہے۔ لیکن وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ رہے ہیں۔ جس چیز کو وہ حق سمجھتے ہیں وہ اس پر گامزن ہیں تم ان پر فوجدار کیوں ہو۔ آخر یہ لوگ مسلمانوں کے نگہبان کیوں بنے۔ اپنی احمقانہ تباہ کاریوں سے تو آنکھیں بند ہیں۔ اپنی اصلاح کی تو فکر نہیں اور سیدھی راہ چلنے والوں کو گمراہ بتلا رہے ہیں اور جو انہیں نہیں چھیڑتا اسے چھیڑ رہے ہیں۔ اور جو انہیں تکلیف نہیں دیتے، انہیں ستا رہے ہیں۔

فالیوم الذین ۔ یعنی قیامت کے دن مسلمان کافروں پر ہنسیں گے۔ کہ یہ لوگ کتنے ناسمجھ اور احمق ہیں۔ جنہوں نے

ناپائیدار اور فانی دنیا میں دل لگائے رکھا۔ اور آخرت کی پائیدار باقی رہنے والی نعمتوں کو نظر انداز کئے رکھا۔ نفیس چیزوں کے مقابلہ میں خسیس چیزوں پر اکتفا کرلیا۔ آج دوزخ کا دائمی عذاب کس طرح بھگت رہے ہیں۔ غرض مسلمان اپنی خوش حالی اور کافروں کی بدحالی کا نظارہ کریں گے۔

هل ثوب الكفار ۔یعنی آخرل گیانہ کافروں کواپنی کرنے کا پھل۔ اس فقرہ میں ایک لطیف طنز ہے کہ جو کافر دنیا میں مسلمانوں کی ہنسی اڑاتے تھے۔ آج ان کا حال مضحکہ خیز ہورہا ہے۔ اب مسلمان ان کی گذشتہ حماقتوں کو یاد کرکے ہنستے ہیں اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ ان کے اعمال کا انہیں خوب ثواب ملے گا۔

خلاصۂ کلام:............ اس سورت میں بھی زیادہ تر آخرت ہی کا بیان ہے۔ شروع کی چھ آیات میں کاروباری لوگوں کی اس عام بے ایمانی پر گرفت کی جارہی ہے۔ جولین دین کے وقت کرتے رہتے ہیں۔ لیتے ہیں تو ناپ تول پورا کرتے ہیں۔ لیکن دیتے وقت دونوں میں کٹوتی کرتے ہیں۔ بہر حال معاشرے کی بے شمار خرابیوں میں سے یہ خرابی بھی آخرت سے غفلت کا لازمی نتیجہ ہے۔ جب تک لوگوں کو یہ احساس نہ ہو کہ خدا کے سامنے سب کو پیش ہونا ہے اور کوڑی کوڑی کا حساب دینا ہے۔ اس وقت تک یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے معاملات میں کامل امانت ودیانت کا راستہ اختیار کریں۔ آدمی میں سچی دیانت داری صرف خدا کے خوف اور آخرت کے یقین ہی سے پیدا ہوسکتی ہے۔ اس کے بعد ساتویں آیت سے سترہویں آیت تک واضح طور پر بتلایا گیا ہے کہ بدکار لوگوں کی مسلیں تیار ہوکر محفوظ ہورہی ہیں۔ جن کے مطابق آخرت میں ان کو انتہائی تباہی سے دوچار ہونا ہوگا۔ پھر اٹھارہویں آیت سے اٹھائیسویں آیت تک نیکو نیکوکاروں کے شاندار نتیجہ کو بیان کیا گیا ہے۔ ان کے دفتر اعمال پر بھی مقرب فرشتے مامور ہیں۔ پھر آخر میں ایمانداروں کو تسلی دی گئی ہے اور کفار کو متنبہ کیا گیا ہے کہ تم آج مسلمانوں کا مذاق اڑالو۔ مگر قیامت کے روز اس کا انجام بد بھی تمہیں دیکھنا پڑے گا۔ اس وقت اہل ایمان تم پر ہنسیں گے اور اپنی آنکھیں اور دل ٹھنڈا کریں گے۔

فضائل سورت:............ من قرا سورة المطففين سقاه الله تعالىٰ من الرحيق المختوم ۔ جو شخص سورہ مطففین پڑھے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نفیس سربمہر شراب سے سیراب فرمائے گا۔

لطائف سلوک:............ كلا بل ران ۔ اس آیت سے گناہوں اور شرک وکفر کی ظلمت کا قلب میں ہونا صراحۃً معلوم ہورہا ہے صوفیاء کے کلام میں بھی بکثرت اس کا ذکر ہے۔

سُوْرَةُ الْاِنْشَقَاق

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ ثَلٰثٌ اَوْخَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴿۱﴾ وَاَذِنَتْ سَمِعَتْ وَاَطَاعَتْ فِي الْاِنْشِقَاقِ **لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ﴿۲﴾** اَيْ حَقَّ لَهَا اَنْ تَسْمَعَ وَتُطِيْعَ **وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ﴿۳﴾** زِيْدَ فِي سَعَتِهَا كَمَا يُمَدُّ الْاَدِيْمُ وَلَمْ يَبْقَ عَلَيْهَا بِنَاءٌ وَّلَا جَبَلٌ **وَاَلْقَتْ مَافِيْهَا** مِنَ الْمَوْتٰى اِلٰى ظَاهِرِهَا **وَتَخَلَّتْ﴿۴﴾** عَنْهُ **وَاَذِنَتْ** سَمِعَتْ وَاَطَاعَتْ فِيْ ذٰلِكَ **لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ﴿۵﴾** وَذٰلِكَ كُلُّهٗ يَكُوْنُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَجَوَابُ اِذَا وَمَاعُطِفَ عَلَيْهَا مَحْذُوْفٌ دَلَّ عَلَيْهِ مَابَعْدَهٗ تَقْدِيْرُهٗ لَقِيَ الْاِنْسَانُ عَمَلَهٗ **يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ** جَاهِدٌ فِيْ عَمَلِكَ **اِلٰى لِقَاءِ رَبِّكَ** وَهُوَ الْمَوْتُ **كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ﴿۶﴾** اَيْ مُلَاقٍ عَمَلَكَ الْمَذْكُوْرَ مِنْ خَيْرٍ اَوْشَرٍّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ **فَاَمَّامَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ** كِتَابَ عَمَلِهٖ **بِيَمِيْنِهٖ﴿۷﴾** وَهُوَالْمُؤْمِنُ **فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا﴿۸﴾** هُوَ عَرْضُ عَمَلِهٖ عَلَيْهِ كَمَا فُسِّرَ فِي حَدِيْثِ الصَّحِيْحَيْنِ وَفِيْهِ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ هَلَكَ وَبَعْدَ الْعَرْضِ يَتَجَاوَزُعَنْهُ **وَّيَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ** فِي الْجَنَّةِ **مَسْرُوْرًا﴿۹﴾** بِذٰلِكَ **وَاَمَّامَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ﴿۱۰﴾** هُوَالْكَافِرُ تُغَلُّ يُمْنَاهُ اِلٰى عُنُقِهٖ وَتُجْعَلُ يُسْرَاهُ وَرَاءَ ظَهْرِهٖ فَيَاخُذُ بِهَا كِتَابَهٗ **فَسَوْفَ يَدْعُوْا** عِنْدَ رُؤْيَةِ مَافِيْهِ **ثُبُوْرًا﴿۱۱﴾** يُنَادِيْ هِلَاكَهٗ بِقَوْلِهٖ يَاثُبُوْرَاهُ **وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا﴿۱۲﴾** يَدْخُلُ النَّارَ الشَّدِيْدَةَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْيَاءِ وَفَتْحِ الصَّادِ وَتَشْدِيْدِ اللَّامِ **اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ** عَشِيْرَتِهٖ فِي الدُّنْيَا **مَسْرُوْرًا﴿۱۳﴾** بَطَرًا بِاتِّبَاعِهٖ لِهَوَاهُ **اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ** مُخَفَّفَةٌ مِّنَ الثَّقِيْلَةِ وَاِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ اَنَّهٗ **لَّنْ يَّحُوْرَ﴿۱۴﴾** يَرْجِعَ اِلٰى رَبِّهٖ **بَلٰى** يَرْجِعُ اِلَيْهِ **اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا﴿۱۵﴾** عَالِمًا بِرُجُوْعِهٖ اِلَيْهِ **فَلَاۤ اُقْسِمُ** لَا زَائِدَةٌ **بِالشَّفَقِ﴿۱۶﴾** هُوَ الْحُمْرَةُ فِي الْاُفُقِ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ **وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ﴿۱۷﴾** جَمَعَ مَادَخَلَ عَلَيْهِ مِنَ الدَّوَابِ وَغَيْرِهَا **وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ﴿۱۸﴾** اِجْتَمَعَ

وَتَمَّ نُوْرُهُ وَذٰلِكَ فِي اللَّيَالِي الْبِيْضِ **لَتَرْكَبُنَّ** اَيُّهَا النَّاسُ اَصْلُهُ تَرْكَبُوْنَنَّ حُذِفَتْ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي الْاَمْثَالِ وَالْوَاوُ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ **طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ** ﴿۱۹﴾ حَالًا بَعْدَ حَالٍ وَهُوَ الْمَوْتُ ثُمَّ الْحَيَاةُ وَمَا بَعْدَهَا مِنْ اَحْوَالِ الْقِيَامَةِ **فَمَا لَهُمْ** اَيِ الْكُفَّارِ **لَا يُؤْمِنُوْنَ** ﴿۲۰﴾ اَيْ اَيُّ مَانِعٍ لَّهُمْ مِّنَ الْاِيْمَانِ اَوْ اَيُّ حُجَّةٍ لَّهُمْ فِي تَرْكِهِ مَعَ وُجُوْدِ بَرَاهِيْنِهِ وَ مَا لَهُمْ **اِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ** ﴿۲۱﴾ يَخْضَعُوْنَ بِاَنْ يُّؤْمِنُوْا بِهِ لِاِعْجَازِهِ **بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ** ﴿۲۲﴾ بِالْبَعْثِ وَغَيْرِهِ **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ** ﴿۲۳﴾ يَجْمَعُوْنَ فِي صُحُفِهِمْ مِنَ الْكُفْرِ وَالتَّكْذِيْبِ وَاَعْمَالِهِمُ السُّوْءِ **فَبَشِّرْهُمْ** اَخْبِرْهُمْ **بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ** ﴿۲۴﴾ مُؤْلِمٍ **اِلَّا** لٰكِنِ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ** ﴿۲۵﴾ غَيْرُ مَقْطُوْعٍ وَلَا مَنْقُوْصٍ وَلَا يُمَنُّ بِهِ عَلَيْهِمْ

سورہ انشقاق مکیہ ہے جس میں ۲۳ یا ۲۵ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ:............ آسمان جب پھٹ جائے گا اور سن لے گا (پھٹنے کا حکم سن کر مان لے گا) اپنے پروردگار کا حکم اور وہ اس لائق ہے (یعنی سننا اور ماننا اس کے لئے لائق ہے) اور زمین جب کھینچ کر بڑھا دی جائے گی (چمڑے کی طرح اس کی وسعت بڑھ جائے گی، اس پر کوئی عمارت اور پہاڑ نہیں رہے گا) اور اگل دے گی اپنے اندر کی چیزیں (مردے باہر کر دے گی) اور خالی ہو جائے گی اور سن لے گی (سن کر مان جائے گی) اپنے پروردگار کا حکم اور وہ اس لائق ہے (یہ تمام باتیں قیامت کے دن ہوں گی۔ اذا اور اس کے معطوف کا جواب محذوف ہے بعد کی عبارت اس پر دلالت کر رہی ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے **لقی الا نسان عمله**) اے انسان! تو اپنے پروردگار کے پاس پہنچنے (مرنے) تک (کام میں) کوشش کر رہا ہے، پھر اس سے جا ملے گا (یعنی قیامت میں اپنے اس اچھے برے کام سے جا ملے گا) پس جس شخص کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں آئے گا۔ (یعنی مؤمن) سو اس سے آسان حساب لیا جائے گا (صرف اس کو نامہ اعمال دکھلا کر درگزر کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ نیز حدیث میں یہ بھی آتا ہے۔ کہ جس کے حساب میں پوچھ گچھ کا سلسلہ ہوگا وہ تباہ ہو جائے گا) اور (جنت میں) اپنے متعلقین کے پاس (اس کی وجہ سے) خوش خوش واپس ہوگا۔ لیکن جس شخص کا اعمال نامہ پیٹھ پیچھے سے ملے گا (یعنی کافر جس کا داہنا ہاتھ گردن پر اور بایاں کمر کے پیچھے بندھا ہوگا جس سے وہ نامہ عمل تھامے ہوگا) سو وہ (دیکھتے ہی) موت کو پکارے گا (ہائے تباہی چلائے گا) اور دوزخ (کی دہکتی ہوئی آگ) میں داخل ہوگا۔
ایک قرأت میں ضمہ یا اور فتحہ صاد اور تشدید لام کے ساتھ) یہ شخص (دنیا میں) اپنے متعلقین میں خوش بخوش رہا کرتا تھا (نفس کی پیروی پر اترایا کرتا تھا) اس نے خیال کر رکھا تھا کہ اس کو (ان مخففہ ہے جس کا اسم محذوف ہے اصل انه تھا) لوٹنا نہیں (اپنے پروردگار کے پاس جانا نہیں) کیوں (رب کے پاس لوٹنا) نہیں؟ اس کا پروردگار اس کو خوب دیکھتا تھا (اس کے پاس لوٹنے کو جانتا تھا) سو میں قسم کھا کر کہتا ہوں (لا زائد ہے) شفق کی (سورج غروب ہونے کے بعد کی سرخی) اور رات کی اور ان چیزوں کی جن کو رات سمیٹ لیتی ہے (جانور وغیرہ جن پر رات آتی ہے) اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے (اس کا نور مکمل ہو جائے۔ چاندنی راتوں میں) کہ تم لوگوں کو ضرور دالث پلٹ ہونا ہے (اس کی اصل لتر کبونن تھی۔ نون رفع کو مسلسل نونوں کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور واؤ انعقاد ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گیا) ایک حالت سے دوسری حالت پر (مختلف کیفیات پر یعنی موت پر دوبارہ زندگی۔ پھر اس کے بعد احوال قیامت) سو ان لوگوں

(کافروں) کو کیا ہو گیا کہ ایمان نہیں لاتے (یعنی ایمان لانے میں آخر کیا رکاوٹ ہے یا ایمان چھوڑنے کے لئے ان کے پاس کیا دلیل ہے۔ جب کہ اس کے موجود ہونے کے دلائل پائے جاتے ہیں) اور (انہیں کیا ہو گیا کہ (جب ان کے روبرو قرآن پڑھا جاتا ہے تو کیوں نہیں جھکتے (تواضع اختیار کر کے قرآن کے اعجاز کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے) بلکہ یہ کافر (قیامت وغیرہ کو) جھٹلاتے ہیں، اور اللہ کو سب خبر ہے جو کچھ یہ جمع کر رہے ہیں (اپنے اعمال ناموں میں کفر و تکذیب اور برے اعمال) سو آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری (اطلاع) سنا دیجئے۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کئے، ان کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی منقطع ہونے والا نہیں ہے (نہ موقوف ہوگا اور نہ کم اور نہ اس کا ان پر احسان جتلایا جائے گا۔)

تحقیق وترکیب: .... **انشقت**. دوسری آیت میں ہے۔ **یوم تشقق السماء بالغمام** دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ حضرت علیؓ سے منقول ہے۔ **تنشق بالمجرة**. مجرہ کہکشاں کو کہتے ہیں۔ بہر حال اس کے بعد فرشتے اعمال نامے لے کر اتریں گے۔

واذا الارض. بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسری زمین ہوگی اور زمین سے مردوں کی طرح دفائن وخزائن بھی نکل پڑیں گے۔ اس وقت دجال کا ظہور بھی ہوگا۔ **یا ایھا الا انسان**، بقول سعیدؒ وقتادہؒ جنس انسان مراد ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ اسود بن عبدالاسد مراد ہو اور بعض کے نزدیک ابی بن خلف اور بعض کے نزدیک تمام کفار مراد ہیں۔

انک کادح. **کدحه** بمعنی خدشہ۔ تعب ومشقت اٹھانا۔

فملقیه. اس کا عطف **کادح** پر ہو سکتا ہے اور مبتداء محذوف کی خبر بھی ہو سکتی ہے۔ ای **فانت ملاقیه**. پہلی صورت میں مفرد کا مفرد پر اور دوسری صورت میں جملہ کا جملہ پر عطف ہوگا۔ اور بعض نے اس کو اذا کا جواب مانا ہے اور ضمیر کا مرجع رب ہے۔ اور یا کدح ہے لیکن کدح کیونکہ فعل ہونے کی وجہ سے غیر باقی ہے۔ اس سے **قدح** کا ملنا ممکن نہیں۔ اس لئے جزاء قدح مراد ہے جس کی طرف مفسر علامؒ نے "**ملاق عملک**" سے اشارہ کیا ہے۔ اور امام رازیؒ نامہ اعمال کا ملنا مراد لیتے ہیں۔

بالشفق. ابن عمرؓ وابن عباسؓ شفق احمر مراد لیتے ہیں۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور صاحبینؒ اور ایک روایت امام اعظمؒ کی بھی ہے اور اسی پر فتوے ہے۔ لیکن ابو ہریرہؓ شفق ابیض مراد لیتے ہیں۔ امام اعظمؒ کا مشہور قول بھی یہی ہے۔ اگرچہ امام صاحبؒ نے اس سے رجوع فرمالیا ہے۔

وما وسق. **وسقه**. **فاتسق**. **واستوسق** کے معنی جمع کرنے اور چھپانے کے ہیں۔

مستوسقات لویجده سائقا. یا وسیقہ سے ماخوذ ہے۔ اونٹوں کو ہٹانا۔

عن طبق. طبقہ کی جمع ہے۔ یعنی مختلف قسم کے اطباق اور **طبقا اطباق السماء بعد طبق** کے معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ جو شب معراج میں ہوا۔ جب کہ **لتر کبن**۔ ابن کثیرؒ اور حمزہؒ اور کسائیؒ کی قراءت فتحا کی ہے۔ جس کے مخاطب آنحضرت ﷺ ہوں تو اس صورت میں حالات شریفہ اور مراتب عالیہ بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

فمالهم. **فا** ترتیب کے لئے ہے۔ تغیرات علویہ اور سلفیہ، عظیم القدرت خالق پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے عاقل سے بعید ہے کہ اس پر ایمان نہ لائے اور اس کی اطاعت نہ کرے۔

لا یسجدون. اگر سجدہ تلاوت مراد ہے تب تو سجدہ اپنے ظاہری معنی پر ہے۔ ورنہ انقیاد اور فرمانبرداری مراد ہے۔ غرض کہ اہل زبان پر تو اس کی بلاغت اثر انداز ہونی چاہئے۔ امام اعظمؒ اس سے سجدہ تلاوت کے واجب ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کو سن کر سجدہ نہ کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق نقل ہے۔ **انه سجد فیها وقال والله ما سجدت فیها**

الا بعد ان رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسجد فیھا وعن ابن عباس لیس فی المفصل سجدۃ وعن الحسن ایضا ھی غیر واجبۃ. احنافؒ اورشوافعؒ کے نزدیک قرآن میں چودہ سجدے ہیں۔البتہ شوافع کے نزدیک سورہ ص میں سجدہ نہیں ہے اور سورہ حج میں دو سجدے ہیں۔لیکن حنفیہ دوسرے سجدے کو سجدہ صلوٰۃ کہتے ہیں۔کیونکہ اس میں رکوع اسی کا قرینہ ہے۔نیز شوافع کے نزدیک سورہ حم سجدہ میں ان کنتم ایاہ تعبدون پر سجدہ ہے۔جیسا کہ ابن مسعودؓ کا قول ہے۔لیکن حنفیہ کے یہاں بعد کی آیت لا یسئمون پر سجدہ ہے۔جیسا کہ ابن عمرؓ کا قول ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ بعد کی آیت کو شامل کیا جائے۔کیونکہ سجدہ کی تاخیر جائز ہے تقدیم جائز نہیں ہے اور حدیث السجدۃ علیٰ من سمعھا وعلی من تلاھا کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک قاری اور سامع دونوں پر سجدہ واجب ہے۔کیونکہ علی وجوب کے لئے آتا ہے اور سامع میں مقتدی کی قید ہے۔نیز جب اس آیت کی رو سے مطلق سامع پر سجدہ واجب ہے تو قاری پر بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔اور سجدہ تلاوت کی شرائط بعینہ شرائط نماز ہیں مثلاً طہارت۔استقبال قبلہ ستر عورت وغیرہ۔ البتہ سجدہ تلاوت صرف دو تکبیروں کے درمیان ہوگا نہ تحریمہ ہے نہ تشہد اور نہ سلام ہوگا خواہ کھڑے ہوکر تکبیر کہتے ہوئے، سجدے میں جائے یا بیٹھے ہوئے۔امام کے تلاوت کرنے سے خود اس پر اور مقتدیوں اور نماز کے باہر سننے والے پر سجدہ کرنا ضروری ہوگا۔البتہ رکوع میں سجدہ تلاوت کا تداخل ہوسکتا ہے۔مجلس یا آیت سجدہ بدلنے سے دوسرا سجدہ واجب ہوجائے گا البتہ ایک ہی مجلس میں ایک آیت سجدہ بار بار پڑھی اور پھر بار بار سجدہ نہیں کیا تو آخر میں ایک ہی سجدہ کافی ہوجائے گا۔البتہ اگر پہلے سجدہ کر کے پھر دوبارہ تلاوت کرے تو دوسرا سجدہ کرنا ہوگا۔علیٰ ہذا آیت سجدہ ایک ہے اور مجالس متعدد تو سجدے بھی متعدد ہوجائیں گے۔

بما یوعون. ایعاء کے معنی برتن میں جمع کرنے کے ہیں۔ابن عباسؓ، مجاہدؒ، قتادہؒ فرماتے ہیں۔ مما یسرون ویکتمون فی صدور ھم من الکفر و العداوۃ الا الذین. مفسرؒ نے لکن سے استثناء منقطع کی طرف اشارہ کیا ہے اور کفار میں سے اگر ایمان لانے والے اور تائب مراد ہوں تو پھر استثناء متصل بھی ہوسکتا ہے۔

غیر ممنون. من معنی قطع سے ہے اور منۃ سے اگر مانا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ ان پر اجر کا احسان نہیں جتایا جائے گا۔ پہلے معنی ابن عباسؓ سے منقول ہیں اور دوسرے معنی حسن بصریؒ سے نقل ہیں۔مفسر نے عموم مشترک کے طور پر دونوں معنی لئے ہیں۔

ربط آیات:..........سورہ انشقاق میں بھی پچھلی سورتوں کی طرح مجازات کی تفصیل ہے۔یہ سورت بھی مکہ معظمہ کی ابتدائی دور کی معلوم ہوتی ہے۔اس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات:..........الارض مدت. جابرؓ سے مرفوع روایت ہے۔تمد الارض یوم القیامۃ مد الا دیم ثم لایکون لا بن ادم فیھا الا موضع قدمیہ. حسابا یسیرا. صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے۔قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من نوقش فی الحساب عذب قالت فقلت الیس اللہ یقول فسوف یحا سب حسابا یسیر ا قال ذلک لیس بالحساب لکن ذلک العرض ومن نوقش فی الحساب ھلک. لن یحور. قال ابن عباس ما عرفت تفسیرہ حتی سمعت اعرابیۃ تقول لبنتھا حوری ای ارجعی. لا یسجدون انہ علیہ السلام قراء اقترب فسجد من المؤمنین وقریش تصفق رؤ سھم فنزلت وعن انس صلیت خلف ابی بکرو عمرو عثمان فسجدوا وقد صرح فی الحسینی ان ابا ھریرۃ سجد علی قولہ لا یسجدون وعلیہ اجعم وسجد بعضھم علیٰ اخر السورۃ.

﴿ تشریح ﴾ : .... اس عبارت کے مضمون سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی جب کفار کی طرف سے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ نہیں توڑے گئے تھے۔ بلکہ ان کا سارا زور اور آخرت اور قیامت کے انکار پر تھا۔ وہ اس پر کسی طرح یقین کر لینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ کہ قیامت کوئی چیز ہے اور سب کو خدا کے آگے حساب کے لئے پیش ہونا ہے۔

اذا السماء انشقت. آسمان کے پھٹنے کا حکم تکوینی مراد ہے۔ اور یہ کہ آسمان باوجود عالی شان ہونے کے اسی لائق ہے کہ اپنے مالک وخالق کے سامنے گردن ڈال دے اور اس کی فرمانبرداری میں ذرا چوں چرا نہ کرے۔

پورا کرۂ زمین ہموار میدان ہوجائے گا: .... واذا الارض مدت. قیامت کے دن تمام انسانوں کو جو روز اول سے قیامت تک پیدا ہوئے ہوں گے بیک وقت زندہ کرکے خدا کی عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ اتنی بڑی آبادی کو جمع کرنے کے لیے ظاہر ہے کہ سمندر، دریا، پہاڑ، جنگل، گھاٹیاں، اونچ نیچ سب دور کرکے پورے کرہ زمین کو ایک ہموار میدان میں تبدیل کردیا جائے گا۔ اور یا اس پوری سرزمین کو ربڑ کی طرح وسیع اور کشادہ کردیا جائے گا۔ تاکہ اس پر سارے انسان کھڑے ہونے کی جگہ تو پاسکیں جیسا کہ حضرت جابرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز زمین ایک دسترخوان کی طرح پھیلا کر بچھادی جائے گی۔ پھر انسانوں کے لیے اس پر صرف قدم رکھنے کی جگہ ہوگی۔ آیت "یوم تبدل الارض" کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ تبدیلی ذاتی اور وصفی بھی ہو یا صرف وصفی۔ والقت. زمین مردوں کے اجزا اور خزانے سب کے سب اُگل دے گی اسی طرح اعمال کی جو شہادتیں اس کے اندر موجود ہوں گی وہ بھی سب باہر آجائیں گی کوئی چیز چھپی یا دبی نہ رہ جائے گی بس خالی زمین رہ جائے گی۔

انسان محنت کرکے اپنی عاقبت سنوارتا یا بگاڑتا ہے: .... یاایها الانسان. یعنی یہ سارا جہاں جب اللہ کی تکوین کے زیر نگین ہے پھر اے انسان! تجھے کیا ہے کہ تو اس کے حکم تشریعی سے سرتابی کرسکے۔ وہ ساری تگ ودو اور دوڑ دھوپ جو انسان دنیا میں کر رہے ہیں اور یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ صرف دنیا کی زندگی تک محدود ہے۔ لیکن فی الحقیقت شعوری اور غیر شعوری طور پر کشاں کشاں وہ اپنے پروردگار کی طرف جا رہا ہے اور آخر کار ایک دن وہیں پہنچ کر اعمال کی جواب دہی کے لیے پیش ہونا ہے انسان دنیا میں اپنی استعداد کے مطابق مختلف قسم کی جدوجہد کر رہا ہے کوئی اللہ کی اطاعت وفرمابرداری میں محنت ومشقت اٹھاتا ہے اور کوئی اس کی نافرمانی اور بدی میں جان کھپاتا ہے اسی طرح گویا اپنے رب کے پاس پہنچنے کا راستہ فراہم کر رہا ہے جہاں پہنچ کر اسے اعمالنامہ کے مطابق جزا یا سزا بھگتنی پڑے گی۔

آسان حساب: .... حسابا یسیرا. آسان حساب کا مطلب یہ ہے کہ بات بات پر گرفت نہ ہوگی جیسا کہ حدیث میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کو نماز میں یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ "خدایا مجھ سے ہلکا حساب لے" آپ نے جب سلام پھیرا تو میں نے اس کا مطلب پوچھا آپ نے فرمایا کہ حساب سے مراد یہ ہے کہ بندے کے نامۂ اعمال کو دیکھا جائے گا اور اس سے درگزر کیا جائے گا اے عائشہؓ! اس روز جس سے پوچھ گچھ کی گئی وہ مارا گیا بہرحال آسان حساب کی مختلف صورتیں ہوں گی اول تو یہی کہ سرسری طور پر اعمال کی پیشی ہوگی ان پر نہ مناقشہ ہوگا اور نہ عذاب دوسری صورت تو یہ ہے کہ عذاب تو ہوگا مگر دوامی عذاب نہیں۔ بلکہ اعمال کے مطابق وقتی عذاب ہوگا پہلی صورت خواص کے لیے اور دوسری عام مومنین کے لیے ہوگی اور جن بدکاروں سے بات بات پر گرفت ہوگی وہ سخت حساب کا شکار ہوں گے۔

نیکوں اور بدوں کے مختلف انجام: .... وینقلب. اپنے لوگوں کا مطلب وہ رشتہ دار متعلقین اور ساتھی ہیں جن کو اسی کی طرح معاف کر دیا ہوگا اور مسرور ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ نہ اسے سزا کا خوف رہے گا اور نہ اللہ کی خفگی کا کھٹکا نہایت اطمینان وسکون سے اپنے عزیزوں دوستوں کے پاس خوشیاں مناتا ہوا آئے گا۔

وراء ظهره. بدکاروں کا نامہ اعمال پیٹھ پیچھے سے بائیں ہاتھ میں پکڑا دیا جائے گا گویا فرشتے سامنے سے اس کی صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کریں گے اور اس طرح کراہیت کا اظہار کیا جائے گا۔ یا پیچھے کو مشکیں بندھی ہوئی ہوں گی۔ اس لیے نامہ اعمال پیٹھ پیچھے سے دینے کی نوبت پیش آئے گی۔ داہنی جانب اور اس کے فرشتے اسی طرح بائیں جانب اور اس سے متعلق فرشتے چونکہ پہلے ہی اچھائی برائی میں امتیاز کے لیے طے شدہ ہیں۔ اس لیے اس کا اظہار اس موقعہ پر بھی ہوگا۔

بل ھو ثبورا. عذاب کی ہولناکی کو دیکھ کر اضطراراً موت مانگے کہ شاید اسی کی بدولت اس مصیبت سے چھٹکارامل جائے۔

انه کان فی اهله ثبورا. یعنی بدکار کا حال دنیا میں نیکوکاروں سے مختلف تھا۔ نیک لوگ تو اپنے گھروں میں خوف خدا کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے کہ کہیں انہیں پھنس کر اوران کی دنیا بنانے کے پیچھے اپنی عاقبت نہ برباد کریں۔ لیکن بدکار آدمی دنیا میں آنند کے تاراورچین کی بانسری بجاتا تھا اور لوگوں کے حقوق مار کر حرام خوریاں کر کے خوب عیش اڑاتا تھا اور بال بچوں کو مزے کی زندگی بسر کراتا تھا اور کبھی بھول کر بھی خیال نہیں آتا تھا کہ خدا کو اس کا حساب بھی دینا ہے آج اس کا بدلہ یہ ہے کہ سخت غم میں مبتلا ہونا پڑا۔ اور جو دنیا میں رہ کر آخرت کے غم میں کھلے جا رہے تھے وہ آج مطمئن ومسرور ہوں گے کافر دنیا میں مسرور رہتا ہے اور مومن آخرت میں مسرور ہوں گے۔ انه ظن. اس بدبخت کو کبھی یہ خطرہ بھی نہیں گزرا کہ خدا کے پاس مجھے واپس بھی جانا ہے اور رتی رتی کا حساب دینا ہے اس لیے گناہوں اور شرارتوں پر خوب دلیر رہا۔

اللہ کے عدل وانصاف کا تقاضا: .... کان به بصیرا. اللہ کے انصاف اور اس کی حکمت سے بعید تھا کہ جو کرتوت وہ کر رہا تھا ان کو وہ نظر انداز کر دیتا۔ اور اس سے باز پرس نہ کرتا۔ بھلا جو خدا انسان کو پیدائش سے موت تک برابر دیکھتا رہا۔ کہ اس کا بدن کس کس چیز سے بنا اس کی روح کہاں سے آئی اس نے کیا کیا عقیدے رکھے کیا کیا عمل کئے، دل میں کیا بات رہی زبان سے کیا بات کہی، ہاتھ یا کان سے کیا کام کئے، مرنے کے بعد روح کہاں پہنچی۔ بدن کے اجزا بہہ کر کہاں کہاں گئے؟ کیا اتنی واقفیت کے بعد یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ اسے یوں ہی مہمل چھوڑ دے گا۔ اور اپنے سامنے دودھ کا دودھ پانی کا پانی نہیں کرے گا۔

بالشفق. سورج ڈوبنے کے بعد شفق کی سرخی پھر اجالا پن، دن کے بعد رات کی تاریکی اور اس میں بہت سے انسانوں اور جانوروں کا تلاش معاش میں سرگرداں رہنے اور ادھر ادھر منتشر ہونے کے بعد اپنے ٹھکانوں پر سمٹ آنا۔ اور چاند کا ہلال سے درجہ بدرجہ بڑھ کر بدر کامل ہونا یہ وہ چند چیزیں ہیں جو اس بات کی علانیہ شہادت دے رہی ہیں کہ جس کائنات میں انسان رہتا ہے اس میں کہیں ٹھہراؤ نہیں ہے ایک مسلسل تغیر اور درجہ بدرجہ تبدیلی ہر طرف پائی جاتی ہے لہذا منکرین قیامت کا یہ خیال صحیح نہیں کہ موت کی آخری ہچکی آتے ہی معاملہ ختم ہو جائے گا بلکہ جس طرح اس ناسوتی زندگی کے بچپن سے لے کر موت تک مختلف مراحل طے کئے ہیں اسی طرح موت سے برزخ تک اور دوبارہ زندہ ہو کر حشر تک اور وہاں سے حساب کتاب، جزا، سزا تک بے شمار مراحل اور منزلیں طے کرنی لازمی ہیں اس مضمون پر تین قسمیں کھا کر یقین دلایا گیا ہے۔ فمالهم لایؤمنون. انسان ایک معمولی سفر پر جاتا ہے تو اس کے لیے مناسب تیاری اور زادراہ فراہم کرنا ہوتا ہے اور یہ سفر تو نہایت طویل اور منزل انتہائی کٹھن ہے اسکی تیاری تو مکمل اور وہاں کے شایان شان توشہ ہونا چاہیئے۔

قرآن کے ادب کا تقاضہ........... واذا قـرئ. یعنی اگران کی عقل ان حالات کا ادراک نہیں کرسکتی تو انہیں لازم تھا کہ قرآن پاک سے روشنی حاصل کرتے۔لیکن اس کے برعکس ان کا حال یہ ہے کہ قرآن معجز بیان سن کربھی ذرا عاجزی اور انکساری کا اظہار نہیں کرسکتے۔ان کے دل میں خوف خدا پیدا نہیں ہوتا اور اس کے آگے نہیں جھکتے۔حتیٰ کہ مسلمان قرآن کی آیات سن کر جب سجدہ تلاوت کرتے ہیں تو انہیں سجدہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔اس وقت بھی ان میں سے مغرور سر جھکانے کی بجائے تمسخرانہ انداز سے زمین کی مٹی پیشانی سے لگالیتا ہے۔

بـل الـذين كفروا. یعنی اتنا ہی نہیں کہ قرآن کی آیات سن کر جھکتے نہیں۔بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ان کو زبان سے جھٹلاتے ہیں اور دلوں میں جو کچھ بغض وعناد اور نفرت کا خمار بھرا ہوا ہے اسے تو خدا ہی خوب جانتا ہے۔

فبشرهم. اس لیے انہیں خوشخبری سنادیجئے کہ جو کچھ وہ بورہے ہیں اس کا پھل ضرور ملے گا اور نتائج عمل سے محروم نہیں رہیں گے۔

خلاصۂ کلام:............ شروع کی پانچ آیات میں قیامت کی کیفیات اور اس کے برحق ہونے کی دلیل فرمائی گئی ہے چنانچہ آسمان کا پھٹنا۔زمین پھیلا کر ہموار میدان کردینا،زمین میں جو کچھ چیزیں ہیں۔ان کو باہر نکال دینا حتیٰ کہ اس میں کچھ بھی باقی نہیں رہ جائے گا یہ قیامت کی کیفیات ہیں اور دلیل کا حاصل یہ ہے کہ آسمان زمین سب اللہ کے کلام کے آگے مسخر ہیں اور چونکہ وہ اس کی مخلوق ہیں اس لیے ان کے لیے سراسر یہی موزوں ہے کہ وہ حکم رب کے آگے سرتابی نہ کرسکیں بلکہ سرنگوں رہیں۔

اس کے بعد چھٹی آیت سے انیسویں آیت تک یہ ارشاد ہے کہ انسان خواہی نخواہی اپنی اس منزل کی طرف رواں دواں ہیں جہاں سے رب کی پیشی میں کھڑا ہونا ہے پھر انسان دو حصوں میں بٹ جائیں گے جن کے اعمالنامے داہنے ہاتھوں میں ہوں گے۔وہ تو پیشی کے ساتھ ہی چھوٹ جائیں گے اور کچھ تھوڑی بہت سزا ہوگی لیکن جس کا اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں پیٹھ پیچھے سے دیا جائے گا۔ان کا حال تو یہ ہوگا کہ وہ موت کو غنیمت سمجھیں گے۔لیکن انہیں جہنم میں جھونک دیا جائے گا اور یہ اس لیے کہ وہ دنیا میں اس بھلاوے میں رہے کہ انہوں نے جواب دہی کے لیے کبھی خدا کے حضور حاضر ہونا نہیں ہے۔حالانکہ ان کا رب سب کچھ دیکھ رہا تھا اور کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ اعمال کی باز پرس سے بچ جائیں جس طرح سورج چھپنے کے بعد شفق کا نمودار ہونا۔دن کے بعد رات کا آنا اور اس میں انسان اور حیوانات کا اپنے بسیروں کی طرف چلنا اور چاند کا ہلالی سے ماہ کامل بننا یقینی ہے اسی طرح ان کا دنیاوی زندگی سے آخرت کی جزا سزا تک مرحلہ وار پہنچنا بھی ہے۔

آخر میں ان کفار کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنائی گئی ہے جو قرآن سنکر اللہ کے آگے سرنگوں ہونے کی بجائے الٹا جھٹلانے لگتے ہیں اسی طرح جو لوگ ایمان لاکر نیک عمل کرتے ہیں انہیں بےحساب اجر کا مژدہ سنایا گیا ہے۔

فضائل سورت:............ من قرء سورة انشقت اعاذه الله تعالىٰ ان يعطيه كتابه من ورائه .

ترجمہ:...... جو شخص سورہ انشقت پڑھے گا اللہ اسے نامہ عمال پشت کی جانب سے دیئے جانے سے محفوظ رکھے گا

لطائف سلوک:............ لتـركبـن طبـقـاعن طبق. ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس کا خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یعنی مراتب قرب میں مرحلہ وار ترقی مراد ہے آپ کے عرفاء کے مراتب واحوال کی بھی یہی شان ہے۔

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ ثِنْتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ﴿۱﴾ لِلْكَوَاكِبِ اِثْنَا عَشَرَ بُرْجًا تَقَدَّمَتْ فِى الْفُرْقَانِ **وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ﴿۲﴾** يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **وَشَاهِدٍ** يَوْمِ الْجُمُعَةِ **وَّمَشْهُوْدٍ﴿۳﴾** يَوْمِ عَرَفَةَ كَذَا فُسِّرَتِ الثَّلٰثَةُ فِى الْحَدِيْثِ فَالْاَوَّلُ مَوْعُوْدٌ بِهٖ وَالثَّانِىْ شَاهِدٌ بِالْعَمَلِ فِيْهِ وَالثَّالِثُ يَشْهَدُهُ النَّاسُ وَالْمَلَائِكَةُ وَجَوَابُ الْقَسَمِ مَحْذُوْفٌ صَدْرَهٗ اَىْ لَقَدْ **قُتِلَ** لُعِنَ **اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ﴿۴﴾** الشَّقِّ فِى الْاَرْضِ **النَّارِ** بَدَلُ اِشْتِمَالٍ مِنْهُ **ذَاتِ الْوَقُوْدِ﴿۵﴾** مَاتُوْقَدُ فِيْهِ **اِذْهُمْ عَلَيْهَا** اَىْ حَوْلَهَا عَلٰى جَانِبِ الْاُخْدُوْدِ عَلَى الْكَرَاسِىْ **قُعُوْدٌ﴿۶﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ** بِاللّٰهِ مِنْ تَعْذِيْبِهِمْ بِالْاِلْقَاءِ فِى النَّارِ اِنْ لَّمْ يَرْجِعُوْا عَنْ اِيْمَانِهِمْ **شُهُوْدٌ﴿۷﴾** حُضُوْرٌ رُوِىَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْجَى الْمُؤْمِنِيْنَ الْمُلْقِيْنَ فِى النَّارِ بِقَبْضِ اَرْوَاحِهِمْ قَبْلَ وُقُوْعِهِمْ فِيْهَا وَخَرَجَتِ النَّارُ اِلٰى مَنْ ثَمَّ فَاَحْرَقَتْهُمْ **وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ** فِىْ مُلْكِهٖ **الْحَمِيْدِ﴿۸﴾** الْمَحْمُوْدِ **الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ﴿۹﴾** اَىْ مَا اَنْكَرَ الْكُفَّارُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِلَّا اِيْمَانَهُمْ **اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ** بِالْاِحْرَاقِ **ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ﴿۱۰﴾** اَىْ عَذَابُ اِحْرَاقِهِمُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِى الْاٰخِرَةِ وَقِيْلَ فِى الدُّنْيَا بِاَنْ خَرَجَتِ النَّارُ فَاَحْرَقَتْهُمْ كَمَا تَقَدَّمَ **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ﴿۱۱﴾ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ** بِالْكُفَّارِ **لَشَدِيْدٌ﴿۱۲﴾** بِحَسَبِ اِرَادَتِهٖ **اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ** الْخَلْقَ **وَيُعِيْدُ﴿۱۳﴾** فَلَا يُعْجِزُهٗ مَا يُرِيْدُ **وَهُوَ الْغَفُوْرُ** لِلْمُؤْمِنِيْنَ الْمُذْنِبِيْنَ **الْوَدُوْدُ﴿۱۴﴾** الْمُتَوَدِّدُ اِلٰى اَوْلِيَائِهٖ بِالْكَرَامَةِ **ذُو الْعَرْشِ** خَالِقُهٗ وَمَالِكُهٗ **الْمَجِيْدُ﴿۱۵﴾** بِالرَّفْعِ الْمُسْتَحِقُّ لِكَمَالِ صِفَاتِ الْعُلُوِّ **فَعَّالٌ لِّمَا**

يُرِيْدُ﴿۱۶﴾ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ **هَلْ اَتٰكَ** يَا مُحَمَّدُ **حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ**﴿۱۷﴾ **فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ**﴿۱۸﴾ بَدَلٌ مِنَ الْجُنُوْدِ وَاسْتَغْنٰى بِذِكْرِ فِرْعَوْنَ عَنْ اَتْبَاعِهٖ وَحَدِيْثُهُمْ اَنَّهُمْ اُهْلِكُوْا بِكُفْرِهِمْ وَهٰذَا تَنْبِيْهٌ لِمَنْ كَفَرَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْقُرْاٰنَ لِيَتَّعِظُوْا **بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ**﴿۱۹﴾ بِمَا ذُكِرَ **وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ**﴿۲۰﴾ لَا عَاصِمَ لَهُمْ مِنْهُ **بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ**﴿۲۱﴾ عَظِيْمٌ **فِيْ لَوْحٍ** هُوَ فِي الْهَوَاءِ فَوْقَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ **مَّحْفُوْظٍ**﴿۲۲﴾ بِالْجَرِّ مِنَ الشَّيَاطِيْنِ وَمِنْ تَغَيُّرِ شَيْءٍ مِّنْهُ وَطُوْلُهُ مَابَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَعَرْضُهٗ مَابَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَهُوَ مِنْ دُرَّةٍ بَيْضَاءَ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا

سورۃ بروج مکیہ ہے جس میں ۲۲ آیات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:.............. قسم ہے برجوں والے آسمان کی (ستاروں کے بارہ برج ہیں جن کا بیان سورۂ فرقان میں گزر چکا ہے) اور اس (قیامت کے) دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور حاضر ہونے والے (جمعہ کے) دن کی اور اس دن کی جس میں حاضری ہوتی ہے (یعنی عرفہ کا روز، حدیث میں تینوں کی تفسیر اسی طرح آئی ہے پس قیامت کا دن وعدے کا دن ہے اور دوسرا دن عمل کا شاہد ہے اور تیسرے دن میں لوگ اور فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جواب قسم کا ابتدائی حصہ محذوف ہے یعنی لقد) ملعون ہوئے خندق (گڑھے) والے، آگ والے (بدل اشتمال ہے) بہت سے ایندھن کی (وہ چیز جس سے آگ جلائی جائے) جب کہ وہ اس خندق کے آس پاس (گڑھے کے اردگرد کرسیوں پر) بیٹھے ہوئے تھے اور جو کچھ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے (ایمان سے نہ ہٹنے کی صورت میں آگ میں جھونک کر سزا دینا) وہ دیکھ رہے تھے (موجود تھے۔ روایت ہے کہ اللہ نے ان مومنین کو جنہیں اس آگ میں جھونکا گیا تھا نجات دے دی۔ اس طرح کہ آگ میں گرنے سے پہلے ان کی روحیں قبض کر لیں اور آگ بیٹھے ہوؤں کی طرف لپکی اور انہیں بھسم کر ڈالا) اور اہل ایمان سے ان کی دشمنی اس کے سوا کسی وجہ سے نہ تھی کہ وہ اس خدا پر ایمان لائے تھے جو (اپنے مسلک میں) زبردست اور اپنی ذات میں لائق حمد (محمود) ہے۔ جو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک ہے اور اللہ سب دیکھ رہا ہے (یعنی کفار نے مومنین کا رد صرف ان کے ایمان کی وجہ سے کیا ہے) جن لوگوں نے مومن مردوں اور عورتوں پر (آگ میں جلا ڈالنے کا) ظلم وستم توڑا ہے۔ اور پھر اس سے تائب نہ ہوئے یقیناً ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے (ان کے کافر ہونے کی وجہ سے) اور ان کے لیے جلائے جانے کی سزا ہے (جو مسلمانوں کو آگ میں جلانے کے بدلہ میں آخرت میں ہوگی اور بعض کی رائے ہے کہ دنیا ہی میں یہ سزا ہو چکی ہے کہ اس آگ نے باہر آ کر انہیں کو بھسم کر ڈالا ہے۔ جیسا کہ ابھی گزرا ہے) جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے یقیناً ان کے لیے جنت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ ہے بڑی کامیابی۔ اور حقیقت (کفار کیلئے تمہارے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے (اس کے ارادہ کے مطابق) وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے (مخلوق کو) اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا (وہ اپنے ارادہ میں عاجز نہیں ہوا ہے) وہی (گنہگار مومنوں کو) بخشنے والا ہے (اپنے اولیاء سے کرامت کے ذریعہ) محبت کرنے والا ہے۔ عرش والا ہے (اس کا خالق اور مالک ہے) عظمت والا ہے (یہ رفع کے ساتھ ہے۔ صفات عالیہ کے کمال کا مستحق ہے) جو کچھ چاہے کر ڈالنے والا ہے (اسے کوئی ہرا نہیں سکتا) کیا تمہیں (اے محمد!) لشکر کی خبر پہنچی ہے فرعون اور ثمود کے (جنود سے بدل ہے فرعون کے ذکر کے

بعد اس کے پیروکاروں کے ذکر کی ضرورت نہیں اور وہ خبر یہ ہے کہ وہ کفر کی وجہ سے تباہ ہو گئے۔ آنحضرتؐ اور قرآن کے ساتھ کفر کرنے والوں کو اس میں تنبیہ ہے کہ وہ عبرت پکڑیں) بلکہ یہ کافر (ان باتوں کے) جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے ان کو گھیرے میں لے رکھا ہے (ان کو اس سے کوئی بچانے والا نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک باعظمت (بلند مرتبہ) قرآن ہے۔ لوح (ساتوں آسمان سے اوپر جو فضا) میں محفوظ ہے (جر کے ساتھ جو شیاطین اور کسی قسم کے ردوبدل سے محفوظ ہے۔ اس کی لمبائی آسمان زمین کے برابر اور چوڑائی مشرق ومغرب کے برابر سفید موتی کا بنا ہوا ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے۔

تحقیق وترکیب: .... **البروج**. برج کے معنی ظاہر کے ہیں۔ برج سے ماخوذ ہے۔ حقیقۃ عرفیہ کے طور پر قصر عالی اور قلعہ معلی کو کہتے ہیں۔ یہاں استعارہ تصریحیہ ہے۔ آسمان میں سورج کے منازل سیر مراد ہیں۔ ان بروج ومنازل میں ثوابت تو مستقل قیام پذیر ہیں اور سیارات کی گردش رہتی ہے جیسا کہ محلات میں اکابر واشراف کا قیام اور آمد ورفت رہا کرتی ہے۔

علم ہئیت کی رو سے نویں یا آٹھویں آسمان میں اگرچہ یہ برج ہیں۔ لیکن چونکہ تمام آسمان آئینہ کی طرح شفاف اور صاف ہیں اس لیے **السماء** سے مراد جنس فلک ہے کہ دیکھنے والے کو سب میں نظر آتے ہیں۔ چھ دوائر عرض سے بارہ برج اس طرح متشکل ہوتے ہیں کہ ایک قطر دائرہ معدل النہار اور دائرہ منطقۃ البروج پر گزرتا ہے اور دوسرا خط نقطہ ربیعی اور خریفی پر گزرتا ہے اور باقی خطوط ان کے درمیان مان کر خربوزہ کی قاشوں کی طرح فرض کر لیا جاتا ہے ان بروج کے نام یہ ہیں

حمل۔ ثور۔ جوزاء۔ اسد۔ سنبلہ۔ میزان۔ عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو۔ حوت۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بروج سے مراد منازل قمر ہوں اور وہ اٹھائیس ہیں اس لیے چاند اٹھائیس روز میں ان کو طے کرتا ہے اور ایک تا دو روز نظر نہیں آتا۔ اسی طرح دوسرے بڑے ستارے بھی ان منازل سے گزرتے ہیں ان منازل کو بروج ظاہر ہونے کی وجہ سے کہا گیا۔ حسی طور پر یہ منازل ظاہر نہیں۔ مگر علم ہئیت کے لحاظ سے ظاہر ہیں تیسری صورت یہ ہے کہ بروج سے مراد آسمان کے وہ دروازے اور راستے ہوں جن سے مصائب اور بلاؤں کا نزول ہوتا ہے۔

شاهد ومشهود۔ جمعہ اور عرفہ کا دن مراد ہے۔ اور شاہد سے مخلوق اور مشہود سے عجائبات وغرائب ہو سکتے ہیں اور ان دونوں کو نکرہ ابہام فی الوصف فی الکثرت کے لیے ہوگا۔ اور شاہد سے نبی کریمؐ اور مشہور سے امت محمدیہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ یا پھر شاہد سے امت محمدیہ اور مشہور سے دوسری امتیں۔ شاہد سے ہر نبی اور مشہود سے اس کی ذات مراد لی جائے۔ اسی طرح شاہد سے خالق اور مشہود مخلوق یا اس کا برعکس بھی مراد لی جا سکتی ہے۔ علی ہذا شاہد سے ملائکہ حفظہ اور مشہود سے مکلف بندے اور شاہد سے یوم النحر یا عرفہ۔ اور مشہود سے حجاج یا روز جمعہ مراد ہوں۔ یا شاہد سے ہر روز اور مشہود سے روزانہ کی مخلوق مراد ہوگی۔ جواب "**ثمه قتل اصحاب الاخدود**" سے پہلے مفسرؒ **لقد** محذوف مان کر نحو کے اس قاعدہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ماضی مثبت اگر معمول مقدم نہ ہو اور اس کو جواب قسم بنایا جائے تو اس پر لام اور قد دونوں لانے ضروری ہیں، ایک پر اکتفاء جائز نہیں۔ الا یہ کہ جواب قسم فاصلہ سے ہو جیسے **والشمس وضحها والقمر اذاتلها والنهار اذا** کے بعد **قد افلح** بغیر لام آرہا ہے یا ضرورت کی وجہ سے بھی لام حذف کیا جا سکتا ہے۔ لیکن زیادہ واضح بات یہ ہے کہ "**قتل اصحاب الاخدود**" جواب محذوف کی دلیل ہے۔ **ای انهم ملعونون کمالعن اصحاب الاخدود**. اور جواب قسم محذوف ہوگا۔ **ای الا مر حق فی جزاء**. بہر حال **قتل الخ** بددعائیہ جملہ نہیں ہے۔

اخدود. خدکو کہتے ہیں جس کے معنی سرنگ کے ہیں۔ جیسا کہ **الحق** اور **الاحقوق** کے بھی یہی معنی ہیں۔

بالمومنین شهود. بادشاہ حمیرہ کی طرف سے خندق پر پہرہ دار مقرر تھے۔ کہ مومنین بھاگ نہ سکیں یا قیامت میں ہاتھ پاؤں

کی گواہی دینا مراد ہے۔

الاان یــؤمـنـوا ۔اگر چہ ان کا ایمان لانا ماضی میں ہو چکا تھا لیکن مستقبل کا صیغہ لانے میں اشارہ ہے کہ ان کی اصل ناگواری آئندہ ایمان پر برقرار رہنے میں تھی ۔اگر بالفرض وہ مرتد ہو جاتے تو پھر گذشتہ ایمان لائق درگزر رہتا۔اور یہ استثناء ایسا ہی ہے۔جیسے اس شعر میں ہے۔

لاعیب فیهم غیران سیوفهم بهن فلول من خرائب الکتائب العز یز الحمید

غالب ہونے کی وجہ سے اس کے عتاب سے ڈرنا اور محمود ہونے کی وجہ سے اس کے ثواب سے امید رکھنی چاہیے۔

ان الـذیـن فتنوا ۔اس سے عام کافر مراد ہیں جو مسلمانوں کو ستاتے ہوں۔ یا اصحاب الاخدود مراد ہیں۔جن پر وہ آگ پلٹ پڑی اور وہ اس میں خود بھی بھسم ہو گئے۔

ان بطش ۔سخت پکڑ کو کہتے ہیں۔

ذو العرش . ایک قرأت ذی العرش ہے۔رب کی صفت ہو جائے گی اور عرش کے مجازی معنی ملک کے بھی ہو سکتے ہیں۔

المجید. حمزہؒ۔کسائیؒ رب یاعرش کی صفت مانتے ہوئے مجرور پڑھتے ہیں۔

بل الذین اس میں احزاب ہے کہ کفار مکہ کی حالت سابق کفار کی حالت سے بدتر ہے۔

قرأن مجید ۔ایک قراءت اضافت کے ساتھ بھی ہے۔ای قران رب مجید۔

لـوح مـحفوظ ۔نافعؒ محفوظ رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں۔قرآن کی صفت ہے۔اور لوح کو لُوح بھی پڑھا گیا ہے۔ساتویں آسمان سے اوپر کی فضا جہاں لوح محفوظ ہے۔

ربط آیات: .... پچھلی سورتوں میں مومن و کافر دونوں کی مجازات کا بیان تھا۔سورہ بروج میں کفار کی مخالفت کے سلسلہ میں مسلمانوں کو تسلی اور کفار کے لیے عذاب کی وعید ہے۔ پہلے لفظ کی وجہ سے اس کا نام سورہ بروج ہے۔ یہ سورت بھی مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی ہے۔جب مسلمانوں پر انتہائی مظالم کر کے ایمان سے روکا اور برگشتہ کیا جا رہا تھا۔

روایات: .... والیوم الموعود ۔ابو مالک اشعریؒ اور حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ الشهود سے یوم النحر اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں شاهد سے مراد اللہ اور مشهود سے قیامت کا دن ہے اور ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ کی ایک روایت میں شاهد سے جمعہ اور مشهود سے عرفہ کا دن مراد ہے اور مرفوع روایت میں ہے کہ یوم موعود قیامت کا روز اور یوم مشہود عرفہ اور شاہد جمعہ ہے۔اور وجہ مناسبت میں مطرد ہونا لازم نہیں ہے۔

اصحاب الاخدود ۔اس بارہ میں مرفوع روایت ہے۔ان مـلـکـا کـان لـه ساحر فلماکبرضم الیه غلامایعلمه وکان فی طریقه راهب فمال قلبه الیه فرای فی طریقه یومادابة عظیمة قد حبست الناس فاخذ حجرًا وقال اللهم ان کـان امـر الراهب احب الیک من امر الساحر فاقتل هذه الدابة حتی یمضی الناس فرماهافقتلهاو کان الغلام یبـری الاکـمـه والابـرص ویشـفـی من الادواء وهی جلیس الملک فابراه فساله عمن ابراه فقال ربی فغضب فعذبه تدل علی الغلام فعذبه مذلی علی الراهب فقدم بالمستشار وارسل الغلام الی جبل لیطرح من ذروته فدعا فوحیف بالقوم فهلکو ونجا واجلسه فی سفینة لیغرق فدعا فانکفت السفینة بمن معه فغرقوا و نجافقال للملک

لست بقاتلي حتى تجمع الناس وتقبلني وتاخذ سهمامن كنانتي وتقول باسم الله رب الغلام ثم ترميني به فرماه فوقع في صدغه ومات فامن الناس فامر باخاديد واوقدت فيهاالنارحران فمن لم يرجع منهم طرحه فيها حتى جاءت امراة معها صبي فتفاعست فقال الصبي يا اماه اصبري فانك على الحق فاقتحمت وعن عليؓ ان بعض ملوك المجوس خطب بالناس وقال ان الله احل نكاح الاخوات فلم يقبلوه فامر باخاديد النار وطرح فيها من ابى وقيل لماتنصر نجران خزاهم ذونواس اليهودي من حمير فاحرق في الاخاديد من لم يرتد. (بيضاوى)

﴿تشریح﴾:............ذات البروج . ابن عباسؓ، مجاہدؒ، قتادہؒ، حسنؒ، بصریؒ، ضحاکؒ، سدیؒ اس سے آسمانی عظیم الشان ستارے مراد لیتے ہیں۔ اگرچہ مفسرؒ علام نے ہیئت کی اصطلاح پر تفسیر کی ہے۔ ان قسموں کو جواب قسم سے یہ مناسبت ہے کہ ان قسموں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمان ومکان کا مالک ہے۔ پس ایسے مالک کی مخالفت باعث لعنت وسزا ہو جاتی ہے۔

اصحاب الاخدود ۔ متعدد واقعات وروایات میں آئے ہیں۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا میں اسی طرح کے مظالم بار بار دہرائے گئے ہیں۔ ایک واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ کسی زمانہ میں ایک بادشاہ کے پاس ایک جادوگر رہتا تھا۔ وہ جب بوڑھا ہوا تو بادشاہ سے عرض گزار ہوا کہ کسی لڑکے کو جادو سیکھنے کے لیے مقرر کیجئے۔ بادشاہ نے مقرر کر دیا۔ وہ لڑکا روزانہ ساحر کے پاس آیا جایا کرتا۔ اتفاق سے راستہ میں ایک درویش راہب بھی رہتا تھا۔ لڑکا اس کے پاس آتے جاتے مانوس ہو گیا اور ایمان لے آیا۔ تاآنکہ اس کی وجہ اور تربیت سے صاحب کرامت ہو گیا۔ بادشاہ نے جب اس کی کرامتوں اور ایمان کا چرچا سنا اور یہ کہ سب راہب کی فقیرانہ صحبت کا اثر ہے۔ تو اس نے پہلے تو راہب کو مار ڈالا۔ پھر لڑکے کو قتل کرنے کی مختلف تدبیریں کیں۔ مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آخر کار خود لڑکے نے ہی کہا کہ اگر بادشاہ مجھے قتل کرنا ہی چاہتا ہے تو مجمع میں میرے خدا کا نام لے کر میرے تیر مارے تو کامیاب ہو جائے۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور لڑکا مر گیا۔ اس سے لوگوں میں شورش ہوئی اور بیک وقت سب پکار اٹھے۔ کہ ہم بھی اس لڑکے کے خدا پر ایمان لے آئے۔ درباری لوگ بولے کہ یہ آپ نے کیا انقلاب برپا کر دیا..... یہ سن کر بادشاہ غضب ناک ہو گیا۔ اور سڑک کے کنارے گڑھے کھدوا ڈالے۔ پھر ان میں آگ بھروا دی اور ایمان لانے والوں کو ان میں جھونک دیا۔

دوسرا واقعہ حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ کسی ایرانی بادشاہ نے شراب پی کر اپنی بہن سے زنا کیا اور دونوں میں ناجائز تعلقات ہو گئے۔ لوگوں میں چرچا ہونے لگا۔ تو بادشاہ نے اعلان کر دیا کہ خدا نے بہن سے نکاح حلال کر دیا ہے لوگوں کے گلوں سے جب یہ بات نہ اتری تو طرح طرح سے ان پر جبر کیا گیا۔ یہاں تک کہ جو اس کی اس بات سے انکار کرتا تو اسے پہلے سے تیار کئے ہوئے گڑھے میں دھکیل دیتا۔ چنانچہ بقول حضرت علیؓ اسی وقت سے مجوسیوں میں محرمات سے نکاح کا رواج ہوا ہے۔

تیسرے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حمیر یعنی یمن کا بادشاہ شبان نامی ایک دفعہ یثرب (مدینہ) گیا۔ جہاں اس نے یہود مذہب قبول کر لیا اور پھر یمن پہنچ کر اس مذہب کی زور شور سے اشاعت کی۔ نجران پر حملہ کر کے وہاں کے باشندوں کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کرنا چاہا مگر لوگ جب نہ مانے تو بہت سوں کو آگ کے گڑھوں میں پھینک دیا اور بہت سوں کو قتل کر ڈالا۔ اس طرح بیس ہزار لوگ تباہ وبرباد ہو گئے لیکن اہل نجران میں بعض لوگ بچ بچا کر بھاگ نکلے اور انہوں نے قیصر روم یا شاہ حبش سے مدد کی درخواست کی۔ چنانچہ ان عیسائی سلطنتوں نے یمن پر عظیم حملہ کیا۔ جس میں ستر ہزار افواج نے حصہ لیا۔ شاہ یمن مارا گیا اور اس طرح یمن بھی سلطنت حبشہ کا ایک حصہ بن گیا۔ حبشی عیسائیوں نے نجران پر قبضہ کرنے کے بعد کعبہ کی شکل کی ایک عمارت بنا ڈالی۔ جسکو وہ مکہ کے کعبہ کی جگہ مرکزی حیثیت دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس کو حرام قرار دیا گیا۔ سلطنت روم بھی اس کعبہ کے لیے مالی اعانت کرتی تھی مناظرہ کی غرض سے آنحضرت ﷺ

کی خدمت میں پادریوں کا جو وفد سعید، عاقب، اسقف کی قیادت میں آیا تھا وہ اسی کعبہ نجران سے متعلق تھا۔ سورہ آل عمران میں جس مباہلہ کا ذکر ہے وہ بھی اسی وفد کے ساتھ پیش آیا تھا۔

وھم علی ما یفعلون ۔یعنی بادشاہ اور اس کے وزیر مشیر خندقوں کے اردگرد نہایت سنگدلی سے مسلمانوں کے جلنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔

اچھائی کے سوا ان میں کوئی برائی نہ تھی:

............وما نقموا ۔حالانکہ ان بے چاروں کا قصور اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ کفر کی اندھیریوں سے نکل کر ایسے زبردست اور اچھے خدا پر ایمان لے آئے جس کی بادشاہت سے زمین و آسمان کا کوئی گوشہ باہر نہیں اور جو ہر چیز کے ذرہ ذرہ حالات سے باخبر ہے۔ پس جب ایسے خدا کے پرستاروں کو محض اس جرم میں کہ وہ کیوں اسی اکیلے کو پوجتے ہیں، آگ میں جلایا جائے۔ تو کیا یہ ظلم وستم یوں ہی رائے گاں جائے گا؟ بلکہ وہ ان ظالموں کو عبرت ناک سزائیں دے گا۔ چنانچہ ان کی لگائی ہوئی آگ اتنی پھیلی کہ فوراً ان کو جلا کر بھسم کر ڈالا۔ ان خبروں کا ذکر اگرچہ روایات میں نہیں ہے۔ تاہم بعض اکابر نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

ان الذین فتنوا ۔یعنی سزا کی خصوصیت کچھ ان سرنگوں والوں کے ساتھ ہی نہیں۔ بلکہ جو لوگ بھی انہیں حق سے برگشتہ کرنے میں لگے رہیں گے اور اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے جیسے قریش مکہ ان کے لیے بھی آگ کا الاؤ تیار ہے۔ اور دوزخ میں طرح طرح کی مصیبتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ممکن ہے یہ دوزخ کی عام آگ کے علاوہ کوئی خاص آگ ہو جو ان کی سزا کے جواب میں انہیں بھگتنی پڑے گی۔

ذٰلک الفوز الکبیر ۔یعنی مسلمان دنیا کی تکالیف سے نہ گھبرائیں آخرت کی بڑی کامیابی انہی کے لیے ہے۔ جس کے مقابلہ میں دنیا کا عیش یا تکلیف سب ہیچ ہے۔

ان بطش ربک لشدید۔ ظالم اللہ کی شدید پکڑ سے بچ نہیں سکیں گے۔

انہ ھو یبدئ ویعید ۔پہلی مرتبہ سے دنیا کا اور دوسری مرتبہ سے آخرت کا عذاب مراد ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ ہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ جلائے گا۔ لہٰذا مجرمین اس دھوکہ میں نہ رہیں کہ مر کر جب ہم خاک ہو جائیں گے اور ہمارا نام ونشان نہ رہے گا۔ پھر ہم کیسے ہاتھ لگیں گے۔

اللہ کی شانیں:

............وھو الغفور ۔یعنی اللہ میں جہاں شان جلالی ہے وہیں شان جمالی بھی ہے۔ جس طرح اس کی سخت گیری اور انتقام کی کوئی حد نہیں۔ اسی طرح اس کی بخشش ومحبت کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔ مالک عرش کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی سلطنت کا اصل فرمانروا وہی ہے۔ سرکشی کرنے والا اس کی پکڑ سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ اور "مجید" کہہ کر انسان کے کمینہ پن پر متنبہ کرتا ہے کہ ایسی بزرگ وبرتر ہستی کے مقابلہ میں گستاخی کا رویہ اختیار کرتا ہے۔

فعال لما یرید ۔سے یہ بتلانا ہے کہ وہ اپنے علم وحکمت کے موافق جو چاہے کر ڈالے اسے کچھ دیر نہیں لگتی۔ اور نہ کوئی اسے روکنے ٹوکنے کا حق رکھتا ہے۔ پوری کائنات میں کسی کی یہ مجال نہیں کہ اللہ جس کام کا ارادہ کرے اس میں وہ مانع اور مزاحم ہو سکے۔ بہر حال نہ اس کے انعام واکرام پر بندہ کو مغرور ہونا چاہیئے اور نہ اس کے انتقام سے بے خوف وبے فکر رہنا چاہیئے۔ بلکہ ہمیشہ اس کی صفات جمال وجلال پر نظر رہنی چاہیے اور خوف کے ساتھ رجا اور رجا کے ساتھ خوف کو دل میں جگہ دیئے رکھے۔ الایمان بین الخوف والرجاء.

هل اتٰك . ان لوگوں کی طرف سلسلہ کلام کا رخ ہے جو اپنی طاقت کے نشہ میں خدا کی سرزمین پر سرکشیاں کر رہے ہیں۔ انہیں فرمایا جا رہا ہے کہ ایک مدت تک ان پر ہمارے انعامات کا دروازہ کھلا رہا اور ہر طرف سے طرح طرح کی نعمتیں پہنچتی تھیں۔ گو پھر ان کے کفر طغیان اور اپنے طاقت ور چشموں کے بل پر سرکشی کا انجام بد کیسا دہکتا نصیب ہوا۔

بل الذين كفروا ۔ کفار ان قصوں سے کچھ عبرت نہیں پکڑتے اور عتاب الٰہی سے ذرا نہیں ڈرتے بلکہ اور اُلٹے ان قصوں اور قرآن کے جھٹلانے میں لگے رہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے اس جھٹلانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ البتہ اس جھٹلانے کی سزا بھگتنی ضرور ہے۔ اللہ کے قبضۂ قدرت سے نہ وہ نکل سکتے ہیں اور نہ سزا سے بچ سکتے ہیں۔

بل هو قران مجيد ۔ قرآن جھٹلانے کی چیز نہیں ہے اور نہ وہ احمقوں کے جھٹلانے سے متاثر ہو سکتا ہے کہ اس کی شان میں فرق آ جائے۔ اس لیے اس کو جھٹلانا سراسر حماقت ہے۔ بہر حال قرآن کا لکھا انمٹ اور اٹل ہے۔ خدا کی اس لوح محفوظ میں جس کے اندر کوئی ردو بدل نہیں ہو سکتا۔ تمام دنیا مل کر بھی اس کی بات توڑنا چاہے تو نہیں توڑ سکتی۔ جو بات اس میں لکھ دی گئی ہے وہ پوری ہو کر رہے گی۔ غرض لوح بھی محفوظ اور قرآن بھی محفوظ۔

خلاصہ کلام: .... سورۂ بروج میں ایک طرف تو کفار کو ان کے انجام بد سے خبردار کیا جا رہا ہے جو وہ اہل ایمان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں اور دوسری طرف اہل ایمان کو بشرطیکہ وہ ثابت قدمی دکھلائیں بہترین اجر وثواب کی تسلی دیتا ہے اور یہ کہ اللہ ظالموں سے بدلہ لے کر رہے گا۔

چنانچہ اس ذیل میں خندق والوں کا قصہ سنایا گیا۔ جس میں چند باتیں مومنوں اور کافروں کے ذہن نشین کرائی گئی ہیں ایک یہ کہ جس طرح وہ خدا کی لعنت کے مستحق ہوئے۔ اسی طرح قریش مکہ بھی اس مار اور پھٹکار کے مستحق بن رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جس طرح اہل ایمان نے اس وقت جان دینا گوارا کیا۔ مگر ایمان سے پھرنا منظور نہ کیا۔ اسی طرح اب بھی اہل ایمان کے لیے یہی راستہ کھلا ہوا ہے۔ انہیں دین کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ تیسرے یہ کہ خدا ساری کائنات کا مالک اور اپنی ذات میں مستحق حمد ہے۔ وہ کافروں اور مومنوں دونوں کو دیکھ رہا ہے۔ وہ کافروں کو کفر کی وجہ سے دوزخ کی سزا تو دے گا ہی لیکن ضروری ہے کہ ان کے ظلم وستم کی سزا بھی آگ کی صورت میں انہیں بھگتنی پڑے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اہل ایمان وعمل کو جنت کا بہترین بدلہ دیا جائے۔ اس کے بعد کفار کو آگاہ کیا گیا ہے کہ خدا کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ تمہیں اگر اپنے طاقتور جنوں کا زعم ہے تو یاد رکھو فرعون اور ثمود کا کیا انجام ہوا، جو بڑے جتھے والے تھے۔ اللہ کی قدرت سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کے گھیرے سے نکل کر کہاں جا سکتے ہو۔ اور قرآن کی باتیں اٹل ہیں جس کی تم تکذیب کرتے ہو اور وہ لوح محفوظ میں پوری طرح محفوظ ہے۔ اس لیے ردو بدل کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

فضائل سورت: .... من قرا سورة البروج اعطاه الله بعدد كل جمعه و عرفة تكون فى الدنيا عشر حسنات.

ترجمہ: ...... جو شخص سورۂ بروج پڑھے گا اس کو دنیا کے جمعوں اور عرفوں سے دس گنا ثواب ملے گا۔ (موضوع)

لطائف سلوک: .... ذٰلك الفوز الكبير ۔ جنت کو بڑی کامیابی فرمانے سے ان پر زور ہو رہا ہے۔ جو جنت سے بے نیازی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ البتہ غلبۂ حال والے اس سے خارج ہیں۔

سُــوْرَةُ الطَّــارِقِ

سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ سَبْعَ عَشَرَةَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ اَصْلُهُ كُلُّ اٰتٍ لَيْلًا وَمِنْهُ النُّجُوْمُ لِطُلُوْعِهَا لَيْلًا **وَمَآ اَدْرٰكَ** اَعْلَمَكَ **مَا الطَّارِقُ** ﴿۲﴾ مُبْتَدأٌ وَخَبَرٌ فِي مَحَلِّ الْمَفْعُوْلِ الثَّانِيْ لِاَدْرٰى وَمَابَعْدَ مَاالْاُوْلٰى خَبَرُهَا وَفِيْهِ تَعْظِيْمٌ لِّشَانِ الطَّارِقِ الْمُفَسَّرِ بِمَابَعْدَهٗ هُوَ **النَّجْمُ** اَيِ الثُّرَيَّا اَوْ كُلُّ نَجْمٍ **الثَّاقِبُ** ﴿۳﴾ الْمُضِيْءُ لِثَقْبِهِ الظَّلَامَ بِضَوْئِهٖ وَجَوَابُ الْقَسَمِ **اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ** ﴿۴﴾ بِتَخْفِيْفِ مَافَهِيَ مَزِيْدَةٌ وَاِنْ مُخَفَّفَةٌ مِّنَ الثَّقِيْلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَيْ اَنَّهٗ وَاللَّامُ فَارِقَةٌ وَبِتَشْدِيْدِ هَا فَاِنْ نَافِيَةٌ وَلَمَّا بِمَعْنٰى اِلَّا وَالْحَافِظُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ يَحْفَظُ عَمَلَهَا مِنْ خَيْرٍ وَّشَرٍّ **فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ** نَظَرَ اِعْتِبَارٍ **مِمَّ خُلِقَ** ﴿۵﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ جَوَابُهٗ **خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ** ﴿۶﴾ ذِيْ اِنْدِفَاقٍ مِنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْاَةِ فِيْ رَحِمِهَا **يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ** لِلرَّجُلِ **وَالتَّرَآئِبِ** ﴿۷﴾ لِلْمَرْاَةِ وَهِيَ عِظَامُ الصَّدْرِ **اِنَّهٗ** تَعَالٰى **عَلٰى رَجْعِهٖ** بَعْثِ الْاِنْسَانِ بَعْدَ مَوْتِهٖ **لَقَادِرٌ** ﴿۸﴾ فَاِذَا اعْتُبِرَ اَصْلُهٗ عُلِمَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى ذٰلِكَ قَادِرٌ عَلٰى بَعْثِهٖ **يَوْمَ تُبْلَى** تُخْتَبَرُ وَتُكْشَفُ **السَّرَآئِرُ** ﴿۹﴾ ضَمَائِرُ الْقُلُوْبِ فِي الْعَقَائِدِ وَالنِّيَّاتِ **فَمَالَهٗ** لِمُنْكِرِ الْبَعْثِ **مِنْ قُوَّةٍ** يَمْتَنِعُ بِهَا عَنِ الْعَذَابِ **وَّلَا نَاصِرٍ** ﴿۱۰﴾ يَدْفَعُهٗ عَنْهُ **وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ** ﴿۱۱﴾ الْمَطَرِ لِعَوْدِهٖ كُلَّ حِيْنٍ **وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ** ﴿۱۲﴾ الشَّقِّ عَنِ النَّبَاتِ **اِنَّهٗ** اَيِ الْقُرْاٰنُ **لَقَوْلٌ فَصْلٌ** ﴿۱۳﴾ يَفْصِلُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ **وَّمَاهُوَ بِالْهَزْلِ** ﴿۱۴﴾ بِاللَّعِبِ وَالْبَاطِلِ **اِنَّهُمْ** اَيِ الْكُفَّارُ **يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا** ﴿۱۵﴾ يَعْمَلُوْنَ الْمَكَائِدَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَّاَكِيْدُ كَيْدًا** ﴿۱۶﴾ اَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَايَعْلَمُوْنَ **فَمَهِّلِ** يَا مُحَمَّدُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ** تَاكِيْدٌ حَسَّنَهٗ مُخَالَفَةُ اللَّفْظِ اَيْ اَنْظِرْهُمْ **رُوَيْدًا** ﴿۱۷﴾ قَلِيْلًا وَّهُوَ مَصْدَرٌ مُّؤَكِّدٌ لِمَعْنَى الْعَامِلِ مُصَغَّرُ رُوْدًا وَاَرْوَادٌ عَلَى التَّرْخِيْمِ وَقَدْ اَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّنُسِخَ الْاِمْهَالُ بِاٰيَةِ السَّيْفِ اَيْ بِالْاَمْرِ بِالْجِهَادِ وَالْقِتَالِ

سورۂ طارق مکیہ ہے جس میں ۱۷ آیات ہیں
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:............قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والی چیز کی (دراصل رات کو ہر آنے والی چیز کو طارق کہتے ہیں۔ ستارا بھی رات کو نمودار ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو بھی طارق کہتے ہیں) اور دیکھ معلوم ہے کہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے (یہ مبتداء و خبر مل کر ادری کے مفعول ثانی کی جگہ ہے اور اول ما کے بعد لفظ ادرک تا کی خبر ہے اور اس میں طارق کی جملہ عظمت شان ہے۔ جس کی تشریح آگے آرہی ہے کہ وہ) ستارہ ہے (خاص ثریا یا عام ستارہ) روشن (چمک دار جو اپنی روشنی سے اندھیرے کو پھاڑ ڈالتا ہے اور جواب قسم آگے ہے) کوئی جان ایسی نہیں ہے جس پر کوئی نگہبان نہ ہو (لا میں تخفیف ہے اور ما زائدہ اور ان مخففہ ہے جس کا اسم محذوف ہے۔ ای انہ. پس لام ان مخففہ اور ان نافیہ میں فرق کرنے والا ہے اور لما تشدید کے ساتھ ہونے کی صورت میں ان نافیہ ہوگا۔ اور لما بمعنی الا ہوگا۔ اور حافظ سے مراد محافظ فرشتے ہیں جو ان کے اچھے برے کام کی نگرانی کرتے ہیں) پھر انسان (بنظر عبرت) بھی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے (اس سوال کا جواب آگے ہے) وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ (جو مرد سے اچھل کر عورت کے رحم میں جاتا ہے) جو (مرد کی) پیٹھ سے اور سینہ کی ہڈیوں سے نکلتا ہے (عورت کی چھاتی کی ہڈیوں سے) یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ) اسے دوبارہ پیدا کرنے (انسان کو مرنے کے بعد جلانے) پر قادر ہے (باعتبار اس اصلیت کے معلوم ہوا کہ جو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ جلا سکتا ہے) جس روز جانچ پڑتال ہوگی (سب قلعی کھل جائے گی) پوشیدہ اسرار کی (جو دلوں میں عقیدے اور نیتیں تھیں) اس وقت (منکر بعث) انسان کے پاس نہ اپنا کوئی زور ہوگا (عذاب سے بچانے والا) اور نہ کوئی اس کی مدد کرنے والا ہوگا (جو عذاب کو دفع کردے) قسم ہے آسمان کی جو بارش برسانے والا ہے (بار بار ہونے کی وجہ سے بارش کو مرجع سے تعبیر کیا ہے) اور قسم ہے زمین کی جو (گھاس پھونس نکلنے سے) پھٹ جاتی ہے۔ یہ (قرآن) ایک جچی تلی بات ہے (جو حق ناحق کے درمیان فیصلہ کن ہے) اور وہ ہنسی مذاق (کھیل تفریح) نہیں ہے۔ یہ (کفار) کچھ چالیں چل رہے ہیں (آنحضرت ﷺ کے خلاف سازشیں کررہے ہیں) اور میں بھی ایک چال چل رہا ہوں (ڈھیل دے رہا ہوں جس کی انہیں ہوا بھی نہیں ہے) پس چھوڑ دیجئے (اے محمد!) ان کافروں کو چھوڑ دیجئے ان کے حال پر (یہ تاکید ہے جس کا حسن لفظی فرق سے بڑھ گیا ہے۔ یعنی ان کو مہلت دے دیجئے) ذرا کی ذرا (تھوڑی سی یہ معنی عامل کی تاکید کے لیے مصدر ہے۔ رودا. ارواد کی تصغیر رویدا ہے اس کی ترخیم ہو رہی ہے۔ چنانچہ اللہ نے بدلہ میں ان کو سزا دے ڈالی اور مہلت کا حکم منسوخ ہوگیا ہے۔ آیت سیف یعنی جہاد و قتال کے حکم کے ذریعہ)

تحقیق وترکیب:............الطارق۔ مفسرؒ نے اصل معنی نجم کے اعتبار سے فرمایا ہے ورنہ طارق کے حقیقی معنی دکنے کے ساتھ مارنے اور کوٹنے کے ہیں۔ طریق راستے کو بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ مطروق ہوتا ہے۔ گویا پہلے سالک طریق کے معنی ہوئے۔ پھر رات کو آنے والے کے معنی ہوئے۔ پھر ستارہ کے معنی میں استعمال ہوگیا۔ اس لیے کہ ستارہ جنات کے مارا جاتا ہے۔

ماادرك۔ استفہامیہ ہے اور ادرک خبر ہے۔

ماالطارق۔ ما تعظیم کے لیے ہے۔

النجم۔ اس کے تین معنی ہیں۔ مطلق ستارہ یا خاص ثریا۔ یا خاص زحل جو ساتویں آسمان میں ہے۔

ان کل نفس لما۔ لما کی دو قراءتیں ہیں۔ تخفیف کی صورت میں ان مخففہ ہوگا جس کا قرینہ لام ہے اور لما مشدد ہونے کی صورت میں ان نافیہ اور لما بمعنی الا ہوگا۔ اول بصریوں کی اور دوسری کوفیوں کی رائے ہے۔

حافظ۔ بمعنی رقیب ہے۔ یہ جملہ جواب قسم ہے۔ بعض فرشتے اعمال کی کتابت پر مامور ہوتے ہیں اور بعض فرشتے انسان کی

حفاظت پر دن رات میں دس دس فرشتوں کی ڈیوٹیاں ہر انسان کے لیے ہوئی ہیں اور مومن کے لیے ایک سو ساٹھ فرشتوں کی جماعت مقرر رہتی ہے۔ یہاں دونوں قسمیں مراد ہوسکتی ہیں اور مطلق فرشتے بھی بلکہ حق تعالیٰ بھی کہ اصل محافظ وہی ہیں۔

من ماء دافق۔ مرد کی منی ہو یا عورت کی، دافق نہیں ہوتی بلکہ مدفوق ہوتی ہے۔ اس لیے ذی اندفاق کہہ کر مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ لابن اور تامر کی طرح یہ صیغہ فاعل کے لیے نہیں بلکہ نسبت کے لیے ہے۔ اور لیث نے دافق کے معنی منصب کے لیے ہیں مگر وہ ثابت نہیں ہیں اور دافق کو اپنے معنی میں رکھتے ہوئے نسبت مجازی بھی ہوسکتی ہے۔ اور ابن عطیہ کی رائے یہ ہے کہ منی کو حقیقۃً دافق کہنا بھی صحیح ہے۔ کیونکہ اس کا بعض حصہ دافق اور بعض مدفوق ہوتا ہے۔ اور من ماء کی بجائے من مائین نہیں کہا۔ کیونکہ دونوں رحم میں مخلوط ہونے کی وجہ سے ایک ہی ہوجاتے ہیں اور دونوں کے جرثومے مل جاتے ہیں۔

من بین الصلب والترائب۔ صلب۔ میں چار لغت ہیں صُلب۔ صُلُب۔ صَلَب۔ صالب ریڑھ کی ہڈی اور ترائب سینہ کی ہڈیوں کو کہتے ہیں۔ قاضی بیضاویؒ یہ فرماتے ہیں کہ مرد اور عورت کی منی کا تعلق اگرچہ بدن کے تمامی اعضاء سے ہے۔ کیونکہ منی چوتھے ہضم کا نتیجہ ہے۔ لیکن دماغ سے اس کا خصوصی تعلق ہوتا ہے۔ اس کی تولید میں دماغ کا زیادہ دخل ہے اور نخاع دماغ کی نیابت کرتی ہے۔ جس کی مختلف شاخیں چھاتی میں مل جاتی ہیں اسی لیے قرآن کریم میں ان دونوں اعضاء کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے۔ اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ قلب ونخاع اور قوائے دماغیہ سب ہی اس کی تولید میں معاون ہوتے ہیں۔ لیکن ترائب کے لفظ سے قلب وجگر اور پیٹھ سے مراد نخاع ہے جو دماغ سے وابستہ ہے۔ اس طرح یہ دونوں اعضاء جامع ہوجائیں گے۔ سارے نظام بدن کو۔

یوم تبلی۔ یہ ظرف ہے رجعہ کا۔ ذات الرجع اس سے حرکات فلکیہ مراد ہوسکتی ہے قدیم فلاسفہ کے نظریہ پر۔ یا بارش مراد ہے کہ اس کے ذریعہ زمینی پانی کا لوٹ پھیر ہوتا رہتا ہے۔

ذات الصدع. زمین کھود کر پانی نکالا جاتا ہے۔ اسی طرح زمین کو پھاڑ کر سبزہ وغیرہ کی کونپلیں پھوٹتی ہیں۔

واکید۔ جزاء کید مراد ہے یا صورت کید مراد ہے یعنی کفار کے ساتھ استدراجی کاروائی۔

امھلھم. مھل اور امھل کے معنی اگرچہ ایک ہی ہیں۔ مگر لفظی فرق سے تحسین کلام پیدا ہوگئی اور اس تکرار سے تسکین خاطر مقصود ہے۔

رویدا۔ مصدر تاکید کے لیے ہے رودا یا ارواد سے حروف زائدہ کی ترخیم کردی گئی ہے۔

ربط آیات:............ پچھلی سورت میں مومنین کے لیے تسلی اور کفار کے لیے وعید تھی۔ اس سورت میں وعید کی تحقیق کے سلسلہ میں اعمال کا محفوظ رہنا بیان فرمایا گیا ہے اور بعث کا امکان بلکہ اس کا وقوع اور بعث کی دلیل یعنی قرآن کی حقانیت کا بیان ہے اور یہ بیان پچھلی سورت کے اخیر میں بھی تھا۔ اور اس سورت کی وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے نیز اس سورت کے انداز بیان سے یہ بات واضح ہے کہ یہ سورت مکہ معظمہ کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ جب کہ کفار قرآن مجید اور آنحضرت ﷺ کی دعوت کو زک کردینے کے لیے ہر قسم کی چالیں چل رہے تھے۔

روایات:......... حافظ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ من الملائکۃ من یحفظ عملھا من خیر و شر. اور قتادہؒ سے منقول ہے۔ یحفظون عملک ورزقک واھلک.

﴿ تشریح ﴾:.......... حافظ سے مراد جس طرح محافظین فرشتے ہیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ بھی ہوسکتے ہیں کہ حقیقی محافظ وہی ہیں۔ کائنات کی ہر چیز چھوٹی بڑی کی دیکھ بھال اور حفاظت اسی کی ذات سے وابستہ ہے ہر چیز کو اسی سے وجود ملا ہے۔ وہی ہر چیز کو سنبھالے ہوئے ہے۔ زندگی کا سروسامان اسی کی طرف سے ہے۔ اللہ نے اس پر ہر ستارے کی قسم کھائی ہے۔

ستاروں کی شہادت:............ اربوں کھربوں ستارے اس کی شہادت دے رہے ہیں کہ کوئی ان کو بنانے والا ہے جس نے ان کو نور عطا کیا ہے اور اتنے بڑے کروں کو فضا میں معلق کر چھوڑا ہے۔ کسی ستارے کی مجال نہیں کہ وہ اپنی مقررہ گردش میں کسی سیارے سے ٹکرا جائے۔ بے شمار سیاروں کی بے شمار گردشیں ہیں۔ مگر ان کی رفتار میں سر مو فرق نہیں آسکتا۔ اور ستاروں کا نمودار ہونا گو شب میں معلوم ہوتا

ہے مگر محفوظ ہمہ وقت رہتے ہیں۔پس جو ذات آسمانی ستاروں کی حفاظت کرتی ہے۔اسے تمہاری اور تمہارے اعمال کی حفاظت کرنا کیا دشوار ہے۔یہ اعمال بھی ستاروں کی طرح اگرچہ محفوظ رہتے ہیں۔مگر نامۂ اعمال کا ظہور خاص قیامت میں ہوگا۔اس لیے انسان کو آخرت کی فکر رکھنی چاہیے۔اور قیامت کو اگر وہ مستبعد سمجھتا ہے تو اس کو اپنی ابتداء پر غور کرنا چاہیے کہ وہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے اور وہ کون ہے جو باپ کے خارج ہونے والے اربوں جرثوموں میں سے ایک جرثومہ کو اور ماں کے اندر سے بکثرت نکلنے والے بیضوں میں سے ایک بیضہ کا انتخاب کر کے دونوں کو جوڑ دیتا ہے اور اس طرح انسان کا استقرار حمل ہو جاتا ہے۔

علماء طبیعات کہتے ہیں کہ مرد وعورت کے مادہ منویہ کا تعلق تمام بدن سے ہے۔لیکن صلب وترائب کی تخصیص اس لیے ہے کہ اعضائے رئیسہ قلب ودماغ اور جگر کا اس میں زیادہ دخل ہے۔پس دماغ کا تعلق بواسطہ نجاع (حرام مغز) ریڑھ کی ہڈی سے اور قلب وجگر کا تعلق ترائب سے ہے اور چونکہ صلب سے صرف دماغ کا تعلق ہے اس لیے اس کو مفرد لیا گیا اور ترائب سے قلب وجگر دونوں کا تعلق ہے۔اس لیے اس کو جمع لایا گیا ہے۔چنانچہ اگر ہاتھ پاؤں کٹ جائیں مگر اعضائے رئیسہ سلامت رہیں تب بھی مادہ منویہ بدستور بنتا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ براہ راست اعضاء رئیسہ سے اس کا مخصوص تعلق ہے۔

پھر کون ہے جو استقرار حمل کے بعد درجہ بدرجہ ماں کے پیٹ میں نشوونما دے کر ایک جیتا جاگتا بچہ بنا دیتا ہے۔پھر ماں کے رحم ہی میں اس کے جسم کی ساخت، جسمانی۔ذہنی صلاحیتیں عطا کرتا ہے۔پھر کون ہے جو پیدائش سے لے کر موت تک مسلسل اس کی نگرانی کرتا ہے۔طرح طرح کی آفات اور مصائب وحادثات سے بچاتا ہے اور قدم قدم پر زندگی کے سروسامان عطا کرتا ہے۔یہی اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ وہ اسے موت کے بعد پلٹ کر وجود میں لا سکتا ہے۔حالانکہ انسانی نقطۂ نظر سے پہلی دفعہ پیدا کرنے کے مقابلہ میں دوبارہ بنانا مشکل نہیں ہے۔صرف اتنا فرق ہے کہ پہلی پیدائش تدریجی تھی اور دوسری پیدائش دفعی ہوگی۔پس دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت کے انکار کے لیے آدمی کو سرے سے اس کا انکار کرنا ہوگا کہ خدا اسے وجود میں لایا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ انسان کی تخلیق اور اس کے جسم کی بناوٹ اور اس کے اندر کام کرنے والی قوتوں اور صلاحیتوں کا پیدا ہونا اور اس کا ایک زندہ ہستی کی حقیقت سے باقی رہنا عقل کے لیے بدرجہا زیادہ قابل قبول ہے اور معقول، بہ نسبت اس کے انسان یا ساری کائنات ایک حادثہ اور اتفاقی حادثہ قرار دیا جائے۔

قیامت کے روز سب کی قلعی کھل جائے گی:............یوم تبلی السرائر۔یعنی اس روز سب کی قلعی کھل جائے گی اور کل باتیں جو دلوں میں پوشیدہ رکھی ہوں گی یا چھپ کر کی ہوں گی۔سب ظاہر ہو جائیں گی اور سب اترے پترے کھل جائیں گے۔غرض وہ اعمال جو دنیا میں ایک راز بن کر رہ گئے اور وہ معاملات بھی جو ظاہری روکار کے ساتھ تو دنیا کے سامنے آئے۔مگر ان کے پیچھے جو اغراض و خواہشات اور ارادے کام کر رہے تھے اور وہ باغی محرکات جو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہ گئے وہاں سب کھل کر سامنے آجائیں گے اور جانچ پڑتال صرف اعمال کی ظاہری سطح کی نہیں ہوگی۔بلکہ وہ مقاصد اور نیتیں بھی برملا کر دی جائیں گی۔بلکہ جو نتائج وثمرات دنیا میں اس فعل کے بور پھیلے اور وہ کہاں کہاں پہنچے اور کتنی مدت تک رہے۔جو بیج دنیا میں بویا گیا تھا اس کی فصل کس کس شکل میں کب تک کٹتی رہی اور کون کون اسے کاٹتا رہا، یہ سب راز واسرار اگل دیئے جائیں گے۔کسی جرم کو چھپایا نہ جا سکے گا۔

فماله من قوة۔اس وقت نہ مجرم اپنی طاقت وقوت سے مدافعت کر سکے گا اور نہ کسی حمایتی کا زور چل سکے گا کہ سزا سے بچ جائے۔والسماء ذات الرجع. ذات الرجع کے معنی پلٹنے اور لوٹنے کے ہیں مراد بارش ہے۔کیونکہ وہ ایک دفعہ اور یک لخت ہی برس کر نہیں رہ جاتی بلکہ موسم میں یا بے موسم تھم تھم کر برستی ہے۔نیز سمندروں کا پانی بھاپ اور مون سون بن کر اٹھتا رہتا ہے اور لوٹ پھر کر وہی برستا رہتا ہے۔

قرآن سچائی اور حقیقت ہے:............انہ لقول فصل. قرآن جو قیامت کے حالات اور احکام بیان کرتا ہے وہ کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں۔بلکہ سچائی، جھوٹ اور حق وباطل میں دوٹوک فیصلہ ہے جس طرح آسمان سے بارش برسنا اور زمین سے پیداوار اگنا اگر

ایک سچی اور سنجیدہ حقیقت ہے۔اسی طرح قرآن کا یہ بیان ایک اٹل حقیقت ہے جسے پورا ہو کر رہنا ہے۔پھر جس طرح بارش کے نتیجہ میں پیداوار اُگی ہے۔اسی طرح قیامت سے پہلے ایک غیبی بارش آئے گی جس کے اثر سے مردے زمین سے نکل پڑیں گے اور قسم اور جواب قسم کی مناسبت اس طرح ہے کہ بارش سے مادی سرسبزی آتی ہے اور قرآن کے فیضان سے کشت زار ایمان لہلہا اُٹھتی ہے۔انھم یکیدون. مخالفین طرح طرح کے داؤپیچ کرتے رہتے ہیں اور قسم قسم کے شکوک وشبہات نکال کر حق کو بڑھنے اور پھلنے پھولنے سے روکتے ہیں۔قرآنی دعوت کو پامال کرنے کے لیے طرح طرح کی چالیں چل رہے ہیں،ایک سے ایک جھوٹا الزام تراش کر قرآن اور پیغمبر اسلام کو بدنام کررہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پھونکوں سے یہ چراغ گل ہوجائے اور اللہ کی مخفی تدبیر یہ ہے کہ ان کی چالوں کے تار پود بکھر جائیں اور آخر کار یہ منہ کی کھا کر رہیں اور اپنے بنے ہوئے جال میں خود پھنس کر رہ جائیں اور وہ نور پھیل کر رہے جسے یہ بجھانے کے لیے پورا زور لگا رہے ہیں۔اب تم خود ہی سوچ لو کہ کس کی چال کامیاب رہے گی؟ لامحالہ یہی ناکام ونامراد رہیں گے۔

فمهل الكافرين. یعنی ذرا انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو، یہ جو کچھ کرنا چاہیں انہیں کرنے دو آپ جلدی نہ کریں زیادہ دیر نہیں لگے گی کہ جلد ہی انجام ان کے سامنے آجائے گا اور انہیں پتہ لگ جائے گا کہ میری لطیف تدبیر کے آگے ان کی چالیں کہاں تک کارگر ہوئیں۔

خلاصۂ کلام:............ اس سورت میں دو باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ایک یہ کہ مرنے کے بعد انسان کو خدا کے حضور حاضر ہونا ہے۔دوسرے یہ کہ قرآن ایک فیصلہ کن بات ہے جسے کفار کی باتیں زک نہیں دے سکتیں۔

آسمانی ستاروں کو دیکھ کر یقین کرو کہ آسمان کے بے شمار ستاروں کے نظام کی نگرانی جس ذات کے ہاتھ میں ہے وہی انسان اور کائنات کی ہر چیز کی نگرانی کررہی ہے۔انسان خود اپنی بناوٹ اور اس کے اُتار چڑھاؤ پر غور کرے کہ کس طرح ایک بوند سے اسے جیتا جاگتا جاندار بنادیا ہے۔پس کیا جو اس کے وجود وعدم کے اتنے مراحل طے کرسکتا ہے کیا وہ اس کو دوبارہ جلانے پر قادر نہیں ہے؟ اور یہ نشاۃ ثانیہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ جو بہت سے سربستہ راز جن پر دنیا میں پردہ پڑا رہا۔وہ پردہ اُٹھا کر ان کی جانچ پڑتال کرنی ہے اور انسان کو ان کے نتائج سے دوچار ہونا ہے جسے کوئی طاقت نہیں بچا سکے گی۔

پھر ارشاد ہوا کہ جس طرح آسمان سے بارش برسنا، زمین سے فصلوں اور درختوں کا اُگنا ایک جیتی جاگتی حقیقت ہے کوئی کھیل مذاق نہیں۔اسی طرح قرآن جن حقائق پر روشنی ڈالتا ہے وہ بھی پختہ اور یقینی بات ہے۔کفار اگر یہ سمجھ رہے ہیں۔کہ وہ اپنی چالوں میں کامیاب ہوجائیں گے تو وہ جان لیں کہ اللہ بھی ان سے بے فکر نہیں ہے۔اب دیکھیں کس کی چال کامیاب رہتی ہے؟ آخر میں یہ کہہ کر حضور کی تسلی فرمائی گئی ہے کہ آپ ذرا ٹھہریں۔گھبرائیں نہیں۔انہیں اپنی سی کرنے دیں۔اس میں مخالفین کے لیے درپردہ دھمکی بھی ہے کہ ذرا دیر نہیں لگے کہ انہیں معلوم ہوجائے گا کہ پالا ان کے ہاتھ پڑ ہے یا قرآن اور مسلمانوں کے۔

فضائلِ سورت:............ **من قرء سورة الطارق اعطاه الله تعالى بعدد كل نجم فى السماء عشر حسنات.**

ترجمہ:...... جو شخص سورۃ طارق پڑھے گا اللہ اس کو آسمانی ستاروں سے دس گنا ثواب عطا فرمائے گا۔(موضوع)

لطائف سلوک:............ **ان كل نفس لما عليها حافظ فلينظر الانسان.** اس میں مبداء اور معاد کے مراقبہ کے مفید ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

سُــوۡرَةُ الۡاَعۡلٰى

سُوۡرَةُ الۡاَعۡلٰى مَكِّيَّةٌ تِسۡعَ عَشۡرَةَ اٰيَةً

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ اَیۡ نَزِّهۡ رَبَّكَ عَمَّالَایَلِیۡقُ بِهٖ وَلَفۡظُ اِسۡمِ زَائِدَةٌ **الۡاَعۡلَى** ﴿۱﴾ صِفَةٌ لِرَبِّكَ **الَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی** ﴿۲﴾ مَخۡلُوۡقَةً جَعَلَهٗ مُتَنَاسِبُ الۡاَجۡزَاءِ غَیۡرَ مُتَفَاوِتٍ **وَالَّذِیۡ قَدَّرَ** مَاشَاءَ **فَهَدٰی** ﴿۳﴾ اِلٰی مَاقَدَّرَهٗ مِنۡ خَیۡرٍ وَّشَرٍّ **وَالَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰی** ﴿۴﴾ اَنۡبَتَ الۡعُشۡبَ **فَجَعَلَهٗ** بَعۡدَ الۡخُضۡرَةِ **غُثَآءً** جَافًا هَشِیۡمًا **اَحۡوٰی** ﴿۵﴾ اِسۡوَدَیَا بِسًا **سَنُقۡرِئُكَ** الۡقُرۡاٰنَ **فَلَا تَنۡسٰۤی** ﴿۶﴾ مَاتَقۡرَؤُهٗ **اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ** اَنۡ تَنۡسَاهُ بِنَسۡخِ تِلَاوَتِهٖ وَحُكۡمِهٖ وَكَانَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ یَجۡهَرُ بِالۡقِرَاءَةِ مَعَ قِرَاءَةِ جِبۡرِیۡلَ خَوۡفَ النِّسۡیَانِ فَكَاَنَّهٗ قِیۡلَ لَهٗ لَاتَعۡجَلۡ بِهَا اَنَّكَ لَاتَنۡسٰی فَلَاتُتۡعِبۡ نَفۡسَكَ بِالۡجَهۡرِ بِهَا **اِنَّهٗ** تَعَالٰی **یَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ** مِنَ الۡقَوۡلِ وَالۡفِعۡلِ **وَمَا یَخۡفٰی** ﴿۷﴾ مِنۡهُمَا **وَنُیَسِّرُكَ لِلۡیُسۡرٰی** ﴿۸﴾ لِلشَّرِیۡعَةِ السَّهۡلَةِ وَهِیَ الۡاِسۡلَامُ **فَذَكِّرۡ** عِظۡ بِالۡقُرۡاٰنِ **اِنۡ نَّفَعَتِ الذِّكۡرٰی** ﴿۹﴾ مَنۡ تُذَكِّرُهُ الۡمَذۡكُوۡرَ فِیۡ **سَیَذَّكَّرُ** بِهَا **مَنۡ یَّخۡشٰی** ﴿۱۰﴾ یَخَافُ اللّٰهَ تَعَالٰی كَآیَةِ فَذَكِّرۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مَنۡ یَّخَافُ وَعِیۡدِ **وَیَتَجَنَّبُهَا** اَیِ الذِّكۡرٰی یَتۡرُكُهَاجَانِبًا لَایَلۡتَفِتُ اِلَیۡهَا **الۡاَشۡقٰی** ﴿۱۱﴾ بِمَعۡنَی الشَّقِیِّ اَیِ الۡكَافِرُ **الَّذِیۡ یَصۡلَی النَّارَ الۡكُبۡرٰی** ﴿۱۲﴾ هِیَ نَارُالۡاٰخِرَةِ وَالصُّغۡرٰی نَارُ الدُّنۡیَا **ثُمَّ لَایَمُوۡتُ فِیۡهَا** فَیَسۡتَرِیۡحُ **وَلَایَحۡیٰی** ﴿۱۳﴾ حَیَاةً هَنِیۡئَةً **قَدۡ اَفۡلَحَ** فَازَ **مَنۡ تَزَكّٰی** ﴿۱۴﴾ تَطَهَّرَ بِالۡاِیۡمَانِ **وَذَكَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ** مُكَبِّرًا **فَصَلّٰی** ﴿۱۵﴾ الصَّلَوَاتِ الۡخَمۡسَ وَذٰلِكَ مِنۡ اُمُوۡرِالۡاٰخِرَةِ وَكُفَّارُ مَكَّةَ مُعۡرِضُوۡنَ عَنۡهَا **بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ** بِالتَّحۡتَانِیَةِ وَالۡفَوۡقَانِیَةِ **الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا** ﴿۱۶﴾ عَلَی الۡاٰخِرَةِ **وَالۡاٰخِرَةُ** الۡمُشۡتَمِلَةُ عَلَی الۡجَنَّةِ **خَیۡرٌ وَّاَبۡقٰی** ﴿۱۷﴾ **اِنَّ هٰذَا** اَیۡ فَلَاحُ مَنۡ تَزَكّٰی وَكَوۡنُ الۡاٰخِرَةِ خَیۡرًا **لَفِی الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰی** ﴿۱۸﴾ الۡمُنۡزَلَةِ قَبۡلَ الۡقُرۡاٰنِ **صُحُفِ اِبۡرٰهِیۡمَ وَمُوۡسٰی** ﴿۱۹﴾ وَهِیَ عَشۡرُ صُحُفٍ لِاِبۡرَاهِیۡمَ وَالتَّوۡرٰةُ لِمُوۡسٰی

سورۂ اعلیٰ مکیہ ہے جس میں انیس آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: .... آپ اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے (یعنی نامناسب باتوں سے اللہ کو پاک سمجھئے۔ لفظ اسم زائد ہے) جو عالی شان ہے (یہ ربک کی صفت ہے) جس نے پیدا کیا۔ پھر تناسب کے ساتھ بنایا (اپنی مخلوق کے اجزاء متناسب رکھے انہیں بے جوڑ نہیں رکھا) اور جس نے (جو چاہا) تجویز کیا پھر راہ دکھائی (اچھی بُری اور تقدیر کی طرف) اور جس نے چارہ (گھاس پھوس) اُگایا۔ پھر اس کو (ہریالی کے بعد) کوڑا کرکٹ (خشک) سیاہ (کالا سوکھا ہوا) کر ڈالا۔ ہم آپ کو (قرآن) پڑھا دیا کریں گے۔ پھر آپ (پڑھے ہوئے کو) نہیں بھولیں گے۔ سوائے اس کے جو اللہ چاہے (کہ آپ اس کو بھول جائیں۔ تلاوت یا حکم منسوخ ہونے کی وجہ سے۔ آنحضرت ﷺ حضرت جبرائیلؑ سے زور زور سے پڑھا کرتے تھے بھول جانے کے ڈر سے گویا آپ کو یہ فرمایا گیا کہ جلدی نہ کیجئے۔ آپ بھولیں گے نہیں۔ اس لیے زور سے پڑھ کر تعب نہ اٹھایئے) وہ ظاہر (قول اور فعل) کو بھی جانتا ہے اور جو کچھ (ان میں سے) پوشیدہ ہے اس کو بھی جانتا ہے اور ہم آسان طریقہ (سہل شریعت اسلام) کی سہولت آپ کو دیتے ہیں۔ لہٰذا آپ (قرآن کی) نصیحت پر عمل کیا کیجئے۔ اگر نصیحت کرنا مفید ہوتا ہو (اس شخص کے لیے جس کو آپ نصیحت کریں جس کا ذکر آگے ہے) وہی نصیحت مانتا ہے جو ڈرتا ہے (اللہ تعالیٰ سے یہ ایسا ہی ہے جیسے فذکر بالقران من یخاف وعید فرمایا گیا ہے) اور اس سے گریز کرتا ہے (نصیحت کو چھوڑ دیتا ہے اس سے بے توجہی برتتے ہوئے) بدنصیب (بدبخت کافر) جو بڑی آگ میں جائے گا (دوزخ کی آگ سے دنیا کی آگ چھوٹی ہوتی ہے) پھر نہ اس میں مرے گا (کہ آرام پالے) اور نہ جئے گا (مزے کی زندگی) فلاح پا گیا (بامراد ہوا) جس نے پاکیزگی اختیار کی (ایمان کے ذریعہ طہارت حاصل کر لی) اپنے رب کا نام لیتا رہا (تکبیر پڑھتا رہا) اور نماز پڑھتا رہا (پنجوقتہ۔ یہ باتیں آخرت کی ہیں اور کفار مکہ اس سے منکر تے ہیں) مگر تم دنیا کی زندگانی کو (یاء اور تاء کے ساتھ) ترجیح دیتے ہو (آخرت کے مقابلہ میں) حالانکہ آخرت میں (جس میں جنت ہے) بدرجہا بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ یہ مضمون (پاکیزگی اختیار کرنے سے فلاح پانا اور آخرت کا بہترین اور پائیدار ہونا) پہلے صحیفوں میں بھی کہی گئی ہے (جو قرآن سے پہلے نازل ہو چکے ہیں) ابرہیم وموسےٰ کے صحیفوں میں (ابراہیم کے دس صحیفے اور موسیٰ کی تورات)

تحقیق وترکیب: .... **مکیہ**. جمہور کے نزدیک یہ سورت مکیہ ہے۔ لیکن ضحاکؒ مدنیہ کہتے ہیں۔

سبح اسم. لفظ اسم مفسرؒ نے صلہ قرار دیا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اسم کو زائد نہ مانا جائے اور علو سے مراد علو مرتبی ہے علو مکانی مراد نہیں ہے. چنانچہ جس طرح اللہ کی ذات کا احترام واجب ہے اس کے نام پاک کا احترام بھی ضروری ہے۔ اسے گندی جگہ ڈالنا جائز نہیں ہے۔ ایک قراءت سبحان ربی الاعلیٰ ہے۔

اعلیٰ. رب کی صفت تعلیلیہ ہے۔ حکم تعلیل کی وجہ اس کا عالی مرتبہ ہونا ہے۔ یہ اسم کی صفت نہیں ہے اجنبی کے فعل کی وجہ سے ورنہ ایسا ہو جائے گا۔ جیسا کہا جائے۔ **جاء نی غلام هند العاقل الحسنة**

الذی خلق. یہ تسبیح کی دلیل ہے یعنی خالق کی تسبیح ہی ہونی چاہئے۔

والذی قدر. ہر شخص کی تقدیر الگ الگ بنائی. کسائیؒ قدر کو تخفیف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

غثاء. کوڑا کرکٹ۔ خشک گھاس وغیرہ۔ دنیا کی متاع کا بھی یہی حال ہے کہ بہار کے بعد اس پر خزاں آتی ہے۔

سنقرئک. قرآن جس طرح فی نفسہ معجزہ ہے۔ اسی طرح اس کا دوسرا معجزہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے امی ہونے کے باوجود

اس کو پڑھا۔ یادرکھا۔ امت کے کمسن بچوں کا یاد کر لینا بھی حیرت ناک ہے اور بعض نے فلا تنسی کو نہی قرار دیا ہے۔ اس میں الف آیات کے فاصلہ کی رعایت سے ہے۔

الا ماشاء اللّٰہ. منسوخ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ یا بطور قلت وندرت کے بھولنا مراد ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نماز میں بھول گئے۔ ابی ابن کعب نے یہ سمجھا کہ یہ آیت منسوخ ہوگئی۔ مگر دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ میں بھول گیا تھا۔

انہ یعلم الجھر. احوال ظاہری باطنی مراد ہیں یا قراءت جہری وسری مراد ہے۔ یا یہ کہ کسی حصہ کا باقی رکھنا اور کسی حصہ کا منسوخ کرنا مصلحت ہے۔ اللہ سب سے واقف ہے۔

و نیسرک للیسریٰ. اس کا عطف سنقرئک پر ہے۔ یعنی وحی کا حفظ کرنا یا دین کا آسان ہو جانا اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے فیسر لک نہیں فرمایا گیا۔ ضحاکؒ یسریٰ کے معنی شریعت حنفیہ اور سہلہ کے لیتے ہیں۔ اور ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ کہ جنت کی سہولت مراد ہے اور بعض عرفیہ یسریٰ یعنی اعمال خیر مراد لیتے ہیں۔

ان نفعت الذکریٰ. یعنی قبولیت کی صلاحیت نصیحت کے کارگر ہونے کے لیے ضروری ہے ورنہ نصیحت ''گوئے برگنبدا'' کا مصداق رہتی ہے۔ تاہم مطلق نصیحت بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ ناصح کے لیے تو اجر وثواب یقینی اور جس کو نصیحت کی جاتی ہے۔ نہ معلوم کون سی گھڑی اور کون سا کلمہ اس کو سنوار دے۔ اسی لیے قاموس میں ان نفعت میں ان بمعنی قد ہے مفسرؒ نے نفعت کا مفعول ''من تذکرہ'' محذوف مانا ہے جو سیذکر سے مفہوم ہو رہا ہے۔

الاشقی. مطلقًا کافر مراد ہیں۔ یا خاص کافر ولید یا عتبہ مراد ہیں۔

لایموت فیھا و لایحییٰ. موت وحیات کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔ مفسرؒ نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مطلق موت وحیات مراد نہیں ہے۔ بلکہ خاص وہ موت جس کی وجہ سے موجودہ حالت سے آرام مل جائے۔ اسی طرح وہ زندگی جو نافع ہو مراد ہے اور ان دونوں کی نفی ہو سکتی ہے جسے ادھ مرا کہتے ہیں۔ مبتلائے آلام شخص کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس کے نفس کو نہ بالکلیہ موت آتی ہے کہ عقوبات حجاب سے چھٹکارا مل جائے اور نہ قلب میں حیات ایمانی ہے۔ کیونکہ آخرت دار العمل نہیں دار الجزاء ہے۔ اور قاشانیؒ کہتے ہیں کہ لایموت لا متناع انعدامہ و لایحیی بالحقیقۃ لھلاکہ الروحانی. امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی روح گلے میں پھنس کر رہ جائے گی نہ نکلتی ہے کہ موت واقع ہو جائے اور نہ واپس ہوتی ہے کہ بدن میں زندگی کی لہر دوڑ جائے۔

من تزکی. کفر ومعصیت سے تزکیہ مراد ہے یا قویٰ کی کثرت سے طہارت باطنی۔ یا نماز کے لیے طہارت ظاہری اور زکوٰۃ کی ادائیگی۔ قاضیؒ اور زمخشریؒ اس آیت سے متعدد مسائل نکالتے ہیں۔ تزکی کے ایک معنی کفر ومعصیت سے پاک صاف ہونے کے ہیں۔ ایک معنی نماز کے لیے پاکی اور طہارت کے ہیں اور ایک معنی زکوٰۃ کے ہیں۔ اور ایک معنی یہ ہیں کہ ذکر لسانی اور ذکر قلبی مراد ہے۔ اور صاحب ہدایہؒ نے تکبیر افتتاح مراد لی ہے۔ صاحب کشافؒ کہتے ہیں کہ فصلیٰ کے عطف سے معلوم ہوا کہ تکبیر افتتاح نماز کا رکن نہیں۔ دوسرے تعظیمی الفاظ سے بھی تحریمہ ہو سکتی ہے۔ اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس میں معاد اور اللہ کے آگے پیشی مراد ہے۔ اور بعض کے نزدیک صدقۃ الفطر اور تکبیرات عیدین مراد ہیں۔

و اذکر اسم ربہ. تکبیر تحریمہ یا ذکر لسانی اور ذکر قلبی مراد ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ تزکی سے صدقۃ الفطر اور ذکر اسم سے عیدین اور فصلیٰ سے نماز عیدین مراد ہے۔

بل تؤثرون. ابن عمرؓ یا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔اس کا خطاب شقی لوگوں کو ہے یا سب کو کیونکہ دنیا کا انہماک کم وبیش سب میں ہوتا ہے۔

خیر و ابقیٰ. آخرت کی نعمتیں بالذات لذیذ، خالص اور دائمی ہوں گی۔

ان ھٰذا. مضمون سابق امور دیانت کا جامع اور کتب سابقہ کا نچوڑ ہے۔

ربط آیات:.......... پچھلی سورتوں میں مجازلت کا بیان تھا۔اس سورت اعلیٰ میں فلاح اعلیٰ کا مقصود اصلی ہونا اور اس کی راہ بتلانا ہے۔یعنی تسبیح، معرفت، ذات، صفات، تزکیہ، ذکر و نماز اور آخرت کی مقصودیت کے ذیل میں دنیا کا فانی اور ناپائیدار ہونا بتلایا گیا ہے اور فلاح کا راستہ قرآن کی تذکیر سے پچھلی سورت میں بھی قرآن کی حقانیت اسی لیے بیان کی تھی۔اس سورت کی وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

روایات:.......... قالت عائشة کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقرء فی الاولیٰ من الوتر بسبح اسم ربک الاعلیٰ وفی الثانیة بقل یاایها الکافرون وفی الثالثةبقل هو الله احد و المعوذ تین. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت میں علوم و خیرات ہونے کی وجہ سے بکثرت اس کی تلاوت کرتے تھے۔نیز اس کی کثرت تلاوت سے حافظہ زیادہ ہوتا ہے۔حدیث میں ہے کہ سبح اسم ربک الاعلیٰ نازل ہونے پر حضور ﷺ نے فرمایا۔اجعلوها فی سجود کم. ابن عباسؓ سبح کے معنی صل بامر ربک الاعلیٰ فرماتے ہیں۔ فذکر ان نفعت۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تبلیغ و دعوت اور تذکیر و نصیحت میں حد درجہ حریص تھے۔مگر جس قدر آپ جدو جہد فرماتے اتنی ہی ضدی لوگ مخالفت کرتے جس سے آپ بے حد رنجیدہ ہوتے۔اس لیے فرمایا گیا کہ آپ اتنے پریشان نہ ہوں۔صلاحیت مند لوگوں کو فہمائش کرتے رہئے۔

النار الکبریٰ. قال علیه السلام نار کم هذه جزء من سبعین جزء من نار جهنم اومافی الدرک الاسفل منها. فصلّٰی۔حضرت علیؓ عمرو بن عبدالعزیز نے پنجوقتہ نمازیں مراد ہیں اور اس سے تحریمہ کے شرط ہونے پر استدلال کیا گیا ہے یعنی وہ رکن نہیں ہے۔ابوسعید خدری مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ اعطی صدقة الفطر و خرج الی العید فصلّٰی. اور ابن مردودیہ ناقل ہیں۔کان صلی الله علیه وسلم یقرء الأیة ثم یقسم الفطرة قبل ان یغدوا الی الفطر. ابن عمرؓ فرماتے ہیں انها نزلت فی زکوة الفطر نیز وعن ابن مسعود امرو تصدق ثم صلی ثم قرء هذه الایة. ممکن ہے اس پر یہ شبہ ہو کہ سورت جب کہ مکیہ ہے پھر صدقۃ الفطر اور نماز عید کا کیا سوال؟ لیکن اول تو بقول ضحاکؒ سورت مدنی ہے۔دوسرے جمہور کے قول پر پیشگی احکام بھی ہو سکتے ہیں۔چنانچہ محی السنۃؒ فرماتے ہیں کہ حکم نافذ ہونے سے پہلے وحی آسکتی ہے۔چنانچہ سورۂ بلد کی آیت وانت حل بھٰذا البلد مکی ہے۔حالانکہ مکہ میں داخلہ ۸ھ میں فتح مکہ کے موقعہ پر ہوا ہے۔

﴿ تشریح ﴾:.......... سبح اسم ربك الاعلیٰ. اللہ کے لیے احادیث میں اسماء حسنیٰ ذکر کیئے گئے ہیں۔وہ ننانوے نام توصیفی ہیں۔اس لیے اپنی طرف سے کوئی ایسا لفظ اللہ کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔جس سے کوئی نقص یا شرک یا گستاخی کا پہلو نکلتا ہو۔یا کسی غلط عقیدے کی نسبت اس کی ذات، صفات افعال کی طرف کی جائے۔اسی طرح ایسے الفاظ جو مخلوق کے لیے بھی استعمال ہوتے ہوں جیسے: رؤف، رحیم، کریم، سمیع، بصیر وغیرہ۔ان میں بھی احتیاط کا پہلو پیش نظر رہنا چاہیے کہ دونوں کے لیے طریقہ استعمال الگ الگ رہنا چاہیے۔نیز اللہ کا نام ادب و احترام کے ساتھ لیا جائے جس میں موقعہ ومحل بھی موزوں ہو اور جگہ بھی مناسب ہو ہنسی مذاق یا ناگواری کے ساتھ نام نہ لیا جائے اور نہ بیت الخلاء وغیرہ گندی جگہ میں اس پاک نام کی بے حرمتی کی جائے۔لکھے ہوئے نام کا ادب و احترام بھی

ملحوظ رہے۔ سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنے کا حکم حضور ﷺ نے اس آیت کے بعد ہی دیا ہے۔

عالم کی ہر چیز نہایت حکمت ودانائی سے بنائی گئی ہے: .... فسوّی. یعنی ہر چیز کو اللہ نے جچے تلے انداز پر پیدا فرمایا ہے کہ اس سے بہتر انداز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جس سے یہ بھی اشارہ نکلتا ہے کہ یہ عالم کسی اتفاقی حادثہ کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ بڑے ہی دانا حکیم کا کارنامہ ہے اور نہ ہی بہت سے خالقوں کی کارگزاری کا یہ ثمرہ ہے۔ ورنہ یہ حسن وخوبی اور کمال وجمال اس کائنات میں پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

والذی قدر. یعنی عالم تقدیر الٰہی کے تحت بنایا گیا ہے۔ یہاں کی ہر چیز سوچ بچار کر منصوبہ بند طریقہ سے بنائی گئی ہے۔ یہ نہیں کہ کیف ما اتفق عالم اور اس کی تمام چیزیں پیدا ہو گئیں بلکہ ٹھیک ٹھیک ہر چیز کا اندازہ اور تخمینہ ہے۔ جس کو سامنے رکھ کر اس کو بنایا گیا ہے۔

فھدیٰ. یعنی کسی چیز کو یونہی پیدا کر کے نہیں چھوڑ دیا کہ جس غرض کے لیے اس چیز کو بنایا ہے اور پھر اس کے لیے اس کی پوری پوری رہنمائی کی گئی ہے۔ اس کام کے نفع نقصان کے سارے پہلو کھول دیئے گئے۔ چاند، سورج، ستارے، آسمان، زمین، پہاڑ، درخت، کھیت، آگ، مٹی، ہوا کو بھی اغراض کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی طرف ان کی ہدایت کے سروسامان بھی فراہم کر دیئے گئے اور وہ چیزیں ان کاموں کو سرانجام دیتی ہیں۔

فطری ہدایت: .... حتی کہ ایک دہریہ بھی یہ ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ مختلف قسم کے جانوروں کو ایسا الہامی علم حاصل ہے جو انسان کو اس کے حواس تو درکنار دوسرے آلات کے ذریعہ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ آخر جانوروں اور انسانوں کا بچہ پیدا ہوتے ہی دودھ پینا سیکھ لیتا ہے۔ حالانکہ دنیا بھر کے دانشور مل کر بھی اگر چاہیں تو بچہ کو ماں کے پستان منہ میں تھامنا اور اس سے دودھ کی دھار چوسنا نہیں سکھلا سکتے۔ اسی طرح انسان کی آنکھ، ناک، کان، دل، دماغ، پھیپھڑے، گردے، جگر، معدہ، آنتیں، رگیں، شریانیں، پٹھے سب اسی طرح فطری ہدایت کے مطابق اپنا اپنا کام کیے جا رہے ہیں۔ جب کہ انسان کو اس کے افعال کی خبر ہی نہیں ہوتی اور نہ اس کے ارادہ سے اعضاء کام کرتے ہیں۔ بچپن، جوانی، بڑھاپے میں جتنے تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں انسان کی حس اور ادراک کو دخل نہیں ہوتا۔ گو فطری ہدایت جو اللہ کی طرف سے ودیعت کی جاتی ہے وہ برابر اپنا کام انجام دیتی رہتی ہے۔ لیکن ان غیر اختیاری افعال کے علاوہ ایک درجہ انسان کے عقل وشعور کا بھی ہوتا ہے جس میں اس ہدایت کا انداز دوسرا ہو جاتا ہے۔ یہ طریقہ بے بسی اور بے اختیاری کا نہیں ہوتا بلکہ اس میں ایک قسم کے انسانی اختیار کو دخل ہو جاتا ہے۔ انسان اس اختیاری ہدایت سے منہ موڑ لینے کے لیے خواہ کتنی ہی حجت بازیاں کرے۔ لیکن بات قابل تسلیم نہیں کہ جس خدائے حکیم نے اس کائنات میں ہر ایک چیز کے لیے اس کی ساخت وحیثیت کے مطابق ہدایت کا اعلیٰ انتظام کر دیا ہے۔ اس نے انسان کے لیے یہ تقدیر تو بنا دی کہ وہ اپنے اختیار سے دنیا میں تصرفات کرے۔ مگر اس نے انسان کو اس کے اختیار کو صحیح یا غلط استعمال کرنے کے طریقوں سے آگاہ نہ کیا ہو۔ بھلا جس قدرت نے اربوں کھربوں خلال دنیا میں پیدا کر دیے۔ تاکہ انسان کو دانت کریدنے کے لیے ادنیٰ سی تکلیف نہ ہو کیا وہ قدرت انسان کی ابدی تکلیف رفع کرنے کا بندوبست نہیں کرے گی۔ جس خالق حکیم نے انسان کے جوتے چمکانے کے لیے بے شمار پالش ڈبیاں فراہم کر دی ہوں وہ اس کی روح کی جلا کے لیے کوئی انتظام نہیں کرے گی۔

بہار اور خزاں کی کرشمہ سازیاں: ....اخرج المرعی۔ انسانی غذاؤں کے لیے سبزی اور جانوروں کے لیے چارہ پیدا کیا۔

فجعلہ غثاءً احوی. اللہ اپنی قدرت کے مختلف کرشمے دکھلاتا ہے۔ وہ اگر بہار لاسکتا ہے تو خزاں کی بے رونقی بھی لاسکتا ہے۔ وہ تازگی اور شادابی کے لیے اگر ہر طرف ہریالی اُگا سکتا ہے تو دوسری طرف خزاں کے تھپیڑوں سے اس ہریالی کو خشکی سے بھی تبدیل کرسکتا ہے۔ ہواؤں سے ہر طرف خاک اڑنے لگتی ہے۔

فلا تنسی. ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ قرآن کے الفاظ بار بار دہراتے تھے کہ کہیں بھول نہ جائیں۔ اس لیے حق تعالیٰ نے اطمینان دلایا کہ آپ یاد کرنے کی فکر میں نہ پڑیں۔ بلکہ خاموشی سے سنتے رہا کیجئے یہ ہمارا ذمہ ہے کہ ہم بھولنے نہیں دیں گے۔ اس سے پہلے سورۂ طٰہٰ اور قیامۃ میں بھی یہی مضمون گزر چکا ہے۔ پس جس طرح ایک معجزہ ہے۔ اسی طرح اس کی یادداشت اور حفظ بھی ایک معجزہ ہے۔ جو کسی دوسری آسمانی اور غیر آسمانی کتاب کو حاصل نہیں ہے۔

چنانچہ الا ماشاء اللہ. کا ایک مطلب تو یہی ہے کہ قرآن کا لفظ بلفظ آپ کے حافظہ میں محفوظ ہوجانا آپ کا کرشمہ نہیں ہے بلکہ اللہ کے فضل اور اس کی توفیق کا نتیجہ ہے۔ اللہ اگر اسے چاہے تو بھلا سکتا ہے۔ ولئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیک اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کبھی وقتی طور پر آپ کو نسیان ہوجاتا اور آپ کا کسی وقت کسی آیت یا لفظ کو بھول جانا اس وعدہ سے مستثنیٰ ہے۔ ہاں جن آیتوں کا بالکل بھلا دینا ہی مقصود ہوگا وہ بھی الا ماشاء اللہ میں داخل ہیں۔ گویا وہ ایک قسم کا نسخ ہوگا۔

قرآن کا اللہ حافظ ہے: ....انہ یعلم الجھر وما یخفی. اللہ جو چونکہ سب کی مخفی استعداد اور ظاہری اعمال کو جانتا ہے۔ اس لیے وہ اس کے مطابق تم سے معاملہ کرے گا۔ رہا یہ کہ ایک حکم نازل کرکے پھر اس کو منسوخ کرنے کے کیا معنی؟ سو اللہ کی حکمتوں کا احاطہ کون کرسکتا ہے اسی کو معلوم ہے کہ کون سی چیز کو ہمیشہ باقی رہنا چاہیے، اور کون سا حکم ہنگامی اور وقتی ہے، یا یہ مطلب ہے کہ آپ کا زور زور اور بار بار پڑھنا جو ظاہر ہے اور بھول جانے کا کھٹکا جو مخفی ہے وہ سب ہمیں معلوم ہے۔ آپ مطمئن رہئے بھولیں گے نہیں۔

ونیسرک للیسری. یعنی قرآن پاک کو یاد رکھنا اور اللہ کی معرفت وعبادت، اور معاملات سب آسان وسہل کردیئے جائیں گے اور مشکلات دور کردی جائیں گی۔

فذکر. اللہ نے جب آپ پر اس قدر احسانات فرمائے ہیں پس ان کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اس فیض کو عام کیجئے اور دوسروں کی اصلاح کی کوشش کیجئے۔

ان نفعت الذکری. ایک دعوت وتبلیغ ہوتی ہے یعنی احکام پہنچانا اور نافرمانی کی صورت میں عذاب سے ڈرانا وہ ہر ایک کو ضروری ہے۔ اس میں نفع کے گمان کی قید اور شرط نہیں ہے۔ البتہ وعظ وتذکیر یعنی نصیحت دہرانا یہ اس وقت لازم ہے جب کہ مخاطب کے قبول کرلینے کا گمان غالب ہو اور ممکن ہے یہ شرط محض تذکیر کی تاکید کے لیے ہو۔ یعنی اگر کسی کو تذکیر نفع دے تو تذکیر کرنی چاہیے اور یہ یقینی ہے کہ دنیا میں تذکیر کسی نہ کسی کو ضرور نفع دے گی۔ گو ہر ایک کو نفع نہ دے بہر حال حکم کو کسی ضروری چیز پر معلق کرنے سے حکم بھی ضروری ہوجاتا ہے۔

دعوت وتبلیغ کا ایک نکتہ: ....یا پہلے جملہ ونیسرک سے مربوط کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم آپ کو تبلیغ دین کے معاملہ میں مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتے۔ سو جس کی فطرت مسخ ہوچکی ہے آپ انہیں سمجھائیں۔ بلکہ آسان طریقہ متعین کیے دے رہے ہیں اور وہ یہ کہ جو سننے کے لیے تیار ہو اسے سنائیے اور جو ماننے کے لیے تیار ہو اسے منوائیے۔ اب یہ کون اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے

تیار ہے اور کون نہیں؟ ظاہر ہے کہ اس کا اندازہ عام تبلیغ ہی سے ہو سکتا ہے۔ اس لیے عام تبلیغ تو جاری رکھی جائے مگر اس سے تمہارا مقصود ان لوگوں کی تلاش ہونی چاہیے جو فائدہ اٹھانے کا جوہر رکھتے ہوں۔ ایسے ہی لوگ فی الحقیقت لائق التفات ہونے چاہئیں۔ ایسے لوگوں کو چھوڑ کر ان لوگوں کے پیچھے پڑنا جن کے متعلق تجربہ سے واضح ہو جائے کہ وہ کوئی نصیحت قبول کرنا نہیں چاہتے لاحاصل ہے۔

سیذ کر من یخشیٰ. سمجھانے سے وہی سمجھتا ہے اور نصیحت سے وہی فائدہ اٹھاتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت خوف خدا اور اپنے انجام کی فکر ہو کہ کہیں میں غلط راستہ پر تو نہیں جا رہا ہوں۔ وہی اللہ کے بندہ کی نصیحت کو توجہ سے سنے گا جو اسے ہدایت وگمراہی کا فرق اور فلاح وسعادت کا راستہ بتلا رہا ہو۔ یتجنبھا الاشقیٰ. بھلا جس بدبخت کے نصیب میں دوزخ کی آگ لکھی ہے اور اسے خوف خدا اور انجام کا ڈر نہیں وہ کہاں سمجھتا اور نصیحت کی طرف دھیان دیتا ہے؟ اور وہ بے شک ٹھیک بات سمجھنے کی کب کوشش کرتا ہے۔

ثم لایموت فیھا. نہ اسے موت ہی آئے گی کہ عذاب سے چھوٹ جائے اور نہ جینے کی طرح جیئے گا کہ زندگی کا لطف حاصل ہو۔ بلکہ ادھر میں لٹکا رہے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ حالت کافر ومشرک کی ہے۔ مومن فاسق تو مقرر سزاؤں کے بعد نجات پالیں گے۔

اصل کامیابی کس کی ہے؟:.......... قد افلح. ظاہری، باطنی، حسی، معنوی نجاستوں سے پاک ہوا اور اپنے قلب وقالب کو عقائد صحیح، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ سے آراستہ کیے ہو تو وہ کامیاب ہے۔ حقیقی کامیابی آخرت کی سرخروئی ہے۔ دنیا کی خوشحالی میسر ہو یا نہ ہو۔

واذکر اسم. پاک صاف ہو کر تکبیر تحریمہ کہی پھر نماز پڑھی۔ حنفیہ نے اس سے دو مسئلے اخذ کیے ہیں۔ اول یہ کہ تحریمہ میں خاص لفظ اللہ اکبر کہنا فرض نہیں ہے۔ مطلق اللہ کی بڑائی کسی لفظ سے ظاہر کرنا کافی ہے۔ بشرطیکہ اس میں کسی اپنی غرض کا اظہار نہ ہو۔ البتہ احادیث صحیحہ کی وجہ سے اللہ اکبر کہنا سنت یا واجب کہلائے گا۔ دوسرے یہ کہ تکبیر تحریمہ نماز کے لیے شرط ہے رکن نہیں۔ کیونکہ فصلی کا پہلے جملہ پر عطف ہو رہا ہے۔ جس سے مغائرت معلوم ہوتی ہے اور بعض حضرات نے اس جملہ سے صدقۃ الفطر، نماز عید، تکبیرات عید مراد لی ہے۔ بہرحال آیت کا منشاء یہ ہے کہ وہ بندہ صرف اللہ کی یاد کر کے نہیں رہ گیا بلکہ نماز کی پابندی سے اس نے ثابت کر دیا کہ وہ عملاً اللہ کا فرمانبردار، اطاعت گزار ہے۔

بل تؤثرون. یعنی تمہیں جب آخرت کی فکر ہی نہیں بلکہ دنیا کی زندگی اور اس کے عیش وآرام کو بلحاظ اعتقاد یا عمل آخرت پر ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ دنیا حقیر وفانی اور آخرت اس سے کہیں بہتر اور پائیدار ہے۔ پھر تعجب ہے کہ اتنی بہترین چیز کو چھوڑ کر ارذل ترین کو اختیار کر رہے ہو۔

ان ھذا. یعنی قد افلح سے وابقی تک یہ مضمون کوئی نادریات یا منسوخ حکم نہیں۔ بلکہ پچھلی کتابیں بھی یہ حکم دے رہی ہیں۔ بعض ضعیف روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو دس صحیفے اور حضرت موسیٰؑ کو تورات کے علاوہ دس مزید صحیفے عطا کیئے گئے ہیں۔

خلاصۂ کلام:.......... مضمون سورت پر غور کرنے سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے کہ یہ بالکل ابتدائی زمانہ کی ہے۔ کیونکہ سنقرئک فرمانا ایسا ہی ہے جیسے آیت اقرأ باسم ربک اور آیت لاتحرک میں فرمایا گیا ہے۔ جس سے آیت کی ابتدائی حالت معلوم ہو رہی ہے۔ چنانچہ پھر کبھی آپ کو وحی یا قرآن یاد رکھنے میں دقت پیش نہیں آئی اس سورت میں تین مضامین ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ پہلی آیت سبح الخ میں توحید کے مضمون کو سمیٹ دیا گیا ہے۔ یعنی کوئی بات بھی خداوندی عظمت کے خلاف زبان پر نہیں آنی چاہیے۔ دنیا میں جس قدر بھی فاسد عقائد پیدا ہوئے ہیں ان سب کی جڑ بنیاد اللہ تعالیٰ کے متعلق کسی نہ کسی غلط تصور پر ہے جس نے غلط نام کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اس لیے عقیدہ کا صحیح ہونا سب سے اہم ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ جل شانہ کو صرف اسماء حسنیٰ ہی سے یاد کیا

جائے۔ اس کے بعد تین آیات میں بتلایا گیا ہے کہ اللہ ہی نے کائنات کی ہر چیز کو پیدا کیا۔ اس کے تناسب کو قائم رکھا۔ اس کی تقدیر بنائی۔ اسے اس غرض کو انجام دینے کی راہ بتلائی جس کے لیے وہ پیدا کی گئی ہے۔ اللہ ہی کامل قدرت سے زمین پر نباتات پیدا کرتا ہے۔ ہر طرف ہریالی اور سبزی کا منظر ہوتا ہے۔ پھر انہیں خس و خاشاک میں بھی تبدیل کر دیتا ہے۔ بہار وخزاں دونوں اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اسکے بعد آیت سنقرئك سے دوسرا مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے۔ یعنی آپ اس فکر میں نہ پڑیں کہ اتنا پڑا قرآن لفظ بہ لفظ کس طرح آپ کو یاد رہے گا۔ کیونکہ یہ ہمارا کام ہے اس کو محفوظ کر دینا ہمارا ذمہ ہے۔ اسی طرح دوسروں کو نصیحت کرنے کے سلسلہ میں اس نکتہ کو پیش نظر رکھیئے۔ نصیحت چونکہ فی نفسہ مفید چیز ہے۔ اس لیے آپ نصیحت کرتے رہئے۔ یہ نہ سمجھئے کہ وہ سب کو مفید ہوتی ہے اور سب ہی مان لیں گے۔ جسے اللہ کا ڈر اور انجام کی فکر ہوگی وہ نصیحت قبول کر لے گا۔ حاصل یہ ہے کہ تذکر کی شرط نہ پائے جانے سے کہیں اگر تذکر کا ترتب نہ ہو۔ تب بھی تذکیر فی نفسہ نافع ہے اور واجب ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ بہر حال آپ کے ذمہ ہر ایک کو راہ راست پر لے آنا نہیں ہے۔ بلکہ آپ کا کام بس حق کی تبلیغ کر دینا ہے اور دعوت کا سیدھا سادا طریقہ یہ ہے کہ جو نصیحت سننے اور ماننے کے لیے آمادہ ہوا سے نصیحت کی جائے اور جو اس کے لیے تیار نہ ہو۔ اس کے پیچھے نہ پڑا جائے جس کے دل میں گمراہی کے برے انجام کا خوف ہوگا وہ حق سن کر قبول کر لے گا اور جو بد بخت اس سے گریزاں ہوگا وہ اپنا انجام بد ضرور دیکھ لے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ اپنی ہی تکمیل کیجئے اور دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ کیجئے۔ ہم آپ کے معاون ہیں اور فی نفسہ وہ ضروری بھی ہے۔ سورت کے خاتمہ پر ارشاد ہے کہ فلاح وکامیابی ان لوگوں کے لیے ہے۔ جو عقائد واخلاق اعمال کی پاکیزگی اختیار کریں اور اپنے پروردگار کی یاد کر کے نماز پڑھیں۔ مگر لوگوں کا حال یہ ہے کہ انہیں سارا غم بس دنیا کا ہے۔ اسی کے راحت وآرام اور لذتوں اور آسائشوں کی فکر میں ڈوبے رہتے ہیں۔ حالانکہ دنیا فانی اور اس کی ساری لذتیں ہیچ ہیں۔ اصل فکر آخرت کی ہونی چاہیے۔ کیونکہ وہ باقی ہے اور اس کی نعمتیں بدرجہا بہترین اور یہ حقیقت صرف قرآن ہی کی زبان سے بیان نہیں ہو رہی ہے بلکہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے صحیفوں میں بھی ان حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ گویا یہ ایک پرانی سچائی ہے جس پر تمام سچے کاربند رہے ہیں۔

فضائل سورت:............من قرأ سورة الاعلیٰ اعطاه الله عشر حسنات بعدد كل حرف انزله الله علىٰ ابراهيم و موسىٰ عليهما اسلام.

ترجمہ:......جو شخص سورۂ اعلیٰ پڑھے گا۔ اس کو اللہ پاک حضرت ابراہیم وحضرت موسےٰ علیہما السلام پر نازل ہوئے ہر حرف کے بدلہ میں دس گنا ثواب عطا کرے گا۔ (موضوع)

لطائف سلوک:............قد افلح من تزكىٰ الخ. یہ آیت اعمال مقصودہ اہل طریق کی جامع ہے۔

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ سِتٌّ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ قَدْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴿۱﴾ الْقِيَامَةِ لِاَنَّهَا تَغْشَى الْخَلَائِقَ بِاَهْوَالِهَا **وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ** عَبَّرَ بِهَا عَنِ الذَّوَاتِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ **خَاشِعَةٌ**﴿۲﴾ ذَلِيْلَةٌ **عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ**﴿۳﴾ ذَاتَ نَصَبٍ وَتَعَبٍ بِالسَّلَاسِلِ وَالْاَغْلَالِ **تَصْلٰى** بِضَمِّ التَّاءِ وَفَتْحِهَا **نَارًا حَامِيَةً**﴿۴﴾ **تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ**﴿۵﴾ شَدِيْدَةُ الْحَرَارَةِ **لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ**﴿۶﴾ هُوَ نَوْعٌ مِّنَ الشَّوْكِ لَا تَرْعَاهُ دَابَّةٌ لِخُبْثِهٖ **لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ**﴿۷﴾ **وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ**﴿۸﴾ حَسَنَةٌ **لِّسَعْيِهَا** فِي الدُّنْيَا بِالطَّاعَةِ **رَاضِيَةٌ**﴿۹﴾ فِي الْاٰخِرَةِ لِمَا رَاَتْ ثَوَابَهٗ **فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ**﴿۱۰﴾ حِسًّا وَّمَعْنًى **لَّا تَسْمَعُ** بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **فِيْهَا لَاغِيَةً**﴿۱۱﴾ اَيْ نَفْسٌ ذَاتَ لَغْوٍ اَيْ هَذَيَانٌ مِّنَ الْكَلَامِ **فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ**﴿۱۲﴾ بِالْمَاءِ بِمَعْنٰى عُيُوْنٍ **فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ**﴿۱۳﴾ ذَاتًا وَّقَدْرًا وَّمَحَلًّا **وَّاَكْوَابٌ** اَقْدَاحٌ لَا عُرٰى لَهَا **مَّوْضُوْعَةٌ**﴿۱۴﴾ عَلٰى حَافَاتِ الْعُيُوْنِ مُعَدَّةٌ لِشُرْبِهِمْ **وَّنَمَارِقُ** وَسَائِدُ **مَصْفُوْفَةٌ**﴿۱۵﴾ بَعْضُهَا بِجَنْبِ بَعْضٍ يَّسْتَنِدُ اِلَيْهَا **وَّزَرَابِيُّ** بُسُطٌ طَنَافِسُ لَهَا خَمْلٌ **مَبْثُوْثَةٌ**﴿۱۶﴾ مَبْسُوْطَةٌ **اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ** اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ نَظَرَ اعْتِبَارٍ **اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ**﴿۱۷﴾ **وَاِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ**﴿۱۸﴾ **وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ**﴿۱۹﴾ **وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ**﴿۲۰﴾ اَيْ بُسِطَتْ فَيَسْتَدِلُّوْنَ بِهَا عَلٰى قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَوَحْدَانِيَّتِهٖ وَصُدِّرَتْ بِالْاِبِلِ لِاَنَّهُمْ اَشَدُّ مُلَابَسَةً لَّهَا مِنْ غَيْرِهَا وَقَوْلُهٗ سُطِحَتْ ظَاهِرٌ فِيْ اَنَّ الْاَرْضَ سَطْحٌ وَعَلَيْهِ عُلَمَاءُ الشَّرْعِ لَا كُرَةٌ كَمَا قَالَهٗ اَهْلُ الْهَيْئَةِ وَاِنْ لَّمْ يَنْقُضْ رُكْنًا مِّنْ اَرْكَانِ الشَّرْعِ **فَذَكِّرْ** هُمْ نِعَمَ اللّٰهِ وَدَلَائِلَ تَوْحِيْدِهٖ **اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ**﴿۲۱﴾ **لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ**﴿۲۲﴾ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالصَّادِ بَدَلَ السِّيْنِ اَيْ بِمُسَلَّطٍ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْجِهَادِ **اِلَّا** لٰكِنْ **مَنْ تَوَلّٰى** اَعْرَضَ عَنِ الْاِيْمَانِ **وَكَفَرَ**﴿۲۳﴾ بِالْقُرْاٰنِ **فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ**﴿۲۴﴾ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ وَالْاَصْغَرُ عَذَابُ الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالْاَسْرِ اِنَّ

اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ رُجُوْعَهُمْ بَعْدَ الْمَوْتِ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾ جَزَاءَ هُمْ لَانَتْرُكُهٗ اَبَدًا ع۲۶ ۱۳

سورۂ غاشیہ مکیہ ہے اس میں ۲۶ آیتیں ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: .... آپ کو اس چھا جانے والی آفت کی خبر پہنچی ہے (مراد قیامت ہے کیونکہ وہ اپنی ہولناکیوں سے سارے جہان کو گھیرے گی) بہت چہرے اس روز (دونوں جگہ چہروں سے مراد ذوات ہیں) ذلیل ہوں گے سخت مصیبت جھیلتے خستہ ہوں گے (طوق وسلاسل میں مصیبت وتعب اٹھائے ہوں گے) شدید آگ میں جھلس رہے ہوں گے (تصلیٰ ضمہ تاء اور فتحہ تاء کے ساتھ) کھولتے ہوئے (انتہائی گرم) چشمہ کا پانی انہیں پینے کو دیا جائے گا۔ خاردار سوکھی گھاس (جس کو انتہائی خراب ہونے کی وجہ سے جانور بھی نہیں چھوتے) کے سوا کوئی کھانا انہیں نصیب نہ ہوگا۔ جو نہ موٹا کرے اور نہ بھوک مٹائے۔ بہت سے چہرے بارونق (کھلے ہوئے) ہوں گے (دنیا میں فرمانبرداری کی) اپنی کارگزاری پر (آخرت میں ثواب دیکھ کر) خوش ہوں گے بہشت بریں میں ہوں گے (جو حسی اور معنوی طور پر بلند ہوگی) نہیں سنیں گے (یا اور تا کے ساتھ ہے) وہاں کوئی بیہودہ بات (لغو چیز یعنی فضول گفتگو) اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے (جن میں پانی رواں ہوگا۔ عین بمعنی عیون ہے) اس میں اونچی مسندیں ہوں گی (جو اپنی ذات اور مرتبہ اور محل کے لحاظ سے بلند ہوں گی) ساغر (ایسے جام جن میں ٹونٹی نہ ہو) رکھے ہوئے ہوں گے (چشموں کے کنارے پینے کے لیے مہیا) گاؤ تکیوں کی قطاریں لگی ہوئی ہوں گی (گدی لگانے کے لیے برابر برابر رکھے ہوئے) اور نفیس قالین (روئیں دار ریشمی گدے) سب طرف بچھے ہوئے ہوں گے۔ تو کیا یہ لوگ (کفار مکہ بنظر عبرت) اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے ہیں؟ اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اٹھایا گیا؟ اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جمائے گئے؟ اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بچھائی گئی ہے؟ (پھیلائی گئی۔ غرض کہ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر اللہ کی قدرت اور وحدانیت سمجھ لینی چاہیے تھی۔ پہلے اونٹ کا ذکر کیا گیا۔ کیونکہ وہ ان سب چیزوں سے زیادہ اس سے وابستہ رہتے ہیں۔ اور **سطحت** سے بظاہر زمین کا منسطح ہونا معلوم ہوتا ہے۔ علماء کی رائے بھی ہے۔ بقول اہل ہیئت زمین کروی نہیں ہے۔ اگرچہ اس نظریہ سے بھی شرعی احکام میں کوئی فرق نہیں پڑتا اچھا تو آپ (ان کو) نصیحت کئے جائیے (اللہ کی نعمتیں اور دلائل توحید ذکر کر کے) آپ تو بس ہیں ہی نصیحت کرنے والے آپ کچھ ان پر مسلط نہیں ہیں (ایک قراءت میں بجائے **سین** کے **صاد** کے ساتھ ہے۔ بمعنی تنزیل یہ فرمان جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے) ہاں (مگر) جو شخص منہ موڑے گا (ایمان سے روگردانی گا) اور (قرآن سے) کفر کرے گا تو اللہ اس کو بھاری سزا دے گا (آخرت کی اور قتل وقید کی دنیاوی سزا ہلکی ہے) ان لوگوں کا آنا (مرنے کے بعد پلٹنا) ہمارے ہی پاس ہوگا۔ پھر ان کا حساب لینا ہمارا ہی کام ہے (یعنی اس کا بدلہ جس کو نظر انداز بالکل نہیں کیا جائے گا)

تحقیق وترکیب:

.... **مکیة**. یہ متفق علیہ مکی ہے۔

الغاشیة. غشیان کے معنی چھپانے کے ہیں۔ قیامت کا دن یا دوزخ کی آگ مراد ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ **یوم یغشاھم العذاب** اور **تغشیٰ وجوھھم النار**.

وجوہ. یہ جملہ مستانفہ ہے۔ سوال مقدر کا جواب ہے۔ ای **ماحدیث الغاشیة** لفظ وجہ یہاں اور آئندہ آیات میں بطور مجاز مرسل کے مستعمل ہے۔ **تسمیة الکل باسم اشرف الجزء**. چہرہ اشرف اجزاء ہونے کے علاوہ بدن کی تکلیف وراحت کا اثر سب سے پہلے اس پر نمایاں ہو جاتا ہے۔

عاملة ناصبة. دوزخ کی مصیبتوں سے تھکا ماندہ ہونا مراد ہے اور دنیا کے لاحاصل محنت ومشقت سے خستہ ہو جانا مراد ہے۔

تصلیٰ. ابو عمروؒ، یعقوب، ابوبکرؒ نے ضمہ تا کے ساتھ پڑھا ہے۔ اصلاح اللہ سے ماخوذ ہے۔ داخل کرنے کے معنی ہیں۔ اور بعض نے **تصلیٰ** تشدید کے ساتھ مبالغہ کا صیغہ پڑھا ہے۔

انية. انتہائی گرم کے معنی ہیں۔ من ضريع. قریش اس کو شبرق کہتے ہیں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں۔ هو نبت ذو شوک تسميه القريش الشبرق فاذا اهاج سمره الضريع وهو اخبث الطعام وابشعه. جب تک یہ گھاس ہری ہوتی ہے تو اونٹ کھا لیتے ہیں لیکن سوکھنے کے بعد بالکل بیکار ہو جاتی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ دوزخ میں یہ آگ کا درخت ہوگا جو ان کو کھلایا جائے گا اور زقوم و غسلین دوسرے دوزخیوں کی خوراک ہوگی۔

لا يسمن. کھانا کھانے کی یہی دو غرضیں ہوا کرتی ہیں۔ لیکن دوزخ کا یہ کھانا قطعاً ناکارہ ہوگا۔

وجوه يومئذ۔ دوزخیوں کے بعد جنتیوں کا ذکر ہے۔ اور وجوه نکرہ ہونے کے باوجود مبتداء ہے۔ کیونکہ موضع تنوین میں ہے۔ لاتسمع تا کے ساتھ نافعؒ پڑھتے ہیں۔ اور ابن کثیرؒ، ابوعمروؒ، رویسؒ یا کے ساتھ مجہول پڑھتے ہیں۔ اور لا غية فاعل ہوگا۔ اور پہلی صورت میں ضمیر مخاطب فاعل لاغية مفعول ہوگا اور لاغية بمعنی لغو ہے۔ یا کلمہ ذات لغو ہے یا بمعنی نفسا تلغو ہے۔ بہر حال جنت لغو گوئی کی جگہ نہیں ہوگی۔

عين جاريه. گڑھے کی صورت نہیں۔ بلکہ ابدی چشمہ رواں دواں ہوگا۔

سرر مرفوعة. ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ الواحها من ذهب مكللة بالزبرجد والدر والياقوت مرتفعة في السماء مالم يجئي اهلها فاذا اراد ان يجلس عليها صاحبها تراضعت حتى يجلس عليهاثم ترفع الىٰ موضعها.

اكواب. بغیر ٹونٹی کا برتن تا کہ جس جانب سے چاہیں پی لیں۔

نمارق. نمرق کی جمع ہے بمعنی تکیہ۔

زرابی. زربیہ کی جمع ہے۔ نفیس فرش جس کے پھندنے اور جھالر لٹکے ہوئے ہوں۔ جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے ہے۔ زمخشریؒ عمدہ بستر کے معنی لیتے ہیں۔ امام راغبؒ کہتے ہیں کہ مطلق کپڑے کے معنی تھے۔ پھر فرش کے لیے یہ لفظ مستعار ہو گیا۔

افلاينظرون. ہمزہ کا مدخول محذوف ہے۔ فا عاطفہ ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ اعموا افلا ينظرون. استفہام انکاری توبیخ کے لیے ہے۔ اونٹ کی تحقیق عرب کے عجیب الخلقت جانور ہونے کی وجہ سے ڈیل ڈول ایسا ہے کہ دیکھنے والا سمجھے کہ یہ کسی کے قبضہ میں نہیں آئے گا۔ مگر ایک چوہے کا بچہ بھی اگر نکیل پکڑے تو اس کے پیچھے پیچھے ہو لے۔ بوجھ اٹھانے میں اور سفر طے کرنے میں انتھک۔ مگر پانی اور خوراک کے معاملہ میں انتہائی صابر شاکر اور قناعت پسند کہ دو دو ہفتہ بھوک پیاس برداشت کر لیتا ہے۔ اور معمولی خوراک سے بھی خوش ہو جاتا ہے۔ لمبی گردن سے وقار ٹپکتا ہے مگر نہایت مسکین۔ پاؤں سے کسی کو روندتا نہیں۔ مگر غصہ آ جائے تو کاٹ پھاڑ کر رکھ دیتا ہے۔ شتر کینہ مشہور ہے۔ اپنی ہیئت کذائی سے نہایت بے ذوق معلوم ہوتا ہے۔ مگر سریلی آواز اور خوش الحانی۔ حدی خوانی سے خوش مذاق انسانوں کی طرح متاثر ہوتا ہے۔ غرضیکہ ان ساری خوبیوں کا کوئی جانور نہیں۔ اس لیے عرب اس کو بڑی نعمت سمجھتے ہیں اس کو سفينته البر کہا جاتا ہے اور سخت دل بھی ہے اور قتل کی دیت میں اس کا اعتبار کرتے ہیں۔

ابل. اسم جمع ہے اس کا کوئی لفظی مفرد نہیں ہے۔ بعیر ناقہ، جمل مفرد معنوں میں۔ اور بعض کے نزدیک بطور استعارہ ابل سے مراد بادل ہے۔

كيف خلقت. كيف منصوب ہے۔ خلقت کا حال ہونے کی وجہ سے اور یہ جملہ الابل بدل الاشتمال ہونے کی وجہ سے محل جر نہیں ہے۔ اور ينظرون متعدی الیٰ کے ذریعہ اور كيف خلقت کی طرف بطور تعلق کے متعدی ہے۔ اہل عرب الیٰ کو كيف پر داخل کر کے کہتے ہیں۔ انظر الى كيف يضع اور كيف حال سے سوال کے لیے آتا ہے۔ اس میں خلقت عامل ہوگا اور تعلق کے بعد استفہام اپنے حقیقی معنی پر نہیں رہتا۔

سطحت. ان چاروں افعال کی ایک قراءت مرفوع بھی ہے۔ ضمیر منصوب مرفوع ہوگی۔ ای افلا ينظرون الىٰ انواع المخلوقات من البسائط والمركبات ليتحققوا كمال قدرة الخالق فلا ينكروا اقتداره على البعث. عرب چونکہ

اکثر خانہ بدوش رہتے تھے اور سفر پسند تھے۔ اور انسان جب اس طرح آبادی سے باہر ہو کر فضا میں نظر عبرت ڈالتا ہے تو سب سے پہلے اس کی نظر اپنی سواری پر جاتی ہے۔ اس کے بعد جب وہ اوپر دیکھتا ہے تو آسمان پر نگاہ جاتی ہے۔ پھر جب دائیں بائیں نظر ڈالتا ہے تو پہاڑ نظر پڑتے ہیں اور جب نگاہ نیچی کرتا ہے تو زمین دکھائی پڑتی ہے اس سے تنہائی میں نظر وفکر کرنے کا امتحان معلوم ہوا۔

امام رازیؒ یہ فرماتے ہیں کہ زمین کا کروی ہونا دلیل سے ثابت ہے اگرچہ بظاہر آیت سے اس کا مسطح ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن زمین چونکہ عظیم کرہ ہے۔ اس لیے کروی ہونا اور زمین کا مسطح ہونا دونوں باتیں جمع ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ اس پر اجماع ہے کہ زمین کروی ہے۔ مفسر علامؒ نے کروی ہونے کے نظریہ کی تردید نہیں کی بلکہ گنجائش دی ہے تاہم علمائے ہیئت یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ سیلابوں، طوفانوں، ہواؤں کی وجہ سے زمین حقیقی کرہ نہیں رہی بلکہ قدرتی طور پر سطحیت آ کر رہائش کی صورت پیدا ہوگئی۔

انما انت مذکر. آپ کا کام صرف تبلیغ ہے۔

لست علیھم بمصیطر. ہشام وغیرہ اس کو اصل یعنی سین کے ساتھ پڑھتے ہیں اور حمزہ اشمام کرتے ہیں۔ باقی قراء صاد کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ مفسر اس کو حکم جہاد کی وجہ سے منسوخ فرما رہے ہیں۔ لیکن دوسرے بعض مفسرین نہیں مانتے۔ کیوں کہ جہاد اس کے منافی نہیں ہے۔ دعوت دین کو قبول کرنا اختیاری ہوتا ہے جبری نہیں۔

الامن تولیٰ. مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ الا استثناء منقطع کے لیے ہے۔ لیکن متصل بھی ہو سکتا ہے۔ ای **فذکرھم الامن قطع طمعک من ایمانہ.** اور بعض تقدیر عبارت اس طرح نکالتے ہیں کہ **لست بمسلط علیھم الامن تولی** گویا کفار سے جہاد کرنا ان پر تسلط ہے۔ اور بعض **فذکر** سے استثناء مانتے ہوئے تقدیر عبارت اس طرح کرتے ہیں۔ **فذکر الامن تولی وفاجر فاستحق العذاب الاکبر.** گویا درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ لیکن الاتنبیھی کی قراءت پہلے احتمال کی تائید کرتی ہے۔

ایابھم. ایک قراءت تشدید یا کی ہے فیعال فیعل کا مصدر ہے۔ ایاب سے ماخوذ ہے یا اوب سے فعال کا وزن ہے دیوان کی طرح پہلا واو یا سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔ پھر سید، مرمی، مطھی کی طرح ادغام کر دیا گیا ہے اور خبر کی تقدیم تخصیص اور مبالغہ فی الوعید کے لیے ہے۔

ربط آیات: .... پچھلی سورت میں آخرت کی تسلی کا بیان ہے۔ اس سورت غاشیہ میں آخرت کی تیاری کرنے، نہ کرنے والوں کی جزاء سزا کا بیان ہے اور قیامت کی تقریر کے لیے قدرت کا اثبات اور آخر میں منکرین کی طرف سے رنجش پر آنحضرتؐ کی تسلی فرمائی جارہی ہے۔ یہ سورت بھی مکہ معظمہ کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ جب کہ آپ تبلیغ عام شروع کر چکے تھے اور بالعموم وہ لوگ اسے سنکر نظر انداز کر دیتے تھے۔ اس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **حدیث الغاشیہ.** یعنی قیامت کی بات سننے کے لائق ہے اور قیامت نام ہے کل نظام عالم کے درہم برہم ہو جانے کا۔ اس لیے غاشیہ فرمایا کہ تمام مخلوق پر چھا جائے گی اور اس کا اثر عالمگیر ہوگا۔

دوزخیوں کا حال: .... **وجوہ یومئذ خاشعة.** انسان کا چہرہ چونکہ تمام اعضاء میں نمایاں ہوتا ہے اور اس پر کیفیات نمایاں ہو جاتی ہیں۔ اس لیے اشخاص وافراد کی بجائے پیرایہ تعبیر میں چہرہ مہرہ کو لے لیا جاتا ہے اور خاشعة آخرت کی خستگی اور درماندگی مراد ہے اور یا دنیا کی مصائب سے تھک کر چور ہونا مراد ہے یقیناً بہت سے کافر خسر الدنیا والآخرة ہوتے ہیں کہ نہ یہاں کا چین نہ وہاں کا آرام۔

من عین انیة. دوزخ کی گرمی سے بے تاب ہو کر پیاس پیاس پکاریں گے تو کھولتا ہوا تیز گرم پانی دیا جائے گا جسے پیتے ہی منہ میں چھالے پڑ جائیں گے اور آنتیں کٹ کٹ کر نکل پڑیں گی پھر ٹھیک کر دی جائیں گی اور یہی ابد تک سلسلہ چلتا رہے گا **من ضریع** ایک خاردار درخت یا گھاس ہے جو ایلوے سے زیادہ تلخ اور مردار سے زیادہ بدبودار اور آگ سے بڑھ کر گرم ہوگا جو بھوک سے بلبلانے والے

دوزخیوں کوز ہر مار کرنے کے لیے دیا جائے گا۔ قرآن کریم میں کہیں زقوم فرمایا گیا اور کہیں غسلین کہا گیا۔ لیکن ان سب بیانات میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن ہے دوزخیوں کو مختلف درجات کے لحاظ سے یہ چیزیں دی جائیں گی اور ایک ہی شخص کو مختلف اوقات میں یا بیک وقت یہ سب چیزیں دی جائیں گی۔ یا ایک ہی چیز پر مختلف کیفیات کی وجہ سے یہ مختلف نام دیئے گئے ہوں۔ کھانا کھانے کا اصل مقصد بھوک کی تکلیف کا دفعیہ اور بدن کی تقویت وفربہی ہوتا ہے۔ سوان دونوں کی صراحۃً نفی فرمادی۔ رہ گئی لذت سو وہ اس کے نام ہی سے کافور ہے۔

جنتیوں کا حال: .... وجوہ یومئذ ناعمة. دوزخیوں کے بعد یہاں سے جنتیوں کا حال بیان ہو رہا ہے۔ کہ ایمان وعمل کے سلسلہ میں جو محنتیں اور مشقتیں دنیا میں اٹھا کر آئے ہیں۔ ان کے شاندار نتائج دیکھ کر یہ لوگ نہایت مسرور ہوں گے کہ انہوں نے اپنی انتھک کوششوں اور خواہشات نفس کی قربانیوں کا بھر پور صلہ اور احکام الٰہی کی اطاعت اور معاصی سے بچنے کا انعام پالیا اور سمجھیں گے کہ ہماری کوششیں ٹھکانے لگیں اور محنتوں کا پھل بہت خوب ملا۔

لا تسمع فیها لا غیة. گالی، گفتار، بدکلامی تو درکنار کوئی لغویات بھی وہاں نہیں سنی جائے گی۔ ہر شخص چین کی بانسری بجا رہا ہوگا اور اپنی کھال میں مست اور مگن ملے گا۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را باکسے کارے نباشد

فی الحقیقت اگر دیکھا جائے تو یہ ایک عظیم نعمت ہے۔ دوزخیوں کا حال اس کے برعکس ہوگا۔ وہ دنیا کی طرح ہر وقت بک بک جھک جھک کریں گے جو مصیبتوں کو دوبالا کر دیتا ہے۔

عین جاریة. کوئی خاص چشمہ ہوگا یا جنس مراد ہے کہ پانی کے چشمے بہتے ہوں گے۔

اکواب موضوعة. یعنی جام لبالب تیار ملیں گے کہ جب اور جتنا چاہیں پی لیں۔

ونمارق. مسندیں بہایت قرینہ اور سلیقہ سے بچھی ہوئی اور گاؤ تکیئے ترتیب سے لگے ہوئے ہوں گے تاکہ جس وقت اور جہاں چاہیں آرام کر سکیں۔ دنیا میں خوشحال اہل ثروت کے یہاں بھی یہی طور طریقے ہوتے ہیں۔

قدرت کی کرشمہ سازیاں: .... افلاینظرون. آخرت کی باتیں سن کر کفار کہتے ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ فرمایا جارہا ہے کیا تم نے دنیا میں قدم قدم پر قدرت الٰہی کے تماشے نہیں دیکھے۔ کیا انہوں نے بھی نہیں سوچا کہ یہ اونٹ کیسے بن گئے؟ یہ آسمان کیسے بلند ہوگئے؟ یہ پہاڑ کیسے کھڑے ہوگئے؟ جب یہ سب چیزیں آنکھوں کے سامنے ہیں۔ کوئی خواب وخیال نہیں پھر قیامت کے آنے میں کیوں تامل ہے؟ دوزخ اور جنت کی دنیا کیوں نہیں بن سکتی؟ اگر ان کے دماغ ہے اور اس میں بھیجہ اور بھیجہ میں عقل ہے تو انہیں سوچنا چاہیے کہ جو کچھ چیزیں موجود ہیں آخر کس طرح وجود میں آگئیں۔ بھلا ''اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی'' کا مصداق عرب میں جن خصوصیات کے جانور کی ضرورت تھی۔ وہی عجیب الخلقت جانور بنادیا۔ بے ستون آسمان تان دیے۔ چاند، سورج روشنی کے لیے اور ستارے خوشنمائی کے لیے فضا میں معلق کر دیئے۔ اور سانس لینے کے لیے فضا میں ہوا بھری پڑی ہیں۔ مخلوق کے رہنے کے لیے زمین بچھا دی۔ جس کی پیداوار اور پانی کے چشموں پر زندگی کا انحصار ہے۔ کیا یہ سب کچھ قادر حکیم کی کاریگری کے بغیر ہوگیا؟ عقل وانصاف سے کام لیا جائے۔ ضد اور ہٹ دھرمی نہ کی جائے تو ماننا پڑے گا کہ جس طرح یہ سب ناممکن اس کی قدرت سے ممکن ہوگیا۔ اسی طرح جن چیزوں کے آئندہ ہونے کی خبر دی جارہی ہے وہ بھی ضرور ہو کر رہے گی۔ مگر تعجب ہے کہ ان چیزوں کو دیکھ کر بھی اللہ کی قدرت اور حکیمانہ انتظامات کو نہیں سمجھتے۔ جس سے قیامت کے عجیب وغریب انتظامات کا سمجھ میں آجانا سہل ہو جاتا۔

نصیحت کرنے میں تاثیر کا انتظار کرنا چاہیئے:............فذکر. یہ لوگ روشن دلائل کے ہوتے ہوئے جب غور نہیں کرتے تو آپ بھی ان کی فکر میں پریشان نہ ہوں۔ یہ نہیں مانتے نہ مانیں۔ آپ کے سپرد نہ ماننے والوں کو منوانا نہیں کیا گیا ہے۔ آپ کا کام تو صرف یہ ہے کہ لوگوں کو صحیح اور غلط راستے دکھلا دو اور ان کو ان کے انجام سے باخبر کر دو۔ آپ اسی کام کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ اگر یہ سمجھنا نہیں چاہتے تو ان پر داروغہ بنا کر آپ کو نہیں بھیجا گیا ہے کہ زبردستی منوا کر چھوڑیں اور ان کے دلوں کو بدل ڈالیں۔ یہ کام مقلب القلوب کا ہے۔ آپ کا جو کام ہے جس کو اب تک کیے جا رہے ہو برابر اسی کو کرتے رہیئے۔

الامن تولی. کی اطاعت سے روگردانی کرنے والوں اور اس کی آیات کا انکار کرنے والوں کو اللہ کے حوالہ کیجئے۔ وہ اس کے سخت ترین عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ انہیں ایک نہ ایک دن ہمارے پاس آنا ہے اور ہمیں ان سے پائی پائی کا حساب چکانا ہے۔ غرض حال کا کام آپ کیے جائیے اور مستقبل ہمارے حوالہ کیجئے۔

خلاصۂ کلام:............شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ و دعوت کا زیادہ زور دو بنیادی باتوں پر رکھا ہے۔ ایک توحید۔ دوسرے آخرت۔ منکرین نے بھی زور شور سے ان دونوں حقیقتوں کا انکار جاری رکھا۔ اس سورت میں بھی روئے سخن انہیں لوگوں کی طرف ہے۔ چنانچہ آپ کے واسطہ سے سب سے پہلے ان سے پوچھا گیا کہ تمہیں اس وقت کی بھی کچھ خبر ہے جب سارے جہان پر چھا جانے والی آفت نازل ہوگی؟ اس وقت تمام انسان دو گروہوں میں بٹ جائیں گے اور دونوں کا انجام الگ الگ سامنے آ جائے گا دوزخ میں جانے والوں کا انجام انتہائی بھیانک ہوگا اور جنتی عالی شان محلات میں عیش و عشرت کے ساتھ رہیں گے۔

اس کے بعد عنان توجہ اپنی قدرت کی کرشمہ سازیوں کی طرف پھیر دی گئی ہے۔ فرمایا کہ کیا یہ لوگ جہاں پر نظر ڈال کر ان چیزوں کو نہیں دیکھتے، جن سے ان کو واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ صحرا نوردوں کو زندگی بھی اونٹوں سے سابقہ رہتا ہے جو ان کے لیے سفائنی امیر ہیں اور قدرت نے اس عجیب الخلقت جانور کو ایسی خصوصیات کا حامل بنایا ہے۔ جو صحرائی زندگی کے لیے درکار تھیں۔ اسی طرح سفر کرتے وقت آنکھوں کے سامنے ادھر آسمان ہوتا ہے۔ درمیان میں پہاڑ، نیچے زمین۔ ان تینوں چیزوں میں انہیں غور کرنا چاہیئے کہ یہ آسمان کا سائبان کیسے تن گیا ہے۔ یہ دیو قامت پہاڑ کیسے کھڑے ہوئے؟ زمین کیسے بچھ گئی؟ کیا ان سے اللہ کی قدرت و حکمت کا پتہ نشان نہیں ملتا۔ پس اس سے اس کی یکتائی اور قدرت ثابت ہوتی ہے پھر آخر کون سی معقول بنیاد پر قیامت اور جزا و سزا کا انکار کر رہے ہیں؟ کیا ہماری قدرت میں کچھ فرق آ جائے گا؟ یا مقدر، مقدر ہونے سے خارج ہو جائے گا؟

شروع سورت کی طرح پھر آخر میں آپ کی طرف التفات فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر یہ نہیں مانتے تو نہ مانیں۔ آپ زبردستی کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے کہ منوا کر چھوڑیں۔ آپ کا کام نصیحت کرنا ہے وہ کیئے جائیے آخر یہ ہمارے پاس تو آئیں گے ہی۔ ہم خود نمٹ لیں گے۔

فضائل سورت:............من قرء سورة الغاشية حاسبه الله حسابًا يسيرًا.

ترجمہ:......جو شخص سورہ غاشیہ پڑھے گا اللہ اس کا حساب آسان لے گا۔ (حدیث موضوع)

لطائف سلوک:............وجوه یومئذ خاشعة. روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل ضلالت اور اہل بدعت بھی اس میں داخل ہیں کہ ان کی عبادت و مساعی بھی رائیگاں چلی جائیں گی۔

سُــورَةُ الْفَجْــرِ

سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْفَجْرِ ﴿۱﴾ اَىْ فَجْرَ كُلِّ يَوْمٍ **وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿۲﴾** اَىْ عَشْرِ ذِى الْحَجَّةِ **وَّالشَّفْعِ** الزَّوْجِ **وَالْوَتْرِ ﴿۳﴾** بِفَتْحِ الْوَاوِ وَكَسْرِهَا لُغَتَانِ الْفَرْدِ **وَ الَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ﴿۴﴾** اَىْ مُقْبِلًا وَّمُدْبِرًا **هَلْ فِىْ ذٰلِكَ** الْقَسَمِ **قَسَمٌ لِّذِىْ حِجْرٍ ﴿۵﴾** عَقْلٍ وَجَوَابُ الْقَسَمِ مَحْذُوْفٌ اَىْ لَتُعَذَّبُنَّ يَا كُفَّارُ مَكَّةَ **اَلَمْ تَرَ** تَعْلَمْ يَا مُحَمَّدُ **كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿۶﴾ اِرَمَ** هِىَ عَادُ الْاُوْلٰى فَاِرَمَ عَطْفُ بَيَانٍ اَوْبَدَلٌ وَّمُنِعَ الصَّرْفُ لِلْعَلَمِيَّةِ وَالتَّانِيْثِ **ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿۷﴾** اَىِ الطُّوْلِ كَانَ طُوْلُ الطَّوِيْلِ مِنْهُمْ اَرْبَعَ مِائَةَ ذِرَاعٍ **الَّتِىْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى الْبِلَادِ ﴿۸﴾** فِىْ بَطْشِهِمْ وَقُوَّتِهِمْ **وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا** قَطَعُوا **الصَّخْرَ** جَمْعُ صَخْرَةٍ وَاتَّخَذُوْهَا بُيُوْتًا **بِالْوَادِ ﴿۹﴾** وَادِى الْقُرٰى **وَفِرْعَوْنَ ذِى الْاَوْتَادِ ﴿۱۰﴾** كَانَ يَتِدُ اَرْبَعَةَ اَوْتَادٍ يَّشُدُّ اِلَيْهَا يَدَىْ وَرِجْلَىْ مَنْ يُعَذِّبُهُ **الَّذِيْنَ طَغَوْا** تَجَبَّرُوْا **فِى الْبِلَادِ ﴿۱۱﴾ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ﴿۱۲﴾** اَلْقَتْلَ وَغَيْرَهٗ **فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ** نَوْعَ **عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾** يَرْصِدُ اَعْمَالَ الْعِبَادِ فَلَا يَفُوْتُهٗ مِنْهَا شَىْءٌ لِيُجَازِيَهُمْ عَلَيْهَا **فَاَمَّا الْاِنْسَانُ** الْكَافِرُ **اِذَا مَا ابْتَلٰهُ** اخْتَبَرَهٗ **رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ** بِالْمَالِ وَغَيْرِهٖ **وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّىْ اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ** ضَيَّقَ **عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّىْ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ كَلَّا** رَدْعٌ اَىْ لَيْسَ الْاِكْرَامُ بِالْغِنٰى وَالْاِهَانَةُ بِالْفَقْرِ وَاِنَّمَا هُمَا بِالطَّاعَةِ وَالْمَعْصِيَةِ وَكُفَّارُ مَكَّةَ لَا يَتَنَبَّهُوْنَ لِذٰلِكَ **بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾** لَا يُحْسِنُوْنَ اِلَيْهِ مَعَ غِنَاهُمْ اَوْلَا يُعْطُوْنَهٗ حَقَّهٗ مِنَ الْمِيْرَاثِ **وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ** اَنْفُسَهُمْ وَلَا غَيْرَهُمْ **عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ** الْمِيْرَاثَ **اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾** اَىْ شَدِيْدًا لِّلَمِّهِمْ نَصِيْبَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ مِنَ الْمِيْرَاثِ مَعَ نَصِيْبِهِمْ مِنْهُ اَوْمَعَ مَالِهِمْ **وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾** اَىْ كَثِيْرًا فَلَا يُنْفِقُوْنَهٗ وَفِىْ قِرَاءَةٍ

بِالْفَوْقَانِيَةِ فِي الْاَفْعَالِ الْاَرْبَعَةِ **كَلَّآ** رَدْعٌ لَّهُمْ عَنْ ذٰلِكَ **اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا** ﴿۲۱﴾ زُلْزِلَتْ حَتّٰى يَنْهَدِمَ كُلُّ بِنَاءٍ عَلَيْهَا وَيَنْعَدِمُ **وَّجَآءَ رَبُّكَ** اَيْ اَمْرُهٗ **وَالْمَلَكُ** اِي الْمَلٰئِكَةُ **صَفًّا صَفًّا** ﴿۲۲﴾ حَالٌ اَيْ مُصْطَفِيْنَ اَوْذَوِيْ صُفُوْفٍ كَثِيْرَةٍ **وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ** تُقَادُ بِسَبْعِيْنَ اَلْفِ زِمَامٍ كُلُّ زِمَامٍ بِاَيْدِيْ سَبْعِيْنَ اَلْفَ مَلَكٍ لَهَا زَفِيْرٌ وَّتَغِيْظٌ **يَوْمَئِذٍ** بَدَلٌ مِنْ اِذَا وَجَوَابُهَا **يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ** اَيِ الْكَافِرُ مَافَرَطَ فِيْهِ **وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى** ﴿۲۳﴾ اِسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَى النَّفْيِ اَيْ لَايَنْفَعُهٗ تَذَكُّرُهٗ ذٰلِكَ **يَقُوْلُ** مَعَ تَذَكُّرِهٖ **يَا** لِلتَّنْبِيْهِ **لَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ** الْخَيْرَ وَالْاِيْمَانَ **لِحَيَاتِيْ** ﴿۲۴﴾ الطَّيِّبَةِ فِي الْاٰخِرَةِ اَوْوَقْتُ حَيَاتِيْ فِي الدُّنْيَا **فَيَوْمَئِذٍ لَّايُعَذِّبُ** بِكَسْرِ الذَّالِ **عَذَابَهٗٓ** اَيِ اللّٰهُ **اَحَدٌ** ﴿۲۵﴾ اَيْ لَايَكِلُهٗ اِلٰى غَيْرِهٖ **وَّ** كَذَا **لَايُوْثِقُ** بِكَسْرِ الثَّاءِ **وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الذَّالِ وَالثَّاءِ فَضَمِيْرُ عَذَابَهٗ وَوَثَاقَهٗ لِلْكَافِرِ وَالْمَعْنٰى لَايُعَذَّبُ اَحَدٌ مِّثْلَ تَعْذِيْبِهٖ وَلَايُوْثَقُ مِثْلَ اِيْثَاقِهٖ **يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ** ﴿۲۷﴾ الْاٰمِنَةُ وَهِيَ الْمُؤْمِنَةُ **ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ** يُقَالُ لَهَاذٰلِكَ عِنْدَ الْمَوْتِ اَيْ اِرْجِعِيْ اِلٰى اَمْرِهٖ وَاِرَادَتِهٖ **رَاضِيَةً** بِالثَّوَابِ **مَّرْضِيَّةً** ﴿۲۸﴾ عِنْدَ اللّٰهِ بِعَمَلِكِ اَيْ جَامِعَةً بَيْنَ الْوَصْفَيْنِ وَهُمَا حَالَانِ وَيُقَالُ لَهَا فِي الْقِيَامَةِ **فَادْخُلِيْ فِيْ** جُمْلَةِ **عِبٰدِيْ** ﴿۲۹﴾ الصَّالِحِيْنَ **وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ** ﴿۳۰﴾ مَعَهُمْ

سورۂ فجر مکیہ ہے یا مدنیہ ہے جس میں ۳۰ آیات ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:............قسم ہے (ہر روز) فجر کی اور (ذی الحجہ کی) دس راتوں کی اور جفت (جوڑ) اور طاق (وتر واو کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں لغت ہیں بے جوڑ عدد کو کہتے ہیں) اور رات کی جب وہ رخصت ہو رہی ہو (یعنی آ جا رہی ہو) کیا اس (قسم) میں کسی صاحب عقل کے لیے کافی قسم ہے (حجر بمعنی عقل جواب قسم محذوف ہے یعنی اے مکہ کے کافرو! تمہیں ضرور سزا دی جائے گی) آپ نے (اے محمدؐ) دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے عاد، ارم کے ساتھ کیا برتاؤ کیا (ارم سے مراد عاد اولیٰ ہے۔ اس لیے یہ اس کا عطف بیان یا بدل ہے۔ علمیت اور تانیث کی وجہ سے یہ غیر منصرف ہے) جو اونچے ستون جیسے قد وقامت والے تھے (عماد سے مراد لمبائی ہے۔ چنانچہ ان میں قد آور آدمی چار سو ہاتھ کا ہوتا تھا) جن کے مثل دنیا میں کوئی قوم پیدا نہیں کی گئی (بلحاظ طاقت وقوت کے) اور قوم ثمود کے ساتھ جنہوں نے تراش دیں (کاٹ دیں) چٹانیں (صخرۃ کی جمع ہے۔ چٹانیں کاٹ کر گھر بنائے) وادی (قریٰ) میں اور میخوں والے فرعون کے ساتھ (جو سزا دینے کے وقت ہاتھ پاؤں باندھ کر چومیخا کیا کرتا تھا) یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے سرکشی (بربادی) مچا رکھی تھی ملکوں میں اور بہت فساد (قتل وغارت) برپا کر رکھا تھا۔ آخر کار آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا (ایک خاص قسم کے عذاب میں مبتلا کر دیا) یقیناً آپ کا رب گھات لگائے ہے (بندوں کے اعمال کی دیکھ بھال رکھتا ہے۔ کسی عمل سے نظر چوکتی نہیں۔ لہٰذا وہ ان اعمال کا بدلہ بھی ضرور دے گا) مگر انسان (کافر) کا حال یہ ہے کہ اس کا رب جب اس کو آزمائش (امتحان) میں ڈالتا ہے اور اسے (مال وغیرہ سے) عزت اور نعمت دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دار بنا دیا۔ اور جب وہ اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اس کی روزی اس پر تنگ (کم) کر دیتا ہے تو کہہ اٹھتا ہے کہ میرے رب نے

مجھے ذلیل کر دیا۔ ہر گز ایسا نہیں (یہ ڈانٹ ہے یعنی کسی کو مالدار کر دینا اکرام اور فقیر کر دینا اہانت نہیں ہے بلکہ اکرام واہانت تو فرمانبرداراور نافرمانی کی وجہ سے ہوگی۔البتہ کفار مکہ اس نکتہ سے بے خبر ہیں) بلکہ یہ لوگ یتیم کی قدر نہیں کرتے (مالدار ہونے کے باوجود اس پر احسان نہیں کرتے یا اس کا حق میراث نہیں دیتے) اور مسکین کو کھانا کھلانے پر اکساتے نہیں (نہ خود کو اور نہ دوسروں کو) اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو (اپنے حصہ میں سب عورتوں اور بچوں کے حقوق سمیٹ کر مار لیتے ہو، یا مالدار ہوتے ہوئے انتہائی لالچی ہو) اور مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہیں (اس میں سے خرچ کرنے کا نام ہی نہیں لیتے ایک قراءت میں چاروں افعال تا کے ساتھ ہیں) ہر گز ایسا نہیں (ان کو ڈانٹ ڈپٹ ہے) جب زمین پے بہ پے کوٹ کوٹ کر ریگ زار بنادی جائے گی (زلزلے آئیں گے جن سے ساری عمارتیں ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو جائیں گی) اور آپ کا رب (اس کا حکم) جلوہ فرما ہوگا۔اس حال میں کہ فرشتے صف درصف کھڑے ہوں گے (یہ حال ہے یعنی صف بستہ ہو کر لائن لگا کر) اور دوزخ اس روز سامنے لائی جائے گی (ستر ہزار لگاموں میں کھینچ کر،اس طرح کہ ہر لگام ستر ہزار فرشتوں کے ہاتھوں میں تھمی ہوگی۔بھکتی اور شوں شاں کرتی ہوئی) اس روز (اذا کا بدل ہے۔اس کا جواب آگے ہے) انسان کو سمجھ آئے گی (کافر اپنی کوتاہی سمجھ لے گا) اور اس وقت سمجھنے کا کیا موقعہ (استفہام نفی کے معنی میں ہے۔یعنی اس روز سمجھنا مفید نہیں ہوگا) وہ کہے گا (اس سمجھنے کو یاد کر کے) اے کاش (تنبیہ کے لیے ہے) میں نے پیشگی (بھلائی اور ایمان کا) کچھ کام کیا ہوتا اپنی اس زندگی کے لیے (آخرت کی بہترین زندگی کے لیے یا دنیاوی زندگی میں رہتے ہوئے) پھر اس دن نہ تو کوئی عذاب دے سکے گا (لایعذب کسرہ ذال کے ساتھ ہے) اللہ کے عذاب جیسا عذاب (یعنی وہ اللہ کے سوا کسی کے حوالہ نہیں کیا جائے گا) اور نہ کوئی باندھنا کوئی باندھے گا (وثاقه کسرۂ ثا کے ساتھ ہے) اللہ جیسا باندھنا (ایک قرأت میں فتحہ ذال، فتحہ ثا کے ساتھ ہے۔اس صورت میں عذابه اور وثاقه کی ضمیر کافر کی طرف راجع ہوگی حاصل یہ ہے کہ اللہ کا ساعذاب کوئی نہیں کر سکے گا اور نہ اس کا سا باندھنا کوئی کر سکے گا) اے نفس مطمئن! (مامون یعنی مومن) چل اپنے رب کی طرف (مرنے کے وقت یہ کہا جائے گا یعنی اللہ کے حکم وارادہ کی طرف جا) اس طرح کہ تو اس سے (ثواب پر) خوش اور وہ تجھ سے خوش (تیرا عمل اللہ کے یہاں مقبول ہونے کی وجہ سے۔یعنی تجھ میں دونوں خوبیاں ہو گئیں یہ دونوں حال ہیں اور قیامت کے روز اس نفس مطمئن سے کہہ دیا جائے گا) پھر تو میرے (نیک) بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں (ان کے ساتھ) داخل ہو جا۔

تحقیق وترکیب: .... مكية. جمہور کے نزدیک سورۂ فجر مکی ہے۔لیکن علی بن ابی طلحہؒ کے نزدیک مدنی ہے۔

والفجر. بقول ابن عباسؓ روزانہ کی فجر مراد ہے یا نماز فجر یا یوم النحر یا محرم کے پہلے دن کی فجر مراد ہے۔

ليال عشر. امام احمدؒ کی مرفوع روایت میں ذی الحجہ کا عشرہ مراد ہے۔مجاہدؒ، قتادہؒ، ضحاکؒ کا قول بھی یہی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ عشرہ محرم مراد ہے یا رمضان کا عشرہ اخیر مراد ہے۔

والشفع والوتر. تمام عالم مراد ہے۔کیونکہ کوئی چیز ان دو حال سے خالی نہیں ہے۔یا شفع سے مراد مخلوق ہو۔جیسا کہ من كل شيء خلقنا زوجين فرمایا گیا ہے۔اور وتر سے مراد اللہ تعالیٰ ہوں۔چنانچہ روایت ہے ان الله وتر ويحب الوتر. اور بعض نے شفع سے عناصر اربعہ یا بارہ برج مراد لیے ہیں اور وتر سے مراد سات آسمان یا سات سیارے لئے ہیں اور بعض نے شفع اور وتر نمازیں مراد لی ہیں اور بعض نے شفع سے دسویں ذی الحجہ اور وتر سے نویں ذی الحجہ مراد لی ہے۔مرفوع روایت کی وجہ سے حمزہؒ اور کسائیؒ کے علاوہ قراءؒ نے الوتر فتحہ ثانی کے ساتھ پڑھا ہے اور جبر و خبر کی طرح وتر میں بھی دونوں لغت ہیں۔

اذا يسر. مطلقاً چلنا یا رات کو چلنا۔اس میں یا تخفیفاً حذف کر دی گئی اور رؤس آیات کی وجہ سے کسرہ پر اکتفا کر لیا گیا ہے۔

لیکن نافعؒ، ابو عمرؒ تواصل کی رعایت کرتے ہوئے صرف حالت وقف میں حذف کرتے ہیں اور ابن کثیرؒ، یعقوبؒ بالکل حذف نہیں کرتے اور قراءت میں یسر تنوین کے ساتھ ہے۔

فی ذٰلك قسم. ذٰلك سے قسم یا مقسم بہ کی اشارہ ہے۔ یہ استفہام تقریری ہے جیسے کہا جائے **الم انعم علیک** جب کہ مخاطب پر انعام کر چکا ہو۔ یا تاکید مقصود ہو کہ اگر عقل مند ہو گے تو اس قسم کی عظمت کو سمجھو گے۔

حجر کے معنی منع کرنے اور روکنے کے ہیں۔ عقل بھی چونکہ برائیوں سے باز رکھتی ہے اس لیے عقل کو حجر کہا گیا ہے۔ مفسرؒ جواب قسم محذوف مان رہے ہیں۔

بعاد. یعنی عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح قوم عاد ہوئیں۔ جس طرح بنو ہاشم اپنے جد اعلیٰ کے نام سے موسوم ہیں۔ اسی طرح عاد قوم کے جد اعلیٰ کا نام ہے۔

ارم. ارم بن سام کی طرف منسوب عاد اولیٰ مراد ہیں یا ارم شہر کی طرف منسوب عاد اخریٰ مراد ہیں۔ بہر حال بتقدیر مضاف عطف بیان ہوگا یا بدل۔

ذات العماد. بلند عمارت یا بلند مرتبت تھے اور بعض کے نزدیک عاد کے دو بیٹے تھے۔ شداد اور شدید دونوں میں ملکی اقتدار پر جنگ ہوئی۔ شدید مارا گیا اور شداد سلطنت پر قابض ہوگیا۔ اسی نے اپنے نام پر عدن میں جنت شداد بنائی تھی۔ جس کا نام ارم رکھا۔ بدقسمتی یہ ہوئی کہ اپنی اس جنت میں اس کو داخل ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ کہ صیحہ آسمانی سے ہلاک ہوگیا۔ اور عبداللہ بن قلابہ کہتے ہیں کہ اپنے اونٹ کی تلاش میں نکلا کہ ہلاک ہوگیا۔ لیکن محققین مفسرین ان سب باتوں کو ناقابل اعتبار اسرائیلی افسانے قرار دیتے ہیں۔

وثمود. پہاڑوں کو تراش کر رہائشی بستیاں بنانا سب سے پہلے ثمود نے کیا ہے۔ سترہ سو اور بعض کے نزدیک سات ہزار بستیاں بسائیں۔

وادیٔ قریٰ. شام کی جانب مدینہ کے قریب حصہ کو وادیٔ قریٰ کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک پہاڑوں کے درمیانی حصہ کو وادی کہتے ہیں۔

ذی الاوتاد. وتد کھونٹے کو کہتے ہیں۔ کھونٹوں کی کثرت سے مراد لشکر ہے یا مجرم کولٹا کر چاروں ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھوکنے کی سزا مراد ہے۔ جس کو چومیخا کرنا کہتے ہیں۔

سوط عذاب. قسم قسم کا عذاب مراد ہے یا چمڑے کے کوڑوں کی سزا ہے۔ سوط کے معنی خلط کرنے اور ملانے کے ہیں اور بعض اس کو تشبیہ پر محمول کرتے ہیں کہ ان کو دنیاوی سزا اخروی سزا کے مقابلہ میں ایسی ہوئی جیسے کوڑے تلوار کے مقابلہ میں۔ **بالمرصاد.** رصد سے مفعال کے وزن پر ایسا ہی ہے جیسے وقت سے میقات گھات کے معنی میں اور بعض نے اس کو مطعان کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ مانا ہے۔ اس میں یا تجرید کے لیے ہے۔

فاما الانسان. اس کا تعلق ان ربك لبالمرصاد کے ساتھ ہے گویا بقول قاضی عبارت اس طرح ہے۔ **لقد بعاالمرصاد فی الأخرة فلایرید الاالسعی لها فاما الانسان فلایرید الاالدنیا ولذاتها.** میں فا متضمن نفی شرط کو ہے اور اذا ظرفیہ ہے۔

کلابل لاتکرمون. فراءؒ کہتے ہیں کہ یہاں کلا بمعنی **لم یکن ینبغی للعبد ان یکون ھکذا** ہے۔ ابن عامر اور کوفی **اکرمن** اور **اھانن** وقف اور وصل دونوں حالتوں میں بغیر یا کے پڑھتے ہیں اور نافع حالت وقف میں بغیر یا کے پڑھتے ہیں اور ابن عامرؒ فقدر تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

ولا تحاضون یعنی ان کا فعل ان کے قول سے زیادہ برا ہے۔ اور کوئی لاتحاضون کی بجائے لایحاضون پڑھتے ہیں۔اس کا مفعول تعمیم کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے جیسا کہ مفسرؒ نے اشارہ کیا اور یہی کہہ سکتے ہیں کہ ملزوم کو لازم کرلیا گیا ہے۔

اکلالما لما۔ کے معنی جمع کرنے کے ہیں یعنی حرام حلال کو جمع کرنے میں عورتوں اور بچوں کا حق مارتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ حلال وحرام کو جانتے ہوئے بھی دونوں میں فرق نہیں کرتے۔

دکاً دکاً یہ تاکید نہیں ہے بلکہ استیعاب کے لیے جیسے اتیتہ با با با با کہا جائے۔

وجاء ربك مفسرؒ مضاف مقدر مان رہے ہیں۔ لیکن بغیر تقدیر مضاف کے معنی بھی صحیح ہوسکتے ہیں۔ حق تعالیٰ کا آنا اس کے شایانِ شان ہوگا۔ یا جلوہ فرمانے کے معنی ہیں پہلی توجیہ حسنؒ سے منقول ہے اور زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ یہ اظہار حکومت کا عنوان ہے بطور تمثیل کے۔

وجیئی یومئذ ابن مسعودؓ کی رائے مفسرؒ کی تائید میں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دوزخ کے آنے سے جمع ہونا مراد ہے اور بعض حضرات اظہار دوزخ مراد لے رہے ہیں۔

وانی له الذکری یعنی نصیحت حاصل ہوگی مگر مفید اور نافع نہ ہوگی۔ اب دونوں جملوں میں تضاد نہیں رہا۔ جو حضرات توبہ کے غیر واجب القبول ہونے کے قائل ہیں۔ وہ اس سے استدلال کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ تذکر توبہ ہے مگر قبول نہیں ہے۔

لحیاتی لام تعلیلیہ ہے یا توقیت کے لیے ہے۔ جیسے **اقم الصلوٰة لدلوك الشمس** میں لام توقیتہ ہے۔ صاحب کشافؒ نے اس سے بندہ کے با اختیار اور صاحب قدرت ہونے پر استدلال کیا ہے۔ لیکن قاضی بیضاویؒ نے اس کو رد کردیا۔ کیونکہ تمنی کے لیے کسی چیز کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔ معدوم کی تمنا بھی ہوسکتی ہے۔

لایعذب عذابه عذابه اور وثاقه کی ضمیریں اللہ کی طرف راجع ہیں۔ یعنی قیامت میں عذاب و وثاق کا مکمل اختیار صرف اللہ کو ہوگا اور یہ ضمیریں انسان کی طرف اگر راجع ہوں تو معنی ہوں گے کہ انسان کو اللہ جیسا عذاب کوئی نہیں دے سکے گا۔ کسائی اور یعقوبؒ نے ان دونوں الفاظ کو مجہول پڑھا ہے۔

یاایتها النفس سلسلہ اسباب وہبیات میں نفس انسانی واجب الوجود کی طرف ترقی پذیر رہتا ہے اور وصول الی اللہ تک مضطرب رہتا ہے۔ وصول الی اللہ ہونے تک اس کو اطمینانی کیفیت میسر آتی ہے اور اس کا اضطراب اور بے قراری اطمینان سے تبدیل ہوجاتی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ حق الیقین حاصل ہوجانے کے بعد شکوک و شبہات سے نفس مطمئن ہوجاتا ہے اور ایک قراءت ایتھاالنفس الآمنة کی ہے یعنی بےخوف وخطر نفس جس کو آخرت میں رنج وحزن نہیں ہوگا۔ یہ ندا منجانب اللہ یا منجانب الملائکہ ہوگی۔

ارجعی الی ربك لفظ رجوع سے بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ ارواح عالم قدس میں ابدان سے پہلے موجود تھیں کیونکہ رجوع پہلی حالت پر لوٹنے کو کہتے ہیں۔ لیکن بعث بھی مراد ہے جس میں پہلی جیسی حالت پیدا ہونا ہوگا۔

فادخلی فی عبادی مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ نفس سے ذات مراد ہے اور بیضاویؒ نے اشارہ کیا ہے کہ نفس سے روح مراد ہے اور بعض نے تقدیر عبارت اس طرح مانی ہے۔ **فی جسد او فی زمرة عبادی** اور ابن عباسؓ وعکرمہؒ نے **وجماعة فی عبدی** پڑھا ہے۔ پہلا فادخلی انی کے ذریعہ اور دوسرا فادخلی متعدی فی نفسہ ہو رہا ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں ظرف حقیقی نہیں ہے۔ **دخلت فی غمار الناس** کی طرح ہے اور دوسری صورت میں ظرف حقیقی ہے۔ لیکن نفس سے بعض مومنین مراد ہوں گے۔ جو زمرہ عباد صالحین میں داخل ہوں گے۔ لیکن نفس سے اگر روح مراد ہو تو پھر ظرفیت حقیقی ہوجائے گی۔ **عبادی** میں اضافت تشریفی ہے۔

ربط آیات: ....سورۂ غاشیہ میں نیک وبدانسانوں کی مجازات کا ذکر تھا۔سورہ فجر میں ان اعمال کا ذکر زیادہ تر مقصود ہے جو جزاو سزا میں دخیل ہیں اور بطور عقیدہ تباہ قوموں کا ذکر ہے جو اعمال بد کا شکار ہوئے۔اور آخرت میں تمہ کے طور پر اچھے بروں کی بعض جزا کا بیان ہے۔یہ سورت بھی مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی ہے اور وجہ تسمیہ واضح ہے۔

روایات: ....**والفجر**. ابن عباسؓ روانہ کی صبح مراد لیتے ہیں یا یوم النحر یا پہلی محرم کی فجر مراد ہے۔

ولیال عشر. امام احمدؒ کی مرفوع روایت ہے کہ ذی الحجہ کا عشرہ مراد ہے۔دوسری روایت محرم کے پہلے عشرہ کی ہے۔

والشفع والوتر. جابرؓ کی مرفوع روایت ہے کہ عشرہ سے عشرہ ذی الحجہ مراد ہے۔اور شفع سے یوم النحر اور وتر سے عرفہ کا دن مراد ہے۔اور عمرانؓ بن حصین نماز مراد لیتے ہیں۔خواہ شفع نماز ہو یا وتر رکعت اور بعض شفع سے مخلوق اور وتر سے اللہ مراد لیتے ہیں۔

وجآئ یومئذ بجهنم. ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ ستر ہزار لگاموں میں جہنم کو تھام کر لایا جائے گا اور عرش کے بائیں جانب روک دیا جائے گا۔ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ اس آیت کے اترنے پر آنحضرتؐ کے چہرہ کا رنگ فق ہو گیا اور صحابہؓ کو بھی شاق گزرا۔حضرت علیؓ نے دریافت فرمایا کہ جہنم کس طرح لائی جائے گی۔**قال یوتی بھاتقاد بسبعین الف زمام یقود بکل زمام سبعون الف ملک فتشرد شردةلوترکت لاحترقت اهل للجمع ثم تعرض لی جهنم فتقول مالی ولک یا محمد ان الله قد حرم لحمک علی فلایبقی احد الاقال نفسی الامحمد فیقول یارب امتی امتی.**

یاایتها النفس المطمئنة. معرفت ویقین اور شہود کے بعد نفس نور قلب سے منور ہو جائے گا۔اور رذائل نفس نکل کر فضائل حمیدہ سے متصف ہو جائے گا۔

عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔**اذا توفی العبدالمؤمن ارسل الله له ملکین وارسل الیه بتحفة من الجنة فیقول اخرجی ایتهاالنفس المطمئنة اخرجی الی روح وریحان وربک راض فتخرج کاطیب ریح مسک وجده احدفی انفه والملائکة علی ارجاء السماء یقولون قد جاء من الارض روح طیبة ونسمة طیبة فلاتمرباب الافتح لها ولا بملک الاصلی علیها ثم یوتی بهاالی الرحمٰن جل جلاله فتسجد له ثم یقال لمیکائیل اذهب بهذه النفس فاجعلها مع النفس المومنین ثم یومر فیوسع علیه قبره سبعین ذرا عا عرضه وسبعون ذرا عاطوله فان کان معه شئی من القرأن کفاه نوره وان لم یکن جعل له نورا فی قبره مثل الشمس ویکون مثله مثل العروس ینام فلایوقظه الااحب اهله الیه واذاتوفی الکافر ارسل الله له ملکین و ارسل معهاقطعة من کساء انتن من کل انتن اخشن من کل خشن فیقال ایتها النفس الخبیثة اخرجی الی جهنم وعذاب الیم وربک علیک غضبان وروی عن ابی بکرؓ انه سال عن ذلک رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال ان الملک سیقولها لک عندموتک وقال الحسن اذاارادالله قبضها اطمانت الی الله ورضیت عن الله ورضی الله عنها.**

ارجعی الی ربك.**قال ابن عباس و ابن مسعود ارجعی یانفس الی صاحبک ای جسدک الذی کنت فیه فیامرالله الا رواح ان ترجع الی الاجساد.** عکرمہؒ ضحاکؒ کلبیؒ کا قول بھی یہی ہے۔ابن جریرؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... اس سورت کا مضمون بتلا رہا ہے کہ مکہ کے مسلمانوں پر ظلم کی چکی چلنی شروع ہو چکی تھی۔ اسی لیے عاد وثمود اور فرعون کے انجام سے خبر دار کیا گیا ہے۔

چار قسمیں اوران کی نوعیت: .... والفجر ۔ متعدد قسمیں کھا کر یقین دلایا جا رہا ہے کہ محمد رسول اللہ کا پیغام برحق ہے۔ کیا کسی صاحب فہم کے لیے یہ قسمیں کافی نہیں ہیں کہ آپ کے پیغام حق کے یقین دلانے کے لیے کیا پھر بھی کسی قسم کی ضرورت رہ جاتی ہے۔

و الیل اذا یسر ۔ شب معراج میں حضورؐ کے تشریف لے جانے کی قسمیں کھائی گئی ہیں۔ عام مفسرینؒ نے اس کے معنی رات کے گزرنے یا اس کی تاریکی پھیلنے کے لیے ہیں۔ گویا صبح کے مقابلہ میں طاق کی قسم کھائی گئی۔ اور لیال عشر سے بھی ممکن ہے۔ مطلقاً دس راتیں مراد ہوں۔ چنانچہ ان کے افراد ومصادیق میں بھی تقابل پایا جاتا ہے۔ مہینہ کے شروع کی دس راتوں کا حال یہ ہے کہ وہ اول میں روشن ہوئی ہیں پھر تاریک ہو جاتی ہیں۔ لیکن اخیر کی دس راتوں کا حال ان کے برعکس ہوتا ہے کہ وہ ابتداء میں تاریک رہتی ہیں پھر روشن ہو جاتی ہیں۔ اور درمیان کی دس راتوں کا حال...... ان دونوں سے جداگانہ ہے۔ انسان کو بھی اسی طرح اپنے عیش وآرام میں مگن اور مصیبت وآلام کی مستقل گھٹن میں نہیں رہنا چاہیئے یہ سمجھ کر کہ اب یہ حالت بدل کر دوسری حالت میں پیش نہیں آسکتی۔ بلکہ یہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ جس طرح عالم میں اللہ نے ہر چیز کا مقابل پیدا کیا ہے۔ اسی طرح مختلف متضاد احوال میں بھی وہ اپنی حکمت کی ادل بدل کرتا رہتا ہے۔ اس لیے آدمی کو کسی ایک حال پر مطمئن ہو کر بیٹھ رہنا چاہیئے۔

فجر کا وہ سہانا وقت جب صبح کی پو پھٹتی ہے اور رات کی اندھیری میں سے دن کی روشنی ایک سفید دھاری کی شکل میں مشرق کی طرف دکھائی پڑتی ہے۔ اول اس کی قسم کھائی۔ پھر دس راتوں کی قسم کھائی۔ یہ کون سی راتیں ہیں؟ مہینہ کی تینوں دہائیوں پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ پورے مہینہ کی راتیں اس میں آسکتی ہیں۔ کیونکہ پہلی دس راتوں میں چاند ایک باریک ناخن کی شکل سے شروع ہو کر آدھے سے زیادہ تک روشن ہو جاتا ہے۔ دوسری دہائی میں راتوں کا زیادہ حصہ منور رہتا ہے اور آخری دہائی میں چاند چھوٹے سے چھوٹا اور راتیں تاریک سے تاریک ہوتی جاتی ہیں اس طرح نور وظلمت کچھ فرق کے ساتھ پورے مہینہ دائر وسائر رہتی ہے۔ پھر جفت وطاق کی قسم کھائی۔ اس میں کائنات کی سب چیزیں آسکتی ہیں۔ کیونکہ ہر چیز یا تو جوڑ والی ہے یا بے جوڑ۔ تاریخیں بھی طاق اور جفت ہوتی ہیں۔ غرضیکہ دن ورات کا ہر تغیر ایک نئی کیفیت لے کر آتا ہے۔ آخر میں رات کی قسم کھائی جب وہ سِٹک رہی ہوتی ہے اور دنیا پر چھائی ہوئی اندھیری صبح کی پو پھٹنے سے رخصت ہو رہی ہے اور یہ چاروں قسمیں اس پر کھائی گئی ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا پیغام جزا وسزا برحق ہے۔ کیونکہ جن چیزوں کو قسمیں کھائی گئی ہیں۔ ان کو دیکھ کر کائناتی نظام میں بے تکا پن معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر کام میں ایک قرینہ اور سلیقہ معلوم ہوتا ہے۔ کائنات کی ہر نقل وحرکت بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں کا پتہ دیتی ہے۔ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے منصوبہ بند طریقہ پر ہو رہا ہے۔ یہ نہیں کہ ابھی رات ہو رہی ہے اور ابھی اچانک سورج سر پر کھڑا ہو۔ یا ہلال یکایک چودھویں کا چاند بن جائے۔ یا رات مستقل طور پر ڈیرے ڈال لے اور سرکنے کا نام ہی نہ لے۔ یا دونوں میں تبدیلی کا کوئی باقاعدہ نظم ہی نہ ہو اور تاریخوں کا کیلنڈر جام ہو کر رہ جائے۔ غرض کہ انسان دن ورات کی اس گردش کی باقاعدگی کو اگر آنکھیں کھول کر دیکھ لے اور دماغ کو کچھ سوچنے کی تکلیف بھی دے تو اسے قدم قدم پر نظر آئے گا کہ یہ زبردست نظم وضبط ایک قادر مطلق کا قائم کردہ ہے۔ جس کے قیام سے مخلوق کی بے شمار مصلحتیں وابستہ ہیں۔ پس اب بھی اگر کوئی جزا وسزا کا انکار کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ خدا کو اس ساری کائنات کو ایک بار بنانے پر تو قادر مانتا ہے مگر دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں مانتا۔ کہ اسے سزا وجزا کے لیے پیش ہونا پڑے۔ یا پھر وہ خدا کو حکیم ودانا نہیں مانتا۔ بلکہ سمجھتا ہے کہ اسنے

انسان کو یوں ہی بے مقصد بنا ڈالا۔ کہ کھاپی کر یوں ہی ایک دن ختم ہو جائے اور کچھ حساب کتاب دینا نہ پڑے۔اور ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی بات سوچ لینے والا شخص بڑا احمق ہی ہوسکتا ہے۔

قیامت کے واقع ہونے پر تاریخ سے استدلال:............ **الم تر کیف فعل ربك** ۔رات دن کے اس تمام سے استدلال کے بعد اب جزاوسزا کے یقینی ہونے پر تاریخی واقعات کو شہادت میں پیش کیا جارہا ہے۔ان چند معروف قوموں کی افسوسناک بربادی سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ کائناتی نظام کسی اندھے بہرے قانون فطرت پر نہیں چل رہا۔ بلکہ دانش و بینش اور حکمت و مصلحت سے لبریز قانون کارفرما ہے۔اور قانون فطرت کے ساتھ قانون اخلاقی بھی دائر وسائر ہے۔جس کا لازمی تقاضا مکافات عمل اور جزاوسزا ہے۔جن قوموں نے بھی آخرت سے بےفکراور سزا جزا کے خیال سے بے گانہ ہو کر نظام زندگی بنایا چلایا۔انہیں انجام کار تباہی و بربادی کا منہ دیکھنا پڑا۔اور آخر کاران پر عذاب کا کوڑا برسایا مسلسل تاریخی تجربہ بتلا رہا ہے کہ آخرت کا انکار بالآخر تباہی کا سبب بنتا رہا ہے۔پس آخرت ایک حقیقت ہے اور جس طرح کسی بھی حقیقت سے ٹکرانے کا انجام بُرا ہوا کرتا ہے اسی طرح عقیدۂ آخرت سے ٹکرانے کا انجام بھی یقیناً بُرا ہوگا۔ نیز جن لوگوں پر عذاب کا کوڑا برسا ان سے صدیوں پہلے بہت سے لوگ اس فساد کے بیج بو کر دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اوران پر کوئی عذاب نہ آیا تھا۔خدا کے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ کسی وقت ان سب کی باز پرس بھی ہو اور وہ بھی اپنے کیے کی سزا پائیں ان دونوں سچائیوں کا سراغ ان گزشتہ واقعات میں صاف طور پر ملتا ہے۔

عاد، ارم کون تھے؟:............ **بعاد ارم.** عاد ایک شخص کا نام ہے جس کی طرف اس کی نسل کی نسبت کرتے ہوئے قوم عاد کہا جاتا ہے۔حضرت ہودؑ اس قوم کی طرف مبعوث ہوئے لیکن قوم نے جب ان کی دعوت کی مخالفت کی تو ان پر عذاب کا کوڑا برسایا گیا اور وہ ہلاک ہوئے جن کو سورہ نجم میں **وانه اهلك عادا الاولیٰ** کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے۔

ارم بھی ایک شخص کا نام تھا جو عاد کے اجداد میں سے تھا''عاد ارم'' کی اضافت متقدمین عاد کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے اور اس قوم کے جو لوگ بچ بچا کر کہیں نکل گئے اور بعد میں ان کی نسل آباد ہوئی۔ان کو''عاد اخریٰ'' کہا جاتا ہے۔یا کہا جائے کہ قدیم عاد کے یہ لوگ سامی نسل کی اس شاخ سے تعلق رکھتے ہوئے جو ارم بن سام بن نوح علیہ السلام سے چلی تھی''قوم ثمود'' بھی اسی سامی نسل کی ایک ضمنی شاخ ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ قوم عاد میں شاہی خاندان کو ارم کہا جاتا تھا۔اور''ذات العماد''ان کو اس لیے کہا گیا کہ سب سے بلند ستونوں یا بلند عمارتوں یا بلند خیموں کے موجد یہی لوگ تھے یا ان کے غیر معمولی ڈیل ڈول کی وجہ سے ان کو یہ لقب ملا۔دنیا میں غیر معمولی طاقت وقوت اور عالی شان عمارتوں کی وجہ سے ان کو بے مثال سمجھا گیا ہے۔اس وقت دنیا میں ان کی ٹکر کی دوسری کوئی قوم نہ تھی۔

وثمود. اس قوم نے جن پہاڑوں کو تراش تراش کر مضبوط عمارتیں بنائیں۔اس حصہ کو وادی قریٰ کا نام دیا گیا۔

وفرعون ذی الاوتاد. ذی الاوتاد کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں ممکن ہے اس کے عظیم لشکر کو خیموں سے تشبیہ دیتے ہوئے ذی الاوتاد کہا گیا ہے۔تخت سلطنت کے لیے لشکر ہی کیل کانٹے ہوتے ہیں۔یا لشکروں کی کثرت بیان کرنی ہو کہ جہاں جس طرف نظر اٹھاؤ ان کے کھونٹے گڑے ہوئے اوران کے خیمے نصب رہتے تھے یا ان کے چومیخا کرنے کی سزا کی طرف اشارہ ہو جس سے لوگوں پر ان کا رعب داب قائم ہو گیا تھا اور''اہرام مصر'' بھی مراد ہو سکتے ہیں جو میخوں کی طرح زمین پر صدیوں سے بنے کھڑے ہیں اور فراعنہ مصر کی یاد تازہ کر رہے ہیں۔

سرکش قوموں کا انجام: .... الذین طغوا فی البلاد ۔ یعنی ان قوموں نے عیش وعشرت اور زور وقوت کے نشہ میں مست ہو کر دنیا میں خوب اودھم مچائی اور ایسا سر اٹھایا کہ گویا کوئی ان کے سروں پر حاکم ہی نہیں ہمیشہ دنیا میں یوں ہی مزے کرنا ہے اور کبھی اس ظلم وشرارت کا خمیازہ انہیں بھگتنا نہیں پڑے گا۔ آخر جب ان کے کفر وشرک اور جور وستم کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور مہلت ودر گزر کا کوئی موقع باقی نہ رہا۔ پانی سر سے گزر گیا۔ دفعتۃً خدائے قہار نے ان پر اپنے عذاب کا کوڑا برسا دیا اور ان کی سب قوت وطاقت خاک میں ملادی اور ان کا ساز وسامان کچھ کام نہ آیا۔

ان ربك لبالمرصاد. یعنی جس طرح کوئی موقعہ تاک کر اور گھات لگا کر بیٹھتا ہے کہ موقعہ ملنے پر مناسب تدبیر سے چوکتا نہیں ہے۔ یہی صورت حال ان ظالموں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی ہے جو دنیا میں فساد برپا کیے رکھتے ہیں۔ انہیں قطعاً اس کا کوئی احساس نہیں ہوتا کہ خدا ہماری پوری حرکات کو دیکھ رہا ہے۔ وہ نہایت بے خوفی اور بے فکری سے روز بروز زیادہ سے زیادہ شرارتیں کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ حد آجاتی ہے جس سے آگے اللہ انہیں بڑھنے نہیں دینا چاہتا۔ اسی وقت اچانک ان پر عذاب کا کوڑا برسنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس وقت پتہ لگتا ہے کہ وہ سب ڈھیل تھی۔

ناشکرا اور بے صبر انسان: .... فاما الانسان. کردار کے بعد اب انسان کے گفتار کا حال بتلایا جا رہا ہے۔ چنانچہ انسان کی عام اخلاقی حالت پر تنقید کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ جن لوگوں پر یہ رویہ ہو بھلا ان سے کیوں نہ باز پرس کی جائے اور عقل کس طرح اس بات کو معقول باور کر سکتی ہے کہ انسان سب کچھ کر کے دنیا سے رخصت ہو جائے اور اسے نتائج عمل بھگتنے نہ پڑیں۔

فیقول ربی اهانن. اصل یہ ہے کہ اس دنیا کی موجودہ راحت وتکلیف ہی کو عزت اور ذلت کا معیار سمجھتا ہے اور نہیں جانتا کہ دونوں حالتوں میں اس کی آزمائش ہو رہی ہے۔ نعمت سے نواز کر اس کی شکر گزاری کو اور مصیبت کو بھیج کر اس کے صبر ورضا کی جانچ کی جا رہی ہے۔ یہاں کا عارضی عیش وآرام معزز ومقبول ہونے کی دلیل نہیں ہے اور نہ محض تنگی اور سختی مردود ہونے کی علامت ہے۔ بلکہ اصل معیار فرمانبرداری اور نافرمانی ہے۔ مگر انسان اپنے اعمال وافعال پر نظر نہیں کرتا اور الٹا اللہ رب العالمین پر الزام دھرتا ہے۔ انسان کی یہ کتنی کوتاہ نظری ہے کہ دنیا پر اس قدر ریجھا ہوا ہے کہ کوئی چیز اسے ملتی ہے تو بھول جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ مجھے خدا نے عزت دار بنادیا ہے اور نہ ملے تو کہتا پھرتا ہے کہ خدا نے مجھے ذلیل کر دیا۔ حالانکہ اصل وہ نہیں ہے جسے وہ سمجھ رہا ہے۔ بلکہ یہ دنیا صرف آزمائش گاہ ہے۔ کسی کو دے کر آزمائش کی جا رہی ہے اور کسی سے چھین کر آزمائش کی جا رہی ہے۔ دولت وطاقت دینے میں اس کا امتحان ہے۔ کہ دیکھیں یہ شکر گزاری کرتا ہے یا ناشکری۔ تنگ دستی اور اخلاص دے کر یہ جانچ کرنی ہے کہ یہ صبر وقناعت کے ساتھ راضی برضا رہتا ہے۔ یا جزع فزع سے کام لیتا ہے۔ یا شکوے شکایت کرتا پھرتا ہے۔ حدود جواز میں رہتے ہوئے اپنی مشکلات کا مقابلہ کرتا ہے یا اخلاق و دیانت کی سب حدیں پھلانگ جاتا ہے اور خدا پر الٹا الزام دھرنے لگتا ہے۔

ایک بہت بڑا دھوکہ: .... کلا بل لا تکرمون الیتیم. یعنی جب تم یتیموں، مسکینوں کی عزت نہیں کرتے تو اللہ کے یہاں تمہاری عزت کیوں ہو؟ عزت وذلت کا معیار وہ نہیں جو تم نے سمجھ رکھا ہے، یعنی دنیا کا ملنا نہ ملنا۔ تم سخت دھوکہ اور غلط فہمی میں ہو کر اخلاقی بھلائی اور برائی کی بجائے مالی اونچ نیچ کو معیار بنا رکھا ہے۔ کسی کا باپ زندہ رہتا ہے۔ تب تو تمہارا برتاؤ ان بچوں کے ساتھ اور ہوتا ہے۔ اور جب باپ مر جاتا ہے تو ایک دم تمہاری نظر پھر جاتی ہے، نگاہیں بدل جاتی ہیں۔ خود اپنے پیسے سے مسکین کی خبر گیری کی توفیق تو کیا ہوتی۔ محتاجوں کی خبر گیری کے لیے دوسروں کو بھی اکسایا نہیں جاتا، غرض نہ خود تم بھوکے ننگوں کو کھلانے پلانے پر آمادہ ہوتے ہو اور نہ

دوسروں کو اس کی ترغیب دی جاتی ہے۔

وتاکلون التراث. مرے مردوں کی میراث لینے میں حلال وحرام حق ناحق کی کچھ تمیز نہیں کرتے۔عورتوں اور بچوں کو میراث سے محروم رکھتے ہو اور سمجھتے ہو کہ میراث صرف مردوں کا حق ہے۔جو کنبہ کی حفاظت کرتے ہیں۔لڑائیاں لڑتے ہیں۔ان میں جو زیادہ اثر ورسوخ رکھتے ہیں۔وہ ساری میراث سمیٹ لیتے ہیں۔یتیموں مسکینوں کا حصہ بھی ہڑپ کر لیتے ہیں۔حقوق واخلاق کی کوئی اہمیت ان کی نظر میں نہیں رہ گئی تھی۔جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ تھا۔

مال کی محبت ہی سب سے بڑا فتنہ ہے:............ وتحبون المال. یعنی اصل جڑ کی بات یہ ہے کہ تمہارا دل محبت وحرص سے لبریز ہے۔جائز، ناجائز، حلال وحرام کی تمہیں کوئی فکر نہیں۔بس کسی طرح مال ہاتھ آنا چاہئے اور ایک پیسہ بھی کسی کارِ خیر میں خرچ نہیں ہونا چاہیے۔مال ودولت کی اتنی محبت جو پرستش کی حد تک پہنچ جائے۔وہ کافر ہی کا شیوہ ہو سکتا ہے۔ کلا اذا دکت. یعنی تم دنیا میں سب کچھ کرتے رہو اور اس کی باز پرس کا وقت کبھی نہ آئے یہ تمہارا خیال غلط ہے۔جزا وسزا کی بات کوئی خیالی بات نہیں ہے۔بلکہ وہ ہو کر رہے گی۔یہ سارا نظام عالم بکھر جائے گا۔سب ٹیلے اور پہاڑ کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے اور زمین ایک ہموار چٹیل میدان ہو کر رہ جائے گا۔

وجاء ربك. حق تعالیٰ کے آنے کا مطلب اس کی قہری تجلی ہے جو اس کے شایانِ شان ہوگی اور فرشتوں کی قطاریں انتظامات پر مامور ہوں گی۔جہنم کو بھی اپنی جگہ سے کھینچ کر لایا جائے گا۔

یوم یتذکر الانسان. اس وقت انسان سمجھے گا کہ میں دنیا میں کیا کر کے آیا ہوں اور اپنی غفلت اور غلطیوں پر نادم ہوگا۔مگر اس کی ندامت لاحاصل۔جب سوچنے سمجھنے کا موقعہ ہاتھ سے نکل چکا۔آخرت دار العمل نہیں، بلکہ دار الجزا ہے۔اسے ہوش تو آیا اور وہ سمجھا کہ انبیاء کا راستہ ہی صحیح تھا اور اس کی راہ غلط مگر اس وقت ہوش میں آنے اور نصیحت پکڑنے کا کیا فائدہ؟

یقول یالیتنی قدمت لحیاتی. یعنی آخرت میں جب غفلت کا پردہ چاک ہو کر حقیقت سامنے آئے گی اس وقت انسان پکار اٹھے گا کہ افسوس میں نے دنیا سے کوئی نیکی یہاں نہیں بھیجی جو آج یہاں کام آتی۔کاش خالی ہاتھ آنے کی بجائے کچھ نیکیاں ہاتھ لے ہوتیں تو یہ پچھتاوا نہ ہوتا۔

فیومئذ لایعذب. اس روز اللہ کی طرف سے ایسی سخت سزا اور قید ہوگی جس کی کہیں کوئی مثال نہیں ملتی۔جسمانی اذیت کے ساتھ انتہائی روحانی کرب وبے چینی ناقابل بیان ہوگی۔

نفس مطمئنہ کیا ہے؟:............ یاایتھا النفس المطمئنة. طاغوت اور مجرموں کے حال کے بعد ان اطاعت شعار اور وفا کیش لوگوں کا ذکر ہے۔جنہیں دنیا میں اللہ کی یاد سے چین واطمینان ملتا رہا۔وہاں ان کے نفس سے کہا جائے گا کہ جس محبوب حقیقی سے تو لو لگائے رہا اب اسی کے مقام قرب کی طرف چل۔اس کے پسندیدہ بندوں کے زمرہ میں شامل ہو اور جنت العالیہ میں داخل ہو جا۔بعض روایات میں ہے کہ یہ بشارت مومن کو دنیا ہی میں سنادی جاتی ہے۔بعض عارفین کو اس کا مشاہدہ بھی ہوا ہے اور ممکن ہے کہ بشارت موت کے وقت ہی ہو اور قیامت اور بعث کے وقت بھی ہو اور اللہ کی عدالت میں پیشی کے وقت بھی ہو۔ہر مرحلہ پر اسے اطمینان دلایا جائے گا کہ تو اللہ کی رحمت کی طرف جا رہا ہے۔اس لیے گھبرانے کا سوال ہی نہیں۔نفس مطمئنہ، نفس لوامہ، نفس امارہ، کی تحقیق سورہ قیامت میں گزر چکی ہے۔

خلاصۂ کلام: .... اہل مکہ آخرت کی جزاء سزا کے بالکلیہ منکر تھے۔اس لیے اس سورت میں اس کو استدلال سے ثابت فرمایا گیا ہے۔چنانچہ سب سے پہلے چار قسمیں کھا کر سوالیہ پیرایہ میں پوچھا گیا ہے کہ جس چیز کا تم انکار کر رہے ہو۔کیا یہ سب چیزیں اس کے برحق ہونے کے شہادت دینے کے لیے کافی نہیں ہیں؟ کیا خدا کے اس حکیمانہ نظام کو دیکھنے کے بعد بھی کسی اور شہادت کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ جس خدا نے یہ نظام قائم کیا ہے۔اس کی قدرت سے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ دوسرا جہان سامنے لائیں جس میں انسان کے اعمال کی باز پرس ہو۔اس کے بعد بطور مثال قوم عاد وثمود وفرعون کے تاریخی انجام کا ذکر ہے کہ جب وہ حد سے نکل گئے اور خدا کی زمین کو فساد سے لبریز کر دیا تو ان پر عذاب الٰہی کا کوڑا برس گیا۔جس سے ثابت ہوا کہ اس کائنات میں ایک حکیم ودانا فرمانروا کی حکمرانی ہے۔جس کے عدل وانصاف کی چھاپ انسانی تاریخ میں دیکھی جاسکتی ہے۔پس جب انسان کو اس نے تصرفات واختیارات سے نوازا ہے تو اس کا محاسبۂ عمل بھی عقل وحکمت کا تقاضا ہے۔اس کے بعد عام انسانی معاشرہ کی اخلاقی حالت کا جائزہ لیتے ہیں۔عرب کی دو حالتوں پر نکتہ چینی کی گئی ہے۔ایک یہ کہ وہ شخص دنیا کی دولت وعزت ہی کو سب کچھ مقصود سمجھتے تھے اور اس کو بھول گئے تھے کہ نہ تو دولت کی فراوانی معراج ترقی ہے اور نہ رزق کی تنگی قعر مذلت بلکہ کبھی یہ دونوں باتیں محض آزمائش کے لیے ہوتی ہیں کہ دیکھیں کون کس حالت میں کیا کرتا ہے؟

دوسری بات یہ کہ باپ کے مرتے ہی ان کی نظریں یتیم سے پھر جاتی تھیں۔یتیموں،غریبوں کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔جس کا بس چلتا مردے کی میراث ہڑپ کر لیتا۔اور کمزور حقدار کی آواز دب جاتی۔اس کی فریاد صدا بصحرا ہو جاتی۔غرض حرص وطمع کا نہ ختم ہونے والا چکر چلتا ہی رہتا اور قوی قوی تر،اور کمزور کمزور تر ہو جاتا۔یہ معاشرہ کا اخلاقی ناسور تھا۔اخیر میں زور اس طرف دیا گیا کہ محاسبہ ضرور ہوگا اور اس دن ہوگا جب عدالت عالیہ قائم ہوگی اور جو بات آج سمجھانے سے بھی نہیں سمجھ رہے ہیں۔اس روز وہ خود بخود سمجھ میں آجائے گی۔مگر بے فائدہ اس دن انسان پکار اٹھے گا کہ کاش میں نے آج کے لیے دنیا میں کچھ کیا ہوتا۔مگر یہ پچھتانا سب بے سود۔البتہ جن خوش نصیبوں نے پوری طمانیت قلب اور شرح صدر کے ساتھ آسمانی صحیفۂ ہدایت کو قبول کیا ہوگا۔خدا ان کی فرمانبرداری سے راضی ہوگا اور وہ خدا کے پسندیدہ بندوں میں جا شامل ہوں اور خاص جنت میں داخل ہو جائیں۔

فضائل سورت: .... من قرء سورة الفجر في الليالي العشرة غفرله ومن قرء هافي سائر الايام كانت له نورا يوم القيامة.

ترجمہ: ...... جو شخص ذی الحجہ کی دس راتوں میں سورۂ فجر پڑھے گا اس کی مغفرت ہو جائے گی۔

لطائف سلوک: .... فاما الانسان اذاماابتلٰه الخ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں بزرگ کے سلسلہ میں داخل ہونے سے مال میں ترقی اور رزق میں برکت ہوگی جو اس کے سلسلہ مقبول ہونے کی دلیل ہے مگر اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ محض جہالت کی بات ہے۔

سُوْرَةُ الْبَلَدِ

سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ عِشْرُوْنَ ايَةً

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

لَآ زَائِدَةٌ **اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴿۱﴾** مَكَّةَ **وَاَنْتَ** يَامُحَمَّدُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **حِلٌّ** حَلَالٌ **بِهٰذَا الْبَلَدِ﴿۲﴾** بِاَنْ يَّحِلَّ لَكَ فَتُقَاتِلَ فِيْهِ وَقَدْ اَنْجَزَلَهُ هٰذَا الْوَعْدَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَالْجُمْلَةُ اِعْتِرَاضٌ بَيْنَ الْمُقْسَمِ بِهٖ وَمَاعَطَفَ عَلَيْهِ **وَوَالِدٍ** اَىْ اٰدَمَ **وَّمَا وَلَدَ﴿۳﴾** اَىْ ذُرِّيَّتَهُ وَمَا بِمَعْنٰى مَنْ **لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ** اَىِ الْجِنْسَ **فِىْ كَبَدٍ﴿۴﴾** نَصَبٌ وَّشِدَّةٌ يُكَابِدُ مَصَائِبَ الدُّنْيَا وَشَدَائِدَ الْاٰخِرَةِ **اَيَحْسَبُ** اَىْ اَيَظُنُّ الْاِنْسَانُ قَوِىُّ قُرَيْشٍ وَهُوَاَبُوالْاَشَدَيْنِ كَلْدَةُ بِقُوَّتِهٖ **اَنْ** مُخَفَّفَةٌ مِّنَ الثَّقِيْلَةِ وَاِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَىْ اَنَّهٗ **لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ﴿۵﴾** وَاللّٰهُ قَادِرٌ عَلَيْهِ **يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ** عَلٰى عَدَاوَةِ مُحَمَّدٍ **مَالًا لُّبَدًا﴿۶﴾** كَثِيْرًا بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ **اَيَحْسَبُ اَنْ** اَىْ اَنَّهٗ **لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ﴿۷﴾** فِيْمَا اَنْفَقَهٗ فَيَعْلَمُ قَدْرَهٗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِقَدْرِهٖ وَاِنَّهٗ لَيْسَ مِمَّا يَتَكَثَّرُبِهٖ وَمَجَازِيَهٗ عَلٰى فِعْلِهِ السَّيِّءِ **اَلَمْ نَجْعَلْ** اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ اَىْ جَعَلْنَا **لَّهٗ عَيْنَيْنِ﴿۸﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ﴿۹﴾ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴿۱۰﴾** بَيَّنَّالَهٗ طَرِيْقَيِ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ **فَلَا** فَهَلَّا **اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ﴿۱۱﴾** جَاوَزَهَا **وَمَآ اَدْرٰىكَ** اَعْلَمَكَ **مَا الْعَقَبَةُ﴿۱۲﴾** الَّتِىْ يَقْتَحِمُهَا تَعْظِيْمٌ لِّشَانِهَا وَالْجُمْلَةُ اِعْتِرَاضٌ وَبَيَّنَ سَبَبَ جَوَازِهَا بِقَوْلِهٖ **فَكُّ رَقَبَةٍ﴿۱۳﴾** مِنَ الرِّقِّ بِاَنْ اَعْتَقَهَا **اَوْ اِطْعٰمٌ فِىْ يَوْمٍ ذِىْ مَسْغَبَةٍ﴿۱۴﴾** مَجَاعَةٍ **يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ﴿۱۵﴾** قَرَابَةٍ **اَوْمِسْكِيْنًا ذَامَتْرَبَةٍ﴿۱۶﴾** اَىْ لُصُوْقٍ بِالتُّرَابِ لِفَقْرِهٖ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بَدَلَ الْفِعْلَيْنِ مَصْدَرَانِ مَرْفُوْعَانِ مُضَافُ الْاَوَّلِ لِرَقَبَةٍ وَيُنَوَّنُ الثَّانِىْ فَيُقَدَّرُ قَبْلَ الْعَقَبَةِ اِقْتِحَامٌ وَالْقِرَاءَةُ الْمَذْكُوْرَةُ بَيَانُهٗ **ثُمَّ كَانَ** عَطْفٌ عَلَى اِقْتَحَمَ وَثُمَّ لِلتَّرْتِيْبِ الذِّكْرِىْ وَالْمَعْنٰى كَانَ وَقْتُ الْاِقْتِحَامِ **مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا** اَوْصٰى بَعْضُهُمْ بَعْضًا **بِالصَّبْرِ** عَلَى الطَّاعَةِ وَعَنِ الْمَعْصِيَةِ **وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴿۱۷﴾** الرَّحْمَةِ عَلَى الْخَلْقِ **اُولٰٓئِكَ** الْمَوْصُوْفُوْنَ بِهٰذِهِ الصِّفَاتِ **اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ﴿۱۸﴾** الْيَمِيْنِ **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ﴿۱۹﴾** الشِّمَالِ **عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ﴿۲۰﴾** بِالْهَمْزَةِ وَبِالْوَاوِ بَدَلَهٗ مُطْبَقَةٌ

ع ۱۵

سورۂ بلد مکیہ ہے اس میں ۲۰ آیتیں ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: .... لا (زائد ہے میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی کہ آپ کے لئے (اے محمد) اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے (کہ اس میں آپ کے لئے لڑائی جائز ہوگی اور آپ وہاں جنگ کریں گے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر یہ وعدہ پورا ہوا۔ پس یہ جملہ دو قسموں کے درمیان جملہ معترضہ ہے) اور قسم ہے باپ (آدم) اور اولاد آدم کی (یعنی ذریت آدم کی اور ما معنی میں من کے ہے) کہ ہم نے (جنس) انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے (کہ دنیا بھر کی مصائب اور آخرت کی شدائد جھیلتا رہتا ہے) کیا اس نے یہ سمجھ رکھا ہے (قریش کا طاقت ور آدمی یعنی ابوالاشد بن کلدۃ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں یہ خیال کرتا ہے) کہ اس پر (ان مخففہ ہے اس کا اسم محذوف ہے، یعنی انہ تھا) کوئی قابو پا نہ سکے گا (حالانکہ وہ اللہ کے بس میں ہے) کہتا ہے کہ میں نے (محمد کی دشمنی میں) اتنا ڈھیروں مال (بڑی مقدار میں) خرچ کر ڈالا ہے۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا (یعنی اس کے خرچ کرنے کو کہ وہ اس کی مقدار بتلانا چاہتا ہے۔ حالانکہ اللہ اس مال کی مقدار سے واقف ہے اور اس سے بھی کہ وہ مال زیادہ نہیں تھا۔ اور یہ کہ اللہ اس کے برے کرتوت کا بدلہ ضرور دے گا) کیا ہم نے (استفہام تقریری ہے یعنی ہم نے بنایا ہے) اسے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور ہم نے دونوں راستے انہے دکھا دیئے ہیں (یعنی بھلائی برائی دونوں کی راہ بتلا دی) مگر اس نے دشوار گھاٹی سے گزرنے (پار ہونے) کی ہمت نہ کی۔ اور آپ کو معلوم (خبر) ہے کہ وہ گھاٹی کیا ہے (کہ جس کو وہ دشوار سمجھتا ہے۔ اس میں اس کی اہمیت کا اظہار ہے۔ اور یہ جملہ معترضہ ہے اور اس کے پار ہونے کے سبب کو آگے بیان کیا جارہا ہے) کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا ہے (غلامی سے رہائی دلائی ہے) یا فاقہ (بھوک) کے دن کسی رشتہ (قرابت) دار یتیم کو یا کسی خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا ہے (جو محتاجگی کی وجہ سے زمین پر پڑا رہتا ہے۔ اور ایک قرأت میں بجائے دونوں فعلوں کے دونوں مصدر مرفوع ہیں۔ اول مصدر یعنی فک مضاف ہے رقبۃ کی طرف اور ثانی مصدر یعنی اطعام منون ہے۔ لہٰذا عقبہ سے پہلے اقتحام مقدر مانا جائے گا۔ اور مذکورہ قرأت اس کا بیان ہے) پھر ان لوگوں میں شامل ہوا جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو (آپس میں) صبر کرنے (طاعت پر جمے ہونے اور معصیت سے رکے رہنے) کی تلقین کی اور ایک نے دوسرے پر ترحم (مخلوق سے رحم دلی) کی فہمائش کی۔ یہی لوگ (جو مذکورہ بالا خوبیوں کے مالک ہیں) داہنے بازو والے ہیں اور جو لوگ ہماری آیت کے منکر ہیں وہ بائیں بازو والے ہیں۔ ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی (مؤصدۃ ہمزہ کے ساتھ ہے اور اس کے بدلہ میں واو کے ساتھ ہے یعنی تہہ بہ تہہ)۔

تحقیق وترکیب: .... مکیۃ اتقان میں بجز پہلی چار آیات کے اس سورت کو مدنی کہا گیا ہے۔ اور بعض کے نزدیک پوری سورت مدنی ہے۔ ھذا البلد سے مراد جب مکہ معظمہ ہے تو یہ آخری قول صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

لا اقسم مفسرؒ لا کو زائد کہہ رہے ہیں۔ لیکن لا کو غیر زائد بھی مانا جا سکتا ہے۔ یعنی اگلا مضمون ظاہر و باہر ہونے کی وجہ سے محتاج قسم نہیں ہے۔

بھذا البلد مکہ معظمہ چونکہ مہبط وحی اور رحمت الٰہی کا گہوارہ ہے اور حرم امن اور مثابۃ للناس اور قبلہ عالم ہے جس کی محاذات میں بیت المعمور ہے اور دنیا بھر کے پھل پھلاری وہاں بھیجنے کا وعدہ ہے۔ وہاں خاص حدود میں شکار کی اجازت نہیں ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی فضائل ہیں اس لئے اس بلد امین کی قسم کھائی گئی ہے۔

وانت حل اگر حل حلول سے ماخوذ نہیں تو ایک وجہ فضیلت مزید ہو جائے گی کہ آپ کے تشریف فرما ہونے کی وجہ سے یہ شہر محترم اور لائق قسم ہے کیونکہ مکین کی برتری مکان پر اثر انداز ہوا کرتی ہے۔ اور اگر یہ لفظ حلال سے ماخوذ ہے تو اس میں وقتی طور پر آپ کے لئے جنگ کی اجازت ہوگی۔ بہرحال دونوں صورتوں میں آپ کے لئے فتح مکہ کی پیشین گوئی ہوگی جو اللہ نے سچ کر دکھائی۔ کفار میں سے عبداللہ بن خطل اور تعیس بن خالد وغیرہ قتل ہوئے اور شرحبیل بن زید وانت حل بھذا البلد کے یہ معنی لیتے ہیں کہ کفار اس بلد امین میں شکار وغیرہ کو حرام جانتے ہیں۔ لیکن آپ کی آبروریزی، قتل اور اس شہر سے نکالنے کو حلال سمجھتے ہیں۔

ووالد وما ولد والد سے جنس والد یا آدم یا ابراہیم علیہم السلام مراد ہیں۔ اسی طرح ولد مطلقاً اولاد نسل مراد ہے۔ یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ بہر حال انسان جو قدرت کا شاہکار ہے اس کی ان دونوں حالتوں کے عجیب ہونے کی وجہ سے قسم کھائی ہے۔ وہ خاص صورتیں ہوں یا عام انسان۔

فی کبد. کبد الرجل۔ اذا وجعت کبده یکابد۔ کابدة الامر سختی اور شدت کے معنی ہیں۔ چنانچہ انسان کا مبداء ظلمت رحم ہے اور زندگی بھر مصائب دنیا اور اخیر میں موت کی ناقابل برداشت کیفیت یہ سب مکابد ہیں۔ اس میں آنحضرت ؐ کے لئے تسلی ہے مکابد قریش کے اعتبار سے۔

ایحسب الانسان ابوالاشد بن کلدہ اتنا طاقتور تھا کہ بیل کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور دس آدمی مل کر چمڑے کو کھینچتے تو چمڑہ پھٹ جاتا۔ مگر ابوالاشد ٹس سے مس نہ ہوتا تھا۔ آنحضرت ؐ نے کشتی میں کئی مرتبہ اس کو پٹک دیا۔ مگر پھر بھی وہ ایمان نہیں لایا۔

مالا لبدا ریاکاری اور دکھلاوے کے لئے یا آنحضرت کی دشمنی میں خرچ کرتا تھا۔

لم یرہ احد یعنی کیا ہم اس کے خرچ کئے ہوئے کو نہیں دیکھ رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ زیادہ مال خرچ کو اول تو جھوٹ کہتا ہے دوسرے زیادہ خرچ بھی کرے تو وہ قابل فخر نہیں۔ جب کہ اللہ ورسول کی دشمنی میں خرچ کرتا ہے۔ تیسرے اللہ کی سزا سے بھی واقف ہے۔ اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ کیا اللہ اس کو دیکھ نہیں رہا ہے اور اس سے حساب کتاب نہیں لے گا؟

الم نجعل لہ الخ دو آنکھیں تماشائے قدرت دیکھنے کے لئے اور زبان دل کی ترجمانی کے لئے اور دو ہونٹ اور ان کی حرکت بولنے، کھانے پینے کے لئے ہے۔

النجدین نجد بلند چیز کو کہتے ہیں۔ نجدین سے پستان مراد ہیں اور طریق خیر وشر مراد ہے۔ جیسے سورۂ دہر میں ہے۔ انا ھدیناہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ کا قول بھی یہی ہے۔

فلا اقتحم العقبة عقبہ پہاڑی گھاٹی، دشوار گزار راستہ۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔ بیان میں یا بدل مبدل منہ کے درمیان یعنی آپ اس کی دشواری اور ثواب نہیں جانتے۔ مفسرؒ فلاکی فھل سے تعبیر کر کے اشارہ کر رہے ہیں کہ لا بمعنی ھلا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ فلا اپنی اصل پر ہے۔ یعنی نفی کے لئے۔ رہا یہ کہ لا استعمال میں مکرر آتا ہے۔ جیسے فلا صدق ولا صلی میں ہے۔ کہا جائے گا کہ یہاں بھی معنی مکرر ہے۔ ای فلافك رقبة ولا اطعم مسکینا بہر حال طاعت بجالانا اور محرمات سے بچنا نفس پر نہایت شاق ہے۔ حدیث میں ارشاد ہے ان بین العبد والجنة سبع عقبات۔

فك رقبة او اطعام. ابوعمروؒ، ابن کثیرؒ، کسائیؒ، کے نزدیک دونوں ماضی کے صیغے ہیں

اقتحم سے بدل ہے اور دوسرے قراء کے نزدیک دونوں مصدر ہیں۔ اتنا فرق ہے کہ پہلا مصدر ہے یعنی فک، رقبة کی طرف مضاف ہے اور دوسرا مصدر یعنی اطعام باتنوین ہے۔ تفسیری عبارت فیقدر قبل العقبة اقتحام کا مطلب یہ ہے کہ دونوں مصدر مرفوع ہیں۔ مبتداء محذوف کی عبارت اس طرح ہوگی ما ادراك ما اقتحام العقبة ھو فك رقبة او اطعام اور تقدیر مضاف کی ضرورت اس لئے ہوئی۔ تاکہ مفسر اور مفسر میں مطابقت ہو جائے۔ کیونکہ مفسر یعنی فک مصدر ہے اور مفسر یعنی عقبہ مصدر نہیں ہے پس عین کی تفسیر مصدر سے لازم آ جائے گی جو صحیح نہیں ہے۔ اور مسبغة، مقربة، متربة مفعلات ہیں۔ اول سغب سے ماخوذ ہے بھوکا ہونا۔ دوسرا قرب سے ماخوذ ہے قرب نسبی مراد ہے اور تیسرا ترب سے ماخوذ ہے جس کے معنی محتاج ہونے کے ہیں۔

ثم کان ثم ترتیب ذکری کے لئے ہے۔ ترتیب زمانی کے لئے نہیں ہے۔ کیونکہ ایمان اعمال سے مقدم ہوتا ہے۔ زمخشریؒ یہ کہتے ہیں کہ ثم ایمان کے لعدرتبی بتلانے کے لئے لایا گیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ ایمان کا درجہ آزادی اور صدقہ سے بڑھ کر ہے۔

اصحاب المیمنة بمعنی یمین داہنی جانب کے ہیں یا بمعنی یمن وبرکت ہے۔ اسی طرح مشئمہ بمعنی شمال بائیں جانب ہے یا بمعنی شوم نحوست ہے۔ مؤمنین کو اولئک سے اور کفار کو ضمیر ھم سے بیان کرنے میں دونوں کے فرق مراتب کی طرف اشارہ ہے۔

علیھم یہ خبر ثانی ہے یا مستانفہ ہے۔ نار مؤصدة او صدت الباب دروازہ بند کر دینا۔ ابوعمرؒ، حمزہؒ، حفصؒ نے ہمزہ کے

ساتھ پڑھا ہے۔ اصدت الباب سے معنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ربط آیات: .... سورۂ فجر کی طرح اس سورۂ بلد میں بھی ان اعمال کا ذکر ہے جن کی سزا جزاء آخرت میں ہوگی۔ صرف اتنا فرق ہے کہ وہاں برے اعمال کا ذکر زیادہ تھا اور یہاں زیادہ تر اچھے اعمال کا ذکر ہے۔ نیز اس سورت کی تمہید میں بعض اچھے اعمال کے مقتضیات کا بیان ہے۔ اور آخر میں اچھے برے کاموں کی جزا سزا کا بیان ہے اس سورت کا اندازہ یہاں بھی اس کا پتہ دے رہا ہے۔ یہ بھی ابتدائی سورتوں میں ہے۔ جب کہ کفار مکہ حضور کی دشمنی پر تلے ہوئے تھے اور وہ ظلم وزیادتی پر کمر باندھے ہوئے تھے۔ اس لئے آپ کے اطمینان کے لئے روشن مستقبل کی نشاندھی کی گئی ہے۔ اس سورت کی وجہ تسمیہ واضح ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **لا اقسم** مفسرؒ تو لا کو زائد فرما رہے ہیں۔ لیکن بسا اوقات سلسلۂ کلام کا آغاز "نہیں" سے کیا جاتا ہے۔ اور پھر قسم سے بات شروع کی جاتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پہلے کوئی غلط بات کہی جارہی تھی۔ جس کی تردید مقصود ہے پس انکار کا تعلق پچھلے کلام سے ہوگا۔ جملہ قسمیہ سے اس کا تعلق نہیں ہوگا۔ اب رہا یہ کہ کس بات کی تردید کرنی ہے۔ سو اگلا مضمون اس پر روشنی ڈال رہا ہے۔ یعنی کفار یہ کہتے تھے کہ زندگی کا جوڈیرہ چل رہا ہے کہ کھاؤ پیو اور مزے اڑاؤ اور جب وقت آجائے تو مرجاؤ۔ یہی ٹھیک ہے۔ اب خواہ مخواہ محمد کے کہنے سے مرنے کے بعد کا بھی غم سوار کر لینا اور اپنے مزے کو کرکرا کر لینا۔ یہ بات گلے سے نہیں اترتی۔ لا کے ذریعہ اس غلط نظریہ کی تردید کی جارہی ہے۔ اور جزا وسزا کی حقیقت کو قسم سے مؤکد کیا جارہا ہے۔ **هٰذا البلد** اس سے مکہ معظمہ مراد ہے اور وجہ تخصیص اس شہر کی عظمت وخصوصیات ہیں۔

ایک جملہ کے تین معانی: .... **وانت حل** اس جملہ کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ آپ چونکہ اس بستی میں مقیم ہیں اس لئے اس کی عظمت میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ مکہ مکرمہ چونکہ حرم ہے یہاں ہر شخص کو لڑائی کی ممانعت ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف فتح مکہ کے دن یہ ممانعت نہیں رہی تھی۔ آپ کے لئے مختصر وقت میں قتال کی اجازت ہوگئی تھی۔ چنانچہ بعض سنگین مجرموں کو خاص دیوار کعبہ کے پاس قتل کیا گیا۔ پھر بعد میں قیامت تک کے لئے سابقہ ممانعت بدستور قائم کردی گئی۔ تیسرا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس شہر میں جنگلی جانوروں اور درختوں، گھاس پھوس تک کو تو پناہ ملی ہوئی ہے۔ ان کو مارنے کاٹنے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن نہیں امان ملی تو آپ کو نہیں ملی۔ آپ کو مار ڈالنے کے منصوبے ہیں۔ اگرچہ لفظا تینوں معنی کی گنجائش ہے۔ تاہم تیسرا مفہوم زیادہ میل کھاتا ہے۔ پہلی صورت میں قسم کی مناسبت ظاہر ہے کہ شہر پہلے ہی سے محترم مگر آپ کے تشریف فرما ہونے سے اور بھی لائق صد احترام ہو گیا۔ اور دوسری صورت میں مکہ کی قسم کھا کر ان شدائد اور سختیوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس سے انسان کو گزرنا پڑتا ہے اور اس وقت دنیا کا بزرگ ترین انسان دشمنوں کی طرف سے اس شہر میں بے پناہ سختیاں جھیل رہا تھا۔ بطور جملہ معترضہ **وانت حل بهذا البلد** فرما کر آپ کی تسلی فرمائی گئی۔ گو آج یہ نادان آپ کے ساتھ ناروا سلوک کررہے ہیں۔ مگر وہ دن دور نہیں جب آپ کا اس شہر میں فاتحانہ داخلہ ہوگا اور اس مقام کی اصل تقدیر وتطہیر کے لئے مجرموں کو سزا دینے کی آپ کو اجازت ہوگی۔ جس کا ظہور ۸ھ میں فتح مکہ کے موقعہ پر ہوا۔

انسان کی دکھ بھری زندگی: .... **لقد خلقنا الانسان** یہ ہے وہ مضمون جس پر تین قسمیں کھائی گئی ہیں۔ یعنی دنیا میں انسان چین کی بانسری بجانے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ بلکہ ابتداء سے انتہا تک یہ دنیا محنت ومشقت جھیلنے اور سختیاں برداشت کرنے کی جگہ ہے۔ کبھی مرض میں مبتلا ہے۔ کبھی رنج وفکر میں ڈوبا ہوا ہے۔ عمر بھر میں شاید کوئی لمحہ ایسا آتا ہو جب یہ تمام خرخشوں اور آفتوں سے بالکلیہ یکسو ہوکر بے فکری کی زندگی بسر کررہے ہوں۔ آدم اور اولاد آدم کے احوال کا مشاہدہ کرنے سے اور انسان کی پیدائشی ساخت پر نظر کرنے سے صاف عیاں ہے کہ وہ ان بکھیڑوں سے چھٹکارا نہیں پاسکتا۔ مکہ کا شہر گواہ ہے کہ کسی اللہ کے بندے نے اپنی جان کھپائی تھی تب یہ بسا اور عرب کا مرکز بنا۔ اب بھی سنگلاخ زمین میں سب سے برگزیدہ انسان ظلم وستم کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ اور ایک بڑے مقصد کے لئے طرح طرح کی مصیبتیں جھیل رہا ہے۔ جنگلی جانوروں اور درختوں، گھاس پھوس کے لئے پناہ ہے مگر امن وامان نہیں ہے تو اس بہترین

انسان کے لئے نہیں۔ یوں بھی ماں کے پیٹ سے لے کر قبر کی گود تک انسان قدم قدم پر مشکلات سے دوچار رہتا ہے۔ایک پریشانی سے نہیں نکلتا کہ دوسری آفت گھیر لیتی ہے۔ کتنا ہی ناز پروردہ اور آرام کے گہوارہ میں زندگی بسر کرنے والا شخص ہو مگر پیدائش کے جھمیلوں سے تو وہ بھی نہیں بچ سکتا۔ زچگی کے وقت دیکھا جائے تو موت وحیات کے درمیان بال سے زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا۔ پھر پیدا ہونے پر بھی کافی چوکسی اور نگہداشت نہ کی جائے تو پڑے پڑے ہی سسک سسک کر دم توڑ سکتا ہے۔ پھر چلنے کے قابل ہونے پر بھی قدم قدم پر گرتا ہے۔ چلتا کم ہے گرتا زیادہ ہے۔ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک زندگی میں کتنے موڑ آتے ہیں اور کتنی گھاٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔غرباء کی پریشانیاں جتنی ہیں۔ان سے زیادہ الجھنیں امراء اور سلاطین کو پیش آتی رہتی ہیں۔غرض کوئی شخص بے غل وغش چین کا سانس نہیں لیتا۔ کیونکہ انسان کی پیدائش ہی مشقت میں ہے۔آیت کا ٹکڑا انسان کی غم آگیں زندگی کا کتنا بلیغ مرقع ہے۔

انسان کی بڑی بھول:............ ایحسب الانسان انسان کی رنج اندوہ سے بھری ہوئی زندگی کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس میں خاکساری اور عاجزی پیدا ہوتی اور خود کو وابستہ قضا وقدر سمجھ کر پابند وفا ہوتا اور وہ ہر وقت اپنے عجز وضعف کو محسوس کر کے وقف اطاعت رہتا۔ لیکن یہ اس کی کتنی بڑی بھول ہے کہ وہ برابر سرکشی میں مصروف رہتا ہے۔ کیا وہ اس فریب میں مبتلا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہیں ہے۔ وہ جو کچھ چاہے کرے، کوئی اس کو پکڑنے والا یا نیچا دکھانے والا نہیں ہے۔ کیا وہ نظر نہیں کرتا کہ اللہ کی تقدیر سے کس طرح بندھا ہوا ہے۔ تقدیر کے آگے اس کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ خدائی طاقتوں کے مقابلہ میں اس میں کتنا دم خم ہے۔ بیماری کا ایک ہی جھٹکا اچانک اسے اپاہج بنا کر رکھ دیتا ہے۔ زلزلہ کی ایک جنبش، آندھی کا ایک جھونکا، سمندروں کی ایک لہر انسان کی بے بسی بتلانے کے لئے کافی ہے۔ تقدیر کی ایک گردش اسے کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتی ہے۔ پھر انسان کے دماغ میں یہ ہوا کہاں سے بھر گئی کہ وہ مطلق العنان ہے۔ اھلکت مالا لبدا اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت اور عداوت میں اور گناہ اور نافرمانی کے کاموں میں بے تکے پن سے بے دریغ مال خرچ کرنے کو بہتر سمجھتا ہے اور فخر یہ کہتا ہے کہ میں نے اتنا مال لٹا دیا۔ اور پھونک دیا ہے اور یہ مال کسی نیک کام میں نہیں۔ بلکہ دولتمندی کی نمائش اور فخر ومباہات کے لئے ہے اور یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ کیا اس کے بعد بھی میرے مقابلہ میں کوئی کامیاب ہو سکتا ہے؟ حالانکہ جلد ہی اسے پتہ لگ جائے گا کہ نہ صرف یہ کہ سارا خرچ برباد ہوا بلکہ الٹا وبال جان ہوا۔ اس ایک فقرے میں زمانہ جاہلیت کی فضول خرچیوں کا پس منظر سامنے آ گیا۔

انسان کی فضول خرچیاں:............ ایحسب ان لم یرہ احد کیا یہ فضول خرچیاں کر کے اترانے والا یہ نہیں سمجھتا کہ اس کے اوپر اسے کوئی دیکھ رہا ہے۔ جتنا مال جس جگہ اور جس وقت سے خرچ کیا ہے اسے سب پتہ ہے۔ دولت کہاں سے آئی۔ کن کاموں میں اسے کھپایا۔ کس مقصد کے لئے یہ سارے جتن کئے۔ سب اللہ کے سامنے ہے۔ جھوٹی شیخی بگھارنے سے کوئی فائدہ نہیں کیا وہ سمجھتا ہے کہ اللہ کے ہاں اس کی کوئی قدر و قیمت ہوگی یا دنیا کی طرح خدا بھی اس کے دھوکہ میں آ جائے گا؟ الم نجعل له عینین جس نے انسان کو دیکھنے کے لئے دو آنکھیں دیں، کیا وہ دیکھتا نہ ہوگا؟ بینائی دینے والا بینا نہیں ہوگا؟ ولسانا وشفتین بولنے اور کھانے پینے کے لئے زبان اور ہونٹ دیئے۔ وھدینه النجدین یعنی اسی طرح اللہ نے انسان کو محض عقل وفکر دے کر چھوڑ نہیں دیا۔ بلکہ برائی بھلائی کے دونوں راستے نمایاں کر کے رکھ دیئے۔ تاکہ وہ سوچ سمجھ کر ان میں سے جس کو چاہے اپنی ذمہ داری پر اختیار کرے اور بعض نے نجدین سے مراد عورت کے دونوں پستان لئے ہیں۔ جن سے بچے دودھ پی کر پلتے ہیں۔

دشوار گزار گھاٹی:............ فلا اقتحم العقبة اقتحام کے معنی خود کو دشواری میں ڈالنے کے ہیں اور عقبہ کے پہاڑی گھاٹی کے ہیں چنانچہ انسان شیطانی اور نفسانی خواہشات کو تج کر راہ حقانی اختیار کرے۔ اس آویزش اور کشاکش کو گھاٹی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی اتنے انعامات واحسانات کے ہوتے ہوئے بھی انسان کو توفیق نہ ہوئی کہ وہ نفس اور انسانی شیطان کو پچھاڑ کر راہ ہدایت قبول کر لیتا۔ گویا اس کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک پستی کا، اور دوسرا بلندی کا۔ اول راستہ آسان ہے کہ اس میں ہلنے کی بھی ضرورت نہیں۔ صرف لڑھکنا ہی

کافی ہوتا ہے۔ اس نے اد ۔ ا اختیار کرلیا۔ اور بلندی کی راہ دشوار گزار ہے۔ اس میں چڑھنا پڑھتا ہے اس کو ترک کردیا۔ غلاموں کو آزاد کرانا یا قرضداروں کو رہائی دلانا اور قحط سالی میں بھوکوں کی خبر گیری کرنا یتیموں کی پرورش، قرابت داروں سے صلہ رحمی کرنا، تنگ دست محتاج کی دیکھ بھال۔ یہ ہیں وہ شاق گھاٹیاں جونفس پر گراں گزرتی ہیں۔ **یقول اھلکت مالا لبدا** فخر ونام آوری کے لئے انسان کی فضول خرچیوں کے ذکر کے بعد اس کے مقابلہ میں مال خرچ کرنے کے جو صحیح مواقع ہیں ان کی نشاندہی کی جارہی ہے۔ **ثم کان من الذین امنوا** یعنی ان اعمال کے قبول ہونے کی سب سے بڑی شرط ایمان ہے کہ اس کے بغیر نہ کوئی نیکی، نیکی کہلانے کی مستحق ہے اور نہ وہ قبولیت کا درجہ پاسکتی ہے۔ وہی عمل لائق نجات ہے۔ جو ایمان کے ساتھ ہو۔ **وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة** یعنی وہ ایک دوسرے کو صبر اور رحمدلی کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو ایک مؤمن کی پوری زندگی میں قدم قدم پر صبر کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ ایمان کا راستہ اختیار کرتے ہی صبر کی آزمائش شروع ہوجاتی ہے۔ خواہ وہ مصائب پر صبر ہو یا طاعات کے بجالانے پر یا گناہ اور فسق وفجور سے بچنے پر، اسی طرح رحمدلی معاشرۂ ایمانی کا لازمی حصہ ہے۔ ارحموا من فی الارض یرحم من فی السماء **اصحاب المیمنة** ، اصحاب المیمنہ اور اصحاب المشئمہ کا ذکر سورۂ واقعہ میں تفصیلاً آچکا ہے۔

خلاصۂ کلام: .... کفار مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی پر پورے طور پر تلے ہوئے تھے اور ہر قسم کے ظلم وستم کو انہوں نے اپنے لئے حلال کرلیا تھا۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔ چنانچہ اس میں سب سے پہلے شہر مکہ اور اس میں آپ پر کئے گئے مظالم اور پورے انسانوں کی حالت کو شاہد بنا کر یہ کہا گیا ہے کہ دنیا انسان کے لئے عشرت گاہ نہیں ہے کہ محض مزے اڑانا ہی وہ اپنا نصب العین بنالے۔ بلکہ اس کی پیدائش تک مشقت وتکلیف میں ہوئی ہے۔ اس کا اپنا مستقبل بھی محنت ومشقت کا طالب ہے۔ پھر آگے چل کر اس کی اس غلط فہمی کا پردہ چاک کیا گیا ہے کہ یہاں انسان ہی سب کچھ نہیں ہے بلکہ اس سے اوپر کوئی بالا طاقت موجود ہے جو اس کے ہر کام کی نگرانی اور اس پر دارو گیر کرنے والی ہے۔ پھر آگے چل کر انسان کی مسرفانہ فضول خرچی پر شکوہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنی بڑائی کی نمائش کرتے ہوئے اپنی شاہ خرچیوں پر کس طرح فخر کرتا ہے اور کس طرح لوگ اس کو داد دیتے ہیں۔ مگر نہیں دیکھتے کہ کوئی اس کو دیکھ رہا ہے کہ یہ مال کہاں سے آیا اور کہاں خرچ ہورہا ہے؟ اس کے بعد ایک بہت بڑی حقیقت کو ایک چھوٹے سے فقرے میں سمودیا گیا ہے کہ خدا نے انسان کے لئے سعادت اور شقاوت کے دونوں راستے کھول کر رکھ دیئے ہیں۔ ان کو دیکھنے اور ان پر چلنے کے وسائل بھی فراہم کردیئے ہیں۔ اب یہ انسان کی اپنی کوشش اور محنت ہے کہ وہ سعادت کی راہ چل کر اچھے انجام کو پہنچتا ہے یا شقاوت کی راہ اپنا کر برے انجام سے دوچار ہوتا ہے۔ اللہ نے تو اسے علم کے ذرائع اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں دے کر دونوں راہیں بتلادی ہیں۔ ایک راہ وہ ہے جو اخلاق کی بلندیوں کی طرف اسے لے جاتی ہے جو دشوار گزار گھاٹی کی طرح ہے کہ اس پر چلنے کے لئے انسان کو اپنے نفس پر جبر کرنا پڑتا ہے۔ اور دوسرا راستہ اخلاقی پستیوں کی طرف جاتا ہے۔ وہ آسان ہے اس پر جانے کے لئے کوئی تکلیف اٹھانی نہیں پڑتی۔ بلکہ نفس کو خوب لذت حاصل ہوتی ہے۔ یہ انسان کی کمزوری ہے کہ وہ پہلی گھاٹی پر چڑھنے کی بجائے دوسرے کھڈ میں گرنے کو پسند کرتا ہے۔ پھر آگے چل کر اس گھاٹی کی نشاندہی فرمائی گئی۔ جس پر چڑھ کر انسان بلندیوں کو چھوسکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان فخر ومباہات، ریاء ونمود کی بجائے اپنا سرمایہ یتیموں مسکینوں کی امداد پر خرچ کرے۔ اور اللہ اور اس کے دین پر پورا ایمان رکھے اور ایمانداروں کے ساتھ مل کر صبر ورحمدلی کی تلقین کرتا رہے۔ اچھے لوگوں کا راستہ اختیار کرنے سے اللہ کی رحمتوں کا مستحق بنے گا۔ اور دوسرا راستہ اختیار کرنے سے دوزخ کی آگ نصیب ہوگی۔ جس سے بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ سارے دروازے بند ہوں گے۔

فضائل سورت: .... **من قرء سورة لا اقسم بھذا البلد اعطاه الله تعالى الامان من غضبه یوم القیامة**

ترجمہ: جو شخص سورۂ بلد پڑھے گا اسے اللہ قیامت کے دن اپنے غضب سے امان عطا فرمائے گا۔ (حدیث موضوع)۔

لطائف سلوک: .... فلا اقتحم العقبة اس میں مجاہدات کی تلقین ہے۔ اگرچہ اس میں مشقت ودشواری ہے۔

سُوْرَةُ الشَّمْسِ

سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ خَمْسَ عَشَرَةَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴿۱﴾ ضَوْءِ هَا **وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا﴿۲﴾** تَبِعَهَا طَالِعًا عِنْدَ غُرُوْبِهَا **وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا﴿۳﴾** بِارْتِفَاعِهٖ **وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا﴿۴﴾** يُغَطِّيْهَا بِظُلْمَتِهٖ وَاِذَا فِى الثَّلٰثَةِ لِمُجَرَّدِ الظَّرْفِيَّةِ وَالْعَامِلُ فِيْهَا فِعْلُ الْقَسَمِ **وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا﴿۵﴾ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا﴿۶﴾** بَسَطَهَا **وَنَفْسٍ** بِمَعْنٰى نُفُوْسٍ **وَّمَا سَوّٰهَا﴿۷﴾** فِى الْخِلْقَةِ وَمَا فِى الثَّلٰثَةِ مَصْدَرِيَّةٌ اَوْ بِمَعْنٰى مَنْ **فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا﴿۸﴾** بَيَّنَ طَرِيْقَيِ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ وَاَخَّرَ التَّقْوٰى رِعَايَةً لِرُءُ وْسِ الْاٰىِ وَجَوَابُ الْقَسَمِ **قَدْ اَفْلَحَ** حُذِفَتْ مِنْهُ اللَّامُ لِطُوْلِ الْكَلَامِ **مَنْ زَكّٰهَا﴿۹﴾** طَهَّرَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ **وَقَدْ خَابَ** خَسِرَ **مَنْ دَسّٰهَا﴿۱۰﴾** اَخْفَاهَا بِالْمَعْصِيَةِ اَصْلُهٗ دَسَّسَهَا اُبْدِلَتِ السِّيْنُ الثَّانِيَةُ اَلِفًا تَخْفِيْفًا **كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ** رَسُوْلَهَا صَالِحًا **بِطَغْوٰهَآ﴿۱۱﴾** بِسَبَبِ طُغْيَانِهَا **اِذِ انْبَعَثَ** اَسْرَعَ **اَشْقٰهَا﴿۱۲﴾** وَاسْمُهٗ قُدَارٌ اِلٰى عُقْرِ النَّاقَةِ بِرِضَاهُمْ **فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ** صَالِحٌ **نَاقَةَ اللّٰهِ** اَىْ ذَرُوْهَا **وَسُقْيٰهَا﴿۱۳﴾** وَشُرْبَهَا فِىْ يَوْمِهَا وَكَانَ لَهَا يَوْمٌ وَّلَهُمْ يَوْمٌ **فَكَذَّبُوْهُ** فِى قَوْلِهٖ ذٰلِكَ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى الْمُرَتَّبِ عَلَيْهِ نُزُوْلُ الْعَذَابِ بِهِمْ اِنْ خَالَفُوْهُ **فَعَقَرُوْهَا** قَتَلُوْهَا لِيَسْلَمَ لَهُمْ مَاءُ شُرْبِهَا **فَدَمْدَمَ** اَطْبَقَ **عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ** الْعَذَابَ **بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰهَا﴿۱۴﴾** اَىِ الدَّمْدَمَةَ عَلَيْهِمْ اَىْ عَمَّهُمْ بِهَا فَلَمْ يُفْلِتْ مِنْهُمْ اَحَدًا **وَلَا** بِالْوَاوِ وَالْفَاءِ **يَخَافُ** تَعَالٰى **عُقْبٰهَا﴿۱۵﴾** تَبِعَتَهَا

ع ۱۵ / ۱۲

سورہ والشمس مکیہ ہے جس کی پندرہ آیات ہیں۔

ترجمہ:........**بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** سورج اور اس کی دھوپ (روشنی) کی قسم اور چاند کی قسم ہے کہ اس کے پیچھے آتا ہے (سورج ڈوبنے کے بعد چاند نکلتا ہے) اور دن کی قسم جب کہ وہ خوب روشن کر دیتا ہے (چڑھ کر) اور رات کی قسم جب کہ وہ ڈھانک لیتی ہے (اپنی اندھیری سے چھپا دیتی ہے اور اذا تینوں جگہ ظرفیت کے لئے ہے۔ فعل قسم اس میں عامل ہے) اور آسمان کی اور اس

ذات کی قسم جس نے اس کو بنایا ہے اور زمین کی اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو بچھایا (پھیلایا) ہے اور نفس انسانی (نفس بمعنی نفوس) اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو ہموار کیا (بناوٹ اور تینوں جگہ ما مصدر یہ ہے یا بمعنی من ہے) پھر اس کی بدکرداری اور پرہیز گاری اس کو الہام کردی (خیر وشر کے دونوں راستے بتلا دیئے اور تقویٰ کا ذکر آخر میں اس آیت کی وجہ سے کیا ہے اور جواب قسم آگے ہے) یقیناً وہ بامراد ہوا (کلام طویل نہ ہو جائے اس لئے لام حذف کر دیا ہے) جس نے نفس کو پاک کرلیا (گناہوں سے بچالیا) اور نامراد (ناکام) ہوا جس نے اس کو دبا دیا (گناہ کر کے اس کی صلاحیت کو مخفی کر دیا۔ اس کی اصل دسسھا تھی۔ دوسرا سین تخفیف کے لئے الف سے بدل دیا) قوم ثمود نے (اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کو) جھٹلا دیا۔ اپنی شرارت (سرکشی) کی وجہ سے جب کہ (پھر کر جلدی سے) اٹھا اس قوم کا سب سے زیادہ بدبخت (جس کا نام قدار تھا قوم کی رائے سے اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے لئے) تو اللہ کے رسول نے (صالح) ان لوگوں سے فرمایا کہ خبردار رہنا اللہ کی اونٹنی سے (اسے ہاتھ نہ لگانا) اور اس کے پانی پینے سے (اس کی باری کے دن کیونکہ ایک روز اس کی باری تھی اور ایک دن اوروں کی) مگر انہوں نے اس کی بات کو جھوٹا قرار دیا (کہ خدا کی طرف سے یہ نہیں ہے کہ اگر انہوں نے مخالفت کی تو ان پر عذاب آئے گا) پھر اس اونٹنی کو مار ڈالا (پانی اپنے لئے مخصوص کر لینے کی خاطر اونٹنی کو ختم کر دیا) آخر کار ان پر ایسی آفت توڑی (ڈھائی) ان کے رب نے (عذاب کی) ان کے گناہ کی پاداش میں ایک ساتھ سب کو پھونک کر خاک کر دیا (یعنی سب کو ایسا ختم کر ڈالا کہ ان میں سے ایک بھی نہ بچا) اور اللہ نے (واو اور فا کے ساتھ دونوں طرح ہے) اس کے انجام (نتیجہ) کی پرواہ نہیں کی۔

تحقیق وترکیب: .... والشمس اس سورت میں سات چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں۔

ضحیٰ کے معنی چمکنے، روشن ہونے کے ہیں بعض کی رائے ہے ضحوہ دن چڑھنے کا وقت اور ضحیٰ زیادہ دن چڑھنے کا وقت اور ضحاء قریب دوپہر کا وقت، مفسرؒ ضحیٰ کے معنی چمکنے، روشن ہونے کے لے رہے ہیں۔ اس کے معنی دھوپ کے اور پورے دن کے بھی آتے ہیں۔ گویا رات کو عالم پر موت اور دن کو زندگی طاری ہو جاتی ہے۔ اس طرح جواب قسم سے مناسبت ظاہر ہے۔

والقمر اذا تلاها سورج غروب ہونے کے بعد چاند نکلنا اگرچہ شروع مہینہ میں ہوتا ہے۔ مگر مفسرؒ نے والقمر اذااتسق کی رعایت کرتے ہوئے تفسیر کی ہے۔ اذا بعض کے نزدیک تینوں جگہ ظرف کے لئے ہے اور خلیلؒ کے نزدیک فاء اور ثم کی طرح عطف کے لئے ہے۔ تاکہ جواب ایک اور قسمیں متعدد نہ ہو جائیں۔ مگر پہلے حضرات یہ کہتے ہیں کہ اگر عطف کے لئے کہا جائے۔ تو عاملین پر عطف لازم آجائے گا۔ کیونکہ و الیل واو قسمیہ کی وجہ سے مجرور ہے اور اذا یغشی فعل اقسم مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ پس اگر والنهار اذا تجلی میں واو عاطفہ ہوگا تو انهار کا عطف اللیل پر مجرور ہونے کی وجہ سے ہوگا۔ اور اذا یغشی میں منصوب ہے۔ اس لئے ان فی الدار زیدا والحجرة عمرا کی طرح ہو جائے گا۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ واو قسمیہ بمنزلہ با اور فعل کے ہے۔ گویا نصب وجرانہی کا عمل ہے۔ یہ سمجھا جائے گا کہ ایک عامل کے دو عمل ہو گئے۔ جیسا کہ ضرب زید عمروا وبکرا خالدا البتہ آیت فلا اقسم بالخنس الجوار الکنس والیل اذا عسعس سے اشکال ہوگا۔ کیونکہ اس میں فعل قسم مذکور ہے۔ اس لئے اس میں یہ عذر نہیں چل سکے گا۔ تاہم تحقیقی بات یہ ہے کہ عامل ظرف فعل قسم سے نہیں ہے۔ کیونکہ حال واستقبال سے زمانہ کی تقیید مقصود نہیں ہوتی۔ بلکہ ظرف معمول ہے مضاف مقدر کا۔ تقدیر عبارت "وتعظمه اللیل" ہے۔ کیونکہ کسی چیز کے قسم کھانے سے اس کی تعظیم ہو جاتی ہے۔ مگر یہ بات بھی بحث طلب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قسمیں اظہار عظمت کے لئے مستعار ہوتی ہیں۔ پس ان کی تقیید معنی مرادی کے جز و کی حیثیت سے ہو سکتی ہے اور تقدیر عظمت لغو ہو جائے گی۔ پس اس طرح اذا بطور بدل مطلق وقت کے معنی میں ہو جائے گا۔

ای و ٗ الیـل وقت غشیانہ۔ مفسرؒ اذا کا عامل مقدر فعل قسم کو مان رہے ہیں۔اس میں اشکال یہ ہے کہ فعل قسم انشاء ہے جس کا زمانہ حال ہوتا ہے۔اس لئے وہ اذا میں کیسے عمل کرسکتا ہے۔جس کا زمانہ استقبال ہوتا ہے۔ورنہ عامل اور معمول کے زمانے مختلف ہوجائیں گے جومحال ہے۔لیکن جواب یہ ہے کہ مستقبل چیز کی فی الحال قسم کھانا صحیح ہے مثلاً کہا جائے۔**اقسـم بـالله اذا طـلـعـت الشمس** پس قسم کھانا تو اس وقت ہوا اور طلوع شمس مستقبل میں ہوگا۔

وما بناها بقول فراءؒ اور زجاجؒ ما مصدریہ ہے لیکن زمخشریؒ وغیرہ کہتے ہیں فالهمها کی وجہ سے معنی ٹھیک نہیں ہوں گے۔اور نہ نظم کلام درست رہے گا۔کیونکہ اس طرح اسم کا فعل پرعطف ہوجائے گا۔نیز یہاں الھم کا فاعل نہیں ہے نہ ظاہر نہ ضمیر مگر اس کا جواب یہ ہے کہ ما کے صلہ پرعطف ہے۔ما اور صلہ دونوں پرعطف نہیں ہے۔عبارت اس طرح ہوگی۔وتسـویتها فالهامها اور من بناها کی بجائے مـابناها اس لئے کہا کہ وصفی معنی لینے مقصود تھے۔بہرحال سواها اور الهمها میں اگر اللہ کو فاعل مضمر مانا جائے اور نفس کی تنکیر تکثیر کے لئے ہو یا تعظیم کے لئے مانی جائے تو کوئی اشکال نہیں رہتا۔

فـالهـمهـا فـجورها وتقواها اس میں تعقیب عرفی ہے۔اس لئے اب یہ اشکال نہیں رہتا کہ نفس کا تسویہ تو روح سے پہلے ہوتا ہے اور الہام بالغ ہونے کے بعد ہوتا ہے۔یا یوں کہا جائے کہ نفس کے تسویہ سے اعضاء کی تعدیل مراد ہے جس میں قوت مفکرہ بھی داخل ہے اور الہام سے مراد یہ ہے کہ نفس کو اچھائی برائی کی کیفیت معلوم ہوجائے،فجور تقویٰ کی تفسیر ابن عباسؓ نے خیر وشر کے طریقوں سے کی ہے طاعت ومعصیت مراد لی جائے۔

قد افلح، لقدافلح تھالام اختصاراحذف کردیا۔

مـن زكها مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اس کا فاعل ضمیر مستتر ہے اور ضمیر بارز نفس کی طرف راجع ہے اور تطہیر کی اسناد بھی نفس کی طرف ہے۔جیسا کہ حسنؒ سے منقول ہے۔لیکن ضمیر مستتر اللہ کی طرف اور ضمیر بارز مـن کی طرف راجع ہوسکتی ہے۔اور تانیث معنی نفس کی وجہ سے ہے۔حق تعالیٰ تکمیل نفس کی ترغیب ومبالغہ کے لئے ایسی چیزوں کی قسمیں کھارہے ہیں۔جو اللہ کے موجود وجوب اور اس کے کمالات کی دلیلیں ہیں جو قوت نظریہ کا کمال ہے اور اللہ کی بڑی نشانیوں کی تذکیر فرمائی گئی ہے جو قوت عملیہ کا کمال ہے۔

من دسها تقفی اور تقفیض کی طرح دس کی اصل دسس تھی۔

كذبت ثمود فجور وتقویٰ کی مناسبت سے قوم ہود اور حضرت صالحؑ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔تا کہ دونوں باتوں کا نمونہ سامنے آجائے۔

بطغوها دراصل طغیاها تھا۔اسم وصفت میں فرق کرنے کے لئے یا کو واو سے تبدیل کردیا اور رجعٰی کی طرح ایک قرأت میں طغویٰ بھی ہے۔مضاف مقدر ہے ای ذی الطغویٰ یاطغٰی سے بطور مبالغہ نفس عذاب مراد لیا جائے۔

اذانبعث یہ كذبت کا ظرف ہے۔یاطغویٰ کا اور اشقیٰ انبعث کا فاعل ہے اشقی سے مراد قدار اور اس کے ساتھی ہیں کیونکہ اسم تفضیل واحد وجمع دونوں کی گنجائش رکھتا ہے۔

ناقة الله مفسرؒ نے ناصب محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔اس میں اضافت تشریفیہ ہے۔

فكذبوه یعنی سابقہ تکذیب کرنے سے باز نہیں آئے۔

فدمدم "ناقة مدمومه" اونٹنی جب اس پر چربی چڑھ جائے دمدم تکرار فعل کے لئے ہے۔

ولا يخاف میں واو حالیہ ہے نافع بن عامر فلا پڑھتے ہیں عطف کے ساتھ۔

عقبها یعنی عذاب کے عواقب کی اللہ نے پرواہ نہیں کی۔

ربط آیات: ....اس سورت کا طرز بیان بتلا رہا ہے کہ یہ سورت بھی مکہ کی ابتدائی ان سورتوں میں ہے جب کہ آپ کی مخالفت زورشور سے [illegible] بالکل واضح ہے۔ پہلی سورت میں ایمان وکفر کے اعمال کی مجازات کا بیان تھا۔ اس سورت میں **تکذیب ثمود** سے [illegible] ڈرانے کے لئے کفری اعمال پر دنیاوی مجازات کو قصداً ذکر کیا گیا ہے۔ اور نفس کی قسم کے ذیل میں کفر وایمان کے اعمال اور ان کی اخروی مجازات مجملاً بیان کردی گئی ہے۔

روایات: ....(۱) عن عمران بن حصین قال علیه السلام مجیبا عن سوال سئل عن القضاء والقدر لای شئ قضی علیهم ومضی فیهم وتصدیق ذلك فی كتاب الله ونفس وما سواها فالهمها فجورها وتقوٰها۔

(۲) عن الطبرانی انه صلی الله علیه وسلم اذا قرء فالهمها فجورها وتقوٰها وقف ثم قال اللهم ات نفسی تقوٰها وزكها انت خیر من زكها انت ولیها ومولها وفی مسلم انه صلی الله علیه وسلم كان یدعوا بهذاالدعاء۔

﴿تشریح﴾: ....**ضحٰی** کے معنی وقت چاشت کے ہیں جب کہ سورج کچھ بلند ہو جاتا ہے اور اس میں روشنی کے ساتھ قدرے گرمی آجاتی ہے۔ اس لئے پورے معانی کی رعایت دھوپ کے ترجمہ میں ہوجاتی ہے۔ **اذا تلاها** سورج ڈوبنے کے بعد چاند کی چاندنی پھیل جاتی ہے۔ **اذا یغشاها** کی اصل حقیقت سورج کا نیچے اتر جانا ہے۔ جس کی وجہ سے سورج کی روشنی زمین کے اس حصہ میں نہیں پہنچتی جہاں رات آتی ہے۔ اس لئے رات کے آنے، سورج کے ڈوبنے اور اس کی روشنی رات بھر غائب رہنے کی کیفیت کو اس طرح تعبیر کیا کہ رات سورج کو ڈھانک لیتی ہے۔ یعنی رات کی تاریکی خوب چھا جائے اور سورج کی روشنی کا کچھ نشان نہ رہے۔ **وما بناها** مخلوق کی آرائش کے لئے اللہ نے آسمان کو خیمہ اور چھت کی طرح تان دیا۔ ان تینوں الفاظ **بناها**، **طحاها**، **سواها** میں **ما** اگرچہ بعض مفسرین نے مصدر یہ لیا ہے۔ لیکن بمعنی **من** لینا زیادہ اچھا ہے جس سے مراد اللہ ہے۔ نفس کے تسویہ اور ہموار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بدن انسانی اور اس کے تمام جوڑ بند اور اعضاء متناسب بنائے۔ اسی طرح اندرونی قوتیں بھی موزونیت کے ساتھ عطا کیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس میں فساد وگناہ کو اس کی اصل فطرت نہیں بنایا۔ بلکہ اس کی ساخت فطری طور پر سیدھی راہ چلنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ اندرونی یا بیرونی خرابی اگر آتی ہے تو خارجی عوامل سے آتی ہے۔ آیات وروایات سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔

برائی اچھائی کا الہام: ....**الهمها فجورها وتقوٰها**. **لهم** کے معنی نگلنے کے آتے ہیں لهم الشئ والفهم دونوں طرح کہا جاتا ہے۔ الهمته الشئ کے معنی یہ ہیں کہ میں نے فلاں چیز اس کو منگوادی کسی تصور وخیال کا غیر شعوری طور پر منجانب اللہ کسی کے دل ودماغ میں آجانا اس کو اصطلاحی طور پر الہام کہا جاتا ہے۔ فطری الہام اللہ نے ہر مخلوق کو اس کی حیثیت اور نوعیت کے اعتبار سے ودیعت فرمایا ہے۔ **الذی اعطی كل شئ خلقه ثم هدیٰ** چاند، تارے، سورج، آسمان، زمین، ہوائیں، بادل، جمادات، نباتات، جانور سب ہی کو ان کے مناسب فطری الہامات سے قدرت نے نوازا ہے اور وہ اپنے اپنے دوائر میں مصروف عمل ہیں۔ انسان کی ایک حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک حیوانی وجود ہے۔ اس حیثیت سے اس کو مختلف الہامی علوم دیئے گئے ہیں۔ اسی طرح اس کا ایک عقلی وجود ہے۔ اس لحاظ سے بھی خدا نے اس کو الہامی رہنمائی عطا فرمائی ہے۔ جس کی بدولت وہ مسلسل اکتشافات اور ایجادات کر کے تمدن میں ترقی کرتا ہے۔ ان دونوں حیثیتوں کے علاوہ انسان میں ایک حیثیت اخلاقی ہے۔ اس لحاظ سے بھی نفس انسانی میں اللہ نے نیکی بدی دونوں کے رجحانات اور میلانات رکھ دیئے ہیں۔ جس کو ہر شخص اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے ذریعہ اجمالی طور پر بھلائی

برائی میں تمیز کرنے کی اللہ نے سمجھ دی ہے۔ پھر انبیاء اور آسمانی تعلیمات نے اسے کھول کھول کر بتلا دیا کہ یہ برائی کا راستہ ہے اور یہ نیکی کا طریقہ۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہر انسان کے لاشعور میں اللہ نے یہ بات القا کر دی ہے کہ فلاں اخلاق اچھے ہیں اور فلاں برے ہیں۔ اور یہ کہ اچھے برے اعمال واخلاق یکساں نہیں ہیں۔ فلاں چیز اچھی ہے فلاں چیز بری ہے۔ یہ چیز انسان کے لئے اجنبی نہیں ہے بلکہ خالق نے پیدائشی طور پر برے بھلے کی تمیز اس کو عطا کر دی ہے۔ غرضیکہ دل میں نیکی کا رجحان اور بدی کا میلان اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ جیسا کہ سابق روایت نشاندہی کر رہی ہے۔ ہاں نیکی کا القاء فرشتہ کے ذریعہ اور بدی کا القاء شیطان کے واسطہ سے ہوتا ہے۔ پھر وہ رجحان ومیلان کبھی انسان کے ارادہ واختیار سے عزم کے درجہ میں پہنچ کر فعل صادر ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ پس افعال کا خالق تو اللہ اور کاسب بندہ ٹھہرتا ہے۔ غرض اللہ نے انسان کو خیر وشر کا امتیاز اور خیر کے خیر اور شر کے شر ہونے کا احساس الہامی طور پر عطا فرمایا ہے اور یہ ایک عالمی حقیقت ہے۔ جس کی وجہ سے دنیا خیر وشر کے تصور سے کبھی بھی خالی نہیں رہی۔ دنیا میں کبھی کوئی ایسا معاشرہ نہیں ہوا جس میں بھلائی برائی پر بھلے برے اثرات مرتب کرنے کی صورت اختیار نہ کی گئی ہو۔ پس اس حقیقت کا مسلمہ عالمگیر ہونا اس کے فطری ہونے کا صریح ثبوت ہے۔

کون کامیاب ہے اور کون ناکام؟:............ قد افلح یہ ہے وہ مضمون جس پر ایک دہائی سے زیادہ قسمیں کھائی گئی ہیں۔ قرآن جن حقائق کو ذہن نشین کرانا چاہتا ہے اس کی تائید میں وہ انسان کے اردگرد اور خود اس کے اندر کی چیزوں کو شہادت میں پیش کیا کرتا ہے۔ اسی اصول کو سامنے رکھ کر یہاں بھی دو متضاد چیزیں پیش کی گئی ہیں۔ جن کے نتائج وثمرات بھی ظاہر ہیں۔ کہ یکساں نہیں ہوں گے بلکہ مختلف ہوں گے۔ ایک طرف سورج اور اس کی تیز اور گرم دھوپ ہے۔ دوسری طرف چاند اور اس کی ہلکی ٹھنڈی روشنی ہے۔ دونوں کے اثرات الگ الگ وقت میں مختلف ہوتے ہیں۔ ایک طرف دن ہے اور دوسری طرف رات ہے دونوں کا وقت بھی الگ الگ اور نتائج وثمرات بھی متضاد۔ علیٰ ہذا ایک طرف آسمان اور اس کی بلندی ہے اور دوسری طرف زمین اور اس کی پستی ہے۔ دونوں کے اثرات اور کام ایک دوسرے سے بالکل مختلف۔ ان آفاقی شہادتوں کے بعد اب خود انسان کے اندر غور کر لیا جائے تو نظر آ جائے گا کہ اعضاء اور حواس اور ذہنی قوتوں کے موزوں امتزاج سے درست کر کے اس میں بھلائی کے رجحانات اور برائی کے میلانات رکھ دیئے گئے ہیں جو ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ پس اگر چاند، سورج، دن، رات، آسمان، زمین یکساں نہیں ہیں تو تقویٰ وتزکیہ اور فسق وفجور کیسے یکساں ہو سکتے ہیں؟ انسان اس دنیا میں بھی نیکی بدی کو یکساں نہیں سمجھتا۔ جس چیز کو وہ نیکی سمجھتا ہے وہ اسے قابل قدر مستحسن انعام سمجھتا ہے اور جس چیز کو بدی سمجھتا ہے وہ اس کے نزدیک قابل مذمت اور لائق سرزنش ہوتی ہے۔

کون سی چیز نیکی ہے اور کون سی چیز بدی ہے:............ لیکن کون سی چیز تقویٰ ہے اور کون سی فجور ہے۔ اس کا فیصلہ انسان کے ہاتھ میں نہیں رکھا۔ بلکہ اس خالق کے ہاتھ میں ہے۔ جس نے انسان کو تقویٰ وفجور کا الہام کیا ہے۔ اس نے دونوں کے نتائج بھی الگ الگ رکھے ہیں۔ جو نفس کو پاک رکھے اور سنوارے یعنی قوائے شہوانیہ اور غضبیہ کو قوائے عقلیہ کے آگے جھکا دے اور عقل کو شریعت کے آگے سرخم کر دے۔ اس کا انجام فلاح ہے اس کا قالب تابعدار اور قلب وروح تجلی الٰہی سے منور ہو جائیں گے۔ لیکن فسق وفجور کا نتیجہ یہ ہے کہ جو فطری صلاحیت اور استعداد کو دبا کر گھونٹ دے گا وہ نامراد ہوگا۔ تزکیہ کا مطلب یہ ہے کہ نفس کو برائیوں سے محفوظ رکھ کر تقویٰ کی بلندی پر پہنچائے اور بھلائی کی نشوونما کرے اور نفس کے نامراد اور خاک میں ملا دینے کا مطلب یہ ہے کہ نفس کی باگ ڈور شہوت وغضب کے ہاتھ میں سراسر تھما دے، نہ شریعت کی پرواہ کرے اور نہ عقل ودانش کی رعایت رکھے۔ خواہش کی پیروی میں جانوروں کی طرح آزاد

ہو جائے۔ظاہر ہے کہ جو شخص نفس میں پائی جانے والی نیکی کے رجحانات کو ابھارنے اور ان کو نشو ونما دینے کے بجائے الٹا ان کو دبا دے۔ بلکہ بہکا کر برائی کے میلانات کی طرف نفس کی لگام پھیر دے اور برائی کو اپنے اوپر اس طرح طاری کر لے کے نیکی دب کر اور چھپ کر رہ جائے تو اس سے بڑھ کر نامرادی کیا ہوگی۔خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے اپنی حکمت بالغہ سے نفس انسانی میں خیر وشر کی متضاد اور متقابل قوتیں رکھی ہیں۔اور دونوں کو سمجھنے اور ان پر چلنے کی قدرت دی۔اس طرح ان مختلف اعمال پر مختلف نتائج وثمرات بھی اس نے رکھے ہیں اور اعمال کے مطابق ثمرات کا رکھنا عین حکمت ہے۔

ایک تاریخی نظیر:............اذانبعث مذکورہ بالا اصولوں کی وضاحت اور تائید کے لئے ایک تاریخی نظیر بیان کی جارہی ہے۔پہلی آیت میں ہر چند کہ یہ بتلایا گیا تھا کہ تقویٰ وفجور کا الہام اجمالی فطری ہے۔لیکن جہاں تک اس کی تفصیلات کا تعلق ہے وہ وحی الٰہی سے ہے۔جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ تقویٰ کیا ہوتا ہے اور کس طرح حاصل ہوتا ہے اور فجور کا تعلق کن کن چیزوں سے ہے۔جن سے انسان کو پرہیز کرنا چاہیئے۔انسان اگر وحی الٰہی کی اس واضح ہدایات کو قبول نہ کرے تو وہ نہ فجور سے بچ سکتا ہے اور نہ تقویٰ کا راستہ پا سکتا ہے۔اسی طرح ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کا لازمی نتیجہ فلاح ہے اور فسق وفجور کا نتیجہ نامرادی اور بربادی ہے۔چنانچہ قوم ثمود کی تاریخی نظیر سے بھی یہ دونوں باتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔کیونکہ اس قوم کا حال عربوں کے لئے جانا پہچانا تھا۔تجارت کے لئے شام کو جاتے ہوئے یہ بستی سرراہ پڑتی ہے۔جس کا ذکر اشعار جاہلیت میں بھی ملتا ہے۔قوم ثمود نے اپنے پیغمبر حضرت صالحؑ کو جھٹلایا اور اپنی سرکشی اور تمرد کی وجہ سے ان کی بات مان کر ہی نہیں دی۔اور کسی طرح بھی تقویٰ اور پرہیز گاری کی راہ نہیں اپنائی۔سورۂ اعراف میں بھی اس واقعہ کا ذکر ہوا ہے۔

فرمائشی معجزہ:............حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ سن کر ان سے قوم نے نشان اور معجزہ کی فرمائش کی۔اور پتھر سے گائے اور اونٹنی برآمد کرنے پر اصرار کیا۔چنانچہ حسب فرمائش بطور معجزہ برآمد ہوگئی۔چارہ کے لئے تو وہ جنگل نکل جاتی اور پانی کا یہ انتظام ہوا کہ چشمہ کا ایک دن اونٹنی کے لئے مخصوص رہا اور ایک دن دوسرے تمام جانوروں کے لئے باری کا مقرر ہوا اور آگاہ کر دیا گیا کہ کسی نے برے ارادہ سے اونٹنی کو ہاتھ لگایا تو اس پر عذاب آجائے گا۔کچھ دن توڑ کر پابندی کرتے رہے۔لیکن آخر کار صورت حال سے تنگ آکر قدار بن سالف نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔اس طرح وہ غائب یا ہلاک ہوگئی اور اس کا بچہ اس پتھر میں غائب ہوگیا جہاں سے وہ برآمد ہوئی تھی۔

و لا یخاف عقبھا یعنی دنیا کے فرمانرواؤں کو جس طرح کسی کو سزا دینے کے بعد کبھی اندیشہ لاحق ہوا کرتا ہے کہ کہیں ردعمل کے طور پر ملک میں شورش نہ ہو جائے یا نظم حکومت میں کوئی خلل نہ پڑ جائے۔اللہ کا اقتدار سب سے اعلیٰ ہے اسے اس کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی کہ یہ قوم یا اس کے حمایتی اس کا پیچھا کریں گے۔

خلاصۂ کلام:............اس سورت کا عمودی مقصد نیکی بدی کا امتیاز بتلانا تھا۔اور اس فرق سے انکار اور بدی پر چلتے رہنے اور اصرار کرنے والوں کو ان کے انجام بد سے ڈرانا ہے۔اس سورت کی پہلی دس آیات میں تین باتیں سمجھائی گئی ہیں۔ایک یہ کہ چاند، سورج، رات، دن، زمین، آسمان جس طرح ایک دوسرے سے مختلف اور اپنے آثار ونتائج میں متضاد ہیں۔یہی حال نیکی بدی اور ان کے اثرات کے تضاد کا ہے۔نیکی بدی نہ صورۃ یکساں ہیں اور نہ حقیقۃ۔پھر ان کے نتائج میں یکسانیت کیسے آسکتی ہے۔دن اگر رات، یا رات اگر دن نہیں ہو سکتی۔اسی طرح دن کے اثرات رات میں اور رات کے نتائج دن میں اگر نمایاں نہیں ہو سکتے۔تو نیکی بدی، یا بدی

نیکی کیسے بن سکتی ہے۔ اسی طرح نیکی پر بدی کے اور بدی پر نیکی کے ثمرات کیسے مرتب ہو سکتے ہیں۔ ورنہ کانٹوں کی جگہ پھول اور پھول کی جگہ کانٹے اگنے چاہئیں۔

دوسری بات یہ سمجھائی ہے کہ انسان کو محض جسمانی اعضاء اور ذہنی قوتیں دے کر بالکل بے خبر دنیا میں نہیں چھوڑا بلکہ لاشعوری طور پر فطری الہام سے نیکی بدی کا فرق بتلا دیا۔ اور خیر وشر کا فی نفسہ احساس دلا کرا تارا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ انسان اپنا مستقبل بنانا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ خدا کی دی ہوئی قوتوں کو استعمال کرے۔ ہاتھ پاؤں چلائے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اچھے برے رجحانات میں سے کس کو ابھارتا اور کس کو دباتا ہے۔ اچھے رجحانات ابھارنے اور برے رجحانات دبانے سے اسے فلاح نصیب ہوگی۔ لیکن اچھائی کے جذبہ کو اگر برائی کا داعیہ ابھارے گا تو یقیناً نامراد ہوگا۔

ان تینوں مضامین کے نصف آخری نیکی بدی کے انجام کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک تاریخی نظیر پیش کی گئی ہے۔ کہ اللہ کا رسول صالحؑ اپنی قوم ثمود کے پاس یہ پیغام لایا کہ فطری الہامی علم جو نیکی بدی میں فرق کرنے کے لئے انسان کو ملا ہے صرف وہ کافی نہیں ہے۔ سی لئے انسان نیکی بدی بھلے برے کا معیار تجویز کرنے میں ہمیشہ چوکنا رہا اور گمراہی کے غار میں گرتا رہا۔ اس کا صحیح پیمانہ تو خالق کائنات ی بتلا سکتا ہے۔ جس طرح آنکھ کی روشنی کے لئے باہر فضا کا روشن ہونا بھی ضروری ہے، باہر اندھیرا ہوگا تو نور نظر بھی کام نہیں دے گا۔ یہی عال نور بصیرت کا ہے کہ اس فطری ہدایت کے ساتھ وحی کی روشنی بھی ناگزیر ہے۔ اگر وحی کی واضح ہدایات نہیں تو کتنے اشراقین تباہی کے نار میں جا پڑے۔ حضرت صالحؑ بھی ثمود کے پاس یہی روشنی لے کر تشریف لائے اور ان کا منہ مانگا معجزہ دکھلا دیا۔ مگر قوم نے غیبت خسران کی راہ اپنائی۔ تباہی کا نتیجہ ان کے سامنے تھا۔ اہل مکہ کو صاف طور پر تو یہ نہیں کہا کہ تمہارا حشر بھی یہی ہوگا۔ مگر جب حال ان کا وہی ہے تو نتیجہ بھی ظاہر ہے وہی ہوگا۔

ضائل سورت:............ **من قرء سورة الشمس فكانما تصدق بكل شئ طلعت عليه الشمس والقمر** ترجمہ: جو شخص سورۂ والشمس پڑھے گا تو سمجھا جائے گا کہ جتنی چیزوں پر چاند سورج طلوع ہوئے ہیں۔ اس نے اتنا صدقہ کیا ہے۔

طائف سلوک:............ **ونفس وما سواها** یعنی نفس کو اس طرح سنوارا کہ وہ بار امانت اٹھانے کے لائق ہو گیا۔ آگے چل کر ں کے لئے دوراستے ذکر کئے گئے۔ یعنی تقویٰ اور فجور اور نفس کو ان دونوں کا الہام کیا گیا اور ایک تیسرے نفس کی حیثیت ان دونوں التوں کے درمیان بنائی۔ پس نفس اگر نافرمانی اور گناہ کی طرف مائل ہوتا ہے تو اسے ''نفس امارہ بالسوء'' کہا جاتا ہے۔ اور پرہیزگاری کی رف مائل ہوتا ہے تو اس کو نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر نفس گناہ کر کے جلد پشیمان ہو جائے تو اس کو ''لوامہ'' کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ دکو ملامت اور خواہشوں کی مذمت کرتا ہے اور اپنے شیطان پر لعنت بھیجتا ہے اور اپنی شہوت پر غصہ اور لذتوں پر نفرین کرتا ہے اور جو گناہ یا اس سے تائب ہو جاتا ہے پھر جب اس کی خالص توبہ کامل ہو جاتی ہے تو اس کے لئے پھر اپنی حفاظت ضروری ہو جاتی ہے۔ تاکہ ہیں پہلی حالت کی طرف رجعت نہ ہو جائے۔ اب اس کے لئے اس حالت پر برقرار رہنا آسان ہو جاتا ہے۔ تاہم چوکنا رہنے کی رورت ہے۔ تاوقتیکہ ملکۂ راسخہ حاصل نہ ہو جائے۔ پھر بھی جب تک دار التکلیف میں ہے۔ رجعت کا کھٹکا لگا رہتا ہے اللہ سے رتا ہے۔ نفس پر مختلف احوال اسی طرح طاری رہتے ہیں۔ جس طرح بدن پر مختلف حالات اور عوارض لاحق ہوتے ہیں۔ **فالهمها فجورها وتقواها** نفس کی طرف فجور وتقویٰ کی اضافت سے بعض حضرات نے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ نفس کو اس فجور وتقویٰ کا الہام جاتا ہے جس کی اس میں پہلے سے استعداد ہوتی ہے۔

سُوْرَةُ الَّيْلِ

سُوْرَةُ وَاللَّيْلِ مَكِّيَّةٌ اِحْدٰى وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ الَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى﴿۱﴾ بِظُلْمَتِهٖ كُلَّ مَابَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ **وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى**﴿۲﴾ تَكَشَّفَ وَظَهَرَ وَاِذَا فِي الْمَوْضَعَيْنِ لِمُجَرَّدِ الظَّرْفِيَّةِ وَالْعَامِلُ فِيْهَا فِعْلُ الْقَسَمِ **وَمَا** بِمَعْنٰى مَنْ اَوْ مَصْدَرِيَّةٌ **خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى**﴿۳﴾ اٰدَمَ وَحَوَّاءَ اَوْ كُلَّ ذَكَرٍ وَكُلَّ اُنْثٰى وَالْخُنْثٰى الْمُشْكِلُ عِنْدَنَا ذَكَرٌ اَوْ اُنْثٰى عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَيَحْنَثُ بِتَكْلِيْمِهٖ مَنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ ذَكَرًا اَوَّلَا اُنْثٰى **اِنَّ سَعْيَكُمْ** عَمَلَكُمْ **لَشَتّٰى**﴿۴﴾ مُخْتَلِفٌ فَعَامِلٌ لِلْجَنَّةِ بِالطَّاعَةِ وَعَامِلٌ لِلنَّارِ بِالْمَعْصِيَةِ **فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى** حَقَّ اللّٰهِ **وَاتَّقٰى**﴿۵﴾ اللّٰهَ **وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى**﴿۶﴾ اَىْ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فِى الْمَوْضَعَيْنِ **فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى**﴿۷﴾ لِلْجَنَّةِ **وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ** بِحَقِّ اللّٰهِ **وَاسْتَغْنٰى**﴿۸﴾ عَنْ ثَوَابِهٖ **وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى**﴿۹﴾ **فَسَنُيَسِّرُهٗ** نُهَيِّئُهٗ **لِلْعُسْرٰى**﴿۱۰﴾ لِلنَّارِ **وَمَا** نَافِيَةٌ **يُغْنِىْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى**﴿۱۱﴾ فِى النَّارِ **اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى**﴿۱۲﴾ لتبيين طَرِيْقِ الْهُدٰى مِنْ طَرِيْقِ الضَّلَالِ ليتمثل اَمْرَنَا بِسُلُوْكِ الْاَوَّلِ وَنَهْيِنَا عَنْ اِرْتِكَابِ الثَّانِىْ **وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى**﴿۱۳﴾ اَىِ الدُّنْيَا فَمَنْ طَلَبَهَا مِنْ غَيْرِنَا فَقَدْ اَخْطَأَ **فَاَنْذَرْتُكُمْ** خَوَّفْتُكُمْ يَااَهْلَ مَكَّةَ **نَارًا تَلَظّٰى**﴿۱۴﴾ بِحَذْفِ اِحْدَى التَّائَيْنِ مِنَ الْاَصْلِ وَقُرِئَ بِثُبُوْتِهَا اَىْ تَتَوَقَّدُ **لَايَصْلٰهَآ** يَدْخُلُهَا **اِلَّا الْاَشْقَى**﴿۱۵﴾ بِمَعْنَى الشَّقِيِّ **الَّذِىْ كَذَّبَ** النَّبِيَّ **وَتَوَلّٰى**﴿۱۶﴾ عَنِ الْاِيْمَانِ وَهٰذَا الْحَصْرُ مُؤَوَّلٌ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَيَغْفِرُمَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ فَيَكُوْنُ الْمُرَادُ الصَّلِيَّ الْمُؤَبَّدُ **وَسَيُجَنَّبُهَا** يَبْعُدُ عَنْهَا **الْاَتْقَى**﴿۱۷﴾ بِمَعْنَى التَّقِىِّ **الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى**﴿۱۸﴾ مُتَزَكِّيًا بِهٖ عِنْدَ اللّٰهِ بِاَنْ يُّخْرِجَهٗ لِلّٰهِ تَعَالٰى لَارِيَاءً وَّلَاسُمْعَةً فَيَكُوْنُ زَكِيًّا عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهٰذَا نَزَلَ فِى الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ لَمَّا اشْتَرٰى بِلَالًا الْمُعَذَّبَ عَلٰى اِيْمَانِهٖ وَاَعْتَقَهٗ فَقَالَ الْكُفَّارُ اِنَّمَافَعَلَ ذٰلِكَ لِيَدٍ كَانَتْ لَهٗ عِنْدَهٗ فَنَزَلَ **وَمَالِاَحَدٍ** بِلَالٍ وَغَيْرِهٖ **عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى**﴿۱۹﴾ **اِلَّا** لٰكِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ **ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى**﴿۲۰﴾

اَیْ طَلَبَ ثَوَابَ اللّٰهِ **وَلَسَوْفَ يَرْضٰى** ﴿۲۱﴾ بِمَا يُعْطَاهُ مِنَ الثَّوَابِ فِی الْجَنَّةِ وَالْاٰيَةُ تَشْتَمِلُ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ فِعْلِهٖ فَيَبْعُدُ عَنِ النَّارِ وَيُثَابُ ع ۲۱ ۱۷

سورۂ والیل مکیہ ہے، اس میں ۲۱ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: .... قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے (آسمان وزمین کے درمیان فضا کو اندھیرے سے چھپا لے) اور دن کی جب کہ وہ روشن (نمایاں ہو اور چمکے دونوں جگہ اذا محض ظرف کے لئے اور فعل قسم عامل ہے) اور اس ذات کی (ما بمعنی من ہے یا مصدریہ ہے) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا (آدم اور حواء اور ہر مرد وعورت مراد ہے اور واقعی ہیجڑہ ہمارے اعتبار سے مشکل سمجھا جائے گا۔ لیکن عند اللہ وہ مرد یا عورت ہے۔ چنانچہ اگر کوئی حلف کرے کہ میں کسی مرد اور عورت سے کلام نہیں کروں گا اور وہ ہیجڑہ سے بات کرے تو قسم ٹوٹ جائے گی) فی الحقیقت تم لوگوں کی کوششیں (اعمال) مختلف قسم کی ہیں (کوئی جنت کے کام کرتا ہے اطاعت کر کے اور کوئی نافرمانی کر کے دوزخ کماتا ہے) سو جس نے مال دیا (اللہ کا حق) اور (اللہ سے) ڈرا اور اچھی بات (دونوں جگہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ مراد ہے) کو سچا سمجھا۔ سو ہم راحت کی چیز (جنت) کے لئے سہولت دیں اور جس نے (اللہ کے حق میں) بخل کیا اور (ثواب سے) بے نیازی برتی اور اچھی بات کو جھٹلایا۔ اس کو ہم تکلیف دہ چیز (جہنم) کے لئے سامان کر دیں گے اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا (ما نافیہ ہے) جب کہ وہ ڈال دیا جائے گا (دوزخ میں) بے شک راستہ بتانا ہمارے ذمہ ہے (ہدایت اور گمراہی کا الگ الگ کر دینا۔ تاکہ پہلے راستہ پر چل کر وہ ہمارے حکم کی تعمیل کرے۔ اور دوسرے کے اختیار سے باز رہے) اور ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا (لہٰذا جو ہمارے علاوہ دوسرے سے چاہے گا وہ غلطی کرے گا) پس میں نے (مکہ والوں) تمہیں خبردار کر دیا ہے بھڑکتی ہوئی آگ سے (تلظی کی اصل میں دو تائیں تھیں جن میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اور ایک قرأت میں دونوں کو پڑھا گیا ہے یعنی دہکتی ہوئی آگ) اس میں وہی بدبخت داخل ہوگا (اشقی بمعنی شقی ہے) جس نے (پیغمبر کو) جھٹلایا اور روگردانی کی (ایمان سے آیت ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء کی وجہ سے اس حصر کی تاویل کی جائے گی۔ لہٰذا دوزخ میں داخل ہونے سے ہمیشہ کا داخلہ مراد ہوگا) اور اس سے دور (الگ) رکھا جائے گا۔ وہ پرہیزگار (اتقی بمعنی تقی ہے) جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے (مال کے ذریعہ اللہ کے نزدیک ہونے کے لئے صرف اللہ کے لئے پیسہ خرچ کرے، ریاکاری اور دکھلاوے کے لئے نہ ہو، جس سے اللہ کے نزدیک پاکیزہ ہو جائے گا۔ یہ آیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جب کہ انہوں نے بلالؓ کو خرید کر اس وقت آزاد کیا جب انہیں ایمان لانے کی وجہ سے ستایا جارہا تھا۔ مگر کافر کہنے لگے کہ ابوبکرؓ نے تو اس احسان کا بدلہ چکانے کے لئے جو بلالؓ نے ان پر کیا تھا۔ اس پر اگلا جملہ نازل ہوا) اس پر کسی (بلالؓ وغیرہ) کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ البتہ (لیکن اس نے یہ کیا ہے) صرف اپنے عالی شان پروردگار کی رضا جوئی کے لئے (ثواب حاصل کرنے کے لئے) اور وہ ضرور خوش ہوگا (جنت میں جو اسے ثواب عطا ہوگا اور آیت ہر اس شخص کے لئے بھی ہے جو ابوبکرؓ جیسے اعمال کرے گا۔ لہٰذا اسے بھی دوزخ سے دور رکھا جائے گا اور اسے اجر ملے گا)۔

تحقیق وترکیب: .... والیل اذا یغشی رات میں چونکہ سکون واطمینان ہوتا ہے اس لئے اس عظیم نعمت کی قسم کھائی گئی ہے۔ اور یغشی کی ضمیر الشمس کی طرف راجع ہے۔ جیسا کہ والیل اذا یغشی میں گزر چکا ہے۔ یا النہار کی طرف راجع ہے۔ جیسا کہ یغشی الیل النہار میں گزرا ہے یا ہر چھپانے والی چیز کی طرف راجع ہے۔ جیسا کہ اذا وقب میں آ رہا ہے۔

وما خلق اگر ما بمعنی من ہو تو اللہ کی ذات مراد ہوگی۔ دوسری صورت ما مصدریہ کی ہے۔ خنثی کا مرد یا عورت ہونا بقول

کشافؒ ہمارے لئے تو اس کا امتیاز مشکل ہے۔ کیونکہ اس میں دونوں قسم کی علامات پائی جاتی ہیں۔ اس لئے کیسے تصفیہ کیا جائے۔ مگر اللہ کو صحیح حقیقت حال معلوم ہے کہ فی الواقع وہ مرد ہے یا عورت؟ چنانچہ قسم کھانے سے ہیجڑہ بھی اس میں داخل ہوجائے گا یعنی اس سے کلام کرنے پر بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔ کیونکہ واقع میں وہ مرد عورت میں سے کسی ایک قسم میں داخل ہے۔ کوئی تیسری قسم نہیں کہ قسم میں داخل کرنے میں اشکال ہو۔ برخلاف ابوالفضل ہمدانیؒ کے کہ وہ خنثٰی کو تیسری قسم مانتے ہیں۔ لیکن آیت یھب لمن یشاء اناثا ویھب لمن یشاء الذکورا اس خیال کی نفی کررہی ہے۔ کیونکہ مخلوق کا انحصار دو ہی قسم پر ہوتا ہے۔ اور ایک صورت ہیجڑا پن کی ہوتی ہے۔ کہ بول چال، حرکات وسکنات میں زنانہ پن ہو۔ وہ مرد ہی سمجھا جائے گا۔

ان سعیکم لشتٰی یہ جواب قسم ہے۔ شتی شتیت کی جمع ہے جیسے مریض کی جمع مرضٰی آتی ہے۔ شتات کے معنی اختلاف کے ہیں۔

فاما من اعطٰی یہ شتی کی تفصیل ہے۔

بالحسنٰی پورا کلمہ طیبہ مراد ہے۔

فسنیسرہ ۔یسر الفرس کے معنی گھوڑے کا سامان فراہم کرنے کے ہیں۔ اسی طرح یہاں اسباب جنت مراد ہیں۔ اس میں سین استقبالیہ نہیں۔ بلکہ تحسین کلام کے لئے کیونکہ اسباب کی سہولت فی الحال میسر ہے۔

یسرٰی آسان خصلت اور عسرٰی دشوار خصلت کو کہتے ہیں ما یعنی ما نافیہ ہے۔ یا استفہام انکاری کے لئے ہے۔

اذا تردٰی ردی کے معنی بقول مجاہدؒ ہلاک کے ہیں یا تردی سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی قبر یا جہنم میں گرنے کا ہے ان دونوں آیات میں صفت تقابل پائی جاتی ہے۔ پہلی آیت میں جتنے الفاظ آئے ہیں دوسری آیت میں اس کا مقابل ذکر کئے گئے جس سے کلام میں بلاغت ولطافت آگئی۔

ان علینا للھدٰی ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ اس میں اختصار ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہونی چاہئے تھی۔ ان علینا للھدٰی والضلالۃ مفسرؒ اسی کے جواب کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ ہدایت سے یہاں تبیین مراد ہے۔ اور اس کا معمول محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے ان علینا التبیین طریق الحسن من الباطل جیسے دوسری آیت وعلی اللہ قصد السبیل ہے۔

للاٰخرۃ والاولٰی بقول مفسرؒ اولٰی سے مفسر مراد ہے یعنی اللہ جسے اور جس قدر چاہے ثواب دارین عطا کرے۔ یا مہتدین کو ہدایت کا ثواب اور گمراہوں کو گمراہی کی سزا دے۔ یا یہ مطلب ہے کہ دین ودنیا کا مالک چونکہ اللہ ہے لہٰذا ہدایت پر نہ چلنے کا نقصان اللہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

لایصلٰھا الاالاشقٰی ۔اشقٰی اور اتقٰی اسم تفضیل بھی ہوسکتے ہیں۔ بظاہر اس حصہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ مؤمن فاسق دوزخ میں نہیں جائے گا صرف کفار جائیں گے۔ لیکن آیت ویغفر مادون ذلک کی وجہ سے اس حصہ کو ظاہر پر نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ اس کی تاویل کی جائے گی کہ یہاں دخول ابدی مراد ہے۔ اور وہ کافر کے لئے مخصوص ہے کیونکہ اگر مؤمن کو بالکلیہ معاف کردیا تب تو وہ جہنم میں جائے گا ہی نہیں۔ اور بغیر سزا معافی نہ ہوئی تو محدود وقت کے لئے داخلہ ہوگا۔ سزا کے بعد پھر نکال لیا جائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ اشقٰی کا مصداق کافر منافق ہی ہوسکتا ہے۔ اس لئے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے مرجئیہ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ گنہ گار مسلمان بالکل دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ کیونکہ ظاہر حصہ سے یہی سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن جب مطلق داخلہ مراد نہیں۔ بلکہ دوامی داخلہ مراد ہے تو پھر یہ استدلال غلط ہوجاتا ہے۔ مفسرؒ نے اس آیت کی بنیاد آیت ویغفر الخ پر جو رکھی ہے وہ بلحاظ مفہوم کے ہی صراحۃً نہیں ہے۔ کیونکہ لمن یشاء سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مؤمن کی مغفرت نہ چاہے تو وہ اس کو دوزخ میں بھیج سکتا ہے۔

یتزکی ۔ یؤتی سے بدل ہے یا اس کے فاعل سے حال ہے۔ پہلی آیت میں صلہ ہونے کی وجہ سے محل اعراب میں نہیں ہے۔ کیونکہ صلہ کا اعراب نہیں ہوتا۔ اور ثانی صورت میں محل نصب میں ہے۔ مفسرؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے ای متز کیا بہ عند اللہ .

الا ابتغاء استثناء منقطع ہے یا محذوف کے ساتھ متصل ہے ای لا یؤتی مالہ الاابتغاء وجہ ربہ لالمکافاۃ نعمتہ لیکن زمخشریؒ بلحاظ معنیٰ مفعول لہ مانتے ہیں اور فراءؒ نصب کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں ما اعطیتک ابتغاء جزائک بل ابتغاء وجہ اللہ عام قرأت نصب کی ہے اور یحییٰؒ محل نعمۃ سے بدل قرار دیتے ہوئے مرفوع پڑھتے ہیں کیونکہ من نعمۃ فاعل ہے یا مبتداء ہے اور بدل بنانا لغت تمیم پر ہے۔ کیونکہ ان کے یہاں غیر موجب کلام میں متصل کی جگہ منقطع لاتے ہیں۔

ربط آیات: ....سورۂ والشمس اور سورۂ واللیل کا مضمون بہت زیادہ ملتا جلتا ہے۔ ایک ہی بات کو دونوں میں ایک ایک انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دونوں سورتیں قریب قریب زمانہ کی ہیں۔ دونوں میں اعمال اور ان کی مجازات کا بیان ہے وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

شانِ نزول:............قال ابن الجوزی اجمعوا علی انھا نزلت فی ابی بکرؓ لما اشتریٰ بلالا المعذب علی ایمانہ کان یعذبہ مولاہ امیۃ بن خلف علی ایمانہ فقال ابو بکرؓ الاتتقی فی ھذا المسکین قال انت افسدتہ فانقذہ مما تری فقال ابو بکرؓ افعل عندی غلام اسود احلا منہ واقوی علی دینک اعطیک قال فقد فعلت فاعطاہ ابو بکر غلامہ فاعتقہ فقال الکفار انما فعل ذلک لید ای النعمۃ کانت لہ عندہ وکان الصدیق رضی اللّٰہ عنہ یبتاع الضعفۃ فیعتقھم فقال لہ ابوہ ای بنی لو کنت تبتاع من یمنع ظھرک فقال منع ظھری ارید وقال ابن الجوزی ایضا ففیھا التصریح بانہ اتقٰی من سائر الامۃ والاتقٰی ھو الاکرم عنداللّٰہ لقولہ ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقکم والاکرم عنداللّٰہ ھو الافضل ینتج انہ افضل من بقیۃ الامۃ وفی معالم التنزیل یتزکی یطلب ان یکون عنداللّٰہ زاکیا لا ریاء ولا سمعۃ یعنی ابابکر الصدیق فی قول الجمیع ۔عن علیؓ قال کنا فی جنازۃ فی بقیع الغرقد فاتانا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فعقد فعقدنا حولہ ومعہ مخصرۃ فنکس فجعل ینکث بمخصرتہ ثم قال ما منکم من احد مامن نفس منفوسۃ الاوقد کتب اللّٰہ مکانھا من الجنۃ والنار والاوقد کتبت شقیۃ اوسعیدۃ قال فقال رجل یارسول اللّٰہ افلا نمکث علی کتابنا وندع العمل فقال من کان من اھل السعادۃ فسیصیر الی عمل اھل السعادۃ ومن کان من اھل الشقاوۃ فسیصیر الی عمل اھل الشقاوۃ فقال اعملوا فکل میسر اما اھل السعادہ فییسرون لعمل اھل السعادہ واما اھل الشقاوۃ فییسرون ثم قرء فاما من اعطیٰ واتقٰی وصدق بالحسنٰی فسنیسرہ للیسریٰ واما من بخل واستغنٰی وکذب بالحسنٰی فسنیسرہ للعسریٰ ۔

﴿تشریح﴾: ....**والیل** دنیا میں جس طرح رات دن، نرمادہ، مختلف اور متضاد چیزیں پیدا کی گئی ہیں اور ان سے ہر دو کے آثار ونتائج باہم متضاد ہیں۔ اسی طرح تمہارے اعمال اور کوششیں بھی متضاد ہیں اور ان کے مقاصد بھی مختلف ہیں۔

تین جامع بنیادیں:............**فامامن اعطی** یہ سعی کی ایک قسم ہے۔ جس کے ذیل میں تین جامع بنیادوں کو بتلایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ جو شخص کھلے دل سے اپنے مال میں سے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی اور نیک راستہ میں خرچ کرے۔ دوسرے اس کے دل میں خوف خدا ہو اور زندگی کے ہر گوشہ میں اللہ کی ناراضگی سے بچتا رہے۔ تیسرے یہ کہ اسلام کی تمام

بھلی باتوں کو دل سے سچا مانتا ہے۔ خواہ عقائد و اخلاق ہوں یا اعمال و معاملات سب کو صحیح مانتا ہو یعنی دہریت شرک و کفر کو چھوڑ کر توحید اپنائے۔ رسالت و آخرت پر ایمان رکھے۔ اسی طرح اچھے اعمال یا اخلاق بے شعوری کے ساتھ محض عادت کے طور پر نہ کرے۔ بلکہ خدائی احکام ہونے کے ناطہ ان پر عمل پیرا ہو تو ایسے شخص کے لئے وعدہ ہے کہ ہم اس کے لئے نیکی کا راستہ آسان کر دیں گے اور مقام راحت یعنی جنت میں پہنچا دیں گے۔

راستہ آسان ہونے کا مطلب: .... راستہ کے آسان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ انسانی فطرت اور خدا کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے جس میں انسان کو اپنے جسم، جان، عقل، ذہن پر زبردستی کر کے اور ضمیر سے لڑ کر چلنا نہیں پڑتا اور نہ اسے ہر طرف کی مزاحمت اور کش مکش سے سابقہ پیش آتا ہے۔ بلکہ اسے صلح و آشتی اور قدر و منزلت میسر آتی چلی جاتی ہے۔ تجربہ یہی بتاتا ہے۔ کہ جو شخص مال سے خدمت خلق کرتا ہو اور لوگوں سے نیک سلوک سے پیش آتا ہے اور اچھے اخلاق برتے۔ کسی سے بے وفائی بدعہدی، ظلم و زیادتی، خیانت نہ کرے تو وہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ دل اس کی طرف کھنچنے لگتے ہیں۔ اس کا اپنا دل بھی مطمئن رہتا ہے اور دوسروں کی نگاہ میں بھی عزت قائم رہتی ہے اور اس آسان راستہ پر چلنے کے لئے سہولت دینے کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ اس راستہ کو اپنانے کا فیصلہ کرلے گا۔ اور برائی کی راہ ترک کرنے کا عزم کرلے گا۔ اور اس کا عمل بھی اس پر مہر تصدیق ثبت کردے گا۔ تو اللہ اسے اس پر جمنے کی توفیق دیتا رہے گا۔ اسے نیکی کرنا آسان ہو جائے گا۔ راہ کی دشواریاں ایک ایک کر کے دور ہوتی چلی جائیں گی اور گناہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔ بدکاری کے مواقع پر ان سے لطف اندوز ہونے کے لئے نہیں لپکے گا۔ بدکاری سے دور بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ نماز پڑھنے میں اسے سکون ملے گا۔ زکوٰۃ و صدقات ادا کرنے سے قلبی سکون میسر آئے گا۔ غرض ہر قدم پر اسے غیبی تائید و توفیق ملے گی اور حالات اس کے لئے سازگار بنا دیئے جائیں گے۔ اس راہ کو اختیار کرنے سے پہلے تو یہ انسان کو دشوار گزار گھاٹی معلوم ہوگی اور شیطان ہر طرف ایک ہوا کھڑا کر کے دکھلائے گا۔ لیکن جب انسان اس پر چلنے کے لئے کمر ہمت باندھ لیتا ہے تو پھر خدا کی طرف سے اس گھاٹی پر چڑھنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔

بخل کا انجام .... واما من بخل برخلاف اس کے انسان جدوجہد کی دوسری راہ اگر اپناتا ہے تو اس کے اثرات و نتائج بھی دوسرے ہوتے ہیں۔ بخیلی کا مطلب یہ ہے کہ وہ نیکی اور بھلائی کی راہ میں خرچ نہیں کرتا۔ اگرچہ اپنی ذات، اپنے عیش و آرام، دلچسپیوں، تفریحوں پر پانی کی طرح پیسہ بہاتا ہے۔ مگر نیک کام کے لئے اس کی جیب سے دمڑی نہیں نکلتی۔ اور کچھ پیسہ نکالتا بھی ہے تو پہلے یہ اطمینان کر لیتا ہے کہ اس کے بدلے اسے شہرت نام و نمود حاصل ہوگا اور استغناء اور بے نیازی کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی مرضی اور خوشیوں کی قطعاً پرواہ نہیں کرتا۔ ساری تگ و دو اپنے مادی فائدوں کے لئے کرتا ہے۔ اس کا کعبۂ مقصود اپنے نفس کی غلامی ہوتی ہے۔ اسی طرح اچھائی کے جھٹلانے کا مقصد یہ ہے کہ اسلام و دین کی باتوں اور اللہ کے وعدوں کو جھوٹ جانتا ہے۔ پس ایسے شخص کے لئے سختی کی طرف رخ موڑ دیا جاتا ہے۔ جس سے روز بروز اس کا دل تنگ اور سخت ہوتا جاتا ہے۔ نیکی کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ اور آخر کار دھیرے دھیرے عذاب الٰہی کی انتہائی سختی کی طرف کھچا چلا جاتا ہے۔ اس پر چلنے والا اگرچہ دنیاوی لذتوں مادی کامیابیوں میں منہمک رہتا ہے۔ لیکن ہر وقت اپنی فطرت سے صداقت، دیانت، شرافت، عفت و عصمت سے نبرد آزما رہتا ہے اور اخلاقی حدود توڑ کر خواہشات پورا کرنے میں لگا رہتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی نظروں میں بھی آہستہ آہستہ حقیر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور دوسروں کی نگاہوں سے بھی گر جاتا ہے۔ تا آنکہ اس سے نفرت عام ہو جاتی ہے اور اس کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ کسی کے دل میں بھی اس کے لئے خیر خواہی عزت کی جگہ

نہیں رہتی۔ بلکہ اس کے ساتھی بھی اس کو بدترین سمجھتے ہیں۔

دشواری کی راہ آسان کردینے کا مطلب: .... اور اس سختی کی راہ آسان کردینے کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ بھلائی کے راستہ پر چلنے کی توفیق اس سے سلب کرلی جاتی ہے۔ اور برائی کے دروازے اس پر کھل جاتے ہیں۔ بدی کرنا اس کے لئے آسان ہوجاتا ہے۔ اور اس کے اسباب فراہم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ نیکی تو اسے ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا اس کی جان پر بن رہی ہے۔ نماز روزہ کے نام سے بخار چڑھتا ہے لیکن شیطانی دھندوں میں ہشاش بشاش رہنے لگتا ہے۔ غرض کہ عادت اللہ یہی ہے کہ انسان نیکی اور بدی میں اپنے لئے جس راہ کو پسند اور اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لئے اس کو آسان فرمادیتا ہے۔ **کلا نمد ھٰؤلاء وھٰؤلاء من عطاء ربك وماکان عطاء ربك محظورا** حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے **کل میسر لما خلق له** وما یغنی عنه یعنی جس مال ودولت پر گھمنڈ کرکے یہ آخرت کی طرف سے لاپرواہ ہورہا تھا۔ وہ کچھ کام بھی نہ آئے گا۔ انسان کو ایک روز بہرحال مرجانا ہے۔ اور سارے عیش وعشرت کے سامان کو یہیں چھوڑ جانا ہے۔ قبر میں اسکے ساتھ نہ جائے گا۔ آخرت میں تو آخرت ہی کی چیزیں نیک اعمال جائیں گے۔

اللہ کا نام اور انعام: .... **ان علینا للھدیٰ** یعنی جب اللہ نے انسان کو بتایا ہے تو اس نے اسے بے خبر نہیں رکھا۔ بلکہ اس نے صاف صاف بتلادیا ہے کہ فلاں راہ اچھی ہے اور فلاں راستہ خراب۔ اللہ نے تو اپنی حکمت کے پیش نظر کسی کو نیک وبد بننے کے لئے مجبور نہیں کیا۔ البتہ اپنے ذمہ یہ لیا ہے کہ سب چیزیں کھول کھول کر بیان کردیں کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے؟ حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے؟ کونسا راستہ اختیار کرکے وہ اطاعت گزار ہوگا اور کون سا طریقہ اپنانے سے وہ نافرمان بن جائے گا؟ اب یہ تو بندہ کا کام ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جس راستہ کو چاہے اختیار کرے آخرت میں اسی کے موافق اس کے ساتھ برتاؤ کیا جائے۔ **وان لنا للاٰخرۃ والاولیٰ** یعنی چونکہ دنیا وآخرت کے ہم ہی مالک ہیں۔ اس لئے کسی حالت میں بھی انسان ہمارے قبضہ وقدرت سے باہر نہیں ہے۔ اسی طرح تم نیکی کی راہ اپناؤ یا برائی کا راستہ اختیار کرو، تمہارا اپنا نفع ونقصان تو ہوگا۔ مگر اس سے ہماری ملکیت اور حاکمیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ گمراہی اختیار کروگے تو تمہارا اپنا نقصان ہے۔ ہمارا کیا بگڑسکتا ہے۔ اور راہ راست پر چلوگے تو اس سے ہمارا کوئی نفع نہیں ہے۔ اس مضمون کی ایک حدیث بھی ہے۔ اور ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم دنیا کی بھلائی چاہوگے تو وہ بھی ہمارے پاس ہے اور آخرت کی بہتری کے خواہاں ہوگے تو ہمارے خزانوں میں اس کی بھی کمی نہیں ہے۔

لایصلٰھا نہایت بدبخت سے مراد کافر ہے۔ اور نہایت متقی سے مراد پکا مؤمن ہے۔ پس اس آیت کا مطلب یہ نہیں کہ کافر کے سوا کوئی دوزخ میں نہ جائے گا۔ اور کامل مؤمن کے سوا کوئی اس سے نہ بچے گا۔ بلکہ دونوں کے دو انتہائی اعمال کے انتہائی نتائج بیان کرنے ہیں۔ ایک وہ شخص ہے جو ہر طرح اللہ ورسول کا باغی ہو۔ اور ایک شخص وہ ہے جو مکمل طور پر اللہ ورسول کا وفادار وفرمانبردار ہو۔ پس دوسرے کردار والا نہیں بلکہ پہلے کردار والا آگ میں جھلسے گا۔ اور سدا اس سزا کو جھیلتا رہے گا۔ لیکن جس کی حالت درمیانی ہو کہ بغاوت کا مرتکب تو نہیں البتہ بدعملی کا مجرم ہے۔ اس کے ثمرات بھی اسی طرح ملے جلے ہوں گے۔ برائی کا بھگتان کرکے ہی فلاحیاب ہوگا۔ یہ تو قانونی عدل کا تجزیہ رہا۔ آئین فضل سو وہ جو چاہے کرے۔ کون لب کشائی کرسکتا ہے۔

یؤتی ماله یتزکی. یعنی مال خرچ کرنا کسی طرح کی ریا ونمود ونمائش کے لئے نہیں۔ بلکہ بخل وطمع جیسے رذائل نفس سے پاک ہونے کے لئے ہوتا ہے... کسی کے احسان کا بدلہ چکانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ صرف رحمت الٰہی اور دیدار خداوندی کی تمنا میں گھربار لٹارہا ہے۔ تو ایسا شخص یقین رکھے کہ اسے ضرور خوش کردیا جائے گا اور اس کی یہ خواہش وتمنا ضرور پوری ہوکر رہے گی۔ گویا کہ یہ اس پرہیزگار

آدمی کے خلوص کی اور زیادہ وضاحت کرتی ہے۔ کہ اس کی یہ مالی قربانی کسی کے احسان کا بدلہ چکانے کے لے یا آئندہ کسی نفع کی توقع پر نہیں ہے۔ بلکہ صرف اللہ کی رضا جوئی پیش نظر ہے۔ جس کی بہترین مثال حضرت ابوبکرؓ کا کردار ہے۔ جس کو دیکھ کر ایک مرتبہ ان کے والد نے یہ کہہ کر ان کو ٹوکا تھا کہ تم کمزور لوگوں پر روپیہ خرچ کر رہے ہو۔ اگر مضبوط جوانوں کی آزادی پر روپیہ خرچ کرتے تو وہ تمہارے لئے قوت بازو بنتے؟ جس کا جواب ابوبکرؓ نے یہ دیا کہ انما ارید ما عند اللہ ولسوف یرضٰی رضا کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ اس سے راضی ہو جائے گا اور دوسرے یہ کہ اللہ اس کو اتنا کچھ دے گا کہ وہ خوش ہو جائے گا۔ گویا یہ "ولسوف یعطیك ربك فترضٰی" کی بشارت کا انعکاس ہے جو آگے آ رہی ہے۔

خلاصۂ کلام: .... زندگی کے دو مختلف راستوں اور ان کے نتائج وانجام کا فرق اس سورت میں ظاہر کرنا مقصود ہے۔ شروع سورت سے "اذا تردٰی" تک یہ بتلایا جا رہا ہے کہ انسان دنیا میں جو کچھ بھی اچھی بری جدوجہد اور عمل کر رہا ہے۔ وہ اخلاقی نوعیت سے ایسے ہی مختلف ہیں جیسے رات دن، نر مادہ مختلف ہوا کرتے ہیں۔ نیکی اپنی تین خصوصیات کے ساتھ اور بدی اپنی تین خصوصیات کے ساتھ الگ الگ نتائج لئے ہوئے زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ پہلی خصوصیات ایک خاص طرز زندگی کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اور دوسری خصوصیات پہلی سے مختلف طرز زندگی کی عکاسی کرتی ہیں۔ جو شخص اللہ کی رضا جوئی کے لئے مال خرچ کرے، خدا ترسی اور پرہیز گاری کو اختیار کرے اور بھلائی کو بھلائی مانے اللہ تعالیٰ اس کے لئے زندگی کے صاف اور سیدھے راستہ کو سہل کر دیتا ہے یہاں تک کہ اس کے لئے نیکی آسان اور بدی مشکل ہو جاتی ہے۔ لیکن جو شخص دوسرے طرز زندگی کو اپنائے گا۔ یعنی خدا کی راہ میں بخل کرے گا اور اللہ کی رضا جوئی اور ناراضگی سے بے پرواہ ہو جائے اور بھلی بات جھٹلانے لگے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے لئے زندگی کے سخت راستہ کو آسان کر دے گا۔ یہاں تک کہ اس کے لئے بدی آسان اور نیکی مشکل ہو جائے گا۔ اور یہ کہہ کر بات کو ختم کر دیا گیا کہ یہ مال جس کے پیچھے آدمی جان دے دیتا ہے۔ قبر میں اس کے ساتھ نہیں جائے گا کہ مرنے کے بعد بھی اس کے کام آئے۔ بلکہ یہیں رہ جائے گا اور دوسرے لے اڑیں گے۔ آیت انا علینا للھدٰی سے لے کر آخری سورت تک مختصر طریقہ پر تین حقیقتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ (۱) اللہ نے انسان کو دنیا میں بے خبر نہیں چھوڑا ہے۔ بلکہ اپنے ذمہ یہ لے لیا ہے کہ وہ اسے جتلا دے کہ زندگی میں کون سا راستہ سیدھا ہے۔ (۲) دنیا وآخرت دونوں کا مالک اللہ ہے۔ یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے کہ تمہیں دنیا چاہیئے یا آخرت لیکن جو کچھ چاہو گے وہ سب کچھ اس کے پاس موجود ہے۔ (۳) جو بدبخت الٰہی تعلیمات کو جھٹلائے گا اور اللہ کی ہدایت سے منہ موڑے گا۔ اس کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار ہے۔ لیکن جو خدا ترس انسان پوری بے غرضی کے ساتھ صرف اللہ کی خوشنودی کی خاطر اپنا مال راہ مولیٰ میں صرف کرے گا۔ اس کا رب اس سے راضی ہوگا اور اسے اتنا کچھ دے گا کہ وہ خوش ہو جائے گا۔

فضائل سورت: .... من قرء سورة واللیل اعطاه الله تعالی حتی یرضی وعافاه من العسر ویسره الیسری جو شخص سورۂ واللیل پڑھے گا اس کو اللہ اتنا دے گا کہ وہ خوش ہو جائے گا اور اسے تنگی سے محفوظ اور سہولت سے نوازے گا۔ (حدیث موضوع)

لطائف سلوک: .... فسنیسرہ للیسرٰی معلوم ہوا کہ اصل دارومدار اللہ کی توفیق اور خذلان پر ہے۔ حدیث کل میسر لما خلق له بھی اس کی مؤید ہے۔

سُوْرَةُ الضُّحٰى

سُوْرَةُ وَالضُّحٰى مَكِّيَّةٌ اِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً وَّلَمَّا نَزَلَتْ كَبَّرَ النَّبِيُّ ﷺ فَسُنَّ التَّكْبِيْرُ اٰخِرَهَا وَرُوِيَ الْاَمْرُ بِهٖ خَاتِمَتَهَا وَخَاتِمَةَ كُلِّ سُوْرَةٍ بَعْدَهَا وَهُوَ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَوْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَالضُّحٰى ﴿۱﴾ اَوَّلَ النَّهَارِ اَوْ كُلَّهُ **وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى** ﴿۲﴾ غَطّٰى بِظَلَامِهٖ اَوْ سَكَنَ **مَاوَدَّعَكَ** يَامُحَمَّدُ **رَبُّكَ وَمَا قَلٰى** ﴿۳﴾ اَبْغَضَكَ نَزَلَ هٰذَا لَمَّا قَالَ الْكُفَّارُ عِنْدَ تَاَخُّرِ الْوَحْيِ عَنْهُ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا اِنَّ رَبَّهٗ وَدَّعَهٗ وَقَلَاهُ **وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ** لِمَا فِيْهَا مِنَ الْكَرَامَاتِ **مِنَ الْاُوْلٰى** ﴿۴﴾ اَلدُّنْيَا **وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ** فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَيْرَاتِ عَطَاءً جَزِيْلًا **فَتَرْضٰى** ﴿۵﴾ بِهٖ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذًا لَّا اَرْضٰى وَوَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِيْ فِي النَّارِ اِلٰى هُنَا تَمَّ جَوَابُ الْقَسَمِ بِمُثْبَتَيْنِ بَعْدَ مَنْفِيَّيْنِ **اَلَمْ يَجِدْكَ** اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ اَيْ وَجَدَكَ **يَتِيْمًا** بِفَقْدِ اَبِيْكَ قَبْلَ وِلَادَتِكَ اَوْ بَعْدَهَا **فَاٰوٰى** ﴿۶﴾ بِاَنْ ضَمَّكَ اِلٰى عَمِّكَ اَبِيْ طَالِبٍ **وَوَجَدَكَ ضَآلًّا** عَمَّا اَنْتَ عَلَيْهِ الْاٰنَ مِنَ الشَّرِيْعَةِ **فَهَدٰى** ﴿۷﴾ اَيْ هَدَاكَ اِلَيْهَا **وَوَجَدَكَ عَآئِلًا** فَقِيْرًا **فَاَغْنٰى** ﴿۸﴾ اَغْنَاكَ بِمَاقَنَعَكَ بِهٖ مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَغَيْرِهَا وَفِي الْحَدِيْثِ لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرْضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ **فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ** ﴿۹﴾ بِاَخْذِ مَالِهٖ اَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ **وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ** ﴿۱۰﴾ تَزْجُرْهُ لِفَقْرِهٖ **وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ** عَلَيْكَ بِالنُّبُوَّةِ وَغَيْرِهَا **فَحَدِّثْ** ﴿۱۱﴾ اَخْبِرُوْا حُذِفَ ضَمِيْرُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ الْاَفْعَالِ رِعَايَةً لِّلْفَوَاصِلِ

ع ۱۱ ۱۸

ترجمہ: ....سورۂ والضحیٰ مکیہ ہے۔ اس میں گیارہ آیات ہیں یہ سورت جب نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر پڑھی۔ اس لئے اس سورت کے ختم پر تکبیر پڑھنا مسنون ہے۔ اور اس سورت کے اور اس کے بعد کی تمام سورتوں کے خاتمہ پر تکبیر کے پڑھنے کا حکم منقول ہے۔ اللہ اکبر یا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

قسم ہے روز روشن کی (اول حصہ یا پورا دن مراد ہے) اور رات کی جب کہ وہ طاری ہو جائے (چھا جائے اندھیرے کے ساتھ یا قرار پکڑ لے) کہ (اے محمد!) نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا (خفا) ہوا (پندرہ روز تک وحی موقوف رہنے پر جب کفار کہنے لگے کہ محمدؐ کے رب نے اس کو چھوڑ دیا، اس سے ناراض ہو گیا تو یہ آیت نازل ہوئی) اور یقیناً آخرت آپ کے لئے بدرجہا بہتر ہے (کرامتوں کے لحاظ سے) بہ نسبت دنیا کے اور عنقریب تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا (یعنی آخرت میں تمہیں بڑی بھلائی نصیب ہوگی) کہ تم خوش ہو جاؤ گے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا میں اس وقت خوش نہیں رہوں گا جب تک میرا ایک بھی امتی دوزخ میں رہ جائے گا۔ دو منفیوں کے بعد دو مثبت چیزوں کو بیان کرنے کے بعد یہاں آکر جواب قسم پورا ہوا) کیا اس نے نہیں پایا (استفہام تقریری ہے یعنی پایا ہے) آپ کو یتیم (آپ کی ولادت سے پہلے یا بعد میں آپ کے والد کا انتقال ہو جانے کی وجہ سے) پھر ٹھکانا فراہم کیا (آپ کو آپ کے چچا ابوطالب کے پاس پہنچا کر) اور اللہ نے آپ کو بے خبر پایا (اس شریعت سے جس پر اب آپ ہیں) پھر ہدایت بخشی (آپ کو اس کی رہنمائی کی) اور اللہ نے آپ کو نادار (غریب) پایا اور پھر آپ کو بے نیاز بنایا (غنیمت وغیرہ کے ذریعہ آپ کو قناعت دے کر بے پرواہ کر دیا۔ حدیث میں ہے کہ مالداری سامان کی زیادتی کا نام نہیں۔ اصل مالداری نفس کا غنا ہے) لہٰذا یتیم پر سختی نہ کیجئے (مال وغیرہ لے کر) اور سائل کو (اس کی غریبی کی وجہ سے) نہ جھڑکئے اور اپنے رب کی نعمتوں کا (نبوت وغیرہ کے سلسلہ میں اظہار کرتے رہا کیجئے (بیان کرتے رہیئے اور بعض افعال سے فواصل آیات کی رعایت کرتے ہوئے ضمیریں حذف کر دی گئی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہیں)۔

تحقیق وترکیب: .... کبر تکبیر کے یہ الفاظ ہیں لا الہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر و للہ الحمد شکر نعمت کے طور پر آپ نے تکبیر پڑھی۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔ ان ترکت التکبیر فقد ترکت سنة من سنن نبیك اس میں اختلاف ہے کہ **والضحی** کے شروع میں تکبیر کی جائے یا آخر میں۔ اسی طرح اس میں اختلاف ہے کہ سورۂ والناس کے شروع میں اس کو ختم کیا جائے یا اس کے ختم پر کیا جائے۔ اسی طرح اس میں بھی دو رائیں ہیں کہ حضورؐ کے قول سے یہ سنت لی گئی ہے یا عمل سے۔

والضحی دن چڑھے کا وقت اور اس وقت کی تخصیص یا اس لئے ہے کہ اس وقت دن میں مضبوطی آجاتی ہے۔ اور یا اس لئے ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت ہمکلامی سے مشرف ہوئے اور جادوگران کے مقابلہ میں ہار کر سجدہ میں گر گئے تھے۔ لیکن پورا دن بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اس سورت میں پہلے دن کو اور اس سے پہلی سورت میں پہلے رات کو ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں فی الجملہ دن کی فضیلت ہے اور اس میں فی الجملہ رات کو اس لئے دونوں سورتوں میں دونوں سورتوں کی رعایت کر لی گئی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ پہلی سورت میں حضرت ابوبکرؓ سے متعلق آیات ہیں۔ اور ایمان لانے سے پہلے ان کی حالت کفر تھی۔ اس لئے رات کا ذکر پہلے کیا اور اس سورت میں حضور پرنورؐ کا ذکر خیر ہے اور آپ کی ساری زندگی نور ایمان سے معمور ہے۔ اس لئے دن کا ذکر پہلے کیا ہے۔ اور اگر ضحیٰ سے مراد معین وقت لیا جائے تو اس سورت میں دن کے ایک حصہ کے اور پچھلی سورت میں پوری رات کا ذکر کرنے میں یہ نکتہ ہوگا کہ ساری رات مل کر دن کے ایک حصہ کے برابر ہے۔ جیسا کہ تنہا حضورؐ سارے عالم کے برابر ہیں۔ نیز چاشت کا وقت سرور ونشاط کا ہوتا ہے اور رات کا وقت وحشت کا۔ گویا اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا کا سرور اس کے شرور سے کم ہوتا ہے۔

اذا سجی ۔ سجی البحر سجوا کے معنی سمندر کی موجیں ہٹ جانے کے ہیں۔ لیل ساج کے معنی بھی سکون پذیر ہونے کے ہیں۔ یہاں رات کا سناٹا مراد ہے۔ سجی کی اسناد لیل کی طرف مجازی ہیں۔ **وما قلی** مفسرؒ نے ابغضك سے حذف مفعول کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ فواصل کی رعایت منظور تھی۔

یعطیک اس میں عموم مراد لینا بہتر ہے۔ دنیاوی اور اخروی نعمتیں مراد ہیں۔ جس میں کمال نفس اور کمال دین بھی داخل ہیں
سوف میں لام ابتداء تاکید کے لئے ہے۔ مبتداء محذوف ہے۔ ای لانت سوف یعطیك لام قسم نہیں ہے۔ کیونکہ وہ نون تاکید کے
راور جملہ خبریہ کے بغیر داخل نہیں ہوتا۔ رہا یہ کہ حرف تاکید اور حرف تاخیر دونوں کیوں جمع کئے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ یہ تاثر دینا ہے کہ
رۂ الٰہی ضرور پورا ہوگا۔ گواس میں کسی مصلحت سے تاخیر ناگزیر ہو جائے۔

الم یجدک وجود بمعنی علم ہے۔ یتیم مفعول ثانی ہے۔ لیکن اگر وجو بمعنی مصادفت ہوتو یتیما مفعول سے حال ہو جائے گا۔
نضرتؐ کے والد ماجد کی وفات بقول ابن سعدؒ آپ کی ولادت سے پہلے ہوگئی تھی۔ ابن اسحاق، ذہبی، ابن کثیرؒ کی رائے بھی یہی ہے۔
بعض کی رائے ہے کہ ولادت کے دوتین یا نو ماہ بعد یا دوتین سال کے بعد ہوئی ہے۔

ضالا بعض نے کہا ہے کہ بچپن میں آپ مکہ میں کہیں گم ہو گئے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ شام کے سفر میں اندھیری رات کے
ت آپ راستہ سے بھٹک گئے تھے۔ پھر جبریل نے رہنمائی کی۔ **ضالا** کے معنی عربی میں کئی آتے ہیں۔ گمراہی کے معنی میں بھی مستعمل
ہے۔ حیران ہونے کے معنی بھی ہیں اور کھو جانے کے معنی بھی آتے ہیں۔ ضل الماء فی اللبن دودھ میں پانی گم ہوگیا۔ ضالة اکیلے
خت کو بھی کہتے ہیں ضلال کا لفظ ضائع ہونے کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور غفلت کے معنی میں بھی آتا ہے لا یضل ربی و لا ینسٰی۔

فاما الیتیم فلا تقھر یتیم منصوب ہے **لا تقھر** کی وجہ سے۔ فا سببیہ اس میں مانع نہیں ہے۔ چنانچہ رضیؒ کہتے ہیں کہ مفعول
حل پر مقدم ہو سکتا ہے۔ جب کہ اس سے پہلے اما کے جواب میں فا آئے۔ کیونکہ اما شرطیہ کے بعد قائم مقام شرط محذوف ہوتا ہے۔
پ کی تین حالتیں بیان کر کے اب تین احکام ان حالات پر مرتب کئے جارہے ہیں۔ عرب میں یتیموں کے مال پر قبضہ کر کے ان کو
نٹ ڈپٹ کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ اس لئے آپ کو ہدایت دی جارہی ہے۔ کہ آپ چونکہ یتیمی کا تکلیف دہ دور دیکھ چکے ہیں۔ اس لئے
پ یتیموں کے ملجا و ماویٰ بنئے۔ ایک قرأت **فلا تلھر** بھی ہے یعنی ترش روئی نہ کیجئے۔

فلا تنھر ابراہیم بن ادھمؒ کا ارشاد ہے نعم القول السوال یحلون زادنا الی الاخرۃ اور حسنؒ فرماتے ہیں کہ السائل
الب العلم۔

فحدث تحدیث نعمت اس شخص کے لئے مناسب ہے جو رذائل سے محفوظ ہو ورنہ رذیلہ میں نفس مبتلا ہونے کا اگر اندیشہ ہو تو
ز بہتر ہے احادیث رسول کو بھی اس تحدیث نعمت پر محمول کیا جائے گا۔ گویا آپ کی زندگی کی مثل وحرکت اللہ کی نعمتوں کا اظہار ہے۔
کہ امت سیرت پاک کی پیروکار ہو سکے۔

بط آیات: ....سورۃ الیل کی آیت **فامامن اعطی الی العسریٰ** تک مہمات اصول وفروع کا کلی عنوان کے ساتھ
ن ہوا تھا اور ان کی تصدیق یا تکذیب پر وعدہ وعید مذکور تھیں۔ اس طرح وہ آیت گویا پچھلے تمام مضامین قرآن کا جہاں ایک جامع
لاصہ ہے وہیں سورۂ والضحیٰ سے سورۂ الناس تک کے مضامین کی ایک مختصر تفصیل بھی ہے۔ چنانچہ انہی مہمات **میں** ایک رسالت کا مسئلہ
ی ہے۔ جس کا بیان اس سورۂ والضحیٰ میں ہے۔ اس میں حضورؐ پر بعض انعامات کا اور ان کے مناسب بعض احکام کا ذکر ہے۔ اسی طرح
مد کی تمام سورتوں میں بعض ان مہمات کی خاص جزئیات کا بیان آرہا ہے۔ اس لحاظ سے یہ سورت اگلی اور پچھلی سورتوں کے درمیان ایک
زخ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے آئندہ سورتوں کا یہ ایک مجموعی مختصر ارتباط بھی ہوگیا۔ اس سورت کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ اس کے
ضمون سے واضح ہے کہ یہ مکہ معظمہ کے بالکل ابتدائی دور کی ہے۔ جب وقفہ وقفہ کے ساتھ رک رک کر وحی آتی تھی۔ وقفہ جب زیادہ ہوا
رشوق و بے قراری بڑھی تو آپ کو یہ خطرہ گزرا کہ کہیں مجھ سے کوئی قصور تو نہیں ہوگیا۔ کہ حق تعالیٰ نے ناراض ہو کر مجھے چھوڑ دیا۔ ''محبت

ست وہزار بدگمانی'' اس پر تسلی آمیز کلمات نازل ہوئے اور آپ کو مطمئن کیا گیا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ وحی کی شدت اور نظام بدن کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے تدریج ملحوظ رکھی گئی ہے۔ لیکن بعد میں جب طبع گرامی عادی ہوگئی اور بار وحی کو برداشت کرنے کا تحمل ہوگیا۔ تو پھر موسلا دھار بارش کی طرح وحی کا سلسلہ جاری ہوگیا۔

روایات: ....قال عکرمة بن ابی سلیمان قال قرأت علی اسماعیل بن عبد اللّٰہ المکی فلما بلغت والضحی قال لی کبر حتی تختم فانی قرأت علی عبد اللّٰہ بن کثیر فامرنی بذلك واخبر مجاهد انه قرأ علی ابن عباس فامره بذلك واخبر عن ابن عباس انه اخبر عن ابی ابن کعب فامر بذلك۔

ما ودعك ربك بارہ یا پندرہ یا چالیس روز تک وحی کا سلسلہ موقوف رہا۔ تو کفار کہنے لگے۔ ان ربه ودعه وقلاه اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی **فترضی** ابن عباسؓ سے دو روایات منقول ہیں (۱) من رضی محمد ان لا یدخل من اهل بیت النار (۲) لا یرضی محمد وواحد من امتی فی النار لیکن مواہب میں ہے کہ اس سے جاہل شیطان کے فریب میں مبتلا ہوکر مغرور نہ ہوجائیں۔

﴿ تشریح ﴾: ....ضحی کے معنی روشن کے ہیں۔ چاشت کے وقت اور رات کے مقابل ہونے کی وجہ سے دن کے معنی ہیں سجی کے معنی تاریکی اور سکوت وسکون کے ہیں۔ رات میں یہ سب باتیں پائی جاتی ہیں۔ **ماودعك** وحی کا سلسلہ کچھ روز منقطع رہا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر انقباضی کیفیت طاری رہی۔ سورۂ اقرأ نازل ہونے کے بعد فترۃ وحی کا زمانہ ممتد ہوگیا۔ جس میں حکمت الٰہی یہ مضمر ہوگی کہ ثقل وحی کا تحمل آپ کرسکیں۔ اور طبعی جذبہ اور شوق کے لئے بھی مہمیز کا کام دے سکے۔ اس لئے آپ سخت مضطرب اور بےچین اور مغموم رہے۔ تا آنکہ **یا ایها المدثر** آیات نازل ہوئیں۔ لیکن مخالفین نے اس کو دوسرا رنگ دے دیا۔ ممکن ہے اسی دوران وہ واقعہ بھی ہوا ہو جو صحیح روایات میں ہے کہ آپ بیماری کی وجہ سے دو تین رات اٹھ نہ سکے۔ تو ایک ناہنجار عورت ام جمیل ابولہب کی بیوی اور آپ کی چچی بولی کہ اے محمد! العیاذ باللہ تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے۔ یا بعض روایات میں ہے کہ آپ سے کسی نے کوئی بات دریافت کی۔ تو آپؐ نے وعدہ فرمالیا کہ کل وحی کے بعد اس کا جواب دوں گا۔ مگر وعدہ کرتے وقت آپؐ نے انشاء اللہ نہیں کہا۔ جس پر وحی وعدہ کے مطابق نہ آئی۔ آپ وعدہ خلافی کے خیال سے منتظر اور بےچین رہے اس پر سورۂ کہف کی آیت **ولا تقولن لشایٔانی فاعل ذٰلك غدا الا ان یشاء اللّٰہ** نازل ہوئی۔ یا بعض روایات میں ہے کہ آپؐ کی بےخبری میں آپ کی سرین کے نیچے کتے کا پلہ پڑا رہا۔ جس سے جبریل کی آمد میں دیر ہوئی۔ جبریل علیہ السلام کے آگاہ کرنے پر آپ نے اس کو نکلوا کر جگہ کو دھلوایا۔ پھر وحی کا سلسلہ جاری ہوگیا۔

قسم اور جواب قسم میں مناسبت: ....غرض کہ اس جملہ میں غلط فہمیوں اور افواہوں کا ازالہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ دن کی روشنی اور رات کے سکون کی قسم کھا کر آپ کو تسلی دی گئی ہے۔ کہ آپ ان مخالفانہ چہ میگوئیوں سے متاثر نہ ہوجئے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایمان وکفر کے درمیان جنگ چھڑ جانے کے بعد جو اس جانگسل کشمکس کے منجدھار میں آپ کے لئے واحد سہارا تھا۔ بظاہر اس محبوب کی بےالتفاتی ظاہر ہے کہ کس درجہ جانگداز ہوسکتی ہے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ جس طرح دن ورات کی دونوں حالتیں ایک عظیم حکمت ومصلحت کے تحت آتی جاتی رہتی ہیں۔ اسی طرح آپ پر وحی کی آمد اور انقطاع بھی بڑی مصالح پر مشتمل ہیں اس کا تعلق اس سے ہرگز نہیں کہ وحی کا آنا تو خوشی کی علامت ہے اور نہ آنا ناراضگی کی وجہ سے ہوا ہے۔ بلکہ ایک حکمت اس میں یہ بھی ہے کہ جس طرح مسلسل دن کی روشنی اگر رہے تو

انسان کو تھکا دے۔ اس لئے دن کے بعد رات کا آنا ناگزیر ہوا کہ انسان سکون وراحت حاصل کر کے تازہ دم ہو جائے۔ اسی طرح وحی جیسی ثقیل چیز کا اگر تسلسل رہے تو اعصاب اس کو برداشت نہ کر سکیں۔ اس سے فترت وحی بمنزلہ سکون شب ہے۔ پس جس طرح دن کا آنا اللہ کی رضامندی اور رات کی آمد اللہ کی ناراضگی کی دلیل نہیں ہے۔ نہ اس کا ثبوت ہے کہ رات کے بعد دن کا اجالا کبھی نہ ہوگا۔ اسی طرح چند روز وحی کے موقوف ہونے سے یہ کیسے سمجھ لیا گیا ہے کہ آج کل خدا پیغمبر سے ناراض ہے اور ہمیشہ کے لئے اب وحی کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ نے جس کو نبی بنایا ہے اس کو پتہ نہیں تھا کہ وہ آئندہ چل کر اس کا اہل ثابت نہ ہوگا۔ یہ تو درپردہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہوا۔

حالات کے مدوجزر کی مصالح: .... وللاخرۃ خیر لک من الاولیٰ یعنی فترت وحی میں اللہ کا ناراض ہونا تو کیا معنی؟ بلکہ آپ کی بعد کی حالت پہلی حالت سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے۔ یعنی یہ وقفہ تنزل وانحطاط کا باعث نہیں بلکہ آپ کے لئے عروج وارتقاء کا عظیم ذریعہ ہے۔ چنانچہ قبض میں انحطاط نہیں بلکہ عروج ہوتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ گو ابتداء میں آپ کی بے سروسامانی رہی ہے۔ ساری قوم مخالف اور حالات ناساز گار۔ بظاہر کامیابی کے آثار دور دور نہیں معلوم ہوتے۔ مکہ میں اسلام کی شمع ٹمٹما رہی ہے اور اس کو بجھا دینے کے لئے ہر طرف ہواؤں کے جھکڑ چل رہے ہیں۔ مگر آپ پریشان نہ ہوں کہ آپ کا مستقبل نہایت روشن وتابناک ہے۔ ہر بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ثابت ہوگا۔ اسلام کا نور پھیلتا چلا جائے گا اور آپ کا نام بلند ہوتا چلا جائے گا۔ چنانچہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے وہ تمام فتوحات پیش ہوئیں۔ جو میرے بعد میں میری امت کو حاصل ہونے والی ہیں۔ جس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ تب حق تعالیٰ نے فرمایا کہ آخرت تمہارے لئے دنیا سے بھی بہتر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رفعت دنیا ہی تک محدود نہیں۔ بلکہ اس کا سلسلہ آخرت تک چلتا رہے گا۔ جب کہ ساری اولاد آدم آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوگی۔

حضورؐ پر انعامات الٰہی کی بارش: .... ولسوف یعطیک یعنی خفا ہو کر آپ کو چھوڑ دینا تو کیا معنی؟ ابھی تو آپ کا پروردگار آپ کو دنیا وآخرت کی اس قدر نعمتیں عطا فرمائے گا کہ آپ خوش اور مطمئن ہو جائیں گے۔ گو کچھ مصالح کی وجہ سے چندے اس میں دیر لگے۔ وہ وقت دور نہیں کہ آپ عطاء ہی سے مسرور ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضورؐ کی زندگی ہی میں سارا ملک عرب آپ کے زیر نگیں ہو گیا۔ تاریخ میں پہلی بار یہ سرزمین ایک باضابطہ اور قانون کے تابع ہوگئی۔ اور جو طاقت بھی اس سے ٹکرائی وہ پاش پاش ہوگئی۔ تو لوگوں کے صرف سر ہی اطاعت میں نہیں جھکے بلکہ ان کے دل بھی مسخر ہو گئے۔ پوری انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی کہ جاہلیت ووحشیت میں ایک ڈوبی ہوئی بڑی قوم صرف ۲۳ سال کی قلیل مدت میں اتنی بدل گئی ہو کہ نہ صرف خود اس رنگ میں رنگی گئی بلکہ یورپ، افریقہ اور ایشیا کے بڑے حصہ کو اپنے رنگ میں رنگ دیا۔ اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں اس کے اثرات پھیلتے چلے گئے اور آپ کا نام دنیا میں روشن ہو گیا۔ یہ کچھ تو دنیا میں اللہ نے آپ کو مرحمت فرمایا اور آخرت میں جو کچھ دے گا اس کی عظمت کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ محمدؐ راضی نہیں ہوگا جب تک اس کی امت کا ایک آدمی بھی دوزخ میں رہے گا۔

یتیموں پر تو مہر ہوتا ہے نہ کہ قہر: .... الم یجدک یتیما یعنی ہم تو اس وقت سے مہربان ہیں جب تم یتیم پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے آپ کو چھوڑ دینے یا آپ سے ناراض ہونے کا سوال ہی کیا؟ حضورؐ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد وفات پا چکے تھے۔ اس لئے آپ دنیا میں یتیم بن کر تشریف لائے۔ چھ سال کی عمر میں والدہ بھی رحلت کر گئیں۔ آپ کے دادا عبد المطلب کی پرورش میں رہے۔ آٹھ سال کی عمر ہوئی تھی کہ وہ بھی داغ مفارقت دے گئے۔ انہیں آپ سے خاص لگاؤ اور تعلق خاطر تھا حتیٰ کہ فخریہ لوگوں سے

کہا کرتے تھے۔ کہ میرا یہ بیٹا ایک دن دنیا میں نام پیدا کرے گا۔ اس کے بعد قرعۂ فال آپ کے شفیق چاچا ابوطالب کے حق میں نکلا۔ انہوں نے اس دریتیم کی جسمانی تربیت وپرورش کا بار اٹھایا اور انہوں نے ایسی محبت کا برتاؤ کیا کہ کوئی باپ بھی اس سے زیادہ نہیں کرسکتا۔ زندگی بھر آپ کی حمایت ونصرت میں کوئی دقیقہ اٹھانہیں رکھا۔ حتیٰ کہ نبوت کے بعد جب ساری قوم آپ کی دشمن ہوگئی تو دس سال تک برابر آپ کی حفاظت وحمایت میں سینہ سپر رہے مگر ہجرت سے کچھ پہلے وہ بھی دنیا سے رخصت ہوئے۔ آخر یہ امانت الٰہی اللہ کے حکم سے انصار مدینہ کے گھر پہنچ گئی اور اس طرح آپ کی بدولت ''اوس خزرج'' کا ستارہ چمک اٹھا۔ انہوں نے اس امانت کی حفاظت اس طرح دل وجان سے کی کہ چشم فلک نے کبھی اس کی نظیر نہ دیکھی ہوگی۔ غرض بقول حافظ ابن کثیرؒ قدرت نے آپ کے ٹھکانہ دینے کی یہ سب صورتیں پیدا کردیں اور غیبی ہاتھ نے آپ کو بے سہارا نہیں ہونے دیا۔

نازک مقام: .... **ووجدک ضالا** .ضالا یہ معنی تو یہاں نہیں ہوسکتے کہ گمراہ تھے۔ کیونکہ بچپن سے لے کر قبل نبوت تک آپ کے جو حالات دنیا کے سامنے ہیں۔ ان میں کہیں بھی دہریت، شرک، بت پرستی کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ یا قوم کی جاہلانہ رسوم میں آپ شریک ہوئے ہوں۔ بلکہ نبوت سے پہلے آپ اللہ کی ہستی اور اس کی وحدانیت کے آپ قائل تھے۔ اور آپ کی زندگی گناہوں سے پاک اور آپ فضائل اخلاق سے آراستہ تھے۔ البتہ جب آپ نے عقل وہوش کی آنکھ کھولی اور قوم کے مشرکانہ اطوار اور بیہودہ رسم ورواج دیکھے تو سخت بےزار ہوئے اور قلب مبارک میں خدائے واحد کی عبادت کا جذبہ پورے زور شور کے ساتھ موجزن تھا اور سینۂ بے کینہ میں عشق الٰہی کی آگ بھڑک رہی تھی اور خدمت خلق اور وصولی الی اللہ کا چشمہ اندر ہی اندر ابل رہا تھا۔ لیکن کوئی کھلی ہوئی راہ اور صاف واضح راستہ اور مفصل دستور العمل سامنے نہ تھا۔ جس سے تسکین خاطر اور اطمینان قلب ہوتا۔ بس ایک مجمل جذبہ اور مبہم ولولہ اصلاح کا تھا۔ جس میں آپ سرگرداں اور بےقرار تھے۔ تفصیلی احکام اور اصول کا علم نہ تھا کہ پروگرام کو آگے بڑھاتے۔ ایک معاشرے میں گم سے ہوکر رہ گئے تھے۔ حیران تھے کہ کیا کریں۔ ایک ہونے والے رہبر کی حیثیت سے آپ کی شخصیت نمایاں نہیں ہورہی تھی۔ گویا جاہلیت کے صحرا میں ایک اکیلے درخت کی طرح کھڑے تھے جس میں پورا پھل لانے کی حیثیت بلکہ پورا باغ اگانے کی استعداد تھی۔ یا یوں کہا جائے کہ اللہ نے آپ کو غیر معمولی قوتیں عطا کی تھیں۔ وہ جاہلیت کے ماحول میں ضائع سی ہوتی نظر آرہی تھیں اور سخت وحشت محسوس کررہے تھے۔ یا یوں کہا جائے کہ ابھی آپ ان تفصیلات اور علوم وحقائق سے بےخبر تھے۔ جس سے نبوت کے بعد اللہ نے آپ کو آگاہ فرمایا تھا۔ اسی بےقرار اور اضطراری کیفیت میں پہاڑوں اور غاروں میں جاکر آپ مستغرق ہوجاتے اور مالک حقیقی کو پکارتے اور محبوب حقیقی کو یاد کرتے۔ تا آنکہ مربی حقیقی نے دستگیری کی اور جبریل کی صورت میں بذریعہ وحی اصلاح خلق اور وصول الی اللہ کی تفصیلی راہیں کھلنی شروع ہوگئیں۔

ناداری کے بعد غنا: .... **ووجدک عائلا** اپنے والد کے ترکہ میں آپ کو صرف ایک اونٹنی اور ایک باندی ملی تھی۔ اس طرح نہایت عسرت سے آپ کی زندگی کا آغاز ہوا۔ مگر پھر وہ وقت بھی آیا کہ قریش کی سب سے مالدار خاتون حضرت خدیجہؓ نے پہلے آپ کو اپنی وسیع تجارت میں شریک کیا اور پھر وہ خود آپ کے حبالۂ نکاح میں آگئیں۔ اس طرح آپ نے تجارتی کاروبار سنبھال لیا اور ظاہری غنا بھی آپ کو حاصل ہوگئی۔ اس تمول میں صرف بیوی کا سرمایہ ہی نہیں تھا۔ بلکہ آپ کی محنت، قابلیت، دیانت وامانت کو بھی بڑا دخل تھا۔ اسی کے ساتھ آپ غناء قلبی کا حال غنی العالمین ہی جان سکتا ہے۔ کوئی بشر اس کا کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔ بس جس پروردگار نے اس شان سے آپ کی تربیت فرمائی کیا وہ آپ کو یونہی خفا چھوڑ سکتا ہے؟

یتیموں کا ٹھکانا: .... فاما الیتیم یعنی آپ چونکہ خود یتیمی کا داغ اٹھا چکے ہیں۔ اس لئے آپ کو یتیموں کے دکھ درد کو محسوس کرنا چاہیئے اور یتیمی کی حالت میں بھی چونکہ آپ پر اللہ کا فضل رہا کہ تمہیں بھٹکا نہ دیا۔ اس لئے تم بھی اس کے شکریہ میں یتیموں کا ٹھکانا دو۔ انہیں تنگ نہ کرو۔ بلکہ ان کی خبر گیری اور غم خواری کرو، اس طرح اگر کوئی حاجت مند سائل تمہارے پاس آئے تو جہاں تک ہو سکے اس کی مدد کرو اور اگر کسی وجہ سے معذوری ہو تو نرمی سے اس کو سمجھا دو۔ وہ اگر لپچڑ ہو کر بھی لپٹے تو آپ کسی حالت میں بھی اسے جھڑکئے نہیں۔ کیونکہ اپنی ابتدائی ناداری پر اگر آپ نظر ڈالیں گے تو صاف سمجھ میں آجائے گا۔ کہ نادار کا شیشۂ دل کتنا نازک ہوتا ہے کہ ذرا سی جھڑکی سے چکنا چور ہوتا ہے۔ غرض آپ جیسے شکر گزار بندہ کا حوصلہ یہی ہونا چاہیئے کہ مانگنے والوں سے تنگ دل نہ ہوں اور ضرورتمندوں کے سوال سے گھبرا کر نہ جھڑکئے اور نہ ڈانٹ ڈپٹ کیجئے۔ بلکہ فراخدلی اور خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ چنانچہ آپ کی سیرت طیبہ بتلاتی ہے کہ آپ یتیموں کا ملجا اور غریبوں کا ماویٰ بنے۔ ارشاد ہے انا و کافل الیتیم کھاتین واشار الی السبابة و الوسطی غریبوں کی اعانت وامداد کے جو واقعات سیرت پاک میں درج ہیں وہ بڑے سے بڑے مخالفین کو آپ کا گرویدہ بنادیتے ہیں۔ حسب تصریح روح المعانی۔ سائل اگر نرمی سے مان جائے تو جھڑکنے کی اجازت نہیں لیکن اگر کسی طرح نہ مانے اور اڑ لگا کر کھڑا ہو جائے تو مناسب انداز سے جھڑکنے کی اجازت۔ تاہم یہ کہاوت پیش نہ آنے پائے۔ سائل اللئیم یرجع دوسر سائل۔

سوال کا جواب تشفی بخش ہونا چاہیئے: .... اور اگر سائل سے مراد مسائل دریافت کرنے والا ہو تب بھی یہ حکم ہے کہ اس کو خوش اسلوبی سے جواب دیا جائے۔ ایسا شخص کیسا ہی جاہل، اجڈ، گنوار ہو اور بظاہر کتنے ہی نامعقول انداز میں سوال کرے یا بھونڈی ذہنیت کا مظاہرہ کرے۔ تب بھی حلم وبردباری کا دامن نہ چھوڑے۔ خوش اخلاقی اور شفقت سے اس کے سوال کا جواب دیجئے۔ پندار علم میں مبتلا لوگوں کی طرح جھڑک کر مغرورانہ جواب نہ دیجئے۔ حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت حسن بصریؒ، سفیانؒ وغیرہ اکابر نے اسی معنی کو پسند کیا ہے۔ پہلے معنی کا ربط اگر عائلا کے ساتھ ہے تو اس معنی کا ارتباط ضالا فھدیٰ سے بھی مناسب ہے۔

نعمتوں کی شکر گزاری: .... بنعمة ربك فحدث نعمت سے مراد عام ہے۔ خواہ ظاہری نعمتیں یا باطنی پہلی ہوں یا بعد کی اسی طرح ان کے اظہار کی صورتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ ہر نعمت اپنی نوعیت کے لحاظ سے اظہار کی ایک خاص صورت چاہتی ہے۔ تاہم مجموعی طور پر تمام نعمتوں کے اظہار کی صورت یہ ہے کہ زبان سے اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور دل سے بھی اعتراف کرے کہ میرے کسی ذاتی کمال کو اس میں دخل نہیں۔ جو کچھ ہے سب اللہ کے فضل وکرم سے ہے۔ فخر ومباحات کی ادنیٰ جھلک بھی حرکت میں نہ آنے پائے۔ مثلاً نعمت ہدایت کا اظہار اس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ کی بھٹکی ہوئی مخلوق کو سیدھا رستہ بتلایا جائے۔ اور نعمت قرآن کا اظہار اس طرح ہو کہ لوگوں میں زیادہ سے زیادہ اس کی اشاعت کی جائے اور اس کی تعلیمات پھیلائی جائیں۔ نعمت نبوت کے اظہار کی صورت یہ ہے کہ حق دعوت وتبلیغ پورے طور پر ادا کیا جائے اور رسول اللہ کی کتاب زندگی کے ساتھ کھلی ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال واحوال کو جو حدیث کہا گیا ہے ممکن ہے وہ اسی لفظ فحدث کی تعمیل ہو، یعنی آپ اپنے حال، قال سے تحدیث نعمت کرتے جائیے وہی حدیث رسول ہوتی جائے گی۔

خلاصۂ کلام: .... وحی کا سلسلہ کچھ دنوں تک رک جانے سے حضورؐ کو جو بے چینی اور اضطراب لاحق ہوا تھا۔ اس سورت میں اس کا ازالہ کرنا اور آپ کو تسلی وتشفی دینا مقصود ہے پہلے تو روز روشن اور شب دیجور کی قسم کھا کر یقین واطمینان دلایا گیا ہے کہ آپ کے رب نے آپ کو ہرگز نہیں چھوڑا ہے اور نہ وہ آپ سے ناراض ہوا ہے۔ پھر اس کے بعد آپ کو بشارت سنائی گئی ہے کہ دعوت وتبلیغ کی راہ میں تھوڑے دنوں کی مشکلات ہیں۔ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ فتوحات اور کامیابیوں سے ہمکنار ہوں گے۔ اس وقت ہر آنے والا دور پہلے دور سے بہتر ثابت ہوگا۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ آپ پر بے شمار نعمتوں اور عطاؤں کی اتنی بارش کرے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔ یہ قرآن کی اعجاز بیانی ہے کہ اس کی یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ حالانکہ اس کے نزول کے وقت کہیں دور دور بھی اس کے آثار نہیں نظر نہیں آتے تھے۔ کہ مکہ میں جو بے یار ومددگار انسان پوری قوم کی جاہلیت کو للکار رہا ہے۔ اسے اتنی حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوگی۔ اس کے بعد حق تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرما رہا ہے کہ جب ہم تمہاری پیدائش سے لے کر اب تک مسلسل مہربانیاں کرتے چلے آرہے ہیں۔ آپ یتیم پیدا ہوئے تو ہم نے آپ کی پرورش اور دیکھ بھال کا مناسب انتظام کر دیا۔ آپ ناشناس راہ تھے۔ ہم نے شناسا بنا دیا۔ آپ نادار تھے، ہم نے آپ کو مالدار کر دیا۔ غرض ان ساری باتوں سے صاف واضح ہے کہ آپ شروع سے ہمارے منظور نظر ہیں۔ ہماری رحمت ہمیشہ آپ کے شامل حال رہی ہے۔ پھر یہ کیسے سمجھ لیا گیا ہے کہ ہم نے آپ کو چھوڑ دیا ہے یا آپ سے ناراض ہو گئے ہیں۔

فضائل سورت: .... من قرأ سورة والضحی جعله الله فیمن یرضی الحمد ان یشفع له وعشر حسنات یکتبها الله له بعدد کل یتیم وسائل جو شخص سورۂ والضحیٰ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو ان لوگوں میں داخل کرے گا کہ حضور کی خوشنودی کے لئے شفاعت کی اجازت ہوگی اور تمام یتیموں اور ناداروں کی تعداد سے دس گونہ زیادہ ثواب دے گا۔

لطائف سلوک: .... وللاٰخرة خیر لك من الاولی میں الف لام استغراقیہ ہے یعنی ہر پچھلی حالت پہلی سے بہتر ہے۔ پہلے وحی کا سلسلہ جاری تھا۔ پھر موقوف ہوا، پھر جاری ہو گیا۔ اس طرح جاری ہونا اصطلاح صوفیاء کے مطابق بسط اور موقوف ہونا قبض کہلائے گا۔ پس مطلب یہ ہوا کہ پچھلا قبض پہلے بسط سے بہتر ہے اور پھر بعد کا بسط پہلے قبض سے بہتر ہے۔ سالک کو یہی یقین کر کے مجاہدات میں مشغول رہنا چاہیئے اور قبض سے مغموم اور پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ واما بنعمة ربك فحدث اہل اللہ جو اپنے کمالات کا اظہار بغیر فخر وریا کریں جن سے صرف شکر نعمت مقصود ہوتا ہے وہ بھی اس میں داخل ہے۔

سُوْرَةُ الْاِ نْشِرَاحِ

سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ ثَمَانُ ايَاتٍ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ نَشْرَحْ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيْرٍ اَيْ شَرَحْنَا **لَكَ** يَا مُحَمَّدُ **صَدْرَكَ﴿۱﴾** بِالنُّبُوَّةِ وَغَيْرِهَا **وَوَضَعْنَا** حَطَطْنَا **عَنْكَ وِزْرَكَ﴿۲﴾ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ** اَثْقَلَ **ظَهْرَكَ﴿۳﴾** وَهٰذَا كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَاتَاَخَّرَ **وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴿۴﴾** بِاَنْ تُذْكَرَ مَعَ ذِكْرِيْ فِي الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ وَالتَّشَهُّدِ وَالْخُطْبَةِ وَغَيْرِهَا **فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ** الشِّدَّةِ **يُسْرًا﴿۵﴾** سُهُوْلَةً **اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴿۶﴾** وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاسٰى مِنَ الْكُفَّارِ شِدَّةً ثُمَّ حَصَلَ لَهُ الْيُسْرُ بِنَصْرِهٖ عَلَيْهِمْ **فَاِذَا فَرَغْتَ** مِنَ الصَّلٰوةِ **فَانْصَبْ﴿۷﴾** اِتْعَبْ فِي الدُّعَاءِ **وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ﴿۸﴾** تَضَرَّعْ

ع ۸ ۱۹

ترجمہ: .... آیا ہم نے (اے محمد!) آپ کی خاطر (نبوت وغیرہ کے لئے) آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا (یعنی کھول نہیں دیا ہے استفہام تقریری ہے) اور آپ پر سے وہ بھاری بوجھ اتار دیا (ہلکا کر دیا) جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی (یہ ایسے ہی ہے جیسے آیت لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر میں فرمایا گیا ہے) اور ہم نے آپ کا آوازہ بلند کر دیا (اس طرح کہ اذان، اقامت، تشہد، خطبہ وغیرہ میں آپ کا نام لیا جاتا ہے) پس حقیقت یہ ہے کہ موجودہ مشکلات (شدت) کے ساتھ آسانی (سہولت) بھی ہے۔ بے شک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی طرف سے اول مشکلات جھیلنی پڑیں۔ پھر اللہ نے آپ کی مدد فرما کر آپ کے لئے سہولت پیدا فرمادی) لہٰذا جب آپ (نماز سے) فارغ ہو جایا کریں تو محنت کیجئے (خوب دعا کیجئے) اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جایئے (گڑگڑایئے)۔

تحقیق وترکیب: .... الم نشرح استفہام تقریر کا مطلب یہ ہے کہ نفی پر ہمزۂ انکاری واقع ہو رہا ہے اور نفی کی نفی اثبات ہے جس کو دوسرے لفظوں میں کہنا چاہئے کہ منفی یعنی اثبات کی تقریر ہو رہی ہے۔ جس کو مفسرؒ شـرحنا سے تعبیر کر رہے ہیں۔ شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ مناجات حق اور خدمت خلق کے لئے قلب وسیع اور سینہ کشادہ کر دیا۔ جس سے وہ حضور وغیاب کی کیفیات کا متحمل ہو گیا۔ ناواقفیت اور بے خبری کی تنگدلی سے نکال کر علوم وحکمت سے سینہ کو لبریز کر دیا۔ اور گنجینۂ اسرار بنا دیا۔ یا یہ کہ ابتداء میں وحی کے ثقل سے

آپ پر جو گرانی ہوتی تو اعصاب متاثر ہو جاتے تھے۔ اب اس کی کیفیت کی بجائے طبیعت میں نشاط اور رسوخ پیدا کر دیا ہے اور بعض حضرات نے اس سے شق صدر کے وہ واقعات مراد لئے ہیں جو چار مرتبہ جبریل امین کے ذریعہ آپ کے ساتھ پیش آ چکے ہیں۔ پہلی مرتبہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے یہاں رہتے ہوئے تین چار سال کی عمر میں ہوا۔ پھر سن شعور میں داخل ہونے کے وقت تیسری مرتبہ واقعہ معراج سے پہلے اور چوتھی بار واقعہ ہجرت سے پہلے قلب مبارک سینۂ بے کینہ سے نکال کر کوثر سے دھویا گیا۔ اور علم وایمان کا خزینہ اس میں بھر دیا گیا۔ اور لک میں اس طرف اشارہ ہے کہ شرح صدر کے منافع آپ کے لئے ہیں۔ حق تعالیٰ منافع اور اغراض سے پاک ہیں۔ چونکہ الم نشرح بقول مفسر علامؒ جملہ مشتبہ ہے۔ اسی لئے وضعنا کا اس پر عطف ہے۔

وزرا گرانی اور بوجھ۔

انقض ظهرک: انقاض کہتے ہیں پالان اور بوجھ رکھنے کے وقت جو چڑ چڑاہٹ ہوتی ہے اس سے وہ گھٹن اور غم مراد ہے۔ جو ایک طرف قوم کی بدحالی اور دوسری طرف اپنے پاس تفصیلی پروگرام اور لائحہ عمل نہ ہونے اور تیسرے قوم کی طرف سے ایذاء رسانی کی ملی جلی کیفیات کا بوجھ کمر توڑے دے رہا تھا۔ اس آیت میں استعارہ کی زبان استعمال کی گئی ہے جس طرح آیت **لیغفر لک الله ما تقدم من ذنبک وما تأخر** میں **من ذنبک** کے حقیقی معنی مراد ہیں۔ بلکہ تقدیر عبارت اس طرح ہے ما تقدم من ذنبك لو كان یا ذنب سے مراد سہو وغفلت، بھول چوک ہو یا ذنب امت مراد ہو۔ یا ذنب کے معنی بشری تقاضہ ہے۔ خلاف اولیٰ باتیں ہوں۔ یہاں بھی وزر میں یہی توجیہات ہوں گی۔ لیکن روح البیان میں **وضعنا** کے معنی **رفعنا** لئے ہیں یعنی وزر اور گناہ سے ہم نے آپ کو پاک رکھا ہے۔ پس اس سے عصمت ثابت ہوئی۔

ورفعنالک ذکرک نبوت کا مرتبۂ بلند مراد ہے۔ یا اطاعت رسول مراد ہے۔ یا اللہ اور فرشتوں اور مؤمنین کی طرف سے صلوٰۃ وسلام کا پیش ہونا یا حضورؐ کو القاب وخطابات سے نوازنا یا اذان واقامت، خطبات، نمازوں میں اللہ کے نام کے ساتھ آپ کا نام لیا جانا مراد ہے۔ ابوسعیدؓ کی روایت ہے کہ جبریل نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے ذکر کا بلند ہونا کیا آپ کو معلوم ہے؟ فرمایا نہیں۔ عرض کیا جہاں اللہ کا نام لیا جاتا ہے آپ کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ یا پچھلی آسمانی کتابوں میں آپ کا ذکر خیر مراد ہے یا ختم نبوت کا منصب جلیل بہر حال ازل سے ابد تک اور فرش سے عرش تک اللہ نے آپ کا نام روشن فرما دیا۔ اور **لک** کے ابہام میں مبالغہ ہے۔

فان مع العسر یسرا: عسر سے وہ جاں گسل حالات مراد ہیں جو مخالفین کی طرف سے آپ کے خلاف پیدا کئے جا رہے ہیں۔ جن کی گھٹن سے سانس لینا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ مگر اللہ نے اپنے فضل سے ان حالات کو آہستہ آہستہ آسانیوں میں تبدیل فر[illegible] دوسرا جملہ تاکیدی ہے یا تاسیس پر محمول کیا جائے۔ گویا عسر ایک ہے مگر یسر دو ہیں۔ ارشاد نبویؐ ہے لن یغلب عسر یسرین [illegible] **العسر** معرفہ ہونے کی وجہ سے تکرار کے باوجود ایک ہی ہوگا۔ اور یسر نکرہ ہونے کی بناء پر الگ الگ لیا جائے گا۔ لیکن تاکید پر محمول [illegible] زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اول تو مذکورہ بالا ضابطہ کلیہ نہیں۔ بلکہ اکثریہ ہے۔ دوسرے مصحف ابن مسعودؓ میں یہ جملہ ایک بار ہے۔ نیز یسر[illegible] سے مراد یسر دارین بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے حدیث للصائم فرحتان فرحة عند الافطار وفرحة عند لقاء الرب اور مع کے لانے [illegible] تسلی میں مبالغہ ہے۔ گویا عسر و یسر میں بالکل اتصال رہتا ہے تاخیر نہیں ہوتی اور یسر کا نکرہ ہونا تعظیم کو ظاہر کرتا ہے۔

فاذا فرغت اگر غزوہ اور جہاد سے فراغت مراد ہے تب تو **فانصب** میں نماز کا حکم ہے اور نماز سے فراغت مراد ہے تو پھر دعا میں مشغول ہونے کا حکم ہے۔ لیکن بقول حسنؒ بہتر یہ ہے کہ تبلیغی کاموں سے فراغت کے بعد عبادات کا حکم ہے جس سے تبلیغ کی اہمیت واضح ہے کہ اس کا نفع متعدی ہے اور عبادات کا نفع ذاتی اور لازمی ہے۔ مفسرؒ کی تائید ابن عباسؓ، قتادہؒ، ضحاکؒ، مقاتلؒ کی روایات سے ہو رہی ہے۔ اب وہ دعا نماز کا سلام پھیرنے سے پہلے ہو یا بعد میں۔ **والی ربک** یعنی توجہ الی اللہ بکمال رکھئے۔ غیر کی طرف دھیان نہ کیجئے۔ ایک قرأت **فرغب** ہے۔ یعنی لوگوں کو ترغیب دیجئے۔

ربط آیات:............روی ان جبریل علیہ السلام اتاہ وھو عند مرضعتہ حلیمۃ وھو ابن ثلث سنین او اربع فشق صدرہ واخرج قلبہ وغسلہ ونقاہ وملأہ علما وایمانا ثم رد فی صدرہ۔ ورفعنا لك ذكرك عن ابی سعید انہ قال صلی اللہ علیہ وسلم اتانی جبریل فقال ان ربك یقول اتدری كیف رفعت ذكرك قلت اللہ اعلم قال اذاذكرت ذكرت معی۔

﴿تشریح﴾:............آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت وتبلیغ کا آغاز کیا تو ہرطرف سے مشکلات میں گھر گئے اور ایک سخت قسم کی گھٹن محسوس کرنے لگے۔اس لئے ان آیات میں آپ کوتسلی تشفی دی گئی کہ جب ہماری عنایات آپ پر گوناگوں ہیں پھرآپ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔

شرح صدر کا مطلب کیا ہے؟:............شرح صدر کا وہی مفہوم ہوگا۔ جوآپ آیت **فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام** اورآیت **افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ** حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ایک مرتبہ اپنی تنگ دلی کوان الفاظ میں بیان کیا تھا۔رب انی اخاف ان یکذبون ویضیق صدری اوردرخواست کی تھی **رب اشرح لی صدری ویسر لی امری** سینہ یادل کی تنگی یہ ہے کہ نبوت کابارعظیم جب کندھوں پرہواورتن تنہا کفروطغیان کی جابرانہ طاقتوں کی طرف سےقدم قدم پرمصیبتوں کے پہاڑتوڑے جائیں تو کام کرنے والے کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ادھرشریعت کاتفصیلی نظام سامنےنہیں ہوتا۔تو عجب گھٹن پیش آتی ہے۔ اس صورت میں شرح صدر یہ ہوگا کہ ہرقسم کے ذہنی خلجان سےنجات مل جائے اور یہ اطمینان ہوجائے کہ یہ راستہ برحق ہے۔عقائد واعمال واخلاق سب درست اورصحیح ہیں۔اور یہ کہ حالات کی ناسازگاری وقتی ہے۔محنت کرنے سے ماحول بدل جائےتواس سےحوصلہ بلند ہوجاتا ہے اورانسان ہربڑی سے بڑی مشکل مہم سرکرنے کے لئے اورسخت سےسخت کام انجام دینے کے لئے آمادہ ہوجاتا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جوکچھ حالت تھی اس کودیکھ دیکھ کرآپ کڑھتے تھے۔لیکن خودآپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کی اصلاح کا صحیح راستہ کیا ہے؟اس لئے سخت خلجان سے دوچار تھے۔اللہ نے نبوت عطا کرکے یہ خلجان دورکردیااورعلوم ومعارف کے سمندرآپ کے قلب مبارک میں اتاردیئے اورفرائض رسالت اورلوازم نبوت برداشت کرنے کا آپ کو بڑاحوصلہ عنایت فرمادیااوراس وسعت قلبی سےنوازدیئے گئے جواس منصب عظیم کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے درکارتھی اس جہان علم سے ناواقف ہوگئے جوآپ کے سواکسی اورانسان کاذہن اس کی وسعت نہ رکھتا تھا۔ اوراس حکمت ربانی کے حامل بن گئے جوبڑے سے بڑے بگڑے ہوئے ماحول کودرست کرنے کی اہلیت رکھتی تھی۔اس لئے فرمایاجارہاہے کہ جب اللہ نے شرح صدرکی یہ بیش بہادولت عطافرمادی تو آپ ان مشکلات پردلگیراورقلب گرفتہ کیوں ہوتے ہیں۔بعض مفسرینؒ نے شرح صدرکے معنی لئے ہیں۔لیکن اول توعربیت کے لحاظ سے بقول علامہ آلوسی شرح صدرکوشق صدرکے معنی میں لینا محققین کےنزدیک ضعیف ہے۔دوسرےاس معجزہ کاتعلق روایات وتعبیر سے ہے۔لیکن بظاہروہ آیت کامدلول معلوم نہیں ہوتا۔

بوجھ اتارنے کا کیا مطلب ہے؟:............**ووضعنا عنك وزرك** وزرکے جہاں گناہ کےمعنی آتے ہیں۔وہیں اصل معنی بھاری بوجھ کے بھی آتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ اورعفت مآب زندگی جس پردشمن بھی کبھی انگشت نمائی نہیں کرسکے۔اس کے پیش نظراس کا احتمال بھی نہیں ہوسکتا۔کہ عیاذ باللہ آپ گناہوں کی وجہ سے پریشان تھے۔ بلکہ وہی بھاری بوجھ مراد ہے۔جوقوم کی بدحالی کی وجہ سے آپ کے لئے سوہان روح بناہوا تھا۔اورکام کی اہمیت کے پیش نظرآپ کی کمربوجھ محسوس کررہی تھی۔ منصب رسالت کی ذمہ داریوں کومحسوس کرکے خاطراشرف پرگرانی ہورہی تھی۔یابعض جائز کاموں کی نسبت آپ اپنے اجتہاد سے ایک رخ اختیارفرمالیتے تھے۔مگرجب بعدمیں اس کا خلاف مصلحت وحکمت ہونا آپ پرواضح ہوتا تھا۔تو پہلی رائے پرآپ کوتکدرپیش آتا اور آپ مغموم ہوجاتے اورانتہائی عالی مرتبہ اورصاحب عزیمت ہونے کی وجہ سے اس پررنجیدہ ہوجاتے کہ مجھ سے یہ خلاف اولیٰ بات کیوں سرزدہوئی۔جس طرح کوئی گناہ کرکے پچھتا تاہےاسی طرح آپ خلاف اولیٰ کرکے پچھتاتے حسنات الابرار سیات المقربین

یا بقول حضرت شاہ عبد العزیزؒ اپنی عالی حوصلگی اور اولوالعزمی کی وجہ سے جن کمالات اور مقامات پر پہنچنے کی آپ میں امنگ ہوتی تھی۔ مگر جسمانی عوائق اور نفس کی تشویشات بعض دفعہ اس میں حائل ہو جاتیں تو اس سے آپ دل مسوس کر رہ جاتے اور ملول اور رنجیدہ رہتے۔ مگر جب اللہ نے سینہ کھول دیا، قلب کشادہ کر دیا۔ تو پھر طبیعت میں انشراح حاصل ہو گیا۔ اور سب بوجھ ہلکا ہو گیا۔ اور اگر وضعنا کے معنی رفعت لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ہر قسم کی کوتاہی قصور گناہ سے آپ کو بچالیا۔ جس سے آپ کی عصمت ثابت ہوئی۔

ذکر خدا اور ذکر رسول: .... ورفعنا لک ذکرک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عالمی شہرت کا یہ اعزاز بخشا گیا اللہ نے بہت سے عوامل کے ذریعہ یہ کام لیا۔ سب سے پہلے اللہ نے آپ کے دشمنوں سے یہ خدمت لی، عام مجامع، میلوں ٹھیلوں اور حج کے موقعوں پر جہاں ہر طرف سے لوگ کھنچ کھنچ کر جمع ہوتے مخالفین آپ کے خلاف پروپیگنڈے کرتے اور طرح طرح کی خبریں پھیلاتے۔ جادوگر، کاہن، شاعر کہہ کر بدنام کرتے۔ مگر الانسان حریص فیما منع مشہور مقالہ کی صداقت مسلمہ ہے۔ چنانچہ اس سے لوگوں میں آپ کو دیکھنے اور سننے کا شوق پیدا ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے گوشہ گوشہ میں آپ کا نام پہنچ گیا اور گوشۂ گمنامی سے نکال کر خود دشمنوں نے آپ کو عرب کے تمام قبائل سے متعارف کرا دیا۔

خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما درآید: .... کفار مکہ جتنا زور لگاتے رہے لوگوں میں یہ جستجو بھی اتنی ہی بڑھتی گئی کہ وہ شخص کون ہے؟ کیا کہتا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ اس کے جادو کا کیا اور کن لوگوں پر اثر پڑا؟ اس جستجو کے نتیجہ میں لوگوں کو جب آپ کے اخلاق، اعمال دیکھنے اور کلام سننے کا موقعہ ملا تو انہیں پتہ چلا کہ آپ کی تعلیمات کیا ہیں؟ اور ان کا لوگوں پر کیا اثر پڑ رہا ہے؟ اور آپ کے پیروکاروں کی زندگیاں دوسروں سے کتنی مختلف ہو گئیں۔ اس طرح یہ پھیلائی ہوئی بدنامی نیک نامی میں تبدیل ہو گئی اور عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہ رہا جس میں کوئی نہ کوئی اسلام کا قبول کرنے والا نہ رہا ہو۔ یہ تو شہرت کا ایک رخ ہوا جو مکی زندگی سے وابستہ تھا۔ دوسرا رخ ہجرت کے بعد شروع ہوا۔ جہاں پرانے مشرک دشمنوں میں یہودی منافقین کا اضافہ ہو گیا۔ ان دونوں نے مل کر آپ کا نام اچھالنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

حضور کی شہرت و مقبولیت: .... دوسری طرف آنحضرتؐ اور آپ کے جاں نثاروں کی پاکیزہ نفسی، خدا ترسی، حسن اخلاق، عدل و انصاف، انسانی مساوات وہ عملی نمونہ پیش کر رہی تھی۔ جس سے لوگوں کے دل مسخر ہوتے چلے گئے تھے۔ ہر چند کہ مخالفین نے جنگیں برپا کر کے اس فضا کو مکدر کرنا چاہا اور حضورؐ کے اس بڑھتے ہوئے اثر کو مٹانا چاہا۔ مگر آپ کے بے مثال تحمل اور بے نظیر سوجھ بوجھ نے اپنی برتری ثابت کر دکھائی۔ اور آپ کی بنائی ہوئی مقدس جماعت کے نظم وضبط، شجاعت وایثار نے لوگوں کے دلوں پر سکہ جما دیا اور وہی ملک جس نے آپ کو بدنام کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا تھا۔ صرف ایک دہائی میں اس کا گوشہ گوشہ اشھد ان محمد رسول اللہ کی صدا سے گونج اٹھا اور زمین سے اٹھ کر فضاؤں میں آپ کے نام کی مہک پہنچی۔

حضور کی غیر معمولی شہرت: .... اس کے بعد پھر تیسرا مرحلہ وہ آیا جب سارے عالم میں آپ کے نام کا غلغلہ ہوا۔ ان میں پانچ بار اذانوں، اقامتوں، نمازوں اور خطبوں کے ذریعہ نام مبارک بلند ہوا اور انشاء اللہ قیامت تک بلند ہوتا ہی رہے گا۔ چوبیس گھنٹوں میں سے کوئی وقت ایسا نہیں ہوگا جب کہ روئے زمین پر کہیں نہ کہیں حضورؐ کا نام مبارک زبانوں پر نہ آتا ہو۔ اس سے قرآن کی صداقت اور اعجاز نمایاں ہے۔ کیونکہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت کوئی اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آپ کا مبارک نام اتنی بلندیوں کو چھو لے گا۔ مگر تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ اس کا حرف بحرف پورا ہوا۔

مشکلیں اتنی پڑیں کہ آساں ہو گئیں: .... فان مع العسر یسرا فرمایا کہ اللہ کی رضا جوئی اور خوشنودی کی خاطر جتنی تکلیفیں آپ نے گوارا کیں، صعوبتیں برداشت کیں، سختیاں جھیلیں، یقیناً وہ بڑا عالی شان کارنامہ ہے۔ مگر یہ دور زیادہ نہیں چلے گا۔ اچھے

حالات ابھی آنے والے ہیں آپ پریشان نہ ہوں۔ تسلی رکھیں جس طرح ہم نے روحانی کلفت دور کر کے راحت روحانی عطا کی ہے۔ اسی طرح مادی مشکلات میں بھی عنقریب فتوحات اور کامرانیاں آپ کے قدم چومنے والی ہیں اور بار بار چوں کہ انسان مشکلات سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے ہم بھی مکرر تاکید سے کہتے ہیں کہ سختی محض وقتی ہوگی۔ آسانی اس سے ہمکنار ضرور ہو کر رہے گی۔ بلکہ ایک سختی بہت سی آسانیوں کو جنم دیتی ہے۔ عادت اللہ یہی ہے کہ مصیبت میں صبر کرنے اور سچے دل سے اللہ پر بھروسہ کرنے اور ہر طرف سے کٹ کر اللہ سے لو لگانے سے آسانیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور صبر تلخ ست و لے بر شیریں دارد۔ حدیث میں ہے لو کان العسر فی حجر لطلبه حتی یدخل علیه انه لن یغلب عسر یسرین۔

فاذا فرغت ہر چند کے دعوت و تبلیغ اعلیٰ ترین عبادت ہے۔ لیکن فی الجملہ مخلوق کی طرف دھیان کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے مطلوب یہ ہے کہ نصیحت و فہمائش کے فریضہ سے آپ فارغ ہوا کریں تو براہ راست بھی اللہ کی طرف متوجہ ہو جئے اور اسی میں کھو جائیے۔ اور عام مشغولیت بھی مراد لی جاسکتی ہے۔ منشاء یہ ہے کہ مشاغل سے جب بھی آپ کو فرصت ملے تو آپ ہمہ تن اپنے پروردگار کی طرف لو لگالیا کیجئے۔ یوں تو سارے قرآن میں سیرت پاک پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن ان دونوں سورتوں میں اجمالاً زندگی کے سب اہم موڑ آگئے ہیں۔

خلاصۂ کلام: .... سورۂ والضحیٰ اور الم نشرح دونوں کا مضمون ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہی وقت میں نازل ہوئی ہوں گی۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ الم نشرح والضحیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ اسی لئے اس میں حضورؐ کی تسلی تشفی کا پہلو نمایاں ہے۔ نبوت سے پہلے آپ اپنی قوم کی آنکھ کا تارہ تھے۔ بڑی قدر اور عزت کی نگاہ سے لوگ آپ کو دیکھتے تھے۔ مگر نبوت کا اظہار کیا تھا کہ قیامت کا صور ثابت ہوا۔ سارے معاشرہ میں کھلبلی مچ گئی۔ خاندانوں میں اتھل پتھل ہونے لگی۔ وہی قوم اب آپ کی جانی دشمن بن گئی جو لوگ آپ کے قدموں کے تلے آنکھیں بچھاتے تھے۔ اب وہ آپ کے سر پر پاؤں رکھنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اور فضا اتنی زہریلی ہوگئی کہ سانس لینا مشکل ہوگیا۔ قدم قدم پر الجھنیں کھڑی کردی گئیں۔ آپ کو اس صورت حال کا پہلے سے اندازہ نہیں تھا۔ اس لئے شروع شروع میں بڑی دشواری رہی اور حوصلہ شکنی ہوتی رہی۔ اس لئے سورت والضحیٰ کی طرح اس سورت میں بھی تسلی پر زور دیا گیا ہے۔ ایسے مواقع پر انعامات کا استحضار ایک فطری کارگر نسخہ ہے۔ چنانچہ تین نعمتوں کا تذکرہ فرمایا گیا۔ ایک شرح صدر کی دولت کہ سب کی طرف سے دل ٹھنڈا رہے، اس میں کسی کی خلش نہ رہے دوسرے نبوت اور اس کے رہنمایانہ اصول دے کر طبیعت کے بوجھ کو ہلکا کردیا ہے۔ تیسرے آپ کے نام کی اتنی سربلندی کہ دنیا میں نہ پہلے کسی کو نصیب ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ اس لئے شکستہ دل بالکل نہ ہو جئے۔ ان آفتوں کے ساتھ اس پر بھی نظر رکھئے کہ یہ مشکلات کا دور بہت جلد ختم ہو جانے والا ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ فراخی اور کشادگی کا دور چلا آرہا ہے۔ پھر آخری بات یہ ہے کہ اس مشغولیت اور غم سے جب بھی موقعہ ملے دل اللہ کی طرف لگائیے کہ دلوں کی چین اسی سے دل لگانے میں ہے۔

فضائل سورت: .... من قرء سورة الم نشرح فکانما جاء نی وانا غتم ففرج عنی ترجمہ: جو شخص سورۂ الم نشرح پڑھے گا۔ گویا وہ میری غم کی حالت میں میرے پاس آگیا۔ اور مجھے اس سے نجات دے دی۔

لطائف سلوک: .... الم نشرح وصول سے پہلے سالک کو جو ضیق اور تنگی گھٹن پیش آتی ہے کہ جس سے گویا اس کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ وہ بھی وزر میں داخل ہے اور جو نشاط، دلجمعی اور طمانیت و وسعت وصول کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ شرح صدر میں داخل ہے۔ جس میں حق اور خلق دونوں کی طرف توجہ یک جا ہو جاتی ہے۔ پھر کبھی ارشاد و اصلاح کی مصلحت سے اگر اس کو شہرت عطا فرمادی جائے تو اس کو رفع ذکر سمجھنا چاہئے اور ان مع العسر یسر میں اس طرف اشارہ ہے کہ مجاہدہ کرنے والے کے لئے عادت اللہ یہی ہے کہ وہ ان دولتوں سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ فاذا فرغت معلوم ہوا کہ افاضہ و افادہ اور ارشاد سے فراغت کے بعد شیخ کو بھی خلوت میں ذکر و فکر ومناجات میں مشغول رہنا چاہئے۔ اور خود کو مجاہدہ سے مستغنی نہیں سمجھنا چاہئے۔

سُوْرَةُ التِّيْنِ

سُوْرَةُ وَالتِّيْنِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَمَانُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ﴿١﴾ اَيِ الْمَاكُوْلَيْنِ وَجَبَلَيْنِ بِالشَّامِ يُنْبِتَانِ الْمَاكُوْلَيْنِ **وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴿٢﴾** اَلْجَبَلِ الَّذِىْ كَلَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامَ عَلَيْهِ وَمَعْنٰى سِيْنِيْنَ الْمُبَارَكُ اَوِ الْحَسَنُ بِالْاَشْجَارِ الْمُثْمِرَةِ **وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ﴿٣﴾** مَكَّةَ لِاَمْنِ النَّاسِ فِيْهَا جَاهِلِيَّةً وَّاِسْلَامًا **لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ** الْجِنْسَ **فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴿٤﴾** تَعْدِيْلٍ لِصُوْرَتِهٖ **ثُمَّ رَدَدْنٰهُ** فِىْ بَعْضِ اَفْرَادِهٖ **اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ﴿٥﴾** كِنَايَةً عَنِ الْهَرَمِ وَالضُّعْفِ فَيَنْقُصُ عَمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَنْ زَمَنِ الشَّبَابِ وَيَكُوْنُ لَهٗ اَجْرُهٗ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى **اِلَّا** اَىْ لٰكِنْ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿٦﴾** مَقْطُوْعٍ وَفِى الْحَدِيْثِ اِذَا بَلَغَ الْمُؤْمِنُ مِنَ الْكِبَرِ مَا يُعْجِزُهٗ عَنِ الْعَمَلِ كُتِبَ لَهٗ مَا كَانَ يَعْمَلُ **فَمَا يُكَذِّبُكَ** اَيُّهَا الْكَافِرُ **بَعْدُ** اَىْ بَعْدَ مَا ذُكِرَ مِنْ خَلْقِ الْاِنْسَانِ فِىْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ ثُمَّ رَدَّهٗ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ الدَّالِّ عَلَى الْقُدْرَةِ عَلَى الْبَعْثِ **بِالدِّيْنِ ﴿٧﴾** بِالْجَزَاءِ الْمَسْبُوْقِ بِالْبَعْثِ وَالْحِسَابِ اَىْ مَا يَجْعَلُكَ مُكَذِّبًا بِذٰلِكَ وَلَا جَاعِلَ لَهٗ **اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨﴾** اَىْ هُوَ اَقْضَى الْقَاضِيْنَ وَحُكْمُهٗ بِالْجَزَاءِ مِنْ ذٰلِكَ وَفِى الْحَدِيْثِ مَنْ قَرَاَ بِالتِّيْنِ اِلٰى اٰخِرِهَا فَلْيَقُلْ بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ

ترجمہ:............ قسم ہے انجیر اور زیتون کی (جو دونوں کھانے کی چیزیں ہیں یا شام کے دونوں پہاڑ ہیں جن پر یہ کھانے کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں) اور طور سینا کی (جس پہاڑ پر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور سینین کے معنی مبارک کے ہیں یا پھلدار درختوں سے جو جگہ خوبصورت ہو) اور اس پر امن شہر کی (مکہ مراد ہے جو اسلام سے پہلے اور بعد ہمیشہ امن کی جگہ رہا ہے) ہم نے انسان (کی جنس) کو بہت خوبصورت سانچہ (بہترین ساخت) میں ڈھالا ہے۔ پھر ہم اس کے بعض افراد کو پست حالت والوں سے بھی پست کر دیتے ہیں (بڑھاپے اور کمزوری سے کنایہ ہے چنانچہ مؤمن کامل جوانی کے مقابلہ میں کم ہوجاتا ہے۔ اگر چہ اس کا

ثواب بدستور رہتا ہے۔اگلی آیت کی وجہ سے) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لئے نہ ختم ہونے والا ثواب ہے (ممنون یعنی مقطوع ،حدیث میں ارشاد ہے کہ مؤمن بڑھاپے کی وجہ سے جب عمل سے عاجز ہو جاتا ہے تب بھی اس کا عمل لکھا جاتا ہے) پھر تجھے (اے کافر!) کون جھٹلانے والا بتا رہا ہے اس کے بعد (یعنی انسان کا اچھی شکل پر پیدا ہونا پھر انتہائی گھٹیا عمر کی طرف پلٹ جانا جس سے قیامت پر اللہ کی قدرت کا ہونا معلوم ہوا) جزا کے بارے میں (جو بعث وحساب کے بعد ہوگی، یعنی کس چیز نے تجھ کو بدلہ کے جھٹلانے پر آمادہ کیا ہے۔جب کہ کوئی اس کا باعث ہی نہیں ہے) کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے؟ (وہ سب سے بڑھ کر حاکم ہے اور اس کا فیصلہ قیامت کے متعلق ہو چکا ہے۔حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص سورۂ والتین پڑھے تو اسے ختم پر بلی وانا علی ذلك من الشاهدين کہنا چاہئے۔

تحقیق وترکیب: .... مكية ابن عباسؓ کی رائے مفسرؒ نے نقل کی ہے۔لیکن قتادہؒ کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے اور جمہور اس کو مکی قرار دیتے ہیں۔جیسا کہ هذا البلد الامين سے بھی اشارہ ہو رہا ہے۔

والتين بہترین میوہ ہے جس میں فضلہ کا نام ونشان نہیں ہے۔سریع الہضم غذائے لطیف ہے اور مفید ترین دوا ہے۔طبیعت میں فرحت پیدا کرتی ہے۔بلغم کو تحلیل کرتا ہے۔گردوں کو پاک صاف رکھتا ہے۔مثانہ کے سنگریزہ کے لئے کاسر ہے۔جگر اور تلی کے سدوں کو صاف کرتا ہے۔بدن میں فربہی لاتا ہے۔حدیث میں اس کو قاطع بواسیر اور درد نقرس کے لئے مفید بتایا گیا ہے۔

اسی طرح زیتون بھی پھل ہی ہے اور سالن اور دوا کے کام بھی آتا ہے۔اس کا تیل نہایت لطیف اور مفید ہے۔اور پہاڑوں میں اگرچہ دہنیت نہیں ہوتی۔پھر بھی وہاں یہ درخت پیدا ہوتا ہے۔اور بعض کے نزدیک یہ دونوں پہاڑوں کے نام ہیں۔ایک وہ پہاڑ جو مصر وایلہ کے درمیان ہے۔جس پر حضرت موسیٰ کو شرف ہمکلامی حاصل ہوئی۔دوسرا پہاڑ جس پر بیت المقدس ہے۔حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت گاہ اور حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے مواقع ہونے کی وجہ سے ان کی قسم کھائی گئی ہے۔جیسا کہ آگے طور پہاڑ کا ذکر ہے۔جو حضرت موسیٰ کے کلیم اللہ ہونے کی جگہ ہے۔پہلا قول حضرت ابن عباسؓ، حسنؒ، مجاہدؒ، عطاءؒ کا ہے اور دوسرا قول عکرمہؒ کا ہے۔سریانی زبان میں ان پہاڑوں کو طور زینا کہا جاتا ہے۔اور بعض کی رائے ہے کہ تین حلوان وہمدان کے درمیان کے پہاڑ کا نام ہے۔اور زیتون شام کا پہاڑ ہے اور بعض نے ان سے مسجد دمشق اور بیت المقدس مراد لئے ہیں یا دو شہروں کے نام ہیں۔

وطور سينين سینا اور سینین کے دونوں لغت ہیں وہ جگہ جہاں حضرت کلیم اللہؑ، اللہ سے ہمکلام ہوئے اور مجاہد برکۃ کے معنی اور قتادہؒ حسن کے معنی اور مقاتل پھلدار درختوں کا پہاڑ مراد لیتے ہیں۔

البلد الامين امین بمعنی امن کہا جاتا ہے۔امن الرجل امانة فهو امين یا بمعنی مامون ہے۔مراد مکہ مکرمہ ہے۔

اسفل سافلين جہنم یا جہنم کا نچلا طبقہ مراد ہے۔اور بقول مفسرؒ بعض نے ارذل العمر کے معنی لئے ہیں۔**غير ممنون** غیر منقطع اور مسلسل کے معنی ہیں۔اسی صورت میں استثناء متصل ہوگا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ان پر اس اجر کا احسان نہیں جتلایا جائے گا۔

فما يكذب آنحضرت کو بھی خطاب ہو سکتا ہے۔یعنی آپ کو قیامت کے بارہ میں جھٹلانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ما بمعنی من ہے اور بطور التفات انسان کو بھی خطاب ہو سکتا ہے۔لاعاجل کہہ کر مفسرؒ نے استفہام انکاری ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اليس الله یعنی اتنی بڑی قدرت والا کیا قیامت برپا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔

﴿ تشریح ﴾: .... تین یا زیتون کے پھل یا وہ علاقے جہاں بکثرت ان پھلوں کے درخت پائے جاتے ہیں۔ شام وفلسطین اللہ نے ان کی اور طور سینا اور مکہ مکرمہ کی قسمیں کھائی ہیں۔ جہاں کے مقدس مقامات سے اولوالعزم پیغمبر اٹھے ہیں کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچہ میں ڈھالا ہے اور ظاہر وباطن میں کمال تناسب دیا۔ اگر انسان صحیح فطرت پر ترقی کرے تو فرشتوں پر بھی سبقت لے جائے۔ بلکہ مسجود ملائکہ بنے۔ اس کو اعلیٰ درجہ کا جسم عطا کیا گیا ہے۔ جو کسی اور جاندار مخلوق کو نہیں دیا گیا۔ اور ایسی اندرونی خوبیاں اور قابلیتیں عنایت کی گئیں جو کسی مخلوق کو نہیں ملیں۔ پھر منصب نبوت سے انسان کو زینت بخشی گئی۔ جس سے بڑھ کر اور کوئی اعزاز نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اس پر انہی مقدس مقامات کی قسمیں کھائی گئیں ہیں۔ جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ ہم نے انسان کو ایسی بہترین تقویم پر بنایا۔ کہ اس میں نبوت جیسے عالی مرتبہ منصب سے سرفراز ہونے والے افراد پائے جاتے ہیں۔

انسان اگر فرشتوں سے بڑھ سکتا ہے تو شیطان سے بھی بازی لے جا سکتا ہے: .... ثم رددناہ مفسر علامؒ تو اسفل سافلین سے ارذل العمر یعنی بڑھاپے کا وہ مرحلہ مراد لیتے ہیں۔ جس میں انسان سوچنے سمجھنے کے لائق نہیں رہتا۔ پس آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جس نے جوانی اور تندرستی کے وقت ایمان لاکر نیک عمل کئے اور بڑھاپے میں معذور ہوگیا۔ تو اللہ تعالیٰ خدمت سے معذوری کے باوجود پنشن کا مستحق سمجھتا ہے۔ اور رحمدل آقا بدستور اس کی کارکردگی شمار کرتے ہوئے پنشن جاری رکھتا ہے۔ لیکن دوسرے مفسرین اس سے جہنم یا جہنم کا بالکل نچلا درجہ مراد لیتے ہیں۔ یعنی ایماندار نیکوکار اسفل السافلین سے محفوظ رہیں گے۔ لیکن مقصد سورت یعنی جزاوسزا کی حقیقت کا جہاں تعلق ہے اس کے لحاظ سے بالتخصیص یہ دونوں مفہوم کچھ زیادہ چسپاں نہیں معلوم ہوتے۔ بہتر یہ ہے کہ عام مفہوم مراد لیا جائے اور وہ یہ کہ ایک طرف تو انسان پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان کہ اس نے سب سے بہتر سانچہ میں اس کو ڈھالا۔ مگر دوسری طرف انسان اگر خود سے اس کو ناقدری کی نذر کرکے برائی کے راستہ پر ڈال دیتا ہے۔ تو بالآخر گراتے گراتے اس انتہا تک پہنچا دیتا ہے کہ شیطان بھی اس سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ حرص وطمع، خودغرضی، نشہ بازی، شہوت پرستی، کمینہ پن، غیظ وغضب جیسی گھناؤنی بیماریوں میں جو لوگ مبتلا ہوجاتے ہیں۔ وہ درندوں اور چوپاؤں سے بھی بدتر ہوجاتے ہیں۔ شکل وصورت سے انسانی لباس آراستہ وپیراستہ، مگر اندر دیکھو تو سینکڑوں شیطان بھرے پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ اشرف المخلوق، ارذل المخلوق بن جاتا ہے۔

قیامت کا انکار باعث حیرت ہے: .... فما یکذبك یعنی ان روشن دلائل کے ہوتے ہوئے پھر یہ کافر جزاوسزا کا کیسے انکار کررہے ہیں۔ اے پیغمبر! آخر کس بنیاد پر یہ آپ کو قیامت کے سلسلہ میں جھٹلا رہے ہیں۔ یعنی انسان جب دوگروہوں میں بٹ گیا۔ ایک پست ترین گروہ، دوسرا اعلیٰ ترین طبقہ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان دونوں کو ان کے کئے کا کچھ بھی پھل نہ ملے یا دونوں کے کاموں پر ایک ہی طرح کا ثمرہ مرتب ہو۔ عقل وانصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ دونوں کو ان کے کاموں کے مطابق صلہ ملے افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون ورنہ پھر نیکی بدی کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہے گا۔ خیال تو کرو کہ اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور ایسی عجیب وغریب تقویم پر پیدا کیا کہ نیکی اور بدی کرنے کی دونوں صلاحیتیں اس میں رکھ دیں اور آخری حد تک رکھ دیں۔ وہ چاہے تو ترقی کرکے اعلیٰ علیین تک پہنچ سکتا ہے کہ فرشتے بھی اس کی گرد کو نہ پہنچ سکیں۔ جن کے کامل نمونے شام، بیت المقدس، طور سینا، مکہ مکرمہ میں دنیا دیکھ چکی۔ جن مقامات مقدسہ کی قسمیں ہم نے کھائی ہیں۔ ان کے نمونوں کے مطابق انسان چلے تو فلاح دارین کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہوسکتا ہے۔ لیکن خود بے ایمانی اور بدعملی کرکے ذلت وہلاکت کے گڑھوں میں گرنا چاہے تو اسفل السافلین اس کے پاؤں تلے ہے۔ کیا اس کے بعد بھی کسی کا منہ ہے جو دین فطرت کے جزاوسزا کے سلسلہ میں ایسے معقول ضابطوں کو جھٹلا سکے۔ ہاں دنیا کو لاقانونیت

کا ایک جنگل فرض کرلیا جائے۔ جس میں نہ کوئی حاکم ہو اور نہ قانون؟ تو پھر ایسے بے ہنگم اور بے تکی باتوں کی گنجائش ہے۔

شہنشاہ کائنات:............ **الیس الله باحکم الحاکمین** دنیا کی معمولی سے معمولی حکومتوں اور حاکموں سے بھی جب یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ انصاف کریں۔ یعنی مجرموں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچائیں اور بہترین کارگزاری کرنے والوں کو انعام واکرام سے نوازیں۔ پھر بھلا خدا کی نسبت کیا خیال ہے جو کائنات میں سب سے بڑا حاکم اور منصف ہے۔ کیا وہ انصاف نہیں کرے گا۔ اور بھلائی اور برائی کو ایک ہی پلہ میں رکھ دے گا۔ یا ساری محنتوں کو اکارت کردے گا۔

خلاصۂ کلام:............ **هذا البلد الامين** کہنے سے نیز اس کے اس انداز بیان سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ یہ بھی مکی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ جنہیں نہایت اختصار کے ساتھ مجازات پر کلام کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس میں بھی ان چار مقامات مقدسہ کی پہلے قسمیں کھائی گئی ہیں۔ جہاں اللہ نے اعلیٰ ترین انسان بھیجے تھے۔ اور بڑی تاکید کے ساتھ زور دے کر فرمایا گیا ہے کہ ہم نے انسان کو اعلیٰ ترین سانچہ میں ڈھال کر بھیجا ہے اور اس کی بناوٹ اس طرح کی ہے کہ اس میں نیکی اور بدی دونوں کی صلاحیتیں علی وجہ الکمال رکھ دی ہیں۔ برے کرتوت کر کے کوئی اس فطری خوبی ہی کو ختم کردے اور قعر مذلت میں گرتا چلا جائے تو اس کا ٹھکانہ اسفل السافلین ہوگا اور کوئی اپنی فطرت خوبی کو ایمان وعمل کی جلا سے روشن کرے گا تو اس کا مقام اعلیٰ علیین ہوگا۔ آخر میں ارشاد ہے کہ انسان جب خوبی اور خرابی کے دوحصوں میں بٹ گیا۔ تو کیا یہ قرین انصاف نہیں کہ اس کے کاموں کا حقیقی صلہ اس کے سامنے آجائے۔ اور اس طرح دونوں اپنے آخری انجام تک پہنچ جائیں۔ دنیا کی عدالتوں میں جب عالمگیر قانون رائج ہے۔ تو اللہ کی کچہری سے بڑھ کر کس کی کچہری ہوسکتی ہے بلاشبہ نہیں ہوسکتی۔

فضائل سورت:............ من قرء سورة والتين اعطاه الله العافية واليقين مادام حيا فاذا مات اعطاه من الاجر بعدد من قرء هذه السورة ترجمہ: جو شخص سورۂ والتین پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے زندگی بھر عافیت ویقین عطا فرمائے گا اور مرنے کے بعد اس سورت کے پڑھنے والوں کے برابر ثواب عطا فرمائے گا۔

لطائف سلوک:............ **لقد خلقنا الانسان** یعنی انسان ظاہراً باطناً معتدل الخلقۃ ہے۔ راست قامت خوبصورت نقشہ صفات الٰہیہ کا مظہر ہے اور **خلق الله ادم على صورته** کا مصداق ہے۔ اپنی جامعیت کے پیش نظر غیب وشہادت کے لحاظ سے مجمع البحرین ہے اور افادہ اور استفادہ کا سنگم ہے۔ **ثم رددناه** اگر ضعف پیری مراد ہے تو قویٰ کے انحطاط سے عمل میں اضمحلال آتا ہے۔ اور وہ اجر وثواب کی کمی کا سبب ہونا چاہیئے۔ مگر معذوروں کو مستثنیٰ فرمادیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر واقعی عذر کی وجہ سے اوراد ووظائف میں حرج ہوجائے۔ تو انشاء اللہ اجر میں کمی نہیں ہوگی۔ اس لئے محقق مشائخ ایسے مواقع پر مسترشدین کو تسلی دیا کرتے ہیں۔

سُــوْرَةُ اِقْــرَأْ

سُوْرَةُ اِقْرَأْ مَكِّيَّةٌ تِسْعَ عَشَرَ اٰيَةً صَدْرُهَا اِلٰى مَالَمْ يَعْلَمْ اَوَّلُ مَانَزَلَ مِنَ الْقُرْاٰنِ

وَذٰلِكَ بِغَارِ حِرَاءٍ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اِقْرَأْ اَوْجِدِ الْقِرَاءَةَ مُبْتَدِئًا **بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ** ﴿۱﴾ اَلْخَلَائِقَ **خَلَقَ الْاِنْسَانَ** الْجِنْسَ **مِنْ عَلَقٍ** ﴿۲﴾ جَمْعُ عَلَقَةٍ وَّهِيَ الْقِطْعَةُ الْيَسِيْرَةُ مِنَ الدَّمِ الْغَلِيْظِ **اِقْرَأْ** تَاكِيْدٌ لِلْاَوَّلِ **وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ** ﴿۳﴾ الَّذِيْ لَايُوَازِيْهِ كَرِيْمٌ حَالٌ مِّنْ ضَمِيْرِ اِقْرَأْ **الَّذِيْ عَلَّمَ** الْخَطَّ **بِالْقَلَمِ** ﴿۴﴾ وَاَوَّلُ مَنْ خَطَّ بِهٖ اِدْرِيْسُ عَلَيْهِ السَّلَامُ **عَلَّمَ الْاِنْسَانَ** الْجِنْسَ **مَالَمْ يَعْلَمْ** ﴿۵﴾ قَبْلَ تَعْلِيْمِهٖ مِنَ الْهُدٰى وَالْكِتَابَةِ وَالصِّنَاعَةِ وَغَيْرِهَا **كَلَّآ** حَقًّا **اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى** ﴿۶﴾ **اَنْ رَّاٰهُ** اَيْ نَفْسَهٗ **اسْتَغْنٰى** ﴿۷﴾ بِالْمَالِ نَزَلَ فِيْ اَبِيْ جَهْلٍ وَرَاٰى عِلْمِيَّةٌ وَاسْتَغْنٰى مَفْعُوْلٌ ثَانٍ وَاَنْ رَاٰهُ مَفْعُوْلٌ لَهٗ **اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ** يَااِنْسَانُ **الرُّجْعٰى** ﴿۸﴾ الرُّجُوْعُ تَخْوِيْفٌ لَّهٗ فَيُجَازِي الطَّاغِيَ بِمَايَسْتَحِقُّهٗ **اَرَاَيْتَ** فِيْ مَوَاضِعِهَا الثَّلَاثَةِ لِلتَّعَجُّبِ **الَّذِيْ يَنْهٰى** ﴿۹﴾ هُوَ اَبُوْجَهْلٍ **عَبْدًا** هُوَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **اِذَا صَلّٰى** ﴿۱۰﴾ **اَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ** اَيِ الْمَنْهِيُّ **عَلَى الْهُدٰى** ﴿۱۱﴾ **اَوْ** لِلتَّقْسِيْمِ **اَمَرَ بِالتَّقْوٰى** ﴿۱۲﴾ **اَرَاَيْتَ اِنْ كَذَّبَ** اَيِ النَّاهِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَتَوَلّٰى** ﴿۱۳﴾ عَنِ الْاِيْمَانِ **اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى** ﴿۱۴﴾ مَاصَدَرَ مِنْهُ اَيْ يَعْلَمُهٗ فَيُجَازِيْهِ عَلَيْهِ اَيْ اَعْجَبُ مِنْهُ يَامُخَاطِبُ مِنْ حَيْثُ نَهْيُهٗ عَنِ الصَّلٰوةِ وَمِنْ حَيْثُ اَنَّ الْمَنْهِيَّ عَلَى الْهُدٰى اٰمِرٌ بِالتَّقْوٰى وَمِنْ حَيْثُ اَنَّ النَّاهِيَ مُكَذِّبٌ مُتَوَلٍّ عَنِ الْاِيْمَانِ **كَلَّا** رَدْعٌ لَهٗ **لَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **لَّمْ يَنْتَهِ** عَمَّا هُوَ عَلَيْهِ مِنَ الْكُفْرِ **لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ** ﴿۱۵﴾ لَنَجُرَّنَّ بِنَاصِيَتِهٖ اِلَى النَّارِ **نَاصِيَةٍ** بَدَلٌ نَكِرَةٌ مِنْ مَعْرِفَةٍ **كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ** ﴿۱۶﴾ وَوَصْفُهَا بِذٰلِكَ مَجَازٌ وَالْمُرَادُ صَاحِبُهَا **فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ** ﴿۱۷﴾ اَيْ اَهْلَ نَادِيْهِ وَهُوَ الْمَجْلِسُ يَنْتَدِيْ يَتَحَدَّثُ فِيْهِ الْقَوْمُ كَانَ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّاانْتَهَرَهُ حَيْثُ نَهَاهُ عَنِ الصَّلٰوةِ لَقَدْ عَلِمْتَ مَابِهَا رَجُلٌ اَكْثَرَ نَادِيًا مِّنِّي لَاَمْلَأَنَّ عَلَيْكَ هٰذَا الْوَادِيَ اِنْ شِئْتُ خَيْلًا جُرْدًا اَوْ رِجَالًا مُرْدًا **سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ**﴿۱۸﴾ اَلْمَلَائِكَةَ الْغِلَاظَ الشِّدَادَ لِاِهْلَاكِهِ فِي الْحَدِيْثِ لَوْدَعَا نَادِيَهُ لَاَخَذَتْهُ الزَّبَانِيَةُ عَيَانًا **كَلَّا** رَدْعٌ لَهُ **لَا تُطِعْهُ** يَامُحَمَّدُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي تَرْكِ الصَّلٰوةِ **وَاسْجُدْ** صَلِّ لِلّٰهِ **وَاقْتَرِبْ**﴿۱۹﴾ مِنْهُ بِطَاعَتِهِ

سورۂ اقرأ مکیہ ہے۔اس میں انیس آیات ہیں،شروع سے مالم یعلم تک سب سے پہلی آیات ہیں جو غارِحراء میں نازل ہوئی۔جیسا کہ بخاری شریف کی روایت ہے۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:.......... پڑھئے (پڑھنا شروع کیجئے) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (مخلوق کو) پیدا کیا (جنس) انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا (عـلـق ،علقہ کی جمع ہے۔خون بستہ کی ایک پھٹک) پڑھئے (پہلے کی تاکید ہے) اور آپ کا رب بڑا کریم ہے (جس کے برابر کوئی کریم نہیں ہوسکتا۔اقـــرأ کی ضمیر سے حال ہے) جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھلایا (سب سے پہلے ادریسؑ نے لکھنا شروع کیا) انسان (کی جنس) کو اس نے وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا (یعنی ہدایت اور کتابت اور صنعت وغیرہ) سچ مچ (یقیناً) انسان (مطلقاً) بلاشبہ حد سے گزر جاتا ہے۔اس وجہ سے کہ وہ اپنے آپ (خود) کو (مال کی وجہ سے) مستغنی سمجھتا ہے (ابو جہل کے متعلق ہے اور رای میں رویت قلبیہ ہے اور استغنٰی اس کا مفعول ثانی ہے اور ان راہ مفعول لہ ہے) یقیناً (اے انسان) تیرے رب کی طرف پلٹنا ہوگا (یہ اس کو ڈراتا ہے۔لہٰذا سرکش کو سزا ملے گی جس کا وہ مستحق ہوگا) تم نے دیکھا (تینوں جگہ ارأیـت تعجب کے لئے) جو منع کرتا ہے (مراد ابوجہل ہے) ایک بندے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کو جب کہ وہ نماز پڑھتا ہے۔بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر وہ بندہ (جس کو روکا جارہا ہے) راہ ہدایت پر ہو یا (او تقسیم کے لئے ہے) پرہیزگاری کی تلقین کرتا ہو۔بھلا یہ بتاؤ کہ اگر یہ شخص جھٹلاتا ہو (یعنی روکنے والا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو) اور منہ موڑتا ہو؟ (ایمان لانے سے) کیا اس شخص کو یہ پتہ نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے (جو کچھ اس سے سرزد ہورہا ہے یعنی وہ باخبر ہے لہٰذا وہ اس کو اس پر سزا دے گا۔یعنی اے مخاطب حیرت کی بات ہے کہ وہ نماز سے روکتا ہے جب کہ منع کیا ہوا بندہ راہ راست پر ہے اور پرہیزگاری کی تلقین کرتا ہے۔نیز منع کرنے والا جھٹلانے والا اور ایمان سے روگردانی کرنے والا شخص ہے) ہرگز نہیں (اس کو ڈانٹ ڈپٹ ہے) اگر یہ شخص (لام قسمیہ ہے) باز نہ آیا (اپنے کفر پہ طور طریق سے) تو ہم اس کے پٹھے پکڑ کر کھینچیں گے (پیشانی کے بال سے گھسیٹ کر دوزخ میں پھینک دیں گے) وہ پیشانی (یہ نکرہ بدل ہے معرفہ سے) جو جھوٹی اور خطا کار ہے (پیشانی کی یہ صفت مجازاً ہے۔لیکن مراد پیشانی والا ہے) وہ بلالے اپنے حمائتیوں کی ٹولی کو (نـــادی سے اہل نادی مراد ہیں۔اس کے معنی مجلس کے ہیں۔کیونکہ اس میں قوم کی بات چیت کے وقت آواز دی جاتی ہے۔ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے ڈانٹتے ہوئے کہا تھا کہ تم جانتے ہو کہ تمہارا جمعہ میرے جمعہ سے بڑھا ہوا نہیں ہے۔میں چاہوں تو بہترین گھڑسواروں اور پیدل فوج سے اس میدان کو بھر سکتا ہوں) ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلالیں گے (اس کو تباہ کرنے کے لئے اکھڑ مضبوط فرشتے،حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر اپنی فوج کو بلالیتا،تو دوزخ کے دربان اسے پکڑ لیتے) ہرگز نہیں (ڈانٹ ڈپٹ ہے) آپ (اے محمد! نماز چھوڑنے میں) اس کی بات نہ مانئے اور سجدہ کیجئے (اللہ کے لئے نماز پڑھئے (اور قرب حاصل کرتے رہئے (اس کی فرمانبرداری کرکے)۔

تحقیق وترکیب: .... اقرأ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اقرأ منزلہ لازم ہے۔ اس لئے مفعول کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مفعول مقدر مانا جائے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ اس کا مفعول اسم ربک ہے اور با زائدہ ہے۔ لیکن تفسیری عبارت مبتدأ میں اشارہ ہے کہ با ملابستہ کے لئے ہے اور ظرف مستقر موضع حال ہے۔ ای **قل بسم اللہ ثم اقرء۔**

خلق مفسرؒ نے الخلائق سے اشارہ کیا ہے کہ خلق کا مفعول حذف کرنے میں عموم کی طرف اشارہ ہے۔ اور بقول خطیب مفعول مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ صرف یہ بتلانا ہے کہ خلق اللہ ہی سے سرزد ہے اور اس کے سوا کوئی خالق نہیں ہے۔

خلق الانسان انسان کے شرف کی وجہ سے بالتخصیص انسان کو یہاں بیان کیا ہے۔

من علق انسان جنس ہونے کی وجہ سے معنی جمع ہیں۔ اس لئے علق بھی جمع لایا گیا ہے۔ اور علق کو جمع کہنا مجازا ہے ورنہ یہ اسم جنس ہے جیسے تمر تمرۃ میں ہے۔ یا اس کو حقیقۃ جمع کیا جائے۔ چونکہ اللہ کی معرفت اول واجبات میں سے ہے۔ اس لئے اس کے وجود اور انتہائی قدرت کمال حکمت بیان کرنے کے لئے اس کی تخلیق کا ذکر کیا گیا۔ اقرأ مبالغہ کے لئے تکرار ہے یا اولیٰ مطلق قرأت کے لئے اور یہ تبلیغ کے لئے ہے یا نماز کی قرأت کے لئے یا یہ کہا جائے کہ پہلے اقرأ کے جواب میں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ما انا بقاری اس پر فرمایا گیا۔ اقرأ۔ ان راٰہ دونوں ضمیروں کا مرجع انسان ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ رای نفسہ قتل نفسہ کی طرح کہنا چاہئے تھا۔ مگر یہ بتلانے کے لئے کہ "رای" ظن وحسبان کی طرح ان افعال میں سے ہے۔ جو کہ اسم وخبر کو چاہتے ہیں۔ اہل عرب لفظ نفس کو حذف کر دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ راٰہ کی طرح راتنی وظننتی وحسبتنی کہا جاتا ہے۔ گویا رؤیت علمیہ ہے، رؤیت بصریہ نہیں ہے۔ اس لئے فاعل ومفعول دونوں ضمیریں ہو سکتی ہیں۔ جن کا مرجع ایک ہے اور بعض کہتے ہیں کہ رؤیت بصریہ کو رؤیت علمیہ کا حکم دے دیا گیا ہے۔ جیسے حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے۔ لقد رأیتنا مع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وما کنا من طعام الاالاسودان۔

وان الی ربك اس میں انسان کو سرکشی پر دھمکی ہے۔

رجعیٰ بشریٰ کی طرح مصدر ہے۔

استغنیٰ سورت کی ابتداء میں علم کی تعریف اور آخر سورت میں مال کی مذمت کی گئی ہے۔

نزل فی ابی جھل سے کشافؒ کی اس بات کا رد ہو گیا کہ حضرت حسنؓ سے منقول ہے کہ امیہ بن خلف حضرت سلمان فارسیؓ کو نماز پڑھنے سے روکتا تھا۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور حضرت سلمانؓ مدینہ میں مسلمان ہوئے ارأیت بمعنی اخبرنی اور ان کان جملہ شرطیہ دوسرے ارأیت کا مفعول ثانی ہے۔ اور ان کان کا جواب محذوف ہے جس پر ان کذب کا جواب دلالت کر رہا ہے کیونکہ ارأیت کا مفعول ثانی جملہ استفہامیہ یا قسمیہ ہوا کرتا ہے۔ شرط ثانی کے جواب پر اکتفا کرتے ہوئے اس شرط کا جواب حذف کر دیا گیا ہے۔ ای اخبرنی عمن ینھی بعض عباد اللّٰہ عن صلوٰتہ ان کان ذلك الناھی علی الھدیٰ فیما ینھی عنہ او امر ایتقی فیما یا مر بہ من عبادۃ الارکان کما یعتقدہ یاان کان علی التکذیب للحق والتولی عن الصواب تقدیر عبارت ہے، جیسے کہا جائے **الم یعلم بان اللہ یریٰ ویطلع علی احوالہ من ھدایۃ وضلالۃ** اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں **ارأیت الذی یصلی والنھی علی الھدیٰ امر بالتقویٰ والناھی مکذب متول فما اعجبہ من ذا** اور بعض کی رائے ہے کہ دوسرے ارأیت میں کافر کو اور تیسرے ارأیت میں آنحضرتؐ کو خطاب ہے۔ جیسے حاکم کے سامنے عدالت میں فریقین موجود ہوں۔ حاکم کبھی ایک کو اور کبھی دوسرے کو خطاب کرتا ہے۔ اور تعجب کے موقعہ پر تقویٰ اور توبیخ کو ذکر کر دیا گیا ہے۔ لیکن نہی میں اس سے تعرض کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ **ارأیت الذی ینھی** میں نہی کا تعلق نماز اور تقویٰ کے حکم کے ساتھ تھا۔ لہٰذا نماز پر اکتفا کر لیا گیا ہے۔ کیونکہ نماز دعوت فعلی

ہے اور امر دعوت قولی ہوتا ہے اور دعوت فعلی قوی ہوتی ہے یا کہا جائے کہ نماز کی حالت میں بندہ کو روکنے سے مراد عام ہے نماز سے روکنا ہو یا دوسری نیکیوں سے۔ درآنحالیکہ عام احوال کی صرف دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اپنے نفس کی تکمیل تو عبادت کے ذریعہ اور دوسروں کی تکمیل دعوت کے ذریعہ ہوا کرتی ہے۔

لنسفعا .**سفع** کے معنی کسی چیز پر قبضہ کرنے اور گھسیٹنے کے آتے ہیں۔ ایک قرأت **لنسفعن** اور **لاسفعن** بھی ہے۔ لیکن مصحف عثمانی میں الف کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ وقف کے حکم میں کرتے ہوئے اور **بالناصية** لام کے ساتھ لکھا ہوا ہے مضاف الیہ کے عوض میں۔ **ای ناصية الناهى** .**ناصية كاذبة** نکرہ موصوف ہونے کی وجہ سے **الناصية** معرفہ سے بدل ہے اور ایک قرأت میں **ناصية** رفع کے ساتھ ہے۔ **ای هی ناصية** اور ایک قرأت نصب کے ساتھ ہے بطور مذمت کے اور ناصیہ کو مناصیہ کہنا مجازا ہے بطور مبالغہ کے۔

الزبانية .**زبن** سے ماخوذ ہے بمعنی دفع یا زبنی سے ہے جو دراصل زبانی تھا یا کے عوض میں تا آ گئی۔ زبانیہ کا مفرد زبنیۃ سے ہے۔ جیسا کہ عفریۃ مرغ کی گردن کے معنی میں ہے۔ **لا تطعه و اسجد و اقترب** یہ تینوں امر کے صیغے دوام اور استمرار کے لئے ہیں۔

ربط آیات: ....سورۂ والضحٰی کی تمہید میں جن مہمات کا ذکر ہوا۔ ان میں سے عطائے نبوت اور تعلیم وحی بھی ہے۔ جو توحید کے بعد تمام دین کی اساس ہے۔ اس سورت میں اس کا بیان ہے اور وحی اور صاحب وحی کے مخالفین پر سخت رد وقدح کرنا ہے۔ اس سورت کا ابتدائی حصہ **مالم يعلم** تک امت کی بڑی اکثریت کے مطابق سب سے پہلی وحی ہے اور آخری حصہ بھی مکی ہے اور اس زمانہ سے متعلق ہے جب حضورؐ نے حرم شریف میں نماز پڑھنی شروع کی اور ابوجہل نے دھمکیاں دے کر آپ کو روکنا چاہا اس سورت کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات: ....حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی سچے اور اچھے خوابوں کی شکل میں ہوئی ہے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا ارشاد ہے کہ آپ کے خواب صبح کی طرح ہوتے تھے آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے وہ ایسا ہوتا جیسے آپ دن کی روشنی میں دیکھ رہے ہوں۔ احادیث میں **حبب اليه الخلاء** .**تحنث** کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ کئی روز غار حراء میں رہ کر مراقب اور معتکف رہتے۔ بعض مرتبہ آپ کے دادا عبدالمطلب بھی ساتھ ہوتے جو دین حنیف کی رو سے حقیقۃ حیات کی طرف مائل تھے۔ بلکہ آپ کے ان حالات کو دیکھتے ہوئے انہوں نے یہ پیشین گوئی بھی کی تھی۔ کہ میرا بیٹا آگے چل کر دنیا میں نام آور ہوگا۔ خدیجۃ الکبریٰؓ کئی کئی روز کے لئے خورد ونوش کا سامان آپ کے لئے مہیا کر دیتیں اور جب وہ ختم ہو جاتا۔ پھر کبھی آپ خود آ کر لے جاتے اور کبھی کسی کے ذریعہ پہنچ جاتا۔ اس میں یکا یک ایک روز حضرت جبریلؑ نے متمثل ہو کر آپ سے کہا **اقرأ** ۔ حضرت عائشہؓ نے حضورؐ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ نے جواب میں فرمایا۔ **ما انا بقارئ** ۔ اس پر فرشتہ نے مجھے پکڑ کر بھینچا۔ حتی کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی۔ پھر چھوڑ دیا۔ اور کہا **اقرأ** میں نے دوسری اور تیسری بار وہی جواب دیا۔ مگر جب تیسری بار چھوڑنے پر فرشتہ نے **اقرأ باسم ربك الذى خلق علم الانسان مالم يعلم** تک پڑھا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے کانپتے، لرزتے واپس ہوئے اور گھر پہنچ کر فرمایا **زملونى زملونى** آپ کو کمبل اوڑھا دیا گیا۔ فرشتہ کی عظیم ہیکل دیکھنے اور وحی کے ثقل کی وجہ سے جو آپ پر یہ طبعی خوف ودہشت کی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ کچھ دیر بعد جب زائل ہوگئی۔ تب آپ نے فرمایا۔ اے خدیجہؓ! یہ مجھے کیا ہو گیا ہے پھر سارا قصہ آپ نے ان کو سنایا اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ مگر غمگسار اور جاں نثار بیوی نے یہ کہہ کر تسلی دی۔ کہ ہرگز نہیں آپ خوش ہو جائیے۔ خدا کی قسم! آپ کو اللہ کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آخر آپ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں، امانت دار ہیں، بے سہارا لوگوں کا سہارا اور ناداروں کا مداوا ہیں، مہمان نواز، نیکیوں میں مددگار ہیں۔ پھر نفسیات شناس بیوی آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن

نوفل کے پاس لے گئیں۔ جو عیسائی ہو گئے تھے اور عربی وعبرانی میں انجیل کہتے تھے۔ وہ بہت بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے۔ حضرت خدیجہؓ بولیں بھائی جان! ذرا اپنے بھتیجے کا حال سنئے۔ ورقہ نے حضورؐ سے پوچھا کہ بھتیجے تمہیں کیا نظر آیا؟ چنانچہ جب آپ نے ساری روئیداد سنائی، تو ورقہ بولے کہ یہ وہی ناموس اکبر ہے۔ جو پہلے اللہ نے موسیٰ پر اتارا تھا۔ کاش! میں جوان ہوتا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا۔ جب آپ کی قوم کے لوگ آپ کو نکالیں گے۔ آپ نے پوچھا کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے۔ ورقہ کہنے لگے ہاں! کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص وہ بات لے کر آیا۔ جو آپ لائے ہیں اور اس سے دشمنی نہ کی گئی ہو۔ اگر میں زندہ رہا تو میں ضرور آپ کی مدد کروں گا مگر کچھ دنوں بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا۔ **اقرأ باسم ربک** سے **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** کہہ کر شروع کرنے کا حکم ایسا ہی ہے جیسے آیت **اذا قرأت القراٰن فاستعذ باللہ** میں قرأت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنے کا حکم ہے۔ یہ دونوں حکم اپنے مقصد اصلی یعنی توکل واستقامت کے لحاظ سے تو واجب ہیں۔ البتہ زبان سے کہنا مسنون ہے۔ **بسم اللہ** کے متعلق اگرچہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ اول ما نزل جبریل علیہ السلام علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال یا محمد استعذ ثم قل بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ تاہم **بسم اللہ** کا اس آیت کے نازل ہونے کے وقت آپ کو معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ **کلا ان الانسان** ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، ان ابا جھل قال فی ملأ من طغاۃ قریش لئن رأیت محمدا لاطأن عنقہ وفی بعض الروایات انہ ینھی محمدا عن الصلوٰۃ وھم ان یلقی علی رأسہ حجرا فراٰہ فی الصلوٰۃ وھی صلوٰۃ الظھر فجاء ہ ثم نکس علی عقبہ فقالوا مالک فقال ان بینی وبینہ خندقا من نار وھؤلاء واجنحۃ۔ **ارأیت** تین دفعہ تعجب کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ وجوہ تعجب مختلف ہیں۔ مثلاً (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کے لئے دعا کی تھی۔ اللھم اعز الاسلام بابی جھل واما لعمر بن الخطاب مگر یہ بدبخت حضورؐ کو نماز سے روکتا ہے۔

(۲) ابوجہل معزز ہونے کی وجہ سے ابوالحکم لقب رکھتا ہے۔ مگر حضورؐ کو نماز سے منع کرتا ہے تو نام یہ اور کام وہ۔ (۳) دوسروں کو احکام دے کر پابند کرتا ہے اور خود اللہ کے حکم کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ **فلیدع نادیہ** عن ابن عباس کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی فجاء ابو جھل فقال الم انھک عن ھذا الم انھک عن ھذا فانصرف النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فزجرہ فقال ابو جھل انک لتعلم ما بھا نادا اکثر منی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾: ....سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیات کے شان نزول سے واضح طور پر یہ بات سامنے آجاتی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلے سے نبوت کا طلبگار یا امیدوار ہونا تو درکنار، آپ کو وہم گمان بھی نہیں تھا۔ کہ آپ اس منصب جلیل سے سرفراز کئے جائیں گے۔ بلکہ آپ خالی الذہن تھے۔ چنانچہ جب اچانک اس ناگہانی صورت حال سے آپ کو دوچار ہونا پڑا۔ تو پہلا تاثر آپ پر وہی ہوا، جو ایک بے خبر انسان پر دفعۃً اتنے بڑے حادثہ کے پیش نظر آجانے سے فطری طور پر ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے دعوت کا آغاز کیا تو اعتراضات ڈھونڈنے والوں میں سے کسی نے یہ الزام نہیں لگایا کہ آپ پہلے سے یہ منصوبہ تیار کر رہے تھے۔ پھر جبریل علیہ السلام کے ایک دم مہیب اصلی شکل میں رونما ہونے سے خوف ودہشت کی وہی اضطراری کیفیت آپ پر طاری ہوئی۔ جو حضرت موسیٰ پر لکڑی کے اژدھا بننے سے ہوگئی تھی۔ جس کے بعد حق تعالیٰ نے **لاتخف** تسکین آمیز جملہ فرمایا۔ اس لئے اس سے شان نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اور نہ کمال ایمانی میں کوئی فرق پڑتا ہے۔ اگر اچانک کسی کے سامنے شیر آجائے اور وہ دیکھتے ہی گھبرا جائے تو کیا نبی کے لئے ایسی گھبراہٹ قابل اعتراض ہو سکتی ہے؟ نیز حضرت خدیجہؓ جیسی معمر خاتون اور ان کے سن رسیدہ چچا۔

ورقہ بن نوفل .... ورقہ بن نوفل کے توصیفی کلمات اس بات کی بڑی شہادت ہیں کہ آپ کی زندگی پہلے ہی سے نہایت پاکیزہ تھی۔ بیوی سے شوہر کی کوئی کمزوری چھپی نہیں رہ سکتی۔ مگر انہوں نے پندرہ سالہ آپ کی رفاقت سے یہ اثر لیا کہ بے ساختہ ان کی زبان پر آپ کی زندگی کے تابناک پہلوؤں کا ذکر آ گیا۔ اور انہوں نے پورے وثوق سے کہہ دیا کہ اللہ ایسے قیمتی شخص کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔ اسی طرح ورقہ نے بھی اسی قرابت قریبہ کی وجہ سے آپ کے حالات کا مطالعہ کیا تھا۔ اس لئے کیفیت سنتے ہی کہہ دیا۔ کہ یہ وہی ناموس اکبر (فرشتہ) ہے جو حضرت موسیٰ پر بھی نازل ہوا تھا۔ گویا انہوں نے بھی آپ کی نبوت کی تصدیق کر دی۔ اس سے آپ کو مزید اطمینان ہو گیا۔ یہ نہیں کہ پہلے تردد تھا پھر اطمینان ہوا۔

خود اقرأ بھی اقرأ کے حکم میں داخل ہے: .... اقرأ باسم ربك میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس رب نے پیدائش سے لے کر اب تک ایک عجیب والی شان سے آپ کی تربیت فرمائی۔ جو پتہ دے رہی ہے کہ آپ سے کوئی بہت بڑا کام لیا جانے والا ہے۔ کیا وہ رب آپ کو اَدھر میں چھوڑ دے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ جس نے تربیت فرمائی، وہی تعلیم بھی فرمائے گا اور باسم ربک کا مطلب جب بسم اللہ الخ سے شروع کرنا ہے تو یہ آیات بھی اس حکم میں داخل ہو جائیں گی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے۔ اسمع ما اقول لک تو خود اس جملہ کا سننا بھی مطلوب ہوگا۔ اسی طرح اس آیت کا سننا بھی یہی ہوگا۔ کہ ان آیات کو اور آئندہ نازل ہونے والی آیات کو بسم اللہ سے پڑھنا چاہیئے اور اس علم کا وحی اور قرآن ہونا علم بدیہی کے طور پر معلوم ہو گیا ہے اور جبریلؑ کے بار بار پڑھنے کو فرمانے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ جو پہلے سے آپ کو یاد ہو وہ پڑھئے۔ بلکہ آئندہ پڑھنے کی آمادگی مقصود تھا۔ جیسے معلم متعلم سے کہا کرتا ہے۔ کہ پڑھو یہاں پڑھو، اس لئے یہاں تکلیف مالا یطاق کا سوال کھڑا نہیں ہوگا۔ اور آپ کا بار بار عذر فرمانا یا تو اس لئے تھا کہ آپ کو اس جملہ کے معنی متعین نہ ہوئے ہوں گے۔ اور یہ بات کسی طرح بھی شان کے خلاف نہیں ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اکثر لکھی ہوئی چیز پڑھنے کو چونکہ قرأت کہتے ہیں۔ صرف زبانی سن کر پڑھنے کو نہیں کہتے۔ اس لئے بہت ممکن ہے کہ اس جملہ کی مراد متعین ہونے کے باوجود آپ نے اس لئے عذر فرمادیا کہ آپ حرف شناس نہیں تھے اور رسمی طور پر لکھنا یا لکھے ہوئے کو پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اس لئے آپ کا لقب امی ہوا۔ اور حضرت جبریلؑ کا آپ کو زور سے دبانا ظن غالب یہ ہے کہ وحی کی استعداد قوی کرنے کے لئے ہوگا۔ جیسا کہ صوفیاء تصرف باطنی کے لئے ایسا کیا کرتے ہیں۔

تخلیق کا انعام پہلے اور تعلیم کا انعام اس کے بعد ہے: .... الذی خلق جس نے سب کچھ پیدا کیا، کیا وہ امی میں علم وقرأت پیدا نہیں کر سکتا؟ اور سب نعمتوں کی جڑ بنیاد وجود ہے۔ اس لئے اس کو مقدم کیا۔ نیز خلق ہی سارے دین کی اولین اساس ہے اور چونکہ انسان افضل الخلائق ہے۔ اس لئے بطور خاص پھر اس کا ذکر کیا۔ علق۔ علقة کی جمع ہے جس کے معنی جمے ہوئے خون کے ہیں۔ یہ وہ ابتدائی حالت ہے جو استقرار حمل کے بعد شروع کے حلیہ میں رونما ہوتی ہے۔ پھر علقہ مضغہ یعنی گوشت کی بوٹی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے بعد بتدریج مرحلہ وار انسانی شکل بننے کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ گویا علقہ ایک برزخی حالت ہے۔ اس سے پہلے نطفہ اور غذا اور عنصری حالات ہیں۔ اور بعد میں مضغہ اور ہڈیوں کا ڈھانچہ، پھر اس پر گوشت پوست کے مراحل، پس اللہ ان کا آخر تک نگران رہتا ہے۔ آگے پھر اقرأ فرما کر اشارہ فرمادیا کہ قرأت محض اس قید کے ساتھ مطلوب نہیں۔ بلکہ فی نفسہا خود قرأت بھی مقصود ہے۔ کیونکہ وہ تبلیغ کا ذریعہ ہے۔ اور تبلیغ ہی آپ کا اصل کام ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے ایک حقیر سے تخلیق کی ابتداء کر کے انسان کو مکمل بنا دیا۔ اور یہ اس کا انتہائی کرم ہے کہ اس نے بے حس اور بے شعور اور بے علم وادراک حقیر چیز کو عالم بنا دیا۔ جس شان سے آپ کی

تربیت فرمائی گئی اس سے آپ کی کامل استعداد نمایاں ہوگئی۔ پس جب استعداد بھی کامل ہے اور ادھر مبتداء فیاض بھی بخیل نہیں۔ بلکہ سب کریموں سے بڑھ کر کریم ہے۔ پھر فیوض علیہ میں کیا رکاوٹ ہوسکتی ہے۔ اور عالم ہی نہیں بلکہ صاحب قلم بنادیا۔ قلم ہی وسیع پیمانے پر علم کی اشاعت وترقی اور نسلاً بعد نسل علم کی حفاظت فرمانے کا اہم ذریعہ اللہ نے بنادیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر الہامی طور پر انسان کو قلم کا اور فن کتابت کا یہ علم نہ دیا ہوتا تو انسان علمی صلاحیتیں اور قابلیتیں ٹھٹھر کر رہ جاتیں اور اسے نشوونما پانے اور ایک نسل سے دوسری نسل تک علوم کے خزانے منتقل ہونے اور مزید ترقی کرتے چلے جانے کا موقعہ ہی نہ ملتا۔ جس طرح مفیض اور مستفیض کے درمیان قلم واسطہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ اور محمد کے مابین جبریل واسطہ ہے۔ اور جس طرح قلم کا واسطہ ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ وہ مستفیض سے افضل ہو۔ اسی طرح یہاں حقیقت جبریلیہ کا حقیقت محمدیہ سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔

اسبابِ علم: .... **علم الانسان مالم یعلم** اس میں قلم کے علاوہ دوسرے اسباب علم کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ یہ اسباب بالذات مؤثر نہیں ہیں۔ بلکہ حقیقی اور مؤثر سبب دراصل وہ ذات ہے کہ جس کا علم ذاتی اور محیط ہے۔ اسے جو کچھ علم ملا ہے اللہ کے دینے سے ملا ہے۔ ایک، بچہ جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو کچھ نہیں جانتا۔ آخر اسے رفتہ رفتہ کون سکھاتا ہے۔ پس وہی علیم وخبیر ایک امی کو عارف کامل، بلکہ عارفوں کا امام بناسکتا ہے۔ یہاں تک یہ آیات سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں۔ یہ پہلا تجربہ اتنا سخت تھا کہ حضورؐ اس سے زیادہ کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔ اس کے بعد سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ جن میں آپ کو نبوت کا فرض منصبی بتلایا گیا ہے۔ **کلا ان الانسان** یعنی انسان اپنی اصل حقیقت کو یاد نہیں رکھتا کہ وہ ایک جمے ہوئے خون سے بنایا گیا ہے اور جاہل محض تھا، خدا نے اسے علم دیا۔ مگر اپنے مال کی مستی میں اتنا مغرور ہوجاتا ہے۔ کہ سمجھتا ہے کہ مجھے کسی کی پرواہ ہی نہیں۔ ابوجہل نے حضورؐ کو حرم میں نماز پڑھتے دیکھا، تو بولا کہ میں تمہیں بار بار اس سے منع کرچکا ہوں۔ آپؐ نے اسے جھڑک دیا۔ تو کہنے لگا کہ تمہیں معلوم نہیں میرے ساتھ کتنے لوگ ہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ اب کی بار اگر نماز پڑھتے دیکھا تو العیاذ باللہ آپ کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا۔ اس ارادہ سے بڑھا بھی مگر پھر رک گیا، بلکہ پیچھے ہٹ گیا، لوگوں نے پوچھا کیا ہوا؟ کہنے لگا، آگ کی خندق ہے۔ جس میں کچھ پردار چیزیں بھی نظر آرہی ہیں، آپ نے فرمایا وہ فرشتے تھے۔ اگر آگے بڑھتا تو اس کی بوٹی بوٹی نوچ ڈالتے۔ اس پر یہ آیات اتریں۔ ان آیات میں کلا تین جگہ آیا ہے۔ پہلا مذمت کے لئے، دوسرا ڈانٹ ڈپٹ کے لئے اور تیسرا اس کی تاکید کے لئے۔ **ان راٰہ استغنٰی** یعنی دنیا کی مال ودولت، عزت ووجاہت سب اللہ کی دی ہوئی ہے۔ مگر انسان اس پر شکرگزار ہونے کے بجائے سرکشی کرتا ہے۔ **ان الیٰ ربک الرجعٰی** اول بھی خدا نے پیدا کیا۔ اور آخر بھی اسی کے پاس جانا ہے۔ اس وقت اس تکبر اور خود فراموشی کی حقیقت کھلے گی۔ اور اس کا انجام معلوم ہوگا۔

مقام عبدیت سب سے ارفع ہے: .... **ارأیت الذی** اس انسان کی سرکشی دیکھو کہ خود تو اپنے رب کریم کے آگے جھکنے کی کیا توفیق ہوتی۔ دوسرا بندہ بھی اگر خدا کے سامنے سربسجود ہوتا ہے تو اسے بھی روکتا ہے، ڈراتا دھمکاتا ہے۔ بندے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ یہ ایک خاص انداز محبت ہے۔ جس سے حضورؐ کو نوازا گیا ہے۔ اس سے مقام عبدیت کی رفعت بھی معلوم ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ منصب نبوت پر سرفراز فرمانے کے ساتھ آپ کو نماز پڑھنے کا طریقہ بھی سکھلادیا گیا تھا۔ حالانکہ اس طریقہ کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن کے علاوہ بھی آپ پر وحی نازل ہوتی تھی جس کو حدیث رسول کہا جاتا ہے۔ **ارأیت ان کان** بظاہر یہ خطاب عام ہے ہر منصف مزاج آدمی سے پوچھا جارہا ہے کہ تم نے ان دو آدمیوں کی متضاد حالتوں کو دیکھا؟ ایک وہ ہے جو خدا کی عبادت سے ایک بندہ کو روکتا ہے۔ حالانکہ وہ بندہ راہ راست پر ہے اور لوگوں کو خدا سے ڈراتا ہے اور برے کاموں

سے روکتا ہے اور پہلا شخص حق کو جھٹلاتا ہے اور اس سے روگردانی کرتا ہے بھلا بتلاؤ اگر اسے یہ احساس ہوتا کہ خدا اس بندہ کو بھی دیکھ رہا ہے۔ جو نیکی کرتا ہے اور حق کو جھٹلانے والے اور روگردانی کرنے والے کو بھی دیکھ رہا ہے۔ تو کیا پھر بھی یہ روش اختیار کر سکتا تھا؟ کیونکہ ظالم کے ظلم کو اور مظلوم کی مظلومی کو دیکھنا بتلا رہا ہے کہ اللہ ظالم کو سزا دے گا اور مظلوم کی دادرسی کرے گا۔

ابوجہل کان کھول کر سن لے:............ کلا لئن لم ینتہ یعنی رہنے دو، یہ سب کچھ جانتا ہے پھر بھی اپنی شرارت سے باز نہیں آتا اچھا اب کان کھول کر سن لے کہ اگر اپنی شرارت سے باز نہ آیا تو نہایت ذلت کے ساتھ سر کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے جس سر پر بالوں کی یہ چوٹی اور لٹ ہے اور جھوٹ اور گناہوں سے بھرا ہوا ہے۔ گویا بال بال میں سرائیت کئے ہوئے ہیں۔

فلیدع نادیہ ابوجہل اپنی مجلس بُلا لے ہم بھی اس کی سرکوبی اور گوشمالی کے لئے اپنے سپاہی بلائے لیتے ہیں۔ دیکھیں کون غالب رہتا ہے؟ چند روز نہیں گزرے کہ بدر کے معرکے میں اسلام کے سپاہیوں نے ابوجہل کی نعش کو گھسیٹ کر بدر کے گڑھے میں پھینک دیا اور اصل گھسیٹنا تو دوزخ میں ہوگا یہاں دنیا میں بھی اس کا نمونہ دکھلا دیا۔

نماز سب سے زیادہ قُربِ الٰہی کا ذریعہ ہے:............ واسجد واقترب یہ آخری آیت سجدۂ تلاوت ہے اور سجدہ سے مراد نماز ہے۔ یعنی آپ ہرگز کسی کی پرواہ نہ کیجئے۔ اور نہ کسی کی بات پر دھیان دیجئے۔ بے خوف وخطر اسی طرح نماز پڑھتے رہئے۔ جیسے اب تک پڑھتے آرہے ہو۔ جہاں چاہو شوق سے عبادت کرو۔ اور بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز رہو۔ تاکہ بیش از بیش قرابت خداوندی حاصل ہو۔ ابو ہریرہؓ کی روایت ہے۔ گو بندہ سب سے زیادہ اپنے رب کے قریب اس وقت زیادہ قریب ہوتا ہے، جب وہ سجدہ میں ہوتا ہے۔ نیز مسلم کی روایت ابو ہریرہؓ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ آیت تلاوت فرماتے تھے تو سجدۂ تلاوت فرماتے تھے۔ امام مالکؒ پر یہ روایات حجت ہیں۔ جو مفصلات میں سجدہ نہیں مانتے۔

خلاصۂ کلام:............ سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیات صحیح روایات اور اکثریت کے اتفاق سے سب سے پہلی وحی ہے جو حضورؐ پر غار حرا میں نازل ہوئی۔ آپؐ غار حرا کو اپنی خلوت نشینی اور عبادت کے لئے اس لئے منتخب کیا کہ کعبۃ اللہ جو مرکز تجلیات ربانی ہے ہمہ وقت نگاہوں کے سامنے رہتا تھا۔ جو ایک مستقل قربت ہے۔ دوسرا حصہ کلا سے آخر سورت تک اس وقت نازل ہوا۔ جب آپؐ نے حرم شریف میں نماز پڑھنی شروع کردی تھی۔ اور ابوجہل کی رگ جہالت پھڑکتی تھی۔ سورت کے پہلے حصہ میں جہاں علم کی فضیلت و برتری معلوم ہو رہی ہے وہیں دوسرے حصہ سے مال و دولت کی رذالت وحقارت معلوم ہوتی ہے۔ نیز ایک طرف سورت کے شروع میں علم کی اہمیت پر اگر زور ہے تو آخر میں عمل وعبادت پر زور ہے۔ حضورؐ نے پہلی وحی نازل ہونے کے بعد اولین اظہار عبادت نماز ہی سے کیا تھا اور کفار کی مڈبھیڑ کا آغاز بھی اسی واقعۂ نماز سے ہوا تھا۔

فضائل سورت:............ من قرأ سورة العلق اعطى من الاجر كانما قرء المفصل كله جو شخص سورۂ علق پڑھے گا اس کو سورۂ حجر سے لے کر آخر تک پڑھنے کا ثواب عطا ہوگا۔

لطائفِ سلوک:............ واسجد واقترب اس میں اشارہ ہے کہ سجدہ اصل روح خشوع متضرع اور مدار قرب ہے۔ اور کمال خشوع فنائیت ہے۔ پس فنائیت کا اصل مدار قریب ہونا معلوم ہوا۔

سُوْرَةُ الْقَدْرِ

سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ خَمْسٌ اَوْ سِتٌّ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ اَيِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً مِنَ اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ اِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا **فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ** ﴿۱﴾ اَيِ الشَّرْفِ وَالْعَظْمِ **وَمَآ اَدْرٰكَ** اَعْلَمَكَ يَامُحَمَّدُ **مَالَيْلَةُ الْقَدْرِ** ﴿۲﴾ تَعْظِيْمٌ لِّشَانِهَا وَتَعْجِيْبٌ مِّنْهُ **لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ** ﴿۳﴾ لَيْسَ فِيْهَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ فَالْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهَا خَيْرٌ مِنْهُ فِي اَلْفِ شَهْرٍ لَيْسَتْ فِيْهَا **تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ** بِحَذْفِ اِحْدَى التَّائَيْنِ مِنَ الْاَصْلِ **وَالرُّوْحُ** اَىْ جِبْرِيْلُ **فِيْهَا** فِي اللَّيْلَةِ **بِاِذْنِ رَبِّهِمْ** بِاَمْرِهٖ **مِنْ كُلِّ اَمْرٍ** ﴿۴﴾ قَضَاهُ اللّٰهُ فِيْهَا لِتِلْكَ السَّنَةِ اِلَى قَابِلٍ وَمِنْ سَبَبِيَّةٌ بِمَعْنَى الْبَاءِ **سَلٰمٌ هِىَ** خَبَرٌ مُّقَدَّمٌ وَّمُبْتَدَأٌ **حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ** ﴿۵﴾ بِفَتْحِ اللَّامِ وَكَسْرِهَا اِلَى وَقْتِ طُلُوْعِهٖ جُعِلَتْ سَلَامًا لِكَثْرَةِ السَّلَامِ فِيْهَا مِنَ الْمَلَائِكَةِ لَاتَمُرُّ بِمُؤْمِنٍ وَّلَامُؤْمِنَةٍ اِلَّاسَلَّمَتْ عَلَيْهِ

ترجمہ: .... ہم نے اس کو (قرآن کو ایک دم لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر) نازل کیا ہے شب قدر میں (جو عزت و بزرگی والی ہے) اور آپ کو کچھ معلوم ہے (اے محمدؐ آپ کو پتہ ہے) کہ شب قدر کیسی چیز ہے؟ (اس کی تعظیم شان اور تعجب کے لئے ہے) شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے (جن میں شب قدر نہ ہو لہٰذا شب قدر میں نیکی کرنا۔ ان ہزار مہینوں میں نیکی کرنے سے بہتر ہوگا۔ جن میں شب قدر نہ ہو؟ فرشتے اترتے ہیں (تنزل کی اصل میں دو تا تھیں۔ جن میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے) اور روح القدس (جبریل) اس (رات) میں اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر (جو سال بھر کے لئے اللہ تعالیٰ نے طے کئے ہوتے ہیں۔ اور من سببیہ بمعنی با ہے) سراپا سلام ہے وہ (خبر مقدم ہے اور مبتداء آگے ہے) شب قدر طلوع فجر تک رہتی ہے (**مطلع** لام کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ وقت طلوع فجر رات کو سلام کہنے کی وجہ یہ ہے کہ فرشتے اس میں بکثرت سلام کرتے ہیں کسی مؤمن مرد وعورت پر ان کا گزر نہیں ہوتا مگر اس کو سلام کرتے ہیں)۔

تحقیق وترکیب: .... مكية او مدنية ابوحیانؒ اکثریت کی رائے مدنی ہونے کی کہتے ہیں اور ماوردیؒ کی رائے اس کے

برعکس ہے۔ واحدیؒ کہتے ہیں کہ یہ مدینہ کی سب سے پہلی سورت ہے۔ اتقان میں اس کے متعلق دونوں قول ہیں۔ لیکن اکثریت کا قول مکی ہونے کا ہے۔ مدنی ہونے کی دلیل میں وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جو امام ترمذیؒ نے حسن بن علیؓ سے نقل کی ہے۔

انزلناہ قرآن کے دووصف ہیں۔ ایک انزال دوسرے تنزیل، انزال ایک دم اترنے کو کہتے ہیں اور تنزیل تھوڑا تھوڑا اترنے کو۔ مفسرؒ نے تفسیر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ غرض دفعی نزول شب قدر میں ہوا۔ لوح محفوظ سے بیت العزۃ میں اور تدریجی نزول بیس، تئیس سال کی مدت میں ہوا۔ نزول سے آپ کی مسرت ودلجمعی مقصود تھی اور تدریجی نزول سے امت کو سہولت دینی اور احکام کا واقعات پر مکمل طور پر منطبق کرنا تھا۔

لیلۃ القدر قدر کے معنی قابل قدر ہونے کے ہیں۔ خواہ یہ زمانہ قابل قدر ہو یا اس میں نیک کام کرنے والے یا قرآن پاک نازل کرنے والی پاک ذات ہو۔ اسی طرح قدر کے معنی تقدیر بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ اس شب میں سالانہ تقدیرات لکھی جاتی ہوں۔ جو ازلی طے شدہ تقدیرات کے مطابق ہوتی ہیں۔ لیلۃ القدر کا مصداق رمضان کے عشرۂ اخیر کی طاق راتیں ہیں۔ یا ساتویں شب، اس بارہ میں چالیس سے زائد اقوال ہیں۔ تقدیر کی طرح شب قدر کو بھی حکمت الٰہی کے پیش نظر مبہم رکھا گیا ہے۔ کیونکہ تعیین کی صورت میں بے فکری پیدا ہو جاتی جو بے عملی کا سبب بنتی۔ اس لئے اسرار الٰہی کو پردہ میں رکھا گیا ہے۔ تاہم روایات اور امت کے تعامل کے پیش نظر ترجیح ستائیسویں شب کو ہے۔ بعض نے بطور لطیفۂ علمی یہ کہا ہے کہ لفظ لیلۃ القدر میں نو حروف ہیں اور یہ لفظ تین بار آیا ہے۔ اس طرح ستائیس کا اشارہ سورت سے نکل آتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ تراویح اگر ایک ایک رکوع کے التزام کے ساتھ بیس رکعات پڑھی جائیں تو ستائیسویں شب کو قرآن پورا ہو جاتا ہے۔ ہزار مہینوں سے مراد یا تو تکثیر ہے۔ کیونکہ عرب میں الف سے زیادہ عدد کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے اور یا اس لئے ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ کسی اسرائیلی مجاہد کا ذکر فرما رہے تھے۔ کہ ایک ہزار مہینے تک وہ فی سبیل اللہ ہتھیار بند رہا۔ اور بعض روایات میں اسی سال۔ صحابہؓ کو بڑی حیرت ہوئی۔ اور وہ اپنے مجاہدات کو اس عظیم مجاہدہ کے ساتھ حقیر سمجھنے لگے۔ اس پر تسلی کے لئے شب قدر عطا کی گئی۔

الف شھر سے قمری حساب کی طرف اشارہ ہے جو عرب میں رائج تھا اور احکام شرع ہی اس سے وابستہ ہیں۔ مفسرؒ نے ہزار مہینوں کو شب قدر سے اس لئے خالی فرض کیا ہے تاکہ تفصیل الٰہی علی نفسہ لازم نہ آئے۔

تنزل الملائکۃ فرشتوں کا عام طور سے اور روح القدس کا خاص طور سے اترنا زمین پر ہوتا ہے یا آسمان دنیا پر، اور یا مؤمنین سے قریب ہونا مراد ہے اور روح سے جبریل مراد ہیں یا فرشتوں کے علاوہ اور کوئی مخلوق ہوگی۔ من کل امر ایک قرأت کل امرئ ہے ای من کل انسان اور من کی دوصورتیں ہیں۔ ایک تو وہی جو مفسرؒ نے بیان فرمائی ہے۔ یعنی بقول ابوحاتمؒ من بمعنی با ہے جو تعدیہ کے لئے ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ من بمعنی لام ہے اور تنزل سے متعلق ہو۔ ای تنزل من کل امر نفی انی العام القابل اور بعض کی رائے ہے کہ من کل امر کا تعلق تنزل سے نہیں۔ بلکہ سلام ہی سے ہے۔ لیکن اس میں یہ اشکال ہوگا سلام مصدر ہے اس کا معمول مقدم نہیں ہو سکتا البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ محذوف سے متعلق ہے۔ جس پر یہ مصدر دلالت کر رہا ہے۔

شعبان کی پندرہویں شب کے متعلق بھی آیت لیلۃ مبارکۃ فیھا یفرق کل امر حکیم فرمایا گیا ہے۔ وان الا جال تقطع من شعبان حتی ان الرجل ینکح ویولد وقد خرج اسمہ فی الموتیٰ دونوں میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ شعبان کی شب برات میں احکام کی تجویز ہوتی ہوگی اور شب قدر میں تنفید۔

سلام یعنی اس رات میں تمام تر سلامتی آتی ہے۔ اور دوسری راتوں میں سلامتی اور بلا دونوں اترتی ہیں یا بقول مفسرؒ ملائکہ بکثرت

سلام بھیجتے ہیں۔ سلام کی دو ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ سلام تسلیم ہو اور ھی کا مرجع ملائکہ ہو۔ ای الملائکة ذات تسلیم علی المؤمنین والمؤمنات اور دوسرے یہ کہ ضمیر لیلۃ القدر کی طرف راجع ہے اور سلام بمعنی سلامۃ ہو۔ ای لیلة القدر ذات سلامة من کل حزن پھر ان دونوں سورتوں میں سلام خبر مقدم ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوا اور ھـــی مبتداء مؤخر مشہور بھی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بقول اخفشؒ سلام مبتداء ہوا اور ھی اس کا فاعل اور بعض نے باذن ربھم پر کلام تام مانا ہے۔ اور من کل امر کا متعلق بعد کی عبارت سے ہے۔

مطلع الفجر مفسرؒ نے الیٰ وقت طلوعه سے تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے تا کہ غایت مغیا کی جنس سے ہو جائے فتحہ لام کی صورت میں مصدر میمی ہے اور کسرہ کی صورت میں اسم زماں ہے۔ ضحاکؒ کہتے ہیں کہ لیلۃ القدر میں حق تعالیٰ سلامتی کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اور مجاہدؒ کہتے ہیں کہ لیلۃ القدر شیطانی عمل سے سالم رہتی ہے۔

ربط آیات: .... سورۃ والضحیٰ میں جن مہمات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ان میں سے قرآن کی حقانیت وعظمت بھی ہے۔ اس سورۂ قدر میں اسی کا بیان ہے۔ اس سورت کے مضمون سے مکی ہونے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

روایات: .... عن مجاهد انه صلی الله علیه وسلم ذکر رجلا کان یقوم اللیل حتی یصبح ثم یجاهد العدو بالنهار حتی فعل ذلك الف شهر فعجب المسلمون من ذلك فانزل الله لیلة القدر خیر من الف شهر وفی المؤطا انه صلی الله علیه وسلم اریٰ اعمال الناس قبله فکانه تقاصر امته عن ان لا یبلغوا من العمل مثل الذی بلغ غیرهم فی طول العمر فاعطاه الله لیلة القدر خیر من الف شهر ،قال مالك انه بلغه ان سعید بن المسیب کان یقول من شهد العشاء بالجماعة من لیلة القدر فقد اخذ بحظه منها وروی من الطبرانی عن ابی امامة مرفوعا من صلی العشاء فی جماعة فقد اخذ بحظ من لیلة القدر ۔ حضرت انسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ جبرئیل فرشتوں کے ساتھ شب قدر میں آتے ہیں اور جن کو نماز وذکر میں مشغول پاتے ہیں ان پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں۔ خیر سے مراد بھی یہی ہے۔ نیز روایات میں توبہ کا قبول ہونا اور آسمان کے دروازوں کا کھلنا بھی آیا ہے۔

﴿ **تشریح** ﴾: .... سورۂ علق کی ابتدائی آیات میں جس وحی اور قرآن کے نازل ہونے کا ذکر تھا۔ اس سورت میں اس قرآن کریم کے متعلق بتلایا گیا ہے کہ جانتے ہو یہ کیسی تقدیر ساز رات تھی۔ جس میں یہ جلیل القدر عظیم الشان کتاب نازل ہوئی اور کس نے نازل کی؟ ہم نے اتاری ہے۔ محمد رسول اللہ کی تصنیف یا ان کا طبع زاد کلام نہیں ہے۔ اس سے قرآن کی عظمت وشان وشوکت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ شب قدر کب ہوتی ہے اور قرآن کب نازل ہوا؟

قرآن کب اور کتنی مدت میں نازل ہوا؟

.... اس سلسلہ میں نزول قرآن سے متعلق ایک آیت تو یہی ہے۔ دوسری آیت سورۂ دخان کی ہے۔ **انزلناه فی لیلة مبارکة** اور تیسری آیت سورۂ بقرہ کی **شهر رمضان الذی انزل فیه القراٰن** ہے۔ اسی کے ساتھ یہ واقعہ اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ قرآن بیس یا تئیس سال کی مدت میں نازل ہوا۔ اور حضور کی وفات کے قریب تک وحی کا سلسلہ جاری رہا۔ ان میں باہمی تطبیق کی صورت یہ ہے کہ پہلی دونوں آیات کا مصداق ایک ہی ہے۔ اور چونکہ شب قدر کا تعلق رمضان سے ہے۔ اس لئے یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ قرآن رمضان میں نازل ہوا۔ اب رہ گئی تئیس سال والی مدت کی بات سو اس کی تطبیق کی دو صورتیں ہیں۔ ایک بقول ابن عباسؓ یہ کہ اس رات میں سارا قرآن ملائکہ وحی کے حوالہ کر دیا گیا۔ جس کو انزال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور

پھر حالات وواقعات کے مطابق وقتاً فوقتاً حضرت جبریلؑ کے ذریعہ آیات اور سورتیں آتی رہیں۔اس طرح تئیس سال کی مدت میں قرآن پورا ہو گیا۔جس کو تنزیل کہا جاتا ہے۔امام شعبیؒ بھی ایک مطلب تو یہی لیتے ہیں اور دوسری تطبیق کی صورت آیات وسورتوں کی تالیف نہیں فرمانا تھا۔جب کہ انہیں حضورؐ پر نازل کرنا ہوتا۔بلکہ کائنات کی تخلیق سے پہلے ہی ازل میں اللہ کا کلام مکمل تھا۔شب قدر میں صرف یہ ہوا کہ پورا قرآن حاملین وحی کے حوالہ کر دیا گیا۔

شب قدر پر دو اشکال اور ان کا جواب:............قدر کے معنی تعظیم کے ہیں اور بعض مفسرینؒ نے تقدیر کے معنی لئے ہیں یعنی اس رات میں تقدیر کے فیصلے متعلقہ فرشتوں کے حوالہ کر دیئے جاتے ہیں جیسا کہ سورۂ دخان کی آیت **فیھا یفرق کل امر حکیم** میں اس کا ذکر ہے۔اور ایک رات کا ہزار مہینہ سے بہتر ہونا اس کا درایتی نکتہ اور روایتی پہلو گزر چکا ہے۔یہاں دو اشکال باقی رہ گئے ایک یہ کہ ان ہزار مہینوں یا بعض روایات کے مطابق بحذف کسر اسی سال میں بھی تو شب قدر ہوگی اور آیت کے مطابق وہ بھی ہزار مہینہ سے افضل ہونی چاہیئے۔پس اس سے تولا متناہی مقدار لازم آتی ہے۔اس کا بے تکلف جواب وہی ہے جو مفسرؒ نے بیان فرمایا ہے کہ ان ہزار مہینوں میں شب قدر فرض نہ کی جائے۔اس لئے تسلسل لازم نہیں آئے گا۔کیونکہ ان ہزار مہینوں میں مضاعف نہ ہوگی۔یہ جواب دوسرے مواقع پر بھی کار آمد ہو جائے گا۔مثلاً:احادیث میں سورۂ یٰسین کا پڑھنا اس قرآن کے برابر یا سورۂ اخلاص کا ایک تہائی قرآن کے برابر ثواب ملنا آیا ہے۔دوسرا اشکال یہ ہے کہ دنیا کے مطالع ومغارب مختلف ہیں۔اس لئے شب قدر بھی ہر جگہ مختلف ہوگی۔جواب یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا عذر نہیں کہ اس کی برکات کسی کو کسی وقت ملیں اور کسی کو کسی وقت۔اور فرشتے بھی مختلف جگہ مختلف اوقات میں آئیں۔آخر نماز روزوں میں اوقات اور تاریخ کا اختلاف کوئی بات نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام:............سورۂ علق کی ابتدائی آیات کی طرح سورۂ قدر میں بھی قرآن کی عظمت واہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے کہ عظیم المرتبہ کتاب ایک عظیم الشان شب میں نازل کی گئی ہے اور اس کو ہم نے نازل کیا ہے۔یہ محمد کا کلام اور تصنیف نہیں ہے۔شب قدر نام اس کے قابل ہونے کی وجہ سے ہے یا اس لئے کہ اس میں تقدیروں کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔قسمتوں کا بگاڑ اور سنوار اس رات میں ہوتا ہے۔خواہ وہ قوموں اور ملکوں کی قسمت کا فیصلہ ہو یا افراد واشخاص کی۔چنانچہ قرآن کا نزول ساری دنیا کی قسمت پلٹ کر رکھ دے گا۔اور جہاں تک اس کے قابل قدر ہونے کا تعلق ہے تو اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یہ رات ہزار مہینوں اور بعض روایات کے مطابق اسی سال سے زیادہ بہتر ہے۔اس میں عبادات واعمال کا قیمتی ہونا تو ہے ہی۔اہم بات یہ ہے کہ انسانی تاریخ میں قرآن کے نزول کا فیصلہ وہ نادر فیصلہ ہے کہ ہزار مہینوں میں انسان کی بھلائی کے لئے وہ کام نہیں ہوا تھا جو اس رات میں کیا گیا۔اس رات میں روح القدس اپنے رب کے حکم سے خیر اور بھلائی کی باتیں لے کر آتے ہیں۔شام سے صبح تک سلامتی ہی کا سلسلہ رہتا ہے۔اس میں شر کا دخل نہیں ہوتا۔کیونکہ اللہ کے فیصلوں میں خیر ہی مقصود ہوتی ہے شر مقصود نہیں ہوتا۔حتیٰ کہ کسی قوم کو تباہ کرنے کا فیصلہ بھی اگر ہوتا تو خیر کے لئے ہوتا ہے شر کے لئے نہیں۔

فضائل سورت:............**من قرء سورۃ القدر اعطی من الاجر کمن صام رمضان واحی لیلۃ القدر** ترجمہ: جو شخص سورۂ قدر پڑھے گا۔اسے رمضان کے روزوں اور شب قدر کا حق ادا کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔

لطائف سلوک:............**لیلۃ القدر خیر من الف شھر** اس سے بہترین اوقات میں عبادت کا خاص اہتمام معلوم ہو رہا ہے۔اہل طریق اس کا خاص لحاظ رکھتے ہیں۔الا یہ کہ کوئی عارض پیش آجائے۔

سُــورَةُ الْبَيِّنَــةِ

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ تِسْعُ ايَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ اَىْ عَبَدَةِ الْاَصْنَامِ عَطْفٌ عَلٰى اَهْلِ **مُنْفَكِّيْنَ** خَبَرُ يَكُنْ اَىْ زَائِلِيْنَ عَمَّاهُمْ عَلَيْهِ **حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ** اَىْ اَتَتْهُمُ **الْبَيِّنَةُ** ﴿۱﴾ اَىِ الْحُجَّةُ الْوَاضِحَةُ **رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ** بَدَلٌ مِنَ الْبَيِّنَةِ وَهُوَ النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً** ﴿۲﴾ مِنَ الْبَاطِلِ **فِيْهَا كُتُبٌ** اَحْكَامٌ مَّكْتُوْبَةٌ **قَيِّمَةٌ** ﴿۳﴾ مُسْتَقِيْمَةٌ اَىْ يَتْلُوْ مَضْمُوْنَ ذٰلِكَ وَهُوَ الْقُرْاٰنُ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ **وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ** فِى الْاِيْمَانِ بِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ** ﴿۴﴾ اَىْ هُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوِالْقُرْاٰنُ الْجَائِىْ بِهٖ مُعْجِزَةً لَّهٗ وَقَبْلَ مَجِيْئِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا مُجْتَمِعِيْنَ عَلَى الْاِيْمَانِ بِهٖ اِذَا جَاءَ فَحَسَدَهٗ مَنْ كَفَرَ بِهٖ مِنْهُمْ **وَمَآ اُمِرُوْآ** فِىْ كِتَابَيْهِمِ التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ **اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ** اَىْ اَنْ يَّعْبُدُوْهُ فَحُذِفَتْ اَنْ وَزِيْدَتِ اللَّامُ **مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ** مِنَ الشِّرْكِ **حُنَفَآءَ** مُسْتَقِيْمِيْنَ عَلٰى دِيْنِ اِبْرَاهِيْمَ وَدِيْنِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاءَ فَكَيْفَ كَفَرُوْا بِهٖ **وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ** الْمِلَّةِ **الْقَيِّمَةِ** ﴿۵﴾ الْمُسْتَقِيْمَةِ **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا** حَالٌ مُقَدَّرَةٌ اَىْ مُقَدَّرًا خُلُوْدُهُمْ فِيْهَا مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى **اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ** ﴿۶﴾ **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ** ﴿۷﴾ الْخَلِيْقَةُ **جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ** اِقَامَةٌ **تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ** بِطَاعَتِهٖ **وَرَضُوْا عَنْهُ** بِثَوَابِهٖ **ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِىَ رَبَّهٗ** ﴿۸﴾ خَافَ عِقَابَهٗ فَانْتَهٰى عَنْ مَعْصِيَتِهٖ تَعَالٰى

سورۂ بینہ مکیہ اور مدنیہ ہے اس میں نو آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: .... جولوگ کافر ہیں اہل کتاب میں سے (مـن بیانیہ) اور مشرکین (یعنی بت پرست۔ اس کا اھـل پر عطف ہورہا ہے) وہ باز آنے والے نہیں تھے (یہ خبر ہے یـــکـــن کی یعنی اپنی حالت چھوڑنے والے نہیں تھے) جب تک ان کے پاس واضح (روشن) دلیل نہ آجائے۔ اللہ کی طرف سے ایک رسول (یہ بینہ کا بدل ہے اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) جو (باطل سے) پاک صحیفے پڑھ کر سنائے جن میں تحریریں (لکھے ہوئے احکام) ہیں راست (درست یعنی قرآن کا مضمون پڑھ کر سناتے ہیں جس کی وجہ سے بعض اس پر ایمان لے آتے ہیں اور بعض کفر کرتے ہیں) اور نہیں فرقہ بندی کی اہل کتاب نے (آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کے سلسلہ میں) مگر کھلی دلیل آئے بعد (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد یا قرآن پاک پیش کرنے کے بعد جو آپ کا ایک کھلا معجزہ ہے حالانکہ آپ کی آمد سے پہلے سب آپ پر ایمان لانے کو تیار رہتے۔ مگر کچھ لوگ حسد کے مارے آپ سے مکر گئے) اور ان کو (ان کی کتابوں تورات وانجیل میں) اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں (یـعبـدوا ان یعبدوہ تھا۔ ان حذف کر کے لام زیادہ کردیا گیا ہے) اپنے دین کو اس کے لئے (شرک سے) پاک کر کے بالکل یکسو ہو کر (دین ابراہیم پر جمے رہیں اور حضور کی تشریف آوری کے بعد آپ کے دین پر، پھر کیسے اس سے پھر گئے) اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں۔ اور یہی صحیح (درست) دین (طریقہ) ہے۔ اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ یقیناً دوزخ کی آگ میں جائیں گے۔ ہمیشہ اس میں رہیں گے (حال مقدرہ ہے اللہ کی طرف سے۔ اس میں ان کے لئے ہمیشہ رہنے کی تجویز ہوگی) یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔ جولوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے، وہ یقیناً بہترین خلائق ہیں۔ ان کا صلہ ان کے پروردگار کے یہاں دائمی بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا (اس کی فرمانبرداری اختیار کرنے کی وجہ سے) اور وہ اللہ سے راضی ہوئے (اس کے بدلہ پر) یہ کچھ اس شخص کے لئے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے (اس کی سزا سے خائف رہے۔ اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہے)۔

تحقیق وترکیب: .... مکیة ابن عباسؓ اس کو مکی اور جمہور مدنی مانتے ہیں۔

من اهل الكتاب من بیانیہ ہے تبعیضیہ نہیں ہے۔ اب یہ شبہ نہیں رہتا کہ اس سے بعض مشرکین کا کافر نہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور اہل کتاب سے مراد بقول ابن عباسؓ یہود مدینہ ہیں اور ان کا کافر ہونا آپؐ پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہے۔ اپنی کتابوں اور نبیوں پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے نہیں۔ یا یہود ونصاریٰ دونوں کو صفات الٰہیہ میں الحاد کی وجہ سے کافر کہا گیا ہے۔

والمشركين یہ عام ہے کیونکہ سب مشرک بت پرست تھے۔

منفكين اس کے خبر ہونے سے معلوم ہوا کہ لم یکن میں کان ناقصہ ہے الـذین کفروا اس کا اسم ہے۔ اور من اهل الكتاب فاعل كفروا سے حال ہے۔ اور کفروا کو ماضی لانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ اہل کتاب پہلے سے کافر نہیں تھے۔ بعد میں ہوئے۔ برخلاف مشرکین کے وہ روز اول سے بت پرست کافر رہے ہیں۔

البينة مفسرؒ نے حجة نکال کر اشارہ کردیا موصوف مقدر کی طرف۔

كتب قيمة مفسرؒ نے یتلوا کے مضامین سے تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے یا اسناد مجازی مانی جائے اور یتلوا کی نسبت حضور کی طرف ہے یا جبریل کی طرف ہے اور صحف مطهرة کہنا اس لئے ہے کہ اس میں کہیں باطل کا گزر نہیں ہے یا اس لئے کہ اس کو ہاتھ لگانے کے لئے پاکی شرط ہے۔

وما تفرق مشرکین واہل کتاب میں کفر مشترک ہونے کے باوجود یہاں اہل کتاب کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہ باوجود اہل

علم ہونے کے بگڑ گئے۔اس لئے زیادہ ملامت کے مستحق ہیں یا اس کے برعکس یوں کہا جائے کہ جب اہل علم مستحق ملامت ہوئے تو مشرک جاہلین بدرجۂ اولیٰ مستوجب ملامت ہیں۔

لیعبدوا مفسرؒ نے اشارہ کیا کہ **لام** بمعنی ان ہے۔جیسے **یرید اللہ لیبین لکم** میں ہے۔اب یہ اشکال نہیں رہا کہ **لام** غرض کے لئے ہوتا ہے۔حالانکہ اللہ کے افعال غرض سے پاک ہیں اور یہ استثناء مفرغ ہے۔ای ما امروا بشئ الا لعبادۃ اللّٰہ یا تقدیر عبارت اس طرح مانی جائے۔ما امروا الشئ من الاشیاء الا لاجل عبادۃ اللّٰہ وطاعتہ یعنی احکام میں تبدیلی کردی اور نافرمانی اختیار کرلی۔

دین القیمۃ مفسرؒ نے ملۃ سے **قیمہ** کے موصوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔تاکہ **اضافت الشئ الیٰ صفتہ** لازم نہ آئے۔

فی نار جھنم جہنم کے مشترک عذاب کے باوجود ممکن ہے کہ ہر ایک کی نوعیت عذاب مشترک نہ ہو۔بلکہ مختلف ہو۔

ھم شر البریۃ نافعؒ اور ابن ذکوانؒ نے **بریئہ** ہمزہ کے ساتھ بطور اصل پڑھا ہے۔**جزاء ھم** یہ مبتداء ہے۔**عند ربھم** حال اور ''**جنات عدن**'' خبر ہے۔یہاں جمع کا مقابلہ جمع کے ساتھ **انقسام احاد علی الاحاد** کے لئے ہے۔یعنی ہر ایک کے لئے جنت ہوگی۔لیکن جمع کو حقیقۃً بھی لیا جاسکتا ہے۔یعنی ہر ایک کے لئے متعدد جنتیں ہوں گی۔جیسے آیات **ولمن خاف مقام ربہ جنتان. ومن دونھما جنتان** میں فرمایا گیا ہے۔یعنی ہر ایک کے لئے چار چار جنتیں ہوں گی۔جیسے **الحسنۃ بعشر امثالھا** فرمایا گیا ہے۔

خالدین فیھا اس کا عامل محذوف ہے ای ادخلوھا جزاء ھم کی ضمیر سے حال بنانا صحیح نہیں ہے ورنہ مصدر اور اس کے معمول میں فصل بالاجنبی لازم آجائے گا اس آیت کے کئی مبالغے جمع ہیں۔

(۱) **ھم خیر البریۃ** کے ذریعہ مدح کو مقدم کیا گیا۔
(۲) **جزاء** سے اعمال صالحہ کے بدلہ کو کہا گیا۔
(۳) **عند ربھم** کے ساتھ جزاء کو مقید کیا گیا۔
(۴) **جنات** کو جمع لایا گیا ہے۔
(۵) **عدن** کی طرف اضافت کی گئی۔
(۶) **تجری** کے ذریعہ جنت کی خوبی بیان کی گئی ہے۔
(۷) **خلود** اور تابید کے الفاظ لائے گئے ہیں۔
(۸) اس کے بعد رضی اللہ فرما کر انتہائی انعام فرمایا گیا۔

لمن خشی ربہ خشیت ہی دراصل دین کی جڑ اور خیر پر ابھارنے والی صفت ہے۔

ربط آیات: ....سورۂ والضحیٰ کی مہمات کی طرح سورۂ بینہ میں رسالت اور اس کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کی مجازات کا بیان ہے۔بعض مفسرینؒ کے نزدیک اس کا مکی ہونا جمہور کا قول ہے اور بعض کے نزدیک اس کا مدنی ہونا جمہور کا قول ہے۔حضرت عائشہؓ اس کو مکی اور ابن زبیر اور عطاء بن یسارؒ اس کو مدنی کہتے ہیں۔ابن عباسؓ کے دونوں قول ہیں۔اور ابوحیانؒ وغیرہ نے اس کے مکی ہونے کو ترجیح دی ہے۔سورۂ علق میں پہلی وحی کا بیان تھا اور سورۂ قدر میں اس کا نزول شب قدر میں بتلایا گیا اور اس سورت میں ارشاد ہوا کہ اس کتاب کے ساتھ صاحب کتاب کا بھیجنا کیوں ضروری ہوا۔یا اس لحاظ سے سورتوں کی یہ ترتیب نہایت موزوں رہی۔

روایات: ....عن انس بن مالک ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لابی بن کعب ان اللّٰہ امرنی اقرأ علیک لم یکن الذین کفروا فقال ابی سمانی لک قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نعم فبکی ابی فقراھا صلی اللّٰہ علیہ وسلم اس روایت سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔(۱) اکابر کا اصاغر کو سنانا جیسا کہ اس کا برعکس سورۂ نساء کا عبداللہ بن مسعودؓ سے حضورؐ کا سننا

معلوم ہوا تھا۔یعنی اصاغر کا اکابر کو سنانا (۲) اکابر کا اصاغر کو سنانے سے استنکاف نہ کرنا (۳) اہل حفظ وعلم کو خصوصی امتیاز بخشنا (۴) اس سے ابی بن کعبؓ کا شرف بھی معلوم ہوا کہ وہ مستحق عنایات والتفات ٹھہرے۔

﴿تشریح﴾: .... یہود ونصاریٰ اور عرب کے بت پرست کفر میں مشترک ہونے کے باوجود یہاں الگ الگ ناموں سے ذکر کئے گئے ہیں۔اہل کتاب کے متعلق قرآن کریم میں جگہ جگہ ان کے شرکیہ عقائد کو بیان کیا گیا ہے۔تاہم ان کو مشرک کا نام نہیں دیا گیا۔جیسے کہ بت پرستوں کو مشرک کہا گیا ہے۔کیونکہ وہ اصل دین توحید ہی کو گردانتے تھے۔اور پھر برخلاف مشرک بت پرستوں کے کہ ان کو بطور اصطلاح مشرک کہا گیا۔کیونکہ وہ اصل دین شرک ہی کو قرار دیتے تھے اور توحید کے قطعی منکر تھے۔

بت پرست اور اہل کتاب میں نام اور احکام کا فرق: .... اور ان دونوں گروہوں میں یہ فرق محض اصطلاح ہی کا نہیں بلکہ احکام شرع میں بھی اس فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔چنانچہ اہل کتاب کا ذبیحہ بھی مسلمانوں کے لئے حلال کہا گیا ہے۔جب کہ وہ اللہ کے نام پر ذبح کریں۔اسی طرح کتابیہ عورتوں سے نکاح کی بھی اجازت ہے۔بشرطیکہ وہ واقعی اہل کتاب ہوں دہریہ نہ ہوں۔لیکن بت پرستوں کے ساتھ یہ امتیاز نہیں برتا گیا کیونکہ اصل دین کی بہت سی بنیادوں میں وہ مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے۔توحید ورسالت، قیامت، مجازات، جنت وجہنم کو کسی نہ کسی درجہ میں مانتے تھے۔صرف دین اسلام کی مجموعی شکل اور پیغمبر اسلام کو نہیں مانتے تھے۔جس کی وجہ سے ان کو بھی کافر کہا گیا۔خواہ بت پرستوں کے مقابلہ میں نمبر دو کے ہی سہی۔

مراتب کفر بھی مراتب ایمان کی طرح مختلف ہیں: .... گویا کفر وسیع معنی میں مستعمل ہے۔جس کے تحت مختلف صورتیں آجاتی ہیں۔ایک وہ شخص ہے جو سرے سے اللہ ہی کو نہیں مانتا۔دہریہ ہے۔ایک وہ ہے جو اللہ کو مانتا ہے مگر اسے اکیلا نہیں مانتا، اس کی ذات یا صفات میں اور ہستیوں اور قوتوں کو شریک کر کے کسی نہ کسی طرح ان کو بھی معبود گردانتا ہے۔کوئی اللہ کو ایک بھی مانتا ہے۔مگر کوئی چھوٹی شرکیہ صورت بھی اس کے ساتھ لگا دیتا ہے۔ایک وہ ہے جو خدا کو ہر طرح مانتا ہے مگر بتوں کا قائل نہیں ہے اور نہ ان کی ہدایتوں کو قبول کرتا ہے۔کوئی نبوت کو تو مانتا ہے مگر کسی نبی کا قائل، کسی کا منکر، ایک وہ ہے جو قیامت اور مجازات کو تسلیم نہیں کرتا، غرض یہ مختلف قسم کے کافر ہوئے۔بعض اکابر نے ہنود کو درجۂ احتمال میں اگر اہل کتاب کہا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ مشرک اور کافر نہیں یا وہ متعارف اہل کتاب ہیں۔لہٰذا ان کی عورتوں سے شادی کی بھی اجازت ہونی چاہیئے۔کیونکہ بت پرستی کی صورت میں متعارف اہل کتاب بلکہ ملحدانہ عقائد کے رکھنے والے نام کے مسلمانوں کا بھی یہ حکم نہیں رہے گا۔پھر اکابر کے کلام کا اصل منشاء یہ ہے کہ اس احتمال کے ہوتے ہوئے کہ کسی زمانہ میں ان کو کتاب ملی ہوگی۔یا ان کے پاس نبی آئے ہوں گے۔ان کے مذہبی پیشواؤں کو برا نہ کہا جائے۔اور من اهل الكتاب میں من تبعیضیہ نہیں ہے کہ یوں کہا جائے کہ بعض اہل کتاب کافر اور بعض غیر کافر ہیں۔بلکہ من بیانیہ ہے یعنی سب کافر تھے۔ہاں اگر کہا جائے کہ جن اہل کتاب نے حضورؐ کو نہیں مانا تھا۔صرف وہ اہل کتاب تھے تب من تبعیضیہ ہوسکتا ہے۔حتى تاتيهم البينة میں حضورؐ کی تشریف آوری سے پہلے سب ہی گمراہی کے گڑھوں میں گرے پڑے تھے۔ہر ایک اپنی غلطی پر نازاں تھا۔کسی حکیم دانشور، حکیم بادشاہ کے بس میں نہیں تھا کہ ان کو سدھار سکے ان کے اس کفریہ حالت سے نکلنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ عظیم الشان رسول ایک روشن دلیل اور اللہ کی پاکیزہ کتاب لے کر آئے اور راہ راست کو ان کے سامنے واضح اور مدلل طریقہ سے پیش کردے اور اپنی زبردست تعلیم اور

ہمت وعزیمت سے دنیا کی کایا پلٹ دے۔اس کے معنی یہ نہیں کہ رسول کریم اور کتاب مبین آ جانے کے بعد وہ سب کفر سے باز آ جائیں گے۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ اس کے بغیر کسی صورت سے اس حالت کو چھوڑ دینا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔اور آپ کے آ جانے کے بعد بھی ان میں سے جو لوگ اپنے کفر پر قائم رہیں گے۔اس کی ذمہ داری خود انہی پر ہوگی۔ پھر شکایت نہیں کرسکیں گے۔کہ اے اللہ! آپ نے ہماری ہدایت کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا۔سرور کائنات کو روشن دلیل کہنا اس معنی کو ہے کہ آپ کی پوری زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔امی ہونے کے باوجود ایسی عجیب وغریب کتاب لائے۔آپ کی تعلیم وتربیت سے آپ پر ایمان لانے والوں کی زندگیوں میں عظیم انقلاب آیا۔آپ کا بہترین اسوہ ہے۔جس میں علم وعمل کی مکمل مطابقت ہے اور ہر قسم کی مخالفتوں کے باوجود انتہائی اولوالعزمی کے ساتھ اپنی دعوت پر ثابت قدم رہنا۔یہ ساری باتیں آپ کے پیغمبر ہونے کی کھلی علامات تھیں۔ کتب قیمۃ اس سے علوم ومضامین عالیہ مراد ہیں۔یعنی جو کتابیں پہلے آ چکی ہیں۔ان سب کے جزوی خلاصے قرآن پاک میں موجود ہیں اور صحیح ودرست ہیں یا قرآن کی ہر سورت کو ایک مستقل کتاب اور مضمون سمجھنا چاہیئے۔اور پاک صحیفوں کا مطلب یہ ہے کہ ان میں کسی قسم کی گمراہی اور اخلاقی گندگی کی آمیزش موجود نہیں ہے۔ چنانچہ دوسرے مذاہب کی کتابوں کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ان میں صحیح باتوں کے علاوہ ایسی باتیں بھی لکھی ہوئی ملیں گی۔جو حق وصداقت پر پوری نہیں اترتیں، عقل سلیم اور فہم مستقیم سے ہٹی ہوتی ہیں۔اور اخلاقی معیار سے بھی گری ہوئی ہیں۔ان کا قرآن پاک کے ساتھ موازنہ کرنے سے صاف پتہ چل جاتا ہے کہ یہ کتنی پاکیزہ تعلیمات کا مجموعہ ہے۔

اہل کتاب پر اتمام حجت ہو چکا ہے:......... وما تفرق الذين یعنی آنحضرتؐ کی آمد سے پہلے یہ اہل کتاب مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے تھے۔اگرچہ اللہ نے اس وقت بھی ان کی رہنمائی کے لئے اپنی طرف سے روشن دلیل بھیجنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔مگر اپنی نفسانی خواہشات میں پڑ کر یہ گروہ بندی کا شکار ہو گئے۔اس گمراہی کے وہ خود ذمہ دار تھے۔خدا کی حجت ان پر تمام ہو چکی تھی۔لیکن اب جب کہ ان کی کتابیں ان کی تحریفات کا شکار ہو چکی ہیں اور پاک صحیفے ان کے پاس محفوظ نہیں رہے اس لئے اللہ نے ایک روشن دلیل کی حیثیت سے اپنا رسول بھیج کر اور پاک صحیفوں کا صحیح مجموعہ پیش کر کے ان پر اپنی حجت تمام کر دی۔اب بھی اس گروہ بندی میں اگر یہ پھنسے رہے تو اس کی ذمہ داری خود انہی پر ہوگی۔چنانچہ اہل کتاب کی مخالفت کسی شبہ کی بنیاد پر نہیں ہے۔بلکہ ضد نفسانیت اور حسد کی وجہ سے ہے۔چاہیئے تو یہ تھا کہ جس آخری پیغمبر کا انتظار کیا جا رہا تھا ان کہ آنے کے بعد اپنے سب اختلافات ختم کر کے سب ایک راستہ پر ہو لیتے مگر ہوا یہ کہ جو لوگ سادہ لوح اور حق کے طالب تھے وہ تو آپ پر ایمان لے آئے۔مگر جن پر بدبختی کی مہر لگ چکی تھی وہ برابر ہٹ دھرمی سے مخالفت پر جمے رہے اور جب پڑھے لکھے اہل کتاب کا یہ حال ہے تو جاہل مشرکین کا کیا پوچھنا؟ حضرت شاہ عبد العزیزؒ البینۃ سے حضرت مسیح مراد لے رہے ہیں کہ وہ کھلی نشانیاں لے کر آئے۔مگر یہود ان کے دشمن ہو گئے اور عیسائی بھی، دنیاوی اغراض میں پھنس کر الگ الگ فرقے ہو گئے۔آخری پیغمبر اور آخری کتاب کے بعد بھی جن لوگوں کو توفیق نہ ہو کتنے ہی سامان ہدایت جمع ہو جائیں لوگ اسی طرح خسارہ میں پڑے رہتے ہیں بلکہ ایک قدم اور آگے۔ وما امروا یعنی ابراہیم حنیف کی طرح سب سے ہٹ کر ایک مالک حقیقی کے بندے بن جائیں اور ہر قسم کے باطل سے الگ ہو کر خالص خدائے واحد کی بندگی کریں اور کسی لحاظ سے بھی دوسرے کو خود مختار اور کارساز نہ سمجھیں نماز وزکوٰۃ میں لگ کر بدنی اور مالی عبادات سرانجام دیں۔مگر خدا جانے ایسی پاکیزہ تعلیم سے کیوں وحشت کھاتے ہیں۔یہ تو اسی تعلیم کا خلاصہ ہے جو پہلے انبیاء اور ان کی کتابوں نے پیش کی تھیں۔مشرکین اگرچہ پہلی کتابوں کو نہیں مانتے

تھے۔ مگر ملت ابراہیمیہ کے دعویدار تھے۔ اس لئے ان پر بھی حجت قائم کی گئی ہے۔ ان الذین کفروا یعنی حضورؐ اور ان کی تعلیمات کا انکار خواہ علم کا پندار رکھنے والے اہل کتاب کریں یا جاہل مشرک سب کا انجام ایک دوزخ ہے جس سے کبھی چھٹکارا نہیں ہوسکتا۔ شر البریۃ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں وہ عقل نہیں رکھتے۔ پھر بھی مالک کے وفادار ہیں اور یہ عقل رکھتے ہوئے بھی مالک حقیقی سے منہ موڑے ہوئے ہیں اولئک کالانعام بل ھم اضل۔

اہل ایمان کے بہترین مخلوق ہونے کی وجہ: ....ان الذین اٰمنوا جولوگ تمام پیغمبروں اوران کی کتابوں پر ایمان لائے اور بھلے کاموں میں لگے رہے وہ بہترین خلائق ہیں۔ حتی کہ فرشتوں سے بھی بازی لے جاتے ہیں۔ کیونکہ فرشتے نافرمانی کا اختیار نہیں رکھتے اور یہ اختیار رکھنے کے باوجود فرمانبرداری میں لگے رہتے ہیں اس لئے ان کو سدا بہار جنتوں کے علاوہ اللہ کی رضا اور خوشنودی بھی حاصل ہوگی جو ساری نعمتوں کی جان ہے وہ ہے تو سب کچھ ورنہ کچھ بھی نہیں۔ ذلک لمن خشی ربہ یعنی یہ بلند مرتبہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف ان بندوں کا حصہ ہے جو دنیا میں قدم قدم پر اس بات سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارتے رہتے کہ کہیں کوئی ایسا کام ہم سے سرزد نہ ہوجائے جو خدا کے ہاں پکڑ کا موجب بنے اس لئے اس کی نافرمانی کے پاس تک نہیں جاتے۔

خلاصۂ کلام: ....اس سورت میں پہلے پیغمبر اعظم کے بھیجنے کا بیان ہے۔ یعنی عرب اور ساری دنیا میں لوگ خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا مشرک سب مبتلائے کفر وضلالت تھے۔ ان کا بری حالت سے نکلنا اس کے بغیر ممکن نہیں تھا کہ ایک ایسا پیغمبر آئے جو بذات خود ایک روشن دلیل ہو اور لوگوں کے آگے خدا کی کتاب کو اصلی اور صحیح صورت میں پیش کرے۔ جو پاکیزہ تعلیمات پر مشتمل ہونے کی صورت میں باطل کی آمیزش سے پاک ہو۔ پھر آگے چل کر اہل کتاب کی برائیوں کو واشگاف کیا گیا۔ وہ مختلف راستوں میں اس لئے نہیں بھٹک رہے کہ ان کے پاس ہدایت نہیں آئی تھی۔ اللہ نے تو ان پر حجت پوری کردی تھی۔ مگر وہ خود ہی نفس کے پھندوں میں پھنس گئے۔ اب پھر اللہ نے سب پر کرم کیا اور آخری پیغمبر اور آخری کتاب بھیج کر حجت مکمل کردی۔ اب یہ بہکیں گے تو ان پر اور بھی زیادہ ذمہ داری عائد ہوگی۔ پہلے تمام پیغمبروں کی تعلیمات کا خلاصہ بھی وہی تھا۔ جس کی دعوت آپ دے رہے تھے کہ خالص اللہ کی بندگی کی جائے۔ نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا فریضہ انجام دیا جائے۔ یہی صحیح طریقہ ہے۔ اور اس سے ہٹنے والے بھٹکنے والے ہیں۔ اس کے بعد آخری بات یہ ہے کہ جو اہل کتاب اور مشرک لوگ اب بھی نہیں مانیں گے۔ وہ بدترین خلائق ہیں۔ جن کی سزا ابدی جہنم ہے اور جو لوگ ایمان وعمل صالح کو اپنائیں گے وہ بہترین خلائق ہیں۔ وہ ہمیشہ جنت بداماں رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش اور ایسے خوش نصیب اللہ سے ڈرنے والے ہی ہوسکتے ہیں۔

فضائل سورت: ....من قرء سورۃ لم یکن کان یوم القیامۃ مع خیر البریۃ مساء ومقیلا جو شخص سورۂ لم یکن پڑھے گا اسے قیامت کے دن بہترین مخلوق کے ساتھ رکھا جائے گا دوپہر اور شام یعنی ہر وقت۔

لطائف سلوک: ....وما امروا اخلاص اور اس کے مراتب کی تکمیل میں یہ آیت نص ہے جس کو حقیقت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ رضی اللہ عنھم روح المعانی میں ہے کہ اس سے یہ اشارہ نکلا کہ آخرت کے انتہائی مرتبہ یعنی رضائے حق کے لئے خشیت ضروری ہے اور وہ موقوف ہے معرفت حق پر اس لئے وہ بھی ضروری ہوئی۔

سُــوْرَۃُ زُلْــزِلَتْ

سُوْرَۃُ زُلْزِلَتْ مَکِّیَّۃٌ اَوْ مَدَنِیَّۃٌ تِسْعُ اٰیَاتٍ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا زُلْـزِلَتِ الْاَرْضُ حُرِّکَتْ لِقِیَامِ السَّاعَۃِ **زِلْـزَالَهَا**﴿۱﴾ تَحْرِیْکَهَا الشَّدِیْدَ الْمُنَاسِبَ لِعَظْمِهَا **وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا**﴿۲﴾ کُنُوْزَهَا وَمَوْتَاهَا فَاَلْقَتْهَا عَلٰی ظَهْرِهَا **وَقَالَ الْاِنْسَانُ** الْکَافِرُ بِالْبَعْثِ **مَالَهَا**﴿۳﴾ اِنْکَارًا لِتِلْکَ الْحَالَۃِ **یَوْمَئِذٍ** بَدَلٌ مِنْ اِذَا وَجَوَابُهَا **تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا**﴿۴﴾ تُخْبِرُ بِمَا عُمِلَ عَلَیْهَا مِنْ خَیْرٍ وَّشَرٍّ **بِاَنَّ** بِسَبَبِ اَنَّ **رَبَّکَ اَوْحٰی لَهَا**﴿۵﴾ اَیْ اَمَرَهَا بِذٰلِکَ وَفِی الْحَدِیْثِ تَشْهَدُ عَلٰی کُلِّ عَبْدٍ اَوْ اَمَۃٍ بِکُلِّ مَاعَمِلَ عَلٰی ظَهْرِهَا **یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ** یَنْصَرِفُوْنَ مِنْ مَّوْقِفِ الْحِسَابِ **اَشْتَاتًا** مُتَفَرِّقِیْنَ فَاَخَذَ ذَاتُ الْیَمِیْنِ اِلَی الْجَنَّۃِ وَاَخَذَ ذَاتُ الشِّمَالِ اِلَی النَّارِ **لِّیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ**﴿۶﴾ اَیْ جَزَاءَهَا مِنَ الْجَنَّۃِ اَوِ النَّارِ **فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ** زِنَۃَ نَمْلَۃٍ صَغِیْرَۃٍ **خَیْرًا یَّرَهٗ**﴿۷﴾ یَرَثَوَابَهٗ **وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَهٗ**﴿۸﴾ جَزَاءَهٗ

سورۂ زلزلت مکیہ یا مدنیہ ہے اس میں نو آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:......... جب زمین ہلا دی جائے گی (قیامت کی وجہ سے بھونچال آجائے گی) اپنی پوری شدت کے ساتھ (اپنی وسعت کے لحاظ سے سخت جنبش کرے گی) اور زمین کے اندر کے سارے بوجھ وہ نکال کر باہر ڈال دے گی (خزانوں اور مردوں کو اوپر اگل دے گی) اور انسان (قیامت کا منکر) بولے گا اسے کیا ہوا؟ اس روز (اذا کا بدل ہے اور اس کا جواب آگے ہے) وہ اپنے حالات بیان کرے گی (جو اچھے برے کام اس پر کئے گئے ان کی اطلاع دے گی) کیونکہ (اس وجہ سے کہ) آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا (یعنی اس کو خبر دینے کو کہا جائے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ زمین شہادت دے گی ان اعمال کی جو کسی مرد و عورت نے اس پر کئے ہوں گے) اس روز لوگ پلٹیں گے (حساب کے مقام سے لوٹیں گے) مختلف جماعتیں ہو کر (مختلف سمتوں کی طرف دائیں اعمالنامے والے جنت کی طرف اور بائیں اعمالنامے والے دوزخ کی جانب) تاکہ ان کے اعمال ان کو دکھلائے جائیں (یعنی ان کا بدلہ جنت یا جہنم) سو جس نے ذرہ (چھوٹی چیونٹی) برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو (اس کے ثواب کو) دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر

بدی کی ہوگی وہ اس کو (اس کے بدلہ کو) دیکھ لے گا۔

تحقیق وترکیب:............ مکیۃ عبداللہ بن مسعودؓ، عطاؒ اور جابرؓ کا قول ہے۔ لیکن عباسؓ اور قتادہؒ کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے۔

زلزالھا اس سے حاصل مصدر یا مصدر مبنی للمفعول مراد ہے۔ تاکہ فعل مجہول کا یہ مفعول مطلق بن سکے۔ اس میں اضافت کی توجیہ بھی ہے۔ یعنی یہ زلزلہ زمین کی جسامت کے لحاظ سے نہایت سخت ہوگا۔ نفخۂ اولیٰ کے وقت یہ زلزلہ ہوگا یا نفخۂ ثانیہ کے وقت، یا یوں کہا جائے کہ جو بھی زلزلہ کی ممکنہ صورت ہوسکتی ہے یا جس کا تقاضہ حکمت الٰہی کرے گی۔ وہ ہو جائے گا۔ ایک قرأت زلزالھا فتحہ زاء کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں یہ مصدر نہیں ہوگا۔ بلکہ حرکت کا نام ہوگا۔ نیز فعلال کا وزن مضاعف کے سوا نہیں آتا۔

اخرجت الارض جس طرح زمین کو درخت، گھاس اگانے کی طاقت دی گئی ہے۔ اسی طرح تمام اندرونی چیزوں کو اپنی سطح پر اگل دینے کی صلاحیت اس میں پیدا کر دی جائے گی۔

وقال الانسان اس سے کافر مراد ہے۔ کیونکہ مؤمن کی زبان پر توھذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون ہوگا اور کافر کی زبان پر ہوگا من بعثنا من مرقدنا تاہم مطلق انسان بھی مراد ہوسکتا ہے۔

تحدث اخبارھا تحدث کا مفعول اول الناس محذوف ہے اور اخبارھا مفعول ثانی ہے۔ حقیقۃً زمین بولے گی یا زبان حال سے مجازاً بولنا مراد ہے۔

یومئذ بدل ہے اور تحدث ناصب ہے اور اگر یومئذ بدل کے بجائے اصل ہو تو اذا کا ناصب مضمر ہوگا۔

بان ربك یہ اخبارھا سے بدل بھی ہوسکتا ہے اور لھا میں لام بمعنی الیٰ ہے یا اپنی اصل پر نفع کے لئے ہے گویا گنہگاروں کے گناہوں کی شہادت زمین دے گی۔

لیروا یہ معروف بھی پڑھا گیا ہے۔

یرہ یہ آیت یروا کی تفصیل ہے۔ اسی لئے ایک قرأت میں یرہ بھی ہے اور ہشامؒ سکون ھا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ کافر کی سزا میں اس کے نیک کاموں کی وجہ سے تخفیف ہو جائے۔ اسی طرح بڑے گناہوں سے بچنے والے مؤمن کے چھوٹے گناہوں کی وجہ سے ثواب میں کمی ہو جائے اور بعض کی رائے ہے کہ پہلا حصہ سعداء کے ساتھ اور دوسرا حصہ اشقیاء کے ساتھ مخصوص ہے اور ذرۃ چھوٹی چیونٹی کے معنی ہیں اور ہوا کے ذرات کو بھی کہتے ہیں۔

ربط آیات:............ سورۂ والضحیٰ میں جن مہمات کا ذکر تھا۔ ان میں مجازات وقیامت بھی ہے۔ اس سورت میں اسی کا بیان ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

روایات:............ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے یہ آیت پڑھ کر پوچھا، جانتے ہو کہ زمین کے وہ حالات کیا ہیں۔ عرض کیا گیا اللہ ورسولہ اعلم فرمایا ہر بندے کے اعمال کی گواہی زمین دے گی۔ جو اس کی پیٹھ پر کئے گئے ہوں گے، وہ کہے گی اس نے فلاں فلاں دن کام کیا تھا۔ یہ زمین حالات بیان کرے گی۔ حضرت ربیعہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ذرا زمین سے بچ کر رہنا۔ کیونکہ یہ تمہاری جڑ بنیاد ہے، اس پر عمل کرنے والا کوئی شخص نہیں ہے جس کے عمل کی یہ خبر نہ دے، اچھا ہو یا برا۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا قیامت کے دن زمین ہر عمل کو لے کر آئے گی جو اس کی پشت پر کیا گیا ہو۔ حضرت علیؓ جب بیت المال کا

سب روپیہ اہل حقوق میں بانٹ دیتے تو آخر میں دو نفل ادا کرتے اور زمین کو خطاب کر کے فرماتے تھے، گواہی دینی ہوگی کہ میں نے تجھ کو حق کے ساتھ بھرا اور حق کے ساتھ خالی کر دیا۔ (۱) حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ جب آیت **فمن یعمل مثقال الخ** نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں اپنا عمل دیکھوں گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے عرض کیا یہ بڑے بڑے گناہ؟ فرمایا: ہاں! میں نے عرض کیا اور یہ چھوٹے گناہ بھی؟ فرمایا: ہاں! میں نے عرض کیا پھر تو میں مارا گیا، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ خوش ہو جاؤ اے ابوسعید! کیونکہ ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوگی۔ ابوسعید خدریؓ چونکہ مدنی ہیں غزوۂ احد کے بعد یہ سن بلوغ کو پہنچے۔ اس سے بعض حضرات نے یہ سمجھ لیا کہ یہ سورت مدنی ہے، مگر صحابہ کرام اور حضرات تابعین کا جو طرز شان نزول کے سلسلہ میں رہا ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے کسی صحابی کا یہ کہنا کہ یہ آیت فلاں موقعہ پر نازل ہوئی۔ اس بات کا قطعی ثبوت نہیں ہے کہ اس کا نزول اسی وقت ہوا تھا۔ جس پر اس سورت کا مضمون اور انداز بیان بھی مکی سورتوں سے ملتا جلتا ہے۔

(۲) مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ آیت **فمن یعمل الخ** دو آدمیوں کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ ایک شخص ایسا تھا کہ اس کے پاس اگر کوئی سائل آتا تو وہ معمولی چیز دینے سے ہچکچاتا اور دوسرا آدمی معمولی گناہوں سے اجتناب نہیں کرتا تھا۔ اور کہا کرتا کہ دوزخ تو بڑے گناہوں کی وجہ سے ہوگی۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں چھوٹی نیکی کی ترغیب اور چھوٹی برائی کی ممانعت ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اتقوا النار ولو بشق تمرۃ فمن لم یجد فبکلمۃ طیبۃ اور صغائر سے بچنے کے لئے حضرت عائشہؓ کو فرمایا ایاك ومحقرات الذنوب فان لها من الله طالبا۔

﴿ تشریح ﴾: .... زلزلہ کہتے ہیں بھونچال کو پے درپے زور سے حرکت کو، یعنی نفخۂ ثانیہ کے وقت حق تعالیٰ ساری زمین کو ہولناک اور سخت زلزلہ سے ہلا ڈالے گا۔ جس سے کوئی عمارت، پہاڑ، درخت زمین پر نہیں رہ سکیں گے۔ سب نشیب وفراز برابر ہو کر میدان حشر ہموار اور صاف ہو جائے گا۔ اور قیامت کا دوسرا مرحلہ شروع ہوگا کہ سارے انسان دوبارہ زندہ ہو کر اٹھیں گے۔ اور بعض مفسرینؒ اس کو نفخۂ اولیٰ یعنی قیامت کے پہلے مرحلے پر محمول کرتے ہیں۔ جب ساری مخلوق ہلاک ہو کر نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔

زمین اپنے خزانے اور سب چیزیں قیامت کے دن اگل دے گی: .... **واخرجت الارض** سورۂ انشقاق میں فرمایا گیا ہے **والقت ما فیھا وتخلت** زمین میں جو بھی ہوگا۔ انسان ان کے اعضاء واجزاء اچھے، برے اعمال اور دفائن خزائن سب کچھ اگل کر رکھ دے گی۔ اور جس مال ودولت پر دنیا میں لڑائیاں کٹائیاں ہوا کرتی ہیں وہ یوں ہی دھرا رہ جائے گا۔ کسی کو دھیان نہیں ہوگا اور معلوم ہو جائے گا کہ کس قدر بے کار چیز ہے۔

وقال الانسان زندہ ہوتے ہی ہوش میں آنے کے بعد ہر شخص ہکا بکا ہو کر پکار اٹھے گا کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔ بعد میں اس پر یہ حقیقت کھلے گی کہ یہ تو میدان حشر بپا ہے اور انسان سے مراد منکر آخرت کافر بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ ان سب باتوں کو ناممکن سمجھ کر مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اب یہ منظر دیکھ کر حیران وپریشان ہوگا کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے؟ یہ ہو کیا رہا ہے؟ میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں یا میری آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں البتہ اہل ایمان پر دوسری کیفیت طاری ہوگی۔ ان کے سامنے جو کچھ نقشہ پیش ہو رہا ہوگا۔ وہ چونکہ ان کے عقیدہ اور یقین کے مطابق ہوگا، اس لئے انہیں طمانیت ہوگی۔

قیامت کے روز زمین عالمی خبریں نشر کرے گی: .... یومئذ تحدث یعنی انسان نے کو کچھ پہلے برے کام زمین پر رہ کر کئے ہوں گے وہ سب اترے پترے اگل دے گی۔ جتنے اعمال دنیا میں کئے گئے ان سب کا ریکارڈ زمین کی پلیٹ پر ریکارڈ ہو گیا ہوگا۔ وہ سب وقت پر کھول دیا جائے گا۔ کسی زمانہ میں تو زمین کا بولنا اور انسان کی کہانی بیان کرنا عجوبہ بنا ہوا تھا۔ لیکن آج سائنسی ایجادات اور علوم طبعی کے انکشافات نے یہ مراحل آسان اور قابل فہم بنا دیئے ہیں۔ آخر انسان جو کچھ منہ سے نکالتا اور بولتا ہے وہ ہواؤں، دریائی لہروں، گھروں کے درو دیوار، فرش اور فروش کے ذرے ذرے میں جذب ہوا ہوا ہے اللہ تعالیٰ جب چاہے گا۔ ان ساری آوازوں کو ٹھیک اسی طرح ان چیزوں سے دھروا سکتا ہے جس طرح وہ کبھی انسان کے منہ سے نکلی تھیں۔ اس وقت انسان اپنے کانوں سے سن کر صاف پہچان لے گا کہ یہ اسی کی اپنی آواز ہے۔ دنیا میں کوئی اپنی آواز نہ پہچان سکتا ہے اور نہ اپنی صورت ذہن نشین رکھ سکتا ہے مگر اس عالم کو اس عالم پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ وہاں یہ سب کچھ ممکن ہوگا۔ اس کے سب جان پہچان والے بھی سمجھ جائیں کہ جو کچھ وہ سن رہے ہیں وہ اسی شخص کی آواز اور اسی کا لب ولہجہ ہے۔

زندگی کی ریل تیار ہو رہی ہے: .... آج انسان جہاں کہیں بھی جو کچھ کر رہا ہے اس کی تمام نقل وحرکت کا عکس اس کے گردو پیش کی تمام چیزوں پر پڑ رہا ہے اور اس کی تصویر ان پر نقش ہو رہی ہے۔ بالکل گھپ اندھیرے میں بھی جو کچھ کرتا ہے۔ خدا کی خدائی میں ایسی شعاعیں موجود ہیں جن کے لئے اندھیرا اجالا سب برابر ہے۔ ایکسرے مشین اور ریکارڈ مشین ہر جگہ لگی ہوئی ہے۔ وہ ہر حالت میں اس کی تصویر لے سکتی ہے۔ یہ ساری تصویریں قیامت کے دن متحرک صورت میں انسان کے سامنے آجائیں گی اور مکمل ریل پیش کر دی جائے گی۔ انسان دیکھ لے گا کہ وہ زندگی بھر کہاں، کیا کرتا رہا ہے؟ یوں سب کچھ اللہ جانتا ہے اس کے علم سے کائنات کے ذرہ بھی باہر نہیں ہے مگر آخرت کی سب سے بڑی عدالت جب قائم ہوگی تو انصاف کے تمام تقاضے پورے کئے جائیں گے یہی وجہ ہوگی کہ ناقابل انکار اور قطعی صریح ثبوت سامنے آجانے کے بعد انسان دم بخود ہو کر رہ جائے گا۔

بلحاظ اعمال لوگوں کی ٹولیاں بنادی جائیں گی: .... یصدر الناس یعنی اس روز لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر ٹولیاں بن بن کر میدان حشر میں حاضر ہوں گے۔ مثلاً یہ گروہ شرابیوں کا ہے۔ یہ گروہ زانیوں کا ہے۔ یہ گروہ چوروں اور ڈاکوؤں کا ہے اور یا یہ مطلب ہے کہ حساب کتاب سے فارغ ہو کر جب لوٹیں گے تو درجہ دار کچھ جماعتیں جنتیوں کی ہوں گی۔ جو جنت کی طرف رواں دواں ہوں گی اور اسی مرحلہ وار کچھ گروہ دوزخیوں کے ہوں گے جو دوزخ کی طرف دھکیل دیئے جائیں گے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر شخص نفسانفسی میں مبتلا ہوگا۔ کوئی کسی کا ساتھ نہیں دے گا۔ خاندان اور برادری کے لوگ سب تتر بتر ہو جائیں گے۔ ہر فرد اپنے غم میں پسا ہوا ہوگا۔ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔

زندگی بھر کا کچا چٹھا سامنے آجائے گا: .... لیروا اعمالھم اعمال دکھلانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو اپنے اعمال اپنے سامنے دکھلائی پڑیں گے اعمال، ایمان کی صورت میں متشکل ہوں گے تاکہ نیکوں کو سرخروئی اور بدوں کو رسوائی کا سامنا ہو یا عمال کا دکھلانا ان کا مکمل استحضار کرانا ہے کہ ہر شخص پورے یقین اور وثوق سے سمجھ جائے گا کہ یہ میرے ہی کئے ہوئے کام ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان کے ثمرات ونتائج سامنے نظر آجائیں گے۔ فمن یعمل یہ لیروا اعمالھم کی تفصیل ہے یعنی کسی آدمی کی کوئی ذرہ بھر نیکی یا بدی ایسی نہیں ہوگی۔ جو نامۂ اعمال میں درج ہونے سے رہ گئی ہو۔ لیکن اعمال دیکھنے کا مطلب اگر اعمال کی جزاء اور سزاء کا دیکھنا ہو تو پھر بقول قاضی بیضاویؒ اس تفصیل کا یہ مطلب لینا صحیح نہ ہوگا۔ کہ آخرت میں ہر چھوٹی سے چھوٹی نیکی جزا اور ہر چھوٹی سے چھوٹی بدی کی سزا ہر شخص کو دی جائے گی۔ اس طرح وہاں کوئی شخص بھی اپنی کسی نیکی کی جزاء سے اور کسی بدی کی سزا سے بچ نہیں سکے گا۔ پھر تو اس کے معنی

یہ ہوں گے کہ ایک ایک اچھے عمل کی جزا اور ایک ایک برے کام کی سزا الگ الگ مل کر رہے گی۔ نیز اس سے یہ بھی لازم آئے گا۔ کہ کوئی بڑے سے بڑا صالح مؤمن بھی کسی چھوٹے سے چھوٹے قصور کی سزا پانے سے نہ بچ سکے گا۔ اور کوئی بدترین ظالم وکافر اور بدکار انسان بھی کسی چھوٹے سے چھوٹے اچھے فعل کا اجر پائے بغیر نہیں رہے گا۔

علامہ زمخشریؒ پر قاضی بیضاویؒ کا رد: .... حالانکہ یہ دونوں باتیں قرآن وحدیث کی تصریحات کے تو خلاف ہیں ہی عقل کے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ کون سی عقل باور کر سکتی ہے کہ آپ کا ایک نہایت وفادار خدمت گزار خادم ہو۔ مگر آپ اس کے کسی چھوٹے سے چھوٹے قصور کو بھی معاف نہ کریں۔ بلکہ اس کی ایک ایک خدمت پر انعام واکرام کے ساتھ اس کے ایک ایک قصور کو گن گن کر ہر ایک کی سزا بھی دیں۔ اسی طرح یہ بھی بات قابل فہم نہیں کہ آپ کا پروردہ شخص جس پر آپ کے بے شمار احسانات ہوں وہ آپ سے غداری اور بے وفائی کرے اور آپ کے احسانات کا جواب نمک حرامی ہی سے دیتا ہے مگر آپ اس کے مجموعی رویہ کو نظر انداز کر کے اس کی ایک ایک غداری کی سزا الگ، اور اس کی ایک ایک معمولی ہی سہی، خدمت کا صلہ الگ دیں، علامہ زمخشریؒ اور ان کے رفقاء معتزلہ اپنی عقلمندی کے زعم میں ان حقائق تک رسائی نہیں پا سکے۔ بیضاویؒ نے اس کا رد کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر نیکی اور بدی کے ثمرات دیکھ لے گا۔ بشرطیکہ اس وقت تک وہ نیکی اور بدی باقی رہی ہو۔ ورنہ اگر کفر کی وجہ سے وہ خیر فنا ہو چکی ہو۔ یا تو بہ اور ایمان سے وہ شر زائل ہو چکا ہو وہ اس کلمہ میں داخل ہی نہیں۔ کیونکہ وہ خیر خیر نہ رہی اور وہ شر شر نہ رہا۔ اور جب حکم کا مدار ہی نہ رہا تو حکم ہی ثابت نہ ہوگا۔

خلاصۂ کلام: .... اس سورت کا ماحصل مرنے کے بعد دوسری زندگی کا نقشہ کھینچا ہے۔ جب انسان کا کچا چھٹا اس کے سامنے آجائے گا۔ اور وہ اعمال کے ہو بہو سامنے آنے سے ہکا بکا رہ جائے گا۔ اور کسی ایک بات کا بھی انکار نہیں کر سکے گا۔ اور یہ زمین جس پر انسان نہایت بے فکری اور آزادی سے دندناتا پھرتا ہے۔ اس کے وہم وگمان میں کبھی بھی یہ بات نہیں آئی کہ یہ بے جان چیز اور بے عقل چیز کسی وقت اس کی ہر نقل وحرکت کی گواہی دے گی۔ اور ہر انسان کی پوری سرگذشت کی بولتی فلم پیش کرے گی۔ آگے چل کر ارشاد ہے کہ زمین کے چپہ چپہ سے لوگ گروہ در گروہ اپنے مرقدوں سے نکل نکل کر آئیں گے۔ اور ان کی ٹولیاں بن کر پیش ہوں گے۔ یا ہر شخص انفرادی طور پر بارگاہ الٰہی میں پیش ہوگا۔ عزیز واقرباء سب منتشر ہوں گے۔ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ اور لوگوں کے اعمال اور نتائج دکھلا دیئے جائیں گے۔ اور عدالت عالیہ میں ایسی مکمل ومفصل روئیداد پیش ہوگی، کہ ذرہ برابر نیکی یا بدی پیش ہونے سے نہیں رہ جائے گی۔ اور ہر ایک کے ثمرات بھی دیکھ لے گا، بشرطیکہ اس وقت تک وہ خیر وشر باقی رہی ہو۔

فضائل سورت: .... من قرء سورة اذا زلزلت اربع مرات كان كمن قرأ القران كله جو شخص سورۂ **اذا زلزلت** چار مرتبہ پڑھے گا۔ اس کو پورے قرآن کے برابر سمجھا جائے گا۔

لطائف سلوک: .... یومئذ تحدث اس سے صاف معلوم ہوا کہ جمادات بھی بولتے ہیں۔ اور بولنا عادۃً حیات وادراک پر موقوف ہوتا ہے۔ اس لئے یہ دونوں باتیں بھی جمادات میں ثابت ہوئیں اور دوسری نصوص کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں بولنے اور حیات وادراک کا صرف اظہار ہوگا۔ ورنہ اب بھی ان میں یہ چیزیں موجود ہیں۔

سُــوْرَةُ الْعٰــدِيٰتِ

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ اَوْمَدَنِيَّةٌ اِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعٰدِيٰتِ الْخَيْلِ تَعْدُوْا فِى الْغَزْوِ وَتَضْبَحُ **ضَبْحًا** ﴿۱﴾ هُوَ صَوْتُ اَجْوَافِهَا اِذَا عَدَتْ **فَالْمُوْرِيٰتِ** الْخَيْلِ تُوْرِى النَّارَ **قَدْحًا** ﴿۲﴾ بِحَوَافِرِهَا اِذَا سَارَتْ فِى الْاَرْضِ ذَاتِ الْحِجَارَةِ بِاللَّيْلِ **فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا** ﴿۳﴾ اَلْخَيْلُ تُغِيْرُعَلَى الْعَدُوِ وَقْتَ الصُّبْحِ بِاِغَارَةِ اَصْحَابِهَا **فَاَثَرْنَ** هَيَّجْنَ **بِهٖ** هَيَّجْنَ بِمَكَانِ عُدُوِّهِنَّ اَوْبِذٰلِكَ الْوَقْتِ **نَقْعًا** ﴿۴﴾ غُبَارًا بِشِدَّةِ حَرْكَتِهِنَّ **فَوَسَطْنَ بِهٖ** بِالنَّقْعِ **جَمْعًا** ﴿۵﴾ مِنَ الْعَدُوِ اَىْ صِرْنَ وَسْطَهٗ وَعَطَفَ الْفِعْلُ عَلَى الْاِسْمِ لِاَنَّهٗ فِىْ تَاوِيْلِ الْفِعْلِ اَىْ وَاللَّاتِىْ عَدَوْنَ فَاَوْرَيْنَ فَاَغَرْنَ **اِنَّ الْاِنْسَانَ** اَىِ الْكَافِرِ **لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ** ﴿۶﴾ لَكَفُوْرٌ يَجْحَدُ نِعْمَةَ تَعَالٰى **وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ** اَىْ كُنُوْدِهٖ **لَشَهِيْدٌ** ﴿۷﴾ يَشْهَدُ عَلٰى نَفْسِهٖ بِصَنِيْعِهٖ **وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ** اَىِ الْمَالِ **لَشَدِيْدٌ** ﴿۸﴾ اَىْ لِشَدِيْدُ الْحُبِّ لَهٗ فَيَبْخَلُ بِهٖ **اَفَلَايَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ** اُثِيْرَ وَاُخْرِجَ **مَافِى الْقُبُوْرِ** ﴿۹﴾ مِنَ الْمَوْتٰى اَىْ بُعِثُوْا **وَحُصِّلَ** بُيِّنَ وَاُفْرِزَ **مَافِى الصُّدُوْرِ** ﴿۱۰﴾ اَلْقُلُوْبِ مِنَ الْكُفْرِ وَالْاِيْمَانِ **اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ** ﴿۱۱﴾ لَعَالِمٌ فَيُجَازِيْهِمْ عَلٰى كُفْرِهِمْ اُعِيْدَ الضَّمِيْرُ جَمْعًا نَظَرًا لِمَعْنَى الْاِنْسَانِ وَهٰذِهِ الْجُمْلَةُ دَلَّتْ عَلٰى مَفْعُوْلِ يَعْلَمُ اَىْ اِنَّا نُجَازِيْهِ وَقْتَ مَاذُكِرَ وَتَعَلَّقَ خَبِيْرٌ بِيَوْمَئِذٍ وَهُوَتَعَالٰى خَبِيْرٌ دَائِمًالِاَنَّهٗ يَوْمُ الْمُجَازَاةِ

ع ۱ ۱۱ ۲۵

ترجمہ: .... قسم ہے ان گھوڑوں کی جو (جہاد میں دوڑتے اور پھنکارے مارتے ہیں) ہانپتے ہیں (گھوڑا دوڑنے کے وقت جو آواز اس کے اندر سے نکلتی ہے) پھر ٹاپوں سے (وہ گھوڑے آگ کی) چنگاریاں جھاڑتے ہیں (اپنے کھروں سے رات کے وقت پتھریلی زمین پر چلتے ہوئے) پھر صبح کے وقت تاخت وتاراج کرتے ہیں (گھوڑے اپنے سواروں کے ساتھ شب خون مارتے ہوئے) پھر اڑاتے ہیں۔ وہاں (اس جگہ یا اس وقت) گردوغبار (گھوڑ دوڑ سے دھول) پھر اسی (گردوغبار کی) حالت میں کسی مجمع کے اندر جا گھستے ہیں (دشمن کے یعنی ان کے بیچ میں گھستے چلے جاتے ہیں اور فعل کا اسم پر عطف ہو رہا ہے۔ کیونکہ وہ اسم فعل کی تاویل

نہیں ہے۔عبارت اس طرح ہوجائے گی۔والـلاتـي عـدون فـاورين فاغرن)حقیقت یہ ہے کہ انسان (کافر)اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے(اللہ کی نعمتوں کا کفران کرتا ہے)اوراس کوخود اس (ناشکری) کی خبر ہے (اپنے کرتوت سے اپنے اوپر گواہ ہے)اور وہ مال ودولت کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے(مال سے انتہائی محبت رکھتا ہے اس لئے بخل کرتا ہے) کیا وہ اس وقت کونہیں جانتا۔ جب نکال لیا جائے گا (اکھاڑ، برآمد کرلیا جائے گا) قبروں میں جو کچھ ہے(یعنی مردے ان کوزندہ کر کے اٹھادیا جائے گا)اور آشکارا (ظاہر اور واضح)ہوجائے گا۔جو کچھ دلوں میں ہے(کفر وایمان)یقیناً ان کا رب اس روز ان سے باخبر ہوگا (لہٰذا ان کے کفر کی سزا دے گا۔جمع کی ضمیریں انسان کی طرف بلحاظ معنی کے ہیں۔یہ جملہ **یعلم** کے مفعول پر دلالت کررہا ہے۔ای انـا نجازیہ وقت ما ذکر اور **خبیر** کا تعلق **یومئذ** کے ساتھ ہے۔کیونکہ وہ بدلہ کا دن ہے۔اگرچہ اللہ کا باخبر ہونا دائمی ہے)۔

تحقیق وترکیب: ....مـــکیۃ ابن مسعودؓ وغیرہ کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔اور ابن عباسؓ وغیرہ کے نزدیک مدنی ہے۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے۔جس میں ہے کہ آنحضرتؐ نے کہیں گھوڑے روانہ کئے۔لیکن ایک مہینہ گزر گیا کہ ان کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔تب یہ سورت نازل ہوئی۔جس میں ان کے حال کی طرف اشارہ ہے۔

والعٰدیٰت عادیہ کی جمع ہے۔تیز گام۔جہاں اللہ نے تین قسمیں کھا کر مقسم بہ کی تعظیم اور مقسم علیہ کی تشنیع ظاہر کی ہے۔

ضبحــا مفسرؒ نے فعل محذوف ناصب کی طرف اشارہ کیا ہے۔اور **عــادیـات** کے ذریعہ بھی یہ منصوب ہوسکتا ہے کیونکہ دلالت التزامی کے ساتھ اس کے معنی ضابحات ہی کے ہیں یا اس کو حال کی وجہ سے منصوب مانا جائے **ضابحۃ**۔

فـالموریٰت ایراء کے معنی چنگاری جھاڑنے کے ہیں اور قدح کے معنی مارنے کے ہیں۔کہا جاتا ہے قـدح الزند فاوری گھوڑوں کی ٹاپ سے شرارے اٹھنا مراد ہیں۔اس کے اعراب میں بھی پہلی صورت جاری ہوگی ای یـقـدح قدحا اگرچہ بظاہر **قدحا موریٰت** سے بھی منصوب ہوسکتا ہے۔کیونکہ **ایراء قدح** پر دلالت کرتا ہے۔اور تمیز کی وجہ سے بھی نصب ہوسکتا ہے۔

فالمغیرات اغارہ کے معنی غارت گری،لوٹ مار کرنا۔

فـاثرن بمعنی برانگیختہ کرنا **بہ** کی ضمیر **ضبحـا** کی طرف راجع ہے یا ظرفیہ ہے لیکن اگر اغارۃ کی طرف ضمیر راجع کی جائے تو باسبیت یا ملابست کے لئے ہوگی۔اور چونکہ **عــادیـات ،مـوریٰت ،مغیرات** باوجود اسماء ہونے کے فعل کی تاویلات میں ہیں۔جیسا کہ مفسرؒ علام نے اشارہ فرمادیا ہے۔اس لئے **وسـطـن** اور **اثـرن** افعال کا عطف باعث اشکال نہیں رہا۔ان اسماء پر الف،لام موصولہ ہے۔ان قسموں کے متعلق یہ بھی ممکن ہے کہ نفس کی تین حالتوں کی قسمیں کھائی گئی ہوں۔قاضیؒ بیضاوی کی عبارت یہ ہے۔ویحتمل ان یـکـون الـقـسم بالنفوس العادیۃ اثر کمالھن الموریات بافکارھن انوارالمعارف والمغیرات علی الھوٰی والعادات اذا لـظھرلھن مبتدأ انوار القدس فاثرن بہ نقعا فوسطن بہ جمعا من جموع الغلمین لکنود بمعنی کفور کندالنعمۃ کنودا سے ماخوذ ہے اور لغت کندہ میں اس کے معنی نافرمان کے اور بنی مالک کے لغت میں بخیل کے معنی ہیں۔یہ جملہ جواب قسم ہے۔حدیث میں آتا ہے۔الکنود الذی یاکل وحدہ ویمنع رفدہ ویضرب عبدہ ۔ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں الھلوع والکنود ھو الذی اذا مسہ الشر جزوعا واذا مسہ الخیر منوعا ۔

وانہ ضمیر کا مرجع انسان ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بھی راجع ہوسکتی ہے،اس صورت میں وعید ہوگی۔

لحب الخیر مال اگرچہ خبیث ہوتا ہے۔مگر طاعت وعبادت میں معین ہونے کی وجہ سے اس کو خیر کہا گیا۔

اذا بعثر ایک قرأت بحثر اور بحث بھی ہے۔

حصل بقول امام راغبؒ تحصیل کے معنی چھلکے سے مغز کو اور بھوسہ سے دانے کو اور سونے کو کان سے نکالنے کے لیتے ہیں۔
فی الصدور قلبیہ کی تخصیص اصل ہونے کی وجہ سے ہے۔
یومئذ لخبیر حق تعالیٰ ہمہ وقت ہر چیز سے اگرچہ واقف ہیں۔لیکن قیامت کی تخصیص اعمال کے بدلہ کی وجہ سے ہے۔

ربط آیات: ....منجملہ سورۂ والضحیٰ کی مہمات کے برے کاموں سے بچنا بھی ہے۔سورۂ والعدیٰت میں برائیوں کی برائی اور ان کی سزا کا ذکر ہے۔اس کا مکی مدنی ہونا مختلف فیہ ہے۔ابن مسعودؓ، جابرؓ، حسن بصریؒ، عکرمہؒ، عطاءؒ تو مکی کہتے ہیں۔انسؓ، مالکؒ اور قتادہؒ مدنی مانتے ہیں۔حضرت ابن عباسؓ سے دونوں قول ہیں۔مگر مضمون سورت سے مکی ہونا راجح معلوم ہوتا ہے اور یہ کہ ابتدائی دور سے متعلق ہوگی، وجہ تسمیہ بالکل واضح ہے۔

﴿تشریح﴾: ....والعدیٰت دوڑنے والوں سے کیا مراد ہے؟ صحابہؓ اور تابعین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ دوڑنے والے گھوڑے مراد ہیں۔اور بعض حضرات دوڑنے والے اونٹ مراد لیتے ہیں۔لیکن اگلے الفاظ سے یہی نکلتا ہے کہ دوڑنے والے گھوڑے مراد ہیں اور یوں بھی عرب جنگ پسند ہونے کی وجہ سے تیز رو گھوڑوں کو عزیز رکھتے تھے۔
فالموریٰت رات کے وقت گھوڑوں کی ٹاپوں سے شب خوں مارنے کے وقت شرارے اور چنگاریاں جھڑتی تھیں۔شب خوں صبح کے جھرمٹ کے اندھیرے میں ہوتا تھا۔فوسطن بہ جمعا وہ گھوڑے اتنے جری اور دلیر ہیں کہ بے خوف وخطر دشمن کی فوج میں جا گھستے ہیں۔ان آیات میں جہاں گھوڑوں کی قسموں کا احتمال ہے وہیں یہ ممکن ہے کہ مجاہدین اور فوجی رسالوں کی قسمیں کھائی گئی ہوں۔

شریف گھوڑے کو ایک چابک اور شریف انسان کو ایک بات کافی ہے: ....لکنود۔ یہ ہے وہ بات جس پر گھوڑوں یا مجاہدین کی قسمیں کھائی گئی ہیں یعنی جہاد میں مجاہدین کی سرفروشی اور جان بازی بتلائی گئی ہے کہ شکر گزار وفادار ایسے ہوا کرتے ہیں۔لیکن جو آدمی اللہ کی دی ہوئی قوتوں اور مال ودولت کو خرچ نہیں کرتا۔وہ پرلے درجے کا ناشکرا اور نالائق ہے۔بلکہ غور کرو تو خود گھوڑا زبان حال سے شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ مالک حقیقی کی دی ہوئی روزی کھاتے اور ان کی بے شمار نعمتوں سے دن رات فائدے اٹھاتے ہیں۔پھر اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے۔وہ جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل وحقیر ہیں۔ایک شریف گھوڑے کو مالک گھاس اور کچھ دانہ دنکا کھلا دیتا ہے۔تو وہ اتنی سی بات پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے۔جدھر سوار اشارہ کرتا ہے ادھر ہی دوڑ جاتا ہے۔اور ہانپتا ہوا۔ٹاپیں بھرتا ہوا، غبار اڑاتا ہوا گھمسان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے۔گولیوں کی بارش میں اور سنگینوں اور تلواروں کے سامنے پڑ کر سینہ نہیں پھیرتا۔بلکہ بسا اوقات وفادار گھوڑا سوار کو بچانے کے لئے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔کیا انسان نے ان گھوڑوں سے کچھ سبق سیکھا کہ اس کا پالنے والا بھی مالک ہے۔جس کی وفاداری میں اسے جان ومال سے تیار رہنا چاہیئے۔یہ انسان کی کتنی ناشکری ہے کہ ایک گھوڑے بلکہ کتے سے بھی وفاداری میں گیا گزرا ہے۔

انسان خود اپنی حالت پر گواہ ہے: ....وانہ علی ذلک لشہید انسان کا ضمیر خود اس کی اپنی ناشکری پر زبان حال سے گواہ ہے۔ذرا بھی کسی کے ضمیر میں احساس اور دل زندہ ہو تو اسے اندرونی آواز سے اپنا ناسپاس ہونا واضح ہو جائے گا۔اور وانہ کی ضمیر اگر اللہ کی طرف راجع ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ انسان کے احسان ناشناسی اور کفران نعمت کو دیکھتا ہے اور بعض نے یہ مفہوم لیا ہے

کہ گھوڑوں کی جاں نثاری اور وفاداری سب انسان کے سامنے ہے۔ لحب الخیر لشدید مال میں خیر وشر کے دو پہلوؤں میں سے یہاں خیر کے پہلو کو ترجیح دی ہے۔ یعنی لالچ اور مال کی محبت نے انسان کو اتنا اندھا کر دیا ہے اور مال وزر کی محبت میں اتنا گرفتار ہے کہ سچے اور حقیقی مالک کو بھی بھلا بیٹھا ہے اور نہیں سمجھتا کہ آگے اس کا انجام کیا ہوگا۔

انسان پر تب حقیقت کھلے گی جب عالم حقائق سامنے آئے گا: .... افلا یعلم وہ وقت بھی آنے والا ہے جب مردہ جسم قبروں سے نکال کر زندہ کئے جائیں اور دلوں میں جو باتیں چھپی ہوئی ہیں سب کھول کر رکھ دی جائیں گی۔ اس وقت پتہ چلے گا کہ یہ مال کتنا کام آتا ہے؟ اور ناشکرے لوگ کہاں چھوٹ کر جائیں گے۔ اگر یہ بے حیا اس بات کو بھی سمجھ لیتے تو ہرگز مال کی محبت میں غرق ہو کر اس طرح کی حرکتیں نہ کرتے۔ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کا علم بندے کے ظاہر و باطن کو ہر وقت اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ لیکن قیامت کے دن ہر شخص پر کھل جائے گا اور کسی کو مجال انکار نہ رہے گی۔ اور اس وقت یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ فیصلہ صرف ظاہر کو دیکھ کر نہیں کیا جا رہا ہے۔ بلکہ دلوں کے چھپے ہوئے رازوں کو بھی نکال کر دیکھا جائے گا۔ دنیا کی کسی عدالت میں ایسے ذرائع نہیں ہیں کہ جن کی مدد سے نیت کی صحیح تحقیق ہو سکے۔ صرف خدا ہی کی عدالت عالیہ ہوگی۔ جہاں انسان کے ہر ظاہری عمل کے پیچھے جو باقی محرکات رہے ہیں۔ ان کی بھی پوری جانچ ہوگی۔ اور جچا تلا فیصلہ کیا جائے گا۔

خلاصۂ کلام: .... اس سورت کا ماحصل انسان کو یہ سمجھانا ہے کہ وہ آخرت کا انکار کر کے اور اس سے غافل ہو کر کیسی اخلاقی پستی میں گھر جاتا ہے۔ اور مال کی محبت میں متوالا بن کر اپنے سچے مالک کی وفاداری اور شکر گزاری سے منہ موڑ لیتا ہے۔ گھوڑا مالک کی احسان شناسی میں اپنی جان کھپا دیتا ہے۔ اور سوار کی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر انسان اس سے بھی گیا گزرا ہے اور اس پر بھی انسان کو خبردار کیا گیا ہے کہ آخرت میں صرف ظاہر ہی پر فیصلہ نہیں ہوگا۔ بلکہ اندر کے اترے پترے کھول کر رکھ دیئے جائیں گے۔ آخر انسان ہے کس ہوا میں؟ اللہ کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

فضائل سورت: .... من قرء سورة والعاديات اعطى من الاجر عشر حسنات بعدد من بات بالمزدلفة وشهد جمعا. جو شخص سورۂ والعادیات پڑھے گا اسے ان لوگوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ ثواب ملے گا۔ جو مزدلفہ اور جمعہ میں حاضر ہوتے ہیں۔

لطائف سلوک: .... ان الانسان لربه لكنود اس میں انسان کی طبعی خاصیت کا ذکر ہے۔ اگر چہ جس پر اللہ کا فضل ہو وہ اس کے مقتضیٰ پر عمل نہیں کرتا۔ اور بقول عصامؒ مجاہدین کے ذیل میں اس کا لانا مجاہدین کی اس میں تعریف کا پہلو ہے کہ خلاف طبع سعی کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ انسان میں طبعی موانع رکھے ہوئے ہیں۔ جن سے اس کو زیادہ اجر ملتا ہے۔

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ ثَمَانُ ايَاتٍ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْقَارِعَةُ ﴿۱﴾ اَىِ الْقِيَامَةُ الَّتِىْ تَقْرَعُ الْقُلُوْبَ بِاَهْوَالِهَا **مَاالْقَارِعَةُ ﴿۲﴾** تَهْوِيْلٌ لِّشَانِهَا وَهُمَامُبْتَدَأٌ وَّخَبَرٌ خَبَرُ الْقَارِعَةِ **وَمَآ اَدْرٰىكَ** اَعْلَمَكَ **مَا الْقَارِعَةُ ﴿۳﴾** زِيَادَةُ تَهْوِيْلٍ لَّهَا وَمَا الْاُوْلٰى مُبْتَدأٌ وَمَا بَعْدَهَا خَبَرُهُ وَمَا الثَّانِيَةِ وَخَبَرُهَا فِىْ مَحَلِّ الْمَفْعُوْلِ الثَّانِىْ لِاَدْرٰى **يَوْمَ** نَاصِبُهُ دَلَّ عَلَيْهِ الْقَارِعَةُ اَىْ تَقْرَعُ **يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ﴿۴﴾** كَغَوْغَاءِ الْجَرَادِ الْمُنْتَشِرِ يَمُوْجُ بَعْضُهُمْ فِىْ بَعْضٍ لِلْحَيْرَةِ اِلٰى اَنْ يُّدْعَوْا لِلْحِسَابِ **وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴿۵﴾** كَالصُّوْفِ الْمَنْدُوْفِ فِىْ خِفَّةِ سَيْرِهَا حَتّٰى تَسْتَوِىَ مَعَ الْاَرْضِ **فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۶﴾** بِاَنْ رَجَحَتْ حَسَنَاتُهٗ عَلٰى سَيِّاٰتِهٖ **فَهُوَ فِىْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۷﴾** فِى الْجَنَّةِ اَىْ ذَاتَ رِضَابِاَنْ يَّرْضَاهَا اَىْ مَرْضِيَّةً لَّهٗ **وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۸﴾** بِاَنْ رَجَحَتْ سَيِّاٰتُهٗ عَلٰى حَسَنَاتِهٖ **فَاُمُّهٗ** فَمَسْكَنُهٗ **هَاوِيَةٌ ﴿۹﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ﴿۱۰﴾** اَىْ مَاهَاوِيَةٌ هِىَ **نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾** شَدِيْدُ الْحَرَارَةِ وَهَا هِيَهْ لِلسَّكْتِ تَثْبُتُ وَصْلًا وَّوَقْفًا وَّفِىْ قِرَاءَةٍ تُحْذَفُ وَصْلًا

سورۃ القارعہ مکیہ ہے اس میں آٹھ آیات ہیں۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:............ کھڑکھڑانے والی چیز (قیامت جواپنی ہولناکیوں سے دلوں کوجھڑجھڑادیتی ہے) کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز (قیامت کی دہشت بتلائی ہے۔ما القارعة مبتداء خبر سے مل کر جملہ القارعہ اول کی خبر ہے) آپ کو کچھ معلوم (پتہ) ہے کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز (اس میں قیامت کی اورزیادہ دہشت ناکی ہے۔ما ادرک میں ما مبتداء ہے ادرک اس کی خبر ہے اور ما القارعة میں ما اوراس کی خبر ادری کے مفعول ثانی کی جگہ ہے) جس روز (اس کا ناصب محذوف ہے جس پر لفظ القارعة دلالت کررہا ہے یعنی تقرع) لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوجائیں گے (منتشر پروانوں کی طرح پھیلے ہوئے حیرت کے مارے ایک دوسرے میں گھسے ہوئے یہ حالت حساب کی پیشی تک رہے گی) اور پہاڑ (دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہوجائیں گے (دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑے ہوئے پھریں گے۔حتی کہ زمین میں مل جائیں گے) پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا (نیکیاں، بدیوں پر غالب ہوں گی) وہ خاطر خواہ آرام میں ہوگا (جنت کے اندر، یعنی پسندیدہ جس میں وہ مگن ہوگا یعنی آرام سے بھاتا ہوگا) اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا (اس کی بدیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی) اس کا ٹھکانہ (جائے قیام) گہری کھائی ہوگی اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ کیا چیز ہے (یعنی وہ گہری کھائی کیسی ہوگی) ایک دہکتی ہوئی آگ ہے (بھڑکتی ہوئی اور هیه کی ها سکتہ کی ہے جو وقف

وو صل دونوں حالت میں برقرار رہتی ہے اور ایک قراءت کے اعتبار سے بحالت فصل حذف ہو جاتی ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... القارعة قرع کے معنی کھڑ کھڑانے اور ٹھوکنے کے، سخت حادثہ پر بولا جاتا ہے قرعتهم القارعة کے معنی یہ ہیں کہ فلاں قبیلہ پر سخت آفت آ گئی۔ قرآن میں بھی سخت مصیبت کے معنی میں آیا ہے۔ ولا یزال الذین کفروا تصیبهم بما صنعوا قارعة قیامت سے بڑھ کر اور کیا آفت اور مصیبت ہوگی۔

ما القارعة تفسیر ابوالسعود میں یہ ہے کہ ما استفہامیہ خبر مقدم ہے۔ اور القارعة مبتداء ہے۔ کیونکہ اصل محط فائدہ خبر ہوا کرتی ہے نہ کہ مبتداء۔ چنانچہ یہاں ما کی فخامت مقصود ہے نہ کہ قارعہ کی تحویل۔ یوم اس کا ناصب۔ مفسرؒ نے اول القارعة کو نہیں مانا۔ مفصل کی وجہ سے اور دوسرا اور تیسرا القارعة بھی عامل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بلحاظ معنی ظرف ان سے جوڑ نہیں بیٹھتا۔ اس لئے مفسرؒ نے تقرع عامل محذوف مانا ہے اور یکون ناقصہ کی خبر کالفراش ہے۔ ای یکون الناس مشبهین بالفراش اور یکون اگر تامہ ہو تو پھر اس کے فاعل سے حال ہو جائے گا ای یوجدون ویحشرون حال کونهم مشبهین بالفراش پروانوں کے ساتھ تشبیہ دینے میں مختلف مبالغے ہیں۔ ان کی کثرت اور منتشر ہو کر ایک دوسرے میں گھسنا اور ضعف وتذلل اور بے قراری سے اڑنا حتی کہ آگ کی نذر ہو جانا۔ قاموس میں ہے کہ غوغا کہتے ہیں پروانوں کے جب پر نکل آئیں۔

وتکون الجبال یعنی قیامت کے اثر سے پہاڑ جیسی مضبوط چٹانیں بھی دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑتی پھریں گی۔ پس انسانوں کا کیا حال ہوگا۔ جو مکلّف بھی ہیں اور کمزور بھی۔ موازینه یہ موزوں کی اگر جمع ہے تب تو اعمال مراد ہوں گے۔ جس سے ان کا وزنی ہونا اور اللہ کے نزدیک قابل قدر ہونا ہوا۔ اور اگر موازین میزان کی جمع ہے تو اس کا ثقیل ہونا اس کا جھکاؤ ہے اور موازین تعظیم کے لئے جمع ہے یا ہر مکلّف کی میزان الگ ہونے کی وجہ سے یا موزونات کے اختلاف یا کثرت کی وجہ سے ہے۔

فی عیشة راضیة اسناد مجازی ہے سبب کی طرف کیونکہ خوشنودی کا سبب عیش ہے یا یہ حکم نسبت کے لئے ہے یا بمعنی مفعول ہے۔

خفت موازینه نیکیوں کے کم ہونے کی وجہ سے جب پلہ ہلکا ہوگا۔ تو حسنات بالکل نہ ہونے کی صورت میں بدرجۂ موزوں ہلکا ہوگا۔ ممکن ہے کہ اس پر یہ شبہ ہو کہ مؤمن کے گناہ اگر غالب ہوں گے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہونا لازم آتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس سے خلود ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ گناہوں کی سزا کے بعد پھر انہیں جہنم سے نکال کر ایمان کی وجہ سے جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور بعض حضرات نے موازین کے ہلکا ہونے سے ان کا بالکل خالی ہونا مراد لیا ہے یعنی کافر مراد ہیں جن کے پاس نہ ایمان ہوگا اور نہ اعمال صالحہ۔ اسی طرح پہلی آیت میں کامل مؤمنین کا اور اس آیت میں کافر کا بیان ہے۔ رہ گئے وہ لوگ جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں۔ ان کے لئے آسان حساب ہوگا۔ البتہ جس مؤمن کے گناہ نیکیوں سے زیادہ ہوں گے وہ اللہ کی مرضی پر ہوں گے۔ چاہے وہ معاف فرما دے اور چاہے تو بقدر جرم سزا دیدے اور پھر جنت میں داخل کر دے اور جن کی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہ بے حساب جنت میں جائیں گے۔

فامه هاویه جہنم کے ناموں سے ھاویہ بھی ہے جیسا کہ نار حامیه سے مفہوم ہو رہا ہے۔ مفسرؒ نے ام کا ترجمہ مسکن کے ساتھ کیا ہے، ماں کی گود بچہ کے لئے مسکن بھی ہوتی ہے۔

ربط آیات: .... سورۃ القارعة میں بھی مجازات ہی کا بیان ہے۔ چنانچہ اس کا زمانہ نزول بھی مکہ معظمہ میں اسلام کا ابتدائی دور ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

روایات: .... فمن ثقلت موازینه عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهم انه میزان له لسان و کفتان لا یوزن فیه الا الاعمال ۔ چنانچہ علاءؒ فرماتے ہیں کہ میزان میں صحائف اعمال رکھ کر تولے جائیں گے پھر ان صحائف سے اعمال کے زیادہ کم ہونے کا

اندازہ کیا جائے گا۔ یا اعمال یہاں جو اعراض ہوتے ہیں۔ آخرت میں اعیان وجواہرات کی صورت اختیار کرلیں گے۔ پھران جواہر کا وزن ہو جائے گا۔ جن کے اچھے اعمال کا وزن زیادہ ہوگا وہ اصحاب العیش ہوں گے، یعنی مؤمن اور جن کے اعمال کے غلبہ کی وجہ سے اچھے اعمال کا وزن بالکل نہیں ہوگا۔ یا ہوگا مگر کم وہ دوزخی ہوں گے یعنی کافر۔

﴿ تشریح ﴾: .... القارعة قیامت مراد ہے جو دلوں کو سخت گھبراہٹ سے اور کانوں کو اپنے کڑاکے سے کھڑکھڑا ڈالے گی حاصل یہ ہے کہ اس حادثہ عظیمہ کا ہولناک منظر نا قابل بیان ہے۔ تاہم اس کے کچھ آثار بیان کئے جارہے ہیں۔ جن سے اس کی شدت کا قدرے اندازہ ہو سکے گا۔ کالفراش المبثوث یعنی پروانوں کی طرح ہر آدمی پریشان اور سرگرداں پھرتا ہوگا۔ جسے کسی سمت ہی کا پتہ نہیں ہوگا۔ ضعف وکثرت، حیرانی وسرگردانی میں پروانوں کے ساتھ تشبیہ مقصود ہے۔ یہ قیامت کے پہلے مرحلہ کا بیان ہے جب سارا نظام عالم درہم برہم ہوکر رہ جائے گا۔ اور لوگ پروانوں کی طرح تتر بتر ہوکر پھریں گے اور رنگ برنگ کی دھنی ہوئی روئی کی طرح پہاڑ ہر طرف اڑتے پھریں گے۔ جن کے رنگ مختلف ہوں گے۔ ومن الجبال جدد بيض وحمر مختلف الوانها وغرابيب سود.

وزن اعمال: .... فامامن ثقلت موازينه میزان اور موزون دونوں کی جمع آئی ہے۔ اگر میزان کی جمع ہے تب تو مطلب یہ ہوگا کہ جس کے ایمان وعمل کا پلہ بھاری ہوگا وہ عیش میں ہوگا اور جس کے ایمان وعمل کا پلہ ہلکا ہوگا وہ دوزخی ہوگا۔ لیکن اگر موازین موزون کی جمع ہے جس سے مراد ایمان وعمل ہوں گے۔ تب بھی مدعا وہی رہتا ہے۔ بہرحال اعمال کا وزن ایمان واخلاص کی نسبت سے ہوگا۔ دیکھنے میں کوئی کتنا ہی بڑا عمل ہو۔ مگر اس میں اخلاص کی روح نہ ہو تو اللہ کے یہاں اس کا کچھ وزن نہیں ہے۔ اللہ کی عدالت میں فیصلہ اسی بنیاد پر ہوگا۔ کہ آدمی اعمال کی جو پونجی لے کر آیا ہے، وہ وزنی ہے یا بے وزن یا اس کی بھلائیوں کا وزن اس کی برائیوں کے وزن سے زیادہ ہے یا کم کفر اور حق سے انکار بجائے خود اتنی بڑی برائی ہے کہ وہ برائیوں کے پلڑے کو لازما جھکا دے گی۔ اور کافر کی کوئی نیکی ایسی نہ ہوگی کہ بھلائیوں کے پلڑے میں اس کا کوئی وزن ہو۔ جس سے اس کی نیکی کا پلڑا جھک سکے۔ البتہ مؤمن کے پلڑے میں ایمان کا وزن بھی ہوگا اور اس کے ساتھ ان نیکیوں کا وزن بھی ہوگا جو دنیا میں اس نے کیں۔ دوسری طرف اس کی جو بدی بھی ہوگی۔ وہ بدی کے پلڑے میں رکھ دی جائے گی۔ پھر دیکھا جائے گا کہ آیا نیکی کا پلہ جھکا ہوا ہے یا بدی کا۔

امه هاوية. ام کے معنی اصل جڑ اور ماں کے آتے ہیں اور هاويه کے معنی گڑھے کے ہیں۔ پس جس طرح ماں کی گود بچہ کا ٹھکانہ ہوتی ہے۔ اسی طرح آگ کا یہ گڑھا دوزخیوں کا ٹھکانہ ہوگا۔ جس میں انتہائی تیز تپش ہوگی۔ وزن اعمال کی بحث پہلے ہی گزر چکی ہے اور سائنسی ایجادات نے موزوں اعمال کا سمجھنا بہت سہل کردیا ہے۔

فضائل سورت: .... من قرء سورة القارعة ثقل الله له ميزانه يوم القيامة ۔ جو شخص سورۃ القارعہ پڑھے گا۔ اللہ اس کے پلہ کو قیامت میں بھاری رکھے گا۔

لطائف سلوک: .... فامامن ثقلت ظاہر نصوص سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود اعمال تولے جائیں گے اور چونکہ عادۃً وزن، جواہر واعیان کا ہوتا ہے۔ اس لئے کہا جائے گا کہ بظاہر اعراض کو آخرت میں ایمان میں تبدیل کردیا جائے گا۔ جس استحالہ کو فلاسفہ محال کہتے ہیں۔ وہ وجوب وامکان وامتناع تینوں کے حقائق میں محال ہے۔ لیکن آگ، ہوا، پانی، مٹی ان عناصر میں باہمی استحالہ محال نہیں ہے بلکہ فلاسفہ اس کو مشاہد مانتے ہیں۔

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ ثَمَانُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْهٰكُمُ شَغَلَكُمْ عَنْ طَاعَةِ اللّٰهِ **التَّكَاثُرُ**﴿۱﴾ التَّفَاخُرُ بِالْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَالرِّجَالِ **حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ**﴿۲﴾ بِاَنْ مُتُّمْ فَدُفِنْتُمْ فِيْهَا اَوْعَدَدْتُّمُ الْمَوْتٰى تَكَاثُرًا **كَلَّا** رَدْعٌ **سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ**﴿۳﴾ **ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ**﴿۴﴾ سُوْءَ عَاقِبَةِ تَفَاخُرِكُمْ عِنْدَ النَّزْعِ ثُمَّ فِي الْقَبْرِ **كَلَّا** حَقًّا **لَوْتَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ**﴿۵﴾ اَيْ عِلْمًا يَقِيْنًا عَاقِبَةَ التَّفَاخُرِ مَا اشْتَغَلْتُمْ بِهٖ **لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ**﴿۶﴾ النَّارَ جَوَابُ الْقَسَمِ مَحْذُوْفٌ وَحُذِفَ مِنْهُ لَامُ الْفِعْلِ وَعَيْنُهٗ وَاُلْقِيَ حَرَكَتُهَا عَلَى الرَّاءِ **ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا** تَاكِيْدٌ **عَيْنَ الْيَقِيْنِ**﴿۷﴾ مَصْدَرٌ لِاَنَّ رَاٰى وَعَايَنَ بِمَعْنًى وَاحِدٍ **ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ** حُذِفَ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِيَ النُّوْنَاتِ وَوَاوُ الضَّمِيْرِ الْجَمْعِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ **يَوْمَئِذٍ** يَوْمَ رُؤْيَتِهَا **عَنِ النَّعِيْمِ**﴿۸﴾ مَا يَلْتَذُّ بِهٖ فِي الدُّنْيَا مِنَ الصِّحَّةِ وَالْفَرَاغِ وَالْاَمْنِ وَالْمَطْعَمِ وَالْمَشْرَبِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ

ع ۸ ۲۷

سورۃ التکاثر مکیہ ہے جس میں آٹھ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: .... تمہیں غفلت میں ڈال رکھا ہے (اللہ کی فرمانبرداری سے ہٹا رکھا ہے) ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے (مال واولاد اور جتھہ کے گھمنڈ نے) یہاں تک کہ تم لب گور تک پہنچ جاتے ہو (مر کر زمین میں دفن ہو جاتے ہو یا فخر کرنے کی وجہ سے تم مردوں میں شمار ہونے لگو) ہرگز نہیں (ڈانٹ ہے) عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ پھر ہرگز نہیں۔ تمہیں پتہ چل جائے گا (اپنے گھمنڈ کا انجام جان کنی کے وقت پھر قبر میں جا کر) ہرگز نہیں (بالیقین) اگر تم یقینی طور پر جان لیتے (یعنی گھمنڈ کے انجام کو یقین سے جان لیتے تو ہرگز اس میں مشغول نہ ہوتے) واللہ تم ضرور دوزخ دیکھ کر رہو گے (یہ جواب ہے قسم محذوف کا۔ لترون میں لام اور عین حذف کر کے اس کی حرکت واؤ کو دے دی گئی ہے) پھر واللہ تم ضرور اس کو ضرور دیکھو گے (یہ تاکید ہے) بالکل یقین کے ساتھ (یہ مصدر ہے کیونکہ رای اور عاین دونوں لفظ ہم معنی ہیں) پھر تم لوگوں سے ضرور باز پرس ہوگی (اس میں تین نون جمع ہو جانے کی وجہ سے نون رفع کو حذف کر دیا گیا ہے اور دو ساکن اکٹھا ہو جانے کی وجہ سے ضمیر جمع کو حذف کر دیا گیا ہے) اس روز (دوزخ نظر آنے پر) نعمتوں کے متعلق (دنیا میں جن چیزوں سے تم لذت اندوز رہے یعنی تندرستی فارغ البالی، امن وامان، کھانا پینا وغیرہ)۔

تحقیق وترکیب: .... مکیة قاضی بیضاویؒ اس کو مختلف فیہ کہتے ہیں۔ یعنی ایک قول مدنی ہونے کا بھی ہے۔

الھٰکم الھی سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی غافل ہونے کے ہیں۔ الھی کے معنی کھیل کود کی طرف مائل ہونے کے بھی ہیں۔

التکاثر کثرت پر گھمنڈ کرنا۔

حتی زرتم المقابر مقابر جمع ہے مقبرہ کی۔ مفسرؒ علام نے زیارت قبور کے دو معنی لئے ہیں۔ایک یہ کہ زیارت قبر کنایہ ہے موت سے بولتے ہیں زار قبرہ ای مات و دفن حاصل یہ ہے کہ تم دنیا میں منہمک رہتے ہو۔ یہاں تک کہ تمہیں موت آجاتی ہے۔اس پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ زیارت تو ایک ساعت میں ختم ہو جاتی ہے۔لیکن قبروں میں رہنا صدیوں اور قرنہا قرن ہوتا ہے۔ کیونکہ جواب دیا جائے گا کہ قبر میں رہنا دوامی نہیں ہے۔ بلکہ وہاں سے حساب کتاب کی طرف منتقل ہونا ہوگا۔اور وہ اتنی طویل مدت ہوگی۔ کہ قبر میں رہنا اس کے آگے زیارت ہی کا درجہ رکھتا ہے۔اس جملہ کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ تم تفاخر میں مبتلا رہتے ہو۔تا آنکہ قبروں میں جا کر تفاخر کرتے ہو۔یعنی تمہارے تفاخر وتکاثر کا سلسلہ قبرستان میں بھی جاری رہتا ہے۔قبرستان میں زیارت قبور کا منشاء تو عبرت وموعظت ہونا چاہئے۔مگر تم وہاں بھی اظہار فخر کے لئے جاتے ہو۔آرائش وزینت کرتے ہو۔گویا مقصود کے برعکس کرتے ہو اس صورت میں۔حتیٰ غایت کے لئے نہیں ہوگا۔ بلکہ سبب کے لئے ہوگا، جیسے اسلمت حتی ادخل الجنۃ حاصل یہ ہے کہ زیارت قبور بجائے نصیحت کے استغراق دنیا کا ذریعہ بناتے ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ زیارت قبور مستحسن چیز ہے۔مگر تمہارے رویہ پر تعجب ہے۔مانا کے قبرستان میں تمہارے مردے زیادہ ہیں۔جس سے تمہاری کثرت معلوم ہوتی ہے۔مگر تمہیں اس سے کیا حاصل؟ دنیا میں انہماک کی وجہ سے کسی چیز کو چھوڑ رہے ہو؟ یعنی دین کی طرف توجہ مگر اس کو تعظیم شان کے لئے عبارت سے حذف کر دیا ہے۔اور بعض نے یہ مطلب لیا ہے کہ تم مال واولاد کی کثرت کے پیچھے اپنی عمریں ضائع کر دیتے ہو۔ یہاں تک کہ تمہیں موت آجاتی ہے۔

کــــــلا اس پر تنبیہ کرنی ہے کہ دنیائے فانی پر تمام تر اپنی توجہ صرف کر دینا عاقل کی شان سے بعید ہے۔ کیونکہ سوائے حسرت وندامت کے اس کا کچھ انجام نہیں ہے۔

ثم کلا اس سے پہلے کلا کی تاکید مقصود ہے۔اور ثم سے اشارہ ہے کہ دوسرا کلا پہلے کلا سے ابلغ ہے۔یا پہلی تنبیہ موت کے وقت یا قبر میں اور دوسری تنبیہ حشر ونشر کے وقت ہوگی۔

لو تعلمون اس کا مفعول محذوف ہے ای عاقبۃ التفاخر ما اشغلتم لو کا جواب محذوف ہے۔**لترون الجحیم** لو کا جواب نہیں ہے کیونکہ یہ محقق الوقوع ہے۔ بلکہ یہ قسم محذوف کا جواب ہے۔جس سے وعید کی تاکید اور ڈرانے کی وضاحت کرنی ہے۔ ابن عامرؒ اور کسائیؒ ضمہ تا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

ثم لترونہا یہ پہلے جملے کی تاکید ہے یا پہلے کا تعلق اس وقت سے ہے۔ جب جہنم دور سے دکھائی دے گی اور دوسرے دیکھنے کا تعلق دوزخ میں داخل ہونے سے ہے یا پہلے سے دوزخ کا علم ومعرفت اور دوسرے سے اس کا نظر آجانا مراد ہے۔

عین الیقین یعنی ایسا دیکھنا جو عین یقین ہو علم الیقین سے اعلیٰ مرتبہ ہے اور پھر اس سے اوپر حق الیقین کا درجہ ہوتا ہے۔اس طرح یقین کے تین مراتب ہوئے۔اول علم الیقین، پھر عین الیقین یعنی ایسا دیکھنا جو عین یقین ہو جو علم الیقین سے اعلیٰ مرتبہ ہے اور پھر حق الیقین عن النعیم یعنی ان نعمتوں کے متعلق باز پرس ہوگی۔جنہوں نے انسان کو لہو ولعب میں ڈال رکھا تھا اور اس جملہ میں ان لوگوں کو خطاب خاص ہے جو دنیا میں مشغول ہو کر آخرت سے غافل ہیں۔اول تو قرائن اس خصوصیت کی دلیل ہیں۔ نیز دوسری آیات بھی اس کی دلیل ہیں۔چنانچہ کہیں ارشاد ہے من حرم زینۃ اللہ اور کہیں کلوا من الطیبات فرمایا گیا ہے۔جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عام نعمتیں ممنوع نہیں ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ تمام نعمتوں کے بارے میں ہے اور سب سے پوچھا جائے گا۔کہ تم نے نعمتوں کا شکریہ ادا کیا یا نہیں؟ اور بعض نے فرمایا ہے کہ یہ آیت کفار کے ساتھ خاص ہے، یعنی ان سے پوچھ گچھ ہوگی۔

ربط آیات: .... سورۂ والضحیٰ کی تمہید میں جن مہمات کا ذکر ہے ان میں سے دنیا کے انہماک اور آخرت کی غفلت کو چھوڑنا بھی ہے۔ سورۂ التکاثر میں اسی کا بیان ہے اور وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات: .... ابوحیان، شوکانی، علامہ سیوطیؒ اس سورت کو مکی کہتے ہیں اور بعض روایات کی وجہ سے اس کو مدنی کہا گیا ہے۔ چنانچہ ابوہریرہؓ کی روایت ہے ان بنی عبد مناف وبنی سهم تفاخروا بالكثرة فكثرهم بنو عبد مناف فقال بنى سهم ان البغى اهلكنا فى الجاهلية فعادونا بالاحياء والاموات فكثرهم بنو سهم۔ دونوں قبیلوں نے پہلے اپنے زندہ آدمیوں کے مفاخر بیان کئے۔ پھر قبرستان جا کر اپنے مرے ہوئے لوگوں کے مفاخر پیش کئے۔ اس پر آیات نازل ہوئیں۔ مگر صحابہؓ اور تابعینؒ کا طریقہ شان نزول کے سلسلہ میں توسع کا تھا۔ اس کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ واقعہ کے ساتھ تحدید مقصود نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ آیات اس واقعہ پر چسپاں ہیں۔ اسی طرح حدیث لو ان لابن ادم واديين من مال لتمنى واديا ثالثا ولا يملاء جوف ابن ادم الا التراب کے متعلق حضرت ابی ابن کعبؓ کے اس زمانہ سے کہ ہم اس حدیث کو قرآن سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ سورۃ التکاثر نازل ہوئی۔ سورۃ التکاثر کے مدنی ہونے کی دلیل سمجھنا محض اس بنیاد پر کہ وہ مدینہ میں مسلمان ہوئے ہیں مضبوط بنیاد نہیں ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں جو حضرات اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ جب انہوں نے پہلی مرتبہ حضورؐ کی زبان مبارک سے یہ سورت سنی تو یہ سمجھے ہوں گے کہ یہ سورت ابھی نازل ہوئی ہے اور حضورؐ کے ارشاد کے متعلق ان کو یہ خیال ہوا کہ وہ اس سورت سے ماخوذ ہے۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے ارشاد کہ "ہم عذاب قبر کے متعلق برابر شک میں پڑے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ سورۃ التکاثر نازل ہوئی" سے یہ نکالنا کہ سورۃ مدنی ہے۔ کیونکہ عذاب قبر کا ذکر مدینہ میں ہوا ہے مکہ میں نہیں ہوا۔ درست نہیں ہے آخر مکی سورتوں میں کتنی جگہ عذاب قبر کا تذکرہ آیا ہے۔ جن میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس صورت میں حضرت علیؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ ان سورتوں سے پہلے تکاثر نازل ہو چکی تھی۔ اس سے عذاب قبر کے متعلق صحابہؓ کا شک دور ہو گیا تھا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ان روایات کے باوجود مفسرین کی بڑی اکثریت اس کے مکی ہونے کی قائل ہے۔ چنانچہ مضمون کلام اور انداز بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

﴿ **تشریح** ﴾: .... الهٰكم کسی غیر ضروری شغل میں اس درجہ مصروف ہو جانا کہ ضروری چیزیں فوت ہو جائیں لہو کہلاتا ہے اور الهٰكم کے یہ معنی ہیں کہ تم فضول کام کی دھن میں ایسے گھر گئے ہو کہ تمہیں ضروریات کا ہوش ہی نہیں رہا۔

فخر ومباہات کا انجام: .... اور تکاثر کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مطلق کثرت حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ دوسرے یہ کہ ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی فکر کرنا اور یہ کہ میں دوسروں سے بڑھ جاؤں۔ تیسرے یہ کہ ایک دوسرے سے فخر جتلانے میں مقابلہ آرائی کرنا۔ یہ سب صورتیں تکاثر میں داخل ہیں۔ بس اس جملہ کا مطلب عام ہے کہ مال واولاد کی کثرت اور دنیا کے ساز وسامان کی طمع آدمی کو غفلت میں پھنسائے رکھتی ہے۔ نہ اللہ کی طرف دھیان جاتا ہے اور نہ آخرت کی فکر ہوتی ہے۔ دن رات یہی دھن رہتی ہے کہ جس طرح بن پڑے مال ودولت کی بہتات ہو۔ اور میرا کنبہ اور جتھہ سارے کنبوں اور جتھوں سے غالب رہے۔ غفلت کا یہ پردہ پڑا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ موت آ جاتی ہے۔ نہ اخلاقی حدود کا خیال آتا ہے۔ نہ ذمہ داریوں کا احساس رہتا ہے، نہ حقداروں کے حقوق کی ادائیگی کی فکر ہوتی ہے، نہ اس کا دکھ ہوتا ہے کہ ہماری ان حرکتوں سے انسانیت کا معیار گر رہا ہے۔ نہ آخرت کا غم، نہ خدا کی محبت وخشیت۔ بس ہر وقت یہی نشہ سوار ہے کہ میں کسی سے پیچھے نہ رہ جاؤں اشخاص وافراد ہوں یا جماعت اور قوم سب پر یہی دھن سوار

ہے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ دولت ملے۔ انہیں زیادہ سے زیادہ جسمانی لذتیں اور سامان عیش وعشرت مہیا ہوں۔ اس ہوشر با جذبہ میں ڈوب کر وہ قطعا اس سے غافل ہیں کہ اس روش کا انجام کیا ہے۔ انہیں زیادہ سے زیادہ طاقت اور شوکت چاہئے۔ زیادہ سے زیادہ فوجیں اور ہتھیار چاہئیں اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی دوڑ برابر جاری ہے۔ انہیں اس کی فکر نہیں کہ یہ سب خدا کی زمین کو ظلم سے بھر دینے اور انسانیت کو تباہ و برباد کر دینے کا سامان ہے۔ حدیث میں ہے عن مطرف عن ابیه قال اتیت النبی صلی الله علیه وسلم وهو یقرأ الهکم التکاثر قال یقول ابن ادم مالی مالی قال وهل لك یا ابن ادم الا ماا کلت فافنیت اولبست فابلیت او تصدقت فامضیت وعن ابی هریرةؓ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال یقول العبد مالی وان ماله من ماله ثلث ما اکل فافنی او لبس فابلی او اعطی فاقتنی وما سوی ذلك فهو ذاهب وتارکه للناس عن انس بن مالكؓ، یقول قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یتبع المیت ثلثة فیرجع اثنان ویبقی معه واحد یتبعه اهله وماله وعمله فیرجع اهله وماله ویبقی عمله۔ حاصل یہ ہے کہ تکاثر کی بے شمار صورتیں ہیں۔ جنہوں نے اشخاص اور قوموں کو اپنے اندر ایسا مشغول کر رکھا ہے کہ انہیں دنیا اور اس کے فائدوں اور لذتوں سے بالآخر کسی چیز کا ہوش نہیں رہا۔ حدیث میں بالکل سچ فرمایا گیا ہے کہ انسان بوڑھا ہو جاتا ہے۔ مگر دو خصلتیں اس میں جوان ہو جاتی ہیں۔ ایک حرص اور دوسری لمبی امیدیں دونوں کا سلسلہ لا متناہی رہتا ہے۔ یہاں تک کہ موت آجاتی ہے۔ تب قبر میں پہنچ کر پتہ لگتا ہے کہ دنیا میں ہم بڑی بھول اور غفلت میں پڑے رہے۔ وہ چند روزہ چہل پہل تھی۔ اب مرنے کے بعد نظر آ رہا ہے۔ کہ یہ سب سامان وبال جان تھے۔ اور دو قبیلوں کی روایت کو پیش نظر رکھا جائے۔ تب تو متکاثر کی حماقت وجہالت سے لبریز ایک اور بھی گھناؤنی صورت نکل آتی ہے۔ انسان گڑے مردوں کی کثرت پر بھی گھمنڈ کرنے لگے اور یہ کہہ کر قبریں گننے لگے کہ دیکھو ہمارا جتھہ کتنا زیادہ ہے اور ہم میں کیسے کیسے نامور گزرے ہیں کوئی حد ہے اس جہالت وبلادت کی۔

کلا سوف تعلمون یعنی مرتے ہی تمہیں جلد ہی پتہ چل جائے گا۔ کہ مال واولاد کی بہتات اور سامان عیش کی فراوانی کچھ کام آنے والی نہیں ہے۔ تمہیں بار بار متنبہ کیا جا رہا ہے کہ فانی اور زائل چیزیں ہرگز لائق فخر ومباہات نہیں۔ تمہیں کس قدر غلط فہمی ہے کہ دنیا کی یہ کثرت اور ایک دوسرے سے بازی لے جانا ہی ترقی اور کامیابی ہے۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمہاری یہ کتنی بڑی بھول تھی جس میں تم ساری عمر مبتلا رہے۔ پھر سمجھ لو کہ آخرت ایسی چیز نہیں جس کا انکار کیا جائے یا اس سے غفلت برتی جائے۔ آگے چل کر بہت جلد کھل جائے گا کہ اصلی عیش وآرام آخرت کا ہے اور چین کی زندگی وہیں کی ہے اور دنیا کی زندگی اس زندگی کے مقابلہ میں ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ اگرچہ بعض لوگوں کو دنیا میں تھوڑی بہت یہ حقیقت کھل جاتی ہے۔ لیکن قبر میں پہنچ کر سب کو پوری حقیقت کھل جائے گی۔ اور قریب سے مراد آخرت بھی ہو سکتی ہے۔ وہ اگرچہ ہمارے لحاظ سے بہت دور ہے۔ مگر جس ہستی کی نگاہ ازل سے ابد تک تمام زمانوں تک حاوی ہو اس کے لئے کروڑوں سال بھی پورے زمانہ کا ایک چھوٹا سا حصہ ہیں۔

انسان دلائل سے آنکھیں بند کئے رہتا ہے: .... **کلا لو تعلمون** یعنی تمہارا خیال یہ بھی صحیح نہیں کہ اگر تمہیں قطعی دلائل سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کے سب سامان ہیچ ہیں۔ تم ہرگز غفلت میں نہ پڑتے۔ کیونکہ دلائل قطعیہ تو ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ مگر جب تم دیکھنے کا ارادہ ہی نہ کرو۔ تو تمہیں کہاں نظر آئیں گے۔

ثم لترونها اس غفلت اور انکار کا نتیجہ دوزخ ہے۔ وہ تمہیں ضرور دیکھنا پڑے گا۔ جس کا اثر برزخ میں سامنے آجائے گا۔ پھر آخرت میں تو کھلی آنکھوں دیکھ کر پورا یقین حاصل ہو جائے گا۔ یعنی آخرت میں یقین استدلالی نہیں ہوگا کہ وہ کبھی دیر میں بھی حاصل ہو جاتا ہے بلکہ مشاہدہ کا یقین ہوتا ہے۔ اسی لئے بذات خود دیکھنے کو یقین فرمایا۔ حالانکہ دیکھنا یقین کا سبب ہوتا ہے۔

ثم لتسئلن یعنی اس وقت کہا جائے گا۔ کہ اب بتلاؤ دنیا کے عیش و آرام کی کیا حقیقت ہے یا اس وقت اس پر جواب بھی ہوگا۔ کہ دنیا میں تمہیں جو ہر قسم کی ظاہری و باطنی، آفاقی و انفسی، جسمانی، روحانی نعمتیں عطا کی گئی تھیں تم نے ان کا کیا حق ادا کیا۔ اور منعم حقیقی کو کہاں تک خوش رکھنے کی کوشش کی؟ ثم کا یہ مطلب نہیں کہ دوزخ میں ڈالے جانے کے بعد یہ پوچھ گچھ ہوگی۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ پھر ہم تمہیں یہ بھی بتلائے دیتے ہیں کہ ان نعمتوں کے بارے میں ضرور سوال کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ عدالت الٰہی میں یہ سوال حساب کتاب کے وقت ہوگا۔

نعمتوں کی پرسش سب سے ہوگی: .... اور احادیث کی رو سے یہ سوال مؤمن و کافر سب سے ہی ہوگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ مؤمن جواب دہی میں کامیاب اور کافر ناکام رہیں گے۔ پس اس صورت میں ثم ترقی کے لئے ہے کہ جب اچھے لوگوں سے سوال ہوگا جنہیں ان کا ضرر بھی نہیں تو مجرمین سے کیوں نہیں پوچھا جائے گا۔ جب کہ اس پر ان کا ضرر بھی مرتب ہونے والا ہے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے اور ہم نے آپ کی خدمت میں تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی پیش کیا۔ آپ نے نوش فرما کر لتسئلن یومئذ عن النعیم آیت پڑھی۔ اسی طرح ابوھریرہؓ کا بیان ہے کہ آپ نے ابوبکرؓ وعمرؓ سے فرمایا۔ کہ ابوالہیثم انصاری کے یہاں چلیں۔ چنانچہ تینوں حضرات ان کے باغ میں پہنچے تو انہوں نے کھجوروں کا ایک خوشہ لا کر سامنے کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم کھجوریں کیوں نہ توڑ لائے؟ عرض کیا کہ آپ حسب منشاء خود چھانٹ کر نوش فرمالیں۔ کھجوریں کھا کر اور ٹھنڈا پانی نوش فرما کر ارشاد ہوا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یہ ٹھنڈا سایہ، یہ ٹھنڈی کھجوریں، یہ ٹھنڈا پانی ان نعمتوں میں سے ہے جن کے بارے میں قیامت کے دن جواب دہی کرنی ہوگی۔ ان روایات سے واضح ہوا کہ مؤمنین سے بھی نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں انسان پر براہ راست ہیں وہ تو ان گنت ہیں ہی۔ بہت سی نعمتیں تو وہ بھی ہے جو بالواسطہ اور مخفی ہیں۔ انسان کو اس کی خبر ہی نہیں۔ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا پھر بہت سی وہ نعمتیں ہیں جن میں انسان کے کسب کو بھی دخل ہے۔ ان کے بارے میں یہ جواب دہی بھی کرنی ہوگی۔ کہ یہ کن طریقوں سے اس نے حاصل کی ہیں۔ پھر کہاں کہاں ان کو صرف کیا اور کتنا خرچ کیا؟ وغیرہ وغیرہ۔

خلاصۂ کلام: .... دنیا کے مال و دولت، اولاد اور خویش و اقارب اور جاہ و اقتدار کے پیچھے انسان جو اندھا دھند بھاگ رہا ہے اور ایک دوسرے پر بازی لے جانے کے لئے سرپٹ دوڑ رہا ہے اور پیچھے مڑ کر دیکھتا نہیں۔ بلکہ الٹا اس ترقی پر فخر کرتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ میرا کوئی مالک بھی ہے۔ مجھے حساب و کتاب کے لئے اسکے پاس پیش ہونا بھی ہے؟ اس سورت میں اس غفلت و بے ہوشی کے انجام بد سے لوگوں کو متنبہ اور آگاہ کیا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب انسان اس غفلت کا نتیجہ کھلی آنکھوں دیکھ لے گا۔ اور جن نعمتوں میں یہاں کھوئے ہوئے ہو۔ ان میں سے ایک ایک کے بارے میں مکمل باز پرس ہوگی۔ کہ تم نے اس کا کچھ حق ادا بھی کیا ہے یا نہیں؟ اس بات کا خیال کرو کہ اگر تمہیں جواب نہ آیا تو کیا ہوگا؟۔

فضائل سورت: .... من قرء الھکم لم یحاسبہ اللّٰہ بالنعیم الذی انعم بہ علیہ فی دار الدنیا واعطی من الاجر کانما قرء الف ایۃ ۔ جو شخص سورۂ الھکم پڑھے گا۔ اس سے اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کا حساب نہیں لے گا۔ جو اس نے اس پر دنیا میں کی ہیں اور ایک ہزار آیات پڑھنے کا اس کو ثواب عطا فرمائیں گے۔

لطائف سلوک: .... الھکم التکاثر تفاخر و مباہات کی برائی اس میں منصوص ہے۔

سُوْرَةُ الْعَصْرِ

سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ ايَاتٍ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ الْعَصْرِ ﴿١﴾ اَلدَّهْرِ اَوْ مَا بَعْدَ الزَّوَالِ اِلَى الْغُرُوْبِ اَوْ صَلٰوةُ الْعَصْرِ **اِنَّ الْاِنْسَانَ** الْجِنْسَ **لَفِيْ خُسْرٍ ﴿٢﴾** فِيْ تِجَارَتِهٖ **اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** فَلَيْسُوْا فِيْ خُسْرَانٍ **وَتَوَاصَوْا** اَوْصٰى بَعْضُهُمْ بَعْضًا **بِالْحَقِّ** اَيِ الْاِيْمَانِ **وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿٣﴾** عَلَى الطَّاعَةِ وَعَنِ الْمَعْصِيَةِ

ع ۳ / ۲۸

سورۃ والعصر مکیہ ہے یا مدنیہ ہے جس میں تین آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ:............ زمانہ کی قسم (مطلق زمانہ مراد ہے یا زوال سے غروب آفتاب تک کا وقت اور یا نماز عصر) کہ انسان (مطلقا) بڑے خسارہ میں ہے (اپنے کاروبار کے لحاظ سے) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے (وہ ٹوٹے میں نہیں ہیں) اور ایک دوسرے کو فہمائش کرتے رہے (آپس میں نصیحت جاری رکھیں) حق (ایمان) کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے (کہ طاعت پر جمے رہیں اور گناہ سے بچتے رہیں)۔

تحقیق وترکیب:............ **والعصر** ابن عباسؓ مطلق زمانہ مراد لیتے ہیں۔ عجائبات قدرت اور کمالات حکمت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس کی قسم کھائی گئی ہے۔ اور زوال کے بعد دن ڈھلنے یا عصر کے وقت کی قسم میں یہ نکتہ ہے کہ اس وقت حضرت آدمؑ، اول انسان کی پیدائش ہوئی تھی۔ اور زمانۂ نبوت بھی مراد ہوسکتا ہے کہ اپنی عظمت کی وجہ سے لائق قسم ہے اس میں خسران کی نفی بھی تعریضا ہو جائے گی۔

ان الانسان الف لام جنس کے لئے اور خسر نکرہ تعظیم کے لئے ہے اور جنس واستغراق کا قرینہ **الا الذین** استثناء بھی ہے۔ لیکن بقول ابن عباسؓ الف لام عہد کے لئے بھی ہوسکتا ہے کہ خاص افراد مراد ہوں۔ اور خسارہ تجارت میں ہوا کرتا ہے۔ یہاں بھی انسان کی عمر رأس المال کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا زیاں سب سے بڑھ کر خسارہ ہے۔ وقت کی مثال برف کی سل جیسی ہے جو پگھلتی رہتی ہے۔ ارحموا علی من رأس ماله یذاب۔

الا الذین امنوا مؤمن خسارہ میں نہیں کیونکہ اس نے فانی کے بدلہ باقی چیز حاصل کر لی ہے۔

حق سے مراد ایمان ہے یا قرآن یا ہر خیر ہے۔ اور صبر کی تین صورتیں ہیں۔ ایک طاعت پر۔ دوسرے گناہوں سے صبر۔ تیسرے مصائب پر صبر کرنا۔ چونکہ بے صبری جزع فزع معصیت ہے۔ اس لئے مفسرؒ نے اس کو الگ شمار نہیں کیا۔ بلکہ دوسری قسم میں داخل کر رکھا ہے اور صبر اگرچہ حق میں داخل ہے۔ لیکن اہمیت کی وجہ سے اس کو الگ ذکر کیا۔ عطف خاص علی العام کے طور پر۔ یا کہا جائے کہ حق میں تو مرتبہ

عبادت ہے یعنی ایسے کام جن سے اللہ راضی ہو اور صبر میں مرتبہ عبودیت ہے۔ جس میں اللہ کے افعال سے بندہ راضی اور مطمئن رہتا ہے۔ کیونکہ صبر کا حاصل صرف اتنا ہی نہیں کہ خواہشات نفس کو روک دیا جائے۔ بلکہ افعال الٰہی کو دل سے قبول کر لینا بھی ہے۔ پس یہ آیت حق اللہ اور حق العبد کی جامع ہوگئی۔

ربط آیات: .... سورۂ والضحیٰ میں جن مہمات کا ذکر ہوا۔ ان میں عمر کو بربادی سے بچانا اور اعمال وطاعات میں صرف کرنا بھی ہے۔ اس سورۂ عصر میں اسی کا بیان ہے اور بعض مفسرین مجاہدؒ، قتادہؒ، مقاتلؒ اگر چہ اس سورت کو مدنی کہتے ہیں لیکن مفسرین کی بڑی اکثریت اسے مکی مانتی ہے۔ اس کا مضمون بھی یہی بتلا رہا ہے کہ مکہ کے ابتدائی دور سے اس کا تعلق ہے۔ جب کہ مختصر بول اور دلنشین فقروں میں اسلامی افکار پیش کئے جاتے تھے۔ جو حافظوں میں مرتسم ہو کر زبان زد ہو جائیں وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات: .... ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انسان سے مخصوص افراد مراد ہیں۔ جیسے ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن المطلب اور بقول مقاتلؒ ابولہب مراد ہے اور مرفوع روایات میں ابوجہل کا نام آیا ہے۔ ان کا کہنا یہ تھا۔ ان محمدا لفی خسر اس کی تردید میں یہ آیات آئیں۔

﴿تشریح﴾: .... **والعصر** زمانہ کی قسم کھائی جس میں خود انسان کی عمر بھی داخل ہے۔ جو کمالات اور سعادات حاصل کرنے کے لئے ایک متاع گراں مایہ ہے۔ زمانہ اور وقت ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ "گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں" اسی کے لحاظ سے نعمتوں کی قدر ومنزلت اور ان میں باہمی فرق مراتب رہتا ہے۔ کسی حکیم نے کیسی حکیمانہ بات کہی ہے۔ لذة الطعام ساعة ولذة اللباس یوما ولذة المرأة شهرا ولذة الدار دهرا اگر چہ دہر بھی دنیا کی طرح ناپائیدار ہے۔ اصل دار القرار اور دار الخلد تو آخرت ہے۔

زمانہ کا ہے؟ .... زمانہ کی حقیقت کیا ہے؟ عقلاء اور فلاسفہ میں اک معرکۃ الآراء نزاعی بحث اس میں شروع ہوگئی ہے عام طور پر فلک الافلاک کی مقدار حرکت کو زمانہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہمارے بعض اکابر محققینؒ کی رائے ہے کہ افعال الٰہی کی مقدار کا نام زمانہ ہے۔ کچھ بھی ہو اس کا جو حصہ سامنے سے ہٹ جاتا ہے۔ اسے ماضی اور جو ابھی سامنے نہیں آیا ہوتا اس کو استقبال کہتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان جو نا معلوم حصہ سامنے آتا ہے اس وقت کو حال کہتے ہیں۔ گویا ماضی و مستقبل تو موجود رہتے ہی نہیں۔ لیکن حال بھی برائے نام ہی موجود ہوتا ہے۔ یہاں چونکہ مطلق زمانہ کی قسم کھائی گئی ہے۔ اس لئے دونوں طرح کے زمانے اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ گزرے ہوئے زمانہ کی قسم کھانے کے معنی یہ ہیں کہ انسانی تاریخ اس کی شاہد ہے کہ جو لوگ بھی ان خوبیوں سے خالی تھے جو اس سورت میں بیان کی گئی ہیں۔ وہ ٹوٹے میں رہے۔ ہم جو کچھ اچھا یا برا کام کرتے ہیں سب کچھ اسی محدود وقت میں ہوتا ہے جو دنیا میں ہمیں دیا گیا ہے۔ اگر غور کریں تو ہمیں نظر آئے گا کہ ہمارا اصل سرمایہ یعنی وقت بڑی تیزی سے گذر رہا ہے۔

زندگی کی مثال برف جیسی ہے: .... چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں سورۂ عصر کا مطلب ایک برف فروش سے سمجھا۔ جو بازار میں آواز لگا رہا تھا کہ اس شخص پر رحم کرو جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے۔ اس شخص پر رحم کرو جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے۔ تب میری سمجھ میں **والعصر ان الانسان لفی خسر** کا مطلب آ گیا۔ واقعی عصر کی جو مدت انسان کو دی گئی وہ برف کی طرح تیزی سے پگھلتی جا رہی ہے۔ اس کو بے کار و برباد کرنا اور فضول کاموں میں لگا دینا یہی انسان کا خسارہ ہے۔ غرض ماضی کی قسم کھانے کا ماحصل یہ

ہوا کہ تیز رفتار زمانہ بشارت دے رہا ہے کہ جو انسان ان خوبیوں سے محروم ہوکر وقت بتا رہا ہے وہ خسارہ میں ہے۔ ہاں! جو لوگ ان چاروں خوبیوں سے متصف ہیں ان کا وقت نفع بخش گزر رہا ہے۔ **والعصر** میں خاص زمانہ یعنی نماز عصر کا بھی وقت ہوسکتا ہے۔ جو کاروبار کی انتہائی مشغولیت کا ہوتا ہے۔ اور شرعی لحاظ سے بھی اس کی اہمیت بھی حدیث میں ہے۔ کہ جس کی نماز عصر چھوٹ گئی۔ گویا اس کا گھر بار لٹ گیا۔ یا پیغمبر اعظم کی رسالت عظمٰی اور خلافت کبریٰ کا زمانہ مراد ہو۔ جس میں نور نبوت بڑی آب و تاب سے چمکا۔ ان خاص اوقات کی قسم کھائی گئی ہے۔ انسان کا لفظ یہاں اسم جنس کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ جس کا اطلاق، افراد، گروہ، قوم پوری نوع انسانی پر یکساں ہوگا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے کہ زہر انسان کے لئے مہلک ہے۔ یعنی خواہ اس کو ایک فرد کھائے یا پوری قوم یا ساری دنیا کے انسان مل کر زہر کھائیں۔ زہر بہر حال مہلک ہے۔ اس کی یہ خاصیت اپنی جگہ اٹل ہے۔ اسی طرح کہا جائے گا کہ جس انسان میں یہ چار باتیں نہ ہوں وہ فی الواقع خسارہ میں ہے۔ اس کلی ضابطہ میں اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ کوئی ان صفات سے خالی ہو۔ یا کسی قوم کے افراد یا دنیا بھر کے انسانوں نے کفر، بدعملی اور ایک دوسرے کو باطل پر آمادہ کرنے اور بے صبری کی تلقین کرنے پر اتفاق کرلیا ہے

زندگی کا نفع نقصان: .... بلحاظ لغت اگر چہ خسران نفع کے مقابلہ میں آتا ہے جو کاروباری اصطلاح ہے۔ لیکن قرآن کی اصطلاح میں خسران فلاح کی ضد ہے۔ پس جیسے فلاح میں صرف دنیاوی کامیابی ملحوظ نہیں بلکہ فلاح کا تصور عام ہے۔ دنیاوی اور دینی کامیابی۔ اسی طرح خسران کا مفہوم بھی عام ہی ہوگا۔ یعنی دونوں جہاں کی ناکامی لہٰذا جو انسان ان چاروں صفات سے خالی ہوگا وہی حقیقی خسران میں ہے۔ اس سے بڑھ کر ٹوٹا کیا ہوگا کہ برف بیچنے والے کی طرح اس کی تجارت کا راس المال جسے عمر عزیز کہتے ہیں۔ دم بدم کم ہوتا جارہا ہے۔ اس رواروی میں اگر کوئی ایسا کام نہ کرلیا۔ جس سے عمر رفتہ ٹھکانے لگ جائے۔ بلکہ ایک ابدی اور غیر فانی متاع بن کر ہمیشہ کے لئے کارآمد بن جائے۔ تو پھر خسارہ کی کوئی انتہا نہیں۔ تاریخ کے جھروکہ میں دیکھئے کہ جن لوگوں نے انجام بینی سے کام نہیں لیا اور وقت کے تقاضا سے بے پرواہ ہوکر محض خیالی لذتوں میں وقت گزار دیا وہ آخر کس طرح ناکام و نامراد ہوئے۔ اس لئے انسان کو وقت کی قدر و قیمت پہچاننی چاہیئے اور عمر عزیز کو فضولیات میں برباد نہیں کرنا چاہیئے۔ خوش نصیب اور اقبال مند انسان وہی ہے جو اس عمر فانی اور ناکارہ زندگی کو باقی اور کارآمد بنانے کے لئے سعی میں لگے رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کا ذکر آگے آرہا ہے۔

زندگی کو خسران سے بچانے کے لئے چار باتیں ضروری ہیں: .... الا الذین اٰمنوا انسان کو خسارہ سے بچنے کے لئے چار باتوں کی ضرورت ہے۔

(۱) اللہ و رسول پر ایمان لانا اور ان وعدوں پر یقین رکھنا اور ہدایت و احکام کو ماننا جو دین و دنیا سے متعلق ہوں۔

(۲) اس یقین کا اثر قلب و دماغ تک محدود نہ رہے۔ بلکہ اعضاء میں بھی ظاہر ہونا چاہیئے۔ اس طرح کہ اس کی عملی زندگی اس کے ایمان قلبی کا آئینہ ہوجائے۔

(۳) محض اپنی صلاح و فلاح پر قناعت نہ کرے۔ بلکہ قوم و ملت کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے۔ دو مسلمان جب آپس میں ملیں تو ایک دوسرے کو اپنے قول و فعل سے سچے دین اور ہر معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔

(۴) ہر ایک دوسرے کو یہ نصیحت و وصیت کرتا رہے۔ کہ حق کے معاملہ میں اور شخصی اور قومی اصلاح کے سلسلہ میں جس قدر سختیاں، دشواریاں پیش آئیں۔ پورے صبر و استقامت سے برداشت کریں۔ ہرگز نیکی کے راستہ سے قدم ڈگمگانے نہ پائیں۔ جو انسان ان چار اوصاف کے جامع ہوں گے اور اپنے ساتھ دوسروں کی بھی تکمیل کریں گے۔ ان کا نام صفحات عالم پر زندہ و جاوید رہے گا۔ اور جو آثار دنیا سے جائیں گے وہ باقیات صالحات بن کر ہمیشہ ان کے اجر و ثواب کو بڑھاتے رہیں گے۔

ایمانیات: ....ایمان کا تعلق تین چیزوں سے ہے: (۱) اللہ پر ایمان لانا (۲) پیغمبر پر ایمان لانا (۳) آخرت پر ایمان لانا۔ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ذات وصفات وافعال میں نہ صرف یہ کہ اس کو ایک تسلیم کرنا۔ اس کی مکمل طور پر فرمانبرداری کا عہد کرنا۔ اور پیغمبر پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تعلیمات کو تعلیمات الٰہی سمجھنا اور اس کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت سمجھنا اس میں سب پیغمبر اور تعلیمات آ گئیں۔ وہ سب اپنے اپنے وقت میں برحق تھے۔ اب آخری طور پر ہدایت آپ کی پیروی میں مضمر ہے۔ اسی طرح آخرت ماننے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ اور جس طرح زندگی گزاری ہے اس کا پورا حساب و کتاب اللہ کو دینا ہے اور ان کے مطابق ہمیشہ کی زندگی گزارنا یہ ایمان، اخلاق و کردار کے لئے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔ جس پر ایک پاکیزہ زندگی کی عمارت قائم ہو سکتی ہے۔ ورنہ جہاں سرے سے یہ ایمان ہی موجود نہ ہو وہاں انسان کی زندگی خواہ کتنی ہی خوشنما کیوں نہ ہو۔ اس کا حال ایک بے لنگر جہاز کا سا ہوتا ہے جو موجوں کے ساتھ بہتا چلا جاتا ہے اور کہیں قرار نہیں پکڑ سکتا۔

اعمالِ صالحہ: ....ایمان کے بعد دوسرے درجہ کی چیز صالح اعمال ہیں۔ جن کا وزن ایمان کے بغیر کچھ نہیں۔ عمل صالح اگر ایک ڈھانچہ ہے تو ایمان اس کی جان اور روح ہے۔ لیکن سچا ایمان وہی ہے جس کے ساتھ صالح اعمال ہوں۔ شجر ایمان اسی وقت بارآور ہو سکتا ہے جب اس پر اعمال کے پھول، پتے، ڈالیاں اور شاخیں ہوں، ایمان و عمل صالح کی ان دوامی خوبیوں کے علاوہ خسارہ سے بچنے کے لئے دو وصف اور بھی ناگزیر ہیں۔ ایک یہ کہ ہر ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتا رہے۔ دوسرے یہ کہ آپس میں صبر کی تلقین کی جائے۔ یعنی انسان خود بھی ایمان و نیکی سے آراستہ ہو اور اپنے ماحول اور معاشرہ کو بھی نیک اور ایک بنانے کی کوشش کرے۔ وہ اپنے کو الگ تھلگ فرد نہ سمجھے۔ بلکہ معاشرہ کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے ہر فرد کو اپنے جیسا بنانے کی ذمہ داری قبول کرلے۔ حق کی پیروی اور حمایت میں جو مشکلات پیش آئیں اور جن نقصانات اور محرومیوں سے سابقہ پڑے ان پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کرے۔ ایک دوسرے کی ہمت اور ڈھارس بندھائے۔ یہ چھوٹی سی سورت فی الحقیقت سارے دین وحکمت کا نچوڑ ہے۔ امام شافعیؒ نے صحیح فرمایا کہ اگر قرآن میں صرف یہی ایک سورت نازل کردی جاتی تب بھی کافی تھی۔ بقول عبداللہ بن حصن دارمی بزرگان سلف میں یعنی صحابہؓ میں جب دو آپس میں ملتے تھے۔ تو جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو یہ سورت سنایا کرتے تھے۔

خلاصۂ کلام: ....یہ سورت مختصر اور جامع کلام کا ایک بے نظیر نمونہ ہے۔ گویا سمندر کو کوزہ میں بند کردیا گیا ہے۔ چند نپے تلے جملوں میں دوٹوک طریقہ سے بتلادیا گیا ہے۔ کہ انسان کی فلاح و بہبود کا راستہ کون سا ہے؟ اور اس کی تباہی و بربادی کی راہ کون سی ہے؟ جو شخص ان چار بنیادوں کو استوار کرلے وہ کامیاب اور فلاح یاب ہے۔ لیکن اس کے سوا دوسرا راستہ خسارہ اور ٹوٹے کا ہے۔

فضائل سورت: ....من قرأ سورة العصر غفر الله له و كان ممن تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر جو شخص سورۂ عصر پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا اور وہ حق کی نصیحت کرنے والوں اور صبر کی تلقین کرنے والوں میں شمار ہوگا۔

لطائف سلوک: ....**والعصر** اس میں وقت کو نعمت اور غنیمت سمجھنے پر تنبیہ ہے۔ چنانچہ اہل اللہ اس راز کو سمجھے ہوئے ہیں۔ وہ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتے۔ بلکہ انہیں کمالات حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ جس کا ذکر الا الذین الخ میں کیا گیا ہے۔ اسی طرح اس تکمیل کی فکر میں پڑے رہتے ہیں۔ جس کا ذکر تواصوا الخ میں کیا گیا ہے۔

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ تِسْعُ ايَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ كَلِمَةُ عَذَابٍ اَوْ وَادٍ فِي جَهَنَّمَ **لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ﴿۱﴾** اَىْ كَثِيْرُ الْهَمْزِ وَاللَّمْزِ اَىِ الْغِيْبَةِ نَزَلَتْ فِيْ مَنْ كَانَ يَغْتَابُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ كَاُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ وَّالْوَلِيْدُ بْنُ مُغِيْرَةَ وَغَيْرِهِمَا **الَّذِىْ جَمَعَ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ **مَالاً وَّعَدَّدَهُ ﴿۲﴾** اَحْصَاهُ وَجَعَلَهُ عَدَّةً لِحَوَادِثِ الدَّهْرِ **يَحْسَبُ** لِجَهْلِهِ **اَنَّ مَالَهُ اَخْلَدَهُ ﴿۳﴾** جَعَلَهُ خَالِدًا لَايَمُوْتُ **كَلَّا** رَدْعٌ **لَيُنْبَذَنَّ** جَوَابُ قَسَمٍ مَّحْذُوْفٍ اَىْ لَيُطْرَحَنَّ **فِى الْحُطَمَةِ ﴿۴﴾** الَّتِىْ تَحْطِمُ كُلَّ مَا اُلْقِىَ فِيْهَا **وَمَآ اَدْرٰىكَ** اَعْلَمَكَ **مَاالْحُطَمَةُ ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴿۶﴾** الْمُعَسَّرَ **الَّتِىْ تَطَّلِعُ** تَشْرِفُ **عَلَى الْاَفْئِدَةِ ﴿۷﴾** الْقُلُوْبِ فَتُحْرِقُهَا وَاَلَمُهَا اَشَدُّ مِنْ اَلَمِ غَيْرِهَا لِلُطْفِهَا **اِنَّهَا عَلَيْهِمْ** جَمَعُ الضَّمِيْرِ رِعَايَةً لِمَعْنٰى كُلٍّ **مُّؤْصَدَةٌ ﴿۸﴾** بِالْهَمْزَةِ وَبِالْوَاوِ وَبَدَلَهُ مُطْبَقَةٌ **فِىْ عَمَدٍ** بِضَمِّ الْحَرْفَيْنِ وَبِفَتْحِهِمَا **مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾** صِفَةٌ لِّمَا قَبْلَهُ فَتَكُوْنُ النَّارُ دَاخِلَةَ الْعَمَدِ

سورۂ ہمزہ مکیہ ہے یا مدنیہ ہے اس میں نو آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:............ بڑی تباہی ہے (کلمۂ عذاب ہے یا دوزخ کے کسی میدان کا نام ہے) ہر اس شخص کے لئے جو پیٹھ پیچھے برائیاں کرنے والا اور منہ درمنہ لوگوں پر طعن کرنے والا ہو (یعنی بہت زیادہ عیب جوئی اور نکتہ چینی یعنی غیبت کرنے والا ہو یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی غیبت کیا کرتے تھے۔ جیسے امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ وغیرہ) جس نے جمع کیا (اس کی قرأت تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے) مال اور اسے گن گن کر رکھا (شمار کیا اور ضرورت کے وقت کام آنے کے لئے محفوظ رکھ چھوڑا) وہ (اپنی حماقت سے) سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا (مال اسے سدا رہنے والا بنا دے گا۔ اور وہ مرے گا نہیں) ہرگز (ڈانٹ ہے) وہ پھینک دیا جائے گا (قسم محذوف کا جواب ہے۔ ای لیطرحن) چکنا چور کر دینے والی جگہ میں (ایسی جگہ جہاں جو چیز گرے۔ وہ ٹوٹ پھوٹ جائے) اور آپ کو کچھ پتہ (علم) ہے کہ توڑ پھوڑ کر دینے والی کیا چیز ہے؟ وہ اللہ کی آگ ہے جو خوب بھڑکائی گئی (دہکتی ہوئی) ہے جو دلوں تک جا پہنچے (سلگ جائے) گی (دلوں کو بھسم کر ڈالے گی۔ دل چونکہ نرم و نازک چیز ہے اس لئے اس میں تکلیف کا احساس سب اعضاء سے زیادہ ہوا کرتا ہے) وہ ان پر (ضمیر جمع لفظ کل کے معنی کی رعایت کرتے ہوئے ہے)........ ڈھانک کر بند کر دی جائے گی (ہمزہ کے ساتھ اور ہمزہ کے بدلہ واؤ کے ساتھ بمعنی مطبقۃ) ستونوں میں (دونوں حرفوں کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ ہے) جو اونچے اونچے ہیں (یہ پہلے کی صفت ہے چنانچہ وہ آگ ستونوں کے اندر ہوگی)۔

تحقیق وترکیب: .... **مکیۃ** مفسرؒ اس کومختلف فیہ کہتے ہیں۔لیکن قاضیؒ صرف مکی مانتے ہیں۔**ویل** کلمہ عذاب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ناگواری اور غصہ کے موقع پر بولا جاتا ہے۔**ھمزۃ لمزۃ** قاموس میں ہے کہ ہامز وہمزہ بمعنی غماز اور لمزہ عیب جو کو کہتے ہیں یا وہ شخص جو روبرو طعنہ زن ہو۔اور ہمزہ غیبت کرنے والا۔ہمز اور ہزم کے معنی توڑنے کے لمز اور لہز کے معنی طعن کے ہیں اور فعلیۃ کا وزن عادت پر دلالت کرتا ہے۔چنانچہ ضحکہ اور لعبہ اس شخص کو کہیں گے۔جس کی عادت ہنسی مذاق کھیل تفریح کی ہو اور ایک قرأت **ھمزۃ لمزۃ** سکون کے ساتھ ہے مفعول کا صیغہ، مسخرہ کے معنی ہوں گے۔بقول مقاتلؒ، امیہ، ولید، اخنس بن شریق کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

جمع مالا: **جمع** اکثر قراء کے نزدیک تخفیف کے ساتھ اور ابن عامرؒ، حمزہؒ، کسائیؒ کے نزدیک تشدید کے ساتھ ہے۔یہ ترکیب میں لفظ **کل** سے بدل ہے یا مذمت کے طور پر منصوب یا مرفوع ہے۔

عددہ مفسرؒ نے دو تفسیروں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ایک بار بار گننا۔دوسرے بحفاظت رکھنا۔

یحسب جملہ مستانفہ ہے، سوال کا جواب ہے ای مابالہ یجمع المال ویھتم بہ ؟ اور **جمع** کے فاعل سے حال بھی ہو سکتا ہے۔

اخلد ماضی ہے مگر وہ مضارع کے معنی میں ہے۔ای یظن لجھلہ ان مالہ یخلدہ اس جملہ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ مال کی محبت میں موت ہی سے غافل ہو گیا یا مال کی وجہ سے لمبی امید کرنا مراد ہے۔کہ گویا ہمیشہ دنیا ہی میں بیٹھا رہے گا۔اس میں اس طرف تعریض ہیں کہ حیات ابدی کا حقیقی سبب آخرت کی فکر میں لگ جانا ہے۔نہ کہ دنیا کہ بکھیڑوں میں پڑنا۔

الحطمۃ توڑ پھوڑ کر دینے والی چیز۔

نار اللہ ظاہر ہے کہ اللہ کی آگ اللہ کے سوا کون بجھا سکتا ہے۔

علی الافئدۃ دل جس طرح نظام بدن کا مرکزی مقام ہے۔اس کی تکلیف سے تمام بدن متأثر ہوتا ہے۔اس طرح عقائد واعمال کی جڑ بنیاد بھی ہے۔اسی لئے آگ کا براہ راست دل کو نشانہ بنایا جائے گا۔**مؤصدۃ** . اوصدت الباب دروازہ بند کر دیا۔ابو عمرؒ، حمزہؒ، حفصؒ کے ہمزہ کے ساتھ اور دوسرے قراء کے نزدیک واو کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔**ممدۃ** ای موثقین فی اعمدۃ ممدودۃ جیسے چوروں کو ستونوں کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے۔حفصؒ کے علاوہ قراء کوفہ نے عین اور میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

ربط آیات: .... سورۂ والضحیٰ میں جن مہمات کا ذکر ہوا۔ان میں سے عذاب میں مبتلا ہونے کی خصلتوں سے بچانا بھی ہے۔اس سورت میں اسی کا بیان ہے۔اور مضمون یہ بتلا رہا ہے کہ یہ سورت مکی ہی ہوگی اور بالکل ابتدائی دور کی۔اور وجہ تسمیہ بالکل واضح ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **ھمزۃ لمزۃ** یہ دونوں لفظ اتنے قریب المعنی ہیں کہ کبھی یہ دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور کبھی فرق کے ساتھ اور فرق بھی ایسا کہ بعض حضرات جو مفہوم **ھمزۃ** کا بیان کرتے ہیں۔دوسرے حضرات وہی مفہوم **لمزۃ** کا بیان کرتے ہیں اور بعض حضرات اس کا برعکس بتلاتے ہیں۔اور چونکہ دونوں لفظ ایک ساتھ آئے ہیں۔

بدخصلت انسان کے لئے تباہی ہے: .... اس لئے دونوں کا مفہوم مل کر یہ ہوگا کہ اس شخص کی عادت ہی یہ ہوگئی ہے کہ دوسروں پر طعن وتشنیع کرتا ہے۔کسی کی ذات میں کیڑے نکالتا ہے۔کسی پر انگلیاں اٹھاتا ہے۔کسی پر منہ در منہ چوٹیں کرتا ہے۔آنکھیں مٹکاتا ہے۔کسی کے پیٹھ پیچھے برائیاں کرتا ہے۔چغلیاں کر کے لگائی بجھائی کرتا ہے۔کہیں بھائیوں میں نفرت کے بیج بو کر لڑاتا اور پھوٹ ڈالتا ہے۔حاصل یہ ہے کہ اپنی خبر نہیں لیتا۔اور دوسروں کے واقعی غیر واقعی عیوب بیان کر کے تحقیر وتذلیل کرتا رہتا ہے۔**الذی جمع مالا** یعنی اس میں طعنہ زنی، عیب جوئی کی بری خصلتیں تکبر کی وجہ سے پیدا ہوئیں اور کبر کا سبب مال ودولت کی فراوانی ہے۔جس کے لالچ میں ہر طرف ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور روپیہ پیسہ کی پرستش کا یہ حال ہے کہ اسے گن گن کر اور سنبھال کر

رکھتا ہے۔ چمڑی چلی جائے پر دمڑی پر آنچ نہ آئے۔ گویا کنجوسی اور لالچ کی تصویر بنا رہتا ہے۔ بخل کے مارے پیسہ پیسہ کو گن گن کر رکھتا ہے کہ کہیں خرچ نہ ہو جائے۔ یا نکل کر بھاگ نہ جائے۔ زر پرست آدمی کو پیسہ جوڑنے کے ساتھ اس کے گننے میں بھی مزہ آتا ہے۔

مال سدا ساتھ نہیں رہتا: .... **واخــلــده** یعنی اس کے طرز عمل سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا نہ مال اس سے کبھی جدا نہ ہوگا۔ اسی کے صدا کام آتا رہے گا۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ مال کو یہ سمجھتا ہے کہ وہ اسے حیات جاودانی بخشے گا۔ غرضیکہ اسے کبھی بھولے سے بھی یہ دھیان نہیں آتا کہ ایک وقت یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کو خالی ہاتھ دنیا سے رخصت ہو جانا پڑے گا اور چوروں ڈاکوؤں کو اللہ ہدایت دے۔ وہ تو ذرا سی دیر میں مال کا سارا نشہ ہرن کر دیتے ہیں۔ **کــلا لیـنبـذن** یعنی اس کا یہ خیال سراسر غلط ہے۔ کیونکہ یہ مال کسی کے ساتھ قبر تک نہیں جاتا۔ چہ جائیکہ اگلے مراحل میں کام آئے۔ سب دولت یونہی پڑی رہ جائے گی اور اس بدبخت کو اٹھا کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ **حطم** کے معنی توڑنے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے ہیں۔ یعنی دوزخ اس کا ڈھانچہ توڑ پھوڑ کر رکھ دے گی۔

خدائی آگ: .... **نــار الله** دوزخ بندوں کی آگ نہیں بلکہ اللہ کی سلگائی ہوئی ہے۔ پھر اس کی حدت وشدت کا کیا پوچھنا۔ براہ راست دلوں پر اس کی زد ہوگی۔ جو کفر وفسق کا محل ہے اور دل جل کر کباب ہو جائیں گے پر موت پھر بھی نہیں آئے گی۔ **بـدلـنـاهـم جـلـودا غيرها** اسی لئے دوزخی بے تاب ہو کر آرزو کریں گے۔ کہ کاش موت آ کر ہی اس مصیبت کا خاتمہ کر دے۔ **افئدة** فواد کی جمع ہے جس کے معنی دل کے ہیں۔ تاہم یہ لفظ اس عضو کے لئے استعمال نہیں ہوتا جو سینہ کے اندر دھڑکتا ہے۔ بلکہ انسان کے شعور وادراک اور جذبات وخواہشات عقائد وافکار نیتیں اور ارادے جہاں پیدا ہوتے ہیں وہ مقام مراد ہے پس یہ آگ اس مرکز تک پہنچے گی جہاں برے خیالات، فاسد عقائد، ناپاک خواہشات وجذبات خبیث نیتیں، برے ارادے تھے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ایک مجرم کے دل تک پہنچ کے اس کے جرم کی نوعیت معلوم کر کے ہر ایک کو اس کے استحقاق کے مطابق عذاب دے گی۔ دنیا کی آگ کی طرح اندھی نہیں ہوگی کہ مستحق غیر مستحق سب کو جلا دے۔ **مؤصدة** کافروں کو دوزخ میں ڈال کر دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔ نکلنے کا راستہ تو کیا کوئی جھری تک نہ رہے گی۔ ہمیشہ اس میں پڑے جلتے رہیں گے۔ **فـي عـمـد ممـددة** بقول ابن عباسؓ آگ کے لمبے لمبے ستون ہوں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ دوزخیوں کو لمبے ستونوں سے باندھ کر خوب جکڑ دیا جائے گا۔ تاکہ بے بس ہو کر رہ جائیں اور ذرا حرکت نہ کر سکیں کہ اس سے عذاب میں تخفیف ہو سکے یا یہ مطلب ہے کہ لمبے ستون ڈال کر دوزخ کے منہ کو بند کر دیا جائے گا۔

خلاصۂ کلام: .... اس سورت میں اخلاقی برائیوں پر گرفت کی گئی ہے جن سے عرب جاہلیت کا معاشرہ بگڑا ہوا تھا اور وہ گھن کی طرح ساری قوم کو چاٹ رہی تھیں۔ ان کے اس گھناؤنے کردار کو پیش کر کے یہ بتلایا گیا ہے کہ آخرت میں ایسے بدکرداروں کا کیا انجام ہوگا؟ اور اس کو اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ سننے والا خود سمجھ لے کہ ایسے لوگوں کا انجام بھی بھیانک ہونا چاہیئے۔ اور دنیا میں چونکہ بسا اوقات اس قماش کے لوگوں کو کوئی سزا نہیں ملتی۔ بلکہ وہ پھلتے پھولتے ہی نظر آتے ہیں۔ اس لئے آخرت کا ہونا ناگزیر ہے۔ وہاں نہ یہ مال ومنال کام آئے گا۔ اور نہ دوسرے کی عیب جوئی اور الزام تراشی بلکہ دوزخ کی بے پناہ آگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو اسے توڑ پھوڑ کر بھسم کر ڈالے گی۔

فضائل سورت: .... من قرء سورة الهمزة اعطاه الله عشر حسنات بعدد من استهزء بمحمد واصحابه جو شخص سورۂ ہمزہ پڑھے گا اللہ اسے اتنا ثواب عطا فرمائے گا۔ جو حضورؐ وصحابہؓ کا مذاق اڑانے والوں کے دس گنا زیادہ ہوگا۔

لطائف سلوک: .... **الذی جمع مالا وعدده** اس میں مال کی محبت وشغف کی ندامت ہے۔ جس کے آثار میں سے بار بار گن گن کر رکھنا ہے۔

سُورَۃُ الْفِیْلِ

سُوْرَۃُ الْفِیْلِ مَکِّیَّۃٌ خَمْسُ اٰیَاتٍ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَمْ تَرَ اِسْتِفْھَامُ تَعْجِیْبٍ اَیْ اِعْجَبْ **کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ﴿۱﴾** ھُوَ مَحْمُوْدٌ اَصْحَابُہٗ اَبْرَھَۃُ مَلِکُ الْیَمَنِ وَجَیْشُہٗ بَنٰی بِصَنْعَاءَ کَنِیْسَۃً لِیُصْرِفَ اِلَیْھَا الْحَاجَّ مِنْ مَّکَّۃَ فَاَحْدَثَ رَجُلٌ مِّنْ کِنَانَۃَ فِیْھَا وَلَطَخَ قِبْلَتَھَا بِالْعَذْرَۃِ اِحْتِقَارًا بِھَا فَحَلَفَ اَبْرَھَۃُ لَیَھْدِمَنَّ الْکَعْبَۃَ فَجَاءَ مَکَّۃَ بِجَیْشِہٖ عَلٰی اَفْیَالٍ مُقَدَّمُھَا مَحْمُوْدٌ فَحِیْنَ تَوَجَّھُوْا لِھَدْمِ الْکَعْبَۃِ اَرْسَلَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مَاقَصَّہٗ فِیْ قَوْلِہٖ **اَلَمْ یَجْعَلْ** اَیْ جَعَلَ **کَیْدَھُمْ** فِیْ ھَدْمِ الْکَعْبَۃِ **فِیْ تَضْلِیْلٍ ﴿۲﴾** خَسَارٌ وَھِلَاکٌ **وَّاَرْسَلَ عَلَیْھِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ ﴿۳﴾** جَمَاعَاتٍ قِیْلَ لَاوَاحِدَ لَہٗ وَقِیْلَ وَاحِدَۃٌ اِبُّوْلٌ اَوْاِبَّالٌ اَوْ اِبِّیْلٌ کَعِجُّوْلٍ وَّمِفْتَاحٍ وَّسِکِّیْنٍ **تَرْمِیْھِمْ بِحِجَارَۃٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ﴿۴﴾** طِیْنٍ مَطْبُوْخٍ **فَجَعَلَھُمْ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ ﴿۵﴾** کَوَرَقِ زَرْعٍ اَکَلَتْہُ الدَّوَابُّ وَدَاسَتْہُ وَاَفْنَتْہُ اَیْ اَھْلَکَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی کُلَّ وَاحِدٍ بِحَجَرِہِ الْمَکْتُوْبِ عَلَیْہِ اِسْمُہٗ وَھُوَ اَکْبَرُ مِنَ الْعَدَسَۃِ وَاَصْغَرُ مِنَ الْحِمَّصَۃِ یَخْرُقُ الْبَیْضَۃَ وَالرَّجُلَ وَالْفِیْلَ وَیَصِلُ اِلَی الْاَرْضِ وَکَانَ ھٰذَا عَامَ مُوْلِدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

سورۂ فیل مکیہ ہے جس میں پانچ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: .... کیا آپ کو معلوم نہیں (استفہام تعجب کے لئے ہے یعنی آپ کو تعجب ہوگا) کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا کیا؟ (ہاتھی کا نام محمود اور ہاتھی والا ابرہہ نامی یمن کا راجہ تھا۔ اس کے فوجیوں نے صنعاء شہر میں ایک گرجا بنایا تھا۔ تاکہ مکہ کے لوگ بھی آکر اس کا حج کریں۔ بنو کنانہ کے ایک شخص نے آکر اس میں پاخانہ کردیا۔ پھر اس نئے کعبہ کی توہین کے لئے اس پر پاخانہ لگا بھی دیا۔ اس پر ابرہہ نے قسم کھائی کہ وہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا۔ چنانچہ اپنے لشکر سمیت ہاتھیوں کو لے کر مکہ پر چڑھائی کردی۔ آگے آگے محمود ہاتھی تھا۔ کعبۃ اللہ پر حملہ کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ اللہ نے ان پر اپنی فوج بھیجدی۔ جس کا واقعہ آگے ہے) کیا (کعبہ ڈھانے کی) ان کی تدبیر کو ہم نے اکارت نہیں کردیا (تباہ و برباد کردیا ہے) اور ان پر غول کے غول پرندے بھیج دیئے (جھنڈ کے جھنڈ اور بعض کی رائے ہے کہ لفظ ابابیل کا کوئی مفرد نہیں ہے۔ اور بعض اس کو ابول، ابال، ابیل کی جمع مانتے ہیں۔ جیسے عجول کی عجاجیل اور مفتاح کی جمع مفاتیح اور سکین کی جمع مساکین آتی ہے) جو ان پر کنکر کی پتھریاں پھینک رہے تھے (جو مٹی کی مگر آگ پر پکی ہوئی اینٹیں) سو اللہ نے ان کا حال کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح کر کے رکھ دیا (جیسے کھیت کا چارہ جس کو جانور کھا کر چھوڑ دیں، روند ڈالیں، چورا چورا

کردیں۔یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا۔ان پتھریوں کے ذریعہ جن پر ان کے نام لکھے ہوئے تھے۔جومسور سے بڑی اور چنے سے چھوٹی تھیں۔وہ سر پر رکھی ٹوپیں،خود اور سوار ہاتھی کو چیرتی ہوئی نکل کر زمین پر گرتی تھی۔یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے سال ہوا ہے۔

تحقیق وترکیب:........... **الم تر** ایک قرأت سکون را کے ساتھ بھی ہے۔جزم کی زیادہ اظہار کے لئے اگر رؤیت قلبیہ مراد ہے اور مخاطب خاص حضورؐ ہوں تب تو کوئی اشکال نہیں۔اسی طرح اگر مخاطب عام ہو اور رؤیت خواہ قلبیہ ہو یا رؤیت بصریہ تب بھی کوئی اشکال نہیں ہے۔لیکن اگر رؤیت بصریہ مراد لی جائے اور خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو تو پھر یہ اشکال ہوگا کہ واقعہ فیل حضورؐ کی ولادت سے پچاس دن پہلے پیش آچکا ہے۔پھر آپ کے دیکھنے کی کیا صورت ہے؟ جواب یہ ہے کہ قریبی زمانہ کی وجہ سے ابھی تک اس کے اثرات چونکہ موجود تھے۔نیز تواتر کی حد تک اس کے دیکھنے اور نقل کرنے والے موجود تھے۔اس لئے وہ بھی گویا آپ کا دیکھنا ہی ہوا۔

کیف .فعل کا معمول ہے **الم تر** کا معمول نہیں ہے،معنی استفہام ہونے کی وجہ سے۔

باصحاب الفیل دراصل یہودی فرمانروا ذونواس نے ایک زمانہ میں عیسائیوں پر سخت مظالم کئے تھے۔جن کا بدلہ چکانے کے لئے حبشی بادشاہ عیسائی نے یمن پر حملہ کر کے حمیری سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔اس کارروائی میں قسطنطنیہ کی رومی سلطنت بھی حبشہ کے ساتھ تھی۔حبشہ نے اگرچہ اپنی ستر ہزار فوج لا اتاری۔مگر پھر بھی رومی بحری بیڑا کی مدد سے ایسا کیا جا سکا۔یہ سب کچھ محض کسی مذہبی جذبہ کے تحت نہیں ہوا۔بلکہ اس میں سیاسی اور معاشرتی اغراض بھی کارفرما تھیں۔چنانچہ روما کی سلطنت جب مصر وشام پر قابض ہوئیں تو انہوں نے عربوں کی صدیوں پرانی تجارتی منڈیوں پر بھی قبضہ کرنا چاہا جو مشرقی افریقہ،ہندوستانی،انڈونیشیا اور محض رومی مقبوضات میں پھیلی ہوئی تھیں لیکن عرب کے جغرافیائی شکلی حالات نے اس بیل کو منڈھے چڑھنے نہیں دیا۔تا آنکہ رومی اپنا جنگی بیڑا بحر احمر میں لے آئے اس سے عربوں کی تجارت ختم ہو کر رہ گئی جو وہ بحری راستے سے کیا کرتے تھے البتہ خشکی کا راستہ اب بھی تھا اس سے عربوں کی کچھ تجارت رہ گئی تھی۔مگر رومی سلطنت نے ان کی بری تجارت کو مفلوج کرنے کے لئے حبشی عیسائی سلطنت سے ساز باز کر لی اور انہیں یمن پر قابض کرا دیا۔یمن پر حبشی فوج کشی ہوئی اس کی کمان دو کرنیل جرنیل کر رہے تھے۔ایک ابرہہ اور دوسرا ارباط۔مگر کسی بات پر ان دونوں میں باہم مڈبھیڑ ہوگئی۔جس میں ارباط مارا گیا اور ابرہہ فوج پر قابض ہو گیا اور اس نے شاہ حبشہ کو اس پر راضی کر لیا کہ وہ اسی کو یمن پر اپنا نائب مقرر کر دے۔اس طرح رفتہ رفتہ اس کا اثر و رسوخ بڑھتا چلا گیا اور وہ خود کو یمن کا خود مختار بادشاہ کہنے لگا۔برائے نام بادشاہ کی بالادستی ہوگئی۔یمن میں اقتدار مضبوط کرنے کے بعد اس نے اسی منصوبہ کو روبعمل لانا شروع کر دیا۔جو رومی سلطنت اور حبشی عیسائیوں کے پیش نظر تھا۔چنانچہ جہاں ایک طرف وہ عیسائیت کو پھیلا رہا تھا وہیں دوسری طرف عربوں کی تجارت پر قابض ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔اسی سلسلہ میں اس نے دارالسلطنت صنعاء میں ابقلیس یا القلیس نام کعبہ کی بنیاد ڈالی۔یہ یونانی لفظ معرب کر لیا گیا ہے۔اردو میں کلیسا اسی سے ماخوذ ہے یمن پر سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے بعد عیسائیوں کی مسلسل یہ کوشش رہی ہے کہ کعبہ کے مقابلہ میں ایک دوسرا کعبہ بنا کر عرب میں اس کی مرکزیت قائم کر دیں۔نجران میں بھی انہوں نے ایک کعبہ کی بناء ڈالی تھی۔اب ابرہہ نے اصحمہ شاہ حبشہ کو لکھا کہ میں عربوں کا حج کعبہ سے اس کلیسا کی طرف موڑے بغیر نہیں رہوں گا۔

چنانچہ یمن میں بھی اس کی منادی کرادی جس سے اس کا مقصد عربوں کو غضب ناک بنا کر مکہ پر حملہ کرنے کا موقعہ فراہم کرانا تھا۔اور یہ کہ کعبہ کو منہدم کرنے کا اسے بہانہ ہاتھ آجائے۔چنانچہ بقول محمد بن اسحاق اس اعلان پر قبیلہ کنانہ کے ایک آدمی نے اس کلیسا میں جا کر پاخانہ کر دیا۔

ابن کثیرؒ اس کو ایک قریشی کی حرکت بتلاتے ہیں۔اور مقاتل بن سلیمان کے مطابق کسی قریشی نے کلیسا میں آگ لگادی اور واقعہ یہ ہے کہ اس اشتعال انگیز اعلان کے بعد عربوں کا غضب ناک ہو جانا قابل تعجب نہیں اور عجب نہیں کہ خود ابرہہ نے اپنے کسی آدمی سے خفیہ طور پر یہ حرکت کرادی ہو۔تا کہ مکہ پر اسے چڑھائی کا بہانہ ہاتھ آجائے۔اور وہ اس طرح عربوں کا کس بل نکال دے۔جب اسے پتہ لگا کہ اس کے کلیسا کی یہ درگت ہوئی تو اس نے کعبۃ اللہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کی قسم کھائی چنانچہ ۵۷۰ھ میں ساٹھ ہزار فوج اور نویا تیرہ ہاتھی لے کر وہ اس مہم پر روانہ ہوا۔راستہ میں کچھ عرب سرداروں سے اس کی مڈبھیڑ ہوگئی۔مگر بالآخر انہیں شکست دے کر آگے بڑھا۔طائف کے نزدیک پہنچا تو بنی ثقیف کو خطرہ ہوا کہ کہیں وہ ان کے لات کے مندر مسمار نہ کردے۔اس لئے مسعود نامی سردار ایک وفد کے ساتھ ابرہہ سے ملا اور اس سے کہا جس کعبہ کے ڈھانے کا ارادہ ہے وہ یہ ہمارا بت کدہ نہیں ہے۔وہ تو مکہ میں ہے۔اس لئے آپ ہمارے مندر کو چھوڑ دیں۔ہم آپ کے لئے کچھ زادراہ پیش کئے دیتے ہیں۔چنانچہ ابرہہ نے اس پیش کش کو قبول کرلیا۔

بنی ثقیف نے ابورغال نامی ایک شخص کو بھی رہنمائی کے لئے ہمراہ کردیا۔لیکن مکہ جب تین کوس رہ گیا تو ابورغال اس مقام پر پہنچ کر مرگیا۔مدتوں عرب بنی ثقیف کو طعنے دیتے رہے اور ابورغال کی قبر پر پتھر مارتے رہے کہ انہوں نے لات کے مندر کو بچانے کے لئے بیت اللہ پر حملہ میں مدد دی تھی۔

محمد بن اسحاقؒ کی روایت کے مطابق پھر ابرہہ نے اپنے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھایا اور اہل تہامہ اور قریش کے بہت سے مویشی لوٹ لئے۔جن میں عبدالمطلب کے بھی دوسواونٹ تھے۔اور اپنے ایلچی کے ذریعہ اہل مکہ کو پیغام بھجوایا کہ میرا ارادہ تم سے لڑنے کا نہیں۔صرف کعبہ کو ڈھانے آیا ہوں۔اگر تم مزاحم نہ ہوئے تو میں بھی کسی جان و مال سے تعرض نہیں کروں گا۔اور ایلچی کو ہدایت کردی کہ اگر وہ لوگ بات کرنا چاہیں تو ان کے سردار کو میرے پاس لے آنا۔اس وقت عبدالمطلب سب سے بڑے سردار تھے ایلچی نے ان سے مل کر ابرہہ کا پیغام پہنچایا اور کہا آپ میرے ساتھ ابرہہ کے پاس چلیں۔چنانچہ وہ ایلچی کے ساتھ ہوئے۔عبدالمطلب اس درجہ وجیہ اور شاندار شخص تھے کہ ابرہہ دیکھتے ہی اپنے تخت سے اتر گیا اور متاثر ہوکر ان کے پاس آبیٹھا اور پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا میرے جواونٹ پکڑ لئے گئے ہیں۔وہ مجھے واپس کردیئے جائیں۔ابرہہ حیرت سے بولا کہ میں تو آپ کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا تھا۔مگر آپ کی اس بات نے تو آپ کو نظروں سے گرادیا۔آپ اپنے معمولی اونٹوں کا مطالبہ کررہے ہیں۔مگر اس گھر کی نسبت کچھ نہیں کہتے جو تمہارے اور تمہارے آباء واجداد کا مرجع ہے۔عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں۔رہا یہ گھر سو وہ گھر والا جانے۔یہ گھر اللہ کا ہے وہ خود اس کی حفاظت کرلے گا۔ابرہہ بولا کہ وہ اس کو مجھ سے بچا نہ سکے گا۔عبدالمطلب نے کہا آپ جانیں اور وہ جانے۔یہ کہہ کر وہ ابرہہ کے پاس سے اٹھ گئے۔اس نے ان کے اونٹ واپس کردیئے۔

ابن عباسؓ سے جو مختلف حضرات نے روایات نقل کیں وہ اس سے مختلف ہیں۔ان میں ہے کہ ابرہہ جب عرفات وطائف کے درمیان حدود حرم کے قریب مقام الصفاح پر پہنچا۔تو عبدالمطلب خود اس کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ آپ کو یہاں تک آنے کی کیا ضرورت؟ آپ کو اگر کوئی چیز درکار تھی تو ہمیں کہلا بھیجتے وہ ہم خود لے کر آپ کے پاس پہنچ جاتے۔ابرہہ بولا میں نے سنا ہے کہ یہ امن کا گھر ہے۔میں اس کا امن ختم کرنے کے لئے آیا ہوں۔

عبدالمطلب نے جواب دیا کہ یہ اللہ کا گھر ہے۔اس نے آج تک کسی کو اس پر مسلط ہونے نہیں دیا۔

ابرہہ کہنے لگا کہ ہم اس کو منہدم کئے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔عبدالمطلب نے جواب دیا کہ آپ جو کچھ چاہیں ہم سے لے لیں اور واپس چلے جائیں مگر اس نے انکار کردیا اور لشکر کو آگے بڑھادیا۔

اس میں شک نہیں کہ ابرہہ کے ۶۰ ہزار کے لشکر جرار کو اچانک مقابلہ کر کے قریش یا مکہ والے کعبہ کو نہیں بچا سکتے تھے۔ محمد بن اسحاقؒ کے بیان کے مطابق ابرہہ کے لشکر سے واپس آ کر عبدالمطلب نے قریشیوں کو ہدایت کی کہ تم اپنے بال بچوں کو لے کر پہاڑوں میں چلے جاؤ۔ تا کہ ان کا قتل عام نہ ہو اور خود چند سرداروں کے ساتھ حرم میں حاضر ہوئے اور کعبہ کی چوکھٹ اور کنڈا پکڑ کر اللہ سے دعائیں مانگیں کہ وہ اپنے گھر اور اس کے خادموں کی حفاظت فرمائے۔ کعبۃ اللہ میں رکھے ہوئے تین سو ساٹھ بتوں کو اس نازک گھڑی میں سب بھول گئے اور صرف اللہ کے آگے دست سوال پھیلائے رہے۔ سیرت ابن ہشام میں عبدالمطلب کے یہ دعائیہ اشعار منقول ہیں۔

لاھم ان العبد یمنع رحله فامنع حلالک　　لا یغلبن صلیبھم و محالھم غدوا محالک

ان کنت تارکھم و قبلتنا فامر ما بدالک　　وانصرنا علی آل الصلیب وعابدیه الیوم الک

اور روض الانف میں یہ آخری شعر منقول ہے اور ابن جریرؒ نے یہ آخری شعر بھی نقل کئے ہیں

یا رب لاارجوا لھم سواکا　　یا رب فامنع منھم حماکا

ان عدوا البیت من عادا کا　　امنعھم یخربوا قراکا

عبدالمطلب اور ان کے ساتھی یہ دعائیں مانگ کر خود بھی پہاڑوں میں چلے گئے۔ اگلے روز ابرہہ اپنے خاص ہاتھی محمود نامی پر چڑھ کر مکہ میں داخل ہونے کے لئے آگے بڑھا۔ مگر یکا یک اس کا ہاتھی رک گیا۔ ہر چند آنکس مارے گئے، بھالے لگائے گئے۔ حتی کہ ہاتھی زخمی ہو گیا۔ مگر وہ نہ ہلا۔ اسے دوسری طرف ہلانے کی کوشش کی جاتی تو چل پڑتا اور دوڑنے لگتا مگر مکہ کی طرف رخ موڑتے ہی بیٹھ جاتا۔ اور کسی طرح بڑھنے کا نام نہ لیتا۔ اتنے میں پرندوں کے جھنڈ اپنی چونچوں اور پنجوں میں سنگریزے لئے اڑتے ہوئے آئے اور لشکر پر ان پتھریوں سے بارش کر دی۔ اس طرح ان سنگریزوں نے گولیوں کا کام کیا کہ جس کے لگ جاتی وہ ختم ہو جاتا۔ اس افراتفری میں لشکریوں نے یمن کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ نفیل بن حبیب خشعمی کو انہوں نے تلاش کر کے واپسی کا راستہ معلوم کرنا چاہا تو اس نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ

این المفروا لا له الطالب　　والاشرم المغلوب لیس الغالب

یعنی اب بھاگنے کی جگہ کہاں ہے جب خدا تعاقب میں ہے اور نکٹا (ابرہہ) مغلوب ہے غالب نہیں ہے۔ یہ وہی نفیل ہے جسے بدرقہ طریقہ پر ابرہہ کے لشکری اپنے ساتھ راستہ میں قبیلہ خشعم سے پکڑ لائے تھے۔ بقول محمد بن اسحاقؒ وہ اپنی آنکھوں دیکھا حال اس طرح بیان کرتا ہے

ردینه لو رأیت ولا تریه　　لدی جنب المحصب مارأینا

حمدت الله اذا بصرت طیرا　　وخفت حجارة تلقی علینا

وکل القوم یسئل عن نفیل　　کان علی للحبشان دینا

محمد بن اسحاقؒ اور عکرمہؒ کی روایت ہے کہ یہ چیچک کا مرض تھا۔ جو اسی سال سب سے پہلے بلاد عرب میں محسوس ہوا۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جس پر کوئی کنکر گرتی اسے سخت کھجلی شروع ہو جاتی جس سے کھال پھٹتی اور گوشت نکلنا شروع ہو جاتا۔ اور ان کی دوسری روایت ہے کہ خون اور گوشت پانی کی طرح بہنے لگتا اور ہڈیاں نکل آتیں تھیں۔ خود ابرہہ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اور عطاء بن یسارؒ کی روایت ہے کہ سب اسی وقت ہلاک نہیں ہوئے۔ بلکہ کچھ بھاگ کھڑے ہوئے اور راستے میں گرتے چلے گئے۔ چنانچہ ابرہہ بھی بلاد خشعم میں جا کر ختم ہو گیا۔ یہ واقعہ محرم میں مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادی محصب کے قریب مقام محسر میں پیش آیا۔ اسی لئے حجاج کو وہاں

سے جلد گزر جانے کی ہدایت ہے اور ٹھہرنے کی ممانعت ہے۔اس کے پچاس دن بعد ربیع الاول میں حضورؐ کی ولادت ہوئی۔گویا آپؐ کی پیدائش عام الفیل میں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے حبشیوں کو صرف اتنی ہی سزا دینے پر اکتفاء نہیں کیا۔بلکہ تین چار سال میں یمن سے حبشی اقتدار ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔جگہ جگہ یمنی سرداروں نے بغاوت برپا کردی۔اور ایک یمنی سردار سیف بن ذی یزن نے شاہ ایران سے فوجی مدد حاصل کرلی۔چنانچہ ایرانی چھ ہزار فوج نے چھ جہازوں کے ساتھ حملہ کر کے حبشی حکومت کا ۵۷۵ء میں خاتمہ کر دیا اور اس طرح واقعۂ فیل کا انجام نہ صرف حملہ آوروں کی تباہی کی سورت میں نکلا۔بلکہ ان کی حکومت کا تختہ ہی الٹ کر رکھ دیا گیا۔ابرہہ کے مخصوص ہاتھی محمود نامی کی کنیت ابوالعباس تھی۔دشمن کے اتنے طاقت ور ڈیل ڈول کے جانوروں کو اللہ نے معمولی پرندوں کے ذریعہ تباہ و برباد کر دیا۔وہ ایک چیونٹی سے ہاتھی کو ہلاک کرسکتا ہے۔ابرہہ حبشی لفظ ہے جس کے معنی گورے چٹے کے ہیں۔اور اشرم کے معنی نکٹے کے ہیں۔

طیرا ابابیل، **اساطیر**، **شماطیط** اور **عنادید** کی طرح ابابیل ہے۔سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ یہ آسمانی پرندے تھے۔دنیاوی پرندے نہیں تھے۔

اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ابابیل خطاطیف کے مشابہ تھیں۔اور بعض کہتے ہیں کہ وطاویط جیسے: سیاہ سرخ مخصوص جانور ہیں اور بعض ان کو مشہور عنقا مغرب کہتے ہیں اور ابالۃ کی جمع اگر مانی جائے جس کے معنی لکڑیوں کے بڑے گٹھ کے ہیں تو چونکہ پرندوں کی ٹکڑیاں بکثرت تھیں اس لئے جمع استعمال کی گئی۔

من سجیل یہ سنگ گل کا معرب ہے اور بعض بجیل کے معنی بڑے ڈول کے لیتے ہیں۔یا اسجال بمعنی ارسال ہے یا سجل بمعنی دفتر و مہر سے ماخوذ ہے۔یعنی ان پر ہر ایک کا نام لکھا ہوا تھا۔

کعصف ماکول گھاس چارہ مراد ہے جو کھایا جاتا ہے۔یا اناج کا بھوسہ مراد ہے جو پہلے جانور روند کر دانوں سے الگ کرتے ہیں پھر کھاتے ہیں۔

ربط آیات:............سورۂ والضحیٰ میں جن مہمات کا ذکر ہوا ہے۔ان میں عذاب الٰہی سے ڈرانا بھی ہے۔اس سورت میں بیت اللہ کی بے حرمتی کا جو وبال حبشیوں پر آیا ہے اس سے استدلال ہے۔یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور اس کے تاریخی پس منظر پر اگر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ بالکل ابتدائی دور کی ہے۔وجہ تسمیہ ظاہر و باہر ہے۔

روایات:............حافظ ابن کثیرؒ اور محمد ابن اسحاقؒ وغیرہ نے جو تفصیلات درج کی ہیں۔ان کا ذکر ابھی گزرا۔جن کا حاصل یہ ہے کہ ۶۰ ہزار کا لشکر جرار لے کر ہاتھیوں کے ساتھ ابرہہ آندھی کی طرح مکہ پر چڑھ آیا۔اور عبدالمطلب سردار قریش کے سمجھانے بجھانے پر بھی اپنی ضد سے باز نہ آیا۔تو عرب مکہ جنہوں نے دیوشکل ہاتھیوں کی یلغار کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔اور اتنے بڑے لاؤ لشکر کے دفاع کا انتظام جن کے پاس نہیں تھا۔عبدالمطلب کے مشورہ کے مطابق تباہی سے بچنے کے لئے پہاڑوں پر چلے گئے۔دشمن ابھی مزدلفہ کے قریب وادی محسر میں تھا کہ سمندر کی طرف سے کچھ سبز اور زرد پرندے کبوتر سے کچھ چھوٹے غول کے غول امنڈ آئے۔جن کی چونچوں اور پنجوں میں مسور اور چنا کے برابر کنکریاں تھیں۔انہوں نے لشکر پر ان کنکریوں کو چھوڑا۔قدرت الٰہی کہ انہوں نے گولیوں کا کام کیا۔کچھ تو وہیں ڈھیر ہو گئے اور جو کچھ نکل بھاگے۔وہ بھی بلک بلک کر مر گئے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے محمود ہاتھی کے قائد اور سائیس کو اندھا بھیک مانگتے دیکھا۔اور نوفل بن معاویہ کا بیان ہے کہ انہوں نے وہ کنکریاں دیکھیں ہیں۔ان کنکریوں کے اثر سے خارش کا ہونا اور چیچک کا ہونا

اوراسی میں ہلاک ہو جانا بھی ممکن ہے۔اسی طرح کنیسہ کونجاست آلود کرنے کے ساتھ آگ لگانے کا واقعہ بھی ممکن ہے۔

﴿ تشریح ﴾:............ الم تر چونکہ تازہ تھا۔حضورؐ کی ولادت باسعادت سے پونے دوماہ پہلے کا ہے۔ پھر بچہ بچہ کی زبان پر مشہور تھا۔اسی لئے اس کے علم کو دیکھنے سے تعبیر فرمادیا اور اسی لئے قرآن ان سب تفصیلات میں نہیں گیا کہ یہ ہاتھی والے کون تھے اور کیوں آئے تھے؟ اور کتنے تھے اور کتنی مدت رہے؟ کیونکہ اس وقت یہ باتیں سب کو معلوم تھیں۔

الم یجعل ہر چند کے وہ اللہ کے گھر کو اجاڑ کر اپنے مصنوعی کعبہ کواس کی جگہ دینا چاہتے تھے۔مگر اللہ نے ان کی ساری تدبیریں توڑ پھوڑ کر رکھ دیں اور سب داؤ پیچ بکھیر دیئے۔نیا کعبہ تو کیا آباد ہوتا خود ہی برباد ہو گئے۔

کید کے معنی خفیہ تدبیر کے ہیں۔ایک تدبیر ابرہہ نے کی اور ایک اللہ کا ہاتھ مخفی انتظامات کر رہا تھا۔ابرہہ کی فوج ظاہرا تو اپنے کنیسہ کی بے حرمتی کا بدلہ لینے کے لئے تھی۔مگر اصل ناپاک منصوبہ چھپائے ہوئے تھا۔یعنی کعبۃ اللہ کو مٹا کر اپنا کعبہ آباد کرنا اور قریش کا زور توڑ کر اور تمام عرب کو مرعوب کر کے ان سے مصر وشام کی تجارت چھین لینا۔مگر اللہ کی مخفی تدبیر کے آگے وہ اور اس کی پوری اسکیم خاک میں مل گئی۔طیرا ابابیل عکرمہؒ اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ واقعی پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بحر احمر کی طرف سے آئے تھے۔سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ اس طرح کے پرندے نہ کبھی پہلے دیکھے گئے اور نہ بعد میں دیکھے گئے۔یہ نہ نجد کے تھے نہ حجاز اور تہامہ کے۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان کی چونچیں پرندوں جیسی اور پنجے کتے جیسے تھے اور بقول عکرمہ ان کے سر شکاری پرندوں کے سر جیسے۔غرض ان عجیب وغریب پرندوں کی چھوڑی ہوئی کنکریاں ان کے لگتی تھیں۔اور کوئی سمی مادہ ایسا چھوڑتی تھیں جس سے کچھ تو وہیں ڈھیر ہو گئے اور کچھ ان کے اثر سے چیچک اور کھجلی میں مبتلا ہو کر ختم ہو گئے اور کچھ افراد کا بچ کر نکل بھاگنا بھی اگر ثابت ہو جائے۔تب بھی اکثریت کے لحاظ سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔اور ہر چند کہ واقعہ عجیب وغریب اور بظاہر مستبعد ہے۔لیکن بیت اللہ کی حرمت کے علاوہ اگر آنحضرتؐ کی آمد کا لحاظ بھی کیا جائے تو اس خارق عادت واقعہ کو ارہاص کہا جائے گا۔چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضورؐ کی ولادت شریفہ کے دن ہی یہ واقعہ پیش آیا ہے اور پچاس دن کے کافصل بھی کچھ فصل نہیں۔کیونکہ آثار نبوت اور برکات رسالت تو آخر شروع ہو ہی چکے تھے۔کعبہ اور خدام کعبہ کی حفاظت منجانب اللہ ہو گی۔اس لئے ان آیات میں دور از کار تاویلات قطعاً غیر موزوں ہیں۔

خلاصہ کلام:............ حق تعالیٰ نے اس واقعہ کی تفصیل میں نہ جاتے ہوئے اصحاب فیل کی تباہی وبربادی کا تذکرہ فرما کر اس پر زور دینا چاہا ہے کہ خاص طور پر قریش اور عام طور سے سارا عرب جہان غور کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں وہ یہی تو ہے کہ سارے معبودوں کو چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت کی جائے۔اور یہ بھی سوچ لیا جائے کہ اس وحدت کو دبانے کے لئے اگر انہوں نے زبردستی سے کام لیا تو جس طرح خدا نے اصحاب الفیل کو تہس نہس کر دیا تھا۔اس کے غضب میں تم بھی گرفتار ہو سکتے ہو۔چنانچہ چند سال تک قریش اس واقعہ سے اتنے متاثر رہے کہ انہوں نے اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی۔حضرت ام ہانیؓ اور حضرت زبیرؓ کی روایت ہے کہ قریش نے سات یا دس سال اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کی۔پھر جوں جوں یہ احساس کم ہوتا چلا گیا لوگ اپنے پرانے ڈگر پر آتے چلے گئے اور واقعہ چونکہ تازہ تھا بچہ بچہ کی زبان پر۔اس لئے نہ اس کی تفصیل ضروری سمجھی گئی اور نہ اس کو بار بار دہرانا چنداں ناگزیر سمجھا گیا۔

فضائل سورت:............ من قرء سورۃ الفیل عافاہ اللہ ایام حیاتہ من الخسف والمسخ جوشخص سورۂ فیل پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں خسف ومسخ سے بچالے گا۔

لطائف سلوک:............ وارسل علیھم اس میں اشارہ ہے کہ اسباب حقیقۃً مؤثر نہیں۔بلکہ مؤثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔

سُوْرَةُ قُرَيْشٍ

سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ اَرْبَعُ ايَاتٍ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ﴿۱﴾ اِلٰفِهِمْ تَاكِيْدٌ وَهُوَ مَصْدَرُ اٰلَفَ بِالْمَدِّ **رِحْلَةَ الشِّتَآءِ** اِلَى الْيَمَنِ **وَ رِحْلَةَ الصَّيْفِ ﴿۲﴾** اِلَى الشَّامِ فِىْ كُلِّ عَامٍ يَسْتَعِيْنُوْنَ بِالرَّحْلَتَيْنِ لِلتِّجَارَةِ عَلَى الْاِقَامَةِ بِمَكَّةَ لِخِدْمَةِ الْبَيْتِ الَّذِىْ هُوَ فَخْرُهُمْ وَهُمْ وَلَدُ النَّضْرِبْنِ كِنَانَةَ **فَلْيَعْبُدُوْا** تَعَلَّقَ بِهٖ لِاِيْلَافِ وَالْفَاءُ زَائِدَةٌ **رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ﴿۳﴾ الَّذِىْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ** اَىْ مِنْ اَجْلِهٖ **وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾** اَىْ مِنْ اَجْلِهٖ وَكَانَ يُصِيْبُهُمُ الْجُوْعُ لِعَدَمِ الزَّرْعِ بِمَكَّةَ وَخَافُوْا جَيْشَ الْفِيْلِ

سورۂ قریش مکیہ ہے یا مدنیہ ہے۔ اس میں چار آیات ہیں، **بسم الله الرحمن الرحیم**

ترجمہ: .... چونکہ قریش خوگر ہو گئے ہیں یعنی ان کا خوگر ہونا (یہ تاکید ہے ایلاف آلف کا مصدر ہے) جاڑے میں (یمن کے) اور گرمی میں سفر کے لئے (شام کی طرف سال بھر میں دو تجارتی سفر کر کے پھر مکہ میں باطمینان قیام پذیر رہتے۔ تاکہ بیت اللہ کی خدمت کر سکیں جوان کے لئے باعث فخر تھیں۔ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہتے ہیں) لہٰذا ان کو چاہیئے کہ عبادت کریں (**لایلاف** کا تعلق **فلیعبدوا** سے ہے اس میں فا زائد ہے) اس گھر کے مالک کی جس نے انہیں بھوک میں (بھوک کی وجہ سے) کھانے کو دیا۔ اور خوف سے ان کو امن دیا (مکہ میں کاشت نہ ہونے کی وجہ سے وہ بھوکے تھے اور اصحاب الفیل سے ڈرے ہوئے تھے)۔

تحقیق وترکیب: .... **سورة قریش** ای السورة التی ذکر فیها الامتنان علی قریش **قریش** تصغیر ہے قرش کی جس کے معنی بقول ابن عباسؓ سمندری جانور کے ہیں۔ جو نہایت طاقت ور ہوتا ہے اور جہازوں اور کشتیوں تک کو خاطر میں نہیں لاتا۔ البتہ شیر کی طرح آگ سے ڈرتا اور گھبراتا ہے۔ وہ دوسرے دریائی جانوروں کو کھا جاتا ہے۔ لیکن دوسرے جانوروں کے قبضہ میں نہیں آسکتا۔ اس کی تصغیر تعظیم کے لئے کر لی گئی ہے۔ پھر نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہا جانے لگا۔ کیونکہ عرب میں ان کی حیثیت رہی تھی جو شیر اور اس دریائی جانور کی ہے۔

اور بعض فہر بن مالک کو قریش کہتے ہیں۔ قرش تقرش کے معنی کسب اور جمع کے ہیں۔ فلان یقرش بعیاله کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے قرشه یقرشه بمعنی قطعه وجمعه من ههنا وهنا وضم بعضه الی بعض **قریش** کو مختلف جگہوں سے جمع ہونے کی وجہ

سے قریش کہتے ہیں یا مختلف سامان خرید کر جمع کرتے تھے اور تجارت کرتے تھے یا نضر بن کنانہ ایک دن کپڑے میں مجمع ہو کر بیٹھا تو کہنے لگے تقرش۔ یا ایک دن قوم کے پاس آیا تو لوگ کہنے لگے۔ کانه جمل قرش ای شدید۔

مکیة مفسر علامؒ تو اس کو مختلف فیہ کہہ رہے ہیں اور قاضیؒ صرف اس کو مکی مانتے ہیں۔

لایلاف: ایلاف الف سے ہے جس کے معنی مانوس اور خوگر ہونے۔ پھیلنے کے بعد مل جانے اور کسی چیز کو اختیار کرنے کے ہیں اس کی ترکیب میں مختلف اقوال ہیں۔

(۱) ایک پچھلی سورت کے آخری جملہ **فجعلهم كعصف ماكول** سے اس کا تعلق ہے۔ ای جعلهم كعصف ماكول لایلاف اور بقول زمخشریؒ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی شعر کی تضمین کر لی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مصحف ابی میں ان دونوں سورتوں کو ایک ہی سورت قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عمرؓ نے نماز مغرب کی پہلی رکعت میں سورۂ والتین اور دوسری رکعت میں ان دونوں سورتوں کو پڑھا۔ اخفشؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ لیکن بقول کوفی علماء کی ایک جماعت نے یہ کہہ کر اس بات کو رد کر دیا ہے کہ ان دونوں سورتوں کا بلا فصل ایک سورت ہونا خلاف اجماع ہے۔

(۲) اس کا متعلق محذوف مانا جائے مثلاً اعجبوا لایلاف قریش یا فعلنا اهلاك اصحاب الفيل

(۳) اس کا متعلق **فليعبدوا** کو مانا جائے اس صورت میں فا شرطیہ ہو جائے گی۔ ای فان لم يعبدوا لسائر نعمه فليعبدوا لایلافهم۔ لایلاف میں لام تعجب ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ مثلاً عرب کہتے ہیں لزيد وما صنعنابه یعنی ذرا اس زید کو دیکھو کہ ہم نے اس کے ساتھ نیک سلوک کیا اور اس نے ہمارے ساتھ کیا کیا؟ پس یہاں **لایلاف قريش** کے یہ معنی ہوں گے کہ قریش کا یہ رویہ بڑا ہی تعجب خیز ہے کہ اللہ ہی کے فضل کی بدولت وہ منتشر ہونے کے بعد جمع ہوئے اور وہ اللہ کے فضل کے بدولت ہی وہ تجارت کے خوگر ہوئے جو ان کی خوشنمائی کا سبب ہے۔ مگر پھر اللہ کی بندگی ہی سے وہ روگردانی کر رہے ہیں۔ ابن جریرؒ، اخفشؒ، کسائیؒ، فراکی اس رائے کو ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ عرب جب اس لام کے بعد کسی بات کا ذکر کرتے ہیں۔ تو وہی بات یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی سمجھی جاتی ہے کہ اس کے ہوتے جو شخص کوئی رویہ اختیار کر رہا ہے وہ قابل تعجب ہے۔ لیکن خلیل اور زمخشریؒ لام کو تعلیل کے لئے مانتے ہوئے اس کا تعلق **فليعبدوا** سے مان رہے ہیں۔ یعنی قریش پر یوں تو اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ لیکن اگر کسی اور نعمت کی بناء پر نہیں تو کم از کم اس نعمت کی وجہ سے ہی وہ اللہ کی عبادت کر لیں کہ وہ اس کے فضل سے تجارت کے خوگر ہوئے۔ جو ان کی خوشحالی کا باعث بنی۔

الفهم دوسرے مفسرین اس کو بدل قرار دے رہے ہیں کہ پہلے **ايلاف** مطلقاً ذکر کیا۔ پھر مفعول عنہ کی قید تعظیم کے لئے لا کر بطور بدل ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن مفسر علامؒ اس کو تائید کہتے ہیں۔ ابن عامر کی قرأت **لا لاف** ہے بغیر یا کے۔ **رحلة الشتاء** مفعول بہ ہے **ايلافهم** کا۔ اور **ايلاف** منصوب بنزع الخافض بھی ہوسکتا ہے۔ ای للرحلة او على الرحلة۔ قبیلہ ہاشم ملک شام میں اور قبیلہ مطلب یمن میں اور قبیلہ نوفل وعبد شمس مصر و حبشہ میں تجارتی سفر کیا کرتے تھے یا یوں کہا جائے کہ موسم سرما میں گرم علاقوں کا اور موسم گرما میں سرد علاقوں کا سفر کرتے تھے۔ اس لئے رحلتی الشتاء والصيف عبارت ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن التباس کا خطرہ نہیں تھا۔ اس لئے مفرد لایا گیا۔ قریش کے تجارتی سفروں پر اگر نظر ڈالی جائے تو اس سے سورۂ ایلاف اور سورۂ فیل کا مفہوم اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔

قصی بن کلاب سے پہلے تو قریش حجاز میں منتشر تھے۔ لیکن قصی نے سب کو مکہ میں یکجا کر دیا۔ اس طرح کعبۃ اللہ کی تولیت ان کے ہاتھ آ گئی۔ اس لئے قصی کو مجمع کا لقب دیا گیا۔ انہوں نے نہایت دور اندیشی سے ایک نظام ترتیب دیا اور حجاج کی خدمت کے لئے ایک عمدہ نظم قائم کیا۔ جس کے اثرات پورے ملک میں اور اطراف واکناف میں پھیل گئے۔ پھر ان کی اولاد عبد مناف اور عبد الدار میں کچھ

مناصب تقسیم ہو گئے ۔لیکن ان میں عبد مناف شروع ہی سے نمایاں ہوئے ۔جس کی وجہ سے اہل عرب ان کالوہامانے لگے ۔پھران کے چار بیٹوں ۔ہاشم ،عبدشمس ،مطلب اورنوفل میں اول الذکرحضورؐ کے پردادا کو خیال آیا ۔کہ عرب کی بین الاقوامی تجارت میں حصہ لیا جائے ۔یہ وقت تھا کہ جب ایران کی ساسانی حکومت بین الاقوامی تجارت پر قابض تھی ۔اس سلسلہ میں پہلے تو قریش کوراہداری کی وہ سہولتیں حاصل تھیں جو دوسروں کو حاصل نہیں تھیں ۔دوسرے خدام بیت اللہ ہونے کی وجہ سے یہ لوگ احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے ۔اس طرح ان لوگوں کی تجارت بڑی تیزی سے ترقی کرتی چلی گئی ۔اسی لئے یہ چاروں بھائی متجرین یعنی تجارت پیشہ سمجھے جانے لگے ۔اورمختلف قبائل سے روابط کی وجہ سے ''اصحاب الایلاف'' بھی کہا جانے لگا ۔جس کے معنی تعلقات پیدا کرنے والے کے ہیں ۔ اس کاروبار کی وجہ سے شام ،مصر ،عراق ،ایران ،یمن ،حبش تمام ممالک سے قریش کے تعلقات وسیع ہو گئے ۔

مـن جـوع تنکیر تعظیم کے لئے ہے اور بعض نے کہا قحط سالی کی شدت مراد ہے جس میں لوگوں نے مردار جانوراور ہڈیاں کھالی تھیں ۔من خوف خوف عام ہے خواہ لوٹ مار کا ہو یا اصحاب فیل کا یا جذام مرض کا ۔

ربط آیات: .... منجملہ مہمات والضحیٰ کے انعامات الٰہیہ پر شکر کرنا بھی ہے ۔اس سورت میں اسی کا بیان ہے کہ شکر نعمت کے لئے اللہ کی عبادت کرنا ہے ۔وجہ تسمیہ ظاہر ہے ۔ضحاکؒ اور کلبیؒ اگر چہ اس کو مدنی سورت کہتے ہیں ۔لیکن مفسرین کی بڑی اکثریت اس کو مکی مانتی ہے ۔چنانچہ رب ھٰذاالبیت بھی اس کا قرینہ ہے ۔اسی طرح سورۂ فیل کے مضمون سے اس کا اتنا گہرا ربط ہے کہ غالباً اس کا نزول متصلاً ہوا ہوگا ۔حتیٰ کہ بعض سلف دونوں کو ایک ہی مانتے رہے ۔لیکن یہ رائے تو اس لئے قابل قبول نہیں کہ حضرات صحابہؓ کی بڑی تعداد کی مدد سے خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سرکاری طور پر قرآن کریم کے نسخے اسلامی مراکز میں بھجوائے ۔ان میں دونوں سورتوں کو بسم اللہ کا فصل دے کر الگ الگ لکھا ہوا ہے ۔اوراسی کے مطابق امت کا تعامل رہا ہے ۔نیز دونوں کا انداز بیان بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے جس سے واضح ہے ۔کہ دونوں سورتیں جمہور کے مطابق مستعمل ہیں ۔

﴿ تشریح ﴾: .... مکہ مکرمہ میں غلہ وغیرہ پیدا نہیں ہوتا ۔اس لئے قریش یہ کرتے کہ سال میں دو بڑے تجارتی سفر کرتے تھے ۔سردیوں میں یمن کی طرف کہ وہ گرم علاقہ ہے اور گرمیوں میں شام کے ٹھنڈے علاقہ کی طرف جو شاداب حصہ ہے ۔نیز لوگ اُن کو اہل حرم اور خادم بیت اللہ سمجھ کر نہایت عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے اور دل وجان سے ان کی خدمت کرتے ۔نہ ان سے ٹیکس وصول کیا جاتا اور نہ ان کی جان ومال سے تعرض کیا جاتا ۔تیسرے حج کے زمانہ میں قریش حاجیوں کی جو خدمت نہایت فیاضی کے ساتھ کرتے تھے ۔اس کی وجہ سے سب ان کے احسان منداور شکر گذار تھے ۔بادشاہوں اور امراء سے ان کے اچھے خاصے روابط قائم ہو گئے ۔شام کے غسانی بادشاہ سے ہاشم نے حبش کے بادشاہ سے عبدشمس نے یمنی امراء سے مطلب نے اور عراق وفارس کی حکومت سے نوفل نے تجارتی مراعات حاصل کیں ۔

قریش کی تجارت اوراس کا پس منظر: .... اس طرح ان لوگوں کی تجارت اعلیٰ پیمانہ پر پہنچ گئی اور مختلف ملکوں سے براہ راست ثقافتی اورتہذیبی رشتوں کے استوار ہونے کی وجہ سے ان کی سوجھ بوجھ کا معیار بھی اتنا بلند ہوتا چلا گیا کہ عرب کا کوئی دوسرا قبیلہ ان کی ٹکر کا نہ رہا ۔اور مال ودولت کے اعتبار سے بھی وہ عرب میں سب پر فائق ہو گئے اور مکہ عرب کا سب سے زیادہ اہم تجارتی مرکز بن گیا ۔اس طرح قریش نہایت امن وچین سے گھر بیٹھ کر کھاتے اور کھلاتے تھے ۔حرم سے باہر لوٹ کھسوٹ اور چوری ڈکیتی کا بازار گرم رہتا ۔مگر کعبہ کے پاس ادب سے کوئی قریش پر ہاتھ صاف نہ کرسکتا ۔اس انعام کو یہاں یاد دلایا جا رہا ہے کہ اس گھر کے طفیل ہم نے تمہیں

روزی دی، امن چین، دیا۔ ہاتھیوں کے لشکر جرار کی زد سے محفوظ رکھا۔ تمہیں خود بھی اعتراف ہے کہ اس گھر کا مالک صرف اللہ ہے۔ وہ تین سو ساٹھ بت نہیں جن کی تم پوجا کر رہے ہو۔

جس گھر کی بدولت عزت وروزی اس کا حق ادا کرو: .... فلیعبدوا اس خانۂ خدا کی پناہ میں آجانے کے بعد تمہیں پناہ ملی، ورنہ پہلے تتر بتر اور بکھرے ہوئے تھے اور تمہاری کوئی حیثیت نہ تھی۔ مگر بیت اللہ کی خدمت نے تمہیں محترم بنادیا۔ تمہارے سر اونچے کردیئے اس لئے اور کچھ نہیں تو اسی نعمت کا لحاظ کرتے ہوئے گھر کے مالک کی بندگی کرو۔ جس کا واحد طریقہ اللہ کے رسول کی پیروی ہے۔ ھذا البیت الذی اطعمھم یعنی تم پہلے بھوکوں مر رہے تھے۔ یہاں آنے کے بعد تمہارے لئے رزق کے دروازے کھل گئے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی وہ دعا حرف بحرف پوری ہوئی جو انہوں نے رب انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی ذرع عند بیتك المحرم کے الفاظ میں کی تھی۔ وامنھم من خوف عرب کی مشہور بدامنی ہر جگہ عام تھی۔ کوئی بستی کوئی راستہ مامون نہیں تھا۔ ہر وقت یہ خطرہ لگا رہتا۔ نہ معلوم کب کوئی گروہ حملہ کردے۔ کوئی شخص اپنے قبیلہ سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ اکا دکا آدمی اول تو محفوظ نہیں تھا اور محفوظ بھی رہتا تو غلام بنالیا جاتا۔ تجارتی قافلے ڈاکوؤں کے حملوں کا شکار ہوجاتے تھے۔ البتہ یہ معلوم ہوجانے کے بعد کہ یہ قافلہ حرم کے خادموں کا ہے۔ انہیں چھیڑنے کی کوئی جرأت نہ کرسکتا تھا۔ حد یہ ہے کہ اکیلا قریشی بھی اگر کہیں سے گزر جاتا تو کوئی اس سے تعرض نہ کرتا اور اس کے لئے صرف لفظ ''رحمی '' یا ''انا من حرم اللہ'' کہہ دینا ہی کافی ہوجاتا تھا یہ سنتے ہی اٹھے ہوئے ہاتھ فوراً رک جاتے تھے۔

خلاصۂ کلام: .... قریش اور عرب کے پچھلے حالات، اور بیت اللہ کی وجہ سے جو ان کی شاندار زندگی بن گئی تھی۔ وہ چونکہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ سب پر عیاں اور روشن تھی۔ اس لئے سورت میں بھی ان کی تفصیلات میں نہ جاتے ہوئے صرف چار فقروں میں ان کی اتنی سی بات کہنے پر اکتفا کیا گیا کہ جب تم خود اس گھر کو اللہ کا اور صرف اللہ کا گھر مانتے ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ اللہ نے تمہیں اسی گھر کے طفیل یہ امن وچین عطا کیا۔ تجارت کے ذریعہ تمہیں یہ فروغ بخشا۔ اور فاقہ کی زندگی سے نکال کر یہ خوش حالی نصیب فرمائی۔ تو پھر تمہیں صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔ اور اس کا حق ادا کرنا چاہیئے۔

فضائل: .... من قرء سورة لایلاف قریش اعطاه اللّٰه تعالیٰ عشر حسنات بعدد من طاف الکعبة واعتکف بھا جو شخص سورۂ لایلاف پڑھے گا اس کو اللہ تعالیٰ طواف کعبہ اور اعتکاف کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا ثواب عطا فرمائے گا۔

لطائف سلوک: .... لایلاف الخ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو دین کی وجہ سے دولت واقتدار حاصل ہوجائے جیسا کہ قریش کو بیت اللہ کے تعلق سے حاصل ہوا تو اس کا حق یہ ہے کہ تفاخر اور دعویٰ استحقاق کے بجائے اللہ کے شکر اور اس کی اطاعت کا زیادہ اہتمام کرے۔

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ اَوْ نِصْفُهَا وَنِصْفُهَا سِتٌّ اَوْ سَبْعُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ﴿۱﴾ بِالْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ اَىْ هَلْ عَرَفْتَهُ اَوْلَمْ تَعْرِفْهُ **فَذٰلِكَ** بِتَقْدِيْرِ هُوَ بَعْدَ الْفَاءِ **الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ﴿۲﴾** اَىْ يَدْفَعُهُ بِعُنْفٍ عَنْ حَقِّهٖ **وَلَا يَحُضُّ** نَفْسَهٗ وَلَا غَيْرَهٗ **عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳﴾** اَىْ اِطْعَامِهٖ نَزَلَتْ فِى الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ اَوِ الْوَلِيْدِ بْنِ الْمُغِيْرَةِ **فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴿۴﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴿۵﴾** غَافِلُوْنَ يُؤَخِّرُوْنَهَا عَنْ وَقْتِهَا **الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ﴿۶﴾** فِى الصَّلٰوةِ وَغَيْرِهَا **وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿۷﴾** كَالْاِبْرَةِ وَالْفَاسِ وَالْقِدْرِ وَالْقَصْعَةِ

یہ سورت الماعون مکیہ یا مدنیہ ہے یا نصف نصف اور اس میں ۶ یا ۷ آیتیں ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: .... آپ نے کیا اس شخص کو دیکھا ہے جو آخرت کی جزاء وسزا کو جھٹلاتا ہے (حساب اور بدلہ کو یعنی آپ اس کو جانتے ہیں یا نہیں جانتے؟) وہی تو ہے (فاء کے بعد هو مقدر ہے) جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی اس کا حق دینے کے بجائے جھڑک دیتا ہے) اور نہیں اکساتا (نہ خود کو اور نہ دوسروں) مسکین کو کھانا دینے پر (یعنی اس کو کھلانے کے لئے یہ آیت عاص بن وائل یا ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے) سو تباہی ان نماز پڑھنے والوں پر جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھے ہیں (غفلت برتتے ہیں نماز بے وقت پڑھ کر) جو ریا کاری کرتے ہیں (نماز وغیرہ میں) اور معمولی ضرورت کی چیزیں دینے سے گریز کرتے ہیں (جیسے سوئی، کلہاڑی، ہانڈی، پیالہ)۔

تحقیق وترکیب: .... مکیة ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ عطاؒ اور جابرؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ مگر ابوحیانؒ نے ابن عباسؓ اور قتادہؒ اور ضحاکؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور تیسرا قول مفسرؒ نے نصف نصف کا نقل کیا ہے۔ یعنی اول نصف مکہ میں ابن وائل کے متعلق اور آخری نصف عبداللہ بن ابی منافق کے بارے میں نازل ہوئی۔

ارأیت مفسرؒ نے رؤیت عملیہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور رؤیت بصریہ بھی ہوسکتی ہے۔ اسی طرح مخاطب عام بھی ہوسکتا ہے۔ رؤیت علمیہ کی صورت میں سمجھنے اور غور کرنے کے معنی ہیں اردو میں بھی یہ استعمال ہے۔ کہتے ہیں "دیکھ رہا ہوں یا ذرا یہ بھی تو دیکھو" یعنی سمجھ رہا ہوں یا سمجھو یہاں استفہام بمعنی تعجب ہے ایک قرأت ارأیت مضارع کی طرح بغیر ہمزہ کے ہے اور ایک قرأت ارأیتک۔

الذی ،یکذب الذی جنس اور عہد دونوں کے لئے ہوسکتا ہے۔ البتہ فذلک دوسرے احتمال کی تائید کرتا ہے، دین کے معنی جزاء کے اور اسلام کے ہوسکتے ہیں۔

فذٰلک الذی مفسرؒ نے فا کے بعد هو جو مقدر مانا ہے۔ وہ ضروری نہیں ہے یہ مبتداء بھی ہوسکتا ہے اور الذی یدع اس کی خبر ہے۔

بہرصورت یہ جملہ اسمیہ ہوگا۔ جس پر فاشرط مقدر کے جواب میں ہے۔ ابوجہل یا ولید یا ابن ابی مراد ہے ایک قرأت یدع بمعنی یترک بھی ہے۔

الذین ھم عن صلاتھم یہ مرفوع المحل اور منصوب المحل اور مجرور المحل تینوں طرح ہوسکتا ہے۔ نعت یا بدل یا بیان کی صورت میں۔ اسی طرح آئندہ الذین میں بھی تینوں احتمال ہیں اور یہ مصلین کے تابع ہوسکتا ہے۔ اور موصول کے تابع بھی ہوسکتا ہے۔

یراؤن اس کی اصل یرائیون ہے صرفی تعلیل ہوگئی ہے۔ باب مفاعلت سے اس کا لانا واضح ہے۔ کیونکہ ریاکار لوگوں کی تعریف کے لئے عبادت کو دکھلاتا ہے۔ اور لوگ دیکھ کر تعریف کرتے ہیں۔

الماعون معنی سے ماخوذ ہے فاعول کے وزن پر معتبر چیز "مالہ معن" کے معنی یہ ہیں کہ اس کے پاس کچھ نہیں۔ قطرب کہتے ہیں کہ اعانۃ سے مفعول ہے قلب کر کے تصرف کرلیا گیا ہے۔ حضرت علیؓ، ابن عمرؓ، سعید بن جبیرؒ قتادہؒ، حسن بصریؒ، محمد بن حنفیہؒ ضحاکؒ، ابن زبیرؓ، عکرمہؒ، مجاہدؒ، عطاءؒ رحمہم اللہ کے نزدیک زکوٰۃ مراد ہے اور اب عباسؓ، ابن مسعودؓ، ابراہیم نخعیؒ، ابو مالک وغیرہ معمولی ضرورت کی چیزیں مراد لیتے ہیں جو عام طور پر لی دی جاتی ہیں۔

ربط آیات: .... منجملہ مہمات والضحٰی کے کفر ونفاق سے بچنا ہے۔ اس سورت میں اسی کا بیان ہے۔ پوری سورت کو اگر مکی مانا جائے تو کفار مکہ مخاطب ہوں گے اور ان کو مصلین کہنا اس معنی کو ہے کہ ایمان کے ساتھ نماز وغیرہ بھی ان پر فرض ہے۔ اور مدنی کہنے کی صورت میں منافقین مخاطب ہوں گے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ منافقین اور ریاکاری کے ساتھ نماز پڑھنے والے مدینہ ہی میں تھے۔ مدینہ میں چونکہ اسلام اور مسلمانوں کو اتنی طاقت حاصل ہوگئی تھی کہ بعض لوگ محض مصلحۃ مسلمان ہوگئے تھے۔ اور ان کو مجبوراً مسجد کا رخ کرنا پڑتا تھا۔ اس کے برعکس مکہ میں ایسے حالات سرے سے موجود ہی نہیں تھے کہ وہاں کسی کو دکھاوے کی نماز پڑھنی پڑے۔ وہاں تو نماز وہی پڑھتا جس کی جان ہتھیلی پر ہوتی اور وہ بھی چھپ چھپ کر پڑھتا تھا۔ اس میں دکھاوے کا کیا سوال، کھلم کھلا نماز پڑھنا دکھلاوے کے لئے نہیں۔ بلکہ جان جوکھوں میں ڈالنے کے لئے ہوتا تھا۔ وہاں اگر منافقین کی کوئی قسم پائی جاتی تھی۔ تو وہ ریاکارانہ نماز پڑھنے والوں کی نہیں بلکہ ان لوگوں کی تھی۔ جو دل میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برسرحق سمجھتے تھے۔ مگر اپنی وجاہت وشخصیت کو برقرار رکھنے کے لئے اور اپنا بھرم باقی رکھنے کے لئے کفر سے چمٹے ہوئے تھے۔ اور کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہ تھے۔ رہا آدھی سورت کا مکی اور آدھی کا مدنی ہونا سو اس کی توجیہ ظاہر ہے۔ یعنی سابقہ دونوں توجیہات کا مجموعہ۔ وجہ تسمیہ بھی ظاہر ہے۔

روایات: .... یدع الیتیم کان ابو جھل وصیا لیتیم فجاء عریانا یسالہ من مال ابیہ فدفعہ و ابو سفیان نحر جزورا فسالہ یتیم لحما فقرعہ بعصاہ او الولید او منافق تحیل۔ قاضی نے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابوجہل جس یتیم بچہ کا وصی تھا۔ وہ بچہ ایک روز اس بدحالی میں اس کے پاس آیا کہ تن بدن پر کپڑا تک نہ تھا اور التجا کی میرے باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں سے وہ اسے کچھ دے دے۔ مگر ظالم نے اس طرف توجہ تک نہ کی اور وہ کھڑے کھڑے آخر کار مایوس ہوکر پلٹ گیا۔ قریش کے سرداروں نے از راہ شرارت اس سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاکر شکایت کر۔ وہ ابوجہل سے سفارش کر کے تیرا مال تجھے دلوادیں گے۔ بچہ صورت حال سے ناواقف تھا۔ وہ سیدھا حضورؐ کے پاس پہنچا اور اپنا دکھڑا کہہ سنایا۔ آپؐ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اسے ساتھ لے کر اپنے بدترین دشمن ابوجہل کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوگیا اور جب آپ نے فرمایا کہ اس بچہ کو اس کا حق دے دو تو وہ فوراً مان گیا اور اس کا مال لاکر دے دیا۔ سرداران قریش کو جب پتہ چلا تو انہیں حیرت ہوئی ابوجہل کے پاس آکر ملامت کرنے لگے کہ تو بھی دین سے پھر گیا۔ ابوجہل بولا کہ بخدا میں نے دین نہیں چھوڑا۔ مگر میں نے دیکھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دائیں بائیں ایک حربہ ہے اگر میں نے ذرا بھی ان کی مرضی کے خلاف حرکت کی تو وہ ہتھیار میرے اندر گھس جائے گا۔ **ساھون** سعد بن وقاصؓ اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ھم المنافقون یترکون الصلوٰۃ فی السر یصلونھا فی العلانیۃ اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے کہ عن صلوٰتھم فرمایا اور فی صلوٰتھم نہیں فرمایا۔ ورنہ کون

مسلمان ہے جس کو نماز میں سہو نہ ہوتا ہو۔ اس لئے مفسرؒ نے غفلت کے ساتھ تفسیر فرمائی ہے۔ الماعون عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کنا نعد الماعون علی عهد صلعم عارية الدلو والقدر وزاد البزار الفاس ولابن ابی حاتم بلفظ الماعون منع الدلو واشباه ذلك ولابن ابی حاتم وعن عكرمه راس الماعون زكوة المال وادناه المنخلو الدلو والا برة وقيل الماعون ما لايحل المنع عنه مثل الملح والنار۔

﴿تشریح﴾: .... الدین۔ اکثر مفسرینؒ نے دین کے معنی آخرت اور بدلہ کے لیے ہیں یعنی یہ لوگ آخرت اور اللہ کے حساب کتاب کو نہیں مانتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے نیکی اور بدی کا بدلہ نہیں ملے گا اور انصاف نہیں ہوگا آخرت کا انکار ہی انسان کو بے لگام اور بدکردار بنا دیتا ہے لیکن ابن عباسؓ دین سے اسلام مراد لیتے ہیں یعنی یہ لوگ اسلام اور مذہب ہی کو جھٹلاتے ہیں گویا ان کے نزدیک دین کوئی چیز نہیں ہے اس صورت میں پوری سورت کا مدعا اسلام کی اہمیت کو واضح کرنا ہے یعنی اسلام منکرین کے برخلاف سیرت وکردار پیدا کرنا چاہتا ہے پس انداز ہ کلام بتلا رہا ہے کہ یہاں یہ پوچھا نہیں ہے کہ تم نے ایسے شخص کو دیکھا ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ تاثر دینا ہے کہ آخرت کی جزا سزا کا انکار آدمی میں کسی قسم کا کردار پیدا کر دیتا ہے جس سے آخرت کے عقیدہ کی اہمیت واضح کرنا مقصود ہے۔

اخلاقی پستی کی انتہا: .... فذلك الذی یعنی یتیم کی ہمدردی اور غمخواری تو درکنار اس کے ساتھ نہایت سنگدلی اور بد اخلاقی سے پیش آتا ہے اور آپ ایسے شخص کو نہیں جانتے تو دیکھ لو یہی تو ہے وہ شخص جو یتیم کا حق مارتا ہے اور اس کے باپ کی چھوڑی ہوئی میراث سے بھی بے دخل کر کے دھکے دے کر نکال دیتا ہے اسی طرح اگر کوئی یتیم خود اس سے کچھ مانگنے آتا ہے تو رحم کھانے کی بجائے اسے دھکے دے کر نکال دیتا ہے اور پھر بھی کوئی آفت کا مارا اگر امید لیے کھڑا ہی رہے تو سال اللئیم یرجع ودسه سائل کا منظر سامنے آ جاتا ہے اور بالفرض اپنا ہی کوئی یتیم رشتہ دار اپنے گلے پڑ جائے تو اس بدنصیب کے حصہ میں گھر بھر کی خدمت گزاری اور بات بات پر جھڑکیاں اور ٹھوکریں کھانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ہر قسم کے مظالم کے لئے وہ تختۂ مشق بنا رہتا ہے اور ستم یہ کہ اس ظالم کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ یہ نہیں سمجھتا کہ وہ خود بھی زمانہ کی ستم ظریفی کا شکار ہو سکتا ہے۔ بلکہ یتیم کو ایک بے بس اور بے جان مخلوق سمجھتا ہے۔ اس لئے اس کا حق مارنے یا اس کو دھتکارنے یا ظلم وجور کے لئے تختۂ مشق بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بخل کی حد بندی نہیں بلکہ بطور تمثیل دو چیزوں کو ذکر کیا گیا ہے: .... ولا یحض یعنی غریب محتاج کو خود دینا تو کیا معنی؟ وہ کسی اور دینے والے کو بھی نہیں اکساتا۔ حالانکہ غریبوں پر ترس کھانا ہر مذہب وملت میں پسندیدہ نظروں سے دیکھا گیا ہے۔ لیکن جو شخص انسانی جذبۂ ہمدردی سے بھی بے بہرہ ہو۔ سمجھو کہ وہ آدمی نہیں جانور ہے۔ بھلا ایسے شخص کو دین سے کیا واسطہ اور اللہ سے کیا سروکار؟ مفسرؒ نے طعام المسکین کے معنی اطعام المسکین کے لئے ہیں۔ یعنی مسکین کو کھانا کھلانے کی کسی کو ترغیب نہیں دیتا۔ لیکن طعام المسکین کو اپنے ہی ظاہر پر رکھا جائے تو زیادہ ابلغ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کسی کو اپنا کھانا دینے کی ترغیب دینا تو بجائے خود مسکین کو اپنا کھانا اور اس کا حق .... جو دوسرے پر آتا ہے اس کو دلانے کی توفیق بھی سلب کر لی جاتی ہے اور وہ مسکین کو اس کا اپنا کھانا بھی دلانے کی کسی کو ترغیب نہیں دیتا۔ اس کے لئے نہ خود کو آمادہ کرتا ہے اور نہ دوسروں کو اکساتا ہے۔ یہاں دو چیزوں کے ذکر سے مقصود صرف انہی دو چیزوں کی برائیاں بیان کرنا نہیں ہے۔ بلکہ یہ دو خرابیاں بطور تمثیل ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ ان نمونوں سے ہر شریف طینت انسان سمجھ لے گا کہ نہایت قبیح رذائل ہیں اور اسی کے ساتھ اس پر بھی زور دینا ہے کہ جسے اللہ کے دربار میں حاضری کا خوف وڈر ہوگا تو اس سے یہ کمینی حرکتیں سرزد نہ ہوں گی۔

نمازیوں پر نماز کا ادبار: .... فویل للمصلین اس میں فا لانے کا مطلب یہ ہے کہ کھلے ہوئے منافقین کا حال تو تم نے ابھی سن لیا ہے۔ اب ان کا حال سنو جو خود کو نماز پڑھنے والے مسلمانوں میں سمجھتے ہیں۔ مگر آخرت کو جھوٹ سمجھتے ہیں اس لئے دیکھو تو وہ

اپنے لئے کس تباہی کا سامان کرر ہے ہیں اور مصلین کا مفہوم یہ ہے کہ وہ خود کو نمازیوں میں شمار کرتے ہیں نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں ۔ یہ نہیں جانتے کہ نماز کس کی مناجات ہے؟ اور اس سے کیا مقصود ہے؟ اور اس کا کتنا اہتمام ہونا چاہئے ۔ بھلا یہ کیا نماز ہوئی کہ کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی ۔ گنڈے دار دو چار ٹکریں مار لیں وقت بے وقت کھڑے ہو گئے ۔ دنیا کے بکھیڑوں میں اس قدر کھوئے ہوئے ہیں کہ نماز کا ہوش ہی نہیں جب جی میں آ گیا ۔ آ گئے اور آئے تو یہ خبر نہیں کہ کہاں آئے ہیں، کیوں آئے ہیں؟ کس کے آگے کھڑے ہیں؟ احکم الحاکمین کے دربار میں کس شان سے حاضری دے رہے ہیں کیا خدا صرف ہمارے اٹھنے، بیٹھنے، سیدھے ہونے، جھک جانے کو دیکھ رہا ہے ۔ اس کی نظر دلوں پر نہیں ہے کہ ان میں کتنا خلوص اور خشوع ہے؟ یہ سب باتیں ساھون میں آ جاتی ہیں ۔ اور فی صلوتھم کے بجائے عن صلوتھم میں نکتہ یہ ہے کہ لائق عتاب اور قابل ملامت نماز سے اعراض وغفلت ہے کہ نماز کو بالکل ہی بھول بھلیاں بنادے ۔ نماز میں سہو ونسیان پیش آنا نفاق یا گناہ نہیں ہے ۔ بلکہ ارشاد نبوی رفعت عن امتی الخطاء والنسیان کی رو سے وہ کوئی عیب اور لائق سرزنش بات بھی نہیں ہے ۔ انبیاء واولیاء میں کوئی اس سے بچا نہیں ۔ نماز میں سجدہ سہو کا ایک مستقل باب ہے ۔ بلکہ وہی گنڈے دار نماز پڑھنا یا ٹال مٹول کرتے رہنا اور وقت جب بالکل ختم ہونے لگے تو اٹھ کر دو چار ٹھونگیں مار لینا یا اس طرح نماز پڑھ لینا کہ کوئی مصیبت نازل ہو رہی ہے ۔ بے دلی کے ساتھ کپڑوں سے کھیلنا ۔ جمائیاں لیتے جانا ۔ بادل نخواستہ کچھ ٹکریں مار لینا ۔ یا ایسی ہیئت سے نماز پڑھنا کہ معلوم ہوتا ہے پہلوانی کی جارہی ہے ۔ ورزش ہو رہی ہے ۔ خدا کی یاد کا کوئی شائبہ دل کے اندر نہیں ہوتا ۔ پوری نماز میں نماز کا احساس ہوتا ہے اور نہ یہ خیال کہ کیا پڑھا ہے ۔ جسم نقل وحرکت کر رہا ہے ۔ مگر دل ہے کہ کہیں اور پڑا ہوا ہے ۔

نماز بے حضوری: .... گویا ایک مشین ہے جس کو چابی دے دی گئی ہے اور وہ اس سے چل رہی ہے چابی ختم ہو جائے گی نقل وحرکت بھی رک جائے گی ۔ مارامار اس طرح نماز پڑھی جارہی ہے کہ نہ قیام ٹھیک نہ رکوع وسجود قرینہ کے ہیں ۔ حدیث میں آتا ہے کہ یک صاحب نماز میں ڈاڑھی کے بالوں کو چھیڑ رہے تھے آپ نے فرمایا: اگر اس کے دل میں خشیت اور خوف ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا بس کسی نہ کسی طرح الٹے سیدھے نماز کا بوجھ اتارنے کی کوشش ہے ۔ حدیث میں آتا ہے کہ جس کی نماز اللہ سے قریب نہیں کرتی اسے اور دور پھینک دیتی ہے ۔ جہاں تک نماز میں وساوس اور دوسرے خیالات کے خود بخود آ جانے کا تعلق ہے وہ اور ات ہے اور نماز جی لگا کر نہ پڑھنا اور اس میں دوسری ہی باتیں سوچتے رہنا بالکل دوسری چیز ہے ۔ پہلی حالت تو بشریت کا تقاضا ہے نبیاء واولیاء بھی اس سے بچے ہوئے نہیں ہیں نہ اس پر کوئی عتاب اور مواخذہ ہے بلا ارادہ دوسرے خیالات آ ہی جاتے ہیں ۔ لیکن مؤمن کو جب بھی احساس اور تنبہ ہو جاتا ہے ۔ کہ نماز سے اس کا دھیان ہٹ گیا ہے ۔ تو وہ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے یہ حالت قابل ملامت نہیں لائق افسوس جو بات ہے وہ غفلت ہے کہ نماز شروع کرنے سے سلام پھیرنے تک ایک لحہ کے لئے دل خدا کی طرف متوجہ ہیں ہوتا جن خیالات کو لئے ہوئے نماز میں آیا تھا انہی میں مستغرق رہتا ہے اور انہی افکار میں نماز سے باہر آ جاتا ہے ۔

ریا کاری ایک طرح کا شرک ہے: .... الذین ھم یراؤن یعنی ایک نماز ہی کیا ان کے دوسرے اعمال بھی ریاکاری ونمائش ونمود سے خالی نہیں ہوتے گویا ان کا مقصود خالق سے قطع نظر مخلوق کو خوش کرنا ہوتا ہے ۔ کوئی بھی نیک کام خلوص نیت سے خدا کے لئے نہیں کرتے بلکہ جو کچھ کرتے ہیں دکھلاوے کے لئے کرتے ہیں ۔ کہ لوگ ان کو نیک سمجھیں اور ان کی تعریفیں ہوں، ان کی ینداری کا دنیا میں ڈھنڈورا پٹے اور پھر اس کا فائدہ کسی نہ کسی صورت میں دنیا ہی میں ان کو مل جائے ۔ لیکن ابن عباسؓ اور بالعموم وسرے مفسرین نے اس جملہ کا تعلق پہلے سے مانا ہے ۔ اور بادی النظر میں یہی محسوس ہوتا ہے کہ مراد وہ منافقین ہیں جو محض دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں اگر لوگ دیکھ رہے ہوں ۔ تو نماز پڑھ لیتے ہیں اور کوئی دیکھنے والا نہ ہو تو نہیں پڑھتے تھے ۔ بہر حال غور سے دیکھا جائے تو یا کاری ایک طرح سے شرک وکفر ہے کہ ریاکار کے پیش نظر غیر خدا ہوتا ہے قیامت میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ انہی سے صلہ اور بدلہ لو

جن کو دکھلانے کے لئے عبادت واطاعت کی تھی۔ یوں اعمال کی صورت بھی بے کار نہ ہوا اور وہ اس پر بھی فضل وانعام فرمادیں۔ وہ الگ بات ہے مگر خالص توحید ریا کاری کو گوارا نہیں کرتی۔

کنجوس کے لئے مال، جان وآن سے زیادہ عزیز ہے: .... ویمنع الماعون یعنی زکوۃ وصدقات تو کیا ادا کرتے معمولی برتنے کی چیزیں سوئی دھاگہ، نمک، پانی، ہنڈیا، دیگچی، کلہاڑی، ڈول، رسی تک اور وہ بھی عاریۃً دینے میں جان نکلتی ہے خست وبخل کا جب یہ حال ہو تو ریا کاری کی نماز ہی سے کیا فائدہ ہوگا ایک آدمی خود کو مسلمان کہتا ہے اور نمازی کہلاتا ہے مگر اللہ کے ساتھ اخلاص اور مخلوق کے ساتھ ہمدردی نہیں رکھتا تو اس کا مسلمان ہونا لفظی ہے اور نمازی ہونا بے حقیقت ہے، یہ ریا کاری اور بد خلقی ایک سچے مسلمان کا شیوہ نہیں۔ بلکہ ان لوگوں کا وطیرہ ہے جو اللہ اور دین پر اعتقاد نہیں رکھتے چھوٹی موٹی چیزیں جو عادۃً۔ ہمسائے ایک دوسرے سے مانگتے رہتے ہیں اور ان کا مانگنا عرف میں کوئی ذلت کی بات نہیں سمجھتا امیر غریب سب ہی کو کبھی نہ کبھی ایسا اتفاق پیش آتا رہتا ہے البتہ ایسی چیزوں کو نہ دینا اور بخل کرنا اخلاقاً ذلیل حرکت سمجھا جاتا ہے حضرت علیؓ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ماعون سے مراد زکوۃ بھی اور معمولی ضروریات کی چیزیں بھی ہیں۔ کہ عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ ماعون کا اعلیٰ مرتبہ زکوۃ ہے اور ادنیٰ ترین مرتبہ یہ ہے کہ کسی کو چھلنی، ڈول، سوئی عاریۃً دی جائے۔

دو نکتے: .... بہرحال دین کی تکذیب اگر کفر کے طریقہ پر ہو جیسا کہ سورت کے نصف اول میں ہے یا بطور نفاق کے تکذیب ہو جیسا کہ سورت کے نصف آخر میں ہے تب یہ تو مذمت اوّل درجہ کی ہے اور اگر بلا تکذیب کے ان افعال کا ارتکاب ہو تو یہ مذمت دوسرے درجہ کی ہے آیت فویل للمصلین کی تقریر سے یہ شبہ کیا جائے کہ اس سے حقوق اللہ کا حقوق العباد پر مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ فقہاء نے حقوق العباد کو مقدم مانا ہے جواب یہ ہے کہ دونوں باتیں الگ الگ حیثیت سے درست ہیں حقوق العباد بلحاظ احتیاج والزام کے مقدم ہیں اور حقوق اللہ اعظم ہونے کی وجہ سے مقدم ہیں اور غور سے دیکھا جائے تو حقوق العباد میں بھی حقوق اللہ ہیں۔ کیونکہ اللہ ہی کے حکم سے ان کے حقوق مقرر ہوئے پس اصل حقوق اللہ ہی ہوئے۔

خلاصۂ کلام: .... اس سورت کا ماحصل یہی ہے کہ انسان آخرت کا انکار کرکے کیا کھوتا ہے اور کیا پاتا ہے چنانچہ دوسری تیسری آیت میں ان کافروں کی حالت کا بیان ہے جو آخرت کو جھلاتے ہیں اور آخری چار آیات میں ان منافقین کی حالت بیان کی گئی ہے جو ظاہراً نماز پڑھتے ہیں مگر دل میں نہ آخرت کا اعتقاد رکھتے ہیں اور نہ اس کی سزا جزا کا کوئی دھیان انہیں آتا ہے اور ان دونوں قسم کے لوگوں کی حالت بیان کرنے سے اسی حقیقت کو اجاگر کرنا مقصود ہے کہ آخرت کے انکار سے انسان کا اخلاق وکردار تباہ ہو جاتا ہے لہٰذا اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ کردار کے لئے آخرت کا اعتقاد ضروری ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تو منافقین میں نفاق اعتقادی اور عملی دونوں تھے ان کا حکم تو کافروں ہی جیسا ہے مگر بعد میں کسی کے بارے میں قطعیت کے ساتھ اعتقادی نفاق کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا ہے اللھم احفظنا منھا اور نفاق عملی کی کثرت کی کوئی حد نہیں ہے۔

فضائل سورت: .... من قراء سورة أرايت غفرله ان كان للزكوة مودیا. جو شخص سورۃ أرایت پڑھے گا حق تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادیں گے بشرطیکہ وہ زکوۃ ادا کرتا ہو (مرفوع)۔

لطائف سلوک: .... فذلك الذى يدع اليتيم اس میں قساوت، غفلت، ریا، بخل کی مذمت واضح ہے۔

سُورَةُ الْكَوْثَرِ

سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ يَامُحَمَّدُ **الْكَوْثَرَ**﴿۱﴾ هُوَ نَهْرٌ فِي الْجَنَّةِ اَوْهُوَ حَوْضُهٗ تَرِدُ عَلَيْهِ اُمَّتُهٗ اَوِالْكَوْثَرُ الْخَيْرُ الْكَثِيْرُ مِنَ النُّبُوَّةِ وَالْقُرْاٰنِ وَالشَّفَاعَةِ وَنَحْوِهَا **فَصَلِّ لِرَبِّكَ** صَلَاةَ عِيْدِ النَّحْرِ **وَانْحَرْ**﴿۲﴾ نُسُكَكَ **اِنَّ شَانِئَكَ** اَىْ مُبْغِضَكَ **هُوَالْاَبْتَرُ**﴿۳﴾ الْمُنْقَطِعُ عَنْ كُلِّ خَيْرٍ اَوِالْمُنْقَطِعُ الْعَقَبُ نَزَلَتْ فِي الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ سَمَّى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْتَرَ عِنْدَ مَوْتِ ابْنِهِ الْقَاسِمِ

سورۃ کوثر مکیہ ہے یا مدنیہ اس میں تین آیات ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ: .... بلاشبہ ہم نے آپ کو (اے محمد!) کوثر عطا فرمائی ہے (یہ جنت کی نہر یا حوض ہے جہاں امت محمد یہ لے جائی جائے گی۔ یا کوثر سے مراد نبوت، قرآن، شفاعت وغیرہ خیر کثیر ہے) سو آپ اپنے پروردگار کے لئے (بقر عید کی) نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے یقیناً آپ کا دشمن (مخالف ہی) بے نام ونشان ہے (ہر طرح کی خیر سے محروم، یا منقطع النسل ہے یہ آیت عاص بن وائل کے متعلق نازل ہوئی جب اس نے آپ ﷺ کے صاحبزادہ قاسمؓ کی رحلت پر آپ کو ابتر کہا تھا)۔

تحقیق وترکیب: .... اعطینا ایک قرأت انطینا ہے بنوتمیم اور اہل یمن کا یہ لغت ہے۔

الکوثر حوض کوثر مراد ہے یا فوعل کا وزن کثرت اور مبالغہ کے لئے ہے جیسے نفل سے نوفل کوثر کا موصوف خیر محذوف ہے اس میں علم وعمل اور دونوں جہان کی ہر قسم کی بھلائی داخل ہے بعض نے آپ کی اولاد اور پیروکار اور علماء امت اور قرآن کریم کو بھی اس میں داخل کیا ہے۔

صحاح میں کوثر کی دونوں تفسیریں آئی ہیں حوض کوثر اور خیر کے معنی ہیں اور ایک تفسیر کا دوسری تفسیر میں داخل ہونا بھی آیا ہے اور بعض احادیث سے اس نہر کا جنت میں ہونا اور بعض سے میدان حشر میں ہونا معلوم ہوتا ہے تطبیق کی صورت یہ ہے اصل نہر جنت میں اور اس کی شاخ محشر میں ہوگی۔

وانحر اونٹ عرب کے نزدیک بہترین مال سمجھا جاتا ہے اس لئے اس کے ذبح کے لئے لفظ نحر خاص استعمال کیا گیا

مراد مطلقا قربانی ہے خواہ اونٹ کی قربانی ہو یا گائے بکری کا ذبیحہ، نماز اور قربانی دونوں کو جمع کرنے میں بدنی، مالی، عبادات کی طرف اشارہ ہے اور نماز کو مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ منافقین جیسی نماز نہیں ہونی چاہیئے جو غفلت وریا کاری پر مشتمل ہوتی ہے اور قربانی کرنے میں اشارہ ہے کہ منافقین جیسا بخل نہیں ہونا چاہیئے کہ زکوٰۃ ومیراث سے سب سے محروم رہتے ہیں بلکہ آپ غریبوں کے لئے خوراک بہم پہنچایئے اس طرح اس سورت کا مضمون پہلی سورت کے مقابل ہو جاتا ہے لیکن مفسرؒ نے نماز سے نماز عید قربانی اور نحر سے عید کی قربانی مراد لیتے ہیں.

ان شانئك. شانی سے ماخوذ ہے جس کے معنٰی بغض وعداوت کے ہیں جس کے نتیجہ میں بدسلوکی کی جائے. **ولایجرمنکم شناٰن قوم**.

ھو الابتر . ابتر کے معنی دم بریدہ کے ہیں مراد ایسا شخص ہے جس کی نسل نہ چلے اور گمنام ہو جائے یہ استعارہ کیا گیا ہے بتر قطع کرنے اور کاٹنے کے معنٰی ہیں یعنی الگ تھلگ آدمی۔

حدیث میں آتا ہے۔**نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن البتیراء**. یعنی اکیلی ایک رکعت پڑھنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے اس طرح دوسری حدیث. **کل امر ذی بال لم یبدء فیہ بحمداللہ فھو ابتر** .یعنی بغیر اللہ کی حمد کے جو کام شروع کیا جائے وہ بے برکت اور بے نتیجہ رہتا ہے دشمن کے ابتر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نسل رہے نہ رہے پر دنیا میں اس کا ذکر خیر باقی نہ رہے گا برخلاف حضور ﷺ کے آپ کی پسری نسل نہ سہی اس سے جو مقصود ہے وہ بدرجہ اتم حاصل ہے۔

ربط آیات:............سورۃ والضحیٰ کی تمہید میں جن مہمات کا ذکر ہوا ہے ان میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت وعقیدت اور آپ کے مخالف کے ساتھ بغض وعداوت ہے اس سورت کے شروع اور آخر میں اس کے موجبات کا ذکر ہے اور درمیانی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطائی نعمت پر شکر کا حکم ہے وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات:............حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن زبیرؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، کلبیؒ، مقاتلؒ اور جمہور مفسرینؒ کے نزدیک یہ سورت مکی ہے لیکن حسن بصریؒ، عکرمہؒ، مجاہدؒ اور قتادہؒ اس کو مدنی کہتے ہیں علامہ سیوطیؒ اور علامہ نوویؒ نے اس کو ترجیح دی ہے کیونکہ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ پر کچھ غنودگی کے آثار طاری ہوئے پھر آپؐ نے مسکراتے ہوئے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے اور آپؐ نے بسم اللہ پڑھ کر سورۃ کوثر پڑھی پھر پوچھا جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ عرض کیا اللہ ورسول کو زیادہ معلوم ہے فرمایا کہ وہ ایک نہر ہے جو میرے رب نے مجھے جنت میں عطا کی ہے چونکہ حضرت انسؓ اپنا اس مجلس میں شریک ہونا بیان کرتے ہیں اور وہ مکہ میں نہیں تھے بلکہ مدنیہ میں تھے پس یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ سورت مدنی ہے لیکن اول تو اس سورت کا مضمون بجائے خود اس کا شاہد ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس وقت نازل ہوئی جب مکہ میں ہر قسم کے دلخراش تیر چلائے جا رہے تھے دوسرے حضرت انسؓ کی روایت میں یہ تفصیل موجود نہیں ہے کہ حضورؐ نے کسی سلسلہ کلام میں یہ ارشاد فرمایا پہلے سے کیا گفتگو چل رہی تھی؟ ممکن ہے کسی مسئلہ میں آپ کچھ ارشاد فرما رہے ہوں اور اسی ذیل میں تائیداً آپؐ نے سورت کوثر پڑھی اس قسم کے واقعات اور مواقع نیز پیش آئے ہیں جن کی نسبت مفسرین نے بعض آیات کے متعلق کہا کہ وہ دو مرتبہ نازل ہوئی ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ سورت اگرچہ پہلے نازل ہو چکی ہے مگر پھر کسی موقعہ پر حضورؐ کو وحی کے ذریعہ توجہ دلائی گئی ہے اور آپ نے بطور استشہاد ان آیات کو تلاوت فرمادیا۔ تیسرے خود حضرت انسؓ ہی سے متعدد روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہر کوثر معراج میں دکھلائی گئی اور

ظاہر ہے کہ معراج مکہ معظمہ میں ہوئی تھی پھر مدینہ طیبہ میں کوثر کی خوشخبری دینے کا کیا مطلب؟ نیز اتنے صحابہؓ اور جمہور کے مقابلہ میں تنہا حضرت انسؓ کی بات کیسے وزنی ہوگی آخر یہ حضرات بھی مجالس نبویؐ کے حاضر باش تھے جو اس کے مکی ہونے کے قائل ہیں کفار قریش کہا کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ساری قوم سے کٹ گئے ہیں اور ان کی حیثیت ایک بے کس و بے بس انسان کی سی ہوگئی ہے عکرمہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ کی دعوت اسلام کے جواب میں قریش کے لوگ کہنے لگے بتر محمد منا یعنی محمدؐ اپنی قوم سے کٹ کر ایسے ہو گئے جیسے درخت اپنی جڑ سے کٹ گیا ہو ظاہر ہے کچھ مدت بعد وہ درخت سوکھ کر پیوند خاک ہو جائے گا محمد بن اسحٰقؒ کی روایت ہے کہ عاص بن وائل سہمی کے سامنے جب حضور ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو وہ کہتا اجی چھوڑو انہیں وہ تو ابتر ہیں ان کے نرینہ اولاد نہیں کہ گھر کا چراغ روشن ہو، مر جائیں گے تو کوئی ان کا نام لیوا بھی نہیں رہے گا ابن عطیہؒ کہتے ہیں کہ عقبہ بن ابی معیط بھی اس قسم کی باتیں کہا کرتا تھا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کعب بن اشرف مکہ میں آیا سرداران قریش نے اس سے کہا الاتریٰ الاهذا الصبی المتبتر من قومه یزعم انه خیر منا ونحن اهل الحجج واهل السدامة واهل السقایة. حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے صاحبزادے قاسمؓ تھے ان سے چھوٹی حضرت زینبؓ تھیں ان سے چھوٹے حضرت عبداللہؓ تھے ان سے چھوٹی ام کلثومؓ، پھر فاطمہؓ پھر رقیہؓ تھیں پہلے حضرت قاسمؓ کا پھر حضرت عبداللہؓ کا انتقال ہوا اس پر عاص بولا۔ ان محمدا ابتر لا ابن له یقوم مقامه بعده فاذا مات انقطع ذکره واستر حتم منه. یہ موقعہ دشمن کے خوش ہونے کا نہیں تھا مگر خوش ہو رہے ہیں کون؟ آپؐ کے چچا ابوجہل وابولہب اور برادری کے عقبہ بن ابی معیط وغیرہ کچھ ٹھکانہ ہے اس کمینہ پن اور دنائت کا ان حوصلہ شکن اور دلگداز حالات میں سورۂ کوثر نازل ہوئی جس میں آپ کو بڑی تسلی دی گئی اور آپ کے طبعی ملال وتکدر کو دور فرمایا گیا۔

﴿تشریح﴾: .... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ توحید خالص کی دعوت دیتے اور صرف اللہ کی عبادت وطاعت کی تلقین فرماتے تھے اور لوگوں کے شرکیہ اعمال کا کھلے بندوں رد فرماتے تھے جس سے قریش اور عرب کے لوگ آپ سے بگڑ گئے تھے اور نبوت سے پہلے قوم کی نظروں میں جو آپؐ کا مقام تھا وہ آپ سے چھین لیا گیا اور لوگوں نے آپ کا سوشل بائیکاٹ کر دیا آپ کے مٹھی بھر ساتھی بھی الگ تھلگ کر دیئے گئے۔

سرور کائناتؐ کے حالات کا دلگداز رخ: .... اس پر مزید دو صاحبزادوں کی وفات نے غموں کا پہاڑ توڑ دیا ایسے وقت جب کہ دشمن کا جگر بھی شق ہو جائے عزیزوں، رشتہ داروں، قبیلہ اور برادری کے لوگوں اور ہمسایوں کی طرف سے ہمدردی اور دل سوزی کے بجائے الٹی خوشیاں منائی جا رہی ہوں اور وہ حرکتیں کی جا رہی ہوں جو ایک غیرت مند شریف انسان کے لئے دل توڑنے والی تھیں جس نے اپنے غیروں تک سے ہمیشہ نیک سلوک کیا تھا بہر حال حسب عادت حق تعالیٰ نے اس مختصر ترین سورت میں آپ کی دلداری فرمائی اور وہ خوشخبری دی جو دنیا کے کسی انسان کو بھی کبھی نہیں دی گئی اور یہ کہ آپ گھبرائیں نہیں آپ کی مخالفت کرنے والوں ہی کی جڑیں کٹ جائیں گی۔

کوثر کیا ہے؟: .... الکوثر کسی دوسری زبان میں ایک لفظ سے اس کے پورے مفہوم کو ادا نہیں کیا جا سکتا چنانچہ البحر المحیط میں اس کے متعلق چھبیس اقوال ذکر کیے گئے ہیں اور آخر میں اس کو ترجیح دی گئی ہے کہ اس لفظ میں اتنی وسعت ہے کہ ہر قسم کی دینی ودنیاوی راحتیں، حسی اور معنوی نعمتیں اس میں داخل ہیں جو حضورؐ کو اور آپؐ کے طفیل آپ ہی کی امت کو ملنے والی تھیں ان میں ایک بہت بڑی نعمت

وہ حوض کوثر بھی ہے، جس سے آپ امتیوں کو سیراب فرمائیں گے. اللھم اعطنا منھا. کوثر کثیر سے ماخوذ ہے مبالغہ کا صیغہ ہے مگر موقعہ استعمال کے لحاظ سے محض کثیر ہی کے معنی نہیں ہیں بلکہ خیر کثیر کے معنی ہیں یعنی بے شمار بھلائیوں اور نعمتوں کی کثرت مراد ہے.

گرد و پیش کے حالات: .... چنانچہ آپؐ کے چاروں طرف کے حالات پر نظر ڈال کر دشمن یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ ہر حیثیت سے تباہ ہو چکے ہیں قوم سے کٹ کر تن تنہا رہ گئے تجارت برباد ہو گئی نرینہ اولاد سے بھی ہاتھ دھو چکے ہیں بات بھی ایسی لے کر اٹھے کہ مکہ تو درکنار پورے عرب میں بھی چند گنے چنے آدمیوں کو چھوڑ کر کوئی اس کو سننا تک گوارا نہیں کرتا تھا اس لیئے آپ کے مقدر میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ جیتے جی ناکامی و نامرادی سے، دو چار ہیں اور جب وفات پا جائیں تو دنیا میں آپ کا نام لیوا بھی کوئی نہ ہو ایسی حالت میں جب آپ سے یہ فرمایا گیا کہ ہم نے آپ کو بہت بڑی خیر عطا کی ہے تو اس کا حاصل یہ ہے کہ تمہارے مخالف جن خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں اس کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں ہے کیونکہ جو نعمتیں ہم نے آپ کے لئے مقدر کی ہیں ان پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ کو بہت کچھ عطا ہوا ہے نبوت ورسالت، علوم وحکمت، قرآن واخلاق کی دولت سے سرفراز فرمایا گیا دین وشریعت کا مکمل اور جامع نظام عنایت کیا گیا جس سے ایسی نسل اور امت تیار ہوگی جو رہتی دنیا تک آپ کا نام روشن کرے گی اور آپ کے پیغام کو عالمگیر بنالے گی اور ہمیشہ کے لئے دین حق کی علمبردار بن جائے گی جس سے زیادہ نیک و پاکیزہ اور بلند پایہ انسان دنیا میں کسی امت کو نہیں ملا اور بگاڑ کی حالت کو پہنچ کر بھی دنیا کی سب قوموں کی سب سے بڑھ کر خیر اپنے اندر رکھے گی.

پیشین گوئی پوری ہوگئی: .... حضورؐ نے اپنی آنکھوں سے اپنی حیات مبارکہ ہی میں اپنی دعوت کو انتہائی کامیاب دیکھ لیا اور آپ کے ہاتھ ایسی جماعت تیار ہوگئی جو دنیا پر چھا جانے کی طاقت رکھتی ہے آپ کی نرینہ اولاد نہ رہنے سے دشمن یہ سمجھتے تھے کہ آپ کا نام ونشان دنیا سے مٹ جائے گا مگر اللہ نے صرف یہی نہیں کہ روحانی اولاد کے ذریعہ آپ کا نام اور کام زندہ جاوید بنا دیا بلکہ آپ کی صرف ایک ہی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ خاتون جنت سے جسمانی اولاد دنیا میں پھیلا دی جس کے لئے آپ کا انتساب بڑا سرمایہ افتخار ہے یہ تو دنیا کی وہ نعمتیں ہیں جو اللہ نے اپنے حبیب پاکؐ فداہ ابی وامی کو یہاں عطا فرمائی ہیں جن کو مخالفین نے اپنی آنکھوں دیکھ لیا لیکن کوثر کے سلسلے میں جو آخرت کی نعمتیں اور مراتب عالیہ آپ کو ارزانی ہوں گے ان کا کوئی شمار نہیں۔ منجملہ ان کے حوض کوثر ہے جس کا ذکر اتنی روایات میں آیا ہے کہ ان کی صحت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے حوض کوثر ہو یا نہر کوثر شفاعت کبریٰ ہو یا مقام محمود مقصود آپ کی مرتبت شان کا اظہار ہے جس کا ظہور نبوت کبریٰ کی صورت میں دنیا میں ہو چکا ہے اور عرب کی سنگلاخ زمین جہاں پانی کی ایک ایک بوند کو لوگ قیمتی نعمت سمجھتے ہیں حوض کوثر کی بخشائش لطف دے رہی ہے۔

بطور شکر گزاری جان مال اللہ کے لیے وقف کیجئے: .... فصل لربك. یعنی اتنے عظیم الشان انعامات اور احسانات کا شکر بھی بہت بڑا ہونا چاہیئے اس لیے جسم وروح کے ساتھ نہایت فروتنی اور عاجزی سے اپنے رب کی عبادت میں لگے رہیئے بدنی عبادات میں نماز ایک اہم حیثیت رکھتی ہے اسی طرح مالی عبادات میں قربانی ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے اور روحانیت کا پہلو دونوں میں قدر مشترک ہے نماز سے بعض حضرات نے پنج وقتہ نمازیں مراد لی ہیں اور بعض بقرعید کی نماز مراد لیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ بجائے خود مطلق نماز مراد ہے اسی طرح وانحر سے مراد جانوروں کی قربانی کرنا ہے اور بعض نے نماز میں بحالت قیام سینہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر نیت باندھنا مراد لیا ہے اور بعض نے تحریمہ کے وقت مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانا کہا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تکبیرات انتقالیہ کے

وقت دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھانا مطلوب ہے مگر تحریمہ کے وقت رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے لیکن موقعہ محل کے لحاظ سے غور کر کے دیکھا جائے تو صاف مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نماز پڑھیئے اور قربانی کیجئے دنیا بھر کے مشرکین تو اپنے خودساختہ معبودوں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں اور استھانوں اور مندروں پر قربانیاں چڑھاتے ہیں مگر آپ ان کے برعکس اپنے موحدانہ رویہ پر بدستور مضبوطی سے جمے رہیئے کہ آپ کی نماز بھی اللہ ہی کے لئے ہو اور قربانی بھی اللہ ہی کے لئے ہونی چاہئے۔ البتہ یہ بات بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ حضور ﷺ نے جب مدینہ طیبہ میں بحکم الٰہی بقرعید کی نماز اور قربانی کا طریقہ جاری کیا تو چونکہ آیت ان صلوتی ونسکی . اور آیت فصل لربك وانحر میں نماز کو پہلے اور قربانی کو بعد میں ذکر فرمایا گیا اس لئے آپ نے خود ہی اسی کے مطابق عمل فرمایا اور مسلمانوں کو بھی یہی حکم فرمایا کہ وہ پہلے نماز پڑھیں پھر قربانی کریں گو یہ حدیث اس آیت کا شان نزول یا تفسیر نہیں ہے. تاہم حضور کا ان آیات سے استنباط ہے اور آپ کا استنباط بھی وحی کی ایک قسم ہے اور گو انسان کو اپنی جان و مال کی قربانی پیش کرنی تھی تاہم حضرت ذبیح اللہ کے صدقہ میں جانوروں کو فدیہ بنادیا گیا ہے حتی کہ اگر کوئی اپنی یا اولاد کی قربانی کی نذر بھی مانے تب بھی جان دینے کی اجازت نہیں بلکہ جانور کی قربانی کرنی ہوگی.

ذلت وگمنامی حضورؐ کے مخالفین کے حصہ میں آئی: .... ان شانئك هو الابتر . ابتر دم کٹے لنڈے جانور کو کہا جاتا ہے عرب کے محاورہ میں جن کے بیٹا نہ ہو اس کو ابتر کہتے ہیں حضورؐ کے صاحبزادہ کی رحلت پر دشمن بغلیں بجاتے اور خوش ہوتے تھے کہ اسلام کا جھگڑا بس محمدؐ کے دم تک ہے اس کے بعد تو گھر میں چراغ بھی روشن نہیں ہوگا نام تو کیا روشن ہوتا اس کا جواب دیا گیا کہ ابتر تو وہ شخص ہے جو آپ کی عداوت اور دشمنی میں اندھا ہو گیا ہو آپ پر عیب لگاتا ہو آپ کے خلاف بدگوئی کرتا ہو آپ کی اہانت کرتا پھرتا ہو آپ پر طرح طرح کی باتیں چھانٹ کر اپنے دل کا بخار نکالتا ہو آپ کی انگنت روحانی اولاد اور بے شمار جسمانی دختری اولاد جو ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور آپ کا دین اور اس کے آثار وانوار جو عالم میں چمک رہے ہیں اور آپ کی وہ یاد جو نیک نامی اور محبت وعقیدت کے ساتھ ارب ہا ارب انسانوں کے دلوں کو گرما رہی ہے دوست دشمن سب آپ کا لوہا مان رہے ہیں پھر آخرت کی ان گنت نعمتوں میں حوض کوثر اور شفاعت کبریٰ مقام محمود جیسے بیش بہا اعزازات اور مقبولیت عامہ جو علیٰ رؤس الاشہاد حاصل ہوگی جب ان پر نظر کی جائے تو بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ ابتر حقیقت بس وہ ہے جو آپ کو ابتر کہے اور یہ محض جوابی حملہ نہ سمجھا جائے بلکہ قرآن کریم کی یہ اہم پیشگوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی جس وقت یہ پیش گوئی کی گئی تھی اس وقت تو لوگ حضورؐ کو ہی ابتر سمجھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے اور کسی کو ماں گمان بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ قریش کے بڑے بڑے سردار ابتر ہو جائیں گے جو صرف مکہ میں نہیں بلکہ سارے عرب پر چھائے ہوئے تھے اولاد اور کنبہ جتھہ کے ساتھ مال و دولت بھی رکھتے تھے حج کے انتظام اور حجاج کی خدمات کی وجہ سے بڑے نامور تھے اور قبائل عرب سے وسیع تعلقات رکھتے تھے.

چند سال میں عرب کی کایا پلٹ: .... لیکن چند سال ہی میں ایسی کایا پلٹ ہوگئی کہ ایک وقت وہ تھا کہ ۵ھ میں غزوہ احزاب کے موقعہ پر قریش بہت سے قبائل عرب و یہود کو لے کر جب مدینہ پر چڑھے ہیں تو حضورؐ کو محصور ہو کر اور شہر کے گرد خندق کھود کر مدافعت کرنی پڑی تھی یا تین سال بعد ۸ھ میں پھر وہ وقت بھی آیا کہ جب آپؐ نے مکہ پر چڑھائی کردی تو قریش کا کوئی حامی، مددگار نہ تھا اور انہیں نہایت بے بسی کے ساتھ ہتھیار ڈال دینے پڑے یہاں تک کہ بہت سے فقہاء اور محدثین کو یہ کہنا پڑا کہ مکہ بغیر لڑائی

کے فتح ہوگیا کوئی ادنیٰ مزاحمت نہیں ہوئی پھر اس کے ایک سال کے اندر پورا ملک عرب حضور کی مٹھی میں تھا ملک کے گوشہ گوشہ سے قبائل کے وفود آ کر رہے تھے اور آپ کے دشمن مخالفین بالکل بے بس اور بے یار و مددگار ہوکر رہ گئے اور ایسے بے نام ونشان ہوئے کہ ان کی اولاد اگر دنیا میں رہی بھی تو ان میں سے آج کوئی یہ نہیں جانتا کہ وہ ابوجہل یا ابولہب یا عاص بن وائل یا عقبہ بن ابی معیط وغیرہ دشمنان اسلام کی اولاد میں سے ہیں اور جانتا بھی ہو کوئی یہ کہنے کے لیے تیار نہیں کہ اس کے اسلاف یہ لوگ تھے۔ اس کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اولاد پر دنیا بھر میں برابر درود بھیجا جا رہا ہے اربوں انسانوں کو آپ ہی سے نسبت پر فخر نہیں بلکہ آپ کے خاندان اور آپ کے ساتھیوں کے خاندانوں تک انتساب سے عزت وشرف ہے کوئی سید ہے کوئی عباسی ہے کوئی صدیقی ہے کوئی فاروقی، کوئی عثمانی، کوئی زبیری، کوئی انصاری مگر نام کو بھی کوئی ابوجہلی یا ابولہبی پایا جاتا۔ بلکہ آپ کی نسبت سے شہرت ان دشمنوں کو بھی مل گئی لیکن نسبت چونکہ مقابلہ کی تھی اس لیے شہرت بھی نفرت وحقارت کے ساتھ نصیب ہوئی حتیٰ کہ ابوجہل وابولہب اور نفرت وحقارت دونوں لازم وملزوم ہو گئے قرآن کریم کی شہادت نے ثابت کر دیا کہ ابتر حضور نہیں بلکہ آپ کے دشمن ہی تھے اور ہیں۔

خلاصۂ کلام: ....سورہ کوثر کا مرکزی نقطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلداری اور دلدہی کرنا ہے اور یہ کہ دشمنوں کی یلغار اور شورش سے ہراساں ہو کر سراسیمہ نہ ہو جائیے ان کی طعنہ زنی سے ملول نہ ہو جائیے آپ دیکھ لیں گے کہ آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہو کر رہے گا درمیان میں بطور شکر یہ کے نماز اور قربانی کی صورت میں بدنی اور مالی عبادت کا حکم ہے خواہ عام طور پر یا عید اضحیٰ کے موقعہ پر۔

فضائل سورت: ....من قرا سورة الكوثر سقاه الله من كل نهر فى الجنة ويكتب له عشر حسنات بعدد كل قربان قربه العباد فى يوم النحر. جو شخص سورۃ کوثر پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی ہر نہر سے سیراب فرمائے گا اور بقرعید میں جس قدر لوگوں نے قربانی کی اس سے دس گنا ثواب عطا فرمائے گا۔

لطائف سلوک: ....ان شانئك هو الابتر. اس کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مخالف ہر قسم کی خیر سے محروم رہے گا نہ اس کی زندگی میں برکت ہوگی کہ زادِ آخرت جمع کر لے نہ اس کے قلب میں خیر ہوگی کہ اس میں حق تعالیٰ کی معرفت و محبت پیدا ہو یا حق بات کو سمجھے۔ نہ اس کے اعمال میں برکت ہوگی کہ توفیق واخلاص نصیب ہو اور یہی حالت ہوتی ہے آپ کے ورثاء کی مخالفت کرنے والے کی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ من عادى لى وليا فقد اذنته بالحرب.

سُوْرَةُ الْكَافِرُوْن

سُوْرَةُ الْكَافِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ سِتُّ اٰيَاتٍ نَزَلَتْ لَمَا قَالَ رَهْطٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْبُدُ اٰلِهَتَنَا سَنَةً وَّنَعْبُدُ اِلٰهَكَ سَنَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱﴾ لَاۤ اَعْبُدُ فِي الْحَالِ **مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲﴾** مِنَ الْاَصْنَامِ **وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ** فِي الْحَالِ **مَاۤ اَعْبُدُ ﴿۳﴾** وَهُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَحْدَهٗ **وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ** فِي الْاِسْتِقْبَالِ **مَّا عَبَدْتُّمْ ﴿۴﴾ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ** فِي الْاِسْتِقْبَالِ **مَاۤ اَعْبُدُ ﴿۵﴾** عَلِمَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَاِطْلَاقُ مَا عَلٰى جِهَةِ الْمُقَابَلَةِ **لَكُمْ دِيْنُكُمْ** اَلشِّرْكُ **وَلِيَ دِيْنِ ﴿۶﴾** اَلْاِسْلَامُ وَهٰذَا قَبْلَ اَنْ يُّؤْمَرَ بِالْحَرْبِ وَحَذَفَ يَاءَ الْاِضَافَةِ السَّبْعَةِ وَقْفًا وَّوَصْلًا وَّاَثْبَتَهَا يَعْقُوْبُ فِي الْحَالَيْنِ

سورۃ کافرون مکیہ ہے یا مدنیہ ہے چھ آیات ہیں اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے حضورؐ سے درخواست کی کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کیجئے اور ایک سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ:............ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ میں (فی الحال) تمہارے معبودوں (بتوں) کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم (فی الحال) میرے معبود (اللہ یگانہ) کی پرستش کرتے ہو۔ اور نہ میں (آئندہ) تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم (آئندہ) میرے معبود کی پرستش کرو گے (اللہ کو معلوم تھا کہ یہ کافر ایمان نہیں لائیں گے اور اللہ کے لئے لفظ ما کا استعمال تقابل کی وجہ سے ہوا ہے) تمہارے لیے تمہارا دین (شرک) ہے اور میرے لئے میرا دین (یعنی اسلام یہ جہاد سے پہلے کا حکم ہے قرات سبعہ میں دینی کی یا وقف و وصل کی حالت میں محذوف ہے اور یعقوب دونوں حالتوں میں باقی رکھتے ہیں۔

تحقیق وترکیب:............ مکیۃ۔ مفسرؒ علام نے اس سورت کو مختلف فیہ کہا ہے چنانچہ ابن مسعودؓ، حسن بصریؒ، عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے اور ابن زبیرؓ کہتے ہیں کہ مدنی ہے ابن عباسؓ اور قتادہؒ سے دونوں قول منقول ہیں لیکن جمہور مفسرینؒ اس کو مکی مانتے ہیں اور خود سورت کا مضمون بھی اس کی شہادت دے رہا ہے

قل یا ایھا الکفرون. چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح ہی مسجد حرام میں تشریف لے جا کر تعمیل ارشاد کرتے ہوئے کفار کے سامنے یہ اعلان فرمایا۔ **لا اعبد** مفسرؒ اس کو حال پر محمول کر رہے ہیں لیکن قاضی بیضاویؒ اس کو استقبال پر محمول کرتے ہیں کیونکہ **لا** مضارع کی نفی کے لئے آیا کرتا ہے جب کہ استقبال کے معنی میں ہو جیسا کہ **ما** اس مضارع پر داخل ہوتا ہے جو حال کے معنی میں ہو اور لن اس نفی کی تاکید کے لیے آتا ہے جو لا کے ذریعہ سے کی جائے اور خلیلؒ یہ کہتے ہیں کہ لن کی اصل لا ہے یعنی مستقبل کی نفی مقصود ہے البتہ تفسیر کبیر میں یہ ہے کہ سورۃ کافرون میں پہلے جملے سے حال کی نفی اور دوسرے بعد کے جملہ سے استقبال کی نفی مقصود ہے کیونکہ "انا

قاتل زید" کے معنی آئندہ قتل کرنے کے ہیں اسی طرح انا عابد کے معنی آئندہ عبادت کے ہیں پس لا انا عابد کے معنی بھی آئندہ عبادت کی نفی کے ہوں گے تیسری صورت بعض حضرات نے یہ اختیار کی ہے کہ یہ دونوں جملے نفی حال واستقبال دونوں کے لیے آتے ہیں لیکن تکرار سے بچنے کے لیے کسی ایک جملہ کو حال کی نفی کے لیے اور دوسرے کو استقبال کی نفی کے لیے خاص کرلیا جائے گا اور کلام میں تکرار پر کلام سورۃ رحمٰن میں گزر چکا ہے تاہم تاکید پر بھی اس تکرار کو محمول کیا جاسکتا ہے۔

و لا انا عابد ما عبدتم. اس میں زمانہ ماضی بھی مراد ہوسکتا ہے یعنی زمانہ ماضی میں میں نے تمہارے معبودوں کی پرستش نہیں کی لیکن اس صورت میں عبارت و لا انا عابدت ما عبد تم ہونی چاہیئے تھی لیکن بعث سے پہلے چونکہ حضور کے متعلق اللہ کی عبادت کی شہرت نہیں تھی جس طرح کفار کا بت پرست ہونا معروف تھا اس لیے عبادت کی روش تبدیل کردی گئی ہے تاکہ یہ فرق ظاہر ہوسکے۔

اور ما اعبد میں دونوں جگہ من کی جگہ ما استعمال کیا گیا ہے کیونکہ ذات کے بجائے یہاں صفت مراد ہے گویا عبارت اس طرح ہے لا اعبد الباطل و لاتعبدون الحق دوسری توجیہ یہ ہے کہ ما تعبدون اور ما عبد تم کی مطابقت کی رعایت کرتے ہوئے دونوں جگہ ما اعبد میں بھی ما استعمال کیا گیا ہے تیسری توجیہ یہ ہے کہ چاروں جگہ ما مصدریہ ہے اور چوتھی توجیہ یہ ہے کہ پہلے دونوں ما بمعنی الذی ہیں اور آخر کے دونوں ما مصدریہ ہیں بہرحال یہ قطعی مایوسی ان کفار کے بارے میں ظاہر کی گئی ہے جن کے متعلق علم الٰہی میں ایمان نہ لانا طے ہے ورنہ جو کفار بعد میں ایمان لے آئے وہ اس کے مخاطب نہیں ہیں ولی دین نافع ابن کثیر حفص کے نزدیک لی فتحہ یا کے ساتھ اور باقی قراء کے نزدیک سکون یا کے ساتھ ہے اور دین قراء سبعہ کے نزدیک وقف و وصل دونوں حالتوں میں یا محذوف ہے اور یعقوب کے نزدیک محذوف نہیں مفسر نے اس حکم کو آیات جہاد سے منسوخ مانا ہے لیکن قاضی بیضاوی اس مشارکت پر محمول کرتے ہوئے یہ معنی لیتے ہیں کہ تم اپنی حالت پر رہو گے اور میں اپنے حال پر یعنی جب تم میری حق بات کو قبول نہیں کررہے ہو تو تمہارے باطل کو میرے قبول کرنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس لیے اس میں نہ کفر کی اجازت نکل رہی ہے اور نہ جہاد کی ممانعت کیونکہ یہ جملہ خبریہ ہے اور نسخ خبر میں نہیں ہوا کرتا یہ مضمون تو ایسا ہی ہے جیسے لا اکراہ فی الدین فرمایا گیا ہے پس ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے تبلیغ و جہاد بھی جاری رہے اور لوگوں کو تبدیل مذہب پر مجبور نہ کیا جائے کیونکہ تبلیغ و جہاد تو ایک طرح کی سعی اور کوشش ہے اس کے لیے کامیابی ضروری نہیں۔

ربط آیات: ....سورۃ والضحیٰ کی تمہید میں جن مہمات کا ذکر ہوا۔ ان میں توحید ہے اور شرک سے پرہیز سورۃ کافرون میں اسی کا بیان ہے اس سورت کا مضمون صاف بتلا رہا ہے کہ یہ سورت مکہ کے بالکل ابتدائی اسلامی دور کی ہے جب کفار یہ آس لگائے ہوئے تھے کہ کسی مرحلہ پر ہم میں توافق ہوسکتا ہے وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

روایات: ....مکہ معظمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا آغاز ہو چکا تھا اور مخالفتیں بھی شروع ہو چکی تھیں اور کسی حد تک ان میں گرمی بھی آچکی تھی لیکن ابھی قریش کے سردار یہ امید لگائے ہوئے تھے کہ کسی نہ کسی صورت سے آپ کو مصالحت پر آمادہ کیا جائے گا اس لیے وقتاً فوقتاً مختلف تجویزوں کے ساتھ سلسلہ جنبانی کرتے رہتے تھے مثلاً حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ قریشیوں نے حضور سے عرضداشت کی کہ ہم آپ کو اتنا مال دیں گے کہ مکہ میں سب سے زیادہ آپ مالدار ہوجائیں گے اور سب سے حسین عورت سے شادی کیے دیتے ہیں ہم آپ کے پیچھے چلنے کو تیار ہیں پس ہماری اتنی سی بات مان لیں کہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں اور یہ منظور نہیں تو پھر ایک تجویز اور پیش کرتے ہیں جس میں ہم دونوں کی بھلائی ہے آپ نے پوچھا وہ کیا؟ ایک سال آپ ہمارے معبودوں لات، عزیٰ کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اس پر آپ نے فرمایا کہ اچھا ٹھہرو! میں دیکھتا ہوں کہ میرے رب کا کیا حکم آتا ہے تب یہ سورت نازل ہوئی حضور کے جواب کا منشا کسی قسم کا تردد نہ تھا بلکہ یہ تاثر دینا تھا کہ جو کچھ بھی میں کرتا ہوں خود رائی سے نہیں بلکہ امر الٰہی کی

تعمیل ہوتی ہے دوسرے یہ کہ حاکم اعلیٰ کے آگے تمہیں بھی گردن جھکا دینی چاہیے اس کا حکم قطعی اور اٹل ہوتا ہے اس میں چوں و چرا یا رائے زنی کا کوئی سوال بھی نہیں رہتا گویا حتمی طور پر مایوسی سے رخ پھیرنا تھا۔ دوسری روایت سعید بن جبیرؓ کی ہے کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن المطلب، امیہ بن خلف نے آپ سے مل کر گفتگو کی کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آؤ ہم تمہارے معبود کی عبادت کرتے ہیں اور تم ہمارے معبودوں کی عبادت کرو تو ہم تمہیں اپنے سارے کاروبار میں شریک کئے لیتے ہیں اگر تمہاری لائی ہوئی بات ہماری چیز سے بہتر ہوئی تو ہم تمہارے ساتھ اس میں شریک ہو جائیں گے اور اپنا حصہ پالیں گے اور اگر ہماری چیز بہتر ہوئی تو تم شریک ہو جانا تم اپنا حصہ پالو گے اس پر آیت **قل یٰایھا الکٰفرون** نازل ہوئیں تیسری روایت وہب بن منبہ کی ہے کہ قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ پسند کریں تو ہم آپ کے دین کے پیرو کار رہیں اور ایک سال آپ ہمارے طریقہ پر رہیں غرضیکہ مختلف اوقات میں لوگوں نے اسی طرح کی پیش کش کی جس میں کچھ دو کچھ لو کے اصول کو پیش نظر رکھا تھا مگر اس سورت میں ہمیشہ کے لیے دوٹوک فیصلہ سنا دیا گیا کہ حق و باطل میں کبھی صلح نہیں ہوسکتی یہ تلبیس کا راستہ ہے اور پیغمبر کا راستہ مداہنت کا راستہ نہیں ہوتا۔

﴿ تشریح ﴾: .... بظاہر اس سورت میں **قـــل** سے اگرچہ خطاب خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے تاہم آپ کے توسط سے ہر مومن بھی اگر اس کا مخاطب اور مکلّف ہو کہ وہ کفر و شرک سے بےزاری کا اعلان کر دے تو غلط نہیں ہوگا اسی طرح بہت سے مفسرین اگرچہ اس سورت میں کفر کا مصداق مخصوص وہی لوگ لیتے ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کی پیش کش کی تھی لیکن بہتر یہی ہے کہ ذوات کے بجائے وصف کفر کا لحاظ کیا جائے جب تک یہ وصف کسی میں موجود ہوگا وہ اس کا مخاطب رہے گا اور جب وہ وصف ایمان سے بدل جائے گا تو خطاب بھی متوجہ نہیں رہے گا۔

خطاب عام ہے یا خاص۔ اسی طرح آیات کا مصداق خاص کفار ہیں یا عام: .... اس لیے جو لوگ بعد میں ہدایت پر آگئے ان کی وجہ سے اس قسم کی آیات پر کوئی اشکال نہیں رہتا نیز وہ کافر اور نافرمان خواہ قریشی ہوں یا مکی حاصل یہ کہ کفار و مشرکین کے طور وطریق سے کلیتہ اظہار بےزاری کیا گیا ہے خدا کا پیغمبر جن کا پہلا کام شرک و کفر کی جڑیں کاٹنا ہے وہ ایسی ناپاک تجویزوں پر کب راضی ہوسکتے ہیں جہاں تک اللہ کے معبود ہونے کا تعلق ہے اس میں تو مشرکین کو بھی اشکال نہیں تھا وہ بتوں کی اگر پرستش کرتے تھے تو اپنے خیال میں اللہ کو خوش کرنے کے لیے ہی کرتے تھے **ما نعبد ھم الالیقربونا الی اللہ زلفیٰ** اختلاف اور گفتگو جو کچھ ہے وہ غیر اللہ کی پرستش میں ہے کہ یہ صحیح ہے یا نہیں نیز واقعی اسی سے اللہ کا تقرب ہوتا ہے یا نہیں؟ گفتگو سے صلح کا حاصل یہی ہے کہ وہ بدستور اپنی روش پر قائم رہیں، اللہ اور غیر اللہ دونوں کی پرستش کرتے رہیں، وقتی اور غیر وقتی کا فرق تو ایک بہانہ تھا اور نہ اصل منشاء آپ کو اپنی جگہ سے ہٹانا تھا مگر اس سورت میں مداہنت اور تلبیس کا پردہ چاک کر دیا گیا اور پہلے ہی مرحلہ پر بات صاف کر دی گئی کہ جس کو آنا ہو وہ صاف اور کھلے دل پر آئے۔

اللہ کے سوا سب معبود باطل ہیں: .... **ما تعبدون** اس میں دنیا بھر کے تمام معبود آگئے جن کی کسی نہ کسی طریقہ پر لوگ پرستش کرتے ہوں خواہ وہ خیالی دیویاں اور دیوتا ہوں، یا بت، دریا، درخت، جانور ہوں چاند، سورج، ستارے ہوں یا فرشتے، زندہ، مردہ انسان ہوں یا اولیاؒ اور انبیاءؑ اور سب مذہب رکھنے والے خواہ آسمانی مذہب کے دعوے دار ہوں یا خود ساختہ مذہب کے حامل اگرچہ ان میں خدا کو بھی شامل مانتے ہوں لیکن وہ ماننا چونکہ صحیح اور اصلی حالت میں نہیں اس لیے ان کے اقرار کو بھی انکار پر محمول کر کے ان کو منکر و کافر کہا جائے گا مومن کا مطلب ہے بلاشرکت غیرے تنہا اس کو ایک ماننا۔ ان آیات میں چار جگہ لفظ **مـــا** بجائے **مـــن** کے لایا گیا ہے جن کی مختلف توجیہات گزر چکی ہیں تاہم سہل اور بے تکلف توجیہ یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ لفظ **مـــن** سے ذات کا اظہار ہوتا ہے لیکن اگر وصف مراد ہو تو اس کے لیے ما ہی مناسب ہوتا ہے جیسے ہم کسی کی ذات کا تعارف چاہیں گے تو کہا جائے گا کہ آپ کون ہیں؟ یعنی آپ کا ذاتی تعارف مطلوب ہے مگر جب

وصفی تعارف مقصود ہوگا تو بولا جائے گا کہ آپ کیا ہیں؟ یعنی آپ کے اوصاف کیا ہیں؟ اسی طرح یہاں بھی **لااعبد ما تعبدون**. کے بجائے اگر **من تعبدون** کہا جاتا تو بات غلط ہو جاتی کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ تم اس ذات کی عبادت نہیں کرتے جس کی میں عبادت کرتا ہوں بس اس کے جواب میں کفار و مشرکین یہ کہہ سکتے تھے کہ اللہ کی ہستی تو مسلمہ اور متفق علیہ ہے اس کو تو ہم بھی مانتے ہیں اور اس کی عبادت بھی کرتے ہیں پھر تم کیسے انکار کر کے ہم پر الزام لگا رہے ہو؟ واقعہ یہ ہے کہ شاید ہی دنیا میں کوئی ایسا مذہبی احمق ہو جو اللہ کی ذات میں شرک کا قائل ہو یعنی دو یا زائد ذاتوں کو پرستش کے لائق مانتا ہو سب کی تان ایک ہی پر ٹوٹتی ہے جہاں بھی کہیں بھی شرک ہے وہ صفات کا شرک ہے پس جب یہ کہا گیا۔ **لاانتم عابدون ما اعبد** تو مطلب یہ ہوا کہ جن صفات کے معبود کی میں عبادت کرتا ہوں ان صفات کے معبود کی تم عبادت نہیں کرتے اور یہی وہ اصل گرفت ہے جس کی وجہ سے آپ کا دین دہریوں کو چھوڑ کر تمام کفار کے دین سے قطعاً الگ ہو جاتا ہے اس طرح اس اعلان کے بعد شرک کا بالکلیہ استیصال ہو جاتا ہے اور ایک حقیقی معبود کی پرستش کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔

کلام میں تاکیداً گرچہ بلاغت ہے لیکن تاسیس ابلغ ہے: .... **ولاانتم عابدون ما اعبد**. کچھ مفسرین بعد کی ان دونوں آیتوں کو پہلی دونوں آیتوں کی تاکید مانتے ہیں اور کسی بات پر زور دینے کے لیے تکرار اور تاکید سے کلام کیا جاتا ہے لیکن بہت مفسرین نے ان آیات کو تاکید کے بجائے تاسیس پر محمول کیا ہے **والتاسیس اولیٰ من التاکید** اس صورت میں دونوں جملوں میں فرق کرنے کے لیے کہنا پڑے گا کہ ایک جملہ کا حاصل تو فی الحال دونوں کے عمل میں فرق بتلانا ہے کہ دونوں کی راہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے اور دوسرے جملہ میں آئندہ کے لیے بھی دونوں راہوں کا اور ان پر چلنے والوں کا ایک دوسرے سے مختلف سمتوں میں چلنا بتلایا ہے خلاصہ یہ ہے میں موحد ہو کر شرک نہیں کر سکتا نہ اب نہ آئندہ اور تم مشرک رہ کر موحد قرار نہیں دیئے جا سکتے نہ اب نہ آئندہ اب دونوں جملوں کا مفاد الگ الگ ہو گیا اور تکرار نہیں رہا۔

زمخشری کی تصریح کے مطابق بعض علماء نے پہلے دونوں جملوں سے حال واستقبال کی نفی اور اخیر کے دونوں فقروں میں ماضی کی نفی مراد لی ہے اور بعض نے پہلے جملوں میں حال کا اور اخیر کے جملوں میں استقبال کا ارادہ کیا ہے اسی طرح بعض محققین نے پہلے دونوں جملوں میں ما کو موصولہ اور دوسرے دونوں جملوں میں **ما** کو مصدریہ لے کر یہ تقریر کی ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان نہ معبود میں اشتراک ہے اور نہ طریق عبادت ایک ہے کیونکہ تم بتوں کو پوجتے ہو جو میرے معبود نہیں اور میں اس خدا کو پوجتا ہوں جس کی شان اور صنعت میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا اور ایسے خدا کو تم نہیں مانتے۔ اسی طرح تمہارا طواف کعبہ کے گرد ننگا ناچ اور ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں اور میرا یہ طریقہ عبادت نہیں ہے اور میں جس کیفیت سے اللہ کی عبادت کرتا ہوں اس کی تمہیں توفیق نہیں لہٰذا دونوں کی راہیں بھی مختلف اور دونوں کی منزلیں بھی الگ الگ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی رائے: .... اور بقول حافظ ابن تیمیہؒ پہلے جملہ کو حال واستقبال کی نفی کے لیے اور **ولا انا عابد ما عبدتم** کا مطلب یہ لیا جائے کہ خلقت نبوت کے بعد اب آئندہ مجھ سے شرک کی کیا توقع ہوتی۔ نزول وحی سے پہلے بھی تم سب جب پتھروں اور درختوں کی پوجا کرتے تھے اس وقت بھی میں نے کسی غیر اللہ کی پرستش نہیں کی اب نور نبوت کے بعد تو خیر اس کا کیا سوال کہ میں تمہارا ہمنوا بن جاؤں۔ ممکن ہے اس لیے **ولاانا عابد** جملہ اسمیہ اور **ما عبدتم** میں ماضی کا عنوان اختیار فرمایا ہو بر خلاف کفار کے کہ ان کا حال دونوں مرتبہ ایک ہی عنوان سے بیان فرمایا یعنی **ولا انتم عابدون ما اعبد** جس کا حاصل یہ ہوگا کہ تم اپنی بداعتقادی اور بدبختی کی وجہ سے اس لائق نہیں کہ کسی وقت اور حال میں خدائے واحد کی بلاشرکت غیرے پرستش کرنے والے بنو حتیٰ کی عین گفتگوئے صلح کے وقت بھی شرک کا دم چھلا لگائے رکھتے ہو۔

علمی نکتہ: .... اور کفار کے حال میں ایک جگہ **ما تعبدون** اور دوسری جگہ **ما عبدتم** لانے میں یہ نکتہ ہو سکتا ہے کہ ان کے معبود تو آئے دن بدلتے رہتے ہیں جو چیز عجیب سی دکھائی دی یا کوئی خوب صورت سا پتھر نظر پڑا اس کو اٹھا کہ معبود بنا لیا اور پہلے کو چلتا کر دیا۔ پھر

سفر کا معبود الگ ہے حضر کا الگ، کوئی روٹی دینے والا اور کوئی اولاد دینے والا کوئی عزت ودولت دینے والا غرض بھانت بھانت کے خدا بنا رکھے ہیں افرایت من اتخذ الهه هواه. علامہ ابن قیمؒ کی بدائع الفوائد نیز اس سورت کے لطائف پر کلام کیا گیا ہے (فوائد عثانی) لکم دینکم یعنی جب تم نے ضد باندھ رکھی ہے تو اب سمجھانے سے کیا فائدہ تم نے اپنی بدبختی سے اپنے لیے جو روش پسند کی وہ تمہیں مبارک، اللہ نے جو دین قیم ہمیں از راہ عنایت مرحمت فرمایا ہے اس پر ہم خوش، آخر فیصلہ اللہ ہی کرے گا اس میں کفار کو رواداری کا پیغام نہیں بلکہ اظہار بیزاری اور لاتعلقی کا اعلان ہے جیسے انتہائی مایوسی میں کسی سے کہا جائے کہ تم جانو تمہارا کام جانے بس ہمارا تو سلام لو۔

ائمہ کرام کی رائے: .... حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاصؓ وغیرہ کی روایت لا یتوارث اهل ملتین شتیٰ کی رو سے امام مالک، امام اوزاعی۔ امام احمد اگر چہ اس کے قائل ہیں کہ ملتوں اور مذہبوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے مگر امام اعظم، امام شافعیؒ دونوں آیت لکم دینکم ولی دین کی وجہ سے فرماتے ہیں کہ کافروں کے مذاہب باہم کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں لیکن بحیثیت مجموعی چونکہ الکفر ملة واحدة ہے اس لیے اگر کافروں کے درمیان نسب یا نکاح وغیرہ اسباب کی بناء پر وراثت کا تعلق ہوتو وہ ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں چنانچہ مشہور حنفی علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں کہ ان اسباب کی بنیاد پر کفار بھی ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں جن میں مسلمان ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ بعض ایسی صورتوں میں بھی ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں جن میں مسلمان ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں بس دو ہی دین ہیں ایک دین حق، دوسرے دین باطل لکم دینکم ولی دین. حدیث لا یورث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم. سے بھی حنفیہ کی تائید ہوتی ہے اس سورت کا مقصد ہرگز کفار سے رواداری کا اظہار نہیں ہے جیسا کہ مشہور ہے "موسےٰ بدین خویش، عیسیٰ بدین خویش" بلکہ بنیادی نقطہ جس پر پورا زور دیا گیا ہے یہ ہے کہ دوٹوک طریقہ پر اعلان کر دیا جائے کہ جس طرح دن رات، روشنی، اندھیرا الگ الگ ہیں اسی طرح حق وباطل، اسلام وکفر دونوں ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ ہیں ان میں باہم مل جانے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا مداہنت یا تلبیس کی کسی طرح گنجائش نہیں ہے۔ پس یہ آیت تبلیغ دین اور جہاد وغیرہ مساعی کے منافی نہیں ہیں کہ ان کو منسوخ کہنے کی نوبت پیش آئے اور نہ پیشگوئی پر محمول کرنے کی ضرورت ہے بلکہ ہر قسم کی مساعی بدستور جاری رہیں گی اور ساتھ ہی ضدی لوگوں سے تو یہ کہا جائے گا کہ اس کا علاج ہمارے پاس نہیں ضد کا فیصلہ تو اللہ ہی کرے گا آگے تم جانو تمہارا کام جانے "مراد ما نصیحت بود کردیم ورفتیم"۔

فضائل سورت: .... من قرء سورة الكفرون فكانما قرء ربع القران وتباعدت غسردة الشياطين وبرى من الشرك. جو شخص سورۃ کافرون پڑھے گا گویا اس نے چوتھائی قرآن پڑھ لیا اس سے سرکش شیطان دور رہینگے. اور وہ شرک سے بری رہے گا۔ اس سورت کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بارہا حضورؐ کو نماز فجر سے پہلے اور نماز مغرب کے بعد کی دو رکعتوں میں قل یا ایها الکافرون اور قل هو الله احد پڑھتے ہوئے دیکھا حضرت خبابؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جب سونے کے لیے بستر پر لیٹو تو قل یا ایها الکافرون پڑھ لیا کرو اور خود حضورؐ کا بھی یہی معمول تھا۔ اسی طرح حضرت معاذ بن جبلؓ کو بھی یہی ارشاد ہوا نوفل بن معاویہ اور جبلہ بن حارثہ سے بھی یہی ارشاد فرمایا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے لوگوں سے فرمایا کہ میں تمہیں وہ کلمہ بتلاؤں جو تمہیں شرک سے محفوظ رکھنے والا ہے سوتے وقت قل یا ایها الکافرون پڑھ لیا کرو۔

لطائف سلوک: .... لا اعبد ما تعبدون. اس میں گمراہوں سے لاتعلقی اور مشارکت کی تصریح ہے اور یہی بغض فی اللہ ہے۔

سُوْرَةُ النَّصْرِ

سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ ايَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ نَبِيَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَعْدَائِهِ وَالْفَتْحُ ﴿۱﴾ فَتْحُ مَكَّةَ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَيِ الْاِسْلَامِ اَفْوَاجًا ﴿۲﴾ جَمَاعَاتٍ بَعْدَ مَا كَانَ يَدْخُلُ فِيْهِ وَاحِدٌ وَاحِدٌ وَذٰلِكَ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ جَاءَ الْعَرَبُ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ طَائِعِيْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ اَيْ مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِهٖ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾ وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ نُزُوْلِ هٰذِهِ السُّوْرَةِ يُكْثِرُ مِنْ قَوْلِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ وَعُلِمَ بِهَا اَنَّهٗ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهٗ وَكَانَ فَتْحُ مَكَّةَ فِيْ رَمَضَانَ سَنَةَ ثَمَانٍ وَتُوُفِّيَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ سَنَةَ عَشَرَ

سورۃ نصر مدنیہ ہے اس میں تین آیات ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ:.......... جب اللہ کی طرف سے مدد (دشمنوں کے مقابلہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی) اور فتح (مکہ) آ پہنچے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین (اسلام) میں جوق در جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں (فوج درفوج درآنحالیکہ پہلے ایک ایک آدمی اسلام میں داخل ہوتا تھا فتح مکہ کے بعد عرب کے اطراف سے لوگ برغبت مسلمان ہو گئے) تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے (جو حمد پر مشتمل ہو) اور اس سے مغفرت کی دعا مانگئے۔ بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کے نزول کے بعد بکثرت **سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ واتوب الیہ** پڑھتے تھے اور اس سے یہ سمجھ گئے تھے کہ آپ کی رحلت کا وقت قریب آ پہنچا ہے چنانچہ فتح مکہ رمضان ۸ھ میں ہوا اور آپ کی وفات ربیع الاول ۱۰ھ میں ہوئی)

تحقیق وترکیب:.......... **اذا جاء۔ مجئی** ایسی چیز کو کہتے ہیں جو موجود مگر غائب ہو کر سامنے آجائے مراد حصول وتحقق ہے اس میں استعارہ تبعیہ ہے کیونکہ وقت آنے پر مدد حاصل ہونے کو **مجئی** سے تشبیہ دی گئی ہے پھر اس سے جاء بمعنی **حصل** مشتق کیا گیا ہے اور اس کو **مجئی** سے تعبیر کیا گیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ امور ازل سے بروقت ظاہر ہونے کے لیے متوجہ ہے اور گویا مقدرات الٰہی موجودات ہیں جو پہلے غائب تھے پھر سامنے آگئے اور اذا ظرف زماں مستقبل کے لیے ہے جو منصوب ہے سبح کے ذریعہ جو اذا کا جواب ہے اور شرط سے پہلے فاعل میں رکاوٹ نہیں ہوگا اگر یہ سورت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی جیسا کہ ظاہر ہے تب تو اذا اپنی اصل پر ہے۔

چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ خیبر سے لوٹتے ہوئے اس کا نزول ہوا ہے اور خیبر فتح مکہ سے پہلے ہے اور قتادہؒ کا قول ہے کہ حضورؐ اس سورت کے بعد دو سال زندہ رہے پس اگر ان دو سالوں کو تخمین پر محمول نہ کیا جائے تو اس کا فتح مکہ سے قبل نازل ہونا ثابت ہوتا ہے پس اس کے دو سال بعد زندہ رہے۔ یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ اس کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا ہو اور جن روایات میں اس کا نزول فتح

مکہ کے بعد ہوا تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ پہلے نازل شدہ حکم کو مکرر یاد دلایا گیا لیکن اگر فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تو اذا بمعنی اذ ہے یا یوں کہا جائے کہ کلمہ اذا محض نصر وفتح کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ مجموعہ کے لحاظ سے ہے جس کا ایک جزو یدخلون بھی ہے اور اس سے پہلے جس کا نزول ہو چکا ہے اگر اس کا نزول اس جزء یدخلون کے بعد بھی ہوا ہو جیسا کہ ایک روایت کے مطابق اس کا نزول حجۃ الوداع میں آیا ہے تو اذا کو بمعنی ما لے لیا جائے گا یعنی چونکہ یہ امور ہو چکے ہیں اس لیے آپ کو یہ حکم کیا جاتا ہے۔

بہر صورت اذا کا متعلق محذوف ہے ای اکمل اللہ الامر واتم النعمة علی العباد.

والفتح فتح مکہ مراد ہے لیکن نصرت سے وہ ملکوتی امداد اور قدسی تائید بھی ہو سکتی ہے جو اسماء وصفات کی تجلیات کے ذریعہ سے ہو اور فتح سے مطلق فتح مراد ہو یعنی حضرت الوہیت واحدیت کے باب کا فتح ہونا اور کشف ذاتی کا حاصل ہونا اور افعال نفس کا افعال حق میں فنا ہو جانا پس مقام قلب میں جب نفسانی حجاب اٹھ جاتے ہیں تو اس سے یقیناً ملکوتی افعال فتح ہو جاتے ہیں اور یہ فتح اول کہلاتی ہے۔

دوسری فتح جبروت صفات کہلاتی ہے جو صفات نفس کو صفات حق میں فنا کر دینے سے حجاب خیال اٹھ کر مقام روح میں حاصل ہوتی ہے۔

اور تیسری فتح لاہوت ذاتی کی مقام سر میں حاصل ہوتی ہے جو ذات نفس کو ذات حق میں فنا کر کے اور وہم کا پردہ چاک کر کے مقام سر نصیب ہوتا ہے اور جس کو یہ فتح ونصرت باطنی حاصل ہو جاتی ہے اسے فتح ونصرت ظاہری بھی میسر ہو جاتی ہے کیونکہ نصر وفتح دونوں باب رحمت سے ہیں پس نہایت النہایات پر پہنچنے کے بعد نا راضی کا کوئی اثر نہیں رہ سکتا۔

ورایت الناس اگر رویت بصریہ ہے تب تو یدخلون حال ہے اور رایت بمعنی علمت لینے کی صورت میں یدخلون مفعول ثانی ہے اور افواجا کا مصداق اہل مکہ، اہل طائف اور قبیلہ یمن وہوازن اور قبائل عرب مصداق ہیں۔

فسبح بحمد ربک. یعنی تعجب کیجئے کہ اللہ نے ایسا کام جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا اس کو بسہولت حاصل کرا دیا اور **بحمد ربک ای حامدا له تعالی علیه اوفصل له حامدا علی نعمه او فنزهه عما کانت الظلمة یقولون حامدا له علی ان صدق وعده اوفائن علی الله بصفات الجلال حامدا علیٰ صفات الاکرام**.

واستغفره یعنی کسر نفسی کرتے ہوئے اور اپنے عمل کو حقیر سمجھتے ہوئے اور غیر اللہ کی طرف التفات ہو جانے کی وجہ سے قلب پر جو تکدر رہا ہے اس کے ازالہ اور تلافی کے لیے استغفار کیجئے چنانچہ حضور روزانہ ایک تسبیح استغفار کی بھی پڑھتے تھے یا امت کے لیے استغفار کا بھی حکم ہے اور تسبیح وتحمید اور استغفار کی ترتیب میں خالق سے مخلوق کی طرف نزول کی طرف اشارہ ہے جس کو سیر من اللہ کہا جاتا ہے جو صوفیا کے **سیر الی اللہ** سے عالی مرتبہ ہے سیر الی اللہ کو عروج سے تعبیر کرتے ہیں جب سالک مقام الوہیت کی سیر کرتا ہے اور **سیر من اللہ** نزول کہلاتا ہے جس میں سالک مقام عبدیت میں آ جاتا ہے جو سب سے اونچا مقام ہے صوفیا کا مقولہ **ما رایت شیئا الاو رایت اللہ قبله** اسی مقام کی نشاندہی کرتا ہے۔

انه کان توابا یعنی ازل ہی میں استغفار کرنے والوں کی بخشش فرما چکا ہے۔

ربط آیات: ....سورۃ والضحیٰ کی تمہیدی مہمات میں سے اللہ کی نعمتوں پر بالخصوص تکمیل فیوض کے انعام پر شکر گزاری بھی ہے اس سورت میں اسی کا بیان ہے اور اسی کے ضمن میں نبوت کی تقریر بھی ہوگئی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات: ....حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کی آخری سورت ہے یعنی اس کے بعد کوئی مکمل سورت نازل نہیں ہوئی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ یہ سورت حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایام تشریق کے درمیان منیٰ میں نازل ہوئی اور اس کے بعد حضور ﷺ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مشہور خطبہ ارشاد فرمایا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی بعض آیات نازل ہوئیں

لیکن سب سے آخر آیت کون سی نازل ہوئی اس میں اختلاف ہے براء بن عازبؓ کی روایت ہے کہ سورۃ نساء کی آخری آیت یستفتونک آخر میں نازل ہوئی ہے ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آیت ربوا آخری آیت ہے امام زہریؒ اور سعید بن المسیبؒ کا قول ہے کہ آیت ربوا اور آیت دین آخری آیات میں سے ہیں اور ایک قول ابن عباسؓ کا یہ بھی ہے کہ آخری آیت واتقوا یوما الخ ہے اور یہ کہ حضورؐ کی وفات سے ۸۱ روز پہلے نازل ہوئی ہے اور سعید بن جبیر کا قول ۹ روز پہلے کا ہے روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ نصر حضورؐ کی وفات سے تین ماہ کچھ دن پہلے نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے میری وفات کی اطلاع دی گئی ہے اور ابن عباسؓ کی دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کے نازل ہونے سے حضورؐ نے سمجھ لیا تھا کہ آپ کو دنیا سے رخصت کی اطلاع دی گئی ہے حضرت ام حبیبہؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: اس سال میرا انتقال ہونے والا ہے یہ سن کر حضرت فاطمہؓ رودیں مگر جب آپؐ نے فرمایا کہ خاندان میں تم ہی سب سے پہلے مجھ سے آکر ملوگی۔ یہ سن کر حضرت فاطمہؓ ہنسیں۔ نیز حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ مجھ کو بدر میں شریک ہونے والے بڑے بڑے شیوخ کے ساتھ اپنی مجلس میں شامل رکھتے تھے بعض بزرگوں کو یہ بات ناگوار گزری۔ وہ کہنے لگے ہمارے لڑکے بھی اسی لڑکے جیسے ہیں پھر ان کی کیا خصوصیت ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ علم کے لحاظ سے اس کے مقام سے آپ لوگ واقف ہیں؟ پھر ایک روز مجھے شیوخ بدر کے ساتھ بلایا میں سمجھ گیا کہ مجھے کیوں بلایا ہے؟ دوران گفتگو حضرت عمرؓ نے شیوخ بدر سے پوچھا۔ کہ آپ حضرات اذا جاء کے متعلق کیا کہتے ہیں بعض بولے کہ اس میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی نصرت وفتح آنے پر حمد واستغفار کریں بعض نے کہا کہ شہروں اور قلعوں کی فتح کی خبر دی گئی ہے اور بعض خاموش رہے پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ابن عباسؓ تم بھی یہی کہتے ہو؟ میں نے کہا نہیں! فرمایا پھر کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعزیت ہے اور حضورؐ کو بتلا دیا گیا ہے کہ جب اللہ کی نصرت وفتح نصیب ہو جائے تو یہ اس کی علامت ہے کہ آپ کا وقت پورا ہو چکا ہے اب آپ اللہ کی حمد واستغفار میں لگے رہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی اس کے سوا کچھ نہیں جانتا جیسا کہ تم نے کہا ہے پھر حضرت عمرؓ شیوخ بدر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ مجھے کیسے ملامت کر سکتے ہو جب کہ اس لڑکے کو اس مجلس میں شریک ہونے کی وجہ آپ نے دیکھ لی۔ بلکہ قاضی بیضاویؒ نے نقل کیا ہے۔ **ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما قراھا بکی العباس فقال علیہ السلام ما یبکیک قال نعیت الیک قال انما لکما تقول** اور چونکہ اس سورت میں اتمام دعوت اور اکمال دین کی اطلاع آیت **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی** کے مطابق دی گئی ہے اس لیے اس کو وفات کی پیشین گوئی پر محمول کیا گیا ہے یا استغفار کے حکم سے وفات کے قریب ہونے پر تنبیہ سمجھی گئی اس لیے اس سورت کا نام سورۃ التودیع بھی ہے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے پہلے **سبحانک اللھم وبحمدک استغفرک واتوب الیک** بکثرت پڑھا کرتے تھے میں نے عرض کیا۔ یہ کیسے کلمات ہیں جو آپؐ نے اب پڑھنے شروع کر دیئے ہیں؟ فرمایا میرے لیے ایک علامت مقرر کر دی گئی ہے کہ جب میں اس کو دیکھوں تو یہ الفاظ کہا کروں اور وہ ہے **اذا جاء نصر اللہ والفتح** اور حضرت عائشہؓ سے بعض روایات میں یہ ہے کہ آپؐ رکوع وسجود میں بکثرت **سبحانک اللھم وبحمدک اللھم اغفرلی** پڑھتے تھے اور حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں ہے کہ آخری زمانۂ حیات میں اٹھتے بیٹھتے آتے جاتے بکثرت آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری رہتے **سبحان اللہ وبحمدہ** میں نے ایک وجہ پوچھی فرمایا کہ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر آپ نے یہ صورت پڑھی حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد بکثرت آپؐ یہ ذکر کرتے تھے **سبحانک اللھم وبحمدک اللھم اغفرلی، سبحانک ربنا وبحمدک اللھم اغفرلی انک انت التواب الغفور** حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد حضورؐ

آخرت کے لیے محنت وریاضت کرنے میں اس قدر مشغول ہو گئے کہ پہلے کبھی نہ تھے۔

﴿تشریح﴾: .... والفتح۔ فتح سے مراد اگر فتح مکہ ہے تو وہ اس لحاظ سے فیصلہ کن تھی۔ کہ اس نے مشرکین عرب کی ہمتیں پست کردی تھیں۔ تاہم اس کے بعد بھی ان میں کافی دم خم باقی تھا۔ طائف وحنین کے معرکے اسی کے بعد ہی پیش آئے اور عرب پر اسلام کا مکمل غلبہ ہونے میں دو سال کے قریب لگے۔ اس لیے اس کو عام رکھا جائے تو بہتر ہوگا۔ یعنی ایسی فیصلہ کن فتح حاصل ہو جائے جس کے بعد ملک میں کوئی طاقت اسلام سے ٹکر لینے کی ہمت نہ کر سکے۔ اور یہ بات کھل کے سامنے آ جائے کہ اب عرب میں اسی دین کو غالب ہو کر رہنا ہے۔

فتح سے عام مراد لینا زیادہ عُمدہ ہے: .... جہاں تک فتح کی داغ بیل کا تعلق ہے وہ تو حدیبیہ میں پڑ چکی تھی۔ اور خیبر سے فتوحات کا آغاز ہو گیا تھا۔ لیکن مکہ معظمہ جو زمین پر گویا اللہ کا دارالسلطنت ہے۔ وہ ایسا اہم مقام تھا کہ قبائل عرب کی نظریں اسی پر لگی ہوئی تھیں۔ چنانچہ جونہی مکہ معظمہ فتح ہوا پھر تو سارا عرب اُمنڈ پڑا اور جوق در جوق لوگ حاضر ہو کر اسلام میں داخل ہونے لگے۔ حتی کہ سارا عرب اسلام کا کلمہ پڑھنے لگا اور نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد پورا ہو گیا۔ اس سے پہلے ایک ایک دو دو کر کے لوگ اسلام لاتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد تو لوگوں کا تانتا بندھ گیا اور ۹ ھ میں جس کو عام الوفود کہا جاتا ہے یہ کیفیت ہوئی کہ گوشے گوشے سے وفود حاضر خدمت ہونے لگے۔ یہاں تک کہ ۱۰ ھ میں جب حضور ﷺ حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے۔ اس وقت پورا عرب اسلام کے زیر نگین ہو چکا تھا اور ملک میں کوئی مشرک باقی نہ رہا تھا۔

فسبح بحمد ربك۔ یعنی حضور اقدس ﷺ تکمیل دین اور خلافت کبریٰ کی تمہید کے مقصد عظیم کی خاطر دنیا میں تشریف لائے۔ جب وہ پورا ہو لیا سمجھ لیجئے کہ سفر آخرت قریب ہے لہٰذا اب ہمہ تن ادھر ہی لگ جائیں اور پہلے سے زیادہ تسبیح وتحمید کے لیے وقف ہو جائیں۔

اسلام کی فتح کا ایک اور پہلو: .... ایک پہلو اس میں یہ بھی نکل سکتا ہے کہ اس عظیم کامیابی کو یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ آپ کا اپنا کارنامہ ہے بلکہ اس کو سراسر اللہ کا فضل وکرم سمجھئے اور زبان ودل سے اس کا اعتراف کیجئے کہ اس تمام تر کامیابی پر ساری تعریف اللہ ہی کو پہنچتی ہے اور یہ نہ سمجھو کہ اعلاء کلمۃ اللہ کچھ تمہاری کوششوں کا مرہون منت ہے۔ بلکہ اس کے برعکس تمہارا دل اس یقین سے لبریز رہے کہ خود تمہاری تمام تر جد وجہد اللہ ہی کی تائید ونصرت پر موقوف ہے۔ وہ اپنے بندہ سے جو چاہے کام لے سکتا ہے اور یہ اس کا فضل وکرم ہے کہ اس نے یہ خدمت تم سے لے لی اور اپنے دین کا بول بالا تمہارے ہاتھوں کر دیا۔ اور ایک پہلو اس میں یہ بھی نکل سکتا ہے کہ انسان کسی محیر العقول کارنامہ پر بے ساختہ زبان سے سبحان اللہ کہتا ہے تو اس کا مطلب اظہار تعجب ہوتا ہے۔ اور یہ ظاہر کرتا کہ اللہ کی قدرت سے ایسا حیرت انگیز واقعہ رُونما ہوا ہے۔ ورنہ دنیا کی کسی طاقت کے بس میں نہ تھا کہ اس سے ایسا کرشمہ سرزد ہوتا۔

حضورؐ کے استغفار کرنے کا مطلب: .... واستغفره یعنی اس عظیم کام کے سرانجام دینے میں ممکن ہے کوئی بھول چوک ہوئی ہو یا اس کام میں لگنے کی وجہ سے اور خلق میں مشغول ہونے کی وجہ سے مشغولیت حق کے انہماک سے جو فرق پڑا ہے گو وہ بھی تعمیل ارشاد کی حیثیت سے مشغولیت حق بھی ہے۔ تاہم کچھ نہ کچھ اس سے طبیعت میں تکدر رہا۔ جس کو لسان نبوت نے وانه ليغان على قلبي سے ظاہر فرمایا اس لیے استغفار کیجئے اور اللہ سے دعا مانگیئے کہ اس بھول چوک سے درگزر فرمایئے اور اس تکدر کو دور فرما دے۔ یہ ہے اسلام کا وہ بہترین ادب جو اس نے اپنے بہترین ماننے والے انسان کو سکھلایا ہے کسی انسان نے اللہ کے دین کی خواہ کتنی بڑی

خدمت انجام دی ہو اور اس کی راہ میں خواہ کتنی ہی قربانیاں اس نے دی ہوں اور اس کی عبادت و بندگی بجالانے میں خواہ کتنی ہی جانفشانیاں اس نے کیں اس کے دل میں کبھی خیال نہیں آنا چاہیئے کہ میں نے آپ کے دین کا حق ادا کردیا بلکہ ہمیشہ اسے یہ خیال کرنا چاہیئے کہ جو کچھ مجھے کرنا چاہیئے تھا وہ میں نہیں کرسکا اور اسے اللہ سے یہی دعا مانگنی چاہیئے کہ اس کے حق ادا کرنے میں جو کوتاہی مجھ سے ہوئی ہو اس سے درگزر فرما کر یہ حقیر سی خدمت قبول فرمالے۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا:............ یہ ادب جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھلایا گیا جن سے بڑھ کر خدا کی راہ میں جدوجہد اور سعی کرنے والے کسی انسان کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا تو دوسرے کسی کی یہ مجال کہاں کہ وہ اپنے عمل کو کوئی بڑا عمل سمجھے اور اس غرّہ میں مبتلا ہو کہ اس نے اللہ کا حق ادا کردیا ہے اللہ کا حق اس سے بہت بالا ہے کہ کوئی مخلوق اسے ادا کرسکے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے یہ سبق دیتا ہے کہ اپنی کسی عبادت و ریاضت اور کسی خدمت دین کو بڑی چیز نہ سمجھیں بلکہ اپنی جان راہ خدا میں کھپادینے کے بعد بھی یہی سمجھتے رہیں کہ'' حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا'' اسی طرح جب کبھی انہیں کوئی فتح نصیب ہو اسے اپنے کسی کمال کا نہیں بلکہ اللہ ہی کے فضل کا نتیجہ سمجھیں اور اس پر فخر و غرور میں مبتلا ہونے کے بجائے اپنے رب کے سامنے عاجزی کے ساتھ سر جھکا کر حمد و تسبیح اور توبہ و استغفار کریں۔

خلاصۂ کلام:............ اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے شایان شان ادب عالیہ کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ جب یہ دیکھ لیں کہ جس مقصد عظیم کے لیے آپ کو دنیا میں بھیجا گیا ہے اس کے اثرات اتنے نمایاں ہو گئے ہیں کہ لوگ جوق در جوق رجوع و رغبت سے قبول کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگیں تو سمجھ لیجئے کہ آپ کی مساعی کے نتیجہ میں اللہ کی نصرت و فتح آن پہنچی ہے لہٰذا آپ ہمہ تن اللہ کی تسبیح و حمد میں وقف ہو جائیے اور شکر کیجئے کہ اللہ کے فضل سے آپ اتنا بڑا کام سرانجام دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور باطنی فتح کے ساتھ ظاہری فتح بھی آپ کو نصیب ہو گئی ہے اور اپنے اور اپنی امت کے حق میں دعا کیجئے کہ اس خدمت کی انجام دہی میں کوئی بھول چوک یا لغزش ہوئی تو اس سے درگزر فرمائیے دنیا کے انقلابی ایسے موقعوں پر جشن فتح مناتے ہیں اور خوشی میں آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور پھولے نہیں سماتے ہیں لیکن اللہ کے محبوب اور دین کے رہنمائے اعظم کو اس انقلاب عظیم اور بے مثال کارنامہ سرانجام دینے پر جشن منانے کا نہیں بلکہ اللہ کے آگے سر افگندہ ہو جانے کا حکم دیا گیا ہے اور کوتاہیوں پر تسامح کی عاجزانہ درخواست کرنے کی تلقین کی جارہی ہے اور یہ کہ اب رخت سفر باندھئے اور آخرت کی تیاری میں لگئے چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ آپ کامرانیوں میں کھوئے نہیں گئے۔ بلکہ پورے طور پر یاد حق میں لگ گئے طاب حیاً و میتاً۔

فضائل سورت:............ من قرء سورة اذا جاء اعطى من الاجر كمن شهد مع محمد يوم فتح مكة. سورۃ اذا جاء جو شخص پڑھے گا اس کو اللہ اتنا ثواب عطا فرمائے گا کہ گویا وہ حضورؐ کے ساتھ فتح مکہ کے موقعہ پر شریک رہا (مرفوع)۔

لطائف سلوک:............ اذا جاء نصر الله اسی طرح اہل طریق کو بھی چاہیئے کہ جب وہ وظائف ارشاد سے فارغ ہو جائیں تو قرب الٰہی میں منہمک ہو جائیں اور تسبیح و تحمید و استغفار میں وقف ہو جائیں۔

سُوْرَةُ اللَّهَبِ

سُوْرَةُ اَبِیْ لَهَبٍ مَكِّيَّةٌ خَمْسُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمَّا دَعَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمَهٗ وَقَالَ اِنِّيْ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَىْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ فَقَالَ عَمُّهٗ اَبُوْلَهَبٍ تَبًّا لَّكَ اَلِهٰذَا دَعَوْتَنَا نَزَلَتْ **تَبَّتْ** خَسِرَتْ **يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ** اَیْ جُمْلَتُهٗ وَعَبَّرَ عَنْهَا بِالْيَدَيْنِ مَجَازٌ لِاَنَّ اَكْثَرَ الْاَفْعَالِ تُزَاوِلُ بِهِمَا وَهٰذِهِ الْجُمْلَةُ دُعَاءٌ **وَّ تَبَّ**﴿۱﴾ خَسِرَ هُوَ وَهٰذِهٖ خَبَرٌ كَقَوْلِهِمْ اَهْلَكَهُ اللّٰهُ وَقَدْ هَلَكَ وَلَمَّا خَوَّفَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَذَابِ فَقَالَ اِنْ كَانَ مَا يَقُوْلُ ابْنُ اَخِیْ حَقًّا فَاِنِّیْ اَفْتَدِیْ مِنْهُ بِمَالِیْ وَوَلَدِیْ نَزَلَ **مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ**﴿۲﴾ وَكَسْبُهٗ اَیْ وَلَدُهٗ وَاَغْنٰى بِمَعْنٰى يُغْنِیْ **سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ**﴿۳﴾ اَیْ تَلَهُّبٍ وَتُوَقُّدٍ فَهِیَ مَآلُ تَكْنِيَتِهٖ لِتَلَهُّبِ وَجْهِهٖ اِشْرَاقًا وَّحُمْرَةً **وَّامْرَاَتُهٗ** عَطْفٌ عَلٰى ضَمِيْرِ يَصْلٰى سَوَّغَهُ الْفَصْلُ بِالْمَفْعُوْلِ وَصِفَتُهٗ وَهِیَ اُمُّ جَمِيْلٍ **حَمَّالَةَ** بِالرَّفْعِ وَالنَّصْبِ **الْحَطَبِ**﴿۴﴾ اَلشَّوْكِ وَالسَّعْدَانِ تُلْقِيْهِ فِیْ طَرِيْقِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **فِیْ جِيْدِهَا** عُنُقِهَا **حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ**﴿۵﴾ اَیْ لِيْفٍ وَهٰذِهِ الْجُمْلَةُ حَالٌ مِّنْ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ الَّذِیْ هُوَ نَعْتٌ لِامْرَاَتِهٖ اَوْ خَبَرُ مُبْتَدَاٍ مُقَدَّرٍ

سورۃ ابی لہب مکیہ ہے اس میں پانچ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ............ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی قوم کو دعوت دینی شروع کی اور فرمایا کہ **انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید** آپ کا چچا ابولہب بولا **تبالک الهذا دعوتنا**۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں) ٹوٹ گئے (برباد ہو جائیں) دونوں ہاتھ ابولہب کے (یعنی وہ پورا تباہ ہو جائے مجازاً اس کو ہاتھوں سے تعبیر کر دیا ہے۔ کیونکہ اکثر کام ہاتھوں ہی سے کیئے جاتے ہیں۔ یہ جملہ دعائیہ ہے) اور وہ برباد ہو جائے (یہ اس کی بربادی کی اطلاع ہے جیسے کہا جائے **اهلكه الله وقد هلك** اور چونکہ حضورؐ نے عذاب کی دھمکی دی تھی اس لیے ابولہب کہنے لگا کہ میرے بھتیجے کی بات اگر ٹھیک نکلی تو میں اپنے مال واولاد کو فدیہ کر دوں گا تب یہ آیت نازل ہوئی) اس کو مال اور جو کچھ اس نے کمایا۔ وہ اس کے کسی کام نہ آئے گا (کسب سے مراد اس کی اولاد ہے اور اغنٰی بمعنی **يغنى** ہے) عنقریب وہ ایک شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا (یعنی دہکتی ہوئی لپٹیں اٹھتی ہوئی سرخ وسفید رونق دار چہرہ کی وجہ

سے ابولہب اس کی کنیت تھی یہ اس کا انجام ہے) اور اس کی جورو بھی (یصلی کی خبر پر حلف ہے مفعول اور اس کی صفت کے بیچ میں حائل ہو جانے کی وجہ سے اس عطف کی گنجائش ہے بیوی کا نام ام جمیل تھا) جو اٹھا کر لانے والی ہے (رفع اور نصب کے ساتھ) لکڑیاں (کانٹے اور سعدان کی لکڑیاں لا کر حضور کے راستہ میں بکھیر دیتی تھی) اس کی گردن (گلے) میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی (یعنی بل دی ہوئی. یہ جملہ **حمالة الحطب** کا حال ہے جو امراته کی صفت ہے یا مبتدا مقدر کی خبر ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... تبت. تباب ایسے نقصان وخسارہ کو کہتے ہیں جو تباہ کن ہو.

یداابی لھب . ہاتھوں کی طرف نسبت ایسی ہے جیسے **لا تلقوا بایدیکم الی التھلکة** میں ہے دوسرے ابولہب کی بات کا جواب ہے اس نے پہلے تبا لک کہا اور ہاتھ سے پتھر اٹھا کر آپ کے پھینک مارا پس اول تب کا لفظ اس نے استعمال کیا اور ایک ہاتھ سے پتھر مارا اس لیے جواب میں دونوں ہاتھوں کو بربادی میں شریک کر لیا. اور بعض نے بدین سے دنیا وآخرت بطور کنایہ کے لی ہیں یعنی یہ دونوں برباد ہو گئیں. اس کا نام عبدالعزیٰ تھا اور بظاہر کنیت تعظیم کے لیے ہوا کرتی ہے مگر یہاں اس کا نام لینے میں کراہت سمجھی گئی. کیونکہ وہ فی الحقیقت عبداللہ تھا نہ کہ عبدالعزیٰ اور مشہور ہونے کی وجہ سے کنیت پر اکتفا کر لیا گیا دوسرے لہب کے لفظ سے التہاب نار کی طرف کنایہ کیا گیا ہے. جس سے اس کا دوزخی ہونا معلوم ہو جائے ایک قرات ابولہب ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے "علی بن ابو طالب" کہا جائے اور ابن کثیرؒ لھب سکون ھا کے ساتھ پڑھتے ہیں.

و تب. یہ دونوں لفظ خبر ہیں اور ماضی کے صیغے محقق الوقوع ہونے کی وجہ سے لائے گئے ہیں جیسے یہ شعر ہے

جزانی جزاه الله شر جزائه   جزاء الکلاب العادیات و قد فعل

چنانچہ دوسری قراءت "وقد تب" ہے یا یوں کہا جائے کہ پہلا لفظ ہاتھوں کے کرتوت کی اطلاع ہے اور دوسرا لفظ خود اس کے کرتوت کی خبر دیتا ہے. وما کسب . ما مصدریہ یعنی اس کا کسب ضائع ہو گیا یا کسب بمعنیٰ مکسوب ہے یعنی مالداری کے منافع وجاہت نوکر چاکر وغیرہ یا عمل مراد ہے جس کو وہ اپنے لیے نفع بخش سمجھتا تھا یا اس کا بیٹا عقبہ مراد ہے جس کو شیر نے پھاڑ ڈالا تھا گویا یہ باتیں بطور پیشگوئی کے فرمائی گئی ہیں.

سیصلی . اس سے یہ استدلال کرنا کہ وہ ایمان نہیں لائے گا پھر اس کو ایمان کا مکلف قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ اجتماع نقیضین ہے پس اجتماع نقیضین کی وجہ سے یہ بھی محال ہے اور محال کا مکلف قرار دینا تکلیف مالایطاق ہے. جو عقلاً گو جائز ہے مگر اہل سنت کے نزدیک شرعاً جائز نہیں آیت **لا یکلف الله** الخ کی وجہ سے پس اس شبہ کا جواب قاضی بیضاویؒ نے تو یہ دیا ہے کہ لفظ سیصلی سے یہ سمجھنا درست نہیں کہ وہ ایمان نہیں لائے گا اس لیے ضرور جہنم میں جائے گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایمان لے آئے. اسی لحاظ سے وہ ایمان لانے کا مکلف ہے. لیکن پھر دوزخ میں جانا وہ فسق وفجور کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ ایک وقتی دخول ہوگا ابدی داخلہ نہیں جو معترض نے سمجھا تھا.

لیکن قاضی کا یہ جواب ان لوگوں نے ناپسند کیا ہے جو آیت **لا انا عابد ما عبدتم** اور **لکم دینکم ولی دین** کے معنی یہ لیے ہیں کہ ان کافروں کا دوزخی ہونا طے شدہ ہے. وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے. جس سے پھر اشکال بدستور متوجہ ہو جائے گا جس کا جواب ان حضرات کی طرف سے یہ دیا جائے گا کہ سیصلی تو زمانہ استقبال کے لیے بھی نص نہیں ہے چہ جائیکہ زمانہ استقبال کا استغراق ودوام لیا جائے. پس ممکن ہے اس سے دنیوی سزا مراد ہو. گو یا عذاب دوزخ کا یہاں ذکر نہیں کہ اشکال ہو لیکن اچھی توجیہ یہ ہے کہ انسان ایمان اجمالی کا مکلف ہے اور مرتبہ اجمالی میں اجتماع نقیضین جائز ہے اور ایک قراءت میں سیصلی تخفیف وتشدید کی صورت میں بھی ہے.

وامراته . اس کا عطف سیصلیٰ کی ضمیر متصل پر ہے اور مفعول مع صنعت کے فاعل ہونے کی وجہ سے یہ عطف جائز ہے یا اس کو مبتدا کہا جائے۔ یہ عورت اروی ہے جس کی کنیت ام جمیل ہے ابوسفیان کی بہن اور حرب کی بیٹی تھی۔

حمالة الحطب . اس سے مراد بقول ابن حجر ورزخ کا گٹھہ ہے جو ایذائے رسول کے کام کر کے وہ گناہوں کا بوجھ لا رہی تھی۔ یا بقول مجاہدؒ وقتادہؒ چغلخوری مراد ہے جس سے دشمنی کی آگ بھڑک اٹھتی ہے چنانچہ فارسی میں ہیزم کش چغلخور کو کہتے ہیں یا بقول ابن عباسؓ وضحاکؒ لکڑیوں کا بوجھ مراد ہے جو جنگل سے چن چن کر وہ لاتی تھی اور حضورؐ کی راہ میں رات کو کانٹے بچھا دیتی تھی عاصمؒ نے اس کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔

حبل من مسد ای من ما مسد اور مسد کے معنی بٹنے کے آتے ہیں رجل ممسود الخلق یعنی مضبوط ہے اس میں استعارہ ترشیحیہ ہے یا ام جمیل کو ایسی فرضی عورت کی صورت میں پیش کیا گیا ہے جس کا یہ حال ہوا یا دوزخ میں اس کی حالت کا ذکر ہے کہ بقول ابن عباسؓ آگ کی زنجیر میں زقوم اور ضریع کی لکڑیاں باندھ کر اس کے گلے میں لٹکا دیا جائے گا یعنی جیسا کر رہی ہے ویسا ہی بھگتے گی۔

فی جیدها . موضع حال میں ہے یا خبر ہے اور حبل ظرف کی وجہ سے مرفوع ہے۔

ربط آیات : .... والضحیٰ کی تمہید میں بیان کردہ مہمات میں سے مخالفت اور ایذا رسول سے بچنا بھی ہے اس صورت میں اسی کا بیان ہے یہ سورت مکی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ اس کا تعلق اس وقت سے ہے کہ خاندان بھر میں آپ کے حقیقی چچا عبدالعزیٰ ابولہب بن عبدالمطلب کا بغض وعناد اور غصہ وعداوت کھل کر لوگوں کے سامنے آ چکی تھی اور کھلم کھلا اس نے دشمنوں کا ساتھ دیا۔ یہی وجہ ہوئی کہ جب سگے چچا کی زیادتیاں علانیہ سب کے سامنے آ گئیں تو قرآن نے بھی کھل کر پوری مذمت کی۔ ورنہ ایک بھتیجے کے منہ سے چچا کی کھلم کھلا برائی اخلاقی حیثیت سے لوگوں کی نظروں میں معیوب سمجھی جاتی مگر پانی جب سر سے گزر گیا تو مجبوراً زبان کھولنی پڑی اسی لیئے قرآن میں نام کی صراحت کے ساتھ اسی ایک جگہ مذمت کی گئی ہے حالانکہ مکہ مدینہ میں کتنے ہی دشمنان اسلام ایسے تھے جو آپ کے قرابت دار بھی تھے مگر انہوں نے ابولہب سے کم کردار ادا نہیں کیا۔ پھر بھی نام بھی لے کر رسوا نہیں کیا گیا۔ سورت کی وجہ تسمیہ واضح ہے۔

روایات : .... اسلام سے پہلے پورے عرب میں طوائف الملوکی، غارت گری، بدامنی پھیلی ہوئی تھی اس لیے سینکڑوں سال سے یہ معمول بن گیا تھا کہ کوئی شخص اپنے خاندان اور قرابت داروں کے بغیر امن وچین کی زندگی بسر نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے عربی معاشرہ میں صلہ رحمی اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھے برتاؤ کو اخلاقی قدروں میں بڑی وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور رشتہ دار سے بدسلوکی اور قطع رحمی کو بہت برا پاپ سمجھا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کی دعوت کا آغاز کیا تو قریش کے مختلف خاندانوں نے گو آپ کی شدید مخالفت کی حتیٰ کہ نبوت کے ساتویں سال کلی مقاطعہ کر کے شعب ابی طالب میں آپ کو محصور کر دیا۔ یہ مقاطعہ متواتر تین سال رہا۔ اور فاقوں تک نوبت پہنچ گئی مگر بنی ہاشم اور بنی المطلب دونوں خاندانوں نے اس وقت بھی کھلم کھلا اور بھرپور طریقہ پر آپ کی حمایت کی اگرچہ ان میں سے بہت سوں نے اسلام قبول نہیں کیا مگر قرابت داری اور خاندانی تقاضوں کو ملحوظ رکھا۔ اسی لیے دوسرے قریشیوں نے کبھی بنو ہاشم و بنو مطلب کو یہ طعنہ نہیں دیا۔ کہ آبائی دین سے پھرنے والے شخص کی تم کیوں حمایت کر رہے ہو لیکن اس اخلاقی برتاؤ کو جسے زمانہ جاہلیت میں بھی لوگوں نے ملحوظ رکھا مگر پوری برادری میں جس شخص نے اس اصول کو توڑ کر علانیہ دشمنوں کا ساتھ دیا ہو عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب جس کی کنیت ابولہب تھی۔ اس کا یہ حال تھا کہ مکہ میں اگر باہر سے کوئی تجارتی قافلہ آ جاتا اور ان محصورین میں

سے کوئی خوراک کا سامان خریدنے پہنچ جاتا ابولہب تاجروں سے پکار کر کہہ دیتا کہ ان سے اتنی قیمت مانگو کہ خرید نہ سکیں تمہیں جو خسارہ ہوگا اس کو میں پورا کروں گا چنانچہ وہ بڑھا چڑھا کر مول کر دیتے جس سے بے چارہ خریدار اپنے تڑپتے ہوئے بال بچوں کے پاس خالی ہاتھ پلٹ جاتا، پھر ابولہب وہ چیزیں بازار کے بھاؤ خود خرید لیتا۔

غرض لوگ جب چچا کا یہ طرز عمل اپنے بھتیجہ کے ساتھ دیکھتے تو وہ اپنی معروف روایات کے پیش نظر یہ بات خلاف توقع سمجھتے تھے، کہ کوئی چچا بلا وجہ بھی دوسروں کے سامنے خود اپنے بھتیجہ کو برا بھلا کہے اور اسے پتھر مارے اس لیے وہ ابولہب کی بات سے متاثر ہو کر رسول اللہؐ کے بارے میں شک میں پڑ جاتے۔

عرب معاشرہ میں چچا باپ کی جگہ سمجھا جاتا تھا خاص طور پر جب بھتیجہ کا باپ مر چکا ہوتا تو چچا ہی کے ذمہ ہر قسم کی دیکھ بھال پرورش، حمایت ونصرت آجاتی تھی لیکن ابولہب نے اسلام دشمنی میں تمام روایات کو پامال کر دیا اب وہ عرب معاشرہ کی نظروں میں اس درجہ میں آگیا کہ بھتیجہ کے دکھی دل سے اس کے خلاف آہ نکلے تو لوگ سمجھ لیں کہ بھتیجہ اس کہنے میں حق بجانب ہے اور لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہو گیا، کہ رسول اللہ کی مخالفت میں جو ابولہب اول فول بکتا ہے وہ اپنے بھتیجہ کی دشمنی میں دیوانہ ہو رہا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آیت **وانذر عشیرتک الاقربین** نازل ہونے پر آپ صبح سویرے کوہ صفا پر چڑھے اور عربی رواج کے مطابق "یاصفا" کی صدا لگائی تو اس پر قریش کے خاندانوں کے سب لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑے جو خود آسکتا تھا وہ آگیا اور جو نہ آسکتا تھا اس نے اپنی طرف کسی کو بھیج دیا جب سب جمع ہو گئے تو آپؐ نے ایک ایک خاندان کو نام بنام پکارا کہ اے بنی ہاشم! اے بنی مطلب! اے فلاں، اے فلاں اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک حملہ آور لشکر ہے تو تم میری بات کو سچ مانو گے؟ لوگوں نے اقرار کیا اور کہا کہ کبھی آپ نے جھوٹ نہیں بولا پھر آپ نے فرمایا **انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید** اس پر ابولہب نے سب سے پہلے بگڑ کہا **تبا لک الھذا دعوتنا**۔

اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ کو مارنے کے لیے اس نے پتھر بھی اٹھایا دوسرے مواقع پر بھی جب آپؐ پیغام حق سناتے تو یہ بد بخت پتھر پھینکتا حتیٰ کہ آپ کے پائے مبارک لہولہان ہو جاتے۔ اور زبان سے کہتا کہ لوگو! محمد کی بات نہ سنو! کہ یہ جھوٹا بددین ہے پھر کبھی اپنے دونوں طرف اشارہ کر کے کہتا۔ **تبالکما ما اری فیکما شیئا مما یقول محمد**، اور عذاب کی دھمکی کے جواب میں کہتا کہ اگر سچ مچ یہ بات ہوئی تو میں اپنے مال واولاد کے بل بوتہ پر بچ نکلوں گا غرضیکہ کفر وعداوت اور غرور وشقاوت میں یہ شخص انتہا کو پہنچ گیا تھا حسب بیان ابن زید ایک روز ابولہب نے حضورؐ سے پوچھا کہ اگر تمہارے دین کو مان لوں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جو اور ایمان لانے والوں کو ملے گا کہنے لگا میرے لیے کوئی فضیلت نہیں ہے؟ حضرتؐ نے فرمایا اور کیا چاہتے ہو؟ وہ بولا **تبا لھذا الدین تبا ان اکون وھولاء سواء**۔ حضورؐ کے اور ابولہب کے مکان کے بیچ میں صرف ایک دیوار تھی اسی طرح عقبہ بن ابی معیط، حکم بن عاص، عدی بن حمر سب آپ کے قریبی ہمسائے تھے مگر ایسے کہ گھر میں بھی حضورؐ کو چین لینے نہیں دیتے تھے کبھی نماز کی حالت میں آپ پر اوجھ پھینک دیتے کبھی صحن میں ہنڈیا پکتی ہوئی ہوتی تو اس پر غلاظت پھینک دیتے۔ آپ باہر نکل کر حسرت سے فرماتے اے بنی عبد مناف! یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟ اس کی بیوی ام جمیل تو ایسی آفت کی پرکالہ تھی کہ دشمنی کی جو آگ ابولہب بھڑکاتا، یہ عورت گویا اس کے لیے ایندھن فراہم کر کے اور تیز کر دیتی تھی اور اس نے مستقل یہ وطیرہ اختیار کر رکھا تھا، کہ رات کو آپ کے دروازے پر کانٹے دار جھاڑیاں لا کر ڈال دیتی تا کہ اندھیرے میں جب آپ نکلیں تو وہ کانٹے چبھ جائیں اور کنجوس اتنی کہ جنگل سے خود ہی لکڑیوں کا گٹھہ سر پر لاد کر لاتی تھی۔

ادھر حضورؐ کی دو صاحبزادیوں کا نکاح نبوت سے پہلے ابولہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہوا تھا مگر آپؐ کی دعوت

شروع ہونے کے بعد اس نے اپنے بیٹوں سے کہہ دیا کہ اگر تم محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہیں دو گے تو میرے لیے تم سے ملنا حرام ہے جس پر دونوں نے طلاق دے دی. بلکہ عتیبہ نے تو یہاں تک کیا کہ ایک روز حضورؐ کے پاس پہنچ کر کہنے لگا کہ میں النجم اذا ھوی اور دنی فتدلی کا انکار کرتا ہوں یہ کہہ کر حضورؐ کی طرف تھوک دیا بے ساختہ آپ کی زبان سے بددعائیہ جملہ نکلا۔ اللھم سلط علیه کلب من کلابک ۔ اس کے بعد اپنے باپ کے ساتھ سفر شام کے لیے روانہ ہو گیا راستہ میں کہیں پڑاؤ ہوا تو لوگوں نے بتلایا کہ یہاں رات کو درندے آتے ہیں ابولہب نے قافلہ کے قریشیوں سے کہا کہ میرے بیٹے کی حفاظت کرو. کیونکہ مجھے محمدؐ کی بددعا کا اندیشہ ہے. اس پر اس کی حفاظت کا معقول بندوبست کر دیا گیا اس کے چوطرف سامان لگا کر پھر اس کے گرد اونٹوں کو بٹھا دیا پھر سو گئے. رات کو ایک شیر آیا اور حلقہ کو چیرتا ہوا بیچ میں پہنچ گیا اور عتیبہ کو پھاڑ ڈالا لیکن اس کا بڑا بھائی عتبہ فتح مکہ کے بعد اسلام لے آیا تھا خود ابولہب کا حال یہ ہوا کہ بدر کے ساتویں روز گلٹی جس کو عربی عدسہ کہتے ہیں نکل آئی. اور بیاری لگنے کے خیال سے گھر والوں نے اس کو الگ ڈال دیا. یہاں تک یہ اسی حال میں مر گیا اور تین روز تک یونہی لاش پڑی سڑتی رہی جس پر لوگوں نے طعنے دیئے تب کچھ لوگوں کو بلا کر اٹھوایا. انہوں نے ایک گڑھے میں لکڑی سے دھکیل کر اوپر سے پتھر بھر دیئے۔

﴿ تشریح ﴾: .... تبت یدا ابی لھب ۔ یہ کوئی کوسنا نہیں ہے جیسا کہ مفسرؒ کی رائے ہے. بلکہ فی الحقیقت ایک پیش گوئی ہے جس میں آئندہ پیش آنے والی بات کو ماضی کی حقیقتوں سے بیان کیا گیا ہے گویا اس کا ہونا ایسا یقینی ہے کہ گویا وہ ہو چکی ہے یعنی یہ ابولہب کیا ہاتھ نچا رہا ہے اور ہاتھ جھٹک جھٹک کر باتیں بنا تا ہے اور اپنی قوت بازو پر مغرور ہو کر خدا کے مقدس اور معصوم رسول کی طرف دست درازی کرتا ہے سمجھ لے کہ اب اس کے ہاتھ ٹوٹ چکے ہیں حق دبانے کے سلسلہ میں اس کی سب کوششیں برباد ہو چکی ہیں اس کی سرداری ہمیشہ کے لیے مٹ گئی. اس کے اعمال اکارت ہوئے. اس کا زور ٹوٹ گیا اور وہ خود تباہی کے گڑھے میں پہنچ چکا ہے۔

حق سے جو بھی ٹکرائے گا وہ پاش پاش ہو جائے گا: .... ما اغنی عنه ماله وما کسب ۔ اس میں ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل اور بیٹے عتیبہ تینوں کا انجام بتلا کر متنبہ کیا گیا ہے کہ ہر مرد یا عورت، اپنا ہو یا بے گانہ بڑا ہو یا چھوٹا، جو بھی حق کی عداوت پر کمر باندھے گا وہ آخر کار تباہ و برباد اور ذلیل وخوار ہو کر رہے گا پیغمبر کی قریبی قرابت بھی اسے بچا نہ سکے گی. یہ قرابت ایمان و عمل کے ساتھ تو مفید ہو سکتی ہے مگر اس کے بغیر کوئی قیمت نہیں رکھتی. اس کی شکست اور ناکامی پر آخری مہم اس طرح لگی. کہ جس دین کی بیخ کنی کے لیے اس نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا اسی دین کو اس کی اولاد نے قبول کیا سب سے پہلے اس کی بیٹی درہ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ پہنچیں اور اسلام قبول کیا. پھر فتح مکہ کے موقعہ پر اس کے دونوں بیٹے عتبہ اور معتب حضرت عباسؓ کی وساطت سے حضورؐ کے سامنے پیش ہوئے اور ایمان لا کر آپ کے دست مبارک پر بیعت کی. یہ اولاد کا حصہ ہوا جہاں تک اس کی مالداری کا تعلق ہے اس میں شک نہیں کہ وہ مکہ کے امیر ترین لوگوں میں شمار ہوتا تھا. قاضی رشید بن زبیر کا بیان ہے کہ وہ قریش کے ان چار امیروں میں سے تھا جو ایک قنطار سونے کے مالک تھے مگر اس کے ساتھ وہ انتہائی کنجوس اور زر پرست تھا چنانچہ جنگ بدر کے موقعہ پر جب اس کے دین کی موت وزیست کا فیصلہ ہونے جا رہا تھا قریش کے تمام سردار خود لڑنے کے لیے نکلے مگر اس نے اپنی طرف سے عاص بن ہشام کو لڑنے کے لیے بھیجا اور کہا کہ یہ اس چار ہزار درہم قرض کا بدل ہے جو میرا تم پر آتا ہے اس طرح اس نے اپنے اس قرض کے وصول کرنے کی یہی ترکیب نکالی کہ جس کی عاص کے دیوالیہ ہونے کی وجہ سے وصول یابی کی کوئی امید نہیں رہ گئی تھی. اسی طرح اس پر ایک مرتبہ یہ الزام بھی لگا تھا کہ اس نے کعبہ کے خزانہ سے سونے کے دو ہرن چرا لیے ہیں اگر چہ بعد میں وہ ہرن دوسرے شخص کے پاس سے برآمد ہوئے تاہم یہ الزام

لکنا بجائے خود اس کی دلیل ہے کہ مکہ کے لوگ اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے۔

برے وقت پر نہ مال کام آتا ہے اور نہ اولاد: .... غرضیکہ **وما کسب** سے مراد مالی منافع ہو یا اولاد، چند سال ہی کے اندر لوگوں نے اس پیشن گوئی کو اس طرح پورے ہوتے دیکھ لیا کہ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اولاد۔ **وامراته** اس عورت کا نام اردیٰ اور ام جمیل اس کی کنیت تھی۔ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کا بیان ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی اور ام جمیل نے اس کو سنا تو وہ بھپری ہوئی حضورؐ کی تلاش میں نکلی۔ اس کے ہاتھ میں پتھر تھے۔ حضورؐ کی ہجو میں کچھ اشعار پڑھتی جاتی تھی۔ حرم میں پہنچی تو وہاں حضرت ابوبکرؓ کیساتھ حضورؐ تشریف فرما تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ آرہی ہے مجھے اندیشہ ہے کہ یہ آپ کو دیکھ کر کوئی بے ہودگی کرے گی۔ حضورؐ نے ایسی خاص کیفیت سے فرمایا کہ یہ مجھ کو نہیں دیکھ سکے گی۔ چنانچہ ایسا ہوا کہ حضورؐ کے موجود ہوتے ہوئے بھی آپ کو نہ دیکھ سکی اور حضرت ابوبکرؓ سے بولی کہ میں نے سنا ہے تمہارے صاحب نے میری ہجو کی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اس گھر کے رب کی قسم! انہوں نے تمہاری کوئی ہجو نہیں کی۔ یہ سن کر وہ واپس چلی گئی۔ منشاء یہ تھا کہ آپ نے ہجو نہیں کی ایک وقتی فتنہ سے بچنے کے لیے حضرت ابوبکرؓ نے توریہ سے کام لیا۔

بی جمالو کا کردار: .... **حمالة الحطب**۔ کے معنیٰ قتادہؓ، عکرمہؓ، حسنؒ، مجاہدؒ، سفیان ثوریؒ نے چغل خوری کے لیے ہیں یعنی وہ بی جمالو تھی۔ اور سعید بن جبیرؒ گناہوں کے بوجھ کے معنیٰ لیتے ہیں۔ **فلان یحطب علی ظهره** کہا جاتا ہے کہ وہ گناہ پیٹھ پر لاد رہا ہے۔ **فی جیدها**۔ جید ایسی گردن جس میں زیور پہنا گیا ہو۔ حسن بصریؒ اور قتادہؓ کہتے ہیں کہ وہ ایک قیمتی ہار پہنا کرتی تھی اور کہا کرتی تھی کہ لات وعزیٰ کی قسم! میں اس کو بیچ کر محمدؐ کی عداوت میں خرچ کردوں گی اس لیے یہاں طنزیہ فرمایا گیا ہے کہ دوزخ میں اس کی جگہ گلے میں مونجھ کی بٹی ہوئی مضبوط رسی پڑی ہوگی۔ یا لوہے یا اونٹ کی کھال یا درختوں کی چھال کی بنی ہوئی رسی ڈالی جائے گی۔

خلاصہ کلام: .... اس سورت کا حاصل یہ ہے کہ پیغمبر سے عداوت رکھنے کا انجام تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے اور اس سلسلہ میں قرابت داری کا لحاظ بھی نہیں ہوگا۔ **من عاد لی ولیا فقد اذنته با لحرب**۔ انتساب اسی وقت کارگر ہوسکتا ہے جب ایمان وعمل کی دولت پاس ہو ورنہ سب ہیچ ہے۔ نیز یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دین کے معاملہ میں مداہنت یا جانب داری نہیں برتی جب علانیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کی بھی رعایت نہیں کی تو لوگ سمجھ گئے کہ یہاں کسی لاگ لپیٹ کی گنجائش نہیں ہے ایمان لے آئے تو غیر اپنا ہوسکتا ہے اور اس سے محروم ہو تو اپنا بھی غیر ہے ''دریں راہ فلاں بن فلاں چیزے نیست''۔

فضائل سورت: .... **من قراء سورة تبت رجوت لایجمع الله بینه وبین ابی لهب فی دار واحدة**۔ ترجمہ: جو شخص سورۃ تبت پڑھے گا۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ابولہب کے ساتھ ایک جگہ نہیں رکھے گا۔

لطائف سلوک: .... **تبت یدا ابی لهب**۔ جس طرح انبیاء مقبولین کے دشمنوں سے اللہ تعالیٰ انتقام لیتے ہیں اسی طرح اولیائے مقبولین کے مخالفین سے بھی انتقام لیتے ہیں (مرفوع) نیز اس سورت سے یہ بھی واضح ہوا کہ ایمان کے بغیر اپنے بھی پرائے ہیں۔

سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ

سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ اَرْبَعٌ اَوْ خَمْسُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَّبِّهٖ فَنَزَلَ **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ** ﴿۱﴾ فَاللّٰهُ خَبَرُ هُوَ وَاَحَدٌ بَدَلٌ مِنْهُ اَوْ خَبَرٌ ثَانٍ **اَللّٰهُ الصَّمَدُ** ﴿۲﴾ مُبْتَدأٌ وَّخَبَرٌ اَيِ الْمَقْصُوْدُ فِي الْحَوَائِجِ عَلَى الدَّوَامِ **لَمْ يَلِدْ** لِانْتِفَاءِ مُجَانَسَةٍ **وَلَمْ يُوْلَدْ** ﴿۳﴾ لِانْتِفَاءِ الْحُدُوْثِ عَنْهُ **وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ** ﴿۴﴾ اَيْ مُكَافِيًا وَمُمَاثِلًا فَلَهٗ مُتَعَلِّقٌ بِكُفُوًا وَقُدِّمَ عَلَيْهِ لِاَنَّهٗ مَحَطُّ الْقَصْدِ بِالنَّفْيِ وَاُخِّرَ اَحَدٌ وَهُوَ اِسْمُ يَكُنْ عَنْ خَبَرِهَا رِعَايَةً لِّلْفَاصِلَةِ ع ۱ ۳۷

سورۂ اخلاص مکیہ یا مدنیہ ہے اس میں چار یا پانچ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ترجمہ:............ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے رب کے متعلق پوچھا گیا تو یہ سورت نازل ہوئی) آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے (اس میں اللہ خبر ہے ھو کی اور احد اللہ کا بدل ہے یا ھو کی خبر ثانی ہے) اللہ بے نیاز ہے (یہ مبتدا خبر ہے یعنی تمام حوائج میں سدا وہی مقصود ہے) نہ اس کے اولاد ہے (اس کا کوئی ہم جنس نہ ہونے کی وجہ سے) اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے (اللہ کے حادث نہ ہونے کی وجہ سے اس کو مقدم کر دیا گیا ہے اور یکن کے اسم احد کو اس کی خبر کے بعد لایا گیا ہے فاصلہ آیات کی رعایت کرتے ہوئے)۔

تحقیق وترکیب:............ ھو اللہ احد ۔ دو ترکیبیں مفسرؒ نے بیان فرمائی ہیں لیکن قاضی بیضاویؒ ھو کو ضمیر شان کہتے ہیں ھو زید منطلق ۔ کی طرح ابتدا کی وجہ سے یہ مرفوع ہے اور اللہ احد جملہ اس کی خبر ہے اور ھو کے ہوتے ہوئے عائد کی ضرورت نہیں ہے لفظ اللہ ایسی ذات ہے جو صفات اکرام کی جامع ہے اور احد کے معنی یہ ہیں کہ وہ صفات جلال کا جامع ہے کیونکہ واحد حقیقی وہی ہوتا ہے جو ترکیب وتعدد اور ان کے لوازم جسمیت وتحیز اور مشارکت سے منزہ ہو اور وجوب اور قدرت ذاتیہ اور حکمت تامہ سے متصف ہو جو صفات مقتضی الوہیت ہیں ایک قراءت میں بغیر قل کے صرف ھو اللہ احد ہے البتہ قل یا ایھا الکا فرون میں بالاتفاق قل موجود ہے لیکن تبت کے شروع میں لفظ قل کہنا بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ سورۃ کافرون میں آپ کے دشمنوں سے اظہار بیزاری کیا گیا ہے اور تبت میں آپ کے چچا کو للکارا گیا ہے اس لیئے آپ کی طرف سے چچا کو عتاب آمیز خطاب مناسب نہیں لیکن سورت اخلاص میں توحید ہے جس کا قائل خود بھی حضورؐ کو ہونا چاہیئے اور دوسروں کو بھی دعوت دینی چاہیئے۔

اللہ الصمد ۔ صمد بمعنی قصد یہاں صمد بمعنی مصمود الیہ ہے فعل بمعنی مفعول جیسے قصص بمعنی مقصوص اور خلق بمعنی مخلوق، صمد بلند مقام سطح مرتفع اور وہ آدمی جسے جنگ میں بھوک پیاس نہ لگتی ہو اور وہ سردار جس کی طرف حاجتوں میں رجوع کیا جائے وہ شخص جس

سے بالاتر کوئی نہ ہو ٹھوس چیز جس میں نہ خول ہو نہ جھول جس سے کوئی چیز نکلتی ہو اور نہ اس میں داخل ہو سکتی ہو۔

الصمد. ٹھوس مقصود مرجع، بیت مصمد، حاجتوں کا مرجع، بنا مصمد، بلند عمارت صمدہ صمد الیہ صمدا. اس کی طرف جانے کا قصد کیا۔ الصمد الیہ الامر. اس کے آگے معاملہ پیش کر دیا اللہ مقصود مطلق ہے مستغنی مطلق ہے دوسرے سب ہر طرح اس کے محتاج ہیں صمد دراصل ٹھوس پہاڑ کو کہتے ہیں اللہ سے بڑھ کر کون مضبوط ہوگا اور چونکہ مشرکین عرب اللہ کی صمدیت کے قائل تھے اس لیے الصمد معرف باللام لایا گیا برخلاف احدیت کے وہ اس کے قائل نہ تھے اسکو نکرہ لایا گیا ہے اور لفظ اللہ تکرار میں یہ نکتہ ہے کہ جو ان صفات سے متصف نہیں وہ اللہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور اللہ فی الحقیقت ایسا جامع لفظ ہے کہ اس کا کوئی صحیح بدل کسی زبان میں نہیں ہے اور ان دونوں جملوں کے درمیان عاطفت نہیں لایا گیا۔ کیونکہ دوسرا جملہ پہلے کا گویا نتیجہ یا دلیل ہے۔

لم یلد. اللہ کے اولاد نہیں ہے کیونکہ اولاد اول تو ہم جنس ہونی چاہیے اور واجب الوجود کا ممکن ہم جنس نہیں ہے اور غیر جنس اولاد باعث عیب ہے اور اللہ عیب سے بری ہے دوسرے اولاد اعانت کے لیے ہوتی ہے اللہ اس سے بھی بری ہے تیسرے اولاد باپ کا خلف ہوتی ہے اور اللہ فنا سے پاک ہے کہ اسے خلیفہ کی ضرورت ہو اور لم یلد ماضی لانے میں یہ نکتہ ہے کہ اس میں مشرکین کا رد ہے جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے اسی طرح یہود پر رد ہے جو حضرت عزیرؑ کو ابن اللہ کہتے تھے اور نصاریٰ پر رد ہے جو حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ مانتے تھے یا اگلے جملہ لم یو لد کے مطابق کرنے کی وجہ سے لم یلد ماضی لایا گیا ہے۔

ولم یولد. اللہ کسی کی اولاد نہیں کیونکہ اول تو اولاد حادث ہوتی ہے دوسرے وہ محدث کی محتاج ہوتی ہے اور اللہ ان باتوں سے پاک ہے کیونکہ وہ واجب بالذات ہے۔

ولم یکن لہ کفوا احد. یعنی بیوی ہو یا اور ہستی کوئی اس کے برابر نہیں ہے لہ ظرف کو اہمیت کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے اور کفوا کی ضمیر مستتر سے یہ حال بھی ہو سکتا ہے تیسری ترکیب یہ ہے کہ اس کو خبر بھی بنایا جا سکتا ہے اور کفوا احد. سے حال ہو جائے گا ان تینوں جملوں میں عطف کے ذریعے ربط کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ کی وحدت کے سلسلہ میں اس کے علاوہ چھوٹے بڑے برابر تینوں کی نفی ایک ہی درجہ میں ہے۔ حمزہؒ، یعقوبؒ، نافعؒ نے کفوا تخفیف کے ساتھ اور حفصؒ نے کفوا حرکت اور واو کے ساتھ پڑھا ہے یہ مختصر ترین سورت ہے مگر تمام معارف الہیہ کو حاوی ہے اور ملحدین پر رد ہے حدیث میں اس کو ثلث قرآن میں رکھا گیا ہے کیونکہ مقاصد قرآن میں اول عقائد کا درجہ ہے دوسرے احکام کا حصہ ہے تیسرے قصص ہیں پس اس سورت میں عقائد کی بنیاد آ گئی اور صاحب کشاف تو اس سورت کو قرآن کے برابر کہہ رہے ہیں پس مقاصد اصلیہ یعنی عقائد اصلیہ کے لحاظ سے یہ بھی صحیح ہے۔

ربط آیات: .... والضحیٰ کی تمہیدی مہمات میں توحید بھی ہے اس سورت میں توحید خالص کا بیان ہے اسی لیے اس کا نام سورت اخلاص ہے اگرچہ اس میں کہیں اخلاص کا لفظ ذکر نہیں کیا گیا ہے پس جو شخص اس کی تعلیم پر ایمان لائے گا وہ شرک سے خلاصی پالے گا۔

روایات: .... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ قریش کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اپنے رب کا نسب بتلایئے اس پر سورت نازل ہوئی نسب بتلانے کا مطلب تعارف ہے اجنبی سے تعارف کے لیے عرب انسبہ لنا بولتے ہیں یعنی کون ہے، کیسا ہے، کس قبیلہ خاندان سے ہے؟ حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ سے اسی کے قریب قریب روایات ہیں جن سے اس سورت کا مکی ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ یہود کا ایک گروہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں کعب بن اشرف اور حی بن اخطب وغیرہ بھی تھے حضورؐ سے پوچھا کہ آپ کا رب جس نے آپ کو بھیجا ہے کیسا ہے؟ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ کچھ یہودی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہنے لگے اے ابوالقاسم! اللہ نے فرشتوں کو نور حجاب سے آدم کو مٹی کے سنے ہوئے گارے سے ابلیس کو آگ کے شعلے سے آسمان کو دھوئیں سے زمین کو پانی کے جھاگ سے بنایا۔ اب ہمیں اپنے رب کے متعلق بتایئے کہ وہ کس چیز سے بنا ہے؟ آپؐ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جبریل آئے انہوں نے کہا اے محمدؐ! ان سے کہیے ھو اللہ احد اسی

طرح عامر الطفیل نے حضورؐ سے کہا کہ اے محمد! آپ کس چیز کی طرف ہمیں بلاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی طرف عامر بولا کہ اچھا تو بتلائیے کہ وہ سونے سے بنا ہے یا چاندی سے یا لوہے سے؟ اس پر یہ سورت نازل ہوئی علی ہذا ضحاکؒ، قتادہؒ، مقاتلؒ کہتے ہیں کہ یہود کے کچھ علماء آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے محمدؐ اپنے رب کی کیفیت ہمیں بتلائیے شاید ہم آپ پر ایمان لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت تورات میں نازل کی ہے آپ بتلائیے کہ وہ کس چیز سے بنا ہے اس کی جنس کیا ہے سونے کا ہے، تانبے کا ہے پیتل کا ہے لوہے کا ہے چاندی کا ہے؟ اور کیا وہ کھاتا پیتا بھی ہے؟ اور اس نے دنیا کس سے وراثت میں پائی ہے اور اس کے بعد کون اس کا وارث ہوگا؟ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ کی روایت یہ بھی ہے کہ نجران کے ساتھ عیسائیوں کا وفد حاضر خدمت ہوا اور اس نے پوچھا کہ آپ کا رب کیسا ہے؟ کس چیز سے بنا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ میرا رب کسی چیز سے نہیں بنا ہے وہ ہر چیز سے الگ ہے تب یہ سورت اتری ان روایات سے اس کا مدنی ہونا معلوم ہوتا ہے بہر حال سوال ایک ہی ہے جو مختلف موقعوں پر مختلف لوگوں نے آپؐ سے کیا اور سب کا جواب ایک ہی آیا ان میں کوئی تضاد یا ٹکراؤ نہیں ہے ہر مرتبہ آپؐ نے اس سورت کو پڑھ دیا مگر راوی اس کو اسی واقعہ کے ساتھ خاص کر کے نقل کر دیتے ہیں دراصل یہ سورت مکی ہے اور اس کی مضمون سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ بالکل شروع میں جب اللہ کی ذات وصفات سے متعلق تفصیلی آیات نازل ہوئی تھیں لوگوں نے آپ کی دعوت سن کر پوچھ تاچھ شروع کر دی دوسرا قرینہ یہ ہے کہ حضرت بلالؓ کو ان کے آقا امیہ بن خلف نے دھوپ میں گرم ریت پر لٹا کر جب ستایا تو ان کی زبان پر احد احد جاری تھا جو اس سورت سے ہی ماخوذ ہے۔

﴿تشریح﴾: .... سورۃ کافرون کی طرح یہاں بھی لفظ قـل کا براہ راست خطاب حضورؐ کو ہے لیکن آپ کی وساطت سے پھر یہ خطاب عام ہے ھـو الله احـد. ھـو سے مراد وہی رب ہے جس کے متعلق استفسار کیا جا رہا تھا یعنی میرا رب وہی اللہ ہے جو تمہارے نزدیک بھی معروف ہے کوئی نیا رب لے کر نہیں آیا ہوں جس کی عبادت کی دعوت دے رہا ہوں بلکہ اللہ کی وہی جانی پہچانی مسلمہ ہستی ہے جس کا نام تمہاری زبانوں پر بھی ہے یہ ان کے سوال کے پہلے دو کا جواب ہوا اس سے خود بخود اس کا جواب نکل آیا کہ وہ سونے، چاندی کا ہے یا کس چیز سے بنا ہے؟۔

خدا سونے چاندی وغیرہ سے نہیں بنا وہ ان چیزوں کو بنانے والا ہے: .... ظاہر ہے کہ جب وہ اللہ ہے تو ان میں سے کسی چیز سے بھی نہیں بنا ہے بلکہ وہی ہے جسے تم بھی ساری کائنات کا خالق رازق مدبر، منتظم مانتے ہو اور سخت وقت پڑنے پر سب کو چھوڑ چھاڑ کر اسی کو مدد کے لئے پکارتے ہو اس جواب میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کمالیہ آپ سے آپ آجاتی ہیں کیونکہ یہ بات سرے سے ناقابل تصور ہے کہ جس ذات میں سارے گن ہوں وہ نہ زندہ ہو، نہ سنتا ہو، نہ دیکھتا ہو، نہ قادر مطلق ہو، نہ علیم وحکیم، رحیم وکریم ہو، اور نہ سب پر غالب ہو۔ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے احــد کا لفظ جس طرح استعمال کیا گیا ہے وہ عربی زبان میں غیر معمولی ہے یوں تو اس کا استعمال بہت سے طریقوں سے ہوتا ہے لیکن قرآن کے علاوہ عربی زبان میں محض وصف کے طور پر اس کے استعمال کی کوئی نظیر نہیں ملتی قرآن نے صرف اللہ کی ذات کے لیے اس کا استعمال کیا ہے اس غیر معمولی استعمال طرز بیان سے خود بخود یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یگانہ اور یکتا ہونا اللہ کی خاص صفت ہے یعنی وہ اکیلا رب ہے وہی اکیلا ہے اس کا کوئی ثانی نہیں ہے پس مشرکین اور اہل کتاب کے سوالات کا مختصراً حل اس طرح ہوا کہ وہی اکیلا رب ہے وہی اکیلا الٰہ ہے وہی اکیلا خالق، مالک الملک، مدبر، منتظم، رازق وغیرہ ہے خدائی کے ان کاموں میں جن کو تم مانتے ہو کہ یہ اللہ ہی کے کام ہیں اس کا کوئی شریک سہیم نہیں ہے انہوں نے یہ بھی پوچھا تھا کہ وہ کس چیز سے بنا ہے اس کا نسب کیا ہے اس کی جنس کیا ہے؟ وہ کس کا وارث ہے؟ اس کا وارث کون ہوگا؟۔

اللہ کی احدیت اور واحدیت: .... ان سارے سوالات کا جواب بھی لفظ احد میں آگیا ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہی ایک خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ نہ اس سے پہلے کوئی خدا تھا نہ اس کے بعد کوئی خدا ہوگا خدا کی کوئی جنس نہیں کہ یہ اس کا فرد

ہو بلکہ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ہم جنس نہیں ہے اسکی ذات محض واحد نہیں بلکہ واحد ہے جس میں کوئی کسی حیثیت سے بھی کثرت کا کوئی شائبہ نہیں ہے اور چونکہ وہ اجزا سے مرکب وجود نہیں ہے اس لیے نہ اس کی تقسیم ہو سکتی ہے نہ اس کے اجزا ہو سکتے ہیں نہ وہ کوئی شکل و صورت رکھتا ہے نہ رنگ و جہت، نہ زمان و مکان کا پابند ہے نہ تغیر و تبدل کو قبول کرتا ہے غرض تمام کثرتوں سے پاک صاف ایک ذات ہے جو ہر اعتبار سے احد ہے۔ واحد کے معنی تو ایک کے ہیں خواہ ایک فرد ہو یا مجموعی حیثیت سے ایک ملک ایک قوم ایک دنیا ایک عالم ایک جہاں اور کسی مجموعہ کے ہر جز وکو بھی واحد اور ایک کہا جا سکتا ہے لیکن احد کا استعمال صرف اللہ کے لیے مخصوص ہے کسی اور کے لیے یہ مخصوص نہیں ہوتا چنانچہ قرآن میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے واحد لفظ استعمال ہوا ہے وہاں الـٰه واحد الله الواحد القهار. کہا گیا ہے محض واحد کہیں نہیں کہا گیا کیونکہ یہ لفظ ان چیزوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو اپنی ذات میں طرح طرح کی کثرتیں رکھتی ہیں بخلاف اس کے اللہ تعالیٰ کے لیے اور صرف اللہ ہی کے لیے احد کا لفظ مطلقاً استعمال کیا گیا ہے کیونکہ وجود میں صرف وہی ایک ہستی ایسی ہے جس میں کسی حیثیت سے بھی کوئی کثرت نہیں ہے، جس کی وحدانیت ہر لحاظ سے کامل ہے۔

فرق باطلہ پر رد: .... پس لفظ اللہ سے تو دہریوں اور منکرین خدا پر رد ہو گیا۔ جو بالکل خدائی کے قائل ہی نہیں ہیں اور وہ اس کائنات کو محض لخت و اتفاق کا ایک نتیجہ قرار دیتے ہیں یا مادہ اور ایتھر کو قدیم مانتے ہیں جو تمام کمالات سے عاری ہے اسی طرح لفظ احد سے ان لوگوں پر رد ہو گیا ہے جو ایک سے زائد معبود مانتے ہیں خواہ وہ مجوس ہوں جو خالق خیر و شر، یزدان و اہرمن الگ الگ مانتے ہیں یا ہنود جو تثلیس کو ورد ہونا مانتے ہیں **الصمد** صمد کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ حضرت علیؓ، عکرمہؒ، کعبؒ، کے نزدیک صمد وہ ہے۔ جس سے بالاتر کوئی نہ ہو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابو وائل، شقیق بن سلمہ کے نزدیک سردار کامل کے معنی ہیں اور ابن عباسؓ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسا سردار جو اپنی سیادت شرف و عظمت، علم و بردباری حکمت میں کامل ہو وہ صمد کہلائے گا اور یہ بھی فرمایا کہ وہ سردار جس کی طرف لوگ مصیبت میں رجوع کریں۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں وہ جو سب سے بے نیاز ہو اور سب اس کے محتاج ہوں عکرمہؒ کے اور بھی اقوال ہیں مثلاً وہ چیز کہ جس میں سے نہ کبھی کوئی چیز نکلی ہو نہ نکلتی ہو اور جو نہ کھاتا نہ پیتا ہو سدی کہتے ہیں کہ جو مطلوب حاصل کرنے کا ذریعہ ہو یا مصائب دور ہونے کے لیے اس کی طرف رجوع کیا جائے سعید بن جبیرؒ کے نزدیک جو صفات و اعمال میں کامل ہو ربیع بن انسؒ کے نزدیک کوئی آفت نہ آتی ہو اور مقاتل بن حیانؒ کے نزدیک بے عیب کے معنی ہیں۔ ابن کیسانؒ کے نزدیک وہ کہ جس کی صفت سے کوئی دوسرا متصف نہ ہو سکے حسن بصریؒ قتادہؒ کے نزدیک جو باقی رہنے والا لازوال ہو مرۃ الہمدانیؒ کے نزدیک وہ جو اپنی مرضی اور کام میں خود مختار، آزاد ہو۔ اس کے حکم اور فیصلہ کے آگے دم مارنے کی مجال نہ ہو۔ ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ لوگ جس کی طرف حاجات میں رجوع کریں۔ ابو بکر انباریؒ کا کہنا یہ ہے کہ اہل لغت اس پر متفق ہیں کہ صمد اس سردار کو کہتے ہیں جس سے بالاتر کوئی سردار نہ ہو اور جس کی طرف لوگ اپنے معاملات و ضروریات میں رجوع کریں۔ زجاجؒ کہتے ہیں کہ جس پر سرداری ختم ہو گئی ہو اور لوگ اپنی حاجتوں میں اس کی طرف رجوع کریں۔

صمد کی جامع تفسیر: .... طبرانی ان سب اقوال کو نقل کر کے فرماتے ہیں۔ **وکل هذه صحيحة وهي صفات ربنا عزوجل هو الذي يصمد اليه في حوائج وهو الذي قد انتهى سودوه وهو الصمد الذي لاجوف وياكل ولا يشرب وهو الباقي بعد خلقهٗ.** اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ لفظ احد چونکہ اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے اس لئے نکرہ لانا کافی سمجھا گیا۔ لیکن صمد کا لفظ چونکہ مخلوق کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے الصمد معرفہ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اصلی صمد اللہ ہے۔ اور مخلوق کو اگر کسی حیثیت سے صمد کہا بھی جائے تو جزوی لحاظ سے ہوگا۔ کیونکہ مخلوق اللہ کی طرح لازوال نہیں بلکہ فانی ہے۔ مرکب ہوتی ہے۔ جس میں تقسیم و تجزیہ ہو کر کسی وقت اس کے اجزاء بکھر سکتے ہیں مخلوقات میں احتیاج بھی ہے اور ان کی سیادت

بھی اضافی ہے اور اس کی برتری بھی مطلق نہیں بلکہ اضافی ہے۔ اسی طرح مخلوق کی حاجت برآری اور حاجت روائی بھی اضافی ہوگی۔ بر خلاف اللہ تعالیٰ کے اس کی صمدیت ہر حیثیت سے کامل و مکمل ہے۔ اس لیے وہی الصمد کا مصداق ہے۔ اس سے ان جاہلوں پر رد ہو گیا۔ جو کسی غیر اللہ کو کسی درجہ میں اختیار رکھنے والا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح فرقہ آریہ کا بھی رد ہو گیا۔ جو مادہ اور روح کے قدیم ہونے کے قائل ہیں اور ان دونوں کی طرف اللہ کو محتاج مانتے ہیں۔ ان دونوں کو اللہ کا محتاج نہیں مانتے۔

خدا کے بارے میں قدیم تصورات: ....لم یلد ولم یولد۔ زمانہ قدیم سے راجہ مہاراجہ، بادشاہوں کی پوجا اور پرستش کی جاتی رہی ہے اور زمانہ جاہلیت کے بارے میں بھی لوگوں کا یہی تصور بندھ گیا کہ جس طرح انسان کی جنس و نوع ہوتی ہے جن میں بہت سے افراد ہوتے ہیں۔ اور ان میں مرد وعورت پائے جاتے ہیں۔ جن میں شادی، بیاہ، اولاد، نسل ہوتی ہے۔ اسی طرح خداؤں کی بھی جنس ہوتی ہے۔ ان کے بیوی اولاد ہوتی ہے۔ اسی جاہلانہ نظریہ سے اللہ رب العالمین کو بھی دیکھا، اس کے اولاد تجویز کی۔ عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں اور جنات کو خدا کی بیویاں مانتے تھے۔ اہل کتاب بھی اس جہالت سے محروم نہیں رہے انہوں نے کسی بزرگ کو خدا کا بیٹا مان لیا۔ پھر ان میں سے کسی نے تو حقیقی نسبی بیٹا قرار دیا اور کسی نے بڑا تیر مارا تو متبنیٰ کہہ لیا۔ اگرچہ ان میں سے کسی نہ کسی کو اللہ کا باپ قرار دینے کی جرات نہیں کی۔ مگر ظاہر ہے کہ جب کسی ذات کے بارے میں یہ تصور کر لیا جائے کہ وہ توالد وتناسل سے پاک نہیں یا انسان کی طرح وہ بھی ایسی کوئی ہستی ہے جس کے اولاد ہوتی ہے یا وہ کسی کو اولاد نہ ہونے کی صورت میں متبنیٰ بنالیتا ہے۔ تو پھر انسانی ذہن کس طرح اس تصور سے محفوظ رہ سکتا ہے کہ اس کو کسی کی اولاد نہ سمجھے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگے۔ سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ اللہ کا نسب کیا ہے؟ اور یہ کہ وہ کس کا وارث ہے یا اس کا وارث کون ہوگا۔

خدا جاہلانہ خیالات سے پاک ہے: ....ان جاہلانہ تصورات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو پھر ان چیزوں کو مان لینے سے کچھ اور چیزوں کو ماننا بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اول یہ کہ خدا ایک نہ ہو بلکہ خداؤں کی جنس ہو۔ جس کے افراد خدائی، اوصاف، افعال و اختیارات میں شریک ہوں۔ یہ بات جس طرح خدا کے نسبی اولاد فرض کرنے سے لازم آتی ہے۔ اسی طرح اس کے متبنیٰ فرض کرنے سے بھی لازم آتی ہے۔ کیونکہ متبنیٰ بھی لامحالہ ہم جنس ہی ہوتا ہے۔ اور جب خدا کا ہم جنس ہوا تو وہ خدائی کے اوصاف کا حامل بھی ہونا چاہئے۔ دوسرے توالد وتناسل فرض کر لینے سے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ نر و مادہ ہوں۔ ان کا اتصال ہو اور خود مادہ سے خارج ہونے والا مادہ بھی ہو جو اولاد کی شکل اختیار کر لے۔ پس اللہ کے لیے اولاد فرض کرنے سے لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ وہ ایک مادی اور جسمانی وجود ہو۔ پھر اس کی ہم جنس کوئی بیوی بھی ہو اس کے جسم سے کوئی مادہ بھی خارج ہو۔ تیسرے توالد وتناسل اس لیے ہوتا ہے کہ افراد فانی ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی جنس باقی رکھنے کے لیے اولاد پیدا ہونا ناگزیر ہوتا ہے کہ نسل آگے چلے۔ اسی طرح اللہ کے لیے اولاد فرض کرنے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ بذات خود معاذ اللہ فانی ہو اور باقی رہنے والی چیز خداؤں کی نسل ہو نہ کہ اللہ کی ذات۔ نیز اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ عیاذا باللہ اللہ کی بھی ابتداء انتہا ہو۔ چوتھے یہ کہ متبنیٰ بنانے کی غرض یہ ہے کہ لاولد شخص اپنی زندگی میں کسی مددگار اور اپنی وفات کے بعد کسی وارث کا محتاج ہوا کرتا ہے۔ پس کیا خدا کے متبنیٰ فرض کر لینے سے یہ سب خرابیاں لازم نہیں آئیں گی۔ ان تمام مفروضات کی جڑ اگرچہ اللہ کو احد وصمد کہنے ہی سے کٹ جاتی ہے لیکن لم یلد ولم یولد کہنے کے بعد اس معاملہ میں کسی اشتباہ کی گنجائش بھی باقی نہیں رہ جاتی۔ ولم یکن له کفواً احد. کفواً کے معنی جوڑ، برابری، مماثل، مشابہ نظیر کے ہیں۔ نکاح میں بھی کفو کے یہی معنی ہیں کہ مرد اور عورت کی حیثیت اور جوڑ برابر ہو۔ بس جب اللہ کا کوئی جوڑ نہیں تو بیوی یا اولاد کا سوال کہاں سے ہو۔ غرض ثانی کی تین ہی صورتیں عقلاً ہو سکتی ہیں، چھوٹا، بڑا، برابر ان تین آیتوں میں تینوں احتمالات کی نفی فرمادی گئی ہے۔ لم یلد میں چھوٹے کی لم یولد میں بڑے کی لم یکن له کفواً میں برابر کی اس طرح اللہ کی احدیت کی اچھی طرح تقریر و توضیح ہو گئی۔

خلاصہ کلام: .... حضورؐ کی بعثت کس پس منظر اور ماحول میں ہوئی؟ اس وقت خدا کے بارے میں دنیا کے مذہبی معتقدات و تصورات کیا تھے؟ بت پرست تو لکڑی پتھر، چاندی سونے کی مورتیوں کی شکل میں خدا کو پوج رہے تھے۔ ان کے نزدیک دیوتاؤں اور دیویوں کو باقاعدہ نسل تھی۔ کوئی دیوتا بغیر بیوی کے، کوئی دیوی بغیر شوہر کے نہ تھی۔ ان خداؤں کی خوراک، کھانے پینے کا بندوبست ان کے پرستار کرتے تھے کچھ مشرکین کا اعتقاد یہ تھا کہ خدا انسانی شکل میں ظہور کرتا ہے اور کچھ انسان اس کے اوتار ہوتے ہیں۔ یہودی اور عیسائی اگر چہ ایک خدا ماننے کے دعویٰ دار تھے۔ مگر خدا کو باپ اور اس کے لیے ایک بیٹا ضرور مانتے تھے۔ اور عیسائیوں نے روح اللہ کو خدائی میں شریک کرلیا تھا۔ حتیٰ کہ خدا کی ماں اور ساس بھی تھی۔ اسی طرح یہودیوں کا خدا ٹہلتا بھی تھا اور انسانی شکل میں بھی نمودار ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ کسی بندے سے کشتی بھی لڑ لیتا تھا۔ اہل کتاب کے علاوہ آتش پرست مجوسی اور ستارہ پرست صابی بھی تھے۔ اس پس منظر میں جب توحید کامل کی دعوت پیش کی گئی تو اس قسم کے سوالات کا ذہنوں میں ابھرنا لازمی تھا۔ یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ اس نے ایک مختصر ترین سورت کے چند بولوں میں اللہ کی ہستی کا ایک واضح مرقع پیش کر دیا۔ جو تمام مشرکانہ تصورات کا قلع قمع کر دیتا ہے اور اس کی یگانہ ذات کو صفات میں بھی یگانہ پیش کرتا ہے۔ منکرین توحید کئی طرح کے ہیں۔ ایک منکرین وجود باری۔ دوسرے منکرین وجوب باری۔ تیسرے منکرین صفات کمال جو تھے مشرکین فی العبادت، لفظ احد میں ان سب پر رد ہوگیا۔ رہ گئے مشرکین فی الاستعانت ان کا رد الصمد میں ہوگیا۔ اسی طرح ایاک **نعبد** کا مضمون لفظ احد میں اور ایاک **نستعین** کا مضمون **الصمد** میں آگیا۔ اسی طرح **لم یلد** میں اللہ کے اولاد ماننے والوں پر اور **لم یولد** میں ان لوگوں پر رد ہوگیا جو کچھ انسان اور جنت کو الوہیت میں شریک گردانتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب مولود ہیں اور اللہ مولود ہونے سے پاک ہے۔ ورنہ اس کو حادث ماننا پڑے گا۔ اور **لم یکن له کفواً** سے آتش پرست مجوسیوں کا رد ہوگیا۔ جو اللہ کے لیے مماثلث کے قائل ہیں۔

فضائل سورت: .... ۱۔ **سمع النبی صلی اللہ علیه وسلم رجلا یقراها فقال وجبت قیل یا رسول اللہ وما وجبت قال وجبت له الجنة.** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو یہ سورت پڑھتے سنا۔ فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ پوچھا کہ کیا واجب ہوگئی؟ فرمایا جنت واجب ہوگئی۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو ایک مہم پر افسر بنا کر روانہ فرمایا۔ وہ پورے سفر میں ہر نماز میں قرات **قل ھو اللہ احد** پر ختم کرتے تھے۔ واپسی میں ان کے رفقاء نے حضورؐ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ خود ان سے پوچھ کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس میں چونکہ رحمٰن کی صفت بیان کی گئی ہے۔ اس لیے مجھے اس کا پڑھنا بہت محبوب ہے۔ حضورؐ نے یہ بات سنی تو ان شکایت کرنے والوں سے فرمایا۔ **اخبرو ہ ان اللہ تعالیٰ یحبه.**

۳۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری مسجد قبا میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ وہ ہر رکعت میں پہلے **قل ھو اللہ احد** پڑھتے۔ پھر کوئی اور سورت پڑھتے۔ لوگوں نے ان پر اعتراض کیا کہ یہ تم کیا کرتے ہو۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ کسی ایک جگہ سے پڑھو۔ دونوں کو کیوں پڑھتے ہو؟ مگر انصاری نے جواب دیا کہ میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ تم چاہو تو میں نماز پڑھاؤں۔ ورنہ امامت چھوڑ دوں؟ لیکن لوگ ان کی جگہ کسی اور کو امام بنانا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ آخر کار معاملہ حضورؐ کے سامنے پیش ہوا۔ آپؐ نے امام صاحب سے پوچھا کہ نمازی جو کچھ چاہتے ہیں اس کو قبول کرنے میں تمہیں کیا مانع ہے؟ تمہیں ہر رکعت میں اس سورت کے پڑھنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے اس سے بہت محبت ہے۔ فرمایا **حبک ایاھا ادخلک الجنة.** حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اہمیت و محبت صحابہؓ کے دلوں میں جاگزیں کر دی تھی۔ کیونکہ اس میں اسلام کے اولین بنیادی عقیدہ توحید کو مختصر چار فقروں میں بیان کیا گیا ہے۔ جو فوراً ذہن نشین ہو جاتے ہیں اور آسانی سے زبانوں پر چڑھ جاتے ہیں۔

لطائفِ سلوک: .... **قل ھو اللہ احد.** یہ سورت نہایت مختصر ہونے کے باوجود عقائد و معارفِ توحید کی انواع پر مشتمل ہے۔

سُوْرَةُ الْفَلَق

سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ اَوْمَدَنِيَّةٌ خَمْسُ اٰيَاتٍ

نَزَلَتْ هٰذِهٖ وَالَّتِىْ بَعْدَهَا لَمَّا سَحَرَ لَبِيْدُ الْيَهُوْدِيُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ وِتْرِبِهٖ اِحْدٰى عَشَرَةَ عُقْدَةً فَاَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِذٰلِكَ وَبِمَحَلِّهٖ فَاُحْضِرَ بَيْنَ يَدَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُمِرَ بِالتَّعَوُّذِ بِالسُّوْرَتَيْنِ فَكَانَ كُلَّمَا قَرَاَ اٰيَةً مِّنْهُمَا انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ وَوَجَدَ خِفَّةً حَتّٰى اِنْحَلَّتِ الْعُقَدُ كُلُّهَا وَقَامَ كَاَنَّمَا نَشِطَ مِنْ عُقَالٍ **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾** اَلصُّبْحِ **مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾** مِنْ حَيَوَانٍ مُكَلَّفٍ وَغَيْرِ مُكَلَّفٍ وَجَمَادٍ كَالسَّمِّ وَغَيْرِ ذٰلِكَ **وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾** اَىِ اللَّيْلُ اِذَا اَظْلَمَ اَوِ الْقَمَرُ اِذَا غَابَ **وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ** اَلسَّوَاحِرِ تَنْفُثُ **فِى الْعُقَدِ ﴿۴﴾** الَّتِىْ تَعْقِدُهَا فِى الْخَيْطِ تَنْفُخُ فِيْهَا بِشَىْءٍ تَقُوْلُهُ مِنْ غَيْرِ رِيْقٍ وَقَالَ الزَّمَخْشَرِىُّ مَعَهُ كَبَنَاتِ لَبِيْدِ الْمَذْكُوْرِ **وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾** ع ۳۸ اَظْهَرَ حَسَدَهٗ وَعَمِلَ بِمُقْتَضَاهُ كَلَبِيْدِ الْمَذْكُوْرِ مِنَ الْيَهُوْدِ الْحَاسِدِيْنَ لِلنَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذِكْرُ الثَّلَاثَةِ الشَّامِلُ لَهَا مَا خَلَقَ بَعْدَهٗ لِشِدَّةِ شَرِّهَا

ترجمہ: .... سورۂ فلق مکیہ یا مدینہ ہے جس میں پانچ آیات ہیں۔ یہ سورت اور اس کے بعد کی اُس وقت نازل ہوئیں۔ جب کہ لبید نامی یہودی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا۔ ایک تانت میں گیارہ گرہیں لگا کر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سحر اور اس کے مقام سے باخبر فرمادیا۔ تب وہ چیزیں آپ کے سامنے لا حاضر کی گئیں اور حضورؐ کو ان دونوں سورتوں کے ذریعہ پناہ حاصل کرنے کو فرمایا گیا۔ چنانچہ جب آپ ان دونوں سورتوں میں سے ایک آیت پڑھتے تو گرہ کھل جاتی اور آپ کی طبیعت ہلکی ہو جاتی۔ حتیٰ کہ ساری گرہیں کھل گئیں تو آپ ایسے اٹھ کھڑے ہوئے جیسے بندھن کھل گئے ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آپ کہئے کہ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی تمام مخلوق کے شر سے (خواہ حیوان مکلّف ہو یا غیر مکلّف یا جمادات زہر وغیرہ ہوں) اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے (یعنی رات جب اندھیری ہو جائے یا چاند جب غائب ہو جائے) اور گرہوں پر پڑھ کر پھونکنے والیوں (جادوگرنیوں کی جھاڑ پھونک) کے شر سے (جو ڈوروں میں گرہیں باندھ کر کچھ پڑھ کر بغیر تھوک کے پھونکتی ہیں۔ زمخشریؒ نے اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے جیسے: لبید مذکور کی لڑکیاں) اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے (اپنے حسد کو ظاہر کر دے اور اس کے مقتضیٰ پر عمل کرنے لگے۔ جیسے: حاسد یہودیوں میں سے لبید مذکور نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا اور یہ تینوں چیزیں اگرچہ ماخلق میں داخل تھیں۔ مگر اس کی شدتِ شر کی وجہ سے ان کو بعد میں الگ ذکر کیا ہے۔)

تحقیق وترکیب: .... **قل اعوذ. تعوذ** کے معنی پناہ جوئی کے ہیں۔ سورۂ فلق اور سورۂ ناس دونوں سورتوں کو معوذتین اسی لیے کہتے ہیں کہ ان میں تعوذ کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ تعویذ بھی اسی سے ماخوذ ہے۔

الفق. فلق بمعنی خرق پھٹنا فعل مفعول اس کا اطلاق [illegible] کائنات پر ہوسکتا ہے۔ کیونکہ عدم کو پھاڑ کر وجود میں آتی ہے۔ گویا عدم تاریکی ہے اور وجود ایک نور ہے تو ظلمت کو پھاڑ دیتا ہے۔ بالخصوص ان چیزوں پر فلق کا اطلاق ہوتا ہے جو کسی اصل سے نکلتی ہیں۔ جیسے: چشمے بارش، نباتات، اولاد۔ لیکن عرف میں صبح کے ساتھ مزید تخصیص ہوگئی ہے۔ کیونکہ صبح کو حالات میں تغیر ہوجاتا ہے اور رات کی تاریکی کی وحشت نور صبح سے مسرت میں تبدیل ہوجاتی ہے اور جس طرح قبروں سے قیامت کے لیے اٹھنا ہوگا۔ اس کا منظر سو کر صبح اٹھنے والے پیش کرتے ہیں۔ گویا صبح قیامت کا ایک نمونہ ہوتی ہے۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ عالم پر چھایا ہوا رات کا اندھیرا جو ہستی دور کرسکتی ہے۔ وہ پناہ چاہنے والے کے خوف وخطر کو بھی دور کرسکتی ہے اور لفظ رب دوسرے اسماء کے مقابلے میں زیادہ لطافت رکھتا ہے کیونکہ مضرت سے بچانا بھی تربیت ہے۔

من شر ماخلق. عالم کی دو قسمیں ہیں عالم امر عالم خلق "**الا له الخلق والامر**" عالم امر تو خیر ہی خیر ہے۔ اس میں شر کا نام ونشان نہیں۔ البتہ عالم خلق میں خیر بھی پایا جاتا ہے اور شر بھی جہاں تک شر اختیاری کا تعلق ہے وہ کبھی لازمی ہوتا ہے جیسے کفر اور کبھی متعدی جیسے ظلم۔ اور کبھی شر طبعی ہوتا ہے جیسے آگ کا محرق اور زہر کا مہلک ہونا۔ پس **ماخلق** کی تخصیص اسی لیے ہے کہ شر اسی میں منحصر ہے۔ عالم امر شر سے خارج ہے۔

من شر غاسق. غسق کے معنیٰ امتلاء اور بھرنے کے ہیں۔ **غسقت العین** آنسوؤں سے آنکھ ڈبڈبا گئی اور بعض نے غسق کے معنیٰ سیلان کے لیے ہیں۔ **غسق العین** کے معنیٰ آنکھ بہنے کے ہیں۔ بہرصورت یہاں رات کا سخت تاریک ہونا مراد ہے۔

اذا وقب. وقب کے معنی یہ ہیں کہ ہر چیز کے اندر اندھیری گھس جائے جیسے گھٹاٹوپ اندھیرا کہتے ہیں۔

ماخلق کے بعد رات اندھیری کی تخصیص اس لیے ہے کہ اس میں نقصان زیادہ ہوتا ہے اور اس کا دفعیہ بھی دشوار ہوجاتا ہے۔ مشہور ہے۔ **الليل اخفىٰ الاويل** اور بعض نے غاسق سے چاند مراد لیا ہے کہ کسوف کے بعد تاریک ہوجاتا ہے اور غاسق سے وہ چیزیں بھی مراد ہوسکتی ہیں۔ جو نور سے خالی ہوں۔ جیسے: قوئے نفسانیہ جو باعث انکشاف ہونے کی وجہ سے نور کے مشابہ ہیں اور نور سے خالی ہونے کی مثال جیسے: معدنیات۔

ومن شر النفّٰثٰت. نفاثات سے نفوس مراد ہیں۔ نفاثہ علامہ کی طرح ہے اور اگر مؤنث کے لیے مانا جائے تو جادوگرنیاں مراد ہیں۔ جو گنڈوں میں جھاڑ پھونک کرگرہیں لگاتی ہیں۔ نفث وہ پھونک جس میں کچھ تھوک بھی شامل ہو اور نفاثات سے نباتات بھی مراد ہوسکتے ہیں۔ گویا ان کے طول وعرض وعمق میں پڑھنے کو نفث سے تعبیر کیا گیا ہے۔

عقد. جمع ہے **عقدة** کی جس کے معنیٰ گرہ کے ہیں۔

اور عام شر کے بعد اس شر کی تخصیص شان نزول کی وجہ سے ہے۔ یعنی جو واقعہ حضورؐ پر جادو کرنے کا پیش آیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کا اثر ہوجانا کمال کے منافی نہیں ہے۔ جیسے اور حوادث وامراض ونقصانات کا پیش آجانا منافی کمال نہیں ہے۔ نیز اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کافر جو حضورؐ پر مسحور ہونے کا الزام لگاتے تھے وہ اس میں سچے نکلے۔ کیونکہ ان کا مقصد جنون کی صورت میں آپؐ کا مسحور ہونا تھا اور وہ الزام غلط ہے۔ اور بعض نے "**نفثت فی العقد**" کے یہ معنی لیے ہیں کہ مکار عورتیں جو مردوں کے عزائم فیل کر دیتی ہیں اور اپنی حیلہ سازی سے اپنے ارادے میں ناکام بنا دیتی ہیں۔ نفث عقدہ سے ماخوذ ہے تھوک لگا کر گرہ کو نرما دینا جس سے اس کا کھلنا سہل ہوجائے اور نفاثات کو علیحدہ معرفہ کے ساتھ لانا اس لیے ہے کہ ہر نفاثہ شریر چالاک ہوتی ہے بخلاف ہر غاسق وحاسد کے۔

ومن شر حاسدٍ اذا حسد. شر ما خلق کے بعد اس کی تخصیص اس لیے ہے کہ حسد کا نقصان سب سے زیادہ ہے

انسان ہی نہیں بلکہ جانوروں وغیرہ کو بھی حسد کا نقصان پہنچ جاتا ہے اور اذا حسد کی قید اس لیے لگائی کہ محسود کو اسی وقت حسد کا ضرر ہوتا ہے۔ جب کہ حاسد اس کے مقتضیٰ پر عمل کرے۔ ورنہ حاسد کا اپنا نقصان تو بہرصورت ہے کہ وہ حسد کی آگ میں بھنتا رہتا ہے اور ناسور کی طرح سلگتا رہتا ہے اور حاسد سے جانور بھی مراد ہو سکتے ہیں جو دوسرے جانوروں کو ستاتے رہتے ہیں۔

ربط آیات : .... سورۂ والضحیٰ میں تمہیدی طور پر جن مہمات کا ذکر ہوا ہے ان میں اللہ پر توکل اور اس سے پناہ جوئی ہے۔ اور دلائل نبوت۔ بیہقی میں ہے کہ یہ دونوں سورتیں ایک ساتھ ہی نازل ہوئی ہیں۔ اس لیے ان دونوں سورتوں کا نام معوذتین رکھا گیا ہے۔ ان کے مضامین بھی ایک دوسرے سے قریبی مناسبت رکھتے ہیں۔ تاہم یہ دونوں سورتیں الگ الگ ہیں اور مصحفِ عثمانی میں الگ الگ ناموں سے لکھی ہوئی ہیں۔ پہلی سورت جس میں پانچ آیات ہیں۔ دنیاوی مضرات سے استعاذہ کیا گیا ہے اور دوسری سورت جس میں چھ آیات ہیں۔ دینی مضرتوں سے استعاذہ کا بیان ہے۔ اس طرح تمام شرور سے استعاذ اور اللہ پر توکل کی تعلیم ہے۔

شانِ نزول : .... حضرت حسن بصریؒ، عکرمہؒ، عطاؒ جابر بن زیادؒ کہتے ہیں کہ یہ دونوں سورتیں مکی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت بھی یہی ہے مگر ان کی دوسری روایت اور ابن زبیرؓ، قتادہؒ کا قول ان کے مدنی ہونے کا ہے۔ چنانچہ عقبہ بن عامرؓ کی اس روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز مجھ سے فرمایا کہ الم تر ایات انزلت اللیلة لم یر مثلهن اعوذ برب الفلق اعوذ برب الناس اور وجہ تائید یہ ہے کہ حضرت عقبہؓ ہجرت کے بعد مدینہ میں ایمان لائے تھے۔ جیسا کہ ابوداؤد ونسائی کی بیان کردہ روایات میں خود ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح درمنثور اور روح المعانی میں بہت سی روایات نقل کی ہیں۔ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ لعید یہودی اور اس کی لڑکیوں نے آنحضرت ﷺ پر جادو کیا تھا۔ جس کے اثر سے آپ پر مرض کی سی کیفیت عارض ہوگئی تھی۔ تب یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔ بلکہ آپ کو بذریعہ وحی جادو کی جگہ بھی بتلا دی گئی تھی۔ چنانچہ حضورؐ نے حضرت علیؓ وغیرہ صحابہؓ کو ہدایات دے کر بھیجا تو تیلہ تانت وغیرہ چیزیں برآمد ہوئیں۔ حضرت جبرئیلؑ ان سورتوں کو تلاوت فرماتے جاتے اور تانت کی ایک ایک گرہ کھلتی جاتی تھی۔ حتیٰ جادو کا اثر بالکلیہ زائل ہوگیا۔ ابن سعدؒ نے واقدیؒ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ یہ ے ھ کا واقعہ ہے۔ اسی لیے سفیان بن عیینہؒ نے بھی ان سورتوں کو مدنی کہا ہے۔ لیکن ان دونوں قولوں کو جمع کرنے کی صورت میں کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے ابتداء مکہ میں معوذتین اس وقت نازل ہوئی ہوں۔ جب حضورؐ کی مخالفت زوروں چل رہی تھی اور پھر بعد میں مدینہ میں بھی منافقین ومشرکین اور یہود کی مخالفت کے طوفان جب اُٹھے تو حضورؐ پر جادو کیا گیا تو پھر بحکمِ الٰہی جبرئیل امین نے آکر پھر ان سورتوں کے پڑھنے کی ہدایت کی۔ غرضیکہ اول اور اصل نزول مکہ ہوا۔ اور شان نزول میں توسیع کرتے ہوئے مدینہ میں نازل ہونا بھی کہا جائے گا۔

لیکن ایک بڑا اشکال معوذتین کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ متعدد روایات میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو ایک جلیل القدر صحابیؓ ہیں۔ مگر وہ ان سورتوں کو قرآنی سورتیں نہیں مانتے تھے۔ اور انہوں نے اپنے مصحف سے ان سورتوں کو خارج کر دیا تھا۔ بلکہ یہ بھی فرماتے تھے کہ قرآن کے ساتھ وہ چیزیں نہ ملاؤ جو قرآن کا جزء نہیں ہیں۔ یہ دونوں سورتیں قرآن میں شامل نہیں ہیں۔ بلکہ حضورؐ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ ان الفاظ سے خدا کی پناہ مانگیں اور بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز میں ان سورتوں کو نہیں پڑھتے تھے۔

اسلام اور قرآن کی مخالفت کرنے والوں کو ہرزہ سرائیوں کا خوب موقعہ ملا۔ اور انہوں نے یہ کہہ کر شبہات کو خوب اچھالا کہ جب ایسے جلیل القدر صحابی کے متعلق معوذتین جب الحاقی ہوئیں تو نہ معلوم قرآن میں کیا کیا حذف واضافے کیے ہوں گے؟ پس معلوم ہوا کہ نعوذ باللہ قرآن تحریف سے محفوظ نہیں ہے۔ قاضی ابوبکر باقلانیؒ اور قاضی عیاضؒ وغیرہ تو اس کے جواب میں اس واقعہ کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ معوذتین کی قراءت کے منکر نہ تھے۔ البتہ اپنے مصحف میں ان کو درج نہیں کیا تھا۔ کیونکہ انہی چیزوں کو قرآن میں درج کرتے تھے جن کے درج کرنے کی اجازت حضورؐ نے دی ہے۔ مگر یہ توجیہ بظاہر اس لیے نہیں چل سکتی کہ ابن مسعودؓ

معوذ تین کوقرآنی سورتیں بھی نہیں مانتے تھے۔لیکن علامہ نوویؒ، علامہ ابن حزم ظاہریؒ، امام رازیؒ تو اسی لیے سرے سے اس کا انکار کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے کوئی اس قسم کی بات کہی ہو۔اس لیے ان حضرات کے نقطہ نظر سے تو ابن مسعودؓ جمہور ہی کے ہم خیال ہیں۔ان پر کوئی اشکال ہی نہیں کہ جواب دہی کی نوبت آئے۔لیکن متندروایات کے ہوتے ہوئے محض رائے سے کسی چیز کا انکار تو درست نہیں ہے۔اس اشکال کے جواب کے سلسلہ میں قابل قبول توجیہ یہ ہے کہ حافظ بزارؒ یہ فرماتے ہیں کہ ابن مسعودؓ اپنی اس رائے میں منفرد ہیں۔صحابہؓ میں سے کسی نے بھی ان کے اس قول کی تائید نہیں کی۔چنانچہ تمام صحابہؓ کا اجماع مصحف عثانی پر ہے۔جن کی نقول سرکاری طور پر تمام اسلامی مراکز میں بھجوادی گئیں۔ان میں یہ دونوں سورتیں درج نہیں اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ حضور کے عہد مبارک سے لے کر آج تک تمام دنیائے اسلام میں جس قرآن پر اجماع ہے اس میں یہ دونوں سورتیں درج ہیں۔اس لیے ابن مسعودؓ کی جلالت قدر اپنی جگہ پر مگر اس اجماع عظیم کے مقابلے میں ظاہر ہے کہ یہ رائے کیا وزن رکھ سکتی ہے؟ پھر نہایت صحیح اور مستند روایات سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعوذ ہی کو نماز میں پڑھا ہے اور دوسروں کو بھی پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔اور نہائی سورتوں کی حیثیت ہی سے آپ نے دوسروں کو تعلیم فرمائی۔

لیکن رہ گئی یہ بات کہ حضرت ابن مسعودؓ کو آخر یہ غلط فہمی ہوئی کیوں؟ سو جہاں ابن مسعودؓ کا یہ قول کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اس طرح تعوذ کریں۔انہی معتبر سندوں کے ساتھ حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت ہے۔جو علوم قرآنیہ کی رُو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔زر بن حبیشؒ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابیؓ سے سوال کیا کہ آپ کے بھائی عبداللہ بن مسعودؓ ایسا ایسا کہتے ہیں۔آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس کے متعلق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا۔حضورؐ نے فرمایا۔کہ مجھے کہا گیا قل تو میں نے بھی کہا قل اس لیے ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جس طرح حضور کہتے تھے۔امام احمدؒ نے حضرت ابی کے الفاظ نقل کئے ہیں۔میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے **قل اعوذ برب الفلق** کہا تھا۔اس لیے آپؐ نے بھی ایسا ہی کہا تھا۔اور انہوں نے **قل اعوذ برب الناس** کہا تھا اس لیے آپ نے بھی کہا۔لہٰذا ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جس طرح حضورؐ نے کہا۔اس صریح روایتؐ کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے حضرت ابن مسعودؓ کو دونوں سورتوں میں لفظ **قل** دیکھ کر یہ غلط فہمی ہوئی ہو کہ یہ حکم خاص حضورؐ ہی کو دیا گیا ہے۔لیکن انہوں نے حضورؐ سے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی ہو۔البتہ حضرت ابی کے ذہن میں بھی یہی سوال اُبھرا مگر انہوں نے یہ حضورؐ سے دریافت کرلیا۔حضورؐ نے بتلا دیا کہ چونکہ حضرت جبرئیلؑ نے قل کہا تھا اس لیے میں بھی قل کہتا ہوں۔پس ان دونوں سورتوں کے شروع میں قل ہونے سے تو صراحتہً یہ ثابت ہو گیا کہ یہ کلام وحی ہے۔جسے حضورؐ بعینہٖ انہی الفاظ میں پہنچانے کے پابند تھے جن الفاظ میں آپ کو یہ حکم ملا تھا۔اس کی حیثیت محض حکم کی نہیں تھی۔جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہو۔اور بلکہ حضورؐ کو اس پیغام وحی کے پہنچانے کا پابند اور ذمہ دار بھی قرار دیا گیا۔اور دوسرے بھی اسی کی تعمیل کے مکلّف قرار دیئے گئے ورنہ اگر قل محض ایک حکم ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لفظ قل کو ساقط کر کے صرف وہ بات کردیتے۔جس کے کہنے کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔اور اسے قرآن میں درج نہ کیا جاتا۔غرض جمہور صحابہؓ نے ٹھیک وہی سمجھا جو حضورؐ کا منشاء تھا۔مگر ابن مسعودؓ اس کو دعا اور استعاذہ پر محمول کرتے رہے اور یہ سمجھے کہ معوذ تین کی حقیقت وظیفہ کی ہے۔روح البیان میں ہے کہ انه كان لايعد المعوذتين من القرآن و كان لا يكتبهما فى مصحفه يقول انهما منزلتان من السماء هما من كلام رب العلمين ولكن النبى عليه الصلوٰة والسلام كان يرقى و يعوذ بهما فاشبه عليه انهما من القرآن اويسا منه فلم يكتبهما فى المصحف۔ قاضی ابوبکر باقلانیؒ لکھتے ہیں۔لم ينكر ابن مسعود كو نهما من القرآن و انما انكر اثباتهما فى المصحف فانه كان يرىٰ ان لايكتب فى المصحف شيئا الا ان كان النبى صلى الله عليه وسلم اذن فى كتابته فيه و كانه لم يبلغه الاذن۔ حافظ نے ایک اور عالم کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔لم يكن

اختلاف ابن مسعود مع غیرہ فی قرانیتھا وانما کان فی صفتہ من صفاتھما۔ بہر حال یہ رائے بھی ابن مسعودؓ کی انفرادی اور شخصی تھی۔ شرح مواقف میں ہے۔ان اختلاف الصحابۃ فی بعض سور القرآن مروی بالاحاد المفیدۃ للظن ومجموع القرآن منقول بالتواتر المفید للیقین الذی یضمحل الظن فی مقابلتہ فتلک الا حاد مما یلتفت الیہ ثم ان سلمنا اختلافھم فیما ذکر قلنا انھم لم یختلفوا فی نزولہ علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولافی بلوغہ فی البلاغۃ حد الا عجاز بل فی مجرد کونہ من القرآن وذلک لا یضر فیما نحن بصددہ۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔واجیب باحتمال انہ کان متواترا فی عصرا بن مسعودؓ لکن لم یتواتر عند ابن مسعودؓ فانحلت العقدۃ بعون اللّٰہ تعالیٰ الخ صاحب روح المعانی کہتے ہیں۔ وفعل ابن مسعود رجع عن ذلک۔

﴿ تشریح ﴾: ....قل اعوذ برب الفلق. لفظ قل بھی پیغام کا ایک حصہ ہے۔جس کی تبلیغ کا بذریعہ وحی حضورؐ کو حکم ہوا ہے۔ سورۂ کافرون کی طرح معوذ تین میں بھی اگر چہ اولین مخاطب حضورؐ ہیں۔مگر آپ کے توسط سے تمام مومن بھی مخاطب ہیں۔ جہاں تک پناہ چاہنے کا تعلق ہے۔اس کے تین اجزاء ہیں۔ایک بجائے خود پناہ چاہنا۔دوسرے مانگنے والا۔تیسرے جس کی پناہ مانگی جائے۔فی نفسہ خوف ناک چیز سے بچنے کے لئے کسی کا سہارا لیا جائے۔رہا پناہ چاہنے والا سو وہی شخص ہوتا ہے جو مضرت سے خود بچا نہیں سکتا۔ تاوقتیکہ کسی کے دامن میں پناہ نہ لے۔پھر پناہ دینے والا۔ظاہر ہے کہ وہی ہو سکتا ہے جس کے بارے میں یقین ہو کہ یہی بچا سکتا ہے۔

پناہ میں آنے کے دوطریقے: .... پھر پناہ کی ایک قسم وہ ہوتی ہے جو عالم اسباب میں طبعی قانون کے تحت کسی محسوس مادی چیز یا کسی شخص یا کسی طاقت سے حاصل کی جاتی ہے۔جیسا کہ دنیا میں ہر کمزور کسی طاقتور سے مدد لیتا ہے۔اور دوسری قسم وہ ہے جس میں ہر طرح کے خطرات اور ہر طرح کی مادی،اخلاقی،روحانی مضرتوں اور نقصان رساں چیزوں سے کسی فوق الفطرت ہستی کی پناہ اس اعتقاد کے ساتھ مانگی جائے کہ وہی ہستی کائنات پر حکمران ہے اور ادراک وحس سے بالاطریقوں سے وہ پناہ جو کی حفاظت کر سکتی ہے۔قرآن وحدیث میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہنے کا ذکر آیا ہے۔اس سے مراد یہی پناہ کی دوسری قسم ہے اور توحید کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے پناہ نہ مانگی جائے۔مادہ پرست لوگ کسی فوق الفطرت ہستی کے چونکہ قائل ہی نہیں۔اس لیے وہ مادی اسباب ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔اسی طرح بدعقیدہ لوگ جنات دیوی دیوتاؤں کو حاجت روا سمجھتے ہیں۔اس لیے وہ انہی چیزوں سے پناہ طلب کرتے ہیں۔مگر مومن ایسی تمام آفات وبلیات میں جن کو رجوع کرنے پر وہ خود کو قادر نہیں سمجھتے،صرف اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے پناہ چاہتا ہے۔

مخلوق کا شر: .... مفسرینؒ کی اکثریت فلق سے مرادرات کی تاریکی پھاڑ کر سپیدۂ صبح نکالنا لے رہی ہے۔کیوں کہ فلق الصبح کا استعمال عربی میں طلوع صبح کے لیے بکثرت آتا ہے۔قرآن کریم میں دوسری جگہ فالق الاصباح جملہ اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔فلق کے اصل معنی پھاڑنے کے ہیں۔دنیا میں جتنی چیزیں بھی پیدا ہوتی ہیں وہ کسی نہ کسی چیز کو پھاڑ کر ہی نکلتی ہیں۔چنانچہ تمام نباتات اپنے بیج اور زمین کو پھاڑ کر اپنی کونپلیں نکالتی ہیں۔تمام حیوانات یا انڈوں کو پھاڑ کر نکلتے ہیں۔یارحم مادر سے برآمد ہوتے ہیں یا کسی اور رکاوٹ کو چیر کر باہر آتے ہیں۔تمام چشمے پہاڑوں یا زمین کو شق کر کے بہتے ہیں۔اسی طرح دن کو دیکھئے کہ رات کا پردہ چاک کر کے نمودار ہوتا ہے حتی کہ زمین وآسمان بھی پہلے ایک ڈھیر تھے جس کو پھاڑ کر الگ الگ کیا گیا۔ کانتار تقاً ففتقنا ھما پس فلق کے معنی اگر خاص صبح کے لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ میں صبح کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں اور فلق کے معنی اگر عمومیت کے ساتھ لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ تمام مخلوق کے رب کی پناہ لیتا ہوں۔یہاں اسم ذات اللہ کے بجائے صفت ربوبیت کا لانا پناہ جوئی کے لیے زیادہ موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اللہ کے تمام افعال خیر ہیں: .... من شر ما خلق. یعنی ہر مخلوق کی بدی سے پناہ چاہتا ہوں۔ اس فقرہ میں چند باتیں قابلِ لحاظ ہیں۔ اوّل یہ کہ مخلوق کو پیدا کرنے کی نسبت تو اپنی طرف کی گئی۔ مگر شر کو پیدا کرنے کی نسبت اپنی طرف نہیں کی گئی۔ یعنی یہ نہیں فرمایا کہ ان شرور سے پناہ چاہتا ہوں جو اللہ نے پیدا کیے ہیں۔ بلکہ یہ فرمایا کہ ان چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو اللہ نے پیدا کیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے کسی مخلوق کو شر کے لیے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اس کا ہر کام خیر و مصلحت ہی کے لیے ہوتا ہے۔ البتہ مخلوقات کے اندر جو اوصاف اس نے اس لیے پیدا کیے ہیں کہ ان کی تخلیق کی مصلحت پوری ہو۔ ان سے بعض اوقات اور بعض اقسام کی مخلوقات سے اکثر شر رونما ہوتا ہے۔ پس اس اعتبار سے فی نفسہٖ شر کا پیدا کرنا بھی شر نہ ہوا۔ جبکہ بے شمار مصالح اس میں مضمر ہوتے ہیں۔ اس فقرہ میں دنیا ہی کے نہیں۔ آخرت کے ہر شر سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ فقرہ اگرچہ عام ہے جس میں تمام مخلوقات کے شر سے خدا کی پناہ مانگی گئی ہے لیکن بعد کے فقروں میں چند ایسے شرور سے خاص طور پر پناہ چاہی گئی ہے جس کا ذکر سورۂ فلق کے باقی جملوں اور سورۂ ناس کی آیات میں کیا گیا ہے وہ ایسے فتنے ہیں جن سے خدا کی پناہ چاہنے کا بندہ بہت زیادہ محتاج ہے۔ تیسرے یہ کہ مخلوقات کے شر سے پناہ حاصل کرنے کے لیے موزوں اور موثر ترین استعاذہ یہی ہے کہ ان کے خالق کی پناہ مانگی جائے کیونکہ بہت سے شرور ایسے ہیں جنہیں ہم بالکل نہیں جانتے۔ لیکن خالقِ کائنات سب سے واقف ہے۔ لہٰذا اس کی پناہ کے بعد کسی مخلوق میں مقابلہ کی طاقت نہیں ہے چوتھے یہ کہ شر کا لفظ جہاں ہر قسم کے نقصان وضرر اور تکلیف والم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ وہیں ان اسباب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو تکلیف وضرر کا باعث بنتے ہیں۔ جیسے کفر وشرک اور گناہ کہ اگرچہ فی الوقت ان سے کوئی تکلیف نہ پہنچتی ہو۔ بلکہ بعض گناہوں سے لذت ملتی یا نفع حاصل ہوتا ہو۔ لیکن انجام ان کا تباہی اور بربادی ہے اس لیے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔ یہ دونوں مفہوم آجائیں گے۔ پانچویں یہ کہ شر سے پناہ مانگنے میں وہ شر بھی داخل ہے جو واقع ہو چکے ہیں۔ ان سے پناہ مانگنے کا مطلب ان کے دفعیہ کی دعا کرنا ہے۔ اور وہ شر بھی اس میں شامل ہیں کہ جو ابھی واقع نہیں ہوئے۔ پس ان سے بچاؤ کی استدعا ہے۔

تین خاص شرور سے پناہ: .... ومن شرّ غاسق اذا وقب. تمام مخلوقات کے ہر قسم کے شرور سے پناہ جوئی کے بعد اب خاص طور سے بعض مخلوقات کے شر سے پناہ مانگنے کی تلقین کی جارہی ہے۔

غاسق کے لغوی معنی تاریک ہیں۔ اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الیٰ غسق الیل اور وقب کے معنی داخل ہونے یا چھپائے جانے کے ہیں۔ چونکہ اکثر جرائم ومظالم رات ہی کو ہوتے ہیں۔ موذی جانور بھی رات ہی کو نکلتے ہیں۔ قتل وغارت اور لوٹ مار کرنے والے بھی رات ہی کو حرکت میں آتے ہیں۔ چھاپہ ماری اور شب خون کی کارروائیاں بھی رات کی تاریکی میں ہوتی ہیں۔ حضورؐ کے قتل کی سازشیں بھی رات ہی کے اندھیرے میں ہوتی تھیں۔ غرض رات کی تاریکی میں ہونے والے ان تمام شرور سے خاص طور سے پناہ مانگی گئی ہے اور اندھیری رات کے شر سے طلوعِ فجر کے رب کی پناہ مانگنے میں جو لطیف مناسبت ہے وہ کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں۔ سحر وغیرہ رات ہی کو کیے جاتے ہیں۔ چاند کا گرہن یا غروب آفتاب بھی مراد ہوسکتا ہے اور ظاہر و باطن کی تاریکیاں، تنگدستی، پریشانی اور گمراہی سب اس میں داخل ہیں۔ ومن شر النفّٰثٰت فی العقد. نفثات تمام مفسرینؒ کے نزدیک یہ لفظ بطور استعارہ جادو کرنے والے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ عموماً جادوگر کسی ڈورے میں گرہ دیتے اور اس پر پھونکتے جاتے ہیں۔ پس اس جملہ میں جادوگروں یا جادوگرنیوں کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔ معوذتین میں یہی ایک فقرہ ہے۔ جس کا براہ راست جادو کے واقعہ سے تعلق ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا تھا۔

بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، امام احمد، عبدالرزاق، حمیدی، بیہقی، طبرانی، ابن سعد، ابن مردویہ، ابن ابی شیبہ، حاکم، عبد بن حمید وغیرہ محدثین نے اپنی مختلف اور کثیر سندوں سے حضورؐ پر جادو کی روایات کو ذکر کیا ہے۔ اگرچہ وہ ایک ایک روایت بجائے خود خبر

واحد ہیں۔ لیکن ان کا مضمون تواتر کی حد کو پہنچا ہوا ہے۔ اور اس کی تفصیلات جو روایات میں آئی ہیں انہیں مجموعی طور پر مرتب کر کے ایک مربوط واقعہ کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

حضورؐ کے جادو کے واقعہ کے سلسلہ میں اعتراضات کا جواب:۔۔۔۔۔۔۔۔لیکن اس پر قدیم و جدید زمانہ کے بہت سے عقلیت پسندوں نے اعتراض کیا ہے کہ یہ روایات اگر مان لی جائیں تو شریعت ساری کی ساری مشتبہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اگر نبی پر جادو کا اثر ہوسکتا ہے تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ مخالفین نے جادو کے زور سے نبی سے کیا کیا کہلوایا ہوگا؟ اور اس کی تعلیمات میں کتنی باتیں خدا کی طرف سے ہونگی اور کتنی جادو کے اثر سے؟ بلکہ مخالفین جہاں تک کہتے ہیں کہ اس بات کو سچ مان لینے کے بعد تو یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ جادو ہی کے ذریعہ نبی کو نبوت کے دعوے پر اُکسایا گیا ہو اور نبی نے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر یہ سمجھ لیا ہو کہ اس کے پاس فرشتہ آیا ہے اور ان کا استدلال یہ بھی ہے کہ یہ روایات قرآن مجید سے متصادم ہیں۔ قرآن کریم میں تو کفارہ کا یہ الزام بیان کیا گیا ہے کہ نبی ایک سحر زدہ آدمی ہیں۔ لہٰذا اس کی پیروی نہ کرو۔ **یقول الظالمون ان تتبعون الا رجلاً مسحورا.** پس یہ احادیث کفار کے الزام کی تصدیق کرتی ہیں کہ واقعی نبی پر جادو کا کیا اثر ہوا ہے؟

اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ آیا جادو کا واقعہ تاریخی شہادتوں سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ آپ پر جادو کا اثر ہوا تھا یا نہیں؟ اور اگر ہوا تھا تو وہ کیا تھا اور کس حد تک تھا؟ اس کے بعد دیکھا جائے کہ جو کچھ روایات سے ثابت ہے اس پر کیے گئے اعتراضات وارد ہوتے ہیں یا نہیں؟

محدثین اور علماء امت کی یہ راست گوئی تھی کہ انہوں نے اپنے خیالات اور مزعومات کے مطابق تاریخ کو مسخ کرنے یا حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ جو کچھ واقعات کی صورت میں پیش آیا تھا۔ اسے جُوں کا تُوں آنے والوں تک پہنچا دیا اور اس بات کی کوئی پروا نہیں کی کہ ان حقائق سے اگر کوئی ان سے نتائج نکالنے پر اُتر آئے تو ان کا فراہم کردہ یہ مواد کس طرح اس کے کام آسکتا ہے۔ اب اگر ایک بات نہایت مستند اور کثیر تاریخی ذرائع سے ثابت ہو تو کسی دیانت دار صاحب علم کے لیے نہ تو یہ درست ہے کہ وہ اس بناء پر تاریخ کا انکار کر دے کہ اس کو مان لینے سے اس کے نزدیک فلاں فلاں قباحتیں رونما ہوتی ہیں اور نہ یہی درست ہے کہ جتنی بات تاریخ سے ثابت ہو اس کو قیاسات کے گھوڑے دوڑا کر اس کی اصلی حد سے پھیلانے اور بڑھانے کی کوشش کرے۔ اس کے بجائے اس کا کام یہ ہونا چاہئے کہ تاریخ کو تاریخ کی حیثیت سے مان لے اور پھر دیکھے کہ اس سے فی الواقع کیا ثابت ہوتا ہے اور کیا نہیں ہوتا۔

حضور پر جادو کا اثر نبوت کے خلاف نہیں ہے:۔۔۔۔۔۔۔ جہاں تک تاریخی حیثیت کا تعلق ہے نبی کریم ﷺ پر جادو کا اثر ہونا قطعی طور پر ثابت ہے۔ اگر علمی تنقید کے ذریعہ اس کو غلط ثابت کیا جاسکتا ہے تو دنیا کا کوئی تاریخی واقعہ بھی صحیح ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے۔ روایات اور واقعات کی کڑیاں ملانے سے جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ پر سحر کیا گیا۔ اور آپ پر اس کا اثر بھی ہوا۔ مگر وہ اتنی ہی حد تک ہوا جیسے کسی بیماری سے انسان متاثر ہوتا ہے۔ کچھ مزاج میں تبدیلی آگئی۔ گویا یوں محسوس ہوا کہ آپ گھلتے جارہے ہیں یا کسی کام کے متعلق خیال کیا کہ وہ کرلیا ہے گو نہیں کیا ہوتا تھا یا ازدواج مطہرات کے بارے میں خیال کرتے کہ آپ ان کے پاس گئے ہیں۔ مگر نہیں گئے ہوتے تھے۔ یا کسی وقت آپ کی نظر پر یہ شبہ ہوتا تھا کہ کسی چیز کو دیکھ رہے ہیں۔ مگر نہیں دیکھا ہوتا تھا۔ یہ تمام آپ کی ذات تک محدود ہے۔ دوسروں کو یہ محسوس نہیں ہوسکا کہ آپ پر کیا گزر رہی ہے۔

اس سے آپ کے نبی ہونے کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آتا تھا نہ آپ کے فرائض میں کوئی خلل آیا تھا کسی روایت میں یہ نہیں آیا کہ آپ کسی آیت کو بھول گئے ہوں یا کوئی آیت غلط پڑھ دی ہو اپنی مجلسوں، خطبوں، وعظوں میں آپ کی تعلیمات میں کسی طرح کا فرق واقع ہو گیا ہو یا کوئی ایسا کام آپ نے وحی کی حیثیت سے پیش کر دیا ہو جو فی الواقع آپ پر نازل نہ ہوا ہو یا آپ کی نماز چھوٹ گئی ہو اور اس

کے متعلق بھی کبھی آپ نے سمجھ لیا ہو کہ پڑھ لی ہے مگر نہ پڑھی ہو۔ معاذ اللہ ایسی کوئی بات پیش آ جاتی تو دھوم مچ جاتی اور پورا ملک عرب اس سے واقف ہو جاتا کہ جس نبی کو کوئی طاقت چت نہ کر سکتی تھی اسے ایک جادوگر نے چت کر دیا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ کی حیثیت نبوت قطعاً اس سے محفوظ اور غیر متاثر رہی اور صرف اپنی ذاتی زندگی میں اپنی جگہ محسوس کر کے آپ اس سے پریشان ہوتے رہے۔

جادوگر کے مقابلہ میں وحی کے اثرات:............ آخر کار ایک روز آپ حضرت عائشہؓ کے یہاں تھے کہ آپ نے بار بار اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اس حالت میں آپ کو غنودگی ہو گئی یا نیند آ گئی۔ پھر جب بیدار ہوئے تو آپ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ جو بات میں نے اپنے رب سے پوچھی وہ اس نے مجھے بتلا دی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا وہ کیا بات ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو آدمی (مراد فرشتے) میرے پاس آئے۔ ایک سرہانے کی طرف اور دوسرا پائنتی کی طرف، ایک نے پوچھا کہ انہیں کیا ہو گیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ ان پر جادو ہوا ہے۔ اُس نے پوچھا کس نے کیا ہے؟ جواب دیا کہ لبید بن عاصم نے۔ پوچھا کس چیز میں کیا ہے؟ جواب دیا کنگھی اور بالوں میں، ایک نر کھجور کے خوشہ کے غلاف کے اندر، پوچھا وہ کہاں ہے؟ جواب دیا کہ بنی زریق کے کنویں میں ذی اروان کی تہہ کے پتھر کے نیچے ہے۔ پوچھا اب اس کے لیے کیا کیا جائے؟ تو جواب دیا کہ کنویں کا پانی سونت دیا جائے اور پھر پتھر کے نیچے سے اس کو نکالا جائے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھیجا۔ ان کے ساتھ جبیر بن ایاس الزرقی اور قیس بن محصن الزرقی بھی شامل ہو گئے۔ بعد میں خود حضور بھی چند اصحاب کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ پانی نکالا گیا اور خوشہ کا غلاف برآمد کر لیا گیا اس میں کنگھی اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں پڑی ہوئی تھیں اور موم کا ایک پتلا تھا جس میں سوئیاں چبھوئی ہوئی تھیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا کہ آپ معوذتین پڑھیں۔ چنانچہ آپ ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور ایک ایک گرہ کھلتی جاتی اور پتلے میں سے ایک ایک سوئی نکالی جاتی رہی۔ معوذتین ختم ہوتے ہی ساری گرہیں کھل گئیں اور ساری سوئیاں نکل گئیں اور آپ جادو کے اثر سے نکل کر بالکل ایسے ہو گئے جیسے کوئی بندھا ہوا تھا پھر کھل گیا۔

پیغمبر نے کبھی اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا:............ اس کے بعد آپؐ نے لبید کو بلا کر باز پرس کی۔ اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ اس لیے آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ کیونکہ اپنی ذات کے لیے کبھی آپؐ نے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ ایک یہودی کی طرف سے زہر خورانی کے واقعہ میں بھی آپؐ نے بعض صحابہؓ کے شہید ہو جانے کی وجہ سے اس سے قصاص لیا۔ اپنے معاملہ کو نظر انداز فرما دیا۔ یہی نہیں بلکہ سحر کے معاملہ کا چرچا کرنے سے بھی یہ کہہ کر آپؐ نے روک دیا کہ مجھے اللہ نے شفا دے دی ہے۔ اب میں نہیں چاہتا کہ کسی کے خلاف لوگوں کو بھڑکاؤں۔ یہ ہے جادو کے واقعہ کی تفصیل۔ اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جو آپؐ کے منصب نبوت کے خلاف یا آپ کے کمال کے منافی ہو۔ اگر آپؐ کو غزوہ احد میں زخمی کیا جا سکتا ہے، اگر خیبر کی واپسی پر آپؐ گھوڑے سے گر سکتے ہیں، اگر آپؐ کے بچھو کاٹ سکتا ہے، اگر آپؐ کو نماز میں سہو و نسیان ہو سکتا ہے۔ انما انا بشر انسیٰ کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی اوران میں سے کوئی چیز بھی اس تحفظ کے منافی نہیں ہے۔ جس کا نبی ہونے کی حیثیت سے اللہ نے آپ سے وعدہ کیا تھا تو آپؐ اپنی ذاتی حیثیت سے جادو کے اثر سے بیمار بھی ہو سکتے ہیں۔

کافر حضور کو سحر زدہ کہتے تھے:............ رہا یہ اعتراض کہ اس سے تو کفار کے الزام کی تصدیق ہو گئی کہ نبی کریم ﷺ کو سحر زدہ آدمی کہتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کفار آپ کو اس معنیٰ کہ سحر زدہ نہیں کہتے تھے۔ کہ آپ کسی جادوگر کے اثر سے بیمار ہو گئے ہیں۔ بلکہ اس معنیٰ میں کہتے تھے کہ آپ مجنون ہو گئے ہیں۔ اور معاذ اللہ کسی جادوگر نے آپ کو پاگل کر دیا ہے اور اسی پاگل پن میں آپ نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے ہیں اور جنت و دوزخ کے افسانے سُنا رہے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ یہ اعتراض ایسے معاملہ پر سرے سے چسپاں ہی نہیں ہوتا۔ جس کے متعلق تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ جادو کا اثر صرف محمدؐ کی ذات پر ہوا۔ آپ کی نبوت اس سے قطعاً متاثر نہیں ہوئی اور دعویٰ

نبوت کو سحر کا اثر قرار دینا اس لیے غلط ہے کہ نبوت کے پندرہ سال گزرنے پر سحر کا واقعہ پیش آیا ہے اور اس کا اثر زائل ہونے کے بعد بھی بدستور منصب پر فائز رہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جو لوگ جادو کو محض اوہام کی چیز قرار دیتے ہیں۔ اس کی بنیاد محض یہ ہے کہ اس کے اثرات کی کوئی عقلی اور سائنسی توجیہ نہیں کی جا سکتی۔ لیکن دنیا میں اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جو تجربہ اور مشاہدہ میں آتی ہیں مگر سائنسی طریقہ سے نہیں بیان کیا جا سکتا کہ وہ کیسے رونما ہوتی ہیں۔ اسی طرح کی توجیہ پر اگر ہم قادر نہیں ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس چیز کا ہی انکار کر دیا جائے جس کی ہم توجیہ نہیں کر سکتے۔

جادو محض شعبدہ بازی نہیں بلکہ اس کی تاثیر واقعی ہوتی ہے: .... جادو دراصل ایک نفسیاتی اثر ہے جو نفس سے گزر کر جسم کو بھی اسی طرح متاثر کر سکتا ہے جس طرح جسمانی اثرات جسم سے گزر کر نفس کو متاثر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر خوف ایک نفسیاتی چیز ہے۔ مگر اس کا اثر جسم پر یہ ہوتا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بدن میں تھرتھری چھوٹ جاتی ہے۔ جادو کی ایک قسم سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی۔ بلکہ انسان کا نفس اور اس کے حواس اس سے متاثر ہو کر یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ حقیقت تبدیل ہوگئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جادوگروں نے جو لاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں تھیں وہ واقعہ میں سانپ نہیں بن گئیں تھیں۔ مگر ہزاروں کے مجمع کی آنکھوں پر ایسا جادو ہوا کہ سب نے انہیں سانپ ہی محسوس کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حواس تک اس سے متاثر ہو گئے۔ **سحروا اعین الناس، فاذا حبالهم وعصيهم يخيل اليه من سحرهم انها تسعى فاوجس في نفسه خيفة موسىٰ قلنا لاتخف انك انت الاعلىٰ والق مافي يمينك تلقف ماصنعوا** ۔ اس طرح بابل میں لوگ ہاروت و ماروت سے ایسا جادو سیکھتے تھے جو خاوند بیوی میں جدائی ڈال دے۔ یہ بھی ایک نفسیاتی اثر تھا اور ظاہر یہ ہے کہ اگر تجربہ سے لوگوں کو اس عمل کی کامیابی معلوم نہ ہوتی تو وہ اس کے خریدار نہیں بن سکتے تھے۔ بلاشبہ یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ بندوق کی گولی اور ہوائی جہاز سے گرنے والے بم کی طرح جادو کا موثر ہونا بھی اللہ کے اذن کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ مگر جو چیز ہزار ہا سال سے انسان کے تجربہ اور مشاہدہ میں آرہی ہو۔ اس کے وجود کو جھٹلا دینا محض ایک ہٹ دھرمی ہے۔ جادو کی بعض قسمیں نظر بندی اور خیال بندی سے بڑھ کر انقلاب حقائق پر مشتمل ہوتی ہیں۔ سورۂ بقرہ اور سورۂ طٰہٰ میں سحر کی کچھ بحث گزر چکی ہے۔

بعض جادو کفر ہے اور بعض معصیت: .... جادو کے متعلق یہ جان لینا چاہئے کہ اس میں چونکہ دوسرے شخص پر برا اثر ڈالنے کے لیے شیاطین یا ارواح خبیثہ یا ستاروں کی مدد مانگی جاتی ہے۔ اس لیے قرآن میں اسے کفر کہا گیا ہے۔ **وما كفر سليمان ولكن الشيطين كفروا يعلمون الناس السحر** ۔ لیکن اگر کلمہ کفر نہ بھی کہا جائے یا کوئی فعل شرک نہ بھی کیا جائے، تب بھی بالاتفاق حرام ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سات کبیرہ گناہوں میں شامل کیا ہے۔ جو انسان کی آخرت برباد کر دینے والے ہیں۔ اسی ذیل میں جھاڑ پھونک کی بحث آتی ہے کہ آیا اسلام میں جھاڑ پھونک کی گنجائش ہے؟ اور یہ کہ جھاڑ پھونک بجائے خود موثر بھی ہے یا نہیں؟ بکثرت احادیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کو سوتے وقت اور خاص طور پر بیماری کی حالت میں معوذتین یا معوذات (قل ہو اللہ اور معوذتین) تین مرتبہ پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں میں پھونکتے اور سر سے لے کر پاؤں تک پورے جسم پر جہاں جہاں بھی آپ کے ہاتھ پہنچ سکتے انہیں پھیرتے تھے۔ آخری بیماری میں جب آپ کے لیے ایسا کرنا ممکن نہ رہا تو حضرت عائشہؓ نے یہ سورتیں پڑھ کر آپ کے دست مبارک کی برکت کے خیال سے آپ ہی کے ہاتھ لے کر آپ کے جسم پر پھیرے۔ اس مضمون کی روایات صحیح سندوں کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں جن سے بڑھ کر کوئی بھی حضورؐ کی خانگی زندگی سے واقف نہ ہو سکتا تھا۔

شروع میں جھاڑ پھونک کی ممانعت تھی: ....بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ؐ نے ابتداء میں جھاڑ پھونک سے بالکل منع فرمایا تھا۔لیکن بعد میں اس شرط کے ساتھ اجازت دے دی کہ اس میں شرک نہ ہو۔اللہ کے پاک ناموں یا اس کے کلام سے جھاڑا جائے اور کلام ایسا ہو جو سمجھ میں آجائے اور یہ معلوم کیا جا سکے کہ اس میں کوئی گناہ کی چیز نہیں اور بھروسہ جھاڑ پھونک پر نہ کیا جائے کہ وہ بجائے خود شفا دینے والی ہے۔ بلکہ اللہ پر اعتماد کیا جائے کہ وہ چاہے گا تو اسے نافع بنا دے گا اس بارے میں مندرجہ ذیل روایات سے روشنی پڑتی ہے۔

جھاڑ پھونک کی اجازت کے واقعات: .... ا۔عون بن مالک اشجعیؓ کی روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہم لوگ جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ہم نے حضور ؐ سے پوچھا کہ اس بارے میں حضور ؐ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ جن چیزوں سے تم لوگ جھاڑتے تھے وہ میرے سامنے پیش کرو۔جھاڑنے میں مضائقہ نہیں جب تک اس میں شرک نہ ہو۔

۲۔حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ حضور ؐ نے جھاڑ پھونک سے روک دیا تھا۔پھر حضرت عمرو بن حزمؓ کے خاندان کے لوگ آئے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس ایک عمل تھا۔جس سے ہم بچھو کاٹے کو جھاڑتے تھے۔مگر آپ نے اس کام سے منع فرمایا ہے۔پھر انہوں نے وہ چیز آپ ؐ کو سنائی جو وہ پڑھتے تھے۔آپ ؐ نے فرمایا کہ میں اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں پاتا۔تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے وہ ضرور پہنچائے۔

۳۔حضرت میر مولیٰ ابی اللحم سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں میرے پاس ایک عمل تھا۔جس سے میں جھاڑا کرتا تھا۔میں نے حضور ؐ کے سامنے اسے پیش کیا۔آپ ؐ نے فرمایا کہ اس میں سے فلاں فلاں چیزیں نکال دو اور باقی سے تم جھاڑ سکتے ہو۔

۴۔جابرؓ کی دوسری روایت ہے کہ آل حزم کے پاس سانپ کے کاٹے کا عمل تھا۔حضور ؐ نے ان کو اس کی اجازت مرحمت فرمائی۔

۵۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ؐ نے اشعاد کے ایک خاندان کو ہر زہریلے سانپ کے کاٹے کو جھاڑنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔حضرت انسؓ سے بھی روایات منقول ہیں کہ حضور ؐ نے زہریلے جانوروں کے کاٹے اور ذباب کے عرض اور نظرِ بد سے جھاڑنے کی اجازت دی۔

۶۔حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز حضور ؐ میرے یہاں تشریف لائے اور میرے پاس شفا نامی ایک خاتون بیٹھی ہوئی تھیں جو نملہ (ایک بیماری) کو جھاڑا کرتی تھیں۔حضور ؐ نے فرمایا کہ حفصہؓ کو بھی وہ عمل سکھلا دو۔اور ایک روایت میں ہے شفا کہتی ہیں کہ حضور ؐ نے مجھے فرمایا کہ جس طرح تم نے حفصہؓ کو لکھنا پڑھنا سکھلایا ہے نملہ کی جھاڑ بھی سکھلا دو۔

۷۔حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور ؐ کو ایک دفعہ نماز کی حالت میں بچھو نے کاٹ لیا۔نماز سے فارغ ہو کر آپ ؐ نے فرمایا کہ بچھو پر خدا کی لعنت، نہ کسی نمازی کو چھوڑتا ہے اور نہ کسی اور کو۔پھر پانی نمک منگوایا اور جہاں بچھو نے کاٹا تھا، وہاں آپ نمک ملتے جاتے تھے اور معوذات پڑھتے جاتے تھے۔

۸۔ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپ ؐ حضراتِ حسنینؓ پر یہ دعا پڑھتے تھے۔اعیذ کما بکلمات اللہ التامۃ من شر کل شیطان وھامۃ ومن کل عین لامۃ.

۹۔عثمان بن ابی العاصؓ نے حضور ؐ سے عرض کیا کہ میں جب سے مسلمان ہوا ہوں مجھے ایک درد محسوس ہوتا ہے جو مجھ کو مارے ڈالتا ہے۔آپ ؐ نے فرمایا۔اپنا سیدھا ہاتھ اس جگہ پر رکھو جہاں درد ہوتا ہے۔پھر تین دفعہ بسم اللہ کہہ اور سات مرتبہ یہ پڑھتے ہوئے ہاتھ پھیر دے۔اعوذ باللہ وقدرتہ من شرما اجدو احاذر. عثمان کہتے ہیں کہ اس کے بعد میرا وہ درد جاتا رہا اور اس کی تعلیم میں گھر والوں کو دیتا ہوں

۱۰۔ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور ؐ بیمار ہوئے تو جبرئیل نے آکر پوچھا کہ اے محمد! کیا آپ ؐ بیمار ہو گئے۔آپ ؐ نے فرمایا، ہاں۔انہوں نے کہا۔باسم اللہ ارقیک من کل شیء یؤذیک من شر کل نفس او عین حاسد اللہ یشفیک باسم اللہ ارقیک.

۱۱۔حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ حضور ؐ بیمار تھے۔میں مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوا۔تو آپ ؐ کو سخت تکلیف میں پایا۔شام کو گیا تو

آپ بالکل تندرست تھے۔ میں نے اس قدر جلد تندرست ہو جانے کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ جبریلؑ آئے تھے اور انہوں نے مجھے چند کلمات سے جھاڑا۔

۱۲۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے ہمیں ایک مہم پر روانہ فرمایا۔ ہم عرب کے ایک قبیلہ پر جا کر ٹھہرے۔ اور قبیلہ والوں سے کہا کہ ہماری میز بانی کرو۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ اتنے میں قبیلہ کے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا۔ وہ لوگ ہمارے پاس آئے اور کہا کہ تمہارے پاس کوئی دوا یا عمل ہے۔ جس سے تم ہمارے سردار کا علاج کر دو؟ حضرت ابوسعیدؓ بولے۔ ہے تو سہی مگر چونکہ تم نے ہماری میز بانی سے انکار کیا ہے اس لیے جب تک تم کچھ دینا منظور نہ کرو ہم اس کا علاج نہیں کریں گے۔ انہوں نے ۳۰ بکریوں کا ریوڑ دینے کا وعدہ کیا۔ حضرت ابوسعیدؓ نے جا کر اس پر سورۃ فاتحہ پڑھنی شروع کی اور لعاب دہن اس پر ملتے گئے۔ آخر کار بچھو کا اثر زائل ہو گیا اور قبیلہ والوں نے جتنی بکریاں دینے کا وعدہ کیا تھا وہ لا کر دے دیں۔ مگر ان حضرات نے آپس میں کہا کہ جب تک حضورؐ سے معلوم نہیں کر لیں گے اس وقت تک ہم ان بکریوں سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔ نہ معلوم اس کام پر اُجرت لینا جائز ہے یا نہیں۔ چنانچہ جب حضورؐ کی خدمت میں پہنچے اور سارا ماجرا عرض کیا۔ حضورؐ نے ہنس کر فرمایا۔ تمہیں یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ سورت جھاڑنے کے کام بھی آ سکتی ہے بکریاں لے لو اور ان میں میرا حصہ بھی لگاؤ۔

جھاڑ پھونک پر اُجرت کی اجازت: .... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح دوا علاج کی اجازت دی اور فرمایا کہ لکل داء دواء بلکہ خود بھی علاج کیا اور دوسروں کو بھی دوائیں بتلائیں۔ جیسا کہ احادیث کی کتاب الطب سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اسی طرح آپ نے جھاڑ پھونک کی اجازت بھی دی۔ بلکہ عملاً خود اپنے لئے اور دوسروں کے لیے جھاڑ پھونک کی اور جس طرح دوا اور علاج پر اجرت کی اجازت ہے اسی طرح جھاڑ پھونک پر بھی اجرت کی اجازت معلوم ہوتی ہے لیکن دوا جھاڑ پھونک دونوں ہی اللہ کے حکم سے نفع بخش ہوتی ہیں۔ ورنہ سب ہسپتالوں میں اور جھاڑ پھونک کے بعد کوئی نہ مرتا۔ نیز جس طرح ہر دوا کی اجازت نہیں ماجعل اللہ فی الحرام شفاء اسی طرح ہر جھاڑ پھونک کی اجازت نہیں ہے۔ اب اگر علاج دوا کے ساتھ اللہ کے کلام اور اس کے اسماء حسنیٰ سے بھی استفادہ کیا جائے یا ایسی جگہ جہاں طبی امداد میسر نہ ہو۔ اللہ ہی کی طرف رجوع کر کے اس کے کلام اور اسماء وصفات سے استعانت کی جائے تو مادہ پرستوں کے علاوہ کسی کی بھی عقل کے خلاف نہیں ہے۔ البتہ یہ صحیح نہیں ہے کہ دوا علاج کو جہاں وہ میسر ہو جان بوجھ کر چھوڑ دیا جائے۔ اور صرف جھاڑ پھونک سے کام لینے ہی پر اکتفا کیا جائے۔ کتنی ہی جانیں اس جہالت کی نذر ہو گئیں اور کچھ لوگ عملیات اور تعویذ گنڈوں کے مطب کھول کر بیٹھ جائیں۔ اسی کو کمائی کا ذریعہ بنالیں۔ اس کی کوئی نظیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ وتابعین اور ائمہ سلف کے یہاں نہیں ملتی اور یہ تعویذ گنڈوں کا اعتقاد نہیں۔ بلکہ اعتقاد کا غلو ہے۔ خیر الامور اوساطھا۔

اعلیٰ درجہ کا توکل: .... چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی طویل روایت ہے کہ جس کے آخر میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ میری امت کے وہ لوگ بے حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ جو نہ داغنے کا علاج کرتے ہیں اور نہ جھاڑ پھونک کراتے ہیں۔ بلکہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس نے داغنے سے علاج کرایا اور جھاڑ پھونک کرائی۔ وہ اللہ پر توکل سے بے نیاز بے تعلق ہو گیا۔

ومن شر حاسد اذا حسد. حضورؐ پر سحر کرنے کی بنیاد دراصل یہود کا حسد تھا۔ اس لیے اس جملہ میں حاسد کے حسد سے پناہ چاہی گئی ہے۔

سورۂ فاتحہ اور معوذتین میں مناسبت: .... آخری چیز جو معوذتین کے بارے میں قابل توجہ ہے وہ قرآن کریم کے اول وآخر میں تناسب ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قرآن کی ایک نزولی ترتیب ہے کہ ۲۳ سال کی مدت میں مختلف واقعات اور حالات اور

ضروریات کے لحاظ سے آیات اور سورتیں اُترتی ہیں۔ مگر اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی رائے سے نہیں بلکہ قرآن نازل کرنے والے خدا کے حکم سے اس شکل میں مرتب فرمایا۔ جس میں ہم اب اس کو پاتے ہیں جسے ترتیب تدوینی کہا جاتا ہے۔ اس ترتیب کے لحاظ سے قرآن کا آغاز سورۂ فاتحہ سے ہوتا ہے اور اختتام سورۂ معوذتین پر ہے۔ اب ذرا دونوں پر نظر ڈالیے۔ ابتداء میں بندہ اللہ رب العلمین رحمٰن و رحیم مالک یوم الدین کی حمد ثنا کر کے عرض کرتا ہے کہ میں آپ ہی کی بندگی کرتا ہوں اور آپ ہی سے مدد چاہتا ہوں اور سب سے بڑی مدد یہ مطلوب ہے کہ مجھے سیدھا رستہ بتا دیجئے۔ جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدھا رستہ دکھانے کے لیے اسے پورا قرآن دیا جاتا ہے۔ اب اس کو ختم اس بات پر کیا جاتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے جو رب العلمین رب الناس ملک الناس الہ الناس ہے عرض کرتا ہے کہ میں ہر مخلوق کے ہر فتنہ اور شر سے محفوظ رہنے کے لیے آپ ہی کی پناہ لیتا ہوں اور خصوصیت کے ساتھ شیاطین جن وانس کے وسوسوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔ جو سیدھے راستہ کی پیروی میں سب سے بڑی رکاوٹ بنتے ہیں۔ اس آغاز کے ساتھ یہ اختتام جو مناسبت رکھتا ہے۔ وہ کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

حسد کا نقصان: .... حسد کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو اللہ نے جو نعمت یا فضیلت یا خوبی عطا کی ہے۔ اس پر کوئی دوسرا شخص جلے اور یہ چاہے کہ وہ اس سے سلب ہو کر حاسد کو مل جائے یا کم از کم یہ کہ اس سے ضرور چھن جائے۔ البتہ حسد کی تعریف میں یہ بات نہیں آتی کہ کوئی شخص یہ چاہے کہ جو فضل دوسرے کو ملا ہے۔ وہ مجھے بھی مل جائے۔ یہاں حاسد کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اس حالت میں مانگی گئی ہے جب کہ وہ حسد کرے۔ یعنی اپنے دل کی آگ بجھانے کے لیے کوئی اقدام کرے۔ کیونکہ جب تک وہ کوئی اقدام نہیں کرتا۔ اس وقت تک اس کا جلنا بجائے خود چاہے بُرا ہی مگر محسود کے لیے ایسا شر نہیں بنتا کہ اس سے پناہ مانگی جائے۔ اس کے ساتھ حاسد کے شر سے امان پانے کے لیے چند چیزیں اور بھی مددگار ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ انسان اللہ پر بھروسہ کرے اور یقین رکھے کہ جب تک اللہ نہ چاہے گا کوئی اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ دوسرے یہ کہ حاسدوں کی باتوں پر صبر کرے۔ بے صبرا ہو کر ایسی باتیں یا کارروائیاں نہ کرنے لگے۔ جن سے وہ خود بھی اخلاقی طور پر حاسد ہی کی سطح پر آ جائے۔ تیسرے یہ کہ حاسد اگرچہ خدا سے بے خوف اور خلق سے بے شرم ہو کر کیسی ہی بے ہودہ حرکتیں کرتا رہے۔ محسود بہرحال تقویٰ پر قائم رہے چوتھے یہ کہ اپنے دل کو اس فکر سے بالکل فارغ کر لے اور اس کو اس طرح نظر انداز کر دے کہ گویا وہ ہے ہی نہیں کیونکہ اس فکر میں پڑنا حاسد سے مغلوب ہونے کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ پانچویں یہ کہ حاسد کے ساتھ بدی سے پیش آنا تو درکنار جب کبھی ایسا موقعہ آئے کہ محسود اس کے ساتھ بھلائی اور احسان کا برتاؤ کر سکتا ہو تو ضرور ایسا ہی کرے۔ قطع نظر اس سے کہ حاسد کے دل کی چبھن محسود کے اس رویہ سے مٹتی ہے یا نہیں؟ چھٹے یہ کہ محسود توحید کے عقیدہ کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اس پر ثابت قدم رہے۔ کیونکہ جس دل میں توحید بسی ہوئی ہو اس کے دل میں خدا کے خوف کے ساتھ کسی اور کا خوف جگہ ہی نہیں پا سکتا۔ ساتویں یہ کہ محسود ہونے کو اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت سمجھ کر خوش ہو۔ حدیث میں ہے۔ اللھم اجعلنی محسودا ولا تجعلنی حاسدا۔ باقی یہ آرزو کرنا کہ ایسی نعمت مجھے بھی حاصل ہو جائے یا اس سے زائد مل جائے۔ جیسے فلاں کو ملی ہے۔ حسد میں داخل نہیں بلکہ غبطہ ہے۔ حدیث الا فی اثنین میں لفظ حسد سے مجاز اغبطہ مراد ہے۔ غبطہ محمود اور مطلوب ہے اور حسد مذموم اور متروک ہے۔

خلاصۂ کلام: .... اسلام کی دعوت شروع ہوتے ہی ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا بھڑوں کے چھتے ہاتھ میں ڈال دیا ہے۔ جوں جوں آپ کی دعوت پھیلتی گئی۔ مخالفین کی مخالفت بھی شدید ہوتی چلی گئی۔ جب تک انہیں یہ امید رہی کہ شاید کسی طرح کی سودے بازی کر کے یا بہلا پھسلا کر آپ کو اس کام سے باز رکھ سکیں گے۔ اس وقت تو کسی حد تک عناد کی شدت

میں کمی رہی۔ لیکن جب حضورؐ نے ان کو اس طرف سے بالکل مایوس کر دیا کہ آپ ان کے ساتھ دین کے معاملہ میں کوئی مصالحت کرنے پر آمادہ ہو سکیں گے۔ اور سورۂ کافرون میں صاف صاف کہہ دیا گیا کہ ہمارا تمہارا راستہ الگ الگ ہے۔ دونوں متضاد راستے ایک نہیں ہو سکتے۔ تو کفار کی دشمنی پورے عروج پر پہنچ گئی۔ خصوصیت سے جن خاندانوں کے مردوں، عورتوں، بچوں، بچیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے دلوں میں تو حضورؐ کے خلاف ہر وقت بھٹیاں سلگتی رہتی تھیں۔ گھر گھر آپ کو کوسا جارہا تھا۔ خفیہ مشورے کیے جارہے تھے۔ کہ کسی وقت رات کو چھپ کر آپ کو قتل کر دیا جائے۔ تاکہ آپ کے خاندان والوں کو قاتل کا پتہ نہ چل سکے۔ اور وہ بدلہ نہ لے سکیں۔ آپ کے خلاف جادوٹونے کئے جارہے تھے۔ تاکہ یا تو آپ وفات پا جائیں یا سخت بیمار پڑ جائیں یا دیوانے ہو جائیں۔ شیاطین جنس وانس ہر طرف پھیل گئے تھے۔ تاکہ عوام کے دلوں میں آپ کے خلاف اور آپ کے لائے ہوئے دین و قرآن کے خلاف کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑ دیں۔ جس سے لوگ شبہات ووساوس میں مبتلا ہو کر بدگمان ہو جائیں اور آپ سے دور بھاگنے لگیں۔ بہت سوں کے دلوں میں حسد کی آگ بھی جل رہی تھی کہ وہ اپنے یا اپنے قبیلہ کے کسی آدمی کے سوا دوسرے شخص کا چراغ نہ دیکھ سکتے تھے اور مکی زندگی سے گزر کر مدینہ طیبہ میں بھی آپ کو سکون وچین نصیب نہ ہوا۔ آئے دن مخالفتیں، لڑائیاں جاری رہیں۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو محرم ۷ھ میں خیبر سے یہودیوں کا ایک وفد مدینہ آیا اور ایک مشہور جادوگر لبید بن عاصم سے ملا۔ جو انصار کے قبیلہ بنی رزین سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ لوگ لبید سے کہنے لگے کہ محمدؐ نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا وہ تمہیں معلوم ہے۔ ہم نے ان پر جادو کرنے کی بہت کوشش کی۔ مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ اب ہم تمہارے پاس آئے ہیں۔ کیونکہ تم ہی ہم سے بڑے جادوگر ہو، لو یہ تین اشرفیاں لو۔ انہیں قبول کرو اور محمدؐ پر ایک زور کا جادو کردو۔ اس زمانہ میں حضورؐ کے یہاں ایک یہودی لڑکا خدمت گار تھا۔ اس سے ساز باز کر کے ان لوگوں نے حضورؐ کی کنگھی کا ایک ٹکڑا حاصل کیا۔ جس میں آپؐ کے مُوئے مبارک تھے۔ انہی بالوں اور کنگھی پر جادو کیا گیا۔ بعض روایات میں لبید کی بہنوں کا جادو کرنا آیا ہے جو اس سے زیادہ جادوگرنیاں تھیں۔ اس جادو کا اثر نبی کریم ﷺ پر ہوتے ہوتے پورا ایک سال لگا۔ دوسری ششماہی میں مزاج کے اندر کچھ تغیر محسوس ہونا شروع ہوا۔ آخر میں دن سخت اور آخری تین دن بہت سخت گزرے۔ مگر یہ اثر صرف ذات کی حد تک رہا۔ آپؐ کے نبوت کے کاموں میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔ ان حالات میں معوذتین کا نزول ہوا اور آپ کو پیش آمدہ حالات سے نبٹنے کے لیے اور اللہ اور اس کے اسماء وصفات کی پناہ طلبی کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ تمام تر بے سروسامانی کے باوجود انتہائی نامساعد حالات اور دشمنوں میں گھرے ہوئے بھی رب کائنات کی پناہ میں آجانے کو کافی سمجھ لینا۔ ظاہر ہے کہ یہ اولوالعزمی اور ثابت قدمی وہی شخص دکھلا سکتا ہے جس کو یقین ہو کہ اس رب کی طاقت سب سے بڑی طاقت ہے۔ اس کے مقابلہ میں ساری طاقتیں ہیچ ہیں اور اس کی پناہ جسے حاصل ہو جائے اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہی یہ بات کہہ سکتا ہے کہ میں کلمہ حق کے اعلان سے ہرگز نہیں ہٹوں گا۔ تم جو چاہو کرلو۔ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ کیونکہ میں ربِ کائنات کی پناہ لے چکا ہوں۔

فضائل سورت:..........عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقد انزلت علی سورتان ما انزل مثلھا وانک لن تقرء سورتین احب ولا ارضی عنداللہ منھما یعنی المعوذتین. حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر یہ دوسورتیں بے مثل اُتریں ہیں اور تم ان سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ سورت اللہ کے نزدیک کوئی اور سورتیں نہیں پڑھ سکو گے۔

لطائف سلوک:..........ومن شر النفثٰت. اس سے معلوم ہوا کہ اہل حق پر بھی اہل باطل کے اسباب طبیعہ کا اثر ہو سکتا ہے اور ایسی تاثیر حق وباطل کا معیار نہیں بن سکتی تھیں۔ لوگ اس کو کمال سمجھ کر دعویٰ کرنے لگتے ہیں اور مبتلائے وبال ہو جاتے ہیں۔

ومن شر حاسد. اس میں حسد کی قباحت نہایت واضح ہے۔

سُوْرَةُ النَّاسِ

سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ سِتُّ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ **قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ** (۱) خَالِقِهِمْ وَمَالِكِهِمْ خَصُّوْا بِالذِّكْرِ تَشْرِيْفًا لَهُمْ وَمُنَاسَبَةً لِلْاِسْتِعَاذَةِ مِنْ شَرِّ الْمُوَسْوِسِ فِيْ صُدُوْرِهِمْ **مَلِكِ النَّاسِ** (۲) **اِلٰهِ النَّاسِ** (۳) بَدَلَانِ اَوْ صِفَتَانِ اَوْ عَطْفَا بَيَانٍ وَّاَظْهَرَ الْمُضَافَ اِلَيْهِ فِيْهِمَا زِيَادَةً لِّلْبَيَانِ **مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ** الشَّيْطَانِ سُمِّيَ بِالْحَدَثِ لِكَثْرَةِ مُلَابَسَتِهِ لَهٗ **الْخَنَّاسِ** (۴) لِاَنَّهٗ يَخْنُسُ وَيَتَاَخَّرُ عَنِ الْقَلْبِ كُلَّمَا ذَكَرَ اللّٰهَ **الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ** (۵) قُلُوْبِهِمْ اِذَا غَفَلُوْا عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ **مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ** (۶) بَيَانٌ لِّلشَّيْطَانِ الْمُوَسْوِسِ اَنَّهٗ جِنِّيٌّ وَّاِنْسِيٌّ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى شَيَاطِيْنُ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ اَوْ مِنَ الْجِنَّةِ بَيَانٌ لَّهٗ وَالنَّاسُ عَطْفٌ عَلَى الْوَسْوَاسِ وَعَلٰى كُلٍّ يَشْمَلُ شَرَّ لَبِيْدٍ وَبَنَاتِهِ الْمَذْكُوْرِيْنَ وَاعْتُرِضَ الْاَوَّلُ بِاَنَّ النَّاسَ لَا يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِهِمُ النَّاسُ اِنَّمَا يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِهِمُ الْجِنُّ وَاُجِيْبَ بِاَنَّ النَّاسَ يُوَسْوِسُوْنَ اَيْضًا بِمَعْنًى يَلِيْقُ بِهِمْ فِي الظَّاهِرِ ثُمَّ تَصِلُ وَسْوَسَتُهُمْ اِلَى الْقَلْبِ وَتَثْبُتُ فِيْهِ بِالطَّرِيْقِ الْمُؤَدِّيْ اِلٰى وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

ع ۲۹

سورۂ ناس مکیہ ہے یا مدنیہ ہے۔ اس میں چھ آیات ہیں۔ **بسم الله الرحمٰن الرحیم**

ترجمہ: .... آپ کہئے، میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب (ان کے خالق و مالک سے انسانوں کی تخصیص ان کے شرف کی وجہ سے ہے اور دلوں میں وسوسے ڈالنے والے کے شر سے پناہ مانگنے کی مناسبت سے) انسانوں کے بادشاہ انسانوں کے معبودِ حقیقی کی (یہ دونوں الفاظ بدل یا صفت یا عطف بیان ہیں اور ان دونوں میں مضاف الیہ کا اظہار زیادہ وضاحت کے لیے ہے) اس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے (مراد شیطان ہے جس کا نام حدث ہے بکثرت وسوسہ اندازی کی وجہ سے) جو بار بار پلٹ کر آتا ہے (ذکر اللہ کے وقت دل سے ہٹ جاتا ہے اور پیچھے ہو جاتا ہے) جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے (ذکر اللہ سے غافل ہونے پر) خواہ وہ جن ہو یا آدمی (وسوسہ انداز شیطان کا بیان ہے کہ وہ جن ہو یا انسان، جیسے دوسری آیت میں ہے۔ **شیاطین الانس و الجن** یا صرف **من الجنة** بیان ہو۔ اور **الناس** کا **الوسواس** پر عطف ہے۔ بہر صورت یہ لبید اور اس کی لڑکیوں کو بھی شامل ہے۔ پہلی ترکیب پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے۔ انسانوں کے دلوں میں انسان وسوسہ نہیں ڈالتے۔ بلکہ جن وسوسہ اندازی کیا کرتے ہیں۔ لیکن جواب یہ ہے کہ انسان بھی وسوسہ اندازی کیا کرتے ہیں ایسے انداز سے جو ان کے مناسب ہو۔ پھر

وہ وسوسہ دلوں تک پہنچ کر جاگزیں ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم)

تحقیق وترکیب: .... سورۃ الناس۔ یہ بھی سورۂ فلق کی طرح مختلف فیہ ہے۔ لیکن واقعہ سحر پر نظر کی جائے جو ۷ھ میں پیش آیا۔ تو ان کا مدنی ہونا راجح معلوم ہوتا ہے۔ تفصیل اس کی پہلے گزر چکی ہے۔ قل اعوذ دونوں سورتوں میں یہ لفظ حذف ہمزہ اور اس کی حرکت لام پر منتقل کر کے بھی پڑھا گیا ہے۔ سورۂ کافرون واخلاص ومعوذتین کے شروع میں لفظ قل آنے کی وجہ سے عوام ان کو چاروں قل کہتے ہیں۔ سورۂ فلق کی طرح یہاں بھی اعوذ باللہ کی بجائے اللہ کی تین صفات کے ذریعہ استعاذہ کیا گیا ہے۔ ایک رب الناس، دوسرے ملک الناس، تیسرے الٰہ الناس. اللہ کے معنی فرضی معبود کے بھی آتے ہیں اور حقیقی معبود کے بھی۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ سورۂ فلق میں بدنی مضرتوں سے استعاذہ کیا گیا ہے۔ انسان کی طرف سے ہوں یا دوسرے مخلوق کی طرف سے۔ لیکن سورۂ ناس میں صرف انسانی نفوس کو جو مضرتیں عارضی ہوتی ہیں ان سے استعاذہ کیا گیا ہے۔

لہٰذا رب الفلق میں اضافت عام اور رب الناس میں اضافت خاص ہوگی۔ اور اللہ اگرچہ رب العالمین ہے۔ لیکن انسان کی تخصیص اس کے شرف کی وجہ سے ہے کہ جب اللہ انسانوں کا رب ہے تو دوسری مخلوق کا بدرجہ اولیٰ ہے۔ نیز جب وہ انسانی شرارت سے پناہ دے سکتا ہے۔ تو دوسری مخلوق کی شر سے بدرجہ اولیٰ پناہ دے گا۔ اور وسوسہ جن کے دلوں میں ہوتا ہے وہ بھی انسان ہیں۔ ان تینوں لفظوں کی ترتیب بڑی لطیف ہے۔ کہ اول اللہ کی ربوبیت، پھر اس کی بادشاہت پھر اس کی معبودیت کا ذکر کیا گیا۔

اور ملک الناس الٰہ الناس دونوں لفظ رب الناس سے عطف بیان بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ رب ممکن ہے بادشاہ نہ ہو اور بادشاہ ممکن ہے کہ معبود نہ ہو۔ اگرچہ اضافت ضمیر کی طرف ہو سکتی تھی۔ لیکن مزید بیان یا تعظیم کے لیے مضاف الیہ اسم ظاہر لایا گیا ہے اور بعض نے توجیہ کی ہے کہ رب الناس میں بچے اور ملک الناس بڑے آدمی مراد ہیں۔ کیونکہ بچے تربیت کے محتاج ہوتے ہیں اور بڑے وساوس میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور الٰہ الناس میں بوڑھے مراد ہیں۔ کیونکہ وہ مصروف عبادت رہتے ہیں۔ اس صورت میں لفظ الناس مکرر نہیں رہتا۔

من شر الوسواس الخناس. اس کا تعلق اعوذ سے ہے۔ سورۂ فلق میں مستعاذ منہ تین چیزیں تھیں اور مستعاذ ایک تھا۔ لیکن سورۂ ناس میں اس کے برعکس مستعاذ منہ ایک یعنی وسوسہ ہے اور مستعاذ تین صفات الٰہیہ ہیں۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ پچھلی سورت میں بدنی مضرات کا بیان تھا اور وہ متعدد ہیں اور اس سورت میں نفسانی مضرت کا بیان ہے۔ اور وہ ایک ہے۔ اور چونکہ بدن کی سلامتی کا پیش خیمہ اور وسیلہ ہے اس لیے اس کو مقدم کیا گیا ہے۔ وسواس اور وسوسہ، زلزال اور زلزلہ کی طرح دونوں مصادر ہیں۔ اگر فعلال کو اوزان مصدر میں مانا جائے۔ ورنہ اسم مصدر ہے۔ یا وسواس اور خناس کو مبالغہ کہا جائے۔ شیطان کو وسواس یا وسوسہ زید عدل کی طرح مبالغہ کے لیے کہا گیا ہے۔ یا مضاف محذوف مانا جائے۔ ای ذو الوسواس' الخناس، خنس کے معنی مٹنے اور لوٹنے کے ہیں۔

فی صدور الناس. جس طرح قوت واہمہ قوت عاقلہ کی معاون ہوتی ہے۔ اسی طرح وسوسہ شیطان کا مددگار ہے۔ انسان جب ذکر اللہ سے غافل ہوتا ہے تو شیطان موقعہ سے فائدہ اٹھا کر وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ یہ محل جر میں ہے صفت کی وجہ سے یا محل نصب ورفع میں ہے مذمت کے طور پر۔

من الجنة والناس. یہ وسواس کا بیان ہے یا الذی کا بیان ہے یا یوسوس سے متعلق ہے اور بعض نے اس کو الناس کا بیان کہا ہے۔ جب کہ الناس سے مراد عام ہو۔ انسان اور جنت دونوں شامل ہے۔ لیکن اس صورت میں تکلف کر کے کہنا پڑے گا۔ ناس بمعنی ناسی ہے۔ جیسے یوم یدع الداع میں داع بمعنی داعی ہے اور نسیان انسان اور جن دونوں کو ہوتا ہے۔ مفسر علام نے دوسری ترکیب یہ فرمائی۔ کہ من الجنة بیان قرار دیا جائے اور الناس کا عطف الوسواس پر کہا جائے۔ اس کے بعد پہلی ترکیب یعنی من الجنة والناس کو وسواس کا بیان قرار دینے پر یہ اعتراض کیا۔ کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ حالانکہ وسوسہ اندازی

شیطان کا کام ہے۔ پھر اس کا جواب دیا کہ انسان بھی وسوسہ کرسکتا ہے۔ اس طرح وسوسہ کے اسباب اختیار کرتا ہے۔ مثلاً: چغلخوری کرتا ہے۔ دوسرا اس چغلخوری کو سنتا ہے۔ جس سے دل میں وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پس گویا انسان ہی نے وسوسہ ڈالا ہے۔

ربط آیات وروایات:.............اس کی مفصل تقریر سورۂ فلق میں گزر چکی ہے۔

﴿ تشریح ﴾:.............**قل اعوذ الخ** الله کی شانِ ربُوبیت وحاکمیت وغیرہ اگرچہ تمام مخلوق کو شامل ہے لیکن ان صفات کا کامل ظہور انسانوں میں ہو رہا ہے۔ اس لیے ان تینوں صفات کی اضافت انسان کی طرف فرمائی گئی ہے۔ ان تین صفات کی ترتیب بھی نہایت دقیق ہے۔ عارف جب اپنے اردگرد ظاہری باطنی نعمتوں کو پائے گا تو سمجھ لے گا کہ اس کا کوئی رب ہے۔ جو اس کی ترتیب اعلیٰ درجہ کی کر رہا ہے۔ پھر جب نظر کو گہرا کرے گا تو اسے دکھائی دیگا کہ اللہ سارے عالم سے بے نیاز اور کلی اختیارات کا مالک ہے پھر اس لیے اس کی رہنمائی ہوگی کہ معبودِ حقیقی بھی وہی ہے۔ یہاں اختلافات صفات کو بمنزلہ اختلاف ذات قرار دے لیا ہے۔ تا کہ ان صفات کی بڑائی کا اندازہ ہو۔ حاصل یہ ہے کہ چونکہ وہی رب اور بادشاہ اور الٰہ ہے۔ اس لیے اس کے سوا کوئی اور ہے ہی نہیں جس سے میں پناہ مانگوں اور جو حقیقت میں پناہ دے بھی سکتا ہو۔

خناس کا انسان پر تسلط:.............**من شر الوسواس الخناس.** شیطان نظروں سے اوجھل رہ کر آدمی کو بہکاتا ہے چھپے ہوئے دشمن کی طرح گھات میں رہتا ہے۔ جب موقعہ لگتا ہے چوکتا نہیں ہے۔ جونہی ذکر اللہ سے غفلت ہوتی ہے۔ یہ اپنا تسلط قائم کر لیتا ہے۔ لیکن انسان جب غفلت سے بیدار ہو کر اللہ کی یاد کرتا ہے فوراً شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ وسوسہ کہتے ہیں غیر محسوس طریقہ پر کسی بُری بات کو دل میں ڈال دینے کو وسوسہ کے لفظ میں، خود بار بار کا مفہوم شامل ہے۔ جیسے زلزلہ حرکت کی تکرار کو کہتے ہیں۔ انسان چونکہ ایک دم بہکائے میں نہیں آتا۔ اس لیے شیطان مسلسل کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اس لیے ایسی کوشش کرنے والے کو وسواس کہا جائے گا۔ خناس، خنوس سے ہے ظاہر ہونے کے بعد چھپنا یا آنے کے بعد ہٹ جانا۔ خناس مبالغہ کا لفظ ہے جس میں بار بار کے معنیٰ ملحوظ ہیں۔ دونوں لفظوں کے ملانے سے یہ مفہوم نکلا کہ ایک دفعہ ناکامی سے وہ تھکتا نہیں ہے۔ بلکہ وہ برابر تگ ودو میں لگا رہتا ہے۔ اس سے پناہ مانگنے کا مطلب تو یہ ہے کہ کہیں دل میں وسوسہ ڈال کر اس کے شر میں مبتلا نہ کردے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف دعوت دینے والے کے خلاف جو شخص بھی لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالے اس کے شر سے داعی حق خدا کی پناہ مانگتا ہے۔ کیونکہ داعیٔ حق کے بس کی یہ بات نہیں کہ وہ دعوتِ حق کا کام بھی کرے اور ساتھ ساتھ لوگوں کے دلوں میں جو اس کے خلاف وسوسے ڈالے گئے ہیں۔ ان کے پیچھے پھرے۔ اور ایک ایک غلط فہمی کو دُور کرتا پھرے۔ اور یہ بھی مناسب ہے کہ اصل دعوتِ حق کا کام چھوڑ کر لوگوں کی پیدا کردہ غلط فہمیوں اور الزام تراشیوں کے ازالہ کی فکر کرتا پھرے اور یہ بات تو اس کے مقام سے نہایت فروتر ہے کہ جس سطح پر مخالفین اُترے ہوئے ہیں اسی پر خود بھی اُتر آئے۔ اس لیے **رب الناس ملك الناس اله الناس** کی پناہ میں آنے کی شدید ضرورت ہے۔

وسوسہ بدعملی کا نقطۂ آغاز ہے:.............وسوسہ دراصل بُرے عمل کا نقطۂ آغاز ہوتا ہے۔ کسی غافل یا خالی الذہن آدمی کے اندر جب یہ اثر انداز ہوتا ہے تو شروع میں بُرائی کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ پھر مزید وسوسہ اندازی اس بُری خواہش کو بُری نیت اور بڑے ارادے میں تبدیل کر دیتی ہے۔ پھر اس سے آگے جب وسوسہ کی تاثیر بڑھتی ہے تو ارادہ عزم بن جاتا ہے اور آخری قدم پھر عملِ شر ہے۔ اس لیے وسوسہ اندازی کے شر سے خدا کی پناہ مانگنے کا مطلب ہے کہ شر کا آغاز جس مقام سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مقام پر اس کا قلع

فرمادے۔ انسان کے دل میں وسوسہ اندازی صرف باہر ہی سے شیاطین جن وانس نہیں کرتے۔ بلکہ انداز سے خود انسان کا اپنا نفس بھی کرتا ہے۔ اس کے اپنے غلط نظریات اس کی عقل کو گمراہ کرتے ہیں اور باہر کے شیاطین بھی انسان کے اندر اس کے اپنے نفس کا شیطان بھی اس کو بہکاتا ہے۔ پھر جس قماش کا آدمی ہوتا ہے اس کے وساوس بھی اسی قماش کے ہیں۔ بدقماش لوگوں کو شیطان کفر وشرک کے وساوس میں مبتلا کرتا ہے۔ لیکن نیک لوگوں کے بارے میں اسے یقین ہوتا ہے کہ اس قسم کے وسوسوں کی دال یہاں نہیں گلے گی۔ انہیں نیکی کی راہ سے مارتا ہے۔ بدکردار لوگوں کو کھلے گناہ اور بدعات کی ترغیب دیتا ہے۔ بڑے گناہ نہیں تو چھوٹے گناہوں ہی میں انہیں پھانسنے کی کوشش کرتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اللہ غفور الرحیم ہے۔ اور منشاء یہ ہوتا ہے کہ اگر کثرت سے چھوٹے ہی گناہ سرزد ہو جائیں تو اسی بار سے انسان لد جائے گا۔ اس سے بھی آدمی بچ نکلے اور نیکی اختیار کرلے۔ تو پھر بدرجہ آخر یہی کوشش کرتا ہے کہ اس کی نیکی محدود رہے۔ دوسروں کو ترغیب نہ دے۔ لیکن اگر کوئی شخص ان تمام چالوں کو ناکام کردے تو پھر شیاطین کی پوری پارٹی ایسے آدمی پر پل پڑتی ہے۔ لوگوں کو اس کے خلاف اُکساتی بھڑکاتی ہے۔ اسے رُسوا اور بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وساوس کے اختیاری اور غیر اختیاری ہونے کی بحث سورۂ بقر کے آخر میں اور سورۂ قٓ کے پہلے رکوع کے آخر پر گزر چکی ہے۔

وساوس صرف انسان کو پیش آتے ہیں مگر وسوسہ انداز جنّات بھی ہوتے ہیں: .... **من الجنة والناس.** وساوس اگرچہ صرف انسان ہی کے دل میں آتے ہیں لیکن وسوسے ڈالنے والے جن بھی ہوتے ہیں اور انسان بھی۔ لیکن بعض اہلِ علم کہتے ہیں کہ انسان وجن دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا جاتا ہے۔ اس بات کو اگر تسلیم کرلیا جائے تو لفظ ناس انسان وجن دونوں پر بولا جائے گا۔ جیسا کہ رجال اور نفر اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔ لیکن اس رائے کے تسلیم کرنے میں اس لیے تامل ہے کہ انسان، انس، ناس تینوں الفاظ جن کے مقابل استعمال ہوتے ہیں۔ انسان، انس، ناس میں ظہور کے معنیٰ ہیں کہ جن میں ستر وخفا کے معنیٰ ہیں۔ چنانچہ جُنّہ، جنت، جنان، جان، جنون، جنایت سب میں یہی معنیٰ ملحوظ ہیں اس لیے اس تضاد کے ہوتے ہوئے انسان کا اطلاق جن پر کس طرح ہوسکتا ہے۔ اس لیے صحیح معنیٰ یہی ہوں گے کہ اس وسوسہ انداز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ جو انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔ دوسری آیت **وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیطین الانس والجن یوحی بعضهم الیٰ بعض زخرف القول غرورًا** سے اس معنیٰ کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ مسجد میں تشریف فرماتھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ ابوذرؓ! نماز پڑھ لی؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا کہ اٹھو نماز پڑھو۔ میں نماز پڑھ کر پھر حاضر ہوگیا۔ فرمایا۔ یا اباذر! تعوذ باللّٰه من شر شیاطین الانس والجن۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا انسانوں میں بھی شیاطین ہوتے ہیں فرمایا کہ ہاں!

معوذتین پر محققانہ کلام: .... معوذتین پر محقق علماء نے قیمتی موتی بکھیرے ہیں۔ لیکن شیخ کبیر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ العزیز نے اپنے ایک فارسی مکتوب پر جو بیش بہا مضمون سُپردِ قلم فرمایا ہے۔ فوائد عثمانی نے تبرکًا اس کی تخلیص پیش کی ہے۔ زمین کا جگر شق ہو کر دانہ سے جب کونپل پھوٹتی ہے تو فطرت کا مالی اس کی رکھوالی کرتا ہے اور حدِ کمال پر پہنچنے تک ہر طرح کی آفات سے اس کی دیکھ بھال کی جاتی ہے اور عمومًا وہ آفات چار قسم کی ہوتی ہیں۔

۱۔ موذی جانوروں سے حفاظت۔ ۲۔ درخت کی زندگی کے اسباب پانی، ہوا، دھوپ کی فراہمی۔ ۳۔ برف، اولہ وغیرہ آفات سماوی سے بچاؤ۔ ۴۔ مالکِ باغ کے دشمن اور حاسد سے حفاظت۔ ان چاروں چیزوں کی خاطر خواہ بندوبست کے بعد پودہ اور باغ کے بار آور

ہونے کی امید کی جاسکتی ہے۔اسی طرح اس چمنستانِ عالم کے حقیقی مالک ومربی سے ایمان کے پودہ کی حفاظت کے لیے چار آفتوں سے بچاؤ کی درخواست کرنی چاہئے۔ پہلی آفت شرِ مخلوق ہے یعنی مخلوق کے طبعی اور فطری شر سے جو اس کی طبیعت میں اسی طرح ودیعت ہے۔ جیسے سانپ بچھو وغیرہ سباع و بہائم میں خلقی طور پر ہوتا ہے اور یہ نکتہ شر کی اضافت سے سمجھ میں آرہا ہے۔ دوسری آفت شرِ غاسق ہے۔ جب رات اندھیری ہوجائے یا آفتاب غروب ہوجائے۔ یا چاند گرہن میں آجائے۔ یعنی ان چیزوں کے فوائد سے ہم محروم ہوجائیں جو ان کے ظہور کے وقت ہمیں حاصل تھے اب وہ ہاتھ نہ آئیں۔ گویا یہ چیزیں پانی، ہوا، دھوپ کی طرح اسبابِ زندگی کے درجہ میں تھیں۔ان کا فقدان ظاہر ہے کہ پیغام موت ہوگا۔ تیسری آفت شرِ نفاثات ہے۔ جس سے مراد ساحرانہ اعمال ہیں۔ظاہر ہے کہ سحر کے اثر سے مسحور کو ایسے عوارض پیش آجاتے ہیں۔ جن سے طبیعت کے اصلی آثار مغلوب ہوکر دب جائیں۔ یہ آفت ایسی ہے جیسے درخت کے لیے اولہ اور برف باری کی آفت۔ چنانچہ سحر کاری کی وجہ سے حضورؐ کے طبعی افعال متاثر ہوگئے تھے۔ جب اس آفت کا ازالہ ہوگیا تو **فقام علیه الصلوٰة والسلام کا نما انشط من عقال**. چوتھی آفت شرِ حاسد ہے یعنی عداوت وحسد کی آگ ایمان کے پودا کو بھسم کرڈالے۔ آفات کی اس تفصیل میں اگر کچھ کمی ہے تو صرف اتنی کہ کبھی بیج کو ان چاروں آفات میں سے کسی کا سامنا کرنا نہیں پڑتا۔ البتہ روئیدگی سے پہلے ہی کچھ چیونٹیاں اس بیج کے اندر سے وہ خاص جوہر چوس لیتی ہیں۔ جس سے بیج کی روئیدگی ہوتی ہے یا اندر ہی اندر گھن لگ کر بیج کھوکھلا ہوجاتا ہے اور بالیدگی کے لائق نہیں رہتا۔ شاید اسی سرسری کمی کے لیے سورۂ ناس میں **الوسواس الخناس** کے شر سے پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی ہے۔ کیونکہ وساوس انہی فاسد خطرات کا نام ہے۔ جو ظاہر ہوکر بلکہ اندرونی طور پر ایمان میں رخنہ ڈالتے ہیں اور چونکہ وساوس کا مقابلہ ایمان سے ہے اس لیے وساوس کے دفعیہ کے لیے اللہ کی انہی صفات سے تمسک کرنے کی ضرورت ہوگی جو مبادی ایمان گنے جاتے ہیں اور جن سے ایمان کو مدد پہنچتی ہے۔ تجربہ یہ بتلاتا ہے کہ سب سے پہلے ایمان (تسلیم وانقیاد) کا نشوونما اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت ہی کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے۔ پھر جب ہم اس کی ربوبیتِ مطلقہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اللہ مالک الملک اور احکم الحاکمین بھی ہے۔ کیونکہ جسمانی روحانی تربیت وہی ذات کرسکتی ہے جو منبع الکمالات ہو اور دنیا کی کوئی چیز بھی اس کے قبضہ قدرت سے باہر نہ ہو۔ پھر ذرا آگے بڑھتے ہیں تو ہمیں اس کے مالکِ مطلق ہونے سے اس کی الٰہیت و معبودیت کا سراغ ملتا ہے۔ غرض سب سے اول جو صفت ایمان کا مبداء بنتی ہے وہ ربوبیت ہے اس کے بعد اس کی مالکیت اور سب کے بعد الوہیت کا مرتبہ ہے۔ پس جو شخص شیطانی وساوس سے اپنے ایمان کو بچانے کے لیے اللہ کے دامن میں پناہ چاہے گا۔ اسے درجہ بدرجہ انہی منزلوں سے گزرنا ہوگا اور عجیب بات ہے کہ جس طرح مستعاذ بہ کی جانب یہاں تین صفات بغیر عطف اور بغیر اعادہ جار کے ذکر کی گئی ہیں۔ اسی طرح مستعاذ منہ کی جانب تین چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ جو صفت در صفت کی صورت میں ہیں۔

فضائل سُورت:............ **عن النبی صلی الله علیه وسلم من قرء المعوذتین فکانما قرء الکتب التی انزل الله.** جو شخص معوذتین پڑھے گا گویا اس نے پچھلی سب کتابیں پڑھ لی ہیں۔

لطائف سُلوک:............ **من شر الوسواس الخناس**. حدیث میں ہے کہ شیطان ذکر اللہ سے غفلت کے وقت وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ لیکن ذکر کے وقت پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ غفلت کا علاج ذکر ہے۔ **من الجنة والناس**. اس سے معلوم ہوا کہ وساوس تو انسان کو پیش آتے ہیں۔ مگر وسوسہ ڈالنے والے شیطان اور انسان دونوں ہوسکتے ہیں۔